ابنِ صفی

جلد نمبر
1

جاسوسی دنیا

1- دلیر مجرم
2- خوفناک جنگل
3- عورت فروش کا قاتل
4- تجوری کا راز

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 1

1 دلیر مجرم

2 خوفناک جنگل

3 عورت فروش کا قاتل

4 تجوری کا راز

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔فون : 7321970 - 7357022

دیباچہ

"دلیر مجرم" دوبارہ پیش کرتے وقت خیال ہوا کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں، لیکن میری علالت نے باز رکھا اور پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ اس ناول میں آج تبدیلیاں کرنا جو ۵۲ء میں لکھا گیا ہو بالکل ایسا ہوگا جیسے کوئی بالغ آدمی اپنے بچپن کی تصویر میں ڈاڑھی اور مونچھوں کا اضافہ کردے۔

لہٰذا یہ ناول جوں کا توں اپنی اصلی حالت میں پیش کیا جارہا ہے۔ یہ اس زمانے کی کہانی ہے جب میاں حمید محبوباؤں کے لئے بڑی سنجیدگی سے دوچار آنسو بھی بہالیا کرتے تھے اور کسی حد تک افلاطونی عشق کے بھی قائل تھے۔ بہرحال وہ اتنے اسمارٹ نہیں تھے جتنے آج کل نظر آتے ہیں! فریدی کی شخصیت میں بھی تھوڑا کچا پن تھا لیکن اس کے باوجود بھی وہ آپ کو اس پوری کہانی پر چھایا ہوا نظر آئے گا۔

ابن صفی

عجیب و غریب قتل

"مجھے جانا ہی پڑے گا مامی"۔ ڈاکٹر شوکت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اوور کوٹ کی دوسری آستین میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ایشور تمہاری رکشا کرے اور اس کے سوا میں کہہ ہی کیا سکتی ہوں۔" بوڑھی سیتا دیوی بولیں۔ "لیکن سر میں اچھی طرح مفلر لپیٹ لو..... سردی بہت ہے۔"

"مامی.....!" ڈاکٹر شوکت بچگانے انداز میں بولا۔ "آپ تو مجھے بچہ ہی بنائے دے رہی ہیں..... مفلر سر میں لپیٹ لوں..... ہاہاہا.....!"

"اچھا بوڑھے میاں! جو تمہارا جی چاہے کرو۔" سیتا دیوی منہ پھیلا کر بولیں۔ "مگر میں کہتی ہوں یہ کیسا کام ہوگیا..... نہ دن چین نہ رات چین۔ آج آپریشن کل آپریشن۔"

"میں اپنی اچھی مامی کو کس طرح سمجھاؤں کہ ڈاکٹر خود آرام کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے ہوتا ہے۔"

"میں نے تو آج خاص طور سے تمہارے لئے میکرونی تیار کرائی تھی کیا رات کا کھانا بھی شہر ہی میں کھاؤ گے۔" سیتا دیوی بولیں۔

"کیا کروں مجبوری ہے..... اس وقت سات بج رہے ہیں۔ نو بجے رات کو آپریشن ہوگا۔ کیس ذرا نازک ہے..... ابھی جا کر تیاری کرنی ہوگی..... اچھا خدا حافظ۔"

ڈاکٹر شوکت اپنی چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ سول ہسپتال میں اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ دماغ کے آپریشن کا ماہر ہونے کی

حیثیت سے اس کی شہرت دور دور تک تھی۔ حالانکہ ابھی اس کی عمر کچھ ایسی نہ تھی وہ چوبیس پچیس برس کا ایک خوبصورت اور وجیہہ نوجوان تھا۔ اپنی عادات و اطوار اور سلیقہ مندی کی بناء پر وہ سوسائٹی میں عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ قربانی کا جذبہ تو اس کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔ آج کا آپریشن وہ کل پر بھی ٹال سکتا تھا لیکن اس کے ضمیر نے گوارہ نہ کیا۔

سیتا دیوی اکثر اس کی بھاگ دوڑ پر جھلا بھی جایا کرتی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے بیٹے کی طرح پالا تھا۔ وہ ہندو دھرم کو ماننے والی ایک بلند کردار خاتون تھیں انہوں نے اپنی دم توڑتی ہوئی سہیلی جعفری خانم سے جو وعدہ کیا تھا اسے وہ آج تک نبھائے جا رہی تھی۔ انہوں نے ان کے بیٹے کو ان کی وصیت کے مطابق ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم دلا کر اس قابل کر دیا تھا۔ وہ آج سارے ملک میں اچھی خاصی شہرت رکھتا تھا۔ اگرچہ شوکت کی والدہ اس کی تعلیم کے لئے معقول رقم چھوڑ کر مری تھیں۔ لیکن کسی دوسرے کے بچے کو پالنا آسان کام نہیں اور پھر بچہ بھی ایسا جس کا تعلق غیر مذہب سے ہو۔ اگر وہ چاہتی تو اسے اپنے مذہب پر چلا سکتی تھیں لیکن ان کی نیک نیتی نے اسے گوارہ نہ کیا۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اس کی دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نوجوان ہونے پر بھی شوکت علی ہی رہا۔ سیتا دیوی کے برادری کے لوگوں نے ایک مسلمان کے ساتھ رہنے کی بناء پر ان کا بائیکاٹ کر رکھا تھا مگر وہ اپنے مذہب کی پوری طرح پابند تھیں اور شوکت کو اس کے مذہبی احکام کی تعمیل کے لئے مجبور کرتی رہتی تھیں۔ وہ ڈاکٹر شوکت اور ایک ملازمہ کے ساتھ نشاط نگر نامی قصبہ میں رہ رہی تھیں۔ جو شہر سے پانچ میل کی دوری پر واقع تھا۔ یہ ان کی اپنی ذاتی کوٹھی تھی۔ وہ جوانی ہی میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ ان کے شوہر اچھی خاصی جائیداد کے مالک تھے جو کسی قریبی عزیز کے نہ ہونے کی بناء پر پوری کی پوری انہیں کے حصے میں آئی تھی۔

ڈاکٹر شوکت کے چلے جانے کے بعد انہوں نے ملازمہ سے کہا۔ ''میرے کمرے میں قندیل مت جلانا۔ میں آج شوکت ہی کے کمرے میں سوؤں گی۔ وہ آج رات بھر تھکتا رہے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ جب وہ صبح کو آئے تو اپنے بستر کو برف کی طرح ٹھنڈا اور یخ پائے۔ جاؤ

جا کر اس کا بستر بچھا دو۔''

نوجوان خادمہ انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ آج پہلی بار اس نے انہیں اس قسم کی گفتگو کرتے سنا تھا۔ جو پر معنی بھی تھی اور مضحکہ خیز بھی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ پھر اسے ایک ماتا بھرے دل کی جھلک سمجھ کر خاموش ہو رہی۔

''کیا سوچ رہی ہو۔'' سیتا دیوی بولیں۔

''تو کیا آج رات ہم تنہا رہیں گے؟'' خادمہ اپنی آواز دھیمی کر کے بولی۔ ''وہ شخص آج پھر آیا تھا۔''

''کون شخص.....؟''

''میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے لیکن میں نے کل رات کو بھی اس کو باغ میں چھپ چھپ کر چلتے دیکھا تھا۔ کل تو میں سمجھتی تھی کہ شاید وہ کوئی راستہ بھولا ہوا راگیر ہوگا۔ مگر آج چھ بجے کے قریب وہ پھر دکھائی دیا تھا۔''

''اچھا.....!'' سیتا دیوی سوچ کر بولیں۔ ''وہ شاید ہماری مرغیوں کی تاک میں ہے۔ میں صبح ہی تھانے کے دیوان سے کہوں گی۔''

سیتا دیوی نے یہ کہہ کر اس کو اطمینان دلا دیا۔ لیکن خود الجھن میں پڑ گئیں۔ آخر یہ پراسرار آدمی ان کی کوٹھی کے گرد کیوں منڈلاتا رہتا ہے۔ انہیں اپنے مذہبی ٹھیکیداروں کی دھمکی اچھی طرح یاد تھی۔ لیکن اتنے عرصے کے بعد ان کی طرف سے بھی کوئی خطرناک اقدام کوئی خاص معنی نہ رکھتا تھا۔ اس قسم کی نہ جانے کتنی گتھیاں ان کے ذہن میں رینگتی تھیں۔ آخر کار تھک ہار کر تسکین قلب کے لئے انہیں اپنے پہلے ہی خیال کی طرف لوٹ آنا پڑا۔ یعنی وہ شخص وہ کوئی معمولی چور تھا جسے ان کی مرغیاں پسند آ گئی تھیں۔ جیسے ہی تھانے کے گھنٹے نے دس بجائے وہ سونے کے لئے ڈاکٹر شوکت کے کمرے میں چلی گئیں، انہوں نے رات کھانا بھی نہیں کھایا۔

خادمہ ان کی افتاد طبع سے واقف تھی۔ اس لئے اس نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی سونے کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ لیٹنے ہی والی تھی کہ اس نے صدر دروازے

کو دھماکے کے ساتھ بند ہوتے سنا۔ اسے خیال پیدا ہوا کہ ڈاکٹر شوکت خلاف توقع واپس آ گیا ہے۔ وہ برآمدے میں نکل آئی۔ باغ میں سیتا دیوی کی غصیلی آواز سنائی دی۔ وہ کسی مرد سے تیز لہجے میں بات کر رہی تھیں۔ وہ حیرت سے سننے لگی۔ وہ ابھی باہر جانے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ سیتا دیوی بڑبڑاتی ہوئی آتی دکھائی دیں۔

''تم.....!'' وہ بولیں۔ ''ارے لڑکی تو کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑی ہے۔ اس سردی میں بغیر کمبل اوڑھے باہر نکل آئی ہے..... نہ جانے کیسی ہیں آج کل کی لڑکیاں۔''

''کون تھا.....!'' خادمہ نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہی آدمی تو نہیں تھا۔'' خادمہ نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

''نہیں وہ نہیں تھا۔ سردی بہت ہے۔ صبح بتاؤں گی..... اچھا اب جاؤ۔''

خادمہ متحیر ہوتی ہوئی چلی گئی۔ ہر چند کہ اس واقعہ کی کوئی اہمیت نہ رہی ہو لیکن یہ اسے حد درجہ پراسرار معلوم ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خراٹے لینے لگی۔

دوسرے دن صبح آٹھ بجے جب ڈاکٹر شوکت واپس آیا تو اس نے ملازمہ کو حد درجہ پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں پایا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ سیتا دیوی خلاف معمول ابھی سو رہی ہیں۔ حالانکہ ان کا روزانہ کا معمول تھا کہ صبح تقریباً پانچ ہی بجے سے اٹھ کر پوجا پاٹھ کے انتظام میں مشغول ہو جایا کرتی تھیں۔ شوکت کو بھی اس واقعہ سے تشویش ہو گئی۔ لیکن اس نے پھر سوچا کہ شاید رات میں زیادہ دیر تک جاگی ہوں گی۔ اس نے ملازمہ کو اطمینان دلا کر ناشتہ لانے کو کہا۔ نو بج گئے لیکن سیتا دیوی نہ اٹھیں۔ اب شوکت کی پریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ پیٹنا شروع کیا..... لیکن بے سود..... اندر سے کوئی جواب نہ ملا تھا۔ ہار کر اس نے ایک بڑھئی بلوایا۔

دروازہ ٹوٹتے ہی اس کی چیخ نکل گئی۔

سیتا دیوی سر سے پاؤں تک کمبل اوڑھے چت لیٹی ہوئی تھی اور ان کے سینے میں ایک خنجر اس طرح پیوست تھا کہ صرف ایک دستہ نظر آ رہا تھا۔ بستر خون سے تر تھا۔

ڈاکٹر شوکت ایک مضبوط دل کا آدمی ہوتے ہوئے بھی تھوڑی دیر کے لئے بیہوش سا ہو گیا۔ ہوش آتے ہی وہ بچوں کی طرح سسکیاں لیتا ہوا زمین پر گر پڑا۔

انسپکٹر فریدی

سارے گھر میں ایک عجیب سی ماتمی فضا طاری تھی۔ قصبہ کے تھانے پر اطلاع ہو گئی تھی اور اس وقت ایک سب انسپکٹر اور دو ہیڈ کانسٹیبل مقتولہ کے کمرے کے سامنے بیٹھے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ خادمہ کے بیان پر انہوں نے اپنی تشویش کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے تھے۔ ان کے خیال میں وہی پراسرار آدمی قاتل تھا جو رات کو باغ میں ٹہلتا ہوا پایا گیا تھا اور سیتا دیوی رات میں اسی سے جھگڑا کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر شوکت ان کی بحثوں سے قطعی غیر مطمئن تھا جیسے جیسے وہ اپنی تجربہ کاری کا اظہار کر رہے تھے اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ویسے بھی وہ اپنے قصبہ کی پولیس کو ناکارہ سمجھتا تھا۔ اسی لئے اس نے محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی کو ایک نجی خط لکھ کر بلوایا تھا اور اس کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی ان چند انسپکٹروں میں تھا جو بہت ہی اہم کاموں کے لئے وقف تھے لیکن ذاتی تعلقات کی بناء پر ڈاکٹر شوکت کو پورا یقین تھا کہ اسے یہ کیس سرکاری طور پر نہ بھی سونپا گیا تو وہ نجی طور پر اسے اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد انسپکٹر فریدی بھی اپنے اسسٹنٹ سرجنٹ حمید کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ انسپکٹر فریدی تیس بتیس سال کا ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی کے نیچے دو بڑی بڑی خواب آلود آنکھیں اس کی ذہانت اور تدبر کی آئینہ دار تھیں۔ اس کے لباس کے رکھ رکھاؤ اور تازہ شیو سے معلوم ہو رہا تھا وہ ایک بااصول اور سلیقہ مند آدمی ہے۔ سرجنٹ حمید کے خدوخال میں قدرے زنانہ پن کی جھلک تھی۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بے جا نازبرداریوں اور اپنے حسن کی نمائش کا عادی ہے۔ اس نے کوئی بہت ہی تیز خوشبو والا سینٹ لگا

رکھا تھا۔ اس کی عمر چوبیس سال سے زیادہ نہ تھی لیکن اس چھوٹی سی عمر میں بھی وہ بلا کا ذہین تھا۔

اسی ذہانت کی بناء پر انسپکٹر فریدی کے تعلقات اس سے دوستانہ تھے۔ دونوں کی آپس کی گفتگو سے افسری یا ماتحتی کا پتہ لگانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔

تھانے کے سب انسپکٹر اور دیوان ان کی غیر متوقع آمد سے گھبرا سے گئے کیونکہ انہیں ان کے آنے کی اطلاع نہ تھی۔ انہیں ان کی غیر ضروری آمد کچھ ناگوار سی گذری۔

''ڈاکٹر شوکت.....!'' فریدی نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اس نقصان کی تلافی ناممکن ہے البتہ رسمی طور پر میں اپنے غم کا اظہار ضرور کروں گا۔''

''انسپکٹر آج میری ماں مرگئی۔'' شوکت کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

''صبر کرو..... تمہیں ایک مضبوط دل کا آدمی ہونا چاہئے۔'' فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے جواب دیا۔

''کہئے داروغہ جی کچھ سراغ ملا۔'' اس نے سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔

''ارے صاحب! ہم بیچارے بھلا سراغ لگانا کیا جانیں۔'' سب انسپکٹر طنزیہ انداز میں بولا۔

فریدی نے جواب کی تلخی محسوس ضرور کی لیکن وہ صرف مسکرا کر خاموش ہوگیا۔

''شوکت صاحب! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں آج کل چھٹی پر ہوں۔'' فریدی بولا۔ ''اور پھر دوسری بات یہ کہ عموماً قتل کے کیس اس وقت ہمارے پاس آتے ہیں جب سول پولیس تفتیش میں ناکام رہتی ہے۔''

تھانے کے انسپکٹر کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

انسپکٹر فریدی نے اس تغیر کو محسوس کرلیا اور اپنے مخصوص دل آزار اور شرارت آمیز لہجہ میں بولا۔ ''لیکن میں ذاتی تعلقات کی بناء پر نجی طور پر اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں گا۔'' تھانے کے سب انسپکٹر کی آنکھوں کی چمک دفعتاً اس طرح غائب ہوگئی جیسے سورج کا چہرہ سیاہ بادل ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس کا منہ لٹک گیا۔

فریدی نے واقعات سننے کے بعد خادمہ کا بیان لینے کی خواہش ظاہر کی۔ خادمہ نے

شروع سے آخر تک رات کے سارے واقعات دہرا دیئے۔

''کیا تم بتا سکتی ہو کہ رات میں تم نے ان واقعات کے بعد بھی کوئی آواز سنی تھی۔''

''جی نہیں..... سوائے اس کے کہ وہ دیوی جی کے بڑبڑانے کی آواز تھی۔ وہ اکثر سوتے وقت بڑبڑایا کرتی تھیں۔''

''ہوں..... کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ کیا بڑبڑا رہی تھیں۔''

''کچھ بے ربط باتیں تھیں۔ ٹھہرئیے یاد کر کے بتاتی ہوں۔ ہاں ٹھیک یاد آیا..... وہ راج روپ نگر..... راج روپ نگر چلا رہی تھیں۔ میں نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ میں ان کی عادت سے واقف تھی۔''

''راج روپ نگر.....!'' فریدی نے دھیرے سے دہرایا اور کچھ سوچنے لگا۔

''حمید..... تم نے اس سے پہلے بھی یہ نام سنا ہے؟''

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ڈاکٹر شوکت تم نے۔''

''میں نے تو آج تک نہیں سنا۔''

''کیا سیتا دیوی نے بھی یہ نام کبھی نہیں لیا۔''

''میری یادداشت میں تو نہیں۔'' ڈاکٹر شوکت نے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں..... اچھا.....!'' فریدی نے کہا۔ ''اب میں ذرا لاش کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ سب لوگ اس کمرے میں آئے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ چارپائی کے سرہانے والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس میں سلاخیں نہیں تھیں۔ انسپکٹر فریدی دیر تک لاش کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر اس نے وہ چھرا سب انسپکٹر کی اجازت سے مقتولہ کے سینے سے کھینچ لیا اور اس کے دستوں پر انگلیوں کے نشانات ڈھونڈنے لگا۔

پھر کھڑکی کی طرف گیا اور جھک کر نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ کھڑکی سے تین فٹ نیچے تقریباً ایک فٹ چوڑی کارنس تھی جس سے ایک بانس کی سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ کھڑکی پر پڑی ہوئی

گرد کی تہہ کئی جگہ سے صاف تھی اور ایک جگہ ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے نشان۔ ''یہ تو صاف ظاہر ہے کہ قاتل اس کھڑکی سے داخل ہوا۔'' فریدی نے کہا۔

''یہ تو اتنا صاف ہے کہ گھر کی خادمہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔'' تھانے کے سب انسپکٹر نے مضحکہ اڑانے کے انداز میں کہا۔

فریدی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے خنجر کا جائزہ لینے لگا۔

''قاتل نے دستانے پہن رکھے تھے اور وہ ایک مشاق خنجر باز معلوم ہوتا ہے۔'' انسپکٹر فریدی بولا۔ ''اور وہ ایک غیر معمولی طاقتور انسان ہے..... داروغہ جی اس خنجر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔''

''خنجر..... جی ہاں یہ بھی بہت مضبوط معلوم ہوتا ہے۔'' سب انسپکٹر مسکرا کر بولا۔

''جی نہیں میں اس کی ساخت کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''اس کی ساخت کے بارے میں صرف لوہار ہی بتا سکتے ہیں۔''

''جی نہیں..... میں بھی بتا سکتا ہوں۔ اس قسم کے خنجر نیپال کے علاوہ اور کہیں نہیں بنتے۔''

''نیپال.....!'' ڈاکٹر شوکت تحیر آمیز لہجہ میں بولا اور بے تابانہ انداز میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''کیوں..... کیا بات ہے۔'' فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

''کوئی بات نہیں۔'' شوکت نے خود پر قابو حاصل کرتے ہوئے کہا۔

''خیر ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس قسم کے خنجر سوائے نیپال کے اور کہیں نہیں بنائے جاتے اور ڈاکٹر میں تم سے کہوں گا کہ.....!'' ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ایک کانسٹیبل نے آ کر اطلاع دی کہ اس شخص کا پتہ لگ گیا ہے جس سے کل رات سیتا دیوی کا جھگڑا ہوا تھا۔

سب لوگ بے تابانہ انداز میں دروازے کی طرف بڑھے۔ باہر ایک باوردی کانسٹیبل کھڑا تھا۔ آنے والے کانسٹیبل نے بتایا رات سیتا دیوی اسی سے جھگڑ رہی تھی۔ وہ رات اس طرف سے گزر رہا تھا کہ سیتا دیوی نے اسے پکارا۔ اسے جلدی تھی کیونکہ وہ گشت پر جا رہا تھا۔ لیکن وہ

پھر بھی چلا آیا۔ سیتا دیوی نے اسے بتایا کہ کوئی آدمی ان کی مرغیوں کی تاک میں ہے اور اس سے ادھر کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ اس نے جواب دیا کہ پولیس مرغیاں تاکنے کے لئے نہیں ہے اور پھر وہ دوسری چوکی کا کانسٹیبل ہے، اسی پر بات بڑھ گئی اور جھگڑا ہونے لگا۔

تھانے کا داروغہ اسے الگ لے جا کر اس سے پوچھ گچھ کرنے لگا اور فریدی نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''ہاں تو ڈاکٹر میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ یہ خنجر دراصل تمہارے سینے میں ہونا چاہئے تھا۔ سیتا دیوی دھوکے میں قتل ہو گئیں اور جب قاتل کو اپنی غلطی کا علم ہوگا تو وہ پھر تمہارے پیچھے پڑ جائے گا۔ اب پھر اسی کمرے میں چل کر میں اس کی تشریح کروں گا۔''

اس انکشاف پر سب کے سب بوکھلا گئے۔ شوکت گھبراہٹ میں جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ داروغہ جی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور سرجنٹ حمید انہیں مضحکہ خیز انداز میں گھور رہا تھا۔

سب لوگ پھر لاش والے کمرے میں واپس آئے۔ انسپکٹر فریدی کھڑکی کی کارنس پر اتر گیا اور اس لائن کے سارے کمروں کی کھڑکیوں کا جائزہ لیتا ہوا لوٹ آیا۔

اب معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا کہ سیتا دیوی ڈاکٹر ہی کے دھوکے میں قتل ہوئی ہیں۔ اگر قاتل سیتا دیوی کو قتل کرنا چاہتا تھا تو اسے یہ کیا معلوم کہ سیتا دیوی شوکت کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ اگر وہ تلاش کرتا ہوا اس کمرے تک پہنچا تھا تو دوسری کھڑکیوں پر بھی اس قسم کے نشانات ہو سکتے تھے جیسے کہ اس کھڑکی پر ملے ہیں اور پھر سیتا دیوی کے قتل کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی وہ ان کی جائیداد۔ اگر ان کا ترکہ ان کے کسی عزیز کو پہنچتا ہوتا تو وہ انہیں اب سے دس برس قبل ہی قتل کر دیتا یا کرا دیتا۔ جبکہ انہوں نے اپنی جائیداد دھرم شالہ کے نام وقف کرنے کا صرف ارادہ ہی کیا تھا۔ اب جبکہ دس سال گزر چکے ہیں اور جائیداد کے متعلق پوری قانونی وصیت محفوظ ہے ان کے قتل کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی اگر قاتل چوری کی نیت سے اتفاقاً اس کمرے میں داخل ہوا جس میں وہ سو رہی تھیں تو کیا وجہ ہے کہ کوئی چیز چوری نہیں کی گئی۔

''ممکن ہے کہ اس کمرے میں اس کے داخل ہوتے ہی مقتولہ جاگ اٹھی ہو اور وہ پکڑے

جانے کے خوف سے اسے قتل کر کے کچھ چرائے بغیر ہی بھاگ کھڑا ہوا۔" داروغہ جی نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا۔

"مائی ڈیئر.....!" فریدی جوش میں بولا۔ "لیکن میں ثابت کر سکتا ہوں کہ قاتل حملہ کے بعد کافی دیر تک اس کمرے میں ٹھہرا ہے۔"

سب انسپکٹر کے چہرے پر تمسخر آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور سرجنٹ حمید اسے دانت پیس کر گھورنے لگا۔

انسپکٹر فریدی نے نہایت سکون کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ "جس وقت شوکت نے مقتولہ کو دیکھا وہ سر سے پیر تک کمبل اوڑھے ہوئی تھی ظاہر ہے کہ اس سے پہلے کوئی کمرے میں داخل بھی نہ ہوسکتا تھا کیونکہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ لہٰذا لاش پر پہلے شوکت ہی کی نظر پڑی۔ اس لئے کسی اور کے منہ ڈھانکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب ذرا لاش کے قریب آیئے..... داروغہ جی میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھئے مقتولہ کا نچلا ہونٹ اس کے دانتوں میں دب کر رہ گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل نے ایک ہاتھ سے مقتولہ کا منہ دبایا تھا اور دوسرے ہاتھ سے وار کیا تھا۔ پھر فوراً ہی منہ دبائے ہوئے اس کے پیروں پر بیٹھ گیا تھا تا کہ وہ جنبش نہ کر سکے اور وہ اس حالت میں اس وقت تک رہا جب تک کہ مقتولہ نے دم نہ توڑ دیا۔ ہونٹ کا دانتوں مین دبا ہونا ظاہر کر رہا ہے کہ وہ تکلیف کی شدت میں صرف اتنا کر سکی کہ اس نے دانتوں میں ہونٹ لیا لیکن قاتل کے ہاتھ کے دباؤ کی وجہ سے ہونٹ پھر اپنی اصلی حالت پر نہ آسکا اور اسی حالت میں لاش ٹھنڈی ہوگئی۔ قاتل کو اپنے مقصد کی کامیابی پر اتنا یقین تھا کہ اس نے کمبل الٹ کر اپنے شکار کا چہرہ تک دیکھنے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ ممکن ہے کہ اس نے بعد میں منہ کھول کر دیکھا بھی ہو مگر نہیں اگر ایسا کرتا تو پھر دوبارہ ڈھانک دینے کی کوئی ایسی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ خودکشی کا کیس ہو۔" سب انسپکٹر نے پھر اپنی قابلیت کا اظہار کیا۔

"جناب والا.....!" سرجنٹ حمید بولا۔ "اتنی عمر آئی لیکن کمبل اوڑھ کر آرام سے خنجر

گھونپ لینے والا ایک بھی نہ ملا کہ میں اس کی قدر کر سکتا۔"

سب انسپکٹر نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔

انسپکٹر فریدی ان سب باتوں کو سنی ان سنی کر کے ڈاکٹر شوکت کو مخاطب کر کے بولا۔

"ڈاکٹر..... تمہاری جان خطرے میں ہے۔ ہر ممکن احتیاطی تدابیر کرو۔ یہ پلاٹ تمہارے ہی قتل کے لئے بنایا گیا تھا۔ سوچ کر بتاؤ کیا تمہارا کوئی ایسا دشمن ہے جو تمہاری جان تک لے لینے میں دریغ نہ کرے گا۔"

"میری دانست میں تو کوئی ایسا آدمی نہیں۔ آج تک میرے تعلقات کسی سے خراب نہیں رہے لیکن ٹھہریئے..... آپ کو یاد ہوگا کہ میں نیپالی خنجر کے تذکرے پر بے اختیار چونک پڑا تھا..... تقریباً پندرہ یوم کا تذکرہ ہے کہ ایک رات میں ایک بہت ہی خطرناک قسم کا آپریشن کرنے جا رہا تھا کہ ایک اچھی حیثیت کا نیپالی میرے پاس آیا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اسی وقت ایک مریض کو دیکھ لوں۔ جس کی حالت خطرناک تھی۔ میں نے معذوری ظاہر کی۔ وہ رونے اور گڑگڑانے لگا۔ لیکن میں مجبور تھا۔ کیونکہ پہلے ہی سے ایک خطرناک کیس میرے پاس تھا۔ خطرہ تھا کہ اسی رات اس کا آپریشن نہ کیا گیا تو مریض کی موت واقع ہو جائے گی۔ آخر جب وہ نیپالی مایوس ہو گیا تو مجھے بُرا بھلا کہتے ہوئے واپس چلا گیا۔"

دوسرے دن صبح جب میں ہسپتال جا رہا تھا تو چرچ روڈ کے چوراہے پر پٹرول لینے کے لئے رکا تو وہاں مجھے وہی نیپالی نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے نفرت سے بُرا سا منہ بنایا اور اپنی زبان میں کچھ بڑبڑاتا ہوا پھر میری طرف مکا تان کر کہنے لگا۔

"شالا ..... ہمارا آدمی مرگیا۔ اب ہم تمہاری خبر لے لے گا۔" میں نے ہنس کر موٹر اسٹارٹ کی۔

"ہوں اچھا.....!" فریدی بولا۔ "اس کی شکل و صورت کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو۔"

"یہ ذرا مشکل ہے کیونکہ مجھے تو سارے نیپالی ایک ہی جیسی شکل و صورت کے لگتے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا۔

"خیر اپنی حفاظت کا خاص خیال رکھو..... اچھا داروغہ جی میرا کام ختم..... ڈاکٹر شوکت میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اس کیس کو میں اپنے ہاتھ میں لوں گا لیکن مجھے افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بناء پر ایسا نہ کرسکوں گا۔ میرا خیال ہے کہ داروغہ جی بحسن وخوبی اس کام کو انجام دیں گے۔ اچھا اب اجازت چاہوں گا۔ ہاں ڈاکٹر ذرا کار تک چلو میں تمہارے تحفظ کے لئے تمہیں کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں..... اچھا داروغہ جی آداب عرض۔"

کار کے قریب پہنچ کر فریدی نے جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکالا اور ڈاکٹر شوکت کو تھما دیا۔ "یہ لو حفاظت کے لئے میں تمہیں دیتا ہوں..... اور کل تک اس کا لائسنس بھی تم تک پہنچ جائے گا۔"

"جی نہیں..... شکریہ اس کی ضرورت نہیں.....!" ڈاکٹر شوکت نے منہ پھلا کر جواب دیا۔

"احمق آدمی بگڑ گئے کیا.....؟ کیا سچ مچ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس واقعہ کی تفتیش نہ کروں گا۔ ہاں ان گدھوں کے سامنے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ نجی تفتیش سے انکار کردوں۔ یہ کم بخت صرف بڑے افسروں تک شکایت پہنچانے میں قابل ہوتے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت کے چہرے پر رونق آ گئی اور اس نے ریوالور لے کر جیب میں ڈال لیا۔

"دیکھو جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے مجھے بلوا لینا۔ بہت ممکن ہے کہ میں دس بجے رات تک پھر آؤں۔ ہوشیاری سے رہنا..... اچھا خدا حافظ۔"

ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کردی۔

سورج آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا۔

قاتل کا قتل

"کیوں بھئی کہو کیسا کیس ہے۔" فریدی نے سگار سلگا کر سارجنٹ حمید کی طرف جھکتے

ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں تو ایسا دلچسپ کیس بہت دنوں کے بعد ہاتھ آیا ہے۔"

"آپ تو دن رات کیسوں ہی کے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ کچھ حسین دنیا کی طرف بھی نظر دوڑائیے۔" حمید بیزاری سے بولا۔

"تو اس کا یہ مطلب کہ تم اس میں دلچسپی نہ لوگے۔ میں تو آج ہی تفتیش شروع کر رہا ہوں۔"

"بس مجھے تو معاف ہی رکھئے۔ میں نے تضیع اوقات کیلئے ایک ماہ کی چھٹی نہیں لی۔"

"بیکاری میں تمہارا دل نہ گھبرائے گا.....؟"

"بیکاری کیسی۔" حمید جلدی سے بولا۔ "کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے ابھی حال ہی میں ایک عدد عشق کیا ہے۔"

"ایک عدد.....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اگر اس تفتیش کے سلسلے میں کئی عدد اور ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔"

"شاید آپ کا اشارہ ڈاکٹر شوکت کی نوجوان خادمہ کی طرف ہے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "معاف کیجئے گا..... میرا معیار اتنا گرا ہوا نہیں ہے۔"

"بڑے گدھے ہو تم..... مجھے اس کا خیال بھی نہ تھا۔" فریدی نے سگار منہ سے نکال کر کہا۔ "خیر ہٹاؤ..... کوئی اور بات کریں۔ ہاں بھئی سنا ہے کہ دو تین دن ہوئے ریلوے گراؤنڈ پر سرکس آیا ہوا ہے، بہت تعریف سنی ہے، چلو آج سرکس دیکھیں۔ صرف ساڑھے چار بجے ہیں۔ کھیل سات بجے شروع ہوگا۔ اتنی دیر میں ہم لوگ کھانا بھی کھا لیں گے۔"

"ارے..... یہ کیا بد پرہیزی کرنے جا رہے ہیں۔ ارے لاحول ولا..... آپ اور لغویات..... یقین نہیں آتا کیا آپ نے سراغ رسانی سے توبہ کرلی۔" حمید نے عجیب سا منہ بنا کر کہا۔

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہاں میں بے مطلب جا رہا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ سراغ رسانی کیسے کی جاتی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"معاف کیجئے گا..... اس وقت تو آپ کسی چھ پیسے والے جاسوسی ناول کے مشہور جاسوس

کی طرح بول رہے ہیں۔" حمید بولا۔

"تم نے تو سرکس کا اشتہار دیکھا ہوگا۔ بھلا بتاؤ کس کھیل کی خصوصیت کیساتھ تعریف تھی۔"

"ایک نیپالی کا موت کے خنجر کا کھیل۔" حمید نے جواب دیا۔ پھر اچھل کر کہنے لگا۔ "کیا مطلب.....!"

فریدی نے اس کے سوال کو ٹالتے ہوئے کہا۔ "اچھا اس کھیل میں ہے کیا..... تم تو ایک بار شائد دیکھ بھی آئے ہو۔"

"ہاں ایک لڑکی لکڑی کے تختے سے لگ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور ایک نیپالی اس طرح خنجر پھینکتا ہے کہ وہ اس کے چاروں طرف لکڑی کے تختے میں چبھتے جاتے ہیں۔ آخر میں جب وہ ان خنجروں کے درمیان سے نکلتی ہے تو لکڑی کے تختے پر چبھے ہوئے خنجروں میں اس کا خاکہ سا بنا رہ جاتا ہے۔ بھئی واقعی کمال ہے، اگر خنجر ایک سوت بھی آگے بڑھ کر پڑے تو لڑکی کا قلع قمع ہو جائے۔"

"اچھا ان خنجروں کی لمبائی کیا ہوگی۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔

"میرے خیال سے وہ خنجر ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے مقتولہ کے سینے سے نکالا تھا۔"

"بہت خوب.....!" فریدی اطمینان سے بولا۔ "اچھا تو یہ بتاؤ کہ خنجر کا کتنا حصہ لکڑی کے تختے میں گھس جاتا ہوگا۔"

"میرے خیال میں چوتھائی۔"

"معمولی طاقت والے کے بس کا روگ نہیں۔" فریدی نے حمید کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے جوش میں کہا۔ "اچھا میرے دوست آج سرکس ضرور دیکھا جائے گا۔"

"آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟" حمید بے چینی سے بولا۔

"ابھی فی الحال تو کوئی خاص مطلب نہیں۔ بقول تمہارے ابھی تو میری اسکیم کسی چھ پیسے والے ناول کے سراغ رساں ہی کی اسکیم کی طرح معلوم ہو رہی ہے آگے اللہ مالک ہے۔"

"آخر کچھ بتائیے تو.....!"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ سیتا دیوی کے قتل میں اسی نیپالی کا ہاتھ ہو۔"

"یوں تو اس کے قتل میں میرا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم نہیں سمجھتے..... ایک لحیم شحیم عورت کی لاش کو پھڑکنے سے روک دینا کسی معمولی طاقت والے آدمی کا کام نہیں۔ ایک ذبح کئے ہوئے مرغ کو سنبھالنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر جس شخص نے ڈاکٹر شوکت کو دھمکی دی تھی وہ بھی نیپالی ہی تھا۔ ایسی صورت میں کیوں نہ ہم اس شبہ سے فائدہ اٹھائیں۔ میں یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہتا کہ قتل میں سرکس والے نیپالی ہی کا ہاتھ ہے۔ پھر بھی دیکھ لینے میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر کوئی سراغ نہ مل سکا تو تفریح ہی ہو جائے گی۔"

"خیر میں سرکس دیکھنے سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں تقریباً دو درجن لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہاں کھیل کے دوران میں آپ بحث مباحثہ کر کے میرا مزہ کرکرا کریں۔"

"تم چلو تو سہی..... مجھے یہ بھی معلوم ہے۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

شہر پہنچ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے ایوننگ نیوز میں نشاط نگر کے قتل کا حال پڑھا۔ اس پر انسپکٹر فریدی کے دلائل کا ایک ایک لفظ تحریر تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ انسپکٹر فریدی نے نجی طور پر موقعہ واردات کا معائنہ کیا تھا لیکن انہوں نے نجی تفتیش کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ انسپکٹر فریدی چھ ماہ کی رخصت پر ہیں۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ شائد سرکاری طور پر بھی یہ کام ان کے سپرد نہ کیا جا سکے۔

"میرے خیال سے جس شخص کو ہم لوگ ڈاکٹر کا پڑوسی سمجھ رہے تھے وہ ایوننگ نیوز کا نامہ نگار تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اب تک تو حالات ہمارے ہی موافق ہیں۔ اس خبر کا آج ہی شائع ہو جانا بڑا اچھا ہوا۔ اگر واقعی سرکس والا نیپالی ہی قاتل ہے تو ہم باآسانی اس پر اس خبر کا ردعمل دیکھ سکیں گے۔"

"ہوں.....!" حمید کچھ سوچتے ہوئے یوں ہی بے خیالی میں بولا۔

"کیا کوئی نئی بات سوجھی۔" فریدی نے کہا۔

"میں کہتا ہوں آخر دردسری مول لینے سے فائدہ؟ کیوں نہ ہم لوگ اپنی چھٹیاں ہنسی خوشی گذاریں۔"

"اچھا بکواس بند۔" فریدی جھلا کر بولا۔ "اگر تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ دو۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

"آپ تو خفا ہوگئے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ بھی اس چھٹی میں ایک آدھ عشق کر لیتے تو اچھا تھا۔" حمید نے منہ بنا کر کچھ اس انداز میں کہا کہ فریدی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"اچھا تو کھانا اس وقت میرے ہی ساتھ کھانا۔" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بسروچشم.....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بھلا میں اپنے آفیسر کا حکم کس طرح ٹال سکتا ہوں۔"

وہ سرکس شروع ہونے سے پندرہ منٹ قبل ہی ریلوے گراؤنڈ پہنچ گئے اور بکس کے ٹکٹ لے کر رنگ کے سب سے قریب والے صوفے پر جا بیٹھے۔ دو چار کھیلوں کے بعد اصل کھیل شروع ہوا۔ ایک ناٹے قد کا مضبوط نیپالی ایک خوبصورت لڑکی کیساتھ رنگ میں داخل ہوا۔

"غضب کی لونڈیا ہے۔" حمید نے دھیرے سے کہا۔

"ہشت.....!" فریدی نیپالی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"خواتین و حضرات.....!" رنگ لیڈر کی آواز گونجی۔ "اب دنیا کا خوفناک ترین کھیل شروع ہونے والا ہے۔ یہ لڑکی اس لکڑی کے تختے سے لگ کر کھڑی ہوجائے گی اور یہ نیپالی اپنے خنجر سے لڑکی کے گرد اس کا خاکہ بنائے گا۔ نیپالی کی ذرا سی غلطی یا لڑکی کی خفیف کی جنبش اسے موت کی آغوش میں پہنچا سکتی ہے لیکن دیکھئے کہ یہ لڑکی موت کا مقابلہ کس ہمت سے کرتی ہے اور اس نیپالی کا ہاتھ کتنا سدھا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔"

"کھٹ.....!" ایک سنسناتا ہوا خنجر لڑکی کے سر کے بالوں کو چھوتا ہوا لکڑی کے تختے میں تین انچ دھنس گیا۔ لڑکی سر سے پیر تک لرز گئی۔ رنگ ماسٹر نے نیپالی کی طرف حیرت سے دیکھا

اور اس کے ہونٹ مضطربانہ انداز میں ہلنے لگے۔ دیکھنے والوں پر سناٹا چھا گیا۔

"کھٹ.....!" دوسرا خنجر لڑکی کے کاندھے کے قریب فراک کے پف کو چھیدتا ہوا تختے میں دھنس گیا..... لڑکی کا چہرہ دودھ کی طرح سفید نظر آنے لگا۔ رنگ لیڈر نے بے تابانہ رنگ کا چکر لگا ڈالا۔ نیپالی کھڑا دسمبر کی سردی میں اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

"کیا اس دن بھی یہ خنجر جسم کے اتنے قریب لگے تھے۔" فریدی نے جھک کر حمید سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں۔" حمید نے بیتابی سے کہا۔ "ان کا فاصلہ تین یا چار انچ تھا۔!"

"کھٹ.....!" اب کی بار لڑکی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کے بازو سے خون نکل رہا تھا۔ فریدی نے نیپالی کو شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتے رنگ کے باہر جاتے دیکھا۔ فوراً ہی پانچ چھ جوکروں نے رنگ میں آ کر اچھل کود مچادی۔

"خواتین و حضرات....." رنگ ماسٹر کی آواز گونجی۔ "مجھے اس واقعہ پر حیرت ہے۔ نیپالی پندرہ بیس برس سے ہمارے سرکس میں کام کر رہا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا۔ ضرور وہ کچھ بیمار ہے۔ جس کی اطلاع ہمیں نہ تھی۔ بہر حال ابھی بہت سے دلچسپ کھیل باقی ہیں۔"

"آؤ چلیں.....!" فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

متعدد خیموں کے درمیان سے گذرتے ہوئے وہ تھوڑی دیر بعد منیجر کی دفتر کے سامنے پہنچ گئے۔ فریدی نے چپڑاسی سے اپنا ملاقاتی کارڈ اندر بھجوادیا۔

منیجر اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے پرتپاک لہجے میں بولا۔ "فرمایئے کیسے تکلیف فرمائی۔"

"میں خنجر والے نیپالی کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا عرض کروں انسپکٹر صاحب..... مجھے خود حیرت ہے۔ آج تک ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ مجھے سخت شرمندگی ہے۔ کیا قانوناً مجھے اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ آج کئی دن سے اس کی حالت بہت ابتر ہے۔ وہ بے حد شراب پینے لگا ہے۔ ہر وقت نشے میں ڈینگیں مارتا رہتا ہے۔ ابھی کل ہی اپنے ایک ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ میں اب اتنا دولت مند ہوگیا ہوں۔ مجھے نوکری کی بھی پرواہ نہیں۔ اس نے اسے نوٹوں کی کئی گڈیاں بھی

دکھائی تھیں۔"

"اس کی یہ حالت کب سے ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ راج روپ نگر کے دوران قیام ہی میں اس کی حالت میں تبدیلی ہونی شروع ہوگئی تھی۔"

"راج روپ نگر.....!" حمید نے چونک کر کہا۔لیکن فریدی نے اسکے پیر پر اپنا پیر رکھ

"کیا راج روپ نگر میں بھی آپ کی کمپنی نے کھیل دکھائے تھے۔"

"جی نہیں.....وہاں کہاں.....وہ تو ایک قصبہ ہے۔ہم لوگ وہاں ٹھہر کر اپنے دو قافلے کا انتظار کررہے تھے۔"

"راج روپ نگر.....وہی تو نہیں جو نواب وجاہت مرزا کی جاگیر ہے۔"

"جی ہاں.....جی ہاں وہی۔"

"کیا یہ نیپالی پڑھا لکھا ہے۔"

"جی ہاں.....میٹرک پاس ہے۔"

"میں اس سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور ضرور.....میرے ساتھ چلئے۔لیکن ذرا ہمارا بھی خیال رکھئے گا۔ میں نہیں کہ کمپنی کا نام بدنام ہو۔"

"آپ مطمئن رہئے۔"

وہ تینوں خیموں کی قطاروں سے گزرتے ہوئے ایک خیمے کے سامنے رک گئے۔

"اندر چلئے.....!" منیجر بولا۔

"نہیں صرف آپ جائیے۔آپ اس سے ہمارے بارے میں کہئے گا۔اگر وہ کرے گا تو ہم لوگ ملیں گے ورنہ نہیں۔" فریدی نے کہا۔

منیجر پہلے تو کچھ دیر تک حیرت سے اسے دیکھتا رہا پھر اندر چلا گیا۔فریدی نے آنکھیں خیمے کی جالی سے لگادیں۔نیپالی ابھی تک کھیل ہی کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔وہ

پریشان نظر آرہا تھا۔منیجر کے داخل ہوتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔لیکن پھر اس کے چہرے پر قدرے اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

"اوہ.....آپ ہیں۔میں سمجھا.....جی کچھ نہیں۔مجھے سخت شرمندگی ہے۔" وہ رک رک کر بولا۔

"تو کیا تم کسی اور کا انتظار کررہے تھے۔" منیجر نے کہا۔

"جج جی.....!" وہ ہکلانے لگا۔"نن نہیں.....بب بالکل نہیں۔"

باہر فریدی نے گہرا سانس لیا اور اسکی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہوگئی۔

"میں معافی چاہتا ہوں.....مجھے افسوس ہے۔" نیپالی خود کو سنبھال کر بولا۔

"میں اس وقت اس معاملے پر گفتگو کرنے نہیں آیا ہوں۔" منیجر بولا۔"بات دراصل یہ ہے کہ ایک صاحب تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

نیپالی بُری طرح کانپنے لگا۔

"مجھ سے مل.....ملنا چاہتے ہیں۔" وہ بدحواس ہوکر بیٹھتے ہوئے ہکلایا۔"مگر میں نہیں ملنا چاہتا۔وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔"

"میں یہی بتانے کے لئے ملنا چاہتا ہوں کہ میں کیوں ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے خیمے میں داخل ہوکر کہا۔اس کے پیچھے حمید بھی تھا۔

"میں آپ کو نہیں جانتا۔" اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔"میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے میں آپ سے نہیں ملا۔"

"میں خفیہ پولیس کا انسپکٹر.....!" فریدی نے جلدی سے کہا۔

"خفیہ پولیس.....!" وہ اس طرح بولا جیسے کوئی خواب میں بڑبڑاتا ہے۔"لیکن کیوں.....آخر آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔"

"میں تمہیں پریشان کرنا نہیں چاہتا لیکن تم اگر میرے سوالات کا صحیح صحیح جواب دو گے تو پھر تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔کیا تم کل رات نشاط نگر ڈاکٹر شوکت کی کوٹھی پر گئے تھے۔"

فریدی نے یہ جملہ نہایت سادگی اور اطمینان سے ادا کیا۔ لیکن اس کا اثر کسی بم کے دھماکے سے کم نہ تھا۔ نیپالی بے اختیار اچھل پڑا۔ فریدی کو اب پورا یقین ہوگیا۔

”نہیں نہیں.....!“ وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں چیخا۔ ”تم سفید جھوٹ بول رہے ہو..... میں وہاں کیوں جاتا..... نہیں..... یہ جھوٹ ہے..... پکا جھوٹ۔“

”اس سے کوئی فائدہ نہیں مسٹر.....!“ فریدی بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ کل رات تم ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے گئے اور اسکے دھوکے میں سیتا دیوی کو قتل کر آئے۔ اگر تم سچ سچ بتادو گے تو میں تمہیں بچانے کی کوشش کرونگا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں کسی دوسرے نے قتل پر آمادہ کیا تھا۔“

”آپ مجھے بچانے کی کوشش کریں گے۔“ وہ بے بسی سے بولا۔ ”اوہ میرے خدا..... میں نے بھیانک غلطی کی۔“

”شاباش، ہاں آگے کہو۔“ فریدی نرم لہجے میں بولا۔ سرکس کا منیجر انہیں حیرت اور خوف کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

نیپالی انسپکٹر فریدی کے اس اچانک حملے سے پہلے ہی سراسیمہ ہوگیا تھا۔ اس نے ایک بے بس بچے کی طرح کہنا شروع کیا..... ”جی ہاں..... میں ضرور بتاؤں گا۔ مگر میں بے قصور ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں تمہیں بچالوں گا۔ اس نے مجھے دس ہزار روپے پیشگی دیئے تھے اور قتل کے بعد دس ہزار روپے اور دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اف میں نے کیا کیا..... اس کا نام..... ہاں اس کا نام ہے..... اررر ہا..... اف.....!“ وہ چیخ کر آگے کی طرف جھک گیا۔

”وہ دیکھو.....!“ سرجنٹ حمید چیخا۔

کسی نے خیمے کے پیچھے سے نیپالی پر حملہ کیا تھا۔ خنجر خیمے کے کپڑے کی دیوار پھاڑتا ہوا اس کی پیٹھ میں گھس گیا تھا۔ وہ بکس پر بیٹھے بیٹھے دو تین بار تڑپا پھر خنجر کی گرفت سے آزاد ہوکر فرش پر آرہا۔

”حمید..... باہر..... باہر..... دیکھو جانے نہ پائے۔“ انسپکٹر فریدی غصہ میں چلایا۔

چیخ کی آواز سن کر کچھ اور لوگ بھی آئے۔ سب نے مل کر قاتل کو تلاش کرنا شروع کیا

لیکن بے سود..... منیجر کو گھبراہٹ کی وجہ سے غش آگیا۔

کوتوالی اطلاع پہنچادی گئی..... تھوڑی دیر بعد کئی کانسٹیبل اور دو سب انسپکٹر موقع واردات پر پہنچ گئے۔ انسپکٹر فریدی کو وہاں دیکھ کر انہیں سخت حیرت ہوئی۔ فریدی نے انہیں مختصراً سارا حال بتایا۔ مقتول کے اقرار جرم کا گواہ منیجر تھا لہٰذا منیجر کا بیان ہو رہا تھا کہ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید وہاں سے روانہ ہوگئے۔

ان کی کار تیزی سے نشاط نگر کی طرف جارہی تھی۔

”کیوں بھئی رہا نہ وہی..... چھ پیسے والے جاسوسی ناول والا معاملہ۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”اب تو مجھے بھی دلچسپی ہو چلی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ کو یقین کیونکر ہوا تھا کہ یہی قاتل ہے۔“

”یقین کہاں محض شبہ تھا لیکن منیجر سے گفتگو کرنے کے بعد کچھ کچھ یقین ہو چلا تھا کہ سازش میں کسی دوسرے کا ہاتھ ضرور تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ قتل کے سلسلے میں اپنی غلطی کا احساس ہوجانے کے بعد ہی سے اس کی حالت غیر ہوگئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کھیل کے وقت اس کا ہاتھ بہک رہا تھا اب اسے شاید اس شخص کا انتظار تھا جس نے اسے قتل کے لئے آمادہ کیا تھا۔ اس حماقت کی جوابدہی کے خیال نے اسے اور بھی پریشان کر رکھا تھا۔ انہیں سب چیزوں کو مدنظر رکھ کر میں نے خود پہلے اس کے خیمے میں جانا مناسب نہ سمجھا۔ منیجر کو اندر بھیج کر میں جالی سے اس کا ردعمل دیکھنے لگا۔ جالی سے تو تم بھی دیکھ رہے تھے۔“

”بہرحال آج سے میں آپ کا پورا پورا شاگرد ہوگیا۔“ حمید نے کہا۔

”کیا کہا آج سے..... کیا پہلے نہ تھے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”نہیں پہلے بھی تھا۔“ حمید نے کہا اور دونوں خاموش ہوگئے۔ انسپکٹر فریدی آئندہ کے لئے پروگرام بنا رہا تھا۔

پھاٹک پر کار کی آواز سن کر ڈاکٹر شوکت باہر نکل آیا تھا۔ انسپکٹر فریدی نے سارے واقعات بالتفصیل اسے بتائے۔

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اب مطمئن ہو جاؤ۔" فریدی نے شوکت کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا اصل دشمن اب بھی آزاد ہے اور وہ کسی وقت بھی تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں فکر میں ہوں اور کوشش کروں گا کہ اسے جلد از جلد گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دوں۔"

قاتل کی نئی چال

انسپکٹر فریدی کو افسوس تھا کہ سرکاری طور پر وہ اس کیس کا انچارج نہ ہو سکتا تھا۔ ابھی اس کی چھٹی ختم ہونے میں دو ماہ باقی تھے۔ اسے اس بات کا بھی خیال تھا کہ دوسرے قتل کے بعد سے اس معاملہ میں اس کی دست اندازی کا حال آفیسروں کو ضرور معلوم ہو جائے گا۔ جو اصولاً کسی طرح درست نہ تھا۔ لیکن اسے اس کی پرواہ نہ تھی۔ ملازمت کی پرواہ اسے کبھی تھی اور نہ اب۔ وہ خود بھی صاحب جائیداد اور شان سے زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ اس ملازمت کی طرف اسے دراصل اس کی افتاد طبع لائی تھی۔ ورنہ وہ اتنا دولت مند تھا کہ اس کے بغیر بھی امیروں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔

دوسری واردات کے دوسرے دن صبح جب وہ سو کر اٹھا تو اسے معلوم ہوا کہ چیف انسپکٹر صاحب کا اردلی عرصہ سے اس کا انتظار کر رہا ہے۔ دریافت حال پر پتہ چلا کہ چیف صاحب اپنے بنگلہ پر بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے ہیں اور پولیس انسپکٹر صاحب بھی وہاں موجود ہیں۔ فریدی کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے لاپرواہی سے ناخوشگوار خیالات کو ذہن سے نکال پھینکا اور ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر چیف صاحب کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

"ہلو فریدی۔" چیف صاحب نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ دیر سے تمہارے منتظر ہیں۔"

"مجھے ذرا دیر ہو گئی۔" فریدی نے بے پروائی سے کہا۔

"اس وقت ایک اہم معاملے پر گفتگو کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔" پولیس کمشنر نے اپنا سگار کیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" فریدی نے سگار لیتے ہوئے کہا۔ "فرمایئے۔"

"مسٹر فریدی..... چوبیس گھنٹے کے اندر اس علاقے میں دو عدد وارداتیں ہوئی ہیں۔ ان سے آپ بخوبی واقف ہیں۔" پولیس کمشنر صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ تبدیل ہو کر یہاں آئے ہوئے مجھے صرف دس دن ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں میری بہت بدنامی ہوگی۔ سول پولیس تو قطعی ناکارہ ہے اور معاملہ انتہائی پیچیدہ ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی بقیہ چھٹی فی الحال کینسل کرا لیں اور اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ قاتل کا پتہ لگ جانے کے بعد میں آپ کو دو کے بجائے چار ماہ کی چھٹی دلا دوں گا۔ یہ میرا دوستانہ مشورہ ہے۔ اسے افسری اور ماتحتی سے کوئی تعلق نہیں۔"

"جی میں ہر وقت اور ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔" فریدی نے اپنی آرزو پوری ہوتے دیکھ کر پرخلوص لہجے میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔" پولیس کمشنر صاحب اطمینان کا سانس لے کر بولے۔ "کل رات آپ اپنا بیان دے کر چلے آئے تھے۔ اس کے بعد نیپالی کے خیمے کی تلاشی لینے پر سات ہزار روپے کے نوٹ برآمد ہوئے۔ جو کم از کم اس کی حیثیت سے زیادہ تھے۔ اس کے پس انداز ہونے کا خیال اسی لئے پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی آمدنی سے بڑھ کر خرچ کرنے والا آدمی تھا۔ ان روپوں کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی نہ مل سکی جس سے اس کے قاتل کی شخصیت کا پتہ لگ سکتا۔ بہرحال سیتا دیوی کے قاتل کے سراغ کا سہرا تو آپ ہی کے سر ہے۔ لیکن اب اس کے قاتل کے قاتل کا پتہ لگانا بہت ضروری ہے اور یہ کام سوائے آپ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ میں نے کل رات ہی یہ دونوں کیس محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیئے ہیں اب بقیہ ہدایات آپ کو چیف انسپکٹر سے ملیں گی۔"

"اور میں تم کو اس کیس کا انچارج بناتا ہوں۔" چیف انسپکٹر صاحب نے کہا۔ "اس کے کاغذات دس بجے تک تمہیں مل جائیں گے۔"

"یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں کیس کی تفتیش شروع ہی سے کر رہا ہوں اور میں نے اس سلسلے میں اپنا طریقہ کار بھی مکمل کرلیا ہے۔ لیکن آپ سے استدعا ہے کہ آپ یہی ظاہر ہونے دیں کہ میں چھٹی پر ہوں اور یہ معاملہ ابھی تک محکمہ سراغ رسانی تک نہیں پہنچا۔"

"تو اس کیس میں بھی تم اپنی پرانی عادت کے مطابق اکیلے ہی کام کرو گے۔" چیف انسپکٹر پولیس نے کہا۔ "یہ عادت خطرناک ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بناء پر جنہیں میں ابھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا مجھے یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اچھا اب اجازت چاہتا ہوں۔"

انسپکٹر فریدی کے گھر پر سرجنٹ حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رات بھر نہ سویا ہو۔ فریدی کے گھر پہنچتے ہی وہ بیتابی سے اس کی طرف بڑھا۔

"کہو..... خیریت تو ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم کچھ پریشان سے معلوم ہوتے ہو۔"

کچھ کیا..... میں بہت پریشان ہوں۔" حمید نے کہا۔

"آخر بات کیا ہے۔"

"کل رات تقریباً ایک بجے میں آپ کے گھر سے روانہ ہوا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرا کوئی پیچھا کر رہا ہے۔ پہلے تو خیال ہوا کہ کوئی راہ گیر ہوگا لیکن جب میں نے اپنا شبہ رفع کرنے کے لئے یوں ہی بے مطلب پیچ در پیچ گلیوں میں گھسنا شروع کیا تو میرا شبہ یقین کی حد تک پہنچ گیا کیونکہ وہ اب بھی میرا پیچھا کر رہا تھا۔ خیر میں نے گھر پہنچ کر تالا کھولا اور کواڑ بند کر کے درز سے جھانکتا رہا۔ میرا تعاقب کرنے والا اب میرے مکان کے سامنے کھڑا دروازے کیطرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ میں دبے پاؤں باہر نکلا اور اب میں اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس قسم کا تعاقب کم از کم میرے لئے نیا تجربہ تھا کیونکہ تعاقب کرتے کرتے پانچ بج گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یوں ہی بلامقصد آوارہ گردی کرتا پھر رہا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ اس نے اپنے چسٹر کا کالر کھڑا کر رکھا تھا اور اس کی نائٹ کیپ اس کے چہرے پر جھکی ہوئی تھی۔ تقریباً پانچ بجے وہ باٹم روڈ اور بیلی روڈ کے چوراہے پر رک گیا۔ وہاں ایک کار کھڑی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ گیا اور کار تیزی سے شمال کی جانب روانہ ہوگئی۔ وہاں اس وقت مجھے کوئی سواری نہ مل سکی۔ لہٰذا تین میل پیدل چل کر آ رہا ہوں۔ شاید رات سے اب تک میں نے پندرہ میل کا چکر لگایا ہوگا۔"

"تمہاری نئی دریافت تو بہت دلچسپ رہی۔" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک تو چپ رہا۔ اسکی آنکھیں اسطرح دھندلا گئیں جیسے اسے نیند آ رہی ہو۔ پھر اچانک ان میں ایک طرح کی وحشیانہ چمک پیدا ہوگئی اور اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"کیا کہا تم نے۔" فریدی بولا۔ "وہ باٹم روڈ کے چوراہے سے شمال کی جانب چلا گیا۔"

"جی ہاں۔"

"اور تمہیں شاید معلوم نہ ہوگا کہ اسی چوراہے پر سے اگر تم جنوب کی طرف چلو تو پندرہ میل چلنے کے بعد تم راج روپ نگر پہنچ جاؤ گے۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ مجرم کا سراغ راج روپ نگر ہی میں مل سکے گا۔ دیکھو اگر وہ سچ مچ تمہارا پیچھا کر رہا ہوتا تو تمہیں اس کا احساس تک نہ ہونے دیتا۔ اس نے دیدہ دانستہ ایسا کیا تاکہ تم اس کے پیچھے لگ جاؤ اور وہ اسی چوراہے سے جنوب کی طرف جانے کی بجائے شمال کی طرف جا کر میرے دل سے اس خیال کو نکال دے کہ اصل مجرم راج روپ نگر کا باشندہ ہے۔ اوہ میرے خدا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ نیپالی کے قتل کے پہلے سے ہم لوگوں کے قریب ہی قریب رہا اور اس نے منیجر کے دفتر میں بھی ہماری گفتگو سنی وہیں راج روپ نگر کی گفتگو آئی تھی۔ اخبار میں تو اس کا کوئی حوالہ نہیں تھا..... مجرم معمولی ذہانت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ کیا تم اس کا حلیہ بتا سکتے ہو۔"

"یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔" حمید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"لیکن ٹھہریئے۔ اس میں ایک خاص بات تھی جس کی بناء پر وہ پہچانا جاسکتا ہے اس کی پیٹھ پر بڑا سا کوبڑ تھا۔"

"اماں چھوڑو بھی..... کوبڑ تو کوٹ کے نیچے بہت سا کپڑا ٹھونس کر بھی بنایا جاسکتا ہے۔ اگر وہ سچ مچ کبڑا ہوتا تو تمہیں اپنے پیچھے آنے کی دعوت ہی نہ دیتا۔"

"واللہ..... آپ نے تو شرلاک ہومز کے بھی کان کاٹ کر کھالئے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم نے پھر وہی جاسوسی ناولوں کے جاسوسوں کے حوالے دینے شروع کردیئے۔" فریدی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

"بخدا میں مضحکہ نہیں اڑا رہا ہوں۔"

"خیر ہٹاؤ..... میں اس وقت تنہا راج روپ نگر جا رہا ہوں۔"

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ آپ تنہا راجروپ نگر جا رہے ہیں۔ میں رات بھر نہیں سویا۔"

"اگر تم سوتے بھی ہوتے تو بھی میں تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاتا کیونکہ تم چھٹی پر ہو اور میں نے اپنی چھٹیاں کینسل کرادی ہیں اور یہ کیس سرکاری طور پر میرے سپرد کیا گیا ہے۔"

"یہ کب.....!" حمید نے متحیر ہو کر پوچھا۔

"ابھی.....!" فریدی نے جواب دیا اور سارے واقعات بتا دیئے۔

"تو پھر واقعی آپ تنہا جائیں گے۔" حمید نے کہا۔ "اچھا یہ تو بتایئے کہ آپ نے اپنا طریقہ کار سوچ لیا ہے۔"

"قطعی.....!" فریدی نے جواب دیا۔ "کل رات میں نے تمہارے جانے کے بعد ہی راج روپ نگر کے متعلق بہت سی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ مثلاً یہی کہ راج روپ نگر نواب صاحب وجاہت مرزا کی جاگیر ہے اور نواب صاحب کسی شدید قسم کی ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ تقریباً پندرہ روز سے دن رات سو رہے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ بے ہوش ہیں۔ ان کے فیملی ڈاکٹر کی رائے ہے کہ سر کا آپریشن کرایا جائے لیکن موجودہ معالج کرنل تیواری جو پولیس ہسپتال کے انچارج ہیں آپریشن کے خلاف ہیں۔ اس سلسلے میں دوسری بات معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ نواب صاحب لاولد ہیں ان کے ساتھ ان کا سوتیلا بھتیجا اور ان کی بیوہ بہن اپنی جوان لڑکی سمیت رہتی ہے۔ مجھے جہاں تک پتہ چلا ہے کہ

نواب صاحب نے اپنی جاگیر کے متعلق ابھی تک کسی قسم کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کی بیوہ بہن یا سوتیلے بھتیجے میں سے کوئی بھی جائیداد کے لالچ میں یہ خواہش نہیں رکھ سکتا کہ نواب صاحب ہوش میں آنے سے پہلے ہی مر جائیں۔ بہت ممکن ہے کہ اسی مقصد کے تحت ذہنی بیماریوں کے مشہور ترین ڈاکٹر شوکت کو قتل کرادینے کی کوشش کی گئی ہو محض اس ڈر سے کہ کہیں نواب صاحب اس کے زیر علاج نہ آجائیں کیونکہ ان کا فیملی ڈاکٹر آپریشن پر زور دے رہا تھا۔" فریدی خاموش ہوگیا۔

"آپ کے دلائل بہت وزنی معلوم ہوتے ہیں۔" حمید بولا۔ "لیکن آپ کا تنہا جانا ٹھیک نہیں۔"

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو کہ طریقہ کار سمجھ میں آجانے کے بعد میں تنہا کام کرنے کا عادی ہوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اور پھر تم نے ابھی حال ہی میں ایک عدد عشق کیا ہے۔ میں تمہارے عشق میں گڑبڑ نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ واپسی میں تمہاری محبوبہ کے لئے ایک عدد انگوٹھی ضرور لیتا آؤں گا۔ اچھا اب تم ناشتہ کر کے یہیں سو رہو اور میں چلا۔"

خوفناک بوڑھا

راج روپ نگر میں نواب وجاہت مرزا کی عالی شان کوٹھی بستی سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ نواب صاحب بہت شوقین آدمی تھے۔ اس لئے انہوں نے اس قصبے کو ننھا منا سا خوبصورت شہر بنا دیا تھا۔ بس صرف الیکٹرک لائٹ کی کسر رہ گئی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی کوٹھی میں ایک طاقتور ڈائنمو لگا کر اس کمی کو پورا کر دیا تھا۔ البتہ قصبے والے بجلی کی روشنی سے محروم تھے۔ کوٹھی کے چاروں طرف چار فرلانگ کے رقبہ میں خوشنما باغات اور صاف وشفاف روشوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ نواب صاحب کی کوٹھی سے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ایک قدیم وضع کی عمارت تھی جس میں ایک چھوٹا سا مینار تھا۔ کسی زمانے میں اس مینار کا اوپری حصہ کھلا رہا ہوگا اور

نواب صاحب کے آباؤ اجداد اس پر بیٹھ کر تفریح کیا کرتے ہوں گے لیکن اب یہ بھی بند کرا دیا گیا تھا۔ صرف دو کھڑکیاں کھلی رہ گئی تھیں۔ ایک کھڑکی میں ایک بڑی سی دوربین لگی ہوئی تھی جس کا قطر تقریباً ایک فٹ رہا ہوگا۔ اس عمارت میں مشہور ماہر فلکیات پروفیسر عمران رہتا تھا۔ نواب صاحب نے یہ پرانی عمارت اسے کرائے پر دے رکھی تھی۔ اس نے اس مینار کی بالائی منزل کو چاروں طرف سے بند کرا کے اس پر اپنی ستاروں کی رفتار کا جائزہ لینے والی بڑی دوربین فٹ کرالی تھی۔ قصبے والوں کے لئے وہ ایک پراسرار آدمی تھا۔

بہتوں کا خیال تھا کہ وہ پاگل ہے اسے آج تک کسی نے اس چار فرلانگ کے رقبے سے باہر نہ دیکھا تھا۔

انسپکٹر فریدی کوٹھی کے قریب پہنچ کر سوچنے لگا کہ کس طرح اندر جائے۔ دفعتاً ایک نوکر برآمدے میں آیا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔ ''اب نواب صاحب کی کیسی طبیعت ہے۔''

''ابھی وہی حال ہے۔'' نوکر اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔''

''میں ''روزنامہ خبر'' کا نمائندہ ہوں اور کنور سلیم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''یہاں اندر ہال میں تشریف لایئے میں انہیں خبر کرتا ہوں۔''

فریدی برآمدے سے گذر کر ہال میں داخل ہوا۔ ہال کی دیواروں پر چاروں طرف نواب صاحب کے آباؤ اجداد کی قد آدم تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ فریدی ان کا جائزہ لیتے لیتے چونک پڑا۔ اس کی نظریں ایک پرانی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔

اسے ایسا معلوم ہوا جیسے گھنی مونچھوں اور ڈاڑھی کے پیچھے کوئی جانا پہچانا چہرہ ہے۔

''ارے وہ مارا بیٹا فریدی۔'' وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا۔

وہ قدموں کی آہٹ سے چونک پڑا۔ سامنے کے دروازے میں ایک لمبا تڑنگا نوجوان قیمتی سوٹ میں ملبوس کھڑا تھا۔ پہلے تو وہ فریدی کو دیکھ کر جھجکا پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

''صاحب آپ نامہ نگاروں سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''کہئے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''شاید میں کنور صاحب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔'' فریدی نے ادب سے کہا۔

''جی ہاں..... مجھے کنور سلیم کہتے ہیں۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ ''جو کچھ پوچھنا ہو جلد پوچھئے۔ میں بہت مشغول آدمی ہوں۔''

''نواب صاحب کا اب کیا حال ہے۔''

''ابھی تک ہوش نہیں آیا..... اور کچھ.....!''

''کب سے بے ہوش ہیں؟''

''پندرہ دن سے..... فیملی ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ آپریشن کیا جائے۔ لیکن کرنل تیواری اس کے حق میں نہیں ہیں۔ اچھا بس اب مجھے اجازت دیجئے۔'' وہ پھر اسی دروازے کی طرف گھوم گیا جس طرف سے آیا تھا۔

فریدی کے لئے واپس جانے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔

جب وہ پرانی کوٹھی کے پاس سے گذر رہا تھا تو یک بیک اس کی ہیٹ اچھل کر اس کی گود میں آ رہی۔ ہیٹ میں بڑا سا چھید ہو گیا تھا۔ اس نے دل میں کہا ''بال بال بچے فریدی صاحب..... اب کبھی موٹر کی چھت گرا کر سفر نہ کرنا۔ ابھی تو اس بے آواز رائفل نے تمہاری جان ہی لے لی تھی۔'' تھوڑی دور چل کر اس نے کار روک لی اور پرانی کوٹھی کی طرف پیدل واپس لوٹا مہندی کی باڑھ کی آڑ سے اس نے دیکھا کہ پرانی کوٹھی کے باغ میں ایک عجیب الخلقت بوڑھا ایک چھوٹی نال والی نہایت طاقتور رائفل لئے گلہریوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

فریدی مہندی کی باڑھ پھلانگ کر اندر پہنچ گیا۔ بوڑھا چونک کر اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ بوڑھے کو دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی مردہ قبر سے اٹھ کر آ گیا ہو یا پھر جیسے وہ کوئی بھوت ہو۔ اس کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا تھا۔ بال کیا بھنویں تک سفید ہو گئی تھیں۔ چہرہ لمبا تھا اور گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ ڈاڑھی مونچھ صاف..... ہونٹ اتنے پتلے تھے کہ ان کے درمیان صرف ایک باریک سی گہری لکیر نظر آ رہی تھی۔ لیکن آنکھوں میں بلا کی چمک اور جسم میں

حیرت انگیز پھرتیلا پن تھا۔ وہ اچھل کر فریدی کے قریب آ گیا۔

"مجھ سے ملئے..... میں پروفیسر عمران ہوں۔ ماہر فلکیات..... اور آپ.....؟"

"مجھے آپ کے نام سے دلچسپی نہیں۔" فریدی اسے گھور کر بولا۔ "میں تو اس خوفناک ہتھیار میں دلچسپی لے رہا ہوں جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"ہتھیار.....!" بوڑھے نے خوفناک قہقہہ لگایا۔ "یہ تو میری دوربین ہے۔"

"وہ دوربین ہی سہی لیکن ابھی اس نے مجھے دوسری دنیا میں پہنچا دیا ہوتا۔"

فریدی نے اپنی ہیٹ کا سوراخ اُسے دکھایا۔ بوڑھے کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ اس نے ایک بار غور سے رائفل کی طرف دیکھا اور پھر ہنس کر کہنے لگا۔

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ واقعی رائفل ہی ہے۔ میں گلہریوں کا شکار کر رہا تھا۔ معافی چاہتا ہوں اور اپنی دوستی کا ہاتھ آپ کی طرف بڑھاتا ہوں۔" بوڑھے نے فریدی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے دبایا کہ اس کے ہاتھ کی ہڈیاں تک دکھنے لگیں۔ اس نحیف الجثہ بوڑھے میں اتنی طاقت دیکھ کر فریدی بوکھلا سا گیا۔

"آیئے..... اندر چلئے..... آپ ایک اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔" وہ فریدی کا ہاتھ پکڑے ہوئے پرانی کوٹھی میں داخل ہوا۔

"آج کل گلہریاں اور دوسرے چھوٹے جانور میرا خاص موضوع ہیں۔ آیئے میں آپ کو ان کے نمونے دکھاؤں۔" وہ فریدی کو ایک تاریک کمرے میں لے جاتا ہوا بولا۔ کمرے میں عجیب و غریب طرح کی خوشگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ بوڑھے نے کئی موم بتیاں جلائیں کمرے میں چاروں طرف مردہ جانوروں کے ڈھانچے رکھے ہوئے تھے۔ بہت سے چھوٹے جانور کیلوں کی مدد سے لکڑی کے تختوں میں جکڑ دیئے گئے تھے۔ ان میں سے کئی خرگوش اور کئی گلہریاں تو ابھی تک زندہ تھیں۔ جن کی تڑپ بہت ہی خوفناک منظر پیش کر رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی خرگوش درد کی تکلیف سے چیخ اٹھتا تھا۔ فریدی کو اختلاج سا ہونے لگا اور وہ گھبرا کر کمرے سے نکل آیا۔

"اب آیئے میں آپ کو اپنی آبزرویٹری دکھاؤں۔" یہ کہہ کر وہ مینار کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ مینار تقریباً پچیس فٹ چوڑا رہا ہوگا۔ آخر میں وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے جو بالائی منزل پر تھا۔ وہیں ایک کھڑکی میں دوربین نصب تھی۔

"یہاں آیئے.....!" وہ دوربین کے شیشے پر جھک کر بولا۔ "میں اس وقت نواب صاحب کی خوابگاہ کا منظر اتنا صاف دیکھ رہا ہوں جیسے وہ یہاں سے صرف پانچ فٹ کے فاصلے پر ہوں۔ نواب صاحب چت لیٹے ہیں۔ انکے سرہانے انکی بھانجی بیٹھی ہے۔ یہ لیجئے دیکھئے۔"

فریدی نے اپنی آنکھ شیشے سے لگا دی۔ سامنے والی کوٹھی کی کشادہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور کمرے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ کوئی شخص سر سے پیر تک مخمل کا لحاف اوڑھے لیٹا تھا اور ایک خوبصورت لڑکی سرہانے بیٹھی تھی۔

"میں سامنے والے کمرے کے بہت سے راز جانتا ہوں۔ لیکن تمہیں کیوں بتاؤں۔" بوڑھا فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "بس کرو اب آؤ چلیں۔"

"مجھے کسی کے راز جاننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" فریدی اپنے شانے اچھالتا ہوا بولا۔

بوڑھا قہقہہ لگا کر بولا۔ "کیا مجھے احمق سمجھتے ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ جملہ تم نے محض اسی لئے کہا ہے کہ میں سارے راز اگل دوں۔ تم خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اچھا اب چلو، تمہیں باہر جانے کا راستہ دکھادوں۔"

وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔ ابھی وہ ہال ہی میں تھے کہ دروازے پر کنور سلیم کی صورت دکھائی دی۔

"آپ یہاں کیسے؟" اس نے فریدی سے پوچھا۔ "کیا آپ پروفیسر کو جانتے ہیں۔"

"جی نہیں..... لیکن آج انہیں اس طرح جان گیا ہوں کہ زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"آپ گلہریوں کا شکار کرتے کرتے آدمی کا شکار کرنے لگے تھے۔" فریدی پروفیسر کے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میری ہیٹ ملاحظہ فرمایئے۔"

''اوہ سمجھا.....!'' کنور سلیم تیز لہجے میں بولا۔ ''پروفیسر تم براہِ کرم ہماری کوٹھی خالی کردو ورنہ میں تمہیں پاگل خانے بھجوادوں گا.....سمجھے۔''

بوڑھے نے خوفزدہ نگاہوں سے کنور سلیم کی طرف دیکھا اور بے ساختہ بھاگ کر مینار کے زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔

''معاف کیجئے گا..... یہ بوڑھا پاگل ہے۔ خواہ مخواہ ہماری پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ اچھا خدا حافظ۔''

گولیوں کی بوچھاڑ

فریدی نے اپنی کار کا رخ قصبے کی طرف پھیر دیا۔ اب وہ نواب کے فیملی ڈاکٹر سے ملنا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر توصیف ایک معمر آدمی تھا۔ اس سے قبل وہ سول سرجن تھا۔ پنشن لینے کے بعد اس نے اپنے آبائی مکان میں رہنا شروع کردیا تھا جو راج روپ نگر میں واقع تھا۔ اس کا شمار قصبہ کے ذی عزت اور دولت مند لوگوں میں ہوتا تھا۔ فریدی کو اس کی جائے رہائش معلوم کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

ڈاکٹر توصیف انسپکٹر فریدی کو شاید پہچانتا تھا اس لئے وہ اس کی غیر متوقع آمد سے کچھ گھبرا سا گیا۔

''مجھے فریدی کہتے ہیں۔'' اس نے اپنا ملاقاتی کارڈ پیش کرتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کو جانتا ہوں.....!'' ڈاکٹر توصیف نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''فرمایئے کیسے تکلیف فرمائی۔''

''ڈاکٹر صاحب میں ایک نہایت اہم معاملے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''فرمایئے.....اچھا اندر تشریف لے چلئے۔''

''آپ ہی نواب صاحب کے فیملی ڈاکٹر ہیں۔'' فریدی نے سگار لائٹر سے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں.....جی.....فرمایئے۔'' ڈاکٹر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

''کیا کرنل تیواری آپ کے مشورے سے نواب صاحب کا علاج کررہے ہیں۔'' وہ اچانک پوچھ بیٹھا۔

ڈاکٹر توصیف چونک کر اسے گھورنے لگا۔

''لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''ڈاکٹر صاحب! ذہنی بیماریوں کے علاج میں مجھے تھوڑا سا دخل ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس قسم کے امراض کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے آپریشن.....آخر یہ کرنل تیواری تضیع اوقات کیوں کررہے ہیں اور یہ چیز بھی ہمارے لئے باعث تشویش ہے کہ کرنل تیواری کو جسے کئی نوجوان ڈاکٹر امراض کے سلسلے میں کافی پیچھے چھوڑ چکے ہیں معالج کیوں مقرر کیا گیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ ایک قطعی نجی معاملے میں داخل اندازی کررہے ہیں۔'' ڈاکٹر توصیف نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''آپ سمجھے نہیں۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں نواب صاحب کی جان لینے کی ایک گہری سازش کا پتہ لگا رہا ہوں۔ اس سلسلے میں آپ سے مدد لینی مناسب ہے۔''

''جی.....!'' ڈاکٹر توصیف نے چونک کر کہا اور پھر مضمحل سا ہوگیا۔

''جی ہاں.....کیا آپ میری مدد کریں گے۔'' فریدی نے سگار کا کش لے کر پراطمینان لہجے میں کہا۔

''بات دراصل یہ ہے انسپکٹر صاحب کہ میں خود بھی اس معاملے میں بہت پریشان ہوں۔ لیکن کیا کروں.....خود نواب صاحب کی بھی یہی خواہش تھی۔ انہیں دو ایک بار کرنل تیواری کے علاج سے فائدہ ہوچکا ہے۔''

''لیکن مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ کرنل تیواری کو علاج کے لئے ان کے خاندان والوں نے منتخب کیا ہے۔''

''نہیں یہ بات نہیں۔ البتہ انہوں نے میری آپریشن والی تجویز نہیں مانی تھی۔ میں آپ کو وہ خط دکھاتا ہوں جو نواب صاحب نے دورہ پڑنے سے ایک دن قبل مجھے لکھا تھا۔''

ڈاکٹر توصیف اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور فریدی سگار کے کش لیتا ہوا ادھ کھلی آنکھوں سے خلاء میں تاکتا رہا۔

''یہ دیکھئے نواب صاحب کا خط.....!'' ڈاکٹر توصیف نے فریدی کی طرف خط بڑھاتے ہوئے کہا۔ فریدی خط کا جائزہ لینے لگا۔ خط نواب زادہ صاحب کے ذاتی پیڈ کے کاغذ پر لکھا گیا تھا جس کی پیشانی پر ان کا نام اور پتہ چھپا ہوا تھا۔

فریدی خط پڑھنے لگا۔

''ڈیئر ڈاکٹر.....

آج دو دن سے مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے مجھ پر دورہ پڑنے والا ہے۔ اگر آپ شام تک کرنل تیواری کو لے کر آجائیں تو بہتر ہے پچھلی مرتبہ بھی ان کے علاج سے فائدہ ہوا تھا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ کرنل تیواری آج کل بہت مشغول ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ انہیں لے کر ہی آئیں گے۔

آپ کا

وجاہت مرزا''

''ڈاکٹر صاحب کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ خط نواب صاحب ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔'' فریدی نے خط پڑھ کر کہا۔

''اتنا ہی یقین ہے جتنا کہ اس پر اس وقت میں آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ میں نواب صاحب کا اندازِ تحریر لاکھوں میں پہچان سکتا ہوں۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ڈاکٹر صاحب ذرا اس پر غور کیجئے

کیا آپ نے کبھی اتنی چوڑائی رکھنے والے کاغذ کا اتنا چھوٹا پیڈ بھی دیکھا ہے۔ کس قدر بے ڈھنگا معلوم ہو رہا ہے۔ اوہ..... یہ دیکھئے.....صاف معلوم ہوتا ہے کہ دستخط کے نیچے سے کسی نے کاغذ کا بقیہ ٹکڑا قینچی سے کاٹا ہے۔ ڈاکٹر کیا آپ کو یہ اسی حالت میں ملا تھا۔''

''جی ہاں.....!'' ڈاکٹر نے متحیر ہو کر کہا۔ ''لیکن میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ نواب صاحب نے خط لکھ کر دستخط کر دینے کے بعد بھی نیچے لکھا ہو جسے کسی نے بعد میں قینچی سے کاٹ کر اسے برابر کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ نواب صاحب فطرتاً اتنے کنجوس نہیں کہ باقی بچا ہوا کاغذ کاٹ کر دوسرے مصرف کے لئے رکھ لیں۔''

''اُف میرے خدا۔'' ڈاکٹر نے سر پکڑ لیا۔ ''یہاں تک میری نظر نہیں پہنچی تھی۔''

''بہرحال حالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں کیا آپ بحیثیت فیملی ڈاکٹر اتنا نہیں کر سکتے کہ کرنل تیواری کی بجائے کسی اور معالج سے علاج کرائیں۔''

''میں اس معاملے میں بالکل بے بس ہوں فریدی صاحب۔ حالانکہ نواب صاحب نے کئی بار مجھ سے آپریشن کے متعلق گفتگو کی تھی۔...اور ہاں کیا نام ہے اس کا اس سلسلے میں سول ہسپتال کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر شوکت کا بھی تذکرہ آیا تھا۔''

''اب تو معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔'' فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''ممکن ہے خط لکھ چکنے کے بعد نواب صاحب نے یہ لکھا ہو کہ اگر کرنل تیواری نہ مل سکیں تو ڈاکٹر شوکت کو لیتے آیئے گا۔ اس حصے کو کسی نے غائب کر دیا۔''

''ہوں.....!'' توصیف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر شوکت سے ضرور رجوع کیجئے۔ کم از کم اس صوبے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا۔''

''میں اس کی تعریفیں اخبارات میں پڑھتا رہتا ہوں اور اس سے ایک بار مل بھی چکا ہوں۔ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ نواب صاحب کا سو فیصدی کامیاب آپریشن کرے گا

لیکن فریدی صاحب میں کرنل تیواری کی موجودگی میں بالکل بے بس ہوں۔ ایسا جھکی آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

"کرنل تیواری کی آپ فکر نہ کریں، اس کا انتظام میں کرلوں گا۔ آپ جتنی جلد ممکن ہو سکے ڈاکٹر شوکت سے مل کر معاملات طے کرلیجئے۔"

"آپ کرنل تیواری کا کیا انتظام کریں گے۔"

"انتظام کرنا کیسا! وہ تو قریب قریب ہو چکا ہے۔" فریدی نے سگار جلاتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"تین دن کے بعد کرنل تیواری کا یہاں سے تبادلہ ہو جائے گا۔ اوپر سے حکم آ گیا ہے۔ مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے۔ لیکن خود کرنل تیواری کو ابھی تک اس کا علم نہیں۔ انہیں اتنی جلد جانا ہوگا کہ شاید وہ دھوبی کے یہاں سے اپنے کپڑے بھی نہ منگا سکیں۔ لیکن یہ راز کی بات ہے اسے اپنے تک محدود رکھئے گا۔"

"ارے یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"اچھا تو اب میں چلوں..... آپ کرنل تیواری کے تبادلے کی خبر سنتے ہی ڈاکٹر شوکت کو یہاں لے آیئے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت پھر کسی کو اعتراض کی بھی گنجائش نہ رہ جائے گی۔ ہاں دیکھئے اس کا خیال رہے کہ میری ملاقات کا حال کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ خصوصاً نواب صاحب کے خاندان کے کسی فرد اور اس خبطی بوڑھے پروفیسر کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے۔ صاحب مجھے تو وہ بوڑھا انتہائی خبیث معلوم ہوتا ہے۔"

"میں بھی اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا.....!"

"وہ آخر ہے کون۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے وہ نواب صاحب کا کوئی عزیز ہے لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ نواب صاحب نے میرے ہی سامنے اس سے پرانی کوٹھی کا کرایہ نامہ لکھوایا تھا۔ بلکہ میں نے اس پر گواہ کی حیثیت سے دستخط کئے تھے۔"

"خیر..... اچھا اب میں اجازت چاہوں گا۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ جلد ہی ڈاکٹر شوکت سے ملاقات کریں گے۔"

فریدی کی کار تیزی سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ آج اس کا دماغ بے انتہا الجھا ہوا تھا۔ بہرحال وہ جو مقصد لے کر راج روپ نگر آیا تھا اس میں اگر بالکل نہیں تو تھوڑی بہت کامیابی ضرور ہوئی تھی۔ اب وہ آئندہ کے لئے پروگرام مرتب کر رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ سوچتا تھا اسے اپنی کامیابی پر پورا یقین ہوتا جا رہا تھا۔

سڑک کے دونوں طرف دور دور تک چھیول کی گھنی جھاڑیاں تھیں۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ ایک جگہ اسے بیچ سڑک پر ایک خالی تانگہ کھڑا نظر آیا۔ وہ بھی اس طرح جیسے وہ خاص طور پر راستہ روکنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہو۔ فریدی نے کار کی رفتار دھیمی کر کے ہارن دینا شروع کیا لیکن دور و نزدیک کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ سڑک زیادہ چوڑی نہ تھی۔ لہٰذا فریدی کو کار روک کر اترنا پڑا۔ تانگہ کنارے لگا کر وہ گاڑی کی طرف لوٹ ہی رہا تھا کہ اسے دور جھاڑیوں میں ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔ کوئی بھرائی ہوئی آواز میں چیخ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بار بار چیخنے والے کا منہ دبا لیا جاتا ہو اور وہ گرفت سے نکلنے کے بعد پھر چیخنے لگتا ہو۔ فریدی نے جیب سے ریوالور نکال کر آواز کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ وہ قد آدم جھاڑیوں سے الجھتا ہوا گرتا پڑتا جنگل میں گھسا جا رہا تھا۔ دفعتاً ایک فائر ہوا اور ایک گولی سنسناتی ہوئی اس کے کانوں کے قریب سے نکل گئی۔ وہ پھرتی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا۔ لیٹے لیٹے رینگتا ہوا وہ ایک کھائی کی آڑ میں ہو گیا۔ اب پے در پے فائر ہونے شروع ہو گئے۔ اس نے بھی اپنا پستول خالی کرنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف سے فائر ہونے بند ہو گئے۔ شاید گولیاں چلانے والا اپنے خالی پستول میں کارتوس چڑھا رہا تھا۔ فریدی نے کھائی کی آڑ سے سر ابھارا ہی تھا کہ فائر ہوا۔ اگر وہ تیزی سے پیچھے کی طرف نہ گر گیا ہوتا تو کھوپڑی اڑ ہی گئی تھی۔ دوسری طرف سے پھر اندھا دھند فائر ہونے لگے۔ فریدی نے بھی دو تین فائر کئے اور پھر چیختا کراہتا سڑک کی طرف بھاگا۔ دوسری طرف سے اب بھی فائر ہو رہے تھے۔ لیکن وہ گرتا پڑتا بھاگا جا رہا تھا۔ کار میں پہنچتے ہی وہ تیز

رفتاری سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

حیرت ناک سانحہ

شام کا اخبار شائع ہوتے ہی سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ اخبار والے گلی کوچوں میں چیختے پھر رہے تھے انسپکٹر فریدی کا قتل..... ایک ہفتہ کے اندر اندر آپ کے شہر میں تین قتل..... شام کا تازہ پرچہ پڑھیے۔ اخبار میں پورا واقعہ درج تھا۔

آج دو بجے دن انسپکٹر فریدی کی کار پولیس ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ انسپکٹر فریدی کار سے اترتے وقت لڑکھڑا کر گر پڑے۔ کسی نے ان کے داہنے بازو اور بائیں شانے کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا تھا۔ فوراً ہی طبی امداد پہنچائی گئی لیکن فریدی صاحب جان بر نہ ہو سکے۔ تین گھنٹے موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا رہ کر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ یقیناً یہ ملک و قوم کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

انسپکٹر فریدی غالباً سیتا دیوی کے قتل کے سلسلے میں تفتیش کر رہے تھے لیکن انہوں نے اپنے سرکاری روزنامچے میں کسی کی کوئی خانہ پری نہیں کی۔ چیف انسپکٹر صاحب کو بھی اس بات کا علم نہیں کہ انہوں نے سراغ رسانی کا کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔ ابھی تک کوئی نہیں بتا سکتا کہ انسپکٹر فریدی آج صبح کہاں گئے تھے۔ بظاہر ان کی کار پر جمی ہوئی گرد اور پہیوں کی حالت بتاتی ہے کہ انہوں نے کافی لمبا سفر کیا تھا۔

"انسپکٹر فریدی کی عمر تیس سال تھی۔ وہ غیر شادی شدہ تھے۔ انہوں نے دو بنگلے اور ایک بڑی جائیداد چھوڑی ہے۔ ان کے کسی وارث کا پتہ نہیں چل سکا۔"

یہ خبر آگ کی طرح آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی۔ محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ انسپکٹر فریدی کے دوستوں نے لاش حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں لاش

دیکھنے تک کی اجازت نہ دی گئی اور کئی خبروں سے معلوم ہوا کہ پوسٹ مارٹم کرنے پر پانچ یا چھ زخم پائے گئے ہیں۔"

یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن سرجنٹ حمید نہ جانے کیوں چپ تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ انسپکٹر فریدی راج رُوپ نگر گیا تھا لیکن اس نے اس کی کوئی اطلاع چیف انسپکٹر کو نہ دی۔ وہ نہایت اطمینان سے پولیس اور خفیہ پولیس کی بھاگ دوڑ کا جائزہ لے رہا تھا۔

دوسرے جاسوسوں اور بہتیرے لوگوں نے اس سے ہر طرح پوچھا لیکن اس نے ایک کو بھی کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ کسی سے کہتا کہ انہوں نے مجھے اپنا پروگرام نہیں بتایا تھا کسی سے کہتا انہوں نے مجھ سے یہ تک تو بتایا نہیں تھا کہ انہوں نے اپنی چھٹی کینسل کرادی ہے پھر سراغ رسانی کا پروگرام کیا بتاتے۔ کسی کو یہ جواب دیتا کہ وہ اپنی اسکیموں میں کسی سے نہ مشورہ لیتے تھے اور نہ مل کر کام کرتے تھے۔

تقریباً دس بجے رات کو ایک اچھی حیثیت کا نیپالی چوروں کی طرح چھپتا چھپاتا سرجنٹ حمید کے گھر سے نکلا۔ بڑی دیر تک یوں ہی بے مصرف سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا پھر ایک گھٹیا سے شراب خانے میں گھس گیا۔ جب وہ وہاں سے نکلا تو اسکے پیر بُری طرح ڈگمگا رہے تھے۔ آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کثرت سے پی گیا ہو۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ٹیکسیوں کیطرف چل پڑا۔

"ول بھائی شاپ ہم دور جانا مانگتا ہے۔" اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"صاحب ہمیں فرصت نہیں.....!" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

"او بابا پیسہ دے گا....." اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... نہیں صاحب..... مجھے فرصت نہیں۔" ٹیکسی ڈرائیور نے دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ارے لو ہمارا باپ..... تم بھی شالا کیا یاد کرے گا۔" اس نے دس دس کے تین نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اب چلے گا ہمارا باپ۔"

"بیٹھیے کہاں چلنا ہوگا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"جاؤ ہم نہیں جانا مانگتا...... ہم تم کو تیس روپیہ خیرات دیا۔" اس نے روٹھ کر زمین پر بڑے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں صاحب اٹھئے چلئے...... جہاں آپ کہیں آپ کو پہنچا دوں۔ چاہے جہنم کیوں نہ ہو۔" ٹیکسی ڈرائیور نے اس کے نشے کی حالت سے لطف اٹھاتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"جہنم لے چلئے گا۔" نیپالی نے اٹھ کر پر مسرت لہجے میں کہا۔ "تم بڑا اچھا ہے۔ تم باپ ہے...... تم ہمارا بھائی ہے...... تم ہمارا ماں ہے...... تم ہمارا بی بی ہے...... تم ہمارا بی بی کا ہے...... تم ہمارا...... تم ہمارا...... تم ہمارا کیا ہے۔"

"صاحب ہم تمہارے سب کچھ ہے بولو کہاں چلے گا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے اس کا ہا اپنی گردن سے ہٹا کر ہنستے ہوئے کہا۔

"جدھر ہم بتلانا مانگتا۔ شالا تم نہیں جانتا کہ ہم بڑا لوگ ہے۔ ہم تم کو اور بخشش دیگا" مدہوش نیپالی نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "شیدھا چلو۔"

دوسرے موڑ پر پہنچ کر ٹیکسی راج روپ نگر کی طرف جا رہی تھی۔

کتے کی موت

ڈاکٹر شوکت انسپکٹر فریدی کی موت کی خبر سن کر ششدر رہ گیا۔ اسے حیرت تھی آخر یک بیک یہ کیا ہو گیا۔ لیکن وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس کی موت سیتا دیوی قتل کی تفتی کے سلسلے میں واقع ہوئی ہے۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ فریدی کے کسی پرانے دشمن نے اسے مو کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔ محکمہ سراغ رسانی والوں کے لئے دشمنوں کی اچھی خاصی تعداد پیدا کر کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس پیشے کے کامیاب ترین آدمیوں کی موتیں عموماً اسی طرح وا ہوتی ہیں۔"

سیتا دیوی کے قتل کے متعلق اس کی اب تک یہی رائے تھی کہ یہ کام ان کے کسی ہم مذہب کا ہے۔ جس نے مذہبی جذبات سے اندھا ہو کر آخر کار انہیں قتل ہی کر دیا۔ انسپکٹر فریدی کا یہ خیال کہ وہ حملہ دراصل اسی پر تھا رفتہ رفتہ اسکے ذہن سے ہٹتا جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اسے راج روپ نگر سے ڈاکٹر توصیف کا خط ملا تو اس نے اس قصبے کے نام پر دھیان تک نہ دیا۔

دوسرے دن ڈاکٹر توصیف خود اس سے ملنے کے لئے آیا۔ اس نے نواب صاحب کے مرض کی ساری تفصیلات بتا کر اسے آپریشن کرنے پر آمادہ کر لیا۔

ڈاکٹر شوکت کی کار راج روپ نگر کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اپنے اسسٹنٹ اور دو نرسوں کو ہدایت کر آیا تھا کہ وہ چار بجے تک آپریشن کا ضروری سامان لے کر راج روپ نگر پہنچ جائیں۔

نواب صاحب کے خاندان والے ابھی تک کرنل تیواری کے تبادلے اور توصیف کے نئے فیصلے سے ناواقف تھے۔ ڈاکٹر شوکت کی آمد سے وہ سب حیرت میں پڑ گئے۔ خصوصاً نواب صاحب کی بہن تو آپے سے باہر ہو گئیں۔

"ڈاکٹر صاحب......!" وہ توصیف سے بولیں۔ "میں آپ کی اس حرکت کا مطلب نہیں سمجھ سکی۔"

"محترمہ مجھے افسوس ہے کہ مجھے آپ سے مشورے کی ضرورت نہیں۔" توصیف نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" نواب صاحب کی بہن نے حیرت اور غصہ کے ملے جلے انداز میں کہا۔

"مطلب یہ کہ اچانک کرنل تیواری کا تبادلہ ہو گیا ہے اور اب اس کے علاوہ کوئی اور صورت باقی نہیں رہ گئی۔"

"کرنل تیواری کا تبادلہ ہو گیا ہے۔"

"ان کا خط ملاحظہ فرمائیے۔" ڈاکٹر توصیف نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیا۔ وہ خط پڑھنے لگیں۔ کنور سلیم اور نواب صاحب کی بھانجی نجمہ بھی جھک کر دیکھنے لگیں۔

"لیکن میں آپریشن تو ہرگز نہ ہونے دونگی۔" بیگم صاحبہ نے خط واپس کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے محترمہ...... یہاں آپ کی رائے کا کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ نواب صاحب کے طبی مشیر ہونے کی حیثیت سے اس کی سو فیصدی ذمہ داری مجھ پر عاید ہوتی ہے۔ کرنل تیواری کی عدم موجودگی میں میں قانوناً اپنے حق کو استعمال کر سکتا ہوں۔"

"قطعی...... قطعی...... ڈاکٹر صاحب۔" کنور سلیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر ڈاکٹر شوکت میرے چچا کو اس مہلک مرض سے نجات دلا دیں تو اس سے بڑھ کر اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ اب آپریشن کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔"

"سلیم......!" نواب صاحب کی بہن نے گرج کر کہا۔

"پھوپھی صاحبہ...... میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایک محبت کرنے والی بہن کا دل رکھتی ہیں لیکن ان کی صحت کی خاطر دل پر پتھر رکھنا ہی پڑے گا۔"

"کنور بھیا...... آپ اتنی جلد بدل گئے۔" نجمہ نے کہا۔

"کیا کروں نجمہ...... اگر کرنل تیواری موجود ہوتے تو میں کبھی آپریشن کے لئے تیار نہ ہوتا۔ لیکن ایسی صورت میں۔ تمہی بتاؤ چچا جان کب تک یونہی پڑے رہیں گے۔"

"کیوں صاحب کیا آپریشن کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی؟" نواب صاحب کی بہن نے ڈاکٹر شوکت سے پوچھا۔

"یہ تو میں مریض کو دیکھنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔" ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ہاں ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

نواب صاحب جس کمرے میں تھے وہ اوپری منزل میں واقع تھا۔ سب لوگ نواب صاحب کے کمرے میں آئے۔ وہ کمبل اوڑھے چت لیٹے ہوئے تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گہری نیند میں ہوں۔

ڈاکٹر شوکت اپنے آلات کی مدد سے ان کا معائنہ کرتا رہا۔

"مجھے افسوس ہے بیگم صاحبہ کہ آپریشن کے بغیر کام نہ چلے گا۔" ڈاکٹر شوکت نے

آلات کو ہینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

پھر سب لوگ نیچے واپس آ گئے۔

ڈاکٹر شوکت نے نواب صاحب کے خاندان والوں کو کافی اطمینان دلایا۔ ان کی تشفی کے لئے اس نے ان لوگوں کو اپنے بے شمار خطرناک کیسوں کے حالات سنا ڈالے۔ نواب صاحب کا آپریشن تو ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ تھا۔

"پھوپھی صاحبہ آپ نہیں جانتیں۔" بیگم صاحبہ سے سلیم نے کہا۔ "ڈاکٹر شوکت صاحب کا ثانی پورے ہندوستان میں نہیں مل سکتا۔"

"میں کس قابل ہوں۔" ڈاکٹر شوکت نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "سب خدا کی مہربانی اور اس کا احسان ہے۔"

"ہاں یہ تو بتائیے کہ آپریشن سے قبل کوئی دوا وغیرہ دی جائے گی۔" کنور سلیم نے پوچھا۔

"فی الحال ایک انجکشن دوں گا۔"

"اور آپریشن کب ہوگا۔" نواب صاحب کی بہن نے پوچھا۔

"آج ہی...... آٹھ بجے رات سے آپریشن شروع ہو جائے گا۔ چار بجے تک میرا اسسٹنٹ اور دو نرسیں یہاں آ جائیں گی۔"

"میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔" نواب صاحب کی بھانجی نے کہا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دوں گا۔ کیس کچھ ایسا خطرناک نہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ آپریشن کامیاب ہوگا۔ آپ لوگ قطعی پریشان نہ ہوں۔"

"ڈاکٹر صاحب آپ اطمینان سے اپنی تیاری مکمل کیجئے۔" کنور سلیم ہنس کر بولا۔ "بیچاری عورتوں کے بس میں گھبرانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

نواب صاحب کی بہن نے اسے تیز نظروں سے دیکھا اور نجمہ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"میرا مطلب ہے پھوپھی صاحبہ کہ کہیں ڈاکٹر صاحب آپ لوگوں کی حالت دیکھ کر

بدل نہ ہو جائیں۔ اب چچا جان کو اچھا ہی ہو جانا چاہئے۔ کوئی حد ہے اٹھارہ دن ہو گئے ابھی تک بے ہوشی زائل نہیں ہوئی۔"

"تم اس طرح کہہ رہے ہو گویا ہم لوگ انہیں صحت مند دیکھنے کے خواہش مند نہیں ہیں!" بیگم صاحبہ نے منہ بنا کر کہا۔

"خیر.....خیر.....!" فیملی ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ "ہاں تو ڈاکٹر شوکت میرے خیال سے اب آپ انجکشن دے دیجئے۔"

ڈاکٹر شوکت، ڈاکٹر توصیف اور کنور سلیم بالائی منزل پر مریض کے کمرے میں چلے گئے اور دونوں ماں بیٹیاں ہال ہی میں رک کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔ نجمہ کچھ کہہ رہی تھی اور نواب صاحب کی بہن کے ماتھے پر شکنیں ابھر رہی تھیں۔ انہوں نے دو تین بار زینے کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئیں۔

انجکشن سے فارغ ہو کر ڈاکٹر شوکت، کنور سلیم اور ڈاکٹر توصیف کے ہمراہ باہر آیا۔

"اچھا کنور صاحب اب ہم لوگ چلیں گے۔ چار بجے تک نرسیں اور میرا اسسٹنٹ آپ کے یہاں آجائیں گے اور میں بھی ٹھیک چھ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"تو یہیں قیام کیجئے نا.....!" سلیم نے کہا۔

"نہیں.....ڈاکٹر توصیف کے یہاں ٹھیک رہے گا اور پھر قصبے میں مجھے کچھ کام بھی ہے۔ ہم لوگ چھ بجے تک یقیناً آجائیں گے۔"

ڈاکٹر کار میں بیٹھ گئے لیکن ڈاکٹر شوکت کی پے در پے کوششوں کے باوجود بھی کار اسٹارٹ نہ ہوئی۔

"یہ تو بڑی مصیبت ہوئی۔" ڈاکٹر شوکت نے کار سے اتر کر مشین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"فکر مت کیجئے..... میں اپنی گاڑی نکال کر لاتا ہوں۔" کنور سلیم نے کہا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا گیراج کی طرف چلا گیا۔ جو پرانی کوٹھی کے قریب واقع تھا۔

تھوڑی دیر بعد نواب صاحب کی بہن آگئیں۔

"ڈاکٹر شوکت کی کار خراب ہو گئی۔ کنور صاحب کار کے لئے گئے ہیں۔" ڈاکٹر توصیف نے ان سے کہا۔

"اوہ.....کار تو میں نے ہی شہر بھیج دی ہے اور بھائی جان والی کار عرصہ سے خراب ہے۔"

"اچھا تو پھر آیئے ڈاکٹر صاحب ہم لوگ پیدل ہی چلیں.....صرف ڈیڑھ میل تو چلنا ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"ڈاکٹر توصیف! مجھے آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔" نواب صاحب کی بہن نے کہا۔

"اگر آپ لوگ شام تک یہیں ٹھہریں تو کیا مضائقہ ہے۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے چند ضروری تیاریاں کرنی ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب کو آپ روک لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"آپ کچھ خیال نہ کیجئے.....!" بیگم صاحبہ بولیں۔ "اگر کار شام تک واپس آگئی تو میں چھ بجے تک بھجوا دوں گی۔ ورنہ پھر کسی دوسری سواری کا انتظام کیا جائے گا۔"

"شام کو تو میں ہر صورت میں پیدل ہی آؤں گا۔ کیونکہ آپریشن کے وقت میں کافی چاق و چوبند رہنا چاہتا ہوں۔" شوکت نے کہا اور قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ راہ میں کنور سلیم ملا۔

"مجھے افسوس ہے ڈاکٹر کہ اس وقت کار موجود نہیں۔ آپ یہیں رہئے آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔"

"حرج تو کوئی نہیں لیکن مجھے تیاری کرنی ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا۔

"اچھا تو چلئے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔"

"نہیں.....شکریہ.....راستہ میرا دیکھا ہوا ہے۔"

ڈاکٹر شوکت جیسے ہی پرانی کوٹھی کے قریب پہنچا اسے ایک عجیب قسم کا وحشیانہ قہقہہ سنائی دیا۔ عجیب الخلقت بوڑھا پروفیسر عمران قہقہے لگاتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ہیلو ہیلو.....!" بوڑھا چیخا۔ "اپنے مکان کے قریب اجنبیوں کو دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر شوکت رک گیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اسکے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہوگئے ہوں۔ اتنی خوفناک شکل کا آدمی آج تک اس کی نظروں سے نہ گذرا تھا۔

"مجھ سے ملئے..... میں پروفیسر عمران ہوں۔" اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور آپ.....!"

"مجھے شوکت کہتے ہیں.....!" شوکت نے بادل نخواستہ ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ لیکن اس نے محسوس کیا کہ ہاتھ ملاتے وقت بوڑھا کچھ سست پڑ گیا تھا۔ بوڑھے نے فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور قہقہہ لگاتا، اچھلتا کودتا پھر پرانی کوٹھی میں واپس چلا گیا۔

ڈاکٹر شوکت متحیر کھڑا تھا۔ دفعتاً قریب کی جھاڑیوں سے ایک بڑا سا کتا اس پر جھپٹا۔ ڈاکٹر شوکت گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کتے نے جست لگائی اور ایک بھیانک چیخ کے ساتھ زمین پر آ رہا۔ چند سیکنڈ تک وہ تڑپا اور پھر بے حس و حرکت ہوگیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ ڈاکٹر شوکت کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اس کے بعد کچھ سمجھ ہی میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"ارے یہ میرے کتے کو کیا ہوا..... ٹائیگر ٹائیگر.....!" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ شوکت چونک پڑا۔ سامنے نواب صاحب کی بھانجی نجمہ کھڑی تھی۔

"مجھے خود حیرت ہے۔" شوکت نے کہا۔

"میں نے اس کے غرانے کی آواز سنی تھی۔ کیا یہ آپ پر جھپٹا تھا لیکن اس کی سزا موت نہ ہوسکتی تھی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"یقین فرمایئے محترمہ مجھے خود حیرت ہے کہ اسے یک بیک ہو کیا گیا..... اگر آپ کو مجھ پر شبہ ہے تو بھلا بتایئے میں نے اسے کیونکر مارا.....؟"

نجمہ کتے کی لاش پر جھکی اسے پکار رہی تھی۔ "ٹائیگر ٹائیگر.....!"

"بے سود ہے محترمہ یہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔" شوکت کتے کی لاش کو ہلاتے ہوئے بولا۔

"آخر اسے ہو کیا گیا۔" نجمہ نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔ بظاہر کوئی زخم بھی نہیں نظر آیا۔"

"سخت حیرت ہے.....!"

دفعتاً ڈاکٹر شوکت کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ وہ اسکے پنجوں کا معائنہ کرنے لگا۔

"اوہ.....!" اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکلی اور اس نے کتے کے پنجے میں چبھی ہوئی گراموفون کی ایک سوئی کھینچ لی اور حیرت سے اسے دیر تک دیکھتا رہا۔

"دیکھئے محترمہ غالباً یہ زہریلی سوئی ہی آپ کے کتے کی موت کا سبب بنی ہے۔"

"سوئی.....!" نجمہ نے چونک کر کہا۔ "گراموفون کی سوئی..... کیا مطلب.....!"

"مطلب تو میں بھی نہیں سمجھا لیکن یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سوئی خطرناک حد تک زہریلی ہے۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کتا بہت عمدہ تھا۔"

"لیکن یہ سوئی یہاں کیسے آئی؟" وہ پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

"کسی سے گر گئی ہوگی۔"

"عجیب بات ہے۔"

شوکت نے وہ سوئی احتیاط سے تھرمامیٹر رکھنے والی نالی میں رکھ لی اور بولا "یہ ایک دلچسپ چیز ہے۔ میں اس کا کیمیاوی تجزیہ کروں گا۔ آپ کے کتے کی موت پر ایک بار پھر اظہار افسوس کرتا ہوں۔"

"اوہ..... ڈاکٹر میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ میں اس کتے کو بہت عزیز رکھتی تھی۔" اس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"واقعی بہت اچھا کتا تھا۔ اس نسل کے گرے ہاؤنڈ کمیاب ہیں۔" شوکت نے جواب دیا۔

"ہونے والی بات تھی..... افسوس تو ہوتا ہے مگر اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ سوئی یہاں آئی کیسے۔"

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ یہ سوئی اس خبطی بوڑھے کی ہو۔ اس کے پاس عجیب و غریب چیزیں

ہیں..... منحوس کہیں کا۔"

"کیا آپ انہیں صاحب کے بارے میں تو نہیں کہہ رہی ہیں جو ابھی اس کوٹھی سے نکلے تھے۔"

"جی ہاں..... وہی ہوگا.....!" نجمہ نے جواب دیا۔

"یہ کون صاحب ہیں۔ بہت ہی عجیب وغریب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"یہ ہمارا کرایہ دار ہے۔ پروفیسر عمران..... لوگ کہتے ہیں کہ ماہر فلکیات ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ وہ دیکھئے اس نے مینار پر ایک دوربین بھی لگا رکھی ہے۔"

"پروفیسر عمران ..... ماہر فلکیات..... یہ بہت مشہور آدمی ہیں۔ میں نے ان کی کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ اگر وقت ملا تو میں ان سے ضرور ملوں گا۔"

"کیا کیجئے گا مل کر..... دیوانہ ہے۔ وہ ہوش ہی میں کب رہتا ہے۔ وہ جانور سے بھی بدتر ہے۔" نجمہ نے کہا۔ "خیر ہٹائیے ان باتوں کو..... ڈاکٹر صاحب آپریشن میں کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"جی نہیں آپ مطمئن رہیئے..... انشاء اللہ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے گی۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "اچھا اب میں چلوں۔ مجھے آپریشن کی تیاری کرنا ہے۔"

ڈاکٹر شوکت قصبے کی طرف چل پڑا۔ ایک شخص کھائیوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

بال بال بچے

راستے بھر شوکت کا ذہن سوئی اور کتے کی موت میں الجھا رہا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ خلش بھی اس کے دل میں کچوکے لگا رہی تھی جو نجمہ سے گفتگو کرنے کے بعد پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا

دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ وہ زندگی بھر کھڑا اس سے اسی طرح باتیں کئے جائے۔ عورتوں سے بات کرنا اس کے لئے نئی بات نہ تھی۔ وہ قریب قریب دن بھر نرسوں میں گھرا رہتا تھا اور پھر اسکے علاوہ اس کا پیشہ ایسا تھا کہ اور دوسری عورتوں سے بھی اس کا سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ لیکن نجمہ میں نہ جانے کونسی ایسی بات تھی جو رہ رہ کر اسکا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے پیش کر دیتی تھی۔

ڈاکٹر توصیف کے گھر پہنچتے ہی وہ سب کچھ بھول گیا کیونکہ اب وہ آپریشن کی سکیم مرتب کر رہا تھا۔ وہ ایک زندگی بچانے جا رہا تھا..... ایک ماہر فن کی طرح اس کا دل مطمئن تھا..... اسے اپنی کامیابی کا اسی طرح یقین تھا جس طرح اس کا کہ وہ گیارہ بجے کھانا کھائے گا۔"

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ڈاکٹر توصیف بھی نواب صاحب کی کار پر آ گیا۔

"کہئے ڈاکٹر صاحب کوئی خاص بات۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں، البتہ کتے کی موت سے ہر شخص حیرت زدہ ہے۔ لایئے دیکھوں تو وہ سوئی۔" ڈاکٹر توصیف نے سوئی لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھئے..... بڑی عجیب بات ہے۔ معلوم نہیں سوئی کس زہر میں بجھائی گئی ہے۔" ڈاکٹر شوکت تھرمامیٹر کی نلکی سے سوئی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھتے ہی دیکھتے کتا ختم ہوگیا۔"

"گراموفون کی سوئی ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے سوئی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"معلوم نہیں کس زہر میں بجھائی گئی ہے۔"

"میرے خیال میں پوٹاشیم سایانائیڈ یا اس قبیل کا کوئی اور زہر ہے،" ڈاکٹر شوکت نے سوئی کو لے کر پھر تھرمامیٹر کی نلکی میں رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یہ سوئی خبیث پروفیسر کی معلوم ہوتی ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"اس کی عجیب وغریب چیزیں اور حرکتیں دور دور تک مشہور ہیں۔"

"مجھے ابھی تک پروفیسر کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم۔ لیکن میں اس پراسرار شخصیت کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے تو میں یہ جانتا ہوں کہ وہ

ایک مشہور ماہر فلکیات ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"اس کی زندگی ابھی تک پردہ راز میں ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ "لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ اب سے دو سال پیشتر وہ ایک صحیح الدماغ آدمی تھا۔ اس کے بعد اچانک اس عادات و اطوار میں تبدیلیاں ہونی شروع ہو گئیں اور اب تو سبھی کا یہ خیال ہے کہ اس کا دما خراب ہو گیا ہے۔"

"میں نے تو صاحب اتنا بھیانک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد ڈاکٹر توصیف بولا۔ "ہاں تو آپ کا کیا پروگ ہے۔ میرے خیال سے تو اب دوپہر کا کھانا کھا لینا چاہئے۔"

کھانے کے دوران آپریشن اور دوسرے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اچانک ڈا شوکت کو کچھ یاد آ گیا۔

"ڈاکٹر صاحب میں جلدی میں اپنے اسسٹنٹ کو کچھ ضروری ہدایات دینا بھول ہوں.... اگر آپ کوئی ایسا انتظام کر سکیں کہ میرا رقعہ اس تک پہنچا دیا جائے تو بہت اچھا ہو" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"چلئے اب دو کام ہو جائیں گے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ "میں دراصل شہر ہی جا کے لئے نواب صاحب کی کار لایا تھا۔ آپ رقعہ دے دیجئے گا اور ہاں کیوں نہ آپ ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیتا آؤں۔"

"اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔"

"اس رقعے کے علاوہ کوئی اور کام.....؟"

"جی نہیں شکریہ۔ میرے خیال سے آپ ان لوگوں کو اسی طرف سے کوٹھی لیتے جائیے"

"بہتر ہے..... چھ بجے آپ کے لئے کار بھجوا دی جائے گی۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں پیدل ہی آؤں گا۔"

"کیوں.....؟"

"بات دراصل یہ ہے ڈاکٹر صاحب کہ آپریشن ذرا نازک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپریشن سے قبل اتنی ورزش ہو جائے جس سے جسم میں چستی پیدا ہو سکے۔"

"ڈاکٹر شوکت میں آپ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ درحقیقت ایک اچھے ڈاکٹر کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔"

ڈاکٹر توصیف کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر شوکت نے یکے بعد دیگرے وہ کتابیں پڑھنا شروع کیں جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ ایک کاغذ پر پنسل سے کچھ ڈائے گرام بنائے اور دیر تک انہیں دیکھتا رہا۔ پرانے ریکارڈوں کے کچھ فائل دیکھے۔ انہی مشغولیات میں دن ختم ہو گیا۔ تقریباً پانچ بجے اس نے کتابیں اور فائل ایک طرف رکھ دیئے۔ اسے ٹھیک چھ بجے یہاں سے روانہ ہونا تھا۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ شام کی کرنوں کی زردی پھیکی پھیکی سرخی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر توصیف کا نوکر انڈے کی سینڈوچ اور کافی لے آیا۔ رات کا کھانا سلیم کی درخواست کے مطابق اُسے کوٹھی میں کھانا تھا۔ اس لئے اس نے صرف ایک سینڈوچ کھائی اور دو کپ کافی کے بعد سگریٹ سلگا کر ٹہلنے لگا۔ گھڑی نے چھ بجائے..... اس نے کپڑے پہنے اور چسٹر کاندھے پر ڈال کر روانہ ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا جا رہا تھا۔ چاروں طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں اور درختوں کی قطاریں تھیں جن کی وجہ سے سڑک خصوصاً اور زیادہ تاریک ہو گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر شوکت آپریشن کے خیال میں مگن بے خوف چلا جا رہا تھا۔ اس سے تقریباً پچاس گز پیچھے ایک دوسرا آدمی جھاڑیوں سے لگا ہوا چل رہا تھا۔ شاید اس نے ربڑ سول کے جوتے پہن رکھے تھے جس کی وجہ سے ڈاکٹر شوکت اس کے قدموں کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ ایک جگہ ڈاکٹر شوکت سگریٹ سلگانے کے لئے رکا ساتھ ہی وہ شخص بھی رک کر جھاڑیوں کی اوٹ میں چلا گیا۔ جیسے ہی شوکت نے چلنا شروع کیا وہ پھر جھاڑیوں سے نکل کر اسی طرح اس کا تعاقب کرنے لگا۔

سڑک زیادہ چلتی ہوئی نہ تھی۔ وجہ یہ تھی یہ سڑک محض کوٹھی کے لئے بنائی گئی تھی۔ اگر نواب صاحب نے اپنی کوٹھی بستی کے باہر نہ بنوائی ہوتی تو پھر اس سڑک کا وجود بھی نہ ہوتا۔

شوکت کے وزنی جوتوں کی آواز اس سنسان سڑک پر اس طرح گونج رہی تھی جیسے وہ جھاڑیوں میں دبک کر ٹیں ٹیں ریں ریں کرنے والے جھینگروں کو ڈانٹ رہی ہو.....شوکت چلتے چلتے ہلکے سروں میں سیٹی بجانے لگا۔ اسے اپنے جوتوں کی آواز سیٹی کی دھن پر تال دیتی معلوم ہو رہی تھی۔ کسی درخت پر ایک بڑے پرندے نے چونک کر اپنے پر پھڑپھڑائے اور اڑ کر دوسری طرف چلا گیا۔ جھاڑیوں کے پیچھے قریب ہی گیدڑوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ جو شخص ڈاکٹر شوکت کا پیچھا کر رہا تھا اس کا اب کہیں پتہ نہ تھا۔ کچھ آگے بڑھ کر بہت زیادہ گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں پر دونوں طرف کے درختوں کی شاخیں آپس میں مل کر اس طرح گنجان ہو گئی تھیں کہ آسمان نہیں دکھائی دیتا تھا۔ ڈاکٹر شوکت دنیا، مافیہا سے بے خبر اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا۔ اچانک اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ اس کے گلے میں ایک موٹی سی رسی کا پھندا پڑا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ پھندے کی گرفت تنگ ہوتی گئی اور ساتھ ہی ساتھ وہ اوپر اٹھنے لگا۔ گلے کی رگیں پھول رہی تھیں۔ آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے چیخنا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا دل کنپٹیوں اور آنکھوں میں دھڑک رہا ہو۔ آہستہ آہستہ اسے تاریکی گہری ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ جھینگروں اور گیدڑوں کا شور دور خلا میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ پھر بالکل خاموشی چھا گئی۔ وہ زمین سے دو فٹ کی بلندی پر جھول رہا تھا۔ کوئی اسی درخت پر سے کود کر جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ پھر ایک آدمی اس کی طرف دوڑ کر آتا دکھائی دیا۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ ملتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا.....دوسرے لمحے میں وہ پھرتی سے درخت پر چڑھ رہا تھا۔ ایک شاخ سے دوسری شاخ کودتا ہوا وہ اس شاخ پر پہنچ گیا جس سے رسی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے رسی ڈھیلی کر کے آہستہ آہستہ ڈاکٹر شوکت کے پیر زمین پر ٹکا دیئے پھر رسی کو اسی طرح باندھ کر نیچے اتر آیا۔ اب اس نے جیب سے چاقو نکال کر رسی کاٹی اور شوکت کو ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے سڑک پر لٹا دیا۔ پھندا ڈھیلا ہوتے ہی بے ہوش ڈاکٹر گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ پراسرار اجنبی نے دیا سلائی جلا کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ آنکھوں کے پپوٹوں میں جنبش پیدا ہو چکی تھی۔ ایسا

معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دس پانچ منٹ کے بعد ہوش میں آجائے گا۔ دو تین منٹ گزر جانے پر اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اجنبی جلدی سے جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک کراہ کے ساتھ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ کچھ دیر قبل کے واقعات اس کے ذہن میں گونج اٹھے..... بے اختیار اس کا ہاتھ گردن کی طرف گیا۔ لیکن اب وہاں رسی کا پھندا نہ تھا۔ البتہ گردن بڑی بُری طرح دکھ رہی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کس طرح بچ گیا۔ اب اسے فریدی مرحوم کے الفاظ بُری طرح یاد آ رہے تھے اور ساتھ ہی سیتا دیوی کی خواب کی بڑبڑاہٹ بھی یاد آ گئی تھی۔ ''راج روپ نگر'' اس کے سارے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ وہ سوچنے لگا وہ بھی کتنا احمق تھا کہ اس نے فریدی کے الفاظ بھلا دیئے اور خوفناک جگہ پر اندھیری رات میں تنہا چلا آیا۔ اس کی جان لینے کی یہ دوسری کوشش تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس نیپالی کا نقشہ پھر گیا جس نے اسے دھمکی دی تھی۔ پھر اچانک وہ زہریلی سوئی یاد آئی اور پروفیسر کا بھیانک چہرہ ......جو اس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور ٹھیک اسی جگہ کتا بھی اچھل کر گرا تھا۔ تو کیا پروفیسر..... پروفیسر.....لیکن آخر کیوں؟ یہ سب سوچتے سوچتے اسے اپنی موجودہ حالت کا خیال آیا اور وہ کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ چسٹر قریب ہی پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے چسٹر اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور تیزی سے کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ گھڑی میں وقت دیکھے لیکن پھر دیا سلائی جلا کر دیکھنے کی ہمت نہ پڑی۔

کوٹھی میں سب لوگ بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے سات بجے آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب آٹھ بج رہے تھے۔

''شوکت بہت ہی بااصول آدمی معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے۔'' ڈاکٹر توصیف نے باغ میں ٹہلتے ہوئے کہا۔

نجمہ بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھ رہی تھی۔

''کیا بات ہو سکتی ہے۔'' کنور سلیم نے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے ہوئے پیشانی پر

ہاتھ رکھ کر اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ دیر میں گھر سے روانہ ہوا۔ میں تو کہہ رہا تھا کہ کار بھجوادوں گا لیکن اس نے کہا کہ میں پیدل ہی آؤں گا۔ آں یہ کون آ رہا ہے..... ہلو..... ڈاکٹر..... بھئی انتظار کرتے کرتے آنکھیں پتھرا گئیں۔"

ڈاکٹر شوکت برآمدے میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ راستہ بھر اپنے چہرے سے پریشانی کے آثار مٹانے کی کوشش کرتا آیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اپنی حماقت کی وجہ سے چلتے وقت ٹارچ لانا بھول گیا..... نتیجہ یہ ہوا کہ راستہ بھول گیا۔"

"لیکن آپ کے سر میں یہ اتنے سارے تنکے کہاں سے آ گئے..... جی وہاں نہیں۔ پیچھے کی طرف.....!" نجمہ نے مسکرا کر کہا۔

"تنکے..... اوہ..... کچھ نہیں..... ہٹایئے بھی کوئی ایسی خاص بات نہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کچھ بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں..... بتایئے نا..... آخر بات کیا ہے؟" کنور سلیم نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے وہ تو ایک پاگل کتا تھا..... راہ میں اس نے مجھے دوڑایا۔ اندھیرا کافی تھا..... میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ وہ تو کہیئے ایک راہگیر ادھر آنکلا ورنہ.....!"

"آج کل دسمبر میں پاگل کتا۔" نجمہ نے حیرت سے کہا۔ "کتے تو عموماً گرمیوں میں پاگل ہوتے ہیں۔"

"نہیں..... یہ ضروری نہیں۔" کنور سلیم نے جواب دیا۔ "اکثر سردیوں میں بھی بعض کتوں کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ خیر..... آپ خوش قسمت تھے ڈاکٹر شوکت..... پاگل کتوں کا زہر بہت خطرناک ہوتا ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہوں گے۔"

"ہاں بھئی ڈاکٹر..... وہ آپ کے آدمیوں نے بیمار کے کمرے میں ساری تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔"

"وہ لوگ اس وقت وہیں ہیں.....!" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"آپ کے انتظار میں شاید ان لوگوں نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" نجمہ بولی۔

"میرا انتظار آپ لوگوں نے ناحق کیا۔ میں آپریشن سے قبل تھوڑا سا سوپ پیتا ہوں۔ کھانا کھا لینے کے بعد دماغ کسی کام کا نہیں رہ جاتا.....!"

"جی ہاں! میں نے بھی اکثر کتابوں میں یہی پڑھا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ دنیا کے بڑے آدمی نے یہ ضرور کہا ہوگا۔" نجمہ نے شوخی سے کہا۔ ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ نجمہ سے نگاہیں ملتے ہی وہ زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

"خیر صاحب..... وہ کچھ سہی میں تو دن بھر میں پانچ سیر سے کم نہیں کھاتا۔" کنور سلیم نے ہنس کر کہا۔ "کھانا دیر سے منتظر ہے۔ ہر تندرست آدمی کا فرض ہے کہ اسے انتظار کی زحمت سے بچائے۔"

سب لوگ کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔

پرانی کوٹھی کے باہر

پرانی کوٹھی کے پائیں باغ میں پروفیسر عمران کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ کبھی کبھی دونوں کی آوازیں بلند ہو کر خلاء میں ڈوب جاتیں۔

پروفیسر کہہ رہا تھا۔ "لیکن میں نہیں جاؤں گا۔"

"تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے میری جان۔" دوسری آواز سنائی دی۔ "نہ جانے میں تمہارا ہی نقصان ہے؟"

"میرا نقصان.....!" پروفیسر کی آواز آئی۔ "یونان اور روم کے دیوتاؤں کی قسم ہرگز نہ جاؤں گا۔"

''تمہیں چلنا پڑے گا'' کسی نے کہا۔

''سنو اسے ابابیل کے بچے..... تم میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھے میری مرضی کے خلاف کہیں لے جاسکو'' پروفیسر چیخا۔

''خیر نہ جاؤ لیکن تمہیں اس کے لئے پچھتانا پڑے گا۔ دیکھنا ہے کہ تمہیں کل سے سفیدہ کیسے ملتا ہے۔'' دوسرے آدمی نے کہا اور باغ سے نکلنے لگا۔

''ٹھہرو..... ٹھہرو..... تو ایسے بات کرونا۔ تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا کہ تم بیر بہوٹی کے بچے ہو۔'' پروفیسر ہنس کر بولا۔

''بیر بہوٹی..... ہاں بیر بہوٹی..... مگر اس کے لئے تمہیں میرے ساتھ مالی کے جھونپڑے تک چلنا ہوگا۔''

''اچھا تو آؤ پھر چلیں۔'' پروفیسر نے کہا اور دونوں مالی کے جھونپڑے کی طرف چل پڑے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد پروفیسر لنگڑاتا ہوا مالی کے جھونپڑے سے باہر نکلا۔ وہ اکیلا تھا اور اس کے کاندھے پر ایک وزنی گٹھڑی تھی۔ ایک جگہ رک کر اس نے ادھر اُدھر دیکھا، پھر مالی کے جھونپڑے کی طرف گھونسہ تان کر کہنے لگا۔

''ابے تو نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ میں تجھے کتے کا گوشت کھلادوں گا۔ چھچھوندر کی اولاد نہیں تو..... مریخ، زحل، مشتری، عطارد سب کے سب تیری جان کے دشمن ہوجائیں گے۔ ابے میں وہ ہوں جس نے سکندر اعظم کا مرغا چرایا تھا۔ چمگاڈر مجھے سلام کرنے آتے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو اپنے دادا کا نطفہ ہے۔ چلا ہے وہاں سے مکھیاں مارنے..... بڑا آیا کہیں کا تیس مار خاں۔ تیس مار خاں کی ایسی کی تیسی..... نہیں جانتا کہ میں بھوتوں کا سردار ہوں۔ آؤ اے غرفوس اسے کھا جاؤ۔ آؤ اسے ارسلانوس اسے چبا جاؤ۔ چڑیلوں کی حرافہ نانی اشقلونیا تو کہاں ہے۔ دیکھ میں ناچ رہا ہوں۔ میں تیرا بھتیجا ہوں..... آجا پیاری.....!'' یہ کہہ کر پروفیسر نے وہیں پر ناچنا شروع کردیا۔ پھر وہ سینہ پر ہاتھ مار کر کہنے لگا۔ ''میں اس آگ کا پجاری ہوں

جو مریخ میں جل رہی ہے۔ ہزار ہا سال سے میں اس کی پوجا کرتا آرہا ہوں۔ میں پانچ ہزار سال سے انتظار کررہا ہوں لیکن ستارہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔ اے کہ میں نے تیرے لئے خرگوش پالے۔ اے کہ میں تجھے گلہریوں کے کباب کھلاتا ہوں..... میں تتلیوں کے پروں سے سگریٹ بنا کر تجھے پلاتا ہوں۔ اے پیارے ابلیس تو کہاں ہے۔ میں تجھے اپنا کان کاٹ کر کھلادوں گا.....!''

وہ اور نہ جانے کیا بڑبڑاتا اچھلتا کودتا ہوا پرانی کوٹھی کے باغ میں غائب ہوگیا۔

پروفیسر کی شرارت

مریض کے کمرے کا منظر حد درجہ متاثر کن تھا۔ نرس اور ڈاکٹر سب سفید کپڑوں میں ملبوس آہستہ آہستہ ادھر اُدھر آجا رہے تھے۔ آپریشن ٹیبل جو سول ہسپتال سے خاص اہتمام کے ساتھ یہاں لائی گئی تھی کمرے کے وسط میں پڑی تھی۔ مریض کو اس پر لٹایا جاچکا تھا۔ کمرے میں بہت زیادہ طاقت والے بلب روشن کردیئے گئے تھے۔ سلاچیوں میں گرم و سرد پانی رکھا ہوا تھا۔ اسی کے قریب ایک دوسری میز پر عجیب و غریب قسم کے آپریشن کے اوزار اور ربڑ کے دستانے پڑے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر شوکت کچھ دیر قبل پیش آئے ہوئے حادثے کو قطعی بھلا چکا تھا۔ اب اس کا دھیان صرف آپریشن کی طرف تھا۔ ایک آدمی کی زندگی خطرے میں تھی۔ تمام تر کوششیں صرف کردینے کا تہیہ کرلیا تھا۔ نوجوان ماہر اسے بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر اسے اس کیس میں کامیابی ہوگئی تو اس کی شخصیت کہیں کی کہیں جا پہنچے گی۔ کامیابی اسے ترقی کے زینوں پر لے جائے گی..... اور ناکامی! لیکن..... نہیں..... اس کے ذہن میں ناکامی کے خیال کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ وہ ایک مشاق ماہر فن کی طرح مطمئن نظر آرہا تھا۔ ڈاکٹر توصیف بھی کمرے میں موجود تھا۔ لیکن اس کی حیثیت ایک تماشائی جیسی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا اور متحیر تھا کہ یہ نوجوان لڑکا کس

طرح سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی تیاریوں میں مصروف ہے۔ ایسے موقعوں پر اتنا اطمینان اس نے اچھے اچھے معمر اور تجربہ کار ڈاکٹروں کے چہروں پر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کی تعریفیں کر رہا تھا۔

باہر برآمدے میں نواب صاحب کی بہن اور نجمہ بیٹھی تھیں۔ دونوں پریشان نظر آ رہی تھیں۔ کنور سلیم ٹہل ٹہل کر سگریٹ پی رہا تھا۔

''ممی کیا وہ کامیاب ہو جائے گا۔'' نجمہ نے بے تابی سے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن کتنی دیر لگے گی.....؟''

''پریشان مت ہو بیٹی۔'' بیگم صاحبہ بولیں۔ ''میرا خیال ہے کہ کافی عرصہ لگے گا۔ ممکن ہے صبح ہو جائے۔ لہٰذا ہم لوگوں کا یہاں اس طرح بیٹھنا ٹھیک نہیں۔ کیوں نہ ہم ڈرائنگ روم میں چل کر بیٹھیں۔ غالباً کافی اب تیار ہو گئی ہوگی۔ سلیم کیا آج تم کافی نہ پیو گے۔''

''کافی کا کسے ہوش ہے پھوپھی صاحبہ۔'' سلیم نے سگریٹ کو برآمدے میں بچھے ہوئے قالین پر گرا کر پیر سے رگڑتے ہوئے کہا۔ ''میں نجمہ سے زیادہ پریشان ہوں۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ ایسے وقت میں بھی کافی نہیں بھولیں۔''

''تم ساری قالینوں کا ستیاناس کر دو گے۔'' بیگم صاحبہ نے ناک بھوں سکوڑ کر کہا۔ ''کیا سگریٹ کو دوسری طرف نہیں پھینک سکتے۔''

''جہنم میں گئی قالین.....!'' وہ ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ ''میرا دماغ اس وقت ٹھیک نہیں۔''

''عورت نہ بنو۔'' بیگم صاحبہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''ابھی کتنی دیر کی بات ہے کہ تم میری مخالفت کے باوجود بھی آپریشن کی حمایت کر رہے تھے۔ اپنی حالت کو سنبھالو۔ تمہیں تو ہم لوگوں کو دلاسا دینا چاہئے۔''

''میں کوشش کرتا ہوں کہ خود کو سنبھالوں لیکن یہ ممکن نہیں۔ مجھے کرنل تیواری کے الفاظ یاد آ رہے ہیں جس نے کہا تھا کہ بچنے کی امید نہیں۔ آخر احمق لڑکا کس امید پر آپریشن کر رہا ہے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ خطرے کو جلد سے جلد قریب لانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''نہیں کنور صاحب.....!'' ڈاکٹر توصیف نے بیمار کے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ وہ جلد سے جلد نواب صاحب کو خطرات سے دور کریگا۔''

''میں آپکا مطلب نہیں سمجھا۔'' سلیم اسکی طرف گھوم کر بولا۔ ''کیا آپریشن شروع ہو گیا۔''

''نہیں..... ابھی وہ لوگ تیاری کر رہے ہیں اور میرا وہاں کوئی کام بھی نہیں۔ میں اس لئے یہاں چلا آیا کہ میں یہاں زیادہ کارآمد ثابت ہو سکوں گا۔'' ڈاکٹر توصیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ بہت اچھے ہیں ڈاکٹر..... ممی تو کافی ضبط و تحمل والی ہیں لیکن شاید مجھے اور سلیم کو جلد از جلد طبی امداد کی ضرورت پیش آئے گی۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اس نوجوان ڈاکٹر کی کامیابی پر اس قدر یقین رکھتے ہیں۔ وہ کس قدر سنجیدہ اور مطمئن ہے۔''

''اور ساتھ ہی ساتھ کافی خوبصورت بھی۔'' سلیم نے کسی قدر تلخی سے کہا۔

''تم کیا بک رہے ہو سلیم۔'' بیگم صاحبہ تیزی سے بولیں اور نجمہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔

''معاف کیجئے گا پھوپھی صاحبہ میں بہت پریشان ہوں۔'' سلیم یہ کہہ کر ٹہلتا ہوا برآمدے کے دوسرے کنارے تک چلا گیا۔

''کنور صاحب میرے خیال سے بجلی کا انتظام بالکل ٹھیک ہوگا۔ شاید ڈائنامو کی دیکھ بھال آپ ہی کرتے ہیں۔'' ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

''جی ہاں..... کیوں..... ڈائنامو بالکل ٹھیک چل رہا ہے لیکن اسکے پوچھنے کا مطلب.....!'' سلیم نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''مطلب صاف ہے۔'' ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ ''اگر خدانخواستہ ڈائنامو فیل ہو گیا تو اندھیرے میں آپریشن کس طرح ہوگا۔ ایک بڑے آپریشن کے لئے کافی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''بظاہر تو ڈائنامو فیل ہونے کا کوئی امکان نہیں لیکن اگر فیل ہی ہو گیا تو میں کیا کر سکوں گا۔ اُف یہ ایک خطرناک خیال ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو ڈاکٹر شوکت بڑی مصیبت میں

پڑجائے گا۔ اوہ نہیں نہیں..... میرے خدا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا.....!" کنور سلیم کے چہرے پر بے چینی کے آثار پیدا ہوگئے۔

اتنے میں ایک نوکر داخل ہوا۔

"کیوں کیا ہے.....!" سلیم نے اس سے پوچھا۔

"پروفیسر صاحب نیچے کھڑے ہیں۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔" نوکر نے کہا۔

"پروفیسر..... مجھے.....اس وقت۔" سلیم نے حیرت سے کہا۔

"جاؤ بھئی..... نیچے جاؤ.....!" بیگم صاحبہ بیزاری سے بولیں۔ "کہیں وہ پاگل یہاں نہ چلا آئے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ وہ اس وقت یہاں کس لئے آیا ہے۔" سلیم نے نوکر سے کہا۔

"کیا تم نے اسے آپریشن کے متعلق نہیں بتایا.....؟"

"حضور میں نے انہیں ہر طرح سمجھایا.....لیکن وہ سنتے ہی نہیں۔"

"خیر چلو دیکھوں کیا بکتا ہے۔" سلیم نے کہا۔ "اس پاگل سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔"

سلیم نیچے آیا..... پروفیسر باہر کھڑا تھا۔ اس نے سردی سے بچنے کے لئے سر پر مفلر لپیٹ رکھا تھا اور چسٹر کا کالر اس کے کانوں کے اوپر تک چڑھا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود سردی کی وجہ سے سکڑا جا رہا تھا۔

"کیوں پروفیسر کیا بات ہے؟" سلیم نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"ایک غیر معمولی چمکدار ستارہ جنوب کی طرف نکلا ہے۔" پروفیسر نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر تم اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔"

"جہنم میں گئی معلومات.....!" سلیم نے جھنجھلا کر کہا۔ "کیا اتنی سی بات کے لئے تم دوڑے آئے ہو۔"

"بات تو کچھ دوسری ہے۔ میں تمہیں بہت ہی تعجب خیز چیز دکھانا چاہتا ہوں۔ ایسی چیز تم نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔" اس نے سلیم کا بازو پکڑ کر اسے پرانی کوٹھی کیطرف لے جاتے ہوئے کہا۔

سلیم چلنے لگا لیکن اس نے لوہے کی موٹی سلاخ کو نہ دیکھا جو پروفیسر اپنی آستین میں چھپائے ہوئے تھا۔

"کھٹ.....!" تھوڑی دور چلنے کے بعد پروفیسر نے وہ سلاخ سلیم کے سر پر دے ماری۔ سلیم بغیر آواز نکالے چکرا کر دھم سے زمین پر آ رہا۔ پروفیسر حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ جھکا اور بے ہوش سلیم کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی ہلکے پھلکے بچے کو اٹھا لیتا ہے۔ وہ تیزی سے پرانی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ یہ سب اتنی جلدی اور خاموشی سے ہوا کہ وہ نوکر جو ہال میں سلیم کا انتظار کر رہا تھا وہ یہی سوچتا رہ گیا کہ اب سلیم پروفیسر کو اس کی کوٹھی میں دھکیل کر واپس آ رہا ہوگا۔

پرانی کوٹھی میں پہنچ کر پروفیسر نے بیہوش سلیم کو ایک کرسی پر ڈال دیا اور جھک کر سر کے اس حصے کو دیکھنے لگا جو چوٹ لگنے کی وجہ سے پھول گیا تھا۔ اس نے پراطمینان انداز میں اس طرح سر ہلایا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ ابھی کافی دیر تک بے ہوش رہے گا۔ پھر اس حیرت انگیز بوڑھے نے سلیم کو پیٹھ پر لاد کر مینار پر چڑھنا شروع کیا۔ بالائی کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے ٹٹول کر سلیم کو ایک بڑے صوفے پر ڈالا اور موم بتی جلا کر طاق پر رکھ دی۔

ہلکی روشنی میں چسٹر کے کالر کے سائے کی وجہ سے اس کا چہرہ اور زیادہ خوفناک معلوم ہونے لگا تھا۔ اس نے سلیم کو صوفے سے باندھ دیا پھر وہ دوربین کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گیا اور دوربین کے ذریعہ نواب صاحب کے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ نواب صاحب کے کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر اور نرسوں نے اپنے چہروں پر سفید نقاب لگائے تھے۔

ڈاکٹر شوکت کھولتے ہوئے پانی سے ربڑ کے دستانے نکال کر پہن رہا تھا۔ وہ سب آپریشن کی میز کے گرد کھڑے ہوئے تھے۔ آپریشن شروع ہونے والا تھا۔

"بہت خوب.....!" پروفیسر بڑبڑایا۔ "میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا لیکن آخر اس سردی کے باوجود بھی انہوں نے کھڑکیاں کیوں نہیں بند کیں۔"

نواب صاحب کی کوٹھی کے گرد و پیش عجیب طرح کی پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

چھوٹے سے لے کر بڑے تک کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بیمار کے کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔ بڑ
صاحب کا سخت حکم تھا کہ کسی قسم کا شور نہ ہونے پائے۔ لوگ اتنی خاموشی سے چل پھر رہے
جیسے وہ خواب میں چل رہے ہیں۔

کوٹھی میں نوکرانیاں پنجوں کے بل چل رہی تھیں۔ گھر کے سارے کتے باغ کے آخر
کنارے پر ایک خالی جھونپڑے میں بند کر دیئے گئے تھے تاکہ وہ کوٹھی کے قریب شور نہ مچا سکیں

پروفیسر دوربین پر جھکا ہوا اپنے گرد و پیش سے بے خبر بیمار کے کمرے کا منظر دیکھ رہا تھا
وہ اتنا محو تھا کہ اس نے سلیم کے جسم کی حرکت کو بھی نہ محسوس کیا۔ سلیم آہستہ آہستہ ہوش میں آ
تھا۔ ایک عجیب قسم کی سنسناہٹ اس کے جسم میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے بازوؤں پر ر
کے تناؤ کو بھی نہ محسوس کیا۔ دو تین بار سر جھٹکنے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ا
چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی نظر آ رہی تھی۔ پھر دور ایک ٹمٹماتا ہوا تارہ دکھائی دیا
تارے کے چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ آہستہ آہستہ روشنی پھیلتی گئی۔ موم بتی کی لو تھرا رہی
تھی۔ پروفیسر دوربین پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ کیا..... وہ بندھا ہوا
ہے۔ رفتہ رفتہ کچھ دیر قبل کے واقعات اسے یاد آ گئے۔

"پروفیسر آخر یہ کیا حرکت ہے۔" اس نے بھرائی ہوئی نحیف آواز میں قہقہہ لگا کر کہا۔
"آخر اس مذاق کی کیا ضرورت تھی۔"

"اچھا تم جاگ گئے۔" پروفیسر نے سر اٹھا کر کہا۔ "کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ تم اس
وقت اتنے ہی بے بس ہو جتنے کہ میرے دوسرے شکار..... تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں اب
گلہریوں، خرگوشوں اور مینڈکوں کے ساتھ ہی ساتھ آدمیوں کا بھی شکار کرنے لگا ہوں۔ کیوں
ہے نہ دلچسپ خبر.....!"

پہلے تو سلیم نہ سمجھ سکا۔ لیکن دوسرے لمحے میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کا سارا
خون منجمد ہو گیا ہو۔ وہ لرز گیا..... وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بوڑھے نے اپنے دوسرے شکاروں
کا حوالہ کیوں دیا ہے..... تو..... کیا..... تو..... کیا..... اب وہ اپنی خونی پیاس بجھانے کے لئے

جانوروں کے بجائے آدمیوں کا شکار کرنے لگا۔

ارے!

سلیم نے شدید گھبراہٹ کے باوجود بھی لاپروائی کا انداز پیدا کر کے قہقہہ لگانے کی کوشش کی۔

"بہت اچھے پروفیسر..... لیکن مذاق کا وقت اور موقع ہوتا ہے۔ چلو..... شاباش یہ رسیاں کھول دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں.....!"

"صبر..... صبر..... میرے اچھے لڑکے۔" اس نے اس کی طرف جھک کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب میری باری آئی ہاہاہا۔"

"تمہاری باری..... کیا مطلب.....!" سلیم نے چونک کر کہا۔

"کیا تم نہیں جانتے۔" پروفیسر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کہو کہو میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔" سلیم نے بے پروائی سے کہا۔

"میرا مقصد یہ تھا کہ نوجوان ڈاکٹر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔" پروفیسر نے پرسکون لہجے میں کہا 'اور اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم دوبارہ آزاد کر دیئے گئے تو ایسا نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ مجھے خوف ہے..... بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ نواب صاحب کی جان بچا سکے۔ اسی لئے میں تمہیں یہاں لایا ہوں۔ میرے بھولے سلیم کیا سمجھے؟ میں..... کیا میں چالاک نہیں.....!"

"بہت چالاک ہو کیا کہنے.....!" سلیم نے ہنس کر کہا۔

"تم یہاں بالکل بے بس ہو۔ یہاں میں تمہاری خبر گیری بھی کروں گا اور بیمار کے کمرے کا منظر بھی دیکھ سکوں گا۔" پروفیسر نے دوربین کے شیشے میں آنکھ لگاتے ہوئے کہا۔ "نہ تو میں احمق ہوں اور نہ میری دوربین..... محض مذاق ہے..... کیا سمجھے۔"

اچانک سلیم میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہوگئی۔ اس کی بھنویں تن گئیں۔ کچھ دیر قبل اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے بھینچ کر رہ گئے۔ آنکھوں کی شرارت آمیز شوخی ایک بہت ہی خوفناک قسم کی چمک میں تبدیل ہوگئی۔ وہ اب تک ہنس مکھ اور کھلنڈرا نوجوان رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے چہرے پر سے ایک گہری نقاب ہٹ گئی ہو۔ وہ ایک خونخوار بھیڑیئے کی طرح ہانپ رہا تھا۔

"ان رسیوں کو کھول دو سُوّر کے بچے۔" وہ چیخ کر بولا۔ "ورنہ میں تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔"

"دھیرج.....دھیرج.....میرے پیارے بچے۔" پروفیسر نے مڑ کر پرسکون لہجے میں کہا۔ "کل تک میں یقیناً تم سے خائف تھا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن تم اس وقت میری گرفت میں ہو.....قاتل.....سازشی.....تم بہت خطرناک ہوتے جارہے ہو۔ ایسی صورت میں تمہاری نگرانی کی ضرورت ہے۔"

"تم دیوانے ہو.....قطعی دیوانے۔" سلیم نے تیزی سے کہا۔

"شاید ایسا ہی ہو.....!" پروفیسر نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن میں اتنا دیوانہ بھی نہیں کہ تمہاری سازشوں کو نہ سمجھ سکوں تم اب تک مجھے ایک بے جان مگر کارآمد اوزار کی طرح استعمال کرتے آئے ہو لیکن آج کی رات میری.....کیا سمجھے۔"

سلیم کے جسم سے پسینہ پھوٹ پڑا۔ غصے کی جگہ خوف نے لے لی۔ وہ اب تک پروفیسر کو پاگل سمجھتا تھا کہ وہ جدھر اسے لے جانا چاہتا ہے وہ بغیر سمجھے بوجھے چلا جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ محتاط رہا۔ اس نے آج تک اپنی اصلی سرگرمیوں کی بھنک بھی پروفیسر کے کان میں نہ پڑنے دی تھی۔ پھر اسے اسکی سرگرمیوں کا علم کیونکر ہوا۔ وہ خوفزدہ ضرور تھا لیکن ناامید نہیں۔ کیونکہ اسکی زندگی کے دوسرے پہلو کا علم پروفیسر کے علاوہ کسی اور کو نہ تھا۔ پروفیسر جو پاگل تھا۔"

"تم قتل کی بات کرتے ہو۔" سلیم نے سکون کے ساتھ کہا۔ "خدا کی قسم اگر تم نے یہ رسیاں فوراً ہی نہ کھول دیں تو میں اپنی اس دھمکی کو پورا کر دکھاؤں گا۔ جو اکثر تمہیں دیتا رہا ہوں۔ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گا کہ تم قاتل ہو۔ اپنے اسسٹنٹ کے قاتل.....!"

"میں.....!" پروفیسر نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ میں آج ایک نئی اور دلچسپ خبر سن رہا ہوں۔ میں نے یہ قتل کب کیا تھا۔"

"کب کیا تھا.....!" سلیم نے کہا۔ "اتنی جلدی بھول گئے۔ کیا تم نے اپنے اسسٹنٹ نعیم کو اپنے بنائے ہوئے غبارے میں بٹھا کر نہیں اڑایا تھا۔ جس کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔"

پروفیسر خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر عجیب قسم کی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ "اور ہاں اسی حادثے کے بعد سے میرا دماغ خراب ہوگیا اور تمہیں اس واقعہ کا علم ہوگیا تھا۔ لہٰذا تم نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا مجھ سے ناجائز کاموں میں مدد لیتے رہے۔ مجھ سے روپیہ اینٹھتے رہے۔ لیکن برخوردار شاید تمہیں اس کا علم نہیں کہ میں حال ہی میں ایک سرکاری جاسوس سے مل چکا ہوں۔ تم خوفزدہ کیوں ہو رہے ہو۔ میں نے تمہارے متعلق اس سے کچھ نہیں کہا۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نعیم میرے غبارے کے ٹوٹنے سے مرا نہیں۔ بلکہ وہ اس وقت بھی مدراس کے کسی گھٹیا سے شراب خانے میں نشے سے چور اوندھا پڑا ہوگا اور مجھے اس کا بھی علم ہے کہ اس نے جو خطوط مجھے لکھے تھے تم نے راستے ہی سے غائب کر دیئے۔ بہت عرصہ ہوا تمہیں اس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل گیا تھا۔ لیکن تم مجھے پاگل سمجھ کر روپے اینٹھنے کے لئے اندھیرے ہی میں رکھنا چاہتے تھے۔ کہو میاں سلیم کیسی رہی۔ کیا اب میں تمہیں وہ باتیں بھی بتاؤں جو میں تمہارے متعلق بھی جانتا ہوں۔"

کنور سلیم سہم کر رہ گیا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پروفیسر کا پاگل پن کسی نئے موڑ پر پہنچ گیا ہے جسے وہ اب تک ایک بے ضرر کیچوا سمجھتا رہا وہ آج پھن اٹھائے اس پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"خیر پروفیسر چھوڑو ان حماقت کی باتوں کو۔" سلیم نے کوشش کرکے ہنستے ہوئے کہا۔ "میری رسیاں کھول دو.....آدمی بنو۔ تم میری عزیز ترین دوست ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اس سے بھی بڑی دوربین خرید دوں گا۔ اتنی بڑی کہ سچ مچ ایک شیشے کا گنبد معلوم ہوگی۔"

"ٹھہرو سلیم ٹھہرو.....!" پروفیسر نے دوربین کے شیشے پر جھک کر کہا۔ "میں ذرا پیار کے

کمرے میں دیکھ لوں۔ ہوں تو ابھی آپریشن شروع نہیں ہوا۔ ایسے خطرناک آپریشنوں میں تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نوجوان ڈاکٹر نواب صاحب کی جان بچانے کامیاب ہوجائے گا۔ لیکن سلیم یہ تو بڑی بُری بات ہے۔ اگر نواب صاحب دس بیس برس زندہ رہے تو کیا ہوگا۔ تو تمہاری وراثت تم تک جلد نہ پہنچ سکے گی۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" سلیم نے کہا۔ "میں بہر حال اُن کا وارث ہوں اور پھر مجھے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا میں کم دولت مند ہوں۔"

"خیر..... تمہاری دولت کا حال تو میں اچھی طرح جانتا ہوں اسی لئے تو ایک بس بوڑھے سے روپے اینٹھتے رہے سنو بیٹے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہاری تنگدستی نواب صاحب کی موت کی خواہاں ہے اسی لئے میں نے تمہیں اس وقت تکلیف دی ہے امید ہے کہ تم ایک سعادت مند بچے کی طرح اس کا کچھ خیال نہ کرو گے کیا تم نے آج ڈا توصیف کو اسی لئے شہر نہیں بھیج دیا کہ نوجوان ڈاکٹر سچ مچ پیدل آنے پر مجبور ہوجائے۔"

"کیا فضول بکواس ہے۔" سلیم نے دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اور پھر تم ایک رسی لے کر درخت پر چڑھ گئے۔" پروفیسر بولتا رہا۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میں کچھ نہیں جانتا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ڈاکٹر شوکت بچ کیسے گ لیکن میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ تم مجھے اندھیرے کی چمگادڑ سمجھتے ہو اور تمہارا خیال بھی درست ہے۔ اندھیرا مجھ پر سورج کی طرح روشن رہتا ہے۔ میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔ کیا نہیں جانتا۔"

"تم کچھ نہیں جانتے۔" سلیم نے مردہ آواز میں کہا۔ "یہ محض تمہارا قیاس ہے"

"تم اسے قیاس کہہ رہے ہو لیکن یہ سو فیصد سچ ہے۔ دیکھو سلیم ہم دونوں ایک دوسر اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیا میں یہ نہیں جانتا کہ ڈاکٹر شوکت کو قتل کردینے کی ایک وجہ اور ہے جس کا تعلق آپریشن سے نہیں۔"

"کیا.....!" سلیم بے اختیار چونک کر چیخا۔

"ٹھیک ٹھیک۔" پروفیسر نے سر ہلایا۔ "تمہاری چیخ ہی اقبال جرم ہے۔"

"کیا تم نے اس خنجر باز نیپالی کو روپیہ دے کر اس قتل پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ اس احمق نے دھوکے میں ایک بے گناہ عورت کو قتل کردیا۔"

"یہ جھوٹ ہے..... یہ جھوٹ ہے۔" سلیم بے صبری سے بولا۔ "لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ یہ محض قیاس ہے..... بالکل قیاس.....!"

"مجھے یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ کیونکہ دنیا میں تمہیں ایک بڑے چالاک ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس دن تم نے ایک رپورٹر پر گولی چلائی تھی اور وہ رائفل میرے ہاتھ میں دے کر خود بھاگ گئے تھے۔ محض اس لئے کہ مجھے پاگل تصور کرتے ہوئے اس واقعہ کو محض اتفاقیہ سمجھا جائے۔ اور کہو تو یہ بھی بتادوں گا کہ تم اس رپورٹر کو کیوں مارنا چاہتے ہو۔ تم اسے پہچان گئے تھے۔ تمہیں یقین ہوگیا تھا کہ اسے تمہاری حرکتوں کا علم ہوگیا ہے۔ اس وقت تو وہ بچ گیا تھا لیکن آخر کار اسے تمہاری ہی گولیوں سے ہلاک ہونا پڑا..... کیوں ہے نا سچ۔"

"نہ جانے تم کس کی باتیں کر رہے ہو۔" سلیم نے سنبھالا لے کر کہا۔

"انس..... پک..... ٹر..... فری..... دی کی۔" پروفیسر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے رک رک کر کہا۔

سلیم کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ یک لخت سست پڑ گیا۔

"تمہاری دھمکیاں میرا اب کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ میں اب تمہارے گال پر اس طرح چانٹا مار سکتا ہوں۔" پروفیسر نے اٹھ کر اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔ "کیوں نہ میں ان سب باتوں کی اطلاع نجمہ اور اس کی ماں کو دے دوں۔ پولیس کو تو میں اسی وقت مطلع کردوں گا لیکن تم یہ سوچتے ہوگے کہ پولیس میری باتوں کا اعتبار نہ کرے گی کیونکہ میں پاگل ہوں۔"

"نہیں، نہیں پروفیسر تم جیت گئے۔ تم مجھ سے زیادہ چالاک ہو۔" سلیم نے آخری پانسہ پھینکا۔ "اس رسی کو کاٹ دو۔ میں تمہارے لئے ایک بڑی شاندار آبزرویٹری بنوادوں گا۔"

"تمہارا ذہن کسی وقت بھی چالبازیوں سے باز نہیں آتا۔ اچھا میں تم سے صلح کرلوں گا اس شرط پر کہ تم اس مینار میں کسی راز کو راز نہ رکھو گے۔ اس کے بعد یہ یقین رکھو کہ تمہارا سب راز مرتے دم تک میرے سینے میں دفن رہیں گے میں اسی لئے تم سے یہ سب اگلوا رہا کہ تم نے مجھے بہت دنوں تک بلیک میل کیا ہے۔ اچھا پہلے یہ بتاؤ کہ واقعی تم نے اس نیپالی ڈاکٹر شوکت کو قتل کرانے کی سازش کی تھی۔"

"میرے خیال سے تم بھی اتنا ہی جانتے ہو جتنا میں..... ہاں میں نے اس کو روپیہ دیا تھا۔"

"پھر تمہی نے اسے قتل بھی کردیا۔ اس لئے کہ کہیں وہ نام نہ بتادے۔"

"ہاں.....لیکن ٹھہرو.....!"

"انسپکٹر فریدی پر قتل کی نیت سے تم نے ہی گولی یا گولیاں چلائی تھیں۔"

"ہاں.....لیکن تم تو اس طرح سوال کررہے ہو جیسے جیسے.....!"

"تم نے ڈاکٹر شوکت کے گلے میں رسی کا پھندا بھی ڈالا تھا۔" پروفیسر نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔

"پھر تمہارا دماغ خراب ہو چلا۔" سلیم نے کہا۔ "ہاں میں نے پھندا تو ڈالا تھا۔" لیکن پھر اس نے کہا۔ "تم نے ابھی کہا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ رسی کو کاٹ دو۔ میں تم سے قطعی خوف زدہ نہیں۔ اس لئے کہ اب ہم دونوں دوست ہیں۔"

"تمہارے ہوائی قلعے بہت زیادہ مضبوط معلوم نہیں ہوتے۔" پروفیسر نے کہا۔ لیکن اس بار اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔ سلیم چونک پڑا..... سکڑا سکڑایا..... پروفیسر تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے سر پر بندھا ہوا مفلر کھول دیا۔ چیسٹر کے کالر نیچے گرادیئے اور موم بتی طاق پر سے اٹھا کر اپنے چہرے کے قریب لاکر بولا۔

"لو بیٹا دیکھ لو میں ہوں تمہارا باپ انسپکٹر فریدی۔"

"ارے.....!" سلیم کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا

لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کررہا ہے۔

"تم کون ہو..... میں تمہیں نہیں جانتا اور اس حرکت کا کیا مطلب۔" سلیم نے گرج کر کہا۔

"شور نہیں، شور نہیں۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تم سے زیادہ مجھے کون پہچان سکتا ہے۔ جب کہ تم میرے جنازے میں بھی شریک تھے۔ اس کی تو میں تعریف کروں گا سلیم! تم بہت محتاط ہو۔ اگر میں اپنے مکان سے ایک عدد جنازہ نکلوانے کا انتظام نہ کرتا تو تمہیں میری موت کا ہرگز یقین نہ ہوتا۔ اخباروں میں میری موت کی خبر سن کر شاید تم رات ہی کو شہر آگئے تھے۔ میرے لئے ہسپتال سے ایک مردہ حاصل کرلینا کوئی مشکل کام نہ تھا اور شاید تم نے دوسرے دن قبرستان تک میری لاش کا پیچھا کیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم ایک اچھے سازشی ضرور ہو لیکن اچھے جاسوس نہیں۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ پانچ گولیاں کھانے کے بعد باہوش وحواس پندرہ میل کی مسافت طے کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اس رات تم نے سرجنٹ حمید کے گھر کے بھی چکر کاٹے تھے لیکن شاید اس وقت تم وہاں موجود نہ تھے جب وہ نیپالی کے بھیس میں راج روپ نگر اس لئے آیا تھا کہ ڈاکٹر توصیف کو اس بات کی اطلاع پولیس کو کرنے سے روک دے کہ میں اس سے مل چکا ہوں اور راج روپ نگر سے واپسی پر یہ حادثہ پیش آیا۔ میں نے ایک بار رپورٹر کے بھیس میں مل کر سخت غلطی کی تھی۔ اس لئے کہ تم مجھے پہچانتے تھے اور کیوں نہ پہچانتے جب کہ میرا کوئی بار پیچھا کرچکے تھے۔ اس رات بھی تم نے میرا پیچھا کیا تھا۔ جب میں "نیپالی کے قتل" کے بعد گھر واپس آرہا تھا..... پھر تم نے کبڑے کے بھیس میں سرجنٹ حمید کو غلط راہ پر لگانے کی کوشش کی۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ تمہیں شبہ ہو گیا کہ میں تمہیں مشتبہ سمجھتا ہوں لہٰذا واپسی میں تم نے مجھ پر گولی چلائی اور رائفل پروفیسر کے ہاتھ میں دے کر فرار ہو گئے۔ پروفیسر سے گفتگو کرتے وقت میں نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ گولی چلانا تو درکنار وہ اس رائفل کے استعمال تک سے ناواقف تھے۔ تم نے مجھے قصبے کی طرف مڑتے دیکھا، اس موقع کو غنیمت جان کر تم وہاں سے دو میل کے فاصلے پر جھاڑیوں میں جا چھپے اور تم

اسی تانگے پر گئے تھے جو سڑک پر کھڑا تھا۔ تم نے خود ہی مدد کے لئے چیخ کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ پھر تم نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ اسی وقت میرے ذہن میں یہ نئی تدبیر آئی جسکے نتیجے میں آج تم ایک چوہے دان میں پھنسے ہوئے چوہے کی طرح بے بس نظر آ رہے ہو۔"

انسپکٹر فریدی اتنا کہہ کر سگریٹ سلگانے کے لئے رک گیا۔

"نہ جانے تم کون ہو اور کیا بک رہے ہو.....!" سلیم نے جھنجھلا کر کہا۔ "خیریت اسی میں ہے کہ مجھے کھول دو..... ورنہ اچھا نہ ہوگا.....!"

"ابھی تک تو اچھا ہی ہو رہا ہے.....!" فریدی نے شانے ہلا کر کہا اور جھک کر دوربین میں دیکھنے لگا۔

قاتل فرار

"تو تم نہیں کھولو گے مجھے..... دیکھو میں کہے دیتا ہوں.....!"

"بس بس زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے ڈاکٹر شوکت کا کارنامہ دیکھنے دو.....!"

"دیکھو مسٹر.....!" سلیم تیزی سے بولا۔ "اول تو مجھے یقین نہیں کہ تم سرکاری جاسوس ہو اور اگر ہو بھی تو مجھے اس سے کیا سروکار۔ آخر تم نے مجھے کس قانون کے تحت یہاں باندھ رکھا ہے۔"

"اس لئے کہ تم ایک اقبالی مجرم ہو۔ ابھی ابھی تم نے اپنے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔ کیا یہ تمہارے باندھ رکھنے کے لئے کافی نہیں۔"

"کیا احمقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔" سلیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیا تم اسے سچ سمجھے ہو۔"

"جھوٹ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔" فریدی نے دوربین پر جھکتے ہوئے کہا۔

"ہوش کے ناخن لو مسٹر سراغ رساں.....!" سلیم بولا۔ "کچھ دیر قبل میں ایک پاگل آدمی

سے گفتگو کر رہا تھا۔ اگر میں اس کی ہاں میں ہاں نہ ملاتا تو وہ میرے ساتھ نہ جانے کیا برتاؤ کرتا۔ میں اس کے ظالمانہ رجحانات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ لہٰذا جان بچانے کے لئے اس کے علاوہ اور چارہ کیا تھا۔ واہ میری بھولے سراغ رساں واہ.....!"

فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ سلیم کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"خیر جو ہوا سو ہوا..... مجھے فوراً کھول دو۔ انسان ہی سے غلطی ہوتی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے افسروں سے تمہاری شکایت نہ کروں گا۔"

فریدی اسے بے بسی سے دیکھ رہا تھا اور سلیم کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"خیر خیر کوئی بات نہیں۔" فریدی سنبھل کر بولا۔ "لیکن آج تم نے ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے کی جو کوششیں کی ہیں وہ خود میں نے دیکھی ہیں۔ ڈاکٹر شوکت کی کار میں نے بگاڑی تھی۔ میں یہ پہلے سے جانتا تھا کہ اس وقت کوٹھی میں کوئی کار موجود نہیں تھی۔ میں دراصل اسے پیدل لے جانا چاہتا تھا۔ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ حقیقتاً سازشی کون ہے۔ کیا تم کار کا بہانہ کر کے وہاں سے نہیں ٹل گئے تھے..... کیا تم نے پروفیسر کو زہریلی سوئی دے کر اسے شوکت سے ہاتھ ملانے کے بہانے چبھو دینے پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ جب تم نے اس کے گلے میں رسی کا پھندا ڈالا تھا تب بھی میں تم سے تھوڑی ہی دور کے فاصلے پر موجود تھا اور میں نے ہی شوکت کو بچایا تھا۔"

"نہ جانے تم کون سی داستان امیر حمزہ بیان کر رہے ہو۔" سلیم نے اکتا کر کہا۔ "عقل مند آدمی ذرا سوچو تو آخر میں ڈاکٹر شوکت کی جان کیوں لینا چاہوں گا۔ جب کہ وہ میرے لئے قطعی اجنبی ہے۔ تم کہو گے کہ میں نے ایسا محض اس لئے کیا کہ چچا جان جانبر نہ ہو سکیں لیکن ایسا سوچنا حماقت ہوگی۔ اگر ایسا ہوتا تو میں پہلے ہی ان کا خاتمہ کر دیتا اور کسی کو خبر تک نہ ہوتی۔"

"کیا کہا شوکت تمہارے لئے اجنبی ہے۔" فریدی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تم اس کے لئے اجنبی ہو سکتے ہو لیکن وہ تمہارے لئے نہیں۔ کیا بتاؤں کہ تم اس کی جان کیوں

لینا چاہتے ہو۔"

فریدی کے الفاظ کا اثر حیرت انگیز تھا۔ سلیم پھر سست پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں سے خو اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں خوف اور دلیری باہمی کش مکش میں مبتلا تھے۔ آخر کار نے خوف پر قابو پا لیا۔

"آخر تم کیا چاہتے ہو.....؟" اس نے فریدی سے کہا۔

"تم کو قانون کے حوالے کرنا۔"

"لیکن کس قانون کی رو سے۔"

"تم نے ابھی ابھی اپنے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔"

"اچھا چلو یہی سہی۔" وہ فریدی کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتا ہوا بولا۔ "لیـ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں نے اقبال جرم کیا ہے۔ عدالت میں تم کسے گواہ کی حیثیـ سے پیش کرو گے جب کہ یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا نہیں ہے۔ دیکھو مسٹر فریـ مجھے جھانسا دینا آسان کام نہیں۔ تم اس طرح عدالت میں میرے خلاف مقدمہ چلا کر کامیا نہیں ہو سکتے۔"

"تب تو مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے بے بسی سے کہا۔ "کا میں سرجنٹ حمید کو بھی یہاں لایا ہوتا۔"

سلیم نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ "ابھی کچے ہو مسٹر جاسوس۔"

"اُف میرے خدایا۔" فریدی نے بوکھلا کر کہنا شروع کیا۔ "لیکن تم نے ابھی میر سامنے اقبال جرم کیا ہے کہ..... تم..... قق..... قاتل ہو.....!"

"ہکلاؤ نہیں پیارے۔" سلیم بے ساختہ ہنستا ہوا بولا۔ "لو میں ایک بار پھر اقبال جر ہوں کہ میں نے ہی شوکت کو قتل کرنے یا کرانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ہی نیپالی کو بھی کیا تھا۔ میں نے تم پر بھی گولیاں برسائی تھیں۔ لیکن پھر کیا؟ تم میرا کیا کر سکتے ہو۔ میں خطاب یافتہ خاندان کا فرد ہوں۔ راج روپ نگر کا ہونے والا نواب..... تمہاری بکواس

یقین آئے گا۔"

"بہت اچھے برخوردار.....!" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بہت عقل مند ہو لیکن واضح رہے کہ اب تم نے جو اقبال جرم کیا ہے وہ پاگل پروفیسر کے سامنے نہیں بلکہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی کے سامنے کیا ہے۔"

"تو پھر اس سے کیا..... میں ہزار مرتبہ اقبال جرم کر سکتا ہوں۔ کیونکہ یہاں ہم دونوں کے سوا اور کون ہے۔ کہو تو ایک بار پھر دہرا دوں۔" سلیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بس بس کافی ہے۔" فریدی نے جلی ہوئی سگریٹ کا ٹکڑا پھینکتے ہوئے کہا۔ "تم فریدی کو نہیں جانتے۔ ادھر دیکھو اس الماری میں..... لیکن نہیں تمہیں نہیں دکھائی دیتا۔ ٹھہرو میں موم بتی اٹھاتا ہوں۔ دیکھو بیٹا سلیم..... یہ ایک بہت زیادہ طاقت ور ٹرانسمیٹر ہے اور ابھی حال ہی کی ایجاد ہے۔ ایک مختصر سی بیٹری اُسے چلانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ کیا سمجھے اس کے ذریعہ میری اور تمہاری آوازیں محکمہ سراغ رسانی کے دفتر تک پہنچ رہی ہوں گی اور ان کا باقاعدہ ریکارڈ لیا جا رہا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ تم معمولی ذہانت کے مجرم نہیں ہو۔ اس لئے میں نے پہلے ہی اس کا انتظام کر لیا تھا۔ اب کہو کون جیتا.....؟" فریدی نے قہقہہ لگایا اور سلیم نڈھال ہو کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ اسے اپنا دل سر کے اس حصے میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا جہاں چوٹ لگی تھی۔ لیکن اس کے ذہن نے ابھی تک شکست قبول نہ کی تھی۔ سگریٹ کا جلتا ہوا ٹکڑا اس کے قریب ہی پڑا تھا۔ اس نے فریدی کی نظر بچا کر جو نہایت اطمینان سے دوربین پر جھکا ہوا تھا اسے پیر سے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھسکانا شروع کیا۔ اب سگریٹ کا جلتا ہوا حصہ رسی کے ایک بل سے لگا ہوا اسے آہستہ آہستہ جلا رہا تھا۔ سلیم نے اپنے دونوں پیر سمیٹ کر رسی کے سامنے کر لئے۔ رسی خشک تھی یا سلیم کی تقدیر یاور۔ آگ اپنا کام کر رہی تھی۔ فریدی بدستور دوربین پر جھکا ہوا تھا۔ دفعتاً سلیم صوفے سمیت دوسری طرف پلٹ گیا۔ فریدی چونک کر اس کی طرف جھپٹا۔ لیکن قبل اس کے کہ حیرت زدہ فریدی کچھ کر سکے سلیم رسی کے بلوں سے آزاد ہو چکا تھا۔

فریدی اس پر ٹوٹ پڑا لیکن سلیم کو زیر کرنا آسان کام نہ تھا..... تھوڑی دیر بعد دونوں گتھ
ہوئے ہانپ رہے تھے۔ سلیم کو سست پا کر فریدی کو جیب سے پستول نکالنے کا موقع مل گیا۔ لیکن
سلیم نے اس پھرتی کے ساتھ اس سے پستول چھین لیا جیسے وہ اس کا منتظر تھا۔ اسی کشمکش میں
پستول چل گیا۔ فریدی نے چیخ ماری اور گرتے گرتے اس کا سر دوربین سے ٹکرا گیا۔ وہ بالکل
بے حس و حرکت زمین پر اوندھا پڑا تھا۔

سلیم کھڑا ہانپ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ دفعتاً وہ ٹرانسم
کے سامنے کھڑا ہو کر بُری طرح کھانسنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر کھانسیوں کا دورہ
ہو۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولنے لگا۔

''میں انسپکٹر فریدی بول رہا ہوں۔ ابھی سلیم میری گرفت سے نکل گیا تھا۔ کافی جدوجہ
کے بعد میں نے اس کے پیر میں گولی ماردی۔ اب وہ پھر میری قید میں ہے۔ میں اسے مقا
پولیس کے سپرد کرنے جارہا ہوں۔ بقیہ رپورٹ کل آٹھ بجے صبح۔''

اب سلیم نے ٹرانسمیٹر کا تار بیٹری سے الگ کردیا۔ اس کے پرزے پرزے ادھر اُدھر ب
گئے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کرتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔

خوفناک لمحے

انسپکٹر فریدی نے اپنی موت کی خبر شائع کرانے میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔
راج روپ نگر کے جنگلوں میں دشمن سے مقابلہ کرتے وقت اچانک اس کے ذہن میں
تدبیر آئی تھی۔ وہ خواہ مخواہ اس طرح چیخ کر بھاگا تھا جیسے وہ زخمی ہوگیا ہو۔ وہ ہسپتال گیا
وہاں چیف انسپکٹر کو بلوا کر اسے سارے حالات بتائے اور اس سے مدد مانگی۔ یہ چیز مشکل
تھی۔ چیف انسپکٹر نے پولیس کمشنر سے مشورہ کر کے پولیس ہسپتال کے انچارج کرنل

سے سب معاملے طے کرلئے لیکن اسے یہ نہ بتایا گیا کہ ڈرامہ کھیلنے کا مقصد کیا ہے۔ سول
ہسپتال سے خفیہ طریقہ پر ایک لاش حاصل کی گئی۔ پھر اس پر انسپکٹر فریدی کا میک اپ کیا گیا۔
یہی وجہ تھی کہ سلیم آسانی سے دھوکا کھا گیا۔ ان سب باتوں سے فرصت پانے کے بعد انسپکٹر
فریدی نے بھیس بدل کر اپنی سرگرمیاں شروع کردیں۔

تیسرے دن اچانک کرنل تیواری کے تبادلے کا حکم آگیا اور اسے صرف اتنی ہی مہلت مل
سکی کہ اس نے ڈاکٹر توصیف کو ایک خط لکھ دیا انسپکٹر فریدی کو اب تک سلیم پر محض شبہ ہی شبہ تھا۔
اس کی تحقیقات کا رخ زیادہ تر پروفیسر ہی کی طرف رہا۔ اس سلسلے میں اسے اس بات کا علم ہوا
کہ سلیم پروفیسر کو دھوکے میں رکھ کر اپنے آلہ کار بنائے ہوئے ہے۔ پروفیسر کے متعلق اس نے
ایک بالکل ہی نئی بات معلوم کی جس کی اطلاع سلیم کو بھی نہ تھی۔ وہ یہ کہ پروفیسر ناجائز طور پر
کوکین حاصل کیا کرتا تھا..... جس طریقہ سے کوکین اس تک پہنچا کرتی تھی وہ انتہائی دلچسپ
تھا۔ اسے ایک ہفتہ کے استعمال کے لئے کوکین ملا کرتی تھی۔ کوکین فروشوں کے گروہ کا ایک
آدمی ہر ہفتہ ایک پیکٹ کوکین اس کے لئے لاکر پرانی کوٹھی کے باغیچے میں چھپا دیا کرتا تھا۔
وہیں اس کے دام بھی رکھے ہوئے مل جاتے تھے۔ دو ایک بار اسے مالیوں نے ٹوکا بھی لیکن اس
نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ دوا کے لئے بیر بہوٹی تلاش کررہا ہے۔ فریدی نے فی الحال اس
گروہ کو پکڑانے کی کوشش نہ کی کیونکہ اس کے سامنے اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ تھا۔ ڈاکٹر
شوکت کے راج روپ نگر جانے سے ایک دن قبل ہی اس نے کوٹھی کے ایک مالی کو بھاری رقم
دے کر ملا لیا تھا۔ اس لئے کوٹھی کے افراد کے متعلق سب کچھ جان لینے میں کوئی خاص دقت نہ
ہوئی۔ آپریشن والی رات کو سرجنٹ حمید بھی وہاں آگیا..... فریدی نے اسے پروفیسر کو بہلا پھسلا
کر مالی کے جھونپڑے تک لانے کے لئے تعینات کردیا۔ اس کے لئے پوری اسکیم پہلے ہی
مرتب ہو چکی تھی۔ حمید نے پروفیسر سے کوکین فروشوں کے گروہ کے ایک نمائندے کی حیثیت
سے ملاقات کی اور اسے کوکین دینے کا لالچ دلا کر مالی کے جھونپڑے تک لایا۔ یہاں اسے
کوکین میں کوئی تیز قسم کی نشی چیز دی گئی جس کے اثر سے پروفیسر بہت جلد بے ہوش ہوگیا۔

اس کے بعد انسپکٹر فریدی نے اس کے کپڑے خود پہن لئے اور ٹرانسمیٹر کو گٹھڑی میں باندھ کر جھونپڑے سے نکل گیا۔ جھونپڑے سے باہر جس نے اچھل کود مچائی تھی وہ انسپکٹر فریدی ہی تھا۔

جب فریدی کو گئے ہوئے کافی عرصہ ہوگیا تو حمید کا دل گھبرانے لگا۔ اس نے سوچا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ ہر چند کہ فریدی نے اسے بے ہوش پروفیسر کو سوتا چھوڑ کر کہیں جانے کی اجازت نہ دی تھی لیکن اس کا دل نہ مانا۔ وہ پروفیسر کو سوتا چھوڑ کر پرانی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ مینار میں وہ اس وقت داخل ہوا جب سلیم جا چکا تھا۔ ٹرانسمیٹر چور چور ہوا فرش پر بکھرا ہوا پڑا تھا اور فریدی ابھی تک اسی طرح پڑا تھا۔ حمید بدقت تمام اپنی چیخ روک سکا۔ اس نے دوڑ کر فریدی کو اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بے ہوش تھا..... بظاہر کہیں کوئی چوٹ نہ معلوم ہوتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کراہ کر اس نے کروٹ بدلی۔ حمید اسے ہلانے لگا..... وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔

"تم.....!" اس نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ "وہ مردود کہاں گیا.....؟"

"کون.....؟"

"وہی سلیم.....!" فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "افسوس ہاتھ آ کر نکل گیا۔" پھر اس نے جلدی جلدی سارے واقعات بتا دیئے۔

"اس نے تو اپنی دانست میں مار ہی ڈالا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن جیسے ہی اس نے گولی چلائی..... میں نے پھر ایک بار اسے دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ لیکن برا ہوا اس دوربین کا کہ سب کیا دھرا خاک میں مل گیا۔ اگر میرا سر اس سے نہ ٹکرا جاتا تو پھر میں نے پالا مار لیا تھا۔ ارے اس ٹرانسمیٹر کو کیا ہوا..... توڑ دیا کم بخت نے۔ ایسا دلیر مجرم آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا.....!"

"آیئے..... تو چلئے اُسے تلاش کریں۔" حمید نے کہا۔

"پاگل ہوئے ہو..... اب تم اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ وہ معمولی ذہانت کا آدمی نہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دیکھوں تو آپریشن کا کیا رہا.....!"

اس نے دوربین کے شیشے سے آنکھ لگا دی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔

"ارے.....!" وہ چونک کر بولا۔ "یہ پائپ کے سہارے دیوار پر کون چڑھ رہا ہے۔"

"سلیم..... اس کا کیا مطلب..... ارے وہ تو کھڑکی کے قریب پہنچ گیا..... یہ اس نے جیب سے کیا چیز نکالی..... ہیں..... یہ نلکی کیسی..... ارے لو غضب وہ نلکی کو ہونٹوں میں دبا رہا ہے..... قتل قتل..... حمید اب ڈاکٹر شوکت اتنی خاموشی سے قتل ہو جائے گا کہ اس کے قریب کھڑی نرس کو بھی اس کی خبر نہ ہوگی۔ اُف کیا کیا جائے..... جتنی دیر میں ہم وہاں پہنچیں گے وہ اپنا کام کر چکا ہوگا۔ کم بخت پستول بھی تو اپنے ساتھ لیتا گیا۔"

"پستول میرے پاس ہے.....!" حمید نے کہا۔

"لیکن بے کار..... اتنی دور سے پستول کس کام کا..... اوہ کیا کیا جائے۔ اس کی نلکی میں وہ زہریلی سوئی ہے۔ ابھی وہ ایک پھونک مارے گا اور سوئی نلکی سے نکل کر ڈاکٹر شوکت کے جا لگے گی۔ اُف میرے خدا..... اب کیا ہوگا۔ وہ شاید نشانہ لے رہا ہے۔ اوہ ٹھیک یاد آ گیا..... میں نے وہ رائفل نیچے دیکھی تھی۔ ٹھہرو..... میں ابھی آیا!" فریدی یہ کہہ کر دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں وہی چھوٹی سی ہوائی رائفل تھی جو اس نے پروفیسر کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس کی میگزین میں کئی کارتوس باقی تھے۔

"ہٹو..... ہٹو..... کھڑکی سے جلدی ہٹو۔ اس نے کھڑکی سے نشانہ لیا۔ بیمار کے کمرے سے آتی ہوئی روشنی میں سلیم کا نشانہ صاف نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے رائفل چلا دی۔ سلیم اچھل کر ایک دھماکے کے ساتھ زمین پر آ رہا.....!"

"وہ مارا.....!" اس نے رائفل پھینک کر زینے کی طرف دوڑتے ہوئے کہا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔ یہ لوگ اس وقت پہنچے جب بیگم صاحبہ، نجمہ، ڈاکٹر توصیف اور کئی ملازمین وہاں اکٹھے ہو چکے تھے۔ عورتوں کی چیخ و پکار سن کر ڈاکٹر شوکت بھی نیچے آ گیا تھا۔

فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "کہو ڈاکٹر آپریشن کا کیا رہا....." شوکت چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم.....!" اس نے منہ پھاڑے ہوئے حیرت سے کہا۔

"ہاں ہاں میں بھوت نہیں۔ بتاؤ آپریشن کا کیا رہا۔"

"کامیاب.....!" شوکت نے بوکھلا کر کہا۔ "لیکن.....لیکن.....!"

"میں محض تمہارے لئے مرا تھا..... میرے دوست اور یہ دیکھو آج جس نے تمہار گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا تھا تمہارے سامنے مردہ پڑا ہے۔"

اب سارے لوگ فریدی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آپ لوگ براہِ کرم لاش کے قریب سے ہٹ جایئے۔" فریدی نے کہا۔ "اور حمید ڈاکٹر شوکت کی کار پر تھانے چلے جاؤ۔"

"تم کون ہو.....!" بیگم صاحبہ گرج کر بولیں۔

"محترمہ میں محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "میں سرکس والے نیپالی کے قاتل اور ڈاکٹر شوکت کی جان لینے کی کوشش کرنیوالے کی لاش تھانے میں لے جانا چاہتا ہوں۔"

"نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔" نجمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"جو کچھ میں بک رہا ہوں اس کی وضاحت قانون کرے گا۔"

انکشاف

ایک ہفتے کے بعد نجمہ اور ڈاکٹر شوکت کوٹھی کے پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہے تھے۔

"اُف فوہ کس قدر شریر ہو تم نجمہ.....!" شوکت نے کہا۔ "آخر بیچارے مالیوں کو تنگ کرنے سے کیا فائدہ؟ یہ کیاریاں جو تم نے بگاڑ دی ہیں۔ مالی اسکا غصہ کسی کے اوپر اتاریں گے۔"

"میں نے اس لئے بگاڑی ہیں یہ کیاریاں کہ میں تمہارا امتحان لینا چاہتی ہوں۔"

"کیا مطلب.....!" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"یہی کہ تم ان کا آپریشن کر کے انہیں پھر ٹھیک کر دو گے۔" نجمہ نے شوخی سے کہا۔

"انہیں تو نہیں.....لیکن شادی ہو جانے کے بعد تمہارا آپریشن کر کے تمہیں بندریا ضرور دوں گا۔"

"شادی.....بہت خوب.....غالباً تم یہ سمجھتے ہو کہ میں سچ مچ تم سے شادی کر لوں گی۔"

"تم کرو یا نہ کرو لیکن میں تو کر ہی لوں گا۔"

"تو مجھے بندریا بنانے سے کیا فائدہ..... کیوں نہ تمہارے لئے ایک بندریا پکڑ والی جائے۔ آپریشن کی زحمت سے بچ جاؤ گے۔"

"اچھا ٹھہرو بتاتا ہوں.....ہلو بھائی فریدی۔ آؤ آؤ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔"

فریدی اور حمید کار سے اتر رہے تھے۔

"نواب صاحب کا کیا حال ہے۔" فریدی نے شوکت سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"اچھے ہیں..... تمہیں یاد کر رہے تھے۔ آؤ چلو اندر چلیں۔"

نواب صاحب گاؤ تکیئے سے ٹیک لگائے انگور کھا رہے تھے۔ فریدی کو دیکھ کر بولے۔

"آؤ آؤ میاں فریدی..... میں آج تمہیں یاد ہی کر رہا تھا۔ میں نے اس وقت تمہیں دیکھا تھا جب مجھے بولنے کی اجازت نہ تھی۔ آج کل تو میرے بیٹے کا حکم مجھ پر چل رہا ہے۔"

نواب صاحب نے شوکت کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو اچھا دیکھ کر مجھے انتہائی مسرت ہے۔" فریدی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد نواب صاحب نے کہا۔ "فریدی میاں تمہیں اس بات کا علم کیونکر ہوا تھا کہ شوکت میرا بیٹا ہے۔"

"میں داستان کا بقیہ حصہ آپ کی زبانی سننا چاہتا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں بھئی..... پہلے تم بتاؤ۔" نواب صاحب بولے۔

"میری کہانی زیادہ لمبی نہیں.....صرف دو لفظوں میں ختم ہو جائے گی۔ جب میں پہلی بار سلیم سے رپورٹر کے بھیس میں ملا تھا.....اس وقت میں نے آپ کے والد ماجد کی تصویر دیکھ کر

انداز لگالیا تھا کہ اس کوٹھی کا کوئی فرد ڈاکٹر شوکت کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے۔ شوکت کی شکل ہو بہو نواب صاحب مرحوم کے ملتی ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ جس بات کا علم ڈاکٹر شوکت کو نہ تھا اس کا علم سلیم کو کیونکر ہوا۔"

"غالباً میں بیہوشی کے دوران میں کچھ بک گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلیم زیادہ میرے قریب ہی رہتا تھا۔ فریدی میاں یہ ایک بہت ہی پردرد داستان ہے۔ میں تمہیں شروع سے سناتا ہوں۔ شوکت کی ماں ہمارے خاندان کی نہ تھی۔ لیکن وہ کسی نچلے طبقے سے بھی تعلق نہ رکھتی تھی۔ ان میں صرف اتنی خرابی تھی کہ ان کے والدین ہماری طرح دولت مند نہ تھے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے لیکن والد صاحب مرحوم کے ڈر سے کھلم کھلا شادی نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا ہم نے چھپ کر شادی کرلی۔ ایک سال کے بعد شوکت پیدا ہوا لیکن اس کی پیدائش کے چھ ماہ بعد ہی وہ ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوگئیں۔ اسی حالت میں وہ دو سال تک زندہ رہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو جاگیردارانہ ماحول سے الگ رکھ کر اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ وہ ایک رحم دل خاتون تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر کے خدمت خلق کرے۔ یہ ان کا خیال تھا اور بالکل درست تھا۔ کہ جاگیردارانہ ماحول میں پلے ہوئے بچے کے دل میں غریبوں کا درد قطعی نہیں ہوسکتا۔ جب وہ دم توڑ رہی تھی تو انہوں نے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا کہ اس وقت تک میں شوکت پر یہ بات ظاہر نہ کروں گا جب تک وہ ان کی خواہش کے مطابق ایک اچھے کردار کا مالک نہ ہوجائے گا۔ پھر انہوں نے شوکت کو سیتا دیوی کے سپرد کردیا۔ میں خفیہ طور پر سیتا دیوی کی مدد کیا کرتا تھا۔ خدا جنت نصیب کرے اسے بڑی خوبیوں کی مالک تھی۔ آخر کار اس نے شوکت کے لئے جان دے دی۔ شوکت کی ماں کے انتقال کے بعد میرا دل ٹوٹ گیا اور پھر میں نے دوسری شادی نہیں کی اور دنیا یہی سمجھتی رہی کہ میں ساری زندگی کنوارا ہی رہا۔"

نواب صاحب نے پھر شوکت اور نجمہ کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "اب میری زندگی میں پھر سے بہار آگئی ہے.....اے خدا.....اے خدا.....!" ان کی آواز گلوگیر ہوگئی

اور ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے۔

"فریدی میاں.....!" نواب صاحب بولے۔ "اس سلسلے میں تمہیں جو پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں ان کا حال مجھے معلوم ہے۔ بخدا میں تمہیں شوکت سے کم نہیں سمجھتا۔ تم بھی مجھے اتنے ہی عزیز ہو جتنے کہ شوکت اور نجمہ.....!"

"بزرگانہ شفقت ہے آپ کی.....!" فریدی نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔

"ہاں بھئی.....وہ بیچارے پروفیسر کا کیا ہوا۔ کیا وہ کسی طرح رہا نہیں ہوسکتا۔" نواب صاحب بولے۔

"تاوقتیکہ کوکین فروشوں کا گروہ گرفتار نہ ہوجائے۔ ضمانت بھی نہیں ہوسکتی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں اسے بچانے کی حتیٰ الامکان کوشش کروں گا۔"

"اچھا بھئی اب تم لوگ جا کر چائے پیو۔ ارے ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ اگلے مہینے شوکت اور نجمہ کی شادی ہورہی ہے۔" نواب صاحب نے نجمہ اور شوکت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی سے کہے دیتا ہوں فریدی میاں کہ تمہیں اور حمید صاحب کو شادی سے ایک ہفتہ قبل ہی چھٹی لے کر یہاں آجانا پڑے گا۔"

"ضرور ضرور.....!" فریدی نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مبارک ہو.....!" نجمہ اور شوکت نے شرما کر سر جھکالیا۔

تھوڑی دیر کے بعد چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"بھئی فریدی تم کب شادی کررہے ہو؟" ڈاکٹر شوکت نے چائے کا گھونٹ لے کر پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کس کی شادی.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اپنی بھئی.....!"

"اوہ.....میری شادی.....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "سنو میاں شوکت اگر میری شادی ہوتی تو تمہاری شادی کی نوبت نہ آتی۔"

''وہ کیسے.....؟''

''سیدھی سی بات ہے۔ اگر میری شادی ہوگئی ہوتی تو میں بچوں کو دودھ پلاتا یا سرا رسانی کرتا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ کوئی شادی شدہ شخص کامیاب جاسوس ہو ہی نہیں سکتا۔''

''تب تو مجھے ابھی سے استعفیٰ دینا چاہئے۔ میں شادی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔'' حمید نے اتنی معصومیت سے کہا کہ سب ہنسنے لگے۔

''تو پھر کیا تم ساری زندگی کنوارے ہی رہو گے۔'' شوکت نے کہا۔

''ارادہ تو یہی ہے۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

''بھئی تم بُری طرح سگار پیتے ہو۔ تمہارا پھیپھڑا بالکل سیاہ ہوگیا ہوگا۔'' ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

''اگر سگار بھی نہ پیوں تو پھر زندگی میں رہ ہی کیا جائے گا۔''

''تو یہ کہئے کہ سگار ہی شریک زندگی ہے۔'' نجمہ ہنس کر بولی۔

حمید قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ بقیہ لوگ صرف مسکرا کر رہ گئے۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا پرمذاق جملہ نہیں تھا۔ لیکن فریدی حمید کی عادت سے واقف تھا۔ وہ عورتوں کے پھوہڑ جملوں پر خوب محظوظ ہوا کرتا تھا۔

''ہاں بھئی فریدی یہ بتاؤ کہ تم مرے کس طرح تھے۔ مجھے یہ آج تک معلوم نہ ہوسکا۔'' ڈاکٹر شوکت نے پوچھا۔

''یہ ایک لمبی داستان ہے لیکن میں مختصراً بتاؤں گا۔ مجھے شروع ہی سے سلیم پر شبہ تھا لیکن میں نے شروع ہی میں ایک بنیادی غلطی کی تھی۔ جس کی بناء پر مجھے مرنا پڑا۔ حالانکہ میں پہلے سے جانتا تھا کہ نیپالی کا قاتل ہم لوگوں کا پیچھا کررہا ہے اور وہ ہم لوگوں کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھ سے جو غلطی ہوئی وہ یہ تھی کہ میں سلیم سے رپورٹر کے بھیس میں ملا تھا۔ وہ مجھے پہچان گیا اور اس نے واپسی پر مجھ پر ہوائی رائفل سے فائر کیا۔ لیکن ناکام رہا۔ اس نے رائفل پروفیسر کے ہاتھ میں تھمادی اور خود غائب ہوگیا۔ پروفیسر کے متعلق تو تم جانتے ہو کہ

کچھ خبطی سا واقع ہوا ہے۔ سلیم اسے اپنا آلہ کار بنائے ہوئے تھا۔ کئی سال کی بات ہے جب پروفیسر یہاں نہیں آیا تھا اچھا خاصا تھا وہ ان دنوں ایک تجربہ کررہا تھا۔ اس نے چاند کا سفر کرنے کے لئے ایک غبارہ بنایا تھا۔ تجربہ کے لئے اس نے پہلی بار اپنے اسسٹنٹ نعیم کو اس غبارے میں بٹھا کر اڑایا، شاید نعیم غبارے کو اتارنے کی تدبیر بھول گیا تھا یا یہ کہ اس کی مشین خراب ہوگئی تھی۔ غبارہ پھر پروفیسر کی دانست میں زمین کی جانب نہ لوٹا حالانکہ اس کا خیال غلط تھا۔ نعیم غبارے سمیت مدراس کے ایک گاؤں میں گرا حالانکہ اسے کافی چوٹیں آئی تھیں لیکن گاؤں والوں کی تیمارداری اور دیکھ بھال کی بناء پر بچ گیا۔ اسی دوران اسے ایک بازاری لڑکی سے عشق ہوگیا اور وہ وہیں رہ گیا۔ پروفیسر ان سب باتوں سے ناواقف تھا۔ وہ خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ اس پریشانی میں وہ قریب قریب پاگل ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے شہر کی سکونت ترک کردی اور راج روپ نگر میں آ گیا۔ نعیم نے اسے خط لکھے جو اس کی پرانی قیام گاہ سے پھرتے پھراتے یہاں راج روپ نگر پہنچے۔ وہ خطوط کسی طرح سلیم کے ہاتھ لگ گئے اور اس طرح اسے ان واقعات کا علم ہوگیا۔ اب اس نے پروفیسر پر اپنی واقفیت کی دھونس جما کر بلیک میل کرنا شروع کیا۔ مجھے ان سب باتوں کا علم اس وقت ہوا جب میں ایک رات چوروں کی طرح اس کوٹھی میں داخل ہوا اور سلیم کے کمرے کی تلاشی لی۔ نعیم کے لکھے ہوئے خطوط اچانک مل گئے۔ اس طرح میں معاملات کی تہہ تک پہنچ گیا اور اسی وقت میں اس نتیجہ پر بھی پہنچا کہ مجھ پر گولی سلیم ہی نے چلائی تھی۔ کیونکہ پروفیسر تو اس رائفل کے استعمال سے ناواقف تھا۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ ہاں تو بات تھی میرے مرنے کی تھی۔ جب میں سلیم اور ڈاکٹر توصیف سے مل کر واپس جارہا تھا۔ سلیم نے راستے میں دھوکا دے کر مجھے روکا اور جھاڑیوں کی آڑ سے مجھ پر گولیاں چلانے لگا۔ میں نے بھی فائر کرنے شروع کردیئے۔ اسی دوران میں اچانک مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے تہیہ کرلیا کہ مجھے کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کرنا چاہئے کہ اب میرا وجود اس دنیا میں نہیں، ورنہ ہوشیار مجرم ہاتھ آنے سے رہا۔ لہٰذا میں نے ایک چیخ ماری اور بھاگ کر اپنی کار میں آیا اور شہر کی طرف چل پڑا۔ میں سیدھا ہسپتال پہنچا اور

وہاں کمپاؤنڈ میں موٹر سے اترتے وقت غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے مجھے اندر پہنچایا۔ میں نے ڈاکٹر کو اپنی ساری اسکیم سے آگاہ کر دیا اور اپنے چیف کو بلوا بھیجا۔ اسے بھی میں نے سب بتایا۔ پھر وہاں سے میرے جنازے کا انتظام شروع ہوا۔ قسمت میرے ساتھ تھی اس دن اتفاق سے ہسپتال میں ایک لاوارث مریض مر گیا تھا۔ میرے محکمہ کے لوگ اسے اسٹریچر پر ڈال اچھی طرح ڈھانک کر میرے گھر لے آئے۔ پڑوسی اور دوسرے جاننے والے اسے میری لاش ہی سمجھے۔ میری موت کی خبر اسی دن شام کے اخبارات میں شائع ہو گئی تھی۔ پھر میں نے اسی رات حمید کو ایک نیپالی کے بھیس میں ڈاکٹر توصیف کے پاس بھیجا اور اسے تاکید کر دی کہ میری راج روپ نگر میں آمد کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہے۔ لہٰذا یہ بات چھپی ہی رہی کہ اس دن میں راج روپ نگر گیا تھا۔ اس طرح سلیم دھوکا کھا گیا۔ اسے اطمینان ہو گیا کہ اس پر شبہ کرنیوالا اب اس دنیا سے چل بسا اور اب وہ نہایت آسانی کیساتھ اپنا کام انجام دے سکے گا۔

میں چاہتا تھا کہ تمہیں کسی طرح راج روپ نگر لے جاؤں۔ لہٰذا میں نے ڈاکٹر توصیف سے دوبارہ کہلوا بھیجا کہ ذرا جلد از جلد تمہیں راج روپ نگر لے جائے۔ جب تم وہاں پہنچے میں سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا رہا۔ تمہاری کار میں نے ہی خراب کی تھی۔ مجھے یہ پہلے معلوم تھا کہ اس وقت کوٹھی میں کوئی کار موجود نہیں ہے لہٰذا میں نے یقین کر لیا کہ تم اس صورت میں پیدل ہی جاؤ گے۔ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ سلیم تمہیں نواب صاحب کے آپریشن سے پہلے ہی ختم کرنے کی کوشش کرے گا لہٰذا میں نے اسے موقع واردات ہی پر گرفتار کرنے کے لئے تمہیں لے جانا چاہتا تھا لیکن اس کم بخت نے وہ حربہ استعمال کیا جس کا مجھے گمان تک نہ تھا۔ واقعی قسمت کے اچھے تھے کہ وہ سوئی پروفیسر کے ہاتھ سے گر گئی ورنہ تم ختم ہو جاتے اور مجھے پتہ بھی نہ چلتا۔ اس کے بعد تم قصبے میں چلے گئے اور میں ایک مالی کے خالی جھونپڑے میں بیٹھا پلان بناتا رہا۔ یہ تو مجھے تمہاری زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ تم شام کو بھی پیدل ہی آؤ گے۔ اسی دوران مجھے پروفیسر کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی معلوم ہوئیں۔ مثلاً ایک تو یہی کہ وہ کوکین کھانے کا عادی ہے اور غیر قانونی طریقہ پر اسے حاصل کرتا ہے لو بھلا دیکھو باتوں ہی باتوں

میں بہتا چلا جا رہا ہوں۔ باقی حالات بتانے سے کیا فائدہ..... وہ تو تم جانتے ہی ہو گے۔ بہر حال یہ تھی میرے مرنے کی داستان۔"

"خدا تمہاری مغفرت کرے۔" ڈاکٹر شوکت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو فریدی بھائی..... اب تو آپ کی ترقی ہو جائے گی۔ دعوت میں ہمیں نہ بھولئے گا۔" نجمہ نے مسکرا کر کہا۔

"میں ترقی کب چاہتا ہوں۔ اگر ترقی ہو گئی تب تو مجھے شادی کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اس صورت میں مجھے آفس ہی میں بیٹھ کر مکھیاں مارنی پڑیں گی۔ پھر دن بھر مکھیاں مارنے کے بعد گھر پر تو مجھ سے مکھیاں نہ ماری جائیں گی اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ گھر پر مکھیاں مارنے کے لئے مجھے ایک عدد بیوی کا انتظام کرنا ہی پڑے گا جو میرے بس کا روگ نہیں۔"

"نجمہ شاید تم یہ نہیں جانتیں کہ ہمارے فریدی صاحب سراغ رسانی کا شوق پورا کرنے کے لئے اس محکمے میں آئے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "ورنہ یہ خود کافی مالدار آدمی ہیں اور اتنے کنجوس ہیں کہ خدا کی پناہ۔"

"اچھا..... یہ میں آج ایک نئی خبر سن رہا ہوں کہ میں کنجوس ہوں۔ کیوں بھائی میں کنجوس کیسے ہوں۔"

"شادی نہ کرنا کنجوسی نہیں تو اور کیا ہے۔" نجمہ نے کہا۔

"اچھا بھائی حمید اب چلنا چاہئے ورنہ کہیں یہ لوگ سچ مچ میری شادی نہ کرا دیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ابھی بیٹھئے نا..... ایسی جلدی کیا ہے۔" نجمہ بولی۔

"نہیں بہن اب چلوں گا۔ کئی ضروری کام ابھی تک ادھورے پڑے ہیں۔"

نجمہ اور شوکت دونوں کو کار تک پہنچانے آئے۔ دونوں کے چلے جانے کے بعد شوکت بولا۔ "ایسا حیرت انگیز آدمی میری نظروں سے نہیں گزرا۔ پتہ نہیں پتھر کا بنا ہے یا لوہے کا..... میں نے آج تک اسے یہ کہتے نہیں سنا کہ آج میں بہت تھکا ہوا ہوں۔"

"اس کے برخلاف سرجنٹ حمید بالکل مرغی کا بچہ معلوم ہوتا ہے۔" نجمہ ہنس کر بولی۔

"کیوں.....؟"

"نہ جانے کیوں مجھے اس کی ناک دیکھ کر مرغی کے بچے یاد آ جاتے ہیں۔"

"بہرحال آدمی خوش مزاج ہے۔ اچھا آؤ اب اندر چلیں..... سردی تیز ہوتی جارہی ہے۔"

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 2

خوفناک جنگل

(مکمل ناول)

پبلشرز

جاسوسی دنیا کا دوسرا ناول ''خوفناک جنگل'' ملاحظہ فرمایئے۔ جس کے اب
بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

کہانی جنگل میں ایک عورت کی لاش سے شروع ہوتی ہے اور پھر محیر العقول سنسنی خیز واقعات کے جھرمٹ میں آگے بڑھتی ہوئی اپنے منطقی انجام کو پہنچتی ہے۔

یہ فریدی اور حمید کے ابتدائی دور کی کہانی ہے۔ جب انہیں موجودہ دور کی سہو
اور وسائل میسر نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ فریدی کی ذہانت اور اس کی بھر
شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ وہ کس ہوشیاری اور نفسیاتی طر
سے مجرم پر ہاتھ ڈالتا ہے اسے دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے۔

تفریحی ادب میں ابن صفی کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ ان
تحریروں میں قانون کی بالا دستی مجرموں کی بیخ کنی اور ہلکے پھلکے طنز و مزاح کی چا
آپ کو ہر جگہ ملے گی۔ یہ بات بلا کسی خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اردو میں ابن
سے زیادہ کوئی اور مصنف نہیں پڑھا گیا اور نہ ہی تعداد کے اعتبار سے ان کی تصا
کے ہدف کو کوئی دوسرا عبور کر سکا ہے۔

اب ''خوفناک جنگل'' پڑھیے اور ابن صفی کے فن کو داد دیجیے۔

پبلشر

جنگل میں فائر

گرمیوں کی ایک تاریک رات تھی۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر سدھیر گھنٹوں کروٹیں بدلنے کے بعد بمشکل آدھا گھنٹہ سوئے ہوں گے کہ ایک سب انسپکٹر نے آ کر جگا دیا۔

''کیا ہے بھئی، کیا آفت آ گئی۔'' وہ جھلاتے ہوئے بولے۔

''کیا بتاؤں صاحب عجیب مصیبت میں جان ہے۔ شاید پھر کوئی قتل ہو گیا ہے۔'' سب انسپکٹر نے کہا۔

''شاید قتل ہو گیا ہے......؟ کیا مطلب......؟''

''ایک آدمی دھرم پور کے جنگلوں میں ایک لاش دیکھ کر اطلاع دینے آیا ہے۔''

''اس وقت دھرم پور کے جنگلوں میں اس آدمی کو کیا کام، میرے خیال سے دو بج رہے ہوں گے۔'' انسپکٹر سدھیر نے شب خوابی کا لبادہ اتارتے ہوئے کہا۔

''میں نے اس سے سوالات نہیں کیے۔ سیدھا یہاں چلا آیا۔'' سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے دفتر پہنچے۔ انسپکٹر سدھیر نے اطلاع لانے والے اجنبی کو گھور کر دیکھا۔ وہ ایک خوش پوش نوجوان تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر کالر کے نیچے لٹک آئی تھی۔ بالوں پر جمی ہوئی گرد سے ظاہر ہو رہا تھا

کہ وہ بہت دور کا سفر کر کے آ رہا ہے۔ اس کی سانس ابھی تک پھول رہی تھی۔

''کیوں صاحب...... کیا بات ہے؟'' سدھیر نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

''میں ابھی ابھی...... دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں۔'' نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ اس وقت دھرم پور کے جنگل میں کیا کر رہے تھے۔'' سدھیر نے کہا۔

''میں دراصل جلال پور سے واپس آ رہا تھا۔''

''جلال پور سے......؟ جلال پور یہاں سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ سواری پر آ رہے تھے؟''

''موٹر سائیکل پر...... جب میں جوزف روڈ سے پیٹر روڈ کی طرف مڑنے لگا تو میں سڑک کے کنارے ایک عورت کی لاش دیکھی۔ اس کا بلاؤز خون سے تر تھا۔ اُف م خدا...... کتنا بھیانک منظر تھا...... میں زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔''

''تو آپ جلال پور میں رہتے ہیں۔''

''جی نہیں...... میں یہیں اسی شہر میں رہتا ہوں۔ ایک دوست سے ملنے جلال پور گیا

''تو اتنی رات گئے وہاں سے واپسی کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔''

''جناب والا! میں یہ قتل خود کر کے آپ کو اطلاع دینے نہیں آیا۔'' اجنبی نے قد جھنجھلا کر کہا۔

''میں نے ایک لاش دیکھی اور ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھا کہ کو اطلاع دے دوں۔''

''ناراض ہونے کی ضرورت نہیں......!'' سدھیر نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں بھی اپنا ہی ادا کر رہا ہوں...... آپ کا کیا نام ہے؟''

''مجھے رندھیر سنگھ کہتے ہیں۔''

''آپ کیا کام کرتے ہیں؟''

''اُف میرے خدا! میں نے یہاں آ کر سخت غلطی کی۔'' اجنبی نے قدرے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ ''ارے صاحب میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔''

''چلنا تو پڑے گا ہی...... خیر اچھا آپ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتے ہیں، پھر سہی...... داروغہ جی ذرا جلدی سے تین کانسٹیبلوں کو تیار کر لیجئے اور اس وقت ڈیوٹی پر جو ڈرائیور ہو اسے بھی بلوا لیجئے۔''

تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری پیٹر روڈ پر دھرم پور کی طرف جا رہی تھی۔ رات حد درجہ تاریک تھی۔ سناٹے میں لاری کی آواز ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے بے شمار خبیث ارواح ایک ساتھ مل کر چیخ رہی ہوں۔ لاری کے برقی لیمپوں کی روشنی دور تک سڑک پر پھیل رہی تھی۔ سڑک کے موڑ سے تقریباً دو فرلانگ ادھر ہی ایک بڑا سا درخت سڑک پر گرا ہوا نظر آیا۔

''ارے یہ کیا......؟'' اجنبی چونک کر بولا۔

لاری درخت کے پاس آ کر رک گئی۔

''میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی آدھ گھنٹہ قبل جب میں ادھر سے گزرا ہوں تو یہ درخت یہاں نہیں تھا۔'' اجنبی نے پریشان لہجے میں کہا۔

سب لوگ لاری سے اتر آئے۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ آپ کی بات پر کسے یقین آئے گا۔ ظاہر ہے آج آندھی بھی نہیں آئی۔ یہ بھی صاف ہے کہ درخت کاٹا گیا ہے اور آدھ گھنٹے میں اتنے موٹے تنے والے درخت کا کاٹ ڈالنا آسان کام نہیں۔''

''اب میں آپ سے کیا عرض کروں۔'' اجنبی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''خیر یہ بعد میں سوچا جائے گا۔'' کوتوالی انچارج تیز لہجے میں بولا۔ ''اب وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی فرلانگ......!'' اجنبی نے جواب دیا۔

لاری وہیں چھوڑ کر یہ پارٹی ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھی۔ تاریک سڑک پولیس والوں کے بھاری بھرکم جوتوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔

''اُف میرے خدا......!'' اجنبی نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

''کیوں کیا بات ہے۔'' کوتوالی انچارج بولا۔

''کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔'' اجنبی نے بے چینی میں اپنی ناک رگڑتے ہوئے کہا۔

''اے مسٹر! تمہارا مطلب کیا ہے۔'' کوتوالی انچارج نے گرج کر کہا۔

''میں نے وہ لاش یہیں دیکھی تھی...... مگر...... مگر......!''

''مگر مگر کیا کر رہے ہو...... یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

''یہی تو حیرت ہے۔''

''سرکار یہاں بھوت پریت بھی بکثرت رہتے ہیں۔'' ایک کانسٹیبل منمناتی ہوئی آواز میں بولا۔

''بکومت!'' کوتوالی انچارج چیخ کر بولا۔ ''اسکا غصہ اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا۔

''میں تو بڑی مشکل میں پھنس گیا۔'' اجنبی گلوگیر آواز میں بولا۔

''ابھی کہاں...... اب پھنسیں گے آپ مشکل میں۔'' کوتوالی انچارج نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''خواہ مخواہ پریشان کیا، کیا تم نے رک کر قریب سے لاش دیکھی تھی۔''

''جی ہاں...... اس کے سینے سے خون ابل رہا تھا۔''

''عجیب لاش تھی کہیں زمین پر خون کا دھبہ تک دکھائی نہیں دیتا۔'' کوتوالی انچارج جھک کر ٹارچ کی روشنی میں زمین کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں قسم کھا کر......!''

''بس بس...... رہنے دو۔ خواہ مخواہ وقت برباد کرایا۔'' کوتوالی انچارج نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''میں کہتا ہوں سرکار بھوت......!''

''ٹھائیں......!'' اچانک فائر کی آواز نے سب کو بوکھلا دیا۔ کوتوالی انچارج کا ہاتھ پستول کے کیس ہی پر تھا کہ دوسرا فائر ہوا۔ پھر تیسرا...... چوتھا...... اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بہت سے آدمی بیک وقت بندوقیں چلا رہے ہوں۔ کوتوالی انچارج اور سب انسپکٹر نے اپنے پستول نکال کر درختوں کی آڑ لے لی۔ لیکن انہیں جلدی وہاں سے بھاگنا پڑا کیونکہ ان کے پیچھے سے بھی فائر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ دفعتاً ایک چیخ سنائی دی...... پھر دوسری اور ایک سپاہی لڑکھڑا کر گر پڑا۔ پھر اٹھ کر بھاگا۔ یہ لوگ بدقت تمام لاری تک پہنچ گئے۔ جس وقت ڈرائیور لاری بیک کر رہا تھا قریب ہی سے دوبارہ فائر ہونے شروع ہو گئے۔

لاری تیز رفتاری سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ فائر اب تک سنائی دے رہے تھے۔ ایک سپاہی کے بازو پر گولی لگی تھی۔ وہ سیٹ پر پڑا کراہ رہا تھا۔

''لیکن...... وہ...... وہ کہاں گیا۔'' سب انسپکٹر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''جہنم میں......!'' کوتوالی انچارج نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''مجھ سے زیادہ احمق شاید روئے زمین پر نہ ملے۔ آخر میں اچھی طرح اطمینان کئے بغیر اس کے ساتھ چلا کیوں آیا۔ کم بخت کا پتہ بھی تو معلوم نہ ہو سکا۔ ہم لوگوں کی جان لینے کی ایک بہتری سازش تھی۔''

''مگر صاحب...... وہ کسی طرح بھی جھوٹا نہیں معلوم ہوتا تھا۔'' سب انسپکٹر نے کہا۔

''بائیس سال سے اس محکمے میں جھک نہیں مارتا رہا داروغہ جی۔'' کوتوالی انچارج نے خشک لہجے میں کہا۔ ''ابھی آپ کا تجربہ ہی کتنا ہے۔ میں ایک میل سے مجرم کی بو سونگھ لیتا ہوں۔ وہ شروع ہی سے مشکوک تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا کھٹکا تھا۔ مگر یہ کسی بہت بڑے اور منظم گروہ کا کام معلوم ہوتا ہے۔''

''ارے اس کا تو مجھے خیال ہی نہ آیا تھا۔'' سب انسپکٹر جلدی سے بولا۔ ''واللہ بال بال بچ گئے۔''

''البتہ بیچارہ کرن سنگھ بُری طرح زخمی ہو گیا۔'' کوتوالی انچارج نے کہا۔ ''اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں سپرنٹنڈنٹ صاحب کو اپنی اس حماقت کا کیا جواب دوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد وہ سب چپ ہو گئے۔ البتہ کرن سنگھ کی کراہیں اب تک جاری تھ
غنیمت یہی تھا کہ گولی ہڈی کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر بازو کے گوشت کو چھیدتی ہوئی نکل
تھی۔

"کیوں نہ ہم لوگ پھر وہیں چلیں، اسطرح بھاگ نکلنا تو ٹھیک نہیں۔" سب انسپکٹر نے

"پاگل ہوئے ہو۔" انچارج بولا۔ "ہمارے پاس دو پستولوں کے علاوہ اور ہے کیا
ادھر نہ جانے کتنے ہوں۔ میرا خیال ہے کہ پندرہ بیس سے کم نہ ہوں گے۔"

"عجیب حماقت ہوئی۔" سب انسپکٹر آہستہ سے بولا۔

سڑک پر جوتا

دوسرے دن صبح چھ بجے دھرم پورہ کا جنگل مسلح پولیس کے جوتوں کی آوازوں سے گ
رہا تھا۔ قرب و جوار کے دیہاتوں سے تقریباً تین سو آدمی شبہے میں گرفتار کئے گئے جن پر
میں بے تحاشہ لاٹھیاں اور جوتے برس رہے تھے۔ ان میں سے کئی تو اتنی شدت سے پٹے
کہ انہیں غش آ گیا۔ لیکن نتیجہ صفر...... کوئی خاص سراغ نہ مل سکا۔ آخر چار پانچ گھنٹوں کی مس
جانفشانی کے بعد معاملہ محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیا گیا۔

راج روپ نگر کیس کے شہرت یافتہ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید کوتوالی پہنچ چکے
واقعات کا علم انہیں پہلے ہی سے تھا لیکن انہوں نے کوتوالی انچارج وغیرہ کے بیانات د
سنے اور ایک چکر دھرم پور کے جنگلوں کا بھی لگا آئے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد جب
کوتوالی واپس آئے تو کئی چہرے طنزیہ انداز میں ان پر مسکرا رہے تھے۔ فریدی تو اس قسم
واقعات کو ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ سرجنٹ حمید نے ناک بھوں چڑھائی۔ اسے امید تھی کہ ف
جلد ہی کوئی سراغ لگا کر اس خفت سے پیچھا چھڑائے گا۔ خود اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا

سوچتے سوچتے دفعتاً اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"انسپکٹر صاحب......!" اس نے فریدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ بھی کتنے بدھو ہیں۔"

"کیا مطلب ہے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"مطلب کیا؟ وہی مثل ہے...... بچہ بغل میں، ڈھنڈورا شہر میں۔ ارے لاحول ولا...... کہنے کا مطلب یہ کہ ملزم کا سراغ مل گیا۔" حمید نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہیں مجھ پر شبہ ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"خیر وہ تو پرانی چیز ہے۔ میری پیٹھ ٹھوکیے...... کہئے تو بتاؤں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ٹھوکنے کی کوئی چیز میرے ہاتھ میں نہیں خیر تم بتاؤ۔"

"موٹر سائیکل...... ملزم نے اپنی موٹر سائیکل رات یہیں چھوڑی تھی نا۔" حمید نے کہا۔

"بہت دیر میں پہنچے...... مجھے صبح ہی کو خیال آیا تھا لیکن اس کی موٹر سائیکل قطعی ایسی نہیں ہو سکتی جو اس کا پتہ نشان بتا دے۔ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔"

"پھر بھی دیکھ لینے میں کیا ہرج ہے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں کوتوالی انچارج کے ہمراہ وہاں پہنچے جہاں رات ملزم نے اپنی موٹر سائیکل چھوڑی تھی۔ موٹر سائیکل ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

"دیکھو...... میں نہ کہتا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "نمبر کی پلیٹ نکال لی گئی ہے۔"

"لیکن کمپنی کا نمبر تو ضرور ہوگا۔" حمید نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بھی ریت دیا گیا ہے۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ حمید بھی کھسیانہ ہو کر ہنسنے لگا۔

"ہم لوگ نرے گھامڑ نہیں ہیں...... فریدی صاحب!" کوتوالی انچارج نے ہنس کر کہا۔ "پہلے ہی دیکھ کر اطمینان کر چکے ہیں۔"

"لیکن ٹھہریئے......!" فریدی نے زمین پر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ایک بات نہ دیکھی ہوگی۔"

"کیا......؟"

"یہی کہ کمپنی کا نمبر یہیں کوتوالی میں اسی جگہ آج ہی کسی وقت صاف کیا گیا ہے۔"

"جی......!" کوتوالی انچارج نے حیرت سے دیدے پھاڑتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...... یہ دیکھئے۔ کیا آپ زمین پر لوہے کی ریت نہیں دیکھ رہے ہیں۔"

"افوہ...... بڑی غفلت ہوئی۔" کوتوالی انچارج نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"انہیں باریکیوں کے لئے تو ہم خاکساروں کو تکلیف دی جاتی ہے۔" سرجنٹ حمید نے تن کر سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس سے کیا...... ملزم بہرحال ابھی تک پردہ راز ہی میں ہے۔" کوتوالی انچارج نے جھنجھلا کر کہا۔

"جی نہیں بس یہ سمجھئے کہ اب وہ ہماری جیب میں رکھا ہوا ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔ نہ گھوڑا دور نہ میدان۔" کوتوالی انچارج نے جانے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔

سرجنٹ حمید فاکس ٹراٹ کی دھن میں سیٹی بجانے لگا۔

فریدی کا ذہن مختلف قسم کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا۔ آخر کار وہ کوتوالی انچارج کو مخاطب کر کے بولا۔

"داروغہ جی...... اب یہ بات تو اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ملزم یا ملزموں کا نشانہ آپ ہی تھے۔"

"کیوں...... میں ہی تھا۔" کوتوال چونک کر بولا۔

"آپ کے بیان کے مطابق رات پانچ سب انسپکٹر اور چالیس سپاہی ڈیوٹی پر تھے۔ ان میں سے آپ کسی کو بھی منتخب کر سکتے تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو مار ڈالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور ظاہر ہے کہ دھرم پور کوتوالی ہی کے حلقے میں ہے اس لئے قتل وغیرہ کے سلسلے میں موقع واردات پر آپ ہی کا پہنچنا یقینی ہوسکتا ہے۔"

"اوہ...... اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔" کوتوالی انچارج نے بے چینی سے کہا۔

"اب آپ یہ بتائیے کہ آپ کا شبہ کس پر ہے۔"

"بھلا میں کیسے بتاؤں...... شہر کا ہر بدمعاش میرا دشمن ہوسکتا ہے۔" کوتوالی انچارج نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"بہرحال آپ ہمیں کوئی مدد نہیں دے سکتے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"حمید صاحب میں آپ سے استدعا کروں گا......!"

"حمید تم چپ رہو۔" انسپکٹر فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "ہاں داروغہ جی کیا پیٹر روڈ کے چوراہے کے قریب کوئی بستی بھی ہے؟"

"ہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، پھمن پور لیکن اسکا فاصلہ وہاں سے تقریباً چار فرلانگ ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں اس وقت وہاں جا کر تفتیش کروں۔" انسپکٹر فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ کو وہاں اس وقت صرف عورتیں اور بچے ملیں گے۔ وہاں کے سارے مرد تو یہیں حوالات میں ہیں۔"

"تب تو اور بھی اچھا ہے۔" حمید نے اپنا نچلا ہونٹ چاٹتے ہوئے کہا۔ فریدی نے اسے پھر گھور کر دیکھا اور وہ یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔ لیکن یہ سنجیدگی اتنی مضحکہ خیز تھی کہ جھلایا ہوا کوتوالی انچارج بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ حمید کی بے وقت کی ظریفانہ حرکتیں فریدی کو اکثر بُری کھل جاتی تھیں۔ اس کی اسی عادت کی بناء پر فریدی عموماً کہا کرتا تھا کہ وہ زندگی بھر ایک اچھا جاسوس نہیں بن سکتا۔

فریدی کو اس کی اس وقت کی بے تکی باتوں پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ لیکن چند لمحوں کے بعد اس کا ذہن پھر اصل مقصد کی طرف آ گیا۔

پھمن پور کی طرف روانہ ہوتے وقت فریدی نے اس سب انسپکٹر کو بھی ساتھ لے لیا جو رات والے حادثے میں کوتوالی انچارج کے ساتھ تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ انسپکٹر فریدی کی کار سڑک چھوڑ کر کچے راستے پر چلی جا رہی تھی۔

"انسپکٹر فریدی صاحب! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" سب انسپکٹر بولا۔ "خود آپ

بھی ہوتے تو اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے بیان کی صداقت میں شبہ نہ کرتے۔"

"یہ سب کچھ درست ہے۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں ابھی کا صحیح پتہ نشان دریافت کئے بغیر ہرگز اس کے ساتھ نہ جاتا۔ حیرت تو اس بات پہ ہے کہ سدا صاحب نے روانگی لکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔"

"نہیں صاحب...... روانگی تو لکھی گئی تھی۔" سب انسپکٹر نے جلدی سے کہا۔

"داروغہ جی میں کوئی بچہ تو ہوں نہیں۔ کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا کہ روانگی حادثے کے بعد لکھی گئی ہے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"خیر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ ہی نہیں...... آپ کا محکمہ یوں بھی ہم لوگوں کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔ لیکن یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ روانگی حادثے کے بعد لکھی گئی ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ روزنامچے میں اس نمبر کا کوئی کمرہ ہے ہی نہیں اور سرنا ہوٹل کا ایک ایک چپہ پولیس کا دیکھا ہوا ہے اس جیسے بدنام ہوٹل کا نقشہ تو میرے خیال سے معمولی سے معمولی کانسٹیبل کے ذہن میں بھی ہوگا کیونکہ پولیس متعدد بار اس پر چھاپہ مار چکی ہے۔ اصل واقعہ مجھ سے سنئے۔ آپ لوگ بغیر پوچھ گچھ کئے ملزم کے ساتھ چل پڑے تھے۔ بعد میں سدھیر صاحب کو اس غلطی کا احساس ہوا۔ واپسی پر جب وہ روانگی لکھنے بیٹھے تو گھبراہٹ میں کمرے کا نمبر لکھ گئے۔ میں نے کیس ہاتھ میں لینے کے بعد سب سے پہلے روانگی ہی دیکھی تھی۔ اس وقت سدھیر صاحب بھی موجود تھے۔ غالباً اسی وقت انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اس کے بعد ابھی تھوڑی دیر قبل ملزم کے حلیہ کے لئے مجھے دوبارہ روانگی دیکھنی پڑی۔ آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ کمرے کا پہلا نمبر بلیڈ سے کھرچ کر اس کی جگہ دوسرا نمبر لکھ دیا گیا تھا جس کی سیاہی کاغذ کھردرا ہوجانے کی وجہ سے پھیل گئی تھی۔" فریدی خاموش ہوگیا اور سرجنٹ حمید ہنسنے لگا۔

"صاحب یہ بات میری سمجھ میں تو آئی نہیں۔ واقعی آپ لوگ ہم لوگوں کے بارے میں بہت بُرے خیالات رکھتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے جھینپ مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ آپ لوگوں کے بارے میں بُرے خیالات رکھنے پر مجبور ہیں۔ آخر کوئی حد ہے۔ کوتوالی میں رکھی ہوئی موٹر سائیکل کا نمبر کوئی ریت کر چلا جائے اور آپ لوگوں کو خبر بھی نہ ہو۔"

"واقعی یہ چیز ضرور حیرت انگیز ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اور اسی بناء پر میرا خیال ہے کہ کوتوالی کا کوئی فرد سدھیر صاحب کی جان کا دشمن ہے یا پھر ان کے دشمنوں سے ملا ہے۔ کوئی باہر کا آدمی اتنی ہمت نہیں کرسکتا۔" فریدی نے کہا۔ "آپ کا خیال درست ہے لیکن وہ کون ہوسکتا ہے۔"

"یہی تو دیکھنا ہے۔"

کار لچھمن پور میں داخل ہو رہی تھی۔ وہاں تقریباً دو گھنٹے تک چھان بین کرنے کے بعد بھی کوئی سراغ نہ مل سکا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگوں نے فائروں کی آوازیں سنی تھیں۔ لیکن یہ ان کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ وہاں آئے دن شکاریوں کی بندوقیں چلا ہی کرتی تھیں۔

واپسی میں سب انسپکٹر نے فریدی سے کہا۔

"انسپکٹر صاحب کیا بتاؤں...... واقعی ہم لوگوں نے سخت غلطی کی کہ ملزم کا پتہ معلوم کئے بغیر اس کے ساتھ چلے گئے اور یہ بھی صحیح ہے کہ روانگی حادثے سے بعد لکھی گئی تھی۔"

"لیکن مجھے امید ہے کہ آپ لوگ یہ بات اپنے ہی تک رکھیں گے۔"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

فریدی خاموش تھا۔ اس کی نگاہیں باہر اندھیرے میں بھٹک رہی تھیں۔ انگلیوں میں دبا ہوا سگار بجھ چکا تھا۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ کے باوجود بھی کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ یہ شاید پہلا موقع تھا کہ اس کی تفتیش کا ایک دن اس طرح ضائع ہو رہا تھا۔

"اگر میں نے اس کی کوئی خاص ضرورت نہ سمجھی تو اسے راز ہی رکھوں گا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سگار سلگانے لگ گیا۔

"شکریہ......!" سب انسپکٹر نے اطمینان کا سانس لیا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

کار کی برقی روشنی تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ یکلخت سڑک کے بائیں کنارے کی جھاڑیوں سے تین چار گیدڑ نکل کر سڑک پار کرتے ہوئے دائیں کی جھاڑیوں میں گھس گئے۔ انہیں سے ایک کے منہ میں دبی ہوئی کوئی چیز سڑک پر گر پڑی۔ تیزی میں اسے روندتی ہوئی آگے نکلی جارہی تھی کہ دفعتاً فریدی چیخا۔ "حمید...... روکو......!"

کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔

"کیا بات ہے۔" انسپکٹر حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

"آئیے...... آئیے حمید ذرا مجھے ٹارچ دینا۔" فریدی نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

ٹارچ کی روشنی سڑک پر پڑے ہوئے جوتے کے گرد دائرہ بنا رہی تھی۔

فریدی نے جوتے کو اٹھا کر ٹارچ کی روشنی میں دیکھنا شروع کیا۔

"جوتا تو نیا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ یہاں کیسے آیا۔" حمید نے کہا۔

"یہ انہیں گیدڑوں میں سے ایک کے منہ میں دبا ہوا تھا۔" فریدی جوتے پر نظریں جمائے آہستہ سے بولا۔ اس کے ذہن میں خیالات کا تار سا بندھ کر رہ گیا تھا۔ اس تھوڑے سے وقفے میں یکے بعد دیگرے نہ جانے کتنے خیالات آئے تھے۔ ٹارچ کی روشنی جھاڑیوں سے الجھتا ہوا وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ حمید اور سب انسپکٹر بھی اس کے پیچھے پیچھے رہے تھے۔ انہیں اس کے اس رویہ پر سخت حیرت تھی، لیکن وہ خاموش تھے۔

دفعتاً فریدی رک گیا۔ جھاڑیاں ہٹا کر وہ دوسری طرف کچھ دیکھ رہا تھا۔ سب انسپکٹر اور حمید بھی رک گئے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی مڑ کر بولا۔ "داروغہ جی آپ بھوتوں پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں؟"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس پر [illegible] طاری ہو گئی۔

"مطلب یہ کہ اگر آپ اس وقت اس جنگل میں کسی جگہ ایک آدمی کی ٹانگ زمین کے اندر سے نکلی ہوئی دیکھ لیں تو آپ کا کیا حال ہو۔"

"غالباً روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"اچھا تو پہلے تم ہی آؤ......!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اسے پیچھے دھکیل دیا ہو۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"حض...... ضرور...... بھو...... ت......!" حمید ہکلانے لگا۔

"بس رخصت ہوگئی ساری شرارت......!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "آئیے داروغہ جی آپ بھی دیکھیے۔"

"جی...... جی...... میں......!" داروغہ جی حمید کی حالت دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے۔

"بھئی کمال کر دیا آپ لوگوں نے۔ آئیے میرے ساتھ۔" فریدی کہتا ہوا جھاڑیوں میں گھس گیا۔ حمید اور سب انسپکٹر کو بھی طوعاً و کرہاً ساتھ دینا ہی پڑا۔ ایک جگہ تھوڑی کھدی ہوئی زمین سے ایک انسانی پیر باہر نکلا ہوا تھا۔ پتلون کا پائینچا کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور ننگے پاؤں میں لمبی لمبی خراشیں تھیں۔

"کیا سمجھے۔" فریدی اپنے دونوں خوفزدہ ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔

دونوں خاموشی سے اس کا منہ تکتے رہے۔

"یہ جوتا اسی پیر کا ہے۔ گیدڑوں نے یہاں کی زمین کھودی ہے۔ وہ لاش کی ایک ٹانگ نکال پائے تھے کہ موٹر کے شور کی وجہ سے انہیں بھاگنا پڑا۔ غالباً وہ اس کی ٹانگ کھینچ کر باہر نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی جدوجہد میں اس کا جوتا اتر گیا اور ایک گیدڑ لے بھاگا۔"

"ارے بھئی...... یوں کھڑے میری صورت کیوں دیکھ رہے ہو۔"

"جو بتائیے وہ کیا جائے۔" سب انسپکٹر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

"آدمی مٹی ہٹا کر اسے نکالیں۔" فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "حمید تم ٹارچ دکھاؤ۔"

فریدی اور سب انسپکٹر نے مٹی ہٹانی شروع کی۔ ایک گھنٹے کی محنت کے بعد وہ لاش نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

"ارے......!" سب انسپکٹر چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہ وہی ہے، خدا کی قسم وہی ہے۔" سب انسپکٹر بے اختیار چیخ اٹھا۔ "وہی جو ہمیں کل رات یہاں لایا تھا۔"

"بہر حال......!" فریدی نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ "بعض اوقات میرے ہوائی قلعے بھی سچے ہو جاتے ہیں۔ مجھے شروع ہی سے اس کی اُمید تھی۔"

"بڑا عجیب واقعہ ہے۔ میری تو عقل چکر کھا رہی ہے۔" سب انسپکٹر پریشانی کے لہجے میں بولا۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک تینوں مختلف زاویوں سے لاش کے متعلق اظہار خیال کرتے رہے۔

"خیر اب یہاں اس طرح کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ آیئے اسے اٹھا کر کار تک لے چلیں۔" فریدی نے سگار ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

پُراسرار ضلع دار

اس نئے انکشاف پر دوسرے دن سارے شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اب معاملہ حد درجہ پیچیدہ ہو گیا تھا۔ وہ شخص جسے لوگ مجرم سمجھ رہے تھے خود کسی کا شکار ثابت ہوا۔ لاش ابھی تک کوتوالی ہی میں تھی۔ فریدی اور چند دوسرے جاسوس لاش کا معائنہ کر رہے تھے۔ مقتول ایک قبول صورت اور نوعمر آدمی تھا۔ لباس کی عمدگی سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی متمول آدمی ہے۔ لیکن اس کے پاس سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی جس سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ موٹر سائیکل کا لائسنس

نمبر اور کمپنی کا نمبر...... دونوں پہلے ہی غائب ہو چکے تھے۔ فریدی سخت الجھن میں پڑ گیا تھا۔

"کیوں بھئی حمید کیا خیال ہے۔" فریدی نے سرجنٹ حمید سے کہا۔

"ابھی تک تو خیال کا خیال بھی ندارد ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ آپ کس طرح سمجھے کہ یہ آدمی مجرموں کا ساتھی نہیں تھا۔"

"تمہارے اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا ذہن کسی خاص لائن پر کام کر رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ کوتوالی انچارج کے بچ نکلنے پر مجرموں نے اپنے ساتھی کو اس لئے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو کہ کہیں وہ پولیس کے ہتھے چڑھ کر سارا راز بتا نہ دے۔" سرجنٹ حمید نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی بولا۔ "اندھیرے میں سہواً بھی گولی لگ جانے کا امکان ہے۔ ہاں یہ بھی درست ہو سکتا ہے لیکن یہ کیونکر مان لیا جائے کہ مجرموں کا ساتھی ہی تھا۔ محض اس لئے کہ ایسی صورت میں اسے دفن کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر انہیں اس بات کا اندیشہ ہوتا تو وہ اس کی وجہ سے پہچان لئے جائیں گے تو وہ اسے کبھی کوتوالی نہ بھیجتے اور اگر انہیں اس کا خدشہ نہیں تھا تو پھر لاش کے دفن کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی۔ دیکھو ایک لاش کا دفن کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے تمام انتظامات مکمل ہونے کے باوجود بھی اس کے لئے کم از کم ایک گھنٹہ چاہئے۔ اگر وہ ان کا ساتھی تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود بھی اپنی جان دینا چاہتے تھے۔ یا بالکل ہی احمق تھے کیونکہ انہیں اس کا بھی خیال نہ آیا کہ اتنی دیر میں اگر پولیس والے کسی قریب کے گاؤں میں سے کچھ آدمی لے کر واپس آگئے تو کیا ہوگا۔ اس کی لاش دفن کر دینا ان کے لئے یقیناً بچاؤ کی صورت رکھتا تھا۔ جبھی انہوں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا۔ جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت کسی منظم گروہ کی ہے۔ تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ایسا گروہ اپنے کسی پرانے یا آسانی سے پہچان لئے جانے والے آدمی کو ایسے کاموں کیلئے نہیں منتخب کرتا۔ اس کیلئے وہ ہمیشہ کسی نئے آدمی کو پھانستا ہے تاکہ اگر وہ پکڑ لیا جائے تو کسی قسم کا کوئی راز ظاہر نہ ہو سکے۔"

"چلئے میں نے مان لیا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خاص طور سے اسی آدمی کو قتل کرنا تھا تو آخر اس قدر ہنگامہ برپا کرنے کی کیا ضرورت کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے پولیس کو باقاعدہ چیلنج کر کے ایک آدمی کو قتل کیا۔ اس طرح نے باقاعدہ اپنے گلے ایک مصیبت ڈال لی۔ اگر اسے مارنا ہی مقصود تھا تو یوں ہی کر دیتے۔"

"تمہاری ذہانت کا میں عرصہ سے قائل ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا یہ ممکن اس طرح انہوں نے پولیس کو غلط راستے پر لگانے کی کوشش کی ہو۔ فرض کرو کہ میں تمہیں چاہتا ہوں۔ اگر میں نے تمہیں قتل کر کے دفن کر بھی دیا تو تمہاری گمشدگی یقیناً کچھ دنوں لوگوں کو تمہارے متعلق سوچنے پر مجبور کر دے گی اور میرے قتل کر دینے کی وجہ اگر ایک کچھ لوگ جانتے ہیں تو یہ قتل میرے لئے یقیناً بڑی مصیبت کا باعث ہو جائے گا۔ لیکن میں ذرا سی بھی ذہانت ہے تو میں تمہیں چھپا کر قتل کرنے کی بجائے کھلم کھلا قتل کر دوں اس کا طریقہ سنو۔ فرض کرو تم دو بجے رات کو دھرم پور کے جنگلوں سے گزر رہے ہو اور سمجھ کر یقیناً پولیس کو اس کی اطلاع دینے جاؤ گے اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ تمہاری قبر بھی میں تیار کر رکھوں گا۔ جیسے ہی تم پولیس کو ساتھ لے کر آؤ گے تم لوگوں پر گولیوں کی بوچھاڑ ہو جائے گی اور دوسروں کو بچاتے ہوئے صرف تم نشانہ بنا لئے جاؤ گے۔ گولیوں کی اندھا بوچھاڑ سے گھبرا کر دوسرے لوگ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس کے بعد میں تمہاری لاش سے کھدے ہوئے گڑھے میں دفن کر دوں گا۔ واپسی میں جب پولیس والے تمہیں سا پائیں گے تو تمہارے متعلق ان کا شبہ یقین میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ تمہیں مجرم سمجھ کر تلاش شروع کر دیں گے۔ اس طرح ایک طرف تو میں تمہیں قتل بھی کر دوں گا اور تمہیں بھی بنوا دوں گا اور خود مطمئن ہو کر مزے کروں گا۔ کیا سمجھے......! اور پھر اگر میں زیادہ ذ تو پولیس کے شبہے کو مزید تقویت دینے کے لئے تمہاری موٹر سائیکل کے نمبر بھی غائب کر گا۔ وہ بھی پیچ کو توالی سے......لیکن افسوس صد افسوس کہ میں ان کم بخت گیدڑوں کا

ں گا اور آخر کار انہی کی بدولت میری گرفتاری بھی عمل میں آجائے گی۔"

"مگر صاحب! نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ شخص مجرموں کا ساتھی ہے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی یہ ہے جاسوسی کا معاملہ......عشق کا مسئلہ تو ہے نہیں کہ دل کے فرمان پر عمل کیا ہے۔ یہاں تو صرف دماغ کی باتیں تسلیم کی جاتی ہیں۔" فریدی نے بجھے ہوئے سگار کو تے ہوئے کہا۔

"خیر چلئے! اگر میں اسے مان بھی لوں گا تو درخت والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ آدھے میں اتنے تناور درخت کو کاٹ گرانا قطعی ناممکن ہے۔"

"تو میں کب کہتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ درخت کے کاٹنے کا کام صبح ہی سے شروع کر دیا ہو اور اس کا اتنا حصہ کاٹ کر چھوڑ دیا گیا ہو کہ بقیہ حصہ تھوڑی دیر کی محنت سے کاٹ کر گرایا جا سکے۔ تم نے شاید غور نہیں کیا......اسی لائن کے کئی اور درخت بھی کاٹے گئے ہیں۔ یہ کام ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ حالانکہ مجھے اس میں شبہ ہے۔ بظاہر رکٹ بورڈ کے علاوہ کوئی اور ان درختوں کو قانوناً کٹوا بھی نہیں سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ئی سرکاری ادارہ اپنی ذمہ داری پر اتنے بڑے درخت کو ایسی خطرناک حالت میں چھوڑ جائے آدھے گھنٹے کی محنت سے گرایا جا سکے۔ کیونکہ اتنا بھاری بھرکم درخت ایسی حالت میں تیز ہوا کا جھونکا بھی نہیں برداشت کر سکتا۔"

"واقعی مانتا ہوں۔" حمید نے حیرت سے فریدی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "واللہ آپ کو تو کاٹ لینڈ یارڈ میں ہونا چاہئے تھا۔ یہ تو میں کہوں گا کہ ماہروں کی کوئی قدر نہیں۔ اب اسی کو لیجئے کہ آپ آج تک چیف انسپکٹر نہ ہو سکے۔"

"تو میں چیف انسپکٹر ہونا کب چاہتا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "چیف انسپکٹر ہونے کے بعد میری حیثیت ایک کلرک کی سی ہو جائے گی اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں اس لائن میں کچھ پیدا کرنے نہیں آیا اور نہ مجھے عہدوں ہی کا لالچ ہے۔ میرے پاس اتنا سرمایہ موجود ہے کہ

بیکار رہ کر بھی فارغ البالی کی زندگی بسر کرسکتا ہوں۔ اگر ہندوستان میں پرائیویٹ جا... کے لئے قانوناً کوئی جگہ ہوتی تو مجھے اتنی دردسری مول لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ... حیثیت سے اپنی کھوجی طبیعت کو تسکین دے لیتا۔''

''آپ کہیں گے میں چاپلوسی کررہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن میں کہے بغیر نہیں... کہ آپ جیسا آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ بعض اوقات تو میں یہ سو... ہوں کہ شاید آپ لوہے کے بنے ہیں۔''

''اور بہت سے لوگ مجھے لوہے کا چنا بھی سمجھتے ہیں۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''لیکن یہ آج تک میری سمجھ میں نہ آیا کہ آخر آپ عورتوں سے کیوں دور بھاگ... شادی کیوں نہیں کرتے......؟''

''پھر وہی عورت......!'' فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''آخر تمہار... عورت کیوں سوار ہے۔ کہیں سے بات شروع ہو، آپ کی تان ہمیشہ عورت ہی پر ٹوٹتی... کیا حماقت ہے۔''

''آپ اسے حماقت کہتے ہیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا بکو مت...... ابھی بہت کام کرنا ہے۔ چلو ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر چلیں۔''

ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر میں ان دونوں کی آمد سے بھونچال سا آگیا۔ معمولی ... سے لے کر چیئرمین تک خود کو چور محسوس کرنے لگے۔ لوکل سیلف گورنمنٹ کے کسی بھی ... دفتر میں کسی جاسوس کی غیر متوقع آمد وہاں کے کارکنوں کے لئے بڑی معنی خیز ہوتی ... کے سارے گزشتہ جرائم اور دھاندلی بازیاں ان کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتی ہیں اور ... غیر شعوری طور پر ہتھکڑیوں کے جوڑے کا انتظام کرنے لگتا ہے۔ لیکن یہاں فریدی کی ... نوعیت ہی کچھ اور تھی۔ دفتر کے عملے کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ان مزدوروں سے ملنا چاہ... دھرم پور کے جنگلوں میں درخت کاٹ رہے تھے تو انکی جان میں جان آئی۔ دھرم پور کے ... حادثہ کافی مشہور ہوچکا تھا۔ اسلئے وہ یہی سمجھے کہ یہ لوگ ضمنی تفتیش کے سلسلے میں آئے ہ...

وہاں کے مزدوروں میں سے صرف دو اس وقت موجود تھے۔ فریدی انہیں الگ لے گیا۔

''تم لوگوں نے ایک خطرناک غلطی کی ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''دونوں کے چہرے فق ہوگئے اور وہ ایک دوسرے کیطرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔''

''تم نے وہ درخت سڑک کی طرف کیوں گرایا تھا......؟''

''صاحب! سڑک کیطرف تو ہم لوگوں نے کوئی درخت نہیں گرایا۔'' انمیں سے ایک بولا۔

''یاد کرو وہ پیپل کا درخت جو چوراہے سے کچھ دور ہٹ کر تھا۔''

''نہیں صاحب! ہم ایسی غلطی نہیں کرسکتے۔''

''خیر اگر تم نے گرایا نہیں تھا تو اسے ایسی حالت میں چھوڑ دیا تھا کہ درخت تیز ہوا چلنے پر خود بخود گر جائے۔''

''نہیں تو...... مگر صاحب۔''

''صاف صاف بتاؤ۔'' فریدی تیز لہجہ میں بولا۔

''مجھ سے سنئے صاحب......!'' دوسرا بولا۔ ''اب تو غلطی ہو ہی گئی ہے۔ جو کچھ بھی پڑے گی بھگتنی ہی ہوگی۔''

''ہاں ہاں ڈرو نہیں...... ہمیں غریبوں کا خاص طور پر خیال رہتا ہے۔ مگر سچائی شرط ہے۔'' فریدی اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

''خدا آپ کو خوش رکھے...... ہم لوگ بالکل بے قصور ہیں۔ ہماری غلطی بس......!''

''ہاں ہاں کہو۔''

''صاحب ہوا یہ کہ ہم چار آدمی اس درخت کو کاٹ رہے تھے۔ شام ہوگئی تھی اور درخت اتنا کٹ گیا تھا کہ اس کی ڈالوں سے رسی پھنسا کر اسے آسانی سے دوسری طرف گرایا جاسکتا تھا۔ ہم لوگ ستانے لگ گئے تھے اور ارادہ تھا کہ اب اسے دوسری طرف گرادیں کہ اچانک کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔ ہم لوگ چونک پڑے۔ ایک آدمی ہمیں اپنی طرف دوڑتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ''ہائے مار ڈالا...... ہائے لوٹ لیا۔'' کہتا ہوا ہمارے قریب گر پڑا۔ ہم لوگوں کے پوچھنے پر

اس نے بتایا کہ وہ کوٹ آف وارڈ کا ضلع دار ہے۔ گاؤں سے روپیہ وصول کرکے لارہا تھا
اچانک دو آدمیوں نے اسے مار پیٹ کر روپیہ چھین لیا۔ اس کے بیان کے مطابق حادثہ قر
ہی اسی وقت ہوا تھا۔ اس لئے ہم چاروں غل مچاتے ہوئے اس کے بتائے ہوئے راستے
دوڑنے لگے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ تھا۔ ایک جگہ وہ رک گیا اور ایک جھاڑی سے ایک تھیلی
کر ہمیں دکھائی اور کہا کہ اسی تھیلی میں روپے ہیں۔ شاید گھبراہٹ میں یہ ان بدمعاشوں
ہاتھ سے گر گئی۔ اس نے وہ تھیلی زمین پر الٹ دی اور بیٹھ کر روپے گننے لگا۔ واقعی اس تھیلی
سینکڑوں روپے تھے۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ ہم اس کے ساتھ شہر چلیں کیونکہ وہ پولیس
میں رپورٹ کرنا چاہتا ہے اور اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں راہ میں وہ بدمعاش پھر نہ مل جائیں۔
لوگوں نے انکار کیا لیکن اس نے ہمیں سو روپے دینے کا وعدہ کرکے راضی کرلیا۔ ہم لوٹ آ
اور کلہاڑے وغیرہ سنبھال کر شہر کی طرف چل پڑے۔ سو روپوں کے لالچ نے ہمیں یہ بھی
سوچنے دیا کہ درخت کو خطرناک حالت میں چھوڑ کر جارہے ہیں۔ شہر پہنچ کر اس نے کہا کہ اب
پولیس میں رپورٹ کرنا بیکار ہی ہے۔ کیونکہ روپے تو مل گئے ہیں پھر وہ ہمیں ایک شراب خا
میں لے گیا۔ ہم لوگ کبھی کبھی دیسی شراب پی لیتے ہیں وہاں انگریزی شراب دیکھ کر ہمارے
منہ میں پانی بھر آیا۔ ہم میں ایک ایسا بھی تھا جو شراب نہیں پیتا تھا، لیکن اور دوسری کھانے پ
کی عمدہ چیزیں دیکھ کر وہ بھی پینے پر راضی ہوگیا۔ ہمیں کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ ہم نے کتنی پی
بہرحال جب ہمیں ہوش آیا تو ہم نے خود کو ایک ویران قبرستان میں پایا۔ غالباً اس وقت رات
کے تین بج رہے ہوں گے۔ یہ ہے سرکار ہماری رام کہانی۔ اب آپ جو سزا چاہیں دیں۔"

"بہرحال......!" فریدی لمبی سانس لیکر بولا۔ "میں کوشش تو کروں گا کہ تم لوگوں پر کو
آنچ نہ آنے پائے۔ اچھا یہ تو بتائیے کہ تم نے اس ضلع دار کو اس سے پہلے بھی کبھی دیکھا تھا"

"جی نہیں...... ہم نے اس سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اگر تم اسے دیکھو تو پہچان لو گے۔"

"اچھی طرح سرکار...... اچھی طرح۔" دونوں بیک وقت بولے۔

نمبر1

"اچھا اس کا حلیہ تو بتاؤ۔"

"حلیہ کیا بتاؤں سرکار...... اچھا خاصا لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ بڑی بڑی چڑھی ہوئی سیاہ
مونچھیں تھیں۔ آنکھوں پر نیلا چشمہ لگائے تھا۔ رنگ گورا تھا۔ انگریزی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔
بات پر بچوں کی طرح ٹھٹھا مار کر ہنستا تھا۔ مگر صاحب اس کے دانت بڑے چمکیلے تھے۔
اس کے دانت بالکل بھیڑیئے کے دانتوں کی طرح معلوم ہورہے تھے۔ ہنس مکھ آدمی ضرور
لیکن ان دانتوں کی وجہ سے اس کی ہنسی بھی بڑی خوفناک معلوم ہوتی تھی۔"

"تم اسے دیکھ کر پہچان لو گے۔"

"برابر سرکار......!"

"اچھا دیکھو...... ابھی تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے اس کا تذکرہ کسی اور سے نہ کرنا ورنہ پھر
تمہیں نہ بچا سکوں گا۔ اپنے ان دونوں ساتھیوں کو سمجھا دینا کہ اس کے متعلق کسی سے کوئی
بات نہ کریں۔"

"مجال ہے سرکار کہ آپ کے حکم کے خلاف ہوجائے۔ ہم لوگ بالکل چپ رہیں گے۔"

اس کے بعد فریدی اور حمید وہاں سے روانہ ہوگئے۔

"کہو بھئی اب کیا خیال ہے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"بھلا آپ سے غلطی ہوسکتی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن اب کیا کرنا چاہئے۔"

"بس دیکھتے رہو...... اب چٹکی بجاتے مجرم ہماری گرفت میں ہوں گے۔" فریدی نے
سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ عورت کی لاش والا معاملہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا......!" حمید نے سر کھجاتے
ہوئے کہا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں...... ایک عورت کی لاش تم نہایت آسانی سے تیار کرسکتے ہو۔ وہ
لاش یقیناً نقلی ہوگی۔"

"موٹر سائیکل کے نمبر والا معاملہ بھی عجیب ہے۔ خیر لائسنس کا نکال لینا تو مشکل کام نہیں۔"

کمپنی کا نمبر ریتنے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور حیرت تو اس پر ہے کہ کسی نے ر
کی آواز بھی نہ سنی۔"

فریدی کچھ سوچتے سوچتے چونک پڑا۔

"حمید! میں دراصل اسی لئے تمہیں اپنے ساتھ رکھتا ہوں، تمہارے اس سوال نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ لو سنو کیا تمہیں یاد نہیں کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کی کار بگڑ گئی تھی اور بار بار انجن اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اس انجن کے شور میں بھلا ریتی کی آواز کیسے سنی جا تقریباً دو گھنٹے کے بعد کار بن سکی تھی۔ اب میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ موٹر سائیکل کا دوران میں ریتا گیا تھا لیکن ریتنے والا کون ہو سکتا ہے۔ کسی باہری آدمی کی ہمت نہیں پڑ

"تو پھر آپ کا شک کس پر ہے۔"

"ابھی فی الحال یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔" فریدی نے سگار منہ سے نکالتے ہو

"کیوں نہ ہم لوگ دھرم پور کے جنگل کا ایک چکر اور لگا آئیں۔ مجھ سے ایک زبرد ہوئی ہے۔ مجھے اس گڑھے کا جس سے لاش برآمد ہوئی تھی بغور جائزہ لینا چاہئے تھا۔ بہ تھا کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو جاتی۔"

شرابی گیدڑ

لاش برآمد ہونے کے بعد ہی سے دھرم پور کے جنگل میں مسلح پولیس کے ایک د اپنے خیمے گاڑ دیئے تھے جس وقت انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید وہاں پہنچے تو انہوں نے جنگل میں گشت کرتے ہوئے پایا۔ ایک نے انہیں ٹوکا بھی لیکن دوسرا شاید ان دونوں کو پ اس نے انہیں سلام کیا۔

"کیوں بھئی کوئی خاص بات......!" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں حضور ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"اس گڑھے کی طرف کوئی دکھائی تو نہیں دیا تھا......؟"

"گڑھا ملا ہی نہیں۔" کانسٹیبل نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب......؟" فریدی نے اسے کڑی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کیا ہدایت دی گئی تھی۔"

"حضور! ہم سے ایک گڑھے کے بارے میں کہا ضرور گیا تھا لیکن یہاں پہنچنے پر ہمیں کوئی گڑھا نہیں دکھائی دیا۔"

فریدی اور حمید تیزی سے جھاڑیوں کی طرف بڑھے۔ واقعی وہاں گڑھے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ کسی نے گڑھے کو پاٹ کر زمین برابر کر دی تھی۔

"لیجئے...... یہ دوسری رہی۔" فریدی ہاتھ ملتے ہوئے مضطربانہ انداز میں بولا۔ پھر وہ دونوں کانسٹیبلوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "ذرا اپنے انچارج کو تو بلاؤ۔" دونوں چلے گئے۔

"مجرم حماقت پر حماقت کرتے چلے جا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"جی نہیں...... وہ ہماری حماقتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کل رات ہم میں سے کسی ایک کو اس وقت تک یہاں موجود رہنا چاہئے تھا جب تک کہ مسلح پولیس یہاں نہ پہنچ جاتی۔" فریدی نے کہا۔ "جانتے ہو کہ گڑھا پاٹ دینے کا کیا مطلب ہے؟"

حمید نے سر ہلا دیا۔

"مجرم کسی ایسے نشان کو مٹا گئے جس سے سراغ لگ جانے کا اندیشہ تھا۔"

"تب تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کا انچارج آ گیا۔

"کیوں صاحب! آپ کو کیا ہدایت دی گئی تھی۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"جناب والا ہم رات سے اس گڑھے کو تلاش کر رہے ہیں۔"

"چیز ہی ایسی ہے کہ دھوکا کھانے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "سرسری طور پر دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے یہاں کوئی گڑھا تھا ہی نہیں۔ اس جگہ سوکھی گھاس اس خوش اسلوبی سے بچھائی گئی ہے کہ اچھے اچھے دھوکا کھا جائیں۔"

"اس گھاس کو پھیلاتے وقت وہ یہ بھول گئے تھے کہ اس طرح ان کی انگلیوں کے نشانات قطعی محفوظ ہو جائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"حمید صاحب اتنی جلدی خوش فہمیوں میں مبتلا نہ ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اس مرتبہ بہت ہی چالاک آدمیوں سے سابقہ پڑا ہے۔ ارے میاں ایسے موقعوں پر بڑا سے بڑا بھی دستانے استعمال کرتا ہے۔"

"بہرحال مجرم کی یہ دوسری حماقت اس کے سراغ کے لئے کافی ہوگی۔ اگر کافی نہ بھی ہو تو کوئی نہ کوئی بات ضرور ہی معلوم ہو جائے گی۔" حمید نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"سب سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ لاش کا پتہ لگ جانے کے بعد گڑھے کو پاٹنے کی ضرورت ہو سکتی ہے۔" فریدی نے سگار کا دھواں چھلوں کی شکل میں نکالتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے کہ گڑھے میں کوئی ایسی چیز رہ گئی ہو جس سے مجرم کا سراغ مل جائے یا مقتول کی شخصیت پر روشنی پڑنے کا اندیشہ رہا ہو۔"

"لیکن ایسی صورت میں بھی گڑھے کو پاٹنے کی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ کام پولیس کے پہنچ جانے کے بعد ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ غالباً ہم لوگوں کے چلے جانے کے بعد یہ حرکت کی گئی۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ مجرم ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں! ہم لوگوں کے آنے سے پہلے ہی یہ سب کچھ کیا گیا۔ ورنہ ہم لوگ تو......!"

"جی ہاں...... ورنہ آپ لوگ تو کافی مستعد رہے۔" فریدی نے انچارج کی بات کاٹتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اچھا اب اسے دوبارہ کھودنے کا انتظام کرنا چاہئے۔"

انچارج نے تین چار کانسٹیبلوں کو بلا کر گڑھا کھودنے کے لئے کہا لیکن ان لوگوں کے

پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے زمین کھودی جا سکتی۔ آخر کار یہ طے پایا کہ پچھن پور سے کچھ مزدور بلا لئے جائیں۔

"کیا اسے کھودنے کے لئے آپ لوگوں کی سنگینیں کافی نہیں۔" حمید نے کہا۔

"بعض اوقات معمولی باتیں بھی دیر میں سوجھتی ہیں۔" انچارج نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

کانسٹیبلوں نے اپنی سنگینوں سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کانسٹیبل کی سنگین نے کسی چیز سے ٹکرا کر چھناکا پیدا کیا۔

"ٹھہرو...... ٹھہرو......!" فریدی جھکتے ہوئے چیخا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے جلدی جلدی مٹی ہٹانی شروع کر دی۔

"یہ لیجئے...... کوئی اور نئی مصیبت......!" فریدی نے گڑھے میں سے ایک وزنی تھیلا باہر کھینچتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا......!" سب نے بیک وقت کہا۔

فریدی نے تھیلے کا منہ جو رسی سے بندھا ہوا تھا کھول کر اسے زمین پر الٹ دیا۔ "یا مظہر العجائب......!" کہتا ہوا حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

یہ ایک گیدڑ کی لاش تھی جس کے منہ میں تمباکو پینے کا پائپ دبا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ شراب کی دو خالی بوتلیں بھی برآمد ہوئیں جن میں سے ایک سنگین لگنے سے ٹوٹ گئی تھی۔ گیدڑ کے سینے پر ایک کاغذ بندھا ہوا تھا جس پر غالب کا یہ قطع لکھا تھا۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

فریدی پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ بقیہ لوگ حیرت سے کبھی اسے دیکھتے اور کبھی گیدڑ کی لاش کو۔ فریدی برابر ہنسے جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی ہنسی اتنی بھیانک معلوم ہونے لگی کہ کئی ضعیف الاعتقاد کانسٹیبل وہاں سے چپکے سے کھسک گئے۔ ان میں بہتیروں کا یہ خیال تھا بلکہ قرب و جوار میں مشہور بھی تھا کہ جنگل کا مخصوص حصہ بھوتوں کا اڈہ ہے۔ فریدی پر ایک طرح کی نشہ آور

کیفیت طاری تھی جسکے تحت وہ ہنسے ہی جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے قہقہے مضمحل ہوئے اور آخر کار وہ چکرا کر گر پڑا۔ حمید اور انچارج دوڑ کر اس کے قریب پہنچے۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔

''ارے یہ معاملہ کیا ہے؟'' انچارج نے گھبراہٹ میں کہا۔

''نہ جانے کیا بات ہے۔ میں خود چکر میں ہوں۔'' حمید نے فریدی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ''لیکن فریدی کے چہرے پر ہوش کے کوئی آثار پیدا نہ ہوئے۔''

''اب کیا کیا جائے۔'' حمید نے انچارج کی طرف دیکھ کر کہا۔

''حمید صاحب! اب تو میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ ضرور کوئی شیطانی کارخانہ ہے'' انچارج نے لرزتے ہوئے کہا۔ ''گیدڑ کی لاش کا کیا مطلب اور پھر اسکے ساتھ شراب کی بوتل اور منہ میں دبا ہوا پائپ اور وہ شعر...... ایسی عجیب باتیں آج تک دیکھنے میں نہیں آئیں۔''

''وہ تو سب کچھ ہے لیکن یہ بتاؤ کہ انسپکٹر صاحب کو ہوش میں کس طرح لایا جائے'' حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''سرکار یہ تو کوئی پھونک جھاڑ کرنے والا ہی کر سکتا ہے۔'' ایک کانسٹیبل بولا۔

''لغو......!'' حمید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''اچھا انچارج صاحب آپ دو آدمی میرے ساتھ کر دیجئے۔ میں انہیں اسی حالت میں شہر لے جاؤں گا۔''

حمید نے گیدڑ کی لاش اور بقیہ دو چیزیں وہیں پڑی رہنے دیں اور بیہوش فریدی کو کار ڈال کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ خود کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ راستے میں ہی فریدی کو ہوش آ گیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر لیٹے ہی لیٹے بولا۔ ''حمید ہم کہاں جا رہے ہیں۔''

''اوہ...... آپ ہوش میں آ گئے۔'' حمید نے جلدی سے کار روکتے ہوئے مڑ کر کہا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا اور طویل انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔

''بڑا بھیانک پلاٹ تھا...... وہ گیدڑ اور بوتلیں کہاں۔''

''وہ تو میں وہیں چھوڑ آیا۔''

''ارے......!'' فریدی سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولا۔ ''بڑے احمق ہو تم۔ چلو فوراً کار واپس

لے چلو، جلدی کرو۔''

کار دوبارہ واپس جا رہی تھی۔

''کہو بھئی کچھ اس کا مطلب سمجھ میں آیا'' فریدی نے کہا۔

''سمجھ میں سب کچھ آ گیا، لیکن اگر کہوں گا تو خواہ مخواہ مجھے ہی احمق بننا پڑے گا۔''

''آخر کچھ تو۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ جگہ ضرور بھوتوں سے بھری پڑی ہے۔''

''پھر وہی حماقت کی بات۔''

''میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔''

''تمہارا قصور نہیں ہر شخص یہی سمجھے گا۔ مجرم نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ دوسری چال چلی تھی۔ مگر افسوس کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''اپنی اس حرکت سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ حقیقتاً اس قتل میں بھوتوں کا ہاتھ ہے۔''

''لیکن آپ کے اس طرح قہقہے مار کر بیہوش ہو جانے کا کیا مطلب تھا۔''

''اسی چیز نے تو مجھے اس نتیجے پر پہنچنے میں مدد دی ہے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ جب سنگین نے بوتل سے ٹکرا کر چھنا کا پیدا کیا تھا اس وقت سب سے پہلے میں ہی اسے دیکھنے کے لئے جھکا تھا۔ جیسے ہی میں جھکا، ایک تیز قسم کی بو نے میرا دماغ پراگندہ کر دیا۔ لیکن اس وقت میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ لیکن اس کا اثر آہستہ آہستہ میرے دماغ پر ہو رہا تھا۔ جیسے ہی گیدڑ کی لاش برآمد ہوئی میں نے اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیا۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ آخر میں ہنسی کیوں نہ روک سکا۔ جبکہ اور لوگ خاموش تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے آپ کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگا۔ انتہائی کوشش کے باوجود بھی میری ہنسی نہ رک سکی۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تم جانتے ہی ہو۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان بوتلوں میں کسی قسم کی گیس تھی جس کے اثر سے میری یہ حالت ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دوسری بوتل کے منہ پر

ایک مضبوط کارک لگا ہوا تھا۔ خدا کرے ان احمقوں نے اسے کھولا نہ ہو۔ ورنہ ایک اہم چیز ضائع ہو جائے گی۔"

"اف میرے خدا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اور اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ بدمعاشوں کا اڈہ یہیں کہیں قریب ہی ہے جلدی اتنا مکمل پلان بنالینا آسان کام نہیں۔ بھئی ذرا کار کی رفتار اور تیز کرو۔ کہیں ان کوئی اس بوتل کو کھول نہ ڈالے۔"

حمید نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

لیکن وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ان دونوں کی روانگی کے بعد ہی ایک کانسٹیبل نے اٹھالی اور اس کا کارک نکال کر سونگھنے لگا۔ اچانک اس پر بھی ہنسی کا دورہ پڑا اور تھوڑی بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ فریدی اور حمید اس وقت وہاں پہنچے جب دوسرے کانسٹیبل ا میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ سب بری طرح خوفزدہ تھے۔ ان دونوں کو د انہوں نے بیک وقت جلدی جلدی سارا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ کئی نے تو یہاں تک کہ "چاہے نوکری رہے چاہے جائے...... وہ اب کسی قیمت پر وہاں نہ ٹھہریں گے۔"

"تم لوگ ڈرو نہیں۔" فریدی نے انہیں دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ بوتل کبھی اس حال کو نہ پہنچتا۔ اب تم میں سے کوئی بے ہوش نہ ہوگا۔ لیکن اس کا افسوس ہے نے اپنی بیوقوفی سے میرا بہت نقصان کر دیا۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔" انچارج نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"ان بوتلوں میں کوئی نشہ آور اور ہنسانے والی گیس بند تھی۔" فریدی نے سنجیدگی

"ہنسانے والی گیس......" انچارج نے کہا۔ "رلانے والی گیس تو میں نے دیکھی ہنسانے والی گیس کا آج تک نام بھی نہیں سنا۔"

"اگر رلانے والی گیس بن سکتی ہے تو ہنسانے والی گیس بنانے میں کیا دشواری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مجرم کے علاوہ اور کسی نے اب تک اس طرف دھیان نہ دیا ہو۔"

"مگر صاحب آپ کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" انچارج نے کہا۔

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ چیز ضائع ہی ہو گئی ورنہ میں سمجھا دیتا۔"

گیدڑ کی لاش اب تک اسی حال میں پڑی ہوئی تھی۔ فریدی نے آتشی شیشہ نکال کر بوتل کا جائزہ لینا شروع کیا۔

"افسوس کہ اس کانسٹیبل کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ کوئی اور نشان اس بوتل پر نہیں اور یہ ٹوٹی ہوئی بوتل کے ٹکڑے...... ان پر بھی کچھ نہیں......!"

"مگر وہ شعر......!" حمید جلدی سے بولا۔ "کم از کم مجرم کی تحریر تو ہمارے ہاتھ آ گئی۔"

"بہت اچھے۔" فریدی اس کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "مگر حیرت ہے کہ مجرم اتنی احتیاط برتنے کے باوجود بھی یہاں کیسے چوک گیا۔ ذرا لپک کر وہ کاغذ کھولنا۔"

گیدڑ کی لاش سے وہ کاغذ کھول کر جب حمید پلٹا تو اس کا منہ بری طرح لٹکا ہوا تھا۔

"اس پر تو میں نے دھیان ہی نہیں دیا۔" اس نے کہا۔

"کیا......؟"

"یہ شعر کسی کتاب سے کاٹ کر اس کاغذ پر چپکا دیا گیا ہے۔"

"یہی تو میں نے کہا کہ اتنے چالاک آدمی نے بھلا ایسی حماقت کیسے کی۔" فریدی نے کہا۔ "حمید صاحب اس مرتبہ اچھا خاصہ معمہ ہاتھ آیا ہے۔"

عجیب و غریب چڑیا

فریدی رومال بچھا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ سگار کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نیم خوابی کی سی حالت میں گیدڑ کی لاش پر جمی ہوئی تھیں۔ کانسٹیبل آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ حمید گڑھے کی بقیہ مٹی نکال نکال کر ایک طرف ڈھیر کر رہا تھا۔ اسے اب بھی امید

تھی کہ جلد ہی کوئی چیز مل جائیگی۔ جس سے سراغ لگانے میں آسانی ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ تھک کر پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ فریدی کی نگاہیں اب قرب و جوار کی زمین کا طواف کر رہی تھیں۔ دفعتاً وہ چونک پڑا اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ اٹھ کر گڑھے کے پاس گیا اور وہاں جھک کر کچھ دیکھتے ہوئے مغرب کی طرف بڑھنے لگا۔ کچھ دور جا کر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں بولا۔

"حمید...... حمید یہاں آؤ۔ تمہیں ایک دلچسپ چیز دکھاؤں۔"

حمید ہاتھ کی مٹی جھاڑتا ہوا اس کی طرف لپکا۔

"یہ دیکھو......" فریدی نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا......! مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔"

"ارے بھئی۔" فریدی نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں یہ کسی چڑیا کے پنجوں کے نشان ہیں۔"

"تو کیا یہ عجیب بات نہیں۔"

"عجیب بات۔" حمید قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی۔ بھلا کسی چڑیا کے پنجوں کے نشانات میں کیا عجیب بات ہو سکتی ہے۔"

"بھئی مان گیا۔" فریدی ہنستے ہوئے بولا۔

"کیا......؟"

"یہی کہ تم زندگی بھر ایک کامیاب جاسوس نہیں ہو سکتے۔"

"چلئے میں اسے مانے لیتا ہوں۔ لیکن آخر یہ تو بتائیے کہ ان نشانات میں عجیب بات کون سی ہے۔"

"زمین دیکھ رہے ہو کتنی سخت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ابھی تک بارش بھی نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں کسی معمولی چڑیا کے پنجے اتنے گہرے نشانات نہیں بنا سکتے۔ تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا وزن ڈھائی تین من سے کسی طرح کم نہ ہوگا اور اتنے وزن کی

چڑیا کے ساتھ اتنے چھوٹے چھوٹے پنجوں کا تصور انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ فوراً سوچو تو بالکل ایسا ہی لگتا ہے نا جیسے کسی اونٹ کو گوریا کے پنجے عطا کر دیئے گئے ہوں اور دوسری بات دیکھو، یہاں چار نشانوں کا درمیانی فاصلہ چار چار انگل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس جگہ چڑیا کے دو قدم پورے ہوئے۔ پہلی چیز یہ کہ اتنی وزن دار چڑیا اتنے چھوٹے پیر رکھتی ہے کہ وہ چار انگل سے زیادہ نہیں پھیل سکتے۔ یہ چاروں نشان یہاں ختم ہو گئے۔ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر پھر ویسے ہی چار نشانات ملتے ہیں لہٰذا دوسری مضحکہ خیز بات یہ ہوئی کہ یہ چڑیا ہر دو قدم چلنے کے بعد ڈیڑھ فٹ کی جست لگاتی ہے آگے بڑھتے آؤ۔ یہ دیکھو کہیں بھی اس کے معمول میں فرق نہیں آیا۔ دو قدم چلنے کے بعد اس کے لئے ڈیڑھ فٹ اچھلنا ضروری ہے۔ کہو کبھی ایسی چڑیا خواب میں بھی دیکھی تھی۔ اب بتاؤ کیسی رہی۔"

"فریدی صاحب میں پھر کہتا ہوں کہ یہ بھوت......!"

"لاحول ولاقوۃ......!" فریدی حمید کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "پھر وہی چغد پن کی باتیں۔"

"تو پھر اور کیا کیا جائے۔"

"ابھی کچھ کیا ہی کیوں جائے۔" فریدی نے کہا۔ "اور دوسری بات یہ دیکھو یہ چڑیا اس طرف سے آئی، گڑھے تک گئی اور پھر اسی طرف واپس چلی گئی۔"

"واقعی بڑی عجیب بات ہے۔" حمید نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور دلچسپ بھی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ایسی عجیب و غریب چڑیا کا شکار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کیا تم اپنا پستول ساتھ لائے ہو۔"

"پستول تو ہے میرے پاس...... مگر...... مگر......!"

"گھبراؤ نہیں...... میری موجودگی میں یہاں کے بھوت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ان لوگوں کو ساتھ لے چلئے گا۔" حمید نے کانسٹیبلوں کیطرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"عجیب ڈرپوک آدمی ہو...... اتنے آدمی دیکھ کر اگر چڑیا اڑ گئی تو...... تمہیں تو کوئی

کہانیاں سنانے والی دادی اماں ہونا چاہئے تھا۔ مرد بنو برخوردار......!"

"چلئے صاحب۔" حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

دونوں ان عجیب وغریب نشانات کو دیکھ کر آگے بڑھنے لگے۔ آگے چل کر پھر جھا کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جھاڑیوں کے درمیان ایک بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی دور تک چلی گئی

"دیکھو میاں حمید یہ چڑیا ہم لوگوں کی طرح عقلمند معلوم ہوتی ہے کہ جھاڑیوں میں گ بجائے پگڈنڈیوں ہی پر چلتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ کافی پڑھی لکھی بھی ہو...... کیا خیال

"میں کیا بتاؤں...... آپ روحانیت وغیرہ کے تو قائل ہی نہیں۔ خیر کبھی نہ کبھی تو ہونا ہی پڑے گا۔ ممکن ہے کہ اسی کیس کے سلسلے میں آپکو اپنے خیالات تبدیل کرنے پڑیں

"بھئی تمہیں اس محکمے میں آنے کے لئے کس نے کہا تھا۔ تمہارے لئے تو کسی خا سجادہ نشینی ہی بہتر ہے۔ میں تمہیں تمہارے ساتھیوں میں سب سے زیادہ ذہین سمجھتا تھا۔ ل نکلے نرے گاؤدی۔ لاحول ولاقوۃ۔"

"آپ جو چاہیں کہیں مگر مجھے پورا یقین ہے کہ یہ سب کسی انسان کا کام نہیں۔"

"اچھا چلو وہ بھوت ہی سہی۔ لیکن واضح رہے کہ میں اپنے علاقے میں ایسے نامع بھوت کا وجود بھی برداشت نہیں کرسکتا۔"

"دیکھئے ایسا نہ کہئے......!" حمید جلدی سے بولا۔

"کیوں...... کیا بھوت تمہارے کوئی رشتہ دار ہیں۔ اگر ایسا ہے تو میں اپنے الفاظ وا لیتا ہوں۔"

"آپ تو سمجھتے نہیں۔" حمید بُرا مان کر بولا۔

"کیا نہیں سمجھتا......؟"

"خیر ہوگا...... ہٹائیے...... مجھے کیا۔"

"آخر کچھ کہو بھی تو۔"

"اب زیادہ احمق نہیں بننا چاہتا۔"

"کیا تم بُرا مان گئے۔ ارے بھائی راستہ کٹنے کے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔ معلوم نہیں ابھی اور کتنی دور چلنا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ کیوں نہ اس کیس کو معمولی تفتیش کے بعد ٹال ہی دیا جائے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"بھئی بہت اچھے! کیا بات کہی آپ نے۔" فریدی نے حمید کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"لیکن حمید صاحب یہ پہلا کیس ہے جس میں مجھے صحیح معنوں میں لطف آرہا ہے۔"

یہ دونوں اب چڑیا کے پنجوں کے نشانات پر چلتے ہوئے تقریباً ایک میل نکل آئے تھے۔ یہاں آکر وہ پگڈنڈی ایک کچی سڑک سے مل گئی تھی۔ سڑک کے اس پار پھر گھنیری جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ یہاں وہ نشانات بھی مٹ گئے تھے۔ سڑک کے دوسری طرف بھی نشانات نہ ملے۔ فریدی کچھ دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر چٹکی بجا کر بولا۔

"تو حمید صاحب وہ چڑیا یہاں تک پیدل آئی۔ اس کے بعد پھر موٹر پر بیٹھ کر شمال کی طرف روانہ ہوگئی۔"

حمید بے ساختہ ہنسنے لگا۔

"اس وقت مجھے اپنا بچپن یاد آرہا ہے۔" حمید ہنسی روکتے ہوئے بولا۔

"تم شاید مذاق سمجھ رہے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ دیکھو موٹر کے پہیوں کے نشانات جنوب کے طرف کہیں نظر نہ آتے۔ کوئی موٹر یہاں تک لے آیا۔ اس کے بعد پھر جنوب کی طرف سے شمال کی طرف گھمایا گیا۔ یہیں سے چڑیا کے پنجوں کے نشانات بھی غائب ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ چڑیا موٹر کی آواز سن کر اڑ گئی ہو۔"

"پھر وہی بچپنے کی باتیں۔ ارے میاں اگر وہ ڈھائی تین من کی چڑیا اڑ سکتی ہوتی تو اتنی دور پیدل کیوں آتی۔"

"کہی رہی بے پر کی۔" حمید قہقہہ لگا کر بولا

"خیر خدا کا شکر ہے کہ تم ہنسے تو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا آؤ...... اب اس موٹر

کے پیچھے چلیں۔"

"تو گویا وہ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے کی مثل صادق آیا چاہتی ہے۔"

زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب تو چلا نہیں جاتا۔ پہلے آپ یہ تو بتائیے کہ آپ کس پلان پر کررہے ہیں۔ تب ہی چل سکوں گا۔"

"بچے مت بنو...... چلو اٹھو...... گرمی کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔ غنیمت یہی ہے آج لو نہیں چل رہی ہے۔"

"تو کیوں نہ ہم لوگ اپنی کار یہاں لے آئیں...... اور پھر......!"

"اچھا بکو مت ہمیں پیدل ہی چلنا ہے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تو میں کب کہتا ہوں کہ پیدل نہ چلوں گا۔" حمید نے ایسے معصومانہ لہجے میں کہا فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

دونوں پھر موٹر کے پہیوں کے نشانات دیکھتے ہوئے شمال کی طرف روانہ ہوگئے۔ آ چل کر جھاڑیوں کے سلسلے کم ہو گئے تھے۔ تقریباً چار فرلانگ چلنے کے بعد ایک چھوٹا سا گا دکھائی دیا۔ کچی سڑک اس گاؤں کے باہر سے ہوتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دونوں رہے۔ ایک پختہ اور نئی وضع کی عمارت دور سے ہی دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ غالباً اس گاؤں کے زمیندار کا مکان معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

دونوں عمارت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہ نئے طرز کی ایک بڑی عمارت تھی جس آگے چار دیواری میں گھرا ہوا پائیں باغ تھا۔

"دیکھئے یہ موٹر کے پہیوں کے نشانات میدان حشر میں لے جاتے ہیں یا......!"

"ٹھہرو......!" فریدی حمید کی بات کاٹتا ہوا زمین پر جھک گیا۔

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ دیکھو...... شاید وہ چڑیا یہیں پر موٹر سے اتری ہے۔ فریدی نے چڑیا کے پنجوں نشانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو کہیں کہیں نظر آرہے تھے، فریدی نشانات کو

پائیں باغ کے پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ دونوں باغ میں داخل ہوگئے۔"

اچانک ایک بڑا کتا غراتا ہوا ان کی طرف جھپٹا۔

"جیک...... جیک......!" ایک نسوانی آواز آئی اور کتا دم ہلاتا ہوا لوٹ گیا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟" عورت قریب آ کر تیز لہجے میں بولی۔ یہ ایک قبول صورت جوان عورت تھی۔ لباس کا رکھ رکھاؤ اور انداز گفتگو ظاہر کررہا تھا کہ وہ اس گھر کی مالکہ ہے۔ اس نے پیازی رنگ کی جارجٹ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی کشش تھی۔ سرجنٹ حمید ایک خوبصورت اور جوان عورت کو اپنے قریب دیکھ کر کچھ بوکھلا سا گیا۔ لیکن فریدی کے انداز میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ نہایت پرسکون لہجے میں بولا۔ "محترمہ! ہم لوگ محکمہ سراغرسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"خیر خدا کا شکر ہے کہ آپ لوگ چونکے تو۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے متحیر ہو کر کہا۔

"بہت خوب...... تو گویا آپ لوگ اس باغ میں بغرض تفریح تشریف لائے ہیں۔"

"جی نہیں...... ہم لوگ تو......!"

"خیر چھوڑیئے ان باتوں کو...... کچھ سراغ ملا...... میں بہت پریشان ہوں۔" وہ بولی۔

فریدی اور حمید حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"محترمہ! بخدا میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔" فریدی نے کہا۔

"تو... آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔" وہ غصہ سے بولی۔

"دیکھئے صاف صاف بات کیجئے۔ ہم لوگ ایک قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔" فریدی نے بے ساختہ کہا۔

"قتل......!" وہ چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئی بولی۔ "کس کا قتل......!"

"ایک گمنام آدمی کا۔"

"دیکھئے صاحب بیکار وقت ضائع نہ کیجئے۔ آپ کو ایک عورت سے مذاق کرنے کی اچھی

خاصی سزا مل سکتی ہے۔"

"لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔" فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر اے کے فریدی۔" عورت نے آہستہ سے کہا۔ "فریدی صاحب! معاف کیجئے! میں بہت پریشان ہوں۔ پرسوں رات سے میری سہیلی بملا غائب ہے۔ وہ دو ماہ کے لئے یہاں آئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔ میں نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی۔ اس وقت سمجھی کہ شاید آپ لوگ اسی کے متعلق کوئی اطلاع دینے آئے ہیں۔"

"محترمہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ ہم تو اس وقت ایک عجیب وغریب چڑیا کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیں آپ کی سہیلی کے متعلق کوئی اطلاع نہیں۔"

"مجھے سخت تشویش ہے...... اگر شام کو یہاں کی پولیس نے کوئی خبر نہ دی تو میں یقیناً اس معاملے کو آگے بڑھا دوں گی۔"

"اگر آپ مجھے اس چڑیا کی تلاش میں مدد دے سکیں تو شکر گزار ہوں گا۔ آپ اطمینان رکھئے۔ میں آپ کی سہیلی کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتی ہوں۔ اس باغ میں دن بھر بے شمار پرندے آتے ہوں گے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"نہیں یہ پرندہ اپنی نوعیت کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"یہی کہ اس کا وزن دو ڈھائی من سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"آپ تو طلسم ہوشربا کی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"یہ سرجنٹ حمید ہیں۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ آپ ان کی باتوں کا کچھ خیال نہ کیجئے گا۔"

"اوہ کوئی بات نہیں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

فریدی کو اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے چڑیا کا راز اتنی جلدی کیوں اگل دیا۔ گرمیوں کی دوپہر میں اتنی مسافت پیدل طے کر کے ذہنی توازن برقرار رکھنا آسان کام نہیں۔ بہرحال اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً سنبھل کر بولا۔

"محترمہ بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگ آپ ہی کے معاملے کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ ابھی ابھی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہاں سے تین میل کے فاصلے پر کسی گڑھے سے ایک لاش برآمد ہوئی ہے۔ لیکن وہ کسی مرد کی ہے آپ پریشان نہ ہوں۔"

"آپ کی تو کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ ابھی تو آپ چڑیا......!"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔ "ہم سراغ رسانوں کے کام کرنے کے طریقے عوام کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ بہرحال اگر تکلیف نہ ہو تو پہلے ہمیں تھوڑا سا پانی پلائیے۔ اس کے بعد ہم لوگ کسی قاعدے کی بات کے قابل ہو سکیں گے۔ آپ دیکھتی ہیں کتنی سخت دھوپ ہے۔"

"ضرور...... ضرور...... اندر تشریف لے چلئے۔" وہ برآمدے کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

برآمدے میں پہنچ کر دونوں نے اپنے کوٹ اتار کر کرسیوں پر ڈال دیئے اور رومال سے چہروں کا پسینہ پونچھتے آرام کرسیوں پر گر گئے۔

"یہاں بھی کافی تپش ہے۔" عورت بولی۔ "میرے خیال سے اندر ٹھیک رہے گا۔"

لاش کی شناخت

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر وہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ عورت نے ملازم کو بلا کر پانی لانے کو کہا۔ ڈرائنگ روم کو بہت ہی خوش سلیقگی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ فرش پر ایک دبیز اور قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفوں پر پھولدار ریشمی کپڑے کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر بڑے

فریموں میں آرٹ کے عمدہ نمونے نظر آ رہے تھے۔ فریدی اس دیہی علاقے میں یہ
شوکت دیکھ کر متحیر ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملازم شیشے کے جگ میں ٹھنڈا پانی لایا۔

"میرے خیال سے کچھ کھا بھی لیجئے۔" عورت بولی۔

"جی نہیں شکریہ۔" فریدی نے پانی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

دونوں نے جی بھر کر پانی پیا۔ کچھ دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

"واقعی بملا دیوی کا اس طرح غائب ہو جانا حیرت انگیز ہے۔" فریدی بولا۔

حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ حضرت چڑیا
دیوی تک کیوں کر جا پہنچے۔

"کیا بتاؤں انسپکٹر صاحب کہ مجھے کتنی پریشانی ہے۔"

"قدرتی بات ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔"

"کیا آپ نے انہیں اس کی کوئی اطلاع دی۔"

"اب تک تو نہیں...... سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیا لکھوں۔"

"تو کیا وہ کہیں دور رہتے ہیں؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں...... کان پور میں...... اس کے والدین وہاں روئی کے بہت بڑے تاجر ہیں
شاید آپ نے نام سنا ہوگا۔ سیٹھ کرم چند۔"

"اوہ اچھا...... تو وہ یہاں اپنے شوہر سے لڑ کر آئی تھیں۔" فریدی بولا۔

"نہیں صاحب...... ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی۔ وہ میری کلاس فیلو رہ چکی ہیں۔
تبدیلی آب و ہوا کے لئے یہاں آئی تھی۔ تقریباً ایک ماہ کی بات ہے۔"

"اور ابھی ایک ماہ اور رہنے کا ارادہ تھا۔"

"جی ہاں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی وجہ سے آپ کو اطلاع دیئے بغیر کانپور چلی گئی ہوں۔"

"ایسی تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ ننگے پیر بغیر سامان لئے یہاں سے چلی جائے۔"

"ننگے پیر...... کیا مطلب۔"

"جی ہاں...... سارے سینڈل اس کے کمرے میں موجود ہیں اور وہ سارا سامان بھی جو وہ
اپنے ساتھ لائی تھی۔"

"حیرت کی بات ہے۔" فریدی حمید کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اچھا یہ بتایئے اس
دوران میں ان کے پاس باہر سے کچھ خطوط بھی آئے تھے۔"

"جی ہاں...... یہ زیادہ تر ان کے والدین یا منگیتر کے ہوتے تھے۔"

"ہوں......!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کو ان خطوط کے دیکھنے کا بھی
اتفاق ہوا۔"

"جی نہیں۔"

"ان کے منگیتر کا کیا نام ہے؟"

"رندھیر سنگھ۔"

"رندھیر سنگھ......!" فریدی تقریباً اچھلتے ہوئے بولا۔ "کیا آپ نے اسے دیکھا بھی ہے۔"

"کئی بار......!"

"کیا وہ کبھی یہاں آیا تھا۔"

"نہیں میں اس سے کان پور میں مل چکی ہوں۔"

"تب آپ کو میرے ساتھ کوتوالی تک چلنے کی زحمت کرنی پڑے گی۔"

"کیوں......!" عورت متحیر ہو کر بولی۔

"آج جس شخص کی لاش دھرم پور کے جنگل میں ملی ہے اس نے بھی اپنا نام رندھیر سنگھ
ہی بتایا تھا۔"

"ارے...... تو گویا...... تو گویا۔" عورت کانپنے لگی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔" فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔ "جلدی کیجئے۔"

دفعتاً دروازے پر کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی اور ایک ادھیڑ عمر کا مضبوط آد
میں داخل ہو کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خلاء میں تاک رہا تھا۔

اس نے پتلون قمیض پہن رکھی تھی۔ بڑے سے لمبوترے چہرے پر اس کی بڑ
ویران آنکھیں بہت ہی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ دہانہ کافی پھیلا ہوا تھا اور دونوں کا
گھنے بالوں کی لکیریں تھیں چہرہ اس طرح صاف تھا جیسے اس نے ابھی ابھی شیو کیا ہو
کے ساتھ ساتھ اس کی پھولی ہوئی ناک کے نتھنے پھول پچک رہے تھے۔

بازوؤں کی ابھری مچھلیاں آستین کے اوپر سے صاف ظاہر ہو رہی تھیں۔

"یہاں کون ہے۔" وہ گرج کر بولا۔

عورت گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"جی یہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی صاحب ہیں۔ بملا والے کیس کی تحقیقات
سلسلے میں آئے ہیں۔" وہ بولی۔

"اچھا......!" وہ چھڑی سے زمین ٹٹولتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر ایک م
پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کہئے انسپکٹر صاحب کچھ پتہ چلا۔"

"ابھی تک تو کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ مجھے اپنے ساتھ کوتوالی لے جانا چاہتے ہیں۔" عورت بولی۔

"کیوں......!" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"یہاں کہیں کوئی قتل ہو گیا ہے۔"

"تو پھر اس قتل سے تمہیں کیا سروکار۔" بوڑھے کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میرا خیال ہے کہ مقتول بملا دیوی کا منگیتر ہے۔" فریدی نے کہا۔

"چلئے یک نہ شد دو شد۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔ "ابھی بملا ہی نے ناک میں دم کر رکھا
اب ان کے منگیتر بھی اللہ کو پیارے ہو گئے...... لاحول ولا قوۃ...... جاؤ بھئی جاؤ...... لیکن جلد
لوٹ آنا۔ خبردار! اب تمہاری کوئی منحوس سہیلی اس گھر میں قدم نہ رکھنے پائے۔"

وہ تینوں اٹھ کر باہر آئے۔ عورت نے ڈرائیور سے کار لانے کو کہا اور تینوں شہر کی طرف
روانہ ہو گئے۔

"محترمہ! ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "یہ کون صاحب تھے؟"

"ٹھاکر دلبیر سنگھ...... میرے مرحوم شوہر کے بڑے بھائی۔"

"تو کیا یہ نابینا ہیں۔"

"جی ہاں...... دو برس ہوئے ان کی آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی۔"

"اگر کچھ ہرج نہ ہو تو اپنے خاندان کے متعلق بھی بتا دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" عورت فریدی کو گھورتے ہوئے بولی۔

"میں اپنی اطلاع کے لئے آپ کے خاندانی حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ...... کیا آپ نے مشہور سائنسدان پرکاش بابو کا نام نہیں سنا۔ وہ میرے شوہر تھے،
تین سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔"

"پرکاش بابو!" فریدی نے آہستہ سے دہرایا۔ "وہی تو نہیں جو جھیل میں ڈوب گئے تھے۔"

"جی ہاں وہی، ان کے بعد سے ان کے بڑے بھائی ٹھاکر دلبیر سنگھ میرے نگران ہیں۔
انہوں نے مجھے پتا جی کے گھر نہیں جانے دیا۔ میرے پتا ایک روشن خیال آدمی ہیں۔ وہ میری
دوسری شادی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ مگر میں یہ سب کچھ کیوں کہہ رہی
ہوں۔ آپ کو میرے خاندانی حالات سے کیا سروکار......؟"

"اگر اس سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں...... یہ تذکرہ میرے لئے بہت ہی اندوہناک ہوتا ہے۔"

کوتوالی پہنچ کر انسپکٹر فریدی اسے لاش والے کمرے میں لے گیا۔ لاش کو دیکھ کر عورت
بُری طرح کانپنے لگی۔ وہ سچ مچ بملا کے منگیتر ہی کی لاش تھی۔ اس نئے انکشاف پر کوتوالی میں
ہل چل مچ گئی۔ رندھیر سنگھ اور بملا کے والدین کو سرکاری طور پر تار دیئے گئے، عورت بُری طرح
خائف تھی۔ آفیسروں کی گفتگو سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید اسے حراست میں لے لیا جائے۔

"فریدی صاحب! میں تو بڑی پریشانی میں پھنس گئی۔" عورت پریشانی کے لہجے

"گھبرائیے نہیں! چلئے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آؤں۔"

فریدی حمید کو کوتوالی میں چھوڑ کر خود اس عورت کے ساتھ چلا گیا۔

دوسری لاش

فریدی جب اس عورت کو پہنچا کر واپس آیا تو کوتوالی میں سرجنٹ حمید کو اپنا منتظر پایا۔ اسے بُری طرح گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

"کیوں بھئی...... اس طرح کیوں گھور رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپکے ہونٹوں پر لپ اسٹک کے دھبے تلاش کر رہا تھا۔" حمید نے سادگی سے

"بڑے گندے خیالات ہیں تمہارے۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

"جی نہیں...... میں انتہائی پاک و صاف خیالات کا آدمی ہوں۔ جبھی تو میں یہاں چھوڑ دیا گیا تھا۔"

"اوہ! تو یہ کہو تم اچھے خاصے گدھے ہو۔ اگر تم میرے ساتھ ہوتے تو میں کبھی اتنے کا باتیں نہ معلوم کر سکتا۔"

"جی ہاں...... ایسے موقعوں پر یہی ہوتا ہے۔" حمید بدستور اسی طرح منہ چلاتے ہوئے بولا

"بھئی خدا کے لئے اب تم جلدی سے شادی کر ڈالو ورنہ اپنے ساتھ مجھے بھی لے گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"نہیں صاحب! آپ اطمینان رکھئے۔ میں اکیلا ہی ڈوبوں گا۔"

"اچھا بس چغد پن ختم کرو۔ مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی تک رات کا کھانا نہیں کھایا۔ چلو اب گھر چلیں۔ وہیں باتیں ہوں گی۔ چلو تمہیں ایک دلچسپ خبر سناؤں گا۔ م

اس عجیب وغریب چڑیا کی ٹانگیں کاٹ لایا ہوں۔"

حمید حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

گھر پہنچ کر دونوں نے کھانا کھایا اور ایک ایک سگار سلگا کر آرام کرسیوں پر گر گئے۔

فریدی دو تین لمبے لمبے کش لینے کے بعد بولا۔ "بھئی وہ عورت......"

"کافی خوبصورت ہے۔" حمید نے اس کی بات کاٹ کر جملہ پورا کر دیا۔

"پھر وہی حماقت کی باتیں۔"

"آخر آپ اس موضوع سے کیوں بھاگتے ہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اس لئے کہ میری جنسیت عورت کی بجائے خطرات میں پڑنے سے تسکین پاتی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ سب فلسفہ ہے...... یا پھر ممکن ہے کہ اللہ نے آپ کو کسی خاص موڈ میں بنایا ہو۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"خیر بھئی یہ باتیں پھر ہوں گی۔ میں یہ بتانے جا رہا تھا کہ اس عورت کا نام سروج ہے۔ وہ اپنے شوہر کے بڑے بھائی کے ساتھ اسی مکان میں رہتی ہے۔ وہ اندھا ٹھاکر دلبیر سنگھ بھی بڑی پراسرار شخصیت کا مالک معلوم ہوتا ہے۔ سروج کے شوہر کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ وہ ایک سائنسدان تھا۔ آج میں نے اس کی لیبارٹری بھی دیکھی ۔جواب بہت خراب حالت میں ہے۔ اسے عجیب وغریب چیزیں جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ میں نے اس کے ترتیب ہوئے عجائب گھر کی بھی سیر کی۔ دنیا بھر کی عجیب وغریب چیزیں دیکھنے میں آئیں۔ بملا کے کمرے کی تلاشی لی وہاں کوئی خاص چیز نہیں مل سکی۔ اس کے دوران قیام میں اس کے پاس جو خطوط آئے تھے انہیں بھی دیکھا لیکن کوئی کام کی بات نہ معلوم ہو سکی۔ سروج اور دلبیر سنگھ پر سوالات کی بوچھاڑ کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دلبیر سنگھ انتہائی ضدی اور چڑچڑا آدمی ہے۔ اس نے کسی بات کا بھی جواب شرافت اور سنجیدگی سے نہ دیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ کافی دولت مند ہیں اور آمدنی کا ذریعہ ان کی جائیداد ہے۔ ان کا حلقہ احباب زیادہ وسیع

نہیں ہے۔ دو تین آدمی اکثر ان کے یہاں آ کر ٹھہرا کرتے ہیں اور بس...... ان میں ایک ڈاکٹر ہے۔ ایک تاجر اور ایک وکیل۔ یہ سب یہیں شہر میں رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک زیادہ مشکوک چال چلن کا آدمی ہے۔ وہ ہے ڈاکٹر ستیش لیکن یہ میرا ذاتی خیال ہے۔ شہر تو اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ویسے وہ میری بلیک لسٹ پر ہے اور شاید میرے علاوہ اور اس کے کارناموں سے واقف بھی نہ ہو۔"

"ابھی تک تو ان باتوں میں مجھے کوئی کام کی بات نظر نہیں آئی۔" حمید نے کہا۔ "... کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

"کوئی برا خیال تو ابھی تک نہیں قائم کر سکا۔"

"لیکن مجھے تو وہ مشکوک نظر آتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"مشکوک تو میں بھی تھا۔ لیکن اب یہ خیال بدل دینا پڑا کیونکہ اس چڑیا کی تلاش میں اس نے مجھے مدد دی تھی۔"

"ہاں...... وہ چڑیا کی ٹانگوں کا قصہ کیا ہے۔"

"قصہ کچھ نہیں۔ جو خیال میں نے پہلے قائم کیا تھا وہ سچ نکلا۔ میں نے دوران گفتگو سروج سے چڑیا کے پنجوں کا تذکرہ کیا۔ سارے واقعات سن کر وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر اچانک چونک پڑی۔ میں نے اسے وہ نشانات دکھائے بھی۔ اس کا چہرہ اتر گیا۔ وہ مجھے اپنے شوہر کے عجائب گھر میں لے گئی اور کہنے لگی مجھے تعجب ہے کہ انہیں کس نے استعمال کیا۔ اس جوتے کے تلے میں لوہے کے بنے ہوئے چڑیا کے پنجے جڑے ہوئے تھے اس نے مجھے بتایا کہ اس کے شوہر نے یہ جوتے کسی سیاح سے خریدے تھے اور انہیں اپنے عجائبات میں اضافہ سمجھ کر رکھ دیا تھا۔ وہ سخت پریشان تھی۔ بار بار یہی کہتی تھی کہ آخر ان جوتوں کو کس نے استعمال کیا۔ میں ان جوتوں کو اپنے ہمراہ لیتا آیا ہوں اور اسی وقت انہیں فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے حوالے کر آیا ہوں۔ اگر مجرم نے موزے پہن رکھے ہوں گے تو اس میں اس کے پیروں کی انگلیوں کے نشانات ہونے ضروری ہیں۔" فریدی خاموش ہو گیا۔

حمید حیرت سے منہ پھاڑے سن رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ واقعی وہ عورت جوتوں کے استعمال کرنے والے سے ناواقف ہے۔"

"اگر ایسا ہوتا تو وہ مجھے جوتے دکھانے کی بجائے انہیں تلف کر دیتی۔"

"ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی نظروں میں چڑیا کے پنجوں کی اتنی اہمیت دیکھ کر اس نے یہی مناسب سمجھا کہ جوتے آپ کے حوالے کر کے آپ کا شبہ اس مکان کے رہنے والوں کی طرف سے دور کر دے۔ کیونکہ چڑیا کے پنجوں کے نشانات اس کے کمپاؤنڈ میں بھی پائے گئے تھے۔"

"بہرحال اس سے اس کی بے گناہی تو ثابت ہی ہو گئی۔ رہ گئے اس گھر کے دوسرے لوگ یا وہاں آنے جانے والے، تو ان کے علاوہ اور کون ان جوتوں کو پہن سکتا ہے۔"

"کچھ بھی ہو...... معاملہ بہت الجھا ہوا ہے۔ میرے خیال سے تو اس گھر بھر کے لوگوں کو حراست میں لے لینا چاہئے۔"

"لیکن میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ میں نے سروج کو سمجھا دیا ہے کہ وہ ان جوتوں کے بارے میں کسی سے تذکرہ نہ کرے۔ حتیٰ کہ دلبیر سنگھ کو بھی یہ بات نہ معلوم ہونے پائے۔ ان لوگوں پر شبہ ظاہر کرنے سے قاتل بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا۔"

"خیر بہرحال اب آپ نے کیا سوچا ہے۔" حمید نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"میں گیارہ بجے کی گاڑی سے کان پور جا رہا ہوں۔"

"کیوں...... وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ بملا اور رندھیر کے والدین کو تار دے دیئے گئے ہیں۔"

"مجھے ان کے والدین سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ رندھیر یہاں آیا کیوں تھا۔ بہرحال میں کل رات تک یہاں واپس آ جاؤں گا۔ سروج کے مکان کی نگرانی کے متعلق ہدایات دے چکا ہوں اور تم خاص طور پر سروج پر نظر رکھنا۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "کبھی آپ یہ کہتے ہیں کہ میرا شبہ اس پر نہیں ہے اور کبھی اس کی نگرانی کا حکم صادر فرماتے ہیں۔"

"اگر اتنا ہی سمجھتے ہوتے تو میری جگہ پر ہوتے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"بہر حال جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرنا اور ہاں نگرانی سے میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان سے باقاعدہ عشق شروع کردیں آپ کو تو بس موقع ملنا چاہئے۔"

"مطمئن رہئے۔ میں پرائی بہو بیٹیوں کو اپنی ہی سمجھتا ہوں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"بہتر ہے کہ آپ انہیں پرائی ہی رہنے دیں۔ خیر مذاق چھوڑو۔ ہاں اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔"

"نگرانی کے لئے میں نے انور، کمار اور وحید کو مقرر کیا ہے اور تم ان کے انچارج ہو۔ ان سے جو اطلاعات ملیں ان کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا اور ہاں ڈاکٹر ستیش کی ڈسپنسری کے پاس ایک فقیر بیٹھا ہے۔ اس سے تمہیں ڈاکٹر ستیش کے متعلق اطلاعات ملیں گی۔ انہیں بھی محفوظ رکھنا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کے سگار کا گنجان دھواں فضا میں مرغولے بنا رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "ابھی تک فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ سے کوئی خبر نہیں آئی۔ مجھے تو امید نہیں ہے کہ جوتے میں کسی قسم کے نشانات مل سکیں۔ قاتل انتہائی چالاک ہے۔ اس نے ایسی حماقت نہ کی ہوگی۔"

"ایسا ممکن ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس کے فرشتوں کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ آپ کا ہاتھ ان جوتوں تک پہنچ سکے۔"

"بہر حال ابھی تھوڑی دیر میں معلوم ہو جائے گا۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک آدمی اندر داخل ہوا اور فریدی کے ہاتھ میں کاغذ دے کر خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"لو دیکھو رپورٹ آ گئی۔" فریدی نے کاغذ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کسی قسم کے نشانات نہیں مل سکے۔ حالانکہ نشانات ہونے چاہئیں تھے۔ کیونکہ آج کل گرمیوں میں عموماً سب کے پیر کچھ نہ کچھ ضرور پسیجتے ہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر آنے والے کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔"

"اچھا بھئی اب میں روانگی کی تیاری کروں۔ دیکھو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ذرا بھی چوکے نہیں کہ کام بگڑا۔"

"آپ اطمینان رکھئے۔ اب میں پوری پوری احتیاط کروں گا۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت نو بجے ہیں لاش کی شناخت کے وقت سے لے کر گیارہ بجے تک کے وقفے میں ایک کے علاوہ اور کوئی ٹرین کانپور نہ جائے گی۔"

"میں آپ کا مطلب سمجھ گیا لیکن دوسرا کوئی کار سے بھی جا سکتا ہے۔" حمید نے مڑ کر کہا۔

"بہت ممکن ہے کہ ایسا ہو بھی گیا ہو لیکن بے سود۔ رندھیر سنگھ کے مکان کے قریب پرندہ بھی پر نہ مار سکے گا۔ میں نے اس کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔ لاش کی شناخت کے بعد ہی میں نے کانپور کے محکمہ سراغ رسانی کو بذریعہ تار مطلع کر دیا تھا۔ اس وقت رندھیر سنگھ کے مکان کے ایک ایک کمرے میں پولیس کے آدمی متعین ہوں گے۔"

"تو پھر اب آپ کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی ہر ایک کے کام کرنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔ اچھا اب میں ذرا اپنا سامان درست کر لوں۔" فریدی نے یہ کہہ کر مڑنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"وحید......!" فریدی نے چونک کر کہا۔ "کیا بات ہے۔"

وحید کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ رک کر دم لینے لگا۔ پھر رک رک کر بولا۔ "ایک...... لاش......اور......!"

"کیا مطلب......؟" حمید جلدی سے بولا۔

"میں انسپکٹر صاحب کی ہدایات کے مطابق اس مکان کی نگرانی کے لئے جا رہا تھا۔ جب میں اس جگہ پر پہنچا جہاں سے رندھیر کی لاش برآمد ہوئی تھی تو مجھے بہت سخت بدبو محسوس ہوئی۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے ٹارچ کی روشنی میں ایک عورت کی لاش دیکھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کہیں سے کھود کر نکالی گئی ہو۔"

"تو پھر تم نے کیا کیا۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔

"میں قریب کے دیہات سے چار پانچ آدمیوں کا انتظام کر کے لاش کو توالی اٹھوا کر لایا ہو

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ حمید میرا جانا نہیں رک سکتا۔ یہ لاش دراصل میرے روکنے کے لئے ہی نکالی گئی ہے۔ اچھا بتاؤ یہ لاش کس کی ہو سکتی ہے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"یہ اسی عورت کی لاش ہے۔ جس کا تذکرہ رندھیر نے کوتوالی انچارج سے کیا تھا یعن کی لاش۔"

"ارے......!" حمید نے چونک کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ وثوق کے ساتھ ک طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"ابھی تمہیں یقین آ جائے گا۔ تم سیدھے سروج کے یہاں چلے جاؤ اور اسے لے کوتوالی آؤ۔ دلیر سنگھ اگر اسے تنہا نہ آنے دے تو اسے بھی لیتے آنا اور ہاں دیکھو سب ک احتیاط سے کرنا۔ ممکن ہے کہ واپسی میں مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے۔ اس لئے "گڈ نائٹ" فریدی یہ کہتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔

دلچسپ سفر

دہلی ایکسپریس پوری رفتار سے چیختی چنگھاڑتی بھاگ رہی تھی۔ انسپکٹر فریدی ایک معمر آدمی کے بھیس میں فرسٹ کلاس میں سفر کر رہا تھا۔ گرمی کی وجہ سے اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور اگر شاید اس وقت نیند آتی بھی تو نہ سوتا کیونکہ سامنے والی برتھ پر لیٹا ہوا سکھ اسکی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

وہ دو تین اسٹیشن کے بعد سوار ہوا تھا اور اس وقت کوئی اخبار پڑھ رہا تھا۔ سب سے زیادہ دلچسپی چیز یہ تھی کہ اس نے اس وقت بھی سیاہ عینک پہن رکھی تھی۔ فریدی سوچنے لگا کہ اگر اس

کی آنکھیں خراب ہوتیں تو وہ اس وقت اخبار نہ پڑھتا اور اگر آنکھیں نہیں تو رات کے وقت سیاہ عینک لگا کر پڑھنا کسی ہوشمند آدمی کے لئے ناممکن ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ یا تو پاگل ہے یا پھر، ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ سکھ نے اس کی طرف کروٹ بدلی اور مسکرانے لگا۔

"کیوں صاحب کانپور کس وقت آئے گا۔" اس نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"کانپور نہیں آئے گا بلکہ ہم لوگ چار بجے کانپور پہنچیں گے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔" اس نے ہنس کر کہا اور پھر چونک کر اٹھ بیٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر اپنا جوتا تلاش کرنے لگا۔

جب وہ باتھ روم سے لوٹا تو فریدی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"فریدی صاحب آداب عرض ہے۔" اس نے مسکرا کر جھکتے ہوئے کہا۔

اگر فریدی کی جگہ پر کوئی اور ہوتا تو اس اچانک حملے پر ضرور بوکھلا جاتا لیکن فریدی اسی طرح پرسکون رہا۔ سکھ نے شاید یہ سمجھا تھا کہ اچانک پہچان لئے جانے پر فریدی ضرور پریشان ہو جائے گا۔ لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ فریدی کے اطمینان میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا تو وہ خود بُری طرح بوکھلا گیا۔

"آداب عرض۔" فریدی نے لیٹے ہی لیٹے کہا اور پھر کسی خیال میں ڈوب کر سگار کے کش لینے لگا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

سکھ شاید الجھن میں پڑ گیا تھا کہ اب کیا کہے۔ اس کی حالت بالکل اس بچے جیسی ہو رہی تھی جس کی شرارت سے اچانک کوئی کار اسٹارٹ ہو جائے اور وہ بوکھلا کر یہ سوچ رہا ہو کہ اب مشین کس طرح بند کی جائے۔ وہ گھٹی گھٹی آواز میں کھانسنے لگا۔ فریدی کا انداز ایسا تھا جیسے اس کے علاوہ اس کمپارٹمنٹ میں کوئی اور نہ ہو۔

"فریدی صاحب کہئے کیسا پہچانا۔" وہ دوبارہ جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"اوہ!" فریدی چونک کر بولا۔ "لیکن میری شرافت کی بھی داد دیجئے کہ میں نے آپ کو پہچان کر بھی خواہ مخواہ دخل در معقولات کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"آپ بھلا مجھے کیا جانیں۔" وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

"کیوں سردار جی! کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ آپ کی ڈاڑھی کیس دونوں نقلی ہیں۔" فریدی نے لیٹے ہی لیٹے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سکھ چپ چاپ اپنی برتھ کی طرف لوٹ گیا۔ فریدی بدستور اسی طرح لیٹا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا حالانکہ چلتی ہوئی ٹرین کے اندر ہوا کے جھراٹے آرہے تھے اور پنکھا چل رہا تھا پھر بھی سکھ کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ اس نے سرہانے رکھے ہوئے چھوٹے سے اٹیچی سے ریوالور نکالا اور فریدی کی طرف تان کر کہنے لگا۔

"بس خبردار اٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔" فریدی نے ہنس کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ خواہ مخواہ اٹھنے کی کوشش کروں گا۔"

"بکومت!" سکھ گرج کر بولا۔

"دیکھو بھئی گفتگو کے دوران میں تہذیب شرط ہے۔ ورنہ مجھے کہیں سچ مچ نہ ا... پڑے۔" فریدی نے نہایت اطمینان اور سنجیدگی سے کہا۔ "تم آخر چاہتے کیا ہو۔ سب سے پ... تم نے مجھے فریدی کہہ کر مخاطب کیا۔ حالانکہ مجھے لوگ میجر سردار خاں کہتے ہیں۔ لیکن میں... بُرا نہ مانا۔ پھر تم نے میرا مضحکہ اڑانے کی غرض سے یہ کہا کہ میں تمہیں پہچان گیا۔ لیکن میں... بھی ٹال گیا حالانکہ میں نے چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں ڈالا کہ تم اس طرح سے کہتے ہو کہ... پہچانا۔ میں تو تمہارے خواہ مخواہ مذاق پر کچھ نہ بولا۔ لیکن میں نے ذرا یہ کہہ دیا کہ تمہاری ڈاڑ... اور کیس نقلی ہیں تو تم نے ریوالور نکال لیا۔ عجیب آدمی ہو۔ تمہیں اس تاریک رات میں سیاہ چشمہ... کر پڑھتے دیکھ کر پہلے ہی خیال ہوا تھا کہ ضرور تمہارا دماغ خراب ہے پتہ نہیں لوگ ا... آدمیوں کو تنہا کیوں سفر کرنے دیتے ہیں۔ مانا کہ تم کسی اونچے خاندان سے تعلق رکھتے ہو... ایسا بھی کیا کہ مذاق کی باتوں پر ریوالور نکال لو اور پھر چھیڑ پہلے تمہاری ہی طرف سے ہوئی تھی تم مجھ سے عمر میں چھوٹے ہو اسلئے بطور نصیحت یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے اوپر ... کرنا سیکھو

ہاں ریوالور کا رعب ہر ایک پر نہیں پڑا کرتا۔ میں سن چودہ کی جنگ میں ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔ یہ بالشت بھر کا ریوالور لاحول ولا قوۃ مجھے میجر سردار خاں کہتے ہیں۔ سردار جی۔"

سکھ کا ریوالور والا ہاتھ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ جھک گیا۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ رہا پھر کھنکار کر کہنے لگا۔

"معاف کیجئے گا میجر صاحب مجھے دھوکا ہوا ہے۔ اب آپ سے کیا پردہ۔ آپ بھی سرکاری آدمی ہیں۔ میں دراصل سی آئی ڈی کا انسپکٹر ہوں۔ آج کئی دن سے میں بہت بڑے بدمعاش کے چکر میں ہوں۔ مجھے دراصل بڑا دھوکا ہوا ہے۔ کیا کیا جائے کہ آنکھیں اس کم بخت کی آنکھوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں جناب میجر صاحب۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اکثر دھوکا ہو ہی جاتا ہے۔ کہاں تشریف لے جارہے ہیں آپ؟"

"کان پور!"

"چلئے سفر مزے میں کٹے گا۔ میں بھی کانپور جارہا ہوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔"

"آپ آج کل کہاں تعینات ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"الہ آباد میں!"

"تب تو آپ بڑے مزے میں ہوں گے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"کیوں مزے میں کیوں؟" سکھ نے حیرت سے کہا۔

"خوب امرود کھاتے ہونگے۔" فریدی نے کہہ کر ایک بھدا سا قہقہہ لگایا۔ سکھ بھی ہنسنے لگا۔

"آپ سگار پیتے ہیں۔" فریدی نے سگار کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں شکریہ۔"

"تو پھر کچھ باتیں کیجئے تاکہ راستہ کٹے۔ اب تو نیند آنے سے رہی۔ ریوالور دیکھتے ہی رفو چکر ہوگئی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"جی مجھے سخت شرمندگی ہے۔" سکھ نے ہنس کر دانت نکال دیئے۔

"کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سکھ بولا۔

"دیکھئے کب تک وہ بدمعاش ہاتھ آتا ہے۔"

"کون بدمعاش؟" فریدی چونک کر بولا۔

"وہی فریدی!" سکھ نے کہا۔ "جس کے دھوکے میں خواہ مخواہ آپ کو پریشان کیا۔"

"دیکھئے اگر آپ اسی طرح دھوکا کھاتے رہے تو مشکل ہی سے اس پر ہاتھ پڑے گا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے۔"

"ارے صاحب معمولی جرم نہیں۔" سکھ بولا۔ "آپ نے الہ آباد کے کینیڈا بنک چوری کا حال ضرور سنا ہوگا۔ اس چوری میں اسی کا ہاتھ تھا۔ اس کے ساتھیوں نے ایک چوکیدار بھی جان سے مار ڈالا۔"

"تب وہ بڑا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا "اور آپ اسے تنہا کرنے نکلے ہیں۔"

"جی نہیں ہم کئی ہیں۔"

"اچھا!" فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی گرفتار ہو جائے گا۔" سکھ نے اپنا چشمہ اتارنے کی نا کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اس کی آنکھیں دیکھتے ہی چونک پڑا اور پھر دل ہی دل ہنسنے لگا۔

"اچھا بھئی میجر صاحب اب تو نیند آ رہی ہے نمسکار!" سکھ نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا صاحب شب بخیر۔" فریدی نے جلا ہوا سگار کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

رات کے تقریباً تین بج رہے ہوں گے سکھ خراٹے لے رہا تھا۔ فریدی آہستہ آہستہ اور دفعتاً سوئے ہوئے سکھ پر ٹوٹ پڑا۔ سکھ نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ فریدی کی

گرفت میں بُری طرح جکڑا ہوا تھا۔ کچھ نیند کا خمار، کچھ اس اچانک حملے سے پیدا شدہ بدحواسی اور کچھ بوکھلاہٹ۔ ان سب چیزوں نے اس میں جدوجہد کی قوت نہ رہنے دی۔ فریدی نے اس کی ٹائی سے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر جکڑ دیئے۔ اب وہ برتھ پر بے بس پڑا ہوا گالیاں بک رہا تھا۔ فریدی کھڑا مسکراتا رہا۔ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنے شکار کی پھڑ پھڑاہٹ سے کافی محظوظ ہوا کرتا تھا۔

"اب میں اپنے پیارے سی آئی ڈی انسپکٹر کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے جھک کر سکھ کی ڈاڑھی نوچتے ہوئے کہا۔ مٹھی میں بہت سے بال اکھڑ آئے اور اس کی منڈھی ہوئی شفاف ٹھوڑی دکھائی دینے لگی۔ فریدی نے ڈاڑھی کے بال نوچ لئے اور اس کی پگڑی اتار دی۔

"آخاہ! ڈاکٹر ستیش تم سے اتنی جلدی ملنے کی امید نہ تھی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

وہ برابر اردو اور انگریزی میں گالیاں بکے جا رہا تھا۔

"شور مت مچاؤ ستیش!" فریدی گرج کر بولا۔ "آج ہی تو تم میری گرفت میں آئے ہو۔ دیکھتا ہوں اب کیسے بچ نکلتے ہو۔ عرصہ سے میری نگاہیں تم پر تھیں۔ میں تمہارے جرائم سے بھی واقف تھا لیکن تم قانون کی گرفت سے ہمیشہ بچ نکلتے تھے۔"

"دیکھا جائے گا...... اس وقت تم نے کون سے قانون کے تحت مجھے باندھ رکھا ہے۔ تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔" ستیش تیزی سے بولا۔

"بھیس بدل کر لوگوں کو دھوکا دینا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "کم از کم چھ مہینے کے لئے تو ضرور جاؤ گے۔"

"تم مجھے کھول دو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" ڈاکٹر ستیش نے چیخ کر کہا۔

"اور تمہیں کھول ہی دینے پر کیا اچھا ہوگا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "تمہیں کھول دوں تاکہ تم مجھے اپنے بغیر لائسنس کے ریوالور کا نشانہ بنا دو۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

"دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے کھول دو ورنہ کہیں تمہیں اپنی ملازمت سے نہ ہاتھ دھونے

"میں پانی سے ہاتھ دھونے کا عادی ہوں۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔"

"تو تم نہیں کھولو گے۔"

"ہرگز نہیں!"

"اچھا دیکھ لوں گا۔"

"جی بھر کر دیکھ لینا کہیں بعد میں پچھتانا پڑے بہت ممکن ہے کہ بملا اور رندھیر زور لگا کر تمہیں زیادہ دنوں کے لئے بھجوا دیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

بملا اور رندھیر کا نام سن کر ڈاکٹر ستیش کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ ف حیران آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

"کیوں چپ ہوگئے۔" فریدی نے اپنے شانے اچھالتے ہوئے کہا۔ "کیا غلط ہوں؟ سچ سچ بتانا ڈاکٹر آخر اس بھیس میں تم کہاں اور کیا کرنے جا رہے تھے؟"

"اگر فرض کرو میں یہ نہ بتاؤں تو!" ڈاکٹر ستیش نے تیزی سے کہا۔

"تمہاری مرضی...... میں کسی کو کسی بات پر مجبور کرنے کا عادی نہیں۔ لیکن اس وقت ڈرو جب سول پولیس کے رنگروٹ تمہاری پوزیشن کا خیال کئے بغیر تم سے ساری بات شروع کر دیں گے۔ اگر سیدھے سیدھے مجھے بتا دو گے تو اس عذاب سے تمہیں نجات مل گی...... ورنہ!"

فریدی تھوڑی دیر تک رک کر ڈاکٹر ستیش کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو بغور دیکھا اچانک بولا۔

"شام والی لاش بملا ہی کی تھی نا؟"

"ہاں آں کیا مطلب!" ڈاکٹر ستیش چونک کر سنبھلتے ہوئے بولا۔ "تم نہ جانے ک سیدھی ہانک رہے ہو۔"

"خیر خیر میرا مقصد حل ہوگیا اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم آسانی سے کچھ نہ بتاؤ گے۔ خیر پھر سہی۔ اچھا اتنا تو بتا ہی دو کہ جب تم مجھے پہچان گئے تھے تو خواہ مخوا

چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

ڈاکٹر ستیش مسکرانے لگا۔ دفعتاً اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے ہنس کر کہا۔

"واہ فریدی صاحب آپ کیسے سراغ رساں ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھے۔ بھئی آپ کو دس بجے رات اسٹیشن کی طرف آتے دیکھا تو مجھے مذاق سوجھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ آپ سے اس طرح تعارف حاصل کیا جائے۔ میں نے سکھ کا بھیس بدلا اور کار میں بیٹھ کر فوراً اگلے اسٹیشنوں کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں سے اتفاقاً مجھے اسی ڈبہ میں آنا پڑا جہاں آپ تھے۔ یہ اتفاق نہیں تو اور کیا ہے۔" ڈاکٹر ستیش ہنسنے لگا۔

"بہت اچھے!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "میری چھری سے مجھے ہی ہلاک کر رہے ہو۔"

ڈاکٹر میرے لئے تمہاری یہ باتیں کسی چھ مہینے کے بچے کی "غوغاں" سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں اس بات کا یقین کیسے آ گیا تھا کہ میں کانپور ہی کی طرف سفر کروں گا۔ جب کہ گیارہ بجے اور دوسری تین گاڑیاں مختلف سمتوں میں جاتی ہیں۔"

ڈاکٹر ستیش خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر پشیمانی کے آثار پیدا ہوگئے تھے۔ کچھ خجالت اور کچھ جھنجھلاہٹ نے اس کے چہرے کو بہت زیادہ مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔

"خیر تو تم یہ بھی نہیں بتانا چاہتے کہ تم نے مجھے خواہ مخواہ کیوں چھیڑا تھا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ میرے ہاتھ کھول دو۔" ڈاکٹر ستیش نے ناخوشگوار لہجہ میں کہا۔

"اور میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ بار بار یہی ایک جملہ دہراتے جاؤ۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"تم عجیب گدھے کے بچے ہو۔" ڈاکٹر ستیش نے چیخ کر کہا۔

"ذرا اس بات کو صاف کر دو کہ میں گدھے کا بچہ ہونے کی وجہ سے عجیب ہوں یا عجیب ہونے کی وجہ سے گدھے کا بچہ ہوں...... یا...... پھر......!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارا سر!" ڈاکٹر زور سے چیخا۔

"ہاں ہاں میرا سر!" فریدی نے گھبراہٹ میں اپنا سر ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "کیا ہوا سر کو...... موجود تو ہے۔"

"چپ رہو اُلو کے پٹھے!" ڈاکٹر ستیش زچ ہو کر زور سے چیخا۔

"اچھا چپ ہو گیا اُلو کا پٹھا!" فریدی نے اسی انداز میں چیخ کر کہا اور چھت کی دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر ستیش نے جھنجھلاہٹ میں اپنا سر دیوار سے ٹکرایا۔

"ارے ارے یہ کیا کر رہے ہو بھئی۔ اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسواؤ گے کیا؟ اگر دیوار گئی تو!" فریدی نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر ستیش نے جھنجھلاہٹ میں اس کے منہ پر تھوک دیا۔

"یہ اچھی علامت ہے۔" فریدی نے رومال سے اپنا منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔" ستیش نے تنگ آ کر کہا۔

"لیکن خدا ہی کا حکم ہے کہ میں تمہارا پیچھا نہ چھوڑوں۔"

"او یو بروٹ!" ڈاکٹر ستیش اس بُری طرح چیخا کہ اس کی آواز بھرا گئی اور وہ بے ہنسنے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"خوب دل کھول کر ہنس لو لیکن اتنا یاد رکھو کہ میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔" ستیش غصہ سے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کیا کروں ڈاکٹر جب سے اس بوتل والی گیس کا اثر دماغ پر ہوا ہے بعض اوقات وجہ بھی ہنسی آنے لگتی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

ڈاکٹر ستیش کا منہ پھر اتر گیا۔ وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"ڈاکٹر سچ سچ بتا دو وہ کس کی ایجاد ہے۔ تم سے تو اسکی امید نہیں...... تم ٹھہرے گھامڑ آدمی"

"تم مجھے کیا سمجھے ہو۔" ڈاکٹر ستیش نے فخریہ لہجے میں کہا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا

"تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ کیسی گیس، کیسی ایجاد...... گھامڑ تم خود ہو گے۔"

"خیر یہ تو تمہارا دل ہی جانتا ہو گا کہ میں کتنا گھامڑ ہوں۔"

ڈاکٹر ستیش خاموش ہو گیا۔ اتنی دیر تک چیختے رہنے سے وہ نڈھال سا ہو گیا تھا۔ ایک ہارے ہوئے ناامید جواری کی طرح اس نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

فریدی اب بھی اُسے چھیڑ رہا تھا۔ لیکن وہ بالکل خاموش تھا۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔ فریدی نے گھڑی دیکھی۔ گاڑی پندرہ منٹ کے بعد کانپور پہنچنے والی تھی۔

تیسرا شکار

دوسرے دن فریدی کانپور سے لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر ستیش بھی تھا جس کی نگرانی کے لئے کانپور کے دو کانسٹیبل ساتھ آئے تھے۔ حمید فریدی کو لینے کے لئے اسٹیشن آیا تھا۔ وہ ڈاکٹر ستیش کو اس حال میں دیکھ کر متعجب تھا۔

"یہ حضرت کہاں؟" اس نے فریدی سے کہا۔ "میں یہاں خواہ مخواہ پریشان ہو رہا تھا کہ آخر یہ کہاں لاپتہ ہو گئے۔"

"بھئی میں ایسے دوستوں کو اپنے ساتھ ہی رکھتا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ڈاکٹر ستیش اسے قہر بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

وہ لوگ اسٹیشن سے نکل کر باہر آئے۔ حمید فریدی کی کار لے کر آیا تھا۔ فریدی نے ڈاکٹر ستیش سے کار میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ بدستور کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ کانسٹیبلوں نے اسے زبردستی کار میں بٹھانا چاہا۔ اچانک ایک فائر ہوا اور ڈاکٹر ستیش چیخ کر زمین پر آ رہا۔ گولی سر کی ہڈیاں توڑتی ہوئی پیشانی سے نکل گئی تھی۔ فریدی اور حمید اس طرف جھپٹے جدھر سے فائر ہوا تھا۔ لوگ ادھر اُدھر بڑی بے ترتیبی سے بھاگنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایسی

بھگدڑ مچی جیسے عنقریب بمباری ہونے والی ہو۔فریدی بُری طرح جھلایا ہوا تھا۔

"بالکل بیکار ہے حمید...... ان کم بختوں کی بدحوسی کی وجہ سے شکار ہاتھ سے نکل

اس نے رک کر پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

حمید نے سراسیمگی کے عالم میں کہا۔

"یہ آخر ہوا کیا؟"

"بہت بُرا ہوا اب از سر نو کام کرنا پڑے گا۔ساری محنت برباد ہوگئی۔" فریدی نے
ملتے ہوئے کہا۔ڈاکٹر ستیش کی لاش کوتوالی لائی گئی۔تھوڑی دیر بعد اس حادثہ کی خبر سارے
میں مشہور ہوگئی۔فریدی سے بیان لیا گیا۔اس نے ستیش کی گرفتاری سے لے کر موت تک
سارے واقعات بتائے۔لیکن اس نے اپنے اس شبہ کا اظہار نہ کیا کہ ڈاکٹر ستیش کا تعلق را
والے کیس سے بھی ہے۔اخبارات نے اس نئے حادثے پر طرح طرح کی حاشیہ آرائیاں کی

حمید پورے حالات جاننے کے لئے بُری طرح بے چین تھا۔کوتوالی سے فرصت
جب دونوں گھر آئے تو حمید سے صبر نہ ہوا۔وہ پھر پوچھ بیٹھا۔فریدی سفر کے سارے واقع
بتانے کے بعد بولا۔

"ہاں بھئی یہ تو بتاؤ کہ وہ لاش بملا ہی کی تھی نا۔"

"جی ہاں بملا کی!" حمید نے کہا۔"اور سروج حوالات میں ہے۔"

"کیا مطلب؟" فریدی نے چونک کر کہا۔

"آپ کے جانے کے بعد میں سروج کو کوتوالی لایا۔حالانکہ لاش خراب ہو چکی تھی
کا چہرہ بڑی حد تک بگڑ گیا تھا لیکن سروج نے اسے پہچان لیا۔اس کا بیان دوبارہ لیا گیا۔
سنگھ کی ضمانت ہوگئی۔لیکن سروج ابھی تک حوالات ہی میں ہے۔"

"یہ بہت بُرا ہوا۔ان گدھوں کو کبھی عقل نہ آئے گی۔سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا کم بخ
نے۔تم نے انہیں ایسا کرنے سے روکا کیوں نہیں۔"

"میں نے چیف انسپکٹر سے کہہ کر رکوانے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے بھی کوئی دھ

نہ دیا۔"

"خیر اور کوئی خبر!"

"ڈاکٹر ستیش یہاں سے غائب ہی ہوگیا تھا۔دلبیر سنگھ اور سروج کی گرفتاری کے بعد
مکان کی نگرانی کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔"

"حمید تم اتنے بدھو کیوں ہوتے جارہے ہو۔" فریدی نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے
کہا۔"تمہیں یہ کیسے سوجھی کہ یہی دونوں مجرم ہیں۔اس قسم کے کام اکیلے نہیں کئے جاتے ہیں۔
شروع ہی سے چیختا آرہا ہوں کہ اس میں کسی گروہ کا ہاتھ ہے۔پھر بھی تم نے ایسی حماقت کر ڈالی افسوس!"

"اب کیا بتاؤں ہو ہی گئی غلطی۔"

"بس قصہ ختم اُلو کہیں کے۔"

"کانپور میں کیا رہا۔" حمید تھوڑی دیر خاموش ہو کر بولا۔

"کانپور میں میں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ ڈاکٹر ستیش ہی اس گروہ کا سرغنہ ہے۔لیکن
یہ خیال غلط ثابت ہوا۔اگر ایسا ہوتا تو اس کی موت اس طرح واقع نہ ہوتی۔اس سے صاف
ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس گروہ کے ایک معمولی ممبر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔خود اس نے کسی قسم
کا بیان نہیں دیا لیکن میں نے اپنے طریقوں سے اس بات کا پتہ لگالیا تھا کہ وہ اس گروہ سے
تعلق ضرور رکھتا ہے۔ایک بات صاف نہ ہوسکی کہ وہ اس وقت بھیس بدل کر کانپور کیوں جا رہا
تھا۔اگر اس کا مقصد رندھیر سنگھ کے گھر کی تلاشی لینا تھا تو اس نے مجھے ٹرین میں چھیڑا کیوں
تھا۔چپ چاپ نکل کیوں نہ گیا۔"

"ہاں واقعی یہ چیز عجیب وغریب۔" حمید کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"میں ایک نتیجے پر اور پہنچا ہوں وہ یہ کہ جس وقت بملا کے گولی لگی وہ رندھیر کے موٹر
سائیکل کے کیریئر پر بیٹھی تھی۔رندھیر نے یہ بیان غلط دیا تھا کہ وہ تنہا جلالپور سے آرہا تھا اور
اس نے دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھی تھی۔گولی لگتے ہی بملا گر گئی تھی۔اس
کے گرنے کے بعد رندھیر وہاں کچھ دیر رکا بھی تھا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ دیکھو یہ خط مجھے کانپور میں رندھیر کے کمرے کی تلاشی لیتے وقت ملا تھا۔" فریدی نے جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

"رندھیر! میں ایک بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہوگئی ہوں مجھے آ کر بچاؤ کسی طرح یہاں آ کر مجھے خاموشی سے نکال لے جاؤ۔ دیکھو یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ مجھے لکھو کہ تم کب آ رہے ہو لیکن اس طرح آنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے اس خط کو پڑھ کر جلا دینا!

بملا"

"لیکن اس خط سے آپ نے ان سب باتوں کا اندازہ کیسے لگا لیا۔"

"نہایت آسانی سے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر مجھے یہ خط نہ ملتا تو مجھے نہ جانے کتنا بھٹکنا پڑتا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تم کبھی میرا مطلب نہیں سمجھے۔ سنو! جب یہ خط رندھیر کو ملا ہوگا تو اس نے اس کے جواب میں بملا کو لکھا ہوگا کہ وہ اسے لے جانے کے لئے آ رہا ہے اور اس نے اس سے تمام واقعات بھی پوچھے ہوں گے۔ ممکن ہے کہ یہ خط ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہو۔ جن کی گرفت سے وہ نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی انہوں نے یہی مناسب سمجھا ہو کہ رندھیر کو یہاں آنے دیا جائے اور اس طرح بملا اور رندھیر دونوں کا خاتمہ کر دیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو۔ رندھیر یہاں آیا اس نے موٹر سائیکل حاصل کی اور بملا کو اس پر سوار کر کے لے بھاگا۔ قاتلوں نے اپنا پلان پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ پہلے انہوں نے بملا کو ختم کیا۔ جب رندھیر یہاں سے پولیس لے گیا تو انہوں نے

گولیاں چلا کر پولیس والوں کو تو بھگا دیا اور رندھیر کو وہیں ڈھیر کر کے دفن کر دیا۔ اس طرح انہوں نے رندھیر کو پولیس کی نگاہوں میں مجرم قرار دے کر بملا کے غائب ہو جانے کا ذمہ دار بھی بنا دیا۔"

"لیکن جب انہوں نے رندھیر کو دفن کر دیا تھا تو اس بات کا کیسے پتہ چلتا کہ وہ یعنی رندھیر بملا کا منگیتر تھا۔ آخر اس کا اظہار بھی تو ضروری تھا ورنہ بملا کے فرار کی ذمہ داری اس پر کیوں عائد ہوتی۔" حمید نے کہا۔

"نہایت آسانی سے...... بملا نے رندھیر کو لکھ دیا تھا کہ وہ کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرے۔ لہٰذا اس کی روانگی کی اطلاع کسی کو نہ ہو سکی۔ یہ لازمی بات ہے کہ رندھیر کے اچانک اس طرح غائب ہو جانے سے لوگوں کو یہی خیال ہوتا کہ وہ دونوں کہیں فرار ہو گئے ہیں۔ جب کہ لوگ پہلے سے جانتے ہی تھے کہ دونوں ایک دوسرے کے منگیتر ہیں۔"

"ہوں!" حمید نے سوچتے ہوئے کہا۔ "پھر موٹر سائیکل کا نمبر مٹانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ اگر موٹر سائیکل کا نمبر نہ مٹایا جاتا تو اس کے مالک کا پتہ نہایت آسانی سے چل جاتا اور رندھیر کی لاش کو دفن کر دینے کا مطلب ہی یہ تھا کہ پولیس ادھر اُدھر اندھیرے میں سر مارتی پھرے۔ وہ تو دُعا دو گیدڑوں کو کہ رندھیر کی لاش برآمد ہوگئی...... ورنہ ہنوز روزِ اول ہوتا۔"

"اب آپ نے کیا سوچا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ابھی کچھ نہیں سوچا۔ ابھی تو فی الحال مجھے سروج کو رہا کرا کے جلالپور پہنچانا ہے۔"

"ہے ہے...... عشقِ اول دردِ دل...... اہے دا!" حمید نے بطرز قوالی جھومتے ہوئے کہا۔

"کیا بکتے ہو!" فریدی بیزاری سے بولا۔

"ارے کیا پوچھتے ہیں حضور...... بس یہ سمجھ لیجئے کہ پرانے مصنفوں کے الفاظ میں وہ ملائک فریب، پری تمثال، ردکش مہر و مہ و انجم، لعبت جبیں، زہرہ جبیں، بہ لبہائے شکریں، سراپا

انتظار، مبتلائے کھانسی و بخار، انتظار کی گھڑیاں کبھی گنتی ہوگی اور کبھی رکھ دیتی ہوگی......

"بس بس بکواس بند...... ورنہ!"

"ورنہ آپ میرے حق میں دستبردار ہو جائیں گے۔ بہت بہت شکریہ۔" حمید نے کہا۔

"تم ہو اچھے خاصے گدھے۔" فریدی نے اکتا کر کہا اور آنکھیں بند کر کے آرام کر… پشت سے ٹک گیا۔

خاندانی خبطی

فریدی حوالات میں سروج سے ملا۔ وہ اسے دیکھ کر رونے لگی۔ اس کی رہائی کا انـ(…) اس نے پہلے ہی کرلیا تھا۔ وہ اسے دم دلاسہ دیتا ہوا جلالپور لے آیا۔ ٹھاکر دلبیر سنگھ سروج(…) آمد کے متعلق سن کر آپے سے باہر ہو گیا۔ اس کی بے نور آنکھوں میں خون اتر گیا۔ بھویں(…) گئیں اور چیخ کر بولا۔

"اب یہاں کیا کرنے آئی ہو خاندانی عزت ملا تو دی خاک میں۔"

"بھیا جی، آخر اس میں میرا کیا قصور ہے۔" سروج روتی ہوئی بولی۔

"کیوں بلایا تھا تم نے بملا کو۔ خود جان سے گئی اور ہماری گردن نالی میں رگڑ گئی…" اندھے دلبیر سنگھ نے چیخ کر کہا۔ "اب یہاں تمہارا کوئی کام نہیں ٹھاکر امر سنگھ کے خاندان کی… اور جیل میں جائے۔ تو بھی پرکاش ہی کے ساتھ کیوں نہ مرگئی۔"

"ٹھاکر صاحب بھلا اس میں ان کا کیا قصور ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"آپ چپ رہئے جناب۔ یہ میرے گھریلو معاملات ہیں۔" دلبیر سنگھ چیخ کر بولا۔

"ٹھاکر صاحب مجھے شرمندگی ہے کہ آپ لوگوں کو تکلیف اٹھانی پڑی۔ اگر میں یہاں…

تو اس کی نوبت نہ آنے پاتی۔" فریدی پھر اسی انداز میں بولا۔

"تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔" دلبیر سنگھ جھلا کر بولا۔ "آپ کیا جانئے کہ خاندان کی عزت کیا چیز ہوتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن اب جو ہوا سو ہوا۔ انہیں معاف کر دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا تو آپ سفارش کرنے کے لئے آئے ہیں کیوں سروج اتنی جلدی اتنے جاں نثار پیدا کر لئے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

سروج بے اختیار رونے لگی۔

"ٹھاکر صاحب ایسے بزرگ کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"براہ کرم آپ یہاں سے تشریف لے جائیے اور سروج تم بھی...... تمہارا اس گھر میں اب کوئی کام نہیں۔"

سروج نے دلبیر کے پاؤں پکڑ لئے۔ لیکن اس نے اسے بے دردی سے ہٹا دیا۔

"اب اس گھر سے میری لاش ہی نکلے گی بھیا جی۔" سروج روتی ہوئی بولی۔

"تم یہاں سے چلی جاؤ ورنہ سچ مچ تمہاری لاش ہی نکلے گی۔" دلبیر سنگھ چیخ کر بولا۔

"ٹھاکر صاحب آپ سروج کو دھمکی دے رہے ہیں۔ لہٰذا اب پولیس کو انہیں اپنی حفاظت میں لینا پڑے گا۔"

"پولیس!" دلبیر سنگھ زہر خندہ کے ساتھ بولا۔ "پولیس کی حفاظت میں تو یہ دو راتیں رہی ہے۔ کیا ابھی تم لوگوں کا جی اس سے نہیں بھرا!"

"کیا بک رہے ہو ٹھاکر ہوش میں آؤ تم فریدی سے گفتگو کر رہے ہو۔" فریدی نے تیزی سے کہا۔

"ٹھاکر میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔" سروج یک بیک بپھر کر بولی۔ "میں بھی راجپوتنی ہوں۔"

"اچھا راجپوتنی کی بچی! تم جلدی سے یہاں سے اپنا منہ کالا کرو۔ خبردار کبھی اس گھر کی

طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا۔" دلبیر سنگھ غصہ میں کانپتا ہوا بولا۔

فریدی سروج کو لے کر مکان کے باہر چلا آیا۔ اب وہ پھر شہر کی طرف جا رہا تھا۔

"مجھے سخت شرمندگی ہے۔ سروج بہن۔"

"لیکن آپ نے کیا کیا ہے۔" سروج رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کیوں نہ اچھی طرح محفوظ کر دیا۔"

"قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔" سروج سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ "اب م
جاؤں۔ پتا جی سے جا کر کہوں گی کیا...... شاید وہ لوگ بھی مجھے پناہ دینے سے انکار کر دیں۔

"تم اس کی فکر نہ کرو جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی قسم کے تردد کی ضرورت
ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں کسی کے لئے بار بننا نہیں چاہتی۔ میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پال لوں گی۔

"کیا تم ایک بھائی کی التجا ٹھکرا دو گی۔ انسانیت کے ناتے میں تم سے درخواست کر
کہ جب تک تمہارا کوئی معقول انتظام نہ ہو جائے گا میری خدمت قبول کرو۔ میں ایک بھا
طرح تمہاری حفاظت کروں گا۔"

سروج خاموش ہو گئی۔ اس کی پلکیں زیادہ رونے کی وجہ سے سوج آئی تھیں اس نے
کی کھڑکی پر سر رکھ کر اپنا منہ چھپا لیا۔

"یہ ڈاکٹر ستیش کے قتل کا کیا واقعہ ہے۔" تھوڑی دیر بعد سروج نے بھرائی ہوئی آ
میں کہا۔

فریدی نے اسے سب واقعات بتا دیئے۔ وہ بڑے غور سے سنتی رہی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" سروج کار کی سیٹ کی پشت
ٹیک لگاتی ہوئی بولی۔

"تو کیا تم ڈاکٹر ستیش کو اچھی طرح جانتی تھیں؟"

"جی ہاں! وہ تقریباً ہر ہفتہ ہمارے یہاں مہمان رہتے تھے۔"

"کیا دلبیر سنگھ سے اس کی دوستی تھی۔"

"نہیں وہ دراصل میرے شوہر کے دوست تھے۔ ان کی موت کے بعد بڑے ٹھاکر سے
ان کی گہری چھننے لگی۔"

"بھلا سے وہ بے تکلف تھے یا نہیں؟"

"قطعی نہیں!"

"کبھی بھلا ان کے ساتھ باہر بھی جاتی تھی یا نہیں۔"

"کبھی نہیں!"

"کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ دلبیر سنگھ سے ان کی دوستی کی کیا وجہ تھی۔"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"اچھا تمہارے شوہر پرکاش بالو سے ان کی دوستی کی کیا وجہ تھی؟"

"میرے شوہر ایک مشہور سائنس داں تھے۔ وہ آئے دن نت نئے تجربات کیا کرتے
تھے۔ ڈاکٹر ستیش کو بھی اس سے دلچسپی تھی۔ میرا خیال ہے کہ دونوں کی دوستی کی وجہ یہی تھی۔"

"تمہارے شوہر کس قسم کے تجربات کیا کرتے تھے۔ انکا کوئی نہ کوئی موضوع ضرور ہوگا۔"

"انہیں گیسوں کے تجربات کا زیادہ شوق تھا۔ اس سلسلے میں وہ کئی بار بہت سخت بیمار بھی
پڑے تھے۔"

"بیمار کیسے پڑے تھے۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"ایک بار تو بہت ہی عجیب وغریب واقعہ ہو گیا تھا۔ پرکاش بابو اپنی لیبارٹری میں کسی
گیس کے متعلق تحقیقات کر رہے تھے کہ اچانک ان پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ میں اتفاق سے اس
طرف جا نکلی۔ پہلے تو میں یہ سمجھی کہ کسی بات پر ہنس رہے ہوں گے۔ اس لئے انہیں ہنستے دیکھ کر
میں بھی یوں ہی ہنسنے لگی اور میں نے ان سے ہنسی کا سبب پوچھا لیکن جواب ندارد۔ وہ برابر ہنستے
ہی جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی آنکھیں سرخ ہو کر اپنے حلقوں سے ابلتی معلوم
ہونے لگیں اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ دو تین منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اچانک وہ بے

ہوش ہو کر گر گئے۔"

"اچھا پھر ہوش میں آنے کے بعد تم نے اس کا سبب ان سے پوچھا تھا۔"

"میں نے بارہا دفعہ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ ٹالتے رہے۔"

"اس واقعہ کا تمہارے علاوہ کسی اور کو علم تھا۔"

"جی ہاں بڑے ٹھاکر صاحب بھی وہاں آ گئے تھے۔ اس وقت ان کی آنکھیں ٹر اور ڈاکٹر ستیش کو بھی اس کا علم تھا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے ان دونوں اور گھر کے نوکر علاوہ اور کسی کو بھی اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔"

"تم یہ وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہو۔"

"وثوق کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتی۔ البتہ یہ میرا اندازہ ہے کیونکہ پرکاش بابو نے ان کو منع کر دیا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہیں۔"

"ہوں!" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "اچھا یہ بتاؤ تمہارے خیال میں ان ج پنجوں والے جوتوں کو کون استعمال کر سکتا ہے۔"

"نہیں ایسا ناممکن ہے کیونکہ وہ کمرہ جہاں وہ عجائبات رکھے ہیں ہمیشہ مقفل رہتا۔ اس کی کنجی یا تو میرے پس رہتی ہے یا ٹھاکر صاحب کے پاس۔"

"خیر!" فریدی نے کھانستے ہوئے کہا۔ "مگر بھئی تمہارے یہ ٹھاکر صاحب بڑ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"نہیں یہ بات نہیں۔ میں نے پہلی بار انہیں اس قدر غصے میں دیکھا ہے۔ ان کی سارے علاقہ میں مشہور ہے۔ وہ بھنگیوں تک کو بیٹا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ میری یاد میں انہوں نے کبھی کسی سے تیز کلامی نہیں کی۔ آج ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا۔"

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے مخصوص انداز میں نیم وا ہوتی جا رہی یکایک ان میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی۔

چوتھا حادثہ

چار بجے شام کو فریدی دن بھر کا تھکا ماندہ گھر آیا تھا۔ آج وہ دن بھر ٹھاکر دلبیر سنگھ کے دستوں کو ٹٹولتا رہا تھا۔ ڈاکٹر ستیش کے گھر کی تلاشی تو اس نے اسی دن لے لی تھی جس دن اس کا قتل ہوا تھا۔ معمولی ناشتہ کے بعد وہ اپنے کتوں کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔ اس کے پاس تقریباً ایک درجن کتے تھے اور ہر کتا اپنی مثال آپ تھا۔ کتوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ اس کے بعض بے تکلف احباب اسے خواجہ سگ پرست کہنے لگے تھے۔ صرف کتوں پر ہی منحصر نہیں۔ اس کے شوق عجیب و غریب تھے۔ اسے عجائبات کے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ اس کی کوٹھی کا ایک کمرہ دنیا کی عجیب و غریب چیزوں کے لئے مخصوص تھا۔ ان میں سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز مختلف قسموں کے سانپ تھے۔ وہ ایک ماہر سپیرے کی طرح ان کی پرورش و پرداخت کرتا تھا۔ ان میں سے کئی ایسے بھی تھے جن کے زہر کی تھیلیاں وہ خود نکالا کرتا تھا۔ اس کی ان حرکتوں پر اس کے سارے ہم پیشہ اس کا مضحکہ اڑاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی شہرت کے لئے اس قسم کی عجیب و غریب حرکتیں کیا کرتا ہے۔

کتوں کی دیکھ بھال سے فارغ ہو کر فریدی اپنے عجائب خانے کی طرف گیا۔ جیسے ہی وہ دوسرے برآمدے کی طرف مڑا اسے سروج دکھائی دی جو عجائبات کے کمرے سے نکل رہی تھی۔

"تو آپ کو بھی اس کا شوق ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"کیوں کیا ہوا تم ڈریں تو نہیں۔ وہاں کئی بہت ہی خوفناک چیزیں بھی ہیں۔"

"آخر آپ نے اتنے سارے سانپ کیوں جمع کر رکھے ہیں۔"

"پتہ نہیں کیوں مجھے سانپوں سے عشق ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن فریدی بھیا یہ شوق خطرناک بھی ہے۔"

"لیکن یہ میرے لئے میرے پالتو کتوں کی طرح بے ضرر ہیں۔"

"تو پھر آپ نے ان کا زہر نکال دیا ہوگا۔"

"نہیں ایسا تو نہیں...... ان میں سے بہتیرے ایسے بھی ہیں جن کا زہر آج تک نکا
نہیں گیا۔"

"انہیں کھلاتا پلاتا کون ہے۔"

"میں خود!" فریدی نے کہا۔ "آؤ تمہیں تماشا دکھاؤں۔"

دونوں کمرے میں داخل ہوئے، فریدی ایک الماری کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ ا
کے دروازوں میں نیچے کی طرف بے شمار چھوٹے بڑے سوراخ تھے۔

فریدی نے ایک مخصوص انداز میں سیٹی بجائی۔ یک بیک پھنکاروں کی آوازیں
دیں اور الماری کے سوراخوں سے سانپ نکلنے لگے۔ سروج چیخ کر پیچھے ہٹ گئی۔

"ڈرو نہیں یہ کیچوؤں سی بھی بدتر ہیں ان میں زہر نہیں۔"

فریدی نے میز پر سے دودھ کا برتن اٹھا کر زمین پر رکھ دیا۔ سارے سانپ اس پر
پڑے۔ فریدی نے دوسرا برتن بھی اٹھا کر اسی کے قریب رکھ دیا۔ لیکن وہ سب پہلے برتن پر
پڑ رہے تھے۔ وہ انہیں ہاتھ سے ہٹا ہٹا کر دوسرے برتن کے قریب لانے لگا۔ یہ دیکھ کر س
پھر چیخ پڑی۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"ڈرو نہیں سروج بہن یہ سب میرے دوست ہیں۔"

"مجھے یہ تماشا بالکل اچھا نہیں لگا۔ میں ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کروں گی
سروج یہ کہہ کر باہر چلی گئی۔

دونوں برتن صاف کر لینے کے بعد سارے سانپ آہستہ آہستہ الماری کے سوراخوں میں
گئے۔ فریدی نے تھوڑی دیر ٹھہر کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور کچھ گنگناتا ہوا باہر نکل آیا
سرجنٹ حمید تیز قدموں سے عجائبات کے کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھ
رک گیا۔

"کہو بھئی کیا خبر ہے۔"

"کوئی خاص خبر نہیں کوتوالی سے آ رہا ہوں۔ ابھی ابھی دلبیر سنگھ کا نوکر آپ کے نام
ایک خط دے گیا ہے۔"

فریدی خط پڑھنے لگا۔

"فریدی صاحب تسلیم!

مجھے اپنے کل کے رویے پر سخت افسوس ہے۔ کل شاید زندگی میں پہلی بار مجھے غصہ
آیا تھا۔ سروج کو سمجھانے کی کوشش کیجئے گا۔ خدا کرے کہ وہ مجھے معاف
کر دے۔ میں نے اس کی شان میں بہت ہی نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں جس
کے لئے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے جب تک وہ یہاں نہ آ جائے گی مجھے
سکون نہیں مل سکتا۔ خدا میرے حال پر رحم کرے۔

منجانب: ٹھاکر دلبیر سنگھ"

"تو ہوش آ گیا ٹھاکر صاحب کو۔" فریدی نے کہا۔

"اور یہ بہت برا ہوا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟"

"میں یہ کیا جانوں۔ لیکن سروج سے اس خط کا تذکرہ نہ کیجئے گا؟"

"آخر کیوں۔" فریدی نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"ارے تو کیا واقعی آپ!" حمید ادھوری بات کر کے چپ ہو گیا۔

"عجیب آدمی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ آخر بات کیا ہے۔"

"کیا آپ سچ مچ سروج کو واپس بھیج دیں گے۔"

"تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔" فریدی نے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"سنئے تو سہی!" حمید اسے روکتے ہوئے بولا۔ "کیا واقعی آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں۔"

"کہیں میں تمہاری پٹائی نہ کر دوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "خواہ مخواہ بھیجا چاٹے
جا رہے ہو۔"

"صرف ایک بات اور پوچھوں گا۔"

"فرمایئے!" فریدی رکتے ہوئے ہنس کر بولا۔

"تو واقعی کیا آپ سروج......!"

"بکواس بند!" فریدی جھلا کر بولا۔

سروج ڈرائنگ روم سے نکل آئی اور فریدی کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔حمید کر ہنسنے لگا۔

"کیا بات ہے۔" سروج نے دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی کہتا ہوا اندر چلا گیا۔سروج نے حمید پر ایک اچٹتی ی اور وہ بھی چلی گئی۔حمید تھوڑی دیر تک کھڑا سر کھجاتا رہا۔اچانک اس کے ہونٹوں پر شرار مسکراہٹ کھیلنے لگی۔اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور چیخ مار کر دھڑام سے زمین پر گر گیا۔

چیخ کی آواز سن کر فریدی اور سروج برآمدے میں نکل آئے۔

"ارے ارے کیا ہوا" فریدی حمید کی طرف جھپٹتے ہوئے بولا۔

"حمید حمید......!" وہ اسے جھنجھوڑ کر پکارنے لگا۔

"ابھی تو اچھے بھلے تھے۔" سروج نے کہا۔

"نہ جانے کیا ہوگیا۔" فریدی نے حمید کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔

"تو کیا آپ واقعی سروج......!" حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے جھنجھلا کر اسکا منہ دبا دیا۔"چپ رہو۔" فریدی نے اسکا منہ دبائے ہو۔

"ارے ارے......!" سروج کہتی ہوئی آگے بڑھی۔"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"تم اسے نہیں جانتیں معلوم نہیں کون سا شیطان اس کے اندر حلول کر گیا ہے۔"

"صاحب آپ کی تو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔" سروج نے کہا۔

"اور میری بات!" حمید اٹھتے ہوئے جلدی سے بولا۔

"ارے!" سروج گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"حمید اگر تم اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو اچھا نہ ہوگا۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ بہرحال میرے آفیسر ہیں۔"

"آخر بات کیا ہے۔" سروج نے کہا۔

"کچھ سرکاری معاملات ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی اسے اب تک گھور رہا تھا۔

"آؤ چلیں اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" فریدی نے سروج سے کہا حمید باہر کھڑا رہا وہ دونوں چلے گئے۔

"آخر بات کیا ہے؟" سروج نے پھر پوچھا۔

"کچھ نہیں یونہی مجھے تنگ کر رہا ہے۔"

"اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ماتحتوں کو زیادہ سر نہ چڑھانا چاہئے۔" سروج نے کہا۔

"مشکل تو یہی ہے کہ اسے میں ماتحت سمجھتا ہی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے ماتحتوں میں سب سے زیادہ باسلیقہ اور ذہین ہے۔ہاں خیر چھوڑو......لو یہ خط دلبیر سنگھ نے مجھے بھجوایا ہے۔"

سروج خط لے کر پڑھنے لگی۔

"تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔" سروج خط پڑھ کر بولی۔

"اُس کے متعلق بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"میں نے تو فیصلہ کرلیا ہے کہ اب اس گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔"

"اور میں آپکے فیصلے کی قدر کرتا ہوں۔" حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

فریدی نے جھلا کر میز پر رکھا ہوا رول اٹھا لیا اور حمید سہم جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔اس کے بعد فریدی اور حمید میں کیس کے

متعلق بحثیں چھڑ گئیں اور سروج اکتا کر باہر چلی گئی۔

"یہ کیا حماقت تھی۔" فریدی سروج کے چلے جانے کے بعد بولا۔

"کیسی حماقت!"

"دیکھو سروج میری مہمان ہے۔ تمہیں اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں کہ اسے دکھ

"تو یہ کہئے کہ آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ارے یہ سب کچھ میں آپ ہی کیلئے کر رہا

"میں سمجھا نہیں۔"

"محبت کرنے والوں کے پاس سمجھ ہوتی کہاں ہے۔"

"پھر وہی بکواس!" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں تمہیں آخری بار سمجھاتا ہوں کہ اس کے متعلق کبھی کچھ نہ کہنا۔ کیا تم اپنی طرح سب کو گدھا سمجھتے ہو۔"

"جی نہیں میں اپنے علاوہ سب کو سمجھتا ہوں۔"

"دیکھو میاں حمید! تمہاری بوکھلاہٹیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ میں عنقریب تمہارے صاحب کو لکھنے والا ہوں کہ جلد از جلد تمہارا کوئی معقول انتظام کر دیں۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں پچھلے دو ماہ سے بالکل عاشق نہیں ہوا۔"

"اچھا بھئی اب ختم کرو یہ قصہ۔" فریدی نے کہا۔ "کوئی قاعدے کی بات کرو۔"

"میرے خیال سے سول میرج ہی زیادہ قاعدے کی بات رہے گی۔"

"تم زندگی بھر سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"سچ مچ بتائیے گا آپ کا عشق کن منزلوں پر ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"کسی پریشان حال عورت کو سہارا دینا بھی ستم ہو جاتا ہے۔ ہات تیری قسمت کی ایسی کی تیسی۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں۔ میں آپ کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔" حمید اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"اچھا میرے جاں نثار اب چپ ہو جاؤ۔ ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔" فریدی نے اکتا کر کہا۔

"تو اس طرح یہ اس شہر میں چوتھا قتل ہوگا۔" حمید اپنے چہرے پر اداسی پیدا کرتے ہوئے بولا۔

اس کی مضحکہ خیز صورت دیکھ کر فریدی کو ہنسی آ گئی۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو!"

"اوہ فریدی صاحب! میں سدھیر بول رہا ہوں۔ دھرم پور کے جنگل میں پھر ایک حادثہ ہو گیا ہے۔"

"کیا کہا حادثہ!"

"جی ہاں...... قتل...... ہم لوگ جا رہے ہیں۔ آپ اور حمید صاحب سیدھے وہیں پہنچ جائیے۔"

"لو بھئی...... چوتھا قتل بھی آخر ہو ہی گیا۔" فریدی نے ریسیور رکھتے ہوئے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"کہاں؟"

"وہیں...... دھرم پور کے جنگل میں...... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ارے لو...... باتوں میں اندھیرا ہو گیا۔ اپنی ٹارچ ضرور لے لینا۔ جلدی کرو ورنہ کہیں لوگ کچھ گڑبڑ نہ کریں۔"

"اب تو جناب میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی سچ مچ مجھے قتل کر دیتا تو اچھا تھا۔ یہ ملازمت کیا ہے، آفت ہے لاحول ولا قوۃ!" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں کمرے کے باہر نکل گئے۔

فریدی کی ناک

اچھی خاصی تاریکی پھیل گئی تھی۔ دھرم پور کی تاریک اور ویران سڑک پر انسپکٹر فریدی کی کار تیز رفتاری کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

"بہت ممکن ہے کہ آج کی رات پھر خراب ہو۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔ ابھی سے کس بات کی پریشانی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"پریشانی آپ کو نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں تو جان نکل کر رہ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ
کون گدھا ہے جس نے قتل کے لئے ایسی غیر شاعرانہ جگہ منتخب کر رکھی ہے۔ ارے قتل کر
ہمارے گھر کے آس پاس کہیں کر دیا کرے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"جی نہیں!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اسے چاہئے کہ قتل کر
آپ کے گھر بھجوا دیا کرے۔"

حمید ہنسنے لگا۔

"کیا زندگی ہے ہماری بھی...... نہ دن چین نہ رات آرام...... اس سے بہتر تو کلر
صبح دس بجے آفس گئے اور شام کو چار بجے شان سے گھر چلے آرہے ہیں۔ اس کے بعد
اپنی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا بوڑھی عورتوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔"

"کاش میں بوڑھی عورت ہی ہوتا مگر سراغ رساں نہ ہوتا۔ ہر وقت زندگی ریوالور
پر رکھی رہتی ہے۔ یا پھر سراغ رسانی ہو انگریزی جاسوسی ناولوں کی طرز کی کہ جاسوس نے ک
کی خبر سنتے ہی ایک آنکھ بند کی، کاندھوں کو ذرا سی جنبش دی۔ دو چار بار کان ہلائے۔ ایک
منہ بسورا اور اچانک مسکراتے ہوئے قاتل کا نام معہ ولدیت اور پتہ بتا کر اپنے فرض
سبکدوش ہوگیا۔ ایک ہم ہیں کہ دن رات بھوتوں کی طرح......!" حمید رک کر کچھ سوچنے لگا۔

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی نے اکتا کر کہا۔

"ارے باپ رے باپ۔ دیکھئے کتنا اندھیرا ہے۔ کیا آپ گیدڑ کی لاش بھول
ہیں۔ میں تو صاحب ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جہنم میں گئی ملازمت...... میرے پھیپھڑوں میں اتنا
نہیں ہے کہ خواہ مخواہ چیخ چیخ کر قہقہے لگاتا پھروں اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑوں۔"

"تم بھی عجیب آدمی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "کیا ابھی تک تمہارے دل سے بھو

خیال نہیں نکلا۔ ارے احمق آدمی۔ کتنی بار سمجھایا کہ وہ ان بوتلوں میں بھری ہوئی گیس کا اثر تھا۔"

"اگر یہ سچ ہے تو اس گیدڑ کی لاش کا کیا مطلب تھا۔ اس کے منہ میں دبے ہوئے پائپ کے کیا معنی تھے اور اس شعر کی کیا ضرورت تھی۔"

"اس کا مقصد محض یہی تھا کہ اسے دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجائے اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اگر وہاں دوسرے آدمی موجود نہ ہوتے تو ہمارے اس مضحکہ خیز بیان پر کسی کو یقین نہ آتا۔ مجرموں کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہم لوگ اس واقعے کو شیطانی کام سمجھ لیں اور تھک ہار کر بیٹھ جائیں۔"

"صاحب آپ کی یہ منطق میرے حلق سے نہیں اترتی۔"

"اچھا اب خاموش رہئے۔ ورنہ میرا گھونسہ آپ کے حلق سے اتر جائے گا۔"

"بے بسی کی موت سے اسے بہتر سمجھوں گا۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اس وقت ...اق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے کہا۔ "نہ جانے کیوں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

"اور میرا دل نہ جانے کیوں اٹھ کر ٹہل رہا ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "دل بیٹھا جا رہا ہے۔ بہت خوب۔ میں غلط نہیں کہتا کہ تمہارے اندر کسی بڑھیا کی روح حلول کر گئی ہے۔ برخوردار اس قسم کے محاورے کسی مرد کو زیب نہیں دیتے۔"

"آپ برخوردار...... اس قسم کے محاورے......!" حمید جلدی سے بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ موٹر کی آواز جنگل کے سناٹے میں گونج رہی تھی۔ کبھی کبھی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں سڑک پر ایک آدھ گیدڑ یا جنگلی بلیاں بھاگتی دکھائی دے جاتی تھیں۔ ہوا قطعی بند تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ حمید نے سگریٹ سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ دفعتاً فریدی چونک کر کہنے لگا۔

"کیوں حمید......! ٹیلی فون پر گفتگو کرنے کے بعد ہم لوگ کتنی دیر میں گھر سے روانہ ہوگئے ہوں گے۔"

"بمشکل تمام دس منٹ کے بعد۔"

"تعجب ہے کہ ابھی تک پولیس کی لاری دکھائی نہیں دی۔ آخر یہ لوگ کب
روانہ ہوئے ہوں گے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ ہم لوگوں کے بعد روانہ ہوئے ہوں۔"

"تب بھی اب تک انہیں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ سدھیر جلدی
سے کوتوالی میں میرا انتظار نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے اس نے سیدھے یہیں آنے کے لئے
اگر واقعی اتنی ہی جلدی تھی تو اس سست رفتاری کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔"

"تو کیا!" حمید سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولا۔ "ہمیں کسی نے دھوکا دیا۔"

"بہت ممکن ہے۔ دراصل مجرم میری جان لینا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر ستیش بھی اس
سے میرے پیچھے لگا تھا۔"

"لیکن اگر وہ آپ کو قتل ہی کرنا چاہتا تھا تو خاموشی سے کیوں نہ کردیا۔ آخر چھپا
کیا ضرورت تھی۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے وہ مجھے ایک بوڑھے کے بھیس میں دیکھ کر شبہے میں پڑ گیا
لہٰذا شک رفع کرنے کیلئے اس نے یہ چال چلی اور پھر کچھ دیر بعد اس نے ریوالور نکال لیا تھا

"اچھا تو کیا واقعی آپ نے اسے پہچان لیا تھا۔"

"بالکل نہیں...... البتہ اندھیری رات میں سیاہ عینک ضرور شبہے میں ڈال رہی تھی
فریدی نے کہا۔

"ارے یہ کیا!" حمید چونک کر بولا۔

"کیا بات ہے۔"

"ادھر بائیں طرف کی جھاڑیوں میں کوئی تھا۔" حمید نے اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا۔

"فریدی نے کار کی رفتار کم کردی۔"

"یہ آپ کیا کررہے ہیں۔ رفتار تیز رکھئے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"کیوں کیا مرنے کا ارادہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر کوئی تناور درخت اچانک کار کے

سامنے آگرے تو ہم لوگ کہاں ہوں؟"

"ارے باپ رے باپ۔" حمید کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"ذرا ہوش وحواس درست رکھئے۔ کوئی حادثہ پیش آیا ہی چاہتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ریوالور لائے یا نہیں۔"

"ار......ریوالور......!" حمید ہکلانے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"آپ ہنس......ہنس......ہنستے ہیں۔"

"تم بھی ہنسونا!"

"مجھے کھانسی آرہی ہے۔" حمید نے زبردستی کھانستے ہوئے کہا۔

"ارے!" فریدی چونک کر بولا۔

ہیڈ لائٹ کی روشنی میں دور سڑک پر ایک آدمی اوندھا پڑا دکھائی دیا۔ فریدی نے کار کی
رفتار دھیمی کردی۔ کار رک گئی۔ فریدی نے کار پیچھے کی طرف لوٹانی شروع کی۔

"کیوں یہ کیا!" حمید جلدی سے بولا۔

"خطرہ ہے، واپس چلیں گے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

دفعتاً کار کی کھڑکی سے گذرتی ہوئی کوئی چیز فریدی کی کنپٹی سے لگ کر رک گئی۔ یہی واقعہ
حمید کے ساتھ بھی پیش آیا اور ایک گرجدار آواز سنائی دی۔

"نیچے اُترو!"

دو عدد رائفلوں کی نالیں فریدی اور حمید کی کنپٹیوں سے لگی ہوئی تھیں۔ کھڑکیاں کھلیں اور
دونوں نیچے اتار لئے گئے۔ وہ پانچ آدمی تھے ان کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے
تھے۔ چار کے پاس رائفلیں تھیں اور پانچواں ریوالور لئے ہوئے تھا۔

"لے چلو!" ریوالور والے نے کہا۔

دونوں کو دو دو آدمیوں نے پکڑلیا اور وہ سب جھاڑیوں میں گھستے چلے گئے۔ حمید اور

فریدی خاموش تھے۔ ریوالور والے نقاب پوش کے ہاتھ میں ٹارچ تھی وہ آگے آگے راہ دکھاتا ہوا چل رہا تھا۔ دفعتاً فریدی بیٹھ گیا۔ جن آدمیوں نے اسے پکڑ رکھا تھا انہوں نے اسے اٹھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

ریوالور والا پلٹ پڑا۔ اس نے فریدی کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ فریدی مسکرا رہا تھا۔

"کیوں مکار! کیا اب کوئی نئی حرامزدگی سوجھی۔" وہ گرج کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں آپ حضرات سے بے تکلف نہیں۔ لہٰذا تہذیب شرط ہے" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"اگر ہم خاموشی کی بجائے گانا گاتے ہوئے چلیں تو کیسی رہے گی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"چپ رہو چوہے کے بچے۔" ریوالور والا پیر پٹختے ہوئے بولا۔

"آپ بڑے بد اخلاق معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے بھی زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ لیکن اسے پھر اٹھا دیا گیا۔

"اٹھو!" ریوالور والے نے فریدی سے کہا۔

"رک جاؤ بھائی ذرا ستا لینے دو۔ اگر اجازت ہو تو میں ایک سگار بھی سلگا لوں" فریدی نے پر اطمینان لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کو یہیں پر ختم کر دینا ہوگا۔" ریوالور والے نے کہا۔

"نیک کام میں دیر نہ کرنی چاہئے۔ اگر ختم ہی کر دینا ہے تو یہاں کیا برائی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اٹھو......!" ریوالور والا پھر چیخا۔

"نہیں اٹھوں گا۔" فریدی بھی اسی انداز میں چیخا۔

"اچھا ٹھہرو...... بتاتا ہوں تمہیں......!" اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ذرا اردو میں بتانا...... انہیں ہندی نہیں آتی۔" حمید نے چلا کر کہا۔

"چپ رہو!" وہ زور سے چیخ کر فریدی کی طرف بڑھا۔

فریدی کے ہاتھ ابھی تک ان دونوں آدمیوں نے جکڑ رکھے تھے۔ ریوالور والے نے فریدی کے بال پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن جنبش بھی نہ ہوئی۔

"تم یوں نہ مانو گے۔" ریوالور والا فریدی کی ناک پکڑ کر دباتے ہوئے بولا۔

فریدی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ وہ لوگ جو فریدی کو پکڑے ہوئے تھے سنبھل نہ سکے۔ فریدی ان کی گرفت سے آزاد ہو کر اچھلا اور حمید پر آ گرا۔ جنہوں نے حمید کو پکڑ رکھا تھا وہ بھی حمید سمیت زمین پر آ رہے۔ ریوالور والا چیخنے لگا۔

"خبردار...... خبردار...... گولی مار دوں گا۔"

اب بالکل اندھیرا تھا۔ غالباً اس کش مکش کے دوران میں ریوالور والے کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی تھی۔ ریوالور والے نے ہوائی فائر کرنے شروع کئے۔ شاید اسے ڈر تھا کہ اندھیرے میں اس کے آدمی زخمی نہ ہو جائیں۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ تک اندھیرے میں جدوجہد ہوتی رہی۔ ریوالور والے کی آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔

فریدی اور حمید ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر پنجوں کے بل سڑک کی طرف بھاگ رہے تھے۔ کار وہیں کھڑی تھی۔ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔ جھاڑیوں کے اندر شور و غل کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے کار گھمائی اور وہ دونوں بہت زیادہ تیز رفتاری سے شہر کی طرف چل پڑے۔ اب فائر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ جن کی آوازیں دور تک سنائی دیتی رہیں۔

"کیوں میاں حمید...... ہوگئی نا اچھی خاصی مرمت!" فریدی نے کہا۔ "وہ تو کہو اس مردود کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی ورنہ اس وقت ہم کہیں اور ہوتے۔"

"بس اب مت بولئے...... چپ چلے چلئے۔" حمید نے کانپتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ میرے شیر...... بس اتنے ہی میں ہانپنے لگا۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"آپ ٹھہریئے جناب...... بھلا میں آپ کا مقابلہ کب کرسکتا ہوں۔" حمید نے

"دیکھئے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوٹ چلئے۔"

"اگر میں لوٹ جاتا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ یہاں آنے سے مجرموں کا کچھ کچھ سراغ مل گیا۔"

"وہ کیسے!"

"اس کا جواب یہ ٹارچ دے گی۔"

"ٹارچ!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "وہ کب سے بولنے لگی۔"

"اسی وقت سے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اس وقت یہ ٹارچ بہت قیمتی ہے۔"

"ذرا دیکھوں تو۔"

"ہوں ہوں، چھونا مت اسے۔" فریدی نے اسے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "یہ بڑی مشکل سے دستیاب ہوئی ہے۔ اتنی کشتی لڑنے کے باوجود بھی میں نے اس کی کافی حفاظت کی ہے۔"

"آخر کیوں۔"

"اس پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات محفوظ ہیں جن کا چربہ اسی وقت فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ میں اتارا جائے گا۔"

حمید حیرت سے فریدی کا منہ دیکھ رہا تھا۔

گلاس کی چوری

دوسرے دن صبح فریدی حمید اور سروج ڈرائنگ روم میں ناشتہ کر رہے تھے۔ فریدی نے رات والے واقعہ کی اطلاع کسی کو نہ دی لیکن حمید کے پیٹ میں چوہے کود رہے تھے۔ وہ اپنی

کارگزاریاں ایک حسین عورت کے سامنے دہرانے کے لئے بے چین تھا۔ دوران گفتگو میں کئی بار اس نے اس موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی لیکن فریدی نے ہر بار اسے صاف اڑا دیا۔ آخر کار تھوڑی دیر کے بعد حمید بھی سمجھ گیا کہ فریدی رات والے واقعے کا تذکرہ سروج کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔ وہ حسب معمول بے طرح چہک رہا تھا۔ بات بات پر لطیفے ہو رہے تھے۔

"واقعی حمید صاحب! آپ بہت زندہ دل انسان ہیں۔" سروج نے کہا۔

"مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کے خیال کی تردید کرسکوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"لیکن مجھ میں اتنی ہمت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کی ہمت کا کیا کہنا...... بڑے بڑے آپ کا لوہا، تانبا، پیتل، گلٹ غرض کہ ہر قسم کی دھات مانتے ہیں۔"

سروج ہنسنے لگی اور فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اتنے میں ایک نوکر ہاتھ میں ایک لفافہ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔" نوکر نے لفافہ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

فریدی خط نکال کر پڑھنے لگا۔ پھر وہ کاغذ سروج کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ ٹھاکر دلبیر سنگھ کا خط ہے۔"

"فریدی صاحب تسلیم!

میں شام کو آپ کا انتظار کر رہا تھا لیکن شاید آپ بہت زیادہ مشغول تھے یا سروج یہاں آنے پر رضامند نہ ہوتی ہوگی۔ مجھے انتہائی افسوس ہے۔ میں سروج کو اپنی بیٹی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ غصے میں میں نے اسے وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو مجھے نہ کہنا چاہئے تھا۔ مجھے سخت ندامت ہے۔ اگر سروج بوڑھے ٹھاکر کے منہ پر طمانچہ مار کر بھی اس کی غلطی کو معاف نہ کرسکے تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ خدارا سروج کو لے کر جلد آیئے ورنہ میرے ضمیر کی ملامت میرا کام ہی تمام کردے گی۔

فقط...... نادم دلبیر سنگھ"

سروج کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ ٹھاکر کے خط نے اسکے دل پر گہرا اثر ڈالا

"میں ضرور جاؤں گی فریدی صاحب ٹھاکر صاحب واقعی پریشان ہوں گے۔ وہ مجھے بیٹی کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔" سروج نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ چلئے میں آپ کو پہنچا آؤں۔ میں خود آج ٹھاکر صا سے ملنے کا ارادہ کررہا ہوں، واقعی بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔ ان سے مل کر مجھے ایک کا قلبی سکون محسوس ہوتا ہے۔" فریدی نے سگار سلگا کر کش لیتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال تو یہ ہے!" حمید نے کہا۔ لیکن فریدی کی تیز نظروں سے گھبرا کر جملہ کرسکا۔

"ہاں آپ کیا کہتے ہیں۔" سروج نے حمید سے پوچھا۔

"میں...... یعنی کہ میں......" حمید نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیا کہ آپ ضرور جایئے۔"

تھوڑی دیر کے بعد فریدی سروج اور حمید دھرم پور کی طرف جارہے تھے۔

جیسے ہی کار سروج کے مکان کے پھاٹک پر آکر رکی اس کا گرے ہاؤنڈ کتا دم ا دوڑ آیا۔

"جیک جیک!" سروج اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔

آواز سن کر ٹھاکر بھی چھڑی ٹیکتے ہوئے برآمدے میں نکل آیا۔ اس کی آنکھوں بہہ رہے تھے۔ موٹے موٹے قطرے...... اس کا محبت بھرا دل امنڈ آیا تھا۔ سروج اس سے سر لگا کر سسکیاں لینے لگی۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا اور روتا جارہا تھا۔ کچھ دیر تک روتے رہے پھر آنسو پونچھ ڈالے گئے اور ڈرائنگ روم دلچسپ تذکروں سے گونجنے لگا۔

"بھئی بہت تیز گرمی پڑرہی ہے۔ میرے خیال سے تو کچھ پینا چاہئے۔" ٹھاکر نے

"میں ابھی شربت بنوا کر لاتی ہوں۔" سروج نے اٹھتے ہوئے کہا اور باہر چلی گئی لمحوں کے بعد ایک ملازم کشتی میں شیشے کے خالی گلاس لایا۔ فریدی نے گلاس ہاتھ میں اٹھا

"کتنے خوبصورت گلاس ہیں۔" فریدی گلاس کو اپنے رومال سے صاف کرتے ہوئے بولا۔ "اب ایسی چیزیں کہاں۔"

اس پر ٹھاکر صاحب نے ان گلاسوں کا خاندانی شجرہ سنا کر رکھ دیا۔ فریدی ان کی باتوں کو دلچسپی سے سن رہا تھا اور ساتھ ساتھ ان گلاسوں کو اٹھا اٹھا کر انہیں رومال سے صاف بھی کرتا جارہا تھا۔

"بس جی چاہتا ہے کہ انہیں دیکھا ہی کیجئے۔" فریدی نے گلاسوں کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھاکر صاحب گلاسوں کی تعریف سن کر اور زیادہ خوش اخلاق ہوتے جارہے تھے۔ سروج جگ میں شربت لے کر آئی اور سب کے گلاس بھر دیئے۔

شربت پینے کے دوران ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ٹھاکر صاحب نے دھرم پور کے جنگل کے کیس کے متعلق بھی کافی دیر تک باتیں کیں۔ اس کے بعد فریدی اور حمید واپس جانے کیلئے تیار ہوگئے۔ سروج اور ٹھاکر انکے ساتھ پھاٹک تک آئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کردی۔

"بھئی حمید مجھے وہ گلاس بے حد پسند آئے ہیں۔" فریدی نے تھوڑی دور چل کر کار روکتے ہوئے کہا۔

"تو گاڑی کیوں روک دی۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میں انہیں سے ایک چرانا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور کھڑکی کھول کر نیچے اتر گیا۔

"کیا مطلب!" حمید کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں۔

"میں ابھی آیا!" فریدی نے کہا۔

حمید کار میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اسے حیرت تھی کہ آخر فریدی کو ہوکیا گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی لوٹ آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا۔

"کوئی خاص زحمت نہیں پیش آئی۔ وہ لوگ گلاس وہیں چھوڑ گئے تھے۔" فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

گود میں سانپ

دوسرے دن صبح فریدی اور حمید کوتوالی گئے۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر سدھیر ان کا انتظار کر رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی ہاتھ پھیلا کر ان کی طرف بڑھا۔

"آیئے انسپکٹر صاحب! میں آپ ہی لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔" سدھیر نے فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "کہئے کوئی خاص بات۔"

"خاص بات صرف اتنی ہے کہ آپ آٹھ دس کانسٹیبل لے کر میرے ہمراہ چلئے۔" فریدی نے کہا۔

"خیریت!" سدھیر نے حیرت سے کہا۔

"جلدی کیجئے! آپ کا شکار میرے چوہے دان میں پھنس گیا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اس لئے ہم لوگ جلدی میں ناشتہ دان بھی ساتھ ہی لیتے آئے ہیں۔" حمید جلدی سے بول اٹھا۔

"تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ ابھی تک آپ لوگوں نے ناشتہ نہیں کیا۔" سدھیر نے کہا۔

"کہئے کچھ منگاؤں۔"

"نہیں شکریہ اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "آپ جلدی سے اپنے آدمیوں کو تیار کر لیجئے۔"

"جلال پور!"

"جلال پور!" سدھیر نے حیرت سے کہا۔ "تو آپ نے قاتلوں کا پتہ لگا لیا۔"

"قریب قریب......!" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

سدھیر نے ایک دیوان کو بلا کر کچھ ہدایتیں دیں اور خود آفس کے اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد آٹھ مسلح کانسٹیبل آ گئے۔

پولیس کی لاری جس پر سدھیر، حمید، فریدی اور آٹھ کانسٹیبل بیٹھے تھے جلال پور کی طرف

تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔

"ذرا مجھے کچھ پہلے سے بتا دیجئے تا کہ میں اسی کے مطابق انتظام کر سکوں۔" سدھیر نے کہا۔

"میرے خیال سے کچھ زیادہ پریشانی نہ اٹھانی پڑے گی۔" فریدی نے جواب دیا۔

"پھر بھی!" سدھیر نے کہا۔

"بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قاتل کے دریافت ہو جانے پر آپ کو اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دینی ہوں گی۔"

"یہ تو ہو ہی جائے گا۔ یہ بتایئے کہ آخر قاتل ہے کون؟" سدھیر نے بے چینی سے کہا۔

"گھبرایئے نہیں ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"ذرا ہوشیاری سے رہنا۔" سدھیر نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کڑی آواز میں کہا۔

"ہاں بھئی...... یہی وقت ہوشیاری کا ہے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "اور ذرا ہم لوگوں کا خیال رکھنا۔"

"حمید صاحب کسی وقت تو ہم غریبوں کی خطائیں معاف کر دیا کیجئے۔" سدھیر نے کہا۔

"اچھا میں اسی وقت اس پر غور کروں گا۔" حمید نے کہا اور غور سے فریدی کی جیب کی طرف دیکھنے لگا جو خود بخود پھول کر پچک رہی تھی۔

"ارے!" حمید نے اچھل کر کہا۔ "انسپکٹر صاحب آپ کی جیب......!"

فریدی نے حمید کا شانہ دبا دیا۔ حمید خاموش ہو گیا۔ انسپکٹر سدھیر بھی چونک پڑا۔

فریدی نے جلدی سے اپنی ہیٹ اس طرح اپنے پہلو میں رکھ دی کہ جیب چھپ گئی۔

"کیا بات ہے۔" سدھیر نے حمید سے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... یونہی ذرا......!"

"دماغ کا ایک اسکرو ڈھیلا ہونے لگا تھا۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

دلبیر سنگھ کی کوٹھی کے سامنے پولیس کی لاری رکی، سروج اور دلبیر سنگھ برآمدے ہی میں بیٹھے تھے۔ فریدی کے ساتھ اتنے بہت سے کانسٹیبل دیکھ کر سروج نے آہستہ سے کچھ کہا۔ دلبیر

سنگھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں یہ لوگ بھی برآمدے میں پہنچ گئے۔

"کہئے فریدی صاحب...... کوئی تازہ مصیبت......" ٹھاکر دلبیر سنگھ نے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں...... ادھر سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ سے بھی ملتا چلوں۔"

"خوب خوب!" ٹھاکر دلبیر سنگھ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔" خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا بڑا آدمی مجھ سے اتنی انسیت رکھتا ہے۔ آپ لوگ تشریف ارے کوئی ہے ذرا کرسیاں لانا۔"

"گرمی بہت شدید ہے۔" دلبیر سنگھ نے کہا۔ "میرے خیال میں آپ لوگ کچھ شربت پی

"جی نہیں شکریہ۔" فریدی نے کہا۔ "قطعی خواہش نہیں۔"

"کہئے کیا بملا والے کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں کہیں تشریف لے گئے تھے۔" سنگھ نے پوچھا۔

"جی ہاں...... کچھ کامیابی ہوئی تو ہے۔"

"کیا میں کچھ معلوم کرسکتا ہوں۔" دلبیر سنگھ نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔

"کیوں نہیں!" فریدی اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "ایک تو یہی اطلاع آپ لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ رندھیر بملا اور ڈاکٹر ستیش کا قتل ایک ہی آدمی کی ایماء پر ہوا ہے۔"

"اچھا!" دلبیر سنگھ نے حیرت سے کہا۔ "واقعی یہ خبر انتہائی دلچسپ اور ساتھ ہی حیرت انگیز بھی ہے۔"

"ٹھاکر صاحب۔" فریدی بولا۔ "کیا آپ مجھے بملا کا صحیح حلیہ بتا سکتے ہیں۔ مجھے لاش دیکھنے کا موقع بھی نہ مل سکا تھا۔"

"بہت خوب!" ٹھاکر صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "اگر کوئی اندھا کسی کا حلیہ بتا سکتا ضرور پوچھئے۔"

"تو کیا واقعی اب آپ کو آنکھوں سے بالکل دکھائی نہیں دیتا۔" فریدی نے پوچھا۔

ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ شاید اسے فریدی کا یہ سوال ناگوار گزرا تھا۔

"فریدی صاحب میرا خیال ہے کہ میں آپ سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔" دلبیر سنگھ نے تلخ لہجہ میں کہا۔

"یقیناً!" فریدی نے اعتراف میں سر ہلایا۔

"تو پھر آپ کو مجھ سے مذاق نہ کرنا چاہئے۔" دلبیر سنگھ نے اپنے غصے کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے کوئی گستاخی نہیں کی۔" فریدی نے ندامت آمیز لہجے میں کہا "لیکن اگر آپ کو اس سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

"خیر...... خیر!" دلبیر سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔"

پھر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔

"فریدی بھائی! مجرموں کے گرفتار ہو جانے کی کب تک امید ہے۔" سروج نے کہا۔

"بہت جلد!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو...... تاکہ ہم لوگوں کی طرف سے آپ کا شبہ رفع ہو۔" سروج نے مغموم لہجے میں کہا۔

"آپ لوگوں پر شبہ...... ارے لاحول ولاقوۃ...... آپ بھی کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ توبہ توبہ!" فریدی یہ کہہ کر اپنے مخصوص لہجے میں سیٹی بجانے لگا۔ وہ دلبیر سنگھ کے سامنے بیٹھا ہوا باغ کی طرف گردن موڑے کچھ دیکھ رہا تھا۔

"ارے سانپ......!" ٹھاکر دلبیر سنگھ بے اختیار اچھل کر بولا۔

فریدی کی جیب سے ایک کالا سانپ نکل کر اس کی گود میں رینگ رہا تھا۔ سب لوگ بدحواس ہو گئے۔

"سانپ دکھائی دیتے ہیں ٹھاکر صاحب۔" فریدی نے ریوالور نکال کر ٹھاکر دلبیر سنگھ کی طرف تانتے ہوئے کہا۔ "خبردار اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔"

ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ہاتھ سے اس کی چھڑی چھوٹ پڑی۔

"تم نے اٹھنے کی کوشش کی اور میں نے گولی چلائی۔" فریدی نے تیز لہجے م
"سدھیر صاحب ہتھکڑی۔"

ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا دی گئی۔ اس کی بے رونق آنکھیں اور زیا
نور ہو گئیں۔

"یہ آپ نے کیا کیا فریدی بھیا۔" سروج بے اختیار چیخ پڑی۔

"ان کی آنکھوں کا علاج بغیر آپریشن...... اب انہیں اندھیرے میں رہنے کی ضر
ہے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "واللہ انسپکٹر صاحب آپ ماہر امراض چشم بھی ہیں۔"

"ارے ارے...... یہ کیا ہو رہا ہے۔" سروج بے بسی سے بولی۔

"گھبراؤ نہیں...... سروج بہن شکر کرو کہ تم بچ گئیں ورنہ کچھ دن بعد تم بھی بملا کا
دیتی نظر آتیں۔ اگر کچھ اور زیادہ جاننا چاہتی ہو تو کل شام کو مجھ سے ملنا۔ میں گھر پر ہی ہوں گا"

ٹھاکر دلبیر سنگھ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"اٹھئے سرکار!" سدھیر نے اُسے ٹھوکر لگاتے ہوئے کہا۔

دلبیر سنگھ جھلا کر کھڑا ہو گیا اور ہتھکڑی میں جکڑے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اس زور سے س
کے سر پر مارے کہ سدھیر تیورا کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ آٹھوں سپاہی دلبیر سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔
سروج چیخنے لگی۔

ٹھاکر دلبیر سنگھ لاری میں بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ
تھے اور لاری شہر کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

اسی دن شام کو پولیس نے دلبیر سنگھ کے مکان پر چھاپہ مارا۔ کافی تلاش اور جستجو کے ب
آخر کار فریدی اس تہہ خانے کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا جس میں دلبیر سنگھ نے کوک

بنانے کا کارخانہ قائم کر رکھا تھا وہاں سے کافی مقدار میں کوکین برآمد ہوئی۔

اس کے علاوہ دوسرے کاموں سے فراغت پانے کے بعد وہ اور حمید ڈرائنگ روم میں
آ بیٹھے۔ سروج پہلے ہی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"تم بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی ہو۔" فریدی نے سروج سے کہا۔ "حالانکہ تمہیں خوش
ہونا چاہئے کہ تم اس جال میں پھنسنے سے بچ گئیں اگر دلبیر سنگھ کو کبھی تم پر ذرا سا شبہ بھی ہو جاتا
کہ تم اس کے راز سے واقف ہو تو تمہارا بھی وہی انجام ہوتا جو بملا کا ہوا۔"

"لیکن آپ کو ان سب باتوں کا علم کیسے ہوا۔" سروج بولی۔

"جب مجرم میری گرفت میں آ جاتا ہے تو جس طرح چاہتا ہوں آسانی سے سب اگلوا لیتا
ہوں۔ صرف دلبیر سنگھ ہی اس قید میں نہیں بلکہ اس کے بارہ ساتھی بھی اس کا ساتھ دے رہے
ہیں۔ یہ سب شہر کے چھٹے ہوئے شریف قسم کے بدمعاش ہیں۔"

"آخر بملا ان لوگوں کے جال میں کیسے پھنس گئی۔" سروج نے کہا۔

"اسی وقت سنو گی۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "خیر سنو ایک دن جب تم گھر
پر نہیں تھیں بملا نے دلبیر سنگھ کو کچھ لکھتے دیکھ لیا۔ اسے حیرت ہوئی ہو گی اور حیرت کی بات بھی
ہے کہ اندھے لکھا نہیں کرتے۔ دلبیر سنگھ کو اس کا احساس ہو گیا۔ اس وقت اس کی سمجھ میں یہی آیا
کہ بملا کو لے جا کر تہہ خانے میں قید کر دے۔ تہہ خانے میں لے جا کر دلبیر سنگھ نے زبردستی
اس سے ایک خط تمہارے نام لکھوایا کہ وہ اپنے کسی عزیز سے ملنے شہر جا رہی ہے اور معلوم نہیں
کب تک اس کی واپسی ہو۔ دلبیر بملا کی تحریر لے کر اسے تہہ خانے میں بند کر کے چلا آیا۔ یہ
فوری کام اس نے اس لئے کیا تھا کہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے رائے لینے کے بعد کوئی
دوسری کارروائی کر سکے۔ تمہارے آنے پر اس نے بملا کا خط تمہیں دے دیا تھا اور تم مطمئن
ہو گئی تھیں۔ کیوں ہے نا یہی بات۔ دلبیر سنگھ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا جن میں ڈاکٹر
ستیش بھی شامل تھا۔ ڈاکٹر ستیش نے جو رائے دی اس پر سب راضی ہو گئے۔ لہٰذا وہیں تہہ
خانے میں تیز روشنی کا انتظام کر کے بملا اور ستیش کی ایک تصویر کھینچی گئی۔ وہ تصویر بھی مجھے مل گئی

لیکن وہ ایسی نہیں کہ تمہیں دکھلاسکوں۔ بہر حال بملا سے کہا گیا کہ اس نے دلبیر کا راز کی
کیا تو وہ تصویر اس کے عزیزوں اور اس کے منگیتر کے پاس بھیج دی جائے گی۔ اتنا کچھ
کے بعد بھی ان لوگوں کو اطمینان نہ ہوا۔ اسی دوران میں ان کے ہاتھ بملا کے منگیتر کا ایک
لگ گیا جس سے ظاہر ہوا کہ شاید ان دونوں کے والدین میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے اور ا
شادی کرنے پر رضا مند نہیں۔ اس خط کو دیکھتے ہی دلبیر سنگھ نے ایک اسکیم بنائی۔ وہ یہ تھی کہ
رندھیر اور بملا اس دوران غائب کر دیئے جائیں تو ان کے والدین یہی سمجھیں گے کہ
رندھیر بملا کو کہیں بھگا لے گیا۔ اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ڈاکٹر ستیش بملا کا
بن گیا۔ اس نے وہ تصویر اسی کے سامنے جلادی اور اس سے کہا کہ تم رندھیر کو ایک خط لکھو
تمہیں یہاں سے آکر نکال لے جائے۔ ڈاکٹر ستیش نے بملا کو اچھی طرح اطمینان دلایا
اس کی پوری پوری مدد کرے گا۔ رندھیر کا جواب آنے پر انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ کب آ رہا
جہاں تک دونوں کو قتل کر دینے کی اسکیم کا تعلق ہے ان لوگوں نے بڑی چالاکی سے کام لیا
اور زیادہ پردہ پوشی کے لئے پولیس کو بھی اس میں الجھا دینے کی اسکیم بنا کر سخت دھوکا کھ
حالانکہ ان کی اسکیم بھی بڑی شاندار تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بملا اور رندھیر کے اس طرح غا
ہو جانے سے بملا کے والدین ان دونوں کا حلیہ جاری کرائیں گے اور جب پولیس کو معلوم
کہ دھرم پور کے جنگل میں لاش دیکھنے والا رندھیر سنگھ ہی تھا تو پولیس اور زیادہ سرگرمی سے
کی تلاش شروع کر دے گی اور شاید ایسا ہوتا بھی۔ اگر عین وقت پر جنگلی گیدڑ ہماری مد
کر بیٹھتے۔ میں نے تمہیں گیدڑ کی لاش کا واقعہ بتایا تھا۔ وہ بھی دلبیر سنگھ کی حرکت تھی۔ ڈا
ستیش صاحب کانپور جا رہے تھے۔ رندھیر کے گھر کی تلاشی لینے تا کہ بملا کا خط ڈھونڈ کر اے
سکیں۔ راستہ میں مجھ سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ وہ گرفتار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اور آدمی بھی تھے جو ا
کے گرفتار ہونے کے بعد راستے ہی سے پلٹ آئے۔ اس نے اس کی خبر دلبیر سنگھ کو دی۔ د
سنگھ نے سوچا کہ اب اسے بھی ٹھکانے لگا دینا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ پولیس اس سے اگلوا لے
پھر دلبیر سنگھ نے مجھ پر اور حمید پر بھی حملہ کیا تھا لیکن تم ابھی تک نہیں جانتیں کہ مجھے یہ کیسے معلو

ہوا کہ دلبیر سنگھ ہی مجرم ہے۔ جن لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا ان میں سے ایک کی ٹارچ میرے
ہاتھ لگ گئی۔ اس کی انگلیوں کے نشانات اس ٹارچ پر باقی رہے جنہیں میں نے کاغذ پر اتروا
لیا۔ مجھے دلبیر سنگھ پر شروع ہی سے شبہ تھا۔ حالانکہ وہ ایک اندھے کا پارٹ بڑی خوش اسلوبی
سے انجام دے رہا تھا۔ لیکن...... ہاں تو جب میں تمہیں یہاں چھوڑنے آیا تھا تو تمہیں یاد ہوگا
کہ تم نے ہم لوگوں کو شربت پلایا تھا۔ میں نے وہ گلاس چرا لیا جس میں دلبیر سنگھ نے شربت پیا
تھا۔ اس پر دلبیر سنگھ کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس گلاس کے نشانات اور اس ٹارچ کے
نشانات میں کوئی فرق نہ نکلا اور پھر آپ کے ٹھاکر صاحب آخر کار دھر لئے گئے۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ میرا کیا حشر ہوگا۔" سرو پریشانی کے لہجے میں بولی۔

"کچھ بھی نہیں۔ تمہیں صرف سرکاری گواہ بننا پڑے گا۔ میں تم سے پہلے ہی وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔"

"اب تم اتنی بڑی جائیداد کی تنہا مالک ہو۔ دلبیر سنگھ تو پھانسی سے بچ نہیں سکتا۔"

"میں آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اگر میرا کوئی سگا بھائی بھی ہوتا میرے لئے اتنا نہ کر سکتا۔"

"اچھا تو مجھے سگا بھائی نہیں سمجھتیں۔" فریدی نے روٹھ جانے والے انداز میں کہا۔

"میرا بھیا۔" سرو نے کہا اور اس کی آنکھوں میں محبت کے آنسو امنڈ آئے۔

حمید نے ایک بھونڈا سا قہقہہ لگایا۔ جھینپا جھینپا سا قہقہہ......

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 3

عورت فروش کا قاتل

(مکمل ناول)

پیش رس

جاسوسی دنیا کی تیسری کہانی ''عورت فروش کا قاتل'' پیش خدمت ہے۔کہانی بھی آپ کے الفاظ میں ''زور دار'' ہی ہے۔مگر محض تفریحی نہیں' سبق آموز بھی ہے۔آپ دیکھیں گے کہ بے جوڑ شادیاں کتنی تباہ کن اور معاشرے پر بُرا اثر ڈالنے والی ہوتی ہیں! لیڈی سیتا رام بھی ایک شریف عورت کی طرح زندگی بسر کر سکتی تھی۔بشرطیکہ عمران کا تفاوت اس کی زندگی کی راہ میں نہ حائل ہو جاتا۔بشرطیکہ وہ اپنے ہی طبقہ میں بیاہی جاتی......
اس کہانی میں آپ کو قہقہے بھی ملیں گے اور آنسو بھی۔

ابنِ صفی

یکم مئی ۱۹۵۷ء

خونی ناچ

آج شام ہی سرجنٹ حمید نے کافی ہڑبونگ مچا رکھی تھی، لیکن بات محض اتنی ہی تھی کہ اس نے نمائش جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ کئی بار اس نے مختلف رنگوں کے سوٹ نکالے اور ان قسم قسم کی ٹائیاں رکھ کر دیکھتا رہا۔ انسپکٹر فریدی اس کے بچپنے پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا لیکن اس نے دخل دینا مناسب نہ سمجھا۔ آج وہ بھی نمائش جانے کے لئے تیار ہوگیا جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آج کل وہ قطعی بیکار تھا، ورنہ اس جیسے مشغول آدمی کو کھیل تماشوں کی فرصت کہاں اور ویسے بھی اسے ان چیزوں سے دلچسپی نہ تھی۔ فرصت کے اوقات میں زیادہ تر اپنے پالتو جانوروں سے دل بہلایا کرتا تھا یا پھر حمید کے چٹکلوں سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حمید بھی اسکے عجائب خانے کا ایک جانور تھا۔ حیوان ظریف۔

حمید اس کا ماتحت ضرور تھا لیکن ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا رسمی تکلف بھی نہیں تھا اور یہی چیز اس کے دوسرے ماتحتوں کو بہت گراں گذرتی تھی۔ اکثر دبی زبان سے اپنی خفگی کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے لیکن فریدی ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ بہتیروں نے اس بات کی کوشش بھی کی کہ سرجنٹ حمید کا کسی دوسری جگہ کا تبادلہ کرا دیا جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے کیونکہ بڑے افسران کو بہرحال کوئی کام فریدی کی مرضی کے خلاف کرنے میں کچھ نہ کچھ تامل ضرور ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حمید کا تبادلہ کسی دوسری جگہ کا نہ ہوسکا ورنہ سرجنٹوں کے تبادلے تو آئے دن ہوا کرتے تھے۔

انسپکٹر فریدی ایک جوہر شناس آدمی تھا اس نے پہلے ہی دن حمید کی صلاحیتوں کا اندازہ یا تھا اور پھر دو تین معاملات میں اپنے ساتھ چانس دینے پر تو وہ اس کا گرویدہ ہوگیا تھا۔ رفتہ ہ دونوں کے تعلقات بڑھتے گئے اور پھر ایک دن وہ آیا کہ حمید انسپکٹر فریدی کے ساتھ رہنے

اس وقت وہ اس کی کوٹھی میں بیٹھا اس کے نوکروں پر اسی طرح رعب جما رہا تھا جیسے وہ د اسی کے نوکر ہوں۔

"آپ کون سا سوٹ پہن رہے ہیں۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"کوئی سا پہن لیا جائے گا...... آخر تمہیں آج کپڑوں کا خبط کیوں پیدا ہوگیا ہے۔" یدی نے کہا۔

"کوئی ایسی خاص بات تو نہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"نہیں! تم نے ضرور کوئی نئی حماقت کی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں مان نہیں سکتا۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ آج......!" حمید رکتے ہوئے بولا۔ "بات یہ ہے کہ نمائش گاہ تو ں بہانہ ہے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ آج آرلکچو میں خاص پروگرام ہے۔ سچ کہتا ہوں بڑا ف رہے گا۔"

"تو یہ کہئے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "آپ ہی تشریف لے جایئے۔ میرے پاس ن لغویات کے لئے وقت نہیں۔"

"خدا کی قسم مزا آجائے گا...... آج آپ بھی ناچیں گے، شہناز کے ساتھ ...... اس کی یک سہیلی بھی ہوگی۔"

"اچھا......!" فریدی طنزیہ انداز میں سرہلا کر بولا۔ "یہ شہناز کیا بلا ہے۔"

"ہی ہی ہی...... بات یہ ہے کہ...... وہ میری دوست ہے...... یعنی کہ بات یہ ہے...... ی ہی ہی۔"

"جی ہاں بات یہ ہے کہ آپ نے کوئی نیا عشق فرمایا ہے۔"

"جی ہاں...... جی ہاں...... آپ تو سمجھتے ہی ہیں، لیکن میں آپ سے کہتا ہوں
اس بار سو فیصدی سچا عشق ہوا ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں اس کے بغیر......!"

"زندہ نہیں رہ سکتا۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔

"اور اگر زندہ رہ سکتا ہوں تو اس گھر میں نہیں رہ سکتا اور اگر اس گھر میں رہ بھی گیا تو
رات بھوں بھوں رونے کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہوگا۔"

حمید کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

"آپ چلئے تو...... اچھا آپ نہ ناچئے گا۔" اُس نے کہا۔

"خیر چلا جاؤں گا کیونکہ میں بھی تھوڑی سی تفریح چاہتا ہوں، لیکن براہِ کرم وہاں پر
سے تعارف نہ کرانا۔"

"چلئے منظور......!" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا اب جلدی سے اپنا سوٹ نکلوا لیجئے
پہلے نمائش چلیں گے۔"

"تو کیا تمہیں ناچنا آتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں نہیں...... میں فاکس ٹراٹ ناچ سکتا ہوں...... والز ناچ سکتا ہوں اور!"

"بس بس......!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ابھی امتحان ہوا جاتا ہے۔"

فریدی نے ریکارڈوں کے ڈبے میں سے ایک ریکارڈ نکال کر گراموفون پر چڑھا
ایک انگریزی طرز کا نغمہ کمرے میں گونجنے لگا۔

"اچھا بتاؤ...... کیا بج رہا ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

حمید بوکھلا گیا۔ اپنی گھبراہٹ کو مسکراہٹ میں چھپاتے ہوئے بولا۔ "ماڈرن فاکس
ٹراٹ......!" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"اسی بل بوتے پر ناچنے چلے تھے جناب۔"

"اچھا...... تو پھر آپ ہی بتایئے کہ کیا ہے۔" حمید نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

"والز......!"

"میں مان نہیں سکتا۔"

"اچھا اگر فاکس ٹراٹ ہے تو ناچ کر دکھاؤ۔"

"کس کے ساتھ ناچوں۔"

"میرے ساتھ......!"

"آپ ناچنا کیا جانیں۔"

"حضور تشریف تو لائیں۔"

فریدی نے بایاں ہاتھ حمید کی کمر میں ڈال دیا اور حمید کا بایاں ہاتھ اپنے کاندھوں پر رکھنے

"تو گویا آپ مجھے عورت سمجھ رہے ہیں۔ میں کاندھوں پر ہاتھ نہیں رکھوں گا۔" حمید نے
پ کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"گدھے ہو۔" فریدی نے اُسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "آؤ تمہیں ناچنا
ا دوں۔"

دونوں لپٹ کر ریکارڈ کے نغمے پر ناچنے لگے۔

فریدی ہدائتیں دے رہا تھا۔

"پیچھے ہٹو...... دایاں پاؤں...... بایاں پاؤں...... پیچھے...... پیچھے...... آگے آؤ......
ں...... داہنا۔ برخوردار یہ والز ہے...... ہاں ہاں...... بایاں پاؤں...... فاکس ٹراٹ نہیں
ے۔"

ریکارڈ ختم ہو جانے کے بعد دوسرا ریکارڈ لگایا گیا۔ وہ دونوں پھر ناچنے لگے۔ تھوڑی دیر
میدپسینے میں تر ہو گیا۔

"بس میرے شیر...... اتنے ہی میں بول گئے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"خدا کی قسم...... آپ کا جواب نہیں۔" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "میں تو آپ کو انتہائی
سا آدمی سمجھتا تھا...... آپ نے یہ سب کیسے سیکھ لیا۔"

"ایک سراغ رساں کو سب کچھ جاننا چاہئے۔"

"میں آپکا شکر گذار ہوں، ورنہ آج سخت شرمندگی اٹھانی پڑتی۔" حمید نے کہا۔

"شرمندگی کس بات کی۔ پچھتر فیصدی لوگ عموماً غلط ناچتے ہیں۔ تم تو پھر بھی غنیر
رہے تھے۔"

"اچھا تو پھر آج آپ کو بھی ناچنا پڑے گا۔" حمید نے کہا۔

"یہ غلط بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ اسی شرط پر چل سکتا ہوں کہ مجھے ناچنے پر!
کرنا۔"

"عجیب بات ہے...... اچھا خیر...... میں آپ کو مجبور نہ کروں گا۔"

دونوں کافی دیر تک نمائش کے چکر لگاتے رہے۔ حمید کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ہر حسین
کو قریب سے گزرتے دیکھ کر فریدی کا ہاتھ دبا دینا ضروری سمجھتا تھا اس وقت فرید
جھنجھلاہٹ دیکھنے کے قابل ہوتی۔ جب وہ اس کی توجہ کسی دوسری طرف سے ہٹا کر کس
کو دکھلانے کی کوشش کرتا۔

"حمید آخر تم اتنے گدھے کیوں ہو؟" فریدی نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

"اکثر میں بھی یہی سوچا کرتا ہوں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"دیکھو میں تمہیں سنجیدگی سے سمجھاتا ہوں کہ اب تم اپنی شادی کر ڈالو۔"

"اگر کوئی شادی شدہ آدمی مجھے اس قسم کی نصیحت کرتا تو میں ضرور مان لیتا۔" ح
مسکرا کر کہا۔

"اگر یہ ممکن نہیں تو پھر میری ہی طرح عورتوں کے معاملے میں پتھر ہو جاؤ۔"

"آپ تو خواہ مخواہ بات بڑھا دیتے ہیں۔" حمید نے بُرا مان کر کہا۔ "کیا کسی اچھی
تعریف کرنا بھی جرم ہے۔"

"جرم تو نہیں لیکن ہمارے پیشے کے اعتبار سے یہ رجحان خطرناک ضرور ہے۔"

حمید نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیس

وقت اس قسم کی نصیحتیں سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔

تقریباً ایک گھنٹے تک نمائش کا چکر لگانے کے بعد وہ لوگ آرلکچو کی طرف روانہ ہو گئے۔
آرلکچو کا شمار شہر کے بڑے ہوٹلوں میں ہوتا تھا...... یہاں کا سارا کاروبار انگریزی طرز پر چلتا
تھا۔ یہاں ناچ بھی ہوتا تھا جس میں شہر کے اونچے طبقے کے لوگ حصہ لیا کرتے تھے۔

دونوں نے آرلکچو پہنچ کر ٹکٹ خریدے اور ہال میں داخل ہو گئے۔ سارا ہال برقی قمقموں
سے جگمگا رہا تھا اور موسیقی کی لہریں فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔ پہلا راؤنڈ شروع ہو گیا تھا بیشمار
خوش پوش نوجوان جوڑے بغل گیر ہو کر ہال کے چوبی فرش پر تیر رہے تھے۔

حمید اور فریدی پہلا راؤنڈ ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ حمید کی بے چین نگاہیں اس
بھیڑ میں شہناز کو تلاش کر رہی تھیں۔

"ارے یہ شہناز کس کے ساتھ ناچ رہی ہے۔" حمید نے ایک جوڑے کی طرف اشارہ
کر کے کہا۔ فریدی اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک خوبصورت لڑکی ریشمی شلوار اور فراک میں ملبوس ایک
جامہ زیب نوجوان کے ساتھ ناچ رہی تھی، فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ دونوں ان
کے قریب ہو کر گذرے تو شہناز نے مسکرا کر حمید کو کچھ اشارہ کیا۔ حمید نے منہ پھیر لیا اور فریدی
مسکرانے لگا۔

"آخر ہو نا سودیشی۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "برخوردار اگر ان لغویات کا شوق
ہے تو یہ سب بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ وہ تمہاری بیوی تو نہیں کہ تم اس پر جھنجھلا رہے ہو اور پھر
یہ تو مغربی تہذیب کا ایک اہم جزو ہے کوئی بھی عورت کسی مرد کے ساتھ ناچ سکتی ہے۔"

حمید اپنا نچلا ہونٹ چبا رہا تھا۔

"ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔ اگلے راؤنڈ میں تم بھی ناچ لینا۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں میں اب نہیں ناچوں گا۔"

"کیوں......؟"

"بس یونہی...... دل نہیں چاہتا۔ آیئے واپس چلیں۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔

"پھر آئے کیوں تھے......عجیب آدمی ہو۔"

"یہاں ٹھہرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"بھئی میں تو ابھی نہیں جاسکتا۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا۔

"خیر پھر مجبوری ہے......!" حمید آہستہ سے بولا۔

"گھبراؤ نہیں......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے تمہاری محبوبہ سے قطعی کوئی دلچسپی میں تو اس آدمی میں دلچسپی لے رہا ہوں جو کیا نام ہے اس کا...... ہاں......شہناز کے سا رہا ہے۔"

حمید فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

"کیا تم نے اُسے پہلے کبھی دیکھا ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"نہیں......!"

"اس کا نام رام سنگھ ہے اور یہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ خود کو کسی ریاست کا شہزاد کئے ہوئے ہے لیکن دراصل ایک خطرناک مجرم ہے۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔

"یہ سب آپ کیسے جانتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"عجیب حماقت سوال ہے، ارے میں ان حضرت کو نہ جانوں گا، تو پھر کون جانے گا۔

"میں عرصہ سے اس کی تاک میں ہوں۔ مجھے شبہ ہے کہ آج کل یہ لڑکیوں کا بیوپا ہے۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ شہناز کون ہے، کیا کرتی ہے اور اس کا تعلق کس خاندان سے ہے۔"

"یہ تو مجھے پتہ نہیں کہ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں ماڈرن گرلز کالج میں لیکچرار ہے۔"

"تمہاری ملاقات اس سے کس طرح ہوئی۔"

"دو ماہ قبل جب میں دس دن کی چھٹیاں گذار کر گھر سے واپس آ رہا تھا تو یہ مجھے ٹر ملی تھی، ہم دونوں کمپارٹمنٹ میں تنہا تھے۔ اس لئے ایک دوسرے سے شناسائی حاصل کر میں دقت نہ ہوئی۔ اس کے بعد سے اکثر ہم دونوں ایک دوسرے سے یہاں ملتے رہتے ہیں

"کیا وہ یہ جانتی ہے کہ تمہارا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

"نہیں میرے بہت کم جاننے والے اس سے واقف ہیں۔"

"یہ اچھی عادت ہے۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔ شہناز اور رام سنگھ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے ناچ رہے تھے۔ شہناز ہنس ہنس کر اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ طرح طرح کے مضحکہ خیز منہ بنا کر

تھا۔

پہلا راؤنڈ ختم ہو گیا کچھ لوگ سائیڈ میں بیٹھ کر ستانے لگے اور کچھ بار کی طرف چلے رام سنگھ اور شہناز بھی ایک طرف بیٹھ کر ستا رہے تھے، شہناز بار بار مڑ کر حمید کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے شاید خیال تھا کہ حمید اس کے پاس آئے گا لیکن جب اس نے دیکھا کہ حمید ے ہلا بھی نہیں تو وہ خود اٹھ کر ان کی طرف بڑھی۔

"ہیلو حمید صاحب......آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ آیئے چل کر بیٹھیں، چلئے میں کنور صاحب سے ملاؤں۔ ان سے ابھی اسی وقت ملاقات ہوئی ہے۔ بہت دلچسپ آدمی شہناز نے کہا۔

"وہ شاید ہم لوگوں سے ملنا پسند نہ کریں۔" فریدی نے کہا۔

"واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے......!" شہناز نے حمید کو مخاطب کر کے فریدی کی طرف دیکھتے کہا۔ "آپ کی تعریف......!"

"آپ ہیں میرے دوست احمد کمال اور آپ ہیں مس شہناز۔" حمید نے تعارف کرایا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" فریدی نے شہناز سے ہاتھ ملاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"مجھے بھی......!" شہناز نے اپنے خوبصورت دانتوں کی نمائش کی۔

اتنے میں دوسرا راؤنڈ شروع ہو گیا۔

"کیا میں آپ سے درخواست کر سکتا ہوں۔" فریدی نے شہناز سے کہا۔

"اوہ بڑی خوشی سے۔" شہناز نے داہنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

فریدی نے داہنا ہاتھ پکڑ کر بایاں ہاتھ اس کی کمر میں ڈال دیا اور ہلکے ہلکے ہوا ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گیا۔

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ رام سنگھ اب کسی اور لڑکی کے رہا تھا۔ فریدی ایک مشاق ناچنے والے کی طرح اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ غالباً بھی آہستہ آہستہ ہدائتیں دیتا جا رہا تھا۔

حمید کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، وہ کئی بار اٹھا اور بیٹھا...... پھر بار کی طرف ایک بوتل لیمن پی اور رومال سے منہ پونچھتا ہوا واپس آ گیا۔ فریدی اور شہناز ناچتے ہوئے کے پاس سے گذر رہے تھے، فریدی نے شہناز کی نظریں بچا کر مسکراتے ہوئے حمید کو اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے جسم پر سینکڑوں چیونٹیاں رینگنے لگی ہوں، اس سکوڑ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ فریدی نے جھک کر شہناز کے کان میں کچھ کہا اور طرف دیکھ کر ہنسنے لگی۔ حمید کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ قریب ہی بوڑھی اور بدشکل اینگلو انڈین کے قریب آیا اور اس سے ناچنے کی درخواست کی، پہلے کر بھنائی کہ شاید حمید اس کا مذاق اڑا رہا ہے، لیکن پھر اس کی قدرے سنجیدگی دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ حمید اس سے بغل گیر ہو کر ناچنے لگا۔ ہال میں بے شمار قہقہے گونجنے لگے۔

فریدی اور شہناز اس بُری طرح ہنس رہے تھے کہ انہیں قدم سنبھالنا دشوار ہو گیا اتنی سنجیدگی سے ناچ رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ البتہ بڑھیا بُری طرح شرما چند منٹ گذرنے کے بعد دونوں اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہے تھے، جیسے برسوں ہوں۔

دوسرا راؤنڈ ختم ہو گیا۔

فریدی، حمید، شہناز اور اینگلو انڈین بڑھیا ایک میز کے گرد آ بیٹھے۔

"کمال صاحب...... واقعی آپ نے کمال ہی کر دیا۔" شہناز بولی۔ "حمید صا آپ کی ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے ایسے باکمال آدمی سے ملا دیا۔ مجھے آپ سے

ملے گی۔"

"ضرور...... ضرور......!" حمید نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے، بڑے باکمال آدمی ہیں۔"

فریدی نے میز کے نیچے حمید کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبا دیا۔

"آپ کا نام جاننا مانگتا۔" بوڑھی اینگلو انڈین حمید سے مخاطب ہو کر بولی۔

"ہمارا نام......!" حمید مسکرا کر بولا۔ "ہمارا نام اُلو کا پٹھا ہے۔"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔" بڑھیا بے تحاشہ ہنستی ہوئی بولی۔

"اچھا ہد ہد کا پٹھا سہی۔" حمید نے کہا۔

"نہیں...... ٹھیک بولو۔"

حمید نے جھک کر آہستہ سے اس کے کان میں کچھ کہا۔

"تم پاگل ہے۔" وہ کھسیانی ہنسی ہنستی ہوئی بولی اور شرما کر سر جھکا لیا۔

"معلوم ہوتا ہے کنور صاحب چلے گئے۔" شہناز نے گردن اونچی کر کے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کنور صاحب کہاں رہتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں...... مجھ سے تو یہیں اسی وقت ملاقات ہوئی تھی، ویسے ہیں دلچسپ آدمی۔"

"صورت سے تو نرا ڈیوٹ جان پڑتا ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"نہیں واقعی بہت زندہ دل آدمی ہے۔" شہناز بولی۔

"شہناز کا دوپٹہ بار بار شانوں سے ڈھلک رہا تھا۔ وہ ایک قبول صورت لڑکی تھی۔ عمر بائیس تیئس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی، اس کے چہرے میں سب سے زیادہ حسین چیز اس کے ہونٹ تھے، اوپری ہونٹ نچلے کی مناسبت سے کافی پتلا تھا۔ نچلے ہونٹ کے درمیان کا ہلکا سا خم اس کی جنسی شدت پسندی کی غمازی کر رہا تھا۔ ہنستے وقت گالوں میں خفیف سے گڑھے پڑ جاتے تھے۔

حمید اس وقت اسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔ ایسی نظریں جن میں شکایت نا پسندیدگی کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

''حمید صاحب آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں؟''

''میں دراصل اس لئے خاموش ہوں۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''کہ خاموش رہ کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے۔''

''آپ انہیں کھانا ہضم کرنے دیجئے۔'' فریدی نے شہناز کا ہاتھ پکڑتے ہو ''آیئے ایک راؤنڈ اور ہو جائے۔''

تیسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہو گئی تھی۔

فریدی اور شہناز بھی ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ حمید نے پھر اسی بڑھیا کے ناچنا شروع کر دیا۔

''آپ واقعی بہت اچھا ناچتے ہیں۔'' شہناز نے آہستہ سے کہا۔

''اور آپ...... آپ کس سے کم ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ کرتے کیا ہیں؟''

''بہت کچھ کرتا ہوں...... اور کچھ بھی نہیں کرتا۔''

''یعنی......!''

''مٹر گشتی۔'' فریدی نے کہا اور پھر اچانک چونک کر بولا۔ ''یہ کیا......؟''

''کیا بات ہے۔'' شہناز نے اپنی بوجھل پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں اور ان میں سرخ سرخ ڈورے نظر آنے لگے تھے۔

''ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے ریوالور چلایا ہو۔'' فریدی نے ایک طرف دیکھتے ہو کہا۔

''ریوالور...... یہاں ریوالور کا کیا کام...... میں نے تو نہیں سنا۔''

''ساز بہت اونچے سروں میں بج رہے ہیں۔''

شہناز نے اپنا سارا بوجھ فریدی کے کاندھوں پر ڈال دیا۔ وہ ایک نشے میں ڈوبی ہوئی نا کی طرح لہریں لے رہی تھی۔ تیسرا راؤنڈ ختم ہونے میں ابھی کافی دیر تھی لیکن اچانک را رک گیا۔ ناچنے والے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

ہوٹل کا منیجر اوپر گیلری میں کھڑا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

''خواتین و حضرات...... مجھے افسوس ہے کہ آج کا پروگرام اس سے آگے نہ بڑھ سکے ''

''کیوں کس لئے۔'' بہت سی غصیلی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔

''یہاں ایک آدمی نے ابھی ابھی خودکشی کر لی ہے۔''

ہال میں سناٹا چھا گیا۔ پھر بیک وقت مختلف قسم کی آوازوں کے ملنے سے ایک عجیب قسم بھنبھناہٹ سی گونجنے لگی۔ لوگ ایک ایک کر کے جانے لگے، حتیٰ کہ تھوڑی دیر بعد پورے میں صرف آٹھ دس آدمی رہ گئے، اُن میں حمید، فریدی اور شہناز کے علاوہ ہوٹل کے مین بھی شامل تھے۔

''تو ہم لوگ کس لئے رکے ہوئے ہیں۔'' شہناز نے کہا۔

''بدتمیزی ضرور ہے......!'' فریدی بولا۔ ''لیکن شاید آپ کو تنہا واپس جانا پڑے، مجھے سے کچھ ضروری کام ہے۔ اس لئے مجھے اس کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' شہناز بولی۔ ''بھلا اس میں بدتمیزی کی کیا بات ہے، اچھا پھر کب مل رہے ہیں آپ...... یہ رہا میرا کارڈ......!''

فریدی نے اس کا کارڈ لے لیا جس پر پتہ لکھا ہوا تھا۔

شہناز چلی گئی۔

''واہ استاد...... آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔'' حمید شکایتی لہجے میں بولا۔ ''اگر اسی طرح ارادہ تبدیل کرنا تھا تو کسی اور پر نظر عنائت کی ہوتی۔''

''عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب۔'' فریدی نے گنگنا کر کہا۔

"خدا خیر کرے۔"

"چھوڑو آؤ دیکھیں کیا معاملہ ہے۔" فریدی نے دروازے کی طرف بڑھتے ہو

برآمدے میں کافی بھیڑ تھی۔ کمرہ نمبر تین کے دروازے پر دو کانسٹیبل کھڑے

تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر دونوں سلام کرتے ہوئے ایک طرف ہٹ گئے۔

قتل یا خودکشی

حمید اور فریدی کی نظر جیسے ہی لاش پر پڑی وہ چونک گئے۔ کمرے کا منظر حد درجہ تھا۔ ایک آرام کرسی پر لاش اس طرح پڑی تھی جیسے مقتول بیٹھے بیٹھے ٹیک لگا کر کچھ دیر اونگھ گیا ہو، اس کا داہنا ہاتھ جس میں پستول دبا ہوا تھا اس کی گود میں پڑا تھا۔ بایاں ہا لٹک کر زمین پر ٹکا ہوا تھا۔ گردن بائیں طرف لڑھک گئی تھی۔ فریدی اور حمید نے ایک کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"یہ تو وہی ہے جو شہناز کے ساتھ ناچ رہا تھا۔" حمید نے آہستہ سے فریدی کے کہا۔

فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ حمید خاموش ہو گیا۔

کمرے میں دو انسپکٹر اور ایک ہیڈ کانسٹیبل ہوٹل کے منیجر کا بیان لے رہے تھے۔

وہ تینوں اس طرح مشغول تھے کہ انہیں فریدی اور حمید کے آنے کی اطلاع ہوٹل کا منیجر کہہ رہا تھا۔

"کنور صاحب تقریباً دو ماہ سے اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں ان صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ اُن کے احباب انہیں کنور صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھ میں یہ کیوں کر بتا سکتا ہوں کہ انہوں نے خودکشی کیوں کی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ آ

یں بھی شامل تھا، دوسرے راؤنڈ تک انہیں وہاں دیکھا گیا ہے اور پھر یہ یہاں اپنے یں چلے آئے تھے۔"

"کیا یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کس کے ساتھ ناچ رہے تھے۔" ایک سب انسپکٹر نے

"یہ شائد سوائے میرے اور کوئی نہ بتا سکے۔" فریدی اچانک بول پڑا۔

سب لوگ بیک وقت پیچھے مڑ کر دیکھنے لگے۔

دونوں سب انسپکٹر گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

"آپ..... یہ تو بڑا اچھا ہوا انسپکٹر صاحب کہ آپ یہاں موجود ہیں۔" ایک سب انسپکٹر یدی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ یہ ایک نوجوان آدمی تھا، جو شاید حال ہی میں ٹریننگ آیا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھی سب انسپکٹر نے جو کافی معمر تھا بُرا سا منہ بنایا لیکن جلد ہی پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔

"آیئے..... آیئے..... اب ہمیں زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے گا۔" دوسرا سب انسپکٹر

"نہیں صاحب میں تو محض تماشائی کی حیثیت رکھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"جب تک کوئی کام سرکاری طور پر مجھے نہ سونپا جائے میں اس میں ہاتھ نہیں لگاتا اور پھر پ کس سے کم ہیں۔"

"ارے صاحب..... ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔" بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔

"خیر یہ تو آپ کا انکسار ہے، کہیئے خودکشی کی وجہ بھی معلوم ہوئی یا نہیں۔" فریدی نے

"ابھی تک تو کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"ان کے متعلق بھی کچھ معلوم ہوا کہ یہ ہے کون۔"

"کی ریاست کے کنور ہیں۔"

"کس ریاست کے؟"

سب انسپکٹروں نے ہوٹل کے منیجر کی طرف دیکھا۔

"یہ تو میں بھی نہیں بتا سکتا۔" ہوٹل کے منیجر نے کہا۔

فریدی مسکرانے لگا۔

"بڑی عجیب بات ہے کہ جو شخص سوسائٹی میں اس قدر مقبول ہو، اس کے لئے بھی نہ جان سکیں۔" فریدی نے کہا۔

"یہی تو سوچنے کی بات ہے۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"بالکل اسی طرح جیسے آپ اپنے کو سپرنٹنڈنٹ پولیس ظاہر کریں اور یہ احتراز کریں کہ آپ کس شہر میں متعین ہیں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ۔" نوجوان سب انسپکٹر بے اختیار بول اٹھا۔

"خیر ہوگا......!" بوڑھے سب انسپکٹر نے کہا۔ "اس سے کیا بحث ہمیں تو اس کی وجہ دریافت کرنی ہے۔"

"ہاں تو غالباً ابھی آپ نے یہ فرمایا تھا کہ آپ اس عورت سے واقف ہیں ساتھ یہ ناچ رہا تھا۔"

"میں جانتا ہوں مگر شاید وہ اس واقعہ پر کوئی روشنی نہ ڈال سکے کیونکہ نہ تو یہ کو یہ کیس خودکشی کا ہے۔" فریدی نے کہا۔

بوڑھا سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔

"تو گویا آپ میرے پچیس سالہ تجربے کو جھٹلا رہے ہیں۔" سب انسپکٹر نے ہنس کر

"جی ہاں...... یہ بات میں اپنے صرف چھ سالہ تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں" نے کہا۔

"اگر آپ کو یقین نہ ہو تو یہ دیکھئے۔"

فریدی نے مرنے والے کی گھنی مونچھیں اکھاڑ لیں...... کہیں کہیں ایک آدھ بال

گئے۔

"کہئے داروغہ جی اسے پہچانتے ہیں آپ......؟" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

دونوں سب انسپکٹر حیرت سے منہ پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا

"تو آپ نہیں جانتے کیا؟ آپ نے مشہور بدمعاش رام سنگھ کی تصویر نہیں دیکھی جو ابھی حال ہی میں آئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

بوڑھے سب انسپکٹر نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

"اب یہ بتایئے کہ اسے قتل کس طرح کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا ہے۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔" فریدی لاش پر جھکتے ہوئے بولا۔ "ایک تو یہی کہ اگر اس نے خودکشی کی ہوتی تو اس کی لاش اتنے سلیقے سے آرام کرسی پر نہ رکھی ہوتی اور نہ پستول والا ہاتھ اتنے اطمینان سے اس کی گود میں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ کہ پستول اس کے داہنے ہاتھ میں ہے اور گولی کا زخم بائیں کنپٹی میں۔ یہ تو وہی گھما کر ناک پکڑنے والی شکل ہوئی۔ اگر آپ کے داہنے ہاتھ میں پستول ہے تو آپ خودکشی کے لئے داہنی ہی کنپٹی کو نشانہ بنایئے گا۔ کیونکہ یہی سیدھا پڑتا ہے، اب تیسری وجہ سنئے ذرا اور قریب آ جایئے اب اس زخم کو دیکھئے اگر یہ کیس خودکشی کا ہوتا تو زخم کے ارد گرد کا حصہ بارود کے دھوئیں سے سیاہ ہو گیا ہوتا لیکن یہاں اس قسم کی کوئی چیز نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گولی کافی فاصلے سے چلائی گئی۔ رہی چوتھی وجہ تو وہ بالکل صاف ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت زیادہ طاقت والا پستول ہے۔ اگر اس کی نالی کنپٹی پر رکھ کر گولی چلائی ہوتی تو وہ سر کے اندر نہ رہ جاتی۔ بلکہ دوسری طرف کی ہڈی بھی توڑ کر باہر نکل جاتی۔ اگر یہ چیز قانون کے خلاف نہ ہوتی تو میں ابھی آپ کو اس کا تجربہ کرا دیتا۔"

"وہ کس طرح......!" بوڑھے سب انسپکٹر نے کہا۔

"اس کی کنپٹی پر دوسرا فائر کر کے۔" فریدی بولا۔

بوڑھا سب انسپکٹر خاموش ہوگیا۔

"واقعی انسپکٹر صاحب جیسا آپ کا نام سنا تھا آپ کو ویسا ہی پایا۔ سچ کہتا ہوں اس طرز ہم لوگوں کا دھیان ہی نہیں گیا۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"ایسا تو نہیں ہے میں بھی اس پر غور ہی کر رہا تھا۔" بوڑھے سب انسپکٹر نے کہا۔

حمید اب تک بالکل خاموش تھا۔ یہ سن کر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔

"آپ سچ کہتے ہیں داروغہ جی۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کل تک آپ قاتل کو بھی گرفتار کرلیں گے۔"

"جی ہاں...... کر کے دکھادوں گا۔" بوڑھا سب انسپکٹر جوش میں آ کر بولا۔

"حمید یہ کیا بکواس ہے۔" فریدی نے اُسے گھور کر کہا۔ "داروغہ جی! آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔ یہ یونہی بے موقع بے تکی بولتا رہتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔ "میں انکی کافی تعریف سن چکا ہوں۔"

"اور اسوقت آپ مجھ سے مل کر خوش بھی ہوئے ہوں گے۔" حمید نے بیساختہ کہا۔

بوڑھے سب انسپکٹر نے پھر بُرا سا منہ بنایا۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قاتل نے حملہ کس طرف سے کیا۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"اس روشندان سے۔" فریدی نے بائیں جانب کی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ غسل خانہ ہے۔" ہوٹل کا منیجر بولا۔

"ٹھہریئے...... یہ معاملہ بھی صاف ہوا جاتا ہے۔" فریدی نے غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر گھستے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مسکراتا ہوا غسل خانے سے نکل آیا۔

"رام سنگھ ناچ سے تھک کر لوٹا۔" فریدی نے کہنا شروع کیا۔ "غالباً قاتل پہلے ہی سے تیار تھا۔ اُسے اس طرف آتے دیکھ کر چپکے سے غسل خانے میں گھس گیا۔ رام سنگھ اس آرام

کرسی پر آ کر لیٹ گیا۔ قاتل نے نہایت اطمینان سے روشن دان سے اس کی بائیں کنپٹی کا نشانہ لیا اور گولی چلادی۔ آرکسٹرا کی پرشور آواز میں گولی کی آواز کی طرف کسی نے دھیان بھی نہ دیا۔ لیکن میں نے گولی کی آواز سنی تھی۔ گولی لگتے ہی مقتول اچھل کر ادھر آ گرا۔ یہ دیکھئے یہاں خون کا دھبہ ہے، جو دوسرے بڑے دھبے سے بالکل علیحدہ ہے۔ قاتل اس وقت غسل خانے کے اندر رہا ہوگا جب تک رام سنگھ ختم ہو گیا ہوگا۔ مگر نہیں اس نے ایسا نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ اسے یہ پستول بھی تو اس کے ہاتھ میں دینا رہا ہوگا اور یہ کام لاش کے ٹھنڈے ہونے پر جب کہ جسم اکڑ جاتا ہے نہیں ہوسکتا۔ اس میں کچھ جان باقی رہی ہوگی۔ تب ہی اس نے اس کو اٹھا کر پھر کرسی پر ڈال دیا ہوگا اور پستول اس کے ہاتھ میں دے کر اس وقت تک اسے اپنے ہاتھوں سے دبائے رہا ہوگا جب تک کہ لاش بالکل سرد نہ ہوگئی ہوگی۔"

"یہ سب آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔" بوڑھا انسپکٹر بولا۔

"میرے ساتھ آیئے میں بتاؤں۔ آپ بھی آیئے۔" فریدی نے نوجوان سب انسپکٹر کو بھی اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تینوں غسل خانے میں چلے گئے۔ انکے پیچھے حمید بھی تھا۔

"بھلا بتایئے تو۔" فریدی نے غسل خانے میں داخل ہو کر کہا۔ "اس کرسی کا یہاں کیا تک ہے اور اس پر پیروں کے نشانات کیسے ہیں۔ خود رام سنگھ یا ہوٹل کا ملازم اتنا بدتمیز نہیں ہوسکتا کہ مخمل کے گدے کی کرسی پر کیچڑ بھرے ہوئے جوتوں سمیت کھڑا ہو کر اس کے نفیس گدے کو خراب کردے۔ اب ذرا اسی کرسی پر کھڑے ہو کر اس روشندان کو سونگھئے...... آیئے آیئے اور چڑھ آیئے۔ ہاں ذرا ناک تو لگایئے اس روشن دان سے۔ کہئے بارود کی بدبو آ رہی ہے یا نہیں اور یہ دیکھئے دھوئیں کا نشان۔" فریدی خاموش ہوگیا۔ بوڑھے سب انسپکٹر کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، نوجوان سب انسپکٹر فریدی کو تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"آؤ بھئی حمید اب چلیں۔" فریدی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر بوڑھے سب انسپکٹر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "داروغہ جی معاف کیجئے گا۔ میں نے خواہ مخواہ آپ کا وقت برباد کیا۔"

"ارے واہ صاحب۔" نوجوان سب انسپکٹر نے کہا۔ "اگر آپ نہ ہوتے تو ہم لوگ جانے کہاں بھٹکتے پھرتے۔ ہمیں تو آپ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔"

بوڑھا سب انسپکٹر بھی جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ وہ پھر لوٹ کر لاش کے قریب آیا۔ تھوڑی دیر تک مقتول کے اس ہاتھ کا جائزہ لیتا رہا جس میں پستول دبا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سیٹی بجانے لگا۔

اب وہ جھک کر کرسی کے نیچے دیکھ رہا تھا۔ اس نے لاش کے نیچے دبا ہوا ایک سفید ریشمی رومال کھینچ لیا اور اُسے بغور دیکھنے لگا۔ دفعتاً اسکے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"یہ لیجئے...... یہاں ایک عورت بھی تھی۔"

"جی......!" بوڑھے سب انسپکٹر نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں...... یہ کسی عورت کا رومال ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"نہایت آسانی سے...... یہ دھبے دیکھ رہے ہیں آپ۔" فریدی نے رومال پر پڑے ہوئے سرخ رنگ کے دھبے دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہونٹوں میں لگانے والی سرخی کے دھبے ہیں اور بالکل تازے ہیں۔"

"کمال کر دیا آپ نے۔" نوجوان سب انسپکٹر نے فریدی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اسکا یہ مطلب ہوا کہ یہی عورت قاتل بھی ہے۔" بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔

"جی نہیں...... کیا آپ نے کرسی کے گدے پر پڑے ہوئے جوتوں کے نشانات کا بغور جائزہ نہیں لیا۔ اگر کسی عورت کے اتنے بڑے پیر ہو سکتے ہیں تو آپ ہی کا کہنا سچ ہوگا۔"

"تو پھر وہ قتل کی سازش میں شریک رہی ہوگی۔" بوڑھا سب انسپکٹر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

"اسکے متعلق بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

اجنبی دوست

دوسرے دن صبح حمید اور فریدی ناشتہ کرنے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھے رات والے حادثے کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ ملازم نے ایک ملاقاتی کارڈ لا کر میز پر رکھ دیا۔

حمید نے کارڈ اٹھا کر پڑھا۔ "مس شہناز بیگم۔"

"ارے! یہ یہاں کیسے پہنچ گئی۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ضرور تم نے اسے بتا دیا...... آخر خواہ مخواہ مجھ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے یا آپ کے متعلق اسے کبھی یہ نہیں بتایا کہ ہم محکمہ سراغ رسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"بھیج دو......!" فریدی نے ملازم سے کہا۔

ملازم چلا گیا۔ دوسرے ہی لحہ میں شہناز کمرے کے اندر تھی۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ ٹھٹک پڑی۔

"ارے...... آپ لوگ یہاں۔" اُس نے حیرت سے کہا۔

فریدی اور حمید مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ بھی میری ہی طرح پریشان کئے گئے ہیں۔" شہناز ایک کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ لوگ بھی یہاں موجود ہیں۔ اب میں اپنی بے گناہی کا ثبوت فریدی صاحب کو دے سکوں گی۔"

"آخر بات کیا ہے۔" حمید بولا۔

"پولیس والوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ وہ میں کل کنور کے ساتھ ناچ رہی تھی نا۔ بس اسی

لئے وہ لوگ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں۔ کل رات سے اسی پریشانی میں مبتلا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کروں۔ میرے ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فریدی صاحب سے لوں۔"

"لیکن فریدی اس سلسلہ میں آپ کی کیا مدد کر سکے گا۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ وہ بے گناہوں کی مدد ضرور کرتے ہیں اور پھر خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ آپ لوگ بھی میرے ساتھ ہی تھے، میں اپنی بے گناہی اچھی طرح ثابت کر سکوں گی۔" شہناز بولی۔ "آپ کی گفتگو کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فریدی صاحب سے کافی بے تکلف ہیں۔"

"کیا کہنے ہیں آپ کی بے تکلفی کے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "بس یہ سمجھئے کہ فریدی کی بیوی ان کی بیوی ہے۔"

"بیوی......!" شہناز چونک کر بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ انہوں نے شادی ہی نہیں کی۔ میرے جس دوست نے ان کا پتہ بتایا تھا اُسی سے اُن کی بہتیری عجیب وغریب عادتوں کے متعلق بھی معلوم ہوا تھا۔"

فریدی مسکرانے لگا۔

"عجیب وغریب عادتوں سے آپ کا کیا مطلب ہے۔" حمید بولا۔

"یہی کہ وہ عام آدمیوں سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔" شہناز نے کہا۔

"غالباً اس سے آپ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ فریدی صاحب کے سر پر دو سینگ ہیں۔ ایک سونڈ ہے اور کان سرے سے ہیں ہی نہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تعجب ہے کہ آپ انہیں کے گھر میں بیٹھ کر اس طرح ان کا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" شہناز ترشروئی سے بولی اور فریدی مسکرانے لگا۔

"آپ فریدی سے کیا کہنا چاہتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آخر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔" شہناز بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "میں نے تو آپ

ہرگز یہ نہیں پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔"

حمید نے پھر قہقہہ لگایا۔

"میں آپ لوگوں کو اتنا بداخلاق نہیں سمجھتی تھی۔" شہناز بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"آپ لوگ نہیں سمجھ سکتے کہ میں کس قدر پریشان ہوں۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں، میں اس بات کی گواہی دوں گا کہ حادثے کے وقت آپ میرے ساتھ تھیں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کی گواہی کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ یوں تو دو چار جھوٹے گواہ بھی بنائے جا سکتے ہیں۔" شہناز نے بے بسی سے کہا۔

حمید پھر ہنسنے لگا۔ فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو...... کچھ چائے وغیرہ پیجئے۔" فریدی نے کہا اور نوکر کو بلا کر چائے لانے کے لئے کہا۔

"کیا فریدی صاحب آپ کے کوئی عزیز ہیں۔" شہناز متعجب ہو کر بولی۔ "آپ کی بے تکلفی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"جی نہیں...... بلکہ میں خود فریدی ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ارے...... آپ......!" شہناز گھبرا کر کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"ہاں...... ہاں...... آپ اٹھ کیوں گئیں...... بیٹھئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اور یہ سرجنٹ حمید ہیں...... میرے اسسٹنٹ اور بہترین دوست۔"

شہناز کبھی حمید کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف۔

"معافی چاہتی ہوں...... ابھی ابھی میں آپ کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئی تھی اور اس کی وجہ محض لاعلمی ہے۔" شہناز شرمندگی کے لہجے میں بولی۔

"کوئی بات نہیں...... ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مجھے سخت شرمندگی ہے۔" شہناز بولی۔ "لیکن کل آپ نے اپنا کوئی اور نام بتایا تھا۔"

"میں نے غلط نہیں بتایا تھا۔ میرا پورا نام احمد کمال فریدی ہے لوگ صرف فریدی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور حمید نے بھی اپنا نام غلط نہیں بتایا تھا۔"

"میں سمجھتی تھی کہ آپ بوڑھے نہیں تو ادھیڑ ضرور ہوں گے۔ مگر آپ تو......!" شہناز نے کہا۔

"آپ ٹھیک سمجھتی تھیں...... یہ اس وقت بھیس بدلے ہوئے ہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ فریدی ہنسنے لگا۔

"کیا واقعی......!" شہناز حیرت سے بولی۔

فریدی مسکرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں میاں حمید مطمئن رہو تمہاری محبوبہ مجھے قطعی پسند نہیں آئی۔

اتنے میں چائے آگئی۔ تینوں چائے پینے لگے۔

"میں کیا بتاؤں کہ اس وقت مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے، خدا نے اگر میرے اوپر مصیبت ڈالی تو اس سے بچاؤ کا انتظام بھی پہلے ہی کر دیا۔" شہناز چائے کی پیالی رکھتی ہوئی بولی۔

"آپ مطمئن رہیے...... آپ کو کوئی کچھ نہ کہے گا۔" حمید بولا۔

"ہاں......ذرا یہ بتایئے...... لیکن ٹھیک بتایئے گا کہ رام سنگھ یعنی کنور صاحب کو کب سے جانتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بخدا میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ کل شام کے علاوہ میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اُس سے آپ کا تعارف کس نے کرایا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"لیڈی سیتا رام نے۔" شہناز نے کہا۔ "لیڈی سیتا رام مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں ان کی چھوٹی بہن کا ٹیوشن کرتی تھی، جب میں کل شام کو آرلکچو پہنچی تو یہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ لیڈی سیتا رام نے مجھے بھی اسی میز پر بلایا۔ وہیں اس سے تعارف ہوا۔ لیڈی سیتا رام کو تھوڑی دیر بعد اچانک کوئی کام یاد آ گیا اور جلد ہی واپس آ جانے کا وعدہ کر کے چلی گئیں۔ مجھے جب صاحب کا انتظار کرنا تھا۔ کیونکہ انہوں نے مجھ سے آرلکچو میں ملنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے میں

کنور صاحب کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر کچھ دیر بعد ناچ شروع ہو گیا۔ لیڈی سیتا رام اس وقت تک نہیں لوٹی تھیں۔ ہمارے حمید صاحب بھی ندارد تھے، میں سوچ رہی تھی کیا کہ کنور صاحب نے ناچنے کی درخواست کی۔ دل تو نہیں چاہتا تھا مگر اخلاقاً ناچنا ہی

"اچھا دوسرے راؤنڈ میں جو عورت اس کے ساتھ ناچ رہی تھی وہ کون تھی۔" فریدی نے

"لیڈی سیتا رام......وہ شاید پہلے ہی راؤنڈ کے درمیان واپس آ گئی تھیں۔" شہناز نے

"اچھا تو وہی لیڈی سیتا رام تھی۔" فریدی نے کہا۔ "وہ تو بالکل جوان ہیں اور سیتا رام کی اٹھ سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔"

"یہ اُن کی دوسری بیوی ہیں۔ ابھی تین سال ہوئے ان کی شادی ہوئی ہے۔"

"جس لڑکی کو آپ پڑھاتی ہیں اس کی کیا عمر ہے؟"

"زیادہ سے زیادہ پندرہ سال۔"

"کیا وہ بھی یہیں رہتی ہے۔"

"جی ہاں! لیڈی سیتا رام اُسے اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔"

"سر سیتا رام اور لیڈی سیتا رام کے تعلقات کیسے ہیں۔ میرے خیال سے تو آپس میں نہ ہوگی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بظاہر تو ایسی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔ تقریباً ایک سال تک میں اُن کے یہاں آتی رہی ہوں۔"

"اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پولیس کو اس کی اطلاع کیسے ملی کہ آپ اُس کے ساتھ ناچ رہی تھیں۔ کیا آرلکچو میں کوئی اور بھی شناسا موجود تھا۔" فریدی نے کہا۔

"میرے خیال سے تو آپ دونوں اور لیڈی سیتا رام کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا یا ممکن

ہے کوئی رہا بھی ہو لیکن مجھے اس کی اطلاع نہیں۔"

"آپ نے پولیس کو بیان دیتے وقت یہ بتایا تھا یا نہیں کہ لیڈی سیتا رام عرصہ کے ساتھ رہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مقتول.....!" شہناز چونک کر بولی۔ "تو کیا کنور صاحب کو قتل کیا گیا۔ اخبارات میں تو ان کی خودکشی کی خبر شائع ہوئی ہے۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہاں آپ نے میرے جواب نہیں دیا۔"

"میں دراصل پولیس کو یہ بتانا بھول گئی کہ لیڈی سیتا رام بھی کنور صاحب کے تھیں۔" شہناز نے کہا۔ "میں ابھی اس کی اطلاع پولیس کے دے دوں گی۔"

"نہیں اب اسکی ضرورت نہیں۔ اب آپ پولیس کو کوئی اور بیان نہ دیجئے گا۔ میں کوتوالی جا کر سب معاملات ٹھیک کرلوں گا۔ آپ قطعی محفوظ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔" شہناز نے کہا۔

"شکریہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔"

"کیا کہا آدمی.....!" فریدی نے بناوٹی غصہ سے کہا۔

"جی نہیں آفیسر.....!" حمید نے سنجیدگی اور گھبراہٹ کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ ہنسنے لگی۔

شہناز غائب

شہناز کے چلے جانے کے بعد فریدی اور حمید دونوں کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ کی کار تیزی سے شہر کی سڑکیں طے کر رہی تھی۔

"کیوں بھئی حمید..... شہناز کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں اور کس حیثیت سے۔" حمید بولا۔

"عاشق کی حیثیت سے نہیں پوچھ رہا ہوں بلکہ سرجنٹ حمید کی حیثیت سے پوچھ رہا ہوں۔"

"تو میرا جواب یہ ہے کہ میں اس کیلئے کسی حالت میں بھی سرجنٹ حمید نہیں ہو سکتا۔"

"اور اگر رام سنگھ کے قتل میں اسی کا ہاتھ ہو تو.....!" فریدی نے کہا۔

"تب بھی میں صرف حمید رہوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"شاباش..... اے مجنوں کے بھائی۔ خدا تم پر رحم کرے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو مجبوراً مجھے تم کو اس کیس سے الگ ہی رکھنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ کو یہ کیس ملا ہی کب جاتا ہے۔ کوئی ایسا خاص کیس نہیں۔ رام سنگھ ایک عادی مجرم اور قاتل تھا جب بھی پولیس کے ہتھے چڑھتا اُسے پھانسی ضرور ہو جاتی۔ میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں کچھ زیادہ چھان بین ہی نہ کی جائے گی۔ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اخبارات میں خودکشی کا واقعہ کیوں شائع ہوا ہے۔ جب کہ آپ پورے دلائل کے ساتھ اُسے قتل ثابت کر چکے تھے۔"

"یہ سب اُسی بوڑھے سب انسپکٹر کی شرارت ہے وہ دراصل اپنی کارگذاری دکھا کر ترقی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ دو تین دن کے بعد وہ اپنے طریقہ پر اس بات کو پبلک کے سامنے لائے گا کہ مرنے والا کسی ریاست کا راج کمار نہیں بلکہ مشہور بدمعاش رام سنگھ تھا اور اس نے خودکشی نہیں کی بلکہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ خیر مجھے کیا..... اس طرح اس کا بھلا ہوتا ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"لیکن آپ نے جس وقت اپنے دلائل پیش کئے تھے وہاں ہوٹل کا منیجر بھی تو موجود تھا۔" حمید نے کہا۔

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کا منہ نہایت آسانی سے بند کیا جا سکتا ہے، میرے خیال سے تو سب انسپکٹر کی صرف ایک ہی دھمکی کافی ہوئی ہوگی۔"

"خیر اگر ایسا ہے تو میں ان بوڑھے میاں سے سمجھ لوں گا۔" حمید نے ہونٹ
ہوئے کہا۔

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کوتوالی کے پھاٹک
داخل ہونے کے لئے کار گھمائی۔

بوڑھا سب انسپکٹر سنہا کوتوالی میں موجود تھا اور وہ نوجوان سب انسپکٹر بھی جو وار
رات میں انسپکٹر سنہا کے ساتھ تھا۔

"فریدی صاحب آپ کی رات والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔" انسپکٹر
جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ "میں اسے خودکشی ہی سمجھتا ہوں۔"

"ممکن ہے آپ ہی کی رائے درست ہو...... مجھ سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔" فری
خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

"نہیں...... خیر میں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔" سنہا نے کہا۔

"لیکن آپ نے تحقیقات کے سلسلے میں غلط آدمی کو منتخب کیا ہے۔" فریدی نے
سلگاتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔" سنہا بولا۔

"جس وقت یہ واردات ہوئی شہناز میرے ساتھ ناچ رہی تھی اور آخر تک میر
ساتھ رہی، پہلے راؤنڈ میں وہ ضرور رام سنگھ کے ساتھ ناچی تھی لیکن کنور ہی سمجھ کر...... اس
پہلے کبھی اس نے اُسے دیکھا بھی نہ تھا۔"

"تب تو واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔" سنہا نے جواب دیا۔

"خیر کوئی بات نہیں وہ بیچاری بہت پریشان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں یہ تو بتا
اس بات کا آپ کو کس طرح علم ہوا کہ شہناز رام سنگھ کے ساتھ ناچ رہی تھی اور اس کے
ناچنے والی دوسری عورت کون تھی۔"

"دوسری کے متعلق تو میں کچھ نہیں جانتا۔" سنہا نے جواب دیا۔ "اور بعض وجوہا

بھی نہیں بتا سکتا کہ شہناز کے متعلق اطلاع دینے والا کون ہے۔"

"خیر میں اس کے لئے آپ کو مجبور نہ کروں گا۔ میں تو اس وقت محض شہناز کی طرف
صفائی پیش کرنے کے لئے آیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اس کی طرف سے آپ مطمئن رہئے۔" سنہا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اب معافی
ہتا ہوں ایک ضروری کام سے مجھے باہر جانا ہے۔"

"ضرور ضرور......!" فریدی نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

سنہا چلا گیا...... نوجوان سب انسپکٹر ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ فریدی اس کی طرف
طب ہوا۔

"کہئے داروغہ جی...... کیا آپ ابھی حال ہی میں یہاں آئے ہیں۔"

"جی ہاں...... ٹریننگ لے کر آئے ہوئے ابھی صرف چھ ماہ ہوئے ہیں۔ ابھی تو کام ہی
یکھ رہا ہوں۔"

"آپ ترقی کریں گے۔ آپ کی بلند اور کشادہ پیشانی پکار پکار کر آپ کی ذہانت کا
اعلان کر رہی ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اس لائن میں ترقی کرنے کے لئے تھوڑی
ی چالبازی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اب سنہا صاحب ہی کو لے لیجئے۔ کتنی ہوشیاری اور
احتیاط سے کام لے رہے ہیں کہ ابھی تک اس بات کا بھی اعلان نہیں کیا کہ مقتول راج کمار
نہیں بلکہ مشہور بدمعاش رام سنگھ ہے۔ اگر یہ اس کیس میں کامیاب ہو گئے تو ان کا سرکل انسپکٹر
ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔"

"اگر آپ لوگوں کی عنایتیں ساتھ رہیں تو میرا ترقی کرنا مشکل نہ ہوگا۔" نوجوان سب
انسپکٹر نہایت سعادت مندی سے بولا۔

"بھئی میرے لائق جو خدمت ہو اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ مجھے نہ جانے کیوں
آپ سے کچھ انسیت سی ہو گئی ہے۔ لیجئے سگار پیجئے۔" فریدی نے سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے
کہا۔ نوجوان سب انسپکٹر نے سلام کر کے ایک سگار لیا اور سلگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس کیس کی نجی طور پر تفتیش کروں اور ہو جانے پر مشہور کردوں کہ اس کی کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔"

نوجوان سب انسپکٹر کی باچھیں کھل گئیں اور اُسکے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

"ارے کیا......!"

"نہیں واقعی نہ جانے کیوں میں آپ کو ترقی کرتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ کیس سنہا صاحب کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے محکمہ سراغ رسانی کے سپرد نہ کیا جائے گا۔ میرا دل بھی چاہتا ہے کہ اس کی تفتیش کروں، لہٰذا اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ نجی تفتیش کے بعد کسی نہ کسی کے سر اس کی کامیابی کا سہرا ضرور باندھنا پڑے گا۔ اس لئے میں یہ سوچتا ہوں آپ ہی کیوں نہ ہوں۔"

"ارے صاحب اگر ایسا ہو تو کیا کہنا میں خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور کروں گا۔" نوجوان انسپکٹر بولا۔

"لیکن اس کے لئے راز داری شرط ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ابھی تک تو یہی پتہ نہیں چل سکا کہ شہناز کے متعلق کرنے والا کون ہے۔"

"آپ مطمئن رہئے میں کسی سے اس کا تذکرہ نہ کروں گا۔" نوجوان سب انسپکٹر نے کہا۔ "اور شہناز کے متعلق اطلاع دینے والی ایک عورت ہے۔"

"وہ کون عورت ہے......؟" فریدی نے جلدی سے پوچھا۔

"لیڈی سیتا رام......!" نوجوان سب انسپکٹر نے آہستہ سے کہا۔ "کل آپ کے جانے کے بعد وہ ہمیں آرلکچو میں ملی تھی۔"

"بہت خوب...... اچھا اس کا تذکرہ سنہا صاحب سے نہ کیجئے گا۔ میں اب چلوں گا" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں آپ کا نام پوچھنا تو بھول ہی گیا۔"

"مجھے جگدیش کمار کہتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"اچھا جگدیش صاحب...... گھبرائیے نہیں...... پولیس کے بڑے عہدے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کو لے کر باہر چلا گیا۔

"کہو برخوردار کیسی رہی۔" فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بھئی آپ کو گھسنا بھی خوب آتا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"اب کہاں چل رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"سول سرجن کے یہاں۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں...... وہاں کیا کرنا ہے۔"

"رشوت دے کر اپنے لئے ایک ماہ کی چھٹی کے لئے میڈیکل سرٹیفکیٹ لوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ کیوں......!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میں کتوں کی نمائش دیکھنے باہر جا رہا ہوں، اپنے کچھ عمدہ قسم کے کتے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ تو نجی طور پر اس کیس کی تفتیش کرنے جا رہے تھے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میرے خیال سے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں، اصلی مقصد تو شہناز کو بچانا تھا سو وہ پورا ہو گیا۔"

"تعجب ہے کہ آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ کو اس پر یقین ہے کہ سنہا سچ مچ شہناز کا پیچھا چھوڑ دے گا۔ اگر ایسا تھا تو اس نے لیڈی سیتا رام کا نام کیوں چھپایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفائی دے دینے کے بعد بھی شہناز پر شبہ کر رہا ہے۔"

"بھئی کچھ بھی ہو...... میرا جانا ضروری ہے۔ میں نمائش کے منتظم سے وعدہ کر چکا ہوں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ نمائش ختم ہوتے ہی فوراً واپس آ جاؤں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر صاحب جائیے......آپ بھلا میرے لئے کیوں تکلیف کرنے لگے۔ جانے کہ شہناز میری دوست ہے۔" حمید نے منہ پھلا کر کہا۔

"بس بگڑ گئے۔" فریدی نے کہا۔ "تم تو ہو نرے گھامڑ......آخر اتنی جلدی کون آجائے گی۔ میرے جانے کے بعد سر سیتا رام کے گھر کی نگرانی کرتے رہنا۔ اچھا شہناز کو بھی لگے ہاتھوں کچھ ہدائتیں دیتا چلوں۔"

"جی بس......رہنے دیجئے۔ ہم لوگوں کی فکر نہ کیجئے۔ خدا آپ کے کتوں کو رکھے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ گدھے ہیں۔" فریدی نے کہہ کر کار شہناز کی طرف موڑ دی۔

شہناز بیلی روڈ پر ایک چھوٹے سے انگریزی وضع کے خوبصورت مکان میں رہتی تھی وقت وہاں نہ جانے کیوں اچھی خاصی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ شہناز کی بوڑھی ملازمہ ہاتھ نچا لوگوں سے باتیں کر رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے کار سے اتر کر اس سے پوچھا۔

"ارے صاحب نہ جانے کیا ہو گیا۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"کیا ہو گیا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ابھی مس صاحب یہاں کھڑی تھیں۔ میں وہاں برآمدے میں دیکھ رہی تھی۔ اِدھر ایک موٹر یہاں آکر رکی۔ اُس پر سے دو آدمی اترے اور انہوں نے مس صاحبہ کو اٹھا کر موٹر ڈال دیا اور موٹر یہ جا وہ جا......نہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔ ہائے اب کیا ہو گا۔" ملازمہ ہوئی بولی۔

"موٹر کدھر گئی۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "اور کتنی دیر ہوئی، موٹر کا رنگ کیسا تھا۔"

"مشکل سے پندرہ بیس منٹ ہوئے ہوں گے۔" ملازمہ نے دکھن کی طرف ہاتھ اٹھا ہوئے کہا۔ "موٹر اسطرف گئی ہے۔ موٹر کا رنگ کتھئی تھا۔ بالکل نئی معلوم ہوتی تھی۔"

"حمید جلدی کرو......!" فریدی نے کار میں بیٹھ کر اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی کی کار تیزی سے دکھن کی طرف جا رہی تھی۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" فریدی نے کہا۔

حمید غصہ میں ہونٹ چبا رہا تھا۔ وہ دونوں گھنٹوں سڑکیں ناپتے پھرے لیکن کتھئی رنگ کی نئی کار کہیں نہ دکھائی دی۔

"صبر کرو میاں حمید، اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔" فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"نمک چھڑکئے زخموں پر......!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"بس چہکنا بھول گئے۔ اب ہی تو آئے جناب چکر میں۔ اچھا اب سول سرجن کے یہاں چلنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے تو آپ یہیں اتار دیجئے۔ جب تک میں اس کار کو تلاش نہ کر لوں گا مجھے چین نہ آئے گا۔" حمید نے کہا۔

"احمق ہوئے ہو، اس شہر میں کتھئی رنگ کی درجنوں کاریں ہوں گی۔ کیا چیف انسپکٹر کی کار کتھئی رنگ کی نہیں۔ اس طرح بھی کہیں سراغ ملا کرتا ہے۔"

"پھر بتائیے میں کیا کروں۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔

"مجھے فی الحال جانے دو اور خود سیتا رام کی کوٹھی کی نگرانی کرتے رہو مگر خبردار کوئی حماقت نہ ہونے پائے۔ واپسی پر مجھے مکمل رپورٹ دینا اور سیتا رام کی کوٹھی کے اندر جانیکی کوشش نہ کرنا۔"

یلو ڈنگو

سر سیتا رام شہر کے معزز آدمیوں میں سے تھے اور بے پناہ دولت کے مالک تھے۔ ان کی عمر پچپن یا ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ پچاس سال کی عمر میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا

وہ لاولد تھے۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی کے مرنے کے کچھ دن بعد تک وہ یہ کہتے رہے کہ دوسری شادی کسی حال میں نہ کریں گے لیکن آخر کار ان کا دل ان کے ایک ز خواہ کی جوان لڑکی پر آ ہی گیا اور انہوں نے اس کے ساتھ شادی کر لی، یہی لڑکی موجودہ لیڈ سیتارام تھی۔ اس کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن کمودنی بھی رہ رہی تھی۔ سر سیتارام اُسے اعلیٰ تع دلا رہے تھے۔ سر سیتارام کے ساتھ ان کا بھتیجا سریندر کمار بھی رہتا تھا، جو تین سال قبل الہٰ سے ایم۔اے کی ڈگری لے کر واپس آیا تھا۔ یہ ایک وجیہہ اور تندرست نوجوان تھا۔ سر سیتار اسے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ عموماً دیکھا گیا ان کے پاس تقریباً ساٹھ ستر کتے ر ہوں گے اور سب اپنی مثال آپ۔ دنیا کی کوئی مشہور نسل نہ رہی ہوگی جس کا ایک آدھ جوڑا ا کے پاس نہ ہو۔ شہر میں وہ کتوں کے اسپیشلسٹ سمجھے جاتے تھے۔ اس لائن میں ان کی تج کاری کا یہ عالم تھا کہ محض کتوں کی آواز سن کر اس کی نسل کے بارے میں پورے پورے لیکچ دے ڈالتے تھے۔

حمید نے ان ساری باتوں کا پتہ لگا لیا تھا اسے رہ رہ کر فریدی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ اس پریشانیوں کی پرواہ کئے بغیر کتوں کی نمائش میں حصہ لینے کے لئے بمبئی چلا گیا لیکن وہ کر ہی سکتا تھا۔ فریدی بہرحال اس کا آفیسر تھا۔ یہ اس کی شرافت اور نیک نفسی تھی کہ اس نے کبھ اسے اپنا ماتحت نہیں سمجھا۔ حمید دن میں کئی بار سر سیتارام کی کوٹھی کا چکر لگاتا لیکن بے سود۔ ک قسم کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اُسے سب سے بڑی پریشانی شہناز کی وجہ سے تھی۔ ورنہ بھلا وہ کیا خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کرتا۔ معلوم نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگی۔

اس دوران میں فریدی کی طرف سے میدان صاف دیکھ کر انسپکٹر سنہا نے بھی نئے گل کھلانے شروع کئے۔ ایک دن اخبارات میں خبر دیکھنے میں آئی کہ آرلکچو میں خودکشی کر والا کوئی راج کمار نہیں بلکہ مشہور عورت فروش رام سنگھ تھا۔ پھر دوسرے دن اخبار والے چیخ ر تھے کہ رام سنگھ نے خودکشی نہیں کی تھی بلکہ اس کو کسی نے قتل کر دیا تھا اور ساری سراغ رسانی سہرا انسپکٹر سنہا کے سر باندھا جا رہا تھا۔ اخبارات دل کھول کر اس کی تعریفوں کے پل باند

رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر حمید کا خون کھولنے لگا وہ کوتوالی پہنچا...... اتفاقاً انسپکٹر سنہا سے جلد ہی مڈبھیڑ ہوگئی۔

"کہئے حمید صاحب مزاج تو اچھے ہیں۔" انسپکٹر سنہا نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں کافی اچھے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "ہمارے مزاج اچھے نہ ہوتے تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔"

"آپ کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔" سنہا نے کہا۔ "بھئی کیا کروں مجبوراً شہناز کا وارنٹ گرفتاری جاری کرنا پڑا۔"

"وارنٹ گرفتاری......!" حمید چونک کر بولا۔ "کیا مطلب......؟"

"جی ہاں...... وہ بہت عیار عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا بکواس ہے......!" حمید نے جھلا کر کہا۔ "اسے تو کچھ لوگ زبردستی پکڑ لے گئے۔"

سنہا ہنسنے لگا۔

"ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے حمید میاں...... میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے۔" سنہا نے کہا۔

"کیا مطلب......؟" حمید نے کہا۔

"اچھا یہ بتایئے...... کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کچھ لوگ اُسے زبردستی پکڑ لے گئے۔"

"نہیں...... لیکن ہم لوگ ٹھیک اُس وقت پہنچے تھے جب اس کی نوکرانی مکان کے سامنے کھڑی شور مچا رہی تھی۔"

"تو پھر معاملہ صاف ہے۔" سنہا نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "شہناز نے بڑا عمدہ پلاٹ بنایا۔ ایک طرف اس نے آپ لوگوں سے اپنی صفائی دلوائی اور دوسری طرف اپنی بیگناہی کا اور زیادہ یقین دلانے کیلئے اس طرح غائب ہوگئی۔ بھئی بلا کی عیار عورت نکلی۔"

"تو اس طرح پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ میں اور فریدی صاحب بھی اس قتل میں شریک

ہیں کیونکہ وہ آخیر تک ہمارے ساتھ رہی تھی۔'' حمید نے غصہ سے کہا۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کی گواہی غلط ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس نے آپ لو
بھی دھوکہ دیا ہو۔'' سنہا نے کہا۔

''یہ قطعی ناممکن ہے۔''

''ہوسکتا ہے۔'' سنہا نے آہستہ سے کہا اور اپنی میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے
لگا۔ حمید غصہ میں اپنے ہونٹ چبا رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک یونہی بیٹھا رہا پھر خاموشی سے اٹھ
باہر نکل آیا۔ شام ہورہی تھی، بازار میں کافی بھیڑ ہوگئی تھی۔ حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ ا
وقت سنہا سے گفتگو کرنے کے بعد سے اس کا موڈ بہت زیادہ خراب ہوگیا تھا۔ دل بہلانے
لئے وہ ایک ریستوران میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک بیٹھا چائے پیتا رہا لیکن وہاں بھی دل نہ
ریستوران سے نکل کر وہ فٹ پاتھ پر کھڑا ہوگیا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کر
دفعتاً اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور اس پر بیٹھ کر سر سیتا رام کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ ک
سے ایک فرلانگ ادھر ہی اُس نے ٹیکسی رکوائی اور وہاں سے پیدل چلتا ہوا کتابوں کی ا
دوکان پر آیا۔ یہاں اس کے اور کوٹھی کے درمیان میں صرف سڑک حائل تھی، وہ بظاہر کاؤنٹر
لگی ہوئی کتابیں الٹ پلٹ رہا تھا لیکن اس کی نگاہیں کوٹھی کے پائیں باغ کے پھاٹک کی طر
لگی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سر سیتا رام ایک کتھئی رنگ کے اسپنیل کتے کی زنجیر تھا
کوٹھی سے برآمد ہوئے۔ یہ ان کی سیر کا وقت تھا۔ اُن کی عادت تھی کہ وہ روزانہ شام کو اپنے
چہیتے کتے کو ہمراہ لے کر ہوا خوری کے لئے پیدل لارنس گارڈن تک جایا کرتے تھے۔ حمید ان
جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ اُس نے جلدی سے ایک کتاب خریدی اور سر سیتا رام کے پیچھے چل پڑا۔
سیتا رام بڑھاپے کی سرحدوں میں ضرور قدم رکھ چکے تھے لیکن اس کے قویٰ ابھی تک کا
مضبوط معلوم ہوتے تھے، چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے قطعی آزاد تھا۔ بھرے ہوئے چہرے
پتلے پتلے ہونٹ کچھ عجیب سے معلوم ہوتے تھے۔ کنپٹی اور آنکھوں کے درمیان بے شمار شکنیں
تھیں، نچلا جبڑا چہرے کے اوپری حصے کی بہ نسبت زیادہ بھاری تھا۔ ان کی چال میں ایک عجیب

نم کی شان پائی جاتی تھی، جس میں غرور کی آمیزش زیادہ تھی یا پھر ان میں یہ انداز پچیس سال
ی فوجی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہو، ویسے وہ کافی خلیق اور ملنسار مشہور تھے۔

حمید انہیں کئی بار دیکھ چکا تھا۔ وہ انہیں ایک خطرناک آدمی سمجھنے لگا تھا۔ علم القیافہ کے
ہرین کی طرح وہ بھی اسی پر ایمان رکھتا تھا کہ بھاری جبڑوں کے لوگ عموماً ظالمانہ رجحانات
ے مالک ہوتے ہیں، نہ جانے کیوں اس کا دل بار بار کہہ اٹھتا تھا کہ رام سنگھ والے معاملے
ں ان حضرت کا ہاتھ ہے اور شہناز کو غائب کرادینے کے ذمہ دار بھی یہی ہیں۔

حمید برابر سر سیتا رام کا تعاقب کئے جارہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لارنس گارڈن پہنچ
ے۔ چند لمحے ٹہلتے رہنے کے بعد وہ ایک بنچ پر بیٹھ کر ستانے لگے۔ حمید بھی کچھ دور ہٹ کر
ک بنچ پر بیٹھ کر نئی خریدی ہوئی کتاب کے ورق الٹنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح سر سیتا
م سے جان پہچان پیدا کرے۔ اچانک غراہٹ کی آواز سنائی دی اور ایک پیلے رنگ کا
ناک کتا مہندی کی باڑھ پھلانگتا ہوا سر سیتا رام کے کتے پر جھپٹ پڑا۔ اس نے ان کے کتے
لا تین پٹخنیاں دیں اور اس کی گردن دبا کر بیٹھ گیا۔ سر سیتا رام کے کتے نے سہم کر آواز بھی
ٹی چھوڑ دی تھی۔ سر سیتا رام بنچ پر کھڑے ہوکر چیخ رہے تھے۔

''اے ہٹو...... ہٹو...... ڈنگو کے بچے۔'' ایک آدمی مہندی کی باڑھ کی دوسری طرف سے
ہاہوا کودا۔ اُس نے جھپٹ کر پیلے کتے کے پٹے پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس کی گرفت سے آزاد
تے ہی سر سیتا رام کا کتا بھاگ کر بنچ کے نیچے دبک گیا۔ نووارد ایک عجیب الخلقت آدمی معلوم
تا تھا۔ دیکھنے میں وہ کافی مہذب معلوم ہوتا تھا۔ لیکن چہرے سے بلا کی عیاری اور مکاری
ہر ہو رہی تھی۔ اُس کے سرخ و سپید چہرے پر گہرے سیاہ رنگ کی فرنچ کٹ ڈاڑھی بڑی
بھلی لگ رہی تھی۔ لیکن اس میں بے ڈھنگا پن نہیں تھا۔ آنکھوں پر بغیر فریم کا سبک سا چشمہ تھا
مونچھیں باریک اور نوکیلی تھیں۔ جسم کی ساخت چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ کڑی محنت کا عادی
ہے۔ اس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ مجموعی حیثیت سے وہ کسی اونچی سوسائٹی کا فرد
معلوم ہوتا تھا۔

"جناب والا مجھے ندامت ہے۔" اس نے بپھرے ہوئے پیلے کتے کو اپنی طرف ک
ہوئے کہا۔

"مگر...... مگر...... اتنا خوفناک کتا آپ اسے اس طرح آزاد کیوں چھوڑ دیتے ہیں"
سر سیتا رام نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آپ ایک بھاری جرم کر رہے ہیں۔"

"جرم!" اجنبی نے چونک کر کہا۔ "بھلا اس میں جرم کی کیا بات ہے۔"

"ایسے خطرناک کتے کو آزاد چھوڑ دینا جرم نہیں تو اور کیا ہے۔" سر سیتا رام ترشی
بولے۔ "یا پھر شاید آپ اس کی نسل سے ناواقف ہیں۔ یہ افریقی نسل کا بلیو ڈنگو ہے۔ بعض
اوقات یہ شیر اور چیتے سے بھی ٹکر لے لیتا ہے، یہ آپ کو ملا کہاں سے اور یہاں کی آب و
میں اب تک کیسے ہے۔"

اجنبی سر سیتا رام کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"واہ رے میری قسمت......!" وہ تقریباً چیخ کر بولا۔ "سارے ملک میں آپ ہی
کتوں کے معاملے میں اتنے تجربہ کار نظر آئے ہیں، مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔
اور مجھے خود حیرت ہے کہ یہ کتا یہاں کی آب و ہوا میں کس کے پاس تھا اور یہاں زندہ ک
رہا۔"

"کیا مطلب......؟" سر سیتا رام نے چونک کر کہا۔ "تو کیا یہ کتا آپ کا نہیں ہے۔"

"جی نہیں! یہ بہت ہی عجیب و غریب طریقے سے مجھ تک پہنچا ہے۔" اجنبی نے ا
پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

سر سیتا رام توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اجنبی کو دیکھ رہے تھے۔ حمید کا دل بڑی شدت
دھڑک رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس کتے کو پہچانتا تھا۔

"تین چار دن کی بات ہے۔" اجنبی کہنے لگا۔ "میں شکار کھیل کر واپس آ رہا تھا میں
ایک چلتی ہوئی ٹرین کے جانوروں کے ڈبے سے اس کتے کو کود کر باہر آتے دیکھا۔ ٹرین گز
اور یہ بھاگتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ میں نے کار روک دی اور اتر کر اسے پکڑ لیا۔ تب

ے پاس ہے۔"

"لیکن یہ اتنی جلدی آپ کے قابو میں کیسے آ گیا۔" سر سیتا رام پلکیں جھپکاتے ہوئے
بولے۔

"اوہ میرے لئے یہ کون سی بڑی بات ہے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اپنی زندگی کا
بڑا حصہ افریقہ کے جنگلوں میں گزارا ہے۔ میں اس ذات کے کتوں کی نس نس سے واقف
ہوں۔" سر سیتا رام جلدی سے بولے۔

اجنبی نے اپنے کتے کے گلے میں زنجیر ڈال کر اسے ایک بنچ کے پائے سے باندھ دیا اور
سیتا رام کے کتے کو گود میں اٹھا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"مجھے چھوٹی ذات کے اسپنل بہت پسند ہیں۔" اجنبی بولا۔ "آپ بہت شوقین آدمی
معلوم ہوتے ہیں۔ کیا آپ کے پاس اور کتے بھی ہیں۔"

"جی ہاں......!" سر سیتا رام مسکرا کر بولے۔ "تقریباً پانچ یا چھ درجن۔"

"پانچ چھ درجن۔" اجنبی چونک کر بولا۔ "تب تو آپ واقعی بالکل میرے ہم مذاق
ہیں۔"

"تو کیا آپ بھی۔" سر سیتا رام نے کہا۔

"جی ہاں......!" اجنبی نے جواب دیا۔

"آپ کی تعریف......!" سر سیتا رام نے کہا۔

اجنبی نے اپنا ملاقاتی کارڈ جیب سے نکال کر سر سیتا رام کے ہاتھ میں دے دیا۔ "کرنل
پرکاش سی بی ای" سر ستیا رام نے بلند آواز سے کارڈ پڑھا۔

"اور آپ......!" اجنبی نے کہا۔

"لوگ مجھے سر سیتا رام کے نام سے پکارتے ہیں۔"

"سر سیتا رام......!" اجنبی نے خوشی کے لہجے میں چیخ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر...... بھلا پھر کیوں نہ ہو...... آپ سے زیادہ کتوں کے

بارے میں کون جان سکتا ہے۔ یہی تو میں کہوں...... میں نے آپ کی تعریف ایک اگر دوست سے افریقہ میں سنی تھی، اس اچانک ملاقات سے مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے۔ یہ میں بیان کرسکتا۔"

"آپ مجھے خواہ مخواہ شرمندہ کر رہے ہیں، ارے آپ بھلا کس سے کم ہیں۔" سر سیتارا نے منکسر المزاجی کے ساتھ کہا۔ "کیا اس وقت میں افریقہ کے مشہور کروڑ پتی سے ہم کلام ہوں۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ یہاں بھی لوگ مجھے جانتے ہیں۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

"ایک بار میرا ارادہ ہوا تھا کہ افریقہ کی ایک ہیرے کی کان کا حصہ دار ہو جاؤں، ا دوران میں مجھے آپ کا نام معلوم ہوا تھا، واقعی میں بہت خوش قسمت ہوں کہ آج آپ سے ا طرح ملاقات ہوگئی۔"

اب دونوں گفتگو کرتے ہوئے بنچ پر بیٹھ گئے تھے۔ حمید کی نظریں کتنے پر جمی ہوئی تھیں اس نے ان دونوں کی گفتگو صاف سنی تھی۔ یہ کرنل پرکاش اسے حد درجہ پراسرار معلوم ہو رہا تھا بظاہر وہ کتاب پڑھ رہا تھا لیکن کنکھیوں سے بار بار ان کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ دفعتاً ایک خیا اس کے دل میں پیدا ہوا، اسے آج ہی اطلاع ملی تھی کہ مقتول رام سنگھ کے کچھ ساتھی اس قاتل کی تلاش میں سرگرداں ہیں تو کیا یہ اجنبی انہی میں سے کوئی ایک ہے؟ مگر یہ اسے کیے گیا کہیں اس کی آنکھیں اسے دھوکا تو نہیں دے رہی ہیں، مگر نہیں، وہ اسے ہزار میں پہچان ہے۔

حمید ادھر ان گتھیوں میں الجھ رہا تھا اور وہ دونوں نہایت انہماک اور گرم جوشی کے سا گفتگو میں مشغول تھے، لیکن ان کی آواز اب زیادہ صاف نہیں سنائی دے رہی تھی، حمید الجھن میں پڑ گیا، ان دونوں میں ابھی ابھی ملاقات ہوئی تھی اور اتنی جلدی یہ راز داری کیسی سرگوشیاں کیسی...... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دونوں برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔

تھوڑی دیر تک دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا کرنل صاحب اب چلنا چاہئے۔ واقعی آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" سر سیتا نے کرنل پرکاش سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کل آپ آرہے ہیں نا......!"

"ضرور ضرور، میرے لئے یہ خوش نصیبی کم نہیں کہ خلاف توقع یہاں اتنی اچھی سوسائٹی مل" کرنل پرکاش نے ہنستے ہوئے کہا۔

دونوں اٹھ کر باغ کے باہر آئے۔

حمید اب سیتارام کے بجائے کرنل پرکاش کا تعاقب کر رہا تھا۔

"اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ کرنل پرکاش آرلکچو ہوٹل کے انہیں کمروں میں ٹھہرا ہے جن میں مقتول رام سنگھ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا شبہ یقین کی سرحدیں چھونے لگا۔ ضرور یہ رام سنگھ ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے اسے رہ رہ کر فریدی پر غصہ آرہا تھا کہ ایسے وقت اسے تنہا چھوڑ کر خود سیر سپاٹے کرتا پھر رہا ہے۔ شہناز کی گمشدگی کا خیال اُسے بُری طرح کئے ہوئے تھا۔ یہ تو وہ کسی طرح سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ رام سنگھ کے قتل کی سازش ابھی شریک رہی ہے، اُسے پورا پورا یقین تھا کہ وہ محض اسی لئے غائب کی گئی ہے کہ اسی کو مجرم تصور کرکے قاتل کی تلاش چھوڑ دے۔

دوسری الجھن

ابھی پر حمید کو فریدی کا خط ملا۔ اُس نے لکھا تھا۔

"ڈیئر حمید

کیا بتاؤں کس مصیبت میں پھنس گیا۔ یہاں آتے ہی ملیریا میں مبتلا ہونا پڑا۔ ابھی تک فی الحال سفر کے لائق نہیں۔ دوسرا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ میرا افریقی نسل کا

یلو ڈنگو راستے میں کہیں ٹرین سے لاپتہ ہوگیا۔ یہاں آنے کا اصل مقصد یہی تھا کہ ا میں شریک کروں۔ سخت پریشانی ہے۔ اسے تلاش کرانے کے لئے ہر ممکن طریقہ اخ ہے، تم بھی خیال رکھنا۔ شہناز کا سراغ ملا یا نہیں، مجھے اس کا خیال ہے، لیکن کیا کر مجبور ہوں۔ اب معلوم ہوا کہ میں نے یہاں آکر بھاری غلطی کی...... فریدی۔"

حمید نے خط پڑھ کر بیزاری سے ایک طرف ڈال دیا۔ یلو ڈنگو کا معاملہ اب بالک ہو چکا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ آخر یہ کرنل پرکاش ہے کون۔ اتنی مکاری اور عیاری آج تک کسی کے چہرے پر نہ دیکھی تھی، جتنی کہ اس کرنل پرکاش کے چہرے پر نظر آ وہ شرارت آمیز مسکراہٹ کتنی خطرناک تھی۔ اس کی مسکراہٹ اور اس بلی کی آنکھوں کی چمک میں جس نے کوئی تازہ شکار پکڑا ہو، کوئی مشترک سی چیز محسوس ہوتی تھی اور وہ چ پیاس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ سوچتے سوچتے وہ اٹھ کر فریدی کی لائبریری میں آیا طرف الماریاں ہی الماریاں کتابوں سے بھری نظر آرہی تھیں۔ وہ ایک الماری کے قر رک گیا۔ کچھ دیر تک کتابوں کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک کتاب نکالی جس کا نام "جنوبی اف کامیاب ہندوستانی" تھا کئی صفحات الٹنے کے بعد مطلب کی چیز مل گئی، وہ پڑھنے لگا۔

"کرنل جی پرکاش، سی بی ای۔ جنوبی افریقہ کا کروڑ پتی...... متعدد ہیروں کی حصہ دار ۱۹۱۰ء میں پراسرار طریقہ پر اپنی تجارت کو فروغ دینے لگا۔ نڈر اور بے با ہے۔ کئی بار چیتوں کے شکار میں بری طرح زخمی ہو چکا ہے۔ درندوں کے شکار کا شوق حد رکھتا ہے۔ بہتیرے خونخوار قسم کے کتے پال رکھے ہیں۔ کتوں کے متعلق معلومات م رکھتا ہے۔ گرمیوں کا موسم عموماً سوئٹزر لینڈ میں گزارتا ہے۔ زمانہ جنگ کی خدمات ہو کر سرکار انگلشیہ نے سی۔ بی۔ ای کے خطاب سے نوازا۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں اپنا سر ہلا دیا اور صفحہ الٹ دیا۔ دوسرے صفحہ پر کرنل پر تصویر تھی۔ تصویر کا چہرہ بھی عیارانہ تاثرات سے عاری نظر نہیں آتا تھا۔ بہر حال حمید کا بھی غلط ثابت ہوا کہ کرنل پرکاش رام سنگھ کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر بھی فریدی کا

ہی کیا یلو ڈنگو اس کی الجھن کا باعث بنا ہوا تھا۔ آخر وہ اس سے اتنی جلدی مانوس کیسے ہو گیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے اس سے حاصل کس طرح کیا جائے، لیکن جلد ہی اس نے اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال پھینکا۔ جب فریدی نے شہناز کی زیادہ پرواہ نہ کی تو پھر وہ اس ذلیل کتے کی پرواہ کیوں کرے، اس کی قیمت شہناز سے زیادہ نہیں۔

حمید ان خیالات میں الجھا ہی ہوا تھا کہ نوکر نے انسپکٹر سنہا کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ متحیر ہوا۔ آخر ان حضرت نے آنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔ وہ لائبریری سے ڈرائنگ روم میں آیا۔ انسپکٹر سنہا اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تشریف رکھئے......!" حمید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت......!"

"بھئی دراصل میں آپ کی غلط فہمی دور کرنے آیا ہوں، اس وقت آپ ناراض ہو کر چلے گئے تھے اور میں بھی ایک اشد ضروری کام میں مشغول تھا۔ اس لئے آپ کو مطمئن نہ کر سکا۔"

"مطمئن تو آپ مجھے زندگی بھر نہیں کر سکتے جبکہ میں شہناز کی بے گناہی سے اچھی طرح واقف ہوں۔" حمید نے انسپکٹر سنہا کی طرف سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"فریدی صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں۔"

"ایک ماہ کی چھٹی پر ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"کیا کہیں باہر گئے ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں...... کتوں کی عالمی نمائش دیکھنے گئے ہیں، وہاں بیمار ہو گئے ہیں۔"

"اس کے باوجود بھی آپ شہناز کی بے گناہی ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔" انسپکٹر سنہا نے کہا۔

"کیوں...... اس سے کیا۔"

"تعجب ہے کہ آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے۔" سنہا نے ہنس کر کہا۔ "اگر فریدی صاحب شہناز کو بے گناہ سمجھتے ہوتے تو اس طرح معاملے کو کھٹائی میں ڈال کر تفریح کرنے نہ چلے جاتے۔"

"یہ تو اپنی اپنی طبیعت کی بات ہے...... اب اسے کیا کہا جائے کہ انہیں آدمی
زیادہ کتے پسند ہیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"یہ بات نہیں حمید صاحب، میں فریدی صاحب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر ا
شہناز کی بے گناہی کا یقین آجاتا تو وہ سر دھڑ کی بازی لگا دیتے۔"

"مجھ سے زیادہ آپ انہیں نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔

"اب ہٹ دھرمی کو کیا کہا جائے۔" انسپکٹر سنہا نے سگار کا کش لے کر کہا۔ بہر حال
اس سے بحث نہیں، میں اُسے مجرم سمجھتا ہوں، اسلئے میں اسی کے مطابق کام کر رہا ہوں، ا
کچھ آپ سمجھتے ہیں اس کیلئے آپ کوشش کرتے رہیے۔ فیصلہ وقت کرے گا۔"

"آخر اُسے مجرم سمجھنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔" حمید نے کہا۔ "اس کے لئے محض شہ
غائب ہو جانا ہی کافی نہیں۔ جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں، ممکن ہے کہ مجرموں نے پولیس
راستے پر لگانے کے لئے اسے غائب کر دیا ہو۔"

"میں اس وقت آپ کو یہی بتانے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں اتنا بیوقوف نہیں۔
کے لئے میرے پاس بہت ہی پختہ قسم کے ثبوت ہیں، اتنا میں بھی سمجھتا ہوں کہ مجرم اس
چال چل سکتے ہیں۔"

"خیر صاحب...... وہ ثبوت بھی دیکھ لیتا ہوں۔"

"نہیں آپ مذاق نہ سمجھئے...... میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔" انسپکٹر سنہا نے جیب
ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالتے ہوئے کہا۔ "اسے دیکھئے۔"

حمید نے کاغذ لے کر پڑھنا شروع کیا۔

"تم نے جس ہوشیاری سے اپنا کام انجام دیا ہے اس کی داد نہیں دی جاسکتی۔ تم
سے باقاعدہ گروہ میں شامل کر لی گئیں۔ لیکن اب بہت زیادہ ہوشیاری کی ضرورت ہے۔
کو تم پر شک ہو گیا ہے لہٰذا کچھ دنوں کے لئے یہاں سے ہٹ جاؤ۔ بی ون اور بی ٹو آج
بجے دن کتھئی رنگ کی کار پر تمہارے مکان کے سامنے سے گزریں گے، تم انہیں سڑک

یہ کام وہ دونوں خود کر لیں گے، بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔"

پڑھتے پڑھتے حمید کی پیشانی پر پسینہ پھوٹ پڑا۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔
ل کی دھمک اسے اپنے سر میں محسوس ہو رہی تھی۔ ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ اس نے ہونٹوں پر
بان پھیرتے ہوئے کاغذ سنہا کو د

"بھئی یہ ثبوت بھی کچھ ایسا مستحکم نہیں معلوم ہوتا۔" حمید نے خود پر قابو پانے کی کوشش
تے ہوئے کہا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ ایک طرف مجرموں نے اُسے غائب کر دیا ہو اور دوسری
ف پولیس کا شبہ اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے یہ خط بھی لکھ دیا، لیکن آپ کو یہ خط کہاں
ے ملا۔"

"یہ خط شہناز کے گھر کی تلاشی لیتے وقت اس کی لکھنے کی میز کے نیچے پڑا ملا تھا۔" سنہا
نے کہا۔ "اور رہ گئی امکانات کی بات تو یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ہی اصل مجرم ہوں یا فریدی
صاحب محض اصل مجرم ہونے کی وجہ سے باہر چلے گئے ہوں یا پھر آپ...... امکانات کے تحت
ب ہی کچھ ہو سکتا ہے۔"

"خیر...... خیر......!" حمید نے اکتا کر کہا۔ "ان سب باتوں سے کیا حاصل۔ اصل بات
ایک نہ ایک دن سامنے آہی جائے گی، بہر حال میں اپنے مشاہدات کی بناء پر شہناز کو بے
گناہ سمجھنے پر مجبور ہوں۔" واپس کر دیا۔

"آپ اس کے لئے قطعی آزاد ہیں۔" انسپکٹر سنہا ہنس کر بولا۔ "خیالات پر تو پابندی
ئد نہیں کی جاسکتی۔"

تھوڑی دیر کے بعد سنہا اٹھ کر چلا گیا۔ حمید ابھی تک خود کو مطمئن ظاہر کرنے کی کوشش
کر رہا تھا۔ لیکن سنہا کے جاتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تو کیا واقعی شہناز مجرم ہے...... مگر نہیں وہ
ایسا نہیں کر سکتی۔ اُسے بہر حال اپنے اور اپنے خاندان کی عزت کا بہت خیال تھا۔ مجرم دور سے
بہکانے جاسکتے ہیں۔ لیکن شہناز کو قریب سے دیکھ کر بھی کبھی اُس کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں
ہوا تھا کہ شہناز جرم بھی کر سکتی ہے اور پھر ایسا بھیانک اور دل لرزا دینے والا جرم۔ اس کی فطرت

ئیں نسائیت کا رچاؤ...... اسے کسی ایسے بھیانک کام کی طرف بھی نہیں لے جا سکتا۔ پھر آخر بات کیا ہے۔ یہ سب آخر کیسے ہوا اور پھر یہ خط۔ سوچتے سوچتے حمید کا سر چکرانے لگا اور صوفے کی پشت پر سر ٹیک کر نڈھال سا ہو گیا۔

پُراسرار عورت

حمید کا دل بُری طرح الجھ رہا تھا۔ کبھی وہ سچ مچ شہناز پر شک کرنے لگتا اور کبھی یہ شک محبت کی لہر اپنے ساتھ بہا لے جاتی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی وہ خط شہناز کو ملا ہوتا تو وہ اسے اتنی بے احتیاطی سے میز کے نیچے نہ ڈال دیتی اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ پولیس کا شبہ رفع کرنے کے لئے روپوش ہو گئی۔ ایسی صورت میں تو اسے یہیں موجود رہنا چاہئے تھا تاکہ پولیس کے شکوک رفع ہو جائیں۔ مگر نہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کے لوگوں نے اُسے محض اس لئے غائب کر دیا ہے کہ کہیں پولیس اس پر جبر کر کے سارا راز اگلوا نہ لے، مگر ایسی صورت میں بھی شہناز وہ خط پڑھنے کے بعد ضرور جلا دیتی۔ پھر آخر کیا بات ہے۔ وہ اکتا کر فریدی کے خط کا جواب لکھنے بیٹھ گیا۔ مگر لکھے کیا۔ فریدی کی طرف سے ایک طرح کی نفرت اس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی تھا کیونکہ بہر حال وہ اس کا ماتحت ٹھہرا۔ اس نے یونہی ایک رسمی سا خط لکھنا شروع کر دیا لیکن یلو ڈنگو کا تذکرہ سوا اس کے کچھ اور نہ لکھا کہ اس کے کھو جانے پر اُسے افسوس ہے۔ شہناز کے متعلق بھی یہ لکھ دیا کہ وہ ابھی تک نہیں مل سکی۔ اس درمیان میں اس نے کیا کیا' اس کے متعلق اس نے کچھ لکھنا قطعی بیکار سمجھا۔ اس نے مکمل ارادہ کر لیا کہ اس مہم کو وہ اکیلے ہی سر کرنے کی کوشش کرے گا اور فریدی کو یہ دکھا دے گا کہ وہ نرا بدھو ہی نہیں ہے۔ آخر اسے بھی تو ترقی کرنی ہی ہے۔ کب تک فریدی کا سہارا لیتا رہے گا۔ اس طرح تو شاید اسے زندگی بھر ترقی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہو۔ رہ گیا فریدی تو وہ اچھا خاصا جھکی ہے۔ کتنی

ب انسپکٹری ملی۔ ٹھکرا دیا۔ نہ جانے کس قماش کا آدمی ہے۔ اس کی بات ہی سمجھ میں نہیں بھی یہ حال ہوتا ہے چاہے کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو خواہ مخواہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑائی جاتی ر جب کوئی خاص موقع آتا ہے تو اتنی صفائی سے الگ ہو جاتا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ ے اور اس کے تعلقات برادرانہ تھے لیکن پھر بھی اس نے اس کی پرواہ نہیں کی اور یہاں چلا گیا۔ اگر شہناز سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا تو شاید آپ اپنی جان تک کی بازی لگا

حمید جتنا سوچتا جا رہا تھا اس کی طبیعت کی اکتاہٹ بڑھتی ہی گئی۔ دیوار پر لگی ہوئی گھڑی بجا رہی تھی۔ اس نے سوچا کیوں نہ آرلکچو ہی میں چل کر دل بہلایا جائے اور اس طرح رنل پرکاش کے متعلق بھی کچھ معلوم ہو سکے۔ مگر اس کے متعلق کچھ معلوم کرنے کی ضرورت ہی ہے کیونکہ وہ تو قطعی غیر متعلق آدمی ہے۔ صورت سے خطرناک ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن اقعہ سے اس کا کیا تعلق ہے۔ اس کے پیچھے پڑنا خواہ مخواہ وقت برباد کرنا ہے۔

اس نے کپڑے پہنے، پہلے سوچا کہ فریدی کی کار نکال لے لیکن پھر کچھ سوچ کر پیدل ہی پڑا۔ آگے چل کر ایک ٹیکسی کی اور آرلکچو کی طرف روانہ ہو گیا۔

رقص گاہ میں کافی رونق تھی۔ ابھی ناچ شروع نہیں ہوا تھا۔ لوگ ادھر اُدھر بیٹھے کچھ کھا پی تھے۔ شراب کے کاؤنٹر پر اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ حمید نے چھچھلتی سی نظر پورے مجمع پر ڈالی۔ میز پر کرنل پرکاش بیٹھا کچھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کوئی اخبار بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ میز پر تنہا ہی تھا۔ باقی تین کرسیاں خالی تھیں۔ اسی کے قریب ایک اور میز خالی تھا۔ حمید نے جانے کیوں اپنے لئے وہی جگہ منتخب کی۔

کرنل پرکاش اپنے گرد و پیش سے بے خبر پڑھنے میں مشغول تھا۔ اس وقت حمید کو اُسے نے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ اُسے پہلے سے زیادہ خطرناک معلوم ہو رہا تھا۔

حمید ادھر اُدھر بیٹھی ہوئی عورتوں کو عمداً اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ ایک بہت اوباش قسم آدمی ہو۔ دفعتاً اس نے یونہی پیچھے مڑ کر دیکھا لیڈی سیتا رام ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ پاس سے کرنل پرکاش کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ کرنل پرکاش بدستور پڑھنے میں مشغول رہا۔ لیڈی

سیتارام ستائیس اٹھائیس سال کی ایک قبول صورت عورت تھی۔ اس کے ہونٹ بہت زیا
تھے، جن پر بہت شوخ رنگ کی لپ اسٹک لگائی گئی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے
ہونٹ بھینچ رکھے ہوں پیشانی پر پڑی ہوئی سلوٹیں بدنما نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ وہ چند ل
طرح کرنل پرکاش کے پیچھے کھڑی رہی پھر آہستہ سے کچھ کہا اور واپس جانے کے لئے
کرنل پرکاش چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص
تھی۔ لیڈی سیتارام اوپر گیلری میں جانے کے لئے زینے پر چڑھ رہی تھی۔ اس کے جا
تین چار منٹ بعد کرنل پرکاش بھی اٹھا۔ اب وہ بھی اسی زینے پر چڑھ رہا تھا۔ حمید حیرت
پلکیں جھپکانے لگا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں قطعی نہ آئی کہ لیڈی سیتارام کرنل پرکاش سے
قسم کی واقفیت کیسے رکھتی ہے، جب کہ خود سیتارام اس کے لئے قطعی اجنبی تھے، اور ان دو
کی پہلی ملاقات لارنس باغ میں خود اسی کے سامنے ہوئی تھی۔

آخر یہ ماجرا کیا ہے، حمید تھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ
لاپرواہی سے ٹہلتا ہوا خود بھی اسی زینے پر چڑھنے لگا۔ گیلری خالی پڑی تھی۔ اس نے بالکنی
جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں جنگلے پر جھکے کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے، انہیں کے قریب
دو کھمبوں کے نیچے سے آتی ہوئی لتر پھیلی ہوئی تھی۔ اوپر آکر لتر نے اتنا پھیلاؤ اختیار کیا تھا
بالکنی کا وہ حصہ بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ سرجنٹ حمید دوسرے دروازے سے نکل کر لتر کی آڑ
چھپ گیا۔ اس طرف اندھیرا ہونے کے سبب سے ادھر والوں کی نگاہیں حمید تک پہنچ نہ
تھیں۔ بہر حال وہ ایک ایسی جگہ پہنچ چکا تھا جہاں سے ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ صاف سن
تھا۔

لیڈی سیتارام کہہ رہی تھی۔

"کرنل...... تم شاید کوئی جادوگر ہو۔"

"کیوں...... کیوں خیریت تو ہے۔" کرنل پرکاش قہقہہ لگا کر بولا۔

"مجھے بتاؤ کہ میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت تمہارے ساتھ کیوں گزارنا چاہتی ہوں۔"

"یہ اپنے دل سے پوچھو۔" کرنل پرکاش بہت ہی رومانٹک انداز میں بولا۔

"کاش میں افریقہ میں پیدا ہوئی ہوتی۔"

"تب تم اتنی حسین نہ ہوتیں۔"

"تو کیا میں واقعی حسین ہوں۔"

"کاش میں تمہارے حسن کی تصویر الفاظ میں کھینچ سکتا۔"

"ہٹو بھی۔" لیڈی سیتارام نے شرمیلے انداز میں کہا۔

"لیڈی سیتارام میں سچ کہتا ہوں کہ......!"

"دیکھو کرنل تم میرا نام جانتے ہو۔" وہ پرکاش کی بات کاٹ کر بولی۔ "مجھے اس منحوس نام سے مت یاد کیا کرو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"

"اچھا چلو یہی سہی...... ہاں تو حسین ریکھا...... میں ایک سپاہی قسم کا اکھڑ آدمی ہوں۔ لیکن تمہاری پیاری پیاری سی شخصیت نے مجھے بالکل موم بنا دیا ہے۔"

"تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔" لیڈی سیتارام ناز سے بولی۔

"نہیں ریکھا تم پہلی عورت ہو جس نے مجھے اتنا متاثر کیا ہے۔ میں ابھی تک کنوارا ہوں۔ بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کاش تم میرے حصے میں آئی ہوتیں۔"

"میری ایسی قسمت کہاں تھی۔" لیڈی سیتارام سرد آہ بھر کر بولی۔

"ہاں اور سنو......!" کرنل پرکاش بولا۔ "آج شام اتفاقاً تمہارے کھوسٹ سے ملاقات ہوگئی۔ مجھ سے مل کر بہت خوش ہوا ہے اور کل شام کو چائے کی دعوت دی ہے۔ کتنا لطف رہے گا۔ جب وہ میرا تعارف تم سے ایک اجنبی کی حیثیت سے کرائے گا۔ مجھے تو سوچ سوچ کر ہنسی آرہی ہے۔"

"بہت اچھا ہوا ڈیئر کرنل...... اب میں تم سے باقاعدہ مل سکوں گی۔ میں کتنی خوش قسمت ہوں۔"

"تم نہیں بلکہ میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے یہاں ایک ایسے انمول ہیرے کا قرب

نصیب ہوا ہے جس کا ثانی دنیا میں نہیں۔"

"اور تم ٹھہرے ہیروں کے تاجر......!" لیڈی سیتارام قہقہہ لگا کر بولی۔

کرنل پرکاش ہنسنے لگا۔

"آں یہ کون آرہا ہے۔" لیڈی سیتارام چونک کر بولی۔ "میرا بھتیجا سریندر کمار...... اچھا کرنل صاحب...... اب تم نیچے جاؤ...... میں بھی ابھی آئی۔ سریندر کے سامنے ہمیں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی بننا پڑے گا۔"

"اچھا میں چلا...... لیکن یہ تو بتاؤ کہ اب کب ملیں گے۔"

"بہت جلد......!" لیڈی سیتارام نے کہا اور ٹہلتی ہوئی بالکنی کے دوسرے کنارے تک چلی گئی۔

تقریباً دس پندرہ منٹ تک وہ وہاں ٹہلتی رہی پھر وہ بھی نیچے چلی گئی۔ حمید لتر کی آڑ سے نکلا اور پوری بالکنی کا چکر لیتا ہوا دوسرے زینے سے نیچے اتر آیا۔ ناچ شروع ہو چکا تھا۔ کرنل پرکاش ایک نوعمر لڑکی کے ساتھ ناچ رہا تھا۔ لیڈی سیتارام اور سریندر ایک کنارے بیٹھے ہوئے کچھ پی رہے تھے۔ حمید دونوں کو دیکھتا ہوا بار کی طرف چلا گیا۔ اس کی نگاہیں انہیں دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔ سریندر ایک معمولی جسامت کا مگر خوبصورت نوجوان تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا، جو اس پر بہت زیادہ کھل رہا تھا۔ دوسرا راؤنڈ شروع ہونے پر لیڈی سیتارام اور سریندر اٹھ کر ٹہلتے ہوئے گیلری کے زینوں کی طرف گئے۔ دوسرے لمحے میں دونوں غائب تھے۔ کرنل پرکاش اب ایک دوسری عورت کے ساتھ ناچ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل چاہا کہ ان دونوں کے پیچھے جائے، وہ ٹہلتا ہوا زینے کے قریب آیا لیکن یہ دیکھ کر ٹھٹک گیا کہ کرنل پرکاش کی نگاہیں ذرا ادھر اُدھر ہوں اور وہ زینے پر چڑھ جائے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ کرنل پرکاش کے قدم کچھ مضمحل تھے۔ وہ اس طرح لڑکھڑا رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پی گیا ہو۔ اُس کے ساتھ ناچنے والی عورت نے شاید اُسے محسوس کرلیا تھا لہٰذا وہ اس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یک بیک کرنل پرکاش نے خود اسے چھوڑ دیا اور لڑکھڑاتا

زینے کی طرف بڑھا۔

حمید متحیر تھا کہ آخر یہ بات کیا ہے۔ یہ اوپر کیوں جا رہا ہے، کیونکہ ابھی ابھی لیڈی سیتا رام نے اس سے کہا تھا کہ وہ سریندر کی موجودگی میں ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہوں گے۔ حمید ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ کرنل پرکاش لڑکھڑاتا ہوا نیچے اتر آیا۔ غصے سے اس کے نتھنے پھول رہے تھے، نچلا ہونٹ اس نے اپنے دانتوں میں دبا رکھا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا بار کی طرف چلا گیا۔ حمید نے ادھر اُدھر دیکھا اور دبے پاؤں زینے پر چڑھتا چلا گیا۔

اب پھر وہ اسی لتر کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ لیڈی سیتارام اور سریندر ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے جنگلے پر جھکے ہوئے تھے۔

"سریندر ڈارلنگ، میں اب اسطرح زندہ رہنا نہیں چاہتی۔" لیڈی سیتارام بولی۔

"تو آخر اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ دنیا کی نظروں میں اگر ہم چچی بھتیجے رہ کر زندگی کا لطف اٹھائیں تو کیا حرج ہے۔" سریندر نے کہا۔

"لیکن مجھے یہ پسند نہیں۔" لیڈی سیتارام نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس میں بُرائی کیا ہے۔" سریندر بولا۔

"میں اس بوڑھے کھوسٹ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" لیڈی سیتارام نے کہا۔

"یہ ذرا دشوار چیز ہے لیکن تم جو کہو میں کرنے کیلئے تیار ہوں۔" سریندر بولا۔

"آؤ ہم تم کہیں دور چلے جائیں، بہت دور..... جہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہ ہو۔"

"ارر نہیں...... وہاں ہمارا کھانا کون پکائے گا۔" سریندر ہنس کر بولا۔

"شریر کہیں کے۔" لیڈی سیتارام نے کہا اور سریندر "اوا" کرتا ہوا ایک طرف ہٹ گیا۔ لیڈی سیتارام نے اس کے چٹکی کاٹ لی تھی۔

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور چپکے سے گیلری میں آگیا۔

گیارہ بجے رات کو جب وہ گھر واپس آرہا تھا تو اس کے ذہن میں عجیب قسم کا انتشار برپا

تھا۔ عجیب و غریب عورت ہے، ایک طرف تو بھتیجے کو پھانس رکھا ہے اور دوسری طرف از پرکاش کو بیوقوف بنا رہی ہے۔ کرنل بڑے غصے میں نیچے اترا تھا، غالباً اس نے بھی ان کی گفتگو سنی ہوگی۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ اس کا دماغ پھر الجھنے لگا، لیکن ان سب باتوں کا شہناز کے واقعے سے کیا تعلق۔ وہ آخر ان کے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے۔ مگر پھر لیڈی سیتارام ہی نے پولیس کو شہناز کی طرف سے شبے میں مبتلا کیا تھا اور یہ بھی تو رام سنگھ کے ساتھ ناچتی تھی۔ یہ ایک فاحشہ عورت ہے اور رام سنگھ ایسی عورتوں کی تجارت کرتا تھا۔ یہاں تک تو کڑیاں ملتی ہیں لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لیڈی سیتارام ایک دولت مند آدمی کی بیوی ہے۔ مفلس تو ہے نہیں کہ عورت فروشوں سے اس کی رسم و راہ ہو۔ عجیب معمہ ہے۔ ایسی پراسرار عورت آج تک اس کی نظروں سے نہیں گزری تھی۔ کم بخت چہرہ اتنا پروقار ہے کہ کوئی بھی اس سے ذلیل حرکتوں کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ یہی عورت جو سوسائٹی میں کافی عزت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے کس قدر گری ہوئی ہے۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے شہناز بھی ایسی ہی ہو۔ وہ کافی آزاد خیال ہے۔ رقص گاہوں میں مردوں کے ساتھ ناچتی پھرتی ہے۔ اُسے اپنی محبت پر نفرت کی ہلکی سی تہہ چڑھتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

سر سیتارام

دوسرے دن حمید سخت الجھن میں تھا کہ کس طرح سر سیتارام تک رسائی حاصل کرے۔ اسے اس دلچسپ ڈرامے کا اختتام دیکھنے کی آرزو تھی۔ اس سلسلے کے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات نے اس کی ساری توجہ منعطف کرالی تھی، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لیڈی سیتارام اور کرنل پرکاش جو پہلے سے ایک دوسرے کے گہرے دوست ہیں سر سیتارام کے سامنے اجنبیوں کی طرح کیسے ملتے ہیں، وہ دن بھر تمام تدبیریں سوچتا رہا کہ کس طرح اسی وقت سر سیتارام کے

یہاں پہنچ جائے، جب کہ کرنل پرکاش بھی یہاں موجود ہو۔ آفس میں بھی اس کا دل نہ لگا اور آفس بند ہونے کے وقت سے پہلے ہی گھر لوٹ آیا، جیسے جیسے شام نزدیک آتی جارہی تھی اس کے اضطراب میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر لیٹا خیالات میں گم تھا کہ نوکر نے ایک ملاقاتی کارڈ لاکر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"ڈاکٹر محمود......!" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "انہیں اندر بھیج دو۔" حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آداب عرض ہے حمید صاحب۔" ڈاکٹر محمود نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا جامہ زیب آدمی تھا۔ چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے صاف تھا۔ اس کے لیڈی کے ساتھ تعلقات بہت اچھے تھے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ جانوروں کے ہسپتال کا انچارج تھا اور کتوں کے امراض کا ماہر۔ وہ اپنی اسی خصوصیت کی بناء پر اونچی سوسائٹی میں خصوصی اہمیت رکھتا تھا۔ ویسے وہ خود متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ خود نمائی کی بری عادت کا شکار ہوگیا تھا۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ ایسے لوگ اپنے طبقے کے لوگوں میں بیٹھ کر ہمیشہ لمبی چوڑی باتیں کیا کرتے ہیں۔ مقصد محض یہ جتانا ہوتا ہے کہ اونچی سوسائٹیوں میں ان کی خاص اہمیت ہے۔ اس کا ملاقاتی کارڈ دیکھتے ہی حمید کو الجھن ہونے لگی تھی۔ ایسے لوگوں سے گفتگو کرنا وہ محض تضیع اوقات سمجھتا تھا کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی باتوں میں نوے فیصدی جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ خصوصاً ڈاکٹر محمود تو بعض اوقات قدیم شاعری کے مبالغے کی سرحدوں سے ٹکرانے لگتا ہے۔ وہ زیادہ تر اونچے طبقے کی عورتوں کی باتیں کیا کرتا تھا، مثلاً فلاں جج کی بیوی نے اسے یوں مسکرا کر دیکھا، فلاں سیٹھ کی بیوی اس کے ساتھ بھاگ جانے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ فلاں کرنل کی بیوہ بہن اس پر بری طرح لٹو ہو رہی ہے۔ فلاں ایڈووکیٹ کی لڑکی تو اس کے لئے زہر تک کھا لینے کے لئے تیار بیٹھی ہے، لیکن وہ اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ خود اس کی بیوی کئی بچے جن چکنے کے باوجود بھی صرف تیرہ برس کی معلوم ہوتی تھی اور اس کے حسن کا تو یہ عالم ہے کہ شاید حوریں بھی اس کی قسم کھاتی ہوں گی۔

حمید ڈاکٹر محمود کو دیکھ کر زبردستی مسکراتا ہوا اٹھا۔ اس سے ہاتھ ملاتے وقت خواہ مخواہ گرم

جوشی کا مظاہرہ کرتا ہوا بیٹھ گیا۔

"کیا فریدی صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں۔" ڈاکٹر محمود نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں، وہ باہر تشریف لے گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"بھئی حمید صاحب کیا بتاؤں...... معلوم نہیں آپ لوگوں سے اتنی محبت ہوگئی ہے، یہ ہے کہ اگر زیادہ دنوں تک آپ لوگوں سے نہ ملوں تو عجیب قسم کی الجھن ہونے لگتی ہے۔" ڈاکٹر محمود نے کہا۔

"محبت ہے آپ کی......!" حمید مسکرا کر بولا۔ "وہ دانستہ طور پر زیادہ بات چیت نہ کرنا چاہتا تھا تا کہ جلد ہی پیچھا چھوٹ جائے۔"

"اس وقت سر سیتا رام کے یہاں ٹی پارٹی میں جا رہا تھا، سوچا لگے ہاتھ آپ لوگوں سے بھی ملتا چلوں، ویسے مجھے فرصت کہاں۔" ڈاکٹر محمود نے کہا۔ "بھئی کیا بتاؤں میں تو اس پارٹی کو محض تضیع اوقات سمجھتا ہوں۔ مگر کیا کروں یہ لوگ کسی طرح مانتے ہی نہیں۔ اب آج کا واقعہ لے لیجئے سر سیتا رام کا آدمی دعوت نامہ لے کر آیا۔ میں نے ٹالنے کے لئے جواب دیا کہ میں معافی چاہتا ہوں۔ کیونکہ میرے پاس ایک مہمان آگئے ہیں، لیکن صاحب بھلا سیتا رام کہاں ماننے لگے، فوراً ہی کہلا بھیجا کہ مہمان سمیت آجاؤ۔ مرتا کیا نہ کرتا جانا ہی پڑے گا۔ جا کر کہوں گا کہ مہمان کی طبیعت کچھ خراب تھی، اس لئے وہ نہ آسکے۔"

حمید کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے سوچا کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے حالانکہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ یہ مہمان والی بات سو فیصدی غپ ہے، لیکن وہ پھر بھی کہہ ہی بیٹھا۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، میں آپ کا مہمان بن کر چلا جاؤں گا۔"

"ارے آپ کہاں...... آپ مذاق کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر محمود نے جھینپی ہوئی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"اور اگر کسی نے پہچان لیا تو......!" ڈاکٹر محمود نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا۔ "بڑی

بڑی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔"

"کمال کر دیا آپ نے......!" حمید نے ہنس کر کہا۔ "ارے صاحب میں بھیس بدل کر چلوں گا۔"

"تب تو آپ واقعی مذاق کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر محمود نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بخدا میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ مجھے سر سیتا رام کے کتوں کو دیکھنے کا بے حد شوق ہے۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ وہاں تک پہنچوں مگر کوئی معقول بہانہ ہاتھ نہ آسکا۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں کسی موقع پر آپکو اُن سے ملاؤں گا۔" ڈاکٹر محمود نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اتنی فرصت کہاں...... آج کل خوش قسمتی سے کوئی کیس نہیں ہے۔ اس لئے فرصت ہی فرصت ہے، ورنہ معلوم نہیں کب اور کس وقت پھر مصروف ہونا پڑے۔"

"مگر......!" ڈاکٹر محمود نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اگر مگر کچھ نہیں...... میں اس وقت آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا۔" حمید نے کہا۔ "آخر آپ کو پریشانی کس بات کی ہے جب کہ سیتا رام آپ کو مہمان سمیت مدعو کر چکے ہیں۔"

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ سوچتا ہوں کہ اگر آپ بھیس بدلنے پر پہچان لئے گئے تو بڑی خرابی ہوگی۔" ڈاکٹر محمود نے زچ ہو کر کہا۔

"اس کا ذمہ میں لیتا ہوں۔" حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اگر کوئی پہچان لے تو میں مبلغ ایک ہزار روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، کہئے تو اس کے لئے تحریر دے دوں۔"

ڈاکٹر محمود سخت الجھن میں پڑ گیا۔ وہ ٹی پارٹی میں مدعو ضرور تھا، لیکن مہمان والی بات اس نے محض اپنی لاپروائی اور اونچے طبقے کی نظروں میں کوئی اہمیت نہ ہونے کے اظہار کے لئے یوں ہی کہہ دی تھی۔ اب اسے اپنی حماقت پر سخت افسوس ہو رہا تھا لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا...... مجبوراً اُسے حمید کی بات ماننی ہی پڑی۔ حمید اُسے ڈرائنگ روم میں

بٹھا کر خود چلنے کی تیاری کرنے کے لئے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ ڈاکٹر محمود بیٹھا دانت پیس رہا تھا۔ خواہ مخواہ کی بلا گلے لگ گئی۔ وہ ہمیشہ ایسی باتوں سے کتراتا تھا جن سے اونچی سوسائٹی میں اس کی سبکی ہو۔ کبھی بن بلائے مہمان کو اپنے ساتھ ایسی جگہ لے جانا سراسر تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا ہے، متوسط طبقے کی زندگی میں تو خیر ہر چیز جائز ہے، لیکن اعلیٰ طبقے کے افراد باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں، محمود بیٹھا الجھ رہا تھا کہ ایک پرانے وضع کے مسلمان رئیس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر کہا۔ ''السلام علیکم۔''

ڈاکٹر محمود چونک کر کھڑا ہو گیا۔ آنے والے کی ظاہری وجاہت اُسے بُری طرح مرعوب کر رہی تھی۔

''کیا فریدی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔'' آنے والے نے بے تکلفی سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں...... وہ تو باہر تشریف لے گئے ہیں۔'' ڈاکٹر محمود نے جلدی سے کہا۔

''آپ کی تعریف......!'' اجنبی نے ڈاکٹر محمود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے ڈاکٹر محمود کہتے ہیں، جانوروں کے ہسپتال کا انچارج ہوں۔''

''بہت خوب...... آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔'' اجنبی نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

''آپ نے میری تعریف نہیں پوچھی، انتہائی بداخلاق معلوم ہوتے ہیں آپ۔'' اجنبی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

ڈاکٹر محمود گڑبڑا کر ہکلانے لگا۔

''گھبراؤ نہیں پیارے ڈاکٹر......!'' اجنبی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''جب تم مجھے نہیں پہچان سکے تو پھر کون مائی کا لال پہچان سکے گا۔''

''ارے صاحب......!'' ڈاکٹر نے اچھل کر کہا۔ ''خدا کی قسم کمال کر دیا۔''

''اچھا تو اب اچھی طرح سمجھ لیجئے میری تعریف یہ ہے۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''خان بہادر

نمبر1 مرزا...... اودھ کا بہت بڑا تعلق دار...... کیا سمجھے اور کتوں کا شوقین۔''

''سمجھ گیا...... اچھی طرح سمجھ گیا۔ مجھے اب کوئی پریشانی نہیں۔'' ڈاکٹر محمود نے کہا۔

وہ کار پر بیٹھ کر سیتارام کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوٹھی کے پائیں باغ میں ایک بڑی سی میز بچھی ہوئی تھی، جس پر دعوت کا سامان سلیقے سے چنا ہوا تھا۔ سر سیتارام، لیڈی سیتارام، سریندر اور دو ایک دوسرے آدمی کرسیوں پر بیٹھے گپوں میں مشغول تھے۔ کرنل پرکاش ابھی نہ آیا تھا۔ ڈاکٹر محمود اور حمید کے پہنچتے پر سب کھڑے ہو گئے۔ اس کے ساتھ ایک قدیم وضع کے اجنبی کو دیکھ کر لیڈی سیتارام نے بُرا سا منہ بنایا۔ سر سیتارام کا موڈ بھی کچھ خراب ہو گیا۔

''سر سیتارام آپ سے ملئے۔'' ڈاکٹر محمود نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ ہیں میرے دوست خان بہادر مجاہد مرزا اودھ کے بہت بڑے تعلق دار...... آپ کا سلسلہ نسب واجد علی شاہ مرحوم سے ملتا ہے۔''

''اوہ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' سر سیتارام نے اٹھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا......'' حمید نے کہا۔ ''حالانکہ مجھے اس وقت نہ آنا چاہئے تھا لیکن میں آج رات گاڑی سے لکھنؤ واپس جا رہا ہوں، محمود صاحب یہاں آ رہے تھے، میں نے سوچا لگے ہاتھ آپ سے بھی مل لوں۔''

''ارے خان بہادر صاحب...... یہ خانہ بے تکلف ہے۔'' سر سیتارام نے کہا۔

''میری خوش قسمتی ہے کہ اس طرح آپ سے نیاز حاصل ہوا، مجھے خاندانی آدمیوں سے مل کر بے حد مسرت ہوتی ہے۔''

''خلوص ہے آپ کا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''دراصل مجھے جو چیز یہاں تک کھینچ کر لائی ہے وہ آپ کے کتے ہیں۔ مجھے بھی کتوں کا شوق ہے۔''

''تب تو آپ سے مل کر اور بھی خوشی ہوئی۔'' سر سیتارام نے بچوں کی طرح ہنستے ہوئے

کہا۔ لیڈی سیتارام نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔سر سیتارام اور حمید میں کتوں کے ایک لمبی بحث چھڑ گئی۔ دونوں ہی اپنی معلومات کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرنا چاہتے طے پایا کہ چائے پینے کے بعد سر سیتارام کے کتا خانہ کی سیر کی جائیگی۔

تھوڑی دیر کے بعد کرنل پرکاش بھی آ گیا اور وہ اس وقت پہلے سے زیادہ شاندار نظر تھا۔ اُسے دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہوگئے۔سر سیتارام زیادہ گرمجوشی کے ساتھ اس کا استقبال کرنے کے لئے بڑھے۔

"آیئے آیئے کرنل صاحب......ہم سب بے چینی سے آپکا انتظار کر رہے تھے۔"

"شکریہ، شکریہ۔" کرنل پرکاش مسکراتا ہوا بولا۔

"ان سے ملئے۔" سر سیتارام نے تعارف کرانا شروع کیا۔ "ریکھا میری بیوی۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" کرنل پرکاش نے ہاتھ ملاتے وقت قدرے جھک کر کہا۔

لیڈی سیتارام کے ماتھے پر پسینے کی ہلکی ہلکی بوندیں پھوٹ آئیں تھیں۔وہ ہاتھ ملا کر زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کے بعد فرداً فرداً سب سے تعارف ہوا۔حمید محسوس کر رہا تھا کہ کرنل پرکاش کی نظر بار بار اس پر پڑ رہی ہے۔وہ کچھ گھبرا گیا۔لیکن فوراً ہی خود پر قابو پا کر مسکرا مسکرا کر باتیں کرنے لگا۔لیڈی سیتارام بدستور خاموش تھی۔ غالباً سر سیتارام نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا۔لہٰذا ایک موقع پر بے اختیار کہہ اٹھے۔

"کرنل صاحب ریکھا کو زیادہ باتیں کرنے کی عادت نہیں اور اجنبیوں سے وہ کچھ شرماتی بھی ہے۔"

"خوب یہ تو اچھی عادت ہے۔" کرنل پرکاش نے مسکرا کر کہا۔ "کم از کم ہر شریف عورت میں یہ صفت تو ہونی ہی چاہئے۔کیا خیال ہے نواب صاحب!"

"بجا ارشاد ہوا......!" حمید نے کہا۔

چائے کا دور ختم ہو جانے کے بعد سر سیتارام سب کو لے کر کتا خانے کی طرف چلے گئے۔

کرنل پرکاش اور حمید نے کتوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کئے۔ ایک کتے کی نسل کے بارے میں دونوں میں بحث ہوگئی۔ دونوں کسی طرح چپ ہونے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔حمید کو اپنی معلومات پر پورا بھروسہ تھا کیونکہ وہ بھی فریدی جیسے ماہر کا صحبت یافتہ تھا۔ بحث کو طول پکڑتے دیکھ کر آخر کار سر سیتارام کو بیچ بچاؤ کرانا پڑا۔

سب کتوں کو دیکھ لینے کے بعد وہ پھر باغ میں پڑی ہوئی کرسیوں پر آ بیٹھے۔

"اچھا سر سیتارام......اب میں اجازت چاہوں گا۔" کرنل پرکاش نے کہا۔

"ایسی بھی کیا جلدی۔"

"ذرا مجھے تجارتی معاملات کے سلسلے میں ایک صاحب سے ملنا ہے۔"

"اب تو برابر ملاقات ہوتی رہے گی نا۔" سر سیتارام نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

"جب تک یہاں مقیم ہوں آپ کا دم غنیمت ہے...... یہاں اور کوئی اچھی سوسائٹی ابھی تک ملی ہی نہیں۔"

سر سیتارام نے دانت نکال دیئے۔

کرنل پرکاش کے رخصت ہو جانے پر بقیہ لوگ بھی ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔

"جب بھی یہاں تشریف لایئے گا غریب خانے کو نہ بھولئے گا۔" سر سیتارام نے حمید سے کہا۔

"ضرور ضرور......آپ کے اخلاق نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا ہے۔کبھی لکھنؤ تشریف لایئے۔"

"کیا بتاؤں نہ جانے کیوں اب گھر چھوڑتے وقت کچھ الجھن سی محسوس ہوتی ہے۔"

حمید یوں ہی خواہ مخواہ ہنسنے لگا اور اس کی نگاہ لیڈی سیتارام کی طرف اٹھ گئی، جو اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

بُرے پھنسے

حمید کو اپنی حماقت پر سخت افسوس ہوا کہ اس نے یہ کیوں کہہ دیا کہ وہ آج ہی رات کی گاڑی سے لکھنؤ واپس جا رہا ہے۔ اب اس طرح فی الحال وہ وہاں نہ جا سکے گا۔ اُسے فریدی کی ہدایت یاد آ گئی کہ کوٹھی کے اندر جانے کی کوشش نہ کرنا۔ معلوم نہیں اس نے یہ کیوں کہا تھا۔ حمید سوچنے لگا۔ کہا ہوگا اپنا اپنا طریقہ کار ہے، جب فریدی کو اس کیس سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تو خواہ مخواہ کیوں اس کی ہدایتوں کے چکر میں پڑ کر اپنا کام خراب کرے۔ اب وہ پھر کرنل پرکاش کے پیچھے لگ گیا تھا۔ دو تین دن اسی قسم کے چکروں میں گزر گئے۔ لیکن کوئی کارآمد بات نہ معلوم ہو سکی۔ ان تین چار دنوں میں لیڈی سیتا رام اور کرنل پرکاش باقاعدہ طور پر کھلم کھلا ایک دوسرے سے ملنے لگے تھے۔ لیڈی سیتا رام اب آرلکچو میں سریندر کے سامنے بھی کرنل پرکاش کے ساتھ ناچ سکتی تھی۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ سریندر کو کرنل پرکاش اور لیڈی سیتا رام کی بے تکلفی قطعی پسند نہیں۔ حمید کو حیرت تو اس بات پر تھی کہ کرنل پرکاش لیڈی سیتا رام اور سریندر کے تعلقات کے بارے میں جانتے ہوئے بھی کیوں اس پر بُری طرح ریجھا ہوا ہے۔ بار بار اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی کہ کاش فریدی یہاں موجود ہوتا۔ اُسے اس درمیان فریدی سے تھوڑی سی چڑ ضرور ہو گئی تھی۔ لیکن وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو کبھی کا سارا معمہ حل ہو گیا ہوتا۔ اس کو اب افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں نہ اس نے فریدی کو سارے حالات لکھ دیئے اس طرح ممکن تھا کہ وہ ایسے عجیب و غریب معمے کو حل کرنے کے شوق میں بیماری ہی کی حالت میں چلا آتا۔

ان دنوں اسے شہناز کی یاد بُری طرح ستا رہی تھی۔ اسے اس کی بے گناہی کا پورا پورا

یقین تھا۔ ویسے کبھی کبھی وہ اس کی بڑھی ہوئی آزادی اور لیڈی سیتا رام کے عادات و اطوار کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے بد دل ضرور ہو جاتا تھا لیکن یہ کیفیت بالکل عارضی ہوتی تھی۔ وہ پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ دنیا کی ساری عورتیں یا سارے مرد ایک جیسے نہیں ہوتے، عشق و محبت کے معاملے میں وہ ایک کھلنڈرا اور بے پرواہ آدمی تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ قیس و فرہاد قسم کی محبت کا دنیا میں وجود ہی نہیں تھا۔ اس نے اب سے پہلے بھی کئی عشق کئے تھے لیکن وہ صرف فلمی گانوں اور بے تکی ہائے وائے ہی تک محدود رہے تھے اور ویسے وہ فریدی کو چڑانے کے لئے بھی اکثر ایک آدھ عشق کر بیٹھتا تھا۔ ایسی کہانیوں کے محبوب عموماً فرضی ہوا کرتے تھے۔ شہناز سے بھی اس کی محض دوستی تھی لیکن اس درمیان میں اسے اُس سے حد درجہ ہمدردی ہو گئی تھی۔ اور یہ ہمدردی آہستہ آہستہ دوسری شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے اپنی کوئی رات تارے گن گن کر گزاری ہو۔ یا محض آہیں بھرنا شعار بنا لیا ہو۔ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاتا تھا۔ آرلکچو میں جا کر ایک آدھ راؤنڈ ناچتا بھی تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ضرور تھا کہ شہناز کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کی بھی بازی ضرور لگا سکتا تھا۔ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی صرف کر سکتا تھا۔

آج شام کو جب وہ آفس سے واپس آیا تو اسے فریدی کا خط ملا۔ جس میں اس نے سب سے پہلے شہناز کے بارے میں پوچھا تھا۔ پھر یلو ڈنگو کا نوحہ تھا اور آخر میں اپنی بیماری کا حال لکھا تھا۔ وہ ابھی تک بیمار تھا۔ نقاہت بہت زیادہ تھی اس لئے سفر کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ آخر میں اس نے پھر تاکید لکھی تھی کہ اُسے تمام حالات سے مطلع کیا جائے۔ فریدی کا خط پڑھ کر حمید کے دل میں ہمدردی کے جذبات جاگ اٹھے۔ وہ محبت جاگ اٹھی جو اسے فریدی سے تھی، اسے فریدی سے اتنی ہی محبت تھی جتنی کہ اپنے بڑے بھائی سے ہو سکتی ہے۔ اگر فریدی نے اُسے یہ نہ لکھ دیا ہوتا کہ تم پریشان ہو کر یہاں آنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ شہناز کے سلسلے میں تفتیش میں مشغول رہنا تو وہ ایک آدھ ہفتے کی چھٹی لے کر بمبئی ضرور جاتا اور جس طرح بھی بن پڑتا فریدی کو وہاں سے لانے کی کوشش کرتا۔

ناشتہ کرنے کے بعد حمید نے فریدی کو خط لکھنا شروع کیا۔ سارے حالات مفصل لکھے۔ ڈنگو کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ محض اُس کی وجہ سے اسے اتنی باتیں معلوم ہوگئیں اور وہ بہت جلد اسے کرنل پرکاش سے قانونی طور پر چھین لے گا۔ خط ختم کر چکنے کے بعد وہ سو گیا۔

آج رات کو آرلکچو میں خاص پروگرام تھا۔ ٹکٹ کا دام اتنا بڑھا دیا گیا تھا کہ زیادہ تر صرف اعلیٰ طبقہ ہی کے لوگ اس میں حصہ لے سکتے تھے۔ کرنل پرکاش کی دریافت کے بعد سے حمید روزانہ آرلکچو جاتا تھا اس لئے رات کو سونے کا موقع کم ملتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج کل دن میں سونا اس کے لئے ضروری ہوگیا تھا۔

تقریباً آٹھ بجے وہ سو کر اٹھا۔ ناوقت سونے سے طبیعت کچھ کسلمند ہوگئی تھی۔ لیکن کافی کے ایک پیالے نے اس کے جسم میں حرارت و توانائی پیدا کر دی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور آرلکچو کی طرف روانہ ہوگیا۔

آرلکچو کی رقص گاہ آج بالکل انوکھے انداز میں سجائی گئی تھی۔ چاروں طرف قہقہوں کے فوارے اچھل رہے تھے۔ حمید کی نگاہیں کرنل پرکاش اور لیڈی سیتا رام کو ڈھونڈھ رہی تھیں لیکن وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے تھے۔ حمید اوپر گیلری میں گیا۔ بالکنی بھی خالی تھی۔ پھر ٹہلتا ہوا کرنل پرکاش کے کمرے کی طرف گیا وہ بھی بند تھا۔ تھک ہار کر وہ ہال میں لوٹ آیا۔ ایک جگہ ایک میز خالی نظر آئی، قریب جانے پر معلوم ہوا کہ کرنل پرکاش کے لئے پہلے ہی سے "مخصوص" کر دی گئی ہے۔ ایک میز کے گرد دو اینگلو انڈین لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں، بقیہ دو کرسیاں خالی تھیں، وہ ان کے قریب گیا۔

"اگر کوئی ہرج نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"ضرور ضرور.....!" دونوں بیک وقت بولیں۔

حمید ان کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ وہ یوں بھی کافی حسین تھا اور اس وقت عمدہ قسم کے سیاہ سوٹ میں وہ کوئی ذی حیثیت اینگلو انڈین معلوم ہو رہا تھا۔ غالباً وہ دونوں بھی اُسے اینگلو انڈین سمجھی تھیں۔ حمید نے بیٹھتے ہی ان پر رعب ڈالنے کے لئے کچھ کھانے پینے کی چیزوں کا

آرڈر دیا۔

"آپ ہم لوگوں کے لئے تکلیف نہ کیجئے۔" لڑکیوں میں سے ایک بولی۔

"واہ یہ کیسے ممکن ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"معاف کیجئے گا ہم لوگ ایسے لوگوں کی دعوت قبول نہیں کرتے، جنہیں ہم جانتے نہ ہوں۔"

"تو اس میں ہرج ہی کیا ہے...... اب آپ مجھے جان جائیں گی۔ مجھے آرتھر کہتے ہیں، ...کے شہر میں نووارد ہوں۔"

دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

"یہ جولیا ہے اور میں لزی...... ہم دونوں اسٹوڈنٹ ہیں۔"

"کتنے پیارے ہیں آپ دونوں کے نام...... جولیا...... لزی...... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ...نے کانوں میں شہد ٹپکا دیا ہو۔"

"تو آپ شاعر بھی ہیں۔" جولیا نے مسکرا کر کہا۔

"کاش میں شاعر ہوتا، جولیا... لزی... لزی... جولیا...!"

اتنے میں بیرا طلب کی ہوئی چیزیں لے کر آ گیا۔ تینوں کھانے پینے میں مشغول ہوگئے۔

...دیر کے بعد ناچ کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں ناچ کے لئے کس سے درخواست کروں۔" حمید نے

"ہم دونوں باری باری سے ناچیں گے۔" جولیا نے کہا۔

اور لزی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ حمید نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دونوں آہستہ آہستہ ...کرتے ہوئے ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔

"تم نے بہت زیادہ پی رکھی ہے۔" لزی مسکرا کر بولی۔

"کما نے...... نہیں ایک قطرہ بھی نہیں۔"

"کون سی پیتے ہو......!"

"اسکاچ......!" حمید نے جلدی سے کہا۔ "لیکن میں نے اتوار کے دن پینے [cut off]
رکھی ہے۔"

"کیوں......؟"

"میں تھوڑا سا مذہبی آدمی بھی ہوں۔"

"یہ بہت بُری بات ہے۔"

"اچھی ہو یا بُری......اصول بہرحال اصول ہے۔" حمید نے کہا۔ "تم کونسی پیتی ہو"

"شیری......!"

"اچھا تو میں تمہیں شیری ضرور پلاؤں گا۔"

"تم بہت حسین ہو۔"

"ایک بار ایک بڑھیا نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

لڑکی کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"تم بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کا قرب مجھے سب کچھ بنا دیتا ہے۔"

"باتیں خوب بنا لیتے ہو۔"

"میں روزانہ ایک درجن باتیں بناتا ہوں اور پھر انہیں پیک کر کے بکنے کے لئے
میں بھیج دیتا ہوں۔"

"تم ضرور پئے ہوئے ہو۔"

"تمہاری ستاروں سے زیادہ چمکدار آنکھوں کی قسم میں نشے میں نہیں ہوں۔"

"خیر ہوگا......تم بہت اچھا ناچ لیتے ہو۔"

دفعتاً حمید کی نظریں اس میز کی طرف اٹھ گئیں جو کرنل پرکاش کے لئے مخصوص تھی
کرنل پرکاش، لیڈی سیتا رام اور سریندر ابھی ابھی آ کر بیٹھے تھے۔ لیڈی سیتا رام اں

بہت زیادہ پی رہی تھی۔ تھوڑی دیر ستانے کے بعد کرنل پرکاش اور لیڈی سیتارام ناچنے کے لئے تیار ہو گئے۔

حمید اور لڑکی کئی بار ناچتے ہوئے کرنل پرکاش اور لیڈی سیتارام کے قریب سے گزرے۔ لیڈی سیتارام شراب کے نشے میں بدمست تھی۔

رقص کی موسیقی رفتہ رفتہ تیزی ہوتی جارہی تھی کہ اچانک پورے ہال میں اندھیرا چھا گیا تھا۔ شاید فیوز اڑ گیا تھا۔ اندھیرے میں عجیب قسم کا ہیجان برپا ہوگیا۔ دفعتاً ایک عورت کی چیخ سنائی دی۔

"ارے ارے......چھوڑو......ارے چھوڑ......میرا ہار......میرا ہار......!" وہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔ اسی کے ساتھ اور بھی کئی تیز قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ چند لمحوں کے بعد پھر روشنی ہوگئی۔ ایک جوان عورت جو لباس سے کافی دولت مند معلوم ہو رہی تھی "میرا ہار میرا ہار" ابھی تک چیخے جا رہی تھی۔ لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

"کسی نے میرا ہیروں کا ہار اُتار لیا......!" وہ چیخ کر بولی۔

اتنے میں منیجر بھی آ گیا۔ اس نے ہال کے سب دروازے مقفل کرادیئے۔

"خواتین و حضرات!" وہ ایک میز پر کھڑا ہو کر بولا۔ "مجھے سخت افسوس ہے کسی بدمعاش نے لیڈی اقبال کا ہار چرا لیا۔ مجبوراً مجھے اس وقت تک کے لئے سب دروازے مقفل کرا دینے پڑے جب تک کہ پولیس آ کر کوئی کاروائی نہ شروع کر دے۔ اُمید ہے کہ آپ لوگ مجھے اس گستاخی پر معاف فرمائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے......بالکل ٹھیک ہے۔" بہت سی آوازیں سنائی دیں۔

کچھ دیر بعد پولیس آ گئی۔ ایک سرے سے سب کی تلاشی شروع ہوگئی۔ تلاشی لینے والوں میں انسپکٹر جگدیش بھی تھا۔ جب وہ حمید کے قریب آیا تو حمید نے بھی اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔

"ارے آپ......!" جگدیش ٹھٹک کر بولا۔ "کیوں مذاق کرتے ہیں۔"

وہ آگے بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو...... میری تلاشی بھی لیتے جاؤ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

جگدیش بھی ٹھٹک گیا۔

"جلدی کرو...... ہچکچاؤ نہیں...... مصلحت یہی ہے اور میرے لئے بالکل اجنبی بنے رہو۔" جگدیش نے حمید کی بھی تلاشی لی اور آگے بڑھ گیا۔ حمید خود بھی اپنی تیز نظروں سے برابر کام لے رہا تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح یقین ہوگیا تھا کہ چور اس وقت ہال میں موجود نہیں۔ کیونکہ عورت کے چیخنے کے دو تین منٹ بعد تک ہال میں اندھیرا رہا تھا۔ اس وقفہ میں چور نہایت آسانی سے باہر جاسکتا تھا۔ اس وقت کی تلاشی محض رسمی کاروائی سمجھ رہا تھا۔

تلاشی کا سلسلہ تقریباً تین گھنٹہ تک جاری رہا۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر تھک ہار کر پولیس والوں نے دروازے کھلوا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ہال میں بالکل سناٹا تھا۔ صرف وہی لوگ باقی رہ گئے تھے جو آرلکچو میں مستقل طور پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیڈی سیتارام اور سریندر بھی ابھی موجود تھے۔ انہیں کے قریب کی ایک میز پر حمید بھی کافی پی رہا تھا۔ پولیس والے کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ لیڈی اقبال ابھی تک منیجر سے الجھی ہوئی تھی۔ منیجر غریب بُری طرح بدحواس تھا کیونکہ اس کے ہوٹل میں یہ دوسرا حادثہ تھا اور اب کوئی چیز ہوٹل کو بدنامی سے نہیں بچا سکتی تھی۔

"اب چلنا چاہئے۔" لیڈی سیتارام بولی۔

"ایسی بھی کیا جلدی۔" کرنل پرکاش نے کہا۔ "کچھ دیر چل کر میرے کمرے میں بیٹھ لیے پھر چلی جایئے گا...... کیوں سریندر صاحب۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" سریندر نے کہا۔

تینوں اٹھ کر زینوں کی طرف بڑھے۔

حمید ان کا پیچھا کرنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ وہ اس وقت خاص طور پر کرنل پرکاش کا پیچھا کرنے کا عادی ہوگیا تھا جب لیڈی سیتارام بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی اور اس وقت تو سریندر بھی تھا۔ کرنل پرکاش کا رقیب۔ اس وقت ان کا پیچھا کرنے کی سب سے بڑی

نہیں کہ کرنل پرکاش نے ان دونوں کو اتنی رات گئے روکا کیوں ہے۔ حمید بھی اٹھا زینے طے کرکے اوپر آیا۔ کرنل پرکاش کے کمروں کے سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا، جسے قد آدم دیواروں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اس طرح یہ حصہ ہوٹل کے بقیہ حصوں سے بالکل الگ ہوگیا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ حمید دروازے سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ اسے اطمینان تھا کہ اس وقت ادھر کوئی نہیں آسکتا اس نے اپنی آنکھ دروازے کی کنجی کے سوراخ سے لگادی۔

لیڈی سیتارام اور سریندر صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور کرنل پرکاش ٹہل رہا تھا۔

"میں اس وقت آپ لوگوں کو اپنا ایک کرتب دکھانا چاہتا ہوں۔" وہ ٹہلتے ٹہلتے رک کر

سریندر اور لیڈی سیتارام اُسے تعجب سے دیکھنے لگے۔

"یہ دیکھئے...... یہ رہا...... لیڈی اقبال کا ہار......!"

"ارے......!" کہہ کر لیڈی سیتارام اور سریندر کھڑے ہوگئے۔

کرنل پرکاش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"میں آپ کو اتنا گرا ہوا نہیں سمجھتا تھا۔" سریندر نے تیز لہجہ میں کہا۔

"اوہ میرے شیر......!" کرنل پرکاش طنزیہ ہنسی کیساتھ بولا۔ "تم کس سے کم ہو۔"

"کیا مطلب......!" سریندر جلدی سے بولا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار پیدا ہو گئے۔

"مطلب صاف ہے، ذرا اسے ملاحظہ فرمایئے۔" کرنل پرکاش نے ایک کاغذ نکال کر سریندر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سریندر کاغذ لیکر پڑھنے لگا۔ اسکی پیشانی سے پسینے کی بوندیں ڈھلکنے لگیں، اس نے کاغذ پھاڑنے کا ارادہ کیا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں کرنل پرکاش کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"خبردار...... ادھر لاؤ، ورنہ بھیجا اڑا دوں گا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم غلط سمجھے۔ میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔"

سریندر نے کاغذ لوٹا دیا۔ لیکن وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ لیڈی سیتارام کے چہ
ہوائیاں اڑ رہی تھیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یک بیک وہ گونگی ہو گئی ہو۔ کبھی وہ سر
طرف دیکھتی اور کبھی کرنل پرکاش کی طرف۔

"میں اس کاغذ کی پوری کہانی سے اچھی طرح واقف ہوں۔" کرنل پرکاش نے کہا

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" سریندر بدقت تمام بولا۔

"خیر تم ابھی بچے ہو...... مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہاں اب آؤ کام کی بات کی ط
میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کس بات کا سمجھوتہ۔"

"ہاں اب آئے ہو سیدھی راہ پر۔" کرنل پرکاش میز پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"جانتے ہو میں افریقہ سے یہاں کس لئے آیا ہوں، یہ تینوں ہار میرے ہی ہیں
دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس ہار کی اصلی قیمت سے لیڈی اقبال بھی واقف نہیں۔
یہ ہار میری تجوری سے چرائے گئے تھے۔ میں عرصہ تک ان کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ آ
پتہ چلا کہ تینوں ہار اس ملک میں فروخت کئے گئے ہیں۔ میں یہاں آیا اور عرصہ تک ادھر ا
خاک چھانتا رہا۔ آخر کار مجھے معلوم ہو ہی گیا کہ تینوں ہار اسی شہر میں فروخت کئے گ
ایک تو میں نے حاصل کر ہی لیا۔ باقی رہے دو ہار...... ان کے متعلق کوئی پتہ نہیں چل سکا
نے قبضے میں ہیں۔ بہرحال میں جس معاملے میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ
دونوں مجھے یہاں کے بڑے آدمیوں سے ملاؤ۔ میں اپنے ہار حاصل کر کے واپس چلا جا
اور ایک بہادر کی طرح وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں کا راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔"

لیڈی سیتارام اور سریندر کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ دونوں بے بسی سے ایک دوسر
طرف دیکھ رہے تھے۔

"میرا دوستی کا ہاتھ ہمیشہ تم لوگوں کی طرف بڑھا رہے گا۔" کرنل پرکاش پھر بولا
جب بھی یہاں اپنے لئے خطرہ محسوس کرو، نہایت بے تکلفی کے ساتھ افریقہ آ سکتے ہو، میں

اپنا ہی سمجھوں گا۔ تم لوگ ابھی مجھ سے واقف نہیں۔ میں تمہیں ایک رات میں کروڑ پتی
ہوں...... بولو کیا کہتے ہو۔"

"منظور ہے......!" سریندر نے کہا۔

"شاباش...... مجھے تم سے یہی امید تھی...... بغیر ایک دوسرے کے کام آئے...... زندہ
ے کار ہے۔"

کرنل پرکاش خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی چیز پر غور کر رہا ہو۔ اچانک وہ
ے کی طرف جھپٹا...... اور دروازہ کھول دیا۔ حمید سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ کرنل پرکاش کا ہاتھ
گردن پر پڑا۔

"خبردار شور نہ کرنا...... ورنہ یہیں ڈھیر کر دوں گا۔" کرنل پرکاش نے حمید کو کمرے کے
ھیل کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

لیڈی سیتارام اور سریندر گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ کون ہے......؟" دونوں بے ساختہ بولے۔

حمید بے بسی سے فرش پر پڑا کرنل پرکاش کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کو دیکھ رہا تھا۔

"کون ہے ابے تو......!" کرنل پرکاش گرج کر بولا۔

"تمیز سے بات کرو۔" حمید اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا جی...... سیدھی طرح بتاؤ نہیں تو......!"

"اگر میں نہ بتاؤں تو۔"

"میرا ایک کارتوس خواہ مخواہ خراب ہوگا......" کرنل پرکاش بولا۔ "اس کے لہجے میں
درندگی محسوس ہو رہی تھی۔"

حمید لرز اٹھا۔

"جانتے ہو کرنل پرکاش کا راز معلوم کرنے والے کی سزا موت ہے۔" کرنل نے کہا۔
"اگر جینا چاہتے ہو تو سیدھی طرح بتا دو کہ تم کون ہو۔"

"تم ذرا گولی چلا کر تو دیکھو۔" حمید جی کڑا کر کے بولا۔ "کرنل پرکاش تم نے
تک کسی برابر والے سے ٹکر نہیں لی۔"

"واہ رے میری مینڈکی۔" کرنل پرکاش نے کہا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں
میں ابھی تم سے اگلوا لیتا...... خیر پھر سہی۔"

کرنل پرکاش نے میز پر رکھا ہوا رول اٹھا کر حمید کے سر پر دے مارا...... حمید تیورا کر
پڑا۔ اس نے دو تین رول اور رسید کیے۔ حمید بیہوش ہو چکا تھا۔

"دیکھا تم نے......!" کرنل دونوں کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "اس طرح لوگ
پیچھے لگے ہوئے ہیں، معلوم نہیں یہ کون ہے۔ شکر ہے کہ میں نے بات کی رو میں تمہار
کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ مگر یہ مشکوک ضرور ہو گیا ہوگا۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ کو
ورنہ میں اس کو اسی وقت ٹھکانے لگا دیتا۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے
جائے۔"

"اس کا انتظام میں کروں گی۔" لیڈی سیتارام جلدی سے بولی۔ "لیکن اسے
کس طرح لے جایا جائے گا۔"

"نہایت آسانی سے...... یہ میں کرلوں گا۔" کرنل پرکاش نے کہا اور حمید پر
حمید کا سر پھٹ گیا تھا۔ زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ کرنل پرکاش نے زخم صاف کر کے
دی۔

"سریندر آؤ...... اسے پکڑ کر نیچے لے چلیں۔ کار تو تم لائے ہی ہو گے۔" کرنل

"تو کیا اسی طرح نیچے لے جایئے گا۔" لیڈی سیتارام حیرت سے بولی۔

"ہاں...... اسی طرح...... تم گھبراؤ نہیں...... تم ابھی مجھے نہیں جانتیں۔"

حمید کو ایک طرف سے سریندر نے پکڑا اور دوسری طرف سے کرنل پرکاش
سہارا دیتے ہوئے لے چلے۔

نیچے اتر کر وہ ہال سے گزر رہے تھے کہ منیجر لپکتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"کیوں...... کرنل صاحب کیا بات ہے۔"

"ارے صاحب کیا بتاؤں...... آج کل کے لونڈوں کے جسم میں سکت نہیں اور پینے پر
ئیں گے تو قرابے کے قرابے صاف...... صاحبزادے نے وہ اچھل کود مچائی کہ سر ہی پھوڑ
ٹھے۔ اب انہیں ان کے گھر پھینکنے جا رہا ہوں۔ منع کر رہا تھا کہ زیادہ نہ پیو...... مگر کون
تا ہے۔"

منیجر مسکرا کر سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔

"کیوں سریندر کیسی رہی۔" کرنل پرکاش کار میں بیٹھ کر بولا۔

"مانتا ہوں استاد......!"

"میں آپ کو اتنا دلیر نہیں سمجھتی تھی۔" لیڈی سیتارام بولی۔

"ابھی تم لوگوں نے دیکھا ہی کیا ہے...... مجھے کرنل پرکاش کہتے ہیں۔"

کار تاریک سڑکوں پر اپنی روشنی بکھیرتی ہوئی تیزی سے سر سیتارام کی کوٹھی کی طرف
رہی تھی۔

پریم کہانی

حمید کو ہوش آیا تو اسے اپنے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی معلوم ہوئی، سر
کی طرح دکھ رہا تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے نقاہت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے لیٹے
لیٹے ادھر اُدھر ہاتھ پیر چلائے۔ وہ ایک چٹائی پر پڑا تھا، تھوڑی دیر تک وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ
ر تاریکی میں گھورتا رہا پھر آنکھیں بند کرلیں۔ آہستہ آہستہ سارے واقعات اس کے ذہن
ناچنے لگے۔ معلوم نہیں وہ اس وقت کہاں پڑا ہوا ہے۔ اس کا تو اُسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ
قید ہے۔ اس نے کرنل پرکاش کا راز معلوم کرلیا تھا۔ لہٰذا وہ اُسے آزاد کیوں چھوڑنے

لگا۔ آخر لیڈی سیتارام وغیرہ کا راز کیا تھا، جس کی طرف کرنل پرکاش نے اشارہ کیا تھا۔ کمار رام سنگھ کے قتل کی طرف تو اشارہ نہیں تھا۔ یہ کرنل پرکاش بھی انتہائی سفاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔

حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس کے سر پر ہتھوڑے چلا رہا ہو۔ اس پر آہستہ آہستہ غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا وہ سوتا رہا۔

اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی کی نرم ولطیف سانس اس کے چہرے کو چھو رہی ہو کوئی اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے ان میں مرچیں بھر دی گئی ہوں۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ آنکھیں نہ کھول سکا۔ اب کسی کی نرم انگلیاں اس کے بالوں پر آہستہ آہستہ رینگ رہی تھیں۔

"حمید صاحب۔" کسی نے آہستہ سے پکارا۔

وہ چونک پڑا۔ آواز جانی پہچانی معلوم ہوئی۔ اس نے پھر پکارا۔ اب کی بار حمید نے تحاشہ آنکھیں کھول دیں اور انتہائی نقاہت کے باوجود بھی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"ارے تم......شہناز......!" وہ خوشی اور تعجب کے ملے جلے لہجے میں چیخا۔

شہناز نے سر ہلا دیا۔ اس کا سرخ وسپید رنگ ہلدی کی مانند پیلا ہو گیا تھا۔ آنکھوں گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ ہونٹوں پر سیاہی کی ہلکی سی تہہ جم گئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو جھلک تھے۔

"یہ آپ کے سر میں کیا ہوا......آپ کے کوٹ پر خون کے دھبے کیسے ہیں۔" شہناز ہی سانس میں کہہ گئی۔

"یہ ایک لمبی داستان ہے......" حمید نے کہا۔ "مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ ابھی بتا سکوں میں تمہارے متعلق معلومات کرنے کیلئے بیتاب ہوں۔ تم یہاں کس طرح پہنچیں۔"

"یہ میں بعد کو بتاؤں گی۔ آپ کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ میں کیا کروں۔"

"سچ......!" حمید نے ایک نقاہت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور پھر چٹائی پر لیٹ

ز نے اپنا دوپٹہ تہہ کر کے اس کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے ے گالوں پر ڈھلک آئے۔

"تم رو رہی ہو پگلی کہیں کی۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "میں تمہیں پانے کے لئے جدوجہد رہا تھا...... پالیا......اب میں نہایت سکون کے ساتھ مر سکتا ہوں۔"

شہناز ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

"تم مجھے اپنا دوست سمجھتی ہو۔" حمید نے پوچھا۔

شہناز نے سر ہلا دیا۔

"تو میں اسی دوستی کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ رو نہیں...... میں اپنے دل کو اس وقت زیادہ کمزور محسوس کر رہا ہوں۔"

شہناز نے آنسو پونچھ ڈالے اور اپنی ہچکیوں کو دبانے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں شروع ہی سے تمہیں بے گناہ سمجھتا رہا ہوں...... جب تمہارا ٹ گرفتاری نکلا تھا تو میں انسپکٹر سنہا سے لڑ گیا تھا۔"

"وارنٹ گرفتاری......!" شہناز چونک کر بولی۔ "وہ کس لئے۔"

"تمہارے غائب ہو جانے کے بعد تمہارے گھر سے ایک مشکوک خط برآمد ہوا جس کی گروہ کی طرف سے غائب ہو جانے کی ہدایت دی گئی تھی۔"

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے اس قسم کے کسی خط کا علم نہیں اور نہ میرا تعلق کسی اسے ہے۔"

"اب قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" حمید نے کہا۔ "تمہاری بے گناہی سورج کی روشن ہے۔"

"اچھا یہ بتا سکتی ہو کہ تم کس کی قید میں ہو۔"

"یہ مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکا۔ البتہ مجھے قید کرنے والے مجھ پر مہربان ضرور ...... انہوں نے مجھے بھوکوں نہیں مارا۔"

"اچھا تو کیا کوئی کھانا لے کر آتا ہے۔"

"نہیں...... اس سامنے والی دیوار کی جڑ میں ایک دراڑ سی پیدا ہو جاتی ہے اور ا کھانا اندر کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور جب میں برتن اس دراڑ سے باہر نکال دیتی دراڑ خود بخود بند ہو جاتی ہے۔"

اب حمید نے لیٹے ہی لیٹے اس جگہ کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہ ایک وسیع کمرہ طرف بڑی سی میز اور کچھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے کی ساخت بتا رہی تھی کہ وہ ہے، چھت میں دو تین جگہ موٹے موٹے اور دھندلے شیشے لگے ہوئے تھے، جن کے تھوڑی بہت روشنی اندر آتی تھی۔ شیشے اس قدر دھندلے تھے کہ اس کے پار کی کوئی چ نہیں دیتی تھی۔ اس پورے کمرے میں باہر جانے کے لئے کوئی دروازہ نہیں تھا۔ صرف دروازہ نظر آ رہا تھا وہ بھی اس کمرے کے ایک کونے میں بنی ہوئی کوٹھڑی کا تھا۔

"کیا یہ دروازہ باہر جانے کا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں غسل خانہ ہے۔"

"تو اس کا مطلب کہ یہ کمرہ نہیں ہمارا مقبرہ ہے۔" حمید نے کہا۔ "ذرا ہاتھ پا کچھ طاقت آئے تو باہر نکلنے کی جدوجہد کی جائے۔"

اتنے میں سامنے والی دیوار کی جڑ میں ایک کھٹکے کے ساتھ دو بالشت چوڑی ہو گئی جس سے ایک کشتی جس میں ناشتہ تھا کمرے کے اندر کھسکا دی گئی۔ شہناز نے اٹھالی۔ حمید اس دراڑ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس دراڑ کی باقاعدہ حفاظت ہو گی۔ حمید خیالات میں الجھتا رہا۔ اتنی دیر میں شہناز نے دو پیالیاں چائے کی تیار کیں قطعی بھوک نہیں تھی لیکن شہناز کے اصرار پر کچھ نہ کچھ کھانا ہی پڑا۔ شہناز نے برتن سے واپس کر دیئے۔

"کل تک میں بہت پریشان تھی، لیکن آج نہ جانے کیوں ایسا معلوم ہو رہا اپنے گھر ہی میں بیٹھی ہوں۔" شہناز نے کہا۔

"خدا نے چاہا تو تم بہت جلد اپنے گھر میں ہو گی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی کام لندی کا کیا ہے۔"

"وہ کیا......؟"

"یہی کہ اس حادثے سے پہلے میں فریدی صاحب کو یہاں کے مفصل حالات لکھ دیئے ف۔"

"تو کیا فریدی صاحب موجود نہیں تھے۔"

"نہیں...... وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔" حمید نے کہا اور اس کے بعد اس نے شروع سے لے کر آخر تک شہناز کو سارے واقعات بتا دیئے۔

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں لیڈی سیتا رام کی قید میں ہوں۔" شہناز نے حیرت سے کہا۔

"قطعی......!"

"لیکن آخر کیوں......؟ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔"

"وہ دراصل اپنا جرم کسی دوسرے کے سر تھوپنا چاہتی تھی۔ اتفاق سے تم ہی زد میں آ گئیں۔"

"تو کیا لیڈی سیتا رام ہی رام سنگھ کی قاتل ہیں۔"

"حالات تو یہی کہتے ہیں۔"

"اب مجھے یہاں سے بچ نکلنے کی کوئی امید نہیں۔"

"ایسا مت سوچو...... فریدی صاحب ضرور آئیں گے اور اگر وہ نہ بھی آئے تو میری موجودگی میں تمہیں پریشان ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔"

"آپ بہت اچھے آدمی ہیں......!" شہناز نے کہا۔

"بس اتنی سی بات...... نہیں میں بہت برا آدمی ہوں۔"

"ہوں گے لیکن میرے لئے نہیں۔"

"تو کیا واقعی تم مجھ پر بھروسہ کرتی ہو۔"

"آخر کیوں نہ کروں۔"

"ایک بات پوچھوں...... یہ کہ تم نے لیڈی سیتا رام کے یہاں کا ٹیوشن کیوں چھوڑا تھا۔"

"مجھے ناپسند تھا۔"

"آخر ناپسندیدگی کی وجہ۔"

"وہاں کئی بہت ہی آوارہ اور اوباش قسم کے لوگ آنے لگے تھے۔ اکثر وہ مجھے بھی اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ چیز مجھے ناپسند تھی۔"

حمید کچھ اور پوچھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ شہناز نے اُسے روک دیا۔

"آپ زیادہ باتیں نہ کیجئے...... سر سے بہت زیادہ خون نکل گیا ہے...... کہیں پھر چکر آجائے۔"

"اتنے دنوں کے بعد تم ملی ہو...... دل چاہتا ہے بس باتیں کئے جاؤ۔"

"نہیں بس آنکھ بند کیجئے...... میں سر سہلاتی ہوں۔"

حمید نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ ہولے ہولے اس کا سر سہلانے لگی۔ حمید کو اپنے میں ایک عجیب قسم کی غم آلود نرماہٹ پھیلتی معلوم ہونے لگی۔ وہ خلوص اور پیار جس کا ہر مرد عورت سے متمنی ہوتا ہے حمید کو آج تک نہ ملا تھا۔ حمید کو شہناز کے اس رویئے میں ایک لگاوٹ محسوس ہوئی جسے ممتا کے بعد درجہ دیا جاسکتا ہے۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے۔

"ارے...... ارے آنسو کیوں؟"

"کچھ نہیں......!" حمید نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کو میری قسم بتائیے کیا بات ہے۔"

"مجھ سے تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال آپ اپنی حالت دیکھئے...... میری بعد میں دیکھئے گا۔"

"یہ آفت تم نے خود اپنے سر مول لی ہے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے......؟"

"نہ تم اتنی سوشل ہوتیں اور نہ یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔"

"اپنی اس حماقت پر تو عرصہ سے رو رہی ہوں۔" شہناز نے کہا۔ "اگر کبھی آسمان دیکھنا نصیب ہوا تو انشاء اللہ صحیح معنوں میں ایک شریف عورت کی طرح زندگی بسر کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"جب تک کہ ہمارے سماج کا پورا ڈھانچہ ہی نہ بدل جائے عورتوں کی آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں...... اب یہ بات میری سمجھ میں بھی آگئی ہے۔"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو...... اب یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو لیٹے رہئے نا......!"

"نہیں یہ لیٹنے کا وقت نہیں۔ اب کسی لمحے بھی ہم موت سے دوچار ہو سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے......!"

"کرنل پرکاش محض یہ معلوم کرنے کے لئے یہاں لایا ہے کہ میں کون ہوں۔ میں نے اس کا راز معلوم کرلیا ہے...... لہٰذا وہ مجھے کبھی زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"خدانخواستہ...... ایسی بات منہ سے نہ نکالئے۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں شہناز...... یہاں سے بچ کر نکلنے کے لئے جلدی ہی کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔"

حمید اٹھ کر تہہ خانے کی دیواروں کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بڑی محنت اور جانفشانی سے دیوار کا ایک ایک حصہ ٹھونک بجا کر دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پسینے پسینے ہوگیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

"معلوم ہوتا ہے شاید مرنے کا وقت سچ مچ قریب آ گیا ہے۔" حمید نے بےبسی
کہا۔

شہناز کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، وہ نڈھال ہوکر چٹائی پر لیٹ گئی۔

"کیوں......کیا بات ہے۔" حمید نے کہا۔

"کچھ نہیں......یونہی چکر سا آ گیا ہے۔"

"گھبراؤ نہیں......ضرور کوئی نہ کوئی اچھی صورت پیدا ہوگی۔ میں اس پر یقین رکھتا ہوں بے گناہوں کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔" حمید نے کہا۔

شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید بیٹھا سوچتا رہا۔ دفعتاً اس کا خیال دیوار کے اس حصے طرف گیا جہاں دراڑ پیدا ہوئی تھی۔ وہ جھک کر دیکھنے لگا۔ وہیں قریب ہی فرش کی ایک ا اکھڑی ہوئی تھی اور خالی جگہ اتنی بھری ہوئی تھی کہ سطح فرش کے برابر ہوگئی تھی۔ حمید نے پ اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا لیکن پھر سوچنے لگا کہ یہاں اس تہہ خانے میں اتنا گرد کہاں سے آیا کہ خالی اینٹ کی جگہ خود بخود بھر گئی اور اگر اینٹ نکل جانے کے بعد اس م اس لئے بھری گئی ہے کہ فرش برابر ہوجائے تو یہ بات بالکل بے تکی سی لگتی ہے۔ کیونکہ جہاں جگہ دوسری اینٹ جڑی جاسکتی تھی مٹی سے اسے بھرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

حمید نے ادھر اُدھر دیکھا۔ میز پر ایک چمچہ پڑا ہوا تھا۔ وہ اس سے مٹی کھودنے لگا۔ مٹی نکل جانے کے بعد اچانک چمچہ کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس نے جلدی جلدی مٹی نکالنی کی۔ یہ سخت چیز لوہے کا ایک لٹو تھا۔ اس نے اسے گھمانے کی کوشش کی، لیکن اس میں جنبش نہ ہوئی۔ اس نے اب اسے دوسری طرف گھمانا شروع کیا۔ ذرا سی محنت کے بعد ہی لٹو گھو اور جہاں پر دراڑ پیدا ہوئی تھی وہاں کی دیوار کا کچھ حصہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہا تھا۔

"شہناز یہ دیکھو......!" حمید خوشی میں چیخا۔

شہناز اور حمید کھڑے متحیر ہوکر دیکھ رہے تھے۔ سامنے کی دیوار میں ایک قد آدم نمودار ہوگیا تھا۔ چند گز کے فاصلے پر اوپر جانے کے لئے زینے تھے۔

دوسرا بھیانک ناچ

ابھی دونوں کی حیرت رفع نہ ہوئی تھی کہ زینوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کرنل اش اور لیڈی سیتا رام نے زینے طے کرتے ہوئے نیچے کی طرف آرہے تھے۔ حمید کو ایسا لوم ہوا جیسے کسی نے اُسے پہاڑ پر سے زمین کی طرف لڑھکا دیا ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ اب کیا کرے۔ کرنل پرکاش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"بڑے چالاک ہو برخوردار......" اس نے جیب سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔ "پیچھے
"

شہناز اور حمید سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔

"لو ریکھا اچھے وقت پر پہنچ گئے ورنہ یہ ابھی چوٹ ہی دے گیا تھا۔" کرنل پرکاش نے رے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ڈارلنگ......تم ہمیشہ ٹھیک وقت پر کام کی باتیں سوچتے ہو۔" لیڈی سیتا رام اس کے انے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"تم لوگ وہاں کونے میں جاکر بیٹھو۔" کرنل پرکاش نے حمید اور شہناز سے کہا۔

"اگر ذرہ برابر بھی شرارت کی تو یاد رکھنا یہ پستول بڑا خونی ہے۔"

حمید اور شہناز کونے میں جاکر بیٹھ گئے۔

"جانتی ہو ریکھا ڈارلنگ یہ کون ہے۔" پرکاش نے کہا۔

"نہیں......!"

"سرکاری سراغ رساں سارجنٹ حمید......!"

"ارے......!"

"ہاں...... یہ مجھے صبح کو معلوم ہوا۔ کہو بیٹا حمید صاحب اب تمہارا کیا حشر کیا جائے"

"کرنل پرکاش ...... کان کھول کر سن لو...... اگر میرا ایک بال بھی بیکا ہوا تو میرا تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ چاہے تم پاتال ہی میں جا کر کیوں نہ چھپو۔" حمید نے کہا۔

"اچھا ریکھا...... ابھی میں ان دونوں کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ افریقہ کیا رہی۔ اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں اپنے دونوں ہار لئے بغیر ہی چلا جاؤں گا۔ تم سے زیادہ ہاروں کی قیمت نہیں ہے۔"

"مگر یہ ابھی کیسے ممکن ہے۔" لیڈی سیتا رام نے کہا۔

"جو چیز تمہیں روک رہی ہے میں اسے بھی سمجھتا ہوں۔ تم اطمینان رکھو...... سریندر سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔"

"کیا مطلب......!" لیڈی سیتا رام چونک کر بولی۔

"ارے تم اس کا مطلب نہیں سمجھیں۔ کیا وہ کل رات والا کاغذ یاد نہیں، جو میں سریندر کو دیا تھا۔ دیکھو...... میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے اور سریندر کے ناجائز ہیں۔ رام سنگھ کے ہاتھ تمہارا ایک خط لگ گیا تھا، جو تم نے سریندر کو لکھا تھا، وہ آئے لوگوں کو اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے دھمکا کر تم سے روپیہ اینٹھتا تھا آخر ایک دن تنگ نے اسے قتل کر دینے کا پلاٹ بنایا اور اسے قتل بھی کر دیا۔ کرنل پرکاش سے کوئی بات چھپی نہیں ہے۔"

لیڈی سیتا رام کا چہرہ فق ہو گیا اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"لیکن میری ریکھا...... میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں تمہاری پچھلی سے کوئی سروکار نہ رکھوں گا۔ محبت اندھی ہوتی ہے۔ وہ اچھائی یا برائی کچھ نہیں دیکھتی۔"

"کرنل میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ اتنی برائیوں کے باوجود بھی مجھ میں جذبہ موجود ہے اور میں اسے صرف تمہارے ہی لئے وقف کر چکی ہوں۔ میں کیا بتاؤں

مجبوریوں کے تحت سریندر......!"

"سریندر کے ساتھ عیاشی کرتی تھی۔" دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

سب کی نگاہیں اُدھر اٹھ گئیں۔ دروازے میں سریندر ہاتھ میں پستول لئے کھڑا تھا، جس کا رخ کرنل پرکاش کی طرف تھا

"تم دونوں یہ آرزو ہی لئے ہوئے دنیا سے چلے جاؤ گے۔" وہ گرج کر بولا۔

کرنل پرکاش نے اٹھنا چاہا...... سریندر نے بیٹھ کر لٹو گھما دیا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔

"خبردار...... اپنی جگہ سے ہلنا مت......!" سریندر نے چیخ کر کہا۔

کرنل پرکاش نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"پیچھے ہٹو...... پیچھے ہٹو...... نہیں تو گولی چلا دوں گا۔" سریندر چیخا۔

"چلا بھی دو میری جان۔" کرنل پرکاش رک کر بولا۔ "مجھے تم سے بھی اتنی ہی محبت ہے جتنی کہ ریکھا سے ہے۔"

"چپ رہو...... سؤر کے بچے۔" سریندر نے گرج کر کہا اور ٹریگر دبا دیا۔ مگر دھماکے کی آواز نہیں سنائی دی۔

کرنل پرکاش نے پھر قہقہہ لگایا۔ سریندر گھبرا کر پستول کی طرف دیکھنے لگا۔

"واہ برخوردار...... اسی کے بل بوتے پر بہادری دکھانے چلے تھے۔ سنو بیٹا...... میں ہاتھ کی لکیروں میں دل کا حال پڑھ لیتا ہوں، میں نے اسی وقت تمہاری جیب میں پڑے ہوئے پستول کی گولیاں نکال لی تھیں جب تم اوپر مجھ سے بات کر رہے تھے۔ میں کل رات ہی سمجھ گیا تھا کہ تم کوئی چال ضرور چلو گے۔ تو گویا تم اس تہہ خانے کو ہم دونوں آدمیوں کا مقبرہ بنانا چاہتے تھے۔ خیر اب بھی یہاں تین ہی لاشیں ہوں گی۔"

کرنل پرکاش نے بڑھ کر سریندر کی گردن پکڑ لی۔ سریندر بچوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ کرنل نے اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

"دیکھو سریندر میں اب تم سے سمجھوتہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھے ریکھا کو نکال لے

جانے میں مدد دینے کا وعدہ کرو تو تمہیں چھوڑ دوں۔"

"مجھے منظور ہے۔" سریندر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یوں نہیں۔" کرنل ہنس کر بولا۔ "تم بہت بھیانک آدمی ہو۔ تمہیں اپنا فیصلہ تبدیل کرتے دیر نہیں لگتی۔ میں کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جس سے ہمیشہ تمہاری کور مجھ سے دبی رہے تاکہ تم بعد میں کوئی شرارت نہ کرسکو۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو......؟"

"تم مجھے یہ لکھ کر دے دو کہ تم رام سنگھ کے قاتل ہو۔ اس پر تمہارے اور ریکھا دونوں کے دستخط ہوں گے۔ تم گھبراؤ نہیں...... میں یہ صرف اپنے اطمینان کے لئے کر رہا ہوں۔"

سریندر کے سارے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔ کبھی وہ لیڈی سیتا رام کی طرف دیکھتا اور کبھی کرنل پرکاش کی طرف۔

"میں مسودہ تیار کئے دیتا ہوں۔ تم دونوں اپنے دستخط کر دو۔" کرنل پرکاش نے کہا۔

"میں کیوں دستخط کروں۔" ریکھا نے کہا۔

"ریکھا ڈارلنگ...... تم گھبرا کیوں گئی ہو۔ تمہارے دستخط سے یہ چیز اور مضبوط ہو جائے گی کیونکہ تم بطور گواہ اس پر دستخط کرو گی۔ تبھی ہم دونوں چین سے رہ سکیں گے، ورنہ حضرت۔"

کرنل پرکاش نے جلدی جلدی مسودہ تیار کیا اور دستخط کے لئے سریندر کی طرف بڑھا دیا۔ سریندر نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے دستخط کر دیئے۔ لیڈی سیتا رام نے بھی اس کی تقلید کی۔ کرنل پرکاش نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"اب تم دونوں مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" اس نے حمید اور شہناز کی طرف دیکھ کر کہا۔

پھر اچانک کرنل پرکاش نے جنگلیوں کی طرح اچھل اچھل کر ناچنا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ وہ گاتا بھی جا رہا تھا لیکن مفہوم ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ کیونکہ زبان غیر ملکی تھی۔ وہ وحشیوں سے بدتر ہوتا جا رہا تھا۔

"پرکاش ڈارلنگ...... پرکاش ڈارلنگ......!" لیڈی سیتا رام چیخی۔

کرنل پرکاش اسی طرح ناچتا ہوا بولا۔ "بولومت...... بولومت...... چیں خیں چیں گیر میں خوشی کا ناچ ناچ رہا ہوں۔ افریقہ کے جنگلیوں کا ناچ...... گیرولا چیچی پینی ٹمٹائیں گیرولا۔"

ناچتے ناچتے اس کا چشمہ اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ مونچھ اور ڈاڑھی اکھڑ کر فرش پر آرہی اور حمید بے اختیار چیخ پڑا۔ "فریدی صاحب۔"

فریدی کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔ لیڈی سیتا رام چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ سریندر بیٹھا اس طرح کانپ رہا تھا جیسے اُسے جاڑا دے کر بخار آ گیا ہو۔

فریدی نے جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر حمید کو دیں۔ حمید نے جلدی جلدی دونوں کو ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

خوشگوار لمحے

فریدی اور حمید اپنے ڈرائینگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"ابھی تک جگدیش نہیں آیا۔" فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو کیا واقعی اس کیس کی کامیابی کا ذمہ دار اسی کو بنائیں گے۔" حمید بولا۔

"میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر اس نے لیڈی سیتا رام کے بارے میں مجھے نہ بتایا ہوتا تو میں زندگی بھر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اور میں نے یہ ساری دردسری محض شہناز کے لئے مول لی تھی۔"

"تو کیا آپ واقعی شہناز......!" حمید بے اختیار بول پڑا۔ اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"تم اچھے خاصے اُلو ہو۔ شہناز کی تلاش مجھے محض تمہارے خیال سے تھی، تم اتنی جلدی

بدگمان کیوں ہوجاتے ہو۔"

"معاف کیجئے گا...... میں سمجھا شائد۔"

"جی نہیں...... آپ براہِ کرم مجھ سے پوچھے بغیر کچھ نہ سمجھا کیجئے۔ میں اور عورت لاحول ولا قوۃ۔"

"اچھا صاحب......لاحول ولا قوۃ......!" حمید ہنس کر بولا۔

"آؤ شہناز آؤ......!" فریدی دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

شہناز مسکراتی ہوئی کمرے کے اندر داخل ہو رہی تھی۔

"بولو! حمید اب کیا کہتے ہو...... کہہ دوں شہناز سے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

حمید بوکھلا گیا۔

"کیا بات ہے۔" شہناز بیٹھتی ہوئی بولی۔

"کچھ نہیں...... کچھ نہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"خیر کہو شہناز کوئی نئی بات۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی نئی بات نہیں......نئی باتیں تو میں آپ سے سننے آئی ہوں۔"

"ہاں اب سارے حالات بتا جائیے، مجھے بھی بہت بے چینی ہے۔" حمید نے کہا۔

"حالات کوئی خاص نہیں، سوائے اس کے کہ میں نے بڑی بے دردی سے تمہارا سر دیا تھا۔"

"اس کی شکایت تو مجھے بھی ہے۔ اگر آپ ذرا سا اشارہ کر دیتے تو میں خود ہی ہو جاتا۔"

"ضرور ضرور...... آپ سے یہی امید ہوتی تو اتنی قلابازیاں کھانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ وہ کاغذ کیسا تھا، جو آپ نے سریندر کو دیا تھا اور ہار چرانے کی ضرورت تھی۔"

"اتنا ہی سمجھنے لگو تو پھر سرجنٹ کیوں......" فریدی ہنس کر بولا۔ "اچھا شروع سے

ں۔ جگدیش سے لیڈی سیتارام کے متعلق معلوم کر لینے کے بعد بھی میرا ارادہ خواہ مخواہ اس جھگڑے میں پڑنے کا نہیں تھا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ شہناز غائب کر دی گئی ہے تو میں نے اسی وقت پلاٹ تیار کر لیا، جب ہم لوگ ان کی تلاش میں سڑکیں ناپتے پھر رہے تھے۔ چھٹی میں نے سچ مچ اس لئے لینی چاہی تھی کہ کتوں کی نمائش میں حصہ لوں۔ لہٰذا شہناز کے غائب ہو جانے کے بعد بھی میں اسی پر اڑا رہا کہ جاؤں گا۔ تم مجھے اسٹیشن چھوڑنے آئے تھے۔ مجھے ٹرین پر سوار کرا کر تم واپس لوٹ گئے تھے۔ میں اگلے اسٹیشن پر اتر گیا۔ وہاں سے بھیس بدل کر واپس آیا۔ مجھے سر سیتارام سے جان پہچان پیدا کرنی تھی، اس لئے میں نے کرنل پرکاش کا بھیس بدلا کیونکہ وہ بھی کتوں کا ایک مشہور شوقین تھا اور اپنے افریقی نسل کے ییلو ڈنگو کی وجہ سے اور بھی آسانی ہو گئی۔ میں نے آرلکچو کا وہی کمرہ کرایہ پر لیا جس میں رام سنگھ ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک دن اچانک جب کمرے کی صفائی ہو رہی تھی مجھے قالین کے نیچے ایک خط مل گیا۔ یہ خط لیڈی سیتارام نے سریندر کو لکھا تھا۔ فوراً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ شاید رام سنگھ دونوں کو اس خط سے بلیک میل کر رہا تھا اور ان لوگوں نے تنگ آ کر اُسے قتل کر دیا۔ اب میں نے باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے تو میں نے تمہیں نمائش گاہ سے خط بھجوانے کا انتظام کیا تاکہ تمہیں بالکل یقین ہو جائے کہ میں وہیں گیا ہوں اس دوران میں۔ میں نے یہیں آرلکچو میں لیڈی سیتارام پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ وہ بہت جلد قابو میں آ گئی۔ پھر میں سر سیتارام سے پارک میں ملا اور جب واپس لوٹ رہا تھا تو تم میرا تعاقب کر رہے تھے اب میں دیدہ دانستہ تمہیں تعاقب کا موقع دینے لگا۔ تمہاری موجودگی میں ہمیشہ میں کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور کر بیٹھتا جس سے تمہارا شبہ اور زیادہ پختہ ہو جائے۔ اس دن بالکنی میں بھی تم نے ہم دونوں کی باتیں سنی تھیں اور اس کے بعد سریندر اور ریکھا کی باتیں بھی سنی تھیں۔ مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ سر سیتارام کی کوٹھی میں کوئی تہہ خانہ ضرور ہے اور شہناز صاحبہ اسی میں بند ہیں اور یہ تو میں نے اندازہ لگا چکا تھا کہ بے چارہ سر سیتارام ان واقعات سے بالکل لاعلم ہے لہٰذا میں نے اس پوشیدہ مقام کا پتہ لگانے کے لئے ہار چرانے والا پلاٹ بنایا۔ یہ میں جانتا تھا کہ تم سایہ کی

طرح میرے پیچھے لگے رہتے ہو۔ لہٰذا تم آج بھی ہماری گفتگو سننے کی ضرور کوشش کرو گے او
ایسا ہی ہوا بھی۔ اگر تمہیں اس بات کا پہلے سے علم ہوتا تو واقعات میں اتنی بے ساختگی ہرگز
پیدا ہوسکتی۔"

"وہ تو سب کچھ ہے لیکن مجھے چکر آنے لگے ہیں...... اس کا کیا علاج ہوگا۔" حمید
کہا۔

"اوہ اس کا علاج تو......!" فریدی اتنا کہہ کر شہناز کی طرف دیکھنے لگا اور شہناز نے
کر سر جھکا لیا۔

"ہاں بھئی...... اب تم نے کیا سوچا ہے۔ کیا کالج کی ملازمت جاری رکھو گی۔" فر
نے شہناز سے کہا۔

"اب جیسی آپ رائے دیں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں جو مجھے کوئی معقول مشورہ دے سکے

"میرے خیال سے اب ملازمت ترک کردو۔ اس واقعے کے بعد سے تمہاری
بدنامی ہوچکی ہے۔ ہر چند کہ تم بے گناہ تھیں، لیکن اس قسم کی بدنامی کے اثرات مشکل ہی
مٹتے ہیں۔"

"تو پھر بتایئے میں کیا کروں۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اور حمید ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ میرا
تو...... کیوں حمید صاحب آپ کی کیا رائے ہے۔"

حمید شرمانے کی ایکٹنگ کرنے لگا اور شہناز جو سچ مچ شرما رہی تھی، ضبط کرنے کے
بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی۔

اتنے میں انسپکٹر جگدیش آ گیا۔ اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"آؤ بھئی جگدیش صاحب، خوب وقت پر آئے۔" فریدی نے کہا۔ "حمید ذرا
کے لئے کہہ دو۔"

"میں آپکا شکریہ کس منہ سے ادا کروں انسپکٹر صاحب...... کہ آپ نے میرا کیریئر

"شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم میری مدد نہ کرتے تو
بیچاری شہناز نہ جانے کہاں ہوتیں۔"

"میں نے تو صرف زبانی مدد کی تھی، لیکن آپ نے اتنی تکلیفوں کا سامنا کرکے میرے
لئے ترقی کی راہ نکالی۔"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر شہناز کا شکریہ ادا کرو۔ نہ یہ اس طرح غائب ہوتیں اور نہ میں اس
کیس میں ہاتھ ڈالتا۔"

"اچھا صاحب...... شہناز بہن کا بھی شکریہ۔" جگدیش نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"اچھا جگدیش...... لیڈی اقبال کا ہار بھی لیتے جانا، یہ کارنامہ بھی تمہارا ہی رہیگا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" جگدیش نے حیرت سے کہا۔

فریدی نے اُسے ہار کی چوری کے سارے واقعات بتائے۔ جگدیش کا منہ حیرت سے کھلا
ہوا تھا۔

"لیکن میں لیڈی اقبال سے کہوں گا کیا۔"

"سیدھی سی بات ہے...... کہہ دینا کہ شاید بھاگتے وقت چور کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔"
مجھے ایک نالی میں پڑا ملا۔

"آپ کے احسانات کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔" جگدیش نے کہا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ کہ سنہا کا کیا حال ہے۔"

"منہ لٹکا رہتا ہے...... بات بات پر مجھ سے الجھ پڑتا ہے۔"

"خیر وہ تو ہونا ہی تھا......!" حمید نے کہا۔

چاروں چائے پینے لگے۔ کبھی کبھی حمید اور شہناز نظریں چرا کر ایک دوسرے کو دیکھ لیتے
اور عجیب قسم کی شرمیلی مسکراہٹ دونوں کے ہونٹوں پر رقص کرنے لگتی۔

ختم شد

نمبر1

جاسوسی دنیا نمبر 4

تجوری کا راز

(مکمل ناول)

پیشرس

جاسوسی دنیا کا چوتھا ناول آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اب یہ آپ کے لئے کوئی نئی چیز نہیں رہ گئی ہے۔ ہندو پاکستان کا تقریباً ہر اردو پڑھنے والا جاسوسی دنیا سے روشناس ہو چکا ہے اور ہر ایک کو اس کا اعتراف ہے کہ فی زمانہ دنیا کی کوئی زبان اتنا دلچسپ لٹریچر اتنی کم قیمت پر پیش نہیں کر رہی ہے۔

آپ اس ناول کو پلاٹ اور تکنیک کے اعتبار سے سابقہ ناولوں سے کہیں زیادہ دلچسپ پائیں گے، محیر العقول واقعات دل دہلا دینے والے مناظر، جرأت و ہمت سے لبریز کارنامے، سرجنٹ حمید کی دلچسپ حرکتیں اور آپ کے ہر دلعزیز انسپکٹر فریدی

کا عجیب وغریب رول، آپ کے پسندیدہ جاسوس آپ کو عجیب و غریب حرکتیں کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ میرا دعویٰ ہے کہ آپ ایک بار کتاب اٹھانے کے بعد اختتام پر پہنچے بغیر کتاب ہاتھ سے نہیں رکھ سکتے۔

اس ناول میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی خون نہیں ہوا پھر بھی ایسے واقعات سے لبریز ہے کہ دلچسپی بڑھتی ہی جاتی ہے۔

بہرحال ناول آپ کے سامنے ہے آپ خود فیصلہ کیجئے کہ میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

ابن صفی

حیرت انگیز ڈاکہ

تقریباً رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ سارے شہر میں خاموشی طاری تھی۔ بازار میں اکا دکا پان کی دوکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ شاید پان والوں کو ان گاہکوں کا انتظار تھا جو سیکنڈ شو دیکھ کر لوٹتے وقت پان خریدا کرتے ہیں۔ کبھی کبھار ایک آدھ ٹرک سناٹے کا سینہ چیرتا سنسان سڑکوں پر دوڑتا نظر آجاتا تھا۔ سردی اپنے پورے شباب پر تھی۔ سردی ہی کی وجہ سے شہر اتنی جلدی سناٹے سے ہم آغوش ہوگیا تھا ورنہ گرمیوں میں عموماً شاہراہوں پر تقریباً رات بھر آمدورفت رہتی ہے مگر اس وقت یہ عالم تھا کہ شہر کے مشہور سیٹھ اگروال کی کوٹھی شہر کے سب سے بارونق روڈ پر واقع ہونے کے باوجود بھی پراسرار آدمیوں کو اپنے اندر داخل ہونے سے نہ روک سکی۔

یہ دونوں ایک چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ کر آئے تھے جسے وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر چھوڑ کر کوٹھی کی دیوار سے آلگے تھے۔ اس دیوار کے قریب بہت زیادہ اندھیرا تھا۔ ان دونوں نے چونکہ سیاہ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا اس لئے وہ اس تاریکی میں اس طرح گم

ہو گئے تھے جیسے دودھ میں پانی۔ ان میں ایک زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا اور دوسرا اس کے کاندھوں پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد بیٹھا ہوا آدمی آہستہ آہستہ سے اٹھنے لگا۔ اوپر والے نے بارہ تیرہ فٹ اونچے روشندان میں ہاتھ ڈال کر اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دوسرے لمحہ میں وہ روشندان کے اوپر تھا۔ اس نے روشندان کا شیشہ اٹھا کر اندر جھانکا۔ کمرے میں نیلے رنگ کا دھندلی روشنی والا بلب روشن تھا۔ شائد اس شخص کی قسمت یاور تھی کہ اسے ٹھیک روشندان کے نیچے لگی ہوئی ایک اونچی میز مل گئی، وہ آہستگی سے اس کے اوپر اتر گیا۔

اب باہر ایک آدمی رہ گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا صدر دروازے کے قریب پہنچا۔ صدر دروازے پر ایک بلب روشن تھا یہاں اس کی روشنی میں اس کا چھپنا محال تھا۔ لہٰذا بیچ سڑک پر آ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے چسٹر کے کالر کانوں سے اونچے کر رکھے تھے اور فلٹ ہیٹ چہرے پر اس طرح جھکی ہوئی تھی کہ اس کے خدوخال تاریکی میں چھپ کر رہ گئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد دروازے میں ذرا سی درز ہوئی اور باہر کھڑا ہوا آدمی ادھر اُدھر دیکھ کر تیزی سے چلتا ہوا صدر دروازے کے قریب آیا۔ صدر دروازہ کھلا اور وہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے کوٹھی کے اندر تھا۔

دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے تاریکی میں چھپتے چھپاتے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی تھی۔ ایک جگہ انہیں اوپر کی منزل میں کسی کمرے کے دروازے کے دھندلے شیشوں میں روشنی دکھائی دی۔ یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ وہ اس وقت کہاں ہیں انہوں نے ٹارچ روشن کی۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں بے شمار صوفے پڑے ہوئے تھے۔ دیواروں پر قد آدم تصویریں تھیں اور فرش پر قیمتی قالین، اوپر جانے کے لئے ایک طرف سنگ مرمر کے زینے تھے، ہال میں سناٹا تھا۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ زینوں پر چڑھنے لگے، انہوں نے اس کمرے میں جھانک کر دیکھا جس کے دروازوں کے شیشوں سے روشنی چھن رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا ان میں سے ایک نے دروازے کو آہستہ سے کھولا۔ سیٹھ اگروال دیوار کی طرف منہ کئے بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ یہ دونوں اتنی آہستگی سے کمرے میں داخل

ہوئے کہ سیٹھ اگروال کو خبر تک نہ ہوئی۔

”سیٹھ جی......!“ ایک نے آہستہ سے کہا۔

سیٹھ اگروال چونک کر مڑا...... اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ ایک نے ریوالور نکال لیا۔

”منہ سے آواز نہ نکلے......!“ ریوالور والے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

سیٹھ اگروال کے چہرے کا رنگ اڑ گیا لیکن وہ جی کڑا کر کے بولا۔

”تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔“

”ڈرو نہیں..... اگر خاموشی سے بیٹھے رہے تو ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔“ دوسرے نے کہا۔

”تم لوگوں نے یہاں آ کر غلطی کی......!“ سیٹھ اگروال نے کہا۔ ”یہاں تمہیں کچھ زیادہ نہ مل سکے گا میں سب کچھ بینک میں رکھتا ہوں۔“

دونوں ہنسنے لگے۔

”ہم لوگ معمولی چور یا ڈاکو نہیں......!“ دوسرا آدمی بولا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کی طرف مڑ کر کہا۔ ”تم یہیں ٹھہرو۔“

وہ ایک چھوٹے سے دروازہ کی طرف بڑھا۔

”ادھر کہاں جاتے ہو......“ اگروال نے کہا۔ ”وہ میرے سونے کا کمرہ ہے۔“

”اور وہیں تم نے اپنی تجوری رکھ چھوڑی ہے۔“ دوسرے نے کہا۔

”لیکن اس کی کنجی نیچے ہے۔“ اگروال بولا۔

”مجھے کنجی نہیں چاہئے......!“ دوسرے نے کہا اور دروازہ کھول کر کمرے میں چلا گیا۔

ایک آدمی ریوالور لئے ہوئے بدستور سیٹھ اگروال کے پاس کھڑا رہا۔

سیٹھ اگروال نے کئی بار اسے دھوکہ دے کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار پستول کی نال اس کی کنپٹی سے ٹکرائی۔

”دیکھو سیٹھ صاحب! اگر تم نے زیادہ گڑبڑ کی تو تمہیں یہیں ختم کر دیا جائے گا۔ تم یہ نہ

سمجھنا کہ یہ محض دھمکی ہے۔ یہ ریوالور بغیر آواز کا ہے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی، اور ہم تجھ
مار کر چلتے بنیں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم لوگ خواہ مخواہ جھک مار رہے ہو!" سیٹھ اگروال نے کہا
"تجوری میں دو تین ہزار سے زیادہ تمہیں نہ مل سکے گا۔"

"خیر...... یہ ہمارا اپنا سودا ہے، تمہیں اس سے کیا۔"

سیٹھ اگروال خاموش ہوگیا لیکن اس کی آنکھیں اپنے سونے کے کمرے کے درواز
ی طرف لگی ہوئی تھیں۔ گھنٹہ گھر کی گھڑی نے بارہ بجائے، دوسرا آدمی ابھی تک اگروال
سے کمرے ہی میں تھا۔ سڑک پر سیکنڈ شو دیکھ کر لوٹنے والوں کی آمد و رفت شروع
تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا آدمی کمرے سے نکل آیا۔

"کہیے استاد کیا رہا۔" پہلا آدمی بولا۔

"ٹھیک ہے......!" دوسرے نے کہا۔ "لاؤ پستول اب مجھے دو اور تم سیٹھ جی کو کرسی
باندھ دو اور انکے منہ میں کپڑا ٹھونس دو۔ تاکہ یہ ہمارے جاتے ہی شور نہ مچانا شروع کردیں

پہلے آدمی نے دوسرے کے ہاتھ میں پستول دے دیا اور خود ریشم کی پتلی ڈور سے
اگروال کو کرسی میں جکڑنے لگا۔

"میرے منہ میں کپڑا مت ٹھونسو میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہیں چیخوں گا۔" سیٹھ اگ
نے کہا۔

"سیٹھ جی...... اگر تم اتنے ہی ایماندار ہوتے تو ہمیں تکلیف کرنے کی ضرورت
ہوتی۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

پہلے آدمی نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔

دونوں ابھی ہال میں پہنچے ہی تھے کہ بچاؤ بچاؤ، دوڑو دوڑو کی آوازیں آنی
ہوگئیں۔ شاید اگروال نے کسی طرح سے اپنے منہ سے کپڑا نکال لیا تھا اور اب وہ بے تحا
رہا تھا۔ دفعتاً اندھیرے میں دو تین آدمی دوڑتے ہوئے معلوم ہوئے۔

"شاید سیٹھ جی کے کمرے سے آواز آرہی ہے۔" ایک آواز سنائی دی۔

"ہاں چلو اوپر چلیں......!" دوسری آواز آئی اور زینہ پر قدموں کی آہٹ معلوم ہونے لگیں۔

"استاد اب کیا کیا جائے۔" ایک نے کہا۔

"چلو جلدی کرو......صدر دروازہ کی طرف۔"

"مگر شاید باہر بھی آدمی جمع ہوگئے ہیں۔"

"ڈرو نہیں......آگے بڑھو......میں سب ٹھیک کرلوں گا۔"

دونوں تیزی سے صدر دروازہ پر پہنچے جو اندر سے بند تھا۔ باہر بھی شور سنائی دے رہا تھا۔

"شاید لوگ دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔"

استاد نے دروازہ پر پہنچ کر چیخنا شروع کردیا۔

"ہائے مار ڈالا......مار ڈالا......مار ڈالا......بچاؤ......بچاؤ......!"

لوگ باہر سے دروازہ پیٹنے لگے۔

استاد نے چیختے ہوئے دروازہ کھول دیا اب پہلے آدمی نے بھی اپنے استاد کی تقلید شروع کردی تھی اور وہ بھی چیخ رہا تھا۔

لوگ "کیا ہے......کیا ہے" کہتے ہوئے اندر گھسنے لگے اور یہ دونوں بچاؤ بچاؤ چیختے ہوئے باہر نکل گئے۔

سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

"ارے وہ کار میں بیٹھ گئے......پکڑو......پکڑو......وہی تو ہیں......!" سیٹھ اگروال اپنی کھڑکی سے سر نکالے چیخ رہا تھا۔

جیسے ہی لوگ کار کی طرف جھپٹے استاد نے نوٹوں کا بنڈل کھول کر مجمع پر پھینک دیا۔ فضا میں سینکڑوں نوٹ اڑ رہے تھے۔ مجمع بے تحاشہ نوٹوں کی طرف جھک پڑا اور کار جواب اسٹارٹ ہوچکی تھی یہ جاوہ جا۔ نظروں سے غائب ہوگئی۔

نئی الجھنیں

دوسرے دن صبح جب سارجنٹ حمید اور انسپکٹر فریدی سیر کے لئے جانے کی تیاری کر
تھے نوکر نے سب انسپکٹر جگدیش کا ملاقاتی کارڈ لا کر دیا۔

''مجھے افسوس ہے انسپکٹر صاحب کہ میں ناوقت مخل ہوا۔'' جگدیش نے اندر داخل ہو کر

''آؤ...... آؤ بھی کوئی بات نہیں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''خیریت تو ہے آپ کچھ بدحواس سے نظر آ رہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''خیریت کہاں حمید بھائی......!'' جگدیش نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''انسپکٹر صاحب کی
سے میرے افسر مجھے بہت زیادہ سمجھنے لگے ہیں اور یہ چیز میرے لئے وبال جان بن گئی ہے

فریدی ہنسنے لگا۔

''آخر کہو تو کیا بات ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا عرض کروں ...... رات ایک عجیب و غریب واردات ہوگئی۔ جس کی تفتیش
ذمہ ڈالی گئی ہے اور میں جو کچھ ہوں میں ہی بہتر جانتا ہوں۔ ابھی مجھ میں اتنی صلاحیت
ہے کہ کسی معمولی چوری کا سراغ لگا سکوں۔''

''خیر...... چلو آگے کہو۔''

''کل رات سیٹھ اگروال کے یہاں دو آدمی گھس آئے اُن میں سے ایک سیٹھ
کے سر پر پستول تانے کھڑا رہا اور دوسرا ان کے سونے کے کمرے میں گھس گیا جہاں تج
ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے واپس آ گیا۔ دونوں نے اگروال کو کرسی میں
کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے
نے منہ سے کسی طرح کپڑا نکال لیا اور چیخنے لگا۔ اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہوں۔
ختم ہوئے تھے اس لئے سڑک پر بھی کافی آمد و رفت ہوگئی تھی۔ اگروال کے چیخنے پر
تو ان کے گھر والے بیدار ہو گئے اور دوسری طرف سڑک پر ان کے صدر دروازے پر

لگ گئی۔ دونوں آدمیوں نے جب یہ دیکھا تو وہ بھی چور، چور چلاتے ہوئے دروازے کی طرف
بھاگے۔ اسی حالت میں انہوں نے صدر دروازہ کھولا اور باہر نکل گئے۔ باہر نکلتے وقت انہوں
نے چیخنا شروع کر دیا۔ ارے مار ڈالا، ارے مار ڈالا...... لوگ سمجھے کہ شائد وہ بھی اسی کوٹھی کے
رہنے والے ہیں لیکن اگروال کے چلانے پر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور وہ بدمعاشوں کی
موٹر کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ان دونوں نے دو تین ہزار روپوں کے نوٹ مجمع کی طرف پھینک
دیئے، لوگ نوٹوں کی طرف پلٹے اور وہ دونوں کار اسٹارٹ کر کے چلتے بنے۔''

''بھئی بہت خوب......!'' فریدی بے تحاشہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''وہ چاہے جو کچھ بھی رہے
ہوں لیکن میں ان کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا بھئی کمال کر دیا۔''

''یہی نہیں اور سنئے ......!'' جگدیش نے کہا۔ ''ادھر وہ لوگ فرار ہوئے اور ادھر کسی نے
پیچھے سے اگروال پر پستول سے حملہ کر دیا۔ فائر گھر کے اندر سے ہوا تھا، گولی داہنے بازو کو چھید
گئی۔ خیریت یہ ہوئی کہ ہڈی پر کوئی ضرب نہیں آئی وہ اس وقت ہسپتال میں ہیں۔''

''تو یہ فائر ان دونوں کے فرار ہو جانے کے بعد ہوا تھا۔''

''جی ہاں......!''

''اچھا تجوری تو بالکل صاف ہو گئی ہوگی سیٹھ صاحب کی۔''

''یہی تو تعجب کی بات ہے کہ ان لوگوں نے تجوری میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔''

''کیا مطلب......؟''

''سیٹھ اگروال کا بیان ہے کہ تجوری کی ساری چیزیں جوں کی توں موجود ہیں اور کمرے
سے کوئی اور چیز بھی چوری نہیں ہوئی۔''

''تب تو یہ کیس واقعی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔''

''بہت دلچسپ......!'' جگدیش نے کہا۔

''خیر بھئی اب تو چائے کا وقت بھی ہو گیا۔'' فریدی نے کہا۔ ''حمید چائے منگواؤ ...... تو
پھر تم نے کیا کیا۔'' فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"کرتا ہی کیا...... مجھے آتا ہی کیا ہے۔ خواہ مخواہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے
شیشہ سے مجرم کی انگلیوں کے نشانات تلاش کرتا رہا۔ دو چار الٹے سیدھے سوالات سیٹھ صاحب
کے گھر والوں سے کیے۔ خود سیٹھ کا بیان لیا اور بس۔"

"خیر کوئی پریشانی کی بات نہیں...... کام کرنے ہی سے آتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو میں بھی سمجھتا ہوں...... مگر......!"

"اوہ...... مگر کیا...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "لو چائے پیو...... شاید رات بھر جاگے ہو۔ ناشتہ کر کے یہیں سو رہو اور اب تو تم اپنے حلقہ کے آفیسر انچارج ہو تم اتنی محنت نہ کرنی چاہئے۔ اتنی جلدی ڈی۔ ایس۔ پی یا ایس۔ پی بننے کے خواب نہ دیکھو۔"

"اگر آپ اسی طرح مجھ پر مہربان رہے تو اس دن کو بھی دور نہیں سمجھتا۔" جگدیش نے ا

"جگدیش صاحب...... آپ خواہ مخواہ غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ شخص خود آج تک چیف انسپکٹر نہ ہو سکا وہ کیا کسی کو ترقی دلا سکے گا۔"

"شاید تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ آج تک سارجنٹ ہی رہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کے اس خیال کی تردید نہیں کرسکتا......!" حمید نے جواب دیا۔

"حمید تم آج انسپکٹر ہو سکتے ہو لیکن یہ سمجھ لو کہ پھر ہم تم ایک جگہ نہ رہ سکیں گے۔" فرید
نے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ تمہیں انسپکٹری عزیز ہے یا فریدی۔"

"اب میں کیا عرض کروں...... خود ہی سمجھ لیجئے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں حد
چاپلوس واقع ہوا ہوں۔"

فریدی اور جگدیش ہنسنے لگے۔

"اچھا تو پھر انسپکٹر بنوا ہی دیا جائے۔"

"نہیں معاف رکھئے۔ رات میں جو تین چار گھنٹے سو لیتا ہوں اس سے بھی جاؤں
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔"

یہاں آتے وقت جگدیش راستہ بھر یہ سوچتا آیا تھا کہ فریدی ایسا عجیب و غریب کیں

کر اچھل پڑے گا۔ واردات کے متعلق سوالات کی بوچھاڑ کر دے گا کچھ دیر تک ناک بھوں پر زور دے گا اور پھر اٹھ کر ٹہلنے گا۔ لیکن ان سب باتوں کے خلاف اس وقت فریدی کا رویہ دیکھ کر اسے سخت حیرت ہوئی۔ اصل موضوع کو چھوڑ کر وہ نہ جانے کہاں کے بکھیڑے نکال بیٹھا تھا اور اب حمید اور فریدی میں بالکل نجی قسم کی باتیں چھڑ گئی تھیں۔ فریدی اسے چڑا رہا تھا اور وہ جھلا جھلا کر جواب دے رہا تھا۔ جگدیش نے پھر اصل موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" جگدیش نے چائے کی پیالی رکھتے ہوئے کہا۔

"آخر مجرم آئے کس نیت سے تھے۔ کیا انہوں نے محض اس لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا کہ مکان میں صرف ٹہل کر واپس چلے جائیں۔"

"اتنی معمولی سی بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔" حمید نے کہا۔ "مقصد اصل میں سیٹھ اگروال کو قتل کرنا تھا، مجرم یقیناً دو سے زیادہ رہے ہوں گے۔ دو نے بھاگ دوڑ کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور تیسرے نے سیٹھ پر گولی چلائی اور اسی ہنگامہ میں وہ بھی نکل بھاگا۔"

فریدی مسکرانے لگا۔

"کیا بچپنے کی باتیں کر رہے ہو۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔ "اگر قتل ہی کرنا تھا تو اتنا شور مچانے کی کیا ضرورت تھی ان دونوں نے جس طرح خاموشی سے سیٹھ اگروال کو کرسی میں باندھ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا اسی طرح اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار بھی سکتے تھے۔ وہ لوگ جو اتنی ذہانت کا ثبوت دے کر نکل بھاگے ہوں اتنے لغو پلاٹ نہیں بنا سکتے۔"

"یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" جگدیش جلدی سے بولا۔

"اصل میں جو چیز زیادہ حیرت انگیز ہے وہ یہ کہ اتنے چالاک آدمیوں نے سیٹھ کو اتنی بد احتیاطی کے ساتھ کیوں بے بس کیا کہ وہ ان کے پیٹھ پھیرتے ہی آزاد ہو کر چیخنے لگا۔ جو لوگ اتنے ذہین ہوں کہ تعاقب کرنے والوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے ان پر نوٹ برسا دیں ایسی حماقت نہیں کر سکتے۔"

"واقعی یہ بات بھی سوچنے والی ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"یہاں کون سی ایسی بات ہے جو سوچنے والی نہیں ہے۔" حمید بولا۔

"ہاں یہ تو بتاؤ" فریدی نے جگدیش سے کہا۔ "مجرموں نے جو نوٹ پھینکے تھے ان سے کوئی نوٹ تمہیں بھی دستیاب ہوا۔"

"جی ہاں...... ایک سو روپے کا نوٹ ہے!" جگدیش نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ نوٹ ایک پان والے کو ملا تھا جس کی دوکان سیٹھ اگروال کی کوٹھی قریب ہی ہے۔"

فریدی نوٹ لے کر دیکھتا رہا۔

"اس پر امپیریل بینک کی مہر پڑی ہوئی ہے۔" فریدی بولا۔

"میرا ارادہ ہو رہا ہے کہ اس نوٹ کو لے کر امپیریل بینک جاؤں۔" جگدیش نے کہا۔

"بہت ممکن ہے کہ یہ اب سے ایک سال قبل وہاں سے ایشو کیا گیا ہو۔ اس طرح چلنا محال ہے۔"

"پھر آخر بتائیے کہ میں کیا کروں۔" جگدیش نے کہا۔

"دھیرج دھیرج......!" فریدی ہنس کر بولا۔ "آخر اتنی جلدی کیوں ہے۔ اس معمولی قسم کی وارداتوں میں مہینوں خاک چھاننی پڑتی ہے۔"

"تم ایک ہی دن میں تاج محل کیوں تعمیر کر ڈالنا چاہتے ہو۔"

"اچھا تو صاحب...... اب میں جا کر سوتا ہوں۔ یہ کیس میرے بس کا روگ نہیں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اپنی نااہلی کا ثبوت دوں، اگر آپ نے مجھے حلقہ کا آفیسر انچارج بنوا جنجال میں پھنسوایا ہے تو آپ ہی اسے بھی سنبھالئے۔"

"بھئی میں تمہاری مدد کے لئے ہر وقت تیار ہوں......!" فریدی نے کہا۔ "لیکن کیا صورت ہوگی۔ رام سنگھ والے کیس کی اور بات تھی معاملہ کسی نہ کسی طرح نبھ گیا دشواریاں پیش آسکتی ہیں اور پھر اگر کسی طرح بھانڈا پھوٹ گیا تو تمہاری بڑی بدھ ہوگی۔ میں تمہیں ہر قسم کے مشورے دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"خیر کچھ سہی...... آپ کی مدد کے بغیر یہ گاڑی چلتی نظر نہیں آتی۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا کہ تمہاری مدد ضرور کروں گا۔ مگر اس سلسلہ میں کوئی ایسا اقدام نہیں رکھنا جس سے تمہاری اس شہرت کو دھکا لگے جو تم نے رام سنگھ والے کیس میں حاصل کی ہے۔"

"اچھا تو پھر اب میں چلوں۔" جگدیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ذرا اس نوٹ کا نمبر تو مجھے لکھوا دو۔" فریدی نے الماری پر سے نوٹ بک اٹھاتے ئے کہا۔ جگدیش نے نوٹ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ نمبر لکھ کر فریدی نے وہ نوٹ اسے پھر کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ تم بینک مت جانا، ورنہ خواہ مخواہ اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے کام اب کر دو گے۔ جگدیش کے چلے جانے کے بعد وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"کہئے کیا خیال ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

فریدی بھی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر گولی کس نے چلائی۔" فریدی نے کہا۔

"یہی تو سوچنے کی بات ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن آخر یہ آپ کو سوجھی کیا تھی۔"

"ہر بات اگر تمہاری سمجھ میں آنے لگے تو بات ہی کیا رہ گئی۔" فریدی نے کہا۔

"آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ اگر پکڑ لئے گئے تو کیا حشر ہوگا۔"

"برخوردار دو ہزار روپے کا خون اس لئے نہیں کیا تھا کہ پکڑ لئے جائیں۔"

"مگر عین وقت پر آپ کو سوجھی خوب...... میرے تو ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔"

"عین وقت پر نہیں سوجھی...... میں اس کے لئے پہلے ہی سے تیار ہو کر گیا تھا۔ ورنہ یونہی خواہ مخواہ دو ہزار کے بنڈل جیب میں لئے پھرنے کی کیا تک ہے۔"

"بہرحال خدا کا شکر ہے کہ بخیر و خوبی نکل آئے۔" حمید نے کہا۔

"اور یہ سارا ہلڑ محض تمہاری وجہ سے ہوا، میں نے تو تم سے اسے باندھنے کیلئے کہہ کر سخت غلطی کی تھی، یہ کام مجھے ہی کرنا چاہئے تھا۔ ورنہ وہ کیا اس کا باپ بھی آواز نہیں نکال سکتا تھا۔"

"اس کا باپ تو واقعی آواز نہ نکالتا۔ لیکن خدارا یہ بتائیے کہ آخر آپ نے یہ سب کس

لئے کیا تھا۔"

"ابھی نہیں...... جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اگروال پر گولی کس نے چلائی تھی، ہ
کچھ نہ بتاؤں گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس وقت تک اختلاج میں مبتلا رہوں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں، تم اس دوران میں خمیرہ مروارید اور عرق مشک استعمال کر سکتے ہو۔" فریدی ہنس
کر بولا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ آپ نے اس تجوری سے کیا چیز نکالی تھی جس کا اسے بھی علم نہیں۔"

"کمال کیا تم نے، اسے علم کیوں نہیں...... وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ لیکن بتانے کی ہم
نہیں کر سکتا۔"

"چلئے اب تو آپ نے اور بھی الجھا دیا۔" حمید نے کہا۔ "آخر آپ مجھ سے یہ راز کیا
چھپا رہے ہیں جبکہ میں آپ کا شریک کار بھی ہوں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ اگر میں تمہیں بتا دوں تو اس معاملہ میں تمہاری ساری دلچسپی
ہو جائے گی اور تم اچھی طرح کام نہ کر سکو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی دلچسپی ختم نہ ہونے دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"دلچسپی لینا یا نہ لینا اپنے بس کی بات نہیں۔ جتنی زیادہ جو چیز ہماری نظروں سے پوشی
رہتی ہے اتنا ہی ہم اسے بے نقاب کرنے کے خواہش مند رہتے ہیں اور اس کے ظاہر ہو جا
کے بعد خود بخود ہماری دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔"

"بہر حال تو آپ نہیں بتائیں گے۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔

"ارادہ تو یہی ہے اور ساتھ ہی یہ امید بھی ہے کہ تم بُرا نہ مانو گے۔"

"اس پر غور کروں گا کہ برا مانوں یا نہ مانوں......!" حمید نے کہا۔ "اچھا یہی بتا دیجئے
آخر آپ نے جگدیش سے نوٹ کا نمبر کیوں لیا ہے۔"

"ہاں یہ بتا سکتا ہوں، مجھ سے ایک بڑی حماقت ہوئی۔ وہ یہ کہ میں نے ان بنڈلوں

سو روپے کے نوٹ بھی رہنے دیئے تھے حالانکہ مجھے یہ نہ کرنا چاہئے تھا۔ بینک سے سو
پے کے نوٹ نمبر لکھے بغیر ایشو نہیں کئے جاتے۔ اگر جگدیش نے اس کے متعلق چھان بین
ع کر دی ہوتی تو بڑی مشکل آ پڑتی۔ میں نے پرسوں ہی بینک سے یہ روپے منگوائے تھے۔
امید ہے کہ میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے وہ خود بینک نہ جائے گا۔"

"اگر یہی بات تھی تو پھر آپ نے وہ نوٹ اسے واپس کیوں کر دیا۔"

"گھبراؤ نہیں...... وہ پھر میرے پاس واپس آ جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیسے......؟"

"نہایت آسانی سے...... میں نے جو پروگرام اس وقت بنایا ہے اس پر عمل کئے بغیر کام
چلے گا لیکن اس کے لئے خصوصاً تمہیں ہمت سے کام لینا پڑے گا۔"

"آپ پھر گول مول باتیں کرنے لگے۔"

"اچھا تو خیر سنو...... اب ہمیں متواتر کئی دنوں تک مختلف مقامات پر اپنی رات والی
ت دہرانی پڑے گی۔"

"ارے واہ...... ارے واہ...... واہ......!"

"بس نکل گئی جان......!" فریدی نے کہا۔ "اس کا ذمہ میں لیتا ہوں کہ تم پکڑے نہ
ؤ گے۔"

"میں کہتا ہوں آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی تمہیں اس سے کیا بحث...... اگر میرا ساتھ دے سکتے ہو تو خیر، میں زبردستی مجبور نہ
وں گا۔"

"میری جان عجیب مصیبت میں پڑ گئی۔" حمید بولا۔

"نہیں اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اگر تم انکار کرنا چاہو تو بخوشی کر سکتے ہو۔ مجھے
کا کوئی ملال نہ ہو گا۔"

"خیر جہاں آپ وہاں میں...... لیکن اتنا تو بتا دیجئے کہ آپ کے بیان کے مطابق جب

کل رات آپ کو کامیابی ہوگئی تو پھر اب ادھر اُدھر ہڑ بونگ مچانے سے آپ کا کیا مقصد ہے"
"اب تم نے کی ہے قاعدے کی بات......اچھا سنو......اب یہ چیز ضروری ہوگئی ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ نوٹ جگدیش کے قبضہ سے نکالنا ہی ہے ورنہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم لوگ کسی مشکل میں پھنس جائیں۔"

"لیکن اس طرح وہ نوٹ ہمیں کیسے مل سکے گا۔"

"جب ہم لوگ اسی طرح کی دو تین عجیب وغریب وارداتیں اور کر گذریں گے تو یہ کیس خواہ مخواہ سول پولیس کے ہاتھ سے نکل کر ہم تک آئے گا۔ کیا یہ عجیب بات نہ ہوگی کہ دو ڈاکو مقصد لوگوں کے گھروں میں گھس گھس کر تجوریوں کا جائزہ لیتے پھرتے ہیں۔"

"سوچا تو آپ نے خوب ہے۔ لیکن......!"

"دیکھو میاں صاف بات......لیکن ویکن کا میں قائل نہیں۔ جو کچھ میں کرنے جارہا ہوں اسکے متعلق میں نے پہلے ہی سے بہت کچھ سوچ رکھا ہے اور اب تو صرف ہمت کی بات ہے۔"

"خیر صاحب! جیسا بھی کچھ ہوگا دیکھا جائے گا لیکن اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہوں گے شور وغل ہوجانے کے بعد بھاگ نکلنے والی ترکیب تو اب کام نہ دے گی کیونکہ اس وقت اس کی شہرت سارے شہر میں ہوگئی ہوگی۔ اس لئے اب لوگوں کو چکر نہ دیا جاسکے گا۔"

"یہ ضروری نہیں کہ میں وہی پرانی لکیر پیٹتا رہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اول تو اب ہونے کے امکانات ہی نہ ہونے دوں گا اور اگر اتفاق سے ایسا ہو بھی گیا تو اسی وقت کوئی تدبیر کرلی جائے گی اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میرا ذہن ہمیشہ خطرات میں پڑنے کے بعد تیزی سے کام شروع کر دیتا ہے۔"

"بھلا اس حقیقت سے کس کافر کو انکار ہوسکتا ہے۔ لیکن......!"

"پھر وہی لیکن......!" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "آخر تمہیں لیکن کا خبط کیوں ہوگیا۔ میں تو بار بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ اگر تمہاری ہمت نہ پڑتی ہو تو صاف انکار کردو۔ میں اکیلا یہ کام کرلوں گا۔"

"آپ پھر غلط سمجھے ہیں۔ میں بہرحال آپ کے ساتھ ہوں گا چاہے آپ وہ کام غلط رہے ہوں یا صحیح۔ کہنا تو صرف اتنا ہے کہ جب قانون کے محافظ ہی قانون شکنی پر آمادہ جائیں تو پھر اوروں کا اللہ ہی مالک ہے۔"

اس بات کو میں شائد تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "لیکن تم پر اس کام کی اہمیت ظاہر ہوگی تو تم بھی قانون کے خلاف جرم کی مدد کرنے پر آمادہ جاؤ گے۔ لیکن میں ابھی تمہیں اس راز سے آگاہ نہیں کرسکتا۔"

شہر میں ہلچل

تین دن سے شہر کی پولیس بُری طرح پریشان تھی۔ سیٹھ اگروال کے واقعہ کے بعد سے تک اسی طرح کی دو اور وارداتیں ہوچکی تھیں، شہر کے مشہور دولت مندوں کی تجوریاں کھولی یں لیکن کوئی چیز غائب نہ ہوا اور تجوریوں کو کھولنے والے صاف بچ کر نکل جائیں۔ اور یہ بھی ب بات تھی کہ یہ ساری کی ساری وارداتیں جگدیش کے ہی حلقہ میں ہو رہی تھیں۔ جگدیش کئی فریدی سے مل کر اس سے مدد کا خواہاں ہوا۔ مگر ہر بار اس نے دم دلاسہ دے کر رخصت دیا۔ آج بھی وہ دیر سے بیٹھا فریدی کا دماغ چاٹ رہا تھا۔

اب آپ ہی بتائیے کہ میں کیا کروں۔ بڑی بدنامی ہو رہی ہے میری۔" جگدیش نے کہا۔

"اچھا بھئی تم پریشان کیوں ہوتے ہو۔ آج میرا ارادہ ہے کہ رات میں تمہارے حلقہ کا شت کروں، مگر یہ بات کسی سے کہنا نہیں۔"

"ارے نہیں صاحب! کبھی زبان پر بھی نہ لاؤں گا۔ آپ کچھ کیجئے تو......!" جگدیش نے ہا۔ "تو کیا آپ ہم لوگوں کے ساتھ گشت کیجئے گا۔"

"تم لوگوں کے ساتھ گشت کرنے سے کیا فائدہ......تم لوگوں کا طریقہ اگر کارآمد ہوتا تو

اتنے دنوں تک خاک کیوں چھاننی پڑتی۔ میں تنہا گشت کروں گا۔ میں نے ان بھاگنے والوں
نقشہ اپنے ذہن میں مرتب کرلیا ہے۔"

"تو اچھی بات ہے۔ میں اب مطمئن ہوگیا ہوں...... ممکن ہے رات میں کہیں آپ
ملاقات ہوجائے کیونکہ آج کل میں بھی رات بھر مارا مارا پھرتا ہوں۔" جگدیش نے کہا۔

"بات ہی ایسی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور یہ عجیب بات ہے کہ یہ ساری واردا
تمہارے ہی حلقہ میں ہو رہی ہیں۔"

"یہی تو بڑی حیرت کی بات ہے۔" جگدیش نے کہا۔ "نہ جانے ان دونوں کو مجھ
کیوں اتنی پرخاش ہوگئی ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کہیں یہ ہمارے ہی محکمہ کے کسی آ
شرارت نہ ہو۔ کیونکہ میرا اتنا جلد ترقی کرجانا ہر ایک کو کھٹک رہا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ک
میں سے کوئی میری بدنامی کے لئے کوشاں ہو۔"

"تم نے بات تو بہت معقول سوچی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بہت ممکن ہے کہ ایسا
ہو، میں بھی اس چیز کو عرصہ سے محسوس کررہا ہوں کہ تمہارے بعض ساتھی تم سے بُری طر
لگے ہیں۔"

"جی ہاں یہی تو بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ انکا ہاتھ لگنا کچھ دشوار سا معلوم ہورہا

"فکر مت کرو...... ہاتھ تو وہ اس طرح لگیں گے کہ بس دیکھتے ہی رہ جاؤ گے م
بار پھر کہے دیتا ہوں کہ راز داری شرط ہے۔"

"ارے آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ میں کوئی بچہ تو ہوں نہیں کہ معاملات کو نہیں
آپ مطمئن رہئے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے گی، اچھا تو اب میں اجازت چاہو

جگدیش کے چلے جانے کے بعد فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"خوب بیوقوف بنا رہے ہیں آپ بیچارے کو......!" حمید نے کہا۔

"بیوقوف نہیں بنا رہا ہوں بلکہ میں اُس کے لئے ترقی کے دروازے کھولنے کی
کررہا ہوں۔"

"آپ کی باتیں آپ جانیں...... یا جانے خدا...... میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔"

"اپنی بساط کے مطابق کافی سمجھ لیتے ہو لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میرے بعد تم ہی میری جگہ لو گے۔"

"اچھا تو اب مجھے بھی گھسنا شروع کردیا۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بتاؤ آج کہاں ہاتھ مارا جائے گا۔"

"للہ اب پیچھا بھی چھوڑیئے۔"

"پیچھا تو اس وقت تک نہیں چھوٹ سکتا جب تک کہ یہ کیس میرے ہاتھ میں نہ آجائے۔"

"اس بار شاید ان گدھوں نے بھی قسم کھا رکھی ہے کہ معاملہ ہم تک نہ پہنچنے دیں گے۔" حمید نے کہا۔

"کب تک...... کسی دن کوئی ایسی حرکت کر بیٹھوں گا کہ معاملہ خود بخود ڈھلتا ہوا ہم تک چلا آئے گا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"تو کیا کوئی نیا گل کھلانے کا ارادہ ہے۔"

"یقیناً...... اگر دو دن کے اندر اندر یہ کیس میرے سپرد نہیں ہوتا تو مجبوراً مجھے کلکٹر صاحب کے بنگلہ میں بھی گھسنا پڑے گا۔"

"اس دن مجھے معاف ہی رکھئے گا۔" حمید جلدی سے بولا۔

"واہ بیٹا...... بڑے اچھے رہے۔ جب امتحان کا وقت آیا تو جان نکل گئی۔ تبھی تو دیکھی جائے گی تمہاری بہادری۔"

"لاحول ولا قوۃ......!" حمید نے کہا۔ "کتنی بار آپ کو یقین دلا چکا ہوں کہ میں انتہائی بزدل ہوں مگر آپ کچھ سماعت نہیں کرتے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم مذاق کرتے ہو۔"

"جی نہیں...... آپ اس طرح مت جان لیا کیجئے۔ میں انتہائی بزدل واقع ہوا ہوں۔"

"اچھا بکواس بند، آج سیٹھ کرم چند کے یہاں...... کیا سمجھے۔"

"مار ڈالا......!" حمید بوکھلا کر بولا۔ "آج یقیناً پکڑیں جائیں گے۔ ارے اس کی کوٹھی تو کوتوالی کے قریب ہی ہے۔"

"ہوگی......!" فریدی نے کہا۔ "اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"اس سے کچھ ہوتا ہی نہیں...... ارے اس سے یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات گولی لگ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، پکڑ کر بند کردیئے جانے کا احتمال رہتا ہے...... اور......!"

"اچھا اچھا رہنے دیجئے...... آج میں اکیلے ہی جاؤں گا۔"

"خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے......!" حمید نے کہا۔

"اچھا تو کیا واقعی آپ اسے سچ سمجھے...... برخوردار اس پھیر میں نہ رہنا۔ تم تو کیا تمہاری مکھیاں بھی چلیں گی۔"

"آپ شوق سے میری مکھیوں کو اپنے ہمراہ لے جاسکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن مجھے معاف ہی کردیجئے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"بہت اچھا...... دیکھا جائے گا۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا اور آنکھیں بند کرکے آرام کرسی پر لیٹ گیا۔

حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ دفعتاً وہ مسکرانے لگا اس کے چہرے پر شرارت کے آثار پیدا ہوگئے تھے۔

"میرے خیال سے تو آج بھی وہیں چلنا چاہئے جہاں کل گئے تھے۔" حمید بولا۔

"یہ نیا خیال آپ کے ذہن میں کیسے پیدا ہوا۔" فریدی نے بدستور آنکھیں بند کئے ہوئے کہا۔

"وہ جو وہاں سو رہی تھی کیا چیز تھی...... خدا کی قسم......!" حمید نے کہا۔

"اچھا جی......!" فریدی نے آنکھیں کھول دیں۔

"کیوں...... کیا آپ کو پسند نہیں آئی۔"

"تو کیا میں وہاں اسی کو پسند کرنے گیا تھا۔"

"تو اور کیا...... اسطرح لوگوں کے گھروں میں گھستے پھرنے کا اور کیا مقصد ہوسکتا ہے۔"

"بہت خوب...... یہ نئی دریافت ہے۔ کیا کہنا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ چاہے جتنا بنائیں مجھے تو اب یقین آگیا ہے کہ یہ آپ کی کلبلی ہوئی جنسی زندگی ہی کی ایجاد ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"دیکھو میاں حمید تم ابھی صاحب زادے ہو۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "تم اس طرح کی گفتگو کر کے مجھ سے میرا راز نہیں اگلوا سکتے۔ یہ ساری باتیں تمہیں اسی وقت معلوم ہوسکیں گی جب میں چاہوں گا۔"

حمید جھینپ کر خاموش ہوگیا۔

"اور اگر تم اس راز کو معلوم کرنے کے لئے اتنے ہی بے چین ہو تو پھر تمہیں وہی کرنا چاہئے جو میں کہوں۔"

"ارے صاحب تو میں نے انکار کب کیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں...... تم شائد سمجھنے لگے ہو کہ تمہارے بغیر میرا کام نہ چل سکے گا۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیجئے...... آپ تو پھر ناراض ہوگئے۔ میں کب کہتا ہوں کہ میں آپکا ساتھ نہ دوں گا۔"

"اچھی بات ہے تو اسی بات پر اب تیاری شروع کردو۔ اس وقت پانچ بجے ہیں۔ ٹھیک ایک بجے ہم لوگ یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔ چھوٹی کار کے نمبر کی پلیٹ بدل دو اور ہاں اس کے اوپر دوسرا پالش تو ہو ہی گیا ہوگا۔"

"جی ہاں...... ہرے رنگ کا پالش کردیا ہے۔"

"بہت خوب......! نوکروں سے تو مدد نہیں لی تھی۔"

"آپ شائد مجھے نرا گھامڑ ہی سمجھتے ہیں۔"

"نرا تو نہیں...... البتہ کچھ ضرور سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ ذرا چل کر اسے دیکھ لیں۔"

فریدی اور حمید کمرے سے نکل کر گیراج کی طرف آئے۔ حمید نے گیراج کا تالا کھولا۔ یہ

گیراج ہمیشہ بند رہتا تھا۔ اس میں ایک چھوٹی سی کار تھی جسے فریدی مخصوص موقعوں پر استعمال کرتا تھا۔ اس کے بہت سے ملنے والوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ فریدی کے پاس دو کاریں ہیں۔ ملازمین میں سے صرف ڈرائیور کو اس کا علم تھا لیکن اسے بھی آج تک اس کار کو چلانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ شہر میں ہونے والی وارداتوں کے سلسلہ میں آج کل فریدی اور حمید اسی کار کو استعمال کر رہے تھے۔ روزانہ اس کے اوپر ایک نیا رنگ پھیر دیا جایا کرتا تھا۔ یہ خدمت حمید کے سپرد تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اسے الٹا سیدھا لیپ پوت کر رکھ دیا کرتا تھا۔

دونوں نے گیراج میں جا کر کار کا جائزہ لیا اور باہر نکل آئے۔

"ارے یہ اس وقت...... یہ محترمہ کہاں سے ٹپک پڑیں۔" فریدی نے پھاٹک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید نے بھی پلٹ کر دیکھا، شہناز بیرونی پھاٹک سے اندر آ رہی تھی۔

"کیوں کیا آپ کو اس کا آنا گراں گزرتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں بھئی۔ اس وقت کی بات ہے، معلوم نہیں کتنی دیر تک بیٹھے، ساڑھے نو تو ہو چکے ہیں۔" فریدی بولا۔

"خیر شکر ہے کہ آپ لوگ ملے تو......!" شہناز قریب آ کر بولی۔ "میں کل بھی آئی تھی۔"

"کیا بتائیں آج کل ہم لوگ بہت بُری طرح مشغول رہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"چلو اندر چلو۔"

وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

"میں اس لئے آئی ہوں کہ آج سہاگ رات کا آخری دن ہے۔"

"کیا مطلب......؟" فریدی شرارت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔

شہناز اپنے جملہ کی حماقت پر جھینپ گئی۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ کل پلازا میں دوسری فلم لگ جائے گی۔" شہناز جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔

"اوہ تو یہ کہو کہ تم آج فلم سہاگ رات دیکھنا چاہتی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں......!"

"تو جا کر دیکھ آؤ، اچھی فلم ہے۔"

"اکیلے دیکھ آؤں، کیا آپ لوگ نہ چلیں گے۔"

"نہیں بھائی...... ابھی دو تین دن تک ہم لوگ بہت زیادہ مشغول رہیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا میں ابھی آتا ہوں۔"

فریدی باہر چلا گیا۔

شہناز اس طرح منہ پھلائے بیٹھی ہوئی تھی جیسے وہ حمید سے روٹھی ہوئی ہو۔

"کیوں کیا بات ہے، کیا مجھ سے ناراض ہو۔" حمید نے کہا۔

"میں کون ہوتی ہوں ناراض ہونیوالی، بھلا اپنے محسنوں سے کوئی ناراض بھی ہوتا ہے۔"

"پھر وہی بات، آخر تم مجھے اتنا ستاتی کیوں ہو۔"

"یہ لیجئے...... یہ دوسری رہی، میں ہوتی کون ہوں ستانے والی۔"

"آخر میں نے کیا کیا ہے جو اس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔"

"میری باتیں اسی طرح بُری لگتی ہیں آپ کو، اچھا لیجئے چلی جاتی ہوں۔"

"ارے بھئی بیٹھو...... ارے میں نے کیا کہہ دیا جو اس طرح ناراض ہوتی ہو۔ ارے سنو تو سہی۔"

"نہیں صاحب...... میں واقعی بڑی بے حیا ہوں کہ خواہ مخواہ آپ کے پیچھے لگتی ہوں۔"

"خدا کے لئے بتاؤ تو سہی کہ میرا کیا قصور ہے۔ خواہ مخواہ اس طرح سے بگڑنے کی کیا بات ہے۔"

"میری تو ہر بات اسی طرح خواہ مخواہ کی ہوتی ہے۔"

"دیکھو میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔"

"نہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں، میں انشاء اللہ کبھی آپ سے نہ ملوں گی۔"

"آخر کیوں......؟"

"مجھے کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ آپ سے باتیں کر کے آپ کا سر پھوڑ واڈالوں۔"

"خدا کی قسم میں ہار گیا، لو بولتا ہوں...... ککڑوں کوں، ککڑوں کوں، ککڑوں......!"

"ارے ارے چپ رہئے۔ فریدی صاحب کیا کہیں گے۔" شہناز گھبرا کر بولی۔

"نہیں صاحب...... میں تو بولوں گا...... ککڑوں کوں......!"

"خدا کے لئے چپ رہئے، یہ آپ کیا کرنے لگے۔"

"فریدی صاحب پوچھیں گے تو کہہ دوں گا کہ تم اس وقت مجھ سے صرف مرغ کی با سننے کے لئے آئی تھیں...... ککڑوں کوں...... ککڑوں کوں......!"

"خدا کے لئے چپ رہئے...... یہ آپ کیا کرنے لگے۔"

"اچھا وعدہ کرو کہ اب میٹھی میٹھی باتیں کرو گی۔ ورنہ میں یونہی چیختے جاؤں گا۔"

"اچھا بابا...... میں ہار گئی لیکن یہ بتایئے کہ آپ دو تین دن سے آئے کیوں نہیں، ا میرے ساتھ فلم دیکھنے کے لئے کیوں نہیں چلتے۔"

"ہاں یوں بات کرو، بات یہ ہے کہ آجکل ایک خاص مسئلہ درپیش ہے۔ شہر میں جو وارد ہو رہی ہیں انکے متعلق تو تم سن ہی چکی ہوگی، آج کل رات بھر ہم لوگوں کو گشت کرنا پڑتا ہے۔"

"واقعی یہ وارداتیں عجیب ہیں، سارے شہر میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ میں نے تو آج اس قسم کی وارداتیں نہیں سنیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ڈاکو گھروں میں کیوں گھستے پھرتے جب کہ وہ وہاں سے کوئی چیز لے نہیں جاتے۔"

"یہی تو حیرت کی بات ہے......!" حمید پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ "اس معاملہ فریدی صاحب جیسا مشاق جاسوس بھی حیران ہے۔"

"لوگوں کا خیال ہے کہ ڈاکوؤں کو کسی خاص چیز کی تلاش ہے۔" شہناز بولی۔

"ہم لوگ بھی یہی سوچ رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ ڈاکو نہ تو کسی پر حملہ کرتے ہیں اور نہ اس سے ا

ہیں کہ کہیں وہ پکڑ نہ لئے جائیں، سیٹھ اگروال کے یہاں جب وہ گھسے تھے تو بہت سے نوٹ انٹ کر چلے گئے، عجیب وغریب لوگ ہیں۔"

"لوگ انہیں برا بھلا تو ضرور کہتے ہوں گے۔" حمید بولا۔

"نہیں یہ بات نہیں، لوگ تو ان کی دلیری کی تعریف کرتے ہیں۔"

یہ بھی عجیب بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "اگر کبھی ہم لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے تو ہم بے دریغ گولی چلا دیں گے۔"

"آخر یہ کیوں...... انہوں نے کسی کو کوئی نقصان تو پہنچایا نہیں۔"

"یہی کیا کم نقصان ہے کہ آج کل لوگ رات رات بھر سوتے نہیں۔" فریدی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" شہناز نے فریدی سے پوچھا۔

"یہی کہ وہ لوگ پولیس کو اس چکر میں ڈال کر کوئی بڑی واردات کرنا چاہتے ہیں۔" ریدی نے بتایا۔

"آپ کا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے، بہت سے لوگوں کا یہی خیال ہے۔" شہناز نے تائید کی۔

"واقعی مجھے افسوس ہے کہ ہم لوگ تمہارے ساتھ فلم دیکھنے نہ جا سکیں گے۔" فریدی نے قدرے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "خیر پھر سہی لیکن تم آج جا کر سہاگ رات دیکھ آؤ۔"

جھاڑیوں میں

رات تاریک تھی۔ فضا میں سیاہیاں اڑ رہی تھیں۔ وقت کا دیوتا شائد اس وقت کرہ زمہریر ے دنیا کی طرف جھانک رہا تھا۔ سردی ہڈیوں میں گھستی معلوم ہو رہی تھی۔ شاید اس وقت نے والوں کے خواب تک منجمد ہو کر رہ گئے ہوں گے۔

گھنٹہ گھر نے دو بجائے اور سیٹھ کرم چند کے پائیں باغ کے پھاٹک کے سامنے ایک چھوٹی سی ہرے رنگ کی کار آ کر رکی۔ فریدی اور حمید سیاہ رنگ کے کپڑوں میں ملبوس نقابوں سے اپنے چہرے چھپائے اتر کر پھاٹک کے اندر داخل ہوئے۔ دفعتاً غراہٹ کی آواز سنائی دی اور ایک بڑا سا کتا ان پر جھپٹ پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ فریدی کے سائیلنسر لگے ہوئے پستول کی دو گولیوں نے اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کردیا۔ کتے کی غراہٹ کی وجہ سے شائد کوٹھی کا چوکیدار اونگھتے اونگھتے چونک پڑا تھا۔

''ٹائیگر، ٹائیگر......!'' اس نے کتے کو آواز دی۔

بھونکنے کی آواز نہ پا کر وہ کھانستا کھنکھارتا پھاٹک کی طرف بڑھا۔

''میرے خیال سے اب بھاگنا چاہئے۔'' حمید نے چپکے سے کہا۔

''ہشت......میرے پیچھے آؤ۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور مالتی کی گھنی جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔

چوکیدار نے ٹارچ روشن کی اور ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔

''ارے یہ ٹائیگر کو کیا ہوگیا۔'' وہ خود ہی بڑبڑایا۔ ''ارے خون! اسے کس نے مارا۔'' اب وہ شاید کوٹھی کے ملازموں کے نام لے لے کر چیخ رہا تھا۔ پھر وہ چیختا ہوا کوٹھی کی طرف بھاگا۔

''اب بھی غنیمت ہے کہ نکل چلئے، ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''یہی تو بہترین موقع ہے گھر میں داخل ہونے کا۔'' فریدی نے کہا۔

''آج شاید پکڑے ہی جائیں گے۔'' حمید بولا۔

''بکومت......!''

اتنے میں تاریک برآمدے کے سارے بلب روشن ہوگئے اور باغ میں کافی اجالا ہوگیا۔ کچھ لوگ دوڑ کر پھاٹک کے قریب آئے اور کتے کی لاش کے گرد اکٹھے ہوگئے۔ اب ایک اچھا خاصا شور وغل شروع ہوگیا تھا۔ دفعتاً گشتی پولیس کی لاری پھاٹک کے سامنے آ کر رکی۔

''کیا بات ہے......!'' لاری سے کسی نے اونچی آواز میں پوچھا۔

دو تین آدمی دوڑ کر لاری کے قریب گئے اور کچھ کہتے رہے۔

لاری سے آٹھ دس سپاہی اور ایک سب انسپکٹر اتر پڑے۔

سب انسپکٹر پھاٹک میں کھڑے ہو کر سپاہیوں سے بولا۔ ''وہ دیکھو وہاں کار کیسی کھڑی کیا یہ سیٹھ صاحب کی تو نہیں۔''

''جی نہیں سرکار......ہماری سب گاڑیاں گیراج میں ہیں۔''

انسپکٹر نے ٹارچ کی روشنی میں کار کا جائزہ لینا شروع کیا۔

''مگر یہ تو ہرے رنگ کی ہے۔ ڈاکوؤں کی کار تو سیاہ رنگ کی سنی جاتی ہے۔ رحیم خان تم کر اس کا نمبر تو دیکھو۔''

''یہ جگدیش معلوم ہوتا ہے، بُرے پھنسے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''خاموش رہو......!'' فریدی بولا۔

جگدیش کتے کی لاش پر جھکا ہوا تھا۔

''ابھی ابھی کسی نے اس پر گولی چلائی ہے۔'' جگدیش نے پاس کھڑے ہوئے آدمیوں کی مڑ کر کہا۔ ''تعجب ہے کہ تم لوگوں نے گولی چلنے کی آواز نہیں سنی۔''

''نہیں سرکار......!'' چوکیدار بولا۔ ''میں یہیں برآمدے میں بیٹھا جاگ رہا تھا میں نے کے غرانے کی آواز سنی تھی لیکن گولی کی آواز مجھے نہیں سنائی دی۔''

''داروغہ جی......گاڑی کا نمبر وہ معلوم نہیں ہوتا......!'' اس آدمی نے لوٹ کر کہا جو کا نمبر دیکھنے گیا تھا۔

جگدیش نے کانسٹیبلوں کو باغ کے اندر بلا لیا۔

''ضرور کوئی نہ کوئی یہیں چھپا ہوا ہے۔ آؤ تلاش کریں اور تم رحیم خاں جا کر اس کار کی انی کرو۔''

''یہ بہت بُرا ہوا......!'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''اچھا آؤ......اب چہار دیواری کو

پھلانگنا کوئی مشکل کام نہیں۔ قبل اس کے کہ رحیم خان کار تک پہنچے ہمیں اس پر پہنچ جانا چاہئے۔

چار دیواری مالتی کی باڑ سے بالکل ملی ہوئی تھی اور جھاڑیوں سے نیچی تھی۔ اس لئے دونوں بغیر کسی کی نظر پڑے ہوئے باہر نکل گئے۔

رحیم خاں کار کا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی کا زوردار گھونسہ اس کی بائیں کنپٹی پر پڑا۔ رحیم خاں کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ اچھل کر سڑک کے کنارے جا گرا۔ دوسرے لمحہ میں کار اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ جگدیش وغیرہ رحیم خاں کی چیخ سن کر چوکے تھے کہ کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ سب شور مچاتے ہوئے دوڑے مگر کار اتنی میں سینکڑوں گز آگے جا چکی تھی۔

''چلو چلو...... جلدی لاری میں بیٹھو۔'' جگدیش چیختا ہوا لاری کی طرف جھپٹا۔ بدحواسی میں لوگوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ان کا ایک ساتھی سڑک کے کنارے بیہوش پڑا ہے۔ پولیس کی لاری کار کا تعاقب کر رہی تھی۔

''دیکھا آپ نے...... میں نہ کہتا تھا۔'' حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''تم تو اچھے خاصے چغد ہو، یہ نہیں دیکھتے کہ مزہ کتنا آیا۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''گھبرائیے نہیں، ابھی اور آئے گا مزہ...... آج خدا ہی عزت رکھے تو معلوم ہو، پولیس کی لاری برابر پیچھا کئے جا رہی ہے۔''

''ڈرو نہیں بیٹا...... وہ لوگ ہماری گرد کو بھی نہ پا سکیں گے......!'' فریدی نے کہا۔

''دیکھتے نہیں کہ وہ ہم سے کس قدر پیچھے ہیں۔ بس تم رفتار بڑھاتے رہو۔''

''اور جو ایکسیڈنٹ ہو جائے تو۔'' حمید نے کہا۔

''اس کی پرواہ تم مت کرو۔ اس وقت ایکسیڈنٹ کا کوئی امکان نہیں اور پھر ہم تو جنگل کی طرف جا رہے ہیں۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ اسی طرح اندھا دھند بھاگتے رہیں گے اور وہ ہمارا پیچھا کرتے رہیں گے۔ جب ہماری گاڑی کا پٹرول ختم ہو جائے گا تو ہم دھر لئے جا

'' حمید نے کہا۔

''کون جانے انہیں کی لاری کا پٹرول پہلے ختم ہو جائے۔'' فریدی نے کہا۔

''اگر آپ اسی بھروسہ پر بیٹھے ہیں تب تو ہو چکا۔'' حمید کی آواز میں بیزاری سی تھی۔

''اچھا ٹھہرو! میں اس لونڈے کو بیوقوف بناتا ہوں۔ اگلے موڑ پر کار آہستہ کر دینا میں اتر ں گا اور پھر تم تیزی سے آگے بڑھ جانا۔''

''اس سے کیا ہوگا۔'' حمید نے کہا۔

''میں پولیس کی لاری روک کر تمہیں نکل جانے کا موقع دوں گا۔ راستہ تو تم نے دیکھا ہی '' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حمید خاموش رہا۔

''رفتار دھیمی کرو......!'' فریدی نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''لاری نظر نہیں ی ہے جلدی کرو۔''

حمید نے کار کی رفتار دھیمی کر دی۔

فریدی آہستہ سے اتر گیا اور کار پھر فراٹے بھرنے لگی۔ فریدی سڑک کے کنارے اونچی ی جھاڑیوں کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی پولیس کی لاری دکھائی دی اس نے اپنے ل سے اسی طرف فائر کرنے شروع کر دیئے جدھر حمید کی کار گئی تھی۔

جگدیش نے فائروں کی آواز سن لاری رکوا دی۔ فریدی بدستور فائر کئے جا رہا تھا۔ پولیس لے اس کی طرف دوڑے، دفعتاً کسی نے جھاڑیوں کے پیچھے سے فریدی کو اندر کھینچ لیا۔ فریدی ڑیوں میں الجھ کر گر پڑا، ساتھ ہی دو تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔

''جگدیش جگدیش......!'' فریدی چیخا۔ ''دوڑو...... ورنہ یہ'' وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ کسی نے اس کا منہ دبا لیا۔

پولیس والے جھاڑیوں کے اندر گھس پڑے۔ جھاڑیوں میں عجیب قسم کا خلفشار برپا تھا۔ ی دیر میں ریوالوروں کی چنگاریاں چمکنے لگیں۔

پولیس پارٹی نے بھی فائروں کا جواب دینا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مخالف سمت سے فائر ہونے بند ہو گئے۔ اب پولیس والے آہستہ آہستہ آگے کی طرف رینگ رہے تھے۔

دفعتاً موٹر اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ پولیس والے اٹھ کر سڑک کی طرف بھاگے۔ پولیس کی لاری اندھیری سڑک پر روشنی بکھیرتی ہوئی آگے کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

"لو یہ نئی مصیبت آئی۔" جگدیش جھلا کر ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "کمبخت بڑا زبردست چوٹ دے گئے۔ اب تم سب لوگ اپنی اپنی نوکریوں کو رو پیٹ لو...... لاری گئی۔"

"تو سرکار اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ کسی ایک کی ڈیوٹی موٹر پر لگا دی ہوتی۔" ایک کانسٹیبل نے کہا۔

"ہاں ہاں اب مجھی پر تو سارا الزام آئے گا۔" جگدیش نے کہا۔ "مگر آخر فریدی صاحب کیا ہو گئے۔ میں نے ان کی آواز صاف پہچانی تھی، آؤ انہیں تلاش کریں۔"

"اور صاحب لاری کا کیا ہوگا۔" ایک کانسٹیبل بولا۔

"ہوگا کیا...... اور اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ تن بہ تقدیر بیٹھو، جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

وہ سب دوبارہ ٹارچوں کی روشنی میں جھاڑیوں میں گھس پڑے۔ قرب و جوار کا چپہ چپہ چھان مارا مگر کسی کا کوئی سراغ نہ ملا۔ جہاں فریدی کھڑا تھا وہاں انہیں ایک فلٹ ہیٹ زمین پر پڑی ہوئی ملی جس پر تازہ خون کے دھبے تھے۔ جگدیش الٹ پلٹ غور سے دیکھنے لگا۔

"چلو یہ ایک کام کی چیز ملی...... شاید اسی سے کوئی سراغ ملے۔" جگدیش نے کہا۔ "بڑی حیرت کی بات ہے کہ آخر فریدی صاحب کیا ہو گئے۔ میں نے انکی صاف آواز پہچانی تھی۔"

"حضور آپ کو دھوکا ہوا ہوگا......!" ایک کانسٹیبل بولا۔

"ناممکن...... میرے کان مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکو انہیں کہیں لے گئے، معلوم نہیں بے چارے پر کیا افتاد پڑی۔"

"ہوگا سرکار...... مجھے تو لاری کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔" ایک کانسٹیبل نے کہا۔

"بھئی اب اس کا تذکرہ مت کرو۔ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم میں سے کسی سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ گولی چلا کر لاری کا ایک آدھ ٹائر ہی برسٹ کر دیتا۔" جگدیش نے کہا۔

حیرت

دوسرے دن صبح کوتوالی میں ایس پی کے کمرے میں چیف انسپکٹر سی آئی ڈی، سارجنٹ حمید، ایس پی اور انسپکٹر جگدیش بیٹھے تبادلہ خیال کر رہے تھے، میز پر وہی رات والی خون آلود فلٹ ہیٹ رکھی ہوئی تھی۔

"حمید تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ فلٹ ہیٹ فریدی کی ہے۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"ارے صاحب! مجھ سے زیادہ اسے کون پہچانے گا۔ دیکھئے اس کے اندر جو سانپ کا سر بنا ہوا ہے یہ فریدی صاحب نے میرے ہی سامنے فاؤنٹین پن سے بنایا تھا۔"

"آخر انہوں نے یہ بنایا ہی کیوں تھا۔" ایس۔ پی بولا۔

"یونہی بیٹھے باتیں کر رہے تھے فاؤنٹین پن ہاتھ میں تھا۔ ٹوپی گود میں رکھی تھی، باتیں کرتے جاتے تھے اور تصویر بناتے جاتے تھے۔"

"کیا بتاؤں......!" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "میں نے سینکڑوں بار سمجھایا کہ خواہ مخواہ ہر معاملے میں ٹانگ مت اڑایا کرو، مگر اسے تو جیسے خبط ہو گیا تھا۔ نچلا بیٹھنا تو جانتا ہی نہ تھا، معلوم نہیں کیا حشر ہو۔"

"ارے صاحب کیا بتاؤں ساری غلطی میری اپنی ہے۔ نہ میں ان سے دوستانہ طور پر مدد کا طالب ہوتا اور نہ وہ اس مصیبت میں مبتلا ہوتے۔" جگدیش نے گلوگیر آواز میں کہا۔

حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"اور صاحب ایسے ڈاکو تو آج تک میری نظروں سے نہیں گزرے۔" ایس پی بولا۔

"ابھی تک، یہی سمجھ میں نہیں آسکا کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں۔ حیرت تو اس پر ہے کہ وہ لاری بھی یہاں چھوڑ گئے، بلا کے دلیر واقع ہوئے ہیں۔"

"اسی چیز نے تو فریدی کو نچلا نہ بیٹھنے دیا، بھلا اس سے اتنا صبر کہاں ہوسکتا تھا کہ وہ باقاعدہ طور پر یہ کیس اپنے ہاتھ میں آنے کا انتظار کرتا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"کچھ بھی ہو، مجھے تو بڑا دکھ ہورہا ہے......!" ایس پی بولا۔ "وہ سارے صوبہ میں تو کیا تمام ہندوستان میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہوگیا تو یہ سارے ہندوستان کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔"

"اب میں کیا بتاؤں۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "میرا تو داہنا بازو ٹوٹ گیا۔ یقین مانئے مجھے یہ بات کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں۔ میرے محکمہ کا بھرم اسی کے دم سے قائم تھا۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" ایس پی بولا۔ "اچھا صاحب تو یہ کیس اب میں آپ کے محکمہ کے سپرد کرتا ہوں اب یہ ہمارے بس کا روگ نہیں رہا۔"

"خیر اب میں چلوں گا، اس وقت میرا موڈ ٹھیک نہیں۔" چیف انسپکٹر اٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ کیس کے سارے کاغذات سارجنٹ حمید کے حوالے کردیجئے۔ بہت جلد تفتیش شروع کرادوں گا۔ یا بہت ممکن ہے کہ خود میں اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں۔ کیونکہ فریدی کا اس طرح غائب ہوجانا میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔"

چیف انسپکٹر کے چلے جانے کے بعد حمید نے کاغذات لئے اور دفتر جانے کی بجائے سیدھا گھر آیا۔ سب سے پہلے اسے وہ کام انجام دینا تھا جس کے لئے اتنی دردسری مول لی گئی تھی۔ سو روپے کا نوٹ انہی کاغذات میں نتھی تھا اس نے وہ نوٹ نکال کر اس کی جگہ دوسرا نوٹ نتھی کردیا۔ لیکن اب زحمت یہ آپڑی تھی کہ نوٹ کا وہ نمبر کس طرح مٹایا جائے جو جگدیش نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا۔ حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس طرح چونکا جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔ وہ اٹھا اور فریدی کے عجائبات کے کمرے سے ایک شیشی نکال لایا، جس میں سفید رنگ کی کوئی سیال شے تھی۔ یہ ایک سیاہی اڑانے کا نادر و نایاب لوشن تھا، جسے فریدی نے ایک

نمبر 1

یاح سے بنوایا تھا۔ لوشن لگاتے ہی نوٹ کا نمبر کاغذ سے اس طرح غائب ہوگیا جیسے وہاں کچھ لکھا ہی نہ گیا تھا۔ کاغذ خشک ہوجانے کے بعد حمید نے اسی جگہ اپنے لگے ہوئے نوٹ نمبر لکھ دیئے۔ اس کام سے فارغ ہوکر وہ آنکھیں بند کرکے آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ اس کا غ بالکل منجمد ہوکر رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اب کیا کرے، پتہ نہیں وہ لوگ یدی کو پکڑ لے گئے یا انہوں نے ان کو قتل کر ڈالا۔ فلٹ ہیٹ پر خون کے دھبے کوئی اچھا ان نہیں۔ کبھی وہ سوچتا ممکن ہے کہ فریدی مصلحتاً غائب ہوگیا ہو۔ اس سے قبل بھی وہ کئی بار ب ہوچکا تھا۔ مگر اس بار تو اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا۔ آخر یہ لوگوں کے گھروں میں گھسنے ا کیا معنی رکھتا ہے۔ وہ کونسی چیز ہے جسے فریدی سیٹھ اگروال کی تجوری سے نکال کر لایا تھا۔ اوہ چیز انتہائی حیرت انگیز ہوگی جس کی چوری پر اس کا مالک بھی منہ نہیں کھول سکتا۔ عجیب قسم ورکھ دھندا تھا۔ آخر سیٹھ اگروال نے پولیس کو دھوکے میں کیوں رکھا ہے۔ جبکہ حقیقتاً کوئی اس کی تجوری سے چرائی گئی ہے لیکن وہ پولیس کو بتاتا کیوں نہیں۔"

آفس کا وقت ہوگیا تھا۔ حمید نے کھانا کھا کر کپڑے بدلے اور کاغذات جیب میں رکھ کر ں جانے کے لئے باہر نکلا۔ فریدی کی بڑی کار کئی دن سے خراب تھی۔ اس لئے آج کل بس بیٹھ کر آفس جانا پڑتا تھا۔ وہ چوراہے تک پیدل آیا اور انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد آئی اور وہ اس پر بیٹھ گیا۔ بس میں بھیڑ بہت زیادہ تھی اس لئے اسے کھڑے رہنا پڑا۔

آفس پہنچ کر وہ سیدھا چیف انسپکٹر کے کمرے میں گیا۔ وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کرکے پھر لکھنے لگا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے۔" چیف انسپکٹر قلم رکھ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

"کیا عرض کروں......!" حمید نے کہا۔

"کیا تم اس سے پہلے سے واقف تھے کہ فریدی جگدیش کے کہنے پر اس کیس کی تفتیش ہا تھا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"جی نہیں......میرے خیال سے تو انہوں نے اسے ٹالنے کے کچھ یونہی سے بڑا دیئے تھے۔"

مگر جگدیش تو کہتا ہے کہ فریدی نے اسے موقع واردات پر آواز دی تھی۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو لیکن یہ بات میرے علم میں نہیں۔"

"اچھا وہ کاغذات لائے ہو۔"

"جی ہاں......!" حمید نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ لیکن یک بیک اس چہرے پر مردنی چھا گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یکے بعد دیگرے وہ اپنی ساری جیبوں کی لے رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں ابھر آئیں۔

"کیوں کیا بات ہے۔" چیف انسپکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"مم......مم......معلوم......ہوتا ہے کہ......کسی نے جیب سے نکال لیا۔"

"کیا مطلب......؟"

"جی ہاں! میں نے اسی جیب میں رکھے تھے۔"

"کمال کیا تم نے...... یہ جیب کبھی اس طرح کے کاموں میں استعمال ہوتی ہے میں تو کوئی بچہ بھی چیز نہایت آسانی سے نکال سکتا ہے۔"

"جی کیا بتاؤں......مگر......مگر......!"

"اب مگر مگر کیا کر رہے ہو۔ جاؤ تلاش کرو......!" چیف انسپکٹر تیز لہجہ میں بولا۔

حمید بوکھلا کر کمرے سے نکل آیا۔

وہ تیزی سے روڈ پر بس کے اگلے اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا۔ راہ میں اس نے ایک ٹ اور بس کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے چوراہے کے سپاہی سے اس بس کی تفصیلات پوچھیں اور ٹیکسی پھر چل پڑی۔ تھوڑے دیر میں اس نے بس کو جا لیا۔ بس قریب خالی ہو چکی تھی صرف دو چار مسافر رہ گئے تھے۔ حمید سیٹوں کے نیچے کاغذات تلاش کرنے لگا

"آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔" بس کنڈیکٹر نے پوچھا۔

"بھئی میری جیب میں کچھ کاغذات تھے جو غالباً اسی بس میں نکل گئے۔"

"کیا کوئی لفافہ تھا۔"

"جی ہاں......سرخ رنگ کا بڑا لفافہ۔"

"یہ لیجئے......!" بس کنڈیکٹر نے اپنے چمڑے کے تھیلے سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے "ایک صاحب نے مجھے دیا تھا۔"

حمید نے سب سے پہلے کاغذات نکال کر دیکھے پھر یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ سب ات موجود ہیں، اس نے بس کنڈیکٹر سے اس آدمی کے متعلق دریافت کیا جس نے اسے دیا تھا۔

"اس کی شکل صورت تو مجھے یاد نہیں البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ کسی اچھی سوسائٹی کا آدمی تھا۔"

"اس نے کیا کہہ کر یہ لفافہ آپ کو دیا تھا۔"

"یہی کہ شاید کسی کا گر گیا ہے، آپ اسے احتیاطاً اپنے پاس رکھئے!" کنڈیکٹر نے کہا۔

خوفناک دھماکے

کاغذات لے کر آفس کی طرف لوٹتے ہوئے حمید سوچ رہا تھا کہ وہ چیف انسپکٹر سے ہ کہ وہ دراصل کاغذات گھر بھول آیا تھا۔ لیکن ایک نیا خیال اس کے ذہن میں آہستہ آہستہ ر کی طرف رینگنے لگا۔ نہیں وہ چیف انسپکٹر کو ٹھیک ٹھیک بتا دے گا کہ اسے یہ کاغذات بس ڈکٹر سے ملے اسی طرح وہ دوسرا نوٹ لگانے اور نمبروں کے غلط اندراج کے الزام سے بچ گا۔ بہت ممکن ہے کہ کبھی یہ راز کھل ہی جائے تو وہ نہایت آسانی سے کہہ سکے گا کہ کسی نے غذات اسی لئے اس کی جیب سے نکالے تھے کہ نوٹ بدل دیا جائے، اس نئے خیال پر اس ضمحلال بہت کچھ دور ہو گیا۔

آفس پہنچ کر اس نے کاغذات چیف انسپکٹر کے حوالہ کر دیئے اور خود اپنی میز پر آ
تھوڑی دیر بعد چیف انسپکٹر کے کمرے میں اس کی طلبی ہوئی۔

"کہو بھئی...... پھر تم نے اب کیا سوچا" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"کیا عرض کروں، میری تو عقل ہی جواب دے چکی ہے۔"

"بات ہی ایسی ہے۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "میرے خیال سے تو چلو پہلے موقعہ وار تک ہو آئیں اس کے بعد سیٹھ اگر وال کے یہاں چلیں گے۔"

"بہتر ہے......!"

چیف انسپکٹر نے جگدیش کو فون کیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ پندرہ بیس منٹ بعد جگ پہنچ گیا اور پھر تینوں موقعہ واردات کی طرف روانہ ہو گئے۔

"جی ہاں، کار رکوایئے...... بس یہی وہ مقام ہے۔" جگدیش نے کہا۔

کار رکی اور تینوں جھاڑیوں کے قریب اتر پڑے، چیف انسپکٹر بہت غور سے زمین ایک ایک حصہ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ارے یہ جوتا کیسا......!" چیف انسپکٹر نے جھاڑیوں میں سے ایک جوتا نکالتے ہ کہا۔ حمید چونک پڑا۔

"یہ بھی فریدی صاحب کا ہے۔" حمید نے بے ساختہ کہا۔

"عجیب معاملہ ہے۔ اس پر بھی خون کے دھبے ہیں، خدا خیر کرے۔" چیف انسپکٹر پریشانی کے لہجہ میں کہا۔

"صاحب میرا خیال تو ہے کہ شاید وہ مصلحتاً غائب ہو گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"جب وہ کوئی زیادہ خطرناک کام کرتے ہیں تو اسی طرح غائب ہو جاتے ہیں، حد ہے کہ مجھے بھی اس کی اطلاع نہیں ہونے پاتی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "میں اسے اپنے بیٹوں کی طرح رکھتا ہوں۔"

ید نے جوتے کو ایک اخبار کے ٹکڑے میں لپیٹ کر کار میں رکھ دیا۔

"میرے خیال سے تو یہاں کسی قسم کا سراغ ملنا مشکل ہی ہے۔" حمید نے کہا۔

"تو پھر اب کیا کیا جائے۔" جگدیش بولا۔

"سیٹھ اگر وال اور وہ دوسرے لوگ جن کے یہاں وارداتیں ہو چکی ہیں ان سے ملنا
" چیف انسپکٹر نے کہا۔

ینوں دن بھر ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن کوئی خاص بات نہ معلوم ہو سکی۔

روال کی تجوری کا حمید نے خاص طور سے جائزہ لیا اس نے سیٹھ اگر وال سے بہت سوالات کئے۔

"کیوں سیٹھ صاحب ڈاکوؤں کے فرار ہونے کے بعد آپ نے اپنی تجوری اچھی طرح
اتا" حمید نے پوچھا۔ "تجوری آپ نے بند پائی تھی یا کھلی۔"

"کھلی......!"

"لیکن کوئی چیز گئی نہیں تھی۔"

"جی نہیں۔"

"سخت حیرت کی بات ہے۔" چیف نے کہا۔

"اچھا یہ بتایئے کیا ڈاکوؤں نے تجوری کی کنجی آپ سے حاصل کی تھی۔"

"جی نہیں۔"

"تالا توڑا تھا۔"

"یہ بھی نہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے آپ کی تجوری کنجی سے کھولی تھی۔"

"اب اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"بہت ممکن ہے۔" حمید نے چیف انسپکٹر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ڈاکوؤں نے کوئی ایسی
ئی ہو جس کا اظہار خود سیٹھ صاحب کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

اگروال اس جملہ پر بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کے چہرے کی ساری رونق چھین لی ہو۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" سیٹھ اگروال نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کیا شہر میں جتنی وارداتیں ہوئی ہیں سب اسی قسم کی ہیں۔ شہر میں اور لوگ بھی تو ایسے ہیں جن کے ہاں ڈاکو گھسے، تجوریاں کھولیں اور جوں کی توں کھلی چھوڑ کر چلے گئے۔ ان میں کسی نے بھی نہیں کہا کہ ان کے یہاں سے کوئی چیز چوری ہوگئی ہے۔"

"یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔" چیف نے کہا۔

حمید دل ہی دل میں فریدی کی ذہانت کی داد دینے لگا۔

"شام کو تقریباً ساڑھے چھ بجے وہ گھر واپس آیا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا، اسے یہ دیکھ کر نوکروں پر سخت غصہ آیا کہ انہوں نے ابھی تک برآمدے کی بجلی نہیں جلائی تھی۔ وہ جھلاتا ہوا برآمدے میں داخل ہوا۔ پہلا ہی پیر اندر رکھا تھا کہ دھماکے کی آواز سنائی دی، حمید اچھل کر ایک طرف ہوگیا۔ دوسرا پیر زمین پر پڑا تھا کہ بیک وقت دو دھماکے سنائی دیئے۔ حمید پھر اچھلا..... پھر دھماکہ ہوا...... جیسے جیسے وہ برآمدے میں اچھلتا پھر رہا تھا دھماکوں کی رفتار بڑھتی جارہی تھی۔ سارے نوکر بھاگ کر ادھر ہی چلے آئے تھے اور سب حیرت سے اسے اچھلتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ ہر دھماکے کے ساتھ حمید کے پیروں سے چنگاریاں نکلتی معلوم ہوتی تھیں، آخر کار وہ بوکھلا کر برآمدے کے نیچے کود آیا۔ سارے نوکر اس کے گرد اکٹھے ہوگئے۔

"ابے گدھو...... تم نے برآمدے کی بجلی کیوں نہیں جلائی۔" وہ گرج کر بولا۔

"سرکار...... ابھی ابھی یہاں روشنی کر کے گیا ہوں!" ایک نوکر نے سہمی ہوئی آواز میں بتایا۔

"اچھا چلو جا کر بجلی جلاؤ۔" حمید نے کہا۔

وہ ڈرتے ڈرتے برآمدے میں گیا وہ سوئچ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اس کے پیروں کے نیچے دھماکہ ہوا اور وہ چیخ کر نیچے آیا۔

سارے نوکر گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے، حمید چیختا ہی رہ گیا لیکن کسی نے پلٹ کر دیکھا

حمید ایک لمحہ تک کھڑا سوچتا رہا پھر جیب سے دیا سلائی نکال کر ایک تیلی جلائی اور اس ں میں برآمدے میں داخل ہوا۔

"ارے.....!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ اس طرح چلنے لگا جیسے کسی چیز کو بچا م رکھ رہا ہو، سوئچ بورڈ نزدیک ہی تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بجلی جلادی، وہ حیرت سے ے فرش کو گھور رہا تھا۔ فرش پر بے شمار چھوٹی چھوٹی گولیاں بکھری ہوئی تھیں۔ حمید نے ں پر پیر رکھ دیا۔ پیر رکھتے ہی پھر دھماکہ ہوا۔ دفعتاً ایک خیال سرعت سے اس کے ذہن وں سے ٹکرایا، وہ دوڑتا ہوا اس کمرے کی طرف جارہا تھا جہاں تجوری رکھی ہوئی تھی۔ ے کا دروازہ کھلا ہوا تھا، اس کا دل دھڑکنے لگا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے دیا سلائی تجوری کھلی ہوئی نظر آئی۔ دیا سلائی پھینک کر اس نے جلدی سے بجلی جلائی اور تجوری پر ا۔ اس کی دانست میں جتنی چیزیں پہلے تھیں اتنی ہی اب بھی موجود تھیں۔ وہ پریشانی میں ا کرنے لگا۔ دفعتاً اسے نوٹوں کے بنڈل پر ایک کاغذ رکھا ہوا نظر آیا۔ اسے اچھی طرح کہ جب صبح اس نے سرکاری کاغذات والا نوٹ بدلنے کے لئے تجوری کھولی تھی اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے کاغذ اٹھا لیا اس پر انگریزی میں ٹائپ کی ہوئی تحریر تھی۔

"جاسوس کے بچے

تیرے استاد نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ اس وقت وہ میری قید میں ہے۔ جو چیز وہ اگروال کے یہاں سے اڑا کر لایا تھا میں لئے جارہا ہوں۔ اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو ش کرنے کی کوشش مت کرنا۔

میرے پیچھے لگنے کی سزا موت ہے۔"

ید نے اس کاغذ کو احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا اور تجوری کا ڈھکن بند کر کے تیزی ے سے باہر نکل گیا۔ ابھی وہ برآمدے ہی میں تھا کہ سڑک پر ایک کار اسٹارٹ ہونے آواز سنائی دی۔ وہ بھاگ کر پھاٹک پر آیا، کار مغرب کی طرف تیزی سے چلی جارہی تھی۔ نے جھنجھلاہٹ میں اپنے ہاتھ میں کاٹ لیا۔ فریدی کی کار بھی بگڑی پڑی تھی، چھوٹی کار

نکالنے کی ہمت نہ پڑی کیونکہ اس پر ابھی تک ہراہی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ آخر بوکھلاہٹ میں اس نے اسی طرف دوڑنا شروع کر دیا جدھر وہ کار گئی تھی۔ خوش قسمتی سے تھوڑی ہی دور پر ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی مل گئی۔ حمید دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گیا۔

"کہاں چلیئے گا......!" ڈرائیور نے کہا۔

"ادھر کوئی چاکلیٹی رنگ کی کار گئی ہے۔"

"جی ہاں ابھی ابھی گذری ہے۔"

"اس کا پیچھا کرو۔"

ڈرائیور نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔

تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک چاکلیٹی رنگ کی کار دکھائی دی۔ اس کی رفتار بتدریج کم ہوتی جا رہی تھی۔ حمید نے بھی ٹیکسی کی رفتار فاصلہ کی مناسبت سے کم کرا دی۔ کار اچانک ایک گلی میں گھوم گئی۔ حمید کی ٹیکسی جیسے ہی گلی کے سامنے پہنچی اس نے چاکلیٹی رنگ کی کار سے عجیب الخلقت آدمی کو اترتے دیکھا۔ حمید نے آگے بڑھ کر ٹیکسی کو رکوایا اور کرایہ دے کر اتر گیا۔ گلی میں میونسپلٹی کی لالٹینوں کی دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کار ابھی تک وہیں کھڑی تھی اور اس میں سے اترنے والا آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا آگے کی طرف جا رہا تھا۔ حمید چھپاتا اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ابھی مشکل سے سات بجے ہوں گے لیکن گلی بالکل سنسان تھی۔ کار سے اترنے والا پُر پیچ گلیوں سے گذرتا ہوا نہ جانے کہاں جا رہا تھا۔ پھر دوسری سڑک پر آ گیا، یہاں بجلی کے قمقموں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اب حمید نے غور سے دیکھا، اتنی خوفناک شکل آج تک اس کی نظروں سے نہ گذری تھی۔

بھیانک چہرہ

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سارے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی ہو۔ نہ جانے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ واپس لوٹ جائے۔ ابھی وہ اسی تذبذب میں پڑا ہوا تھا کہ خوفناک

آدمی ایک ہوٹل میں گھس گیا۔ حمید شش و پنج میں پڑ گیا کہ وہ اندر جائے یا نہ جائے۔ پھر دفعتاً اسے اپنی اس کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ یہ کیا حماقت ہے۔ آخر خوف کی کیا وجہ ہے اور پھر اس کا پیشہ ہی ایسا ہے کہ کسی وقت بھی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ حمید بھی ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ شراب اور تمباکو کے دھوئیں کی ملی جلی بو سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں زیادہ تر متوسط طبقہ کے اوباش لوگوں کا مجمع نظر آیا کرتا تھا شہر کے بدنام ہوٹلوں میں سے یہ بھی ایک تھا۔ یہاں آئے دن نت نئی وارداتیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پولیس نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔

بات دراصل یہ تھی کہ اس کا مالک سنتوش ایک ذی اثر آدمی تھا۔ آئے دن بڑے بڑے افسروں کی دعوتیں کیا کرتا تھا۔ اونچی سوسائٹی میں اسے کافی مقبولیت حاصل تھی۔ حمید ہوٹل کے اندر چلا تو گیا لیکن اسے یہ سوچ کر الجھن ہونے لگی کہ وہ یہاں کرے گا کیا۔ کیونکہ یہاں آنے والے زیادہ تر شرابی تھے۔ کوئی شریف آدمی مشکل ہی سے ادھر کا رخ کرتا تھا۔

حمید شراب نہیں پیتا تھا۔ لیکن اب تو آ ہی گیا تھا اور اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ وہ ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔ بھیانک چہرے والا آدمی ٹھیک اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک بار اس کی اور حمید کی نظریں مل گئیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم سے برقی تار مس کر دیا ہو۔ اس کا چہرہ انتہائی خوفناک تھا۔ موٹی سی ناک، درمیان میں دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ نتھنے کافی چوڑے تھے جن کے گرد گھنی مونچھیں بہت زیادہ ڈراؤنی معلوم ہوتی تھیں۔ مونچھیں اتنی گھنی تھیں کہ دہانہ صاف نہیں دکھائی دیتا تھا۔ سر پر بڑے بڑے گھونگریالے بال تھے، گھنے ابروؤں کے نیچے انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں کسی تاریک قبرستان میں جلتے ہوئے چراغوں سے کم خوفناک نہ تھیں۔ سانس لیتے وقت اس کے نتھنے پھولتے پچکتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ رخساروں پر کئی گہرے زخموں کے نشانات تھے۔ اس نے بیرے کو آواز دے کر شراب منگوائی اور پوری بوتل اتنی جلدی ختم کر دی جیسے اس نے شراب کی بجائے پانی پیا ہو۔ اس نے شراب اتنے بھونڈے پن کے ساتھ پی تھی کہ ابھی تک اس کی ٹھوڑی سے قطرے ٹپک

رہے تھے۔ اس نے انتہائی لاپروائی کے ساتھ ہاتھ سے منہ پونچھا اور کرسی سے ٹیک لگا کر اپنا بھدا سا پائپ سلگانے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا۔

......تو یہی حضرت تھے جنہوں نے فریدی کی تجوری کھولی تھی۔ انتہائی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے برآمدے میں اس لئے پٹاخے ڈال دیئے تھے کہ آنے والوں کی آہٹ مل سکے۔ بلا کا مکار معلوم ہوتا ہے۔ اب حمید اسی فکر میں تھا کہ اس سے وہ چیز کس طرح حاصل کی جائے جو اس نے فریدی کی تجوری سے نکال لی تھی۔ لیکن صبح تو اسے تجوری میں کوئی چیز نہیں دکھائی دی تھی۔ پھر آخر اس نے اس میں سے کیا نکالا۔

دفعتاً حمید چونک پڑا۔ ایک بیرا نہایت خاموشی سے اس کی میز کے قریب آ گیا تھا۔

''بیئر اور مٹن چاپ۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ بیرا اسے کوئی اناڑی پینے والا سمجھ کر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ ایک کشتی میں گولڈن ایگل کی ایک بوتل اور کچھ مٹن چاپ لے کر واپس آیا۔ ''صاحب اگر کاک ٹیل پئیں تو لاؤں، ٹماٹر کی ہے، اور ابھی تیار ہوئی ہے۔'' بیرے نے میز پر کشتی رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''نہیں......!'' حمید نے کہا اور بوتل اٹھا کر دیکھنے لگا۔ بیرے نے بوتل اس کے ہاتھ سے لے کر کاک نکالی اور میز پر رکھ کر گلاس آگے سرکا دیا۔

''کچھ اور صاحب......!'' اس نے جھک کر مودبانہ کہا۔

''نہیں......!'' حمید نے کہا اور گلاس میں بیئر انڈیلنے لگا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے کنکھیوں سے اس خوفناک آدمی کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کئے کرسی پر نیم دراز تھا، حمید اپنا گلاس بھر کر اس میں ناچتے ہوئے بلبلوں کو بغور دیکھنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ مٹن چاپ کھانے لگا۔ گلاس جوں کا توں بھرا ہوا رکھا تھا۔ پینے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد بیرا پھر ادھر سے گذرا۔

''اے بیرا......بل لاؤ۔'' حمید نے اسے روک کر کہا۔

''کیوں صاحب کیا قصور ہوا۔''

''نہیں بھائی......اس میں قصور کی کیا بات ہے۔''

''ابھی تو آپ کی سب چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔''

''تمہیں اس سے کیا۔''

''بہت بہتر حضور۔''

بیرا بل لے کر واپس آیا۔ حمید نے پلیٹ میں کچھ نوٹ رکھ دیئے۔ بیرا سلام کر کے چلا گیا۔ حمید نے سگریٹ سلگائی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر منہ سے دھوئیں کے دائرے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

بھیانک چہرے والا یک بیک چونک کر کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا جہاں ایک خوش پوش آدمی کھڑا بارمین سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر اس کی طرف چلا گیا۔ خوش پوش آدمی کے قریب کھڑے ہو کر اس نے گرجدار آواز میں کہا......''بل......!''

بارمین نے ایک بیرے کو آواز دی۔

''صاحب کا کتنا ہوا۔'' اس نے بیرے سے پوچھا۔

''ساڑھے بارہ......!'' بیرے نے کہا۔

خوفناک چہرے والا دس دس کے دو نوٹ کاؤنٹر پر رکھ کر واپس ہونے کے لئے مڑا۔

''صاحب بقیہ روپے تو لیتے جائیے۔'' بارمین بولا۔

''بقیہ تمہارا بخشش......!'' خوفناک چہرے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

ابھی وہ ہوٹل کے باہر قدم نہ نکالنے پایا تھا کہ ایک قوی ہیکل آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ خوفناک چہرے والے نے اسے اس طرح گھورا جیسے کچا کھا جائے گا۔ قوی ہیکل آدمی مسکرایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر لاؤنج کی طرف جانے لگا۔ بھیانک چہرے والا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ جا رہا تھا۔ حمید بھی اٹھ کر ان کے پیچھے چلا جب انہیں اندر داخل ہوئے پانچ منٹ گذر گئے تو وہ بھی لڑکھڑاتا اور ہچکیاں لیتا ہوا لاؤنج میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے

ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔حمید نے ایک بھونڈا سا گانا گانا شروع کردیا۔قوی ہیکل آدمی نے آ کر اس کی گردن دبوچ لی۔

"کیوں ہلڑ مچاتا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہم گانا گاتی ہے بھائی، ہم تم کو بھی سنائے گی" حمید نے ہچکی لی اور شرابی کا پارٹ ادا کرنا شروع کیا۔

"معلوم ہوتا ہے بہت چڑھ گئی ہے۔" اس نے کہا۔

"کہاں چڑھ گئی ہے۔" حمید نے نیچے سے اوپر تک اپنا جسم ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"واہ بیٹا......!" قوی ہیکل آدمی بے اختیار ہنس پڑا اور حمید بے سدھ ہو کر ایک صوفے پر گر گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بالکل بے ہوش ہو گیا ہو۔لیکن ہچکیاں بدستور جاری تھیں۔

قوی ہیکل آدمی پھر بھیانک چہرے والے کے پاس جا بیٹھا۔

"تم نے اس کا منی بیگ اڑایا تو بہت صفائی سے مگر استادوں کی نظروں سے کہاں چھپ سکتے ہو۔" اس نے کہا۔

"اچھا جی......!" بھیانک چہرے والا بولا۔

"آدمی تاؤ باز معلوم ہوتے ہو۔"

"تو پھر......!"

"نکالو......آدھے آدھے کی رہی۔" قوی ہیکل آدمی نے کہا۔

بھیانک چہرے والا ہنسنے لگا۔

"تو نہ جانے کیسی بات کر رہا ہے، تلاشی لے لے مرے یار، تجھے دھوکا ہوا ہے۔" بھیانک چہرے والے نے کہا۔

دوسرے آدمی نے اچھی طرح اس کی جامہ تلاشی لی۔وہ کھڑا مسکراتا رہا۔

"سچ مچ مجھے دھوکا ہوا۔" اس نے بیٹھ کر شرمندگی کے لہجہ میں کہا۔

"اچھا اب دیکھ......یہ رہا منی بیگ۔!" بھیانک چہرے والے نے نہ جانے کہاں سے

منی بیگ نکال کر اس کے چہرے کے سامنے نچاتے ہوئے کہا۔

اچانک قوی ہیکل آدمی نے پستول نکال لیا۔

"خبردار......منی بیگ میرے حوالے کردو۔میں جاسوس ہوں۔"

"ابے جا، تیرے جیسے بہت سے جاسوس دیکھے ہیں، ابھی ابھی ایک جاسوس کے پٹھے کو الو بنا کر آ رہا ہوں۔ابے پہلے اپنی صورت تو دیکھ۔" بھیانک چہرے والے نے اس کا پستول والا ہاتھ پکڑ کر اس کی کنپٹی پر اس زور کا گھونسہ رسید کیا کہ پستول اس کے ہاتھ میں آ گیا اور قوی ہیکل آدمی ایک تنکے کی طرح اچھل کر دور جا گرا۔بھیانک چہرے والے نے قہقہہ لگایا، پھر وہ آہستہ آہستہ اسکی طرف بڑھا۔قوی ہیکل آدمی ابھی تک چاروں شانے چت فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"اٹھ میرے لال!" بھیانک چہرے والا چمکارتا ہوا بولا۔"چل تجھے دودھ پلا لاؤں۔"

قوی ہیکل آدمی بھیگی بلی کی طرح چپ چاپ اٹھ بیٹھا۔

"میں نے ابھی تک یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس میں ہے کتنا۔" بھیانک چہرے والے نے منی بیگ کھولتے ہوئے کہا۔"چہ چہ......صرف دو سو روپے......کوئی غریب آدمی معلوم ہوتا ہے۔بیچارے کا منی بیگ پھر اس کی جیب میں رکھ دینا چاہئے۔"

"کیوں......واپس کیوں کرو گے۔" قوی ہیکل آدمی بولا۔

"ابے میں کوئی معمولی چور اچکا یا گرہ کٹ نہیں ہوں۔اتنی چھوٹی چھوٹی رقمیں تو میں محلہ کے لونڈوں کو بانٹ دیتا ہوں۔"

"یار تم تو بڑے کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔چلو تمہیں اپنے استاد سے ملاؤں۔"

"وہ بھی تیری ہی طرح لونڈا ہوگا۔"

"ہے تو لونڈا ہی، پر بڑا بھیانک ہے۔"

"ابے جا، کچھ تو ہے کچھ تیرا استاد ہوگا۔اچھا چل......اب اس کا روپیہ اس کی جیب میں ڈال دیں، ورنہ بیچارا مفت میں پریشان ہوگا۔"

"واقعی تم عجیب آدمی ہو۔"

''اچھا اب باتیں مت بناؤ۔'' اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ وہ لائبریری کے قریب رک گیا اور اسے ایک ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ ''دیکھ لیا میرا نمونہ، چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔'' کہہ کر وہ لاؤنج کے باہر چلا گیا۔ قوی ہیکل آدمی بھی اس کے ساتھ تھا۔

تنبیہہ

حمید تھوڑی دیر تک اسی طرح بے سدھ پڑا رہا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ایک اچھی خاصی حماقت کی تھی۔ تجوری میں اس نے جو تحریر پائی تھی اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ تجوری کھولنے والا اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے بغیر بھیس بدلے اس کے سامنے ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔

ایسی غیر معمولی قوت رکھنے والا آدمی آج تک اس کی نظروں سے نہ گذرا تھا۔ اس کا گھونسہ تھا یا بجلی کے کرنٹ کا دھچکا۔ جس نے اتنے لحیم شحیم آدمی کو اتنی دور اچھال دیا تھا۔ خود اس کی پنڈلی میں جہاں اس نے ٹھوکر ماری تھی اس طرح کا درد ہو رہا تھا جیسے ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ اس نے کئی بار اٹھنا چاہا لیکن ہمت نہ پڑی۔ خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں پھر اس سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ آج سے قبل اس کے دل میں کبھی اتنی بزدلی کے خیالات نہ پیدا ہوئے تھے۔

تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد وہ ہمت کر کے اٹھا، آہستہ آہستہ شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا۔ پنڈلی کی چوٹ لنگڑانے پر مجبور کر رہی تھی۔ بہر حال اس وقت حمید کی حالت کسی بھی قسم کے شرابی کی سی ہو رہی تھی۔ وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔ حمید سڑک پر آ گیا اور ٹیکسی کر کے گھر پہنچا۔ سب سے پہلے وہ تجوری والے کمرے میں گیا۔ ایک چیز ابھی تک اس کے ذہن میں خلش پیدا کئے ہوئے تھی اور وہ یہ کہ آخر تجوری میں سے کیا چیز غائب ہوئی۔

اس نے تجوری کا جائزہ لینا شروع کیا۔ نچلے خانے میں غور سے دیکھنے پر اسے ایک

پتلی سی دراز نظر آئی۔ وہیں قریب ایک کیل ابھری ہوئی تھی جس کا وہاں پر موجود ہونا بظاہر کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔ حمید اس پر ہلکی ہلکی انگلی پھیرنے لگا۔ بے خیالی میں شائد اس کیل پر دباؤ پڑ گیا۔ دفعتاً ایک کھٹکا ہوا اور وہ دراز پھیلنے لگی۔ یہ ایک پوشیدہ خانہ تھا۔ حمید نے اس میں ہاتھ ڈال دیا، وہ خالی تھا۔ حمید سوچنے لگا۔ ضرور اسی خانہ سے وہ کوئی چیز لے گیا ہے۔ فریدی نے آج تک اسے اس خانہ کے متعلق نہ بتایا تھا۔ حالانکہ تجوری کی چابی عموماً اسی کے پاس رہا کرتی تھی۔ حمید نے تجوری بند کر دی۔ اس کے بعد کمرے کو مقفل کر کے کھانے کے کمرے میں آیا۔

فریدی کے اچانک غائب ہو جانے کی وجہ سے سارے ملازم پریشان نظر آ رہے تھے۔ گھر پر ایک عجیب سا ماتمی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں کمپاؤنڈ میں گونج اٹھتی تھیں۔

حمید کھانا کھانے جا ہی رہا تھا کہ شہناز آ گئی۔

''کہئے حمید صاحب، خیریت تو ہے۔ یہ فریدی بھائی کا کیا معاملہ ہے۔ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے۔'' شہناز نے پوچھا۔

''معاملہ اتنا مختصر نہیں کہ چند جملوں میں بتا سکوں۔ بیٹھو کھانا کھاؤ...... سب کچھ بتاتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''کھانا کھا کر آئی ہوں۔'' شہناز نے کہا۔

''تھوڑا اور سہی۔''

''نہیں......!''

''تمہاری خوشی۔''

''آپ تو ذرا ذرا سی بات پر منہ پھلا لیتے ہیں۔'' شہناز تنک کر بولی۔

''تم غلط سمجھیں...... میں ذرا بڑے نوالے کھانے کا عادی ہوں اسلئے منہ کا پھولنا یقینی ہے۔''

''تو آخر آپ اس طرح منہ بگاڑ کر کیوں باتیں کر رہے ہیں۔''

''کیا آج لڑنے کا ارادہ کر کے آئی ہو۔''

"لیجئے صاحب چلی جاتی ہوں۔" شہناز اٹھتے ہوئے بولی۔

"ار......ارے......نہیں بھائی۔" حمید نے اٹھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"نہیں میں عرصہ سے دیکھ رہی ہوں کہ آپ کو میری صورت دیکھ کر کچھ جھنجھلاہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔"

"تو میں نے کیا کہہ دیا بابا......!" حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"کچھ نہیں......آپ تو بڑے بھولے ہیں۔"

"نہیں......میں اُلو کا پٹھا ہوں۔"

"کیوں اپنے منہ میاں مٹھو بن رہے ہو۔" شہناز بے اختیار ہنستے ہوئے بولی۔

"خیر تمہیں ہنسی تو آئی۔" حمید نے کہا۔

"کھانا کھا چکنے کے بعد حمید نے پوری داستان کہہ سنائی۔ لیکن اپنے اور فریدی کے ڈاکہ ڈالنے کے واقعات نہیں بتائے۔"

"میں کیا بتاؤں......میں نے آج تک اتنا بھیانک چہرہ نہیں دیکھا۔" حمید بولا۔

"کہیں وہ فریدی صاحب ہی نہ ہوں۔ کیا آپ کرنل پرکاش والا واقعہ بھول گئے۔" شہناز نے کہا۔

"خیال تو مجھے بھی آیا تھا، لیکن یہ ناممکن ہے۔ فریدی صاحب بھیس ضرور بدل سکتے ہیں لیکن وہ اتنی طاقت کہاں سے لائیں گے۔ سوچ کر حیرت ہوتی ہے بھئی اس کا مدمقابل گھونسہ پڑتے ہی اس بُری طرح اچھلا تھا جیسے ربڑ کی گیند۔"

"واقعی تعجب کی بات ہے۔"

"اور تو اور یہ دیکھو......!" حمید نے اپنی پتلون کا ایک پائنچا سمیٹتے ہوئے کہا۔ "ظالم ایک ٹھوکر مجھے بھی رسید کی تھی۔ یہ دیکھو پنڈلی میں ورم آ گیا ہے۔"

"بھئی خدا کے لئے آپ اس کے پیچھے مت لگئے۔"

"جو کچھ ہوا میری حماقت سے ہوا۔ جب میں یہ جانتا تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہے تو مجھے

بدلے اس کے پیچھے جانا ہی نہیں چاہئے تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"ارادہ تو یہی ہے۔" حمید نے کہا۔

"آخر کیوں......؟"

"اس لئے کہ فریدی صاحب کو اسی نے غائب کیا ہے۔"

"بھئی میرا دل تو کہتا ہے کہ وہ فریدی صاحب ہیں۔" شہناز بولی۔

"یہ بھی ناممکن ہے......!" حمید نے کہا۔ "مجھ سے زیادہ فریدی صاحب کو کون جانتا ہے۔ وہ اتنے طاقت ور ہرگز نہیں۔"

"اچھا خیر چھوڑیئے ان باتوں کو......آپ کے اوپر تو ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت سوار ہے۔" شہناز بولی۔

"اچھا تو آؤ پیار کی باتیں کریں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا بس بس رہنے دیجئے۔" شہناز نے کھسیانی ہنسی کیساتھ کہا۔ "میں نے یہ کب کہا تھا۔"

"تم کہو یا نہ کہو، ہر عورت مرد سے ہر وقت صرف اپنے متعلق کچھ سننا چاہتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"آخر آپ اتنے فلسفی کیوں ہو گئے ہیں۔" شہناز بولی۔

"فریدی کی صحبت نے مجھے نہ جانے کیا کیا بنا دیا ہے۔"

"اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو۔" شہناز بولی۔ "آخر فریدی صاحب شادی کیوں نہیں کرتے۔"

"انہیں عورت سے زیادہ اپنا فن عزیز ہے۔ یہ کچھ فریدی ہی پر منحصر نہیں، ہر فنکار شادی سے گھبراتا ہے۔ وہ عورتوں سے دوستی تو کر سکتا ہے لیکن مستقل طور پر کسی عورت کا پابند ہونا پسند نہیں کرتا۔"

"آخر اس کی وجہ......!" شہناز بولی۔

"بھئی آٹے دال کا چکر......اور کیا۔" حمید نے زنانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ "آج

ساری نہیں ہے۔ کل بلاؤز کم ہو گئے۔ یہ لپ اسٹک اچھی نہیں۔ میں تو کٹی کیورا پاؤڈر
کروں گی، ننھے میاں کے جوتے پھٹ گئے۔ منے میاں کو زکام ہو گیا۔ منی کو چھینکیں آرہی ہیں
شہناز ہنسنے لگی۔

"غالباً آپ کو بھی اپنا فن بہت زیادہ عزیز ہوگا۔" شہناز بولی۔

"مجھے...... نہیں تو، میں اس محکمہ میں فن کے لئے جھک نہیں مار رہا ہوں۔ اس
حماقتیں فریدی جیسے لوگ ہی کرتے ہیں۔"

"پھر آخر آپ کس لئے اس محکمہ میں آئے ہیں۔"

"عورت کے لئے......!" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب۔" شہناز تیز لہجہ میں بولی۔

"کوئی خاص مطلب نہیں۔ کسی بیکار آدمی کو تو کوئی اپنی بیٹی دیتا نہیں۔"

"اوہ......!"

"اور تم کیا سمجھی تھیں۔"

"کچھ نہیں۔"

"خیر...... بہرحال...... ہاں تو پھر میں اپنی شادی کب کر رہا ہوں۔"

"میں کیا جانوں۔"

"ارے تو کیا تم میرے ساتھ شادی نہ کرو گی۔"

"دیکھئے فضول باتیں نہ کیا کیجئے۔ اگر میرا بیٹھنا ناگوار ہو تو صاف صاف کہہ دیجئے"

"اچھا جی...... یہ باتیں فضول کب سے ہو گئیں۔"

"جب سے آپ نے اپنا رویہ بدل دیا۔"

"کیا تمہیں کوئی میرے خلاف بہکایا کرتا ہے۔"

"ہاں......!"

"کون ہے وہ الو کا پٹھا۔"

"میرا دل۔"

"تب تو وہ آدمی کا پٹھا ہے......!" حمید نے جلدی سے کہا۔ "آخر کیوں۔"

"اس لئے کہ آپ مجھ سے کافی کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر ہاتھ میں ایک لفافہ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"ابھی ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔" نوکر نے لفافہ حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

لفافے پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ حمید نے خط جو انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا تھا لفافے سے
کر پڑھنا شروع کیا۔

"میں دوسری مرتبہ تمہیں متنبہ کر رہا ہوں کہ میرے پیچھے مت لگو، ورنہ انجام کے ذمہ دار
ہو گے۔ تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میرے خلاف تمہارے پاس کسی قسم کا کوئی ثبوت
۔ تمہارے استاد بخیریت ہیں، میرا جو مقصد تھا حل ہو گیا۔ مجھے تم سے یا ان سے کوئی دشمنی
۔ میں انہیں جلد چھوڑ دوں گا۔ انہیں میرے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ اگر میں انہیں اس
غائب نہ کر دیتا تو وہ حضرت قتل کر دیئے جاتے۔ تم دونوں کے کرتوت سے میں اچھی طرح
ہوں۔ تمہارے استاد کا قاتل وہی تھا جس نے سیٹھ اگروال پر گولی چلائی تھی۔ وہ آج
یدی کی تلاش میں ہے۔ اگر تم میں تھوڑی سی بھی عقل ہو تو اب میرا پیچھا مت کرنا۔ میں
نہیں ہوں اس سے زیادہ مجھے اب کچھ نہیں کہنا۔"

حمید نے خط پڑھ کر شہناز کی طرف بڑھا دیا۔ خط پڑھتے ہی شہناز کے چہرے پر
اہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔

"تو پھر اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔" شہناز بولی۔

"ارے ایسے ایسے بہت دیکھے ہیں۔ شیر طاقت سے مارتا ہے اور گیدڑ مکاری سے۔ ایسا
ل بیٹا کو کہ عمر بھر یاد کریں۔"

"تو آپ اس کا پیچھا کریں گے۔"

"یقیناً......!"

"اور میرا کہنا بھی نہ مانیں گے۔"

"بس اسی لئے تو فریدی صاحب شادی نہیں کرتے۔ عورت مرد کی سب سے
کمزوری ہے۔"

"خیر...... جو آپ کا دل چاہے کہئے۔" شہناز نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "اگر آپ نے
کہنا نہ مانا تو اچھا نہ ہوگا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اس سے ملی ہوئی ہو۔"

"دیکھئے مذاق میں مت ٹالئے۔" شہناز نے کہا۔ "اب مجھے بھی زبردستی کرنی پڑے گی"

"وہ زبردستی کس قسم کی ہوگی۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"وہ بھی دیکھ لیجئے گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نہیں چاہتیں کہ میری جان خطرے میں پڑے۔"

سر ہلا دیا۔

"آخر کیوں......؟"

"بس یونہی......!"

"کوئی وجہ......!"

"نہیں بتاتی وجہ۔"

"تو ہم بھی نہیں باز آتے۔"

"اگر نہیں باز آتے تو میں زہر کھا لوں گی۔"

"تو کیا واقعی تم مجھے اتنا ہی چاہتی ہو۔"

"یہ میں نے کب کہا ہے۔"

"خیر تم اپنی زبان سے کبھی نہ کہو گی۔"

شہناز کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"اوہ...... گیارہ بج گئے۔" شہناز نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اب چلنا چا

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر کیا پیدل جاؤ گی۔ اب اس وقت شائد قریب کوئی سواری بھی نہ مل
ریدی صاحب کی کار بگڑی پڑی ہے۔ کل اسے ورکشاپ بھجوا دوں گا۔"

"تو کیا ہوا......!" شہناز نے کہا۔ "ٹہلتی ہوئی چلی جاؤں گی۔"

"میں اسے ٹھیک نہیں سمجھتا۔ چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ!" شہناز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تو کیا اسی طرح چلئے گا۔ جی نہیں
ن لیجئے بہت سردی ہے۔"

"اچھا بھئی۔"

دونوں آہستہ آہستہ نیلی روڈ کی طرف چل دیئے۔ سڑک پر بالکل سناٹا تھا۔ تھوڑی ہی دور
ل گے کہ پیچھے سے ایک ٹیکسی آ گئی۔ حمید نے آواز دے کر اسے رکوا دیا۔

"واقعی تم بڑی خوش قسمت ہو کہ اس وقت ٹیکسی مل گئی۔"

"نیلی روڈ!" شہناز نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر کھڑکی سے سر نکال کر بولی۔
ئے جو کچھ میں نے کہا اس کے خلاف نہ ہونے پائے۔"

"اچھا......!" حمید نے کہا۔ "شب بخیر۔"

"شب بخیر۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ نیلی روڈ پر پہنچ کر ڈرائیور نے پوچھا "کدھر......!"

"پندرہ سو تیس......!" شہناز نے بتایا۔

ٹیکسی شہناز کے مکان کے سامنے رک گئی۔ ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا اور شہناز
اسے باہر آئی۔

"یہ لو......!" شہناز نے پرس سے ایک نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"میں کرایہ نہیں لیتا۔"

شہناز چونک پڑی۔ اس نے نیچے سے اوپر تک اسے دیکھا۔ یہ ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔
نے اپنے السٹر کے کالر کان کے اوپر تک کھڑے کر رکھے تھے اور نائٹ کیپ چہرے پر جھکا

رکھی تھی۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔" شہناز نے اسے گھورتے ہوئے تیز لہجہ میں کہا۔

"میری اجرت صرف اتنی ہے کہ آپ سارجنٹ حمید کو میرا پیچھا کرنے سے کی... روک دیجئے، ورنہ مفت میں اس کی جان جائے گی۔"

"تو کیا آپ...... تو کیا آپ......!" شہناز نے لرزتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...... میں وہی ہوں جس کا تذکرہ آپ سے سارجنٹ حمید نے کیا تھا" بولا۔ "مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بلاوجہ کسی کو پریشان نہیں کرتا۔ لیکن اپنے را... میں آئے ہوئے آدمیوں کو معاف کردینا میرے بس سے باہر ہوتا ہے۔ اچھا اب جائیے حمید کو اچھی طرح سمجھا دیجئے گا...... شب بخیر۔"

اجنبی نے کار اسٹارٹ کردی۔ شہناز متحیر کھڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی کار کو دیکھ رہی تھی۔

کچھ نئی باتیں

دوسرے دن حمید ذرا دیر سے آفس پہنچا۔ ابھی وہ بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ چیف انسپکٹر یہاں طلبی ہوئی۔

"آج تم دیر میں آئے۔"

"جی ہاں دیر ہوگئی بات یہ ہے کہ کل کافی رات گئے تک ایک مشتبہ آدمی کے پیچھے رہا"

"کس کیس کے سلسلہ میں۔"

"انہیں عجیب وغریب ڈاکوؤں کے کیس کے سلسلہ میں؟"

"میرے خیال سے تو ابھی میں نے یہ کیس کسی کے سپرد نہیں کیا۔"

"کیا عرض کروں۔ فریدی صاحب کا اس طرح غائب ہوجانا میرے لئے بہت ز...

...ں دہ ہے۔"

"اور کہیں تمہارا ابھی غائب ہوجانا ہم سب کے لئے تکلیف دہ نہ ہوجائے۔" چیف انسپکٹر ...کہا۔ "تم لوگوں کا اس طرح بغیر کچھ کہے سنے کوئی کام شروع کردینا مجھے قطعی ناپسند ہے اور ...ی کو تو جیسے اس کا خبط ہوگیا ہے...... خیر یہ دیکھئے۔"

چیف نے ایک کاغذ حمید کی طرف بڑھا دیا جس کے اوپر کسی کی انگلیوں کے نشانات

...یا تم انہیں پہچان سکتے ہو۔ چیف نے پوچھا۔

حمید تھوڑی دیر تک ان نشانات کو دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلا کر چیف کی طرف سوالیہ ...ں سے دیکھنے لگا۔

چیف نے گھنٹی بجائی۔ ایک سارجنٹ کمرے میں داخل ہوا۔

"الف دو سو سات۔"

سارجنٹ چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک چمڑے کا تھیلا لاکر میز پر رکھا۔ چیف نے ...کھول کر میز پر الٹ دیا۔ بہت سے کاغذات میز پر بکھر گئے اس نے ان میں سے ایک کاغذ ...اس پر انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس نے وہ کاغذ بھی حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

...نوں کو ملاؤ۔"

"دونوں ایک ہی آدمی کی انگلیوں کے نشانات معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے غور کرتے ...ے جواب دیا۔

"جانتے ہو کس کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔" چیف نے کہا۔

حمید کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ منہ فق ہوگیا۔ وہ سوچنے لگا کہیں یہ نشانات تجوری پر ...ہ نہیں حاصل کیے گئے؟ اگر ایسا ہے تو برے پھنسے، اس نے چیف کے چہرے کو بغور ...وہ مسکرا رہا تھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے دماغ پر گھونسہ رسید کردیا۔ ...نے اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت دیکھ کر بولا۔

"گھبراؤ نہیں...... سب خیریت ہے۔ فریدی زندہ ہے۔" چیف نے کہا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"دیکھو فریدی کی عرضی ایک ماہ کے لئے رخصت کے لئے آئی ہے۔" چیف نے کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ نشانات میں نے اس غرض سے حاصل کئے ہیں عرضی چونکہ ٹائپ کی ہوئی ہے اور اس پر فریدی کے دستخط بھی نہیں ہیں اس لئے مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ بھی بدمعاشوں کی کوئی چال ہے۔ اس لئے اس پر انگلیوں کے نشانات دیکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ میرا خیال ہے کہ فریدی پوشیدہ طور پر تفتیش کر رہا ہے اور یہ معاملہ ایسا ہے کہ وہ پتہ لگائے بغیر نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔"

حمید کے ذہن میں وہ بھیانک چہرہ ناچنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ بھی اس کی چال ہوتی ہے۔ ورنہ فریدی صاحب تو غائب ہونے کے بعد اپنی پرچھائیں تک سے بھڑکتے ہیں ایسی صورت میں ان کا باہر سے چھٹی کی درخوست دے کر جتانا کہ میں یہاں موجود ہوں معنی نہیں رکھتا۔ عرضی میں یہ بھی نہیں لکھا تھا کہ وہ بھیجی کہاں سے گئی ہے۔ اگر خود فریدی صاحب کا ارادہ روپوشی کا ہوتا تو وہ کبھی چھٹی کی درخواست نہ دیتے کیونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔

"بہرحال حالات ناسازگار ہیں۔" چیف نے کہا۔

"جی ہاں......!"

"اچھا کل رات تم پیچھا کس کا کر رہے تھے۔"

"ایک بہت ہی بھیانک آدمی کا جسے میں نے ناولٹی میں دیکھا تھا۔"

"ناولٹی...... وہی جس کا مالک سنتوش ہے۔"

"جی ہاں......!"

"اس پر تو عرصہ سے ہم لوگوں کی نظریں ہیں لیکن کبھی ایسا بہانہ ہاتھ نہیں آتا کہ اس کا قلع قمع کیا جاسکے۔ وہ عیاشی کا ایک کھلا ہوا اڈہ ہے۔ لیکن کوئی ایسا ثبوت نہیں ملتا جس کی بنا پر کوئی کارروائی کی جاسکے۔"

"دراصل یہی چیز مجھے وہاں لے گئی تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ اس ہوٹل میں عیاشی سے بھی زیادہ بھیانک کوئی کام ہوتا ہے میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں لیکن میرا دل کہتا ہے کہ ان وارداتوں کے سلسلے میں اس ہوٹل کا بھی کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ہے۔" حمید نے کہا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ فریدی کے غائب ہوتے ہی اچانک یہ وارداتیں ہونی کیوں رک گئیں۔ جب کہ متواتر یہ سلسلہ جاری تھا۔" چیف نے کہا۔

حمید پھر بوکھلا گیا۔

"میرے خیال سے تو اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے۔ فریدی کے غائب ہوتے ہی معاملہ خفیہ پولیس کے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

"اچھا ایک اور چیز میری سمجھ میں نہیں آرہی۔" چیف نے کہا "کہ آخر فریدی کی عرضی پر اس کے دستخط کیوں نہیں ہیں۔ ایک جاہل سے جاہل آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ ٹائپ کی ہوئی بغیر دستخط کی عرضیاں منظور نہیں ہوا کرتیں۔ میرا خیال ہے کہ اس عرضی کے سلسلہ میں اس کے ساتھ کوئی زبردستی کی گئی ہے۔ فریدی نے عملاً اس پر دستخط نہیں کئے تاکہ ہماری توجہ خاص طور پر اس کی جانب مبذول ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"صرف سوچنے سے کام نہ چلے گا۔ ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔ ابھی تک جو کچھ بھی ہوا ہے میں اس سے مطمئن نہیں ہوں اور یہ طریقہ اختیار کر کے ہم آگے بڑھ ہی نہیں سکتے۔ ابھی تک اس سلسلہ میں صرف اتنا ہی معلوم ہوا ہے کہ واردات والی رات کو پولیس کی وہ لاری اسٹیشن کے پھاٹک پر دیکھی گئی تھی جسے ڈاکو اڑا لے گئے تھے جو شخص اس لاری کو چلا رہا تھا اس کے متعلق سننے میں آیا ہے کہ وہ اس تصویر سے بہت ملتا جلتا ہے۔" چیف نے میز کی دراز سے ایک تصویر نکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ تو وہی ہے۔" حمید کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"کون......!"

"رات جس کا میں پیچھا کر رہا تھا۔"

"بہت اچھے۔" چیف انسپکٹر خوشی سے چیخا۔ "تو کیا وہ تمہیں ناولٹی میں ملا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"تو یہ کہو کہ سچ مچ ناولٹی آج کل بدمعاشوں کا زور ہو رہا ہے۔" چیف نے کہا۔

"جانتے ہو، یہ کون ہے۔"

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"دلاور خان مشہور پشاوری قاتل، اس نے بہت سے خون کیے ہیں۔ دس سال ہوئے یہ افغانستان بھاگ گیا تھا۔ اس کے بعد سے قطعی لاپتہ رہا۔ اچانک پھر دکھائی دیا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس کی رہائش گاہ کا بھی پتہ لگایا یا نہیں۔"

"اس کی نوبت ہی نہیں آنے پائی۔ وہ شاید مجھے پہچانتا تھا۔"

اس کے بعد حمید نے ہوٹل کی ساری داستان بیان کر دی۔

"بھئی وہ بے پناہ طاقت کا آدمی ہے۔ ایک بار اس نے صرف ایک گھونسہ میں ایک آدمی کی جان لی تھی۔ خیر اگر واقعی وہ اس شہر میں موجود ہے اور اس واردات میں اس کا بھی ہاتھ ہے تو بچ کر نہیں جا سکتا۔"

چیف نے گھنٹی بجائی۔ ایک آدمی اندر آیا۔

"انسپکٹر بیز جی کو سلام دو۔" چیف نے کہا۔

انسپکٹر بیز جی کو آتا دیکھ کر حمید کھڑا ہو گیا۔

آج آپ کو دہلی ایکسپریس دیکھنا ہے۔" چیف نے سب انسپکٹر بیز جی سے کہا۔

"جی ہاں...... میں جا ہی رہا تھا۔" سب انسپکٹر بیز جی انگریزی میں بولا۔ "لیکن صاحب مجھے کوئی ایسا آدمی دیجیے جو واقعی کام کا ہو۔"

"حمید کو لے جایئے۔"

"بہتر ہے۔" سب انسپکٹر نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دہلی ایکسپریس کے آنے میں ابھی کافی دیر تھی۔ حمید اور انسپکٹر بیز جی پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ دفعتاً حمید ایک آدمی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ کوئی مارواڑی سیٹھ تھا۔ اس کا سامان پلیٹ فارم پر رکھا ہوا تھا۔ غالباً وہ بھی دہلی ایکسپریس کے انتظار میں تھا۔ حمید کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے اسے گذشتہ رات کو ناولٹی میں دیکھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حمید کے ذہن میں فوراً خیال گونجنے لگا تھا کہ وہ کیوں نہ آج اس مہارواڑی کے بھیس میں ہوٹل جائے۔ انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مارواڑی اس ہوٹل کا کوئی مستقل گاہک ہے کیونکہ پچھلی رات وہ کافی دیر تک ہوٹل کے منیجر سے باتیں کرتا رہا تھا اور دونوں کا لہجہ کچھ اس قسم کا تھا جس سے بے تکلفی کی بو آتی تھی۔ حمید سوچنے لگا کہ ضرور یہ کوئی لمبا سفر کرنے جا رہا ہے۔ تبھی تو اس کے ساتھ اتنا سامان ہے۔ مگر یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ وہ خود سفر کرے گا۔ بہت ممکن ہے۔ کہ وہ کسی کو رخصت کرنے آیا ہو۔

حمید کی نظریں اس مارواڑی سیٹھ پر تھیں اس کا سامان ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں رکھا جا رہا تھا۔ پورا کمپارٹمنٹ ریزرو تھا۔ حمید نے ریزرویشن کارڈ پڑھا ڈبہ بمبئی تک کے لئے ریزرو ہوا تھا۔ مارواڑی کو اس ڈبہ میں تنہا بیٹھے دیکھ کر حمید کی جان میں جان آئی۔ وہ رات کے لئے پروگرام بنانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد انجن نے سیٹی دی اور گاڑی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

"کہئے صاحب سب ٹھیک تھا" حمید نے انسپکٹر سے پوچھا۔

"ٹھیک ہی تھا کیونکہ ہمارا لوگ کا ڈیوٹی لگایا جاتا ہے۔" انسپکٹر بیز جی نے کہا۔

آج حمید کے لئے اس وقت اسٹیشن آنا بہت ہی کارآمد ثابت ہوا۔

ہنگامہ

حمید شام کو جب گھر لوٹا تو شہناز کو اپنے انتظار میں پایا۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ اچھل پڑی۔

رات کا واقعہ اتنے سہمے ہوئے لہجے میں بتانے لگی جیسے اسے ڈر ہو کہ کہیں وہ خوفناک چہرے والا یہیں آس پاس چھپا ہوا اس کی گفتگو نہ سن رہا ہو۔

"میں نے خود ہی اپنا فیصلہ بدل دیا ہے کون خواہ مخواہ اپنی جان خطرے میں ڈالے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے یقین کامل ہے کہ فریدی صاحب بخیریت ہیں اور پوشیدہ طور پر اپنا کام کر رہے ہیں۔" شہناز نے کہا۔

"میں تو اب تنگ آ گیا ہوں۔ خود بلاوجہ خطرے میں پھاند پڑتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی لپیٹتے ہیں۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا" اور پھر بعد میں شکایت کرتے ہیں کہ تم نے میری ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی۔ میں تو بہت جلد اس خدمت سے استعفیٰ دے دوں گا۔ میرے پاس اتنا روپیہ اکٹھا ہو گیا ہے کہ بآسانی کوئی تجارت کرسکتا ہوں۔"

"بس بنانے لگے ہوائی قلعے۔" شہناز ہنس کر بولی۔ "کتنا سرمایہ اکٹھا کرلیا ہے آپ نے۔ آپ کی تنخواہ ہے ہی کتنی۔"

"میرے پاس بیس ہزار روپیہ ہے۔"

"بیس ہزار...... کہاں ڈاکہ مارا تھا۔"

"ایک مرتبہ ایک کیس کے سلسلہ میں میں نے اور فریدی صاحب نے سادھو بن کر چالیس ہزار روپیہ کمایا تھا۔"

"تو اس میں سے بیس ہزار روپے آپ کو ملے تھے۔"

"نہیں پورے چالیس ہزار، فریدی صاحب اس قسم کی رقمیں نہیں رکھتے اور پھر انہیں کس بات کی ہے۔ لکھنؤ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، لاکھوں روپے کی جائیداد ہے۔"

"تو بقیہ بیس ہزار کیا ہوئے؟"

"بیس ہزار تو الگ ہیں۔ ان کو تو میں ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ بقیہ بیس ہزار میں سے صرف دس ہزار رہ گئے ہیں۔"

"دس ہزار...... باقی کیا ہوئے۔"

"کمال کردیا...... ارے بھئی وہ خرچ ہو گئے۔ بھلا کوئی ہندوستانی جاسوس صرف تنخواہ کے بل پر اتنی نوابی کرسکتا ہے۔"

"تو یہ کہئے کہ آپ خیرات کے پیسوں سے مزہ کر رہے ہیں۔"

"خیرات کے کیوں۔"

"خیرات نہیں تو اور کیا۔ سادھو اور فقیروں کو خیرات نہیں دی جاتی تو اور کیا؟ بیچارے غریبوں کی گاڑھے پسینے کی کمائی کو آپ لوگوں نے دھوکہ دے کر لوٹ لیا۔"

"ایسا تو نہیں۔" حمید نے کہا۔ "یہ مہارانی صاحبہ کا عطیہ ہے۔ چار سال ہوئے ہم لوگ ایک قاتل کی تلاش میں بنارس گئے وہاں پتہ چلا کہ وہ ایک بہت بڑے گروہ کا سرغنہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے ساتھی اور وہ خود عموماً سادھوؤں کے بھیس میں رہتا ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں نے اپنا جال پھیلانا شروع کردیا۔ فریدی کی شعبدہ بازیوں کی وجہ سے ہم لوگ بہت جلد مشہور ہوگئے۔ ایک بار فریدی نے کمال کردیا۔ رات کا وقت تھا۔ فریدی کے دربار میں معتقدین کا جمگھٹ تھا۔ دفعتاً زور کی آندھی چلی، سارے چراغ گل ہوگئے لیکن فریدی صاحب کا چہرہ اندھیرے میں جگمگا رہا تھا۔ بس پھر کیا تھا نعرے گونجنے لگے۔ آندھی ختم ہوجانے کے بعد چراغ دوبارہ جلائے گئے۔ اب ان کا چہرہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا تھا۔ اس دن کے بعد سے سارا بنارس الٹ پڑا۔ دور دور سے لوگ درشن کے لئے آنے لگے۔ روزانہ ہزاروں روپے کی بھینٹ چڑھتی تھی، لیکن فریدی صاحب سب کو واپس کر دیتے تھے۔ ایک دن مہارانی صاحبہ ان کے درشن کو آئیں۔ یہ بیچاری اس وقت حاملہ تھیں کہ قدم اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا۔ ان کے ساتھ ایک ٹریجڈی تھی اور وہ یہ کہ ان کا ہر بچہ مردہ پیدا ہوتا تھا۔ فریدی صاحب نے انہیں بہت زیادہ ڈپٹ کر دعا دی۔ جاتے وقت انہوں نے کچھ نذر کرنا چاہا مگر چونکہ میں فریدی صاحب کی عادت سے واقف تھا اس لئے میں نے ان کے بولنے سے قبل ہی رانی صاحبہ سے کہہ دیا کہ اس کا نام بھی نہ لیجئے گا ورنہ مہاتما جی ناراض ہوجائیں گے۔ مہارانی صاحبہ لوٹ گئیں۔ ان کے

جانے کے بعد فریدی صاحب نے مجھے خوب ڈانٹا اور کہا کہ ایسی موٹی اسامیوں کا مال جائز ہے۔ مہارانی صاحبہ اپنے حمل کے دن پورے کر رہی تھیں۔ تین چار دن کے بعد ان کے بچہ ہوا لیکن اس بار وہ سچ مچ زندہ رہا۔ ایک ہفتہ کے بعد مہاراجہ بہ نفس نفیس تشریف لائے اور ہمارے مہاتما کو ڈنڈوت کر کے ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھ رہے۔ میرے شیر کے رعب کا یہ عالم تھا کہ مہاراجہ صاحب تھر تھر کانپ رہے تھے۔ آخر ڈرتے ہوئے انہوں نے ہزار ہزار کی چالیس گڈیاں مہاتما کے چرنوں میں رکھ دیں۔ مہاتما نے ایک ٹھوکر رسید کی لیکن میں نے بہت احتیاط سے انہیں اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ مہاراجہ صاحب نے التجا کی کہ ہم لوگ بنارس چھوڑ کر انہی کی ریاست میں رہیں۔ لیکن مہاتما جی نے وہ ڈانٹ پلائی کہ اوسان خطا ہو گئے۔ یہ ہے ان روپیوں کی کہانی۔"

شہناز بڑی توجہ کے ساتھ سن رہی تھی۔

"آخر ان کا چہرہ چمکنے کیسے لگا تھا۔" شہناز بولی۔

"خود فریدی کے تیار کردہ ایک نسخہ کی کرامت تھی۔"

"بھئی کمال کرتے ہیں آپ لوگ بھی۔" شہناز نے کہا۔ "اچھا پھر اُس ڈاکو کا کیا ہوا۔"

"دھر لیا گیا!" حمید نے کہا۔ "بھلا فریدی کسی کام میں ہاتھ ڈالے اور وہ ادھورا رہ جائے۔"

"تو بہرحال آپ لوگ اس طرح اچھی خاصی دولت پیدا کر لیتے ہیں۔" شہناز نے کہا۔

"اور اس پر بھی آپ استعفیٰ دینے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"کیا کیا جائے...... سکون نہیں ملتا۔" حمید بولا۔ "اب یہی دیکھ لو کہ ابھی ابھی دفتر سے آ رہا ہوں۔ اب ایک گھنٹہ کے اندر مجھے چیف کے بنگلہ پر پہنچنا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ ایسی حالت میں کوئی شریف آدمی اس قسم کی ملازمت کیسے گوارا کر سکتا ہے۔"

"کیوں اب کہیں جانا ہے۔" شہناز نے کہا۔

"کچھ نہیں معلوم...... بس حکم ملا ہے۔"

"واہ یہ اچھی رہی۔" شہناز نے کہا اور پھر کچھ ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ حمید سمجھ رہا تھا

کہ شہناز یہ سن کر کہ ابھی اسے پھر چیف انسپکٹر کے یہاں جانا ہے چلی جائے گی اور وہ اطمینان سے آج رات کے پروگرام پر غور کرے گا۔ لیکن شہناز ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حمید کو اختلاج ہونے لگا۔ آخر کس طرح اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔ اگر اسے ذرا سا بھی شبہ ہو گیا کہ وہ پھر دلاور خاں کے چکر میں جا رہا ہے تو وہ اس کا ناطقہ بند کر دے گی۔ شہناز کی زبردستیوں پر اکثر اسے غصہ آنے لگا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ فریدی واقعی بڑا عقلمند ہے جب محبوب کے ہاتھوں یہ حال ہو جاتا ہے تو بیوی کتنی خطرناک ثابت ہوتی ہوگی۔

"ارے بھئی ذرا جلدی کھانا تیار کرو۔" حمید نے نوکر کو آواز دے کر کہا۔ "مجھے جلد ہی جانا ہوگا۔"

"ایسی بھی کیا جلدی۔" شہناز بولی۔ "ڈیوٹی تو پوری ہی کر آئے ہیں اب ذرا دیر ہی سہی۔"

"ہم لوگ چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر رہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"سب کہنے کی باتیں ہیں۔"

"نہیں کرنے کی باتیں ہیں۔"

"آپ سے زیادہ ڈرپوک آدمی میں نے آج تک دیکھا ہی نہیں۔" شہناز طنزیہ لہجہ میں بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم نے اپنی اتنی عمر مفت ضائع کی۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟"

"اس لئے کہ تم نے اب تک کوئی ڈرپوک آدمی نہیں دیکھا۔"

"دیکھ تو رہی ہوں۔"

اتنے میں کھانا آ گیا۔ دونوں نے کھانا کھانے کے بعد پھر لڑنا شروع کر دیا۔

"اچھا بھئی...... اب چلنا چاہئے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلو تم کو تمہارے گھر چھوڑ کر میں چیف کے یہاں چلا جاؤں گا۔ آج گاڑی بن گئی ہے۔"

حمید نے کار نکالی اور شہناز کو لے کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے گھر چھوڑ کر وہ یونہی بلا مقصد بڑی دیر تک سڑکوں کے چکر کاٹتا رہا۔ تقریباً آٹھ بجے وہ گھر لوٹا اور سیدھا

ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد جب وہ وہاں سے نکلا تو برآمدے کی روشنی گل کرکے اندھیرے میں چھپتا چھپاتا نوکروں کی نظروں سے بچتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ وہ اسی دوپہر والے مارواڑی سیٹھ کے بھیس میں تھا۔ تھوڑی دور پیدل جانے کے بعد اس نے ٹیکسی کی اور ناولٹی جا پہنچا۔ حسب دستور یہاں کافی چہل پہل تھی۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن دلاور خان کہیں نہ دکھائی دیا۔ منیجر نے اسے دور ہی سے سلام کیا۔ حمید دانت نکال کر سلام کا جواب دیتے ہوئے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں ہال میں نصب کئے ہوئے اس عورت کے بت پر پڑیں جس کے جسم کے گرد آج دوسری ساری لپیٹی گئی تھی۔ یہاں یہ بت بھی عجیب وغریب چیز تھا۔ دور سے بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سچ مچ کوئی انتہائی حسین عورت کھڑی ہو۔ روزانہ اس کے کپڑے تبدیل کر دیئے جاتے تھے۔ بت ایک چار پانچ فٹ کے دائرہ نما چبوترے پر نصب تھا۔" حمید دیر تک اسے گھورتا رہا۔

اس نے بیرے سے بیئر لانے کو کہا اور اونگھنے لگا۔

ابھی بیرا واپس نہیں آیا تھا کہ اسے کل والا وہی قوی ہیکل آدمی دکھائی دیا جو کل دلاور خاں کے ہاتھ پٹ گیا تھا۔ وہ سیدھا اسی کی طرف آ رہا تھا۔ حمید نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کا اندازہ تو اس نے کل ہی لگا لیا تھا کہ وہ بھی کوئی بدمعاش ہے۔ اس نے قریب آ کر مؤدبانہ انداز میں حمید کو سلام کیا اور اسکے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کیوں سیٹھ جی آج کیا بات ہے۔ بہت کھوئے کھوئے نظر آ رہے ہو۔"

"کوئی بات نہیں......!" حمید نے مسکرا کر کہا اور کھانسنے لگا۔ "کیا بتاؤں سکھت جھکام ہم کو ہو گیا ہے۔"

"یہ تو آپ کی آواز ہی بتا رہی ہے۔" وہ بولا۔ "موسم ہی ایسا ہے۔"

"موسم سالا حرامی ہے۔" حمید نے کہا۔ "آج اسی لئے بیئر پی رہا ہوں، تم کیا پیو گے۔"

"جو پلا دے میرا سیٹھ۔"

"تم اسکارچ پیؤ......!"

اس آدمی نے دانت نکال دیئے۔

اس کا تو حمید نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ آدمی مارواڑی سیٹھ سے کافی بے تکلف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اس نے احتیاط سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔

"اے بیرا ایک بڑا اسکاچ اور سوڈا بھی لاؤ۔"

بیرا جلد ہی اسکاچ اور سوڈا لے آیا۔ دونوں پینے لگے، آج حمید جی کڑا کر کے زندگی میں پہلی بار پی رہا تھا۔

"کیوں سیٹھ آج کھیل نہ ہوگا۔" وہ آدمی اسکاچ کی چسکی لے کر بولا۔

"نہیں بھائی، آج طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"آج ایک بڑی عمدہ چیز آئی ہے۔" وہ آدمی بولا۔ "میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔"

"اچھا......!" حمید مسکرا کر معنی خیز انداز میں بولا۔ "اب وہ معاملہ کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔"

"ہاں سیٹھ......بس سمجھ لو پکا آم ہے۔"

حمید ندیدوں کیطرح ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ دونوں نے جلدی جلدی شراب ختم کی۔

"آؤ چلیں......!" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

حمید اس کے پیچھے ہولیا۔ ہال سے گذر کر انہیں کئی اور کمروں اور گلیاروں سے گزرنا پڑا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر اس آدمی نے ایک الماری سے ربڑ کا توبڑا نکالا اور حمید کو پکڑا دیا۔ حمید سخت حیرت میں تھا کہ آخر اس کا کیا مطلب ہے۔

"کیا سوچ رہے ہو سیٹھ۔" وہ حمید کو شش و پنج میں دیکھ کر بولا۔

دفعتاً ایک خیال بجلی کی طرح حمید کے ذہن میں کوند گیا۔

"روز روز وہی پٹی، آخر تم ہمارا اعتبار کیوں نہیں کرتا۔" حمید نے وہ توبڑا اپنی آنکھوں پر چڑھاتے ہوئے کہا۔ "توبڑا اس کی آنکھوں پر اس طرح فٹ ہو گیا کہ روشنی کی ہلکی سی لکیر بھی نہیں دکھائی دیتی تھی۔ اب اس آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر چلنے لگا۔ وہ اندھوں کی طرح اس کے ساتھ جا رہا تھا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ توبڑے کو ذرا سا کھسکا کر کم از کم

راستہ ہی دیکھ لے لیکن ہمت نہ پڑی اور اگر ہمت پڑ بھی جاتی تو وہ ایسا کر ہی کیسے سکتا تھا جبکہ اس آدمی نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔

تھوڑی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی زینہ سے نیچے اتر رہا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اب وہ کسی تہہ خانہ میں جا رہا ہے۔ زینہ طے کرنیکے بعد اسے تھوڑی دور اور اسی طرح چلنا پڑا۔ پھر اسکے دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے گئے۔ اس نے جلدی سے تو بڑا اتار کر اپنے ساتھی کو پکڑا دیا۔

اس وقت وہ ایک بہت لمبے چوڑے تہہ خانہ میں تھا جہاں بے شمار میزیں اور کرسیاں پڑی تھیں اور لوگ بیٹھے جوا کھیل رہے تھے۔ ایک طرف کچھ لوگ زمین پر اوندھے پڑے چانڈو پی رہے تھے۔ حمید کا ساتھی اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے ایک کمرے میں آیا۔ یہاں ایک عورت نیم عریاں حالت میں بیٹھی شراب پی رہی تھی۔ حمید اسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ یہ شہر کے مشہور لکھ پتی کی نوجوان بیوی تھی۔

"کیا تمہیں اس گندے مارواڑی کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا" وہ کرسی سے اٹھ کر تیز لہجہ میں بولی۔ "دور ہو جاؤ یہاں سے۔"

"سنئے تو سہی۔" وہ بولا۔

"میں کچھ نہیں سنتی، تم اچھے خاصے گدھے ہو" وہ چیخ کر بولی۔ "نکالو اسے یہاں سے...... اگر کوئی اور نہیں تو تم خود کس سے کم ہو۔"

حمید کا ساتھی اسے پھر بڑے کمرے میں لے آیا۔ جہاں لوگ جوا کھیل رہے تھے۔

"سیٹھ تم یہاں بیٹھو، میں ابھی آیا، پھر دو دو ہاتھ ہوں گے۔" اس نے کہا اور اسی کمرے میں واپس چلا گیا۔

اب حمید کی سمجھ میں اچھی طرح آ گیا تھا کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ دفعتاً وہ چونک پڑا، ایک میز پر دلاور خاں بھی جوا کھیل رہا تھا۔ ایک طرف آدھی بوتل شراب اور گلاس رکھے تھے۔ ہونٹوں میں موٹا سا سگار دبا ہوا تھا۔ حمید نے پھر ایک بیرے بلا کر بیئر کا آرڈر دیا۔ وہ اس میز پر بالکل تنہا تھا۔ جیسے ہی بیرا شراب لے کر آیا کسی طرف سے

آدمی اور آ کر میز پر بیٹھ گئے۔

"کیوں سیٹھ کیا ارادہ ہے۔" ایک نے کہا۔ "کیا آج کھیلو گے نہیں۔"

"ہوگا کھیل...... مگر زیادہ لمبا نہیں۔" حمید نے اپنے مصنوعی غلیظ دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

"آؤ تو ہو جائے۔" دوسرا بولا۔

اتنے میں وہ شخص بھی آ گیا جو حمید کو اپنے ساتھ لایا تھا۔

"کہو استاد کیسی رہی......!" وہ کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا بیٹھ گیا۔

"چیز تو بڑھیا ہے۔" حمید نے پھوہڑپنے کے ساتھ کہا۔

"ہوگی پر اپنے کام کی نہیں۔" وہ بولا۔

پتے بانٹ دیئے گئے اور وہ چاروں بھی کھیلنے لگے۔ حمید برابر ہارے جا رہا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ پتے لگائے جا رہے ہیں اس لئے اس نے احتیاط سے کھیلنا شروع کر دیا۔ وہ برابر پتے پھینکتا جا رہا تھا۔

"آج چال نہیں چل رہے ہو سیٹھ کیا بات ہے۔" ایک بولا۔

"آج پیسہ کم ہے۔" حمید نے کہا۔

"ارے تم اس کی پرواہ کیوں کرتے ہو۔ ادھار لے لو۔ اپنے ہی آدمی ہو کوئی غیر نہیں۔"

دفعتاً ایک دھماکہ کی آواز سنائی دی۔ سب چونک پڑے۔ دلاور خاں نے میز الٹ دی تھی اب کھڑا ہاتھ میں خالی بوتل لئے ہوئے تول رہا تھا۔ اس کے ساتھ کے تینوں کھلاڑی زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

"پتے لگاتے ہو" وہ گرج کر بولا۔

پھر ایک ریوالور چلنے کی آواز سنائی دی۔ لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک قد آور آدمی جس نے اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا رکھا تھا ایک ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ سارے تہہ خانہ میں سناٹا چھا گیا۔ کھیل بند ہو گیا، سب لوگ اپنی اپنی جگہ دم بخود کھڑے تھے۔ نقاب پوش آہستہ

آہستہ چلتا ہوا دلاور کے قریب آیا اور اسکے ہاتھ سے خالی بوتل چھین کر ایک طرف ڈال دی۔

دلاور خاں چپ چاپ کھڑا تھا۔

"کون ہو تم......!" نقاب پوش گرج کر بولا۔

دلاور خاں چپ چاپ کھڑا رہا۔

"اسے یہاں کون لایا ہے۔" نقاب پوش مجمع کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں......!" حمید کا ساتھی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ وہی ہے جس سے کل میری لڑائی ہوئی تھی۔"

"اچھا تو یہ وہی ذات شریف ہیں۔" نقاب پوش دلاور کیطرف دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

دلاور خاں مسکرانے لگا۔

"تم نے یہاں ہڑبونگ کیوں مچائی۔" نقاب پوش تیز لہجہ میں بولا۔

"تمہارے کھلاڑی بے ایمانی کرتے ہیں۔" دلاور خاں نے پرسکون لہجہ میں کہا۔

"بکواس ہے۔" نقاب پوش نے کہا۔ "تمہارے پاس کیا ثبوت ہے۔"

"یہ دوہرے تاش......!" دلاور اسے تاش کی دو گڈیاں دکھاتے ہوئے بولا۔ "شریفوں کی جیب پر ڈاکہ ڈالو تو ایک بات بھی ہے ہم جیسے تو تم جیسوں کے لئے جیب میں ریوالور بھی موجود رکھتے ہیں۔"

"بڑے تیس مار خاں ہو!" نقاب پوش طنزیہ لہجہ میں بولا۔

"میں تیس دونا ساٹھ مار خاں ہوں بیٹا۔" دلاور خاں سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

نقاب پوش نے دلاور خاں کے منہ پر ایک گھونسہ مار دیا، دلاور لڑکھڑا گیا۔ شاید وہ اس کیلئے تیار نہ تھا۔ وہ جلد ہی سنبھل گیا۔ نقاب پوش نے دوسرا گھونسہ مارا۔ پھر تیسرا اور پھر اس نے گھونسوں کی بوچھاڑ کردی۔ دلاور خاموشی سے پٹ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد نقاب پوش ہانپنے لگا۔

"اچھا اب ایک میرا بھی سنبھالو۔" دلاور نے اسے سست ہوتا دیکھ کر کہا۔ دلاور کا ہاتھ پڑتے ہی نقاب پوش ڈھیر ہو گیا۔ اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اب کی دلاور نے اس کی ٹھوڑی پر ایک لات رسید کی، نقاب پوش بلبلا اٹھا۔

یہ دیکھ کر حمید کے ساتھی نے پستول نکال لیا، نہ جانے کس اچانک خیال کے تحت حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھا دیا، گولی چل چکی تھی۔ بجلی کا بلب نشانہ ہو گیا اور سارے قحبہ خانہ میں اندھیرا چھا گیا۔ اندھیرے میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ ادھر اُدھر ایک دوسرے سے ٹکراتے پھر رہے تھے۔ کسی نے حمید کی کنپٹی پر ایک گھونسہ رسید کیا، وہ چکرا کر گرنے لگا۔ فوراً کسی نے اسے سنبھال لیا اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے بھاگا۔ وہ اوپر چڑھ رہا تھا۔ اوپر سیڑھی پر پہنچ کر اس نے حمید کو اتار دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔

"چپ چپ چلے آؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ حمید کا سر چھت سے ٹکرا رہا تھا۔ دونوں نے چھت ٹٹولنا شروع کی لیکن باہر جانے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ چھت سے تقریباً ایک فٹ نیچے حمید کو چھت اور دیوار کے درمیان اتنی جگہ محسوس ہوئی جس میں ایک آدمی لیٹ کر بآسانی رینگ سکتا تھا۔ غالباً اس کے ساتھی نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا۔

"ادھر چڑھ چلو......!" اس نے آہستہ سے کہا۔

دونوں اس دراز میں لمبے لمبے لیٹ گئے۔

"اب یہاں لیٹ کر کسی آنے والے کا انتظار کرنا چاہئے، یہاں دروازہ ضرور ہو گا ورنہ زینوں کی کیا ضرورت تھی۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"مگر اس طرح ہم لوگ دیکھ لئے جائیں گے۔" حمید نے ہکا۔

"اچھا تو آگے کی طرف کھسکنا شروع کرو، دیکھیں ادھر کیا ہے۔" وہ بولا۔ دونوں لیٹے لیٹے رینگنے لگے۔ تھوڑی دور سرکنے کے بعد حمید نے عجیب قسم کی بدبو محسوس کی اور ساتھ ہی پانی بہنے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔

دلاور آگے تھا۔ دفعتاً وہ رک گیا۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال کر روشن کی۔ آگے دو فٹ چوڑا اور تقریباً چار فٹ لمبا ایک گڑھا تھا۔ حمید اپنے ساتھی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"نیچے کوئی گندہ تالاب بہہ رہا ہے۔" اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ "مگر بدبو بہت ہے۔ اب چلو ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے کہ ہم لوگ اس میں کود پڑیں کہیں نہ کہیں تو جا کر

نکلیں گے۔"

اور اگر کبھی یہ نالا آگے چل کر نالی ہو گیا تو کیا ہوگا۔" حمید بولا۔

"اچھا، اور اگر یہاں پکڑے گئے تو کیسی خاطر ہوگی۔ یہ بھی سوچ لو میری جان۔ ہمارے کے صلہ میں وہ تمہیں کافی کڑی سزا دیں گے۔ میرے خیال میں تو اس نالے میں گھٹ کر مرجانا کوئی اچھا نہ ہوگا۔"

"جیسی تمہاری مرضی......!" حمید نے بے بسی سے کہا۔

"اچھا تو پہلے میں کودتا ہوں۔" یہ کہہ کر دلاور اس گڑھے میں اتر گیا۔ نیچے سے اس نے ٹارچ دکھائی اور حمید بھی کود پڑا۔ تقریباً چار پانچ فٹ چوڑا قد آدم نالا تھا۔ سارے شہر کا گندا پانی اس میں بہا کرتا تھا۔ حمید نے اپنی ناک مضبوطی سے دبا رکھی تھی۔ دونوں آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ پانی حمید کی کمر تک تھا۔

"میرا تو دم گھٹ رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں...... یہ نالا ہرگز نالی نہیں ہو سکتا ہے۔"

"لیکن ہم کب تک اس طرح چلتے رہیں گے۔ باہر نکلنے کی کیا صورت ہوگی۔" حمید نے کہا۔

"تم نے سڑکوں پر بعض جگہ لوہے کی جھنجھریاں لگی ہوئی دیکھی ہوں گی۔ ان کا تعلق نالے سے ہے گھبراؤ نہیں۔"

تھوڑی دیر چلنے کے بعد پانی کی سطح پر روشنی کے کئی لہریئے دکھائی دیئے۔

چلو جھنجھری بھی آگئی۔" حمید نے کہا۔

"پاگل ہوئے ہو، اس جگہ کافی آمد و رفت معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہاں اوپر نکلے تو ہم خاصی حجامت بن جائے گی۔ تم تو خیر بچ ہی جاؤ گے لیکن میرے سلسلہ میں کافی چھان بین جائے گی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ میں جیل میں نظر آؤں گا۔"

"بھلا میں کیسے بچ جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"حمید میاں، تم مارواڑی کے بھیس میں مجھ سے نہ چھپ سکو گے۔" دلاور خاں ہنس

بولا۔ "خیر چلو...... میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اگر آج تم میرے پیچھے نہ لگتے تو میں دوسری دنیا میں ہوتا۔"

"کیا واقعی تمہارا تعلق ان لوگوں سے نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہرگز نہیں...... میں ان لوگوں سے بدلہ لئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔"

"آخر یہ لوگ ہیں کون۔" حمید نے پوچھا۔ "اور وہ نقاب پوش کون تھا۔"

"ناولٹی کا مالک سنتوش......!" دلاور نے کہا۔ "یہ لوگ صرف یہیں تک محدود نہیں، انہوں نے اپنا جال دور دور تک پھیلا رکھا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو کل ہی......"

"جی ہاں کل ہی آپ انہیں گرفتار کرلیں گے۔" دلاور نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "ان کے خلاف ثبوت کیسے مہیا کرو گے۔"

"تہہ خانہ اور اس کی غیر قانونی حرکتیں۔" حمید نے کہا۔

"تو کیا تم اس تہہ خانہ میں دوبارہ پہنچ جانے کی امید رکھتے ہو۔" دلاور نے کہا۔ "کیا تمہاری آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی گئی تھی۔"

"ہم لوگ اسی نالے کی راہ سے حملہ کریں گے۔" حمید نے کہا۔

"بہت خوب......!" دلاور نے ہنس کر کہا۔ "وہ گڑھا اسی وقت پاٹ دیا جائے گا اور کل تمہیں اس کا نشان تک نہ ملے گا۔"

"خیر چھوڑو......!" حمید نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے فریدی صاحب کو کیوں گرفتار کر رکھا ہے۔"

"فریدی کو آج چھوڑ دیا ہے۔" دلاور نے کہا۔ "کیا وہ گھر نہیں پہنچا۔"

"نہیں......!" حمید نے کہا۔

"تو پھر مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ سنتوش کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو۔"

"نہیں......!" حمید نے کہا۔

"میری تو خاک سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔

"چیز ہی ایسی ہے کہ اسے سیٹھ اگروال، فریدی، سنتوش اور میرے علاوہ کوئی اور جان بھی نہیں سکتا۔"

"اچھا تم نے فریدی کی تجوری سے کیا چیز غائب کی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی تو ہمارا راز ہے، جو بتایا نہیں جا سکتا۔" دلاور نے کہا۔ "آخر فریدی نے تم سے کیوں چھپایا تھا۔"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔" حمید نے کہا۔

"اچھا دیکھو وہ روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ یہ جگہ سنسان معلوم ہوتی ہے۔" دلاور نے کہا۔

حمید نے اوپر سر اٹھا کر دیکھا۔ جھنجھری سے دھندلی دھندلی روشنی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ سڑک کا یہ حصہ کافی ویران معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جھنجھری میں ٹکا دیئے اور زور لگانے لگا لیکن جھنجھری میں جنبش بھی نہ ہوئی۔ دلاور ہنسنے لگا۔ اس نے حمید کو ایک طرف ہٹا دیا۔

چند منٹوں کی جدوجہد کے بعد وہ جھنجھری کو اس کی جگہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا۔ دونوں اچھل کر باہر آئے۔ جھنجھری پھر وہیں فٹ کر دی گئی۔ حمید سردی کی وجہ سے بُری طرح کانپ رہا تھا۔ لیکن دلاور پر کوئی خاص اثر نہ معلوم ہوتا تھا۔

"اچھا شکریہ!" دلاور نے حمید سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "تم نے میری جان بچائی ہے۔"

"اور تم نے میری......!" حمید نے کہا۔ "دونوں برابر ہو گئے۔"

"مطلب......!" دلاور ہنس کر بولا۔

"یہی کہ اگر آسانی سے کبھی میرے ہتھے چڑھ گئے تو چھوڑوں گا نہیں۔" حمید نے کہا۔

"لونڈے ہو حمید میاں، چالیس سال سے آزاد پھر رہا ہوں ابھی تک تو کوئی مائی کا لال ایسا پیدا نہیں ہوا جو مجھے پکڑ سکے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" حمید بولا۔ "اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔"

ہینڈز اپ

حمید نے دوسرے دن ساری روئیداد چیف انسپکٹر کو سنائی۔ وہ سناٹے میں آ گیا۔

"واقعی فریدی کی صحبت نے تم پر گہرا اثر ڈالا ہے۔" چیف نے کہا۔ "اُس وقت کوئی انسپکٹر تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔"

"اور مجھے حیرت ہے کہ آخر فریدی تمہاری ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کیوں ڈالتا رہتا ہے۔"

"دراصل وہ یہ نہیں چاہتے کہ میں اُن سے الگ رہوں۔" حمید نے کہا۔

"اچھی سنک ہے۔" چیف نے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے دلاور خاں کو کیوں نکل جانے دیا۔"

"اس وقت میں کر ہی کیا سکتا تھا۔"

"دیکھو یہ بہت اچھا موقع ہے۔ جب دو بدمعاشوں میں کھٹ پٹ ہو جائے تو ہمیں اس پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ غالباً تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔"

"بہت اچھی طرح۔"

"تو آج رات کو ہم لوگ ناولٹی چل رہے ہیں۔" چیف نے کہا۔ "تہہ خانہ میں پہنچنا تو کافی محال ہے کیونکہ وہ لوگ اب کافی محتاط ہو گئے ہوں گے۔"

"یہ تو ہے۔"

"جب تک ہمارے پاس مکمل ثبوت نہ ہو ہم ان لوگوں کو گرفتار نہیں کر سکتے۔" چیف نے
"دلاور خاں پر بھی کسی نہ کسی طرح ہاتھ پڑنا ہی چاہئے۔"

"محال ہے۔"

"کیوں......؟"

"بہت چالاک آدمی ہے۔" حمید نے کہا۔ "مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ اس طرح آزادانہ کس طرح گھومتا پھرتا ہے۔"

"یہاں اسے کوئی پہچانتا نہیں۔" چیف نے کہا۔

"ایک صورت سے ہمیں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے؟"

"فی الحال ہم لوگ اسے اپنے ساتھ ملالیں وہ بھی ان لوگوں کا جانی دشمن ہو رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن یہ ہوگا کیسے......!" چیف نے کہا۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔"

اسی دن ناولٹی ہوٹل کے ایک کمرے میں دلاور بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ یہ ایک بہترین طر پر سجایا ہوا چھوٹا سا کمرہ تھا۔ دلاور نے طویل انگڑائی لیتے ہوئے گھڑی دیکھی اور سگار سلگا ہونٹوں میں دباتے ہوئے صوفے کے تکیہ سے لگ گیا۔ دفعتاً ایک آدمی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ دلاور نے پلٹ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ آنے والا کچھ دیر تک ا کے پیچھے کھڑا اسے گھورتا رہا۔

"فرمائیے کیسے تکلیف کی۔ میرے لائق کوئی خدمت......!" وہ آدمی بولا۔ دلاور ایک خاص انداز میں مسکرا کر پلٹا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"غالباً میں سنتوش بابو سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" دلاور نے ا ہوئے کہا۔

"تشریف رکھئے۔" سنتوش نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فرمائیے۔"

"تکلف برطرف۔" دلاور تیز لہجہ میں بولا۔ "میں اپنے کل رات کو ہارے ہوئے روپے واپس لینے آیا ہوں۔"

"ہارے ہوئے روپے!" سنتوش نے متحیر ہو کر کہا۔ "شاید آپ بھول رہے ہیں، ہارے یہاں جوا نہیں ہوتا۔ آپ کہیں اور ہارے ہوں گے۔"

"اور آپ کا دانت بھی کہیں اور ٹوٹا ہوگا۔" دلاور نے طنزیہ لہجے میں کہا "اور آپ کی ٹھوڑی پر ٹھوکر بھی کہیں اور پڑی ہوگی۔"

"آپ نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہیں۔" سنتوش نے کہا۔ "شاید آپ زیادہ پی گئے ہیں۔"

"ممکن ہے۔" دلاور نے کہا۔ "لیکن اتنا یاد رکھنا کہ دلاور خاں پشاوری سے ٹکر لینا آسان کام نہیں۔" دلاور نے اٹھتے ہوئے کہا۔

سنتوش آنکھیں پھاڑے ہوئے اُسے گھور رہا تھا۔

"تو استاد پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا تھا۔" سنتوش نے آہستہ سے کہا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔

"تم نے پوچھا کب تھا......!" دلاور نے لاپروائی سے کہا۔

"تو آپ ادھر کب سے آئے۔"

"حال ہی میں آیا ہوں اور تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں سیٹھ اگروال کیلئے کام کر رہا ہوں۔"

"سمجھا......لیکن آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوگا، جب کہ میرے علاوہ اور کوئی دوسرا اس چیز کے راز سے واقف نہیں۔"

"تو وہ چیز تمہیں نے اڑائی تھی۔"

"نہیں......مجھ سے پہلے ہی کوئی اڑا لے گیا اور اسی رات کو جب میں نے بھی اس کے لئے کوشش کی تھی۔"

"اور پھر تم نے اسی جھلاہٹ میں اگروال پر گولی چلا دی۔"

"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" سنتوش بے ساختہ بولا۔

"مجھ سے اس شہر کے کسی بدمعاش کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ وہ چیز کون لے گیا۔"

"ابھی تو نہیں لیکن میں اس کا پتہ جلد لگا لوں گا۔"

"آپ وہ چیز اس سے حاصل کر کے سیٹھ اگروال کو دے دیں گے۔"

"ہاں......!"

"اگر آپ اس چیز کے راز کو جانتے ہوتے تو کبھی ایسی بات نہ کہتے۔" سنتوش نے کہا۔

"خیر سیٹھ اگروال اسے دوبارہ پا جانے پر بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔"

"میں اسے سمجھ سکتا ہوں لیکن مجھے اس سے کیا۔ میں اسے اس کے حوالے کر کے اس سے مناسب معاوضہ وصول کر لوں گا۔"

"کوئی اس کی قیمت لگا ہی نہیں سکتا۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں۔" دلاور نے کہا۔

"اگر آپ یہ بھی جانتے ہیں تو پھر اسے حاصل کر کے میرے حوالے کر دیجئے۔"

"آدھے آدھے کی رہی۔"

"چلو منظور۔" دلاور نے کہا۔ "لیکن پہلے مجھے وہ تعویز دکھا دو۔"

"ارے......!" سنتوش چونک کر بولا۔ "تو کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں۔"

"میں کیا نہیں جانتا۔" دلاور بولا۔ "لاؤ اسے جلدی لاؤ، ورنہ سب معاملہ عنقریب گڑبڑ ہو جائے گا۔"

سنتوش کچھ سوچنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ پٹھان بات کے پکے ہوتے ہیں۔" سنتوش نے کہا۔ "میں آپ کو وہ تعویز دکھا تو دوں لیکن میری ساتھ دغا نہ کیجئے گا۔"

"دغا تو میں سیٹھ اگروال کے ساتھ بھی نہ کروں گا۔"

"کیا مطلب......؟" سنتوش چونک کر بولا۔

"یہی کہ میں نے اس چیز کی واپسی کا وعدہ کیا ہے، وہ چیز اسے واپس کی جائے گی۔

ر بات ہے کہ گودا ہمارا ہوا اور چھلکا اُس کا۔"

سنتوش نے قہقہہ لگایا۔

"مانتا ہوں استاد......!" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باہر جانے لگا۔

"ٹھہرو......!" دلاور نے کہا۔ "یہ بھی سن لو کہ میں صرف ایمانداروں کے ساتھ ایمانداری برت سکتا ہوں۔"

"اس سے آپ مطمئن رہیے۔ میری بات بھی پکی ہی ہوتی ہے۔"

سنتوش چلا گیا۔ دلاور نے بجھا ہوا سگار سلگایا اور آنکھیں بند کر کے صوفہ پر نیم دراز ہو گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد سنتوش لوٹا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کی ایک تھیلی تھی۔

"یہ لیجئے۔" سنتوش نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

دلاور نے تھیلی کھول کر اس میں سے ایک چھوٹا سا کاغذ نکالا اور اسے بغور دیکھتا رہا۔

پھر سنتوش کو واپس کرتے ہوئے بولا۔ "میرے خیال سے اسے جلا دو۔"

"کیوں......؟"

"اسلئے کہ جو شخص وہ چیز اگروال کے یہاں سے لے گیا ہے وہ اس کی فکر میں بھی ہوگا۔"

"ارے تو اب ایسا کوئی نہیں کہ سنتوش کے قبضہ سے اسے نکال لے جائے۔" سنتوش نے اکڑ کر کہا۔

"کرنے لگے وہی بچپنے کی باتیں۔" دلاور نے کہا۔ "فرض کرو کہ میں نے ہی اس چیز کو ڑایا ہوا اور اس وقت میں نے تمہیں دھوکہ دے کر اس کی دوسری کڑی بھی معلوم کر لی۔"

سنتوش نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"اچھا میں آپ کے کہنے پر عمل کروں گا۔" سنتوش نے کہا۔

"تو اب میں چلتا ہوں، رات کو کسی وقت آؤں گا اور ہاں ذرا ہوشیار رہنا۔ یہاں کے باسوں کی تم پر کڑی نظر ہے۔ کل تو ایک تمہارے تہہ خانہ میں بھی پہنچ گیا تھا۔" دلاور نے کہا۔

"مجھے سب معلوم ہے۔ تہہ خانہ کا راستہ ان کے باپ کو بھی نہیں معلوم ہو سکتا اور یہاں

اوپر کوئی ایسی چیز نہیں جسکی بناء پر وہ مجھے ہاتھ لگا سکیں، ان سے تو میں اچھی طرح نپٹ لوں گا۔

دلاور سنتوش سے ہاتھ ملا کر باہر چلا آیا۔

اسی رات کو حمید اور چیف ناولٹی ہوٹل کی طرف جا رہے تھے۔ چیف کا بنگلہ شہر کے باہر واقع تھا۔ اس لئے شہر جانے کے لئے انہیں سڑک کا ایک بہت بڑا ویران حصہ طے کرنا پڑتا تھا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے تھے۔ ٹیکسی کی روشنی تاریک رات کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ آج انہیں ایک ٹیکسی اس غیر آباد علاقہ میں مل گئی، ورنہ انہیں پیدل ہی آنا پڑتا۔ فریدی کی کار جو حمید کے استعمال میں رہتی تھی وہ آج پھر خراب ہو گئی تھی۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ انہیں بیچ سڑک پر ایک آدمی ہاتھ اٹھائے ہوئے کھڑا دکھائی دیا۔ اس نے اپنے چسٹر کے کالر کھڑے کر رکھے تھے اور نائٹ کیپ آگے کی طرف اس طرح جھکا رکھی تھی کہ چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔

ڈرائیور نے اسکے قریب پہنچ کر ٹیکسی روک دی۔ وہ شخص کھڑکی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

''ہینڈز اپ......!'' اس نے ریوالور نکال کر ٹیکسی کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا۔

''تم دونوں نیچے اتر آؤ......'' پراسرار اجنبی نے حمید اور چیف انسپکٹر سے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔

دونوں خاموشی سے ہاتھ اٹھائے ہوئے نیچے اتر آئے۔

''جاؤ بیٹا۔'' پراسرار اجنبی نے ڈرائیور سے کہا۔ ''اپنے استاد سے کہہ دینا کہ میرے شکار پر ہاتھ نہ ڈالا کرے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔''

ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اجنبی نے دو تین ہوائی فائر کئے اور ٹیکسی نظروں سے غائب ہو گئی۔ اب وہ اجنبی ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

''ناولٹی ہوٹل اچھی جگہ نہیں...... خصوصاً شرفاء کے لئے۔'' اس نے کہا۔

''تم کون ہو۔'' حمید گرج کر بولا۔ ''خیریت اسی میں ہے کہ ریوالور جیب میں رکھ لو۔''

''ناراض ہونے کی ضرورت نہیں سرکار...... یہ لیجئے۔'' اجنبی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

''آخر تم ہو کون......؟'' چیف نے پوچھا۔

''دوست'' یہ کہہ کر اجنبی نے سگریٹ سلگانے کی دیا سلائی جلائی اور حمید کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''فریدی صاحب......؟''

''فریدی......!'' چیف نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیا......؟''

''بس چپ چاپ گھر کی طرف چلے چلئے۔ اگر میں وقت پر نہ پہنچ جاتا تو آپ لوگ گئے تھے ہاتھ سے۔''

وہ تینوں واپس جانے کے لئے مڑے۔

''آخر بات کیا ہے۔''

''اس سنسان راستہ پر کبھی اور بھی آپ کو کوئی ٹیکسی ملتی تھی۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں...... لیکن اس سے کیا بحث۔''

''یہی تو خاص چیز ہے۔ آپ لوگوں کو غائب کرانے کا پروگرام بنایا گیا تھا، بدمعاشوں کو کسی طرح اطلاع مل گئی تھی کہ آج آپ لوگ ناولٹی میں آنے والے ہیں۔ اس لئے انہوں نے پہلی ہی سے آپ کی سواری کا انتظام کر دیا تھا۔''

''تمہیں ان سب باتوں کی اطلاع کیسے ہوئی۔'' چیف نے کہا۔

''ظاہر ہے کہ میں اتنے دنوں تک محض جھک نہیں مار رہا تھا۔''

''وہ کچھ سہی...... لیکن تم کسی نہ کسی دن اپنی جان خطرے میں ضرور ڈال لو گے۔ آخر اس [illegible]سا کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''اپنا اپنا طریقہ کار ہے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ مجھے خطروں سے کتنا پیار ہے۔'' فریدی بولا۔

''مگر مجھے تمہارا یہ طریقہ پسند نہیں۔'' چیف نے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن کیا کروں میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔ بعض کیس ہی ایسے ہوتے ہیں کہ مجھے تنہا کام کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔"

"خیر بھئی...... تم جانو، سمجھانا میرا کام ہے۔" چیف نے کہا۔ "اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس ڈرائیور کو یونہی کیوں نکل جانے دیا۔"

"ابھی فی الحال اسے گرفتار کر لینا ٹھیک نہیں تھا۔"

"کیوں......؟"

"میں نے اس وقت اس سے ایک ڈاکو کی حیثیت سے بات کی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "معاملات حد درجہ دلچسپ ہو گئے ہیں۔ بدمعاشوں کی دو پارٹیوں میں ٹھن گئی ہے۔ ان میں سے ایک پارٹی سنتوش کی ہے اور دوسری ان لوگوں کی ہے جنہوں نے سیٹھ اگروال کے یہاں ڈاکہ ڈالا تھا۔ جس دن یہ واردات ہوئی تھی اسی دن سنتوش اور ان کے ساتھیوں نے بھی سیٹھ اگروال کے گھر میں گھسنے کا پروگرام بنایا تھا۔ یہ لوگ ان دونوں کے بعد آئے تھے اور سنتوش ہی کی گولی سے سیٹھ اگروال زخمی بھی ہوا تھا۔"

"لیکن یہ آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکا کہ ان لوگوں کا مقصد کیا تھا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"یہ تو ابھی تک مجھے بھی نہیں معلوم ہو سکا لیکن سنتوش کو قانون کی زد میں لانے کے لئے میرے پاس بہت سے ثبوت ہیں۔"

"اور ایک دلچسپ بات اور سنو......!" چیف نے کہا۔ "آج کل دلاور خاں پھر دکھائی دے رہا ہے اور جس وقت تمہارے ساتھ حادثہ پیش آیا تھا وہ پولیس کی غائب کی ہوئی لاری دیکھا گیا تھا۔"

"جی ہاں...... وہی تو ساری مصیبتوں کی جڑ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس سے تو خاص طور پر نپٹنا ہے۔ لیکن ابھی نہیں، سنتوش کی گرفتاری کے بعد اس سے بھی سمجھ لوں گا۔ ابھی اس سے الجھنا نہیں چاہئے، اس میں بھی ایک راز ہے۔"

"بھئی اپنی باتیں تم ہی سمجھو......!" چیف نے اکتا کر کہا۔

"پرسوں رات کو نو بجے کم از کم پچیس جوان سادے لباس میں لے کر ناولٹی پہنچ جایئے گا وہاں اگر دلاور سے مڈبھیڑ ہو جائے تو اسے فی الحال نظر انداز کرنے کی کوشش کیجئے گا ورنہ سب معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔ اچھا تو اب میں چلا۔ اب سنتوش کی گرفتاری کے بعد ہی ملاقات ہوگی۔"

چیف کا بنگلہ قریب تھا۔ فریدی واپس لوٹنے کے لئے مڑا۔

"سنئے تو سہی۔" حمید نے بے قراری سے کہا۔

"نہیں اس وقت نہیں...... تمہیں کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔ میرے بتائے ہوئے وقت سے پہلے ناولٹی کے قریب بھی جانے کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا تاریکی میں غائب ہو گیا۔

عجیب و غریب عشق

فریدی کے بتائے ہوئے پلان کو شام ہی سے ایک ایک دو دو کر کے پولیس کے مسلح مگر سادے لباس میں ملبوس جوان ناولٹی میں اڈہ جمانے لگے۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق وقت سے پہلے کسی نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے ناولٹی والوں کو ہوشیار ہو جانے کا اشارہ ملتا۔ نو بجے رات تک جوانوں کی مقررہ تعداد ناولٹی میں پہنچ گئی۔ چیف اور حمید بھی بھیس بدلے ہوئے وہاں موجود تھے۔

ہر شخص اپنی جگہ پر کسی چیز کا منتظر تھا۔ لیکن کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ اگلے لمحے میں کیا ہونے والا ہے۔ چیف اور حمید کی نگاہیں فریدی کو ڈھونڈھ رہی تھیں۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

"فریدی تو دکھائی نہیں دے رہا ہے۔" چیف نے آہستہ سے کہا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "نہ جانے آئندہ ان کی اسکیم کیا ہے۔"

"کہیں مفت کی دردسری نہ ہو۔" چیف بولا۔

"یہ ناممکن ہے۔" حمید نے کہا۔ "فریدی بے بنیاد چیزوں پر کبھی کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔"

"خیر اب تو آ ہی گئے ہیں، جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"ہاں......دیکھئے۔" حمید نے کہا۔

"یہ بات بھی عجیب و غریب ہے۔" چیف نے کہا۔ "دور سے بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سچ مچ کوئی عورت کھڑی ہو۔"

"عجیب قسم کا رنگ و روغن ہے اس کے چہرے پر۔" حمید نے کہا۔

ابھی ان دونوں میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دفعتاً کوئی آدمی نہایت بھدی اور بے ہنگم آواز میں گانے لگا۔ ہر فرد اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دلاور خاں نشہ میں دھت ہاتھ میں ایک خالی بوتل لئے لڑکھڑاتا اور گاتا ہوا ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے دروازے پر رک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور ایک قہقہہ لگا کر پھر گانے لگا۔ وہ اپنی مادری زبان پشتو میں کوئی گیت گا رہا تھا۔

ہوٹل کا منیجر گھبرا کر اس کی طرف دوڑا۔ وہ اس سے آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔

"میں تو گاؤں گا......!" دلاور خاں چیخ کر بولا۔ "دیکھتا ہوں کہ میرا کوئی کیا کرتا ہے۔ میں تمہارے مالک سنتوش بابو کا دوست ہوں۔"

"گانے دو بھائی گانے دو......!" کئی مدہوش شرابی چیخے۔

"جیو میرے ساتھیو......جیو۔" دلاور خان نے جھومتے ہوئے کہا۔ "ہم ہی جیسوں کے دم سے دنیا قائم ہے ورنہ کبھی کی قیامت آ گئی ہوتی۔"

چند شرابیوں نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"میرے پیارے بھائیو......!" دلاور خان بت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں اس عورت پر مرتا ہوں یہ میری محبوبہ ہے۔ کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے۔"

"ہرگز نہیں......ہرگز نہیں۔" بیک وقت بہت سی آوازیں آئیں۔

"معلوم ہوتا ہے بہت زیادہ پی لی ہے۔" چیف انسپکٹر نے حمید کی طرف جھک کر آہستہ

ے کہا۔

"جی ہاں، بُری طرح ڈاؤن ہے۔" حمید بولا۔

"مگر فریدی اب تک نہیں آیا۔" چیف نے کہا۔

"معلوم نہیں کیا بات ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں تو پیارے بھائیو۔" دلاور پھر چیخا۔ "میں جادوگر ہوں، کالا جادوگر......میں ایک منٹ ں مرغی سے انڈا اور انڈے سے مرغی بنا سکتا ہوں۔ خرگوش میں سے ہیٹ نکال سکتا ہوں۔"

"خرگوش میں سے ہیٹ۔" ایک آدمی ہنستا ہوا چیخا۔

"نہیں، ہیٹ میں سے خرگوش......!" دلاور چیخا۔ "دیکھئے میرا کمال، یہ دیکھئے یہ ایک ا ہے، بتائیے اسے کیا بنا دوں۔"

"ہاتھی......!" ایک آواز آئی۔

"نہیں......خرگوش......!" دوسری آواز سنائی دی۔

"نہیں بھائی اود بلا۔" تیسرا چیخا۔

"اچھا تو میں اسے توڑ کر پیئے لیتا ہوں۔" دلاور نے انڈا توڑ کر حلق میں انڈیلتے ہوئے ہا۔ "اب یہ تھوڑی دیر کے بعد ہضم ہو جائے گا، کہئے ہے نا کمال۔"

سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

"ہاں تو بھائیو......!" وہ اسی چبوترے پر بیٹھتے ہوئے بولا جس پر بت نصب تھا۔ "میں ں عورت پر عاشق ہوں، لیکن یہ بڑی سنگدل ہے۔ میری قطعی پرواہ نہیں کرتی۔ میں سچ کہتا ں کہ میں اس کے عشق میں گھل گھل کر مر جاؤں گا۔"

اس نے بت کے پیروں سے لپٹ کر بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔ سارے لوگ ہنسی کے ے بے حال ہوئے جا رہے تھے۔

"آپ لوگ ہنستے ہیں۔" وہ روتی آواز میں بولا۔ "خدا کرے آپ کو بھی کسی سنگدل سے ق ہو جائے۔ میرا دادا اس کے عشق میں مر گیا، میرا باپ اسکے عشق میں مر گیا اور اب میں بھی

اس کے عشق میں مرجاؤں گا۔ وہ پھر اسکے پیروں سے لپٹ کر اسکے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

دفعتاً ایک کھٹکا ہوا اور وہ بت کھسک کر ایک طرف ہوگیا جس جگہ وہ نصب تھا۔ وہاں ایک غار پیدا ہوگیا اور دلاور خاں اسی غار میں گر کر غائب ہو چکا تھا۔ حمید نے سیٹی بجائی۔ سارے جوانوں نے اپنے اپنے پستول نکال لئے۔

"خبردار کوئی اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے۔" ایک سب انسپکٹر چیخا۔

"بیز جی تم پانچ جوانوں کے ساتھ یہیں ٹھہرو......!" چیف انسپکٹر بت کی طرف بڑھا۔

"سب دروازے بند کرالو کوئی باہر نہ جانے پائے اور بقیہ لوگ میرے ساتھ آئیں۔"

یہ غار ایک تہہ خانے کا راستہ تھا۔ وہ سب تہہ خانہ میں اتر گئے۔ تہہ خانہ میں حسب دستو جوا ہو رہا تھا۔ ناجائز شراب، افیون، چانڈو اور کوکین فروخت ہو رہی تھی۔ شہر کی عیاش طبع متمو عورتیں عیش کر رہی تھیں پولیس والے آہستہ آہستہ سارے تہہ خانے میں پھیل گئے۔ دلاور خا کا کہیں پتہ نہ تھا۔

سنتوش کو بہت جلد اس کی اطلاع ہوگئی۔ اس نے بھی مورچہ سنبھال لیا۔ تقریباً آدھ گھ تک دونوں طرف سے گولیاں چلتی رہیں۔ آہستہ آہستہ سنتوش کی پارٹی سست ہوتی جارہی تھی اس دوران میں سنتوش بری طرح زخمی ہوگیا۔ آخر کار فتح پولیس کی ہوئی اور سارے بدمعا پکڑ لئے گئے۔ لیکن سنتوش غائب تھا۔ اس کی تلاش برابر جاری تھی۔ دفعتاً ایک کمرے سے گ چلنے کی آواز آئی۔ حمید کمرے کی طرف لپکا لیکن فوراً ہی وہ باہر نکل آیا۔

"کیا بات ہے۔" چیف نے پوچھا۔

"سنتوش نے خودکشی کرلی۔" حمید نے بتایا۔

ڈاکو پولیس کی لاری میں بھر کر کوتوالی کی طرف لے جائے جارہے تھے۔ ایک کار حمید، چیف اور بیز جی بیٹھے تھے۔

"دلاور خاں نہ جانے کہاں غائب ہوگیا۔" چیف نے کہا۔

"معلوم نہیں اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔" حمید نے کہا۔ "میں نے تو اتنا بڑا

اور بھیانک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"خیر وہ اگر یہاں رہ گیا تو بچ کر نہ جاسکے گا۔" چیف نے کہا۔

اسی رات کو چیف اور حمید فریدی کی کوٹھی میں بیٹھے ہوئے کافی پی رہے تھے۔

"فریدی کا کچھ پتہ نہیں۔" چیف نے کہا۔

"کہیں وہ دلاور خاں کے پیچھے نہ لگ گئے ہوں۔" حمید نے کہا۔

"کون جانے۔" چیف بولا۔

"دیکھئے کب واپس ہوتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"آج سے دس سال قبل دلاور خاں کے لئے حکومت نے دس ہزار روپے کا انعام رکھا تھا۔ جو آج بھی بدستور قائم ہے۔ فریدی اسے حاصل کرنیکی ضرور کوشش کریگا۔" چیف نے بتایا۔

"جی ہاں ضرور......!" کمرے کے باہر سے آواز آئی اور پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

حمید اور چیف کے سامنے دلاور کھڑا تھا۔

"ہینڈز اپ......!" حمید نے پستول نکال کر کہا۔

دلاور خاں ہنسنے لگا۔

"شاباش میرے لال......!" دلاور طنزیہ انداز میں بولا۔ "سچ پوچھو تو میں تمہاری ہی گولی کا نشانہ بننے کی امید پر اب تک جی رہا ہوں۔"

چیف اور حمید حیرت سے منہ کھولے کھڑے تھے۔ ان میں اتنی ہمت بھی نہ رہ گئی تھی کہ منہ سے آواز تک نکال سکتے۔

"کیوں حمید...... میرے احسان کا بھی بدلہ ہے۔" دلاور مسکرا کر بولا۔ "اگر میں آج تمہاری رہنمائی نہ کرتا تو تمہارے فرشتوں کو بھی تہہ خانہ کا راستہ نہ معلوم ہوسکتا۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ اس احسان کے بدلے میں ایک بھیانک خونی کو چھوڑ دیا

جائے۔" چیف نے کہا۔

"اچھا تو لیجئے خادم حاضر ہے۔" دلاور زمین پر اکڑوں بیٹھتے ہوئے بولا۔

اس نے اپنا منہ گھٹنوں میں چھپا لیا تھا۔

حمید نے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگادیں۔ وہ بدستور اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

"آپ یہیں ٹھہریئے میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"ارے......ارے۔" دلاور خاں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"فریدی......!" چیف حیرت سے بولا۔

"ارے آپ......!" حمید بھونچکا رہ گیا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ گھنی مونچھیں اس کے پیروں کے پاس پڑی ہوئی تھیں۔

"بھئی خدا کی قسم کمال کر دیا تم نے۔" چیف نے اس کی پیٹھ ٹھوکتے ہوئے کہا۔

"سب محبت ہے آپ کی۔"

"تو کیا شروع ہی سے دلاور خاں کا رول ادا کر رہے تھے۔" چیف انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں......اگر یہ نہ کرتا تو اس تہہ خانہ تک رسائی ناممکن تھی۔" فریدی نے کہا۔

"میں کئی راتوں سے نہیں سوسکا، سخت نیند لگ رہی ہے۔ انشاءاللہ کل ساری داستان سناؤں گا۔"

چیف انسپکٹر تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

تجوری کا راز

حمید نے دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی کے کان کھانے شروع کر دیئے۔ وہ سارے واقعات جاننے کے لئے بُری طرح بے تاب تھا۔

"ارے بھئی تم تو جان کو آ گئے۔" فریدی نے کہا۔ "یہ ایک لمبی داستان ہے۔ کہاں تک سناؤں گا۔ بہرحال سنو! مگر یہ بتاؤ پہلے تجوری کا راز بیان کروں یا اس مرتبہ کے طریقہ سراغ رسانی پر روشنی ڈالوں۔"

"نہیں...... پہلے میں اس چیز کے متعلق سنوں گا جس کی بدولت یہ سب کچھ ہوا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اچھا سنو......شاید تم نے نام سنا ہو۔ یہاں ایک بہت بڑے تاجر رام کمار جی تھے۔ میں ان کا نام اتنے ادب سے اس لئے لے رہا ہوں کہ وہ میرے والد صاحب مرحوم کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں اچانک ان کا دیوالہ نکل گیا۔ یہ چیز بڑی حیرت انگیز تھی۔ وہ شخص جس کے ایک اشارے پر لاکھوں کے وارے نیارے ہوتے تھے بظاہر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گیا۔ یہ سیٹھ اگروال جو آج سارے شہر کا رئیس التجار بنا بیٹھا ہے ان کے یہاں منیم تھا۔ ان کے دیوالہ نکلنے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے چپکے ہی چپکے اپنا گھر بھر لیا۔ جس وقت رام کمار جی کا دیوالہ نکلا ان کے بسر اوقات کے لئے صرف تھوڑی سی جائیداد باقی بچی جو ان کی بیوی کے نام تھی۔ اس سے ان کی بسر اوقات ہونے لگی۔ ان کا ایک سالہ بچہ بھی تھا۔ دیوالیہ ہو جانے کے صدمہ کی وجہ سے وہ زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکے۔ مرتے وقت انہوں نے ایک وصیت نامہ مرتب کر کے اپنے قانونی مشیر کے یہاں رکھوا دیا اور یہ ہدایت کر دی کہ یہ وصیت نامہ اس وقت ان کے بچے کے حوالے کیا جائے جب وہ بالغ ہو جائے۔ اور اگر وہ مر گیا تو وصیت نامہ اس کی بیوی کو دیا جائے۔ اگر اُس کی حیات بھی وفا نہ کرے تو پھر یہ وصیت نامہ ان کے بھتیجے سنتوش کے حوالہ کر دیا جائے۔ یہی سنتوش جس نے کل رات خودکشی کی ہے۔ یہ رام کمار جی کا بھتیجا تھا۔ بچپن ہی سے بُری صحبتوں میں پڑ جانے کی وجہ سے وہ بڑا ہو کر اچھا خاصا ڈاکو بن گیا۔

رام کمار جی کے انتقال کے بعد ان کی بیوی اور بچے کی پرورش اسی جائیداد سے ہوتی رہی اور ہاں یہ تو بتانا بھول ہی گیا کہ رام کمار جی ایک تعویز اپنے بچے کے گلے میں ڈال گئے تھے

جس کے متعلق انہوں نے اپنی بیوی کو ہدایت کردی تھی کہ وہ اسے اس وقت کھول کر دیکھیں جب بچہ جوان ہوجائے۔

دو تین سال کے بعد دفعتاً ایک دن رام کمار جی کے قانونی مشیر نے ان کی بیوی کو اطلاع دی کہ اس کے یہاں چوری ہوگئی۔ چوری ہونے والی چیزوں میں رام کمار جی کا وصیت نامہ بھی تھا۔ ان کی بیوی کو سخت پریشانی ہوئی۔ وہ وصیت نامہ ان کے لئے ایک معمہ سے کم نہ تھا۔ کیونکہ بظاہر رام کمار جی کے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہ تھی جس کیلئے وہ کوئی وصیت نامہ مرتب کرتے۔ جائیداد خود ان کے نام تھی۔ اس لئے اس کے سلسلہ میں کسی قسم کی وصیت کا سوال ہی نہیں رہ جاتا تھا۔ اس الجھن کے تحت انہوں نے بچے کے گلے میں پڑا ہوا پراسرار تعویز قبل وقت ہی کھول ڈالا۔ اس تعویز کے ذریعہ انہیں پتہ چلا کہ وصیت نامہ میں کسی خزانے کا ذ[illegible] تھا۔ لیکن تعویز میں لکھی ہوئی ہدایت کے مطابق وصیت نامہ کو پڑھے بغیر خزانہ کا پتہ چلنا ناممکن تھا۔ انہیں ایک گونہ اطمینان ہوگیا کہ بغیر اس کے وصیت نامے کا چرانے والا اپنے مقصد کامیاب نہ ہوسکے گا۔ انہوں نے تعویز بچے کے گلے سے کھول کر احتیاط سے رکھ دیا۔ چار قبل کی بات ہے کہ اچانک ایک دن کسی نے ان کے بکس کا تالا توڑ کر تعویز نکال لیا۔ ان پریشانیوں کی حد نہ رہی۔ وہ مجھے جانتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے مجھے بلوا بھیجا اور سارا وا کر طالب امداد ہوئیں۔ رام کمار جی کی ساری شفقتیں یاد آگئیں۔ وہ مجھے بھی اپنے بچے طرح پیار کرتے تھے۔ میں نے ان کی بیوی سے وعدہ کیا میں حتیٰ الامکان کوشش کروں اسی دن سے میں نے تحقیقات شروع کردیں۔ کئی دنوں کے بعد پتہ چلا کہ وصیت نامہ اگروال نے رام کمار جی کے قانونی مشیر کے یہاں سے چوری کروایا تھا۔ میں نے سوچا باضابطہ کاروائی کر کے اُسے حاصل کرنے کی کوشش کی تو کامیاب نہ ہوسکوں گا اس لئے م[illegible] وہ طریقہ کار اختیار کیا۔ چونکہ چیز چوری کی تھی اس لئے سیٹھ اگروال نے بھی پولیس کو ب کہ اس کی کوئی چیز چوری نہیں کی گئی ہے۔

اس کے بعد سے مجھے اس چیز کی بہت زیادہ تشویش ہوگئی تھی کہ آخر اس پر گولی کس

چلائی۔ اسی دوران میں جب میں جگدیش کو بیوقوف بنانے کے لئے کار سے اتر گیا تھا مجھے چند نامعلوم لوگوں سے دو دو ہاتھ کرنے پڑے۔ میں نے انہیں اور پولیس کو لڑنے میں الجھا دیا اور خود پولیس کی لاری لے کر فرار ہوگیا۔ مجھے لوگوں کی نظروں سے چھپ کر کام کرنے کا اچھا موقع مل گیا تھا۔

مجھے سب سے زیادہ فکر اس چیز کے پتہ لگانے کی تھی کہ آخر سیٹھ اگروال کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے جو اس وصیت نامہ میں اتنی دلچسپی لے رہا ہے۔ رفتہ رفتہ مجھے اس کا احساس ہونے لگا کہ یہ سنتوش کی حرکت ہے اور اسی نے وہ تعویز بھی چرایا ہے۔ لیکن وصیت نامہ ہاتھ نہ لگنے کی وجہ سے بالکل بے بس ہے چونکہ اس سے اس چیز کو اگلوانا تھا۔ اس لئے میں نے دلاور خاں کا بھیس بدلا اور سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ وصیت نامہ اپنی تجوری سے نکال لے گیا۔ اس دن مجھے تم پر بہت ہنسی آئی تھی جب تم برآمدے میں پھیلے ہوئے پٹاخوں پر اچھل کود رہے تھے۔ وہ میں نے دراصل اسلئے ڈالے تھے کہ جس وقت میں وصیت نامہ نکالنے میں مشغول ہوں تو مجھے آنے جانیوالوں کی آہٹ مل سکے۔ سب سے پہلے تم ہی ان پٹاخوں کا شکار ہوئے۔

بعد کے واقعات سے تو تم واقف ہی ہو۔ ایک دن میں نے سنتوش کو بلا کر وہ تعویز دیکھ ہی لیا۔ اس کا نقشہ میرے ذہن میں موجود تھا۔ اس کے مطابق وہ خزانہ اسی مکان میں ایک جگہ دفن ہے جہاں رام کمار جی کی بیوی رہتی ہے۔ اب ذرا تھکن دور ہوجائے تو میں جا کر وہ خزانہ کھدوانے میں ان کی مدد کروں گا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں نے وہ وصیت نامہ چرا کر اگر اس کے حقداروں کے پاس پہنچا دیا تو کون سا جرم کیا۔ اگر یہ جرم ہے بھی تو میں اسے جائز سمجھتا ہوں۔“

”اچھا یہ تو بتائیے فریدی صاحب کہ آپ اتنے طاقتور کب سے ہوگئے ہیں۔“ حمید بولا۔

”ارے میاں اسے پوچھ کر کیا کرو گے۔ یہ سب راز کی باتیں ہیں۔ ایک اچھے سراغ رساں میں یہ ساری خصوصیات ہونی چاہئیں۔“

”سنتوش نے تو خودکشی کرلی۔ اب اس کیس میں کیا ہوگا۔“ حمید نے دریافت کیا۔

”کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن میرے پاس اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ سیٹھ اگروال پر سنتوش

ہی نے گولی چلائی تھی اور اب سے تین سال قبل اس نے ایک خون بھی کیا تھا۔" فریدی نے انکشاف کیا۔

"اچھا تو کیا آپ اس وصیت نامہ کا بھی تذکرہ کریں گے۔"

"کیا احمقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ اب جبکہ سنتوش مر چکا ہے اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ سیٹھ اگروال میں اتنی ہمت نہیں کہ اب وہ اس کیس پر از سر نو روشنی ڈالے کیونکہ اس نے وصیت نامہ قطعی غیر قانونی طور پر حاصل کیا تھا۔ لہٰذا اب اس کی طرف سے کوئی کھٹکا نہیں رہ جاتا...... اچھا بھئی اب بس......! کیا اب تک چائے نہیں بنی......؟"

تمام شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
2

جاسوسی دنیا

5- فریدی اور لیونارڈ
6- پُراسرار کنواں
7- خطرناک بوڑھا
8- مصنوعی ناک

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 2

5	فریدی اور لیونارڈ
6	پُراسرار کنواں
7	خطرناک بوڑھا
8	مصنوعی ناک

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970 - 7357022

پیشرس

جب بھی میں جاسوسی دنیا کا کوئی ابتدائی ناول دوبارہ چھاپنے لگتا ہوں تو بے اختیار یہی دل چاہتا ہے کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں، لیکن یہ سوچ کر باز ہی رہنا پڑتا ہے کہ ایسا کرنے سے میرے پڑھنے والوں کو فریدی اور حمید کے کرداروں میں تدریجی ارتقاء کا اندازہ کرنا دشوار ہو جائے گا۔

ہو سکتا ہے کہ آپ آج کے مقابلے میں ان دونوں کے کرداروں کو اس کتاب میں کچھ زیادہ اسمارٹ نہ پائیں، ان میں وہ رچاؤ نہ ملے جو آج ملتا ہے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ آج کی جھلکیاں ان میں نہ ملیں، کیونکہ ماضی ہی سے مستقبل بنتا ہے۔

غالباً ان دونوں کرداروں کی مقبولیت کی بھی یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والوں کے ذہنی ارتقاء کے ساتھ ہی ساتھ ان میں تبدیلیاں ہوتی گئی ہیں۔

حمید صاحب کے متعلق اب یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ سنجیدہ ہوتے جا رہے ہیں لیکن آپ آخر یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ فریدی میں بھی تو بہتیری تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ یہ کہنا غلط ہو گا کہ حمید میں بہت زیادہ سنجیدگی آ گئی ہے۔ وہ اب بھی عموماً غیر سنجیدہ ہی رہتا ہے۔ مگر اس کے مزاج میں اب پھکوپن نہیں رہ گیا۔ اب وہ بہت جچی تلی بات کہتا ہے اور موقع بے موقع ہنسانے کی بھی کوشش نہیں کرتا۔ پہلے صرف باتیں بناتا تھا اب کام بھی کرنے لگا ہے۔ بہر حال میں اسے کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ اب سنجیدہ ہو گیا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ فریدی کے تئیں سنجیدگی کا کیا معیار ہے۔ لیکن کیا حمید اس معیار پر پورا اترتا ہے؟

ابن صفی

۱۴ ستمبر ۵۷ھ

ایک دلچسپ اطلاع

محکمہ سراغرسانی کی پُر اسرار عمارت صبح کے کہر میں ڈوبی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ آج کئی دن سے سردی شباب پر تھی۔ شمالی ہند میں یونہی سردیوں میں سخت سردی پڑتی ہے۔ لیکن اس دوران میں ژالہ باری ہو جانے کی وجہ سے سردی اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہی تھی۔ محکمہ سراغ رسانی کی عمارت کی دیواریں جو بڑے بڑے چوکور پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی، اپنے استحکام کا اعلان کر رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ موسم کی شر انگیزیوں سے بے نیاز کہر کی گہری چادر پر طنزیہ ہنسی ہنستی ہوئی کہہ رہی ہوں کہ ہمیں کیا پرواہ ہے، ہم میں تو ایک رخنہ بھی نہیں جس سے اس سردی کی ٹھنڈی لہریں ہمارے اندر پہنچ سکیں۔ ہمارے قلب میں ایسے ایسے راز دفن ہیں جن کی ہوا بھی دنیا کو نہیں لگی۔ دنیا کے سینکڑوں راز ہمارے سینے میں دفن ہونے کے لئے آتے ہیں اور ہم تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اسی عمارت کے کمپاؤنڈ میں کئی شاندار بنگلے کھڑے اپنے مکینوں کی بڑائی کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ انہیں بنگلوں میں سے ایک کے برآمدے میں ایک قبول صورت انگریز عورت کھڑی شائد کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے شب خوابی کے لباس پر اونی لبادہ پہن رکھا تھا۔ اس کی نگاہیں بار بار برآمدے میں لگے ہوئے کلاک کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ انگریز عورت بے تابی کے ساتھ برآمدے سے اتر کر آگے بڑھی۔

ایک ادھیڑ عمر کا توانا تندرست انگریز کار سے اترا۔ اس نے آگے بڑھ کر عورت کی کمر میں

ہاتھ ڈال دیا۔

"اوہ جیکسن ڈارلنگ......!" وہ عورت انگریزی میں بولی۔ "خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں پھر توانا و تندرست دیکھ رہی ہوں۔"

انگریز نے جھک کر عورت کی پیشانی چوم لی۔ پھر دونوں بنگلے میں داخل ہوگئے۔ یہ پی ایل جیکسن خفیہ پولیس کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔ تقریباً دو ماہ سے ایک سخت تکلیف دہ مرض میں مبتلا تھا۔ اس کی زبان کی جڑ میں ایک پھوڑا نکل آیا تھا جس کی وجہ سے وہ تقریباً گونگا ہو کر رہ گیا۔ کھانے پینے میں بھی دقت محسوس ہوتی تھی، جب تک اس میں قوت برداشت رہی وہ مرض کی طرف سے لاپروائی برتتا رہا تھا، لیکن جب تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تو اسے ہسپتال داخل ہونا پڑا...... جہاں اُس کے پھوڑے کا آپریشن کر دیا گیا۔

آج دو ماہ بعد وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو کر گھر واپس آیا تھا، جو عورت اس کا انتظار کر رہی تھی اس کی بیوی تھی۔

اسی دن دوپہر کی بات ہے کہ دفتر میں حمید فریدی کے کمرے میں ہنستا ہوا داخل ہوا۔ فریدی اخبار دیکھنے میں مشغول تھا۔ اس نے چونک کر حمید کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"شائد آپریشن کے سلسلے میں مسٹر جیکسن کے دماغ کی بھی کوئی رگ کٹ گئی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"چپراسیوں سے لے کر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تک کو فرداً فرداً اپنے کمرے میں طلب کر چکے ہیں۔ اسٹاف کی حاضری کا رجسٹر سامنے کھلا رکھا ہے۔"

"کیوں......؟"

"پتہ نہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کو سلام دیا ہے۔"

"ہوں......" فریدی نے اٹھ کر سگار کا جلا ہوا ٹکڑا ایش ٹرے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ اخبار موڑ کر اس نے جیب میں رکھ لیا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ یہ اس کی عجیب و غریب عادت تھی کہ وہ دفتر میں عموماً پنجوں کے بل چلا کرتا تھا۔ غالباً اس کا مقصد یہ تھا کہ جوتوں کی آواز سے کسی کے کام میں خلل نہ پڑے۔ وہ پردہ اٹھا کر مسٹر جیکسن کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

"ہیلو مسٹر فریدی...... آپ اچھے تو ہیں؟" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"مہربانی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "میں آپ کو آپ کی صحت یابی کی مبارک باد دیتا ہوں۔"

"شکریہ......!" جیکسن نے کہا۔ "بیٹھئے۔"

فریدی بیٹھ گیا۔

"میں کیا بتاؤں کہ مجھے اپنے اسٹاف سے کتنی محبت ہے۔" جیکسن مسکرا کر بولا۔ "میں نے آفس آکر سب سے پہلا کام یہی کیا ہے کہ فرداً فرداً سب کو بلا کر ملاقات کی۔"

"ہم سب آپ کی محبت کی قدر کرتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اُف...... اس دوران میں، میں نے کتنی تکلیف اٹھائی ہے۔" جیکسن بولا۔

"تکلیف کی چیز ہی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "میں آپ کی آواز میں بڑی حد تک تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔"

"ہاں بھئی...... یہ آپریشن ہے ہی ایسی چیز گلے اور زبان کا آپریشن ہوا تھا۔ ایسی صورت میں آواز ہی قائم رہ گئی ہے۔ اس کو ہی غنیمت سمجھتا ہوں۔"

"واقعی خدا نے بڑا فضل کیا۔" فریدی نے یہ جملہ یونہی رسماً بڑے جبر و اکراہ کے ساتھ ادا کیا۔ اُسے رسمی گفتگو سے سخت نفرت تھی۔ وہ ایک منہ پھٹ اور بے دھڑک حقیقت کا اظہار کر دینے والا آدمی تھا۔

"اس وقت میں نے خاص طور پر ایک اہم معاملے میں مشورہ کرنے کے لئے بلایا ہے۔"

"فرمائیے۔"

"کل رات ہسپتال میں مجھے انسپکٹر جنرل کی طرف سے ایک اطلاع ملی ہے، جو ہم سب کے لئے انتہائی تشویش ناک ہے۔ تم نے یورپ کے مشہور بلیک میلر لیونارڈ کا نام ضرور سنا ہوگا۔ وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت ہندوستان آیا ہے اور اُس نے اپنا ہیڈ کوارٹر ہمارے ہی شہر میں قائم کیا ہے۔"

"خبر تو انتہائی دلچسپ ہے۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی کہ تم اس میں ضرور دلچسپی لو گے۔" جیکسن نے ہنس کر کہا۔ "تم تو ایسے موقعوں کی تلاش ہی میں رہا کرتے ہو۔ اب مجھے سو فیصدی یقین ہو گیا ہے کہ تم سچ مچ فن سراغرسانی کے دلدادہ ہو۔"

"ہاں.....وہ لیونارڈ.....!" فریدی نے جیکسن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو لیونارڈ خوفناک شخص ہے۔ جس نے سارے یورپ کو ہلا رکھا تھا۔ حد یہ ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے نامور سراغ رساں بھی اسے نہ پکڑ سکے۔"

"جی ہاں..... میں جانتا ہوں کہ وہ ایک بین الاقوامی بلیک میلر ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے گھرانے اس کے نام سے کانپتے ہیں۔ اس نے ایک بار اسکاٹ لینڈ یارڈ کے نامور جاسوس پیڑسن کی اچھی خاصی درگت بنائی تھی۔"

"تم ٹھیک سمجھے۔ میں اسی لیونارڈ کی بات کر رہا ہوں۔" جیکسن نے کہا۔ "مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر وہ ہندوستان کیوں آیا ہے۔"

"یہاں کے راجوں اور نوابوں کو بلیک میل کرنے کے لئے۔" فریدی نے کہا۔

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا..... کیا تم اُس کی موجودگی سے پہلے ہی واقف ہو۔"

"جی ہاں۔"

"وہ کس طرح.....!" جیکسن نے کہا۔

فریدی نے جیب سے اخبار نکال کر سپرنٹنڈنٹ کے سامنے میز پر پھیلا کر ایک اشتہار کی طرف اشارہ کیا۔

سپرنٹنڈنٹ پڑھنے لگا۔

"یہاں کا وہ نواب متوجہ ہو، جو آج سے تین سال قبل محض عیاشی کی غرض سے ایک معمولی سیاح کے بھیس میں انگلینڈ گیا تھا۔ وہاں اُس نے ایک کسان کی حسین لڑکی پر ڈورے ڈالے تھے، لیکن اس طرح کامیاب نہ ہونے پر اُس سے شادی کر لی تھی۔ پھر کچھ دن اُس کے ساتھ رہ کر وہ چپکے سے ہندوستان واپس چلا آیا تھا۔ اُس نواب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اب اس کی ریاست کا ایک جائز وارث اور پیدا ہو گیا ہے۔ میرے پاس سارے ثبوت شادی کے سرٹیفکیٹ سمیت موجود ہیں، جن کی قیمت پچھتر لاکھ روپیہ ہے۔ اگر وہ نواب اُن ساری چیزوں کو حاصل کرنا چاہے تو اس اخبار کے ذریعے اپنی رضامندی ظاہر کر سکتا ہے، ورنہ یہ سارے ثبوت اس کے نئے وارث کے حق میں استعمال کئے جائیں گے۔"

"دیکھا آپ نے.....!" فریدی نے کہا۔

جیکسن نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"مگر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لیونارڈ کی حرکت ہے۔"

"میں تقریباً ایک ماہ سے اس قسم کے اشتہارات کے تراشے جمع کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا "اور یہ سب یورپ ہی کے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں سے مجھے کوئی بھی اشتہار ایسا نظر نہیں آیا، جو کسی موٹی آسامی سے متعلق نہ ہو۔"

جیکسن نے پھر سر ہلایا۔

"مسٹر فریدی۔" جیکسن بولا۔ "میں اسی لئے تمہاری قدر کرتا ہوں کہ تمہاری نظریں بہت تیز ہیں۔ میں نے ابھی تقریباً سارے آفیسروں سے اس معاملے کے متعلق گفتگو کی ہے لیکن کسی نے بھی ان اشتہاروں کا حوالہ نہ دیا۔"

"ارے اس میں کون سی خاص بات ہے۔" فریدی بولا۔ "یہ تو ایسی چیز ہے جس نے معمولی سے معمولی دماغ والے آدمی کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا ہوگا۔"

"تم نے ابھی اس قسم کے اور اشتہاروں کا تذکرہ کیا تھا۔" جیکسن نے کہا۔ "کیا ان کے تراشے تمہارے پاس موجود ہیں۔"

"جی ہاں..... دو تین یہیں آفس میں موجود ہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرئیے! میں ابھی آپ کو دکھاتا ہوں۔"

فریدی انگریزی اخبار کے دو تین تراشے اٹھا لایا اور باری باری انہیں پڑھنے لگا۔

"وہ مہارانی صاحبہ متوجہ ہوں، جو عیاشی کے لئے ہر سال پیرس جاتی ہیں۔ ان کے وہ خطوط میرے پاس موجود ہیں جو انہوں نے اپنے عاشقوں کو لکھے تھے۔ ان خطوط کی قیمت سولہ لاکھ روپیہ ہے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں یہ خطوط شائع کر دیئے جائیں گے۔ سودا اسی اخبار کے ذریعے طے کیا جا سکتا ہے۔"

دوسرا اشتہار یہ ہے

"وہ حسین و جمیل نواب زادی متوجہ ہو، جو پچھلے سال اپنے ایک عاشق کو ساتھ لے کر سوئیٹزرلینڈ گئی تھی۔ بظاہر وہ اس کا پرائیویٹ سیکریٹری تھا۔ میرے پاس ان دونوں کی کچھ تصاویر ہیں، جن کا شائع کر دینا انتہائی دلچسپ ثابت ہو سکتا ہے۔ ان تصویروں کی قیمت بیس لاکھ روپیہ

ہے۔ اس سلسلے میں اسی قیمت کے زیورات یا جواہرات قبول کئے جاسکتے ہیں۔ عدم ادائیگی کی صورت میں یہ تصاویر چھپوا کر مفت تقسیم کردی جائیں گی۔ اس اخبار کے ذریعہ رضامندی ظاہر کی جاسکتی ہے۔"

"اسی طرح کے اور بھی اشتہارات ہیں، لیجئے خود آپ ہی پڑھ لیجئے۔" فریدی نے تراشے جیکسن کی طرف بڑھا دیئے۔

"تعجب ہے کہ پولیس ابھی تک اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔" جیکسن نے کہا۔ "یہ تو کھلا ہوا جرم ہے۔ یہ اخبار گویا بلیک میلنگ کی ہمت افزائی کر رہا ہے، اسے تو فوراً ضبط کر کے اس پر مقدمہ چلانا چاہئے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"لیونارڈ یا اس کے شریک کار معمولی آدمی نہیں ہیں۔ وہ اتنی آسانی سے گرفت میں نہیں آسکتے۔" فریدی نے کہا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ذرا آج کے اخبار کا ایڈیٹوریل کا یہ حصہ ملاحظہ فرمایئے۔" فریدی نے اخبار جیکسن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

جیکسن پڑھنے لگا۔

"ہم نے اپنے قارئین کی دلچسپی کے لئے ایسے اشتہارات کے نمونے چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، جو یورپ میں بلیک میلنگ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ آج کے اخبار میں بھی آپ کو ایسا ہی اشتہار ملے گا۔ ہم آئندہ بھی آپ کی دلچسپی کیلئے ان کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔"

جیکسن پڑھ چکنے کے بعد فریدی کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

"مگر یہ تو بتاؤ کہ تم نے آج تک کسی کا جواب بھی اخبار میں دیکھا یا نہیں۔" جیکسن نے کہا۔

"ایسی صورت میں جبکہ خود اخبار والے ملے ہوئے ہوں جواب شائع کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن یہ وثوق سے کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اخبار والے ملے ہوئے ہیں۔"

"ان خطوط کے بارے میں ایڈیٹوریل نوٹ پڑھ کر قطعی کہا جاسکتا ہے۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ مسٹر فریدی کہ تم باتوں کو بہت ہی گھما پھرا کر سوچنے کے عادی ہو۔" جیکسن نے کہا۔ "بہت ممکن ہے کہ اس قسم کے خطوط دلچسپی ہی کے لئے شائع کئے جاتے ہوں۔"

"لیکن مجھے تو اس میں کوئی بھی دلچسپی کی بات نظر نہیں آتی۔" فریدی نے کہا۔ "اور اگر دلچسپی ہی کے لئے ان کا سلسلہ شروع کیا گیا ہوتا تو دو ایک اشتہارات کافی تھے یا پھر ہر اشتہار میں کوئی نئی بات ہونی چاہئے تھی۔ اب تک تقریباً پندرہ اشتہارات شائع ہو چکے ہیں، لیکن سب ایک جیسے۔ ہر ایک میں ایک نئے ڈھنگ سے روپیوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔"

"خیر بھئی یہی ہوگا۔" جیکسن نے اکتا کر کہا۔ "مجھے دراصل تمہیں یہ اطلاع دینی تھی کہ لیونارڈ کا پتہ لگانے کے لئے چھ جاسوسوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی ہے، جس میں تمہارا نام ہے۔"

"تو کیا سب کو ایک ہی طریقہ کار پر عمل کرنا پڑے گا۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی......!" جیکسن نے میز پر جھکتے ہوئے کہا۔ "یہ لازمی ہے۔"

"لیکن میں اس کا عادی نہیں۔"

"مجبوری ہے۔ یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ تمہیں روزانہ رپورٹ دینی پڑے گی۔"

"آپ جانتے ہیں کہ میں اس پر کبھی کاربند نہیں رہا۔" فریدی نے کہا۔

"اس بار تو تمہیں اس پر عمل کرنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ احکامات اوپر سے آئے ہیں۔" جیکسن بولا۔

"اور اگر میں انکار کردوں۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بچپنے کی باتیں کر رہے ہو۔" جیکسن نے ترش روئی سے کہا۔ "یہاں رہ کر تمہیں احکامات کا پابند ہونا پڑے گا۔"

"اور اگر فرض کیجئے کہ میں استعفیٰ دے دوں تو۔"

"میں تمہیں اس کی رائے نہ دوں گا۔" جیکسن لاپروائی سے بولا۔

"لیکن میں اپنے اصول کے خلاف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

"آخر اس میں تمہارا نقصان ہی کیا ہے۔" جیکسن جھنجھلا کر بولا۔ "تمہارے جیسا ضدی آدمی تو میری نظروں سے گزرا ہی نہیں مجھے ڈر ہے کہ تم کہیں اپنی جان نہ گنوا بیٹھو۔ اگر

ہمیں تمہاری اسکیموں کی خبر نہ ہوگی تو ہم تمہاری حفاظت کیسے کریں گے۔"

"آپ کا فرمانا درست ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اس محکمے میں روٹیوں کے لئے نہیں آیا۔ میری خطر پسند طبیعت نے اسی پیشے میں تسکین سامان دیکھ کر مجھے اس طرف آنے پر مجبور کیا ہے۔ میرا اس کام میں دل ہی نہیں لگتا جس میں قدم قدم پر موت کا خطرہ نہ ہو۔"

"ذاتی طور پر یہ چیز تمہارے لئے ٹھیک ہو سکتی ہے لیکن محکمے کے حق میں نقصان دہ ہے۔"

"لیکن اس سے پہلے تو مجھے اس بات پر کبھی مجبور نہیں کیا گیا۔" فریدی نے کہا۔

"بھئی پہلے کی بات اور ہے۔ پہلے تمہارا تعلق صرف مجھ سے تھا لیکن اس بار براہِ راست انسپکٹر جنرل کا معاملہ ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا "میں کوشش کروں گا کہ ان کی ہدایات پر عمل کروں۔"

"آج شام تک بقیہ پانچ جاسوس بھی یہاں پہنچ جائیں گے۔ میں کل اُن سے تمہارا تعارف کرادوں گا۔ یہ سب مختلف صوبوں کے بہترین دماغ ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

پُراسرار آدمی

مشہور اخبار نیو اسٹار کے دفتر کی عمارت برقی قمقموں کی روشنی میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔ رات کے تقریباً دس بجے ہوں گے۔ سردی کی زیادتی کی وجہ سے سڑکوں پر لوگوں کی آمدورفت کم ہو گئی تھی۔ رات کے سناٹے میں اخبار چھاپنے والی مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ عجیب انتشار برپا کئے ہوئے تھی۔ اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی فضا میں گونج اٹھتی تھیں۔

نیو اسٹار کے دفتر اور چھاپے خانے میں لوگ تندہی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

دفعتاً ایڈیٹر کے کمرے میں شور ہونے لگا۔ قریب کے لوگ اپنا کام کاج چھوڑ کر کمرے کے دروازے پر اکٹھا ہو گئے۔

ایڈیٹر اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑا مجمع سے کہہ رہا تھا۔ "جاؤ...... تم لوگ یہاں کیوں اکٹھا ہو گئے۔ جاؤ...... اپنا کام کرو۔"

لوگ آہستہ آہستہ اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ ایڈیٹر کمرے میں لوٹ آیا۔ یہاں ایک آدمی آرام کرسی پر بیہوش پڑا تھا۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر اس کے کپڑوں کے بٹن کھول رہا تھا۔

"دوڑو...... جلدی کرو...... ڈاکٹر......!" ایڈیٹر نے سب ایڈیٹر سے کہا۔

سب ایڈیٹر بیہوش آدمی کو اُسی حالت میں چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

ایڈیٹر نے بیٹھ کر ایک سگریٹ سلگایا اور ایک مضحکہ خیز مسکراہٹ کے ساتھ بیہوش آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔ بیہوش آدمی نے آرام کرسی پر بدستور لیٹے ہی لیٹے آدھی کھلی آنکھوں سے کمرے کا جائزہ لیا اور ایک ہاتھ السٹر کی اندرونی جیب میں ڈال کر نوٹوں کا ایک بنڈل نکالا اور فرش پر گرادیا۔ ایڈیٹر نے جھک کر بنڈل اٹھایا اور اپنے جیب میں ڈال لیا۔ اس کے بعد بیہوش آدمی کی کرسی سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ گرا۔ ایڈیٹر نے اسے بھی اٹھا کر میز کی دراز میں رکھ لیا۔ پھر وہ اٹھ کر کمرے کے دروازے پر آیا اور چق اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آس پاس کوئی موجود نہ تھا۔ وہ باہر نکل کر برآمدے میں کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد اسسٹنٹ ایڈیٹر ڈاکٹر کو لے کر آ گیا۔ اُن دونوں کے پیچھے ایک آدمی اور تھا۔ اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر اپنی فلٹ ہیٹ اتاری اور اپنا ملاقاتی کارڈ گھبرائے ہوئے ایڈیٹر کی طرف بڑھا دیا۔ ایڈیٹر ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ڈاکٹر صاحب...... ذرا دیکھ لیجئے۔ میں تو سخت پریشان ہوں۔ معلوم نہیں بے چارہ کس کام کے لئے آیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑا۔"

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر اسسٹنٹ ایڈیٹر کے ساتھ کمرے میں چلا آیا۔ ڈاکٹر وہیں کھڑا آنے والے کے ملاقاتی کارڈ کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"فریدی صاحب۔" ایڈیٹر نے آنے والے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "فرمائیے کیسے تکلیف کی۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "پہلے آپ اپنے مریض کو دیکھئے پھر بعد میں

باتیں ہوتی رہیں گی۔"

ایڈیٹر کمرے کی طرف بڑھا...... اُس کے پیچھے فریدی بھی۔

"کہئے ڈاکٹر صاحب کیا بات ہے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں...... مجھے یہ بیہوشی بہت زیادہ تھکن کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ جلد ہی ہوش میں آجائیں گے۔"

فریدی نے بیہوش آدمی کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔

"تشریف رکھئے۔" ایڈیٹر نے فریدی سے کہا۔ اُس کے لہجے میں عجیب طرح کا اضطراب تھا۔ جسے خوف ہی کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔

فریدی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کمزور اعصاب کے لوگوں پر عموماً سردیوں میں اس قسم کے دورے پڑجاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کا خیال درست ہے۔" ڈاکٹر بولا۔

"یہ ہیں کون صاحب۔" فریدی نے کہا۔

"معلوم نہیں۔" ایڈیٹر نے کہا۔ "انہوں نے چپڑاسی سے اپنا ملاقاتی کارڈ بھجوایا تھا..... اس کے بعد خود اندر آئے اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ میں اور میرا اسسٹنٹ دونوں یہاں موجود تھے...... ہم نے انہیں اٹھا کر کرسی پر ڈال دیا اور اسسٹنٹ ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔"

فریدی نے میز پر سے اجنبی کا ملاقاتی کارڈ اٹھا کر دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا۔

"پرنس عدنان آف عراق......!"

فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ میں صورت ہی دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ کوئی بڑا آدمی ہے۔"

"جی ہاں...... میری پریشانی کا باعث دراصل یہی چیز تھی۔" ایڈیٹر سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "لیجئے شوق فرمائیے۔" اُس نے سگریٹ کیس فریدی کی طرف بڑھایا۔

"جی شکریہ...... میں صرف سگار پیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"عجیب مصیبت ہے۔" ایڈیٹر نے بیہوش آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر اس قسم

خطرناک مرض لاحق ہوتا ہے تو یہ لوگ وقت بے وقت گھر ہی سے کیوں نکلتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد اجنبی کو ہوش آگیا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا اور خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ انگریزی میں بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو پریشانی اٹھانی پڑی۔"

"کوئی بات نہیں......" ایڈیٹر نے مسکرا کر کہا۔ "فرمائیے کیسے تکلیف کی تھی۔"

"مجھے پانچ منٹ کی مہلت دیجئے۔" اجنبی بولا۔ "مجھے سوچنا پڑے گا کہ میں کیوں آیا تھا۔ اس قسم کے دوروں کے بعد عموماً میں تھوڑی دیر کے لئے اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"جی ہاں...... یورپ کے تقریباً ہر ملک میں میں نے اپنے اس مرض کا شافی علاج کرانا چاہا لیکن بیکار......!" اجنبی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ ہندوستان میں آپ کے اس مرض کا خاطر خواہ علاج ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

اجنبی اس کے جملے پر چونک پڑا۔

"جی ہاں......!" وہ مسکرا کر بولا۔ "میں نے بھی یہاں کے معالجوں کے طریقہ علاج کی بہت تعریف سنی ہے۔"

"کہئے کچھ یاد آیا۔" ایڈیٹر نے ہنس کر کہا۔

"جی ہاں......!" اجنبی بولا "میں دراصل آپ کے اخبار میں ایک اشتہار دینے کے لئے آیا تھا۔"

"ہاں ہاں...... شوق سے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"مجھے ایک ڈرائیور کی ضرورت ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو انگریزی اخبار آپ کے لئے بیکار ثابت ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ ہندوستان میں شاید ہی کوئی انگریزی پڑھا ہوا پیشہ ور ڈرائیور مل سکے۔"

"لیکن مجھے تو انگریزی ہی جاننے والا چاہئے کیونکہ میں ہندوستانی زبان نہیں سمجھ پاتا۔" اجنبی نے کہا۔

"خیر کوشش کیجئے۔ شاید کوئی مل ہی جائے۔" فریدی بولا۔

"آپ اپنا پتہ مجھے دے دیجئے...... میں اشتہار شائع کردوں گا۔" ایڈیٹر نے اجنبی سے کہا۔

تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی گفتگو کرنے کے بعد اجنبی کھڑا ہو گیا۔ اُس نے وہاں سے بیٹھے ہوئے سب آدمیوں سے مصافحہ کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"ہاں تو فرمائیے...... میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔" ایڈیٹر نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جناب پہلے یہ فرمائیے کہ کیا آپ کا کمرہ آسیب زدہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں...... کیا بات ہے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے میں بھی تھوڑی دیر بعد بیہوش ہو جاؤں گا۔" فریدی نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارے......!" ایڈیٹر حیرت سے آنکھیں پھاڑتا ہوا بولا۔

"جی ہاں...... ذرا جلدی سے...... ڈاکٹر شائد ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہوگا۔" فریدی یہ کہتے کہتے کرسی پر ایک طرف لٹک گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ زمین پر جھول رہا تھا۔

ایڈیٹر گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اُسے آوازیں دے رہا تھا لیکن بے سود۔ فریدی بے ہوش ہو چکا تھا۔ بجائے اُس کے کہ وہ گھنٹی بجا کر کسی کو بلاتا خود باہر کی طرف بھاگا۔ شاید وہ ڈاکٹر کو بلانے جا رہا تھا۔ اُس نے اُسے عمارت کے پھاٹک پر ہی جالیا۔

"ڈاکٹر...... ڈاکٹر...... فوراً واپس چلو...... دوسرے صاحب بھی بے ہوش ہو گئے۔"

دوسرے دن فریدی اور حمید میں گفتگو ہو رہی تھی۔ نیو اسٹار کا تازہ پرچہ میز پر کھلا ہوا

تھا۔

"دیکھو آج اُن دلچسپ اشتہارات کا سلسلہ نہیں شائع ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"ایڈیٹر نے معذرت بھی کی ہے۔" حمید بولا۔ "یہ دیکھئے لکھتا ہے ہمیں افسوس ہے کہ آج کی اشاعت میں اچانک مسودہ کھو جانے کی بناء پر بلیک میلنگ کا دلچسپ اشتہار شائع نہ ہو سکا۔"

"یہ بات تو اس نے بالکل سچ لکھی ہے۔" فریدی بولا۔ "مسودہ سچ مچ کھو گیا تھا اور غالباً تم یہ بھی جانتے ہو کہ آج کل شہر میں کھوئی ہوئی چیزیں میری جیب سے برآمد ہوتی ہیں۔"

"کیا مطلب......؟" حمید نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یعنی یہ کہ وہ مسودہ اس وقت میری جیب میں موجود ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "پڑھو۔"

حمید پڑھنے لگا۔

"لندن کی حسین رات کون بھول سکتا ہے، جب پرنس...... نے اپنی کنواری چچازاد بہن کو ایک رات کے لئے اپنی بیوی بنایا تھا۔ لندن کے جیفرز ہوٹل کا کمرہ نمبر ۱۱۵ سہاگ رات کی رنگینیوں سے معمور تھا۔ پرنس کی چچازاد بہن دوسرے ہی دن ہندوستان کے لئے روانہ ہوگئی۔ واپسی پر تین دن کے اندر ہی اندر اُس نے ایک جاگیردار سے شادی کرلی۔ میرے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ وہ جس بچے کی ماں بننے والی ہے وہ جاگیردار کا نہیں ہے۔ میں اس پرنس اور اس کی چچازاد بہن سے پندرہ لاکھ روپے کا مطالبہ کرتا ہوں، عدم ادائیگی کی صورت میں یہ راز اُس جاگیردار کو معہ ثبوت بتایا جائے گا۔ خط و کتابت اسی اخبار کی معرفت ہونی چاہئے۔"

"لیکن یہ آپ کو ملا کیسے۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے اُس رات کے سارے حالات بتاتے ہوئے کہا۔ "میرے بیہوش ہوتے ہی ایڈیٹر گھبرا کر ڈاکٹر کو بلانے کے لئے کمرے سے باہر نکل گیا اور میں نے جلدی جلدی اس کمرے کی تلاشی لینی شروع کردی۔ سب سے پہلے میں نے میز کی درازوں کو کھولا۔ اتفاق سے یہ کاغذ اوپر ہی رکھا ہوا مل گیا۔ اتنا کافی تھا۔ میں نے جلدی سے اُسے جیب میں ڈالا اور پھر بن کر لیٹ گیا۔ اس کاغذ پر دو آدمیوں کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں اور دوسرے نشانات کے بارے میں ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن مجھے جس پر شبہ ہے اس کے پیچھے تمہیں لگانا چاہتا ہوں۔ تم بہ آسانی اس کی

انگلیوں کے نشانات لے سکو گے۔"

"وہ کون ہے۔" حمید نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہی شخص جو رات ایڈیٹر کے کمرے میں بیہوش ہو گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے لئے تمہیں اس کا موٹر ڈرائیور بننا پڑے گا۔"

"میں سمجھ گیا...... ہاں تدبیر تو اچھی خاصی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ نے ہوش میں آنے کے بعد ایڈیٹر کو کیا بتایا تھا کہ آپ اس سے کیوں ملنے گئے تھے۔"

"ارے یہ بھی کوئی خاص بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے کل کی اشاعت کے ایک مضمون کے متعلق اس سے گفتگو شروع کر دی تھی جو کچھ حکومت کی مخالفت میں تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ نیوسٹار مجھے بہت پسند ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ حکومت اس پر کسی قسم کی پابندی لگا دے۔ لہٰذا اس قسم کے مضامین نہ چھاپے جائیں۔"

"بہت خوب......!" حمید نے کہا۔ "اور اس شخص کی اچانک بے ہوشی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ شخص یہ اشتہار ایڈیٹر کو دینے کے لئے آیا ہو گا اور موقع نہ دیکھ کر اس نے یہ چال چلی۔ اسے بیہوش ہوتے دیکھ کر ایڈیٹر نے اپنے اسسٹنٹ کو ڈاکٹر کے لئے دوڑا دیا۔ اس نے اس دوران میں وہ اشتہار ایڈیٹر کو دیا ہو گا۔ جب وہ ہوش میں آیا اس وقت میں وہاں موجود تھا۔ میرے علاوہ ڈاکٹر بھی تھا۔ ہم لوگوں کی موجودگی میں اُس نے یہی ظاہر کرنا مناسب سمجھا کہ وہ ایک موٹر ڈرائیور کے لئے اخبار میں اشتہار دینا چاہتا ہے۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"اس اخبار میں پرنس عدنان کی طرف سے ایک موٹر ڈرائیور کے لئے اشتہار شائع ہوا ہے۔ لیکن اب اسے دھوکا دینا مشکل ہو جائے گا۔" حمید نے کہا۔

"تم ٹھیک سمجھے! ایڈیٹر نے اسے رات ہی میں مطلع کر دیا ہو گا کہ مسودہ گم ہو گیا ہے اور وہ بھی سمجھ گیا ہو گا کہ یہ کام میرا ہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اب پرنس عدنان کافی احتیاط سے کام لے گا۔"

"آپ یہ سب اتنے وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہیں، جیسے آپ کو مکمل یقین ہو کہ پرنس

عدنان ہی اصل مجرم ہے۔" حمید نے کہا۔

"اصل مجرم وہ نہیں بلکہ لیونارڈ ہے۔ وہ تو اس کا ایک ایجنٹ معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیجئے یک نہ شد دو شد۔" حمید نے کہا۔ "میں تو پرنس عدنان ہی کو لیونارڈ سمجھ رہا تھا۔"

"تم غلط سمجھ رہے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیونارڈ انگریز ہے اور پرنس عدنان ہندوستانی۔"

"ہندوستانی یا عراقی......؟" حمید نے کہا۔

"سو فیصدی ہندوستانی۔"

"وہ کیسے؟"

"پہلے تم اُسے ایک بار دیکھ آؤ...... پھر بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"تو میں کس طرح جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"پیدل......!"

"اونہہ! میرا یہ مطلب نہیں۔" حمید نے قدرے جھنجھلا کر کہا۔ "میں اُس سے کس حیثیت سے ملوں۔"

"ایک ملازمت کے خواہاں موٹر ڈرائیور کی حیثیت سے۔"

"مگر وہ اب کافی ہوشیار ہو گیا ہو گا۔"

"تب تو مجھے اور بھی زیادہ آسانی ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیشہ یاد رکھو کہ مجرم اُس وقت بہت آسانی سے گرفت میں آجاتا ہے جب وہ حد سے زیادہ محتاط ہو جائے۔ میں تو یہ چاہتا ہی ہوں کہ تمہارے جانے پر اُسے کسی طرح شبہ ہو جائے کہ مقامی جاسوس اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔"

حمید نے پھر معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھنا۔" فریدی نے کہا۔ "اُس پر یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ تم انگریزی کافی جانتے ہو۔ گفتگو ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کرنا۔ حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنا کہ اُسے شبہ نہ ہونے پائے۔ اگر شبہ ہو ہی گیا تو اس کی فکر نہیں، کیونکہ اس صورت میں بھی کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لوں گا۔"

"میں اچھی طرح سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "اچھا تو میں کس طرح جاؤں...... کیا بھیس بدلنے کی بھی ضرورت ہو گی۔"

"قطعی...... بغیر بھیس بدلے اس کے سامنے جانا بھی مت۔ ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ آج تین بجے تم اس کے یہاں ضرور پہنچ جانا...... اور ہاں میں ابھی تمہیں ایک تجربہ کار ملٹری ڈرائیور کا سرٹیفکیٹ بھی دے دوں گا۔"

نوک جھونک

خفیہ پولیس کے دفتر میں مسٹر جیکسن کے کمرے میں ملک کے چھ سربرآوردہ جاسوسوں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ فریدی کے علاوہ ہر ایک اپنی رپورٹ مسٹر جیکسن کے سامنے پیش کر چکا تھا۔

"کیوں مسٹر فریدی آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" جیکسن نے کہا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ایک ایسے شخص کا پتہ لگانا کتنا دشوار ہے جسے آج تک کسی نے نہ دیکھا ہو۔ جس کی تصویر محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں موجود نہ ہو۔ اسکاٹ لینڈیارڈ والے محض اسی بناء پر اُسے پکڑ نہ سکے کہ اُن کے پاس نہ تو تصویر تھی اور نہ دوسرے ایسے نشانات جن سے وہ پکڑا جاسکے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ناامید ہو جانا چاہئے۔" جیکسن نے کہا۔

"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری گرفت میں آہی جائے، لیکن ایسے لوگوں کا پکڑا جانا محض اتفاق پر مبنی ہوتا ہے۔ کسی خاص طریقہ کار پر عمل کر کے ایسوں کو گرفتار کر لینا قطعی ناممکن ہے۔"

"بہر حال اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔" جیکسن نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے اب تک کیا کیا۔"

"میں نے آپ سے اپنے جس شبہ کا اظہار کیا تھا اس کے تحت میں اخبار کے دفتر میں گیا تھا لیکن وہاں تحقیقات کرنے پر مجھے پتہ چلا کہ میں غلطی پر تھا۔ ایڈیٹر نے مجھے بتایا کہ وہ لوگوں کی دلچسپی کے لئے اسی قسم کے دوسرے سلسلے بھی شروع کرنے والا ہے۔"

"وہ تو میں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔" مسٹر جیکسن نے مسکرا کر کہا۔

"ارے پھر کہاں آپ کہاں میں۔" فریدی نے انتہائی خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "آپ بہر حال ہم سب کے استاد ہیں۔"

جیکسن ہنسنے لگا۔

"تو پھر اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔" جیکسن بولا۔

"میں کسی خاص لائن پر کام نہیں کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر ان جاسوسوں کے بنائے ہوئے پلان میں اُن کے شریک کار ہو جاؤ۔" جیکسن نے کہا۔

"میں اسے وقت برباد کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" ایک جاسوس تیز لہجے میں بولا۔ بقیہ جاسوسوں کے چہروں سے بھی یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے فریدی کے اس جملے کا بُرا مانا ہے۔

"دیکھئے، جناب یہ شیر کا شکار تو ہے نہیں کہ آپ نے ہانکا کرادیا اور اس کا انتظار کرنے لگے اور ابھی شیر خود بخود سامنے آجائے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "یہ ایک ایسے آدمی کا معاملہ ہے جسے آج تک کسی نے دیکھا ہی نہیں، اور پھر اس نے یہاں کوئی واردات بھی نہیں کی کہ اس کے سہارے کسی خاص نتیجے پر پہنچا جاسکے۔"

"تو اس کا صریحاً یہ مطلب ہے کہ اُسے گرفتار کیا ہی نہیں جاسکتا۔" دوسرا جاسوس بولا۔

"تاوقتیکہ اس کا کچھ پتہ نشان نہ ملے۔ میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"میرا تو خیال یہ ہے کہ جب تک وہ خود ہمارے سامنے آکر یہ نہ کہہ دے کہ وہی لیونارڈ ہے اس کا پکڑا جانا محال ہے۔" ایک جاسوس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بے شک حالات تو ایسے ہی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر نہ گھوڑا دور نہ میدان ہر ایک کے جوہر کھل جائیں گے۔"

"بھئی آخر اس نوک جھونک سے کیا فائدہ۔" جیکسن نے کہا۔

"بہر حال صاحب، ہم لوگوں نے جو پلان تیار کیا ہے اسی کے مطابق کام کریں گے۔" ایک جاسوس بولا۔ "آپ کو اختیار ہے چاہے آپ ہمارا ساتھ دیں یا نہ دیں۔"

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر معاملے میں میری رائے ٹھیک ہی اترے، لیکن ممکن ہے آپ کا بنایا ہوا پلان ہی مفید ثابت ہو۔ بہر حال مجھ

سے آپ جس وقت جو کام لینا چاہیں لے سکتے ہیں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔" ایک بوڑھے جاسوس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ یہ کام مل جل کر کریں۔" جیکسن نے کہا "کیونکہ مقابلہ ایک انتہائی پراسرار آدمی سے ہے۔"

"قریب قریب ہم سب بھی یہی چاہتے ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ سب مسٹر جیکسن کے کمرے سے اٹھ کر چلے گئے۔ فریدی اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔ اُس نے انگلیوں کے وہ نشانات نکالے جو اُس نے اخبار کے دفتر سے چرائے ہوئے کاغذ پر سے حاصل کئے تھے۔ تھوڑی دیر تک انہیں بغور دیکھتا رہا پھر اٹھ کر ریکارڈ روم میں چلا گیا۔ وہاں اس نے دو تین فائل نکالے اور انہیں الٹتا پلٹتا رہا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا...... فائل میں ایک جگہ کسی آدمی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ وہ اپنے حاصل کئے ہوئے نشانات سے اُن کا موازنہ کرنے لگا اور پھر ایک تصویر پر اس کی نظر پڑی۔ اچانک اس کی اونگھتی ہوئی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک پیدا ہو گئی۔ وہ دیر تک اس فائل کے کاغذات کو الٹتا پلٹتا رہا۔ اتنے میں کلاک نے چار بجائے اور اس نے فائل الماری میں رکھ دیا اور اپنے کمرے میں آکر گھر جانے کی تیاری کرنے لگا۔

تقریباً آٹھ بجے رات کو حمید لوٹ آیا اور آتے ہی ایک صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

"خیریت......!" فریدی نے کہا۔

"میں نے یہ لفظ آج تک نہیں سنا۔"

فریدی سمجھ گیا کہ ضروری کوئی خاص بات ہوئی ہے۔

"کیوں بھئی......!" آخر اتنی بدحواسی کیوں۔

"تھکا تھکا کر مار ڈالا حرام زادے نے۔" حمید نے کہا "اور آخر بعد میں کہہ دیا تم اس کار کی حفاظت نہ کر سکو گے۔ کیونکہ تم ہمیشہ ملٹری لاریاں چلاتے رہے ہو۔"

"بہت خوب.....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تو اس نے تمہارے سرٹیفکیٹ دیکھے تھے۔"

"جی ہاں......کافی دیر تک۔" حمید بولا۔ "اور پھر اُس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہارا ٹرائیل لینا چاہتا ہوں...... یہ کہہ کر جو اُس نے مجھے اپنی کار میں جوتا ہے تو اب فرصت ملی ہے۔ کافی گھوم

پھر لینے کے بعد اُس نے مجھے پانچ کا نوٹ ٹکایا اور ٹھنڈے ٹھنڈے رخصت کر دیا۔

"خیر کچھ پرواہ نہیں...... میرا مقصد اتنے ہی میں حل ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔ "لاؤ وہ سرٹیفکیٹ واپس کر دو۔"

"کیسے سرٹیفکیٹ......" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ تو اسی کے پاس رہ گئے۔"

"کیا کہا......! اُس کے پاس رہ گئے۔ اُس کے پاس کیوں رہ گئے۔"

"تو کیا مجھے واپس لے لینا چاہئے تھے۔" حمید نے بھولے پن سے کہا۔

"عجیب گدھے آدمی ہو۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"یہ قطعی ناممکن ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں یا تو گدھا ہو سکتا ہوں یا آدمی۔ بیک وقت گدھا اور آدمی ہونا میرے بس کی بات نہیں۔ چاہے پھر نوکری رہے یا جائے۔"

"سیدھی طرح نکالتے ہو سرٹیفکیٹ یا دوں ایک گھونسا۔" فریدی نے کہا۔

"شوق سے دیجئے میں اُسے نہایت احتیاط سے اپنے بکس میں رکھ دوں گا۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"حضور یہ بکواس نہیں فلسفہ ہے۔"

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا فلسفہ دونوں۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "لاؤ...... لاؤ سرٹیفکیٹ لاؤ۔"

"لیجئے جناب...... آخر اس قدر ناراض کیوں ہوتے ہیں۔" حمید نے جیب سے سرٹیفکیٹ نکال کر فریدی کو دے دیا اور منہ پھلائے ہوئے کمرے سے باہر چلا گیا۔

"عجیب گدھا ہے...... نہ موقع دیکھتا ہے اور نہ وقت۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا عجائبات کے کمرے میں گھس گیا۔

دلچسپ دھمکی

"کیوں بھئی تمہارا منہ سیدھا ہوا یا نہیں۔" فریدی نے حمید سے کہا جو ایک صوفے پر لیٹا

کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔

"تو میرا منہ ٹیڑھا کب تھا۔" حمید نے کتاب پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"کتاب بند کرو۔"

"لیجئے......!" حمید نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

"اگر میں لیٹے ہی لیٹے بیٹھا رہوں تو کیا ہرج ہے۔"

"اگر تم دو منٹ کے اندر سنجیدہ نہ ہوئے تو میں تمہارے دونوں کان اکھاڑ لوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ارے حضور! آپ میری ناک بھی اکھاڑ سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "آپ کا ماتحت جو ٹھہرا۔"

"اچھا بکواس بند......!"

"لیجئے......بالکل بند۔"

"جانتے ہو میں نے سرٹیفکیٹ میں کیا پایا۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں جانتا ہوں۔"

"کیا......"

"سینما کے ٹکٹ......!" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"پھر وہی حرکت۔"

"کون سی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"تو پھر اسی بات پر مجھے تین چار ماہ کی چھٹی دلوا دیجئے۔"

"اچھا......!" فریدی نے غصے میں کہا اور پھر کمرے سے جانے لگا۔

حمید نے اٹھ کر اُسے پکڑ لیا۔

"آخر آج کل آپ اتنے چڑچڑے کیوں ہو گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اس وقت ہٹ جاؤ......میں اب تھوڑی دیر بعد تم سے گفتگو کرنے کے قابل ہوں گا۔"

"اور اگر آپ تھوڑی دیر بعد بھی اس قابل نہ ہوئے تو؟" حمید نے معصومیت سے کہا۔

"او فریدی کے باپ! میں نے اُس سرٹیفکیٹ میں اپنی تصویر ایک بوڑھی عورت کے ساتھ بوس کنار کرتے ہوئے پائی ہے۔" فریدی زور سے چیخا۔

"کیا مطلب......!" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

فریدی نے تہہ کئے ہوئے سرٹیفکیٹوں کے درمیان میں سے ایک تصویر نکال کر حمید کی طرف بڑھا دی۔

حمید دیکھ کر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"میں آپ کو اتنا بدذوق نہیں سمجھتا تھا۔" حمید نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ "یہ تو وہی مثل ہوئی...ع توبہ ٹوٹی بھی ٹوٹی ہوئے پیمانے سے۔"

"پھر وہی بکواس۔" فریدی نے چیخ کر کہا۔ "میں تمہیں اتنا بدتمیز نہیں سمجھتا تھا۔" فریدی کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔

"میں نے کیا بدتمیزی کی۔" حمید نے سہم کر کہا۔

"یہ تصویر کہاں سے آئی۔"

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے جس حالت میں اُس نے سرٹیفکیٹ دیئے میں نے جیب میں ڈال لئے تھے اور بالکل ویسے ہی آپ کو واپس کر دیئے تھے۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"سمجھا......!" اس نے تھوڑی دیر بعد معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"کیا......!"

"جانتے ہو یہ عورت کون ہے؟" فریدی نے کہا۔

"نہیں......!"

"ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر رابرٹ کی بیوی۔"

"تو کیا واقعی آپ......!"

"کیا فضول بکتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"پھر آخر......!"

"یہ لیونارڈ کی طرف سے میرے لئے ایک خاموش دھمکی ہے۔"

"مگر یہ تصویر ہاتھ کی بنائی ہوئی ہے نہیں۔" حمید نے کہا۔

"تمہیں اتنی ہی عقل ہوتی تو پھر رونا کس بات کا تھا۔"

"کچھ بتائیے بھی تو......!"

"ارے میاں الگ فلموں پر دو تصویریں لے کر انہیں ملا دینا کوئی مشکل کام نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ...... بھئی مان گیا۔ واقعی لیونارڈ کو جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔" حمید نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ سرٹیفکیٹ محض اس لئے دیئے تھے کہ ان کے ذریعہ میں پرنس عدنان کی انگلیوں کے نشانات حاصل کر سکوں گا۔ مگر بے سود، جو شخص اتنا عیار ہو ایسی فاش غلطی نہیں کر سکتا۔"

"اوہ...... ٹھیک یاد آیا۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اُس نے سرٹیفکیٹ لیتے وقت دستانے پہن لئے تھے۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

"اُس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اس کا پیچھا کیا تو وہ اس قسم کی دوسری تصویر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تک پہنچا دے گا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے کہا۔ "کیا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی بیوی سے آپ کی جان پہچان ہے۔"

"بالکل نہیں......!"

"واقعی بہت بُرے پھنسے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ...... دیکھا جائے گا۔" فریدی نے بھنویں سکوڑ کر کہا۔ "اب سب سے پہلے پرنس عدنان کو ٹھکانے لگانا چاہیئے۔"

"وہ کس طرح۔"

"ابھی میں اس کے متعلق کوئی واضح اسکیم نہیں بنا سکا۔ لیکن یہ طے کر لیا ہے کہ اُسے کسی طرح جکڑ لوں۔"

"مگر یہ چیز خطرناک ہوگی۔"

"کیوں......!"

"اس لئے کہ اگر آپ کے کہنے کے مطابق وہ خود لیونارڈ نہیں تو آپ خطرے میں پڑ جائیں گے۔ لیونارڈ اس تصویر کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حوالے کر دے گا۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

اجنبی حسینہ

رات انتہائی سرد تھی، آسمان میں سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ ہوا تیز تھی۔ کبھی کبھی دل ہلا دینے والی گرج اور چمک سے بڑی بڑی عمارتوں میں ایک عجیب قسم کی جھنکار سی پیدا ہو جاتی تھی۔ ایک بج گیا تھا، لیکن فریدی ابھی تک اپنی خواب گاہ میں ٹہل ٹہل کر سگار پر سگار پھونک رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بارش ہونے لگی۔ فریدی نے کھڑکیاں بند کر دیں۔

ابھی وہ لیٹنے کے ارادے سے پلنگ پر بیٹھا ہی تھا کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دی اور ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی برآمدے میں گر پڑا ہو۔ وہ تیزی سے برآمدے کی طرف لپکا۔ پورٹیکو میں اس کے کتے کھڑے بھونک رہے تھے۔ فریدی نے انہیں ڈانٹتے ہوئے برآمدے کی بجلی روشن کر دی۔

"ارے......!" وہ چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

برآمدے میں ایک عورت اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ اُس کی نفیس اور قیمتی ساڑھی پنڈلیوں تک سرک آئی تھی۔ وہ ایک گرم اور خوشنما لبادے میں ملبوس تھی۔ کپڑے قریب قریب بالکل بھیگ چکے تھے۔

فریدی اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ ہمت کر کے اُس نے اُسے سیدھا کیا۔ یہ ایک نوجوان عورت تھی۔ اس کی گھنی اور لانبی پلکیں غمازی کر رہی تھیں۔ اُن کے آغوش میں دو جھیل کی طرح اتھاہ گہرائیاں رکھنے والی خوبصورت آنکھیں

سو رہی تھیں۔ سرخ و سپید چہرہ کسلمندی اور اضمحلال کی وجہ سے کچھ اور زیادہ حسین نظر آنے لگا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اُس کے حسین اور صحت مند جسم میں ہاتھ لگاتے وقت فریدی جیسا خشک آدمی بھی ایک بار سر سے پیر تک کانپ اٹھا تھا۔

آخر وہ ہمت کر کے اس بیہوش لڑکی کو ہاتھوں پر اٹھا کر اپنی خواب گاہ میں لے آیا اور پلنگ پر لٹا دیا۔

اب وہ ایک دوسری الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اُس کے بھیگے ہوئے کپڑے کس طرح تبدیل کرائے۔ یہ مسئلہ انتہائی دشوار تھا۔ آخر اس نے اُسے جوں کا توں رہنے دیا۔ صرف اتنا کیا کہ اسے کمبلوں سے چاروں طرف سے ڈھک دیا اور سنٹرل ہیٹنگ سے کمرہ گرم کرنے کا انتظام کرنے لگا۔ اس نے سوچا کہ حمید کو بھی جگا دے۔ لیکن اس کی شوخ طبیعت اور غیر سنجیدگی کا خیال آتے ہی اس ارادے سے باز رہا۔ اُس نے اس کے جوتے اتار دیئے تھے اور اب اُس کے سبک اور نازک پیروں کو دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گھنیری پلکوں کے نیچے آنکھوں میں خفیف سی جنبش ہوئی۔ فریدی اس پر جھک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہی تھی۔ آنکھیں ذرا سی کھلیں اور پھر بند ہو گئیں۔ پھر اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اچانک وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھی۔

"آپ اطمینان رکھئے۔ آپ قطعی محفوظ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن میں کہاں ہوں۔" لڑکی بولی۔

"گھبرائیے نہیں...... آپ بُرے لوگوں میں نہیں۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی سر جھکائے سوچنے لگی۔

"آپ ابھی لیٹی ہی رہئے تو بہتر ہے۔" فریدی بولا۔

لڑکی اُسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ اطمینان رکھئے آپ قطعی محفوظ ہیں۔"

فریدی نے اُسے پھر دلاسا دیا۔ لڑکی پھر لیٹ گئی۔

"آپ کے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے

لئے زنانہ کپڑوں کا انتظام نہ کر سکوں گا۔ اگر آپ کچھ خیال نہ کریں تو اس وقت تک کے لئے مردانے ہی کپڑے پہن لیں جب تک کہ آپ کا لباس خشک نہ ہو جائے۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بھیگے کپڑے آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں...... میرے خیال سے تو آپ کو اس میں کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔"

لڑکی بدستور خاموش رہی۔

جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں اُس کا شب خوابی کا لباس تھا۔

"لیجئے کپڑے بدل ڈالئے۔" فریدی نے کہا۔ "میں جب تک چائے کا انتظام کرتا ہوں۔"

"نہیں...... آپ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" لڑکی جلدی سے بولی۔

"نہیں تکلیف کی کوئی بات نہیں، اس وقت چائے آپ کے لئے ضروری ہے۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

لڑکی نے اٹھ کر اپنے بھیگے ہوئے کپڑے اتارے اور فریدی کے کپڑے پہن لئے۔ اُس ڈھیلے ڈھالے لباس میں وہ انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہونے لگی تھی۔ کپڑے تبدیل کر چکنے کے بعد اس نے سنٹرل ہیٹنگ کا پلگ نکال دیا۔ پھر پلنگ پر اچھی طرح کمبل اوڑھ کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کشتی میں چائے لے کر آ گیا۔ اُس نے اس وقت ملازموں کو جگانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اس لئے اُس نے چائے خود ہی بنالی تھی۔

"مجھے سخت شرمندگی ہے۔" لڑکی بولی۔

"شرمندگی کس بات کی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"خواہ مخواہ آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔" لڑکی بولی۔

"بھئی اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔" فریدی نے اس کی طرف چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ......!" لڑکی نے کہا۔ چائے لیتے وقت اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

فریدی ایک آرام کرسی پر لیٹ کر سگار سلگانے لگا۔

"سگار کے دھوئیں سے آپ کو تکلیف تو نہ ہو گی۔" فریدی نے کہا۔

"جی نہیں...... بالکل نہیں۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔

"میرے خیال سے آپ ایک کپ اور پیجئے۔"

"جی نہیں بس...... شکریہ۔"

"آپ تکلف کر رہی ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا اور اس کے کپ میں چائے انڈیلنے لگا۔

"تو آپ بھی پیجئے......!" لڑکی نے کہا۔

"میرے لئے بالکل ناوقت ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی چائے پی چکی تھی۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو۔

فریدی آنکھیں بند کئے خاموشی سے سگار پی رہا تھا۔

"مگر...... مگر......" لڑکی نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ آپ نے ابھی تک میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔"

فریدی آنکھیں کھول کر مسکرایا۔

"اگر آپ ضروری سمجھیں گی تو خود بخود بتادیں گی۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"کیا یہ فریدی صاحب کا مکان نہیں ہے۔" لڑکی نے پوچھا۔

"سو فیصدی انہیں کا ہے۔" فریدی نے کہا اور سگار کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"کیا فریدی صاحب اس وقت موجود ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"غالباً سو رہے ہوں گے......" لڑکی نے کہا۔ "اگر انہیں اس وقت جگایا جائے تو وہ بُرا تو نہ مانیں گے۔"

"قطعی نہیں......!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "انہوں نے بالکل بُرا نہیں مانا۔"

"تو کیا آپ نے انہیں میرے متعلق بتادیا ہے۔" لڑکی بولی۔

"بتانا کیسا...... وہ دیر سے آپ کو دیکھ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ...... تو کیا وہ قریب ہی کے کمرے میں ہیں۔" لڑکی بے تابی سے بولی۔ "خدارا مجھے اُن کے پاس لے چلئے۔"

"آخر کیوں......؟"

"یہ میں انہیں سے بتاؤں گی۔" لڑکی نے کہا۔ "معاف کیجئے گا...... بات ہی کچھ ایسی ہے۔"

"تو بیان کرنا شروع کر دیجئے۔"

"میں نے عرض کیا نا کہ میں یہ بات صرف انہیں کو بتا سکتی ہوں۔" لڑکی نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"بُرا ماننے کی بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں آپ سے کب کہتا ہوں کہ آپ کسی دوسرے کو بتائیں۔"

"تو کیا...... تو کیا...... آپ ہی فریدی صاحب ہیں۔"

"جی......!"

"اوہ...... تب معاف کیجئے گا۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ میں آپ کو بوڑھا سمجھتی تھی۔"

"آپ اب بھی مجھے بوڑھا ہی سمجھئے۔" فریدی نے کہا۔ "فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

لڑکی کچھ سوچنے لگی۔ اس کا چہرہ بار بار شرم سے سرخ ہو جاتا تھا۔ فریدی اس کے چہرے کی تبدیلیوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"میں دراصل اس لئے حاضر ہوئی......!" لڑکی اس سے زیادہ نہ کہہ سکی۔ شرم سے اس کے چہرے پر پسینہ آ گیا تھا۔

"کہئے کہئے...... میرا سینہ رازوں کا مقبرہ ہے۔ آپ اطمینان رکھئے۔" فریدی نے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے کہوں۔" لڑکی نے کہا۔

"یہ تو ذرا مشکل چیز ہے...... بھلا میں کیسے بتا سکتا ہوں کہ آپ کیسے کہیں۔"

لڑکی پھر سوچنے لگی۔

"آپ میرے اوپر پورا پورا اعتماد کر سکتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی اس کی طرف بغور دیکھنے لگی۔

"آپ...... روزنامہ اسٹار پڑھتے ہیں۔" لڑکی اچانک بولی۔

فریدی چونک پڑا، لیکن اُس نے فوراً ہی اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے کچھ ایسا انداز اختیار

کر لیا جیسے اس نے کوئی خاص بات نہ پوچھی ہو۔ اس کے دل میں شبہ جاگ اٹھا کہیں یہ لڑکی لیونارڈ کے گروہ سے تو تعلق نہیں رکھتی۔ کہیں وہ اُسے بدنام کرنے کے لئے کوئی دوسری چال تو نہیں چل رہا ہے۔

"پڑھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے صوبے میں اس کے علاوہ دوسرا اخبار ہے ہی کون سا جو پڑھے جانے کے قابل ہو۔"

"آپ نے اس میں وہ اشتہار نما دھمکیاں بھی پڑھی ہوں گی، جو آئے دن چند نامعلوم ہستیوں کے بارے میں شائع ہوا کرتی ہیں۔"

"اشتہار نما دھمکیاں۔" فریدی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ارے وہی بلیک میلنگ کے اشتہارات کے نمونے۔" لڑکی بولی۔

"اچھا وہ......!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہاں پڑھے تو ہیں۔"

"ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"خیال......ہاں دلچسپی کے لئے اچھا خاصا سلسلہ ہے۔"

"دلچسپی۔" لڑکی جوش سے بولی۔ "مگر میں ثابت کر سکتی ہوں کہ ان کے ذریعہ سو فیصد بلیک میلنگ ہو رہی ہے۔"

"اچھا......" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔"

"لیکن کیسے......؟"

"اسی اخبار کا یہ تراشہ ملاحظہ فرمائیے۔" لڑکی نے اس کی طرف کاغذ کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔

فریدی اُسے پڑھ کر اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"وہ بدنصیب نواب زادی میں ہی ہوں۔" لڑکی گلوگیر آواز میں بولی۔

"اچھا......!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "لیکن یہ آپ وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہیں۔"

"اس لئے کہ بالکل اسی قسم کا خط مجھے سوئٹزرلینڈ میں بھی موصول ہوا تھا اور اسی کے ساتھ

ہی ساتھ ایک تصویر بھی تھی۔"

"تو کیا یہ پرائیویٹ سیکریٹری والا معاملہ سچ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر...... نہیں، میں کیوں یہ پوچھ رہا ہوں۔ معاف کیجئے گا۔"

"آپ قطعی پوچھ سکتے ہیں، بلکہ میں آپ کو وہ تصویر بھی دکھا سکتی ہوں۔"

لڑکی جوش میں بولی۔ "جب کر نہیں تو ڈر نہیں۔ میرا ضمیر اس پر مجھے ملامت نہیں کرتا۔"

لڑکی نے ایک تصویر فریدی کی طرف بڑھا دی۔

اس تصویر میں ایک نوجوان آدمی اُسے آغوش میں اٹھائے کھڑا تھا۔

"کیا کہا آپ نے کہ آپ کا ضمیر آپ کو ملامت نہیں کر رہا ہے۔" فریدی نے تعجب اور طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں......!" لڑکی تیز لہجے میں بولی۔ "سوئٹزرلینڈ کی ایک تفریح گاہ میں میں سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ میرا پرائیویٹ سیکریٹری بھی میرے ہمراہ تھا...... وہ مجھے اٹھا کر ہسپتال لے جانے کے لئے گاڑی کی طرف لے جا رہا تھا کہ اسی دوران میں کسی نے ہمارا فوٹو لے لیا......اور بس۔"

"اوہ سمجھا......!" فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "پھر آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔"

"میں بیس لاکھ کہاں سے لاؤں گی۔ خود مختار تو ہوں نہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"تو پھر میں اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کسی طرح سے مجھے اس مصیبت سے نجات دلوائیے۔" لڑکی نے بے بسی سے کہا۔ "اگر واقعی یہ تصویر شائع ہو گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاؤں گی۔ ایسی صورت میں میرے ضمیر کی صفائی بھی میری مدد نہ کر سکے گی۔ دنیا کی زبان کو کون روک سکتا ہے۔ تو پھر ابا جان تو مجھے زندہ ہی دفن کر دیں گے۔"

"اچھا...... آپ نے اس اخبار کے دفتر والوں سے اس سلسلہ میں کوئی خط و کتابت بھی کی۔" فریدی نے کہا۔

"ابھی نہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "سب سے پہلے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ سے ملوں۔ ایک دن راجروپ نگر کے نواب وجاہت مرزا ابا جان سے آپ کی بہت تعریف کر رہے

تھے۔ میں نے باتوں ہی باتوں میں اُن سے آپ کا پتہ پوچھا اور یہاں چلی آئی۔"

''کیوں.....؟ آپ کے پیچھے آدمی لگ گئے ہوتے.....'' فریدی آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اچھا.....!"

"جی ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "آپ یہاں کہاں رہتی ہیں۔"

"میں اس شہر میں نہیں رہتی۔" لڑکی بولی۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ اگر آپ نے اس سے پہلے کچھ خط و کتابت کی ہوتی تو اتنی آزادی سے یہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔"

"نہ میں فی الحال آپ کو اپنا نام بتاؤں گی اور نہ گھر کا پتہ۔"

"میں اس کے لئے آپ کو مجبور نہ کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں کس طرح یقین کرلوں کہ آپ وہی نواب زادی ہیں ممکن ہے کہ آپ اُسی گروہ سے تعلق رکھتی ہوں، جس کے خلاف آپ شکایت لے کر آئی ہیں۔"

"آپ کا اعتراض حق بجانب ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "واقعی ایسی صورت میں اس کا ثبوت مہیا نہیں کرسکتی۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لڑکی کی صاف گوئی اور سادگی کا اندازہ اُسے اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ اس کے بیان کو صحیح تسلیم کرلے۔ اُس کی حسین آنکھوں میں اُسے مکاری کی ذرہ برابر جھلک بھی نہ دکھائی دی۔

"دیکھئے..... مجھے مایوس نہ کیجئے گا۔" لڑکی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"آخر آپ کو اپنے متعلق وضاحت کے ساتھ بتانے میں کیا نقصان نظر آتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں اپنے خاندان کی بدنامی نہیں چاہتی....." لڑکی بولی۔ "اس سے بہتر تو یہی ہوگا کہ میں خودکشی کرلوں۔"

"آپ اطمینان رکھئے کہ یہ چیز مجھ تک ہی محدود رہے گی۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی سوچ میں پڑگئی۔

"آپ نے نواب رشید الزماں کا نام سنا ہے۔" لڑکی آہستہ سے بولی۔

"اوہ..... تو کہئے آپ غزالہ خانم ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" لڑکی دفعتاً چونک کر بولی۔

"میں نے آپ کے بارے میں نواب وجاہت مرزا کے لڑکے ڈاکٹر شوکت سے سنا تھا۔"

"تو کیا آپ اُن لوگوں کو جانتے ہیں۔"

"اچھی طرح۔"

"خیر چھوڑیئے..... ان باتوں کو۔" لڑکی بولی۔ "اب بتایئے آپ میرے لئے کچھ کریں گے یا نہیں۔"

"آخر آپ کیا چاہتی ہیں۔"

"میں یہ چاہتی ہوں کہ کسی طرح وہ تصویر نگیٹو سمیت مجھے مل جائے۔"

"میں کوشش کروں گا۔ لیکن آپ کو اس وقت تک یہاں ٹھہرنا پڑے گا جب تک کہ آپ کو تصویر واپس نہ مل جائے۔"

"میں تیار ہوں۔"

"دوسری بات یہ کہ کل ہی آپ اس نامعلوم آدمی کو اسی اخبار کی معرفت ایک خط لکھئے اور اس میں اس سے پوچھئے کہ اُسے اس مطلوبہ رقم کو کس طرح دیا جائے۔ آپ اتنا کر لیجئے بقیہ میں دیکھ لوں گا۔ خط کا جواب آئے تو اُسے میرے پاس بھجوا دیجئے گا۔ میرا آدمی آر لکچو میں آپ سے ملتا رہے گا۔ اب آپ یہاں نہ آیئے گا اور نہ کسی پر یہ ظاہر ہونے دیجئے گا کہ آپ مجھ سے مل چکی ہیں۔"

"میں اس سلسلے میں حتی الامکان احتیاط برتوں گی۔" لڑکی متشکرانہ انداز میں بولی۔ "میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گی۔"

"خیر یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "چلئے میں آپ کو آر لکچو تک چھوڑ آؤں۔"

"اس تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔" لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔

"ابھی آپ کے کپڑے خشک نہیں ہوئے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے خیال سے آپ انہیں کپڑوں پر میرا اوورکوٹ پہن لیجئے۔ حالانکہ آپ مضحکہ خیز ضرور لگیں گی، مگر کیا کیا جائے۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" لڑکی بولی۔ "خود نمائی سے زیادہ مجھے اپنے آرام و تکلیف کا خیال رہتا ہے۔"

"یہی ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا آپ اس کوٹ کو پہننے میں جا کر گیرج سے گاڑی نکالتا ہوں۔"

راہ میں لڑکی نے محسوس کیا کہ فریدی کے بجائے کوئی اور ڈرائیو کر رہا ہے۔ وہ ٹھٹکی ہی تھی کہ آواز آئی۔

"گھبرایئے نہیں...... میں نے اپنی اصلی شکل و صورت میں آپ کے ساتھ جانا مناسب نہ سمجھا۔"

لڑکی خاموشی سے سیٹ کی پشت پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

آسمان پر ابھی تک کالے کالے بادل منڈلا رہے تھے۔ بارش کچھ کم ہو گئی تھی۔

دھوکا

رات دیر تک جاگتے رہنے کی وجہ سے فریدی دن چڑھے تک سوتا رہا۔ اگر حمید آکر جگا نہ دیتا تو شاید وہ ابھی تک سوتا رہتا۔ فریدی نے لیٹے ہی لیٹے ایک طویل انگڑائی لی اور حمید سے سگار کا ڈبہ اٹھانے کے لئے کہا۔

"میں اس طرف نہیں جاسکتا۔" حمید نے بے ساختہ کہا۔

"ادھر کسی نامحرم عورت کے کپڑے رکھے ہیں...... مجھے شرم آتی ہے۔" حمید نے زنانے انداز میں ناک پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

فریدی مسکرانے لگا۔

"اٹھاتے ہو یا اٹھ کر مرمت کردوں تمہاری۔"

"معاف کیجئے گا...... افسری اور ماتحتی دنیا ہی تک ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "جہنم

کی آگ آپ کے غصے سے زیادہ بھیانک ہوگی۔"

"اچھا مولانائے محترم دفان ہو جاؤ یہاں سے ورنہ......!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے...... لیجئے نا سگار۔" حمید نے سگار کا ڈبہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو اگر وہ ساری خشک ہوگئی ہو تو اُسے تہہ کر کے رکھ دو۔" فریدی بولا۔

"جی......!" حمید زور سے چیخا۔ "قسم ہے اُس خدا کی جس نے مجھے مرد اور آپ کو عورت بنایا...... ارے لاحول ولا...... دونوں کو مرد بنایا...... میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔"

"کیا بکتے ہو۔"

"اب میں یہاں نہیں رہ سکتا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اس لئے کہ اب یہاں عیاشی ہونے لگی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر والد صاحب کو خبر ہوگئی تو وہ مجھے قتل ہی کر دیں گے۔"

"کیا فضول بک بک لگا رکھی ہے۔"

"سب فضول تو ہے ہی...... رات والی تصویر لیونارڈ کی دھمکی تھی۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "اور یہ ساڑھی...... یہ بلاؤز...... یہ لیڈیز کوٹ...... یہ سب ہی غالباً دھمکی ہے...... توبہ توبہ...... ارے اللہ میاں آخر قیامت کب آئے گی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"ارے بھئی تو کیا میں آدمی نہیں ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ آدمی کب سے ہوگئے۔" حمید بولا۔ "آپ تو کہا کرتے تھے کہ میں جاسوس ہوں۔"

"گدھے جاسوس نہیں ہوا کرتے۔"

"یہ بات آج ہی سمجھ میں آئی ہے۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ حمید کو رات کا واقعہ بتائے یا نہ بتائے۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ حمید کو بھی اس سے آگاہ کر دے کیونکہ اُسے اس سے بہت ہی اہم کام لینے تھے۔

حمید ساری داستان سنا چکنے کے بعد کرسی پر سے بلاؤز اٹھا کر سونگھنے لگا۔

"یہ کیا حرکت ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"سونگھ رہا ہوں کہ اس کی عمر کیا ہو سکتی ہے۔" حمید نے کہا۔ "رات والی تصویر دیکھنے کے بعد سے میں آپ کی طرف سے قدرے بے اطمینان ہو گیا ہوں۔"

"ابے گدھے کسی وقت تو سنجیدہ ہو جایا کر۔" فریدی نے تیزی سے کہا۔

"اگر میں گدھا ہوں تو میری سنجیدگی میں آپ کو شبہ نہ کرنا چاہئے۔"

"اچھا اب بکواس بند کرتے ہو یا تمہارا گلا دبا دوں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بس خدا کی قسم ایک جھلک مجھے بھی دکھا دیجئے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"کیوں آپ کیا کریں گے دیکھ کر۔"

"توبہ کروں گا...... کان پکڑوں گا۔ اس کے نہیں بلکہ اپنے۔" حمید نے کہا۔

"توبہ اس لئے کروں گا کہ ابھی تک میں آپ کو بالکل غلط سمجھتا رہا ہوں۔"

"عنقریب تمہارا دماغ خراب ہونے والا ہے۔"

"کھری بات کہنے والے ہمیشہ پاگل سمجھے جاتے ہیں۔"

"اچھا برخوردار...... میرا پیچھا چھوڑو...... تم تو ناشتہ کر چکے ہو گے۔ یہاں بھوک کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔"

"لیکن میں نے سنا ہے کہ عاشقوں کو بھوک لگتی ہی نہیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا اب بکواس بند کرو...... ورنہ......!"

"آج ہی شادی کر لوں گا......" حمید نے فریدی کا جملہ پورا کر دیا۔

فریدی بڑبڑاتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

حمید ساڑھی، بلاؤز اور کوٹ کو بڑی دیر تک الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ دفعتاً اُس کی آنکھوں میں ایک شرارت آمیز چمک پیدا ہو گئی۔ وہ ہنستا ہوا برآمدے میں نکل آیا۔ فریدی برآمدے میں بیٹھا شیو کر رہا تھا۔

"کسی نے ٹھیک ہے کہا ہے۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا ہے بھئی...... کیوں خواہ مخواہ گلا پھاڑ رہے ہو۔" فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

"کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ ڈاکو اور جاسوس ہمیشہ عورتوں ہی کے پھیر میں پڑ کر مارے

جاتے ہیں۔"

"کیا بکواس لگا رکھی ہے۔"

"بکواس نہیں سرکار! آخر آپ بھی عورت ہی کے پھیر میں پڑ کر برباد ہوئے۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنایا اور کوئی جواب دیئے بغیر شیو کرتا رہا۔

"آپ شاید مذاق سمجھ رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"شاید تم ہوا سے باتیں کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"میں بھی کوئی حاتم طائی کا گھوڑا ہوں...... جو ہوا سے باتیں کروں گا۔"

"نہیں تم والٹراسکاٹ کے گدھے ہو۔"

"آپ مذاق میں ٹال رہے ہیں، بخدا میں اس وقت سو فیصدی سنجیدہ ہوں، غزالہ آپ کو بیوقوف بنا گئی۔"

"کیا مطلب......؟" فریدی نے چونک کر کہا۔

"ملاحظہ فرمایئے۔" حمید نے اس کی طرف کاغذ کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کی غزالہ کی اندرونی جیب سے برآمد ہوا ہے۔"

فریدی کاغذ کو پڑھنے لگا۔

"آج رات کو فریدی کے گھر جا کر معلومات بہم پہنچاؤ............

ل"

فریدی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ لیکن اُس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا۔

"اس "ل" سے غالباً لیونارڈ مراد ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن ایک بات تو سوچو کہ اگر واقعی وہ مجھے دھوکا دینے ہی آئی تھی تو پھر اُس نے اتنی بداحتیاطی سے کیوں کام لیا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر اس کی نیت میں فتور ہوتا تو وہ اس کاغذ کو جیب میں ہرگز نہ چھوڑ جاتی۔"

"کیا وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں...... ایسی لڑکیاں کم دیکھنے میں آتی ہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تبھی آپ اسے بے گناہ سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا ذرا جلدی سے کار نکالو۔" فریدی نے تولئے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ "لڑکی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب......!"

"آخر بات کیا ہے۔"

"یہ پرزہ اس کے جانے کے بعد رات میں کسی وقت کوٹ کی جیب میں رکھا گیا۔" فریدی نے کہا۔

"ناممکن۔" حمید نے کہا۔ "رات میں یہاں کون آنے کی ہمت کر سکتا ہے۔ ہمارے کتے کسی کو زندہ بچ کر نہیں جانے دے سکتے۔"

"یہی تو غلطی کی تھی کہ غزالہ کے آنے کے بعد میں نے سارے کتوں کو بند کر دیا تھا...... اور پھر اس کے بعد انہیں کھولنا بھول گیا تھا۔"

"اوہ......تب تو پھر آپ ہی کا کہنا درست ہو گا۔" حمید نے برآمدے سے اتر کر گیراج کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

چند لمحوں کے بعد فریدی کی کار تیزی سے آرلکچو ہوٹل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ وہاں پہنچ کر فریدی کو ایک بیرے کی زبانی معلوم ہوا کہ غزالہ اپنے کمرے میں موجود ہے اور ابھی ابھی سو کر اٹھی ہے، فریدی سیدھا اس کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اُسے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھیں دیر تک سوتے رہنے کی وجہ سے ابھی تک خمار آلود تھیں اور جن میں پڑے ہوئے لال ڈوروں نے اس کے حسن میں اضافہ کر دیا تھا۔ زلفیں بے ترتیبی سے پیشانی پر بکھری ہوئی تھیں۔ چہرے کے سرخ و سپید رنگ میں کچھ کچھ سلونا پن آ گیا تھا۔

"آپ......؟" وہ متحیر ہو کر بولی۔ "آپ نے تو کہا تھا کہ اب ہم لوگ ایک دوسرے سے نہ ملیں گے۔"

"خیال تو یہی تھا...... لیکن اب میں نے اپنی سکیم بدل دی ہے۔" فریدی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

غزالہ نے اُسے اپنی طرف اس طرح گھورتے دیکھ کر شرما کر سر جھکا لیا اور اپنی ساڑھی کا آنچل ٹھیک کرنے لگی۔

فریدی شش و پنج میں پڑ گیا کہ اُسے کیا کہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی وہ اُسے دھوکا ہی دینے کی غرض سے گئی تھی تو اُسے غائب ہو جانا چاہئے تھا اور اگر لیونارڈ نے اس کی طرف سے اُسے مشکوک کرنے کی کوشش کی تھی تو اس کو شک اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے خود اُسے ہی غزالہ کو غائب کر دینا چاہئے تھا۔ مگر نہیں...... شائد وہ غزالہ کو اسی طرح سزا دینا چاہتا تھا کہ پولیس والے اس پر شبہ کر کے اُسے گرفتار کر لیں۔ بہر حال یہ تو اس پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ لیونارڈ اس کے منصوبوں سے اچھی طرح آگاہ ہو گیا ہے۔

"تو پھر فرمائیے کیسے تکلیف کی۔" غزالہ نے کہا۔

"آپ سے اس بات کا مکمل ثبوت لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ نواب رشید الزماں کی صاحبزادی ہیں۔"

غزالہ چونک پڑی۔ وہ اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"لیکن رات تو آپ مطمئن ہو گئے تھے۔"

"میں نے دھوکا کھایا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔" غزالہ نے بے بسی سے کہا۔

"آخر یک بیک آپ کے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ میں آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"بات ہی ایسی ہو گئی ہے۔ اگر آپ یہ نہ ثابت کر سکیں تو مجبوراً مجھے آپ کو حراست میں لینا پڑے گا۔"

حراست کا نام سن کر غزالہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ ہونٹ کپکپانے لگے۔

"کیا کہا حراست......!" وہ گرج کر بولی۔ "آپ کی اوقات ہی کیا ہے۔ ایک معمولی انسپکٹر......بدتمیز کہیں کے۔"

"فریدی مسکرانے لگا۔

"شہزادی صاحبہ...... میری اوقات تو اسی وقت آپ کو معلوم ہو گی جب آپ حوالات کی سلاخوں کے پیچھے نظر آئیں گی۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "ذرا یہ کاغذ ملاحظہ فرمائیے۔"

"اس کا کیا مطلب؟" غزالہ کاغذ کے ٹکڑے پر لکھی ہوئی عبارت پڑھ کر بولی۔

"یہ ٹکڑا شہزادی صاحبہ کے کوٹ کی جیب سے بر آمد ہوا ہے۔" فریدی نے کہا۔ اچانک غزالہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"لیکن لیکن......!" وہ ہکلانے لگی...... "خ...... خدا کی قسم...... مم...... میں نہیں جانتی کہ یہ کاغذ کیسا ہے۔"

"آپ نہیں جانتیں؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ اور بھی عجیب بات ہے۔"

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔" غزالہ بے بسی سے بولی۔

"میری اوقات ہی کیا ہے کہ آپ مجھے یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

غزالہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے سے اچانک ایسا ظاہر ہونے لگا تھا جیسے وہ برسوں کی بیمار ہے۔

"اب آپ مجھے صرف ایک ہی طرح اطمینان دلا سکتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیسے......!" غزالہ جلدی سے بولی۔

"ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ راجروپ نگر چلئے...... اگر وہاں نواب وجاہت مرزا یا اُن کے لڑکے شوکت نے آپ کو پہچان لیا تو کیا کہنا ورنہ پھر میں جو مناسب سمجھوں گا کروں گا۔"

"منظور......!" غزالہ مسرت آمیز لہجے میں چیخی۔

"اچھا تو جلدی سے تیار ہو جائیے۔"

"لیکن ایک شرط پر...... وہ یہ کہ آپ اُن پر یہ بات نہ ظاہر ہونے دیجئے گا کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔"

"اس کے متعلق بعد کو دیکھا جائے گا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

غزالہ نے لباس تبدیل کیا اور دونوں کار میں بیٹھ کر راج روپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"میں نے ابھی ناشتہ نہیں کیا۔" غزالہ بولی۔

"یہی حال میرا بھی ہے۔ جیسے ہی یہ کاغذ مجھے ملا میں سیدھا آپ ہی کے پاس چلا آیا۔"

"اگر آپ وہیں بتا دیتے تو ہم لوگ ناشتہ کر کے روانہ ہوتے۔" غزالہ نے کہا۔

"خیر...... کوئی بات نہیں۔ پیٹر روڈ پر ایک اچھا ہوٹل ہے ہم لوگ وہیں ناشتہ کر لیں گے۔"

"میں بھی عجیب مصیبت میں پڑ گئی۔" غزالہ بولی۔ "گئی تھی آپ سے مدد لینے الٹا مجرم خود ہی بن بیٹھی۔"

"گھبرائیے نہیں...... اگر آپ سچی ہیں تو آپ کو بچانے کے لئے میں اپنی جان تک دے دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر وہ سب بعد کی باتیں ہیں ابھی تو میں پریشانیوں میں مبتلا ہو ہی گئی ہوں۔"

"لیکن اس کے علاوہ کوئی اور چارہ بھی نہ تھا۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔

پیٹر روڈ پر پہنچ کر فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔ ماڈھیا ہوٹل کی شاندار عمارت کے سامنے پہنچ کر دونوں کار سے اتر گئے۔

فریدی نے ناشتے کا آرڈر دیا۔ ناشتہ کر چکنے کے بعد فریدی نے سگار سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا۔

"اے بیرا......!" غزالہ نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک بیرے کو آواز دی۔

"جی جناب......!"

"غسل خانہ کدھر ہے۔"

"اوپر صاحب...... زینے پر داہنے ہاتھ۔" بیرے نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"میں ابھی آئی۔" غزالہ نے فریدی سے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔

فریدی بدستور ادھ کھلی آنکھوں سے چھت کی طرف دیکھتا ہوا سگار کے کش لے رہا تھا۔ پانچ منٹ گزرے...... دس منٹ گزرے...... پندرہ، بیس، اور فریدی یک بیک اچھل پڑا۔ غسل خانے...... اور اتنی دیر...... وہ بے تحاشہ زینے کی طرف جھپٹا۔ غسل خانہ خالی تھا۔ اُس نے ہوٹل کے سارے غسل خانے دیکھ ڈالے لیکن غزالہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اُس نے اُسے ڈھونڈ نکالنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر تھک ہار کر وہ آرلکچو واپس آ گیا۔

یہاں اس نے غزالہ کے کمرے کی تلاشی لی لیکن کوئی مشکوک چیز ہاتھ نہ لگی۔

گھر پر حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی نے واپسی پر اُسے سارا حال بتایا۔

"دیکھئے میرا خیال کبھی غلط ثابت نہیں ہوتا۔" حمید چہک کر بولا۔

"کیا کہنے ہیں آپ کے......!" فریدی نے جل کر کہا۔

"ایک ڈاکو یا جاسوس ہمیشہ عورت ہی کے چکر میں پڑ کر مارا جاتا ہے۔"

"تمہیں باتیں بنانے کے سوا کچھ اور بھی آتا ہے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"فرمائیے...... میرے لائق کوئی خدمت۔" حمید نے کہا۔

"آپ کے لائق سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ آپ ایسے موقعوں پر خاموش رہ کر مجھے سوچنے دیا کیجئے۔"

"بہت بہتر......!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر کسی مقام پر آپ سوچتے سوچتے ٹھہر جائیں تو مجھے یاد فرما لیجئے گا۔"

"بہت اچھا...... اب آپ تشریف لے جائیے۔"

حمید مسکراتا رہ گیا۔ فریدی اُسے قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ اپنے منصوبوں سے کسی کو بھی آگاہ نہ کرے گا۔ اُسے سخت حیرت تھی کہ آخر اس کی بنائی ہوئی اسکیموں سے لیونارڈ کس طرح واقف ہو جاتا ہے۔

نئی اسکیم

حمید فریدی کی عادات واطوار سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُسے گہری سوچ میں ڈوبا ہوا دیکھ کر اُس نے اور زیادہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ فریدی پر اس قسم کی سوچ کے دورے شاذ و نادر ہی پڑا کرتے تھے اور اس کے بعد وہ ایسے ایسے بھیانک کام کر ڈالتا تھا کہ جن کے تصور ہی سے اچھے اچھوں کو اختلاج ہونے لگے۔

کھانے کے دوران میں بھی اُن دونوں میں کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ کھانا کھا چکنے کے بعد تھوڑی

دیر آرام کر کے دونوں دفتر روانہ ہو گئے۔

ابھی فریدی اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ جیکسن کے یہاں طلبی ہوئی۔

"کیوں بھئی خیریت تو ہے آج تمہارا چہرہ بہت اترا ہوا ہے۔" جیکسن نے کہا۔

"کیا بتاؤں...... آج بڑی گہری چوٹ ہو گئی۔" فریدی نے مضمحل آواز میں کہا۔ اس کے بعد اُس نے سارے واقعات جیکسن کو بتا دیئے۔

"تم نے بہت سخت غلطی کی۔" جیکسن نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اس لڑکی کو فوراً ہی حراست میں لے لینا چاہئے تھا۔ افسوس بہت اچھا شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ اگر وہ گرفتار ہو جاتی تو شاید لیونارڈ بھی نہ بچ سکتا۔"

"میں آپ سے ایک بار پھر عرض کروں گا کہ لیونارڈ کا گرفتار کر لینا ہنسی کھیل نہیں۔"

"خیر میں دنیا میں کسی بات کو بھی ناممکن نہیں سمجھتا۔" جیکسن نے کہا۔

"لیکن صاحب مجھے تو اس کی گرفتاری ناممکن ہی نظر آ رہی ہے۔" فریدی مایوسانہ انداز میں بولا۔

"مجھے حیرت ہے۔" جیکسن نے متعجبانہ انداز میں کہا۔ "میں نے کبھی تمہاری منہ سے اتنے مایوسانہ انداز کے جملے نہیں سنے۔"

"پہلے کبھی اتنے بھیانک آدمی سے مقابلہ بھی نہیں ہوا۔"

"وہ کچھ ہی سہی۔" جیکسن نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن کم از کم تمہارے منہ سے اس قسم کے جملے کچھ اچھے معلوم نہیں ہوتے۔"

"یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں اسی میں اپنی عاقبت سمجھتا ہوں کہ خاموشی سے بیٹھ رہوں۔"

"کیا مطلب......!" جیکسن نے چونک کر کہا۔ "کیا تم اس کیس سے ہاتھ اٹھانا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "اگر اس پر میرے افسران راضی نہ ہوئے تو مجبوراً مجھے استعفیٰ دینا پڑے گا۔"

"بھئی آج تمہارے منہ سے بڑی عجیب عجیب باتیں سن رہا ہوں۔" جیکسن نے اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "آخر تمہیں خوف کس بات کا ہے۔"

"ذرا یہ تصویر ملاحظہ فرمایئے۔" فریدی نے اس کی طرف ایک تصویر بڑھادی۔

جیکسن تصویر دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی تصویر کی طرف۔

"یہ تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی بیوی ہے...... تو کیا تم......!"

"جی ہاں مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ اس بوڑھی عورت کے ساتھ۔"

"تو پھر اس کا مطلب کیا ہے۔" جیکسن نے حیرت سے کہا۔

"اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر میں نے اس کیس سے ہاتھ نہ اٹھایا تو لیونارڈ اس تصویر کی ایک کاپی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس بھجوادے گا۔"

"یہ تمہیں ملی کیسے!" جیکسن نے پوچھا۔

فریدی نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پرنس عدنان کو مشکوک سمجھ کر حراست میں لے لینا چاہئے۔"

"یہ کام آسان نہیں...... ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ عراق کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔"

"کہیں وہی لیونارڈ نہ ہو۔" جیکسن جلدی سے بولا۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے متعلق کچھ کہا نہیں جاسکتا۔"

"اچھا کیوں نہ ان اخبار والوں کو پکڑ لیا جائے۔" جیکسن بولا۔

"ان کے خلاف بھی ہمارے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں۔"

"واقعی یہ معاملہ بہت ہی پیچیدہ ہے۔"

"اور اسی لئے میں معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔" جیکسن نے کہا۔ "بس اس ایک تصویر سے ڈر گئے۔ ارے میاں ایسے معجزے تو ہر اچھا فوٹو گرافر دکھا سکتا ہے۔"

"لیکن ایک شوہر اسے ماننے کے لئے تیار نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"خیر انگریز شوہر اتنے تنگ نظر نہیں ہوتے۔" جیکسن نے فخریہ انداز میں کہا۔

"نہ ہوتے ہوں لیکن اگر اسی طرح کسی ہندوستانی شوہر سے واسطہ پڑ گیا تو پھر میں کہیں کا نہ

رہوں گا۔"

"آخر تم ڈرتے کیوں ہو۔" جیکسن بولا۔ "میں تو موجود ہوں۔"

"نہیں صاحب...... بات دراصل یہ ہے کہ اب میں اپنی ملازمت سے کچھ تنگ آگیا ہوں۔"

"یہ اور بات ہے۔" جیکسن نے کہا۔ "لیکن میں تمہیں کسی طرح اس کی رائے نہ دوں گا کہ تم اس معاملے کو ادھورا ہی چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ اس سے تمہارے سابقہ کارناموں پر بھی خاک پڑ جائے گی۔"

"صاحب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔" فریدی نے زچ ہو کر کہا۔

"اپنی تفتیش جاری رکھو۔ اگر تم نے یہ معرکہ سر کیا تو ساری دنیا میں تمہارا نام ہو جائے گا۔"

"یہ لالچ میرے لئے کم نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "خیر میں کوشش کروں گا۔ ویسے مجھے کامیابی کی ایک فیصدی بھی امید نہیں۔"

"تم نواب رشید الزماں سے مل کر اس چیز کی تصدیق کیوں نہیں کرتے کہ کیا تمہیں دھوکا دینے والی درحقیقت اس کی لڑکی ہی تھی۔"

"میرے خیال سے تو یہ بالکل بے سود ہوگا کیونکہ اس قسم کی کوئی بھی لڑکی اپنا صحیح پتہ و نشان نہیں بتا سکتی۔"

"تمہارا یہ خیال بھی صحیح معلوم ہوتا ہے۔" جیکسن نے کہا۔ "پھر آخر اب کیا کروگے۔"

"نیو اسٹار کے دفتر کی نگرانی۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ بات اب پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے کہ لیونارڈ اسی اخبار کے ذریعہ اپنا جال پھیلا رہا ہے۔"

"پہلے میں بھی اسے تمہارا شبہ سمجھا تھا۔" جیکسن بولا۔ "لیکن اب مجھے بھی کچھ کچھ یقین آچلا ہے۔"

"لیکن میں ایک بار پھر عرض کروں گا کہ اس طرح بھی ہم لیونارڈ کو نہ پاسکیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے کچھ ایجنٹ گرفتار ہو جائیں۔ وہ خود معلوم نہیں کس تہہ خانے میں بیٹھا اپنا کام کیا کرتا ہے۔"

"بہر حال کچھ بھی ہو تمہیں ہمت نہ ہارنی چاہئے۔" جیکسن نے کہا۔

"سچ پوچھئے تو میں آپ ہی کے ہمت دلانے پر اب تک ڈٹا ہوا ہوں۔ ورنہ کبھی کا الگ ہو گیا ہوتا۔"

"بات یہ ہے کہ میں تمہیں ساری دنیا میں مشہور دیکھنا چاہتا ہوں۔" جیکسن نے کہا۔

"شکریہ......!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اب میں تین چار دن تک آفس نہ آسکوں گا۔"

"کیوں......!" جیکسن نے چونک کر کہا۔

"میں نیو اسٹار کے دفتر کے کونے کونے سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"لیکن تم وہاں کس حیثیت سے رہو گے۔" جیکسن نے کہا۔ "یہ بھی بتادو تاکہ وہاں تمہاری حفاظت کی جاسکے۔"

"میں وہاں معمولی مزدور کے بھیس میں رہوں گا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "گھنی سفید ڈاڑھی...... پھولی ہوئی ناک اور ماتھے پر گہرے زخم کا نشان۔"

جیکسن نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور فریدی اٹھ کر چلا گیا۔

اُسی دن.... رات کو فریدی گھر پر سرجنٹ حمید کو ہدایت دے رہا تھا۔

"میرے بتائے ہوئے حلیے کے بوڑھے کے بھیس میں تمہیں نیو اسٹار کے دفتر میں رہنا ہوگا اور اس وقت تک تم وہاں موجود رہو گے جب تک کہ تمہیں وہاں سے ہلایا نہ جائے۔" فریدی نے کہا۔

اس نے حمید کو اپنی اسکیم کی ساری تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا۔

"لیکن میں وہاں کھپوں گا کیسے۔" حمید نے کہا۔ "اگر اس شکل کا وہاں کوئی اور ہو تو۔"

"اگر وہاں اس شکل کا کوئی اور آدمی نہ ہوتا تو میں یہ پروگرام ہی نہ بناتا۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر اُس آدمی کو وہاں جانے سے کیسے روکئے گا۔" حمید نے کہا۔

"ارے بھئی..... وہ سب میں کرلوں گا۔ اچھا تم فوراً تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں اس شخص سے ملانا چاہتا ہوں تاکہ تم اچھی طرح اس کی صورت ذہن نشین کرلو۔"

تھوڑی دیر کے بعد دونوں شہر کے ایک گھٹیا سے شراب خانے میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ شراب خانہ بھی تھا اور ہوٹل بھی۔ باہر سے آئے ہوئے کم حیثیت مسافروں کے لئے یہاں سے

کمرے بھی مل جاتے تھے۔

فریدی اور حمید کو دیکھتے ہی ہوٹل کا منیجر لپک کر اُن کے قریب آگیا۔

"کہئے حضور خیریت تو ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"میرے کمرے کی کنجی......!" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں فضلو کو بھیج دینا۔"

منیجر نے فریدی کو ایک کنجی لاکر دی۔ فریدی اور حمید زینے طے کر کے ایک بند کمرے کے سامنے آکر رک گئے۔ فریدی نے تالا کھولا اور دونوں اندر داخل ہوگئے۔ فریدی نے دیاسلائی جلا کر ایک طاق پر رکھی ہوئی موم بتی روشن کر دی۔

"یہ آپ کا کمرہ ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں ایسے بہتیرے کمرے میں نے شہر کے مختلف حصوں میں لے رکھے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور مجھے ان کا علم نہیں۔" حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... یونہی موقع پڑنے پر تمہیں بھی رفتہ رفتہ ان کا علم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "جانتے ہو ہوٹل کا منیجر کون ہے۔"

"نہیں......!"

"ایک بد معاش...... اور نمبر دس کا آدمی۔ مگر ہے بڑے کام کا۔" فریدی نے کہا۔

زینے پر آہٹ سنائی دی اور چند ہی لمحوں کے بعد ایک بوڑھا کمرے میں داخل ہوا اور سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"فضلو تم نیو اسٹار ہی کے پریس میں کام کرتے ہو نا۔" فریدی نے کہا۔

"جی حضور......!"

"اچھا دیکھو تمہیں کچھ دن تک اسی کمرے میں رہنا ہوگا...... اور یہ تمہارے بھیس میں تمہارا کام کریں گے۔"

"ارے حضور کوئی خاص کام ہو تو مجھے ہی بتائیے۔" بوڑھا بولا۔

"نہیں تم نہ کرسکو گے۔"

"جیسی حضور کی مرضی۔" بوڑھے نے کہا۔ "ایک گھنٹے کے بعد مجھے کام پر جانا ہوگا۔ آج کل نائٹ ڈیوٹی میں ہوں۔"

"اچھا حمید تم تیار ہو جاؤ...... میں ابھی تمہیں فضلو بنائے دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور کمرے میں رکھے ہوئے ایک بڑے صندوق کو کھول کر اس میں بھیس بدلنے کا سامان نکالنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کمرے میں ایک ہی شکل کے دو بوڑھے کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا باہر چلا گیا اور دوسرا وہیں کھڑا رہا۔

"ہاں تو فضلو جب تک تمہیں میری طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے تم یہیں اس کمرے میں رہنا۔ میں نے مناسب انتظام کر دیا ہے۔ تمہاری ضروریات کی ساری چیزیں یہیں پہنچتی رہیں گی۔"

اب فریدی نے بھی بھیس بدلنا شروع کیا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد اس کی جگہ پر ایک ادھیڑ عمر کا ملٹری آفیسر کھڑا سگار پی رہا تھا۔

فضلو اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"فضلو مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے پھر کوکین کا کاروبار شروع کر دیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اب سرکار سے کیا پردہ۔" فضلو نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "پولیس کی نوکری میں اتنا نہیں ملتا جس سے پیٹ پل سکے۔ مہینے میں سو روپیہ تو صرف بال بچوں کے لئے گاؤں بھیج دینا پڑتا ہے۔"

"خیر لیکن...... اس بات کا خیال رکھنا کہ معاملہ میرے ہاتھ تک نہ پہنچنے پائے ورنہ میں مجبور ہو جاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ارے نہیں سرکار...... زیادہ نہیں، بس دھیلے دمڑی کا روزگار ہو جاتا ہے۔" فضلو نے سر ہلا کر کہا۔

"خیر تم لوگوں کا دھیلا دمڑی میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔

فضلو دانت نکال کر ہنسنے لگا۔

"اچھا اب میں چلا...... دیکھو جو کچھ سمجھا دیا ہے اس کے خلاف نہ ہونے پائے۔"

"مجال ہے سرکار...... اس کے خلاف ہو جائے۔ آپ کے لئے جان بھی جائے تو حاضر ہے۔" فضلو نے کہا۔

فریدی ملٹری آفیسر کے بھیس میں ہاتھ میں ایک سوٹ کیس لٹکائے باہر آیا اور ٹیکسی کر کے ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

چڑچڑا نواب

دو گھنٹے کا سفر طے کر کے فریدی داراب نگر کے اسٹیشن پر اترا۔ رات کے تقریباً دس بج چکے تھے۔ اسٹیشن پر اسے ایک پھٹیچر سی ٹیکسی دکھائی دی وہ اس میں بیٹھا اور نواب رشید الزماں کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

نواب صاحب ایک بہت بڑے جاگیردار تھے اور پرلے سرے کے کنجوس۔ ان کی بے شمار دولت کی کہانیاں دور دور تک مشہور تھیں۔ بہتیروں کا یہاں تک خیال تھا کہ نواب صاحب نے اتنی دولت جو کی روٹیاں کھا کھا کر جمع کی ہے۔ ان کے اور لواحقین تو شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے، مگر خود انتہائی سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ آج وہ ابھی تک نہیں سوئے تھے۔ آج دوپہر ہی سے وہ کسی خاص الجھن میں مبتلا تھے۔ بات بات پر لوگوں سے الجھ جاتے تھے۔ اس وقت وہ بے چینی کے ساتھ دیوان خانے میں ٹہل رہے تھے۔

اچانک ایک ملازم طشتری میں کسی کا ملاقاتی کارڈ لایا اور میز پر رکھ کر خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

"ہوں......!" نواب صاحب نے کارڈ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "کرنل ای۔ ایم خان لاحول ولا قوۃ...... یہ بھی کوئی ملنے کا وقت ہے۔ جاؤ بھیج دو۔"

چند لمحوں کے بعد فریدی کرنل خان کے بھیس میں دیوان خانے میں داخل ہوا۔

نواب صاحب نے زبردستی چہرے پر مسکراہٹ پیدا کر کے خوش اخلاق بننے کی کوشش کی۔

"فرمایئے کیسے تکلیف کی۔" نواب صاحب نے کہا۔ "تشریف رکھئے۔"

"میں ایک بہت ہی خاص کام کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔"

"فرمایئے۔" نواب صاحب نے چونک کر کہا۔

"میں بہت دور سے آیا ہوں...... ذرا دم لے لوں تو عرض کروں۔" فریدی نے آرام کرسی پر تقریباً لیٹتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب کی بھنویں تن گئیں۔ لیکن انہوں نے پھر فوراً ہی اپنے چہرے پر ملائمیت کے آثار پیدا کر لئے۔ انہوں نے گھنٹی بجائی۔ ایک نوکر آیا۔

"کچھ پیجئے گا۔" نواب صاحب نے فریدی سے پوچھا۔

"صرف پانی......!" فریدی نے جواب دیا اور نوکر چلا گیا۔

پانی پی چکنے کے بعد فریدی نے سگار سلگایا۔

"ہاں اب فرمایئے۔" نواب صاحب بے تابی سے بولے۔

"انہیں پہچانتے ہیں آپ......!" فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر نواب صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب نے جیسے ہی تصویر ہاتھ میں لی اُن کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ وہ فریدی کو گھورنے لگا۔

"آپ ٹھہریئے...... میں ابھی آکر اس کا جواب دیتا ہوں۔" نواب صاحب نے کہا اور دیوان خانے سے چلے گئے۔ فریدی سگار کا کش لیتا ہوا دیوان خانے کی دیواروں پر لگی ہوئی تصویروں کا جائزہ لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نواب صاحب واپس آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔ فریدی چونک پڑا لیکن اس نے اپنے اطمینان میں فرق نہ آنے دیا۔

"ہاں میں اسے پہچانتا ہوں۔" نواب صاحب گرج کر بولے۔ "اور تم جیسے بدمعاشوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہاری موت تمہیں یہاں لائی ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"تم ہنس رہے ہو...... لیکن یاد رکھو اس کے لئے تمہارے گھر والوں کو رونا پڑے گا۔" نواب صاحب نے اسی انداز میں کہا۔

"معلوم نہیں آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔" فریدی نے پر سکون لہجے میں کہا۔

"میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں۔" نواب صاحب نے کہا۔ "تم اس طرح مجھ سے روپیہ نہیں اینٹھ سکتے۔"

"اوہ سمجھا......!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تو معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ میں بالکل ٹھیک وقت پر پہنچ گیا۔"

"اچھا اب کوئی دوسری چال چلنے والے ہو۔" نواب صاحب چیخ کر بولے۔ "دیکھو یہاں

بڑے بڑے سرکشوں کی لاشیں دفن ہیں۔"

"چلئے یہ دوسری بات معلوم ہوئی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"اب کی تم ہنسے اور میں نے گولی چلائی۔" نواب صاحب نے جھلا کر کہا۔

"اور پھر کل اس عمارت کا چپہ چپہ پولیس سے بھرا ہوگا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ گیدڑ بھبکی کسی اور کو دینا مجھے رشید الزماں کہتے ہیں۔"

"اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے کرنل خان نہیں کہتے۔" فریدی نے پر سکون لہجے میں کہا۔

"وہ تو میں پہلے ہی سے جانتا ہوں۔" نواب صاحب نے تند لہجے میں کہا۔

"لیکن آپ کچھ نہیں جانتے۔" فریدی نے اپنی جیب سے دوسرا کارڈ نکال کر نواب صاحب کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا......؟"

"میرا دوسرا ملاقاتی کارڈ......!"

"بس بس رکھے رہو۔" نواب صاحب نے کہا۔ "تم اس وقت تک میری قید میں رہو گے جب تک میری لڑکی مجھے واپس نہ مل جائے۔"

"تو کیا آپ کو اطلاع مل گئی۔" فریدی نے کہا۔

"بکو مت......!" نواب صاحب چیخے۔

فریدی سخت الجھن میں پڑ گیا تھا کہ اس سر پھرے کو کس طرح راہِ راست پر لائے۔ نواب صاحب کا غصہ دیکھ کر اُسے الجھن ہو رہی تھی کہ کہیں سچ مچ گولی نہ چلا دے۔ اچانک وہ لیٹے ہی لیٹے اچھلا اور دوسرے لمحے میں نواب صاحب کا ریوالور اسکے ہاتھ میں تھا اور خود نواب صاحب زمین پر۔

"اگر ذرا بھی آواز نکالی تو خاتمہ ہی سمجھو۔" فریدی نے دبی آواز میں کہا۔ "میں خفیہ پولیس کا انسپکٹر فریدی ہوں۔"

"یہ جھوٹ ہے...... سراسر جھوٹ۔" نواب صاحب نے کہا۔

"دیکھئے میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ آہستہ بولئے۔" فریدی نے کہا۔

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔ وہ ابھی تک زمین پر پڑے فریدی کے ہاتھ میں دبے ہوئے

ریوالور کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"اٹھ کر بیٹھ جائیے۔" فریدی نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب خاموشی سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اب بدمعاشوں نے آپ کو دھمکی دی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "غزالہ بیچاری پہلے میرے ہی پاس مدد کے لئے گئی تھی۔ بدمعاشوں کو اس کا علم ہو گیا اور انہوں نے اسے غائب کر دیا۔"

"میں کیسے یقین کر لوں کہ تم فریدی ہو۔" نواب صاحب نے مضمحل آواز میں کہا۔

"آپ یقین کریں یا نہ کریں مجھے تو اپنا کام کرنا ہی ہے۔" فریدی نے کہا "اور یہ بھی آپ کو بتادوں کہ خفیہ پولیس کو آپ کی لڑکی پر شبہ ہو گیا ہے کہ وہ مجھے دھوکا دینے آئی تھی۔"

"بھلا وہ کیوں تمہیں دھوکا دینے لگی۔" نواب صاحب نے کہا۔

فریدی نے مختصراً انہیں سارا واقعہ بتا دیا۔

"اچھا ہے وہ کم بخت انہیں کی قید میں مر جائے۔ اس نے خاندان کی عزت پر بٹہ لگا دیا۔" نواب صاحب بولے۔

"اول تو وہ بے قصور ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اگر اس معاملے کی تہہ میں واقعی کوئی بات ہے تو اس کے سو فیصدی ذمہ دار آپ ہیں۔ آپ نے اُسے کیوں اتنی آزادی دی تھی کہ وہ ایک نوجوان پرائیویٹ سیکریٹری کے ساتھ سوئٹزر لینڈ گئی؟"

"ہاں میرا ہی قصور ہے۔" نواب صاحب نے مضمحل آواز میں کہا۔ "لیکن تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو کہ وہ بے قصور ہے۔"

"وہ تصویر محض روپیہ اینٹھنے کے لئے کھینچی گئی ہے۔ غزالہ ایک تفریح گاہ میں کسی وجہ سے بیہوش ہو گئی تھی۔ پرائیویٹ سیکریٹری اُسے اٹھا کر گاڑی کی طرف لا رہا تھا کہ کسی نے اسی حالت میں دونوں کی تصویر لے لی۔"

"خدا کرے تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" نواب صاحب بے ساختہ بولے۔

"آپ نے یورپ کے مشہور بلیک میلر لیونارڈ کا نام سنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں اس دوران میں اُس کے واقعات اخبار میں دیکھا کرتا تھا۔"

"تو یہ حرکت اسی کی ہے۔ آج کل وہ ہندوستان آیا ہوا ہے اور ہم لوگ اُسے گرفتار کر لینے کی فکر میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ تم فریدی ہو۔" نواب صاحب نے کہا۔ "کیونکہ میں نواب وجاہت مرزا کی زبانی سن چکا ہوں کہ فریدی جوان آدمی ہے اور شاید میں نے آپ کی تصویر بھی ڈاکٹر شوکت کے البم میں دیکھی تھی۔"

"یہ بات ہے تو مجھے بہت ہی پوشیدہ مقام پر لے چلئے...... میں آپ کو اپنی شکل بھی دکھا دوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا اور ریوالور نواب صاحب کو واپس کر دیا۔

نواب صاحب اُسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

"اچھا آؤ میرے ساتھ۔" نواب صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

فریدی ان کے پیچھے چل پڑا۔

ایک چھوٹے سے خوبصورت اور عمدگی کے ساتھ سجائے ہوئے کمرے میں پہنچ کر نواب صاحب نے دروازہ بند کر لیا۔

"ذرا تھوڑا سا پانی منگوائیے۔" فریدی نے کہا۔

"پینے کے لئے۔" نواب صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

نواب صاحب خود باہر چلے گئے اتنی دیر میں فریدی نے اپنا میک اپ بگاڑ دیا۔

واپسی پر نواب صاحب دروازے ہی پر ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔

"ارے......!" ان کی زبان سے نکلا اور فریدی نے بڑھ کر پانی کا گلاس ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"وہی...... بالکل وہی۔" نواب صاحب بڑبڑائے۔ "میں نے تمہاری تصویر غور سے دیکھی تھی۔ واقعی تم فریدی ہو...... بیٹھو...... بیٹھو۔"

فریدی مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔

"بھئی معاف کرنا میں نے تمہیں نادانستگی میں کافی بُرا بھلا کہا ہے۔" نواب صاحب نے معذرت کی۔

"اور میں نے بھی تو محض جان جانے کے ڈر سے آپ کی شان میں گستاخی کی ہے، جس کی معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں...... کوئی بات نہیں۔ اب میں بالکل مطمئن ہوں۔" نواب صاحب نے کہا۔ "جس وقت مجھے بدمعاشوں کا خط اور غزالہ کی تصویر ملی تھی میرے دل میں سب سے پہلے تمہارا ہی خیال آیا تھا کہ کیوں نہ تم سے مدد لوں۔"

"بہر حال میں حاضر ہوں۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"مگر واقعی تم بہت دلیر ہو...... جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔"

"سب آپ بزرگوں کی دُعائیں ہیں۔"

"مجھے وجاہت مرزا کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ تم نواب عابد علی خاں مرحوم کے لڑکے ہو۔" نواب صاحب نے کہا۔ "مرحوم میرے کلاس فیلو تھے اور میرے دور کے عزیز بھی ہوتے تھے۔ ارے بھئی تم اپنے ہی بچے ہو۔"

"اس رشتے پر مجھے مزید خوشی ہوئی۔" فریدی نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم محض شوق کی بناء پر اس محکمے میں کام کر رہے ہو۔ تمہارے والد مرحوم کو بھی سراغ رسانی کا بڑا شوق تھا...... آخر کیوں نہ ہوا نہیں کے تو لڑکے ہو۔"

فریدی کو خوف معلوم ہوا کہ کہیں اب نواب صاحب والد مرحوم کی سراغ رسانی کا کوئی واقعہ نہ سنانے لگیں، اس لئے وہ جلدی سے بولا۔

"ہاں تو ذرا وہ خط مجھے بھی دکھایئے۔" فریدی نے کہا۔

"میں ابھی لایا۔" کہہ کر نواب صاحب کمرے سے چلے گئے۔

چند منٹ بعد وہ واپس آئے اور انہوں نے ایک لفافہ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔ اُس میں ایک ٹائپ کیا ہوا خط تھا اور ایک تصویر ویسی ہی تھی جیسی غزالہ نے فریدی کو دکھائی تھی۔

فریدی خط پڑھنے لگا۔

"نواب صاحب!

اپنی بیٹی کے کرتوت ملاحظہ فرمایئے۔ بے شمار تصویروں میں سے ایک روانہ ہے۔ آپ غالباً اس آدمی کو بھی پہچانتے ہوں گے۔ یہ تصویریں سوئٹزرلینڈ میں لی گئی تھیں۔ میں نے ان

تصویروں کی قیمت بیس لاکھ روپیہ رکھی تھی۔ آپ کی صاحب زادی بجائے اس کے آپ سے مشورہ کرتیں، خفیہ پولیس کے پاس جا پہنچیں۔ حالانکہ انہیں اس معاملے میں کافی محتاط رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ مجبوراً ہمیں انہیں گرفتار کرلینا پڑا۔ اگر آپ اپنی بیٹی کی واپسی ان تصویروں سمیت چاہتے ہیں تو کل رات کے نو بجے مطلوبہ رقم کے ساتھ شہر آیئے اور وکٹوریہ پارک میں وکٹوریہ کے بت کے پیچھے ملئے۔ آپ کو تصاویر مع نگیٹو واپس مل جائیں گی اور آپ کی صاحبزادی بھی رہا کردی جائیں گی۔ مگر واضح رہے کہ اگر آپ نے بھی کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو پھر نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔ اس سلسلے میں آپ کی جان بھی جاسکتی ہے اور آپ کی صاحب زادی کی عزت بھی۔ روپیہ ہمیں کل ملنا چاہئے، ورنہ دیر ہونے کی صورت میں پھر آپ کو موجودہ رقم کا ڈیڑھ گنا ادا کرنا پڑے گا۔ جب آپ مطلوبہ رقم لے کر آئیں تو آپ کو تنہا ہونا چاہئے۔ ایک بار پھر متنبہ کیا جاتا ہے کہ کافی احتیاط سے کام لیا جائے۔"

فریدی خط پڑھ کر کچھ دیر تک خیالات سے الجھا رہا پھر دفعتاً بولا۔

"سب سے پہلے تو میں آپ کو آپ کی صاحب زادی کی بے گناہی پر مبارک باد دیتا ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"بدمعاشوں کے پاس اس تصویر کے علاوہ اور کوئی دوسری تصویر نہیں۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"یہی تصویر مجھے غزالہ خانم نے بھی دکھائی تھی اور یہی تصویر انہیں سوئٹزرلینڈ میں بھی ملی تھی۔ اس کا مطلب یہ کہ بدمعاشوں کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی تصویر نہیں اور اس کا سو فیصدی مطلب یہی ہے کہ اس تصویر کے بارے میں غزالہ خانم کا بیان صحیح ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔ "مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا۔ غزالہ لاکھ آزاد خیال سہی، مگر وہ اتنا نہیں گر سکتی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر گلوخلاصی کس طرح ہو۔ بیس لاکھ روپیہ کم از کم میرے بس کی بات نہیں۔"

"کوشش تو یہی کی جائے گی کہ یونہی کام چل جائے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں نے بھی یہ خط دیکھ کر جو اسکیم بنائی ہے اس کے تحت آپ کو کافی محتاط رہنا پڑے گا۔"

"وہ کس طرح۔" وہ بے چینی سے بولے۔

"میں آپ کا بھیس بدل کر جاؤں گا...... اور آپ کو یہاں اس وقت تک بند رہنا پڑے گا جب تک کہ میری طرف سے آپ کو کوئی اطلاع نہ ملے۔ آپ کو یہاں اس طرح چھپے رہنا پڑے گا کہ محل کے کسی فرد کو بھی آپ کی موجودگی کا علم نہ ہوسکے۔ غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔"

"اچھی طرح سمجھ گیا...... لیکن اگر بدمعاشوں کو اس کا علم ہو گیا تو کیا ہوگا۔ وہ لوگ کافی چالاک معلوم ہوتے ہیں۔"

"اول تو انہیں علم ہی نہ ہونے پائے گا کیونکہ میں اس کے لئے شہر میں اچھا خاصا جال بچھا کر آیا ہوں۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اور اگر انہیں علم ہو بھی گیا تو کوئی اور صورت نکل جائے گی۔"

"بہرحال بھئی اب تم جانو...... میں تو کافی مطمئن ہو گیا ہوں۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ آپ جب شہر جاتے ہیں تو کس ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"گرین میں۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"تو غزالہ کب تک یہاں پہنچ جائے گی۔" نواب صاحب بولے۔

"اس کے متعلق میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن جب آپ کو مبارک باد کا کوئی تار ملے تو سمجھ لیجئے گا کہ غزالہ محفوظ ہے اور میں خود اس کی حفاظت کر رہا ہوں۔ اس عرصے میں آپ کو قطعی خاموش رہنا پڑے گا۔ آپ شہر آکر مجھ سے ملنے کی بھی کوشش نہ کیجئے گا۔"

"بہت اچھا...... جیسا تم کہہ رہے ہو ویسا ہی کروں گا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"تو کیا تم صبح ہی جاؤ گے۔"

"جی ہاں......!" فریدی بولا۔ "اور اس وقت میں ساری تیاریاں مکمل کر لوں گا۔ فی الحال آپ مجھے اپنے لباس کے چند وہ جوڑے عنایت فرمائیے جنہیں آپ عام طور پر پہنا کرتے ہیں اور دو بڑے سوٹ کیس بھی۔ ایک میں کپڑے رکھوا دیجئے اور دوسرا خالی رہنے دیجئے۔"

"بہت اچھا...... میں ابھی جاکر انتظام کرتا ہوں۔" نواب صاحب جانے کے لئے مڑے۔

"ٹھہریئے...... ان انتظامات کی بھنک بھی کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے۔"

"ہرگز نہیں...... تم اطمینان رکھو۔"

نواب صاحب چلے گئے اور فریدی نے صوفے پر گر کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا دماغ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔

شکار

دوسرے دن صبح فریدی نواب رشید الزماں کے بھیس میں محل سے نکلا اور کار میں بیٹھ کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہر پہنچ کر اس نے ٹیکسی کی اور گرین ہوٹل پہنچ گیا۔ ہوٹل کا منیجر شاید نواب رشید الزماں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے اس نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اس بار اس طرح تنہا آنے پر اظہار تعجب کرتے ہوئے ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔

دن بھر فریدی ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ شام ہوتے ہی وہ پھر ہوٹل واپس آگیا۔ اس دوران میں اس نے کئی بار محسوس کیا کہ ایک آدمی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور یہ شخص پرنس عدنان تھا۔ فریدی دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔ اس چیز سے اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ لیونارڈ کے پاس اس خاص کام کے لئے شاید یہی ایک آدمی ہے۔ اُس نے اس معاملے میں زیادہ رازدار نہیں بنائے۔ اس خیال کے آتے ہی اُسے اپنی کامیابی اور زیادہ یقینی معلوم ہونے لگی۔

تقریباً آٹھ بجے وہ ایک سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے ہوئے ہوٹل کے باہر آیا اور ٹیکسی کر کے وکٹوریہ پارک کی طرف روانہ ہو گیا۔

پارک میں بالکل سناٹا تھا۔ سردی اتنی پڑ رہی تھی کہ پارک میں اس وقت رکنے کی ہمت کرنا آسان کام نہ تھا۔ فریدی ایک کنج میں گھرے ہوئے وکٹوریہ کے بت کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا اور ایک سگریٹ سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا۔ تقریباً نو بجے اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ

سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ آنے والے نے اپنے کوٹ کے کالر سے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ لیکن فریدی نے اس کے انداز سے پتہ لگالیا کہ وہ پرنس عدنان ہے۔ فریدی یونہی لاپرواہی سے سگریٹ پیتا رہا۔

پرنس عدنان اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا۔

"لوگوں نے اس پارک کو بھی عیاشی کا اڈہ بنالیا ہے۔ بھلا کوئی تک ہے اتنی رات گئے یہاں۔"

اس نے یہ سب اس انداز میں کہا جیسے وہ کوئی پولیس آفیسر ہے۔

"کہئے جناب آپ کون ہیں...... اور اس وقت یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"میں ابھی بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟" عدنان نے کہا۔ "یہ اسی وقت تمہاری سمجھ میں آئے گا جب تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔ ابھی کل ہی یہاں پر ایک نوجوان لڑکی بے ہوش پائی گئی ہے...... کم بختوں نے عیاشی کا اڈہ بنالیا ہے اس پارک کو۔"

"مم...... میں......!" فریدی ہکلانے لگا۔ "میں...... مم...... مسافر ہوں۔"

"مسافر ہو تو کسی ہوٹل وغیرہ میں جاؤ...... یہاں بیٹھے کیوں جھک مار رہے ہو۔" پرنس عدنان نے کہا۔

"کیا بتاؤں صاحب...... اسٹیشن پر جیب کٹ گئی۔" فریدی نے رو دینے والے انداز میں کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ اب اس وقت کہاں جاؤں۔"

پرنس عدنان ہنسنے لگا۔

"بہت اچھے نواب رشید الزماں صاحب۔" وہ ہنستا ہوا بولا۔ "آپ اپنی لڑکی سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔"

"کہئے رقم لائے ہیں۔"

"میری بیٹی کہاں ہے۔" فریدی بے اختیار بولا۔

"گھبرائیے نہیں...... وہ آپ تک بحفاظت تمام پہنچ جائے گی۔ تصویریں نگیٹو سمیت میں اپنے ساتھ ہی لیتا آیا ہوں...... لڑکی آپ کو اس وقت ملے گی جب ہم لوگ روپیہ گن کر

اطمینان کرلیں گے۔"

"اگر میری لڑکی کو ذرہ برابر بھی ضرر پہنچا تو یاد رکھنا کہ بیس لاکھ کے بجائے تم لوگوں سے چالیس لاکھ وصول کرلوں گا۔ ابھی تم لوگ مجھے نہیں جانتے۔"

فریدی نے کہا اور سوٹ کیس اس کی طرف بڑھا دیا۔ پرنس عدنان نے سوٹ کیس ہاتھ میں لے کر تولا اور پھر زمین پر رکھ دیا۔

"اس میں ہزار ہزار کے نوٹ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا...... یہ لیجئے تصویریں......!" پرنس عدنان نے فریدی کے ہاتھ میں ایک لفافہ دے دیا۔ فریدی نے تصویریں نکال کر دیکھیں ان میں نگیٹو بھی موجود تھا۔ اس نے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔

"میں کس طرح یقین کرلوں کہ تم نے ساری تصویریں دے دی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ یقین کیجئے کہ ہم لوگ معاملے کے پکے ہیں۔" پرنس عدنان نے سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم لوگ کس طرح یقین کرلیں کہ اس سوٹ کیس میں پوری رقم ہے۔"

"اس کا تو تمہیں یقین ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "ایسی صورت میں جب کہ میری لڑکی تم لوگوں کی قید میں ہے میں تمہیں کس طرح دھوکا دے سکتا ہوں۔"

"ہاں یہ بات قاعدے کی ہے۔" پرنس عدنان نے کہا۔ "اچھا کل شام تک آپ کی لڑکی بحفاظت تمام آپ تک پہنچ جائے گی۔"

پرنس عدنان جانے کے لئے مڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے اچھل کر اُسے دبوچ لیا۔ پرنس عدنان نے اس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کی لیکن فریدی نے دو تین بار اس کا سر سنگ مرمر کے اس چبوترے سے ٹکرا دیا جس پر وکٹوریہ کا بت نصب تھا۔

پرنس عدنان بیہوش ہو گیا۔

دو گھنٹے کے بعد فریدی اسی شراب خانے کے ایک تہہ خانے میں نظر آیا۔ جہاں وہ داراب نگر کے لئے روانہ ہوا تھا۔ وہ شراب خانے کے منیجر کی مدد سے بے ہوش پرنس عدنان کو ایک ستون میں باندھ رہا تھا۔

"انسپکٹر صاحب...... واقعی آپ بھی بلا کے آدمی ہیں۔" شراب خانے کا منیجر بولا۔

"اگر میں بلا کا آدمی نہ ہوتا تو شاید تمہارے ہاتھوں مجھے قبر میں سونا پڑتا۔" فریدی نے مُ... کر کہا۔

"اس میں شک نہیں۔" منیجر نے کہا۔ "اگر آپ کی بجائے کوئی اور ہوتا تو اس کا یہی انجا... ہوتا مگر آپ کو تو استاد کہہ ہی چکا ہوں۔"

"اچھا میرے شاگرد...... لیکن تم نے اب بہت بے دردی سے ناجائز شراب بیچنی شر... کر دی ہے۔ ذرا احتیاط سے۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ سوائے آپ کے اور کوئی ایسا نہیں کہہ سکتا۔" منیجر نے سینے پر ہا... مارتے ہوئے کہا۔

"یہی مطلب تھا۔" فریدی نے کہا اور پرنس عدنان کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا

"آخر یہ معاملہ کیا ہے۔" منیجر نے کہا۔

"معاملہ بہت الجھا ہوا ہے۔ سلجھ جانے کے بعد بتاؤں گا...... لیکن تم اس کی اچھی طر... حفاظت کرنا یہ نکل کر نہ جانے پائے ورنہ نتیجہ کے تم ذمہ دار ہوگے۔"

"ارے بھلا ایسی کیا بات ہے.... یہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔" منیجر نے کہا۔

پرنس عدنان ہوش میں آ گیا تھا۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

فریدی اس کی طرف مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

"نواب رشید الزماں نے مجھے دھوکا دیا۔" پرنس عدنان انگریزی میں بڑبڑایا۔

"تم بالکل ٹھیک سمجھے۔" فریدی نے اردو میں کہا۔

"میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا...... کیا تم انگریزی میں بات نہیں کر سکتے۔" عدنا... نے کہا۔

"میری زبان تو تم ایسی سمجھتے ہو جیسے کہ چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم کہو تو تمہار... مادری زبان گجراتی میں گفتگو کروں۔"

پرنس عدنان چونک پڑا۔

"چونکو نہیں مسٹر جمشید...... تم دوسروں کی آنکھ میں دھول جھونک سکتے ہو میری آ... میں نہیں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ رہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" عدنان غصے میں بولا۔ "تم عراق کے ایک شہزادے کی توہین کر رہے ہو۔ تمہاری حکومت کو اس کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو مسٹر جمشید۔" فریدی انگریزی میں بولا۔ "ہماری حکومت عرصہ سے تمہاری تاک میں ہے۔"

"کیا بکواس ہے...... کون جمشید...... کیسا جمشید...... تمہیں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"جناب...... مجھے تو عموماً غلط فہمی ہی ہوا کرتی ہے۔ تم سمجھے تھے کہ شاید میں تمہاری اس تصویر والی دھمکی سے ڈر کر تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔"

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔ مجھے فوراً کھول دو، ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" عدنان چیخ کر بولا۔

"اگر میں تمہیں یہاں سے رہا بھی کر دوں تو شبے کے تحت تمہیں حوالات میں رہنا پڑے گا۔ تم کیا سمجھتے ہو...... میرے پاس تمہارے سیاہ کارناموں کا پورا ریکارڈ موجود ہے اور تمہاری انگلیوں کے نشانات بھی جو میں نے اس کاغذ سے حاصل کئے تھے، جو تم چھپنے کے لئے نیو اسٹار کے دفتر میں دے آئے تھے۔"

عدنان کے چہرے پر پسینہ پھوٹ آیا۔

"سب بکواس ہے۔" وہ پھر چیخا۔

"خیر بکواس ہی سہی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "یہ بتاؤ لیونارڈ کہاں ہے۔"

لیونارڈ کے نام پر پرنس عدنان بُری طرح چونک پڑا اور حیرت سے فریدی کو گھورنے لگا۔

"اس طرح گھورنے سے کام نہ چلے گا۔ یہ تو تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اس وقت تم حکومت کی حراست میں نہیں بلکہ ذاتی طور پر براہ راست میری حراست میں ہو۔ میں اس راز کو اگلوانے کے سلسلے میں تمہیں قتل کر دینے سے بھی گریز نہ کروں گا۔"

فریدی کے چہرے پر عجیب قسم کے سفاکانہ آثار پیدا ہو گئے۔ جنہیں دیکھ کر شراب خانے کا منیجر کانپ گیا۔

"انگیٹھی میں کوئلے دہکاؤ۔" فریدی نے منیجر کی طرف دیکھ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر۔" کہہ کر منیجر چلا گیا۔

"میں لوہا سرخ کر کے تمہارے جسم پر اتنے داغ ڈالوں گا کہ سیاہ ہو کر رہ جاؤ گے۔" فریدی

نے کہا۔

"لیکن آخر کیوں...... میری حکومت......!"

"چپ رہو حکومت کے بچے۔" فریدی گرج کر بولا۔ "جو میں پوچھتا ہوں اس کا صحیح جواب دو، ورنہ ابھی ساری حقیقت معلوم ہو جائے گی۔"

"میں نہیں جانتا۔" عدنان نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

اتنی دیر میں منیجر دہکتی ہوئی انگیٹھی لے کر آ گیا۔

"اس میں سرخ ہونے کے لئے لوہے کی ایک سلاخ ڈال دو۔" فریدی نے منیجر سے کہا۔

عدنان سر سے پیر تک کانپ اٹھا۔

فریدی سرخ ہوتی ہوئی سلاخ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ سلاخ کے سرخ ہو جانے پر فریدی اُسے انگیٹھی سے نکال کر آہستہ آہستہ عدنان کی طرف بڑھنے لگا۔

"میں مجرم ہوں...... مگر تمہیں اس کا حق حاصل نہیں۔" عدنان خوف زدہ آواز میں چیخا۔

"یہاں اس تہہ خانے میں مجھے ہر طرح کا حق حاصل ہے۔" فریدی نے بے دردی سے اور جلتی ہوئی سلاخ اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ عدنان بلبلا اٹھا اور شراب خانے کا منیجر منہ پھیر کر دوسری طرف ہٹ گیا۔

"میں تمہیں اسی طرح داغ داغ کر دوں گا۔"

"لیکن تمہاری یہ حرکت بے ضابطہ ہے۔" عدنان اپنی مادری زبان گجراتی میں چیخا۔

"شاباش میرے بیٹے۔ آخر تم عدنان سے جمشید ہو ہی گئے۔ اب جلدی سے یہ بھی بتا دو کہ لیونارڈ کہاں ہے۔" فریدی نے سلاخ کو دوبارہ انگیٹھی میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم......!"

"پھر وہی......!"

"مقدس آگ کی قسم میں نے اُسے آج تک نہیں دیکھا۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"اب میں تمہیں کسی طرح یقین نہیں دلا سکتا۔" عدنان نے جلتے ہوئے نشانات کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا اس کے احکامات تم تک کیسے پہنچتے ہیں۔"

"ٹرانسمیٹر کے ذریعے۔"

"ٹھیک.... اچھا یہ بتاؤ کہ جس عمارت میں تم رہتے ہو، اس میں ٹرانسمیٹر کہاں لگا ہوا ہے۔"

"میرے سونے کے کمرے میں۔"

"تمہارے ملازمین کو تمہاری حرکات کی اطلاع ہے یا نہیں۔"

"صرف ایک کو۔"

"اس کا نام کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"راجو......!"

"تم لوگوں کا اس مکان پر کب سے قبضہ ہے۔"

"تقریباً دس سال سے۔"

"لیونارڈ کے پروگرام سے تمہارے علاوہ کوئی اور بھی واقف ہے۔"

"نہیں......!"

"غزالہ کہاں قید ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم......!"

"تم جھوٹ بکتے ہو۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ لیونارڈ نے اُسے کس طرح غائب کیا ہے اور کہاں رکھا ہے۔"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ فریدی نے محسوس کیا کہ عدنان بار بار اپنا ہاتھ سینے کی طرف لے جانے کی کوشش کر رہا ہے

فریدی نے جھپٹ کر اس کے چسٹر کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس کے سینے پر کوئی سخت سی چیز بندھی معلوم ہوئی۔ فریدی نے اسے کھینچ کر باہر نکال لیا یہ ایک چپٹا سا ٹرانسمیٹر تھا۔

"اوہ تو یہ کہئے آپ اپنی گرفتاری کی اطلاع لیونارڈ کو دینے جا رہے تھے۔"

فریدی نے ٹرانسمیٹر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا جرمنی کے جاسوس دوران جنگ استعمال کیا کرتے تھے۔"

عدنان کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب اُسے اپنی زندگی کی کوئی امید نہ رہ گئی ہو۔

"اچھا شاگرد صاحب۔" فریدی نے ہوٹل کے منیجر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اب میں چلتا ہوں......اس پر کڑی نظر رکھنا۔"

فریدی اور منیجر عدنان کو تہہ خانے میں چھوڑ کر اوپر آ گئے۔

پُراسرار مکان

تھوڑی دیر بعد فریدی کمرے سے نکلا اور اس نے اپنا چہرہ چسٹر کے کالر میں چھپا رکھا تھا۔ شراب خانے کے باہر آ کر اس نے چسٹر کے کالر گرا دیئے۔ وہ پرنس عدنان کے روپ میں تھا۔ اس نے فٹ پاتھ پر چند منٹ کھڑے ہو کر کچھ سوچا اور پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر پرنس عدنان کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔

پرنس عدنان جس مکان میں رہ رہا تھا وہ ایک بہت پرانی عمارت تھی، اس کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ وہاں بدروحوں کا سایہ ہے۔ اس سے قبل یہاں ایک بہت ہی مالدار آدمی رہتا تھا۔ وہ بالکل اکیلا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اس مکان میں رہنے والے بھوتوں ہی کی مدد سے مالدار ہو گیا ہے۔ یہ عمارت دراصل شاہی وقتوں کی تھی اور شہر کے ایک نواب خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ کسی وجہ سے اس خاندان والوں نے اُسے فروخت کر دیا تھا۔ وجہ خواہ کچھ رہی ہو لیکن عوام میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ اس کی فروختگی کا باعث دراصل بھوتوں ہی والا معاملہ تھا۔ جس شخص نے اسے خریدا تھا اس نے اسے کرائے پر اٹھا دیا۔ کرایہ دار جو مکان میں چند نوکروں کے ساتھ تنہا رہتا تھا ایک دن صبح اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ اس واقعے سے اس مکان کے بھوتوں کی شہرت میں اور اضافہ ہو گا۔

پھر اس مکان کو پرنس عدنان نے کرائے پر لیا اور وہیں رہنے لگا۔ مکان یوں بھی اپنی قدامت کی وجہ سے کچھ پراسرار سا لگتا تھا۔ پھر بھوتوں والے معاملے نے اُسے اور بھی خوفناک بنا دیا۔ پرنس عدنان جب اسے کرائے پر لے رہا تھا تو قرب وجوار کے لوگوں نے اُسے روکنے کی

کوشش کی تھی لیکن اس نے ہنس کر ٹال دیا تھا۔

فریدی اس عمارت کے سامنے پہنچ کر تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ صدر دروازہ پر ایک بہت زیادہ پاور کا بلب روشن تھا۔ ایک طرف ایک چوکیدار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ فریدی کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر آگے بڑھا۔ اس کے قدم ایک ایسے شرابی کی طرح لڑکھڑا رہے تھے جو بہت زیادہ پی گیا ہو۔ اس نے چوکیدار کے پاس پہنچ کر اُسے ٹھوکر رسید کر دی وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

"سور کا بچہ سوتا ہے۔" فریدی بگڑے ہوئے ہندوستانی لہجے میں چیخا۔

"نہیں تو حضور......!" چوکیدار نے سہم کر جواب دیا۔

"حضور کا بچہ......اُلو کا پٹھا۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

اب اس نے بھدی اور بے ہنگم آواز میں ایک انگریزی گانا شروع کر دیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی آواز سے ساری عمارت گونج رہی ہو۔ شور سن کر دو توانا اور تندرست آدمی اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا بات ہے سردار......!" ایک آدمی نے گجراتی زبان میں پوچھا۔

"تمہارا سر......!" فریدی نے بھی گجراتی زبان میں جھلا کر کہا۔

"آیئے......میں آپ کو آپ کے سونے کے کمرے میں پہنچا دوں۔" پہلا آدمی بولا۔

"ابے او گدھے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔" فریدی جھومتا ہوا بولا۔ "میں مرغی کا بچہ ہوں کیا سمجھا......مجھے میرے ڈربے میں پہنچا دے۔"

دونوں آدمیوں نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

اچھا تم دونوں مسکراتے ہو۔ فریدی نے جیب سے پستول نکال کر کہا۔ "ہینڈز اپ"

دونوں گڑگڑاتے ہوئے اس کے قدموں پر گر پڑے۔

فریدی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور پستول جیب میں رکھ لیا۔

"اٹھو......!" وہ گرج کر بولا۔ "تم دونوں میرے باپ ہو۔"

وہ دونوں کھڑے ہو کر کانپنے لگے۔

"جاؤ......راجو کو بلا لاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"راجو......!" دونوں نے بیک وقت کہا اور حیرت سے ایک دوسرے کی طرف

دیکھنے لگے۔

"ہاں......ہاں......راجو......!" فریدی جھومتا ہوا بولا۔

"کون راجو......!" ایک نے کہا۔

"تم راجو کو نہیں جانتے...... تب تم کالی بلی کی اولاد معلوم ہوتے ہو، جاؤ اُسے فوراً بلالاؤ......ورنہ میں تم دونوں کو ختم کردوں گا۔"

"سردار......ہم نہیں جانتے راجو کون ہے۔" ایک بولا۔

فریدی سوچ میں پڑ گیا کہ پرنس عدنان نے صرف راجو والی بات جھوٹ کہی تھی۔ اگر وہ شرابی کا رول نہ کر رہا ہوتا تو اس وقت شامت ہی آگئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کہیں ٹرانسمیٹر والی بات بھی غلط نہ ہو۔

"تم لوگ بالکل گدھے ہو، جو راجو کو نہیں جانتے۔" فریدی نے کہا۔ "راجو میری جان میری محبوبہ ہے۔ ابھی وہ آرلیکچو میں میرے ساتھ شراب پی رہی تھی۔"

"یہ بات ہے۔" ایک مسکرا کر بولا۔ "آپ ہمیں اس کے گھر کا پتہ بتائیے...... ہم ابھی اُسے اٹھالاتے ہیں۔"

"وہ جنت میں رہتی ہے۔" فریدی نے لڑکھڑا کر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ گر پڑا۔

"سردار......سردار......!" دونوں اس پر جھکتے ہوئے بیک وقت چیخے۔

"بیہوش ہوگئے۔" ایک نے کہا۔

"کبھی اتنی نہیں پیتے تھے...... معلوم نہیں کیا بات ہے۔" دوسرا بولا۔

"کوئی عورت ساتھ تھی نا۔" پہلا مسکرا کر بولا۔ "چلو انہیں اٹھا کر ان کے سونے کے کمرے میں ڈال آئیں۔"

دونوں فریدی کو اٹھا کر سونے کے کمرے میں لائے اور کوچ پر لٹا دیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد تھوڑی دیر یونہی لیٹے رہنے کے بعد فریدی اٹھا اور کمرہ اندر سے بند کر لیا۔ یہ ایک مغربی طرز پر آراستہ کیا ہوا کمرہ تھا۔ سونے کے پلنگ کے قریب ایک چھوٹی سی میز پر ایک ریڈیو رکھا ہوا تھا۔ فریدی کو ٹرانسمیٹر کی تلاش تھی۔ اس نے کمرے کا کونہ کونہ چھان مارا مگر ٹرانسمیٹر کا کہیں پتہ نہ

چلا۔ وہ سوچنے لگا...... خیر کچھ پرواہ نہیں۔ اب تو پرنس عدنان اس کی قید ہی میں ہے۔ اگر وہ آج سیدھی طرح نہیں بتا سکا تو کیا ہوا کل اس کی کھال کھینچ لی جائے گی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ یک بیک میز پر رکھے ہوئے ریڈیو میں ہلکی ہلکی سی کھرکھراہٹ پیدا ہونے لگی۔ وہ چونک پڑا۔ ریڈیو خود بخود کیسے چلنے لگا۔ وہ جھپٹ کر ریڈیو کے قریب پہنچا۔ اب ریڈیو میں سے کسی آدمی کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ بولنے والا انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

"تم نے ابھی تک مطلع نہیں کیا...... تیسری بار تمہیں مخاطب کر رہا ہوں...... جواب دو...... کہ کیا ہوا...... دوپہر کو تم نے اطلاع دی تھی کہ وہ آگیا ہے۔"

فریدی غور سے ریڈیو کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک اس کا ہاتھ ایک جگہ پڑا اور ایک کھٹکے کے ساتھ ریڈیو میں ایک خانہ سا کھل گیا جہاں فریدی کا ہاتھ لگا تھا۔ وہاں ایک چھوٹا سا اور سرسری طور پر دیکھنے پر نظر نہ آنے والا ایک سوئچ لگا ہوا تھا۔ فریدی نے سوئچ دبایا اور خانہ پھر بند ہو گیا۔ اس نے خانے کو پھر کھولا اور منہ لگا کر کہنے لگا۔

"میں نے زبردست دھوکا کھایا...... کم بخت نے سادے کاغذوں کے اوپر کچھ نوٹ جما رکھے تھے...... نوٹوں کی گڈیوں میں اوپر نیچے نوٹ اور درمیان میں سادہ کاغذ تھا۔"

"تصویروں کا کیا ہوا......!" ریڈیو سے آواز آئی۔

"نگیٹو سمیت لے گیا۔" فریدی نے کہا۔

"تم نرے احمق معلوم ہوتے ہو۔" ریڈیو سے آواز آئی۔ "کیا لڑکی بھی واپس کر دی۔"

"نہیں......!" فریدی نے کہا۔ "یہ میری پہلی غلطی ہے امید ہے کہ آپ مجھے معاف کر دیں گے۔"

"خیر جانے دو......!" ریڈیو سے آواز آئی۔ "لڑکی کو احتیاط سے رکھنا اور اگر ممکن ہو تو اس گدھے کو بھی اڑا لاؤ......اور ہاں فریدی سے ہوشیار رہنا۔"

"وہ بُری طرح میرے پیچھے پڑ گیا ہے......اگر حکم ہو تو اُسے قتل کر دیا جائے۔" فریدی نے کہا۔

"تم اس کی فکر مت کرو...... میں اس کا معقول انتظام کر رہا ہوں۔" ریڈیو سے آواز آئی۔

فریدی نے مسکرا کر سر ہلایا اور بولا...... "کل دن میں آپ سے گفتگو نہ کر سکوں

گا...... میرا ارادہ ہے کہ اس نواب کے بچے کو ایک اچھا سبق پڑھاؤں۔"

"اسے سبق دینے کا سب سے آسان طریقہ تمہیں بتاتا ہوں۔ ریڈیو سے آواز آئی۔ لڑکی تمہارے قبضے میں ہے ہی، کسی کے ساتھ اس کی تصویر کھینچ کر اسے رہا کردو اور تصویر کی ایک ایک کاپی ان کے ہر عزیز کے پاس بھجوا دو۔"

فریدی الجھن میں پڑ گیا۔ عدنان نے کہا تھا کہ اُسے لڑکی کے اغواء کے متعلق کچھ معلوم ہی نہیں۔ لیونارڈ نے براہِ راست اُسے غائب کر دیا تھا اور اسی نے اسے کہیں رکھا بھی تھا۔

"آپ کی یہ تدبیر بہت عمدہ ہے۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اور کوئی حکم۔"

"نہیں اب بس کل رات کو پھر گفتگو ہوگی۔" ریڈیو سے آواز آئی اور کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ فریدی نے خانہ بند کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر غزالہ کا پتہ کیسے لگائے۔ اگر وہ اسی مکان میں کسی جگہ قید ہے تب تو آسانی سے پتہ چل جائے گا اور اگر یہاں نہ ہوئی تو اس کے لئے اسے دوبارہ عدنان کے ساتھ سختی کرنی پڑے گی۔ اس نے عدنان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا تھا وہ اسے قطعی پسند نہ تھا لیکن اس کے علاوہ کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس قسم کے لوگ تشدد ہی کے ذریعہ قابو میں آتے ہیں اور بعض اوقات تو تشدد بھی انہیں راہ راست پر لانے کے لئے بیکار ثابت ہوتا ہے۔

فریدی رات بھر جاگتا رہا۔ جب مکان کے سارے لوگ سو گئے تو وہ اٹھا اور مکان کا کونہ کونہ چھان مارا۔ مگر غزالہ کا سراغ نہ ملا۔

فریدی پاگل ہوگیا

دوسرے دن صبح فریدی اپنے گھر پہنچا۔ اُس نے حمید کو پہلے ہی اطلاع بھجوا دی تھی اور اب اس کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید کی عدم موجودگی میں گھر اُسے کچھ اچھا نہ لگ رہا تھا۔ ناشتے کی میز پر پہنچ کر بھی اس نے حمید کی کمی شدت سے محسوس کی۔

"کیوں بھئی...... یہ بنگالی رس گلے کہاں سے آئے تھے۔" فریدی نے میز کی قریب

کھڑے ہوئے نوکر سے پوچھا۔ اُسے بنگالی رس گلے بے حد مرغوب تھے۔

"چیف صاحب نے آپ کے لئے بھجوائے ہیں۔" نوکر نے جواب دیا۔

فریدی نے رس گلا اٹھالیا۔ لیکن پھر فوراً ہی رکھ دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ ٹرانسمیٹر پر بولنے والے کے الفاظ اب تک اس کے کانوں میں گونج رہے تھے اور پھر آج سے پہلے کبھی چیف انسپکٹر صاحب نے اتنی مہربانی نہ کی تھی۔ فریدی نے ایک رس گلا اٹھا کر قریب بیٹھے ہوئے کتے کے آگے ڈال دیا۔ کتا اسے کھا کر دوبارہ فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی نے ایک اور ڈال دیا۔ رفتہ رفتہ اس نے سارے رس گلے اُسے کھلا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد کتا اونگھنے لگا۔ فریدی چائے کے گھونٹ لے کر بغور اسے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد دفعتاً کتا چونکا اور قد آدم آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر اس پر جھپٹا...... وہ آئینے کے سامنے اس طرح اچھل کود رہا تھا جیسے کسی دوسرے کتے سے لڑ رہا ہو۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ وہ اٹھا اور کمرے سے نکل آیا۔ دو نوکروں نے کتے کے شور کے متعلق اس سے پوچھا۔ لیکن اس نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس نے ایک چوہا پکڑ لیا ہے۔ اس نے دوسرے کمرے میں جا کر پستول نکالا اور پھر کمرے میں لوٹ آیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کتا پاگل ہو گیا ہو۔ فریدی نے پستول چلا دیا۔ کتے نے ایک جست لگائی اور زمین پر آ رہا۔ گولی چلنے کی آواز سن کر کئی نوکر کمرے کی طرف دوڑ آئے۔ فریدی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ سرخ سرخ آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے نوکروں کی طرف دیکھ کر ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا اور انہیں بھی گولی مار دینے کی دھمکیاں دینے لگا۔

سارے نوکر خوفزدہ ہو کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ فریدی طرح طرح کی آوازیں نکالتا ہوا اچھل کود کر رہا تھا۔

اتنے میں حمید آ گیا، فریدی کو اس حالت میں دیکھ کر اُسے بیساختہ ہنسی آ گئی۔

"کیوں بے اُلو کے پٹھے تو ہنس کیوں رہا ہے۔" فریدی نے چیخ کر کہا۔

حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ فریدی نے آج تک اس سے ایسے لہجے میں گفتگو نہ کی تھی۔

"ابے بولتا کیوں نہیں۔" فریدی پھر چیخا۔

اس بار حمید سر سے پیر تک لرز گیا۔ اس نے فریدی کی آنکھوں میں ایک بہت ہی بھیانک قسم کی چمک دیکھی۔

"ابے بول......!" فریدی پھر گرجا۔

"کیا بولوں......!" حمید نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ابے وہی بول جو تجھے شیطان کی خالہ نے سکھایا ہے۔" فریدی چیخا۔ "ابے بول بندر کی اولاد کوڑیالے سانپ کے بھانجے۔"

حمید کو پھر ہنسی آگئی اور فریدی نے جیب سے پستول نکال کر فائر کر دیا۔ گولی حمید کے داہنے کان کے قریب سے نکل گئی۔

حمید بدحواس ہو کر بھاگا...... فریدی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ حمید نے غسل خانے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ فریدی دروازہ پیٹنے لگا۔

"ابے او ٹماٹر کے خالو...... دروازہ کھولو...... ورنہ کچا کھا جاؤں گا۔" فریدی چیخا۔

گھر کے سارے ملازمین اس کی یہ حالت دیکھ کر ادھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے۔

"اچھا بیٹا...... نہ کھولو...... دفتر سے لوٹ کر تمہاری مرمت کروں گا۔" فریدی نے کہا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

اس نے پائجامہ اور قمیض پر ٹائی باندھی، ایک پیر میں کالا جوتا پہنا اور دوسرے میں کتھئی اور سر پر گاندھی کیپ رکھ کر دفتر کی طرف پیدل ہی چل دیا۔

راستے بھر لوگ اُسے دیکھ دیکھ کر ہنستے رہے...... اور وہ انہیں منہ چڑھاتا رہا۔

دفتر میں گھستے ہی اس نے ہلڑ مچانا شروع کر دیا۔

"آئی ایم دی مانرک آف آل آئی سروے۔" وہ چیخ چیخ کر گا رہا تھا۔

دفتر کا سارا عملہ اس کے گرد اکٹھا ہو گیا تھا۔ گاتے گاتے اس نے ایک ہاتھ کمر پر رکھا اور دوسرا سر پر اور انگریزی گانا گاتا ہوا ہندوستانی انداز میں ٹھمک ٹھمک کر ناچنے لگا۔

لوگ کھڑے ہنس رہے تھے۔ بہتیروں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ شاید اس نے سراغ رسانی کے سلسلے میں کوئی نیا بہروپ بھرا ہے۔

یہ سلسلہ جاری تھا کہ حمید بھی دفتر پہنچ گیا۔ لوگ اس سے پوچھنے لگے۔

"نہیں قطعی نہیں...... یہ بہروپ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" حمید نے کہا۔ "ابھی ابھی انہوں نے مجھ پر پستول سے وار کیا تھا...... اگر میں ایک طرف نہ ہو جاتا تو کھوپڑی صاف ہو گئی تھی۔"

یہ سن کر بہتیرے لوگ ڈر کر فریدی کے پاس سے اٹھ گئے۔

"تم آگئے میرے بیٹے۔" فریدی حمید کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ "بھائیو میرے پہلے شوہر کی اولاد ہے۔"

پھر ایک قہقہہ پڑا اور حمید جھینپ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

آخر کار یہ ہلڑ اس قدر بڑھا کہ مسٹر جیکسن کو اپنے کمرے سے باہر نکل آنا پڑا۔

لوگ اسے دیکھ کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔

"ول مسٹر فریدی کیا بات ہے۔" جیکسن نے اسے اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"دل میری جان تمہارے عشق میں یہ حال ہو گیا ہے۔" فریدی نے اس کی طرف بڑھ کر اُسے لپٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" جیکسن اُسے ہٹاتے ہوئے گرج کر بولا۔

"مار ڈالو مری جان بس اسی ادا پر جان جاتی ہے۔" فریدی نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"ارے اسے کیا ہو گیا۔" جیکسن نے بے بسی سے کہا۔

"عشق ہو گیا ہے عشق......" فریدی اتنے زور سے چیخا کہ اس کی آواز بھرا گئی۔

جیکسن نے لوگوں کو پکارا...... وہاں پھر مجمع لگ گیا۔

"شاید اس نے بہت زیادہ پی لی ہے۔" جیکسن نے کہا۔

"نہیں صاحب...... شاید ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ایک آدمی بولا۔

"اچانک دماغ کیسے خراب ہو گیا۔" جیکسن نے پوچھا۔

"مجھے نوکروں کی زبانی معلوم ہوا کہ صبح ناشتے کے وقت اچانک ان پر اس قسم کا دورہ پڑ گیا۔" حمید نے کہا۔ "پہلے انہوں نے ایک کتے کو ہلاک کر دیا اور پھر مجھ پر بھی گولی چلائی۔"

"ارے......!" جیکسن نے کہا اور خوفزدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی اب بھی کھڑا وحشیانہ انداز میں قہقہے لگا رہا تھا۔

جیکسن نے لوگوں کو اشارہ کیا۔ دو تین لوگ فریدی پر ٹوٹ پڑے اور تھوڑی دیر بعد اُسے بے بس کر دیا اور پھر اسے ایک کرسی میں باندھ دیا گیا۔

فریدی کو جتنی بھی زبانیں آتی تھیں وہ ان میں یکے بعد دیگرے بے تحاشہ گالیاں بک رہا تھا

"کچھ یہ بھی بتا سکتے ہو کہ انہوں نے ناشتے میں کھایا کیا تھا۔" جیکسن نے کچھ سوچتے ہوئے حمید سے کہا۔

"میں نے اس کے بارے میں نوکروں سے پوچھا تھا۔" حمید بولا۔ "توسٹ، انڈے، جیلی مکھن اور کچھ خشک میوے...... اور ہاں بنگالی رس گلے جو چیف انسپکٹر صاحب نے بھجوائے تھے۔"

"میں نے......!" چیف انسپکٹر نے حیرت سے کہا۔ "میں نے تو نہیں بھجوائے تھے۔"

"جی......!" حمید نے چونک کر کہا۔

"ہاں بھئی میں نے نہیں بھجوائے تھے۔"

"اچھا تو یہ بات ہے...... یہ سب انہیں رس گلوں کی کرامت ہے۔ یہ ضرور ان کے کسی دشمن کی حرکت ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا ان رس گلوں میں سے کچھ بچا بھی ہے۔" جیکسن نے کہا۔

"میرے خیال سے تو نہیں۔"

"انہیں فوراً ہسپتال لے چلنا چاہئے۔" جیکسن نے کہا۔

اس دوران میں فریدی بیہوش ہو چکا تھا۔

لوگوں نے اسے کرسی سے کھولا اور اسٹریچر پر ڈال کر ہسپتال کی طرف لے چلے۔ چونکہ ہسپتال نزدیک ہی تھا اس لئے ان لوگوں نے پیدل ہی جانا مناسب سمجھا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ فریدی اسٹریچر پر سے کود کر بھاگا...... لوگوں نے اس کا پیچھا کرنا چاہا لیکن اس نے انہیں پیچ در پیچ گلیوں میں ایسے ایسے چکر دیئے کہ انہیں تھک ہار کر لوٹ ہی جانا پڑا۔

نئی دریافت

فریدی دن بھر ادھر اُدھر چھپتا پھرا۔ اندھیرا ہوتے ہی وہ اسی شراب خانے میں پھر جا پہنچا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح پرنس عدنان سے غزالہ کا پتہ معلوم ہو جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تھک ہار کر اس نے اپنے مقبوضہ کمرے کا رخ کیا۔ وہاں اس نے پرنس عدنان کا بھیس بدلا اور اس کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ آج اس نے شرابیوں کی نقل نہیں کی۔ پھاٹک ہی پر اُسے وہی دونوں آدمی دکھائی دیئے، جو اسے گذشتہ رات اٹھا کر لے گئے تھے۔

"سردار......!" ان میں سے ایک آگے بڑھ کر بولا۔ "اس لڑکی نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا اور شام کو دیوار سے اپنا سر ٹکرا کر زخمی ہو گئی۔"

لڑکی کا تذکرہ سن کر فریدی کے کان کھڑے ہو گئے۔

"اچھا چلو......! چل کر دیکھتا ہوں۔" فریدی نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

وہ تھوڑی دور چلتا رہا پھر اچانک چیخ مار کر گر پڑا۔ دونوں اس کی طرف لپکے۔

"کیا ہوا سردار......!"

"چلتے وقت پیر مڑ گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ذرا پیر کھینچو...... شاید کوئی رگ چڑھ گئی ہے۔"

ایک نے اس کا پیر پکڑ کر دو تین جھٹکے دیئے...... فریدی بدقت تمام کھڑا ہوا اور لنگڑا لنگڑا کر چلنے لگا۔

"ارے آگے چلو...... بھئی تم کب تک میرے پیچھے رینگتے رہو گے۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔

"میرے خیال سے تو اس وقت آرام کیجئے، صبح دیکھی جائے گی۔" ایک نے جھلا کر کہا۔

"فضول مت بکو۔" فریدی نے کہا۔ "چلو چل کر اسے دیکھیں کہیں وہ خودکشی نہ کر بیٹھے کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔"

وہ دونوں آگے آگے چل رہے تھے اور فریدی ان کے پیچھے لنگڑاتا جا رہا تھا۔

ایک کمرے میں پہنچ کر دونوں نے فرش پر بچھی ہوئی قالین ہٹائی اور اس جگہ پر جڑ ہوئے تختے کو اٹھانے لگے۔ تختہ ہٹتے ہی ایک تہہ خانے کا راستہ نظر آیا...... دونوں سیڑھ کے ذریعہ نیچے اترنے لگے۔ فریدی بھی آہستہ آہستہ کراہتا ہوا ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ زینے کر کے وہ ایک بہت بڑے کمرے میں پہنچے، جہاں چاروں طرف بہت سے چھوٹے چھوٹے کمر بنے ہوئے تھے۔ دونوں میں ایک نے بڑھ کر ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ کمرے میں بجلی کا بل روشن تھا۔ وہ دونوں دروازے کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور پرنس عدنان لنگڑاتا ہوا کمر میں داخل ہوا۔ ایک عورت زانوؤں میں سر دیئے زمین پر بیٹھی تھی۔ اس نے آہٹ سن کر اپنا اٹھانے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ فریدی پھر دروازے کی طرف واپس لوٹا اور ان دونوں کو چ جانے کا اشارہ کر کے پھر واپس آ گیا۔ اس نے آہستہ سے عورت کے سر پر ہاتھ رکھا اور وہ اچھل کھڑی ہو گئی۔ یہ غزالہ تھی۔

"خبردار مجھے ہاتھ مت لگانا" وہ بپھر کر بولی۔ "اس کی پیشانی کے زخم پر خون جم گیا تھا بال الجھے ہوئے...... چہرہ ویران تھا۔ آنکھیں کسی خوفزدہ ہرنی کی آنکھوں کی طرح معلو ہو رہی تھیں۔"

"یہ تم نے اپنا سر کیوں پھوڑ لیا۔" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"تجھ سے مطلب......!" وہ گرج کر بولی۔

"کھانا کیوں نہیں کھایا۔"

"میری خوشی......!"

"آخر اس طرح بگڑ کیوں رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جاؤ جا کر اپنا کام کرو...... میں بیکار باتیں نہیں کرنا چاہتی۔"

"اُف کیا تم نہیں جانتیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔"

"اچھا یہ کب سے۔" غزالہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"جس دن سے تمہیں دیکھا ہے۔"

"اچھا تو کان کھول کر سن لو...... اگر اب تم نے اس قسم کی گفتگو کی تو خودکشی کر لوں گی

تمہارا گلا گھونٹ دوں گی۔"

"حسن غصے میں بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔"

"دور ہو جاؤ...... یہاں سے کمینے کتے کہیں کے۔" وہ گرج کر بولی۔

"دیکھو...... میرا کہنا مان لو...... میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔"

"ایسی آزادی پر میں موت کو ترجیح دیتی ہوں۔"

"تمہارے اس خیال سے مجھے خوشی ہوئی۔" فریدی نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں...... تم بہت جلد رہا ہو جاؤ گی۔"

غزالہ حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگی۔ یہ چیز اس کی سمجھ سے باہر تھی کہ پرنس عدنان میں یک بیک تبدیلی کیسے ہو گئی۔

"میں عدنان نہیں فریدی ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "عدنان میری قید میں ہے۔"

"اوہ تو اب تم یہ دوسری چال چل رہے ہو۔" غزالہ تلخ لہجے میں بولی۔ "لیکن اتنا یاد رکھو کہ تم مجھ پر کسی طرح فتح نہیں پا سکتے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ اس نے اسے مختصر ساری داستان سنا دی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے سن رہی تھی۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا کہ ان کم بختوں نے والد صاحب کو بھی اس سے مطلع کر دیا......!" غزالہ بولی۔

"لیکن تم اطمینان رکھو...... میں نے انہیں تمہاری پاک دامنی کا اچھی طرح یقین دلا دیا ہے۔"

"مگر میں کس طرح یقین کر لوں کہ آپ پرنس عدنان نہیں ہیں۔" غزالہ بے اعتباری سے بولی۔

"یہ لو وہ تصویریں جو میں نے پرنس عدنان سے حاصل کی ہیں۔" فریدی نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر غزالہ کی طرف بڑھا دیا۔

وہ لفافے سے تصویریں نکال کر دیکھنے لگی۔

"اب لاؤ.... میں انہیں جلا دوں۔" فریدی نے اس کے ہاتھ سے تصاویر لے کر جلا دیں۔

"کہو اب یقین آیا۔"

غزالہ نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر مجھے یہاں سے چھٹکارا کب ملے گا۔" وہ بولی۔

"بہت جلد..... ذرا وہ شخص قبضے میں آجائے، جو اس سارے گورکھ دھندے کا خالق ہے" فریدی نے کہا۔ "ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم اس دن ہوٹل سے یک بیک غائب کس طرح ہو گئی تھیں۔"

"یہ بھی ایک عجیب و غریب داستان ہے۔ جیسے ہی غسل خانے سے نکلی مجھے والد صاحب دکھائی دیئے، میں پریشان ہو گئی۔ میں دراصل ان سے یہ کہہ کر آئی تھی کہ میں خالہ جان کے یہاں دہلی جا رہی ہوں۔ انہوں نے وہاں میری موجودگی کا سبب پوچھا جس کا میں کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکی۔ انہوں نے مجھ سے واپس چلنے کے لئے کہا اور میں ان کے ساتھ ہولی۔ ٹیکسی کھڑی تھی۔ ہم دونوں اس پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے اپنے دوست کے یہاں لئے جا رہے ہیں اور پھر مجھے کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ میں اس قید خانے میں کس طرح پہنچی۔"

غزالہ خاموش ہو گئی۔

"اور یہی وجہ ہے کہ اب جلدی سے کسی بات پر یقین کر لینے کو دل نہیں چاہتا۔" غزالہ بولی

"لیکن میری باتوں پر یقین نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔" فریدی نے کہا۔ "میں اپنا میک اپ بگاڑنا نہیں چاہتا، ورنہ ابھی اپنی اصلی صورت بھی دکھا دیتا۔"

غزالہ بدستور خاموش رہی۔ سر سے زیادہ خون نکل جانے اور دن بھر بھوکی رہنے کی وجہ سے اسے نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"آؤ میں تمہارا زخم دھو کر پٹی باندھ دوں۔" فریدی نے کہا۔

غزالہ کچھ نہیں بولی۔ فریدی نے اسٹول پر رکھا ہوا پانی کا جگ اٹھایا اور اپنا رومال تر کر کے زخم دھونے لگا۔ غزالہ آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ دو موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے گر کر رخساروں پر بہہ چلے۔

"ارے..... تو تم روتی کیوں ہو۔" فریدی نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں..... تمہیں صرف دو ایک دن اور رہنا پڑے گا۔"

غزالہ پھر بھی کچھ نہ بولی۔

"ٹھہرو..... میں پٹیاں اور ٹنکچر آئیوڈین لیتا آؤں۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ ابھی وہ چند ہی قدم چلا تھا کہ دفعتاً اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی انگریزی میں کچھ کہہ رہا ہو۔ وہ پلٹ پڑا..... جس کمرے سے آواز آرہی تھی اس نے دروازے کے شیشوں سے جھانک کر دیکھا ایک شخص اس کی طرف پیٹھ کئے بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ فریدی نے دروازہ کھولنا چاہا مگر باہر سے تالا بند تھا۔ فریدی نے اتنا اندازہ ضرور لگا لیا کہ وہ کوئی انگریز ہے۔

فریدی تہہ خانہ سے نکل کر ان دونوں آدمیوں کو تلاش کرنے لگا۔ دونوں ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے۔

فریدی کو دیکھتے ہی دونوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی غیر متوقع طور پر کمرے میں پہنچ گیا ہو۔

"آج جی بھر کر پیو میرے شیرو..... آج میں بہت خوش ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن پہلے ذرا ایک کام کر دو۔"

"کہئے.....!" ایک بولا۔

"فرسٹ ایڈ بکس لاؤ"۔ فریدی نے کہا۔ "نمبر بارہ کی کنجی۔"

ان میں سے ایک باہر چلا گیا اور دوسرے نے ایک کنجی نکال کر فریدی کو دی۔ فریدی ایک کرسی پر بیٹھ کر گئے ہوئے آدمی کا انتظار کرنے لگا۔

چند منٹوں کے بعد وہ واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں مرہم پٹی کا سامان رکھنے والا ایک بکس تھا۔ فریدی بکس لے کر تہہ خانہ کی طرف چلا گیا اور دونوں پھر بیٹھ کر شراب پینے لگے۔

فریدی نے غزالہ کی مرہم پٹی کی اور دوسرے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیسے ہی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی اور اس کا چہرہ مسرت سے چمکنے لگا۔

اندر بیٹھا انگریز جیکسن تھا۔ وہ حد درجہ دبلا اور کمزور نظر آرہا تھا۔

فریدی کو دیکھ کر اس نے نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔

"تو میرا شبہ صحیح نکلا.....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کہئے مسٹر جیکسن کیسے مزاج ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھیک ہوں۔" جیکسن نے مردہ دلی سے کہا۔

جیکسن اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ یہاں کس طرح آئے۔" فریدی نے بے ساختہ پوچھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس وقت پرنس عدنان کے بھیس میں تھا۔

"کیا مطلب......!" جیکسن نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیوں میرا مذاق اڑانے کی کوش کر رہے ہو۔"

"میں فریدی ہوں۔" فریدی نے جھک کر آہستہ سے کہا۔

"ارے......!" جیکسن اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں۔"

"مگر تم...... مگر تم......!"

"جی ہاں...... میں پرنس عدنان کے بھیس میں ہوں اور وہ میری قید میں ہے۔" جیک بے اختیار فریدی سے لپٹ گیا۔

"میں سچ کہتا ہوں مسٹر فریدی کہ خدا کے بعد مجھے صرف تمہاری ذات سے اس کی ا تھی۔" جیکسن گلوگیر آواز میں بولا۔

"لیکن آپ یہاں کس طرح۔" فریدی نے کہا۔

"ہسپتال سے رخصت ہونے میں کچھ ہی دن باقی تھے کہ اچانک ایک دن میں نے خو یہاں اس کوٹھری میں پایا اور اس کے علاوہ میں کچھ اور نہیں جانتا۔"

"آپ کچھ بتا سکتے ہیں کہ آپ کس کی قید میں ہیں۔"

"نہیں...... بالکل نہیں۔" جیکسن نے کہا۔

"آپ لیونارڈ کی قید میں ہیں۔"

"لیونارڈ......!" جیکسن اچھل کر بولا۔ "وہ یہاں کہاں۔"

"وہ یہاں کے نوابوں اور راجاؤں کو بلیک میل کرنے کے لئے یہاں آیا ہے اور آج کل کا رول بحسن و خوبی انجام دے رہا ہے۔"

"کیا مطلب......!"

"وہ آپ کے بھیس میں محکمہ سراغرسانی کے سپرنٹنڈنٹ کے فرائض انجام دے رہا ہے۔"

جیکسن حیرت سے فریدی کا منہ تکنے لگا۔

"مسٹر فریدی اگر تم نے اُسے گرفتار کر لیا تو تم نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری برٹش امپائر کے بہت بڑے آدمی ہو گے۔" جیکسن نے فریدی کا ہاتھ دباتے ہوئے پرخلوص لہجے میں کہا۔

"اچھا اب تھوڑی دیر ٹھہریئے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اسی وقت آپ کو لے چلوں گا...... اور آج ہی رات کو لیونارڈ کو گرفتار کرنے کی کوشش کروں گا، ورنہ معلوم نہیں کل کیا ہو۔ وہ انتہائی چالاک آدمی ہے۔"

فریدی تہہ خانے سے نکل کر سیدھا پرنس عدنان کی خواب گاہ میں گیا اور ٹرانسمیٹر کھول کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کہو کیا بات ہے۔" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"سب ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "لڑکی کی دوسری تصویریں لے لی گئی ہیں...... آج وہ دیوار سے سر ٹکرا کر کافی زخمی ہو گئی ہے۔"

"ان سب باتوں کی پرواہ نہ کرو......" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "یہ بتاؤ کسی اور نے بھی خط و کتابت کی یا نہیں۔"

"ابھی تک نہیں۔" فریدی بولا۔

"اچھا کل میں تمہیں ایک تدبیر بتاؤں گا......" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "اور ہاں ایک نئی خوشخبری سنو...... فریدی پاگل ہو گیا۔"

"واقعی......!" فریدی چہک کر بولا۔

"ہاں..... میری اسکیم کامیاب ہو گئی..... اب یہاں تمہیں کسی سے خوف نہ کھانا چاہئے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"کل رات کو ٹھیک نو بجے آپ کمرے میں موجود رہنا۔" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی اور پھر بند ہو گئی۔ فریدی ٹرانسمیٹر بند کر کے اس کمرے میں آیا جہاں دونوں شراب پی رہے تھے۔ وہ دونوں زمین پر اوندھے پڑے تھے اور قریب ہی تین چار خالی بوتلیں پڑی ہوئی تھیں۔

فریدی جیکسن اور غزالہ کو لے کر سیدھا کلکٹر کے بنگلے پر پہنچا۔ رات کے تقریباً گیارہ بج گئے تھے۔ کلکٹر سوچکا تھا لیکن فریدی کے کہنے پر نوکروں نے اسے جگادیا۔

فریدی اور جیکسن کی داستان سن کر کلکٹر اچھل پڑا۔

اسی وقت ایک گھنٹے کے اندر اندر مسٹر جیکسن کے بنگلے پر چھاپہ مارنے کا انتظام کیا گیا۔ لیونارڈ پر اچانک اس وقت پولیس ٹوٹ پڑی جب وہ جیکسن کے بھیس میں اس کی خواب گاہ میں پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ اسی وقت فریدی سے پرنس عدنان کو بھی شراب خانے سے لائے جانے کا انتظام کیا۔ پھر دونوں حوالات میں بند کر دیئے گئے۔

فریدی نے اُسی رات کو نواب رشید الزماں کو تار دلوایا۔ دوسرے دن صبح وہ بھی پہنچ گئے۔ غزالہ شرمندگی کی وجہ سے سر نہیں اٹھا رہی تھی۔ رشید الزماں اُس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"مگر جناب۔" حمید فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ "اگر اُس دن کہیں میں آپ کے پستول کی نذر ہو گیا ہوتا تو اس وقت آپ کی کامیابی پر تالیاں کون بجاتا۔"

"اچھا تو کیا آپ مجھے اتنا اناڑی نشانہ باز سمجھتے ہیں۔" فریدی بولا۔

"لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں، میں نے پاگل پن کا اتنا عمدہ مظاہرہ آج تک نہیں دیکھا۔" حمید نے کہا۔

"ارے تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔"

"ذرا کان ادھر لائیے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی سر جھکا کر سننے لگا۔

"غزالہ کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا اور فریدی نے اس کی پیٹھ پر ایک گھونسا جڑ دیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 6

پُراسرار کنواں

(مکمل ناول)

پیشرس

پراسرار کنواں پیش خدمت ہے۔ اس کہانی میں آپ کو کئی دلچسپ کردار ملیں گے۔ طارق جس کی آنکھیں خطرناک تھیں جس کے پاس ایک عجیب و غریب نیولا تھا، جو پل بھر میں بڑے بڑے شہتیر کاٹ کر پھینک دیتا تھا۔ پرویز ہے ایک چالیس سال کا بچہ جو گھٹنوں کے بل چلتا تھا۔ فیڈر سے دودھ پیتا تھا اور ملازمین اسے گود میں اٹھائے پھرتے تھے۔ غزالہ ہے جو حالات سے پریشان ہو کر فریدی سے مدد طلب کرتی ہے۔

وہ عمارت جس کی دیواروں سے درندوں کی آوازیں آتی تھیں اور پوری عمارت کسی جنگل کی طرح گونجنے لگتی تھی اور ایک کنواں جس سے انگاروں کی بوچھاڑیں نکلتی ہیں۔

بہر حال میرے ابتدائی ناولوں میں یہ ناول بھی بے حد پسند کیا گیا ہے اور آج بھی آپ ہی کے بے حد اصرار پر دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔

ابن صفی

انگاروں کی بارش

موسم گرما کی ایک خوشگوار رات تھی۔ تقریباً گیارہ بجے تھے۔ نواب رشید الزمان نے اپنے نو آمدہ مہمان کے ساتھ ہی باغ میں کھانا کھایا تھا اور کھانے کے بعد سے اب تک بیٹھے اس کے سفر کی داستانیں سن رہے تھے۔ ان کا مہمان طارق ادھیڑ عمر کا ایک تندرست آدمی تھا۔ اس نے سفید پتلون اور آدھی آستینوں کی سفید قمیض پہن رکھی تھی۔ گٹھے ہوئے بازوؤں کی ابھری ہوئی مچھلیاں چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں کہ وہ ایک مشقت پسند آدمی ہے۔ سرخ و سفید چہرے پر گھنی اور اوپر کو چڑھی ہوئی مونچھیں اس کی شخصیت میں ایک بارعب اضافہ تھیں۔ آنکھیں چھوٹی اور غیر معمولی طور پر چمکدار تھیں۔ آج ہی نواب صاحب کے یہاں کے بہتیرے افراد نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس سے آنکھیں ملا کر بات کرنا آسان کام نہیں۔ وہ خود زیادہ تر اپنی نظریں نیچی ہی رکھتا تھا۔ وہ ایک سیاح تھا اور سیاحی کی وجہ ہمیشہ پردہ راز میں ہی رہی تھی۔ وہ نواب صاحب کا جگری دوست تھا لیکن انہیں بھی اس کی سیاحی کی وجہ معلوم نہ ہو سکی تھی۔ اس موضوع پر جب بھی کوئی بات آتی وہ ہمیشہ بات کاٹ کر کوئی اور تذکرہ چھیڑ دیا کرتا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ قدیم خزانوں کی تلاش میں ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔ وہ اچھے خاصے دولت مند کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن اس کا ذریعہ آمدنی کسی کو معلوم نہ تھا۔

نواب صاحب سے اس کی پہلی ملاقات بھی عجیب و غریب حالات میں ہوئی تھی۔ سات آٹھ سال قبل نواب صاحب مشرقی ممالک کی سیر کے لئے تقریباً دو سال کا پروگرام بنا کر نکلے تھے۔ ایران کی سرزمین انہیں اتنی پسند آئی کہ تقریباً چھ ماہ تک انہوں نے وہاں قیام کیا۔ ایران کی

پر فضا پہاڑیاں سرسبز اور حسین مرغزاران کے پیروں میں بیڑیاں بن کر رہ گئے تھے۔ ایران کے آثار قدیمہ نے بھی ان کو بڑی حد تک اپنی طرف متوجہ کیا۔ زمانہ قدیم کی یادگاروں سے انہیں پہلے بھی انس تھا وہ جہاں جہاں بھی گئے وہاں انہوں نے تہذیب حاضرہ ہی کے کارناموں سے دل نہ بہلایا تھا بلکہ پرانے انسانوں کی محنت اور ان کی کاری گری کے نمونوں میں بھی اپنا بیشتر وقت صرف کیا تھا۔ ایران کے آثار قدیمہ تو پھر انہیں کے اسلاف کی یادگار تھے۔

ایک شام جب وہ ایران کے ایک پرانے بادشاہ کے محلات کے کھنڈروں سے واپس آرہے تھے انہیں ایک جگہ پتھروں کے ڈھیر سے ایک انسانی ہاتھ نکلا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے گھبراہٹ میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کیا جائے۔ آخر کافی غور و فکر کے بعد انہوں نے پتھر ہٹانے شروع کئے۔ تھوڑی ہی دیر کی محنت کے بعد ان کے سامنے ایک بیہوش آدمی پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ قریب ہی ایک پہاڑی نالہ بہہ رہا تھا۔ وہ بیہوش آدمی کو اٹھا کر اس کے کنارے لے گئے۔

اور پھر تقریباً آدھ گھنٹہ کی جان فشانیوں کے بعد اسے ہوش آگیا۔ یہ طارق تھا۔ اس نے بتایا کہ اچانک ایک پرانی دیوار کے گر جانے کی وجہ سے وہ دب گیا تھا وہ نواب صاحب کو اپنی جائے رہائش پر لے گیا۔ نواب صاحب کو اس کی شخصیت میں ایک عجیب طرح کی کشش محسوس ہوئی اور وہ اس سے قریب ہوتے گئے۔ نواب صاحب ایران سے ترکی جانے لگے تو طارق بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد دونوں ساتھ سیاحت کرتے رہے۔

طارق کی شخصیت بہت ہی عجیب و غریب تھی۔ وہ نسلاً عرب تھا۔ لیکن دنیا کی کوئی شائد ہی ایسی زبان ہو جو وہ نہ جانتا ہو۔ کئی زبانوں پر تو وہ اتنی قدرت رکھتا تھا کہ اس زبان کے بولنے والے بھی اس کے لہجے میں اجنبیت کا ذرا بھی شائبہ نہیں پاتے تھے۔ جب وہ نواب صاحب سے اردو میں گفتگو کرنے لگتا تو وہ یہی محسوس کرتے تھے وہ یوپی کا باشندہ ہو۔ دو سال کے عرصے میں نواب صاحب اس کے بہت زیادہ گرویدہ ہو گئے تھے۔ ہندوستان آتے وقت انہوں نے اس سے کہا کہ وہ کسی موقع پر ہندوستان آکر کچھ دن نواب صاحب کے ساتھ ضرور گذارے گا۔

اور اس وقت وہ ان کے پائیں باغ میں بیٹھا انہیں اپنے سفر کی داستانیں سنا رہا تھا۔ اس کی گود میں ایک نیولا بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ ایسا عجیب و غریب نیولا کم از کم نواب صاحب اور ان کے متعلقین کی

نظروں سے آج تک نہ گذرا تھا۔ وہ قد اور لمبائی میں ہندوستانی بلی سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور پیٹھ پر تین چار لمبی لمبی دھاریاں تھیں۔ بڑی سی گنجان دم کرسی سے لٹک رہی تھی۔

نواب صاحب کی لڑکی غزالہ بہت دیر سے بے چین نظر آرہی تھی۔ وہ اس نیولے کے بارے میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن اس کی باتوں کا سلسلہ کسی طرح ختم نہیں ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد غزالہ نے محسوس کیا کہ جیسے وہ بولتے بولتے تھک گیا ہو۔ اسے خاموش پاتے ہی وہ جھٹ سے بول پڑی۔ "میں اس نیولے کے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

"ہاں......ہاں......!" طارق مسکرا کر بولا

"میں نے آج تک اتنا خوفناک نیولا نہیں دیکھا۔"

"ہاں یہ کمیاب ہے......اور ایشیا میں تو اس کا وجود ہی نہیں۔ میں نے اسے برازیل کے جنگلوں میں پکڑا تھا۔ یہ اس وقت بچہ تھا۔"

"تو کیا برازیل میں اس قسم کے نیولے ہوتے ہیں۔"

"نہیں ایسا تو نہیں...... یہ وہاں بھی کمیاب ہے۔" طارق نے نیولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اس میں ایک بہت بڑی صفت ہے۔"

"وہ کیا......!"

"اسے کوئی چیز سنگھا کر اگر تم پاتال میں چھپا آؤ تو یہ اسے ڈھونڈ نکالے گا۔"

"اچھا تو پھر ہمیں یہ تماشہ آپ کب دکھائیں گے۔" غزالہ نے کہا۔

"جب کہو۔"

"تو لیجئے میرا رومال اسے سنگھائیے...... میں اسے کہیں چھپا آؤں۔"

طارق نے ہنس کر رومال لے لیا اور نیولے کی ناک پر رکھ کر پھر غزالہ ہی کو واپس کر دیا۔

غزالہ کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی۔

"اچھی طرح چھپا دیا ہے نا......!" طارق ہنس کر بولا۔

"خوب اچھی طرح......!"

طارق نے نیولے کو زمین پر اتار دیا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "جار شی۔"

نیولا دوڑتا ہوا کوٹھی کی طرف چلا گیا۔ سب لوگ متحیر ہو کر کوٹھی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

چند منٹوں کے بعد وہ لوٹا۔ اس کے منہ میں غزالہ کا رومال تھا۔

"ارے......!" سب کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ طارق ہنسنے لگا۔ غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"میں اس رومال کو اپنی کتابوں کی الماری میں بند کر کے تالا لگا آئی تھی۔" وہ حیرت سے بولی۔

"تالا اس کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔" طارق نے کہا۔ "لیکن اس نے تمہاری خوبصورت الماری برباد کر دی۔"

"وہ کیسے۔"

"اس میں کم از کم اتنا بڑا سوراخ ضرور ہو گیا ہو گا جس میں سے یہ آسانی سے گذر سکے۔"

"اتنی جلدی اتنا بڑا سوراخ کر دینا ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"الماری کے تختے زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ انچ موٹے ہوں گے۔" طارق بولا۔ "یہ تو اچھے خاصے شہتیر منٹوں میں کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔"

"آپ کی ہر چیز عجیب و غریب ہے۔" غزالہ نے حیرت سے کہا۔

طارق مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

وہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ سارے باغ میں روشنی ہو گئی۔ غزالہ نے پلٹ کر دیکھا اور چیخ مار کر اچھل پڑی۔

پرانے اندھے کنوئیں سے انگاروں کا فوارہ سا چھوٹ پڑا تھا۔ شعلے کافی بلندی تک اٹھ رہے تھے۔ ایک عجیب قسم کی زناٹے دار آواز سے سارا باغ گونج رہا تھا۔

"یہ کیا تھا۔" طارق جلدی سے بولا اور اس کے نیولے نے بھی اتنی بھیانک چیخ ماری کہ سب کے جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ سب کے سب پتھر کے بتوں کی طرح خاموش تھے۔

آہستہ آہستہ انگاروں کی بوچھاڑ کم ہوتی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد پھر باغ کی فضا پر پہلا سا سکوت طاری ہو گیا۔

"یہ کیا تماشہ تھا۔" طارق نے سکوت توڑا۔

غزالہ مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔" نواب صاحب مردہ آواز میں بولے۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ہم

پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔"

"کیا مطلب......!" طارق چونک کر بولا۔

"میں نے والد صاحب مرحوم کی زبانی سنا تھا کہ ایک بار دادا مرحوم کے زمانے میں بھی اس کنوئیں سے انگارے نکلے تھے اور پھر خاندان میں پے در پے موتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔"

"عجیب بات ہے۔" طارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

"نہیں نہیں۔" نواب صاحب نے اٹھ کر اُسے کر روکتے ہوئے کہا۔ "ادھر مت جاؤ۔"

"کیوں......!"

"معلوم نہیں کیا ہو۔"

طارق ہنس کر آگے بڑھ گیا۔ اس کا نیولا ایک پالتو کتے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

"ذرا ایک ٹارچ تو منگواؤ۔" اس نے کنوئیں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"بھئی میں کہتا ہوں لوٹ آؤ۔" نواب صاحب چیخے۔

"ٹارچ۔" طارق چیخا......اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

نواب صاحب نے ایک نوکر سے ٹارچ منگوائی۔

"رشید الزماں......یہاں آؤ۔" طارق ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں ڈالتے ہوئے بولا۔

رشید الزمان بادل خواستہ آگے بڑھے۔ غزالہ نے بھی ان کے ساتھ جانا چاہا لیکن انہوں نے اسے روک دیا۔

"وہ دیکھو......کیا ہے۔" طارق نے انہیں کنوئیں میں جھانکنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رشید الزمان چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ رہا تھا۔

"کیا ہے ابا جان۔" غزالہ ان کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"جاؤ جاؤ....!" نواب رشید الزمان پلٹ کر چیخے۔ "تم اندر جاؤ.....جاؤ......چلی جاؤ۔"

خوفناک آوازیں

نواب صاحب کا لہجہ اتنا ڈراؤنا تھا کہ غزالہ بے اختیار کوٹھی کی طرف مڑ گئی۔

"اب کیا کیا جائے۔" طارق بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"میرے تو ہوش ٹھکانے نہیں۔" نواب صاحب کنوئیں کی جگہ کے قریب زمین پر بیٹھے ہوئے بولے۔

"آخر معاملہ کیا ہے۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

"تو کیا آپ کی یادداشت میں اس کنوئیں سے کبھی چنگاریاں نہیں نکلیں۔"

"نہیں......!" نواب صاحب بولے۔ "یہ والد صاحب کے بچپن کی بات ہے۔"

"تو آپ نے اپنی زندگی میں پہلی بار یہ واقعہ دیکھا ہے۔"

"ہاں......!" نواب صاحب کے لہجے میں ناخوشگواری تھی۔ وہ اس وقت کسی قسم کے سوال و جواب کے موڈ میں نہ تھے۔

دفعتاً کوٹھی کے اندر ایک عجیب و غریب قسم کے شور کی آواز سنائی دی۔

"ارے یہ کیا......!" طارق چونک کر بولا۔

نواب صاحب بھی متحیر ہو کر کوٹھی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شور لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بے شمار گیدڑ کتے اُلو اور نہ معلوم کون کون سے جانور بیک وقت چیخ رہے تھے، ساتھ ہی ساتھ آدمیوں کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ دونوں بے تحاشہ کوٹھی کی طرف لپکے۔ اندر قدم رکھتے ہی انہیں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ آوازیں در و دیوار سے نکل رہی ہوں۔ اس قدر شور تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ کوٹھی کے سارے افراد کمروں میں بند ہو کر طرح طرح کی خوفزدہ آوازیں نکال رہے تھے۔

"یہ اتنے جانور یہاں کیسے گھس آئے۔" طارق نے کہا۔ اس کا نیولا اچھل کر اس کے سینے سے چمٹ گیا تھا۔

نواب صاحب اس طرح کانپ رہے تھے جیسے انہیں رعشے کی بیماری ہو گئی ہو۔

"نہ...... نہ...... جج...... جانے...... کُکیا بات ہے۔" نواب صاحب ہکلاتے ہوئے بولے۔

طارق ایک ایک کونہ تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ لیکن چیخنے والے جانوروں کا کہیں پتہ نہیں چل

ہا تھا۔

دفعتاً نواب صاحب کا عجیب الخلقت سوتیلا بھائی اچھلتا کودتا ہوا آ گیا۔ وہ ان آوازوں کو سن ن کر وحشت ناک قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کی عمر چالیس سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی لیکن اس نے پنی وضع قطع بالکل شیر خوار بچوں کی سی بنا رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دودھ پینے کی شیشی تھی۔ ب وہ اچھل کود کر تھک جاتا تو شیشی کا دودھ چوسنے لگتا۔ اس کے گلے میں ایک پیڈ بندھا ہوا تھا لکل ویسا ہی جیسا اکثر صفائی پسند مائیں اپنے بچوں کے گلے میں اس لئے باندھ دیتی ہیں تاکہ ان کے کپڑے منہ سے بہنے والی رال سے محفوظ رہ سکیں۔

"بھائی صاحب تماشہ ہو رہا ہے۔" وہ تالیاں بجاتا ہوا تتلا تتلا کر بولا۔

"چپ رہو......!" نواب صاحب چیخ کر بولے۔ "بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

وہ پھر شیر خوار بچے کی طرح سہم کر گھٹنوں کے بل چلتا ہوا ایک کمرہ میں گھس گیا۔

آہستہ آہستہ شور کم ہوتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بالکل سکوت چھا گیا۔ طارق اور نواب صاحب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ پراسرار شور اب ختم ہو چکا تھا مروں میں چھپے ہوئے لوگوں میں اب بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ باہر نکل آتے۔

"کیوں بھائی طارق تمہیں کچھ بتاؤ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"تو کیا شور بھی پہلے پہل......!"

"ہاں ہاں۔" نواب صاحب نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "بالکل پہلے پہل۔ کسی خاندانی روایت سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس سے پہلے بھی کبھی اس قسم کا حادثہ پیش آیا ہو۔"

"تب تو واقعی حیرت کی بات ہے۔"

"مگر اب کرنا کیا چاہئے۔" نواب صاحب نے انتہائی پریشان کن لہجے میں کہا۔

"کر ہی کیا سکتے ہو۔" طارق بولا۔ "مجھے تو یہ آسیبی خلل معلوم ہوتا ہے۔"

"مگر وہ کنواں۔" نواب صاحب نے دبی زبان سے کہا۔

"ایسے معاملات میں سب کچھ ممکن ہے۔"

"تو پھر پولیس کو اطلاع کرنی چاہئے۔" نواب صاحب ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔

"پولیس اس معاملہ میں کیا کر سکتی ہے۔" غزالہ نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔ شور ختم ہونے

کے چند لمحوں کے بعد وہ انہیں دونوں کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"جاؤ..... جاؤ..... تم سو جاؤ۔" نواب صاحب مضطربانہ انداز میں بولے۔

"کیا آج کی رات کسی کو نیند آ سکتی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔" طارق نے پر اطمینان لہجے میں کہا۔ "کوئی ایسی خا
بات نہیں۔"

"اچھا تو تم یہیں غزالہ کے پاس ٹھہرو۔" نواب صاحب نے طارق سے کہا۔ "میں تھا
جاتا ہوں۔"

"نہیں آپ کسی اور کو بھیج دیجئے میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔" غزالہ نے کہا۔ "آ
بیکار تھانے جا رہے ہیں۔ پولیس اس معاملے میں کچھ نہ کر سکے گی۔"

"طارق ہیں تو تمہارے پاس..... ڈرنے کی کوئی بات نہیں، میں ابھی فوراً واپس آتا ہوں"

"تو کسی اور کو بھیج دیجئے نا۔"

"اوہ تم نہیں سمجھتیں میرے گئے بغیر کام نہیں بنے گا۔" نواب صاحب نے کہا اور باہر نکا
گئے۔

تھوڑی دیر بعد کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

"آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ ابا جان تھانے کس لئے گئے ہیں" غزالہ نے طارق سے کہا

"کوئی بات نہیں تم جا کر سو جاؤ" طارق نے کہا۔

"اگر کل بھی یہی ہوا تو کیا ہو گا۔"

"کچھ نہیں ہو گا..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلو تم اپنے کمرے میں چلو۔"

وہ غزالہ کا بازو پکڑ کر اسے اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگا۔

اس کا نیولا اب اس کے کاندھے پر بیٹھا اپنی چمکیلی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"اب تم لیٹ کر سو جاؤ..... میں یہیں بیٹھا ہوں۔" طارق اسے اس کے پلنگ پر بٹھا ک
خود ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"نیند نہیں آئے گی۔" غزالہ نے کہا۔

"آئے گی کیسے نہیں..... میں ابھی تمہیں سلائے دیتا ہوں۔"

غزالہ نے خوف زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ڈرو نہیں۔" طارق ہنس کر بولا۔ "میں تمہیں ہپناٹزم کے ذریعے سلا دوں گا۔"

"اوہ تو کیا آپ ہپنوٹائز کر سکتے ہیں۔"

"ہاں..... لیٹ جاؤ ہاں اس طرح ٹھیک۔ میری طرف دیکھو، میری آنکھوں میں دیکھو
سو جاؤ..... تم سوتی جا رہی ہو، تمہیں نیند آ رہی ہے۔ تمہاری آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔"

غزالہ کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے طارق کی آنکھوں سے برقی لہریں نکل کر اس کے جسم میں سرایت کرتی جا رہی ہیں..... ذہن سست ہوتا جا رہا ہے..... پلکیں بوجھل..... تاریکی..... اور اب اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے طارق کی آواز بہت دور سے آ رہی ہو۔ "تمہاری نیند گہری آتی جا رہی ہے۔ تمہاری نیند گہری ہوتی جا رہی ہے۔" اور آہستہ آہستہ آواز آنی بند ہو گئی۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وہ گہری نیند سو گئی تھی۔

طارق تھوڑی دیر تک بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا آیا۔ اس کے ماتھے کی رگیں ابھری ہوئی تھیں آنکھوں کی کوروں کے قریب کنپٹیوں پر پڑی ہوئی شکنیں کہہ رہی تھیں کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔

کمروں میں گھسے ہوئے لوگ اس طرح سرگوشیاں کر رہے تھے جیسے وہ تہہ خانوں میں دبکے ہوئے متوقع بمباری کا انتظار کر رہے ہوں۔ طارق پھر پائیں باغ میں آ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کنوئیں کے قریب آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں پڑ رہی تھی۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک پر اسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ پھر کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد نواب صاحب ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبلوں کے ساتھ واپس لوٹے۔ کنوئیں میں کئی ٹارچوں کی روشنی بیک وقت پڑی اور نواب صاحب کے منہ سے حیرت سے چیخ نکل گئی۔ سب انسپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"تو کیا سچ مچ میں پاگل ہو جاؤں گا۔" نواب صاحب اس طرح بولے جیسے وہ خواب میں بڑبڑا رہے ہوں۔

"آپ نے تو کہا تھا۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ہاں میں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔" نواب صاحب بے چارگی کے ساتھ بولے۔ "اور آپ جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے۔"

سب انسپکٹر ہنسنے لگا اور نواب صاحب کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔

"آپ نے تو فرمایا تھا عورت کی لاش......!" سب انسپکٹر نے کہا۔

"میں نے غلط نہیں کہا تھا۔" نواب صاحب بولے۔ "صرف میں نے ہی نہیں بلکہ میرے ایک مہمان نے بھی دیکھی تھی۔"

اتنی دیر میں دو تین نوکر بھی آ گئے تھے، لاش کا تذکرہ سن کر بُری طرح کانپنے لگے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر انہیں کئی عجیب وغریب باتوں سے واسطہ پڑا تھا۔

"ذرا طارق صاحب کو بلاؤ۔" نواب صاحب نے ایک نوکر کی طرف دیکھ کر کہا۔

طارق کو دیکھ کر سب انسپکٹر نے عجیب سا منہ بنایا۔ طارق سے زیادہ وہ اس کے سیاہ نیولے کو گھور رہا تھا جو ابھی تک طارق کے کاندھے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"آپ نے بھی عورت کی لاش دیکھی تھی۔" نواب صاحب نے طارق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کو کیا بیان دوں۔" طارق نے سب انسپکٹر سے کہا۔

"کیوں......!"

"اس لئے کہ میں نے نواب صاحب کے جانے کے بعد ایک بار پھر اس کنوئیں میں جھانکا تھا اس بار میں نے عورت کے بجائے مرد کی لاش دیکھی۔"

"ارے......!" نواب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جی ہاں۔"

"اور اب وہاں کچھ بھی نہیں۔" نواب صاحب نے بے تابی سے کنوئیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا......!" طارق نے کہا اور کنوئیں کی طرف بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کی ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں پڑ رہی تھی۔

طارق نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور سب لوگ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

"غزالہ تمہیں پہلے ہی منع کر رہی تھی۔" طارق بولا۔ "بھلا آسیبی معاملات میں پولیس کیا کر سکتی ہے۔"

کیا اسی کنوئیں سے چنگاریاں بھی نکلیں تھیں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"تب تو یہ کھلا ہوا معاملہ ہے۔ ہم لوگ بھلا اس میں کیا کر سکیں گے۔ اور کچھ آواز کا بھی تو آپ نے تذکرہ کیا تھا۔"

"جی ہاں......وہ کوٹھی کے اندر سنائی دی تھیں۔" طارق بولا۔

"شاید میں آپ سے پہلی بار شرف ملاقات حاصل کر رہا ہوں۔" سب انسپکٹر نے اس کی بات پر دھیان نہ دیتے ہوئے کہا۔

"میں پہلی بار یہاں آیا ہوں۔"

سب انسپکٹر اب تک نیولے کو گھورے جا رہا تھا۔

"یہ میرا پالتو نیولا ہے۔"

"بہت ہی عجیب و غریب ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "اچھا تو نواب صاحب اب اجازت چاہوں گا۔"

"کیا بتاؤں بھئی میں نے خواہ مخواہ تکلیف دی۔" نواب صاحب نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں تو آپ کا خادم ہوں، البتہ اس بات کا ضرور افسوس ہے کہ میں اس معاملے میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

پولیس والے نواب صاحب کی کار پر رخصت کر دیئے گئے۔

نواب صاحب، طارق اور چند نوکر ابھی تک کنوئیں کے پاس کھڑے ہوئے تھے چونکہ لاش کے متعلق باتیں نوکروں کے سامنے ہوئی تھیں۔ اس لئے چند ہی لمحوں میں یہ خبر ساری کوٹھی میں پھیل گئی۔

"بھائی طارق...... میری عقل کام نہیں کرتی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"میں خود حیرت میں ہوں۔" طارق نے کہا۔ اس کی آنکھوں کی پراسرار چمک دفعتاً پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔

"ایک بار میں بھی مصر میں ایسے ہی حادثات سے دوچار ہوا ہوں۔" طارق پھر بولا۔

"اگر واقعی یہ آسیبی ہی معاملہ ہے تو اس سے کس طرح گلوخلاصی حاصل ہو سکے گی۔"

"نہایت آسانی سے۔" طارق بولا۔ "کیا آپ کو کوئی ایسا آدمی نہیں مل سکتا، جو بدارواح کو بھگانے کا عمل جانتا ہو۔"

نواب صاحب کچھ سوچنے لگے۔

"سخت الجھن میں ہوں۔" نواب صاحب بولے۔ "بھئی بات دراصل یہ ہے کہ میں ان چیزوں کا قائل نہیں مگر واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ کچھ کہنے سننے نہیں بن پڑتی۔"

"نہیں آپ کو ان چیزوں کا قائل ہونا چاہئے کیونکہ بدارواح کا وجود ہے۔" طارق نے اپنے نیولے کو کاندھے سے اتارتے ہوئے کہا۔

چالیس سال کا بچہ

اس رات کے بعد سے نواب صاحب کی کوٹھی میں روزانہ نئی وارداتیں ہونے لگیں۔ تقریباً ہر رات کو کنوئیں سے چنگاریاں نکلا کرتی تھیں اور جانوروں کی بھیانک آوازوں سے کوٹھی کا چپہ چپہ گونج اٹھتا تھا۔ نواب صاحب کے سوتیلے بھائی پرویز کی حالت اس وقت قابل دید ہوتی تھی جیسے ہی جانوروں کی آوازیں سنائی دیتیں وہ اچھل کود مچا دیتا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا کہ وہ بھی ان چیخنے والے جانوروں میں سے کوئی ایک ہے۔ طارق کا خیال تھا کہ پرویز پر بھی کسی بہت بڑے جن کا سایہ ہے۔ بعض اوقات تو وہ یہاں تک کہہ دیتا تھا کہ خود پرویز ہی ان ساری مصیبتوں کی وجہ ہے۔ لیکن نواب صاحب اس طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے۔ ہرچند کہ پرویز ان کا سوتیلا بھائی تھا لیکن وہ اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ واقعی انہیں کا دل گردہ تھا کہ وہ ایک پاگل آدمی کی جا بیجا خواہشات کا بھی احترام کرنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ جس طرح چاہے زندگی بسر کرے۔ اس کے لئے تین پہلوان ملازم رکھے گئے تھے جو اسے گود میں اٹھائے پھر

کرتے تھے۔ وہ شروع ہی سے ایسا نہ تھا بلکہ آج سے آٹھ سال قبل اس کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ ایک بار وہ چھت سے گر پڑا...... سر میں کچھ ایسی چوٹ آئی کہ اچھے ہو جانے پر بھی دماغی توازن ٹھیک نہ ہو سکا۔ صحت یاب ہو جانے کے بعد ایک عرصہ تک وہ بولا ہی نہیں، بس کبھی کبھی نوزائیدہ بچے کی طرح صرف غوں غاں کر لیا کرتا تھا۔ جس طرح بچے آہستہ آہستہ بولنا سیکھتے ہیں اسی طرح پھر سے وہ بھی بولنا سیکھ رہا تھا۔ اب تقریباً آٹھ سال گذر جانے کے بعد وہ اس قابل ہوا تھا کہ ٹوٹی پھوٹی زبان میں تتلا تتلا کر دوسروں کو اپنی باتیں سمجھا سکتا تھا۔ نواب رشید الزماں نے اس کے علاج میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا لیکن اس کی دماغی حالت ٹھیک نہ ہوئی۔

پہلے حادثات کے بعد ہی دن بھر پرویز رات کی باتیں رٹتا رہتا تھا۔ وہ ہر کس وناکس کا ہاتھ پکڑ کر بچوں کی طرح ان واقعات کو دہراتا۔ دوسری رات جب اس نے کنوئیں سے چنگاریاں نکلتے دیکھیں اس وقت اس کی وہی کیفیت ہوئی جو کسی بچے کی آتش بازی دیکھ کر ہوتی ہے اور پھر تو وہ ان تماشوں کے انتظار میں کافی رات گئے تک جاگتا رہتا تھا۔ اس کے سلسلے میں ایک بات اور قابل ذکر تھی وہ یہ کہ وہ طارق اور اس کے نیولے سے بُری طرح خائف رہا کرتا تھا۔ طارق کے سامنے وہ اسی طرح دم سادھ لیتا تھا جیسے کوئی نٹ کھٹ بچہ کسی بہت ہی غصہ ور بزرگ کے سامنے بھیگی بلی بن جاتا ہے۔ اس کے اس رویہ کو بہت ہی تعجب کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ محض اسی بناء پر گھر کے بہتیرے نوکروں کا خیال تھا کہ طارق ہی ان سب مصیبتوں کا باعث ہے۔ کیونکہ اس کے اپنے خیال کے مطابق پاگل اور شیر خوار بچوں کو بھوت پریت دکھائی دیتے ہیں اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت تھی کہ ان واقعات کا ظہور اسی دن سے ہونا شروع ہوا تھا جس دن سے طارق نے کوٹھی میں قدم رکھا تھا۔ وہ طارق کو ایک بہت ہی ناپاک قسم کا جادوگر سمجھنے لگے تھے جس کے قبضے میں بدروحیں تھیں۔ وہ سب کے سب طارق سے بُری طرح خائف تھے اور اس سے نفرت کرنے لگے تھے لیکن کوئی بھی کھل کر اپنی نفرت کا اظہار نہ کر پاتا تھا کہ وہ نواب صاحب کا معزز مہمان تھا۔ کس میں ہمت تھی کہ وہ ایک لفظ بھی منہ سے نکالتا۔ کوٹھی میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کے متعلق قرب وجوار میں کافی شہرت ہو گئی تھی اور نواب صاحب کا نوآمدہ مہمان بھی لوگوں کا خاص موضوع بحث بن کر رہ گیا تھا۔

بہتیرے لوگوں نے نواب صاحب کو رائے دی کہ وہ فی الحال کوٹھی چھوڑ کر کہیں اور

سکونت اختیار کرلیں، لیکن انہوں نے منظور نہ کیا۔ ان کی مضبوطی کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی ابھی تک جمے ہوئے تھے۔ لیکن دوسروں کا استقلال زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ ہوا یہ کہ اچانک ایک دن اصطبل میں نواب صاحب کا ایک بیش قیمت گھوڑا مردہ پایا گیا۔ دوسرے دن ایک اچھی نسل کا کتا تیسرے دن ایک گائے مرگئی اور پھر تو اس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تقریباً روزانہ کسی نہ کسی طرح کے پالتو جانور کی لاش ملتی۔ ان واقعات کے بعد کئی نوکر چپ چاپ وہاں سے کھسک گئے۔ انہیں غالباً یہ ڈر تھا کہ کہیں جانوروں کے بعد آدمیوں کا نمبر نہ آجائے۔ لیکن نواب صاحب کا استقلال ابھی تک قائم تھا اب انہیں بھی قریب قریب یقین ہو گیا تھا کہ یہ ضرور کوئی آسیبی معاملہ ہے۔ کنوئیں کے اندر پائی جانے والی لاش کے متعلق انہوں نے بعد میں یہ سوچ کر تسلی دے لی تھی کہ شاید وہ نظر کا دھوکا ہو لیکن جانوروں کی سلسلہ وار موتیں کسی طرح نظرانداز نہ کی جاسکیں۔ اس دوران میں بہتیرے عاملوں اور سادھو مہاتماؤں کی خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ کسی طرح کوٹھی پر قبضہ کر لینے والی بدارواح کو بھگائیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

طارق ابھی تک ان کا مہمان تھا۔ اس کی پراسرار شخصیت کی بناء پر نواب صاحب کو بھی اس پر کچھ کچھ شبہ ہونے لگا تھا لیکن وہ اس سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح چلا جائے لیکن وہ ٹلنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ اکثر وہ نواب صاحب سے کہا کرتا تھا کہ وہ اس وقت تک نہیں جائے جب تک کہ نواب صاحب ان مصیبتوں سے گلو خلاصی نہ حاصل کرلیں گے۔ نواب صاحب نے دو ایک بار دبی زبان سے کہا بھی تھا کہ محض اس کی وجہ سے وہ تکلیف نہ اٹھائے لیکن طارق پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شروع میں غزالہ کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ کوئی آسیبی معاملہ ہے۔ لیکن عاملوں اور سادھوؤں کے تھک ہار جانے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ انسانی سازش کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس نے نواب صاحب سے بھی اس کا تذکرہ کیا اور بہت دیر تک اس کے امکانات پر بحث کرتی رہی لیکن نواب صاحب نے اس کی باتیں ہنسی میں اڑا دیں۔

"آخر یہ چیزیں انسانی سازش کا نتیجہ کیسے ہو سکتی ہیں۔" نواب صاحب بولے۔

"ایسے بہتیرے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ جنہیں مافوق الفطرت سمجھا گیا لیکن بعد کو ان میں انسانی ہاتھ نظر آیا۔"

"وہ اور واقعات ہوں گے...... بھلا کوئی انسان درودیوار سے جانوروں کی آوازیں کس طرح پیدا کر سکتا ہے۔"

"فی الحال میں اس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکتی۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔"

"کیا تمہارا اشارہ طارق کی طرف ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"میرا اشارہ اس کی طرف نہیں۔" غزالہ نے کہا۔ "لیکن کیا ممکن نہیں کہ وہی اس ساری مصیبتوں کا باعث ہو۔ ہمیں تو یہ تک نہیں معلوم کہ وہ رہنے والا کہاں کا ہے۔ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کئی غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ میں نے اس کا ہپناٹزم والا واقعہ آپ سے بتایا تھا۔"

"کسی کی طرف سے خواہ مخواہ بدگمان ہونا درست نہیں۔" نواب صاحب بولے۔

"آپ بدگمانی کہہ رہے ہیں۔" غزالہ بولی۔ "مجھے سو فیصدی یقین ہے۔"

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

"میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ اس معاملہ میں فریدی صاحب کی مدد حاصل کی جائے۔"

نواب صاحب کے کمہلائے ہوئے چہرے پر یک بیک شگفتگی آگئی۔

لیکن پھر فوراً ہی اس پر ناامیدی کی گرد آلود تہیں چڑھ گئیں۔

"بھلا فریدی اس معاملہ میں کیا کر سکے گا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"خواہ مخواہ اسے بلانے سے کیا فائدہ۔"

"اگر وہ کچھ نہ کر سکے تو کم از کم کوئی معقول رائے ہی دے سکیں گے۔"

"مگر وہ آنے ہی کیوں لگا۔"

"آئیں گے کیوں نہیں...... میں نے سنا ہے کہ آجکل وہ اور ان کا اسسٹنٹ تین ماہ کی چھٹی پر ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں ان سے استدعا کروں گی تو وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"خیر کوشش کرو اگر آجائے تو اچھا ہی ہے۔ لیکن میں یہی کہوں گا کہ وہ اس معاملہ میں کوئی مدد نہ کر سکے گا۔"

"خیر اگر کچھ نہ ہو سکا تو کم از کم اتنا ہی ہو جائے گا کہ اگر اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے تو وہ کچھ

دنوں کے لئے اپنی حرکتیں شاید چھوڑ ہی دے۔"

"آدمی کا ہاتھ۔" نواب صاحب تنگ آ کر بولے۔ "بھلا کوئی آدمی در و دیوار سے جانوروں کی آوازیں کیسے نکال سکتا ہے..... اور پھر یہ کہ آئے دن جانوروں کی موت کیا معنی رکھتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو لیکن مجھے سو فیصدی امید ہے کہ فریدی صاحب اس معاملہ پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور ڈالیں گے۔"

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

تاریک رات اپنے سیاہ پر پھیلائے آہستہ آہستہ مغرب سے مشرق کی طرف تیر رہی تھی۔ تقریباً دو بج چکے تھے۔ آج بھی حسب دستور کنوئیں سے چنگاریاں نکلیں تھیں اور جانوروں کی آوازیں بھی سنائی دی تھیں لیکن اس کوٹھی کے لوگ کچھ اس طرح ان چیزوں کے عادی ہو گئے تھے جیسے یہ ان کے لئے کوئی بات ہی نہ ہو، ویسے ان کے دلوں کو ایک کھٹکا لگا ہوا تھا کہ دیکھیں صبح کسی جانور کی لاش سے سابقہ پڑتا ہے یا آدمی کی لاش سے۔

نواب صاحب غزالہ کے کمرے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ غزالہ نے سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہ آسکی۔ آخر کار وہ تھک ہار کر کھڑکی کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے کمرے میں نیلے رنگ کا بلب روشن تھا۔ کمرے کی خاموش فضا میں نیلے رنگ کی بوجھل روشنی کچھ عجیب سی معلوم ہو رہی تھی۔ غزالہ جس کھڑکی کے قریب بیٹھی تھی اس کا رخ باغ کی طرف تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے دفعتاً چونک پڑی۔ ایک تاریک سایہ آہستہ آہستہ کنوئیں کی طرف رینگ رہا تھا۔ غزالہ کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ شور کر کے گھر والوں کو جگا دے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہی رہی۔ وہ انسانی سایہ کنوئیں کے قریب جا کر رک گیا۔ اس نے اپنے کاندھے سے کوئی چیز اتاری اور کنوئیں کی جگت کی قریب جا کر رک گیا۔

کنوئیں کی جگت کے قریب اُگے ہوئے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کوئی چیز کنوئیں میں پھینکی۔ اب وہ کنوئیں میں سر لٹکائے کچھ دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً ٹارچ کی روشنی میں وہ کچھ دیکھنے لگا۔ قریب تھا کہ غزالہ کے منہ سے چیخ نکل جائے لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ ٹارچ کی روشنی میں اُسے اس پر اسرار آدمی کے چہرے کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔ یہ طارق کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ وہ شاید درخت کے تنے سے رسی باندھ کر اسی کے سہارے کنوئیں میں

اترنے جا رہا تھا۔ غزالہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا حلق بند ہو گیا ہو، اور اب وہ کبھی نہ بول سکے گی۔ طارق کنوئیں میں اتر گیا۔ غزالہ محسوس کر رہی تھی جیسے اس پر آہستہ آہستہ غشی طاری ہو رہی ہے۔ اسے طارق کی خوفناک آنکھیں یاد آگئیں اور اس وقت وہ کتنی بھیانک ہو گئی تھیں جب وہ اسے عمل تنویم کے ذریعہ سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ غزالہ کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ ایک عجیب طرح کی سنسناہٹ اسے اپنے سارے جسم میں دوڑتی محسوس ہونے لگی، جسم میں جنبش کرنے کی بھی سکت نہ رہ گئی تھی۔ وہ وہیں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری نیند سو گئی۔ نہ جانے وہ کب تک اسی حال میں سوتی رہی۔ دفعتاً شور کی آواز سن کر وہ جاگ اٹھی۔ صبح ہو گئی تھی، لیکن سورج ابھی تک نہیں نکلا تھا۔ مشرقی افق میں سرخیاں پھوٹ چلی تھیں۔ شور کی آواز باغ کی طرف سے آ رہی تھی۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ کنوئیں کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ غزالہ جھپٹ کر باہر نکلی۔ ابھی وہ چند ہی قدم گئی ہو گی کہ اس نے دیکھا دو نوکر پرویز کو اٹھائے ہوئے کوٹھی کی طرف لا رہے تھے ان کے پیچھے نواب صاحب اور طارق تھے۔

"کیا ہوا......؟" غزالہ بے اختیار بولی۔

"نہ جانے کب سے کنوئیں کے قریب بے ہوش پڑا تھا......!" نواب صاحب گھبراہٹ کے لہجے میں بولے۔

دفعتاً غزالہ کو رات کی باتیں یاد آگئیں۔ اس نے طارق کی طرف دیکھا۔ وہ بے اختیاری میں کچھ کہنے والی تھی کہ طارق نے اپنی جھکی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔ غزالہ لرز گئی۔ طارق سے آنکھیں ملتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کی زبان پکڑ لی ہو۔ اس کے سارے جسم میں تھرتھری سی پیدا ہو گئی۔ اس کی بدلتی ہوئی حالت کا احساس قریب قریب سب کو ہو گیا۔

گھبراؤ نہیں............ ابھی یہ ہوش میں آ جائے گا۔ کوئی خطرے کی بات نہیں۔'' طارق اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

یک بیک اس کے جسم کی تھرتھری ہٹ گئی اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایک پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گئی ہو۔ حتیٰ کہ اسے اپنے دل کی دھڑکن پر بھی شبہ ہونے لگا کہ کہیں اچانک بند تو نہیں ہو گئی۔ وہ شانہ جس پر طارق نے ہاتھ رکھا تھا بالکل سن ہو کر رہ گیا تھا

طارق کے کاندھے پر اس کا عجیب و غریب نیولا بیٹھا ایک اخروٹ کتر رہا تھا۔

پرویز کو ایک صوفے پر لٹا دیا گیا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ وہ ہوش میں ضرور آ گیا تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان بند ہو گئی ہو۔ فوراً ہی ایک ڈاکٹر کو بلایا گیا جس نے اطمینان دلایا کہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ چند معمولی تدابیر اختیار کرنے پر وہ بولنے کے قابل ہو گیا۔

"پرویز میاں......!" نواب صاحب بولے۔ "تم کنوئیں کے پاس کیوں گئے تھے۔"

"تتلی پکڑنے......!" پرویز تتلا کر بولا۔ "اس کے پلو میں چاند ستارے ٹکے ہوئے تھے۔"

"یا اللہ! اس کے حال پر رحم کر۔" نواب صاحب آبدیدہ ہو کر بولے۔

"منگا دیجئے بھائی جان میلی تتلی۔" پرویز بچوں کی طرح ٹھنک کر بولا۔

"ہاں ہاں منگا دیں گے۔" طارق مسکرا کر بولا۔ "تم چپ چاپ لیٹے رہو۔"

طارق کی آواز سن کر غزالہ نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ لیکن اس کی آنکھوں سے نفرت کی بجائے خوف جھانک رہا تھا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ وہ رات کا واقعہ بیان کر دے لیکن ہمت نہ پڑی۔ معلوم نہیں کہ وہ کون سی پراسرار طاقت تھی جو ہر بار اس کی زبان روک دیتی تھی۔

ابھی تک سب پرویز کے صوفے کے گرد کھڑے تھے۔

''میلی دودھ پینے کی چھی چھی۔'' پرویز اچانک اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ابھی منگوائے دیتا ہوں۔" نواب صاحب بولے۔

پرویز کی دودھ پینے کی شیشی کنوئیں کی جگت کے قریب ٹوٹی ہوئی پڑی تھی۔

"تم کس وقت وہاں گئے تھے۔" طارق نے پرویز سے پوچھا۔

''جب تالی بلی پر اونٹ بیتھا پانی پی لہا تھا۔'' پرویز نے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے رات انہیں خبیث ارواح نے گھیرا تھا۔" طارق کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"اے گجالا اسے یہاں سے ہٹا دو۔" پرویز نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے غزالہ سے کہا۔ "نہیں تو یہ مال ڈالے گا۔"

غزالہ کے رہے سہے شبہات بھی پرویز کے اس جملے پر رفع ہو گئے اور اسے پورا یقین ہو گیا

کہ ان شیطانی حرکتوں میں طارق کا ہاتھ ہے۔ جس طرح وہ ایک ان جانے خوف کے ماتحت اس کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اسی طرح شاید پرویز بھی ڈرتا ہے۔

اسی دن شام کو غزالہ کچھ ایسے انتظامات میں مشغول نظر آئی جیسے اسے سفر کرنا ہے۔ نواب صاحب کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ اپنے ماموں کے یہاں شہر جا رہی ہے۔ نواب صاحب نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ پہلے ہی سے چاہتے تھے کہ وہ کچھ دن کے لئے کسی عزیز کے یہاں چلی جائے، انہوں نے اس سے کہا بھی تھا لیکن وہ اس پر تیار نہ تھی۔

غزالہ سات بجے شام کی گاڑی سے شہر روانہ ہو گئی۔

روانگی

غزالہ اسٹیشن سے ٹیکسی کر کے فریدی کے گھر پہنچی۔ فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ سرجنٹ حمید ریڈیو پر پکے گانے سن رہا تھا۔ غزالہ کو دیکھ کر اس نے ریڈیو بند کر دیا اور گھبراہٹ میں اس نے اس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔ آخر وہ خود ہی ایک آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا فریدی صاحب تشریف نہیں رکھتے۔" غزالہ نے پوچھا۔

"کہیں گئے ہیں۔"

"شہر سے باہر۔"

"جی نہیں۔"

"کب تک لوٹیں گے۔"

"یہ بتانا ذرا دشوار ہے۔"

"خیر میں ان کا انتظار کروں گی۔"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

"آپ نے ریڈیو کیوں بند کر دیا۔" غزالہ مسکرا کر بولی۔ "آپ کو پکے گانوں سے بڑی دلچسپی

معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں کچھ یوں ہی سی۔" حمید نے دوبارہ ریڈیو کی سوئی گھماتے ہوئے کہا۔

"کیا فریدی صاحب آج کل چھٹی پر ہیں۔"

"جی ہاں......!"

"اور آپ بھی۔"

"جی......!"

پھر خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر بعد حمید اٹھا۔

"تو آپ بھی کہیں جا رہے ہیں۔"

"ذرا چائے کے لئے کہہ دوں۔"

"اوہ تکلیف نہ کیجئے۔"

"تکلیف کی کوئی بات نہیں۔"

حمید کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے میز پر رکھی ہوئی کتابیں الٹنی پلٹنی شروع کر دیں۔ وہ اس وقت فریدی کی لائبریری میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہاں چاروں طرف کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں لگی ہوئی تھیں۔ لائبریری کا کمرہ فریدی کے عجائبات کے کمرے سے ملا ہوا تھا۔ دونوں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی۔ غزالہ جس میز کی کتابیں دیکھ رہی تھی وہ اسی دیوار سے ملی ہوئی تھی جیسے ہی اس نے ریک میں لگی ہوئی کتابوں سے ایک کتاب اٹھائی اسے دیوار میں ایک بڑا سا سوراخ دکھائی دیا اور ساتھ ہی سانپ کے پھپھکارنے کی آواز آئی۔ وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ آواز پھر سنائی دی۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ آواز دوسرے کمرے سے اس سوراخ کے ذریعے آ رہی ہے۔ اس نے کتابیں ہٹا کر بے اختیار اپنی آنکھیں سوراخ سے لگا دیں۔ دوسرے کمرے میں ایک بہت زیادہ طاقت والا بلب روشن تھا۔ پھپھکار کی آواز سنائی دی اور غزالہ بے اختیار چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ ایک بڑا سا کالا سانپ زمین پر بچھے ہوئے قالین پر رینگ رہا تھا۔

"حمید صاحب، حمید صاحب۔" وہ بے اختیار چیخنے لگی۔

"کیا بات ہے۔" حمید کمرے میں بے تحاشہ داخل ہو کر بولا۔

"وہ......وہ...... کمرے میں سانپ" غزالہ ہانپتی ہوئی بولی۔

حمید ہنسنے لگا۔

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ آپ خود دیکھ لیجئے۔" غزالہ سوراخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

غزالہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"وہاں ایک نہیں سینکڑوں ہیں۔"

"جی......!" غزالہ کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"جی ہاں، وہ فریدی صاحب کا عجائب خانہ ہے۔ اتفاق سے اس وقت اس کمرے کی کنجی انہیں کے پاس ہے ورنہ میں آپ کو وہاں کی سیر کراتا۔"

"کیا انہوں نے سانپ بھی پال رکھے ہیں۔"

"جی ہاں سینکڑوں کی تعداد میں۔"

غزالہ خاموش ہو گئی۔ فریدی کی شخصیت اسے طارق کی شخصیت سے بھی عجیب معلوم ہونے لگی۔ جو اپنے کاندھے پر نیولا اٹھائے پھرتا ہے۔

"فریدی صاحب ساڑھے نو بجے تک واپس آ جائیں گے کیونکہ یہ ان سانپوں کے دودھ پینے کا وقت ہوتا ہے۔"

"دودھ کون پلاتا ہے انہیں۔" غزالہ نے پوچھا۔

"خود فریدی صاحب۔"

غزالہ اسے پھر پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آیئے دوسرے کمرے میں چل کر بیٹھیں، جیسے جیسے ان کے کھانے کا وقت قریب آتا جائے گا ویسے ویسے ان کی دھاچوکڑی بڑھتی جائے گی۔" حمید نے دیوار کے سوراخ کو کتابوں سے ڈھانکتے ہوئے کہا۔

دونوں لائبریری سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔

تھوڑی دیر کے بعد چائے آ گئی۔

"آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔" غزالہ بولی۔

"تکلیف......!" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ بھی کمال کرتی ہیں۔"

اس نے چائے بنا کر غزالہ کے آگے بڑھا دی۔

برآمدے میں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر سناٹا چھا گیا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا اس کی محبوبہ شہناز دروازہ میں کھڑی غزالہ کو گھور رہی تھی۔ حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"آؤ...... آؤ۔"

شہناز اندر آ کر بیٹھ گئی۔

"چائے......!" حمید نے اس کی طرف پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں پی کر آئی ہوں۔" شہناز نے خشک لہجہ میں کہا۔

"آپ سے ملئے آپ غزالہ خانم ہیں۔ آپ شہناز بانو۔"

شہناز اور غزالہ نے ہاتھ ملاتے ہوئے دو چار رسمی جملے دہرائے اور پھر خاموشی سے ایک دوسری کو دیکھنے لگیں۔

"بھئی چائے تو ہر وقت پی جا سکتی ہے۔" حمید نے شہناز سے کہا۔

"ضروری نہیں کہ میں بھی آپ کے اصول پر عمل کروں......!" شہناز نے اس انداز میں کہا کہ حمید جھینپ گیا۔ اب اس نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اگر شہناز غزالہ کو دیکھ کر کسی شبہ میں مبتلا ہو گئی ہے ایسی صورت میں اسے چھیڑنا یقیناً خطرناک بات تھی۔

"آپ فریدی صاحب سے ملنے آئی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہوں......!"

حمید کے اس فضول جملے پر غزالہ سمجھ گئی کہ حمید شہناز کو مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا وہ خود بھی فریدی کے متعلق گفتگو کرنے لگی۔

"معلوم نہیں فریدی صاحب کب آئیں گے۔ ان سے میرا ملنا ضروری ہے۔" غزالہ بولی۔

شہناز اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی انگریزی سروں میں سیٹی بجاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"ارے غزالہ خانم خیریت۔" فریدی نے دروازے میں رک کر کہا۔

سب لوگ کھڑے ہو گئے۔

"کب آئیں۔" فریدی نے غزالہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تقریباً ایک گھنٹہ سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ اسٹیشن سے اتر کر سیدھی ادھر ہی آئی ہوں۔"

"اور حمید صاحب آپ کو محض چائے پر ٹال رہے ہیں۔ بیٹھئے بیٹھئے۔"

پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ارے بھئی کھانے کے لئے کہو۔"

"نہیں نہیں میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ ابھی مجھے اپنے ایک عزیز کے یہاں جانا ہے۔"

"عزیز تو میں بھی ہوں۔ کیا نواب صاحب نے آپ کو نہیں بتایا۔" فریدی نے کہا۔

"بتایا تھا...... لیکن......!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں......!" فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "حمید......!"

"خیر کھا لوں گی...... لیکن پہلے وہ کام ہونا چاہئے جس کے لئے میں آئی ہوں۔"

"کیا بات ہے کوئی خاص پریشانی......!"

"جی ہاں۔"

"بیان کیجئے۔"

"میں...... ہاں...... جی...... ابھی آپ کہیں سے تھکے ہوئے آ رہے ہیں...... ذرا آرام کر لیجئے۔"

فریدی سمجھ گیا کہ وہ شہناز کی موجودگی میں کچھ کہتے ہوئے ہچکچاتی ہے۔

"آئیے میں آپ کو اپنا گھر دکھاؤں......!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

غزالہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"نہیں عجائب خانہ ضرور دکھائیے گا...... ابھی آپ کی لائبریری سے ایک سانپ دیکھ کر ڈر گئی تھیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا......!" فریدی نے کہا۔ "خیر آئیے۔"

دونوں ڈرائنگ روم سے چلے گئے۔

"تم کچھ ناراض معلوم ہوتی ہو۔" حمید نے شہناز سے کہا۔

"نہیں تو......!"

"پھر چائے کیوں نہیں پی۔"

"واہ یہ اچھی رہی۔"

"یقیناً چائے اچھی ہے تم پی کر تو دیکھو۔"

"چھوڑیئے...... آپ تو خواہ مخواہ جملوں کو توڑنے مروڑنے لگتے ہیں۔" شہناز نے تنگ آکر کہا۔

"لیکن آج تک کسی جملے نے مجھ سے اس کی شکایت نہیں کی۔"

"بس اب چل پڑا چرخہ......!" شہناز منہ بنا کر بولی۔

حمید ہنسنے لگا۔

"اچھا یہ بتایئے کہ آپ وعدہ کرنے کے باوجود بھی کل کیوں نہیں آئے۔" شہناز نے کہا۔

"یہ فریدی صاحب سے پوچھو، ان کے چکر میں پڑنے کے بعد اس سے نکلنا مشکل ہوتا ہے۔"

"آج کل کون سا چکر...... چھٹی پر ہیں نا......!"

"جس پر ہر وقت کام کرنے کا بھوت سوار رہتا ہو اس کے لئے کیسی چھٹی اور کیسی مشغولیت، غزالہ کا اس وقت آنا مجھے پریشان کر رہا ہے۔"

"کیوں......!"

"کوئی غیر معمولی بات۔"

"تو آپ کو کس بات کی پریشانی ہے۔"

"پریشانی یوں ہے کہ کہیں یہ چھٹیوں کا زمانہ یوں ہی برباد نہ ہو جائے۔ اگر وہ کسی معاملے میں فریدی صاحب سے مدد لینے آئی ہے تو پھر چھٹیوں کا اللہ ہی مالک ہے۔"

"یہ غزالہ کون ہے۔"

"داراب نگر کے جاگیردار نواب رشید الزماں کی لڑکی۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔

"دراصل میں یہ کہنے آئی ہوں کہ پرسوں میری سالگرہ ہے۔"

"تو کیا کھلاؤ گی مجھے۔"

"لیمن ڈراپس......!" شہناز نے کہا اور ہنسنے لگی۔

"نہیں ہم تو......!" وہ شہناز کے گال کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"آپ شیطان ہیں۔" شہناز نے آہستہ سے کہا اور شرما کر سر جھکا لیا۔

"اچھا جی، ہم شیطان ہیں۔"

"شہناز نے سر ہلا دیا۔" اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"جاؤ نہیں بولتے۔" حمید نے روٹھ جانے کی ایکٹنگ کی۔

"اس کے علاوہ اور کچھ بھی آتا ہے آپ کو۔" شہناز بولی۔

"گانا آتا ہے...... بجانا آتا ہے...... مگر شرط یہ ہے ہاتھ میرے سر دوسرے کا ہو۔ تیرنا آتا ہے فن شہسواری کا ماہر ہوں۔ بچپن میں خود ہی گھوڑا بن جاتا تھا۔ کھانا پکا نہیں سکتا لیکن کھانا آتا ہے۔ والد بزرگوار اکثر فرماتے ہیں کہ......!"

"بس بس......!" شہناز ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "پھر چل پڑا چرخہ۔"

"اچھا اسے جانے دو......" حمید سنجیدہ ہو کر بولا۔ "تم پھولوں سے زیادہ حسین ہو۔ کنول سے زیادہ نازک، تمہاری آواز نہیں شہد کی بوند ہے جب تم مسکراتی ہو تو کلیاں کھل جاتی ہیں، جب چلتی ہو تو قیامت اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کھڑی کی کھڑی رہ جاتی ہے اور جب نہیں چلتی ہو تو قیامت اپنا ارادہ بدل کر...... اوہ وہ...... بدل کر...... کیا کرنے لگتی ہے...... جانتی ہو...... تم نہیں جانتیں۔ اچھا میری آنکھوں میں دیکھو...... کیا دکھائی دیتا ہے۔"

"کلیوں کا تبسم، پھولوں کا نکھار" شہناز حمید کے لہجے کی نقل کرتی ہوئی بولی۔

"پتوں کی جوانی، بجلی کی چمک، بادلوں کی گرج وغیرہ وغیرہ۔"

"تب تو تم ضرور اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میری آنکھوں میں صرف دیدے ہیں...... دیدے...... کیا سمجھیں۔"

"اپنا سر!" شہناز جھینپ کر بولی۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر نے کھانے کی اطلاع دی۔

"انسپکٹر صاحب اور مہمان کھانے کی میز پر آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"میں تو چلی......!" شہناز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"واہ چائے نہیں پی تو کھانا بھی نہ کھاؤ گی۔" حمید نے کہا۔

کھانے کی میز پر زیادہ تر خاموشی ہی رہی، فریدی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر حمید کا ماتھا ٹھنکا۔ فریدی کا اس طرح سوچ میں ڈوب جانا خاص ہی خاص موقعوں پر دکھائی دیتا تھا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر غزالہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"اچھا تو میں چلتی ہوں...... اسٹیشن پر تین بجے آپ لوگوں کا انتظار کروں گی۔"

"بہت اچھا......!" فریدی نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور بیٹھ گیا۔ وہ اس طرح سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ غزالہ کو رخصت کرنے کے لئے برآمدے تک بھی نہ گیا۔

حمید اور شہناز اسے پھاٹک تک پہنچا کر لوٹ آئے۔

"تو کیا آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں۔" شہناز نے فریدی سے پوچھا۔

"ہاں ایک ضروری کام ہے۔"

"پرسوں میری سالگرہ ہے...... میں آپ لوگوں کو مدعو کرنے آئی تھی۔"

"مگر تم نے اس وقت مدعو کیا جب میں نے ایک دوسرے سے وعدہ کر لیا۔ پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔"

"موقع ہی کہاں مل سکا۔" شہناز نے کہا اور حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں۔" فریدی بولا۔

"واپسی کب تک ہوگی۔"

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔"

شہناز تھوڑی دیر منہ لٹکائے بیٹھی رہی پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔

حمید کو فریدی پر سخت غصہ آرہا تھا۔ وہ شہناز کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

"بھئی بتاؤ اب میں کیا کروں۔" حمید نے شہناز سے کہا۔

شہناز کوئی جواب دیئے بغیر سڑک پر ہولی اور حمید لوٹ آیا۔

"ایک بہت دلچسپ کیس......!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مجھے چھٹیوں میں اس قسم کی دلچسپیوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"بکو نہیں، تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"حکم حاکم مرگ مفاجات۔" حمید بے دلی سے بولا۔

"یہ بات نہیں پیارے..... چلو بس مزہ آجائے گا۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

حمید خاموش رہا۔

"بھئی تمہارے عشق سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"خدا کرے کہ آپ کو بھی کسی سے ہو جائے۔" حمید جل کر بولا۔

"اسی دن خودکشی کر لوں گا برخوردار۔" فریدی اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"تو تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ آپ کو عشق ہو گیا۔"

"اف فوہ اس قدر عاجز آگئے ہو مجھ سے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر خیر جا کر اپنا سامان درست کرو۔ ہمیں تین بجے کی گاڑی سے دار اب نگر جانا ہے۔"

حمید خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا اور فریدی نے سگار سلگا کر ٹہلنا شروع کر دیا۔

لائبریری میں لاش

غزالہ دونوں کا اسٹیشن پر انتظار کر رہی تھی۔ فریدی اور حمید وقت پر پہنچ گئے۔ ان کا سامان ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں رکھ دیا گیا۔

ٹرین پر غزالہ نے پھر وہی گفتگو چھیڑ دی۔ حمید کو اس بارے میں ابھی تک کچھ بھی معلوم نہیں تھا چونکہ اس کو طوعاً و کرہاً جانا پڑ رہا تھا اس لئے اس نے اپنی بے تعلقی ظاہر کرنے کے لئے فریدی سے یہ بھی پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ آخر دار اب نگر جانے کی وجہ کیا ہے۔ لیکن ٹرین پر جب اس کا تذکرہ ہونے لگا تو اس کی دلچسپی بھی بڑھ گئی اور وہ خلاف عادت بشاش نظر آنے لگا۔ اس کی فطرت بھی عجیب تھی۔ کام کے موقعوں پر وہ ہمیشہ ایسی گفتگو کرنے لگتا تھا جیسے وہ انتہائی نکما اور کام چور قسم کا آدمی ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ جب وہ کسی کام میں لگ جاتا تھا تو اسے پوری پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتا تھا۔ خطرناک موقعوں پر بظاہر وہ ایک ڈرپوک قسم کا

مسخرہ نظر آتا تھا لیکن خود اس کی دل کی گہرائیوں میں خوف کی ایک ننھی سی لہر بھی نہ ہوتی تھی۔ فریدی اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس سے کس طرح کام لیا جاسکتا ہے۔

غزالہ نے طارق اور اس کے عجیب و غریب نیولے کا ذکر چھیڑ رکھا تھا۔ معلوم نہیں کیوں فریدی کی موجودگی میں اسے طارق کی خوفناک آنکھیں نہیں یاد آئیں۔

"میں نے بھی ایسا نیولا آج تک نہیں دیکھا۔" حمید نے کہا۔

"یقیناً وہ ایک نایاب چیز ہے اور بہتیری غیر معمولی خصوصیات کا حامل بھی۔ برازیل کے قدیم باشندے اسے شاکی کہتے ہیں اور بہت ادب سے اس کا نام لیتے ہیں کیونکہ وہ ان کا ایک دیوتا ہے۔ ایک خاص تہوار کے موقع پر وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ یقیناً طارق کو اسے حاصل کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ فریدی سگار کا کش لے کر خاموش ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ اس کے بارے میں طارق سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔" غزالہ نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ دفعتاً چونک کر کہنے لگا۔

"کیا یہ وہی طارق تو نہیں، جو دنیا کی بہت سی زبانیں جانتا ہے۔"

"ہاں...... لیکن کیا آپ اسے جانتے ہیں۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھیں بدستور ٹرین کے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھور رہی تھیں۔

حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی ایسے موقعوں پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا جب وہ کسی گہری سوچ میں ہو۔ اس لئے اس نے غزالہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

وہ اس سے واقعات کی تفصیل پوچھتا رہا۔

فریدی پھر چونکا۔

"حمید کیا تمہیں دھرم پور کے جنگلوں کے بھوت یاد نہیں۔"

"یاد ہیں، لیکن یہ معاملہ اس سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......!"

"اس لئے کہ ہم یہ سارے واقعات شاید اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ بھلا در و دیوار سے

جانوروں کی آوازیں آنا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر جانوروں کی موتیں۔ کنوئیں سے چنگاریوں کا نکلنا تو خیر کوئی ایسی بات نہیں۔"

"سب کچھ ممکن ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"جانوروں کے بعد اب آدمی کا نمبر آیا ہی چاہتا ہے۔" فریدی نے سگار کا ایک طویل کش لے کر کہا۔

غزالہ بے اختیار چونک پڑی۔

"کیا مطلب......!"

"گھبرائیے نہیں...... آپ بالکل ٹھیک وقت پر میرے پاس پہنچیں۔" فریدی نے کہا۔

"نواب صاحب پرانے خیالات کے آدمی ہیں۔ ان کا ذہن بھوتوں سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ وہ کیا جانیں کہ سائنسی دور میں ایک معمولی آدمی بھی اس قسم کے معجزے دکھا سکتا ہے۔"

"خیر یہ تو میں بھی کہہ سکتی ہوں کہ یہ سائنس کا کرشمہ ہے۔ البتہ یہ ضرور یقین رکھتی ہوں کہ اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے، جو اپنی پراسرار قوتوں سے کام لے رہا ہے۔"

"غالباً آپ کا اشارہ طارق کی طرف ہے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

غزالہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس گفتگو کے بعد پھر خاموشی چھا گئی اور فریدی خلاء میں گھورنے لگا۔ کچھ ملگجا سا سماں تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے فرحت انگیز جھونکے صبح کی آمد کا پیام دے رہے تھے۔ حمید اونگھنے لگا تھا۔ غزالہ کی خوبصورت آنکھیں بھی نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوتی جارہی تھیں۔ فریدی کے چہرے پر بس تازگی نظر آرہی تھی۔ جیسے وہ رات بھر سوتے رہنے کے بعد سورج نکلنے سے قبل اٹھ گیا ہو۔ تھکن کی ایک شکن بھی اس کی پیشانی پر نہ تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں گہرے تفکر کا پتہ دے رہی تھیں۔

تقریباً چھ بجے وہ لوگ داراب نگر پہنچ گئے۔ کوٹھی کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی غزالہ کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا۔ پورٹیکو میں دو تین کانسٹیبل کھڑے تھے اور کچھ اس قسم کی پریشان کن آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔

غزالہ فریدی اور حمید کو پیچھے چھوڑ کر بے تحاشہ بھاگی۔

وہ دونوں ٹیکسی پر سے سامان اتروا ہی رہے تھے کہ غزالہ دوڑی ہوئی واپس آئی۔

"لاش، لائبریری میں لاش۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"کس کی لاش......!" فریدی نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"اباجان کے پرائیویٹ سیکریٹری کی۔"

"اور آخر وہی ہوا...... جس کا کھٹکا تھا۔" فریدی نے سامان وہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ غزالہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیز قدموں سے کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

متعدد کمروں سے گذرتے ہوئے وہ لائبریری کے برآمدے میں پہنچے۔

یہاں گھر کے سارے نوکر اکٹھا تھے اور دونوں کو آتا دیکھ کر وہ ادھر اُدھر ہٹ گئے۔

لائبریری میں دو سب انسپکٹر ایک ہیڈ کانسٹیبل، طارق اور نواب صاحب کھڑے تھے۔ کھڑکی کے قریب رکھی ہوئی کرسی کے پاس ایک آدمی اس طرح پڑا تھا جیسے وہ اسی کرسی پر بیٹھے بیٹھے زمین پر لڑھک گیا ہو۔ اس کا ایک ہاتھ ابھی تک کرسی ہی پر تھا۔

"ارے فریدی میاں......!" نواب صاحب بے ساختہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ "بھئی ٹھیک وقت پر آئے۔"

"یہ واقعہ کب ہوا۔"

"معلوم نہیں...... لیکن صبح مجھے ایک نوکر نے آکر اس کی اطلاع دی۔"

"ہوں......!" فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"میں کیا بتاؤں کہ میں کن مصیبتوں میں پھنس گیا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"مجھے غزالہ صاحبہ کی زبانی سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

"تو کیا غزالہ تمہارے ہی پاس گئی تھی۔" نواب صاحب بولے۔ "اس نے بڑی دانشمندی سے کام لیا۔ میری تو عقل ہی ماری گئی تھی۔"

"آپ کی تعریف......!" ایک سب انسپکٹر نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"ارے آپ انہیں نہیں جانتے۔" نواب صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ محکمہ سراغرسانی کے انسپکٹر فریدی ہیں۔"

"اوہ......!" سب انسپکٹر نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "تب تو پھر ہم لوگوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔"

"آپ لوگ خواہ مخواہ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کوئی زخم نہیں...... کوئی نشان نہیں۔ گردن بھی ہم نے بغور دیکھی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ موت کیسے واقع ہوئی ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"ذرا میں بھی دیکھ لوں۔" فریدی نے لاش کے قریب جھکتے ہوئے کہا، وہ بڑی دیر تک اپنے محدب شیشے سے لاش کا معائنہ کرتا رہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" فریدی نے سب انسپکٹر کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"کوئی نشان نہیں، آپ نے ابھی تک کسی ڈاکٹر کو نہیں بلوایا۔"

"آ ہی رہا ہوگا۔" سب انسپکٹر بولا۔

"کیا یہ رات میں باہر بیٹھا کرتا تھا۔" فریدی نے نواب صاحب سے پوچھا۔

"نہیں...... کل ہی میں نے اسے ایک کتاب تلاش کرنے کے لئے یہاں بھیجا تھا اور مطمئن ہو گیا تھا کہ وہ کتاب تلاش کر کے اپنے کمرے میں آگیا ہوگا۔"

"غالباً وہ اس کرسی پر بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"اور اچانک کوئی خوفناک چیز دیکھ کر دل کی حرکت بند ہو گئی۔" طارق نے کہا۔

فریدی اسے گھورنے لگا۔

"اور وہ خوفناک چیز کیا ہو سکتی ہے......!" فریدی نے ایسے لہجے میں کہا کہ طارق گڑبڑا گیا۔

"ابھی آپ ہی نے فرمایا ہے کہ آپ کو سب حالات معلوم ہو چکے ہیں۔" طارق نے اپنے نیولے کو کاندھے سے اتار کر گود میں لیتے ہوئے کہا۔

"یہ شاکی آپ کو کہاں سے ملا۔" فریدی نے بے ساختہ پوچھا۔

"اوہ......!" طارق نے چونک کر کہا۔ "تو آپ اس کا نام جانتے ہیں۔"

"ان دیوتا مہاراج کو کون نہ جانے گا۔"

طارق فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

اتنے میں ڈاکٹر آگیا۔

"آپ معائنہ کر سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہم لوگ دیکھ بھال کر چکے ہیں۔"

ڈاکٹر کافی دیر تک لاش کا معائنہ کرتا رہا۔

"موت واقع ہوئے تقریباً چار یا پانچ گھنٹے ہو چکے ہیں۔" ڈاکٹر نے سر اٹھا کر کہا۔

"موت کی وجہ......!" فریدی نے پوچھا۔

"اچانک قلب کی حرکت بند ہو گئی۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"دیکھا آپ نے......!" طارق بے ساختہ بولا۔

"کیا دل کی کسی بیماری میں مبتلا تھا۔" فریدی نے طارق کی بات کو نظر انداز کر کے نواب صاحب سے پوچھا۔

"ہاں......اسے عرصہ سے اختلاج قلب کی تکلیف تھی۔"

"تب تو میرے خیال سے ہمیں واپس ہی چلنا چاہئے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ٹھہریئے۔ ابھی شبہات رفع نہیں ہوئے۔" فریدی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

وہ کھڑکی کے قریب کھڑا ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"نواب صاحب...... کیا یہاں روز رات کو کوئی بیٹھا کرتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں خود بلاناغہ دو تین گھنٹے یہاں بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔"

"ٹھیک......!" فریدی نے میز پر پڑی ہوئی کشتی نما ٹوپی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہ غالباً اسی کی ٹوپی ہے۔"

"نہیں میری ہے۔"

"آپ کی......!" وہ کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں......اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔" نواب صاحب حیرت سے بولے۔

"آپ کون سا تیل استعمال کرتے ہیں۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"کوئی نہیں۔" نواب صاحب اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جھینپتے ہوئے بولے۔

"معاف کیجئے گا.....ایک بہت ضروری سوال تھا۔" فریدی نے میز پر ٹوپی رکھتے ہوئے کہا۔

وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے دوسروں کی موجودگی کو قطعی فراموش کر دیا ہو۔

حیرت انگیز انکشافات

فریدی کی آنکھیں دبے ہوئے جوش کا اظہار کر رہی تھیں۔ ایک بار رک کر اس نے سگار سلگایا اور دو تین لمبے لمبے کش لینے کے بعد پھر ٹہلنے لگا۔ کھڑکی کے قریب جا کر اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور نواب رشید الزماں کے سامنے کھڑا ہو کر انہیں گھورنے لگا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ اتنی رات گئے تک کتاب کیوں ڈھونڈھتا رہا۔ کیا اس کے بارے میں آپ کا کوئی سخت حکم تھا۔"

"بالکل نہیں۔" نواب صاحب بولے۔ "میں نے اس سے شام کو کہا تھا کہ کسی وقت کتاب ڈھونڈھ لے گا۔ میں نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ رات ہی کو ڈھونڈھ لے۔"

"کیا آپ کل حسب دستور یہاں آئے تھے۔"

"نہیں......جب سے یہ واقعات رونما ہونے شروع ہوئے ہیں میں نے رات میں یہاں بیٹھنا قریب قریب ترک کر دیا ہے۔ اگر کبھی آتا بھی ہوں تو دس بجے سے پہلے پہلے اٹھ جاتا ہوں۔"

"کل رات آئے تھے یا نہیں۔"

"کل شام ہی سے میری طبیعت بھاری تھی.....اسلئے میں نے پڑھنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"ٹھیک......!" فریدی نے کہا اور ٹہلنے لگا۔

"آپ بے کار پریشان ہو رہے ہیں، یہ کھلا ہوا آسیبی معاملہ ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

فریدی نے اسے ہاتھ اٹھا کر چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

پولیس والے مسکرا کر رہ گئے۔ صرف حمید اور غزالہ خاموشی کے ساتھ فریدی کی لحظہ بہ لحظہ بدلتی ہوئی حالت کا جائزہ لے رہے تھے۔ طارق کے ہونٹوں پر اس کی پراسرار مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

فریدی کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر نواب صاحب کی طرف مڑ کر بولا۔

"آپ اسی کرسی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔"

"ہاں......!"

"قریب قریب ہمیشہ۔"

نواب صاحب نے سر ہلا دیا۔ وہ فریدی کے الٹے سیدھے سوالات سے کچھ اکتائے ہوئے سے نظر آرہے تھے۔

"ایک بات اور...... کیا آپ پڑھتے وقت ایک بار پانی پینے کے عادی ہیں۔"

"ہاں......!" نواب صاحب حیرت سے بولے۔ "لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا۔"

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے ایک بار پھر کھڑکی کے قریب جاتے ہوئے کہا۔

اس نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر ادھر اُدھر دیکھا اور نواب صاحب کے پاس لوٹ آیا۔

"آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"ذرا دو منٹ کے لئے اس کرسی پر بیٹھ جایئے۔" فریدی نے اس لاش کے قریب والی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے۔

"امید ہے آپ بُرا نہ مانیں گے۔ لیکن یہ ضروری ہے۔"

نواب صاحب کرسی پر بیٹھ گئے۔

"اور اب یہ ٹوپی پہن لیجئے۔" فریدی نے میز پر پڑی ہوئی ٹوپی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔ نواب صاحب بھی خفیف ہوئے لیکن فریدی کی کڑی نظروں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے چہروں پر ایک بار پھر سنجیدگی پھیلا دی۔

نواب صاحب نے ٹوپی پہن لی۔

"میں ایک منٹ آیا۔" فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے جاتے ہوئے کہا۔

دونوں لائبریری کی پشت پر آکر کھڑے ہو گئے۔

"دیکھ رہے ہو حمید۔" فریدی نے کہا۔ "کھڑکی سے صرف نواب صاحب کی ٹوپی دکھائی دے رہی ہے اور ان کی پیٹھ ہماری طرف ہے اور اس کھڑکی کی اونچائی بھی تم دیکھ رہے ہو۔"

"تو کیا......!" حمید کی آنکھوں سے حیرت کی جھلکیاں دکھائی دیں۔

"تم یہیں ٹھہرو...... اور ان کا خیال رکھنا۔" فریدی نے کھڑکی کے نیچے پڑے ہوئے ایک

ٹوٹی ہوئی صراحی کے ٹھیکروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"ان پر کڑی نظر رکھنا کوئی انہیں چھونے نہ پائے۔" فریدی نے کہا اور لائبریری میں چلا گیا۔ نواب صاحب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"اب اٹھ جایئے...... یہاں کا کام ختم۔" فریدی نے کہا۔

نواب صاحب اٹھ گئے۔ ہر ایک کی حیرت زدہ نگاہیں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔

"اب اگر آپ لوگ ایک دلچسپ تماشہ دیکھنا چاہیں تو میرے ساتھ آیئے۔" فریدی ہیڈ کانسٹیبل کی طرف مڑ کر بولا۔ "دیوان جی آپ یہیں لاش کے پاس ٹھہریئے۔"

ہیڈ کانسٹیبل کے علاوہ اور سب لوگ فریدی کے ساتھ لائبریری کی پشت پر آگئے۔ حمید ابھی تک کھڑا ٹھیکروں کی نگرانی کر رہا تھا۔ فریدی نے ادھر اُدھر دیکھا۔ ایک کمرے کی کھڑکی میں لٹکے ہوئے پیتل کے بڑے سے حلقے میں ایک سفید رنگ کا بھاری بھر کم طوطا بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کے ایک پیر میں سنہرے رنگ کی ایک سبک سی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ زنجیر کا دوسرا سرا حلقے میں لٹکا ہوا تھا۔

"بہت خوبصورت طوطا ہے۔" فریدی نے اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب اس کا منہ دیکھنے لگے۔

"کیا آپ اسے یہاں منگوا سکتے ہیں۔" فریدی نے نواب صاحب سے کہا۔

"کیوں نہیں۔" نواب صاحب نے کہا۔ لیکن ان کی نظروں میں حقارت کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ فریدی نے اسے محسوس کیا لیکن صرف مسکرا کر رہ گیا۔

نواب صاحب کے اشارے پر ایک نوکر طوطے کو کھڑکی سے اتار لایا۔

فریدی کھڑکی کے نیچے پڑے ہوئے ٹھیکروں کی طرف بڑھا۔ ایک بڑا سا ٹھیکرا جس میں تھوڑا سا پانی تھا اٹھا کر طوطے سے قریب لایا اور اس کی چونچ سے لگا دیا۔ طوطا پانی پینے لگا۔ ابھی وہ پانی پی ہی رہا تھا کہ طارق کا نیولا اچھل کر فریدی کے ہاتھ پر آرہا۔ ٹھیکرا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

فریدی نے مسکرا کر طارق کی طرف دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے جناب۔" طارق نے معذرت کرتے ہوئے نیولے کو پکڑ لیا۔

"کھیل واقعی بڑا دلچسپ ہے۔" نواب صاحب طنزیہ انداز میں بولے۔

"دیکھتے جایئے، اصل کھیل تو ابھی شروع ہی نہیں ہوا۔" فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اچھا......!" نواب صاحب کا طنزیہ انداز بدستور قائم رہا۔

"ذرا ایک خالی بوتل منگوایئے۔" فریدی نے نواب صاحب سے کہا۔

فریدی نے طوطے کا حلقہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کی تیز نگاہیں طوطے کا گہرا جائزہ لے رہی تھیں۔

"حمید! بقیہ ٹھیکروں کا پانی احتیاط سے اس بوتل میں ڈال لو۔" فریدی نے بوتل نوکر کے ہاتھ سے لے کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ہر چند کہ معاملات بہتوں کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ لیکن ہر ایک کی نظر طوطے کی طرف لگی ہوئی تھی۔ یک بیک طوطے نے پر پھڑپھڑانے شروع کیے اور دیکھتے ہی دیکھتے حلقے سے لڑھک کر زنجیر میں جھول گیا۔

"ارے......!" نواب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا اور انہوں نے جھپٹ کر حلقہ فریدی کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ارے یہ تو مر گیا۔" نواب صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

فریدی ان کی بات سنی ان سنی کر کے سب انسپکٹر پولیس کی طرف مڑا۔

"داروغہ جی...... آپ سیکریٹری کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا سکتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ...... یہ مردہ طوطا بھی۔"

"تو کیا...... تو کیا......!" سب انسپکٹر اس کے آگے نہ کہہ سکا۔

"جی ہاں...... جس زہر نے طوطے کی جان لی، وہی سیکریٹری کی موت کا بھی باعث ہے۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"زہر......!" نواب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جناب والا......!" فریدی نے قدرتے جھکتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بھی واضح رہے کہ زہر دینے والے کا نشانہ خود آپ تھے وہ تو یہ کہئے سیکریٹری کی قضا آئی تھی۔"

"میں......!" نواب صاحب چونک کر بولے۔

"جی ہاں......!"

"مگر کیسے۔"

"بہت ہی معمولی بات ہے۔ آیئے لائبریری میں چل کر آپ کو سمجھاؤں۔"

فریدی نے طارق کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

سب لوگ پھر لائبریری میں چلے آئے۔ فریدی کی گفتگو سن کر غزالہ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"سیکریٹری کی موت کا باعث غالباً آپ کی ٹوپی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو، جو کچھ کہنا ہو صاف صاف کہو۔" نواب صاحب نے اکتا کر کہا۔

"میں اختلاج قلب کا مریض ہوں۔"

"ٹھہریئے...... ابھی آپ نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کوئی تیل استعمال نہیں کرتے، لیکن ذرا اس ٹوپی کا اندرونی حصہ سونگھئے۔" فریدی نے ٹوپی نواب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب نے ٹوپی کو لے کر سونگھا اور سر ہلانے لگے۔

"ایسی ہی خوشبو اس کے سر میں بھی موجود ہے۔" فریدی نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "رات پڑھتے وقت شاید اس نے آپ کی ٹوپی پہن لی تھی۔ میں نے آپ کو یہ ٹوپی پہن کر اس کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ باہر جا کر دیکھا تو ادھر سے صرف آپ کا سر نظر آ رہا تھا اور پشت میری طرف تھی۔ زہر دینے والا سمجھا شاید آپ ہی لائبریری میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے آپ سے پڑھتے وقت بار بار پانی کے متعلق پوچھا تھا...... میرا خیال صحیح نکلا۔ میں اس کھڑکی پر بے شمار دائرے دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہاں صراحی رکھی جاتی ہے اور یہ دائرے اس کی بھیگی ہوئی پینڈی کے نشانات کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہو سکتے۔ قاتل شاید آپ کی اس عادت سے واقف تھا۔ اس نے پیچھے ہی سے ہاتھ بڑھا کر یہاں رکھی ہوئی صراحی میں زہر ڈال دیا۔ یہ تو آپ نے دیکھا ہی ہے زہر کتنا زود اثر ثابت ہوا ہے۔ صرف دو منٹ میں طوطے کی جان نکل گئی۔ آپ کا سیکریٹری بھی غالباً کثرت سے سگریٹ پیتا تھا۔ جیسا کہ میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے سے ظاہر ہوتا ہے اور گرمیوں میں سگریٹ پینے کے بعد پیاس ضرور معلوم ہوتی ہے۔ مرحوم نے صراحی کا پانی پیا اور...... پھر تو آپ جانتے ہی ہیں...... قاتل بعد میں اپنی اس حرکت کا نتیجہ دیکھنے آیا اور

جلدی میں صراحی کو ہاتھ مار کر نیچے گرادیا۔ اس کی یہ جلدی اور بوکھلاہٹ کسی غلطی کے اچانک احساس ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ صراحی کے ٹوٹنے کی آواز سن کر زیریں کے لوگ جاگ بھی سکتے ہیں۔"

فریدی رک کر سگار سلگانے لگا۔

"لیکن یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مرنے والا اس وقت بھی یہ ٹوپی پہنے ہوئے تھا جب زہر دینے والے نے باہر سے دیکھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اس کے متعلق وثوق سے میں نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ میرا اندازہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"بہر حال نواب صاحب کو احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ایک سیکریٹری کی جان لینے کے لئے اتنی اودھم مچانے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔"

"اودھم سے کیا مطلب......!" نواب صاحب بولے۔

"جانوروں کی موتیں، وحشی درندوں کی آوازیں اور آگ اگلتا ہوا کنواں۔" فریدی نے کہا اور سامنے کی دیوار پر نظریں گاڑدیں۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

طارق اپنے نیولے کو کاندھے پر بٹھائے بے تابانہ ٹہل رہا تھا۔

غزالہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عنقریب بیہوش ہونے والی ہے۔

"داروغہ جی......اس بوتل کو سیل کر دیجئے۔" فریدی نے بوتل حمید کے ہاتھ سے لے کر سب انسپکٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسی بوتل میں حمید نے ٹوٹی ہوئی صراحی کے ٹھیکروں کا پانی جمع کیا تھا۔"

فریدی نواب صاحب کی طرف مڑا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر اتنی رات گئے تک وہ لائبریری میں بیٹھا کیا کر رہا تھا۔ ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق تقریباً دوڈھائی بجے اس کی موت واقع ہوئی۔ کیا وہ آپ کے گھر میں پیش آنے والے واقعات سے خائف نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہاں رات کو تو کوئی اپنے پلنگ سے اٹھنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا ہوگا۔"

"تمہارا خیال قطعی درست ہے۔" نواب صاحب بولے۔

فریدی پھر خیالات میں ڈوب گیا۔

غزالہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بتادے کہ اس نے ایک رات کنوئیں میں اترتے دیکھا تھا۔ لیکن طارق سامنے ہی کھڑا تھا۔ اس سے آنکھیں ملتے ہی اسے اپنا خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اس نے یہ بات فریدی کو بھی نہ بتائی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا خیال آتے ہی وہ خوف سے لرزنے لگتی تھی۔ اس نے اس وقت طارق کے نیولے کو فریدی کے ہاتھ سے ٹھیکرا گراتے بھی دیکھا تھا۔ اس چیز نے اس کے شبہات کو اور زیادہ تقویت دے دی۔

فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا ٹہل رہا تھا۔ دفعتاً سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر بولا۔

"داروغہ جی میرے خیال سے اب لاش اٹھوانے کا انتظام کیا جائے۔ بہر حال اب آپ کو دوسری رپورٹ لکھنی پڑے گی۔"

"فریدی صاحب درحقیقت آپ جادوگر ہیں۔" سب انسپکٹر بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔

سب انسپکٹر لاش اٹھوانے کا انتظام کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد لائبریری میں صرف حمید، فریدی اور غزالہ نواب صاحب اور طارق رہ گئے۔ فریدی ابھی تک خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لینے لگا۔

"آپ کی لائبریری بہت شاندار ہے۔" وہ نواب صاحب کی طرف مڑ کر بولا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن آپ ناشتہ کب کریں گے۔" غزالہ نے کہا۔

"ہاں بھئی لو نو بج گئے۔" نواب صاحب نے چونک کر کہا۔

"اگر ناشتہ یہیں منگوالیں تو بہتر ہے۔" فریدی نے کہا۔

غزالہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

فریدی ٹہلتا ہوا پھر کھڑکی کے پاس آ گیا۔

"یہ کیا تماشہ ہے۔" وہ باہر دیکھتے ہوئے چونک کر بولا۔

نواب صاحب اور حمید کھڑکی کے قریب آگئے۔ نواب صاحب کا سوتیلا بھائی پرویز ایک پہلوان کی گود میں چڑھا ہوا دودھ دانی سے دودھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ تتلا تتلا کر کچھ کہتا بھی

جارہا تھا۔

"یہ تماشہ نہیں میری بد نصیبی ہے۔" نواب صاحب سرد آہ بھر کر بولے۔

"کیا مطلب......!"

"میرا چھوٹا بھائی پرویز...... تقریباً آٹھ سال ہوئے سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کبھی مجھے اس پر فخر تھا۔ آج بھی جب میں اس کی لائبریری میں جاتا ہوں تو بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔ اتنا قابل اور پڑھا لکھا اور اس کا یہ انجام۔ برلن یونیورسٹی سے اس نے فلسفے میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔ اب بالکل بچوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔"

فریدی بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ اچانک حمید بے اختیار ہنسنے لگا۔ پرویز پہلوان کی گود سے اتر کر ایک تتلی کے پیچھے گھٹنوں کے بل دوڑنے لگا تھا۔

حمید کے اس ہنسنے پر فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نواب صاحب کی دل شکنی ہو۔

"آپ نے انہیں کسی سائیکو انیلیسٹ کو بھی دکھایا۔" فریدی نے نواب صاحب سے پوچھا۔

"سب کچھ کر کے تھک ہار گیا ہوں۔"

"واقعی بڑی افسوس ناک بات ہے۔" فریدی نے کہا اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد ناشتے کا سامان آ گیا۔ سب لوگ ایک بڑی میز کے گرد بیٹھ گئے۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ زہر کس نے دیا۔" نواب صاحب بولے۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن احتیاط ضروری ہے۔ آپ اور غزالہ کافی محتاط رہیئے...... مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ یہ حملہ آپ ہی پر ہوا تھا۔"

"آخر کیوں...... اور وہ کون ہو سکتا ہے۔" نواب صاحب بے چینی سے بولے۔

"وہی جس نے یہ سب سوانگ رچایا ہے۔ اس خیال میں نہ رہیئے کہ یہ کوئی آسیبی خلل ہے۔ غزالہ نے جس وقت جانوروں کی موت کے متعلق بتایا تھا اسی وقت میں نے کہہ دیا تھا کہ اب کسی آدمی کا نمبر آنے والا ہے۔"

نواب صاحب حیرت زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

"جناب والا آپ کا نولا مجھے بہت پسند ہے۔" فریدی طارق سے بولا۔

"شکریہ......!" طارق مسکرا کر بولا۔

"جس وقت یہ اچھلا تھا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ضرور اس پانی میں زہر ملا ہوا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" طارق چونک کر بولا۔

"اس کی اسی خصوصیت پر شداگا قبیلے کے لوگ اسے دیوتا سمجھتے ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اس قسم کے خطرات کی بو سونگھ لینا اس کی ایک ادنیٰ خصوصیت ہے۔"

"کیا آپ کبھی برازیل گئے ہیں۔" طارق بولا۔

"ہاں...... ایک زمانے میں مجھے پرانے دفینوں کی تلاش کا خبط تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا......!" طارق دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

"اسی سلسلے میں برازیل بھی جانا ہوا تھا۔" فریدی لاپروائی کے ساتھ بولا۔

"لیکن افسوس ہے کہ مانااوز سے سو میل بھی آگے نہ جا سکا۔"

"مانااوز...... مانااوز......!" طارق بے چینی سے بڑبڑاتا ہوا کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔

"مانااوز سے سو میل کے فاصلے پر مغرب کی طرف...... دریائے آمیزن کے اتری کنارے پر سیاہ پہاڑیوں کا سلسلہ...... جہاں......؟ مگر یہ سب کیوں بک رہا ہوں۔"

"کوئی ہرج نہیں...... میں کافی دلچسپی لے رہا ہوں۔" طارق نے نیولے کو کاندھے سے اتار کر گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

"پھر کسی وقت تفصیل سے بتاؤں گا...... کیا آپ کو بھی دفینوں سے دلچسپی ہے۔"

"نہیں کوئی ایسی خاص دلچسپی تو نہیں...... البتہ مجھے سیاحت کا ضرور شوق ہے۔" طارق نے کہا۔

"خیر یہ شوق بھی برا نہیں۔" فریدی نے نواب صاحب کی طرف اچانک مڑتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کے مرحوم سیکریٹری کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"کس قسم کی معلومات......!" نواب صاحب نے پوچھا۔

"پہلی بات یہ کہ وہ آپ کے یہاں کتنے دن سے ملازم تھا۔"

"اس کی پرورش ہی اس گھر میں ہوئی تھی۔"

"اس کا کوئی عزیز......!"

"کوئی نہیں.... قحط کے زمانے میں خرید اگیا تھا۔ اس وقت اسکی عمر دو سال سے زیادہ نہ تھی۔"

"ہوں......!" فریدی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس کا کوئی دشمن۔"

"میرا خیال ہے کہ کوئی نہیں کیونکہ وہ ایک انتہائی خوش اخلاق اور بے ضرر آدمی تھا۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کس قسم کی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔"

"یہ بتانا دشوار ہے۔"

"آپ نے کونسی کتاب ڈھونڈھنے کے لئے اسے بھیجا تھا۔"

"ایک قلمی نسخہ جو اسی عمارت کے متعلق تھا۔"

فریدی یک بیک اچھل پڑا۔

"اس عمارت کے متعلق...... کیا آپ نے اسے پڑھا تھا۔"

"ہاں ایک بار دو ایک صفحات پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔"

"کوئی خاص بات تھی اس میں۔"

"ظاہر ہے کہ اگر کوئی خاص بات ہوتی تو دو ہی ایک صفحے پڑھ کر کیوں رہ جاتا۔"

"اوہ...... خاص بات ضرور تھی...... مگر خیر...... یہ بتائیے کہ اچانک آپ کو اسے تلاش کرانے کی کونسی ضرورت پیش آگئی۔" فریدی نے کہا۔

نواب صاحب پھر کچھ اکتائے ہوئے سے نظر آنے لگے۔

"ان سوالات کا حادثے سے کیا تعلق۔" نواب صاحب نے کہا۔

"بہت بڑا تعلق ہے...... بظاہر میرے سوالات آپ کو قطعی بے ربط اور غیر متعلق معلوم ہو رہے ہیں لیکن میرا طریقہ کار کچھ اسی قسم کا ہے۔"

"میں نے اس کتاب کا تذکرہ طارق سے یونہی دوران گفتگو میں کیا تھا۔ انہوں نے اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اُسے کیوں دیکھنا چاہتے تھے۔" فریدی اچانک طارق کی طرف مڑ کر بولا۔

"بات یہ ہے کہ مجھے پرانی عمارتوں سے دلچسپی ہے۔" طارق نے جواب دیا۔ "میں نے سوچا ممکن ہے اس میں کوئی بات میری معلومات میں اضافہ کرنے والی ہو۔"

"وہ کتنی پرانی رہی ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھہرو...... میں ابھی دکھاتا ہوں۔" نواب صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بیکار...!" فریدی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ اب یہاں موجود نہیں۔"

"کیا مطلب......!"

"میرا خیال غلط تھا۔" فریدی نے کہا۔ "دراصل وہ کتاب ہی آپ کے سکریٹری کی موت کا باعث بنی ہے۔"

فریدی طارق کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ فریدی کو گھور رہا تھا۔ آنکھیں ملتے ہی وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آپ کہہ رہے تھے کہ وہ کتاب اسی عمارت کے متعلق تھی۔" فریدی نے نواب صاحب کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ اندازاً بھی اس کی تاریخ مجھے نہیں بتا سکتے۔"

"وہ کتاب تین سو سال سے کسی طرح کم پرانی نہ رہی ہوگی۔" نواب صاحب بولے۔

"تین سو سال......!" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ عمارت تو جدید طرز کی ہے۔"

"جس حصے میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں اسے بنے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ پرانی عمارت تو کبھی کی ختم ہو چکی۔ اس کے کچھ کھنڈرات ابھی تک پچھلے حصے میں باقی ہیں۔"

"اوہ...... تب تو میں سو فیصدی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سکریٹری کی موت کتاب ہی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔"

"مگر کیسے......؟" نواب صاحب بے چینی سے بولے۔

"اس کتاب میں اس عمارت کے متعلق کوئی گہرا راز تحریر تھا۔" فریدی نے کہا۔ "یہی وجہ ہے کہ وہ نڈر ہو کر رات کے اس حصے میں بھی لائبریری میں بیٹھا رہا جب کہ دوسرے اپنے کمروں سے نکلنے کی بھی ہمت نہیں کر سکتے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس وقت اور کون کون موجود تھا جب آپ نے اسے کتاب تلاش کرنے کی ہدایت دی تھی۔"

"غالباً میرے اور طارق کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔"

"ہوں......!" فریدی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر وہ راز کیا ہو سکتا ہے۔"

"وہ راز......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اگر وہ راز آپ کو معلوم ہو جاتا تو آپ کے گھر میں ہونے والے واقعات آپ کی نظروں میں کھیل کود سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے۔"

"یعنی......!"

"ابھی فی الحال میں اس چیز پر زیادہ روشنی نہیں ڈال سکتا۔ لیکن آپ اطمینان رکھئے یہ سب حقیقتاً کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔"

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔ لیکن ان کی بے چینی آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"چلئے! میں آپ لوگوں کو آپ کے کمرے دکھا دوں۔" غزالہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں۔" نواب صاحب بھی اٹھتے ہوئے بولے۔

"اب یہ سب آپ مجھے سمجھنے دیجئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے تمہاری ذات سے ایسی ہی امید ہے...... خدا ہماری پریشانیاں دور کرے۔" نواب صاحب نے کہا اور باہر چلے گئے۔

خون کی بوچھاڑ

سکریٹری کی موت کی وجہ سے ساری کوٹھی پر ایک عجیب قسم کا ماتمی سکوت طاری تھا لوگ اس طرح چل پھر رہے تھے جیسے انہیں کسی کے جاگ اٹھنے کا خوف ہو۔ البتہ کبھی کبھی پر کے بچکانے قہقہے اس سکوت کو توڑ دیتے تھے۔

نواب صاحب دن بھر لائبریری کی کتابیں الٹتے پلٹتے رہے لیکن گمشدہ کتاب نہ ملی۔ فرید کے دلائل کی بناء پر وہ مان گئے تھے کہ سکریٹری کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے لیکن آسیبی خلل خیال بدستور ان کے ذہن میں جما ہوا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ شاید بھوتوں کی آڑ لے کر کو

سکریٹری پر ہاتھ صاف کر گیا۔ اس کی موت کی وجہ سے انہیں پریشانی ضرور تھی ایک تو یہ کہ وہ ان کے گھر کا پالک تھا اور پریشانی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ پولیس والے اب آئے دن خواہ مخواہ آ کر ان کا دماغ چاٹیں گے۔

لائبریری سے واپس آنے کے بعد فریدی اور حمید نے اپنے اپنے کمروں میں جا کر لباس تبدیل کئے۔ غزالہ نے ہر چند فریدی سے آرام کرنے کو کہا لیکن اس نے ٹال دیا اور اس کے ساتھ پرانی عمارت کے کھنڈرات دیکھنے کے لئے چلا گیا تھا۔ حمید بھی اس کے ساتھ تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک دونوں وہاں رہے لیکن کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔ وہاں سے لوٹ کر وہ آگ اگلنے والے پراسرار کنوئیں کی طرف آئے۔ فریدی بڑی دیر تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کنوئیں کی گہرائی میں دیکھتا رہا لیکن دن کے وقت بھی اس میں اتنی تاریکی تھی کہ تہہ نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

"کیوں بھئی حمید کیا خیال ہے۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "اس میں پانی تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔"

"جی ہاں، اس میں پانی نہیں۔" غزالہ بولی۔

"اور اس کے اندر چھائی ہوئی تاریکی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ غیر معمولی طور پر گہرا ہے۔"

"اس کی گہرائی کا اندازہ آج تک نہیں لگایا جا سکا۔" غزالہ بولی۔

"لیکن میں نے......!"

"ہاں کہئے رک کیوں گئیں......!" فریدی نے کہا۔

"کچھ نہیں......!"

"لیکن آپ نے کسی کو اس میں اترتے دیکھا ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا" غزالہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"آپ کے جملے کے انداز اور آپ کی گھبراہٹ سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ نے کسی کو اترتے دیکھا ہے۔ لیکن کسی وجہ سے بتانا نہیں چاہتیں۔"

"آپ ٹھیک سمجھے، مجھے خود اپنی اس کمزوری پر بار بار غصہ آتا ہے لیکن کیا کروں۔"

"تو آپ کسی وجہ سے خائف ہیں۔"

"اور وہ وجہ مجھے خود بھی نہیں معلوم۔"

"عجیب بات ہے۔"

"مجھے دراصل اس کی آنکھوں سے خوف معلوم ہوتا ہے.... کیوں؟ یہ میں نہیں بتا سکتی۔"

"اوہ تو شاید آپ کا اشارہ طارق کی طرف ہے۔"

"تو کیا آپ کو بھی اس کی آنکھیں خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔"

"قطعی نہیں...... میں جانتا ہوں کہ وہ سانپ کا زہر بطور نشہ استعمال کرتا ہے۔"

"سانپ کا زہر بطور نشہ......!" غزالہ حیرت سے بولی۔

"ہاں ہاں...... یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ چینیوں میں اس کا عام رواج ہے۔"

"تو کیا اسی وجہ سے اس کی آنکھیں اتنی خوفناک ہیں۔"

"جی ہاں......!" فریدی نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "ہاں تو آپ نے اسے کب اس کنوئیں میں اترتے دیکھا ہے۔"

غزالہ نے اس رات کا واقعہ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔

"آیئے واپس چلیں۔" فریدی نے لوٹنے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔ "اس کی آنکھیں پھر گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔ ابھی وہ چند ہی قدم گئے ہوں گے کہ پرویز اچھلتا کودتا ہوا آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دودھ پینے کی شیشی تھی اور دوسرے میں لکڑی کی ایک بندوق۔"

فریدی کو دیکھ کر دودھ کی شیشی اس نے زمین پر پھینک دی اور بندوق تان کر کھڑا ہو گیا۔

"بتاؤ تم نے میلا طوطا کیا کیا...... میلا طوطا منگوادو نہیں تو گولی...... مال دوں گا۔"

"اوہ چچا جان خدا کیلئے آپ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلا کیجئے۔" غزالہ شرمندہ لہجے میں بولی۔

"تو کیوں بولتی ہے۔"

غزالہ خاموش ہو گئی۔

پرویز ابھی تک فریدی کے سامنے اپنی لکڑی کی بندوق تانے کھڑا تھا۔ حمید ہنسی کے مارے بے حال ہو رہا تھا۔ لیکن فریدی قطعی سنجیدہ تھا۔

"اوہ مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میں آپ کو دوسرا منگوادوں گا۔"

"اچھا لیکن ویسا ہی ہو۔" پرویز بندوق نیچی کرتے ہوئے بولا۔

"بہت بہتر......!"

"نہیں ویسا نہیں ہم لال طوطا لیں گے۔"

"جیسا آپ کہیں گے...... ویسا ہی منگوا دیا جائے گا۔"

"اچھا اب اندر چلئے......!" غزالہ پرویز کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کے کمرے کی طرف لے جاتی ہوئی بولی۔

فریدی اور حمید اپنے اپنے کمروں کی طرف آئے، راستہ میں طارق ملا۔

"کہئے انسپکٹر صاحب...... کوئی خاص بات۔" طارق بولا۔

"ابھی تک تو خاص بات نہیں ہوئی لیکن جلد ہی کسی خاص بات کا ظہور ہونے والا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس کنوئیں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔" فریدی نے اس کی بات اڑاتے ہوئے دفعتاً پوچھا۔

"کنواں......!" طارق چونک کر بولا۔ لیکن پھر سنبھل کر کہنے لگا۔ "یقیناً یہ ایک بہت پرانا کنواں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کنوئیں میں کوئی دفینہ ہے۔" فریدی آنکھ مار کر آہستہ سے بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" طارق لاپروائی سے بولا۔

"مگر اس میں اترنا یقیناً خطرے سے خالی نہیں۔" فریدی نے کہا۔

طارق اسے گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک پیدا ہو گئی۔

"اوہ تو آپ اس میں اترنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں آپ کو کبھی اس کی رائے نہ دوں گا۔"

"کیوں......!" فریدی نے پوچھا۔

"اس لئے کہ خود میں ایک بار ایسی حماقت کر چکا ہوں۔" طارق نے کہا اور اپنے نیولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"بھلا اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں بتاتا ہوں...... ایک رات میں نے اس کنوئیں میں اترنے کی کوشش کی تھی اور......!"

"لیکن......!" فریدی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "آپ تو کہتے ہیں کہ یہ آسیبی معاملہ ہے۔ پھر آپ کے دل میں کنوئیں میں اترنے کا خیال کیسے پیدا ہوا۔"

"یوں ہی محض اپنے تجربات میں اضافہ کرنے کے لئے......!"

"خیر ہاں تو پھر......!"

"میں زیادہ دور نہیں جاسکا۔"

"کیوں......!"

"اس میں بے شمار سانپ رہتے ہیں۔"

"خیر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔"

"اوہ یہ عجیب بات ہے کہ ان کے سوراخ کنوئیں کی دیواروں میں ہیں۔"

"اوہ تب تو ان سوراخوں میں پیر رکھ کر نہایت آسانی سے تہہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

طارق اس طرح مسکرایا جیسے کوئی بوڑھا آدمی کسی بچے کی بے تکی بات پر مسکراتا ہے۔

"میں نے آپ کی دلیری کی کافی تعریف سنی ہے۔" طارق نے کہا۔ "لیکن یہ چیز اتنی آسان نہیں۔"

"میں تو آپ کو کبھی اس کنوئیں میں اترنے نہ دوں گا۔" حمید بولا۔

"آخر تم مجھے اتنا احمق کیوں سمجھتے ہو۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"یہی تو میں نے کہا آپ جیسا سمجھدار ایسی حماقت کیسے کرسکتا ہے۔" طارق نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

فریدی کمرے کے دروازے پر رک کر سگار سلگانے لگا۔ حمید اندر داخل ہوچکا تھا۔

دفعتاً فریدی کو حمید کی چیخ سنائی دی اور سگار اس کی انگلیوں سے پھسل گیا۔ وہ جھپٹ کر کمرے میں داخل ہوا۔ حمید دیوار کا سہارا لئے حیران آنکھوں سے کمرے میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سر سے پیر تک خون میں نہایا ہوا تھا۔

"ارے یہ کیا......؟" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

حمید خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ دفعتاً وہ چیخ کر کمرے سے باہر

بھاگا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ کوٹھی کے سارے لوگ حمید اور فریدی کو اس حال میں دیکھ کر چیخنے لگے۔ فریدی نے حمید کو پھاٹک کے قریب پکڑا۔

"آخر بات کیا ہے کچھ بتاؤ تو سہی۔" فریدی نے کہا۔

"میں ایک منٹ کیلئے...... بھی.... یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔" حمید نے کانپتے ہوئے کہا۔

"آخر کیوں......؟"

"دیکھئے...... یہ خون...... کی بوچھاڑ......!"

"تمہارے چوٹ تو نہیں آئی۔"

حمید نے جس کی سانس پھول رہی تھی نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر کیا ہوا۔"

"میں جیسے.... ہی کمرے میں.... داخل ہوا.... میرے سر پر خون کی تیز بوچھاڑ"

"ابے واہ بے گدھے تو اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔" فریدی نے اپنے تھیلے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"جناب والا میں بزدل ہی سہی۔" حمید بولا۔ "لیکن ایک جاسوس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ بھوتوں سے کشتی لڑے۔"

"احمق ہو اچھے خاصے۔" فریدی نے کوٹھی کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔

راستے میں غزالہ ملی...... اس نے بھاگ دوڑ کی وجہ پوچھنی شروع کی۔

"اوپر جانے کا راستہ...... جلدی کیجئے۔"

غزالہ بھی اس کے ساتھ دوڑنے لگی۔ اس نے زینے کی طرف اشارہ کیا اور فریدی دوڑتا ہوا زینے طے کرنے لگا۔

"ذرا جلدی کیجئے...... میرے کمرے کی چھت......!"

"ادھر آئیے......" غزالہ ہانپتی ہوئی بولی۔ "وہ اُدھر...... اس دیوار کے قریب سے شروع ہوتی ہے۔"

فریدی گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چھت کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ دور ہٹ کر شیشے کے روشندان کے قریب اسے خون کی چھینٹیں دکھائی دیں۔

فریدی بے تابی سے کھڑا ہاتھ مل رہا تھا۔

"آخر بتائیے بھی تو کیا بات ہے۔" غزالہ بے چینی کے ساتھ بولی۔

فریدی نے مختصر الفاظ میں اسے سارا واقعہ بتایا۔

"افسوس کہ حمید کی حماقت سے وہ بھوت نکل گیا...... ورنہ......!"

"کیا مطلب......!"

"ذرا یہ خون کی چھینٹیں دیکھئے۔" فریدی نے روشندان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس شیشے کو اٹھا کر پچکاری کے ذریعے خون پھینک دینا کونسی بڑی بات ہے۔"

"اوہ......!" غزالہ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "شروع ہی سے میں ان سب حرکتوں کو کسی آدمی کی جدت سمجھ رہی ہوں۔"

"اور وہ آدمی......!" فریدی نے پوچھا۔

"میں اپنے شبے کا اظہار پہلے ہی کر چکی ہوں۔"

"فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

دونوں نیچے اتر آئے۔ حمید ابھی تک اسی حالت میں لوگوں کے مجمع میں گھرا ہوا کھڑا تھا۔

"جاؤ جا کر غسل خانہ میں کپڑے تبدیل کرو۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا مگر خاموش ہو گیا۔

آوازوں کا راز

حمید والے واقعے کے بعد فریدی اپنے کمرے میں کھڑکی کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا کسی خیال میں مشغول تھا۔ انگلیوں میں دبا ہوا سگار نہ جانے کب کا بجھ گیا تھا۔ سگار میں لگی ہوئی راکھ اس بات پر دلالت کر رہی تھی کہ دیر سے اس نے لٹکے ہوئے ہاتھ کو جنبش بھی نہیں دی ورنہ راکھ

ضرور گر گئی ہوتی۔

وہ دفعتاً چونک پڑا۔ کسی نے پیچھے سے اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

غزالہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس نے اس وقت سفید ساری باندھ رکھی تھی۔ اس سادگی میں اس کے چہرے کے شوخ خدوخال کچھ اور زیادہ ابھر آئے تھے۔ بڑی بڑی سحر کار آنکھوں میں پے در پے صبحیں طلوع ہو رہی تھیں اور گھنیری پلکوں کی چھاؤں میں خوشگوار سی شامیں رینگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کچھ چائے وغیرہ کا بھی ہوش ہے۔" غزالہ کی مترنم آواز کمرے کی خاموش فضا میں گونج اٹھی۔ اس کے لہجے میں نہ جانے کیا چیز تھی جس نے فریدی کی رگوں میں نشہ سا دوڑا دیا۔ اس کے لہجے میں کیا تھا۔ ممتا تھی۔ شکایت تھی.... تقاضہ تھا.... سپردگی تھی.... اور نہ جانے کیا کیا۔

فریدی غیر شعوری طور پر مسکرا پڑا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ان دہکتے ہوئے رخساروں کی آنچ میں گل گیا ہو۔ اسے اپنی ہستی ایک لہریں لیتی ہوئی جھیل معلوم ہونے لگی۔ ایسی جھیل جس میں صبح اولین کی شعاعیں رنگین تانے بانے بن رہی ہوں۔ دفعتاً فریدی کو خود میں اس تبدیلی کا احساس ہوا اور اس کے منطقی شعور نے جھپٹ کر ذہن کے اس گوشے پر سیاہ چادر ڈال دی جہاں سے محبت کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

وہ یک بیک ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ غزالہ نے بھی شاید یہ تبدیلی محسوس کر لی۔ اس کے چہرے پر افسردگی دوڑ گئی۔

"کہیے تو چائے یہیں بھجوا دوں۔" غزالہ نے مردہ سی آواز میں کہا۔ "ابا جان وغیرہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اس وقت میری طرف سے معافی مانگ لیجئے گا۔"

"اچھا تو پھر میں یہیں بھجوا دوں گی۔" غزالہ نے کہا اور چند لمحوں تک کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

فریدی کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔

غزالہ کے چلے جانے کے بعد اس نے انگلیوں میں دبا ہوا سگار باہر پھینک کر دوسرا سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"ابا میاں......!" کسی نے پیچھے سے پکارا۔

فریدی پلٹ کر دیکھنے لگا۔ دروازے میں پرویز کھڑا دودھ کی شیشی میں منہ لگائے دودھ چوس رہا تھا۔

"تم ہمارے ابامیاں ہو؟" پرویز فریدی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر ککلالا۔

فریدی اس کے اس اچانک سوال پر بوکھلا گیا۔ لیکن پھر بے اختیار ہنسنے لگا۔

"ابامیاں ہنستے ہیں...... ابامیاں ہنستے ہیں۔" پرویز دودھ کی شیشی بغل میں دبا کر تالیاں بجاتا ہوا اچھلنے کودنے لگا۔

اتنے میں حمید بھی آ گیا۔

"اور بیٹا چچاجان کو بھول گئے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اسے گھورنے لگا مگر حمید کے چہرے پر بدستور شرارت آمیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"کہئے جناب...... اتنی بوڑھی اولادیں لئے پھرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ مجھے ان لغویات سے کوئی سروکار نہیں۔" حمید بولا۔

"کیا بکتے ہو۔" فریدی نے اپنی ہنسی روک کر سنجیدہ بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاہا......!" پرویز اچھل اچھل کر ہنستا ہوا بولا۔ "ابامیاں نے چچاجان کو ڈانٹ دیا...... آہاہا۔"

حمید ایک کرسی پر بیٹھ کر شرارت آمیز نظروں سے پرویز کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہم گود میں بیٹھیں گے۔" پرویز حمید کے نزدیک آ کر ٹھنک کر بولا۔

"جی......!" حمید تحیر آمیز لہجے میں چیخا۔ "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں...... ذرا اس نحیف و نزار جسم کو ملاحظہ فرمایئے۔"

پرویز اچھل کر اس کی گود میں بیٹھ گیا اور حمید کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی رانوں کی ہڈیاں کڑکڑا کر ٹوٹ جائیں گی۔ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"ارے جناب والا...... اتریئے بھی...... ورنہ میری ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔" حمید کراہ کر بولا۔

"ہم خلگوش کا بچہ لیں گے۔" پرویز حمید کی گود میں مچلتا ہوا بولا۔

"ارے مرا......!" حمید چیخا۔ "خرگوش کا بچہ نہیں بلکہ میں آپ کو گدھے کا بچہ منگوادوں گا للہ میری جان چھوڑیئے۔"

"نائیں...... نائیں...... خلگوش کا بچہ۔" پرویز اور زیادہ مچلنے لگا۔

"للہ میری جان بچایئے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

"میں کیا جانوں۔" فریدی نے کہا اور دوسری طرف منہ پھیر کر سگار پینے لگا۔

"خلگوش کا بچہ...... خلگوش کا بچہ۔"

"ابے بھاگ بھوتنی کے۔" حمید نے جھلا کر پرویز کو دھکیل دیا۔ پرویز کے گرتے ہی دودھ کی شیشی ٹوٹ گئی اور سارا دودھ فرش پر پھیل گیا۔

پرویز فرش پر پڑا ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔

"تم نے کیا کیا۔" فریدی نے گھبرا کر اٹھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں غزالہ نوکر کے ساتھ چائے لے کر آ گئی۔

"یہ کیا......؟" پرویز کو اس حال میں دیکھ کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کھڑے ہو کر کہا۔

"آخر ہوا کیا......؟"

"حمید کو تو آپ دیکھ ہی رہی ہیں...... بیچارہ دبلا پتلا آدمی ہے۔ پرویز صاحب اس کی گود میں چڑھ کر بیٹھ گئے تھے اور کسی طرح اترنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔"

"اوہ......!" غزالہ پرویز کو زمین سے اٹھانے کے لئے جھکی۔

"اٹھئے چچاجان...... دیکھئے یہ لوگ کیا کہیں گے۔"

"نائیں اٹھیں گے...... ہم کو دھکیل دیا...... آں......" پرویز روتا ہوا بولا۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر غزالہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ فریدی اور حمید بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

بہ ہزار دشواری غزالہ اسے بہلا پھسلا کر باہر لے گئی۔

"تم نے بہت بُرا کیا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"تو کیا اپنی ہڈیاں تڑوا ڈالتا۔" حمید نے کہا اور چائے بنانے لگا۔

"اسی دن...... رات کی بات ہے۔ فریدی، حمید، غزالہ، طارق اور نواب صاحب برآمدے

میں بیٹھے کنوئیں سے چنگاریاں نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ غزالہ کی آنکھیں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔

"گیارہ تو بج گئے۔" نواب صاحب نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"مجرم اب آج تیسری حماقت نہ کرے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ یہ کسی آدمی کی حرکت ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"سو فیصدی۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دفعتاً ایک تیز قسم کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔

"یہ لو آوازیں شروع ہوئیں۔"

"اوہ......!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی۔

جانوروں کی آوازوں سے کوٹھی گونج رہی تھی۔ فریدی اٹھ کر اندر چلا گیا۔ وہ متعدد کمروں میں گھوم گھوم کر آوازیں سنتا پھر رہا تھا۔ پھر وہ برآمدے میں لوٹ آیا۔ یہاں بھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ آوازیں دیوار کے ایک حصے سے نکل رہی ہوں۔ آوازوں کا سارا سلسلہ ختم ہوتے ہی اس نے پھر اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"اوہ......!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"سیڑھی...... بانس کی سیڑھی۔" وہ دفعتاً چیخا۔

"کیا مطلب......!" نواب صاحب چونک کر بولے۔

"ایک سیڑھی منگوائیے۔" فریدی نے کہا اور بجھے ہوئے سگار کو سلگا کر بے تابی سے برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں عجیب قسم کی پراسرار چمک پیدا ہو گئی تھی۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ اس پر ایسی کیفیت ایسے ہی موقعوں پر طاری ہوتی تھی جب اسے یقین ہو جاتا تھا کہ اس کا شکار اس کے پھندے میں آ گیا ہے۔

"خدا خیر کرے کچھ ہونے ہی والا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کیا......!" غزالہ جو قریب ہی کھڑی تھی چونک کر بولی۔

"کوئی نئی بات ہونے والی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"ابھی سمجھ میں آجائے گا۔"

اتنے میں دو نوکر سیڑھی لے کر آ گئے۔

"اوہ یہ تو بہت چھوٹی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر کچھ پرواہ نہیں...... ذرا وہ میز ادھر گھسیٹ کر دیوار سے لگا دو اور یہ سیڑھی اس پر رکھ کر دیوار سے ٹکا دو۔"

اس کی ہدایت کے مطابق سیڑھی لگا دی گئی۔

"ایک بات......!" فریدی نواب صاحب کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا ان آوازوں سے پہلے ہمیشہ اسی قسم کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دیتی ہے۔"

"اسی بناء پر تو میں نے یہ کہا تھا کہ اب جانوروں کی آوازیں شروع ہونے والی ہیں۔"

فریدی معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا سیڑھی پر چڑھ گیا۔

اوپر پہنچ کر وہ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر دیوار کو انگلیوں سے کھٹکھٹاتا رہا پھر یک بیک اس کا قہقہہ سن کر لوگ چونک پڑے۔

"کیا بات ہے بھئی۔" نواب صاحب خوفزدہ آواز میں بولے۔

"کوئی خاص بات نہیں...... لیکن دلچسپ ضرور ہے۔"

"کچھ بتاؤ بھی۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ دیوار کس چیز کی بنی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بچپنے کا سوال ہے۔" نواب صاحب بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولے۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں...... یہ سوال بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ارے بھائی پتھر کی ہے اور کس چیز کی ہوتی۔"

"کیا پوری......!"

"لاحول ولا قوۃ......!" نواب صاحب جانے کے لئے مڑے۔

"ذرا ٹھہریئے...... میں ایک ذمہ دار آدمی کی حیثیت سے آپ سے یہ سوالات کر رہا ہوں۔" فریدی نے دیوار کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا یہاں بھی پتھر ہی ہے۔"

"ہاں بھئی......!" نواب صاحب نے کہا۔ لیکن اس کے لہجے سے معلوم ہو رہا تھا جیسے انہوں نے طوعاً و کرہاً جواب دیا ہو۔

"ذرا دیکھئے.... یہ پتھر کتنا لچکدار ہے۔" فریدی نے اس حصے کو ہاتھ سے دباتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا......!" نواب صاحب حیرت سے چیخے۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"بھئی بتاؤ یہ کیا معاملہ ہے...... مجھے اختلاج ہو رہا ہے۔"

"تو سنئے جناب..... ابھی تک آپ لوگ ایک بہت ہی دلچسپ ریکارڈ سنتے رہے ہیں۔ یہاں اس جگہ لاؤڈ اسپیکر کا ہارن لگا ہوا ہے۔"

"ارے......!" نواب صاحب اچھل پڑے۔

"اور تعریف کرنی پڑتی ہے اس آرٹسٹ کی جس نے اس جالی کو رنگ و روغن کے ذریعے پتھروں میں ملا دیا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا تماشہ ہے.... آخر یہ سب کیا ہے۔" نواب صاحب اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بولے۔

"یہی میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"میں کیا بتاؤں۔"

"تعجب کی بات ہے کہ آپ اس مکان کے مالک ہوتے ہوئے بھی اس کا جواب نہیں دے سکتے۔"

"خدا گواہ ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"بھلا اس بات پر کسے یقین آئے گا۔" فریدی نے سیڑھی سے اترتے ہوئے کہا۔ "اندر بھی کئی مقامات پر ایسے ہی ہارن فٹ ہیں۔"

"ہوں گے بھئی..... مگر میں قسم کھا کر......!"

"کوئی بات نہیں...... میرا کام ختم...... چلو بھئی حمید...... سامان وغیرہ ٹھیک کرو...... اسی وقت چلیں گے۔ ایک بجے والی گاڑی مل ہی جائے گی۔"

"مگر...... مگر......!" نواب صاحب رک رک کر بولے۔ "کام...... ختم...... کہاں...... ہم لوگوں کی زندگی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔"

"بھلا میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں...... کم از کم یہ معاملہ میرے بس کا نہیں۔"

"آخر آپ اس طرح کیوں جا رہے ہیں۔" غزالہ آگے بڑھ کر بولی۔ "اتنی کامیابی تو آپ نے حاصل کر لی ہے اور اس کا پتہ لگانا بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔"

"خیر اس کا پتہ تو آپ لوگوں کو بھی تھا۔"

"تم جانے کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔" نواب صاحب بولے۔

"طارق صاحب بھلا آپ خود فیصلہ کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "اس بات پر کسے یقین آئے گا اس طرح دیواروں میں لاؤڈ اسپیکر فٹ کر دینا کوئی گھڑی دو گھڑی کا کام تو ہے نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں عرصہ لگا ہو گا...... پھر میں یہ کیسے سمجھ لوں کہ اس گھر کے رہنے والوں کو اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ فرض کیجئے کہ یہ حرکت گھر ہی کے کسی آدمی کی ہے تو ایسی حالت میں بھی اس کا علم کسی اور کو بھی ہونا چاہئے تھا...... کیا خیال ہے۔"

"صاحب اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" طارق نے جواب دیا۔

"جالی...... لاؤڈ اسپیکر......" نواب صاحب خود بخود بڑبڑائے۔

"شائد آپ کو یقین نہیں آیا۔" فریدی نے پتلون کی جیب سے بڑا سا چاقو نکال کر حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

"جاؤ بھئی ذرا چڑھ کر اس معاملے کو صاف ہی کر دو۔"

حمید چاقو لے کر سیڑھی پر چڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کی محنت کے بعد اتنی جالی کٹ گئی کہ لاؤڈ اسپیکر کا ہارن صاف دکھائی دینے لگا۔

"ایسے ہی اور بھی بہتیرے لاؤڈ اسپیکر یہاں کی دیواروں میں لگے ہوئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"میں کیا کروں۔" نواب صاحب بے بسی سے بولے۔ ان کے سارے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئی تھیں۔

"اس عمارت کے کمروں میں سفیدی کب سے نہیں ہوئی؟" فریدی نے پوچھا۔

"پچھلے سال ہوئی تھی۔" نواب صاحب بولے۔

"تو یہ سب کام اس کے بعد ہی ہوا ہے۔ ورنہ سفیدی کرنے والوں میں ضرور سراسیمگی پھیلتی۔"

"اُف میرے خدا۔" نواب صاحب اپنا چہرہ رومال سے صاف کرتے ہوئے بولے۔ "تو یہ سب کام اس وقت ہوا جب میں اور غزالہ چھ ماہ کے لئے باہر چلے گئے تھے۔"

"اس وقت غالباً لاؤڈ اسپیکر کے ہارن فٹ کئے گئے تھے کیونکہ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں۔ ایک رات میں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ان دیواروں میں تار دوڑانے کا انتظام اسی وقت کرلیا گیا ہو جب یہ عمارت زیر تعمیر رہی ہوگی۔"

نواب صاحب حیرت سے فریدی کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ عمارت کس کی نگرانی میں تیار ہوئی تھی۔" دفعتاً فریدی نے پوچھا۔

"میرے مرحوم پرائیویٹ سیکریٹری کی نگرانی میں۔" نواب صاحب بولے۔

"میں اس زمانہ میں مستقل طور پر لکھنؤ میں مقیم تھا۔"

"تو یہ وجہ ہے ان حضرت کی موت کی۔" فریدی بے تحاشہ بولا۔

"کیا مطلب......!"

"یقیناً وہ حضرت اس نامعلوم آدمی سے ملے ہوئے تھے، جو آپ کو تنگ کر رہا ہے اور آخر اس نے انہیں بھی اپنے راستے سے ہٹا دیا۔"

"آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔" نواب صاحب بے اختیار بولے۔

"آپ کا کوئی دشمن۔"

نواب صاحب سوچ میں پڑ گئے۔

"مگر میرا کوئی دشمن اتنا ذہین نہیں۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

"خیر بھئی...... حمید چل کر سامان اکٹھا کرو۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"آپ ہمیں اس حال میں چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتے۔" غزالہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"لیکن میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔"

"یہ سب کچھ میں نہیں جانتی...... آپ کو ٹھہرنا پڑے گا۔"

"اور اب تو آپ اس کا پتہ ہی لگا سکتے ہیں کہ اس ہارن کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔" طارق بولا۔

"ہاں کوئی ایسی مشکل بات نہیں...... صرف پوری عمارت کھدوانا پڑے گی۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ کچھ بھی سہی...... لیکن آپ یہاں سے جا نہیں سکتے۔" غزالہ بولی۔

"چلئے اب چل کر آرام کیجئے۔"

حملہ

رات حد درجہ تاریک تھی۔ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ گرج اور چمک کہہ رہی تھی کہ بس بارش ہوا ہی چاہتی ہے۔ فریدی نے اپنا پلنگ برآمدے میں نکلوا لیا تھا۔ اس وقت خنکی بڑھ جانے کی وجہ سے اس نے چادر اوڑھ لی تھی۔ سوتے وقت اس نے برآمدے کی بجلی بجھوا دی تھی۔

ساری کوٹھی پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دفعتاً ایک طرف ایک تاریک سایہ متحرک نظر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ فریدی کے پلنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ پلنگ کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کا ایک ہاتھ بلند ہوا اور بڑا سا خنجر سونے والے کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ ساتھ ہی کسی طرف سے ایک دوسرا سایہ جھپٹ کر پہلے سائے پر آ رہا۔ دونوں گتھ گئے۔ اس کشمکش اور جدوجہد میں دونوں کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکل جاتی تھیں۔ دفعتاً ایک سایہ دوسرے کی گرفت سے نکل کر بھاگا۔ دوسرا سایہ اس کا پیچھا کرنے لگا اور پھیلی ہوئی تاریکی نے دونوں کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔

شور و غل سن کر لوگ جاگ اٹھے۔ کمروں اور برآمدوں کے بلب روشن ہونے لگے۔ حمید بھی جاگ اٹھا تھا۔ وہ بھاگ کر فریدی کے کمرے کی طرف آیا۔ اسے معلوم تھا کہ فریدی برآمدے ہی میں سویا ہے۔ جیسے ہی اس نے ٹارچ جلائی اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ فریدی نے ماتھے تک چادر اوڑھ رکھی تھی اور اس کے سیاہ بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے اور سینے پر ایک خنجر جس کا صرف دستہ نظر آ رہا تھا۔ حمید بے تحاشہ چیخنے لگا۔

"دوڑو...... دوڑو...... قتل قتل......!"

نیند سے چونکے ہوئے لوگ، جو معاملے کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ نہ پائے تھے بے تحاشہ اس برآمدے کی طرف دوڑے۔ ان میں سے ایک نے برآمدے کا بلب روشن کر دیا۔

"کیا ہوا......!" غزالہ آگے بڑھ کر بولی۔ "ارے یہ کیا۔"

"فریدی صاحب۔"

"اُف میرے خدا...... یہ کیا ہوا...... ابا جان...... ابا جان۔"

"اوہ شاید سو رہے ہیں۔" کسی نے کہا۔

"جاؤ...... جا کر جگا دو......!"

"اُف میرے خدا.... میں نے انہیں کیوں روک لیا تھا۔" غزالہ سسکیاں لے کر رونے لگی اس دوران میں بارش بھی ہونے لگی تھی اور اتنی تیز ہو رہی تھی کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے قہقہہ لگایا۔ سب لوگ چونک پڑے۔ فریدی پانی میں شرابور لڑکھڑاتا ہوا برآمدے میں داخل ہوا۔

"ارے آپ......!" سب کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" غزالہ بے اختیار بول اٹھی۔ اس کی آنکھوں سے ابھی تک آنسو ابل پڑ رہے تھے۔

"ارے آپ کیوں رو رہی ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"پہلے یہ بتائیے کہ یہ کون ہے۔" حمید نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"چادر الٹ کر دیکھو۔"

"جیسے ہی حمید نے چادر الٹی اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔

چادر کے نیچے تین چار تکیئے رکھے ہوئے تھے اور سرہانے کے تکیئے پر دفتی کا بنا ہوا ایک سر رکھا ہوا تھا۔ جس پر سیاہ رنگ کے بڑے بڑے بال چپکے ہوئے تھے۔

"مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ آج رات کو مجھ پر ضرور حملہ ہوگا۔ اسی لئے میں یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ لیکن غزالہ خانم کی ضد کے آگے ایک نہ چلی اور مجبوراً مجھے یہ انتظام کرنا پڑا۔"

"مجھے شرمندگی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"اس کی قطعی ضرورت نہیں۔ اگر میں آج چلا گیا ہوتا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔"

"حضور بڑے سرکار کمرے میں نہیں ہیں۔" اس نوکر نے لوٹ کر کہا، جو نواب صاحب کو بلانے کے لئے گیا تھا۔

"کیا کہا کمرے میں نہیں۔" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کون......؟" فریدی نے پوچھا۔

"ابا جان......!" غزالہ پریشان لہجے میں بولی۔

"اوہ......!" فریدی تیزی سے نواب صاحب کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ بقیہ لوگ بھی اس کے پیچھے تھے۔

نواب صاحب کا کمرہ خالی تھا۔ بستر بچھا ہوا تھا۔ بستر کی شکنیں کہہ رہی تھیں کہ کوئی اس پر سویا ضرور ہے کوٹھی کا کونہ کونہ چھان ڈالا گیا۔ نواب صاحب کا کہیں پتہ نہ تھا۔ غزالہ بُری طرح پریشان تھی۔ فریدی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ طارق آہستہ آہستہ حمید سے باتیں کر رہا تھا۔

"تو آخر اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ آپ لوگ جا کر آرام کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "نواب صاحب جہاں گئے ہوں گے واپس آجائیں گے۔"

"آخر اس وقت کہاں گئے۔" غزالہ بے چینی سے بولی۔

"ممکن ہے روزانہ اس وقت وہ کہیں جاتے ہوں۔ آپ ان کے پیچھے پیچھے تو گھومتی نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ارے یہ آپ کے ماتھے سے خون کیسا نکل رہا ہے۔" غزالہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولی۔

"بھاگ دوڑ میں کہیں چوٹ لگ گئی ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ وہ کم بخت بچ کر نکل گیا۔"

اور وہ کنواں

دوسرے دن صبح نواب صاحب کی کوٹھی میں کہرام مچا ہوا تھا۔ نواب صاحب ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ سب سے زیادہ غزالہ پریشان تھی اور سب زیادہ خاموش فریدی تھا۔ گہرے تفکر کی وجہ سے اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں۔

"جناب من......!" طارق نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "رات سے میرا نیولا غائب ہے۔"

"ارے جناب یہاں آدمی غائب ہوئے جارہے ہیں اور آپ کو نیولے ہی کی پڑی ہے۔"

"آپ غلط سمجھے مسٹر فریدی۔" طارق بولا۔ "نواب کی وجہ سے مجھے خود بھی پریشانی ہے...... مگر وہ نیولا۔"

"بہت قیمتی تھا۔" فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔

"جی ہاں......!"

"ارے صاحب جانور ہے...... کہیں بھاگ واگ گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"بھاگ تو وہ سکتا ہی نہیں...... ضرور اسے کسی نے پکڑ لیا۔"

"کہئے ہندوستان آپ کو پسند آیا۔" فریدی اچانک پوچھ بیٹھا۔

طارق چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"جی ہاں...... کیوں نہیں...... مگر میرا نیولا۔"

"چھوڑیئے بھی مل ہی جائے گا...... آپ اس سے قبل بھی کبھی ہندوستان آئے تھے۔"

"جی نہیں...... لیکن نیولا......!"

"میرے خیال سے نیولا محض اسی لئے غائب کیا گیا ہے کہ کہیں وہ نواب صاحب کو ڈھونڈ نہ نکالے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب سمجھ کر کیا کیجئے گا...... بہر حال میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا قیمتی نیولا ڈھونڈنے کی کوشش کروں گا۔"

"شکریہ...... شکریہ......" طارق نے کہا۔ "معاف کیجئے گا میں مخل ہوا...... مگر میں کیا کروں...... میرا نیولا۔"

"آپ اطمینان رکھئے.... جاکر ناشتہ کیجئے..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

طارق چلا گیا۔

دیر بعد غزالہ آگئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔" وہ کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"گھبرائیے نہیں...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "جب تک کہ یہ معاملہ صاف نہ ہو جائے گا میں یہیں مقیم رہوں گا۔"

"کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"کسی زبان سے نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "آخر آپ اتنی اداس کیوں ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نواب صاحب جہاں کہیں بھی ہیں بخیریت ہیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"انشاءاللہ...... ایسا ہی ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "آپ نے ناشتہ کیا یا نہیں۔"

"ارے...... ایسے میں ناشتے کی کسے سوجھتی ہے۔"

"پھر وہی بات میں کہتا ہوں آخر اس سے فائدہ ہی کیا۔"

"اب میں اپنے دل کو کیا کروں۔"

"سنبھالئے...... آپ پڑھی لکھی اور سمجھدار ہیں۔"

"کوشش تو کرتی ہوں۔"

"اچھا جائیے...... ناشتہ کر ڈالئے۔"

"اور آپ......!"

"میں ابھی نہیں کروں گا...... ضرورتاً ایسا کہہ رہا ہوں۔"

غزالہ چلی گئی۔

فریدی کا معمول تھا کہ جب اُسے کسی اہم معاملے پر غور وخوض کرنا ہوتا تھا تو وہ عموماً خالی پیٹ ہی رہا کرتا تھا...... اس لئے آج بھی اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا...... وہ خود پر حملہ ہونے کے بعد سے اب تک بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے سے نکل کر حمید کے کمرے کی طرف گیا۔ حمید شاید ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا...... اس کے بال الجھے ہوئے تھے اور آنکھوں کی کوریں سوجی ہوئی تھیں۔

"تم جیسا سونے والا بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کی نظروں میں ابھی گذرا ہی کیا ہے۔" حمید نے کہا۔ "نواب صاحب ملے یا نہیں۔"

"ابھی تک کچھ پتہ نہیں چل سکا۔"

"تو یقیناً میرا شبہ درست ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ آپ بھی شبہ کرنے لگے ہیں۔ ذرا مجھ سے بھی فرمائیے شاید آپ ہی صحیح راہ پر ہوں۔"

"نواب رشید الزماں خود ہی مجرم ہیں۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے......؟" فریدی ایک آرام کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"یہ میں نہیں جانتا...... میرے پاس اس کا بہت ہی معمولی ثبوت ہے اور وہ یہ کہ نواب رشید الزماں آپ پر حملے کے بعد ہی کیوں غائب ہو گئے۔ آپ نے حملہ کرنے والے سے دو دو ہاتھ بھی کئے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کو خیال پیدا ہوا ہو کہ کہیں آپ نے حملہ کرنے والے کو پہچان نہ لیا ہو۔"

"بہت اچھے! لیکن یہ تو سوچو کہ آخر ان کی روپوشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ حملہ آور بچ کر نکل گیا تھا اور پھر میں اس کا ثبوت کس طرح بہم پہنچاتا کہ اس میں رشید الزماں ہی کا ہاتھ ہے۔"

"ہر شخص اتنا نہیں سوچ سکتا جتنا کہ آپ سوچتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"خیر بہر حال...... ذرا اپنی کرسی قریب لے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

"خیریت کوئی خاص بات۔" حمید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اپنی کرسی فریدی کے قریب کر لی۔

"سنو......!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "آج رات کو میں اس کنوئیں میں اتروں گا۔"

"میں آپ کو ہرگز نہ اترنے دوں گا۔"

"کیوں......!"

"میں مناسب نہیں سمجھتا۔"

"نہیں بھئی...... اب اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔"

"تو گویا آپ پر حسن کا جادو اس بُری طرح چل گیا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ غزالہ دنیا کی حسین ترین لڑکی ہے۔"

"پھر وہی گدھے پن کی باتیں۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں...... میں نے شاید اپنی زندگی میں کبھی گھوڑے پن کی باتیں نہیں کیں۔"

"ہٹاؤ بھی......و یہ فضول باتیں...... تفریح کے لئے پھر بہت وقت ملتا رہے گا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ رات کو اس کنوئیں کی نگرانی ضرور کی جاتی ہو گی۔"

"نگرانی...... نگرانی کون کرتا ہو گا۔"

"مجرم......!"

"مجرم تو غائب ہے۔"

"بھئی فی الحال یہی فرض کر لو کہ نواب رشید الزماں مجرم نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال...... ہاں تو آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تم شام ہی سے باغ پر نظر رکھنا۔"

"بہتر ہے...... لیکن میں کسی طرح یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ کنوئیں میں اتریں۔"

"بس دیکھتے رہو...... میرے لئے کسی قسم کا خطرہ نہیں۔"

اسی دن رات کو حمید دوڑا ہوا فریدی کے پاس آیا۔

"آپ کا خیال صحیح تھا۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "میں نے ابھی ابھی ایک آدمی کو کنوئیں کی پیچھے والی جھاڑی میں چھپتے ہوئے دیکھا ہے۔"

فریدی پہلے ہی سے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے ضروری سامان ساتھ لیا اور حمید کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

پھاٹک کے باہر نکل کر دونوں چہار دیواریوں کے نیچے چلنے لگے۔ ایک جگہ فریدی رک گیا۔

"میرا خیال ہے کہ یہی وہ جگہ ہو سکتی ہے جہاں وہ چھپا ہو گا......" فریدی نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔

حمید نے سر ہلایا اور دیکھتے ہی دیکھتے فریدی دیوار پر چڑھ گیا اوپر سے اس نے حمید کو بھی چڑھ آنے کا اشارہ کیا۔

دونوں بہ آہستگی تمام دوسری طرف اترنے لگے۔

"وہ دیکھئے کنوئیں کی جگت کے پاس جھاڑیوں میں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے سر ہلایا۔ وہاں کوئی چھپا ہوا تھا۔ فریدی اپنے پستول کی نال پکڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر اس کا پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا اور ساتھ ہی کسی کے گرنے کی آواز آئی۔

"حمید...... حمید...... جلدی کرو...... رسی۔" فریدی نے کہا۔

وہ ایک قوی ہیکل آدمی کو دبوچے بیٹھا تھا۔ آدمی سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بیہوش ہو چکا تھا۔ دونوں نے مل کر اسے ایک درخت کے تنے سے جکڑ دیا۔

"تمہارا پستول بھرا ہوا ہے نا......!" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دیکھو اسکی اچھی طرح نگرانی کرتے رہنا۔ اگر کوئی بات ہو تو بے دریغ پستول استعمال کرنا۔"

یہ کہہ کر فریدی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ وہاں سے نکلا تو اس کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا۔

"یہ کیا......!" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"طارق کا نیولا......!"

"ارے......!"

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔"

"تو اسے آپ ہی نے غائب کیا تھا۔"

"ہاں...... اس کنویں میں بکثرت سانپ ہیں۔ لیکن وہ اس نیولے کی بو پاتے ہی اپنے بلوں میں جا چھپیں گے۔"

"اوہ...... سمجھا......!"

فریدی نے پنجرہ زمین پر رکھ دیا اور ریشم کی ایک مضبوط ڈوری کے سرے میں ایک پتھر باندھ کر اسے کنویں میں پھینک دیا اور ڈور کا دوسرا سرا قریب کے ایک درخت کے تنے سے باندھ کر پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

"اچھا بھئی...... حمید خدا حافظ...... میں چلا...... بہت ہوشیاری سے رہنا...... اگر کوئی خطرہ درپیش ہو تو بے تکلف گولی چلا دینا...... فریدی نے کہا اور نیولے کا پنجرہ اپنے گرد لپٹی

ہوئی چمڑے کی پیٹی میں لٹکا لیا۔ پھر ٹارچ کی روشنی میں دیر تک کنویں کے اندر دیکھتا رہا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد اس نے ٹارچ پتلون کی جیب میں ڈالی اور ریشم کی ڈور کے سہارے کنویں میں اترنے لگا۔ ریشم کی ڈور کے سہارے اترنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ تھوڑی دور جا کر ڈور پسینے کی وجہ سے ہاتھ سے پھسلنے لگی۔

کنوئیں میں بلا کی تاریکی تھی۔ اسے اپنے آس پاس سانپوں کی پھنکاریں سنائی دے رہی تھیں۔

حیرت

فریدی کی کمر سے لٹکے ہوئے پنجرے سے بھی عجیب قسم کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ شاید نیولا سانپوں کی پھنکاریں سن کر اپنے غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ فریدی کے بازو شل ہو گئے تھے۔ ہر بار اسے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے اب رسی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس نے ایک چوڑی لگار پر کھڑے ہو کر جیب سے ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی میں نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ ابھی اس نے صرف آدھی مسافت طے کی تھی۔ گرمی کی وجہ سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ اس نے منہ اوپر کر کے دو تین گہرے گہرے سانس لئے اور پھر نیچے اترنے لگا۔ بہر حال بہزار دقت وہ کنوئیں کی تہہ تک پہنچا۔ اس کے سارے کپڑے پسینے میں اس طرح ڈوبے ہوئے تھے جیسے وہ کافی دیر تک بارش میں بھیگتا رہا ہو۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ کنوئیں کی تہہ کا جائزہ لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی محنت بیکار گئی ہو۔ کنوئیں میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ سانپوں کی طرف سے تو خیر اس نیولے کی موجودگی کی وجہ سے اسے اطمینان تھا لیکن گرمی خدا کی پناہ...... فریدی کی جگہ اگر کوئی کمزور دل و دماغ کا آدمی ہوتا تو اب تک کبھی کا بیہوش ہو گیا ہوتا۔

تھک ہار کر اس نے اوپر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ رسی پکڑ کر جیسے ہی اس نے اپنا پیر اٹھایا دوسرا پیر کنوئیں کی دیوار سے ٹکرا گیا اور ایک عجیب قسم کی آواز پیدا ہوئی۔ فریدی چونک کر پھر نیچے اتر گیا۔ جہاں پیر لگا تھا اس جگہ کو بغور دیکھنے لگا۔ پھر اسے انگلیوں سے آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔

"اوہ میرے خدا......!" اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

دیوار کا یہ حصہ ٹین کا بنا ہوا تھا۔ لیکن اسے اس طرح بنایا گیا تھا کہ دیکھنے میں اینٹوں کی جڑائی معلوم ہو رہی تھی۔ فریدی نے جیب سے چاقو نکالا۔

تھوڑی دیر میں اس نے ٹین کا وہ ٹکڑا وہاں سے نکال پھینکا۔ ہوا کا ایک فرحت انگیز جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا اور اس کی رگوں میں توانائی دوڑ گئی۔ اس کے سامنے دیوار کا اتنا بڑا حصہ کھل گیا تھا جس سے ایک آدمی بیٹھ کر بآسانی گذر سکتا تھا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے میں نیولے کا پنجرہ۔ اب وہ ایک اچھے خاصے کمرے میں چل رہا تھا۔ دفعتاً وہ ٹھٹک گیا۔ سامنے ایک عورت اور ایک مرد کھڑے ہوئے تھے۔

فریدی نے بے ساختہ پنجرہ زمین پر پھینک کر ریوالور نکال لیا۔ لیکن وہ دونوں دیوار سے ٹیک لگائے جوں کے توں کھڑے ہوئے تھے۔

"لاحول ولا قوۃ۔" فریدی کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔ اس نے قریب جا کر دونوں کو ٹٹولا۔ وہ ربر کے بنے ہوئے تھے۔ فوراً فریدی کو خیال آیا کہ یہ وہی مورتیاں ہیں جنہیں پہلے دن نواب صاحب وغیرہ نے لاش سمجھا تھا۔ فریدی آگے بڑھا۔ سامنے ایک دروازہ تھا جس کی درزوں سے روشنی چھن چھن کر اس کمرے میں آ رہی تھی۔ فریدی نے اس کمرے میں داخل ہوتے ہی بارود کی بو محسوس کی تھی۔ دوسرے کمرے میں کسی کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ فریدی نے کواڑوں کی درز سے آنکھیں لگا دیں۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔ دوسرے کمرے میں ایک آدمی کی لاش پڑی ہوئی تھی جس کے سینے سے تازہ تازہ خون ابل رہا تھا۔ ایک کرسی پر نواب رشید الزماں بیٹھے تھے۔ لیکن وہ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ فریدی نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن پھر رک گیا۔ البتہ اس نے محسوس کر لیا کہ دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں ہے اور کسی وقت بھی آسانی سے کھولا جا سکتا ہے۔

اچانک ایک آدمی دروازے ہی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

یہ پرویز تھا۔ پرویز جو پاگل تھا۔ پرویز جو بچوں کی طرح تتلا تتلا کر بولتا تھا۔ پرویز جو گھٹنوں کے بل چلتا تھا...... وہ پرویز اس وقت سیدھا کھڑا تھا۔ اسکے ہاتھ میں دودھ کی شیشی کے بجائے پستول تھا اور آنکھوں میں معصومیت کے بجائے سفاکی۔ درندگی اور وحشیانہ پن رقص کر رہا تھا۔

"دیکھا آپ نے اس نمک حرام کا انجام......!" پرویز نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ مجھے دھمکی دے رہا تھا کہہ رہا تھا کہ جاسوسوں کو میرے متعلق بتا دے گا...... ہونہہ۔"

فریدی کے سارے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی کیونکہ پرویز اس وقت تتلا کر نہیں بول رہا تھا۔

"ہاں تو بھائی صاحب اب...... آپ بھی مرنے کے لئے تیار ہو جائیے۔" پرویز بولا۔

"میں نے تمہیں ہمیشہ سگے بھائی کی طرح عزیز رکھا ہے۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" نواب صاحب گڑگڑا کر بولے۔

"کچھ بھی ہو...... لیکن میں اسے کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا کہ اپنے باپ کے ترکے سے اس لئے محروم کر دیا جاؤں کہ اس نے میری ماں کے ساتھ نکاح نہیں کیا تھا۔"

"کیا میں نے تمہیں کبھی یہ چیز محسوس ہونے دی۔" نواب صاحب بولے۔

"میں ان فضولیات میں نہیں پڑتا...... میں تمہیں قتل کروں گا۔ جاسوسوں کو پہلے ہی سے تم پر شبہ تھا۔ تمہارا غائب ہو جانا اس شبہے کو یقین میں تبدیل کر دے گا۔ تمہاری روپوشی کے بعد تمہاری چیزوں کا میں پورا پورا مالک ہوں گا۔ غزالہ کے علاوہ اور تمہارا ہے ہی کون، جو مجھ سے نمٹنے کے لئے آئے گا...... اور رہ گیا غزالہ کا معاملہ تو میں اسے اسی طرح رکھوں گا جس طرح تمہارے باپ نے میری ماں کو رکھا تھا۔"

"کیا بکتا ہے...... بد نصیب......!" نواب صاحب گرج کر بولے۔ "وہ تیری بھتیجی ہے۔"

"ہو گی......!" پرویز نے لاپرواہی سے کہا۔ "میری ماں آوارہ تھی اس لئے تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں تمہارے باپ ہی کی اولاد ہوں۔ بہر حال میں حرامی ہوں۔ اس لئے حرامی پن کی حد کر دینا چاہتا ہوں۔"

"چپ رہ مردود......!" نواب صاحب چیخے اور فریدی نے دروازے کو زور سے دھکا دیا۔ کواڑوں کی جھپٹ میں آ کر پرویز اوندھے منہ گر پڑا۔

فریدی اچھل کر اس پر آ رہا۔ دونوں آپس میں گتھ گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اسے ایک فولاد کے بنے ہوئے آدمی سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔ دفعتاً پرویز فریدی کی گرفت سے نکل کر پھرتی سے ایک صوفے کی آڑ میں ہو گیا۔ فریدی اس کا مطلب سمجھتا تھا۔ اس نے جھپٹ کر ایک میز گرائی اور اس کی اوٹ لے لی۔ دونوں طرف سے

گولیاں چلنی شروع ہو گئیں۔ دفعتاً فریدی نے چیخ ماری اور گر پڑا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر پرویز کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک ایک فائر ہوا اور پرویز چیخ مار کر گر پڑا۔ فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پرویز کو تڑپتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ گولی ٹھیک اس کے ماتھے پر لگی تھی۔

"فریدی بیٹا......!" نواب صاحب چیخے اور بیہوش ہو گئے۔

دوسرے دن شام کو نواب صاحب، غزالہ، طارق، فریدی، حمید اور دو سب انسپکٹر ایک ساتھ چائے پی رہے تھے۔

"ایسی تاریک رات میں اس کنوئیں میں اترنا فریدی ہی کا کام تھا۔" نواب صاحب بولے۔

"مجھ سے دراصل ذرا سی غلطی ہو گئی۔ ورنہ اتنی پریشانی نہ اٹھانی پڑتی۔ کھنڈروں والا راستہ زیادہ سیدھا اور آسان تھا۔ صرف ذرا سا دماغ پر زور ڈالنا پڑتا۔ اب سوچتا ہوں کہ میں نے اپنا زیادہ وقت کھنڈروں پر ہی کیوں نہ صرف کیا۔"

"خیر جو کچھ بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔" طارق بولا۔

"مجھے حیرت ہے کہ وہ لوگ مجھے سوتے سے کس طرح اٹھالے گئے کہ مجھے خبر تک نہ ہوئی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"کلوروفارم......!" فریدی بولا۔

"ان تینوں بدمعاشوں میں سے ایک لاپتہ ہے معلوم نہیں اس کا کیا ہوا۔" حمید بولا۔

"اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔" فریدی۔ "بھلا کون کہہ سکتا تھا پرویز اتنا خطرناک آدمی ہے اور وہ تینوں جو اسے گود میں اٹھائے پھرتے تھے وہ اس کے گرگے ہیں۔"

"خیر اب چھوڑیئے......ان باتوں کو......!" غزالہ بولی۔ "مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"اور ہاں طارق صاحب ایک صاحب کو آپ پر بھی شبہ تھا۔" فریدی نے شرارت آمیز

مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

غزالہ اُسے غصے اور پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھ پر......!" طارق نے قہقہہ لگایا۔ "نہ جانے کیوں لوگ عموماً میری طرف سے مشکوک رہا کرتے ہیں۔"

"آپ کے نیولے کی وجہ سے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اوہ......اس نے سینکڑوں بار میری جان بچائی ہے۔" طارق نے اپنے نیولے کی پیٹھ پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ نہ ہوتا تو فریدی صاحب کنوئیں کے قریب جانے کی بھی ہمت نہ کر سکتے۔"

"اس میں تو شبہ نہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا اپنے کمرے میں آیا اور کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر باغ میں بکھری ہوئی ہریالی سے آنکھوں کی تھکاوٹ دور کرنے لگا۔

دفعتاً کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مڑا... غزالہ کی خوبصورت آنکھوں نے اس کی نگاہوں کا استقبال کیا۔ غزالہ کے نرم اور نازک ہونٹوں پر ایک لطیف سا تبسم بکھرا ہوا تھا۔

فولاد کے بنے ہوئے فریدی کے جسم کا ایک ایک حصہ موم کی طرح پگھلنے لگا۔ اس نے بے اختیار غزالہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"آپ...... آپ اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" فریدی نے بچوں کی طرح کہا اور غزالہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی جس کا صریحاً یہ مطلب تھا کہ کچھ اور بھی کہو...... مگر...... فریدی......اس معاملے میں قریب قریب بالکل بدھو تھا۔ اس نے کسی رومانی ناول کا کوئی اچھا سا جملہ یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔

"آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔" وہ بدقت تمام بولا۔

اچانک ایک دھماکہ سنائی دیا۔ دونوں چونک پڑے...... دروازے کے قریب حمید گر پڑا تھا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ جیسے وہ کچھ کہہ رہا ہو۔ دونوں دوڑ کر اس کے قریب آئے۔

فریدی نے سر ہلایا اور غزالہ کو جانے کا اشارہ کر کے خود حمید پر جھک گیا۔ غزالہ دونوں کو

حیرت سے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

"حمید...... حمید......!" فریدی نے اس کا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ...... آپ...... ہم...... ہم...... ہمیشہ...... اچھ...... اچھی...... لل...... لگتی ہیں۔" حمید لیٹے لیٹے بڑبڑایا۔ "ارے...... باپ رے...... بھوت...... بھوت......!"

فریدی نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

"یہ کیا حرکت......؟"

"حرکت...... ارے رے...... حرکت...... ہائے...... آپ پر بھی...... آسیب کا سایہ ہو گیا۔"

"کیا بکتے ہو؟"

"ارے باپ رے...... آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں...... ارے بہت بڑا کافر مسلمان ہو گیا۔ شکر ہے خدا تیرا...... ارے میں خوشی کے مارے بیہوش ہو گیا تھا...... تھوڑا پانی...... نقاہت محسوس ہو رہی ہے۔"

فریدی حمید کی پیٹھ پر ایک گھونسہ جڑ کر کمرے میں چلا گیا۔ اس کے چہرے کے ایک ایک حصے سے مسکراہٹ پھوٹی پڑ رہی تھی۔ جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ۔

"میرے سرکار آخر خفگی کس بات کی...." حمید فریدی کے پیچھے آ کر بولا۔ "اب تو مزہ ہی مزہ ہے۔"

فریدی جھلا کر مڑا۔

"عجیب احمق ہو...... اگر اس نے سن لیا تو۔"

"تو ہرج ہی کیا ہے...... محبت میں سب کچھ جائز ہے۔"

"محبت...!" فریدی اسکا گریبان پکڑے ہوئے بولا "کس بات میں دیکھی ہے تم نے محبت"

"آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"تو کیا کسی کے حسن کی تعریف کرنا محبت ہے۔"

"قطعی......!"

"تو ادھر دیکھو......!" فریدی نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "جسے تم محبت کہتے ہو اس کے لئے اس پتھر میں کوئی گنجائش نہیں۔"

"کبھی کبھی پتھر بھی اپنی ہی آنچ سے پگھل جاتا ہے......" حمید اکڑ کر بولا۔

"شاباش...... برخوردار...... کس ناول سے رٹا تھا یہ جملہ۔" فریدی اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے بولا۔

"خیر ہو گا مجھے کیا۔" حمید نے کہا۔ "آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کنویں سے آگ کس طرح نکلتی تھی۔"

"تم بھی رہے وہی ڈیوٹ کے ڈیوٹ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ارے میاں آتشبازی تھی۔ کیا تم نے مٹی کے وہ بڑے بڑے انار نہیں دیکھے تھے جو تہ خانے سے برآمد ہوئے ہیں۔"

"اوہ واقعی اچھا خاصہ بچوں کا کھیل تھا...... مگر خطرناک۔" حمید نے کہا اور سیٹی بجاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 7

خطرناک بوڑھا

(مکمل ناول)

بے معنی اچھل کود

میٹرو ہوٹل کی عظیم الشان عمارت روشنی میں نہائی ہوئی شہر کے سب سے زیادہ بارونق حصے میں اس طرح کھڑی تھی جیسے کوئی دولت منداپنی کوٹھی کے پھاٹک پر کھڑا ہو کر اپنے مہمانوں کا بے چینی سے انتظار کرتا ہے تاکہ انہیں جلد سے جلد اپنی شان امارت دکھا سکے۔

فٹ پاتھ پر بے شمار موٹریں کھڑی تھیں۔......اس ہوٹل میں زیادہ تر دولت مند طبقے کے لوگ آتے ہیں۔ شام ہوتے ہی یہاں کاروں کی قطاریں نظر آنے لگتی ہیں۔

ہوٹل کے اندر کافی بھیڑ تھی، ہال میں قریب قریب ساری میزیں بھر چکی تھیں۔ آج یہاں ایک اسپینی رقاصہ کا ناچ بھی تھا۔ اس لئے معمول سے زیادہ بھیڑ ہوگئی تھی۔ ناچ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ اسٹیج پر ریشمی پردہ لہریں لے رہا تھا اور قریب قریب سب کی نگاہیں ادھر ہی لگی ہوئی تھیں۔ دفعتاً ایک خوش پوش اور وجیہہ نوجوان ہال میں داخل ہوا۔ اس نے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ شاید وہ کسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اسٹیج کے قریب لگی ہوئی ایک میز پر سے ایک لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا اس میز کے قریب پہنچ گیا۔ وہ لڑکی اور اس میز پر بیٹھے ہوئے دو مرد شاید نوجوان کے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے تھے۔

لڑکی نے اپنے ساتھیوں سے نوجوان کا تعارف کرانا شروع کیا۔

"مسٹر شاہد جن کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے۔" لڑکی مسکراتی ہوئی بولی۔ "اور یہ میرے چچا نصیر...... میرے بھائی ارشد......!"

نوجوان دونوں سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گیا۔

لڑکی نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا اور وہ لوگ گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ لڑکی کی شخصیت اتنی دلکش تھی کہ قریب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اسے بُری طرح گھور رہے تھے۔ اس نے بہت ہی چست قسم کا لباس پہن رکھا تھا جس سے اس کے جسم کی رعنائیاں پھوٹی پڑ رہی تھیں۔

"شاہد صاحب مجھے رقیہ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ سیام کے قدیم باشندوں کے طرز معاشرت پر تحقیق کر رہے ہیں۔" لڑکی کا چچا نصیر بولا۔

"جی ہاں کوشش کر رہا ہوں۔" شاہد نے جواب دیا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے بھی ایسے موضوعات سے خاصی دلچسپی ہے۔ خاص طور پر سیامی اور چینی لٹریچر کا بہت زیادہ دلدادہ ہوں۔"

"اوہ تب تو آپ سے مجھے بہت مدد ملے گی۔" شاہد مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں نے خصوصاً آپ سے اسی لئے ملنا چاہا تھا کہ مجھے اپنے ہم مذاق لوگوں کی تلاش رہتی ہے۔ آپکو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میں نے محض پڑھنے کی خاطر اس ہوٹل میں ایک کمرہ لے رکھا ہے۔"

"بہت خوب......!" شاہد اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"واقعی سیام ایک بہت ہی پراسرار ملک ہے۔" نصیر چائے کا گھونٹ لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور وہاں کی قدیم تاریخ اتنی مشکوک ہے کہ کسی خاص راستے کا تعین کر کے چھان بین سے کوئی خاص نتیجہ اخذ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔"

شاہد کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"بخدا آج آپ پہلے آدمی ملے ہیں جس نے سیامی تاریخ کے متعلق اتنی سچی بات کہی ہے۔"

نصیر مسکرانے لگا۔ اس مسکراہٹ میں احساس برتری، آسودگی بے پرواہی سبھی کچھ شامل تھا۔

"میں اپنی انتہائی خوش نصیبی سمجھوں گا اگر اس سلسلے میں میری رہنمائی کریں۔" شاہد دوبارہ بولا۔

"شوق سے۔" نصیر نے کہا۔ "میں ہر وقت حاضر ہوں...... میں نے اپنی زندگی کا کافی

خصہ چین اور سیام میں گذارا ہے۔"

"تب تو آپ میری سچی رہنمائی کر سکیں گے۔"

نصیر کچھ سوچنے لگا۔

"سیام کے جنگل بھی بڑے عجیب ہیں۔" نصیر بولا۔

شاہد توجہ کے ساتھ سننے لگا۔ لیکن نصیر پھر کچھ سوچنے لگا۔

اتنے میں اسپینی رقاصہ کا ناچ شروع ہو گیا۔

نصیر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی ان لغویات سے دلچسپی نہ ہو گی۔" نصیر بولا۔

"جی نہیں......!" شاہد نے جواب دیا۔

"تو آیئے چل کر کمرے میں گفتگو کریں گے۔" نصیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اسی کے ساتھ رقیہ کا بھائی بھی اٹھا...... شاہد بھی اٹھ گیا۔

"آپ لوگ جایئے میں تو ناچ دیکھوں گی۔" رقیہ بولی۔

شاہد ہنسنے لگا۔

"دنیا کی ساری عورتیں کھیل تماشوں کی دلدادہ ہوتی ہیں۔" نصیر فلسفیانہ انداز میں بولا۔

"تینوں زینے طے کرتے ہوئے تیسری منزل پر پہنچے۔ اس وقت قریب قریب سارے کمرے مقفل تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اسپینی ایکٹریس کا رقص تھی۔

یہ لوگ تیسری منزل کے ایک کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ یہاں ایک بڑی میز تھی جس پر بہت سی کتابیں بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی تھیں اور ایک طرف لمبا پلنگ بھی پڑا ہوا تھا۔ میز کے گرد دو تین کرسیاں تھیں۔

"شاید رقیہ سے آپ کی ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا......!" نصیر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں......!" شاہد نے جواب دیا۔

"لیکن وہ آپ کا تذکرہ اس انداز میں کرتی ہے، جیسے آپ دونوں برسوں کے ساتھی ہوں۔"

شاہد نے شرمیلے انداز میں سر جھکا لیا۔

"شرمانے کی ضرورت نہیں، میں محبت کو بُرا نہیں سمجھتا۔ فلسفے نے مجھے بہت زبردست روشنی بخشی ہے۔ میں انسانیت کو خون کے رشتوں سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ ارشد میرا بھتیجا ہے لیکن ہم دونوں اکثر ایک ساتھ بیٹھ کر شراب پیتے ہیں۔ اگر آپ بھی پیتے ہوں تو مجھے آپ سے بھی تکلف نہیں۔"

"میں عادی نہیں ہوں۔" شاہد بولا۔ "اکثر تفریحاً پی لیتا ہوں۔"

"خیر بھئی ارشد ذرا گلاس وغیرہ نکال لینا....." نصیر نے کہا۔

ارشد نے الماری سے تین گلاس نکال کر میز پر رکھ دیئے اور بوتل نکال لایا۔

"اوہ اس میں تو بہت تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید ایک ہی آدمی کیلئے کافی ہو۔" نصیر بولا۔ "شاہد صاحب یہ بہترین قسم کی پرتگالی شراب ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ زیادہ نہیں۔"

نصیر نے ساری شراب شاہد کے آگے رکھے ہوئے گلاس میں انڈیل دی۔

"ہم لوگ فی الحال وہسکی ہی پر قناعت کر لیں گے۔" ارشد بولا۔

"جی نہیں...... لیجئے...... لیجئے۔" شاہد نے گلاس آگے بڑھا دیا۔

"یہاں تکلف کی ضرورت نہیں۔" نصیر نے گلاس پھر شاہد کی طرف کھسکا دیا۔

ارشد نے الماری سے وہائٹ ہارس کی بوتل نکالی اور خالی گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی ڈال کر سوڈا ملانے لگا۔ تینوں نے گلاس ہاتھوں میں لے کر ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ہلکی ہلکی چسکیاں لے کر انہیں پھر میز پر رکھ دیا۔

"بات یہ ہے شاہد صاحب۔" نصیر بولا۔ "مجھے ایک زمانے میں سیامی ناچوں سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔"

"اچھا......!" شاہد متعجبانہ انداز میں بولا۔

"ہاں...... اور اس سلسلے میں اچھی خاصی ریسرچ کر ڈالی تھی۔"

"خوب......!" شاہد پر آہستہ آہستہ پرتگال کی سالہا سال پرانی شراب کا اثر ہوتا جا رہا تھا۔

"سگریٹ......!" نصیر نے شاہد کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں سیام کے سارے ناچ بہت اچھی طرح ناچ سکتا ہوں۔"

"میں نے ایک فلم میں سیام کے ناچ دیکھے تھے۔" شاہد بولا۔

"کہئے آپ کو شراب پسند آئی۔" ارشد نے کہا۔

"بہت...... خدا کی قسم میں نے اتنی نفیس شراب پہلے کبھی نہیں پی۔"

شاہد جھومتا ہوا بولا۔ اس نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ لے کر سلگایا اور گہرے گہرے کش لینے لگا۔

تینوں نے گلاس خالی کر دیئے۔ شاہد کا سر بھاری ہوا جا رہا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کا سر نہیں بلکہ ایک بوجھ ہے جو بے ڈھنگے پن کے ساتھ اس کے کاندھے پر رکھ دیا گیا ہو اور ذرا سی جنبش میں اس کا لڑھک جانا یقینی ہے۔ اس نے اپنا سر میز پر اوندھا لیا۔

"شاہد صاحب......!" نصیر نے اس کا سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے میں آپ کو سیام کا ایک بہاریہ رقص دکھانے جا رہا ہوں۔"

"دکھا...... یئے......!" شاہد رک رک کر بولا۔

اچانک نصیر نے اٹھ کر ایک بے ہنگم قسم کی اچھل کود شروع کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ بھی دہراتا جا رہا تھا۔ اس نے ارشد کو اشارہ کیا وہ بھی اس کے ساتھ اچھلنے کودنے لگا۔

"آپ بھی ناچئے شاہد صاحب..... یہ سیام کا بہت ہی متبرک ناچ ہے۔" نصیر نے بدستور اچھلتے کودتے ہوئے کہا۔

شاہد لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور وہ بھی انہیں کی طرح اچھلنے کی کوشش کرنے لگا۔ تینوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اور ایک دائرے کی شکل میں اچھل اچھل کر ناچنے لگے۔ شاہد کے قدم سست تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تھک کر گر پڑا۔ اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔

"ارے بس اتنے ہی میں بول گئے۔" ارشد ہنستا ہوا بولا۔ "بڑے نامرد ہو۔"

"میں...... نامرد...... تم خود نامرد۔" شاہد اٹھتا ہوا بولا۔

وہ تینوں پھر ناچنے لگے۔ تھوڑی دیر تک اس اچھل کود کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر دفعتاً شاہد کو ایک بڑی سی قے ہوئی اور وہ وہیں فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"ختم ہو گیا۔" نصیر نے ارشد سے کہا۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھ کر ہانپنے لگے۔

"تم لوگ نیچے چلے جاؤ۔" برابر کے کمرے سے ایک بھاری بھرکم آواز آئی۔

دونوں اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور اس دروازے کی طرف منہ کر کے قدرے جھکے جو دوسرے کمرے میں کھلتا تھا۔

دونوں اس طرح جھکے کھڑے تھے جیسے وہ کسی کی پیشوائی کر رہے ہوں۔

"اسپینی رقاصہ سے ملنا جو کچھ وہ دے اُسے نمبر سات کو دینا...... بس جاؤ۔" وہی آواز پھر سنائی دی۔ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا...... اور ایک اور قد آور آدمی جس نے اپنا چہرہ ایک سیاہ رنگ کے نقاب میں چھپا رکھا تھا کمرے میں داخل ہوا۔

اس نے شاہد کے جسم کو دو تین بار ہلایا۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ ٹہلتا رہا۔ پھر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہ ایک رسی لئے ہوئے آیا اور شاہد کے ہاتھ پیر سمیٹ کر باندھے اور اس کی لاش کو ایک ہاتھ میں لٹکا کر اس کمرے میں لئے چلا گیا۔

پھاٹک پر لاش

صبح کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے لوگ ابھی تک لحافوں میں منہ چھپائے پڑے تھے۔ فریدی کسی کیس کی تیاری کے سلسلہ میں رات بھر جاگتا رہا تھا۔ تقریباً چار بجے اس کی آنکھ لگ گئی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر سویا ہوگا کہ حمید نے آکر جگا دیا۔

"یا وحشت......!" فریدی نے ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "آخر جنگلی پن کی کوئی حد بھی ہے...... اسی طرح جگاتے ہیں۔"

"اس وقت لکھنوی تکلفات کا موقع نہیں تھا۔" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ذرا جلدی کیجئے ایک نئی مصیبت نازل ہوئی ہے۔"

"آخر کچھ کہو بھی تو۔" فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھاٹک پر لاش......!"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ ہمارے پھاٹک پر ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔"

"پھاٹک پر......!" فریدی نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے......!" فریدی برآمدے میں پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا پھاٹک پر آیا۔ لاش پھاٹک سے ملی ہوئی باہر کی طرف پڑی تھی۔ فریدی نے جلدی سے پھاٹک کو کھولا۔ یہ ایک نوجوان کی لاش تھی۔ اس نے نیلی سرج کا نہایت نفیس قسم کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ فریدی لاش پر جھک گیا۔ اس نے اُسے ہلانا چاہا۔

"معلوم نہیں موت کو کتنی دیر ہوئی، جسم اکڑ گیا ہے۔" فریدی حمید کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "کوئی زخم نہیں موت کس طرح واقع ہوئی۔ ذرا جلدی سے میرا محدب شیشہ تو لے آؤ۔"

حمید دوڑتا ہوا چلا گیا۔

فریدی بہت انہماک کے ساتھ لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید شیشہ لے کر آ گیا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ کے بعد فریدی نے سر اٹھایا۔

"بظاہر کوئی مشکوک بات دکھائی نہیں دیتی۔ یہ کوئی مفلوک الحال آدمی بھی نہیں معلوم ہوتا جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ سردی سے اکڑ کر مر گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ اُسے کوئی دیدہ دانستہ ڈال گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال صحیح ہے۔" فریدی نے کہا۔ "جاؤ جا کر کوتوالی میں فون کر دو۔"

حمید پھر اندر چلا گیا اور فریدی لاش کے قریب کھڑا رہا۔

ہلکی ہلکی دھوپ نکل آئی تھی اور اب سڑک پر آمد و رفت بھی شروع ہو گئی تھی۔ لوگوں نے بھیڑ لگانی چاہی لیکن فریدی نے انہیں سختی سے منع کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کی لاری آ گئی۔ کوتوال شہر اور دو ایک سب انسپکٹر چند کانسٹیبلوں کے ہمراہ اس پر سے اترے۔

فریدی نے کوتوال سے سب کچھ کہہ سنایا۔

"بڑی حیرت کی بات ہے...... آخر اسے یہاں ڈال جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔" کوتوال نے کہا۔

"مجھے یقین کامل ہے کہ یہ یہاں نہیں مرا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو صاف ظاہر ہے۔" ایک سب انسپکٹر بولا۔

"بڑی مصیبت کا سامنا ہے، آئے دن ایک نہ ایک آفت......!" کوتوال پریشانی کے لہجے میں بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارا شہر مجرموں کی زیارت گاہ بن گیا ہے۔"

"میرے خیال سے اب آپ اُسے اٹھوالے جائیے۔ پوسٹ مارٹم کرانے کی کوشش جلدی کیجئے گا۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے تو یہ اپنے لئے ایک قسم کا چیلنج معلوم ہوتا ہے۔"

"خدا ہی بہتر جانے......!" کوتوال نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور لاش اٹھوا کر لاری پر رکھوانے لگا۔

وہاں سے فرصت پاکر فریدی اور حمید اندر آئے۔

"پہلے زندہ فریادی آپ کے پاس آیا کرتے تھے اب مردوں نے بھی راستہ دیکھ لیا۔ خدا خیر کرے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے تو یہ معاملہ بہت ٹیڑھا نظر آرہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"چاہے ٹیڑھا ہو چاہے سیدھا......بے اطمینانی تو اپنی تقدیر میں لکھ دی گئی ہے۔" حمید بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہے۔

ناشتہ آیا۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ حمید نے کئی بار اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن وہ متوجہ نہیں ہوا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے عمل تنویم کے ذریعہ اسے بے حس کر دیا ہو۔

حمید اس کی عادتوں سے بخوبی واقف تھا اس لئے اس نے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔

تقریباً تین بجے شام کو نوکر نے آکر اطلاع دی کہ انسپکٹر جگدیش آیا ہے۔

فریدی نے اسے فوراً ہی بلوالیا۔ اس سے قبل وہ کئی ملنے والوں کو علالت کا بہانہ کر کے ٹال چکا تھا۔

"کہو جگدیش کیسے آئے۔" فریدی نے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے پوچھا۔

"ارے صاحب کیا بتاؤں......اس لاش کے متعلق تحقیقات میرے ہی سپرد کی گئی ہے۔"

"ہوں......!"

"پوسٹ مارٹم کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ مرنے والا مرگی کا مریض تھا اور مرگی کے دورے ہی کی حالت میں اچانک اس کے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔"

"ہوں......!"

"تب تو ساری الجھن رفع ہو جاتی ہے۔" حمید بولا۔ "وہ رات میں کسی وقت گذرا......یکایک یہاں پہنچ کر مرگی کا دورہ پڑا اور گر پڑا اور پھر اسکے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔ اللہ اللہ خیر سلا۔"

"شاباش......!" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "میرا دماغ تو اس طرف پہنچا ہی نہیں تھا۔ واقعی تم ایک بڑے کارآمد آدمی ہو۔"

حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں تو پھر تفتیش کیسی؟" فریدی جگدیش کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"یہی کہ وہ کون تھا......کہاں رہتا تھا......نام......پتہ نشان وغیرہ وغیرہ۔ اس کے پاس سے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس کی بناء پر اس سے کچھ معلوم ہو سکتا۔"

"تو یہ کونسی بڑی بات ہے۔ شام کے اخبار میں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور چھپے گا جسے دیکھ کر اس کا کوئی نہ کوئی وارث، دوست یا جان پہچان والا کوتوالی ضرور پہنچے گا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں......دیکھئے......اگر کوئی پردیسی نہ ہوا تو......!" جگدیش نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" فریدی نے آرام کرسی پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔ وہ سگار کے ہلکے ہلکے کش لے کر فضاء میں دھوئیں کے لچکیلے لہریئے بکھیر رہا تھا۔

"واقعی یہ مرض بڑا خطرناک ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"کون سا مرض......!" فریدی نے چونک کر کہا۔

"یہی مرگی۔"

"تو کیا تم واقعی اسے مرگی ہی کا کیس سمجھتے ہو۔"

"میں کیا......ڈاکٹروں کی یہی رائے ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے کوٹ میں سے درزی کا لیبل کیوں نوچا گیا ہے۔"

"لیجیے...... جگدیش صاحب الجھ گیا معاملہ۔" حمید نے کہا۔

"واقعی یہ بات قابل غور ہے۔" جگدیش بولا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ خود مرنے والے نے اسے کسی وجہ سے نکال دیا ہو۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا...... تھوڑی دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولا۔

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں کچھ اور بھی ہے۔"

"اور تو کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اوہ ٹھیک یاد آیا...... ڈاکٹر کی رائے ہے کہ مرنے سے قبل شاید اسے قے بھی ہوئی تھی۔"

"قے......!" فریدی چونک کر بولا۔

وہ کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔

"مرگی...... قے...... ہارٹ فیل......!" وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

اس کے منہ سے کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ نکل رہے تھے، جو کم از کم حمید اور جگدیش کے لئے نئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دفعتاً وہ مڑا اور کمرے سے نکل کر لائبریری میں چلا گیا۔

حمید اور جگدیش حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

دونوں کافی دیر تک بیٹھے اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے رہے۔ دفعتاً انہیں فریدی کا قہقہہ سنائی دیا۔ دونوں چونک پڑے۔ چند لمحوں بعد فریدی مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"کوئی نئی بات۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی کوئی جواب دیے بغیر آنکھیں بند کر کے آرام کرسی پر لیٹ گیا۔

دوسری لاش

لاش کے متعلق کسی کو کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا اور آخر کار وہ سپرد خاک کر دی گئی۔ ڈاکٹروں کی رائے کے آگے بھلا فریدی کی کیا چلتی۔ اس نے بھی یہ ضروری نہ سمجھا کہ حکام کو اپنے شکوک سے آگاہ کرے۔ کیونکہ قریب قریب سب کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اس کی موت معمولی حالات میں واقع ہوئی تھی۔ پولیس والوں نے بھی سوچا کہ چلو ایک جھنجھٹ سے نجات ملی۔ اگر کہیں زہر خورانی یا قتل وغیرہ کا کیس ثابت ہوتا تو خواہ مخواہ مصیبت میں مبتلا ہونا پڑتا۔ لیکن ان کا یہ سکون زیادہ وقفے تک برقرار نہ رہ سکا۔ تیسرے دن پھر ایک لاش فریدی کے پھاٹک پر پائی گئی اور پولیس والوں کو الجھن میں مبتلا ہونا پڑا۔ یہ لاش بھی ایک نوجوان ہی کی تھی۔

"لیجیے جناب...... اس پر بھی مرگی کا دورہ میرے ہی پھاٹک پر پڑا۔" فریدی ڈی ایس پی سے کہہ رہا تھا۔

"واقعی یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔

"لیکن یہ ابھی کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس پر بھی مرگی کا دورہ ہی پڑا۔" ایک سب انسپکٹر نے کہا۔

"نہ گھوڑا دور نہ میدان، اس کے متعلق بھی ڈاکٹروں کی رپورٹ دیکھ لیجیے گا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس کی موت بھی انہیں حالات میں ہوئی ہے، جن میں پہلے ہوئی تھی۔" فریدی نے کہا۔

پولیس والے طنزیہ انداز میں مسکرانے لگے۔

"خیر صاحب دیکھا جائے گا۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید لوٹ آئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھے بھی چین نہ لینے دیں گے۔" حمید نے میز پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا...... اچھا...... نیچے کرسی پر تشریف رکھیے۔ پتہ نہیں تمہیں کب سلیقہ آئے گا۔" فریدی نے کہا۔

حمید میز سے اتر کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں تو فرمائیے میں آپ کو کیوں چین نہ لینے دوں گا۔" فریدی نے پوچھا۔

"آخر خواہ مخواہ ان لوگوں کو شبہات میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید نے کہا۔

"شبہہ کیوں...... یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان دونوں کی موتیں غیر معمولی حالات میں ہوئی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"صرف آپ کے نزدیک! ورنہ وہ لوگ تو اسے قتل سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں۔ اب انہیں بھی خواہ مخواہ اس معاملے میں ہوشیار ہونا پڑے گا اور آئی گئی اپنے سر جائے گی۔"

"لیکن میں خود اس کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کی دلچسپی...... آپ تو ہر معاملے میں کود پڑتے ہیں۔"

"اچھا......اچھا......بے کار باتیں نہیں۔" فریدی نے اکتا کر کہا۔

"اچھا صاحب میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ کی قسمت ہی میں در در کی ٹھوکریں لکھی ہوئی ہیں۔"

"اس وقت تو تم کسی شوہر پرست اور چڑچڑی قسم کی بیوی کی طرح باتیں کر رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا......!" حمید نے گنگنا کر کہا۔

"ہونٹ چاٹو...... ہونٹ برخوردار...... احمق کہیں کے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"غزالہ آپ کے لئے ایک اچھی بیوی ثابت ہو سکے گی۔" حمید نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی، لیکن فریدی سنی ان سنی کر کے بولا۔

"ہاں تو دیکھو تم بڑے ہسپتال چلے جاؤ اور جیسے ہی ڈاکٹر کی رپورٹ تیار ہو جائے اس کے متعلق پتہ لگا کر سیدھے آفس چلے آنا۔" حمید ہنسنے لگا۔

"اس میں ہنسی کی کیا بات۔" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں، بہر حال آپ غزالہ کا تذکرہ میری زبان سے نہیں سننا چاہتے۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"بخدا بہت حسین ہے۔"

"ہو گی۔"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ......!"

"لیکن میں آپ کا سچ نہیں سننا چاہتا۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "آپ براہِ کرم ناشتہ کر کے سیدھے ہسپتال چلے جائیے...... میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں۔"

حمید ناشتہ کر کے ہسپتال چلا گیا اور فریدی لائبریری میں بیٹھ کر ایک کتاب الٹنے پلٹنے لگا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہ مطالعہ کرتا رہا۔ وہ ایک کے بعد دوسری کتاب اٹھاتا اور پڑھ کر رکھ دیتا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایک ہی موضوع پر متعدد کتابیں دیکھ رہا ہو۔ اس کے چہرے پر بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی۔ دفعتاً وہ پڑھتے پڑھتے اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی اور چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے ایک سگار سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

دس بج رہے تھے، اس نے لائبریری سے ڈرائنگ روم میں جا کر کچھ کھانا کھایا اور آفس چلا گیا۔ وہ بے چینی سے حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ تقریباً تین بجے حمید واپس آیا۔

"کہو بھئی کیا خبر لائے۔" فریدی نے بے چینی سے پوچھا۔

"آپ کا خیال قطعی درست ثابت ہوا۔ دوسری لاش کے متعلق بھی حرف بحرف وہی رپورٹ ہے جو پہلی لاش کے متعلق تھی۔" حمید نے کہا۔

"ہوں......!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سگار ہونٹوں میں دبا کر سامنے رکھے ہوئے فائل پر نگاہیں جما دیں۔

"اس رپورٹ سے پولیس والوں میں کافی ہیجان پھیل گیا ہے۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ معاملہ جلد ہی ہم لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ جائے گا۔"

"ہوں......!"

فریدی اٹھ کر برآمدے میں چلا گیا۔ ابھی اسے یہاں آئے ہوئے چند ہی منٹ گذرے تھے کہ چپراسی نے آ کر جیکسن صاحب کا سلام دیا۔

فریدی آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا جیکسن کے کمرے کی طرف بڑھا۔ "آئیے...... آئیے...... مسٹر فریدی۔" جیکسن نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فریدی سے کہا۔ فریدی بیٹھ گیا۔

"میں نے سنا ہے کہ آج پھر آپ کے پھاٹک پر کوئی لاش پائی گئی ہے۔"

"جی ہاں اور پوسٹ مارٹم کے بعد ڈاکٹروں نے بالکل وہی رپورٹ دی ہے، جو پہلی لاش کے

متعلق تھی۔"

"ارے......!" جیکسن چونک کر بولا۔

"جی ہاں......!"

"بڑی عجیب بات ہے۔" جیکسن کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "دونوں لاشیں آپ ہی کے پھاٹک پر پائی گئیں اور دونوں کے متعلق ایک ہی رپورٹ......بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جیکسن تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا۔ "کہئے کوئی کلیو۔"

"فی الحال کوئی نہیں......کوئی ایسی چیز ہی نہیں مل سکی جس کی بناء پر کوئی خاص رائے قائم کی جاتی۔" فریدی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ سول پولیس کے بس کا کیس نہیں۔" جیکسن بولا۔

"دیکھئے......کیا ہوتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"ہوگا کیا......ہمارے ہی سر مصیبت آئے گی۔" جیکسن نے کہا۔ "لیکن میں نے جمع کا صیغہ غلط استعمال کیا ہے۔ تنہا آپ کے سر مصیبت آنے والی ہے۔"

"اور میں اس قسم کی مصیبتوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"واقعی آپ ہی کا کام ہے۔"

فریدی خاموش رہا۔

"اگر آپ کو کوئی ضروری کام ہو۔"

"جی ہاں......!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ پھر اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔

"کہئے کیا پولیس نے کاغذات یہاں بھیج دیئے۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" فریدی نے کہا اور کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔

"اگر واقعی یہ کیس ہمارے سپرد کر دیا گیا تو پریشانی ہوگی۔" حمید بولا۔

"ظاہر ہے۔"

حمید نے فریدی کے مختصر جوابات سے اندازہ لگالیا کہ وہ اس وقت باتیں نہیں کرنا چاہتا اس لئے وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

ایک اجنبی

سول پولیس کے تھک ہار جانے کے بعد یہ معاملہ محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیا گیا۔ کیس پیچیدہ تھا اس لئے حکام نے اس کیلئے فریدی کو منتخب کیا۔ اگر کیس کسی دوسرے کو دیا بھی جاتا تو فریدی کوشش کر کے اس کا چارج خود لیتا کیونکہ وہ اسے اپنے لئے ایک قسم کا چیلنج سمجھ رہا تھا۔

فریدی اس کیس کا انچارج بن تو گیا تھا لیکن ابھی تک وہ کسی راستے کا تعین نہیں کر سکا تھا۔ اس بار اسے بالکل اندھیرے میں تیر پھینکنا پڑا تھا۔ ابھی تک کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس کے سہارے وہ مجرم تک پہنچ سکتا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ ایسے مواقع پر یونہی بے مقصد شہر کے چکر لگایا کرتا تھا۔ آج بھی وہ دستور کے مطابق شہر کی گلیاں اور سڑکیں ناپ رہا تھا۔ اچانک وہ ایک چھوٹے سے خوبصورت کیفے کے سامنے رک گیا۔ اندر اُسے ایک جانی پہچانی شکل نظر آئی وہ سوچنے لگا کہ اس نے اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک فٹ پاتھ پر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کیفے میں داخل ہو گیا۔ وہ شخص جسے دیکھ کر وہ رکا تھا ایک خالی میز پر بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا فیشن ایبل آدمی تھا۔ اس نے کتھئی رنگ کے سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پر روسی طرز کا بھاری بھرکم فریم والا چشمہ تھا اور انگلیوں میں نہایت سبک اور عمدہ قسم کی انگوٹھیاں تھیں۔ سرخ و سپید چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی ڈاڑھی اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھی۔

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔" فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"جی......!" اس نے سر اٹھا کر فریدی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں کئی میزیں بالکل خالی ہیں۔"

اس کی آواز سن کر فریدی کے ماتھے کی شکنیں ابھر آئیں، لیکن پھر فوراً ہی چہرے پر مسکراہٹ کی لہریں پھیلتی نظر آئیں۔

"نہیں یار شنکر میں تو یہیں بیٹھوں گا" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ فریدی کا ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

"گھبراؤ نہیں......میں تمہیں گرفتار کرنے نہیں آیا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "خاموشی

سے بیٹھ جاؤ، ورنہ اس طرح اچھل کود دوسروں کو مشکوک کر رہی ہے، وہ دیکھو لوگ ہمیں گھورنے لگے۔"

اس آدمی نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اپنا رویہ یکسر بدل دیا اب وہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملا رہا تھا۔ دونوں ہنستے ہوئے بیٹھ گئے۔ فریدی نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا۔

"کہو...... کلکتے سے کب آئے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کئی دن ہوئے۔" اجنبی نے جواب دیا۔

"مجھے چائنا بینک کے ڈاکے کا حال معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن تم مطمئن رہو معمولی قسم کی چوروں یا ڈاکوؤں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

اجنبی خاموش بیٹھا سنتا رہا۔

"کیا تم اسی وجہ سے وہاں سے چلے آئے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں...... وہاں کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھ پر ہاتھ اٹھا سکے۔" اجنبی جوش میں بولا۔

"آدمی دلیر ہو...... یہ تو میں مانتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اتنے میں بیرا طلب کی ہوئی چیز لے کر آ گیا۔

"لو بھئی چائے پیو......!" فریدی نے اس کے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

"شکریہ......!" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "لیکن اس عنایت کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔"

"ستو یار! میں بھی آدمی ہوں...... مجھ پر ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت نہیں سوار رہتا اور پھر تم ویسے ہی مجھے جانتے ہی ہو کہ میں کتنا سوشل آدمی ہوں۔"

"بہت اچھی طرح......!" اجنبی طنزیہ انداز میں بولا۔

"تمہارے لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تمہاری بدگمانی دور نہیں ہوئی۔" فریدی نے کہا۔

"یہ حقیقت ہے......!" اجنبی نے کہا اور چائے پینے لگا۔

"پیسٹری......!" فریدی نے پیسٹری کی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"دیکھو شنکر اس حقیقت سے تمہیں انکار نہ ہونا چاہئے کہ اس وقت تم میرے قبضہ میں ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باہر کافی تعداد میں پولیس کے جوان موجود ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

اجنبی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"لیکن ایسی کوئی بات نہیں۔" فریدی ہنسنے لگا۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" اجنبی الجھ کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں...... صرف دوستانہ بات چیت...... یہ تو سوچو کہ ہم تقریباً پانچ سال بعد ملے ہیں۔"

"اور جیسے آپ نے یہ پانچ سال کا عرصہ میرے لئے تڑپ تڑپ کر گزارا......!" اجنبی ہنس کر بولا۔

فریدی بھی ہنسنے لگا۔

"بس تمہاری گفتگو کا یہی انداز مجھے پسند ہے۔" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ "میں آپ کی ان چکنی چپڑی باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں، لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرا ان لاشوں سے قطعی کوئی تعلق نہیں، جو آپ کے پھاٹک پر پائی گئی تھیں۔"

"بخدا تم بڑے ذہین ہو...... اچھا تمہارا ان لاشوں کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"وہی جو آپ کا ہے۔"

"یعنی......!"

"اس معاملے میں کسی بہت ہی گہرے قسم کے بزرگوار کا ہاتھ ہے۔" اجنبی بولا۔

"بہت اچھے۔" فریدی نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ "وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تم یہاں بھیس بدلے ہوئے کیوں گھوم رہے ہو اور یہاں آنے کا مقصد۔"

"آپ جانتے ہی ہیں کہ میں یہاں سے کیوں بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں بھیس بدلے بغیر میں یہاں کیسے آسکتا تھا۔"

"مگر اس لڑکی کا کیا ہوا جسے تم لے بھاگے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"دیکھئے آپ پھر غلط قسم کے سوالات کر رہے ہیں۔" اجنبی جلدی سے بولا۔ "میں اسنے

نہیں لے بھاگا تھا بلکہ وہ خود مجھے بھگا لے گئی تھی۔"

"چلو یہی سہی۔" فریدی نے کہا۔ "غالباً وہ تمہارے ہی ساتھ ہو گی۔"

"نہیں......!" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ "کلکتے سے وہ ایک دوسرے آدمی کو بھگا لے گئی۔ دراصل اس نے وقتی طور پر اپنے بوڑھے اور دولت مند شوہر سے پیچھا چھڑانے کے لئے مجھے آلۂ کار بنایا تھا۔"

"بہر حال بیچارے رائے بہادر مفت میں مارے گئے۔"

"ذرا آہستہ بولئے۔" اجنبی نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ معاف کرنا۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں تم نے اپنے یہاں آنے کی وجہ نہیں بتائی۔"

"کیا کیجئے گا سن کر...... آپ کو ہنسی آئے گی۔"

"اچھا......!" فریدی نے متعجبانہ لہجے میں کہا۔ "بھلا ہنسی کیوں آئے گی۔"

"بات ہی ایسی ہے۔"

"پھر بھی......!"

"آپ نے سنا ہو گا کہ آج کل میٹرو میں ایک اسپینی رقاصہ آئی ہوئی ہے۔" اجنبی قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں سنا تو ہے...... پھر......!" فریدی اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"میں کلکتے سے اس کا پیچھا کرتا ہوا آرہا ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

"کیا بہت زیادہ مالدار ہے۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"آپ پھر غلط سمجھے۔" اجنبی جلدی سے بولا۔ "میں دراصل......!"

"اوہ سمجھا......!" فریدی ہنس کر بولا۔ "شاید اس پر عاشق ہو گئے ہو۔"

"چلئے یہی سمجھ لیجئے۔" اجنبی بھی ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر کے لئے دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر اچانک اجنبی بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر آپ کا مطلب کیا ہے۔"

"ابھی شاید تمہارا اطمینان نہیں ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"بھلا کیسے ہو سکتا ہے...... جب کہ آج کل میرا وارنٹ جاری ہے۔"

"پھر مجھے اس سے کیا۔" فریدی نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں معمولی معاملات میں قطعی دلچسپی نہیں لیتا۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں...... لیکن......!"

"میرا اس طرح پیش آنا مصلحت سے خالی نہیں۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"جی ہاں......!" اجنبی نے سر ہلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"فرض کرو...... میں تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بسر و چشم...... میں اپنے لئے باعث فخر سمجھوں گا۔ بشرطیکہ اس میں کوئی چال نہ ہو۔" اجنبی نے کہا۔

"خیر جب تمہیں اطمینان نہیں ہوتا تو جانے دو۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"اس کام کی نوعیت......؟" اجنبی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔" فریدی بولا۔ "تو تم بھی وہیں میٹرو میں ٹھہرے ہو گے۔"

"ظاہر ہے......!" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"اچھا تو پھر میں آج شام کو میٹرو آؤں گا...... ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ تمہاری پسند کیسی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ضرور ضرور...... میں آپ کا انتظار کروں گا۔ اکیلے ہی آئیے گا۔"

"نہیں...... میرے ساتھ میرا اسسٹنٹ حمید بھی ہو گا۔"

"اچھا تو میں ایک میز پہلے ہی مخصوص کرا لوں گا... کیونکہ آج کل بھیڑ زیادہ رہتی ہے۔"

"بہت اچھا......!" فریدی نے کہا اور کاؤنٹر پر بل ادا کر کے باہر نکل گیا۔

اجنبی بھی اٹھا اور فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر جاتے ہوئے فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔ اچانک فریدی لوٹ پڑا۔

"ایک بات تو بھول ہی گیا۔" فریدی اس کے قریب آکر بولا۔

"فرمائیے۔"

"تمہارا موجودہ نام کیا ہے۔"

"لوگ مجھے پروفیسر جاوید کہتے ہیں۔"

"بہت خوب......اچھا تو پھر آٹھ بجے ملاقات ہو گی۔"

"ضرور......!"

فریدی اس سے ہاتھ ملا کر چل پڑا۔

ایک تصویر ایک خط

میٹرو ہوٹل کا وسیع ہال شہر کے فیشن ایبل اور ذی حیثیت طبقہ کے افراد سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ آج اسپینی رقاصہ کا اسپیشل پروگرام تھا۔ کچھ میزیں خالی نظر آرہی تھیں، لیکن بہتیرے لوگوں کی واپسی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ پہلے ہی سے "مخصوص" کرائی جا چکی ہیں۔

فریدی اور حمید بہترین سوٹوں میں ملبوس میٹرو ہوٹل کے ہال میں داخل ہوئے، فریدی کی نگاہیں شنکر کو تلاش کر رہی تھیں۔ دفعتاً ایک جگہ اس کی نظریں رک گئیں۔ شنکر ہاتھ اٹھائے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا، دونوں جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے اس کی میز پر پہنچے۔

"پروفیسر جاوید اور سرجنٹ حمید......!" فریدی نے شنکر اور حمید کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ دونوں نے ہاتھ ملاتے ہوئے

چند رسمی جملے کہے اور بیٹھ گئے، شنکر نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا۔

حمید کی نگاہیں بار بار اسٹیج کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر آج فریدی کو یک بیک تفریح کی کیوں سوجھی اور تفریح بھی کیسی ایک خوبصورت عورت کا ناچ۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ پروفیسر جاوید کون ہے کہاں سے آیا ہے اور فریدی کا کس قسم کا دوست ہے۔ کیونکہ اس نے فریدی کی زبان سے اس کا تذکرہ کبھی نہیں سنا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد سارا ہال آرکسٹرا کی آواز سے گونج اٹھا۔ گو کہ موسیقی غیر ملکی تھی لیکن انواع واقسام کے سازوں کی ہم آہنگی نے ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی جو کم از کم مغربی طرز کے ہندوستانیوں کے لئے نئی نہ تھی۔ اسپینی رقاصہ اپنے ڈھیلے ڈھالے ریشمی لباس میں ہلکورے لیتی

ہوئی اسٹیج پر نمودار ہوئی۔ یہ لوگ جس میز پر تھے وہ اسٹیج سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی۔ رقاصہ کے دل آویز خدوخال یہاں سے صاف نظر آرہے تھے۔ فریدی کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

"کوسائی کی طرز جدید......!" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"جی......!" شنکر چونک پڑا۔

"اسپین کا دیہاتی رقص کچھ نئی تبدیلیوں کے ساتھ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں تمہارے انتخاب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

حمید ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"شکریہ......!" شنکر بولا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد پردہ گرا دیا گیا...... سارا ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ اسی شور میں فریدی کو کسی کی آواز سنائی دی، جو بُری طرح چیخ رہا تھا۔

"سرخ......سرخ......سب کچھ سرخ......یہ کیسی سرخی ہے۔"

فریدی چونک پڑا...... ایک آدمی چیختا چلاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔

"شاید زیادہ پی گیا ہے۔" کئی میزوں سے آوازیں آئیں۔

فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اب تک "سرخ سرخ" کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

"حمید جلدی کرو۔" فریدی کہتا ہوا اس آدمی کے پیچھے لپکا۔ اس نے ایک اور شخص کو بھی اس کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا، حمید اور شنکر دونوں اٹھ کر آگے بڑھے۔

باہر نکل کر دوسرے آدمی نے چیخنے والے کو پکڑ لیا اور اسے لے جانے کے لئے کھینچنے لگا۔

"کیا بات ہے......!" فریدی نے دونوں کے قریب پہنچ کر کہا۔

"آپ سے مطلب......!" دوسرا آدمی درشت لہجے میں بولا۔

مدہوش آدمی قہقہہ لگا کر بولا۔ "تم بھی سرخ ہو...... میں بھی سرخ ہوں، سب کچھ سرخ ہے۔"

"دیکھو مسٹر سیدھی طرح بات کرو۔" فریدی گرج کر بولا۔

"تم کون ہوتے ہو ہمارے معاملات میں دخل دینے والے۔" اس نے کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر فریدی نے گردن پکڑ لی۔

وہ گردن چھڑانے کے لئے جدوجہد کرنے لگا۔ اس سلسلے میں اس نے فریدی کے دو تین مکے بھی رسید کئے لیکن فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان کام نہ تھا۔

"تم دونوں اسے کار میں لے کر فوراً گھر جاؤ...... میں ابھی آتا ہوں۔"

دونوں نے مدہوش آدمی کو زبردستی کار میں بٹھایا اور فریدی کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔

فریدی اس آدمی کو گردن سے پکڑے ہوئے قریب کے تھانے کی طرف لے چلا۔

سب انسپکٹر اسے اس حال میں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"رشید اسے بند کر دو...... مجھے جلدی ہے ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے گردن پکڑے ہوئے آدمی کو فرش پر دھکیل دیا۔

"کب تک کے لئے۔" رشید نے پوچھا۔

"جب تک میں واپس نہ آؤں۔" فریدی نے دروازے سے نکلتے ہوئے کہا۔

اس نے بہت سے لیموں خریدے اور ایک ٹیکسی کر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

مدہوش آدمی صوفے پر پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ حمید اور شنکر اس پر جھکے ہوئے تھے۔

"اسے قے تو نہیں ہوئی۔" فریدی نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں......!"

حمید قے کا نام سن کر چونک پڑا۔

"قے...... کیا مطلب......!"

"ابھی بتاتا ہوں......" فریدی نے کہا۔ "اس کا منہ چیرو...... جلدی کرو۔"

حمید نے منہ کھولنے کی کوشش کی لیکن اس کے دانت ایک دوسرے پر جم کر رہ گئے۔ بہزار دقت وہ منہ کھولنے میں کامیاب ہوا۔ فریدی نے سارے لیموں کاٹ کاٹ کر اس کے حلق میں نچوڑ دیئے اور ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ شنکر اور حمید سمجھ رہے تھے کہ شاید فریدی نے اس کا نشہ کم کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ وہ دونوں خاموشی سے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ دفعتاً اس کے منہ اور ناک سے ہرے رنگ کا پانی بہنے لگا۔

"اوہ......!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "میرا خیال صحیح نکلا۔"

"یعنی......!" حمید جلدی سے بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں......!" فریدی نے کہا اور بے ہوش آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔

"مگر سب لاحاصل۔" وہ تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ "اس کی جان تو بچ گئی لیکن ہمارے لئے بے سود۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"گھبراتے کیوں ہو...... بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ اگر اتفاق سے یہ ہمارے ہاتھ نہ لگ جاتا تو ہمیں اس کی لاش بھی اپنے پھاٹک پر دیکھنی پڑتی۔"

حمید اور شنکر اپنی اپنی جگہوں پر اچھل پڑے۔

"وہ کیسے......!" حمید تیزی سے بولا۔

"ٹھہرو......!" فریدی سکوت کے ساتھ بولا۔

اس نے اٹھ کر اس کی جیبوں کی تلاشی لینی شروع کی۔

چند کاغذات اور کچھ سکے نکال کر اس نے میز پر ڈال دیئے اور ایک ایک کر کے کاغذات کا مطالعہ کرنے لگا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"لو بھئی...... شاید یہ صاحبزادے عشق بھی فرماتے تھے۔" فریدی نے ایک چھوٹی سی تصویر اور ایک کاغذ کا ٹکڑا حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

شنکر بھی دیکھنے کے لئے جھک پڑا۔ دفعتاً اس کے منہ سے متعجبانہ انداز میں ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"ارے یہ تو...... وہ ہے......!" شنکر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کون......!" فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پروفیسر نصیر کی بھتیجی...... رقیہ......!"

"پروفیسر نصیر...... کون پروفیسر نصیر......!"

"وہیں میٹرو میں رہتا ہے...... اس نے محض مطالعہ کرنے کی غرض سے وہاں ایک کمرہ لے رکھا ہے۔"

"اوہ......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پروفیسر نصیر...... کیا تمہاری اس سے جان پہچان ہے۔"

"بہت معمولی سی۔" شنکر بولا۔

"کیا لڑکی بھی اس کے ساتھ رہتی ہے۔"

"نہیں......!"

فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا اور تصویر حمید کے ہاتھ سے لے لی۔

"یہ خط ہے...... بہت دلچسپ۔" فریدی نے کہا اور خط پڑھنے لگا۔

"ڈیئر سعید......!

آج شام کو میٹرو میں ملو، اور ہاں میری وہ تصویر بھی لیتے آنا، جو میں نے تمہیں دی تھی۔ میری ایک سہیلی اسے دیکھنا چاہتی ہے۔ میں اسے دکھا کر تمہیں پھر واپس کر دوں گی۔ چچا جان تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ فقط"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ایک دلچسپ جال......!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "محبت کی پینگیں بڑھانے کے لئے اس نے اسے اپنی تصویر دی اور پھر نہایت خوبصورتی کے ساتھ واپس لینا چاہتی ہے تاکہ اس کے مر جانے کے بعد اس کے یہاں سے کوئی ایسی چیز نہ دستیاب ہو سکے، جس کے ذریعہ مجرموں کا سراغ ملنے کا امکان ہو...... مگر افسوس کہ کسی وجہ سے پلاٹ ناکام رہا۔"

"آخر آپ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ابھی فی الحال وضاحت کے لئے وقت نہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں اس کے پاس ٹھہرو...... نوکروں کو بھی یہیں بلوالو۔ کیونکہ یہ ہوش میں آنے کے بعد بھی ہوش میں نہ رہے گا۔ نہیں سمجھے! اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہوگا۔ لیکن خیال رہے کہ یہ نکل کر جانے نہ پائے...... اور تم شنکر...... اوہ...... جاوید میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی شنکر کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

چند لمحوں بعد فریدی کی کار میٹرو کی طرف جا رہی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں......؟" شنکر نے پوچھا۔

"میٹرو......!"

"کیوں......؟"

"پروفیسر نصیر اور اس کی بھتیجی۔"

"اوہ......!"

پھر خاموشی چھا گئی۔ کار شہر کی پر رونق سڑکوں سے گذر رہی تھی۔

"ارے یہ کیا......؟" دفعتاً شنکر چیخا۔

"کیا......!"

"شنکر نے میٹرو ہوٹل کے ایک حصے کی طرف اشارہ کیا جہاں سے شعلے نکل رہے تھے۔"

"آگ......!" فریدی جلدی سے بولا۔ "یہ آگ کیوں۔"

اس نے فٹ پاتھ پر کار کھڑی کر دی۔ لوگ میٹرو سے نکل نکل کر بھاگ رہے تھے۔ باہر کھڑے ہوئے آدمی بُری طرح چیخ رہے تھے۔ پولیس بھی آ گئی تھی۔

فریدی اور شنکر اندر گھسنے لگے۔

"کیا ہے...... کون ہو تم لوگ۔" ایک سب انسپکٹر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی نے اپنے چہرے پر جھکے ہوئے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اٹھا دیا۔

"اوہ آپ......!" سب انسپکٹر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

وہ دونوں تیزی سے اندر گھس گئے۔

"نصیر کا کمرہ......!" فریدی نے کہا۔

"ادھر......!" شنکر بولا۔ اور دونوں ایک طرف کے زینوں پر چڑھنے لگے۔

"اوہ......!" شنکر رک گیا۔

"کیا......!"

"اسی کے کمرے میں آگ لگی ہے۔"

"پٹرول کی بو......!" فریدی بولا۔ "آگ دیدہ دانستہ لگائی گئی ہے، مگر کیوں۔"

دونوں نے آگے بڑھنا چاہا لیکن آگ کی لپٹیں اتنی تیز تھیں کہ قدم بڑھانا محال معلوم ہو رہا تھا۔ یہاں اس جگہ بھی کافی مجمع ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد آگ بجھانے والے انجن آ گئے اور کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد آگ پر قابو پالیا گیا۔ فریدی اور شنکر آگے بڑھے۔ کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں جل کر کوئلہ ہو چکی

تھیں...... اندر کا سارا سامان بھی انگاروں کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا تھا۔

"بے کار بے سود۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "وہ لوگ صاف نکل گئے۔"

"جی......!" شنکر چونک کر بولا۔

"خیر کوئی پرواہ نہیں، ابھی ایک کڑی ہمارے ہاتھ میں ہے۔" فریدی نے کہا اور زینوں سے نیچے اترنے لگا۔ "آؤ شنکر تھانے چلیں۔"

سب انسپکٹر انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کہئے کوئی اور خدمت......!" وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ذرا اُسے لاؤ......!" فریدی نے کہا۔

"کسے......!" سب انسپکٹر متعجبانہ انداز میں بولا۔

"یہی جسے میں تمہارے سپرد کر گیا تھا۔"

سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

سب انسپکٹر اور زور سے ہنسنے لگا۔

"کیا لغویت ہے۔" فریدی تقریباً چیخ کر بولا۔

سب انسپکٹر خاموش ہو گیا۔ وہ حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

"آخر بولتے کیوں نہیں۔" فریدی پھر بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر میں اسے کیا سمجھوں۔" سب انسپکٹر الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"عجیب آدمی ہو تم...... آخر سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"جناب والا...... ابھی ابھی آپ خود ہی تو اسے لے گئے ہیں۔" سب انسپکٹر بھی کچھ گرم لہجے میں بولا۔

"میں......!" فریدی اچھل پڑا۔

"جی ہاں......!" سب انسپکٹر نے کہا اور ناخوشگوار انداز میں دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"تب تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"دھوکا...... کیا مطلب۔" سب انسپکٹر چونکا۔

"میرے بھیس میں کوئی اور اسے اڑا لے گیا۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔" سب انسپکٹر گھبرا کر بولا۔

"کیا اُسے لے جانے والا تنہا تھا۔"

"جی ہاں...... مگر...... مگر...... آپ......!"

"ہاں بھئی یقین کرو کہ تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی اور شنکر بے نیل و مرام گھر کی طرف لوٹ رہے تھے۔

لاشوں کا راز

فریدی اور شنکر گھر پہنچے۔ وہ آدمی بیدار ضرور ہو گیا تھا لیکن اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ اسے ہوش میں کہا جا سکتا۔ اس کے بیدار ہوتے ہی حمید کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگر چند نوکر بھی اس کے ساتھ نہ ہوتے تو وہ اسے کسی طرح نہ روک پاتا کیونکہ اس نے اٹھ اٹھ کر بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ آخر تنگ آکر حمید نے نوکروں کی مدد سے اُسے صوفے میں جکڑ دیا تھا۔

جس وقت فریدی اور شنکر گھر میں داخل ہوئے وہ بُری طرح چیخ رہا تھا۔

"میں ناچ سکتا ہوں......!" وہ وحشیانہ انداز میں قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔

"اچینی رقاصہ کی طرح...... میں نے سیکھ لیا ہے...... چچا نے مجھے سب کچھ سکھا دیا...... ہاہاہا۔"

"تم نے دیکھا......!" فریدی شنکر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم کہہ رہے تھے کہ اس سے سب کچھ معلوم ہو جائے گا...... اور میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ ہوش میں آنے کے بعد بھی ہوش میں نہ ہوگا۔"

"آخر یہ سب ہے کیا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "خواہ مخواہ ایک خبطی آدمی کو پکڑ لائے اور

میرے سر منڈھ دیا۔"

"دھیرج...... دھیرج...... برخوردار......!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ پھر شنکر سے بولا۔ "میٹرو میں آگ لگانے کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا۔"

شنکر اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"وہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم ابھی دوبارہ میٹرو میں واپس آئیں گے کیونکہ وہ اس کی جیب سے تصویر اور خط نہیں نکال پائے تھے۔ انہوں نے تم کو بھی ہمارے ساتھ دیکھا اور یقین کر لیا کہ تم اس تصویر کو دیکھ کر ہم لوگوں کے متعلق ضرور بتاؤ گے۔ یا پھر ممکن ہے کہ انہوں نے تمہیں بھی جاسوس سمجھا ہو۔ ہاں تو انہوں نے میٹرو میں اس لئے آگ لگائی کہ ہمیں اس میں الجھا کر اپنے اس آدمی کو نکال لے جائیں جسے ہم نے تھانے میں بند کروا دیا تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔

"مگر...... مگر......" شنکر بے صبری سے صوفے میں بندھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ کون ہے۔"

"ایک مظلوم......!" فریدی نے جواب دیا۔ "اگر یہ ہمارے ہاتھ اتفاق سے نہ لگ جاتا تو کل اس کی لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی ہمیں مرگی اور ہارٹ فیل وغیرہ کی کہانی سناتی۔"

"اوہ...... لیکن آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگایا۔" حمید جلدی سے بولا

"اپنی معلومات کی بناء پر۔" فریدی بولا۔ "اچھا بتاؤ یہ ہوٹل میں چیخ چیخ کر کیا کہہ رہا تھا۔"

حمید سوچنے لگا۔ صوفے میں بندھا ہوا آدمی کافی دیر تک چیختے رہنے کے بعد نڈھال ہو کر اونگھنے لگا تھا۔

"میرے خیال میں یہ سرخ سرخ کی رٹ لگائے ہوئے تھا۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"ٹھیک......!" فریدی بولا۔ "اس زہر کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ اس کے شکار کو جب تک وہ زندہ رہتا ہے ہر چیز سرخ دکھائی دیتی ہے۔"

"زہر......!" حمید تقریباً اچھل کر بولا۔

"ہاں زہر...... اور یہ اپنی قسم کا واحد زہر ہے۔ تم نے دوسرے زہروں کے متعلق سنا ہوگا کہ اگر زہر کھائے ہوئے آدمی کو فوراً قے ہو جائے تو اس کے بچ جانے کے امکانات پیدا ہو جاتے

ہیں، لیکن اس زہر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قے ہوتے ہی آدمی مر جاتا ہے اور اگر کسی طرح قے روک دی جائے تو پھر نہیں مرتا۔ لیکن زندگی بے کار ہو جاتی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کا پاگل ہو جانا یقینی ہے۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے الف لیلیٰ میں ایک کہانی اس قسم کی پڑھی تھی۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم احمق ہو۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"میں ابھی آیا......!" فریدی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ لوٹ کر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس کی چمڑے کی کرم خوردہ جلد بتا رہی تھی کہ وہ بہت پرانی ہے۔ فریدی ایک کرسی پر بیٹھ کر بہت احتیاط سے اس کے ورق الٹنے لگا۔

"اس کتاب کا نام ہے...... 'افریقہ کے کچھ راز' یہ دراصل گلبرٹ نامی ایک پادری کی ڈائری ہے جو اٹھارویں صدی میں افریقہ کی سیاحت کر رہا تھا۔" فریدی نے کتاب کے کچھ مخصوص صفحات پر روشنائی سے نشانات لگائے ہوئے تھے کھولتے ہوئے کہا۔

شنکر اور حمید خاموشی سے سن رہے تھے۔

فریدی نے پڑھنا شروع کر دیا۔

"وہ جس نے مریم کے جسد میں اپنی روح پھونک دی، وہ جس نے اپنے بیٹے کو ظالموں سے رہائی دلا کر اپنے پاس آسمان پر بلا لیا۔ وہ جو حشر کے دن ہماری پیشانیوں پر اپنے بیٹے کی غلامی کا داغ دیکھے گا...... اس کی عظمت...... اور اس کی بزرگی کا احساس افریقہ کے پُر اسرار جنگلوں میں ہوتا ہے...... ہم دشوار گذار راستے طے کر کے ایسی جگہ پہنچے ہیں جہاں زولو قوم بستی ہے۔ ہمارے پاس کوسامی کی نشانی تھی۔ کوسامی...... موبوٹو قبیلے کا سردار ہے۔ میں نے اسے کالے بخار سے نجات دلائی تھی۔ اس نے خوش ہو کر مجھے اپنی نشانی دی تھی اور نشانی کا احترام کرنے والے مجھے اس علاقے میں ہر جگہ نظر آئے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ کوسامی ان کے سب سے بڑے دیوتا سرخ بندر کی اولاد ہے۔ وہ اس سے اس طرح خوف کھاتے ہیں جیسے اپنے دیوتا سے۔ ہم لوگ زولو قوم کے افراد میں اس وقت پہنچے جب وہ اپنا سب سے بڑا تہوار منانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ہمیں بھی اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی، ہم اس جگہ پہنچے جہاں تہوار منایا جانے والا تھا۔ یہاں ایک بہت بڑا بت رکھا ہوا تھا جس کے پیروں کے پاس تقریباً پندرہ گز کے رقبے میں آگ روشن تھی۔

بہت سے نیم عریاں مرد اور عورتیں دائرہ بنا کر اس کے گرد اچھل کود رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد قوم کا سردار ایک تخت پر نمودار ہوا۔ جسے کچھ لوگ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ سردار کے سامنے تخت پر ایک آدمی رسیوں سے جکڑا ہوا پڑا تھا۔ یہ اس قوم کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ غالباً یہ کوئی قیدی تھا۔ آگ کے گرد خاموشی سے اچھلنے کودنے والوں میں سے ایک نے بلند آواز میں کچھ کہا اور وہ لوگ چیخ چیخ کر گانے لگے۔ بقیہ لوگ سجدوں میں گر گئے۔ ڈھول بُری طرح پیٹے جارہے تھے۔ ناچنے والوں میں وحشیانہ پن آچلا تھا۔ دفعتاً سردار نے اپنے سامنے رکھا ہوا ایک سینگ اٹھا کر ہونٹوں میں دبایا اور اُسے پوری طاقت کے ساتھ پھونکنے لگا۔ اس سینگ سے نکلنے والی آواز کسی بدروح کی آواز سے مشابہ تھی۔ یہ آواز سنتے ہی سناٹا چھا گیا۔ سجدوں میں پڑے ہوئے لوگ اٹھ کر دوزانو ہوگئے۔ آگ کے گرد ناچنے والے دائرے بنا کر کھڑے ہوگئے۔ ناچنے والوں میں ایک آدمی جو شاید پروہت تھا آگے بڑھا اور اس نے بت کے قدموں کے پاس سے ایک کلہاڑی اٹھائی اور اسے بوسہ دیا اور دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر سردار کے سامنے لایا۔ سردار تخت سے اترا اور پروہت کے سامنے ایک گھنٹا ٹیک کر کلہاڑی کو بوسہ دینے لگا اور پھر وہ کلہاڑی پروہت سے لے کر اس طرح تان کر کھڑا ہوگیا جیسے وہ کسی پر حملہ کرنا چاہتا ہو۔ پروہت نے سجدے میں گر کر سردار کے دونوں پیر چومے اور پھر آگ کے قریب جا کر کھڑا ہوگیا۔

سردار تھوڑی دیر تک کلہاڑی تانے اور آنکھیں بند کئے کھڑا رہا...... پھر دفعتاً اس نے ایک بھیانک چیخ ماری اور کلہاڑی کو نچا نچا کر اچھلنے کودنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کچھ گاتا بھی جارہا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی اس کے قریب آگئے...... جو آگ کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ وہ سردار کے گرد دائرہ بنا کر ناچنے لگے، سردار رک رک کر کچھ کہتا جارہا تھا جسے یہ ناچنے والے دہراتے تھے۔

اسی دوران میں چند آدمی ان بندھے ہوئے آدمی کو جو تخت پر پڑا تھا لکڑی کے ایک پیالے میں بھری ہوئی کوئی چیز پلانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس آدمی کے رویے سے معلوم ہو رہا تھا

جیسے وہ اُسے نہیں پینا چاہتا۔ آخر ان لوگوں نے اسے بالکل بے بس کر کے زبردستی وہ سیال شے اس کے حلق میں انڈیلنی شروع کی۔

پھر اس کی رسیاں کھول دی گئیں اور وہ بیٹھ کر جھومنے لگا۔ دو تین آدمی اسے اٹھا کر اس جگہ لائے جہاں سردار کے گرد ناچ ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے بھی انہیں کی بھیڑ میں دھکیل دیا۔ ناچنے والوں کی چیخیں پہلے سے بھی زیادہ ہوگئیں وہ شخص بھی انہیں کے ساتھ مل کر اچھلنے کودنے لگا۔ ناچ کی رفتار لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جارہی تھی۔ دفعتاً قیدی کو ایک بڑی سی قے ہوئی اور وہ گر پڑا۔ ناچنے والوں نے اچھل اچھل کر قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ گرنے والا تھوڑی دیر تک تڑپتا رہا پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

چند آدمیوں نے اس کی لاش اٹھائی اور دیوتا کے گرد چکر لگانے لگے اور...... پھر (خدا ان پر اپنا قہر نازل کرے) انہوں نے اسے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ میں نے اور میرے سفید فام ساتھیوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

ہم لوگ وہاں سے اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

ہمارے سیاہ فام رہبر پومپی نے جس کے سیاہ سینے میں ایک نورانی دل ہے جس پر خدا کے بیٹے نے اپنی رحمتیں نازل کی ہیں ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں ہمیں بتایا کہ اب وہ لوگ اُسے بھون کر کھا جائیں گے۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ اسے ایک طرح کا زہر پلایا گیا تھا۔ اس کی اس نے جو خاصیت بتائی وہ عجیب و غریب تھی۔ یہ شمیتی جو ایک قسم کی گھاس ہے، سے نکالا جاتا ہے، زہر نکالنے کا طریقہ اس نے قریب قریب وہی بتایا جو ہمارے یہاں کسی چیز کی شراب کشید کرنے کے سلسلے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اسے پی کر آدمی مدہوش ہو جاتا ہے اور اس وقت جس چیز کی طرف بھی اس کا ذہن مائل ہو جاتا ہے، وہی کرنے لگتا ہے، اور اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اسے قے نہیں ہو جاتی۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے اچھلنے کودنے پر مجبور کیا جائے۔

اور ایک بات جو اس نے بتائی...... وہ یہ تھی کہ قے ہو جانے کے بعد اس زہر کا ذرہ برابر اثر جسم میں نہیں رہ جاتا اور یہ وحشی لوگ بغیر کسی خوف کے اس کا گوشت کھا جاتے ہیں۔ یہ ان کے یہاں کی ایک مذہبی رسم ہے جس کے لئے وہ ہمیشہ کسی دوسری قوم کے آدمی کو پکڑتے ہیں۔

بعض اوقات ایسے آدمیوں کو کچھ دیر کے لئے مرنے سے روک بھی دیتے ہیں۔ یہ عموماً ایسے ہی موقعوں پر ہوتا ہے جب انہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اس ضمن کی کسی رسم کو ٹھیک طرح پر ادا نہیں کرپائے، وہ اسے لیموں کا عرق پلا کر تے کرنے سے روک دیتے ہیں اور اس رسم کو باقاعدہ طور پر دہرانے کے بعد اسے پھر زہر پلایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ان کا شکار لیموں کا عرق پی چکنے کے بعد ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے، لیکن پھر وہ زندگی بھر صحیح الدماغ نہیں ہو سکا۔

اس سلسلے میں ایک اور بات کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا وہ یہ کہ اس زہر کے پینے والے کو ہر چیز سرخ دکھائی دیتی ہے۔

"اف میرے خدا۔" حمید نے کہا اور صوفے میں بندھے ہوئے آدمی کی طرف دیکھنے لگا، جو شاید نقاہت کی وجہ سے سو گیا تھا۔

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ان لاشوں کو میرے پھاٹک پر ڈلوا دینے کا کیا مقصد تھا۔" فریدی نے کہا۔ "جو لوگ زہر دینے میں اتنی احتیاط برت رہے ہیں وہ مجھے خواہ مخواہ کیوں چیلنج کرنے لگے۔ اگر واقعی یہ چیلنج ہے تو بڑی عجیب بات ہے کیونکہ میں نے آج تک یہ نہیں سنا کہ کبھی کسی مجرم نے کسی سراغ رساں کو چیلنج کیا ہو۔

"واقعی عجیب بات ہے۔" شنکر بولا۔

"بہر حال یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔ اس لڑکی کی تصویر ہمارے ہاتھ لگ جانا ان کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"ایسا نہ سوچو میاں حمید۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اس بار بڑے خطرناک لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔"

"اور مجھے بھی کہنے دیجئے کہ وہ لوگ بھی بڑے خطرناک آدمی کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ کیوں حمید صاحب کیا خیال ہے۔" شنکر ہنس کر بولا۔

"نہیں.... میں کوئی ایسا خطرناک آدمی تو نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور شنکر ہنسنے لگا۔

"اور پروفیسر جاوید صاحب۔" فریدی شنکر کو مخاطب کر کے بولا۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی محبوبہ بھی اس گروہ میں شامل نہ ہو۔"

"کیوں......!"

"مجھے خیال پڑتا ہے کہ کسی سلسلے میں اس کی تصویر میری نظروں سے گذر چکی ہے۔"

"للہ کرم کیجئے گا......اس غریب کے حال پر......" شنکر نے کہا۔

"یہ کس محبوبہ کا تذکرہ ہے۔" حمید نے بے صبری سے پوچھا۔

"آپ سے مطلب......!" فریدی نے کہا۔

"میں سمجھ گیا......غالباً یہ اس رقاصہ کا تذکرہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"تو پھر......!"

"کچھ نہیں......صاحب آخر اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔" حمید بولا۔

"گھبراؤ نہیں......اس بار خود میں تمہیں عشق کرنے پر مجبور کروں گا۔"

"کس سے......!" حمید جلدی سے بولا۔

فریدی نے لڑکی کی تصویر حمید کی طرف بڑھادی۔

"بس معاف رکھئے جناب......میری جان فالتو نہیں ہے۔" حمید نے گھبرا کر کہا۔

شنکر اور فریدی ہنسنے لگے۔

"تو میں اب چلوں۔" شنکر نے کہا۔

"کہاں......؟"

"ہوٹل......!"

"ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔ وہ لوگ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر......میرے کئی اور بھی ٹھکانے ہیں۔" شنکر نے کہا اور دونوں سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

"اب اس کے لئے کیا کیا جائے۔" حمید نے سوتے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تہہ خانہ......!" فریدی نے کہا۔ اگر یہ ہاتھ سے نکل گیا تو پھر بڑی دشواری ہوگی۔

"مگر آپ اس سے کیا معلوم کر سکیں گے۔ جب کہ اس کا دماغ ہمیشہ کیلئے خراب ہو چکا ہے۔"

"ابھی ایک امید باقی ہے۔"

"کیا......؟"

"ذہنی امراض کا ماہر ڈاکٹر شوکت۔"

"اوہ ٹھیک......!" حمید کچھ دیر رک کر بولا۔ "مگر مجھے تو امید نہیں۔"

"خیر دیکھا جائے گا...... فی الحال اسے تہہ خانہ میں منتقل کر دینا چاہئے۔ صبح اٹھ کر نوکروں کے سامنے اس طرح کی بدحواسی ظاہر کریں گے جیسے وہ رات ہی میں کسی طرح آزاد ہو کر بھاگ گیا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس میں گہری رازداری کی ضرورت ہے۔ جس طرح وہ لوگ تھانے سے اپنے آدمی کو نکال لے گئے اسی طرح اس کا نکال لے جانا بھی ان کے لئے ناممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ نوکروں کو کسی طرح دھوکہ دے کر اسے اڑالے جائیں۔ اس لئے نوکروں کو اس سے لاعلم ہی رکھنا زیادہ بہتر ہے۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

دونوں نے مل کر سوئے ہوئے آدمی کو جو اب جاگ پڑا تھا تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دیا۔ اس نے چیخنے چلانے کی کوشش کی، لیکن فریدی نے اس کا منہ بڑے بے دردی سے بند کر دیا۔

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کار پر بیٹھ کر کہیں چلا گیا۔

ایک دلچسپ حادثہ

دوسرے دن صبح سات بجے کے قریب فریدی گھر واپس آیا۔ حمید بستر پر پڑا اخبار دیکھ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔

"لیجئے جناب...... اب ہم لوگ بھی اُلو بنائے جانے لگے۔" حمید نے اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔ "فی الحال اس خبر کو ملاحظہ فرمائیے۔"

شہر کی پولیس سو رہی ہے

"۳؍ دسمبر اطلاع ملی ہے کہ شہر کا مشہور بدمعاش شنکر جو رائے بہادر کالی چرن کی بیوی کو بھگا لے گیا اور چائنا بینک آف کلکتہ کی ڈکیتی میں بھی جس کا ہاتھ تھا آج کل شہر میں پروفیسر جاوید

کے بھیس میں آزادی سے گھومتا پھر رہا ہے، یہاں کی پولیس میں اتنی ہمت نہیں کہ اسے پکڑ سکے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اچھی طرح کام نہ کر رہا ہو تو اس شہر کے باشندوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی۔"

اس خبر کے نیچے پروفیسر جاوید کا پورا پورا حلیہ لکھا ہوا تھا اور یہ خبر کراؤن نیوز ایجنسی کی تھی۔

"دیکھا جناب...... ہم لوگ کتنی آسانی سے دھوکہ کھا گئے۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔

"آپ سے اس کی جان پہچان کب سے تھی۔"

"بکو مت......!" فریدی درشت لہجے میں بولا۔ "ایک بڑے کام کا آدمی ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ بھی بدمعاشوں کی ایک چال ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں جانتا تھا کہ وہ شنکر ہے۔"

"اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ قاتلوں کی ٹولی سے تعلق رکھتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہ غلط ہے...... اس کا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم کبھی نہیں سمجھو گے۔" فریدی نے کہا اور الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

اس کی کار کراؤن نیوز ایجنسی کے دفتر کی طرف تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔

وہ سیدھا نمائندے کے کمرے میں چلا گیا۔ یہاں پولیس کے دو تین آفیسر پہلے ہی سے موجود تھے۔ فریدی کو دیکھ کر انہوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ خبر آپ کو کہاں سے ملی۔" فریدی نے نیوز ایجنسی کے نمائندے کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جناب والا میں تنگ آ گیا ہوں اس سوال کا جواب دیتے دیتے...... ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ یہ خبر ہمارے یہاں سے ہرگز نہیں گئی۔"

"تو کیا ہوا...... آخر آپ کو کیوں پریشانی ہے۔" ایک سرکل انسپکٹر فریدی سے بولا۔

"اس میں تو آپ کے محکمے کی کافی تعریف ہے۔"

فریدی نے اس کے جملے میں طنز کی تلخی محسوس کی لیکن کچھ نہیں بولا۔

"بہر حال آپ کو اس کے لئے ثبوت بہم پہنچانا پڑے گا کہ یہ خبر آپ کے یہاں سے نہیں گئی۔" فریدی نے کہا۔

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ پولیس میری ایجنسی پر توہین کا مقدمہ چلائے گی، لہٰذا میں عدالت میں ہی ثبوت وغیرہ پیش کروں گا۔" نمائندے نے کہا اور قلم اٹھا کر کچھ لکھنے لگا۔

فریدی وہاں سے مارننگ اسٹار کے دفتر کے لئے روانہ ہو گیا۔

ایڈیٹر نے اُسے بتایا کہ اسے کراؤن نیوز ایجنسی کے نمائندے کے دفتر سے یہ خبر ملی اور اس نے چھاپ دی۔ فریدی نے لاکھ کوشش کی کہ خبر دینے والے کے متعلق معلوم کر سکے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہ تھک ہار کر واپس چلا آیا۔ اسے افسوس تھا کہ ایک ایسا شخص ہاتھ سے نکل گیا کہ جو قاتلوں کو پہچانتا تھا۔ اس کی ساری اسکیم فیل ہو کر رہ گئی تھی۔

گھر پہنچ کر وہ بہت دیر تک غور فکر میں مبتلا رہا۔ آخر کار اس نے یہی طے کیا کہ سب سے پہلے شنکر کو تلاش کرے۔

اس نے ایک ایک کر کے سارے مقامات چھان مارے جہاں شنکر کے ملنے کے امکانات تھے لیکن مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار اس نے کار کا رخ شہر کی طرف موڑ دیا۔ اس وقت شہر کے باہر ایک سنسان سڑک سے گذرتے ہوئے وہ اپنی کار کے پیچھے ایک موٹر سائیکل کی آواز سن رہا تھا۔ اس نے گھوم کر دیکھا...... کار کے پیچھے کافی فاصلے پر ایک شخص اپنی آنکھوں پر بڑے شیشوں کا سیاہ چشمہ لگائے موٹر سائیکل پر چلا آ رہا تھا۔ فریدی کا اس طرح مڑنا محض اتفاقیہ تھا۔ اس نے اُسے کوئی اہمیت نہ دی اور خیالات میں ڈوب گیا۔ موٹر سائیکل اور کار کا فاصلہ آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ دفعتاً موٹر سائیکل والے نے جیب سے ریوالور نکال کر کار کے پچھلے پہیوں پر فائر کرنا شروع کر دیئے۔ فریدی نے کار روک دی۔ دونوں پہیئے بے کار ہو چکے تھے۔ اتنے میں موٹر سائیکل والا ریوالور تانے ہوئے کار کے برابر پہنچ گیا۔ قبل اس کے کہ فریدی اپنا ریوالور نکالتا نووارد نے اپنے ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔

"خبر دار...... ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" نووارد گرج کر بولا۔

"اوہ شنکر......!" فریدی ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے پر اطمینان لہجے میں بولا۔ "مجھے تم سے اسی کی توقع تھی۔"

"بکو مت...... تم نے میرے ساتھ دغابازی کی ہے اور میں بھی کتنا احمق تھا کہ تمہارے فریب میں آ گیا...... مگر...... خیر......!"

"میں اسی لئے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا کہ تمہاری غلط فہمی دور کر دوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہت اچھے......" شنکر نے قہقہہ لگایا۔ "تم سمجھتے ہو کہ میں پھر تمہارے دھوکے میں آ جاؤں گا"

"مجھے کچھ کہنے بھی تو دو۔"

"کہو گے کیا...... مجھے اس کا افسوس ہے کہ آج مجھ سے پہلا قتل سرزد ہوا جا رہا ہے۔"

فریدی مسکرانے لگا۔

"خیر مرنے سے پہلے مجھے کم از کم ایک سگار تو سلگا ہی لینے دو۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"بس...... بس...... ہاتھ اوپر ہی رکھو ورنہ۔"

"ورنہ کیا کر لو گے تم......!" فریدی نے دفعتاً اسے اتنے زور سے چیخ کر کہا کہ شنکر جھک پڑا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالور والا ہاتھ فریدی کی آہنی گرفت میں تھا۔ شنکر نے فائر کرنے شروع کئے...... ایک...... دو...... اور کار کی کھڑکیوں کے دو شیشے چکنا چور ہو گئے۔ تیسرا فائر لیکن بقیہ کارتوس تو وہ کار کے پہیوں پر پہلے ہی ضائع کر چکا تھا۔ شنکر کے سرخ و سپید چہرے پر سیاہی دوڑ گئی۔ فریدی اسے دھکا دے کر کار سے نکل آیا۔ اس نے اس کا ریوالور چھین لیا تھا۔ شنکر کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

"یہ لو......!" فریدی نے خالی ریوالور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس میں دوسری گولیاں بھر کر پھر سے کوشش کرو۔ احمق کہیں کے...... تم نے یہ نہ سوچا کہ اگر مجھے تمہیں گرفتار ہی کرانا مقصود تھا تو یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں کسی وقت بھی تمہیں پکڑ سکتا تھا۔ شاید تمہیں بھی خبر کے اس حصے کو پڑھ کر غلط فہمی ہوئی ہے، جہاں محکمہ سراغ رسانی کو سراہا گیا ہے۔"

شنکر خاموش ہی رہا۔

"یہ بھی مجرموں کی ایک چال تھی۔" فریدی پھر بولا۔ "وہ اس طرح مجھے اور تمہیں الجھا کر خود اطمینان سے اپنا کام کرنا چاہتے ہیں اور اگر میں تمہیں گرفتار ہی کرانا چاہتا ہوں تو اس وقت بھی

تم میرے قابو میں ہو۔"

فریدی نے ریوالور شنکر کی جیب میں ڈال دیا۔

"مگر...... مگر......!" شنکر ہکلایا۔

"مگر یہ کہ تم نے خواہ مخواہ میری کار کا ستیاناس کر دیا۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔" شنکر نے مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے کہا۔

"تم سب کچھ سمجھ سکتے ہو بشرطیکہ شبہ کرنا چھوڑ دو۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم نے احتیاط سے کام نہ لیا تو کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

"تو کیا میں یہاں سے چلا جاؤں۔"

"قطعی نہیں...... تم میرے مہمان بن کر میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔"

"اگر کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔"

"یہ مجھ پر چھوڑ دو......!"

"لیکن یہ سب آخر کیوں۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں۔"

شنکر خاموش ہو گیا۔

"اس کے بعد جہاں دل چاہے چلے جانا۔"

"ہوں......!" شنکر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"اور تم یہ اطمینان رکھو کہ فی الحال تمہارا کیس پولیس ہی کے ہاتھ میں رہے گا۔ کیونکہ اس خبر نے محکمہ پولیس کو خاص طور پر محکمہ سراغ رسانی کی طرف سے ضد دلا دی ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ پولیس تمہیں گرفتار نہیں کر سکتی۔"

"میں نے فی الحال اپنے رہنے کا انتظام کر لیا ہے۔" شنکر نے کہا۔ "لیکن آپ یہ بتائیے کہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔"

"پروفیسر نصیر اور اس کی بھتیجی کا سراغ......!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر نصیر میٹرو ہی میں مقیم ہے۔" شنکر نے کہا۔

"میٹرو میں۔" فریدی متعجبانہ انداز میں بولا۔

تین جھوٹے

فریدی نے شنکر کی مدد سے اپنی کار کے پہیے تبدیل کئے اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے مجرموں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ ابھی تک میٹرو ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس بار واقعی بہت ہی دلیر قسم کے مجرموں سے اس کا واسطہ پڑا تھا۔ وہ طرح طرح کے خیالات میں ڈوبا ہوا گھر پہنچا۔ ابھی اس نے برآمدے ہی میں قدم رکھا تھا کہ اسے ڈرائنگ روم میں کسی عورت کا قہقہہ سنائی دیا۔ جو اس کے لئے بالکل نیا تھا۔ فریدی ڈرائنگ روم کی طرف لپکا۔

وہ دروازے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ یہ تو وہی تھی۔ تصویر والی پراسرار لڑکی اور اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا مرد بھی تھا۔ دونوں اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا میں فریدی صاحب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" مرد بولا۔

"جی ہاں...... فرمائیے۔"

مرد نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا۔

"تشریف رکھئے......!" فریدی نے کہا۔

دونوں بیٹھ گئے۔

"فرمائیے کیسے تکلیف کی۔" فریدی مرد سے کہہ کر لڑکی کو گھورنے لگا۔ لڑکی نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"ایک لمبی کہانی ہے۔" مرد نے کہا۔ لوگ مجھے پروفیسر نصیر کہتے ہیں اور یہ میری بھتیجی رقیہ ہے۔

"اب دوسرا پروفیسر......!" فریدی زیرِ لب بڑبڑایا۔

"جی......!" نصیر چونک کر بولا۔ "کیا میرا آنا ناگوار گذرا ہے آپ کو۔"

"قطعی نہیں......!" فریدی نے خوش اخلاق بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجئے گا...... میں ایک دوسری بات سوچ رہا تھا۔"

"خیر......!" نصیر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں، کیا آپ میری مدد کریں گے۔"

"اس مصیبت کی نوعیت معلوم کئے بغیر میں بھلا کیونکر وعدہ کر سکتا ہوں۔"

"کوئی نامعلوم شخص بُری طرح میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ کل رات اس نے میرے کمرے میں جو میں نے میٹرو میں لے رکھا ہے، آگ لگا دی...... میں آپ سے کیا عرض کروں کہ میرا کتنا نقصان ہوا۔"

"یہ تو بالکل سیدھا سادا معاملہ ہے...... آپ نے کوتوالی میں اس کی رپورٹ کی یا نہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں کر تو دی ہے، لیکن میں یہاں کی پولیس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔" نصیر نے کہا۔

"میرے خیال سے آپ غلطی پر ہیں۔" فریدی بولا۔

"ہو سکتا ہے......!" نصیر نے کہا۔ "تو کیا آپ میری مدد نہ کریں گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں آپ کی مدد کیسے کر سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ لوگ ضرور مجھے ایک معاملے میں مدد دے سکتے ہیں۔"

"ہم لوگ......!" نصیر چونک کر بولا۔ "بھلا وہ کیسے۔"

"کل رات ایک آدمی نے میرے سرکاری کاغذات کا فائل پھاڑ ڈالا اور ایک سونے کی گھڑی چرا لے گیا...... اسے رقیہ صاحبہ اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"میں......!" رقیہ تقریباً اچھلتے ہوئے بولی۔

"جی ہاں......!" فریدی نے جیب سے تصویر اور خط نکالتے ہوئے کہا۔ "اس کے ثبوت میں میرے پاس یہ چیزیں ہیں۔"

فریدی نے تصویر اور خط رقیہ کی طرف بڑھا دیئے۔

رقیہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"یہ خط میں نے ساجد کو لکھا تھا اور تصویر بھی اسی کے پاس تھی۔ یہ آپ تک کیسے پہنچی۔ کل میں نے اُسے ہوٹل میں بلایا تھا لیکن پھر کسی وجہ سے میں اس کا انتظار نہ کر سکی اور اس کے نام ایک معذرت نامہ لکھ کر منیجر کے پاس چھوڑ گئی تھی۔"

"جی ہاں...... ہم لوگوں کو ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا اور ہمیں اسی سلسلہ میں ہوٹل

سے باہر آنا پڑا...... اور واپسی پر میں نے اپنے کمرے کو خاک کا ڈھیر پایا۔"

"کیا آپ براہِ مہربانی یہ بتائیں گے کہ یہ تصویر اور خط آپ تک کس طرح پہنچے۔" لڑکی بے چینی سے بولی۔

"جی ہاں......!" فریدی بولا۔ "کل رات کو میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ میٹرو میں کھانا کھا رہا تھا دفعتاً ایک شریف صورت نوجوان نشے میں لڑکھڑاتا ہوا نظر آیا۔ ایک دوسرا شخص اس کے ساتھ زیادتیاں کر رہا تھا۔ میں نے تعرض کیا تو وہ مجھ سے اکڑ گیا۔ میں نے اسے پولیس کے حوالے کیا اور از راہ ہمدردی اس نوجوان کو اپنے ساتھ گھر لیتا آیا کیونکہ وہ بُری طرح مدہوش تھا۔ میں نے سوچا کہ ہوش میں آنے کے بعد اس سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کر کے بھجوا دوں گا۔

وہ صورت سے بے حد شریف معلوم ہوتا تھا اور شاید اس نے پہلی بار پی تھی۔"

"ساجد...... ساجد تو کبھی نہیں پیتا تھا۔" لڑکی نے کہا۔ "آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔"

"میں نے گھر لا کر اسے احتیاط سے لٹا دیا کیونکہ وہ راستے ہی میں بالکل بیہوش ہو گیا تھا۔ ہم لوگ اسے کمرے میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں جا بیٹھے کیونکہ اس کی حالت سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آسکتا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد مجھے یاد آیا کہ میں اپنی گھڑی اسی کمرے میں چھوڑ آیا ہوں۔ مجھے وقت دیکھنا تھا اس لئے میں اس کمرے میں گیا۔ لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے کمرے کو خالی پایا۔ میرے بہت سے سرکاری کاغذات کے ٹکڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور گھڑی میز سے غائب تھی۔ ہم نے اسے تلاش کرنا شروع کیا لیکن بے سود۔ گھڑی کی تو خیر کوئی ایسی پریشانی نہ تھی، لیکن سرکاری کاغذات...... اس نے مجھے بڑی مشکل میں پھنسا دیا۔ ہاں تو تھوڑی دیر بعد جب عقل ٹھکانے آئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنا کوٹ لے جانا بھی بھول گیا ہے اور اس کے جوتے بھی وہیں پڑے ہوئے تھے۔ اسی کوٹ کی اندرونی جیب میں آپ کی تصویر اور خط بھی برآمد ہوئے۔ اتفاق سے اس وقت میرے ایک دوست پروفیسر جاوید جنہیں اب دشمن ہی کہنا مناسب ہوگا موجود تھے۔ انہوں نے تصویر دیکھتے ہی آپ دونوں کا نام لیا۔ ہم لوگ فوراً ہی آپ سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے اور اس وقت پہنچے جب کہ آپ کا کمرہ شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ ہمیں وہاں تھوڑی دیر لگ گئی۔ اس کے بعد ہم نے سوچا کہ اس آدمی سے چل کر سوالات کئے جائیں جسے ہم نے پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن

وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کوئی شخص میرے بھیس میں اُسے بھی نکال لے گیا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ رقیہ اور نصیر حیرت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے اس کا صرف ایک مقصد معلوم ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔ "میرے کاغذات کا پھاڑنا جن کی عدم موجودگی میں میں مصیبتوں میں پھنس سکتا ہوں۔ یہ ایک اچھی خاصی سوچی سمجھی اسکیم معلوم ہوتی ہے۔ وہ شخص جو اسے تنگ کر رہا تھا اسی کا آدمی تھا، وہ اس طرح اسے میرے گھر پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ شخص کاغذات پھاڑنے کی بعد دیدہ و دانستہ اپنا کوٹ چھوڑ گیا۔ تاکہ ہم لوگ اس میں سے تصویر اور خط پانے کے بعد آپ لوگوں سے ملنے جائیں اور پھر بدمعاشوں نے آپ کے کمرے میں آگ لگادی تاکہ ہم لوگ وہاں کچھ دیر اور ٹھہریں اور وہ اپنے ہی آدمی کو آسانی سے رہا کرا سکیں، جسے ہم نے پولیس کے حوالے کر دیا تھا اور ان کا ایک گرگا پروفیسر جاوید شروع سے آخر تک ہی ہمیں دھوکا دیتا رہا۔"

"پروفیسر جاوید۔" لڑکی نے حیرت سے کہا۔ "مگر ابھی تو آپ ان کا تذکرہ اپنے دوست کی حیثیت سے کر چکے ہیں۔"

"جی ہاں...... میری اور اس کی ملاقات کل دن میں ہوئی تھی۔ ہم دونوں چند ہی گھنٹوں میں گہرے دوست بن گئے اور اسی نے مجھے اور میرے اسسٹنٹ کو میٹرو میں مدعو کیا تھا۔"

"لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ بھی بدمعاشوں کا ساتھی ہے۔" نصیر نے کہا۔

"ارے آپ ساتھی کہتے ہیں، وہ خود ایک بہت بڑا بدمعاش ثابت ہوا۔ کیا آپ نے آج کا اخبار نہیں پڑھا۔ جس میں یہاں کی پولیس کی نااہلی کی ایک داستان چھپی تھی۔"

"اوہ......!" نصیر اچھل کر بولا۔ "ارے وہی پروفیسر جاوید...... اور اس کا اصلی نام کیا تھا۔ میں بھول گیا...... مادھو...... یا کیا......؟"

"جی نہیں شنکر......!" فریدی بولا۔

"شنکر...... شنکر......!" نصیر نے کہا اور اپنی بھتیجی کو کڑی اور تیکھی نظروں سے گھورنے لگا۔

"اگر آپ میری تھوڑی سی مدد کر دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ شخص بھی گرفتار ہو جائے گا جس نے آپ کا کمرہ جلایا تھا۔"

"دیکھا تم نے اپنی حماقت کا انجام۔" نصیر اپنی بھتیجی کو مخاطب کر کے ناخوشگوار لہجے میں

بولا۔ "میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ ساجد اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ لوگوں کی ظاہری صورت پر نہ جانا چاہئے۔ میری ہزاروں روپے کی کتابیں جل کر رہ گئیں، محض تمہاری حماقت کی وجہ سے۔"

رقیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"ارے...... ارے۔" فریدی بولا۔ "رہنے بھی دیجئے پروفیسر صاحب۔ آدمی ہی سے غلطی ہوتی ہے۔ اب رونا فضول ہے، جو ہونا تھا ہو چکا۔ ان سب باتوں سے آپ کے نقصانات کی تلافی نہیں ہو سکتی۔"

فریدی نے رقیہ کی طرف اپنا رومال بڑھا دیا۔ رقیہ رومال لے کر آنسو پونچھنے لگی۔

"اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا تھا۔" فریدی نے رقیہ سے کہا۔

"فرمائیے۔" رقیہ گھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

"ساجد کون ہے۔"

"میرا ایک دوست ہے۔"

"آپ کب سے اسے جانتی ہیں۔"

"ایک ماہ کا عرصہ ہوا...... وہ مجھے میٹرو میں ہی ملا تھا۔"

"اس کے گھر کا پتہ آپ کو معلوم ہے۔"

"جی ہاں...... نمبر ۳۰۳ پیٹر روڈ۔"

"اس کے ساتھ اور کون رہتا ہے۔"

"میں نے اُسے وہاں تنہا ہی دیکھا تھا۔"

"وہ کرتا کیا ہے۔"

"مصور ہے۔"

"میرا مطلب ذریعہ آمدنی سے ہے۔"

"مصوری۔"

"تب تو یقیناً وہ غربت ہی میں زندگی بسر کرتا ہو گا۔"

"نہیں ایسا تو نہیں، اس کا بنگلہ نہایت شاندار ہے۔"

"تعجب ہے...... یہاں کے آرٹسٹوں کو تو میں نے بھوکوں ہی مرتے دیکھا ہے۔"

"بہر حال وہ کسی طرح بھی غریب نہیں معلوم ہوتا۔"

"آپ کتنی بار اس کے گھر گئی ہیں۔"

"صرف ایک بار۔"

"اس کے چال چلن کے بارے میں آپ کچھ بتا سکتی ہیں۔"

"مجھے تو انتہائی شریف معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا اب اگر وہ کہیں دکھائی دے تو براہِ کرم مجھے بذریعہ فون اطلاع دیجئے گا۔ حالانکہ اس کے امکانات کم ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا تو اب ہم لوگ اجازت چاہیں گے۔" نصیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ہماری ایک بڑی الجھن رفع کر دی۔ اگر مجھے ساجد دکھائی دیا تو فوراً آپ کو مطلع کروں گا۔"

رقیہ بھی کھڑی ہو گئی۔ فریدی انہیں برآمدے تک چھوڑنے آیا۔ ابھی اس کی کار لان ہی پر کھڑی تھی۔

"آیئے آپ لوگوں کو ایک تماشہ اور دکھاؤں۔" فریدی نے ان کو کار کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

"آج مجھے قتل کر دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ ٹوٹے ہوئے شیشے دیکھئے اور یہ پہیے۔ وہ تو کہئے کہ میں ہمیشہ اپنے ساتھ دو عدد فالتو پہیے رکھتا ہوں ورنہ گھر تک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔"

"یہ سب کیسے ہوا۔" رقیہ بے ساختہ بولی۔

"شنکر نے آج موٹر سائیکل پر میرا پیچھا کیا تھا۔ یہ سب اس کے ریوالور کی گولیوں کا کارنامہ ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس ریوالور نہیں تھا ورنہ وہ بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔"

"آپ کو تو ہر وقت اپنے پاس ریوالور رکھنا چاہئے۔" نصیر بولا۔

"اب تو رکھنا ہی پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

ابھی وہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ حمید پھاٹک میں داخل ہوا۔ رقیہ کو دیکھ کر وہ کچھ جھجکا، لیکن قبل اس کے کہ وہ فریدی سے کچھ کہے، فریدی بول پڑا۔

"آؤ...... آؤ...... بھئی حمید تمہیں چند دوستوں سے ملاؤں، سارا معمہ حل ہو گیا۔ آپ لوگ دراصل میرے لئے فرشتہ رحمت ثابت ہوئے ہیں...... آپ ہیں پروفیسر نصیر اور

مس رقیہ...... میرے ساتھی سارجنٹ حمید۔"

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد فریدی ساری داستان سنا کر بولا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ وہ گھس رہے تھے اور میں انہیں گھس رہا تھا۔"

"مگر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ لوگ آپ کی باتوں کو سچ ہی سمجھتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تو یہ کب کہہ رہا ہوں۔" فریدی بولا۔ "وہ دونوں مجھے بیوقوف ضرور سمجھ رہے تھے۔"

"کیوں......!"

"کیونکہ میں نے ایک بالکل ہی الٹا پلاٹ ان کے سامنے رکھنے کی کوشش کی تھی، ظاہر ہے وہ اپنی جگہ پر قطعی مطمئن ہیں کہ اگر وہ نہیں مرا تب بھی ہمارے کسی کام نہیں آسکتا کیونکہ بچ نے کی صورت میں اس کا پاگل ہو جانا یقینی ہے اور میں نے کاغذات پھاڑنے اور جوتے اور کوٹ ڑ کر بھاگ جانے کا فرضی واقعہ بتا کر انہیں اس کا اور بھی یقین دلا دیا۔ بس یہ سمجھ لو کہ جس چیز یں نے ان کے سامنے سازش بنا کر پیش کیا ہے اسے وہ اس کے پاگل پن پر محمول کریں گے اور کا اس طرح بے باکی سے یہاں چلا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں میرے دھوکہ کھا نے کا یقین پہلے ہی سے تھا اور اب میری گفتگو نے اس یقین کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو...... مجھے یقین تو نہیں آتا۔" حمید نے کہا۔

"خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ تم اس لڑکی سے عشق کرو گے یا میں ہی شروع کر دوں۔"

"بس مجھے تو معاف ہی رکھئے...... ابھی مرنے کو دل نہیں چاہتا۔" حمید بولا۔

"بزدل......!"

"چلئے یہی سہی...... لیکن عورتوں کے چکر میں پھنس کر مرنے کو بہتر نہیں سمجھتا۔"

"تم آ کہاں سے رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"میں ابھی نہیں بتا سکتا۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ "اپنا طریقہ ر متعین کر لینے کے بعد میں اکیلے ہی کام کرنا زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"خیر...... خیر...... مجھے معلوم ہے آپ بہت بڑا تیر ماریں گے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "مگر آپ کے کاموں میں قطعی دخل نہ دوں گا...... فی الحال میرے ساتھ پیٹر روڈ چلئے۔"

"پیٹر روڈ......!"

"ہاں نمبر ۳۰۳، پیٹر روڈ......!"

"کیا ملے گا آپ کو وہاں۔ آپ بھی ان لوگوں کی باتوں میں آگئے۔" حمید نے کہا۔

"میں دراصل انہیں اس کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں ان کے جال میں اچھی طرح پھنس گیا ہوں۔"

"چلئے صاحب! لیکن میں یہ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ یہ محض دھوکا ہے۔ آپ سچ مچ اس لڑکی سے عشق کرنے لگے ہیں۔"

"چلو یہی سمجھ لو...... چار بج رہے ہیں۔ آؤ پہلے چائے پی لیں۔"

دو فائر ایک چیخ

فریدی کی کار تیزی سے پیٹر روڈ کی طرف جا رہی تھی۔ انہیں ۳۰۳ نمبر کا بنگلہ ڈھونڈھ نکالنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ تھا، جس کے سامنے ایک مختصر سا پائیں باغ تھا۔ حمید اور فریدی باغ سے گذر کر برآمدے میں پہنچے۔ یہاں ایک بوڑھی عورت نے جو ملازمہ معلوم ہوتی تھی ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "صاحب گھر پر موجود نہیں۔"

"کیا یہ ساجد صاحب کا بنگلہ ہے۔"

"جی ہاں...... لیکن وہ کل شام سے گھر نہیں آئے۔" ملازمہ بولی۔

"کیا کہیں باہر گئے ہیں۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"کیا پہلے بھی اس طرح بغیر بتائے غائب رہے ہیں۔"

"اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔" بڑھیا اکتا کر بولی۔

"ساجد صاحب کرتے کیا ہیں۔"

فریدی کے اس سوال پر بڑھیا انہیں حیرت سے گھورنے لگی۔

"اگر آپ ان کے ملنے والوں میں سے ہیں تو......!"

"نہیں ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"پولیس......!" وہ چونک کر بولی۔

"ہاں ہم اس مکان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تلاشی......!" بڑھیا تقریباً اچھل کر بولی۔ "مگر کیوں۔"

"پولیس کو ساجد صاحب پر کچھ شبہ ہے۔"

"اوہ...... مگر کس بات کا شبہ۔"

"ہم زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہتے۔"

بڑھیا سہم گئی۔

"آؤ...... ہمارے ساتھ آؤ۔" فریدی نے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"یہاں اور کون رہتا ہے۔"

"صرف میں اور صاحب۔"

"ہوں......!"

یہ غالباً ساجد کا اسٹوڈیو تھا، دیواروں پر چاروں طرف بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں اور ایک نامکمل تصویریں ایزلوں پر بھی تھیں۔

"تو ساجد صاحب تصویریں بناتے ہیں۔" فریدی نے بڑھیا سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور کوئی کام نہیں کرتے۔"

"جی نہیں۔"

"شاید کوئی اور آیا ہے۔" بڑھیا نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی آئی۔"

"دیکھ رہے ہو حمید ان تصویروں کو یہ سب ریفیل...... ڈاونچی اور ریبرن وغیرہ کی مشہور تصویروں کے چربے ہیں اور یہ تصویریں اتنی عام ہیں کہ کوئی ان کی زیادہ قیمت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ایسی تصویروں کا بنانے والا اتنے ٹھاٹھ کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا، خاموشی سے تصویریں دیکھ رہا تھا۔

"اب دوسرا کمرہ دیکھنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن وہ بڑھیا ابھی تک واپس نہیں آئی..... ذرا باہر جا کر دیکھو۔"

حمید باہر چلا گیا اور فریدی میزوں پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد حمید لوٹ کر آیا۔

"اس کا تو کہیں پتہ نہیں چلا۔" حمید بولا۔

"شاید ڈر کر کہیں بھاگ گئی۔" فریدی نے کہا اور اسٹوڈیو سے ملے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ شاید ساجد کی خواب گاہ تھی۔ فریدی یہاں کی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ دفعتاً وہ کسی چیز کی طرف لپکا۔

"اوہ.....!" فریدی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

حمید چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فریدی کے ہاتھ میں دفتی کا ایک ڈبہ تھا۔

"یہ کیا.....!" حمید بولا۔

"کوکین.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس میز کی دراز سے برآمد ہوئی ہے۔ یہاں بھی کئی ڈبے اور ہیں۔"

"حمید نے سارے ڈبے نکال کر فرش پر رکھ دیئے۔

"یہ کوئی بہت ہی منظم گروہ معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"دوسرے کمرے میں کسی کی آہٹ معلوم ہو رہی ہے۔" حمید نے کہا۔

"بکومت..... میں جانتا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر بلند آواز میں کہنے لگا۔ "اتنی مقدار میں کوکین کا برآمد ہونا واقعی خطرناک بات ہے۔ اب میں سمجھا کہ یہ لوگ کیوں میری جان لینا چاہتے ہیں۔ مجھے راستے سے ہٹا دینے کے بعد وہ بہت اطمینان سے کوکین کی ناجائز تجارت کر سکیں گے۔ اوہ..... ٹھیک یاد آیا۔ میرے ان کاغذات میں ایک کوکین فروش کی انگلیوں کے نشانات بھی تھے..... اُف میرے خدا۔"

"مگر وہ یہ سب چیزیں یہاں کیوں چھوڑ گئے۔ اس طرح تو انہوں نے اپنے خلاف بہت سے ثبوت مہیا کر دیئے۔"

"بہت ممکن ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ یہ سمجھے ہوں کہ رقیہ ہمیں رات ہی کو مل گئی ہو اور پولیس نے ہماری اطلاع پر بنگلے کی نگرانی شروع کر دی ہو۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اسی خوف سے وہ لوگ یہاں آ کر ایسی چیزیں ہٹا نہ سکے۔"

"اوہ.....!" حمید بولا۔ "ہم سے زبردست غلطی ہوئی کہ ہم اکیلے یہاں چلے آئے..... اگر وہ لوگ ہمیں یہاں گھیر کر مار لیں تو۔"

فریدی حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ بڑی زبردست غلطی ہوئی۔ آؤ چپکے سے نکل چلیں۔ یہ ڈبے اٹھا لو۔"

حمید ڈبے اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ ایک فائر ہوا اگر فریدی اتفاقیہ طور پر ذرا سا نہ ہل گیا ہوتا تو کھوپڑی اڑ گئی تھی۔ اب وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ دوسرا فائر ہوا اور اسٹوڈیو میں ایک چیخ سنائی دی۔ ساتھ ہی ساتھ کسی کے بھاگنے کی آواز آئی۔

فریدی اور حمید اپنے اپنے ریوالور نکال کر دروازے کی طرف جھپٹے۔

وہ اسٹوڈیو میں جانے کے بجائے دوسرے دروازے کے برآمدے میں نکل آئے۔

برآمدے میں سناٹا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اسٹوڈیو کے دروازے پر آئے اور اندر کی طرف بھاگنے لگے۔ اسٹوڈیو میں سناٹا تھا۔

"اوہ یہ کیا.....!" فریدی نے کہا اور تیزی سے اندر چلا گیا۔

ایک خوبصورت سا ریوالور جس کا دستہ ہاتھی دانت کا تھا فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"ارے..... یہ ریوالور یہاں کیسے آیا۔" حمید بے ساختہ بولا۔ "وہی بالکل وہی۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اطمینان سے بتاؤں گا.....!" حمید نے دروازے کی طرف جھپٹتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو.....!" فریدی نے کہا اور زمین پر پڑے ہوئے ریوالور کی نال کو چٹکی سے پکڑ کر رومال میں لپیٹ لیا۔

فرش پر خون کی بوندیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ انہیں دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

برآمدے میں پہنچ کر پھر کہیں خون نہ دکھائی دیا۔ فریدی اور حمید ہاتھوں میں ریوالور لئے بنگلے کا چپہ چپہ تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

"مشکل ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم نے بہت دیر کر دی۔ مگر وہ دوسرا کون تھا...... جس نے ہم پر فائر کرنے والے پر پیچھے سے حملہ کیا۔"

"دوسرا......!" حمید متعجبانہ انداز میں بولا۔

"ہاں......!" فریدی نے کہا۔ تم نے چیخ کی آواز نہیں سنی تھی اور پھر وہ خون کی بوندیں اور دوسرا فائر آواز کے اعتبار سے پہلے سے نسبتاً دور کا معلوم ہوا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی نے ہم پر وار کرنے والے پر پیچھے سے حملہ کیا۔

"اور پھر دونوں غائب ہو گئے۔" حمید بولا۔ "عجیب معاملہ ہے سب کے سب غائب، وہ کم بخت بڑھیا بھی غائب۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ سچ مچ ہم سے ڈر کر غائب ہو گئی۔" فریدی نے کہا۔

"آؤ چلیں...... مگر اس دوسرے فائر کرنیوالے نے مجھے بہت زیادہ الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

فریدی نے کوکین کے ڈبے اپنے قبضے میں کئے اور دونوں کار پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

"ہاں تم ریوالور کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔" فریدی بولا۔

"آج میں نے یہ ریوالور ایک جگہ دیکھا تھا۔"

"کہاں......؟"

"آج صبح جب آپ شنکر کی تلاش میں نکل گئے تھے، میں میٹرو کی طرف چلا گیا۔ مجھے یہ یقین تھا کہ اب وہاں پروفیسر اور رقیہ کی صورت نہ دکھائی دے گی، لیکن میں نے سوچا کہ احتیاطاً دیکھ ہی لینا چاہئے اور وہاں پہنچ کر جب میں نے انہیں وہیں پایا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں ان کی نگاہوں سے چھپ کر ان کی نگرانی کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رقیہ ہوٹل سے نکل کر سڑک پر آئی اور ایک ٹیکسی کر کے ایک طرف روانہ ہو گئی۔ میں دوسری ٹیکسی پر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ جیکب روڈ پر اتر کر والٹر روڈ کی طرف مڑ گئی۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اس سنسان سڑک پر کیا کرنے آئی ہے۔ اس پوری سڑک پر بمشکل تمام دو یا تین کوٹھیاں ہیں وہ انہیں میں سے ایک میں گھس گئی۔ اس کوٹھی کی ظاہری حالت دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں بہت ہی لاپرواہ قسم کے لوگ رہتے ہیں۔ اس کا پائیں باغ کیا ہے اچھا خاصا جنگل ہے، چہار دیواری کے اندر جھاڑیاں ہی جھاڑیاں نظر آتی ہیں۔ میں کوٹھی کی پشت سے احاطے میں داخل ہوا اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا ایک

کمرے کی کھڑکی تک پہنچ گیا۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ اسی کمرے میں میں نے ایک میز پر ایسا ہی ریوالور پڑا ہوا دیکھا تھا اور آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے خوبصورت ریوالور ہمیشہ خاص طور پر آرڈر دے کر بنوائے جاتے ہیں۔ میں بڑی دیر تک کوشش کرتا رہا کہ اس کے آگے بھی کچھ معلوم کروں، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ دن کا وقت تھا اس لئے خوف بھی معلوم ہو رہا تھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ مجبوراً میں وہاں سے یہ سوچ کر چلا آیا کہ رات میں آ کر کچھ اور معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"تم نے بڑی عقل مندی سے کام لیا۔ تمہاری جگہ اگر میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ اچھا آج رات کو دیکھا جائے گا۔"

"کیوں نہ اُن لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے۔"

"ابھی ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی معقول ثبوت نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر ساجد ہوش میں ہوتا تو یہ اتنی دشوار چیز نہ تھی۔ میرا ارادہ ہے کہ کل اسے کسی طرح راج روپ نگر ڈاکٹر شوکت کے پاس پہنچا دوں۔ اگر وہ کسی طرح اس کی دماغی حالت ٹھیک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ساری مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔"

"بہر حال ہمیں بہت احتیاط سے رہنے کی ضرورت ہے۔" حمید بولا۔

"عجیب الجھا ہوا معاملہ ہے۔ ابھی تک مجرموں کا اصلی مقصد نہ معلوم ہو سکا...... اور پھر آج اس دوسرے فائر نے مجھے اور زیادہ چکر میں ڈال دیا ہے۔ آخر یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سے قریب قریب میرا سارا پلان چوپٹ ہو کر رہ گیا۔"

"کمال کیا آپ نے۔" حمید نے کہا۔ "ایک تو اس بیچارے کی وجہ سے جان بچ گئی اور وہی بُرا کہا جا رہا ہے۔"

"جان تو بچ گئی لیکن کام جو بگڑ گیا۔" فریدی بولا۔

"وہ کیسے۔"

"یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ہم لوگوں پر فائر نصیری کی ٹولی کی طرف سے کیا گیا تھا اور ان لوگوں نے یہ اسکیم محض اس لئے بنائی تھی کہ اگر گولی نشانہ پر بیٹھی تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے چھٹکارا ہی مل جائے گا اور اگر کامیابی نہ ہوئی تو ساجد کی طرف سے میرا شبہ اور زیادہ پختہ ہو جائے گا۔ لیکن اب اس دوسرے فائر کی وجہ سے ان لوگوں کا خیال بدل جائے گا۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ

میرے ہی کسی آدمی نے ان کے آدمی پر گولی چلائی اور وہ بہت زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔ میں نے انہیں دھوکا دینے کے لئے جو پلاٹ گھڑا تھا بیکار ہو گیا۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔

"ادھر کہاں جا رہے ہیں۔" دفعتاً حمید بولا۔

"ٹھہرو...... آج کھانا وہیں کھائیں گے۔" فریدی نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی کار میٹرو کے پھاٹک پر پہنچ گئی۔

رقیہ اور نصیر ایک میز پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر دونوں چونک پڑے۔

"آیئے انسپکٹر صاحب۔" نصیر نے اٹھ کر فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید بھی وہیں بیٹھ گئے۔

"آخر اسپینی رقاصہ کے کمال نے آپ کو بھی کھینچ ہی لیا۔" رقیہ فریدی سے بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ آپ بہت خشک آدمی ہیں۔"

"نہیں ایسا تو نہیں۔" فریدی نے ایسے رومانٹک انداز میں مسکرا کر جواب دیا کہ حمید کو حیرت ہوئی۔

رقیہ فریدی کی نظروں کی تاب نہ لا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

فریدی کچھ اور کہنے ہی والا تھا کہ بیرے نے آکر نصیر سے کہا کہ اسے کوئی ٹیلی فون پر بلا رہا ہے۔ نصیر اٹھ کر چلا گیا۔

"آج سردی بہت زیادہ ہے۔" فریدی نے رقیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی ہاں...... ہے تو......!" رقیہ بولی۔

"غالباً آپ کے پاس بھی ساجد کی تصویر ضرور ہو گی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں ہے تو۔"

"آپ براہِ مہربانی مجھے عنایت فرمائیں گی۔"

رقیہ اداس ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے جنہیں وہ منہ دوسری طرف پھیر کر پونچھنے لگی۔

فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور وہ کسی بہانے سے اٹھ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی بولا۔ "کہ میں نے پھر اس تذکرے کو چھیڑ کر آپ کو دکھ پہنچایا۔ مگر کیا کروں مجبوری ہے...... خیر آپ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ آپ وقت سے پہلے آگاہ ہو گئیں۔ اُف میرے خدا ایک شریف اور عالی خاندان کی لڑکی ایک بدمعاش کے چنگل میں...... آپ کو اسے قطعی بھول جانا چاہئے۔"

فریدی بولتا رہا اور رقیہ یہ خیال کئے بغیر کہ وہ اس وقت مجمع میں بیٹھی ہوئی ہے آنکھوں پر رومال رکھے سسکیاں لیتی رہی۔

اتنے میں نصیر آ گیا۔

"ہائیں کیا بات ہے۔" نصیر فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔

"مجھ سے غلطی ہوئی...... معافی چاہتا ہوں...... مگر اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔

"آخر بات کیا ہے؟" نصیر تیز لہجے میں بولا۔

"مجھے ساجد کی تصویر کی ضرورت ہے۔ میں نے مس رقیہ سے پوچھا وہ رونے لگیں۔"

"آپ کو مجھ سے کہنا چاہئے تھا.... آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" نصیر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"میں ایک بار پھر اظہارِ افسوس کرتا ہوں۔"

"تصویر آپ کو مل جائے گی۔" نصیر بدستور بُرا سا منہ بنائے ہوئے بولا۔

"بُرا ماننے کی بات نہیں نصیر صاحب...... پانی اب سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ مجرموں کو گرفتار کرنے کے لئے مجھے سخت سے سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔"

"کیا مطلب......!" نصیر چونک کر بولا۔

"آج زندگی تھی جو ہم لوگ بچ گئے۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"آج میں نے زندگی میں شاید پہلی بار ایسی حماقت کی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کچھ بتایئے بھی...... خواہ مخواہ الجھن میں مبتلا کر رہے ہیں آپ......!"

"آج ہم لوگ کوئی احتیاطی تدبیر کئے بغیر آپ لوگوں کے بتائے ہوئے پتے پر ساجد کے بنگلے کی تلاشی لینے چلے گئے۔ ہمیں چاہئے تھا کہ ہم سب سے پہلے پولیس سے مدد لے کر بنگلے کا

محاصرہ کرادیتے۔"

"لیکن ہوا کیا......؟" نصیر بے صبری سے بولا۔

"جب ہم ایک کمرے سے کوکین کے ڈبے برآمد کر رہے تھے کسی نے پیچھے سے ہم پر گولی چلائی اور تو اور لطف یہ ہے کہ اس گولی چلانے والے پر بھی کسی نے دوسرا فائر کیا۔ جب ہم لوگ اُدھر گئے جدھر سے فائر ہوئے تھے تو ہمیں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ حتیٰ کہ ساجد کی بوڑھی ملازمہ بھی غائب تھی۔"

"بڑے تعجب کی بات ہے۔"

"اور سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ مجرم پر بھی کسی نے وار کیا۔" فریدی بولا۔

"آپ کا کوئی دوست ہی ہو سکتا ہے۔" نصیر نے کہا۔

"ناممکن......اس معاملے کو فی الحال میرے اور حمید کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا......یا پھر آپ لوگ......!"

"حیرت ہے۔"

"بہر حال جس نے بھی مجرم پر وار کیا بُرا ہوا...... اس سے وہ لوگ اور زیادہ محتاط ہو جائیں گے اور نتیجے کے طور پر مجھے بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" نصیر بولا۔

"آپ جانتے ہی ہوں گے کہ میرے ہاتھ میں بڑے بڑے کیس آئے لیکن مجھے کبھی اتنی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی۔" فریدی بولا۔

"میں آپ کو ہر ممکن مدد دینے کے لئے تیار ہوں۔ تصویر آپ کو مل جائے گی۔ کم بخت نہ جانے کیوں ہم لوگوں کے پیچھے بھی پڑ گئے ہیں۔"

فریدی اور حمید کھانا کھا کر واپس آ گئے۔

عشق

فریدی نے دوسرے ہی دن ساجد کو ایک بند گاڑی میں سوار کرا کے راج روپ نگر پہنچا دیا۔

ڈاکٹر شوکت کے لئے اس قسم کا کیس بالکل نیا تھا۔ لیکن اس نے فریدی سے اچھے تعلقات ہونے کی بناء پر اس کا علاج کرنا منظور کر لیا لیکن اس نے یہ وعدہ نہیں کیا کہ وہ کتنے عرصے میں اسے ٹھیک کر سکے گا۔

اسی دن شام سے فریدی نے محسوس کرنا شروع کیا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے......وہ جب بھی باہر نکلتا کسی نہ کسی آدمی کو اپنے تعاقب میں ضرور پاتا۔

اس کیس میں سچ مچ اسے دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجرموں کو کس طرح قابو میں لائے۔ حملہ آور کا پستول اس نے محفوظ کر لیا تھا لیکن اس کے دستے پر بھی اسے کسی قسم کے نشانات نہ مل سکے۔ اس اندھیرے میں اسے امید کی صرف ایک ہی کرن دکھائی دیتی تھی اور وہ ساجد کی ذات تھی، لیکن کبھی کبھی وہ اس طرف سے بھی مایوس ہو جاتا تھا کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی دماغی حالت درست ہی ہو جائے۔

ایک مجرم کا ریوالور بھی اسے دستیاب ہو گیا تھا اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کہاں دیکھا گیا تھا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ مجرموں کو گرفتار کرا دے، لیکن پھر خیال آیا کہ ان کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کرے گا۔ بہر حال وہ سخت الجھن میں تھا کہ کیا کرے۔

سب سے زیادہ حیرت اُسے مجرموں کی دیدہ دلیری پر تھی۔ بعض اوقات تو اسے محسوس ہونے لگتا تھا کہ جیسے اس نے قطعی غلط قدم اٹھایا ہو۔ جنہیں وہ مجرم سمجھ رہا ہے، وہ مجرم نہیں ہیں لیکن ہاتھی دانت کے دستے والا ریوالور اسے پھر اپنے پہلے ہی خیال پر لوٹ آنے کے لئے مجبور کر دیتا تھا۔

دوسری چیز جو اس کیلئے بالکل معمہ بن کر رہ گئی تھی مجرم پر فائر کرنے والے کی شخصیت تھی۔

اس بازی میں وہ اپنے جس مہرے پر بھی نظر ڈالتا اس کی پوزیشن کمزور ہی نظر آتی تھی۔

دفعتاً اس کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ وہ خیال جو مزاح کی خاطر کئی بار حمید کے سامنے

دہرا چکا تھا یعنی رقیہ پر ڈورے ڈالنا۔ اگر وہ کسی طرح قابو میں آ گئی تو پھر بس کام بن گیا۔

اس معاملے پر پہلے سے زیادہ غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نے باقاعدہ رقیہ سے ملنا شروع کر دیا۔ لیکن وہ بھی پرلے سرے کی گھاگ تھی۔ کیا مجال کہ کہیں سے لغزش ہو جائے۔ فریدی کو اس معاملے میں بھی سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا...... لیکن وہ ہمت نہیں ہارا۔ دونوں میں کافی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ مگر وہ مطلب کی باتوں پر صاف اڑ جاتی تھی۔

آج وہ فریدی سے ملنے کے لئے اس کے گھر آئی تھی، لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھا اور حمید کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

کچھ دیر تک دونوں میں رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر فریدی کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی کا نام لیتے وقت رقیہ کی آواز میں ایک عجیب قسم کا رسیلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔

"ایک ایسا شخص جو دن رات محنت کرتا ہو، کافی دیکھ بھال چاہتا ہے۔" رقیہ بولی۔

"جی ہاں...... میں ان کی کافی دیکھ بھال کرتا ہوں۔" حمید بولا۔

"آپ......!" رقیہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"کیوں...... اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں...... ویسے آپ بھی خاصے عورت معلوم ہوتے ہیں۔" رقیہ قہقہہ لگا کر بولی اور حمید جھینپ گیا۔

"ممکن ہے آپ ٹھیک کہتی ہوں۔" حمید جھینپے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مگر اس بات کا مجھے یقین ہے کہ اگر میں ذرہ برابر بھی عورت معلوم ہوتا تو فریدی صاحب ایک منٹ کے لئے بھی مجھے اپنے قرب وجوار میں برداشت نہ کر سکتے۔"

"اوہ تو کیا انہیں عورتوں سے نفرت ہے۔" رقیہ بولی۔

"کبھی تھی لیکن شاید اب نہیں۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں نے آج تک ان کی زبانی کبھی عورتوں کا تذکرہ نہیں سنا لیکن آج کل وہ دن رات ایک عورت کی شان میں قصیدے پڑھا کرتے ہیں۔"

"اچھا...... کون ہے وہ عورت......!"

"یہ نہ بتا سکوں گا...... اگر فریدی صاحب کو خبر ہو گئی تو شاید مجھے زندہ ہی دفن کر دیں۔"

"انہیں معلوم ہی کیسے ہوگا۔"

"مجھے سخت حیرت ہے۔" حمید اس کی بات سنی ان سنی کر کے بولا۔ "وہ شخص جو محض فن سراغ رسانی کی تکمیل کے لئے شادی تک سے گریز کرتا رہا ہو، وہ شخص جس کے سر پر ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت سوار رہتا ہو۔ وہ جسے اپنے فن کے علاوہ اور کسی چیز کی پرواہ نہ رہی ہو۔ ایک عورت کے خیال میں اس طرح غرق ہو جائے کہ ایک معمولی سے مجرم کو بھی نہ پکڑ سکے، وہ شخص جس نے لیونارڈ جیسے عالم گیر شہرت رکھنے والے آدمی کو چوہے کی طرح پھانس لیا۔ ساجد جیسے گمنام آدمی کا پتہ نہ لگا سکے، مجھے اس کی حالت پر رحم آتا ہے۔ واقعی عورت بڑی خطرناک چیز ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"لیکن آخر وہ عورت ہے کون، جس نے ایسے پتھر کو موم کر دیا۔" رقیہ بے تابی سے بولی۔

"کل رات...... میں ان کی حالت دیکھ رہا تھا...... وہ پاگلوں کی طرح سارے گھر میں گھومتے پھر رہے تھے اور پھر میں نے انہیں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا، اف میرے خدا کتنا دردناک منظر تھا۔ وہ شخص جو افلاطون کو سبق دینے کا دعویٰ رکھتا ہو، اس طرح بے بس ہو جائے۔ بچوں سے بھی بدتر...... اف! اگر قانون کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس عورت کو گولی مار دیتا۔" حمید کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں۔ وہ اس طرح ٹہلنے لگا جیسے خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"خدارا بتا بھی دیجئے کہ وہ کون ہے۔" رقیہ بے صبری سے بولی۔

"آپ نہ سن سکیں گی...... مگر نہیں آپ کو سننا ہی پڑے گا۔ وہ آپ ہیں...... صرف آپ۔ آپ نے ان کی زندگی برباد کر دی۔ آپ ان کی شہرت کو پستیوں میں پھینکنے والی ہیں...... خدارا ان کے راستے سے ہٹ جایئے۔ میں ان کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ان کی زندگی میں کسی عورت کا داخل ہونا ان کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ وہ کسی کام کے نہ رہ جائیں گے اور اس سے ملک اور قوم کو جو نقصان ہوگا وہ ظاہر ہے۔ میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ ان کے راستے سے ہٹ جایئے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ رقیہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دفعتاً وہ مردہ آواز میں بولی۔

"میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"ان سے ملنا چھوڑ دیجئے...... میں انہیں آپ کی بے وفائی کا یقین دلا کر کسی نہ کسی طرح راہ پر لے آؤں گا۔"

رقیہ خاموش رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے اندر دو متضاد قسم کے جذبوں میں جنگ جاری ہے۔ حمید اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک بار دونوں کی نظریں ملیں اور رقیہ نے سر جھکا لیا۔ وہ ناخن سے کرسی کا گدہ کرید رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

دفعتاً قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی خون میں نہایا ہوا آکر ایک صوفے پر گر گیا۔ رقیہ کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

"یہ کیا ہوا......!" حمید بے اختیار چیخا۔

فریدی نے آنکھیں بند کئے ہوئے ایک ہاتھ اٹھا دیا۔ اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں جن سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی۔

"پانی......!" وہ اپنے پٹی سے بندھے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر نقیہہ آواز میں بولا۔

حمید پانی لینے چلا گیا۔

"یہ کیا ہوا۔" رقیہ صوفے کے قریب زمین پر دوزانو بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کے دونوں ہاتھ فریدی کے رخساروں پر تھے۔

فریدی کے چہرے پر نقاہت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اس کی انگلیوں کو آہستہ آہستہ سہلانے لگا۔ رقیہ کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ جنہیں وہ منہ پھیر کر پی جانے کی کوشش کرنے لگی۔

"کئی آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

اتنے میں حمید پانی لے کر آ گیا۔

"آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔" حمید نے چونک کر فریدی کا جملہ استفہامیہ انداز میں دہرایا۔

"مجھے افسوس ہے کہ...... میں ان کی شکل نہ دیکھ سکا۔" فریدی رک رک کر بولا۔

"انہوں نے سیاہ نقاب پہن رکھے تھے، لیکن مجھے یقین ہے کہ ان میں ساجد ضرور تھا۔"

"ساجد......!" رقیہ حیرت سے بولی۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگی۔ "بہت ممکن ہے کہ وہ رہا ہو۔"

"لیکن یہ حادثہ کہاں ہوا۔" حمید بولا۔

"والٹر روڈ پر......!"

"والٹر روڈ پر......!" رقیہ پھر چونک کر بولی۔

"حمید تم فوراً کوتوالی جا کر پتہ لگاؤ کہ کسی حادثے کی اطلاع تو نہیں آئی، لیکن میرے متعلق کسی سے کچھ نہ کہنا۔" فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ فریدی نے پھر آنکھیں کھولیں۔

"تم ابھی تک نہیں گئے۔" وہ بولا۔

"میں آپ کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"تم جاؤ رقیہ ہیں تو میرے پاس۔" فریدی نے کہا۔ رقیہ کہتے وقت اس کے لہجے میں بلا کا پیار آ گیا تھا۔ جسے رقیہ بھی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی۔

حمید چلا گیا۔

"آپ یہاں سے کہیں اور چلے جائیے۔" رقیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں......؟"

"یونہی آپ پر یہ دوسرا حملہ ہے۔"

"ہوگا...... میں اتنا بزدل نہیں ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ میں کچھ دنوں سے خود کو احمق محسوس کرنے لگا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری ذہانت کسی ویرانے کی دلدل میں پھنس کر آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔"

"یہ کیوں......؟"

"میں نہیں جانتا۔" فریدی نے رقیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور پھر نظریں جھکا کر ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

رقیہ کا چہرہ تمتما اٹھا تھا اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ پورا جسم کانپ رہا تھا۔ اس کی

آنکھوں سے دو موٹے موٹے قطرے ڈھلک کر رخساروں پر بہ چلے۔

"تم رو رہی ہو۔" فریدی اس کا ہاتھ دباتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"مجھے افسوس ہے...... لیکن میں ساجد کو کسی طرح قانون کی گرفت سے نہ بچا سکوں گا۔ معاملہ میرے ہاتھوں سے بہت دور جا چکا ہے۔"

"ساجد......!" وہ اس طرح بولی جیسے خود سے باتیں کر رہی ہو۔ "جہنم میں گیا ساجد۔ میں مجبور تھی...... میں ان غلاظتوں سے تنگ آ گئی ہوں۔ میں اب اس گندگی میں نہیں رہ سکتی۔ موت صرف موت مجھے سکون دے سکے گی۔ چوتھا خون اُف میرے خدا...... چوتھا خون۔"

"کیا مطلب......؟" فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔

رقیہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پھر لٹا دیا۔

"تمہارا خون...... لیکن اب مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ تم سنتے ہو۔" رقیہ فریدی کے سینے پر سر رکھ کر بے اختیار پھوٹ پڑی۔

"ڈرو نہیں...... صاف صاف بتاؤ...... کیا بات ہے...... جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتی...... مجھے تو اب مر ہی جانا چاہئے۔ لیکن میں اب یہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی کہ چوتھی موت کا ذریعہ بنوں۔ میں اب اپنے ضمیر کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ حالانکہ اسے میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس کی سزا موت ہو گی۔"

"شاید تم بہت زیادہ پریشان ہو۔" فریدی بولا۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں...... شاید آپ اسے ہذیان سمجھ رہے ہیں...... میں قطعی ہوش میں ہوں۔"

"نہیں ساجد کی حرکت نے تمہارے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔"

"ساجد....!" وہ چونک کر بولی۔ "اوروں کی طرح اس کی بھی ہڈیاں تک گل گئی ہوں گی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ساجد سے پہلے بھی دو آدمیوں کو موت کے دروازے تک پہنچا چکی ہوں۔"

"غالباً تمہارا اشارہ ان دونوں کی طرف ہے جن کی لاشیں میرے پھاٹک پر پائی گئی ہیں۔"

"ہاں...... اور یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ لاشیں آپ کے پھاٹک پر کیوں پھینکوائی گئیں۔"

"مگر ان کی موتیں تو قدرتی حالات میں ہوئی تھیں۔" فریدی بولا۔

"بالکل غلط.... میں اس پر یقین نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ ان کا خاتمہ کس طرح کیا گیا۔"

"مگر وہ تھے کون۔"

"میں یہ نہیں جانتی...... ایک بار وہ تینوں اکٹھا دکھائے گئے تھے...... اور کہا گیا تھا کہ میں ان تینوں کو الگ الگ اس طرح پھانسوں کہ ایک دوسرے کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔"

"پھر......!"

"میں نے انہیں پھانس کر باری باری موت کے دروازے تک پہنچا دیا۔ میرا بس اتنا ہی کام تھا کہ ان کے متعلق اچھی طرح واقفیت بہم پہنچا کر انہیں نصیر تک پہنچا دوں۔"

"نصیر......!" فریدی حیرت سے بولا۔ "کیا تم اپنے چچا کو نام لے کر مخاطب کرتی ہو۔"

"چچا......!" رقیہ ایک زہریلی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "چچا...... ہاں وہ میرا ایسا چچا ہے کہ اکثر شراب کے نشے میں مجھے ننگی ہو کر ناچنے کو کہتا ہے۔"

"اوہ......!"

"میں ان سب کی محبوبہ ہوں۔" رقیہ بے باکی سے بولی۔ "ان کے چکر میں پھنسی ہوئی ایک مجبور عورت۔"

"تو کیا وہ کئی ہیں۔"

"آٹھ......!"

"اور نصیر ان کا سردار ہے۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔" رقیہ بولی۔ "سردار وہ ایک بہت بھیانک آدمی ہے۔ ایک خطرناک بوڑھا جو ہمیشہ اپنا چہرہ نقاب سے چھپائے رہتا ہے اور شاید صرف میں ہی یہ جانتی ہوں کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ ایک بار میں نے اسے اتفاقاً بے نقاب دیکھ لیا تھا...... اُف میرے خدا کتنا بھیانک چہرہ تھا۔ اس کے چہرے پر ناک کی جگہ پر ایک بڑا غار ہے...... اس غار سے

اس کا حلق تک دکھائی دیتا ہے۔"

"اوہ......!" فریدی اچھل کر بولا۔

"صرف سن کر ہی آپ خوفزدہ ہوگئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر دیکھ لیں تو......!"

"اور وہ والٹر روڈ کی کوٹھی نمبر تین میں رہتا ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" وہ حیرت سے بولی۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہے۔"

"تو پھر آپ ساجد......!"

"تم لوگ مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے تھے اور میں تمہیں۔"

"تو یہ سب محبت......!"

"ہاں ہاں...... یہ بالکل ٹھیک ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "میں پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا کہ تم کوئی شریف لڑکی ہو اور ان کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ مجھے تم سے اتنی ہمدردی اور محبت ہے جتنی کہ ایک بھائی کو ایک بہن سے ہو سکتی ہے۔ میں اس عرصے میں تمہاری لئے بہت زیادہ پریشان رہا۔"

رقیہ حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

"خیر مجھ جیسی آبرو باختہ کسی شریف آدمی کی بہن بننے کے لائق نہیں۔"

"کیوں نہیں...... کیوں نہیں۔ تم میری بہن ہو...... اور میں تمہیں بچانے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کروں گا۔"

"مجھے اب زندگی کی ضرورت نہیں...... مجھے زندگی کے نام سے بھی نفرت ہو چکی ہے۔" رقیہ بولی۔

"نہیں تمہیں جینا چاہئے...... ہمت ہارنا بزدلی ہے۔" فریدی بولا۔ "ہاں یہ تو بتاؤ کہ ساجد کے گھر میں مجھ پر گولی کس نے چلائی تھی اور اس کی نوکرانی کا کیا ہوا۔"

"آپ پر گولی چلانے والا انہیں میں سے ایک تھا اور نوکرانی کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اور وہ شخص جس نے مجھ پر فائر کرنے والے پر گولی چلائی تھی۔"

"اس کے متعلق بھی میں کچھ نہیں جانتی۔"

"وہ تین آدمی کس قصور پر مارے گئے۔"

"مجھے اس کی بھی اطلاع نہیں۔"

"شنکر کے بارے میں بھی تمہیں کچھ معلوم ہے۔"

"ہاں...... اس کی اور آپ کی جنگ کا پروگرام نصیر ہی کا بنایا ہوا تھا۔"

"کیوں......؟"

"تاکہ آپ دونوں الجھ کر رہ جائیں اور وہ اطمینان سے اپنا کام کر سکیں۔"

"اور وہ کام کیا ہے۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔" رقیہ بولی۔ "لیکن اتنا جانتی ہوں کہ وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے آپ کو غلط راستے پر ڈال دیا ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ آپ کو اپنے حسن کے جال میں پھنساؤں۔ شاید وہ ان تینوں کی طرح آپ کی بھی جان لینا چاہتے ہیں۔ لیکن اب مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔"

"خیر اب وہ میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" رقیہ بولی۔ "آج رات والٹر روڈ کی کوٹھی میں وہ سب کسی خاص مسئلے پر غور کرنے کے لئے اکٹھا ہوں گے۔"

"کیا تم بھی وہاں ہو گی۔"

"نہیں...... میرا بلاوا نہیں! میں ہوٹل میٹرو ہی میں ہوں گی۔"

"ہاں اسپینی رقاصہ کے متعلق بھی کچھ جانتی ہو۔"

"اس کا تعلق بھی گروہ سے ہے، لیکن یہ نہیں جانتی کہ تعلق کی نوعیت کیا ہے۔"

"وہ سب وہاں کس وقت اکٹھا ہوں گے۔"

"گیارہ بجے رات کو۔"

"ہوں...... اچھا تو اگر تم سرکاری گواہ بن گئیں تو میں تمہاری جان صاف بچا لوں گا۔"

"دیکھا جائے گا۔" رقیہ بے دلی سے بولی۔

"اچھا ہاں...... وہ خطرناک بوڑھا بھی ہو گا۔"

"ہاں......!" رقیہ بولی۔ "ان کا پروگرام اب یہاں سے کہیں اور جانے کا ہے۔ معلوم نہیں کیوں اب تک رکے ہوئے ہیں۔"

"کوٹھی میں نوکر کتنے ہیں اور رات میں ان کے کہاں کہاں ہونے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہ سب مل کر آٹھ ہیں.... وہی دن میں معمولی نوکروں کے فرائض انجام دیتے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سب گیارہ بجے ایک جگہ پر ہوں گے۔"

"ہاں...... اس قسم کی نشستیں عموماً ہال میں ہوتی ہیں۔"

"ہال کی پچویشن......؟" فریدی نے پوچھا۔

"عمارت کے وسط میں واقع ہے۔"

"کتے تو نہیں۔"

"ایک بہت ہی خطرناک قسم کا خرگیز ہاؤنڈ ہے' جو رات میں عموماً کمپاؤنڈ میں کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

"خیر اس کے لئے بارہ سنگھے کے گوشت کا ایک ٹکڑا کافی ہو گا۔" فریدی بولا۔

"کیا مطلب......؟"

"اس نسل کا کتا بارہ سنگھے کے گوشت کی بو ایک میل سے سونگھ کر اس پر آتا ہے۔"

"تو کیا آج رات کو......!"

"ہاں......!"

"سردار بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"میں جانتا ہوں مجھے اس کی سات پشت سے واقفیت ہے۔"

"فرض کیجئے کہ میں نے اس وقت بھی آپ کو دھوکہ دے کر آپ کی اسکیم معلوم کر لی ہو۔" رقیہ مسکرا کر بولی۔

"مجھے اطمینان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس وقت تمہاری آنکھوں میں فرشتوں کی سی معصومیت دیکھ رہا ہوں۔"

"خیر اب آپ آرام کیجئے۔" رقیہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "شکار کرنے آئی تھی اور شکار ہو کر جا رہی ہوں...... مگر مجھے...... یہ سودا مہنگا نہیں پڑا۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

رقیہ تھوڑی دیر کھڑی کچھ سوچتی رہی اور پھر باہر چلی گئی۔ فریدی نے اسے واپس بلانا چاہا لیکن وہ پھاٹک سے نکل چکی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید واپس آ گیا۔ اس دوران میں فریدی نہا کر کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔

"ارے......!" وہ فریدی کو دیکھ کر اچھل پڑا۔

"خیریت...... خیریت......!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کے سر کی پٹی......!"

"اوہ......!" فریدی اپنے اچھے خاصے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"اور وہ زخم......!" حمید پھر بولا۔

"الف لیلیٰ کی داستان۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "صرف دو مرغوں کا خون کافی ہو گیا تھا اور رات کے کھانے پر ہمارے دسترخوان پر دو عدد مرغ مسلم ہوں گے۔"

"کیا مطلب......؟" حمید چونک کر بولا۔

"آج میں تم سے بہت خوش ہوں...... تم ایک اچھے اداکار بھی ثابت ہو سکتے ہو۔ آج تو تم نے کمال ہی کر دیا۔" فریدی نے کہا۔

"ذرہ نوازی ہے جناب والا کی...... ورنہ بندہ کس لائق ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مگر للہ بتائیے یہ کیا اسرار ہے۔ عقل کو سخت پیچ و تاب ہے۔ بندہ ہمہ تن اضطراب ہے۔ پردہ اس راز سے اٹھائیے کہ غنچہ دل کھلکھلائے اور گلشن حیات باصوت ہزار اس مثل باغ بہشت کے گلزار بے خزاں ہو۔"

"بس بس...... بکواس بند اے...... آغا حشر کے شاگرد رشید۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"خاکسار تو صرف حضور والا کے دامن تلمذ سے وابستہ ہے۔" حمید بولا۔

"بھئی ختم کرو یہ سب.... بس آج آخری معرکہ اور سر کرنا ہے.... اس کے بعد....!"

"اس کے بعد آپ رقیہ سے شادی کر لیں گے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ نے یہ کیا سوانگ رچا رکھا تھا۔"

"جب میں نے دیکھا کہ تم نے لوہے کو کافی تپا دیا ہے تو میرے لئے فوراً ہی ضرب لگا دینے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔"

"تو کیا آپ ہماری گفتگو سن رہے تھے۔" حمید بولا۔

"عجیب اتفاق ہے کہ میں ٹھیک اسی وقت یہاں پہنچا جب تم اسے میرے عشق کی داستان سنا

رہے تھے۔"

"وہ تو ویسے ہی کچھ کچھ راہ پر آچلی تھی۔ آخر یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید بولا۔

"تم ابھی بالکل بدھو ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "دن رات عورت عورت چلانا اور چیز ہے اور عورت کی فطرت کا مطالعہ اور چیز۔"

"بجا ارشاد ہوا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"بُرا ماننے کی بات نہیں، عورت سے قریب رہ کر تم ہرگز عورت کو نہیں پہچان سکتے۔ کیونکہ تمہاری جذباتیت جو عورت کے قرب کی وجہ سے جاگتی ہے تمہیں اس کی فطرت کا مطالعہ نہیں کرنے دیتی۔ وہ اس کی کمزوریوں کو حسن اور آرٹ کا رنگ دے کر ان کی پردہ پوشی کرنے لگتی ہے۔ مثلاً کسی کا شعر ہے۔

معشوق کی چال میں جو لنگڑا پن ہے
دل لینے کا یہ بھی ایک چلن ہے

مگر خیر...... لاحول ولا قوۃ...... میں شاعری پر کیوں اتر آیا۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔"

کہاں.... کچھ بھی تو نہیں آپ تقریباً ایک گھنٹے سے بالکل خاموش ہیں۔ حمید ہنس کر بولا۔

"خیر چلو یہی سہی...... ہاں یاد آیا تو...... دیکھو ہر عورت کی فطرت میں ماما کا کچھ نہ کچھ جزو ضرور ہوتا ہے اور یہ ماما اس وقت بڑی شدت سے جاگ اٹھتی ہے جب وہ کسی ایسے مرد کو تکلیف میں مبتلا دیکھتی ہے جس کا اس سے کچھ تعلق ہو۔ جب میں نے دیکھا کہ تم اسے میری محبت کا یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہو اور وہ کچھ کچھ پسیج بھی رہی ہے تو میں نے دو مرغوں کا خون کیا...... اور پھر...... تو تم جانتے ہی ہو...... اس کا ردعمل توقعات سے بڑھ کر نکلا۔ یقین رکھو کہ وہ مجرموں کے خلاف سرکاری گواہ کی حیثیت سے پیش ہوگی۔"

"اور پھر اس کے بعد......!" حمید دفعتاً بولا۔

"اور پھر وہ یہیں آکر میرے پاس رہے گی۔"

"اوہ تو یہ کہیے آپ سچ مچ......!" حمید جلدی سے بولا۔

"ہاں...... وہ سچ مچ مجھے اپنا بھائی سمجھے گی۔" فریدی چہک کر بولا۔

"لاحول ولا قوۃ......!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"میں کچھ اور ہی سمجھا تھا۔"

"غلط سمجھے تھے آپ......!" فریدی نے کہا۔ "اور ابھی تھوڑی دیر قبل آپ ہی نے رقیہ سے فرمایا تھا کہ میں فریدی کے آرٹ کا خون ہوتے نہ دیکھ سکوں گا۔ تم نے میری فطرت کے بارے میں اس سے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ واقعی اگر کوئی عورت میری زندگی میں داخل ہوگئی تو میں بالکل بدھو ہو کر رہ جاؤں گا۔ یہ میری سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"آپ ایک بار تجربہ کر کے دیکھیے۔"

"خیر چھوڑو فضول باتوں کو۔" فریدی بولا۔ "آج رات کو والٹر روڈ والی کوٹھی پر چھاپہ مارنا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے...... لیکن ابھی سے آپ نے اپنی پٹیاں ناحق کھول دیں۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟"

"اگر نصیر آگیا تو...... رقیہ نے آپ کے زخمی ہونے کا حال اسے ضرور بتایا ہوگا۔"

"ہرگز نہیں...... گفتگو کے اختتام تک رقیہ کو غالباً پورا پورا یقین ہوگیا ہوگا کہ یہ سب سوانگ ہے۔"

"یہ کیسے......؟"

"اس لئے کہ خود اسی نے اس بات کا اقبال کرلیا کہ ساجد خود مظلوم تھا۔"

"اوہ...... لیکن...... شنکر...... اس کے متعلق تو وہ لوگ ابھی تک یہی سمجھے ہوئے ہوں گے کہ وہ آپ کا دشمن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اسے شنکر ہی کی حرکت سمجھا ہو۔"

"بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوگئی۔ لاؤ پھر سے پٹیاں کس لوں۔ ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس گروہ کا سرغنہ ایک ایسا آدمی ہے جو تفریحاً خون کیا کرتا ہے۔"

"وہ جون ۴۰ء میں یہاں سے بھاگ کر جرمنی چلا گیا تھا اور محض اپنی خونی پیاس بجھانے کے لئے جرمنوں کے ساتھ اتحادیوں سے لڑ رہا تھا۔"

"آپ کا اشارہ جابر کی طرف تو نہیں ہے۔"

"بالکل اسی کی طرف ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"رقیہ سے دوران گفتگو میں...... کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اس کی ناک کی جگہ ایک بہت بڑا غار ہے۔"

"ہاں...... میں نے اس کے متعلق دفتر میں کچھ کاغذات دیکھے تھے۔ مگر اس کے جرمنی سے واپس آنے کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

"وہ بڑا گھاگ ہے...... اور انتہائی خطرناک بھی۔"

"خطرناک کہاں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "وہ اب صرف "خطر" ہے...... اس کی "ناک" تو آتشک کھا گئی۔"

"خیر...... خیر...... الفاظ سے کھیلنے کا وقت نہیں، ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔"

"یعنی......!"

"کم از کم سو عدد مسلح آدمی درکار ہوں گے۔ تم میرا خط لے کر ایس۔ پی کے پاس چلے جاؤ۔"

"سو آدمی، کیا اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔"

"نہیں وہ صرف آٹھ ہیں۔"

"صرف آٹھ عدد کے لئے سو آدمی۔"

"ان پر تو اکیلا جابر ہی بھاری ہو گا۔" فریدی بولا۔ "تم اسے نہیں جانتے۔ وہ کئی بار ہزاروں کے مجمع میں گھر جانے کے باوجود بھی بچ نکلا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد حمید پھر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گیا اور فریدی اپنے عجائبات کے کمرے میں جا گھسا۔

حملہ

رات حد درجہ تاریک تھی، سردی کی شدت سے والٹر روڈ پر آہستہ آہستہ رینگنے والے

کانسٹیبلوں کے دانت بجنے لگے تھے۔ جب کوٹھی تھوڑی دور رہ گئی تو وہ سب فریدی کے اشارے پر دو دو تین تین کی ٹولیوں میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آگے بڑھنے لگے۔ فریدی آہستہ آہستہ چلتا ہوا کوٹھی کے پھاٹک کے قریب آیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اپنے کاندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا نکال کر پھاٹک کے اندر ڈال دیا۔

دو منٹ، تین منٹ، پانچ، دس لیکن کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا اور وہ وہاں سے واپس لوٹ آیا۔

"شاید آج انہوں نے کتے کو بند کر رکھا ہے۔ ورنہ اتنی دیر نہ لگتی۔" اس نے حمید سے کہا۔

اتنی دیر میں پولیس کے سپاہی کوٹھی کے گرد حلقہ بنا کر آہستہ آہستہ سمٹنے لگے تھے۔ فریدی چہار دیواری کے اندر داخل ہو گیا۔ کوٹھی کی بعض کھڑکیوں سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے باہر سے کوٹھی کا چکر لگا ڈالا لیکن کسی قسم کی آہٹ سے بھی وہاں کی خاموشی نہ ٹوٹی۔ آخر اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور وہ سب بھی چہار دیواری کے اندر آ گئے۔

کوٹھی کے اندر بھی بالکل سناٹا تھا...... پولیس کے سپاہی ہال کے گرد متعدد کمروں میں منتشر ہو گئے تھے۔

غالباً وہ سب ہال ہی میں ہیں۔" فریدی نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔

اور پھر اچانک وہ سب ہال میں گھس پڑے۔

مگر...... ان میں سے کئی کے منہ سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ ایک بہت بڑی میز پر جس کے گرد بہت سی کرسیاں پڑی تھیں...... تین لاشیں نظر آئیں۔

"اُف میرے خدا......!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "نکل گئے کم بخت۔"

"ارے رقیہ...... اور ساجد کی نوکرانی۔" حمید چیخا۔

دو تین سب انسپکٹر کچھ سپاہیوں کو لے کر کمپاؤنڈ میں پھیل گئے۔ پائیں باغ اور کوٹھی کا چپہ چپہ چھان ڈالا گیا لیکن مجرموں میں سے ایک کا بھی سراغ نہ مل سکا۔

ادھر ہال میں فریدی اور حمید چند سپاہیوں اور سب انسپکٹروں کے ساتھ لاشوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

دفعتاً فریدی چیخا۔ "اس میں ابھی کچھ کچھ جان باقی ہے۔"

"مگر یہ ہے کون۔" حمید نے پوچھا۔

"شنکر......!" فریدی بولا۔ "جلدی کرو......اسے کسی طرح ہسپتال تک لے چلو۔"

حمید رقیہ کی لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سینے سے خون ابل کر کپڑوں میں جم گیا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ چہرے پر زندگی کے آخری لمحات کے تشنج کے آثار باقی رہ گئے تھے اور خفیف سے کھلے ہوئے ہونٹوں سے موتی جیسے ننھے ننھے دانتوں کی جھلکیاں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی انتہائی کرب کے عالم میں مسکرانے کی کوشش کر رہا ہو...... حمید لرز اٹھا۔

پولیس کے سپاہی زخمی شنکر کو اٹھا کر باہر لے جا رہے تھے۔ لیکن فضول، برآمدے میں پہنچتے پہنچتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔

تین لاشیں پولیس کی لاری میں لے جائی جا رہی تھیں۔ رقیہ شنکر اور ساجد کی بوڑھی خادمہ کی لاشیں۔

فریدی خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔

رات کے تین بج گئے تھے، لیکن وہ ابھی تک اپنی لائبریری میں ٹہل رہا تھا۔ حمید ایک صوفے پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ شنکر ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگ گیا۔"

"اوں......!" فریدی چونک کر بولا اور حمید کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے اس انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس وقت وہ قطعی خالی الذہن ہو۔

"سنو......!" وہ بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ عرصہ سے ان لوگوں کی قید میں تھا۔ اس دن ساجد کے بنگلے میں شنکر ہی نے حملہ آوروں پر گولی چلائی تھی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور اگر وہ ان لوگوں کی قید میں نہ ہوتا تو آج میرے ہاتھ سے بچ کر جا بھی نہیں سکتے تھے۔"

"وہ کس طرح......!"

"غالباً رقیہ نے نصیر سے میرے زخمی ہو جانے کا حال بتا دیا تھا۔ اسے اس پر شبہ ہوا ہوگا کیونکہ شنکر بھی انہیں لوگوں کی قید میں تھا۔ اگر وہ ان کی قید میں نہ ہوتا تو وہ یہی سمجھتے کہ شاید شنکر ہی نے اپنا بدلہ لینے کے لئے مجھ پر حملہ کیا ہو...... اور پھر تم نہیں جانتے کہ! جابر کتنا چالاک آدمی ہے۔ خصوصاً عورتوں کی تو رگ رگ سے واقف ہے۔ اس نے ساری باتیں رقیہ سے زبردستی اگلوالی ہوں گی۔ لیکن ایک بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ شنکر کو گرفتار کر لینے کے بعد بھی وہ

لوگ ہماری لاعلمی کا دھوکہ کس طرح کھاتے رہے کیونکہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ شنکر نے ہماری حمایت میں ان کے آدمیوں پر گولی چلائی تھی ان کا مشکوک ہو جانا لازمی تھا۔"

"بہت ممکن ہے کہ شنکر نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہو کہ اس کا نشانہ خود آپ تھے۔" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے، بہر حال اب کیا کیا جائے۔ اُف میرے خدا۔" فریدی اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے باتیں کر رہا ہو۔ "میں اس لڑکی کی موت کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"ہم نے بہت دیر کر دی۔ اگر ہم سر شام ہی کوشش کرتے تو شاید اس کی جان بچ جاتی۔" حمید بولا۔

"اس صورت میں بھی شاید وہ ہمیں زندہ نہ ملتی...... اور ہمیں ایک خودکشی کے کیس سے دوچار ہونا پڑتا۔"

"کیا مطلب......؟"

"تمہیں کوتوالی میں چھوڑ کر میں سیدھا میٹرو گیا تھا۔ وہاں سے میں نے ان تین کمروں کی تلاشی لی جو نصیر نے کرائے پر لے رکھے تھے۔ ایک کمرے کی تلاشی لیتے وقت مجھے ایک خط ملا جو رقیہ نے میرے نام لکھا تھا" فریدی خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی شدت غم سے بھرائی ہوئی آواز کو درست کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"یہ لو......!" فریدی نے جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم انہیں ٹھکانے لگانے کے بعد میری تلاش میں ضرور آؤ گے، مگر میں دور بہت دور جا چکی ہوں۔ میرا طرز تخاطب تمہیں بُرا ضرور لگے گا مگر جب کہ میں مرنے جا رہی ہوں نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں "تم" کہہ کر مخاطب کروں۔ میں گنہگار اور بدکار ہوں، لیکن میں میں ہوں اور میری انفرادیت سے تمہیں کیا سروکار۔ میں تمہیں اپنا سمجھتی ہوں۔ یہ میرا فعل ہے۔ رقیہ کا فعل...... جوان سب آلودگیوں کے باوجود بھی رقیہ ہی ہے۔ ہاں تو میں تمہیں اپنا سمجھتی ہوں، نہ جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ سارے خط میں صرف یہی جملہ بار بار دہراتی رہوں۔"

اس خط کو ختم کرنے کے بعد میں زہر پی لوں گی۔ حالانکہ تم نے مجھے بچالینے کا وعدہ کیا ہے لیکن میں اس کی ہمت نہیں پاتی کہ اپنے اصلی روپ میں دنیا کے سامنے آسکوں۔

"تو کیا تم میری لاش پر آنسو بہاؤ گے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم میری لاش کو دیکھ کر آبدیدہ ہو جاؤ کیوں؟ یہ میں نہیں جانتی...... عجیب فضول سی خواہش ہے، کیا میں مرنے کے بعد تمہیں اپنے لئے آنسو بہاتا ہوا دیکھ سکوں گی؟

میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو فریب دینے کے لئے اتنے قریب ہوگئے تھے، لیکن اس وقت جب میں اپنے دل کو ٹٹولتی ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں اب تک خود کو فریب دیتی رہی ہوں۔ میں تمہیں کبھی شاہد، سمیع اور ساجد کی طرح موت کا دروازہ نہ دکھا سکتی۔ گناہوں کی زندگی میں پڑنے کے بعد میرا دل پتھر ہو گیا تھا۔ اس میں کسی کے لئے خلوص کا شائبہ بھی نہ تھا لیکن نہ جانے کیوں تم سے ملتے ہی میں نے اپنا دل دوبارہ واپس پالیا۔ مجھے میرا عورت پن واپس مل گیا۔ انسانیت واپس مل گئی اور پھر اب تمہیں بتاؤ کہ میں تمہیں اپنا کیوں نہ کہوں۔

میں مرنے جارہی ہوں مجھے ذرہ برابر بھی اس کا افسوس نہیں۔ مجھے موت سے ڈر محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ خودکشی! یہ میرا آخری گناہ ہے۔ ایسا گناہ جو پچھلے سارے گناہوں کے نقوش مٹا دے گا۔ میں مجبور ہوں۔ وہ رقیہ جو تمہیں اپنا سمجھتی ہے۔"

حمید کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔

"اور پھر شاید وہ لوگ رقیہ کو کسی بہانے سے والٹر روڈ والی کوٹھی میں لے گئے۔" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں زندگی بھر ان کا پیچھا کرتا رہوں گا جب تک ان میں سے ایک ایک پھانسی کے تختے پر نہ پہنچ جائے گا۔ مجھے چین نہیں آسکتا۔"

فریدی بے تابانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔

"مگر اس خط میں کوئی ایسی بات نہیں جو مجرموں کے کارناموں پر روشنی ڈال سکے۔" حمید بولا۔

"اوہ چھوڑو...... بھی...... میں اس وقت اس کے موڈ میں نہیں ہوں۔" فریدی اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

دیوانہ بولتا ہے

دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی گھر سے نکل گیا۔ حمید نے اسے جاتے دیکھا۔ اس کے کوٹ کے کالر میں ایک بڑا سا تر و تازہ گہرے سرخ رنگ کا گلاب لگا ہوا تھا۔ حمید کے الفاظ میں اس نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اس قسم کی "بدپرہیزی" کی تھی۔ حمید کے ہونٹوں پر ایک المناک مسکراہٹ پھیل گئی۔ آج اس کا موڈ بھی بہت زیادہ خراب تھا۔ مرنے والی کا خط پڑھنے کے بعد اسے صحیح معنوں میں اس کے لئے مغموم ہونا پڑا تھا۔ اُسے سچ مچ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے کسی قریبی عزیز کی موت ہو گئی ہو۔

تقریباً دو بجے فریدی واپس آیا۔ اسکے چہرے پر ابھی تک فکرمندی کے آثار نظر آرہے تھے۔

"حمید...... فوراً چلو......!" فریدی بولا۔

"کہاں......!"

"راج روپ نگر......!"

"ڈاکٹر شوکت کے یہاں۔"

"خیریت......!"

"زیادہ گفتگو کا موقع نہیں جلدی کرو۔"

دونوں کار میں بیٹھ کر راج روپ نگر کی طرف روانہ ہوگئے۔

"ابھی تھوڑی دیر قبل مجھے ڈاکٹر شوکت کا پیغام موصول ہوا ہے۔" فریدی بولا۔ "غالباً ساجد کی حالت کچھ سدھر گئی ہے۔"

"اوہ......!"

"اب وہی ایک آخری کڑی ہمارے ہاتھ میں رہ گئی ہے۔"

"آپ نے کھانا کھایا۔"

"نہیں......!"

"میں نے آپ کو اتنا پریشان کبھی نہیں دیکھا۔" حمید بولا۔

"میرے سینے میں بھی دل ہے حمید۔ پتھر نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "رقیہ اگر خودکشی کرنے میں کامیاب ہوگئی ہوتی تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ اُف وہ اپنی مرضی سے مر بھی نہ سکی۔ معلوم نہیں کب سے وہ ان کے اشاروں پر ناچتی چلی آرہی تھی اور اس کی موت بھی انہیں کی مرضی کی پابند رہی۔ کیا یہ معمولی ٹریجڈی ہے۔ سنو حمید میں محض سراغ رسانی کی مشین نہیں ہوں، میری نظر انسانی کمزوریوں اور مجبوریوں پر بھی رہتی ہے۔ میں جب بھی کسی مجرم کو قانون کے حوالے کرنے لگتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیا اب ہمیں مجرموں سے پناہ مل جائے گی۔ کیا مجرموں کو سزا دینے سے وہ بُرائی مٹ جائے گی جس میں مبتلا ہو کر یہ پھانسی کے تختے کی طرف آتے ہیں۔ اب تک کروڑوں قاتل سزائے موت پاچکے ہیں لیکن کیا اب قتل نہیں ہوتے۔ کیا مجرموں کی تعداد کم ہوگئی۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔

"اس کا نہ تو ابھی تک کوئی حل دریافت ہوا ہے نہ ہونے کی امید ہے۔" حمید بولا۔

"اس کا حل شروع ہی سے موجود تھا، لیکن اس کی طرف کسی نے دھیان ہی نہیں دیا۔ یا اگر دھیان دیا بھی گیا تو محض تفریح طبع کے لئے۔ ذہنی برتری ظاہر کرنے کے لئے۔ یہ حل محض کاغذوں اور تقریروں کی زینت رہا۔"

"تو آخر اس کا حل ہے کیا۔"

"بُروں سے زیادہ بُرائی کی طرف دھیان دیا جائے۔ یہ سوچا جائے کہ آخر جرم کئے ہی کیوں جاتے ہیں۔ کیوں نہ سماجی زندگی کو اس معیار پر لایا جائے جہاں جرم کا سوال ہی نہ رہ جائے۔"

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔" حمید بولا۔

"ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اپنی آسودگی کے لئے کرتے ہیں۔ اگر سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کئے جائیں جن کے تحت ہم اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے آسانی سے جائز طریقے اختیار کرسکیں تو پھر ہمیں انہیں خواہشات کو آسودہ کرنے کے لئے ناجائز راستوں پر جانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔"

"یہاں...... میں آپ سے متفق ہوں، لیکن ان حالات کا پیدا کرنا امر محال ہے۔"

"دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں...... صرف عزم اور ہمت چاہئے۔" فریدی بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دراصل خواہ مخواہ اور بات کو بڑھانا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ آج اس کا موڈ بھی کچھ اچھا نہ تھا۔ بہر حال بقیہ راستہ خاموشی ہی سے کٹ گیا۔

ڈاکٹر شوکت اور اس کی بیوی نجمہ ان کے منتظر تھے۔ وہاں پہنچ کر تھوڑی دیر تک رسمی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد فریدی اصل موضوع پر آگیا۔

"اب وہ قطعی ہوش میں ہے۔" ڈاکٹر شوکت بولا۔

"کیا وہ اس قابل ہوگیا ہے کہ اس سے کچھ باتیں کی جاسکیں۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں ہاں، لیکن ابھی فی الحال اسے باہر نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ ابھی تک اس کی صحیح بینائی واپس نہیں آئی، لیکن مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی صحت یاب ہو جائے گا۔"

"چائے کا وقت ہوگیا ہے۔" نجمہ بولی۔ "میرے خیال سے آپ پہلے چائے پی لیجئے پھر بقیہ کام بعد میں بھی ہوتے رہیں گے۔"

"تو بھئی جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرو۔" فریدی بولا۔ "میں بہت زیادہ الجھن میں ہوں۔"

"کیوں...... کیا کوئی خاص بات۔" شوکت نے پوچھا۔

فریدی نے اسے مختصراً سارے حالات بتادیئے۔

"اوہ...... تو معاملہ بہت زیادہ سنگین ہوگیا ہے۔" شوکت بولا۔

"بھئی یہ خطہ بھی عجیب ہے۔" نجمہ نے کہا۔ "آئے دن قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔"

چائے کے دوران میں اسی کیس کے متعلق مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔

"ہاں تو بھئی اب مجھے اس سے گفتگو کرنی چاہئے۔" چائے کے خاتمے پر فریدی بولا۔

یہ سب لوگ اٹھ کر ایک کمرے میں آئے، جو قریب قریب چاروں طرف سے بند تھا۔ کھڑکیوں پر سیاہ رنگ کے پردے پڑے تھے۔ ڈاکٹر شوکت نے احتیاط سے دروازہ کھولا تھا جیسے وہ سورج کی روشنی کی ایک مدھم سی جھلک سے بھی کمرے کی تاریکی کو محفوظ رکھنا چاہتا ہو۔ یہاں گہرے سبز رنگ کا ایک بلب روشن تھا۔ ساجد ایک صوفے پر نیم دراز تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر اٹھنے لگا۔

"آپ بیٹھئے...... کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

ساجد بہت غور سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"فریدی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔" شوکت نے کہا۔

"میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"شکریئے کی ضرورت نہیں۔" فریدی بولا۔ "یہ تو میرا فرض تھا۔"

"اگر آپ نہ ہوتے تو شاید میرا بھی وہی حشر ہوتا، جو میرے دوسرے ساتھیوں کا ہوا۔"

"آپ کے ساتھی...... ہاں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی آپ کے ساتھ ہی تھے۔"

"جب ہمیں شاہد کی لاش ملی تھی تو ہم سخت الجھن میں پڑ گئے تھے کہ کیا کریں...... آخر ہم نے فیصلہ کیا کہ اسے آپ کے پھاٹک پر ڈال دیں۔"

"اوہ......!" فریدی اچھل کر بولا۔ "تو کیا وہ لاش آپ لوگوں نے وہاں ڈالی تھی۔"

"جی ہاں......!" ساجد کچھ دیر رک کر بولا۔ "اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی۔"

"وہ کیا......؟" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم نے سوچا کہ اگر ہم نے یہ معاملہ پولیس کے سپرد کر دیا تو ہمیں باقاعدہ طور پر پبلک کے سامنے آنا پڑے گا اور اس میں ہمیں اپنی جان کا خطرہ تھا۔ لہٰذا ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ ہم لاش کو آپ کے مکان کے سامنے ڈال دیں۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ آپ خود کو ظاہر کیوں نہیں کرنا چاہتے تھے۔" فریدی بولا۔

"اس لئے کہ ہمیں اپنی جان کا خوف تھا۔"

"یعنی......!" فریدی بولا۔

"بہتر یہی ہوگا کہ میں آپ کو شروع سے بتاؤں۔" ساجد نے کہا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد پھر بولا۔ "یہ بتایئے کہ اگر آپ کے سامنے کسی مردہ آدمی کی زندہ نقل آجائے تو آپ پر اس کا کیا اثر ہوگا۔"

ساجد خاموش ہو کر سوالیہ نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کہتے چلئے۔" فریدی بولا۔

"میں شاہد اور سمیع بمبئی کی بندرگاہ پر اترے تو ہم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو برلن میں ہمارے سامنے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا تھا۔"

"تو کیا آپ لوگ جرمنی میں تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں...... ہم لوگ وہاں فن مصوری کے بارے میں ریسرچ کر رہے تھے کہ جنگ

شروع ہو گئی اور ہم لوگ وہاں خود کو ایسی پوزیشن میں محسوس کرنے لگے، جو ایک ایسے چوہے کی ہو سکتی ہے جسے چوہے دان میں پھنس جانا پڑا ہو۔ وہاں بہت سے ہندوستانی تھے۔ سب کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ انہیں میں رنجیت نگر کا ولی عہد سنگرام سنگھ بھی تھا۔ ایک وقت آیا کہ وہ مفلسوں جیسی زندگی بسر کرنے لگا اور اسی مفلسی کے عالم میں ہماری اور اس کی ملاقات ہوئی۔ ہم لوگ آرٹسٹ تھے، اس لئے ہمارے اخراجات کسی نہ کسی طرح چل ہی جاتے تھے۔ اس سلسلے میں ہم نے ایسی ایسی حرکتیں کی ہیں کہ اب مجھے سوچ کر شرم محسوس ہوتی ہیں۔ ہم لوگوں نے ہندوستان کے مغل شہنشاہوں کے لباس میں ہٹلر کی ایک تصویر بنائی تھی اور اس کے نیچے "شہنشاہ ہند" لکھ دیا تھا۔ ہم سے اس کی بے شمار کاپیاں بنوائی گئیں اور ہمیں ان کا اچھا خاصا معاوضہ ملا۔ انہیں کے سہارے ہم اپنے اخراجات چلاتے رہے۔"

ساجد پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں تو آپ رنجیت نگر کے ولی عہد کا تذکرہ کر رہے تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں۔" ساجد نے پھر بولنا شروع کیا۔ "ان دنوں ہم لوگ ایک گاؤں میں مقیم تھے، سنگرام سنگھ ہمیں وہیں ملا تھا۔ وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ شائد اسی بناء پر ایک جرمن طوائف نے اسے اپنے یہاں پناہ دے دی تھی، لیکن وہاں وہ خوش نہیں تھا۔ اسے کئی قسم کی خطرناک جنسی بیماریاں لاحق ہو گئیں۔ ایک ماہ کے اندر ہی اندر اس کا سارا جسم سڑ گیا اور آخر ایک دن اس نے ہمارے سامنے ہی دم توڑ دیا۔ وہاں ہمارے اور اس جرمن طوائف کے علاوہ ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ بھی ہندوستانی ہی تھا۔ لیکن اس کی شکل یاد کر کے آج بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُف کتنی بھیانک شکل تھی، وہ اکثر سنگرام سنگھ کی زندگی میں بھی اس سے ملنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ معلوم نہیں وہ دونوں دوست کس طرح بن گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی مجھے ساری دنیا کی دولت دے کر بھی اس سے دوستی کرنے کے لئے کہتا تو میں تیار نہ ہوتا۔ اوہ...... میں شائد پھر بہک رہا ہوں...... ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔"

"نہیں آپ قطعی نہیں بہک رہے ہیں۔" فریدی بولا۔ "ہاں تو اس کی شکل کیسی تھی کہ آپ اس قدر نفرت کا اظہار کر رہے ہیں۔"

"اوہ...... فریدی صاحب...... میں آپ سے کیا بتاؤں۔" ساجد بولا۔ "اس کی ناک کی

جگہ ایک بہت ہی بھیانک قسم کا غار تھا جس سے اس کا حلق تک صاف دکھائی دیتا تھا۔ ایک بار اس کا چہرہ دیکھ کر پھر دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ اس کے بعد ہم لوگ ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔

"اور وہ بھیانک چہرے والا......!" فریدی نے کہا۔

"اس کے بعد سے میں نے پھر آج تک اسے نہیں دیکھا۔" ساجد بولا۔

"ہاں تو کیا آپ نے بمبئی کے بندرگاہ پر سنگرام کو دیکھا تھا۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں......اس کی شکل سنگرام سنگھ سے بہت ملتی جلتی تھی، البتہ اس کے ماتھے پر کچھ اس قسم کے نشانات تھے، جیسے وہ کبھی کسی حادثے میں شدید طور پر زخمی ہو گیا ہو۔ ہم لوگ اسے دیکھ کر چونک ضرور پڑے تھے لیکن ہم نے اس لئے اس چیز کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دی تھی کہ دنیا میں ایک ہی شکل کے دو آدمیوں کو ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں، لیکن ہماری یہ لاپروائی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ ہم نے اتفاقاً اس کے سامان کے بنڈلوں پر اس کے نام کی چٹیں دیکھ لیں جن پر "کنور سنگرام سنگھ آف رنجیت نگر......!" لکھا ہوا تھا۔ اب ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، معاً ہمارے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ یہ کوئی بدمعاش ہے۔ جو رنجیت نگر والوں کو دھوکہ دینے جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ کئی اور آدمی بھی تھے، جو اس کے مصاحب یا نوکر معلوم ہوتے تھے۔ ہم لوگوں نے تہیہ کر لیا کہ اس راز کو ضرور معلوم کریں گے، بندرگاہ سے وہ لوگ سیدھے ایک شاندار ہوٹل میں پہنچے۔ ہم لوگوں نے بھی اسی ہوٹل کا رخ کیا۔ وہاں ہمیں ایک کمرہ مل گیا۔ لیکن ہمیں وہاں سے بہت جلد ہی بھاگنا پڑا کیونکہ ایک بار کسی نے ہم لوگوں کی جان لینے کی کوشش کی۔ ہمیں ہوش آ گیا تھا۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے۔ شاید انہیں ہم لوگوں پر شبہ ہو گیا تھا۔ ہم نے سوچا کہ خواہ مخواہ زندگی کو خطرے میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔ پھر ہم لوگ یہاں آپ کے شہر میں چلے آئے۔ ہم لوگوں کو یہاں آئے ہوئے مشکل سے تین روز ہی ہوئے تھے کہ ایک دن میٹرو میں میری ملاقات رقیہ سے ہو گئی۔ اس کے حسن کا جادو مجھ پر پہلی ہی ملاقات میں چل گیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے روزانہ ملنے لگے۔ چند ہی دنوں میں اس نے مجھے اپنا سب کچھ سونپ دیا۔ اس نے مجھے قسم دی تھی کہ میں اس کا تذکرہ اپنے انتہائی دوست سے بھی نہ کروں۔ میں نے حقیقتاً ایسا ہی کیا۔ شاہد اور سمیع کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ حالانکہ ہمیں یہاں سے سیدھے اپنے گھروں کو پہنچنا

چاہئے تھا۔ لیکن میں نے قطعی ارادہ کر لیا تھا کہ فی الحال یہاں سے کہیں اور نہ جاؤں گا۔ جب میں نے اپنا ارادہ اپنے اور ساتھیوں پر ظاہر کیا تو انہوں نے بھی اس پر صاد کیا۔ مجھے حیرت تھی کہ آخر وہ دونوں اپنے گھروں کو کیوں نہیں چلے جاتے، بہر حال ہم لوگوں نے اپنے اپنے لئے کرائے کے مکان حاصل کر لئے۔ ابھی تک ہم لوگ ساتھ ہی رہتے آ رہے تھے، لیکن یہ عجیب بات تھی کہ اب ہم میں سے ہر ایک الگ مکان لینے پر مصر نظر آ رہا تھا۔ مجھے تو اس پر خوشی ہوئی تھی کہ وہ میرے کسی دوست کے سامنے آنا نہیں چاہتی تھی۔ خیر مجھے اس سے کیا مجھے تو صرف اس سے مطلب تھا۔ اس کے حسن سے مطلب تھا۔ اس کی جوانی سے مطلب تھا۔

لیکن ایک دن سارے سرور و کیف کا خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ میں نے ان بدمعاشوں میں سے ایک آدمی کو اپنے گھر کے گرد و نواح میں چکر لگاتے دیکھ لیا۔ میں نے اپنے دوستوں سے بھی اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ بالکل یہی واقعہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ میں نے سوچا کہ اب یہاں سے بھی بھاگنا چاہئے۔ لیکن رقیہ کی محبت مانع ہوئی اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ شاہد اور سمیع نے بھی کسی قسم کا خوف ظاہر نہ کیا۔

"ایک رات میں اور سمیع شاہد کے گھر گئے گھر میں بالکل سناٹا تھا۔ ہم سمجھے کہ شاید وہ سو رہا ہے، لیکن اس کی حماقت پر بھی غصہ آیا کہ اس طرح گھر کھلا چھوڑ کر سونے کا کیا مطلب، لیکن اف میرے خدا جب ہم اس کے سونے کے کمرے میں پہنچے تو ہم نے وہاں اس کی لاش دیکھی۔

اسی شام کو ہم نے اُسے اچھا بھلا دیکھا تھا اور پھر ہمارے لئے سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ تھی کہ ہم نے اُسے شام کو جس سوٹ میں دیکھا تھا وہی اس وقت بھی اس کے جسم پر موجود تھا۔ اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں، ہم دونوں کا یہی خیال تھا کہ وہ قدرتی موت نہیں ہے، پھر دفعتاً ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ کہیں یہ انہیں لوگوں کی شرارت تو نہیں ہے جو ایک نقلی ولی عہد کو لئے پھرتے ہیں، ہم عرصے سے یہ بات محسوس کر رہے تھے کہ شاید وہ یہ جان گئے ہیں کہ ہم اس راز سے واقف ہیں، لہٰذا وہ ہمیں اپنے راستے سے ہٹا دینے کی کوشش کرنے لگے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں اپنے لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ہم خود کو چھپانے کی کوشش کریں۔" ساجد خاموش ہو گیا۔

"آپ کو فوراً پولیس کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔" فریدی بولا۔

"مگر دشواری تو یہ تھی کہ ہم ان کے ٹھکانے سے ناواقف تھے۔"

"اوہ...... ٹھکانا دریافت کرنا ہمارا کام ہوتا...... خیر......!"

"بہر حال ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم اس لاش کو کسی طرح آپ کے پھاٹک تک پہنچا کر روپوش ہو جائیں۔ ہاں میں یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں یہ تو چاہتا تھا کہ کسی طرح مجرموں کو سزا ملے لیکن خود اس معاملے میں پڑ کر اپنے رنگین اوقات کا خون نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو رقیہ کے ساتھ بسر ہو رہے تھے۔ یہ تجویز میری ہی تھی کہ لاش کو آپ کے مکان کے سامنے ڈال دیا جائے۔ سمیع نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔ شاید میری ہی طرح وہ بھی ان الجھنوں سے بچنا چاہتا تھا۔ مگر کیوں یہ مجھے معلوم نہیں، دوسری وجہ سامنے نہ آنے کی یہ بھی تھی کہ ہم اس طرح خود کو چھپا کر ان لوگوں کی دستبرد سے بھی محفوظ رہ سکتے تھے۔

بہر حال اس وقت یہی تدبیر سمجھ میں آئی۔ لیکن مجھے اس کا احساس ہو رہا ہے کہ ایسا کرنا انتہائی حماقت تھی۔ اس طرح نہ صرف ہم غیر محفوظ ہو گئے تھے بلکہ قانون کی نظروں میں بھی ایک بھاری جرم کیا تھا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔" فریدی بولا۔

"اس حادثے کے بعد ہم نے پھر اپنے مکانات تبدیل کر دیئے۔ رقیہ سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں، لیکن سمیع کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائی اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ مجھے سمیع کی لاش بھی دیکھنی پڑی اور میں نے اُسے بھی کسی نہ کسی طرح آپ کے پھاٹک تک پہنچا دیا۔ اب رہا سہا شک بھی جاتا رہا۔ میری جگہ اگر کوئی اور آدمی ہوتا تو کبھی کا اس شہر کو چھوڑ چکا ہوتا۔ مگر رقیہ کی محبت نے ایک تیز و تند شراب کی طرح میرے دماغ کو ماؤف کر دیا تھا۔ اب مجھے اس کا بھی خوف نہ رہ گیا تھا کہ میری اور رقیہ کی محبت کا راز میرے کسی دوست کو معلوم ہو سکے گا۔ لہٰذا اب میں اسے انتہائی بے تکلفی کے ساتھ اپنے گھر بلانے لگا تھا۔ اکثر وہ رات رات بھر میرے ساتھ رہ جایا کرتی تھی اور اس کا جواز وہ اس طرح پیش کرتی کہ اس کا چچا نصیر ایک فلاسفر قسم کا آزاد خیال آدمی ہے...... وہ اس کی آزادانہ روش پر اسے کچھ نہ کہتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کسی دن مجھے اپنے چچا سے ملائے گی۔

ایک شام اس نے مجھے میٹرو میں اسپینی رقاصہ کا ناچ دیکھنے کی دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ وہ

مجھے اپنے چچا سے ملائے گی۔

"غالباً اس نے آپ کو اس کے لئے خط بھی لکھا تھا۔"

"جی ہاں......!"

"اس خط میں کوئی اور خاص بات بھی تحریر تھی۔"

"میرے خیال سے کوئی قابل ذکر بات نہیں تھی۔"

"اور وہ تصویر......!"

ساجد سوچنے لگا۔

"ہاں اس نے مجھے اپنی ایک تصویر دی تھی۔ اس نے اس خط میں اسی تصویر کے متعلق بھی لکھا تھا کہ میں اسے اپنے ساتھ لیتا آؤں۔ میں وہاں گیا۔ اس کا چچا مجھے اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا اور شراب پیش کی۔ میں اس کی دعوت کو رد نہ کر سکا اور...... اور پھر مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ بقیہ حالات میں نے ڈاکٹر صاحب کی زبانی سنے ہیں۔"

ساجد خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ رقیہ نے دیدہ و دانستہ مجھے اس عذاب میں مبتلا کرنا چاہا یا محض اتفاق تھا۔"

"جی نہیں...... یہ ایک بہت ہی سوچا سمجھا ہوا پلاٹ تھا۔ اس طرح مجرم آپ تینوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔"

"تو کیا آپ نے انہیں گرفتار کر لیا" ساجد بول پڑا۔ "غالباً انہیں کے ساتھ رقیہ بھی ہو گی۔"

"اُسے آپ بھول جایئے۔" فریدی بولا۔ "انہوں نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا اور خود کسی طرف فرار ہو گئے اور اب یہ معاملہ سمجھ میں آیا کہ وہ سب لوگ یہاں کیوں رکے ہوئے تھے، غالباً وہ اپنی تشفی کر لینا چاہتے تھے کہ آپ زندہ ہیں یا مر گئے۔"

"اوہ......!"

"کیا آپ اس بات کا کوئی ثبوت عدالت میں پیش کر سکیں گے کہ اصلی سنگرام سنگھ مر چکا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں...... جرمنی سے اس کی موت کا سرٹیفکیٹ منگوایا جا سکتا ہے، جہاں سے وہ مل سکے

گا وہاں کا پتہ مجھے معلوم ہے۔"

"بہت خوب......!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب آپ آرام کیجئے۔"

پھر وہ ڈاکٹر شوکت کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہاں ان کی موجودگی کا حال کسی کو نہ معلوم ہونے پائے۔"

"تمہاری ہی ہدایت کے مطابق یہ بات میں نے نوکروں تک سے چھپائی ہے ان کا کام میں اور خود نجمہ کرتی ہیں۔" شوکت نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔" ساجد نے گلوگیر آواز میں کہا۔

اس کے بعد فریدی اور حمید شہر واپس آ گئے۔

انجام

تین دن بعد فریدی حمید اور چیف انسپکٹر محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"واقعی آپ کا یہ کیس بھی جرائم کی تفتیش کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"مگر افسوس اس کا ہے کہ وہ کم بخت جابر ہاتھ سے نکل گیا۔ خیر دیکھا جائے گا۔ میں نے اپنا جال چاروں طرف بچھا دیا ہے۔ امید تو ہے کہ جلد ہی اس سے پھر دو دو ہاتھ کرنے پڑیں گے۔"

"بہر حال خود ان موتوں کا راز معلوم کرنا اپنی جگہ پر ایک ناممکن امر تھا۔ ہاں تم نے یہ نہیں بتایا کہ ان کے فرار ہو جانے کے بعد تم نے ان کا صحیح پتہ کیسے معلوم کیا۔"

"ساجد سے گفتگو کرنے کے بعد میں اس فیصلے پر پہنچ گیا تھا کہ وہ لوگ رنجیت نگر ہی گئے ہیں۔ غالباً انہیں ساجد کی موت یا اس کے دماغ کی خرابی کا اچھی طرح یقین ہو گیا تھا اور شاید یہاں اسی لئے رکے بھی ہوئے تھے کہ ان تینوں کو راستے سے ہٹانے کے بعد اپنا نقلی راج کمار

ریاست میں پہنچا کر مزے اڑائیں گے۔

"ایسی صورت میں انہیں گرفتار کرنے میں بڑی دشواری ہوئی ہو گی۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے ابھی تک راج کمار صاحب کو محل میں نہیں پہنچایا تھا۔ غالباً وہ اس کی تیاری میں مصروف تھے اور تو اور ریاست کے دو آفیسر بھی اس سازش میں شریک تھے۔ دراصل مجھ سے غلطی ہوئی میرا خیال تھا کہ جس جگہ یہ لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں وہیں جابر بھی ہو گا، ورنہ میں انہیں گرفتار کرنے میں جلدی نہ کرتا۔ بہر حال اس جلد بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جابر ہاتھ سے نکل گیا اور ہاں ان لوگوں نے نقلی راج کمار کو فوراً ہی محل میں اس لئے نہیں پہنچایا تھا کہ وہ اسے انہیں دونوں مکار آفیسروں کے ذریعہ آداب شاہی کی تعلیم دلا رہے تھے کہ نقلی اور اصلی میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔"

"ہاں تو یہ بتاؤ کہ انہیں تمہاری اسکیم کا کیسے علم ہو گیا تھا۔" چیف انسپکٹر نے پوچھا۔

"دراصل شنکر ان کی قید میں تھا اور میں اس سے لاعلم تھا۔ اس سے قبل میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ شنکر ہی اصل مجرم ہے۔ اس پر وہ لوگ مطمئن تھے، لیکن جب میں نے رقیہ کے سامنے ایک زخمی کا سوانگ رچایا تو سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔ وہ خود بھی شنکر کی گرفتاری سے ناواقف تھی۔ اس نے نصیر سے میرے زخمی ہونے کا حال بتا دیا اور پھر ان لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ ہم انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے ہمارے پیچھے آدمی لگا دیئے۔ میں اس وقت سے کہیں باہر نہیں نکلا تھا۔ غالباً کوئی شخص حمید کے پیچھے اس وقت سے لگا ہوا تھا جب وہ کوتوالی سے امداد لینے جا رہا تھا۔ بہر حال میں نے بلا سوچے سمجھے زخمی کا سوانگ رچا کر غلطی کی تھی، ورنہ جابر بھی یہیں گرفتار ہو گیا ہوتا...... خیر...... یار زندہ صحبت باقی...... نقلی راج کمار اور بقیہ لوگ تو گرفتار ہو ہی گئے ہیں۔"

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 8

مصنوعی ناک

(دوسرا حصہ)

پیش رس

یہ ناول ایک چیلنج کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کا مرکزی کردار جابر صرف ڈاکو نہیں ہے، بلیک میلر، خونی اور ساتھ ہی ساتھ ایک بڑا مفکر اور سائنس داں بھی۔

قدم قدم پر آپ کو ایسی باتیں ملیں گی، کہ آپ کانپ کانپ اٹھیں گے۔ ننگی لاشوں کا چھت سے ٹپکنا، پانچ ہزار کبوتروں کا خون۔

نواب رشید الزماں کی فریدی سے دشمنی اور پراسرار کنواں کا عجیب و غریب بوڑھا "طارق" یہ سب آپ کو اسی ناول میں ملے گا۔ ایک اور بڑے مزے دار آدمی کنور ظفر علی خاں جو ہمیشہ پراسرار بنا رہا ہے۔

اور جابر کا انجام...... وہ کون تھا...... کیا کرتا تھا...... کیوں کرتا تھا؟ ان سب کا جواب مصنوعی ناک دے گی۔

اور آخر میں...... آپ کا ہردلعزیز انسپکٹر فریدی اس بار آپ کو بے انتہا مصائب میں گرفتار نظر آئے گا۔ غالباً یہ پہلی بار ہوگا کہ اتنے زبردست سراغ رساں کو جابر لڑکوں کی طرح کھلاتا رہا ہے۔

اس ناول کے بعد بھی آپ کے خطوط کا انتظار رہے گا تاکہ آئندہ ناول بھی اسی چیلنج کے ساتھ لکھ سکوں۔

ابن صفی

سفر

گرمیوں کا زمانہ تھا۔ میدانوں کے رہنے والے ذی حیثیت لوگ گرمی سے تنگ آکر رام گڑھ کی شاداب پہاڑیوں میں پناہ ڈھونڈھنے جا رہے تھے۔ ان میں غیر ملکی سیاح بھی تھے، جنہیں رام گڈھ کے آثار قدیمہ دیکھنے کی خواہش کھینچ لائی تھی۔

اس وقت پہاڑیوں کے پیچ و خم کھائے ہوئے اونچے نیچے راستوں پر ٹٹوؤں اور خچروں کی قطاریں آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی نظر آرہی تھیں، حالانکہ یہاں بس سروس بھی ہے، لیکن بہتیرے مسافر محض مناظر فطرت سے لطف اندوز ہونے کے لئے ٹٹوؤں یا خچروں پر سفر کرتے ہیں، لیکن فریدی کے متعلق یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے تفریحاً یہ راستہ اختیار کیا تھا یا پھر حمید کو تنگ کرنا مقصود تھا۔ وہ راستہ بھر اس کی جھلاہٹوں سے لطف اندوز ہوتا آیا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسے بات بات پر چھیڑ رہا تھا۔ ایک جگہ چلتے چلتے دفعتاً حمید کے خچر نے ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا۔ حمید گھبرا کر کود پڑا۔ فریدی کو بھی اپنا خچر روک دینا پڑا۔

"ارے ارے یہ کیا بھئی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"جی کچھ نہیں بیچارہ تھک گیا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اب یہ مجھ پر سوار ہو کر بقیہ راستہ طے کرے گا۔ میں کہتا ہوں آخر...... آپ کو یہ سوجھی کیا تھی۔"

"بھئی میں نے محض تمہاری تفریح کی خاطر یہ دردسری مول لی تھی، ورنہ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا۔"

"تفریح...... جہنم میں گئی تفریح۔" حمید نے خچر کی لگام پکڑ کر پیدل چلتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا۔" فریدی مصنوعی حیرت کے ساتھ بولا۔ "تو کیا پیدل ہی چلو گے۔"

"جی ہاں......!" حمید جھٹکے دار لہجہ میں بولا۔

"چہ چہ...... لاحول ولا قوۃ...... عجیب احمق ہو...... دیکھو وہ اینگلو انڈین لڑکی تمہیں اس حالت میں دیکھ کر شائد اپنے ساتھیوں میں تمہارا مضحکہ اڑا رہی ہے۔"

حمید نے مڑ کر دیکھا تو واقعی چند اینگلو انڈین مسافر اس کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔ اُن میں اتفاق سے ایک لڑکی بھی تھی۔ حمید پر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑا۔ اس نے رسی کی رکاب پر پیر رکھا اور اچھل کر خچر پر بیٹھ گیا اور بیٹھا بھی تو اس شان سے جیسے نپولین اپنے قد آور گھوڑے پر سوار آلپس کے دشوار گذار راستے طے کر رہا ہو۔

"شاباش میرے شیر......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں راہ پر لانے کے لئے ہمیشہ ایک عورت کی ضرورت پیش آتی ہے۔"

"جی ہاں میری پیدائش کے سلسلے میں ایک عورت کی ضرورت پیش آئی تھی۔" حمید جل کر بولا۔

"ارے تم تو فلسفہ بولنے لگے...... بھئی میں دراصل اسی لئے تمہاری اتنی قدر کرتا ہوں۔"

"قدردانی کا شکریہ۔" حمید نے کہا۔ "اس وقت تو آپ بھی فلسفی ہی معلوم ہو رہے ہیں۔"

"کیوں......؟"

"ایں سعادت بزور خچر نیست......!"

"شاباش...... میں نے سنا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا گدھا لاطینی بولتا تھا مگر تم خچر پر بیٹھ کر اچھی خاصی فارسی بول رہے ہو۔"

حمید کے خچر نے پھر ٹھوکر کھائی اور حمید گرتے گرتے بچا۔

پیچھے سے پھر قہقہے بلند ہوئے اور حمید دانت پیس کر رہ گیا۔ اُسے سچ مچ فریدی پر غصہ آرہا تھا۔ اگر بس ہی سے سفر کیا جاتا تو کون سی مصیبت آجاتی۔ کوئی تک ہے کہ سامان اور ملازمین تو بس پر جائیں اور خود خچروں پر۔ فریدی کی ایسی ہی عجیب و غریب حرکتوں پر حمید کبھی کبھی اتنی شدت سے بیزار ہو جاتا تھا کہ اس کی صورت تک سے نفرت معلوم ہونے لگتی تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ بغیر یہ سوچے سمجھے ہوئے کہ فریدی اس کا آفیسر ہے، جو کچھ منہ میں آتا اُسے کہہ ڈالتا اور فریدی...... وہ اس کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ وہ اس وقت بھی حمید کی جھلائی

ہوئی حرکتوں سے لطف لے رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم اس خچر کو کاندھے پر اٹھالو۔" فریدی پھر بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کے اس جملے پر اس کے ذہن میں کوئی ایسا جملہ گونجا ہو جسے نہ کہنا ہی بہتر تھا۔

"اماں تو اس طرح بُرے بُرے منہ کیوں بنا رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"تو میرا منہ اچھا ہی کب تھا۔" حمید جل کر بولا۔

"میرے خیال سے تو اچھا خاصا تھا۔"

حمید پھر چپ ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر بولا۔

"حمید......!"

"جی......!"

"ذرا ان سرسبز پہاڑیوں کی طرف دیکھو......!"

"دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا محسوس ہوتا ہے۔"

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں پرلے سرے کا گدھا ہوں۔"

"اور خچر پر سوار ہو۔"

حمید نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔

"حمید......!"

"فرمائیے......!"

"ادھر اس چٹان کے پاس دیکھ رہے ہو......وہ پہاڑی لڑکی۔" فریدی بولا۔

"مجھے فی الحال اس سے کوئی دلچسپی نہیں......کیونکہ یہ پہاڑی خچر......!"

"اماں ختم بھی کرو۔"

"ابھی یہ کم بخت مجھے ہی ختم کر دے گا" حمید نے جلا کر خچر کو ایک قمچی رسید کرتے ہوئے کہا۔

خچر ایک ڈھلوان چٹان سے گذر رہا تھا۔ قمچی پڑتے ہی اچھل پڑا۔ اگر حمید فوراً ہی اُس کی

گردن سے نہ لپٹ جاتا تو گر جانا یقینی تھا۔

حمید نے نیچے اُتر کر اُسے دو چار قمچیاں رسید کر کے لگام چھوڑ دی...... خچر ڈھلوان میں دور تک چلا گیا۔

"اے صاب اے صاب۔" خچر والا پیچھے سے چلایا اور وہ اینگلو انڈین لڑکی اپنے ساتھیوں سمیت قہقہے لگانے لگی۔ حمید کو اس کی سریلی آواز زہر معلوم ہونے لگی۔ اس نے پلٹ کر قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ فریدی بھی اپنے خچر پر سے اُتر پڑا تھا۔

خچر والا حمید کے خچر کو پکڑنے کے لئے دوڑا جا رہا تھا۔

"کیوں بھئی یہ کیا کیا تم نے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"اب بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے کسی اونچی چٹان سے نیچے دھکیل دیں۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"نہیں میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" فریدی نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں نے بہت بُرا کیا کہ آپ کے ساتھ چلا آیا۔" حمید بولا۔

"لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔"

"میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔"

"غلط.... میں باندھ کر لاتا۔" فریدی نے کہا۔ "بھلا تمہارے بغیر خاک لطف آتا۔"

"آخر آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"بہت پرانے بدلے چکا رہا ہوں۔"

"تو اس کے لئے اتنا لمبا سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ایڈونچر......!"

اتنی دیر میں خچر والا خچر کو واپس لے کر وہیں آ گیا۔

"چلو بیٹھو......!" فریدی بولا۔

"ہرگز نہیں۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔"

"کچھ بھی سہی۔"

"بیٹھو بیٹھو......!" فریدی نے دوبارہ اصرار کیا۔

"میں اس سے زیادہ ایڈونچر چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"یعنی......!"

"پیدل چلوں گا......" حمید نے کہا۔ "اور آپ کو بھی اس کی نصیحت کرتا ہوں پیدل چلنا صحت کے لئے مفید ہے۔"

"پاگل ہوئے ہو......ابھی چھ میل چلنا ہے۔"

"تو کیا ہوا......!"

"ارے بھئی یہ پہاڑی راستہ ہے۔ ایک ہی میل چلنے میں کام تمام ہو جائے گا۔"

"یہی تو میں چاہتا ہوں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"عجیب احمق سے واسطہ پڑا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ احمق کے خچر سے واسطہ نہیں پڑا۔" حمید نے کہا۔

"ارے بھئی بیٹھو بھی۔"

"قطعی نہیں......میں اپنے ایڈونچر کا خون نہیں کر سکتا۔" حمید بولا۔

"جہنم میں جاؤ......!" فریدی نے کہا اور اپنے خچر پر سوار ہو کر آگے بڑھ گیا۔

خچر والا خچر کی لگام پکڑے ہوئے حمید کے ساتھ ہی ساتھ پیدل چل رہا تھا۔ تھوڑی دور جا کر فریدی بھی لوٹ آیا۔

"لے بھائی سنبھال اسے۔" فریدی اپنے خچر کی لگام بھی خچر والے کو تھماتے ہوئے بولا اور حمید کے ساتھ پیدل چلنے لگا۔

"ذرا ان سرسبز پہاڑیوں کی طرف دیکھئے......کیا محسوس ہوتا ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی تمہاری شامت آنے والی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آئے شوق سے آئے......آخر شامت بھی مؤنث ہی تو ہے۔"

"یوں تو موت بھی مؤنث ہے میاں صاحبزادے۔"

"لیکن بہت بوڑھی ہو چکی ہے اس لئے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"خیر......شکر ہے کہ تم مسکرائے تو۔"

"تو میں رو کب رہا تھا۔"

دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

"آخر آپ کو یک بیک رام گڈھ کی کیوں سوجھی۔" حمید بولا۔

"جابر......!"

"اوہ......تو آپ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"میں قسم کھا چکا ہوں۔"

"کیا آپ کو اس کی موجودگی کی کوئی باقاعدہ اطلاع ملی ہے۔"

"نہیں......!"

"یعنی......!"

"یہاں کچھ واقعات ایسے ہوئے ہیں جن کی بناء پر میں سوچنے پر مجبور ہوا ہوں۔"

"میرے خیال سے یہ ضروری نہیں کہ ان کا تعلق جابر ہی سے ہو۔" حمید بولا۔

"یہ تم محض اس لئے کہہ رہے ہو کہ اس کے طریقوں سے واقف نہیں ہو۔" فریدی نے کہا۔ "کیا تم نے آج تک کسی کبوتر کے پنجوں کے زہریلے ہونے کے متعلق بھی سنا ہے۔"

"نہیں......!"

"اگر کسی شخص کی موت کبوتر کے ناخن لگنے کی وجہ سے ہو جائے تو تم اُسے کیا کہو گے۔"

"ایک حیرت انگیز واقعہ اور ناقابل یقین بھی۔"

"اتنا ہی ناقابل یقین جتنا زہر خورانی کے کیس کا مرگی کے عارضے میں تبدیل ہو جانا۔"

"اوہ......!"

"رام گڈھ کے نوجوان کبوتر باز رئیس کی موت اس طرح واقع ہوئی۔ وہ ایک کبوتر پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتفاقاً کبوتر کا پنجہ لگ گیا اور ایک گھنٹے کے اندر وہ مر گیا۔ بعد میں کبوتر کے پنجوں کا معائنہ کرنے پر پتہ چلا کہ اس کے ایک ناخن پر کسی دھات کا ایک ہلکا سا خول چڑھا ہوا تھا۔ بہرحال بادی النظر میں وہ ناخن ہی معلوم ہوتا تھا اور وہ خول زہریلا تھا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی معمولی آدمی کا کام ہے، جابر زہروں کا ماہر ہے۔"

"خیر یہ بھی سہی۔" حمید بولا۔ "لیکن آپ اُسے کہاں کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔ ممکن ہے کہ وہ آپ کی آمد کی اطلاع سن کر کہیں اور چلا جائے۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"ہم ٹھہریں گے کہاں۔"

"دلکشا میں......!"

"یہ کیا ہے۔"

"ایک عمارت کا نام......بڑی پر فضا جگہ پر آباد ہے۔"

"اچھا اس کبوتر والے معاملے کو کتنا عرصہ ہوا۔"

"تقریباً ایک ہفتہ۔"

"ایسے عجیب وغریب حادثے کے متعلق تو اخبارات میں بھی آنا چاہئے تھا۔"

"ہاں اس بات کی تشہیر نہیں کی گئی۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ مرنے والے میں وہ ساری علامات موجود تھیں جو زہر کھالینے پر ظاہر ہوتی ہیں، اس لئے لوگوں نے یہی سمجھا کہ اُسے کسی نے زہر کھلایا ہے۔ رام گڈھ کے ایس۔ پی نے تحقیقات کے دوران میں پتہ لگایا کہ اُس نے مرنے سے ایک گھنٹہ قبل کوئی کبوتر پکڑا تھا۔ اُس نے یونہی بلا مقصد کبوتر کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ جس وقت وہ اُسے ہاتھ میں اٹھائے دیکھ رہا تھا اس نے پنجے چلانے شروع کر دیئے۔ اتفاق سے اس کا ایک ناخن ایس پی کے کوٹ کے بٹن میں پھنس گیا۔ اس نے جھٹکے کے ساتھ اُسے نکالنے کی کوشش کی......ناخن تو نکل آیا لیکن اس پر چڑھا ہوا خول کوٹ ہی میں اٹکا رہ گیا۔ یہ ایک تعجب خیز چیز تھی۔ اس نے خول نکال کر احتیاط سے رکھ لیا اور کبوتر کو بھی اپنے ہمراہ لیتا آیا۔ اس نے تجربے کے لئے اس نوکیلے خول کو ایک بلی کے چبھو کر دیکھا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ بلی تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ معاملہ حد درجہ پیچیدہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے اس کا تذکرہ اپنی رپورٹ میں نہیں کیا۔ پہلے تو وہ خود ہی پوشیدہ طور پر کبوتر کے متعلق چھان بین کرتا رہا لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو اس نے مجھے لکھا۔ وہ میرا کلاس فیلو رہ چکا ہے۔ اسی لئے میں اس کی درخواست کو رد نہ کر سکا۔"

"تو آپ نے اس کا تذکرہ مجھ سے کیوں نہیں کیا۔" حمید بولا۔

"اگر میں پہلے سے اس کا تذکرہ کر دیتا تو تم یہاں آنے کے لئے کبھی چھٹی نہ لیتے۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ آپ مجھے دھوکا دے کر یہاں لائے ہیں۔"

"یہی سمجھ لو......!"

"اب میں بہت جلد یہ ملازمت چھوڑ دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"لیکن کیا تم مجھے چھوڑ سکو گے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہی تو سب سے بڑی مصیبت ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ چلتے چلتے تھک گیا تھا۔

"کیوں بھئی کیا واقعی پیدل ہی چلو گے۔" فریدی بولا۔

"ارادہ تو یہی تھا...... مگر خیر......!" حمید نے کہا اور خچر والے کے ہاتھ سے لگام لے کر خچر پر سوار ہو گیا۔

فریدی نے بھی اس کی تقلید کی۔

"فی الحال ہم لوگ ماتھر کے یہاں چلیں گے۔"

"ماتھر کون......!"

"یہاں کا ایس۔ پی جس نے ہمیں بلایا ہے۔"

دوسرا کبوتر

فریدی اور حمید رام گڈھ کے ایس۔ پی کے بنگلے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ایس۔ پی اُن سے کیس کی تفصیلات بیان کر رہا تھا۔

"بس یہ سمجھ لو کہ بلی کی موت کے بعد سے میری تحقیقات کی گاڑی ٹھپ ہو جاتی ہے۔" ایس پی بولا۔

"مرنے والے کی سوشل پوزیشن کیا تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نواب زادہ شاکر ایک انتہائی بااخلاق آدمی تھا اور سوسائٹی میں عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ تھا تو نوجوان ہی لیکن بوڑھوں سے زیادہ عقل مند تھا۔ غیر شادی شدہ تھا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت کبوتروں یا کتابوں پر صرف کرتا تھا۔ عجیب بات تھی کہ وہ گوشہ نشین ہوتے ہوئے بھی

انتہائی سوشل آدمی تھا۔ اس سے ملنے والے اُسے تنہائی پسند نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ وہ سو فیصدی تنہائی پسند تھا۔ یہ اُس کے کردار کا ایک عجیب و غریب پہلو تھا۔ کسی نے آج تک اُسے کسی سے لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا کوئی دشمن ہی نہیں تھا۔"

"تھوڑا بہت عیاش تو ضرور رہا ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نے اس کے متعلق کبھی کوئی ایسی بات نہیں سنی جس سے اس کا عیاش ہونا ثابت ہوتا اور یہاں کوئی ایسا رئیس نہیں جس کے رگ و ریشے سے میں واقف نہ ہوں۔"

"یہاں اُس کے ساتھ کون کون رہتا تھا۔"

"صرف چند نوکر...... اس کا کوئی عزیز قریب اُس کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔"

"کوئی ایسا عزیز جو اُس کی موت کے بعد اس کی جائیداد کا مالک ہو سکے۔"

ایس پی کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں...... ایک صاحبہ ہیں...... نواب اختر الزماں کی بیوہ۔"

"مرنے والی سے اس کا رشتہ......!"

"چچازاد بہن۔"

"عمر......!"

"یہی کوئی چوبیس پچیس سال...... ایک سات آٹھ سال کی بچی بھی ہے۔"

"مرنے والے سے اس کے تعلقات کیسے تھے۔"

"اچھے ہی تھے...... ویسے کچھ زیادہ ربط و ضبط بھی نہ تھا۔"

"تم نے اُس سے اس کیس کے متعلق گفتگو ضرور کی ہوگی۔"

"ہاں وہ بہت مغموم تھی۔"

"میرا مطلب یہ نہیں...... تم نے اُس سے گفتگو کرنے کے بعد کیا نتیجہ اخذ کیا۔"

"یہی کہ اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔"

"شبہ نہ کرنے کی وجہ۔"

"وہ ایک بہت ہی شریف عورت ہے۔"

"یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔ آخر تم اُسے شریف کس بناء پر سمجھتے ہو۔"

"اس کا اندازہ تو تم اسے دیکھ کر ہی لگا سکو گے۔"

"یعنی اس کا یہ مطلب کہ وہ صورت سے شریف معلوم ہوتی ہے۔"

"نہیں بھئی یہ بات نہیں۔" ایس پی زچ ہو کر بولا۔

"خیر اسے ہٹاؤ۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کے خاص خاص دوستوں میں کوئی ایسا آدمی ہے جس پر شبہہ کیا جاسکے۔"

"میں نے ہر ایک کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھ لیا ہے۔ اُن میں سے بھی کوئی ایسا نہیں جس پر شبہ کیا جاسکے۔" ایس۔ پی نے جواب دیا۔

"اس کے دوستوں میں کوئی کبوتر باز ہے۔"

"ہاں...... ہیں تو سہی ایک صاحب۔" ایس۔ پی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "صدیق احمد صاحب ریٹائرڈ جج۔"

"کیسے آدمی ہیں۔"

"اچھے آدمی ہیں۔"

"میں ذرا اُس کبوتر اور اس کے ناخن پر چڑھے ہوئے خول کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ایس۔ پی نے کبوتر منگوایا جو ایک پنجرے میں بند تھا۔

"کبوتر تو اچھی نسل کا معلوم ہوتا ہے...... شیرازی ہے۔"

"میں کبوتروں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" ایس۔ پی بولا۔

حمید اُس کے ناخن پر چڑھے ہوئے خول کو دیر تک دیکھتا رہا۔

"واقعی مجرم بڑا ذہین معلوم ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔

"اس میں شک نہیں۔"

"اچھا تھوڑا سادہ کاغذ تو دو۔"

ایس پی نے میز پر سے پیڈ اٹھادیا۔ فریدی لکھنے لگا۔

دس ہزار روپیہ انعام

"اُس شخص کو دیا جائے گا، جو ہندوستان کے مشہور ڈاکو راہل کو مردہ یا زندہ لائے گا۔ ہم

یہاں اُس کی تصویر چھاپ رہے ہیں تاکہ پبلک اُس سے ہوشیار رہے۔ راہل ان لوگوں میں سے ہے جو ذرا ذرا سی بات پر قتل کر دیتا ہے۔ آج کل اُس نے رام گڈھ میں اڈہ بنا رکھا ہے۔ پبلک کو ہوشیار رہنا چاہئے۔"

فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اُس تحریر کے ساتھ ایس۔ پی کو دے دی۔

"یہ اشتہار جتنی جلد ممکن ہو سکے چھپوا کر بٹوا دو۔" فریدی نے کہا۔

ایس۔ پی نے اُسے پڑھا اور حیرت آمیز نظروں سے فریدی کو دیکھنے لگا۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرے کام کرنے کے طریقے دوسروں سے کچھ الگ واقع ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر میں حکام بالا کو اس کا کیا جواب دوں گا۔" ایس۔ پی بولا۔

"کہہ دینا کہ اس میں ایک مصلحت پوشیدہ ہے۔"

"مگر یہ راہل ہے کیا بلا اور اس کیس سے اس کا کیا تعلق۔"

"ابھی میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں دیکھو! اس کے علاوہ زبانی افواہیں اڑانے کی کوشش کرو کہ نواب زادہ شاکر کی موت میں بھی اسی راہل کا ہاتھ ہے۔"

"بھئی میرے تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔" ایس۔ پی بے بسی سے بولا۔

"فی الحال کچھ زیادہ سمجھنے کی کوشش مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ اس کیس کی تفتیش کے سلسلے میں میرا پہلا قدم ہے۔"

ایس۔ پی خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا تو اب ہم چلیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں مجھے اختر الزماں کی بیوی اور صدیق احمد کے پتے بھی دو۔"

ایس۔ پی نے ایک کاغذ پر دونوں کے پتے لکھ کر فریدی کو دے دیئے۔

دلکشا کی طرف واپس جاتے وقت حمید نے فریدی سے کہا۔

"آخر یہ راہل والی بات کیا تھی۔"

"اتنے دن سے میرے ساتھ ہو مگر ابھی تک عقل نہ آئی۔" فریدی نے کہا۔ "ارے میاں صاحبزادے اگر یہ نہ کرتا تو جابر سے ہاتھ دھولینے پڑتے۔ تم جانتے ہو کہ میں ہمیشہ مجرموں کو

دھوکے میں مبتلا کر کے کام کرتا ہوں۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جابر اس مرتبہ بھی دھوکہ کھا جائے گا۔" حمید نے کہا۔

"ضروری نہیں۔"

"پھر اس سے کیا فائدہ۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بلا کا ذہین ہے لیکن شاید قابو میں آ ہی جائے۔"

"آپ کے لہجے میں مایوسی ہے۔" حمید بولا۔

"ہاں...... جابر کو پکڑنا آسان کام نہیں۔ یقین جانو میں خود کو اس کے سامنے طفل مکتب سمجھتا ہوں۔ بھیس بدلنے کے معاملے میں وہ تو اپنا جواب نہیں رکھتا۔"

"تب تو اللہ ہی مالک ہے۔" حمید نے کہا۔ "ہمیں اپنی جان کا بھی خطرہ ہے۔ معلوم نہیں وہ کب وار کر بیٹھے اور ہمیں اطلاع تک نہ ہو۔"

"خیر اس کی تو کچھ پرواہ نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ ایک سراغ رساں کو ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک خود کو سراغ رساں سمجھا ہی نہیں۔"

"نہیں تم بہت اچھے سراغ رساں ہو۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"خیر...... ہاں...... کیوں نہ لگے ہاتھ صدیق احمد صاحب سے بھی ملتے چلیں۔" فریدی نے کہا۔

دلکشا جانے کے بجائے دونوں البرٹ روڈ کے چوراہے پر مشرق کی طرف مڑ گئے۔ صدیق احمد کا بنگلہ ایک پر فضا مقام پر واقع تھا۔ بنگلے کے سامنے ایک خوبصورت سا پائیں باغ تھا جس میں جا بجا کبوتر خانے بنے ہوئے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کا وجیہہ آدمی سفید قمیض پہنے کھڑا ایک کبوتر کے پنجے دیکھ رہا تھا۔

"کیا جج صاحب تشریف رکھتے ہیں۔" فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"اوں......!" کہہ کر وہ اس طرح چونکا کہ کبوتر ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا۔

وہ فریدی اور حمید کو سوالیہ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"ہم لوگ جج صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن کیوں ملنا چاہتے ہیں۔" وہ بارعب آواز میں بولا۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگا۔ "فرمایئے۔"

"اوہ...... تو آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"خوشی تو مجھے بھی ہوئی۔ مگر آپ ہیں کون۔" صدیق احمد بادل ناخواستہ ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔

"مجھے احمد کمال کہتے ہیں۔" فریدی قدرے جھک کر بولا۔ "اور یہ ہیں میرے دوست حمید احمد...... ہم دونوں بغرض سیاحی آئے ہوئے ہیں۔"

"کیا مجھ سے کوئی کام ہے۔"

"جی نہیں...... بات یہ ہے کہ مجھے بھی کبوتروں سے تھوڑی بہت دلچسپی ہے۔"

"ضرور ہوگی۔" جج صاحب لاپروائی سے بولے۔

"میرے ایک دوست نے آپ کا تذکرہ کیا تھا۔"

"کیا ہوگا......!"

"آپ کے یہاں شیرازی پاموز بکثرت ہیں۔" فریدی نے جالی کے بنے ہوئے کبوتر خانوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...... ہیں تو......!"

"اور میرا خیال ہے کہ ایسے پاموز شاید ہی یہاں کسی کے پاس ہوں۔"

"چاپلوسی بند۔" جج صاحب نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس برباد کرنے کے لئے فالتو وقت نہیں۔ میں اپنے ملنے والوں کو باقاعدہ وقت دیا کرتا ہوں۔"

"بہت بہتر......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تو پھر ہم لوگ کب حاضر ہوں۔"

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"کوئی ایسی جلدی نہیں...... ہم یہاں گرمیوں بھر قیام کریں گے۔"

"مجھے گرمیوں بھر فرصت نہیں رہے گی۔" جج صاحب جھنجھلا کر بولے۔

"تو پھر ہمیں مجبوراً جاڑوں میں بھی یہیں قیام کرنا پڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"عجیب آدمی ہیں آپ۔"

"بہرحال...... میرے ایک دوست نے ایک صاحب کا پتہ اور دیا تھا غالباً اُن کے پاس آپ کے کبوتروں سے بہتر کبوتر ہیں۔" فریدی نے واپس ہونے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔

"کون صاحب ہیں وہ۔"

"نواب زادہ شاکر صاحب۔"

"شاکر......!" جج صاحب مسکرا کر بولے۔ "آپ لوگ یہاں کب آئے ہیں۔"

"کل......!"

"اسی لئے شاکر سے ملنے جا رہے ہیں۔" جج صاحب نے جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں تم لوگوں کو اس کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"تم کیوں سمجھنے لگے...... سمجھو گے اس وقت جب ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوں گی۔"

"یعنی......!"

"چور کہیں کے۔" جج صاحب گرجے۔

"ذرا تمیز سے بات کیجئے۔" حمید آپے سے باہر ہو کر بولا۔

"خاموش رہو بھائی...... جج صاحب غصے میں معلوم ہوتے ہیں۔" فریدی حمید کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

"تم لوگوں کی دیدہ دلیری اور سینہ زوری تمہیں ہرگز نہ بچا سکے گی۔"

"میرے کاسنی پاموز کی مادہ جس کے سر پر سفید چوٹی ہے تمہیں لے گئے ہو اور اب شاید جوڑا پورا کرنا چاہتے ہو۔ اتنا یاد رکھو کہ میں پولیس کے حوالے کئے بغیر نہ مانوں گا۔" جج صاحب نے بدستور پستول تانے ہوئے کہا۔ "یا تو پھر اُسے واپس کر دو۔"

فریدی نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا جو کھڑا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"شاید آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"نہیں حمید...... جج صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کیا تم نے ابھی تھوڑی دیر قبل ایک سفید چوٹی دار کاسنی پاموز نہیں دیکھا تھا۔" فریدی نے حمید سے پھر کہا۔ پھر جج صاحب کی طرف دیکھ کر بولا۔ "لیکن جج صاحب مجھے افسوس ہے کہ اس وقت آپ کا وہ کبوتر سپرنٹنڈنٹ

پولیس مسٹر ماتھر کے پاس ہے۔"

"فضول بکواس کے لئے میری پاس وقت نہیں۔" جج صاحب گرج کر بولے۔ "میں کہتا ہوں سیدھی طرح بتادو...... ورنہ کیا فائدہ۔"

"اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو میرے ساتھ ان کے بنگلے تک چلئے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ایک چور مجھے ایس۔ پی کے بنگلے پر لے جارہا ہے۔"

"آپ چل کو تو دیکھئے۔"

"خیر میں جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچانے کا عادی ہوں۔" جج صاحب نے کہہ کر نوکر کو آواز دی۔

"ذرا ڈرائیور سے کہنا کہ اسٹیشن ویگن تو نکالے۔"

جج صاحب نے فریدی اور حمید کو اسٹیشن ویگن میں بٹھایا۔ تین نوکر ساتھ لئے اور مسٹر ماتھر کے بنگلے کی طرف روانہ ہوگئے۔

ماتھر صاحب شاید آفس جانے کے لئے تیار تھے۔ وہ برآمدے ہی میں تھے کہ یہ لوگ پہنچ گئے۔ فریدی اور حمید کو اس حالت میں دیکھ کر کہ جج صاحب ان کے پیچھے پیچھے ریوالور تانے چل رہے تھے ماتھر صاحب حیرت سے اچھل پڑے۔

"ارے اس کا کیا مطلب......!" ماتھر صاحب بولے۔

"یہ دونوں چور مجھے آپ کے پاس لائے ہیں۔" جج صاحب بولے۔

"چور......!" ماتھر صاحب کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"ہاں...... انہوں نے میرا ایک کبوتر چرایا ہے اور مجھے یہ کہہ کر یہاں لائے ہیں کہ وہ آپ کے پاس ہے۔"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ماتھر صاحب بولے۔ "یہ دونوں میرے دوست ہیں۔"

"دوست......!" جج صاحب چونک کر بولے۔

"جی ہاں.... یہ ہیں ملک کے نامور جاسوس انسپکٹر فریدی اور یہ ان کے اسسٹنٹ مسٹر حمید۔"

"ارے......!" جج صاحب اچھل پڑے۔ "تب تو بڑی غلطی ہوئی۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ پھر ماتھر صاحب سے بولا۔ "ذرا وہ کبوتر تو منگواؤ۔"

کبوتر کا پنجرہ دیکھتے ہی جج صاحب اچھل پڑے۔

"یہی ہے بالکل یہی ہے۔" وہ بیساختہ بولے۔

"لیکن ابھی آپکی خوشی خوف میں تبدیل ہو جائے گی۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"اس کبوتر کو ایک شخص کی جان لینے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔"

"ہائیں......!" جج صاحب اچھل کر بولے۔

فریدی نے شروع سے آخیر تک سارے واقعات بتانے شروع کئے۔

جج صاحب کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے ان واقعات کا کوئی علم نہیں۔ رام گڈھ کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ میں شروع سے ایماندارانہ زندگی بسر کر رہا ہوں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آخر اسکی موت سے مجھے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔" جج صاحب نے کہا۔

"یہی تو سوچنے کی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا اُس کے اعزہ میں کوئی ایسا ہے جس کو اس کی موت سے کوئی فائدہ پہنچ سکے۔"

"ہے تو......!" جج صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "لیکن اس کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی کرنا کم از کم میرے امکان میں تو نہیں۔"

"کون ہے۔"

"اس کی چچازاد بہن...... نواب اختر الزماں کی بیوہ۔"

"تو اس پر شبہ نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"یہ تو آپ اُس سے مل کر ہی محسوس کر سکیں گے۔"

"خیر...... دیکھا جائے گا...... یہ بتایئے کہ یہ کبوتر آپ کو ملا کہاں سے تھا۔"

"میں نے ایک شخص سے پورا جوڑا خریدا تھا۔"

"تو کیا دوسرا ابھی آپ کے پاس موجود ہے۔"

"جی ہاں۔"

"میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

جج صاحب نے یہ سنتے ہی نوکروں کو دوسرا کبوتر لانے کے لئے بھیج دیا۔

"وہ شخص کہاں رہتا ہے جس سے آپ نے کبوتر خریدے تھے۔" فریدی نے جج صاحب سے پوچھا

"یہ میں نہیں جانتا......وہ کبوتر لے کر میرے پاس آیا تھا...... کبوتر اتنے اچھے تھے کہ میں نے اس سے زیادہ بات چیت نہیں کی۔"

"اس کا حلیہ یاد ہے آپ کو۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں......ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ لیکن کافی توانا تندرست اور قد آور تھا۔ مفلوک الحال معلوم ہوتا تھا۔ لیکن انداز گفتگو سے پڑھا لکھا اور شریر معلوم ہوتا تھا گھنی مونچھیں اور فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی اور ناک کے پاس ایک بڑا سا ابھرا ہوا تل تھا۔ بولنے میں کچھ ہکلاتا بھی تھا۔"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جج صاحب کے نوکر کبوتر لے کر آگئے۔ فریدی نے جیب سے چمڑے کے دستانے نکالے اور انہیں پہن کر کبوتر کے پنجوں کا جائزہ لینے لگا۔

"اس کے پنجوں میں کچھ نہیں۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی نے جج صاحب سے اور بھی بہتیرے سوالات کر ڈالے۔ لیکن وہ کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ اس نے جج صاحب کو بھی مشکوک لوگوں کی فہرست میں داخل کر لیا اور انہیں کبوتروں کے متعلق زبان بند رکھنے کی ہدایت کر کے رخصت کر دیا۔

جان پہچان والے

اُسی دن شام کو فریدی اور حمید نواب اختر الزماں کی کوٹھی میں موجود تھے۔ خدمت گار نے ان کا استقبال کر کے انہیں ملاقاتی کمرے میں پہنچا دیا تھا اور اب وہ وہاں بیٹھے بیگم صاحب کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک دروازے میں لٹکے ہوئے ریشمی پردے کو جنبش ہوئی اور ایک نازک اندام نوجوان عورت اُن کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ اس کی چمپئی رنگت پر ریشم کی سفید ساری

بہت زیادہ کھل رہی تھی۔ بڑی بڑی نشیلی آنکھیں باریک اور گہرے سیاہ ابروؤں کے نیچے جادو سا جگاتی معلوم ہو رہی تھیں۔ اوپری ہونٹ میں اوپر کی طرف ہلکا سا گھماؤ تھا۔ کانوں کی لوؤں کے قریب رخساروں کا سلگا سلگا سا اُبھار بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ابھی وہاں سے لذتوں کے سوتے اُبل پڑیں گے۔ دونوں اُسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"تشریف رکھئے۔" اُس نے مترنم آواز میں کہا۔

فریدی اور حمید بیٹھ گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ وہ حد درجہ شرمیلی تھی۔ فریدی سے آنکھ ملتے ہی اُس کے چہرے پر گہری سرخی دوڑ گئی تھی۔ وہ گفتگو کرتے وقت اپنی نظریں زیادہ تر نیچی ہی رکھتی تھی۔

"میں ایک بہت ہی غمناک واقعے کی یاد دلانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

عورت نے سر اٹھا کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں نواب زادہ صاحب کی افسوس ناک موت......!"

"تو کیا آپ اُن کے کوئی دوست ہیں۔" عورت بولی۔

"جی نہیں......ہمارا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں کئی بار پولیس والوں کو بیان دے چکی ہوں۔" عورت کچھ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"آپ میرا مطلب غلط سمجھیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف دینے کے لئے حاضر نہیں ہوا۔ میں تو آپ سے ان کے چند نجی معاملات کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ بشرطیکہ آپ خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں۔"

"بھلا میں اُن کے نجی معاملات کے بارے میں کیا بتا سکوں گی۔"

"مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ آپ اُن کی سگی چچازاد بہن ہیں۔"

"آپ کو صحیح اطلاع ملی ہے۔" عورت بولی۔ "اور میں بار بار اُن کے غم کو تازہ نہیں کرنا چاہتی۔" عورت کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"میں واقعی آپ کو تکلیف دے رہا ہوں......مگر کیا کروں مجبوری ہے۔"

"جو کچھ پوچھنا ہو پوچھیے......اگر مجھے علم ہو گا تو ضرور جواب دینے کی کوشش کروں گی۔"

"کیا اس دوران میں مرحوم نے اپنی شادی کی کوشش کی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

عورت چونک پڑی۔

"شادی۔ ۔ ۔ ۔!" وہ فریدی کو غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔"

"کیا آپ دونوں کے تعلقات خوشگوار نہ تھے۔"

"اگر مجھے اس کا علم نہ ہو تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرے اور ان کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے۔"

"اگر آپ کو اس سوال سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"مجھے یہ خیال دراصل اس لئے پیدا ہوا کہ یہاں آپ کے علاوہ اُن کا اور قریبی عزیز نہیں تھا۔ ایسی صورت میں یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ انہوں نے آپ سے مشورہ لیا ہو۔"

"اگر اُن کا ایسا خیال تھا تو مجھے خود حیرت ہے۔ وہ مجھ سے اس کا تذکرہ ضرور کرتے۔"

"مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ وہ اپنی شادی کی فکر میں تھے۔"

"ممکن ہے رہے ہوں۔"

"اور میرا ذاتی خیال ہے کہ انہوں نے خودکشی کی۔"

"خودکشی۔۔۔۔۔!" عورت چونک کر بولی۔

"جی ہاں۔۔۔۔۔!"

"مگر خودکشی کی وجہ۔"

"محبت میں ناکامی۔۔۔۔۔!"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"جس لڑکی سے وہ شادی کرنا چاہتے تھے شائد اس نے انکار کر دیا تھا۔"

"اوہ۔۔۔۔۔!"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"مجھے سخت حیرت ہے کہ مجھے اس کی اطلاع نہ ہو سکی، ورنہ ان کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کرتی۔"

"یہ دل کا معاملہ ہے بیگم صاحبہ۔۔۔۔۔ وہ لڑکی ان کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی تو آپ بھی کیا کر سکتی تھیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" عورت بولی۔ "میں اس لڑکی کا نام اور پتہ جاننا چاہتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے خود ابھی تک اس کا نام اور پتہ نہیں معلوم ہو سکا۔"

''تب تو یہ مجھے افواہ ہی معلوم ہوتی ہے۔'' عورت بولی۔ ''شاکر صاحب خودکشی نہیں کر سکتے اور وہ بھی ایک عورت کے لئے۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے کیونکہ میں نے اُن کے متعلق سنا ہے کہ وہ ایک فلسفی قسم کے آدمی تھے۔" فریدی نے کہا اور اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔

"آپ کے علاوہ ان کا کوئی اور بھی قریبی عزیز ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"تب تو اُن کی جائیداد بھی۔۔۔۔۔!"

"جی ہاں مجھے ہی ملے گی۔" عورت اُس کی بات کاٹتی ہوئی بولی۔ "اور یہی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید مجھ سے اتنی مرتبہ سوالات نہ کئے جاتے۔"

"آپ پھر میرا مطلب غلط سمجھیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی ورنہ اس کا تعلق مجھ سے نہیں۔"

"کچھ آپ ہی پر منحصر نہیں۔۔۔۔ بہتیرے یہی سمجھتے ہیں کہ میں نے اُن کی جائیداد کے لالچ میں انہیں زہر دلوا دیا ہے۔"

''میں آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ یہ خودکشی کا کیس ہے۔'' فریدی جلدی سے بولا۔

"لیکن میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"پھر آخر آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا خیال قائم کروں۔"

"اُن کا کوئی دشمن۔"

"وہ ایسے آدمی ہی نہیں تھے کہ کوئی ان کا دشمن ہو سکے۔"

"خیر بہرحال یہ خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ برآمدے میں کسی بھاری بھرکم قدموں کی آواز سنائی دی۔

"بیگم صاحبہ ہیں۔" کسی نے برآمدے میں پوچھا۔

اور پھر کمرے کے دروازے پر ایک قد آور صحت مند آدمی دکھائی دیا۔ چہرے کے خطوط کافی حد تک دلآویز تھے۔ باریک ترشی ہوئی گہری سیاہ مونچھیں اُس کے سرخ و سپید چہرے پر ایک دلکش اضافہ تھیں۔ اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ رہی ہو گی، لیکن ظاہری صحت کے اعتبار سے وہ اصل عمر سے کچھ کم ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے سرمئی رنگ کے ہلکے سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا، جو مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے نہایت موزوں تھا۔ بہرحال وہ لباس کے معاملے میں کافی خوش سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔

عورت اُسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ فریدی اور حمید کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

"آیئے آیئے...... کنور صاحب۔" عورت بولی۔

"آپ لوگ تشریف رکھئے۔" نووارد نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

فریدی نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ دیدہ دانستہ ان کی طرف سے لاپروائی برتنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کچھ اور پوچھنا ہے آپ لوگوں کو۔" عورت بولی۔

فریدی اس کا مطلب سمجھ گیا۔

"جی نہیں.... تکلیف دہی کی ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں کی تعریف......!" نووارد بولا۔

"پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔" عورت نے کہا۔

"اوہ......!" اس نے اس انداز میں کہا جیسے اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

حمید فریدی برآمدے میں نکل آئے۔ وہ پھاٹک کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک کار کمپاؤنڈ کے اندر داخل ہوئی۔ فریدی اور حمید ایک طرف ہو گئے۔

"ارے..... فریدی۔" کسی نے کار کے اندر سے کہا اور فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

آواز کچھ جانی پہچانی سی تھی۔

"ارے آپ......!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

کار سے نواب رشید الزماں اور غزالہ اتر رہے تھے۔

"آپ یہاں کہاں۔" غزالہ اپنی زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔" فریدی نے کہا۔

"شاکر کی موت کی خبر سنی تھی، کیا بتاؤں بہت نیک لڑکا تھا۔ سعیدہ غزالہ کی سہیلی ہے۔ غزالہ نے مجبور کیا کہ ماتم پرسی کے لئے چلنا چاہئے۔ ویسے یوں بھی اس بار میرا ارادہ رام گڈھ آنے کا تھا، لیکن تم یہاں کیسے؟"

"شاکر کی موت کی بارے میں کچھ اطلاعات بہم پہنچانے آیا تھا۔" فریدی بولا۔

"تو کیا تم اس کام کے لئے خاص طور پر بلائے گئے ہو۔"

"جی نہیں...... اپنے ایک دوست کے لئے کام کر رہا ہوں۔"

"کچھ پتہ چلا۔"

"جی نہیں...... معاملہ بہت ٹیڑھا نظر آتا ہے۔"

"یہ بھی عجیب حادثہ ہوا ہے۔" غزالہ بولی۔

ابھی یہ لوگ گفتگو کر رہے تھے کہ برآمدے میں سعیدہ کھڑی ہوئی دکھائی دی۔ پہلے تو وہ کچھ دیر تک انہیں گھورتی رہی پھر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اُن کے قریب آئی۔

"جناب والا...... غالباً میرے مہمانوں کو ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ فریدی کو مخاطب کر کے تیز لہجے میں بولی۔

"ارے..... ارے بھئی۔" نواب صاحب بولے۔ "یہ تو اپنا فریدی ہے۔"

"فریدی..... کیا مطلب......!" سعیدہ چونک کر بولی۔

"احمد کمال فریدی.... میرے ایک مرحوم دوست کی نشانی اور ایشیا کا مشہور ترین سراغ رساں۔"

سعیدہ تھوڑی دیر تک فریدی کو حیرت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعتاً سنبھل کر بولی۔

"مجھے اپنے رویہ پر ندامت ہے...... بھلا میں کیسے جان سکتی تھی کہ آپ کون ہیں جب کہ آپ لوگوں نے اپنا مکمل تعارف ہی نہیں کرایا تھا۔"

"کوئی بات نہیں...... میں نے آپ سے شکایت تو کی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"غزالہ سے میں نے آپ کی کافی تعریف سنی ہے...... اور آپ واقعی میں بھی تعریف کے قابل ہیں۔" سعیدہ نے کہا۔

فریدی خاموش رہا۔ اس کی نظریں سعیدہ کی طرف برابر لگی رہیں۔ سعیدہ کے چہرے پر کسی قسم کے کوئی آثار نہ تھے۔ نواب رشید الزماں اس گہرے سکوت سے تنگ آکر بولے۔

"اچھا میاں اب تم جاؤ...... مگر شام کا کھانا ساتھ ہی رہے گا۔ کیوں بیٹی سعیدہ۔"

"جی ہاں...... مجھے معلوم نہ تھا کہ فریدی صاحب اور آپ لوگوں کے تعلقات ایسے ہیں...... ورنہ میں خود ہی پیش قدمی کرتی۔" سعیدہ کے الفاظ میں خوشگواری اور مصنوعی اخلاق کے ملے جلے جذبات نمایاں تھے۔ مگر فریدی نے اُن کا کوئی اثر نہ لیا۔

برآمدے میں کنور صاحب کو دیکھ کر سعیدہ نے غزالہ سے کہا۔

"آؤ بہن چلیں...... اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

"تو پھر...... فریدی صاحب آپ ضرور آرہے ہیں۔" غزالہ نے مڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... فریدی صاحب تو ضرور آئیں گے...... یہ ہیچمنداں نہ حاضر ہو سکے گا۔"

حمید نے کچھ اس طرح منہ بنا کر کہا کہ سعیدہ بھی بے اختیار ہنس پڑی۔ ہنستے ہنستے اس کی نگاہ کنور صاحب پر پڑی۔ وہ ٹھٹکی اور پھر تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی آگے بڑھی، غزالہ کے ٹھوکے پر اُس نے منمناتے ہوئے کہا۔ "ابھی بتاتی ہوں، مری کیوں جارہی ہے۔"

نواب رشید الزماں بھی برآمدے کے قریب آچکے تھے۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا، فریدی اور حمید دروازے سے باہر جا چکے تھے۔

کنور ظفر علی خاں

ادھر اُدھر کی بات چیت کے بعد غزالہ پوچھ ہی بیٹھی۔

"مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ کنور صاحب کون ہیں۔ میرا جہاں تک خیال ہے اس سے پیشتر

میں نے کبھی ان کو تمہارے یہاں نہیں دیکھا اور نہ اختر بھائی کے دوستوں میں ایسے کوئی کنور صاحب تھے۔"

سعیدہ سنتی رہی اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔

"یہ تمہارے اُن کے بہت پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اتنی جلد تم سے انہیں ملادوں۔ وہ کچھ جھکی آدمی ہیں۔ شائد تم ان سے مل کر خوش بھی نہ ہو سکو۔ شاکر بھائی مرحوم اور کنور صاحب سے ایک معمولی سی کتاب پر جھگڑا ہو گیا تھا۔"

آخری جملہ کہتے کہتے اُسے احساس ہوا جیسے وہ کوئی ایسی بات کہہ گئی ہو جو اُسے نہ کہنا چاہئے تھی۔

اپنے ساتھ غزالہ کو لئے ہوئے وہ بڑھی۔ نوکر سے معلوم ہوا کہ کنور صاحب اس کی آٹھ سالہ بچی ریحانہ کے ساتھ پائیں باغ میں کھیل رہے ہیں۔

غزالہ اور سعیدہ جب پائیں باغ میں پہنچیں...... کنور صاحب ریحانہ کو گود میں اٹھائے ہوئے ناچ رہے تھے۔ انہوں نے بے شمار تتلیاں اور بھونرے پکڑ رکھے تھے اور اُن سب کو ڈورے سے باندھ رکھا تھا اور سب ڈوروں کا آخری سرا اُن کی گردن سے بندھا ہوا تھا۔ اُن کے ناچنے کے ساتھ ساتھ تتلیاں بھی ادھر اُدھر گھوم رہی تھیں۔ معصوم ریحانہ اس کھیل سے بہت خوش تھی۔

سعیدہ اب تک خاموش تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "غزالہ...... آؤ تمہیں کنور صاحب سے ملادوں۔"

"ہاں کنور صاحب...... آپ سے ملئے۔ آپ میری عزیز ترین سہیلی غزالہ خانم اور آپ ہیں کنور ظفر علی خاں۔ اُن کے قدیم جگری دوست اور میرے بہت بڑے ہمدرد اور سہارا۔" کہتے کہتے اُس کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔

کنور صاحب نے سعیدہ اور غزالہ کی طرف دیکھا اور قدرے خشک اور دکھے لہجے میں بولے۔ "چلئے گھر میں چل کر بیٹھیں۔ شام کو آپ کے کچھ مہمان بھی شاید آئیں گے۔"

شام کے کھانے پر حمید اور فریدی مدعو تھے۔ قاعدے کے مطابق انہیں رات سات بجے پہنچ جانا چاہئے تھا۔ مگر ساڑھے آٹھ ہو چکے تھے اور ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ مجبوراً نواب رشید الزماں نے سعیدہ سے کہا۔ "اب انتظار فضول ہے...... کھانا لگوا دو...... خود اپنے ہاتھ سے مرغ پکایا تھا۔ مگر اُن سبھوں کی قسمت ہی میں نہ تھا۔ پھنس گئے کہیں۔"

کھانا میز پر لگا دیا گیا تھا۔ نواب رشید الزماں...... مرغ کی ٹانگ کاٹ کر علیحدہ ہی کرنا چاہتے تھے کہ جھناک کی آواز کے ساتھ کمرے کے سب بلب ٹوٹ کر زمین پر آ رہے۔ ایک بلب نواب صاحب کی بے حد مرغوب ڈش شاہ پسند دال میں گرا اور گرم گرم دال ان کے چہرے پر پڑی۔

فائر کی پہلی چھ آوازوں کے بعد ایک سیکنڈ کے لئے بالکل سناٹا ہو گیا۔ نواب صاحب نے دیکھا کہ دو شخصوں نے سعیدہ اور غزالہ کے منہ بند کر رکھے تھے اور انہیں اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ وہ چیخے مگر چیخ نکلنے سے پہلے ہی اتنے زور کا وار اُن کے اوپر پڑا کہ وہ تیورا کر گر پڑے۔ ہلکی ہلکی دھندلی دھندلی شکلیں اُن کے سامنے سے گذریں۔ اُن میں سے ایک فریدی بھی تھا۔ اُن کا ہاتھ اٹھا اور پھر گر پڑا۔

کنور صاحب اس حادثہ کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ روشنی گل ہوتے ہی وہ بڑبڑا کر اٹھے اور قبل اس کے وہ کچھ کر سکیں ان کے سینہ پر پستول لگا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہیں سامنے والے آدمی نے کہا۔ ”خبردار اگر ایک لفظ بھی منہ سے نکالا...... چپ چاپ کھڑے رہو۔“

آواز انہیں کچھ مانوس سی معلوم ہوئی۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ صبح والا انسپکٹر فریدی انہیں گھور رہا تھا۔

اتنے میں ان کے ساتھی نے آ کر کہا۔ ”استاد کام ہو گیا۔ اب چلنا چاہئے۔“

”اچھا...... کنور صاحب ایسے ہی کھڑے رہیے۔ اگر ذرا بھی جنبش ہوئی تو نہ صرف آپ ختم ہو جائیں گے بلکہ یہ لڑکی بھی اس دنیا میں نہ رہے گی۔“ فریدی نے ریحانہ کی گردن پکڑ رکھی تھی۔ معصوم لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اُس کا بھولا چہرہ اس اندھیرے میں بھی روشن تھا۔ اُس آدمی نے آہستہ سے کہا۔ ”کنور صاحب اپنی اندر کی جیب میں رکھا ہوا کاغذ مجھے دے دیجئے۔ نوابزادہ شاکر کی موت کے سلسلے میں یہ کاغذ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر آپ یہ کاغذ مجھے دے دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ کیمیا بنانے والی کتاب نوابزادہ کی قبر سے نکال لاؤں گا۔ آپ غریب نوابزادہ کے قاتل ہیں۔ آپ نے اُن کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ کاغذ مجھے دے دیں یہ سب راز میرے سینے میں دفن رہیں گے۔“

”وہ کاغذ میرے پاس نہیں ہے۔“ کنور صاحب نے ہکلا کر جواب دیا۔

”اچھی بات ہے...... میں خود ہی نکالے لیتا ہوں۔“ وہ اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے بڑھا۔ کنور صاحب کی جیب سے ایک سنہری دستہ کا چاقو ایک رومال اور ایک ربر کی بلی نکلی۔ کاغذ کا پتہ نہ تھا۔ مایوسی ظاہر کرتے ہوئے اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ وہ غائب ہو گیا۔ اُس نے آخری بار کہا۔

”کنور صاحب...... نواب زادہ شاکر کے سوتیلے بھائی...... لیفٹیننٹ باقر آ گئے ہیں۔ آپ کی سعیدہ ایک حبہ نہ پا سکے گی۔ خیر فی الحال وہ میرے ساتھ جا رہی ہے۔ میرے اسسٹنٹ حمید نے اُسے پسند کر لیا ہے۔ آپ خود ہی سمجھ دار ہیں۔ مگر آگاہ کرنا فرض ہے۔ اگر میرا یا حمید کا نام کبھی آپ کی زبان پر آیا یا میرے آج کے واقعہ کا ذکر چھیڑا...... تو کیمیا کی کتاب کی دفتی پر لکھی ہوئی عبارت عدالت میں پیش کر دی جائیں گی اور خودکشی کا یہ کیس قتل کا مقدمہ بن جائے گا...... خدا حافظ۔“

وہ جا چکا تھا۔ کمرے میں اب بالکل سناٹا تھا۔ کنور صاحب نیم بے ہوشی کے عالم میں تھے۔ کافی دیر کے بعد انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کا کہیں پتہ نہ تھا اور بھیانک پستول سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ ریحانہ بیہوش پڑی ہوئی تھی۔ کمرے میں اندھیرا بدستور تھا۔ انہوں نے نوکروں کو آوازیں دیں، مگر اُن میں سے کوئی نہ بولا۔ وہ دو قدم آگے بڑھے اور دھائیں...... ٹھٹھک کر کے انہوں نے دوسری طرف قدم بڑھایا اور پھر ویسی ہی آواز سنائی دی۔

”معلوم ہوتا ہے پٹاخے بچھائے گئے ہیں۔“ وہ بڑبڑائے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے کسی طرح وہ دروازے تک پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا...... چٹخنی کھول کر وہ باہر آئے۔ روشنی میں آتے ہی انہوں نے چیخ کر نوکروں کو بلایا۔ مگر کوئی نہ بولا...... تنگ آ کر وہ اُن کے کمروں کی طرف گئے۔ ہر ایک میٹھی نیند کے مزے لے رہا تھا۔ لاکھ جگانے پر بھی وہ نہ جاگ سکے۔ مجبوراً انہیں نوکروں کا خیال ترک کرنا پڑا۔ اُن کا خیال تھا کہ غالباً کنکشن کاٹ دیا گیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے برآمدے کا سوئچ دبایا برآمدے میں روشنی پھیل گئی۔ اسی روشنی کے سہارے وہ کمرے میں پھر آئے۔ نواب صاحب اور ریحانہ کو وہاں سے اٹھانے کے بعد انہوں نے فون اٹھایا۔

پولیس دفتر میں سب انسپکٹر نے پوچھا۔ ”ہیلو کون ہے۔“

کنور صاحب نے کہا۔ ”میں کنور ظفر علی خاں ہوں، اختر لاج سے بول رہا ہوں۔ فوراً آئیے ماتھر صاحب ہیں۔“ جواب ملا۔ ”نہیں......“ ”اچھا سنئے اگر فریدی صاحب اور حمید صاحب ہوں

تو انہیں بھی لیتے آئے گا۔"

مگر وہ لوگ سات بجے سے غائب ہیں۔ "ہوں" کہہ کر انہوں نے فون رکھ دیا۔

پولیس انسپکٹر بمل مکرجی کے آنے تک کنور صاحب اپنی ذہنی الجھنوں پر قابو پا چکے تھے۔ وہ بار بار یہ سوچ رہے تھے کہ کہیں انہوں نے دھوکا تو نہیں کھایا۔ مگر وہ شکل بالکل انسپکٹر فریدی کی تھی۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ انسپکٹر فریدی نہیں تھا تو آخر مجھے وہ منع کیوں کر گیا...... اگر فریدی نہ ہوتا تو...... وہ مجھے منع نہ کرتا...... وہ اگر فریدی تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا...... انسپکٹر فریدی ایشیا کا مشہور اور ہر دلعزیز سراغ رساں اور...... لٹیرا......؟ یہ نہیں ہو سکتا۔"

آخر کار انہوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ سب انسپکٹر کو یہ بتا دیں کہ اس شخص کی شکل بالکل فریدی سے ملتی تھی۔

مسٹر مکرجی کو پورا بیان لکھوانے کے بعد انہوں نے کہا۔ "میں نے اُسے دیکھا تھا۔ اُن کا حلیہ اور شباہت......" اُن کا فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور سامنے کی کارنس پر سے ایک کبوتر پھڑپھڑا کر گرا اور مر گیا۔ کنور صاحب رک گئے۔ اُن کے لئے یہ خطرہ کا سگنل تھا۔

"ابھی تک وہ موجود ہے۔" دل ہی میں انہوں نے فریدی کو ایک موٹی سی گالی دی۔ سامنے تڑپ کر مرنے والے کبوتر میں انہیں خطرہ کی جھلک نظر آئی۔ انسپکٹر مکرجی گولی کی آواز ہی کے ساتھ سپاہی بھیج چکا تھا اور جب سپاہیوں نے آکر یہ رپورٹ دی کہ کوئی نہیں ہے تو انہوں نے سپاہی چاروں طرف پھیلا دیئے اور پھر کنور صاحب کی طرف مخاطب ہوئے۔ "آپ بیان جاری رکھیں...... مگر ٹھہریئے...... یہ کبوتر......؟ مگر یہ پالتو نہیں جنگلی ہیں۔"

"جی ہاں...... ان کبوتروں کو "شگون" کے خیال سے رہنے دیا تھا۔" کنور صاحب بولے۔

انسپکٹر مکرجی نے پھر کہا۔ "ہاں وہ بیان لکھا رہے تھے۔ اُس آدمی کا حلیہ......!" انہوں نے قلم اٹھایا۔ "جی وہ لمبا سا تندرست آدمی تھا۔ بھیانک اور ناک کے پاس ایک تل تھا۔" غیر شعوری طور پر کنور صاحب کے منہ سے نکل گیا۔

انسپکٹر نے بیان نوٹ کیا۔ حفاظت کے لئے سپاہی چھوڑ کر وہ سعیدہ اور غزالہ کی واپسی کا یقین دلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

مصنوعی بیوی

سعیدہ کے گھر سے واپسی پر ہی حمید کے پیٹ میں چوہے کودنے لگے تھے کہ آخر وہ کنور صاحب کون تھے؟ سعیدہ کی اکھڑی اکھڑی گفتگو نے اُسے یقین کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ بہر حال شاکر کے قتل میں کہیں نہ کہیں سعیدہ کا ہاتھ ضرور ہے، اس کے باوجود بھی اس کے ذہن میں سعیدہ کی تصویر ناچنے لگتی تھی، مگر پھر بھی اس میں بے پناہ جنسی کشش تھی۔ اس کے کان کی لویں...... اس کے تمتماتے ہوئے رخسار...... اور سب سے بڑھ کر سڈول کندنی کلائیاں...... وہ گم ہو گیا۔ خاموشی سے اکتا کر اس نے فریدی سے پوچھا۔ "سعیدہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"غنیمت ہے تمہارے لئے......!" فریدی طنزیہ بولا۔

"نہیں...... نہیں...... کس خچر کے پٹھے کا خیال بھی اس طرف گیا ہو۔ میں تو شاکر کے قتل کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" حمید کچھ جھینپتے ہوئے بولا۔

"تم نے کچھ کچھ تو ٹھیک ہی سوچا ہے...... بہر حال شاکر کے گھر چل رہے ہیں، شاید کوئی کام کی بات نکل آئے۔"

شاکر کی کوٹھی پر پولیس کا سخت پہرہ تھا۔ پوچھ گچھ پر معلوم ہوا کہ کوئی صاحب لیفٹیننٹ باقر تشریف لائے تھے اور اپنے کو سوتیلا بھائی بتا گئے ہیں۔ آج رات میں وہ بمبئی جا رہے ہیں اور پرسوں تک واپس آجائیں گے۔ عدالت سے وہ حکم امتناعی شاکر کی وراثت کے سلسلے میں نکلوا چکے ہیں۔ اس کی اطلاع شاید سعیدہ خاتون کو مل چکی ہوگی۔

اتنی باتیں جاننے کے بعد فریدی گھر میں داخل ہوا۔ لائبریری میں دو ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ ان میں سے تھوڑی سی تعداد انگریزی اور اردو کے شعراء پر مشتمل تھی، بقیہ علم

الجوانات، نباتات، جمادات، کیمیا، سیمیا، فلسفہ قدیم و جدید پر کتابیں مشتمل تھیں۔ کبوتروں کی پہچان، کبوتروں کے فوائد پر ایک بڑا سا قلمی نسخہ تھا۔ کتابیں کچھ جرمن، کچھ فرنچ کچھ لاطینی زبان میں تھیں۔ سامنے ایک بڑا سا سیف تھا میز پر روح اور اس کی ماہیت کے عنوان سے ایک کتاب پڑی تھی۔ کتاب کی جلد پر "کنور ظفر علی خاں" کا نام درج تھا۔ اندر کا ایک صفحہ پھٹا ہوا تھا۔

فریدی چونکا اور چشم زدن میں وہ اس کی جیب کے اندر تھا۔ حمید خاموشی سے اپنے استاد کا طریق کار دیکھ رہا تھا۔ اُسے الجھن ہو رہی تھی کہ آخر اس الٹ پلٹ کا مطلب کیا ہے اور اس سے کیا نتیجہ بر آمد ہو سکتا ہے۔

فریدی سے جھلا کر اس نے کہا۔ "میرے خیال میں یہ کتابیں خونی ہیں۔"

"اوں...... ہوں...... ہاں بالکل ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے اپنی الٹ پلٹ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...... دیکھئے...... اُس موٹی سی کتاب نے اپنے پنجوں سے شاکر کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ مر گیا...... مگر...... مگر...... یہ کیا......!" جھلاہٹ میں ایک موٹی سی کتاب الٹتے ہوئے حمید نے یہ جملے کہے تھے۔ مگر وہ کتاب بالکل سادی تھی۔ البتہ بیچ بیچ میں قلمی خاکے اور تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ایک جگہ خونی پنجہ تھا اور اس کے نیچے کچھ لکھا ہوا تھا، جسے حمید نہ پڑھ سکا۔ اُس نے کتاب اٹھاتے ہوئے فریدی سے کہا۔ "یہ بھوت خانے کا نادر نسخہ دیکھئے......"

فریدی اُسے دیکھتے ہی مبہوت رہ گیا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اُسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ وہ چیخا۔ "حمید فوراً آؤ۔"

"میں نہیں آتا......!" بھاگتے ہوئے فریدی کے پیچھے اس نے دوڑتے ہوئے کہا۔

فریدی باہر نکلا۔ اُس نے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ کسی شخص کو اندر نہ گھسنے دیا جائے اور پھر تیزی سے پیدل اسٹیشن کی طرف بھاگنے لگا۔

اس تمام کھوج اور تفتیش میں رات کے دس بج چکے تھے۔ کافی رات ہو جانے کی وجہ سے رام گڈھ کا پہاڑی علاقہ سنسان پڑا تھا۔ سڑک پر سوائے حمید اور فریدی کے دوڑنے کی اور کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اچانک اُن کی رفتار سست ہو گئی۔ سامنے دونوں طرف کے درختوں سے ملا کر رسی باندھ دی گئی تھی۔ کنارے سے بچ کر فریدی نکلا اور ہانپتے ہوئے حمید سے بولا۔

"دشمن کو منہ کی کھانا پڑی...... خدا کے لئے تیز چلو...... اگر بمبئی ایکسپریس چھوٹ گئی تو مصیبت ہی آ جائے گی۔"

"دونوں تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ سٹیشن صرف آدھا میل رہ گیا۔ فریدی نے سڑک کے کنارے سے لگے ہوئے کھمبے کی روشنی میں دیکھا۔ گھڑی میں گیارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ ایکسپریس گیارہ بج کر پانچ منٹ پر چھوٹتی تھی۔ اُس نے رفتار تھوڑی دھیمی کر دی۔ حمید بیچارہ ہانپ گیا تھا۔ اس کے قدم جواب دے رہے تھے کہ یکایک اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ بیٹھ گیا اور چیخا۔

فریدی مڑا...... قدرتاً احتیاط پسند ہونے کی وجہ سے وہ بیچ سڑک پر تھا تاکہ درختوں کی اوٹ یا سہارا لے کر اُس پر حملہ نہ کیا جا سکے۔ حمید اس کا خیال نہ کر سکا۔ سڑک کے کنارے ایک درخت کی ڈال سے چارپائی باندھ دی گئی تھی اور چارپائی سے دو انسانی صورتیں بندھی ہوئی تھیں۔

فریدی نے ٹارچ روشن کر لی۔

"اُفوہ......!" اس کے منہ سے نکلا اور اُس نے حمید سے کہا۔ "میں انہیں اتارتا ہوں...... تم ٹھہرو۔"

چارپائی ایک جھولے کی طرح لٹکا دی گئی تھی اور سعیدہ و غزالہ دونوں اس چارپائی پر رسیوں سے باندھ دی گئی تھیں۔ اتارنے کے بعد اس نے کوشش کی کہ انہیں ہوش آ جائے، مگر انہیں بُری طرح بے ہوش کیا گیا تھا۔ گیارہ بج چکے تھے۔ فریدی نے غزالہ اور حمید نے سعیدہ کو لادا اور چلنا شروع کیا۔ وہ دوڑ ختم ہو چکی تھی۔ سعیدہ حمید کے اوپر لدی ہوئی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ سعیدہ کو پٹخ دیتا مگر فریدی...... دبے لہجے میں اس نے پھر پوچھا۔ "یہ کیا قصہ ہے۔"

"ٹرین میں بتاؤں گا...... یہ سمجھ لو...... ابھی تک ہم بازی نہیں ہارے۔"

اسٹیشن کی عمارت نظر آنے لگی تھی۔ گاڑی کا ابھی پتہ نہیں تھا۔ مگر سگنل گر چکا تھا......

فریدی نے خوش ہو کر حمید سے کہا۔ "ہم جیت گئے۔ پانچ منٹ بعد دشمن ہمارے ہاتھ میں ہو گا۔"

"ٹھہرو...... پہلے مجھ سے فیصلہ کر لو۔" ایک بارعب اور گرجدار آواز سنائی دی۔

فریدی نے دیکھا...... بغل سے کنور ظفر علی خاں پستول لئے...... چلے آ رہے تھے۔ اُن کا چہرہ غصہ سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ انہوں نے پھر کہا۔ "انہیں رکھ دو۔"

حمید نے چاہا کہ کم از کم فریدی کی طرف گردن گھما کر دیکھ سکے...... مگر کنور صاحب نے دیکھ لیا۔

"تم سب بدمعاش ہو...... میں آج تمہیں شوٹ کردوں گا...... فریدی صاحب...... اب وہ اکڑ کہاں گئی۔"

فریدی خاموشی سے کنور صاحب کی طرف دیکھتا رہا۔ "بدمعاش۔" کا لفظ سنتے ہی حمید نے جھلا کر چاہا کہ بڑھ کر کنور صاحب کا گلا گھونٹ دے مگر کنور صاحب نے ارادہ بھانپتے ہوئے کہا۔

"ذرا سی حرکت ہوئی تو فریدی اس دنیا میں نہ ہوں گے۔"

"پھر اُس نے فریدی کو مخاطب کیا اور کہا۔ "ہاں فریدی صاحب...... تو کل آپ پولیس سے کہہ دیں گے کہ شاکر کا قاتل میں ہوں۔ آپ میری وہ تحریر بھی پیش کردیں گے، جس میں اُسے دھمکی دی گئی تھی کہ اگر وہ کتاب مجھے نہ دے گا تو میں اُسے مار ڈالوں گا......؟ لیکن قبل اس کے کہ آپ کچھ کہہ سکیں میں آپ کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کردوں گا۔"

اچانک گاڑی کی سیٹی سنائی دی۔ اپنی پوری گھڑگھڑاہٹ اور شور کے ساتھ گاڑی آرہی تھی۔ ریل کی پٹریاں دور سے چمکتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

فریدی کے منہ سے ایک خوفناک آواز نکلی اور کنور صاحب بے ساختہ پیچھے ہٹ گئے۔ آنکھ جھپکتے ہی پستول فریدی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "آپ نے میرا بہت وقت ضائع کیا...... ان لڑکیوں کو لے جائیے۔ آپ کسی بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ حمید جلدی کرو" کہتے ہوئے فریدی نے پھر دوڑنا شروع کردیا۔ اسٹیشن کے سیدھے دروازے کی بجائے اب اس کا رخ ریلوے لائن کی طرف تھا...... گاڑی نے پلیٹ فارم سے حرکت کی۔ ریلوے لائن اور فریدی میں صرف پچاس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

گاڑی پلیٹ فارم چھوڑ چکی تھی...... فاصلہ دس گز...... گاڑی اپنی متوسط رفتار پر تھی...... فاصلہ پانچ گز...... گاڑی فریدی کی بغل سے گزر رہی تھی۔ یک بیک وہ اچھلا اور سامنے سے گذرنے والے اندھیرے ڈبے کے پائیدان پر کھڑا ہو گیا۔ حمید سے اس نے چیخ کر کہا۔ "فوراً کسی ڈبہ میں گھس جاؤ......" اور خود اسی ڈبہ میں کود پڑا۔

حمید جس ڈبہ پر کھڑا تھا اس کی چٹخنیاں اندر سے بند تھیں۔ اس نے گردن اٹھا کر

دیکھا...... ڈبہ کے اوپر بنی ہوئی دو لکیریں ظاہر کر رہی تھیں کہ یہ دوسرا درجہ ہے۔ اُس نے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔ سامنے پل آرہا تھا اور دریائے گھاگھرا کے کنارے کراروں کے ٹوٹنے کی پرشور آوازوں کا زور بڑھتا جارہا تھا۔ بھیانک سنسان رات.... اُسے ڈر محسوس ہونے لگا۔ فریدی کے اوپر اُسے غصہ آرہا تھا۔ خود تو مزے سے ہوں گے...... میری بھلا انہیں کیا پرواہ؟ عجیب سنکی آدمی ہے...... دوڑا ڈالا...... بیٹھے بٹھائے مصیبت...... بلا وجہ......"

جھلاہٹ میں اس نے کھڑکی پر اتنے مکے برسائے کہ کھڑکی کا ایک خانہ ٹوٹ گیا۔ اندر سے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی اور کسی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ ڈبہ میں داخل ہو کر اس نے دیکھا...... صرف چار برتھ تھیں۔

ایک طرف ایک موٹی سی عورت جس کی عمر بیس سال سے زائد نہ رہی ہوگی لیٹی ہوئی تھی۔ سامنے ایک صاحب سو رہے تھے۔ ان کے اوپر والی برتھ پر سر سے پیر تک چادر تانے کوئی پڑا تھا۔

البتہ عورت کی اوپری برتھ خالی تھی۔ کمپارٹمنٹ میں اندھیرا تھا۔ گیلری کے اندر کی مدھم روشنی غالباً اسی خیال سے گل نہیں کی گئی تھی کہ اندھیرا نہ رہے۔ حمید نے چاروں طرف دیکھا اور اوپر والی برتھ پر چڑھ گیا۔ تمام راستہ کی تھکان دوڑ اور محنت نے سیکنڈ کلاس کے گدے پر نیند کو آواز دی اور وہ سو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو دن اچھا خاصا نکل آیا تھا...... گاڑی وندھیا چل کی خوبصورت پہاڑی سلسلے کے درمیان سے گذر رہی تھی۔ اُس نے جھانک کر دیکھا۔ وہ عورت اٹھ چکی تھی۔ رات کی اتنی موٹی سی عورت نے نظر اٹھائی اور اُسے مسکراتے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑی اور عجیب انداز میں بولی۔ "اب نیچے آؤنا......؟" حمید کو بھلا کہاں برداشت......؟ اتنی مدت کے بعد ایک شکار ملا تھا؟ کیا وہ اسے بھی چھوڑ دے گا۔ وہ فوراً کود پڑا۔

جیسے ہی اُس نے چاہا کہ بیٹھے...... عورت نے کہا۔ "نا...... نا...... پہلے منہ دھو کر چائے پی لو تب پھر باتیں کرنا۔" حمید اس کی اس بے تکلفی پر کچھ کھٹکا۔ مگر سامنے بیٹھے ہوئے بنگالی کو مسکراتے دیکھ کر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی مسکراہٹ کہہ رہی ہو۔ "کیوں بے چغد ڈر گیا نا آخر...... بدھو...... ڈرپوک" اور وہ جھٹ سے باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ منہ دھو کر جب وہ

باہر نکلا...... عورت تھرماس میں سے چائے نکال رہی تھی۔ رس بھری کی جیلی اور ٹوسٹ ایک طشتری میں رکھے ہوئے تھے۔ بھنے ہوئے آلوؤں کے قتلے دوسری طشتری میں ایک پلیٹ میں سیب کی کچھ قاشیں اور انگور کے دانے پڑے تھے۔ حمید کے منہ میں پانی بھر آیا۔ شام کو لائبریری میں دو ابلے ہوئے انڈوں اور ایک پیالی چائے کے علاوہ اُسے کچھ نہ مل سکا تھا۔ بیٹھ کر اس نے کھاتے ہوئے کہا کہ۔

"آپ کہاں سے......!"

لیکن جملہ پورا ہونے سے قبل ہی ٹکٹ چیکر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"ٹکٹ پلیز......!" وہ ٹکٹ نہ لے سکا تھا۔ سوائے چارج دینے کے اور چارہ ہی کیا تھا۔ پھر جب چارج ہی دینا ہے تو جلدی کیا ہے۔ کھا کر دے دیں گے، اس نے سوچا اور ٹی ٹی سے کہا۔ "ابھی دیتا ہوں۔"

عورت کی طرف بڑھ کر جب چیکر نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے حمید کی طرف اشارہ کر دیا، جسے حمید نہ دیکھ سکا۔ خوب پیٹ بھر کھانے کے بعد اس نے ٹی ٹی سے کہا۔ "پچھلے جنکشن سے چارج کر لیجئے۔ جلدی میں ٹکٹ نہ خرید سکا۔" چارج شیٹ بنانے کے بعد ٹی ٹی نے کہا۔ "ایک سو سرسٹھ روپے بارہ آنے۔"

"کتنے......!" حمید نے اچھل کر کہا۔ "ذرا دیکھوں کہاں سے چارج کر رہے ہیں آپ...!"

"جی...... جبلپور سے......دو آدمی...... سیکنڈ کلاس......!" ٹی ٹی بولا۔

"دو کون......!" حمید غرایا۔

"آپ اور آپ کی...... یعنی کون ہیں یہ آپ کی......!" ٹی ٹی نے کہا۔

"دھرم پتنی......" عورت کچھ جھینپتے ہوئے بولی۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

"ارے ٹی ٹی صاحب کو پان پتہ کے لئے کچھ دے دو...... اتنا نہ لیں گے۔"

حمید کو جیسے ہزاروں بچھوؤں نے ڈنک مار دیا۔ بٹوے میں صرف ایک سو پانچ روپے اور زبردستی کی بلا الگ سر پر۔

اُس نے بپھرتے ہوئے کہا۔ "یہ عورت جھوٹی ہے...... میرا اس سے کوئی ناطہ نہیں۔"

بنگالی بابو جوش میں کھڑے ہو گئے۔ "شرم نہیں آتا...... اپنی استری چھوڑتا ہے......

چھی تھو......!"

اوپر والا آدمی وہیں سے لیٹے لیٹے بولا۔ "اگر بیوی نہیں تو پھر کون ہے...... ابھی تو ساتھ بیٹھ کر کھا رہا تھا...... کہتا ہے کوئی ناطہ نہیں...... چار سو بیس۔" گاڑی اب اسٹیشن پر پہنچ رہی تھی۔ ٹی ٹی نے ڈانٹ کر عورت سے پوچھا۔ "سچ سچ بتا تیرا یہ کون ہے۔"

"ہائے...... ہائے...... ٹی ٹی صاحب...... میرے پتی ہیں۔ پرسوں ہمارا......!" وہ کچھ روتے ہوئے بولی۔ "تو میرے پیر دیکھ لو۔" اس کے رنگے ہوئے پیر اور چاندی کے چھلے گواہی دے رہے تھے کہ ابھی ابھی اس کی شادی ہوئی ہے۔

اس نے پھر حمید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "روپے کے ڈر سے کنگن بھی چھپا دیئے۔"

"ہاں...... ہائے میری تقدیر پھوٹ گئی۔" کہتے ہوئے اس نے زور زور سے چلا کر رونا شروع کر دیا۔ گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہو گئی تھی۔ اچھی خاصی ایک بھیڑ جمع ہو چکی تھی۔ حمید کی جان عجیب مخمصے میں تھی...... اس کی تلاشی پر جیب سے ایک بٹوہ جس میں ایک سو پانچ روپے ایک کنگنا اور چار پانچ وزیٹنگ کارڈ ملے جس پر لکھا تھا۔ "دھرم داس بی اے کمرشل آرٹسٹ" عورت سے جب نام پوچھا گیا تو اس نے کہا۔ "میں ان کا نام نہیں لے سکتی۔" بڑی مشکل سے اس نے ایک پرچہ پر وہی نام لکھ دیا جس نام کے وزیٹنگ کارڈز تھے۔ حمید چکرا گیا تھا۔ چاروں طرف سے لوگ ٹوٹے پڑ رہے تھے اور اُسے لعنت ملامت کر رہے تھے۔ حمید کی نگاہیں فریدی کو ڈھونڈ رہی تھیں، اُس نے کئی بہانے کر کے سپاہیوں کے ساتھ ٹرین کے کئی چکر لگا ڈالے مگر فریدی نہ ملا۔ ادھر ٹرین نے سیٹی دی، حمید نے لاکھ چاہا کہ اُسے پھر گاڑی میں بیٹھنے دیا جائے، مگر ٹکٹ چیکر کسی حالت میں نہ مانا...... وہ بار بار کہے جا رہا تھا...... پورا چارج دیجئے...... اور بیٹھئے۔"

گاڑی آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ حمید نے آخری بار کوشش کی کہ وہ بیٹھ سکے مگر ناکام رہا اور گاڑی روانہ ہو گئی۔ مجمع چھٹ چکا تھا اور وہ عورت غائب تھی۔

اس نے مڑ کر ٹی ٹی سے کہا۔ "چارج لیجئے...... مگر وہ میری بیوی ڈھونڈ لائیے۔"

ٹی ٹی حیرت زدہ رہ گیا۔ ابھی ایک سیکنڈ پہلے وہ اس کی نرم نرم ہتھیلیوں سے لطف اندوز ہوتا حمید سے بحث میں الجھا ہوا تھا...... "وہ عورت کہاں گئی۔"

شرمندہ ہو کر اُس نے حمید سے کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی۔"

حمید نے جیب سے اپنا کارڈ جب نکالنا چاہا تو وہ غائب تھا۔

ایک کاغذ پر البتہ لکھا ہوا تھا۔ "پہلی اور ہلکی سی چوٹ اپنے حمید کے لئے...... استاد کی بھی خبر لینا۔"

حمید بوکھلا گیا تھا، جیسے خواب کی لہریں...... سینما کی تصویریں یا پوری ریل گاڑی اس کے سر سے گذر گئی ہو۔ وہ سر تھام کر بیٹھ گیا...... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے کہ اتنے میں اسی ٹکٹ چیکر نے اُسے آکر کہا۔ "آپ کا ٹرنک کال آیا ہے حمید صاحب۔" اُس نے ریسیور سے سنا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "رام گڈھ لوٹ آؤ۔"

لیفٹیننٹ باقر

دوسرے روز صبح چائے پر باتیں کرتے ہوئے فریدی نے کہا۔

"حمید میاں! میں نے زندگی میں کبھی ہار نہیں مانی...... مگر میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اس کے سامنے طفلِ مکتب ہوں...... غضب کا دماغ ہے ظالم کا۔"

کہتے کہتے فریدی ٹھہر گیا۔ حمید واقعات جاننے کے لئے بے تاب تھا، اس نے منہ کھولا ہی تھا کہ فریدی نے اشارے سے روک دیا اور کہنا شروع کیا۔

"مجھے پورا یقین تھا کہ شاکر کے کیس میں جابر کا ہاتھ ہے۔ اس روز صبح کی ڈاک سے مجھے اطلاع ملی تھی کہ سیٹھ گنومل چھیدی لال بمبئی کے مشہور تاجر کے یہاں ڈاکے کا نوٹس مل چکا تھا۔ ادھر نواب زادہ شاکر کی جائیداد کے ایک وارث اور کھڑے ہو چکے تھے۔ وہ بھی اُس گاڑی سے بمبئی جا رہے تھے۔ جابر کی یہ ترکیب میری سمجھ میں آگئی۔ میں نے بمبئی پولیس کو تار دے دیا تھا کہ وہ لوگ اسٹیشن پر موجود رہیں اور میرے ساتھ جسے دیکھیں گرفتار کرلیں۔ یا راستہ ہی میں کہیں اُسے دھر لینا۔ صرف اس لئے کہ میرے کام میں رکاوٹ ہو اور کنور صاحب میرے دشمن ہو جائیں۔

اس نے میرا بھیس بھرا...... دوسری طرف اُسے یقین ہو گیا تھا کہ میں ضرور اس کا پیچھا کروں گا۔ موٹر کا راستہ روکنے کے لئے اس نے ٹائم سوئچ بم لگائے اور راستہ میں رسیاں باندھ کر دیر کرادی...... اور جب اس میں ناکام رہا تو اتفاقات نے ہمیں کنور صاحب کی نظر میں گرادیا۔ اس طرح راستہ میں روڑے اٹکاتا...... وہ لیفٹیننٹ باقر کے ڈبے میں بیٹھنے میں کامیاب ہوا۔ آج کا اخبار دیکھو "سیٹھ گنومل چھیدی لال بُری طرح لٹ گئے...... اور لیفٹیننٹ باقر اور ان کے لڑکے ذاکر پر قاتلانہ حملہ کیا گیا...... وہ بچ تو گئے مگر ان کی تمام قیمتی دستاویزیں اور نقد روپیہ لوٹ لیا گیا۔"

"تو پھر آپ واپس کیوں لوٹ آئے۔" حمید نے بے تابانہ پوچھا۔

"یہ میری شکست اور جابر کی فتح کی کہانی ہے۔ میں جس ڈبہ میں داخل ہوا تھا اس میں بالکل اندھیرا تھا...... میں نے ٹارچ جلا کر پورے ڈبہ میں دیکھا۔ ڈبہ خالی تھا...... میں اُسی ڈبہ میں لیٹا رہا۔ پتہ نہیں کب میری آنکھ لگ گئی...... اور جب میری آنکھ کھلی تو میں برانچ لائن کے ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر تھا...... وہ ڈبہ جس میں میں تھا اگلے جنکشن پر کاٹ دیا گیا تھا۔

میں نے دیکھا حریف کام کر چکا ہے۔ سوائے لوٹ آنے کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ رام گڈھ اسٹیشن ماسٹر کو میں نے تمہارے متعلق اطلاع دے دی تھی...... تمہارے لئے یہاں سے اُسے ٹرنک کال کیا گیا...... میں آیا اور آگے تو تم جانتے ہی ہو...... مگر تمہاری بیوی کیا ہوئی۔" فریدی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا...... اور حمید نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ "وہ شاکر کی لائبریری والی کتاب میں کیا تھا...... اس کے متعلق آپ نے کچھ نہیں بتایا۔"

فریدی کا چہرہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا...... اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "وہ میرے ترکش کا آخری تیر ہو گا۔"

اتنے میں نوکر نے میز پر ملاقاتی کارڈ لا کر رکھا۔

"لیفٹیننٹ باقر...... او...... بی۔ ای۔"

"بلالو......!" حمید نے کہا۔

ایک متوسط عمر کا آدمی...... بائیں گال پر چھوٹا سا تل۔ چھوٹی دھنسی ہوئی آنکھیں...... لمبوترہ چہرا...... اور ستواں سرخ ناک۔ یہ تھے لیفٹیننٹ باقر...... ان کے ساتھ پچیس چھبیس سال کا ایک نوجوان اور تھا جس کا تعارف لیفٹیننٹ صاحب نے "میرا لڑکا...... گریجویٹ

ہے...... مقابلہ کے امتحان کی تیاری کر رہا ہے۔" ان الفاظ سے کرایا۔ ذاکر دبلا...... پتلا زرد رنگ...... بڑی بڑی آنکھیں...... چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کم سخن سنجیدہ اور متین ہے۔

رسمی تعارف کے بعد لیفٹیننٹ صاحب نے کہا۔ "فریدی صاحب مجھے آپ ہی بچا سکتے ہیں۔ میرا جوان بھائی مر گیا...... !" کہتے کہتے وہ زار و قطار رونے لگا۔ جذبات پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "میری بہن سعیدہ لالچی ہے۔ کنور ظفر علی خاں اُسے بہکا رہے ہیں۔ مجھے جائیداد نہ چاہئے۔ مگر باپ دادا کی ڈیوڑھی میں یوں نہیں چھوڑ سکتا۔" اور پھر ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ ذاکر نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" ابا جان...... صبر سے کام لیجئے۔" باقر صاحب ٹھہر گئے اور رک رک کر بولے۔ "مشہور ڈاکو راہل میرے پیچھے الگ پڑا ہوا ہے۔ اس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ میرے کاغذات دلوا دیجئے اس سے...... فریدی صاحب میں تا زندگی آپ کا احسان مانوں گا۔"

فریدی باقر صاحب کی گفتگو سنتا رہا۔ درمیان میں حمید نے کئی بار کوشش کی کہ اُن سے سوالات کرے، مگر فریدی کا اشارہ پا کر وہ بھی خاموش رہا۔

فریدی کافی دیر تک سوچتا رہا۔ رہ رہ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھتیں۔ اس نے باقر صاحب کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں جیسے ان کے چہرے میں کچھ تلاش کر رہا ہو اور ایک طویل عرصہ کی خاموشی کے بعد بولا۔

"میں آپ کو کچھ بتا دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہاں کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں صرف اپنے دوست کی خاطر یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ آپ سے جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سچائی پر مبنی نہیں۔ راہل سے میں بخوبی واقف ہوں اور اسی لئے فی الحال میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ راہل ہی آپ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ بہر حال آپ مجھے معاف فرما دیں۔"

ایک جہاندیدہ آدمی کی طرح لیفٹیننٹ باقر فریدی کی باتیں سنتے رہے۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی زردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے پھر کہا۔

"فریدی صاحب...... میں آپ سے انسانی حقوق اور رشتے کی بناء پر کہہ رہا ہوں...... آپ میرا ساتھ دیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔ میں اپنے حالات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ میری بدقسمت حالت پر اگر آپ کو ترس آجائے تو اس کام میں ہاتھ ڈالئے ورنہ آپ کو اختیار ہے۔"

"میرے والد نواب زائر علی خاں تھے، ان کی پہلی شادی راجہ سید پور کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ شادی کے تین سال بعد میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ بارہ سال تک والد نے شادی نہ کی۔ لیکن آخر کار انہیں شادی کرنا ہی پڑی۔ اپنی دوسری ماں کے سلوک سے تنگ آ کر میں بھاگ نکلا...... بمبئی کے ایک کارخانے میں نوکری کر کے تعلیم حاصل کی اور پھر اس عہدے تک پہنچا۔ اب باقاعدہ پنشن مل رہی ہے۔ مجھے ہمیشہ شرم آتی تھی کہ والد مرحوم کے انتقال کے بعد اگر گھر جاؤں گا تو شاکر سوچے گا کہ جائیداد میں حصہ بٹانے آپہنچے۔ لیکن مرحوم کو خود میرا خیال تھا۔ مرنے سے ایک ہفتہ قبل اُن کا خط مجھے ملا تھا جس میں انہوں نے مجھے بلایا تھا اور اب جب میں آیا ہوں تو وہ مرحوم...... !" باقر صاحب جتنی دیر تک باتیں کرتے رہے روتے رہے اور آخری جملے پر پہنچ کر اُن کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

حمید بُری طرح اُن سے متاثر ہوا تھا۔ اُن کی ضعیفی اور اُن کی حالت پر اُسے رحم آ رہا تھا۔ فریدی یہ پوری بات غیر متعلق انداز میں سنتا رہا۔ نوابزدہ شاکر کا خط دیکھنے کے بعد وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے اُسے باقر کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"مگر سعیدہ کا بیان ہے کہ نوابزدہ شاکر کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔"

"ہو سکتا ہے وہ مجھے نہ پہچانے مگر اُسے یہ علم ہے کہ شاکر کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ خاندان میں یہ بات مشہور کر دی گئی تھی کہ باقر مر گیا۔ اس میں شاکر کے ننھیال والوں کا ہاتھ تھا...... مگر وہ سب مر گئے۔"

"سب......!" حمید کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"جی ہاں...... چند سال قبل طاعون کی بیماری میں۔"

"بہر حال .... میں وکیل نہیں لیکن بظاہر آپ کا مقدمہ کافی مضبوط ہے۔ عدالت میں آپ درخواست دے چکے ہیں۔ وہاں کا فیصلہ جج کے اختیار میں ہے۔ رہ گیا آپ کی حفاظت کا سوال...... تو میں اتنا کر سکتا ہوں کہ پولیس کا معقول انتظام کرا دوں۔ اب اگر اجازت دیں تو بہتر ہے۔" فریدی نے قدرے رکھائی سے یہ جملے ادا کئے۔ مگر لیفٹیننٹ صاحب کا چہرہ ویسے ہی متین اور سنجیدہ رہا...... وہ خاموشی سے اٹھے اور ایک بار پھر فریدی کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اپنے لڑکے سے بولے۔ "آؤ بیٹا...... چلیں۔"

دروازے پر پہنچ کر انہوں نے مڑ کر فریدی کو دیکھا اور دھیمی آواز میں بولے۔

"زحمت کا شکریہ۔" اور چلے گئے۔

آگ خون اور گولے

فریدی اور حمید شہر کے نزدیک پہنچ رہے تھے۔ شہر کی چہل پہل شروع ہو گئی۔ ایک لمبی سانس کھینچتے ہوئے حمید نے کہا۔

"کیا مصیبت تھی۔"

"ہوں......!" فریدی نے کہا اور چپ رہا۔

"میں سمجھتا ہوں ہمیں اب رام گڈھ چھوڑ ہی دینا پڑے گا۔" حمید کے لہجے میں مایوسی تھی۔

فریدی خاموش رہا۔ "تمہیں ابھی شہر میں بھی آگ ملے گی۔" فریدی کچھ دیر رک کر بولا۔

"آؤ جلدی کریں۔"

سامنے ریستوران کھلا ہوا تھا۔ حمید سے نہ رہا گیا۔

"صرف ایک پیالی چائے۔" حمید نے گھگھیا کر کہا۔

اور دونوں ہوٹل میں داخل ہو گئے۔

ایک خوبصورت سا نوجوان سامنے بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا۔

ایک نظر میں فریدی نے اسے پہچان لیا...... اس نے غالباً ابھی ابھی سگریٹ جلائی تھی۔ سگریٹ کا ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ وہ فریدی کو دیکھ کر اٹھا اور سگریٹ کا کش کھینچتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

فریدی کے پاس پہنچتے ہی وہ زمین پر بیٹھ گیا اور زور زور سے گلا دبانے لگا۔ "ارے...... ارے...... یہ تو رخصت ہوئے۔" کہتا ہوا فریدی اٹھا۔ اس کی آنکھوں سے شرارے ابلنے لگے

"بیچارہ ذاکر" فریدی کے منہ سے نکلا۔

حمید نے پانی کا گلاس اٹھا کر جلدی جلدی چھینٹے دینے شروع کر دیئے۔ ہوٹل میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ لوگ جگہیں چھوڑ کر وہاں کھڑے ہو گئے تھے۔ کسی نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ "یہ ختم ہو گئے...... انہیں سگریٹ میں زہر دیا گیا ہے۔" کہتے ہوئے وہ پیچھے مڑا۔ "طارق صاحب...... ارے آپ؟"

"فریدی صاحب...... فوراً چلئے...... غزالہ کی حالت نازک ہے۔"

فون کرنے کے بعد لاش کو پولیس کے حوالے کر کے اور حمید کو ہدایات دے کر فریدی طارق کے ساتھ چلا۔

"وہ لوگ کہاں ہیں۔"

"سعیدہ کے گھر میں آگ لگا دی گئی۔ اس کے یہاں کے سارے کبوتر غائب ہیں اور صرف غزالہ زخمی ہے۔ وہ لوگ ابھی ابھی یہاں آئے ہیں۔"

"مگر باقر اور ظفر کے تعلقات......!"

فریدی نے پوچھا۔

"آپ کو شاید حالات کا علم نہیں۔ باقر صاحب اور سعیدہ میں سمجھوتہ ہو گیا۔ عدالت نے باقر کو شاکر کا بھائی تسلیم کر لیا۔ لیکن انہوں نے اپنی طرف سے جائیداد سعیدہ کے نام ہبہ کر دی ہے۔ صرف گھر اُن کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ جس وقت آگ لگی ہے باقر صاحب وہیں موجود تھے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے سب کو نکالا۔"

فریدی سنتا رہا...... اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

"میں نواب اور کنور صاحب سے مل بھی نہ سکا۔ بہت سی باتیں معلوم کرنا تھیں۔ میرا مقابلہ ایسے آدمی سے ہے، جس کے کام کرنے کا طریقہ سب سے الگ ہے۔ وہ پے در پے تابڑ توڑ ایسے حملے کرتا جاتا ہے کہ مخالف کو سوچنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ ہاں...... غزالہ کو کیا ہوا۔"

"میں بتا رہا تھا...... وہ لوگ کچھ آپ سے کشیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ خصوصاً کنور صاحب...... جس وقت آگ لگی ہے ہمیں ایسا معلوم ہوا جیسے جلتی ہوئی شہتیروں کے درمیان آپ بچ نکلنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ہم سب بڑھے اور غزالہ بھی۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی ہمت کر سکے وہ آگ میں داخل ہو چکی تھی۔ جلتی ہوئی آگ میں سے بہزار دقت اُسے

نکالا گیا..... وہاں سے آنے کے بعد باقر صاحب نے مجھے اس ہوٹل میں ذاکر کو بلانے کے لئے بھیجا اور یہاں آپ مل گئے...... بیچارے باقر صاحب... ان کا یہی ایک لڑکا تھا۔"

فریدی اور طارق نوابزادہ شاکر کے مکان پر جب پہنچے ہیں وہاں بھی آگ لگ چکی تھی۔ آگ مکان کے پچھلے حصہ کی طرف سے لگائی گئی تھی اور بیرونی حصہ تک پہنچنے سے پہلے اُسے بجھانے کی کوشش کافی حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ مکان کے سامنے باقر صاحب چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ غالباً ذاکر کے مرنے کی اطلاع انہیں مل چکی تھی۔ غزالہ باہر ہی ایک پلنگ پر لٹائی گئی تھی۔ صرف ذرا سی خراش اور پیر کا نچلا حصہ جلا تھا۔

"بلاوجہ طارق نے پریشان کر دیا۔" فریدی منمنایا اور پھر پلٹ کر نواب صاحب کی طرف مڑا۔ نواب رشید الزماں بالکل گم سم تھے اور سعیدہ غزالہ کے پاس بیٹھی ہوئی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ کنور ظفر علی خاں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"جج صدیق احمد کے یہاں چوری ہو گئی...... مگر ان کے کبوتروں کے علاوہ اُن کی سب چیزیں محفوظ ہیں۔" ایک سپاہی نے اطلاع دی...... اور باقر صاحب کے گھر پر تعینات انسپکٹر نے فریدی سے کہا۔ "آگ لگانے کا مقصد میری سمجھ سے باہر ہے۔ نواب زادہ شاکر کے تمام پرانے کبوتروں کے علاوہ گھر کی ہر چیز محفوظ ہے۔"

"مگر آگ لگانے والوں میں سے کسی کو آپ دیکھ سکے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ایک شخص گرفتار ہوا ہے...... اُسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر گولی چلائی گئی تھی۔ اُس کے بائیں شانے پر گولی لگی ہے۔ وہ لیجئے اُسے یہ لوگ لے بھی آئے۔"

وہ آدمی بے ہوش تھا...... فریدی نے روشنی اٹھا کر اس کے چہرے کو بغور دیکھا اور چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کنور ظفر علی خاں۔"

اُس کے منہ سے نکلا۔ باقر صاحب کنور کو دیکھتے ہی چیخنے لگے۔

"بہن سعیدہ دیکھا تم نے...... اسی نے میرے بھائی کی جان لی۔ اسی نے گھر میں آگ لگائی۔ اسی نے میرے بیٹے کو مارا...... اور اب یہ مجھے بھی مارنا چاہتا ہے۔ اگر یہ مجھ سے کہہ دیتا تو میں اسے یوں ہی کبوتر دے دیتا۔" ان کی آواز میں عورتوں کا درد جھلک رہا تھا۔ وہ بے تحاشہ چیخ

رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔

"انہیں ہسپتال بھجوا دیجئے...... دشمن ہم سب کو غلط فہمی میں مبتلا کر تا رہا ہے...... میں جا رہا ہوں۔" فریدی کہتا ہوا نواب صاحب کے پاس رکا......!" آپ ماتھر صاحب کے یہاں سعیدہ غزالہ اور طارق کے ہمراہ چلے جایئے...... مگر دیکھئے کل رات تک وہاں سے کہیں اور نہ جایئے گا......!" کہتا ہوا فریدی غائب ہو گیا۔

نواب صاحب فریدی کی ہدایت کے مطابق چلے تو گئے۔ مگر دوسرے روز شام کو غزالہ کی طبیعت سنبھلنے پر باقر صاحب کے اصرار پر اُن کے گھر چلے آئے۔ سعیدہ اپنے مکان پر لوٹ آئی تھی اور کنور ظفر علی خاں پر نواب زادہ شاکر کے قتل اور اُن کے بھائی لیفٹیننٹ باقر کے گھر میں آگ لگانے اور چوری کے الزام میں لیفٹیننٹ باقر کی طرف سے مقدمہ چلا دیا گیا تھا۔ وہ ضمانت پر چھوڑ دیئے گئے تھے...... اور ہسپتال میں تھے۔

فریدی گرفتار

اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا فریدی دو کتابوں میں منہمک تھا۔ قلمی خاکے والی کتاب پر کچھ نشانات نوابزادہ شاکر نے لگا رکھے تھے۔ دوسری کتاب پڑھتے ہوئے اس نے کچھ نوٹ لکھے...... دفتی والا کاغذ پھٹا ہوا تھا...... اس نے کچھ سوچا اور پھر دونوں کتابیں اٹھائیں اور انہیں اپنی الماری میں بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے الماری کھولی کتابیں الماری میں نہیں تھیں۔

"ٹھیک ہے......!" وہ بڑبڑایا۔ "میں جانتا تھا جابر کہ تم یہاں آؤ گے...... ان کتابوں کے لئے...... تمہیں میری سخت ضرورت ہے اور یہ کتابیں اب نہ مل سکیں گی...... یہ بہت دور چلی گئی ہیں۔"

جیب سے ایک تصویر نکال کر اُس نے غور سے دیکھا اور پھر اُسے جیب میں رکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔

شام ہو چکی تھی۔ حمید کا کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی نے اُسے لیفٹیننٹ باقر کے گھر پر نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس کے خیال سے اُسے اب واپس آجانا چاہئے تھا...... وہ ہوٹل کے برآمدے میں انتظار کرتا رہا اور آخر تنگ آکر لیفٹیننٹ باقر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

لیفٹیننٹ باقر کے گھر پر بالکل سناٹا تھا۔ پولیس کے دو سپاہی بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے۔ لائبریری میں روشنی شیشے کے خانوں سے چھن چھن کر آرہی تھی۔ فریدی نے جھانک کر دیکھا لیفٹیننٹ صاحب کمرے میں کتابوں میں محو تھے...... تھوڑی دیر تک وہ کتابیں دیکھتے رہے پھر انہوں نے دراز سے پستول نکال کر اپنی جیب میں رکھا اور دروازے کی طرف بڑھے۔ فریدی نے فوراً اپنے کو چھپالیا...... لیفٹیننٹ صاحب جیسے ہی باہر نکلے وہ کچھ عجیب طریقے سے کھانسے...... انہوں نے جیب سے رومال نکالا اور اپنے منہ کو ایک بار پھر پونچھا...... کمرے کا دروازہ بند کیا۔ تالا لگایا اور سپاہیوں کو دیکھتے ہوئے باہر چلے گئے۔

فریدی اُن کے جاتے ہی لپکا۔ جس جگہ رُکے تھے وہاں پر پڑے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے کو اس نے اٹھایا اور لائبریری کے دروازے کے نچلے پٹ پر اس نے اپنے ڈبے سے سفوف نکالا اور چھڑک دیا...... دیکھتے ہی دیکھتے لکڑی کا وہ ٹکڑا گلنے لگا۔ جلدی سے فریدی نے اپنی انگلیاں رومال سے باندھ کر انہیں اندر کی طرف دبانا شروع کیا۔ لکڑی کا تختہ ایک ہلکی آواز کے ساتھ نیچے آرہا۔ اور فریدی اسی راستہ سے اندر داخل ہو گیا۔ ہلکی ہلکی مدھم سی آوازیں بات چیت کرنے کی آرہی تھیں۔ فریدی نے کان لگا کر سنا "طارق اپنی سیاحی کے قصے سنا رہا تھا...... کبھی کبھی نواب رشید الزماں کے بولنے کی آواز بھی آجاتی۔ غزالہ کے قہقہے کی آواز اس نے صاف پہچان لی۔

اس نے سوچا کہ اُن لوگوں کو یہاں سے ہٹادے مگر ایک جانی پہچانی آواز پھر اُسے سنائی دی۔ ماتھر صاحب بول رہے تھے۔ "یہ بھی یہیں ہیں تب ٹھیک ہے۔"

کاغذ جیب سے نکال کر فریدی نے ایک بار پڑھا اور پھر اُسے جیب میں رکھ لیا۔ الماری کے بغل میں رکھے ہوئے اسٹول پر ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ فریدی کی انگلیاں اُس مجسمے پر کچھ تلاش کرتی رہیں۔ اچانک اس کا ہاتھ مجسمے کے پچھلے حصہ پر پڑا اور خفیف سی آواز کے ساتھ مجسمہ کا سر بیچ سے کھل گیا۔ اندر ایک چھوٹے سے صندوقچہ میں بہت سے خطوط رکھے تھے۔ فریدی نے انہیں نکالا اور دیکھتا رہا۔ ایک تصویر دیکھتے ہی اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "میں اتنا نہیں سمجھا تھا...... اتنی

شاندار اداکاری اور ایسا بھیس۔" فریدی دل ہی دل میں بولا۔

خطوط جمع کرنے کے بعد اس نے انہیں الماری کے بالکل اوپر رکھ دیا...... سامنے ایک کتاب کھلی ہوئی تھی...... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی اس پر کوئی شخص کچھ لکھ رہا تھا اور پھر ادھورا چھوڑ کر اٹھ گیا ہے۔

کتاب کے بہت سے اوراق سادہ تھے۔ سرسری طور پر فریدی نے ورق الٹے...... جسم کی بناوٹ...... مختلف اعضاء جسمانی حرکات و افعال روح کی ماہیت کے متعلق ایک بالتفصیل مضمون تھا۔ آخر اُسے وہ چیز دکھائی دے ہی گئی۔ میز کے نیچے کبوتروں کے پنجے میں ڈالے جانے والے تین چھلے احتیاط اور حفاظت سے ایک چھوٹے سے بکس میں رکھے تھے۔ بکس پر گرد جمی ہوئی تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس بکس کو غیر اہم بنانے کے لئے گرد ڈالی گئی ہے۔ بکس کے اوپر دو جوتے اور سامنے بہت سی چپلیں رکھی ہوئی تھیں۔ بغل میں ایک ڈبہ اسی حالت میں تھا۔ سگریٹ کی تمباکو اس میں بھری ہوئی تھی...... فریدی نے چٹکی سے تمباکو سونگھا.... "ارے" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

تمباکو اور چھلے والے خطوط لے کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔

اچانک اُسے محسوس ہوا کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس نے جھک کر دیکھا...... پیروں سے تار سے زیادہ باریک شے جکڑی ہوئی تھی...... اس نے چاہا چیخے...... مگر گردن میں بھی ایسی ہی ایک مصیبت تھی...... سامنے جابر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"پھنس گئے نا آخر...... تم نے مجھے پھنسانا چاہا اور خود دام میں آگئے...... شاید اگر مجھے پانچ منٹ کی بھی دیر ہوتی تو تم نے تو مجھے ختم کر دیا تھا......" وہ کچھ دھیمے لہجے میں بولا۔ فریدی نے ہاتھ سے پستول نکالنے کی کوشش کی مگر پستول نکالنے سے پہلے ہاتھوں کی طاقت ختم ہو گئی...... جابر ہنسا۔

"یہ اناڑی پن چھوڑو...... میں اتنا گدھا نہیں ہوں کہ تمہیں پستول نکالنے کا بھی موقع دوں...... یہ تار دیکھو...... بڑی محنت سے تیار کئے ہیں میں نے...... ان کے ذریعہ انسانی جسم کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔ تم دیکھ سکتے ہو سوچ سکتے ہو...... مگر نہ بول سکتے ہو اور نہ

حرکت کر سکتے ہو......اس تار کا نسخہ جرمنی میں ڈاکٹر وان ریچ سے حاصل کیا گیا تھا۔"

وہ بولتا رہا...... غصہ سے اس کی بھویں تن گئی تھیں......اس نے اپنی ناک اٹھائی اور اپنا منہ فریدی کے بالکل سامنے لے آیا۔ فریدی کی آنکھیں خوف سے بند ہو گئیں...... منہ کے اندر اس نے ایک تھیلی لٹکا رکھی تھی۔

"فریدی بیٹے۔" وہ چمکارتے ہوئے بولا۔ "دو چار سے بھڑ گئے اور اپنے کو تیس مار خاں تصور کر لیا...... یہ تھیلی دیکھتے ہو میں اسے نکال لوں تو میری آواز سنتے ہی تم بیہوش ہو جاؤ......اس میں ایک گولی چھوڑو...... آواز کرخت ہو گی...... دو...... اوسط...... تین...... نرم...... چار...... کرخت زنانی...... پانچ...... سریلی زنانی آواز...... سمجھے۔"

"مگر دیکھو...... تم بیہوش ہونے کا ارادہ کر رہے ہو...... یہ بڑی بُری بات ہے...... خیر...... یہ بتاؤ...... کتابیں مجھے دو گے یا کتے کی موت مرنا چاہتے ہو؟ بولو...... اچھا لو...... میں تمہیں تمہارے ایک ہاتھ کی طاقت واپس دیتا ہوں۔"

جابر نے ایک ہاتھ کا تار نکال لینے سے پہلے پستول اور خطوط اپنے پاس رکھ لئے......اور پھر فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔

"اشارہ سے بتادو...... کتابیں دو گے یا نہیں۔"

فریدی نے اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا۔

"بالکل گھامڑ سمجھتے ہو...... میں تمہارے پاس آؤں...... تم مار ہی دو...... کون جانے؟ ضدی تو ہو، کتاب دو گے۔"

فریدی نے انکار کیا...... تین بار اُس نے پوچھا اور فریدی انکار ہی کرتا رہا۔

"خیر...... تم ذہین آدمی ہو......اور ہندوستان میں ایسے آدمیوں کی کمی ہے اس لئے تمہیں مارنا نہیں چاہتا...... کیا فائدہ...... بتادو...... اچھا چلو میں تمہیں جابر کے ایک ہم شکل کی لاش دوں گا...... شاید چیف کمشنر بنادیئے جاؤ......اس لئے کہ تمہاری حکومت کی کچھ تجارتی دستاویز بھی میرے پاس ہیں۔"

"بڑا نام ہو گا تمہارا...... میں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر ہندوستان نہیں آؤں گا......اب دیتے ہو۔"

فریدی نے پھر انکار کیا۔

"دیکھو ضد نہ کرو...... تم مجھ سے بہت پیچھے ہو...... میں ہزاروں سال زندہ رہنے کا تجربہ کر رہا ہوں۔"

"اس کتاب سے مجھے بڑی مدد ملے گی۔ انسانی خون کی جتنی مجھے ضرورت تھی وہ مجھے مل چکا ہے۔ مجھے بتادو...... میں تمہارا اعتبار کرتا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا...... میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ابھی اسی کمرے میں پہلے طارق آئے گا...... پھر تمہارے دوست ماتھر آئیں گے...... پھر جج صدیق احمد آئیں گے۔ پھر نواب رشید الزماں آئیں گے اور وہ حسین چھوکری غزالہ آئے گی اور تمہارے حمید آئیں گے۔ اس چھوکرے کو اچھی تربیت دے رہے ہو۔ خیر......اگر کتاب نہ دو گے تو یہ سب مر جائیں گے۔"

فریدی نے پھر انکار کیا۔

"تب تم ایک بیوقوف آدمی ہو اور بیوقوف کے لئے یہی جگہ ہو سکتی ہے۔" جابر نے ایک ٹھوکر ماری اور لائبریری کے بیچ کا حصہ پھٹا......اور فریدی اندر دھنستا چلا گیا۔ اس نے تختہ رکھا اور قالین بچھادیا۔ کمرے میں بے ہوشی کی گیس بھر رہی تھی۔

ننگی لاشیں

فریدی کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے کو ایک الماری نما خانے میں بند پایا......اس کے ہاتھ اور پیروں میں قوت لوٹ آئی تھی۔ وہ بول بھی سکتا تھا...... لیکن اس کے منہ پر پٹی باندھ دی گئی تھی اور سارا بدن رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔

کمرے کا عجیب ہیولٰی تھا...... چاروں طرف انسانی پنجر رکھے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے مرتبانوں میں عجیب وغریب طرح کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ کمرے میں سیلن اور بو تھی۔

سامنے لگے ہوئے چارٹ پر نمبر پڑے ہوئے تھے۔ اس کے اوپر جرمن زبان میں لکھا ہوا تھا۔

"جابر کبھی بھی بلاوجہ کسی کو دعوت نہیں دیتا۔ اب تک اس چارٹ پر جتنوں کے نام لکھے گئے ہیں، وہ سب اس کے مہمان رہ چکے ہیں اور ان سے وہ بہت کچھ حاصل بھی کر چکا ہے۔"

الماری کے بالکل سامنے ہی وہ چارٹ تھا...... چارٹ کے نیچے عجیب و غریب شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ دیواریں بہت بوسیدہ معلوم ہوتی تھیں۔ پورا ماحول بھیانک تھا۔

جابر اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کمرہ چاروں طرف سے بند تھا۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں وہ اپنی میز کے سامنے پڑی تین ننگی لاشوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ مگر اس کی خوفناک چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور لاشوں پر جھک کر غور سے دیکھنے لگا۔ میز پر سے ایک آلہ اٹھانے کے بعد اس نے لاش کے سینے کا معائنہ شروع کیا۔ ابھی اس کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک دھماکے کے ساتھ ایک چوتھی لاش اس کے کمرے میں گری۔ "مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔" وہ بڑبڑایا اور اس کے کپڑے اتار کر اس نے اسے بھی بالکل ننگا کر دیا اور ان تینوں کے بغل میں اس کو لٹا دیا۔ پھر کمرے میں لگے ہوئے ایک بڑے سے چارٹ پر اس نے لکھا نمبر ۴ اور کرسی پر بیٹھ کر دراز میں سے کچھ کاغذات نکال کر اسے دیکھنے لگا کہ ایک دوسرا دھماکہ ہوا اور اب پانچویں لاش اس کمرے میں پڑی تھی۔

یہ لاش ایک خوبصورت سی نوجوان عورت کی تھی۔ وہ کچھ چونک سا پڑا۔ "آخر تم بھی آگئیں، اچھا ہوا......" وہ پھر کچھ بڑبڑایا اور ایک بڑی سی الماری کے پاس جا کر رک گیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک تیز ہو گئی تھی اور پھر...... وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ "لاش کے قریب آکر اس نے عورت کی لاش کو بھی ان لاشوں کے برابر ڈال دیا اور چارٹ پر نمبر ۵ لکھ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ابھی ایک خانہ خالی تھا۔ وہ اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا اور لیمپ کی مدھم روشنی میں وہ چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ چھت بالکل سپاٹ معلوم ہوتی تھی، جسے دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس میں کوئی جوڑ ہے اور یہ ذرا سا بٹن دبانے سے کھل سکتی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ "پرانی

چھت اس کے لئے کتنی کارآمد ثابت ہوئی ہے۔" گرمی سے پریشان ہو کر وہ ٹہلنے لگا۔ اسی طرح کا ایک دھماکہ ہوا...... چھت کھلی اور لاش اندر گر پڑی۔

"تم نے کافی انتظار دکھایا، خیر اب مجھے کسی کا انتظار نہ کرنا پڑے گا۔"

وہ پھر بڑبڑایا اور اس کو بھی بالکل ننگا کر کے ان لاشوں کے بغل میں لٹا دیا۔ چارٹ کا وہ خانہ جو خالی تھا ۶ نمبر سے بھر چکا تھا۔

اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دیوار سے لگی ہوئی بڑی سی الماری کا پردہ ہٹایا۔ ایک شخص رسیوں میں جکڑا ہوا کھڑا تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ "دیکھو تمہارے مہمان آئے ہوئے ہیں۔" اس نے لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔ بندھے ہوئے شخص کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے رسیوں سے آزاد ہو جانے کے لئے بھرپور طاقت سے اپنے بازوؤں کو ہلایا لیکن رسی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"کیوں......" وہ شخص زور سے ہنسا۔ "میرا نام جانتے ہو...... میرے کاموں میں رخنہ ڈالنے کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ میں نے تم سے کئی بار کہا کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ...... لیکن تم جانتے نہیں خیر یہ دیکھو...... انہیں پہچانو...... "غزالہ" اس نے لاشوں کی طرف اشارہ کیا "اور یہ ہیں مسٹر حمید۔ ان سے مل کر تم کو ضرور خوشی ہوئی ہوگی اور یہ بیچارے جج صاحب ہیں۔ نواب رشید الزماں سے تو مل لو...... اس نے بندھے ہوئے شخص کا شانہ ہلایا اور وہ دیکھو ماتھر صاحب بیچارے کے چہرے پر روشنی ذرا کم پڑ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے انہوں نے ملزموں پر بہت ظلم کئے ہیں، کیوں کیا خیال ہے تمہارا......!" اس نے پھر چھیڑا۔

"شاید تمہیں ان مہمانوں سے مل کر خوشی نہ ہوئی ہو۔" وہ بولا۔ اور پھر سب سے آخری لاش پر جا کر کھڑا ہو گیا، "ادھر دیکھئے سرکار! یہ آپ کے خاص قدر دانوں میں سے ہیں مسٹر طارق...... لیکن ان کا نیولا اس وقت ان کے کاندھوں پر نہیں ہے۔" یہ کہہ کر پھر اس نے الماری پر پردہ ڈال دیا اور حمید کی لاش اٹھا کر کمرے کے باہر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ہاتھ میں ایک سفید سی شیشی لئے ہوئے واپس آیا...... اور شیشی میں سے تھوڑا سا سفوف نکال کر اس نے طارق کی ناک میں ڈال دیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس نے کمرے کی روشنی کم کر دی اور طارق کی لاش پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد لاش کو ایک چھینک آئی وہ

جلدی سے ہٹ گیا اور جیب سے ایک دوسری شیشی نکال کر اس کو سنگھایا۔ طارق کے جسم میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

"میں...... میں کہاں ہوں......!" طارق کمرے کے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا اور جب اس کی نظر اپنے برہنہ جسم پر پڑی تو وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ڈرو نہیں۔"

اس نے طارق کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"لیکن...... تم...... تم...... ہو کون...... اور مے...... میرے...... ک...... ک...... کپڑے۔" طارق نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ لو اپنے کپڑے، گھبراؤ نہیں...... ابھی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں۔"

طارق جلدی جلدی اپنے کپڑے پہننے لگا۔ جب وہ پ...ے پہن چکا تو اس نے اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹایا۔ "فریدی" طارق زور سے چیخا۔ "کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"نہیں آپ خواب نہیں دیکھ رہے ہیں۔ میں ہوں انسپکٹر احمد کمال فریدی۔"

"لیکن یہ سب کیا تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔" طارق بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں" وہ بولا اور بقیہ لاشوں کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ نواب رشید الزماں اور غزالہ کے علاوہ سب کو ہوش آ چکا تھا۔ وہ ان سب کے کپڑے دیتے ہوئے بولا۔

"گھبرائیے نہیں...... ابھی آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" اور وہ نواب صاحب اور غزالہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔

سب لوگ حیرت سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ فریدی یہاں کس طرح پہنچا اور ہم لوگوں کو کس نے گرفتار کیا۔ وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ نواب صاحب اٹھ بیٹھے اور اس نے انہیں بھی کپڑے پہننے کو دے دیئے۔ نواب صاحب کی نظر جیسے ہی غزالہ پر پڑی وہ بڑے زور سے چیخے "فریدی۔"

"نواب صاحب پریشان نہ ہوں...... اس نے ہمدردی کے لہجہ میں کہا۔ شکر ہے کہ میں وقت پر پہنچ گیا...... ورنہ آپ لوگوں کا نہ جانے کیا حشر ہوتا۔"

"میری بچی۔" نواب صاحب کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔

"گھبرائیے نہیں...... ابھی ان کو بھی ہوش آ جائے گا۔" اس نے تسلی دی۔

"مسٹر فریدی کچھ بتائیے کہ واقعہ کیا ہے۔" ماتھر نے پوچھا۔

"واقعہ تو کوئی خاص نہیں ہے۔" وہ جیب سے پستول نکال کر اچھالتا ہوا بولا۔

"انہیں آپ دیکھ رہے ہیں۔ نواب رشید الزماں ایک بزرگ ہستی جن سے کبھی اس بات کی امید نہیں رکھی جا سکتی کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں ان کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔" اُس نے پستول سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"کیا بکتے ہو۔" نواب صاحب غصہ میں کھڑے ہو گئے۔

"میں تمہیں اتنا ذلیل نہیں سمجھتا تھا...... میں نے تمہیں آج تک اپنے بیٹے کی طرح سمجھا۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہاری رگوں میں رزالت کا خون دوڑ رہا ہے.... کمینے ذلیل۔"

"بس...... بس...... نواب صاحب۔ آپ کے منہ سے گالیاں کچھ بھلی نہیں معلوم ہوتیں۔" وہ مسکرایا۔

"لیکن تم کو اپنے ہاتھوں میں قانون نہیں لینا چاہئے تھا۔" ماتھر افسرانہ انداز میں بولا "اور اگر تمہارے پاس اس کا ثبوت تھا کہ نواب رشید الزماں نواب زادہ شاکر علی کے قاتل ہیں یا ان کا اس قتل میں ہاتھ ہے تو تمہیں قانونی طور پر انہیں گرفتار کرنا چاہئے اور ہم لوگوں کا ہاتھ کس قتل میں ہے، جو اس طرح سے یہاں لائے گئے؟"

"ماتھر صاحب چونکہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں نواب صاحب کا ہاتھ ہے اور میرے پاس کوئی قانونی ثبوت نہیں ہے اس لئے مجھے ایسا کرنا پڑا اور چونکہ آپ پولیس کے ایک ذمہ دار آفیسر ہیں اس لئے آپ کے سامنے ان کا بیان ہو گا۔"

"فریدی خدا کے لئے ہوش میں آؤ...... آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ سب کیا تماشہ ہے۔ اگر تمہیں یہ کرنا ہی تھا تو کپڑے اتار کر ہم لوگوں کو ذلیل کرنے سے تم کو کیا فائدہ پہنچا۔"

"فائدہ...... جج صاحب آپ ہمیشہ فائدے ہی کی سوچتے ہیں۔" اس نے جج صاحب کو جواب دیا۔ "آپ لوگوں کا اصلی روپ یہی ہے۔ آپ سب ذلیل ہیں، جو شرافت کا مصنوعی لباس پہن کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ خود جرم کر کے دوسروں کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ آپ کے ان ناپاک جسموں کو ننگا ہی رہنا چاہئے۔ بالکل ننگا۔ ایک کتے کی طرح تاکہ آپ کسی کو دھوکہ نہ دے سکیں۔"

وہ غصے میں بکے جا رہا تھا اور جج صاحب بیچارے سہم کر چپ ہو گئے تھے۔ غزالہ کو ہوش آ رہا تھا۔ نواب صاحب آہستہ آہستہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ غزالہ نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے باپ کو اپنے پاس دیکھ کر اُسے کچھ اطمینان ہوا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور فریدی کی گفتگو غور سے سننے لگی۔

"بہر حال نواب صاحب کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ شاکر علی کے قتل میں ان کا ہاتھ ہے۔" اُس نے کنکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا۔

"یہ جھوٹ ہے...... یہ سب جھوٹ ہے......!" غزالہ چلائی۔

"کیا آپ کو بھی اس سے انکار ہے۔" اس نے نواب صاحب سے دریافت کیا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو......" نواب صاحب عاجز ہو کر بولے۔

"یہی کہ آپ یہ لکھ کر دیجئے کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں آپ کا ہاتھ ہے۔"

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" نواب صاحب غصے میں بولے۔

"ہو سکتا ہے......!" اس نے پستول دکھایا۔

"ٹھہرو......!" ماتھر کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "تم بہت آگے بڑھ رہے ہو۔"

"اوہ...... سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ کو غصہ آ گیا۔ کرسی پر بیٹھ جائیے۔"

"لیکن تم یہ سب کیا کر رہے ہو۔"

"میں کچھ نہیں کر رہا ہوں...... یہ کاغذ حاضر ہے...... اس پر لکھ دیجئے میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلدی کیجئے۔"

"لیکن......!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں جلدی کیجئے...... اور سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ کو گواہی دینا ہو گی۔" اس نے پستول قریب کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب مجبوراً قلم اٹھاتے ہوئے بولے۔ "کیا لکھوں؟"

"ہاں لکھئے......!

میں آج انسپکٹر فریدی اور ماتھر صاحب سپرنٹنڈنٹ کے سامنے اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں میری بھی سازش تھی۔

نواب رشید الزماں بقلم خود۔"

"لیجئے ماتھر صاحب اب آپ بھی گواہی کر دیجئے......!" وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"ہوں......!" ماتھر نے اس کو گھورا اور پھر اس کاغذ پر اپنے دستخط کر دیئے۔

اس نے کاغذ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگوں کو بے حد تکلیف ہوئی جس کی میں معافی چاہتا ہوں......" غزالہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"اچھا اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" اس نے تالی بجائی اور فوراً آٹھ نقاب پوش کمرے میں داخل ہوئے۔

"آپ لوگوں کو آرام سے چھوڑ آؤ۔" اس نے اشارہ کیا۔

اور نقاب پوش ان لوگوں کو لے کر کمرے سے باہر چلے گئے۔

کبوتروں کا خون

"انتہائی بدمذاقی کا ثبوت ہے۔ اگر قیدی کرنا ہی تھا تو یہ ایک سرے سے ننگا کرنے کی کون سی ضرورت تھی۔" حمید نقاب پوش کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"میں کیا جانوں یہ تو فریدی صاحب بتا سکتے ہیں۔" نقاب پوش نے جواب دیا۔

"فریدی صاحب...... کیا مطلب......!"

"جی ہاں...... آپ انہیں کے قیدی ہیں۔" نقاب پوش بولا۔

"کیا بکتے ہو...... اماں اتنے بڑے ہو گئے اور تمہیں جھوٹ بولنا بھی نہیں آیا اور یہ پستول تانے کیوں کھڑے ہو۔ ہٹاؤ اس کو میں بھاگا تھوڑی جا رہا ہوں۔"

"لیجئے آپ کو یقین نہیں آ رہا تھا تو خود دیکھ لیجئے۔" فریدی صاحب خود آ رہے ہیں۔" نقاب پوش نے اشارہ کیا۔ اتنے میں وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"آپ......؟" حمید کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"اس کے دونوں ہاتھ پیچھے سے اچھی طرح باندھ دو۔" اس نے نقاب پوش کو حکم دیا۔

"حمید نے غور سے اس کو دیکھا......اوہ...... تم......!" اس کے منہ سے نکلا۔

"اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو۔"

"تو تم گولی چلا دو گے۔" حمید نے جملہ پورا کیا۔

"لو باندھ لو......!" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

اور جب وہ آدمی حمید کے دونوں ہاتھ باندھ چکا تو اس نے نقاب پوش سے کہا۔ "ان کو کبوتر خانے میں لے جاؤ۔ میں روشنی لے کر آتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ روشنی لے کر کبوتر خانے میں آ گیا۔ جہاں حمید اس آدمی کے ساتھ پہلے ہی سے کھڑا تھا۔ کمرے میں ہزاروں کبوتر پڑے ہوئے تھے جن کے پیٹ چاک کر دیئے گئے تھے۔

"دیکھا......!" اس نے حمید سے پوچھا۔

"ہاں دیکھ لیا......!" حمید نے بے دلی سے جولب دیا۔

"نہیں ادھر دیکھو......!"

اس نے اپنی ناک کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ حمید نے دیکھا کہ اس کی مصنوعی ناک غائب ہے اور اسکی جگہ پر ایک بڑا سا گہرا غار ہے۔ حمید نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ "جابر" اس کے منہ سے نکلا۔

جابر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اپنی ناک لگاتے ہوئے بولا۔ "دیکھا یہ میرا ایک معمولی سا کرشمہ ہے۔ تمہارا استاد بھلا میرا مقابلہ کیا کر سکتا ہے۔"

"جابر میں یہ مانتا ہوں کہ بھیس بدلنے میں تم استاد ہو۔ فریدی کا بھیس اس صفائی سے بدلا ہے کہ کوئی تمہیں پہچان نہیں سکتا۔ میں خود تھوڑی دیر کے لئے دھوکا کھا گیا تھا، لیکن یہ یاد رکھو کہ صورت سے فریدی بن سکتے ہو لیکن اس کی ذہانت نہیں پا سکتے۔" حمید نے جواب دیا۔

"خیر چھوڑو...... آؤ میں تمہیں اپنے کبوتر دکھاؤں۔"

"یہ دیکھو جج صدیق احمد صاحب کا عزیز ترین کبوتر قمری۔ یہ بالکل اصل نسل کا ہے۔" جابر حمید کو لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"اور یہ نواب زادہ شاکر علی کا وہ افریقی "شیرازی" ہے جس کی مجھے عرصہ سے تلاش تھی۔ ان کی نسل بہت کم ہے۔ یہ صرف افریقہ کے جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی

خصوصیت یہ ہے کہ ان کے خون میں کچھ مٹھاس ہوتی ہے، جو انسان کے قلب کی ماہیت بدل دینے میں کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔ اتفاقاً مجھے یہ کبوتر شاکر علی کے یہاں نظر آئے اور جس کے حاصل کرنے کے لئے مجھے ایک خون کرنا پڑا۔" جابر لال دھاگے سے بندھے ہوئے ایک کبوتر کو اٹھاتے ہوئے بولا۔ حمید کا...... بدبو کی وجہ سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے عاجز ہو کر کہا۔

"ہاں......ہاں میں نے سب دیکھ لیا۔"

"واہ......لم پٹ مکھی تو تم نے دیکھا ہی نہیں۔" جابر نے ایک کبوتر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کبوتر ظفر علی صاحب کے ایک دوست ان کے لئے عرب سے لائے تھے۔"

"اس کی ہڈیاں بڑی کار آمد ہوتی ہیں۔ اس کے سفوف سے چہرے کا رنگ بدل دینے کا ایسا پاؤڈر تیار ہوتا ہے جو بغیر دواؤں کی مدد سے نہیں چھوٹتا۔ سوئٹزر لینڈ میں تین سال تک اس پاؤڈر کی مدد سے اپنا رنگ بدلے ہوئے تھا اور یہ چاندنا ہے، یہ جوگی بیر، یہ غفوری، یہ لٹھما یہ گرہ باز......" جابر نے مختلف کبوتروں کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا اب تم چلو آرام کرو...... مجھے تمہارے استاد سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

جابر نے حمید کو ایک نقاب پوش کے حوالہ کیا اور خود اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے الماری کا پردہ ہٹایا۔ "کہئے فریدی صاحب جابر کی طاقت کا آپ کو اندازہ ہو گیا۔ اب بھی بہتر ہے کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ......" جابر نے فریدی کا منہ کھولتے ہوئے کہا۔ فریدی نے تھک کر اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"اچھا اب تم الماری میں سے نکل آؤ۔"

جابر نے فریدی کے اردگرد لپٹی ہوئی رسیوں کو کھول دیا لیکن اسکے ہاتھ بندھے رہنے دیئے۔

رسی کھلتے ہی فریدی فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ جابر اس کو ہوش میں لانے کے لئے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی کو ہوش آ گیا۔

"فریدی تمہاری ذہانت کا مجھے اقرار ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے خون سے اپنے ہاتھ رنگوں، بہتر ہے تم مجھے وہ دونوں کتابیں "روح اور اس کی ماہیئت" اور "قلمی خاکے" واپس کر کے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ ان کتابوں کو حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کرنا پڑا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں۔"

"جابر اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس وقت تمہارے بس میں ہوں اور ڈر کے مارے میں اپنے

قرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ تو تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ میں تم جیسے لوگوں کو جو ایک خطرناک زہر کی طرح سے انسانوں کی زندگیاں تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہوں، ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ میں اگر موت سے ڈرتا تو یہ پیشہ اختیار ہی نہ کرتا۔ تمہارے ہاتھ میں پستول ہے تم مجھے ختم کر سکتے ہو...... لیکن وہ کتابیں...... جن سے تم اور تمہاری برادری غلط فائدہ اٹھاتی رہے گی میں کبھی تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔"

"فریدی......!" جابر نے غصہ سے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم اپنے فیصلہ پر پھر ایک بار غور کرو۔ تم نے اب تک مجھے کافی نقصان پہنچایا ہے اور میں ٹالتا رہا۔ لیکن اس بار میں اتنے بڑے نقصان کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"نقصان...... اور تمہارا، جیسے وہ کتابیں تمہارے باپ دادا کی ملکیت ہیں۔"

"حد سے مت بڑھو فریدی، تم بھول رہے ہو کہ اس وقت تم جابر سے باتیں کر رہے ہو۔"

"اور جابر تم بھی یہ نہ بھولو کہ آج تم نے نواب رشید الزماں وغیرہ کے ساتھ جو ذلیل برتاؤ کیا ہے، اس سے میرا خون کھول رہا ہے۔"

"ابھی کیا کیا ہے۔" اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو اس سے بھی برا نتیجہ ہو گا...... خیر...... اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں، میں کل بارہ بجے رات تک تم کو موقع دیتا ہوں، کیونکہ کل رات مجھے سیٹھ چنی لال کی لڑکی کے گلے سے ہیرے کا ہار اور ہرن ترائن اینڈ سنس کی تجوری سے صرف پچاس ہزار لینے ہیں اور لگے ہاتھوں رشید الزماں سے بھی ملاقات کروں گا...... دوبارہ مل کر وہ ضرور خوش ہوں گے اور اس تحریر کے ذریعہ کچھ روپے بھی مل جائیں گے۔" جابر ہنسا۔ "جانتے ہو، فریدی مجھے تمہارا بھیس اور آواز بدلنے کے لئے کافی عرصہ تک محنت کرنی پڑی ہے اور اب میں اتنا کامیاب ہو گیا ہوں کہ نواب رشید الزماں، غزالہ اور ماتھر کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکا۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ حمید بھی تھوڑی دیر کے لئے دھوکا کھا گیا تھا۔"

"حمید کیا میں خود تمہیں ایک نظر میں نہیں پہچان سکا تھا۔ لیکن جابر یاد رکھو کہ تم زیادہ عرصہ تک لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ ایک فریدی مر سکتا ہے، لیکن یہ نہ بھولو کہ ہزاروں فریدی پیدا ہو سکتے ہیں۔" فریدی بولا۔

"مجھے پرواہ نہیں...... میں اپنے راستے میں آئے ہوئے لوگوں کو ایک معمولی پتھر کے

ٹکڑے کی طرح اپنی ٹھوکر سے ہٹا دیتا ہوں۔"

"اچھا اب میں چلا...... ٹھیک بارہ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا...... تم اپنا فیصلہ سوچ رکھنا۔"

جابر یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا اور فریدی کو کمرے میں بند کر دیا۔

بچ گیا

رات بھر جاگنے کی وجہ سے نواب رشید الزماں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب غزالہ کنور ظفر علی خاں سے رات کے گذرے ہوئے واقعات بیان کر رہی تھی۔

"پھر آپ لوگ یہاں تک کس طرح پہنچیں۔" کنور ظفر علی نے سوال کیا۔

"ہم لوگوں کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک موٹر پر بٹھا دیا گیا اور تین چار گھنٹہ تک چلنے کے بعد ہم ایک سنسان جگہ پر اتار دیئے گئے۔ ہمارے ہاتھوں کی رسیاں کھول دی گئیں اور ہم لوگ کافی عرصہ تک ادھر اُدھر بھٹکتے رہے پھر ماتھر صاحب کو راستہ یاد آ گیا اور ہم لوگ یہاں پہنچ گئے۔"

"لیکن اس فعل سے فریدی کا کیا مقصد تھا......" کنور ظفر علی کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"کنور صاحب اب اس کا نام نہ لیجئے۔ اس دنیا میں اب کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" غزالہ غمگین آواز میں بولی۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم لوگوں نے دھوکہ کھایا ہو اور فریدی کے بجائے وہ کوئی دوسرا شخص رہا ہو۔"

"نہیں کنور صاحب وہ فریدی ہی تھے۔ وہی صورت وہی لب و لہجہ۔" غزالہ نے تردید کی۔

"اور سارجنٹ حمید کہاں ہیں۔" کنور نے سوال کیا۔

"ان کا کچھ پتہ نہیں۔" غزالہ بولی۔

"اچھا اب تم آرام کرو، بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ میں ذرا ماتھر صاحب کے یہاں جا رہا ہوں...... فریدی پر مجھے پہلے ہی سے شبہ تھا۔"

"بہر حال اب معاملہ خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے۔"

کنور ظفر علی غزالہ سے رخصت ہو کر سیدھے ماتھر صاحب کے بنگلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کنور صاحب ابھی تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ ایک موٹر تیزی سے ان کے قریب ہی ایک کاغذ کا ٹکڑا گراتی ہوئی گذر گئی۔ انہوں نے اُسے اٹھا کر پڑھا، لکھا تھا۔

"سنتا ہوں کہ میں فریدی صاحب کا قیدی ہوں، لیکن یقین نہیں آتا، آج رات کو یہ لوگ رائے بہادر بشمبھر سنگھ کی کوٹھی پر چھاپہ مارنے والے ہیں۔

حمید۔"

کنور ظفر علی خاں نے وہ پرزہ اپنی جیب میں رکھا اور تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا ماتھر صاحب کے بنگلہ پر پہنچ گیا۔

ماتھر صاحب ابھی ابھی سو کر اٹھے تھے۔ کنور صاحب کی آمد کی اطلاع سن کر وہ فوراً باہر آ گئے۔

"کیا بتاؤں کنور صاحب رات......!"۔

"مجھے غزالہ سے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ واقعی یہ نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے۔"

"آپ کس نتیجہ پر پہنچے۔" کنور ظفر نے سوال کیا۔

"بھئی ابھی تک تو کچھ بھی سوچنے اور سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔" ماتھر صاحب نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... ابھی جب میں آپ کے یہاں آ رہا تھا تو ایک نیا واقعہ پیش آیا۔" کنور ظفر علی نے وہ پرزہ دکھایا جو موٹر سے گرایا گیا تھا۔

ماتھر نے وہ پرزہ پڑھتے ہی جلدی سے سوال کیا۔ "آپ نے موٹر کا نمبر دیکھا تھا۔"

"جب تک میں پرزہ اٹھاؤں، موٹر بہت دور نکل چکی تھی اور پہلے سے اس بات کا علم تو تھا نہیں کہ فوراً نمبر نوٹ کر لیتا۔" کنور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اتنے میں نوکر چائے لے کر آ گیا۔

"اچھا آیئے کنور صاحب...... اب چائے پی لی جائے۔" ماتھر پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے بولے۔

"حمید کی اس تحریر پر کیا کاروائی کیجئے گا۔" کنور نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ تحریر فرضی معلوم ہوتی ہے۔" ماتھر نے کہا۔

"بہر حال آپ جیسا مناسب سمجھئے...... لیکن نواب صاحب کی اس تحریر کے متعلق کیا ہو گا، جسے فریدی نے زبردستی لکھوایا ہے اور اس پر آپ کے بھی دستخط ہیں۔"

"ہاں یہ معاملہ قانونی طور پر ذرا اہم ہے، بہر حال آج میں انسپکٹر جنرل کو فون کر کے تمام واقعات ان سے بیان کرتا ہوں۔ آپ ذرا تکلیف کر کے نواب صاحب اور مسٹر طارق سے کہہ دیجئے کہ وہ مجھ سے دفتر میں ضرور مل لیں۔"

"اچھی بات ہے...... تو اب مجھے اجازت دیجئے۔ ذرا نواب صاحب کا خیال رکھئے...... غزالہ بے حد پریشان ہے۔"

"ہاں...... میں اپنی پوری کوشش کروں گا، زیادہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔" ماتھر نے تسلی دی۔

کنور ظفر وہاں سے رخصت ہو کر سیدھا گھر پہنچا۔ نواب رشید الزماں اور طارق کو ماتھر صاحب کے یہاں بھیج کر وہ سعیدہ اور غزالہ کی باتیں سننے لگا۔

"مجھے سخت تعجب ہے کہ فریدی نے کنور ظفر کو کیسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ ظفر صاحب ان کے خلاف رہتے ہیں اور ایک مرتبہ وہ ان کو پستول کا نشانہ بھی بنانے جا رہے تھے۔"

"مجھے خود اس بات سے حیرت ہے۔" کنور ظفر بولے۔

"خیر...... ہو گا تم لوگ باتیں کرو، میں کھانا کھانے جا رہا ہوں۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔" کنور کھانا کھا کر کافی دیر تک کتاب پڑھتے رہے اور کتاب پڑھتے پڑھتے سو گئے۔

ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب ریحانہ انہیں جگا رہی تھی۔ شام ہو چکی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھے اور منہ ہاتھ دھو کر برآمدے میں نکل آئے جہاں نواب رشید الزماں اور طارق بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

"کہئے ماتھر صاحب نے کیا کہا۔" کنور ظفر نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں...... وہ اس وقت مشغول تھے۔ حمید کے اس خط پر جو تم کو ملا تھا انہوں نے احتیاطاً وہاں پولیس تعینات کر دی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے ضروری احکامات صادر کر دیئے۔ آج رات کو وہ خود یہاں آئیں گے۔ اس وقت مفصل باتیں ہوں گی۔"

نواب رشید الزماں طارق اور کنور صاحب میں کافی دیر تک اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی کہ کھانے کا وقت آگیا۔ نواب صاحب اور طارق کھانا کھانے چلے گئے۔ کنور کو بھوک نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور وہ سعیدہ سے ادھر اُدھر کی باتین کرنے لگے۔

کھانے سے فراغت پانے کے بعد وہ لوگ پھر آکر دالان میں بیٹھ گئے۔

"ابھی تک ماتھر صاحب نہیں آئے۔" نواب رشید الزماں صاحب بولے۔

"ہاں ان سے یہ ضرور کہہ دیجئے گا کہ وہ پولیس یہاں تعینات کر دیں کیونکہ غزالہ بے حد خوف زدہ ہے۔" سعیدہ نے نواب صاحب سے کہا۔

اتنے میں کچھ آہٹ سنائی دی۔ طارق نے کہا۔ "لو شاید ماتھر صاحب آگئے۔"

سب کی نظریں اٹھ گئیں۔ لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا کہ یکایک ٹارچ کی چار پانچ تیز روشنیاں ان کے چہروں پر پڑنے لگیں جس سے سب کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ دوسرے لمحہ روشنی بجھ چکی تھی اور ایک آدمی سیاہ نقاب ڈالے پستول لئے ہوئے کھڑا تھا۔ پیچھے تین نقاب پوش اور کھڑے تھے۔

سعیدہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ کنور ظفر علی اور نواب صاحب چلانا ہی چاہتے تھے کہ اس نے پستول سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے راہول ڈاکو کہتے ہیں۔" نقاب پوش بولا۔ "لیکن نواب صاحب مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے اور ہمدردی صرف اس لئے ہے کہ اس میں میرا فائدہ ہے۔ میں نے آپ کی وہ تحریر حاصل کر لی ہے جسے آپ فریدی کو لکھ کر دے آئے تھے۔" اس نے نواب کی تحریر جیب سے نکالتے ہوئے دکھایا۔

نواب صاحب نے ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہریئے۔" وہ بولا۔ "اس تحریر کے لئے آپ کو صرف پندرہ ہزار روپے دینے پڑیں گے۔ جلدی کیجئے۔"

"لیکن......!"

"کچھ نہیں اگر آپ کے پاس روپے نہ ہوں تو اپنی یہ ہیرے کی انگوٹھی اتاریئے۔ بہت جلد...... میرے پاس وقت نہیں۔ میں زبان کا پکا ہوں...... انگوٹھی ملتے ہی یہ تحریر آپ کو

مل جائے گی۔"

نواب صاحب نے مجبوراً اپنی انگوٹھی اتار کر اس کے حوالے کر دی۔

"یہ لیجئے اپنی تحریر۔" اس نے کاغذ نواب صاحب کی طرف پھینکا اور پستول دکھاتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ کچھ فاصلہ پر پہنچ کر اس نے کوئی چیز ان لوگوں کی طرف فرش پر پھینکی جس کے گرنے سے سب لوگوں کی آنکھوں میں دھواں بھر گیا اور پانی بہنا شروع ہوا۔

تھوڑی دیر بعد جب گیس کا اثر زائل ہو گیا تو کنور صاحب بولے "معاملہ سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے۔"

"ہاں یہ سب پولیس کی غفلت کا نتیجہ ہے۔" طارق نے تائید میں کہا۔

"بھئی میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ اس ضعیفی کے عالم میں سب مجھے ہی نشانہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آخر میں نے ان لوگوں کا کیا بگاڑا ہے۔" نواب رشید الزماں نے روندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

غزالہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی، اس کے سوچنے کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ وہ فریدی جس کے لئے اس نے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کی تھی اس نے کیسا بُرا سلوک کیا ہے۔ پھر دوسروں سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔

"بیٹی زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اب میں نواب صاحب کو یہی رائے دوں گا کہ وہ جلد سے جلد واپس لوٹ چلیں۔" طارق نے غزالہ کو تسلی دی۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ فریدی ہانپتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ اس کے کپڑے مٹی سے بھرے ہوئے تھے اور منہ پر جا بجا خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔

کنور ظفر علی فریدی کو دیکھتے ہی اس کی طرف غصہ سے بڑھے۔ نواب رشید الزماں اور طارق بھی کھڑے ہو گئے۔

"ٹھہریئے۔" فریدی بولا۔ "آپ لوگوں کو بہت زبردست دھوکا دیا گیا ہے۔"

"دھوکا...... بے ایمان کہیں کا۔" کنور ظفر علی نے بڑھ کر فریدی کا گریبان پکڑا۔ "میں کہتا ہوں خدا کے لئے میری بات سن لیجئے۔ صرف دو منٹ کے لئے ورنہ دشمن ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اگر مجھے آپ لوگوں کو دھوکا دینا ہوتا تو میں خالی ہاتھ یہاں کبھی نہ آتا۔ وہ جابر تھا جس نے

میرے بھیس میں آپ لوگوں کو گرفتار کیا۔ وہ یہاں بھی آنے والا ہے، آپ کی تحریر دکھا کر آپ کو بلیک میل کرے گا۔ میں خود اس کی قید میں تھا۔ بڑی مشکلوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ یہ دیکھئے میرے ہاتھ جل گئے ہیں۔" فریدی ایک ہی سانس میں سب کہہ گیا اور اس نے اپنے ہاتھ دکھائے جو بُرے طرح جل گئے تھے۔

کنور کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور وہ فریدی کو چھوڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ نواب رشید الزماں اور طارق بھی غور سے اس کو دیکھنے لگے۔

"نہیں بیٹا واقعی ہم لوگوں کو بہت زبردست دھوکا دیا گیا ہے۔ مجھے تو خود حیرت تھی کہ تم کیا کررہے ہو۔ بس پہچان نہیں سکے۔"

"ہاں...... اور اس نے چالاکی یہ کی تھی کہ آپ لوگوں کو ہوش میں لانے سے پہلے لیمپ کی روشنی بھی کم کر دی گئی تھی کہ چہرے کے خدوخال صاف طور سے نظر نہ آئیں۔ اچھا یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔"

"وہ یہاں آتا ہی ہوگا...... اس لئے ہم لوگوں کو تیار ہو جانا چاہئے۔ میں نے حمید کو ماتھر صاحب کے بنگلہ پر روانہ کر دیا ہے۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔" فریدی بولا۔

"لیکن ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ چار نقاب پوش آئے تھے، جس میں سے ایک اپنے کو راہول بتاتا تھا، اور وہ نواب صاحب کو یہ تحریر دے کر ان کی ہیرے کی انگوٹھی لے گیا۔"

"لے گیا......!" فریدی نے اس طرح کہا جیسے اسے اس کا پہلے سے یقین رہا ہو۔

اتنے میں ماتھر صاحب بھی آگئے اور نواب رشید الزماں نے "راہول" کی تازہ واردات کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دی۔

"اوہ...... فریدی...... اگر حمید مجھ سے تمام واقعات نہ بیان کرتا تو میں دھوکے میں تمہیں ضرور گرفتار کر لیتا......!" ماتھر صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"اچھا ماتھر صاحب وقت بہت کم ہے۔ جلدی کیجئے ورنہ دشمن پھر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ غالباً آپ نے چنی لال اور ہری نرائن اینڈ سنز کے یہاں پولیس کا مکمل انتظام کر دیا ہوگا۔" فریدی بولا۔

"ہاں...... میں نے وہاں کے لئے تمام انتظامات مکمل کر دیئے اور کل رات کے حادثہ کی اطلاع میں نے فون کے ذریعہ انسپکٹر جنرل کو کر دی تھی۔ وہاں سے بہت سخت احکامات ملے ہیں۔ وہ

پرسوں خود یہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"اچھا...... خیر...... اب جلدی کرنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن ابھی تک حمید نہیں آئے۔" ماتھر بولے۔

"وہ آجائیں گے، میں نے انہیں پتہ بتا دیا ہے، اب چلئے...... احتیاطاً آٹھ دس کانسٹیبلوں کو یہاں چھوڑ دیجئے اور آپ لوگ اطمینان سے سوئیے۔ پولیس آپ لوگوں کی حفاظت کے لئے ہے۔ کوئی ڈرنے کی بات نہیں۔" فریدی نواب رشید الزماں سے مخاطب ہو کر بولا۔

فریدی اور ماتھر سپاہیوں کو لے کر نواب زادہ شاکر کے کتب خانے کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر فریدی کی ہدایت کے مطابق پولیس نے لائبریری کا اچھی طرح محاصرہ کر لیا اور خود فریدی، ماتھر اور دو انسپکٹر پولیس لائبریری کے دروازے کے سامنے کچھ فاصلہ پر چھپ کر بیٹھ گئے۔

"آپ کی گھڑی میں کیا بجا ہے؟" فریدی نے ماتھر سے دریافت کیا۔

"گیارہ بج کر پندرہ منٹ......!"

"بس وہ آیا ہی چاہتا ہے، کیونکہ بارہ بجے تک اس کو یہاں ضرور پہنچ جانا چاہئے۔"

اتنے میں کوئی شخص تیزی سے لائبریری کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔

"وہ دیکھئے کوئی آرہا ہے۔" ایک انسپکٹر نے اشارہ کیا۔

ماتھر نے پستول سنبھالا۔

"ٹھہریئے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہ حمید ہے۔"

حمید فریدی کے قریب آکر بولا۔ "ابھی تک دونوں جگہوں پر کوئی واردات نہیں ہوئی۔"

"ہائیں......!" فریدی نے تعجب سے کہا۔

"جی ہاں...... بہرحال پولیس وہاں موجود ہے۔"

"اچھا...... خیر تم بیٹھ جاؤ۔" اور فریدی کچھ سوچنے لگا۔

بیٹھے بیٹھے جب کافی عرصہ ہو گیا تو فریدی نے پھر وقت پوچھا۔ "اب ٹھیک بارہ بجے ہیں......!" ماتھر نے جواب دیا۔

فریدی تشویش بھرے لہجے میں بولا۔ "اب قید خانے کے اندر چلنا چاہئے۔"

"لیکن وہاں پھر کوئی نئی مصیبت نہ پیش آجائے۔" حمید بولا۔

"جو کچھ بھی ہو لیکن اب ہم لوگوں کو اندر چلنا ہی پڑے گا کیونکہ مجھے یقین ہو رہا ہے کہ وہ کچھ بھانپ گیا ہے۔"

"چلئے، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو "کبوتر خانہ" بہت پسند آگیا۔" حمید اٹھتے ہوئے بولا۔

فریدی، حمید، ماتھر اور وہ دونوں سب انسپکٹر لائبریری کی طرف روانہ ہوئے۔ لائبریری میں پہنچ کر فریدی نے قالین ہٹایا اور ایک چھوٹا بٹن جو فرش میں لگا ہوا تھا۔ اس کو دبایا۔ تختہ ہٹ گیا جس سے اندر کا کمرہ صاف نظر آنے لگا۔ فریدی پستول لئے ہوئے آہستہ سے اس میں کودا، پھر حمید، ماتھر اور انسپکٹر بھی کمرے میں کود پڑے۔ اندر بالکل اندھیرا تھا۔ فریدی نے ٹارچ جلائی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ البتہ تمام چیزیں بکھری ہوئی پڑی تھیں اور کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

"کمرے کا دروازہ کیسے کھلا، یہ تو باہر سے بند تھا۔" فریدی بولا۔

"اچھا حمید تم پچھلے دروازے سے جدھر سے میں تمہارے پاس آیا تھا کچھ سپاہیوں کو لے کر داخل ہو جاؤ۔ ذرا ہوشیار رہنا۔"

حمید چھت پکڑ کر اوپر چڑھ گیا اور فریدی اس کمرے سے باہر نکلا۔ ٹارچ کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ چار آدمی زمین پر مردہ پڑے ہوئے ہیں۔

"دیکھا آپ نے...... مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ وہ بھاگ گیا۔" فریدی ماتھر سے مخاطب ہوا۔

"لیکن اس میں بھی اس کی کوئی چال نہ ہو۔" ماتھر بولا۔

اتنے میں حمید بھی سپاہیوں کو لے کر دوسرے دروازے سے داخل ہوا۔ تہہ خانے کا کونہ کونہ دیکھا گیا، لیکن وہاں کوئی نہ تھا سوائے اس کے کہ "کبوتر خانے" پر ان لوگوں کو دو لاشیں اور ملیں۔

فریدی یک بیک کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"ماتھر صاحب جلدی سے ایک موٹر کا انتظام کیجئے۔ وہ یہاں سے بچ کر نکل گیا۔ لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ جاتے ہوئے وہ اپنے ان ساتھیوں کو مار گیا ہے۔"

سب لوگ جلدی سے تہہ خانے سے نکل آئے اور فوراً ایک سپاہی کو موٹر لانے کے لئے

بھیجا۔ فریدی بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

"حمید ذرا میرے ساتھ آؤ۔" فریدی حمید کو لئے ہوئے پھر تہہ خانے میں داخل ہوا اور باہر کے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لینے لگا۔ وہ میز کی دراز کو کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا جس میں چند غیر ضروری کاغذات کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ پھر اس نے ادھر اُدھر کچھ تلاش کیا لیکن کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس کے لئے کار آمد ثابت ہوتی...... البتہ اس نے الماری میں سے چند خطوط اور کچھ کاغذات نکال کر اپنی جیب میں رکھے اور حمید سے بولا۔ "جلدی چلو۔"

دونوں جیسے ہی باہر نکلے ویسے ہی موٹر آگئی۔ ماتھر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سب لاشوں کو اٹھا کر کوتوالی لے جائیں اور کچھ سپاہی یہاں رہ جائیں۔

موٹر پر ماتھر اور دونوں انسپکٹر پولیس اور چند سپاہی بیٹھ گئے۔

"حمید تم بھی بیٹھ جاؤ۔" فریدی کہتا ہوا ڈرائیور کی بغل میں بیٹھ گیا۔ "اختر لاج" جلدی چلو۔ فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد موٹر اختر لاج کے سامنے کھڑی تھی۔ فریدی کود کر اترا اور سیدھا سعیدہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ سعیدہ کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ فریدی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون......!" سعیدہ نے پوچھا۔

"میں ہوں فریدی۔"

سعیدہ نے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔ "کہئے خیریت تو ہے؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے، پہلے یہ بتاؤ کہ لیفٹیننٹ باقر کی تم سے کب ملاقات ہوئی تھی؟"

"تین روز پیشتر...... مگر آپ اس قدر گھبرا کر بھیا کو کیوں پوچھ رہے ہیں۔" سعیدہ نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں تم پریشان نہ ہو...... یہ میں بعد میں بتا دوں گا۔"

"انہوں نے تم سے کچھ بتایا تھا......؟" فریدی نے سوال کیا۔

"ہاں...... وہ یہ کہہ رہے تھے کہ میں ایک کام سے کلکتہ جانے والا ہوں۔" سعیدہ نے جواب دیا۔

"ہوں...... اور کچھ کہہ رہے تھے۔"

"نہیں۔"

"اچھا اب میں جا رہا ہوں، وقت بالکل نہیں، پھر تمام واقعات بتاؤں گا۔ نواب صاحب وغیرہ سے کہہ دینا کہ جابر بچ کر نکل گیا۔ ہم لوگ اس کا پیچھا کرنے جا رہے ہیں۔" فریدی یہ کہتا ہوا تیزی سے نکلا اور موٹر میں آکر بیٹھ گیا۔

سمندری لڑائی

رات کے دو بجے تھے، موٹر تیزی سے سڑک کو پیچھے چھوڑتی ہوئی بھاگی جا رہی تھی۔ فریدی ڈرائیور سے اور تیز چلنے کو کہہ رہا تھا۔

"لیکن مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیوں......!" فریدی نے دریافت کیا۔

"اس لئے کہ ابھی ملک الموت اس آدمی کی روح قبض کرنے کے لئے تشریف لائیں گے اور کہیں وہ بھولے سے ہم لوگوں کی طرف گھوم پڑے تب......؟" حمید نے اس طرح معصومانہ انداز میں کہا کہ سب کو ہنسی آگئی۔

"تم اپنی حرکت سے باز نہیں آؤ گے حمید......!" فریدی بولا۔

"اور یہی شکایت مجھے آپ سے ہے، بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت مول لی ہے۔ نہ معلوم بیچاری "شہناز" کا کیا حال ہے۔" حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اچھا آپ اپنی بکواس ختم کیجئے۔"

"لیکن میں پھر آپ سے کہتا ہوں جیسا کہ میں نے اس کی گفتگو سنی ہے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہنڈیاں جو اس نے حاصل کی ہیں وہ ۲۰ تاریخ کے بعد بیکار ہو جائیں گی۔ آج پندرہ تاریخ ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ وہ کلکتہ میں بالکل قیام نہیں کرے گا بلکہ سیدھا جنیوا جائے گا

اس لئے ہم لوگوں کو کلکتہ پہنچنے کے بعد فوراً ہوائی اڈے پر پہنچنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو...... ہم لوگوں کو سیدھا ہوائی اور بحری اڈے پر پہنچنا چاہئے۔" فریدی بولا۔

راستے بھر فریدی ڈرائیور سے موٹر کی رفتار تیز کرنے کی تاکید کرتا رہا۔ سنسان سڑک پر موٹر اپنی پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ لیکن فریدی چاہتا تھا کہ کسی طرح اڑ کر جلدی سے کلکتہ پہنچ جائے۔

"ڈرائیور......اور تیز......!" فریدی نے کہا۔

"حضور موٹر اپنی پوری رفتار میں ہے......" اس نے جواب دیا۔

فریدی "اچھا" کہہ کر چپ ہو گیا اور وہ کلکتہ پہنچنے کے بعد کے پروگرام سوچنے لگا۔

دن کافی چڑھ چکا تھا۔ حمید کا مارے بھوک کے بُرا حال تھا۔ کیونکہ آج کئی روز سے اُسے قاعدے سے کھانا نہیں ملا تھا۔ لیکن فریدی کے ڈر سے بالکل خاموش تھا۔

کلکتہ قریب آ گیا تھا کیونکہ آبادی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد موٹر شہر میں داخل ہوئی۔

ہوائی اڈے پر پہنچ کر فریدی کو معلوم ہوا کہ کل رات سے اس وقت تک کوئی جہاز جنیوا نہیں گیا۔ اب فریدی نے ڈرائیور سے بحری اڈے پر چلنے کو کہا۔

وہاں جا کر وہ بحری آفیسر سے ملا اور اپنا "آئی ڈنٹی کارڈ" دکھاتے ہوئے بولا۔ "ہم لوگ رام گڑھ سے ایک بہت بڑے مجرم کا پیچھا کرتے ہوئے آ رہے ہیں، جس نے اب تک مختلف مقامات پر ہزاروں خون ڈاکے اور بلیک میل کی وارداتیں کی ہیں۔ وہ بھیس بدلنے کا ماہر ہے۔ اس کا پکڑا جانا بیحد ضروری ہے۔ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ جنیوا اترنے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا جائے۔"

"یہاں سے وائرلیس کیا جا سکتا ہے، لیکن جب وہ بھیس بدلنے کا ماہر ہے تو وہ کیسے پہچانا جا سکتا ہے۔" بحری آفیسر نے جواب دیا۔

"نہیں وائرلیس سے کام نہیں چل سکتا کیا "یو بوٹ" کے ذریعہ ہم لوگ جہاز کا پیچھا نہیں کر سکتے؟"

"لیکن یو بوٹ کے لئے آپ کو انسپکٹر جنرل پولیس اور کمانڈنٹ چیف آفیسر آف ایسٹرن کمانڈ سے اجازت لانا ہوگی۔" بحری آفیسر نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" فریدی یہ کہتا ہوا سب لوگوں کو لے کر انسپکٹر جنرل کے بنگلہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

جیسے ہی ماتھر نے اپنا کارڈ بھیجا آئی جی نے فوراً ان لوگوں کو بلوالیا، وہ ماتھر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تو خود کل آپ کے یہاں آرہا تھا...... وہ انٹر نیشنل ڈاکو ہے اور اس نے گورنمنٹ کے کچھ تجارتی کاغذات بھی حاصل کرلئے ہیں۔ اس کا گرفتار ہونا بے حد ضروری ہے۔"

فریدی اور ماتھر نے مختصراً تمام حالات بیان کئے، جسے سن کر آئی جی نے فریدی سے کہا۔

"مسٹر فریدی ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں کہ آپ نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ لیکن کیا آپ کو اس کا یقین ہے کہ وہ اسی جہاز سے جنیوا گیا ہوگا اور اس نے اپنا حلیہ بھی بدل دیا ہوگا۔ آپ اسے کیسے پہچان سکتے ہیں؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"یہ سب آپ میرے اوپر چھوڑ دیجئے۔ لیکن اگر ذرا بھی دیر کی گئی اور جہاز جنیوا پہنچ گیا تو پھر وہ ہاتھ نہیں لگ سکتا۔" فریدی بولا۔

"اچھا تو میں ابھی کمانڈنٹ ان چیف صاحب سے مل کر آتا ہوں، آپ لوگ میرا یہیں انتظار کیجئے۔" وہ بولے۔

"میں تھوڑی دیر کے لئے بازار جاؤں گا کیونکہ اگر جہاز پر اس نے ہم لوگوں کو اصلی حالت میں دیکھ لیا تو مشکل ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

آئی۔ جی صاحب تو کمانڈنٹ چیف کے یہاں روانہ ہوگئے، اور فریدی حمید کو لے کر بازار چلا گیا۔ ماتھر اور انسپکٹر وہیں ان لوگوں کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

فریدی بازار سے کچھ سامان خرید کر جب لوٹا تو معلوم ہوا کہ ابھی آئی جی صاحب نہیں تشریف لائے اور یہ سب لوگ چپراسی کے ساتھ باتھ روم میں چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی مارواڑی، ماتھر صاحب، پروفیسر اور انسپکٹر سیٹھ اور حمید جہاز کے خلاصی بنے ہوئے باتھ روم سے باہر نکلے۔

آئی جی نے موٹر سے اترتے ہوئے جب ان لوگوں کو دیکھا پھر مسکرا کر بولے۔ "آپ لوگوں نے خوب بھیس بدلا ہے۔"

"اچھا یہ آرڈر لیجئے اور آپ لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟" آئی جی نے سوال کیا۔

"جی نہیں...... اب بقیہ کام ہم لوگ انجام دے لیں گے۔" فریدی نے کہا اور سب لوگوں کو لے کر موٹر کے ذریعہ بحری اڈے کی طرف روانہ ہوگیا۔

آئی جی نے بحری آفیسر کو فون کردیا تھا "یو بوٹ" بالکل تیار کھڑی تھی۔

فریدی نے بحری افسر کو "حکم نامہ" دیتے ہوئے کہا۔ "غالباً آپ نے جہاز کے کپتان کو وائرلیس کردیا ہوگا۔"

"ہاں میں نے اس کو ضروری ہدایات دے دی ہیں اور جہاز کی رفتار کم کردینے کو بھی کہہ دیا ہے۔" آفیسر نے جواب دیا۔

"بس ٹھیک ہے...... حمید جلدی سے بیٹھو۔" فریدی "یو بوٹ" کے پاس آکر بولا اور سب لوگ جلدی جلدی اس میں سوار ہوگئے اور یو بوٹ تیزی سے پانی کے اندر روانہ ہوگئی۔

"باپ رے باپ...... کتنا خطرناک سفر ہے۔" حمید ڈر کر بولا۔

فریدی نے اس کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیا اور وقت دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس وقت گیارہ بجے ہیں۔ ہم لوگ اس سے صرف پانچ گھنٹہ پیچھے ہیں۔"

فریدی کے چہرے پر عجیب قسم کے تاثرات پیدا ہوگئے تھے۔ جسے صرف حمید ہی سمجھ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اس وقت فریدی کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ یو بوٹ تیزی سے سمندر کی گہرائیوں میں بھاگ رہی تھی۔

شام ہو چکی تھی، فریدی کا اضطراب بڑھتا جارہا تھا۔ اس نے کپتان سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ صرف ایک گھنٹہ کا فاصلہ اور رہ گیا ہے۔ فریدی حمید وغیرہ کو ضروری ہدایات دینے لگا۔

ایک گھنٹہ بعد جہاز کا سگنل دکھائی دیا اور تھوڑی دیر بعد یو بوٹ جہاز کے بالکل قریب تھی۔

جہاز دو منٹ کے لئے رکا اور یہ لوگ جلدی جلدی جہاز کے بالکل نچلے حصے میں داخل ہوگئے، جہاز پھر روانہ ہوگیا۔

کپتان نے ان لوگوں کو پوشیدہ طور پر دوسرے درجے کے ایک کیبن میں پہنچا دیا اور یہ لوگ ایک مسافر کی حیثیت سے سفر کرنے لگے۔

کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ یہ لوگ کھانے کے میز پر آ کر بیٹھ گئے۔ جہاں دوسرے مسافر پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ حمید نے خلاصی کے بھیس میں آ کر میز صاف کی، جس پر کھانا چن دیا گیا۔ لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ فریدی کھانا کھاتا جاتا تھا اور مسافروں کو غور سے دیکھتا بھی جاتا تھا۔ لیکن کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔

کھانا کھانے کے بعد سب لوگ اپنے کیبن میں لوٹ آئے۔ تھوڑی دیر بعد حمید داخل ہوا۔

"کچھ پتہ چلا......!" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں...... میں قریب قریب پورا جہاز گھوم آیا۔" حمید نے جواب دیا۔

"اچھا اب تم جا کر سو رہو...... اب صبح دیکھا جائے گا۔ اس وقت ممکن ہے کسی کو ہم لوگوں پر شبہ ہو جائے۔" فریدی نے کہا۔

حمید چلا گیا۔ فریدی ماتھر اور دونوں انسپکٹر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ رہے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ اور رات بھر جاگنے کی وجہ سے یہ لوگ فوراً سو گئے۔

صبح سویرے ہی فریدی کی آنکھ کھلی وہ اپنا لباس وغیرہ درست کر کے کیبن سے باہر نکلا۔ قریب قریب تمام مسافر جاگ چکے تھے، اوپر ڈیک پر کچھ لوگ کھڑے ہوئے صبح کے سہانے منظر اور سمندر کی ٹھنڈی ہواؤں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ فریدی بھی ڈیک پر چڑھ گیا اور سمندر کی طرف دیکھنے لگا کہ یک بیک اس کی نگاہ ایک انگریز پر پڑی جو چمڑے کے ایک بٹوے سے تمباکو نکال کر سگریٹ بنا رہا تھا۔ فریدی نے غور سے بٹوے کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں، اور وہ آہستہ آہستہ ڈیک سے اترنے لگا۔

ڈیک سے اترتے ہی وہ فوراً اپنے کیبن میں آ گیا۔ ماتھر اور دونوں انسپکٹر بھی جاگ چکے تھے۔

"آپ لوگ جلدی سے تیار ہو جائیے۔ دشمن مل گیا۔" فریدی نے ماتھر سے کہا۔

"کہاں...!" ماتھر نے تعجب سے پوچھا۔

"انگریز کا بھیس بدلے ہوئے ڈیک پر کھڑا ہے۔ آپ لوگ ابھی اپنے اپنے پستول جیب میں

رکھ کر ڈیک پر فوراً پہنچ جائیے۔ لیکن اس کو ذرا بھی شبہ نہ ہونے پائے۔ میں کپتان کے پاس جا رہا ہوں تاکہ حمید کو آگاہ کر دوں۔"

فریدی یہ کہتا ہوا جلدی سے کپتان کے کیبن کی طرف روانہ ہو گیا اور حمید کو ہدایات دے کر وہ فوراً ڈیک پر پہنچ گیا۔

انگریز اطمینان سے سگریٹ کے لمبے لمبے کش کھینچ رہا تھا۔

"جابر اگر تم اپنی جگہ سے ذرا بھی ہلے تو گولی تمہارے سینے کے پار ہو گی۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک مارواڑی سامنے پستول تانے کھڑا تھا۔

انگریز کے چہرے پر پریشانی پھیل گئی...... لیکن فوراً ہی مسکراہٹ پیدا کرتا ہوا بولا۔

"مسٹر آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے...... میں وہ......!"

اتنے میں ایک فائر کی آواز سنائی دی...... اور انگریز تیورا کر زمین پر گر پڑا...... ماتھر اور وہ دونوں انسپکٹر اس پر جھپٹے۔

فریدی چلایا...... لیکن وہ لوگ بالکل قریب پہنچ چکے تھے اور اب ماتھر کا پستول اس انگریز کے ہاتھ میں تھا۔

فضا میں دو فائروں کی آوازیں گونجیں...... انگریز کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا اور پستول زمین پر پڑا تھا...... اب انگریز ماتھر اور انسپکٹر کی گرفت میں تھا۔

"آپ لوگوں نے تو کمال ہی کر دیا تھا۔" فریدی نے ماتھر سے کہا۔

"لیکن بھئی ابھی تک میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ پہلا فائر کیسا تھا۔" ماتھر بولا۔

"وہ دیکھئے......!" فریدی نے ڈیک کے کنارے اشارہ کیا...... جہاں ایک آدمی خون میں لت پت پڑا تھا...... "یہ جابر کا ساتھی ہے، جو پیچھے سے میرے اوپر حملہ کرنا چاہتا تھا...... اور حمید نے اس پر فائر کر دیا۔ فائر کی آواز سے اس نے یہ فائدہ اٹھایا جسے آپ لوگ نہ سمجھ سکے اور یہ دوسرا فائر آپ پر کرنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے گولی چلا دی۔"

جابر کو گرفتار کر کے فریدی نے اس کے منہ پر کپڑا بندھوا دیا تھا اور اب یہ لوگ اسی "یو بوٹ" کے ذریعہ جابر کو لے کر واپس ہو رہے تھے۔

راستے میں حمید اور ماتھر نے فریدی سے بہت سوالات کئے لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ
"اب عدالت ہی میں میرا بیان سننا۔"

ماجرا سنئے

نواب زادہ شاکر کے قتل...... شہر میں آتش زدگی...... خون...... سرکاری تجارتی تمسکات کی چوری اور دوسرے دیگر الزامات کے سلسلے میں جابر کا مقدمہ آج عدالت میں پیش ہونے والا تھا۔ نوابزادہ شاکر کے قتل کے سلسلے میں کنور ظفر علی خاں پر دو مقدمے تھے۔ کمرہ عدالت میں ملزمان کے کٹہرے میں انہیں بھی دیکھا جاسکتا تھا۔ کنور ظفر کی آنکھیں آج پہلی بار چھلک رہی تھیں انہوں نے فریدی کی جانب کئی بار دیکھا اور اشاروں ہی اشاروں میں رحم کی درخواست کی۔

جابر تنہا کھڑا تھا۔ تماشائیوں کا ٹھٹ کا ٹھٹ ایسے بھیانک آدمی کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ایک آدمی ایسی باتیں کس طرح کہہ سکتا ہے، جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ بذات خود حمید بھی جابر کے حالات سے زیادہ واقف نہ تھا۔ صرف یہی ایک معاملہ ایسا روکھا پھیکا ہوا تھا جس میں اسے کوئی عورت نہ مل سکی تھی اور اگر ملی بھی تو زبردستی بیوی بن کر چرکہ دے گئی۔

آخر وہ عورت کون تھی؟

غزالہ اور نواب رشید الزماں بہت خوش تھے...... ان کا محبوب فریدی جابر کو پکڑ لایا تھا۔ کیسی کیسی بدگمانیوں کو انہوں نے اپنے دل میں جگہ دی تھی۔

بیچارہ طارق "شکاکی" کے افسوس میں تھا۔ مگر پھر بھی افسردہ نہ تھا۔

اداس صرف سعیدہ تھی۔ اس کا دل دعائیں مانگ رہا تھا کہ کنور صاحب بے گناہ ثابت ہوں۔

اس عدالت میں لیفٹیننٹ باقر کی عدم موجودگی بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ لوگوں کا خیال

تھا کہ شاید وہ عین وقت پر آئیں۔

غرضیکہ ہر شخص انسپکٹر فریدی کا بیان سننے کے لئے بے تاب تھا...... واقعات کچھ اس طرح ظہور میں آئے تھے کہ گرہیں جب تک نہ کھلیں جابر کا گرفتار ہونا ہی کافی نہ تھا۔

ٹھیک دس بجے مقدمہ کی کاروائی شروع ہوئی۔ پولیس کے مقامی افسران کے رسمی بیان کے بعد انسپکٹر فریدی کا بیان شروع ہوا۔

"میرے بیان کے تمام کاغذی ثبوت مسل میں شامل ہیں۔" فریدی نے اپنا بیان دیتے ہوئے کہا۔

"میں سب سے پہلے یہ غلط فہمی دور کردینا چاہتا ہوں کہ لیفٹیننٹ باقر اور جابر دو علیحدہ شخصیتیں نہیں...... دراصل...... باقر اور جابر ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں...... جابر کون ہے؟ اس پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ تعلیم کا غلط استعمال اور انسانی خواہشات کا حد اعتدال سے آگے بڑھنا کسی حد تک انسان کو گمراہ کرسکتا ہے۔ اس کی زندہ مثال جابر کی گذشتہ زندگی کے واقعات ہیں۔ مجرموں کے کٹہرہ میں کھڑا ہوا یہ ہیبت ناک اور بھیانک شخص آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کا فلسفہ میں ڈگری یافتہ ہے اور جرمنی کے زیورچ کالج سے شعبہ سائنس کا ایم۔اے ہے۔ اچھے خاصے عرصہ تک یہ پروفیسر بھی رہا ہے۔ اس کی ماں جرمن خاتون تھی اور باپ ہندوستانی۔ اس کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی۔ حالات کی بدقسمتی کہ اس نے بچپن میں اپنے ہندوستانی ساتھیوں کے ہاتھوں کافی ذلت اٹھائی اور اس وقت سے اس کے دل میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔ زمانہ شباب میں یہ لندن پہنچا۔ وہاں سے فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ جرمنی گیا۔ وہیں سائنس کے تجربات اور نازیت کی بڑھتی ہوئی طاقت نے اس کا دماغ دوسرے راستوں پر ڈال دیا۔ ڈاکٹر گوٹبلو کے محکمہ جاسوسی میں رہ کر اپنا بھیس بدلنے، آواز تبدیل کرنے کا طریقہ سیکھا اور اس سلسلے میں خود بھی اس نے کچھ ایجادات کیں۔"

لڑائی کے زمانے میں ایک تباہ کن گیس بناتے وقت اس کی ناک پر کچھ بھاپ آگئی اور وہ گل گئی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا۔

جرمنی کی ہار کے بعد اس کی مالی حالت گرنے لگی۔ اُسے کیمیا بنانے کا شوق ہوا، اور اسی شوق کی بناء پر اس کی ملاقات رنجیت نگر کے والی سنگرام سنگھ سے ہوئی اور اسی شوق نے موصوف کی جان

لی۔ موصوف کی جنسی بیماریاں محض ایک افسانہ ہیں۔ جابر کے زہر نے انہیں مارا۔ ان سے وہ نسخہ تو اسے نہ مل سکا لیکن رنجیت نگر کے راج کمار بننے کا شوق اسے ہندوستان کھینچ لایا۔ اس کے پہچاننے والوں میں سے دو اس کا شکار ہو گئے اور ایک اس وقت ساجد کے روپ میں گواہ ہے۔

بمبئی ہی میں اسے پتہ لگا کہ نواب زادہ شاکر رام گڑھ کا مشہور نواب سونا بنانے کا نسخہ رکھتا ہے۔ اس کے پاس کچھ ایسی کتابیں ہیں جن کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کر کے انسان ہزار ہا سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ جابر نے نواب زادہ شاکر سے خط و کتابت کی۔ مگر اس میں اسے ناکامیابی ہوئی۔ وہ رام گڑھ آیا۔

نواب زادہ شاکر کے شریک کار کنور ظفر علی خان بھی تھے۔ سونا تیار ہو جانے کے بعد نواب زادہ شاکر نے کنور صاحب کو حصہ دینے سے انکار کیا۔ اپنی ایک کتاب پر کنور صاحب نے نواب زادہ کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کا حصہ نہ دیا تو وہ اسے جان سے مار ڈالیں گے اور اس کے بعد رات میں وہ پھر نواب زادہ سے ملے۔ انہوں نے اپنے حصے کا مطالبہ بھی کیا اور اپنی تحریر بھی واپس مانگی۔ جابر کے علم میں یہ باتیں تھیں۔ اس نے جج صدیق احمد کے بہترین خوب صورت شیرازی پاموز کبوتر کے جوڑے میں سے ایک کبوتر چرا کر اور اسے زہریلا چھلا پہنا کر نواب زادہ کے برآمدے میں چھوڑ دیا۔ نواب زادہ کبوتروں کے رسیا تھے۔ مگر وہ کبوتر اٹھاتے ہی چھلا منہ سے لگا اور زہر سرائیت کرنے لگا۔ ٹھیک اسی وقت کنور ظفر علی خاں ان کے پاس آئے۔ نواب زادہ کو مردہ دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی تحریر پھاڑی اور بھاگ گئے۔ جابر کا آدمی ان کی اس حالت کی تصویر حاصل کر چکا تھا۔ غالباً لیفٹیننٹ باقر کی طرف سے دائر کردہ مقدمہ میں ان کے خلاف یہی ثبوت پیش کیا جاتا۔

کنور ظفر علی بے گناہ ہیں۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ کی اس تحریر پر انہیں پشیمانی بھی تھی اور انہوں نے نواب زادہ کے نام ایک معذرت نامہ بھی لکھا تھا، جو مسل میں شامل ہے۔"

اتنا بیان پڑھ کر فریدی رکا...... سامعین پر بالکل خاموشی طاری تھی۔ سعیدہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد فریدی نے اپنا بیان پھر شروع کیا۔

"جابر نے ظفر...... نواب رشید الزماں وغیرہ کو میرے خلاف کرنے اور میرے راستے

میں روڑا اٹکانے کے لئے میرا بھیس بدل کر ان کے گھر پر ڈاکہ ڈالا اور ان کے گھر سے ان کی کتاب (جو دراصل نواب زادہ شاکر کی ملکیت تھی) لے اڑا۔ ادھر نواب زادہ شاکر کی لائبریری میں اتفاقاً میرے ہاتھ وہ کتابیں لگیں جن کی جابر کو تلاش تھی۔ لیفٹیننٹ باقر کا قصہ سننے کے بعد ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ بمبئی کے مشہور سیٹھوں کے یہاں جواہرات کی چوری کے اطلاع نامے بھی میرے پاس تھے۔ لائبریری ہی میں مجھے وہ پرچہ ملا جس میں نواب زادہ شاکر کے سوتیلے بھائی کے کچھ حالات تھے، لیفٹیننٹ باقر اور جابر کا ایک ہی دن بمبئی جانا مجھے اور کھٹکا۔ جابر کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ میں اس کا پیچھا ضرور کروں گا۔ اس نے میرے روکنے کے تمام انتظامات کئے۔ مگر وہ ناکام رہا۔ لیکن حالات نے ہمارا ساتھ نہ دیا۔ میں اتفاق کے ہاتھوں ریلوے کی انتظامی کارروائی یعنی ڈبہ کٹ جانے کی وجہ سے اس کا پیچھا نہ کر سکا اور حمید کو اس کی ایک پٹھو نے چرکا دیا۔

بمبئی سے واپسی پر وہ شاکر کے سوتیلے بھائی کے مفصل حالات معلوم کر چکا تھا۔ ان کی ایک تصویر اور قدیم خاندانی حالات حاصل کر کے وہ یہاں آیا۔ فرضی ثبوت اور دلائل...... خاندان میں سعیدہ کے علاوہ اور کسی رشتہ دار کا عدم وجود اس کو کامیاب بنا گیا۔

اس نے اپنے آپ کو سچ مچ باقر ثابت کرنے کے لئے بڑے پاپڑ بیلے۔ افسران کی دعوتیں کر کے اس نے انہیں یہ بھی موقع نہ دیا کہ وہ اس کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔ سعیدہ کے نام جائیداد ہبہ کر کے اس نے اس کا بھی منہ بند کر دیا۔

اپنے ساتھ لائے ہوئے ایک بیکار نوجوان کو اپنا لڑکا مشہور کر کے اور پھر خود ہی اسے سگریٹ میں زہر دے کر اور اس کی موت پر فرضی آنسو بہا کر اس نے سب کا دماغ ماؤف کر دیا۔ کسی شخص کا خیال بھی اس طرف نہ جا سکا لیکن کنور ظفر علی خاں مجھ سے بھی اور اس سے بھی دونوں سے مشکوک تھے۔ آگ لگنے سے پہلے وہ نواب زادہ شاکر کے مکان کے پچھلے حصے کی طرف گئے۔ کئی روز پیشتر انہوں نے کچھ لوگوں کو مشکوک حالتوں میں ادھر گھومتے دیکھا تھا۔ یہی کرید انہیں اس طرف لے گئی۔ اس وقت آگ لگی...... وہ بھاگے جابر کے آدمی نے گولی چلائی اور وہ زخمی ہو گئے۔ یہ غلط ہے کہ وہ پولیس کی گولی سے زخمی ہوئے۔ ہسپتال میں آپریشن کے بعد نکالی گئی گولی اس کا ثبوت ہے۔

مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا اور اسی لئے میں نے نواب رشید الزماں وغیرہ کو ماتھر صاحب کے گھر جانے کی ہدایت کی تھی۔ یہ لوگ گئے مگر لوٹ آئے۔

مجھے اپنے ہوٹل کے کمرے میں گذشتہ روز کی آگ اور قتل کے واقعات سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ میرے اوپر بھی حملہ ہو گا۔ اس درمیان میں طارق کے ذریعہ مجھے اطلاع ملی کہ لیفٹیننٹ باقر مجھ سے تنہائی میں باتیں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے احتیاطاً وہ دونوں کتابیں جن کی جابر کو تلاش تھی محفوظ کر دیں اور خود باقر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کے جانے کے بعد ہی مجھے لائبریری میں جابر اور نواب زادہ شاکر کے خطوط ملے۔ مجھے ایسے کاغذات بھی ملے جن کی بناء پر جابر باقر بنا پھرتا تھا۔ میں نے اس کی وہ کتاب بھی دیکھی تھی جو وہ انسانی اعضاء کی ساخت پر لکھ رہا تھا۔ اس کی تحریر کی تازگی یہ بتا رہی تھی کہ یہ ابھی لکھا گیا ہے۔

دوسری طرف میرے ذہن میں جابر کی تحریر بھی تھی۔ چنانچہ مجھے یقین ہو گیا کہ جابر اور باقر ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ جابر کی اسی وقت آمد اور مجھے تہہ خانے میں قید کرنا اور میرے لئے یقین کا باعث بن گیا۔

مجھے قید کرنے کے بعد اس نے میرا بھیس بدل کر ایک طرف مجھے مرعوب کر کے کتابیں حاصل کرنا چاہیں دوسری طرف حمید کو قید کر کے ایک کانٹا راہ سے ہٹایا۔ تیسری طرف نواب صاحب وغیرہ سے زبردستی تحریر لکھوا کر ان سے روپیہ بھی اینٹھا اور انہیں میرا دشمن بھی بنا دیا۔"

بیان کی طوالت کے باوجود ہر شخص ہمہ تن گوش تھا۔ فریدی پھر رکا اور حمید کی طرف مسکراتے ہوئے اس نے اپنا بیان شروع کیا۔

میں کس طرح چھوٹا...... یہ محض اتفاق تھا۔ جابر نے مجھے چوبیس گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ ۱۸ گھنٹے گذرنے کے بعد شام کو جابر کا نوکر جب تہہ خانے میں لیمپ رکھنے آیا تو بجلی کی طرح میرے ذہن میں ایک خیال گونجا۔ میں نے ملازم کے جاتے ہی اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں سے لیمپ توڑ ڈالا اور لیمپ کی بتی کی آگ سے اپنے ہاتھ میں بندھی ہوئی رسی کو جلاتا رہا۔ ہاتھ کھلنے کے بعد میں آزاد تھا۔ دوسرے ہی کمرے میں حمید بند تھا اور اسے چھڑانے کے بعد میں نکلا۔ حمید نے جابر کی گفتگو سنی تھی اور اس کا خیال تھا کہ وہ کلکتہ جائے گا۔ اس لئے کہ کچھ سرکاری تجارتی تمسکات

کی ہنڈیاں اس کے ہاتھ لگ گئی تھیں جنہیں وہ جنیوا میں بھنانا چاہتا تھا۔ سعیدہ کے بیان نے اس کی تصدیق کر دی اور ہمیں کلکتہ اور پھر کلکتہ سے بحری سفر کے ذریعہ جابر کو گرفتار کرنا پڑا۔ میرا بیان ختم ہو رہا ہے لیکن اب چیز تشنہ تکمیل رہی جاتی ہے اور وہ ہے کیمیا کا نسخہ...... جابر اس کی تلاش میں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اسے حاصل کر سکا یا نہیں۔ بہرحال مجھے وہ نہ مل سکا۔"

فریدی بیٹھ گیا۔ کمرہ عدالت میں سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے طوفان اپنی ہیبت ناک آواز کے بعد ٹھہر گیا ہو کہ اچانک زنجیریں کھڑکھڑائیں اور جابر نے اشارہ کیا۔ جج صاحب کے حکم پر اس کا منہ کھول دیا گیا۔ اس نے کہا۔

"میرے بارے میں فریدی صاحب نے جو بیان دیا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ میری سوانح عمری جس مشکل سے جرمن زبان میں لکھے ہوئے خطوط سے انہوں نے مرتب کی ہے وہ لائق تعریف ہے۔ مجھے اپنے جرائم کا اقبال ہے لیکن میری داستان ابھی تشنہ تکمیل ہے۔ میری ایک آرزو ہے کہ میرے ہاتھ کھول دیئے جائیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا...... بلکہ ایک چھپے ہوئے راز کا انکشاف بھی ہو جائے گا۔ فریدی صاحب جانتے ہیں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

لوگوں میں کھسر پھسر اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ اتنے میں جج صاحب کے حکم سے چار سپاہیوں کے علاوہ مزید دو سپاہی سنگینیں لے کر اس کے گرد کھڑے ہو گئے۔ حمید کا ہاتھ اپنے پستول پر جا لگا اور جابر کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں۔

اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"فریدی صاحب! کیمیا کا نسخہ اور آپ کی دانست میں محفوظ جگہ پر رکھی ہوئی کتابیں میں نے حاصل کر لی تھیں۔ کتابیں سمندر میں ڈوب گئیں لیکن نسخہ میرے پاس ہے۔ میں جو چاہتا ہوں اُسے حاصل کر لیتا ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے اپنے چہرے سے مصنوعی ناک اٹھائی۔

دہشت اور خوف سے غزالہ اور سعیدہ کی چیخیں نکل گئیں۔ بھیانک چہرہ اور بھیانک ہو گیا تھا۔

جابر نے قہقہہ لگایا۔ اپنی ناک کے اندر سے اس نے کاغذ کی پڑیا نکالی۔ "یہ ہے وہ نسخہ فریدی صاحب...... میں اعضاء جسمانی کی ساخت کا ماہر ہوں۔ یہ ناک بڑی کار آمد ہے۔" فریدی نسخہ

لینے کے لئے آگے بڑھا۔

"مگر ٹھہریئے...... اس میں زہر ہے...... سونا حاصل کرنے کی کوشش کا نتیجہ زہر ہی ہوتا ہے۔ کہتے ہوئے اس نے وہ پڑیا منہ کے اندر رکھ لی...... آدھا سیکنڈ بھی نہ گذرا تھا کہ وہ تیورا کر گرا اور ناک اس کے ہاتھ سے فوراً چھوٹ گئی۔"

تھوڑی دیر کا ہنگامہ سکوت میں بدل گیا۔ جابر کی لاش سے شدت کی بو پھیل رہی تھی اور عجیب طرح کا نیلا پانی اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔

کمرے میں گہرا سناٹا ہلکورے لے رہا تھا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
3

جاسوسی دنیا

9- پُراسرار اجنبی

10- احمقوں کا چکر

11- پہاڑوں کی ملکہ

پیشرس

"پُراسرار اجنبی" اپنے الجھے ہوئے واقعات کی بناء پر ایک انتہائی دلچسپ ناول ہے۔ آپ اس میں دیکھیں گے کہ

جرائم کسی خاص طبقے تک محدود نہیں۔ مصلح بھی مجرم ہوسکتا ہے۔

ایک ادیب بھی جرم کرسکتا ہے۔

مجرم وہ لوگ بھی ہوسکتے ہیں جنہیں لوگ مصنف سمجھتے ہیں، ہمارے آپ کے درمیان ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہیں سوسائٹی قطعی بے ضرر سمجھتی ہے لیکن ان کے سیاہ کارناموں پر سے پردہ اٹھتے ہی دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔ ایک انتہائی چالاک عورت جس کی ایک ہی جنبشِ ابرو پر بڑے بڑے مجرموں کے دل دہل جاتے ہیں۔ اپنی جنسی خواہشات کے طوفان میں گھر کر کس طرح بے بس اور مجبور ہوجاتی ہے۔

اور پھر......

ایک خوبصورت نوجوان کی دلآویز مسکراہٹ اس کے جلال و جبروت کے طلسم کو فنا کردیتی ہے۔ وہ عورت جس نے قاتلوں کے چھکے چھڑا رکھے ہوں...... وہ...... ایک حسین نوجوان کے قدموں میں بے دست و پا پڑی تھی۔

اور...... وہ نوجوان......؟

فریدی اور حمید اس ناول میں کیا کررہے ہیں؟ اس کا جواب اس ناول کے دلچسپ مطالعہ سے ملے گا۔

پبلشر

پُراسرار اجنبی

دلاور پور تھا تو اچھا خاصا بڑا قصبہ، لیکن پھر بھی اس کے مغربی سرے پر ایک چھوٹی سی انگریزی طرز کی خوبصورت عمارت کا وجود واقعی تعجب انگیز تھا۔ دلاور پور ایک بہت پرانی بستی تھی۔ یہاں سے شہر تقریباً دس میل کی دوری پر تھا۔ یہاں زیادہ تر زمیندار آباد تھے، جن کے بڑے بڑے مکان جو پشت ہا پشت سے بطور میراث منتقل ہوتے چلے آئے تھے آج بھی اپنی اصلی یا کچھ شکستہ حالت میں موجود تھے۔ ان عمارتوں میں ایک انگریزی وضع کی عمارت کا وجود کچھ عجیب سا لگتا تھا اور اس میں رہنے والے مرد و زن لوگوں کی نظروں میں اس عمارت سے بھی عجیب تھے۔

یہاں سعید اور اس کی بیوی رہتے تھے۔ سعید ایک خوبصورت اور خوش وضع انسان تھا۔ اس کے باپ کا شمار یہاں کے بڑے زمینداروں میں ہوتا تھا۔ اس نے سعید کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلینڈ بھیج دیا تھا جہاں وہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تجارت اور صنعت و حرفت میں دلچسپی لیتا رہا۔ صنعت و حرف میں اس کا خاص موضوع کاغذ بنانا تھا، تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ وہ مختلف قسم کے کاغذ بنانے کی ٹریننگ بھی لے رہا تھا۔ اس کے والد کو توقع تھی کہ وہ انگلینڈ سے واپس آنے کے بعد کوئی بہت بڑی سرکاری ملازمت پا جائے گا۔ لیکن اس کی واپسی پر انہیں اپنی آرزوؤں کا خون ہوتا دکھائی دیا۔ سعید نے ملازمت کرنے سے انکار کردیا۔ اس کے بجائے اس نے شہر میں کاغذ بنانے کا ایک چھوٹا سا کارخانہ کھول دیا۔ حالانکہ اس کے باپ کو یہ بات بہت

ناگوار گزری لیکن وہ اس پر اس کی مخالفت میں کچھ زور بھی نہ ڈال سکے کیونکہ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیا میں اس کے علاوہ ان کا تھا ہی کون۔ تیرہ اولادوں میں صرف وہی ایک بچا تھا۔ بیوی پہلے ہی مرچکی تھی اور اب خاندان میں صرف یہی دو باپ بیٹے رہ گئے تھے۔

شروع شروع میں کارخانہ اچھا خاصا چلتا رہا۔ پھر اچانک نقصان ہونا شروع ہوگیا۔ ادھر سعید کا باپ بھی بیمار پڑ گیا۔ اس کی علالت کے سلسلے میں وہ کاروبار کی طرف کچھ دھیان نہ دے سکا۔ کارخانہ کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جارہی تھی۔ ادھر ان کی بیماری نے خطرناک صورت اختیار کرلی، جس دن کارخانے میں تالا پڑا اس کے دوسرے ہی دن اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔

باپ کے مرنے کے بعد وہ بالکل تنہا رہ گیا۔ زمینداری کا سارا بار بھی اس پر آپڑا۔ گو آدمی تھا ذہین، طبیعت نہ لگنے کے باوجود بھی اس نے کام میں بہت جلد مہارت حاصل کرلی۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی جدت پسند طبیعت نے اسے ٹھوکے دینے شروع کئے اور اس کے دل میں کاشت کاری کرنے کا بھوت سوار ہوگیا۔ ایک ٹریکٹر خریدا گیا۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں کو یکجا کرکے ان کی چک بندی کی گئی۔ عمدہ عمدہ بیج حاصل کئے گئے اور پھر سعید نے باقاعدہ کھیتی باڑی شروع کردی۔ وہ خود ٹریکٹر چلاتا۔ کھیتوں کی سینچائی اور نرائی بھی خود ہی کرتا اور گاؤں والے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتے۔ جس وقت وہ سوٹ پہنے منہ میں پائپ دبائے ٹریکٹر پر بیٹھ کر راستوں سے گزرتا تو لوگ اس کا مضحکہ اڑاتے۔ ہم چشم آوازے کستے لیکن وہ بُرا نہ مانتا۔ رفتہ رفتہ وہ اس کے عادی ہوگئے۔

سعید ایک بااخلاق اور سیدھا سادا آدمی تھا۔ شروع شروع میں لوگ اس کی طرف بدظن ضرور تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی شرافت اور اخلاق نے سب کو اپنا گرویدہ بنالیا اور پھر اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ ماحول سے بغاوت تھی۔ ہندوستان کی فضا میں وہ مغربی کسان کی طرح زندگی بسر کررہا تھا۔ یہ چیز عوام کے لئے عجوبہ تھی اور ہر عجیب چیز بہت جلد مشہور ہوجاتی ہے۔ بعض بے تکلف لوگ اسے مذاقاً کسان صاحب کہا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ اسی نام سے مشہور ہوگیا۔ قصبے میں جب بھی کسی کو گفتگو کے دوران میں اس کا حوالہ دینا پڑتا تھا تو وہ اسے

کسان صاحب ہی کے نام سے یاد کرتا، اس میں طنز اور مذاق کا شائبہ بھی نہ ہوتا۔

کچھ دنوں بعد سعید نے گاؤں کے مغربی سرے پر شہر سے آنے والی سڑک سے کچھ دور ہٹ کر اس انگریزی طرز کی عمارت کی بنیاد ڈالی۔ اس عمارت کے نزدیک ہی اس نے ایک بہت بڑا اناج گھر بنوایا۔ ان دونوں عمارتوں کے گرد ایک بہت لمبا چوڑا میدان تھا۔ جہاں اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی عمارتیں بنائی گئی تھیں جن میں مرغیاں اور دودھ دینے والے جانوروں کے رکھے جانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ سڑک سے تھوڑی ہی دور پر پیال کے بنڈلوں کے ڈھیر دکھائی دیتے تھے۔ یہ دراصل اس کا کھلیان تھا۔ یہاں پودوں سے اناج الگ کرنے کے بعد ان کے بنڈل بناکر سلیقے سے اوپر تلے چن دیئے جاتے تھے۔

اس نئے مکان کی تعمیر کے بعد سعید نے اپنے آبائی مکان کو چھوڑ دیا اور مستقل طور پر یہیں آکر رہنے لگا۔ اس دوران میں اس نے شہر کی ایک تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی کرلی اور اس کی بیوی بھی اتفاق سے بالکل اسی کی طرح جدت پسند واقع ہوئی تھی۔

شادی کے سلسلے میں ایک بار پھر اُسے مخالفت کے طوفان کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بھلا کسی خاندانی آدمی کی شادی کسی ایسے خاندان میں ہو، گاؤں کے لوگ کس طرح پسند کرلیتے، جس کے حسب و نسب ہی کا پتہ نہ ہو اور پھر اس پر ستم یہ تھا کہ سعید اپنی بیوی کو بھی بے پردہ رکھتا تھا۔

آہستہ آہستہ یہ طوفان بھی دب گیا۔ یہاں بھی سعید کی شرافت کام آئی۔ وہ بُرا بھلا کہہ جانے کے باوجود بھی لوگوں سے اسی طرح ملتا رہا۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا رہا۔ کچھ دنوں بعد اُسے بُرا بھلا کہنے والوں کی گردنیں پھر جھک گئیں۔

اب دونوں میاں بیوی نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کررہے تھے۔ اس وقت رات کی تاریکی میں سفید عمارت کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ سردی اپنے شباب پر تھی حالانکہ ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے، لیکن سارے گاؤں پر کچھ اس طرح کا سکوت طاری تھا جیسے رات گزر گئی ہو۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے یا بھینسوں کے ڈکرانے کی آوازیں سکوت کا سینہ چیرتی ہوئی دور تک لہراتی چلی جاتیں اور پھر ان کی بازگشت سنائی دیتی۔

دفعتاً شہر سے آنے والی سڑک پر کسی کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی نظر آئی۔ کار تیزی سے

سڑک سے اتر کر سعید کے مکان کی طرف بڑھنے لگی اور پھر وہ پیال کے بنڈلوں کے ایک ڈھیر سے اس طرح ٹکرائی کہ اس کا اگلا حصہ اس میں دھنستا چلا گیا۔ مشین بند کر دی گئی۔ ایک بھاری بھرکم آدمی کار سے اترا اور پیال کے بنڈل اٹھا اٹھا کر کار پر پھینکنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری گاڑی اس میں چھپ کر رہ گئی۔ اس کام سے فراغت پا کر اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ کچھ دور پر اسے کسی دوسری کار کی روشنی دکھائی دی۔ وہ جھپٹ کر پیال کے ڈھیر کے پیچھے چلا گیا۔ وہ آہستہ آہستہ دوڑتا ہوا سعید کے بنگلے کی طرف جا رہا تھا۔

آج سنیچر کی رات تھی، اس لئے سعید نے معمول کے مطابق سارے نوکروں کو چھٹی دے دی تھی تاکہ وہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر رات بسر کریں۔ سنیچر کی رات کو وہ ان نوکروں کو بھی چھٹی دے دیا کرتا تھا جو رات وہیں بنگلے ہی میں بسر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ باورچی بھی سنیچر کی شام کو رخصت کر دیا جاتا تھا۔ اس رات کا کھانا سعید کی بیوی خود تیار کیا کرتی تھی۔ آٹھ بج رہے تھے، لیکن ابھی تک کھانا نہیں پک چکا تھا۔ سعید کھانے کے کمرے ہی میں اپنے حساب کتاب کے کاغذات اٹھا لایا کرتا تھا تاکہ وہاں بیٹھے بیٹھے اپنی بیوی سے گپ بھی لڑا سکے، جو باورچی خانہ میں روٹیاں پکا چکنے کے بعد سالن کی دیگچیوں کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔

''بھئی یہ گوشت تو گلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ آپ کو بھوک لگ رہی ہوگی۔'' سعید کی بیوی نے باورچی خانے سے کہا۔

''پرواہ نہ کرو۔'' سعید نے حساب جوڑتے جوڑتے سر اٹھا کر کہا۔ ''چائے کا پانی رکھ دو تو بہتر ہے، سردی بہت ہے۔''

''اچھا......!''

اور پھر برآمدے میں بھاری بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ سعید چونک پڑا۔ آواز لحظہ بہ لحظہ قریب آتی جا رہی تھی۔ سعید سمجھا شائد اس کا کوئی رشتہ دار ہوگا۔

دفعتاً ایک اجنبی کمرے میں داخل ہوا۔ سعید کھڑا ہو گیا۔ وہ اسے غصہ اور حیرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ آنے والا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اس نے ایک بہت عمدہ قسم کے کتھئی سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ انداز سے کوئی متمول اور باوقار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی شخصیت

میں سب سے عجیب چیز یہ تھی کہ وہ موٹا نہ ہونے کے باوجود بھی کافی بھاری بھرکم معلوم ہو رہا تھا۔

''میں اس بے وقت تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''لیکن آپ کا اس طرح بغیر اجازت کسی کے گھر میں گھس آنا کوئی اچھی بات نہیں۔'' سعید نے تلخی سے کہا۔

''مجبوری بھی کوئی چیز ہے۔'' اجنبی بیٹھ کر ہانپتے ہوئے بولا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''پناہ......صرف ایک رات کے لئے۔'' اجنبی بولا۔

اتنے میں سعید کی بیوی بھی آ گئی۔ وہ بھی اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن شائد اجنبی اس کی موجودگی سے ناواقف تھا۔ وہ سعید کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں آپ کو جانتا نہیں۔'' سعید نے کہا۔ ''معلوم نہیں آپ کون ہیں کیسے ہیں؟''

''اس وقت میرے پاس اپنی شرافت کا کوئی ثبوت نہیں۔'' اجنبی نے کہا اور پھر اپنی جیب سے نوٹوں کا ایک بڑا سا بنڈل نکال کر سعید کے سامنے میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''لیکن میں ایک رات آپ کی چھت کے نیچے رہنے کی یہ قیمت ادا کر سکتا ہوں۔''

سعید کبھی اسے دیکھتا تھا اور کبھی نوٹوں کے بنڈل کو۔

''کیا کوئی آپ کا تعاقب کر رہا تھا......؟'' سعید نے پوچھا۔

''یہی سمجھ لیجئے۔''

''پولیس......؟'' سعید نے سوال کیا۔

''تو کیا آپ مجھے بدمعاش ہی سمجھتے ہیں؟'' اجنبی مسکرا کر بولا۔ وہ خود کو بہت زیادہ مطمئن اور پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کا بار بار مڑ مڑ کر برآمدے کی طرف دیکھنا اس کے خوفزدہ ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔

سعید نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور بدستور اسے گھورتا رہا۔

''بولئے کیا کہتے ہیں آپ......؟'' اجنبی بولا۔

''مجبوری ہے۔'' سعید نے جواب دیا۔

“تو پھر میں بھی مجبور ہوں۔” اجنبی جیب سے پستول نکال کر سعید کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

سعید کی بیوی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اجنبی چونک کر اس کی طرف مڑا۔

“اوہ..... مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں کوئی خاتون بھی تشریف رکھتی ہیں۔” اجنبی نے کہا اور جلدی سے پستول جیب میں رکھ لیا۔

“خواتین کی موجودگی میں اس قسم کی حرکت غیر شریفانہ ہے۔” اجنبی ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ “خیر اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ میں ہلاک کر دیا جاؤں تو میں جا رہا ہوں۔” اجنبی اپنے نوٹوں کا بنڈل وہیں چھوڑ کر باہر جانے کے لئے واپس مڑا۔

سعید عجیب قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اسے جاتے دیکھ کر بولا۔ “ٹھہریئے۔”

اجنبی رک گیا۔

“آپ آخر بتاتے کیوں نہیں کہ آپ کون ہیں۔” اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

“یہ میں نہیں بتا سکتا۔” اجنبی نے کہا۔ “لیکن جو لوگ میرا پیچھا کر رہے ہیں وہ اچھے آدمی نہیں ہیں۔”

“تو آپ چاہتے کیا ہیں؟”

“اُن کی نگاہوں سے چھپنا..... صرف آج رات کے لئے۔” اجنبی بولا۔

اتنے میں باہر موٹر کے رکنے کی آواز آئی۔

سعید گھبراہٹ میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

“وہ کیا ہے.....؟” اجنبی نے ایک چھوٹے سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

برآمدے میں کئی قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔

“کوئلے کی کوٹھری۔” سعید نے جواب دیا۔

قدموں کی آہٹ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔

“اس میں باہر جانے کا کوئی راستہ ہے؟”

“ایک چھوٹی سی کھڑکی جو پشت پر میدان میں کھلتی ہے۔” سعید نے جواب دیا۔

“ٹھیک.....!” اجنبی نے کہا اور دوڑ کر کوئلے کی کوٹھری میں گھس گیا۔

سعید نے نوٹوں کے بنڈل پر اپنی ہیٹ رکھ دی اور اپنی بیوی کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ کر کچھ لکھنے لگا۔

دفعتاً پانچ آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔

جو سب سے آگے کھڑا تھا، صورت شکل کے اعتبار سے عجیب تھا۔ قد لمبا، جسم اکہرا، آنکھیں چھوٹی چھوٹی، ناک طوطے کی چونچ سے مشابہ، پیشانی چہرے کے تناسب کے اعتبار سے کافی اونچی، آنکھوں کے کونے کے قریب کنپٹیوں پر شکنیں ابھری ہوئی تھیں۔ پتلے پتلے بھنچے ہوئے ہونٹوں سے سفاکی ٹپک رہی تھی۔ بقیہ چار آدمی دروازے کے قریب کھڑے ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

سعید انہیں دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

“آپ لوگ کون ہیں اور بغیر اجازت یہاں کیسے گھس آئے۔” سعید تیز آواز میں بولا۔

“ہمیں ایک آدمی کی تلاش ہے۔” لمبا آدمی پر سکون لہجے میں بولا۔ اس کی تیز اور چمکیلی آنکھیں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

“مگر بغیر اجازت.....!”

“مجھے اس کے لئے افسوس ہے۔” اس نے سعید کی بات کاٹتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اس کی آنکھیں بدستور ادھر اُدھر دوڑ رہی تھیں۔

“اگر وہ میرے نوکروں میں سے ہے تو نہیں مل سکتا کیونکہ میں سنیچر کی رات کو اپنے نوکروں کو چھٹی دے دیتا ہوں۔” سعید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

“کیا یہاں ابھی کوئی آدمی آیا تھا؟” اس نے سعید کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

“نہیں..... لیکن اس طرح بغیر اجازت.....!”

“میں پھر معافی چاہتا ہوں۔” اس نے کہا اور تھوڑی دیر خاموشی سے کھڑا رہنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

دور تک قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر سکوت چھا گیا اور دفعتاً کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

سعید اور اس کی بیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے۔

کوئلے کی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور وہ اجنبی ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہوا باہر نکل آیا۔ سعید کی بیوی نے بنگلے کے دروازے بند کر دیئے۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ باورچی خانے سے بھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز خوشبو اٹھ رہی تھی۔ اجنبی نے دو چار گہرے گہرے سانس لئے اور کرسی کی پشت پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

سعید کی بیوی باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ واپسی پر اس کے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے تھی۔ اس نے ایک پیالی چائے بنا کر اجنبی کی طرف بڑھا دی، جو آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ وہ چونک پڑا۔ آنکھوں میں احسان مندی کی جھلک تھی۔

''بیٹی! میں تم لوگوں کا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ اگر آج رات کو میں بچ گیا تو ان سبھوں کو دیکھ لوں گا۔'' اجنبی نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد کھانا تیار ہو گیا۔

تینوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا...... پھر سعید نے اسے ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ زینے طے کرتے ہوئے اوپری منزل پر جا رہے تھے۔

''آپ یہاں اس کمرے میں سوئیں گے۔'' سعید نے اس سے کہا۔

''شکریہ......!'' اجنبی بولا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے متعلق ابھی آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ مجھ پر اعتماد کریں، میں بھی ایک ذی عزت آدمی ہوں۔''

''خیر...... خیر...... آپ آرام کیجئے۔'' سعید نے کہا۔ ''آپ اپنے نوٹوں کا بنڈل نیچے چھوڑ آئے ہیں۔ مجھے کسی قسم کے معاوضے کی ضرورت نہیں۔ خدا نے مجھے کافی دیا ہے۔'' سعید نیچے چلا آیا۔

وہ اور اس کی بیوی کافی دیر تک اجنبی اور اس کا تعاقب کرنے والوں کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ سعید کی بیوی بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔ ڈر تو سعید بھی رہا تھا لیکن اپنی بیوی کی تسکین کے لئے وہ اس طرح کی باتیں کر رہا تھا جیسے ان واقعات کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

سعید باتیں کرتے کرتے دفعتاً چونک پڑا۔ اوپر چڑچڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور پھر ایسا

معلوم ہوا جیسے کوئی وزنی چیز دھپ سے چھت پر آ رہی ہو۔

کچھ قدموں کی آوازیں بھی سنائی دیں اور پھر سناٹا چھا گیا۔ سعید اور اس کی بیوی ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد سعید اٹھ گیا اس کی بیوی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کہاں......؟''

''اوپر......!''

''میں بھی چلوں گی۔''

''تم یہاں اکیلے ڈرو گی؟''

''نہیں یہ بات نہیں...... میں آپ کو تنہا نہ جانے دوں گی۔''

دونوں دبے پاؤں زینے طے کرنے لگے۔ اوپر سناٹا تھا۔ وہاں دونوں چند لمحے خاموش کھڑے رہے۔ پھر آہستہ سے کمرے میں داخل ہو گئے اور دفعتاً اس کی بیوی چیخ کر اس سے لپٹ گئی۔

سامنے زمین پر ایک آدمی اوندھا پڑا تھا اور اس کی پشت میں ایک بڑا سا چاقو پیوست تھا۔ زمین پر خون کی ایک پتلی سی لکیر نظر آ رہی تھی۔ لیکن وہ اجنبی نہیں تھا۔ یہ تو وہی تھا جو اس کا تعاقب کر رہا تھا طوطے کی چونچ جیسی ناک والا...... اور...... اجنبی غائب تھا۔ سعید کی بیوی ابھی تک اس سے لپٹی کھڑی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی گرفت ڈھیلی ہو رہی تھی۔ سعید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ سعید اسے اٹھا کر نیچے لے آیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ نوکروں کو پہلے ہی چھٹی دے چکا تھا۔ گاؤں تقریباً تین فرلانگ کی دوری پر تھا۔ وہ بیوی کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر کہیں ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ پن چکی پر رہنے والے جھکی آرٹسٹ کو آواز دے۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے آواز دینے پر چلا ہی آئے۔ سعید ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کے سر پر کسی نے کوئی وزنی چیز دے ماری۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور دوسرے ہی لمحے میں تین چار آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔

بنک میں گڑبڑ

اسی رات دلاور پور سے دس میل کی دوری پر شہر میں نیشنل بنک کی عمارت کے سامنے پولیس کی لاری کھڑی ہوئی تھی۔ پولیس انسپکٹر جگدیش بنک کے کھلے ہوئے صدر دروازے کے قریب کھڑا بنک کے منیجر مسٹر گنگولی سے باتیں کررہا تھا۔

''تو یہ دروازہ کھلا ہوا پایا گیا۔'' انسپکٹر جگدیش نے پوچھا۔

''جی ہاں......!'' گنگولی نے جواب دیا۔

''آپ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی؟''

''میں اوپر کی منزل میں رہتا ہوں۔''

''اوہ......!'' جگدیش نے عمارت پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ نچلی منزل میں بنک تھا...... اس کے اوپر ایک منزل اور تھی اور اس کے اوپر سپاٹ چھت۔

''آپ ہی نے مجھے فون کیا تھا'' جگدیش نے پوچھا۔

''نہیں، میں آپ کو فون کرنے ہی جارہا تھا کہ آپ پہنچ گئے۔''

''آپ کا نام......!''

''پی ایس گنگولی۔''

''جی......'' جگدیش نے حیرت سے کہا۔ ''آپ نے مجھے فون نہیں کیا تھا۔''

''نہیں......!''

''لیکن فون کرنے والے نے بھی یہی نام لیا تھا۔''

''ارے......!'' گنگولی چونک کر بولا۔

''عجیب بات ہے۔'' جگدیش نے کھلے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''چلئے۔''

وہ دونوں اور ایک کانسٹیبل بنک کے اندر داخل ہوئے۔

''اور خزانہ......!''

''ٹھہرئیے۔'' گنگولی نے ایک دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اس نے جیب سے کنجیوں کا لچھا نکال کر دروازہ کھولا اور اندر کا بلب روشن کردیا۔ یہاں کئی تجوریاں رکھی ہوئی تھیں اس نے ایک ایک کرکے سب تجوریاں کھولیں اور پلٹ کر تحیر آمیز نظروں سے جگدیش کی طرف دیکھنے لگا۔

''کہئے۔''

''میرے خیال سے تجوریوں کی چیزیں بھی موجود ہیں۔''

''تو اس کا یہ مطلب کہ دروازہ دھوکے سے کھلا رہ گیا۔'' جگدیش نے کہا۔ ''صدر دروازے کی کنجی کس کے پاس رہتی ہے۔''

''ایک میرے پاس اور ایک صفائی کرنے والے کے پاس۔ لیکن وہ بہت ہی معتبر آدمی ہے۔''

''کیا آج یہ دروازہ اسی نے بند کیا تھا۔''

''نہیں......میں نے۔'' گنگولی نے کہا۔ ''لیکن صبح کو روزانہ وہی کھولتا ہے۔''

''غالباً صفائی کرنے کے لئے۔'' جدیش نے پوچھا۔

''جی ہاں......!''

''تو آپ کو قطعی اطمینان ہے کہ کوئی چیز گئی نہیں۔''

''ٹھہرئیے! میری دانست میں تو سارا کیش موجود ہے۔ لیکن میں فون کرکے خزانچی کو بلائے لیتا ہوں۔'' گنگولی نے کہا اور بڑھ کر فون کرنے لگا۔

جگدیش کھڑا سوچ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بے چینی سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''یہ صفائی کرنے والا کون ہے۔'' جگدیش نے اچانک پوچھا۔

''سلیم......!''

''کہاں رہتا ہے۔''

''یہ تو مجھے معلوم نہیں۔'' گنگولی نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''جی......!'' جگدیش نے حیرت سے کہا۔ ''اور آپ نے اس کے پاس چابی کیوں رہنے دی۔''

''وہ کافی معتبر آدمی ہے۔''

''معلوم نہیں آپ کی نظروں میں معتبر ہونے کا کیا معیار ہے۔'' جگدیش طنزیہ انداز میں بولا۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بہت معتبر آدمی ہے۔''

''آپ تو اوپر رہے ہوں گے پھر آپ کو دروازہ کھلنے کا علم کس طرح ہوا؟''

''الارم......!'' گنگولی نے خزانے کی طرف اشارہ کیا۔ ''بنک بند کرتے وقت میں اس میں الارم لگا دیتا ہوں جس کی گھنٹی میں نے اوپر لگا رکھی ہے۔''

''تو اس کا یہ مطلب کہ کسی نے یہاں داخل ہو کر خزانے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔''

''جی ہاں......!''

''لیکن کھولنے میں کامیاب نہیں ہوا۔''

''یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔'' گنگولی نے پریشانی کے لہجے میں کہا۔ ''کیونکہ اس کا دروازہ بند کرنے پر خود بخود تالا لگ جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کھولنے والے نے کھول کر بند بھی کیا ہو۔''

''تب تو ہمیں خزانچی کا انتظار کرنا پڑے گا۔'' جگدیش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''الارم سن کر یہاں تک آنے میں آپ کو کتنا عرصہ لگا ہوگا۔''

''تقریباً پندرہ منٹ......!'' گنگولی نے جواب دیا۔

''پندرہ منٹ......!'' جگدیش نے حیرت سے کہا۔ ''پندرہ منٹ تو بہت ہوتے ہیں۔ خطرے کا الارم سن کر بھی اتنی دیر کر دی آپ نے۔''

''اسکی بھی وجہ ہے۔'' گنگولی نے مسکرا کر کہا۔ ''اکثر چوہوں کی عنایت سے بھی ایسا ہو جایا کرتا ہے اور پھر میں نے سوچا کہ سرِ شام چلتی ہوئی سڑکوں پر کون اس کی ہمت کر سکے گا۔ اسی خیال سے میں ٹال گیا۔ لیکن پھر طبیعت نہ مانی اور تھوڑی دیر بعد جب میں نیچے اترا تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔''

''ہوں......!'' جگدیش نے گنگولی کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

گنگولی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے شدید قسم کی بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔

''کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ اسی کی حرکت ہو۔'' جگدیش نے کہا۔

''میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔''

''آخر اس یقین کی وجہ؟''

''میں اسے عرصہ سے جانتا ہوں۔''

''اور تعجب ہے کہ آپ اس کے گھر کے پتے سے واقف نہیں۔'' جگدیش نے کہا۔

گنگولی خاموش ہو گیا۔ اس کے تیور سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس کے متعلق ذکر کرنا پسند نہیں کرتا۔

تھوڑی دیر بعد خزانچی آ گیا۔ اس نے کیش دیکھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ کام بھی ختم ہو گیا۔

''کیش پورا ہے......کوئی کمی نہیں اور دوسری چیزیں بھی موجود ہیں۔'' خزانچی نے کہا۔

''خیر...... یہ بھی اچھا ہوا۔'' جگدیش نے کہا۔ ''لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کے نام سے مجھے فون کس نے کیا اور اس کا مقصد کیا تھا۔''

ابھی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ باہر شور سنائی دیا اور ساتھ ہی ایک ایسے دھماکہ کی آواز آئی جیسے کوئی بہت وزنی چیز کافی اونچائی سے نیچے پھینکی گئی ہو۔

سارے لوگ گھبرا کر بنک سے سڑک پر نکل آئے۔

''کون ہے......کون گرا......!'' ایک طرف سے آواز آئی۔

مجمع بڑھتا جا رہا تھا۔ جگدیش بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ ایک بے جان آدمی سڑک پر اوندھا پڑا تھا۔

''کہاں سے گرا......!'' جگدیش نے بے اختیارانہ انداز میں پوچھا۔

''اوپر سے......!'' کئی آدمیوں نے بنک کی عمارت کی سپاٹ چھت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

جگدیش کی ٹارچ کی روشنی گرنے والے کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ جگدیش نے نیچے جھک کر دیکھا۔

''ختم ہو گیا۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ارے یہ تو سلیم ہے۔'' دفعتاً گنگولی کی آواز سنائی دی۔

”سلیم......کون سلیم۔“ جگدیش چونک کر بولا۔ ”وہی جو صفائی کرتا تھا۔“

”جی ہاں......!“ گنگولی گھبرائے ہوئے لہجہ میں بولا۔ ”مگر یہ اس وقت یہاں کہاں۔“ گنگولی حیرت سے چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

”ارے یہ اوپر روشنی کیسی۔ وہ کون ہے؟“ گنگولی بے اختیارانہ انداز میں چیخا۔

چھت پر کوئی ٹارچ کی روشنی میں سر جھکائے کچھ دیکھ رہا تھا۔ گنگولی کی چیخ سنتے ہی اس نے ٹارچ بجھا دی اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اوپر تاریکی تھی لیکن ستاروں کی چھاؤں میں ایک دھندلا دھندلا سا بے حس وحرکت مجسمہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

”خبر دار......اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔“ جگدیش نے ریوالور نکالتے ہوئے چیخ کر کہا۔

”بہت بہتر حضور والا......!“ اوپر سے آواز آئی۔

جگدیش آواز سن کر چونک پڑا۔ آواز کچھ جانی پہچانی سی تھی۔ لیکن اس نے سوچا شاید وہم ہوا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کیسا نڈر آدمی ہے۔

جگدیش نے سپاہیوں کو اوپر جانے کا اشارہ کیا اور خود ریوالور تانے کھڑا رہا۔ سپاہی آگے بڑھے۔

”انہیں تکلیف نہ دیجئے گا......میں خود حاضر ہو رہا ہوں۔“ اوپر سے آواز آئی۔

”ارے......!“ جگدیش تقریباً اچھلتے ہوئے چیخا۔ ”تو کیا سچ مچ آپ ہی ہیں۔“

دوسرے لمحے میں زینے پر ٹارچ کی روشنی دکھائی دی اور ایک آدمی نیچے آیا۔

یہ محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر فریدی تھا۔

جگدیش جھپٹ کر اس کے قریب آیا۔

”آپ یہاں کہاں......؟“ اس نے متعجبانہ لہجے میں پوچھا۔

”وہ کون ہے کچھ پتہ چلا؟“ فریدی نے جگدیش کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”سلیم......یہاں بنک میں صفائی کرنے پر ملازم تھا۔“ جگدیش نے کہا۔

”سلیم......!“ فریدی چونک کر بولا۔

”جی ہاں......!“

فریدی تیزی سے لاش کے قریب آیا اور جھک کر ٹارچ کی روشنی میں اسے دیکھنے لگا۔

”تو اس کا یہ مطلب کہ اس میں گرنے سے پہلے کچھ جان باقی تھی۔“ فریدی بولا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ جگدیش نے کہا۔

”چھت پر پڑے ہوئے خون کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کافی دیر ہوئی نکلا ہے۔ کسی نے شاید اسے زخمی کر کے اوپر ڈال دیا تھا۔ کچھ ہوش آنے پر شاید اس نے کروٹ لی اور نیچے لڑھک آیا۔“

”ارے......!“

”اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اسی نے فون کر کے مجھے یہاں بلایا تھا......اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ یہاں اس بنک میں صفائی کرنے پر ملازم تھا۔“

پولیس والوں نے مجمع ہٹا دیا تھا۔ جگدیش اور فریدی تنہا کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ اس نے خطرے سے واقف ہو کر آپ کو فون کر دیا تھا اور بعد میں مجرم یا مجرموں کے ہاتھوں مارا گیا۔“ جگدیش نے کہا۔

”تو کیا مجرم کامیاب ہوگئے۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”نہیں......بنک میں سب کچھ جوں کا توں موجود ہے۔ غالباً ہنگامہ ہو جانے پر وہ لوگ نکل بھاگے۔“ جگدیش نے کہا۔ ”اس نے فریدی کو شروع سے آخر تک سب حالات بتا دیئے۔“

”اور گنگولی کہتا ہے کہ اس نے تم کو فون نہیں کیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں......!“

”ہوں......!“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”آخر اس نے یہ نہیں بتایا کہ سلیم پر اس قدر اعتماد کی کیا وجہ تھی؟“

”جی نہیں۔“ جگدیش نے کہا۔ ”لیکن وہ کہتا ہے کہ وہ اسے عرصہ سے جانتا تھا اور میرے خیال میں اعتماد کر لینے کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی جب کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ سلیم رہتا کہاں تھا۔“

فریدی مسکرانے لگا۔ جگدیش کو اس کی یہ بے موقع مسکراہٹ کچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔

''اچھا اب لاش کو لاری پر رکھا دو۔'' فریدی نے کہا۔ ''گنگولی کہاں ہے؟''

''غالباً بنک میں......آیئے چلیں۔'' جگدیش نے کہا اور کانسٹیبلوں کو ہدایت دیتا ہوا فریدی کے ساتھ بنک کے اندر چلا گیا۔ خزانچی اور گنگولی اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

فریدی اور جگدیش کو دیکھ کر دونوں کھڑے ہو گئے۔

''تشریف رکھئے۔'' فریدی نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''سلیم آپ کے یہاں کتنے دنوں سے ملازم تھا۔'' اس نے گنگولی سے پوچھا۔

''تین ماہ سے۔''

''اور اتنے قلیل عرصہ میں آپ کو اس پر اتنا اعتماد پیدا ہو گیا تھا اور آپ کو اس کے مکان کا پتہ بھی نہیں معلوم۔''

گنگولی خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔

''میرا خیال ہے کہ آپ نے قریب قریب اس کے سب ناول پڑھے ہوں گے۔'' فریدی نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

''تو آپ بھی اسے جانتے تھے۔'' گنگولی بے اختیار بولا۔

جگدیش حیرت سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ کی اور اس کی پرانی دوستی تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں......!''

''تو پھر آپ نے یہ بات جگدیش سے کیوں چھپائی تھی۔''

''اب جب کہ وہ مر چکا ہے مجھے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔''

''تو گویا اس نے آپ کو منع کر دیا تھا کہ آپ اس کی اصلیت سے کسی کو آگاہ نہ کریں۔''

''جی ہاں۔''

''اس قدر مالدار ہونے کے باوجود بھی اس نے ایسی ذلیل ملازمت کیوں کی تھی؟''

''وہ کہتا تھا کہ وہ ذاتی طور پر بنک کے کاروبار سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ اپنے ناولوں میں اس کے متعلق ٹھیک ٹھیک لکھ سکے۔''

''اس کے متعلق تو وہ آپ سے بھی معلومات بہم پہنچا سکتا تھا۔ آخر یہاں نوکری کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''اب میں اس کے متعلق کیا عرض کروں۔ یہ بھی اس کی ایک جھک تھی۔ میرے یہاں ملازمت کرنے سے پہلے وہ عجائب گھر میں ملازم تھا۔''

''عجائب گھر میں۔'' فریدی نے چونک کر پوچھا۔ ''کس عجائب گھر میں؟''

''پرانی یادگار کے عجائب گھر میں۔'' گنگولی نے جواب دیا۔

''اور وہ باوقار تنخواہ لیا کرتا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''عجیب بات ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ خود بھی کافی مالدار تھا۔''

''وہ میرا دوست ضرور تھا لیکن کہنے والی بات کہنی ہی پڑتی ہے۔'' گنگولی بولا۔ ''اسے دولت کی ہوس تھی اور وہ ایک ایک پیسہ دانت سے پکڑتا تھا۔''

''اوہ......!''

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ کیونکہ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''کیا آپ اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ آخر اس کے اس وقت یہاں موجود ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''یہی سوال تو مجھے بھی الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔'' گنگولی نے جواب دیا۔

''جب سے اس نے میرے یہاں ملازمت کی تھی ڈیوٹی کے وقت کے علاوہ کبھی اس طرف کا رخ بھی نہیں کرتا تھا۔''

''میرا خیال ہے۔'' جگدیش بولا۔ ''شاید مجرم دم دلاسہ دے کر اسے یہاں تک لائے اور اس سے یہاں کی کنجی لے کر زخمی کر کے اسے اوپر ڈال گئے۔''

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت یہاں کی کنجی اپنی جیب ہی میں رکھتا رہا ہو۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ کون تھا؟" جگدیش نے پوچھا۔

"تم نے کبھی شکیل ساجد کے جاسوسی ناول پڑھے ہیں۔"

"جی ہاں......!"

"یہ شکیل ساجد ہی تھا۔"

"ارے......!"

"اس کا اصلی نام تو سلیم ہی تھا لیکن یہ کتابیں شکیل ساجد کے نام سے لکھا کرتا تھا۔"

"یہ تو بڑا مشہور مصنف تھا۔ میں نے اس کی تقریباً پچاس ساٹھ کتابیں پڑھی ہوں۔" جگدیش بولا۔

"تو آپکو پورا یقین ہے کہ یہاں سے کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔" فریدی نے گنگولی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"بہتر۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے آپ کو پھر تکلیف دی جائے۔"

لاش پہلے ہی کوتوالی روانہ کی جا چکی تھی۔ فریدی اور جگدیش بھی واپس آ گئے۔ دونوں اس وقت کوتوالی کے ایک کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"تو آپ چھت پر کیسے پہنچ گئے تھے۔" جگدیش نے پوچھا۔

"سلیم نے مجھ سے فون پر استدعا کی تھی کہ میں جلد سے جلد بنک پہنچ جاؤں، اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت پریشان ہے۔ لہٰذا میں وہاں پہنچا ہی تھا کہ وہ چھت سے نیچے آ رہا۔ میں بغیر یہ معلوم کئے ہی کہ وہ کون ہے چھت کی طرف لپکا۔ وہاں بالکل سناٹا تھا کئی جگہ خون کے دھبے جمے دکھائی دے رہے تھے، جن کی سرخی کچھ کچھ سیاہی میں تبدیل ہو چکی تھی اسی سے میں نے اندازہ لگایا کہ اسے حادثہ پیش آئے ہوئے کچھ عرصہ گزر چکا ہے۔"

"شاید کسی نے اوپر سے اسے پھینک دیا ہو۔" جگدیش بولا۔

"ناممکن۔" فریدی نے کہا۔ "اتنی جلدی وہاں سے نیچے آ جانا ممکن ہی نہیں اور وہاں کوئی

چھپنے کی جگہ بھی نہیں۔"

"آپ نے کوئی نظریہ قائم کیا۔"

"فی الحال کسی خاص نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا۔"

"میرا خیال ہے کہ مجرموں نے سلیم سے کنجی حاصل کر کے اپنی دانست میں اسے قتل کر دیا۔"

"اور لاش بنک کی چھت پر ڈال گئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر انہیں کنجی کے لئے اسے قتل کرنا ہوتا تو اس کے لئے وہ کوئی ویرانہ منتخب کرتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب وہ بنک سے گھر واپس جا رہا تھا، اسی وقت کوئی بہلا پھسلا کر اسے چھت پر لے گیا اور وہیں اسے زخمی کر کے اس سے کنجی حاصل کر لی تو یہ بھی کچھ ناممکن ہی سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اول تو اس وقت کافی دن رہا ہوگا اور وہ چھت کھلی ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں ان کے دیکھ لئے جانے کا بھی امکان رہا ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ اس کے ٹیلی فون کرنے اور میرے وہاں پہنچنے کا وقفہ بمشکل تمام بیس منٹ رہا ہوگا اور چھت پر پڑے ہوئے خون سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ایک گھنٹہ قبل کا ہے۔"

"پھر آخر اسے کیا سمجھا جائے۔" جگدیش نے اکتا کر کہا۔

"یہی سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "دوسری چیز یہ بھی کم حیرت انگیز نہیں کہ گنگولی اس سے انکار کر رہا ہے کہ اس نے تمہیں فون کیا ہے۔"

"بہرحال میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔" جگدیش نے کہا۔ "اگر آپ اس معاملے کو الجھا رہے ہیں تو اسے خود ہی سلجھائیے گا بھی۔"

"میں اس کیس میں خود بھی کچھ دلچسپی محسوس کر رہا ہوں۔" فریدی نے جانے کے لئے اٹھتے ہوئے کہا۔

ایک اور لاش

فریدی آفس میں بیٹھا پرانے کاغذات الٹ پلٹ رہا تھا کہ سرجنٹ حمید آ گیا۔

"آج طبیعت کچھ بیزار سی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟" فریدی نے بدستور سر جھکائے ہوئے پوچھا۔

"بیکاری......دن بھر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو۔"

"تو یہ کون سی خاص بات ہے۔ تم ایک ہاتھ سر پر اور دوسرا کمر پر رکھے کھڑے رہا کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید جھینپ گیا

"گھبراؤ نہیں......میں نے کام ڈھونڈ لیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"وہی بنک والا معاملہ......؟" حمید نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"آپ بھی خواہ مخواہ دردسری مول لیتے پھرتے ہیں۔"

"عجیب آدمی ہو......ابھی بیکاری سے اکتا رہے تھے اور جو کام بتایا تو جان نکل گئی۔"

"میرا مطلب کچھ اور تھا۔"

"اور تو کیا شہناز آج کل یہاں موجود نہیں......؟" فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تب تو خدا تمہیں غریق رحمت کرے۔" فریدی نے کہا اور پھر کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو......کون جگدیش......ہاں ہاں فرصت ہی ہے......ایک اور لاش؟ کہاں...... دلاور پور......اچھا......ہاں......ہاں......وہ لوگ غائب ہیں......نہیں......نہیں......فرصت ہے......میں ابھی آیا۔"

"لیجئے جناب حمید صاحب۔" فریدی نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک کام اور دستیاب ہو گیا۔"

"جی ہاں......ایک اور لاش......سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ملک میں لاشوں کی پیداوار کیوں بڑھتی جا رہی ہے۔" حمید بیزاری سے بولا۔

"آؤ چلیں۔"

"بس مجھے معاف ہی رکھئے۔"

"کبھی دلاور پور گئے ہو......؟"

"نہیں!"

"اسی لئے ایسا کہہ رہے ہو۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"خیر میں تمہیں لے جانا مناسب بھی نہیں سمجھتا۔"

"کچھ کہئے گا بھی یا یونہی پہیلیاں بجھواتے رہئے گا۔"

"ارے چھوڑو بھئی......جا کر اپنا کام کرو۔" فریدی اکتائے ہوئے لہجہ میں بولا اور اٹھ کر دروازے کی طرف چلنے لگا۔

فریدی کار اسٹارٹ کرنے جا ہی رہا تھا کہ حمید بھی آ کر بیٹھ گیا۔

"بہرحال تم نہیں مانو گے۔" فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

کوتوالی میں جگدیش اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کہو بھئی کیا معاملہ ہے؟" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"ارے صاحب ایک معاملہ صاف نہیں ہوا تھا کہ دوسرا پیدا ہو گیا۔" جگدیش نے کہا۔

"دلاور پور کے سعید کا نام تو آپ نے سنا ہوگا۔"

"وہی انگلینڈ ریٹرن کسان......؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں......!" جگدیش نے کہا۔ "دلاور نگر چوکی کے چوکیدار نے اطلاع دی ہے کہ سعید کے گھر میں ایک لاش ملی ہے اور وہ دونوں میاں بیوی غائب ہیں۔ آج صبح جب گھر نوکر آئے تو انہوں نے گھر کھلا ہوا پایا۔ وہ دونوں غائب تھے اور چھت پر ایک لاش ملی۔"

"کھلی چھت پر......؟" فریدی نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں......شاید اوپری منزل کے ایک کمرے میں۔"

"غالباً مکان پر وہاں کی چوکی کے ہیڈ کانسٹیبل نے پہرہ لگوا دیا ہوگا۔"

"جی ہاں......!"

"ٹھیک......!" فریدی نے کہا۔ "تو اب کیا ارادہ ہے۔"

"آپ ہی کے انتظار میں رکا ہوا تھا" جگدیش نے کہا۔ "میں آپ کو بہت تکلیف دیتا ہوں۔"

"خیر تکلفات کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آؤ چلیں۔"

فریدی حمید اور جگدیش کار میں بیٹھ کر دلاور پور کی طرف روانہ ہو گئے۔

سعید کے مکان کے سامنے پہرہ لگا ہوا تھا۔ وہ لوگ کھلیان سے گزرتے ہوئے مکان کے اندر داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ دلاور پور کی چوکی کا ہیڈ کانسٹیبل بھی تھا۔

"لاش کہاں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میرے ساتھ آئیے۔" ہیڈ کانسٹیبل زینے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اوپر کمرے میں پہنچ کر فریدی نے سگار سلگایا۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کمرے میں اس لاش کی موجودگی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی۔ اس نے مکان کی پشت پر کھلنے والی کھڑکی کی طرف غور سے دیکھا، جو اس وقت بھی کھلی ہوئی تھی۔

"تم جب یہاں داخل ہوئے تو یہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔" فریدی نے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا۔

"جی ہاں......!"

اب فریدی لاش کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی پشت میں ابھی تک چاقو لگا ہوا تھا۔ فریدی نے جیب سے محدب شیشہ نکالا اور چاقو کے دستے کا جائزہ لینے لگا۔

"انگلیوں کے نشانات تھے تو ضرور۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔ "لیکن کسی نے انہیں صاف کر دیا۔ کہیں اب بھی ایک آدھ نشان موجود ہے مگر مکمل نہیں۔"

پھر وہ ہیڈ کانسٹیبل سے مخاطب ہو کر بولا۔ "کسی نے لاش کو چھوا تو نہیں؟"

"جی نہیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" فریدی نے کہا۔ "ممکن ہے کہ تمہارے پہنچنے سے قبل ہی کسی نوکر نے اسے چھوا ہو۔"

"نوکروں کا تو یہی بیان ہے کہ کسی نے اس کمرے میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کی۔"

"ہوں......!" فریدی نے پھر جھک کر لاش کا جائزہ لینا شروع کیا۔

"قتل یہاں اس کمرے میں نہیں ہوا۔" فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔

"پھر......؟" جگدیش نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میں نہیں بتا سکتا......لیکن قتل اس کمرے میں نہیں ہوا۔"

"آخر کیسے؟"

"یہاں پر بہے ہوئے خون کی مقدار......!" فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔ "اتنا کم خون۔"

حمید اور جگدیش سوچ میں پڑ گئے۔

فریدی لاش کے پاس سے ہٹ کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ وہ باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مکان کے پیچھے چھوٹا سا میدان تھا اور اس کے بعد ہی زمین ڈھلوان ہو گئی تھی۔

"کیا یہ کوئی ندی ہے......؟" فریدی نے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا۔

"جی ہاں......دریائے گھاگھرا کی ایک شاخ۔"

"یہاں سے کتنا فاصلہ ہوگا......؟"

"تقریباً ایک فرلانگ......!"

"لیکن یہاں سے پانی نہیں دکھائی دیتا۔"

"یہ جگہ کافی اونچائی پر ہے۔"

"اوہ......!" فریدی نے نیچے جھک کر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟" جگدیش نے پوچھا۔

"کچھ نہیں......آؤ نیچے چلیں۔" اس نے ہیڈ کانسٹیبل کی طرف مڑ کر کہا۔ "اور ہاں وہ سامنے چھوٹی سی عمارت کیسی ہے؟"

"پن چکی ہے......کبھی چلتی تھی۔ تقریباً ایک سال سے بند پڑی ہے۔"

"تو وہ عمارت خالی ہے۔"

"جی نہیں......وہاں ایک پاگل سا آدمی رہتا ہے۔ خود کو آرٹسٹ کہتا ہے اکثر تصویریں بنا کر بکنے کے لئے شہر بھیجتا رہتا ہے۔"

"ہوں......!" فریدی نے زینے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

سب لوگ نیچے اتر آئے۔ فریدی ایک ایک کمرے کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔

"یہ شاید ان دونوں کے سونے کا کمرہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ اس کی تیز نظریں کونے کونے میں پہنچ رہی تھیں۔

"یہ دیوار پر خون کی چھینٹیں کیسی؟" دفعتاً فریدی چونک کر بولا۔

"اوہ......!" جگدیش دیوار کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تو کیا......تو کیا......اسے یہیں قتل کیا گیا؟"

"لیکن یہاں قتل کر کے اوپر لے جانے کا کیا مطلب......؟"

"بہت ممکن ہے کہ انہوں نے اسے یہیں قتل کیا ہو اور تاک میں رہے ہوں کہ موقع پا کر لاش کو کہیں ٹھکانے لگا دیں۔" جگدیش بولا اور پھر کسی وجہ سے انہیں اس کا موقع نہ مل سکا ہو۔ بہت ممکن ہے کہ کوئی ملنے والا آ گیا ہو اور انہوں نے جلد ہی لاش کو اوپر پہنچا دیا ہو اور پھر اسے وہاں سے اتار کر ادھر ادھر نہ کر سکنے کی بناء پر صبح ہو جانے کے خوف سے فرار ہو گئے ہیں۔"

"اور اتنی دیر تک وہ اس کے زخم میں برتن لگا کر اس میں اس کا خون اکٹھا کرتے رہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"کیا فضول بکتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو یہاں فرش پر بھی خون کا ایک آدھ دھبہ ہونا چاہئے تھا۔"

فریدی اسے گھورنے لگا۔

"یہ سینڈل غالباً سعید کی بیوی کی ہے۔" فریدی نے ایک سینڈل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن دوسرا کیا ہوا۔"

"میں ابھی تلاش کرتا ہوں۔" حمید نے بڑی مستعدی کے ساتھ کہا اور سینڈل اٹھا کر کمرے کے باہر جانے لگا۔

"ارے تم اسے کہاں لئے جا رہے ہو۔"

"جوڑ ملانے کے لئے......ممکن ہے دوسرا ڈھونڈ لاؤں۔" حمید نے کہا اور چلا گیا۔

"عجیب لونڈا ہے۔" فریدی نے کہا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"ایک بستر صاف ہے اور دوسرے پر شکنیں۔" فریدی نے جھک کر پر شکن آلود بستر پر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔ "غالباً سینڈل کے تلے کا نشان ہے۔ سعید کی بیوی بڑی بدتمیز تھی کہ ایسے شفاف بستر پر سینڈل سمیت چڑھ جاتی تھی۔ مگر دوسرا نشان نہیں ہے۔ سینڈل کے ساتھ ہی ساتھ دوسرا نشان بھی غائب ہو گیا۔ نشان داہنے سینڈل کا ہے اور داہنے پیر کا سینڈل بھی یہاں نہیں ہے کیوں جگدیش صاحب......کیا یہ دلچسپ بات نہیں۔"

"صاحب مجھے تو ابھی تک ہر چیز دلچسپ ہی نظر آ رہی ہے۔" جگدیش بولا۔

اتنے میں حمید آ گیا۔ سینڈل اس کے ہاتھ میں تھا۔

"سینڈل تو نہیں ملا......لیکن ایک دلچسپ چیز ملاحظہ ہو۔" حمید نے سو سو روپے کے دو نوٹ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا......؟"

"لاش والے کمرے میں سینڈل تلاش کرنے کے لئے میں نے صوفہ ہٹایا تھا، اس کے پیچھے مجھے یہ دو نوٹ پڑے ہوئے ملے۔"

"ہوں......!" فریدی نے نوٹوں کو ہاتھ میں لے کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "بالکل نئے ہیں، یہاں تک کہ ایک آدھ بار موڑے بھی نہیں گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی بنڈل میں سے سرک کر نکل گئے ہوں۔" پھر اس نے ہیڈ کانسٹیبل کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"کیا سعید کوئی لاپرواہ آدمی تھا؟"

"قطعی نہیں......میں نے اس جیسا بااصول آدمی آج تک دیکھا ہی نہیں۔ شائد وہ پائی پائی کا حساب رکھتا تھا۔" ہیڈ کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"اوپر کوئی تجوری بھی نہیں......کوئی صندوق بھی نہیں نظر آیا اور شاید اس بڑے صوفے کی طرف کپڑے وغیرہ لٹکانے کے لئے کھونٹیاں بھی نہیں ہیں کہ یہ خیال کیا جائے کہ کپڑے لٹکاتے وقت شاید جیب سے گر گئے ہوں۔" فریدی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"کل رات بنک میں کوئی گھسا......کل رات ہی کو یہاں بھی ایک واردات ہوئی اور یہ نئے نوٹ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"چلئے آ گئی شامت...... نیشنل بنک اور سعید منزل الجھ گئے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

جگدیش خاموش ہو گیا تھا۔ وہ لوگ کمرے سے نکل آئے۔ فریدی پھر سوچ میں ڈوب گیا۔

سب لوگ مکان سے نکل کر پچھواڑے کی طرف جا رہے تھے۔

فریدی عین کھڑکی کے نیچے رک کر زمین کی طرف دیکھنے لگا اور پھر آہستہ آہستہ اس کی نگاہیں دیوار کی طرف اٹھنے لگیں۔ دفعتاً وہ مسکراتا ہوا جگدیش وغیرہ کی طرف مڑ گیا۔

"اب ہمیں یہیں کہیں بانس کی ایک سیڑھی تلاش کرنی چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

سب اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ فریدی آگے بڑھ کر میدان میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ دفعتاً ایک طرف چلنے لگا اور پھر کانٹے دار جھاڑیوں کی قطار کے قریب جا کر رک گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

سب لوگ تیزی سے اس کے قریب پہنچے۔

"لو وہ سیڑھی بھی مل گئی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

جھاڑیاں ہٹا کر سیڑھی نکالی گئی۔ سیڑھی پر کئی جگہ خون کی چھینٹیں تھیں سب لوگ استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

"سارا کام بہت جلدی میں کیا گیا۔" فریدی بولا۔ "سیڑھی یہاں تک لانے والا تو اتنا بوکھلایا ہوا تھا کہ اس نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ سیڑھی کا ایک پایہ زمین پر گھسٹتا ہوا جا رہا ہے۔ اگر اس پائے کے بنائے ہوئے نشان میری رہبری نہ کرتے تو ذہن اتنی جلدی ان جھاڑیوں کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا۔"

"اور سیڑھی کا خیال آپ کو آیا کیسے؟" حمید نے پوچھا۔

"ٹھیک کھڑکی کے نیچے زمین پر دو عدد گول اور گہرے نشانات دیکھ کر......" فریدی نے کھڑکی کی طرف لوٹتے ہوئے کہا۔ "اور دیوار پر کھڑکی کے قریب خون کی چھینٹیں بھی ہیں۔ یہ دیکھو یہ رہے سیڑھی کے نشانات۔ یہاں زمین کافی سخت ہے اور نشانات خاصے گہرے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" جگدیش نے کہا۔

"سیڑھی یہاں منگواؤ۔" فریدی نے کہا۔

ہیڈ کانسٹیبل دوڑ کر سیڑھی اٹھا لایا۔

"اسے دیوار سے لگا دو۔" فریدی نے کہا۔ "اور اب جگدیش تم اس پر چڑھو۔ ہاں ٹھیک اب اتر آؤ...... دیکھو یہ نشانات اتنے گہرے نہیں ہیں۔ اب تم اگر حمید کو اپنے کاندھے پر لاد کر چڑھ سکتے ہو تو صرف دو تین ڈنڈوں تک چڑھنے کی کوشش کرو۔"

حمید ہنسنے لگا۔ جگدیش بھی کچھ مسکرایا لیکن فریدی کو ضرورت سے زیادہ سنجیدہ دیکھ کر دونوں سنبھل گئے۔ جگدیش نے حمید کو کاندھے پر لاد کر سیڑھی پر چڑھنا شروع کیا۔

"ٹھیک ٹھیک، بس اب نیچے اتر آؤ۔ دیکھو سنبھل کر...... ڈرو نہیں...... میں سیڑھی سنبھالے ہوئے ہوں...... ٹھیک...... اب ان نشانات کو دیکھو...... قریب قریب یہ نشانات اتنے ہی گہرے ہیں جتنے کہ کھڑکی کے نیچے والے۔"

"کیا مطلب......؟" حمید نے چونک کر کہا۔

"تم ہمیشہ گدھے ہی رہو گے۔" فریدی نے کہا۔ "مطلب یہ کہ لاش اسی طرف سے اوپر لے جائی گئی۔"

"بہت خوب...... خون سونے کے کمرے میں کیا گیا جیسا کہ وہاں کی دیوار پر پڑی ہوئی چھینٹوں سے ظاہر ہے اور اسی طرف کے زینے سے اوپر لے جانے کے بجائے اس نے اتنا چکر لگایا اور بانس کی سیڑھی لگا کر لاش کو اس طرف سے اوپر لے گیا۔ گویا اچھا خاصا احمق تھا۔"

"جی نہیں۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "وہ اس سے بھی زیادہ احمق تھا کیونکہ لاش کو قریب کے دریا میں پھینک دینے کے بجائے اوپر لے جا کر بحفاظت رکھ دیا اور خود بیوی سمیت دعوت کھانے چلا گیا اس نے ایسا اس لئے کیا کہ اس کی عدم موجودگی میں پولیس والوں کو زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے۔"

جگدیش ہنسنے لگا اور حمید نے جھینپ کر بغلیں جھانکنی شروع کر دیں۔

"میرا خیال ہے کہ سونے کے کمرے میں خود انہیں کوئی حادثہ پیش آیا۔ ایک سینڈل کا نادارد ہونا اسی شبہے کی طرف لے جاتا ہے۔"

''اور لاش......؟'' حمید جلدی سے بولا۔

''کسی دوسرے نے پھنسانے کے لئے یہاں رکھ دی۔'' فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟'' جگدیش پریشانی کے لہجے میں بولا۔

''سعید اور اس کی بیوی کے وارنٹ گرفتاری جاری کردو۔'' فریدی نے کہا۔

''لیکن آپ تو انہیں بے گناہ ثابت کررہے تھے۔''

''اگر تمہیں میرے مشورے کی ضرورت ہے تو جو میں کہوں وہ کرو...... بقیہ معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔'' فریدی نے کہا۔

''بہت بہتر......!'' جگدیش نے کہا۔

''خیر یہ مسئلہ تو طے ہوا۔'' فریدی نے کہا۔ ''اب یہ دیکھنا ہے کہ مقتول ہے کون؟''

''اور یہی مسئلہ سب سے ٹیڑھا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ٹیڑھا کیوں...... کیا تم اسے نہیں پہچانتے؟'' فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جی ہاں...... میں تو اس کی سات پشت کو پہچانتا ہوں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''نہیں...... مذاق نہیں...... تم ابھی اسے پہچان لو گے۔'' فریدی پھر مکان کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

یہ لوگ پھر لاش والے کمرے میں لوٹ آئے۔ فریدی نے مقتول کی پشت سے چاقو کھینچ کر اسے سیدھا کیا۔

''دیکھو غور سے دیکھو...... کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''کمال کیا آپ نے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''کیوں آپ پیچھے پڑ گئے ہیں۔''

''تو تم اسے نہیں پہچانتے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ہرگز نہیں پہچانتا......!'' حمید نے کہا۔ ''ویسے کچھ کچھ خیال پڑتا ہے کہ کہیں اسے دیکھا ضرور ہے۔''

''ٹھیک......!'' فریدی بولا۔ ''میں یہی جاننا چاہتا تھا۔''

حمید اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''چھ سات ماہ قبل کی بات ہے تم نے مجھے اخبار میں ایک مضحکہ خیز تصویر دکھائی تھی...... یاد کرو...... طوطے کی چونچ جیسی ناک...... اور تم نے اس کے ماتھے پر پھبتی کسی تھی...... چھپر کھٹ...... کہو یاد آیا۔''

''اوہ......!'' حمید تقریباً اچھل کر بولا۔ ''وہی...... خدا کی قسم بالکل وہی ہے۔''

''اس کا نام یاد ہے۔''

''نہیں...... نام تو نہیں یاد۔''

''یہ تو یاد ہی ہوگا کہ تصویر کس سلسلے میں چھپی تھی۔''

''شاید کوئی مقدمہ تھا۔''

''ٹھیک......!'' فریدی نے پوچھا۔ ''مقدمے کی تفصیلات یاد ہیں؟''

''نہیں......!''

''ہاں بھئی سنو جگدیش۔'' فریدی بولا۔ ''مقتول کا نام صفدر مرزا ہے۔ کنور شمشیر بہادر مرحوم کا چچا زاد بھائی۔ تم نے یہ بھی سنا ہوگا کہ پچھلے سال کنور شمشیر بہادر رنگون میں مچھلیوں کا شکار کھیلتے وقت دریا میں ڈوب گئے تھے اور تم یہ بھی جانتے ہوگے کہ ان کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔''

''وہی کنور شمشیر بہادر تو نہیں، شہر میں جن کی حویلی کاشانۂ شمشیر کے نام سے مشہور ہے۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''بالکل وہی۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور جس کے لئے شاید یہ بھی مشہور ہے کہ وہاں اب بھوتوں نے قبضہ جما لیا ہے۔ ہاں تو یہ شمشیر مرزا قریب قریب بالکل دیوالئے ہو کر رنگون چلے گئے تھے۔ وہاں ان کو یہ حادثہ پیش آیا۔ پھر رنگون ہی سے ان کے ایک وارث اور ان کی جائیداد کے دعویدار نمودار ہوئے۔ وہ یہی صفدر ہیں لیکن جب بیچارے کو یہ معلوم ہوا کہ شمشیر بہادر کے پاس اس حویلی کے علاوہ کچھ اور نہیں رہ گیا تو اس کا دل ٹوٹ گیا اور پھر اس کے بعد سے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں سنا گیا اور اب معلوم نہیں کس نے اسے بھی مار ڈالا۔''

فریدی خاموش ہوگیا۔ جگدیش وغیرہ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''اب بھلا بتایئے۔'' جگدیش بولا۔ ''اگر میں آپ کو ساتھ نہ لاتا تو یہ ساری باتیں کیسے

معلوم ہوتیں۔"

"لیکن ایک چیز ہمیشہ مجھے متحیر کرتی رہی۔" فریدی جگدیش کی بات کو نظر انداز کر ہوئے بولا۔ "رنگون میں شمشیر بہادر ڈوب کر مرے اور رنگون ہی سے صفدر مرزا ان کا وارث کر آیا...... جب کہ وہ ہمیشہ یہی ظاہر کرتے تھے کہ ان کا کوئی وارث ہی نہیں۔"

خبطی مصور

تین بجے کے قریب جگدیش لاش کو لے کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ فریدی اور حمید تحقیقات کے لئے وہیں رک گئے۔

"مجھے یہ دونوں نوٹ بہت زیادہ الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آخر آپ بنک والے معاملہ کو اس واقعہ سے الجھانے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔" حمید

"میں نے ابھی تک یہ تو نہیں کہا کہ ان دونوں میں کوئی تعلق ہے۔"

"آپ کی باتوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"تو پھر ممکن ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعلق پیدا ہی ہو جائے۔" فریدی نے لاپروائی سے

"خدا وہ وقت نہ لائے تو بہتر ہے۔"

"کیوں......؟" فریدی نے حمید کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں خواہ مخواہ دوڑ دھوپ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔"

"پھر کیوں دوڑے چلے آئے۔"

"اپنی شرافت کا ثبوت دینے کیلئے۔" حمید نے کہا۔ "مگر افسوس مجھے اس کا موقع نہ مل

فریدی بے ساختہ ہنسنے لگا۔

"آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ اچھا بے وقوف بنا کر لے آیا۔" حمید نے جھینپی ہوئی ہنسی ساتھ کہا۔ "حالانکہ یہ غلط ہے۔ میں خود ہی آنا چاہتا تھا کیونکہ میں نے عرصے سے کوئی باقاعدہ کا قتل نہیں دیکھا تھا۔"

"تب تو بڑا اچھا ہوا کہ تمہیں شرافت دکھانے کا موقعہ نہیں ملا۔ ورنہ تمہیں اس کا با

تجربہ ہو جاتا۔"

حمید اس کے جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر رک گیا۔ دن بھر کی تھکن کی وجہ سے اس کا دل ہی بولنے کو نہ چاہتا تھا۔ فریدی اور وہ قصبے کے اندر آئے اور تفتیش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن سعید کے عادات و اطوار کے متعلق معلومات کے علاوہ کوئی اور کام کی بات نہ معلوم ہو سکی۔

"معاملہ کافی الجھا ہوا ہے۔" فریدی نے قصبے سے لوٹتے وقت کہا۔

"ہوں......!" حمید نے بے دلی سے جواب دیا۔

"اوہ......!" فریدی دفعتاً چونک کر بولا۔ "پن چکی تو رہ ہی گئی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ دونوں پن چکی کے دروازے پر آ کر رک گئے، جو اندر سے بند تھا۔

فریدی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب ندارد...... وہ بدستور دروازہ کھٹکھٹاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔

"بھاگ جاؤ......!" اندر سے بھرائی ہوئی آواز آئی۔ "اس وقت یہاں جنوں کے بادشاہ اسخدوس اعظم تشریف فرما ہیں۔"

"دروازہ کھولو......!" فریدی تند لہجے میں بولا۔

"خیریت چاہتے ہو تو چپ چاپ چلے جاؤ" اندر سے آواز آئی۔

"دروازہ کھول دو...... ورنہ توڑ دیا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"توڑ دیا جائے گا......؟" اندر سے آواز آئی۔ "دیکھ لوں گا۔"

"ہم پولیس کے آدمی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا......!" اندر سے آواز آئی۔ "بڑی خوشی ہوئی تم لوگوں سے مل کر...... لیکن میں دروازہ نہیں کھول سکتا۔"

"توڑ دو دروازہ......!" فریدی نے حمید سے حکمانہ لہجے میں کہا۔ حمید نے دروازے پر دو تین لاتیں رسید کیں۔

"ارے ارے" اندر سے آواز آئی۔

حمید اور تیزی سے دروازے کو ہلانے لگا۔

''ارے ارے...... یہ کیا کر رہے ہو بھائی۔'' اندر سے پھر آواز آئی۔

''دروازہ توڑ رہے ہیں۔'' حمید بولا۔

''اچھا ٹھہرو...... کھولتا ہوں۔''

دروازہ کھل گیا۔ ایک میلا کچیلا آدمی اندر کھڑا دونوں کو گھور رہا تھا۔

وہ مضبوط ہاتھ پیر کا ضرور تھا، لیکن انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ حد درجہ کاہل واقع ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں سے عجیب قسم کا وحشیانہ پن ظاہر ہو رہا تھا۔

''آخر تم دونوں مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔ مگر تم اس قصبے کے نہیں معلوم ہوتے۔'' اس نے کہا۔

فریدی اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا اندر گھس گیا۔

''ارے ارے یہ کیا۔'' اس نے احتجاجاً کہا۔

''بکو مت......!'' فریدی بولا اور متجسسانہ نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

یہ ایک کافی لمبا چوڑا کمرہ تھا...... ایک طرف ایک پرانی چکی نصب تھی۔ دو ایک ٹوٹے پھوٹے صندوق، ایک میلی سی صراحی، ایک انگیٹھی اور کچھ برتن ایک کونے میں کچھ برش رنگوں کے ڈبے اور ایک ایزل پڑے ہوئے تھے۔ پشت پر دریا کی جانب ایک کھڑکی تھی جس میں سلاخیں نہیں تھیں۔

فریدی اس آدمی کی طرف متوجہ ہوا، جو متحیر اور قہر آلود نگاہوں سے دونوں کو گھور رہا تھا۔

''تم یہاں تنہا رہتے ہو......؟'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''نہیں...... میرے ساتھ جنوں کی شہزادی بھی رہتی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''کوئی آدمی بھی رہتا ہے؟''

''نہیں...... لیکن تم مجھ سے یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔ خیریت چاہتے ہو تو چپ چاپ چلے جاؤ...... ورنہ اچھا نہ ہوگا۔''

''تم کیا کام کرتے ہو......؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جھک مارتا ہوں...... تم سے مطلب......؟'' اس نے اس انداز میں کہا کہ حمید کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

فریدی بدستور سنجیدہ تھا۔

''جھک مارنے کی رفتار کیا ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔ حمید سنجیدہ ہو گیا۔

''سنو...... تم بہت اچھے آرٹسٹ ہو۔'' فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ''میں تم سے ایک تصویر بنوانا چاہتا ہوں...... معقول معاوضہ دوں گا۔''

''مجھے فرصت نہیں۔'' اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ہر بڑا آدمی یہی کہتا ہے۔''

''نہیں نہیں، سچ کہتا ہوں۔'' اس نے کچھ ملائم پڑتے ہوئے کہا۔

''چلو بھی یار سچ کہتا ہوں...... خوش کر دوں گا۔'' فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''تو تم بنا رہے ہو میرے لئے تصویر۔'' فریدی نے پھر کہا۔

''کیا بنواؤ گے......؟''

''ایک عورت کی تصویر جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''ایک سگریٹ ہوگی تمہارے پاس۔''

''میں سگریٹ نہیں پیتا۔''

''بالکل نہیں......؟''

''نہیں مجھے منہ سے دھواں نکالنا پسند نہیں۔'' اس نے کہا۔ ''اور نہ میں اپنے قریب کسی آدمی کا وجود برداشت کر سکتا ہوں۔''

''کل رات یہاں کون آیا تھا۔'' فریدی نے اچانک پوچھا۔

وہ چونک پڑا لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرانے لگا۔

''پریاں آئی تھیں...... وہ رات بھر لوریاں دے دے کر مجھے سلاتی رہتی ہیں۔''

"میں پوچھتا ہوں کل رات کو یہاں کون آیا تھا۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں بتا تو رہا ہوں۔"

اچانک فریدی نے اسے اس زور کا چانٹا رسید کیا کہ وہ لڑکھڑا گیا۔

"کون آیا تھا...... یہاں کل رات کو۔" فریدی پھر گرجا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کون آیا تھا۔" فریدی مکا تانتے ہوئے دانت پیس کر بولا۔

"بتاتا ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے اپنے دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال لئے اور اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"اس نے مجھے دس روپے دیئے تھے۔" اس نے جیب سے دس روپے کا ایک نوٹ نکال کر فریدی کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"وہ کون تھا......؟"

"یہ میں نہیں جانتا...... اس نے یہاں ایک رات بسر کرنے کے لئے مجھے دس روپے دیئے تھے۔"

"اس کے ساتھ کے دوسرے آدمیوں نے کہاں رات گزاری تھی۔"

"اس کے ساتھ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔"

"اس کا نام پوچھا تھا تم نے۔"

"اس نے نہیں بتایا۔"

"اس سے پہلے تم نے اسے کہاں دیکھا تھا۔"

"کہیں نہیں۔"

"وہ کیسا تھا۔"

"ادھیڑ عمر کا ایک بھاری بھرکم آدمی۔"

"کیا بہت موٹا تھا۔"

"بالکل نہیں...... وہ موٹا نہیں تھا...... پھر بھی بھاری بھرکم معلوم ہو رہا تھا۔"

"کیا کوئی بڑا آدمی معلوم ہوتا تھا۔"

"ہاں......!"

"تو اس نے رات یہیں گزاری تھی۔"

"نہیں تھوڑی دیر بعد وہ چلا گیا تھا۔"

"تو پھر اس نے تمہیں دس روپے کس بات کے دیئے تھے۔"

"اس لئے کہ کم از کم رات بھر میں اپنا منہ بند رکھوں۔"

"یعنی......؟"

"رات بھر اس کے متعلق کسی سے کچھ نہ کہوں۔"

"اوہ......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "سعید کے متعلق تم نے سنا۔"

"ہاں......!" اس نے جواب دیا اور اس کے چہرے سے اضمحلال ظاہر ہونے لگا۔

"تمہارے اس کے تعلقات کیسے تھے۔"

"میں امیر آدمیوں سے کسی قسم کا تعلق رکھنا پسند نہیں کرتا۔"

"کیا وہ ایسا آدمی تھا کہ کسی کو قتل کر دے۔"

"میں اس کے متعلق بھی کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"تمہارا ذریعہ معاش۔"

"مصوری۔"

"بسر اوقات مشکل سے ہوتی ہوگی۔"

"یہ میرا نجی معاملہ ہے۔"

"کل رات تم نے یہاں قریب ہی کوئی چیخ سنی تھی۔"

"نہیں......!"

"اچھا یہ لو دس روپے۔ تصویر بنا دینا کسی دن آ کر لے جاؤں گا۔ بقیہ بیس روپے پھر دوں گا۔"

فریدی نے نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور دونوں باہر چلے گئے۔

"اس خبطی مصور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آدمی مشکوک معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا آپ کو اس کی کہانی پر یقین آ گیا ہے۔"

"اس کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"آپ تو سگریٹ پیتے نہیں پھر آپ نے اس سے سگریٹ کیوں مانگا تھا۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ سگریٹ پیتا ہے یا نہیں۔"

"اسے معلوم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ معلوم کئے بغیر میں یہ اندازہ لگا ہی نہیں سکتا تھا کہ اسکے یہاں رات کوئی آیا تھا یا نہیں"

حمید اس طرح ہنسنے لگا جیسے فریدی نے کوئی بہت ہی بے تکی بات کہہ دی ہو۔

"اس طرح مت ہنسو پیارے...... میں نے وہاں "کاروان اے" سگریٹ کے دو جلے ہوئے ٹکڑے دیکھے تھے۔ میرے خیال سے اس قصبہ میں تو کوئی اس سگریٹ سے شوق نہ ہوگا۔" حمید سنجیدہ ہو گیا۔

"حد ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "آپ اتنی سی چیزوں پر نظر رکھتے ہیں۔"

بھوت

سعید کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک تاریک کمرے میں پایا جس کی ساری کھڑکیاں دروازے بند تھے۔ سر کے پچھلے حصے میں کچھ ایسی تکلیف محسوس ہو رہی تھی جیسے کوئی دماغ ہتھوڑے مار رہا ہو۔ اس کا ہاتھ بے اختیار سر پر گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ سر پر پٹی بندھی ہے۔ دفعتاً اسے سارے واقعات یاد آ گئے۔ اس کے سر پر کوئی وزنی چیز گری تھی۔ وہ لاش

بیوی کی بے ہوشی، آخر وہ ہے کہاں، اس نے لیٹے ہی لیٹے ادھر اُدھر ہاتھ چلائے۔ وہ ایک سنگین فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اٹھنے کی کوشش کی۔ داہنی کہنی زمین پر ٹیک کر اس نے سر اٹھایا ہی تھا کہ اسے دور قدموں کی آہٹ سنائی دی، جو لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اسی کمرے کا ایک دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔ تاریکی میں ایک متحرک سایہ نظر آ رہا تھا۔ وہ سعید کے قریب آ کر رک گیا۔

"کیا تمہیں ہوش آ گیا تھا۔" ایک آواز آئی۔

"ہاں......!" سعید نے جلدی سے کہا۔ "لیکن تم کون ہو؟ میں کہاں ہوں۔"

"تم جہاں بھی ہو خیریت سے ہو گے۔ کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔"

"میں یہاں کیوں لایا گیا ہوں۔" سعید نے پوچھا۔

"کسی بُری نیت سے نہیں۔ ایک خاص مقصد کے تحت جس کے پورا ہوتے ہی تم چھوڑ دیئے جاؤ گے۔"

"لیکن تم ایک جرم کر رہے ہو۔ کسی شہری کو اس طرح بند کر کے رکھنا قانوناً جرم ہے۔"

"میں جانتا ہوں......لیکن تمہارا قانون میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" آواز آئی۔

"تم مجھے چھوڑ دو بہتر یہی ہے۔"

"مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اگر تم بھاگنے کی کوشش کرو گے ......ذرا اوپر نظر اٹھاؤ......وہ روشندان دیکھ رہے وہ جس سے کچھ کچھ روشنی آ رہی ہے۔ وہاں ایک آدمی رائفل لئے تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔ تم ہلے اور اس نے گولی چلائی۔ کیا سمجھے!"

"تم آخر ہو کون......؟" سعید نے پوچھا۔

غالباً اس کے جواب میں ایک عجیب طرح کی کھنکھاہٹ سنائی دی اور پھر آہستہ آہستہ وہی کھنکھناہٹ ایک وحشت ناک قہقہے میں تبدیل ہو گئی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ سعید کے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایسی بھیانک آواز والا اور اتنا پُراسرار قہقہہ اس نے آج تک نہ سنا تھا۔

آنے والے نے دفعتاً دیا سلائی جلائی اور سگریٹ سلگانے لگا۔

سعید کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ وہ بُری طرح لرز رہا تھا۔

"مگر تم...... تم......!" سعید ہکلایا۔ "تم...... میرے مکان میں تمہاری لاش......!"

"تو کیا یہ دلچسپ بات نہیں۔" آواز آئی۔

سعید کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ کمرہ ہل رہا ہو۔

"اسی سے تم اندازہ لگا سکتے ہو...... کہ تم کہاں ہو۔" آواز پھر سنائی دی۔

"تم کاشانہ شمشیر میں ہو...... نام سنا ہے کبھی کاشانہ شمشیر کا۔"

"کاشانہ شمشیر......" سعید سوچنے لگا۔ "کاشانہ شمشیر، کنور شمشیر بہادر کی حویلی...... جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں بھوت رہتے ہیں۔" سعید کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا...... اور کمرہ اور زور سے ہلنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کمرہ آہستہ آہستہ ہوا میں اٹھ رہا ہو۔ ہچکولے لیتا ہوا سعید بے ہوش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر ہوش میں آ گیا۔ کمرے میں خاموشی تھی۔ خود اپنی سانس کی آواز اسے ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے بپھرا ہوا سمندر چٹانوں سے ٹکرا رہا ہو۔

کافی عرصے تک وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ روشندان جس سے کچھ دیر قبل دھندلی دھندلی سی روشنی آ رہی تھی اب بالکل تاریک ہو چکا تھا۔ سعید آہستہ آہستہ دروازے کی طرف رینگنے لگا۔ تھوڑی دور چل کر وہ رک گیا لیکن کہیں کسی قسم کی کوئی آہٹ سنائی نہ دی۔ اس نے دروازے کو پکڑ کر آہستہ سے اپنی طرف کھینچا۔ اس کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے دروازے میں تھوڑی سی درز کی اور باہر جھانکنے لگا۔ برآمدہ بالکل تاریک تھا اور چاروں طرف سناٹا۔ وہ آہستہ آہستہ پیٹ کے بل رینگتا ہوا برآمدے میں آیا۔

اور اب وہ مہندی کی باڑھ کی اوٹ لے کر جھکا ہوا حتی الامکان تیزی سے پھاٹک کی طرف دوڑ رہا تھا۔ ایک آدھ بار بچپن میں وہ اپنے باپ کے ساتھ یہاں آ چکا تھا اس لئے اسے پھاٹک تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ پھاٹک پر پہنچ کر اس نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا۔ پوری عمارت سنسان پڑی تھی۔ قدم قدم پر اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دہشت ناک قہقہہ کہیں دور فضا میں گونج رہا ہو۔ پھاٹک سے نکلتے ہی اس نے اپنی پوری قوت سے دوڑنا شروع کر دیا۔ آبادی کے قریب پہنچتے پہنچتے اس کا دم پھول گیا۔

کچھ دیر بعد وہ شہر کی پررونق سڑک پر آ گیا۔ کلاک ٹاور نے نو بجائے۔ سردی کے مارے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ اس نے ایک ٹیکسی کی اور دلاور پور کی طرف روانہ ہو گیا۔ تمام راستہ وہ سوچتا رہا کہ اس کی بیوی اسے دیکھتے ہی رونا شروع کر دے گی۔ یقیناً وہ بہت زیادہ پریشان ہو گی اور اس لاش کا خیال آتے ہی وہ لرز اٹھا۔ کہیں پولیس نے اس کی بیوی کو پریشان نہ کیا ہو۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اس کی عدم موجودگی میں حوالات میں بند کر دی گئی ہو۔ مگر وہ تو وہاں موجود تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لاش محض دھوکا ہو...... تو پھر اسے بند کر رکھنے کا کیا مقصد تھا اور وہ پراسرار اجنبی کہاں غائب ہو گیا۔ کیا اس آدمی کو اسی نے قتل کیا تھا۔ مگر وہ تو شمشیر بہادر کی حویلی میں دکھائی دیا تھا۔ کیا سچ مچ بھوت...... اور وہ انہی خیالات میں الجھا ہوا اپنے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ ڈرائیور کو رکنے کے لئے کہہ کر وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔

"کون ہے......؟" برآمدے سے ایک گرجدار آواز سنائی دی۔

"میں ہوں......؟" سعید نے جواب دیا۔

"کون کسان صاحب۔" دوسرے لمحے میں ایک باوردی پولیس مین اس کے سامنے کھڑا اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ رہا تھا۔

"میری بیوی کہاں ہے؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔

"لاپتہ...... آپ دونوں کا وارنٹ جاری ہو چکا ہے۔"

"وارنٹ......؟" سعید چونک کر بولا۔

"جی ہاں...... کیا بیگم صاحبہ آپ کے ساتھ نہیں؟" پولیس مین نے پوچھا۔

"نہیں......!" سعید کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا۔

"آپ مہربانی کر کے میرے ساتھ چوکی تک چلئے۔"

"چلو بھئی چلو...... خدا کے لئے جلدی کرو...... آخر رضیہ کہاں گئی۔" سعید نے کہا۔

ٹیکسی چوکی کی طرف جا رہی تھی۔

سعید کو دیکھتے ہی ہیڈ کانسٹیبل اچھل پڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا کہے۔ سعید اتنا ہر دلعزیز تھا کہ اس پر ایسے سنگین جرم کا الزام ہوتے ہوئے بھی پولیس والوں کے دل

میں اس کی عزت تھی۔

"میں نے قتل نہیں کیا۔" سعید بے ساختہ بولا۔

"ہمیں اس کا یقین ہے۔" ہیڈ کانسٹیبل نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

"میری بیوی کہاں ہے؟"

"اوہ تو کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں تھیں؟"

"نہیں......!" سعید نے کہا اور جلدی جلدی سارے واقعات دہرا دیئے۔

ہیڈ کانسٹیبل کے چہرے سے اس کی ذہنی الجھن صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سعید کی داستان کا کون سا حصہ صحیح ہے اور کون سا غلط۔

"آپ کو میرے ساتھ شہر چلنا ہوگا۔" ہیڈ کانسٹیبل بولا۔

"بھئی مجھے سردی لگ رہی ہے۔ ذرا گھر سے اوور کوٹ تو لے لوں۔"

"گھر میں آنریری مجسٹریٹ صاحب کے سامنے تالا لگ چکا ہے۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔

"میں اپنا کوٹ لے آتا ہوں۔"

سعید کی الجھن اور بڑھ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی شہر کی جانب جا رہی تھی۔

کوتوالی کے ایک کمرے میں جگدیش فریدی اور سرجنٹ حمید بیٹھے آج کے واقعات پر تبصرہ کر رہے تھے کہ اچانک ہیڈ کانسٹیبل سعید کو لے کر اندر داخل ہوا۔

"مجھے اس کی فکر نہیں کہ میں کس جرم میں ماخوذ کیا گیا ہوں۔ اس کا فیصلہ تو بعد کو ہوتا رہے گا۔" سعید نے کہا۔ "مجھے سب سے زیادہ پریشانی اپنی بیوی کی ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" جگدیش نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" سعید نے کہا اور ایک بار پھر اسے پوری داستان دہرانی پڑی۔

"کیا وہ اجنبی کافی بھاری بھرکم معلوم ہو رہا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" سعید جلدی سے بولا۔ "اس کی شخصیت میں یہی چیز سب سے زیادہ عجیب تھی کہ وہ موٹا نہ ہونے کے باوجود بھی کافی بھاری بھرکم معلوم ہو رہا تھا۔"

"عمر......؟"

"میرے خیال سے پچاس اور ساٹھ کے درمیان......لیکن تندرستی بہت اچھی تھی۔"

"آنکھوں کا رنگ......!"

"شاید بھورا تھا۔"

"خیر آگے چلئے۔"

سعید بقیہ واقعات بتانے لگا۔ فریدی بغور اس کے چہرہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ جگدیش کے چہرے سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ ایک لغو اور من گھڑت کہانی سن رہا ہو۔ کبھی کبھی اس کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہو جاتی تھی۔ لیکن فریدی قطعی سنجیدہ تھا۔

جب سعید داستان کے اس حصے پر پہنچا جہاں کاشانہ شمشیر کے بھوت کا تذکرہ تھا تو بے اختیار جگدیش کو ہنسی آ گئی۔ سعید نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جن میں بے چارگی نفرت اور غصہ سبھی کچھ تھا۔

"ہاں ہاں......آپ بیان جاری رکھئے۔" فریدی نے جگدیش کو گھورتے ہوئے کہا۔

سعید نے مختصر الفاظ میں داستان کا بقیہ حصہ بھی ختم کر دیا۔

"آپ کو یقین کامل ہے کہ وہ وہی شخص تھا جس کی لاش آپ نے اپنے کمرے میں دیکھی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس پر مجھے اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ اس وقت آپ لوگوں کے پاس بیٹھا ہوں۔" سعید نے کہا۔

"تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔" جگدیش نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اس عمارت کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ وہ آسیب زدہ ہے۔"

"میں یہ نہیں ثابت کرنا چاہتا۔" سعید نے بے صبری سے کہا۔ "میرا یقین ان لغویات پر نہیں۔ مجھے جو حادثہ پیش آیا میں نے بیان کر دیا اور نہ مجھے اپنے اوپر لگائے گئے الزام کی پرواہ ہے۔ اگر میں خدا کی نظروں میں بے قصور ہوں تو کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ لیکن مجھے اپنی بیوی کی گمشدگی کی وجہ سے پریشانی ہے۔ کہیں وہ بھی ان بدمعاشوں کے چنگل میں نہ پھنس گئی ہو۔"

"تو آپ کا شبہ اسی بھاری بھرکم اجنبی پر ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"حالات کچھ ایسے پیش آئے جن کی بناء پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں۔" سعید نے جواب دیا۔

"ہمیں سو سو روپے کے دو نوٹ آپ کے یہاں پڑے ہوئے ملے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"پڑے ہوئے ملے تھے۔" سعید نے کہا۔ "کم از کم وہ میرے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ میں بنک سے سو روپے کے نوٹ لیتا ہی نہیں اور اس دوران میں تو خاص طور پر میں نے سو کے نوٹ کسی سے لئے ہی نہیں۔ لیکن ٹھہریئے...... کیا آپ کو ڈرائنگ روم میں وہ نوٹ ملے تھے۔"

"نہیں اسی کمرے میں صوفے کے پیچھے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔"

سعید کچھ سوچنے لگا۔

"جی نہیں...... وہ نوٹ میرے نہیں ہو سکتے۔" سعید نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن آپ نے ڈرائنگ روم کا حوالہ کیوں دیا۔"

"اس اجنبی نے مجھے وہاں اپنے یہاں ایک رات بسر کرنے کے لئے نوٹوں کا ایک بنڈل دیا تھا جسے میں نے وہیں یہ کہہ کر ڈال دیا تھا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

"نوٹوں کا بنڈل......!" فریدی چونک کر بولا۔

"جی ہاں۔"

"لیکن وہاں ہمیں کوئی بنڈل نہیں ملا۔" فریدی نے کہا۔

"ممکن ہے وہ جاتے وقت اپنے ساتھ لیتا گیا ہو۔" سعید نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد سعید کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔

"پھر وہی نوٹوں کا قصہ......!" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "بنک میں کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی ہے۔"

"کمال کر رہے ہیں آپ بھی۔" حمید نے کہا۔ "بنک والے کہتے ہیں کہ بفضلہ سب خیریت ہے اور آپ ہیں کہ خواہ مخواہ۔"

"تم ابھی صاحب زادے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"اور میں انشاء اللہ ہمیشہ صاحبزادہ ہی رہوں گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیونکہ غیر صاحبزا

ہونا کچھ اچھی بات نہیں۔"

"تمہاری ڈفلی ہمیشہ الگ ہی ہوتی ہے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ڈفلی کے علاوہ میں کبھی کبھی سارنگی اور ہارمونیم سے بھی شوق کر لیا کرتا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا فضول بکو نہیں۔"

فریدی یہ کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا اور چند لمحوں بعد وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

حمید اور جگدیش چپکے سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی چونک پڑا۔

"ہیلو......!" اس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہاں...... ہاں...... فریدی...... اچھا...... اچھا...... کیا کہا زمرد محل میں...... نہیں نہیں دھوکا ہوا ہوگا...... کیا اس نے خرید لیا تھا......؟ مجھے اس کی اطلاع نہیں...... وہاں کرایہ دار بھی ہیں...... اچھا ان پر کڑی نظریں رکھنا...... وحید اور کرن سنگھ کو بھی ابھی بھیجتا ہوں...... انہیں سب کچھ سمجھا کر تم واپس آ جانا...... اور کوئی بات......؟ وحید اور کرن سے کہہ دینا کہ اگر کوئی اور بات ہو تو مجھے گھر پر فون کر دیں...... اچھا......!" فریدی نے ریسیور رکھ دیا اور کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ ٹھہر کر اس نے پھر فون پر کسی کو کچھ ہدایتیں دیں اور کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

اتنے میں حمید اور جگدیش واپس آ گئے۔ فریدی بدستور ٹہلتا رہا۔

"تو تم لوگ چائے پی آئے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کے لئے بھی کہہ آیا ہوں آ ہی رہی ہوگی۔" جگدیش نے کہا۔

"جگدیش ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم نے سلیم کے متعلق بھی کچھ تحقیقات کی یا نہیں؟"

"کچھ پتہ نہیں چل سکا۔"

"پتہ لگانے کا کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔"

"طریقہ؟ بات دراصل یہ ہے کہ گنگولی نے بھی نہیں بتایا اور پھر ادھر اُدھر دلاور پور......!"

"معلوم نہیں تمہیں کب عقل آئے گی...... سب سے زیادہ ضروری چیز یہی تھی۔"

"غلطی ہوگئی۔"

"خیر......وہ زمرد محل میں رہتا تھا۔"

"زمرد محل میں؟"

"ہاں.....اس نے اسے حال ہی میں خریدا تھا۔"

"خریدا تھا......؟" جگدیش پھر متعجبانہ انداز میں بولا۔

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"

"کیا وہ واقعی بہت مالدار آدمی تھا......؟"

"ہاں......اور پرلے سرے کا کنجوس......اور اسکے ساتھ اس کی ایک بیوہ بہن بھی رہتی تھی۔"

"بال بچے......؟"

"کوئی نہیں......اس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ جگدیش نے ریسیور اٹھالیا۔ پھر فریدی کی طرف بڑھ کر بولا۔ "آپ کا ہے۔"

"ہیلو...... ہاں...... ابھی وحید وغیرہ نہیں پہنچے...... اچھا...... اور کوئی خبر...... ہاں...... ہاں......!"

کوئی لمبی داستان تھی جسے فریدی بڑی توجہ کے ساتھ سن رہا تھا۔ بار بار اس کے چہرے پر تعجب کا اظہار ہونے لگتا تھا۔ آخر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"دیکھو جگدیش......!" فریدی بولا۔ "یہ سب کچھ دراصل تمہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں خواہ مخواہ اس محکمے میں پھنس گیا...... مجھے تو کسی فلم کمپنی میں ہونا چاہئے تھا۔"

"خیر...... خیر......!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ابھی ابھی سلیم کے متعلق کچھ اور بھی دلچسپ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اس کی کنجوسی کے متعلق پہلے ہی بتا چکا تھا۔ محض کرایہ وصول کرنے کے لئے اس نے زمرد محل جیسی شاندار عمارت کا ستیاناس کر دیا۔ جتنے حصوں میں اسے بانٹ سکتا تھا بانٹ کر انہیں کرائے پر اٹھائے ہوئے تھا۔ خیر یہ تو معمولی بات ہے، حد ہوگئی کنجوسی کی کہ اس

کی بہن اس کے گھر میں رہتے ہوئے کرایہ داروں کے لئے کھانا پکا کر بسر اوقات کرتی تھی اور وہ کرایہ دار ایسے ہیں جن کے ساتھ ان کی بیویاں نہیں ہیں وہ اسی سے کھانا پکواتے ہیں۔"

"تو میرے خیال سے مجھے اسی وقت زمرد محل میں جانا چاہئے۔" جگدیش نے کہا۔

"یقیناً......!" فریدی بولا۔ "اس وقت سارے کرایہ دار بھی موجود ہوں گے۔ ان سے سلیم کے کچھ اور حالات بھی معلوم ہوں گے۔"

فریدی میدان عمل میں

فریدی اور حمید دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو...... ہاں...... ہاں...... میں ہوں فریدی...... کیوں بھئی کیا معاملہ ہے...... کیا...... کون غائب ہوگیا...... کیا کہا...... گنگولی؟...... کب...... دیکھو...... جگدیش معاملہ کافی بگڑتا جارہا ہے...... اور تم کوئی خاص دھیان نہیں دے رہے ہو۔ زمرد محل کی انکوائری کا کیا رہا...... کچھ نہیں...... بہت خوب...... تب تو خدا ہی مالک ہے...... میں ابھی فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا...... بہرحال اب تو میں نے اس معاملہ کو ہاتھ میں لے ہی لیا ہے...... اچھا بھئی...... کھانا کھا رہا ہوں......!" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"سنا حمید......!" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"خدا نے چاہا تو دو چار گھنٹے بعد اس کی لاش بھی کہیں نہ کہیں دستیاب ہوجائے گی۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟" فریدی نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''جہاں آپ نے کسی کیس میں ہاتھ لگایا......لاشوں میں برکت ہونی شروع ہو جاتی ہے''

''کیا فضول بک رہے ہو۔''

''خیر نہ گھوڑا دور، نہ میدان۔''

''فضول وقت نہ ضائع کرو۔ میں عجائب خانے جا رہا ہوں اور تمہارا اس وقت زمرد محل بہت ضروری ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو پائے۔''

''ذرا اور وضاحت کے ساتھ کہئے۔'' حمید نے کہا۔

''مطلب یہ کہ وہاں سرجنٹ حمید ہی کی حیثیت سے جانا......زیادہ ہوشیاری کی ضرو نہیں۔ مجھے وہاں کے کچھ کرایہ داروں پر شبہ ہے۔''

حمید کو کچھ اور ہدایتیں دے کر فریدی عجائب خانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ عجائب خا منتظم فریدی کی آمد پر کچھ بوکھلا سا گیا تھا۔

''میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی۔'' فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں......فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''یہاں کوئی آدمی سلیم نامی ملازم تھا......؟''

''سلیم......!'' منتظم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''سلیم......اوہ ناولسٹ تو نہیں؟''

''جی ہاں......!'' فریدی نے کہا۔ ''کیا اس نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ ناولسٹ ہے؟''

''جی ہاں......کچھ عجیب ہی شخصیت کا آدمی تھا۔''

''یہاں اس کے سپرد کیا کام تھا......؟''

''شعبہ کاغذات کی دیکھ بھال......!''

''شعبہ کاغذات سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''ہمارے یہاں ایک سیکشن کاغذات کے نمونوں کا بھی ہے جہاں زمانہ قدیم سے اب تک کے کاغذات کے نمونے موجود ہیں۔''

''اوہ......!'' فریدی کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

اچانک ایک چاقو بڑی تیزی سے اس کے کاندھے کو مس کرتا ہوا اس کی پشت کی طرف ایک الماری کے شیشے سے جا ٹکرایا۔ فریدی اچھل کر اس کھڑکی کی طرف دوڑا جدھر سے چاقو آیا تھا۔ باہر راہداری بالکل سنسان پڑی تھی اور اسے کوئی متنفس نظر نہ آیا......اس نے واپس آ کر چاقو دیکھا۔

منتظم کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ آپ کی یہاں موجودگی کے دوران ش آیا۔'' منتظم نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ آپ فکر نہ کیجئے۔'' فریدی اور رومال کو چاقو میں لپیٹ کر جیب میں رکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔

گھر پر حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''کہو بھئی ہو آئے......؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں کئی کام کی باتیں معلوم ہوئیں۔''

''خیر وہ پھر سنوں گا۔'' فریدی نے الماری کھول کر اس میں سے ایک چاقو نکالا اور محدب شیشے کے ذریعے اس کے دستے کو غور سے دیکھنے لگا۔

''کیوں حمید......کیا یہ دونوں چاقو ایک ہی طرح کے نہیں ہیں۔''

''ہیں تو......؟''

''ان میں سے ایک تو وہ ہے جو سعید منزل والی لاش سے نکالا گیا تھا اور دوسرا وہ جس سے آج مجھ پر حملہ کیا گیا۔''

''آپ پر......؟'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں......!'' فریدی نے کہا اور اپنی عجائب خانے کی تفتیش کے متعلق بتانے لگا۔

''تو یہ کہئے آپ نے بنک اور سعید منزل کو ایک رشتہ میں منسلک کر ہی دیا۔'' حمید نے کہا۔

''اب ہمیں جیل میں چل کر سعید سے ملنا چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

دونوں کار میں بیٹھ کر جیل کی طرف روانہ ہو گئے۔

"کیا رہا تمہاری تفتیش کا......؟" فریدی نے راستے میں پوچھا۔

"سلیم کی بیوہ بہن سے ملاقات ہوئی۔ عمر تقریباً اٹھائیس سال رنگ گورا، آنکھ خصوصیت سے قابل ذکر...... ہنستے وقت گالوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ پیروں کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ دل میں بے اختیار گدگدی ہونے لگتی ہے۔ چال میں خفیف سی لچک ہے۔ سفید سلک کا غرارہ پہنے ہوئے تھی...... بس آپ سے کیا عرض کروں۔"

"کیا میں نے تمہیں وہاں اسی لئے بھیجا تھا۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"پھر......؟" حمید نے بھولے پن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے پوچھا۔

"بکومت......!" فریدی نے کہا۔ "ہر وقت مذاق اچھا نہیں لگتا۔"

"خیر سنئے......!" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "عورت مشتبہ ہے۔ اس کے چہرے سے معلو ہوا ہے کہ اس پر اس کے بھائی کی موت کا کوئی اثر نہیں۔ اس کا تذکرہ آنے پر وہ دو چار ٹھنڈ سانسیں ضرور بھرتی ہے لیکن بناوٹ کا چھپنا محال ہے۔"

"خیر یہ بالکل قدرتی امر ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بھائی کے ہوتے ہوئے بھی ا خود محنت کر کے اپنا پیٹ پالنا پڑتا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ اپنے بھائی کی دولت کی تنہا وار ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ مغموم نہیں دکھائی دیتی تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔"

"خیر دوسری بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "وہاں مجھے ایک ایسا صندوق نظر آیا جس پر رنگو کی ایک جہاز راں کمپنی کی سلپ چپکی ہوئی تھی۔"

"رنگون......!" فریدی چونک کر بولا۔ "یہ بات تم نے کام کی بتائی۔"

"تیسری بات ملاحظہ ہو۔" حمید فخریہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "مجھے صرف ایک کرایہ دا مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ صبح چار بجے گھر سے چلا جاتا ہے اور بارہ بجے رات کو واپس آتا ہے۔"

"مجھے اس کی اطلاع ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر...... اس سے متعلق کیا معلوم کیا......؟"

"یہاں سے کلکتے مچھلیاں بھیجتا ہے...... دلاور پور میں اس نے کئی گھاٹ لے رکھے ہیں جہاں اس کے آدمی مچھلیاں پکڑتے ہیں اور وہ بھی غالباً دن بھر وہیں رہتا ہے اور اس کا نام سجاد۔ شاہ جہاں پور کا رہنے والا ہے۔ اس کے پاس ایک کار بھی ہے۔ اس کے آنے اور جانے

کے اوقات ایسے ہیں کہ سلیم کی بہن نے بھی آج تک اسے دیکھا ہی نہیں۔ دوسرے کرایہ داروں سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس کے صورت آشنا نہیں ہیں۔"

"یہ بھی مجھے معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جب آپ کو سب معلوم ہی تھا تو آخر مجھے دوڑانے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"نہیں تم ایک کام کی بات معلوم کر کے آئے ہو، جس کی اطلاع مجھے نہ تھی۔" فریدی نے کہا۔

حمید اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"صندوق والی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"آخر صندوق والی بات آپ کو کیوں کام کی معلوم ہوئی۔" حمید نے پوچھا۔

"اس لئے کہ تمہارا حافظہ بہت کمزور ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا تمہیں نہیں معلوم کہ صفدر مرزا رنگون سے آیا تھا۔"

"تو شاید آپ کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی سلیم ہی کے یہاں ٹھہرا تھا۔"

"میں یہ تو نہیں کہتا۔" فریدی نے جواب دیا۔

پھر دونوں خیالات میں ڈوب گئے اور بقیہ راستہ خاموشی سے گزر گیا۔

سعید بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے اپنی بیوی کے متعلق پوچھا۔

"گھبرائیے نہیں...... وہ بہت جلد مل جائیں گی۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے اپنی کوئی پرواہ نہیں۔" سعید نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں......!" فریدی نے کہا۔ "میں ایک بات آپ سے پوچھنے کیلئے آیا ہوں۔"

"فرمائیے۔"

"آپ سلیم کو جانتے ہیں؟"

"کون سلیم......؟"

"وہی جس سے ملنے کے لئے اکثر آپ عجائب خانے جایا کرتے تھے۔"

"اوہ...... ہاں...... میں اسے جانتا ہوں۔"

"اس سے جان پہچان کی نوعیت کیا تھی؟"

"میرے خیال سے تو اسے محض کاروباری ہی سمجھنا چاہئے۔" سعید نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"وہ مجھ سے مختلف قسم کے کاغذ بنانے کی تدبیریں پوچھا کرتا تھا۔" سعید نے کہا۔

"کیا وہ اس کاروبار کو کرنا چاہتا تھا......؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں...... وہ دراصل ایک ناول نویس تھا۔ شاید اپنے کسی ناول میں کاغذ اور کاغذ کارخانوں کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا تھا۔"

"اوہ......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا وہ کبھی دلاور پور بھی جاتا تھا۔"

"اکثر......!"

"آپ ہی سے ملنے یا کسی اور کے پاس۔"

"کسی دوسرے کے متعلق میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

فریدی پھر کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

"اچھا تو خاص طور پر کس قسم کے کاغذ کے متعلق جاننا چاہتا تھا۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ نوٹ بنانے والے کاغذ پر زیادہ وقت صرف کرتا تھا۔"

"اوہ......!" فریدی نے کہا اور دفعتاً اسکی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک پیدا ہوگئی۔

حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اس قسم کی چمک اس کی آنکھوں میں ک موقعوں پر پیدا ہوتی ہے۔

"اچھا......!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے...... میں ایک بار پھر آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ میری بیوی کا خیال رکھئے گا۔" سعید بولا۔

"آپ مطمئن رہئے۔"

فریدی اور حمید جیلر کے دفتر میں آئے۔ راستے بھر فریدی قطعی خاموش رہا۔ دفتر میں آ

فریدی نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو...... جگدیش صاحب ہیں...... ذرا فون پر بلا دیجئے...... ہیلو جگدیش...... میں فریدی بول رہا ہوں...... ہاں دیکھو بھئی...... مجھے شبہ ہے کہ نیشنل بنک میں کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے...... آخر تم ہنس کیوں رہے ہو...... کیا یہ ممکن نہیں کہ وہاں کے نوٹ ہٹا کر ان کی جگہ پر انہی نمبروں کے جعلی نوٹ رکھ دیئے گئے ہوں...... تم بنک ضرور جاؤ...... اور اپنے ساتھ ایک ایکسپرٹ کو بھی لیتے جانا...... اچھا فرض کرو اگر یہ نہ بھی ہوا تو تمہارا اس میں نقصان ہی کیا ہوگا...... تم محض شبہے کی بناء پر سرکاری طور پر ایسا کر سکتے ہو...... گنگولی کا یک بیک غائب ہو جانا مجھے اور زیادہ شبہے میں ڈال رہا ہے...... اچھا...... میں تھوڑی دیر بعد کوتوالی پہنچ جاؤں گا۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور پھر حمید کو سر کے اشارے سے باہر چلنے کے لئے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

چنانچہ چند ہی سیکنڈ کے توقف کے بعد حمید بھی باہر آ گیا۔ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر سیدھے کوتوالی پہنچ گئے۔

راستہ بھر فریدی نے سارجنٹ حمید سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا ہو اور اس کا ذہن تازہ ترین انکشافات کی کڑیاں گذشتہ واقعات سے ملانے میں مصروف ہو۔

حمید نے کئی بار اسے مخاطب کیا لیکن فریدی "ہوں ہوں" میں ٹالتا رہا۔ کوتوالی کے دفتر میں پہنچ کر فریدی نے اپنے مخصوص انداز میں حمید کو مخاطب کیا۔

"کیا تم تازہ انکشاف کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ سکے ہو۔ حالات اگرچہ بظاہر بہت پیچیدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک سمجھ دار جاسوس کے لئے ان حالات کی کڑیاں ملانا کوئی مشکل امر نہیں...... کیا خیال ہے تمہارا۔" فریدی نے سگار سلگایا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب......؟" حمید بولا۔ "آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے بنک اور سعید منزل کے باہمی پُراسرار تعلق کا راز سمجھ لیا ہے اور آپ مجرم کو کسی وقت بھی گرفتار کر سکتے ہیں۔"

"ہاں...... اور میرا خیال ہے کہ گنگولی اور سلیم کی سازشی اسکیم پراسرار ہوتے ہوئے بھی

اب اتنی پراسرار نہیں رہی...... جعلی نوٹوں کے بارے میں میرا شک اب یقین کی صورت اخ کرگیا ہے۔ یقیناً بنک میں سلیم کی ملازمت کی اصل وجہ جعلی نوٹ ہی ہوسکتی ہے۔"

حمید فریدی کی اس بات پر چونکتے ہوئے بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے اور جیسا کہ سعی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے سعید اس سازش میں برابر کا شریک اور مجرم ہے۔"

"تم رہے احمق کے احمق۔" فریدی نے کہا۔

لیکن حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اگر تمہارا مطلب یہ ہو کہ سعید بھی اس سازش میں شریک تھا تو یہ ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہ تو وہ نوٹ کے کاغذ کا تذکرہ خصوصیت سے نہ کرتا۔"

"لیکن یہ دونوں نوٹ اسی کے گھر میں ملے تھے۔" حمید نے کہا۔

"ایسی حالت میں تو اسے اور زیادہ محتاط رہنا چاہئے تھا۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ ا نوٹوں کا تذکرہ میں پہلے ہی کرچکا تھا۔"

"بہر حال یہ ایک اچھا خاصہ معمہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد جگدیش اور ایکسپرٹ بھی کوتوالی پہنچ گئے۔

"آپ نے جو دو نمبر بولے تھے ان کا مطلب میں نہیں سمجھا۔" جگدیش نے کہا۔

"یہ ان دونوں نوٹوں کے نمبر تھے، جو ہم نے سعید منزل میں پائے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"ارے......!" جگدیش چونک پڑا۔

فریدی نے دونوں نوٹ ایکسپرٹ کی طرف بڑھا دیئے۔

ایکسپرٹ کافی دیر تک نوٹوں کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے سر اٹھا کر حیرت آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے آج تک اتنی شاندار نقل نہیں دیکھی۔" وہ بولا۔ "لیکن بنانے والا واٹر مارک میں دھوکا کھا گیا۔"

"ہوں......!" فریدی نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"لیکن اصل و نقل کا سمجھ لینا کسی عام آدمی کا کام نہیں۔" ایکسپرٹ نے کہا۔ "واٹر مارک صاف پانی کا نہیں ہے...... اس میں قدرے میلا پن آ گیا ہے...... یہ پانی...... یہ پانی۔"

"دریائے گھاگھرا کا ہوسکتا ہے۔" فریدی نے جملہ پورا کردیا۔

"ٹھیک...... بالکل ٹھیک۔" ایکسپرٹ نے اچھل کر کہا۔

"میں یہ دونوں نوٹ اپنے ساتھ لئے جارہا ہوں۔" ایکسپرٹ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اس کی باقاعدہ رپورٹ آپ کو دوں گا۔"

ایکسپرٹ کے جانے کے بعد فریدی بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"آؤ حمید...... جلدی کرو...... مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ لیکن شاید کامیابی ہو ہی جائے، حالانکہ اب اس کی امید بہت کم رہ گئی ہے۔"

حمید نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چلو دیر نہ کرو۔" فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا میں بھی چلوں۔" جگدیش نے کہا۔

"نہیں کوئی ایسی خاص ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تم گنگولی کو تلاش کرنے کی کوشش کرو۔"

"اس کے غائب ہوجانے سے بنک میں سنسنی پھیل گئی ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"قدرتی بات ہے۔" فریدی بولا۔

فریدی کی کار تیز رفتاری کے ساتھ دلاور پور والی سڑک پر جارہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اچانک گاڑی روک دی۔ حمید اس غیر متوقع جھٹکے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کا سر ٹکرا گیا۔

"کیوں جناب...... کیا میری جان فالتو ہے۔" حمید کار سے اتر کر جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"تو بھئی...... پھر میرا مذاق تو کچھ اسی قسم کا ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

وہ دونوں دلاور پور میں پن چکی کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ دروازہ بند تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر دھکا دیا، دروازہ کھل گیا اندر کوئی نہیں تھا۔ حمید ابھی تک باہر ہی کھڑا تھا۔

فریدی کے اشارے پر وہ بھی بادل نخواستہ اندر چلا آیا۔

”وہ جھکی غائب ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ہوں......!“

”عجیب آدمی ہو تم بھی...... یہ بھی کوئی بگڑنے روٹھنے کا وقت ہے۔“

”تو میں کیا کہہ رہا ہوں۔“ حمید نے اکتا کر کہا۔

”جھکی غائب ہو گیا ہے۔ اب ہم شاید ہی اسے پا سکیں۔“ فریدی بولا۔

”کہیں چلا گیا ہوگا...... غائب کیوں ہونے لگا۔“ حمید نے کہا۔

فریدی نے دریا کی طرف والی کھڑکی کھول دی۔

”دریا کبھی اس عمارت کی دیوار سے ٹکراتا ہوا بہتا رہا ہوگا۔“ فریدی بولا۔

”اور شاید یہاں سے پانی ہٹ جانے ہی کی وجہ سے چکی بند ہوئی۔“

”بہت ممکن ہے کہ چکی رک جانے کی وجہ سے ہی پانی ہٹ گیا ہو۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”خیر شکر ہے کہ تم میں زندگی تو پیدا ہوئی۔“ فریدی نے کہا۔

وہ اس خبطی کے صندوق کی تلاشی لینے لگا لیکن کوئی قابل گرفت چیز نہ ملی۔

”آخر آپ یہاں آئے کیوں ہیں؟“

”جعلی نوٹ بنانے کے اوزاروں کی تلاش میں۔“

”یہاں......!“ حمید حیرت سے بولا۔

”ہاں...... نہایت پرسکون جگہ ہے۔ سلیم جیسا سازشی، ایک ماہر فن مصور اور انگریور...... سعید جیسا تربیت یافتہ کاغذ بنانے والا...... پھر اور کیا چاہئے۔“

”تو آپ نے سعید کے متعلق اپنی رائے بدل دی؟“ حمید نے کہا۔

”ایسا تو نہیں...... اس کے متعلق میں نے شروع میں جو رائے قائم کی تھی اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکی۔“

”اپنی باتیں آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔“

”یہ کوئی ایسا الجھا ہوا معاملہ نہیں، فرض کرو میں کاغذ بنانا جانتا ہوں، تم مجھ سے یونہی دوستی

کر بیٹھتے ہو، تمہارے ماتھے پر تو یہ لکھا نہیں کہ تم نے مجھ سے دوستی کیوں کی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد تم باتوں ہی باتوں میں مجھ سے کاغذ بنانے کا طریقہ پوچھ لیتے ہو اور میری معلومات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے نوٹ کا کاغذ بنا کر باقاعدہ جعلی نوٹ چھاپنے شروع کر دیتے ہو، بھلا مجھے کیا خبر ہو سکتی ہے کہ تم کیا کر رہے ہو۔“

”لیکن جعلی نوٹ صرف سعید ہی کے یہاں کیوں ملے۔ سلیم کے گھر کا بھی تو کونا کونا چھان ڈالا گیا ہے اور یہاں اس مصور کے سامان میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں مل سکی جو قابل گرفت ہو۔“

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”اگر تھوڑی دیر کے لئے آپ کا خیال صحیح مان بھی لیا جائے تو خود سعید کا بیان ہی اسے مشتبہ بنا دیتا ہے۔“

”کون سا بیان......؟“ فریدی نے پوچھا۔

”وہی بھوت والا...... بھلا کسے یقین آئے گا۔“

”بہت ممکن ہے کہ اس نے پہچاننے میں غلطی کی ہو۔ وہ کوئی اور آدمی رہا ہو۔ بہر حال مجھے اس پر یقین ہے کہ وہ کسی گہری سازش کا شکار ہو گیا ہے۔“

”اگر آپ اس بناء پر اس کی معصومیت پر ایمان لائے ہیں کہ اس نے سلیم سے اپنے تعلقات کا اعتراف کر لیا تو آپ غلطی کر رہے ہیں۔ یہ بھی اس کی ایک چال ہے میں یہ نہیں کہتا کہ سلیم بے گناہ تھا۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ وہ جعلی نوٹ بناتا تھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مجھے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ سعید سلیم کا بھی قاتل ہے۔“

”بھلا وہ کیسے......؟“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”حصہ بانٹ میں جھگڑا ہو گیا ہوگا۔“

”تو اسے بنک کی چھت پر قتل کرنے کا کیا مقصد تھا اور پھر اس نے ایک اور دوسرے آدمی کو اپنے گھر میں قتل کر کے یہ آفت کیوں مول لی۔“

”اونہہ ہوگا...... ماریئے گولی...... آپ نے خواہ مخواہ یہ بلا اپنے گلے لگا لی۔“ حمید اکتا کر بولا۔

"میں......!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "حمید صاحب بہت دنوں کے بعد اس قسم کی دلچسپ بلا نصیب ہوئی ہے۔"

حمید ایک اسٹول پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔

فریدی پھر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ اس کی نگاہیں کچھ دور پر بہتے ہوئے دریا کی لہروں پر جمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"حمید ذرا یہاں تو آنا۔"

"کہئے......!" حمید بے دلی سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا گیا۔

"اُدھر آؤ...... یہ نیچے دیکھو، کیا تم نے اس قسم کی جھاڑیاں اس علاقے میں کہیں اور بھی دیکھی ہیں؟" فریدی نے دیوار کی جڑ میں اُگی ہوئی گھنی جھاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

یہ جھاڑیاں اتنی اونچی تھیں کہ انہوں نے تقریباً آدھی دیوار کو ڈھک رکھا تھا۔

"اس علاقے کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن میں یہاں کے چپے چپے سے اچھی طرح واقف ہوں۔" فریدی بولا۔ "میں نے یہاں اس قسم کی جھاڑیاں کہیں اور نہیں دیکھیں۔"

"نہ دیکھی ہوں گی۔" حمید [illegible] سے بولا۔ "آخر آپ انہیں اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ یہ دیدہ و دانستہ لگائی گئی ہیں۔"

"لگائی گئی ہوں گی۔ پھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"یہاں ان کے لگانے کا مقصد......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"دیوار کو پانی کے ٹکراؤ سے محفوظ رکھنے کے لئے۔"

"بہت خوب...... اس وقت تم نے کافی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "لیکن پھر پن چکی کی چرخی کہاں لگائی گئی ہوگی۔"

"لگائی گئی ہوگی کہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔ "آخر آپ اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔"

"آؤ میرے ساتھ...... ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر

لے آیا۔

دونوں گھوم کر عمارت کی پشت پر پہنچے۔

"اوہ یہی نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "بلکہ یہاں ببول کی کانٹے دار ٹہنیاں بھی رکھی ہوئی ہیں اور کچھ ہٹائی بھی گئی ہیں۔ ذرا آہستہ آہستہ انہیں جھاڑیوں سے الگ تو کرو۔"

دونوں ببول کی ٹہنیوں کو کھینچ کر جھاڑیوں سے الگ کرنے لگے۔

حمید ضرورت سے زیادہ بیزار نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی مخبوط الحواس کے چکر میں پھنس کر ڈر رہا ہو۔

دونوں جھاڑیاں ہٹا رہے تھے کہ دفعتاً حمید "ارے" کہہ کر اچھل پڑا۔ دیوار کی جڑ میں جھاڑیوں کی باڑھ کے پیچھے ایک چھوٹی سی کھڑکی نظر آئی۔ ایسی کھڑکی جس سے آدمی بیٹھ کر بہ آسانی گزر سکتا ہے۔ فریدی نے کواڑوں کو دھکا دیا۔ دونوں پٹ کھل گئے۔ اندر سے سیلن اور چمگادڑوں کی بیٹ کی بدبو آ رہی تھی۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکال کر اندھیرے میں روشنی ڈالی اور دوسرے لمحے میں وہ اس تہہ خانے کے اندر تھا۔ حمید نے بھی آنا چاہا لیکن فریدی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر کھڑکی میں آیا۔

"اب آ جاؤ......!" اس نے کہا۔

حمید کھڑکی سے گزر کر ایسی جگہ آیا جہاں زینے تھے اور کافی گہرائی تک ان کا سلسلہ چلا گیا تھا۔

"اب یہاں کچھ نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ سب کچھ لے گئے۔"

"یعنی......؟"

"کسی قسم کی مشین۔"

"مشین...... وہ کیسے معلوم ہوا۔"

"ان گڑھوں کی طرف دیکھو۔" فریدی نے فرش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہاں کسی مشین کے چار پائے نصب تھے۔"

"کسی اور چیز کے بھی چار پائے ہو سکتے ہیں۔ مشین ہی کیوں۔"

"ایسا سوچنے پر مجبور ہوجانا پڑا ہے۔" فریدی نے جھک کر زمین پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا "یہ دیکھو تیل کے دھبے...... گاڑھے اور سیاہ تیل کے دھبے۔ غالباً یہ تیل مشین میں استعمال کیا جاتا رہا ہوگا۔"

"اوہ......!" حمید بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب کہ یہاں ان لوگوں کا نوٹ چھاپنے کا پریس تھا۔"

"تم صحیح سمجھے۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ چلیں...... وہ ہم سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوئے عجائب خانے میں مجھے قتل کردینے میں ناکام رہنے کے بعد غالباً انہوں نے سب سے پہلے یہ کام کیا ہے کہ مشین یہاں سے ہٹادی۔"

وہ دونوں باہر آگئے۔

"چلو بنک کا معاملہ تو صاف ہوگیا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا......؟"

"سلیم وہاں ملازم تھا اور اس نے اپنی اصلی حیثیت ظاہر کردی تھی اس لئے سب کو اس پر اعتماد تھا اس نے اس اعتماد سے فائدہ اٹھا کر وہاں کے نوٹوں کے نمبر حاصل کئے اور انہی نمبروں کے جعلی نوٹ بنائے۔ اُس کا ثبوت ان دونوں نوٹوں سے ملتا ہے جو مجھے سعید منزل میں ملے تھے۔ پھر غالباً اس نے یہ پروگرام بنایا کہ بنک کے اصلی نوٹ نکال کر ان کی جگہ نقلی نوٹ رکھ دیئے تھے، کتنی شاندار سازش تھی...... ذرا سوچو تو کہ ایک بنک کے ذریعہ جعلی نوٹ تقسیم ہوتے۔ بہرحال کوئی حادثہ پیش آجانے کی وجہ سے سلیم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔"

"مگر...... مگر بنک میں گڑبڑ کی اطلاع تو آپ کو سلیم ہی نے دی تھی۔"

"مجھے اس میں شبہ ہے کیونکہ چھت پر میں نے جو خون کے دھبے دیکھے تھے وہ ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ قبل کے معلوم ہوتے تھے اور سلیم کا پیغام وہاں پہنچنے سے بیس منٹ پہلے مجھے موصول ہوا تھا۔"

"بہرحال بہت زیادہ الجھے ہوئے حالات ہیں۔" حمید بولا۔ "بنک کا معاملہ صاف ہوجانے پر بھی سلیم اور صفدر مرزا کے قتل باقی رہ جاتے ہیں۔ سعید کو آپ بے گناہوں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ یہ ممکن ہے کہ سعید نے دیدہ و دانستہ ایسے حالات پیدا کئے ہوں جن سے اس کی بے گناہی ثابت ہو۔"

"لیکن یہ بھی تو سوچو......!" فریدی نے کہا۔ "جو شخص اتنا ذہین ہوسکتا ہے کہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اتنا اچھا پلاٹ بنا سکے وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں ہوسکتا کہ صفدر مرزا کی لاش کو قریب کے دریا میں پھینک دینے کی بجائے اتنی دردسری مول لے۔ اگر وہ اسے دریا میں پھینک دیتا تو کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔"

"اپنا تو دماغ خراب ہوجاتا ہے اس معاملہ میں غور کرتے وقت۔" حمید نے کہا۔ "آیئے...... چلیں...... میں تو آج رات کو تھوڑی سی تفریح کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور...... ضرور...... میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

فریدی اور حمید کوتوالی لوٹ آئے۔ اس انکشاف سے سنسنی پھیل گئی اور جگدیش کو بھی یقین کامل ہوگیا تھا کہ اس سازش میں سعید کا ہاتھ ضرور ہے اس کے گھر میں جعلی نوٹوں کا پایا جانا اس کے حق میں خطرناک ثابت ہوا تھا۔ بہرحال ان سب میں ایک آدمی ضرور ایسا تھا جسے اب تک اس کی بے گناہی کا یقین تھا۔ یہ فریدی تھا اس نے شروع میں جو نظریہ قائم کیا تھا اسی پر آج بھی اڑا ہوا تھا۔ اس وقت حمید اور جگدیش ایک طرف ہوکر اس سے سعید کے خلاف بحث کررہے تھے۔ دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ جگدیش نے ریسیور اٹھالیا۔ پھر فریدی کی طرف بڑھ کر بولا۔

"آپ کے گھر سے کوئی بول رہا ہے۔"

"ہیلو...... ہاں...... اچھا...... تار آیا ہے...... اچھا احتیاط سے رکھو۔ میں ابھی آیا۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی۔

"بھئی میں چلا۔ حمید تم مجھے سات بجے آرلکچو میں ملنا۔ رات کا کھانا وہیں کھائیں گے۔"

فریدی نے کہا اور کوتوالی سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

گھر پر ایک لمبا چوڑا تار اس کا منتظر تھا۔ فریدی نے تار لے کر پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھنے میں اس قدر منہمک تھا جیسے اس نے تار کے علاوہ اپنے گردوپیش کی ہر چیز کو بھلا دیا ہو۔ کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھتے وقت اس نے ایک لمبا سانس لیا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس کے ماتھے کی رگیں ابھری ہوئی تھیں، غالباً کوئی خاص الجھن تھی۔ وہ ٹہلتا رہا۔ انگلیوں میں دبا ہوا سگار نہ جانے کب کا بجھ چکا تھا جسے وہ بار بار بے خیالی میں ہونٹوں سے ہٹا لیتا تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی پھیلتی

جارہی تھی۔ وہ ابھی تک بدستور ٹہل رہا تھا۔ کلاک نے چھ بجائے اور وہ چونک پڑا۔ کمرہ بالکل تاریک ہو چکا تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ کے قریب جا کر بجلی جلا دی۔

میز کی دراز سے دو پستول نکال کر فریدی نے جیب میں رکھے۔ چسٹر کاندھے پر ڈالا فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

بھوت اور فریدی

فریدی کی کار تیزی سے شہر کے غیر آباد حصے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خاموشی سے اکتا کر حمید نے پوچھا۔

"کچھ بتائیے گا بھی یا یونہی کہیں لے جا کر جھونک دینے کا ارادہ ہے۔"

"آج ایک بھوت کو دو بھوتوں سے نپٹنا پڑے گا۔"

آہستہ آہستہ فریدی کار کی رفتار کم کرتا جا رہا تھا۔ شہر کا یہ حصہ قریب قریب بالکل ویران اور تاریک تھا۔ کار سڑک سے ہٹ کر کچی زمین کے نشیب و فراز میں ہچکولے لیتی چلی جا رہی تھی۔

کچھ دور پر سامنے ایک بڑی سی عمارت دکھائی دی، جس کی چہار دیواری کافی رقبہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی نے کار کھڑی کر دی اور حمید کو اترنے کا اشارہ کر کے خود بھی نیچے اتر گیا۔ دونوں قد آدم چہار دیواری کے نیچے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ چہار دیواری کے موڑ پر سلاخ دار پھاٹک تھا جس میں ایک بڑا سا تالا لٹک رہا تھا۔ فریدی نے تالے کو ٹٹولا اور چند لمحوں تک کھڑا سوچتا رہا۔ پھر زمین پر بیٹھ کر ایک فٹ اٹھے ہوئے پھاٹک کے درمیانی خلاء کا اندازہ کرنے کے بعد پیٹ کے بل رینگتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

اندر چاروں طرف موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ستاروں کی دھندلی سی روشنی میں کاشانہ شمشیر کی طویل و عریض عمارت کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ حمید کے جسم پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"سس...... سس...... سردی......!"

"ٹھہرو...... ادھر سے آؤ۔" وہ مہندی کی باڑھ جو صدر دروازے کے قریب جا کر ختم ہو گئی تھی دونوں اس کی اوٹ میں آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے آگے بڑھے۔

دوسرے لمحے میں فریدی کی ٹارچ کی روشنی صدر دروازے کے اندر پڑ رہی تھی۔ فریدی کو صدر دروازے کے غیر مقفل ہونے پر قطعی حیرت نہ ہوئی۔ البتہ حمید ضرور چوکنا ہو گیا۔ اس نے اپنے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے کو بہت مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ دونوں دیوار کا سہارا لئے اندھیرے میں بڑھ رہے تھے۔ مختلف کمروں اور برآمدوں کا چکر لگاتے ہوئے وہ ایک زینے کے قریب پہنچے۔ دفعتاً اوپر کے کمروں میں سے ایک میں روشنی دکھائی دی اور پھر فوراً ہی اندھیرا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اندھیرے میں سگریٹ سلگا کر دیا سلائی بجھا دی ہو۔

"ہوشیار......!" فریدی نے حمید کے کان میں کہا اور دونوں کے پستول ان کی جیبوں سے نکل آئے۔

اچانک زینے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ فریدی اور حمید ایک طرف کونے میں دبک گئے۔ کوئی ہلکے سروں میں سیٹی بجاتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ دفعتاً فریدی نے اپنے پستول کا دستہ دیوار پر مارا۔ کھٹاکے کی آواز خالی عمارت میں گونج اٹھی اور اترنے والا یک بیک رک گیا۔ سیٹی کی آواز بند ہو گئی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رک کر اس آواز کے متعلق سوچ رہا ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد زینے پر پھر قدموں کی آواز معلوم ہوئی۔ فریدی نے چند لمحے ٹھہر کر دوبارہ ریوالور کا دستہ دیوار پر مارا۔ اترنے والا پھر رک گیا...... ایک طویل خاموشی...... فریدی حمید کے دل کی دھڑکن صاف سن رہا تھا۔

دو تین زینے طے کرنے کے بعد ایک تاریک سایہ نیچے آ گیا۔ چند لمحے کھڑا وہ ادھر ادھر دیکھتا رہا، لیکن جیسے ہی اس نے آگے بڑھنا چاہا فریدی نے پھر وہی حرکت کی۔ آنے والے نے اپنی انگلیوں میں دبے ہوئے سگریٹ کو فرش پر گرا کر پیر سے مسل دیا۔

"صفدر مرزا......!" دفعتاً فریدی نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔

تاریک سایہ اچھل پڑا۔

''صفدر مرزا......!'' فریدی نے پھر اسی انداز میں کہا۔

سائے نے مڑ کر آہستہ آہستہ ان دونوں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

''تم کون ہو بھائی......!'' سایہ نرم لہجے میں آہستہ سے بولا۔

''میں کوئی بھی ہوں لیکن تمہارا بھائی انور مرزا تم سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہے'' فریدی نے اسی انداز میں جواب دیا اور اس کی سرگوشی اندھیرے میں دور تک گونجتی چلی گئی سرگوشی کچھ اتنی بھیانک تھی کہ خود حمید کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اسے بالکل ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی روح بول رہی ہو۔

سایہ ایک بار پھر اچھل پڑا۔

''تم کون ہو بھائی۔'' سائے نے پھر اپنا جملہ دہرایا۔ اس کی آواز میں بیچارگی تھی۔

''کنور شمشیر بہادر......!'' فریدی نے بے ساختہ کہا۔

دفعتاً سایہ لڑکھڑا کر برآمدے کے ستون سے ٹک گیا۔

''کیوں کیا ڈر گئے۔'' فریدی بولا۔

''تو تم زندہ ہو۔'' وہ ایسے لہجے میں بولا جیسے خواب میں بول رہا ہو۔

فریدی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ کتنا بھیانک تھا وہ قہقہہ۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے در و دیوار اس قہقہے کو دہرا رہے ہوں۔ فریدی خاموش ہوگیا۔ شاید وہ اس پر اپنے قہقہے کا ردعمل محسوس کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

''نہیں تم جھوٹ کہتے ہو۔'' سایہ بولا۔ ''میرا نشانہ کبھی خطا......!''

''نہیں کرتا......!'' فریدی نے جملہ پورا کردیا۔

دفعتاً سایہ ادھر اُدھر جھومنے لگا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ بے ہوش ہوکر گرنے والا ہے اور پھر وہ صحن کی طرف لڑھک گیا۔

فریدی اور حمید جھپٹے۔

لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔ جس جگہ سایہ گرا تھا وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

''ارے......یہ کدھر غائب ہوگیا۔'' فریدی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اندھیرے میں آخر وہ کہیں گولی نہ چلادے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''صفدر مرزا......صاف نکل گیا۔''

''صفدر......صفدر مرزا......مگر وہ تو......!''

''مرا نہیں......!'' فریدی نے جملہ پورا کردیا۔

''مجھے شبہ ہے کہ سعید کی بیوی یہیں اسی عمارت میں کہیں قید ہے۔''

''مگر صفدر مرزا......!''

''چھوڑو بھی......پھر کبھی اطمینان سے بتاؤں گا۔ باتوں میں وقت خراب کرنے کا موقع نہیں۔ نیچے کے سارے حصے تو ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔ اب اوپر چلنا چاہئے۔'' فریدی نے اسی زینے پر چڑھتے ہوئے کہا جس پر سے صفدر مرزا اترا تھا۔ ''یہاں اس سنسان عمارت میں اس کی موجودگی خالی از علت نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ سعید کی بیوی بھی یہیں کہیں بند ہو۔''

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے زینے طے کررہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کے بازو کو بُری طرح جکڑ لیا۔

''کیا ہے......؟'' فریدی نے پلٹ کر کہا۔

''آہٹ......اوپر کوئی ہے۔''

''میں سن رہا ہوں۔''

''تو پھر اس طرح......کیا اندھیرے میں جان دیجئے گا......یہ ضروری نہیں کہ وہ اس عمارت میں تنہا ہی رہا ہو۔'' حمید نے کہا۔

''چھوڑو بھی......محض تمہاری احتیاط کے چکر میں میں نے صفدر مرزا کو ہاتھ سے کھودیا۔''

''خیر چلئے......اگر آپ کے ساتھ ہی مرنا قسمت میں لکھا ہے تو پورا ہوکر رہے گا۔''

اوپر ایک ہی قطار میں متعدد کمرے تھے۔ فریدی نے ہر کمرے کے سامنے رک رک کر آہٹ لینی شروع کی۔ ایک کمرے سے دبی دبی سسکیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ کمرہ باہر سے مقفل تھا۔ فریدی نے جیب سے ریوالور نکالا اور اس کی نال کو تالے کے کنڈے میں پھنسا کر

اینٹھنا شروع کر دیا تھا۔ تھوڑی سی جدو جہد کے بعد تالا کھل گیا۔

''تم زینے کے دروازے کے پاس جاؤ۔'' فریدی نے آہستہ سے حمید سے کہا۔

''اگر کوئی اوپر آنے کی کوشش کرے تو بے دریغ فائر کر دینا۔''

حمید چلا گیا۔ فریدی نے آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھول کر ٹارچ کی روشنی اندر ڈا سامنے پلنگ پر ایک عورت لیٹی سر اٹھائے خوفزدہ نظروں سے ٹارچ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''گھبراؤ نہیں...... اب تم محفوظ ہو۔'' فریدی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

عورت گھبرائے ہوئے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا تم سعید کی بیوی ہو......؟''

''آخر تم لوگ مجھ بے گناہ کو کیوں تنگ کر رہے ہو......؟'' عورت بولی۔

''آپ غلط سمجھیں محترمہ۔'' فریدی نے کہا۔ ''میرا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔''

''اوہ......!'' عورت کے منہ سے خوشی کی چیخ نکلی اور وہ بے تحاشہ کھڑی ہو گئی۔

''آپ سعید کی بیوی ہیں نا۔''

''جی ہاں۔''

''آیئے...... میرے ساتھ۔''

فریدی اسے ساتھ لے کر زینے کے دروازے کے پاس آیا جہاں حمید کھڑا تھا۔ پھر تینوں سرنگ کے ذریعہ عمارت سے باہر نکل آئے۔

فریدی سعید کی بیوی کو اپنے گھر لے آیا۔ وہ ان دونوں کے ساتھ چلی تو آئی تھی لیکن اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان دونوں کی طرف سے مشکوک ہے۔

''آپ اس عمارت میں کب سے تھیں؟'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''کل سے......!''

''کل سے......؟'' فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس سے کہا۔ ''مگر آپ تو ک دن سے غائب تھیں۔''

''پہلے دوسرے مکان میں تھی۔''

''کیا آپ اس کا کچھ پتہ نشان دے سکتی ہیں؟''

''مجھے افسوس ہے کہ میں بے ہوشی کی حالت میں وہاں لے جائی گئی تھی۔''

''بے ہوشی کی حالت میں؟''

''جی ہاں......!'' اس نے کہا اور فریدی کے استفسار پر اس نے اپنے بے ہوش ہونے تک کے واقعات بتا دیئے۔

''اور پھر میں نے اس شخص کو زندہ دیکھا جس کی لاش میں اپنے گھر میں دیکھ چکی تھی۔''

''ہوں......!'' فریدی نے حمید کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ''اس بھاری بھرکم اجنبی کی شخصیت ابھی تک معمہ بنی ہوئی ہے۔ آخر وہ کون تھا اور اس کا مقصد کیا تھا۔''

''اور یہ کیا معمہ نہیں کہ جس شخص کی لاش ہم لوگوں نے دیکھی اسے یہ لوگ زندہ بتاتے ہیں۔'' حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''صرف یہی لوگ زندہ نہیں بتاتے بلکہ ہم لوگ بھی ابھی اس سے دھوکا کھا چکے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''یعنی......؟''

''صفدر مرزا......!''

''کمال کر رہے ہیں آپ بھی۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔ ''پھر وہ مرنے والا کون تھا......؟''

''اس کا بھائی۔''

''بھائی......؟'' حمید تقریباً اچھل کر بولا۔

''ہاں اس کا جڑواں بھائی انور مرزا۔''

''یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا......؟''

''میں نے رنگون میں انکوائری کرائی تھی۔ آج وہاں کے محکمہ جاسوسی کے چیف کا مفصل تار آیا ہے، انور مرزا اور صفدر مرزا جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں اس درجہ مشابہت پائی جاتی تھی کہ ان کے ملنے جلنے والے بھی اکثر گڑ بڑا جاتے تھے۔ دونوں میں صرف ایک معمولی سا فرق تھا۔ انور مرزا کے بائیں نتھنے کے نیچے ایک ابھرا ہوا سیاہ تل تھا۔ ہاں تو وہاں کی انکوائری کے مطابق

دونوں چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔ صفدر مرزا تو کئی بار جیل بھی جا چکا ہے۔ صفدر مرزا ہندوستان چلا آیا تھا اور انور مرزا بعد کو آیا۔"

"لیکن اسے قتل کس نے کر دیا......؟" حمید نے پوچھا۔

"مجھے تو اس میں صفدر مرزا ہی کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ کیسے......؟"

"لاش ملنے کے بعد صفدر مرزا کے قتل کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تھی اور اس کی ت بھی چھپی تھی۔ اگر صفدر مرزا کا ہاتھ اس قتل میں نہیں تھا تو اس نے پولیس کو مطلع کیوں نہیں کیا وہ زندہ ہے اور مقتول اس کا بھائی تھا۔ اس کے بجائے اس نے سعید کو پھنسانے کی کوشش کی اسے اس بات کا یقین دلا کر کہ وہ بھوت تھا۔ وہاں سے نکل بھاگنے کا موقع جان بوجھ کر دیا وہ وہاں سے نکل کر اس کی رپورٹ پولیس کو دے اور دھر لیا جائے۔ بھلا پولیس ان لغویات کیوں یقین کرنے لگی۔ سعید کی بیوی کو اس نے اپنے قبضہ ہی میں رکھا تا کہ پولیس سعید کو مجرم سمجھ لے اور اس پر یقین کر لے کہ خود اس نے اپنی بیوی کو کہیں چھپا دیا ہے اور اب ا چھٹکارے کے لئے ایک داستان تصنیف کر لایا ہے۔"

"تو کیا وہ قید کر لئے گئے؟" سعید کی بیوی گھبرا کر بولی۔

"جی ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ وہ بہت جلد چھوٹ جائی گے۔ ان کے خلاف سازش کرنے والوں کا پتہ میں نے لگا لیا ہے۔"

"مجھے ان سے ملا دیجئے۔" وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔

"میں فی الحال اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ ایسی صورت میں آپ بھی قید کر لی جائیں گی مجرم بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"پھر میں کیا کروں؟" وہ بے بسی سے بولی۔

"جب تک کہ اصلی مجرم گرفتار نہ ہو جائے...... غریب خانے ہی کو گھر سمجھئے۔ یہاں آ کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اگر آپ نے اس گھر سے باہر قدم نکالا تو پھر میں سعید اور آپ کے کچھ نہ کر سکوں گا۔ اچھا اب چل کر آرام کیجئے۔ چلئے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں"

فریدی اسے ایک کمرے میں پہنچا کر لوٹ آیا۔ حمید خاموش بیٹھا خیالات میں کھویا ہوا تھا۔

"آخر آپ نے یہ کیوں کہا کہ اس کے ظاہر ہوتے ہی مجرم فرار ہو جائے گا۔ کیا اس کے فرار ہونے کے لئے آج کا حادثہ کم ہے؟" حمید نے کہا۔

"یہی تو تم نہیں سمجھے۔ آج کی بھاگ دوڑ میں ایک نئی بات اور معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ صفدر مرزا شمشیر بہادر کا بھی قاتل ہے۔ کیا تم نے میری اور اس کی گفتگو دھیان سے نہیں سنی تھی۔ میں اس معاملے میں بھی شروع ہی سے مشکوک تھا اور شاید میں نے اپنے شبہے کا اظہار بھی کیا تھا کہ رنگون ہی میں شمشیر بہادر کا انتقال ہوا اور وہیں سے صفدر مرزا بھی ہندوستان آیا۔ لیکن یہ محض شبہ ہی تھا۔ میں نے وہاں اسے شمشیر بہادر کا حوالہ اس خیال سے قطعی نہیں دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب اس نے خود کو بھوت بنا کر پیش کیا تھا تو کیوں نہ میں بھی شمشیر بہادر کا بھوت بن کر اسے ہیجان میں مبتلا کروں۔ لیکن وہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا...... بہر حال وہ میرے فقرے کو حقیقت سمجھا تھا۔ وہ کل تک واقعات کی نئی کروٹ کا انتظار ضرور کرے گا۔ اگر سعید کی بیوی حاضر نہ ہوئی تو وہ یہی نتیجہ نکالے گا کہ وہ ابھی تک شمشیر بہادر ہی کے قبضہ میں ہے۔ شمسیر بہادر جو اس سے انتقام لینے کی تاک میں ہے وہ اس لئے شہر نہیں چھوڑے گا کہ وہ کسی طرح موقع پا کر شمشیر بہادر کو ٹھکانے لگا دے گا اور اگر سعید کی بیوی حاضر نہ ہوئی تو وہ اسے پولیس والوں کی چال سمجھ کر فرار ہو جائے گا کیونکہ ایسی صورت میں سعید کی بیوی کے ساتھ ہی ساتھ شمشیر بہادر کا ہونا بھی ضروری ہے اور شمشیر بہادر مر چکا ہے کیا سمجھے؟"

"بالکل سمجھ گیا......!" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "آپ کا دماغ ہے یا......!"

"بھٹیار خانہ......!" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"خیر یہ آپ کی نیک نفسی ہے...... کہ آپ اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"اونہہ...... پھر تم نے اپنے سستے قسم کے مذاق کا مظاہرہ شروع کر دیا۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔ "ایک چیز مجھے اب بھی الجھن میں ڈالے ہوئے ہے کہ آخر وہ بھاری بھرکم اجنبی کون تھا۔ حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی صفدر مرزا ہی کا شکار تھا اور صفدر مرزا اس کا پیچھا کیوں

کرر ہا تھا۔ وہ دونوں جعلی نوٹ اسی بنڈل کے تو تھے جو اس نے سعید کو دیا تھا۔ کیا سلیم اور ا
مرزا کی موت کا کچھ تعلق اس کی ذات سے بھی ہے۔ خیر انور مرزا کا معاملہ تو یہ بھی ہوسکتا ہے
اجنبی کا پیچھا کرنے والوں میں وہ بھی رہا ہو اور اجنبی ہی کے دھوکے میں صفدر مرزا کے ہاتھ
مارا گیا ہو۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" حمید نے کہا۔

"فرض کرو اجنبی آگے بھاگ رہا ہے اس کے پیچھے انور مرزا ہے اور اس کے پیچھے صفدر مرزا...... اچانک صفدر چاقو نکال کر اجنبی کو کھینچ مارتا ہے اور انور مرزا اسی دوران میں بحالت بے خبری درمیان میں آجاتا ہے، چاقو اجنبی کے لگنے کے بجائے اسے ہی لگ جاتا ہے۔"

"اس طرح تو ممکن ہے۔" حمید نے کہا۔

"صفدر مرزا چاقو پھینکنے میں بہت مشاق معلوم ہوتا ہے کیونکہ عجائب گھر میں اسی نے مجھ حملہ کیا تھا۔ چاقوؤں کی ایک جیسی ساخت اس کا بہترین ثبوت ہے۔"

"لیکن پھر سلیم کا معاملہ بالکل الگ جا پڑتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہی تو ایک ایسی گرہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بس سلیم کی موت اور اس اجنبی کی شخصیت کا حال ظاہر ہو جائے تو کیس صاف ہے۔"

"تو پھر اس کے لئے آپ کون سا طریقہ کار اختیار کریں گے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی اس پر بہت کچھ سوچنا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن محض شبے کی بناء پر میں نے فی الحال جو طریقہ کار اختیار کیا ہے ابھی اس پر کاربند رہنے کا ارادہ ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"سلیم کے گھر کی نگرانی۔" فریدی نے کہا۔ "اسکی بہن کی شخصیت بھی کچھ کم پراسرار نہیں۔"

"امید ہے کہ اب میری ضرورت آپ کو پیش نہ آئے گی۔"

"جی نہیں...... ایسے کاموں کے لئے دوسرے قسم کے مہرے رکھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا اب آپ آرام فرمایئے...... بندہ رخصت ہوتا ہے۔"

مردہ محل میں

سلیم کی بہن بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اس نے اس وقت سفید سلک کا غرارہ اور سفید جمپر پہن رکھا تھا۔ سیاہ دوپٹے میں سفید کپڑوں کے ساتھ اس کی رخصت ہوتی ہوئی جوانی نے گویا سنبھالا لے لیا تھا۔ بھرے ہوئے سلونے رخساروں پر دو بل کھائی ننھی ننھی لٹیں اس کے چہرے کی سنجیدگی میں ہلکی سی شوخی کا اضافہ کر رہی تھیں اور سنجیدگی و شوخی کے اس حسین امتزاج نے اس کی شخصیت کو کافی حد تک پرکشش بنا دیا تھا۔

دفعتاً ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا لمبوترے چہرے اور طوطے جیسی ناک والا۔ یہ صفدر مرزا تھا۔ وہ آتے ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ سلیم کی بہن نے مڑ کر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ صفدر مرزا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ سلیم کی بہن سے نظر ملتے ہی وہ بے اختیار مسکرا پڑا لیکن اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"سلیمہ...... آخر تم مجھ سے اس قدر بیزار کیوں رہتی ہو۔"

"کیا فضول اور لغو گفتگو چھیڑ دی۔" اس نے بیزاری سے کہا۔

"آخر اتنی پریشان کیوں نظر آرہی ہو۔"

"اور تم اس بُری طرح ہانپ کیوں رہی ہو۔" وہ طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"ایک نئی مصیبت میں پھنس گیا۔"

"وہ کیا......؟" عورت چونک کر بولی۔

"میرا چچازاد بھائی شمشیر بہادر زندہ ہے۔ معلوم نہیں کس طرح بچ گیا۔ کاشانہ شمشیر میں ابھی اس سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ میرے جیب میں پستول بھی نہیں تھا۔ مجبوراً بھاگنا پڑا۔ وہ سعید کی بیوی کو بھی نکال لے گیا ہوگا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں اگر وہ اسے لے کر کوتوالی پہنچ گیا تو مجبوراً مجھے بھاگنا ہی پڑے گا۔ اگر بنک والے معاملے کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا تو گردن ہی

نپ جائے گی۔"

"تو تمہیں روکا کس نے ہے۔" سلیمہ بے رخی سے بولی۔

"بڑی بے مروت ہو تم۔"

"بات یہ ہے کہ مجھے قاتلوں سے نفرت ہے۔"

"آخر ہو نا عورت۔"

"تم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ میں نے بھائی صاحب سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ تمہیں ا[س] کام میں شریک نہ کریں۔"

"تو میری وجہ سے کیا نقصان ہوا۔"

"نقصان......!" سلیمہ گرج کر بولی۔ "انہیں کس نے قتل کیا؟"

"تو کیا......تو کیا......!" صفدر مرزا رک کر بولا۔ "تمہیں مجھ پر شبہ ہے۔"

"اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

"غلط فہمی میں پڑ کر آپس کے تعلقات مت خراب کرو۔ اس وقت ہم سب مصیبت م[یں] مبتلا ہیں۔"

"تم مبتلا ہو گے مصیبت [میں]۔" سلیمہ تیز لہجہ میں بولی۔ "میں ہر طرح مطمئن ہوں۔"

"اگر میں وہ مشین دلاور پور سے نہ لاتا تو دیکھتا تمہارا اطمینان۔"

"مشین......کیا تم وہ مشین وہاں سے لے آئے۔"

"ہاں......؟"

"اس لئے کہ جاسوس فریدی نوٹوں کے معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا ہے۔"

"وہ کیسے......؟"

"وہ عجائب گھر گیا تھا۔ وہاں سے اس نے سلیم کے متعلق معلومات بہم پہنچائیں۔ وہاں اسے سعید اور سلیم کی جان پہچان کا بھی علم ہوا۔ میں اسے ختم کر ہی دیتا مگر وہ بچ گیا۔ زندگی م[یں] پہلی بار میرے چاقو کا وار خالی گیا ہے۔"

"بڑا زبردست کارنامہ سرانجام دیا تم نے۔" سلیمہ زہر خند کے ساتھ بولی۔ "اس طرح ا[...]

اسے خواہ مخواہ چھیڑ کر واقعی ہم لوگوں کے لئے مصیبت کا باعث بنو گے اور میں کہتی ہوں کہ اس مشین کو وہاں سے لانے کی کیا ضرورت تھی اس کے فرشتے بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

"میں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا۔"

"تمہیں مجھ سے پوچھنا چاہئے تھا۔"

"میں نے ضروری نہیں سمجھا......میں عورتوں کے حکم کا منتظر رہنے کا عادی نہیں۔"

"اچھا یہ بات ہے......یہ نہ سمجھنا کہ سلیم مر گیا۔" سلیمہ کڑے لہجہ میں بولی۔

"تم تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہو۔" صفدر مرزا نرم لہجے میں بولا۔ "اچھا بھئی......مجھ سے غلطی ہوئی معافی چاہتا ہوں۔"

سلیمہ بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ شاید وہ اپنے غصہ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ نرم لہجے میں بولی۔ "اب شمشیر بہادر کے معاملے میں کیا ہوگا۔"

"یہی تو سوچ رہا ہوں، مجھے امید ہے کہ وہ خود کو ظاہر کرے گا کیونکہ شاید وہ شروع ہی سے میرے پیچھے لگا ہوگا اگر اسے کوئی قانونی کاروائی کرنی ہوتی تو کبھی کا کر چکا ہوتا۔ مجھے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنک کی گڑبڑ میں اسی کا ہاتھ ہے۔"

"تب تو یہ بات بڑی بُری ہے۔"

"گھبراؤ نہیں......اگر اس نے کل تک سعید کی بیوی کو حاضر نہ کیا تو اس کا بھی صفایا ہو جائے گا ورنہ پھر مجھے ہی بھاگنا پڑے گا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ مجھے سب سے زیادہ فکر اس کرایہ دار کی ہے، معلوم نہیں کیوں بھائی صاحب نے اسے کرایہ پر کمرے دے دیئے تھے، آج دو دن سے غائب ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ دراصل ہے کون۔"

"میں نے بھی آج تک اسے نہیں دیکھا۔" صفدر مرزا بولا۔

"اس کا پتہ لگانا ضروری ہے۔" سلیمہ بولی۔ "اگر کہیں سرکاری جاسوس ہوا تو......شامت ہی آ جائے گی۔"

"خیر اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔" صفدر مرزا نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"خفیہ پولیس نے نوٹوں کا حال معلوم کرلیا ہے لیکن شاید ابھی تک اسے سلیم کے حالات کا علم نہیں۔ ورنہ یہ مکان کبھی کا گھر گیا ہوتا۔"

"نہیں...... اس مسئلے کو لاپروائی سے نہ ٹالو...... تم نے فریدی کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔ وہ خطرناک آدمی ہے جس نے جابر اور لیونارڈ ایسے بین الاقوامی مجرموں کے چھکے چھڑا دیئے وہ ہم جیسوں کو کب خاطر میں لائے گا۔"

"اور تم بھی خواہ مخواہ ڈر رہی ہو جس دن چاقو پڑ گیا خاک و خون میں لوٹتا نظر آئے گا ایسے ایسے بہت دیکھے ہیں۔"

"خیر...... بہر حال ہمیں کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔" سلیمہ بولی۔

پھر خاموشی چھا گئی اور صفدر مرزا سلیمہ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

سلیم کا گُرگا

ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ کہرے کی چادر ہر شے پر محیط تھی۔ سلیمہ نے ایک طویل انگڑائی لی اور اٹھ بیٹھی۔ دفعتاً باہر سے کسی نے دروازے پر دستک دی۔ سلیمہ نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔

ایک اجنبی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ گھنی سیاہ رنگ کی داڑھی میں اس کا خوش رنگ چہرہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کے جسم پر ایک نہایت نفیس قسم کا سوٹ تھا جس پر اس نے اوورکوٹ پہن رکھا تھا۔ سر پر عمدہ فیلٹ تھی۔

"شاید آپ بانو سلیمہ ہیں۔" اس نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں کہیئے۔"

"تکلفات کا وقت نہیں۔" اس نے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اندر آنے دیجئے۔"

سلیمہ متحیر انداز میں پیچھے ہٹ گئی۔ اجنبی اندر چلا گیا۔ سلیمہ بدستور اسے متحیرانہ انداز میں گھورے جا رہی تھی۔

"گھبرایئے نہیں بانو" اجنبی بولا۔ "میں دوست ہی ہوں...... مجھے تنویر کہتے ہیں۔"

"تنویر......!" سلیمہ نے حیرت سے ہا۔ "میں یہ نام آج ہی سن رہی ہوں۔"

"لیکن آپ مجھے صورت سے ضرور پہچانتی ہوں گی۔" اجنبی نے کہا اور اپنے چہرے سے مصنوعی ڈاڑھی ہٹا دی۔ سلیمہ کی آنکھیں چندھیا اٹھیں۔ کتنا بارعب اور حسین چہرہ تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کے حسن کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں...... میں......!" سلیمہ ہکلائی۔ "مم...... مجھے افسوس ہے کہ میں نے اب بھی نہیں پہچانا۔"

"تو شاید آپ نے استاد مرحوم کے البم میں میری تصویر بھی نہیں دیکھی۔ میں نے آپ کی تصویر دیکھی تھی۔ اسی لئے آپ کو پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی۔"

"آپ وضاحت سے اپنے متعلق بتایئے۔" سلیمہ نے آہستہ سے کہا۔

"میں بمبئی سے آ رہا ہوں...... میں وہاں استاد کے حکم کے مطابق نوٹوں کا انتظام کر رہا تھا کہ دفعتاً ان کی موت کی خبر ملی۔ اس سے ساری تنظیم میں ہلچل پڑ گئی۔ میں نے کل رات ہی کو آنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ تو جانتی ہی ہیں۔"

"کیا......؟" سلیمہ چونک کر بولی۔ "میں کچھ نہیں جانتی۔"

"آپ نہیں جانتیں۔" تنویر نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اس مکان کی نگرانی کی جارہی ہے۔ کل رات بھر یہاں کا مشہور جاسوس فریدی ایک دیوانے کے بھیس میں سامنے والی چائے کی دوکان کے نیچے پڑا رہا۔"

"ارے ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔" سلیمہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"اور اس وقت بھی کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہوگا۔ اسی لئے مجھے ڈاڑھی لگا کر آنا پڑا۔"

"آپ نے یہ بہت ہی کارآمد اطلاع دی۔ شکریہ۔"

"میں استاد کی موت کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں...... اوہ...... اب میں اجازت چاہتا ہوں۔"

"چائے تو پی لیجئے۔"

"نہیں...... آپ کو تھوڑی تکلیف دوں گا۔ آج شام مجھ سے آرلکچو میں ملئے۔ چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔ یہاں میرا زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں اور ہاں ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں آپ کے رکھ رکھاؤ سے یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ آپ خفیہ پولیس والوں کی مصروفیات سے واقف ہیں۔ اگر میں نے حالات دگرگوں دیکھے تو آپ کو نکال لے چلوں گا۔ ایک بات اور، یہ کہ بقیہ ساتھیوں کو ابھی میرے متعلق علم نہ ہونے پائے۔ شام کو گفتگو کرنے کے بعد اگر اس کی ضرورت سمجھی گئی تو انہیں مطلع کر دیا جائے گا...... ورنہ نہیں۔" تنویر خاموش ہو گیا۔ پھر مصنوعی ڈاڑھی چہرے پر لگائی اور ہیٹ لیتا ہوا بولا۔ "بھولئے گا نہیں...... شام سات بجے آرلکچو میں۔"

"بہت اچھا...... میں ضرور آؤں گی۔"

وہ باہر نکل گیا۔ سلیمہ کھڑکی سے اسے دیکھتی رہی۔ چلنے کا انداز کتنا پروقار تھا۔ اس نے سوچا اور دیکھا کہ دفعتاً ایک دبلا پتلا آدمی ایک کیفے سے نکلا اور تنویر کا پیچھا کرنے لگا۔ سلیمہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ لیکن تنویر...... وہ سڑک کے کنارے ادھر اُدھر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ سلیمہ بے اختیار مسکرا پڑی۔ "کتنا چالاک ہے" سلیمہ نے آہستہ سے کہا اور کھڑکی کا پردہ گرا دیا۔ غسل خانہ سے واپس آ کر اس نے چوکیدار کو بلوایا۔

"ارے...... وہ چار نمبر والا رات کو آیا یا نہیں؟" اس نے چوکیدار سے پوچھا۔

"ہاں بی بی جی...... وہ دو بجے رات آیا تھا...... اور چار بجے واپس چلا گیا۔"

"ہونہہ...... اچھا تم جاؤ۔" سلیمہ نے کہا۔

چوکیدار چلا گیا اور وہ سوچ میں پڑ گئی۔ آخر یہ کرایہ دار کون ہے۔ اتنی پراسرار حرکتوں کا مطلب...... آخر کس طرح اس کا پتہ لگایا جائے۔ جب اس کے انتظار میں رات بھر جاگتی رہتی ہے تو وہ آتا ہی نہیں۔ کیا کیا جائے......؟ سلیمہ نے ناشتہ کیا اور دیر تک اس عجیب و غریب کرایہ دار کے متعلق سوچتی رہی۔ آخر وہ کون ہے کیا اس نے بھاری جرم کیا ہے کیا وہی تو اس کے بھائی کا قاتل نہیں۔ پھر اسے تنویر کا خیال آیا...... کس صفائی سے اس نے بھیس بدل رکھا تھا اور کتنا چالاک تھا۔ وہ اس چھوٹی سی عمر میں اتنا تجربہ کار...... اس نے اس کی موجودگی میں ایک سکون

محسوس کیا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اچانک ایک سہارا مل گیا ہو۔ کلاک نے بارہ بجائے۔ اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ ابھی پورے سات گھنٹے ہیں۔ اسے ایک ایک منٹ پہاڑ معلوم ہونے لگا۔ تنویر کی دلآویز مسکراہٹ، لہجے کی نرماہٹ، تہذیب یافتہ اطوار، وہ سوچنے لگی کہ تنویر ضرور کسی اونچی سوسائٹی کا فرد ہے۔ مگر وہ اس گروہ کے چکر میں کیسے پھنس گیا۔ وہ ضرور اس کے ساتھ بمبئی چلی جائے گی۔ اس دوران میں اس نے نہ جانے کتنے ہوائی قلعے بنا ڈالے۔ پھر اسے صفدر مرزا یاد آیا۔ جو کچھ دنوں سے اس میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ ذلیل، قاتل، اس کی ناک پر تنفر آمیز شکنیں ابھر آئیں جب سے وہ اس گروہ میں شامل ہوا تھا، پے در پے مصیبتیں نازل ہو رہی تھیں۔ پندرہ سال سے ہر کام خوش اسلوبی سے انجام پا رہا تھا۔ مگر پہلے کام کی نوعیت ہی دوسری تھی۔ اس نوٹ بنانے والے جھنجھٹ میں اس کے بھائی کو پھنسانے والا یہی تھا۔ لیکن بھائی صاحب نے آج تک یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کا گروہ اتنا منظم ہے اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا ہے۔ بمبئی کے کچھ لوگوں کا تذکرہ ضرور ہوا تھا لیکن انہیں وہ معمولی قسم کے بدمعاش سمجھی ہوئی تھی۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ ان میں تنویر جیسے ذہین اور پڑھے لکھے آدمی بھی موجود ہیں۔ وہ دن بھر پلنگ پر پڑی اونگھتی رہی۔ غنودگی کے کیف آور دھندلکے میں بار بار تنویر کا چہرہ ابھرتا۔ اس کی لوچدار مگر مردانہ وقار کی حامل آواز بار بار کانوں میں گونج اٹھتی۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھکنے لگا۔ وہ اٹھی اور اپنی بہترین پوشاک نکال کر آئینے کے سامنے پہنچ گئی اور پھر ساڑھے چھ بجے وہ گھر سے روانہ ہو گئی۔ آرلکچو کے ہال میں داخل ہو کر وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ایک بیرا اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔

"میم صاحب اس طرف......!" اس نے اشارہ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

سلیمہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ ایک کیبن کی طرف اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ سلیمہ پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گئی۔ تنویر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

"مجھے شاید کچھ دیر ہو گئی۔"

"نہیں تو۔" سلیم نے مسکرا کر کہا۔ "ٹھیک سات بجے ہیں۔"

سلیمہ بیٹھ گئی۔ تنویر نے باہر کھڑے ہوئے بیرے کو بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔ سلیمہ اسے

بہت غور سے دیکھ رہی تھی، تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد تنویر نے پوچھا۔ ''میں ہ
کے حادثے کے متعلق تفصیل کے ساتھ سننا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی معلومات سے آپ کے بیان
مقابلہ کرنا ہے۔''

''بھائی صاحب نے بنک کا دروازہ کھول دیا۔'' سلیمہ نے دھیمی آواز میں کہنا شروع ک

''صفدر مرزا اور دوسرے آدمی جعلی نوٹوں سے بھری ہوئی کار لے کر پہنچے۔ لیکن اس وقت آ
رفت زیادہ ہونے کی وجہ سے موقع نہیں تھا لہٰذا وہ کار ایک طرف کھڑی کر کے ادھر اُدھر منتـ
ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دفعتاً ایک آدمی اس کار کو لے بھاگا۔ صفدر اور اس کے ساتھی گھبرا گئے
بمشکل تمام وہ لوگ ایک دوسری کار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے اس کا پیچ
کرنا شروع کر دیا۔ دلاور پور تک وہ اس کا تعاقب کرتے رہے۔ پھر اچانک معلوم نہیں اس کار
زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ صفدر وغیرہ اس آدمی کو ڈھونڈتے ہوئے سعید نامی ایک زمیندا
کے یہاں گھس گئے۔ وہاں انہیں کچھ شبہ ہوا اور وہ معمولی پوچھ گچھ کر کے لوٹ آئے۔ چونکہ
انہیں شبہ ہو چکا تھا اس لئے گھات میں لگے رہے۔ وہ آدمی دراصل وہیں تھا۔ جب یہ لوگ دوبارہ
اس گھر میں گئے تو وہ نکل کر بھاگا۔ یہ سب اتنی خاموشی سے ہوا کہ سعید اور اس کی بیوی کو خبر تک
نہ ہو سکی۔ وہ بھاگ رہا تھا اور یہ لوگ اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ صفدر مرزا کے ہمراہیوں میں ا
کا جڑواں بھائی انور مرزا بھی تھا۔ اگر آپ دونوں کو ایک جگہ دیکھ لیتے تو آپ یہ اندازہ نہ لگا سکتے
کہ کون صفدر ہے اور کون انور۔ کچھ ایسی مشابہت تھی دونوں میں۔ انور مرزا دوڑتے وقت اپنے
ہمراہیوں سے کچھ آگے نکل گیا۔ دفعتاً صفدر مرزا نے اس بھاگتے ہوئے آدمی کو چاقو کھینچ مارا
اتفاقاً انور مرزا درمیان میں آ گیا۔ اس کے گرتے ہی ان لوگوں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ یہ ا
دیکھنے میں لگ گئے اور وہ آدمی غائب ہو گیا۔''

''اس کے بعد کے حالات مجھے معلوم ہو چکے ہیں۔'' تنویر بولا۔ ''صفدر نے سعید کو چھوڑ کر ایک
بھاری غلطی کی۔ پولیس تو یوں بھی اس کی تلاش میں تھی، اسے تو ٹھکانے ہی لگا دینا چاہئے تھا۔''

''یعنی وہ ایک اور قتل کرتا۔'' سلیمہ نے کراہت سے کہا۔

''قتل و غارت گری تو مجھے بھی پسند نہیں لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ نم

تو وہ کار آج تک نہ مل سکی۔'' تنویر نے کہا۔

''نہ معلوم وہ آدمی کون تھا اور اس کار کو کہاں لے گیا۔''

''ساری مصیبتیں محض صفدر مرزا کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ استاد کو اسے گروہ میں شامل نہ
کرنا چاہئے تھا۔''

''کیوں...... اس کی وجہ سے کیوں......؟''

''اس لئے کہ ایک آدمی رنگون ہی سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔'' تنویر نے کہا۔

''کون......؟'' سلیمہ چونک کر بولی۔

''وہی آپ کا پراسرار کرایہ دار۔'' تنویر نے کہا۔

سلیمہ اچھل پڑی۔

''لیکن گھبرائیے نہیں۔'' تنویر نے کہا۔ ''اب اس کا وقت قریب آ گیا ہے۔''

''وہ...... آخر ہے کون؟''

''ابھی بتاتا ہوں...... ہاں وہ گنگولی کا معاملہ کیا تھا......؟''

''ارے آپ آخر کیا کیا جانتے ہیں۔'' سلیمہ حیرت سے بولی۔

''محض اپنی معلومات اور اسی صلاحیت کی بناء پر فریدی سے ٹکرانے کا ارادہ کیا ہے۔'' تنویر
مسکرا کر بولا۔

''گنگولی کا معاملہ بھی ایک معمہ ہے۔ وہ بھائی صاحب کی کمرے میں گیا اور پھر واپس نہیں لوٹا۔''

تنویر مسکرانے لگا۔

''یہ بھی آپ کے کرایہ دار ہی کی ایک معمولی سی بازی گری تھی۔''

''یعنی...... آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ وہ ہے کون؟''

''وہی جو نوٹوں سے بھری ہوئی کار لے اڑا...... وہی جو کاشانہ شمشیر سے سعید کی بیوی کو
نکال لے گیا۔''

''یعنی کہ...... وہ...... وہ......!'' سلیمہ ہکلائی۔

''جی ہاں...... کنور شمشیر بہادر۔'' تنویر [illegible] ''صفدر سے اپنا انتقام لینے پر تلا ہوا ہے۔''

"تو کیا...... سچ مچ وہ بچ گیا تھا۔"

"جی ہاں۔"

سلیمہ خاموش ہوگئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"تو وہ کسی وقت بھی پولیس کو اس کی اطلاع دے سکتا ہے۔"

"آپ گھبرایئے نہیں...... جب تک صفدر بالکل اس کے قابو میں نہ آجائے گا وہ کچھ نہ کرے گا۔ شاید اسے ڈر ہے کہ پھر صفدر اسے دھوکہ دے کر کہیں اور فرار نہ ہو جائے۔"

"مگر آپ کی معلومات کی داد دینی پڑتی ہے ایک ہی دن میں......!" سلیمہ نے کہا۔

"ابھی کیا دیکھا ہے آپ نے...... شاید فریدی کی موت مجھے یہاں لے آئی ہے۔"

"مگر میں تمہیں...... ارر...... آپ کو خون نہ کرنے دوں گی۔"

"نہیں...... آپ مجھے تم ہی کہہ کر مخاطب کریں، نجانے کیوں بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے۔"

سلیمہ شرما گئی۔ تنویر اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"آپ ان سب معاملات کو چھوڑ دیجئے مجھے کسی طرح ان خطرات سے نکال لے چلئے۔ بہت پریشان ہوں۔"

"وہ تو آپ چلیں ہی گی میرے ساتھ۔ لیکن میں ان نوٹوں کو پولیس کے قبضے میں نہ جانے دوں گا۔ میں انہیں شمشیر سے اگلوا کر ہی رہوں گا۔"

"اچھا تو آج رات کو صفدر مرزا کو بلوا لیجئے گا۔ میں تقریباً ایک بجے آؤں گا۔ آج ہی شمشیر کا فیصلہ کرنا ہے۔"

"تو کیا قتل......؟" سلیمہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"نہیں...... وہ آپ کی جوتیوں کے طفیل بچ جائے گا۔"

"تو پھر کیا کیجئے گا......؟"

"اس سے سارے نوٹ حاصل کر کے اسے کہیں قید کر دیں گے اور ہم لوگ نکل چلیں گے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

"صفدر کو بلوا لیجئے گا۔" تنویر نے کہا۔ "لیکن ہاں اسے میرے متعلق تو بتا دیجئے گا

شمشیر کا تذکرہ اس وقت تک نہ آنے پائے جب تک کہ میں وہاں پہنچ جاؤں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جلد بازی سے کام لے اور سارا کھیل بگڑ جائے وہ کچھ بیوقوف قسم کا آدمی ہے۔"

"بہت اچھا...... تو پھر میں ایک بجے آپ کا انتظار کروں گی۔ لیکن دیکھئے اپنے وعدے سے پھریئے گا نہیں۔ اب مجھ میں لاشیں دیکھنے کی تاب نہیں رہ گئی۔"

اندھیرا.... اجالا

تنویر، صفدر اور سلیمہ آہستہ آہستہ کمرہ نمبر ۴ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کرایہ دار ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ تنویر نے کنجیوں کا ایک گچھا نکالا اور یکے بعد دیگرے کنجیاں لگانے لگا۔ ایک کنجی سے تالا کھل گیا۔

"دیکھئے......!" تنویر نے سلیمہ کو مخاطب کر کے کہا۔ "ہم لوگ اندر جاتے ہیں۔ آپ تالا لگا کر اپنے کمرے میں چلی جایئے۔"

"نہیں...... میں بھی اندر ہی چلوں گی۔"

"تو پھر کام ہو چکا۔" تنویر نے جھلا کر کہا۔ "وہ تالا کھلا دیکھ کر الٹے ہی پیروں واپس چلا جائے گا۔"

"تنویر ٹھیک کہہ رہا ہے۔" صفدر بولا۔

"اگر کچھ گڑبڑ ہوئی تو......؟"

"تو آپ کی موجودگی اس گڑبڑ کو روک دے گی؟" تنویر ہنس کر بولا۔

"دیکھئے...... یہ نہیں۔" سلیمہ مچل کر بولی۔

"میں جو کہہ رہا ہوں وہ کیجئے۔" تنویر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے اور سلیمہ باہر سے تالا لگا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اندر اندھیرا

تھا۔ تنویر نے ٹارچ جلائی۔

"میرا خیال ہے کہ ہم اس پلنگ کے نیچے چھپ جائیں۔" تنویر نے کہا۔ "اس کے چار طرف لٹکی ہوئی چادر ہمیں اچھی طرح چھپالے گی۔"

دونوں پلنگ کے نیچے چھپ گئے۔

کلاک نے دو بجائے اور تھوڑی دیر بعد برآمدے میں پیروں کی آہٹ ہوئی۔ تالے کنجی گھومنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھولا گیا۔ پھر بند کر کے چٹخنی چڑھادی گئی اور پھر کمر بلب روشن ہوگیا۔ صفدر نے چارپائی کی چادر ذراسی کھسکائی۔ ایک بھاری بھرکم آدمی ان کی طر پشت کئے کھڑا تھا۔ تنویر آہستہ سے پلنگ کے نیچے سے نکلا اور پستول کی نال اس کی گردن لگادی۔ وہ چونک پڑا۔

"خبردار جنبش نہ ہو۔ ورنہ لبلبی دب جائے گی۔" تنویر آہستہ سے بولا۔ صفدر مرزا بھی اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اس آدمی کے جسم پر خوف کی وجہ سے لرزہ طاری ہوگیا۔

"صفدر یہ لو۔" تنویر نے ایک پتلی اور مضبوط رسی جیب سے نکال کر صفدر کی بڑھاتے ہوئے کہا۔ "شمشیر بہادر کو نہایت احتیاط سے جکڑ دو اور تم شمشیر بہادر چپ چاپ کرسی پر بیٹھ جاؤ...... چلو......!"

شمشیر بہادر کو کرسی سے جکڑ دیا گیا۔

"وہ کار کہاں ہے شمشیر جی۔" تنویر نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

"بتاؤ۔"

"میں نہیں جانتا کون سی کار۔"

"یہ ایسے نہیں بتائے گا۔" تنویر نے جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکالتے ہوئے کہا۔ "میاں صفدر اسے اپنے ہاتھوں میں پہن لو۔"

"کیا مطلب......؟" صفدر چونک کر بولا۔

"جلدی کرو...... میرے پاس وقت نہیں ہے۔" تنویر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"نہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو......؟" صفدر تیز لہجے میں بولا۔

"فریدی پر چاقو سے حملہ کر کے بچ نکلنا آسان کام نہیں ہے صفدر صاحب۔" تنویر نے پستول کا رخ صفدر کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"دھوکا......دھوکا۔" صفدر غصے میں چیخا۔ "کمینی سلیمہ نے غداری کی۔"

"نہیں...... وہ غریب خود بھی دھوکا کھا گئی۔ وہ اس وقت سرجنٹ حمید اور جگدلیش کے قبضے میں ہوگی اور تمہارے سارے گرگے، جو اس عمارت میں موجود ہیں تمہاری ہی طرح حیرت سے ایک ایک کا منہ تک رہے ہوں گے۔"

شمشیر بہادر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

فریدی نے اپنے ہونٹ اور ناک پر چپکے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے نوچنے شروع کر دیئے۔ تنویر کا میک اپ ختم ہو چکا تھا اور فریدی اپنی صحیح شکل و صورت میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔ فریدی پستول کی نال صفدر کی طرف کئے ہوئے دروازے کے قریب آیا اور چٹخنی گرادی۔ جگدلیش اور حمید سلیمہ کو پکڑے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

"حمید صفدر مرزا کے ہتھکڑیاں لگادو۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے آگے بڑھ کر صفدر مرزا کے ہتھکڑیاں لگادیں۔

"سلیمہ تمہیں حیرت ہو رہی ہوگی۔" فریدی مسکرایا۔

"آج زندگی میں میں نے پہلی بار دوہرا بھیس بدلا۔ جو توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔ اگر تمہیں دھوکا نہ دیتا تو صفدر میاں پر ہاتھ پڑنا ہی مشکل تھا اور صفدر مرزا تم سنو...... کل رات نشانہ شمشیر میں شمشیر بہادر نہیں، میں ہی تھا۔ گھبراہٹ میں تم نے وہیں اقبال جرم کر لیا اور کل مارات کو میں نے صدر دروازے کے سامنے والی چائے کی دکان کے نیچے پڑے پڑے شمشیر ادر کو بھی دیکھا تھا اور سلیمہ تم ڈرو نہیں۔ میں نے تنویر کے بھیس میں جو وعدہ تم سے کیا تھا اسے رور پورا کروں گا۔ تم بچالی جاؤ گی۔ لیکن اس کے لئے تمہیں گواہ بننا پڑے گا اور تم شمشیر بہادر، اسے تو یہ مشہور کر رکھا تھا کہ تمہارا کوئی وارث ہی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شمشیر نے کہا۔ "اس وقت واقعی مجھے معلوم نہیں تھا۔ یہ تو اچانک مجھے معلوم

ہوا کہ میرے ایک سوتیلے چچا بچپن ہی میں ناراض ہوکر گھر سے چلے گئے تھے۔ میں نے پتہ ل
شروع کردیا تو معلوم ہوا کہ وہ مر چکے ہیں لیکن ان کے دولڑکے صفدر مرزا اور انور مرزا اب
رنگون میں موجود ہیں۔ رنگون پہنچا۔ خفیہ طور پر ان کا پتہ لگایا۔ صفدر سے دوستی کر کے اس کے چا
چلن کا پتہ لگانا شروع کیا۔ کسی طرح اس کو میری اصلیت معلوم ہوگئی۔ اس نے جلد سے جلد
ریاست کا مالک بن جانے کے لالچ میں مجھے قتل کرنا چاہا۔ مجھے مچھلی کا شکار کھلانے کے بہا
لے گیا اور کشتی پر مجھے گولی کا نشانہ بنایا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو دریا کے کنار
ایک گاؤں میں پڑا پایا۔ گولی میرے بازو میں لگی تھی، زندگی تھی، جو ڈوب کر نہیں مرا میں
صفدر سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ اپنی موت کی خبر میں نے ہی اخباروں میں شائع کرائی تھ
صفدر کا پیچھا کرتا ہوا میں ہندوستان آیا...... یہاں آکر اس نے سلیم سے ساز باز کی اور جعلی نو
بنانے لگا۔"

"اس کے آگے مجھے معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ سلیم کیسے مرا......؟"

"سلیم بنک کا دروازہ کھول چکا تھا۔ نوٹوں والی کار بھی آچکی تھی۔ اتفاق سے میں شر
ہی سے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ کہیں یہ لوگ کامیاب نہ ہوجائیں۔ لہٰذا میں نے جگد
صاحب کو گنگولی کی طرف سے فون کیا اور آپ کو سلیم کی طرف سے۔ اور خطرے کا الارم بجا
گھبراہٹ میں سلیم کو کھینچتا ہوا اوپر لے گیا۔ راستے میں اس کا سر دیوار سے ٹکرا کر زخمی ہوگیا
تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ بے ہوش ہوگیا ہے۔ میں نے جلدی میں اسے وہیں
چھت پر لٹا دیا اور خود نیچے بھاگا۔ دیر ہوتی جارہی تھی۔ نہ تو الارم سن کر گنگولی ہی نیچے آیا تھا اور
پولیس کا ہی پتہ تھا۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ کار لے کر فرار ہوجاؤں۔ کار اب بھی دلاور
میں محفوظ ہے...... پھر میں......!"

"گنگولی کو کیا ہوا......؟" فریدی نے پوچھا۔

"میں نے اسے چھپا رکھا ہے۔"

"کیوں......؟"

"میں نے مجبوراً ایسا کیا تھا۔ گنگولی سلیم کی موت کے بعد اس کے کمرے کی تلاشی

آیا۔ یہاں ایک کاغذ پر بے شمار نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ملے۔ وہ سمجھ گیا کہ سلیم نے کس مقصد سے بنک میں نوکری کی تھی۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ اپنا شبہ ظاہر کرکے اس کی پبلسٹی نہ کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو صفدر مرزا جو چھپ کر نوٹوں والی کار تلاش کررہا تھا اس شہر ہی سے فرار ہوجاتا اور میں اس سے انتقام نہ لے پاتا اور گنگولی دلاور پور کے ایک ماہی گیر کے جھونپڑے میں اب بھی موجود ہے۔"

"تو تم نے اسے بند کر رکھا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں وہ اپنی خوشی سے وہاں مقیم ہے، لیکن میں نے اسے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ پولیس کو اس پر شبہ ہے اور اس کا وارنٹ گرفتاری بھی جاری ہوچکا ہے۔"

"بہرحال تمہیں بھی اپنے کو قیدی ہی سمجھنا چاہئے۔ یہ اور بات ہے کہ تم عدالت سے بری ہوجاؤ۔ تم پر پہلا چارج تو یہ ہے کہ تم نے سلیم کو بیہوشی کی حالت میں سپاٹ چھت پر چھوڑ دیا اور ایک ہی کروٹ اسے نیچے لے آئی۔ دوسرا چارج یہ کہ تم نے جعلی نوٹوں کو فوراً ہی پولیس کے حوالے کردینے کی بجائے اتنے دنوں تک اپنے قبضے میں رکھا۔ تیسرا چارج یہ کہ تم نے ایک بے گناہ شہری کو دھوکہ دے کر اتنے عرصہ تک نظر بند رکھا۔"

شمشیر بہادر خاموش تھا۔

"میاں حمید اور بھائی جگدیش۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "دیکھا تم نے آخر سعید اور اس کی بیوی بے داغ چھوٹ گئے۔"

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 10

احمقوں کا چکر

(مکمل ناول)

پکنک

صبح کی نم اور خنک چادر فضا پر محیط تھی۔ سورج ابھی نہیں نکلا تھا۔ سرسبز پتیوں پر اوس کی جھلملاتی ہوئی بوندیں لرز رہی تھیں۔ آسمان صاف تھا۔ نیلا بے کراں آسمان اور افق میں گہرے رنگوں کی چمک دار دھاریاں۔

فریدی کے پائیں باغ میں سرجنٹ حمید ایک کتاب کی مدد سے قدیم ہندو تہذیب کی مختلف ورزشوں کی مشق کر رہا تھا۔ کبھی ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر گہرے گہرے سانس لیتا اور کبھی پالتھی مار کر بیٹھ جاتا۔ پھر کتاب میں ترکیبیں دیکھ کر طرح طرح کے منہ بناتا اور پیٹ چپکانے کی مشق کرتا۔ فریدی برآمدے میں بیٹھا شیو کر رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اس کی حماقتوں کو دیکھ کر مسکرا دیتا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے حمید سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ لیکن توازن قائم نہ رکھ سکنے کی بناء پر پھر گر پڑا۔ وہ اپنی گردن سہلانے لگا۔ شاید کوئی رگ چمک گئی تھی۔ پھر اس نے دوبارہ سر کے بل کھڑے ہونے کی کوشش کرنے کی بجائے کتاب کے ورق الٹنے شروع کر دیئے۔ اب وہ پھر پالتھی مار کر بیٹھ گیا اور اپنی ٹانگیں اٹھا کر گردن پر رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک ٹانگ تو اس نے کسی نہ کسی طرح رکھ ہی لی لیکن دوسری ٹانگ رکھتے ہی وہ بُری طرح چیخ کر لڑھک گیا۔ دونوں ٹانگیں گردن میں پھنسی ہوئی تھیں اور وہ خود چت پڑا بُری طرح چیخ رہا تھا۔ فریدی شیو کر کے اٹھا۔ حمید کو اس حال میں دیکھ کر چند لمحے مسکراتا رہا پھر اندر چلا گیا۔ حمید دراصل چیخ چیخ کر اسے مدد کے لئے بلا رہا تھا

لیکن اس کی بے رخی دیکھ کر اسے تاؤ آ گیا اور دو تین جھلائے ہوئے جھٹکوں نے اُسے اس سے نجات دلا دی۔ وہ سیدھا اندر چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ اس نے ورزش کی کتاب ایک طرف رکھی۔ بندوق میں کارتوس چڑھایا اور نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ کتاب کے پرخچے اڑ گئے۔

"کیا اودھم مچا رکھی ہے۔" فریدی نے برآمدے میں آ کر کہا۔

"آپ سے مطلب۔" حمید نے کہا اور منہ بنائے ہوئے اندر چلا گیا۔

"آخر تمہارا بچپنا کب رخصت ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"جب جوانی آئے گی۔"

"اچھا...... اچھا...... جلدی کیجئے...... وہ لوگ آ رہے ہوں گے۔"

"میں کہیں نہ جاؤں گا۔"

"کیا کہا......!" فریدی اسے گھور کر بولا۔ "پھر تم نے شہناز وغیرہ سے وعدہ کیوں کر لیا تھا۔"

"کر لیا ہوگا۔"

"خیر میں تو بہر حال جاؤں گا۔ پکنک ہو کر رہے گی۔ اچھا ہے تم نہ جاؤ...... تمہاری وجہ سے بڑی بے لطفی ہو جائے گی۔"

"جی ہاں...... بہتر ہے...... شہناز بھی نہ جائے گی۔" حمید نے کہا۔

"یہ تم سے کس احمق نے کہہ دیا۔ میں اسے کھینچ کر لے جاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "آج یہی دیکھنا ہے کہ وہ تمہارا کہنا مانتی ہے یا میرا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا اور غسل خانے میں گھس گیا۔

فریدی لباس تبدیل کر کے باورچی کو کچھ ہدایات دینے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد کمپاؤنڈ میں ایک کار آ کر رکی۔ شہناز اور اس کی دو سہیلیاں شیلا ثریا اور اشرف ثریا کا بھائی کار سے اتر کر کوٹھی میں داخل ہوئے۔

"آیئے...... آیئے میں انتظار ہی کر رہا تھا۔" فریدی نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں دیر تو نہیں ہوئی۔" شہناز بولی۔

"آپ تو ٹھیک وقت پر پہنچیں لیکن شاید ہمیں دیر ہو جائے۔"

"کیوں......؟" شہناز نے پوچھا۔

"حمید کا اسکرو پھر کچھ ڈھیلا ہو گیا ہے۔" فریدی نے اپنی کنپٹی پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کوئی نئی بات نہیں۔" شہناز ہنس کر بولی۔ اور اُس کی دونوں سہیلیاں اسے شرارت آمیز نظروں سے گھورنے لگیں۔

فریدی انہیں لے کر کھانے کے کمرے میں آیا جہاں بڑی میز پر ناشتہ چنا ہوا تھا۔

"ارے اس کی کیوں تکلیف کی۔" اشرف نے کہا۔

"تکلیف...... ابھی تک تو کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"اور حمید صاحب۔" ثریا بولی۔

"ابھی وہ غسل خانے ہی میں تشریف فرما ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہم لوگ شروع کرتے ہیں وہ آ ہی جائیں گے۔"

"پھر بھی انتظار کر لینے میں کیا ہرج ہے۔" شہناز بولی۔

"تو آپ کیجئے انتظار...... ہم لوگ تو شروع کر رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ سب لوگ ہنسنے لگے اور شہناز نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ وہ ایسی ہی حالت میں سیدھا رہتا ہے جب اس کے ساتھ لاپروائی برتی جائے۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ دوسری صورت میں تو مزاج ہی نہیں ملتے۔"

"بہر حال شہناز...... آپ کے مشورہ پر عمل نہ کر سکیں گی۔" ثریا بولی۔

"خیر تو آپ زچ ہوں گی مجھے کیا کرنا ہے۔" فریدی نے کہا اور ناشتہ شروع کر دیا۔

وہ لوگ ناشتہ کر ہی رہے تھے کہ کمپاؤنڈ میں کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

"لیجئے نکل گیا ہاتھ سے۔" فریدی نے چونک کر کہا۔ "عجیب خبطی آدمی ہے۔ بعض اوقات مجھے سچ مچ اس پر غصہ آنے لگتا ہے۔"

شہناز کرسی سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آئی۔ حمید فریدی کی کار پھاٹک کے باہر لے جا چکا تھا۔ وہ کچھ مضمحل سی ہو کر واپس آ گئی۔

"دیکھا آپ نے۔" فریدی نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"تو میں کیا کروں۔" شہناز تیوری چڑھا کر بولی۔

"اسے آدمی بنائیے...... میں تو تھک کر ہار چکا ہوں۔"

اس پر ایک قہقہہ پڑا اور شہناز جھینپ گئی۔

"تو اس کا مطلب یہ کہ پکنک نہ ہو سکے گی۔" شیلا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں صاحب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" فریدی بولا۔

"شاید شہناز نہ جائیں۔" ثریا نے کہا۔

"کیوں......!" شہناز ثریا کو گھور کر تیز لہجے میں بولی۔ "میں کیوں نہ جاؤں گی۔"

"ارے بھئی...... اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔" شیلا ہنس کر بولی۔

ناشتہ کر چکنے کے بعد فریدی نے اپنی رائفل اٹھائی اور ان لوگوں کے ہمراہ برآمدے میں آیا۔

"کیا بتاؤں کار لے کر چلا گیا۔" فریدی بولا۔

"کرنا کیا ہے۔" اشرف نے کہا۔ "کار ہے تو۔"

سب اشرف کی کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔

"میں شاید دو سال بعد جھریالی کی طرف جا رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"اب تو وہاں دو ایک عمارات بھی بن گئی ہیں۔" اشرف بولا۔

"عمارتیں......!" فریدی چونک کر بولا۔ "وہ تو ایک بالکل ہی ویران مقام ہے۔"

"ٹھیک جھیل کے سامنے دو ڈاکٹروں نے اپنی تجربہ گاہ بنا رکھی ہے۔ بہت بڑی اور شاندار عمارت ہے۔ اس سے تقریباً ایک میل کی دوری پر ایک کارخانہ ہے جہاں خیموں اور چھولداریوں کے لئے بانس کے ستون بنائے جاتے ہیں۔"

"تجربہ گاہ کس قسم کی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہت ہی دلچسپ اور عجیب۔" اشرف بولا۔ "انہوں نے بے شمار وحشی درندے پال رکھے ہیں۔"

"وحشی درندے۔" فریدی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "آپ نے تو ابھی کہا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہیں۔ بھلا ڈاکٹروں کا وحشی درندوں سے کیا کام۔"

"وہ ڈاکٹر بھی عجیب ہیں۔" اشرف نے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ وہ کوئی بالکل نئے قسم کے تجربات کر رہے ہیں۔"

"کس سلسلے میں......؟" فریدی نے پوچھا۔

"وضاحت کے ساتھ تو مجھے معلوم نہیں، لیکن اتنا سنا ہے کہ وہ آدمی کی کایا پلٹ کر دیتے ہیں۔"

"چیز بڑی دلچسپ ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ ان کے سائن بورڈ ہیں۔" اشرف ہنستا ہوا بولا۔

"ایک سائن بورڈ پر لکھا ہے بزدلوں کو شیر بنانے کا کارخانہ، خیر یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔ لیکن دوسرا سائن بورڈ تو بالکل ہی احمقانہ ہے۔ اس پر لکھا ہے یہاں ٹوٹے پھوٹے آدمیوں کی مرمت کی جاتی ہے۔"

سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے لیکن فریدی ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔

"آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔" فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

"خود چل کر دیکھ لیجئے گا۔" اشرف نے کہا۔

"ایسے موقع پر حمید صاحب کی کمی بہت شدت سے محسوس ہو گی۔" ثریا بولی۔

"مجھے امید ہے کہ اس سے جھریالی پر ضرور ملاقات ہو گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا کہہ کر گئے ہیں۔" شہناز نے پوچھا۔

"کہہ کر تو نہیں گیا...... لیکن انداز سے یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مچھلیوں کے شکار کا سامان گھر پر موجود نہیں تھا۔"

"تب تو وہ یقیناً وہیں گئے ہیں۔ لیکن اس طرح جانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ضرورت تو وہی جانے۔ اسے دوسروں کو تنگ کرنے میں لطف آتا ہے۔ وہ محض اسی لئے کار لے کر چلا گیا کہ میں تھوڑی دیر تک جھنجھلاہٹوں کا شکار رہوں۔" فریدی نے کہا۔

"عجیب آدمی ہیں۔" ثریا بولی۔

"میرا ہی جگرا ہے کہ اس کے نخرے سنبھالتا ہوں۔" فریدی شہناز کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔"

"تو یہ آپ شہناز کو کیوں سنا رہے ہیں۔" ثریا ہنس کر بولی۔

شہناز نے اُسے گھور کر دیکھا اور فریدی مسکرانے لگا۔

"میں انہیں اس لئے سنا رہا ہوں کہ اب بھی اپنا فیصلہ بدل دیں۔" فریدی بولا اور شہ
جھینپ گئی۔

"اب زیادہ نہ چھیڑیئے، ورنہ یہ اس کی کسر حمید صاحب سے نکال لیں گی۔" شیلا نے کہا
تقریباً دو گھنٹے بعد وہ لوگ جھریالی پہنچ گئے۔ یہ ایک پُرفضا مقام ہے بلکہ اگر اسے شکا
کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تقریباً دو میل کے رقبے میں ایک خوبصورت جھیل پھیلی ہوئی ہے ج
کے چاروں طرف سرسبز جنگل ہیں جو زیادہ گھنے نہیں دراصل اسی جھیل ہی کا نام جھریالی ہے۔ ا
کے ساتھ ہی ساتھ اس کے قرب و جوار کا علاقہ بھی اسی نام سے پکارا جانے لگا ہے۔ یہاں ہ
اور بارہ سنگھوں کا بہت اچھا شکار ہوتا ہے۔ کبھی کبھار وحشی درندے بھی مل جاتے ہیں جن
تیندوا تو بہت ہی عام ہے جھیل میں مچھلیوں کا اچھا خاصا شکار ہوتا ہے۔"

تھوڑی دور پر فریدی کو اس کی کار کھڑی دکھائی دی۔

"لیکن حمید کہاں گیا۔" فریدی نے کہا۔

"کہیں ہوں گے۔" شہناز لاپرواہی سے بولی۔

دفعتاً قریب کی جھاڑیوں میں جنبش ہوئی۔ حمید نے سر نکال کر باہر دیکھا اور پھر اسی طر
پیچھے ہٹ گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

سب لوگ جھاڑیوں میں گھس گئے۔ حمید نے مچھلی پھنسانے کی ڈوریں جگہ جگہ لگا رکھی
اور ایک پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔

ان لوگوں کے وہاں پہنچ جانے پر بھی اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

"منانے والوں کو دیکھ کر لوگ روٹھا ہی کرتے ہیں۔" ثریا ہنس کر بولی۔

"کیا مطلب......؟" شیلا بولی۔

"فریدی صاحب اور شہناز جیسے قدردانوں کی موجودگی بھلا کسے نصیب ہوگی۔"

حمید کے رویہ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہرا ہوگیا ہو۔ دفعتاً اس نے ایک ڈو

چرخی چلانی شروع کی اور ایک بڑی سی مچھلی کو پانی سے کھینچ کر باہر نکال لیا۔

"بہت اچھے...... بہت اچھے۔" ثریا اور شیلا تالیاں بجاتی ہوئی چیخیں۔

"اور وہ تجربہ گاہ۔" فریدی اشرف کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ان درختوں کے پیچھے۔" اشرف نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔" فریدی نے بلند آواز میں پوچھا۔

"ہم سب پہلے اس عجیب و غریب تجربہ گاہ کو دیکھیں گے۔" عورتوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ضرور دیکھئے۔" حمید اچانک بولا۔ "قریب قریب آپ بھی کافی ٹوٹے پھوٹے ہیں۔"

"تو کیا تم اسے دیکھ آئے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"دیکھنا کیسا...... میں نے تو اپنا نام بھی رجسٹر میں درج کرا دیا ہے۔ ایک ماہ بعد میرا نمبر
آئے گا۔"

"کیا مطلب......؟" فریدی نے پوچھا۔

"شیر بننے کا ارادہ ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"یعنی......؟"

"دلچسپی کا مشغلہ ہاتھ آ گیا ہے دونوں پرلے سرے کے احمق ہیں۔"

"انہیں ڈاکٹروں کا تذکرہ کر رہے ہو۔"

"جی ہاں...... ایک انگلینڈ ریٹرن ہے اور دوسرا جرمنی سے ڈگری لے کر آیا ہے۔"

"خیر وہ تو سب ہے لیکن آپ وہاں سے اس طرح بھاگے کیوں؟" شہناز نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"تاکہ آپ لوگوں کے کھانے پینے کا معقول انتظام کرسکوں۔ میرے خیال سے اب آپ
اس مچھلی کو ادھیڑنا شروع کر دیجئے۔" حمید نے کہا۔

"مچھلی تو بعد میں ادھیڑ لی جائے گی۔" ثریا بولی۔ "شہناز کا خیال پہلے آپ ہی کو ادھیڑنے
کا ہے۔"

حمید نے شہناز کی طرف ایسی بے بسی اور مسکینیت سے دیکھا کہ اسے بیساختہ ہنسی آ گئی۔

"آپ کا خیال غلط ہے۔" حمید نے ثریا سے کہا۔ "آپ خواہ مخواہ لوگوں کو بہکاتی پھرتی ہیں۔"

"اچھا تو کون کون چل رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

سب کے سب تیار ہو گئے۔

"کہاں بیکار وقت برباد کرنے جاؤ گی۔" حمید نے آہستہ سے شہناز سے کہا۔

"آپ سے مطلب......!" شہناز نے کہا اور فریدی کے ساتھ ہو لی۔

حمید بدستور بیٹھا چرخیاں گھماتا رہا۔

اشرف فریدی وغیرہ کی رہنمائی کر رہا تھا۔ درختوں کے جھنڈ سے گزرتے ہوئے وہ لو ایک عمارت کی چار دیواری کے قریب پہنچے۔ پھاٹک پر ایک نیپالی پہرے دار بیڑی پی رہا ان لوگوں کو پھاٹک کی طرف آتا دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"کدھر جانا مانگتا۔" وہ بولا۔

"اندر......ڈاکٹر صاحب سے ملنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا ٹھہرو......ہم جا کر بولتا۔" پہرے دار نے کہا اور اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد لوٹا۔

"چلو......!"

"فرمایئے......میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"ہمیں آپ کا سائن بورڈ یہاں تک کھینچ لایا ہے۔"

"اوہ......!" ڈاکٹر ہنستا ہوا بولا۔ "یہ ہندوستان ہے اگر ہم اس طرح کی حرکت نہ کریں کوئی ہماری طرف دھیان ہی نہ دے۔"

"مگر یہاں اس ویرانے میں تو بہت کم لوگ آتے ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کا خیال درست ہے۔" ڈاکٹر بولا۔ "لیکن ابھی ہم زیادہ بھیڑ چاہتے بھی نہیں ہیں۔"

"ایسی صورت میں یہاں اس قسم کے سائن بورڈ لگانے کی کیا ضرورت تھی۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "ظاہر ہے کہ آپ نے یہ محض لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے لگائے ہیں۔"

"ان بورڈوں کا صرف یہی مقصد نہیں ہے۔" ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔ "یہ بھی طبی دنیا میں ایک نئے قسم کا تجربہ ہے۔"

"تجربہ......" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔" ڈاکٹر پُرسکون لہجے میں بولا۔ "اگر آپ کو جلدی نہ ہو تو میں وضاحت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"مجھے خوشی ہوگی۔" فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھی بھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ امراض کی صحیح تشخیص کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔"

"جی ہاں......!" فریدی نے جواب دیا۔

"ہماری تھیوری یہ ہے کہ اگر جسم کے سارے اعضاء تھوڑی دیر کے لئے ڈھیلے ہو جائیں یعنی ان پر کسی قسم کا زور نہ پڑے تو ایسی حالت میں مرض کی تشخیص میں کوئی خاص دقت نہیں ہوتی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت پیدا کس طرح کی جائے۔ ہم لوگ انسانی فطرت اور اس کی جذباتی زندگی کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صرف خوشی ہی کا جذبہ ایسا ہے جو انسان کے جسم اور ذہن کو ایسی حالت میں لے آتا ہے جسے ہم سکون تو نہیں کہہ سکتے البتہ اس سے ایک ملتی جلتی حالت ہے۔ جسم میں اعضاء ایک قسم کا ڈھیلا پن محسوس کرتے ہیں یعنی ان پر کسی قسم کا دباؤ نہیں پڑتا۔ لہٰذا ہم مریضوں کا طبی معائنہ کرنے سے قبل انہیں خیالات کے تحت ہنسنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارا سائن بورڈ دیکھتے ہی آپ کو ہنسی آئی ہوگی۔ لوگوں کو ہنسانے کے اور بھی بہتیرے طریقے ہم لوگ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کارٹون دکھانا مذاحیہ ریکارڈ سنانا، مسخروں کی نقلیں دکھانا وغیرہ وغیرہ۔ ہم ان سے اس طرح کے بے ڈھنگے سوالات کرتے ہیں کہ انہیں بے ساختہ ہنسی آئے۔ مثلاً میں آپ سے یہ پوچھوں کہ جب آپ بکری کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے تو اس وقت آپ کی کیا عمر تھی تو آپ کو بے ساختہ ہنسی آ جائے گی۔"

"لیکن مجھے افسوس ہے کہ مجھے قطعی ہنسی نہیں آئی۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور سب لوگ ہنسنے لگے۔

"محض اس لئے کہ میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے لیکن اگر میں انتہائی سنجیدگی کے عالم میں طبی معائنہ کرتے وقت آپ سے یہی سوال کرتا تو آپ اپنی ہنسی کسی صورت سے نہ روک

سکتے۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ لوگ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔" ڈاکٹر نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بع

"ہم لوگ شہر سے شکار کھیلنے کی غرض سے آئے ہیں لیکن آپ کا سائن بورڈ دیکھ کر کچھ بھول گئے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "آپ لوگوں کا کارنامہ واقع ستائش ہے۔ طبی دنیا میں آپ کی یہ تھیوری یقیناً ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کردے گی۔"

"شکریہ......!" ڈاکٹر نے کہا۔ "لیکن ابھی آپ ہمارے طریقہ علاج سے واقف نہ

"اگر اس سے بھی مستفید ہوسکوں تو اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ضرور......ضرور......!" ڈاکٹر نے کہا۔ "آیئے میرے ساتھ۔"

ڈاکٹر اٹھا اسی کے ساتھ فریدی کے ساتھی بھی اٹھ گئے۔ وہ انہیں متعدد کمروں اور بر سے گھماتا ہوا ایک دوسری عمارت میں لایا۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اس عمارت کے بنوا ہزاروں روپے صرف ہوئے ہوں گے۔ جب وہ اس ڈاکٹر کی حماقت آمیز اور بے سروپا غور کرتا تو اسے حیرت ہونے لگتی۔ آخر یہ کیا تماشہ ہے یہ لوگ یونہی بے مصرف تو اتنا پیسہ نہیں کر رہے ہیں۔ ان حماقتوں کے پردے میں کوئی بہت ہی خطرناک قسم کی سنجیدگی کام ہے۔ وہ لوگ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے یہاں سائنسی تجربات کرنے کے بہ آلات رکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف ایک زندہ چیتا پڑا ہوا تھا جس کے چاروں پیر رسیو جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے جبڑوں کے گرد ایک تار لپیٹ دیا گیا تھا تا کہ وہ اپنا منہ سکے۔ دوسرا ڈاکٹر ایک آلے کی مدد سے اس کے جسم سے خون نکال کر ایک برتن میں اکٹھ تھا۔ اس سے کچھ دور ہٹ کر چند لوگ کھڑے تجربے کو حیرت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے کے حلق سے درد و کرب کی وجہ سے عجیب قسم کی گھٹی گھٹی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ " ہونے کے لئے زور مار رہا تھا۔ لیکن بندش اتنی سخت تھی کہ جنبش کرنا بھی دشوار معلوم ہو فریدی اپنے ہمراہی ڈاکٹر سے اس کے متعلق کچھ پوچھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ دفعتاً چیتے کے چڑھا ہوا تار کھسک کر زمین پر آرہا اور چیتے نے ایک چیخ ماری۔ مگر چیتے کی چیخ تھی یا بکر

آواز۔ وہاں پر کھڑے ہوئے سارے لوگ بوکھلا گئے۔ چیتا بدستور بکرے کی آواز میں چیخے جا رہا تھا۔ دوسرے ڈاکٹر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس نے فریدی کے ساتھی ڈاکٹر کی طرف گھبرا کر دیکھا۔ فریدی کو بیساختہ ہنسی آ گئی۔ اس کے ساتھ والے ڈاکٹر نے بھی قہقہہ لگایا۔

"دیکھا آپ نے۔" اس نے فریدی کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "ہم لوگ اپنے مریضوں کو بہلانے کے لئے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ سچ مچ بکرا ہے۔"

"بکرا......!" فریدی نے متحیر ہو کر دہرایا۔

"جی ہاں ہم نے اس پر چیتے کی کھال چڑھا دی تھی۔"

"بہت خوب۔" فریدی اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "واقعی آپ لوگوں نے بہت ہی نفسیاتی قسم کے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں۔"

"اور آپ نے ابھی ہمارا طریقہ علاج تو دیکھا ہی نہیں۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

"اگر آپ اس پر بھی کچھ روشنی ڈال سکیں تو ممنون ہوں گا۔" فریدی بولا۔

"ضرور ضرور، اس طرف تشریف لائیے۔" ڈاکٹر نے ایک دروازے میں داخل ہو کر کہا۔

اس کمرے میں چاروں طرف چھوٹے بڑے کٹہرے لگے ہوئے تھے جن میں انواع و اقسام کے جنگلی جانور بند تھے۔ ان لوگوں کے داخل ہوتے ہی ایک چھوٹا سا سرخ رنگ کا بندر تیز باریک آواز میں چیخا بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے کسی ریلوے انجن نے سیٹی دی ہو۔ شہناز وغیرہ سہم گئیں۔

"ڈریئے نہیں۔" ڈاکٹر عورتوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اول تو ان میں کوئی درندہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان سب کے کٹہرے مقفل ہیں۔"

"ہاں تو آپ اس کٹہرے میں ایک کتا بھی دیکھ رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"وہ آئیرڈیل ٹیریئر ہے نا......!" فریدی نے کہا۔

"غالباً آپ کو کتوں سے خاصی دلچسپی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"کچھ یونہی سی۔" فریدی بولا۔

"خیر تو اگر میں اس آئیر ڈیل ٹیریئر کو اس لومڑی کے کٹہرے کے قریب چھوڑ دوں ہو گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"لومڑی سہم جائے گی۔" اشرف بولا۔

"ٹھیک......!" ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن ٹھہریئے میں آپ کو ایک دلچسپ تماشہ دکھاتا ہ وہ کمرے سے چلا گیا۔ فریدی وغیرہ کٹہروں کے جانور دیکھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سرنج تھی۔ اس نے کتے کو کٹہرے سے نکال کر لومڑی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کٹہرے پر جھپٹ پڑا۔ خوفزدہ آوازیں نکالتی ہوئی ایک طرف سمٹ گئی۔ ڈاکٹر نے کتے کو پکڑ کر دوبارہ کٹہرے کر دیا اور پھر لومڑی کی ایک ٹانگ پکڑ کر سلاخوں کے باہر کھینچتے ہوئے اس میں انجکشن د لومڑی نے چیخ مار کر ٹانگ اندر کھینچ لی۔

لومڑی تھوڑی دیر تک بیٹھی کانپتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سردی لگ رہی ہ اچانک اس نے آہستہ آہستہ غرانا شروع کر دیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی کتا اپنے کسی ح دیکھ کر غراتا ہے۔ ڈاکٹر نے کتے کو دوبارہ کٹہرے سے نکالا۔ لومڑی کی غراہٹ اور تیز ہ اس بار اس کے کٹہرے پر جھپٹنے کے بجائے دور کھڑا لومڑی کی طرف گھور رہا تھا۔ ایسا معلو تھا جیسے وہ کسی شبے میں پڑ گیا ہو۔ دفعتاً ڈاکٹر نے لومڑی کا کٹہرہ کھول دیا اور وہ کتے پر پڑی۔ کتا شائد اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ لومڑ اس پر پھر حملہ کیا اس ہنگامے میں ثریا وغیرہ کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ ڈاکٹر نے ہنس لومڑی کو پکڑا اور اسے پھر کٹہرے میں دھکیل کر کھڑکی بند کر دی۔ لومڑی بدستور غرائے جا ر کتا چپ چاپ کٹہرے میں چلا گیا۔

"دیکھا آپ نے......!" ڈاکٹر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

فریدی نے سر ہلا دیا۔ وہ بالکل خاموش تھا اور ضرورت سے زیادہ سنجیدہ۔ اس کے ہونٹ ہوئے تھے۔ آنکھوں کے حلقے اس طرح تنگ ہو گئے تھے جیسے وہ حال کی چکا چوند سے نظر

ر مستقبل میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"لومڑی پر اس انجکشن کا اثر عارضی ہے۔" ڈاکٹر بولا۔ "تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں جائے گی۔ یہ وہ نسخہ ہے جو نازی ڈاکٹر نے ایجاد کیا تھا۔ پچھلی جنگ عظیم میں اسے بڑی شدت سے استعمال کیا گیا۔ قریب قریب ہر لڑنے والے نازی کو اس قسم کے انجکشن دیئے جاتے تھے۔"

"اوہ......!" فریدی کے منہ سے حیرت زدہ آواز نکلی۔

"لیکن ہم نے اس میں بہت سی تبدیلیاں کر دی ہیں۔ ہم اس انجکشن کے ذریعہ بزدلوں کو ت والا بنا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم کئی ایک تجربے اور کر رہے ہیں۔ اس انجکشن کو ذرا کچھ ر تیز کر دیا جائے تو تپ دق کے مریض اس سے اچھے ہو سکتے ہیں۔"

"آپ لوگوں کے کارنامے قابل قدر ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں کبھی آپ لوگوں سے نصیلی ملاقات کروں گا۔"

"یہ میرا کارڈ اور یہ میرے ساتھی کا۔" ڈاکٹر نے دو ملاقاتی کارڈ فریدی کی طرف بڑھاتے ئے کہا۔ "غالباً اب آپ لوگ شکار کھیلیں گے۔ لیکن کوئی درندہ شاید ہی آپ کو مل سکے۔"

"کیوں......؟" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔ "تیندوے تو یہاں بکثرت ملتے ہیں۔"

"کبھی تھے لیکن اب نہیں۔" ڈاکٹر بولا۔ "ان سب کو ہم نے اپنی تجرباتی مہم میں کھپا دیا۔"

"تجرباتی مہم۔" فریدی نے متعجبانہ انداز میں دہرایا۔

"جی ہاں......بعض اوقات ہم وحشی درندوں کا خون انسان کے جسم میں ڈال کر اس کی نفس خامیاں دور کرتے ہیں۔"

"اوہ......!" فریدی نے کہا۔ "اچھا ڈاکٹر......اس تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔ آپ وگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میں کوئی فرصت کا موقع نکال کر آپ سے ضرور ملوں گا۔"

فریدی وغیرہ ڈاکٹر سے مصافحہ کر کے کمپاؤنڈ سے باہر چلے آئے۔ پھاٹک سے گزرتے وقت فریدی نے نیپالی چوکیدار کے ہاتھ میں ایک پانچ روپے کا نوٹ رکھ دیا۔

"میرے خیال سے تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔" شہناز نے راستے میں فریدی سے کہا۔

"اس قسم کی ضرورتیں میں ہی سمجھتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

یہ لوگ وہاں پہنچے جہاں سرجنٹ حمید مچھلیوں کا شکار کھیل رہا تھا۔ اس نے دو تین کافی
قسم کی مچھلیاں شکار کر لی تھیں اور اب گھنی جھاڑیوں کی چھاؤں میں اوندھا لیٹا پائپ پی رہا
فریدی کو دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"فرمایئے...... کوئی نئی شرارت۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"جی نہیں...... آپ کیلئے دل چسپی کا مشغلہ اور اپنے لئے ایک مستقل آفت۔" حمید نے

"کیا مطلب......؟" فریدی نے کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور پھر عورتوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ "
لوگوں کے لئے یہ جگہ سب سے بہتر رہے گی۔ یہاں کافی سایہ ہے اور صاف و شفاف زمین
مچھلیاں بھی کافی ہیں۔ آپ لوگ اسٹوپ وغیرہ تو ساتھ لائی ہی ہوں گی اور اس کے بعد
سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ بھوک لگ رہی ہے۔"

ثریا اپنی کار سے ضروری سامان نکال لائی۔ شیلا مچھلیاں ادھیڑنے لگی، اشرف گھا
لیٹ کر ایک کتاب دیکھنے لگا۔ ثریا اور شہناز اسٹوپ ٹھیک کرنے میں مشغول ہو گئیں۔

"اگر دو چار سیخ پر بھی مل جائیں تو کیا کہنا۔" فریدی نے بندوق اٹھاتے ہوئے کہا۔ "
گھوم پھر کر دیکھتا ہوں۔"

حمید بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

"کیوں! کیا کہہ رہے تھے۔" فریدی نے تھوڑی دور چلنے کے بعد پوچھا۔

حمید نے پتلون کی جیب سے ایک ہار نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا۔" فریدی ہار کو ہاتھ میں لے کر دیکھتے ہوئے بولا۔ "ارے یہ تو ہیروں کا
نہایت عمدہ قسم کے ہیرے...... تمہیں کہاں سے ملا۔"

"یہ بعد کو بتاؤں گا۔" حمید نے کہا۔ "آپ یہ بتایئے کہ آپ اس ہار کے بارے میں
جانتے ہیں۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ہار تمہارے پاس ہے اور اس کے متعلق میں بتاؤں"

"خیر تو پھر میں ہی بتاؤں۔" حمید بولا۔ "آپ نے پرسوں کے اخبار میں کرنل سعید کی آ

سالہ بچی کی گم شدگی کا حال پڑھا تھا۔"

"نہیں......!" فریدی نے جواب دیا۔

"خیر...... میں نے پڑھا تھا۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو خبریں پڑھ چکنے کے بعد
اشتہار تک چاٹ ڈالتے ہیں۔"

"آگے کہو۔" فریدی بولا۔

"یہ ہار وہ لڑکی پہنے ہوئے تھی۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"اخبار میں یہ بھی تھا۔"

"لیکن اس کا کیا ثبوت کہ یہ وہی ہار ہے۔"

"ثبوت ابھی پیش کرتا ہوں۔" حمید نے کہا اور ہار کے سب سے بڑے پھول کے پشت پر
لگے ہوئے سونے کے ڈھکن کو اٹھا کر فریدی کے سامنے پیش کر دیا ڈھکن میں اندر کی جانب ایک
چھوٹی سی تصویر فٹ تھی۔ کسی خوبصورت اور نوجوان عورت کی تصویر۔

"کیا تم اس عورت کو پہچانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں......!" حمید نے جواب دیا۔

"پھر یہ ثبوت کیسا......!"

"اخبار میں اس تصویر کا تذکرہ تھا۔"

"تمہیں یہ ہار ملا کہاں سے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ایک مچھلی کے جبڑوں میں اٹکا ہوا تھا۔"

"کیا......!" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں۔"

"اچھا تمہیں پھر اس لڑکی کے بارے میں کچھ معلوم ہوا تھا یا نہیں۔"

"نہیں......!"

"ہوں......!" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"ان دونوں ڈاکٹروں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کام تو قاعدے کا کر رہے ہیں مگر طریقہ کار بالکل احمقانہ ہے۔"

"کیا تم نے بھی کوئی احمقانہ حرکت دیکھی۔"

"جی ہاں ایک زندہ چیتے کے ہاتھ پیر باندھ کر اس کے جسم سے خون نکال رہے تھ

"لیکن...... وہ چیتا نہیں بلکہ بکرا تھا۔"

"بکرا......!" حمید قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔ "چلئے آپ نے اور بھی بتا دیا۔"

"درحقیقت وہ بکرا ہی تھا۔" فریدی نے کہا اور مختصر الفاظ میں سارے واقعات حمید ک
ہوا بولا۔ "صرف ایک چیز مجھے ان کے خلاف شبہے میں مبتلا کر رہی ہے۔"

"وہ کیا......!"

"بکرے کے بول پڑنے پر ڈاکٹر آصف کا بوکھلا جانا اور دفعتاً میرے ساتھ والے وحید کا قہقہہ لگا کر اس کا جواز پیش کرنا۔ اگر درحقیقت اس حرکت سے ان کی وہی مراد تھی جو ا نے مجھے بتائی تو ڈاکٹر آصف کے گھبرا جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے بہرحال یہاں حماقت پردے میں کوئی بہت ہی بھیانک ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔"

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔" حمید نے کہا۔ "ورنہ اس ویران مقام پر تجر قائم کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"خیر اس کیلئے تو وہ نہایت عمدہ بہانہ تراش سکتے ہیں۔" فریدی بولا۔ "چونکہ ان کے تجر وحشی درندوں سے متعلق ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس کے لئے ایک ویران جگہ منتخب کی۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"اس ہار کو احتیاط سے جیب میں رکھ لو۔" فریدی نے کہا۔ "ان لوگوں کے سامنے ا تذکرہ نہ کر کے تم نے عقلمندی سے کام لیا۔"

"تو اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"کرنل سعید سے ملے بغیر کچھ نہیں کیا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "ممکن ہے بچی مل گئی ہو"

"لیکن یہ ہار یہاں جھیل میں کیسے پہنچا۔"

"بھئی تم بھی کمال کرتے ہو۔ ابھی یہی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی ہار ہے۔ محض تصویر کی بناء پر اس کے متعلق کوئی رائے قائم کر لینا درست نہیں سمجھتا۔"

حمید پھر خاموش ہو گیا۔ فریدی کچھ سوچنے لگا تھا۔ سیخ پروں کا جھنڈ شور مچاتا ہوا ان کے اوپر سے گزر گیا۔ دونوں رک گئے۔ انہیں توقع تھی کہ یہ جھنڈ دو تین چکر لگانے کے بعد یہیں جھیل میں گرے گا۔ وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتے رہے۔ لیکن ان کا خیال غلط نکلا۔ سیخ پروں نے دو چکر لگائے اور پھر مشرق کی طرف اڑتے چلے گئے۔

"غالباً یہ اگلے تالاب میں گریں گے۔" فریدی نے کہا۔

"کون سا تالاب......!" حمید نے پوچھا۔

دونوں اسی طرف روانہ ہو گئے جدھر سیخ پروں کا جھنڈ گیا تھا۔ کھیتوں اور جھاڑیوں سے نکل کر وہ ایک کچی اور کشادہ سڑک پر آ گئے۔ مطلع ابر آلود تھا۔ کبھی کبھی سورج بادلوں سے نکل کر اپنی تیز کرنیں پھیلانے لگتا۔ جہاں یہ لوگ چل رہے تھے سڑک کے دونوں طرف کھائیاں تھیں جن پر سرکنڈے کی گھنی جھاڑیاں تھیں۔

"شاید کوئی موٹر آ رہی ہے۔" فریدی نے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"موٹر کہاں......!" حمید بولا۔ "مجھے تو دکھائی نہیں دیتا۔"

"آواز تو سنائی دے رہی ہے لیکن شاید ابھی دور ہے۔ آؤ کھائیوں کے ادھر نکل چلیں ورنہ گرد کے ایک طوفان سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔"

دونوں داہنی طرف کی کھائیوں پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد سڑک پر موٹر کی آواز آئی اور پھر دفعتاً مشین بند کر دی گئی۔ حالانکہ یہ کوئی ایسی خاص بات نہ تھی پھر بھی فریدی کی کھوجی طبیعت بے چین ہو گئی۔ وہ رک گیا۔ کھائی کے قریب آ کر اس نے سرکنڈے کی جھاڑیوں سے سڑک کی طرف جھانکا۔ ایک ٹرک سڑک پر کھڑا ہوا تھا۔ ڈرائیور نے نیچے اتر کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر اتنے میں حمید بھی فریدی کے قریب آ گیا۔

موٹر ڈرائیور موٹر کے نمبروں کی تختی تبدیل کر رہا تھا۔ اس نے پہلی تختی نکال لی اور اس کی جگہ دوسرے نمبروں کی تختی لگا دی۔ تھوڑی دیر تک کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر ٹرک پر بیٹھ کر انجن

اسٹارٹ کردیا اور ٹرک چل دیا۔

حمید نے سوالیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا جس کے ماتھے پر بے شمار سلوٹیں اُبھر آئیں تھیں۔

دوسری عمارت

"یہ معاملہ کیا ہے۔" حمید نے کہا۔ "آج سارے کے سارے واقعات انتہائی پراسرار نظر آ رہے ہیں۔"

"اور اس کی شروعات تم ہی سے ہوئی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا مطلب......؟"

"یہ آج صبح ہی صبح تمہارا دماغ کیوں خراب ہوگیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"ہٹایئے ان باتوں کو۔" حمید بولا۔ "آخر اس نے ٹرک کے نمبر کیوں بدلے؟"

"بدلے ہوں گے بھئی۔" فریدی اکتا کر بولا۔ "وہ سنو! سیخ پروں کا شور سنائی دے رہا ہے۔ شاید ہم تالاب کے قریب پہنچ گئے ہیں۔"

وہ دونوں پھر چل پڑے۔ [illegible] بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ تالاب نزدیک ہی تھا۔ سڑک سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان تالاب کا پرسکون پانی سورج کی کرنوں کے لہریوں سے کھیل رہا تھا۔ مشرق کی سمت سے کچھ سیخ پر اور آئے اور چند لمحے پانی پر منڈلانے کے بعد نیچے گر گئے۔ حمید اور فریدی آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ٹیلوں کے پاس آئے۔ فریدی نے اپنی دو نالی بندوق اٹھائی۔ فائر ہوا۔ پرندے شور مچاتے ہوئے اڑے۔ دوسرا فائر ہوا اور دو تین اڑنے والوں میں سے بھی پانی میں گرے۔

"بہت خوب......!" حمید چیخا۔ "دو نالی بندوق کا صحیح استعمال صرف آپ جانتے ہیں۔"

"حمید تالاب میں اتر گیا۔" اس نے بدقت تمام چار پرندے نکالے دو سیخ پر جن کے بازو زخمی ہوگئے تھے کسی طرح ہاتھ نہ آئے۔

"میرے خیال سے تو اتنے ہی کافی ہوں گے۔" حمید بولا۔

"اگر تمہاری نیت بخیر رہی تو یقیناً ایسا ہی ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

دونوں واپس ہونے کے ارادے سے کھائیوں کی طرف روانہ ہوگئے۔ آسمان پر پھیلے ہوئے بادل پھٹ کر ادھر اُدھر ٹکڑوں کی شکل میں بکھر گئے اور دھوپ تیزی سے چمکنے لگی تھی۔ کھائیوں کے قریب پہنچتے پہنچتے انہیں شدت سے پیاس لگ گئی۔ جیسے ہی وہ سرکنڈے کی جھاڑیاں ہٹاتے ہوئے اوپر چڑھے انہیں سامنے سڑک کے اس پار ایک عمارت دکھائی دی۔

"غالباً یہ وہی عمارت ہے جس کا تذکرہ اشرف نے کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"آؤ چلیں شائد وہاں پانی مل سکے۔"

دونوں عمارت کی طرف بڑھے۔ قریب پہنچ کر انہیں مشینوں کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ فریدی عمارت کے پھاٹک پر لگا ہوا بورڈ پڑھنے لگا۔ "یہاں خیموں کے ستون تیار کئے جاتے ہیں۔" پھاٹک کے اندر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے ان کی نظر ایک ٹرک پر پڑی فریدی چونک پڑا۔ یہ وہی ٹرک تھا جس کے نمبر سڑک پر بدلے گئے تھے۔ حمید کچھ بولنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔

کمپاؤنڈ میں کئی چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ تین چار بڑے بڑے شیڈ تھے یہاں بانس اور لکڑی کے ڈھیر لگے تھے، ایک آدھ جگہ لکڑی کے برادے کے بڑے بڑے انبار بھی نظر آ رہے تھے۔ ایک چھوٹے سے کمرے کے دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا "منیجر۔"

فریدی چق اٹھا کر اندر داخل ہوگیا۔ سامنے کرسی پر ایک دبلا پتلا معمر آدمی بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ فریدی اور حمید کو اس نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں کسی تجارتی مقصد کے تحت نہیں آیا۔" فریدی نے کہا۔

"تشریف رکھئے۔" منیجر مسکرا کر بولا۔ وہ ابھی تک انہیں استعجاب آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگ پیاسے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ......!" وہ مسکرا کر بولا۔ "تشریف رکھئے۔" اور پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس نے گھنٹی بجائی اور ایک آدمی اندر داخل ہوا۔

"آپ ان لوگوں کو پانی پلاؤ۔" اس نے کہا۔ نوکر کے چلے جانے کے بعد وہ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔ "شاید آپ لوگ ادھر شکار کھیلنے کی غرض سے آئے تھے۔"

"جی ہاں.....!"

"اس سے پہلے بھی کبھی آچکے ہیں۔"

"اب سے تقریباً دو سال قبل۔" فریدی نے کہا۔ "اس وقت آپ کا کارخانہ یہاں نہیں تھا۔"

"جی ہاں.....ابھی حال میں یہاں کاروبار شروع کیا ہے۔ اس علاقے میں بانس بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے یہاں شہر سے اتنی دور آنا پڑا۔"

"بہر حال یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے یہاں بھی مغربی ممالک کے تاجروں کی طرح لوگ ترقی کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

پانی پینے کی بعد دونوں اٹھ گئے اور منیجر پھر کام میں مشغول ہوگیا۔

سڑک کے قریب سے گزرتے وقت فریدی نے اس کے نمبروں کو غور سے دیکھنا شروع کیا جیسے انہیں وہ زبانی یاد کرلینا چاہتا ہو۔

"کیوں بھئی کیا خیال ہے۔" فریدی نے کہا۔ دونوں اب سڑک پر پہنچ چکے تھے۔

"کوئی سازش، کوئی جرم۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"یہ تو ظاہر ہی ہے، تم نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔" فریدی نے کہا۔ "بہر حال ہمیں ایک نئی دردسری کے لئے تیار ہوجانا چاہئے۔"

"وہ تو ظاہر ہی ہے۔" حمید نے کہا۔ "بعض اوقات مجھے ہنسی آنے لگتی ہے۔ کیا اس قسم کے سارے واقعات اور حادثات ہمارا ہی انتظار کیا کرتے ہیں اس بار کو شاید میرا ہی انتظار تھا۔ اگر موٹر ڈرائیور کو سڑک ہی پر نمبر تبدیل کرنا تھا ارے یہی کرنا تھا تو اس عمارت کے اندر پہنچ جانے پر یہ حرکت کی ہوتی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ فریدی صاحب اسے دیکھ ہی لیں۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"اسی قسم کے اتفاقات مجرموں کی گرفت کا باعث ہوتے ہیں ورنہ سراغ رساں کوئی ولی اللہ یا دھر ماتما تو ہوتا نہیں کہ پاتال کی خبریں لے آئے۔ مجرموں کی ذراسی لغزش سراغ رساں کی

کامیابی بن جاتی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر ذرا جلدی قدم بڑھائیے۔ بھوک کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔" حمید بولا۔

شہناز اسٹوپ پر مچھلی کے قتلے تل رہی تھی۔ اشرف نے دوبارہ مچھلیاں پکڑنے کے لئے کانٹے تالاب میں پھینک دیئے تھے اور ایک ڈور ہاتھ میں لئے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ شیلا اور ثریا گھاس پر کہنیوں کے بل لیٹی ہوئی انگریزی کے ایک رسالے میں تصویریں دیکھ رہی تھیں۔

"اس وقت شہناز کتنی اچھی لگ رہی ہے۔" حمید نے کہا۔

"مچھلیاں تل رہی ہیں نا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "پیٹو قسم کے عاشق اپنی محبوباؤں کو کھانا پکاتے دیکھ کر کافی محظوظ ہوتے ہیں۔"

"بہر حال خدا نے آپ کو اس نعمت سے محروم رکھا ہے۔" حمید جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"خدا ہر شریف آدمی کو اس نعمت سے محروم رکھے۔" فریدی نے کہا۔

"انگور کھٹے ہیں۔"

"اچھا ٹھہرو......ابھی بتاتا ہوں کہ انگور کھٹے ہیں یا میٹھے ہیں۔" فریدی نے کہا اور شہناز کے قریب پہنچ کر پھر بلند آواز میں بولا۔ "میاں اگر عورت کھانا نہ پکائے تو مرد بھوکوں مرے اور سارا رومان رکھا رہ جائے۔"

"کیا بات ہے؟" شہناز نے فریدی سے پوچھا۔

"حمید صاحب فرماتے ہیں کہ انہیں کھانا پکاتی ہوئی عورت انتہائی لچر معلوم ہوتی ہے۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا شہناز نے اسٹوپ پر رکھا ہوا فرائی پین زمین پر الٹ دیا اور مچھلی کے قتلے ادھر اُدھر گھاس پر بکھر گئے اور شہناز منہ پھلا کر دور جا بیٹھی۔

"ارے ارے.....میں نے کب کہا تھا۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ فریدی نے قہقہہ لگایا۔ ثریا، شیلا اور اشرف بھی ان کے قریب آگئے۔

"ارے یہ کیا ہوا۔" ثریا حیرت سے شہناز کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"کچھ نہیں۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میاں حمید اب میٹھے انگور کھا کر پیٹ بھریں گے......

کیوں حمید۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔ جھنجھلاہٹ اور ندامت نے اسے کچھ بولنے ہی نہ دیا۔

"تو کیا پھر یہ دونوں لڑ گئے۔" شیلا نے کہا۔ "عجیب مصیبت ہے۔ ارے بھئی ہم لوگوں نے کیا قصور کیا تھا...... بھوک کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔"

شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور منہ پھلائے بیٹھی رہی۔ ثریا نے پھر سے فرائی پان اسٹوپ پر رکھا اور بچے ہوئے قتلے تلنے لگی۔ شیلا اور اشرف سیخ پروں کے پر نوچنے لگے۔

"آپ خواہ مخواہ......!" حمید فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اچھا جی...... مجھ سے کیا مطلب۔"

"آپ نے خواہ مخواہ جھوٹ۔"

"انگور کھٹے ہیں نا۔"

"بہرحال آپ کا مذاق بھی خطرناک ہوتا ہے۔" حمید منہ لٹکا کر بولا۔

"میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ انگور کھٹے نہیں ہیں۔ بلکہ اس قسم کے فضول نخرے برداش کرنے کے لئے میرے پاس وقت نہیں۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "عورت بات بات پر رو ہے اور متوقع رہتی ہے کہ اسے کوئی منائے گا اور اگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو اسے ا زندگی ویران نظر آنے لگتی ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی ہمدرد نہیں۔ اس کا د طور پر روٹھ جانا ایسی صورت میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا جب کہ کوئی اسے منائے۔ لیکن اگر اس یہ توقع پوری نہ ہوئی تو یہی حالت ایک مستقل مظلومیت بن جاتی ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ کسی عور کو مظلومیت کا خبط ہو گیا تو مرد کے لئے ایک مستقل عذاب بن جاتی ہے کیا سمجھے۔"

"جی ہاں بہت کچھ سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "دراصل آپ کا علم آپ کے لئے عذاب ب گیا ہے۔ آپ کبھی باقاعدہ قسم کی زندگی نہیں بسر کر سکتے۔ ایک سیدھا سادا سا مسئلہ عورت میاں اور بیوی آخر اسے اس قدر الجھانے کی کیا ضرورت ہے، ذہن انسانی کی ایک ایک ر کریدنے سے فائدہ؟ آپ انڈا کھانے کے بجائے اس کی ماہیئت پر غور کرنے لگتے ہیں۔ نتیج

ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھ ماہیئت ہی ماہیئت رہ جاتی ہے اور انڈا دوسرے چٹ کر جاتے ہیں اور پھر آپ کیا جانیں کہ اس روٹھنے اور منانے میں کتنا لطف ہے۔"

"تشریف لے جائیے نا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے آپ کے لئے وہ پرلطف موقع مہیا کر دیا۔ لیکن ذرا خیال رہے ابھی راستے میں جو واقعہ پیش آیا ہے اسے اپنے ہی تک محدود رکھئے گا اور وہ ہار والا معاملہ بھی۔"

حمید شہناز کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ ثریا اور شیلا ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائیں۔ اشرف نے فریدی کو آنکھ ماری اور فریدی جھیل میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینک کر چھوٹے چھوٹے دائروں کا بننا بگڑنا دیکھتا رہا۔ چند لمحوں کے بعد وہ خیالات میں ڈوب گیا۔ اس سے چند گز کے فاصلے پر اشرف بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ فریدی کی ہنسی کی آواز سن کر چونک پڑا۔ فریدی خود بخود ہنس کر اس طرح سنجیدہ ہو گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ اشرف اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ اتفاقاً فریدی کی اور اس کی نظریں ملیں اور فریدی کو پھر ہنسی آ گئی۔

"کیا بات ہے۔" اشرف نے متعجبانہ لہجے میں پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ ایک احمق کا ایک مضحکہ انگیز قول یاد آ گیا۔"

"مضحکہ انگیز قول۔"

"ہاں وہ کہتا تھا کہ تم بڑے بدقسمت ہو اگر یہ نہیں جانتے کہ تمہارے شہر میں کتنے کرنل رہتے ہیں۔"

"واقعی مضحکہ خیز ہے۔ بھلا شہر بھر کے کرنلوں کو کون گنتا پھرے گا۔"

"میرے خیال میں تو ہمارے شہر میں ایک بھی نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں ایسا تو نہیں، میرے ہی پڑوس میں ایک کرنل صاحب رہتے ہیں...... کرنل سعید۔"

"غالباً ریٹائر ہو گئے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"بھئی یہ فوجی بھی عجیب ہوتے ہیں۔ انتہائی شائستہ قسم کا فوجی بھی تھوڑا بہت ......ضرور ہوتا ہے۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں۔" اشرف بولا۔ "اب کرنل سعید ہی کو لے لیجئے وہ چوبیس گھنٹے فوجی بنا رہتا ہے۔ حد ہوگئی کہ تین چار دن ہوئے کہ اس کی اکلوتی خورد سال لڑکی غائب ہوگئی اور اس کے سکون واطمینان میں کسی قسم کا کچھ بھی فرق نہیں آیا۔"

"اکلوتی خورد سال بچی۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "ابھی تو آپ نے کہا کہ وہ ریٹائر ہو چکا ہے، اس کا مطلب کہ کافی معمر ہوگا اور صرف ایک چھوٹی سی بچی۔"

"اس نے بہت دیر میں شادی کی تھی۔ بچی کے پیدائش کے سلسلے میں بیوی کا انتقال ہوگیا تھا۔ پھر اس نے پانچ چھ سال تک شادی نہیں کی۔ تقریباً دو سال کا عرصہ ہوا اس نے ایک کنواری لڑکی سے دوسری شادی کر لی اور اب بیچارہ دن رات دواؤں کے اشتہارات پڑھا کرتا ہے۔ ایک دلچسپ بات...... وہ بھی ان احمق ڈاکٹروں کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔ میں نے کئی بار ڈاکٹر وحید کو اس کے یہاں جاتے دیکھا ہے، آج سے پہلے مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی۔ یہ سمجھتا تھا کہ وحید جس کا پہلے میں نام بھی نہیں جانتا تھا، اس کا کوئی ملنے والا ہے۔"

"تو یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ کرنل سعید ان سے اپنا علاج کرا رہا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"محض قیاس کی بناء پر...... یہ لوگ بوڑھوں کو جوان اور بزدلوں کو شیر بناتے ہیں نا۔ کرنل سعید کو اپنی جوان بیوی کی موجودگی میں جوان بننے کی سخت آرزو ہے۔"

"اوہ......!" فریدی نے کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اور اس غریب بچی کا کیا ہوا۔"

"کچھ پتہ نہیں چل سکا۔"

"غائب کس طرح ہوئی تھی۔"

"گھر سے غائب ہوگئی۔"

"کیا گھر میں تنہا تھی۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ اس دوران میں کرنل شہر میں موجود نہیں تھا۔"

"کہیں باہر گیا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"بیوی گھر ہی میں رہی ہوگی۔"

"ہاں......!"

"وہ کیا کہتی ہے۔"

"اس کے متعلق مجھے علم نہیں۔ غالباً اس نے پولیس کو اپنا بیان ضرور دیا ہوگا۔"

"کرنل اس پر بگڑا تو بہت ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے...... وہ اپنی بیٹی کو چاہتا بہت تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ کسی نے اسے زیور وغیرہ کی لالچ میں قتل کر دیا۔" فریدی نے کہا۔ "کیا زیورات پہنتی تھی۔"

"آپ ہی کا نہیں بہتوں کا یہی خیال ہے وہ ہیروں کا ایک ہار پہنے ہوئے تھی۔"

"ہیروں کا ہار اور آٹھ سال کی بچی۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے عرض کیا نا کہ کرنل اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔"

"تو اس کا مطلب کہ کرنل کافی مالدار آدمی ہے۔"

"خاندانی رئیس ہے۔"

"پھر بھی کمسن بچیوں کو اتنے قیمتی زیورات پہنا کر چھوڑ دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہے تو حماقت ہی۔"

"سوتیلی ماں کا برتاؤ اس کے ساتھ کیسا تھا۔"

"میرے خیال سے بُرا نہیں تھا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ بھی اسے بے حد چاہتی تھی۔ ثریا کا بیان ہے کہ وہ اکثر اسے اپنے پلنگ پر ہی سلا لیا کرتی تھی۔"

"ہوں......!"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ فریدی سگار سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا اور اشرف پھر مچھلی پکڑنے کی ڈور کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ثریا اور شیلا مچھلیاں تل چکنے کے بعد مسلم سیخ پر بھوننے کے لئے لکڑیاں اکٹھا کر رہی تھیں۔

حمید شہناز کو منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ارے بھائی میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں۔'' حمید بولا۔

''لیکن میں آپ کی قسم کی ضرورت نہیں محسوس کرتی۔''

''بھئی میں کس طرح سمجھاؤں۔''

''میں کب کہتی ہوں کہ مجھے سمجھایئے۔''

''عجیب آدمی ہو۔''

''دیکھیے میں خواہ مخواہ بات نہیں بڑھانا چاہتی۔'' شہناز تنک کر بولی۔

''تو میں کب چاہتا ہوں۔''

شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔

''بعض اوقات فریدی صاحب کا مذاق حد سے بڑھ جاتا ہے۔'' حمید نے کہا۔

شہناز پھر کچھ نہ بولی۔

''خواہ مخواہ ایک بے تکی بات بول کر خود الگ ہو گئے۔''

''تو آپ ہی پر کون سی مصیبت ٹوٹ پڑی۔'' شہناز بولی۔

''کیا یہ کم مصیبت ہے کہ تم خواہ مخواہ بدگمان ہو گئیں۔''

''ہاں صاحب میں تو مصیبت ہی ہوں۔''

''ارے لاحول ولا قوۃ...... میں نے یہ کب کہا۔ چھوڑو'' حمید بولا۔ ''میں نے بدگمانی کو مصیبت کہا تھا۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' شہناز منہ پھلا کر بولی۔

''فرق...... ارے بھائی بہت بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔''

''تو آپ جایئے نا یہاں سے۔''

''نہیں جاؤں گا۔''

''تو میں خود اٹھی جاتی ہوں۔''

''نہیں اٹھنے دوں گا۔''

''واہ اچھی زبردستی ہے۔''

''اب زبردستی ہی کرنی پڑے گی۔''

''بھئی آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔''

''اچھا میں دفان ہوا جا رہا ہوں۔'' حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

شہناز کچھ نہ بولی۔

حمید پیر پٹختا ہوا فریدی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

فریدی مسکرا کر بولا۔ ''فرمایئے۔''

''واقعی آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' حمید بولا۔ ''میں آج سے کان پکڑتا ،، ''

''اپنے یا شہناز کے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''خدارا اس کا نام ذرا آہستہ سے لیجئے۔ اگر سن لیا تو قیامت ہی آ جائے گی۔''

''لاحول ولا قوۃ...... تم نے پھر شوہروں جیسی باتیں شروع کر دیں۔ ارے میاں وہ تمہاری ہے کون۔ ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ ڈر کے مارے جان نکلی جا رہی ہے۔ احمق کہیں کے۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سنجیدگی سے کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔

''حمید......!'' فریدی تھوڑی دیر چپ رہ کر بولا۔

''جی...... فرمایئے۔''

''کیا واقعی تم اسے بہت چاہتے ہو۔''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔''

''تو میں تمہیں ایک نیک مشورہ دیتا ہوں۔''

''فرمایئے۔''

''کسی دوسرے کے حق میں دستبردار ہو کر فقیری لے لو اور بقیہ عمر خدا کی یاد میں گزار دو۔''

''پیر و مرشد۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ نے وہ مشورہ دیا ہے کہ میری پشت ہا پشت آپ کی احسان مند رہیں گی۔ لیکن اے طبیب روحانی والے رحمت یزدانی یہ دنیا سرائے

فانی ہے۔ آج مرے کل دوسرا دن پرسوں تیسرا۔ ترسوں چوتھا دن۔ غرضیکہ اسی طرح دن گزر جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس منصب عاشقی کے لائق مجھے اپنے علاوہ دوسرا نظر نہیں آتا۔"

"مذاق چھوڑو......!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہیں ایک کامیاب جاسوس بنانا چاہتا ہوں۔"

"ضرور دیکھئے۔" حمید نے کہا۔ "میں آپ کو منع نہیں کرتا۔ لیکن میں اس کی اتنی بڑی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔"

"لیکن تم تو ابھی کان پکڑ رہے تھے۔"

"تو آپ اس سے کیا سمجھے۔"

"یہی کہ اب تم عشق سے باز آ جاؤ گے۔"

"آپ غلط سمجھے۔" حمید نے کہا۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ اب میں آپ کو موقع بے موقع تاؤ نہ دلایا کروں گا۔"

"لاحول ولا قوۃ...... یہی تو میں کہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ نے آج کا سارا رومانس کرکرا کر دیا۔"

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن رومانی اعتبار سے میرا دن بڑا حسین رہا۔"

"رومانی اعتبار سے۔" حمید نے متعجبانہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں...... یہی میرا رومان ہے۔ جب کوئی حادثہ پیش آتا ہے جب کوئی پر اسرار میرے سامنے آتی ہے۔ تو مجھے کم و بیش وہی لذت محسوس ہوتی ہے، وہی بے چینی مجھ میں ہو سکتی ہے پھر جیسے جیسے میرے قدم کامیابی کی طرف اٹھتے ہیں میرا جنون تیز سے تیز تر ہوتا ہے۔ کیا سمجھے......!"

"خدا کرے میں کبھی کچھ نہ سمجھوں۔" حمید نے کہا۔

"خیر چھوڑو تم کرنل سعید کے بارے میں کیا جانتے ہو۔" فریدی نے دفعتاً بات کا رخ موڑتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔"

"کیا یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ تمہارے دوست اشرف کے بنگلے کے قریب ہی رہتا ہے۔"

"نہیں مجھے اس کا علم نہیں۔"

"خیر...... مجھے اس کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ یہ معاملہ مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کر رہا ہے۔ ہاں دیکھو...... اس ہار کا تذکرہ اس وقت تک کسی سے نہ کرنا جب تک میں اجازت نہ دوں۔"

"تو پھر اس ہار کا کیا کیا جائے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ دوران تفتیش میں میری تجوری میں رہے گا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"آخر یہ اس کی پشت پر تصویر کس کی ہے۔"

"غالباً لڑکی کی ماں کی تصویر ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا اخبار میں اس تصویر کے متعلق کچھ نہیں تھا۔"

"نہیں۔" حمید نے کہا۔ "اس سلسلے میں اشرف سے معلومات بہم پہنچائی جا سکتی ہیں۔"

"لیکن براہ کرم آپ اس سے باز رہئے گا۔ مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا معلوم کر چکا۔ اک ذرا ثریا سے اور گفتگو کرنی ہے۔"

"کیا اسے یہاں بلا لوں۔" حمید نے پوچھا۔

"جی نہیں......!" فریدی نے کہا۔ "ہمیں یہ کام نہایت ہی خاموشی سے کرنا ہے۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا۔

"بھئی اب تو بری طرح بھوک لگ رہی ہے۔"

"اب ایسی باتیں نہ کیجئے کہ میں اپنا انگوٹھا چوسنے لگوں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"کاش تم یہی کر سکتے۔"

"کیوں کیا اس طرح بھی ایک کامیاب جاسوس بننے کے امکانات ہیں۔"

"کیوں نہیں...... کیا تم غزالہ کے چچا پرویز[1] کو بھول گئے۔ وہ کتنی صفائی سے انگوٹھا چوستا

[1] جاسوسی دنیا کا چھٹا ناول "پر اسرار کنواں" جلد نمبر 2 ملاحظہ فرمائیے۔

تھا۔"

"لیکن وہ جاسوس کب تھا۔"

"اگر مجرم نہ ہوتا تو یقیناً ایک کامیاب جاسوس ثابت ہوتا۔"

تھوڑی دیر بعد ثریا وغیرہ نے دسترخوان لگا دیا۔

"لیکن اس دسترخوان پر صرف چار آدمی بیٹھ سکیں گے۔ میں ثریا، اشرف بھائی اور فریدی صاحب۔ بقیہ لوگوں کے لئے الگ کوئی انتظام کرنا پڑے گا۔" شیلا نے کہا۔

"بقیہ لوگوں میں مجھے قطعی بھوک نہیں ہے۔" شہناز چڑ کر بولی۔

"اور...... بقیہ...... لوگوں میں...... میں بھوکا...... قطعی بھوکا نہیں ہوں۔" حمید اس طرح رک رک کر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا کہ شہناز کے علاوہ سب لوگ ہنس پڑے۔

"تو بہتر ہے آپ لوگ کہیں دور جا کر ہوا کھائیے۔" ثریا چہک کر بولی۔

"ذرا کچھ خالی پلیٹیں عنایت فرمائیے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟" شیلا نے پوچھا۔

"ہوا کھانے کے لئے۔"

"بات کچھ جچی نہیں۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تم کوئی الگ بات کہو گے کہ سب بے ساختہ ہنس پڑیں گے۔"

"اب اگر آپ اس جملہ کی گہرائی تک نہ پہنچ سکیں تو میں کیا کروں۔" حمید نے جھینپ کر کہا۔

تھوڑی سی تفریح

پکنک سے واپسی کے بعد فریدی نے لباس تبدیل کیا اور سیدھا کوتوالی چلا گیا۔ حمید شہناز کو مناتا ہوا اس کے گھر تک چلا گیا تھا۔

فریدی شاذ و نادر ہی کوتوالی کی طرف جاتا تھا۔ اس لئے وہاں اس کی موجودگی دوسروں کی نظر میں خاصی اہمیت رکھتی تھی۔ آج بھی اسے وہاں دیکھ کر لوگ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین

ہو گئے کہ وہ کس لئے آیا ہے لیکن کسی کی تشفی نہ ہوئی۔

جگدیش آج کل کوتوالی انچارج تھا۔ فریدی کی امداد نے اسے اتنی جلدی ترقی کے ان مدارج تک پہنچا دیا تھا۔ پرانے اور تجربہ کار سب انسپکٹر منہ ہی دیکھتے رہ گئے اور جگدیش کوتوالی انچارج ہو گیا۔

اس وقت وہ آفس میں بیٹھا پرانے فائل دیکھ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر بیساختہ کھڑا ہو گیا۔

"آئیے...... آئیے...... انسپکٹر صاحب میں کئی دن سے ارادہ کر رہا تھا کہ آپ سے ملوں۔" جگدیش بولا۔

"تم دو ہی تو آئے ہو میرے حصے میں۔ ایک حمید دوسرے تم بہانے بازی کے ماہر۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"نہیں آپ سے سچ کہہ رہا ہوں۔"

"خیر خیر......!" فریدی بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کیا کوئی ضروری کام کر رہے ہو۔"

"نہیں تو......!"

"آؤ کہیں ٹہلیں گے۔"

"چلئے۔" جگدیش نے کہا۔

ٹیکسی کر کے دونوں وکٹوریہ پارک پہنچے۔

"آج کل بیکاری کی وجہ سے طبیعت اکتایا کرتی ہے۔" فریدی بولا۔

"یہاں تو دم مارنے کی بھی فرصت نہیں رہتی۔" جگدیش نے کہا۔

"کیا آج کل کام زیادہ ہے۔"

"آج کل کیا...... ہمیشہ کام زیادہ رہتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس دوران میں کوئی خاص قسم کا حادثہ نہیں ہوا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"بعض اوقات بہت ہی عام قسم کے حادثے خاص سے بھی زیادہ بن جاتے ہیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

''ارے ابھی پرسوں ہی کی بات ہے کہ کرنل سعید کی آٹھ سالہ بچی کھو گئی جس کے میں ایک بیش قیمت ہیروں کا ہار تھا۔''

''تو کیا ہوا......مل ہی گئی ہوگی۔''

''یہی تو مصیبت ہے کہ آج تک اس کا پتہ نہیں لگ سکا۔''

''اتنا بیش قیمت ہار پہنا کر اسے اکیلے گھر سے نکالا ہی کیوں گیا۔''

''اکیلے کہاں......وہ معاملہ ہی عجیب ہے۔''

''یعنی......!''

''لڑکی اپنے سونے کے کمرے سے غائب ہوگئی۔''

''سونے کے کمرے سے......تو کیا رات میں کسی وقت۔''

''جی ہاں......اس کی اطلاع گھر والوں کو دوسرے دن صبح ہوئی۔''

''بہت خوب......معاملہ دلچسپ ہے۔'' فریدی سوچتا ہوا بولا۔ ''اور ہار کے متعلق معلوم ہوا۔ کیا لڑکی ہار پہن کر سوئی تھی؟''

''کرنل کی بیوی تو یہی کہتی ہے۔ وہ دراصل اس کی سوتیلی ماں ہے۔''

''عجیب وغریب لوگ ہیں۔ میں نے انتہائی دولت مند گھرانوں میں بھی یہ نہیں دیکھ اتنے قیمتی زیورات کی طرف سے اتنی لاپرواہی برتی جائے۔''

''کرنل کافی دولت مند آدمی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ اس کی سوتیلی ماں کی حرکت ہے۔'' فریدی بولا۔

''خیال تو میرا بھی یہی تھا لیکن کرنل اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ پڑوس کے لو سے بھی یہی معلوم ہوا ہے کہ وہ اسے بے حد چاہتی تھی۔''

''ہوں......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''کیا وہ پردے میں رہتی ہے۔''

''نہیں صاحب......ترقی یافتہ لوگ ہیں......میرا خیال ہے کہ اس وقت دونوں میاں کسی ہوٹل میں بیٹھے چائے پی رہے ہوں گے۔''

''تو یہ سارے حالات تمہیں اس کی زبانی معلوم ہوئے ہوں گے۔''

''جی ہاں......کرنل سعید تو یہاں تھا ہی نہیں۔ وہ کل کہیں باہر سے آیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ کسی نے کرنل سے معقول رقم وصول کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔'' زیدی بولا۔

''ہوسکتا ہے۔'' جگدیش نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

''خیر ہوگا......!'' فریدی نے کہا ''ہاں بھئی تم سے ایک ضروری بات پوچھنی تھی۔''

''پوچھئے۔''

''کبھی جھریالی کی طرف گئے ہو۔''

''اکثر شکار کے سلسلے میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔''

''اس درمیان کب گئے تھے۔''

''تقریباً دو تین ماہ کا عرصہ ہوا۔'' جگدیش نے کہا۔

''وہاں دو ڈاکٹروں کی تجربہ گاہ بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا یا نہیں۔''

جگدیش کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

''ہاں ہاں بظاہر ان کی حرکتیں احمقانہ ہیں۔'' جگدیش بولا ''لیکن کارنامے قابل تعریف۔''

''کیا کوئی خاص کارنامہ تمہاری نظروں سے بھی گزرا ہے۔''

''ان کے کارناموں کا اعتراف خود حکومت کو ہے۔ جنگ کے نہ جانے کتنے ہی زخمیوں کو ہوں نے بالکل نئی زندگی بخش دی۔ ان کے لئے تجربات کے سلسلے میں خود حکومت ان کی مدد کررہی ہے۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے کچھ نئے آلات حکومت کے توسط سے منگوائے ہیں۔''

''اور میں اتنا غافل ہوں کہ مجھے ان کے بارے میں آج تک کچھ نہیں معلوم ہوا۔'' فریدی نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

''کیوں......کیا کوئی خاص بات۔'' جگدیش چونک کر بولا۔

''نہیں......کوئی خاص بات نہیں۔ مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ اتنے دلچسپ اور قابل آدمیوں سے اتنے دنوں کے بعد ملاقات کرسکا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں کوئی بات ضرور ہے۔''

"کچھ نہیں بھئی...... کیا یہ ضروری ہے کہ میں جو کچھ پوچھوں اس کے پیچھے کوئی خاص بات ہی ہو۔"

جگدیش خاموش ہوگیا۔ لیکن اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ فریدی کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔

"بھائی حمید کے کیا حال ہیں۔" جگدیش تھوڑی دیر بعد بولا۔

"وہی پرانا مرض۔"

"یعنی......!"

"عشق بازی۔"

جگدیش ہنسنے لگا۔

"آخر آپ کو اس سے اتنی نفرت کیوں ہے۔" جگدیش نے مسکرا کر پوچھا۔

"نفرت نہیں بھئی۔" فریدی نے کہا۔ "میں عشق کا قائل ضرور ہوں مگر اسی صورت میں جب بالکل بیکاری ہو۔ بیکاری سے یہ مطلب نہیں کہ کوئی کام نہ ہو بلکہ بیکاری سے مراد بڑھاپا ہے یعنی جب بالکل ہاتھ پیر تھک جائیں اس وقت عشق کرنا چاہئے۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ بھلا اس وقت عشق کہاں ہوتا ہے۔"

"اگر نہیں ہوتا تو عشق سے زیادہ لغو چیز دنیا میں ہے ہی نہیں۔"

جگدیش مسکرا کر خاموش ہوگیا۔

فریدی سوچ میں ڈوبا ہوا سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ دفعتاً جگدیش کی طرف مڑ کر بولا

"اس ہار کے متعلق بھی کچھ معلوم ہے...... کس قسم کا تھا۔"

"سونے کی ہشت پہل ٹکیوں پر ہیرے جڑے ہوئے تھے...... درمیانی ٹکیہ کی پشت پر لڑکی کی ماں کی تصویر تھی۔"

"ہوں......!" فریدی نے آہستہ سے سر ہلایا۔ پھر آہستہ سے پوچھا۔ "کرنل کے یہاں کون کون رہتا ہے۔"

"وہ اور اس کی بیوی۔ تین نوکر، ایک باورچی اور ایک خادمہ۔ پائیں باغ میں ایک مالی

ہے اور ایک چوکیدار جو پھاٹک کے قریب بنی ہوئی ایک کوٹھری میں رہتا ہے۔"

"ان لوگوں کے بیانات لئے۔"

"ہاں...... لیکن فضول کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہو سکی جس سے اصل معاملے پر کچھ روشنی پڑتی۔"

"ان میں سے کسی کو مشتبہ بھی قرار دیا یا نہیں۔"

"یوں تو سبھی پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔"

"لیکن تمہیں کسی پر شبہ نہیں۔"

"شبہے کی کوئی وجہ بھی ہوتی ہے۔"

"تمہیں کوئی وجہ نہیں مل سکی۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "آخر تمہیں کب سلیقہ آئے گا۔ تم کہتے ہو کہ وہاں ایک چوکیدار بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ رات بھر جاگتا رہتا ہوگا۔ دوسری طرف تم یہ بھی کہتے ہو کہ لڑکی رات کو کسی وقت غائب ہوئی ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ساری ذمہ داری چوکیدار پر آ پڑتی ہے۔"

"اوہ...... یہی تو مصیبت ہے۔" جگدیش نے کہا۔ "وہ غریب تو یقیناً ایک ہفتہ سے بیمار پڑا ہے۔"

"سنی سنائی کہہ رہے ہو یا تم نے خود دیکھا ہے۔"

"جس وقت میں نے اسے دیکھا وہ اس وقت بھی غشی کی حالت میں تھا۔"

"مالی رات کو بھی وہیں رہتا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"بقیہ نوکر......!"

"سب وہیں رہتے ہیں۔"

"تم نے لڑکی کے سونے کا کمرہ بھی دیکھا۔"

"کوئی خاص بات۔"

"کچھ نہیں۔"

"کاش میں اس وقت وہاں موجود ہوتا"

"اوہ......!" جگدیش چونک کر بولا۔ "تو کیا آپ اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں"

"نہیں.....لیکن کیس دلچسپ ضرور ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا تم مجھے کے گھر کسی طرح لے چل سکتے ہو۔"

"کسی طرح کیا......ابھی چلئے۔"

"نہیں......میں وہاں انسپکٹر فریدی کی حیثیت سے نہیں جاؤں گا۔"

جگدیش اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اس وقت چھ بجے ہیں۔" فریدی اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تم ابھی کرنل کے یہاں اسی کیس کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے سلسلے میں جاؤ۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ایک باوردی سب انسپکٹر پولیس تمہیں تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچ جائے گا"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" جگدیش بے بسی سے بولا۔

"عجیب احمق آدمی ہو۔ کیا اتنے دنوں سے بھاڑ ہی جھونک رہے ہو۔ ارے بھئی وہ انسپکٹر میں ہی ہوں گا۔"

"اوہ......!" جگدیش چہک کر بولا۔ "تو گویا آپ سچ مچ اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں"

"یوں ہی سمجھ لو۔"

"تب تو یہ کوئی معمولی کیس نہیں معلوم ہوتا۔"

"بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں کوئی ضروری کام تو نہیں کرنا۔"

"نہیں......!"

"تب تم فوراً کرنل کے یہاں چلے جاؤ۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

جگدیش ایک ٹیکسی پر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گیا اور فریدی سڑک پار کرتا ہوا گھر کے بجائے ایک پتلی سی گلی میں مڑ گیا۔ اس نے شہر کے متعدد چھوٹے موٹے ہوٹلوں میں کمرے کرائے پر لے رکھے تھے جنہیں وہ اکثر کسی نہ کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کرتا رہتا تھا۔ تین تنگ گلیاں طے کرنے کے بعد وہ ایک بوسیدہ سی قدیم طرز کی عمارت کے سامنے پہنچ کر

گیا۔ یہ ایک گندہ سا ہوٹل تھا جہاں کم حیثیت کے لوگ آ کر قیام کیا کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تر دیہی علاقوں کے مقدمہ باز زمیندار ہوا کرتے تھے۔ اس کا مالک شہر کے مشہور بدمعاشوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"ڈرو نہیں......چل کر میرا کمرہ کھول دو۔"

اس نے میز کی دراز سے کنجیوں کا لچھا نکالا اور ایک طرف چلنے لگا۔

"تمہارے اس نئے دھندے سے میں خوش نہیں ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"جی کون سا دھندہ۔"

"دیکھو مجھ سے اڑنے کی کوشش نہ کرو۔"

"سچ مچ میں نہیں سمجھا۔"

"کمرہ نمبر دس میں کون ہے؟"

"وہ دراصل......!"

"دیکھو پولیس کو اطلاع مل چکی ہے کہ تمہارے آدمی دیہاتوں سے بھولی بھالی لڑکیوں کو بھگا لاتے ہیں اور تم ان سے پیشہ کراتے ہو۔ میں نے کئی بار تمہیں سمجھایا کہ اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ کیا یہ ہوٹل تمہارے اخراجات کے لئے کافی نہیں۔"

"میں......میں مگر۔"

"فضول باتیں چھوڑو......میرے سامنے تمہارا کوئی جھوٹ نہیں چل سکتا۔"

"جی بات یہ ہے کہ......!"

"کوئی بات نہیں ہے۔" فریدی کڑے لہجے میں بولا۔ "ان لڑکیوں کو آج ہی یہاں سے ہٹا کر ان کے گھروں کو بھجوا دو۔ ورنہ کل تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔ پولیس کسی مناسب موقع کی منتظر ہے۔"

"جی بہت اچھا۔"

کمرہ کھول کر ہوٹل والا واپس چلا گیا۔ یہ تنگ و تاریک کمرہ تھا جس میں سیلن کی بدبو گونج رہی تھی۔ فریدی نے جیب سے ایک دیا سلائی نکال کر طاق پر رکھی ہوئی موم بتی روشن کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد فریدی ایک ادھیڑ عمر کے سب انسپکٹر کے بھیس میں کمرے سے
ہوا۔ اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور کرنل سعید کے بنگلے کی طرف روانہ ہوگیا۔ آہستہ آہستہ
پھیلتی جارہی تھی۔ سڑک کے کنارے لگے ہوئے بجلی کے کھمبوں کے بلب روشن ہوگئے تھے
کی چہل پہل بڑھ گئی تھی۔ ہوٹلوں کے سامنے کاروں کے جمگھٹے تھے۔

فریدی سوچ میں ڈوبا ہوا کرنل سعید کے بنگلے کی طرف جارہا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ
کے بعد اس نے ٹیکسی ایک جگہ رکوائی اور کرایہ ادا کر کے پیدل چل پڑا۔

چند لمحوں کے بعد وہ کرنل سعید کے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں داخل ہورہا تھا۔ نوکر سے اطلاع
کرانے پر وہ ڈرائینگ روم میں بلوا لیا گیا۔ جگدیش ایک نوجوان اور خوبصورت عورت سے با
کررہا تھا۔

"واہ انسپکٹر صاحب...... میں آپ کا انتظار ہی کرتا رہ گیا۔" فریدی نے جگدیش سے ک

"آیئے آیئے۔" جگدیش ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "ایک ضر
کام سے مجھے یہاں آنا پڑا۔ بہرحال میں آپ کے لئے کوتوالی میں کہہ آیا تھا۔ کہئے آپ
علاقے میں سب خیریت ہے نا۔"

"جی ہاں...... کوئی خاص بات نہیں۔"

فریدی کی نظریں دیوار پر لگی ہوئی ایک تصویر پر جم گئیں۔ یہ تصویر اسی عورت کی تھی جے
نے ہیروں والے ہار میں دیکھا۔ فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔ جگدیش اسے کرنل صاحب
لڑکی کی گمشدگی کا حال بتانے لگا۔ فریدی دلچسپی اور توجہ سے سنتا رہا۔ درمیان درمیان وہ بول
پڑتا تھا۔ عورت خاموش تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ ٹھنڈی سانس لے کر وہ بے چینی سے صوفے
کسمسانے لگتی۔

"اور ابھی بیگم صاحبہ کی زبانی معلوم ہوا کہ۔" جگدیش عورت کی طرف اشارہ کر کے بو
"اس صدمے کی وجہ سے کرنل صاحب کے دماغ پر بُرا اثر پڑا ہے۔"

"یعنی......!" فریدی نے پوچھا۔

"دماغی حالت درست نہیں۔ اکثر وہ اپنے کتے کو دیکھ کر بھونکنے لگتے ہیں۔"

جگدیش نے یہ جملہ کچھ ایسے احمقانہ انداز میں کہا کہ فریدی کو ایک بے ساختہ قسم کا قہقہہ
ضبط کرنا پڑا۔

"اچھا......!" فریدی عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔

"جی ہاں...... بہت ہی تشویش ناک حالت ہے۔" عورت نے کہا۔

فریدی نے اس کی آواز میں ایک عجیب طرح کی کشش محسوس کی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے
دور کہیں ویرانے میں دفعتاً گھنٹیاں سی بج اٹھی ہوں۔

"واقعی یہ حادثہ بہت ہی افسوس ناک ہے۔" فریدی بولا۔ "کیا رات کو یہاں کوئی باہری
آدمی آیا تھا۔"

عورت دفعتاً چونک پڑی۔

"جی نہیں...... نہیں تو۔" وہ جلدی سے بولی۔

"اکثر مہمان تو آتے ہوں گے۔"

"جی ہاں...... کبھی کبھی۔"

"اور کرنل صاحب کے ملنے والے بھی۔"

"جی ہاں۔"

"اس دن کون کون آیا تھا۔"

"جہاں تک مجھے یاد ہے کوئی نہیں۔"

"اس وقت کرنل صاحب کہاں ہیں؟"

"میں نے بتایا کہ ان کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں۔ انہیں نوکروں کی نگرانی میں ایک الگ
کمرے میں رکھا گیا ہے۔"

"اوہ......!" فریدی بولا۔ "اتنی خراب حالت ہے۔"

تھوڑی دیر بعد رسمی گفتگو کرتے رہنے کے بعد جگدیش اور فریدی اٹھ گئے۔ فریدی کا ایک
مقصد تو حل ہوگیا تھا۔ کرنل سعید کے ڈرائینگ روم میں لگی ہوئی تصویر نے اس بات کی تصدیق
کردی تھی کہ جھرمالا سے نکلنے والا ہار وہی تھا جو کرنل کی لڑکی پہنے ہوئے تھی۔ جگدیش اور فریدی

ادھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے چوراہے تک آئے۔ جگدیش نے ایک ٹیکسی کروائی لیکن فریدی نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ وہ گھر واپس جانے کی بجائے حمید کے الفاظ میں مٹر گشتی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی یہ مٹر گشتی خاص ہی خاص موقعوں پر ظاہر ہوتی تھی جب کوئی خطرناک کام انجام دینا ہوتا یا جب کوئی الجھا ہوا معاملہ درپیش ہوتا تو فریدی عموماً شہر کی سڑکوں کے چکر لگایا کرتا تھا۔

کرنل سعید

دوسرے دن صبح حمید اور فریدی کرنل سعید کے متعلق ناشتہ کرتے وقت گفتگو کر رہے تھے۔

''آخر آپ اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہیں۔'' حمید بولا۔

''اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔''

''کیسا چارہ...... آخر معاملہ کیا ہے۔ میں تو ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''میں خود ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکا۔'' فریدی نے کہا۔

''تو پھر اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔'' حمید بولا۔ ''خواہ مخواہ ہلڑ مچے گا۔''

''اس کی زندگی خطرے میں تھی۔''

''کیوں......؟''

''چند مشاہدات کی بناء پر میں ایسا کہہ رہا ہوں۔''

''جلدی کہہ بھی ڈالئے۔'' حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

''ذرا سوچو تو جب اس کی دماغی حالت اتنی خراب تھی تو اسے اس طرح کیوں رکھا گیا کہ وہ آزادانہ باہر نکل آیا۔ دوسرے یہ کہ اس کے کتے کسی کوٹھری وغیرہ میں بند کرنے کی بجائے باغ میں کیوں باندھے گئے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ وہ کتوں سے لڑنے پر آمادہ رہتا ہے کتوں کو گھر سے ہٹا دینا چاہئے تھا۔''

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''غالباً آپ کا مطلب یہ ہے کہ کرنل کی بیوی اس بچی کو اپنی راہ سے ہٹانے کے بعد خود کرنل کا خاتمہ کر دینا چاہتی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''میں اتنی جلدی نتائج نکال لینے کا قائل نہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''پھر آپ کا کیا خیال ہے۔''

''ابھی تک کسی خاص نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا۔''

''کرنل سعید کی بیوی کو تو آپ نے دیکھا ہوگا۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں......!''

''اشرف کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ کافی حسین ہے۔''

''ہاں بے حد حسین۔''

''اگر میں اس سے عشق شروع کر دوں تو کیسی رہے۔''

''ہر جگہ یہ تدبیر کام نہیں آ سکتی۔'' فریدی نے کہا۔ ''ایسی حماقت نہ کرنا۔ ہماری ان حرکتوں سے یہاں کے سارے جرائم پیشہ واقف ہو چکے ہیں۔ اب کوئی عورت دھوکا نہیں کھا سکتی۔''

''یہی تو سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔'' حمید اپنے چہرے پر اداسی طاری کرتا ہوا بولا۔ ''بہرحال آپ نے اس کی بیوی کے متعلق کیا اندازہ لگایا ہے۔''

''صورت سے تو کسی طرح بھی مجرم نہیں معلوم ہوتی۔'' فریدی نے کہا۔ ''یہ نظریہ بھی ہر جگہ درست نہیں ہوتا۔''

''پھر آخر کار آمد ہوتا کیا ہے۔''

''ٹھنڈے دل سے ہر معاملے پر غور کرنا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''اونہہ ہوگا۔'' حمید بیزاری سے بولا۔

''خیر...... ذرا اٹھ کر کھڑکیاں اور دروازے بند کر دو۔ نوکروں سے کہہ دو اگر کوئی ملنے کے لئے آئے تو کہہ دیں کہ ہم لوگ گھر پر موجود نہیں ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں......؟''

''عجیب احمق ہو...... ارے بھئی کرنل سعید۔''

''اوہ......!'' حمید اٹھتا ہوا بولا اور باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر اس نے کمرے کے سارے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیں۔

فریدی اٹھا۔ اس نے فرش پر بچھے ہوئے قالین کا ایک کونا ہٹایا اور پھر فرش کے بڑے چوکور پتھروں میں سے ایک ہٹا دیا گیا۔ نیچی سیڑھیاں تھیں۔ فریدی اور حمید نیچے اترنے لگے۔ سیڑھیوں کے اختتام پر ایک دروازہ تھا۔ حمید نے بڑھ کر ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھل گیا۔ ایک زمین دوز کمرہ تھا۔ صاف ستھرا۔ زمین پر قالین تھا۔ ایک طرف ایک صوفہ سیٹ قرینے سے رکھا ہوا تھا اور دوسری طرف ایک مسہری تھی۔ جیسے ہی یہ لوگ اندر داخل ہوئے کرنل سعید کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار نظر آرہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھتے ہی وہ ان پر جھپٹ پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے اسے مسہری پر دھکیل دیا۔

"تم لوگ کون ہو اور مجھے یہاں کیوں بند کر رکھا ہے۔" کرنل سعید گرج کر بولا۔

"محض تمہاری حفاظت کے خیال سے۔" فریدی پر اطمینان لہجے میں بولا۔

"کیا فضول بکواس ہے۔"

"تو گویا تم اس وقت ہوش میں ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اگر خیریت چاہتے ہو تو مجھے چھوڑ دو۔" سعید پھر گرجا۔

"لیکن آپ اسی طرح بخیریت رہ سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"پھر وہی بکواس...... تم جانتے ہو میں کون ہوں۔"

"اچھی طرح۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کرنل سعید جو پہلی جنگ عظیم میں جرمنوں کے خلاف لڑا تھا اور اب اپنے کتوں سے لڑتا ہے۔"

اچانک کرنل سعید پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ غصے میں تپتے ہوئے چہرے پر سپیدی اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے ایک عجیب قسم کا غم انگیز اضمحلال جھانکنے لگا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

تھوڑی دیر کی ذہنی کشمکش کے بعد اس نے خود پر قابو پالیا۔

"لیکن تم نے مجھے یہاں بند کیوں کر رکھا ہے اور تم کون ہو۔" کرنل سعید آہستہ سے بولا۔

"محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر فریدی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر میں تمہیں یہاں نہ لے آتا تو تمہارے خوفناک کتے تمہیں چیر پھاڑ کر رکھ دیتے۔"

"اوہ......!" سعید چیخ کر بولا۔ "تم کون ہوتے ہو میرے نجی معاملات میں دخل دینے والے۔"

"قانون کا محافظ۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمہاری لڑکی کہاں گئی۔"

"اچھا تو کیا میری لڑکی کو تلاش کرنے کا یہی ایک طریقہ ہو سکتا تھا۔" کرنل سعید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کس اُلو کے پٹھے نے تمہیں محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر بنایا ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"دیکھو میں کہتا ہوں مجھے چھوڑ دو۔"

"کیا تم ڈاکٹر وحید کو جانتے ہو؟" فریدی نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

کرنل سعید چونک پڑا۔ وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جسے تم نجی سمجھ رہے ہو وہ قانون کی نظروں میں بہت بڑا جرم ہے۔"

"کیا مطلب......!" کرنل سعید چونک کر بولا۔

"لڑکی کو غائب کر کے تم نے پاگل پن کا ڈھونگ رچایا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ جھوٹ ہے، سفید جھوٹ ہے۔" کرنل سعید چیخ اٹھا۔

"تو پھر تم پاگل پن کا ڈھونگ کیوں رچاتے ہو۔"

"میں ڈھونگ نہیں رچاتا...... میں...... لیکن میں کیوں بتاؤں...... تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔" کرنل سعید چیخ کر بولا۔

"وہ تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔"

"دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس پر مجبور نہیں کر سکتی۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے بے پروائی سے کہا۔ "ابھی کوئی ایسی جلدی نہیں۔ میں تمہیں اس پر غور کرنے کے لئے وقت دیتا ہوں۔"

"مگر تم یہ اپنے حق میں اچھا نہیں کر رہے ہو۔" کرنل سعید نے کہا۔ "کسی شخص کو اس طرح نظر بند کر دینا بھی قانوناً جرم ہے۔ تمہیں ایک دن اس کے لئے پچھتانا پڑے گا۔"

"ایک دن کیا......!" حمید ہنس کر بولا۔ "میں اسی وقت پچھتانے کے لئے تیار ہوں۔"

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ خاموش ہوگیا۔

"جاؤ کرنل کے لئے ناشتہ لاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید چلا گیا۔

''دیکھو کرنل۔'' فریدی بولا۔ ''میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں تمہاری ہی بہتری کے لئے۔''

''جی عنایت کا شکریہ۔ آپ مجھے احسان مند نہ بنائیں تو زیادہ بہتر ہے۔''

''خیر تمہاری مرضی...... لیکن تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔'' فریدی بولا۔

پولیس کی حیرانی

تہہ خانے سے واپس آنے کے بعد فریدی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور حمید کچھ اکتایا ہوا ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

''تم نے کیا اندازہ لگایا۔'' دفعتاً فریدی بولا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''کیا واقعی اس نے پاگل پن کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔''

''بات تو کچھ ایسی ہی معلوم ہوتی ہے۔''

''آدمی سخت قسم کا ہے۔ ذرا مشکل ہی سے کچھ اگلے گا۔'' فریدی بولا۔

''لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔'' حمید نے کہا۔ ''اگر وہ بنا ہوا پاگل تھا تو اسے اپنے پاگل پن کا اظہار اس وقت کرنا چاہئے تھا جب کہ اسے دیکھنے والے موجود ہوں۔ رات کے سناٹے میں جب غالباً گھر کے سارے افراد سو رہے تھے اس نے یہ حرکت کیوں کی۔ بالکل کتوں جیسی حرکتیں تھیں۔ رات کو اس نے ایک ٹانگ اٹھا کر کتوں کی طرح پیشاب بھی کیا تھا۔ اس کی ان ساری حرکتوں میں اتنی بے ساختگی تھی کہ کیا کہوں اور پھر دوسری بات یہ کہ اس کے کتے بھی اس سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔''

''میں تمہیں انہی الجھاؤں کی طرف لانا چاہتا تھا۔'' فریدی بولا۔

''لیکن اس وقت وہ بالکل ہوش میں ہے۔'' حمید بولا۔

''اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ خاص خاص اوقات میں اس پر یہ حالت طاری ہوتی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''اوہ وہ اپنی اس کیفیت سے واقف بھی معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے نجی معاملات میں دخل اندازی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔''

''یہ اور زیادہ حیرت انگیز بات ہے۔''

''اتنی ہی حیرت انگیز جتنی اس لومڑی اور خوفناک کتے کی لڑائی تھی۔'' فریدی نے کہا۔

''ڈاکٹر وحید نے یہ بھی کہا تھا کہ اس انجکشن کا اثر وقتی تھا۔''

''بہرحال اس وقت ہم لوگ تین احمقوں کے چکر میں پھنس گئے ہیں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''ابھی دیکھئے اور کتوں کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ اگر کہیں کرنل کی بیوی بھی ایسی نکلی تو مزہ ہی آجائے گا۔''

''اب دیکھو پولیس پر اس کا کیا ردعمل ہوتا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میرا خیال ہے کہ اب تک پولیس کو اس کی گمشدگی کی اطلاع ہو چکی ہوگی۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن اسے بند کر رکھنے سے کیا فائدہ۔''

''ان لوگوں کو حیرت زدہ کرنا جنہوں نے اس کی لڑکی کو غائب کیا ہے۔'' فریدی بولا۔

''مگر آپ تو اس سے ایسی باتیں کر رہے تھے جیسے اسی نے یہ حرکت کی ہو۔'' حمید نے کہا۔

''بھئی بات دراصل یہ ہے کہ ابھی میں بھی کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔''

''ابھی آپ نے لومڑی اور اس عارضی اثر رکھنے والے انجکشن کے بارے میں کہا تھا۔ آپ کا یہ خیال ہے کہ کل رات کو ان ڈاکٹروں میں سے کوئی کرنل سعید کے یہاں آیا تھا۔''

''بہت ممکن ہے۔'' فریدی بولا۔ ''یہ ساری کڑیاں ایک ہی سلسلے کی معلوم ہوتی ہیں بس انہیں ملانا ہے۔''

''بس ملائے جائیے کڑیاں۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''اللہ نے آپ کی قسمت میں یہی لکھ دیا ہے۔''

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کی آمد کی اطلاع ملی۔

"لیجئے۔" حمید بولا۔ "آ گئے برخوردار بلند اقبال کرنل سعید کی گمشدگی کی اطلاع لے کر"

"آؤ بھئی آؤ۔" فریدی جگدیش کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر بولا۔

جگدیش دونوں سے مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔

"میں نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔" جگدیش بولا۔

"تو اب کر لو۔" فریدی بولا اور نوکر کو آواز دے کر ناشتہ لانے کو کہا۔

"ایک نئی مصیبت۔" جگدیش بولا۔

"کیا کرنل سعید نے اپنے کتے کو کاٹ کھایا۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

جگدیش بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اماں کیا حمید بھائی تم بعض اوقات بے موقع ہنسا دیتے ہو۔" جگدیش نے کہا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کرنل سعید غائب ہو گیا۔"

"غائب ہو گیا۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔"

"وہ کیسے......؟"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن وہ گھر پر موجود نہیں۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ارے بھئی کہیں چلا گیا ہوگا۔ کوئی دودھ ہے کہ غائب ہو گیا۔"

"ارے نہیں صاحب...... اس کی بیوی نے رپورٹ کی ہے۔ وہ رات اپنے کمر- سویا ہوا تھا۔"

"اوہ......!" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا ایک جوتا باغ میں ملا اور دوسرا غائب ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" حمید ہنس کر بولا۔ "یہ کیوں نہیں کہتے کو اس کا ایک جوتا غائب

خواہ کرنل سعید کو غائب کر دیا۔"

"نہیں بھائی...... میرا مطلب یہ ہے کہ اس کی کسی سے باغ میں جدوجہد ہوئی جس کے نتیجے میں اس کا ایک جوتا باغ میں رہ گیا۔"

"تو کون سی مصیبت آ گئی...... وہ جوتا باغ سے اٹھا کر پھر بنگلے کے اندر لے جایا جا سکتا ہے۔"

"ارے یار مذاق چھوڑو۔" جگدیش بولا۔ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے کہ اُسے کوئی زبردستی اٹھا کر لے گیا۔"

"بڑا نادر خیال ہے۔" حمید بولا۔

"چپ رہو بھئی۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ پھر جگدیش سے بولا۔

"وہ باغ میں کس طرح پہنچا۔ اس کی بیوی کے بیان سے تو یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ کڑی نگرانی میں رکھا جاتا ہے۔"

"لیکن اس کی بیوی نے آج یہ بھی بتایا کہ اس پر وہ مجنونانہ کیفیت ہر وقت طاری نہیں رہتی تھی۔ خصوصاً رات کے وقت اس پر اس قسم کا دورہ پڑتا تھا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ رات کے کس حصے میں اس کی یہ حالت ہوگی۔"

"بہر حال اس کے گھر والوں کو چاہئے تھا کہ کم از کم رات ہی کو اس کی نگرانی کرتے۔" فریدی بولا۔

"وہ تو ایک الگ سی بات ہے کہ کیا ہوا اور کیا نہیں ہوا۔ اب یہ نئی مصیبت کون سنبھالے گا۔" جگدیش نے کہا۔

"جس کے سر پڑے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"پھر وہی۔" فریدی نے اسے ڈانٹا۔

"بھائی حمید ہیں بھلا ان کی زبان کون روک سکتا ہے۔" جگدیش نے ہنس کر کہا۔

"تو پھر تمہارا کیا ارادہ ہے۔" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"یہی پوچھنے کے لئے تو حاضر ہوا ہوں کہ کیا ارادہ کروں۔"

"فی الحال یہ ارادہ کر لو کہ تم کچھ نہ پوچھو گے۔" حمید بولا۔

"خیر چلو......!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے کپڑے پہنے اور جگدیش کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ ابھی وہ دونوں برآمدے ہی میں تھے کہ حمید بھی تیار ہو کر آ گیا۔

"تم کہاں چلے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جہاں آپ......!"

"ہم تو کرنل سعید کے یہاں جا رہے ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

"کرنل سعید کی بیوی میری رشتہ دار ہوتی ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"میں تمہاری رشتہ داریاں خوب سمجھتا ہوں۔" جگدیش ہنس کر بولا۔

فریدی کی کار کرنل سعید کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئی۔

کرنل سعید کے پائیں باغ میں دو سب انسپکٹر اور تین چار کانسٹیبل بیٹھے نوکروں کے بیانات لے رہے تھے انہیں دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے۔

"کوئی خاص بات۔" جگدیش نے ایک سب انسپکٹر سے پوچھا۔

"ابھی تک تو کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکی۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

یہ تینوں انہیں وہیں چھوڑ کر برآمدے میں آئے جہاں کرنل سعید کی بیوی بیٹھی کرنل کے چند دوستوں کو اس کی گمشدگی کے متعلق بتا رہی تھی۔

"معاف کیجئے گا۔" جگدیش نے کہا۔ "ہم ایک بار پھر آپ کو تکلیف دینا چاہتے ہیں"

"فرمائیے۔" کرنل کی بیوی اٹھتی ہوئی بولی۔

"ہم کرنل صاحب کے سونے کا کمرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ضرور......!" کرنل کی بیوی نے کہا پھر اپنے مہمانوں سے معذرت کرنے فریدی وغیرہ کے ساتھ ہو لی۔

یہ لوگ کرنل کے سونے کے کمرے میں آئے جو بہت ہی فراخ دلی کے ساتھ سجایا گیا دیواروں پر زیادہ تر نیم عریاں تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ ایک آدھ جگہ جنسی معلومات کے چارٹ بھی لٹکے ہوئے تھے۔ فریدی متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر وہ مسہری کے قریب آیا۔

"اوہ......!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اس نے سرہانے رکھی ہوئی ایک سرنج اٹھائی۔ پھر کرنل کی بیوی کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے کچھ کہنے کے لئے سوچ رہا ہو۔

"کیا اس سرنج کے متعلق کچھ پوچھ سکتا ہوں؟"

"ہاں وہ اکثر اپنے ہاتھ سے خود ہی انجکشن لیا کرتے تھے۔" کرنل کی بیوی نے کہا۔

"کس قسم کے انجکشن......!"

"درد گردہ کے۔"

اس دوران میں فریدی سرہانے رکھا ہوا تکیہ ہٹا چکا تھا۔ دوسرے لمحے میں اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی شیشی تھی، جس میں کوئی سفید سی سیال شے بھری ہوئی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں۔"

فریدی سوچنے لگا۔

"کیا وہ کسی کے زیر علاج تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"ان کا کوئی ڈاکٹر دوست تھا۔"

"کوئی نہیں۔"

"کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کوئی ایسا دوست ان سے ملنے کیلئے آتا تھا جو ڈاکٹر ہو۔"

کرنل سعید کی بیوی چونک پڑی۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی بدلتی ہوئی حالت پر قابو پا لیا۔

"میرے خیال سے تو کوئی ایسا آدمی نہیں۔" وہ بولی۔

"تو کیا کرنل صاحب کسی ڈاکٹر سے مشورہ لئے بغیر ہی انجکشن لے لیا کرتے تھے۔"

"نہیں آج سے دو سال قبل کسی ڈاکٹر نے انہیں مشورہ دیا تھا۔"

"کل رات یہاں کون کون آیا تھا۔"

"ایک تو انسپکٹر صاحب۔" وہ جگدیش کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "اور ایک صاحب انہیں ڈھونڈتے ہوئے یہاں پہنچ گئے تھے۔"

"ان کے علاوہ۔"

"ان کے علاوہ کوئی باہری آدمی یہاں آیا ہی نہیں۔"

"ان کا دماغ کب سے خراب تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ بچی کے غائب ہونے کے بعد ہی ان کی یہ حالت ہوگئی تھی۔"

"آدمیوں کو بھی تنگ کرتے رہے ہوں گے۔"

"ہرگز نہیں۔" کرنل کی بیوی بولی۔ "میں نے اکثر رات میں انہیں صرف کتوں پر جھ دیکھا ہے۔"

"رات کے کس حصے میں۔"

"ایک رات تقریباً تین بجے اتفاقاً میری آنکھ کھل گئی۔ پائیں باغ میں شور سن کر میں کھڑکی سے جھانکا، باہر اندھیرا تھا۔ لیکن پھر بھی مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے دو کتے لڑ رہے ہیں ہمارے کتے آپس میں کبھی نہیں لڑتے، میں سمجھی شاید کوئی باہری کتا آ گیا ہے۔ میں نے ٹا اٹھا کر باہر روشنی ڈالی، لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ ایک ہمارا کتا تھا اور دوسرے خود کرنل صاحب، وہ گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل اچھل اچھل کر کتے پر کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ بالکل کتے جیسی آواز میں بھونکے جا رہے تھے۔ میں نے نوکروں جگایا۔ وہ کسی نہ کسی طرح انہیں اندر لائے۔ وہ اس وقت ہوش میں نہ تھے۔ بہر حال میں اس دن سے ان کی کافی نگرانی شروع کر دی تھی۔ لیکن وہ رات کو کسی نہ کسی طرح کمرے سے نکل ہی جاتے تھے۔ کل رات بھی شاید وہ باہر نکل گئے۔ پھر معلوم نہیں کیا حادثہ پیش آیا۔"

"آپ کی دانست میں ان کا کوئی دشمن تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ فوجیوں کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔ کرنل صاحب بہت اکھڑ آدمی ہیں۔ اس لئے اگر انہوں نے کچھ دشمن پیدا کر لئے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی با نہیں۔ لیکن میں یہ نہ بتا سکوں گی کہ ان کا دشمن کون ہے ایسے تو جتنے بھی ان کے ملنے کے آتے ہیں سبھی ان کے جگری دوست معلوم ہوتے ہیں۔"

فریدی کے استفسار پر کرنل کی بیوی نے کئی ایسے لوگوں کے نام اور پتے لکھوائے جو

کے گھر آیا کرتے تھے۔ لیکن ان میں ڈاکٹر وحید کا نام نہیں تھا۔ فریدی کچھ سوچنے لگا۔ حمید غور سے کرنل کی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کی دلی کیفیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہو۔

فریدی اس سے چند اور سوالات کرنے کے بعد واپس جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ سرنج اور شیشی کرنل کی بیوی کی اجازت سے اس نے اپنی جیب میں ڈال لی تھیں۔

جگدیش وہیں رہ گیا۔ حمید اور فریدی کار میں بیٹھ کر روانہ ہوگئے۔

"مجھے تو اس عورت پر شبہ ہے۔" حمید بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"آوارہ معلوم ہوتی ہے۔" حمید پھر بولا۔

"کیوں؟ آوارہ کیوں معلوم ہوتی ہے۔"

"اس لئے کہ اس کے بائیں پیر کی چھوٹی انگلی کے پاس والی انگلی تناسب کے اعتبار سے چھوٹی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ بقیہ انگلیوں کی سطح سے کچھ اونچی ہو۔"

"کیا فضول بکواس ہے۔" فریدی کچھ اکتا کر بولا۔

"صدیوں کے تجربات کا نچوڑ پیش کر رہا ہوں۔"

"بکو مت......!"

"اور جب وہ خاموش ہوتی ہے تو اس کے ہونٹ کھل جاتے ہیں اور دانت دکھائی دینے لگتے ہیں۔"

"تو پھر اس سے کیا۔"

"اور مسکراتے وقت اس کے گالوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں۔" حمید بولا۔ "آسکر وائلڈ نے لکھا ہے کہ یہ نطفہ ناتحقیق ہونے کی علامت ہے۔"

فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"ابھی تک تو وہ خود آوارہ تھی اور اب تم اس کی ماں کی آوارگی ثابت کرنے بیٹھ گئے۔ فضول بکواس کر کے میرا دماغ مت خراب کرو۔"

"ایسی باتوں سے دماغ روشن ہوتا ہے۔"

"پھر وہی۔"

"تندرستی اچھی رہتی ہے۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں نہیں اڑتیں۔ سر نہیں چکراتا، آنکھوں کی کھوئی ہوئی روشنی واپس آجاتی ہے۔ دانت مضبوط اور چمک دار ہو جاتے ہیں خواب صاف دکھائی دیتے ہیں، آدمی بھوت پریت کے سائے سے محروم رہتا ہے......اور اور......!"

"ارے بابا بند کرو...... یہ بکواس۔" فریدی اکتا کر بولا۔

پھر احمقوں میں

حمید خاموش ہو گیا۔ کار تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ سڑک کے پر رونق بازار چھوڑتی ہوئی ایک سنسان سڑک پر مڑ گئی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" حمید چونک کر بولا۔

"جھریالی......!"

"کیوں؟"

"ڈاکٹروں سے ملنے۔"

"لاحول ولاقوۃ خواہ مخواہ وقت برباد کریں گے آپ......!"

"فضول بکواس مت کرو۔" فریدی بولا۔

"تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کرنل سعید کو پاگل بنانے میں انہیں کا ہاتھ ہے۔"

"یہ میں اس وقت سمجھ سکتا تھا جب سعید قطعی پاگل ہوتا ہے۔"

"تو کیا آپ کو اس کے قطعی پاگل ہونے میں شبہ ہے۔"

"قطعی پاگل ہونے سے میری مراد ہر وقت کی بیہوشی ہے۔" فریدی بولا۔ "صرف... ہی کو وہ کیوں پاگل ہو جاتا ہے۔"

"بہت ممکن ہے کہ خود انہوں نے اسے کوئی ایسی دوا دی ہو جس کا وقتی اثر یہ ہوتا ہے۔" حمید بولا۔

"یہی سب دیکھنے کے لئے تو چل رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "آخر وقتی طور پر اسے پاگل بنانے کا کیا مطلب ہے۔"

"کچھ عجیب اتفاق ہے کہ معاملہ لڑکی کی تلاش سے شروع ہو کر باپ کے پاگل پن پر ختم ہو گیا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں معاملہ ختم کہاں ہوا۔ وہ تو اب شروع ہوا ہے۔"

"وہ انشاء اللہ زندگی بھر اسی طرح شروع ہوتا رہے گا۔"

"تم احمق ہو، جہاں ذرا سی محنت پڑی جان نکلنے لگی۔" فریدی نے کہا۔

"اسے آپ ذرا سی محنت کہتے ہیں۔"

"دیکھو خواہ مخواہ بک بک کرتے رہنے کی عادت اچھی نہیں۔"

"معاف کیجئے گا...... میری یہی بک بک آپ کی کامیابیوں کی ذمہ دار ہے۔" حمید بولا۔

"بہت اچھے! بڑی شاندار بکواس ہوتی ہے آپ کی۔ کاہل اور کام چور عورتوں کی سی باتیں کرتے ہو۔"

"عورتوں...... ہائے...... عورتوں...... ذرا ایک بار پھر کہئے۔" حمید سینے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ "اگر اسی طرح عورت افزائی کرتے رہے تو کیوں مجھے اکتانا پڑے۔"

"پھر وہی عورت۔" فریدی جل کر بولا۔ "اگر یہی عالم رہا تو ایک دن تم خود عورت ہو جاؤ گے۔"

"اور آپ اس وقت کہاں ہوں گے؟" حمید نے پوچھا۔

"جہنم میں۔"

"تو گویا نعوذ باللہ۔"

"خاموش رہو...... ورنہ میں تمہارا سر اسٹیئرنگ سے لڑا دوں گا۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"اچھا پھر اس کے بعد آپ کہاں ہوں گے۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس وقت اسے سچ مچ حمید کی بے تکی بکواس بہت کھل رہی تھی۔

حمید بھی شاید سمجھ گیا تھا اس لئے اس نے بالکل خاموشی اختیار کر لی۔ فریدی کار کی رفتار بہ لمحہ تیز کرتا جا رہا تھا۔

جھریالی پہنچ کر فریدی نے کار کچے راستے پر اتار دی۔ تجربہ گاہ کے سامنے پہنچ کر کار رک گئی۔ کل ہی والا پہرے دار آج بھی پھاٹک پر بیٹھا ہوا تھا۔ فریدی کو کار سے اترتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''سلام صاحب۔''

''سلام! ذرا یہ کارڈ اندر بھجوا دو۔'' فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ جیب سے نکال کر دیتے ہوئے کہا۔

پہرے دار نے کسی کو آواز دی۔ ایک آدمی اندر سے آیا اور اس نے کارڈ اسے دے دیا۔ فریدی اندر بلا لیا گیا۔

دونوں ڈاکٹر لیبارٹری میں کوئی تجربہ کر رہے تھے۔ انہوں نے فریدی کو وہیں بلا لیا۔

جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچے اندر سے کسی شیر خوار بچے کے رونے کی آواز آئی۔ اندر پہنچ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ آواز ایک خرگوش کے منہ سے نکل رہی تھی جسے ڈاکٹروں نے ایک مشین میں لگے ہوئے پنجرے میں بند کر رکھا تھا۔

حمید کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''اوہ آپ۔'' وحید نے چونک کر کہا۔ ''شاید کل بھی تو آپ آئے تھے، لیکن آپ نے نہیں بتایا تھا کہ آپ کون ہیں۔''

''اس قسم کا کوئی موقع ہی نہیں آیا تھا۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''میں ایک تکلیف دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔''

''فرمایئے۔''

فریدی نے وہی شیشی نکالی جو اس نے کرنل سعید کے بستر پر پائی تھی۔

''میں اس سیال کا تجربہ چاہتا ہوں۔''

''بس اتنی معمولی سی بات، میں تو سمجھا تھا کہ شاید آپ کوئی بڑی خدمت مجھ سے لینے والے ہیں۔'' ڈاکٹر وحید نے مسکرا کر کہا۔

فریدی نے شیشی اسے دے دی اور اس کے حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لینے لگا۔

ڈاکٹر وحید کے چہرے پر کسی قسم کی گھبراہٹ یا پریشانی کے آثار نہ تھے۔ اس نے نہایت اطمینان سے شیشی کا عرق ایک ٹسٹ ٹیوب میں انڈیلا اور اس میں کچھ دوسری چیزیں ملا کر اسپرٹ لیمپ پر گرم کرنے لگا۔

دفعتاً تھوڑی دیر بعد اس کے منہ سے عجیب قسم کی آواز نکلی اور وہ گھوم کر تحیر آمیز انداز سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ چیز آپ کو کہاں سے ملی۔'' اس نے فریدی سے پوچھا۔

''یہ کیا ہے۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''میرا دعویٰ تھا کہ اس کا راز صرف میں ہی جانتا ہوں مگر......!'' وہ پریشانی کے لہجے میں بولا۔

''یعنی......!''

''آپ کو یہ کہاں سے ملا......؟''

''کرنل سعید کے یہاں......!''

''کرنل سعید کے یہاں۔'' ڈاکٹر وحید نے اچھل کر کہا۔

''جی ہاں۔''

''تو وہ حضرت اسے یہیں سے چرا کر لے گئے ہیں۔'' ڈاکٹر وحید بے ساختہ بولا۔

''آپ اسے جانتے ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اچھی طرح......وہ میرے زیر علاج ہے۔''

''کس چیز کا علاج کر رہے ہیں آپ۔''

''جنسی کمزوری کا۔''

''اوہ لیکن اس شیشی میں کیا چیز تھی۔''

''ہمارا ایک نامکمل تجربہ۔'' ڈاکٹر وحید نے کہا۔ ''یہ بھی جنسی کمزوری ہی کی ایک دوا ہے

لیکن ابھی اس قابل نہیں کہ اسے کسی آدمی پر استعمال کیا جاسکے۔"

"شاید آپ کو یہ سن کر تعجب ہو کہ اسے ایک آدمی استعمال کرتا رہا ہے۔"

"کون......!"

"کرنل سعید۔"

"ارے...... مجھے اس کا علم ہی نہیں۔ تو پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا......؟"

"نتیجے ہی کے سلسلے میں مجھے یہاں آنا پڑا ہے۔" فریدی نے کہا اور کرنل سعید کے پاگل پن کی داستان دہرادی۔ ڈاکٹر وحید کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک پیدا ہوگئی۔

"اوہ...... تب تو میرا تجربہ سو فیصدی کامیاب رہا۔" ڈاکٹر وحید مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

"مگر یہ ہے کیا بلا۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ کتوں کی جنسیت کے بارے میں تو جانتے ہی ہوں گے۔" ڈاکٹر وحید بولا۔

"اسی نظریئے کو سامنے رکھ کر ہم کتے کے غدود کے انجکشن کے سلسلے میں تجربہ کر رہے تھے۔ ہم نے دوا تو تیار کر لی تھی لیکن ابھی تک اطمینان نہیں ہوا تھا۔ کرنل سعید نے ہماری یہ مشکل بھی دور کردی۔ اگر وہ پندرہ دن تک متواتر اسے استعمال کرتا رہا تو آپ جانتے ہیں کیا ہوگا...... وہ پھر سے، جوان ہی نہیں بلکہ نوجوان ہوجائے گا۔"

"بشرطیکہ اس دوران میں اس کی ملک الموت سے ملاقات نہ ہوگئی ہو۔" حمید بے ساختہ بولا۔

"کیا مطلب......؟"

"وہ اسی پاگل پن کے عالم میں کل رات کہیں غائب ہوگیا۔" فریدی نے کہا۔

"غائب ہوگیا۔" وحید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "خیر فکر کی بات نہیں...... یہ پاگل پن عارضی ہوتا ہے، اسے جب بھی ہوش آئے گا وہ واپس آجائے گا۔"

"لیکن اسے یہ دوا ملی کیسے؟"

"میری حماقت کی وجہ سے۔" وحید بولا۔ "میں نے دراصل اسے اپنے اس تجربے کے متعلق بتا دیا تھا اور یہ دوا بھی دکھا دی تھی جو ایک بوتل میں رکھی ہوئی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ ابھی قابل اطمینان نہیں ہے۔ لیکن آپ تو جانتے ہی ہیں کہ

بڑھاپے میں کسی جوان عورت سے شادی کر لینا کتنا خطرناک ہوتا ہے۔ کرنل کی بے صبری نے اسے یہ دن دکھایا۔ اس نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ میں اس کا تجربہ اسی پر کروں لیکن میں خواہ مخواہ کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھا، آخر وہ اسے چرا ہی لے گیا۔"

"آپ اکثر و بیشتر اس کے گھر بھی جاتے رہے ہوں گے۔"

"ہاں اکثر اتفاق ہوا ہے، جب کبھی شہر جاتا ہوں اگر وقت ہوتا ہے تو اس سے ضرور مل لیتا ہوں۔ آدمی دلچسپ ہے۔"

"اس کی لڑکی کے متعلق تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔"

"ہاں میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ واقعی افسوس ناک حادثہ ہے۔"

"اور اب وہ خود بھی غائب ہوگیا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کا کوئی عزیز اس کی دولت کے لالچ میں ایسا کر رہا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس کی بیوی کی جان بھی خطرے میں ہے۔"

"بہت ممکن ہے، اس قسم کے سینکڑوں واقعات سننے میں آتے ہیں۔" وحید بولا۔

"کل میں آپ کی تجربہ گاہ کے سب شعبے نہیں دیکھ سکا۔" فریدی نے کہا۔

"تو آج ہی دیکھ لیجئے...... ہمیں خوشی ہوگی۔" ڈاکٹر وحید بولا۔

"پہلے بچوں کی طرح رونے والے اس خرگوش کا ماجرا بیان کیجئے۔" حمید نے کہا۔

"یہ بھی بالکل نیا تجربہ ہے۔" ڈاکٹر وحید مسکرا کر بولا۔ "ہمارا خیال ہے کہ آدمیوں کی ذات بدلی جاسکتی ہے اس سلسلے میں ابھی ہم جانوروں پر تجربہ کر رہے ہیں۔"

"صاحب واقعی ہمارے ملک میں آپ لوگوں کا دم غنیمت ہے۔ یقیناً آپ سائنس کی دنیا میں ہمارا سر اونچا کریں گے۔" فریدی بولا۔

"آیئے...... میں آپ کو بقیہ شعبے دکھاؤں۔" ڈاکٹر وحید نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھئے...... یہ ہمارا ننھا سا بجلی گھر ہے جس سے ہم اپنی ضرورت کے مطابق بجلی پیدا کر لیتے ہیں۔ یہاں اس کمرے میں ادویات رکھی جاتی ہیں اور آیئے ادھر تشریف لایئے۔ جی

ہاں یہ نباتات کا کمرہ ہے۔ یہاں دنیا کے سارے ممالک کی کارآمد نباتات کے نمونے ہیں۔

''کیا آپ نے شیر بھی پال رکھے ہیں۔'' دفعتاً حمید نے چونک کر پوچھا۔ اسے ابھی ایک خوفناک گرج سنائی دی تھی۔

''جی ہاں...... اس سامنے والی عمارت میں درندے ہیں۔''

''تو کیوں نہ لگے ہاں ان کو بھی دیکھ لیں۔'' فریدی نے کہا۔

''لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ انہیں قریب سے نہ دیکھ سکیں گے۔ کیونکہ ابھی تک وہاں کا انتظام نہیں ہوسکا۔ درندے کمروں میں بند ہیں۔ خود ہم لوگ بھی ادھر بہت کم جاتے ہیں۔''

''یہ چیز تو خطرناک ہے۔''

''کیا کیا جائے...... حکومت نے کٹہروں کا وعدہ تو کیا ہے، دیکھئے کب تک ملتے ہیں۔'' ڈاکٹر وحید بولا۔

''گھبرائیے نہیں آپ کو بہت جلد کٹہرے بھی مل جائیں گے۔'' فریدی نے کہا۔

''وہ کیسے۔''

''میں ایک رپورٹ پیش کردوں گا کہ موجودہ حالت میں درندوں کا رکھنا خطرناک ہے۔'' فریدی بولا۔

''ہم آپ کے انتہائی ممنون ہوں گے۔''

''لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ شیر رکھتے ہی کیوں ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''ان سے ہم بزدلوں کو شیر بنانے میں مدد لیتے ہیں۔'' ڈاکٹر وحید نے کہا۔

''یعنی......!''

''شیر کے غدود کے انجکشن......!''

''ہاں صاحب...... اگر آپ کسی کو گدھے کے غدود کے انجکشن دیں تو کیا ہو۔'' حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

''تو وہ آپ کی طرح فضول بکواس کرنے لگے گا۔'' فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

ڈاکٹر وحید ہنسنے لگا۔

''اچھا ڈاکٹر اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔'' فریدی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ارے اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔'' وحید نے کہا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ آپ نے ہمیں اس قابل سمجھا۔''

''فریدی اور حمید کار پر بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔

''کیوں حمید کیا خیال ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''ان لوگوں پر کسی قسم کا شبہ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔'' حمید بولا۔

''کیوں......؟''

''بے چارے نے سب کچھ صحیح صحیح تو بتا دیا۔''

''خیر اس کا علم تو مجھے کرنل سعید سے گفتگو کرنے کے بعد ہی ہوگیا تھا کہ وہ اپنی ان حرکتوں کا ذمہ دار خود ہے۔''

''تو پھر یہاں تک دوڑے آنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''محض اپنے اطمینان کیلئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''کوئی اور خاص بات تم نے مارک کی۔''

''کوئی نہیں...... مجھے تو کوئی خاص بات نہیں دکھائی دی۔''

''اس لئے تو کہتا ہوں کہ تم کبھی ایک کامیاب جاسوس نہیں ہوسکتے۔'' فریدی نے کہا۔ ''کیا تم نے یہ چیز نوٹ نہیں کی کہ ڈاکٹر وحید کو تو کرنل سعید کے گھر جانے کا اقرار ہے لیکن کرنل کی بیوی اس سے انکار کرتی ہے۔''

''اوہ...... تو پھر...... آپ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔''

''یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا نتیجہ اخذ کروں۔''

''بہرحال یہ چیز تو ظاہر ہوگئی کہ کرنل کے پاگل پن اور اس کی بیٹی کی گمشدگی میں کوئی تعلق نہیں۔ اب یہ بتائیے کہ کرنل کا کیا ہوگا۔''

''جب تک اس کی لڑکی کے متعلق نہ معلوم ہو جائے اسے تہہ خانے ہی میں رکھوں گا۔''

''مگر یہ چیز ہے خطرناک......!'' حمید نے کہا۔ ''فرض کیجئے اگر اس کے متعلق آپ کو کچھ

نہ معلوم ہوسکا تو کیا ہوگا۔"

"وہ تو اب معلوم ہوکر ہی رہے گا۔" فریدی نے پر اطمینان لہجے میں کہا۔

حمید کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ شاید اس کے ذہن میں کوئی نیا خیال ہوا تھا جسے وہ ایک ناتجربہ کار بچے کی طرح فوراً ہی اگل دینے کے لئے بے تاب ہوگیا تھا۔

"کرنل سعید کی بیوی کی غلط بیانی کی ایک وجہ اور بھی ہوسکتی ہے۔" حمید بولا۔ "وہ کیا۔"

"نسوانی شرم...... کرنل سعید اپنی جنسی کمزوری کا علاج کرا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر سے پوچھ گچھ کی جاتی۔ اس لئے اس نے اس کا نام لینا مناسب نہ سمجھا ہوگا۔"

"کوڑی تو تم بہت دور کی لے آئے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس چیز کو بھی پیش رکھو کہ کرنل کے پاگل پن کی اطلاع خود اسی نے پولیس کو دی تھی اگر وہ چاہتی تو اسے چھپالیتی۔ کیونکہ کرنل اس دوا کو اسی وقت استعمال کرتا تھا جب اسے یقین ہوجاتا تھا کہ گھر سب لوگ سو رہے ہیں۔"

"آپ شاید یہ بھول رہے ہیں کہ کرنل نے دوا چرائی تھی۔ ممکن ہے اس کی بیوی کو بھی کا علم نہ رہا ہو۔ اسی لئے اس نے کرنل کی حرکتوں کو پاگل پن ہی سمجھا ہو۔" حمید نے کہا۔

"بھئی تم آج بہت عقل مندی کی باتیں کر رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پیٹھ ٹھونکئے اس بات پر۔"

فریدی نے ایک گھونسہ حمید کی پیٹھ پر جڑ دیا۔

"کار سنبھالئے...... کار......!" حمید چیخا۔

کار سچ مچ اس دفعہ ایک تناور درخت کی طرف گھوم گئی تھی۔ لیکن فریدی نے بڑی سے اسٹیئرنگ گھما کر کار کو سڑک پر لگا دیا۔

دفعتاً ایک ٹرک کار کے پیچھے سے آگے کی طرف بڑھ گیا۔ ٹرک کافی تیز رفتاری کے ساتھ جا رہا تھا۔

"حمید......!" فریدی چونک کر بولا۔

"یہ تو وہی ٹرک ہے۔"

"کون سا۔"

"وہی جو کل دیکھا تھا جس کے ڈرائیور نے نمبروں کی تختی بدلی تھی۔" فریدی نے کہا اور کار کی رفتار کچھ تیز کردی۔

ٹرک پر بانس کے گٹھے لدے ہوئے تھے۔ فریدی کی کار اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

"نکال لے چلئے۔" حمید بولا۔

"عجیب احمق ہو...... اتنا اچھا موقع ہاتھ سے نکل جانے دوں۔"

"ابھی مسئلہ حل نہیں ہوا اور دوسرے میں ٹانگ اڑا دی گئی۔"

"جتنے زیادہ معاملات ہوں اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔"

"آپ کی مرضی۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ ٹرک جاتا کہاں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور اس کے بعد ٹھنڈے ٹھنڈے لوٹ آئیں گے۔" حمید بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ٹرک اور کار کا فاصلہ برابر رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ٹرک کا ڈرائیور آہستہ آہستہ ٹرک کی رفتار تیز کرتا جا رہا ہے۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ اس لئے اسے کوئی خاص دقت بھی پیش نہیں آ رہی تھی۔

مزدوروں میں تکرار

ٹرک کے پیچھے کے حصے میں جہاں خیموں کے ستون رکھے ہوئے تھے دو قوی ہیکل گورکھے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ٹرک کے جھٹکوں سے ادھر اُدھر ہل جانے والے ستونوں کو سنبھالتے جا رہے تھے۔ فریدی غور سے ان کی یہ حرکت دیکھتا رہا۔ پھر دفعتاً وہ حمید سے بولا۔

"کچھ دیکھ رہے ہو۔"

"کیا......!"

"ان ستونوں کے سلسلے میں اتنی احتیاط کی کیا ضرورت ہے۔" فریدی بولا۔

"ٹرک کی دیواریں کافی اونچی ہیں اور ستون ان کی سطح سے نیچے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ نہیں

گر سکتے۔ پھر یہ احتیاط۔"

"ہاں...... یہ چیز واقعی غور طلب ہے۔" حمید بولا۔

"کیا خیال ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس انبار کے نیچے کچھ معلوم ہوتا ہے۔"

"بہت ممکن ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیوں نہ انہیں روک کر تلاشی لی جائے۔"

"احمق ہوئے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیں اس کا حق کب پہنچتا ہے۔ اس قسم کی دھا
میں اسی صورت میں کرتا ہوں جب سارے جائز ذرائع ختم ہو جاتے ہیں۔ دیکھو شروع سے
خیال ہے کہ ڈاکٹروں کی تجربہ گاہ اور ستونوں کے کارخانے میں کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔"

"اس کی وجہ۔"

"اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ان دونوں عمارتوں میں بظاہر کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا

"یعنی......!"

"آٹھ دس میل کے رقبے میں ان دونوں عمارتوں کے علاوہ اور آبادی نہیں ہے۔" فر
نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایسی صورت میں دونوں عمارتوں کے مکینوں کے ایک دوسرے
کچھ نہ کچھ تعلقات تو ہونے ہی چاہئیں۔"

"ضروری نہیں۔" حمید نے کہا۔

"انسانی فطرت کے لئے قطعی ضروری ہے۔"

"تو آپ مفروضات پر اپنی منطق کی دیوار کھڑی کرنی چاہتے ہیں۔"

"ہر قسم کی تحقیق مفروضات اور تشکیک ہی سے شروع ہوا کرتی ہے۔" فریدی نے کہ
"میں نے اپنے ایک خیال کا اظہار کیا ہے اور یہ دیکھنا تو بعد کی بات ہے کہ اس میں سچائی کہا
تک ہے۔"

"خیر صاحب معلوم ہو گیا کہ مہینوں سر مارنا پڑے گا۔" حمید بے دلی سے بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ ایک ہی گھنٹے میں ساری گتھیاں سلجھ جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سا
میں بھی کچھ نہ ہو سکے۔ سراغ رسانی کا انحصار تو محض اتفاقات پر ہے۔"

"اچھا اچھا ذرا کار کی رفتار کم کیجئے۔" حمید بولا۔ "ٹرک شائد اگلے موڑ پر گھومے گا۔ اس کی

نار کم ہو گئی ہے۔"

فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔ حمید کا کہنا سچ نکلا۔ ٹرک اسی طرف مڑ گیا لیکن اس کی
ار کم ہی رہی۔ پہلے کی نسبت اب وہ سڑک کے کنارے جا رہا تھا۔ کار کو راستہ دینے کے لئے۔

"دیکھا شائد انہیں شبہ ہو گیا ہے۔ بہر حال ہمیں اب گاڑی آگے نکال لے جانی چاہئے۔"
یدی نے کہا۔ "تم پچھلی سیٹ پر چلے جانا۔ ابھی نہیں، مجھے گاڑی آگے نکال لے جانے دو۔
ل پر نگاہ رکھنا۔"

فریدی اپنی کار ٹرک کے قریب سے نکال لے گا۔ حمید پچھلی سیٹ پر پہنچ چکا تھا۔ پشت پر
لے ہوئے شیشے سے وہ ٹرک کو دیکھ رہا تھا۔ ٹرک رک گیا۔

"ٹرک رک گئی۔" حمید بولا۔

"وہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ انہیں ہم پر شبہ ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا اور کار کی
ر تیز کر دی۔ چند لمحوں کے بعد ٹرک حمید کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

"یہ ٹرک کہاں جا سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں کیا جانوں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ شہر میں کسی بیوپاری کے یہاں جائے گا۔"

"ممکن ہے۔" حمید بولا۔

"کیفے ڈی فرانس کے سامنے ایک فرم ہے۔ بہت ممکن ہے یہ ستون وہیں جا رہے ہوں۔
بہر حال اگر ہم کیفے ڈی فرانس میں لنچ کھائیں تو کیا حرج ہے۔"

"بھلا کھانے پینے میں کہاں حرج ہو سکتا ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"مجھے کوئی امید نہیں۔ لیکن خیر ممکن ہے میرا قیاس صحیح نکلے۔" فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کیفے ڈی فرانس کے سامنے پہنچ گئے۔ فریدی نے اپنی کار ایک فرلانگ
پیچھے ہی فٹ پاتھ سے لگا دی۔ کیفے میں وہ ایک کھڑکی کے پاس والی میز پر بیٹھے۔ یہاں سے وہ
باہر کی طرف بآسانی دیکھ سکتے تھے۔ سامنے ہی میسرز جی۔ ایم استھانا خیموں کے تاجر کا گودام
تھا۔ گودام کے احاطے میں جابجا بانسوں اور بلیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

فریدی نے لنچ کا آرڈر دیا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد حمید کے چہرے پر اکتاہٹ آثار پائے جانے لگے۔

"شہر میں اور بھی بیوپاری ہوں گے۔" حمید نے کہا۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ وہ آئے۔" قطعی ضروری نہیں۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس کے متعلق مجھے یقین ہے۔ ہم تو دراصل یہاں محض لنچ کھانے آئے ہیں۔ اگر اس سلسلے میں کوئی کام کی بات ہو جائے تو کیا کہنا۔"

"ارے......!" حمید جو سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا چونک کر بولا۔ "سچ مچ وہ رہا ٹر ٹرک احاطے کے اندر داخل ہو رہا تھا۔

"اب فرمائیے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

ٹرک جیسے ہی احاطے میں داخل ہوا دو تین مزدور ادھر اُدھر سے دوڑ پڑے۔ فریدی اور لنچ ختم کر چکے تھے۔ فریدی نے بل ادا کیا اور دونوں کیفے سے نکل آئے۔ گودام کے احاطے قریب ایک پان والے کی دکان تھی۔ حمید وہاں سے سگریٹ خریدنے لگا۔

مزدوروں میں اچھی خاصی تکرار شروع ہو گئی تھی۔ وہ مزدور جو ٹرک کا مال اتارنے کے دوڑے تھے اس بات پر مصر تھے کہ وہ ہی ان ستونوں کو ٹرک پر سے اتاریں گے۔ لیکن ڈرا انہیں اس بات سے روک رہا تھا۔ ان کے بجائے ٹرک پر بیٹھے ہوئے گورکھوں نے ستون اٹھا کر گودام کے اندر لے جانے شروع کر دیئے تھے۔

"واہ بھیا...... یہ بھی کوئی بات ہے۔ سارا دن تو مال ہم نے ڈھویا۔" ایک مزدور ڈرا سے کہہ رہا تھا۔ "اور اب اس وقت تم اپنے مزدور لائے ہو۔"

"مالک کا یہی حکم ہے۔ میں کیا کروں۔" ڈرائیور بولا۔

"اچھا حکم ہے۔" مزدور نے کہا۔ "اگر یہی بات ہے تو اب ہم کسی مال میں ہاتھ نہ لگائیں گے

"تو یہ سب تم مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو۔" ڈرائیور بولا۔ "منیجر سے جا کر کہو نا۔"

"اس سے پہلے جو مال لائے تھے اسے آخر ہم نے ہی تو اتارا تھا۔" ایک مزدور نے کہا

"اتارا ہوگا پھر میں کیا کروں۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

بالآخر تکرار اتنی بڑھی کہ خود منیجر کو آفس سے نکل کر آنا پڑا۔ اس نے ڈانٹ ڈپٹ کر مزدوروں کو الگ کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹرک خالی ہو گیا۔

"اس میں تو کچھ بھی نہ تھا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"آؤ اب یہاں سے ہٹ چلیں۔" فریدی نے کہا۔

دونوں اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔

"خواہ مخواہ بھاگ دوڑ کرتے رہے۔" حمید نے کہا۔

"خواہ مخواہ کیوں؟"

"کیا نکلا ٹرک میں۔"

"یہ تو اور دلچسپ بات ہے۔"

"اپنی دلچسپیاں بس آپ ہی سمجھ سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "خاکسار کے تو خاک بھی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"مزدوروں کی تکرار سے تم نے کیا اندازہ لگایا۔"

"بس تکرار تھی۔"

"لیکن لایعنی نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ اس سے پہلے بھی اس ٹرک کا مال اتار چکے تھے آخر اس بار انہیں اس سے کیوں محروم رکھا گیا۔"

"اچھا اب گھر چلئے......!" حمید نے اکتا کر کہا۔

گھر پہنچ کر فریدی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور کبھی کبھی وہ بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہلنے لگتا۔ اسی دن دس بجے رات کو وہ کہیں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے کار نکالی اور ایک طرف چل پڑا۔ وہ یوں ہی بلا مقصد شہر کی سڑکوں کے چکر کاٹتا پھر رہا تھا۔ تقریباً بارہ بجے وہ کرنل سعید کے بنگلے کے پاس سے گزرا۔

آگے لے جا کر کار کھڑی کر دی۔ پھر تین بار انجن کھولا اور بند کیا۔ غالباً یہ کسی قسم کا اشارہ تھا۔ جس پر ایک آدمی تاریکی سے نکل کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کار کے پاس آیا۔

"انسپکٹر صاحب۔" آنے والے نے آہستہ سے کہا۔

"آؤ بیٹھ جاؤ......!"

وہ فریدی کے برابر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

"کوئی خبر......!"

"گیارہ بجے رات وہ کہیں گئی ہے۔"

"اکیلے......!"

"نہیں۔"

"کون تھا اس کے ساتھ۔"

"ایک آدمی۔" اس نے کہا۔ "لیکن میں اسے پہچانتا نہیں۔"

فریدی نے اپنی جیب سے دو تین تصویریں نکال کر اسے دیں۔

"ان میں سے کوئی تھا۔" فریدی نے کہا۔

وہ آدمی ٹارچ کی روشنی میں تصویر دیکھنے لگا۔

"یہ تھا......سو فیصدی یہی تھا۔" اس نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہوں......!" فریدی نے کہا اور تصویریں لے کر جیب میں رکھ لیں۔

"کوئی اور بات۔" فریدی نے پوچھا۔

"اور کچھ نہیں۔"

"کرنل کی بیوی پر کسی خاص پریشانی کے اثرات۔"

"میں اسے زیادہ قریب سے نہیں دیکھ سکا۔"

"اچھا......!" فریدی نے کار کو پھر کرنل سعید کے بنگلے کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"ابھی تمہارا کام ختم نہیں ہوا...... تمہیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ کب اور کس حالت میں گھر واپس آتی ہے۔"

"بہت اچھا۔"

"یہ لو۔" فریدی نے اسکے ہاتھ پر دس روپے کا نوٹ رکھتے ہوئے کہا۔ "رات کا خرچ۔"

ایک عجیب اتفاق

حمید بے خبر سو رہا تھا۔ فریدی نے اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"خیریت......خیریت۔" حمید نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی نظر گھڑی کی طرف گئی۔

"اف فوہ......ابھی تو تین ہی بجے ہیں۔" حمید نے فریدی کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "کون سی آفت آ گئی۔"

"کچھ نہیں...... چوہے کے بل سے جو ہاتھی نکلا ہے تمہیں دکھانا چاہتا ہوں اور اسی وقت ہیں اس کا مہاوت بھی بناؤں گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"یعنی......!"

"آؤ میرے ساتھ۔" فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں دوسرے کمرے میں گئے۔ انہیں ستونوں میں سے ایک جو انہوں نے ٹرک پر ے دیکھے تھے فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"کیا خیال ہے۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

"خواہ مخواہ میری نیند خراب کی۔" حمید بڑبڑایا۔

"کیا تم مجھے اتنا احمق سمجھتے ہو کہ میں خواہ مخواہ اسے لاد کر یہاں لاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"تو کچھ بولئے بھی نا۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"تم سنتے کب ہو۔"

"اچھا سن رہا ہوں۔"

"کیا تم اسے بانس کا بنا ہوا سمجھتے ہو۔" فریدی نے ستون کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"جی نہیں......میرا خیال ہے کہ یہ خالص سونے کا بنا ہوا ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "ذرا اسے قریب سے دیکھو...... اس کی مصنوعی گانٹھوں پر نہ جاؤ......" حمید جھک کر اسے دیکھنے لگا۔

''واقعی کمال کر دیا۔'' حمید اٹھ کر بولا۔ ''لیکن آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ اس صنعت گری کو جرم کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر شیشم کی لکڑی کا ستون ایسا بنایا گیا جو باہر معلوم ہو تو کون سی مصیبت آ گئی۔ واقعی کاریگر نے کمال کر دیا ہے۔''

''لیکن یہ کمال دکھانے کی ضرورت...... ظاہر ہے کہ انہیں نمائش میں تو جانا نہیں ہے'' فریدی نے کہا۔

''ہوگا صاحب کچھ۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔ ''آپ تو خواہ مخواہ ہر چیز کے پیچھے پڑ جاتے ہیں''

''اچھا اب اگر واقعی تم اس کمال کو دیکھنا چاہتے ہو تو وہ گلاس اٹھاؤ۔'' فریدی نے کہا ستون کو اٹھا کر زمین پر بیٹھتے ہوئے اسے اپنے زانوں پر رکھ لیا۔ سرے پر لوہے کے رنگ چڑھے ہوئے تھے۔ فریدی نے انہیں گھمانا شروع کر دیا، دوسرے ہی لمحے میں رنگ ایک ڈھکن سمیت ستون سے الگ ہو گئے اور کوئی سیال شے ستون سے ٹپکنے لگی۔

''ارے......!'' حمید اچھل کر بولا۔

''گلاس لگاؤ......'' فریدی نے کہا اور ستون کو جھکا دیا۔ گلاس بھر گیا۔ حمید حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

''کیوں قبلہ حمید صاحب کتنی نفیس شراب ہے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''اگر کوئی ہرج نہ ہو تو تھوڑی سی چکھ کر دیکھئے۔''

حمید نے گلاس منہ میں لگا کر ہلکی سی چسکی لی۔ فریدی نے ڈھکن بند کر کے ستون کو ا کونے میں کھڑا کر دیا۔

''واقعی بہت عمدہ ہے۔'' حمید بولا۔ ''مگر یہ دیسی تو نہیں معلوم ہوتی۔''

''سو فیصدی دیسی ہے......!'' فریدی نے کہا۔ ''کہئے چوہے کے بل سے ہاتھی نکلا یا نہیں''

''مانتا ہوں استاد۔'' حمید نے کہا۔ ''اب مجھے اس کیس میں کچھ کچھ دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔ یہ آپ کو مل کیسے گیا۔''

''کافی پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''یہ مجھے سو روپے میں ملا ہے اور جو خطرا مول لینے پڑے ہیں وہ الگ ہیں۔''

''یعنی......!'' حمید نے کہا۔

''چوکیدار کو سو روپیہ رشوت دینی پڑی۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے ایک ستون کی سخت ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ صبح کو وہاں سے خریدا جاسکتا ہے۔ میں نے سو روپیہ کا نوٹ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی میری حماقت پر، کہ میں ایک ستون کے لئے اسے سو روپے دے رہا ہوں غالباً اسے کچھ شبہ ہو گیا تھا۔ ابھی ہم لوگ اس گفتگو میں مشغول ہی تھے کہ وہاں ایک ٹرک آ کر رکا، میں جلدی سے چھپ گیا۔ اس پر سے دو آدمی اترے۔ چوکیدار نے انہیں سلام کیا اور وہ اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ وہ ستون ڈھو رہے ہیں۔ انہوں نے چوکیدار کو بھی مدد کے لئے بلا لیا۔ چوکیدار کو میں نوٹ دے چکا تھا۔ میں نے واقعی یہ ایک زبردست حماقت کی تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ نہ تو اس نے میرے غائب ہو جانے پر کسی قسم کی حیرت کا اظہار کیا اور نہ ان لوگوں سے میرے متعلق کچھ کہا۔ وہ لوگ بدستور اپنے کام میں مشغول رہے۔ چوکیدار نے مجھے چھپتے دیکھ لیا تھا، تھوڑی دیر بعد وہ میرے پاس آ کر آہستہ سے بولا'' کہ میں ان لوگوں کو باتوں میں لگاتا ہوں تم ٹرک میں سے ایک ستون اٹھا لے جاؤ۔ اس طرح میں اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔''

''اب کیا ارادہ ہے۔'' حمید بولا۔

''گھسیارہ بننے کا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید ہنسنے لگا۔

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہم لوگ گھسیاروں کے بھیس میں جھریالی چلیں گے۔''

''آخر اس کی ضرورت۔ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ ستون بنانے والے کارخانے میں دراصل شراب بنتی ہے۔ اگر ہم نے انہیں دھوکے میں ڈال کر چھاپا مارا تو وہاں سے کوئی چیز ہٹا بھی نہ سکیں گے۔ لہٰذا خواہ مخواہ گھاس چھیلنے سے کیا فائدہ۔''

''میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے دونوں عمارتوں کا تعلق دریافت کرنا ہے۔ اگر ہم نے اس سے قبل چھاپہ مارا تو ہمارا یہ حملہ ادھورا ہوگا اور شاید ناکام بھی۔''

دوسرے دن صبح جھریالی میں ستونوں کی فیکٹری اور ڈاکٹروں کی تجربہ گاہ کے درمیان پر دو گھسیارے گھاس چھیل رہے تھے۔ قریب ہی ایک ٹوٹی پھوٹی سی گھوڑا گاڑی کھڑی تھی جسے وہ گھاس لادنے کے لئے لائے تھے۔ یہ دونوں حمید اور فریدی تھے۔

"ٹھیک ہی کہا تھا اس نجومی نے۔" حمید نے گھاس چھیلتے چھیلتے سر اٹھا کر کہا۔

"کیا کہا تھا......!" فریدی نے پوچھا۔

"یہی کہ تم بی اے پاس کر کے گھاس چھیلو گے۔" حمید نے کہا۔ "آج میں اس کا معتقد ہو گیا۔"

"اور میں شروع سے معتقد تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کو کیا معلوم۔"

"تم نے اس محکمے میں گھاس چھیلنے کے علاوہ آج تک اور کیا ہی کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ میرا اعظیم ترین کارنامہ ہے کہ میری وجہ سے آپ اتنے مشہور ہو گئے۔ دنیا سمجھتی ہے یہ سارے کارنامے آپ کے ہیں۔ لیکن اب سے سو سال کے بعد کوئی نہ کوئی نیک نفس اس حقیقت پر سے پردہ ضرور اٹھا دے گا جس طرح شیکسپیئر کے ڈراموں کی حقیقت واضح ہوگئی ہے ڈرامے لکھے بے چارے فرانسس بیکن نے اور نام شیکسپیئر کا ہوا۔ اب ایک امریکن صاحبزادے نے نیا انکشاف کیا ہے وہ کہتا ہے کہ بیکن نے نہیں بلکہ مارلو نے لکھے ہیں۔ اسی طرح سو سال کے بعد میرا نام ہوگا اس کے بعد کوئی اللہ کا بندہ یہ ثابت کر دے گا کہ فریدی کے کارنامے حمید کے نہیں بلکہ انسپکٹر جگدیش کے رہین منت ہیں۔"

"گھاس چھیلو میاں گھاس۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اوقات پر رہو۔ شیکسپیئر بیکن اور مارلو کا تذکرہ کرنے سے کیا فائدہ۔ میں جانتا ہوں کہ تم ان لوگوں کے بارے میں بہت کچھ واقفیت رکھتے ہو یا پھر شاید تم اسی گھوڑے پر رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہو کہ تم دراصل گھسیارے نہیں بلکہ گریجویٹ ہو۔"

"عزت افزائی کا شکریہ۔" حمید نے کہا۔

"خیر...... چھوڑو ان باتوں کو اب کیا دن بھر گھاس ہی چھیلتے رہیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "تم فیکٹری کی طرف بڑھو اور میں تجربہ گاہ کی سمت لیتا ہوں۔"

دونوں نے اپنے اپنے منہ پھیر لئے۔ حمید پر رہ رہ کر جھلاہٹ سوار ہو رہی تھی۔ آخر اس حماقت کی کیا ضرورت تھی۔ مگر وہ بول ہی کیا سکتا تھا۔ کیونکہ بعد میں اسی کو احمق بننا پڑتا تھا۔ خیمے کے ستون ہی کے معاملے میں اسے کافی خفت اٹھانی پڑی تھی۔ اس لئے فریدی کی اس اسکیم میں زیادہ دخل در معقولات کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ آہستہ آہستہ دھوپ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ یہ لوگ اپنے ساتھ کھانے پینے کا کافی سامان لائے تھے۔ فریدی نے یہ طے کیا تھا کہ اگر دن میں کوئی خاص بات نہ معلوم ہو سکی تو وہ حمید کو گھوڑے گاڑی پر گھاس کے گٹھروں کے ساتھ شہر روانہ کر دے گا اور خود رات کو وہیں رہ کر کھوج لگانے کی کوشش کرے گا۔

دن آہستہ آہستہ ڈھل رہا تھا۔ حمید بُری طرح تھک گیا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی سیاہی دوڑ گئی تھی اور آنکھوں کے گرد مٹیالے رنگ کے حلقے نظر آنے لگے تھے۔ اس کے برخلاف فریدی کے چہرے کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ دفعتاً اس نے حمید کو آواز دی۔ حمید بے دلی سے تقریباً گھسٹتا ہوا اس تک پہنچا۔

"کیا آج ختم ہی کر دینے کا ارادہ ہے۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"گھبراؤ نہیں...... شاید اللہ تم پر بہت زیادہ مہربان ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ہوگا صاحب...... یہ بتائیے کہ آپ نے مجھے بلایا کیوں ہے۔"

"ادھر دیکھو۔" فریدی نے ایک گڑھے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ گڑھا شاید برساتی پانی کے ریلے کا نتیجہ ہے۔"

"دیکھ لیا۔" حمید نے جواب دیا۔

"کیا دیکھا......؟"

"اللہ کی رحمت! فرشتے نظر آ رہے ہیں۔ اس چھوٹے سے گڑھے میں دنیا آباد ہے۔ خلقت کا اژدھام ہے۔ کہیں مٹھائی والوں کی دکانیں ہیں، کہیں کٹورے کھنک رہے ہیں، لکھنؤ کے بانکے ہتھیار لگائے آئینہ بند ادھر اُدھر خرمستیاں کرتے پھر رہے ہیں، مدک چرس اور گانجے کی دوکانوں پر کافی بھیڑ ہے، ذرا بڑھ کر دیکھئے تو کہیں یہ کم بخت بغیر لائسنس کی چرس تو نہیں فروخت کر رہا ہے۔

فریدی خاموشی سے سنتا رہا۔ حمید کے چپ ہوتے ہی اس نے پوچھا۔

"بک چکے۔"

"ابھی کہاں۔" حمید نے کہا۔ "ابھی تو تمہید تھی۔ اب شروع کرتا ہوں۔ جانا صاحب قرا زمان کا طرف شہر بیسراں کے اور مارنا عقوبیل دیوپرور کا اور زخمی ہونا لندھور بن سعدان کا ا سے پیرزادہ عبدالاوج بن غشق سلمہٰ کے اور عشق مانا......!"

فریدی نے اٹھ کر حمید کی گردن پکڑ لی۔

"اب ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے نکلا اور میں نے تمہارا سر زمین پر مارا۔" فریدی نے کہا اور اس کا منہ دبا لیا۔

"اچھا چپ ہو گیا۔" حمید نے فریدی کی گرفت سے نکل کر کہا۔ "بتائیے کیا بات ہے۔"

"اس گڑھے میں ایک موٹا سا پائپ گزر رہا ہے۔"

"پائپ......!" حمید نے گڑھے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہاں...... ہاں...... ہے تو"

"اس کا مطلب......!" فریدی نے استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھلا پائپ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ لیکن فوراً ہی سنجیدہ ہو کر کہنے لگا "واقعی یہاں اس ویرانے میں پائپ کا کیا مطلب۔"

"میونسپلٹی کی پائپ لائنوں کا نقشہ میرے ذہن میں ہے۔" فریدی نے کہا "اور پھر جھریالی شہر سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں ان دونوں عمارتوں کے لئے تو میونسپلٹی پائپ دینے سے رہی۔"

"پھر......؟"

"کچھ نہیں...... ان دونوں عمارتوں کا تعلق ظاہر ہو گیا۔"

"یعنی......!"

"ڈاکٹروں کی تجربہ گاہ میں شراب تیار ہوتی ہے اور پھر اسے اسی پائپ لائن کے ذریعے فیکٹری میں پہنچایا جاتا ہے۔"

"ارے......!" حمید چونک کر بولا۔ "مگر اس کا ثبوت کیسے ہم پہنچائیں گے۔"

"اسی کے لئے میں آج رات کو یہیں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

حملہ

دوسرے دن فریدی گھر پہنچا اس کے بازوؤں اور ہاتھوں پر گہری گہری خراشوں کے نشان تھے۔ کپڑے پھٹ گئے تھے۔ سر کے بال گرد میں اٹے ہوئے تھے۔ حمید اسے اس حال میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

"یہ کیا ہوا" وہ بے ساختہ بولا۔

"کچھ نہ پوچھو، دو خطرناک کتوں سے بڑی سخت جنگ کرنی پڑی۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تو کیا آپ تجربہ گاہ میں گھس گئے تھے۔"

"اس کا موقع ہی کہاں ملا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ اپنے کچھ کتے باہر بھی چھوڑ دیتے ہیں جو رات بھر جھریالی کے سنسان علاقے میں گھومتے پھرتے ہیں۔ رات ہوتے ہی میں ٹیلوں کے درمیان چھپ گیا تھا۔ خیال تھا کہ بارہ بجے کے بعد عمارت میں گھسنے کی کوشش کروں گا، مگر کم بختوں نے وہیں آلیا، انہیں مار بھی نہیں سکتا ورنہ پستول تو تھا میرے پاس۔ گولی چلنے کی آواز یقیناً انہیں ہوشیار کر دیتی۔"

"خیر اب آپ آدمی بنئے...... اس کے بعد اس کے متعلق کچھ سوچا جائے گا۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے غسل کر کے لباس تبدیل کر لیا۔ حمید نے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ ناشتہ کرنے کے بعد دونوں لائبریری میں آ بیٹھے۔

"اب کیا ارادہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اب چھاپہ مارنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔ رات کو چھپ چھپ کر تو وہاں جانا تقریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ ان کے کتے بہت خطرناک ہیں۔ چھاپہ مارنے کی صورت میں بھی ہمیں انتہائی احتیاط سے کام لینا پڑے گا، اگر انہوں نے وحشی درندوں کو کھول دیا تو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کم از کم ایک سو مسلح سپاہیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ فیکٹری اور

تجربہ گاہ دونوں پر بیک وقت چھاپہ مارا جائے۔"

"واقعی وحشی درندوں کا مقابلہ بڑا خطرناک ہے۔" حمید نے کہا۔ "اگر وہ آزاد ہو
قیامت ہی آجائے گی۔ وہاں شیر بھی ہیں۔ میں نے اس دن بھی شیروں کے دھاڑنے کی
سنی تھی۔"

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس نے ہمیں اس عمارت کی طرف
سے روک کیوں دیا تھا؟ وہاں سے شیروں کے دھاڑنے کی آواز ضرور آئی تھی۔ لیکن یہ تو سو
انہیں ان کمروں میں کھانا وغیرہ کس طرح دیا جاتا ہوگا۔ دروازے یقیناً کھولنے پڑتے ہو
اور یہ چیز کھانا دینے والوں کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ میری سمجھ میں تو یہ چیز قطعی نہیں آ

"واقعی یہ بات قابل غور ہے۔" حمید نے کہا۔ "بند کمروں میں شیروں کو رکھنا ناممکن
پھر کیا بات ہے۔"

"جو بات بھی ہے عنقریب ظاہر ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "بہرحال ہمیں اس با
خیال رکھنا پڑے گا کہ اندر پہنچتے ہی کسی طرح شیروں والی عمارت پر قبضہ کرلیں۔"

"جگدیش سے گفتگو کی جائے۔" حمید بولا۔ "پہلے یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ اتنا
کر سکے گا یا نہیں۔"

فریدی اور حمید کوتوالی جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ خود جگدیش وہاں آ گیا۔

"کہئے جناب کیا کوئی نئی مصیبت۔" جگدیش نے کہا۔ "آج ایس۔ پی صاحب
زیادہ برہم ہیں۔"

"کیوں......؟" فریدی نے پوچھا۔

"ارے صاحب نہ جانے کیوں آج کل یہاں وارداتوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔"

"کوئی نئی واردات ہوئی کیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں......کل رات کو کلائیو روڈ پر ایک ٹرک الٹ گیا۔"

"تو اس میں ایس پی صاحب کے بگڑنے کی کیا بات ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹرک الٹنے کی ذمہ دار پولیس تو ہو نہیں سکتی۔"

"یہ نہیں صاحب......اس کی تو کوئی بات ہی نہیں۔" جگدیش نے کہا۔ "اس پر لکڑی کے
بے لدے ہوئے تھے جن میں شراب بھری تھی۔ ٹرک الٹنے سے کئی گٹھے ٹوٹ گئے، اور شراب
چلی۔"

"ٹرک پر کتنے آدمی تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"صرف ڈرائیور تھا، وہ اسی وقت مر گیا۔"

"ٹرک کس کا تھا۔"

"یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔"

"کیوں، کیا نمبر کے ذریعے پتہ نہیں لگ سکا۔"

"اس نمبر کا کوئی ٹرک اس شہر میں آج تک رجسٹر ہی نہیں ہوا۔"

"ڈرائیور کے متعلق معلوم ہو سکا کہ وہ کون ہے۔"

"نہیں......یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔"

"اس کا حلیہ یاد ہے۔"

"جی ہاں۔"

"پھولی ہوئی ناک تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں......لیکن......کیا آپ نے دیکھا ہے۔"

"گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھیں......ایک کا اوپری حصہ تھوڑا سا کٹا ہوا، بائیں گال پر ایک
سا ابھرا ہوا تل۔"

"بالکل یہی......سو فیصدی یہی......!" جگدیش بے صبری سے بولا۔

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اور یہ بھی جانتا ہوں کہ
شراب کہاں بنتی ہے، اور کہاں سے تقسیم ہوتی ہے۔"

"اوہ......!"

"تو کیا تم انہیں پکڑنا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" جگدیش چہک کر بولا۔

"بھلا بھائی جگدیش صاحب ڈی۔ ایس۔ پی بننے کی فکر نہ کریں گے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"نہیں بھائی ابھی اس کی اہلیت مجھ میں نہیں پیدا ہوئی۔" جگدیش نے کہا۔

فریدی نے سارا ماجرا جگدیش سے بیان کر دیا اور اسے اپنی اسکیم بھی بتائی۔ جگدیش نے اسی کے خیال کے مطابق انتظامات کرنے کا وعدہ کیا۔

جگدیش کو رخصت کرنے کے بعد فریدی تہہ خانے میں آیا۔ کرنل سعید بہت زیادہ بوڑھا نظر آ رہا تھا۔

فریدی کو دیکھ کر اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیا مجھے عمر قید کی سزا دی گئی ہے۔" وہ غرا کر بولا۔

"گھبرایئے نہیں کرنل صاحب، آپ بہت جلد چھوڑ دیئے جائیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "اس وقت میں آپ سے ایک بات دریافت کرنے آیا ہوں۔"

کرنل سعید کچھ بولنے کے بجائے فریدی کو گھورتا رہا۔

"میں ڈاکٹر وحید کی تجربہ گاہ کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

"دیکھئے کرنل صاحب ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر کہئے تو میں آپ کو وہ انجکشن والی دوا لا دوں..... مگر یہاں آپ کے لئے کتا نہ مہیا کر سکوں گا۔"

کرنل سعید چونک پڑا۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ڈاکٹر وحید کا وہ تجربہ بہت کامیاب رہا۔ اب آپ پھر سے جوان ہو سکیں گے۔ لیکن دیکھئے اب کوئی دوا چرایئے گا نہیں۔"

"تم آخر چاہتے کیا ہو۔" کرنل عاجز آ کر بولا۔

"ڈاکٹر وحید کی تجربہ گاہ کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"کیا.....!"

"وہاں کتنے وحشی درندے ہیں۔"

"دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ البتہ شیروں کی گرج ضرور سنی ہے۔" کرنل سعید نے کہا۔

"کیا ڈاکٹر وحید آپ کے گھر بھی آتا تھا۔"

"ہاں..... آتا تھا"

"کیا اسے اس بات کی اطلاع تھی کہ آپ کہیں باہر جانے والے ہیں۔"

"کب کی بات پوچھ رہے ہو۔" کرنل سعید نے کہا۔

"آپ کی لڑکی کی گمشدگی کے زمانے کے قریب کی۔"

"ہاں، اس دن یاد آیا، وہ آیا تھا۔ شاید میں نے اس سے تذکرہ بھی کیا تھا کہ میں باہر جا رہا ہوں۔ لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "آپ کب سے اس کے زیر علاج تھے۔"

"تقریباً چھ ماہ قبل سے۔"

"اچھا شکریہ۔" فریدی نے کہا "معاف کیجئے گا..... میں نے آپ کو یہاں لا کر تکلیف دی۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو آپ اپنے ہی کسی کتے کا شکار ہو جاتے اور اپنی ہوس کا شکار تو آپ ہی ہو گئے۔ کیوں جناب جب آپ اس قابل ہی نہیں تھے تو کسی جوان عورت سے شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں بیہودگی پسند نہیں کرتا۔" کرنل سعید گرج کر بولا۔

"لیکن شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ ابھی آپ کو ایک ایسی بیہودگی کا سامنا کرنا پڑے گا کہ آپ زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگیں گے۔" فریدی نے کہا اور تہہ خانے سے چلا آیا۔

اسی دن شام کو جگدیش نے چھاپہ مارنے کے سارے انتظامات مکمل کر لئے۔ احتیاطاً ایک اسٹین گن بھی لے لی گئی تاکہ ضرورت پڑنے پر وحشی درندوں کا حملہ روکنے کے کام آئے۔ اندھیرا ہوتے ہی پولیس کی لاریاں جھریالی کی طرف روانہ ہو گئیں۔ تجربہ گاہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر لاریاں روک دی گئیں۔ پولیس کے جوان تاریکی میں آہستہ آہستہ دونوں عمارتوں کی طرف بڑھنے لگے۔ پولیس والے دو ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے تھے ایک ٹولی کا رخ فیکٹری کی طرف تھا اور دوسری کا تجربہ گاہ کی طرف۔ تجربہ گاہ کی طرف جانے والی ٹولی کی قیادت فریدی کر رہا تھا اور دوسری عمارت کی طرف بڑھنے والے حمید کی رہنمائی میں آگے بڑھ رہے تھے۔

تجربہ گاہ کی دیواروں کے قریب پہنچتے ہی کچھ سپاہیوں نے عمارت کا محاصرہ کرلیا اور فریدی اور کچھ جگدیش کے ساتھ صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ صدر دروازہ ابھی کھلا تھا۔ چوکیدار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ فریدی پیچھے سے اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی، اس سے فرصت پانے کے بعد فریدی دوڑتا ہوا اندر گھس گیا۔ اسی کے ساتھ پولیس والے بھی گھسے۔ اندر پہنچتے ہی انہوں نے بے تحاشہ فائر کرنے شروع کر دیئے۔ فریدی نے جلد سے جلد اس عمارت کی طرف پہنچ جانا مناسب سمجھا جہاں وحشی درندے تھے۔ وہ جلد ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ عمارت کے مکین اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہ تھے۔ پہلے تو وہ یقیناً گھبرا گئے لیکن پھر انہوں نے بھی جوابی فائر کرنے شروع کر دیئے۔ دو ایک نے دیواروں پر چڑھ کر نیچے کود کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن باہر کھڑے ہوئے جوانوں نے انہیں باندھ لیا۔ ڈاکٹروں کے آدمیوں نے باقاعدہ مورچے بنالئے تھے۔ وہ کمروں سے فائر کررہے تھے۔ دفعتاً ساری عمارت کی روشنیاں گل ہوگئیں۔ فریدی کو پہلے ہی سے اس کی توقع تھی اس لئے اس نے صدر دروازے پر کچھ آدمی چھوڑ دیئے تھے۔ روشنی گل ہوتے ہی وہ ہوشیار ہوگئے۔ فریدی آہستہ آہستہ رینگتا اس کمرے کی طرف جارہا تھا جہاں بجلی پیدا کرنے کی مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ اندھیرے میں آدمی گھبرائی ہوئی سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے۔

''لیکن اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے ہمارے آدمیوں کو نقصان پہنچے گا۔ لیکن خود کو بھی بچانا ضروری ہے۔'' ایک بولا۔

''مگر وہاں تک پہنچنا دشوار ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

''ادھر سے جاؤ...... بغل والے کمرے کی کھڑکی سے دوسری طرف کود جاؤ۔ اس کھڑکی کی دو سلاخیں نکلی ہوئی ہیں، تم آسانی سے گزر جاؤ گے کمرے میں ادھر ہی وہ گیس رکھی ہے بم کا ڈھکن کھول کر چلے جاؤ۔ تم نے یہ بڑی عقلمندی کی کہ دو گیس مارک لیتے آئے...... اچھا جاؤ گیس ماسک نکالو۔ میں بھی لگائے لیتا ہوں جلدی کرو جلدی جاؤ۔''

فریدی کے لئے یہ بہت ہی خطرناک لمحہ تھا۔ اسے فوراً ہی کچھ کرنا تھا۔ اگر وہ گیس جسے منتشر کرنے جارہا تھا کوئی تباہ کن گیس ہوئی تو کیا ہوگا۔ جیسے ہی دوسرا آدمی الگ ہٹا، فریدی کے

پستول سے شعلہ نکلا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی دوسرے آدمی پر تھا جو اپنے ساتھی کو گرتے دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کررہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کی جدوجہد کے بعد فریدی نے اسے قابو میں کرلیا۔ فریدی نے اس کی کنپٹیوں پر اتنے گھونسے مارے کہ وہ بے ہوش ہوگیا۔ اسے وہیں چھوڑ کر وہ مشینوں والے کمرے میں آیا جیب سے ٹارچ نکال کر روشنی کی۔ مشین بدستور چل رہی تھی۔ کسی نے مین سوئچ آف کر دیا تھا جس کی وجہ سے پوری عمارت کی روشنی گل ہوگئی تھی۔ فریدی نے سوئچ آن کر دیا۔ عمارت پھر جگمگانے لگی۔ عمارت کے مختلف حصوں سے گولی چلنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ فریدی نے برآمدے میں آکر بیہوش آدمی کو دیکھا۔ یہ ڈاکٹر وحید تھا اور وہ شخص جو اس کے ریوالور سے زخمی ہوکر گرا تھا، اس کا ساتھی ڈاکٹر آصف تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹروں کے آدمیوں نے خود کو پولیس کے حوالے کردیا۔ ادھر حمید والی پارٹی نے فیکٹری پر قبضہ کرلیا تھا۔ وہاں بھی کچھ آدمی تھے جنہیں گرفتار کرلیا گیا۔

ایک فاحشہ

دوسرے دن شام کو انسپکٹر فریدی، سرجنٹ حمید اور کوتوالی انچارج جگدیش آرلکچو میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

''ہاں یہ تو بتائیے۔'' جگدیش نے فریدی سے کہا۔ ''کرنل سعید کی بیوی کا کیا قصہ ہے۔''

''بہت معمولی...... کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں۔ ایسی حالت میں عموماً جوان عورتیں جو کچھ کرتی ہیں وہی اس نے بھی کیا۔ کرنل سعید ڈاکٹر وحید کے زیر علاج تھا۔ اس دوران میں ان دونوں میں کافی بے تکلفی بڑھ گئی۔ ڈاکٹر وحید کرنل سعید کے یہاں آنے جانے لگا۔ ڈاکٹر وحید جوان اور خوبصورت تھا کرنل سعید بوڑھا کھوسٹ۔ اس کی بیوی اور ڈاکٹر وحید میں ناجائز تعلق

ہوگیا۔ کرنل سعید اس سے ناواقف تھا۔ ڈاکٹر نے اسے احمق بنا رکھا تھا۔ وہ روز بروز ا دوائیں دیتا رہا جس سے اس کی حیثیت قریب قریب بالکل مردہ ہوگئی۔ اب اسے دوبارہ بننے کا خبط ہوگیا۔ کرنل سعید کا دوا چرانے والا واقعہ تو بتا ہی چکا ہوں۔ اس کے بعد کرنل کو جانے کا اتفاق ہوا۔ اس کا علم ڈاکٹر وحید کو بھی ہوگیا، وہ اسی رات کو جھریالی سے کرنل سعید یہاں آیا...... شامت اعمال کہ کرنل کی لڑکی نے انہیں دوا دیتے دیکھ لیا...... یہ چیز ان دونوں کے لئے بڑی خطرناک تھی۔ ڈاکٹر وحید نے لڑکی کو پکڑا اور پھر اس نے اس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ کرنل سعید کی بیوی اس پر گھبرا گئی، بڑی دیر تک دونوں سوچتے رہے کہ کیا کیا جائے۔ کرنل کی بیوی کو ایک تدبیر سوجھی، اس نے مردہ لڑکی کو ہیروں والا ہار پہنا کر ایک بورے میں کر دیا۔ ڈاکٹر وحید واپسی میں اس بورے کو کار میں رکھ کر اپنے ساتھ جھریالی لے گیا اور بورے کو جھیل میں پھینک کر مطمئن ہوگیا۔ دوسرے دن کرنل کی بیوی نے مشہور کر دیا کہ ہیروں کے ہار سمیت غائب ہوگئی تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ کسی نے ہار کے لالچ میں اسے کہیں ڈال دیا ہوگا۔

"تو اس نے ان سب باتوں کا اقرار کیا ہے۔" جگدیش نے پوچھا۔

"ہاں...... جیسے ہی میں نے جیب سے وہ ہار نکال کر اسے دکھایا، وہ غش کھا کر گر پڑی پھر ہوش میں آنے کے بعد اس نے اقبال جرم کر لیا۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کرنل سعید کو کیا ہوگیا۔" جگدیش نے کہا۔

"یہ معمہ تو میری سمجھ سے بھی باہر ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"شیروں والا معمہ بھی ابھی تک حل نہیں ہوا۔ وہ عمارت تو بالکل خالی تھی جس کے متعلق آپ لوگوں نے کہا تھا کہ وہاں وحشی درندے ہیں۔"

"بہرحال یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ شراب کشید کرنے کا کارخانہ اس عمارت میں نکلا لوگوں کے چلے آنے کے بعد میں نے شیروں کی گرج کا راز بھی دریافت کر لیا تھا۔ ان لوگوں کے پاس کوئی وحشی درندہ نہیں تھا۔ اس کا اندازہ میں نے اسی وقت لگا لیا تھا جب میں نے ان یہاں بکرے کو چیتے کے بھیس میں دیکھا تھا اور اس کا راز ظاہر ہوتے ہی ڈاکٹر آصف بوکھلا گیا

اور وحید جو اس سے زیادہ چالاک ہے اس کی بھونڈی سی وجہ بتا کر صاف ٹال گیا تھا، وہ دراصل اس قسم کی حرکتوں سے پبلک پر رعب ڈالا کرتے تھے کیونکہ اس عمارت میں انہوں نے شراب کا کارخانہ بنا رکھا تھا۔ اس لئے انہوں نے ضروری سمجھا کہ وہ اس عمارت کی طرف کسی کو نہ جانے دیں۔ لہٰذا انہوں نے وہاں سے لوگوں کو شیروں کی گرج سنانی شروع کی اور یہ کہنے لگے کہ ابھی ادھر جانا خطرناک ہے کیونکہ وہاں کٹہروں کا انتظام نہیں ہے۔"

"لیکن یہ گرج تو سچ مچ شیروں کی گرج معلوم ہوتی تھی۔" حمید بولا۔

"ٹھیک ہے...... لیکن وہ شیر اس وقت کہاں مر گئے تھے جب گولیاں چل رہی تھیں۔ اس ہنگامے میں تو انہیں ضرور دھاڑنا چاہئے تھا۔ لیکن اگر ڈاکٹروں کو ذرا سا بھی موقع مل جاتا تو یقین جانو شیر ضرور گرجتے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" جگدیش نے کہا۔

"ارے بھئی وہ شیروں کی گرج کا ریکارڈ تھا، جو مائیکروفون کے ذریعہ اتنا ہولناک ہو جاتا تھا۔ انہوں نے دوسری عمارت میں کئی ہارن فٹ کر رکھے تھے۔"

"کمال کر دیا۔" جگدیش بولا۔

"مگر یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ میں ایک بار اور بھی ایسے ہی ایک واقعے سے دوچار ہو چکا ہوں۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نواب رشید الزماں کے گھر والا واقعہ تو تمہیں یاد ہی ہوگا۔"

"ہاں ہاں...... وہاں بھی تو دیواروں سے جنگلی جانوروں کی آوازیں آتی تھیں۔"

"جنگلی جانوروں کی۔" جگدیش نے کہا۔

"ہاں...... وہاں دیواروں کے اندر لاؤڈ سپیکر کے ہارن لگے ہوئے تھے اور جنگلی جانوروں کی آوازوں کا ریکارڈ ایک تہہ خانے سے بجایا جاتا تھا، بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے آوازیں دیواروں سے نکل رہی ہوں۔"

"کمال ہے بھئی۔" جگدیش نے کہا۔

"لیکن آپ کو کرنل کی بیوی پر شبہ کیسے ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

''پہلے تو ڈاکٹر وحید کے متعلق اس کی غلط بیانی پر...... پھر میرے ایک مخبر نے مجھے اس اطلاع دی کہ کرنل سعید کے غائب ہوجانے کے بعد وحید اسے ایک رات جھریالی لے گیا تھا''

تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر جگدیش اٹھ کر چلا گیا۔

''اب کرنل سعید کا کیا ہوگا۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ اپنی لڑکی کی موت سے بہ دل شکستہ ہوگیا ہے اور اتنی بڑی بدنامی کے بعد وہ نہیں چاہتا کہ اب اس شہر میں کسی کو اپنا دکھائے۔ اس نے مجھ سے استدعا کی ہے کہ میں اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔ یہاں سے کہیں اور جانا چاہتا ہے جہاں اس کا کوئی شناسا نہ ہو۔ میں آج ہی رات کو اسے شہر۔ نکال دوں گا، اور اس کا راز ہم دونوں کے علاوہ کسی تیسرے کو نہ معلوم ہونے پائے گا۔ مجھے ا ہے کہ تم بھی میرے وعدے کا احترام کرو گے۔'' فریدی نے کہا اور بیـ ـے کو بل کے پیسے دے کھڑا ہوگیا

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 11

پہاڑوں کی ملکہ

(مکمل ناول)

پیتل کی مورتی

ایشیا کا نامور جواں سال سراغ رساں انسپکٹر فریدی صبح کا ناشتہ کرچکنے کے بعد ڈرا
روم میں بیٹھا اپنی رائفلوں کا معائنہ کررہا تھا سرجنٹ حمید اخبار پڑھنے میں مشغول تھا۔ دفعتاً
نے قہقہہ لگایا اور فریدی چونک پڑا۔

"بڑی دلچسپ خبر ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا.....؟"

"تبت کے ایک باشندے کے پیٹ میں سے ایک پیتل کی مورتی برآمد ہوئی۔"

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی نے کہا اور ایک آنکھ دبا کر رائفل کی
جائزہ لینے لگا۔

"آپ مذاق سمجھ رہے ہیں؟"

"مت بکو.....!" فریدی اکتا کر بولا۔ "ہر وقت ٹائیں ٹائیں اچھی نہیں معلوم ہوتی۔"

"اچھا تو سنئے۔" حمید اخبار پڑھنے لگا۔ "رام گڑھ ۱۲ جون چوبی پل کے نیچے صبح ہی صبح
تبتی کی لاش ملی ہے۔ پوسٹ مارٹم سے معلوم ہوا ہے کہ متوفی کے معدے سے تین انچ لمبی

ایک انچ چوڑی ایک پیتل کی مورتی برآمد ہوئی۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ موت اسی مورتی کے نگل
جانے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ ابھی تک لاش کا کوئی وارث نہیں مل سکا۔ یہ مورتی آثار قدیمہ
سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ اکثر کا خیال ہے کہ یہ چندر گپت
موریہ کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ فی الحال یہ مورتی پولیس کے قبضے میں ہے۔ یہ معمہ کسی
طرح حل نہیں ہوسکا کہ متوفی نے اسے کیوں نگلا.....؟"

فریدی نے انتہائی سنجیدگی سے اس خبر کو سنا۔ اس کی نگاہیں ابھی تک حمید کے چہرے پر جمی
ہوئی تھیں، جو دوسری خبریں پڑھنے کے لئے اخبار کو الٹ پلٹ رہا تھا۔

"یہ لیجئے میگزین سیکشن میں اس مورتی کی تصویر بھی ہے۔" حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ لیکن
فریدی کی حالت دیکھتے ہی اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"کہئے جناب۔" وہ ہنس کر بولا۔ "کیا آپ کی رگ جاسوسی پھڑکنے لگی؟"

"لاؤ دیکھوں وہ تصویر۔" فریدی نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ حمید نے اخبار اسے دے دیا۔

فریدی تصویر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں اور نچلا ہونٹ
ں میں دب کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

حمید اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے فریدی کو اس حالت میں دیکھ کر برا سا منہ بنایا۔
ل اسی طرح جیسے کوئی کاہل اور کام چور لڑکا اپنے کسی بزرگ سے کسی غیر متوقع حکم کے خیال
بل از وقت ہی ناک بھوں سکوڑنے لگتا ہے۔

فریدی نے اخبار صوفے پر رکھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

"یارب العالمین۔" حمید آہستہ آہستہ بڑبڑایا۔ "اس گنہگار کو ہر قسم کے آفات سے محفوظ رکھیو۔"

"حمید.....!" فریدی نے کہا۔ "کیا تمہیں یاد ہے، براؤن نے ایک مورتی کا تذکرہ کیا تھا۔"

"کون براؤن۔"

"وہی جو پچھلے سال اسکاٹ لینڈ سے یہاں آیا تھا۔"

"اوہ..... وہ سراغ رساں چیف انسپکٹر براؤن۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میرے سامنے کسی
مورتی کا تذکرہ نہیں آیا تھا۔"

"اس نے ایک عجیب وغریب پیتل کی مورتی کا تذکرہ کیا تھا، جس کی وجہ سے لندن
کافی ہیجان برپا ہو گیا تھا۔"

"ہیجان۔" حمید نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مورتی کی وجہ سے۔"

"وہ مورتی لندن کے ماہر آثار قدیمہ جارج فنلے کی ملکیت تھی۔ اسے کسی نے چرالیا ا
عجیب وغریب وارداتوں کے سلسلے شروع ہو گئے۔"

"بھلا یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ وارداتیں اسی مورتی کی وجہ سے ہوئی تھیں۔" حمید نے

"اس لئے کہ ایک بار وہ مورتی ایک قتل کے سلسلے میں پولیس کے قبضہ میں آ گئی تھی
کسی نے اسے اسکاٹ لینڈ یارڈ سے پھر اڑا لیا۔"

"واقعی عجیب بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "اسکاٹ لینڈ یارڈ میں چوری کرنا آسان کام نہ

"اس مورتی کے ماتھے پر بھی ایک سینگ ہے۔" فریدی نے اخبار کی طرف اشارہ
ہوئے کہا۔ "براؤن نے جس مورتی کے بارے میں بتایا تھا، اس کے ماتھے پر بھی ایک سینگ

"لیکن وہ ہے کیا بلا۔ اس کے لئے قتل کیوں ہوئے۔" حمید نے کہا۔

"یہ ابھی تک نہیں معلوم ہوا" فریدی نے کہا۔ "جارج فنلے نے بھی اس کے متعلق
نہیں بتایا لیکن براؤن کا خیال ہے کہ اس نے دیدہ دانستہ اسکے راز کو چھپانے کی کوشش کی تھ

"اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میں خواہ مخواہ قیاس آرائی کرنے کا قائل نہیں۔"

"خیر ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور اخبار اٹھا کر پڑھنے لگا۔

فریدی اور حمید آج کل تین ماہ کی چھٹی پر تھے۔ انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ گرمیاں شم
بسر کریں۔ قریباً سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ وہ شاید آج ہی شملہ کے لئے روانہ ہو
لیکن اس درزی کی علالت کی وجہ سے جو ان کے کپڑے سی رہا تھا، انہیں دو ایک دن
توقف کرنا پڑا۔

"حمید......!" فریدی کہتے کہتے اچانک رک کر بولا۔

"جی......!"

"ہم لوگ شملہ نہیں جائیں گے۔"

"کیوں......؟" حمید نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"ہمیں آج ہی رات کی گاڑی سے رام گڑھ چلنا ہے۔"

"آخر کیوں......؟"

"ضروری کپڑے تو ہمارے پاس کافی سے زیادہ ہیں۔ ہم درزی کی صحت یابی کا انتظار نہ
کریں گے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن اس کی وجہ۔"

"پیتل کی مورتی۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" حمید بولا۔ "کیا آپ اسے تبتی کے جرم میں گرفتار کریں گے۔"

"حمید زیادہ بکواس اچھی نہیں ہوتی۔"

"میں ہرگز ہرگز رام گڈھ نہ جاؤں گا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"تمہیں چلنا پڑے گا۔" فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"قیامت تک نہیں جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔ "واہ یہ بھی اچھی رہی، بہزار دقت تو چھٹی ملی
ہے نہیں نہیں......مجھ میں اب اتنی سکت نہیں رہ گئی کہ خواہ مخواہ آپ کے ساتھ دوڑتا پھروں۔"

"کاہل......کام چور۔"

"مجھے قطعی چوٹ نہیں لگی۔" حمید نے کہا۔ "میں سو بار کاہل......ہزار بار کام چور پھر۔"

"تمہارا سر......!" فریدی نے کہا۔

"مجھے اس سے بھی انکار نہیں۔" حمید بولا۔

"دیکھتا ہوں تم کیسے نہیں چلتے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آج رات کی گاڑی سے گھر چلا جاؤں گا۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے کہا اور لائبریری میں چلا گیا اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا
تھا جیسے وہ کسی شدید الجھن میں مبتلا ہے۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر اس نے میز پر کتابوں کا اچھا خاصا ڈھیر لگا لیا۔

یہ کتابیں ایشیائی فن بت تراشی سے متعلق تھیں۔ تھوڑی دیر بعد حمید بھی تنہائی سے اکتا کر لائبریری ہی میں چلا آیا۔ فریدی کو کتابوں میں ڈوبا ہوا دیکھ کر اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ فر نے اسے گھور کر دیکھا۔

"آپ نے بھی اپنی زندگی برباد کر لی۔" حمید نے کہا۔

"تم یہاں کیوں آئے۔" فریدی نے کہا۔

اتنی دیر میں حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"اوہ...... تو یہ اسی مورتی کے سلسلے میں چھان بین ہو رہی ہے۔" حمید نے جھک کر فر کے سامنے کھلی ہوئی کتاب میں دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ اچھل پڑا۔

"ارے یہ تو بالکل اسی تصویر سے مشابہ ہے...... بالکل وہی...... ہو بہو...... وہی۔" حیرت سے بولا۔

فریدی نے کتاب بند کر دی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ بالکل طرح جیسے کوئی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔

"ہمیں رام گڑھ چلنا ہی پڑے گا۔" وہ اس طرح بولا جیسے کوئی خواب میں بڑبڑاتا ہے۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"سنا تم نے میں کہہ رہا ہوں کہ رام گڑھ چلنا ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اگر جاؤ گے تو میں تنہا جاؤں گا۔"

"لیکن آپ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ آپ کی اس بے تابی کی وجہ کیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ایک بار یہ مورتی میرے والد مرحوم کے قبضے میں آ کر نکل تھی۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"والد صاحب کے بارے میں تو تمہیں پہلے ہی سے بہت کچھ معلوم ہے۔ وہ بھی میری طرح کارناموں کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ ایک بار یہ مورتی ان کے ہاتھ بھی لگی تھی لیکن پراسرار طریقے سے غائب ہو گئی۔ یہ مجھے ابھی ابھی اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوا۔ انہوں

کتاب میں چھپی ہوئی تصویر کے نیچے پیتل کی مورتی کے متعلق لکھا ہے۔" فریدی نے کتاب کو کھول کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو۔"

حمید فریدی کے ہاتھ سے کتاب لے کر دیکھنے لگا۔

"۲۰ جنوری ۱۸۹۳ء آج جب میں نے اس کتاب کا یہ صفحہ دیکھا تو مجھے دس سال قبل کا ایک قعہ یاد آ گیا۔ اسی تصویر سے بالکل ملتی جلتی ایک چھوٹی سی پیتل کی مورتی مجھے ملی تھی لیکن وہ جس رت انگیز طریقے سے مجھ تک پہنچی تھی اسی تحیر خیز طریقے پر غائب بھی ہو گئی۔ ایک رات گرمیوں زمانے میں میں اپنے پائیں باغ میں سو رہا تھا کہ دفعتاً کوئی میرے پلنگ پر آ کر گرا۔ میری کھلی میں نے دیکھا ایک آدمی زخمی ہو کر مجھ پر بری طرح ہانپ رہا تھا۔ میں نے اُسے ہٹانا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ وہ بے ہوش ہے۔ میں اُسے اٹھا کر اندر لے گیا وہ انگریز تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے ہوش آ گیا۔ وہ وہاں سے جانے کے لئے ضد کر رہا تھا۔ میں اسے بہت پوچھا کہ وہ کون ہے اور کس طرح زخمی ہو گیا لیکن اس نے اس کے متعلق بتانے انکار کر دیا۔ البتہ اس نے مجھے ایک پیتل کی مورتی نکال کر دی اور کہا کہ میں اسے اپنے پاس رکھوں جسے وہ کسی موقعے سے آ کر لے جائے گا۔ پھر اس واقعے کے تیسرے دن بعد اس لاش ایک نالے میں پڑی پائی گئی۔

وہ مورتی میرے پاس تقریباً ایک ہفتہ رہی پھر ایک دن غائب ہو گئی۔ میں نے اس معمے کو کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن مایوسی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔

حمید نے کتاب بند کر کے فریدی کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"یہ سملی قوم کے سی جی لا کے دیوتا کی تصویر ہے، سملی قوم رام گڑھ سے ڈیڑھ سو میل پر کچنار کے پہاڑی جنگلوں میں آباد ہے۔ سملی قوم کے لوگ اب سے کئی ہزار سال پیشتر کے پوربی علاقے میں رہتے تھے۔ اس وقت بھی وہ اسی دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ کسی کی بناء پر وہ لوگ تبت سے آ کر کچنار کے جنگلوں میں آباد ہو گئے۔ آج سے تین سو سال ایک انگریز سیاح نے انکشاف کیا تھا کہ اس قوم پر ایک انگریز عورت حکومت کرتی ہے۔ جسے لوگ دیوی سمجھ کر پوجتے ہیں اور اس سے بھی دلچسپ ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ یہ دیوی ان پر

تین سو سال سے حکومت کر رہی ہے۔

''کیا مطلب......!'' حمید نے تحیر کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ بھلا وہ تین سو سال تک زندہ کیسے ہے؟''

''اس کے لئے انہوں نے ایک خوفناک طریقہ اختیار کیا ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا ''اس ملکہ کے لئے وہ کسی گوری نسل کے نوجوان مرد کو پکڑ لاتے ہیں ملکہ کے ساتھ اس کی شادی کردی جاتی ہے، اگر اس کے مرنے سے پہلے ملکہ مر گئی تو وہ اسے بھی قتل کر کے ملکہ کے ساتھ دفن کر دیتے ہیں، ملکہ کی ایک لڑکی جو سب سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہے اس کی جگہ ملکہ بن جاتی ہے اور اس کی بقیہ اولادیں دیوتا پر قربان کردی جاتی ہیں۔ اسی طرح وہ اس ملکہ کی سفید نسل کو برقرار رکھتے ہیں۔''

''واقعی بہت وحشیانہ طریقہ ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''آج کی مہذب دنیا اس وحشی قوم کا ظلم کس طرح برداشت کر رہی ہے؟''

''مجبوری ہے۔'' فریدی بولا۔ ''وہاں تک پہنچنا بہت دشوار ہے۔ انگریزوں نے سفید نسل کے ان مظلوموں کو بچانے کے لئے کافی جدوجہد کی ہے۔ لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''لیکن یہ راز دنیا کو کس طرح معلوم ہوا۔''

''اسی سیاح کے ذریعے جس نے اس قوم کے حالات لکھے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''اسے وحشیوں نے پکڑ لیا تھا اور اس کی شادی ملکہ وقت کے ساتھ کردی تھی لیکن جب اسے اپنے انجام کے متعلق معلوم ہوا تو وہ کسی طرح وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔''

حمید کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

''لیکن آخر رام گڑھ جانے کی کیا ضرورت ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''اس مورتی کو دیکھنے کے لئے جس کے لئے عرصہ دراز سے لوگ جدوجہد کرتے آ رہے ہیں۔''

''تو کیا آپ کو اس کی امید ہے کہ آپ اسے دیکھ سکیں گے۔''

''کیوں نہیں؟''

''جس چیز کے لئے وہ لوگ اپنی جانوں پر کھیلتے چلے آئے ہیں کیا اسے انہوں نے پولیس کے قبضے میں رہنے دیا ہوگا۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ پولیس اس کے متعلق خاص علم نہ رکھتی ہو۔ اس نے اسے احتیاط سے بھی نہ رکھا ہوگا۔''

''میں جانتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ یقیناً پولیس کے قبضے سے نکل گئی ہوگی۔''

''پھر......؟'' حمید نے فریدی کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''لیکن میں اس مورتی کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کیوں لوگوں کی دلچسپیوں کا راز بنی ہوئی ہے؟''

''ارے چھوڑیئے بھی ہوگا کچھ خزانے وزانے کا چکر، میں نے اس قسم کے بہتیرے ناول پڑھے ہیں۔ وہ مورتی یقیناً کسی زمین دوز خزانے کا حال بتاتی ہوگی۔''

''ہو سکتا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن یہ تو سوچو......اس میں لطف کتنا آئے گا۔''

''لطف کیا آئے گا۔'' حمید نے کہا۔ ''اگر آپ نے ان لوگوں کا سراغ لگا بھی لیا جو اس کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں تو اس سے فائدہ! ظاہر ہے کہ وہ لوگ اس جدوجہد کا مقصد کسی طرح بھی ظاہر نہ ہونے دیں گے۔''

''خیر چھوڑو......ان باتوں کو۔'' فریدی نے کہا۔ ''تین ماہ کی چھٹی میں نے محض تفریح کی خاطر لی ہے اور رام گڑھ ایک بہترین تفریح گاہ بھی ہے۔''

''لیکن میں تو اسے تفریح گاہ ہرگز نہیں سمجھتا۔''

''بھئی تم مت چلنا میرے ساتھ۔'' فریدی نے اکتا کر کہا۔ ''خواہ مخواہ بکواس کرنے سے کیا فائدہ۔''

''تو کیا میں یہاں اکیلے رہ کر مکھیاں ماروں گا۔''

''نہیں باقاعدہ ان کی پرورش کرنا۔'' فریدی نے کہا۔

''عجیب مصیبت میں جان ہے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''پھر وہی فضول باتیں! ارے میاں اب کون سی مصیبت ہے۔''

''کیا یہ کم مصیبت ہے کہ میں اتنے دنوں تک آپ سے دور رہوں گا۔'' حمید نے کہا۔

"تو پھر چلو......!"

"یہ مشکل ہے۔"

"تو جہنم میں جاؤ۔"

"لیکن وہاں بھی اکیلے دل نہ لگے گا۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"اچھا فی الحال لائبریری سے نکل جاؤ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن جاؤں کہاں؟"

"ارے تو میری کھوپڑی کیوں چاٹ رہے ہو بھائی۔" فریدی نے عاجز آکر اٹھتے ہو کہا۔ "لو میں ہی چلا جاتا ہوں۔"

"تو میں بھی چلتا ہوں آپ ہی کے ساتھ۔"

"بھئی مجھے پریشان مت کیا کرو۔" فریدی بے دلی سے بولا۔

"تو آپ کب چل رہے ہیں رام گڑھ۔"

"تم سے مطلب......!"

"بغیر مطلب نہیں پوچھ رہا ہوں۔"

"میں تمہیں نہیں لے جاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"تو میں آپ کے کاندھے پر تو چڑھ کر جاؤں گا نہیں۔"

"نہیں بھئی......تم اس بار میرا ساتھ نہ دے سکو گے۔" فریدی نے تنگ آکر کہا۔

"کیوں......؟"

"ہوسکتا ہے کہ یہ میرا آخری کارنامہ ہو۔"

"معلوم نہیں آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"مجھے کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔"

"تب تو میں آپ کا ساتھ کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اماں تم تو جان کو آجاتے ہو۔"

"کچھ بھی ہو مجھے تو اب چلنا ہی پڑے گا۔"

"اچھا اچھا بابا......اب جاؤ بھی۔ مجھے کچھ ضروری چیزیں دیکھنی ہیں۔" فریدی نے کہا اور پھر کتابوں کا ڈھیر الٹنے پلٹنے لگا۔

مڈبھیڑ

آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ رام گڑھ پہنچنے پر فریدی کو معلوم ہوا کہ وہ مورتی پولیس کے قبضے سے بھی نکل گئی ہے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر ماتھر کو فریدی کے استفسار پر حیرت ضرور ہوئی۔ لیکن پھر فریدی نے اسے مطمئن کر دیا کہ اس نے یونہی بلا مقصد اس مورتی کا تذکرہ کیا تھا۔ ماتھر نے اُسے بتایا کہ وہ مورتی اسی کے پاس تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اسے عجائب خانے کے منتظم کے حوالے کردے گا لیکن وہ کہیں گم ہوگئی ہے اور ماتھر نے اسے کوئی زیادہ اہمیت بھی نہیں دی بلکہ اسے تو ان ماہرین آثار قدیمہ پر ہنسی آرہی تھی جنہوں نے اس مورتی کے متعلق زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دیئے تھے۔ ہوگی بھئی چندر گپت کے زمانے کی۔ لیکن اس سے آج کی دنیا کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

حمید کو ہنسنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ ہر وقت فریدی کو چھیڑتا رہتا۔ اٹھتے بیٹھتے پیتل کی مورتی کا تذکرہ چھیڑ کر اس کے سراغ رسانی کے جنون کا مضحکہ اڑاتا......آج بھی وہ صبح سے اسے بُری طرح تنگ کر رہا تھا۔ اس وقت شام کو جب دونوں ٹہلنے کے لئے نکلے تو حمید نے اسے پھر چھیڑنا شروع کر دیا۔

"ارے وہ کیا......!" حمید نے کہا۔

"کہاں......؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہ اُدھر......!"

"کچھ بھی تو نہیں۔"

"میں سمجھا شائد پیتل کی مورتی پڑی ہے۔"

"آخر تم میرا مضحکہ اڑانے پر کیوں اتر آئے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"آپ نے کام ہی ایسا کیا ہے۔"

"بھئی تم عجیب آدمی ہو...... آخر تم میرے ساتھ آئے ہی کیوں؟"

"اس لئے کہ اب آپ کو یہاں سے واپس لے جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"قطعی غلط......!" فریدی بولا۔ "میں چھٹیاں یہیں گزاروں گا۔"

"وہ مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔" حمید نے کہا۔ "واقعی بزرگوں کے اقوال کا قائل ہونا ہی پڑتا ہے۔"

"کیسے اقوال......!"

"یہی کہ بیوی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ شاید اسے کوئی معقول جملہ نہیں سوجھ سکا تھا۔

"پوپی...... پوپی۔" فریدی نے اپنے ننھے منھے کتے کو پکارا جو سڑک پار کر کے دوسری طرف بھاگنے لگا تھا۔

"بھلا بتایئے ان پوپیوں سوپیوں کو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اگر بیوی ہوتی تو ان کے بجائے اسے لے آتا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"میں کہتا ہوں آپ اپنی زندگی فضول برباد کر رہے ہیں۔"

"بس آپ ہی کو خانہ آبادی مبارک رہے۔ خاکسار کو تلقین کی ضرورت نہیں۔" فریدی بولا

"اچھا تو کب تک یونہی سڑکیں ناپتے رہیں گے۔ چلئے سامنے والے پارک میں چل کر بیٹھیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ایک فرلانگ بھی نہیں چلے۔" فریدی نے کہا۔ "اوہ اچھا تو یہ بات۔ وہاں وہ نیلی پیلی ساریاں جو لہرا رہی ہیں۔ خیر جناب چلئے۔"

یہ دونوں پارک میں آئے۔ پوپی اپنی ننھی منھی گنجان بالوں والی دم لہراتا ہوا ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ دفعتاً ایک السیشین کتا اس پر جھپٹا۔ قبل اس کے کہ فریدی آگے بڑھ کر اسے چھڑاتا۔ السیشین کتے نے اسے دو تین پٹخنیاں دے دیں۔ ایک طرف سے ایک خوبصورت انگریز لڑکی چیختی ہوئی کتے کی طرف دوڑی اور پوپی کو اس سے چھین کر گود میں اٹھا لیا جس پر بنچ سے وہ لڑکی آئی تھی اس پر ایک انگریز مرد بھی بیٹھا تھا۔ فریدی جھلاہٹ میں اس کی طرف بڑھا۔

"کیوں جناب یہ کتا آپ کا ہے؟" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"کیوں......!" اس نے فریدی کو تیکھی نظروں سے گھور کر پوچھا۔

"وہ اس لئے کہ اس نے میرے کتے کو قریب قریب ختم ہی کر دیا ہے۔"

"تو میں کیا کروں۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"اس قسم کے وحشی کتے آزاد رکھے جاتے ہیں۔" فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

انگریز نے کوئی جواب دینے کے بجائے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"مسٹر مجھے افسوس ہے۔" لڑکی نے فریدی کے قریب آ کر کہا۔ پھر اپنے ساتھی انگریز سے مخاطب ہو کر بولی۔

"ٹام تم بعض اوقات ضرورت سے زیادہ احمق ہو جاتے ہو۔"

"تو اب میں کیا کروں...... کتا ہی تو ہے۔" انگریز بولا۔

"اگر یہی بات ہے تو ٹھہرو میں بھی ایک منگاتا ہوں۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"جاؤ جاؤ مت دماغ چاٹو۔" انگریز گرج کر بولا۔

"اچھا تو اگر تم اپنے باپ کے بیٹے ہو تو اس وقت تک یہاں ٹھہرنا جب تک کہ میرا کتا بھی یہاں نہ آ جائے۔"

لڑکی اپنے ساتھی کو پھر بُرا بھلا کہنے لگی۔ لیکن شاید اس پر جھگڑا کرنے کا جنون سا طاری ہو گیا تھا۔ اس نے فریدی کا چیلنج منظور کر لیا۔

"حمید......!" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ٹیلو ڈنگو......!"

حمید زخمی پوپی کو گود میں اٹھا کر پارک سے باہر نکل گیا۔ فریدی نے جو کتا منگوایا تھا وہ دنیا

کی خطرناک ترین افریقی نسل سے تھا۔

بات کافی بڑھ گئی تھی۔ لڑکی کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بُری طرح گھ ہوئی ہے۔ اس کے برخلاف اس کے ساتھی کی آنکھوں سے نفرت اور حقارت جھلک رہی تھی ایک جوان العمر اور تندرست آدمی تھا۔ اس کے بھاری اور غیر متناسب جبڑے اس کی سفا طبیعت کا اظہار کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد حمید ایک سرکش کتے کی زنجیر تھامے پارک میں داخل ہوا۔ السیشین انگ کے پیروں کے پاس پڑا اونگھ رہا تھا۔ فریدی کے کتے یلو ڈنگو کی آمد پر دفعتاً چونک کر بیٹھ گ فریدی نے اپنے کتے کے پٹے سے زنجیر الگ کرلی۔ یلو ڈنگو کو دیکھ کر انگریز کے کتے نے غ شروع کیا۔ ڈنگو پہلے تو اسے خاموشی سے گھورتا رہا پھر یکایک اس پر جھپٹ پڑا۔ لڑکی چیخ کر کھڑی ہوگئی۔ انگریز بھی ایک طرف ہٹ گیا۔ چند ہی لمحوں کے بعد السیشن نے ایک خوفناک ماری اور زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ یلو ڈنگو نے اس کا گلا پھاڑ دیا تھا۔ زمین پر خون کی چادر سی پھیل تھی۔ انگریز نے اپنا پستول نکال لیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فائر ہوا اور انگریز کا پستول اچھل دور جا گرا۔ فریدی کے ریوالور کی نالی سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر فضا میں بل کھار تھی۔ فائر کی آواز سن کر بہت سے لوگ اکٹھا ہو گئے تھے۔

فریدی نے اپنا ریوالور جیب میں ڈال لیا۔ انگریز جیسے ہی پستول اٹھانے کی لئے جھ پولیس کانسٹیبل آکر اس کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ حمید نے یلو ڈنگو کے زنجیر ڈال دی اور فری کا اشارہ پاتے ہی وہ پارک سے کتے سمیت روانہ ہوگیا۔ کچھ لوگ دور بیٹھے ہوئے کتوں کی لڑ ضرور دیکھ رہے تھے لیکن انہوں نے صرف انگریز کو پستول نکالتے ہوئے دیکھا تھا۔ فریدی طرف وہ اس وقت متوجہ ہوئے جب وہ اپنا ریوالور جیب میں رکھ چکا تھا۔ یہ سب کچھ اتنی جل ہوا کہ کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ انگریز کے گرد بھیڑ اکٹھی ہو رہی تھی اور فریدی وہا سے جا چکا تھا۔

انگریز چند پڑھے لکھے آدمیوں کی مدد سے پولیس کو سارا واقعہ بتانے کی کوشش کر رہا اس کے باوجود بھی اسے قریب کے تھانے میں جانا ہی پڑا۔

ادھر حمید بوکھلایا ہوا اپنی جائے قیام پر پہنچا۔ اسے رہ رہ کر فریدی کی اس حرکت پر غصہ آرہا تھا۔ بھلا یہ کیا حماقت کی۔ بیٹھے بٹھائے ایک نئی مصیبت۔ اگر وہ انگریز فریدی کی گولی سے زخمی ہوگیا ہوتو۔ وہ انہیں خیالات میں دیر تک الجھا رہا۔ تقریباً دو گھنٹے گذر گئے لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس دوران میں اس نے کوتوالی کے دو چکر لگائے لیکن نہ معلوم ہو سکا کہ فریدی کہاں ہے۔ البتہ پارک کے حادثے کے متعلق کئی دلچسپ باتیں سننے میں آئیں۔ یہ سب ایک پراسرار آدمی کے متعلق تھیں، جس کے کتے نے ایک انتہائی توانا اور تندرست السیشین کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور اس کے نشانے کی تعریفوں کے پل باندھے جارہے تھے کہ اس کی گولی انگریز کے پستول پر لگی اور وہ ہاتھ سے نکل گیا...... خیر حمید کو یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ انگریز زخمی نہیں ہوا، خود اسے تعجب ہونے لگا کہ اتنی جلدی میں فریدی اتنا کامیاب نشانہ کیسے لے سکا۔ لیکن اسے یہ سوچ کر الجھن ہو رہی تھی کہ پولیس اس معاملے کی تحقیقات ضرور کرے گی اور اگر یہ چیز ظاہر ہوگئی تو بڑی سبکی ہوگی۔ وہ فریدی کی نیک نامی پر ایک ہلکا سا دھبہ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ چہ جائیکہ اس پر قانون شکنی کا الزام عائد ہو وہ سوچ رہا تھا کہ اس انگریز اور اس کی ساتھی لڑکی نے ہم لوگوں کو اچھی طرح پہچان لیا ہوگا۔ اب اگر کہیں اور مڈبھیڑ ہوگئی تو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ فریدی کے آتے ہی وہ اُسے واپس چلنے کا مشورہ دے گا۔ لیکن اسے اس کی ایک فیصد بھی توقع نہیں تھی کہ فریدی اس کے مشورے پر عمل کرے گا۔ وہ اس کی ضدی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا جب تک کہ وہ کم بخت پیتل کی مورتی مل نہ جائے گی اور فریدی اس کے راز کو دریافت نہ کرے گا اس کا یہاں سے ہلنا ناممکن ہے۔

دس بج گئے تھے لیکن فریدی نہ لوٹا۔ رات حد درجہ تاریک تھی۔ آسمان میں غبار ہونے کی وجہ سے ستارے بھی مدھم پڑ گئے تھے۔ رام گڑھ کی حسین پہاڑیاں تاریکی کی چادر اوڑھے خاموش کھڑی تھیں۔ پہاڑی جھینگروں کی تیز آوازوں نے ماحول میں ایک عجیب قسم کی ویران یکسانیت پیدا کر رکھی تھی۔ کبھی کبھی بھٹکے ہوئے تیتر کی صدا سناٹے میں لہرا کر رہ جاتی۔ حمید برآمدے میں بیٹھا فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ابھی تک کھانا بھی نہ کھایا تھا۔ حمید کی تشویش بڑھتی جارہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔

دفعتاً اسے کچھ دور اندھیرے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا دوسرے لمحے میں فریدی اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"اور اب آپ اس طرح مسکرا رہے ہیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"بگڑو مت پیارے۔" فریدی چہک کر بولا۔ "مہینوں کی منزل گھنٹوں میں طے کر کے آ رہا ہوں۔"

"خواہ مخواہ اتنی دیر پریشان کر ڈالا" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اب شوہر پرست بیوی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دو گے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"بس بس رہنے دیجئے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "ابھی بتاؤں گا تو حواس گم ہو جائیں گے۔"

"کیوں؟ کیا ہوا۔" فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ انگریز بُری طرح زخمی ہو گیا ہے۔"

"بہت اچھے۔" فریدی قہقہہ لگا کر بولا۔ "شاید تم افیونیوں کی محفل سے اٹھ کر آئے ہو۔"

"خیر مجھے کیا ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"جی مجھے سب کچھ معلوم ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں اتنا اناڑی نشانہ باز نہیں ہوں۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن آپ کو یہ کیا سوجھی تھی۔"

"بھئی کیا بتاؤں غصہ ہی تو ہے آ گیا۔" فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پولیس نے اس کی رپورٹ درج کر لی ہے۔"

"کر لی ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"دیکھئے جناب۔" حمید نے کہا۔ "ہر جگہ یہ لاٹ صاحبی کام نہیں آ سکتی۔ اگر ہم لوگ اس معاملے میں پھنس گئے تو بڑی بے عزتی ہوگی۔"

"اچھا جی......!" فریدی ہنس کر بولا۔ "آج کل بڑے عاقبت اندیش ہو رہے ہو؟"

"خیر ماریئے گولی مجھے کیا۔" حمید اٹھتے ہوئے منہ پھلا کر بولا۔ "بھوک کے مارے بُرا حال ہو گیا۔"

"واقعی تم میں ایک سعادت مند بیوی بننے کی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر سیدھا ڈائننگ روم کی طرف چلا گیا۔ کھانے کی میز پر تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر فریدی نے گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا۔

"مجھے ہرگز توقع نہیں تھی کہ اتنی جلدی اور اتنے ڈرامائی انداز میں کامیابی ہوگی۔ اسے محض اتفاق سمجھنا چاہئے کہ میں انہیں لوگوں سے الجھ پڑا جن کی تلاش تھی۔"

"کیا مطلب......؟" حمید چونک کر بولا۔

"چنبیل کی مورتی۔" فریدی جھک کر حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"لاحول ولا قوۃ......!" حمید نوالا پلیٹ میں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"بھلا کھانے پر غصہ اتارنے سے کیا فائدہ؟" فریدی نے کہا۔ "بیٹھو بیٹھو۔" حمید بیٹھ گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"بھئی تم سن کر اچھل پڑو گے۔" فریدی نے کہا۔

"جی نہیں کوئی ایسی بات نہیں سننا چاہتا جس سے مجھے خواہ مخواہ اچھلنا کودنا پڑے۔"

"وہ لڑکی تھی نا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "خیر چھوڑو ہٹاؤ......!"

"اوہ......اسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔" حمید نے جلدی سے پوچھا۔

"کافی خوبصورت ہے۔" فریدی نے کہا۔

"واقعی ایسی لڑکیاں کم دیکھنے میں آتی ہیں۔" حمید بولا۔ "غضب کی ہے۔"

"میں وہ انتظام کر رہا ہوں کہ تمہیں کچھ دن اس کے ساتھ رہنا پڑے گا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔

حمید کی رال باقاعدہ طور پر ٹپکنے لگی۔

"کیا تم اس کے ساتھ رہنا پسند کرو گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"شاید آپ کوئی بہت ہی خطرناک قسم کا مذاق کرنے والے ہیں۔" حمید بولا۔

"نہیں میں بالکل سنجیدہ ہوں۔"

حمید خاموش ہوگیا۔

"جانتے ہو وہ کون ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"بھلا میں کیا جانوں۔"

"جارج فنلے کی لڑکی جولیا۔"

"جارج فنلے۔" حمید چونک کر بولا۔ "یہ نام کہیں سنا تو ہے۔"

"میری ہی زبانی سنا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"وہ کون ہے؟"

"لندن کا ایک ماہر آثار قدیمہ۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر یکایک اس کے چہرے پر نفرت کے آثار پیدا ہوگئے۔ اس فریدی کو گھور کر دیکھا جو قاب سے شوربہ نکال کر اپنی پلیٹ میں ڈال رہا تھا۔

"پھر وہی پیتل کی مورتی...... خدا اسے غارت کرے۔" حمید جھلا کر بولا

"تو تمہیں جولیا پسند نہیں آئی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"جہنم میں گئی جولیا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"پھر تو میں ہی اس سے عشق کروں گا۔"

"آپ کی مرضی۔"

تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔ فریدی کھانا کھا چکا تھا۔ حمید خیالات میں ڈ آہستہ آہستہ منہ چلا رہا تھا۔ فریدی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"لیکن جارج فنلے یہاں کہاں؟"

"یہی چیز قابل غور ہے۔" فریدی نے کہا۔

"بہت ممکن ہے کہ اس نے بھی اخبارات میں مورتی کے متعلق پڑھا ہو۔" حمید نے کہا

"نہیں...... وہ اس واقعے کے پہلے سے یہاں موجود ہے۔"

"اوہ......!" حمید نے کہا۔ "لیکن یک بیک آپ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی۔"

"محض اتفاق......!" فریدی نے کہا۔ "آج کے واقعے کی رپورٹ انہوں نے تھانے

رج کرادی ہے۔ اسی رپورٹ کے ذریعے مجھے معلوم ہوا جارج فنلے اس کی لڑکی جولیا اور وہ سر
را انگریز کیپٹن آرتھر یہاں تقریباً ایک ماہ سے مقیم ہیں۔"

"وجہ......؟"

"سیاحت......!"

"ہوں...... تو اب مجھے کچھ کچھ عقل آ رہی ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"خیر بہت اچھا ہوا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن عقل کے ساتھ ہی ساتھ تھوڑی ہمت بھی
کار ہے۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس وقت وہ پیتل کی مورتی انہیں لوگوں کے قبضے میں ہے۔"

"قطعی......!"

"اور آپ کا ارادہ ہے کہ آپ اُسے ان کے پاس سے اڑا دیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں...... بھئی بھلا اس سے کیا فائدہ۔"

"تو پھر آپ میرے لئے باہمت ہونے کی دعائیں کیوں مانگ رہے ہیں۔"

"اس کی بھی ایک وجہ ہے۔"

"کیا......!"

"ایک لمبی داستان۔"

"یعنی......!"

"جارج فنلے کی پارٹی عنقریب مشرق کی طرف سفر کرنے والی ہے۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔ میری دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"اور یہ بھی جانتے ہو۔" فریدی نے اس کی بات سنی ان سنی کر کے کہا۔ "کچنار کا جنگل
ال کملی قوم آباد ہے مشرق ہی کی طرف ہے۔"

"اوہ......!" حمید غور سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"جارج فنلے کا ساتھی کیپٹن آرتھر ایک زمانے میں یہاں محکمہ جنگلات کا آفیسر تھا۔ غالباً وہ
ارج فنلے کی رہنمائی کرے گا۔"

"مگر یہ جارج فنلے صاحب اس خطرناک مہم پر اپنی صاحبزادی کو کیوں لے جارہے ہیں؟"

"محض اسی لئے کہ میاں حمید اسی بہانے اپنے دوست اور بھائی فریدی کا ساتھ دے سکیں۔"

"یعنی تو کیا آپ بھی اس پارٹی کے ساتھ سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" حمید جلدی سے بولا

"قطعی......!"

"بھلا اس سے فائدہ۔"

"دونوں اپنی اپنی لیاقت کے مطابق تفریح کرسکیں گے۔ میں اس سفر سے لطف اٹھاؤں گا اور تم اس لڑکی کی گہری نیلی آنکھوں میں گیتوں کے جزیرے تلاش کرنا۔"

"تو کیا واقعی آپ جان دینے پر تلے ہوئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تمہیں یہ خیال کیسے پیدا ہوا......؟"

"ظاہر ہے کہ آرتھر اور جولیا ہم لوگوں کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔"

"اوہ......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"میں نہایت سنجیدگی سے عرض کر رہا ہوں کہ میں اس سفر کے لئے تیار نہیں۔" حمید نے کہا

"میں نہایت صدق دل سے کہتا ہوں کہ تمہیں اس کے لئے مجبور نہیں کروں گا۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ اکیلے سفر کریں۔"

"پھر تم چاہتے کیا ہو۔"

"یہی کہ آپ اپنا ارادہ قطعی ترک کردیجئے۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

"نپولین کا قول ہے کہ دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ وہ دفعتاً چونک پڑا۔ حمید کو چپ رہنے کا اشارہ کر کے آہستہ سے بولا۔ "یہ غراہٹ کیسی تھی؟"

"اونہہ ہوگا کوئی کتا۔ ممکن ہے اپنا ہی کتا ہو۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"نہیں یہ اپنے کتے کی آواز نہیں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر کھڑکی کے قریب چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد غراہٹ کی آواز پھر سنائی دی۔ فریدی کی نگاہیں باہر اندھیرے میں بھٹک رہی تھیں۔ دفعتاً کچھ دور ٹارچ کی روشنی میں اسے ایک بڑا سا کتا دکھائی دی۔ ٹارچ کسی آدمی کے ہاتھ میں تھی جس کی روشنی میں صرف اس کے پیر دکھائی دے رہے تھے۔ کتا زمین پر سونگھ کر غرا رہا تھا۔ فریدی نے کمرے کی روشنی گل کردی۔

"یہ کیا کیا آپ نے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"خاموش......!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور تیزی سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں پوری عمارت تاریک ہوگئی۔ حمید اب تک کھڑکی کے قریب کھڑا حیرت سے اس کتے کو دیکھ رہا تھا۔ کتا اسی جگہ گویا جم کر رہ گیا۔ وہ بار بار زمین سونگھتا اور پھر سر اٹھا کر غرانے لگتا۔ اس کے پاس کھڑا ہوا آدمی ادھر اُدھر ٹارچ کی روشنی ڈال رہا تھا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ قرب و جوار کی عمارتیں بھی تاریک تھیں۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔ فریدی نے مکان کی روشنی کیوں گل کردی اور وہ کہاں چلا گیا۔

اس آدمی کی ٹارچ کی روشنی ادھر اُدھر کی عمارتوں پر رینگتی ہوئی پھر کتے پر آ کر جم گئی۔ دفعتاً کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور کتا اچھل کر دور جا گرا۔ شاید یہ کتے کی آخری ہچکیاں تھیں۔ اندھیرے میں کوئی دور تک دوڑتا چلا گیا۔ پتھریلی زمین پر قدموں کی آواز آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد سکوت چھا گیا۔

فریدی کی عجیب حرکت

حمید کی الجھن لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ اندھیرے میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ فائر کی آواز اور مرتے ہوئے کتے کے شور کی وجہ سے پاس کی کئی عمارتوں میں روشنی نظر آنے لگی تھی۔ کچھ لوگ

باہر بھی نکل آئے تھے۔ حمید نے بھی غیر ارادی طور پر کمرے میں روشنی کردی اور باہر نکل آیا۔ چار پانچ آدمی جن کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں کتے کی لاش کو دیکھ رہے تھے۔ یہ ایک کافی قوی اور خوفناک کتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کچھ ایسی مضحکہ خیز قسم کی قیاس آرائیاں شروع ہوگئیں کہ حمید کو الٹے پاؤں واپس آنا پڑا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں وہ بے تحاشہ ہنسنا نہ شروع کردے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے دیکھا فریدی ایک آرام کرسی پر دراز سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ اس کی رائفل کرسی کے بازو سے ٹکی ہوئی تھی۔ حمید کو دیکھ کر مسکرایا۔

''آخر آپ نے یہ سب کیا اودھم مچا رکھی ہے۔'' حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

''خیر یہ بعد میں بتاؤں گا...... تم یہ بتاؤ کہ ڈنگو کو گھر تک کس طرح لائے تھے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ وہ اپنے پیروں سے چل کر یہاں تک پہنچا تھا یا کسی اور طرح۔''

''آخر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''تم میرے سوال کا جواب دو۔'' فریدی نے اکتا کر کہا۔

''کچھ دور تک مجھے اس کو گود میں لانا پڑا تھا۔''

''کیا اسی جگہ سے نہیں جہاں ہم نے ابھی اس کتے کو دیکھا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''بہت ممکن ہے وہی جگہ ہی ہو۔'' حمید نے کہا۔ ''وہاں پہنچ کر وہ کسی طرح آگے بڑھ ہی نہیں رہا تھا۔ مجبوراً مجھے اسے گود میں اٹھانا پڑا۔''

''اوہ...... تو یہی وجہ تھی۔'' فریدی بے ساختہ بولا۔

''آخر آپ کچھ بتاتے کیوں نہیں۔'' حمید نے بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''ابھی تم جس کتے کی لاش دیکھ آئے ہو اسے میں نے ہی مارا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''لیکن کیوں......!'' حمید بے تابی سے بولا۔ ''آخر آج کتوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں''

''اگر میں اسے ٹھکانے نہ لگا دیتا تو اچھی خاصی مصیبت آجاتی اور میری بنائی ہوئی آ خاک میں مل جاتی۔'' فریدی نے بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''اب ختم بھی کیجئے یہ پہیلیاں......!'' حمید اکتا کر بولا۔

''یہ کتا بھی آرتھر ہی کا تھا۔ بہت خطرناک قسم کا بلڈ ہاؤنڈ۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے شکار کی بو پا جانے پر اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑتا۔ آرتھر نے شاید اسے لیشین کی لاش سنگھا کر یلو ڈنگو کے راستے پر لگا دیا تھا۔ لہٰذا جہاں تک ڈنگو اپنے پیروں سے چل کر آیا تھا اس نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا، لیکن یہاں آکر وہ مجبور ہوگیا۔ کیونکہ تم ڈنگو کو یہاں سے گود میں لائے تھے۔ یہ بھی ایک اتفاق تھا جس کی وجہ سے اس وقت بچ گئے، ورنہ دوسری صورت میں وہ سیدھا یہیں آتا اور نت نئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔''

''تو یہ کہئے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا شاید خدانخواستہ۔''

''دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' فریدی نے جملہ پورا کردیا۔

''بھلا میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''خیر...... خیر...... ختم کرو یہ باتیں...... اپنا ضروری سامان ٹھیک کرلو...... ہمیں اسی وقت یہ مکان چھوڑنا ہے۔''

''جی......!'' حمید چونک کر بولا۔ ''کیا مطلب......؟''

''کسی ہوٹل میں چل کر رہیں گے۔''

''آخر کیوں؟''

''بھئی عجیب گھامڑ آدمی ہو۔'' فریدی بولا۔ ''اس علاقے میں اس کتے پر گولی چلانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یہیں کہیں رہتے ہیں۔''

''تعجب ہے کہ اس انگریز سے اس بُری طرح خائف ہوگئے۔'' حمید نے کہا۔

''تم غلط سمجھے! بات یہ نہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''آرتھر سے خائف ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ڈر اس بات کا ہے کہ اگر دوبارہ اس کا سامنا ہوگیا تو میں اپنی اسکیموں کو عملی جامہ نہ پہنا سکوں گا۔''

''آخر وہ اسکیمیں معلوم تو ہوں۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔

''اطمینان سے بتاؤں گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''ابھی جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔''

حمید نے بادل نخواستہ اٹھ کر ضروریات کی چیزیں اکٹھی کیں اور ایک سوٹ کیس میں رکھیں۔

فریدی بھی انتظام میں مشغول ہوگیا۔ اس نے نوکروں کو ضروری ہدایات دیں اور انہیں ایک کثیر رقم دے کر اس وقت تک رام گڑھ میں مقیم رہنے کے لئے کہا جب تک وہ واپس نہ آئے۔ ان نوکروں کو وہ اپنے ہمراہ لایا تھا اور یہ سب معتبر اور پرانے نوکر تھے۔

فریدی اور حمید نے ایک ایک سوٹ کیس اور ہولڈال اٹھالئے اور گھر سے نکل کر باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں گم ہوگئے۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ ایک متوسط درجے کے صاف ستھرے ہوٹل میں بحیثیت مسا داخل ہورہے تھے۔ انہیں رہائش کے کمرے مل گئے۔

”کہئے حضور والا آپ کو اطمینان میسر ہوا یا نہیں۔“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”ہاں آں......!“ فریدی چارپائی پر لیٹ کر حمید کی طرف کروٹ لیتا ہوا بولا۔ ”کیا پوچ چاہتے ہو۔“

”ان سب بوکھلاہٹوں کا مطلب......!“

”تم اسے بوکھلاہٹ کہہ رہے ہو پیارے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”جی نہیں...... بہت بڑا کارنامہ انجام دے رہے ہیں آپ۔“ حمید طنزیہ انداز میں بولا

”خیر...... کارنامہ میں انجام دے رہا ہوں۔ اس میں تم میرے برابر کے شریک رہو گے۔“

”میں تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں۔“ حمید بے زاری سے بولا۔

”اس بار تمہیں پاؤں دھونے کا بھی موقع مل جائے گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

”میں نے وہ اسکیم بنائی ہے کہ تم سن کر اچھل پڑو گے۔“ فریدی نے کہا۔

”ارشاد......!“

”جارج فنلے سفر کے نئے ساتھی مہیا کررہا ہے۔ آج بھی اس نے دس پہاڑیوں کی خدما حاصل کی ہیں۔ تقریباً پچاس آدمی اس کے ساتھ جائیں گے۔ وہ جدھر جانے کا ارادہ رکھتا ادھر کوئی باقاعدہ راستہ نہیں ہے...... اس لئے سفر پیدل یا خچروں پر کیا جائے گا۔“

”تو پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟“

”ہم دونوں بھی پہاڑی مزدوروں کی حیثیت سے اس پارٹی میں شامل ہوجائیں گے۔“ یدی نے کہا۔

”بہت خوب اور ڈیڑھ سو میل پیدل چل کر آخیر میں اللہ کو پیارے ہوجائیں گے۔“ حمید نے کہا۔

”تم ہمیشہ ہر چیز کا تاریک پہلو ہی دیکھتے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ عادت اچھی نہیں...... تمہیں تو عورت ہونا چاہئے تھا۔“

”یہی تو میری بدنصیبی ہے۔“ حمید بولا۔ ”خیر آپ اپنا بیان جاری رکھئے۔“

”کل ہم دونوں پہاڑی مزدوروں کے بھیس میں جارج فنلے سے ملیں گے۔“

”لیکن اس سے فائدہ...... ہمارا پول جلد ہی کھل جائے گا۔ اس لئے کہ ہم پہاڑی زبان ں جانتے۔“ حمید نے کہا۔

”تم صرف اپنے متعلق کہہ سکتے ہو۔“ فریدی بولا۔ ”میں ادھر کی زبان بخوبی بول سکتا ہوں۔“

”لیکن میں کیا کروں گا۔“ حمید اکتا کر بولا۔

”تم گونگے بن جانا۔“

”کیا مطلب......؟“

”تمہارے متعلق پہاڑیوں میں یہ مشہور کردوں گا کہ تم گونگے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”بس بس معاف رکھئے خاکسار کو۔“ حمید نے کہا۔ ”میں زندگی بھر ایسا نہیں کرسکتا۔“

”تو پھر کل تم گھر واپس چلے جاؤ۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”خیر دیکھا جائے گا۔“ حمید نے کہا۔ ”آپ اپنا پروگرام بتایئے۔“

”بس صرف اتنی سی بات کہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ چلنا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”محض اس مورتی کا راز جاننے کے لئے۔“

”ہاں......؟“

”لیکن یہ کوئی عقل مندی کی حرکت نہ ہوگی۔“ حمید نے کہا۔ ”یہ تو وہی مثل ہوئی کہ شکاری ھیلیں اور بے وقوف ساتھ پھریں۔“

’’فی الحال اسے بے وقوفی ہی سمجھ لیں۔‘‘ فریدی نے کہا۔ ’’میں مکمل ارادہ کر چکا ہوں۔‘‘

’’اور اگر راستے میں آرتھر یا جولیا نے ہمیں پہچان لیا تو شامت ہی آجائے گی۔‘‘

’’تم مطمئن رہو...... اس کی نوبت نہ آنے پائے گی۔‘‘ فریدی نے کہا۔

’’میں تو پانچ سال سے مطمئن بیٹھا ہوں۔‘‘

’’اماں تم عجیب آدمی ہو۔‘‘ فریدی جھلا کر بولا۔ ’’میں تمہیں مجبور کب کرتا ہوں کہ میرے ساتھ چلو۔‘‘

’’تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ میں ساتھ نہ چلوں گا۔ لیکن چلنے کا جو طریقہ آپ اختیار کرنے والے ہیں وہ انتہائی تکلیف دہ ہوگا ہر قسم کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ نہ تو ہمارے باقاعدے کے کپڑے ہوں گے اور نہ جوتے۔‘‘

’’یار تم واقعی بڑے عیاش ہو۔‘‘ فریدی مسکرا کر بولا۔ ’’ذرا اس زندگی میں بھی تو آکر دیکھو کہ یہ کتنی پر لطف ہے۔‘‘

’’خیر صاحب...... چھوڑیئے۔‘‘ حمید نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ اب نیند آرہی ہے۔

’’شب بخیر۔‘‘

روانگی

فریدی اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ حمید اور وہ جارج فنلے کے بار برداروں کی ٹولی میں شامل کر لئے گئے۔ فریدی نے دو خچر خرید لئے تھے اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید حمید کی ہمت نہ پڑتی۔ ڈیڑھ سو میل کا پیدل سفر آسان کام نہیں اور پھر ایسے لوگوں کے لئے جن کی زندگی محنت مشقت سے دور گزری ہو۔

تیسرے دن یہ کارواں جو پچپن آدمیوں پر مشتمل تھا مشرق کی طرف روانہ ہوگیا۔ ان کے ساتھ بیس خچر بھی تھے جن پر چھوٹے چھوٹے خیمے اور دوسرا سامان لدا ہوا تھا۔ فریدی اور حمید کے خچروں پر بہت تھوڑا سامان تھا اس لئے وہ کبھی کبھی بیٹھ بھی لیتے تھے۔ حمید کو فریدی پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے کتنی آسانی سے پہاڑی مزدوروں کی زندگی بسر کرنی شروع کردی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی پرورش اسی ماحول میں ہوئی ہو۔ وہی چال ڈھال...... وہی وحشیانہ انداز گفتگو۔ ویسی ہی جفاکشی۔ وہ ہمیشہ نہایت عمدہ اور آرام دہ جوتے استعمال کرتا تھا اس وقت اتنی آسانی کے ساتھ پتھریلی زمین پر ننگے پیر چل رہا تھا جیسے اس نے کبھی جوتے پہنے ہی نہ ہوں۔

حمید کا دم گھٹ رہا تھا کیونکہ اس کی قینچی کی طرح چلنے والی زبان روک دی گئی تھی۔ فریدی کی اسکیم کے مطابق وہ ایک گونگے کی حیثیت سے پارٹی میں شامل ہوا تھا۔ فریدی جب اس سے اشاروں میں بات کرتا تو اسے بے ساختہ ہنسی آجاتی اور فریدی اسے بُری طرح گھورنے لگتا۔

فریدی نے کچھ اتنا گھناؤنا بھیس بدلا تھا کہ بعض اوقات تو حمید کا جی مالش ہونے لگتا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کے پہاڑی مزدور کے بھیس میں تھا۔ اس کے منہ سے ہر وقت رال بہہ بہہ کر ٹھوڑی سے ٹپکتی رہتی تھی۔ جسے وہ نہایت لاپروائی سے پھٹی ہوئی قمیض کی آستینوں سے پونچھ لیتا تھا۔

اس وقت وہ ایک خچر کی باگ ڈور تھامے ایک موٹے سے بانس کا ڈنڈا ٹیکتا لنگڑاتا ہوا ناہموار راستے طے کر رہا تھا۔ قافلے کی رفتار آہستہ آہستہ سست ہوتی جارہی تھی۔ قافلے کا راہبر کیپٹن آرتھر ڈیرا ڈالنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا۔ غالباً وہ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی خیمے نصب کرا دینا چاہتا تھا۔

شام کی سرد ہوتی ہوئی سرخی مائل دھوپ پہاڑیوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف ایک پر اسرار سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایسا سناٹا جو پتھریلی زمین پر خچروں کی ٹاپوں کی آواز کے باوجود بھی برقرار تھا۔ کبھی کسی پہاڑی عقاب کی تیز آواز دور تک لہراتی چلی جاتی۔

آرتھر جولیا اور جارج فنلے اپنے اپنے خچروں سے اتر پڑے۔ کارواں رک گیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد ویران چٹانوں کے درمیان کافی چہل پہل نظر آنے لگی۔ خیمے نصب کردیئے گئے۔ جابجا

آگ جلادی گئی۔ دھندلکا تاریکی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ مغربی افق میں شوخ رنگوں کے لہریئے سیاہی کے غبار میں دب کر آہستہ آہستہ دھندلے ہوتے جا رہے تھے۔

آرتھر مزدوروں کو رات کے کھانے کے لئے چاول اور خشک مچھلیاں بانٹتا پھر رہا تھا۔ کہیں جگہ رک کر مزدوروں کو کچھ ہدایات بھی دینے لگتا تھا۔ وہ پہاڑی زبان بخوبی بول سکتا تھا۔ اس نے شاید ادھر کی زبانیں اسی وقت سیکھی تھیں جب وہ پہاڑی جنگلات کا افسر تھا۔ اس کے برخلاف جارج فنلے اور جولیا مشرقی زبانوں سے بالکل ناواقف تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے آرتھر کو اپنا راہبر بنایا تھا۔

آرتھر جب فریدی کو اتنے ہی چاول دینے لگا جتنے کہ اس نے دوسروں کو دیئے تھے تو فریدی اس سے الجھ پڑا۔

"بھلا صاحب اتنے میں میرا کیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا یہ کم ہے۔" آرتھر تیز لہجے میں بولا۔

"بہت کم......!"

"اتنے ہی میں نے سب کو دیئے ہیں۔" آرتھر نے کہا۔

"صاحب میں ان سب سے زیادہ کام کر سکتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"کیا کام کر سکتے ہو۔"

"بڑی بڑی چٹانیں لڑھکا سکتا ہوں۔ جنگلی جانوروں سے لڑ سکتا ہوں۔ ہاتھیوں کے سونڈ اکھاڑ سکتا ہوں۔ میں شیر کا بیٹا ہوں۔" فریدی نے اپنی چھاتی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور پھر دوسرے مزدوروں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "ان جوانوں میں سے مجھے کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے ایک ہاتھ پر اٹھا کر کم از کم ایک میل تک لے جا سکتا ہوں۔"

"اوہو بڑے بہادر ہو تم......"

"جی صاحب۔"

فریدی کے قریب ہی ایک قوی ہیکل نوجوان پہاڑی مزدور کھڑا اس کی ڈینگیں سن رہا تھا۔ اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"تو کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں میرے بیٹے۔" فریدی اس کی طرف مڑ کر آستین سے اپنی رال پونچھتا ہوا بولا۔

"نہیں تم بالکل سچ کہہ رہے ہو۔" وہ ہنس کر بولا۔ "صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہم لوگوں سے زیادہ پیٹو ہو۔"

"دیکھو میرے بچے تم ابھی مجھے نہیں جانتے۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں شاید اپنے تن و توش پر گھمنڈ ہے۔ ذرا میرا پنجہ ہی موڑ دو۔" فریدی نے اپنا پنجہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ آرتھر دونوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

نوجوان نے فریدی کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھنسائیں اور زور کرنے لگا۔ لیکن موڑنا تو درکنار فریدی کے ہاتھ میں جنبش تک نہ ہوئی۔

"بس کر میرے بچے۔" فریدی نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔ "مجھے تیری طاقت کا اعتراف ہے، لیکن یہ پنجہ لوہے کا ہے۔"

نوجوان مزدور نے اپنا ہاتھ چھوڑ دیا اور کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔

"واقعی تم کافی طاقت ور ہو۔" آرتھر نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "اچھا یہ لو اپنے چاول اور......اب تو خوش ہو۔"

"خدا صاحب کا بھلا کرے۔"

"گونگا تمہارا لڑکا ہے۔" آرتھر نے پوچھا۔

"میرا بھائی ہے صاحب۔"

"اس کا چاول اسے دیا جائے گا۔"

"ہاں صاحب۔"

آرتھر آگے بڑھ گیا۔

حمید لکڑیاں سلگا رہا تھا۔ آگ پھونکتے پھونکتے اس کے آنسو بہہ چلے تھے۔ آگ تھی کہ جلنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ فریدی مسکراتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔

"کیوں میاں حمید، خیریت تو ہے۔" فریدی اس کے پاس بیٹھ کر آہستہ سے بولا۔

"دیکھئے آپ خواہ مخواہ مجھے تاؤ نہ دلایئے۔" حمید نے جواب دیا۔

"یار تم بہت کمزور دل کے آدمی ہو۔"

"اب اس سفر میں میرا زندہ رہنا محال ہے۔" حمید بولا۔

"کیوں......؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" حمید نے بے بسی سے کہا "کہاں ہماری زندگی اور کہاں یہ پتھریلی چٹانیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مجھے چائے نصیب نہ ہوئی تو میرا مرجانا یقینی ہے۔ درد سے سر پھٹا جارہا ہے۔"

"گھبراتے کیوں ہو پیارے۔ بہت جلد تمہاری چائے کا بھی انتظام ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "بہت جلد یہ لوگ مجھ میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"بس بیٹھے ہوائی قلعے بنایا کیجئے۔" حمید جل کر بولا۔

"سن رہے ہو...... بخدا جولیا کی آواز میں بڑی مٹھاس ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ہوگی سالی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"تمہاری جمالیاتی حس کہاں مرگئی حمید؟"

"دیکھئے میں اس وقت باتیں کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"خیر خدا کا شکر ہے کہ میں نے زندگی میں ایک بار تمہارے منہ سے یہ جملہ سن لیا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "خدا تمہاری قینچی کی طرح چلنے والی زبان کی مغفرت کرے۔ آمین۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے فریدی کے اور اپنے چاول ایک بڑے سے تسلے میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیئے تھے۔

"یار اس طرح ہمت نہ ہارو، دیکھو بہت جلد ہم لوگ اس پارٹی میں کوئی نمایاں جگہ حاصل کرلیں گے۔"

"اتنی نمایاں کہ شاید انہیں ہم کو اپنے کاندھوں پر اٹھانا پڑے۔"

"پھر وہی عورتوں کی سی باتیں۔"

ابھی ان دونوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک قوی ہیکل مزدور ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

"سنا ہے...... بڑے طاقتور ہو......!" وہ فریدی کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں بولا۔

"جا بھائی جا اپنا کام کر...... مجھے چاول ابالنے ہیں۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"مجھ سے کشتی لڑو گے۔" پہاڑی مزدور اکڑ کر بولا۔

"نہیں بھائی میں بہت کمزور ہوں، جا میرا دماغ نہ چاٹ۔" فریدی نے کہا اور جلتی ہوئی لکڑیوں کو ہلانے جلانے لگا۔

"لے یار تو تو بڑا بودا نکلا۔" پہاڑی ہنس کر بولا۔

"آخر تو چاہتا کیا ہے۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کشتی......!"

"اچھا چل پہلے صاحب سے پوچھ لیں، لیکن پھر تجھے لڑنا ہی پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

دونوں آرتھر کے خیمے کے سامنے آئے، خیمے میں جولیا، آرتھر اور جارج فنلے بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے۔

"کیا ہے؟" آرتھر فریدی کو خیمے کے سامنے کھڑا دیکھ کر بولا۔

"صاحب میں اجازت لینے آیا ہوں۔"

"کس بات کی۔"

"یہ مجھ سے کشتی لڑنا چاہتا ہے۔" فریدی نے مزدور کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

آرتھر ہنسنے لگا پھر اس نے جارج فنلے کو فریدی کی شیخیوں کے متعلق بتانا شروع کیا۔

"لیکن بہت گندا آدمی ہے۔" جولیا ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "دیکھو رال کس بری طرح بہہ رہی ہے۔ لیکن میں ان کی لڑائی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

آرتھر نے انہیں اجازت دے دی۔ جولیا اور جارج فنلے بھی خیمے سے باہر نکل آئے۔

فریدی اور مزدور ایک دوسرے پر پل پڑے۔ تھوڑی دیر بعد مزدور ہانپنے لگا۔

"دیکھ بیٹا۔" فریدی نے کہا۔ "تو ابھی تک مجھے نہیں اکھاڑ پایا ہے...... اب سنبھل میں تجھے اکھاڑتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ فریدی نے زور کر کے اٹھایا اور اپنے سر سے بلند کر کے

بولا۔ ''بول کدھر پھینکوں۔'' لیکن پھر آہستہ سے سامنے زمین پر کھڑا کر دیا۔

''جا بھاگ جا...... جاکر اپنے چاول ابال بڑے بوڑھوں کے منہ نہیں لگا کرتے۔ شاباش......!'' فریدی نے کہا۔

دور کھڑے ہوئے مزدوروں نے ہنسنا شروع کر دیا اور شکست خوردہ مزدور خود ہی کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا بولا۔ ''مان گیا بابا واقعی تو استاد ہے'' اور پھر وہ ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہوا اپنی ٹولی میں جاملا۔

''واقعی بہت طاقت ور ہے۔'' جارج فنلے نے آرتھر سے کہا۔

''مگر بہت گندا مجھے تو بہت گھن آتی ہے۔'' جولیا بولی اور فریدی دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔

''صاحب بولتے ہیں تم بہت طاقت ور ہو'' آرتھر نے فریدی سے کہا۔ ''لیکن میم صاحب تم کو گندا کہتی ہیں۔ تمہارے منہ سے رال بہتی ہے۔''

''صاحب میرے منہ میں چھالے ہیں، جب وہ اچھے ہو جائیں گے تو رال خود بخود بند ہو جائے گی۔''

''اوہ...... اچھا ہم تمہیں چھالوں کی دوا دیں گے۔'' آرتھر نے کہا۔

''لیکن صاحب اب میری طاقت بہت گھٹ جائے گی اور شاید میرا بھائی تو مر ہی جائے۔''

''کیوں......؟'' آرتھر نے پوچھا۔

''ہم دونوں چائے کے عادی ہیں۔ بھلا ہمیں چائے یہاں کہاں سے ملے گی۔'' فریدی نے کہا۔

''ہم تمہیں چائے دیں گے، جاؤ اپنا برتن لاؤ۔'' آرتھر نے کہا۔

''صاحب کا بہت بہت شکریہ۔'' فریدی نے کہا۔ ''آپ بھی نکولس صاحب کی طرح نیک اور رحم دل آدمی ہیں۔''

''کون نکولس صاحب۔'' آرتھر نے پوچھا۔

''ارے آپ نے نکولس صاحب کا نام نہیں سنا۔'' فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''میجر یو ایم نکولس افریقہ کے مشہور شکاری۔''

''تم انہیں کیا جانو......!'' آرتھر نے متعجبانہ لہجے میں پوچھا۔

''ارے بھلا مجھ سے زیادہ انہیں کون جانے گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں نے تین سال تک ان کے ساتھ افریقہ کے کالے جنگلوں کی خاک چھانی ہے۔''

آرتھر ہنسنے لگا جارج فنلے نے اس سے ہنسی کی وجہ پوچھی۔ ''یہ کہہ رہا ہے کہ میجر نکولس کے ساتھ افریقہ میں رہ چکا ہے۔''

''ممکن ہے۔'' جارج فنلے نے کہا۔

''مجھے تو اب اس پر کچھ شبہ ہو چلا ہے۔'' آرتھر نے کہا۔

''کیوں......!'' جارج فنلے نے چونک کر پوچھا۔

''کہیں یہ بھی انہیں دیسیوں میں سے نہ ہو جنہوں نے مورتی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اوہ......!'' جارج فنلے نے کہا اور فریدی کو گھورنے لگا۔

''خیر میں اس کا امتحان کئے لیتا ہوں۔'' آرتھر نے کہا اور پھر فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

''نکولس کا مستقل قیام افریقہ میں کہاں تھا۔''

''مومباسہ میں۔'' فریدی نے جواب دیا۔

وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

''افریقہ کی سب سے زیادہ خطرناک چیز کیا ہے؟'' آرتھر نے پوچھا۔

''زہریلی مکھی، سی سی فلائی، جس کے حملے کی خبر تک نہیں ہوتی۔'' فریدی نے کہا۔ ''شاید آپ کو مجھ پر کچھ شبہ ہوا ہے۔ شاید آپ نہیں جانتے ہیں کہ میں اپنے آقاؤں کے لئے جان تک کی بازی لگا دیتا ہوں۔ جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔ مگر صاحب اب وہ قدر داں کہاں، نکولس صاحب مجھے اپنے برابر بٹھاتے تھے۔''

''بھلا میں تم پر کس بات کا شبہ کر سکتا ہوں۔'' آرتھر نے اچانک پوچھا۔

''یہی کہ میں آپ کو اپنے جھوٹے کارناموں کے قصے سنا کر آپ کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ محض اس لئے کہ کسی دن موقعہ پا کر آپ لوگوں کو لوٹ لوں۔'' فریدی نے کہا۔

''تم غلط سمجھے۔'' آرتھر ہنس کر بولا۔ ''میں صرف اتنا جاننا چاہتا تھا کہ تم واقعی کام کے آدمی

ہو یا نہیں۔"

"خیر صاحب یہ تو وقت پر ہی معلوم ہو سکے گا۔" فریدی نے کہا۔

"تم اس سے پہلے بھی کبھی مشرق کی طرف سفر کر چکے ہو۔" آرتھر نے پوچھا۔

"صرف ایک بار۔" فریدی نے کہا۔ "اور وہ واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے کہ ایک بار آپ ہی کی طرح ایک صاحب نے رام گڑھ میں بہت سے مزدوروں کو اکٹھا کیا تھا اور وہ بھی اسی طرف آئے تھے، لیکن کچھ دور چلنے کے بعد وہ اچانک لوٹ پڑے تھے۔ ان کی کوئی چیز چوری ہو گئی تھی۔ اس کا انہیں اتنا دکھ ہوا کہ وہ آگے نہ جا سکے۔"

"کیا چیز چوری ہو گئی تھی۔"

"یہ انہوں نے نہیں بتایا۔"

"ہوں......!" آرتھر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ کہاں جانا چاہتے تھے۔"

"دریائے تامتی کے کنارے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ دوسرے کنارے پر جانا چاہتے تھے لیکن ارادہ تھا کہ وہ مزدوروں کو ادھر ہی سے رخصت کر دیں گے۔"

"اوہ......!"

آرتھر جارج فنلے کی طرف مڑا اسے اپنی اور فریدی کی گفتگو کے متعلق انگریزی میں بتانے لگا۔

"ان باتوں سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ مورتی کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" جولیا بولی۔ "اگر ایسا ہوتا تو وہ اس کا تذکرہ ہی نہ کرتا۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔" آرتھر نے کہا۔ پھر وہ فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پہاڑی زبان میں بولا۔ "جاؤ جاؤ اپنا برتن لاؤ......تم ہر وقت یہاں سے چائے لے سکتے ہو اور رات کو سوتے وقت میرے پاس آنا میں تمہارے چھالوں میں دوا لگا دوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد حمید اور فریدی آگ کے پاس بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"کیوں برخوردار......!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "کہو کیسی رہی۔"

"بہت اچھی۔" حمید بے زاری سے بولا اور چاول کے تسلے کو آگ پر سے اتارنے لگا۔

"ابھی کیا ہے میں اس سے بھی زیادہ آرام پہنچانے کی کوشش......اور کہو تو جولیا سے

تمہاری شادی کرا دوں۔"

"بس جناب کی عنائت کا شکریہ۔" حمید نے کہا۔ "اس وقت تو مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میرے باپ کی بھی کبھی شادی نہ ہوئی ہو۔"

حمید کی شامت

سورج طلوع ہوتے ہی پھر سفر شروع ہو گیا۔ خیمے اکھاڑ کر خچروں پر بار کر دیئے گئے۔ جن مزدوروں کے پاس خچر تھے وہ ان پر سامان لادنے کے بعد خود بھی بیٹھ گئے۔ بقیہ لوگ اپنے سروں پر کچھ نہ کچھ اٹھائے ہوئے پیدل چل رہے تھے، جولیا اور جارج فنلے خچروں پر سوار آگے آگے چل رہے تھے۔

اس وقت قافلہ بلندی سے ایک پر فضا وادی میں اتر رہا تھا۔ خشک پہاڑوں کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ چاروں طرف ہری بھری پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ نیچے وادی میں چھوٹی سی پہاڑی ندی ننھے ننھے قطرے اچھالتی ہوئی تیز رفتاری سے بہہ رہی تھی۔ سناٹے میں پانی کی آواز ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے خوفناک دھندلکوں میں ستار کی مدھم سی جھنکار......حمید کی رومان پسند طبیعت گنگنانے کے لئے بے قرار ہو گئی۔ لیکن وہ تو گونگا تھا۔ وہ جھنجھلا گیا۔ اس کا دل چاہا اپنے خچر کے دونوں کان اکھاڑ ڈالے۔ فریدی دور تھا ورنہ وہ اسے ایک آدھ بار کھا جانے والی نظروں سے ضرور گھورتا۔ اس کا خچر جولیا کے پیچھے تھا۔ جولیا کے سنہرے بالوں کے نیچے سرخ و سپید گردن جس کے درمیان میں ایک لطیف سی سلوٹ تھی۔ حمید کے دل میں گدگدیاں پیدا کر رہی تھی۔ کاش وہ بول سکتا جولیا کافی خوب صورت تھی۔ اس کی گہری نیلی آنکھیں دو پہاڑیوں کے درمیان خلاء سے دکھائی دینے والے آسمان کی طرح پر کشش اور روح کو ایک انجانی دنیا میں کھینچ لے جانے والی

تھیں۔ آنکھوں اور چہروں میں دوسری دلآویز چیز اوپری ہونٹ کی ہلکی سنہری روئیدگی تھی اور جب اس میں پسینے کی ننھی ننھی بوندیں بھی شامل ہو جاتیں تو وہ اور زیادہ حسین دکھائی دینے لگتی۔ دن بھر کی مسافت طے کرنے کے بعد جب وہ چائے کا پہلا گھونٹ لیتی تو اس کی آنکھوں میں نشہ سا جھلکنے لگتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سارے جسم کی تھکن اس کے چہرے پر ایک غم آلود زماہٹ بن کر پھیل گئی ہو۔ حمید غیر ارادی طور پر اس کے قریب رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ سوچتا کاش وہ اس حالت میں رہنے پر مجبور نہ ہوتا۔ کاش وہ بول سکتا۔

کارواں وادی میں اتر آیا تھا، آگے بڑھنے سے پہلے ندی پار کرنی ضروری تھی۔

"ندی زیادہ گہری نہیں ہے۔" آرتھر نے جارج فنلے سے کہا۔ "ہم لوگ آسانی سے گزر جائیں گے۔ میں اس علاقے میں کچھ دن رہ چکا ہوں۔"

جارج فنلے نے بھی اپنا خچر پانی میں اتار دیا۔

تھوڑی دیر بعد پورا قافلہ ندی پار کر گیا۔ سامنے دور تک ہرا بھرا میدان پھیلا ہوا تھا۔

"دوسری چڑھائی ذرا تکلیف دہ ہوگی۔" آرتھر نے جارج فنلے سے کہا۔

"کیوں......؟"

"وہاں ہمیں خود ہی راستے بنانے پڑیں گے لیکن یہ دقت زیادہ دور تک قائم نہیں رہے گی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ہمیں اس کے لئے دو تین دن پہلے ہی اپنی پچھلی تھکن دور کرنی پڑے گی۔"

"ہوں......!" جارج فنلے نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"آگے ایک گاؤں ہے وہاں ہم دو تین دن ٹھہر جائیں گے لیکن ہم لوگوں کو کافی محتاط رہنا پڑے گا کیونکہ اب ہمیں ایسے لوگوں سے دوچار ہونا ہے جو قطعی وحشی ہیں۔"

"اگر انہوں نے ہمیں گاؤں میں داخل نہ ہونے دیا تو......!" جارج فنلے نے کہا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ جنگلیوں کا سردار مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ میں نے ایک حادثے میں اس کی جان بچائی تھی۔" آرتھر نے کہا۔ "یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ جنگلی احسان فراموش نہیں ہوتے۔"

"مجھے تو انہیں دیکھ کر خوف آئے گا۔" جولیا اٹھلا کر بولی اور حمید ہزار جان سے قربان ہوتے ہوئے بچا کیونکہ اچانک اس کے خچر نے ٹھوکر کھائی اور وہ سنبھل نہ جاتا تو سر کے بل زمین

پر آرہا تھا۔

قافلہ جیسے ہی گاؤں میں داخل ہوا جنگلی اپنے اپنے جھونپڑوں سے نکل آئے۔ ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے نیزے تھے ان کی ڈراؤنی شکلیں دیکھ کر جولیا کی چیخیں نکل گئیں۔

"کوئی ان سے بولے نہیں۔" آرتھر نے پلٹ کر پہاڑی مزدوروں سے کہا۔

"کارواں رک گیا۔ ہر آدمی کے سر پر دو دو جنگلی مسلط تھے۔

آرتھر نے چیخ کر جنگلیوں سے کچھ کہا۔ ان میں ایک آدمی آگے بڑھا اور اس نے آرتھر کا بازو پکڑ کر اسے بقیہ لوگوں سے الگ کر لیا وہ دونوں ایک طرف چلنے لگے۔

"گھبرانے کی بات نہیں، میں ان کے سردار کے پاس جا رہا ہوں"

آرتھر نے جارج فنلے سے کہا۔ وہ جنگلی آرتھر کو ایک بڑے جھونپڑے کے باہر چھوڑ کر خود اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اس کے ساتھ ایک آدمی اور تھا جس نے بے شمار بھدے زیورات پہن رکھے تھے اور اس کا منڈا ہوا سر پیلے رنگ سے رنگا ہوا تھا۔ آرتھر کو دیکھتے ہی وہ ہنس پڑا۔ آرتھر نے اس کے قریب پہنچ کر مکا تانا جسے وہ بوسہ دے کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اس نے مکا تانا اور آرتھر اسے بوسہ دے کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

پھر دونوں نے زمین پر دوزانو بیٹھ کر آہستہ آہستہ تین بار اپنے سر ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ غالباً یہ ان کا معانقہ تھا۔ وہ شخص جو آرتھر کو لایا تھا سردار کا اشارہ پا کر آرتھر کے سامنے اچھلنے کودنے لگا۔ اس نے آرتھر کے گرد تین چکر لگائے اور اس کا داہنا ہاتھ چوم کر زمین پر بیٹھ گیا۔

پھر سردار نے اس سے کچھ کہا اور وہ اٹھ کر اس طرف چلا گیا جدھر جارج فنلے وغیرہ کھڑے تھے۔

تھوڑی دیر بعد خچروں پر سے سامان اتارا جانے لگا۔ پرانی شناسائی کی بناء پر جنگلیوں کے سردار نے آرتھر کو وہاں قیام کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ جولیا بری طرح خائف تھی۔ اگر کسی جنگلی سے اس کی آنکھیں چار ہو جاتیں تو وہ خوف سے لرزنے لگتی تھی، ایک بار خیمے میں جانے کے بعد وہ پھر باہر نہیں نکلی۔ فریدی اور حمید ایک خیمے کی رسیاں تان رہے تھے۔ حمید پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔

"کیوں حمید صاحب...... ان جنگلی عورتوں میں سے کوئی پسند آئی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"ارے یہ عورتیں ہیں۔ اگر یہ عورتیں ہیں تو میں لفظ عورت پر سو بار لعنت بھیجتا ہوں۔"

"لیکن گھبراؤ نہیں صاحب زادے...... بہت جلد ان میں سے کوئی ایک تمہارے لئے سوہان روح بننے والی ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب......؟" حمید چونک کر بولا۔

"تم اس قوم کی عجیب وغریب مہمان نوازی سے واقف نہیں ہو۔" فریدی نے کہا۔ "آج رات تمہیں کسی نہ کسی عورت کے ساتھ ناچنا پڑے گا۔"

"دیکھئے میں خودکشی کرلوں گا۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"میرے خیال میں خودکشی سے زیادہ آسان تو وہ ناچ رہے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھئے...... میں آپ سے......!"

"چپ چپ۔ آرتھر آرہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

آرتھر ان کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔

"کہو تم ان جنگلیوں سے خائف تو نہیں ہو۔" آرتھر نے فریدی سے ہنس کر پوچھا۔

"بالکل نہیں...... بھلا ان میں خوف زدہ کرنے والی کیا بات ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"کیا تمہارا وہ انگریز شکاری ادھر ہی سے گزرا تھا......؟"

"نہیں...... دوسری طرف سے۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیں وہ پہاڑی ندی نہیں پار کرنی پڑی تھی۔"

"اس قبیلے کا سردار میرا دوست ہے۔" آرتھر نے کہا۔

"لیکن گوٹا قوم قابل اعتبار نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

"تمہیں کیا معلوم......!" آرتھر چونک کر بولا۔ "تم شاید ادھر کبھی آئے ہی نہیں۔"

"یہ میں نے اپنے باپ کی زبانی سنا تھا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"نہیں...... ایسا نہیں ہے۔"

"بتا دینا میرا کام تھا آگے آپ کو اختیار ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خصوصاً ایسی صورت میں کہ آپ کے ساتھ ایک جوان لڑکی ہے۔ آپ کا محتاط رہنا ضروری ہے۔"

"بکواس ہے۔" آرتھر نے ناخوشگوار لہجہ میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

فریدی پھر خیمہ درست کرنے میں مشغول ہوگیا۔

خیمے نصب ہو چکے تھے۔ جارج فنلے وغیرہ آرام کرنے لگے۔ مزدوروں نے کھانا پکانا شروع کر دیا۔ جنگلیوں کے ننگ دھڑنگ بچے کھانے کے لالچ میں مزدوروں کے گرد اکٹھا ہوگئے۔ آرتھر سردار کے جھونپڑے میں چلا گیا۔ کثیف اور میلی عورتیں پہاڑی مزدوروں کو گھور گھور دیکھ رہی تھیں۔ فریدی اور حمید ایک جگہ بیٹھے اپنے چاول ابال رہے تھے۔ فریدی آرتھر سے ڈبل روٹیاں مانگ لایا تھا جنہیں وہ ایک بڑے سے تسلے میں بھگوئے ہوئے تھا۔

حمید جنگلی عورتوں میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔ ان میں کئی جوان تھیں جنہیں اپنے تصور میں نہلا دھلا کر جدید طرز کے کپڑے پہنا رہا تھا۔

"اس لڑکی کو دیکھ رہے ہیں آپ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں کیا ارادہ ہے۔"

"کچھ نہیں...... میں نے کہا اگر اسے قاعدے کے کپڑے پہنا دیئے جائیں تو کیسی لگے۔" حمید نے کہا۔

"ذرا ہوش میں آیئے...... مزدور ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ عورتوں کو دیکھ کر یہ نہ بھول جایئے آپ گونگے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید خاموش ہوگیا لیکن اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

دفعتاً عورتوں اور بچوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ حمید اور فریدی چونک پڑے۔ سامنے قوی الجثہ اور سیاہ فام عورت کھڑی بچوں کو منہ چڑا رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ قہقہہ مار کر ہنسنے بھی لگتی۔ وہ ایک خارش زدہ کتیا کو گود میں اٹھائے پاگلوں کی طرح اچھلنے کودنے لگی۔ بچوں نے اس پر پھینکنے شروع کر دیئے۔ بچوں کی مائیں جھونپڑوں سے نکل آئیں اور اپنے اپنے بچوں کو الگ کرنے لگیں۔ شاید یہ عورت پاگل تھی۔ بچوں کے جاتے ہی وہ زمین پر بیٹھ کر خارش زدہ کتے کو

پیار کرنے لگی۔ حمید ہنس رہا تھا۔ وہ دونوں پہاڑی مزدوروں کی ٹولی سے کافی فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ فریدی یوں بھی حمید کے مصنوعی گونگے پن کی وجہ سے ان لوگوں سے دور ہی رہتا تھا اور دوری کی دوسری وجہ یہ تھی کہ پہاڑی مزدور فریدی سے جلنے لگے تھے، کیونکہ اسے آقاؤں کی طرف سے خاص مراعات حاصل تھیں۔

پاگل عورت حمید کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ دفعتاً اس نے کتے کو پیار کرتے ہوئے اٹھا کر دور پھینک دیا۔ کتا چیں چیں کر کے بھاگا اور وہ عورت دانت نکال نکال کر اسے منہ دکھانے لگی۔ حمید زور سے ہنس پڑا۔ عورت چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگئی اور اس نے بھی جوابی قہقہہ لگایا۔ پھر وہ وہاں سے اٹھ کر فریدی اور حمید کے پاس آ بیٹھی۔ حمید گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

''کیوں حمید صاحب کیا یہ عورت نہیں ہے۔ تشریف رکھئے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ عورت حمید کی طرف دیکھ کر ہنسے جا رہی تھی اور اب اس نے کچھ بھونڈے قسم کے اشارے بھی کرنے شروع کر دیئے تھے۔

''یہ کیا مصیبت آ گئی۔'' حمید بھنبھنایا۔

''مصیبت کیوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم پر ہزار جان سے عاشق ہو گئی ہے۔ چلو تمہاری یہ شکایت تو رفع ہوگئی کہ عورتیں تم پر بہت کم عاشق ہوتی ہیں۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے پاگل عورت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اچھا شاید تم تنہائی چاہتے ہو۔'' فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے ارے'' کہہ کر حمید نے فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بھئی میں تمہارے عشق میں مخل نہیں ہونا چاہتا۔'' فریدی نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

عورت نہ جانے کیا سمجھی...... پہلے تو وہ کھڑی کچھ دیر تک ان کی کھینچا تانی دیکھتی رہی پھر اچانک حمید پر ٹوٹ پڑی۔

''ارے ارے......!'' حمید بے بسی سے بولا۔ وہ حمید کو زمین پر گرا کر دبوچ بیٹھی۔ حمید بُری طرح چیخ رہا تھا۔ ایک خوفزدہ پرندے کی طرح جسے کسی عقاب نے دبا لیا ہو۔ فریدی اسے

اٹھانے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس نے فریدی کے ہاتھ میں کئی جگہ دانت سے کاٹ لیا۔ اپنے تیز اور نوکیلے ناخنوں سے اس کا منہ نوچ لیا۔ حمید بدستور چیخے جا رہا تھا۔ پہاڑی مزدور دور کھڑے ہنس رہے تھے۔ بدقت تمام فریدی نے اس عورت کو الگ ہٹایا اور حمید اٹھ کر بھاگا اب وہ حمید کو چھوڑ کر فریدی کی طرف پلٹ پڑی تھی۔ شور سن کر دو تین جنگلی آ گئے۔ انہوں نے اس عورت کو نیزوں کی انیاں چبھا کر وہاں سے بھگا دیا۔

حمید ناک کی سیدھ میں بے تحاشہ دوڑا جا رہا تھا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔ بدقت تمام وہ اسے پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔

''میں سمجھا...... سمجھا...... شش...... شاید...... وہ ہے۔'' حمید ہانپتا ہوا بولا۔

فریدی نے اسے زمین پر بٹھا دیا...... وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

''میں اب...... میں اب...... خودکشی کر لوں گا۔'' حمید نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ناکامی کے بعد یہی ہوتا ہے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''گھبراؤ نہیں...... میں تمہیں کوئی تمہاری دوا منگوا دوں گا۔''

''دیکھئے بس...... میں کسی کا لحاظ نہیں کروں گا۔'' حمید غصے سے بولا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو چھلک آئے تھے۔ فریدی نے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اسے تسلی اور دلاسہ دیتا ہوا واپس لے آیا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ پہاڑی مزدوروں کے سامنے اس کی کافی بے عزتی ہوئی تھی۔ اب وہ اس پر ہنسا کریں گے۔ وہ ان پر کسی قسم کا اظہار بھی نہ کر سکے گا۔ کیونکہ وہ گونگا تھا۔ لیکن فریدی کو اس کی عقلمندی پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے بے تحاشہ چیخنے چلانے میں اپنا گونگا پن برقرار رکھا تھا۔

ناچ اور جنگ

فریدی کھانا کھا کر جارج فنلے کے خیمے کی طرف چلا گیا۔ وہاں کئی جنگلی کھڑے تھے۔ ان میں جنگلیوں کا سردار بھی تھا۔ آرتھر اور جارج فنلے اپنے اسلحے لا لا کر ان کے سامنے ڈھیر کر رہے تھے جنہیں ایک قوی ہیکل جوان اکٹھا کر رہا تھا۔ اس نے شیر کی کھال پہن رکھی تھی اور ساتھیوں میں سب سے زیادہ طاقت ور اور تندرست معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے سردار سے کچھ کہا۔ اس کے جواب میں سردار نے سر ہلایا اور آرتھر اسے کچھ کہنے لگا۔ آرتھر نے خیمے کی طرف اشارہ کیا۔ دو تین جنگلی خیمے میں گھس گئے اور بقیہ پہاڑی مزدوروں کے سامان کی تلاشی لینے لگے۔ فریدی متحیر تھا۔ وہ جنگلیوں کی زبان قطعی نہیں سمجھ پایا تھا۔ اس نے آرتھر سے پوچھا۔

"تم بھی انہیں اپنا سامان دکھا دو۔" آرتھر نے کہا۔ "بقیہ باتیں اطمینان سے بتاؤں گا۔"

فریدی اپنی بڑی سی گٹھڑی اٹھا لایا جسے وہ راستہ بھر اپنی پیٹھ پر باندھے رہا تھا۔

اس میں کچھ پھٹے پرانے کپڑے تھے اور تمباکو کے پتوں کا ایک بڑا سا بنڈل۔ ایک چھوٹی سی چلم اور دوسری کچھ چھوٹی موٹی چیزیں تھیں۔

تلاشی ختم ہونے کے بعد جنگلیوں نے سارا اسلحہ اٹھایا اور ایک طرف چلے گئے۔ جنگلی سردار آرتھر کو کچھ سمجھا رہا تھا۔

جب وہ چلا گیا تو جولیا آرتھر پر برسنے لگی۔

"تم نے اس پر اعتبار کیوں کر لیا۔" اس نے کہا۔

"اس لئے کہ ان لوگوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔" آرتھر نے کہا۔

"اگر عقل مندی کا یہی حال رہا تو پہنچ چکے۔" جولیا بولی۔

"بھئی تم ان معاملات کو نہیں سمجھ سکتیں۔" آرتھر نے اکتا کر کہا۔

جارج فنلے بھی اپنی بیٹی کو سمجھانے لگا۔

فریدی نے وہاں ٹھہر کر معاملے کی نوعیت سمجھنے کے بجائے یہی مناسب سمجھا کہ اسلحہ لے

جانے والوں کا پیچھا کرے۔

انہوں نے رائفلیں پستول اور کارتوس ایک جھونپڑے میں لے جا کر رکھ دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک آدمی تھوڑا تھوڑا سامان لے کر چٹانوں کے پیچھے غائب ہونے لگا۔ فریدی چٹانوں میں چھپتا چھپاتا ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ چٹانوں کے منہ پر ایک بڑا سا پتھر رکھ کر بیٹھ گئے۔ شیر کی کھال میں ملبوس قوی ہیکل جنگلی شاید انہیں کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر رک کر اس نے پھر کچھ کہا اور اس کے ساتھی وحشیانہ انداز میں قہقہے لگانے لگے پھر وہ سب وہاں سے چلے گئے۔ فریدی چٹانوں کی اوٹ سے جھانک جھانک کر انہیں دیکھتا رہا جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو فریدی اس غار کے نزدیک آیا اور پتھر ہٹا کر سارا اسلحہ ایک دوسرے غار میں منتقل کر دیا۔ یہ غار بادی النظر میں غار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کافی اونچی چٹانوں پر چڑھ کر دیکھنے سے تو البتہ اس کا دہانہ نظر آ سکتا تھا لیکن ایسا کوئی کرنے ہی کیوں لگا۔

آرتھر سے استفسار حال پر فریدی کو معلوم ہوا کہ سردار نے مجبوراً ان کے اسلحہ جات لے لئے تھے اور وعدہ کیا تھا کہ ان کی روانگی کے وقت انہیں واپس کر دیئے جائیں گے۔ آرتھر نے سردار کی مجبوری کی ایک لمبی چوڑی داستان سنائی۔ وہ نوجوان جو شیر کی کھال پہنے ہوئے تھا ان سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔ وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتا تھا کہ کسی طرح قبیلے والوں کو سردار کے خلاف اکسا کر خود سردار بن جائے چنانچہ ان لوگوں کے پہنچتے ہی اس نے قبیلے والوں میں سردار کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کرنی شروع کر دیں۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ سردار نے انہیں قتل کرا دینے کے لئے سفید آدمیوں کو بلایا ہے۔ جب اس کی خبر سردار کو ہوئی تو اس نے لوگوں کو سمجھانا شروع کر دیا کہ وہ لوگ یہاں مہمان کی حیثیت سے قیام کریں گے اور پھر شیر کی کھال والے نوجوان نے اسلحہ لے لینے کی تجویز پیش کی اور وعدہ کیا کہ ان کی روانگی کے وقت اسلحہ واپس کر دیا جائے گا۔ آرتھر نے بتایا کہ سردار اس نوجوان سے بہت خائف رہتا ہے۔ اس نے قبیلے کے زیادہ تر نوجوانوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا ہے، وہ اس کی پشت پناہی میں من مانی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔ سردار نے ان سے قسم لے لی ہے کہ وہ اسلحہ واپس کر دیں گے۔"

"مگر صاحب یہ کچھ اچھا نہیں ہوا۔" فریدی نے کہا۔ "خدا خیر کرے۔"

"فکر مت کرو سردار ہمیں دھوکا نہیں دے سکتا۔" آرتھر نے جواب دیا۔

"اگر خود ہی بے چارہ دھوکا کھا گیا ہو تو کیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"ہوگا بھی جو کچھ دیکھا جائے گا۔" آرتھر نے اکتا کر کہا۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود بھی مطمئن نہیں ہے لیکن اس کے علاوہ اب چارہ ہی کیا تھا کہ خاموشی سے بیٹھا جائے۔ خصوصاً جولیا بہت زیادہ خائف تھی اس نے بات بات پر الزامات عائد کرنے شروع کر دیئے تھے۔ آرتھر ان بوچھاڑوں سے گھبرایا ہوا تھا۔

دن گذر گیا تاریکی پھیلتے ہی فریدی ان چٹانوں کے درمیان پہنچ گیا جہاں اس نے غار میں رائفلیں اور دوسرے اسلحہ جات چھپا دیئے تھے۔ ادھر ایک بڑے میدان میں جنگلیوں کا سردار مہمانوں کی ضیافت کا انتظام کر رہا تھا۔ بڑی بڑی مشعلیں روشن تھیں جن میں رینڈی کا تیل جل رہا تھا۔ جس کی سڑانڈھ فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ جا بجا الاؤ جل رہے تھے جن پر مسلم ہرن بھونے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد آرتھر جولیا اور جارج فنلے بھی اپنے مزدوروں سمیت وہاں پہنچ گئے۔ جولیا خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ اگر آرتھر ضد نہ کرتا تو شاید وہ کبھی اس جگہ نہ جاتی۔

سب وہاں پہنچ گئے تھے لیکن فریدی لاپتہ تھا۔

شام کے کھانے سے فارغ ہو کر ڈھول پیٹے جانے لگے اور پھر قبیلے کی جوان لڑکیاں دائرہ بنا کر ڈھول کی آواز پر ناچنے لگیں۔ جنگلی چیخ چیخ کر گا رہے تھے۔ سردار کے قریب ہی شیر کی کھال والا جوان بیٹھا اپنے بازوؤں کی مچھلیاں اکڑا اکڑا کر دیکھ رہا تھا۔ اکثر وہ جولیا کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ لیتا تھا۔ جولیا بُری طرح لرز رہی تھی۔ دفعتاً وہ جانے کے لئے اٹھی۔ شیر کی کھال والے نے چیخ کر کچھ کہا۔ اس کی آواز سنتے ہی کئی نوجوان ناچتی ہوئی لڑکیوں پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے ان کو پکڑ کر اچھلنا شروع کر دیا۔ جولیا جانے کے لئے مڑی ہی تھی کہ شیر کی کھال والے نے اسے پکڑ لیا اور کھینچ کر ناچنے والوں کی بھیڑ میں لے آیا۔ جولیا کی چیخیں نکل گئیں۔ آرتھر اور جارج فنلے اسے چھڑانے کے لئے آگے بڑھے لیکن ان کے سینوں کے سامنے کئی جنگلی نیزے لے کر آ گئے۔

سردار چیخنے لگا۔ شاید وہ اس حرکت پر اپنی ناراضگی کا اظہار کر رہا تھا۔ شیر کی کھال والے

نے سردار پر اپنا نیزہ تان لیا...... دونوں میں بہت ہی تیز قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔ ادھر جارج فنلے آرتھر کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔

دفعتاً فریدی بھیڑ کو چیرتا ہوا آرتھر کے قریب پہنچا۔ آرتھر بُری طرح گھبرایا ہوا تھا۔

"کیوں صاحب کیا معاملہ ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"تم ٹھیک کہتے تھے، ہمیں دھوکا دیا گیا۔ اس شیطان نے اسی لئے ہمارا اسلحہ لے لینے کی ترکیب شروع کی تھی۔"

"اور سردار کیا کہتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہ بیچارہ بے قصور ہے۔ اس وقت پورا قبیلہ اس شیطان کا طرف دار ہو گیا ہے۔"

"سردار انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ وہ جولیا کو چھوڑ دے لیکن وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہے۔"

"وہ آخر کہتا کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم لوگ نیزوں اور تیروں سے نہیں لڑ سکتے اس لئے وہ کہتا ہے کہ جولیا اسی وقت واپس ہو سکتی ہے جب وہ مار ڈالا جائے۔ کاش ہمارے پاس رائفلیں ہوتیں۔"

"تو کیا وہ ہم میں سے ایک سے لڑنا چاہتا ہے۔ یا سب کو للکار رہا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہ مجھے معلوم نہیں۔"

"سردار سے پوچھئے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر وہ تنہا لڑ کر اس کا فیصلہ کرنا چاہتا ہو تو میں حاضر ہوں۔"

آرتھر سردار سے گفتگو کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

"وہ کہتا ہے کہ اس کی زندگی میں جولیا نہیں واپس ہو سکتی چاہے کوئی اس سے تنہا جنگ کرے چاہے مجموعی حیثیت سے۔"

"اچھا اس سے کہہ دیجئے کہ ہمارا ایک آدمی اس سے لڑے گا اور ہاں آپ اپنے خیمے میں جائیے۔ آپ کا سارا اسلحہ وہاں موجود ہے اگر ہماری لڑائی کے دوران میں کوئی دوسرا دخل دے تو بے دریغ فائر کرنا شروع کر دیجئے گا۔"

"ہمارا اسلحہ خیمے میں کیسے پہنچا؟" آرتھر حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں ابھی کچھ نہیں بتا سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "جلدی کیجئے...... میں اس سے نپٹتا ہوں۔"

آرتھر نے جلدی سے جارج فنلے کو سب کچھ بتا دیا اور پھر سردار کی طرف مخاطب ہوا۔ جولیا اس دوران میں بے ہوش ہوگئی تھی۔ جسے شیر کی کھال والے نے اپنے کاندھے پر ڈال لیا تھا۔ آرتھر سردار سے گفتگو کرنے کے بعد خیمے کی طرف چلا گیا۔ سردار نے ایک نیزہ اور ڈھال فریدی کے سامنے ڈال دی۔

شیر کی کھال والے نے جولیا کو کاندھے سے اتار کر اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دیا۔

چند لمحوں کے بعد فریدی اور وہ ایک دوسرے کے سامنے نیزہ تانے کھڑے تھے اور جنگلی بُری طرح کانپ رہا تھا۔ فریدی بھوکے شیر کی طرح اپنے مقابل کو گھور رہا تھا۔ دفعتاً جنگلی نے نیزہ مارا، فریدی نے ڈھال سامنے کر دی اور پینترہ بدل کر جنگلی پر حملہ آور ہوا لیکن اس نے بڑی پھرتی سے وار خالی کر دیا۔ نیزوں کی انیاں ڈھالوں سے ٹکرا ٹکرا کر چھناکے پیدا کر رہی تھیں۔ پندرہ بیس منٹ گزر گئے، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آرتھر واپس آ گیا۔ جولیا بھی ہوش میں آ گئی تھی۔ جنگلی کے حملوں کی رفتار سست ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے نوجوان ساتھی چیخ چیخ کر شاید اسے ہمت دلا رہے تھے۔ جنگلیوں کا سردار بڑی توجہ اور دلچسپی سے اس جنگ کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے جیسے شیر کی کھال والے کی سستی بڑھتی جا رہی تھی سردار کے چہرے پر تازگی کے آثار گہرے ہوتے جا رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ فریدی کی کامیابی کا متمنی ہو۔ دفعتاً شیر کی کھال والے نے جھلا کر نیزہ فریدی کو دے مارا۔ فریدی پھرتی سے بیٹھ گیا اور نیزہ سنسناتا ہوا اس پر سے نکل گیا۔ اچانک ایک چیخ سنائی دی نیزہ دوسری طرف کھڑے ہوئے ایک جنگلی کے سینے میں پیوست ہو گیا تھا فریدی ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ شیر کی کھال والا اچھل کر اس پر آ رہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے بھی ایک چیخ نکلی اور وہ وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ فریدی نے اپنا نیزہ اٹھا لیا تھا۔ جنگلی اپنے ہی زور میں اٹھے ہوئے نیزے کا شکار ہو گیا۔ جنگلی جوان کے ساتھیوں نے آگے بڑھنا چاہا لیکن اس پر سردار خود نیزہ لے کر میدان میں کود پڑا۔ جنگلی سہم کر پیچھے ہٹ گئے کیونکہ ان کا ساتھی مارا جا چکا تھا۔ جارج فنلے کے مزدوروں نے گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیا۔ وہ سب

فریدی کو گود میں اٹھائے سارے میدان میں دوڑتے پھر رہے تھے۔

اسی رات کو جولیا، آرتھر، جارج اور فریدی خیمے میں بیٹھے ہوئے آج کے واقعات پر تبصرہ کر رہے تھے۔

"واقعی تم بہت کام کے آدمی نکلے۔" آرتھر نے فریدی سے کہا۔ "صاحب اور میم صاحب دونوں تم سے بہت خوش ہیں۔ بولو کیا انعام چاہتے ہو؟"

"گرما گرم چائے کا صرف ایک کپ کیونکہ میں سر شام سے محنت کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بس ایک کپ چائے۔" آرتھر نے حیرت سے پوچھا۔

"بس اور مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ ہاں ویسے آپ کا جی چاہے تو دو ایک سگار بھی دے دیجئے گا۔"

آرتھر نے جارج فنلے کو اپنی اور فریدی کی گفتگو کا ماحصل بتایا۔ جولیا اٹھ کر اسٹوو گرم کرنے لگی۔

"صاحب کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے تم جیسا بہادر اور شیر چشم آدمی آج تک نہیں دیکھا۔" آرتھر نے فریدی سے کہا۔

"صاحب کی مہربانی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نکولس صاحب جیسے انگریزوں کے ساتھ رہ چکا ہوں۔"

"آج ہمیں اس کا یقین ہو گیا ہے۔" آرتھر ہنس کر بولا۔

"اس جنگلی کی موت کا قبیلے پر کیسا اثر پڑا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس کے ساتھی بُری طرح خوفزدہ ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اب سردار انہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ سردار اس کی موت پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ اس نے بھی تمہارے پھرتیلے پن کی کافی تعریف کی ہے۔"

"میرے خیال سے تو اب ہمیں کوچ کر دینا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے ساتھ کے پہاڑی اس سفر سے کچھ بیزار سے نظر آ رہے ہیں۔"

"مجھے بھی ڈر ہے کہ کہیں وہ واپس نہ ہو جائیں۔" آرتھر نے کہا۔

"دیکھئے کیا ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "رام گڑھ کے پہاڑوں کے متعلق ایک کہاوت مشہور ہے کہ وہ ناک کی سیدھ میں دوڑنے والے جنگلی سُور ہیں۔ معلوم نہیں کتنی دور تک دوڑنے

کے بعد پلٹ پڑیں۔"

"تو کیا ان کے واپس لوٹ جانے کے امکانات ہیں۔" آرتھر نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ ان کے متعلق کچھ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" آرتھر کچھ سوچنے لگا۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جولیا چائے لے آئی۔ آج وہ اس گندے پہاڑی کے لئے اپنے ہی برتن میں چائے لائی تھی۔

فریدی چائے پینے لگا۔

رات بھر جاگتا رہا کیونکہ وہ جنگلیوں کی طرف سے مطمئن نہیں تھا، اس نے پہاڑیوں میں پستول اور رائفلیں تقسیم کردی تھیں وہ سب رات بھر باری باری سے پہرہ دیتے رہے۔

آپس میں جھگڑا

دوسرے دن صبح خیمے اکھاڑ دیئے گئے۔ اس وقت کارواں جنگلیوں کی دورویہ قطاروں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں نفرت تھی، غصہ تھا، حقارت تھی، اگر ان کا بس چلتا تو وہ اس قافلے کے ایک خچر تک کو زندہ نہ چھوڑتے، جنگلیوں کا سردار قافلے کے آگے چل رہا تھا۔ وہ اور اس کے کچھ ساتھی قافلے کو اگلی چڑھائی تک چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

سرسبز وادی سورج کی سنہری کرنوں میں نہا کر نکھر آئی تھی۔ ہری بھری گھاس سے ایک عجیب قسم کی دلآویز خوشبو اٹھ رہی تھی۔ خچروں کی گردنوں میں بندھی ہوئی گھنٹیاں فضا میں گونج رہی تھیں۔ قافلہ میدان سے گزر کر پہاڑیوں پر چڑھ رہا تھا۔ ان پہاڑیوں سے جنگلوں کے کچھ کچھ آثار شروع ہوگئے تھے۔

تازہ دم پہاڑی مزدوروں نے ایک گیت شروع کردیا۔ ان کی تیز آواز چٹانوں سے ٹکرا کر

ایک عجیب طرح کی گونج پیدا کررہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ذہن کی لامحدود وسعتوں میں چند رنگین یادیں رینگ رہی ہوں۔

حمید کی نگاہیں جولیا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جواب ایک خوفزدہ ہرنی کی طرح کبھی کبھی پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگتی تھی۔ حمید کے ذہن میں فریدی جاگ اٹھا وہ سوچنے لگا کہ کاش فریدی نے اپنا یہ کارنامہ اپنی صحیح شکل وصورت میں انجام دیا ہوتا۔

فریدی کا خچر سب سے پیچھے تھا۔ حسب دستور وہ اس وقت بھی اپنے خچر کی باگ تھامے موٹا سا ڈنڈا ٹیکتا ہوا پیدل چل رہا تھا۔ اس کی گٹھڑی اس کی پیٹھ پر بندھی ہوئی تھی۔

حمید نے دفعتاً اپنے خچر کی رفتار میں کمی کردی۔ آہستہ آہستہ وہ فریدی کے برابر آ گیا۔

"آپ دنیا میں کچھ نہیں کرسکتے۔" حمید نے کہا۔

"میں نے کبھی اس کا دعویٰ نہیں کیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"نہیں......واقعی آپ......!"

"بالکل احمق ہیں۔" فریدی نے جملہ پورا کردیا۔

"بھلا بتایئے آپ کے رات والے کارنامے سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا۔" حمید نے کہا۔

"اچھا حمید صاحب آپ ہی فرما دیجئے کہ میرے کس کارنامے سے مجھے فائدہ پہنچا ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"کسی سے نہیں۔"

"تو پھر تم نے خصوصیت سے رات والے کارنامے کا حوالہ کیوں دیا۔"

"اونہہ مجھے کہنا کچھ تھا اور کہہ کچھ گیا۔" حمید نے کہا۔

"تو فرمایئے نا......!"

"مطلب یہ کہ اگر آپ نے اصلی صورت میں کارنامہ سرانجام دیا ہوتا تو۔"

"تو کیا ہوتا۔"

"مطلب یہ کہ......!"

"کہو کہو......رک کیوں گئے۔" فریدی نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ جولیا......!" حمید جملہ پورا نہ کر سکا۔

"اوہ سمجھا......!" فریدی ہنس کر بولا۔ "جولیا مجھ پر عاشق ہو جاتی اور میں اٹھارویں صدی کے کسی ناول کے ہیرو کی طرح ایک بار اور اپنی جان پر کھیل جانے کی کوشش کرتا۔ بہر حال لیکن تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوتا۔"

"فائدہ......ارے میں دیکھ کر خوش ہوتا۔" حمید چہک کر بولا۔

"ضرور......لیکن کل تم نے مجھے خوش ہونے کا موقعہ کیوں نہ دیا تھا۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"جی......میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آخر تم بھاگے کیوں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا جان دیتا۔" حمید جل کر بولا۔

"تم نے اس کا دل توڑ دیا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔

"میں دراصل آپ کے لئے میدان خالی چھوڑ دینا چاہتا تھا۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "آپ کی اور اس کی جوڑی مناسب رہتی۔ ذرا اپنی شکل ملاحظہ فرمائیے، اور ہاں یہ آپ کی رال ٹپکنی کیوں بند ہو گئی۔"

"آرتھر نے چھالوں میں دوا لگا دی ہے۔" فریدی نے ہنس کر جواب دیا۔

"آخر آپ نے اتنا گندا بھیس بدلنے میں کیا اچھائی دیکھی تھی۔"

"کچھ نہیں......محض تفریحاً......کیا اس سلسلے میں یہ تجربہ کم قیمتی ہے کہ لوگ مجھ سے تنگ ہونے کے باوجود بھی میری قدر کر سکتے ہیں۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"بس انہی تجربات میں آپ اپنی زندگی کا بہترین حصہ گزار دیجئے گا۔ میں کہتا ہوں آخر آپ کی اس افتادگیٔ طبع کی کوئی انتہا بھی ہے۔"

"اس کی انتہا اس وقت ہوگی جب میرے اعضاء پر بڑھاپے کا حملہ ہوگا اور اسی وقت اس کے فوائد بھی معلوم ہوں گے۔ میں اپنی بقیہ زندگی......!"

"خیر چھوڑیئے۔ ہٹائیے......اگر بات زیادہ بڑھی تو ابھی آپ فلسفہ بولنے لگیں گے

حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "یہ بتائیے کہ اس مورتی کے بارے میں کیا رہا۔"

"ابھی تک کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوئی......یوں تو میرا ابھی خیال ہے کہ یہ لوگ کسی خزانے کے چکر میں ہیں۔ آرتھر اور جارج کبھی کبھی اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جارج کے پاس کوئی نقشہ بھی ہے جو غالباً کچنار کے جنگل تک پہنچنے کے راستوں سے متعلق ہے۔"

"آخر ہمیں ابھی کتنا اور چلنا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی تو آدھا راستہ ہی طے ہوا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "دریائے نامتی پار کرنے کے بعد ہم کچنار کے جنگلوں میں داخل ہوں گے۔"

"تو دریائے نامتی......!" حمید نے کہا اور پھر رک کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"میں ابھی ندی کو دریائے نامتی سمجھا تھا۔"

"ارے وہ تو کوئی گم نام سی پہاڑی ندی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"دیکھئے ابھی اور کتنی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔" حمید نے کہا۔ "اور کتنے جنگلی آدم خوروں سے شرف ملاقات حاصل ہوتا ہے۔"

"بس تو اب یہ دعا مانگو کہ کسی جنگلی عورت سے تمہاری ملاقات نہ ہو۔ ورنہ تمہاری مردانگی اور عشق بازی دھری رہ جائے گی۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"نہیں دیکھئے مذاق نہیں......میں اس سفر سے تنگ آ گیا ہوں۔"

"تو واپس چلے جاؤ......!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "تم اس لڑکی جولیا سے بھی گئے گزرے ہو۔"

"آپ بھی لڑکیوں کی بات لے بیٹھے۔" حمید نے کہا۔ "ارے وہ جنگلی اسے پکڑ ہی لے جاتا تو کون سی مصیبت آ جاتی۔ شادی کرتا اور گھر میں ڈال لیتا۔ بھلا میں کس مصرف کا ہوں۔"

فریدی ہنس کر بولا۔ "کیوں اپنا دل چھوٹا کرتے ہو۔ تمہارا مصرف تو کوئی مجھ سے پوچھے۔"

"جی ہاں......جہاں چاہا اٹھا کر پھینک دیا۔ حمید تو اُلو کا پٹھا ہے۔"

"خیر یہ تمہاری لیاقت ہے کہ اپنے منہ میاں اُلو بن رہے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ کارواں دور نکل گیا تھا، پہاڑی

مزدور شاید گاتے گاتے تھک گئے تھے، فریدی تیزی سے قدم اٹھانے لگا۔

''آخر آپ پیدل کیوں چل رہے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''بارہ بجے کے بعد میں خچر پر بیٹھوں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں......؟''

''اس لئے کہ سب لوگ اس وقت خچروں پر بیٹھے بیٹھے اکتا جائیں گے اور انہیں بھی اترنا پڑے گا لیکن پھر ان سے پیدل بھی نہ چلا جائے گا۔ میں دن کے بہترین حصے میں پیدل چل کر اپنی تھکن کا بوجھ خچر پر ڈال دوں گا اور پھر جب شام کو اتروں گا تو بالکل تازہ دم ہوں گا۔''

حمید نے اپنے خچر کو قمچی رسید کی اور قافلے میں جانے کی کوشش کرنے لگا۔ فریدی بدستور پیدل چل رہا تھا۔

آفتاب آہستہ آہستہ بلند ہوتا جارہا تھا۔ دھوپ میں کافی حرارت پیدا ہوگئی تھی۔ آرتھر اور جارج وغیرہ نے اپنے کوٹ اتار دیئے تھے۔ وہ سب پسینے میں تر تھے، جولیا کے شفاف چہرے پر پسینے کی بوندیں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے کسی تالاب میں کھلے ہوئے کنول کی پنکھڑیوں پر شبنم کے قطرے بکھر گئے ہوں۔ دو ایک ہلکی ہلکی لٹیں بھیگ کر ماتھے پر چپک گئی تھیں۔ تھکاوٹ نے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی رعنائی پیدا کردی تھی۔ حمید اس کے قریب پہنچ کر جمالیاتی حس کی تسکین کرنے لگا۔ وہ دراصل اسی کے سہارے سفر کی تکالیف کو بھلا دینا چاہتا تھا۔

قافلہ دن بھر چلتا رہا۔ اس دوران میں فریدی نے ایک بار بھی قافلے سے ملنے کی کوشش نہ کی۔ وہ بدستور پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ کئی بار آرتھر نے ٹوکا بھی لیکن اس نے اس کی پرواہ نہ کی۔ دراصل وہ ان جنگلیوں کی طرف سے مطمئن نہ تھا جن کی آنکھوں میں اس نے نفرت اور انتقام کی چنگاریاں دیکھی تھیں۔

شام ہوتے ہی پھر ایک مناسب جگہ پر خیمے نصب کردیئے گئے۔ جابجا آگ روشن ہوگئی۔ فریدی اپنا برتن لے کر چائے لینے کے لئے آرتھر وغیرہ کے خیمے کی طرف چل پڑا۔ خیمے کی پشت پر پہنچ کر وہ ٹھٹک گیا۔ اندر جارج اور آرتھر میں بہت تیز قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔

''آخر تم مجھے مورتی کا راز کیوں نہیں بتاتے۔'' آرتھر بولا۔

''میں تمہاری بے صبری کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔'' جارج فنلے نے کہا۔

''عجیب بات ہے تو پھر تم نے مجھے راز دار بنایا ہی کیوں تھا کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں۔''

''اعتبار نہ ہوتا تو تمہیں اپنے ساتھ لاتا ہی کیوں۔'' جارج فنلے نے کہا۔ ''میں تم سے وعدہ کرچکا ہوں کہ تم آدھے کے حق دار ہوگے۔ پھر اس پریشانی اور بے صبری کی وجہ۔''

''مجھے تمہاری نیت پر شک ہے۔'' آرتھر بولا۔

''تمہیں ایسا نہ کہنا چاہئے۔'' جولیا بولی۔

''یہ کاروباری معاملہ ہے، میں اس میں کسی قسم کے تکلف یا اخلاق کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔''

''تم آخر کیا چاہتے ہو۔'' جارج گرم ہوکر بولا۔

''مورتی کا مکمل راز......!''

''ناممکن ہے...... میں ابھی نہیں بتا سکتا۔'' جارج بولا۔

''آخر کیوں......؟''

''میری مرضی......!''

''تو اس کا مطلب ہے کہ میں یہیں سے واپس ہوجاؤں۔'' آرتھر نے کہا۔

''تمہاری مرضی۔''

''لیکن اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔'' آرتھر نے کہا۔

''پاپا...... آپ آخر بتا کیوں نہیں دیتے...... یہاں بیچ راستے میں جھگڑا کرنے سے کیا فائدہ۔'' جولیا بولی۔

''تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔'' جارج نے تیز لہجے میں کہا۔ جولیا خاموش ہوگئی۔

''خیر دیکھا جائے گا......!'' آرتھر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تو کیا تم واقعی واپس چلے جاؤ گے۔'' جولیا نے خوف زدہ لہجہ میں کہا۔

''ہاں......!''

''تب تو ہمیں بھی لوٹ جانا پڑے گا۔'' جولیا مایوسانہ انداز میں بولی۔

''نہیں ہم اپنا سفر جاری رکھیں گے۔'' جارج کڑے لہجہ میں بولا۔ ''نقشہ میں اچھی طرح

سمجھ چکا ہوں......اب مجھے راستہ پانے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔"

اس پر آرتھر طنزیہ انداز میں ہنس پڑا۔

"نقشے پر بھروسہ مت کرو جارج......!" آرتھر اپنے مخصوص طنزیہ لہجے میں بولا۔"ان راہوں میں اچھے اچھے بھٹک جاتے ہیں۔"

"پرواہ مت کرو......!" جارج لاپرواہی سے بولا۔

"میں کہتی ہوں، آخر جھگڑے سے کیا فائدہ۔" جولیا گھبرائے ہوئے لہجہ میں بولی۔

"یہ اپنے باپ ہی سے پوچھو۔" آرتھر نے شانے ہلا کر کہا۔

"پاپا......!" جولیا بولی۔

"تم آخر پریشان کیوں ہوتی ہو۔" جارج بولا۔"آرتھر کو شاید یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ میں اس کے بغیر آگے نہ بڑھ سکوں گا۔"

"آگے کیا تم آگے سے بھی بڑھ سکو گے......مگر......؟"

"مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔" جارج آرتھر کی بات کاٹ کر بولا۔"اگر مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو تو کرو، ورنہ میں تمہاری واپسی کا انتظام کر سکتا ہوں۔"

"جی شکریہ...... مجھے کسی انتظام کی ضرورت نہیں۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔" آرتھر نے کہا اور خیمے سے نکل گیا۔ فریدی آگے بڑھ گیا۔

"چائے......؟" آرتھر نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔"تمہیں اب یہاں سے چائے نہیں ملے گی۔"

"کیوں صاحب۔"

"یہ دونوں بہت بد دماغ ہیں، انہوں نے کہہ دیا ہے کہ کوئی گندا پہاڑی ان کے خیمے کے قریب نہ آنے پائے۔" آرتھر نے کہا۔

فریدی اس کی چال بازی پر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔

"اچھا صاحب......!" اس نے مردہ آواز میں کہا۔

"لیکن میں تمہیں چائے کا سامان دوں گا۔" آرتھر نے کہا۔"چلو میرے خیمے میں، میں

بہادروں کا قدر داں ہوں۔"

آرتھر اپنے خیمے میں داخل ہوتے ہوئے فریدی کی طرف مڑا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔"

"پھر تم کیوں چل پڑے تھے۔" آرتھر نے پوچھا۔"اگر ہم تمہیں کسی مصیبت میں پھنسا دیں تو۔"

"مصیبت کے تو ہم کیڑے ہیں صاحب۔" فریدی ہنس کر بولا۔"ہمیں معقول اجرت ملنی چاہئے۔ پھر ہمیں آپ جہنم ہی میں کیوں نہ جھونک دیں۔"

"کبھی کچنار کے جنگلوں کا نام سنا ہے۔" آرتھر نے پوچھا۔

"ہاں صاحب......!"

"ہم لوگ وہیں جا رہے ہیں۔"

"ارے......!" فریدی اچھل پڑا۔ پھر وہ حیرت آمیز نظروں سے آرتھر کو گھورنے لگا۔

"شاید آپ اس علاقہ کے حالات سے واقف نہیں۔" فریدی پھر بولا۔

"ہم سب کچھ اچھی طرح جانتے ہیں۔" آرتھر نے کہا۔

"پھر مجھے کہنا پڑے گا کہ آپ جان بوجھ کر موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

آرتھر ہنسنے لگا۔

"آپ شاید مذاق سمجھ رہے ہیں۔"

"نہیں میں سب کچھ جانتا ہوں۔" آرتھر بولا۔

"پھر......؟" فریدی نے استفہامیہ انداز میں کہا۔

"تم خود سوچو۔" آرتھر نے ہنس کر کہا۔"وہ کون سی ایسی چیز ہو سکتی ہے جس کے لئے آدمی جان کی بازی لگا سکتا ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔" فریدی نے کہا۔"آپ کی قوم کے لوگ تو محض نام کی خاطر برفیلی چوٹیوں پر جان دے دیتے ہیں۔"

آرتھر ہنسنے لگا۔

"یہاں یہ بات نہیں۔" آرتھر نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہم لوگ ایک خزانہ کی تلاش میں نکلے ہیں۔"

"اوہ......!" فریدی نے اس طرح کہا جیسے اس کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت ہی نہ ہو۔ "ہاں افریقہ میں بھی میں نے کئی انگریزوں کو دیکھا ہے، جو فرضی خزانوں کے چکر میں خاک چھانا کرتے تھے۔"

"لیکن کپچار کے جنگلوں میں حقیقتاً ایک بڑا خزانہ ہے۔" آرتھر بولا۔

"ہوگا صاحب...... ہمیں اس سے کیا، ہمیں تو اپنی اجرت سے کام ہے۔ مگر معاملہ ہے خطرناک، اگر مزدوروں کو معلوم ہوگیا تو وہ یہیں سے لوٹ جائیں گے۔ وہ لوگ تو یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ آپ ادھر محض سیر و شکار کے لئے آئے ہیں۔"

"لیکن میں انہیں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔" آرتھر نے کہا۔ "ایسا کرنا انسانیت کا خون کرنا ہوگا۔"

"آپ جانئے، جو بات تھی میں نے بتادی۔"

"میرے ساتھی کی نیت خراب ہوگئی ہے۔" آرتھر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "شاید وہ تمہیں تمہاری پوری اجرت بھی نہ دے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے کہا۔

"اس کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں دریائے نامتی کے اسی پار چھوڑ دے، کھانے کا سامان کم ہوتا جارہا ہے۔ فرض کرو اگر اس نے تمہیں معقول اجرت دے بھی دی تو کیا تم ان پہاڑیوں میں روپیہ چباؤ گے، وہ تمہیں اناج کا ایک دانہ بھی نہ دے گا۔"

"یہ تو بہت بُری بات ہے صاحب۔" فریدی نے کہا۔

"میں بھی اس کی اس کمینی حرکت سے خوش نہیں ہوں۔" آرتھر نے کہا۔ "خیر میں اسے ایسی سزا دوں گا کہ وہ عمر بھر یاد رکھے گا۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آرتھر کی چالوں پر غور کر رہا تھا۔

"دریائے نامتی پار کرتے ہی وہ مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" آرتھر بولا۔

"کیوں......!" فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"تاکہ پورا خزانہ ہضم کرسکے۔"

"لیکن یہ آپ کو معلوم کیسے ہوا......؟"

"باپ بیٹی میں اس کے متعلق مشورہ ہو رہا تھا۔" آرتھر نے جواب دیا۔

"تب تو واقعی آپ کو ہوشیار رہنا چاہئے۔" فریدی بولا۔

"سنو میں نے ایک تدبیر سوچی ہے۔" آرتھر نے کہا۔

"کیا......!"

"ہم لوگ کھانے پینے کا ضروری سامان لے کر رات ہی کو یہاں سے چل دیں۔"

"ان دونوں کو یہاں تنہا چھوڑ دیا جائے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"اور مزدور......؟"

"انہیں میں ٹھیک کرلوں گا۔" آرتھر نے کہا۔

"مگر صاحب۔"

"کچھ نہیں...... میں یہ طے کر چکا ہوں۔" آرتھر بولا۔ "بے ایمانوں کو بے ایمانی سے پہلے چکھا دینا زیادہ اچھا ہے...... اگر تم میرے ساتھ چلو گے تو مالا مال کردوں گا۔"

فریدی کچھ دیر تک چپ رہا۔

"یہ تو آپ نے دیکھ لیا کہ میں اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اب آئیے معاملہ کی بات کی طرف...... مجھے آپ کیا دیں گے۔"

"جو تم مانگو......!" آرتھر بولا۔

"خزانے کا چوتھائی......!" فریدی نے کہا۔

"منظور۔"

"بہت اچھا اور اگر آپ نے دھوکا دیا تو نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔"

"تم مطمئن رہو...... میں ایماندار آدمی ہوں۔" آرتھر نے کہا۔ "اچھا اب میں جاکر

مزدوروں سے معاملہ طے کرتا ہوں۔"

آرتھر چلا گیا اور فریدی چائے کا سامان لے کر حمید کے پاس آیا۔ اس نے سارا واقعہ حمید سے بتا دیا۔

"تو پھر اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔"

"مجھے بوڑھے جارج سے ہمدردی ہے۔"

"اور اس کی لڑکی سے؟" حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"بکومت...... بہت جلد ہمیں کچھ کرنا ہے۔" فریدی نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"تو بتائیے نا کرنا کیا ہے؟"

"جیسے ہی تم یہ سمجھو کہ سب سو گئے ہیں اپنا ضروری سامان لے کر یہاں سے چل دینا، ابھی میں تمہیں وہ جگہ بتا دوں گا جہاں تمہیں چھپنا ہے۔"

"اور آپ......!"

"میں مناسب وقت پر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

وقت گذرتا گیا۔ آہستہ آہستہ چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ حمید اپنا اور فریدی کا سامان لے کر بتائے ہوئے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ یہ ایک غار تھا جس پر کئی چٹانیں سایہ کئے ہوئے تھیں۔ حمید سمٹا سمٹایا بیٹھا رہا۔ تقریباً دو تین گھنٹے کے بعد اسے آہٹ سنائی دی۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ قریب ہی سے قافلہ گزر رہا تھا۔ یہ سب بہت احتیاط سے جا رہے تھے۔ شاید انہوں نے اپنے جوتے اتار دیئے تھے اور خچروں کے سموں پر کپڑے لپیٹ دیئے تھے تاکہ آواز نہ پیدا ہو سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد سناٹا چھا گیا۔ حمید کی پلکیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ جلد ہی اس پر نیند نے غلبہ پا لیا۔

اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب فریدی نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا۔ سورج نکل آیا تھا، بھیگی بھیگی سی سرخ شعاعیں چٹانوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔

"آرتھر سب مزدوروں کو ساتھ لے گیا۔" فریدی نے کہا۔

"اور وہ دونوں......!" حمید نے جلدی سے کہا۔

"حیران حیران چاروں طرف دیکھ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ چل کر انہیں دلاسا دیں۔"

جارج اور جولیا اپنے خیمے میں اس طرح اداس اور پریشان بیٹھے تھے جیسے اپنے کسی عزیز کو دفن کر کے آئے ہوں...... حمید اور فریدی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر دونوں اچھل پڑے۔

"ہوشیار ہو جاؤ...... جولیا" جارج بولا۔ "مجھے اس میں بھی آرتھر کی کوئی چال معلوم ہوتی ہے۔"

"مگر ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" جولیا نے کہا۔ "اس کمینے نے تو ہمارے پاس ایک پستول بھی نہیں رہنے دیا۔"

فریدی اور حمید خیمے میں داخل ہو چکے تھے۔ جارج کھڑا ہو گیا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان دونوں کے حملے کا منتظر ہو۔ فریدی نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جارج لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ فریدی نے جیب سے پیتل کی مورتی اور راستے کا نقشہ نکال کر جارج کی طرف بڑھا دیا۔ باپ اور بیٹی حیرت زدہ نظروں سے دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جارج نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے مورتی پکڑ لی۔

"جولیا...... یہ واقعی سچا بہادر ہے۔" جارج بے اختیار بولا۔ "کاش یہ ہماری زبان سمجھ سکتا۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی جارج کو ان چٹانوں کے درمیان لے گیا جہاں اس نے کھانے پینے کا کثیر سامان اور کچھ اسلحہ چھپا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے یہ کام اسی وقت شروع کر دیا تھا جب آرتھر اسے سمجھا بجھا کر دوسرے مزدوروں کو ورغلانے چلا گیا تھا اور اس کے بعد سے وہ سائے کی طرح آرتھر کے پیچھے لگا رہا تھا۔ جب آرتھر مورتی اور راستے کا نقشہ چرانے کے لئے جارج کے خیمے میں گھسا تھا اس وقت بھی فریدی تھوڑے ہی فاصلے پر چھپا ہوا تھا اور اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ آرتھر نے مورتی چرائی اور اپنے خیمے میں لے آیا اور اسے اپنے سوٹ کیس میں رکھ کر پھر مزدوروں کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے وہ مورتی اور نقشہ اس کے سوٹ کیس سے اڑا دیا...... اس نے جارج کو سارے واقعات اشاروں میں سمجھانے کی کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔

اور پھر اس ویرانے میں ان کے درمیان سے رنگ و نسل کی دیوار ہٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد جولیا اپنے کپوں میں چائے پیش کر رہی تھی۔

فریدی نے اشاروں ہی اشاروں میں جارج کو سمجھایا کہ اس حادثے سے دل شکستہ ہو کر اسے پیچھے نہ لوٹ جانا چاہئے اس نے اسے اطمینان دلایا کہ وہ آخیر وقت تک اس کا ساتھ دے رہے گا۔ اس پر جارج نے جولیا سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آرتھر نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"ہوسکتا ہے......!" جولیا بولی۔ "لیکن یہ آرتھر سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔"

"کاش یہ ہماری زبان سمجھ سکتا۔" جارج ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

قریب تھا کہ حمید کچھ بول پڑے...... فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔

پہاڑوں کی ملکہ

سفر جاری رہا۔ فریدی کو راستے میں آرتھر سے مڈبھیڑ ہو جانے کی توقع تھی۔ اس لئے اس نے راستہ ہی بدل دیا تھا۔ وہ سیدھا جانے کی بجائے پہاڑی علاقے میں داخل ہو گیا اور درمیان میں چھوٹے چھوٹے گاؤں سے گزرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ وہ دراصل دریائے نامتی کی ایک چھوٹی سی شاخ ستیل ندی تک پہنچنا چاہتا تھا۔ تقریباً پینتالیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ لوگ ستیل ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ یہاں سے انہوں نے کنارے ہی کنارے مغرب کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ادھر انہیں بعض اوقات بہت ہی دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی تو ایسا ہی ہوتا کہ جولیا تھک کر بیٹھ جاتی۔ فریدی کو اسے اپنی پیٹھ پر اٹھانا پڑتا۔ حمید دیکھتا اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا۔ ان راستوں کے لئے خچر قطعی بے کار ثابت ہوئے تھے۔ اس لئے انہیں راستے ہی میں چھوڑ دینا پڑا۔ خچروں کے ساتھ ہی بہت سا سامان جس میں خیمے بھی شامل تھے ایک غار میں ڈال دیا گیا۔ خورد و نوش کا تھوڑا بہت سامان اور رائفلیں وغیرہ وہ لوگ اپنے کاندھوں پر لاد کر چل رہے تھے۔ سب کچھ چھوڑ دیا گیا۔ لیکن فریدی

کے تمباکو کا گٹھڑا اب تک اس کی پیٹھ پر بندھا ہوا تھا۔

رفتہ رفتہ خورد و نوش کا سامان بھی ختم ہو گیا۔ لیکن انہیں اس کی پرواہ نہ تھی کیونکہ وہ اب جس خطے سے گزر رہے تھے وہاں بکثرت آبی پرندے اور جنگلی پھل ملتے تھے۔ جولیا بہت نڈھال ہو گئی تھی اس کے سرخ سپید چہرے پر ہلکی سی نیلاہٹ دوڑ گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ اپنی زندگی سے ناامید ہو جاتی اور جارج اسے ہمت دلانے لگتا۔ اس نے اسے شروع ہی سے اس سفر سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن سیر و تفریح کے لالچ میں جولیا نے اس کا کہنا نہ مانا۔ وہ دراصل رائیڈر ہیگرڈ کے ناولوں اور کارناموں سے بھرپور فلموں کی ماری ہوئی تھی اور خزانے سے زیادہ رومان کی تلاش میں آئی تھی۔

آرتھر کے جانے کے ٹھیک بیسویں دن بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں ستیل ندی دریائے نامتی سے مل گئی تھی۔ اب انہوں نے مشرق کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ راستے میں اسے وہ پہاڑی مزدور دکھائی دیئے جو آرتھر کے ساتھ چپکے سے چلے آئے تھے۔ فریدی نے جارج وغیرہ کو چھپ جانے کا اشارہ کیا اور خود اونچی نیچی چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھا۔ تقریباً سو فٹ کی گہرائی میں ایک ننھی سی وادی تھی جس میں انہوں نے خیمے گاڑ دیئے تھے۔ فریدی چٹانوں کی آڑ لے کر نیچے اترنے لگا۔

بہرحال اس کی چھان بین کا خلاصہ یہ ہے کہ آرتھر ان پہاڑیوں میں نہیں تھا۔ فریدی وہیں چھپا بیٹھا رہا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی کی چادر حد نظر تک پھیلی ہوئی پہاڑیوں پر پھیلتی جا رہی تھی۔ دفعتاً ایک مزدور اس کی طرف آ نکلا جہاں فریدی چھپا ہوا تھا۔ وہ اچانک اس پر ٹوٹ پڑا۔ فریدی دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آرتھر کہاں ہے وہ مزدوروں کو لے کر دریا کے پار گیا تھا پھر واپس نہیں آیا۔

اندھیرے کی وجہ سے وہ مزدور فریدی کو پہچان نہ سکا۔ فریدی نے اس سے کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس چلا جائے ورنہ کسی نہ کسی حادثہ کا شکار ہو جانے کے امکانات ہیں۔ مزدور کو چھوڑ کر فریدی جارج وغیرہ کے پاس واپس آ گیا اور پھر ان لوگوں نے تاریکی میں دریا کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ وہ جارج کو آرتھر کی گمشدگی کا حال کس

طرح بتائے، اب خود اسے اپنے گونگے پن سے الجھن ہونے لگتی تھی۔

بہر حال ایک جگہ رک کر فریدی نے دریا کی طرف اشارہ کیا کہ اب ہمیں پار چلنا چاہئے۔ جارج نے ایک تہہ کی ہوئی ربڑ کی کشتی نکالی اور اس میں سائیکل کے پمپ سے ہوا بھرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کشتی پانی میں تیرنے کے قابل ہوگئی۔ یہ اتنی بڑی تھی کہ اس پر دس آدمی نہایت آسانی سے بیٹھ سکتے تھے۔

کشتی میں بیٹھتے وقت حمید کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ راستے بھر فریدی سے کچنار کے جنگلو میں بسنے والی قوم کی درندگی کے واقعات سنتا آیا تھا۔ فریدی نے چپوار ہاتھ میں لئے کشتی کھینے لگا۔

رات حد درجہ تاریک تھی۔ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ابھی تھوڑی دیر میں بارش ہو جائے گی۔ فریدی جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگا۔

ایک گھنٹے کی مشقت کے بعد وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ دریا کا پاٹ دو میل سے کم طرح کم نہ رہا ہوگا۔ کنارے پر پہنچ کر جارج نے کشتی کی ہوا نکالی۔ پھر اسے تہہ کر کے کاندھے ڈال لیا۔

رات گزارنے کے لئے انہوں نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جو چاروں طرف چٹانو سے گھری ہوئی تھی اور ان چٹانوں پر کانٹے دار جھاڑیاں تھیں۔ فریدی نے پروگرام بنایا تھا سب باری باری سوتے جاگتے رہیں گے، لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ دن بھر کے تھکے ماندے جب لیٹے تو کوئی بھی اپنی بند ہوتی ہوئی آنکھوں کو نہ روک سکا۔

اور پھر جب صبح ان کی آنکھ کھلی تو ان کے سینوں پر جنگلیوں کے نیزوں کی انیاں رکھی ہو تھیں۔ جولیا تو بے ہوش ہوگئی۔ یہ سب انتہائی کریہہ المنظر تھے اور انہوں نے اپنی گردنوں میں انسانی کھوپڑیوں کی مالائیں لٹکا رکھی تھیں۔ ان کے ساتھ ایک دراز قد آدمی تھا۔ جو ان کے مقابلے میں کچھ مہذب معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ریشمی کپڑے کی ایک رنگین قبا پہن رکھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وحشیانہ پن بھی نہیں تھا، جو اس کے دوسرے مسلح ساتھیوں کی آنکھوں میں تھا۔ اس کی وضع قطع دیکھ کر فریدی کو تبت کے بدھ فقیر یاد آ گئے۔ اس نے فریدی وغیرہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ یہ سب ایک طرف چل پڑے۔ جنگلیوں نے انہیں حلقے میں لے لیا۔ گویا وہ قیدی تھے۔

سورج سر پر آ گیا تھا۔ وہ چلتے رہے۔ جولیا کی حالت غیر تھی۔ وہ قدم قدم پر لڑکھڑا جاتی تھی۔ آخر فریدی نے اسے پیٹھ پر لاد لیا۔ وہ اپنا ڈنڈا ٹیک کر لنگڑاتا ہوا چل رہا تھا۔

خدا خدا کر کے وہ تقریباً دو بجے ایک بستی میں پہنچے۔ یہاں بے شمار جھونپڑے تھے۔ لیکن ان کی تعمیر میں ایک خاص سلیقے کو دخل تھا۔ یہاں کے رہنے والے اگر مہذب نہیں تو نیم مہذب ضرور تھے۔ عورتیں رنگین اور خوشنما لبادوں میں ملبوس نظر آئی تھیں اور مزدوروں کا لباس قریب قریب وہی تھا جو فریدی وغیرہ کو گرفتار کرنے والوں کے پیشرو کا تھا۔ بستی کے اندر صاف ستھری گلیں تھیں یہ لوگ جدھر سے گزرتے لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی لیکن اس حالت میں بھی ان کی طرف سے کسی قسم کے وحشیانہ پن کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ وہ خاموشی اور حیرت سے اپنی سرزمین میں داخل ہونے والے اجنبیوں کو دیکھتے اور ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگتے۔ ان لوگوں کا رنگ گندمی تھا اور چہروں کی بناوٹ قریب قریب ویسی ہی تھی جیسے تبت کے باشندوں کے چہرے کی ہوتی ہے۔ ان کی آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی اداسی تھی، جو شائد انسانیت اور وحشی پن کی آویزش کا نتیجہ تھی۔

متعدد راستوں سے گزرتے ہوئے یہ لوگ ایک بڑے سے احاطے میں داخل ہوئے جس کی دیواریں مٹی کی تھیں لیکن انہیں بھی مختلف رنگوں کی گل کاریوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ یہاں ہر طرف بہت بڑے بڑے بت نصب تھے جو تعداد میں اٹھارہ تھے۔ دفعتاً فریدی چونک پڑا اور یہی حالت جارج فنلے کی بھی ہوئی۔ ان میں سے ایک بت بالکل اسی پیتل کی مورتی سے مشابہ تھا۔

"سی جی لا......!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور جارج فنلے چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

احاطے کی دیوار کے نیچے تین طرف مسلح آدمی کھڑے تھے۔ یہ لوگ بھی وحشی معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی گردنوں میں کھوپڑی کی ہڈیوں کی مالائیں لٹکا رکھی تھیں۔ سامنے ایک بہت بڑا سائبان تھا جس کے نیچے ایک کافی بلند چبوترے پر چھوٹے چھوٹے کرسی نما تخت پڑے ہوئے تھے۔

ان لوگوں کے داخل ہوتے ہی ہتھیار بند وحشیوں نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ ان میں

سے ایک آگے بڑھا اور سنکھ پھونکنے لگا جس کی آواز سے جولیا ایک بار پھر چکرا گئی۔ اگر آرتھر اُسے سہارا نہ دیتا تو وہ یقیناً گر گئی ہوتی۔

ان لوگوں کو ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ شور بدستور جاری رہا۔ دفعتاً سائبان کے نیچے دو آدمی ہرے رنگ کے لبادے پہنے ہوئے نمودار ہوئے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کچھ کہا اور مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ فریدی وغیرہ کے گرفتار کرنے والوں کا پیشرو آگے بڑھا اور اس نے ان دونوں سے کچھ کہا وہ دونوں چبوترے سے اتر کر ان کے پاس آئے اور فریدی کو گھورنا شروع کیا۔ وہ پلک جھپکائے بغیر انہیں گھور رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی آنکھیں پتھر کی ہوں۔

پھر ان دونوں نے جارج فنلے کی رائفلوں اور پستولوں پر قبضہ کر لیا اور اس وقت تک ان لوگوں کی جامہ تلاشی لیتے رہے جب تک کہ ایک ایک کارتوس دستیاب نہیں ہو گیا۔ فریدی کی گٹھری بھی ٹٹولی گئی لیکن اس میں تمباکو کے بنڈل اور ایک چھوٹی سی چلم کے علاوہ اور تھا ہی کیا۔ بندوقیں وغیرہ چھن جانے پر جولیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جارج اسے دلاسہ دینے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن خود اس کی حالت غیر ہو رہی تھی اور حمید کے چہرے پر تو زلزلہ سا آ گیا تھا۔ کبھی اس کے ناک کے نتھنے پھڑکنے لگتے تھے کبھی ہونٹ کانپنے لگتے۔ اس وقت اس نے فریدی کو قہر آلود نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت ایک عجیب قسم کی بے بسی تھی۔

دفعتاً بہت سی گھنٹیاں بجنے لگیں اور ترہیاں پھونکی جانے لگیں۔ دیوار کے قریب کھڑے ہوئے مسلح وحشی سجدے میں گر گئے۔ سائبان کے پیچھے ایک جلوس دکھائی دے رہا تھا۔ رنگ برنگ کی قبائیں لہرا رہی تھیں۔ سب سے پہلے ایک مرد اور ایک عورت سائبان کے نیچے آئے۔ مرد آرتھر تھا جس نے اپنے قومی لباس کے بجائے ایک چمکیلا لبادہ پہن رکھا تھا جس میں جابجا خوش رنگ اور قیمتی پتھر لٹکے ہوئے تھے۔ عورت غالباً یہاں کی سفید فام ملکہ تھی۔ یہ ایک خوبصورت جوان العمر عورت تھی۔ اس کے سر پر سیاہ رنگ کی لکڑی کا ایک تاج تھا جس کی چوٹی پر ایک بڑا ہیرا نصب تھا۔ وہ دونوں بیٹھ گئے۔ ان کے ساتھ کے لوگ جو شاید درباری تھے ان کے پیچھے رکھی ہوئی چوکیوں پر بیٹھ گئے۔

"اوہ جارج فنلے۔" آرتھر طنزیہ انداز میں بولا۔ "مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔" پھر وہ فریدی کی طرف مخاطب ہو کر پہاڑی زبان میں بولا۔

"اور تم دغاباز تم سے تو اچھی طرح سمجھوں گا۔"

"لیکن بزدلوں کی طرح نہیں۔ میں تمہیں بہادر سمجھتا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"جارج ...... میں یہاں کی ملکہ کا شوہر ہوں۔ کل ہی ہماری شادی ہوئی ہے۔" آرتھر نے ہنس کر کہا۔

"اور کل ہی تم اس کے ساتھ دفن کر دیئے جاؤ گے۔" جارج طنزیہ انداز میں بولا۔

"اور کل کا حال کون جانے، ممکن ہے کل میں قدرتی موت مر جاؤں۔" آرتھر ہنس کر بولا۔ "مجھے خوشی ہے کہ دنیا کی حسین ترین عورت میری بیوی ہے۔ یہ جنگلی پھول جس میں خوشبو بھی ہے اور رنگ بھی۔"

"کیا یہ انگریزی بول سکتی ہے۔" جولیا نے بے ساختہ پوچھا۔

"نہیں ...... لیکن اتنی لاطینی جانتی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ زبان شاید شروع سے یہاں کی ملکائیں ایک دوسری کو سکھاتی آئی ہیں۔" آرتھر نے کہا۔

فریدی کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ وہ لاطینی زبان جانتی ہے۔ فریدی نے سوچا کہ اب بولنا ہی چاہیئے ورنہ مفت میں جان جائے گی۔ لاطینی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں وہ اچھا خاصا دخل رکھتا تھا۔

"اے دنیا کی طاقتور ترین ملکہ۔" فریدی نے قدرے جھک کر سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے لاطینی زبان میں کہا۔ "کیا مہمانوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جاتا ہے؟"

آرتھر، جولیا اور جارج فنلے بیک وقت چونک پڑے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اے سیاہ فام اجنبی۔" ملکہ بولی۔ "ہمیں افسوس ہے کہ ہمارا شوہر ربہ ارسلاشیہ کا بیٹا ہم سے تمہیں پہلے ہی مانگ چکا ہے۔"

"خیر اگر سی۔ جی لا دیوتا کی بیٹی چاہتی ہے کہ ہم اس پر قربان ہو جائیں تو ہمیں کوئی افسوس نہیں۔ ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔" فریدی نے کہا۔

قبل اس کے کہ ملکہ کچھ کہتی آرتھر چیخ پڑا۔

"اے میری حسین ترین ملکہ...... یہ مکار ہے...... غدار ہے...... ان کی باتوں میں نہ آ

"میں تم سے وعدہ کر چکی ہوں۔ پورا کروں گی۔" ملکہ نے مسکرا کر کہا۔ پھر اس نے
وحشیوں سے کچھ کہا اور آرتھر سے لاطینی زبان میں بولی۔

"یہ ہمارے دیوتا میمون اعظم کی بھینٹ ہیں۔"

آرتھر نے قہقہہ لگایا۔

"لو سنو سر جارج...... تم ان لوگوں کے دیوتا بن مانس کی نذر کئے جاؤ گے۔ تم نے ا
خوفناک گوریلا کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ وہ دریا کے ایک چھوٹے سے جزیرے میں رہتا ہے۔ مجھے
افسوس ہے کہ اب میں یہاں کے خزانے کا تنہا مالک ہوں۔"

جارج نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اتنے بے درد نہ بنو۔" جولیا بولی۔

"تمہارے باپ نے مجھے اس پر مجبور کیا ہے۔ اگر وہ مجھ پر اعتبار کر کے خزانے کا راز
دیتا تو یہ نوبت نہ آتی۔"

جولیا لاکھ لاکھ روئی اور گڑگڑائی لیکن آرتھر پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ملکہ نے سپاہیوں کو اشارہ کیا
ان لوگوں کی ایک بار پھر تلاشی لی گئی۔

دریا میں ایک بڑی سی کشتی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ کھانے پینے کے سامان کے علاوہ ا
سے سب کچھ چھین لیا گیا۔ فالتو چیزوں میں فریدی کی تمباکو کا بنڈل بھی بچ گیا تھا۔

"اف میرے خدا۔" جارج کشتی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب...... سچ مچ ہماری موت
آ گئی ہے۔"

"آپ آخر اتنا مایوس کیوں ہو گئے ہیں۔" جولیا بولی۔

"سر ہنری نے اپنے سفرنامے میں اس گوریلے کے متعلق بھی لکھا ہے۔" جارج بولا۔

"وہ انتہائی خوفناک اور خونخوار ہے اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز بھی نہیں جس سے ا
حفاظت کر سکیں گے۔"

ناؤ چل پڑی...... آگے چل کر دریائے نامتی ایک جگہ دو شاخوں میں بٹ گیا اور درمیا

ں زمین کا ایک حصہ ایک جزیرے کی شکل میں ابھر آیا تھا۔ اس کا طول و عرض تقریباً دو میل رہا ہوگا۔
وہ چاروں اس جزیرے میں چھوڑ دیئے گئے۔ کشتی واپس جا چکی تھی۔ یہاں چاروں طرف
گھنے جنگل تھے۔ فریدی نے سب کو دریا کے اونچے کنارے سے نشیب میں اتار دیا۔ پھر وہ سب
یک جگہ بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے لگے۔

فریدی نے اپنی پیٹھ پر بندھا ہوا تمباکو کا گٹھڑا اتارا۔ دو تین پتے مل کر چلم میں رکھے اور
ا کو جلا کر اطمینان سے کش لینے لگا۔

گوریلا

اس شخص کا اطمینان دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے۔" جارج نے جولیا سے کہا۔

"ہاں...... لیکن...... کیا یہ اس درندے کا مقابلہ کر سکے گا۔" جولیا نے کہا۔

"ارادہ تو یہی ہے مس جولیا۔" فریدی مسکرا کر انگریزی میں بولا۔

جارج اور جولیا دونوں اچھل پڑے۔

"اوہ تم انگریزی بول سکتے ہو۔" جارج متحیر ہو کر بولا۔ "تو پھر تم اتنے دنوں تک گونگے
یوں بنے رہے۔"

"مصلحت......!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر میں ایسا نہ کرتا تو یہاں تک پہنچ بھی نہیں
سکتا تھا۔"

"تو گویا تم شروع ہی سے ہمارے مقصد سے واقف تھے۔" جولیا نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"لیکن تم کون ہو......؟" جارج نے پوچھا۔

"ایک مشرقی آدمی۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تو کیا تم انہیں لوگوں میں سے ہو جو ایک عرصے سے اس مورتی کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"نہیں......! آخر تم پریشان کیوں ہوگئے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ مجھے تو اب آرتھر سے سمجھنا ہے۔"

"تو کیا ہم اس جزیرے سے زندہ واپس جاسکیں گے۔" جولیا نے یاس آمیز لہجے میں کہا۔

"خدا کی ذات سے تو یہی امید ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مس جولیا......اس کی باتوں میں نہ آنا۔ دنیا میں اس سے بڑا مکار ملنا مشکل ہے۔" حمید بے ساختہ بولا۔

"ارے......!" جولیا اچھل کر بولی۔ "اب اس گونگے نے بھی انگریزی بولنی شروع کردی۔"

"ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے؟" حمید بولا۔

"جولیا اب ہمیں سچ مچ مرنے کے لئے تیار ہوجانا چاہئے۔" جارج نے کہا۔

"تم خواہ مخواہ ڈر رہے ہو سر جارج۔" فریدی بولا۔ "میری صرف آرتھر سے دشمنی ہے۔ اس نے میرے سب سے خوبصورت کتے کو اپنے السیشین سے مروا ڈالا تھا۔"

"ارے تو تم وہی ہو۔" جولیا ایک بار پھر اچھل پڑی۔ "مگر نہیں۔ جھوٹ کہتے ہو۔ وہ ایک مہذب آدمی تھا، جوان اور خوبصورت۔"

"میں وہی ہوں، ابھی تھوڑی دیر میں تم مجھے پہچان لوگی۔"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔" جارج بولا۔ "اگر تم واقعی میرے دوست ہو تو اس درندے سے جان بچانے کی کوئی تدبیر کرو۔"

"میں اسے اپنی رائفل کا نشانہ بنانے کی کوشش کروں گا۔" فریدی نے کہا۔

"رائفل......!" جارج متحیر ہوکر بولا۔ "اب تمہارے پاس کون سی رائفل ہے۔ شاید موت کے خوف سے تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

حمید کو بھی حیرت ہو رہی تھی کہ آخر یہ رائفل کہاں سے ٹپک پڑی۔

رائفل کوئی بالشت بھر کی چیز تو نہیں ہوتی کہ فریدی نے اسے اپنے گھیر دار خاکی شلوار کے ے میں اڑس لیا ہو۔

"نہیں سر جارج میں قطعی صحیح الدماغ ہوں۔" فریدی نے کہا اور اپنے بانس کے موٹے ے کو بیچ سے پھاڑ دیا۔ رائفل کی ایک پتلی سی نال ڈنڈے کے اندر سے نکل کر زمین پر گر پڑی۔

حمید نے قہقہہ لگایا۔ جولیا اور سر جارج حیرت سے فریدی کی صورت دیکھ رہے تھے۔

اب فریدی نے تمباکو کا بنڈل کھولنا شروع کیا۔ اس میں سے رائفل کا کندہ اور بے شمار توسوں کا پیکٹ برآمد ہوا۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے رائفل فٹ کرلی۔

"یہ دیکھو سر جارج...... یہ ایک انتہائی طاقتور اور بے آواز رائفل ہے۔ اس سے میں ایک کا بھیجا آسانی سے پھاڑ سکتا ہوں۔" فریدی نے رائفل جارج کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا۔

"آدمی ہو یا بھوت۔" جارج ہنس کر بولا۔ "میں نے تم جیسا دلیر اور عقل مند آدمی آج نہیں دیکھا۔"

گرفتار ہونے کے بعد پہلی بار سر جارج کے ہونٹوں پر ہنسی آئی تھی۔

"کیا تم سچ مچ وہی ہو جس نے اپنے نشانہ سے آرتھر کا پستول اڑا دیا تھا۔" جولیا بے ساختہ بولی۔

"جی ہاں...... یہ وہی ہے۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔ "آخر مجھ سے بھی تو کچھ پوچھو۔" نے اس طرح کہا کہ جولیا بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اچھا تم ہی بتاؤ۔"

"میں سرجنٹ حمید ہوں......اور......!"

"سرجنٹ......!" جارج چونک کر بولا۔ "کیا مطلب......؟"

"یعنی کہ میں اس نالائق آدمی کا لائق اسسٹنٹ ہوں۔" حمید نے فریدی کی طرف اشارہ رکے کہا۔

"صاف صاف بتاؤ آخر مجھے پریشان کرنے سے کیا فائدہ۔" جارج نے زچ ہوکر کہا۔

"تو سنو مسٹر جارج...... یہ وہ آدمی ہے جسے تمہارے اسکاٹ لینڈ یارڈ کا جاسوس چیف

انسپکٹر براؤن اپنا استاد مانتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے تمہارے ملک کے بین الاقوامی بلیک میلر لیونارڈ کو چٹکی بجاتے پکڑ لیا تھا...... کیا سمجھے۔"

"اوہ...... تو یہ...... وہ فراڈی ہے۔"

"فراڈی نہیں...... فریدی۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"ہاں...... ہاں...... فریدی۔" سر جارج ش کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ اور پھر فریدی کا ہاتھ دبا کر کہنے لگا۔ "مسٹر فریدی مجھے خوشی ہے کہ تم سے ان حالات میں ملاقات ہوئی...... سنو جولیا ایشیا کا سب سے بڑا کم سن جاسوس انسپکٹر فریدی ہے۔ لیکن تم میرے ساتھ آئے کیوں۔"

"مورتی کا راز معلوم کرنے کے لئے۔ میں نے اپنے دوست انسپکٹر براؤن سے اس کے متعلق سنا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن افسوس کہ ان کم بختوں نے مورتی مجھ سے چھین لی۔" سر جارج نے غم آلود لہ میں کہا۔

"پرواہ نہ کرو۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے اسی رات کو مورتی کا معمہ حل کر لیا تھا جب آرتھر نے اسے چرایا تھا۔"

"یعنی......!" سر جارج نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"پہلے تم بتاؤ کہ یہ مورتی تمہیں کہاں ملی تھی۔" فریدی نے کہا۔

سر جارج کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک بہت ہی خوفناک چیخ سنائی دی۔ جولیا سہم کر جار سے لپٹ گئی۔

"یہ وہی درندہ معلوم ہوتا ہے۔" سر جارج آہستہ سے بولا۔

"ہم لوگوں کی بو پا کر آ رہا ہے۔" فریدی نے کہا اور رائفل کی میگزین میں کارتوس ڈا لگا۔ وہ غار کے دہانے پر آ کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ باہر سناٹا تھا۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب طرف جھک رہا تھا۔ شام کی زرد شعاعیں ہرے بھرے درختوں کی چوٹیوں پر لرز رہی تھیں۔ لوگ بھی غار کے دہانے پر آ گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہی چیخ پھر سنائی دی۔ لیکن اس بار آواز کہیں دور سے آئی تھی اور اس

بددہ لحظہ بہ لحظہ دور ہی ہوتی گئی پھر سکوت چھا گیا۔

"ہاں تو پھر جارج وہ مورتی۔" فریدی نے کہا۔

"وہ مورتی میرے خاندان کے ایک بزرگ سر ہنری کی ملکیت تھی۔ اب سے تین سو برس پیشتر وہ اس جنگل میں اسی قوم کے چکر میں پھنس گئے تھے اور ملکہ وقت کے ساتھ ان کی شادی بھی کر دی گئی تھی۔ تقریباً چھ ماہ تک سر ہنری یہاں ملکہ کے ساتھ رہے۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ ملکہ انہیں کی اولاد میں سے ہے۔"

"تو تم سر ہنری کے خاندان سے واقف ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں......!" سر جارج بولا۔ "وہ اس مورتی کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ انہیں کی دگی میں اس کی کافی شہرت ہو گئی تھی اور انہیں کی زندگی میں ایک بار چرائی بھی گئی تھی۔ متعدد بار یرے قبضے سے بھی نکل چکی ہے۔ کئی بار لوگوں نے اس کا معمہ حل کرنے کی کوشش کی لیکن کام رہے۔ خود میں بھی برسوں اسے حل کرنے میں پریشان رہا اور آخر مجھے سر ہنری کی ایک تحریر ے مدد ملی۔"

"ٹھہریئے......!" فریدی بولا۔ "اب مجھے کہنے دیجئے...... دیکھئے میں جس نتیجہ پر پہنچا ں وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔"

"ہاں ہاں کہو۔" سر جارج مسکرا کر بولا۔

"سینگ......!" فریدی نے کہا۔ "صرف سینگ...... اس بت کے ماتھے پر نکلے ہوئے نگ کو توڑنا ہے، لیکن مجھے کسی خزانے کی توقع نہیں ہے۔"

"تمہیں اس کا پتہ کیسے لگا۔" سر جارج نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نہایت آسانی سے...... یہ کوئی ایسی مشکل چیز نہ تھی۔" فریدی نے کہا۔

"مورتی کے مختلف حصوں پر کچھ حروف کندہ تھے، جو بظاہر ان کے اعضاء کے ناموں کے لے حروف معلوم ہوتے تھے، لیکن اُن حروف کے کندہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ ایک ہی کی مورتی یا تصویر کے اعضاء کے نام بتا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے اور کیا جھا جا سکتا ہے کہ حروف کندہ کرنے کا مقصد کچھ اور تھا لہٰذا میں نے ان حروف کو ترتیب دی کر

ایک بامعنی لفظ ہارن (سینگ) بنایا۔ ان حروف سے اس کے علاوہ اور بامعنی لفظ بنتا ہی نہیں۔"

"تم ٹھیک سمجھے...... خدا کی قسم بالکل ٹھیک سمجھے۔" سر جارج نے چیخ کر کہا۔ "لیکن تم نے یہ کیسے کہا کہ خزانہ کی توقع نہیں۔"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ دفعتاً جولیا چیخ پڑی۔ فریدی چونکا۔ ایک سیاہ رنگ کا چھ فٹ اونچا بن مانس ان کی طرف چلا آ رہا تھا۔ فریدی نے سر جارج وغیرہ کو غار کے اندر دھکیل دیا اور خود رائفل سیدھی کر کے نشانہ لینے لگا۔ رائفل چلی بن مانس کے داہنے شانے پر سے بال اڑ گئے، اس نے لڑکھڑا کر ایک خوفناک چیخ ماری پھر فریدی کی طرف جھپٹا۔

فریدی نے پھر فائر کیا اس بار گولی ٹھیک اس کی پیشانی پر پڑی تھی۔ وہ گر پڑا۔ اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی، لیکن کھڑا نہ ہو سکا۔ وہ بیٹھ کر مٹی اڑانے لگا۔ اس کی چیخیں بہت زیادہ خوفناک ہوتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے پے در پے دو تین فائر کئے اور وہ بالآخر ڈھیر ہو گیا۔

عجیب خانہ

تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد جولیا کو ہوش آیا اور پھر وہ سب مردہ بن مانس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

"میں نے آج تک اتنا خوفناک گوریلا نہیں دیکھا۔" سر جارج نے کہا۔

"اور اتنا احمق شکاری بھی تم نے نہ دیکھا تھا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"جو خواہ مخواہ اپنی زندگی خطرے میں ڈالتا ہے۔"

"ہم تم لوگوں کے احسان مند ہیں۔" جولیا بولی۔

"اب ہمیں یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا

دفعتاً اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ حمید سمجھ گیا کہ اسے کوئی معقول تدبیر سوجھ گئی۔

"آج رات کو ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یعنی......!" حمید نے پوچھا۔

"بتاؤں......!" فریدی نے کہا اور بن مانس کی لاش کو کھینچتا ہوا ایک طرف لے چلا۔

"کیا میں بھی آؤں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں......!"

تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد فریدی واپس آیا۔ وہ بن مانس کی لاش کو کہیں دور پھینک آیا تھا۔

"دریا کے اس پار میں نے کچھ کشتیاں دیکھی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "آج رات کو ان میں سے ایک کسی طرح اس کنارے پر لانی ہے۔"

"یہ ایک خطرناک کام ہے۔" حمید بولا۔ "اول تو اس کنارے تک پہنچنا ہی مشکل ہے اور اگر کسی طرح پہنچ بھی گئے تو واپسی ناممکن ہے کیونکہ وہاں باقاعدہ پہرہ ہے۔"

"میں دیکھ آیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "وہاں صرف تین آدمی ہیں اور پھر میری یہ بے آواز رائفل کس دن کام آئے گی۔"

"تو کیا تم تیر کر اس کنارے تک جاؤ گے۔" جولیا نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"نہیں، یہ خطرناک کام ہے۔ معلوم نہیں دریا کتنا دور ہو اور پھر خوفناک جنگلی جانوروں کا خطرہ۔"

"کیا پھر اس جزیرے میں سسک سسک کر جان دینے کا ارادہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مس جولیا...... یہ خاکی جانور کسی کی بات نہیں سنتا۔ بہتر یہی ہے جو کچھ یہ کرے کرنے دو۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

تاریکی پھیل گئی تھی۔ حمید اور جارج نے خشک لکڑیاں اکٹھا کر لیں اور غار میں آگ جلا دی گئی۔ فریدی دو تین مرغابیاں شکار کر لایا تھا، جنہیں جولیا ادھیڑ رہی تھی۔ اس دوران میں فریدی غائب رہا۔ صرف ایک بار کھانا کھانے کے لئے آیا اور پھر چلا گیا۔ آہستہ آہستہ رات گذرتی جا رہی تھی۔ جولیا سر جارج اور حمید غار میں بیٹھے جاگ رہے تھے۔ فریدی کے نہ ہونے کی وجہ

سے کسی کو نیند نہیں آئی۔ جارج بار بار جلتی ہوئی لکڑیوں کی روشنی میں گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تین بج گئے لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

ساڑھے تین بجے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

"کام ہو گیا۔" فریدی نے غار میں گھستے ہوئے کہا۔ اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔

"کشتی لے آئے۔" جولیا نے پوچھا۔

"ہاں......!" فریدی نے آگ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ اس وقت صرف ایک آدمی کشتی کی نگہبانی کر رہا تھا جسے میں نے رائفل کا کندہ مار کر بے ہوش کر دیا اور کشتی لے آیا۔"

"اوہ......تم نے اسے مار کیوں نہیں ڈالا۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد ضرور شور مچائے گا۔"

"میں بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کا عادی نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ صبح تک ہوش میں نہیں آ سکتا اور اگر آ بھی گیا تو کیا ہو گا......اب وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"بھلا تمہاری ایک رائفل کسے کسے سنبھال سکے گی۔" جارج نے کہا۔

"اب شاید رائفل چلانے کی نوبت ہی نہ آئے۔" فریدی بولا۔

"وہ کیسے......؟" جولیا بولی۔

"بس دیکھتی جاؤ۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر چونک کر بولا۔ "ہم سورج نکلتے ہی پار پہنچ جائیں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ واقعی تمہارا دماغ خراب ہو چلا ہے۔"

"مجھ پر اعتماد کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو۔" فریدی نے کہا۔ "ہم روز روشن میں ان کے درمیان پہنچیں گے۔"

"آخر آپ کی اسکیم کیا ہے۔" حمید نے بے تابی سے پوچھا۔

"تم جانتے ہو کہ میں پہلے سے اپنی اسکیم نہیں بتاتا۔"

"ارے اس موت کے جزیرے میں تو اپنے اصول سے ہٹ جائیے۔" حمید نے کہا۔

"شاید موت کے جبڑوں میں بھی ایسا نہ کر سکوں۔"

فریدی نے اپنے کپڑے سکھائے اور پھر باہر نکل گیا۔ وہ ان سے کہہ گیا کہ سورج نکلنے سے پہلے ہی ان کے پاس پہنچ جائے گا۔

فریدی کے چلے جانے کے بعد حمید جولیا اور جارج کو فریدی کے کارناموں کی داستانیں سناتا رہا۔ وہ انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا رہا کہ فریدی نے آج تک کوئی غلط قدم اٹھایا ہی نہیں اور وہ اتنا خوش قسمت ہے کہ بعض اوقات اس کی حماقتیں بھی اس کی کامیابی کی وجہ بن گئیں۔ حمید نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اسے محض سراغ رسانی کا شوق اس محکمے میں لایا ہے، ورنہ وہ خود ایک کافی مالدار آدمی ہے۔

"اس کی بیوی اس کی وجہ سے بہت پریشان رہتی ہو گی۔" جولیا بولی۔

"میرے شیر نے یہ روگ ہی نہیں پالا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟"

"محض اسی لئے کہ وہ اسے گھریلو آدمی بنانے کی کوشش کرے گی۔" حمید نے کہا۔

تاریکی آہستہ آہستہ غائب ہوتی جا رہی تھی۔ آسمان میں نندا سے ستارے جھپکیاں سی لیتے معلوم ہو رہے تھے۔ ہر طرف ایک پراسرار روح کی گہرائیوں میں اتر جانے والا سناٹا تھا۔ دور تک پھیلے ہوئے جنگل بے کراں آسمان کی وسعتوں سے سرگوشیاں کرتے معلوم ہو رہے تھے۔

دفعتاً ایک خوفناک بن مانس خاموشی سے غار میں داخل ہوا۔ حمید کی پشت غار کے دہانے کی طرف تھی۔ جولیا اور جارج اونگھنے لگے تھے۔ بن مانس کے داخل ہونے کی کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ اس نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید چونک کر مڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ پلٹ کر جارج پر گر پڑا۔ جولیا اور جارج جاگ پڑے۔ دونوں کی گھگھی بندھ گئی۔ دفعتاً بن مانس انسانوں کی طرح قہقہہ مار کر ہنسا۔

"ڈرو نہیں...... میں فریدی ہوں۔" بن مانس نے کہا۔ "میں نے اس بن مانس کی کھال اتار کر اپنے جسم پر فٹ کر لی ہے، حمید تم دیکھ کر بتاؤ کہیں سے کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔"

تینوں ہنسنے لگے، لیکن ان کی ہنسی میں اب تک خوف شامل تھا۔ حمید ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھا کر نیچے سے اوپر تک فریدی کا جائزہ لینے لگا۔

"سو فیصدی خالص بن مانس۔" حمید ہنس کر بولا۔ "لیکن اس حماقت کی ضرورت؟"

"تمہیں پھر سے مہذب دنیا کی روشنی دکھانے کے لئے۔" فریدی نے کہا۔ "اب میں سملی قوم کا ایک زندہ دیوتا ہوں اور تم لوگ میری پناہ میں ہو۔ کیا وہ اب ہمیں اپنی سرزمین میں نہ داخل ہونے دیں گے، مگر اس کھال کی بدبو سے میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ سورج نکلنے ہی والا ہے۔ جلدی کرو، کشتی کنارے پر تیار ہے اور ہاں اب یہ بھی سن لو۔ اب میں اس وقت تک خاموشی اختیار کرلوں گا جب تک ہم اس سرزمین سے نکل نہ جائیں۔ جارج تم اس بات کا خیال رکھنا کہ آرتھر اور اس کی سفید ملکہ یہاں سے نکل کر کسی طرف جانے نہ پائیں۔ ہم انہیں واپس لے چلیں گے۔"

چاروں جاکر کشتی پر بیٹھ گئے۔ حمید کشتی کھینے لگا۔ سر جارج رائفل لئے بیٹھا تھا۔ دوسرے کنارے پر کوئی نہیں تھا۔ صرف دو تین کشتیاں کھڑی تھیں۔ وہ بآسانی پار اتر گئے۔

بن مانس جولیا کا ہاتھ پکڑے تھا۔ حمید اور جارج ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ بن مانس کو دیکھ کر جنگلیوں نے ادھر اُدھر بھاگنا شروع کردیا۔ جب وہ لوگ بستی میں آئے تو عورتیں اور بچے ڈر ڈر کر اپنے جھونپڑوں میں گھس گئے۔ ہر طرف شور برپا تھا۔ لوگ بستی چھوڑ چھوڑ کر جنگل کی طرف بھاگ رہے تھے۔ بہتیرے عبادت گاہوں میں گر کر چیخیں مار مار کر رو رہے تھے۔ پھر یہ لوگ اس احاطے میں پہنچے جہاں انہوں نے ملکہ اور آرتھر کو دیکھا تھا اور جہاں بڑے بڑے بت نصب تھے، جیسے ہی ان لوگوں نے بن مانس کو دیکھا بھگدڑ مچ گئی۔ وہاں بھی بہتیرے سجدے میں گر گئے تھے۔ فریدی بن مانسوں کی طرح شور مچاتا ہوا اچھل کر چبوترے پر چڑھ گیا۔ آرتھر نے بھاگنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں سر جارج کے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کی نال اس کے سینے پر تھی۔ ملکہ چیخ مار کر بے ہوش ہوگئی۔ فریدی نے اسے اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ تھوڑی دیر بعد اس احاطے میں ان کے علاوہ ایک متنفس بھی باقی نہ تھا۔ حمید نے آرتھر کے ہاتھ پیر رسی سے جکڑ کر ایک طرف ڈال دیا اور پھر چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ بھاگتے ہوئے جنگلیوں کا شور کہیں دور سنائی دے رہا تھا۔ لوگ اپنے اپنے جھونپڑے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ یہ شاید ان کی زندگی میں پہلا واقعہ تھا کہ ان کے دیوتا بن مانس نے ان کی بستی میں آکر انہیں درشن دیا تھا۔

سر جارج سی جی لا دیوتا کی سینگ توڑنے میں مشغول ہوگیا۔ حمید اور جولیا کھانے پینے کا سامان اکٹھا کرنے لگے۔ بے ہوش ملکہ ابھی تک فریدی کے کاندھے پر پڑی تھی۔

چند گھنٹوں کے بعد وہ ایک بڑی کشتی میں بیٹھے دریائے نامتی پار کررہے تھے۔ فریدی نے بعد کو راستے کے متعلق پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔ وہ دریائے نامتی پار کرکے جارج والے نقشے کے مطابق سفر کرنے کے بجائے دریائے نامتی کی شاخ ستیل ندی سے گذرتا ہوا آبی سفر جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ کشتی پر بیٹھے ہی بیٹھے رام گڑھ کے قریب پہنچ سکتے تھے۔ جارج والا نقشہ اب سے تین سو برس پرانا تھا جسے سر ہنری نے ترتیب دیا تھا، اور فریدی نے یہ اقدام اپنی جغرافیائی معلومات کی بناء پر کیا تھا، اس طرح سفر جاری رکھنے کی ایک وجہ اور یہ بھی تھی کہ انہیں سواری کے لئے اور کوئی دوسری چیز مل بھی نہیں سکتی۔ خچروں کو آرتھر کے ورغلائے ہوئے مزدوروں سمیت وہ پہلے ہی بھگا چکا تھا۔

حمید اور سر جارج کشتی کھے رہے تھے، آرتھر بندھا ہوا پڑا تھا۔ ملکہ ہوش میں آچکی تھی۔ وہ خوف اور سہمی ہوئی ایک طرف بیٹھی تھی۔ فریدی اب تک بن مانس کی کھال پہنے ہوئے تھا۔ اسے خوف تھا کہ سملی قوم کے لوگ حملہ نہ کر بیٹھیں۔ اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ کھال اس وقت تک پہنے رہے جب تک کہ اس علاقے میں سے گزر نہ جائے۔ گرمی اور کھال کی بدبو کی وجہ سے اس کا سر چکرانے لگا۔

"خزانے کا کیا ہوا سر جارج۔" آرتھر نے پڑے پڑے پوچھا۔ "اور اس وحشی جانور کو تم نے کس طرح قابو میں کیا۔"

"وحشی جانور کی ایک لمبی داستان ہے۔ وہ پھر کبھی سناؤں گا۔" سر جارج پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "لیکن خزانہ...... خزانے پر تم پہلے ہی قبضہ پاچکے ہو اور اس کے تنہا مالک ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"کیا مطلب......؟" آرتھر چونک کر بولا۔ "میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ مجھے خزانہ نہیں مل سکا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" جارج ہنس کر بولا۔ "وہ خزانہ اس وقت بھی تمہارے پاس ہے اور تم

اس کے تنہا مالک ہو۔"

"اوہ...... سر جارج میں جانتا ہوں کہ تم دھوکہ دہی کے سلسلے میں مجھے قانون کے حوالے کردو گے۔لیکن مجھے اس طرح زچ مت کرو، میں سب کچھ بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔خزانہ تمہیں مبارک رہے۔تم جیتے میں ہار گیا۔لیکن میری درخواست ہے کہ میرا مضحکہ مت اڑاؤ۔"

"آرتھر مجھے تم سے ہمدردی ہے۔" سر جارج نے کہا۔"تم نے مجھے دھوکا ضرور دیا تھا لیکن میں نے تمہیں معاف کردیا۔محض اس لئے کہ اب تم اس خزانہ پر قابض ہو چکے ہو اور اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو میں کبھی تمہیں معاف نہ کرتا۔"

"سر جارج مجھے پریشان نہ کرو۔" آرتھر نے ایک بچے کی طرح بے بسی سے کہا۔

"بخدا میں تمہیں پریشان نہیں کررہا ہوں۔" جارج نے اٹھتے ہوئے کہا۔"یہ لو میں تمہارے ہاتھ پیر بھی کھولے دیتا ہوں۔"

جارج نے بن مانس کی طرف دیکھا۔اس کا اشارہ پاتے ہی سر جارج نے آرتھر کے ہاتھ پیر کھول دیئے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ حیرت کی وجہ سے اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نکل نہ سکا۔ البتہ ملکہ کے چہرے پر بشاشت دوڑ گئی۔

"تو کیا اب یہ لوگ ہمیں قتل نہ کریں گے۔" ملکہ نے لاطینی زبان میں آرتھر سے پوچھا۔

"نہیں......!" آرتھر نے جواب دیا۔"لیکن میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

پھر وہ جارج کی طرف مخاطب ہوا اور حمید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"اس گونگے کا ساتھی کہاں گیا......؟"

"اسے بن مانس نے مار ڈالا" سر جارج نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے۔" آرتھر بولا۔"وہ ایک بہادر اور وفادار آدمی تھا اور میں اس کے مقابلہ میں ایک ذلیل آدمی ہوں۔"

"تم اس خزانے کے لئے بے تاب ہو۔" سر جارج نے کہا۔"لو یہ رہا خزانہ۔ یہ سی جی لادیوتا کی سینگ کے اندر سے نکلا ہے۔"

سر جارج نے ایک بہت پرانا تہہ کیا ہوا کاغذ آرتھر کی طرف بڑھایا۔ آرتھر اسے لے کر بلند

آواز میں پڑھنے لگا۔

"تم خزانے کی تلاش میں آئے ہو۔خوش آمدید! میں سچ مچ ایک بہت بڑا خزانہ تمہیں سونپ رہا ہوں۔کیا تمہارے لئے یہ خزانہ کم ہے کہ تم ایک سفید فام عورت یا اس کے بچوں کو وحشی درندوں کے پنجوں سے آزاد کرا کے اپنے ساتھ لئے جارہے ہو۔کیا یہ کم ہے کہ تمہارے اس کارنامے پر تمہاری آنے والی نسلیں فخر کرسکیں گی۔ میں سر ہنری فنلے اپنی سفید فام بیوی (جو ان وحشیوں کی ملکہ ہے) کے بطن میں اپنی یادگار چھوڑے جارہا ہوں۔ میں جارہا ہوں ورنہ میں بھی ان کی درندگی کا شکار ہوجاؤں گا۔ اپنے ملک میں پہنچ کر اس بات کی کوشش کروں گا کہ اپنے ساتھ یہاں تک ایک مہم لے آؤں اور اپنی بیوی کو یہاں سے لے جاؤں، لیکن مجھے اس کی امید نہیں۔میری قوم صرف ایک عورت کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول نہ لے گی۔ خیر میں انتہائی کوشش کروں گا۔ اور اگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو میں اپنی لالچی قوم کو دوسری طرح راضی کروں گا۔ میں سی جی لادیوتا کی ایک پیتل کی مورتی بنا کر اسے انتہائی پر اسرار طریقے پر شہرت دوں گا۔ ان دنوں میرے ملک میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو خزانوں کی تلاش میں مشرق کا سفر کرتے ہیں۔ دولت کے لالچ میں اپنی زندگی کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ میں انہیں اسی طرح کچھار کے جنگلوں میں بھیجوں گا۔ کاش یہ میرا مشن کامیاب ہوسکے۔ بہت ممکن ہے کہ میری اولاد ہی میں سے کوئی اس کی کوشش کرے۔ بہر حال میں خدا اور اس کے بیٹے کی رحمتوں کا منتظر ہوں۔ اگر میں اس مشن میں کامیابی سے پہلے مر بھی گیا تو اس وقت تک میری روح بے قرار رہے گی جب تک میرے سفید فام بچے اپنے مہذب ملک میں نہ پہنچ جائیں۔ تم پر خدا اور اسکے بیٹے کی برکتیں نازل ہوں۔

سر ہنری فنلے

یکم اپریل ۱۷۱۳ء"

آرتھر نے قہقہہ لگایا اور وہ پرچہ واپس کردیا۔ حمید اور جولیا حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔

"کیا بات ہے۔" ملکہ نے آرتھر سے پوچھا۔

"ہم لوگ خزانے کی تلاش میں آئے تھے۔" آرتھر نے کہا۔"اور میں نے وہ خزانہ پالیا

اور اس کا تنہا مالک ہوں۔“ اور پھر آرتھر نے اسے سب کچھ سمجھا دیا۔ وہ کچھ بولی نہیں۔ اس کے چہرے سے بہرحال یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اسے اپنی حکومت چھوڑنے کا غم ہے۔

دن گزرتا جارہا تھا۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ وہ کچھار کے علاقے سے نکل کر ستیل ندی کے دہانے میں داخل ہو رہے تھے۔ فریدی بدستور خاموش بیٹھا تھا۔ ملکہ کبھی کبھی خوف زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ آرتھر بھی مطمئن نہیں تھا۔

”لیکن ان لوگوں پر ہمارا دیوتا میمون اعظم کیسے مہربان ہو گیا۔“ ملکہ نے طویل خاموشی کے بعد آرتھر سے لاطینی زبان میں کہا۔

”اے ملکہ میں نے مناسب سمجھا کہ تجھے تیری نسل کے دو آدمیوں میں بھجوا دوں۔“ بن مانس لاطینی زبان میں بولا۔ آرتھر اچھل پڑا اور ملکہ...... سجدے میں گر گئی۔

”اے ملکہ سجدے سے اٹھ۔ تو خوش قسمت ہے کہ اس وقت تیری نسل کے لوگ تیرے پاس موجود ہیں۔ یہ بوڑھا تیرا عزیز ہے اور یہ لڑکی شاید رشتے میں تیری بہن لگتی ہے۔ اٹھ اور ان دونوں کو بوسہ دے۔“ میمون اعظم نے گرج کر کہا۔

ملکہ نے اٹھ کر سر جارج اور جولیا کی پیشانیاں چوم لیں...... انہوں نے بھی اسے بوسہ دیا۔

”اور بیٹا آرتھر......!“ بن مانس انگریزی میں بولا۔ ”آج سے عہد کر لو کہ کبھی اپنے ساتھیوں کو دھوکہ نہ دو گے۔“

”ارے سر جارج یہ تو انگریزی بھی جانتا ہے۔“ آرتھر سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

”میں دیوتا ہوں...... آرتھر۔“ بن مانس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”میں حکم دوں تو یہ گونگا بھی انگریزی بولنے لگے۔ ہاں گونگے آرتھر سے انگریزی میں بات کر۔“

”کیپٹن آرتھر...... دیوتا سچ کہتا ہے۔“ حمید نے مسکرا کر انگریزی میں کہا۔ آرتھر بوکھلا گیا۔

”جارج یہ کیا معاملہ ہے۔“ آرتھر نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

”میں کیا جانوں۔“ جارج اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں بہت تھک گیا ہوں۔ اب ذرا تم چپو پکڑ لو۔“

آرتھر خاموشی سے چپو کھینچنے لگا۔

”اچھا اے گونگے اب تو بھی اٹھ تیری جگہ میں بیٹھوں گا۔ تو بھی تھک گیا ہوگا۔“ بن مانس

نے اٹھتے ہوئے کہا۔

حمید ہٹ گیا، اس کی جگہ بن مانس کشتی کھینے لگا۔

”مسٹر فریدی...... اب آرتھر کو زیادہ پریشان نہ کرو۔“ جولیا بولی۔

”مجھے بھی بہت گرمی لگ رہی ہے۔“ فریدی نے کہا اور چپو رکھ کر اپنی کھال اتارنے لگا۔

آرتھر کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔ فریدی اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گیا تھا۔ اس نے پہاڑی مزدور والا میک اپ بھی بگاڑ دیا تھا۔

”تم یہاں کہاں۔“ آرتھر چیخ کر بولا۔ ”تم وہی ہو جس نے میرے دو عمدہ قسم کے کتوں کا خون کر دیا تھا۔“

”ہاں میں وہی ہوں۔“ فریدی نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

جولیا نے سارا واقعہ آرتھر کو بتایا۔

”مسٹر فریدی تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔“ آرتھر نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ’مجھے اسی وقت تم پر شبہ ہو گیا تھا جب تم نے افریقہ کے حوالے دینے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن تم نے بہت خوبصورتی سے مجھے یقین دلا دیا تھا۔“

”کیوں سر جارج......!“ فریدی نے کہا۔ ”کیسا خزانہ ملا۔ تمہاری زبانی سرہنری کی داستان سنتے ہی میں شبہے میں پڑ گیا تھا۔ محض اس لئے کہ اگر واقعی وہ کسی ایسے خزانے سے واقف تھا تو اس نے خود ہی اُسے شہرت کیوں دی۔ وہ اس مورتی کو دکھا دکھا کر چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔“

”ہاں تم نے پہلے ہی خزانے کی طرف سے ناامیدی ظاہر کر دی تھی۔“ سر جارج نے کہا۔

ان تیزی سے پیش آنے والے واقعات کو ملکہ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اس کے علق آرتھر سے پوچھا۔ آرتھر نے شروع سے آخیر تک ساری داستان سنا دی۔

”کاش میں اپنی قوم کے لوگوں کو یہاں سے پکار سکتی۔“ ملکہ قہر آلود آواز میں بولی۔ اس کا رہ غصہ سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ فریدی کو اس طرح گھور رہی تھی جیسے موقع ملتے ہی اسے قتل کر دے ما۔ پھر اس نے دریا میں چھلانگ لگانے کی کوشش کی۔ فریدی نے جھپٹ کر اُسے پکڑ لیا۔

”آرتھر بہتر یہی ہے کہ اسے باندھ کر ایک طرف ڈال دو، ورنہ یہ خودکشی کرے گی۔

صدیوں کا جنگلی پن آسانی سے نہیں جائے گا۔ اسے مہذب بنانے کے لئے تمہیں سالہا سال محنت کرنی پڑے گی۔''

''میں اس کے لئے سب کچھ کروں گا مسٹر فریدی۔ میں اسے بے حد چاہتا ہوں۔ اس کے جنگلی پن میں بھی ایک اتھاہ محبت کی دولت ملی ہے۔'' آرتھر نے کہا اور ملکہ کے ہاتھ پیر باندھ کر اُسے ایک طرف ڈال دیا۔ وہ رو رو کر آرتھر سے منت کر رہی تھی کہ اسے مر جانے دیا جائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ خاموش ہوگئی۔

''فریدی تم کبھی انگلینڈ بھی آؤ گے؟'' جولیا نے کہا۔

''میں بھی یہی کہنے والا تھا۔'' جارج نے کہا۔

''آؤں گا۔'' فریدی نے کہا اور خاموشی سے کشتی کھیتا رہا۔

''تم نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔'' حمید نے جولیا سے کہا۔

''تم بھی آنا۔'' جولیا ہنس کر بولی۔

''نہیں ابھی میرا باپ زندہ ہے۔ وہ مجھے کبھی انگلینڈ نہ جانے دے گا۔'' حمید نے ایسی مسکینیت سے کہا کہ سب ہنس پڑے۔

رات کے بے کراں سناٹے میں چپوؤں کی ''شپا شپ'' ایک عجیب سا نغمہ چھیڑے ہوئے تھی۔ سر پر تاروں بھرا لامحدود آسمان ...... آسمان صدیوں پرانی کہانی دہرا رہا تھا...... اور نیچے لہروں کی ''ترل رل رل'' ایک غیر فانی گیت گا رہی تھی۔

فریدی ماضی کے دھندلکوں میں ڈوب گیا۔

ختم شد

ابنِ صفی

لد نمبر
4

جاسوسی دنیا

12- موت کی آندھی

13- ہیرے کی کان

14- تجوری کا گیت

عجیب حادثے

اس وقت دلکشا ہوٹل کے عظیم الشان ہال میں بے شمار آدمی قہقہوں مسکراہٹوں اور سرگوشیوں کے طوفان میں بہے جا رہے تھے۔ سردی اپنے شباب پر تھی۔ حالانکہ ابھی صرف سات بجے تھے لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کافی رات گذر گئی ہو۔ ہال کے اسٹیج پر ایک مصری رقاصہ تھرک رہی تھی۔ ناچ کوئی خاص نہ تھا۔ یوں ہی معمولی سا۔ رقاصہ بھی کچھ زیادہ حسین نہ تھی۔ وہ ابھی حال ہی میں اس شہر میں وارد ہوئی تھی اور اس نے دو ماہ کے لئے دلکشا والوں سے کنٹریکٹ کر لیا تھا۔ وہ رہتی بھی وہیں تھی۔ دو خوبصورت اور کافی بڑے کمرے اُس نے کرائے پر لے رکھے تھے۔ وہ ناچتی رہی آرکسٹرا کی مغموم موسیقی سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کوئی المناک رقص ہے۔ بہر حال وہ اس طرف کے لوگوں کے لئے قطعی ناقابل فہم تھا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ تو محض اس کے گداز جسم کی نمائش میں دلچسپی لے رہے تھے۔ رقاصہ خوبصورت تو نہ تھی لیکن جوان ضرور تھی۔ اُس کا کھلتا ہوا گندمی رنگ چند بیقرار بجلیوں پر چڑھا ہوا ایک غلاف معلوم ہوتا تھا اور دوران رقص میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غلاف پھٹ جائے گا اور سارے اسٹیج پر بجلیاں کوندنے لگیں گی۔ اس نے اس وقت سفید ساٹن کی چمکدار اور ڈھیلی ڈھالی شلوار پہن رکھی تھی جس کے پائینچے ٹخنوں کے قریب پہنچ کر بالکل تنگ ہو گئے تھے۔ گلے میں ایک مختصر سی جیکٹ

تھی جس پر چمکدار تاروں سے کشیدہ کاری کی گئی تھی جب وہ دائرہ بنا کر جھومتی ہوئی رقص کرتی تو کئی ٹھنڈی سانسیں لے کر کرسیوں کی پشت سے ٹک جاتے۔

اس پورے مجمع میں صرف ایک نوجوان بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے جدید طرز کا ایک نفیس اور قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا لیکن اس کے بے اطمینانی اور بے چینی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس قسم کے لباس کا عادی نہیں ہے۔ وہ اپنی ٹائی کی گرہ کو بار بار اس طرح چھونے لگتا تھا جیسے اس کی گردن میں درد ہو رہا ہو۔ وہ ایک چھوٹی سی میز پر تنہا بیٹھا تھا۔ سامنے بیر کی بوتل اور ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔

رقاصہ ناچتے ناچتے پردے کے پیچھے چلی گئی اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ اس نوجوان نے اپنے ماتھے پر سے پسینے کی بوندیں پونچھیں اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی دیکھ لیتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آرکسٹرا کی دھنیں پھر گونجنے لگیں اور رقاصہ اس بار اپنے ہاتھ میں خنجر لئے گھونگھروؤں کی آواز فضا میں بکھیرتی ہوئی اسٹیج پر نمودار ہوئی اس بار اُس کے رقص میں غم انگیز اضمحلال کی بجائے ایک وحشیانہ پھرتی اور موسیقی خیز جنگلی پن تھا۔ طبلے کی تھاپ پر اُسکے سارے جسم میں عجیب قسم کی جھٹکے دار لرزش پیدا ہو جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ناچ ناچ کر اپنے خیالی دشمنوں کے سینوں پر پوری قوت سے وار کر رہی ہو۔

مضطرب نوجوان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور وہ میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے کی طرف جھک گیا۔ اُس کے ماتھے پر پھر ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں تھیں۔ وقت گذرتا جا رہا تھا۔ ہال آہستہ آہستہ خالی ہونے لگا۔ گیارہ بجے تک بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ وہ نوجوان ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔

پھر رقص ختم ہو گیا۔ آرکسٹرا کی دھنیں خاموشیوں میں کھو گئیں۔ رقاصہ اوپری منزل میں اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اُس کے وہاں سے آنے کے بعد وہ نوجوان بھی لڑکھڑاتا ہوا زینے طے کر رہا تھا۔ اس کی یہ لڑکھڑاہٹ نشہ سے زیادہ گھبراہٹ اور بے چینی کا نتیجہ تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس پر خوف طاری ہے۔

رقاصہ کا نام حسینہ تھا اپنے کمرے میں آکر قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی

دیر تک وہ خاموش کھڑی رہی پھر اُس نے میز کی دراز سے ایک شیشی نکالی ایک گلاس میں پانی لیا اور شیشی سے کوئی سیال شے پانی میں انڈیل کر پی گئی.... چند لمحوں کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اُس کی آنکھیں نشے سے بوجھل ہوئی جا رہی ہوں.... وہ پھر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنا جیکٹ اتار پھینکا۔ بال بکھیر دیئے وہ نیم عریاں حالت میں وحشیانہ قہقہے لگا رہی تھی.... آئینے میں دیکھ دیکھ کر وہ بُرے بُرے منہ بناتی رہی.... پھر اُس نے چند سکے مٹھی میں دبا کر ہوا میں اچھالے اور فرش پر دوزانو بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگی.... "سب پٹ" وہ بڑبڑائی۔ "ایک بھی چت نہیں.... تو ابھی وقت نہیں آیا۔ خیر میں انتظار کروں گی۔" پھر وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی جھومتی رہی۔ پھر اُس نے اپنی شلوار کے نیفے میں اُڑسا ہوا ایک سفید رومال نکالا اور اُسے بوسہ دے کر کہنے لگی "اے مقدس امانت میں نے ابھی تک تیری حفاظت کی ہے۔ میں وادیٔ نیل کی بیٹی انتقام لے کر رہوں گی.... وہ خون جو سمندر کی ریت پر بہایا گیا.... وہ خون جس کا ایک قطرہ میں بھی ہوں.... وہ خون اپنا قصاص چاہتا ہے۔" اس کی آواز رفتہ رفتہ دردناک ہوتی جا رہی تھی۔ "وہ خون مجھے پکار رہا ہے.... خونِ ناحق.... میں کتنا روئی تھی.... میں نے ذلت کی زندگی اختیار کی.... مجھے عصمت فروشی پر مجبور ہونا پڑا.... کاش جلد ہی وہ موقع آ جاتا کہ میں آگ کے قریب اس مقدس امانت کو لے جاتی.... ہیہات.... میری روح بے دین ہے انتقام انتقام....!"

وہ گھبرایا ہوا نوجوان دبے پاؤں اُس کے کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا خنجر تھا.... وہ اتنی آہستگی سے رقاصہ کے پیچھے پہنچ گیا کہ اُسے خبر تک نہ ہوئی لیکن نوجوان پر لرزہ طاری تھا اُس نے ایک ہاتھ سے تو رقاصہ کا رومال چھینا اور دوسرے ہاتھ سے اس پر خنجر کا وار کیا.... رقاصہ چیخ کر پلٹی لیکن وہ دوسرے لمحے میں کمرے سے باہر تھا۔

"میرا رومال....!" رقاصہ چیخی وہ خوف زدہ نظروں سے سامنے پڑے ہوئے خنجر کو دیکھ رہی تھی۔ گھبراہٹ میں اجنبی کا وار خالی گیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک سکتے کے عالم میں بیٹھی رہی پھر اچانک چیختی ہوئی دروازے کی طرف جھپٹی.... تھوڑی دیر بعد وہ نیم برہنہ حالت میں پورے ہال میں چیختی پھر رہی تھی۔ "میرا رومال.... میرا رومال" لوگ کرسیوں سے اٹھ اٹھ کر اس کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

"شائد کافی چڑھ گئی ہے۔" ایک آدمی ہنس کر بولا۔

"معلوم یہی ہوتا ہے۔" دوسرے نے کہا۔

دفعتاً باہر فٹ پاتھ پر پستول چلنے کی آواز سنائی دی.... اور پھر ایک چیخ.... لوگ رقاصہ کو چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فٹ پاتھ پر بھیڑ لگ گئی تھی۔ وہی نوجوان جو رقاصہ کا رومال لے کر بھاگا تھا خون میں لتھڑا پڑا تھا.... رقاصہ بھی بھیڑ کو چیرتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔

"یہی تھا.... یہی تھا۔" وہ چیخی۔ "مگر میرا رومال۔"

"اوہ تم اسی حالت میں یہاں بھی چلی آئیں۔" ہوٹل کے منیجر نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اندر لے جانے لگا.... وہ برابر چیخے جا رہی تھی۔ "میرا رومال میرا رومال" منیجر نے اسے اس کے کمرے میں لے جا کر بند کر دیا۔

باہر فٹ پاتھ پر بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ زخمی نوجوان گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ گولی سینے پر لگی تھی۔ قبل اس کے کہ اُسے ہسپتال لے جانے کا انتظام کیا جاتا زخمی نے دم توڑ دیا۔ سڑک کی ڈیوٹی والے دو تین کانسٹیبل بھی وہاں آ گئے تھے۔ ان میں سے ایک کوتوالی فون کرنے چلا گیا اور بقیہ کانسٹیبل لاش کے قریب سے بھیڑ ہٹانے لگے۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آ گئی۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کار سے اُترا۔ لوگ لاش کے پاس سے ہٹ گئے۔

راہگیروں نے واقعات بتانے شروع کئے اور پھر کسی نے نیم برہنہ رقاصہ کا بھی حوالہ دیا۔ جگدیش لاش کو دو سب انسپکٹروں کی حفاظت میں چھوڑ کر ہوٹل کے منیجر کے پاس آیا۔

"جی ہاں.... بٹلر کا بیان ہے کہ وہ یہیں سے نکلا تھا۔" ہوٹل کے منیجر نے جگدیش سے کہا۔

"اور وہ عورت....!" جگدیش نے پوچھا۔

"وہ شاید زیادہ پی گئی ہے۔" منیجر نے کہا۔ "میں نے اُسے اُس کے کمرے میں بند کر دیا ہے۔"

"کیا اس سے پہلے بھی وہ کبھی اس حالت میں باہر نکل آئی تھی۔" جگدیش نے پوچھا۔

"کبھی نہیں۔" منیجر نے جواب دیا۔

"ہوں" جگدیش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ منیجر کے ساتھ مصری رقاصہ کے کمرے میں پہنچا.... وہ نیم برہنگی کے عالم میں زمین پر چت پڑی تھی۔ غالباً وہ بیہوش ہو گئی تھی۔ جگدیش نے جسم پر چادر ڈال دی اور پھر اُس کی نگاہیں

کمرے کا جائزہ لینے لگیں۔ زمین پر کچھ پیسے پڑے ہوئے تھے قریب ہی ایک چمکدار خنجر اور ایک خالی شیشی پڑی تھی۔ جگدیش نے شیشی کو رومال سے پکڑ کر اٹھایا اور اُسے اپنی ناک کے قریب لے گیا۔

"برومائیڈ.....!" وہ شیشی کا لیبل پڑھتا ہوا بولا۔ "تو اس نے برومائیڈ پیا ہے۔"

پھر وہ منیجر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"کیا آپ جانتے تھے کہ وہ برومائیڈ استعمال کرتی تھی۔"

"بھلا میں اس کے متعلق کیا جان سکتا تھا۔" منیجر نے کہا۔

"یہ یہاں کتنے دنوں سے مقیم ہے۔"

"ایک ہفتہ سے۔"

"اس دوران میں اس سے قبل بھی اس کا کوئی رویہ مشکوک نظر آیا تھا۔" جگدیش نے کہا۔

"اس کے متعلق میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔" منیجر نے کہا۔

"وہ آدمی کبھی اس کے ساتھ دکھائی دیا تھا جس کی لاش آپ ابھی دیکھ چکے ہیں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔" منیجر نے کہا۔ "لیکن ٹھہریئے میں اُس ویٹر کو بلاتا ہوں جو ان کمروں پر مامور ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ویٹر آ گیا۔

"تمہارا نام.....!" جگدیش نے ویٹر کی طرف کڑی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"نسیم.....!"

"یہاں کب سے کام کرتے ہو۔"

"تقریباً ایک سال سے۔"

"تم نے اُس آدمی کی لاش دیکھی۔"

"جی ہاں۔"

"کیا وہ یہاں کا مستقل گاہک تھا۔"

"جی نہیں۔ میں نے اُسے آج پہلے پہل یہاں دیکھا تھا۔"

"یہ تم نے کیسے کہا۔ ممکن ہے وہ اس سے پہلے بھی یہاں آیا ہو۔" جگدیش نے کہا۔

"ہو سکتا ہے لیکن میں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔"

"یہ تم وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو، یہ ایک بڑا ہوٹل ہے۔ دن بھر میں سینکڑوں آدمی یہاں آتے ہوں گے کیا تم اُن میں سے کسی کو ایک بار یہاں دیکھ کر پھر کسی موقع پر یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ یہاں اس سے پہلے بھی آ چکا ہے۔"

"جی نہیں..... یہ ایک بہت مشکل کام ہے۔" ویٹر نے کہا۔

"پھر آخر اس آدمی کے سلسلے میں تم اتنے وثوق کے ساتھ کیوں کہہ رہے ہو۔" جگدیش نے پوچھا۔

"صاحب بات دراصل یہ ہے کہ میں عرصہ دراز سے ہوٹلوں میں ویٹری کر رہا ہوں۔ میری اتنی عمر آئی میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا جو بیئر میں سوڈا ملا کر پیتا ہو۔"

"کیا مطلب.....!" جگدیش نے چونک کر پوچھا۔

"وہ بیئر میں سوڈا ملا کر پی رہا تھا اور اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے زندگی میں پہلی بار کسی بڑے ہوٹل میں قدم رکھا ہو۔" ویٹر نے کہا۔

"اوہ.....!" جگدیش نے اُس کی طرف متحیرانہ نظروں سے دیکھا۔

"میں ہی اس کی میز پر تھا۔" ویٹر نے کہا۔ "اُس نے ہکلا ہکلا کر بیئر اور سوڈے کا آرڈر دیا تھا..... انداز گفتگو سے بھی وہ کوئی پڑھا لکھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

"کیا تم نے کبھی اُسے اس کے ساتھ دیکھا تھا۔" جگدیش نے بیہوش رقاصہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"جی نہیں۔"

"کبھی وہ یہاں اس کے کمرے میں بھی دکھائی دیا تھا۔"

"جی نہیں مجھے تو کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"ہُوں.....!" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس رقاصہ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔"

ویٹر اُس کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ اس کے سوال کو سمجھا نہ ہو۔

"کیا تم انہیں کمروں کی دیکھ بھال پر مامور تھے۔"

"جی ہاں۔"

"یہاں ان کمروں میں کوئی اُس سے ملنے آتا تھا۔"

"بہتیرے آتے تھے لیکن یہ کسی سے ملتی نہیں تھی۔"

"اس کی کوئی ایسی حرکت جو تمہاری نظروں میں مشکوک ہو۔" جگدیش نے اُس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ویٹر کچھ سوچنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی چیز کا فیصلہ کرنے کے سلسلے میں ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو۔

"حالانکہ یہ ایک ویٹر کے لئے بہت ہی معیوب اور قابل اعتراض بات ہے۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "لیکن میں بعض اوقات اس سے کمرے میں....!"

ویٹر نے رک کر منیجر کی طرف گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"کہو کہو.... رک کیوں گئے۔" منیجر بولا۔

"بہتر یہ ہے کہ آپ اسے تنہائی میں مجھ سے گفتگو کرنے کا موقع دیں۔" جگدیش نے منیجر سے انگریزی میں کہا۔ "ممکن ہے کہ میں ابھی پھر آپ کو تکلیف دوں۔"

"بہتر ہے۔" منیجر نے کہا اور نیچے چلا گیا۔

"ہاں اب کہو۔" جگدیش نے ویٹر سے نرم لہجے میں کہا۔

"منیجر صاحب کے سامنے میری زبان رک گئی تھی اور یہ قدرتی بات ہے۔ بھلا میں یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ میں کرایہ داروں کے کمروں میں جھانکا کرتا ہوں۔" ویٹر نے کہا۔

"خیر خیر آگے کہو۔" جگدیش بے چینی سے بولا۔

"بعض اوقات وہ ایسی حرکتیں کرتی تھی کہ میں اُس کے کمرے میں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اُس کا دستور تھا کہ وہ روز رات کو "ناچ" کے بعد اپنے کمرے میں آکر کوئی چیز پیتی تھی پھر یا تو بالکل برہنہ ہو جاتی تھی یا صرف شلوار پہنے رہتی تھی۔ اس کے بعد وہ کچھ پیسے ہوا میں اچھال کر زمین پر بیٹھ جاتی تھی اور پھر ایک رومال نکال کر کچھ دیر اُسے چومتی چاٹتی رہتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کچھ بڑبڑایا بھی کرتی تھی۔ اکثر پاگلوں کی طرح قہقہے لگا کر اپنا جسم نوچنے لگتی تھی۔"

ویٹر خاموش ہو گیا۔

"کیا وہ اس حالت میں کبھی خنجر بھی نکالا کرتی تھی۔" جگدیش نے پوچھا۔

"مجھے تو کوئی ایسا موقعہ یاد نہیں۔" ویٹر نے کہا۔

"اچھا اب تم جا سکتے ہو۔" جگدیش نے ویٹر سے کہا اور پھر اپنے قریب کھڑے ہوئے سب انسپکٹر سے کہا۔ "عجیب معاملہ ہے.... رومال کا تذکرہ اس نے بھی کیا ہے اور رومال رومال چیختی ہوئی وہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر بھاگی تھی۔ تو کیا وہ دراصل اس کا رومال چھین کر بھاگا تھا۔ اول تو یہی چیز مضحکہ خیز ہے کہ وہ بیئر میں سوڈا ملا کر پی رہا تھا دوسرے یہ کہ وہ اس کا رومال چھین کر بھاگا اور پھر کسی نے اُسے قتل بھی کر دیا بھئی میرے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"معاملہ واقعی عجیب ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اچھا تم یہیں کمرے میں ٹھہرو۔ یہاں کی کوئی چیز اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے اور اگر اس دوران میں یہ ہوش میں آجائے تو اسے یہیں روکے رکھنا۔" جگدیش سب انسپکٹر کو ہدایات دے کر نیچے چلا گیا۔

سب انسپکٹر حیرت سے کمرے میں پھیلی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی نگاہیں بیہوش رقاصہ کے جوان چہرے پر جم گئیں۔ دفعتاً اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے برابر والے کمرے میں کوئی عورت چیخ رہی ہو۔ "مجھے چھوڑ دو.... چھوڑ دو.... ورنہ میں زور سے چیخ دوں گی۔"

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے دو آدمی ہاتھا پائی کر رہے ہوں۔ عورت کی آواز پھر سنائی دی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسکی آواز اس طرح گھٹ کر رہ گئی جیسے کسی نے اُسکے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

سب انسپکٹر جھپٹ کر کمرے سے باہر نکلا لیکن آواز کدھر سے آئی.... کیونکہ برابر والے دونوں کمرے باہر سے مقفل تھے۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا.... پورا برآمدہ سنسان تھا۔ کمروں کے رہنے والے شائد قتل کے حادثے کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے نیچے چلے گئے۔ سب انسپکٹر لوٹنے ہی والا تھا کہ اُسے ایک عورت کی تیز چیخ سنائی دی۔ یہ آواز اسی رقاصہ کے کمرے سے آئی تھی۔ سب انسپکٹر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا اور پھر اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہی خنجر وہ جسے زمین پر چھوڑ گیا تھا رقاصہ کے سینے میں پیوست تھا اور وہ تڑپ رہی تھی۔ اس نے دو تین بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سب انسپکٹر کی طرف دیکھا اور پھر گردن ایک طرف ڈال دی.... وہ مر چکی تھی.... سب انسپکٹر دوڑتا ہوا نیچے گیا۔

انسپکٹر جگدیش بوکھلا گیا.... وہ سب انسپکٹر پر برس پڑا۔ آخر وہ اُسے چھوڑ کر باہر گیا ہی کیوں

تھا۔ اُس نے ہوٹل کے سارے دروازے بند کرادیئے اور ایک ایک کونہ چھان مارا لیکن کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جسے شک کی بناء پر گرفتار کیا جاسکتا۔ اوپر کے کمروں میں اُس رقاصہ کے علاوہ کوئی دوسری عورت تھی ہی نہیں.... پھر آواز کہاں سے آئی تھی.... جگدیش کو اختلاج سا ہونے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے.... آخر کار اُس کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ ایشیاء کے جوان سال اور مشہور جاسوس انسپکٹر فریدی کو فون کرے۔ لیکن اس وقت ایک بج رہا تھا.... کیا فریدی اپنا آرام چھوڑ کر اس وقت چلا آئے گا۔ اس نے سوچا.... لیکن پھر کرتا ہی کیا.... اُس نے فریدی کو فون کردیا۔

سر بنتھال

صبح کے سات بجے تھے۔ سردی شدید تھی۔ انسپکٹر فریدی اپنے کمرے میں آتشدان کے پاس بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ پچھلی رات وہ سونے ہی جارہا تھا کہ اسے ٹیلی فون پر جگدیش کا پیغام ملا تھا اور پھر اس نے باقی رات دلکشا ہوٹل ہی میں گذار دی۔ اس کے لئے یہ پہلا موقع نہ تھا کہ جائے واردات پر وہ کسی خاص نتیجے پر پہنچ سکا تھا۔ حالات کی پیچیدگی اور انوکھے پن کی وجہ سے اُس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ یہ چیز اُس کے لئے بہت ہی عجیب تھی کہ ایک رومال کے سلسلے میں دو قتل ہوگئے اور پھر اُس مصری رقاصہ کا عجیب و غریب رویہ؟ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تفتیش کا رُ[illegible] کدھر موڑے۔ کیس حد درجہ دلچسپ تھا۔

حمید ابھی تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ وہ رات ہی سے غائب تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے اُس[illegible] کچھ عجب حال تھا۔ وہ کافی رات گئے واپس آیا کرتا تھا اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ صبح ہی کو اس[illegible] صورت دکھائی دیتی۔ فریدی کا خیال تھا کہ شاید اس دوران میں اس کی رگِ معاشقہ پھر پھڑکنے لگ[illegible] ہے۔ اس نے کئی بار اُس سے اِس آوارگی کی وجہ بھی پوچھی لیکن اُس نے کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔

اس وقت فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر حمید اُس کے ساتھ ہوتا تو کل رات ہی کو کسی نہ کسی طرح وہ معاملے کی تہہ تک ضرور پہنچ جاتا کیونکہ بعض اوقات اس کی احمقانہ حرکتیں اُسے کسی

نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتی تھیں۔

وہ آتش دان کے سامنے بیٹھا اونگھتا رہا۔ اس دوران میں نوکر نے آکر آگ میں کچھ اور ایندھن ڈالا اور چلا گیا لیکن اُسے خبر تک نہ ہوئی۔ وہ صرف سوچ رہا تھا اور اس سوچ نے اُسے اپنے گردوپیش کی فضا سے بالکل بے نیاز کردیا تھا۔ دفعتاً برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور حمید مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی اب بھی اُسی طرح اونگھ رہا تھا حمید اُس کے قریب گیا اور جھک کر اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی نے آنکھیں کھول دیں.... اور حمید بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی کی آنکھیں سرخ تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو دہکتے ہوئے انگارے ہوں۔

"اِدھر آؤ....؟" فریدی تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "کرسی اِدھر کھینچ لاؤ۔"

حمید کرسی کھینچ کر خاموشی سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"کہاں تھے۔"

"کہیں نہیں.... یونہی ذرا...."

"یونہی ذرا" فریدی نے گھور کر کہا۔ "ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔"

"کیا آج موڈ کچھ خراب ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"جو میں پوچھ رہا ہوں اُس کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

"اگر میں جواب دینے سے صاف انکار کردوں تو۔"

"میں فضول بکواس نہیں پسند کرتا۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے بھی عادی ہو جائیں گے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

فریدی اُسے گھورتا رہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں رات آپ کے ساتھ نہ ہوا۔" حمید نے کہا۔

"تو تمہیں اس کی اطلاع ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اچھی طرح۔" حمید نے کہا۔ "کیا آپ نے آج کا اخبار ابھی تک نہیں دیکھا۔"

"نہیں ابھی نہیں۔"

"خبر میں یہ بھی ہے کہ انسپکٹر فریدی اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"میں تو عاجز آگیا ہوں ان اخبار نویسیوں سے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میں بھی رومالوں کے چکر میں پھنسا ہوا ہوں۔" حمید بولا۔

"کیا مطلب....!" فریدی نے چونک کر کہا۔ "تم رات تھے کہاں۔"

"ہائی سرکل نائٹ کلب میں....!" حمید نے جواب دیا۔

"مگر وہ رومالوں کا چکر کیسا....!" فریدی نے پوچھا۔

"وہی بتانے جارہا تھا۔" حمید بولا۔ "میں چار دن سے ایک ایسے آدمی کے پیچھے لگا ہوں عورتوں کے رومال چرایا کرتا ہے اور آپکو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں لیکن وہ ایک معمولی چور یا جیب کترے کی طرح فیشن ایبل عورتوں کے دستی رومال اڑالیا کرتا ہے۔"

"آخر وہ ہے کون....؟" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک معزز انگریز سر بنتھال ہیورتھ....!"

"سر بنتھال.... سر بنتھا....!" فریدی کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر دبی ہوئی بے چینی کے آثار تھے۔

"سر بنتھال....!" فریدی نے ایک بار پھر دہرایا اور حمید سے پلٹ کر بولا۔ "تم نے ک... اُسے رومال چراتے دیکھا تھا۔"

"کہہ تو رہا ہوں کہ کئی دنوں سے۔ اُس نے کلب ہی میں درجنوں عورتوں کے رومال چرائے ہوں گے۔"

"اور تم برابر اُس کا پیچھا کرتے رہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہ ایک قدرتی امر تھا۔ کسی بڑے آدمی کو اتنی ذلیل حرکت کرتے دیکھ کر یقیناً حیرت ہوگی اور پھر رومال کی حیثیت ہی کیا.... ایک خطاب یافتہ امیر آدمی اگر ایسی حرکتیں کرنے لگے تو خواہ مخواہ اُس کی وجہ دریافت کرنے کو دل چاہے گا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی وجہ نہ دریافت کر سکا۔"

"کل رات بھی تم اُس کے پیچھے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"کس وقت تک۔"

"دو بجے تک....!" حمید بولا۔ "وہ تقریباً دو بجے کلب سے اٹھ کر گیا تھا۔"

"وہ اس وقت تک وہاں کرتا کیا رہا۔" فریدی نے پوچھا۔

"برج کھیل رہا تھا.... لیکن کل رات کو اس نے کسی کا رومال غائب نہیں کیا حالانکہ اُسے اس کے بہت سے مواقع نصیب ہوئے۔"

"وہ کلب میں کس وقت سے تھا۔"

"نو بجے سے۔"

"اور اس دوران میں وہ کہیں باہر نہیں گیا۔"

"نہیں....!"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ مضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"تم جانتے ہو سر بنتھال کون ہے؟" فریدی نے دفعتاً پلٹ کر حمید سے پوچھا۔

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک خطاب یافتہ آدمی ہے اور بغرض سیاحی یہاں آیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اس نے مصری آثار قدیمہ پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لکھی ہوگی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مجھے تو اس کی اس عجیب و غریب حرکت سے دلچسپی ہے۔"

"اور وہ صحیح النسل انگریز بھی نہیں.... وہ دراصل جرمن ہے اُسے اپنے نانا کا خطاب مع جائیداد ورثے میں ملا ہے اس کا نانا انگریز تھا۔"

"تو کیا وہ صحیح النسل انگریز نہ ہونے کی بناء پر رومال چراتا ہے۔" حمید نے ہنس کر پوچھا۔

"یہ بات اتنی اہم نہیں ہے جتنی کہ اس کی مصری آثار قدیمہ والی کتاب۔"

"بھلا ان دونوں میں کیا ربط۔"

"وہی ربط جو ایک مصری رقاصہ کے رومال اور اس رومال چرانے والے میں ہو سکتا ہے۔"

"اوہ....!" حمید اچھل کر بولا۔ "تو آپ اتنی دور پہنچ گئے۔ میں کہتا ہوں کہ اس شہر میں اچانک رومال بازی کیوں شروع ہوگئی۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔

"رومال کا واقعہ محض مضحکہ خیز یا نشے کی جھک نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اس کی اہمیت کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔"

"اہمیت ہو یا نہ ہو لیکن بیچارے سارجنٹ کی شامت ضرور ہے۔" حمید بولا۔

"میں جانتا ہوں" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر وہ عورتوں کے رومال نہ چراتا ہوتا تو شائد تم اُس کی طرف دھیان نہ دیتے۔ ہے نا یہی بات۔"

"حضور والا سو فیصدی یہی.... مجھے دراصل یہی چیز اتنی راتوں تک جگاتی رہی کہ آخر وہ صرف عورتوں ہی کے رومال کیوں چراتا ہے۔"

"لیکن تمہاری اس حماقت نے مجھے ایک راستہ دکھادیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"اور یہ بھی واضح رہے کہ اب میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوگیا۔ اس راستے پر چلنے کی سکت مجھ میں نہیں۔"

"خیر آج رات کو کلب تک تو مجھے لے ہی چلو گے۔" فریدی نے کہا۔

"آگئی مصیبت....!"

"کل تک مصیبت نہیں تھی۔" فریدی نے کہا۔ "خود سے ساری ساری رات مارے پھرو اگر میرا ساتھ ہوگیا تو جان نکلنے لگتی ہے۔"

"خیر فی الحال تو بھوک لگ رہی ہے۔" حمید نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ فریدی بھی برآمدے میں آگیا۔ شیو وغیرہ کرنے کے بعد ناشتہ کرنے چلا گیا۔

آفس میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملی۔ حسینہ کی موت برومائیڈ کی زیادہ مقدار پی جانے کی وجہ سے واقع ہوئی تھی اور مقتول نوجوان کا معاملہ تو ظاہر تھا۔ دو بجے کے قریب جگدیش نے فریدی کو فون پر بتایا کہ وہ نوجوان ایک اَن پڑھ تھا۔ اُس کے ساتھیوں سے استفسار پر معلوم ہوا تھا کہ حادثے کی شام کو ایک اچھی حیثیت کا آدمی اُسے اس کے مکان سے بلا کر لے گیا تھا۔ لیکن وہ اُس آدمی کا حلیہ نہیں بتا سکے۔

فریدی نے اس نئی اطلاع پر کسی قسم کی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ اس کا اندازہ تو اُس نے ویٹر کے بیان ہی سے لگالیا تھا کہ مقتول ایک اناڑی آدمی تھا اور خاص مقصد کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔

اس مقصد کے حصول پر اُسے اس لئے قتل کردیا گیا کہ کہیں اصل مجرم یا مجرموں کا راز فاش نہ ہوجائے.... حسینہ کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتا تھا.... اُسے تو دراصل اُس رومال نے الجھا رکھا تھا جس کی وجہ سے دو جانیں چلی گئیں.... آخر وہ رومال کیسا تھا۔

فریدی دن بھر اسی گتھی کو سلجھانے میں مشغول رہا۔

شام کو تقریباً سات بجے وہ حمید کو لے کر گھر سے نکلا۔ نو بجے تک دونوں اِدھر اُدھر گھومتے رہے پھر انہوں نے ہائی سرکل نائٹ کلب کا رخ کیا۔ اس کلب میں زیادہ تر اونچے طبقے کے لوگ آتے تھے۔ ان میں سرکاری افسروں سے لے کر تاجر تک ہوا کرتے تھے۔ اس میں قانون کے وہ محافظ بھی آکر دادِ عیش دیا کرتے تھے، جو پرائی عورتوں پر ڈاکے ڈالنے کو قانون شکنی سمجھتے تھے۔ شہر کے اونچے گھرانوں کی عورتیں یہاں آکر رنگ رلیاں منایا کرتی تھیں۔ یہاں دنیا کا ہر بُرا کام ہوتا تھا لیکن قانون کی اجازت سے۔

فریدی اور حمید ایک خالی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ ویٹر اُن کے پاس آیا۔ فریدی نے اُسے کچھ کھانے پینے کی چیزوں اور تاش کے پتوں کا آرڈر دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بیٹھے فلش کھیل رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ایک جوان جوڑا بھی آکر اُن کے کھیل میں شریک ہوگیا۔ گیارہ بج گئے لیکن سر ہنتھال کا کہیں پتہ نہ تھا۔

فریدی کی اکتاہٹ بڑھتی گئی آخر کار اُس نے کھیل ختم کردیا۔ وہ دراصل کسی طرح اُس نوجوان جوڑے سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ کھیل کے اختتام پر وہ دونوں اٹھ کر ایک دوسری میز پر چلے گئے اور فریدی سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ حمید اٹھ کر تمباکو نوشی کے کمرے اور دوسرے ملحقہ کمروں میں چکر لگانے لگا۔ جب وہ واپس آیا تو فریدی اپنی جگہ پر نہیں تھا۔ حمید بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

"آپ کے ساتھی کہہ گئے ہیں کہ آپ اُن کا انتظار نہ کریں۔" ایک ویٹر نے آکر حمید سے کہا اور حمید جھلا اٹھا۔ آخر اس کا مطلب۔ اب وہ احمقوں کی طرح چپ چاپ گھر لوٹ جائے اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے پیدل ہی گھر نہ واپس جانا پڑے بھلا فریدی نے کار کیوں چھوڑی ہوگی۔

آخر اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ گھر جائے گا ہی نہیں۔

وہ پھر ایک میز پر جا کر فلش میں جم گیا۔ حالانکہ وہ کبھی فلش کھیلتا نہیں تھا لیکن وقت گذاری

کے لئے بھی کچھ ہونا چاہئے۔ آخر وہ گھر جا کر بھی کیا کرتا۔ ادھر کچھ دنوں سے رات میں جاگنے کی عادت بھی پڑ گئی تھی۔

تقریباً بارہ بجے سر بتھال کلب میں داخل ہوا۔ اُس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر نیلی فلٹ ہیٹ تھی۔ سر بتھال متوسط قد کا ایک قوی الجثہ آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گی۔ اُس کے ساتھ ایک انگریز اور تھا۔ دونوں ایک خالی میز کے قریب بیٹھے۔ سر بتھال نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پاس کھڑے ہوئے ویٹر سے کچھ کہنے لگا۔ حمید سنبھل کر بیٹھ گیا... چند لمحوں کے بعد ویٹر ایک کشتی میں شراب کی بوتل اور گلاس لے کر آیا۔ دونوں نے گلاس بھرے اور انہیں ہولے ہولے تین بار ٹکرانے کے بعد ہونٹوں سے لگا لیا۔

دونوں شراب پیتے رہے۔ آہستہ آہستہ وہ کچھ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔

بوتل خالی ہو جانے کے بعد سر بتھال نے کاؤنٹر پر جا کر قیمت ادا کی اور پھر دونوں لڑکھڑاتے ہوئے باہر جانے کے لئے آگے بڑھے اس دوران میں حمید اپنی میز سے اٹھ کر دوسری طرف جا چکا تھا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلے وہ سائے کی طرح اُن کے پیچھے لگ گیا۔

حمید سمجھا تھا کہ شاید وہ کار لائے ہوں گے لیکن اس کا خیال غلط نکلا کیونکہ وہ پیدل جا رہے تھے۔ سر بتھال کے ساتھی کی حالت نشے کی وجہ سے دگرگوں ہو رہی تھی۔ سر بتھال نے اُسے سہارا دے رکھا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید اس کا ساتھی ایک قدم بھی آگے نہ چل سکتا۔ اُس کا ساتھی کچھ عجیب شکل و صورت کا آدمی تھا۔ وہ تھا تو انگریز لیکن اس کی ڈاڑھی بالکل ہندوستانی سادھوؤں جیسی تھی۔ گھنی اور بدوضع جیسے اُس پر کبھی قینچی نہ چلی ہو۔ حمید کے لئے اُس کی ڈاڑھی خاص طور پر معمہ بنی ہوئی تھی۔ اُس نے بہتیرے انگریزوں کو ڈاڑھی رکھے ہوئے دیکھا تھا لیکن اُن میں سے کوئی بھی ڈاڑھی کی طرف سے اتنا لاپرواہ نہیں نظر آیا تھا۔

حمید اُن کا تعاقب کر رہا تھا جب تک وہ لوگ شارع عام پر چلتے رہے حمید کو دقتوں کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ سڑک کے کنارے لگے ہوئے بجلی کے کھمبے اُسے بہت زیادہ محتاط رہنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اچانک اُن لوگوں نے سڑک چھوڑی اور بائیں طرف مڑ گئے۔ یہ ایک پتلی سی تاریک گلی تھی۔ دو رویہ اونچی اونچی عمارتیں تھیں۔ یہاں اتنی تاریکی تھی کہ آگے جانے والے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ حمید صرف قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔ وہ قدموں کی آہٹ کا

تعاقب کرتا رہا.... لیکن تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ گلی کے اختتام پر تاروں کی چھاؤں میں اُسے صرف ایک آدمی دکھائی دیا۔ سر بتھال لیکن اُس کا دوسرا ساتھی.... وہ کہاں گیا۔ سر بتھال نے اُسے کہاں چھوڑا۔ قدموں کی آواز تو ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں تھمی تھی۔ آخر اُس نے اُسے کہاں اور کس طرح چھوڑا۔ حمید کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے.... لیکن وہ غیر ارادی طور پر سر بتھال کا تعاقب کرتا ہی رہا۔ اب وہ پھر ایک سڑک پر چل رہا تھا۔ یہاں کوئی ایسی جگہ بھی نہ تھی کہ جس کے سہارے چھپ کر وہ تعاقب جاری رکھ سکتا۔ بجلی کے کھمبوں کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ قصداً سر بتھال سے کافی فاصلے پر چل رہا تھا۔ دفعتاً ایک کار اس کے قریب سے گزری اور سر بتھال کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ سر بتھال اُس پر بیٹھ گیا اور کار پھر چل پڑی۔ سڑک پر پھر سناٹا چھا گیا۔ حمید چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر اُسی تاریک گلی میں داخل ہو گیا جہاں سے وہ سر بتھال اور اس کے ساتھی کا پیچھا کرتا ہوا گزرا تھا۔ اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی میں راستہ دیکھتا ہوا چلنے لگا۔ ابھی اُس نے آدھی ہی گلی طے کی تھی کہ دفعتاً اُسے رک جانا پڑا۔ اس کی ٹارچ کی روشنی ایک اوندھے پڑے ہوئے آدمی کے گرد دائرہ بنا رہی تھی۔ حمید جھپٹ کر اُس کے قریب پہنچا۔ اُس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا.... کیا سر بتھال نے اُسے یہاں ڈال دیا....؟ وہ اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگا.... اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔ یہ سر بتھال کا ساتھی نہیں بلکہ کوئی اور انگریز تھا۔ اُس کے سر سے تازہ تازہ خون بہہ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سر میں گہری چوٹ کھانے کے بعد بیہوش ہو گیا ہو۔

حمید ادھر اُدھر روشنی ڈالنے لگا۔ اس علاقے میں زیادہ تر تجارت پیشہ انگریز اور پارسی رہتے تھے۔ تمام دروازے بند تھے سوائے ایک مکان کے جس کے سامنے وہ انگریز پڑا تھا۔ حمید نے دروازے کے اندر روشنی ڈالی ایک جگہ سوئچ بورڈ لگا ہوا نظر آیا جس میں گھنٹی لگی ہوئی تھی۔ حمید نے اندر جا کر گھنٹی کا بٹن دبایا اور اندر کہیں دور گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ حمید کو تقریباً پندرہ منٹ تک کھڑے ہو کر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کئی بار گھنٹی بجانی پڑی.... اور پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی اندر کے کمرے میں کسی نے بجلی جلائی اور دروازہ کھلا حمید کے سامنے دروازے میں ایک متوسط عمر کی انگریز عورت شب خوابی کا لبادہ پہنے کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے۔" اُس نے ایک ہندوستانی کو اتنی رات گئے اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"تمہارے مکان کے سامنے ایک زخمی آدمی بیہوش پڑا ہے۔" حمید نے اس سے کہا۔

"تو میں کیا کروں۔" وہ جھلا کر بولی۔

"بات یہ ہے کہ وہ بھی ایک انگریز معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ.... کہاں....!" وہ آگے بڑھ کر حیرت سے بولی۔

"حمید نے ٹارچ کی روشنی بیہوش آدمی پر ڈالی اور عورت چیخ پڑی۔

"اوہ.... ٹیوی.... یہ اسے کیا ہوا۔" وہ اُس پر جھپٹی۔

"کیا تم اسے پہچانتی ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"پہچاننا کیسا....!" عورت چیخ کر بولی۔ "یہ میرا شوہر ہے.... مگر یہ یہاں کہاں۔"

"کیوں؟ کیا اسے کہیں اور ہونا چاہئے تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"تت.... تم میری مدد کرو.... ہم اسے اندر لے جائیں گے۔" عورت نے ملتجانہ انداز میں حمید سے کہا۔

دونوں اُسے اٹھا کر اندر لے آئے۔ حمید نے اسے صوفے پر ڈال دیا۔

عورت اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" حمید نے پوچھا۔

"میں بہت پریشان ہوں۔" عورت بولی۔ "فی الحال کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتی.... تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے مجھے جگانے اور اسے یہاں لانے کی تکلیف گوارا کی۔"

اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب وہاں حمید کی موجودگی پسند نہیں کرتی۔

"مادام مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائے بغیر واپس نہیں جاسکتا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....!" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"کیونکہ اس قسم کے واقعات کی اطلاع پولیس کو دینا میرا فرض ہے۔"

"مگر میں اسے ضروری نہیں سمجھتی۔" عورت گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تعجب کی بات ہے کہ تمہارا شوہر اتنے پُر اسرار طریقے پر زخمی ہو گیا اور تم اس کی اطلاع پولیس کو دینا ضروری نہیں سمجھتیں۔"

"تمہیں اس سے کیا۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ پھر دفعتاً سنبھل کر کہنے لگی۔ "میرا دماغ اس وقت ٹھیک نہیں مجھے تم سے ایسے لہجے میں گفتگو نہ کرنی چاہئے.... میں پولیس کو اس کی اطلاع دینا اس لئے غیر ضروری سمجھتی ہوں کہ....!"

"ہاں ہاں کہو....!" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا ہو اور سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بیہوشی آگئی ہو۔" عورت بولی۔

"چوٹ سر کے پچھلے حصے میں لگی ہے۔" حمید نے کہا۔ "اور میں نے اسے زمین پر اوندھا پڑا ہوا پایا تھا۔ لہٰذا اگر گرنے کی وجہ سے چوٹ آئی ہے تو اُسے پیشانی یا سر کے اگلے حصے پر ہونا چاہئے تھا۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔" عورت جھنجھلا کر بولی۔ "تمہیں ان سب باتوں سے کیا مطلب....!"

"سمجھا....!" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "شاید تم اس سے طلاق لینے کا کوئی معقول بہانا نہیں پیدا کر سکیں۔"

"کیا مطلب....!" عورت چیخ کر بولی۔

"یورپ کی عورتیں... خصوصاً انگریز... جب اپنے شوہروں سے عاجز آجاتی ہیں تو کسی وجہ سے طلاق نہ لے سکنے کی بناء پر اکثر انہیں قتل ہی کرا دیتی ہیں۔" حمید نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

"مت بکو۔" عورت بے ساختہ چیخی۔ "میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"اس طرح تم دوسرا جرم کرو گی۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اوہ....!" عورت جھلاہٹ میں سر پیٹنے لگی۔ پھر تیزی سے بولی۔ "یہاں سے چلے جاؤ۔"

"میں تمہارے شوہر کی بیہوشی کی معقول وجہ جانے بغیر یہاں سے نہیں جاسکتا۔"

"نکلو....!" وہ حمید پر جھپٹی۔ "فوراً نکلو یہاں سے۔"

وہ حمید کو دھکیلتی ہوئی دروازے تک لائی۔

"اس سے کام نہیں چلے گا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

"پولیس....!" وہ چونک کر پیچھے ہٹی۔ لیکن پھر سنبھل کر بولی۔ "کیوں میری پریشانیوں میں

اضافہ کرر ہے ہو.... تم نہیں دیکھتے کہ میرے شوہر کی کیسی حالت ہے۔"

"میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"کیا مدد کرنے کا یہی طریقہ ہے۔" عورت تیزی سے بولی۔

"برانڈی....!" حمید گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ "اُسے تھوڑی برانڈی دو۔"

"میں سب کچھ کرلوں گی تم جاسکتے ہو۔" عورت نے بیزاری سے کہا۔

"خیر میں جارہا ہوں۔" حمید دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ "لیکن پولیس تمہیں پریشان ضرور کرے گی۔"

"ٹھہرو....!" عورت نے کہا۔

حمید رک کر اس کی طرف مڑا۔

"اسے اسکے کمرے تک پہنچانا ہے۔ میں اکیلے نہ لے جاسکوں گی۔" حمید مسکرا کر آگے بڑھا۔

دونوں نے اُسے پھر اٹھایا اور ایک چھوٹے سے کمرے میں لے آئے۔ یہ کمرہ اوپری منزل میں واقع تھا۔ اُسے ایک مسہری پر لٹا دیا گیا۔

"تم یہیں ٹھہرو.... میں برانڈی لے کر آتی ہوں۔" عورت نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ دفعتاً ایک خیال اُس کے ذہن میں پیدا ہوا اور اُس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ جسم کے سارے روئیں کھڑے ہوتے معلوم ہوئے وہ اٹھ کر تیزی سے کھڑکی کے قریب آیا۔ دوسری طرف چھجا تھا.... وہ پھر مڑا اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں۔ وہ سوچنے لگا.... کمرے کے باہر کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور حمید لوہے کی مسہری کے نیچے گھس گیا جس کے چاروں طرف چادر لٹک رہی تھی۔

"ارے کہاں گیا۔" عورت کی آواز سنائی دی۔

"نکل گیا....!" کوئی مرد بولا۔

"اوہ.... میں نیچے کا دروازہ کھلا چھوڑ آئی تھی۔"

"وہ ضرور کوئی چور تھا۔" مرد اس طرح چیخ کر بولا جیسے آس پاس کے کمروں تک اپنی آواز پہنچانا چاہتا ہو۔

"نیچے کا دروازہ بند کر آؤ۔" دوسرا مرد بولا۔

یہ دونوں تندرست اور قد آور تھے۔ ان میں سے ایک کوئی ملٹری آفیسر معلوم ہوتا تھا۔ وہ اتنی رات گئے تک اپنی فوجی وردی ہی میں تھا۔ اُس نے دوسرے آدمی کی طرف گھور کر دیکھا اور وہ کمرے سے چلا گیا۔

"ٹیوی نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔" اس نے بیہوش انگریز کی طرف اشارہ کر کے عورت سے کہا۔

"مگر وہ اس وقت باہر کہاں گیا تھا۔" عورت بولی۔ "میں سمجھی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں سو رہا ہوگا۔"

"تمہیں یہ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" ملٹری آفیسر بولا۔

"لیکن وہ آدمی کہاں گیا؟" عورت نے کہا۔

"نکل گیا۔" ملٹری آفیسر نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ تم سے ہمدردی جتا کر کچھ روپیہ اینٹھنا چاہتا تھا۔"

"اُس نے تو کہا تھا کہ وہ پولیس کا آدمی ہے۔"

"تم ان مشرقیوں کو نہیں جانتیں۔" ملٹری آفیسر نے کہا۔ "مگر.... مگر.... ٹیوی کو زخمی کس نے کیا۔"

"تم آخر بتاتے کیوں نہیں۔" عورت بولی۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"تمہیں ان باتوں سے کوئی غرض نہ ہونی چاہئے۔" ملٹری آفیسر نے کہا۔

"کیوں نہ ہونی چاہئے۔" عورت جھلا کر بولی۔ "تم لوگ کوئی خطرناک کام کر رہے ہو۔"

"اوہ تم غلط سمجھیں۔" ملٹری آفیسر نرم لہجے میں بولا۔ "تم جانتی ہو کہ یہاں کے کئی دیسی تاجر ٹیوی کے دشمن ہو رہے ہیں۔"

"لیکن وہ اس وقت کہاں گیا تھا.... اور تم لوگ اس وقت تک کیوں جاگ رہے ہو۔ تم نے اپنا لباس کیوں نہیں تبدیل کیا۔ تم نے ابھی یہ کیوں کہا تھا کہ ٹیوی نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔" عورت ایک سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔

"تم بھی بعض اوقات بہت مضحکہ خیز ہو جاتی ہو۔" ملٹری آفیسر ہنس کر بولا۔

"مذاق میں ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔" عورت تیز لہجے میں بولی۔

"ہمیں ٹیوی کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔" "یہ باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔ ملٹری آفیسر نے منہ بنا کر کہا اور مسہری کے قریب آگیا۔

اتنے میں وہ دوسرا آدمی بھی آگیا، جو دروازہ بند کرنے گیا تھا۔

"میں نے مکان کا کونا کونا دیکھ ڈالا۔" اُس نے کہا۔

"برانڈی لاؤ۔" ملٹری آفیسر بولا جو ٹیوی کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

"میں پوچھتی ہوں آخر یہ سب ہے کیا۔" عورت مضطربانہ انداز میں بولی۔

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" ملٹری آفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "میں تو اپنے کمرے....!"

"سو رہے تھے۔" عورت طنزیہ انداز میں اُس کی بات کاٹ کر بولی۔ "تمہیں صبح میدان جنگ میں جانا ہے نا اس لئے تم وردی پہن کر سوئے تھے.... اور اتنی احتیاط سے لیٹے تھے کہ کپڑوں میں ایک شکن بھی نہیں دکھائی دیتی۔"

ملٹری آفیسر ہنس پڑا۔

"تم لوگوں نے میرا دماغ خراب کر دیا۔" عورت جھلا کر بولی۔ "ایک گھنٹہ گزر گیا لیکن ابھی تک اسے ہوش نہیں آیا۔ معلوم نہیں باہر کتنی دیر تک بیہوش پڑا رہا... کسی ڈاکٹر کو کیوں نہیں لاتے۔"

تھوڑی دیر بعد ٹیوی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اُسے ہوش آگیا۔ عورت نے کچھ بولنا چاہا لیکن ملٹری آفیسر نے اشارے سے منع کر دیا۔

"میں کہاں ہوں۔" ٹیوی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اپنے کمرے میں۔" عورت جلدی سے بولی۔ "تم گلی میں بیہوش پڑے تھے۔" ٹیوی کچھ سوچنے لگا پھر اُس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا۔

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" عورت آگے بڑھ کر بولی۔

"فون....!" ٹیوی جلدی سے بولا۔ "مجھے فون کرنا ہے مجھے آفس میں لے چلو۔"

"کیا پولیس کو....!" عورت نے پوچھا۔

"نہیں....!" ٹیوی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم اس وقت کہاں گئے تھے؟" عورت بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"پھر وہی....!" ملٹری آفیسر نے کہا۔ "یہ پھر پوچھ لینا۔" ٹیوی کی دماغی حالت اس وقت

ٹھیک نہیں۔"

"تم مجھے آفس میں لے چلو۔" ٹیوی نے ملٹری آفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اپنی بیوی سے بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

"آخر یہ سب کیا ہے۔" عورت اُکتا کر بولی۔

"تمہیں اس سے غرض نہیں۔" ٹیوی تیز لہجے میں بولا۔

اور پھر وہ تینوں کمرے سے باہر چلے گئے۔ عورت سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

حمید مسہری کے نیچے پڑا سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہاں سے نکل بھاگنا ضروری تھا۔ خطرے کی بو اُس نے پہلے ہی سونگھ لی تھی اور پھر ان لوگوں کی گفتگو سے اُس نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کوئی ایسا کام کر رہے ہیں جو قانون کی نظروں میں جرم ہے۔

ابھی حمید یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملٹری آفیسر نے کمرے میں آکر عورت سے کہا۔

"ٹیوی تمہیں آفس میں بلا رہا ہے۔"

عورت اٹھ کر اُس کے ساتھ چلی گئی۔

حمید نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ابھی جلد ہی اس کمرے میں واپس نہ آسکیں گے۔ کیونکہ شائد وہ ٹیوی کی بیوی کو اپنی عجیب و غریب حرکات کا الٹا سیدھا مطلب سمجھا کر اُسے مطمئن کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ مسہری کے نیچے سے نکلا اور میز پر رکھا ہوا بجلی کا لیمپ بجھا دیا۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ اگر نیچے روشنی ہوئی تو اس کا پکڑا جانا ضروری ہے۔ معلوم نہیں وہ کمرہ کدھر ہو جسے وہ لوگ آفس کہہ رہے تھے۔ حمید چند لمحے کھڑا رہا پھر اُس نے جیب سے ایک اکنی نکالی لیمپ سے بلب نکالا اور ہولڈر میں اکنی رکھی پھر اس پر سے بلب لگا کر سوئچ آف کر دیا... پوری عمارت تاریک ہو گئی۔

حمید کمرے سے نکل کر تیزی سے زینے کی طرف بڑھا....

"شائد فیوز اڑ گیا۔" کسی نے کہا اور حمید دوسرے لمحے گلی میں تھا۔

گونگا بولتا ہے

سردی بہت شدت سے پڑ رہی تھی۔ حمید گلی سے نکل کر سیدھا ہائی سرکل نائٹ کلب کی

طرف ہولیا۔ اس نے گھڑی دیکھی تین بج رہے تھے۔ کلب پہنچتے پہنچتے اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے جسم کے کھلے ہوئے حصے بالکل سن ہو گئے ہوں۔

کلب میں اب کچھ بے رونقی سی آگئی تھی۔ زیادہ تر لوگ جا چکے تھے کچھ میزوں پر صرف وہی لوگ نظر آرہے تھے جو بہت لمبا کھیل کھیلتے تھے یا پھر وہ جو اپنے پچھلے خسارے پورے کر رہے تھے۔ حمید ایک خالی میز کے قریب بیٹھ گیا اور کافی منگائی....

اُس کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا.... وہ لوگ کون تھے اور ان کا پُراسرار رویہ.... کیا اس کا تعلق کسی اہم واقعے سے ہو سکتا ہے اور پھر اچانک اُسے سر بنتھال یاد آگیا۔ آخر اس کا ساتھی کہاں گیا۔ اُسے زمین نگل گئی یا آسمان۔ اس گلی میں کوئی اور راستہ بھی تو نہیں تھا۔

کافی ختم کر چکنے کے بعد اس نے سوچا کہ اب گھر چلنا چاہئے۔ اس وقت ٹیکسی تو ملنے سے رہی۔ پیدل ہی جانا پڑے گا اور یہ خون منجمد کر دینے والی سردی.... اس نے اپنے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکاتا ہوا کلب سے نکل آیا.... گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے چار بج گئے۔ فریدی کے سونے کے کمرے میں اندھیرا تھا۔ شاید وہ سو رہا تھا یا وہاں تھا ہی نہیں۔ نیند سے حمید کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور کپڑے اتار کر مسہری میں گھس گیا۔

اور پھر اُسی وقت اس کی آنکھ کھلی جب فریدی نے اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا۔ "ارے صاحب کون سی آفت آگئی۔ وہ لحاف سے منہ نکال کر میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ابھی تو نو ہی بجے ہیں۔"

اُس نے پھر منہ اندر کر لیا اور فریدی نے لحاف کھینچ کر الگ ڈال دیا۔

"لاحول ولاقوۃ....!" حمید اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کہاں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جہاں سے ابھی آپ نے اٹھایا ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں رات تم کہاں رہے۔"

"اس کیلئے مجھے سوچنا پڑے گا۔" حمید نے کہا اور کمرے سے نکل کر غسل خانے میں چلا گیا۔

فریدی لائبریری کی طرف گھوم گیا وہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

حمید ناشتہ کرنے کے بعد پائپ پیتا ہوا ٹیلی فون کے قریب آیا۔ فریدی کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھا۔ حمید ریسیور اٹھا کر بولنے لگا۔ "ہیلو.... کوتوالی.... ذرا جگدیش.... میں حمید بول رہا ہوں.... کل رات یا آج صبح کسی انگریز نے کوئی رپورٹ تو نہیں درج کرائی.... اوہ.... کیا نام بتایا تم نے راشر ٹیوی ہاں.... ہاں.... کیا.... بہت خوب.... اچھا شکریہ.... نہیں کوئی خاص بات نہیں.... شام کو آرہے ہو.... اچھا....!" حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

اس دوران میں فریدی اُسے گھور گھور کر دیکھتا رہا۔

"کوئی نئی حماقت....؟" فریدی نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

"جی ہاں میری تو ہر حرکت حماقت ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں ایک نئے معاملے کی تحقیقات کر رہا ہوں۔"

"بہت اچھے!"

"تو گویا آپ مذاق سمجھتے ہیں۔"

"جی نہیں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ سر بنتھال کا تعاقب کرتے کرتے ایک دوسرے معاملے میں ٹانگ اڑا بیٹھے۔"

"جی....!" حمید نے چونک کر کہا۔ "آپ کو کیا معلوم۔"

"خیر اُسے چھوڑو۔ اس مکان کا نمبر کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کو معلوم کیسے ہوا۔"

"بکواس چھوڑ جو میں پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

"۲/۱۳ ہارلے اسٹریٹ....!"

"تم کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہو۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کہو....!"

"کچھ نہیں....!"

"میں اس نئے معاملے کے متعلق جاننا چاہتا ہوں جس کی تم تحقیقات کر رہے ہو۔"

"آپ کو شاید نہیں معلوم کہ میں نے اپنا طریقہ کار بدل دیا ہے۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا جی۔"

"جی ہاں....!"

"خیر جانے دو مجھے کیا....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "شاید تم ابھی فون پر جگدیش سے باتیں کر رہے تھے۔ کیا جگدیش نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ ٹیوی کے یہاں ایک بدمعاش بھی گھس گیا تھا، جو بعد میں ان کے یہاں کی لائٹ فیوز کر کے نکل بھاگا.... اور اس کا حلیہ.... اُس نے حلیہ بھی درج کرادیا ہے.... میری رائے تو یہ ہے کہ تم اُس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلنا جب تک تمہارے چہرے پر کافی گھنی ڈاڑھی نہ نکل آئے۔"

حمید خاموشی سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس کی حالت اس وقت کسی ایسے بچے کی سی ہو رہی تھی جسے کسی غلطی پر ٹوک دیا گیا ہو۔

"تمہارا طریقہ کار واقعی بہت دلچسپ ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

حمید نے کوئی جواب دینے کی بجائے جھینپ کر ایک کتاب اٹھالی۔

"ہاں اب کہہ چلو۔" فریدی نے کہا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ تم نے غلطی کی۔"

چند لمحوں کی ہچکچاہٹ کے بعد حمید نے رات کے سارے واقعات دہرا دیئے۔

"لیکن آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ میں پہلے ہی سے جانتا تھا بقیہ باتیں تم نے بتائیں اور انجام کی اطلاع جگدیش سے ملی۔ اس نے آج صبح مجھے ٹیوی کے متعلق فون کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"پہلے سے آپ کچھ جانتے تھے وہ کس طرح آپ کو معلوم ہوا۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"ابھی بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "تمہاری داستان کا یہ حصہ دلچسپ ہے کہ ٹیوی کے مکان میں کوئی وردی پہن کر سویا تھا اور اس پر ٹیوی کی بیوی کو حیرت تھی۔"

"بس یہیں سے میرے شکوک اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔" حمید نے کہا۔

"بہر حال" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس سے تم کس نتیجے پر پہنچے ہو۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کس نتیجے پر پہنچوں۔ میں سربنتھال اور اُس کے عجیب الخلقت ساتھی کا تعاقب کر رہا تھا۔ دونوں ایک گلی میں داخل ہوئے تھے دونوں کے قدموں کی آوازیں سنتا رہا اور جب سربنتھال گلی کے دوسرے سرے پر پہنچا تو وہ بالکل تنہا تھا۔ اگر ایک سیکنڈ کیلئے بھی اسکے قدم

رکے ہوتے تو میں کہتا کہ اس نے وہیں کہیں اُسے ڈال دیا ہوگا یا کسی کے حوالے کر دیا ہوگا۔"

"اور واپسی میں تم نے ٹیوی کو گلی میں پڑا دیکھا۔" فریدی نے کہا۔

"اور اسی لئے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کی ٹیوی ہی سربنتھال کے ساتھ تھا۔ اُس کی سادھوں جیسی ڈاڑھی سے میں نے پہلے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ وہ نقلی ہے۔"

"اچھا تو تم یہ سمجھ رہے ہو کہ سربنتھال نے اُسے شراب پلائی اور گلی میں لے جا کر اُس کی ڈاڑھی نوچ لی پھر زخمی کر کے وہیں ڈال دیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر اس کے علاوہ اور سمجھا ہی کیا جاسکتا ہے۔"

"فرض کرو اگر ایسا ہی ہے تو تم اس حرکت کو کیا معنی پہناؤ گے؟"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔

"بظاہر یہ حرکت قطعی بے معنی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"مگر....!"

"مگر یہ کہ میں غیب دان نہیں ہوں۔" حمید جھلا کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا....

"خیر....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں سمجھتا ہوں....!"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں تہہ خانے کی سیڑھیاں طے کر رہے تھے۔

اور پھر وہ لمحہ بھی عجیب تھا جب حمید کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی تھی۔

سربنتھال کا عجیب الخلقت ساتھی۔ فریدی کے تہہ خانے میں بیٹھا! نہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"یہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔" فریدی نے اس سے انگریزی میں کہا۔ "تمہیں اس گھنی ڈاڑھی کی وجہ سے گرمی لگ رہی ہوگی اسے اب اپنے چہرے سے ہٹا ہی دو تو بہتر ہے۔"

حمید اُس کے چہرے پر فریدی کے الفاظ کا رد عمل دیکھ رہا تھا.... سربنتھال کا ساتھی اس طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے اُس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"میرے خیال سے یہ گونگا ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر انگریزی میں کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" حمید بولا۔

"ٹھہرو! میں اس کی ڈاڑھی الگ کیئے دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور آگے بڑھ کر اُس
ڈاڑھی نوچ لی۔ وہ خوفزدہ نظر آنے لگا۔ لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے سے مصنو
ڈاڑھی الگ ہو چکی تھی۔

فریدی اُس کے قریب بیٹھ گیا اور حمید کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر فریدی نے ایسی گف
چھیڑ دی جس کا ان معاملات سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ آخر اس
فریدی کا کیا مطلب ہے۔

"ارے خدا غارت کرے۔" سر بتھال کے ساتھی نے یک بیک اچھل کر عربی زبان میں ک

حمید گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"تو کیا تم انگریزی زبان بالکل نہیں جانتے۔" فریدی نے عربی میں پوچھا۔

"جانتا ہوں۔" وہ جھلا کر بولا۔

"بہر حال تمہاری مادری زبان عربی معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں میں حسینہ کا بھائی ہوں۔" وہ چیخ کر بولا۔ "جس طرح تم لوگوں نے اُسے قتل کیا
مجھے بھی مار ڈالو.... میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"

حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ آخر یک بیک یہ گونگا بول کیسے پڑا۔ وہ عربی زبان سے ناوا
تھا لیکن اتنا ضرور سمجھ گیا تھا کہ سر بتھال کا ساتھی اور فریدی عربی میں گفتگو کر رہے ہیں۔

"اوہ تو تم حسینہ کے بھائی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں ہاں.... لیکن اب دیر کس بات کی ہے۔ مجھے بھی قتل کر دو نا۔" اس نے جواب دیا

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں.... ہم تمہیں قتل کرنے کے لئے نہیں لائے۔"

"پھر مجھے یہاں تہہ خانے میں کیوں رکھا گیا ہے۔"

"کل رات تم کس کے ساتھ تھے اور تم نے بھیس کیوں بدل رکھا تھا۔" فریدی نے اس
سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"اور بھیس بدلنے کے باوجود بھی میں نہ بچ سکا۔"

"تم قطعی بچ گئے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن سر بتھال کو ایک مصری
دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"وہ میرے مرحوم باپ کا دوست اور میرا ہمدرد ہے۔"

"کیا وہ حسینہ کو پہچانتا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"اور تمہیں....!"

"ہاں وہ مجھے پہچانتا ہے.... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اُسے بھی ختم کر دو۔"

"تم اس شہر میں کب آئے ہو۔"

"کل دوپہر کو۔"

"سر بتھال سے تمہاری ملاقات کس طرح ہوئی۔"

"میں اسی کے ہاں ٹھہرا تھا۔"

"تمہیں کل ہی حسینہ کے قتل کے متعلق معلوم ہو گیا تھا۔"

"ہاں....!"

"تو پھر تم نے اپنے متعلق پولیس کو کیوں اطلاع نہیں دی۔"

"تمہیں ان سب باتوں سے کیا مطلب....!" وہ جھلا کر بولا۔

"مطلب یہ ہے کہ میں یہاں کے محکمہ سراغرسانی کا انسپکٹر ہوں۔"

سر بتھال کا ساتھی حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارا نام....؟" فریدی نے پوچھا۔

"فضیل.... محمد فضیل....!"

"تم نے ایک بہت بڑا جرم کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے....؟" وہ متحیرانہ انداز میں بولا۔

"ہاں تم نے.... تمہیں اپنے متعلق پولیس کو ضرور مطلع کرنا چاہئے تھا۔"

"مجھے سر بتھال نے روک دیا تھا۔"

"کیوں....؟"

"اُسے ڈر تھا کہ کہیں میں بھی نہ قتل کر دیا جاؤں۔"

"آخر اس ڈر کی وجہ....؟" فریدی نے پوچھا۔

"اس لئے کہ اب اپنے خاندان میں صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرے علاوہ میرے خاندان کا ایک ایک فرد قتل کیا جاچکا ہے۔"

"آخر کیوں....؟ کوئی وجہ....!"

"وجہ تو مجھے بھی آج تک نہیں معلوم ہو سکی۔ پہلے میرا باپ قتل ہوا۔ پھر بڑا بھائی، پھر بہن اور شاید اب میری باری ہے۔"

"میں اُس رومال کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جس کے لئے تمہاری بہن قتل کی گئی۔"

"اوہ وہ منحوس رومال....!"

"ہاں ہاں کہو۔"

"وہ رومال میرے باپ نے اپنے قتل سے ایک روز قبل میرے بڑے بھائی کو دیا تھا۔"

"آخر وہ رومال تھا کیسا....!"

"معمولی جیسے کہ سب رومال ہوتے ہیں۔"

"تمہارے باپ کے قاتلوں کا کچھ پتہ چلا تھا۔"

"نہیں.... لیکن میرا خیال ہے کہ وہ کسی آدمی کا کام نہیں تھا۔"

"یعنی....!"

"یہ کام اُن سے کئی ہزار گنی طاقت والے کا تھا۔"

"میں پھر نہیں سمجھا۔" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اب میں کس طرح بتاؤں۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "بس اسی طرح سمجھ لو کہ اگر تم ننھی منی چڑیا کی ٹانگیں پکڑ کر زور آزمائی کرو تو اس کا کیا حشر ہوگا۔"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "تم قاہرہ کے فوجی سراغ رساں فضیل کے لڑکے تو نہیں ہو۔"

"ہاں میں اُسی مظلوم باپ کا بیٹا ہوں۔" وہ گلوگیر آواز میں بولا۔

"شاید اب سے تین سال قبل ہمیں اس دردناک قتل کی اطلاع ملی تھی۔" فریدی نے کہا

"اور پھر ٹھیک اسی کے تیسرے دن میرے بھائی کو کسی نے گولی کا نشانہ بنادیا۔"

"اور وہ رومال....!" فریدی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"میں اُس رومال کو بھول جانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن یہ نہ بھولو کہ تمہیں ان تینوں کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لئے زندہ رہنا ہے۔"

"انتقام....!" وہ حسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "کسی ان دیکھی قوت سے انتقام نہیں لیا جاسکتا۔ سر بتھال کا خیال ہے کہ یہ کسی آدمی ہی کا کام ہے لیکن میں اسے ماننے کیلئے تیار نہیں۔"

"آخر کیوں۔"

"میرے باپ کی پُر اسرار موت۔"

"لیکن تمہارا بھائی تو کسی کی گولی سے ہلاک ہوا۔ تمہاری بہن کو کسی نے خنجر مارا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ سب اُسی رومال کی نحوست ہے۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یقیناً وہ رومال آسیب زدہ ہے اس کا تعلق کسی خبیث روح سے ہے۔"

"لیکن وہ رومال تمہاری بہن تک کیسے پہنچا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں اُس دوران میں وہاں موجود نہیں تھا۔ بھائی اور باپ دونوں کی موت کی اطلاع مجھے ایک ساتھ ملی۔ جب میں قاہرہ واپس آیا تو میرے ماموں نے مجھے سب حالات بتائے اپنی موت سے ایک روز قبل میرے بھائی نے وہ رومال حسینہ کو دے کر احتیاط سے رکھنے کی ہدایت کی تھی اور پھر بھائی کی موت کے بعد حسینہ پُر اسرار طور پر غائب ہوگئی.... میں اُسے ڈھونڈتا رہا.... مجھے اطلاع ملی وہ تمہارے ملک میں آئی ہے... میں برابر اُسے ڈھونڈتا رہا اور پھر جب یہاں پہنچا تو اخبار میں اس کی تصویر دیکھی اور موت کی خبر.... کاش میں بھی.... اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔"

"سر بتھال سے تم پہلی بار کب اور کہاں ملے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"باپ اور بھائی کی موت کے بعد وہ ہمارے یہاں آیا تھا۔"

"حسینہ اُس وقت موجود تھی....؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں وہ لاپتہ ہو چکی تھی۔"

"تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ سر بتھال نے اُسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اُسے نہیں پہچانتا تھا۔"

"سر بتھال کے سامنے کبھی اُس رومال کا تذکرہ بھی آیا تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کل کے علاوہ کبھی نہیں۔"

"کیا تمہیں اپنے حافظے پر بھروسہ ہے۔"

"قطعی....!"

"تمہیں اس بات پر کس طرح یقین آگیا تھا کہ سر بتھال تمہارے باپ کا دوست تھا۔"

"مجھے یہ سر بتھال ہی کی زبانی معلوم ہوا تھا۔"

"کبھی تمہارے باپ نے بھی اس کا تذکرہ کیا تھا۔"

"کبھی نہیں۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن میں کس طرح یقین کرلوں...." وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں سچ مچ ایک سرکاری جاسوس ہوں اور تمہاری بہن کے قتل کے سلسلے میں تحقیقات کررہا ہوں اور تمہاری حفاظت بھی میرے ذمے آپڑی ہے۔"

فضیل خاموشی سے زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے یہاں کب تک رہنا پڑے گا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد فریدی سے پوچھا۔

"زیادہ دن نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ میں جلد ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں گا۔"

تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھاگئی۔ حمید کے چہرے سے اضطراب ظاہر ہورہا تھا۔

"سر بتھال نے کل رات تمہیں اتنی زیادہ کیوں پلادی تھی۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔" فضیل نے کہا۔

"تمہارا بھیس اُسی نے بدلا تھا۔"

"ہاں....!"

"کیا تمہیں سر بتھال پر اعتماد ہے۔"

"ہاں....!"

"آخر اُس کی وجہ....!"

"میں نے بتایا نا کہ وہ میرے باپ کا دوست ہے۔"

"لیکن تمہارے پاس اس کے لئے کوئی دلیل نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"پھر بھلا خواہ مخواہ اُسے خود کو اُن کا دوست ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"ممکن ہے کہ اُس رومال کو حاصل کرنے کے لئے اُس نے ایسا کیا ہو۔" فریدی نے کہا۔

فضیل کچھ سوچنے لگا۔

"یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا....!" وہ تھوڑی دیر بعد اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"بہر حال یہ تو مجھے دیکھنا ہے۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

حمید اور فریدی تہہ خانے سے واپس آگئے۔

حمید کا رقیب

"یکایک وہ گونگا بول کیسے پڑا تھا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"میں نے اس کے پن چبھادیا تھا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"کمال کیا آپ نے.... اگر آپ ایسا نہ کرتے تو شاید وہ گونگا ہی بنا رہتا۔"

"شاید آپ لوگ عربی میں گفتگو کررہے تھے۔"

"اور اگر تم اُس گفتگو کا ماحصل سن لو تو اچھل ہی پڑو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کچھ بتائیے بھی تو....!" حمید بے صبری سے بولا۔

فریدی نے مختصر الفاظ میں اُسے اپنی اور فضیل کی گفتگو کا مطلب بتایا۔

"تو کیا یہ واقعہ آپ کو کسی خاص راستے کی طرف لے جائے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"راستے کی طرف نہیں البتہ یہ پگڈنڈی کی طرف اشارہ ضرور کرتا ہے.... اور وہ پگڈنڈی ایک تیرہ و تار جنگل کی طرف جاتی ہے جہاں پہنچ کر راستے کا تعین خود ہمیں کرنا پڑے گا۔"

"غالباً آپ کا اشارہ سر بتھال کی طرف ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے سوچتے ہوئے کہا۔

"علی فیصل کا قتل کسی ایسی جگہ ہوا تھا جس کے متعلق مقامی باشندوں کا خیال ہے کہ بدارواح کا مسکن ہے۔ محمد فیصل کا بیان بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے.... مجھے اس مقام کا نہیں یاد رہا لیکن اتنا یاد ہے کہ یہ واقعہ مصر کے کسی ساحلی دیہی علاقے میں پیش آیا تھا.... لیکن سر بنتھال.... اس کی شخصیت کا اس واقعے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے.... تم نے مجھے بتایا تھا کہ وہ دنوں تک فیشن ایبل نوجوان عورتوں کے رومال چراتا رہا۔ اس سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی کہ وہ حسینہ کو نہیں پہچانتا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ بولا۔

"سر بنتھال محمد فیصل کو بھی ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا.... لیکن آخر کیوں.... وہ رومال کیا ہے جس کے لئے تین قتل ہو گئے۔"

"ارے ہو گا کوئی خزانے وزانے کا چکر.... اور پھر مصر تو بڑا پُراسرار ملک ہے.... کیا آپ وہ پیتل کی مورتی بھول گئے۔" حمید نے کہا۔

"مصر قطعی پُراسرار نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "بعض انگریزوں کی بیمار ذہنیت نے اُسے پُراسرار بنا دیا ہے۔ ہم لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں میں ضعیف الاعتقاد نہیں ہیں حالانکہ پینتالیس فیصدی انگریز اتنے ضعیف الاعتقاد واقع ہوئے ہیں کہ اُن سے ہماری نانیاں اور دادیاں بھی پناہ مانگ جائیں۔"

"بہر حال یہ کوئی ایسا ہی معاملہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن تمہیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ علی فیصل ایک فوجی جاسوس تھا اور دوسری جنگ عظیم میں اس نے اطالویوں کے کئی مورچے تڑوا دیئے تھے۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "کیا وہ کسی خزانے کے چکر میں نہیں پڑ سکتا۔"

"دیکھو بیسویں صدی کے لوگ اتنے احمق نہیں ہوتے۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر آپ کیوں[1] سر جارج کے ساتھ کپنار کے جنگلوں تک دوڑتے چلے گئے تھے۔"

"محض اُس مورتی کا راز جاننے کے لئے مجھے خزانے کی توقع پہلے ہی سے نہیں تھی۔"

"تو پھر اس طرح سمجھ بیٹھئے کہ اُس رومال کا راز جاننے کے لئے کسی نے تین آدمیوں کو قتل

[1] جاسوسی دنیا کی جلد نمبر 3 میں "پہاڑوں کی ملکہ" ملاحظہ فرمائیں۔

کر دیا۔" حمید نے کہا۔

"اچھا چلو یہی سہی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ذرا یہ تو بتاؤ....!"

"نہیں میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "آپ یہ بتائیے کہ وہ آپ کے ہاتھ کیسے لگ گیا۔"

"بہت ہی حیرت انگیز طریقے پر....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رات میں کلب سے اٹھ کر سر بنتھال کی طرف نکل گیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں سر بنتھال کے بنگلے میں گھس کر اس کی تلاشی لوں کہ دفعتاً مجھے سر بنتھال اور فیصل بنگلے سے نکلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میں نے ارادہ ترک کر دیا۔ حالانکہ تلاشی لینے کے لئے وہ بہترین موقع تھا۔ لیکن میں فیصل کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں بھانپ گیا کہ وہ مصنوعی ڈاڑھی لگائے ہوئے ہے۔ میں نے سوچا کہ ان کا تعاقب کرنا چاہئے اور میں کلب تک ان کے ساتھ گیا۔ تم نے مجھے نہیں دیکھا۔ میں صدر دروازے کے قریب رکھے ہوئے بڑے گلدان کی اوٹ میں بیٹھ گیا تھا.... اور پھر جب تم اُن کا تعاقب کر رہے تھے میں تم سے پچاس قدم کے فاصلے پر چل رہا تھا.... گلی میں تم سر بنتھال کے جوتوں کی آواز پر آگے بڑھ گئے اور مجھے ٹیوی سے الجھنا پڑا.... سر بنتھال چلتے وقت فیصل کو اُس کے حوالے کر کے خود آگے بڑھ گیا تھا۔ تمہاری طرح میں بھی دھوکا کھا جاتا لیکن ٹیوی کی ٹارچ نے اُس کا راز افشا کر دیا۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید گلی بالکل سنسان ہے اس لئے اس نے نہایت اطمینان سے اپنی ٹارچ استعمال کی۔ وہ فیصل کو کاندھے پر اٹھائے ہوئے اپنے مکان میں داخل ہی ہو رہا تھا کہ میں اُس پر ٹوٹ پڑا۔ ایک ہاتھ سے میں نے فیصل کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے ٹیوی کا منہ دبا کر سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ اس طرح وہ آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو گیا.... اور پھر.... اور پھر تو تم جانتے ہی ہو کہ میرے تہہ خانے میں کتنی کہانیاں جنم لے چکی ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے پر جمی ہوئی تھیں۔

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

"تو پھر اب ہمارا دوسرا قدم کیا ہو گا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"آخر بات کیا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تم اس کیس میں بہت دلچسپی لے رہے ہو۔"

"وجہ یہ ہے کہ آجکل میں اپنی زندگی سے کچھ بیزار سا ہو رہا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا.... خیریت تو ہے۔"

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں نم
آگئی تھی۔

فریدی حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ آج سے پہلے کبھی اُس نے حمید کو اس موڈ
نہیں دیکھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ یہ بھی اس کی کوئی نئی مکاری ہے اور اُسے کئی نئی شرارت سو
ہے۔ لیکن پھر اُس نے اپنا خیال بدل دیا۔

حمید قطعی سنجیدہ تھا۔

"آخر بات کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں....!" حمید بیزاری سے بولا۔ "لیکن میں اُن دونوں کو کسی مصیبت میں پھنسادوں گا

"کن دونوں کو....!"

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ شہناز آج کل ایک کیپٹن کے ساتھ دیکھی جارہی ہے۔"
بسور کر بولا۔

"اوہ بڑی خوشی ہوئی۔ خدا اس کیپٹن کی مغفرت کرے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"تم وہ کیپٹن تو نہیں۔"

"آپ کو مجھ سے ہمدردی ہونی چاہئے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم ایک بہت بڑے وبال سے بچ گئے۔" فریدی نے کہا۔

"خدا کی قسم میں دونوں سے سمجھ لوں گا۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں صرف ایک عورت چاہئے خواہ اس کا
شہناز ہو خواہ کچھ اور۔"

"نہیں اب مجھے کوئی عورت نہ چاہئے۔" حمید بھنا کر بولا۔

"الحمدللہ....!"

"اسی لئے میں اس کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" حمید بولا۔ "اب میں.... اب میں۔"

"ٹھہرو.... ٹھہرو.... میرے دیوداس۔ کہیں کوئی بڑی سی قسم نہ کھا بیٹھنا....!" فریدی

نے کہا۔ "آخر وہ کیپٹن ہے کون۔"

"کیپٹن خاور....!"

"کیپٹن خاور....!" فریدی اچھل کر بولا۔ "وہی تو نہیں جو مون اسٹریٹ میں رہتا ہے۔"

"وہی.... وہی....!"

"اوہ....!" فریدی نے کہا اور اس کی پلکیں بھنچ گئیں اور پھر وہ میز پر ایک زوردار گھونسا مار کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... ہاں میں بول رہا ہوں.... فریدی.... ہاں.... ہاں.... کیا کہا.... اوہ.... ٹیوی جہاں جاتا ہے اُسے جانے دو.... لیکن تم ان دونوں پر کڑی نظر رکھنا.... بہت اچھا....!"

فریدی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"لو بھئی ان دونوں میں سے ایک تو خود بخود مصیبت میں پھنس گیا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا مطلب!" حمید چونک کر بولا۔

"کیپٹن خاور....!"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"کیپٹن خاور ایک انگریز ملٹری آفیسر کے ساتھ ٹیوی کے مکان سے نکلتا دیکھا گیا ہے۔ میں اس سے پہلے بھی دو ایک بار اُسے سر بنتھال کے ساتھ دیکھ چکا ہوں.... کیپٹن خاور اور شہناز اور حمید.... حمید اور فریدی.... خدا کی قسم سر بنتھال نے بڑا بھیانک جال بچھایا ہے۔"

"تو آپ کا یہ مطلب ہے کہ سر بنتھال نے ہم لوگوں پر نظر رکھنے کے لئے یہ چال چلی ہے۔" حمید نے بیساختہ کہا۔

"میں یہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔ اُس نے اِس واردات سے پہلے ہی ہم لوگوں کا انتظام کرلیا ہے۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔

"شہناز کو تم خاور کے ساتھ کب سے دیکھ رہے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"دو تین دن سے۔" حمید نے کہا۔ "وہ دونوں کل رات بھی ہائی سرکل کلب میں آئے تھے۔ شہناز نے شائد مجھے نہیں دیکھا تھا یا پھر نظر انداز کرگئی تھی۔"

"کیا سر بنتھال حسینہ کے قتل اور رومال کے حصول کے علاوہ بھی کوئی اور حرکت کرنیوالا تھا۔"

"کیوں....؟"

"اگر اُس نے خاور کو حسینہ کے قتل سے پہلے ہی شہناز کے پیچھے لگادیا تھا تو اُس کا یہی مطلب ہوا کہ وہ حسینہ کو پہچانتا تھا۔"

"اور اگر ایسا تھا تو وہ پھر اوروں کے رومال کیوں چراتا رہا۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا.... تھوڑی دیر کے بعد وہ حمید سے بولا۔

"تم آج شہناز سے ملو۔"

"میں ہر گز نہ ملوں گا۔"

"کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو.... میرا خیال شاذو نادر ہی غلط نکلتا ہے۔"

"میں اُس سے مل کر کروں گا کیا۔"

"محض یہ مارک کرنا کہ میرا خیال کہاں تک صحیح ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں خود سے نہ ظاہر ہونے دینا کہ تم خاور کو اس کے ساتھ دیکھ چکے ہو۔"

"لیکن کیا وہ حقیقتاً ہمیں دھوکا دے گی۔" حمید نے بے تابی سے کہا۔

"نادانستہ طور پر وہ ہمیں ضرور دھوکا دے سکتی ہے۔"

"یعنی....!"

"تمہارے ذریعہ۔"

"کہنے کا مطلب یہ کہ شہناز کو کسی اہم معاملے کے متعلق کچھ نہ بتانا۔" فریدی نے کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ باتوں ہی باتوں میں کچھ اگل دے۔"

"میں نے کبھی اُس سے کوئی ایسی بات نہیں کی۔" حمید نے کہا۔ "اور اب تو اس کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔"

"خیر یہ ایک اچھی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم اُس وقت تک کام کے آدمی نہیں ہو سکتے جب تک کہ جنسی بیچارگی میں مبتلا نہ ہو جاؤ.... اگر شہناز ایسی نہیں بھی ہے تو تم یہ سوچنے کی عادت ڈالو کہ وہ تمہیں دھوکا دے رہی ہے.... اس طرح تم ایک قسم کی جھلاہٹ میں مبتلا ہو جاؤ گے.... اور یہ جھلاہٹ تمہیں خطر پسندی کی طرف لے جائے گی.... پھر جہاں تم اس حد تک پہنچے.... سارا کام بن جائے گا.... کیا سمجھے۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ گیا۔ لیکن اُس کے انداز میں ناگواری کا شائبہ تک نہ تھا۔

تہہ خانے میں دھماکہ

حمید کے جانے کے بعد فریدی نے فون پر کسی کو کچھ ہدایات دیں اور کپڑے پہن کر باہر چلا گیا اس کی کار شہر کی بارونق سڑکوں پر دوڑتی پھر رہی تھی اور خود وہ خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کار آفس کی طرف گھمادی۔

ابھی وہ اپنی میز پر بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کے چپراسی نے صاحب کا "سلام دیا" فریدی اس کے کمرے میں پہنچا۔ سپرنٹنڈنٹ کچھ مضطرب سا نظر آرہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اُس نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تمہارے اسسٹنٹ کی وجہ سے محکمے کی بڑی بدنامی ہو رہی ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"وہ ٹیوی کے مکان میں کیوں گھسا تھا۔"

"میں نے بھیجا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آخر کیوں۔" سپرنٹنڈنٹ جھنجھلا کر بولا۔

"دلکشا ہوٹل کے حادثات کے سلسلے میں میرا یہ ایک طریق کار تھا۔"

"لیکن ابھی وہ کیس باضابطہ طور پر ہمارے پاس نہیں آیا۔"

"ایک نہ ایک دن تو اسے آنا ہی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ سول پولیس کے بس کا روگ نہیں۔"

"تو تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ اس کی تفتیش کا کام تمہارے ہی سپرد کیا جائے گا۔"

"اس لئے کہ عموماً یہاں کا یہی رواج ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو اسکا یہ مطلب ہے کہ یہاں تمہارے علاوہ اور سب گدھے ہیں۔" سپرنٹنڈنٹ جھلا کر بولا۔

فریدی نے ایک تیز نظر سپرنٹنڈنٹ پر ڈالی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"دوسرا چارج تمہارے اسسٹنٹ کے خلاف یہ ہے کہ وہ شہر کی شریف لڑکیوں کو پریشان

کرتا ہے۔"

"جی....!" فریدی نے چونک کر کہا۔

"ابھی ایک آدمی نے فون پر اس کی شکایت کی ہے۔"

"کون ہے وہ....!" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن خاور....!" سپرنٹنڈنٹ نے کہا وہ بہت غصے میں تھا۔ "اس نے بتایا کہ حمید اس
منگیتر.... کیا نام ہے اس کا.... میں نام بھول گیا۔"

"شہناز....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ہاں ہاں تو تمہیں اس کا علم ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے تیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے کہا۔ "لیکن آپ ذرا اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کی کوش
کیجئے.... وہ کچھ دن پہلے حمید کی بھی منگیتر رہ چکی ہے۔"

"میں یہ سب نہیں جانتا۔" سپرنٹنڈنٹ بگڑ کر بولا۔ "لیکن میں اپنے محکمے کی بدنامی نہ
برداشت کر سکتا۔"

"تو اس سلسلے آپ پھر کیا کریں گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

سپرنٹنڈنٹ جو ابھی حال میں یہاں آیا تھا فریدی کے اس انداز گفتگو پر چڑ سا گیا۔

"تم یہ بھی نہیں جانتے کہ آفیسروں سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہاری رپورٹ کروں گا۔"

"بہتر ہے.... آپ کے اوپر والے مجھے آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔" فریدی نے کہ
کمرے سے نکل آیا۔

فریدی اپنی میز پر آ کر فائلوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہو گیا۔ چڑچڑے آفیسر کی گفتگو
اس کی طبیعت بدمزہ ہو گئی تھی۔ وہ ان چیزوں کا عادی نہیں تھا۔

جس محکمے کا انسپکٹر جنرل تک اس کی عزت کرتا ہو اس کے سپرنٹنڈنٹ کی بھلا اس کی نظر
میں کیا وقعت ہو سکتی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد ڈی۔ آئی۔ جی کا اردلی اس کی میز کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے اپنے کمرے میں طلب کیا تھا۔

اور ڈی۔ آئی۔ جی نے حسب سابق اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

"مسٹر فریدی میرا خیال ہے کہ آج کل کچھ زیادہ مصروف نہیں ہو۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔"

"بھئی وہ دلکشا ہوٹل والا کیس ہمارے پاس آ گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی تفتیش تم کرو
معاملہ بہت زیادہ الجھا ہوا ہے۔"

"جیسا آپ فرمائیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ براہِ راست مجھے یہ کیس دے رہے ہیں۔"

"ہاں میں نے سپرنٹنڈنٹ کے توسط سے دینا مناسب نہیں سمجھا۔"

فریدی مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

"دیکھو بھئی.... سپرنٹنڈنٹ یہاں نوارد ہے.... اور سول پولیس سے اس محکمے میں آیا ہے۔
میرا مطلب یہ ہے کہ تم خود سمجھدار اور تجربہ کار ہو۔"

"مجھے کوئی شکایت نہیں....!" فریدی نے کہا۔

دفتر کی گھڑی نے چار بجائے اور فریدی گھر واپس آ گیا۔ حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کہو بھئی کیا خبر لائے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیپٹن خاور خواہ مخواہ اس کے گلے پڑ گیا۔" حمید نے کہا۔

"یعنی....!"

"کچھ دن قبل دونوں اتفاقیہ طور پر مل گئے تھے۔ تب سے خاور اس کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ وہ
طرح طرح کے بہانے تراش کر اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"ہوں....؟" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آثار کچھ اچھے نہیں۔"

اور پھر اُس نے اپنی اور سپرنٹنڈنٹ کی گفتگو کے متعلق حمید کو بتایا۔

حمید حیرت سے ہنستا رہا۔

"اس کا مطلب سمجھتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔"

"کیپٹن خاور کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو لڑکی سے رومال چھیننے والے مزدور کا ہوا۔"

"یہ کیوں....!"

"کوئی اُسے بیوقوف بنا کر اپنا کام نکال رہا ہے۔"

"اوہ سمجھا۔" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"مگر تمہاری پوزیشن اس سے خطرے میں پڑ جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں ....؟"

"خاور تمہیں بدنام کرتا پھر رہا ہے۔ اگر وہ مارا گیا تو لامحالہ تمہارا نام ضرور لیا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"مگر شہناز تو اس کی تردید کرے گی۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"اور اگر اسے بھی غائب کر دیا گیا تو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ مت سمجھو کہ مجرم دھوکے میں ہیں۔"

"قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ہماری مشغولیات کا علم ہو گیا ہے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے کہا۔ "ہم لوگ چوہے دان میں پھنس گئے۔"

"ہشت....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"واقعی میری پوزیشن خطرے میں پڑ گئی ہے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کیوں نہ شہ کو کہیں ہٹا دیا جائے۔"

"ناممکن....؟" فریدی نے کہا۔ "میں نے اپنا ایک خیال ظاہر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ صحیح کہاں تک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرا خیال غلط ہو....!"

"آپ کا خیال کبھی غلط نہیں ثابت ہوا کرتا۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو.... آج رات کو ہمیں سر بنتھال کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔"

"جو کہئے وہ کیا جائے۔" حمید بولا۔

"سر بنتھال کے گھر کی تلاشی لینا ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اُس نے گھر میں کوئی ایسی چیز چھوڑی ہی کیوں ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"مجھے اُس رومال کی جستجو نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

"پھر....؟"

"کوئی ایسی چیز جس سے میں اُسے قانونی شکنجے میں جکڑ سکوں۔"

"تو وہ رومال کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"رومال....!" فریدی نے کہا۔ "عجیب آدمی ہو۔ کیا تم مقتولہ کا رومال پہچانتے ہو۔"

"نہیں....!"

"پھر....!"

"میں شدید قسم کے انتشار میں مبتلا ہوں۔"

"کیوں....!"

"ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"بگڑو نہیں، برخوردار....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ذہنی انتشار بلاوجہ ہے۔ میں تمہیں اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا۔"

"مجھے اپنی پرواہ نہیں.... مگر....!"

"شہناز....!" فریدی تضحیک آمیز انداز میں مسکرایا۔

حمید خاموش ہو گیا۔

باہر اندھیرا پھیل گیا تھا.... یہ دونوں گفتگو میں اس درجہ مشغول تھے کہ انہیں کمرے میں روشنی کرنے کا بھی خیال نہ رہا۔ فریدی کرسی سے اٹھا۔ وہ سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً پوری عمارت ایک عجیب قسم کی گونج سے گونج اٹھی.... اور پھر ایک جھٹکا سا محسوس ہوا اور درو دیوار جھنجھنا اٹھے۔ فریدی نے جلدی سے کمرے میں روشنی کر دی اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

حمید احمقوں کی طرح اس کا منہ تک رہا تھا۔ برآمدے میں نوکروں کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک پل کے لئے فریدی سناٹے میں آ گیا۔ لیکن جلد ہی اس کی حالت میں عجیب و غریب تغیر پیدا ہو گیا۔ وہ زخمی بھیڑیے کی طرح غرا کر تہ خانے کی طرف جھپٹا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ برآمدے میں سارے نوکر کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ فریدی اور حمید کو اس حال میں دیکھ کر ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔ لیکن اُن میں سے کوئی اس جگہ سے ہلا نہیں۔ حمید اور فریدی تہ خانے والے کمرے میں آئے۔ فریدی نے فرش پر بچھی ہوئی قالین الٹ دی اور دوسرے ہی لمحے میں چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ تہ خانے کے ڈھکن کی درزوں سے دھوئیں کی پتلی

پتلی لکیریں ٹوٹ کر کمرے کی فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔

فریدی نے حمید کو کمرے سے نکل جانے کا اشارہ کیا اور تہہ خانے کا ڈھکن کھول کر خود بھی کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر دھوئیں کا ایک امنڈتا ہوا بادل دروازے کی طرف جھپٹا۔

حمید اس کا مطلب سمجھ چکا تھا.... اُس نے اپنا پستول نکال کر اُس کی نال دروازے کی طرف گھمادی۔

"بے سود.... قطعی بے سود....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ہم دھوکا کھا گئے....!"

تھوڑی دیر کے بعد دھواں ختم ہو گیا.... فریدی اور حمید پھر کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں بارود کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔

اور پھر وہ تہہ خانے میں آئے، جو بالکل خالی تھا.... میز پر ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ اس پر عربی زبان میں کچھ تحریر تھا۔ فریدی اُسے پڑھنے لگا.... اور ایک بار پھر وہ کسی زخمی درندے کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا۔

"اچھا.... اچھا.... دیکھا جائے گا.... فریدی لونڈا نہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

حمید حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"نکل گیا....!" حمید نے کہا۔

فریدی کوئی جواب دینے کے بجائے لپک کر کمرے کا فرش دیکھنے لگا۔

"اوہ....!" اسکے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھ سے بڑا احمق آج تک نہ پیدا ہوا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا وہ استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آؤ چلیں....!" فریدی نے کہا۔

دونوں تہہ خانے سے چلے آئے۔

"اس کاغذ پر کیا لکھا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"فریدی پڑھ کر اسے سمجھانے لگا....!"

"محترم سراغ رساں!

تم خواہ مخواہ بیچ میں آ ٹپکے... میں تو سر بتھال کو ایک شاندار سبق دینے جا رہا تھا۔

ہر وہ شخص جو اس رومال کا راز جاننے کی کوشش کرے گا اس کا یہی حشر ہوگا۔

میں نے محض اس لئے تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچایا کہ تم بھی سر بتھال کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ اس رومال کو اپنے پاس رکھنے والے کی سزا موت ہے اور اس کا راز جاننے کی کوشش کرنے والے کو بھی تھوڑی بہت سزا ضرور دی جاتی ہے۔ تمہارے لئے فی الحال یہی صدمہ کافی ہے کہ تم دھوکا کھا سکے۔ سر بتھال کو اس سے زیادہ بھگتنا پڑے گا.... دیکھ لو دھواں بن کر تمہارے تہہ خانے سے جا رہا ہوں.... خیر تھوڑی سی ہسٹری اُس رومال کی بھی سن لو۔ علی فضیل نے ایک پرانے مقبرے سے وہ رومال کھود کر نکالا تھا.... دو ہزار سال پرانے مقبرے سے.... فرعون سوئم کی بیٹی لامیا کے مقبرے سے.... فرعون کی وہ بیٹی جو سانپ پالتی تھی.... فرعون کی وہ بیٹی جو زہریلے سانپوں کے منہ میں اپنی زبان ڈال دیتی تھی.... فرعون کی وہ بیٹی جس کا سارا جسم سانپ چاٹتے تھے.... اور جب علی فضیل نے اُس کا رومال کھود نکالا تو ایک بہت بڑا اژدھا اُس کے پیچھے لگ گیا اور پھر ایک دن اُس نے اسے اس طرح چیر کر پھینک دیا جیسے کوئی شریر بچہ کسی ننھی سی چڑیا کی ٹانگیں نوچ ڈالتا ہے.... رومال مصر قدیم کے بعض اہم رازوں سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کے پیچھے پڑنے والے کی سزا موت ہے.... خوفناک روحیں اس کی محافظ ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"لغویت اور بکواس....!" فریدی خلاء میں گھورتا ہوا بڑبڑایا۔

"میں بھی ضعیف الاعتقاد نہیں.... مگر...." حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"تہہ خانے سے دھواں بن کر نکل جانے والی کوئی بدروح تھی۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں حمید کا جملہ پورا کر دیا۔

"پھر اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"روحیں نقلی ڈاڑھیاں نہیں لگاتیں.... روحیں کسی مزدور کو سوٹ پہنا کر اُسے پستول کی گولی کا نشانہ نہیں بناتیں....!"

"مگر.... مگر.... دھواں....!" حمید ہکلایا۔

"ایک چھوٹا سا ٹائم بم جو اُس نے کہیں چھپا رکھا تھا۔"

"ہم لوگوں کی عدم موجودگی میں کسی طرح تہہ خانے سے نکل گیا اور ٹائم بم ڈالتا گیا... ا وقت معینہ پر بم پھٹ گیا... چونکہ وہ ایک بند جگہ میں پھٹا تھا اس لئے دھماکے کے بجائے صرف ہلکی سی گونج اور گھر گھراہٹ سنائی دی۔ بم زیادہ طاقتور نہیں تھا ورنہ کمرے کا فرش بیٹھ جاتا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سر بتھال کے علاوہ کوئی اور بھی اس رومال میں دلچسپی ہی نہ لے رہا بلکہ حقیقتاً اس رومال پر قابض بھی ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہ ایک نیا معمہ پیدا ہو گیا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن سر بتھال کی پوزیشن میرے ذہن میں صاف نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اُس نے اسی مقصد کے تحت اس آدمی کو ٹیوی کے حوالے کیا تھا۔ ا سے وہ رومال زبردستی حاصل کر لے۔" حمید بولا۔

"یہ تو ظاہری بات ہے۔" فریدی بولا۔ "لیکن میں اس سے مطمئن نہیں۔"

"اس لئے کہ تمہارے بیان کے مطابق اُس رات کو سر بتھال نے کسی کا رومال غائب نہ کیا تھا جس رات وہ رومال حسینہ سے چھینا گیا۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اُس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"کیا یہ ممکن نہیں۔ وہ مزدور سر بتھال کا آدمی رہا ہو جو رومال چھین کر بھاگا تھا اور پھر کسی دوسرے آدمی نے ہلاک کر کے رومال اس سے حاصل کر لیا ہو... اس طرح سر بتھال کوششوں کے باوجود بھی محروم رہ گیا ہو۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر

"لیکن تمہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سر بتھال ہم لوگوں سے بے خبر نہیں تھا۔"

"کیوں...؟"

"اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اتنے موٹے شکار کو دوسروں پر چھوڑ کر خود وہاں سے چلا نہ جا فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اُس کی آنکھوں میں دبے ہوئے جوش کی جھلکیاں نظر لگیں اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"لیکن ٹھہرو!" اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ٹیوی اس وقت وہاں کیا کر رہا تھا

اس کا مطلب یہ کہ وہ ایک سوچی سمجھی ہوئی اسکیم تھی... اوہ... حمید... ہم لوگ بالکل گدھے ہیں... پرلے سرے کے احمق... لیکن اتنا یاد رکھو کہ کیپٹن خاور چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔"

"معلوم نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔ "سر بتھال سے آپ کیپٹن خاور پر آ گئے۔"

"ٹھہرو..." فریدی نے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اُس نے ریسیور اٹھا کر ڈائل گھماتے ہوئے کہا۔ "انکوائری... مصری سفارت خانہ... شرف العزیز... یہیں ہیں... ان کے بنگلے کا فون نمبر کیا ہے۔"

"اوہ... اچھا شکریہ۔" فریدی نے ڈس کنکٹ کر کے دوبارہ نمبر ملائے "ہیلو... کیا شرف العزیز ہیں... میں انسپکٹر فریدی بول رہا ہوں... وعلیکم السلام... میں تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں... اس دوران میں کسی نے مصر جانے کے لئے ویزا کی درخواست تو نہیں دی... ہوں... اور کوئی ذرا ٹھہرو... میں نوٹ کروں گا... کیا نام بتایا تھا... ہاں... اچھا اچھا... اور... اور... بہت خوب... اچھا شکریہ... کل ہم لوگ دلکشا میں چائے بھی پئیں گے اور کھانا بھی کھائیں گے۔ بہت دنوں سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی... میڈ موزئیل ثریا فیروزاں کو بھی میری طرف سے کہہ دینا... اچھا... والسلام...!"

فریدی ریسیور رکھ کر مڑا... اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"اور سنا تم نے" وہ حمید سے بولا۔ "سر بتھال مصر جا رہا ہے۔ اُس نے مصری سفارت خانے میں ویزا کے لئے درخواست دی ہے۔"

"دی ہو گی۔" حمید جھلا کر بولا۔ "مجھے تو کیپٹن خاور کی ہونیوالی موت کا غم کھائے جا رہا ہے۔"

"کیوں...؟" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اپنے رقیب سے اتنی محبت کرتے ہو۔"

"محبت نہیں بلکہ خواہ مخواہ کی پھانسی سے ڈرتا ہوں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "کس جنجال میں پھنس گیا۔"

"ڈرو، نہیں پیارے تم خواہ مخواہ کیوں مرے جا رہے ہو... یہ سب مجھ پر چھوڑ کر اپنے کام میں لگ جاؤ۔"

"کام...! اب کیا کام ہے؟"

"شہناز کو کہیں غائب کردو۔" فریدی نے کہا۔

"غائب کہاں کردوں.... یہیں لاکر تہہ خانے میں۔"

"جی نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تہہ خانے کا راز افشاء ہوچکا ہے۔"

"پھر....!"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... فریدی بول رہا ہے.... اوہ آپ.... جی.... کیا.... ہاں ہاں.... حمید یہاں وقت میرے پاس موجود ہے.... اوہ.... تو میرا خیال صحیح نکلا.... خیر خیر یہ ثابت کرنا تو میرا ہے.... آپ مطمئن رہیں.... اُس کی یا میری ملازمت پر ذرہ برابر بھی آنچ نہیں آسکتی.... خیر....!"

فریدی ریسیور رکھ کر مڑا۔ وہ قدرے متفکر نظر آرہا تھا۔

"کون تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"ہمارے سپرنٹنڈنٹ صاحب۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "شہناز غائب ہوگئی ہے کے خالہ زاد بھائی کیپٹن خاور نے مشکوک لوگوں میں تمہارا اور میرا نام بھی لکھادیا ہے۔"

"مگر وہ تو کہتی تھی کہ وہ اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پولیس کو اس سے کیا غرض اُس نے پولیس کو تو اس قسم کا کوئی بیان نہیں دیا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا....!" حمید۔

"بہت بُرا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اتنا بُرا کہ شائد اب جلد ہی تمہیں کیپٹن خاور کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا پڑے گا۔"

ایک لٹیرا

"جہنم میں گیا خاور۔" حمید بے چینی سے بولا۔ "شہناز کے لئے کیا کیا جائے۔"

"گھبراؤ نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "سب ٹھیک ہوجائے گا.... سر بنتھال کو مصر جانے کے لئے اُس وقت تک ویزا نہیں مل سکتا جب تک میں نہ چاہوں۔"

"تو کیا یہ سر بنتھال ہی کی حرکت ہے۔"

"میں یہی سمجھتا ہوں۔"

"لیکن وہ تہہ خانے والا۔"

"فی الحال اُسے بھول جاؤ۔"

"لیکن آخر سر بنتھال ہمیں کیوں پھنسانا چاہتا ہے۔" حمید نے اکتا کر پوچھا۔

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن آخر یہ سپرنٹنڈنٹ کا پٹھا ہم لوگوں کے پیچھے کیوں پڑگیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر.... اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر دیکھا جائے گا۔"

"آٹھ بج رہے ہیں.... چلو کھانا کھائیں۔"

کھانے کے دوران میں حمید خاموش رہا.... فریدی بھی کچھ نہیں بولا۔

"تم اتنے خاموش خاموش کیوں ہو۔" فریدی کھانا کھاچکنے کے بعد بولا۔

"بھئی شہناز کا معاملہ مجھ پر چھوڑدو.... ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تم نے عشق سے توبہ کی تھی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اور یہ تو بڑا اچھا ہوا.... اب تم بھی کچھ ہاتھ پیر سیدھے کرسکو گے.... ایک بار تم شہناز کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا چکے ہو[1] اس بار پھر سہی۔"

"مجھے اسکا افسوس ہے کہ میری بدولت اُسے مصیبت جھیلنی پڑے گی۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"ارے عشق میں چنے کے لوہے ارے.... لاحول.... لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں.... اگر وہ تمہارے لئے اتنی سی مصیبت جھیل ہی لے جائے گی تو کیا ہوجائے گا۔"

"آپ خواہ مخواہ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" حمید بُرا مان کر بولا۔ "آپ پر کبھی گذری ہوتی تو معلوم ہوتا۔"

"اُف.... کیا بات کہہ دی ہے تم نے۔" فریدی سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اس دل پر تو ایسی گذری ہے کہ خدا دشمن کو ضرور نصیب کرے۔"

حمید احتجاجاً اٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔

---

[1] جاسوسی دنیا کا تیسرا ناول "عورت فروش کا قاتل" جلد نمبر 1 ملاحظہ فرمائیں۔

"ٹھہرو....!" فریدی سخت لہجے میں بولا۔ "تم بعض اوقات اتنے احمق کیوں ہو جاتے ہو.... میں نے شہناز کا انتظام پہلے ہی کرلیا ہے۔"

حمید رک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے کچھ آدمیوں کو اُس کے مکان کی نگرانی کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ آج دفتر میں سپرنٹنڈنٹ سے گفتگو کرنے کے بعد ہی میں نے یہ اقدام کیا تھا۔ وہ جہاں بھی لی جائی گئی ہو گی مجھے اس کی اطلاع مل جائے گی۔"

"اگر اُسے بھی ختم کر دیا گیا تو....!" حمید نے کہا۔

"تو پھر میں تم دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرادوں گا۔" فریدی نے بیزاری سے کہا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

حمید خاموشی سے ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جاؤ نا جاکر کیپٹن خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال دو....!" فریدی اس کی طرف مڑ کر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو جاتے ہیں۔"

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"ایک برقعہ پوش عورت آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" اس نے کہا۔

"برقعہ پوش عورت....!" فریدی چونک کر بولا۔ "اچھا اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔"

نوکر چلا گیا۔

"یہ برقعہ پوش عورت کون ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

اس نے حمید کو ساتھ آنے کے لئے اشارہ کیا اور ڈرائنگ روم کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایک عورت جس نے خود کو سر سے پیر تک سیاہ برقعے میں چھپا رکھا تھا۔ ڈرائنگ روم کے دروازے بند کر رہی تھی۔ فریدی اور حمید اس کی اس حرکت پر متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے انہوں نے اتنی لمبی تڑنگی عورت آج تک نہ دیکھی تھی اور پھر آخر ڈرائنگ روم کے دروازے بند کرنے کا کیا مطلب تھا۔

فریدی کا ہاتھ بے اختیار اپنی کوٹ کی اس جیب میں چلا گیا جس میں پستول تھا.... عورت

نے بالآخر دروازہ بھی بند کر دیا جس سے وہ لوگ کمرے میں داخل ہوئے تھے.... اور پھر اس نے نقاب الٹ دی۔

"اوہ" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "کون جبار خان۔"

"جی ہاں....!" اس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب....!" فریدی نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میرا انتظار کر رہی ہے.... لیکن وہ موت سے بہتر ہے۔ میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں.... میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"آخر بات کیا ہے۔" فریدی نے بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

"صرف آپ ہی مجھے اس مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں۔"

"کچھ کہو بھی....!" حمید اکتا کر بولا۔

"حسینہ کے قتل کا بھی کچھ تھوڑا بہت ذمہ دار ہوں۔"

"کون حسینہ....!" فریدی نے لاپروائی سے پوچھا۔

"وہی جو دلکشا ہوٹل میں قتل کر دی گئی تھی؟"

"اچھا.... ہوں تو گویا تم اقبال جرم کر کے خود کو قانون کے حوالے کرنے آئے ہو.... بہتر یہ ہوگا کہ تم کوتوالی جاکر اپنا بیان دے دو.... بھلا میرے پاس آنے سے کیا فائدہ۔"

"اس طرح تو آپ سچ مچ مجھے موت ہی کے منہ میں دھکیل رہے ہیں۔" جبار خان نے گھبرا کر کہا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ایک ایسے آدمی کو اپنے یہاں سے صحیح و سلامت نکل جانے دوں گا جسے پولیس چار سال سے تلاش کر رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔" جبار خان نے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ حراست میں لے لیا جاؤں کیونکہ اسی طرح میری جان بچ سکتی ہے۔"

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ کوتوالی چلے جاؤ۔"

"اور اگر راستے ہی میں کسی نے مجھے ٹھکانے لگادیا تو.... ڈرتا ڈرتا تو میں یہاں تک آیا ہوں۔" جبار خان نے کہا۔ فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تم اب تک کہاں رہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اسی شہر میں۔" جبار خان بولا۔ "نام تبدیل کر کے یتیم خانے میں ملازمت کرلی تھی۔"

"لیکن ایسا کیا تم پولیس کو اپنے متعلق بتانا چاہتے ہو۔"

"یہی بتانے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"تو بتاؤنا....!" فریدی جماہی لیتا ہوا لاپروائی سے بولا۔

"کئی دن ہوئے مجھے ایک لفافہ بذریعہ ڈاک ملا جس میں سو روپے کا ایک نوٹ تھا۔"

"بڑے خوش قسمت ہو تم....!" فریدی اُس کی بات کاٹ کر بولا۔

"جی نہیں اُسی نوٹ سے میری بد قسمتی شروع ہوئی۔" جبار خان بولا۔

"چلو یہی سہی.... آگے کہو۔" فریدی اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"اُسی نوٹ کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں کسی نے مجھے بارہ بجے رات کو ایک سنسان سڑک پر جانے کے لئے لکھا تھا۔ اُس میں یہ بھی تھا کہ مجھ سے جو کام لیا جانے والا ہے اس کے عویض مجھے تین ہزار روپے ملیں گے جس میں سے ڈیڑھ ہزار تو اسی وقت مل جائیں گے۔ جب میں شرائط مان جاؤں گا اور ڈیڑھ ہزار کام ہو جانے پر....!"

"کیا وہ خط تمہارے اصلی نام سے آیا تھا۔"

"جی نہیں.... لفافے پر وہی نام درج تھا جو میں نے بعد میں اختیار کیا تھا.... سعید احمد۔"

"ہوں....!"

"پہلے تو میں سمجھا کہ شاید پولیس کو میرے متعلق معلوم ہو گیا ہے.... لیکن پھر سوچا کہ اگر پولیس کو معلوم ہو گیا ہوتا تو وہ اتنی دردسری کیوں مول لیتی.... سو روپے کا خون کرتی۔"

"داستان کو مختصر کرو.... میں بہت مشغول آدمی ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال میں کافی سوچ و بچار کے بعد سرکلر روڈ پر بارہ بجے رات کو پہنچ ہی گیا.... مجھے کنوئیں کے پاس والے پیپل کے درخت کے نیچے آنے کو لکھا گیا تھا.... چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کار آکر وہاں رکی اور کسی نے میرا اصلی نام لے کر پکارا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ موٹر کے قریب پہنچا.... کار میں اندھیرا تھا۔ میں اس کی صورت نہ دیکھ سکا.... اور شاید اب اس کی آواز نہ پہچان سکوں.... کیونکہ وہ اپنی آواز کو دبا کر باتیں کر رہا

تھا۔ اُس نے مجھے ایک ایسے آدمی کو حسینہ کو قتل کر دینے کے لئے تلاش کرنے کو کہا جسے آسانی سے پہچانا نہ جاسکے.... آپ جانتے ہوں گے کہ میں نے آج تک قتل وغیرہ کے معاملے میں ہاتھ نہیں لگایا لیکن ان دنوں روپیوں سے تنگ تھا۔ سوچا مجھے تو قتل کرنا نہیں ہے۔ لہٰذا میں اس پر راضی ہو گیا.... اور معاملہ بھی عجیب دلچسپ تھا۔ وہ محض ایک رومال کی خاطر قتل کی جا رہی تھی۔ موٹر والے نے مجھے بتایا کہ حسینہ سے رومال لینے کے بعد اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ میں راضی ہو گیا۔ مجھے ڈیڑھ ہزار روپے اُسی وقت مل گئے اور ایک کاغذ بھی ملا جس پر اُس قتل کے متعلق ساری احتیاطی تدبیریں درج تھیں.... وہ کاغذ اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے.. ہاں تو میں نے اُس سے دوسرے دن ملنے کا وعدہ کیا.... لیکن وہ یہ سارا کام دوسری ہی رات کو کر ڈالنا چاہتا تھا.... اُس نے مجھ سے کہا کہ جو اُسے قتل کر کے رومال لے آئے گا اس کے لئے ایک ہزار روپے الگ سے دیئے جائیں گے.... میں نے دوسری ہی رات کو یہ کام سرانجام دے ڈالنے کا وعدہ کیا.... میرے ذہن میں ایک آدمی تھا.... وہی جو اسی رات کو دلکشا ہوٹل کے باہر قتل کر دیا گیا۔ میں نے اُسے تیار کیا۔ وہ ایک معمولی مزدور تھا.... میں نے موٹر والے کی اسکیم کے تحت اُسے نفیس قسم کا سوٹ پہنا کر دلکشا ہوٹل میں بھیج دیا.... اور پھر جب وہ ہوٹل سے باہر نکلا تو کسی نے اس کو قتل کر دیا۔"

جبار خان خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"کیا تم اس وقت وہیں موجود تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... میں آگے بڑھ کر ایک چائے خانے میں بیٹھ گیا تھا۔ میں نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اُس رومال کو لے کر سیدھا وہیں آئے.... لیکن کسی نے اُسے....!"

"تمہیں بقیہ روپے تو مل گئے ہوں گے۔"

"آج بارہ بجے رات کو ملیں گے۔" جبار خان نے کہا۔ "مجھے آج پھر ایک خط ملا ہے جس میں لکھا ہے کہ میں آج بارہ بجے رات کو اُسی پیپل کے درخت کے نیچے پہنچ جاؤں۔"

"وہ خط اور وہ کاغذ جس پر قتل کی اسکیم لکھی ہوئی ہے مجھے دو" فریدی نے کہا۔

جبار خان نے کاغذات جیب سے نکال کر فریدی کو دے دیئے۔ فریدی انکا بغور مطالعہ کرتا رہا۔

"تو پھر تم یہاں کیوں دوڑے آئے۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ اگر میں وہاں گیا تو صبح تک میری لاش سردی سے اکڑ جائے گی۔" خان نے کہا۔

"کیوں....؟" فریدی نے اُسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اس لئے کہ وہ شخص انتہائی رازداری سے کام لے رہا ہے.... اُس نے اُس مزدور کو قتل کروایا؟ رومال حاصل کر لینے کے بعد اُسے ایسا نہ کرنا چاہئے تھا.... میں بھی اسی بساط کا مہرہ ہوں جسے شبہ سے بچنے کے لئے پٹوا دیا جائے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اگر میں کے لالچ میں وہاں دوڑا گیا تو میرا بھی وہی حشر ہوگا جو اُس مزدور کا ہوا.... اب صرف آپ میری جان بچا سکتے ہیں۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "تم یہ کس طرح کہتے ہو کہ تمہارا بھی حشر ہوگا۔"

"میرا دل کہہ رہا ہے۔" جبار بولا۔ "یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم جرائم پیشہ لوگ حس بھی رکھتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ جو لوگ شارع عام پر کسی کو گولی مار سکتے ہیں کیا وہ حسینہ کو قتل کر کے وہ رومال نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے کسی مجبوری ہی کی بناء پر مجھے معاملے میں شریک کیا اور پھر محض رازداری کے خیال سے اس مزدور کو قتل کر دیا.... تو پھر وہ مجھے کیوں زندہ رہنے دیں گے.... مجھے منطق نہیں آتی ورنہ میں اس سے بھی زیادہ دلائل پیش کرتا ویسے میرا دل کہہ رہا ہے کہ میرا بھی وہی حشر ہونیوالا ہے، جو اُس مزدور کا ہوا

جبار خاموش ہو کر رحم طلب نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ شخص جو تم سے سرکلر روڈ پر ملا تھا کوئی انگریز تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"انگریز تو کسی طرح نہیں ہو سکتا.... کیونکہ وہ اردو میں گفتگو کر رہا تھا۔" جبار نے کہا۔

"بہتیرے انگریز اچھی خاصی اردو بولتے ہی ہیں۔" فریدی بولا۔

"لیکن لہجہ۔" جبار مضطربانہ انداز میں بولا۔ "میں نے آج تک کوئی انگریز نہیں دیکھا لہجہ ہندوستانی ہو۔"

"اوہ....!" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ آپ بھی کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔" جبار نے کہا

"کون سا کیس....!"

"وہی حسینہ والا....!"

"میں اتفاقاً وہاں پہنچ گیا تھا.... اور یہ رومال والا معاملہ تو کسی طرح میرے حلق سے نہیں اترتا.... بھلا رومال.... لاحول ولاقوۃ کسی احمق کو بھی اس پر یقین نہیں آسکتا۔"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے یہی بتایا گیا تھا۔ اس کاغذ میں بھی وہی تحریر ہے.... اب اس کی تہہ میں کیا راز ہے یہ میں نہیں جانتا۔"

"تو اب تم کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"کتنی بار کہوں۔" جبار جھلا کر بولا۔

"تم نے ایک بار بھی نہیں کہا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"میں نے یہاں آکر سخت غلطی کی۔" جبار آہستہ سے بولا۔ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح ہو رہی تھی۔ "میں تو سمجھا تھا کہ میری اس اطلاع پر آپ اچھل پڑیں گے۔"

"مگر تمہاری اطلاع میں کوئی ایسی بات نہیں جسے سن کر اچھلنا پڑے۔" فریدی نے کہا۔

"تو میں ناامید ہو جاؤں۔"

"میں یہ بھی نہیں کہتا۔"

"پھر آخر آپ کہتے کیا ہیں۔"

"پولیس کو فون کر کے تمہیں احتیاط سے جیل بھجوا دوں۔"

"تو کیا وہ مجھے جیل میں زندہ رہنے دیں گے۔"

"زندہ تو تم کہیں بھی نہیں رہ سکتے.... تمہارا مرنا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ اُس آدمی کا جو تمہیں سرکلر روڈ پر ملا تھا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب سمجھ کر تم کیا کرو گے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر تم یہیں ٹھہرو، مگر اس طرح نہیں تمہیں یہاں پولیس والوں کی نگرانی میں رہنا پڑے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" جبار نے کہا۔

فریدی نے ریسیور رکھ کر انسپکٹر جگدیش کو فون کیا۔ تھوڑی دیر بعد جگدیش دو مسلح سپاہیوں

کے ساتھ فریدی کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔

جبار خان کو دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

"ہاں یہ جبار خان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خود کو پولیس کے حوالے کرنے آیا ہے۔"

"اوہ....!" جگدیش نے کہا اور جبار کو گھورنے لگا۔

"لیکن یہ نہیں بتانا چاہتا کہ اُس نے ایسا کیوں کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں اُگلوا لوں گا۔" جگدیش نے کڑے لہجے میں کہا۔

"جی نہیں.... داروغہ جی صاحب.... اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "آپ اس کے لئے مجبور نہ کیجئے گا۔"

"اوہ....!" جگدیش معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ اُس وقت تک یہاں ٹھہر کر اس کی نگرانی کریں گے جب تک کہ میں واپس نہ آجاؤں۔" فریدی نے کہا۔

"حوالات میں کیوں نہ رکھا جائے۔" جگدیش نے کہا۔

"بھئی میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو....؟" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"بہت اچھا.... بہت اچھا۔" جگدیش نے جلدی سے کہا۔

"اپنے ان دونوں سپاہیوں کو بھی کمرے سے باہر نہ جانے دینا۔"

"اچھا.... لیکن....!"

"لیکن کیا....!" فریدی اسے آنکھ مار کر بولا۔ "میں آج رات بھر جبار خان کو اپنا ہی مہمان رکھنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ....!"

"باہر کسی کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے۔" فریدی نے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم میری طرف سے انعام کے مستحق ہو گے۔"

"نہیں سرکار بھلا ایسی بات ہو سکتی ہے۔" ایک سپاہی بولا۔

انہیں ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر فریدی اور حمید باہر چلے آئے۔

"اپنا سیاہ سوٹ پہن لو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیوں....؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس کمرے سے نکلا.... حمید نے بھی اُس کی ہدایت کے مطابق سیاہ سوٹ پہن لیا تھا۔ فریدی اپنے جیب میں پڑے ہوئے پستول کو ٹٹولتا ہوا بولا۔ "ریوالور بھی لیتے چلو۔"

کار میں لاش

رات تاریک اور انتہائی سرد تھی۔ ستارے اس طرح کپکپا رہے تھے جیسے وہ برف کے طوفان میں پھنس کر آخری جدوجہد کر رہے ہوں۔ چاروں طرف ایک لامتناہی سناٹا چھایا ہوا تھا.... کبھی کبھی جھینگروں کی "جھائیں جھائیں" اچانک رک جاتی اور ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے سناٹے کا تسلسل ٹوٹ گیا ہو۔

سرکلر روڈ پر جو شہر میں روشنی کی بوچھاڑوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شہر کے باہر کے ویران حصے میں آکر تاریکی کی آغوش میں سو گئی تھی اور اس وقت قدموں کی آہٹیں بھی اُس کے سینے میں دھڑکنیں نہیں پیدا کر رہی تھیں اس کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے درخت اور کہیں کہیں گھنی جھاڑیاں تھیں۔ دفعتاً اس کے سیاہ سینے پر روشنی کی لمبی لمبی لکیریں نظر آنے لگیں اور دور کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں۔ کار تیزی سے آرہی تھی۔.. پیپل کے پرانے درخت کے قریب آکر اُس کی رفتار کم ہو گئی اور پھر کچھ دور چلنے کے بعد رک سی گئی لیکن مشین نہیں روکی گئی۔ انجن کی ہلکی ہلکی آواز فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔ ہیڈ لائٹس بجھا دی گئیں.... کسی نے کھڑکی سے سر نکال کر پیپل کے درخت کی طرف دیکھا.... وہاں ایک تاریک سایہ متحرک نظر آرہا تھا۔

"جبار خان" کار والے نے آہستہ سے آواز دی۔ "قریب آؤ....!" یہ آہستہ آہستہ کار کی طرف بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی کار والے کا ہاتھ جیب میں گیا۔ اُس نے پستول نکال کر اس کی نال کار کی کھڑکی پر رکھ دی۔ لیکن کار کی طرف بڑھنے والا سایہ شائد اس سے بے خبر تھا۔ وہ کار سے ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہو گا.... کار والے نے پستول مضبوطی سے پکڑ لیا.... لیکن دوسرے ہی

لمحے میں کار کی دوسری کھڑکی سے ایک ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھا۔ کار والے کو اس کی تک نہ آئی۔

"خبردار....!" پیچھے سے آواز آئی۔ "اپنا پستول سڑک پر گرادو۔"

کار والے کی گردن میں ٹھنڈے لوہے کا ننھا سا دائرہ چبھنے لگا....

"پستول سڑک پر گرادو....!" پیچھے سے پھر آواز آئی۔ "اگر تم نے ذرہ برابر بھی جنبش کی کھوپڑی اڑ جائے گی۔"

کار والے کا پستول سڑک پر آگرا۔ اس کے سامنے کھڑا ہوا آدمی خاموش کھڑا تھا۔

"کیپٹن خاور نیچے اتر آؤ۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"تم کون ہو۔" کار والے نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"انسپکٹر فریدی۔" سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔

"شہناز کہاں ہے۔" پیچھے سے سرجنٹ حمید نے پوچھا۔ اُس کے پستول کی نال کار والے گردن میں چبھی جا رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا۔" کار والے نے کہا۔

"نیچے اُتر آؤ۔" آخر فریدی نے کہا اور کار کا دروازہ کھول دیا۔

کار کے انجن کی آواز سناٹے میں گونج رہی تھی۔ کار والے نے ایک پیر پائیدان پر رکھ دیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ نیچے اُتر رہا ہو۔ لیکن اندھیرے میں فریدی یہ نہ دیکھ سکا کہ کار وا ہاتھ گیئر پر رینگ رہا ہے۔ دفعتاً فریدی کو اپنی بنیادی غلطی کا احساس ہوا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا مشین بند کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ کار ایک جھٹکے کے ساتھ چل پڑی.... سرجنٹ حمید دو طرف سڑک کے کنارے لڑھک گیا.... اور فریدی کھڑا ہاتھ ملتا رہ گیا۔ حمید نے پے در پے کرنے شروع کر دیئے۔ لیکن کار گولیوں کی دسترس سے دور جا چکی تھی۔

"کیوں فضول کارتوس خراب کر رہے ہو۔" فریدی جھلا کر بولا۔ "تم سے بھی اتنا نہ ہوسکا ہاتھ بڑھا کر انجن بند کر دیتے۔"

"میں.... کیا.... میں کیا....!" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"ہاں تم کیا کر سکتے تھے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "کیپٹن خاور کا نام سنتے ہی شہناز کی

تو پڑ گئی تھی۔"

"شائد میرے سر میں چوٹ آ گئی ہے۔" حمید جھینپ کر بولا۔

فریدی نے جھک کر سڑک پر سے کیپٹن خاور کا پستول اٹھا لیا۔

دونوں ایک طرف چلنے لگے۔

"کیا آپ ناراض ہو گئے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مجھے خود اس کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔"

"خیر کوئی پرواہ نہیں.... اب یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔"

ایک کار تیزی سے اُن کے قریب سے گذر گئی۔

"ہمیں کار پر آنا چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"مگر اس کار پر کون تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اس نے ہیڈ لائٹس بھی نہیں جلائی تھیں۔"

"ہوگا کوئی یہ کیا یہاں ویرانے میں چالان کا ڈر ہے۔" حمید بولا۔

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"لیکن تھی کوئی نہایت نفیس قسم کی کار۔" فریدی نے کہا۔ "ذرہ برابر بھی آواز نہیں معلوم ہوئی۔"

وہ پھر کچھ سوچنے لگا۔

"حمید....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کہیں اس کار پر اس گروہ کا سرغنہ رہا ہو.... کون جانے کہ وہ کیپٹن خاور کو ختم کر دینے کے لئے اُدھر آیا ہو۔"

"کیا مطلب....!"

"کیپٹن خاور جبار کو قتل کرتا اور وہ کیپٹن خاور کو....!"

"اوہ....!"

"بہرحال اس معاملے میں بھی خاصی چوٹ رہی۔" فریدی نے کہا۔ "جابر[1] کے بعد یہ دوسری ہستی ملی ہے جس سے مقابلہ کرنے میں دانتوں پسینہ آ رہا ہے۔"

"میرے دانتوں میں تو درد ہو گیا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"خیر خیر جلدی چلو۔" فریدی نے کہا۔ "میرے خیال سے ڈیڑھ بج گئے ہوں گے۔ اب اس

---

[1] جاسوسی دنیا کا ساتواں، آٹھواں ناول (جلد نمبر 2) ملاحظہ کیجئے۔

وقت کوئی سواری بھی نہ ملے گی۔"

دونوں نے تیز تیز قدم اٹھانے شروع کر دیئے۔

"آخر وہ کون تھا جو ہمارے تہہ خانے سے نکل بھاگا۔" حمید نے کہا۔

"سر بنتھال....!"

"جی....!" حمید چلتے چلتے رک کر بولا۔

"چلتے رہو چلتے رہو.... یہ کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"معلوم نہیں آپ اس وقت کس موڈ میں ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "شاید اس وق ناکامی نے آپ کے ذہن پر کوئی بُرا اثر ڈالا ہے۔"

"یعنی میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں یہ نہیں کہتا.... اگر وہ سر بنتھال تھا تو شائد وہ جس نے اُسے شراب پلائی تھی ا ہمزاد تھا۔"

"ہمزاد نہیں بلکہ ہمشکل کہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں تمہیں میک اپ کر کے سر بنتھا سکتا ہوں اور خود فضیل بن سکتا ہوں.... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں فضیل کی گفتگو سے مط ہو گیا تھا.... ہرگز نہیں.... میں صرف اس بات پر مطمئن تھا کہ وہ میرے تہہ خانے سے نک کہیں جا نہیں سکتا۔"

"لیکن آپ نے اس وقت اپنے شبہے کا اظہار نہیں کیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"ضروری نہیں سمجھا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "وہ عربی ضرور بولتا تھا لیکن اس کا لہجہ اس اہل زبان ہونے پر دلالت نہیں کرتا تھا....!"

"آخر سر بنتھال کی اس حرکت کا مطلب کیا تھا۔"

"محض یہی کہ میری توجہ اپنی طرف سے ہٹا کر یہاں سے نکل جائے.... اگر وہ اس کے حصول کے لئے کوشش کر رہا تھا تو پھر مصر جانے کے لئے ویزا کی درخواست کیوں دی اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ رومال اس کے پاس ہے.... شاید اُسے اس بات کا علم ہو کہ تم اس کی حرکت کو بغور دیکھ رہے ہو۔ لہٰذا اس نے ہمیں بیوقوف بنانے کے لئے یہ پلا حیرت ہوتی ہے اس کی ذہانت پر۔ میرے پن چھانے پر وہ اس طرح عربی میں چیختا تھا جیسے اس

لئے پہلے ہی سے تیار رہا ہو۔ کتنا مصنوعی نفسیاتی رد عمل تھا اُس وقت یقیناً میں اپنی اس تدبیر پر خود ہی جھوم اٹھا تھا.... لیکن آج اپنے سے زیادہ احمق کسی اور کو سمجھ ہی نہیں سکتا.... اور اس کے باوجود بھی میں مشکوک تھا۔"

"تو کیا اُسی وقت آپ نے اس کا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سر بنتھال تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... میں مشکوک ضرور تھا لیکن اُس وقت اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ وہ خود سر بنتھال ہے۔"

"اور حقیقت تو یہ ہے کہ اب بھی یہ بات میرے حلق سے نہیں اترتی۔" حمید نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اس راز سے بھی کبھی نہ کبھی پردہ اٹھے ہی گا.... میں تم سے یہ کب کہتا ہوں کہ بے چوں و چرا ہر بات پر ایمان لے آیا کرو۔"

وہ دونوں تقریباً چار بجے گھر پہنچے ڈرائنگ روم میں سناٹا تھا.... "لو بھئی کوئی دوسری چوٹ" فریدی بوکھلا کر بولا۔ "یہ لوگ کہاں گئے۔ کیا اُن احمقوں نے اُسے حوالات پہنچا دیا۔"

"نوکروں کو جگا کر پوچھئے۔" حمید بولا۔

"ٹھہرو....!" فریدی فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا.... اُس نے ریسیور اٹھایا.... "ہیلو.... کوتوالی ڈیوٹی پر کون ہے.... اوہ.... ذرا جگدیش کو بلاؤ۔" فریدی نے ریسیور میز پر ڈال دیا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا.... تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو.... جگدیش.... فریدی بول رہا ہے.... کیا چُوٹ.... کیسی چوٹ.... گھاس تو نہیں کھا گئے.... ارے.... چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا.... تمہیں کب عقل آئے گی۔ سب ستیاناس کر دیا تم نے.... لاحول ولا قوۃ.... میں نے تمہیں بلا کر غلطی کی تھی.... میں سمجھا تھا کہ تمہیں کچھ کچھ عقل آ گئی ہوگی.... خیر آئندہ احتیاط برتوں گا...." فریدی نے ایک جھٹکے سے ریسیور رکھ دیا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ غصے سے اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اُس نے ایک بار رک کر میز پر ایک زوردار مکا مارا اور پلٹ کر حمید کو گھورنے لگا۔

"کیا ہوا....!" حمید نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"شکست....!" فریدی زخمی بھیڑیئے کی طرح غرایا۔ "جبار کو وہ لوگ نکال لے گئے۔"

"نکال لے گئے؟" حمید نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں.... جگدیش کو دھوکہ دیا گیا.... لیکن اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔" فریدی نے صوفے پر گر کر آنکھیں بند کرلیں۔

"جگدیش کس طرح دھوکا کھا گیا۔" حمید نے کہا۔

"جب میں دھوکے کھا رہا ہوں تو جگدیش کی کیا حقیقت ہے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آخر ہوا کیا....؟"

"جگدیش کا بیان ہے کہ تین بجے کے قریب تم خون میں نہائے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔"

"میں....!" حمید اچھل کر بولا۔

"ہاں.... تمہارا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔"

حمید گھبرا کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ لیکن پھر اپنی اس حماقت کا احساس ہوتے ہی ہاتھ نیچے گرا دیا۔

"تم نے اس سے کہا کہ فریدی صاحب جبار کو بلا رہے ہیں.... تم اتنی جلدی میں تھے کہ اُس نے جگدیش کو یہ بھی نہ بتایا کہ تم خون میں کیوں نہائے ہوئے ہو۔"

"مگر میں تو....!"

"میرے ساتھ تھے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "تم اتنے احمق کیوں ہو جاتے ہو.... میں یہ کب کہتا ہوں کہ ہوں کہ تم میرے ساتھ نہیں تھے.... اُس گروہ کا کوئی آدمی تمہاری شکل میں آیا اور جبار کو لے اڑا.... مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔"

"اب کیا کیا جائے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"سوچنا پڑے گا.... سوچنا پڑے گا....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں نے آج تک ایسا مجرم نہیں دیکھا جو دلیر بھی ہو کھل کر بھی سامنے نہ آتا ہو۔"

"کیوں نہ سر بتھال کو گرفتار کرلیا جائے۔" حمید نے کہا۔

"کیا احمقوں کی سی باتیں کررہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "اُس کے خلاف ثبوت کہاں سے کریں گے۔ یہ تو اسی وقت ہوسکتا تھا جب ہم کیپٹن خاور کو گرفتار کرلیتے....!"

"کیپٹن خاور....!" حمید اپنی مٹھیاں بھینچ کر آہستہ سے بولا۔

"جاؤ جاکر سو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔ "ابھی بہت کچھ کرنا ہے...."

"اب نیند نہیں آئے گی۔" حمید نے کہا۔

فریدی خاموش ہوگیا۔

"اچھا اس آتش دان میں کوئلے ہی ڈال دو۔" فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنے لگا۔

حمید نے اٹھ کر آتش دان میں کوئلے سلگا دیئے۔

فریدی جو صوفے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا دفعتاً کھڑا ہوگیا۔

"تھوڑی دوڑ دھوپ کی ہمت کرسکو گے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"ابھی اس وقت....؟" حمید اپنے چہرے پر کاہلی کے آثار پیدا کرتا ہوا بولا۔

"اور نہیں تو کیا ایک سال کے بعد۔" فریدی نے کہا اور اپنا اوور کوٹ پہننے لگا۔

حمید بھی طوعاً و کرہاً اٹھا۔ آج کافی تھک گیا تھا۔ تھکن کا یہ عالم تھا کہ اُسے بولنے میں بھی کاہلی محسوس ہورہی تھی۔

گھڑی ساڑھے پانچ بجا رہی تھی۔ وہ دونوں برآمدے سے نکل کر پائیں باغ میں آئے۔

فریدی گیراج کھول کر اپنی کار باہر نکال ہی رہا تھا کہ ایک کار احاطے کے پھاٹک پر آکر رکی پھر کوئی پھاٹک کو پکڑ کر ہلانے لگا۔

"کون ہے؟" حمید چیخا۔

"پھاٹک کھولو....!"

"اوہ آپ....؟" حمید پھاٹک کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور فریدی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "سپرنٹنڈنٹ صاحب" حمید نے پھاٹک کھول دیا۔ سپرنٹنڈنٹ اندر آگیا.... فریدی بھی گیراج سے باہر نکل آیا۔

"تم لوگ کہاں سے آرہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ نے اُن سے پوچھا۔

"ہم لوگ کہیں جارہے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر اب نہ جائیں گے ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے غریب خانے پر قدم رنجہ فرمایا.... اندر تشریف لے چلئے۔"

"نہیں....!" سپرنٹنڈنٹ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "میں یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ

کیپٹن خاور سرکلر روڈ کے موڑ پر اپنی ٹوٹی ہوئی کار میں مردہ پایا گیا ہے.... اس کی داہنی کنپٹی پر لگی....!"

"اوہ....!" حمید اچھل کر بولا۔ اُس کی نظریں بے اختیار فریدی کی طرف اٹھ گئیں۔

"تو میرا خیال سچ نکلا....!" سپرنٹنڈنٹ نے کڑے لہجے میں کہا۔

"اگر آپ اپنے خیال سے مطلع فرمائیں تو اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"حمید اس خبر کو سن کر گھبرا کیوں گیا۔" سپرنٹنڈنٹ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اس لئے کہ اُسے کیپٹن خاور کا انجام معلوم تھا۔" فریدی نے کہا۔

"یعنی....؟"

"یہی کہ جو ایک قاتل کا انجام ہونا چاہئے۔"

"کون قاتل....!"

"کیپٹن خاور....!"

"نہ جانے تم کہاں کی باتیں کر رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ جھلا کر بولا۔

"شاید آپ کو نہیں معلوم کہ وہ رومال والا کیس میرے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" سپرنٹنڈنٹ تلخ لہجے میں بولا۔

"تو پھر بس کیپٹن خاور کا قتل اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے.... حسینہ سے رومال مزدور نے چھینا.... مزدور کو کیپٹن خاور نے ختم کیا اور ہو سکتا ہے کہ وہی حسینہ کا بھی قاتل ہو.... اور کیپٹن خاور کو اس کے اوپر والوں نے ختم کر دیا۔"

"ثبوت....!"

"بھلا میں آپ کو ثبوت کیوں کر دے سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کیس میں میرا تعلق براہِ راست ڈی۔ آئی۔ جی۔ سے ہے۔"

"ہوں.... اچھا....!" سپرنٹنڈنٹ نے حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "شہناز کہاں ہے۔"

"بھلا وہ بیچارہ کیا بتائے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ بیچارہ تو اُس کے لئے بُری طرح تڑپ رہا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ شہناز کہاں ہے۔"

"کہاں ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے بگڑ کر پوچھا۔ فریدی کے طنز آمیز طرز گفتگو نے اس کا موڈ بگاڑ دیا تھا۔

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میری مصلحت اسکی اجازت نہیں دیتی۔"

"میں تمہارا آفیسر ہوں" سپرنٹنڈنٹ نے ڈانٹ کر کہا۔

"یہ کوئی خاص بات نہیں۔ ایک بار یورپ کا مشہور ڈاکو لیونارڈ[1] بھی کافی عرصے تک میرا آفیسر رہ چکا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تم میری توہین کر رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ گرج کر بولا۔

"آپ خواہ مخواہ دل برداشتہ ہو رہے ہیں۔ یہ محکمہ ہی ایسا ہے.... یہاں سب کچھ سہنا پڑتا ہے۔"

"کچھ نہیں یہ اوپر والوں کی غلط پالیسی کا نتیجہ ہے۔" سپرنٹنڈنٹ جھلا کر بولا۔

"میں خدا کے علاوہ اور کسی کو اوپر والا نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔

"خیر چھوڑیئے ان باتوں میں.... اگر کوئی حرج نہ ہو تو اس وقت میرے ہی ساتھ ناشتہ کر لیجئے۔"

"میں سورج طلوع ہونے سے قبل ناشتہ نہیں کرتا۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا۔

"یا وحشت....!" حمید مسکرا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید بھی جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔ سرکلر روڈ کے چوراہے پر مڑتے وقت کیپٹن خاور کی کار ایک درخت سے ٹکرا کر الٹ گئی تھی.... بمشکل تمام اُس کی لاش اُس کے اندر سے نکالی جا سکی تھی۔ دو تین سب انسپکٹر اور محکمہ سراغرسانی کا سپرنٹنڈنٹ لاش کے گرد کھڑے تھے۔ فریدی اور حمید کے پہنچتے ہی سپرنٹنڈنٹ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگوں کی دخل اندازی ضروری ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سول پولیس والوں کے سامنے بات بڑھے اور سپرنٹنڈنٹ صاحب اس میں اپنی توہین محسوس کریں۔

[1] جاسوسی دنیا جلد نمبر 2 کا ناول "فریدی اور لیونارڈ" ملاحظہ فرمائیے۔

لیکن یہ واقعہ سول پولیس والوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیپٹن خاور گولی لگنے کی وجہ مرا یا کار الٹنے کی وجہ سے۔ سپرنٹنڈنٹ نے اپنے خیال کا اظہار شروع کیا۔ اس نے فریدی اور پر ایک اچٹتی ہوئی سی نگاہ ڈالی اور کہنے لگا۔ "جس وقت یہ یہاں کار موڑ رہا تھا کسی نے اس پر چلائی اور کار درخت سے ٹکرا کر الٹ گئی۔"

فریدی کے ہونٹوں پر طنز آمیز مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد سول پولیس والے لاش وہاں سے اٹھا لے گئے.... سپرنٹنڈنٹ وہیں رہ گیا

"اب فرمائیے آپ لوگ....!" سپرنٹنڈنٹ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بھلا آپ لوگ کیوں متفق ہونے لگے۔" سپرنٹنڈنٹ معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"آپ غلط لائنوں پر سوچ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مسٹر فریدی خود کو عقل مند سمجھنے والا عموماً بیوقوف ہوتا ہے۔"

"میں بہت عرصے سے یہی سوچ رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"رات تم دونوں کہاں تھے۔" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"کیپٹن خاور کے تعاقب میں....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب....!" سپرنٹنڈنٹ اچھل کر بولا۔

"مطلب ہم لوگ فی الحال اپنے ہی تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تم اس جرم کو اپنی مصنوعی دلیری کے پردے میں نہیں چھپا سکتے۔ تم لوگوں کے خلا کیپٹن خاور کی رپورٹ محفوظ ہے۔"

"اور اس غریب کو ملک الموت نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"تم پھر میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ گرج کر بولا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں آج ہی شہر بھ بدمعاشوں سے آپ کے خلاف لاتعداد رپورٹس لکھوا سکتا ہوں۔"

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ ہمیں اپنے راستے سے تھوڑی دیر کیلئے ہٹا دینے کو مجرموں نے یہ چال چلی۔"

"اور اب تم یہ دوسری چال چل رہے ہو۔"

"تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کیپٹن خاور کے قتل میں ہمارا ہاتھ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"چہ چہ ہم لوگ اتنے احمق نہیں کہ کسی مردے پر گولی چلائیں۔"

"مردے پر....!" سپرنٹنڈنٹ چونک کر بولا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے کہا۔ "موٹر الٹنے سے پہلے اس پر گولی نہیں چلائی گئی۔"

"یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔"

"زخم کے گرد جمی ہوئی بارود کی کھرنڈ.... ریوالور کی نال اس کی کنپٹی پر رکھ کر چلائی گئی ہے.... ورنہ اتنی گہری کھرنڈ جمنی ناممکن تھی اور چلتی ہوئی کار پر اتنے قریب سے گولی چلانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... زخم سے خون بھی نہیں نکلا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لاش ٹھنڈی ہو جانے کے بعد اُس پر گولی چلائی گئی۔"

"بڑی پیاری دلیل پیش کی ہے تم نے۔" سپرنٹنڈنٹ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

"خیر.... خیر.... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی آ جانے دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن تم یہ بتاؤ کہ کیپٹن خاور کا تعاقب کیوں کر رہے تھے۔" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس پر کوئی روشنی نہ ڈال سکوں گا۔"

"اوہ تو مجھے تمہارے خلاف تحقیقات کرانی پڑے گی۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"شوق سے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن کم از کم یہاں تو مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو میرے خلاف تحقیقات کر کے کوئی کام کی بات معلوم کر سکے۔"

"مسٹر فریدی تم بہت مغرور ہو گئے ہو۔"

"آپ کا خیال درست نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے چل دیا۔

"تو آئیے حمید صاحب۔" فریدی الٹی ہوئی کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"احمقوں نے اگر ذرا سی بھی عقلمندی کا ثبوت دیا ہوتا تو ہمیں مجرم ثابت کر دینے میں ذرہ برابر بھی تکلیف نہ ہوتی.... یہ دیکھو اس ہینڈل پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں اور دوسری طرف کی کھڑکی پر یقیناً تمہاری انگلیوں کے بھی نشانات ہوں گے۔"

فریدی نے جیب سے رومال نکال کر ہینڈل صاف کر دیا اور دوسری طرف کی کھڑکی پر رومال پھیرنے لگا۔

"آخر سپرنٹنڈنٹ صاحب ہمارے دشمن کیوں ہو رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"بعض لوگ عادتاً ایسے ہوتے ہیں.... میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔" فریدی نے کہا بغور کار کے ٹوٹے ہوئے حصوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کچھ نہیں کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکتی۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "آؤ چلیں

"شہناز نہ جانے کہاں ہو گی۔" حمید بولا۔

"سر بنتھال کے یہاں۔" فریدی بولا۔

"مگر.... وہ تو....!"

"کچھ نہیں اب کھل کر سامنے آئے بغیر کام نہیں چلے گا۔"

دو دو باتیں

سر بنتھال اپنے بنگلے میں موجود نہیں تھا۔ فریدی اور حمید ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ا انتظار کرنے لگے۔ سر بنتھال کے نوکروں نے انہیں ٹالنا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو حمید کو بھی حیرت ہو رہی تھی کہ آخر فریدی سر بنتھال کی عدم موجودگی میں اس کے گھر میں کر کیا کرے گا۔

ڈرائنگ روم عمدہ فرنیچر اور اعلیٰ تصاویر سے مزین تھا۔ ان میں زیادہ تر نامور مصوروں شاہکار تھے۔ فرش پر ایران اور کشمیر کے بیش قیمت قالین تھے۔ فریدی یہاں کی ایک ایک جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"حمید ذرا پلٹ کر دیکھنا کیا پیچھے روشن دان میں بلی ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید مڑ کر دیکھنے لگا اور پھر اُسے ہنسی آ گئی۔

"کمال کیا آپ نے...." وہ ہنس کر بولا۔ "کیا آپ کی گردن میں بھی آنکھیں ہیں۔ آپ سامنے دیکھ رہے تھے پھر آپ کو بلی کیسے نظر آ گئی۔"

"صرف بلی ہی نہیں دکھائی دی بلکہ اس کا خاصا ثبوت مل گیا کہ اس رات سر بنتھال اس سے بے خبر نہیں تھا کہ میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"بھلا بتاؤ تو چھت کے قریب آئینے کیوں لگائے گئے ہیں.... اور پھر ہر روشندان کے سامنے ایک آئینہ ہے۔ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

حمید نے اب خیال کیا۔ واقعی ہر روشندان کے سامنے چھت کے قریب ایک ایک آئینہ نصب تھا۔

"ہاں ہے تو بے تکی چیز....!"

"بے تکی نہیں کار آمد کہو۔"

"کیوں....!"

"اُس رات میں نے چھت پر چڑھ کر انہیں روشندانوں میں سے کسی ایک سے جھانک کر اس کمرے میں دیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی آئینے میں میری صورت ضرور دکھائی دی ہو گی۔ سر بنتھال اپنے ساتھی کے ساتھ یہیں موجود تھا.... میں نے اُن دونوں کو بولتے سنا تھا.... ان کی صورتیں نہیں دکھائی دی تھیں۔"

"آپ کا یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس کے علاوہ ان آئینوں کا کوئی اور مقصد ہو بھی نہیں سکتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فریدی بھی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا....

اتفاقاً ڈرائنگ روم سے ایک نوکر گذر کر دوسرے کمرے میں جانے لگا۔ فریدی نے اُسے بلا کر پانی مانگا۔ جب وہ پانی لے کر واپس آیا تو فریدی نے ایک طویل انگڑائی لی اور پانی کا گلاس ہاتھ میں لے کر تعریفی نظروں سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگا۔

"آج کل ایسے آئینے یہاں نہیں ملتے۔" فریدی نے کہا۔ "نوکر نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"میں نے پہلے کبھی انہیں یہاں نہیں دیکھا.... کیا ابھی یہ حال ہی میں یہاں لگائے گئے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں....!" نوکر نے کہا اور گلاس لے کر چلا گیا۔

"کیوں بھئی اب کیا کہتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مان گیا۔"

"دیکھیں وہ کب آتا ہے۔"

"میرے خیال سے تو چلئے۔"

"نہیں.... ہمیں بیٹھنا ہے۔" فریدی نے کہا اور سامنے والی تصویر پر نظریں گاڑ دیں۔

وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ دفعتاً برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور سر بنتھال ڈرائنگ میں داخل ہوا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ بے ساختہ بولا۔

"اوہ.... فون ٹھیک کرنے آئے ہو.... تمہیں میرا انتظار کرنا پڑا.... مگر کیوں....! تے نوکروں سے کہہ کر ٹیلی فون بنا کیوں نہیں دیا.... رات سے بگڑا پڑا ہے.... اچھا م ساتھ آؤ۔"

فریدی مسکرا کر اٹھا.... وہ اور حمید سر بنتھال کے ساتھ چلنے لگے۔ متعدد کمرو گذرتے ہوئے وہ لائبریری میں آئے.... سر بنتھال نے میز پر رکھے ہوئے فون کی طرف ا کیا.... اور خود ایک الماری کھول کر کتابیں دیکھنے لگا۔

"یہ ٹیلی فون بارہ بجے رات کے بعد تو نہیں خراب ہوا" فریدی نے پوچھا۔

سر بنتھال چونک کر اس کی طرف مڑا۔

"کیا مطلب....!"

"ہم لوگ یہ پوچھنے کے لئے آئے ہیں کہ کل رات تم نے کس کس کو فون کیا تھا۔"

"تم سے اس سے کیا مطلب....!" سر بنتھال بگڑ کر بولا۔

فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"اوہ.... لیکن ایک سراغ رساں کا یہاں کیا کام....!"

"کیا کیپٹن خاور تمہارا دوست تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"کل رات اُسے کسی نے قتل کر دیا۔"

"قتل کر دیا....!" سر بنتھال نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں....!"

"مجھے افسوس ہے.... وہ بلیرڈ کا ایک اچھا کھلاڑی تھا۔"

"اُس کے بارے میں اور کیا جانتے ہو۔"

"کچھ زیادہ نہیں.... کیونکہ پندرہ دن قبل اس سے کلب میں ملاقات ہوئی تھی۔"

"وہ ایک اچھا نشانہ باز بھی تھا۔" فریدی نے کہا۔

"رہا ہوگا.... مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔"

"اس سے آخری بار کب ملاقات ہوئی تھی۔"

"پرسوں رات کو کلب میں.... ہم دونوں دوپہر تک بلیرڈ کھیلتے رہے۔"

"وہ کیسا آدمی تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہندوستانیوں میں ایسے خوبصورت آدمی کم دکھائی دیتے ہیں۔" سر بنتھال بولا۔

"خوب....!" فریدی مسکرا کر حمید کو آنکھ مارتا ہوا بولا۔ "اسکی محبوبہ کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"محبوبہ....!" سر بنتھال غرایا۔ "تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو۔"

"ہمیں اس کی محبوبہ کی تلاش ہے۔"

"تو کیا میں اس کی محبوبہ ہوں۔" سر بنتھال گرج کر بولا۔

"ہمیں تو یہی اطلاع ملی ہے۔" حمید بے ساختہ بولا اور فریدی ہنس پڑا۔

سر بنتھال ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"لیکن ہم نے ابھی اس کی مرمت کہاں کی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سر بنتھال پلٹ پڑا۔

"دیکھو میں کہتا ہوں کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"خیر میں جاتا ہوں.... اب مجھے علی فضیل مصری کی روح سے گفتگو کرنی پڑے گی۔"

فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

سر بنتھال خاموش ہو گیا.... فریدی اور حمید دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"ٹھہرو....!" سر بنتھال نے کہا۔

فریدی مڑا.... سر بنتھال کے چہرے پر غصے کے بجائے گھبراہٹ کے آثار تھے۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" سر بنتھال نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہو کہا۔

فریدی نے اپنی جیب سے ایک رومال نکال کر دو تین بار اُسے فضا میں اچھالا اور سر بنتھال طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

دفعتاً دور کسی کمرے میں قہقہے کی آواز سنائی دی جو بتدریج قریب ہوتی جا رہی تھی۔

سر بنتھال دیوانہ وار آواز کی طرف دوڑا اور سامنے والی دیوار سے اس طرح ٹکرا گیا جیسے وہ اسے ہوا دروازہ سمجھا ہو۔

پھر اس نے وحشیانہ انداز میں جیب سے ریوالور نکالا اور پیچھے ہٹ کر دیوار پر فائر کر شروع کر دیئے۔

فریدی اور حمید تحیر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے.... ریوالور کی گولیاں ختم ہو جانے کے بعد سر بنتھال ایک صوفے پر گر گیا.... اُس کا چہرہ پسینے میں ڈوب گیا تھا.... وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا.... اُس نے ایک بار فریدی اور حمید کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھا اور ا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھک لیا۔

فریدی اور حمید بھی ایک صوفے پر بیٹھ کر سر بنتھال کی بدلتی ہوئی حالت کو دیکھتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد سر بنتھال سیدھا بیٹھ گیا.... اُسکے چہرے پر عجیب قسم کی بے بسی کے آثار تھے۔

"تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔" فریدی بولا۔

"سر بنتھال خاموش ہو گیا.... اُس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ذہنی کشمکش مبتلا ہے۔"

"تمہاری اس حرکت کا کیا مطلب تھا.... میں تمہارے گھر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....؟ وارنٹ دکھاؤ۔" سر بنتھال بے چینی سے بولا۔

"میں ابھی فون پر اجازت حاصل کیئے لیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تم شائد قہقہہ لگانے والے کو تلاش کرو گے۔" سر بنتھال ہاتھ ملتا ہوا بولا "لیکن بیسود....

وہ چھلاوہ ہے.... اُف میرے خدا...." سر بنتھال نے پھر اپنا چہرہ چھپا لیا۔

فریدی نے حمید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد سر بنتھال نے سر اٹھا کر حمید کی طرف دیکھا۔

"تمہارا ساتھی تلاشی لینے گیا ہے۔" وہ مغموم آواز میں بولا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن وہ مجھے اس مصیبت سے نہیں بچا سکتا۔"

"کیسی مصیبت....!"

"میں کچھ نہیں بتا سکتا.... نہیں بتا سکتا۔" سر بنتھال مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تم نے اس دوران میں کیپٹن خاور کے ساتھ کوئی لڑکی دیکھی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"جہنم میں گیا کیپٹن خاور میں کچھ نہیں جانتا۔" سر بنتھال نے بے چینی سے کہا۔

"اور وہ لڑکی....!"

"اوہ....!" سر بنتھال مکا تان کر غراتا ہوا اٹھنے لگا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر بیٹھ گیا۔

"تم پر....!" حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

سر بنتھال استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں...." فریدی جھٹکے کے ساتھ صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "علی فضیل کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"میں کچھ نہیں.... کچھ نہیں جانتا۔" سر بنتھال کی آواز بھرا گئی اور وہ خوفزدہ نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"بہت اچھے....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہو۔"

"کیا مطلب....؟" سر بنتھال غصے سے بولا۔

"میں علی فضیل کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کون علی فضیل....!"

"مصری سراغ رساں۔"

"میں اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم اس رات جس ڈاڑھی والے کو کلب میں شراب پلا رہے تھے کون تھا۔"

"اوہ....!" سر بتھال چونک کر بولا۔ "وہ....وہ....!"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ....؟"

"پادری جیر اللہ....!"

"اور تم یہ جانتے تھے کہ وہ سچ مچ پادری جیر اللہ ہے۔"

سر بتھال پھر چونک پڑا....وہ حیرت زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" سر بتھال نے پوچھا۔

"میں تم سے سوالات کر رہا ہوں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میرے سوال کا جواب دو"

"ہاں مجھے شبہ تھا کہ وہ جیر اللہ نہیں ہے۔"

"پھر تم اُسے اپنے ساتھ لئے کیوں پھرتے رہے۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ دراصل کون ہے۔"

"اور اسی لئے تم اُسے ٹیوی کے حوالے کر کے خود وہاں سے چل دیئے۔"

سر بتھال پھر چونک پڑا....وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تم سب کچھ جانتے ہو....اوہ....اوہ....!" سر بتھال اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

فریدی بغور اُس کا جائزہ لیتا رہا۔

"ہاں میں اُسے ٹیوی کے حوالے کر کے چلا گیا تھا۔" سر بتھال نے اچانک مڑ کر کہا۔ "کوئی میرا تعاقب کر رہا تھا۔"

"کون....؟"

"میں نہیں جانتا۔" سر بتھال نے کہا۔ "ممکن ہے تم ہی رہے ہو۔"

"پادری جیر اللہ حقیقتاً کون ہے۔"

"میرا ایک دوست۔" "لیکن مجھے حیرت تھی کہ وہ یک بیک یہاں کیسے پہنچ گیا۔"

"وہ کہاں رہتا ہے۔"

"سوئیز کے علاقے میں۔"

"اوہ تو اس کا تعلق بھی مصر ہی سے ہے۔" حمید بے ساختہ بولا۔

"علی فضیل کے لڑکے محمد فضیل کو جانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"غلط بکواس....علی فضیل کا کوئی بیٹا نہیں۔" سر بتھال چیخ کر بولا۔

"مگر تم تو علی فضیل کو جانتے ہی نہیں تھے....اب اس کے خاندان بھر سے واقف نظر آرہے ہو۔"

"اوہ....اوہ....!" سر بتھال بے بسی سے ایک صوفے پر گر گیا....لیکن تھوڑی ہی دیر بعد پھر سنبھل گیا۔

"میں کہتا ہوں....تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔" وہ چیخ کر بولا۔

"لیکن یہ بات مت بھولو کہ علی فضیل کی لڑکی ایک رومال کے لئے دلکشا میں قتل کر دی گئی تھی۔" فریدی سر بتھال کو گھورتا ہوا بولا۔

"کر دی گئی ہوگی۔" سر بتھال لاپروائی سے بولا۔

"تو تم اُسے جانتے تھے۔"

"ہاں....!"

"تم نے پولیس کو اس کی اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"میری مرضی....!"

"تم جانتے ہو کہ یہ جرم ہے۔"

"ہوگا....!"

"میں تمہیں شبہے میں گرفتار کر سکتا ہوں۔"

"کون تم....!" سر بتھال حقارت آمیز لہجے میں بولا۔

"ہاں....میں....!"

"میں ایک غیر ملکی ہوں....تم براہِ راست ایسا نہیں کر سکتے۔"

"لیکن میں براہِ راست تمہاری ہڈیاں ضرور توڑ سکتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم برطانیہ کے ایک معزز اور خطاب یافتہ شہری کی توہین کر رہے ہو۔" سر بتھال چیخ کر بولا۔ "تمہاری حکومت کو اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"حکومت جواب دے لے گی....تم بے فکر رہو۔"

"نکل جاؤ یہاں سے....نکلو۔" سر بتھال تیزی سے اٹھ کر دروازے کیطرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

بُرے پھنسے

"بہت اچھا سر بتھال" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تمہیں بہت جلد بولنے پر مجبور ہونا پڑے

فریدی اور حمید سر بتھال کے بنگلے سے نکل آئے انکی کار تیزی سے ایک طرف جارہی

"آپ نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....!"

"اگر آپ نے اُسے چھیڑا تھا تو اس طرح چھوڑ کر نہ آنا چاہئے تھا۔"

"اس کے علاوہ اب کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔"

"اگر وہ کہیں نکل بھاگا تو....!" حمید نے کہا۔

"مطمئن رہو۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے بنگلے کی نگرانی کی جارہی ہے۔"

"اگر بھیس بدل کر نکل گیا تو۔"

"سنو! سر بتھال ایک مشہور آدمی ہے وہ اس قسم کی حرکت کر کے بچ نہیں سکتا۔ وہ مطمئن کئے بغیر اس قسم کا اقدام ہرگز نہ کرے گا۔ اس نے مصر کے لئے ویزا کی درخواس ہے۔ جو اسے میری مرضی کے بغیر نہ مل سکے گا۔"

"بہر حال آپ اس سے گفتگو کرنے کے بعد کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"وہ ایک اول درجے کا مکار ہے.... اُس کی اس وقت کی اداکاری قابل داد تھی لیکن وہ آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتا؟"

"اُسے گرفتار ہی کیوں نہ کیا جائے۔" حمید نے کہا۔

"خیال احمقانہ ہے.... تم اس کے خلاف ثبوت نہیں پیش کر سکتے۔"

"آپ غالباً وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمروں میں گئے تھے۔" پھر حمید نے پوچھا۔

"ہاں لیکن کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہوئی۔"

"آخر وہ قہقہہ کیسا تھا....؟"

"رہا ہوگا.... میں ایسی لغویات کی طرف دھیان نہیں دیتا۔"

"لغویات!" حمید حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "ارے میں نے اُسے اپنے کانوں سے سنا

"لیکن میرے کانوں سے نہیں سنا تھا۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"یعنی....!"

"ارے بھائی رہا ہوگا کچھ....!" فریدی نے کہا۔ "لیکن وہ اس قابل نہیں کہ میں اُسے خاص پر نوٹ کروں۔"

"اور سر بتھال کا وہ دیوانہ پن....!"

"ایک عمدہ قسم کی اداکاری....!"

"تو آپ ابھی تک اسی خیال میں ہیں کہ سر بتھال آپ کو غلط راستے پر لگانا چاہتا ہے۔"

"قطعی....!"

"لیکن آپ کا خیال غلط ہے۔"

"بہت اچھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔"

حمید خاموش ہو گیا.... وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"اب ہمیں کہاں جانا ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کیپٹن خاور کے یہاں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... وہاں تو ہمیں پہلے ہی جانا چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"آج کل بڑے عقلمند ہو رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "کیوں نہ ہو شہناز کا معاملہ آ پھنسا ہے نا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اوہ....!" فریدی چونک کر بولا۔ "تو شاید یہ لوگ وہیں سے واپس آرہے ہیں۔"

سامنے پولیس کی لاری آرہی تھی۔ ڈرائیور کے قریب اگلی سیٹ پر انسپکٹر جگدیش بیٹھا تھا۔

فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی تھی۔ پولیس کی لاری رک گئی۔

"کیا تم خاور کے یہاں سے آرہے ہو۔" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔ جگدیش لاری سے ر کر قریب آگیا۔

"جی ہاں.... لیکن کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو اس کے قتل پر روشنی ڈال سکتی۔"

"کار کے حادثے پر تو میں بھی روشنی ڈال سکتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن قتل پر سٹ مارٹم کی رپورٹ ہی روشنی ڈال سکے گی۔"

"آخر یہ آپ کا سپرنٹنڈنٹ کیوں آپ کے پیچھے پڑ گیا ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"سنو....! بعض کتے سردیوں میں بھی پاگل ہو جاتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کے لئے ایک آنچ اور ہلکی سی چوٹ کی ضرورت ہے۔"

"خواہ مخواہ کوتوالی آکر وہ رپورٹیں دیکھ رہا تھا جو کیپٹن خاور نے آپ لوگوں کے لکھوائی تھیں۔" جگدیش نے کہا۔

"ہونہہ.... دیکھنے دو بھائی.... تمہارا کیا نقصان ہوتا ہے۔"

"میں نے پہلے تو صاف انکار کر دیا تھا مگر بیچ میں ہمارے ایس۔ پی صاحب آکودے۔"

"خیر چھوڑو....!" فریدی نے کہا۔ "کیپٹن خاور کے یہاں کون کون ہے۔"

"کوئی نہیں ہم نے تالا توڑ کر تلاشی لی تھی۔"

"پھر.... کیا دوسرا تالا بند کر آئے ہو۔"

"ہاں.... اب کسی مجسٹریٹ کی موجودگی میں تالے کو سیل کرادوں گا۔"

"جلدی مت کرو.... میں بھی ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں.... میرا خیال ہے کہ یہ حادثہ بھی اُسی رومال والے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔"

"اوہ....!" جگدیش چونک پڑا۔

جگدیش نے تالے کی کنجی فریدی کے حوالے کر دی۔

"اگر تمہیں میرا اعتبار نہ ہو تو تم بھی ساتھ چلو۔" فریدی نے کہا۔

"کمال کیا آپ نے....!" جگدیش نے کہا اور لاری کی طرف چلا گیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی.... تھوڑی دیر بعد وہ کیپٹن خاور کے مکان کے سا گئے۔ فریدی نے تالا کھولا اور دونوں مکان میں داخل ہو گئے۔

وہ متعدد کمروں میں گھومتے پھرے.... دفعتاً حمید ایک میز کی طرف جھپٹا.... دوسر میں اس کے ہاتھ میں سفید رنگ کا ایک رومال بھی تھا.... اُس نے اٹھا کر اُسے سونگھا اور ا منہ سے چیخ نکل گئی۔ فریدی چونک کر اُس کی طرف پلٹا۔

"خدا کی قسم کی شہناز کا ہے۔" حمید چیخا۔

فریدی اس کی طرف لپکا۔

"شہناز کا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"یہ رومال میں نے اُسے دیا تھا۔ یہ دیکھئے اس کونے پر میرے دستخط.... اور شہناز یہی خوشبو ستعمال کرتی تھی۔" حمید نے رومال کو سونگھتے ہوئے کہا۔

"اوہ....!"

"اور یہ.... اور یہ....!" حمید زمین کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ چوڑیوں کے ٹکڑے.... ی چوڑیاں شہناز پہنے ہوئے تھی.... مجھے اچھی طرح یاد ہے.... ارے وہ سینڈل.... خدا کی قسم بھی شہناز کا ہے.... اور.... وہ....!"

"اب خاموش رہو۔" فریدی اس کے قریب آکر آہستہ سے بولا۔ "ریوالور ہے تمہارے یب میں۔"

"نہیں.... کیوں....؟" حمید چونک کر بولا۔

"میرے پاس بھی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یہاں ان چیزوں کی موجودگی میں مجھے خطرہ سوس ہو رہا ہے۔ یہ سب چیزیں یہاں پولیس کی واپسی کے بعد ڈالی گئی ہیں۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ رہے ہیں۔"

"فریدی صاحب سچ کہہ رہے ہیں سرجنٹ حمید۔" پیچھے سے کسی نے کہا۔

فریدی اور حمید چونک کر پلٹے.... دروازے میں وہی آدمی کھڑا مسکرا رہا تھا جو فریدی کے تہہ خانے سے نکل بھاگا تھا.... اُس کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے اور اُن کی نالیں فریدی اور حمید کی طرف تھیں اور وہ اس وقت نہایت فصیح اردو بول رہا تھا۔

"اس کا مطلب....!" فریدی نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں تمہاری عقل مندی اور ذہانت کو تھوڑا سا مزہ چکھاؤں گا۔"

"خیر.... خیر....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم نے اپنا نام شاید محمد فضیل بتایا تھا.... اور تم اپنی بہن کے قاتل ہو۔"

"فضول بکواس مت کرو۔"

"اور تم میرے والد کے دوست علی فضیل کے لڑکے ہو۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے اس طرح تم میرے بھائی ہوئے۔" اُس نے کہا۔ "اپنے منہ پھیر کر

کھڑے ہو جاؤ ورنہ گولی ماردوں گا اور لوگ یہی سمجھیں گے تم شہناز کو غائب کر کے اور جان سے مار کر کہیں فرار ہوگئے۔"

"جلدی کرو.... میرے پاس وقت نہیں۔"

حمید اور فریدی نے اپنے منہ پھیر لئے۔

"اب آگے بڑھو.... اگر پلٹ کر دیکھا تو یہیں ڈھیر کردوں گا۔"

فریدی اور حمید چلنے لگے انہیں متعدد کمروں سے گذرنا پڑا.... "دیکھا تم نے۔" فرید سے بلند آواز میں بولا۔ "ہمیں راستے بھر چوڑیوں کے ٹکڑے ملے ہیں.... اور ان کا سل کسی تہہ خانے کے قریب گیا ہوگا۔"

فضیل نے قہقہہ لگایا۔

"بہرحال میں نے جو جال بچھایا تھا اس میں کامیاب ہوگیا.... تمہیں کسی قسم کی تا ہونے پائے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں بھی تمہیں ایک تہہ خانے میں مہمان ر ہوں لیکن تم اس میں سے نکل نہ سکو گے۔"

"بھلا میں کسی بدروح کا مقابلہ کیسے کرسکتا ہوں.... میں اپنے ساتھ ٹائم بم تو لا نہیں....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"آدمی دلیر ہو.... لیکن اتنے دلیر بھی نہیں کہ مصر کے قدیم رازوں کو دریافت کر فضیل بولا۔ "جلدی چلو.... میرے ساتھ کسی قسم کی مکاری کر کے کامیاب نہیں ہوسکتے۔

"اے میرے والد کے دوست کے بیٹے تم اتنی بے مروتی سے کیوں پیش آرہے فریدی مڑ کر بولا.... اور فضیل نے فائر کردیا۔ اگر فریدی بیٹھ نہ جاتا تو سر اڑ ہی گیا ہوتا۔

"اٹھو....!" فضیل گرج کر بولا۔ "میں اب زیادہ خون نہیں کرنا چاہتا.... میرا کوٹا قریب پورا ہو چکا ہے۔"

فریدی کھڑا ہوگیا۔

"اپنا منہ دروازے کی طرف پھیر لو۔" فضیل نے کہا۔

فریدی پھر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"لیکن اگر مجبور کرو گے تو تمہیں جہنم تک کیپٹن خاور کا تعاقب کرنا پڑے گا۔" فضیل نے

"میرا محکمہ مجھے اس کی اجازت نہ دے گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"لیکن ہم تمہیں جہنم تک ضرور پہنچادیں گے۔" حمید نے کہا۔

"شش شش تم مت بولو۔" فریدی نے کہا۔ "بزرگوں کا ادب کرنا سیکھو.... فضیل عمر میں اسے بڑا معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا بکواس بند...." فضیل غصے میں چیخا۔ "اب رک جاؤ.... اس قالین کو الٹو....!"

وہ لوگ ایک ایسے کمرے میں پہنچے جہاں فرنیچر نہیں تھا۔ فرش پر ایک خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا اور چاروں طرف بڑے بڑے تکیئے رکھے ہوئے تھے۔

فریدی قالین الٹنے کے لئے جھکا.... اور قالین کا کنارا دونوں ہاتھوں میں مضبوط پکڑ کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔

"آگے کی طرف الٹ دو....!" فضیل تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"فریدی نے ایک بار قالین کو پوری قوت سے تولا اور اپنے سر پر سے اچھال کر پیچھے کی طرف پھینک دیا۔

فضیل اس سے بے خبر تھا۔ پوری قالین اس پر آرہی اور خود فریدی اور حمید بھی اس کی ہیبت سے محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ تینوں زمین پر گر گئے تھے اور فریدی قالین کے نیچے فضیل سے گتھا ہوا تھا.... پستول پہلے ہی فضیل کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔

"حمید پستول....!" فریدی چیخا۔ "پستول تلاش کرو۔"

"دیکھو....! میں اب تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔" فضیل ہانپتا ہوا بولا۔ اس نے فریدی کے ہاتھوں میں کئی جگہ دانت کاٹے تھے۔

دفعتاً پستول چلنے کی آواز آئی اور حمید چیخ پڑا۔ فریدی کی گرفت ڈھیلی ہوگئی اور فضیل ایک ہی جھٹکے میں فریدی کے شکنجے سے آزاد ہوگیا.... وہ بڑی پھرتی سے قالین کے نیچے سے نکلا اور دوسرے ہی لمحے میں کمرے کے باہر تھا.... فریدی نے قالین الٹ دی ایک پستول اس کے ہاتھ میں تھا.... وہ بھی باہر کی طرف جھپٹا.... حمید بھی اٹھا.... وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا.... اُس نے فرش پر پڑا ہوا دوسرا پستول اٹھالیا اور اُسے قہر بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

"گولی تو نہیں لگی۔" فریدی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "وہ نکل گیا۔"

"میں کیا بتاؤں.... مگر میں نے غلطی کی.... میں قالین کے نیچے پستول ڈھونڈنے لگا اور وہ کمبخت میرا ہاتھ پڑتے ہی چل گیا....!"

"اوہ تو یہ کہو.... احمق کہیں کے اگر اُس کا رخ تمہاری یا میری طرف ہوتا تو ہم لوگ ہوتے؟"

"اب کیا کیا جائے....!" حمید بے بسی سے بولا۔

"کچھ پرواہ نہیں.... کب تک بچے گا...." فریدی نے کہا۔ "یہاں سے جلدی چلو.... یہ مکان خطرناک معلوم ہوتا ہے۔"

دونوں صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

"یوں نہیں....!" فریدی بولا۔ "ہم دونوں اپنی پیٹھ ملا کر چلیں۔"

"وہ کیوں....؟"

"اگر پیچھے سے کسی نے حملہ کیا تو....؟" فریدی نے کہا۔

"مگر میں الٹا نہ چل پاؤں گا۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"تم سے کون کہتا ہے۔" فریدی بولا۔ "میں الٹا چلوں گا۔"

دونوں پشت ملا کر چلنے لگے۔ حمید کو ہنسی آ گئی۔ وہ سیدھا چل رہا تھا۔ اور فریدی اُس سے ملائے ہوئے الٹا چل رہا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"ہنسو نہیں پیارے۔" فریدی بولا۔ "زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جب سے بھی زیادہ مضحکہ خیز بننا پڑتا ہے۔"

"دونوں اپنے دائیں بائیں نظریں ڈالتے ہوئے آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔

"تم بہت جلدی کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔ "کیا مجھے گرانے کا ارادہ ہے۔"

حمید نے رفتار دھیمی کر دی۔

"ڈرو نہیں.... اس طرح ہم محفوظ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

لیکن وہ دونوں چھت کی طرف سے بے خبر تھے.... دفعتاً چھت کا ایک روشن دان کھلا ایک بڑا سا جال فریدی اور حمید پر آ گرا.... قبل اس کے کہ وہ سنبھلتے جال کے سرے پر لگی

سی کھینچ لی گئی.... دونوں پھنس کر رہ گئے۔

"خبردار فائر مت کرنا۔" اوپر سے آواز آئی۔ "یہ کمرہ سڑک کے قریب ہے.... فائر کی واز سن کر راہ گیر اکٹھا ہو جائیں گے۔ لیکن اُن کے یہاں تک پہنچتے پہنچتے تم دونوں ختم کر دیئے جاؤ گے۔"

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ "تم آخر چاہتے کیا ہو۔"

"اپنے پستول جال سے نکال کر دور پھینک دو۔" اوپر سے آواز آئی۔

"ارے میرے والد کے دوست کے بیٹے تو واقعی بڑا ستم ظریف ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"کمبخت...." اوپر سے آواز آئی۔ "پستول پھینکتے ہو یا میں اپنا کام کر کے چلتا بنوں۔"

"لے بھئی تو بھی کیا یاد کرے گا۔" فریدی نے دونوں پستول اوپر پھینک دیئے۔

"ٹھیک.... اب خاموشی سے پڑے رہو.... میں ابھی آیا۔" اوپر سے آواز آئی۔

چند لمحوں کے بعد فضیل کمرے میں داخل ہوا اور اس نے پستول اٹھا لئے۔

"ارے میرے والد کے دوست کے....!"

"خاموش رہو....!" فضیل غرا کر بولا۔

"تم اردو بہت اچھی بول لیتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"میں دس زبانوں کا ماہر ہوں۔" فضیل مسکرا کر بولا۔

"لیکن سر بتھال اردو نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ سر بتھال۔" فضیل نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر معنی خیز انداز میں بولا۔ "میں اُسے عنقریب اردو سکھاؤں گا۔"

"اچھا اب ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکلے.... ورنہ....!"

"ہمیں قتل کر دو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

فضیل نے جال کی رسی کو پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ دونوں زمین پر گر پڑے.... فضیل جال کو کھینچتے ہوئے لے چلا۔

فریدی زخمی شیر کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"خدا کی قسم ایسی ذلت کبھی نہیں ہوئی۔" وہ ہانپتا ہوا آہستہ سے بولا۔

فضیل جال کو کھینچتا ہوا اس کمرے میں لے آیا جہاں قالین الٹی گئی تھی۔

"اب تم تہہ خانے میں جا رہے ہو۔" فضیل بولا۔ "یہ چیز مجھ پر تمہاری طرف سے
تھی.... لیکن گھبراؤ نہیں تم نے مجھ سے کوئی بُرا سلوک نہیں کیا تھا۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف
ہو گی۔"

اس نے تہہ خانے کا ڈھکن اٹھایا اور جال کو کھینچ کر نیچے دھکیل دیا۔ فریدی اور حمید جال
الجھے ہوئے سیڑھیوں سے لڑھکتے ہوئے فرش پر آگرے.... اوپر ڈھکن بند کر دیا گیا۔ تہہ خا
میں بالکل اندھیرا تھا۔ چند لمحوں کے بعد جب اُن کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو ا
دو شکلیں دکھائی دیں۔

"شہناز....!" حمید چیخا۔

"مقصود تم بھی آپھنسے۔" فریدی نے کہا۔ "کھڑے دیکھتے کیا ہو اس جال کا منہ کھولو۔"

"ارے انسپکٹر صاحب آپ۔" مقصود تحیر آمیز لہجے میں چیخ کر آگے بڑھا۔ دوسرے
میں فریدی اور حمید جال کے باہر تھے۔

"اس گدھے کی بدولت مجھے یہ دن دیکھنا پڑا۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے ش
سے کہا۔

"اب کیا کروں.... وہ کمبخت چل ہی گیا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"خیر خیر بکو نہیں۔" فریدی نے کہا اور مقصود کیطرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم یہاں کیسے پہنچ

"میں آپ کے حکم کے مطابق شہناز صاحبہ کے مکان کی نگرانی کر رہا تھا کل شام کیپٹن
انہیں اپنے ساتھ کلب لے گیا.... میں ان کے پیچھے لگا ہوا تھا.... پھر وہ انہیں یہاں اپنے گھر
میں پلٹ کر آپ کو فون کرنے ہی والا تھا کہ کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کوئی وزنی چیز مار
بیہوش ہو گیا.... اور پھر جب آنکھ کھلی تو میں شہناز صاحبہ سمیت اس تہہ خانے میں تھا۔"

"تم اُس کے ساتھ کلب کیوں گئیں تھیں۔" حمید شہناز کی طرف مڑ کر تیز لہجے میں بولا۔

"اچھا بس بس فضول بکواس نہیں۔" فریدی حمید کو گھور کر بولا۔

"مجھے دھوکا دیا گیا تھا۔" شہناز بولی۔

"مجھے یقین ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی اس کی پیشین گوئی کر دی تھی اور ا

لئے تمہاری حفاظت کے لئے مقصود کو بھیجا گیا تھا۔"

"لیکن تمہیں دھوکا کیسے دیا گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"تم پھر بولے۔" فریدی نے کہا اور شہناز سے بولا۔ "تم نے کیپٹن خاور کے لئے کچھ ایصال
اب بھی کیا یا نہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"وہ بیچارا پچھلی رات شیطان کو پیارا ہو گیا۔"

"اوہ.... کیسے....!"

"کار الٹ گئی.... کنپٹی میں گولی لگ گئی۔"

"ارے....!" مقصود اچھل کر بولا۔

"اس نے مجھ سے کہا تھا کہ فریدی صاحب تمہیں کلب میں بلا رہے ہیں.... میں اس کے
ساتھ کلب گئی.... وہاں ایک بیرے نے اُسے ایک چٹ دی.... وہ آپ کی طرف سے تھی۔
اُس میں آپ نے لکھا تھا کہ میں تمہارے گھر جا رہا ہوں تم شہناز کو لے کر وہاں آؤ۔"

"اوہ....!" فریدی جیب سے سگار نکال کر سلگاتا ہوا بولا۔ "بہر حال وہ اپنی سزا کو پہنچ گیا۔
میں نے تمہیں ہر گز نہیں بلایا تھا۔"

"لیکن کیا ہم اب یہاں چوہوں کی طرح بند رہیں گے۔" حمید نے کہا۔

"آدمیوں کیطرح۔" فریدی نے منہ اور ناک سے دھوئیں کے گنجان لہریئے نکالتے ہوئے کہا۔

"اب آپ کس کے قتل کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔" حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"جبار کے....!" فریدی نے کہا اور سگار کا کونا چبانے لگا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا
تھا.... ماتھے پر شکنیں تھیں اور آنکھیں ادھ کھلی.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے نیند آ رہی ہو۔

"آپ تو اتنے اطمینان سے بیٹھے ہیں جیسے اپنا ہی گھر ہو۔" حمید نے کہا۔

"ہوں....!" فریدی چونک کر بولا۔ "میں نے سنا نہیں۔"

"میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آخر کب تک یہاں بند پڑے رہیں گے۔"

"ابھی دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار ایک کونے میں
پھینک کر ٹہلنے لگا۔

پھر وہ تہہ خانوں کے زینوں پر چڑھا اور تھوڑی دیر بعد پھر وہیں واپس آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ تختہ کیلوں سے جڑ دیا گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"بلکہ بہت بُرے سے بھی بُرا ہوا۔" فریدی نے داہنے شانے کو جنبش دے کر کہا۔

"اب کیا ہوگا؟" حمید بے تابی سے بولا۔

"ہوگا یہ کہ تم تھوڑی دیر بعد فضیل کو بوڑھی کی طرح کلکلا کلکلا کر کوسنا شروع کر دو گے"

سر بنتھال کی لاش

فریدی پر خاموشی کا دورہ پڑ گیا۔ شہناز حمید اور مقصود سرگوشیاں کرتے رہے۔ فریدی کبھ کر ٹہلنے لگتا اور کبھی بیٹھ جاتا۔ اس نے کئی بار تہہ خانے کا ڈھکن ہٹانے کی کوشش کی مگر ناکام

"آخر اس نے ہمیں کیوں اس چوہے دان میں بند کر دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"تاکہ من مانی حرکتیں کر سکے۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے خلاف کیپٹن خاور کی رپور تقویت دینے کے لئے ہمارے اس طرح غائب ہو جانے پر آفیسروں کا شبہ بھی یقین م جائے گا اور وہ کیپٹن خاور کے صحیح قاتل کا پیچھا چھوڑ کر ہماری تلاش شروع کر دیں گے۔"

"کیا کیپٹن خاور کی کوئی رپورٹ آپ کے خلاف ہے۔" شہناز نے پوچھا۔

"ہاں اس کا تعلق تمہاری ذات سے ہے۔ اس نے یہ رپورٹ کی تھی کہ تم اس کی خا بہن اور منگیتر ہو اور ہم لوگ تمہیں پریشان کرتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اُف میرے خدا اس کتے نے میری نادانستگی میں کیا کیا کر ڈالا۔" شہناز دانت پیس کر بو

"تم آخر اس کے ساتھ رہتی ہی کیوں تھیں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"پھر تم نے بکواس کی۔" فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا۔

"بھلا میں کیا کر سکتی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

پھر خاموشی چھا گئی....

فریدی اٹھ کر زینوں کی طرف چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک بار پولیس اس کی تلاش میں بھی وہاں ضرور آئے گی۔ وہ اوپر کے آخری زینے پر بیٹھ گیا.... گھڑی نے چھ بجائے اور وہ مایوس ہو کر لوٹ آیا.... تہہ خانے میں بالکل اندھیرا چھا گیا۔ فریدی نے دیا سلائی جلائی۔ طاق پر ایک موم بتی رکھی تھی اس نے اسے روشن کر دیا۔

"رات بھی ہو گئی۔" حمید مایوسی سے بولا۔

"اور صبح بھی ہو جائے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کو تو ہر وقت مذاق سوجھتا ہے۔"

"اب یہاں اس حالت میں مذاق کے علاوہ اور چارہ ہی کیا رہ جاتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ کو کوئی پریشانی نہیں۔" شہناز نے پوچھا۔

"پریشانی کس بات کی۔" فریدی نے کہا۔ "یہاں فرش پر سونے میں تھوڑی سی تکلیف ضرور ہو گی.... اور شاید حمید کو بھوک بھی ستائے۔"

"ہم نے کل رات سے کھانا نہیں کھایا ہے....!" مقصود بولا۔

"یہ چیز تکلیف دہ ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ کسی نہ کسی وقت پولیس یہاں ضرور آئیگی۔

"تہہ خانے میں....!" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"ٹھہرو مجھے کچھ آہٹ معلوم ہو رہی ہے۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ اٹھ کر آہستہ آہستہ تہہ خانے کے زینوں پر چڑھنے لگا۔

اوپر کمرے میں کئی قدموں کی آہٹ معلوم ہو رہی تھی۔ حمید بھی فریدی کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"کوئی بھی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں یہ ڈھکن پیٹنے جا رہا ہوں اگر پولیس ہو گی تو ضرور اس طرف متوجہ ہو جائے گی اور اگر مجرم ہوئے تو خیر....!"

فریدی نے تہہ خانے کے ڈھکن کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔ قدموں کی آہٹ رک گئی.... وہ بدستور اس تختے کو پیٹتا رہا.... تھوڑی دیر کے بعد اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اوپر سے بھی کوئی اسے پیٹ رہا ہو۔

"شاید مجرموں نے اس تختے میں کیلیں جڑ دی تھیں پولیس جنہیں اکھاڑ رہی ہے یا پھر کیلیں جڑنا بھول گئے تھے۔ اب جڑ رہے ہیں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو ہمیں کسی خاص بات کے منتظر رہنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

وہ دونوں نیچے اتر آئے۔ بدستور ہتھوڑے چل رہے تھے اور پھر چرچراہٹ کی آواز آئی اچھل پڑا۔ زینوں پر کئی قدموں کی آہٹ سنائی دی اور انسپکٹر جگدیش کا چہرہ دکھائی دیا۔

"اوہ میرے باپ۔" جگدیش چیخ کر بولا۔ "یہاں تو جانی پہچانی صورتیں نظر آرہی ہیں۔

فریدی آہستہ سے اٹھ کر آگے بڑھا۔

"ارے آپ بھی ہیں۔" جگدیش آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی....!" فریدی نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور جگدیش کو اس طرح گھورنے لگا جیسے ا حملہ کر بیٹھے گا۔ جگدیش لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تم نے پہلی بار کس طرح تلاشی لی تھی۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"اچھی طرح....!"

"اسی طرح....!" فریدی نے شہناز اور مقصود کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"لیکن آپ لوگ یہاں پہنچے کیسے؟" جگدیش نے پوچھا۔

"اوپر چلو....!" فریدی نے کہا اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں پہنچتے ہی سب سے پہلے اس کی مڈبھیڑ اپنے محکمے کے سپرنٹنڈنٹ سے

"کہئے صاحب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا کیا رہا۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"تمہارا خیال صحیح تھا۔" سپرنٹنڈنٹ نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "لیکن تم یہاں کیا کر رہے

"مکھیاں مار رہا تھا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "دفتر میں چونکہ کافی صفائی رہتی ہے اس وہاں زیادہ تعداد میں مکھیاں دستیاب نہیں ہوتیں۔"

فریدی آگے بڑھا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اُسے لوٹنا پڑا۔ دوسرے کمرے میں ا کے ڈی۔ آئی۔ جی اور سول پولیس کے کچھ اعلیٰ افسر بھی موجود تھے۔

"اس کا مطلب....!" فریدی نے اس کمرے کی طرف اشارہ کر کے جگدیش سے پوچھا

"اوہ.... یہاں ایک لاش بھی ہے۔"

"لاش کس کی لاش....!"

"ایک خطاب یافتہ اور معزز انگریز سربتھال کی۔" جگدیش نے کہا۔

"اوہ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

وہ سب دوسرے کمرے میں پہنچے۔

"ہیلو فریدی....!" ڈی۔ آئی۔ جی اس کی طرف بڑھا۔

"میں نے جو رپورٹ آپ کو دی تھی اس کے مطابق سب کچھ ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن تم اس وقت یہاں کہاں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"یہی میں آپ سے پوچھنے والا تھا۔"

"سربتھال کی لاش یہاں پائی گئی ہے۔"

"کہاں ہے۔"

"دوسرے کمرے میں۔"

"وہاں سے سب کو ہٹا دیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مجھے تنہا وہاں جانے دیجئے یا آپ بھی میرے ساتھ چلئے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

وہ دونوں اس کمرے کی طرف چلے گئے۔

جگدیش شہناز کا بیان لکھ رہا تھا۔ حمید اور مقصود نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے انہیں کریدنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی منہ لٹکائے ہوئے کمرے سے واپس آیا۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور ناکامی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی بے دلی سے بولا۔

"دیکھئے آخر میرا ہی خیال سچ نکلا نا....!" حمید چہک کر بولا۔

"شاگرد کس کے ہو۔" فریدی کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اگر استاد نے شکست کھائی تو کیا ہوا۔"

تھوڑی دیر بعد سربتھال کی لاش وہاں سے ہٹا دی گئی۔

وہاں ضروری کاروائی کے بعد یہ پارٹی سربتھال کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئی.... شہناز گھر

بھیج دی گئی۔

فریدی سر بنتھال کی ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ بھی تھ
کر سر بنتھال کے ڈرائنگ روم میں آبیٹھا۔

"دو تین دن کے دوران شہر میں چار قتل ہوگئے۔" ایس پی بولا۔ "ہم ابھی تک
کرسکے۔"

فریدی سمجھ گیا کہ روئے سخن کس کی طرف ہے۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

"لیکن سر بنتھال یہاں کس لئے مقیم تھا۔" محکمہ سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا

"وہ ہمارے ملک کے آثار قدیمہ کے متعلق ایک کتاب لکھ رہا تھا۔" فریدی بولا۔
آپ کی نظروں سے اس کی کتاب **Ruins of Egypt** گذری ہو.... مصری آثار قدیمہ
سے اچھی کتاب شاید ہی کسی نے لکھی ہو۔"

"اوہ.... ٹھیک ہے میں نے اس کتاب کی شہرت سنی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

اور پھر کچھ دیر کی کاروائی کے بعد وہ لوگ وہاں سے رخصت ہوگئے۔

فریدی راستے بھر خاموش رہا۔ حمید بھی خاموش تھا۔ اسے سب سے زیادہ کار کے
ہو جانے کا غم تھا۔ شاید فضیل ہی انہیں تہہ خانے میں بند کر کے ان کی کار بھی اڑا لے گیا تھ
وقت وہ ٹیکسی کر کے گھر جا رہے تھے۔ سردی کی شدت سے ان کے دانت بج رہے تھے۔
گئے تھے۔ شہر آہستہ آہستہ سنسان ہوتا جا رہا تھا۔

جیسے ہی ٹیکسی کی ہیڈ لائٹ کی روشنی فریدی کی کوٹھی کے پھاٹک پر پڑی حمید اچھ
فریدی کی کار سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔

دونوں ٹیکسی سے اتر آئے.... فریدی نے کار میں ہاتھ ڈال کر ہارن دیا اور چوکی
پھاٹک کھول دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

"فضیل کی دلیری پر حیرت ہوتی ہے۔" حمید بولا۔ "غالباً ہماری کار وہی یہاں چھوڑ گ
اور یہ خط بھی دیکھو! جو اگلی سیٹ پر پڑا ملا ہے۔" فریدی نے ایک لفافہ حمید کی طرف
ہوئے کہا۔

حمید خط نکال کر بلند آواز سے پڑھنے لگا۔

"پیارے فریدی....

مجھے امید ہے کہ تم ہوش میں آگئے ہو گے۔ یاد رکھو کہ میرے پیچھے پڑنے کا نتیجہ موت ہے۔ میں بہادروں کی قدر ضرور کرتا ہوں لیکن ایک حد تک.... جہاں کسی دلیر نے کم از کم میرے معاملے میں ان حدود سے قدم نکالا میں اسے معاف کرنا چھوڑ دیتا ہوں.... سر بنتھال کا حشر دیکھو اور عبرت پکڑو۔ اسے تو میں کسی حالت میں بھی معاف کر ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ اسے رومال کا راز معلوم تھا اور وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ میں تمہارے ملک سے جا رہا ہوں۔ بالکل اسی طرح یہاں سے نکل جاؤں گا جس طرح تمہارے مستحکم ترین تہہ خانہ سے نکل گیا تھا۔ اگر تمہیں میری قید میں کچھ تکلیف ہوئی ہو تو معاف کرنا.... مجھے افسوس ہے کہ تمہیں وہاں دن بھر بھوکا رہنا پڑا۔

"فضیل" (یا جو کچھ بھی تم سمجھو)

نوٹ: واضح رہے کہ مصر کے جاسوس علی فضیل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

حمید خط ختم کرنے کے بعد تحیر آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ چوٹ زندگی بھر یاد رہے گی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"آخر یہ فضیل ہے کون۔" حمید نے پوچھا۔

"خدا جانے.... لیکن ہے دلیر آدمی.... لیونارڈ اور جابر کے بعد یہ دوسرا آدمی ملا ہے جس
نے مجھے اتنی ذہنی اور جسمانی ورزش پر مجبور کیا۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹیلی فون کے نمبر
نے لگا۔

"ہیلو.... کون بول رہا ہے.... اچھا.... جگدیش.... میں ہوں.... فریدی.... دیکھو
ی اور اس کے لواحقین کو سر بنتھال کے قتل کی خبر شائع ہونے سے پہلے ہی حراست میں لینے کی
شش کرو۔ ان سے سر بنتھال کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکیں گی.... اوہ.... اچھا اگر
ا وقت انہیں پکڑ سکو تو بہتر ہے.... میں صبح آؤں گا.... کم از کم انہیں رات بھر حوالات میں
ور رکھو.... اچھا شب بخیر۔" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"بھئی اب تو سونا چاہئے۔" فریدی جمائی لیتا ہوا بولا۔

"دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی اور حمید کوتوالی پہنچے۔ ٹیوی اور اس کی بیوی حوالات ؛ تھے۔

"کیا ان کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا۔" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"گھر میں یہی دونوں تھے۔" جگدیش نے جواب دیا۔ فریدی ٹیوی اور اس کی بیوی کی متوجہ ہوا۔ ٹیوی کی بیوی حمید کو گھور رہی تھی۔

"کیا یہی وہ آدمی ہے جو اس رات تمہارے گھر کی لائٹ فیوز کر کے نکل بھاگا تھا۔" نے اس سے پوچھا۔

"ہاں یہی تھا۔" عورت بولی۔

"تم سر بتھال کو جانتے تھے۔" فریدی نے ٹیوی سے پوچھا۔

"ہاں....!"

"وہ کون تھا۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیا سر بتھال نے تمہیں اس کے متعلق کوئی اطلاع دی تھی۔"

"ہاں....!"

"کس وقت....؟"

"دوپہر کو....!"

"اس رات تمہارے گھر میں وہ دوسرے آدمی کون تھے.... اور وہ اب کہاں ہیں۔"

"لیفٹیننٹ مارگن اور کیپٹن خاور.... لیفٹیننٹ مارگن کل انگلینڈ گیا۔"

"کس وقت....!"

"شام کو....!"

"لیفٹیننٹ مارگن سر بتھال کو جانتا تھا۔"

"ہاں....!"

"تمہارا سر بتھال اور ان دونوں سے کیا تعلق....؟"

"ہم تینوں دوست تھے۔"

"تمہارے دو دوستوں کا تو خاتمہ ہوگیا۔" فریدی نے کہا۔ "کیپٹن خاور سے تم لوگوں کی دوستی کتنی پرانی تھی۔"

"زیادہ پرانی نہیں۔" ٹیوی بولا۔ "شاید آج سے ایک ہفتہ قبل سر بتھال نے کلب میں اس سے میرا تعارف کرایا تھا۔"

"سر بتھال نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اس بیہوش آدمی کو تمہارے سپرد کیوں کرنا چاہتا تھا۔"

"ہاں اس نے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک دشمن کو لائے گا جسے مجھے حراست میں رکھنا پڑے گا۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ جرم ہے تم نے ایسی حرکت کا ارادہ کیوں کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"میں جرم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔" ٹیوی بیزاری سے بولا۔

"تم کیا کرتے ہو۔"

"اینڈرسن اینڈ اینڈرسن میں منیجر ہوں۔"

"تمہاری بیوی کو تمہاری اس حرکت کی اطلاع تھی۔"

"نہیں....!"

"کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ سر بتھال کے قتل میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟"

"میں بھلا اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اس کا کوئی دشمن....!"

"میں یہ بھی نہیں جانتا۔"

"لیکن ابھی تم نے اس کے کسی دشمن کا تذکرہ کیا تھا۔"

"ہاں! لیکن میں نے پہلے ہی کہہ دیا کہ سر بتھال نے مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"مگر تم نے ابھی اس کا اقرار کیا ہے کہ تم اسے کاندھے پر لاد کر گھر میں لے جا رہے تھے۔"

"لیکن میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا۔"

"اوہ....!"

"لیفٹیننٹ مارگن یہاں کب سے مقیم تھا۔"

"ایک ماہ سے۔"

"کیوں آیا تھا۔"

"مجھ سے ملنے.... اور شکار کھیلنے۔"

"کیپٹن خاور اور لیفٹیننٹ مارگن کو سر بنتھال کی اس رات والی حرکت کی اطلاع تھی۔"

"صرف لیفٹیننٹ مارگن جانتا تھا۔"

"کیپٹن خاور اس وقت تمہارے یہاں کیا کر رہا تھا۔"

"ہم تینوں فلش کھیل رہے تھے۔"

"تم ایک دوسرے جرم کا اعتراف کر رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر آنکھ مارتا ہوا بولا۔
خاموش ہو گیا۔

پھر فریدی اس کی بیوی کو الگ لے گیا اور کافی دیر تک اس سے گفتگو کرتا رہا۔ جب وہ
پھر ٹیوی کی طرف آیا تو ٹیوی نے پوچھا۔

"ہمیں حوالات میں کیوں رکھا گیا ہے؟"

"محض اس لئے کہ تم لوگ سازش کر کے ایک آدمی کو اپنے گھر میں بند رکھنا چاہتے
فریدی نے کہا اور کوتوالی سے چل دیا۔ حمید کو حیرت تھی کہ آخر وہ اسے اپنے ساتھ کیوں
لے گیا۔ دس بجے حمید دفتر چلا گیا۔ وہاں بھی فریدی سے ملاقات نہ ہوئی۔ حمید کی سمجھ میں
آ رہا تھا کہ فریدی اب کیا کر رہا ہے۔

شہر کے سارے اخبارات میں سر بنتھال کے حیرت انگیز قتل کی داستانیں شائع ہوئی
بعض اخباروں نے رومال کا بھی حوالہ دیا تھا اور لکھا تھا کہ دلکشا ہوٹل سے لے کر سر بنتھ
جتنے بھی قتل ہوئے ان کے پیچھے ایک منظم سازش کام کر رہی تھی۔ پولیس دو افراد کی تلا
ہے۔ ایک جبار اور دوسرا ایک غیر ملکی جس کا صحیح نام پولیس کو بھی نہیں معلوم ہو
اخباروں نے محکمہ سراغ رسانی پر بھی ہلکی پھلکی چوٹیں کی تھیں۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب کافی بشاش نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے ڈی۔ آئی۔ جی سے مشور
یہ کیس دوسرے انسپکٹر کے سپرد کر دیا۔

حمید نے یہ چیز شدت سے محسوس کی۔ مگر وہ خاموش رہا۔ کر ہی کیا سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسے سپرنٹنڈنٹ نے بلوایا۔

"فریدی کہاں ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں۔"

"تم جانتے ہو۔"

"اب میں کس طرح عرض کروں۔"

"اس کیس کے چند ضروری کاغذات اس کے پاس ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ تفتیش ہی کے سلسلے میں کہیں گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن میں نے یہ کیس دوسروں کے سپرد کر دیا ہے۔"

"لیکن فریدی صاحب کو اس کا کیا علم....!"

"اب ہو جائے گا علم۔" سپرنٹنڈنٹ ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔"

تقریباً دو بجے فریدی آفس پہنچا۔ وہ ابھی بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ نے اسے اپنے
کمرے میں طلب کر لیا۔

"اس کیس کے کاغذات داخل کر دو۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"میں آپ سے کئی بار عرض کر چکا کہ...."

"بس بس....!" سپرنٹنڈنٹ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں ڈی۔ آئی۔ جی کے حکم کے مطابق ایسا
کر رہا ہوں۔ یہ لو.... ان کی تحریر۔"

سپرنٹنڈنٹ نے ایک کاغذ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ....!" فریدی اُسے پڑھ چکنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ کی طرف دیکھنے لگا۔

سپرنٹنڈنٹ طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"یہ لیجئے۔" فریدی نے کچھ کاغذات جیب سے نکال کر میز پر ڈال دیئے۔

سپرنٹنڈنٹ انہیں بغور دیکھنے لگا۔

فریدی جانے کے لئے اٹھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سپرنٹنڈنٹ بولا۔ "اب تک کی تفتیش کی رپورٹ کہاں ہے۔"

"انہیں کاغذات میں ہے۔"

"یہ رپورٹس تو نہیں۔" سپرنٹنڈنٹ ایک کاغذ فریدی کی طرف بڑھا کر بولا۔ "مختصر ہیں۔"

"یہی میرا طریقہ کار ہے۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "میں کسی کیس کو ختم کرنے کے ہی مکمل رپورٹ لکھا کرتا ہوں۔"

"اب تک کی روئیداد لکھ دو۔" سپرنٹنڈنٹ بولا۔

فریدی نے اپنے لکھے ہوئے نوٹ والا کاغذ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور ایک سادے کا لکھنے لگا۔

"مکمل رپورٹ یہ ہے کہ اس کیس میں بُری طرح ناکامیاب رہا.... کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جسے پے در پے قتل کے واقعات سے کوئی نسبت دی جاسکے.... مجرم نے مجھے اور سار حمید کو تہہ خانہ میں بند کرو دیا تھا.... اس سلسلے میں ایک مشکوک آدمی جبار خان کی مجھے تا تھی.... اور مجرم جس نے مجھے تہہ خانہ میں بند کیا تھا کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا تھا۔"

فریدی نے رپورٹ لکھ کر سپرنٹنڈنٹ کی طرف بڑھا دی۔

"بس....!" سپرنٹنڈنٹ نے طنز آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی....!"

"میں مفصل رپورٹ چاہتا ہوں۔"

"میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔"

"تفصیل نہیں ہے۔"

"اور زیادہ کاغذ خراب کرنے سے کیا فائدہ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہئے تو یہ لکھ دوں کہ اس تفتیش کے دوران مجھے دو بار زکام ہوا.... ایک دن کھانا نہیں کھایا.... ایک دن بھر کھانستا رہا۔"

"اوہ....!" سپرنٹنڈنٹ میز پر پیپر ویٹ پٹخ کر چیخا۔ "میں بدتمیزی برداشت نہیں کرسکتا۔"

"تو یہ میرا استعفیٰ حاضر ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میز پر ڈال دیا اور مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"حمید...." وہ حمید کی میز کے قریب جا کر بولا۔ "اپنا استعفیٰ لکھو۔"

"ارے کیوں....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"ہم اب اس محکمے میں کام نہیں کریں گے۔"

"پھر....!"

"پرانے کوٹوں کی تجارت کریں گے۔" فریدی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

دفتر کے لوگ اس کے گرد اکٹھے ہوگئے مگر وہ اوٹ پٹانگ باتیں کرتا رہا۔

حمید کی الجھن

حمید الجھن میں مبتلا ہوگیا۔ لیکن فریدی کے مجبور کرنے پر اُسے استعفیٰ لکھنا ہی پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اس وقت وجہ نہ بتاسکے گا اور جب وہ استعفیٰ لے کر سپرنٹنڈنٹ کے کمرے میں گیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا بُری طرح ہانپ رہا ہے۔

"کیا ہے۔" اس نے گرج کر پوچھا۔

"استعفیٰ....!" حمید نے کاغذ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"گٹ آؤٹ....!" وہ حلق کے بل چیخا۔

حمید چپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔

دفتر کے سب لوگ متحیر تھے کہ معاملہ کیا ہے۔ انسپکٹر جو فریدی سے حسد رکھتے تھے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا رہے تھے۔

فریدی اور حمید وہاں سے روانہ ہوگئے۔ راستے میں حمید نے پوچھا۔

"آخر آپ نے کیا کیا....؟"

"چپ رہو....!" فریدی بگڑ کر بولا۔ "جو میں نے مناسب سمجھا کیا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔

"دیکھو برخوردار....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ دنیا سرائے فانی ہے۔"

حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں اب ان لغویات سے تنگ آگیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کچھ آرام بھی کرنا چاہئے۔"

بسر اوقات کے لئے پھٹے پرانے کوٹوں کی تجارت کافی معقول رہے گی۔"

"میں.... میں....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"خیر معلوم ہوا کہ تم بکریوں کی تجارت کرنا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا اور کار ولا کے سامنے کھڑی کر دی۔

"آؤ کافی پئیں گے۔" فریدی نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

حمید بُری طرح جھلایا ہوا تھا۔ لیکن اس نے اپنی جھلاہٹ کا اظہار کرنا مناسب نہ س نے سوچا کہ کہیں فریدی یہ نہ سمجھے کہ اس نے اسے استعفیٰ دینے پر مجبور کر کے بور کر حمید کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ اس نے استعفیٰ دے دیا بلکہ الجھن اس بات کی تھی کہ آخ دیا کیوں گیا وہ اس کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔ مگر فریدی کے رویے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس روشنی نہ ڈالے گا.... آخر کیوں....؟

دونوں نے ہوٹل میں کافی پی۔ کچھ پیسٹریاں کھائیں اور دیر تک بیٹھے ادھر اُدھر کرتے رہے۔ حمید نے بھی تھوڑی دیر بعد یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا جیسے آج کوئی اہم بات نہ ہو۔

"آج میں نے ایک ہاتھی کو دیکھا جو ایک بوتل میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔" ح بولا۔

"اچھا تم نے بھی دیکھا تھا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ صرف میں راز سے واقف ہوں۔"

"اگر مہاوت کود کر الگ نہ ہو گیا ہوتا تو وہ بیچارہ بھی بوتل میں پہنچ جاتا۔" حمید۔

"اچھا۔" فریدی نے اپنے چہرے سے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھیں بین ا سیاست پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔"

شاید قطب شمالی میں ہندو مسلم اتحاد ہو جائے۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اُسے آنکھ مار کر مسکرایا اور حمید نے کسی عصمت مآب عورت کی طرح ش سر جھکا لیا....

دونوں کافی دیر تک بیٹھے بے سر وپا باتیں کرتے رہے۔

گھر پہنچ کر حمید اپنا سامان اکٹھا کرنے لگا۔

"کیوں بھئی یہ کیا کر رہے ہو....؟" فریدی نے پوچھا۔

"گھر جا رہا ہوں جو کچھ پس انداز کیا ہے اس سے چند بھینسیں خرید کر دودھ کا کاروبار کرونگا۔"

"چہ چہ.... تمہارے یہ نرم و نازک ہاتھ بھینسوں کا گوبر نہ صاف کر سکیں گے۔" فریدی کہا۔ "مجھے ایک پرائیویٹ سیکریٹری کی ضرورت ہو گی۔"

"کتنی تنخواہ دیں گے آپ....؟"

"سب کچھ تمہارا ہے پیارے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں واقعی سنجیدہ ہوں.... میں نے ی سیاحت کا پروگرام بنایا ہے ایسی صورت میں مجھے ایک پرائیویٹ سیکریٹری کی ضرورت ہو گی۔"

حمید چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"دنیا کی سیاحت۔" حمید نے آہستہ سے دہرایا۔

"ہاں.... سب سے پہلے ہم مصر چلیں گے۔" فریدی اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے بولا۔

"اوہ.... تو یہ کہئے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن کس طرح۔"

"بحری راستے سے۔"

"لیکن اگر وہ ہوائی جہاز سے چلا گیا تو۔"

"وہ اتنا احمق نہیں ہے۔"

"کیوں اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔ ممکن ہے وہ یہاں سے جائے ہی نہیں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ اب میں نے اس کا خیال ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"پھر....؟"

"مجھے یہ دیکھنا ہے کہ علی فضیل کی موت کن حالات میں ہوئی تھی۔"

"لیکن علی فضیل کے متعلق بھی آپ کو اسی سے معلوم ہوا تھا۔" حمید نے کہا۔ "کون جانے س نے یہ بات بھی غلط کہی ہو۔"

"نہیں مجھے اس میں شبہ نہیں۔ حسینہ علی فضیل ہی کی لڑکی تھی۔ آج ہی مصر سے میرے ار کا جواب آیا ہے اور اسی سے معلوم ہوا ہے کہ علی فضیل کے ایک ہی لڑکا تھا، جو اُس کے قتل کے کچھ ہی دن بعد قتل کر دیا گیا تھا۔"

"تو پھر استعفیٰ دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"مصلحت....!" فریدی نے کہا۔ "مجرم خطرناک ہے آسانی سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔"

"تو کیا سپرنٹنڈنٹ سے آپ کی لڑائی محض دکھاوا تھی۔"

"وہ بیچارہ تو یہی سمجھا ہے کہ وہ سو فیصدی حقیقت ہے۔"

"بہر حال اب تو آپ استعفیٰ دے ہی چکے۔" حمید بولا۔

"اس میں کسی شبے کی گنجائش نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر اب آپ یہ سب دردسری کیوں مول لے رہے ہیں۔"

فریدی جواب دینے ہی والا تھا کہ نوکر ایک کارڈ لے کر اندر آیا۔

"اوہ....!" فریدی کارڈ دیکھ کر بولا۔ "بھیج دو۔"

تھوڑی دیر بعد ایک وجیہہ آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے سنہرے ملائم اور خشک پیشانی پر اڑ رہے تھے۔ لباس اس نے اچھا پہن رکھا تھا۔ لیکن اس کی بے ترتیبی سے ظاہر ہو کہ وہ حد درجہ لاپرواہ واقع ہوا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ایک قسم کی مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہ جسے زہر خند ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ حمید نے اُسے دیکھ کر نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔ اس برخلاف فریدی کے لہجے میں تپاک تھا۔

"آؤ.... آؤ.... انور.... مجھے توقع تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔"

انور ہنس کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"غالباً تم استعفیٰ دینے کی وجہ پوچھنے آئے ہو۔"

"اور آپ صحیح وجہ کبھی نہ بتائیں گے۔" انور ہنس کر بولا۔ "لیکن تم اس طرح بھی صحیح وجہ معلوم کر سکو گے۔"

انور ہنسنے لگا۔

"بہر حال تم ٹھیک موقع پر آئے۔" فریدی بولا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے اخبار میں میر ناکامی کی ایک لمبی چوڑی داستان چھاپ دو۔"

"بس بس میں سمجھ گیا۔" انور نے کہا۔

"اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تم بہت ذہین ہو۔" فریدی بولا۔

"مگر ایک چیز....!" انور بولا۔ "یہ جبار کہاں سے آکودا۔"

فریدی نے جبار والا واقعہ بھی اُسے بتادیا۔

"اس کیس کے متعلق میں نے پوری داستان خود ہی مکمل کی ہے۔"

انور جیب سے کچھ تہہ کئے ہوئے کاغذات نکال کر بولا۔ "آپ دیکھئے کہ میں کہاں تک امیاب ہوا ہوں۔"

فریدی کاغذات کو پڑھتا رہا۔ درمیان درمیان وہ سر اٹھا کر حیرت زدہ نظروں سے انور کی لرف دیکھ لیتا تھا۔

"واقعی تم ایک کامیاب کرائم رپورٹر ہو۔" فریدی نے کہا۔ "اس میں بعض جگہ تم نے محض یاس سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ خیر میں ٹھیک کئے دیتا ہوں۔"

فریدی ایک سادے کاغذ پر کچھ لکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے وہ کاغذ اسکی طرف بڑھادیا۔

"اوہ تو اس کا یہ مطلب کہ میری رپورٹ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ تو آپ کو اُسی غیر ملکی مجرم نے تہہ خانے میں بند کیا تھا۔"

"ہاں....!"

"اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"چھلاوہ ہے۔" فریدی بولا۔ "اس قسم کے کردار صرف جاسوسی ناولوں ہی میں نظر آیا کرتے تھے۔"

"اور آپ کیا فرماتے رہے ہیں۔" انور نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"دیکھو تم مجھ سے نہ الجھنا.... ورنہ....!"

"ورنہ آپ رو دیں گے۔" انور نے جملہ پورا کردیا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"خیر خیر اگر کبھی میری گرفت میں آگئے تو بوٹیاں اڑا دوں گا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"تم پر ہی کیا منحصر ہے۔" انور ہنس کر بولا۔ "اس شہر کی پولیس کے سارے ناکارہ آفیسر مجھے اس قسم کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ لیکن آج تک کوئی میرا کچھ نہ بگاڑ سکا۔"

"چھوڑو.... چھوڑو.... ان فضول باتوں کو۔" فریدی اکتا کر بولا۔ "کام کی بات کرو۔ دیکھو اپنے مضمون میں میری جتنی بھی توہین ممکن ہو اس سے باز نہ آنا۔"

"یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔" انور جلدی سے بولا۔ "میرے دل میں آپ کیلئے بڑا احترام ہے"

"لیکن یہ تم میری اجازت سے کرو گے۔" فریدی نے مسکرا کر آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "ایک واقعی ضرورت ہے۔"

"خیر جیسا آپ کہیں۔" انور نے کہا۔ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی گفتگو کرتے رہنے بعد انور چلا گیا۔

"آخر آپ نے اسے اس قدر منہ کیوں لگا رکھا ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"بہت کام کا آدمی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بلا کا ذہین ہے۔ اسے ایک بہترین جاسوس بنا کے لئے تھوڑی سی ٹریننگ کافی ہوگی۔"

"میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔" حمید نے کہا۔

"کیا اس لئے کہ وہ پولیس والوں سے اپنا حق وصول کرتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کسی نہ کسی دن گردن نپ جائے گی۔" حمید نے کہا۔

"اور مشکل یہی ہے۔ یہاں کے سارے آفیسروں کی دکھتی ہوئی رگوں پر اس کا ہا ہے.... شائد ہی کوئی اُسے چھیڑنے کی ہمت کر سکے۔"

"مجھے اس نے کبھی چیلنج نہیں کیا۔ ورنہ میں مزا چکھا دیتا۔" حمید نے کہا۔

"خیر خیر چھوڑو بھی کہاں کی باتیں نکال بیٹھے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ تمہیں چھیڑنے کیوں لگا۔"

"کیا آپ نے اُس وقت اس کا انداز نہیں دیکھا۔" حمید نے کہا۔

"بھئی وہ ہے ہی اس قسم کا.... بڑی زہریلی باتیں کرتا ہے.... میں اس کی پچھلی زندگی واقف ہوں.... اُسے بہت ستایا گیا ہے۔ تم نہیں جانتے جب کوئی ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی مسلسل ناکامیوں سے تنگ آجاتا ہے تو اُس کی ساری شخصیت صبر کی تلخیوں میں ڈوب جاتی ہے۔"

"خیر چھوڑیئے۔" حمید اُکتا کر بولا۔ "ہمارا دوسرا قدم....!"

"حالات پر منحصر ہوگا۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

شام تک فریدی کے گھر پر اچھا خاصا مجمع اکٹھا ہو گیا.... اس میں سرکاری اور غیر سرکاری قسم کے لوگ تھے۔ وہ فریدی کے استعفےٰ دینے کی معقول وجہ جاننا چاہتے تھے.... فریدی انہیں ٹا

چاہتا تھا۔ مگر بہتیرے لوگ جو اس سے بے تکلف تھے کسی طرح ٹلنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ آخر حمید کو بولنا پڑا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ فریدی صاحب کو اپنے سپرنٹنڈنٹ کا رویہ ناپسند تھا۔ وہ کسی قسم کی توہین سہنے کے عادی نہیں۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ فریدی صاحب اس محکمہ میں محض شوق کی بناء پر آئے تھے۔ پہلے انہوں نے بہت چاہا کہ کسی طرح سپرنٹنڈنٹ صاحب سے مصالحت ہو جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ آخر کار انہیں استعفیٰ ہی دینا پڑا.... اور میں نے کیوں استعفیٰ دیا یہ ایک دکھ بھری داستان ہے۔"

"کیوں تم نے کیوں استعفیٰ دیا۔" جگدیش نے پوچھا۔

"میں اب شادی کرنا چاہتا تھا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو اس سے استعفیٰ دینے سے کیا مطلب۔" جگدیش نے پوچھا۔

"میری منگیتر ملازمت کو بُرا سمجھتی ہے۔" حمید بولا۔ "وہ چاہتی ہے کہ میں دودھ کی تجارت کروں۔"

"تو کیا وہ دودھ والی ہے۔" ایک صاحب نے پوچھا۔

"جی نہیں میرے بچوں کو دودھ پلانے والی ہے۔"

اس پر قہقہہ پڑا.... اور حمید انگوٹھا چوسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد یہ مجمع بھی برخواست ہو گیا۔

"اب کیا کرنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم آخر اس طرح الجھ کیوں رہے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"کمال کیا آپ نے؟" حمید جھلا کر بولا۔ "الجھن کی بات ہی ہے۔"

"قطعی الجھن کی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی کسی سے گفتگو کرنے لگا۔ تقریباً دس بجے رات تک تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد فریدی نامعلوم اشخاص کو فون کرتا رہا۔ حمید نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن فریدی کے رویے نے اسے باز رکھا۔ وہ اس کی سرشت سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب وہ کچھ بتانا چاہتا تو خود ہی اگل دیتا۔ ویسے لاکھ سر پٹخنے دیواریں قبول سکتیں تھیں لیکن فریدی

نہیں۔ وہ ساری رات حمید نے الجھنوں میں گزاری۔ بظاہر وہ سارا دن ہنستا رہا تھا لیکن اس کا ذہن جانے کتنی جھلاہٹوں کا شکار تھا۔ سراغ رسانی کا یہ طریقہ کم از کم اُس کے لئے بالکل نیا تھا۔ بھلا میں استعفیٰ دینے کی کیا ضرورت تھی۔

دوسرے دن وہ دن بھر گھر ہی پر رہا اور فریدی نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرا۔ گھر وا آ کر اس نے کوئی معقول بات نہیں کی۔ حمید کے کسی سوال کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود بھی کسی شدید قسم کے ذہنی اضطراب میں مبتلا ہو اور بعض اوقات محسوس ہوتا کہ وہ بالکل خالی الذہن ہے.... دو دن اسی طرح گزر گئے۔ اس دوران میں اگر ک ملنے کے لئے آ جاتا تو اس سے کہلوا دیتا کہ فریدی گھر پر موجود نہیں ہے۔ حمید سب کچھ دیکھ رہا اور الجھ رہا تھا۔ فریدی کا موڈ اتنا خراب تھا کہ کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی۔ آخر حمید بتقدیر ہو کر بیٹھ رہا اور اس کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا۔

چرمی ہینڈ بیگ

اچانک ایک رات فریدی نے سامان اکٹھا کرنا شروع کیا۔ چار پانچ بڑے بڑے سوٹ کیس میں کپڑے رکھے گئے۔ اس میں حمید کے بھی کپڑے شامل تھے۔ نئے نئے ہولڈال نکالے گئے۔ ا کے علاوہ اور بھی بہتیرا قیمتی سامان اُس پر رکھا گیا اور گاڑی چلی گئی۔ حمید نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن جواب ندارد۔

تقریباً ایک بجے رات کو کسی نے حمید کو جگایا اور حمید اتنی رات گئے اپنے کمرے میں ایک غیر ملکی اجنبی کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

"ڈرو نہیں میں پروفیسر لاسکی ہوں۔" اس نے کہا اور حمید اس کی آواز پہچان گیا۔

"اُف میں کیا کروں۔" حمید اپنے زانو پر ہاتھ مار کر بولا۔

"جلدی کرو! تمہارے میک اپ میں بھی تقریباً ایک گھنٹہ لگے گا۔"

"مگر.... پھر کیا ہوگا؟"

"تمہارا سر!" فریدی جھلا کر بولا۔ "تم پروفیسر لاسکی کے اسسٹنٹ بنو گے۔"

"اور اس کے بعد۔"

"تمہاری پوجا کی جائے گی۔ آرتی اتاری جائے گی۔ پھول چڑھائے جائیں گے۔" فریدی دانت بھینچ کر بولا۔ حمید ناک بھوں سکیڑ کر اٹھا۔

اور تھوڑی دیر بعد اس کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکلنے لگیں۔ فریدی اس کے رخساروں کو بری طرح کھرچ رہا تھا۔

"عجیب نکمے آدمی ہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں ذرا خوبصورت قسم کا میک اپ کرنا چاہتا ہوں اور تم مرے جا رہے ہو۔ تمہیں شائد نہیں معلوم کہ میرے گالوں سے تقریباً ایک چھٹانک خون نکل چکا ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا اور جب وہ آئینے کے سامنے گیا تو اپنی صورت دیکھ کر جھجک پڑا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کا انگریز معلوم ہو رہا تھا۔

"لیکن تم انگریز نہیں ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جنوبی امریکہ کے باشندے ہو.... ریوڈی جینرو کے رہنے والے۔"

"نہیں میں ریوڈی ڈان کیچاٹ کیہاٹ کا رہنے والا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور آپ پروفیسر ہیرالڈ لاسکی۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رابرٹ لاسکی۔"

"اور حضور کا پیشہ۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"ایک ایسا ریڈیوسٹ ایجاد کرنے کا چکر جس میں مریخ کے باشندوں کی آوازیں سنی جا سکیں۔" فریدی بولا۔

"کن بلنگر....!"

"حضور کوئی سیدھا سا.... میں خود یہ نام بھول جاؤں گا۔"

"مکلارنس....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"زبان کونسی بولنی پڑے گی۔"

"انگریزی....!"

"لہجہ کہاں سے لاؤں گا۔"

"ہکلا کر بولنا۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر تمہیں زیادہ بولنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"لیکن ایک دوسری دشواری۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کیا....!"

"میں سوتے وقت اردو میں بڑبڑانے کا عادی ہوں۔"

"اور میں ایسے موقعوں پر تمہارا گلا گھونٹ دینے کے امکانات پر غور کرنے لگتا ہوں۔ فریدی جھلا کر بولا۔

"چلنا کہاں ہوگا۔"

"جہنم میں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر چلئے دروازے تک آپ کو پہنچا کر لوٹ آؤں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہمارا جہاز....! صبح آٹھ بجے روانہ ہو جائے گا۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"جہاز....!" حمید اچھل کر بولا۔

"ہاں ہم مصر جا رہے ہیں۔"

"اور آپ نے اب بتایا ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیوں کیا شہر بھر سے گلے مل کر رخصت ہونے کا ارادہ تھا۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔

"مگر یہ بھی.... کوئی....!"

"بکو مت....!"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ پاسپورٹ وغیرہ۔"

"اس کا میں انتظام کر چکا ہوں۔"

"کہاں سے انتظام کر لیا ہے.... پاسپورٹ پر تصویریں بھی تو لگائی جاتی ہیں۔"

"کیا یہ مکلارنس کی تصویر نہیں ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر میز پر ڈال دی۔

حمید نے تصویر اٹھالی اور آئینے کے قریب جا کر اُس سے اپنے خدوخال کا موازنہ کرنے لگا۔

"آپ بھی بس معجزے دکھایا کرتے ہیں۔" حمید نے پلٹ کر کہا.... لیکن فریدی کمرے میں نہیں تھا۔

حمید ایک کرسی پر بیٹھ کر پائپ سلگانے لگا۔

اتنے میں فریدی اندر آیا۔

"سنو! ہمارے مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔" فریدی بولا۔

"لیکن کس کی طرف سے۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ممکن ہے کوئی سرکاری جاسوس ہو۔"

"سرکاری جاسوس....!" حمید نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں.... ہمارے سپرنٹنڈنٹ سے کچھ بعید نہیں۔" فریدی بولا۔ "اتنا احمق آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"تو پھر اب کیا کیجئے گا۔"

"میں نے ابھی پھاٹک کے سامنے ایک آدمی دیکھا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں نہ ہم کسی کتے کو اس کے پیچھے لگا دیں۔" حمید نے کہا۔

"میں یہ نہیں چاہتا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "سپرنٹنڈنٹ کی یہ حرکت ہمارے حق میں بُری نہیں اور پھر ممکن ہے کہ وہ مجرموں ہی کا آدمی ہو۔"

"پھر کس طرح باہر چلئے گا۔" حمید بولا۔

"بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے نوکروں کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ ہماری عدم موجودگی میں ہمارے متعلق کسی کو کوئی تشفی بخش جواب نہ دیں۔"

"اس سے فائدہ۔"

"اس سے یہ فائدہ ہے کہ مجرم ہمارے متعلق کسی خاص سمت میں گھوڑے نہ دوڑا سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا آؤ جلدی کرو۔ ہم باغ کے پشت والی بدرو کے ذریعے باہر نکلیں گے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ یہ مجھ سے نہ ہوگا۔"

"ہوگا کیسے نہیں۔" فریدی نے حمید کی گردن پکڑ کر کہا۔

"تھوڑی دیر بعد دونوں باغ کی دیوار کی ڈیڑھ فٹ اونچی بدرو سے باہر نکل رہے تھے۔ جیسے ہی فریدی نے باہر سر نکالا ایک سایہ سامنے سے ہٹ کر دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔

"میں پہچان گیا....!" فریدی نے باہر نکل کر کہا۔ "چھپنے کی ضرورت نہیں۔"

حمید بھی باہر نکل آیا.... فریدی ایک آدمی کے پیچھے دوڑ رہا تھا.... حمید نے ریوالور نکال

لیا۔ چند لمحوں میں فریدی نے اسے جالیا۔

"انور تم اتنے چالاک نہیں ہو کہ مجھے دھوکا دے سکو۔" فریدی نے بھاگنے والے کو روک کر

"آپ نے اندھیرے میں مجھے کیسے پہچان لیا۔" انور بولا۔

"پہچان لیا کسی طرح۔" فریدی نے کہا۔ "پھاٹک کی طرف کون ہے۔"

"کوئی ہے.... میں نہیں جانتا۔ میں سمجھتا تھا کہ اس کی موجودگی میں آپ یہی راستہ کریں گے۔" انور نے کہا۔

"خیر یاد رکھو کہ اس کے متعلق اگر تمہارے اخبار میں ایک لفظ بھی چھپا تو اچھا نہ ہو" فریدی نے کہا۔

"یہ میں اخبار کے لئے نہیں بلکہ اپنی معلومات کے لئے کر رہا ہوں۔" انور نے کہا۔

خیر.... مگر مجھ سے یہ مت پوچھنا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔" فریدی بولا۔

"میں جانتا ہوں۔" انور نے کہا۔

"جو کچھ بھی جانتے ہو اپنے ہی تک محدود رکھنا۔" فریدی نے کہا۔

"اور اگر ہو سکے تو میری عدم موجودگی میں اپنے اخبار کے ذریعہ مجرموں کو غلط راستہ لگانے کی کوشش کرنا۔"

"اور اس کی قیمت....!"

"واپسی پر ادا کروں گا۔" فریدی نے کہا۔

"بہت اچھا.... گڈ نائٹ۔" انور نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکایا اور تھوڑی دور جا اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

"کہیں یہ کمبخت گڑبڑ نہ کرے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔" فریدی نے کہا اور چلنے لگا۔

چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ سردی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔ دونوں نے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لئے۔ فلٹ ہیٹوں کے گوشے چہروں پر جھکا لئے۔ سنسان سڑک اُن کے قدموں کی آواز دور تک پھیلتی معلوم ہو رہی تھی۔ دونوں اس وقت بندرگاہ پر پہنچے۔ جب جہاز کی روانگی میں صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔ انہیں اپنے کیبن تلاش کرنے میں زیادہ وقت

ہوئی۔ سامان پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ بہر حال حمید کی اچھی خاصی شامت تھی۔ اُسے یہ بات ہر وقت ذہن میں رکھنی پڑتی تھی کہ وہ جنوبی امریکہ کا باشندہ ہے اور اس کی مادری زبان انگریزی ہے۔ دوران سفر فریدی اپنا زیادہ تر وقت عرشے پر یا ریستوران میں گذارتا تھا۔ اکثر وہ خیالی شراب پی کر بے تکی حرکتیں بھی کر بیٹھتا تھا۔ اس نے یہاں کئی دوست پیدا کر لئے تھے جن میں زیادہ تر عورتیں تھیں۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک بوڑھے انگریز تاجر کی طرف زیادہ جھک رہا ہے۔ اکثر رات کو وہ اس کے کیبن میں جھانکا بھی کرتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ کافی رات گئے تک اس سے گپ لڑاتا رہتا۔ وہ بوڑھا بھی بڑا دلچسپ خصوصاً نشے کی حالت میں تو وہ بجائے خود ایک اچھا خاصا مضحکہ بن کر رہ جاتا۔ لڑکیاں اُس میں کافی دلچسپی لیتی تھیں۔

اُس بوڑھے کے کیبن سے ملا ہوا ایک دوسرا کیبن تھا جس میں ایک ادھیڑ عمر کا سنجیدہ انگریز تھا۔ وہ ریستوران میں بہت کم بیٹھتا تھا۔ اکثر عرشے پر ہی دکھائی دیتا تھا۔ لیکن کسی کے ساتھ نہیں یا تو وہ سمندر کی لہروں پر اڑتے ہوئے سفید سفید جھاگ کی طرف تاکتا رہتا تھا یا پھر اس کے ہاتھ میں کوئی کتاب ہوتی تھی۔ دو ایک بار فریدی کو اُس سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا لیکن وہ موسم کی کیفیت سے آگے نہیں بڑھی تھی.... حمید اسے مشکوک نظروں سے دیکھتا تھا۔ سب سے زیادہ الجھن کا باعث اس کا چرمی ہینڈ بیگ تھا۔ جسے وہ ہر وقت بغل میں دبائے رہتا تھا اور حمید کو اس کی آنکھوں کی زرناہٹ کے پیچھے چھپی ہوئی درندگی صاف نظر آنے لگتی تھی۔ ایک دن حمید نے فریدی سے اس کے متعلق پوچھا کہ وہ کون ہے۔

"کولمبیا یونیورسٹی کا ایک پروفیسر....!" فریدی نے جواب دیا اور پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"تم نے خصوصیت سے اسی کے متعلق کیوں پوچھا.... اور غالباً اب تم مجھ سے اس کے چرمی ہینڈ بیگ کے متعلق پوچھو گے۔"

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"جو چیز تمہیں شبہے میں ڈال سکتی ہے۔ وہی مجھے بھی۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ اس بوڑھے انگریز میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"محض تمہارے لئے۔"

"میرے لئے کیوں۔"

"بات یہ ہے کہ اس میں کچھ نوجوان لڑکیاں بھی دلچسپی لیتی ہیں۔"

"ٹھیک فرمایا آپ نے۔" حمید جل کر بولا۔ "آپ مجھے اس قابل رہنے ہی کب دیۓ کبھی گونگا بنادیا اور کبھی ہکلا۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"تمہارے لئے یہی بہتر ہوتا ہے۔ ورنہ تم سارا بھانڈا پھوڑ دو۔" اس نے کہا۔ اُس فریدی حمید اور وہ بوڑھا انگریز ریستوران میں بیٹھے برج کھیل رہے تھے۔ کولمبیا یونیورسٹی کا قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اُس کے سامنے ایک کاغذ پڑا تھا۔ جسے وہ تھوڑے وقفے کے بعد ہاتھ میں اٹھا کر دیکھنے لگتا تھا۔

"مسٹر مارٹن....!" وہ بوڑھے انگریز کو مخاطب کر کے بولا۔ "ایک دلچسپ خبر کیوں پروفیسر....!"

فریدی سر ہلانے لگا۔

"اگر تمہارے ریڈیو سیٹ میں کچھ عجیب و غریب اشارے پیدا ہونے لگیں تو تم اُ گے۔" کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر نے کہا۔

"ہمبگ....!" بوڑھے نے پتہ پھینک کر فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ....!" فریدی چونک کر بولا۔ "ریڈیو سیٹ پر عجیب و غریب اشارے.... کیا مطلب"

"میرے ایک دوست نے اطلاع دی ہے۔" کولمبیا والے پروفیسر نے کہا اور رک سوچنے لگا۔

فریدی بے چینی سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کچھ کہو بھی پروفیسر.... تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔" فریدی مضطربانہ انداز میں

"کیا تمہیں اس قسم کی چیزوں سے دلچسپی ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"پروفیسر فضول وقت مت برباد کرو۔" بوڑھا جھلا کر بولا۔ "یہ خود بھی ایک نئے قسم کا ایجاد کرنے کی فکر میں ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... تو تم اس کے متعلق زیادہ بہتر بتا سکو گے۔"

پروفیسر نے کہا۔ "سنو.... میرا ایک دوست ریڈیو میں کچھ نئے تجربے کر رہا ہے۔ اچانک کل اسے اپنی بنائی ہوئی مشین پر کچھ عجیب قسم کے اشارے موصول ہوئے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ وہ اشارے مریخ سے آرہے ہیں۔"

"اوہ سچ....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں سمجھا تھا شائد کوئی خاص بات ہوگی۔"

"خاص بات....!" پروفیسر نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی خاص بات ہی نہیں۔"

"بالکل نہیں....!" فریدی نے پتہ پھینکتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ "کوئی تمہارے دوست کو بیوقوف بنارہا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"ارے جناب۔" فریدی نے میز پر پتے رکھ دیئے اور پروفیسر کی طرف مڑ کر بولا۔ "میں نے اپنی عمر جھک مارنے میں نہیں گذاری۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہا۔" پروفیسر مسکرا کر بولا۔

"کیا آپ کا دوست کسی اونچی جگہ رہتا ہے۔"

"ہاں وہ میکسیکو میں رہتا ہے۔"

"نہیں تو وہ کسی کی منتشر کی ہوئی ریڈیائی لہروں سے بیوقوف بن رہا ہے۔"

"لیکن اس کے بیان کے مطابق وہ لہریں اوپر کی ہیں۔"

"یقیناً اوپر کی ہوں گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اسے مطلع کر دو کہ ابھی نئے تجربوں کے چکر میں نہ پڑے۔ وہ ابھی شائد کچھ نہیں جانتا.... اس کی قیام گاہ سے تیس یا چالیس میل کی دوری پر اگر کوئی ناقابل انتشار اور مجوزہ سمت میں چلنے والی شعاعیں اوپر کی طرف پھینکے تو وہ اُس کے سیٹ پر پچھتر ڈگری کے زاویئے سے گر سکتی ہیں اور وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ اسے اوپر سے کوئی اشارہ موصول ہوا ہے۔ مریخ والے اتنے چغد نہیں کہ اناڑیوں کو اشارے کیا کریں۔"

"اوہ....!" پروفیسر مسکرا کر بولا۔ "میں اس سائنس سے ناواقف ہوں.... کیا تم میرے لئے اپنی دلیل لکھ سکتے ہو۔"

"لکھو.... میں بولتا ہوں۔" فریدی نے پتے سمیٹتے ہوئے کہا۔

"اوہ.... قلم.... میں اپنا قلم بھول آیا ہوں۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ لو قلم یہ رہا۔" فریدی نے اپنا فاؤنٹین پن اس کی طرف بڑھادیا۔

اس نے قلم لے کر اپنا چرمی ہینڈ بیگ کھولا اور اس میں سے کاغذ نکالنے لگا۔ فریدی گہ
سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک گہری سانس لی اور پتہ پھینک کر بوڑھے مار
طرف دیکھنے لگا۔

فریدی بولتا رہا اور کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر لکھتا رہا۔

"شکریہ۔" اس نے فریدی کا قلم واپس کیا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور کھیل میں مشغول ہو گیا۔

حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم دیکھتے کیا ہو۔" فریدی نے کہا۔ "دماغ ٹھنڈا رکھ کر کھیلو.... کیا وہسکی نے تمہاری
ہی چوپٹ کر دی ہے۔"

"کک.... کیم.... کاف.... کاف....!" حمید ہکلایا۔

"شٹ اپ....!" فریدی چیخ کر بولا۔ "چمگاڈر کی طرح.... چمگاڈر کہیں کے۔"

حمید خاموش ہو گیا.... اُس کے چہرے پر بے بسی چھا گئی۔

"بوائے....!" بوڑھا مارٹن چیخا۔ "رم لاؤ رم....!"

"میں رم نہیں پیتا۔" فریدی ہونٹ سکیڑ کر بولا۔

"تو پھر کیا پیو گے۔"

"گدھی کا دودھ۔" فریدی نے جھلا کر کہا اور پتے میز پر پٹخ دیئے۔

"کیوں کیا اب نہیں کھیلو گے۔"

"نہیں....!"

"سونا چاہتے ہو۔"

"نہیں۔"

"پھر کیا چاہتے ہو۔"

"ننھی منی پریاں.... ساز کی لہروں پر تھرکتی ہوئی رنگین مچھلیاں۔" فریدی اس کے چہ
کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

"اب چڑھ رہی ہے۔" بوڑھا مارٹن قہقہہ لگا کر بولا۔

"سنو یار!" فریدی میز پر جھک کر آہستہ سے بولا۔ "کیا نام ہے اس کا.... نیلی فراک
کورنیا....!"

"اوہ کورنیا.... کتنا حسین نام ہے.... کورنیا۔"

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" مارٹن نے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... کچھ نہیں.... ابھی تک تمہاری رم نہیں آئی.... میں مارٹینی پیوں گا۔"

بڑی رات گئے تک وہ تینوں ریسٹوران میں بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے۔ کولمبیا یونیورسٹی کا
فیسر جا چکا تھا.... تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید بھی اپنے کیبنوں کی طرف لوٹے۔

راستے میں حمید نے کچھ بولنا چاہا۔ فریدی نے اُسے چپ کرا دیا۔

"خاموش رہو۔ کل بات کریں گے پروفیسر میرا امتحان لے رہا تھا۔ اُسے ہم پر شبہ ہو گیا
ہے۔ وہ کم از کم آج رات بھر میرے پیچھے لگا رہے گا اور خدارا تم رات بھر سونا نہیں.... اگر کہیں
دو میں بڑبڑانے لگے تو سب چوپٹ ہو جائے گا۔"

حمید ساری رات جاگتا رہا۔

دوسرے دن صبح ناشتے کے بعد وہ دونوں عرشے پر نکل آئے.... یہاں کچھ عجیب ہیجان برپا
ا۔ ایک کشتی کھو گئی تھی جس کی تلاش جاری تھی اور تھوڑی دیر بعد یہ اطلاع ملی کہ کولمبیا
نیورسٹی والا پروفیسر بھی غائب ہے۔

"وہ اپنا چرمی ہینڈ بیگ ضرور ساتھ لے گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا مطلب....!" حمید نے چونک کر کہا۔ "کیا وہ سچ مچ فرار ہو گیا۔"

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اب مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا ہے....
ر افسوس وہ نکل گیا۔"

"صاف صاف کہیئے۔" حمید الجھ کر بولا۔

"اس کا چرمی بیگ میرے پاس ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہوگا....!" حمید نے غصہ سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا.... اچھا شائد تم پوری داستان سننا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کل جب وہ اپنے ہینڈ بیگ سے کاغذ نکال رہا تھا تو میں نے اس میں ایک تہہ کیا ہو رومال دیکھا تھا اور ایک رومال میز پر پڑا تھا جس سے وہ اپنا منہ پوچھتا تھا.... کیا سمجھے.... ر بار بار میرے کیبن میں جھانک رہا تھا۔ غالباً تمہاری طرف بھی گیا ہوگا۔ تم شاید جاگ تھے.... ہاں تو مجھے اُسی وقت سے فکر ہوگئی تھی کہ کسی طرح اس کا چرمی ہینڈ بیگ اڑا دو میں نے ایک بار محسوس کیا کہ وہ میرے کیبن میں کنجی کے سوراخ سے جھانک رہا ہے۔ م بن گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی کیبن سے نکلا اور غسل خانے کی طرف چلا گیا.... واپسی پ نے اُسے پھر اپنے کیبن کے پاس دیکھا۔ لیکن میں نے جان بوجھ کر سیٹی بجانی شروع کر دی کی آواز سن کر وہ چھپ گیا۔ میں کیبن میں لوٹ آیا۔ پھر مجھے ایک تدبیر سوجھ گئی.... م ایک موم بتی نکالی اور اُس طرف چلا گیا.... وہ خالی پیپیاں رکھے ہیں.... ان پیپوں کے جاکر میں نے موم بتی روشن کی۔ وہ میرے پیچھے لگا ہوا تھا.... میری اس حرکت پر اُس کا ا ضرور بڑھ گیا ہوگا۔ موم بتی میں نے وہیں رکھ دی.... اور پیپوں کی آڑ لیتا ہوا دوسری نکل گیا.... میں نے دیکھا کہ وہ پیپوں کے انبار سے لگا بیٹھا دوسری طرف جھانکنے کی کو کر رہا ہے۔ اس کی پیٹھ میری طرف تھی۔ میں وہاں سے سیدھا اس کے کیبن میں پہنچا اور اس بیگ اڑا لیا.... اور پھر اسے سلیپنگ گاؤن کے نیچے چھپائے ہوئے پھر پیپوں کی طرف لوٹا۔ ابھی تک اُسی حالت میں بیٹھا پیپوں کے پیچھے کا حال معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا.... م موم بتی بجھائی اور پیپوں کی آڑ سے نکل آیا.... اپنے کیبن میں آکر میں نے ایک کتاب اٹھا پھر میں بھی رات بھر جاگتا رہا۔

"تو وہ رومال آپ کو مل گیا۔" حمید نے جلدی سے پوچھا۔ "کیسا ہے۔"

"معمولی جیسے سب ہوتے ہیں۔ ایک کونے پر حسینہ کا نام کڑھا ہوا ہے۔"

"لیکن وہ بھاگ کیوں گیا۔" حمید نے پوچھا۔

حیرت انگیز انکشاف

"اس کے چرمی بیگ میں اُس کی ڈائری بھی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "اس ڈائری سے اس کی نیت کا راز افشاء ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا راز تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔"

"وہ کون تھا۔" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

"سر بتھال....!" فریدی نے مسکرا کر کہا.... حمید اچھل پڑا۔

"کیوں مذاق کرتے ہیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "اس کی تو لاش....!"

"ہاں ہاں اس کی لاش ملی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "اور وہ لاش اس کی نہیں بلکہ جبار کی تھی۔ سر بتھال بھلا اُسے کیوں زندہ چھوڑتا۔"

"جبار بھلا سر بتھال کیسے ہو سکتا ہے۔"

"جیسے میں پروفیسر رابرٹ لاسکی ہو سکتا ہوں.... جیسے تم مکلارنس ہو سکتے ہو.... سر بتھال جیسے فضیل ہو سکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا ایک لاش کا میک اپ نہیں کیا جا سکتا.... میں نے لاش کو ڈی۔ آئی۔ جی کے سامنے دیکھا تھا اور اسے یہ بھی نکتہ سمجھا دیا تھا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ لاش والے کمرے میں ڈی۔ آئی۔ جی اور میں تنہا تھے۔ اس وقت صحیح معنوں میں اس کیس کی اہمیت سے آگاہ ہوا تھا اور پھر میں نے وہ پلاٹ بنایا جس سے سر بتھال آسانی سے دھوکا کھا گیا۔ بہرحال کہنے کا یہ مطلب کہ میری اور تمہاری ملازمت بدستور برقرار ہے.... البتہ بیچارے سپرنٹنڈنٹ کو اس راز کے ظاہر ہوتے ہی بڑی کوفت ہوگی۔"

"تو آپ نے یہ مجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتا دیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"محض احتیاط کی خاطر۔"

"تو کیا آپ مجھ پر اعتبار نہیں کرتے۔"

"یہ بات نہیں پیارے۔ تم اکثر نادانستگی میں غلطیاں کر جاتے ہو۔ مثلاً کل ہی کو جب میں اُسے ریڈیو والا مسئلہ سمجھا رہا تھا تو تم احمقوں کی طرح میری طرف تاک رہے تھے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"سر بنتھال کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس رومال کی اہمیت سے واقف ہے.... اور وہ کسی کے لئے کام کر رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ اس جہاز پ نہیں تھا۔ کیونکہ چلتے جہاز سے کشتی اتارنا اور پھر اُس میں بیٹھ کر نکل جانا کسی اکیلے آدمی کے روگ نہیں۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بلکہ مجھے تو اسی میں شبہہ ہے کہ وہ جہاز گیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا "اور پھر ایسی صورت میں جب کہ وہ بھیس بدلنے پ مہارت رکھتا ہے۔ اسی قسم کی توقع رکھنی چاہئے۔"

"بہر حال ہمیں اب اور زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے کل رات ہی کو ویسا ایک دوسرا رومال تیار کر لیا ہے اور وہ اس وقت اس ہ میں موجود ہے اور ہینڈ بیگ کیبن میں ہے.... اور ہم کسی نئی واردات کے منتظر۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔

"کچھ نہیں۔ فی الحال کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" اور پھر دونوں ریستوران کی طرف گئے۔

جہاز سمندر کا متلاطم سینہ چیرتا ہچکولے لیتا اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ کی کرنیں چاروں طرف پھیلی ہوئی لہروں پر چمکدار جال بن رہی تھیں۔ سر پر نیلا آ حد نظر تک پھیلا ہوا پانی.... حمید منظر کی یکسانیت سے اکتا گیا تھا۔ اس دوران میں دو ایک کی طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی۔ لیکن فریدی کی احتیاطی تدابیر نے بیماری کو آگے نہ دیا.... ابھی دو دن کا سفر اور باقی تھا.... حمید کو سر بنتھال کے اچانک غائب ہو جانے سے الجھ ہو گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ جہاز ہی پر موجود ہے اور الجھن کی وجہ بھی یہی تھی۔ کہ وقت حملہ نہ کر بیٹھے.... اس وقت بھی وہ ریستوران میں بیٹھا اسی کے متعلق سوچ ر برخلاف اس کے فریدی کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ وہ اس بوڑھے مارٹن کو چھیڑ چھیڑ کر خود بھی قہقہے لگا رہا تھا.... دو تین لڑکیاں بھی موجود تھیں حمید اس وقت لڑکیوں میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"کیوں مک....!" فریدی حمید کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم اس وقت کچھ اداس نظر ہے ہو۔"

"مم.... مم.... مف.... مفم....!" حمید ہکلایا۔

"شٹ اپ....!" فریدی زور سے چیخا.... پھر قہقہہ مار کر ہنسنے لگا.... لڑکیوں نے بھی اس ساتھ دیا اور حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"بیچارا ہکلا مک....!" ایک لڑکی اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولی۔ حمید پہلے تو لایا، لیکن پھر مسکرا کر اُسے آنکھ مار دی۔

"کچھ بھی ہو۔ یہ محبت کرنا جانتا ہے۔" فریدی حمید کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔

"اس سے تو کوئی پاگل اور کٹکھنی لڑکی ہی محبت کر سکتی ہے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

حمید خاموش رہا.... فریدی لڑکیوں کے مذاق میں دل کھول کر حصہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ید کو اس پر غصہ آنے لگا۔ آخر کوئی حد بھی ہے لاپروائی کی.... یہ جانتے ہوئے بھی کہ بنتھال یہیں کہیں قریب ہی موجود ہے وہ کوئی احتیاطی تدبیر نہیں کر رہا۔ معلوم نہیں اُس کا اگلا م کیا ہو گا۔ ممکن ہے چھپ کر کسی وقت حملہ کر بیٹھے۔

آخر کار فریدی اٹھا.... اور دونوں اپنے کیبنوں کی طرف آئے.... اور دوسرے لمحے میں یدی بُری طرح گرج رہا تھا.... کیبن میں سوٹ کیس کھلے پڑے تھے۔ بستر کی تہیں الٹ پلٹ لی گئی تھیں بہر حال سارا سامان بے ترتیبی سے بکھرا پڑا تھا۔ فریدی نے چیخ چیخ کر سارا کیبن سر پر ٹھا لیا۔ اِدھر اُدھر کے مسافر اکٹھا ہو گئے۔

"یہ دیکھو....!" ذرا یہ بد انتظامی دیکھو۔ جہازوں پر بھی چور گھسنے لگے۔" فریدی مجمع کی رف مخاطب ہو کر چیخا۔ "میں ریستوران میں تھا.... اور یہاں کوئی گھس آیا۔"

اور پھر وہ چیختا ہوا کپتان کے کیبن کی طرف چلا گیا۔ مجمع اس کے پیچھے تھا۔

"آخر یہ کیا مذاق ہے۔" وہ کپتان کو مخاطب کر کے چیخا۔

"کیا بات ہے۔"

"میرے کیبن میں چور گھسا تھا۔"

"چور....!" کپتان چونک کر بولا۔ "کیا مطلب۔"

"آپ چور کا مطلب نہیں جانتے۔" فریدی مجمع کو مخاطب کر کے طنزیہ انداز میں بولا
اور تھوڑی دیر بعد کپتان فریدی کے کیبن میں اس کا بیان قلمبند کر رہا تھا.... کئی او
بھی کیبن میں موجود تھے۔

"میں کل رات کو عرشے کے ویران حصے میں بیٹھا تھا۔" فریدی کہنے لگا۔ "اس ج
جہاں خالی پیپوں کے ڈھیر ہیں۔ میں وہاں تقریباً آدھ گھنٹے تک رہا.... جب وہاں سے واپ
یہاں میں نے ایک چرمی ہینڈ بیگ دیکھا جو میرا نہیں تھا۔ کچھ تو نشے کی جھونک اور کچھ نیند
میں میں نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور سو گیا.... صبح میں نے خیال کیا کہ اسے آ
حوالے کر دوں گا لیکن بھول گیا.... اچانک ریستوران میں مجھے یاد آیا کہ اُس ہینڈ بیگ کو آ
آفس میں دے دوں.... اور جیسے ہی میں کیبن میں آیا تو یہ حالت دیکھی.... وہ ہینڈ بگ
غائب ہے۔ صبح بھی میں نے اسے دیکھا تھا۔"

"اُس بیگ میں کیا تھا۔" کیپٹن نے پوچھا۔

"مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اسمیں کوئی قابل ذکر چیز نہیں ت

"عجیب معاملہ ہے۔" کپتان نے کہا.... اس کی آنکھوں سے بے اعتنائی ظاہر ہو رہی

"آج نہ جانے کتنی حیرت انگیز باتوں کا سامنا کرنا پڑے گا.... کوئی بہت ہی پُر اسرار.... ہا
یہ تو بتائیے کہ آپ رات کو وہاں پیپوں کے پیچھے کیا کرنے گئے تھے۔"

"اپنے بنائے ریڈیو سیٹ پر مریخ کے باشندوں کے پیغامات سننے کی کوشش کر ر
فریدی نے کہا۔

"ایک اور حیرت انگیز انکشاف۔" کپتان نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوہ تو شاید تم مذاق سمجھتے ہو۔" فریدی غصے سے بولا۔ "مسکلارنس کہاں ہو، اوہ یہ
کہاں مر گیا۔ ٹھہرو میں دکھاتا ہوں تمہیں....!"

"فریدی نے ایک سوٹ کیس کھول کر ایک عجیب قسم کی مشین نکالی جس میں بے شمار
شیشے کی نلکیاں لگی ہوئی تھیں.... اور پھر اُسے ایک بیٹری سے منسلک کر دیا.... دو ایک
اِدھر اُدھر کئے.... مشین میں پہلے تو گھر گھراہٹ پیدا ہوئی.... پھر "چوں چوں.... چ
چرچوں...." کی آوازیں آنے لگیں۔ لیکن یہ آوازیں کسی جاندار شے کی تھیں.... کتنا

دوسرے لوگ حیرت سے کبھی مشین کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی فریدی کی طرف۔

"دیکھا کپتان۔" فریدی فخریہ انداز میں بولا۔ "کسی دن یہ "چوں چوں" ایک صاف سنائی
دینے والے پیغام میں تبدیل ہو جائے گی۔"

فریدی نے بیٹری کا تار الگ کر دیا اور آواز آنی بند ہو گئی۔

"بہت اچھے پروفیسر لاسکی۔" بوڑھا مارٹن پر جوش آواز میں چیخا۔

کپتان کچھ متاثر ہوتا نظر آنے لگا۔ فریدی اُسے قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"کوئی چیز چوری ہو گئی۔" کپتان نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ندامت تھی۔

"یہی تو حیرت انگیز بات ہے۔" فریدی بولا۔ "عجیب بد تمیز چور ہے۔ جب اس نے کوئی چیز
چرائی نہیں تھی تو پھر اُس نے خواہ مخواہ میرا سامان کیوں بکھیر دیا.... اور پھر وہ ہینڈ بیگ کیسا تھا، جو
پُر اسرار طریقے پر غائب بھی ہو گیا۔"

"لیکن وہ تمہارے اس ریڈیو سیٹ کے چکر میں نہ آیا ہو۔" کپتان نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "مگر وہ ہینڈ بیگ۔"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔" کپتان نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد مجمع برخواست ہو گیا۔ فریدی اور حمید تنہا رہ گئے۔

حمید نے کچھ نہ کچھ بولنے کی کوشش ہی کی تھی کہ فریدی نے اُسے ڈانٹ دیا۔

پھر آہستہ سے بولا۔ "عرشے پر چلو۔"

عرشے پر پہنچ کر دونوں ریلنگ سے ٹک گئے۔

"ہم وہاں کوئی گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔" فریدی بولا۔ "ہماری نگرانی ہو رہی ہے۔"

"آخر آپ نے یہ ڈھونگ کیوں پھیلایا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں نے جو کچھ سوچا تھا وہی ہوا۔ سر بتھال جہاز ہی پر موجود ہے.... گھبراہٹ میں وہ
روپوش ہو گیا۔ لیکن اب اُسے افسوس ہو رہا ہو گا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو وہ رومال کے
معاملے میں دھوکا کھا گیا ہو گا۔"

"یعنی....!"

"اگر وہ حقیقتاً رومال کے راز سے خود واقف نہیں ہے تو میرا بنایا ہوا نقلی رومال جو میں نے

اُس کے ہینڈ بیگ میں رکھ دیا تھا۔ اُسے مطمئن کر دے گا.... میں نے اس کی ڈائری بھی اُس
رہنے دی ہے۔ اس طرح وہ کم از کم مجھ پر شبہہ کرنا چھوڑ دے گا.... مگر نہیں اس نے اپنی دانس
میں ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی اور یہ ظاہر کر کے کہ وہ جہاز سے فرار ہو گیا ہے.... اپنا
بیگ نکال لے گیا۔ بہر حال اب یہ دیکھنا ہے کہ میرے اس بیان سے جو میں نے کپتان کو دیا
اُس پر کیا اثر پڑتا ہے۔“

”مگر یہ مشین کہاں سے نکل پڑی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”بھئی اسے بنانے میں میرا ایک دن برباد ہو گیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”بہر حال اُسے ا
کرنے کا موقع جلد آ گیا۔ میں جو رول ادا کر رہا ہوں آخر اُس کا کوئی ٹیکنیکل ثبوت بھی
ہونا چاہئے۔“

”اور وہ آواز....!“ حمید نے پوچھا۔ ”وہ تو حقیقتاً کسی ذی روح کی آواز معلوم ہوتی تھی۔“

”وہ ذی روح ایک اَلم رسیدہ چوہا ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”جو اس مشین میں بند ہے۔ مشین
میں بیٹری لگاتے ہی اس کی دم دو چرخیوں کے بیچ میں دبنے لگتی ہے اور وہ چیخنا شروع کر دیتا ہے۔“

حمید بے اختیار ہنس پڑا۔

”اور اس طرح مریخ کے باشندوں کی آواز ہم تک پہنچتی ہے۔“

فریدی اُسے آنکھ مار کر مسکراتا ہوا بولا۔

”آپ نے اپنا سارا پروگرام مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔“ حمید نے منہ بنا کر کہا۔

”تم تو بعض اوقات کسی خیر خواہ بیوی کی طرح احتساب کرنے لگتے ہو۔“ فریدی نے مسکرا
کر کہا۔ ”بس دیکھتے جاؤ۔ مداری کے جھولے سے ابھی اور کیا کیا نکلتا ہے۔“

”تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سر ہنتھال اس سے مطمئن ہو گیا ہو گا۔“ حمید نے کہا۔

”اگر مطمئن نہ ہوا ہو گا تو اُلجھن میں ضرور پڑ جائے گا۔ اب میری باری آئی ہے۔“

فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

”اُلجھن میں کیوں پڑ جائے گا۔“ حمید نے پوچھا۔

”محض اس لئے کہ اگر میں نے اس کا ہینڈ بیگ اڑایا ہوتا تو اس کے متعلق کپتان کو بھی
بتاتا.... اور نہ اُسے اتنی لاپروائی سے کیبن میں ڈال دیتا.... اس نے میرا سامان الٹ پلٹ کر

دیکھا ہے.... کیوں؟“ کیا اس لئے نہیں کہ میری صحیح شخصیت کے متعلق معلوم کر سکے.... مگر
وہاں بیچارے کو کیا ملتا.... مگر تم اب بہت زیادہ محتاط رہنا.... تمہاری طرف سے۔ مجھے خطرہ ہے کہ
کہیں ہمارا راز کھل نہ جائے۔“

ابھی وہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ بوڑھا مارٹن انہیں اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ دونوں خاموش
ہو گئے۔

”ہیلو پروفیسر....!“ بوڑھا مارٹن بولا۔ ”اس چوری کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“ فریدی نے کہا۔

”کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر غائب ہے۔“ مارٹن نے کہا۔

”کہاں غائب ہے۔“ فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”صبح سے غائب ہے اور ایک کشتی بھی غائب ہے۔“

”یعنی....!“ فریدی چونک کر بولا۔

”کل رات وہ تم سے مریخ والوں کے اشاروں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔“

بوڑھا مارٹن آنکھ مار کر بولا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں کہ وہی تمہارا ریڈیو چرانے کی نیت سے
تمہارے کیبن میں داخل ہوا ہو۔“

”لیکن ریڈیو سیٹ تو محفوظ ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ممکن ہے کوئی ادھر آ نکلا ہو اور اسے چرائے بغیر ہی وہ نکل گیا ہو۔“

”مگر تم کہتے ہو کہ ایک کشتی بھی غائب ہے۔ ظاہر ہے وہ دن کو تو فرار ہو نہیں سکتا.... اور
چور دن میں گھسا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”چور شائد رات ہی کو گھستا.... مگر تم نے اُسے اس کا موقع نہیں دیا۔“ مارٹن بولا۔

”وہ رات کو تمہارے کیبن میں اپنا ہینڈ بیگ چھوڑ گیا تھا.... اُسے توقع تھی کہ تم اُس ہینڈ بیگ
کو اُسی وقت کپتان کے پاس لے جاؤ گے اور اُسے تمہارے کیبن میں گھسنے کا موقع مل جائے گا۔ لیکن
تم نے ایسا نہ کیا۔ رات بھر وہ تمہارے کیبن ہی میں رکھا رہا.... لہٰذا صبح جب تم ریستوران میں
تھے تو وہ تمہارے کیبن میں گھسا لیکن ناکامیاب ہونے پر اپنا ہینڈ بیگ لے کر نکل گیا۔“

”اوہ....!“ فریدی مارٹن کو تحیر آمیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ ”تم واقعی ایک اچھے

جاسوس ثابت ہو سکتے ہو۔"

"خ.... خ.... خلل.... خلیل....!" حمید ہکلایا۔

"شٹ اَپ....!" فریدی جھنجھلا کر چیخا۔

مارٹن بے تحاشہ ہنسنے لگا.... حمید کا نچلا جبڑا ابھی تک متحرک تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہو.... فریدی نے غصہ سے گھور کر اُسے دیکھا اور حمید کے جبڑے کی حرکت اچانک بند ہو گئی۔ اس نے اپنے دانت بھینچ لئے تھے۔

"بیچارہ مسکلارنس.... بھو....!" مارٹن بولا۔

حمید قہر آلود نظروں سے اُسے گھورنے لگا....

"تو وہ میرا اسیٹ چرانا چاہتا تھا.... میں اس کا سر توڑ دوں گا۔" فریدی مٹھیاں بھینچ کر سے بڑبڑایا۔

"بہتر یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرو۔" بوڑھا مارٹن مسکرا کر بولا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا اور سوچنے لگا۔

رومال کا راز

پھر بقیہ سفر میں کسی قسم کا کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ جہاز میں کشتی اور کولمبیا پروفیسر کی گمشدگی کی وجہ سے ہیجان ضرور رہا۔ حمید کو افسوس تھا کہ سر بنتھال اس طرح ہاتھ نکل گیا۔ لیکن فریدی کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اُسے تو دراصل اس رومال کا راز معلوم کرنے کی فکر تھی جس کی بدولت اتنے قتل ہوئے تھے اور یہ بھی اس کے ذہن نشین ہو چکا تھا کہ سر بنتھال اُس کے راز سے واقف ہے۔ لہٰذا اُسے اب اُس ہستی کی فکر تھی جس نے سر بنتھال کو حاصل کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ سر بنتھال کی ڈائری سے یہ بات واضح ہو گئی تھی۔ وہ یہ کام اور کے لئے کر رہا تھا۔ اُس کے اچانک غائب ہو جانے سے فریدی پھر اندھیرے میں ہاتھ مارنے پر مجبور ہو گیا.... ابھی تک اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ آئندہ وہ کیا کرے۔ رومال اب بھی اس کے پاس تھا لیکن بیکار.... بھلا اُس رومال سے وہ کیا حاصل کر سکتا تھا....

معمولی سا رومال اور بس.... لیکن اُسے ایک امید تھی وہ یہ کہ مصر کا محکمہ سراغ رسانی اس مسئلے پر روشنی ضرور ڈال سکے گا۔

قاہرہ پہنچ کر وہ ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے.... اب اس کی سمجھ میں آیا کہ سر بنتھال غائب کیوں ہو گیا تھا اور پھر اُسے اپنا یہ خیال بدل دینا پڑا کہ وہ اُن کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ لیکن رومال کا مسئلہ ابھی تک الجھن کا باعث بنا ہوا تھا۔ اگر سر بنتھال کو اپنی غلطی کا علم ہو گیا ہے تو وہ ضرور حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایسی صورت میں انہیں کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور وہ رومال.... اُس رومال کی حفاظت بھی ضروری تھی۔ فریدی اسے ہر وقت اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

ایک دن انہوں نے آرام کیا اور پھر دوسرے دن سے فریدی نے اپنی تفتیش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ ایک مصری کے بھیس میں ہوٹل سے تنہا نکل جاتا اور پھر کافی رات گئے واپس آتا۔ اس دوران میں حمید کمرے میں پڑے پڑے یا تو کتابیں پڑھتا یا پھر کارٹون بناتا رہتا۔

ایک رات جب فریدی واپس آیا تو چہرے سے ایک نئے قسم کا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں وہی پرانی چمک عود کر آئی تھی جو اکثر کسی ناقابلِ حل مسئلے کے آسان ہو جانے پر پیدا ہوا کرتی تھی وہ آتے ہی پلنگ پر گر پڑا۔

"حمید....!" وہ آہستہ سے بولا۔ "دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے ان پر سیاہ پردے کھینچ دو۔"

"خیریت....!" حمید چونک کر بولا۔

"جلدی کرو۔"

حمید نے دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے سیاہ پردے کھینچ دیئے۔

"بکس سے ہیٹر نکالو۔"

حمید نے تعمیل کی۔ فریدی نے ہیٹر کا پلگ سوئچ بورڈ میں لگا دیا۔

"کیا چائے بنایئے گا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "کیوں نہ میں ویٹر کو بلا کر نیچے سے چائے منگوا لوں۔"

"بکومت....!" فریدی نے کہا۔ "قریب آؤ....!"

فریدی نے جیب سے حسینہ والا رومال نکالا اور اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہیٹر سے

آدھے بالشت کی اونچائی پر تان دیا۔

اور حمید کے دیکھتے ہی دیکھتے رومال کی سفید سطح پر سیاہ رنگ کی لکیریں ابھرنے لگیں۔

"ارے یہ کیا....." حمید اچھل کر بولا۔

"چیخو نہیں.... آہستہ بولو۔" فریدی نے کہا۔

حمید سوالیہ نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"برخوردار یہ طریقہ اتفاقیہ دریافت ہو گیا۔"

"لیکن ہے کیا بلا۔"

"کوئی نقشہ.... کسی خاص جگہ کا۔" فریدی نے کہا۔

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔ "پھر....!"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے رومال پر ابھری ہوئی نئی لکیروں کی طرف کہا۔ "یہ کتے کا سر دیکھ رہے ہو۔"

حمید جھک کر دیکھنے لگا.... ایک کتے کا سر جس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ ایک کتا جو آسمان کی سر اٹھائے بھونک رہا تھا۔ پھر اس کے نیچے ایک نقشہ تھا.... اور ایک جگہ "۹۷۵" ہند ہوئے تھے۔ حمید نے پھر استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی نے رومال کر کے جیب میں رکھ لیا۔ ہیٹر ہٹا دیا گیا۔ "کچھ سمجھ میں آیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" حمید نے کہا۔ "لیکن آپ کو یہ تدبیر کیسے سوجھ گئی۔"

"اتفاقاً یہ راز معلوم ہو گیا۔ آج شام کو تھک کر ایک پارک کے ویران گوشے میں تھا۔ یہ رومال میرے زانوں پر پھیلا تھا.... اور ہاتھ میں سگار تھا.... شاید سگار کا جلتا ہو رومال کی سطح سے قریب تھا.... دفعتاً میری نظر رومال پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ لکیریں ابھر آئی ہیں۔ پہلے تو مجھے حیرت ہوئی لیکن پھر سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا۔ میں جگہ سگار کے جلتے ہوئے حصے سے اسی طرح لکیریں ابھاریں اور پھر رومال کو جیب میں سیدھا ادھر ہی چلا آیا.... اور اب دوسرا اعجوبہ دیکھنا چاہتے ہو؟"

فریدی نے حمید کی طرف، سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے رومال جیب سے نکالا اور حم سامنے پھیلا دیا۔

"ارے وہ نقشہ کہاں گیا۔" حمید حیرت سے بولا۔

"غائب ہو گیا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جب تک رومال گرم رہتا ہے لکیریں دکھائی دیتی ہیں اور ٹھنڈا ہوتے ہی غائب ہو جاتی ہیں.... میرے خیال میں یہ علی فضیل ہی کی جدت معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"یہ نقشہ اسی نے تیار کیا تھا اور شائد اسی کی وجہ سے اس کی جان بھی گئی۔" فریدی نے کہا۔

"یعنی آپ کا یہ مطلب ہے کہ اس وقت جو لوگ رومال میں دلچسپی لے رہے ہیں وہی علی فضیل کے بھی قاتل ہیں۔" حمید نے کہا۔

"قطعی حالات یہی کہتے ہیں۔"

"کیسے حالات....!" حمید نے پوچھا۔

"چھوڑو بھی.... ابھی میں نے کھانا نہیں کھایا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ سیاہ پردے اب ہٹا دو.... ہم لوگ اس وقت یہیں کمرے میں کھانا کھائیں گے۔" فریدی نے ٹیلی فون پر ہیڈ ویٹر کمرے ہی میں کھانا بھجوانے کا آرڈر دیا.... اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔

حمید کا اضطراب لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ لیکن اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ فریدی کھانے سے پہلے ایک لفظ بھی نہ بتائے گا۔ یہ اس کے کردار کی ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ جو زبان سے ہتا اسی پر اڑ جاتا۔

کھانے کے دوران میں فریدی بالکل خاموش رہا۔ حمید نے کئی بار گفتگو چھیڑنے کی کوشش لیکن فریدی صاف ٹال گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آخر حمید نے بھی طے کر لیا کہ اب وہ اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ پوچھے گا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد فریدی نے سگار سلگایا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ حمید سونے کی تیاری کرنے لگا۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ حمید شب خوابی کا لباس پہن رہا تھا۔ فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اور کیا یہ تعجب خیز بات نہیں کہ علی فضیل کتے کے سر کے قریب قتل کر دیا گیا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا....؟" حمید بے ساختہ بولا۔ "کتے کے سر کے قریب۔" لیکن پھر اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا.... لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ فریدی نے اسے دوبارہ دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ہاں.... میں نے علی فضیل کے قتل کے متعلق ساری تفصیلات معلوم کر لی ہیں۔ ایک ایسے علاقہ میں قتل کیا گیا تھا جو بدروحوں کا مسکن بتایا جاتا ہے۔ وہ یہاں سے اٹھارہ میل دوری پر سمندر کے کنارے کا علاقہ ہے اور اس علاقے کا نام ہے 'کلب الشیاطین' یعنی شیطان کا کتا۔" حمید بولا۔ "اسی بناء پر آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ کتے کے سر کے قریب قتل کیا گیا تھا۔"

"نہیں.... یہ بات نہیں۔ وہاں سچ مچ ایک کتے کا سر موجود ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"بہت اچھے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "بخدا تمہاری موجودگی میں مجھے اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ میں غیر شادی شدہ ہوں.... آخر تمہاری ادائیں اتنی بیویانہ کیوں ہیں۔"

"چھوڑیئے بھی۔" حمید اکتا کر بولا۔ "میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"خیر.... خیر.... تو میں کیا کہہ رہا تھا.... ہاں.... وہ کتے کا سر....!"

"نہیں تمہارا سر....!" پیچھے سے آواز آئی.... فریدی چونک کر پلٹا۔ دروازے میں سر بتھال اپنی اصلی شکل میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا رخ فریدی اور حمید کی طرف تھا۔

"حسینہ والا رومال نکالو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ فریدی خاموش رہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ ہوٹل میں پستول کا دھاکہ گونجے۔" سر بتھال نے آگے بڑھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "اگر تم نے اسی پر مجبور کیا تو۔"

"آؤ بیٹھو!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اتنی بھی کیا عجلت.... تمہارے لئے وہسکی منگاؤں یا بلیک کافی"

"بکو مت.... جلدی کرو۔"

"مگر تم مر گئے تھے۔" حمید نے کہا۔

"تمہاری ہی وجہ سے مرنا بھی پڑا تھا.... لیکن شائد اب کی تمہاری ہی باری ہے۔" سر بتھال نے کہا۔ "رومال نکالو۔"

"تو واقعی اس وقت تمہارا موڈ بہت خراب ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا جبار سے ملنے کا ارادہ نہیں۔"

"جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی اسی کے پاس پہنچا دیا جائے۔" سر بتھال دانت پیس کر بولا۔

فریدی نے جیب سے رومال نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا.... سر بتھال رومال اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ فریدی اس پر ٹوٹ پڑا۔ پستول اچھل کر دور جا گرا.... حمید نے بڑھ کر پستول اٹھالیا.... لیکن وہ ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ اس پر نہ جانے کدھر سے دو آدمی ٹوٹ پڑے.... پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے میں آہستہ آہستہ تاریکی پھیل رہی ہو.... اور پھر ایک گھٹا ٹوپ اندھیرا۔ حمید نہ جانے کب تک بیہوش رہا.... اور پھر جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا قریب ہی فریدی ریشم کی ڈوری سے جکڑا پڑا ہے۔

"حمید تمہیں ہوش تو آیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ہم کہاں ہیں۔" حمید گھبرا کر بولا۔

"جہاں تھے۔" فریدی نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں سب خیریت ہے.... بس ذرا اٹھ کر مجھے کھول دو.... سر بتھال کے ہاتھوں یہ تیسری چوٹ ہے۔ اس کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے.... خیر دیکھا جائے گا۔"

حمید نے اٹھ کر اُسے رسیوں کے پیچ و خم سے آزاد کیا۔

"رومال....؟" حمید نے پوچھا۔

"وہ لوگ لے گئے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"پھر اب کیا ہوگا۔"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ اس نقشے کو میرے ذہن سے نہیں مٹا سکتے۔"

"مگر یہ ذلت....!"

"اوہ...." فریدی مسکرا کر بولا۔ "مارنے والے کبھی پٹ بھی جاتے ہیں.... کون جانے کل ہم اسے صاف ہی کر دیں۔ خیر ہاں تو میں تمہیں کتے کے سر کے متعلق بتا رہا تھا.... ساحل سے تقریباً تین فرلانگ کے فاصلے پر سمندر میں کچھ چٹانیں ابھری ہوئی ہیں۔ اُن میں سے ایک بالکل کتے کے سر سے مشابہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دیو پیکر کتا سمندر کی سطح پر آسمان کی طرف منہ اٹھائے بھونک رہا ہو.... اسی لئے وہ ساحلی علاقہ کلب الشیاطین کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم

زمانے سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ وہ چٹانیں خبیث روحوں کا مسکن ہے.... یہ اطلاع
یہاں کے محکمہ سراغ رسانی سے ملی ہیں.... ہاں تو اس علاقے میں ماہی گیروں کا ایک گا
ہے.... وہاں کے باشندے آئے دن طرح طرح کی افواہیں اڑاتے رہتے ہیں۔ ان کا کہنا
اکثر اس پتھریلے کتے کے منہ سے بھوت نکل کر ساحل پر ٹہلا کرتے ہیں.... کبھی کبھی
کے منہ سے گرم ہوا کے جھونکے نکلتے ہیں، جو اکثر اتنے تیز ہوتے ہیں کہ ان کی زد میں آ
کوئی چیز بھی سوکھے پتے کی طرح اڑتی چلی جاتی ہے.... یہ بھی سنا جاتا ہے کہ پچھلے سال ا
کے منہ سے اتنی شدید آندھی چلی تھی کہ پورا گاؤں تباہ ہو گیا تھا۔ اکثر لوگ اب بھی اسے
کی آندھی کے نام سے یاد کرتے ہیں.... علی فضیل کا قتل اسی علاقہ میں ہوا تھا اور یہ حقیقت
کہ کسی نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر چیر ڈالی تھیں.... اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ
دوران میں دوسری جنگ عظیم کے کچھ شکست خوردہ جرمنوں کی تلاش میں تھا....“

”واقعی اس بار بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آرہے ہیں۔“

”نہیں.... یہ محض اطلاعات ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن کل ہم اُدھر چلیں گے۔
خیال ہے کہ یہ میرا شاہکار کیس ہوگا۔“ فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔

”اچھا یہاں کے محکمہ سراغ رسانی والوں کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔“

”کچھ نہیں وہ اُسے محض ضعیف الاعتقادی قرار دیتے ہیں.... پچھلے سال والی آندھی
متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ سائیکلون تھا.... اور اس قسم کے چھوٹے موٹے واقعات کو بھی
قسم کے سائیکلون ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔“

”اور علی فضیل کی موت....؟“ حمید نے پوچھا۔

”اس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ کسی درندے کا شکار ہو گیا۔“

”میرا خیال ہے کہ ہاتھی کے علاوہ کوئی جانور اس طرح ٹانگیں نہیں چیر سکتا۔“ حمید۔

”تو پھر وہاں ہاتھی کے پیروں کے نشانات ضرور پائے گئے ہوں گے۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

”نہیں ہاتھی کے پیروں کے نشانات نہیں پائے گئے۔“ فریدی نے کہا۔

”پھر اس کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ کسی درندے کی حرکت تھی۔“

”کوئی ثبوت نہیں۔“

”پھر....!“

”ارے بھئی اس کے علاوہ وہ اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی انسان سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔“

”عجیب و غریب محکمہ ہے۔“ حمید نے کہا۔

”علی فضیل یہاں کا بہترین دماغ تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن آخر سر بلتھال اس میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”یہی تو دیکھنا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ سر بلتھال بھی آدھا جرمن ہے اور علی فضیل کچھ بھاگے ہوئے جرمنوں کا پتہ لگا رہا تھا۔“

”بہر حال یہاں تک تو کچھ کڑیاں ملتی ہیں۔ لیکن انہیں ملانا پڑے گا۔ اس ایک رومال کے لئے اتنے قتل ہو گئے.... آخر.... کیوں....؟ اس رومال میں کلب الشیاطین کا پوشیدہ نقشہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔“

فریدی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ حمید بھی خاموش ہو گیا۔

”کیوں نہ ہم اس وقت کے حادثے کی اطلاع ہوٹل کے منیجر کو دے دیں۔“ حمید نے کہا۔

”ایسی حرکت بھی نہ کرنا.... نہیں تو بڑی پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے اور جس کام کے لئے آئے ہیں وہ دھرا ہی رہ جائے گا۔“

”کیوں....!“

”ارے میاں.... اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھتے۔ اس کی اطلاع پولیس میں ہوگی اور پھر اس کا جو انجام ہوگا اسے بتانے کی ضرورت نہیں.... خواہ مخواہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔“

”بہر حال ہمیں اپنی حفاظت کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔“ حمید نے کہا۔

”اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم جہاں بھی رہیں ہوشیار رہیں۔“ فریدی بولا۔

”ہم کہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”سر بلتھال ہمیں نہایت آسانی سے قتل کر سکتا ہے۔“

”لیکن یہ نہ بھولو کہ وہ خود بھی اب معاملات کو طول نہیں دینا چاہتا۔ ورنہ اسی وقت وہ ہمیں

ٹھکانے لگادیتا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس وقت اس نے ہنگامے کے خیال سے ایسا نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ
کی آواز سے لوگ اکٹھا ہو جاتے اور انہیں یہاں سے نکل جانے میں دشواری ہوتی۔" حمید۔

"ہم قطعی اس کے قابو میں تھے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر وہ چاہتا تو ہمارا گلا گھونٹ کر
آسانی سے ہمیں ٹھنڈا کر دیتا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔"

کلب الشیاطین

دوسرے دن فریدی اور حمید مختصر سامان کے ساتھ کلب الشیاطین کے علاقے کی روانہ ہوگئے.... وہ دونوں مصر کے شہری باشندوں کے بھیس میں تھے۔ حمید کو پھر گونگا بن کیونکہ وہ مصری زبان سے قطعی نابلد تھا۔ خود فریدی کو بھی یہاں کی زبان بولنے میں تھوڑی دقت ضرور ہوتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ الفاظ کا تلفظ تھا۔ یہاں کی زبان عربی ضرو لیکن فرانس اور اطالیہ کے قرب نے اُسے خاص عربی نہیں رہنے دیا تھا.... اور الفاظ کے تل بھی اطالوی اور فرانسیسی نے گہرا اثر ڈالا تھا۔ لہٰذا یہاں فریدی کو ہکلا بننا پڑا۔

ساحل سے دو میل ادھر ہی کلباش کا قصبہ تھا۔ غالباً کبھی اس کا نام کلب الشیاطین ہی رہا لیکن بعد کی نسلوں نے ازراہِ دانش مندی اس کے مخفف ہی پر قناعت کی اور اسے کلباش لگے.... فریدی اور حمید ایک سرائے میں اترے.... سرائے کے مالک نے اس کا نام پوچھا ہکلانے لگا۔ آخر سرائے کے مالک نے اس کی طرف کاغذ اور پنسل بڑھا دیا۔ فریدی نے اپ "جمیل" لکھا اور حمید کا "سہیل"۔ "گمیل و سہیل" سرائے کا مالک سر ہلا کر بولا۔

انہیں ایک کوٹھری مل گئی۔

"دیکھا تم نے مشرق اور مغرب کے ناجائز تعلق کا نتیجہ....!" فریدی نے حمید سے کہا۔ لوگ جمیل کو گمیل بولنے لگے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ جنت کو گنت اور جہنم کو گہنم کہتے ہوں گے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"کیوں نہ ہم لوگ ایک نظر اُس چٹان کو دیکھ آئیں۔" فریدی نے کہا۔ "اور کام تو رات

ع کریں گے۔"

"کام سے کیا مطلب ہے آپ کا۔" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"اس چٹان کے اندر جانے کا راستہ تلاش کرنا۔" فریدی نے کہا۔ "وہ نقشہ اُسی سے متعلق تھا۔"

اور پھر دونوں ساحل کی طرف روانہ ہوگئے۔ آفتاب آہستہ آہستہ ان کے سروں پر آرہا تھا۔ ندر کے پانی کی بساند فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ علاقہ سرسبز و شاداب تھا.... ریت کے تودوں ے درمیان بے شمار چھوٹی چھوٹی ہری بھری جھاڑیاں تھیں اور ان کا سلسلہ ڈھلوان زمین تک اں سمندر کی لہریں ٹکراتی تھیں چلا گیا تھا.... دور سمندر میں ابھری ہوئی چٹانوں کے کئی سلسلے ے.... اور پھر انہیں کلب الشیاطین نظر آگیا.... قدرت کی نقاشی کا یہ نمونہ بالکل کسی آدمی کا رنامہ معلوم ہوتا تھا۔ یہاں کے باشندوں کا خیال تھا کہ وہ قدرتی ہے۔ وہ کہتے کہ عظیم الشان سر ی آدمی کی کاریگری نہیں بلکہ دستِ قدرت کا کرشمہ ہے۔ "میں یہ نہیں مان سکتا کہ یہ قدرتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو یا نہ ہو ہمیں اس سے غرض نہیں۔ اس سوال کو کسی ماہر آثار قدیمہ کے لئے چھوڑ دو۔" ریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ابوالہول ہی کی طرح کسی آدمی کا کارنامہ ہو.... ممکن ہے ب سے ہزار سال قبل یہاں سمندر نہ رہا ہو.... لیکن ہمیں اس سے غرض نہیں.... ہمیں تو یہ یکھنا ہے کہ اس کے اندر ہے کیا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ غور سے چٹان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ پتھریلا اور دیو پیکر کتا منہ پھاڑے ہوئے ان کی طرف آرہا ہے۔ حمید گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے.... وہ ادھر آرہا ہے....!"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "احمق ہو.... چاروں طرف پھیلا ہوا سمندر دیکھ کر تمہیں چکر آگیا ہے۔"

دفعتاً گرم ہوا کا ایک شدید جھونکا ان کے جسم سے ٹکرایا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"غالباً یہ اس کے منہ سے نکلا ہے۔" حمید چیخا۔

"ہاں.... میں نے بھی محسوس کیا ہے.... لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ممکن ہے اس

چٹان میں چونے کی کان ہو اور سمندر کا پانی وقتاً فوقتاً اس کے اندر جا کر اُسے کھولا دیتا ہو۔"

"اور آپ اس کھولتی ہوئی چٹان کے اندر مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔" حمید نے

"خیر مرنا تو ہم دونوں کو ساتھ ہی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں کبھی کوئی کام چھوڑنے کا عادی نہیں۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو اُس کے ارادے سے باز رکھنا ناممکن

"میرا خیال ہے کہ یہ ماہی گیروں کی کشتیاں ہیں۔" فریدی کچھ دور ریت پر اوندھی پڑی چند کشتیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "آج رات ان میں سے ایک ہماری مدد کرے گی۔"

پھر وہ لوگ وہاں سے لوٹ آئے۔ آنے سے قبل فریدی کچھ دیر کنارے پر کھڑا چٹانوں سلسلے تک پہنچنے کے امکانات پر غور کرتا رہا۔ سرائے واپس آکر کھانے کے بعد وہ ض انتظامات میں مشغول ہو گیا۔

سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ سرائے کے باورچی خانے سے کے تیل میں تلی جانے والی مچھلی کی خوشگوار اور اشتہا انگیز خوشبو اٹھ کر فضا میں منتشر ہو رہی صحن میں دو چار میلے کچیلے بچے اچھل اچھل کر کوئی دیہاتی گیت گا رہے تھے۔ ان کے قریب ہ خارش زدہ کتا پڑا اونگھ رہا تھا۔ سرائے کا مالک ایک چوکی پر برآمدے کے ستون سے ٹیک آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا، کبھی کبھی وہ ایک آنکھ کھول کر شور مچاتے ہوئے بچوں کی طرف سے دیکھتا اور پھر اونگھنے لگتا۔ اس کی بیوی جو اُس کے مقابلے میں کافی کمسن تھی اور بار بار خانے کی کھڑکی میں آکر انگلیوں سے اپنے بالوں میں کنگھی کرتی اور کبھی کبھی شور مچاتے بچوں میں سے کسی ایک کا نام لے کر پکارتی اور اُسے گھونسا دکھاتی ہوئی پھر لوٹ جاتی۔ حمید کا اس میں دلکشی ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر محض اس لئے اس سے نفرت کرنے پر مجب کہ وہ اس کی زبان نہیں سمجھ رہا تھا.... ایک بار اُس نے طوعاً و کرہاً اُسے آنکھ بھی ماری لیکن کوئی ردعمل نہ دیکھ کر اُسے اس سے اور زیادہ نفرت ہو گئی۔ نہ وہ مسکرائی نہ شرمائی اور نہ غصے اظہار کیا.... گویا حمید نے اُسے آنکھ مارنے کے بجائے اپنی ناک کھجلائی تھی۔ آخر وہ اکتا کر کھڑکی سے ہٹ گیا....

"آخر مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا نا...!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیسی مایوسی....!" حمید نے انجان بن کر پوچھا۔

"یہ آئینہ دیکھ رہے ہو۔" فریدی نے دیوار پر لٹکے ہوئے آئینے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ہمارا چہرہ اس میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔"

"اوہ تو آپ بھی اُسی کے چکر میں تھے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "اسی لئے میں نے ہاتھ پیر ٹ لئے۔"

"میرے بچے میں یہاں عیاشی کے لئے نہیں آیا۔" فریدی نے کہا اور سیاہ رنگ کی ریشمی ریں تہہ کر کے ایک طرف ڈال دیں۔

حمید جھلا کر ایک طرف بیٹھ گیا.... وہ سوچ رہا تھا کہ زندگی میں ایک بار سمندر پار آنے کا قع ملا ہے تو پابندیوں کے ساتھ.... یہ بھی کوئی زندگی ہے۔

آٹھ بجے رات تک فریدی بالکل تیار ہو گیا۔ کھانا ختم کر چکنے کے بعد وہ ضروری سامان لے سرائے سے روانہ ہو گئے۔ فریدی نے سرائے والے کو اتنی رقم پیشگی دے دی تھی کہ اُسے اس کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے فریدی کو اطمینان دلایا تھا کہ وہ رات کو جس ت بھی آئے گا سرائے کا پھاٹک کھول دیا جائے گا۔

رات تاریک تھی۔ خلاف توقع مطلع ابر آلود ہو جانے کی وجہ سے ستاروں کی روشنی بھی ں تھی۔ کچھ دور چل کر انہوں نے احتیاطاً سیاہ رنگ کی چادریں اوڑھ لیں۔

"۹۷۵ کا مسئلہ کسی طرح حل نہیں ہوتا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"کیا تمہیں یاد نہیں کہ یہ عدد رومال والے نقشے میں تھا۔" فریدی نے کہا۔

"تو کیا بقیہ نقشہ آپ کی سمجھ میں آگیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"قریب قریب....!"

دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ گھنی جھاڑیوں سے بچتے تیز تیز قدم اٹھاتے ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حمید بالکل خالی الذہن تھا۔ بس وہ چل رہا تھا۔ اسے کیا کرنا ہوگا اس سے قطعی بے خبر تھا۔ خود فریدی کی بھی یہی حالت تھی۔ اس کے ذہن میں صرف ایک چیز تھی وہ یہ کہ انہیں ایک کشتی حاصل کر کے چٹانوں کے سلسلے تک پہنچنا ہے۔

اس وقت کتے کا سر تاریکی میں اور زیادہ خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔ حمید کے جسم کے کھڑے ہوگئے۔ اس چٹان کے گردوپیش کی فضا پُراسرار اور ڈراؤنی تھی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ کبھی کبھی کسی آبی جانور کی آواز سکوت کو چیرتی دور تک لہراتی چلی جاتی۔ فریدی کے جسم کی کپکپاہٹ محسوس کرلی۔

"کیوں کیا بات ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کک کچھ نہیں.... میں سوچ.... رہا تھا۔" حمید ہکلایا۔

لیکن پھر سوچنے لگا کہ کیا کہے دفعتاً اُسے سربتھال یاد آگیا اور وہ بولا۔ "ایک بات نہیں آتی کہ سربتھال نے خود کو ظاہر کیوں کردیا۔ وہ فضیل کی شکل میں بھی ہوٹل میں آیا

"محض ہمیں ڈرانے کے لئے، وہ سمجھا تھا کہ ہم اُسے بھوت سمجھ کر غش کھا جائیں فریدی نے کہا۔ "لیکن تم نے یہ بات خواہ مخواہ چھیڑی ہے.... کیوں کیا ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈر.... لاحول ولا قوۃ....!" حمید اکڑ کر بولا۔ "لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس سے چیخ نکل گئی۔ فریدی بھی چونک کر پیچھے ہٹا۔ سامنے پتھریلے کتے کے پھیلے ہوئے جبڑ ہرے رنگ کی روشنی نکل رہی تھی۔ کچھ دھواں بھی تھا۔ پھر زناٹے کی آواز آئی اور کوئی چیز طویل و عریض تھی کتے کے منہ سے نکل کر فضا میں تیرتی ہوئی ساحل کی طرف آتی دکھائی

"بھاگو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "دونوں نے پوری قوت سے دوڑنا شروع پھر انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ان کے پیچھے دوڑ رہا ہو۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک آدمی جس کی اونچائی دس گیارہ فٹ سے کم نہ رہی ہوگی۔ ان کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ نے ریوالور نکال کر فائر کیا۔ گولی اُس کے جسم سے ٹکرائی اور ایسا چھناکا پیدا ہوا جیسے ٹھوس پتھر گرا ہو.... وہ اب بھی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کا تعاقب کررہا تھا۔

"حمید جھاڑیوں میں....!" فریدی نے کہا.... اور وہ جھاڑیوں میں گھس گئے۔

"چادر اوڑھ لو جلدی کرو.... لیٹ جاؤ.... چادر تان لو.... وہ آگیا۔" دونوں نے سیاہ چادریں تان لیں.... آسمان کھل گیا تھا.... ستاروں کی چھاؤں میں فریدی نے غیر معمولی اونچائی والا آدمی ان کے قریب ساکت و سامت کھڑا تھا۔ فریدی نے چادر نکالنے کی بھی ہمت نہ کی۔ وہ اپنی گولی کا انجام دیکھ چکا تھا۔ کئی منٹ گذر گئے۔ وہ اُسی جگہ بے

حرکت کھڑا تھا۔ کیا وہ کوئی آدمی تھا؟ فریدی کے ذہن میں سوال پیدا ہوا؟ لیکن کوئی آدمی نہ تو اتنا لمبا ہوسکتا ہے اور نہ فضا میں اڑ سکتا ہے.... پھر.... کیا وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی تھی....؟ نہیں یہ بھی غلط ہے....؟ اگر ایسا ہوتا تو وہ اس طرح خاموش کیوں کھڑا رہتا۔ کیا ایک سیاہ چادر اور رات کی تاریکی انہیں اس کی نظروں سے چھپا سکتی ہے؟ پھر.... آخر وہ کیا تھا....؟ آدمیوں کی طرح اس کی دو ٹانگیں تھیں۔ جن سے وہ ان کے پیچھے دوڑا تھا.... دو ہاتھ تھے اور شانوں پر سر.... فریدی نے چادر سے سر نکالا اور اس عجیب الخلقت آدمی نے ایک قدم بڑھایا.... فریدی نے جلدی سے منہ اوڑھ لیا.... اس کا وہ پیر اٹھا ہی رہ گیا۔ اب وہ ایک پیر اٹھائے بے حس و حرکت کھڑا تھا.... فریدی نے آہستہ سے سیٹی بجائی.... لیکن اس کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی حالت میں کھڑا رہا۔

"دیکھو....! خبردار! تمہارے جسم کا کوئی حصہ چادر کے باہر نہ نکلنے پائے۔" فریدی نے کہا۔

حمید کی گھگھی بندھ گئی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن وہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اس نے چادر کے کونے چاروں طرف سے اپنے جسم کے نیچے دبا لئے.... دفعتاً ہوا کا ایک زوردار جھونکا آیا....

"ہوشیار رہنا.... چادر اڑنے نہ پائے۔" فریدی نے پھر کہا "ورنہ ہمارا بھی وہی حشر ہوگا جو علی فضیل کا ہوا تھا۔"

ہوا کے جھکڑ لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتے جارہے تھے۔ فریدی برابر کہے جارہا تھا۔ "چادر کو مضبوطی سے دبائے رکھو۔"

"وہ لمبا تڑنگا آدمی اپنی ایک ٹانگ اٹھائے ہوئے اب تک اسی طرح کھڑا تھا.... تھوڑی دیر بعد ہوا کے جھونکے ختم ہوگئے۔ اس نے جست لگائی اور فضا میں تیرتا ہوا سمندر کی طرف واپس چلا گیا۔

"چپ چاپ لیٹے رہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "چادر ہٹنے نہ پائے۔"

اور پھر کچھ دیر بعد قریب کے ٹیلوں کے درمیان ٹارچ کی روشنی نظر آئی اور ایک چہرا ابھرا.... یہ سربتھال تھا۔ وہ ٹیلے کی اوٹ سے سر نکالے ٹارچ کی روشنی ادھر اُدھر ڈال رہا تھا۔

"یہ اب زندہ نہ چھوڑے گا.... کاش میرا نشانہ خطا نہ کرے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور ریوالور نکال کر فائر کردیا.... گولی ٹھیک نشانہ پر لگی اور سربتھال چیخ مار کر الٹ گیا۔

"اب نکل چلو....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا.... دونوں پوری قوت سے قصبے کی ط
بھاگ رہے تھے.... ایک جگہ حمید نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا.... فریدی نے رک کر
اٹھایا.... لیکن شاید حمید کے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ فریدی نے اسے کاندھے پر لادا او
دوڑنا شروع کر دیا.... قصبے میں داخل ہوتے ہوتے اچانک آندھی آ گئی.... آندھی
قیامت.... جھونپڑوں کی چھتیں اڑنے لگیں.... کمزور دیواریں گرنے لگیں.... ہر طرف
قیامت برپا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کئی جگہ آگ لگ گئی.... نہ جانے کتنے ہی
گرتی ہوئی دیواروں کے نیچے دبے چیخ رہے تھے۔ آندھی تھی کہ لحہ بہ لحہ تیز ہوتی جارہی
فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بھی اب اپنا توازن قائم نہ رکھ سکے گا.... وہ قصبے سے نکل کر
جنگل کی طرف بھاگا.... کئی درخت جڑ سے اکھڑ گئے تھے.... اس نے اس طرف آکر غلط
تھی۔ وہاں سے وہ اس لئے بھاگا تھا کہ کہیں مکان کی دیوار نہ آ رہے۔ لیکن یہاں درختوں کے
دب کر مر جانے کا خطرہ تھا.... پھر بھی شائد قدرت اس پر مہربان تھی۔ جیسے ہی اس نے ر
دیکھنے کے لئے ٹارچ جلائی اسے ایک غار دکھائی دے گیا۔ دوسرے لمحے میں وہ حمید سمیت غار
اندر تھا۔ حمید تکلیف کی وجہ سے بیہوش ہو گیا تھا.... فریدی نے اسے ایک طرف لٹا دیا۔
ہو رہا تھا آندھی آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی تھی۔ فریدی پھر لوٹ کر حمید کے قریب آیا....
جھک کر اُس کی ٹانگیں دیکھنے لگا.... یہ دیکھ کر اُسے اطمینان ہوا کہ ہڈی ٹوٹی نہیں بلکہ پیر میں م
آ گئی ہے۔ اس کے داہنے پنجے میں خاصا ورم تھا.... خود اس نے اس کا جوتا اتارا اور تھوڑی
مالش کرنے کے بعد پیر میں رومال باندھ دیا۔ حمید ابھی تک بیہوش تھا.... فریدی پھر غار
دہانے کے قریب آیا۔ آندھی تھم گئی تھی۔ لیکن قصبے کا شور بدستور قائم تھا۔

خطرناک تجربہ

دوسرے دن دوپہر کو قصبے میں سرکاری مدد پہنچ گئی اور فریدی حمید کو لے کر پھر شہر وا
آ گیا۔ اخبارات میں کلباش کی اس ٹریجڈی کی خبر شائع ہوئی تھی۔ بیس آدمی ہلاک اور
زخمی.... اٹھارہ پختہ مکان منہدم ہو گئے تھے اور جھونپڑا تو ایک بھی نہ بچ سکا تھا۔ اس بار

وسمیات کے ماہرین نے اُسے سائیکلون ہی قرار دیا۔ البتہ قصبے کے لوگ اسے کلب الشیاطین کی
ی سے تعبیر کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں بسنے والی خبیث روحیں وہاں قصبے کی
جائے ویرانہ چاہتی ہیں۔

حمید کا پیر مختصر سی طبی امداد سے ٹھیک ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی وہ درد کی وجہ سے نقل و حرکت
ے محروم تھا۔ اس رات کی خوفناک یاد اب تک بھی اس کے ذہن پر مسلط تھی۔ وہ زیادہ تر
اموش رہنے لگا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ
لے ہی کی طرح سوچتا، ہنستا، مسکراتا اور بات بات پر حمید کا مضحکہ اڑاتا رہتا تھا۔ لیکن اس دوران
ں وہ کوئی کام کرتا رہتا تھا۔ حمید اسے اس کی حماقت اور خلل دماغی پر محمول کرنے کے علاوہ کوئی
ر معنی نہیں پہنا سکا۔ فریدی نے کپڑے کے دو قد آدم مجسمے تیار کئے تھے۔ ایک پر اس نے سیاہ
شمی چادر کا غلاف چڑھا دیا اور دوسرے کو یونہی رہنے دیا۔ لیکن وہ بھی تھا تو کالا لیکن سوتی کپڑے
.... آخر ایک دن حمید پوچھ ہی بیٹھا۔

"آخر یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ کیا آپ پر بھی کسی خبیث روح کا سایہ ہو گیا ہے۔"

"نہیں میں ان خبیث روحوں کو گرفتار کرنے کی تدبیر کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تو گویا اب بھی آپ ان کے وجود سے منکر ہیں۔"

"اگر سر بتھال کی لاش غائب نہ ہو گئی ہوتی تو میں ضرور قائل ہو جاتا۔"

"بھلا اس میں کون سا نکتہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ بھوتوں نے اس کی لاش غائب کیوں کر دی اور وہ وہاں اس وقت کیا کر رہا تھا۔"

"ممکن ہے کہ وہ بھی ہماری ہی طرح اس کا راز جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔" حمید نے کہا۔

"اگر ایسا ہے تو اس لمبے تڑنگے بھوت نے اس کا تعاقب کیوں نہیں کیا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کردار کا غازی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ گفتار کا
بھی غازی ہے۔"

اور پھر وہ بھوت ہمیں پکڑ کیوں نہیں پاتا۔ ہم نے دو ریشمی چادریں اوڑھ لی تھیں۔ ظاہر ہے
کہ ان چادروں پر نہ تو نقش سلیمانی بنا تھا اور نہ ہی وہ کسی عامل کا عطیہ تھیں.... میں نے انہیں
محض لباس شبروی کے طور پر استعمال کرنے کے لئے خریدا تھا اور پھر تمہیں یاد ہو گا میرے منہ

کھولنے پر اس نے ایک قدم اٹھایا تھا.... جو منہ ڈھانک لینے کے بعد بدستور اٹھا ہی رہا.... ار
کیا سمجھتے ہو۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ یہ مسئلہ اس کی الجھن کا باعث بھی بن چکا تھا۔ لیکن
الجھن نے کسی واضح خیال کی طرف اس کی رہنمائی نہیں کی۔

"تو کیا آپ پھر اُدھر جانے کا قصد رکھتے ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"تم جانتے ہو کہ میں کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتا۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا
مسکرا کر بولا۔ "اگر تم واقعی خوفزدہ ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلنے پر مجبور نہیں کروں گا"

"آپ تو خواہ مخواہ بدگمان ہو جاتے ہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "مجھے آپ کی بھی ز
عزیز ہے.... کیوں نہ اس معاملے میں یہاں کے حکام کی بھی مدد لی جائے۔"

"ابھی نہیں.... اپنے اطمینان کیلئے میں ایک تجربہ اور کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا

"کب....!"

"آج ہی....!"

"میرا پیر تو ٹھیک ہو جانے دیجئے۔"

"نہیں میں تمہیں نہ لے جاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....!"

"ممکن ہے کہ تمہیں سنبھالنے میں خود میں ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔"

"بہر حال میں آپ کو تنہا نہیں جانے دوں گا....؟"

"نہیں بھئی تم سمجھتے نہیں ہو۔" فریدی نے اکتا کر کہا۔ "میں اس لئے ایسا نہیں کر رہا
ڈرتے ہو.... حالانکہ یہ بھی غلط ہے کہ تم ڈرپوک ہو.... وہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ اچھے سے
سورما کے پیر اکھڑ جاتے....!"

"پھر آخر آپ مجھے کیوں نہیں لے جانا چاہتے۔" حمید نے پوچھا۔

"ممکن ہے اس بار اور زیادہ بدحواسی کے عالم میں بھاگنا پڑے اور ہم دونوں ایک دو
سے الگ ہو جائیں.... ایسے معاملات میں تنہا آدمی اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔"

"حمید نے بہت کوشش کی کہ فریدی کو اس ارادے سے باز رکھے لیکن کامیاب نہ ہوا

سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس کا انجام کیا ہوگا۔ کیا اس بار فریدی کی دلیری کام آسکے گی؟ کیا
وہ ایک ایسی قوت کا مقابلہ کر سکے گا جو انسانی دسترس سے باہر ہے؟ کہیں یہ اس کا آخری کارنامہ تو
نہیں؟

فریدی اسی دن شام کو قاہرہ سے کلب الشیاطین کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ رات
حمید نے بڑے کرب اور بے چینی کے ساتھ گذاری، رات بھر وہ سو نہ سکا.... صبح دس بجے تک وہ
فریدی کا انتظار کرتا رہا.... اور پھر اچانک اس کا اضطراب بڑھ گیا۔ فریدی نے گیارہ بجے تک لوٹ
آنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن بارہ بج گئے اور اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا
کرے.... آخر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح کلب الشیاطین کے علاقے میں پہنچنے
کی کوشش کرے لیکن اگر علی فضیل ہی کی طرح فریدی بھی.... اس کے آگے سوچنے کی ہمت نہ
ہوئی اور اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

وہ باہر جانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی
مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے بغل میں ایک بڑا سا بنڈل دبا ہوا تھا جسے اس نے فرش
پر ڈال دیا....

"بھئی بہت تھک گیا ہوں۔" وہ ایک کرسی پر گرتا ہوا بولا۔ "ذرا ہیڈ ویٹر کو کافی کیلئے فون کر دو۔"

حمید اٹھ کر لنگڑاتا ہوا فون کی طرف گیا اور فریدی جوتے اتار کر کرسی پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

"یہ بتایئے خیریت ہے نا....!" حمید نے پوچھا۔

"ہاں! آں.... سب خیریت ہے.... اور خیر و عافیت تمہاری خداوند کریم سے نیک
مطلوب ہے۔ دیگر احوال یہ ہے کہ تجربہ کامیاب رہا.... اور کوئی خاص بات نہیں.... بچوں کو
آداب اور بزرگوں کو پیار.... فقط قانون گو نہیں دعا گو....!"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تجربہ کامیاب رہا۔" حمید ہنس کر بولا۔ "کیا سر پر رکھنے کے لئے
تھوڑی برف بھی منگوالوں۔"

"اے ہے پاندان کیا ہوا تمہارا۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیا مطلب....!"

"بخدا تم نے اس وقت کسی کلرک کی بیوی کی طرح خیریت پوچھی تھی۔ جو بیچاری دن بھر

شوہر کے انتظار میں بیٹھی چھالیہ کترتی رہتی ہے اور اس کی آمد پر جمائی لیتی ہوئی میز پر ر کر اس کی خیریت پوچھتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ایک آدھ اسکرو ضرور ڈھیلا ہو گیا ہے۔" حمید جھینپ کر

"خیر معلوم ہوا کہ تم بڑے گاؤدی ہو گئے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے اس سے بہتر توقع تھی۔"

تھوڑی دیر بعد کافی آ گئی۔ فریدی نے دو تین گھونٹ لینے کے بعد سگار سلگایا۔

"ہاں تو بھئی تجربہ کامیاب رہا اور دلچسپ بھی۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے ٹیکسی باہر ہی چھوڑ دی تھی اور ان دونوں مجسموں کو لے کر ساحل کی طرف روانہ ہو گیا.... کنا کھڑے ہوئے مجھے دس پندرہ منٹ گذرے ہوں گے کہ اس کتے کے منہ میں پھر وہ دکھائی دی اور وہ دیو پیکر اس میں سے نکل کر میری طرف جھپٹا..... میں نے بھاگنا شرو میرا پیچھا کر رہا تھا۔ آخر کار میں سیاہ چادر اوڑھ کر لیٹ گیا اور وہ میرے قریب ہی آ کر پھر میں نے وہ مجسمہ اس کے سامنے پھینک دیا۔ جو سوتی کپڑے کا تھا۔ وہ حیرت انگیز پھ ساتھ جھکا اور مجسمے کی ٹانگیں چیر کر پھینک دیں.... اُف کتنی درندگی تھی.... اس وقت اس تصور سے کانپ اٹھا تھا۔"

فریدی نے بکس کھول کر اُس مجسمے کے دونوں ٹکڑے نکالے اور حمید کے سامنے ڈال

"اسی طرح اُس نے علی فضیل کی ٹانگیں چیر دی تھیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ہا نے وہ مجسمہ بھی اسکے سامنے ڈال دیا جس پر ریشمی غلاف چڑھایا تھا لیکن وہ بے حس و حرک رہا۔ جیسے اندھا ہو گیا ہو.... اس نے اس مجسمے کو ہاتھ تک نہ لگایا.... اس سے تم کیا سمجھے؟"

"میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔" حمید نے اس سے کہا۔

"خیر، خیر میں بھی ابھی اس مسئلے پر روشنی ڈالنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں نے جو اندازہ لگا غلط نہیں ہو سکتا۔ ہاں تو پھر میں نے اس مجسمے کو چادر کے اندر کھینچ لیا۔ وہ قطعی بے حس کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جست لگائی اور پھر کتے کے منہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جلدی جلدی مجسمے پر کا ریشمی غلاف اتارا اور اپنے جسم پر اس طرح منڈھ لیا کہ کوئی حصہ رہے اور پھر میں ساحل کی طرف آیا.... تقریباً آدھ گھنٹے تک کھڑا رہا لیکن کوئی نیا وا

نہیں آیا.... کہو اب کیا کہتے ہو.....!"

"یعنی وہ خبیث روحیں ریشم سے ڈرتی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں بلکہ اس کتے کے پیٹ میں بیٹھی ہوئی خبیث شخصیت کو ریشم دکھائی نہیں دیتا۔" فریدی بولا۔

"میں پھر نہیں سمجھا۔"

"بہت جلد سمجھ جاؤ گے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اطمینان رکھو وہ کوئی آسیبی خلل نہیں ہے.... ہماری تمہاری جیتی جاگتی دنیا کی بات ہے۔"

"پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہیں قریب سے دکھاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "ذرا فون کر کے کافی اور منگواؤ۔"

حمید نے پھر اٹھ کر فون کیا۔

"لیکن آپ اس وقت تک مجھے الجھن میں ڈالے رہیں گے۔" حمید نے کہا۔

"اس میں الجھن کی کوئی بات نہیں.... میں نے حقائق تمہارے سامنے رکھ دیئے۔ اب تم خود غور کر کے اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کرو۔ کوئی مشکل بات نہیں، کوشش کرو۔" فریدی نے کہا اور آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ حمید بھی کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

کتے کے پیٹ میں

دوسرے دن فریدی مصر کے محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں بیٹھا محکمے کے ڈائریکٹر ضرغام پاشا سے گفتگو کر رہا تھا۔

"مسٹر فریدی مجھے افسوس ہے کہ ہم آپ کی مدد نہ کر سکیں گے۔" پاشا نے کہا۔

"لیکن میرے ملک کی حکومت نے آپ کی حکومت سے درخواست کی ہے۔ آپ کو براہِ راست اس کے لئے احکامات مل چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" پاشا بولا۔ "مجھے اس سے کب انکار ہے.... آپ اس شخص کا پتہ نشان بتائیے،"

جو آپ کی حکومت کا مجرم ہے۔ ہم اسے گرفتار کرکے آپ کے حوالے کردیں گے۔ لیکن ک
الشیاطین والا واقعہ خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔"

"لیکن میں نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے اسے خواب نہیں کہا جاسکتا۔" فریدی نے کہا۔

"ممکن ہے آپ درست کہتے ہوں۔" پاشا نے کہا اور خاموش ہوگیا۔

فریدی سمجھ گیا کہ وہ اس سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ وہ وہاں سے ناکام لوٹا۔ لیکن اس
ہمت نہ ہاری تھی۔ اب اس نے اپنی حکومت کے سفارت خانہ کا رخ کیا۔ سفیر اس سے اس
کارناموں کی بناء پر اچھی طرح واقف تھا اور اسے حکومت کی طرف سے پہلے ہی فریدی کی ہر
امداد کے لئے ہدایات مل چکی تھیں۔ اس نے فریدی سے وعدہ کیا کہ وہ قاہرہ کے پولیس کمشنر
اس مسئلے پر گفتگو کرے گا۔

پھر دو دن بعد اسے اطلاع ملی کہ پولیس کمشنر بھی تضیع اوقات کے لئے تیار نہیں۔ اس
خیال کے مطابق عملہ کا کوئی آدمی کلب الشیاطین کے اندر گھسنے کی ہمت نہیں کرے گا....
فریدی نے فیصلہ کیا کہ وہ بذات خود پولیس کمشنر سے ملاقات کرے گا۔ لیکن اس کی یہ کوشش
بار آور ثابت نہ ہوئی.... پولیس کمشنر نے اسے بتایا کہ آسیبی خلل سے قطع نظر کرکے بھی
اس میں جانا پسند نہ کرے گا۔ اس نے بھی فریدی کے قائم کردہ خیالات کا مضحکہ اڑایا۔

اور پھر فریدی کو اپنی ہی قوتِ بازو پر بھروسہ کرنا پڑا.... اس نے چھوٹی سی ربڑ کی
خریدی اور اس پر ریشم کا خلاف چڑھایا.... دو ہلکے پھلکے پتوار بنائے اور ان پر ریشمی کپڑا
دیا.... اپنے اور حمید کے لئے ریشم کا ایسا لباس تیار کرایا جس سے جسم کا کوئی حصہ کھلا
سکے.... آنکھوں کے حصوں پر ریشم ہی کی باریک جالی لگوائی۔

حمید ان سب تیاریوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ یہ
آخری کارنامہ ہے۔

لیکن وہ فریدی کی مخالفت نہیں کرسکا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اُس نے اس سلسلے میں ایک لفظ
منہ سے نکالا تو فریدی اکیلا ہی چلا جائے گا اور یہ چیز اُسے کسی طرح گوارا نہ تھی۔

اس دوران میں وہ کئی ہوٹل تبدیل کرچکے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں مجرم ان کا سراغ
انہیں اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہ کریں۔ فریدی نے اس رات سر بتھال کے ساتھ

ر نمبر9 دیکھے تھے۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ مجموعی طور پر ان کی اتنی ہی تعداد ہونی ضروری نہیں لیکن
ی کے باوجود بھی وہ خطرہ مول لینے پر تیار تھا۔

حمید کا پیر ٹھیک ہوگیا تھا۔ اور وہ اس قابل ہوگیا تھا کہ ہوٹل سے نکل کر بازار تک جاسکے۔
ج جب وہ بازار سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چار مقامی اخبار تھے، حمید نے انہیں فریدی کے
منے ڈال دیا۔

"کلب الشیاطین کا دوسرا اعجوبہ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"بیان کرتے چلو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ انہیں پڑھ
وں۔"

"کلباش کے رہے سہے دیہاتیوں نے بھی قصبہ چھوڑ دیا۔" حمید نے کہا۔ "کل رات ساحل
بے کے آدمیوں نے چار طویل القامت آدمیوں کو آپس میں تلوار چلاتے دیکھا۔ ان کا بیان
ہے کہ ان آدمیوں کی لمبائی دس فٹ سے کم نہیں تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح لڑتے رہے
راڑتے ہوئے کلب الشیاطین کی طرف چلے گئے۔ دیکھنے والوں کا خیال ہے کہ وہ اس پتھریلے کتے
ے منہ میں گھس کر غائب ہوگئے تھے اور پھر اس کتے کے دہانے سے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں....
ب پورا شہر ویران ہے۔ کل ہی رات کو وہاں کی بچی کھچی آبادی شہر کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔"

"آگے کہو۔" فریدی بولا۔

"اور کوئی بات نہیں۔"

"اس واقعہ کے متعلق یہاں کے اخبارات اور حکام کا کیا خیال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"دیہاتیوں کی توہم پرستی۔" حمید نے کہا۔ "حکام نے دیہاتیوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ قصبے کی
لرف لوٹ جائیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "یہاں کی حکومت متمدن دنیا کے
لئے ایک مستقل خطرہ پال رہی ہے۔ محکمہ موسمیات اور اراضیات کی عقل نہ جانے کہاں چرنے گئی
ہے.... اس حصے کی جغرافیائی حالت قطعی ایسی نہیں کہ یہاں سائیکلون آسکیں.... خیر دیکھا
جائے گا.... دیکھا جائے گا۔"

فریدی اٹھ کر بیتابانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔

"میں ایک بار پھر آپ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔" حمید نے کہا
"مشکل ہے۔" فریدی پلٹ کر بولا۔ "میں سب کچھ سمجھ چکا ہوں.... میں کلب الشیاطین
اسی طرح جھپٹنا چاہتا ہوں جیسے ایک شرابی عرصہ تک شراب نہ ملنے کے بعد بوتل پر جھپٹ
میں اب انتظار نہیں کر سکتا.... اگر تم نہیں جانا چاہتے تو میں تنہا جاؤں گا۔"

"آپ پھر میرا مطلب غلط سمجھے.... میں تو....؟"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔

حمید خاموش ہو گیا.... وہ جانتا تھا کہ اب ساری کوششیں بیکار ہیں۔

اسی شام کو وہ دونوں کلباش کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی نے سارا ضروری سامان
لے لیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور پر انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ کسی اخبار کے نامہ نگار ہیں۔ ٹیکسی
نے ویران حصے سے آدھ میل ادھر ہی چھوڑ دی۔

تاریکی پھیل گئی تھی۔ وہ قصبے کے ایک ویران مکان میں گھس گئے۔ یہاں چاروں طرف
تھا۔ گاؤں میں ایک متنفس بھی نہیں رہ گیا۔ سائیں سائیں کرتی ہوئی سیاہ رات نے قصبے کی
میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز خاموشی کے اتھاہ ساگر میں ہلکو
پیدا کر کے کہیں غائب ہو جاتی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تم خائف نہیں ہو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"قطعی نہیں! بشرطیکہ اپنے جیسے انسانوں سے مقابلہ کرنا پڑے۔"

"مطمئن رہو.... اس کے آگے تمہیں سوچنا ہی نہ چاہئے۔"

"اوہ.... آپ تو مجھے اس طرح بہلا رہے ہیں جیسے میں نے اس طویل القامت دیو کو دیکھا
نہ ہو۔"

"گھبراؤ نہیں.... آج رات اس سے مقابلہ کی توقع نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

ایک گھنٹے کے بعد ساری تیاریاں مکمل کر لینے کے بعد وہ ساحل پر کھڑے تھے۔ کافی
گذر گیا۔ لیکن کلب الشیاطین کی خاموشی میں فرق نہیں آیا۔ حمید کو فریدی کی پیشین گوئی پر
ہونے لگی اور فریدی نے ربر کی کشتی سمندر میں ڈال دی.... وہ آہستہ آہستہ کلب الشیاطین

ف بڑھ رہے تھے.... حمید کی نظریں کتے کے پھیلے ہوئے دہانے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ
چ رہا تھا کیا واقعی یہ سیاہ ریشم کا لباس سحر زدہ ہے اور پھر ان کی کشتی چٹانوں کے سلسلے سے ٹکرائی۔
یدی لنگر پکڑ کر اوپر چڑھ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی اور اس کے بعد کشتی اوپر کھینچ لی گئی۔
ید چٹانوں پر قدم رکھتے ہی لرز اٹھا۔ یہاں کا پراسرار سناٹا مصر قدیم کے خوفناک جادوگروں کی یاد
انے لگا اور وہ مقبرے بھی یاد آئے جن میں ہزاروں سال سے انسانی لاشیں محفوظ تھیں۔ محض
امید پر کہ ایک دن ان کی بھٹکتی ہوئی روحیں اپنے جسموں میں لوٹ آئیں گی۔

چٹانوں کا سلسلہ تقریباً دو تین فرلانگ تک چلا گیا تھا۔ جس چٹان پر یہ لوگ کھڑے تھے کلب
یاطین کا ایک حصہ تھا۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی اور آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھنے لگا۔
بیس منٹ کی جدوجہد کے بعد بھی وہ کوئی ایسا راستہ نہ معلوم کر سکے جس کے ذریعہ اندر پہنچ
کتے۔ پھر انہوں نے دوسری راہ اختیار کی۔ فریدی عین کتے کے سر کے نیچے آ کر کھڑا ہو گیا۔ جس
ی اونچائی چالیس فیٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ حمید پر ایک بار پھر ہیبت طاری ہو گئی۔ خود
فریدی نے بھی ایک بار جھرجھری سی لی۔

ادھر بھی کسی طرف سے کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اس دقت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ
فریدی اپنی ٹارچ کا آزادانہ استعمال نہیں کر رہا تھا.... دفعتاً وہ داہنے طرف کے نشیب میں اتر گیا۔
حمید نے بھی اس کی تقلید کی.... ادھر چٹان کا پھیلاؤ زیادہ تھا۔ ایک جگہ اچانک فریدی رکا اور جھک
کر زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ نشانات دیکھ رہے ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "بھیگے ہوئے پیروں کے نشانات۔"

اور وہ آہستہ آہستہ نشانات کے ساتھ آگے بڑھنے لگا اور پھر وہ ایک بار کتے کی گردن سے
قریب پہنچ گئے۔ یہاں آ کر پیروں کے نشانات غائب ہو گئے۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ اسے
غلط فہمی ہوئی تھی۔ پیروں کے نشانات یہاں غائب نہیں ہوئے تھے بلکہ چند ابھرے ہوئے
چھوٹے چھوٹے پتھروں پر نظر آ رہے تھے۔

"آخر ان پتھروں پر چلنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ چٹان کا ایک حصہ سپاٹ اور مسطح
ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہ چیز واقعی دلچسپ ہے۔" حمید بولا۔

فریدی ان پتھروں کو دیکھنے لگا۔ ہر ٹکڑے پر پیر کا ایک نشان موجود تھا اور اس کے بعد مسطح

چٹان پر کوئی نشان نظر نہ آیا۔

"لو بھئی اس خبیث کا پیٹ تو پھٹ گیا۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولا۔ ا
س نے اس اچانک نمودار ہونے والے غار کے دہانے میں ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اندر بالکل
اور دہانے کے سرے سے آٹھ دس زینے تہہ تک چلے گئے تھے۔ دونوں غار میں بہ آہستگی اتر
جیسے ہی انہوں نے فرش پر قدم رکھا اوپر دہانے کا منہ بند ہو گیا۔

"یہ کیا ہوا۔" حمید اوپر کی طرف دیکھ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ٹھہرو.....!" فریدی نے کہا اور زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ آخری زینہ پر پیر رکھتے ہی
پھر کھل گیا۔ فریدی لوٹ آیا..... اور دہانہ بند ہو گیا۔

"غضب کی کاریگری ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ بھوت اس وقت کہاں سو رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"وہ مطمئن ہیں کہ کوئی ان تک پہنچنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔" فریدی نے کہا۔ "پھر ہم ا
قطعی نہ دکھائی دیتے ہوں گے۔"

"ہم نے جادوائی لباس جو پہن رکھا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"معلوم نہیں کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"جو کچھ ہے ابھی سامنے آجاتا ہے۔" فریدی نے کہا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ ا
کمرے میں کھڑے تھے جس میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان کا دم گھٹنے لگا اور وہ
زینوں پر چڑھ گئے..... غار کا دہانہ کھل جانے کی وجہ سے انہیں اس گھٹن سے نجات ملی۔ فرید
نے پھر ٹارچ کی روشنی میں اس کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا اسکی نظریں سامنے کی دیوار سے زینو
پر پڑیں۔ یہ تین الگ الگ سیڑھیاں تھیں جن کا درمیانی فاصلہ ایک فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

"ذرا ان زینوں کو دیکھو۔" فریدی بولا۔ "بھلا ان تین زینوں کا کیا مطلب ہے اور یہ
سوچو کہ ان کے سرے پر دروازے بھی نہیں ہیں۔ پھر ان کا کیا مقصد ہے..... اوہ..... حمید
پہلے زینے کی سیڑھیاں تو گنو۔"

"نو ہیں۔" حمید بولا۔ "دوسرے میں سات اور تیسرے میں پانچ ہیں۔"

"اچھا تو وہ رومال والا عدد کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نو سو پچھتر.....!" حمید نے کہا۔

"نو سو پچھتر نہ کہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "بلکہ نو۔ سات۔ پانچ کہو..... لو بھئی نو سو
ھتر کا مسئلہ بھی چٹکی بجاتے حل ہو گیا..... قدرت کچھ مہربان معلوم ہوتی ہے۔"

"اچھا تم یہیں ٹھہرو تاکہ دہانہ کھلا رہے..... میں ذرا ان زینوں کو دیکھتا ہوں۔" وہ آخری
نے پر سے نیچے کود پڑا..... اب وہ سامنے والی دیوار کے زینوں کا جائزہ لے رہا تھا..... پہلے وہ نو
ڑھیوں والے زینے پر چڑھا..... پھر اس پر سے ہو کر سات سیڑھیوں والے زینوں سے گذرتا
ا نیچے اتر آیا..... اور پانچ سیڑھیوں والے زینے پر چڑھنے لگا۔ جیسے ہی وہ آخری سیڑھی پر پہنچا
وار کا ایک حصہ ایک طرف ہٹ گیا اور دوسری طرف عجیب قسم کی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی
نے لگی۔ فریدی نے حمید کو اشارے سے بلایا..... دونوں اندر داخل ہو گئے۔ یہاں بالکل تاریکی
ی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی اور آگے بڑھنے لگا۔

"یہ آواز کیسی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کسی مشین کی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مشین.....!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں ہاں خاموشی سے چلے آؤ۔" فریدی نے کہا۔ وہ ایک تنگ و تاریک راستے سے گذر رہے
تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک کمرے کے سامنے کھڑے تھے جس کے دروازہ پر سیاہ پردہ پڑا تھا
اور روشندان سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ دونوں بہ آہستگی دروازے سے ہٹ کر ایک کنارے
کھڑے ہو گئے۔ فریدی نے روشندان سے جھانک کر دیکھا۔ اندر چار آدمی ایک میز کے گرد بیٹھے
شراب پی رہے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا تھا جس کے چہرے پر گھنی اور سفید ڈاڑھی تھی.....
چاروں یوروپین معلوم ہوتے تھے۔ فریدی نے حمید کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"دیکھا تم نے..... یہ ہیں تمہارے بھوت..... اس بوڑھے کو پہچانتے ہو..... کہیں تصویر تو
دیکھی ہی ہوگی۔"

"میں نہیں پہچانتا..... لیکن.....!"

"ٹھہرو.....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اُس طرف داہنے کونے میں دیکھو۔"

حمید لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

”ارے یہ تو....وہی....!“

”لیکن ڈرو نہیں.... یہ اس وقت بالکل بے جان ہیں۔“ فریدی نے کہا اور جیب سے نکال لیا۔ حمید نے بھی اپنے ریوالور کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

”یہ بوڑھا جرمنی کا مشہور سائنس دان ولمین ہے، جو ہٹلر کی موت کے بعد پراسرار طور پر غائب ہو گیا تھا.... اور اب یہ یہاں اس ویرانے میں کسی نئے تباہ کن ہتھیار کا تجربہ کر رہا ہے.... خیر آؤ.... لیکن ہوشیاری سے۔“

فریدی پردہ اٹھا کر کمرے میں داخل ہو گیا.... وہ چاروں اسے دیکھتے ہی بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔

”ہینڈز اپ....!“ فریدی گرج کر بولا۔ ”اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو شوٹ کر دوں گا۔“

چاروں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے ان دونوں سیاہ پوشوں کو دیکھ رہے تھے....

”تم کون ہو....!“ بوڑھا سائنس دان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”تمہاری مشینی آندھی کے شکار دو دیہاتیوں کے بھوت۔“ فریدی قہقہہ لگا کر بولا۔ ”جن کی اطلاع تمہارا ٹیلی ویژن سیٹ بھی نہ دے سکا۔“

بوڑھا آہستہ آہستہ دیوار کے قریب رکھی ہوئی ایک مشین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس میں ایک شیشہ لگا ہوا تھا۔ جس میں پورا ساحل کا علاقہ صاف نظر آ رہا تھا۔ حمید متحیر تھا کہ آخر بند کمرے میں رکھی ہوئی مشین میں باہر کے مناظر کس طرح دکھائی دے رہے ہیں اور پھر چند لمحوں کے بعد سارا معمہ حل ہو گیا.... اسی مشین کے ذریعہ وہ ساحل پر لوگوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لیا کرتے تھے.... فریدی بوڑھے کی حرکت دیکھ رہا تھا.... اس نے پستول گھما کر مشین کے شیشے پر گولی چلا دی۔ شیشہ ایک چھناکے کے ساتھ ٹوٹ گیا.... بوڑھا چیخ مار کر فریدی کی طرف جھپٹا.... فریدی کے پستول سے پھر ایک شعلہ نکلا اور بوڑھا اچھل کر دیوار سے ٹک گیا.... اس کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ اس کا ایک پیر زخمی ہو گیا تھا۔

”حمید ان تینوں کے ہاتھ پیر جکڑ دو....!“ فریدی نے کہا۔ ”اور میں اس بوڑھے سے سمجھتا ہوں۔“ فریدی نے حمید کا پستول بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ایک پستول کا رخ بوڑھے کی طرف تھا اور دوسرے کا ان تینوں آدمیوں کی طرف۔ حمید نے جیب سے پتلی پتلی مضبوط سی ڈوریاں نکالیں اور یکے بعد دیگرے انہیں جکڑنے لگا۔

”کیوں ولمین وہ رومال کہاں ہے۔“ فریدی نے بوڑھے سے کہا۔

”میں نے اسے جلا دیا۔“ ولمین چیخ کر بولا۔

”بہت خوب! سر بنتھال کی لاش کیا ہوئی۔“

”اوہ تو تم وہی جاسوس ہو۔“ ولمین چیخ کر بولا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”تمہارے وہ دیو پیکر بھوت یہی ہیں۔“ فریدی ایک طرف کھڑے ہوئے چار پانچ لوہے کے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ولمین نے کوئی جواب نہ دیا۔

”کیا تم یہ جانتے تھے کہ تمہاری مشین کی شعاعیں ریشم کے لباس سے نہیں گذر سکتیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہاں لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ مشرقی سور بھی اتنے ذہین ہو سکتے ہیں۔“ ولمین درد سے کراہ کر بولا۔

فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔

”خیر.... خیر.... ولمین.... تمہارا یہ عظیم الشان کارنامہ ہمیشہ کے لئے دفن ہونے جا رہا ہے.... کیا تم مجھے اپنی ان تباہ کن مشینوں کے بارے میں کچھ بتاؤ گے۔“ فریدی نے کہا۔

”مشین تم نے برباد کر دی ہے۔“ ولمین ٹوٹی ہوئی مشین کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”دنیا کا کوئی سائنسدان اب یہ نہ بتا سکے گا یہ کیسے بنائی گئی تھی.... یہی مشین آندھیاں پیدا کرتی تھی۔ یہی مشین ان لوہے کے آدمیوں کی آنکھ تھی۔ یہ آدمی اسی اسکیم کے تحت بنے تھے جس کے تحت جرمنی کے مشہور اور خود بخود داڑنے والے بم اور ہوائی جہاز بنائے گئے تھے۔ ان میں ریڈیائی طریقوں سے قوت عمل پیدا کی جاتی تھی۔ لیکن افسوس کہ یہ اب بیکار ہو چکے ہیں.... تم.... خبیث.... سور.... تم نے میرے اس کارنامے پر خاک ڈال دی جس کے لئے میں نے ساری زندگی وقف کر دی تھی.... مجھے سہارا دے کر اس آرام کرسی تک لے چلو میں تمہیں مرنے سے پہلے کچھ اور باتیں بتانا چاہتا ہوں.... مجھے یہاں سے کوئی قوت زندہ نہیں لے جا سکتی۔“

بوڑھے نے آنکھیں بند کرلیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُسے غش آگیا ہو۔ وہ گرر تھا کہ فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھال لیا.... حمید جو بقیہ تینوں آدمیوں کو باندھ کر ڈال چکا تھا.... فریدی کی مدد کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی زمی اور اس کے دونوں پستول بوڑھے ولمین کے ہاتھوں میں تھے۔

"کیوں سورما اب بتاؤ۔" بوڑھا ولمین قہقہہ لگا کر بولا۔

"اچھا تو کیا تم ہمیں یہاں اکیلے سمجھتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مت بھولو کہ یہ جیسے نہ جانے کتنے سیاہ پوش اس کتے کے پیٹ میں موجود ہیں۔ اسی لئے میں نے آتے ہی پہلے تمہاری مشین برباد کردی تھی.... تم اس وقت ہم دونوں کو مار سکتے ہو لیکن اس کر تھوڑی ہی دور کھڑے ہوئے پچاس آدمیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔"

"دیکھا جائے گا۔" ولمین آہستہ سے بولا۔ "تم اٹھ کر میرے ساتھیوں کو فوراً کھو ورنہ....!"

فریدی آہستہ سے اٹھا۔ ولمین نے حمید کو بھی اشارہ کیا۔ دونوں بندھے ہوئے آد کھولنے لگے۔ ولمین دیوار کے قریب جاکر روشندان سے جھانکنے لگا لیکن وہ فریدی اور طرف سے غافل نہیں تھا۔ فریدی نے چیخنا چاہا۔ "خبردار....!" ولمین آہستہ سے بولا۔ " سے آواز نکلی تو شوٹ کردوں گا۔" اسے باہر کہیں کھڑے ہوئے خیالی آدمیوں کا خوف تھا۔ اس بار جیسے ہی اس نے روشندان کی طرف منہ پھیرا۔ فریدی نے پھرتی سے ایک اٹھا کر اس پر پھینک مارا۔ دونوں ایک ساتھ زمین پر آرہے.... دو فائر ہوئے.... اور د کمرے میں گونج اٹھیں۔ گرتے گرتے ولمین کے ہاتھوں میں دبے ہوئے دونوں پستو گئے.... فریدی اور حمید ان کی طرف جھپٹے.... ایک پستول کی گولی ولمین کی ٹھوڑی پھاڑ سر سے نکل گئی تھی اور دوسری اس کے ساتھی کے سینے سے پار ہوگئی تھی۔

"اوہ یہ تو بہت بُرا ہوا....!" فریدی بے ساختہ بولا۔ "میں اس بوڑھے کو زندہ گر چاہتا تھا۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا.... ولمین کے دو ساتھی زمین پر بندھے پڑے ان دونوں کو چیخ چیخ کر گالیاں دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید تہہ خا دوسرے حصوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہاں ان لوگوں نے اچھا خاصا کارخانہ قائم کر

ایک چھوٹا سا بجلی گھر بھی تھا جس کی قوت سے مشینیں چلائی جاتی تھیں۔ حمید نے لوہے کے ان قد آور آدمیوں کو قریب سے دیکھا جنہیں وہ بھوت سمجھے ہوئے تھا۔

"ایک بڑی خوفناک چیز مٹ گئی۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ کسی اگلی جنگ میں یہ لوہے کے آدمی انسانوں کے مقابلے میں استعمال کئے جاتے۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر ابھی تک حیرت طاری تھی۔ کبھی وہ ان لوہے کے آدمیوں کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف..۔ شائد وہ دونوں کا موازنہ کررہا تھا کہ ان میں زیادہ خوفناک کون ہے۔ فریدی یا وہ لوہے کے بھوت۔

"افسوس کہ یہ مشین برباد ہوگئی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن بہت اچھا ہوا۔ ورنہ کوئی اور اسے اپنے ناپاک ارادوں کے لئے امن پسند دنیا کے خلاف استعمال کرتا۔ بہت اچھا ہوا بہت اچھا ہوا۔"

دوسرے دن کلباش کے علاقہ میں ایک جم غفیر لگا ہوا تھا۔ چپے چپے پر پولیس اور فوج کے سپاہی نظر آرہے تھے۔ کلب الشیاطین کی خبیث روحیں وہاں سے ہٹائی جارہی تھیں۔ فریدی ساحل پر ایک خیمے میں مصر کے اعلیٰ حکام سے گفتگو کررہا تھا۔ وہ انہیں شروع سے ساری داستان سنا رہا تھا۔

"اور پھر جب میں نے دیکھا کہ ریشمی چادر کے سامنے اس دیو پیکر کی ساری قوتیں بیکار ہوجاتی ہیں تو میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ وہ آدمی کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں بلکہ کسی مشین کا تابع تھا اور اس مشین کی پیدا کردہ شعاعیں ریشم کی سطح سے نہیں ٹکراتیں.... اس کے لئے میں نے ایک دوسرا تجربہ کیا۔"

اب فریدی نے انہیں کپڑے کے قد آدم مجسموں والے تجربہ کے متعلق بتلایا۔

"واقعی مسٹر فریدی تم نے امن پسند دنیا پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔" قاہرہ کا پولیس کمشنر بولا۔ "مجھے اب افسوس ہورہا ہے کہ میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیوں نہیں کیا تھا۔"

"خود میں بھی شرمندہ ہوں۔"

"خیر جو کچھ بھی ہوا ٹھیک ہوا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا مقصد حل ہوگیا۔"

"اُف میرے خدا۔" ایک آفیسر بولا۔ "ہم لوگ بھی کتنے احمق تھے کہ ان تباہ کن آندھیوں کو سائیکلون سمجھتے رہے اور عوام کسی خبیث روح کا کارنامہ۔"

اسی دن اخباروں کے غیر معمولی شمارے دھڑا دھڑ فروخت ہورہے تھے.... ان میں کلب الشیاطین کی وارداتوں کے متعلق خبریں شائع ہوئی تھیں۔ فریدی اور حمید کی کارگزاریوں کو کچھ

اور بھی زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تھا۔

اور وہ دونوں شام کو ایک گمنام سے ہوٹل میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ اپنے ہوٹل سے دا والوں کے خوف سے نکل بھاگے تھے۔ آج صبح سے آٹوگراف لینے والوں کی کاپیوں پر د کرتے کرتے ان کے ہاتھ دکھنے لگے تھے۔ اخباروں کے نامہ نگاروں نے الگ تنگ کر رکھا تھا پھر انہوں نے جان بچانے کے لئے رہائشی ہوٹل سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔

"حمید! ایک چیز مجھے ہمیشہ الجھن میں ڈالے رہے گی۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیا....!"

"کلب الشیاطین....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "آخر ولمین اس کے راز سے کیسے واق ہو گیا۔ جب کہ یہاں کے باشندے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور نہ کسی تاریخی کتاب سے اس کے وجود پر روشنی پڑتی ہے.... اور یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ وہ آج کی کاریگری نہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اہرام اور ابولہول سے بھی پہلے کی چیز ہو۔ معلوم نہیں کہ یہ جرمن اس اندر کس طرح پہنچ گئے۔ ولمین کے ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ ولمین ہی نے اس کا پتہ لگایا تھا؟ وہ بھی نہیں بتا سکے کہ اسے اس کا حال کیسے معلوم ہوا تھا۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خامو سے کافی پی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"خیر یہ سب سوچنے کے لئے زندگی پڑی ہے۔ یہ بتائیے کہ اب کیا پروگرام ہے۔"

"میں اب کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ کیا ہمارا محکمہ اس خطرناک مہم کے بعد ہمیں سال سال کی چھٹی بھی نہ دے گا۔ میں تمہیں سیاحت کے بہانے لایا تھا۔ لہٰذا سیاحت ہو گی۔ ا رپورٹ اور چھٹی کی درخواست جلد ہی سفارت خانے کے سپرد کر کے ہم یورپ کی طرف ر ہو جائیں گے اور پھر واپس پر تمہاری شادی کیا سمجھے۔"

"اور اپنے متعلق کیا کہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کیا ایک دوست کی بیوی میرے لئے کافی نہ ہو گی۔" فریدی مسکرایا۔ "کافی ہاں کافی.... بوائے کافی اور لاؤ۔" حمید چیخ کر بولا اور دانت نکال کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 13

ہیرے کی کان

(مکمل ناول)

پریشان حال عورت

انور اپنے فلیٹ کے ایک کمرے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا وہ ایک آرام کرسی میں
ہوا تھا۔ ایک پیر سامنے والی میز پر تھا اور دوسرا پھیلی ہوئی ٹانگ پر، ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر
جھول گئی تھی۔ فلٹ ہیٹ پیشانی پر تھی اور بکھرے ہوئے بال بھنوؤں پر لہرا رہے تھے۔ اُ
آج صبح بھی شیو نہیں کیا تھا اس لئے سرخ و سپید رخساروں پر ہلکی ہلکی سبزی کچھ عجیب سی لگ
تھی۔ اس کمرے میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ الماریوں میں کتابیں، میز پر کتابیں، کرسیو
کتابیں فرش پر کتابیں، آرام کرسیوں کے چوڑے ہتھوں پر کتابیں، دو ایک کتابیں اُس کی گو
بھی پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں کچھ عجیب قسم کی بے ترتیبی تھی۔ فرش پر سگریٹوں کے
ٹکڑے اور جلی ہوئی دیا سلائیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کتابوں کے درمیان الماریوں میں کہیں
میلے اور پھٹے پرانے موزے گھسے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ لکھنے کی میز پر سگریٹوں کی
ڈبیاں، ڈاڑھی بنانے کا سامان، کچھ نئے اور پرانے رسالے، دو ایک چائے کی پیالیاں جن پ
سرخ رنگ کے دھبے تھے۔ ایک دو میلے کچیلے رومال اور نہ جانے کیا کیا الا بلا ڈھیر تھی۔ دیوار
دو ایک کیلنڈر تھے جن میں پچھلی تاریخیں اب تک لگی ہوئی تھیں۔ انور نے کتاب پڑھتے
سر اٹھایا اور فلٹ ہیٹ پیشانی سے سرک کر نیچے فرش پر آ رہی۔ اُس نے بُرا سا منہ بنایا اور
پیچھے کی طرف اچھال دی پھر ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ انور مڑا دروازے میں رشیدہ کھڑی
رہی تھی۔ کتاب اُس کے چہرے سے ٹکرا گئی اُس نے جھک کر کتاب اٹھائی اور انور کو گھورنے
انور نے اپنی گود میں پڑی ہوئی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھائی اور ورق گردانی کر
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ پھر اُس نے وہ کتاب بھی میز پر پٹخ دی اور

طرف مڑا جو ابھی تک گھورے جا رہی تھی۔
"میں کہتا ہوں آخر اس قسم کی کتابیں چھاپنے سے فائدہ؟" وہ چند لمحے بے خیالی میں رشیدہ
طرف دیکھتا ہوا بولا۔
"اور میں کہتی ہوں آخر تمہاری زندگی سے فائدہ۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔
"میں نے ابھی تک اس پر غور نہیں کیا۔" انور نے آہستہ سے کہا اور کتاب پر نظریں
ادیں۔
رشیدہ نے زمین پر پڑا ہوا فلٹ اٹھا کر صاف کیا اور میز پر رکھ دیا پھر کچھ دیر تک منہ بنائے
ئے چاروں طرف دیکھتی رہی۔
"تم نے پھر کتابیں اِدھر اُدھر پھیلا دیں۔" رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔
انور نے کتاب میز پر رکھ کر ایک طویل انگڑائی لی اور پیشانی پر بکھرے ہوئے بال ہٹا کر کھڑا
گیا۔
"تمہارے پاس کچھ پیسے ہوں گے؟" اُس نے رشیدہ سے پوچھا۔
"کیوں....؟"
"مجھے ایک پیکٹ سگریٹ لا دو۔"
"میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ ہم لوگ دوپہر کا کھانا کہاں سے کھائیں گے؟"
"منہ سے۔"
"فضول باتیں نہیں کرو، ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ دوپہر کا کھانا کھایا جا سکے۔"
یدہ جھنجھلا کر بولی۔
"بس اتنی سی بات؟" انور مسکرا کر بولا۔ "اس کی نہایت آسان تدبیر بتاتا ہوں وہ پرانے
باروں کا ڈھیر ہے اسے بیچ کر تم کم از کم دس روپے حاصل کر سکتی ہو۔"
"جہنم میں گئے اخبارات....!" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔ "تم اپنی تنخواہ ختم کر دیتے ہو میری تنخواہ
یادہ حصہ بھی تم پر ہی صرف ہوتا ہے اور پھر بھی آخیر مہینے میں اس کی نوبت آ جاتی ہے۔"
"بیٹھ جاؤ۔" انور سنجیدگی اور نرمی سے بولا۔ رشیدہ ایک کرسی پر منہ پھیلائے ہوئے بیٹھ
ئی۔ انور تھوڑی دیر تک اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر اچانک بولا۔

"کون اُلو کا پٹھا تم سے کہتا ہے کہ تم اپنی تنخواہ مجھ پر خرچ کر دیا کرو۔ آخر تم میری ہو تم میرے فلیٹ پر کیوں آئی ہو۔ میں جب بھی تم سے کوئی اُدھار لیتا ہوں ایمانداری سے کر دیتا ہوں اگر تمہاری ایک پائی بھی مجھ پر آتی ہو تو بتاؤ۔"

انور خاموش ہو گیا اور اُس نے پھر ایک کتاب اٹھالی۔ وہ پھر آرام کرسی پر دھنستا ہو میں ڈوب گیا تھا۔

• رشیدہ کی بھنویں چڑھ گئیں، پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں، آنکھیں سرخ ہو گئیں چند ہی لمحوں میں اُس کے نتھنے پھڑکنے لگے اور وہ اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگی جیسے آنسو کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی بسورتی رہی پھر اٹھ کر پیر پٹختی ہوئی کمرے نکل گئی۔ انور بدستور مطالعے میں مشغول رہا۔ وہ ایک اخبار میں جرائم کا نامہ نگار تھا اور ا میں مستقل طور پر قسط وار جاسوسی ناولیں لکھا کرتا تھا۔ صحیح معنوں میں اس اخبار کا سب تھا۔ اگر وہ ادارے سے الگ ہو جاتا تو دوسرے ہی دن اخبار کی تعداد اشاعت آدھی سے جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ایڈیٹر سے لے کر پروپرائیٹر تک اُس کی مٹھی میں تھے۔ وہ ایک جاسوس بھی تھا۔ شہر کا شاید ہی کوئی ایسا پولیس آفیسر رہا ہو جس کے دو چار راز اُسے نہ معلو ہوں۔ بس یہ سمجھنا چاہئے کہ اُن کی دکھتی رگیں اُس کے ہاتھ میں تھیں۔ شاید ہی کوئی پو ایسا رہا ہو جو اس نوجوان بے باک اور نڈر کرائم رپورٹر سے جلتا نہ ہو۔ اُس نے بہتیرے میں پولیس کی رہنمائی بھی کی تھی اور خصوصاً انسپکٹر فریدی کی عدم موجودگی میں تو اُس کی تھی۔ محکمہ سراغ رسانی والے بھی اُس کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئے تھے۔

وہ ایک لاپرواہ اور اکھڑ انوجوان تھا۔ اُس نے اپنی زندگی ایک وکیل کی حیثیت سے تھی لیکن کچھ دنوں کے بعد سب کچھ چھوڑ کر اس راستے پر آنکلا تھا۔ اُسے دراصل کارنا پیار تھا۔ پچھلی زندگی قطعی ناخوشگوار گزری تھی اس لئے وہ ماضی کے دھندلکوں میں جھ ہمت نہیں کرتا تھا۔ اب تو وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اُس کے ماں باپ کون تھے اور کہاں بھی یا نہیں وہ دنیا میں بالکل اکیلا تھا۔

رشیدہ اسی اخبار کے دفتر میں ٹائپسٹ تھی۔ وہ نہ جانے کیوں انور کے اس قدر قر تھی۔ اُن دونوں کے فلیٹ بھی برابر ہی برابر واقع تھے۔ صرف درمیان میں ایک دیو

تھی۔ رشیدہ بھی اسی کی طرح دنیا میں تنہا تھی اُس نے اپنے متعلق اُسے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ انور نے کبھی کچھ پوچھا ہی نہیں۔ ان دونوں میں دو چیزیں مشترک تھیں۔ پہلی تو یہ کہ دونوں اس وسیع دنیا میں تنہا تھے دوسری یہ کہ دونوں کارنامے پسند کرتے تھے۔ دونوں دلیر تھے۔ دونوں کو پرانے سماج سے نفرت تھی۔ متوسط طبقے کی صاف ستھری لیکن گھناؤنی زندگی ناپسند تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہو گئے تھے۔ رشیدہ نے کئی کارناموں میں انور کا ساتھ دیا تھا۔ وہ دونوں اکثر آپس میں لڑ بھی جاتے تھے اور یہ لڑائی کچھ اتنی تلخ ہوتی کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے کہ وہ اب ایک دوسرے سے زندگی بھر نہ بولیں گے لیکن ان کا یہ عہد زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوتا اور پھر ایک دوسرے سے بولنے پر مجبور ہو جاتے۔ نہ جانے کیوں؟ صرف ایک بات پر رشیدہ انور سے بہت زیادہ نالاں رہا کرتی تھی۔ وہ یہ کہ انور فضول خرچ تھا اور پھر جب مفلس ہو جاتا تو کبھی گھڑی بیچی جاتی، کبھی انگوٹھی اور کبھی ردی کاغذ، اُدھار لینے کا حاتم تھا لیکن پیسہ ملتے ہی سب سے پہلے پچھلا قرض بیباق کرنے کی فکر کرتا تھا۔

اخبار کی آمدنی کے علاوہ بھی اُسے پرائیویٹ کیسوں کے سلسلے میں کافی پیسے ملتے رہتے۔ شہر کے متمول لوگ جس معاملے کی تفتیش کسی وجہ سے پولیس کے سپرد نہیں کرنا چاہتے تھے اُس کے سپرد کر دیتے تھے اور کام ہو جانے پر اس کے لئے وہ اُسے معقول معاوضہ دیتے تھے۔ بہر حال اگر وہ چاہتا تو نہایت شان سے زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن اپنے بے اصولے پن کی وجہ سے ہمیشہ مفلس رہتا تھا۔ لاپرواہی اُس کے کردار کا جزو لازم تھی۔ اس وقت بھی اُسے اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ایک گھنٹے کے بعد اُسے دفتر جانا ہے۔

"تم سے ایک عورت ملنا چاہتی ہے۔" رشیدہ نے دروازے میں آکر کہا۔

"لیکن میں کسی عورت سے ملنا نہیں چاہتا۔" انور نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"لیکن وہ تمہیں جانتی ہے۔"

"مجھے بہتیری عورتیں جانتی ہیں۔"

"تو میں اُسے کیا کہہ دوں....؟"

"کہہ دو کہ میں نہیں ملنا چاہتا۔" انور نے کہا۔

رشیدہ چلی گئی لیکن تھوڑی دیر بعد ایک جوان عورت کمرے میں داخل ہوئی۔ ظاہری حالت

سے کوئی معقول عورت معلوم ہوتی تھی۔ وہ سفید سلک کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جسم پر بر
لمبا کوٹ تھا اور گلے میں ہیروں کا بیش قیمت ہار، ہونٹوں پر نہایت شوخ قسم کی لپ اسٹک کی
جمی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں بلا کی جاذبیت تھی۔ وہ دروازے سے کچھ دور آکر ٹھٹک گئی
بدستور مطالعے میں مشغول تھا۔ آہٹ سن کر وہ کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

"اب کیا ہے؟"

"اوہ.... اں.... انور....!" وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔ انور چونک کر مڑا۔

"اوہ تم ساجدہ۔ کیوں؟ کیسے زحمت گوارا فرمائی؟" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ عورت نے
کی تلخی محسوس کرلی لیکن کچھ بولی نہیں۔ قبل اس کے کہ انور اُس سے بیٹھنے کے لئے کہتا وہ خو
ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"شاید پانچ سال بعد ہم لوگ مل رہے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"لیکن پانچ سال بعد ملنے کی وجہ؟" انور نے بے رخی سے پوچھا۔

"انور میں اس وقت مصیبت زدہ ہوں۔" وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔

"اوہو... کمال کردیا۔ اتنے قیمتی ہار اور اتنے نادر کوٹ میں بھی تم خود کو مصیبت زدہ سمجھتی"

"انور....!" عورت تیز لہجے میں بولی۔ "میں تم سے سودا کرنے آئی ہوں۔"

"تو کرو نا....!"

عورت نے گھوم کر رشیدہ کی طرف دیکھا جو پرانے اخبارات اکٹھا کر رہی تھی۔

"تمہاری بیوی ہے؟" عورت نے انور سے پوچھا۔

"نہیں، بیوی سے زیادہ۔"

"یعنی....؟"

"میری دوست ہے۔" انور اکتا کر بولا۔ "تم اپنی بات کہو۔"

اس دوران میں رشیدہ اخبارات کا ڈھیر اکٹھا کرکے باہر جاچکی تھی۔

"میرا شوہر اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔" عورت بولی۔

"تو میں کیا کروں میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔

"مجھے پوری بات کہنے دو۔" عورت گرج کر بولی۔ "وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے اور

لہ نمبر9

گھرے غائب ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اُسے ڈھونڈو۔"

"اس سلسلے میں پولیس زیادہ بہتر ثابت ہوگی۔" انور نے کہا۔

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔"

"کیا اس لئے کہ تمہارا شوہر دیوالیہ ہوچکا ہے؟"

"کیا مطلب....؟" عورت چونک کر بولی۔

"ہر سرمایہ دار قسم کا آدمی دیوالیہ ہونے سے کچھ دن پہلے اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے۔"

"کسی سے بدلہ لینے کا یہ اچھا طریقہ ہے انور۔" عورت ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"کیسا بدلہ....؟" انور نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"خیر میں انتہائی مجبوری کے عالم میں تمہارے پاس آئی ہوں.... ورنہ....!"

"میں تمہارے دیدار کے لئے تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔" انور نے جملہ پورا کردیا۔

"بس حد ہوگئی۔" عورت چیخ کر بولی اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

بسم اللہ۔" انور بھی اٹھتا ہوا بولا۔

عورت کھڑی کھڑی تھوڑی دیر تک انور کو گھورتی رہی پھر اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
لیکن لحہ بعد دوبارہ بیٹھ گئی۔ وہ سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

انور کھڑکی کے قریب جاکر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مڑا۔ عورت نے آنسو
پونچھ ڈالے تھے اور رحم طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا پہلی بار اُس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں پچھلے سال بھی ایک بار ایسا ہوا تھا۔"

"غائب ہوگیا تھا؟"

"نہیں اُس کے ایک دوست نے اُسے گھر تک پہنچایا تھا۔ وہ اچانک ایک ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے
اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔"

"کون دوست، اُس کا نام اور پتہ....؟" انور نے پوچھا۔

"یہ تو مجھے یاد نہیں، بہرحال وہ اُس کا کوئی دوست ہی تھا۔"

"خیر....!" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ کیفیت کتنے دنوں تک قائم رہی تھی؟"

"تین دن....!"

"اس کے بعد....؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔"

"اس دوران میں کیا ہوا۔ کیا اس کے غائب ہو جانے سے پہلے تم اُس کی ذہنی کی
واقف تھیں؟"

"ہاں میں اُس کی نگہداشت کرتی تھی لیکن پرسوں رات کو جب میں سو رہی تو
طرف نکل گیا۔"

"کیا ادھر اُس کی مالی حالت کچھ خراب ہو گئی تھی؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں.... قطعی نہیں۔ آج سے پندرہ دن قبل اُس نے مجھے بتایا تھا کہ اُسے کپڑ
مشینوں کی در آمد میں کافی فائدہ ہوا ہے۔"

"کیا تمہارے اور اُس کے تعلقات آج کل کچھ ناخوشگوار ہو گئے ہیں؟"

"قطعی نہیں۔"

"اُس کے ملنے والوں میں کوئی ایسی عورت جس سے وہ بہت قریب ہو؟"

"کوئی نہیں۔" عورت جلدی سے بولی۔ "یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے رہا ہوں۔ اسلئے جو کچھ مناسب سمجھوں گا پوچھوا

"میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔"

"لیکن تم اس کی رپورٹ پولیس میں کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟" انور نے پوچھا۔

"مجھے خوف ہے کہ اس خبر کے مشتہر ہونے پر کچھ لوگ بے ایمانی پر کمر بستہ ہ
گے۔" عورت بولی۔

"یعنی....؟"

"اُس کی تجارت کے ساجھی دار۔" عورت نے کہا۔

"مجھے ایسے لوگوں کے پتے نوٹ کرا دو۔" انور نے کہا۔

عورت نام اور پتے بولتی رہی۔ انور لکھتا رہا۔

"میں آج ہی سے کام شروع کر رہا ہوں۔ لیکن اخراجات....؟"

عورت نے اپنا بیگ کھول کر نوٹوں کا ایک بنڈل نکالا اور اُسے میز پر ڈالتی ہوئی بولی۔ "یہ پانچ سو روپے ہیں۔ بقیہ پانچ سو کام ہو جانے پر دوں گی۔"

انور نے بنڈل اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔

"میں کل صبح تم سے ملوں گا۔ آج کل کہاں رہتی ہو؟"

"۱۳ آسکر اسٹریٹ میں۔"

"فون نمبر....؟"

"تین سو بیالیس....!"

"اچھا....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔

عورت چلی گئی۔ انور پھر ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ آئی اور اُس نے اخبار کا بنڈل فرش پر پٹخ دیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" انور مسکرا کر بولا۔

"بات یہ ہے۔" رشیدہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔ "کہ ردی فروشوں کو ضرورت نہیں اور میں اس بنڈل کو بغل میں دبا کر شہر کا چکر نہیں لگا سکتی۔"

"تو اس بنڈل کو سنبھالو۔" انور نے نوٹوں کا بنڈل اُس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

"اوہ یہ کیا.... یہ.... یہ....!" رشیدہ رک رک کر بولی پھر تیز لہجے میں پوچھا۔ "وہ عورت کون تھی؟"

"ایک غرض مند....!" انور مسکرا کر بولا۔ "جو کام وہ مجھ سے لینا چاہتی ہے یہ اُس کی آدھی اُجرت ہے۔"

"وہ تم سے بے تکلف معلوم ہوتی تھی۔" رشیدہ نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"ہاں آج سے پانچ سال پہلے میں اُس سے حماقت کرتا تھا۔" انور نے کہا۔

"اوہ.... یعنی.... یعنی محبت کرتے تھے؟"

"ہاں....!"

"اور اب....؟" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "تو یہ وہی عورت ہے جس نے تمہیں اس حال کو پہنچا دیا ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس حال سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"یہی بے تکی زندگی۔"

"لیکن میں اسے بے تکی نہیں سمجھتا اور شاید تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ایک کلاسیکل قس ناکام عاشق جیسی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ لاحول ولا قوۃ اس کا تصور بھی میرے لئے توہین کا با ہے ایک عورت کے لئے.... ہونہہ....!"

رشیدہ کچھ دیر خاموش کھڑی رہی پھر نوٹوں کا بنڈل انور کی طرف پھینک دیا۔

"میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔" رشیدہ منہ بسور کر بولی۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ تم میری کوئی نہیں ہو۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "لیکن اگر تم یہ اپنے پاس نہیں رکھو گی تو میں تمہارا سر دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش کر دوں گا سمجھیں؟"

"لیکن وہ تم سے کیا کام لینا چاہتی ہے؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"اُس کا شوہر کھو گیا ہے۔"

"اس لئے اب وہ تم پر ڈورے ڈال رہی ہے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"پھر وہی فضول بکواس۔ جانتی ہو اُس کا شوہر کون ہے؟"

"نہیں....!"

"شہر کا مشہور سرمایہ دار ارشاد علی۔"

"اوہ تو یہ ساجدہ تھی اور تم اُس سے محبت کرتے تھے؟"

"ہاں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ وہ میری کلاس فیلو تھی پہلے اُس نے مجھ سے حماقت شر کی تھی لیکن بعد میں وہ ایک سرمایہ دار کو پھانسنے میں کامیاب ہو گئی اور میں ایل۔ ایل۔ بی کا ڈپلو لے کر جہالت کرنے لگا۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہ چل سکی کیونکہ خود میرا ذہن بڑی حد مجرمانہ ہو چکا تھا۔"

"تمہیں افسوس تو بہت ہوا ہوگا....؟" رشیدہ نے کہا۔

"کیوں افسوس کیوں ہوتا۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمہیں اُس سے محبت نہیں تھی۔"

"تھی کیوں نہیں۔ جب تک وہ مجھ سے ملتی رہی مجھے اُس سے محبت رہی اور جب یہ

ہو گیا کہ وہ میری نہ ہو سکے گی تو میں اُسے بالکل بھول گیا۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ اگر میں بھی....!" رشیدہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں ہاں جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو میں تمہیں بھی بھول جاؤں گا۔" انور نے کہا۔ "جاؤ جلدی سے ایک ڈبہ اسٹیٹ ایکسپریس خرید لاؤ۔ میں نے دو گھنٹے سے سگریٹ نہیں پیا۔"

"تم اُس کے روپے واپس کر دو۔" رشیدہ نے آہستہ سے کہا۔ "میں اخبار بیچ کر لاؤں گی۔"

"ہشت....!" انور منہ بنا کر بولا۔ "ذرا یہ بتاؤ ہم پر اُدھار کتنا ہے؟"

"دو سو روپے....!" رشیدہ نے کہا۔

"اور تم کہتی ہو کہ میں اُس کے روپے واپس کر کے مفت کام کر دوں۔"

"تم غلط سمجھے میں یہ کہہ رہی ہوں کہ تم یہ کیس نہ لو۔"

"کیوں....؟"

"اس طرح وہ پھر تمہارے قریب آجائے گی۔"

"آجانے دو....!"

"میرا مطلب ہے کہ کہیں تمہاری محبت پھر نہ جاگ اٹھے۔"

"ممکن ہے۔"

"لیکن میں یہ نہیں چاہتی۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"کیوں؟"

"میں نہیں جانتی۔" رشیدہ نے کہا۔ "تمہیں یہ روپے واپس ہی کرنے ہوں گے۔"

"اور قرض....؟"

"کسی نہ کسی طرح ادا کر دیں گے۔"

"تمہاری بہت ننھی سی عقل ہے۔" انور بولا۔ "تم سمجھتی ہو کہ شاید میں پھر اُس سے محبت کرنے لگوں گا۔"

رشیدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جاؤ سگریٹ لاؤ۔ قرض ادا کر دو۔" انور نے نوٹوں کا بنڈل اُس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ "اور اپنے لئے ایک سوٹ کا کپڑا بھی خرید لینا۔ آج ہم کسی شاندار ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔"

"مجھے نہیں چاہئے سوٹ میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔" رشیدہ نے کہا اور نوٹوں کا بنڈل ہاتھ میں لئے ہوئے پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

انور نے وہ کاغذ جیب سے نکالا جس پر ساجدہ نے پتے لکھوائے تھے اور کچھ دیر تک ناموں اور پتوں کو دیکھتا رہا پھر اٹھ کر بال درست کئے۔ ٹائی کی گرہ ٹھیک کی، اور کوٹ پہنا اور رشیدہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

چھان بین

انور نے موٹر سائیکل نکالی اور ارشاد علی کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا، راستے میں اُس نے دو ایک تھانوں سے اپنے اخبار کے لئے خبریں بھی مہیا کیں اور انہیں ترتیب دے کر اخبار کے دفتر میں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ دفتر کے عملے نے اُس کا نام "طوفانی" رکھ چھوڑا تھا۔ وہ جب بھی دفتر میں داخل ہوتا خاصی ہڑبونگ مچ جاتی اور چپراسی سے لے کر ایڈیٹر تک کو معلوم ہو جاتا کہ انور دفتر میں آگیا ہے کبھی وہ پروف ریڈر سے الجھتا اور کبھی کمپوزیٹروں سے، حد یہ ہے کہ چیف ایڈیٹر بھی اُس کی نکتہ چینیوں سے نہیں بچتا تھا۔

ارشاد علی کے دفتر میں اُسے تھوڑی دیر تک اُس کے پارٹنر شاہد کا انتظار کرنا پڑا۔ تقریباً دس بجے وہ آیا۔ یہ بھی ارشاد ہی کی طرح خاصا دولت مند آدمی تھا۔

"میں ارشاد علی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔" انور نے اُس سے کہا۔

"کیوں....؟" شاہد نے انور کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ایک ضروری کام ہے۔"

"ارشاد صاحب کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔" شاہد نے کہا۔

"لیکن مجھے تو اطلاع ملی ہے وہ یہیں ہیں۔" انور نے کہا۔

"ممکن ہے۔" شاہد نے کہا اور اپنے کمرے سے باہر چلا گیا۔

انور بھی اُس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔ شاہد غصے میں اُس کی طرف مڑا لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا انور نے کہا۔

"پچھلے سال جب ارشاد صاحب اپنی یادداشت کھو بیٹھے تھے تو آپ کہاں تھے؟"

شاہد چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"کیوں....؟" شاہد کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"اپنی معلومات کے لئے پوچھ رہا ہوں۔ جس میں پولیس خاصی دلچسپی لے گی۔"

"آپ ہیں کون....؟" شاہد نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"خدائی فوجدار....!"

"اگر آپ قاعدے سے بات نہیں کریں گے تو میں آپ کو دھکے دے کر یہاں سے نکلوا دوں گا۔" شاہد گرج کر بولا۔

"خیر....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "میں آپ کو اس کی زحمت نہ دوں گا۔ ویسے اب پولیس آپ میں کافی دلچسپی لے گی، بارہ ٹن لوہے کی چور بازاری کے سلسلے میں۔"

انور جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہریئے۔" شاہد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اُس کے چہرے پر سپیدی دوڑ گئی تھی۔ اُس نے انور کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

انور کرسی کی پشت پر ٹک کر آگے کی طرف جھک گیا۔ وہ شاہد کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو ارشاد علی کے یادداشت کھو بیٹھنے کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟" شاہد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اس کا حال سوائے میرے اور اُس کی بیوی کے کسی اور کو معلوم نہیں تھا۔"

"تو آپ ہی نے انہیں ہوٹل سے اُن کے گھر تک پہنچایا تھا؟" انور نے پوچھا۔

"جی ہاں.... مگر....!"

"کیا اس دوران میں بھی اُن پر اس قسم کا کوئی دورہ پڑا تھا؟" انور نے پوچھا۔

"مجھے اس کا علم نہیں۔"

"آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ وہ آج کل باہر گئے ہوئے ہیں؟"

"اُس کی بیوی نے مجھے اطلاع دی تھی۔"

"وہ خود کچھ نہیں کہہ گئے؟"

"جی نہیں۔" شاہد نے کہا۔ "لیکن آپ ہیں کون؟"

"انور سعید۔ اسٹار کا کرائم رپورٹر۔"

"اوہ....!" شاہد اُسے تنفر آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"آپ اُن کے جگری دوستوں میں سے ہیں؟"

"ہاں۔ لیکن اب میرے پاس وقت نہیں ہے۔" شاہد نے بیزاری سے کہا۔

"وقت تو میرے پاس بھی نہیں۔ کیا ارشاد صاحب کا کسی عورت سے ناجائز تعلق بھی

"چپراسی....؟" شاہد چیخا۔

"خیر خیر.... شاید میں ابھی لوٹ کر آؤں۔" انور نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

تھوڑی دور چل کر وہ پھر لوٹا اور دروازے کی چق ہٹا کر کہنے لگا۔ "لیکن میرے پا مکمل ثبوت ہے کہ آج کل آپ لوگ لوہے کی چور بازاری کر رہے ہیں۔"

چند لمحوں میں وہ سڑک پر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں تھی آخر ساجدہ نے صاف صاف کیوں نہیں بتایا کہ پچھلے سال اُس کے شوہر پر جب یہ تو اُسے گھر پہنچانے والا شاہد ہی تھا شاہد اُس کا سب سے بڑا ساجھی دار تھا اور دونوں گہرے دوست بھی تھے لہٰذا ایسی صورت میں وہ ساجدہ کے لئے غیر معروف نہیں ہو سکتا یہ بھول گئی تھی کہ اُس کے شوہر کو گھر تک کس نے پہنچایا تھا؟ یا پھر اُس نے قصداً نہیں لیا اور اگر ایسا ہی ہے تو اس کی وجہ؟

موٹر سائیکل ایک نائٹ کلب کے سامنے رک گئی انور خود بھی کبھی کبھی اس کلب کا مم تھا۔ باہر کھڑے ہوئے چپراسی نے اسے سلام کیا اور وہ سر کو ایک خفیف سی جنبش دیتا ہوا عمارت میں داخل ہو گیا۔ سامنے ہی منیجر کا کمرہ تھا۔ انور سیدھا وہیں چلا گیا۔ ایک بڑی کہنیاں ٹیکے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اونگھ رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونکا۔

"فرمائیے....!" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "اوہو.... انور صاحب.... دیکھئے میں نہ کہتا تھا اس کلب کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ صبح کا گیا اگر شام کو آجائے تو اُسے بھولا نہ کہنا چاہئے ہے مرزا غالب نے۔"

"مرزا غالب نے یہ کہا ہے کہ شراب کی ناجائز تجارت کرنے سے محبوب کے والد خوش رہتے ہیں۔" انور ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"ہو ہو.... مسٹر انور.... میں آپ کی آواز سننے کے لئے ترس گیا تھا۔ بقول شاعر۔

تو نہیں سامنے اگر اے جاں
اپنی آواز ہی سنائے جا

"میری آواز رسیلی ہے نا....؟" انور نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں مسٹر انور.... دیکھئے بھلا سا شعر ہے۔"

"شش.... ارشاد علی یہاں کب سے نہیں آیا؟"

"مسٹر انور....!" منیجر بے رخی سے بولا۔ "میں کسی ممبر کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"پچھلی بار اُس کے ساتھ کون عورت تھی؟" انور نے منیجر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"عورت؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر انور۔ یہ صرف مردوں کا کلب ہے۔ یہاں کبھی عورت نہیں آئی۔"

"خیر خیر.... یہ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" انور نے کہا۔ "اور اسی وقت اس عمارت سے نصف درجن عورتیں برآمد کر سکتا ہوں جن سے تم باقاعدہ پیشہ کراتے ہو۔"

"مسٹر انور آپ ایک شریف آدمی کی توہین کر رہے ہیں۔" منیجر چیخ کر بولا۔

"خیر میں اس کی صداقت کے لئے سرکاری جاسوس مسٹر آصف کو فون پر بلائے لیتا ہوں۔" انور نے اٹھ کر فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟" منیجر نے فون پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹھئے آپ کے لئے چائے منگواؤں یا کافی؟ آپ کے غصے پر تو بقول شاعر۔"

"جہنم میں گیا شاعر میں جو کچھ پوچھتا ہوں اُس کا ٹھیک ٹھاک جواب دو۔"

"تو پوچھئے نا۔"

"ارشاد کے ساتھ کون عورت تھی؟"

"کوئی نہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ وہ کبھی اپنی بیوی کو یہاں نہیں لائے۔" منیجر نے کہا۔

"یہاں کے پتے پر اُس کے خطوط بھی آتے ہیں؟" انور نے پوچھا۔

"اس کی اطلاع کلرک کو ہو گی۔" منیجر نے کہا۔

"اُسے بلواؤ۔"

منیجر نے گھنٹی بجائی چپراسی اندر آیا اور منیجر نے اُسے کلرک کو بلانے کے لئے کہا۔ تھوڑی بعد ایک دبلا پتلا نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔

"سیٹھ ارشاد علی کے نام یہاں خطوط آتے ہیں۔" انور نے اُس سے پوچھا۔

کلرک منیجر کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ مسٹر انور....!" منیجر بولا۔ "ممبروں کی ہر بات صیغہ راز میں رکھی جاتی ہے۔"

"میں جو کچھ پوچھتا ہوں اس کا صحیح صحیح جواب دو۔" انور نے کلرک سے کہا۔ "ورنہ اپنے کے ساتھ ہی تم بھی مصیبت میں پڑو گے۔"

کلرک نے پھر منیجر کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"بتاؤ بھئی بتاؤ۔" منیجر نے تنگ آ کر کہا۔ "آج تو بقول شاعر.... ہینہہ....!"

"جی ہاں اکثر اُن کے خطوط یہاں آتے ہیں۔" کلرک ہچکچاتا ہوا بولا۔

"کون بھیجتا ہے؟"

"پتہ نہیں۔ عموماً لفافے ہوتے ہیں لیکن یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ دولت گنج کے ڈاک خانے پوسٹ کئے جاتے ہیں۔"

"کیوں؟ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ دولت گنج سے پوسٹ کئے جاتے ہیں۔" انور۔ کلرک کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں اُن کے ہر لفافے کی مہر دیکھتا رہتا ہوں۔"

"تو تم ہر ایک کی ٹوہ میں لگے رہتے ہو؟" انور نے کہا۔ "غالباً ہر ممبر کی ڈاک کے متعلق تمہیں اس قسم کی معلومات رہتی ہوں گی؟"

"جی نہیں۔" کلرک گھبرا کر بولا۔ "میں صرف ارشاد صاحب کے نام آنے والے لفافوں کے بارے میں جانتا ہوں۔"

"کیوں؟ خصوصیت سے انہیں کے بارے میں کیوں؟"

"وہ ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں رنگین اور خوشبودار اور طرز تحریر....!"

"کسی عورت کا ہوتا ہے" انور نے جملہ پورا کر دیا۔ "اسی لئے تم ان لفافوں کی طرف زیادہ دھیان دیتے ہو؟"

"جی ہاں....!" کلرک جلدی سے بولا۔ پھر منیجر کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر سٹپٹا گیا کہا "جی نہیں۔"

"تم اپنا منہ اُدھر پھیر لو۔" انور نے منیجر سے کہا۔ ورنہ مجبوراً مجھے...." انور فون کی طرف کر چپ ہو گیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" منیجر اٹھتا ہوا جھلا کر بولا۔ "بقول شخصے...." وہ زمین پر زور زور سے پیر کمرے سے چلا گیا۔

"بیٹھ جاؤ" انور نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کلرک خاموشی سے بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"وہ یہاں سے کبھی کسی کو خطوط لکھتا بھی ہے۔" انور نے پوچھا۔

"مجھے اس کا علم نہیں۔" کلرک نے کہا "لیکن اکثر اُس نے دولت گنج ہی کے پتے پر یہاں کچھ پارسل ضرور روانہ کئے ہیں۔"

"کسی عورت کے نام....!" انور نے پوچھا۔

"نہیں مرد کے نام۔ سعید منزل۔ دولت گنج میں کوئی صاحب رضوان صدیقی ہیں۔" کلرک نے کہا۔

"سعید منزل تو بہت بڑی عمارت ہے۔ فلیٹ کا نمبر یاد نہیں۔" انور نے کہا۔

"جی نہیں۔"

"اچھا...." انور اٹھتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کی موٹر سائیکل دولت گنج والی سڑک پر اڑ رہی تھی۔ بیس منٹ بعد وہ سعید منزل کا ایک ایک فلیٹ جھانکتا پھر رہا تھا۔ انور نے ایک بند دروازہ کو انگلی سے آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔ ایک آدمی دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ شاید وہ کمرے کی صفائی کر رہا تھا۔

"رضوان صاحب ہیں؟" انور نے پوچھا۔

"باہر گئے ہوئے ہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

"کب واپس آئیں گے۔"

"میں نہیں جانتا۔ بیگم صاحب سے پوچھئے۔"

"کہاں ہیں بیگم صاحب....؟"

"اوپری منزل میں۔" اس نے ایک زینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

انور کچھ کہے بغیر زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ یہاں بھی دروازہ اندر سے بند تھا۔ دروازے پر دستک دی۔

"اوہو..... ٹھہرو..... بھئی..... ایک منٹ۔" اندر سے ایک سریلی اور نسوانی آ... انور معنی خیز انداز میں منہ بنا کر اپنے دیدے پھرانے لگا۔

چند لمحوں کے بعد دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔ ایک خوبصورت لڑکی نیم عریا... میں سامنے کھڑی تھی اور پھر اچانک چیخ مار کر وہ اندر بھاگ گئی۔ انور بدستور کھلے ہوئے د... کے سامنے کھڑا رہا۔ اُس نے اس جوان لڑکی کے چہرے میں بچپن اور سنجیدگی کی عجیب سی... دیکھی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ دوسرا قدم کس طرح اٹھائے۔ وہ لڑکی پھر دکھائی دی۔ اس بار لمبے سے لبادے میں ملبوس تھی۔ سنہرے گھونگھریالے بال کاندھوں پر لہرا رہے تھے۔ ا... اُس کا چہرہ غصے اور ندامت کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔

"کیا ہے؟" وہ دروازے میں آ کر بولی۔

"محترمہ.... مجھے افسوس ہے لیکن شاید آپ کسی اور کا انتظار کر رہی تھیں۔" انور ن... سے کہا۔

"ہاں ہاں ہو سکتا ہے۔ آپ اپنا کام بتائیے؟"

"مجھے رضوان صاحب سے ملنا ہے۔"

"وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔"

"کب آئیں گے؟"

"ایک ہفتے کے بعد۔" لڑکی نے کہا۔

"اوہ تو شاید اسی لئے آپ اس وقت ارشاد کا انتظار کر رہی تھیں؟" انور نے مسکرا کر آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

لڑکی سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔

"آپ.... آپ" وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"میں ارشاد کا چھوٹا بھائی ہوں۔" انور نے کہا۔

"اندر آ جائیے۔ اندر آ جائیے۔" وہ بے تابانہ انداز میں بولی۔ انور کمرے میں چلا گیا۔ لڑکی نے دروازہ بند کر دیا۔

"بیٹھ جائیے۔" اس نے جلدی سے کہا لیکن پھر چپ ہو گئی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے کیا کہنا چاہئے۔ انور اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ دفعتاً وہ رک رک کر بولی۔ "دیکھئے میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ اپنے باپ سے کچھ نہ کہئے گا۔ میں ارشاد کو بے حد چاہتی ہوں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کی نگاہیں ملتجیانہ انداز میں انور کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ تیز آواز میں بولی۔ "مگر ارشاد تو کہتا تھا اُس کا کوئی بھائی نہیں۔"

"تو اُس کا باپ ہی کہاں ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"باپ نہیں ہے؟" وہ تقریباً اچھل کر بولی۔

"تو تم رضوان کی بیوی نہیں ہو؟" انور نے بے ساختہ کہا۔

"نہیں.... لیکن کیوں....؟ ہاں...." وہ رک رک کر بولی اور حیرت سے انور کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں سب کچھ جانتا ہوں۔ ارشاد تم سے کبھی شادی نہیں کرے گا۔" انور نے کہا۔

"تم جھوٹے ہو۔ وہ مجھ سے ضرور شادی کرے گا۔ صرف اُن ہیروں کا انتظار ہے جنہیں وہ ترشوانے کے لئے ایمسٹرڈم بھیج چکا ہے۔"

"اچھا....!" انور شرارت آمیز انداز میں مسکرا کر بولا۔ "بھلا اُس کے پاس بغیر ترشوائے ہوئے ہیرے آئے کہاں سے؟"

"تب تم ضرور اُس کے بھائی ہو۔" لڑکی قہقہہ لگا کر بولی۔ "جب اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ ...لن کی ایک....!"

"اوہ.... اچھا....!" انور کی آنکھیں حیرت سی پھیل گئیں کیونکہ یہ اُس کے لئے ایک بالکل نئی اطلاع تھی۔

"ہی ہی ہی۔" وہ انور کے سامنے انگلی نچا کر ہنستی ہوئی بولی۔ "تم ضرور ارشاد کے کوئی بے

تکلف دوست ہو خیر میں تمہیں چائے پلائے بغیر نہ جانے دوں گی۔ لیکن میرے متعلق ا
کچھ نہ کہنا۔"

"ارشاد یہاں کب سے نہیں آیا....؟" انور نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں بتاتی۔ پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟" وہ بچگانے انداز میں ضد کا مظاہرہ کرتی ہوئی

"ارشاد کا ایک بے تکلف دوست....!"

"دیکھو نا.... کیسا پہچانا....!" وہ قہقہہ لگا کر بولی پھر دفعتاً سنجیدہ ہو کر سوچنے لگی۔

"ارشاد کل آیا تھا....؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں وہ چار دن سے نہیں آیا۔ میں آج صبح سے اُس کا انتظار کر رہی ہوں۔ اُس
آنے کا وعدہ کیا تھا بہت مشغول رہتا ہے۔ اُف میں اُسے کتنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک....!" انور مسکرا کر بولا۔ "لیکن تم ہو کون۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"زبیدہ.... میں ایک لڑکی ہوں۔"

"تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟"

لڑکی اُداس ہو گئی۔

"میرے ماں باپ بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ رضوان اور ارشاد مجھے میرے ظالم چچا
سے رہائی دلوا کر یہاں لائے ہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ وہ تمہیں بھگا لائے ہیں۔" انور نے کہا۔

"میں اپنی خوشی سے آئی ہوں۔" وہ ترش روئی سے بولی۔

"تمہارا چچا کہاں رہتا ہے اور اُس کا کیا نام ہے؟"

"میں یہ ہرگز نہ بتاؤں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "تم ایک زبردست دھوکے میں ہو۔"

"جاؤ جاؤ تم مجھے بہکانے آئے ہو۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"بے وقوف لڑکی! ارشاد شادی شدہ ہے آج سے پانچ سال قبل اُس کی شادی ہو چکی
تم سے ہرگز شادی نہ کرے گا۔ اُس نے شاید تمہیں یہ بھلاوہ دے رکھا ہے کہ وہ اپنے باپ
خوف سے تم سے شادی نہیں کر رہا ہے۔ اُس کا باپ نہ جانے کب کا مر چکا ہے۔ اُس نے

یہاں رضوان کی بیوی کی حیثیت سے رکھ چھوڑا ہے تاکہ پڑوسیوں کو کوئی اعتراض نہ ہو اور وہ دنیا
آنکھوں میں دھول جھونک کر عیاشی کرتا رہے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"تم شیطان ہو۔ مجھے ورغلانے آئے ہو۔" لڑکی چیخ کر بولی۔

انور کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے مڑا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"شیطان۔" انور نے کہا اور باہر نکل گیا۔

واپسی میں اُسے رہ رہ کر ساجدہ پر تاؤ آ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس طرح ساجدہ اپنے شوہر
کے چال چلن کی تصدیق کر رہی ہے۔ ذلیل کہیں کی۔ کاش رشیدہ نے وہ روپے ابھی خرچ نہ کیے
ہوں۔ وہ انہیں ساجدہ کے منہ پر مار دے گا اور اُسے اپنی اس تفتیش کے متعلق کچھ نہ بتائے گا۔

قتل اور خودکشی

دو بج رہے تھے۔ انور نے رشیدہ کو آفس سے ساتھ لیا اور ایک ریستوران میں چلا گیا۔

"ہم زیادہ شاندار لنچ نہ کھائیں گے۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" انور بولا۔ "اس ریستوران میں اسی لئے آیا ہوں کہ یہاں اُدھار
مل جاتا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔ "میں نے کچھ ایڈوانس لے لیا ہے۔ تمہیں ساجدہ
کے روپے واپس کرنے پڑیں گے۔"

"میں نے بھی یہی طے کر لیا ہے۔" انور نے کہا۔

"ارے یہ کیا۔ آج شاید تم نے پہلی بار میرا کہا مانا ہے۔" رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

"ساجدہ نے مجھے احمق بنانے کی کوشش کی تھی۔" انور بولا۔ "اُسے شاید اپنے شوہر کے چال
چلن پر شبہہ ہو گیا تھا۔ اس کی تصدیق کے لئے اُس نے یہ طریقہ نکالا۔"

اس کے بعد انور نے پوری داستان دہرا دی۔

"میں پہلے ہی سے مشکوک تھی۔"

"شبہ تو مجھے بھی ہوا تھا۔" انور نے کہا۔ "لیکن میں ساجدہ کو اس کے متعلق ایک لفظ بھ بتاؤں گا۔ آج کی دوڑ دھوپ مجھے کچھ مہنگی نہیں پڑی۔ اب میں ارشاد سے کافی رقم اینٹھ سکو اُس نے غریبوں کا گلا کاٹ کر جو دولت اکٹھا کی ہے اُس میں اس غریب کا بھی کچھ حصہ ہونا چا اور ہاں بھئی ٹیلی فون کا لائسنس بھی تجدید کراتا ہے اور وہ دو سو روپے کے تمہارے لئے ایک ساسوٹ اور بھی بہت کچھ۔"

"تو تم اُسے بلیک میل کرو گے؟"

"قطعی....!"

"اور وہ بے چاری لڑکی....؟"

"جب میں ارشاد سے مطلوبہ رقم وصول کرلوں گا تو رضوان کو اُس سے شادی کرنی پڑے گی"

"بھلا وہ کیوں کرنے لگا۔"

"نہیں کرے گا تو پھر اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔" انور نے کہا اور بیرے کر لنچ کا آرڈر دیا۔

رشیدہ کچھ کہنے ہی جارہی تھی کہ ایک معمر اور وجیہہ آدمی ریستوران میں داخل ہوا۔

"اوہ تم یہاں ہو۔ میں تمہارے آفس گیا تھا۔" اُس نے انور سے کہا۔

"لیکن انسپکٹر آصف میں تمہیں لنچ کے لئے مدعو نہ کروں گا کیونکہ فنڈ کم ہے۔" انور نے

"جہنم میں گیا لنچ...." انسپکٹر آصف جھنجھلا کر بولا۔ "تم نے پھر ہاتھ پیر نکالنے شر کر دیئے ہیں۔"

"تم بوڑھے ہونے کو آئے مگر بات کرنے کا طریقہ نہ آیا۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔ "بیٹھو میں تمہیں ایک کپ چائے پلا سکتا ہوں۔"

"ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر نے تمہاری شکایت کی ہے۔ تم وہاں کیا کرنے گئے تھ آصف نے پوچھا۔

"انڈے سپلائی کرنے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ "منیجر بھی عجیب احمق ہے اگر انڈے گندے نکل گئے تو بھلا محکمہ سراغ رسانی والوں سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی میں اُسے سمجھوں گا۔ معلوم ہوتا ہے اُس نے مرغیاں وہاں سے ہٹا دی ہیں۔ ورنہ وہ تمہیں

د نمبر4

ف نہ دینا۔"

"دیکھو یہ میری آخری وارننگ ہے۔" آصف نے ترش روئی سے کہا۔

"دوسری آخری وارننگ کب دے رہے ہو؟" انور نے سنجیدگی سے پوچھا اور رشیدہ کو بے یار ہنسی آگئی۔

آصف جھلا گیا۔ وہ تیز نظروں سے انور کو گھور رہا تھا اور انور رشیدہ کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا جو دوسری طرف منہ پھیر کر ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"جانتے ہو کسی کو دھمکی دینے پر کون سی فرد جرم عائد ہوتی ہے؟" آصف نے کہا۔

"ہاں ہاں اگر دھمکی کسی جوان لڑکی کو دی جاتی ہے تو اُس کے والدین اُس کی شادی کا بندوبست دیتے ہیں فرض کرو لڑکی قطب شمالی میں ہے اور لڑکا قطب جنوبی میں اور تم خط استواء پر کھڑے ہو دونوں کو دھمکی دو تو حکومت تمہارا بندوبست کر کے تمہیں آگرہ یا بریلی پہنچوا دے گی۔"

"خیر دیکھوں گا۔" آصف غصے میں جانے کے لئے مڑا۔

"دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں وعلیکم السلام۔" انور نے کہا اور میز پر لگے ہوئے کھانے کی رف متوجہ ہو گیا۔

"واقعی تم سے بُری طرح جل گیا ہے۔" رشیدہ آصف کے چلے جانے کے بعد بولی۔ "اگر موقع مل گیا تو پھانسنے سے باز نہ آئے گا۔"

"اس کے لئے کم از کم اُسے ایک درجن اندوہ ناک حادثات کی اطلاعیں سننی پڑیں گی۔" انور نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد وہ پھر آفس چلے گئے۔ انور وہاں کل کے شمارے کے لئے جاسوسی ناول کی قسط لکھتا رہا۔ تقریباً پانچ بجے وہ واپس گھر آگئے۔ انور نے پھر کتابیں اُلٹنی پلٹنی شروع کر دیں۔

"میں کہتی ہوں تمہارا دماغ خراب ہو جائے گا ہر وقت کتابیں۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"تو وہ خراب کب نہیں ہے۔" انور نے کہا۔ "مگر تم نہ جانے اس وقت اتنی حسین کیوں لگ رہی ہو۔"

"سگریٹ ختم ہوگئے ہوں گے؟" رشیدہ منہ چڑھا کر بولی۔ "میں تمہیں اُسی وقت حسین لگتی

ہو! جب تمہاری جیب میں پیسے نہیں ہوتے۔"

"کیا کہا۔ میری جیب میں پیسے نہیں؟" انور چونک کر بولا۔ "میں نے ساجدہ کو روپے کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔"

"وہ تو تمہیں واپس ہی کرنے ہوں گے۔" رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

"پھر تم نے مجھ پر حکومت جتانی شروع کر دی۔" انور اٹھتا ہوا بولا اور رشیدہ کا کان اُسے کمرے میں سے باہر نکال دیا۔

"میں اب تمہارے کمرے میں تھوکنے بھی نہ آؤں گی۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"اچھی بات ہے مت آنا۔ کمرے میں تھوکنے سے گندگی پھیلتی ہے۔" انور نے سنجید کہا اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ آرام کرسی میں دھنس کر ایک کتاب میں ڈوب گیا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، انور نے بیٹھے ہی بیٹھے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو.... کون ساجدہ.... میں تمہیں فون کرنے والا تھا.... کیا؟" انور یک بیک ہو کر بیٹھ گیا۔ "خودکشی.... کس نے.... ارشاد نے.... کہاں.... اسے.... اچھا.... ا تیار ہوں.... بہت اچھا.... میں انتظار کر رہا ہوں۔" انور نے ریسیور رکھ دیا اور اٹھ کر کمر ٹہلنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد وہ تیزی سے رشیدہ کے فلیٹ میں داخل ہوا۔

"کیوں؟ کیا بات؟" رشیدہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"تمہارے کمرے میں تھوکنے آیا ہوں۔" انور نے کہتے ہوئے فرش پر تھوک دیا۔

"ابھی ابھی میں نے کمرے کی صفائی کی تھی۔" رشیدہ بگڑ کر بولی۔

"کوئی بات نہیں۔" انور جلدی سے بولا۔ "سنو ایک کام تمہیں فوراً کرنا ہے۔"

"دوڑ کر تمہارے لئے سگریٹ لیتی آؤں.... یہی نا.... میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"سنو تو سہی۔" انور نے کہا۔ "تمہیں اُس لڑکی زبیدہ کو سعید منزل سے ہٹانا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"ابھی ابھی ساجدہ نے فون پر مجھے مطلع کیا ہے کہ ارشاد نے تارجام کے علاقے میں خو کرلی ہے۔ وہاں کے کوتوالی انچارج نے تار کے ذریعے مطلع کیا ہے اور لاش کی شناخت کے

بلایا ہے۔ ساجدہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔ وہ آ ہی رہی ہو گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم جا کر زبیدہ کو سعید منزل سے ہٹا دو۔"

"ہٹا کر کہاں لے جاؤں گی؟"

"اُف فوہ اتنی ذہین ہو کر تم مجھ سے یہ سوال کر رہی ہو۔ کسی گم نام سے ہوٹل میں ٹھہرا دینا ر تاکید کر دینا کہ تمہاری اجازت کے بغیر ہوٹل سے باہر نہ نکلے۔"

"لیکن تم اُسے وہاں سے ہٹا کیوں رہے ہو؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"پھر بتاؤں گا۔ جلدی کرو۔ سعید منزل دوسری منزل، بیگم رضوان۔ اُسے سمجھا دینا کہ وہ طرے میں ہے۔ ارشاد کی خودکشی کے متعلق بتا دینا اور کہہ دینا کہ اُس کا وہاں سے ہٹ جانا ہی تر ہے۔ ورنہ خواہ مخواہ پولیس اُسے پریشان کرے گی۔ اچھا اب جاؤ۔ موٹر سائیکل لے لو۔"

"اور تم ساجدہ کے ساتھ تارجام جاؤ گے؟"

"ہاں بھئی!" انور نے کہا۔ "اب کیس ذرا دلچسپ ہو گیا ہے۔ اسلئے ٹالنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"نہیں جو میں کہہ رہا ہوں تم وہی کرو گی۔" انور تیز لہجے میں بولا۔

رشیدہ بڑبڑاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ انور اپنے فلیٹ میں لوٹ آیا۔ تھوڑی دیر بعد سڑک پر ہارن کی آواز سنائی دی۔ انور نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا نیچے ساجدہ اپنی کار کی کھڑکی سے سر نکالے اوپر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اوور کوٹ اٹھا کر کاندھے پر ڈالا فلٹ ہیٹ سر پر رکھی اور ٹائی کی گرہ ٹھیک کئے بغیر نیچے اُتر گیا۔

"آگے ہی آ جاؤ۔" ساجدہ نے مضمحل آواز میں کہا۔ "میری حالت ایسی نہیں کہ خود کار ڈرائیو کر سکوں۔"

انور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اُس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر ساجدہ کے چہرے پر ڈال کر کار اسٹارٹ کر دی۔ ساجدہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پلکیں سوج آئی تھیں لیکن اُس کے ماتھے کی پُرحکمت سلوٹیں اس حال میں بھی قائم تھیں۔

تارجام شہر سے ساٹھ میل دوری پر ایک صنعتی علاقہ تھا۔ یہاں لوہے اور کانچ کے کئی کارخانے تھے۔ کوئلہ کی دو ایک چھوٹی موٹی کانیں بھی تھیں۔ انور نے تقریباً دس بارہ میل کا

فاصلہ خاموشی سے طے کیا۔ ساجدہ بھی کچھ نہ بولی۔ دفعتاً انور بولا۔

"تار جام میں ارشاد کی موجودگی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"یہی چیز میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تار جام سے اُن کا کوئی تجارتی تعلق بھی نہیں تھا۔"

"رضوان صدیقی کو جانتی ہو؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں.... کیوں؟" ساجدہ چونک کر بولی۔

"یونہی پوچھ رہا ہوں۔"

"وہ ارشاد کا جگری دوست ہے۔"

"اُس کے بیوی بچے کہاں ہیں؟"

"ابھی اُس کی شادی نہیں ہوئی۔"

"کہاں رہتا ہے؟"

"دولت گنج میں....!"

"تم کبھی اُس کے یہاں گئی ہو؟"

"نہیں کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہ اکثر ہمارے گھر آتا رہتا ہے۔"

"کیا وہ بھی ارشاد کا ساجھی دار تھا؟"

"نہیں.... اُس کا کاروبار الگ ہے۔"

"میں ایک بار پھر اپنا سوال دہراؤں گا۔" انور نے کہا۔ "اس دوران میں ارشاد کی مالی حالت کیسی تھی؟"

ساجدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے ایک بار انور کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ماتھے کی سلوٹیں چہرے پر پھیلتی ہوئی غم آلود نرماہٹ کی لہروں میں بہہ گئیں۔

"اب چھپانے سے کیا فائدہ۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "ارشاد قریب قریب دیوالیہ ہو چکا تھا۔"

"اور اسی لئے وہ اپنی یادداشت بھی کھو بیٹھا تھا۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔

"انور....!" ساجدہ نے پُر احتجاج لہجے میں کہا اور کھڑکی کے باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں نظریں گاڑ دیں۔

"اس خودکشی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟" انور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"خیال....!" ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اس کے علاوہ اب اور کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں کہ ارشاد مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا۔"

"خیر یہ خیال تمہارے لئے کوئی نیا نہیں۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"انور تم ظالم ہو۔" ساجدہ بے ساختہ چیخی۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا اور اُس کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی تبدیلی بھی نہ پیدا ہوئی۔

"کیا کسی ہیرے کی کان میں بھی اُس کا کوئی حصہ تھا؟" تھوڑی دیر بعد انور نے پوچھا۔

"ہیرے کی کان؟" ساجدہ چونک کر بولی۔ "نہیں تو۔ مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں۔"

"تمہیں پورا یقین ہے کہ اُس کا تعلق کسی دوسری عورت سے نہیں تھا؟"

"آخر ان سب فضول باتوں سے کیا فائدہ؟" ساجدہ جھلا کر بولی۔ "ایک مرے ہوئے آدمی پر کیچڑ اچھال کر تمہیں کیا مل جائے گا؟"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"نہیں ارشاد ایسا آدمی نہیں تھا۔"

انور کچھ کہنا ہی چاہتا تھا مگر پھر رک گیا۔ ساجدہ نے گھڑی دیکھی آٹھ بج رہے تھے۔ دور اندھیرے میں تار جام کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ انور نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

اور پھر اُن کی کار تار جام کی کوتوالی کے سامنے رک گئی۔ انور اور ساجدہ اُتر کر اندر آ گئے۔

کوتوالی انچارج موجود نہیں تھا۔ ایک سب انسپکٹر نے انہیں بتایا کہ کوتوالی انچارج ابھی تک جائے واردات سے واپس نہیں آیا۔ لاش وہیں ہے۔

"میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔" سب انسپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے ہدایت کر دی گئی تھی جب بھی آپ لوگ پہنچیں آپ کو جائے واردات پر پہنچا دیا جائے۔"

"کتنی دور چلنا ہوگا۔" انور نے پوچھا۔

"تقریباً چار میل، دیپ نگر میں، یہ حادثہ وہیں ہیرے کی کان میں ہوا ہے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ہیرے کی کان میں؟" انور چونک کر بولا۔ "لیکن اس طرف تو کوئی بھی ہیرے کی کان نہیں تھی۔"

"چھ ماہ قبل یہاں کھدائی کا کام شروع ہوا ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "ارشاد صاحب کے ساتھیوں نے ٹھیکہ لیا تھا۔"

انور نے ساجدہ کی طرف گھور کر دیکھا۔ خود ساجدہ بھی حیرت زدہ نظر آ رہی تھی لیکن بولی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ کار میں بیٹھ کر دیپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔ انور کا ذہن کی کان میں الجھا ہوا تھا۔ ارشاد نے زبیدہ سے تو ہیرے کی کان کا تذکرہ کیا تھا لیکن ساجدہ کے متعلق کیوں نہیں بتایا۔ دوسری چیز اس سے بھی زیادہ الجھن پیدا کرنے والی تھی۔ وہ یہ ایسے علاقے میں اچانک ہیرے کی کان کی دریافت جس کے متعلق کبھی اُس کا خیال بھی ہو سکے۔ اب تک تاریکی میں کیوں پڑی رہی۔ اس کی تو خاصی شہرت ہونی چاہئے تھی۔

راستہ خراب ہونے کی وجہ سے وہ دیپ نگر تقریباً آدھے گھنٹے میں پہنچے۔ یہاں دو چار چھوٹے بنگلے بنے ہوئے تھے جو تقریباً تاریک تھے۔ صرف ایک بنگلے کی کھڑکیوں میں روشنی دے رہی تھی۔ سب انسپکٹر نے اُسی بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ غالباً آپ بیگم ارشاد ہیں۔" کوتوالی انچارج انہیں آتا دیکھ کر بولا۔

"جی ہاں.....!" ساجدہ غم آلود انداز میں بولی۔

"واقعی یہ ایک افسوس ناک حادثہ ہے۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔ "چار بجے مجھے اطلاع ارشاد صاحب نے خودکشی کر لی ہے۔" وہ پھر انور کی طرف مڑ کر بولا۔

"آپ کی تعریف.....؟"

"انور سعید، روزنامہ اسٹار کا کرائم رپورٹر.....!" انور نے کہا۔

"اوہ.....!"

"میں انہیں اپنے ساتھ لائی ہوں۔" ساجدہ نے کہا۔

"دھارا سنگھ کا بیان ہے کہ ارشاد صاحب تین بجے اپنے ہاتھ میں ایک دونالی بندوق لئے کے سامنے بیٹھے تھے۔ دھارا سنگھ سمجھا کہ وہ شاید شکار کھیلنے جا رہے ہیں۔ پھر ساڑھے تین بجے نے دو فائروں کی آوازیں سنیں اور بھاگ کر اُس بنگلے میں آیا اور پھر پچھلے کمرے میں اُس ارشاد صاحب کی لاش دیکھی۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اپنے چہرے پر دو فائر کئے تھے۔"

"بھلا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے کھڑے ہو کر فائر کئے تھے؟" انور نے پوچھا۔

"انور صاحب میں نے آپ کی تعریف سنی ہے۔" کوتوالی انچارج طنزیہ لہجے میں بولا۔ "چلئے میں آپ کو سمجھاؤں۔"

وہ عقبی کمرے کی طرف مڑا..... انور اور ساجدہ اُس کے ساتھ ہو گئے۔

لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی چارپائی پر پڑی تھی۔ کوتوالی انچارج نے منہ پر سے چادر سرکائی اور ساجدہ ایک ہولناک چیخ کے ساتھ انور کے بازوؤں میں آ رہی۔ چہرے پر چھرے لگنے کی وجہ سے گوشت کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ ساجدہ بے ہوش ہو گئی لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ اُس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں اور اس طرح پھٹ کر رہ گئیں جیسے اپنے حلقوں میں جم گئی ہوں۔ کوتوالی انچارج نے پوری لاش پر سے چادر ہٹا دی اور سوالیہ نگاہوں سے ساجدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارشاد تم نے یہ کیا کیا۔" ساجدہ پھوٹ پڑی۔ انور اُسے سہارا دیتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا اور تھوڑی دیر بعد ساجدہ کو روتا چھوڑ کر لاش والے کمرے میں لوٹ گیا۔

"انور صاحب۔" کوتوالی انچارج بولا۔ "ارشاد نے کھڑے ہو کر اپنے اوپر فائر کیے ہیں۔ یہ دیکھئے ان کا ایک جوتا اور موزہ اُترا پڑا ہے۔ انہوں نے بندوق کی لبلبی میں انگوٹھا پھنسا کر اپنے اوپر فائر کئے۔"

"یہ تو بالکل صاف ہے۔" انور نے کہا۔ "لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ فائر کھڑے ہو کر کیے گئے؟"

"اوہو..... ادھر آیئے۔ یہاں دیوار میں دیکھئے، کچھ چھرے یہاں دیوار میں گھس گئے ہیں۔ اس جگہ کی اونچائی فرش سے تقریباً چھ سات فٹ ہے اگر انہوں نے بیٹھ کر بندوق چلائی ہوتی تو نالی کا زاویہ اتنی اونچائی تک چھرے نہ پھینک سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔" انور نے کہا اور جھک کر فرش پر کچھ دیکھنے لگا اور پھر ایک گہرا سانس لے کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ وہ پُر معنی انداز میں کوتوالی انچارج کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"بہرحال خودکشی ثابت ہے۔" کوتوالی انچارج خود اعتمادی کے لہجے میں بولا۔

"قطعی ثابت ہے" انور نے مسکرا کر کہا۔ "ارشاد نے ایک بار لیٹ کر خودکشی کی اور ایک بار کھڑے ہو کر۔"

"کیا مطلب....؟"

"یہاں آیئے.... کیا آپ نے فرش نہیں دیکھا۔ دیکھئے یہاں بھی کچھ چھرے گرِ
ہیں اور بارود کے دھوئیں کا ہلکا سا دھبہ بھی ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فائر
حالت میں بندوق کے دبانے کا فاصلہ زمین سے صرف ایک یا دو بالشت رہا ہوگا۔"

"اوہ....!" کوتوالی انچارج شپٹایا۔

"لیکن یہ بتانا دشوار ہے۔" انور مخصوص طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کہ پہلے اُس نے کھڑ
خود کشی کی یا لیٹ کر۔"

"تو پھر اسے کیا سمجھا جائے؟" کوتوالی انچارج بڑبڑایا۔

"قتل صریحی قتل....!" انور بولا۔ "ممکن ہے وہ بھری ہوئی بندوق پر ٹھوڑی ٹیکے
خیال میں مستغرق رہا ہو اور کسی نے لبلبی دبا دی اور اس کے گر جانے پر دوسرا فائر کر دیا ہو
کام کسی ایسے ہی شخص کا ہو سکتا ہے جسکے متعلق خود ارشاد بھی یہ شبہ نہ کر سکتا رہا ہو کہ وہ
پر قاتلانہ حملہ بھی کر سکتا ہے۔ یہ دھارا سنگھ کون ہے جس نے خود کشی کی اطلاع آپ تک پ

"دھارا سنگھ ہیرے کی کان کا ایک ساجھی دار ہے۔"

"وہ ہے کہاں؟"

"اپنے بنگلے میں.... اس حادثے کی وجہ سے اُس کی حالت ٹھیک نہیں۔ بظاہر اچھے ہا
کا ہے مگر ہے کمزور دل آدمی۔"

"ذرا اُسے بلوائیے؟" انور نے کہا۔

ایک مشتبہ آدمی

"یہ تو معاملہ ہی الٹ گیا۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"گھبرایئے نہیں میں قتل والی دریافت آپ ہی کے سر تھوپوں گا۔" انور نے کہا۔

"یعنی....؟"

"اپنے اخبار میں آپ کے کارنامے بڑھا چڑھا کر لکھوا دوں گا۔"

"ارے نہیں صاحب مجھے سچائی عزیز ہے۔" کوتوالی انچارج خاکسارانہ انداز میں بولا۔

"گھبرایئے نہیں.... جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

کوتوالی انچارج باہر چلا گیا۔ انور ساجدہ کے پاس چلا آیا۔

"یہ خود کشی نہیں بلکہ کھلا ہوا قتل ہے۔" انور نے کہا۔

ساجدہ اچھل پڑی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اسے مختصر الفاظ میں سب کچھ بتا دیا۔ ساجدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ سپاٹ اور بے جان.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ ہی نہیں رہی ہے۔ اُس کے ذہن میں ایک خلاء ہے۔ جس میں تاریکیوں کے علاوہ کچھ نہیں۔

تھوڑی دیر بعد کوتوالی انچارج واپس آ گیا۔ اُس کے ساتھ ایک فربہ اندام اور معمر آدمی تھا۔ اُس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی لیکن اس زردی کی تہہ کے نیچے سے بھی طبیعت کی سخت گیری پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"فائر کی دوسری آواز کتنے وقفے کے بعد ہوئی تھی؟" انور نے اُس سے پوچھا۔

دھارا سنگھ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

"میں آپ ہی سے پوچھ رہا ہوں۔" انور نے دوبارہ کہا۔

"جی اس کا تو مجھے دھیان نہیں۔" دھارا سنگھ بولا۔

"دوسرے فائر کے بعد آپ اس بنگلے میں کتنی دیر میں پہنچے تھے؟"

"فوراً ہی۔"

"گویا آپ فائر کی آواز کا انتظار کر رہے تھے؟"

"جی....!" دھارا سنگھ چونک پڑا۔

"جی ہاں....!" انور معنی خیز انداز میں بولا۔

"جی نہیں....!" دھارا سنگھ نے جلدی سے کہا۔

"کیا نہیں؟"

"میں فائر کی آواز سن کر گھبرا گیا تھا۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"خیر.... تم بتا سکتے ہو کہ ارشاد کی خود کشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" انور نے اُس سے پوچھا۔

"جی وہ جب آئے تھے پریشان تھے۔ مجھ سے بیس ہزار روپیہ مانگا۔ بھلا میرے پاس اب رقم کہاں سے آتی جو کچھ تھا اس کان پر لگا چکا تھا۔"

"وہ یہاں کب آیا تھا؟"

"آج ہی دو بجے۔"

"اس کے ساتھ اور کون تھا؟"

"جی کوئی نہیں۔"

"وہ یہاں کیوں آیا تھا....؟" انور نے پوچھا۔

"کہہ تو رہا ہوں کہ مجھ سے روپے مانگنے۔"

"بندوق کس کی تھی؟"

"میری ہی۔"

"تو کیا اُس نے کہا تھا کہ وہ شکار کھیلنا چاہتا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اور آپ یہ جانتے ہیں کہ کسی کو اپنی بندوق دینا جرم ہے؟"

"جی ہاں۔ مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی۔"

"اس کے علاوہ بھی آپ نے ایک غلطی کی ہے۔" انور بولا۔

"جی....؟" دھارا سنگھ پھر چونکا۔

"آپ نے اُسے بھری ہوئی بندوق دے دی۔"

"بھری ہوئی۔ جی نہیں۔ نہیں یہ بالکل جھوٹ ہے۔"

"شکار گاہ یہاں سے کتنی دور ہے؟" انور نے پوچھا۔

"دو میل....!"

"تو پھر یہیں سے بندوق بھر لینے کا مطلب نہیں سمجھ میں آتا۔" انور نے کہا۔

"مطلب.... ارے صاحب انہیں خودکشی یہیں کرنی تھی۔ شکار گاہ جا کر کیا کرتے۔" سنگھ نے کہا۔

"جی یہ خودکشی نہیں بلکہ قتل ہے۔" انور نے کہا۔

"قتل.... قتل.... نہیں نہیں.... قتل کیوں۔" دھارا سنگھ ہکلانے لگا۔

"یہ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ قتل کیوں؟"

"م میں.... کیا جانوں.... ککیا.... جنوں....!"

"ہوں....!" انور ہونٹ بھینچ کر کوتوالی انچارج کی طرف مڑا۔ "کیا خیال ہے داروغہ جی۔"

"معاملات کچھ الجھ کر رہ گئے ہیں۔" کوتوالی انچارج اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"پھر کیا ارادہ ہے؟"

"دھارا سنگھ کو کوتوالی تک جانا پڑے گا۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"کیوں....؟" دھارا سنگھ نے بے ساختہ پوچھا۔

"اس لئے کہ آپ نے اپنی بندوق ارشاد کو دی تھی اور اُسی بندوق سے اُس نے خودکشی کی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"مگر میں اُس کی نیت سے واقف نہیں تھا۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"کسی کو بندوق دینا ہی غیر قانونی ہے۔" کوتوالی انچارج بولا۔

"تو کیا مجھے حوالات....؟"

"جی ہاں۔" کوتوالی انچارج نے کہا اور انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ مسز ارشاد کو لے کر کہاں ٹھہریں گے؟"

"کہیں کسی ہوٹل میں۔" انور نے کہا۔ "لیکن کیا ہم لوگوں کی موجودگی یہاں ضروری ہے؟"

"جی ہاں.... میں ارشاد کے متعلق معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"اور میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس ہیرے کی کان کے اور کتنے حصے دار ہیں؟" انور نے کہا۔

"ایک اور ہے۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"وہ کہاں ہے؟" انور نے پوچھا۔

"تارجام میں۔"

"اب تک کتنا ہیرا نکل چکا ہے؟" انور نے پوچھا۔

"صرف چند ذرے۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"کام کب سے ہو رہا ہے؟"

"چھ ماہ سے۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ابھی تک کاروبار نقصان ہی پر چل رہا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ہیرے کی کان کا ٹھیکہ کس کی تحریک میں لیا گیا تھا؟"

"ارشاد صاحب سب سے بڑے حصے دار تھے۔ انہیں کی تحریک سے ٹھیکہ لیا گیا تھا۔"

"آپ انہیں کب سے جانتے تھے؟"

"آج سے چھ ماہ قبل سیٹھ اطہر نے مجھے اُن سے ملایا تھا۔"

انور کچھ سوچنے لگا اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ باہر سناٹا طاری تھا۔ تاریکی کی سیاہ چادر شے پر محیط تھی۔ ساجدہ بالکل ساکت بیٹھی تھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری وہاں آکر رکی۔ کوتوالی انچارج نے لاش اٹھوا کر اُس پر رکھوا دی پھر دھارا سنگھ کو بھی وہاں لایا گیا۔ دھارا سنگھ کے سارے جسم پر کپکپی طاری تھی۔

"آگے چل کر بیٹھئے۔" کوتوالی انچارج نے اُس سے کہا۔

"تو کیا واقعی؟"

"جی ہاں.... آپ حراست میں ہیں۔"

"مگر.... مگر....!" وہ ہچکچایا.... کوتوالی انچارج نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر آ بڑھانے کی کوشش کی۔ لاری اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ ہیڈ لائیٹس کی روشنی سامنے سڑک پر دور پھیلی ہوئی تھی۔ دھارا سنگھ نے پائیدان پر پیر رکھا ہی تھا کہ کسی طرف سے اچانک فائر ہوا دھارا سنگھ چیخ مار کر پہلے تو ڈرائیور کی سیٹ پر گرا اور پھر اچھل کر زمین پر آرہا۔ وہ ایک تازہ کیے ہوئے مرغ کی طرح تڑپ رہا تھا۔

"اِدھر.... اُدھر....!" انور ایک طرف تاریکی میں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ پولیس والوں کی ٹا کی روشنیاں اندھیرے کا سینہ چیرنے لگیں۔ انور ایک طرف بے تحاشہ دوڑا جا رہا تھا۔ کوتوالی انچارج اور پولیس والے اُس کے پیچھے تھے۔ دور تک اونچی نیچی پہاڑیوں اور کانٹے دار جھاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ سب اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن ل کا سراغ نہ ملا آخر وہ بے نیل و مرام واپس لوٹے۔ یہاں ایک دوسرا حادثہ اُن کا

ساجدہ اپنی کار کے پائیدان سے ٹکی زمین پر پڑی تھی۔ اُس کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ انور بے اختیار اُس پر جھک پڑا۔ کوتوالی انچارج بوکھلائے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"بے ہوش ہو گئی ہے۔" انور نے ساجدہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھاتے ہوئے کہا۔ اُس نے اُسے کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں رکنا نہ چاہئے۔" انور نے کوتوالی انچارج سے کہا اور پھر وہ دھارا سنگھ کی طرف متوجہ ہوا جو زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ "اسے بھی اٹھوائیے ختم ہو چکا ہے۔"

دھارا سنگھ کی لاش بھی لاری میں رکھ دی گئی۔

"آپ اِدھر کار میں آجائیے....!" انور نے کوتوالی انچارج سے کہا۔ وہ انور کے برابر بیٹھ گیا انور نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ ان کی کار پولیس لاری کے پیچھے چل پڑی تھی۔

"یہ دوسرا قتل میری وجہ سے ہوا۔" انور نے کہا۔

"آپ کی وجہ سے کیوں؟" کوتوالی انچارج چونک کر بولا۔

"اگر خودکشی قتل نہ ثابت ہوتی تو دھارا سنگھ شاید زندہ رہتا۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ارشاد ہی کا قاتل اس کا بھی قاتل ہے؟"

"قطعی....!" انور نے کہا۔ "اس دوران میں قاتل ہمارے آس پاس ہی رہا اور جب اُس نے دیکھا کہ پانسہ پلٹ چکا ہے اور پولیس دھارا سنگھ کو لیے جا رہی ہے تو اُس نے اُسے بھی قتل کر دیا۔"

"کیوں....؟" کوتوالی انچارج نے چونک کر کہا۔

"دھارا سنگھ کی زبان بند کرنے کے لئے۔ وہ ارشاد کے قاتل سے واقف تھا۔"

"اوہ....!"

"لیکن اب اُس کا ملنا محال ہی معلوم ہوتا ہے۔" انور نے کہا۔

"یہ کیوں....؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

انور نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں کے حلقے تنگ ہو گئے تھے۔

"سیٹھ اطہر کیسا آدمی ہے؟" انور نے کوتوالی انچارج سے پوچھا۔

"میں اُس کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے بڑھا ہے، پولیس اُس طرف سے ہمیشہ مشکوک رہتی ہے۔"

"کیوں پولیس مشکوک کیوں رہتی ہے؟" انور نے پوچھا۔

"وہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کافی دولت مند ہو گیا۔ بظاہر کوئی ایسا ذریعہ دکھائی نہیں دیتا کی بناء پر اُس کی دولت کو جائز سمجھا جائے۔"

انور معنی خیز انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کوتوالی پہنچ گئے اور ان دونوں حادثوں کی خبر سارے علاقے میں پھیل

ساجدہ ہوش میں ضرور آ گئی تھی لیکن اُس کی حالت ابتر تھی۔ انور نے اُسے آرام دہ میں ٹھہرا دیا اور خود کوتوالی چلا آیا۔ یہاں کوتوالی انچارج سیٹھ اطہر کا انتظار کر رہا تھا جسے اُس بھیجا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ اطہر اُس کے دفتر میں داخل ہوا۔ یہ ایک قوی الجثہ اور القامت آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان ہی رہی ہو گی۔ اُس کے لباس اور رکھ سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ایک شوقین مزاج آدمی ہے۔ وہ اس طرح مسکراتا ہوا داخل ہوا تھا اُسے ان حادثات کی اطلاع نہ رہی ہو، قبل اس کے کہ کوئی اُس سے کچھ پوچھتا وہ خود ہی بولا۔

"مجھے ابھی ابھی دوسرے حادثے کی بھی اطلاع ملی ہے میں آنے کی تیاری ہی کر رہا آپ کا آدمی پہنچا۔"

"پہلے حادثے کی اطلاع آپ کو تھی؟" انور نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور آپ دیپ نگر نہیں آئے؟"

"میں کیوں جاتا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ارشاد کے لئے اب خودکشی کے علاوہ کو چارہ نہیں رہ گیا۔"

"کیوں یہ آپ کیسے جانتے تھے؟" انور نے پوچھا۔

"وہ بالکل دیوالیہ ہو چکا تھا لیکن مجھے دھارا سنگھ کے مرنے کا افسوس ہے۔ اُس غر محض میری وجہ سے اس ناشدنی کان میں روپیہ لگایا تھا۔ لیکن اُسے کس نے اور کیوں قتل کر

"جس نے ارشاد کو قتل کیا ہے۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"قتل...." سیٹھ اطہر نے چونک کر پوچھا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"ارشاد نے خودکشی نہیں کی بلکہ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔"

"ہیں....؟" سیٹھ اطہر نے کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"آپ ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟" انور نے پوچھا۔

"جی....؟" اطہر نے چونک کر کہا اور انور کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میں اُسے عرصے سے جانتا تھا اور اُسے بڑا آدمی سمجھتا تھا لیکن ڈھول کے اندر پول کا علم اس کان میں روپیہ لگا دینے کے بعد ہوا۔"

"تو آپ اُس سے ناراض تھے؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"جی ہاں، بہت بُری طرح۔"

"کیوں....؟"

"بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، میں نے اُس کی باتوں میں آکر خاصی رقم گنوا دی۔"

"تھوڑا بہت ہیرا نکلا ہے کان سے؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"صرف چند ذرات لیکن مجھے اس میں شبہ ہے۔ میں ایک بالشت گہرا گڑھا کھود کر اُس میں سے بھی ہیرے کے ذرات برآمد کر سکتا ہوں۔" سیٹھ اطہر نے کہا۔

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ارشاد نے آپ کو دھوکہ دیا تھا....؟" انور نے کہا۔

"جی ہاں.... میں یہی کہوں گا اور اس کے لئے میرے پاس ثبوت موجود ہے۔"

"کیا....؟"

"اُس کے ساتھ جو انجینئر بھانت بھانت کے آلے لے کر آیا تھا ایک مشہور بدمعاش اور بلیک میلر تھا۔"

"اس پر بھی آپ پھنس گئے؟" انور نے کہا۔

"جی نہیں یہ تو مجھے آج معلوم ہوا ہے۔" سیٹھ اطہر نے کہا۔

"کیسے....؟"

"آج میں نے ایک اخبار میں اُس کی تصویر دیکھی تھی۔ وہ دھوکہ دہی کے ایک معاملے میں پکڑا گیا ہے۔"

"شاید آپ اجیت کمار کی بات کر رہے ہیں؟" انور نے کہا۔

"جی ہاں.... اجیت کمار۔ وہی اُس کے ساتھ انجینئر بن کر آیا تھا اور اُس نے بہتیرے آلا
کی مدد سے یہ بات ثابت کی تھی کہ یہاں ہیرے کی کان ہے اور ہم لوگ بڑی خوشی سے ر
لگانے کے لئے تیار ہوگئے تھے۔ بہر حال میں اس اطلاع کے بعد شہر جانے کی تیاری ہی کر رہا تھا
مجھے ارشاد کی خودکشی کے بارے میں معلوم ہوا۔ میں اس نتیجے پر جلد ہی پہنچ گیا کہ اجیت کمار
تصویر شائع ہوجانے کی وجہ سے گھبرا کر اُس نے خودکشی کر لی۔ لیکن اب آپ کہتے ہیں کہ ا
کسی نے قتل کر دیا۔ خیر ایسے آدمیوں کا یہی انجام ہوتا ہے لیکن دھارا سنگھ کے قتل کی وجہ
میں نہیں آتی۔"

"بہر حال آپ کو اُس سے دشمنی تھی؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"قطعی.... لیکن اتنی بھی نہیں کہ اُسے قتل کر دیتا۔" سیٹھ اطہر مسکرا کر بولا۔ یہ مسکراہ
کچھ عجیب سی تھی۔ جسے کوتوالی انچارج مشکوک سمجھے بغیر نہ رہ سکا۔

"دھارا سنگھ تو آپ کا جگری دوست تھا؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ارشاد سے اُس کے کیسے تعلقات تھے؟"

"بُرے نہیں تھے۔"

"ایک بات۔" انور نے کوتوالی انچارج کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اجیت کمار کا راز معلو
ہونے کے بعد فطری طور پر آپ کو شہر جانے کے بجائے دھارا سنگھ کو اس کی اطلاع دینے
لئے جانا چاہئے تھا۔"

"جی ہاں میں دھارا سنگھ سے ملتا ہوا شہر جاتا۔" اطہر نے کہا۔ "اور جب مجھے یہ معلوم ہوا
ارشاد نے دیپ نگر میں خودکشی کی ہے تو میں سمجھ گیا کہ اُسے بھی یہیں آ کر اجیت کمار کی تصو
شائع ہونے کا حال معلوم ہوا اور اُس نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھتے ہوئے خودکشی کر لی۔"

"لیکن دھارا سنگھ کو اجیت کمار والے واقعے کی اطلاع نہیں تھی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"ارشاد اُس سے بیس ہزار روپے لینے کے لئے یہاں آیا تھا۔"

"تو پھر اگر دھارا سنگھ خود نہ مار ڈالا جاتا تو میں یہی سمجھتا کہ اُس نے ارشاد کو قتل کیا۔"

نے کہا۔ "آدمی چاہے کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو لیکن جب اُس پر اچانک یہ بات ظاہر ہوتی ہے
دھوکہ کھایا گیا ہے تو وہ تھوڑی دیر کے لئے غصے سے پاگل ضرور ہوجاتا ہے۔"

"تو پھر اُس اصول کے تحت تو آپ بھی ارشاد کے قاتل ہوسکتے ہیں۔" انور نے کہا۔

"لیکن میں....!"

"آپ نے بے چارے دھارا سنگھ کو بھی اپنے جرم میں شریک کر لیا اور جب یہ دیکھا ہو کہ
ی قتل میں تبدیل ہوگئی تو آپ نے اس ڈر سے دھارا سنگھ کو قتل کر دیا ہو کہ کہیں پولیس اُس
ب کچھ اگلوا نہ لے۔" انور نے کہا۔

اطہر دفعتاً کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔ کوتوالی انچارج اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

"خیر میں اس کے لئے درجنوں ثبوت مہیا کر سکوں گا کہ آج صبح سے اس وقت تک میں تار
ہی میں رہا اب مجھے یہاں اور کتنی دیر بیٹھنا پڑے گا؟"

"جس وقت تک آپ کا دل چاہے.... آپ جا سکتے ہیں۔" کوتوالی انچارج نے مسکرا کر کہا۔
نے محض چند معلومات حاصل کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی تھی۔"

"شکریہ....!" اطہر نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر کمرے سے چلا گیا۔ کوتوالی انچارج بھی فوراً
اٹھ کر باہر چلا گیا۔

پُراسرار ہمدردی

تھوڑی دیر بعد کوتوالی انچارج پھر واپس آگیا۔ انور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور جب وہ چونکا
تو اُس نے محسوس کیا کہ کوتوالی انچارج اُس کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا رہا ہے۔ انور
بھی خواہ مخواہ مسکرانے لگا۔

"مسٹر انور میں آپ کے مداحوں میں سے ہوں۔" کوتوالی انچارج نے اُس کی آنکھوں میں
دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ بیگم ارشاد خصوصیت سے آپ کو اپنے ساتھ
کیوں لے آئی ہیں؟"

"آپ کا یہ سوال ذہانت سے بھرپور ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "اس خصوصیت کی سب سے

بڑی وجہ یہ ہے کہ بیگم ارشاد مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔ "اور بہتوں کو بھی وہ اچھی طرح
ہوں گی؟"

"جانتی ہوں گی اور بھلا اس میں مجھے اعتراض ہی کیا ہو سکتا ہے۔" انور نے مسکرا کر کہا

"بات یہ نہیں مسٹر انور، اُن کے اس رویے پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔"
کوتوالی انچارج بولا۔

"میں غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ چلئے۔" انور شانے اچھال کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ بیگم ارشاد کو پہلے ہی سے اس خودکشی پر شبہ تھا، اسلئے وہ آپ کو ساتھ لا

"ممکن ہے یہی بات رہی ہو لیکن انہوں نے اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں کہا
سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"اور اگر ایسا ہے تو انہیں اپنے شبہہ کی وجہ بتانی پڑے گی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"ضرور بتانی پڑے گی۔" انور نے اُسی کے لہجے کی نقل کی۔ کوتوالی انچارج بھنا کر
گھورنے لگا۔

"غالباً اب وہ ٹھیک ہوں گی۔" کوتوالی انچارج بولا۔ "میں اُن سے اس کے بارے میں
گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ سیٹھ اطہر کی گفتگو سے ارشاد کی پوزیشن کچھ خراب ہو گئی ہے۔"

"کیوں پوزیشن کیوں خراب ہو گئی؟"

"وہ اجیت کمار والا معاملہ....!" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"اور آپ نے اس پر یقین کرلیا....؟"

"یقین نہ کرنے کی وجہ؟"

"اچھا تو اس پر بھی یقین کر لیجئے کہ ارشاد پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔"

"کمال کیا آپ نے۔" کوتوالی انچارج ہنس کر بولا۔

"اچھا اس پر یقین نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟"

"ارے بھئی میں ارشاد کو اچھی طرح جانتا تھا۔" کوتوالی انچارج ہنستا ہوا بولا۔

"تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ارشاد کا وجود تھا۔ لیکن اجیت کمار والے واقعے کے متعلق

ے علاوہ اور دوسرا گواہ کون ہے؟"

"اوہ....!" کوتوالی انچارج انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ "دھارا سنگھ.... دھارا سنگھ.... نے
ی اے انجینئر کے روپ میں ضرور دیکھا ہوگا۔"

"لیکن وہ بے چارہ اس بیان کی تصدیق کرنے کے لئے عدالت میں نہ حاضر ہو سکے گا۔" انور
زیہ انداز میں بولا۔

کوتوالی انچارج خاموش ہو گیا۔ انور نے ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگایا
ر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"بہر حال مجھے بیگم ارشاد سے گفتگو کرنی ہے۔" کوتوالی انچارج اٹھتا ہوا بولا۔

انور اٹھ ہی رہا تھا کہ ایک پستہ قد اور دوہرے جسم کا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ سیاہ سوٹ
ں ملبوس تھا۔ اُس کے چہرے کی تھکن اور کپڑوں پر پڑی ہوئی گرد سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی
ر کر کے آرہا ہے۔ اُس کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی مگر قبل از وقت سر کے بال گر جانے کی وجہ سے
ر معلوم ہو رہا تھا۔

"میں.... میں.... ارشاد مرحوم کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔" وہ دروازے پر ٹھٹک کر بولا۔

"آپ کون ہیں؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"میرا نام رضوان ہے۔ ارشاد میرا دوست تھا۔ اُس نے مجھ سے بیس ہزار روپے مانگے تھے
اور لکھا تھا کہ وہ آج ہی کے دن تار جام میں ملے گا۔ پہلے تو میں نے اُسے لکھ دیا تھا کہ میں انتظام
نہیں کر سکتا لیکن پھر اتفاق سے روپے دستیاب ہو گئے اور میں سیدھا یہیں چلا آیا مگر یہاں آکر
معلوم ہوا....!"

"بیٹھ جائیے۔" کوتوالی انچارج کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"اُسی شہر میں جہاں ارشاد رہتا تھا۔ لیکن میں ایک کاروباری ضرورت سے رام گڑھ چلا گیا
تھا۔ وہیں مجھے ارشاد کا خط ملا.... اور کچھ.... سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔"

انور بڑے غور سے رضوان کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

"مسٹر انور آپ انہیں پہچانتے ہیں؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"نہیں.... میں نے اس سے پہلے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔" انور نے جواب دیا۔

"تو آپ وہ بیس ہزار روپے لائے ہیں؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"جی ہاں....!" رضوان نے کوٹ کی جیب سے سو سو روپے کے نوٹوں کے گ نکالے۔

"بیگم ارشاد آپ کو پہچانتی ہیں؟"

"جی ہاں.... اچھی طرح۔" رضوان بولا۔

"اچھا تو پھر ہم لوگ وہیں چل رہے ہیں۔" کوتوالی انچارج اٹھتا ہوا بولا۔ "وہ رائل میں ہیں۔"

"اوہ ضرور چلئے.... ضرور چلئے۔ بیچاری ساجدہ۔" رضوان اندوہناک آواز میں بولا۔

وہ لوگ کار میں بیٹھ کر رائل ہوٹل کیطرف روانہ ہوگئے۔ انور اس دوران میں کچھ نہیں بو وہ بہت دلچسپی سے رضوان کا جائزہ لے رہا تھا۔ راستے بھر خاموشی رہی۔ رائل ہوٹ وہ ساجدہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ ساجدہ ایک کرسی پر آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔ رضو دیکھ کر اُس کے ہونٹ کانپے، نتھنے پھڑکے اور آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا۔

"یہ آخر ہوا کیا؟" رضوان بے ساختہ بولا۔

ساجدہ منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ یہ تینوں خاموشی سے بیٹھ گئے۔ آہستہ آہستہ ساج سسکیاں کم ہوتی جارہی تھیں اور پھر وہ بالکل خاموش ہوگئی۔

"اگر آپ کی طبیعت ٹھیک ہو تو میں کچھ پوچھنے کی جرأت کروں۔" کوتوالی انچارج نے ک

"پوچھئے....!" ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیا آپ کو شہر سے چلتے وقت اس قسم کا شبہہ تھا کہ ارشاد صاحب نے خودکشی نہیں کی؟

"قطعی نہیں۔ کچھ نہیں۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا کہ میں بیوہ ہوگئی بس۔" ساجدہ پھر رو پڑی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میرے اس سوال سے آپ کو تکلیف پہنچی۔" کوتوالی انچارج جلد سے بولا۔

"نہیں.... آپ اور جو کچھ پوچھنا چاہیں.... میں....!"

"کیا آپ کو معلوم تھا کہ انہوں نے رضوان صاحب سے بیس ہزار روپے مانگے تھے؟"

"جی نہیں مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں۔"

"اچھا آپ انور صاحب کو اپنے ساتھ کیوں لائی ہیں؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

ساجدہ انور کی طرف دیکھنے لگی جو اپنے گرد و پیش سے بے خبر خیالات میں ڈوبا ہوا سگریٹ کش لے رہا تھا اور ساجدہ نے اپنے شوہر کی یادداشت کھو بیٹھنے کی داستان دہرا دی اور اس سلسلے میں انور سے مدد کی طالب ہونے کا حال بھی بتایا۔

"تو آپ نے اس مسئلے میں پولیس کی مدد کیوں نہ لی؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"اس طرح بات پھیلتی اور تجارت کے ساجھی داروں کو مال گول کرنے کا موقع مل جاتا۔" ساجدہ نے کہا۔

"مگر حالات تو کچھ ایسے پیش آتے ہیں جن کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ارشاد صاحب کی یادداشت پر کوئی غیر معمولی اثر نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو انہیں ہیرے کی کان بھی نہ یاد رہتی۔ وہ بیس ہزار روپے بھی نہ یاد رہتے جن کی انہیں ضرورت تھی کیوں انور صاحب؟"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" انور نے کہا اور سگریٹ کا ٹکڑا فرش پر گرا کر پیر سے مسل دیا۔

"کیا آپ ایسے آدمی یا آدمیوں کے نام بتا سکتی ہیں جو اُن سے دشمنی رکھتے ہوں۔" کوتوالی انچارج نے ساجدہ سے پوچھا۔

"مشکل ہے۔ نہیں اُنکے دوستوں کے متعلق کچھ جانتی ہوں اور نہ دشمنوں کے متعلق۔"

"رضوان صاحب سے اُن کے کیسے تعلقات تھے؟"

"اچھے تھے۔"

اس کے بعد کوتوالی انچارج کچھ اور باتیں بھی پوچھتا رہا اور انور اٹھ کر نیچے ہال میں چلا گیا۔ وہ ابھی تک خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُس نے کافی کا آرڈر دیا اور بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے اُس نے کافی کے کئی کپ پیے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ رضوان آگیا۔ انور نے اٹھنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ رضوان کرسی گھسیٹ کر اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوگیا۔" رضوان آہستہ سے بولا۔

"وہی جو ایسے معاملات میں ہوتا آیا ہے۔" انور نے رضوان کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا کوئی مطلب نہیں۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔ رضوان کچھ نہیں بولا۔ وہ خاموشی
انور کو گھورتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد غم زدہ آواز میں بولا۔ "آخر بے چاری ساجدہ کا کیا ہوگا؟"

"جی....؟" رضوان اس طرح اچھلا جیسے کسی نے ڈنگ مار دیا ہو۔

"جی ہاں....!" انور سنجیدگی سے بولا۔

"مم.... میں آپ کا مطلب.... نن....!"

"نہیں سمجھا۔" انور نے طنزیہ انداز میں جملہ پورا کر دیا اور معنی خیز انداز میں مسکرایا
اور پھر رضوان کا شانہ تھپک تھپک کر کہنے لگا۔ "پولیس آپ کی طرف سے بہت زیادہ مشکوک
ہو جائے گی۔ رضوان صاحب ساجھے کی تجارت تو چل ہی جاتی ہے مگر ساجھے کی عورت۔ آپ
خود سوچئے کہ پولیس کس نتیجے پر پہنچے گی؟"

رضوان کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ ہونٹ خشک ہوگئے اور سوکھے
ہوئے حلق میں سانس اٹکنے لگی۔ انور اُس کی حالت کے تغیر کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا لیکن
کچھ بولا نہیں۔

"اب تو واقعی میں بڑی مشکل میں پھنس گیا۔" رضوان تھوک نگلتا ہوا بولا۔

"مگر میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ ساجدہ ساجھے کی نہیں۔"

"آپ اس کا کوئی ثبوت بہم نہ پہنچا سکیں گے۔"

"کیوں کیا ساجدہ سچی بات نہ کہے گی؟"

"تو بھی آپ پر ایک دوسرا چارج لگے بغیر نہ رہ سکے گا کہ آپ اُسے اغوا کر کے لائے ہیں"
انور بولا۔

"اور اگر میں اُسے اپنی بیوی ثابت کرادوں تو....؟"

"ناممکن ہے.... وہ ایک ضدی لڑکی ہے جب اُسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ اب تک
دھوکے میں رکھی گئی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے سچ بولنے سے باز نہ رکھ سکے گی۔"

"تو کیا آپ اُسے عرصہ سے جانتے ہیں؟" رضوان گھبرا کر بولا۔

"جی نہیں کسی کے کردار کا مطالعہ کرنے کے لئے صرف ایک ہی گھنٹہ کافی ہوتا ہے۔"

رضوان تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"بات دراصل یہ ہے مسٹر انور میں نے جو کچھ بھی کیا دوستی نبھانے کے لئے کیا۔"

"جہنم میں گئی ایسی دوستی۔" انور منہ بنا کر بولا۔ "اس کے لئے تم نے ایک معصوم لڑکی کی
زندگی برباد کردی.... لیکن لاحول ولا.... میں بھی تمہارے ہی دماغ سے سوچنے لگا۔ ممکن ہے وہ
ارشاد کی موجودگی میں تمہارے ہتھے نہ چڑھتی رہی ہو۔ اس لئے تم نے ارشاد ہی کو راستے سے ہٹا دیا
اور غریب دھارا سنگھ تو مفت میں مارا گیا۔"

"مسٹر انور....!" رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آپ خواہ مخواہ مجھے پھانسنے کی
کوشش کر رہے ہیں۔"

"جی اگر خواہ مخواہ پھانسنے کا ارادہ ہوتا تو میں ساجدہ کا ذکر اُسی وقت چھیڑ دیتا جب تم کوتوالی
میں آئے تھے لیکن میں ساجدہ والے معاملے کو زیادہ دنوں تک نہ چھپا سکوں گا۔"

"مسٹر انور.... میں قسم کھا کر....!"

"بس بس....!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کی ایک ہی صورت ہے اگر تم واقعی ارشاد کے
قاتل نہیں ہو تو ساجدہ سے باقاعدہ طور پر نکاح کرلو۔ ورنہ.... ساجدہ ہی کی زبانی تمہیں ارشاد کا
قاتل ثابت کرا دینا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہوگا۔"

"مجھے منظور ہے۔" رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اب یہ بتاؤ کہ ارشاد سے تم کب ملے تھے؟"

"ایک ہفتہ قبل....!"

"اُس کی دماغی حالت کیسی تھی؟"

"بالکل ٹھیک تھی۔"

"کبھی اُس پر پہلے بھی یادداشت کھو بیٹھنے والا دورہ پڑا تھا؟"

"میری دانست میں تو کبھی نہیں۔"

"اُس کی مالی حالت کیسی تھی؟"

"اس دوران میں خراب ہوگئی تھی۔"

"تمہیں ہیرے کی کان کی اطلاع تھی؟"

"ہاں اُس نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا۔"

"کیا تم نے بھی اپنا روپیہ اُس میں لگایا تھا؟"

"نہیں.... میں کسی کی شراکت میں کوئی تجارت نہیں کرتا۔"

"تمہارا کس چیز کا کاروبار ہے؟"

"فارورڈنگ اور کلیرنگ، کچھ ذاتی ایکسپورٹ اور امپورٹ بھی کرتا ہوں۔"

"ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟"

"تقریباً پانچ سال سے۔"

"تمہاری دانست میں اُسے کون قتل کر سکتا ہے؟"

"میری دانست میں اُس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔"

"یہاں کب تک قیام کرو گے؟"

"ساجدہ کے ساتھ ہی واپس جاؤں گا۔ یہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔"

اُس کے بعد دونوں اٹھ گئے۔

دوسرے دن ساجدہ اور انور شہر کی طرف جا رہے تھے۔ رضوان کو کوتوالی انچارج نے مصلحت سے تا رجام ہی روک لیا تھا۔ انور کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ ساجدہ اُس کے برابر بیٹھی تھی۔ اُس وقت پھر اُس کے ماتھے پر غرور کی سلوٹیں اُبھر آئیں۔ آنکھوں کی سفاک چمک عود کر آئی لیکن وہ خاموش تھی۔

"ارشاد کی زندگی کا بیمہ تو رہا ہی ہوگا؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"کتنے کا....؟"

"اسی ہزار روپے کا۔"

"اوہ.... خاصی رقم ہے۔" انور نے کہا۔

"مگر وہ پالیسی پر پہلے ہی قرض لے چکا تھا۔" ساجدہ بولی۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم بالکل ہی کنگال ہو چکی ہو۔"

"تم کتنے ظالم اور وحشی ہو۔" ساجدہ منہ بگاڑ کر بولی۔

"اب ان سلوٹوں کو مٹ جانا چاہئے تھا۔" انور نے اُس کے ماتھے کی طرف دیکھ کر کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں ساجدہ کا ہاتھ اٹھ کر اُس کے گال پر پڑا۔ انور نے کار روک دی۔ جیب سے ساجدہ کے دیئے ہوئے پانچ سو روپے کے نوٹوں کا بنڈل نکال کر اُس کی گود میں ڈالتا ہوا بولا۔

"شکریہ خدا حافظ۔"

وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا اور کار اُس پر دھول جھونکتی ہوئی آگے نکل گئی۔ وہ پیدل ہی چل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے شہر جانے والی بس مل گئی اور وہ اُس پر بیٹھ کر اپنے اخبار کے لئے ہیرے کی کان کی ٹریجڈی لکھنے لگا۔

سرکاری جاسوس سے جھڑپ

شہر پہنچ کر وہ سیدھا آفس چلا گیا۔ رشیدہ بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ انور کو دیکھ کر اُس کا چہرہ کھل گیا۔

"دوڑتے دوڑتے کچومر نکل گیا۔" رشیدہ منمنائی۔ انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کرسی گھسیٹ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

"وہ لڑکی پُراسرار طریقے پر غائب ہو گئی۔" رشیدہ نے کہا۔ "کل رات میں نے کم از کم دس چکر دولت گنج کے ضرور لگائے ہوں گے۔"

"مجھے اُس لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" انور بیزاری سے بولا۔

"اور ساجدہ....؟"

"جہنم میں گئی۔"

"یہ تو بڑا اچھا ہوا۔" رشیدہ چہک کر بولی۔ "اپنا پتہ دے گئی ہے یا نہیں؟"

"میں نے اُس کے روپے واپس کر دیئے ہیں۔"

"لیکن اُس کے شوہر نے خودکشی کیوں کر لی؟"

"خودکشی نہیں قتل....!" انور بولا۔

"قتل؟ قتل کس نے کیا؟"

"میں نے۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اب تمہارا بھی گلا گھونٹ کر پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔"

"شوق سے، تمہارے ہاتھوں مرنے میں مجھے کوئی دکھ نہ ہوگا۔" رشیدہ نے اتنے رومانی
میں کہا کہ انور کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"ٹیں ٹیں مت کرو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" انور نے کہا۔

"تو ایسے بولو نا۔" رشیدہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "ابھی میری جیب میں کافی پیسے ہیں۔"

دونوں دفتر سے نکل کر سامنے والے ریستوران کی طرف بڑھے۔

"کل سے انسپکٹر آصف کئی بار تمہیں پوچھنے کے لئے آچکا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"بھئی اب ختم بھی کرو یہ قصہ۔ میں نے کہہ دیا کہ مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" انور بو

"ختم کردیا۔" رشیدہ نے کھانا ختم کرنے کے بعد پانی پیتے ہوئے کہا۔

"تم پھر مجھے حسین لگ رہی ہو۔" انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

"لڑکے؟" رشیدہ نے بیرے کو مخاطب کر کے کہا۔ "صاحب کے لئے ایک ڈبہ سگریٹ
آؤ۔ اسٹیٹ ایکسپریس۔"

انور دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔

"اور میرے ہونٹوں کا رنگ کیسا ہے؟" رشیدہ نے شرارت آمیز مسکراہٹ کیساتھ پوچھ

"تم لال رنگ کی پڑیا پھانک گئی ہو۔" انور بولا۔

"اور میری آنکھوں کی جھیلوں میں؟"

"کیچڑ ہے کیچڑ، کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔" انور نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اور میرے گالوں کے سیب....؟"

"سیب نہیں شلجم کہو۔ آج صبح تم نے منہ کیوں نہیں دھویا؟" انور بیزاری سے بولا۔

"اور.... میرے....!"

"ہاں اور تمہارے سر میں جوئیں بج بجا رہی ہیں۔ بس اب چپ رہو۔"

"نہیں چپ رہتی۔"

"دیکھو میں یہاں ریستوران میں کسی قسم کا جھگڑا کرنے کیلئے تیار نہیں۔" انور اٹھتا ہوا بولا

وہ دونوں پھر آفس میں لوٹ آئے۔ یہاں ایڈیٹر کے کمرے میں انسپکٹر آصف انور کا انتظ
کر رہا تھا۔ انور اپنی میز پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ ایڈیٹر کے کمرے میں طلبی ہوئی۔

آصف نے انور کو گھورنا شروع کردیا لیکن انور اُس کی طرف دیکھے بغیر ایڈیٹر کی طرف متوجہ
ہوگیا۔

"بس انسپکٹر صاحب تمہیں یاد کر رہے تھے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"وہ تو ہر وقت مجھے یاد کیا کرتے ہیں.... محبت بہت بُری چیز ہے۔" انور مسکراتا ہوا ایک
آنکھ دبا کر بولا۔

"تم کل رات کو کہاں تھے؟" آصف نے کڑک کر پوچھا۔

"شہنشاہ باؤڈالی کے ساتھ لوڈو کھیل رہا تھا۔" انور نے بے پرواہی سے کہا اور ایک کرسی پر
بیٹھ گیا۔ آصف کی بھنویں تن گئیں اور ایڈیٹر مسکرانے لگا۔

"دیکھو میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" آصف نے بیزاری سے کہا۔

"تو میں کب تمہیں مذاق پر مجبور کر رہا ہوں۔"

"کل تم شہر میں ارشاد کے متعلق چھان بین کیوں کرتے پھر رہے تھے۔" آصف نے پوچھا۔

"میرا ارادہ تھا کہ اُس کی ایک شادی اور کرادوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"دیکھو اگر تم سیدھی طرح بات نہیں کرو گے تو مجبوراً مجھے تمہیں حراست میں لینا پڑے گا۔"

"یار کبھی اس دھمکی کو عملی جامہ تو پہنا کر دکھاؤ۔" انور مسکرا کر بولا۔

"اس بار یہی ہوگا۔"

"لیکن کس جرم میں؟"

"میں تم پر شبہ کر رہا ہوں۔"

"کس بات کا....؟"

"ارشاد کے قتل کا۔"

"کوئی وجہ....؟"

"سب سے بڑی وجہ تو یہی ہے کہ مسز ارشاد اور تم....!"

"میں سمجھ گیا۔" انور آصف کی بات کاٹ کر جلدی سے بولا۔ "ایک دوسری وجہ اور ہے کہ
کریم گھر کے ایک جوئے خانے سے مجھے دو سو روپیہ یومیہ ملتے ہیں.... اور میں۔"

"اچھا اچھا....!" انسپکٹر آصف جلدی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "میرے ساتھ آؤ.... باہر....

مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"تو ایسے بات کرو نا پیارے۔" انور آصف کے پیچھے ایڈیٹر کے کمرے سے نکلتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ تم کل ہائی سرکل کلب میں ارشاد کے متعلق کیوں پوچھ گچھ کر رہے تھے"

"میں بتا تو دوں لیکن آج کل میری جیب خالی ہے تم کریم نگر کے جوئے خانے سے ہزاروں روپیہ روز کماتے ہو اور مجھ جیسے مفلس دوست کیلئے تمہاری جیب سے ایک پائی بھی نہیں نکلتی۔"

"دیکھو تم مجھے اس طرح دھونس میں نہیں لے سکتے۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"میرے پیارے۔" انور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میرے پاس اس کے لئے اتنے ثبوت اور ایسے معزز گواہ ہیں کہ تمہارا پارسل بیرنگ ہو سکتا ہے۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟" آصف زچ ہو کر بولا۔

"میں تمہیں جو اطلاع دوں گا اُس کی قیمت صرف سو روپے ہے۔" انور بولا۔ "اور یہ بھی میرا احسان ہوگا۔"

"مجھے منظور ہے۔" آصف منہ پھلا کر بولا۔ "لیکن یہ سو روپے تم آسانی سے ہضم نہ کر سکو گے۔"

"فکر مت کرو۔ میرے پاس ہاضمے کے کئی چورن ہیں۔"

آصف نے جیب سے پرس نکال کر دس دس روپے کے دس نوٹ گن دیئے۔

"ہوں اب آؤ۔" انور اُس کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے جاتا ہوا بولا۔ "تمہارے لئے چائے منگواؤں یا کافی؟"

"بس بس شکریہ۔" آصف تنفر آمیز لہجے میں بولا۔

انور نے اُسے ارشاد کی یادداشت کھو جانے کا اور ساجدہ کے طالب امداد ہونے کا واقعہ دہرا دیا۔

"یہ تو مجھے ساجدہ ہی سے معلوم ہو چکا ہے۔" آصف نے کہا۔ "میں نے اس کے لئے روپے تمہیں نہیں دیئے۔"

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں، جوئے خانے والے معاملے کی پردہ پوشی کے لئے دیئے ہیں۔" انور جلدی سے بولا۔

"دیکھو انور میں سچ کہتا ہوں۔" آصف تیز لہجے میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں سچ بولنے والوں کی قدر کرتا ہوں۔" انور طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

"کل رات کو رشیدہ بار بار دولت گنج کے چکر کیوں لگا رہی تھی؟"

"یہ اُسی سے پوچھ لیا ہوتا۔ بہت سعادت مند لڑکی ہے۔ فوراً بتا دیتی ہے۔"

"سعادت مند....!" آصف ہونٹ بھینچ کر آہستہ سے بولا اور چند لمحے خاموش رہ کر کہنے لگا "اس بار تمہارا بچنا مشکل ہے۔"

"ارے....!" انور چونک کر بولا۔ "یہ تم نے کیسے کہا۔ کیا میں کچھ بیمار معلوم ہو رہا ہوں؟"

"رشیدہ کو بلاؤ۔" آصف میز پر گھونسہ مارتا ہوا بولا۔

"تمہارے باپ کی نوکر نہیں ہے۔" انور آصف کو گھور کر بولا۔ "اُس سے اگر تم ذرہ برابر بھی بدتمیزی سے پیش آئے تو اچھا نہ ہوگا۔"

پہلے تو آصف کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا لیکن پھر آہستہ آہستہ اُس نے اپنی حالت پر قابو پالیا۔ وہ جانتا تھا کہ انور ضدی آدمی ہے اور پھر بلا کا ذہین، وہ اُسے دھمکیاں تو ضرور دیتا رہتا تھا لیکن یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اُسے کچھ دنوں کے لئے جیل بھجوا بھی دیا گیا تو اُس سے اُسے کوئی خاص نقصان نہ پہنچے گا لیکن اگر وہ شرارت پر آمادہ ہو گیا تو شہر کے درجنوں پولیس افسروں کی عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔

"تو تم نے رشیدہ سے شادی کر لی ہے؟" آصف جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"شادی تو میرے باپ کی بھی نہیں ہوئی تھی۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"تم جیسا حرام زادہ بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔" آصف بے ساختہ ہنس کر بولا۔

"محض خالی خولی رعب جمانے اور گالیاں دینے سے دوستانہ بے تکلفی پیدا نہیں ہوا کرتی۔ میرے تیس مار خاں۔" انور نے آصف کو گھورتے ہوئے کہا۔

"طنز کرنا اور باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔" آصف کہنے لگا۔ "تم تو اچھے خاصے ایکٹر بن گئے ہو۔"

"اور اگر زندگی بھر تم جیسے مہربان دوستوں کے ساتھ ہی زندگی گزارنا پڑی تو بہت جلد کیریکٹر ایکٹر بھی بن جاؤں گا۔" انور اپنی آنکھوں کو سکیڑتے ہوئے بولا۔ "تم نے آج تک کوئی کام کی بات بھی....!"

"لیکن آج میں کام کی بات ہی بتانے آیا ہوں تمہیں۔" آصف انور کا جملہ کاٹتے ہوئے کہنے

لگا۔ "مگر تم اپنے متعلق ضرورت سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہو۔"

"کیا مطلب....؟" انور یکایک سنجیدہ ہو گیا۔

"مطلب صاف ہے کہ تمہاری پوزیشن اس وقت مشکوک ہو چکی ہے اور تمہارے ما متعلق معلومات حاصل کی جا رہی ہیں کہ تمہاری چرب زبانی اور لاف زنی دھری کی دھ جائے گی۔ ساجدہ سے تمہاری وابستگی اور دل چسپی بہر حال اس شبہہ کو اور مضبوط بنا سکتی خیال ہے تمہارا۔" یہ کہہ کر آصف فاتحانہ اور بزرگانہ انداز میں انور کو گھورنے لگا۔

لیکن انور کی فطری شوخی اُس کی آنکھوں میں پھر عود کر آئی اور وہ اپنے مخصوص اند کہنے لگا۔ واہ واہ کیا دور کی کوڑی لائے ہو۔ میرا خیال پوچھتے ہو تو شاید یہ معلوم کر کے بھی ت کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ مجھے ساجدہ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ ایک مغرور عورت ہے۔ ا مجھ سے بہت زیادہ بے تکلف ہے۔ لیکن ایک دوست سے زیادہ اُس کی ذات سے خاصی دلچسپی چاہئے۔ کیونکہ تمہارے خیال کے مطابق اُس سے، میری دلچسپی اور معلومات کے لئے دولت کے اس قدر چکر لگائے.... ہے نا.... مجھے صرف زبیدہ نامی اُس عورت سے ہمدردی ارشاد کے بعد رضوان نامی ایک پُر اسرار آدمی کے اشاروں پر کھیل رہی ہے۔ کہو کیا یہ سب ا مجھے ارشاد کے قتل کے سلسلہ میں مشکوک بنانے کے، لئے کچھ کم ہیں۔ مگر تم کیا سمجھو گے سب باتوں کو....!"

آصف تقریباً مبہوت سا ہو کر انور کی یہ باتیں سنتا رہا۔ پھر جیسے کسی خیال سے چونکتے ہو ایک دم بول اٹھا۔ "نہیں یہ سب غلط ہے ایک دم غلط.... عین ممکن ہے کہ رشیدہ بھی اُس اسرار سازش کا ایک مہرہ ہو۔ شاہد نے آج صبح ٹیلی فون پر مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"ٹیلی فون پر.... آج صبح؟" انور حیرت زدہ ہوتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا اور پھر کچھ سو بولا۔ "کتنے بجے ٹیلی فون کیا تھا اُس نے؟"

"دس بجے۔"

یہ سن کر انور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر چند سیکنڈ کے بعد چونکتے ہوئے بولا۔

"تعجب ہے کہ اُس نے کل رات ہی کو تمہیں اپنے شبہے سے کیوں نہیں مطلع کیا۔ وہ آٹھ بجے تک کیا سوچتا رہا۔"

"واقعی یہ چیز قابل غور ہے۔" آصف نے کہا۔ "اچھا میں اُس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"

"شاید اب تم اُس کی گرد کو بھی نہ پا سکو۔"

"کیوں؟"

"اگر ایسا ہوتا تو وہ فون کرنے کے بجائے خود تم سے ملتا۔" انور نے کہا۔

"ارے چھوڑو بھی ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اُس کے باپ تک کو قبر سے نکال لاؤں گا۔" آصف نے فخریہ انداز میں کہا۔

"کفن گھسوٹی کے علاوہ اور تم لوگوں کو آتا ہی کیا ہے۔" انور نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"خیر... خیر... میں تم سے پھر ملوں گا۔" آصف نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"سو روپوں کا اور انتظام کر کے آنا۔" انور نے کہا۔

آصف جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد رشیدہ اٹھ کر انور کے پاس آئی۔

"کیا پوچھ رہا تھا؟" رشیدہ نے کہا۔

"کہہ رہا تھا کہ تم رشیدہ سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"پھر تم نے کیا کہا....؟" رشیدہ نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کہا فی الحال مالی مشکلات میں مبتلا ہوں۔ شادی کا انتظام کہاں سے کروں گا۔ اس پر وہ سو روپے مجھے دے گیا ہے۔ لو انہیں اپنے پاس رکھو۔" انور نے کہا اور نوٹ رشیدہ کو دے دیئے۔

"ٹھیک بتاؤ.... یہ روپے تمہارے پاس کہاں سے آئے؟"

"چور کی گرہ کاٹ لی۔" انور مسکرایا۔

"یعنی....؟"

"آخر اُس کی حرام کی کمائی میں میرا بھی تو حصہ لگنا چاہئے۔"

"اوہ....!" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "کہیں یہ لوگ تمہیں قتل نہ کرا دیں۔"

"تمہیں اس سے کیا؟" انور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا میں اب جا رہا ہوں۔ واپسی پر میرے لئے سگریٹ کا ڈبہ اور دو ایک کتابیں خرید لینا۔"

"کہاں جا رہے ہو۔ میں بھی چلوں گی۔"

"ذرا تتلا کر کہا ہوتا۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ "گودی میں چلو گی یا انگلی پکڑ کر پاؤں

پاؤں؟"

رشیدہ جھینپ گئی اور انور اُسے گھورتا ہوا باہر چلا گیا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا شاہد کے دفتر کی طرف جا رہا تھا۔

آفس میں پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ وہ کل بارہ بجے کے بعد سے آفس نہیں آیا۔ انور اُس کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور وہاں پہنچا۔ گھر میں اُس کی بیوی اور بوڑھی ماں موجود تھیں۔ انہ نے بتایا کہ شاہد کل آفس گیا تھا لیکن اس کے بعد سے گھر نہیں آیا۔

"اور آپ لوگوں کو اس سے پریشانی نہیں ہوئی؟" انور نے اُس کی بیوی سے پوچھا۔

"غالباً وہ کسی کاروباری ضرورت سے شہر سے باہر چلے گئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اطلاع چلے گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں کوئی خاص پریشانی نہیں ہے۔"

وہاں سے واپسی پر انور اس واقعے کے متعلق ایک بالکل ہی نئے زاویے سے سوچ رہا تھا۔

کچھ نئی باتیں

سات بج گئے تھے انور جلدی سے گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے بہت کچھ سوچنا تھا۔ بالکل ہی اُ راستے پر۔ شاہد کے عجیب وغریب رویے نے اُس کے ذہن کو بُری طرح الجھا دیا تھا۔ آخر وہ غا کیوں ہو گیا۔ دو بجے رات کو اُس کے گھر آکر رشیدہ کو دھمکیاں دینے کا کیا مطلب تھا۔ اُس انسپکٹر آصف سے فون پر کیوں گفتگو کی۔ بذات خود کیوں نہیں ملا۔ انور انہیں خیالات میں ڈوبا بازار سے گزر رہا تھا کہ اُسے رشیدہ ایک بک سٹال سے کتابیں خریدتی ہوئی دکھائی دی۔ انور بُ سٹال کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ ابھی وہ دروازے ہی میں تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت ہاتھ م کچھ کتابیں دبائے ہوئے اندر سے نکل کر فٹ پاتھ پر اتر گئی۔ انور پلٹ پڑا۔ اُس کی نظریں اُ عورت کے پیروں پر تھیں۔ وہ اُس کے سینڈل دیکھ کر چونک پڑا۔ اندر سے رشیدہ نے اُسے آوا دی لیکن وہ اُس کی پرواہ کئے بغیر زینوں سے اتر کر برقعہ پوش عورت کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آ رہی تھی۔ اُس نے دو ایک بار پلٹ کر انور کی طرف دیکھا اور تیز تیز قد اٹھاتی ہوئی ایک طرف چلنے لگی۔ انور اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُس نے پھر پلٹ کر دیکھا اور انور اُ

نمبر۹

بھی اپنے پیچھے دیکھ کر رفتار تیز کر دی اور پھر اچانک وہ سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک کا دروازہ کھول کر قریب قریب اُس کے اندر گر ہی پڑی۔ اُس نے کچھ کہا.... انجن میں ہلکی آواز پیدا ہوئی اور ٹیکسی چل پڑی۔ اُس سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیکسی اور کھڑی ہوئی تھی۔ انور شا اُس کی طرف بڑھا۔

"اُس ٹیکسی کے پیچھے چلو۔" انور ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازہ بند کرنے ہی جا رہا تھا کہ دہ بھی دھنس پڑی۔

"کیا ہے.... کیا ہے؟" انور جھلا کر بولا۔

"کچھ نہیں....!" رشیدہ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرتی ہوئی پراطمینان لہجے میں بولی۔

ی چل پڑی۔

انور بیزاری سے سامنے دیکھتا رہا۔ اُس کے ہونٹ کے گوشے ٹھوڑی کی طرف جھک گئے ر رشیدہ ایسے بے نیاز انداز میں بیٹھی تھی جیسے انور سے اُس کی جان پہچان ہی نہ ہو۔

"آخر تم بعض اوقات اتنی احمق کیوں ہو جاتی ہو؟" انور نے کہا۔

"اُس ٹیکسی میں کون ہے؟" رشیدہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"میری نانی۔"

"تو وہ میری کون ہوئی؟" رشیدہ نے بھولے پن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ انور اُسے تیز روں سے گھور کر رہ گیا۔

"اب تم لڑکیوں کے پیچھے دوڑنے لگے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔ "اور کیوں نہ ہو، وہ تھی بھی خوب صورت۔"

"اچھا....!" انور زہریلے انداز میں بولا۔ "اسی لئے تم میرے پیچھے لگ گئی ہو۔ تم نے ایک بڈھے اور بیوی کو مات کر دیا۔ دیکھو ہم دونوں صرف دوست ہیں اور بس....!"

"تم کمینے ہو۔" رشیدہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر بولی۔

انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی نگاہیں بدستور سامنے والی ٹیکسی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ٹیکسی کارپول ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ برقعہ پوش لڑکی اتر کر اندر چلی گئی۔ انور نے بھی ٹیکسی رکوائی اور چھپتا ہوا اُس کے تعاقب میں آگے بڑھا۔ رشیدہ اُس کے پیچھے تھی۔ لڑکی کوریڈور ہی

میں تھی کہ انور نے اُسے جالیا۔

"زبیدہ۔" وہ آہستہ سے بولا۔ لڑکی سہم کر رک گئی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا اور چہرے
نقاب الٹ دی۔

"کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"اپنے کمرے میں چلو۔" انور تحکمانہ لہجے میں بولا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور کیل سے کنجی اُتار کر دروازہ کھولا اُس کے پیچھے انور اور بھی کمرے میں داخل ہوئے۔ لڑکی نے سوئچ آن کر کے دروازہ بند کر دیا اور خوفزدہ نظرو اُن کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہاں تمہیں اس ہوٹل میں رضوان نے منتقل کیا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں.... میں خود چلی آئی ہوں۔"

"کیوں....؟"

"نہیں بتاؤں گی۔ تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟"

"بے وقوف لڑکی.... ابھی پولیس تم سے واقف نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے ہی یہ معاملہ ختم ہو جائے، مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"مجھے ہمدردی سے نفرت ہو گئی ہے۔" زبیدہ جھلا کر بولی۔

"ضد اچھی نہیں ہوتی۔" انور نے کہا۔ "رضوان کو تار جام کی پولیس نے حراست میں لیا ہے۔"

"لے لیا ہوگا۔ مجھے کسی بات سے دلچسپی نہیں رہ گئی۔"

"شاہد کو جانتی ہو؟" انور نے پوچھا۔

"شاہد کو.... کون شاہد....؟ اوہ کل....!" وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ دفعتاً کسی دروازے کو دھکا دیا اور ایک کاغذ کا پرزہ دروازے سے اندر آگرا۔ انور نے جھپٹ کر کاغذ اٹھا جس پر لکھا تھا۔

"خبردار ایک لفظ بھی منہ سے نکلنے نہ پائے۔"

وہ جلدی میں اس ٹکڑے کو وہیں پھینک کر باہر نکل گیا۔ کوریڈور سنسان پڑا تھا۔ وہ تیزی

کافی دیر تک چھان بین کرتا رہا مگر کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آخر تھک ہار کر وہ پھر زبیدہ کے لوٹ آیا۔ یہاں زبیدہ ایک کرسی پر آنکھیں پھاڑے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ تحیر آمیز نظروں سے گھور رہی تھی۔

"کون تھا....؟" انور نے تند لہجے میں پوچھا۔ زبیدہ چونک کر اُسے خوفزدہ نظروں سے لگی۔

"میں نہیں جانتی۔" اُس نے تیز سرگوشی میں کہا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ خواب میں بول رہی ہو۔

"خیر.... خیر.... اگر تم نہیں بتانا چاہتیں تو میں نہیں پوچھوں گا۔" انور نے کہا۔

"لیکن کم از کم یہ تو بتا ہی دو کہ تم یہاں کیوں چلی آئیں؟"

"میں پھر بتاؤں گی.... اس وقت میرا دماغ ٹھیک نہیں۔"

"اور تم یہاں خطرے میں بھی ہو۔" انور نے کہا۔

"کیوں؟" زبیدہ چونک کر بولی۔

"یہ تم مجھ سے بہتر سمجھ سکتی ہو۔" انور نے کہا۔ زبیدہ بے بسی سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تمہارا یہاں سے ہٹ جانا بہتر ہے۔ چلو میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں۔" انور نے کہا۔

"چلو....!" زبیدہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "لیکن میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں گی چاہے میری کھال ....چاہے پھانسی پر چڑھا دو۔"

"میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ نہ جانے کیوں اُس کی آنکھوں میں اُمڈے آ رہے تھے۔

رشیدہ نے اُسے تحیر آمیز انداز میں دیکھا۔ انور منہ پھیر کر اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے نکلے اور ایک ٹیکسی کر کے ایک طرف روانہ ہو گئے۔

انور نے اُس کا انتظام ایک چھوٹے سے غیر معروف ہوٹل میں کر دیا اور گھر لوٹ آیا۔ رشیدہ دوران میں کچھ بولی نہیں۔ انور کا ذہن خیالات میں الجھا ہوا تھا۔

"آج خلاف توقع تم بہت زیادہ انسان نظر آ رہے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔

انور صرف اُس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"سچ بتاؤ کیا تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں چھلک آئے تھے؟" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"تو پھر.... مجھے اُس سے ہمدردی ہے، پہلے وہ اپنے ظالم چچا کے ہاتھوں پریشان رہی اُسے دو آوارہ آدمی نکال لائے اور اب وہ ایک قاتل اور سازشی کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر ہے۔ انسان کتنا مجبور ہے۔ ایک عظیم تاریکی میں رینگتا ہوا یہ حقیر کیڑا کس طرح دوسروں ہے اور دوسرے اس کے پابند ہیں۔ نہ جانے کب یہ بے بسی ختم ہوگی اور یہ تاریکی دور ہوگی

"واقعی تم اس وقت فلسفیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"آخر تمہیں ساجدہ سے کیوں ہمدردی نہیں۔ وہ بے چاری بھی تو بیوہ ہوگئی؟"

"اُسکے پاس اتنے قیمتی زیورات ہیں کہ وہ زندگی بھر کسی کی محتاج نہیں ہوسکتی۔" انور نے

"اونہہ ہوگا۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ "مگر تم میرے لئے ہمیشہ وحشی اور درندے بنے رہو گے

"تم بھی آزاد ہو۔ کسی کی پابند نہیں۔ تمہاری قسمت کسی دوسرے سے وابستہ نہیں۔

انور نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"بڑی غلطی ہوئی۔" وہ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"کیا ہوا....؟"

"میں وہ کاغذ کا پرزہ وہیں چھوڑ آیا۔"

"بڑے عقل مند بنے تھے۔" رشیدہ قہقہہ لگا کر بولی۔

انور اُسے غصہ بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

"لو ملیے.... گڈے میاں.... لوتے نہیں۔" رشیدہ منہ بنا کر تتلاتی ہوئی بولی اور جیب کاغذ کا ٹکڑا نکال کر انور کے سر پر رکھ دیا۔

انور نے اُسے جیب میں رکھ لیا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"اُف فوہ.... نو بج گئے اور ہم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"میری خوشی۔"

"تمہیں کھانا پڑے گا۔"

"ہاہا.... جاؤ یہاں سے، مجھے سوچنے دو۔"

"نہیں سوچنے دوں گی۔" رشیدہ نے کہا اور اُس کی ٹائی پکڑ کر اُسے اٹھا دیا۔

"دیکھو میں نے تمہیں کئی بار سمجھایا۔" انور چڑھ کر بولا۔

"ایک بار اور سمجھا دو۔"

انور نے رشیدہ کے گھونگریالے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر دو تین جھٹکے لگا دیئے۔ رشیدہ کی ہلکی چیخیں نکل گئیں۔ وہ بسور بسور کر انور کو گھورتی رہی اور انور میز پر سر اوندھا کر کے بیٹھ گیا۔

"میں کھانا کھانے جا رہی ہوں۔ اس کے بعد فلم دیکھنے جاؤں گی۔ سنا تم نے.... کمینے.... ی.... درندے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

انور نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُس کاغذ کے پرزے کو میز پر ے گھورتا رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ انور نے کر دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر آصف اندر داخل ہوا۔ وہ آتے ہی نہایت بے تکلفی سے آرام سی میں گر گیا۔

"بھئی چائے پلواؤ۔" آصف اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے بولا۔

"اچھا.... کیا یہ کوئی ہوٹل ہے.... یا....!"

"تمہاری گلہری کہاں گئی.... کیا وہ اس وقت اتنا بھی نہ کر سکے گی؟"

"تو کیا تم اسی طرح اپنے سو روپے وصول کرو گے؟" انور نے کہا۔ "اچھا کل سے کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھانا۔"

"یار تم ہمیشہ اوٹ پٹانگ ہانکتے رہتے ہو۔"

"اچھا اب تمہاری شان میں قصیدے پڑھا کروں گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔" آصف جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"یہ حقیقت ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "رشیدہ تو جھگڑ کر فلم دیکھنے چلی گئی ہے اور روپے اُسی کے پاس ہیں۔"

"تو پھر اب تم کیا کرو گے؟"

"پاؤ بھر شکر پھانک کر ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی لونگا۔ اس سے رات کو خاصی اچھی نیند آتی ہے۔"

"چہ چہ.....!" آصف متاسفانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "تم نے اپنی زندگی برباد کر دی اکثر افسوس کرتا ہوں۔ اتنا ذہین اور قابل آدمی ایسی واہیات زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"شکریہ.... شکریہ۔ ایسی باتیں کسی دسویں درجہ کے طالب علم کے لئے اٹھا رکھو۔"

"اچھا اچھا اٹھو چلو.... میں نے بھی ابھی کھانا نہیں کھایا۔" آصف نے اٹھنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں شکریہ۔" انور نے بے رخی سے کہا۔ "تم جس کام کے لئے آئے ہو کہہ چلو۔"

"میں ایک دلچسپ خبر لایا ہوں۔"

"وہ یقیناً غیر دلچسپ ہوگی۔"

"خیر ہوگا۔" آصف جلدی سے بولا۔ "اُس ہیرے کی کان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے"

"فراڈ.... چار سو بیس....!" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"آج میں نے یہیں تین ایسے آدمیوں کا پتہ لگایا جو اُس کان میں اپنا روپیہ لگائے ہوئے اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ارشاد انہیں کچھ تھوڑا بہت منافع بھی دے چکا تھا یہ بات تو جانتے ہی ہو کہ جو تھوڑے بہت ذرات اس کان سے نکلے تھے اُن کی قیمت ہی کیا ہو سکتی ہے پھر یہ منافع کہاں سے آئے گا۔ اور پھر سیٹھ اطہر کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ اُس کان کے صرف تین حصے دار تھے۔ ارشاد، دھارا سنگھ اور وہ خود۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ارشاد اُن سب کا روپیہ ہضم کرتا رہا۔"

"میرے لئے یہ اطلاع بہت پرانی ہو چکی ہے۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"خیر خیر....!" آصف جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "دوسری اطلاع پر تم یقیناً اچھل پڑو گے۔"

"اچھلنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ خیر بیان کرو۔"

آصف نے جیب سے ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ نکال کر انور کی طرف بڑھایا۔ انور اُسے لے کر پڑھنے لگا۔

"پیارے ارشاد!

اب عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے تمہاری ضرورت پر تمہیں بیس ہزار روپے دیئے تھے۔ میں نے شاہد کو ابھی تک اسی دھوکے میں رکھا کہ روپے میرے پاس محفوظ ہیں۔ مگر

اب شدت سے تقاضا کر رہا ہے جس طرح ممکن ہو روپے مہیا کرو۔ اُسے شاید ہمارے تعلقات کا شبہ ہو گیا ہے۔ بدھ کے دن وہ کہیں باہر جا رہا ہے۔ میں تمہیں اُس دن تار جام میں ملوں گی روپے مہیا کر کے وہاں موجود رہنا اور کیا لکھوں۔ کل میرے ماتھے پر سخت چوٹ آ گئی ہے، بہت تکلیف ہے، اچھا تو اب تار جام میں ملاقات ہوگی۔"

نیچے کسی کے دستخط نہیں تھے۔ انور خط ختم کرنے کے بعد آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا سمجھے؟" آصف مسکرا کر بولا۔

"تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ خط شاہد کی بیوی کا ہے؟" انور نے کہا۔

"قطعی میں نے اُس کے ماتھے پر آج پٹی بندھی ہوئی دیکھی ہے۔" آصف نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن تمہیں یہ خط ملا کہاں سے؟"

"ارشاد کے گھر میں۔ آج صبح میں نے اُس کے گھر کی تلاشی لی تھی۔"

"بڑا احمق تھا کہ ایسے خط کو جس سے اُس کے اور شاہد کی بیوی کے جنسی تعلقات ثابت ہوتے ہیں اپنی بیوی کو نظر پڑنے کے لئے گھر میں ڈال گیا۔"

"اتفاقات ہیں۔"

"اس کاغذ پر کسی قسم کے نشانات بھی ملے؟" انور نے پوچھا۔

"اگر نہ ملتے تو میں اس خط کو اہمیت ہی کیوں دیتا۔ یہ دیکھو ایک تو یہ نشان کتنا واضح ہے شاید انگلی میں تیل یا کوئی دوسری چکنی چیز لگی ہوئی تھی۔ یہ نشان شاہد کی بیوی کی انگلی کا ہے۔"

"اس کے علاوہ کوئی اور نشان؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں اور کوئی نشان نہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ یہ خط ارشاد کے ہاتھ ہی نہیں لگا ورنہ اُس کی انگلیوں کے نشانات اِس پر ضرور ہوتے اور یہ کاغذ اس قسم کا ہے کہ اس پر ہلکی سی گرفت بھی خاصے اچھے نشانات چھوڑ سکتی ہے۔ اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھ نہیں لگا تو اس کا یہ مطلب کہ وہ اُس کے گھر ہی کے پتہ پر آیا جو قطعی ناممکن ہے۔ ایک ایسا خط جس میں اس قسم کے تعلقات کا اعتراف ہو، اتنی لاپروائی سے نہیں بھیجا جا سکتا۔ اچھا ایک دوسری بات.... اور اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھوں تک نہیں پہنچا تو وہ پروگرام کے مطابق تار جام کیسے پہنچ گیا۔ اور دھارا سنگھ وغیرہ سے بیس ہزار کا تقاضا کیا۔"

"یار تم ہمیشہ معاملے کو الجھا دیتے ہو۔" آصف منہ سکوڑ کر بولا۔

"تم معاملہ ہی ایسا لاتے ہو جو خواہ مخواہ الجھ جاتا ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "غالباً تم نے رائے قائم کی ہے کہ ارشاد اور شاہد کی بیوی کے جنسی تعلقات تھے، ارشاد نے اُس سے کچھ روپے قرض لئے جو اُس نے اپنے شوہر سے چھپا کر ارشاد کو دیئے تھے۔ اس دوران میں شاہد کو کے تعلقات کا علم ہو گیا اور دھارا سنگھ کو اس بناء پر قتل کیا گیا کہ اُسے خودکشی میں شبہہ ہی نہیں بلکہ اُس نے کچھ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا تھا۔"

"قطعی....!" آصف خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ "میں نے یہی رائے قائم کی ہے۔"

"تو اب تم اس خیال کو دل سے نکال دو۔ ورنہ بچوں کی تفریح کے لئے کسی عجائب خانے رکھ دیئے جاؤ گے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"لیکن یہ خط....؟" آصف جھنجھلا کر بولا۔

"کوئی ان بے چاروں کو خواہ مخواہ پھنسانا چاہتا ہے۔" انور نے کہا۔ "ایک سادے کاغذ پر اتفاق سے میری انگلیوں کے نشانات پڑ جائیں تو تم اسے حاصل کر کے میری طرف سے ایران کے وزیر اعظم رزم آرا کے قتل کا اقرار نامہ ٹائپ کر ڈالو تو کیا میں محض اس بناء پر رزم آرا کا قاتل قرار دیا جاؤں گا کہ اس کاغذ پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ عقل کے ناخن لو میاں انسپکٹر مگر اللہ نے تمہیں ناخن دیئے ہی نہیں۔"

آصف جھینپ کر اپنی گنجی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"اونہہ ہو گا....!" آصف اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں شاہد کی بیوی کا وارنٹ گرفتاری نکلوا رہا ہوں۔"

"شوق سے، لیکن تمہیں صرف مایوسی ہو گی۔"

"تو پھر شاہد غائب کیوں ہو گیا؟" آصف نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ کسی کام کے لئے باہر چلا گیا ہو۔ وہ اکثر اسی طرح گھر میں اطلاع دیئے بغیر باہر چلا جاتا ہے۔"

"یہ بات کسی طرح حلق سے نہیں اترتی۔" آصف بولا۔

"تو ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر آرام سے سو رہو۔"

آصف خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر بیزاری کے آثار پھیل گئے تھے۔ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ آج انور اُس کی عظمت کا ضرور قائل ہو جائے گا۔ مگر اُس نے تو بساط ہی الٹ دی۔

"تارجام کی کوئی نئی اطلاع؟" انور نے پوچھا۔

"رضوان اب واپس آ گیا ہے، وہاں کی پولیس اُس سے مطمئن ہو گئی ہے، اب سیٹھ طہر راست میں ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ تمہاری طرف بھی حملہ ہو، وہاں پولیس نے تمہارے اور ماجدہ کے گذشتہ تعلقات کے متعلق معلومات فراہم کر لی ہیں۔"

"جس دن ایسا ہوا اُسی دن تارجام کے کوتوالی انچارج صاحب سر کے بل کھڑے مرغے کی بولی بول رہے ہوں گے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں آں....!"

"اور اُس عورت کا کیا ہوا؟ جس کے متعلق وہاں کی پولیس رضوان سے معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی؟" انور نے پوچھا۔

"اس پر کچھ زیادہ زور نہیں دیا گیا اور یہ چیز کچھ ایسی بھی نہیں معلوم ہوتی۔" آصف نے کہا۔

"رضوان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟" انور نے پوچھا۔

"پہلے ضرور مشتبہ تھا مگر اب اس خط کی موجودگی میں" آصف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اس خط کی موجودگی میں تم شاہد اور اُس کی بیوی کو پھانسی پر چڑھوا دو گے؟" انور بیزاری سے بولا۔

"آخر تم شاہد کے حق میں کیوں بول رہے ہو۔ جب کہ اُس نے تمہیں پھنسوانے کی کوشش کی تھی؟" آصف نے کہا۔

"میں اُس کے حق میں نہیں بول رہا ہوں۔ بلکہ اُس معاملے پر ہر پہلو سے غور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"تم اس کیس مین دلچسپی لے رہے ہو؟" آصف نے کہا۔

"یقیناً....!"

"کیوں....؟"

"یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے۔ میرا پیشہ یہی ہے۔ میں یہاں کے جرائم میں دلچسپی نہ لوں

گا تو کیا اس کے لئے مہاتما بدھ دوبارہ پیدا ہوں گے؟"

"تم انتہائی عیار آدمی ہو۔ میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں۔"

"کیوں....؟" انور نے کہا۔

"تمہارے اور ساجدہ کے گذشتہ تعلقات....!" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور گز
کیوں؟ ممکن ہے اب بھی قائم ہوں؟"

"بہت ممکن ہے۔" انور اُسکی آنکھوں میں دیکھ کر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تمہاری تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔" آصف نے کہا۔

"یقیناً مشکل ہے۔" انور نے کہا۔ "مگر تم تہہ تک پہنچنے کی کوشش سے باز نہیں آتے۔ جب بھی یہاں کوئی خاص قسم کا کیس ہو جاتا ہے تم میری تہہ تک پہنچنے میں مشغول ہو جاتے ہو اور میں اس جرم کی تہہ تک پہنچ کر کوڑیاں اور گھونگھے بٹور لاتا ہوں۔ کوڑیاں خود رکھ لیتا ہوں اور گھونگھے تم سمیٹ لے جاتے ہو۔ آخر ہو نہ گھونگھے۔"

"کہہ لو برخوردار....!" آصف بزرگانہ انداز میں بولا۔ "تم یہ بھی نہیں دیکھتے کہ میں ع
میں تم سے کتنا بڑا ہوں۔"

انور بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں رشیدہ آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں ناشتہ دان تھا

"تمہارا کھانا۔" اُس نے ناشتہ دان میز پر رکھتے ہوئے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

"تم کہہ رہے تھے کہ فلم دیکھنے گئی ہے؟" آصف بولا۔

"نہ گئی ہوگی۔" انور لاپروائی سے بولا۔

آصف نے اٹھ کر ناشتہ دان کے ڈبے نکالے اور انہیں میز پر پھیلاتا ہوا بولا۔ "آؤ بھئی۔"

"خیر وہ سو روپے حلال کئے بغیر میں خود نہ کھاؤں گا۔" انور نے اپنی کرسی میز کے قریب کھسکاتے ہوئے کہا۔

دونوں کھانے میں مشغول ہو گئے۔

"تم آخر اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" آصف نے کہا۔

انور منہ چلاتے چلاتے رک کر اُسے گھورنے لگا۔ آصف سر جھکائے بولتا رہا۔ "دنیا اس

کے معاملات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتی ہے اور یہ ہے بھی بُری بات، لاکھ تم اسے بہن سمجھتے ہو مگر دنیا....!"

"میں اُسے قطعی بہن نہیں سمجھتا۔" انور بگڑ کر بولا۔ "تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اگر وہ رشیدہ کے بجائے رشید ہوتی تو کیا میں اُسے بھائی سمجھتا؟ دنیا؟ دنیا.... کیا رٹ رہے ہو۔ میں بھی اس دنیا کا ایک فرد ہوں اور میں نے کبھی خود کو مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ کھانا کھاؤ کھانا۔ یہ مسائل تصوف نہیں ہیں کہ تم آسانی سے سمجھ لو۔"

"خیر بھئی تمہاری مرضی۔ سمجھانا میرا فرض ہے۔" آصف نے اپنے حلق میں پھنسے ہوئے والے کو پانی سے دھکیلتے ہوئے کہا۔

رضوان کی دھمکی

آصف کے چلے جانے کے بعد انور دروازہ بند کرنے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ رشیدہ پھر گھس آئی۔

"یہ لو اپنے روپے۔" اُس نے کئی نوٹ انور کے منہ پر پھینک مارے اور جانے کے لئے مڑی۔ انور نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔

"کیا بگڑ گئیں؟" اُس نے انتہائی رومانٹک انداز میں پوچھا۔

"چھوڑو....!" وہ بیزاری سے بولی۔ "میں نہیں بات کرتی وحشیوں سے۔"

"تو تم نے یہ روپے کیوں واپس کر دیئے؟"

"میری خوشی.... میں نہیں رکھنا چاہتی۔"

"تو اب مزاج سیدھے نہیں ہوں گے؟" انور تیز لہجے میں بولا۔

"نہیں....!" وہ اُس سے سخت لہجے میں بولی۔

"تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ مجھے تم سے عشق ہے؟" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "میں ساری رات تڑپ تڑپ کر گزار دوں گا؟"

"نہیں میں یہ سمجھتی ہوں کہ تم خود غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم پر کئی ہزار

جان سے عاشق ہوں۔ ذرا اپنی صورت تو دیکھو۔" رشیدہ نے کہا اور ہاتھ چھڑا کر باہر چلی گئ

انور نے اس انداز سے دروازہ بند کر لیا جیسے وہ اُس کی تعریف کر کے گئی ہے۔ اُس کا چہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ وہ پھر میز کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ جیب سے وہی کاغ پرزہ نکالا اور اُس پر نظریں جما دیں۔ میز کی دراز کھول کر اُس میں کچھ کاغذات اور نکالے۔ ابھی انہیں میز پر رکھ بھی نہ پایا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ہے؟" انور جھنجھلا کر چیخا۔

"رضوان....!" باہر سے آواز آئی۔ انور نے گھڑی دیکھی گیارہ بج رہے تھے۔ اُس کاغذات پھر میز کی دراز میں رکھ دیئے اور اٹھ کر دروازہ کھولتے ہوئے کچھ بڑبڑایا۔

رضوان کے ساتھ ساجدہ بھی تھی۔ انور ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ دونوں کمرے میں آ انور انہیں استفہامیہ نظروں سے گھور رہا تھا۔

"تم نے مجھے اُس لڑکی کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا....؟" ساجدہ نے انور سے پوچھ

"کیوں بتاتا۔" انور بولا۔

ساجدہ خاموش ہو گئی۔ وہ تنفر آمیز انداز میں منہ بنائے کھڑی تھی۔ رضوان ایک کر بیٹھ گیا اور اُس نے ساجدہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وقت کسی قسم کے تکلفات کے لئے تیار نہیں۔

"میں زبیدہ کا پتہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔" رضوان انور کو گھورتا ہوا بولا۔

"اچھا جی۔" انور شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

"زبیدہ کہاں ہے؟" رضوان نے پھر پوچھا۔

"اس کوٹ کی جیب میں۔" انور نے کھونٹی پر لٹکے ہوئے کوٹ کی طرف اشارہ کر کے کہ

"اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔" رضوان گرج کر بولا۔

"آہستہ بولو۔ پڑوس کے لوگوں کی نیند میں خلل پڑ جائے گا۔" انور نے کہا اور س سلگانے لگا۔

"میں دوسرا طریقہ بھی استعمال کر سکتا ہوں۔" رضوان سخت لہجے میں بولا۔

"تیسرا چوتھا اور پانچواں بھی استعمال کر سکتے ہو۔" انور نے لاپرواہی سے کہا اور دھو

ہلکے ہلکے دائرے منہ سے نکالنے لگا۔

"تم آخر بتا کیوں نہیں دیتے؟" ساجدہ بولی۔

"کیوں؟ تمہیں اُس سے کیا دلچسپی....!"

"ارشاد کے کچھ کاروباری کاغذات اُس کے پاس ہیں۔" ساجدہ بولی۔

"خیر میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔" انور نے کہا۔ "میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔"

"کیوں....؟" رضوان نے چونک کر کہا۔

"اس لئے کہ میں تم پر اغوا کا مقدمہ چلوانا چاہتا ہوں۔" انور پر سکون لہجے میں بولا۔

"بے کار مت بکو۔" رضوان بیزاری سے بولا۔

"اور مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم اُسے ارشاد کے سر کیوں منڈھنا چاہتے تھے جب کہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اُس سے شادی نہیں کرے گا اور دوسری چیز یہ کہ جو بات تم نے پولیس سے چھپائی تھی ساجدہ پر کیوں ظاہر کر دی اور سب سے زیادہ اہم بات تو یہ ہے کہ ساجدہ کے اور تمہارے تعلقات اس کے بعد بھی خوشگوار نظر آ رہے ہیں حالانکہ ساجدہ کو تم سے اس بناء پر متنفر ہونا چاہئے کہ تم اس کے شوہر کو ایک عورت کے پھندے میں پھنسائے ہوئے تھے۔"

"یہ ہمارے نجی معاملات ہیں۔ تمہیں اس سے کیا غرض۔" ساجدہ بگڑ کر بولی۔

"میں بھی تو کبھی تمہارے نجی معاملات میں دخیل رہ چکا ہوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

ساجدہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی اور رضوان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"دیکھو میں کہتا ہوں کہ اُس کا پتہ بتا دو۔" رضوان نے کہا۔

"تم اس سلسلے میں پولیس کی مدد لے سکتے ہو۔"

"تم آخر اتنے درندے کیوں ہو۔ تمہیں مجھ پر رحم کیوں نہیں آتا....؟" ساجدہ بولی۔

"اسے درندہ بنایا کس نے؟" دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ رشیدہ دروازے کے قریب کھڑی ہانپ رہی تھی۔

"چہ چہ....!" انور منہ بنا کر بولا۔ "تم جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں جاتی۔" رشیدہ گرج کر بولی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اہلیہ محترمہ۔ ۔ ؟" رضوان نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں....!" انور بیزاری سے بولا۔ "ہاں اور کیا بات ہے؟"

"اور کوئی بات نہیں۔"

"اچھا.... اچھا....!" انور جلدی سے بولا۔ وہ جب بھی ملے گی میں تمہیں مطلع کر دوں گا۔ اپنا پتہ لکھ دو۔ میں فلیٹ نمبر بھول گیا اور فون نمبر بھی لکھ دینا۔

انور نے اُس کی طرف کاغذ اور قلم بڑھا دیا۔ رضوان ہچکچایا اُسے حیرت تھی کہ یک بیک انور اتنا معصوم کیوں بن گیا۔

"مگر.... مگر....!" رضوان نے کچھ کہنا چاہا۔

"واقعی....! میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔" انور بولا۔

رضوان لکھنے لگا۔

"ٹھہرو....!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

رضوان رک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے اردو کو علاقائی زبان قرار دیئے جانے والے فارم پر دستخط کیے ہیں یا نہیں؟" انور سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں.... کیوں....؟"

"اور پھر بھی تمہیں انگریزی میں پتہ لکھتے ہوئے شرم نہیں آتی؟" انور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رضوان جھلا کر بولا اور کاغذ کے ٹکڑے اُسکی طرف ڈال دیئے۔

انور لاپروائی سے کوئی اثر لئے بغیر سگریٹ پیتا رہا۔

"آؤ چلیں....!" رضوان ساجدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ساجدہ کھڑی ہو گئی دونوں دروازے کی طرف بڑھے۔

"تمہارا دیوانہ پن یہی ہاتھ ٹھیک کریں گے۔" رضوان جاتے جاتے مڑ کر انور کو مکا دکھاتا ہوا بولا۔

"سردیوں میں دستانے استعمال کیا کرو۔ تمہارے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔" انور مسکرا کر بولا

اور داد طلب نگاہوں سے رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر رشیدہ اٹھ کر جانے لگی۔

"ٹھہرو۔" انور اپنی آواز کو بارعب بنانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ رشیدہ رک گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گئی۔

"تمہارا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟"

"تم سے مطلب....؟"

"اب سیدھی ہو جاؤ کھال ادھیڑ دوں گا۔"

"میرے بھی ہاتھ ہیں اور میں نے بھی ایک ہنٹر خریدا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔ "میں سچ کہتی ہوں کسی دن مارتے مارتے ادھ مرا کر دوں گی۔"

"شاباش شاباش" انور بچوں کی طرح تالیاں بجاتا ہوا بولا۔ "میں اس وقت تم میں ایک سچی عورت دیکھ رہا ہوں۔ بھلا بتاؤ مردود مجھ سے کہتے ہیں کہ میں تم سے شادی کر لوں۔ اگر تم میری بیوی ہوتیں تو دم دبا کر بیٹھ جاتیں اور میں نفرت کے مارے تمہیں ایک ٹھوکر رسید کر دیتا۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں جاتی۔" رشیدہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم اُس سے اردو میں پتہ کیوں لکھوا رہے تھے؟ یہ کیا حماقت تھی؟"

"حماقت....؟" انور چونک کر بولا۔ "کیا تمہیں وہ پرچہ یاد نہیں جو کسی نامعلوم آدمی نے زبیدہ کے کمرے میں پھینکا تھا....؟"

"اوہ.... تو تمہیں اس پر شبہ تھا اور تم تحریر ملانے کے لئے اُس سے اردو لکھوا رہے تھے؟"

"بہت دیر میں سمجھیں۔" انور نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر رشیدہ کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "زبیدہ سے کیا باتیں ہوئیں؟"

"کیا مطلب....؟" رشیدہ چونک کر بولی۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"عورت مرد سے زیادہ کھوجی طبیعت رکھتی ہے۔ تمہیں اُس سے ملے بغیر چین پڑ ہی نہیں سکتا تھا۔ تم کھانا کھانے کے بعد فلم دیکھنے کی بجائے وہاں چلی گئیں.... خیر.... لیکن تمہیں اس

وقت وہاں نہ جانا چاہئے تھا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ مجرم اُس کی تلاش میں ضرور ہوگا۔" انور نے کہا۔ "خیر چھوڑو، اُس سے کیا باتیں ہوئیں؟"

"تمہارے چلے آنے کے بعد اُس نے ارشاد کے متعلق چھان بین کی اور اُسے اصلیت کا علم ہو گیا تو دل شکستہ ہو کر سعید منزل سے ے پول ہوٹل میں منتقل ہو گئی اور پھر دوسرے دن اخبار میں ارشاد کے قتل کے متعلق پڑھا۔ ان سب حادثات نے اُسے تقریباً مخبوط الحواس کر دیا ہے۔"

"تم نے اُس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ پرچہ کس نے پھینکا تھا....؟"

"اُس نے کہا کہ وہ نہیں جانتی۔"

"رشو....!" اُس نے بڑے پیار سے رشیدہ کو مخاطب کیا۔

"کیا....؟" رشیدہ نیم باز آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگی۔

"تم بالکل گدھی ہو۔ اگر وہ اس طرز تحریر کو پہچانتی نہ ہوتی تو بدحواس کیوں ہو جاتی۔"

"میں بھی اتنا سمجھتی ہوں۔"

"تو پھر تم اُس کے کہنے میں کیوں آگئیں؟"

"وہ اسی پر اڑی رہی میں کیا کرتی۔"

"خیر.... اور کچھ؟" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"اور کچھ نہیں۔" رشیدہ جماہی لیتی ہوئی بولی۔ "یہ آصف اُس وقت کیوں آیا تھا؟"

"ایک بالکل نئی اطلاع لے کر، اپنی دانست میں اُس نے بڑا تیر مارا تھا۔" انور نے کہا اور سارے واقعات بتا دیئے۔

"ممکن ہے وہ خط شاہد کی بیوی ہی کا ہو۔" رشیدہ بولی۔

"بات کوئی جچتی نہیں۔ ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ جس کے نیچے دستخط بھی نہ ہوں محض انگلی کے نشان کی بناء پر اُس کا کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا خط محض رازداری ہی کے خیال سے بھیجا جا سکتا ہے۔ اچھا اگر رازداری کے خیال سے بھیجنے والے نے ہاتھ سے لکھنے کی بجائے اُسے ٹائپ کیا اور نیچے اپنے دستخط بھی نہیں کیے تو کیا وہ ایسا احمق ہو سکتا ہے کہ اسی خط میں ایک

غلطی کر جائے جو ایک ناسمجھ بچے کی نظر میں بھی اُسے راز نہ رہنے دے؟"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اُس خط میں کھلم کھلا شاہد کا تذکرہ تھا اور وہ بھی اس انداز سے کہ ایک ننھا سا بچہ بھی پڑھ کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ شاہد کی بیوی کا خط ہے۔"

"تو تم شاہد کو مجرم نہیں سمجھتے؟" رشیدہ نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ زبیدہ کے کمرے میں جس وقت وہ پرچہ گرا تھا شاہد ہی کا تذکرہ ہو رہا تھا اور وہ اس پر کچھ کہے بھی جا رہی تھی۔"

"تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے۔" انور بولا۔ "وہ چیز میرے ذہن میں ہے مگر میں محض اسی بناء پر کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا اس صورت میں شاید میں اُسی نتیجے پر پہنچتا۔ اگر درمیان میں شاہد کی بیوی والا خط نہ ٹپک پڑتا۔"

"تو پھر اب رضوان ہی رہ جاتا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"کیوں سیٹھ اطہر کیوں نہیں۔ اُسے بھی تو ارشاد کی ذات سے کافی نقصان پہنچا ہے یا اور دوسرے لوگ جن کا سرمایہ اُس ہیرے کی کان میں لگا ہوا تھا۔"

"رضوان کا نام میں ایک خاص مقصد کے تحت لے رہی ہوں۔" رشیدہ نے کہا۔ "ساجدہ خطرناک واقع ہوئی ہے۔ ممکن ہے رضوان سے تعلق ہو گیا ہو اور رضوان نے ارشاد کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے اُسے ایک عورت کے پھندے میں پھنسا کر خود ساجدہ کے ساتھ گلچھرے اڑانے کی راہ نکال لی ہو۔ پھر مستقل طور پر یہ کانٹا نکالنے کے لئے اُسے قتل ہی کر دیا ہو۔ اگر میرا خیال درست ہے تو ساجدہ بھی قتل کی سازش میں شریک معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے شہر کے ایک بہترین ماہر جرائم کی خدمات حاصل کیں۔ تاکہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ اُس کے شوہر کی دماغی حالت درست نہیں تھی۔ اس لئے اُس نے خودکشی کر لی لیکن بُرا ہوا اس ماہر جرائم کا کہ اُس نے اس خودکشی کو قتل ثابت کر دیا....!"

انور بڑے سکون سے رشیدہ کی گفتگو سن رہا تھا۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی مسکرانے لگا۔

"تم بہت ذہین ہو رشو۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔ "لیکن میرا دل چاہتا ہے میں سچ مچ تمہاری کھال اُدھیڑ دوں۔"

"کیوں....؟"

"تم نے مجھے ایک نئی الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"کیسی الجھن؟"

"یہی کہ قاتل نے دونوں فائر چہرے پر کیوں کیے تھے؟" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"اس وقت نہ جانے میرا ذہن آئینہ ہو رہا ہے۔" رشیدہ بولی۔

"وہ تبھی میں نے تمہارے بال پکڑ کر جھٹکے جو دیئے تھے۔ اگر کہو تو اور آئینہ کر دوں؟" مسکرا کر بولا۔

"بے تحاشہ باٹا کی چپل سے پیٹنا شروع کر دوں گی۔ ساری وحشت نکل جائے گی۔"

"اور یہ فلکس کے جوتے دیکھے ہیں تم نے؟"

"احتیاط سے رکھوا نہیں جب یہ سو روپے ختم ہو جائیں تو انہیں اُبال کر پینا۔" رشیدہ کر بولی۔ "خیر چھوڑو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اس دونالی بندوق میں لگے ہوئے دونوں کا چھوٹے چھروں والے تھے۔ ظاہر تھے کہ اگر وہ جسم کے کسی اور حصے پر چلائے جاتے تو ا فوراً موت واقع ہوتی اور ارشاد میں زخمی ہو جانے کے باوجود بھی جدوجہد کی قوت باقی ر ممکن ہے اس طرح قاتل پکڑ لیا جاتا۔ لہٰذا اُس نے اُس کے چہرے پر فائر کر کے اُسے اندھا اور پھر بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد اُس نے اُس کا گلا گھونٹ کر اُسے فوراً ہی ٹھنڈا کر دیا ہو۔ تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نہیں آئی۔"

"رشو! واقعی تم اس وقت کمال کر رہی ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں تمہاری عزت نہ ہوتا تو یقیناً تم سے شادی کر لیتا۔"

"شادی تو ساجدہ سے کرنا۔ خالی ہو گئی ہے نا۔"

"مگر ساجدہ کو تم جیل خانے بھجوا رہی ہو؟"

"اور کیا تم بچ جاؤ گے، ایک طرح سے تم بھی ارشاد کے قاتل ہو سکتے ہو۔"

"اوہو.... تمہیں نہیں معلوم۔ تارجام کی پولیس میری طرف سے بھی مشکوک ہو ہے۔ آصف بھی کچھ کچھ یہی سوچ رہا ہے۔"

"آصف کی حجامت تو کسی دن بناؤں گی۔"

"اچھا جاؤ۔ تمہیں اب نیند آ رہی ہے۔"

"نہیں جاتی۔"

"اچھا جی....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا کہا؟"

اُس نے رشیدہ کو کمرے کے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا۔

حملہ

دوسرے دن انور بہت زیادہ مشغول رہا۔ آصف کی مدد سے اُس نے ارشاد کے دفتر کے سابات کی جانچ پڑتال کی۔ اُس کے بہتیرے کاغذ الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر وہاں سے ہائی سرکل نائٹ کلب طرف چلا گیا۔ منیجر نے اُسے دیکھ کر نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔ اُس نے اُسے بیٹھنے تک کو نہ کہا۔

"میں یہ پوچھنے آیا ہوں...."

"میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" منیجر دروازہ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔" انور ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"مسٹر انور.... میرے پاس فضول وقت نہیں۔" منیجر بیزاری سے بولا۔

"میں ارشاد کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا بتائے گا۔" ایک ادھیڑ عمر کا فیشن ایبل آدمی کمرے میں گھستا ہوا بولا۔ "میں بتاؤں گا۔"

"کرنل صاحب.... جناب والا.... براہِ کرم۔"

"بکومت.... میں تمہاری ہی وجہ سے کنگال ہوا ہوں۔" وہ چیخ کر بولا۔

"مسٹر.... ار.... کرنل صاحب براہِ کرم خاموش رہئے۔"

"خاموش رہو۔" انور منیجر کو گھور کر بولا۔

"مسٹر انور.... میں پولیس۔" منیجر فون کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

"شوق سے۔" انور لاپرواہی سے بولا۔ "پولیس مجھ سے زیادہ اس کیس میں دلچسپی لے گی۔"

منیجر بے بسی سے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اُس کا منہ فق ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو چلے تھے۔

"ہاں جناب.... اوہ.... کرنل صاحب بیٹھ جائیے۔" انور نے کہا۔

"مسٹر انور آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم خاموش بیٹھے رہو.... ہاں کرنل صاحب؟"

"آپ ارشاد کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ وہ پکا بے ایمان تھا۔ اُس نے مجھے برباد کردیا،" کرنل نے کہا۔ "اور اُس سے بھی زیادہ یہ میری تباہی کا باعث ہے۔" کرنل منیجر کو گھورتا ہوا بولا۔

"نہیں کرنل صاحب۔ منیجر بھلا آپ کی تباہی کا باعث کیسے ہو سکتا ہے؟" انور نے کہا۔

"آپ یقین کیجئے اس نے مجھے اُس نامراد ہیرے کی کان کا حصہ خریدنے کے لئے مجبور کیا تھا اور اسی کے ہاتھ سے مجھے منافع بھی ملا تھا۔"

"جب آپ کو منافع بھی مل چکا ہے تو پھر اُس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟"

"ناراض کیوں ہو رہا ہوں؟" کرنل گرج کر بولا۔ "میرے دس ہزار روپے ڈوب گئے۔ اب ان کی چار سو بیس میری سمجھ میں آئی ہے۔ میرے ہی دس ہزار روپوں میں سے ایک ہزار روپے منافع کے نام پر مجھے واپس کردیئے اور میں مطمئن ہو گیا۔ جو فرم ہر تیسرے مہینہ اپنے حصہ داروں کو منافع بانٹتی ہو اُس کی طرف کون نہ دوڑے گا۔"

"تم اب شوق سے پولیس کو فون کر سکتے ہو۔" انور منیجر کی طرف دیکھ کر بولا اور جیب سے قلم نکال کر ایک سادہ کاغذ میز سے اٹھاتا ہوا کرنل کی طرف مخاطب ہوا۔ "ہاں کرنل صاحب آپ کا نام اور پتہ؟"

وہ کافی دیر تک کرنل سے پوچھ گچھ کرتا رہا۔ پھر منیجر کی طرف مڑا۔

"تم نے ابھی تک پولیس کو فون نہیں کیا؟" انور نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"مسٹر انور....!" منیجر کی آواز حلق میں رک گئی۔

"پیارے منیجر....!" انور اُسی انداز میں بولا۔

"میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"بھلا مجھ کو صفائی سے کیا غرض۔ نہ میں حاکم نہ مجسٹریٹ۔" انور مسکرا کر بولا۔

"آپ سب کچھ ہیں، میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اور اس کے باوجود بھی تم نے انسپکٹر آصف سے میری شکایت کی تھی۔ حالانکہ میں اُسے اپنی بوڑھی اولاد سے زیادہ نہیں سمجھتا۔"

"مسٹر انور مجھے افسوس ہے۔"

"میں تم سے معافی نامہ لکھوانے نہیں آیا۔" انور تیز لہجے میں بولا۔ "تو تم ارشاد کے کمیشن ایجنٹ تھے؟"

"نہیں.... انہوں نے میری محنت کے صلے میں دس ہزار روپے کا حصہ مفت دے دیا تھا۔"

"کیسے یقین آئے گا اس پر جب کہ ہیرے کی کان کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔" انور نے کہا۔

"یہ مجھے آج کے اخبار سے معلوم ہوا ہے۔" منیجر بولا۔

"بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ تم اس پوری سازش کے سب سے بڑے حصے دار ہو۔" انور نے کہا۔

"کیوں آپ مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" منیجر بے چارگی سے بولا۔

"تو پھر تم نہ پھنسو گے تو کیا میں پھنسوں گا۔" کرنل نے کہا۔

"کرنل صاحب آپ غالباً پولیس کو اطلاع دے چکے ہوں گے؟"

"ہاں دے چکا ہوں۔"

"تو بس اب تشریف لے جایئے۔" انور نے بے رخی سے کہا۔ کرنل کچھ دیر بیٹھا دونوں کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

"ہاں تو پیارے منیجر۔" انور اُس کی طرف دیکھ کر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"مسٹر انور میں بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔" منیجر گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

"سچ سچ بتاؤ۔ پرسوں یہاں ارشاد آیا تھا یا نہیں؟"

"نہیں....!"

"شاہد.... اُس کا پارٹنر....؟"

"وہ کلب میں ممبر نہیں تھے لیکن کبھی اُن کے ساتھ آیا کرتے تھے اور آپ کے جانے کے بعد پرسوں وہ آپ ہی کی طرح ارشاد کے متعلق پوچھنے کے لئے آئے تھے اور کچھ گھبرائے ہوئے بھی تھے۔" منیجر نے کہا۔

"اوہو.... بہت اچھے۔ تو تم بھی پولیس ہی کی طرح ارشاد کا قتل شاہد کے سر تھوپنا چاہتے ہو۔ لیکن تم مجھے بہلا نہیں سکتے۔ رضوان کو جانتے ہو؟"

"نہیں تو.... میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"بہت اچھے تو تم بھی اُس کے قتل کی سازش میں شریک معلوم ہوتے ہو، کیا تمہیں نہیں

معلوم کہ ارشاد یہیں سے اُس کے نام پارسل بھیجا کرتا تھا اچھا خیر تمہارا نام بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں شریک کرلیا جائے گا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔

"مسٹر انور میں رضوان کو نہیں جانتا۔" منیجر بے بسی سے بولا۔ "ارے سنئے تو سہی.... ارے.... آپ....!"

انور کوئی جواب دیئے بغیر منیجر کے کمرے سے نکل گیا۔ منیجر اس طرح کرسی پر پڑا ہانپ رہا تھا جیسے کوئی غیر مرئی قوت اُس کا گلا گھونٹ رہی ہو۔

انور دن بھر مارا مارا پھرا اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جلد ہی اصل مجرم پر قابو پا جائے گا۔ اُس کا ذہن ایک مخصوص لائن پر سوچ رہا تھا۔ آج وہ ایک بار ساجدہ کے گھر بھی گیا تھا اس بات کی اطلاع دینے کہ ابھی تک زبیدہ کا سراغ نہیں ملا۔ اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ساجدہ نے گھر کے سارے ملازمین کو برطرف کردیا ہے اور وہ صحیح معنوں میں ایک مفلس بیوہ کی طرح زندگی بسر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ ساجدہ نے زیورات اور دوسری قیمتی اشیاء بیچ کر اپنے شوہر کا قرض ادا کرنے کا تہیہ کرلیا ہے اور اس کے بعد بقیہ زندگی بسر کرنے کے لئے کسی متبرک مقام پر چلی جائے گی۔ انور اُس کی اس قربانی پر عش عش کرتا ہوا گھر لوٹ آیا۔ اُس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ آج اس مسئلے کو سلجھا کر ہی رہے گا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے بے شمار کاغذات میز پر پھیلا دیئے۔ وہ ایک ایک کاغذ کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔

"اُف میرے خدا" اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ کرسی کی پشت سے ٹک کر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ پھر دفعتاً اٹھ کر نشست کے کمرے میں آیا۔ وہ اتنی جلدی میں تھا کہ اُس نے بجلی جلانے کی زحمت گوارا نہ کی اور دیا سلائی کھینچ کر اُسکی روشنی میں ٹیلی فون کے نمبر گھمانے لگا۔

"ہیلو آصف....!" وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میں انور بول رہا ہوں۔ رضوان جس عورت کا وجود چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اُس کا پتہ لگ گیا ہے وہ پیٹر روڈ کے نفیس ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۰ میں مقیم ہے۔ اُس سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ جلدی کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اُس کا بھی وہی انجام نہ ہو جو دھارا سنگھ کا ہوا۔ جلدی کرو میں گھر پر ہی ہوں۔"

انور ریسیور رکھ کر جیسے ہی پلٹا کسی نے دروازے پر دستک دی۔ وہ اس طرح خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ کمرے میں روشنی کیے بغیر ہی اُس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دفعتاً ایک ٹارچ کی

...شنی اُس کے چہرے پر پڑی اور اُس کی چندھیائی ہوئی آنکھوں نے ایک اُس سے بھی زیادہ تیز ...ی کی جھلک دیکھی اور پھر وہ ایک چیخ کے ساتھ کمرے کے وسط میں جا گرا۔ اندھیرے کی تہیں ...موٹی ہو گئیں۔

پھر نہ جانے کتنی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے پلنگ پر پڑا ہے اور اُسکا داہنا بازو اسطرح ...ل رہا ہے جیسے ریشے ریشے میں آگ بھر دی گئی ہو اور پھر اُسکے کانوں میں ایک ایسے گیت کی آواز ...نے لگی جس سے اُسے بے انتہا نفرت تھی۔ کوئی بھاری اور بے ہنگم آواز میں گنگنا رہا تھا۔

"مان میرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار۔"

"یہ کون بد مذاق ہے۔" انور آنکھیں بند ہی کیے ہوئے زور سے بڑبڑایا۔ "خدا کے لئے اس ...رت انگیز گانے کے بجائے کچھ اور گاؤ۔ مجھے قطعی اعتراض نہ ہوگا۔"

"اوہ تمہیں ہوش آگیا؟" کوئی اُس پر جھک کر بولا۔ انور نے آنکھیں کھول دیں۔

آصف غور سے اُس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ انور نے اٹھنے کی کوشش کی اور اب اُسے تھوڑی دیر ...ل کا واقعہ یاد آ رہا تھا۔

"کیا میرے سینے میں زخم ہے؟" انور نے آصف سے پوچھا۔

"نہیں لیٹے رہو.... زخم بائیں بازو میں ہے۔" آصف نے کہا۔ "مگر وہ تھا کون؟"

"مجھے افسوس ہے کہ وہ اپنا نام بتانا بھول گیا۔" انور جھلا کر بولا۔

"ارے جنگلی اس حالت میں بھی تمہاری زبان نہیں مانتی۔" آصف مسکرا کر بولا۔

"زبیدہ کہاں ہے؟"

"اُس نے زہر کھا لیا۔ میں اُسے پولیس کی گاڑی میں کوتوالی لے جا رہا تھا اُس نے ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر زہر کھا لیا اور وہ زہر بھی اتنا سریع الاثر تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ختم ہو گئی۔"

"کچھ ایسے واقعات پیش آ رہے ہیں کہ عقل ہی کام نہیں کرتی.... وہ لڑکی تھی کون؟"

"ایک مظلوم لڑکی۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید حوالات میں اُسے پناہ مل سکے۔ خیر اُسے مرنا تو تھا ہی زہر نہ کھاتی تو قتل کردی جاتی۔ وہ ارشاد کے قتل کے سلسلہ میں بہت کچھ جانتی تھی لیکن بتانے سے پہلے ہی چل بسی۔"

اور پھر انور نے آصف کو زبیدہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ لیکن اُس پرچے کے بارے میں

کچھ نہیں بتایا جو زبیدہ کے کمرے میں گرا تھا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا" آصف آہستہ سے بڑبڑایا۔ "تمہیں پہلے ہی مجھے اس کی اطلاع دینی چاہئے تھی۔"

"سنو آصف! میں اتنا پتھر نہیں ہوں جتنا کہ لوگ مجھے سمجھتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ زبیدہ کا نام منظر عام پر نہ آئے۔ وہ دنیا کی مظلوم ترین ہستی تھی۔ مگر پھر مجھے مجبور ہو جانا پڑا۔ مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں اُس کا بھی وہی حشر نہ ہوا ہو جو دھارا سنگھ کا ہوا۔"

"تمہاری اسی احتیاط نے اُس کی جان لی۔" آصف نے کہا۔

"نہیں آصف، پولیس جب بھی اُسے حراست میں لینے کی کوشش کرتی، زندہ نہ پاتی۔ سمجھ لو کہ انور جس سے ہار جائے دنیا کی کوئی طاقت اُسے قابو میں نہیں لاسکتی۔ وہ پولیس کو ایک لفظ بھی نہ بتاتی۔"

آصف خاموش ہو گیا۔ اُس کی نگاہیں تفکر آمیز انداز میں انور کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تو کیا اب قاتل کا پتہ نہ لگ سکے گا؟" آصف نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"ایسا تو نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "کل تم اُسے مردہ یا زندہ پولیس کی لاری میں لاد کر کوتوالی لے جاؤ گے۔"

"وہ کون ہے؟" آصف نے بے ساختہ پوچھا۔ انور مسکرانے لگا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ آصف کی بے چینی قبل از وقت اور فضول ہے۔ وہ ابھی ایک لفظ بھی نہیں بتا سکتا۔

"میں خود نہیں جانتا۔" انور نے کہا۔ "لیکن کل وہ یقیناً میرے قابو میں ہو گا۔ اوہ.... رشیدہ کہاں ہے؟"

"دوا لینے ڈاکٹر کے ساتھ گئی ہے۔" آصف نے کہا۔

"اوہ تو ڈاکٹر مجھے دیکھ چکا ہے؟"

"ہاں.... لیکن تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ حملہ آور کون تھا؟"

"بھئی میں خود نہیں جانتا۔ اُس نے پہلے میرے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈال کر مجھے چندھیا دیا۔ پھر شاید چاقو سے وار کیا تھا۔"

"ہاں زخم چاقو کا ہے۔ مگر زیادہ گہرا نہیں۔" آصف نے کہا۔ "میں زبیدہ کی لاش کو ہسپتال

پہنچا کر سیدھا یہیں آیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ ٹارچ جلائی تو تم فرش پر پڑے دکھائی دیئے۔ رشیدہ بھی موجود نہیں تھی لیکن وہ تھوڑی دیر بعد آ گئی۔ میں نے فون پر ڈاکٹر کو بلا لیا تھا۔ رشیدہ بہت پریشان تھی۔ واقعی وہ تمہیں بہت زیادہ چاہتی ہے۔"

"دوست چاہتے ہی ہیں۔ وہ میرا دوست ہے میں اُسے لڑکی نہیں سمجھتا۔" انور آنکھیں بند کر کے بڑبڑایا۔

"کیا تم اس کی رپورٹ پولیس کو دو گے؟" آصف نے پوچھا۔

"یقیناً جو دل چاہے لکھ دینا۔" انور نے کہا۔ "لیکن شبہے میں رضوان کا نام ضرور لکھوا دینا۔ وہ کل مجھے زبیدہ کے سلسلے میں دھمکی دے کر گیا تھا۔ اُس کا نام اخبار میں بھی آ جائے تو اور اچھا ہے میں وجہ نہیں بتاؤں گا بس۔"

قاتل کون

دوسرے دن پولیس رضوان کی تلاش میں تھی اور وہ کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اخبارات میں زبیدہ کی تصویر اور اُس کی درد بھری کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس طرح پبلک ارشاد کے ایک اور سیاہ کارنامے سے واقف ہوئی۔ لیکن اب اُس کے قاتل کا نام جاننے کے لئے لوگوں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اُسے شاہد نے قتل کیا تھا یا رضوان نے؟ انسپکٹر آصف نے شاہد کی بیوی کو حراست میں لے لیا تھا۔ ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کی گرفتاری زیر غور تھی۔

لوگوں کو توقع تھی کہ اس بار پھر کرائم رپورٹر انور ہی قاتل کی گرفتاری کے سلسلہ میں پولیس کی رہنمائی کرے گا۔ کیونکہ انور پر اچانک حملے سے تو یہی ثابت ہوتا تھا کہ وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا ہے۔ اس لئے قاتل نے اُسے بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

انور آج آفس نہیں گیا۔ حالانکہ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اور نہ وہ کوئی خاص تکلیف ہی محسوس کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ باہر نہیں نکلا۔ انسپکٹر آصف نے اُس کے گھر کے کئی چکر لگائے لیکن اُس سے کوئی کام کی بات نہ معلوم کر سکا۔ وہ اُسے بچوں کی طرح بہلاتا رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے اس وعدے پر قائم تھا کہ آج وہ قاتل کو پولیس کے حوالے کر دے گا۔ اُس نے

رشیدہ کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ حسب معمول رشیدہ دفتر چلی گئی اور جب وہ شام کو واپس آئی تو انور کو پہلے ہی کی طرح کتابوں میں ڈوبا ہوا پایا۔

"کیا وہ قاتل ان کتابوں کے کسی صفحے سے چپکا ہوا ہے؟" رشیدہ بولی۔

"نہیں وہ تمہاری کٹیلی آنکھوں سے جھانک رہا ہے۔" انور نے کہا اور کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔ وہ تھوڑی دیر تک تفکر آمیز انداز میں رشیدہ کی طرف دیکھتا رہا پھر کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا میرے دوست! اب اس ڈرامے کے آخری سین کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"کیا مطلب....؟"

"غالباً ہمارے دونوں پستول ٹھیک حالت میں ہوں گے؟" انور نے کہا۔

"ہاں ہیں تو لیکن تمہارا ارادہ کیا ہے؟"

"ایک گیدڑ کی بھٹ میں گھسنا ہے جسے لوگ خواہ مخواہ بھیڑیا سمجھے بیٹھے ہیں۔"

"تمہارا اشارہ قاتل کی طرف ہے؟" رشیدہ نے کہا۔

"ہاں۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ ذرا اندھیرا پھیلنے دو۔" انور نے کہا۔ "ہاں رشو، اُن پستولوں کو ایک بار پھر دیکھ لیا جائے۔"

رشیدہ اپنے کمرے سے دونوں پستول لے آئی۔ انور آنکھیں گھما پھرا کر دیکھنے لگا۔

"تو کیا پولیس کی مدد نہ لو گے؟" رشیدہ نے کہا۔

"پولیس بعد کی چیز ہے۔ اگر اُس نے مجھ پر حملہ نہ کیا ہوتا تو میں خواہ مخواہ کی دردسری مول نہ لیتا۔ مگر اب ضروری ہو گیا ہے۔"

"تو پھر میں اس غرارے اور دوپٹے کو تہہ کر کے بکس میں رکھ دوں؟" رشیدہ نے کہا۔

"قطعی....!" انور نے کہا اور سگریٹ سلگا کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ لباس تبدیل کر کے آگئی۔ اُس نے کتھئی رنگ کے چمڑے کی جیکٹ اور خاکی گیبرڈین کی پتلون پہن رکھی تھی۔

اس وقت انور سچ مچ اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"شاباش.... اب تم اس وقت ایک جوان عورت نہیں مرد معلوم ہو رہی ہو۔" انور بے اختیار بولا۔

"اور یہ گھونسا....؟" رشیدہ مٹھی باندھ کر انور کے چہرے کے سامنے نچاتی ہوئی بولی۔

"بہت لذیذ.... لیکن ابھی اس کے استعمال کا وقت نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد اُس کی موٹر سائیکل شہر کی متعدد سڑکوں پر فراٹے بھرتی پھر رہی تھی۔ انور نے اس دوران میں رشیدہ کو اپنی پوری اسکیم سے آگاہ کر دیا تھا۔ موٹر سائیکل کی رفتار آسکر سٹریٹ میں پہنچ کر کم ہو گئی اور پھر وہ دونوں اُتر پڑے۔ موٹر سائیکل ایک سڑک کے کنارے کھڑی کر کے وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ آسکر اسٹریٹ پرسکون سڑک تھی جس کے دونوں اطراف عالی شان کوٹھیاں تھیں۔ یہاں زیادہ تر متمول لوگ رہتے تھے۔

تقریباً نو بج گئے تھے۔ سردیوں کی رات تھی اور جلد ہی چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ اکثر کوٹھیوں کی جالیوں، کھڑکیوں اور روشندانوں سے روشنی چھن کر سڑک پر آ رہی تھی۔ وہ دونوں ساجدہ کی کوٹھی کے سامنے رک گئے۔ انور نے آہستہ سے سلاخوں دار پھاٹک کھولا اور دونوں کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی چاروں طرف سناٹے اور تاریکی کا راج تھا۔ رشیدہ کوٹھی کا چکر لیتی ہوئی پچھواڑے کی طرف چلی گئی اور انور برآمدے کی طرف بڑھا۔ پے بہ پے گھنٹی بجانے کے بعد ایک دروازہ کھلا اور برآمدے میں روشنی پھیل گئی۔

"کون ہے؟"

"اوہ ساجدہ....!" انور آگے بڑھ کر بولا۔

"انور.... کیوں.... کیا ہے؟" ساجدہ اونچی آواز میں بولی۔

"میں بہرہ نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔

"کیوں....؟"

"رضوان کے متعلق کچھ پوچھنا ہے۔ کیا تم نے آج کا اخبار نہیں پڑھا....؟" انور کمرے میں گھستا ہوا بولا۔

"کیوں تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔" ساجدہ بے بسی سے بولی۔

"رضوان نے تمہارے سامنے مجھے دھمکی دی تھی۔ کیا تم میری طرف سے گواہی دو گی؟"

انور ایک صوفے میں دھنستا ہوا بولا۔

"مجھے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔" ساجدہ بیزاری سے بولی۔

"ایسا نہ کہو۔" انور انتہائی جذباتی لہجے میں بولا۔ "مجھے اب بھی تم سے محبت ہے۔"

ساجدہ غم انگیز نظروں سے اُسکی طرف دیکھنے لگی۔ شاید اُس کی آنکھوں میں آنسو بھی آ

"انور اب اس قصے کو مت چھیڑو۔ میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا ہے۔" ساجدہ ایک لمبا سانس لے کر بولی۔

"غالباً اسی لئے تم ارشاد کی ڈاڑھی بڑھنے کا انتظار کر رہی ہو تاکہ اُسے ایک مولوی کے بھیس میں حج کا بہانہ کر کے یہاں سے نکال لے جاؤ۔" انور نے اپنا ایک ہاتھ جیب میں ڈالتے ہوئے اطمینان سے کہا۔ ساجدہ بے اختیار اچھل پڑی۔ وہ انور کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ا سامنے والے کمرے سے ایک فائر ہوا۔ اگر انور پہلے ہی سے غیر ارادی طور پر ایک طرف نہ جھک گیا ہوتا تو اُس کا شکار ہو جانا یقینی تھا۔ دفعتاً وہ اچھل کر ساجدہ پر آ رہا اور اُسے ڈھال بنا کر پستول نکالے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"ارشاد تمہاری دوسری گولی ساجدہ کے لگے گی۔" انور چیخ کر بولا۔ "تم یہاں سے بھاگ نہیں سکتے۔ چاروں طرف پولیس لگی ہوئی ہے۔"

ساجدہ اُس کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔

"تم ایک اچھی اداکارہ ہو۔" انور آہستہ سے بولا۔ "اور ہندوستانی صنعت فلم سازی کا روشن مستقبل....!"

ساجدہ اُسے بے تحاشا گالیاں دے رہی تھی۔

دفعتاً سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا اور ارشاد اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے باہر آیا۔ اُس کے پیچھے رشیدہ تھی جس کے پستول کی نالی ارشاد کی کمر میں چبھی ہوئی تھی۔

"بہت اچھے۔" انور بچوں کی طرح چیخا۔

رشیدہ داد طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھنے لگی اور ارشاد نے پھرتی سے پلٹ کر اپنا ہاتھ اُس کے پستول پر مارا اور دوسرے ہاتھ سے اُسے پیچھے دھکیل دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ جست لگا کر دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لیکن انور کے پستول سے ایک شعلہ نکلا اور ارشاد برآمدے

میں پہنچتے پہنچتے چیخ مار کر گر پڑا۔ انور ساجدہ کو چھوڑ کر اُس کی طرف لپکا۔ رشیدہ جو زمین سے اٹھ گئی تھی ساجدہ پر جھپٹ پڑی۔

گولی ارشاد کے پیر میں لگی تھی۔ وہ ایک زخمی کتے کی طرح زمین پر پڑا غرا رہا تھا۔ انور اُسے بے دردی سے کھینچتا ہوا پھر کمرے میں لے آیا۔ رشیدہ اور ساجدہ ابھی تک گتھی ہوئی تھیں۔

انور نے زمین پر پڑا ہوا پستول اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"رشو.... اب یہ سلسلہ ختم بھی کرو۔" انور اکتائے ہوئے لہجے میں بولا اور رشیدہ نے ساجدہ کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ وہ لہرا کر زمین پر آ رہی اور بے ہوش ہو گئی۔

"اگر تم کل رات کو مجھ پر حملہ نہ کرتے تو شاید میں یہ تکلیف گوارا نہ کرتا۔" انور ارشاد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "شاہد، دھارا سنگھ اور زبیدہ کا خون ناحق تمہاری گردن پر تھا اور تم حج کرنے جا رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ تمہاری بیوی بڑی ہوشیار ہے مگر اس نے اس معاملہ میں مجھ سے مدد لے کر غلطی کی.... مگر نہیں، وہ تمہیں شاہد کی لاش تو اپنی لاش ثابت کرنی تھی۔ شاہد کو اپنا مفرور قاتل بھی ثابت کرانا تھا اور اسی لئے تم نے اُس کے قتل کا وہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اُس کی شکل ہی بگڑ جائے۔ ظاہر ہے جب تمہاری بیوی ہی شاہد کی لاش کو تمہاری لاش تسلیم کر لیتی تو کسی کو کیا اعتراض ہوتا۔ مگر تم نے اس سلسلے میں دو اہم غلطیاں کیں۔ ایک تو شاہد کی بیوی کو جعلی خط اور دوسرے وہ پرچہ جو تم نے پنسل سے گھسیٹ کر زبیدہ کے کمرے میں ڈالا تھا۔ تم نے اپنا جرم چھپانے کے لئے اتنی حماقتیں کیں کہ خدا کی پناہ۔"

انور ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"ہیلو آصف.... میں ۱۳۔ آسکر اسٹریٹ سے بول رہا ہوں۔ وعدے کے مطابق تمہارا شکار میرے قابو میں ہے.... نہیں.... نہیں زیادہ انتظام کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک خارش زدہ گیدڑ کی طرح بے بس پڑا ہے۔"

آصف نام پوچھتا ہی رہ گیا مگر انور نے ریسیور رکھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

"ساری پرانی دشمنی تم آج ہی نکال لو گے؟" ارشاد نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے صرف کل رات کے حملے کا انتقام لیا ہے۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"اس کا مطلب کچھ اور ہے۔" رشیدہ نے مسکرا کر کہا۔ انور کو اُس کی مسکراہٹ بڑی سفاک

معلوم ہوئی۔ اُسے یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ وہ ایسے ماحول میں بھی مسکرا سکتی ہے۔

"ساجدہ بے قصور ہے قطعی بے قصور۔ دیوالیہ ہو جانے کے بعد اور یہ محسوس کرنے پر کہ اب ہیرے کی کان کا اسٹنٹ زیادہ نہیں چل سکتا۔ میں نے یہ پروگرام بنایا تھا۔" ارشاد نے کہا اور درد کی شدت کی وجہ سے کراہنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ "میں نے ساجدہ کو اپنی پوزیشن بتا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ میرے پاگل پن کی فرضی داستان لے کر تمہارے پاس جائے اور میں کسی دوسرے ملک کو فرار ہو جاؤں۔ اگر میں اُس سے یہ بتا دیتا کہ میں اپنی فرضی خود کشی کو منظر عام پر لانے والا ہوں تو وہ کبھی اس پر تیار نہ ہوتی۔ پھر میں نے شاہد کو تار جام لے جا کر قتل کر دیا۔ دھارا سنگھ نے شاید کچھ دیکھ لیا تھا۔ اس لئے مجھے اُسے بھی قتل کر دینا پڑا۔ بہر حال ساجدہ بے قصور ہے۔ تم اسے بچانے کی کوشش کرنا۔"

"کیا تم اُس دن شاہد کے ساتھ زبیدہ کے پاس گئے تھے؟"

"ہاں.... اور میں نے یہی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔"

"تم نے دیکھا کہ وہ کس طرح تم پر قربان ہو گئی؟" انور نے نفرت سے منہ سکوڑ کر کہا۔ "تم جیسے ناپاک آدمی کے لئے اُس نے جان دے دی۔"

ارشاد نے اپنا منہ بازوؤں میں چھپا لیا۔

تھوڑی دیر بعد آصف کچھ کانسٹیبلوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ ارشاد کو دیکھ کر اُس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

انور ہنسنے لگا۔

"میں جھوٹے وعدے نہیں کرتا۔" انور بولا۔

"مگر.... مگر....!" آصف ہکلایا۔

"ہاں ہاں یہ ارشاد ہے۔ اُس کا بھوت نہیں۔ جس کا قتل ہوا وہ شاہد تھا.... رضوان کا معاملے میں کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ صرف زبیدہ والے حادثے کے سلسلے میں روپوش ہو گیا تھا۔ معمہ اب ایسا نہیں رہ گیا کہ جسے تم نہ حل کر سکو۔ اچھا گڈ نائٹ۔ آؤ رشو چلیں۔ ہم نے ابھی بھی نہیں کھایا ہے۔"

"مگر سنو تو سہی۔"

"اور جو کچھ پوچھنا ہو گھر آ کر پوچھنا۔ ان دونوں کو فی الحال لے جاؤ۔" انور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"مگر میں حکم دیتا ہوں۔" آصف بلند آواز میں بولا۔

"اچھا جی۔" انور پلٹ کر بولا۔ "پھر اڑنے لگے۔ تمہارے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس کامیابی کا سہرا تمہارے سر باندھ رہا ہوں۔ مجھے تو اپنے اخبار کی رپورٹ سے مطلب ہے۔ مگر ہاں کچھ کھانے کا انتظام کر سکتے ہو؟"

تھوڑی دیر بعد انور اور رشیدہ ایک ریسٹوران میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ "اگر وہ پرچہ میرے ہاتھ نہ لگتا تو میں کبھی اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتا۔" انور نے کہا۔ "خیر چھوڑو ہٹاؤ۔ کوئی اور بات کرو۔ زبیدہ مفت میں ماری گئی۔ اُس کے اس جذبے کی میں قدر کرتا ہوں۔ کسی قاتل کا ساتھ دینے کے لئے بڑی ہمت چاہئے اور یہ معلوم ہو جانے کے باوجود بھی وہ حتی الامکان اُسے بچانے کی کوشش کرتی رہی کہ اُس کا تعلق دوسری عورتوں سے تھا۔"

"مجھے تو اُس سے قطعی ہمدردی نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔" انور بولا۔

"بہر حال ساجدہ جیل ضرور جائے گی۔"

"اونہہ چھوڑو بھی۔ اس وقت رومانی گفتگو کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "دیکھو فضا کتنی خوشگوار ہے۔ رات گیسوؤں کی طرح تاریک ہے اور تمہارے گیسو، تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں۔ ان میں آسمان سے ستارے اتر آئے ہیں۔ رشو فوراً آنکھیں بند کرلو۔ کہیں پھوٹ نہ جائیں۔ ستارے بہت وزنی ہوتے ہیں۔ سنا ہے کہ بعض ہماری زمین سے بڑے ہوتے ہیں۔" رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 14

تجوری کا گیت

(مکمل ناول)

تعاقب

شہر کے باہر سنسان اور تاریک سڑک پر ایک شاندار اور قیمتی کار اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ گیارہ بج چکے تھے۔ آسمان پر گرد و غبار نہ ہونے کی وجہ سے ستاروں کی مدھم روشنی اور اندھیرے کے امتزاج نے ایک پُر اسرار فضا پیدا کر دی تھی۔ دفعتاً کار ایک جگہ رک گئی۔ پھر اسے سڑک کے کنارے اُگی ہوئی قدِ آدم جھاڑیوں میں اتار دیا گیا اور دوسرے ہی لمحے میں دو آدمی کار سے اتر کر سڑک کے کنارے آ کھڑے ہوئے ان میں سے ایک اپنے کاندھے پر ایک موٹی سی رسی کا بنڈل لادے ہوئے تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سڑک کے آر پار دو درختوں میں اس طرح رسی باندھ دی جیسے وہ کسی کا راستہ روکنا چاہتے ہوں۔ اس کام میں فراغت پانے کے بعد وہ پھر جھاڑیوں میں آ بیٹھے۔

"آخر یہ اتنی دردسری کیوں!" اُن میں سے ایک بولا۔

"اسے دردسری نہ کہو، وہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔

"یہ تم اسی لونڈے کے لئے کہہ رہے ہو نا، جسے تم نے کل دکھایا تھا۔"

"اتنی لاپروائی سے اس کا تذکرہ نہ کرو۔"

"چھوڑو بھی تم نے خواہ مخواہ اسے ہوا بنا رکھا ہے۔"

"خیر بھئی! مجھے تو اس وقت بھی یقین نہیں کہ ہم اُسے پکڑ ہی لیں گے۔"

"یار تم خواہ مخواہ مجھے تاؤ نہ دلاؤ۔ وہ بھی ہماری طرح آدمی ہے۔ بھوت نہیں۔"

"میں اسے بھوت ہی سمجھتا ہوں۔"

"تم بزدل ہو۔"

"کیا کہا!" دوسرا تلخ لہجے میں بولا۔

"خیر.... خیر.... اس وقت ہمیں آپس میں تکرار نہ کرنی چاہئے۔"

دوسرے نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"اب تک اسے یہاں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ وہ ہمارے سامنے ہی روانہ ہو چکا تھا۔" دوسرے نے کہا۔

"ممکن ہے راستے میں کہیں رک گیا ہو۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر اُسے اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔"

"ہم جانتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ٹانگ ضرور اڑائے گا اور یہی نہیں ہمیں یہاں بہت کرنا ہے پولیس کی طرف سے تو اطمینان ہے وہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ لیکن وہ بڑا ذہین ہے سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ وہ ایک اخبار کا رپورٹر بھی ہے۔ پس ذرا سا اشارہ مل جانا چا اس کے بعد تو وہ ہماری پوری پوری اسکیمیں اتنی وضاحت کے ساتھ چھاپ دیتا ہے جیسے وہ مشوروں میں شریک رہا ہو۔"

"تو اس کا خاتمہ ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔"

"آج تک اس کا موقعہ ہی نصیب نہیں ہوا۔"

"کیا حماقت کی باتیں کر رہے ہو۔ کیا ہم اس وقت اسے ٹھکانے نہیں لگا سکتے۔"

"مگر ہمیں اس کا حکم کہاں ملا ہے ہمیں تو پکڑ کر لے جانا ہے۔"

"اس میں نہ جانے کون سی مصلحت ہے جب وہ ایسا آدمی ہے تو اسے ختم ہی کر دینا چاہئے۔"

"بات یہ نہیں! اُسے پولیس سے ہمدردی نہیں ہے وہ محض روپیہ اینٹھنے کے لئے شر آدمیوں کے کام میں روڑے اٹکایا کرتا ہے۔ یعنی ادھر سے بھی ہاتھ گرم کرتا ہے اور ادھر بھی میرا خیال ہے کہ اس سے معاملے کے متعلق کسی قسم کا سمجھوتہ کیا جائے گا۔"

"تو کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ راضی ہو جائے گا۔"

"چھوڑو بھی ہمیں اس سے کیا غرض۔ ہمارے ذمے جو کام ہے ہمیں اسے کرنا چاہئے۔"

اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ جنگل کے سناٹے میں جھینگروں کی آوازیں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے وقت نے اپنی عظیم تنہائی سے اکتا کر کوئی گیت چھیڑ دیا ہو۔

"لیکن انور پولیس والوں سے کس طرح روپیہ اینٹھتا ہے۔" ایک نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ان کے راز افشاء کر دینے کی دھمکی دے کر وہ یہاں کے سارے پولیس آفیسروں کی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"اس کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تو رہتی ہے۔"

"ہاں اس کا نام رشیدہ ہے وہ بھی کم نہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ یہ دونوں ہم جیسے شریف آدمیوں کے لئے ہمیشہ دردِ سر بنے رہتے ہیں۔"

"وہ لڑکی خوبصورت بھی کافی ہے۔"

"اوہ تو کیا اس پر عاشق ہونے کا ارادہ ہے۔"

"میں عاشق نہیں ہوا کرتا۔ میرا اصول تو تم جانتے ہی ہو۔"

دونوں معنی خیز انداز میں ہنسنے لگے۔

"مگر یار اتنا یاد رکھو کہ وہ بھڑوں کا چھتہ ہے۔"

"ہونہہ.... بہت دیکھی ہیں۔ صوبیدار میجر صاحب کی لڑکی سے زیادہ خطرناک نہ ہو گی۔"

"خیر ہٹاؤ میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔"

"اوہ سنو! آواز آ رہی ہے۔ موٹر سائیکل کی آواز۔ تم دوسری طرف چلے جاؤ۔"

ایک اُٹھ کر سڑک کے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔

دور موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹس دکھائی دے رہی تھی اور جنگل مشین کی کرخت آواز سے گونج رہا تھا۔ روشنی سڑک پر پھیل رہی تھی۔ اچانک موٹر سائیکل رک گئی۔ شاید انور نے سڑک پر تنی ہوئی رسی دیکھ لی تھی۔ قبل اسکے کہ وہ موٹر سائیکل کو موڑتا یہ دونوں اسکے قریب پہنچ گئے۔

"خبردار.... مشین بند کر دو۔" ایک نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

انور نے مشین بند کر دی اور دونوں پیر ٹیکے موٹر سائیکل پر ہی بیٹھا رہا۔

"اگر تم نے ذرہ برابر بھی حرکت کی تو گولی تمہارا بھیجا اڑا دے گی۔" دوسرا بولا۔

انور بچوں کی طرح کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"یار کیوں ڈراتے ہو اس اندھیرے جنگل میں۔" انور نے کہا۔ "میرے جیب میں ڈھائی روپے اور نرگس کی تصویر کے علاوہ کچھ اور نہیں چاہو تو روپے لے لو۔ لیکن نرگس کی تصویر ہرگز

نہ دوں گا۔ کیونکہ وہ والد صاحب کو بہت پسند ہے۔"

ان میں سے ایک بے ساختہ ہنس پڑا۔ لیکن دوسرا غرا کر بولا۔ "بکواس بند کرو۔ ہمارے ساتھ چلو۔"

میں اس چھوٹی سی گاڑی پر دو آدمیوں کو کس طرح لاد سکوں گا۔ اگر چالان ہو گیا تو" انور تشویش ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"گاڑی چھوڑ کر ہٹ آؤ۔"

انور نے موٹر سائیکل کنارے کھڑی کر دی اور ان کے قریب آ گیا۔

"اس کے ہاتھ پیر باندھ دو.....!" ایک نے دوسرے سے کہا۔

"ٹھہرو.....!" انور بولا۔ "آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"تو پھر ہاتھ پیر باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ چلنے سے انکار تو نہیں کیا۔" انور نہایت سنجیدگی سے بولا۔

"تم بڑے مکار ہو۔"

"بد تمیز.....!" انور تلخ لہجے میں بولا۔ "تمہیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔"

"باندھ لو اسے۔" وہ گرج کر بولا۔

ایک آدمی جیب سے ایک پتلی سی ڈور نکال کر انور کی طرف بڑھا۔ انور نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ "اتنا یاد رکھو کہ میں گن گن کر بدلہ چکانے کا عادی ہوں۔" انور نے آہستہ سے کہا۔ اس شخص نے جو اس کے ہاتھ باندھنے جا رہا تھا اس کے اس جملے پر طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ قہقہہ لگایا جیسے ہی وہ ڈوری لے کر آگے کی طرف جھکا انور نے اپنے داہنے پیر کا گھٹنا اٹھا دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ چیخ کر پیچھے کھڑے ہوئے ساتھی پر جا پڑا۔ انور ایک ہی جست میں جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو چکا تھا۔

دونوں اٹھ کر اس کے پیچھے لپکے۔

"دیکھ لیا تم نے۔" ان میں سے ایک نے جھلا کر کہا۔

"خدا کی قسم زندہ نہ چھوڑوں گا۔" چوٹ کھائے ہوئے آدمی نے غصیلی آواز میں کہا اور لنگڑاتا ہوا جھاڑیوں میں دوڑنے لگا۔ لیکن شاید ابھی اس کی شامت اچھی طرح نہیں آئی تھی۔ بے تحاشا جھاڑیوں میں گھستا پھر رہا تھا۔ اس کا ساتھی اُس کے پیچھے تھا۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ ایک بار پھر اپنے غصے کا اظہار کر ہی رہا تھا کہ دفعتاً ایک بڑا سا پتھر اس کی پیشانی پر پڑا اور وہ چیخ مار کر الٹ گیا۔ اس کا ساتھی پہلے تو اس کی طرف جھپٹا لیکن پھر خوفزدہ ہو کر اسی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا۔ وہ اپنی سانس روکے آہٹ لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ تھوڑی دیر تک خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اپنے بے ہوش ساتھی کی طرف متوجہ ہوا جس کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل گیا تھا۔ اس نے اسے کاندھے پر اٹھایا اور جھاڑیوں سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔ چاروں طرف لامتناہی سناٹا جاری تھا وہ کسی نہ کسی طرح اپنے بے ہوش ساتھی کو کار تک لے آیا۔ جھاڑیوں سے کار سڑک پر نکالی۔ کار کا رخ شہر کی بجائے دیہی علاقے کی طرف تھا، جیسے ہی کار سڑک پر مڑی انور جھاڑیوں سے نکل کر پیچھے لگیج کیریئر پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کار فراٹے بھرنے لگی۔

تقریباً پانچ یا چھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار ایک احاطے کے پھاٹک پر رک گئی۔ کار ڈرائیو کرنے والے نے اپنے بیہوش ساتھی کو پھر کاندھے پر لادا اور احاطے کا پھاٹک کھول کر اندر چلا گیا۔

انور آہستہ سے لگیج کیریئر سے اترا اور کار میں بیٹھا..... اس نے بڑی پھرتی سے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی شہر کی طرف گھما دی اور دیکھتے ہی دیکھتے احاطہ میلوں پیچھے رہ گیا۔ وہ اتنی سنجیدگی سے بیٹھا کار ڈرائیو کر رہا تھا جیسے وہ خود اس کی اپنی کار ہو۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

انور کے کردار میں یہ عجیب و غریب بات تھی کہ وہ کسی کو معاف کرنا تو جانتا ہی نہیں تھا۔ اس کا فلسفہ حیات انتقام تھا۔ اس کا قول تھا کہ زندگی کا انحصار صرف انتقام پر ہے۔ نظامِ فطرت کی اصل بنیاد انتقام ہی ہے جسے دنیا والوں نے مختلف نام دے رکھے ہیں۔ بہر حال اس وقت اس نے محض اپنی انتقامی اسپرٹ کے تحت یہ دیکھنے اور سمجھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ اس پر حملہ کرنے والے کون تھے اور وہ اسے کہاں اور کیوں لے جانا چاہتے تھے بس وہ ان کی قیمتی کار لے بھاگا اور ٹھیک اسی جگہ پہنچ کر جہاں ان لوگوں نے اُسے روکنے کے لئے سڑک پر رسی تانی تھی کار کھڑی کر دی اور نیچے اتر کر اس نے ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور ہیڈ لائیٹ کے شیشے چکنا چور کر دیئے اور واپس لوٹنے کی تیاری کرنے لگا۔ لیکن وہ اپنی اس انتقامی کاروائی سے مطمئن نہیں تھا اچانک اسے ایک اور تدبیر سوجھی اس نے پٹرول کی ٹینکی کھول کر اس میں دیا سلائی دکھا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ کی لپٹوں نے پوری کار کو

اپنے نرغے میں لے لیا۔ انور کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

پھر وہ تیزی سے جھاڑیوں میں گھس گیا۔ اس کی موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی تھی۔ چنانچہ چند لمحوں میں وہ تیزی سے شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے وہ رسی بھی نہیں کھولی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ رسی کھولے دیتا ہے تو پولیس والے کافی دردسری سے بچ جائیں گے۔ وہ دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کیونکہ اس نے سراغ رسانی والوں کے لئے ایک اچھا خاصا معمہ مہیا کر دیا تھا۔ کا انسپکٹر آصف کی بوکھلاہٹ قابل دید ہوگی۔ پھر اچانک وہ چونک پڑا۔ آخر وہ لوگ تھے کون اور ا کہاں لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن اب اس کے متعلق سوچنا ہی بیکار تھا اور پھر وہ اس واقعے کو ہر طر اپنے ذہن سے نکال دینے کی کوشش کرنے لگا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

وہ بہت زیادہ دوراندیشی کا قائل نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دنیا کے بڑے سے بڑے حادثے کا مقابلہ صرف حاضر دماغی سے کیا جاسکتا ہے۔ منطقی دلائل اور دوراندیشی قطعی فضول چیز ہیں۔ دوراندیشی غلط راستے پر بھی لے جاسکتی ہے کیونکہ دوراندیشی کا تعلق مستقبل سے ہے او مستقبل اندھیرے میں گم ہے۔ منطقی دلائل میں تفہیم کی بنیادی غلطی کے امکانات بھی ہو ہیں۔ لہٰذا جب بنیاد ہی غلط ہوگی تو اس کیلئے دلائل اور جواز کیلئے سرمارنا دیوانگی کے علاوہ کچھ نہیں

اسی نظریئے کے تحت وہ ذہن کی ایسی تربیت کا حامی تھا جو انسان کو پیش آنے والے حادثات سے بجا طور پر نجات دلا سکے۔ اس تربیت کو اس نے حاضر دماغی کا نام دے رکھا تھا۔

وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ شخص جو حاضر دماغ نہ ہو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ ا اسی طرح زندہ رہتا ہے جیسے تپ دق کا مریض ناکارہ اور بے کار۔

اس کے خیال کے مطابق پوری زندگی عظیم الشان مقابلہ تھی جس میں انسان آگے بھی بڑھ سکتا ہے اور دوڑنے والوں کے پیروں تلے روندا بھی جاسکتا ہے۔

تقریباً ڈیڑھ بجے وہ گھر پہنچا۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کمرے کی روشنی بارجے پر پھیلی ہوئی تھی۔ انور کو تعجب ہوا کہ اس وقت اس کے کمرے میں اس کی عدم موجودگی میں کون بیٹھا ہوا تھا پہلے اُسے خیال آیا کہ ممکن ہے رشیدہ ہو۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ کب کی سو گئی ہوگی اور پھر فلیٹ کی کنجی خود اس کے پاس تھی۔ رشیدہ نے کمرہ کیسے کھول لیا۔ اس نے برابر والے فلیٹ کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو اندر نیلی روشنی دکھائی دی، جو اس بات پر دلالت کر رہی تھی کہ رشیدہ سو رہی ہے.... وہ بہت احتیاط سے اپنے فلیٹ میں داخل ہوا۔ اس کے لکھنے کی میز پر.... اس کی طرف پشت کئے ہوئے کوئی بیٹھا نہایت انہماک سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ انور کے داخل ہوتے

وہ مڑا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس کا انداز کچھ اتنا پُر اطمینان تھا جیسے وہ اپنے کمرے میں کسی مہمان کا استقبال کر رہا ہو۔ انور نے بھی اپنی عادت کے مطابق ذرہ برابر حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

یہ ایک طویل القامت اور جاذب توجہ شخصیت کا آدمی تھا۔ چہرے پر سیاہ رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی جس کے متعلق انور نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مصنوعی ہے۔ آنکھوں پر سرمئی رنگ کے شیشوں کا چشمہ تھا جس سے آنکھیں تقریباً چھپ گئی تھیں۔

"غالباً میں انور صاحب سے ملنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" اس نے انتہائی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب....!" انور ایک قدم پیچھے ہٹ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تو کیا آپ.... میں خود انور صاحب کی تلاش میں آیا ہوں۔ کیا یہ ان کا مکان نہیں معاف کیجئے گا۔" انور جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو....!" اجنبی درشت لہجے میں بولا۔

انور رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بہت نڈر آدمی ہو۔" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن تم ہر ایک کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔"

"میں تم سے ہرگز نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہو۔" انور بے پروائی سے بولا۔ "خیریت اسی میں ہے کہ تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں یہ بھی نہیں پوچھنا چاہتا کہ تم نے میرے فلیٹ کا تالا کیوں توڑا۔"

"یہ غلط ہے۔ میں نے فلیٹ کا تالا ہرگز نہیں توڑا۔" اجنبی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔ "تمہاری دوست رشیدہ مجھے یہاں بٹھا کر چلی گئی ہے۔ غالباً وہ سوتے سوتے اٹھی تھی۔"

"خیر.... خیر....!" انور بیٹھتا ہوا بولا۔ "یہ شریف آدمیوں کے ملنے کا وقت نہیں۔"

"اچھا تو تم خود کو شریف سمجھتے ہو۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"نہیں میں تمہاری شان میں قصیدہ پڑھ رہا تھا۔" انور بیزاری سے بولا۔

"خیر.... ہٹاؤ ہٹاؤ.... ان باتوں کو.... تم نے ہماری ایک اچھی خاصی کار برباد کر دی۔"

"اور جو میرا اچھا خاصا وقت برباد کیا تھا۔" انور نے کہا۔ "لیکن میں تم سے ہرگز یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہو اور مجھے کیوں پکڑوانا چاہتے تھے۔"

"تم اتنے دلیر نہیں ہو جتنا ظاہر کرتے ہو۔" اجنبی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں تم سے اس کے لئے کوئی سرٹیفکیٹ نہیں چاہتا۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"پھر فضول باتیں چھڑ گئیں۔" اجنبی نے کہا۔ "میں تم سے ایک سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں"

"کیا اسی وقت....!" انور نے کہا۔ "نہیں اب مجھے سو جانا چاہئے۔"

"تو کیا میں اس وقت یہاں جھک مارنے آیا ہوں۔" اجنبی جھلا کر بولا۔

"میں خود یہی سوچ رہا تھا۔"

"دیکھو انور....!" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "یہ داراب کی خواہش ہے کہ تم اس سے سمجھوتہ کر لو"

"کون داراب....!" انور طنزیہ لہجے میں بولا۔ "وہی بزدل، جو کسی جاسوسی ناول کے ڈا طرح اپنی شخصیت کو پُراسرار بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں سچ ہوں کہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں وہ کوئی بہت ہی معمولی آدمی کی جاسوسی ناولیں پڑھ پڑ ڈاکو بنا ہے! میں اسے اتنی اہمیت نہیں دیتا کہ اس سے کسی قسم کا سمجھوتہ کروں۔ پولیس اس سمجھتی رہے گی۔ میں شیر کی کھال میں چھپی ہوئی لومڑیوں کو خوب پہچانتا ہوں۔"

اجنبی مسکراتا رہا۔ وہ شرارت آمیز نظروں سے انور کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم داراب کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکے۔"

"میں نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا۔" انور بیزاری سے منہ بناتا ہوا بولا۔ "اگر وہ واقعی ہوتا تو ایسے ناکارہ آدمیوں کو میرے پکڑنے کے لئے نہ بھیجتا۔"

"لیکن اتنا یاد رکھو کہ وہ خود بہت خطرناک ہے۔"

"ہوگا! مجھے اس سے کیا؟"

"خیر چھوڑو۔ ہم پھر بہک گئے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "داراب دراصل یہ چاہتا ہے کہ اس کے معاملات میں دخل نہ دو۔"

"میں خواہ مخواہ کسی کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔"

"لیکن تم ایک معاملے میں دخل دینے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر دنیا کی کوئی قوت مجھے اس سے باز نہ رکھ سکے گی۔"

"اس سمجھوتے کے سلسلے میں تم جتنی رقم چاہو طلب کر سکتے ہو۔" اجنبی اُس کی بات دھیان دیئے بغیر بولا۔

"شش....!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "اس قسم کی رقمیں صرف ان مجرموں سے د

کرتا ہوں جو خود کو قانون کا محافظ کہتے ہیں۔"

"جانتے ہو تمہاری ضد کا کیا انجام ہوگا۔" وہ انور کو تیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"موت....!" انور مسکرا کر بولا۔ "اور میں عرصے سے اس کی تلاش میں ہوں۔"

"تم ابھی بچے ہو۔" اجنبی بزرگانہ انداز میں بولا۔ "تم جیسے لوگوں کے لئے داراب اچانک موت نہیں پسند کرے گا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ تمہاری زندگی کو جہنم ضرور بنا دے گا۔"

"تو میں زندگی کو جنت کب سمجھتا ہوں۔"

اجنبی خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

"تو بہر حال تم انکار کر رہے ہو۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"قطعی....!"

"تم شاید سچ مچ داراب کو معمولی سمجھتے ہو۔" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "خیر اگر تم داراب کی قوت کا اندازہ لگانا چاہتے ہو تو کل شام کو پلازا تھیٹر ضرور جانا۔"

"اگر تم چیلنج کر رہے ہو تو ضرور آؤں گا۔" انور مسکرا کر بولا۔

"یہ چیلنج نہیں بلکہ دعوت ہے۔" اجنبی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس کے جانے کے بعد انور روشنی گل کر کے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

نئی مصیبت

دوسرے دن صبح انور اپنے نشست کے کمرے میں کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے رشیدہ کو پے در پے آوازیں دینا شروع کیں۔

"کیا ہے۔" رشیدہ کمرے میں داخل ہو کر جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میری ڈائری۔"

"میں کیا جانوں۔"

"یہیں تو تھی۔"

"رہی ہوگی۔ میں کوئی ٹھیکیدار ہوں۔" رشیدہ تنک کر بولی۔

"اے رشیدہ۔"

"اے انور....!"

"میں تمہارے کان اکھاڑ دوں گا۔"

"میں تمہاری ناک اکھاڑ دوں گی۔"

انور خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

"تم نے رات میرا کمرہ کیسے کھولا تھا۔" انور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کنجی سے۔"

"مگر کنجی تو میرے پاس تھی۔"

"میں ہمیشہ تمہارے فلیٹ کی ایک کنجی اپنے پاس رکھتی ہوں۔"

"لیکن تم نے رات کمرہ کھولا ہی کیوں تھا۔"

"نہ کھولتی تو کیا اپنی نیند خراب کرتی۔ وہ اڑیل ٹٹو تھا کون۔"

"تمہارے سالے زاد نانا کا چچا۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "میں پوچھتا ہوں تم نے کمرہ کیوں کھولا تھا۔"

"وہ کہہ رہا تھا کہ میں بارجے پر بیٹھ کر انتظار کروں گا۔ میں سمجھی کہ کوئی خاص آدمی ہے اس لئے میں نے کمرہ کھول دیا۔"

"میرے صندوق سے پانچ ہزار روپے غایب ہو گئے ہیں۔ اس کی ذمہ دار تم ہو۔"

"پانچ ہزار....!" رشیدہ قہقہہ لگا کر بولی۔ کبھی خواب میں بھی دیکھے تھے۔

"چپ رہو۔" انور تیز لہجے میں بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ کسی دن تمہاری ہی وجہ سے میری گردن کٹ جائے گی۔"

"مجھے اس دن بڑی خوشی ہوگی۔ آخر بتاتے کیوں نہیں کہ کیا بات ہوئی۔"

"بیٹھ جاؤ" انور کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

رشیدہ بیٹھ گئی۔ انور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"بھئی ابھی دفتر بھی جانا ہے۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔

"ہوں....!" انور اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میں کسی نئے حادثے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ میری ڈائری کا اس طرح غائب ہو جانا کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے۔"

"پھر انور نے اُسے گذشتہ رات کے سارے واقعات بتا دیئے۔"

"اور تم نے وہ کار سچ مچ جلا دی۔" رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

"ہاں....اور مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے دوسرے ساتھی کو بھی زخمی نہ کر سکا۔"

"تم بعض اوقات سچ مچ بالکل جنگلی ہو جاتے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ واقعہ اس لئے نہیں بتایا کہ تم اخلاقیات پر ایک لیکچر دے ڈالو۔" انور نے بیزاری سے کہا۔ "کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ذرا ہوشیاری سے رہنا۔"

"تو کیا سچ مچ تم داراب سے الجھنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"ہاں میں نے اس کا تہیہ کر لیا ہے اگر میری ڈائری غائب نہ ہوئی ہوتی....!"

"تو کیا ڈائری وہی لے گیا ہے، جو کل رات کو آیا تھا؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"میں یہی سوچنے پر مجبور ہوں۔"

"میری رائے ہے کہ تم اس جھگڑے میں مت پڑو۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں تم سے رائے نہیں طلب کر رہا ہوں۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ داراب وہی تھا جو کل رات کو آیا تھا۔"

"میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس نے نہایت عجیب و غریب طریقوں سے شہر میں وارداتیں کی ہیں۔ محکمہ سراغ رسانی والوں کے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ خود اس کے گروہ سے تعلق رکھنے والوں کو بھی اس کا علم نہ ہوگا کہ داراب کون ہے۔"

"آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "اخباروں میں بھی اس کا ذکر رہتا ہے۔"

"اتنا خطرناک بھی نہیں جتنا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اس طرح اپنی پبلسٹی کرا رہا ہے....خود کو ہوا بنانے کی کوشش میں مشغول ہے۔ یہ طریقہ بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کچھ دنوں کے بعد پولیس والے اس سے خوف کھانے لگیں گے۔"

"لیکن وہ تمہیں خواہ مخواہ کیوں چھیڑ رہا ہے۔"

"یہ بھی اس کی ایک چال ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں بھی اس کا سراغ نہ لگا سکوں گا۔ اس لئے اس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی دانست میں اگر میں بھی ناکام رہا تو اس کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ اگر اُسے مجھے اپنے راستے سے ہٹانا ہی ہوتا تو وہ مجھے قتل کرا دیتا۔"

"کیوں قتل کیسے کرا دیتا۔"

"ارے یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ اگر وہ دونوں چاہتے تو کل رات ہی کو مجھے ختم کر دیتے۔"

ظاہر ہے کہ وہ قتل سے ہچکچاتا نہیں ہے کیونکہ اسی شہر میں کئی ایسے قتل ہوئے ہیں جو اسی کی ذا
سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ قطعی غلط ہے کہ وہ مجھ سے کسی قسم کا سمجھوتہ کرنا چاہتا ہے۔"

"واہ یہ بھی عجیب بات ہے۔"

"بہر حال تمہیں ہر طرح ہوشیار رہنا چاہئے۔ میں نے اس خرگوش کو اس کے اصلی رو
میں ظاہر کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

"تم جانو اس معاملے میں تو تمہیں شاید کچھ روپیہ بھی نہ مل سکے۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں تو اسے اس چھیڑ چھاڑ کا مزہ چکھانا چاہتا ہوں۔"

"اب دیکھو اس جلی ہوئی موٹر کا پولیس کیا اسکینڈل بناتی ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"آج انسپکٹر آصف کا حلیہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔" انور مسکرا کر بولا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن درزی آج پھر تقاضا کر رہا تھا آخر تم اس کا بل کب ادا
گے۔" رشیدہ نے کہا۔

"اوہ.... تم واقعی اس وقت بہت حسین معلوم ہو رہی ہو۔"

"میرے پاس اب ایک پائی بھی نہیں ہے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"اس کے باوجود بھی تم آج اچھی لگ رہی ہو۔"

"میں سچ کہتی ہوں کہ ایک پیکٹ سگریٹ کے دام بھی نہ نکال سکوں گی۔"

"تب تو پھر مجھے اپنے ہی حسن کی تعریف کرنی پڑے گی۔" انور بے بسی کا اظہار کرتا ہوا بو
رشیدہ برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"خیر یہ لو۔" اس نے کنجیوں کا لچھا رشیدہ کی گود میں پھینک دیا۔ "جا کر نیلے صندوق
روپے نکال لو۔ درزی کا بل بھی ادا کر دینا اور میرے لئے سگریٹ بھی لیتی آنا۔"

"میں نہیں جاتی۔"

"دوڑ جاؤ.... شاباش....!" انور نے کہا اور میز پر سے ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔
رشیدہ منہ بناتی ہوئی چلی گئی۔ انور نے کتاب رکھ کر اخبار کے لئے جاسوسی ناول کی قط
شروع کر دی۔ چند لمحوں کے بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ تھوڑی دیر قبل اپنی ڈائری ڈھونڈ رہا
وہ تقریباً ایک گھنٹے تک لکھتا رہا۔ اس دوران میں رشیدہ اس کی میز پر سگریٹ کا پیکٹ رکھ کر چل
لیکن اسے خبر نہ ہوئی۔

تقریباً [illegible] بجے وہ پھر آئی۔

"ارے بھئی دفتر چلنا ہے یا نہیں۔"

"اوں....!" انور چونک کر بولا۔ "ضرور ضرور.... ارے آج میں نے ناشتہ بھی نہیں
کیا.... تم کر چکیں کیا؟"

"دیکھو خواہ مخواہ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ میں کبھی تنہا ناشتہ کرتی ہوں کہ آج ہی کر لیتی۔"

"چہ چہ.... تمہیں مجھ سے کہنا چاہئے تھا۔"

"میں تم سے کیا کہا کروں....!" رشیدہ جھلا کر بولی۔ "مجھے ڈر ہے کہ کسی دن مجھے تم سے یہ
بھی نہ کہنا پڑے کہ دیکھو گڈے میاں تمہارے منہ سے رال بہہ رہی ہے۔"

"میں سچ کہتا ہوں رشیدہ نہ جانے کیوں تمہارے سامنے بچہ بن جانے کو دل چاہا کرتا ہے۔"
انور نے کہا۔

"اچھا بس بس بیکار باتیں بند۔" رشیدہ نے تیز لہجے میں کہا۔ "اٹھ کر کپڑے پہنو۔"

انور نے پنسل میز پر پٹخ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آج تم نے شیو بھی نہیں کیا۔"

"ٹالو بھئی، روزانہ شیو کرنے سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔" انور نے کہا۔

"پھر وہی فضول باتیں، تمہیں شیو کرنا ہی پڑے گا۔"

"ارے تم تو جان کو آجاتی ہو۔"

"چلو شیو کرو۔" رشیدہ تحکمانہ لہجے میں بولی۔

انور منہ سکوڑتا ہوا غسل خانے میں چلا گیا۔ رشیدہ میز پر بکھری ہوئی کتابیں درست کرنے لگی۔
گھر سے نکل کر دونوں نے ایک ریستوران میں ناشتہ کیا اور دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔
تقریباً دو بجے وہ دونوں لنچ کیلئے دفتر سے نکل رہے تھے کہ سامنے انسپکٹر آصف آتا دکھائی دیا۔

"دیکھا تم نے۔" انور رشیدہ کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھ کر بولا۔

آصف ان دونوں کے قریب آ کر رک گیا۔ وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ چند
لمحوں تک انور کو خاموشی سے گھورتا رہا پھر اچانک بولا۔

"تم کل رات کہاں تھے۔"

"ایک یتیم خانے کے لئے چندہ اکٹھا کرتا پھر رہا تھا۔" انور نے جواب دیا۔

"اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ اس بار تم بری طرح پھنس گئے۔"

"اور میں اچھی طرح کب پھنستا ہوں۔"

"یہ تمہاری ڈائری ہے۔" آصف نے جیب سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا
"دیکھوں....!" انور نے ہاتھ بڑھا کر ڈائری اس کے ہاتھ سے لے لی اور اس کے اورا
الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"ہاں ہے تو میری ہی۔" انور نے کہا اور ڈائری کو اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

"لاؤ لاؤ ڈائری مجھے واپس کردو۔" آصف جلدی سے بولا۔

"کیوں....!"

"اس کا تعلق ایک کیس سے ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے تم آج زیادہ پی گئے ہو۔" انور نے کہا۔ "ایک تو تم نے یہی جرم کیا کہ ا
میرے کمرے سے چرالائے اور پھر اب خواہ مخواہ دھونس جمانے آئے ہو۔"

"دیکھو میں کہتا ہوں، ڈائری واپس کردو۔"

"کیسی ڈائری۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "تم نے اس ماہ میں ابھی تک میرا حق نہیں ادا
مجھے سو روپیوں کی سخت ضرورت ہے۔"

"فضول بکواس مت کرو اب مجھ پر اس قسم کی دھونس نہیں پڑ سکتی۔ میں نے وہ قمار خانہ بند کرادیا جس کی دھمکی دے کر تم مجھ سے روپے وصول کرلیا کرتے تھے۔"

"سنو بھائی انسپکٹر صاحب.... اگر تم ایک در بند کرتے ہو تو میں ہزار در کھول لیتا ہوں
میرے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ سیٹھ داؤد بھائی تمہاری دانست میں ہزاروں روپے
لوہے کی چور بازاری کر رہا ہے تم نے ابھی حال ہی میں ایک ماخوذ مجرم کو امریکہ کا ویزا دلا کر یہ
سے نکال دیا ہے۔ اس موقعے کی تصویر تک پیش کر سکتا ہوں جب تم ایک دیہاتی لڑکی کو خرید
کے لئے ٹھونک بجا کر دیکھ رہے تھے۔"

آصف گھبرائے ہوئے انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"اگر کہو تو دو ایک باتیں اور گنوا دوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"تم زیادہ دیر تک اپنی ان حرکتوں کو جاری نہ رکھ سکو گے۔" آصف تنفر آمیز انداز میں بولا۔

"مستقبل کی تو میں جوتے کی نوک کے برابر بھی پرواہ نہیں کرتا۔ مجھے تو آج سو روپیوں کی ضرورت ہے۔"

"تم مجھ سے اب ایک پائی بھی نہیں لے سکتے۔" آصف بگڑ کر بولا۔

"عجیب احمق آدمی ہو یہاں شور مت مچاؤ۔ چلو کسی ریستوران میں بیٹھ کر معاملہ طے کرلیں

گے۔" انور نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

انور، آصف اور رشیدہ ایک ریستوران میں آبیٹھے۔

"تو تم دوپہر کا کھانا کھا ہی چکے ہو گے۔" انور شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

آصف نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن وہ اسے غصہ بھری نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"خیر چائے تو پیئو گے۔" انور نے کہا اور بیرے کو بلا کر کھانے اور چائے کا آرڈر دیا۔

"جانتے ہو مجھے تمہاری ڈائری کہاں سے ملی تھی۔" آصف نے کہا۔

"جانتا ہوں کہ تم کوئی حیرت انگیز جھوٹ بولنے والے ہو۔" انور نے کہا۔

"جھوٹ....!" آصف اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں بھئی سچ....!" انور اکتا کر بولا۔ "کچھ کہو گے بھی۔"

"جھریالی کے سنسان علاقے میں رات ایک کار میں آگ لگ گئی۔" آصف اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ارے....!" انور چونک کر بولا۔ "اچھا اب میں اپنی ڈائری کو منع کردوں گا۔ اس قسم کی حرکتیں نہ کیا کرے۔"

"انور....!" آصف کے لہجے میں سختی آگئی۔

انور سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کار کو راستے میں رسی حائل کر کے روکا گیا تھا اور پھر اسے توڑ پھوڑ کر اسمیں آگ لگادی گئی۔"

"لیکن پھر میں کیا کروں۔" انور بولا۔

"اور اُس جلی ہوئی کار میں ایک لاش....!"

"لاش....!" انور چونک کر بولا۔

"ہاں! اور موٹر کے قریب تمہاری ڈائری پڑی پائی گئی ہے۔"

انور ہنسنے لگا اور رشیدہ فکر آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ بھلا یہ بھی کوئی ہنسنے کا موقع تھا۔ ایسی حالت میں تو انور کو ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو جانا چاہئے تھا۔ رشیدہ سوچنے لگی کہ آخر انور نے اُس لاش کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا اور سچ مچ یہ بڑی الجھن کی بات ہو گئی کہ وہیں پر انور کی ڈائری بھی پائی گئی۔

"اور کچھ....!" انور معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔ "میری پتلون کا پائنچہ اور جوتے کا سول بھی وہیں ملا ہوگا۔"

"مجھے تمہیں حراست میں لینا پڑے گا۔" آصف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تمہارے انداز سے سچ مچ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم نے یہ ساری باتیں انتہائی سنجیدگی سے کی ہوں۔" انور نے کہا۔

آصف اُسے قہر بھری نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"اگر تم واقعی یہ سب کچھ سنجیدگی سے کہہ رہے ہو تو پھر وہاں میری ڈائری کا پایا جانا بھی حیرت انگیز ہے۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ڈائری خود بخود تو وہاں پہنچ نہیں سکتی۔" آصف تلخ لہجے میں بولا۔

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔" انور آہستہ سے بولا۔ "تو میرا خیال ہے کہ میری ڈائری رات ہی کو کسی نے گھر سے غائب کر دی تھی۔ میں آج صبح اسے تلاش کر رہا تھا۔"

"تو گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کوئی تمہیں پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔" آصف نے کہا۔

"اس کے علاوہ میں اور سوچ ہی کیا سکتا ہوں۔"

"کوئی مجرم آسانی سے اقبالِ جرم نہیں کر لیتا۔"

"مجرم....!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "انور کو اتنی آسانی سے مجرم بنا دینا ہنسی کھیل نہیں ہے انسپکٹر صاحب۔"

"میں سچ کہتا ہوں کہ اس بار تمہاری دھمکیاں کارگر نہ ہو سکیں گی۔" آصف نے کہا "مجھے تم سے ہمدردی ہے تمہاری شرارت پسند طبیعت کے باوجود بھی مجھے تم سے اُنس تھا۔ مگر اس بار میں مجبور ہوں۔"

انور نے ایک طنز میں ڈوبا ہوا قہقہہ لگایا۔

آصف دانت پیس رہا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اسے خود ہی پھانسی دے دیتا۔

"لاؤ وہ ڈائری مجھے واپس کر دو۔" آصف کڑوے لہجے میں بولا۔

"کیسی ڈائری.... کون سی ڈائری؟ خواب تو نہیں دیکھ رہے ہو۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"ان سب باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ اس کا اندراج کاغذات میں ہو چکا ہے۔"

"ہوا میں اڑ رہے ہو شاید....!" انور مسکرا کر بولا۔

"اب مجھے سختی کرنی پڑے گی۔" آصف جھنجھلا کر بولا۔

"میں پولیس والوں سے ہاتھا پائی کرنے کو کمینہ پن سمجھتا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر تم سیدھی طرح نہ دو گے تو میں یہیں سب کے سامنے تمہاری جامہ تلاشی لوں گا۔"

آصف بولا۔

"شوق سے۔" انور نے مسکرا کر کہا۔ "میں سرکاری آدمیوں کے کام میں حارج ہونے کو جرم سمجھتا ہوں۔"

انور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ آصف نے اس کی جامہ تلاشی لی اور نڈھال ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسکے چہرے پر ندامت، غصے اور نفرت نے عجیب طرح کے آثار پیدا کر دیئے تھے۔

"بس....!" انور اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "تم نے بھرے مجمعے میں خواہ مخواہ میری توہین کی ہے۔ اسے اچھی طرح یاد رکھنا۔"

"میں کہتا ہوں ڈائری....!"

"ڈائری نہیں ڈیری۔ روزانہ تازہ اور خالص دودھ پیا کرو۔ اس سے دماغی توازن درست رہتا ہے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"بیکار.... فضول.... تم بچ نہیں سکو گے۔" آصف بے بسی سے بولا۔

"تم جیسا احسان فراموش بھی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ تمہارے لئے میں نے کتنے پاپڑ بیلے ہیں۔" انور نے کہا۔

"وہ اپنی جگہ پر.... اس وقت میں اپنے فرائض کی انجام دہی پر مجبور ہوں۔"

"تو میں نے تمہیں کب روکا ہے۔ تم شوق سے مجھے گرفتار کر سکتے ہو۔ مگر میرا جرم....!"

"قتل اور آتش زنی....!" آصف اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یعنی میں نے ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی کار میں آگ لگا دی۔"

"اب یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو۔" آصف بیزاری سے بولا۔

"اور پھر میں اس لئے وہاں اپنی ڈائری چھوڑ آیا کہ مرنے والا تنہائی کا احساس کم کرنے کے لئے اس کا مطالعہ کرے۔"

"نہیں وہ جلدی اور گھبراہٹ میں تمہاری جیب سے گر گئی تھی۔"

"خیر.... خیر.... اس بے چارے کی لاش تو جل بھن گئی ہو گی۔ شاید صورت بھی نہ پہچانی جا سکے۔" انور نے کہا۔

"نہیں یہی تو حیرت کی بات ہے کہ اسکے کپڑے تک نہیں جلے۔" آصف جلدی سے بولا۔

انور نے قہقہہ لگایا اور حقارت آمیز انداز میں آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

آصف پھر اس کی حرکت پر جھنجھلا اٹھا۔

"تو بہر حال یہ انور کی حرکت ہے۔" انور نے کہا۔

"قطعی....!" آصف خود اعتمادی کے ساتھ سر ہلا کر بولا۔

"بھلا میں نے اُسے قتل کس طرح کیا اور کار میں آگ لگانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ جب کہ لاش ہی نہ جل سکی۔ آگ لگانے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ لاش پہچانی نہ جاسکے۔ لیکن تم کہتے ہو کہ مقتول کے کپڑے تک نہیں جلے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ کار کے جل جانے کے بعد لاش اس میں ڈالی گئی۔"

"تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو۔" آصف نے کہا۔

"یہی کہ تم خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ کر اپنا وقت برباد کرو گے۔"

"یہ تمہارا اپنا خیال ہے۔" آصف بیزاری سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

انور اور رشیدہ کھانا کھا چکے تھے۔ اس کے بعد چائے کا دور شروع ہوا جس میں طوعاً و کرہاً آصف کو بھی شریک ہونا پڑا۔

"لاش کس کی ہے۔" انور نے پوچھا۔

"یہ تم مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔" آصف نے کہا۔

"آپ کیوں خواہ مخواہ انور کو پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"تم انور کو اتنا شریف کیوں سمجھتی ہو۔" آصف مسکرا کر بولا۔

"اس لئے کہ وہ شریفوں کی بخیہ ادھیڑتا رہتا ہے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"تم مت بولو بھئی۔" انور رشیدہ کو پیار بھری آنکھوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ پھر آصف کو مخاطب کر کے کہا۔ "آخر وہ آدمی ہے کون۔"

آصف نے ایک تصویر نکال کر میز پر ڈال دی۔ انور کو اگر اپنی طبیعت پر قابو نہ ہوتا تو وہ شدت سے چونک پڑا ہوتا۔ رشیدہ بھی انور کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ دیکھ کر سنبھل گئی۔ اُسے آصف کے سر کے بل کھڑے ہو جانے پر اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی کہ اس تصویر کو دیکھ کر ہوئی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" انور نے کہا۔

"وہ تو تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔" آصف نے تصویر کو جیب میں رکھتے ہوئے کہا "میں پھر کہتا ہوں کہ ڈائری مجھے واپس دے دو۔ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" انور جھلا کر بولا۔ "جامہ تلاشی لے چکنے پر بھی تمہاری تشفی نہیں ہوئی۔"

"خیر خیر۔" آصف اٹھتا ہوا بولا۔ "تمہیں جلد ہی اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

انور کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ ریستوران سے چلا گیا۔

رشیدہ حیرت سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ انور نے آنکھ کے اشارے سے اُسے روک دیا۔

پھر وہ دونوں ریستوران سے نکل کر آفس کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے بھر خاموشی رہی۔ انور محسوس کر رہا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

آفس پہنچ کر اس نے رشیدہ کو اپنے کمرے میں چلنے کے لئے کہا۔ رشیدہ بہت زیادہ بے چین نظر آرہی تھی۔

"وہ تصویر.... یعنی.... کہ وہ....!" رشیدہ اٹک اٹک کر بولی۔

"اسی آدمی کی تھی جو کل رات کو مجھ سے ملنے آیا تھا۔" انور نے جملہ پورا کر دیا۔

"اور وہی میری ڈائری بھی لے گیا تھا۔"

"اور ڈائری کیا ہوئی۔"

"وہ میں نے اُسی وقت ایک زمین دوز گندے نالے میں ڈال دی تھی جب آصف کے ساتھ ریستوران جا رہے تھے۔" انور بولا۔

"ارے....!"

"ہاں اور اب تک پانی کے بہاؤ نے اس کے پرخچے اڑا دیئے ہوں۔"

اسٹیج کی واردات

"سنو انور....!" رشیدہ سنجیدگی سے بولی۔ "مجھے ایسی زندگی سے پیار ضرور ہے لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ ہم لوگ قانون کی نظروں میں مجرم بنیں۔"

"وہ تو زبردستی بنا پڑا۔ بھلا اس میں میرا کیا قصور....!"

"تم سب کچھ آصف سے بتا کیوں نہیں دیتے۔"

"عورت ہمیشہ عورت ہی رہے گی۔ خواہ وہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے۔ جانتی ہو کہ اس کا کیا انجام ہو گا وہ مستقل طور پر میرے پیچھے پڑ جائے گا۔ لیکن رشیدہ میں نے تمہیں کبھی اس بات پر

مجبور نہیں کیا کہ تم ہر معاملے میں میرا ساتھ دیا کرو۔"

"تم غلط سمجھے ہو۔ تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہی تھی۔"

"میں اپنی بھلائی کو عرصہ ہوا دفن کر چکا ہوں۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں مریضوں کی طرح زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ دنیا کی بہتی ہوئی دولت میں میرا بھی حصہ ہے۔"

رشیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے انور کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تم زندگی کی یکسانیت سے اکتا گئی ہو۔ تمہارا عورت پن جاگ اٹھا ہے اپنی جنس کی فطرت کے مطابق تمہیں زندگی میں ہر لحظہ تبدیلی بھی چاہئے اور سکون بھی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اپنی پچھلی زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر میری طرف بھٹک آئیں تم اور اب پھر اس زندگی میں لوٹ جانا چاہتی ہو۔ مجھے ذرہ برابر بھی اس کا افسوس نہ ہوگا۔"

"تم نہ جانے کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔" رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔

"میں وہی کہہ رہا ہوں جو تمہارے دل میں ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست اور رہیں گے لیکن اب ہم دونوں کی راہیں مختلف ہو جانی چاہئیں۔"

"کیوں....؟"

"میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"داراب بہت ہی اوچھی طبیعت کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔" انور نے کہا۔ "بہرحال اس بھڑنا بھی پڑے گا۔"

"میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔"

"تو میں نے تم سے مشورہ کب مانگا ہے۔"

"جو میں کہوں گی تمہیں وہی کرنا پڑے گا۔" رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

"فضول بکواس نہیں، جاؤ اپنا کام کرو۔"

"اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو....!"

"تم مجھ سے شادی کر لو گی۔" انور نے جملہ پورا کر دیا۔

رشیدہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگی۔

"میں آصف کو سب کچھ بتا دوں گی۔"

"بتا دو....! میں اُسے ایک بوڑھا بچہ سمجھتا ہوں۔ اگر میں ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا ہوتا تو؟

پہلی اولاد آصف ہی کے برابر ہوتی۔"

"دیکھو اس سلسلے کو مذاق میں مت ڈالو۔" رشیدہ نے کہا۔

"تم یہاں سے جاتی ہو یا کان پکڑ کر نکال دوں۔"

"دیکھو انور میں کسی دن تمہاری کھال اتار دوں گی۔" رشیدہ نے کہا اور پیر پٹختی ہوئی باہر چلی گئی۔

انور دوسرے دن کے اخبار کے لئے اپنی رپورٹیں مکمل کرنے لگا۔ رات والے حادثے کو اس نے آصف کے بیان کے مطابق لکھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک چپراسی اندر آکر اس کی میز پر ایک لفافہ رکھ گیا۔ انور لکھنے میں مشغول تھا۔ کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفافہ اٹھا کر کھولا.... اس میں پلازا تھیٹر کے آرکسٹرا کے دو ٹکٹ تھے۔ انور کو رات والے پُراسرار اجنبی کی دعوت یاد آگئی۔ اس نے اُسے آج پلازا تھیٹر کے شو کی دعوت دی تھی۔ مگر آصف کے بیان کے مطابق وہ قتل کر دیا گیا تھا۔ پھر یہ کیا معمہ ہے۔

انور نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو اندر بلایا۔

"یہ لفافہ کون لایا تھا۔"

"میں انہیں پہچانتا نہیں۔"

"کوئی قاعدے کا آدمی تھا۔"

"جی ہاں ایک بہت نفیس کار پر آئے تھے۔"

"حلیہ کیا تھا۔"

"سیاہ ڈاڑھی۔ رنگ گورا ناک کے نتھنے کے پاس بڑا سا ابھرا ہوا تل تھا۔ سرمئی رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھے۔"

"ہوں....!" انور نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

چپراسی نے جو حلیہ بتایا تھا وہ اسی آدمی کا تھا جس کی تصویر آصف نے اسے دکھائی تھی اور جو پچھلی رات کو انور سے اس کے گھر پر ملا تھا۔ انور سوچتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ چار بج رہے تھے۔ اس نے سب کاغذات ایڈیٹر کے کمرے میں بھجوا دیئے اور خود اپنے کمرے سے نکل آیا۔ دوسرے کمرے میں رشیدہ بیٹھی ٹائپ کر رہی تھی۔ وہ اس کی پشت پر جھک گیا۔

"اب ختم بھی کرو یہ سلسلہ، کیا گھر نہیں چلنا ہے۔" انور نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں میرا راستہ الگ ہے۔" رشیدہ نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"یعنی آج دوسرے راستے سے گھر جاؤ گی۔"

"تم سے مطلب....!"

"نہیں مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔ "میں تو اس لئے کہہ رہا تھا کہ تمہیں خواہ مخواہ کوئی سواری کرنی پڑے گی۔"

اور پھر انور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر آفس سے چلا آیا۔ اپنی موٹر سائیکل نکالی اور سیدھا کوتوالی کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اُسے اس بات پر حیرت ہوئی کہ کوتوالی میں کسی نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

آصف کوتوالی ہی میں موجود تھا۔ انور کو دیکھتے ہی جھلا گیا۔

"کیا! یہاں کیوں آئے ہو۔"

"تمہیں مجھ سے یہ پوچھنے کا حق نہیں، میں ایک اخبار کا کرائم رپورٹر ہوں اور اس کے باقاعدہ لائسنس رکھتا ہوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"بہت اچھا! یہاں یہ مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ تمہیں شبے میں گرفتار کر لیا جائے۔" آصف نے کہا۔

"میں گرفتار ہی ہونے کے لئے آیا ہوں۔" انور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں ذرا وہ صورتیں دیکھنا چاہتا ہوں جو میری گرفتاری کے متعلق مشورہ کر رہی تھیں۔"

"دیکھو برخوردار یہ انگلینڈ کی پولیس نہیں ہے۔ یہاں اقبال جرم کرانے کا جو طریقہ برتا جاتا ہے اس سے تم واقف ہو۔" آصف نے کہا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں آصف صاحب! ذرا وہ طریقہ اختیار کر کے دیکھئے۔"

"صاحب زادے ہو۔" آصف مسکرا کر بولا۔ "یہ کہو میں نے اس ڈائری کو اپنے ہی تک محدود رکھا اور نہ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔"

"تم نے یہ کہہ کر میرا دل جیت لیا میرے پیارے محبوب۔" انور رومانٹک انداز میں بولا۔

آصف نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور انور کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پلازا تھیٹر چل رہے ہو۔" انور نے پوچھا۔

دفعتاً آصف چونک پڑا۔

"کیا مطلب! تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" آصف اسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ انور سوچ میں پڑ گیا کہ آصف کے اس رویے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

"دنیا کی کونسی ایسی بات ہو سکتی ہے جس سے مجھے واقفیت نہ ہو۔"

آصف اُسے گھورنے لگا۔

"پلازا کے منیجر سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ٹکٹ اس نے نہیں بھیجے۔ لیکن وہ آج ہی خریدے گئے ہیں۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"صرف تمہارے ہی پاس آئے ہیں۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں دو تین افسروں کو بھی کسی نے آج کے شو کے لئے مدعو کیا ہے۔" آصف بولا۔

"تمہیں اس کی اطلاع کس طرح ہوئی۔"

"ایک کرائم رپورٹر کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کی اطلاعات بہم پہنچاتا رہے۔"

آصف کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"سچ بتاؤ تمہاری ڈائری وہاں کس طرح پہنچی تھی۔" آصف نے کہا۔ "میں تم سے اس قسم کے جرم کی توقع نہیں رکھتا۔"

"اب آئے سیدھی راہ پر....!" انور ہنس کر بولا۔ "کوئی مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس شہر میں کوئی بڑی واردات ہونے والی ہے.... بہت بڑی.... اسے لکھ لو۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب! بہت جلد واضح ہو جائے گا۔" انور نے کہا۔ "لاش کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ کس کی ہے۔"

"نہیں اور ایک دلچسپ اطلاع۔ اس کی ڈاڑھی نقلی ثابت ہوئی۔"

انور نے قہقہہ لگایا اور شرارت آمیز نظروں سے آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہو۔"

"بھلا میں کیا جان سکتا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم شیطان ہو۔" آصف بزرگانہ شفقت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

"بے کار! بالکل بے کار! اس قسم کے پیار بھرے حربے میرے لئے قطعی بیکار ہیں۔ اگر میں کچھ جانتا ہوتا تو ویسے ہی بتا دیتا۔"

"خیر خیر....!" آصف مسکراتا ہوا بولا۔ "تم تو میرے ساتھ پلازا چل رہے ہو۔"

"تمہارے ساتھ کیوں! کیا میں اس شہر کی اہم شخصیت نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب....!" آصف چونک کر بولا۔

"ظاہر ہے کہ مدعو کرنے والے نے مجھے بھی مدعو کیا ہوگا۔" انور لاپروائی سے بولا۔

"اور تم مدعو کرنے والے کو نہیں جانتے۔" آصف نے پوچھا۔

"جب یہاں کا اتنا بڑا سراغ رساں نہیں جانتا تو بھلا میں بے چارہ کیا جان سکتا ہوں۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔

"انور تم بعض اوقات سخت تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔"

انور ہنسنے لگا اور آصف اُسے برآمدے میں چھوڑ کر دفتر میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد انور کی موٹر سائیکل پلازا تھیٹر کی طرف جا رہی تھی۔ ساڑھے پانچ بج چکے تھے۔ ڈرامہ شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا لیکن بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ کمپاؤنڈ میں شانے سے شانہ چھل رہا تھا۔ اس دوران میں جب کہ فلم اتنی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اسٹیج کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی، لیکن پھر بھی پلازا تھیٹر کا ہال تماشائیوں سے بھرا رہتا تھا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ ایک رقاصہ شیلا رانی تھی۔ حال ہی میں وہ فرانس، جرمنی، انگلینڈ اور اطالیہ میں اپنے فن کے مظاہرے کر کے واپس آئی تھی۔ دورے کے درمیان میں اس نے غیر ملکی طرز رقص سے بھی خاصا استفادہ کیا تھا اور اس طرح اس کے آرٹ کو ایک نئی زندگی بخش دی تھی۔ حالانکہ ہمارے ملک میں فن کے پرکھنے والے کم ہیں لیکن شیلا رانی جوان بھی تھی اور پھر کیا چاہئے اس کے جسم کا لوچ ہی لوگوں کو اسی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی تھا۔

انور ہال میں جا کر بیٹھ گیا۔ آرکسٹرا کی چند نشستوں کے علاوہ سارا ہال بھرا ہوا تھا۔ انور نے سوچا کہ یہ خالی جگہیں وہی مخصوص نشستیں ہو سکتی ہیں جن کے ٹکٹ کسی نامعلوم آدمی نے پولیس کے چند آفیسروں کے پاس بھجوائے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر آصف چار دوسرے پولیس آفیسروں کے ساتھ ہال میں داخل ہوا۔ انور کی سیٹ کے بعد پانچ نشستیں خالی تھیں.... وہ پانچوں آ کر بیٹھ گئے۔ آصف انور کے برابر ہی بیٹھا۔

"تو کیا واقعی تمہیں بھی ٹکٹ موصول ہوا تھا۔" آصف نے پوچھا۔

"شاید تم اب مجھ سے حلف اٹھوانا چاہتے ہو۔" انور نے کہا۔ "مجھے دو ٹکٹ موصول ہوئے تھے اسی لئے میرے برابر کی سیٹ ابھی تک خالی ہے۔"

"دو ٹکٹ کیوں۔"

"شائد ایک رشیدہ کے لئے تھا۔"

"تو اسے کیوں نہیں لائے۔"

"وہ خود نہیں آئی۔"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہال آرکسٹرا کی دھنوں سے گونجنے لگا۔ ہال کی روشنی گل ہو گئی اور اسٹیج جگمگانے لگا۔ پردہ اٹھا اور ڈرامہ شروع ہو گیا۔ ڈرامہ زیادہ دلچسپ نہ تھا۔

"بھئی یہاں تو کوئی خاص بات نہیں....." آخر آصف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"افسوس کیوں کر رہے ہو۔ مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

سین پر سین بدلتے رہے۔ آخر کار وہ موقع آیا جب ڈرامے کی ہیروئن شیلا رانی اپنے پائیں باغ میں رقص کر رہی تھی۔ قریب ہی سے سٹیج پر ایک ڈاکو نمودار ہوا جس نے اپنا چہرہ سیاہ نقاب سے چھپا رکھا تھا۔ ہیروئن اس کی آمد سے بے خبر تھی۔ وہ اپنے فن میں ڈوبی ہوئی رقص کرتی رہی۔ دفعتاً ڈاکو نے جیب سے پستول نکالا ایک زور دار دھماکہ ہوا اور ہیروئن چیخ مار کر گر پڑی۔ پردہ کھینچ دیا گیا۔

"کتنی سچی اداکاری تھی۔ کتنی سچی چیخ۔" آصف بولا۔

"اداکاری نہیں حقیقت۔" انور تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔ وہ سچ مچ ختم ہو گئی ہے اور پھر پردے کے پیچھے شور مچ گیا انور اسٹیج کی طرف جھپٹا۔

"ارے ارے کیا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" آصف چیخا۔

"جلدی آؤ.... جلدی آؤ....!" انور ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔ دوسرے لمحے میں وہ اسٹیج پر تھا۔ شیلا رانی اسٹیج پر مردہ پڑی تھی اور چند ایکٹرس اس کے گرد کھڑے بُری طرح چیخ رہے تھے۔ ان میں وہ ڈاکو بھی تھا اس کے ہاتھ میں ابھی تک پستول دبا ہوا تھا۔ گولی شیلا رانی کے سر پر لگی تھی۔

انور نے پلٹ کر دیکھا آصف بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسٹیج پر آ گیا تھا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جلدی کرو۔" انور بولا۔ "کوئی باہر نکل کر نہ جانے پائے۔"

آصف پردے کے باہر آ گیا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ شور مچا رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یک بیک یہ کیسی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔

"حضرات....!" آصف تماشائیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میں محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی ہال کے باہر نہ جائے۔ رقاصہ سچ مچ قتل ہو گئی ہے۔"

تماشائیوں میں ہیجان پھیل گیا۔ تھوڑی دیر بعد سب دروازے مقفل کر دیئے گئے۔ آصف

پھر اسٹیج پر لوٹ آیا۔ پستول چلانے والا سر پکڑے بیٹھا تھا اور اس کا پستول انور کے ہاتھ میں تھا۔

"آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔" ریوالور والا دوسرے ایکٹروں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں یہاں سے ہٹ کر کہیں نہیں گیا۔"

ایکٹروں نے اس کے بیان کی تائید کی۔

"عجیب بات ہے۔" انور سر ہلا کر بولا۔ "پولیس آفیسروں نے ریوالور والے کو اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ پستول خالی تھا۔" منیجر نے آگے بڑھ کر کہا۔ "عین موقعے پر یہ معلوم ہوا تھا کہ بغیر گولیوں والے کارتوس ختم ہو گئے۔ اس لئے مجبوراً یہ انتظام کیا گیا تھا کہ جیسے ہی یہ ریوالور نکالے پردے کے پیچھے پٹاخہ داغ کر پستول کی مصنوعی آواز پیدا کی جائے۔ آپ نے خود دیکھا ہوگا کہ ریوالور سے دھواں یا شعلہ نہیں نکلا تھا۔"

"تو پھر یہ گولی آئی کہاں سے۔" آصف نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"اب بھلا بتایئے میں کیا بتاؤں۔" منیجر نے کہا۔ "کیا میں یہ نہیں جانتا کہ یہ حادثہ میرے لئے ایک بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد تھیٹر کا ایک ایک کونہ دیکھ ڈالا گیا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ گولی کہاں سے آئی اور وہ کس کی حرکت تھی۔ آخر کار تھک ہار کر ہال کے دروازے کھلوا دینے پڑے۔ منیجر بُری طرح بدحواس تھا۔

"اب کیا کیا جائے۔" آصف بے بسی سے بولا۔

"مدعو کرنے والا دراصل ہماری بے بسی کا تماشہ دیکھنا چاہتا تھا۔" انور نے کہا۔

"تو کیا.... تو کیا....!"

"جی ہاں....!" انور طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کبھی پہلے بھی اس قسم کے پُر اسرار دعوت نامے موصول ہوئے تھے۔"

آصف غور سے اُسے دیکھنے لگا۔

انور نے پستول کی نال کو ناک سے لگا کر سونگھا۔

"اس پستول سے تو واقعی گولی نہیں چلی۔" انور نے کہا۔

"ممکن ہے بدل دیا گیا ہو۔" آصف بولا۔

"دوسرے لوگوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی اسٹیج سے

نہیں ہٹا۔" انور نے کہا۔

"پھر....!"

"بھلا میں کیا جانوں۔" انور منہ بنا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد ہال میں پولیس والوں کے علاوہ کوئی اور نہ رہ گیا۔ حادثے کی اطلاع پا کر کچھ اور ذمے دار آفیسر بھی پہنچ گئے تھے۔ وہ ایکٹر جو ڈاکو کا پارٹ کر رہا تھا حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اس وقت اسٹیج پر جو ایکٹر اور پردہ کھینچنے والے موجود تھے پولیس نے ان کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔

پولیس والے لوگوں کے بیانات لینے میں الجھے ہوئے تھے اور انور کسی اور ہی فکر میں تھا۔ اس کی نگاہیں پورے اسٹیج کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس سین کے لئے خاص طور سے اسٹیج ترتیب دیا گیا تھا۔ داہنی طرف لکڑی کی ایک دیوار میں اس طرح رنگ کاری کی گئی تھی کہ وہ کسی کوٹھی کے سامنے کا حصہ معلوم ہو رہا تھا اور پر ایک سائبان بنا ہوا تھا جسے نیچے سے روکنے کے لئے لوہے کے کئی چھڑ لگائے گئے تھے۔ شیلا رانی ٹھیک اسی سائبان کے سامنے ناچ رہی تھی۔ انور اس کی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا جہاں سے ابھی ابھی شیلا رانی کی لاش ہٹائی گئی تھی۔ اس کی نگاہیں بار بار سامنے والے سائبان کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"تو تمہیں اس حادثے کی اطلاع پہلے سے تھی۔" آصف نے انور سے پوچھا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔" انور چڑ کر بولا۔ "اپنا کام کرو۔ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا۔"

"کیا بتانا پڑے گا۔"

"ہم لوگوں کے پاس ٹکٹ کس نے بھجوائے تھے۔" آصف تیز لہجے میں بولا۔

"افراسیاب والی طلسم ہوشربا نے۔"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔" آصف دانت پیس کر بولا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" انور نے کہا۔

"اب مجبوراً مجھے....!"

"سر پھوڑ لینا پڑے گا۔" انور نے مسکرا کر جملہ پورا کر دیا۔ "تم آدمی ہو یا ڈیوٹ....!"

"ٹھہرو بتاتا ہوں۔" آصف غصے میں پولیس آفیسروں کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

"تمہاری مرضی....!" انور نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "کل تک تمہارے خلاف پہ... درخواستیں گذر جائیں گی۔"

آصف رک کر اُسے گھورنے لگا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ انور کی بوٹیاں اڑا دیتا۔

"اس سائبان کی طرف دیکھ رہے ہو۔" انور آہستہ سے بولا۔ "اسے تڑوا دو اور پھر کل کے اخبارات تمہاری شان میں لمبے چوڑے قصیدے چھاپ دیں گے۔ اچھا شب بخیر میں چلا۔ اگر مناسب سمجھنا تو نتیجے سے بھی مطلع کر دینا۔۔۔۔ ورنہ میں تو اپنی رپورٹ مکمل کر ہی لوں گا۔"

قتل کا راز

قبل اس کے کہ آصف کچھ کہتا انور ہال سے نکل کر کمپاؤنڈ میں آگیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنی موٹر سائیکل پر گھر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ گیارہ بج چکے تھے۔ شہر قریب قریب ویران ہو چکا تھا۔ کہیں کہیں ایک آدھ دوکانیں کھلی نظر آ رہی تھیں۔

انور جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ رشیدہ اس پر جھپٹ پڑی۔

"کہاں تھے۔۔۔۔ کہاں گئے تھے۔"

"تم یہاں کیا کر رہی تھی۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔۔۔۔" انور کوٹ اتار کر کرسی پر ڈالتا ہوا بولا۔

"نہیں جاؤں گی۔"

"اوہو۔۔۔۔ اور اگر میں نے کان پکڑ کر نکال دیا تو۔"

"میں تم سے کمزور ہوں کیا۔" رشیدہ بھنا کر بولی۔

انور کوئی جواب دیئے بغیر آرام کرسی پر گر گیا۔ رشیدہ اسے گھور رہی تھی۔

"میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"تو میں نے کب کھایا ہے۔" انور نے کہا۔ "آخر تم میرا انتظار کیوں کرتی ہو۔"

"میری خوشی۔"

"دیکھو تمہارا راستہ ادھر ہے۔" انور دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

دفعتاً دروازے میں ایک صورت دکھائی دی۔ ایسی صورت جسے دیکھ کر دونوں چونک پڑے یہ وہی تھا جو پچھلی رات کو انور سے ملا تھا اور جس کی تصویر آصف نے دکھائی تھی۔ وہ انتہائی پُر سکون طریقے سے کمرے میں داخل ہوا جیسے وہ اس کا اپنا ہی کمرہ ہو۔ قبل اس کے کہ انور کچھ کہ ۔۔۔ ایک کرسی پر بیٹھ کر مسکرانے لگا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" انور نے رشیدہ سے کہا۔ رشیدہ انور کو گھورتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"جاؤ اپنے کمرے میں۔" انور نے پھر کہا۔

"بکو مت۔۔۔۔!" رشیدہ نے کہا اور اجنبی کو معنی خیز انداز میں دیکھنے لگی۔

"تم کل رات میری ڈائری کیوں اٹھا لے گئے تھے۔" انور نے اجنبی سے پوچھا۔

"تمہیں ایک معمولی سا سبق دینے کے لئے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھو! خواہ مخواہ مجھ سے الجھنے کی کوشش نہ کرو۔" انور نے کہا۔

"میں پھر یہی چاہوں گا کہ تم داراب سے سمجھوتہ کر لو۔"

"کس بات کا سمجھوتہ۔"

"یہی کہ تم اس کے معاملات میں دخل نہ دو گے۔" اجنبی نے کہا۔

"اب یہ چیز میرے امکان سے باہر ہو گئی ہے۔" انور نے کہا۔ "اگر تم نے میری ڈائری چرا کر مجھے پھنسوانے کی کوشش نہ کی ہوتی تو شاید اس کی ضرورت ہی نہ سمجھتا۔"

"دیکھو انور! تمہیں داراب سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔ کیا تم نے اس وقت تھیٹر میں رقاصہ کی موت نہیں دیکھی۔"

انور خاموشی سے اسے گھور رہا تھا۔ رشیدہ اٹھ کر کمرے سے جانے لگی۔

"آپ یہیں تشریف رکھئے محترمہ۔۔۔۔!" اجنبی بولا۔

"کیوں۔۔۔۔؟" رشیدہ اسے قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی بولی۔

"میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"میں پولیس کو فون کروں گی۔"

"نہیں۔۔۔۔!" انور اسے تیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ اپنے کمرے میں جاؤ۔"

رشیدہ پھر بیٹھ گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" انور نے اجنبی سے پوچھا۔

"میرا نام دو سو تیرہ ہے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"اوہ تو مجھ پر اپنے گروہ کا رعب ڈالنا چاہتے ہو۔ یعنی تم اپنے گروہ کے دو سو تیرھویں ممبر ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"تم نے کل ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی شکل اپنی جیسی بنادی تھی۔" انور نے کہا۔ "تم سمجھتے تھے کہ شاید میں اس وقت تمہیں دیکھ کر گھبرا جاؤں گا۔"

"نہیں تمہیں محض یہ دکھانا تھا کہ تم نے داراب کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا ہے۔" اجنبی بولا۔

"مردے گھسیٹنے والے گیدڑوں کو میں طاقت ور نہیں سمجھتا۔" انور نے منہ بنا کر کہا۔ "شخص ہرگز بہادر نہیں ہو سکتا جو عورتوں کو قتل کرتا پھرے۔"

"دیکھو میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

"میں کچھ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہماری آخری گفتگو ہے۔"

"قطعی....!" انور نے کہا اور میز پر سے کتاب اٹھا کر اس کے ورق الٹنے لگا۔

"خیر....!" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں پھر تمہیں وقت دیتا ہوں۔"

انور نے کتاب میز پر پٹخ دی اور تن کر کھڑا ہو گیا وہ اس پُر اسرار اجنبی کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہے۔" انور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"ضد اچھی نہیں ہوتی۔"

"تم جا سکتے ہو۔" انور نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اجنبی اُسے گھورتا ہوا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"اور تم سنتی ہو رشیدہ۔" انور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تم بھی یہاں سے چلی جاؤ۔"

رشیدہ نے اسے گھور کر دیکھا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔ لیکن اُس کے جانے کے بعد ہی انور کو خیال آ گیا کہ اس نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ اٹھ کر رشیدہ کے کمرے کے سامنے آیا۔ رشیدہ دروازہ بند کر چکی تھی۔ انور آہستہ آہستہ دستک دینے لگا۔

رشیدہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

"اب کیا ہے؟" وہ جھلا کر بولی۔

"چلو کھانا کھائیں گے۔"

رشیدہ ہونٹ بھینچے اُسے گھور رہی تھی۔

"میری بلی....!" انور پیار بھرے لہجے میں بولا اور رشیدہ پگھل گئی۔

دونوں قریب ہی کے ایک ریستوران کی طرف روانہ ہو گئے۔

کھانے کے دوران میں رشیدہ اس اجنبی کا تذکرہ چھیڑ بیٹھی۔ انور نے اسے پلازا تھیٹر کے حادثے کے متعلق بتایا۔ رشیدہ تحیر آمیز انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگی۔

"شیلا رانی کو داراب سے کیا تعلق۔" رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"یہی تو دیکھنا ہے۔" انور نے کہا۔

"شیلا رانی کون تھی۔" دفعتاً رشیدہ نے کہا۔

"ایک رقاصہ....!" انور نے جواب دیا۔

"وہ تو تھی ہی لیکن کس خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"تو پھر پہیلیاں بجھوانے سے کیا فائدہ۔" انور نے جھنجھلا کر کہا۔

"میں دراصل یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ مشہور کرائم رپورٹر کتنے پانی میں ہے۔" رشیدہ نے ہنس کر کہا۔

انور اُسے گھورنے لگا۔ رشیدہ کی ہنسی میں اضافہ ہو گیا۔

"بس اب چپ بھی رہو ورنہ شوربے کی پلیٹ تمہارے منہ پر مار دوں گا۔"

رشیدہ اور زور سے ہنسنے لگی۔ انور ہاتھ سے نوالہ رکھ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"تو بھئی اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔" رشیدہ سنجیدگی سے بولی۔ "کھاؤ نا۔"

انور نے سگریٹ سلگا لی اس کے چہرے پر بیزاری پھیل گئی۔ رشیدہ کچھ اور کہنے والی تھی کہ آصف دکھائی دیا۔

"اوہ تو تم یہاں ہو۔ میں واپس جا رہا تھا۔"

"اچھا! اچھا....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "وہیں چلو....!"

رشیدہ بھی کھانا کھا چکی تھی۔ انور نے بل ادا کیا اور وہ فلیٹ کی طرف لوٹ آئے۔

"انور آخر تم مجھے تنگ کیوں کر رہے ہو۔" آصف نے کہا۔ اس کے لہجے میں عاجزی تھی۔

"بیٹھو.... بیٹھو....!" انور بے صبری سے ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

"تمہارا خیال بالکل صحیح نکلا۔ گولی اسی سائبان سے چلی تھی۔" آصف نے کہا۔

"ان لوہے کی سلاخوں میں ایک رائفل کی نالی تھی۔" انور مسکرا کر بولا۔

"ہاں اور منیجر اس دریافت پر قریب قریب بیہوش ہو گیا تھا۔" آصف نے کہا۔

رائفل کا کندہ اس لکڑی کی موٹی سی دیوار کے اندر چھپا ہوا تھا اور نال دوسری طرف نکلی ہوئی تھی جس پر چند اور سلاخوں کے ساتھ سائبان ٹکا ہوا تھا۔ اسٹیج کے دوسرے حصے میں سوراخ کر کے ایک پتلی سی ڈوری رائفل کی لمبی نال تک پہنچائی گئی تھی۔ رائفل بھری ہوئی تھی۔ جب شیلارانی رائفل کی زد پر آ گئی تو کسی نامعلوم آدمی نے وہ ڈوری کھینچ لی اور رائفل چل گئی۔

"اس دریافت کے بعد تم نے کیا کیا....؟"

"منیجر کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔" آصف نے کہا۔

"اس ایکٹر کا کیا ہوا جس نے ڈاکو کی اداکاری کی تھی۔"

"وہ بھی حراست میں ہے اور وہ بھی جس نے اسٹیج کے پیچھے پٹاخہ داغا تھا۔"

"اور ڈائریکٹر کا کیا ہوا۔" انور نے پوچھا۔

"وہ اس حادثے سے پہلے ہی کہیں چلا گیا تھا۔" آصف نے کہا۔

"تو وہ نہیں مل سکا۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں، لیکن اس کی تلاش جاری ہے۔" آصف نے کہا۔ "منیجر نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ ایک ہفتہ قبل اس نے اس ڈائریکٹر کو ملازم رکھا تھا اور یہ نیا ڈرامہ اسی کا لکھا ہوا تھا۔ اسی نے اسے ڈائریکٹ بھی کیا تھا۔ منیجر نے یہ بھی بتایا کہ آج شام کو جب یہ معلوم ہوا تھا کہ نقلی کارتوس ختم ہو گئے تو اس نے مصنوعی دھماکے کی رائے دی تھی اور اس کے لئے ایک زیادہ آواز والے پٹاخے کا انتخاب کیا تھا۔ حالانکہ منیجر نے اس سے کہا تھا کہ اتنی زیادہ آواز والا پٹاخہ پستول کی آواز پیدا کرنے کے لئے بے تکا ثابت ہوگا۔ مگر اس نے کوئی دھیان نہیں دیا اور دیتا بھی کیسے جب کہ اسے اس دھماکے میں سائبان والی رائفل کی آواز چھپانی تھی۔"

"ڈائریکٹر کا حلیہ۔"

"حلیہ پوچھتے ہو۔" آصف نے کہا۔ "اگر میرے سر پر اس وقت بم گر پڑتا تو بھی مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی کہ اس کا حلیہ معلوم کر کے ہوئی۔"

"یعنی....؟" انور نے ہمہ تن سوالیہ نشان بن کر پوچھا۔

آصف نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر انور کے سامنے ڈال دی۔

"یہ تو اسی آدمی کی تصویر ہے جس کی لاش تمہیں جلی ہوئی کار میں ملی تھی۔" انور نے کہا۔

"اور تمہیں بھی بتا چکا ہوں کہ مقتول کی ڈاڑھی مصنوعی تھی۔" آصف بولا۔

"تمہیں یہ تصویر ملی کہاں سے۔"

"منیجر نے دی ہے۔"

"حیرت....!" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اور میں اسی لئے تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان حادثات سے تمہارا کیا تعلق ہے۔" آصف نے بے تابی سے کہا۔

"اور یہی تمہاری زبردست حماقت ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"دیکھو انور باتوں میں نہ ٹالو۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آصف سے مخاطب ہوا۔

"اگر میں یہ کہوں کہ یہ داراب کی حرکت ہے تو تم کس حد تک یقین کرو گے۔"

"داراب....!" آصف اس طرح اچھلا جیسے یک بیک کرسی نے اچھال دیا ہو۔

"ہاں داراب....!"

"میں کس طرح یقین کر لوں۔"

"یقین نہ کرنے کی وجہ....!" انور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"ابھی تک اس نے جتنی بھی وارداتیں کی ہیں ان میں خود کو ظاہر کر دیا ہے۔" آصف نے کہا۔ "اور اس کے باوجود بھی پولیس اس کا پتہ لگانے میں ناکام رہی۔"

"کیا محکمہ سراغ رسانی کے پاس داراب کا کوئی ریکارڈ ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں....!" آصف موضوع بدل کر بولا۔ "آخر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان حادثات کا تعلق داراب سے ہے۔"

"اس نے مجھے چیلنج کیا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"وہ مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔" انور نے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"بھلا تمہیں راستے سے ہٹانے اور ان وارداتوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"یار آصف تمہاری عقل آج کل اتنی یتیم کیوں ہو گئی ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "اس لاش کے ساتھ میری ڈائری کا پایا جانا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر تم لوگوں کے ساتھ مجھے بھی تھیٹر کے

لئے مدعو کیا گیا؟ تم خود بتاؤ! اگر میری بجائے کوئی اور ہوتا تو اس وقت وہ کہاں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے۔!" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن تم اب بھی خود کو محفوظ نہ سمجھو۔"

"اوہو.....!" انور مسکرا کر بولا۔ "تو کیا تم سچ مچ ہتھکڑیاں لائے ہو۔"

"میں لایا تو نہیں لیکن حالات ایسے پیدا ہوگئے ہیں جو سراسر تمہارے خلاف ہیں۔" آصف نے کہا۔ "اور تم کسی وقت بھی سرکاری مہمان خانے کی زینت بنائے جاسکتے ہو۔"

انور ہنسنے لگا اور رشیدہ آصف کو گھورنے لگی۔

"کیوں بھئی تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہی ہو۔" آصف نے کہا۔

"میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ کیا واقعی آپ عنقریب ترقی کرنے والے ہیں۔"

انور نے زوردار قہقہہ لگایا اور آصف جھینپ گیا۔

"کیوں بھئی شیلا رانی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے وہ کون تھی کیوں قتل کی گئی۔" انور نے پوچھا۔

"ابھی اتنی جلدی اس کے متعلق کیا معلوم ہوسکتا ہے۔" آصف نے کہا۔

رشیدہ کچھ بولنا ہی چاہتی تھی کہ انور نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور وہ خاموش ہوگئی۔

"واقعی انور تم خطرے میں ہو۔" آصف بولا۔

"ٹھیک ایک طرف قانون شکنی کرنے والے قانون کے محافظ ہیں اور ایک طرف ایک ایسا شخص جو قانون کو کھلونا سمجھتا ہے اور درمیان میں میں۔ لیکن یاد رکھو کہ فتح میری ہی ہوگی۔"

"خیر.....!" آصف اٹھتا ہوا بولا۔ "میں یہ کبھی نہ چاہوں گا کہ تم جیل کی صورت دیکھو۔"

"شکریہ..... شکریہ.....!" انور طنزیہ انداز میں بولا۔

آصف کے چلے جانے کے بعد وہ رشیدہ سے مخاطب ہوا۔

"شیلا رانی کون تھی؟"

"رقاصہ تھی۔" رشیدہ نے بھولے پن سے کہا۔

"پھر وہی.....!"

"یعنی.....!"

"بتاؤ نا وہ کون تھی۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔"

انور اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ رشیدہ نے نظریں جھکالیں۔ اس کے ہونٹوں

شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

کرنل جاوید

"کرنل جاوید کا نام سنا ہے کبھی۔" رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"کرنل جاوید۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔ شاید وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ پھر اچانک بولا۔ "وہی تو نہیں جس کے گھوڑے ریس میں دوڑتے ہیں۔"

"وہی وہی.....!" رشیدہ دھیرے سے بولی۔ "شیلا رانی اسی کی لڑکی تھی۔"

"کیا مطلب..... تم نے افیون تو نہیں کھائی۔"

"شاید رقاصہ کا نام تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کررہا ہے۔ اس کا اصلی نام شاہدہ تھا۔" رشیدہ بولی۔

"بہت خوب.....!" انور مسکرا کر بولا۔ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔ رشیدہ جھنجھلا اٹھی۔

"تم خود کو نہ جانے کیا سمجھتے ہو۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔ "جس طرح تم شہر بھر کی باتوں کی اطلاع رکھتے ہو اسی طرح دوسرے بھی رکھ سکتے ہیں اور پھر تم ایسے کہاں کے لال بجھکڑ نکل پڑے ہو کر غیب دانی کا دعویٰ کرسکو۔"

"غصے میں تم بہت پیاری لگتی ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں اسے محض اس لئے مذاق سمجھا تھا کہ کرنل جاوید لاولد مشہور ہے۔"

"لیکن مجھ سے زیادہ اس کے معاملات کو اور کون جان سکتا ہے۔" رشیدہ خود اعتمادی کے ساتھ بولی۔ "تمہیں شاید نہیں معلوم کہ کرنل جاوید..... مگر نہیں میں نہ بتاؤں گی اس لئے کہ تم نے اپنے متعلق مجھے آج تک کچھ نہیں بتایا۔"

"مجھے تمہارا اور اس کا رشتہ جاننے کی ضرورت نہیں۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"کرنل جاوید کی شادی ایک قدامت پسند گھرانے میں ہوئی تھی۔ اس کی بیوی کو اس کی بے راہروی ناپسند تھی اور ان دونوں کے درمیان جاوید کی مغرب پسندی باعث تکرار بنی ہوئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن ان دونوں کو الگ ہوجانا پڑا۔ شاہدہ ننھیال میں پیدا ہوئی۔ اسی

دوران میں کرنل جاوید مغربی ممالک کی سیر کے لئے یہاں سے چلا گیا اور اس کی واپسی تقریباً
سال کے بعد ہوئی۔ شاہدہ کی ماں اس کی پیدائش کے چند روز بعد ہی مر گئی تھی۔ اس کی پرورش
اس کی نانی نے کی، حالانکہ اس کے ننھیال والے قدامت پسند تھے لیکن نہ جانے کس طرح شاہدہ
بچپن ہی سے رقص و موسیقی کا چسکا لگ گیا اور وہ انتہائی پابندیوں کے باوجود رقاصہ بن گئی۔ اسے
عوام میں اپنے فن کے مظاہرے کا شوق تھا۔ اسکے ننھیال والے کرنل جاوید سے اس درجہ ناراض
تھے کہ انہوں نے اس سے کوئی تعلق نہ رکھا شاید اسے اسکی بھی اطلاع نہ تھی کہ اسکے کوئی لڑکی
بھی ہے۔ ننھیال والوں نے جب یہ دیکھا کہ شاہدہ ان کیلئے بدنامی کا باعث بن رہی ہے تو انہوں
نے اسے کرنل جاوید کے گھر بجھوادیا۔ اس دوران میں کرنل جاوید سرد گرم کا تجربہ ہو جانے کے
بعد بہت کچھ بدل گیا تھا اور اس کی مشرقیت پھر سے عود کر آئی تھی۔ اسے یہ جان کر بے حد خوشی
ہوئی کہ وہ صاحب اولاد ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے دکھ بھی ہوا۔ وہ شاہدہ کی فن پرستی کے
خلاف تھا۔ شاہدہ نے جب اسٹیج پر جانے کا خیال ظاہر کیا تو کرنل جاوید کانپ اٹھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ
اس کی لڑکی مجمع عام میں اپنے فن کا مظاہرہ کرے۔ وہ ایک ضدی آدمی تھا۔ آخر کار دونوں میں
سمجھوتہ ہو گیا۔ کرنل جاوید طوعاً و کرہاً اس بات پر رضا مند ہو گیا کہ وہ اسے مغربی ممالک کا دورہ
کرنے کیلئے مالی امداد دے گا۔ نہیں تو وہ باقاعدہ کسی مقامی تھیٹر میں شاہدہ جاوید کے نام سے نوکری
کرلے گی اور اس چیز کا خاص طور سے پروپیگنڈا کرائے گی کہ وہ کرنل جاوید کی لڑکی ہے۔ اس
طرح وہ شاہدہ سے شیلا رانی بن گئی۔ آج کل وہ مغربی ممالک سے واپس آنے کے بعد پلازا میں اپنے
فن کا مظاہرہ کر رہی تھی اور پھر ایسی حالت میں تم اس قتل کے بارے میں کیا سوچو گے۔"

"کرنل جاوید تو بہت امیر آدمی ہے۔"

"اور اس کی دولت زیادہ تر جواہر کی شکل میں ہے۔" رشیدہ بولی۔

"اور اب تم حیرت انگیز طریقہ پر اس کی مالک بننے والی ہو۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں....؟" رشیدہ متحیر ہو کر بولی۔ "مجھ سے مطلب....؟"

"خیر خیر...." انور مسکرا کر بولا۔ "میں سمجھا شاید تم کسی ناول کی پراسرار ہیروئن کی طرح اس قصے میں داخل ہونے والی ہو۔"

"اس کا ایک وارث موجود ہے۔" رشیدہ انور کی بات پر دھیانہ دیتی ہوئی بولی۔

"کون....؟"

"اس کا بھتیجا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے بھی واقف نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔ "لیکن اب میں یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم ان لوگوں سے کس طرح واقف ہو۔"

"تمہیں آم کھانے سے غرض ہے یا پیڑ گننے سے۔"

"نہیں میں پیڑ تک کھا جانا چاہتا ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے۔" رشیدہ سنجیدگی سے بولی۔ "اس سلسلے میں مجھے بہت کچھ بتانا پڑے گا۔ جس کے لئے میں فی الحال تیار نہیں۔ لیکن وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے۔ جب تم میرے متعلق سب کچھ جان جاؤ گے، لیکن اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ کرنل جاوید یا اس کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"خیر.... خیر اب خود کو اتنا زیادہ پُر اسرار مت بناؤ۔" انور بیزاری سے بولا۔

"میں تم سے کبھی یہ نہ پوچھوں گا کہ تم کس والئی ریاست کی صاحب زادی ہو۔"

رشیدہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ سنبھل گئی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"تم اس طرح تاؤ دلا کر بھی مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکتے۔" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"تم جاوید کے بھتیجے کے متعلق بتا رہی تھیں۔" انور نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اس کا نام صابر ہے۔ پچھلے سال یورپ سے انجینئری کی اعلیٰ سند لے کر واپس آیا ہے۔"

"وہی صابر تو نہیں جس نے تجوریاں بنانے کا ایک کارخانہ یہاں قائم کیا ہے۔" انور چونک کر بولا۔

"ہاں.... وہی....!" رشیدہ نے کہا۔ "اس نے کئی عجیب و غریب قسم کی تجوریاں ایجاد کی ہیں اور انہیں یہاں کے سرمایہ داروں کے ہاتھ فروخت بھی کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز تجوری وہ ہے جو اس نے اپنے چچا کرنل جاوید کو تحفتہً پیش کی ہے۔ اس کا ہینڈل گھماتے وقت اس میں سے گیت سنائی دینے لگتے ہیں۔ حفاظت کے خیال سے کرنل جاوید غالباً اپنے جواہرات اسی تجوری میں رکھتا ہے۔"

رشیدہ خاموش ہو گئی اور انور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے اپنی نگاہیں دیوار میں لگے ہوئے کلاک پر جمادیں۔ ایک بج چکا تھا۔ انور نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔ رشیدہ اسے پکارتی رہی وہ چند لمحوں کے بعد نیچے گیرج سے موٹر سائیکل نکال رہا تھا۔

کرنل جاوید کی کوٹھی سرکلر روڈ پر واقع تھی۔ اس سڑک پر اس سے عظیم الشان کوٹھی کوئی اور نہ تھی۔ یہاں کرنل جاوید اپنے ملازمین کے ساتھ تنہا رہتا تھا۔ شہر کی ممتاز شخصیتوں میں اس کا

شمار تھا۔ لیکن وہ اپنے طبقے میں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا اور اس کی وجہ خود انہیں بھی نہیں معلوم تھی جو اسے ناپسند کرتے تھے۔ وہ بدمزاج بھی نہیں تھا۔ ظاہری اخلاق بھی کسی سے کم نہیں رکھتا تھا۔ لیکن پھر بھی کسی سوسائٹی میں اس کی موجودگی لوگوں کیلئے دردِ سر بن جاتی تھی۔

اس وقت کوٹھی پر سکوت طاری تھا۔ بعض کمروں کی کھڑکیوں سے گہری سبز رنگ کی روشنی نظر آرہی تھی۔ پھاٹک پر چوکیدار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ انور کی موٹر سائیکل جیسے اس کے قریب رکی وہ چونک کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا کرنل صاحب گھر پر موجود ہیں۔" انور نے اس سے پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟" چوکیدار نے تعجب سے پوچھا۔

"جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"جی ہاں وہ غالباً سوگئے ہیں۔"

"انہیں جگادو....! میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"آپ آخر ہیں کون....؟"

انور نے جیب سے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر چوکیدار کو تھمادیا۔

"مگر.... مگر صاحب۔"

"کچھ نہیں....!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وہ کارڈ دیکھتے ہی مجھے اندر بلالیں گے۔"

چوکیدار پائیں باغ سے گزرتا ہوا برآمدے میں چلا گیا۔ شاید وہ برآمدے میں کسی نوکر کو جگا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد برآمدے میں روشنی ہوگئی۔ انور بار بار بے چینی سے اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ پندرہ منٹ گزر گئے، پھر نشست کے کمرے میں بھی روشنی ہوگئی اور چوکیدار واپس آیا۔ اس نے انور کو اندر چلنے کو کہا۔ انور نے موٹر سائیکل وہیں پھاٹک پر چھوڑ دی اور خود برآمدے سے گزرتا ہوا نشست کے کمرے میں آگیا۔ کمرہ شاندار طریقہ سے سجا ہوا تھا اس میں وہ سب لوازمات موجود تھے جو ایک جدید طرز کے ڈرائنگ روم کے لئے ضروری ہیں۔

چند لمحوں کے بعد ایک ادھیڑ عمر کا طویل القامت آدمی شب خوابی کے لبادے میں ملبوس کمرے میں داخل ہوا۔ چہرے پر روشنی کے آثار تھے۔ جنکے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ وقتی تھے یا مستقل، بہرحال انداز سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ انور کی نادقت آمد اسے ناگوار گزری ہے۔

"میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔" وہ ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن یہاں اس وقت آپ کی موجودگی باعث حیرت ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ناوقت آپ کو تکلیف دی۔"

"خیر.... خیر...." کرنل جاوید بے چینی سے پہلو بدل کر استفہامیہ انداز میں بولا۔

"میں شیلا رانی کے متعلق کچھ جاننا چاہتا تھا۔" انور بے ساختہ بولا۔

کرنل جاوید چونک کر اُسے گھورنے لگا۔ لیکن پھر اس نے اپنی اس کیفیت کو مصنوعی استعجاب اور غصے میں چھپانے کی کوشش شروع کردی۔

"میں اس بکواس کا مطلب نہیں سمجھا۔" کرنل گرج کر بولا۔ "شاید تم نشے میں بہک کر اِدھر آئے ہو۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔ "اگر آپ شیلا رانی کے متعلق کچھ نہیں بتانا چاہتے تو شاہدہ ہی کے متعلق کچھ بتائیے۔"

کرنل اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پہلے وہ خوفزدہ نظروں سے انور کو گھورتا رہا پھر دفعتاً اس کی آنکھوں سے نفرت جھانکنے لگی۔

"ہاں اب تو تم مجھے بلیک میل کرنے آئے ہو۔" وہ گرج کر بولا۔ "خیر میرے پاس کتوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی دولت ہے۔ بولو اسے راز رکھنے کے لئے کتنی قیمت طلب کرتے ہو۔"

"اب آپ نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں سوائے پولیس والوں کے اور کسی کو بلیک میل نہیں کرتا۔"

"پھر تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔"

"ایک خبر سنانے۔"

کرنل اُسے گھورنے لگا۔

"کسی نے شیلا رانی کو سٹیج پر قتل کردیا۔"

"ارے....!" کرنل بے اختیار چونک پڑا۔ اس کے تیکھے خدوخال پر آہستہ آہستہ افسردگی پھیلتی جارہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سکتہ ہوگیا ہو۔ وہ آہستہ سے ایک صوفے پر بیٹھ کر خلاء میں تاکنے لگا۔

"اور میں یہ بتانے آیا تھا کہ اگر پولیس کو یہ اطلاع ہوگئی تو آپ بہت پریشان کئے جائیں گے۔"

"پولیس....!" کرنل چونک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر بولا۔ "میں پولیس کو اس کی اطلاع دے دوں گا۔"

"آپ کے بھتیجے صابر صاحب کہاں مل سکیں گے۔" انور نے پوچھا۔

"صابر! کیوں؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس قتل میں صابر کا ہاتھ ہے۔"

"یہ سب تو پولیس سمجھے گی۔" انور نے کہا۔ "ویسے شبہہ تو ان پر بھی کیا جاسکتا ہے۔"

"شبہے کی وجہ.....!"

"شاہدہ کے بعد وہی آپ کی جائیداد کے مالک ہو سکتے ہیں۔"

"بکواس ہے، صابر ایک مہینہ سے شہر میں نہیں ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" انور نے کہا۔ "سازش یہاں سے ہزاروں میل کی دوری سے کی جاسکتی ہے۔"

"خاموش رہو۔" کرنل اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں دنیا میں بالکل تنہا رہ جاؤں۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے کرنل کی بدلتی ہوئی حالتوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تم مجھے قطعی خوفزدہ نہیں کر سکتے۔" کرنل گرج کر بولا۔ "میں شاہدہ کے اس انجام سے مغموم نہیں ہوں، جو کچھ بھی ہوا بہت اچھا ہوا۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

"کرنل صاحب آپ کو غلط فہمی ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔"

"ہوگا..... ہوگا.....!" کرنل بیزاری سے بولا۔

"ایک تکلیف اور دوں گا۔" انور نے جیب سے ایک تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ نے کبھی اس شخص کو دیکھا ہے۔"

کرنل تصویر دیکھنے لگا۔ دفعتاً اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

"آخر تمہارا مطلب کیا ہے۔" وہ گرج کر بولا۔

"آخر اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔" انور نرمی سے بولا۔

"یہ میرا جوانی کا فوٹو ہے۔ جب میں ڈاڑھی رکھے ہوئے تھا۔" کرنل اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ اسی پراسرار آدمی کی تصویر تھی، جو خود کو داراب کے گروہ کا ایک فرد ظاہر کرتا تھا۔ یہ اس کی تصویر تھی جس کی لاش جلی ہوئی کار میں ملی تھی اور یہی پلازا تھیٹر میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔"

حیرت انگیز تجوری

کرنل جاوید کے بے حد اصرار پر بھی انور نے اُسے یہ نہ بتایا کہ وہ تصویر اسے کہاں سے ملی تھی۔ کرنل جاوید کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ انور کو دھکے مار کر اپنی کوٹھی سے نکال دے۔ انور خود ہی وہاں سے چلا آیا۔ راستہ بھر اس کا ذہن تصویر والے معاملے میں الجھا رہا۔ اب وہ آدمی حد درجہ پُراسرار بنتا جا رہا تھا اور انور صحیح معنوں میں داراب کی حیرت انگیز شخصیت کا قائل ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ اس کے لئے اس سے زیادہ تحقیر آمیز بات کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ اب پیچھے ہٹ جاتا۔

گھر پہنچ کر اس نے کپڑے اتارے اور سو گیا۔ اس کا سونا بھی عجیب تھا۔ گہرے تفکر کے عالم میں اُسے ہمیشہ گہری نیند آتی تھی۔ خیالات کا تسلسل اسے سونے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ بہرحال اس نے اپنی پوری زندگی ایک مشینی نظام میں ڈھال کر رکھ دی تھی۔

دوسرے دن صبح اسے رشیدہ نے جگایا۔ انسپکٹر آصف باہر کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ انور نے اٹھ کر کپڑے تبدیل کئے اور نشست کے کمرے میں آیا۔ اس کے ہونٹوں پر وہی زہریلی مسکراہٹ پھیل رہی تھی جسے دیکھ کر آصف خواہ مخواہ اپنی توہین محسوس کرنے لگتا تھا۔

"تم کل رات کرنل جاوید کے یہاں گئے تھے۔" آصف نے بے ساختہ پوچھا۔

"میں کل رات کے سارے واقعات یکسر بھول گیا ہوں۔" انور بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے سوچنے کی مہلت دو۔"

"کرنل جاوید غائب ہو گیا۔" آصف نے کہا۔

"تم یقین کرو کہ وہ میری جیبوں میں نہیں ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"تو تم اس کے یہاں گئے تھے۔" آصف نے کہا۔

"ہاں.....!"

"کیوں.....!"

"یہ پوچھنے کے لئے کہ آئندہ ریس میں اس کا کون سا گھوڑا دوڑے گا۔"

"پھر تم نے بکواس شروع کی۔"

"دیکھو مسٹر آصف میں بد تمیزی نہیں پسند کرتا۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔

آصف اسے گھورنے لگا لیکن پھر فوراً ہی اس کے رویے میں تبدیلی واقع ہو گئی۔ اس نے میز پر رکھے ہوئے انور کے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبا لیا۔ دو تین کش لینے کے بعد وہ نیم باز آنکھوں سے انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"انور تم جانتے ہو کہ میں تمہیں کیا کہنا چاہتا ہوں۔" آصف بولا۔

"کیوں رشو کیا خیال ہے۔" انور نے رشیدہ کی طرف مڑ کر کہا۔ "میں بھی آصف سے محبت شروع کر دوں۔"

"محبت کا جواب محبت ہی سے دینا چاہئے۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"اچھا تو سنو میری جان بوڑھے آصف....!" انور آصف کو آنکھ مار کر بولا۔ "میں اسی وقت تم پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا ہوں۔ پوچھ۔ کیا پوچھتے ہو؟"

"اب تم دونوں مل کر میرا مضحکہ اڑانا چاہتے ہو۔" آصف بگڑ کر بولا۔

"ارے نہیں نہیں۔" رشیدہ جلدی سے بولی۔ "میں تو آپ کو ہمیشہ چچا سمجھتی ہوں۔"

"میں بھی رشیدہ کا چچا سمجھتا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"خیر خیر کبھی تم لوگ بھی بوڑھے ہو گے۔"

"تم نے آنے کا مقصد بیان نہیں کیا۔" انور احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"کرنل جاوید کہاں غائب ہو گیا۔"

"عجیب آدمی ہو۔ بھلا میں کیا جانوں۔"

"تم اس سے ملے تھے۔" آصف نے کہا۔

"تو مجھے اس سے کب انکار ہے۔"

"اس نے تقریباً تین بجے رات کو پولیس کو اطلاع دی کہ شیلا رانی اس کی لڑکی تھی اور اس نے یہ بھی بتایا کہ شیلا کے قتل کی خبر تم نے اسے دی تھی اور پھر جب پولیس وہاں پہنچی تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ نوکروں نے بتایا کہ ڈیڑھ بجے ایک آدمی موٹر سائیکل پر آیا تھا۔ غالباً وہ تم تھے۔ تمہاری واپسی کے بعد کچھ پولیس والے وہاں پہنچے اور کرنل جاوید کو اپنے ساتھ لے گئے۔"

"تو پھر میں اس مسئلے میں کیا روشنی ڈال سکتا ہوں۔" انور نے کہا۔

"تم نہیں سمجھے۔" آصف دوسرا سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "پولیس والے اسے نہیں لائے۔"

"یقیناً تم اس وقت نشے میں ہو۔" انور بولا۔

"کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پولیس کے بھیس میں کچھ نامعلوم آدمی اسے لے گئے۔"

"اوہ....!" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ظاہر ہے کہ ان آدمیوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"میں یہ نہیں کہتا۔"

"پھر....!"

"تم جب کرنل کے راز سے واقف تھے تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔"

"اول تو میں اس راز سے تمہارے جانے کے بعد واقف ہوا اور اگر فرض کرو کہ پہلے سے واقف بھی ہوتا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ تمہیں اس سے مطلع کر دیتا۔"

"تمہیں اس کا علم کس طرح ہوا۔" آصف نے پوچھا۔

"جس طرح عموماً ہوا کرتا ہے۔"

"آخر کس طرح۔"

"سر کے بل کھڑا ہو گیا تھا۔ اسی حالت میں مراقبہ کیا۔ منتیں مانیں پھر الہام ہونے لگا۔ اس کے بعد تین بار مرغ کی بولی بول کر سیدھا کھڑا ہو گیا واللہ اعلم بالثواب....!"

"تو تم نہیں بتانا چاہتے.... خیر....!" آصف نے کہا۔ "اب تک جتنی بھی وارداتیں ہوئی ہیں ان سب سے تمہارا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے۔"

"اور آئندہ بھی جو وارداتیں ہونے والی ہیں ان میں بھی تم یہی محسوس کرو گے۔"

"یعنی....!"

"داراب سے باقاعدہ چھڑ گئی ہے۔"

"پھر تم داراب کو گھسیٹ لائے۔"

"خیر دیکھنا....!" انور نے کہا اور سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا۔

"کرنل جاوید کی کوٹھی میں پولیس تعینات ہے۔" آصف نے کہا۔ "میں اس وقت وہیں جا رہا ہوں۔"

"تلاشی لینے پر کام کی بات معلوم ہوئی۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں میں اُن سے کہہ آیا ہوں کیا تم وہاں چل سکو گے۔"

"ہاں.... ہاں کیوں نہیں۔ بھلا میں تمہارے کام نہ آؤں گا تو پھر کون آئے گا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ پھر وہ رشیدہ کی طرف مخاطب ہوا۔

"اگر مجھے دیر ہو جائے تو تم آفس چلی جانا۔ میں سیدھا وہیں آؤں گا۔"

انور اور آصف کرنل جاوید کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" آصف بولا۔

"ایک کیا کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔" انور نے کہا۔

"پھر تم نے مجھے غصہ دلانا شروع کیا۔" آصف بگڑ کر بولا۔

"بگڑو مت پیارے، میں جھوٹ نہیں کہتا اگر تم چاہتے تو اب تک جاوید کو ڈھونڈ نکالتے۔"

"وہ کس طرح....!"

"یہ بتاؤ کہ شیلا رانی کے قتل کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"کئی مقصد ہو سکتے ہیں۔" آصف نے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی کی رقابت کا نتیجہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ خود کرنل جاوید ہی نے اسے قتل کرا دیا ہو! یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی کے پیشہ ورانہ حسد کا شکار ہوئی ہو۔"

انور مسکرانے لگا۔

"تم نے اس کے علاوہ کسی دوسرے امکان پر غور نہیں کیا۔" انور نے کہا۔

"یعنی....!"

"کرنل جاوید کی دولت کا دوسرا حق دار....!"

"اوہ.... لیکن اس کے متعلق ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔"

"کیوں؟"

"تمہاری مراد صابر ہی سے ہے نا....!"

"قطعی....!"

"لیکن وہ کافی باعزت آدمی ہے اور خود بھی کافی دولت مند ہے۔ میں اس سے ایک بار مل چکا ہوں۔"

"آج کل وہ کہاں ہے۔" انور نے پوچھا۔

"کہیں باہر گیا ہوا ہے۔"

"اس کا تجوریوں کا کارخانہ دیکھا ہے۔"

"ہاں....!"

انور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کرنل جاوید کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ پھاٹک پر

سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ جن سے ایک خوش پوش نوجوان کھڑا الجھ رہا تھا۔ آصف کو دیکھ کر دونوں سپاہی خاموش ہو گئے اور نوجوان ان کی طرف مڑا۔

"اوہ صابر صاحب....!" آصف اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"آخر یہ معاملہ کیا ہے۔" صابر آصف سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ "میں کل رات کو باہر سے واپس آیا ہوں۔ کرنل صاحب کہاں ہیں۔"

"یہ ایک افسوس ناک واقعہ ہے۔ صابر صاحب۔" آصف غم زدہ آواز میں بولا۔ اور انور نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ وہ صابر کو تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ آصف صابر کو واقعات بتانے لگا۔ بار بار صابر کا منہ حیرت سے کھل جاتا تھا۔ خصوصاً شیلا رانی والے واقعہ پر تو وہ ہمہ تن استعجاب بن گیا تھا۔

"یہ میرے لئے ایک بالکل نئی اطلاع ہے۔" صابر بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "آخر کرنل صاحب کہاں غائب ہو گئے۔"

"عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ شیلا رانی کے قتل میں انہیں کا ہاتھ ہے۔ اسی لئے وہ روپوش ہو گئے ہیں۔" آصف نے کہا۔

"ناممکن قطعی ناممکن، میں اس پر یقین نہیں کر سکتا۔ اگر یہی بات تھی تو انہوں نے خود ہی شیلا رانی کے راز سے پردہ کیوں اٹھایا۔ آخر اس میں بھی ان کی کوئی چال تھی۔ تب بھی روپوش نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ پولیس کو اپنی ذات سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔"

"لیکن انہوں نے یہ راز ظاہر ہو جانے کے بعد پولیس کو قتل کی اطلاع دی تھی۔" آصف نے کہا۔

"تو پھر انہیں پولیس کو خود اطلاع دیئے بغیر غائب ہو جانا چاہئے تھا۔" صابر نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولا۔ "یہ کوئی بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ آپ وثوق کے ساتھ تو کہہ نہیں سکتے کہ پولیس کو فون پر اس کی اطلاع دینے والے کرنل صاحب ہی تھے کوئی اور بھی ایسی حرکت کر سکتا ہے۔ شیلا رانی کے متعلق پولیس کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ کرنل صاحب کی لڑکی تھی، محض سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینا دانش مندی نہیں ہے کیا آپ نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے کہ کرنل صاحب کل رات یہاں کوٹھی پر موجود تھے۔ ایک یہی اس کے گواہ ہیں۔" آصف انور کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ کل رات کو کرنل صاحب سے ملے تھے جس کی شہادت کوٹھی کے ملازموں نے بھی دی ہے۔ اس کے جانے کے بعد کچھ نامعلوم اشخاص

پولیس کے بھیس میں کرنل صاحب کو کسی نامعلوم جگہ پر لے گئے۔"

"آپ کی تعریف....!" صابر نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ جو قطعی بے تعلقی کے ساتھ سگریٹ کا دھواں فضا میں منتشر کر رہا تھا۔

"روزنامہ اسٹار کے کرائم رپورٹر مسٹر انور سعید۔" آصف بولا۔

"ہوں...!" صابر نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "بھلا آپ ان سے کیوں ملنے آئے تھے؟"

"اپنی نئی غزل سنانے کے لئے۔" انور انتہائی خوش اخلاقی سے بولا۔ "اس شہر میں بہت کم ایسے لوگ ملتے ہیں جو میری شاعری کی قدر کر سکیں۔ موصوف مجھے بے حد چاہتے تھے۔"

آصف کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ انور نے اسے گھور کر دیکھا۔

"بہر حال صابر صاحب، بہت اچھا ہوا کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ کی موجودگی میں اطمینان سے تحقیقات کر سکوں گا۔" آصف بولا۔

وہ تینوں کوٹھی میں آئے۔

"میں دراصل اس قسم کا کوئی ثبوت مہیا کرنا چاہتا ہوں کہ شیلا رانی کرنل صاحب کی لڑکی تھی۔" آصف بولا۔

"ضرور مہیا کیجئے۔" صابر نے کہا، "لیکن مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آتا۔"

"کسی کو نہیں آسکتا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "انتہائی بے سر وپا بات ہے۔"

آصف پھر حیرت زدہ انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"شیلا رانی کے متعلق آپ کی اپنی تحقیقات کا نتیجہ کیا نکلا۔" آصف سے صابر نے پوچھا۔

"ابھی تک تو کچھ نہیں۔" آصف نے کہا۔ "میں کرنل صاحب کے کاغذات دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں.... ضرور.... ضرور....!" صابر نے کہا۔

آصف اور انور متعدد کمروں میں چیزوں اور کاغذات کا جائزہ لیتے رہے تھے۔ صابر بھی ان کے ساتھ تھا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر دفعتاً صابر اچھلا اور اس کے منہ سے استعجاب زدہ آوازیں نکلنے لگیں۔

انور اور آصف اس کی طرف مڑے، صابر کی تحیر آمیز نظریں سامنے رکھی ہوئی ایک قد آدم تجوری پر جمی ہوئی تھیں۔

"ڈاکہ.... صریحی ڈاکہ....!" صابر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....!" آصف چونک کر بولا۔

"آپ اس تجوری کی طرف دیکھ رہے ہیں۔" صابر نے کہا۔

آصف نے سر ہلا دیا۔

"یہ تجوری میں نے خاص طور سے اپنی نگرانی میں تیار کرائی تھی۔" صابر نے کہا۔

"وہ تو سب کچھ ہے۔" آصف اکتا کر بولا۔ "ابھی آپ ڈاکے کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"اس تجوری کو کسی نے غلط طریقے سے کھولا ہے۔" صابر نے کہا۔ "کرنل صاحب ایسا نہیں کر سکتے تھے۔"

"مگر تجوری تو بند ہے۔" آصف نے کہا۔

"یہ دیکھئے ادھر آیئے یہاں آپ ایک ابھری ہوئی سرخ لکیر دیکھ رہے ہیں نا، یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس تجوری کو کسی ایسے آدمی نے کھولنے کی کوشش کی ہے جو اس کے صحیح استعمال سے واقف نہیں تھا اور ادھر یہ تیر کا نشان یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس وقت بھی اس کا تالا بند نہیں ہے اور اس کا تالا کسی اوزار کی مدد سے توڑا گیا ہے۔ کنجی سے نہیں کھولا گیا۔ تجوری کا ہینڈل دیکھئے یہ ڈھکنے کے کنارے سے پینتالیس درجے کے زاویے پر ہے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ تالا بند نہیں ہے، ورنہ یہ نوے درجے کے زاویئے پر ہوتا۔"

"اگر فرض کیجئے کہ اس میں سے کوئی چیز چرائی گئی ہے تو اس کا علم کس طرح ہو گا۔" آصف نے کہا۔ "کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس میں کون کون سی چیزیں رکھی جاتی تھیں۔"

"نہیں میں تو نہیں جانتا۔"

"یہ ایک اور دشواری ہوئی۔" آصف متفکرانہ انداز میں بولا۔

اس کے بعد مکمل سکوت چھا گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

دفعتاً تجوری کے اندر سے کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور صابر چونک پڑا۔

کھڑکھڑاہٹ کی آواز ایک منٹ تک جاری رہی۔ پھر ایک قہقہہ سنائی دیا۔ تجوری کے اندر سے کوئی کہہ رہا تھا۔ "کیوں؟ انور دیکھ لیا تم نے داراب کے راستے میں آنا ہنسی کھیل نہیں ہے۔ میں پھر تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ پولیس کو بھٹکنے دو، تم ان معاملات میں دخل نہ دو اور آپ انجینئر صاحب، آپ خود کو بہت بڑا انجینئر سمجھتے ہیں۔ اب اس وقت اس طرح منہ کھولے کیوں کھڑے ہیں بتایئے نا میں کہاں سے بول رہا ہوں۔"

اور پھر ایک قہقہہ سنائی دیا اور آواز آنی بند ہو گئی۔

صابر کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ انور نے اس طرح ہونٹ بنا رکھے تھے جیسے سیٹی

بجانے کا ارادہ کر رہا ہو۔ آصف، کبھی صابر کیطرف دیکھتا تھا اور کبھی انور کیطرف۔ "خدا کی قسم یہ بالکل نئی چیز ہے۔" صابر تجوری کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ دوسرے لمحہ میں تجوری کا ہینڈل اسکے ہاتھ میں تھا۔ ہاتھ کو جنبش ہوئی اور تجوری کا پٹ کھل گیا اور ساتھ ہی تجوری سے ایک گیت بلند ہوا کوئی عورت ستار اور طبلہ پر گا رہی تھی۔ صابر تجوری کے پاس سے ہٹ گیا۔ گیت جلد ہی ختم ہو گیا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ تجوری بالکل خالی ہے۔" صابر نے آصف سے کہا۔

"قطعی دیکھ رہا ہوں۔" آصف نے کہا۔ "مگر یہ آوازیں۔"

"ابھی آپ نے جو گیت سنا وہ میری ہی کاری گری ہے۔ مگر پہلی آواز کا میں ذمہ دار نہیں۔ قریب آیئے یہ دیکھئے۔ اس ہینڈل کا تعلق اندر لگے ہوئے ایک گراموفون سے ہے جیسے ہی ہینڈل گھمایا جاتا ہے یہ چھوٹا سا ریکارڈ بجنے لگتا ہے۔ یہ میں نے اس لئے بنایا تھا کہ اگر کوئی چور رات کو کھولنے کی کوشش کرے تو گیت کی آواز سے گھر والے جاگ پڑیں.... لیکن وہ پہلی آواز....

صابر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

انور کے چہرے پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ وہ ان سب باتوں کو اتنی لاپرواہی سے سن رہا تھا جیسے کوئی ہوش مند آدمی کسی بچے سے اس کے کھلونے کی آواز سنتا ہے۔ لیکن وہ قطعی خاموش تھا۔

"آصف صاحب....!" صابر مڑ کر بولا۔ "شاید میرا دماغ خراب ہو جائے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا سمجھوں۔"

آصف سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس تجوری میں ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر رکھا ہوا ہے۔" صابر نے کہا۔ "جس کا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں اور وہ پہلی آوازیں شاید اسی ٹرانسمیٹر سے آئی تھیں.... تجوری کھولنے والے نے شاید یہ ٹرانسمیٹر یہاں رکھا ہے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" انور نے کہا۔ "ممکن ہے کہ کرنل صاحب ہی نے رکھا ہو۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔" صابر بے چینی سے بولا۔ "لیکن تجوری خالی کیوں ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ یہ جانتے ہیں کہ اس تجوری میں کیا رکھا جاتا تھا۔" انور نے کہا

"میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" صابر بولا۔ "لیکن جہاں تک میرا خیال ہے وہ اس میں اپنے جواہرات رکھتے تھے۔"

"جواہرات!" آصف چونک کر بولا۔

"جی ہاں! یہ بات تو کافی مشہور ہے کہ کرنل صاحب کے پاس بعض بیش قیمت جواہرات ہیں۔" صابر نے کہا۔

"خود آپ نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"نہیں نہ میں نے کبھی دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور نہ کرنل صاحب نے دکھائے۔"

"قدرتی بات ہے۔ آصف صاحب۔" انور مسکرا کر بولا۔ "ظاہر ہے کہ وہ کرنل صاحب کے بعد صابر صاحب کی ہی ملکیت ہوتے۔ اسلئے صابر صاحب کی سیر چشمی کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔"

صابر انور کو گھورنے لگا۔

"تو جناب آصف صاحب یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا کہ ان وارداتوں میں داراب کا ہاتھ ہے۔" انور نے کہا۔ "اب دیکھنا یہ ہے کہ داراب اور کرنل صاحب میں کیا تعلق ہے۔"

"تب تو پولیس کی جدوجہد بالکل بیکار ہے۔ پولیس نے اس کا کیا بنا بگاڑ لیا ہے۔"

"ایسا نہ کہئے صابر صاحب۔" آصف نے کہا۔ "کوئی مجرم ہمیشہ آزاد نہیں رہ سکتا۔"

"ایک نہ ایک دن خداوند تعالیٰ اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر ہی دیتا ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا اور صابر بے اختیار ہنس پڑا۔ آصف نے منہ سکوڑ لیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

"اس ٹرانسمیٹر پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات ضرور ہوں گے۔" آصف نے کہا۔

سگریٹ کیس

"ضرور ہوں گے۔" انور نے کہا۔ "اچھا اب میں چلا۔"

"کیوں....!"

"ابھی تک کوئی ایسی سنسنی خیز بات نہیں معلوم ہوئی، جو مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کر سکے۔"

"یہ ٹرانسمیٹر۔" آصف نے کہا۔

"ہاں ہاں.... ٹرانسمیٹر میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں، اس سے داراب کو پکڑنے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ وہ نہ جانے کہاں سے بولا ہوگا زیادہ سے زیادہ تم اس کے ذریعہ وہ سمت معلوم کر لو گے جدھر سے آواز آئی ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اچھا اب میں آفس جاؤں گا۔"

انور انہیں وہیں چھوڑ کر آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ اس نے ایک ریستوران کے سامنے موٹر روک دی۔

چائے کی چسکی لیتے وقت اس نے سگریٹ کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر دوسرے جیب میں۔ پتلون کی جیبیں بھی دیکھیں، لیکن سگریٹ کیس نہ ملا۔ انور نے مسکرا کر ایک طویل سانس لیا اور کسی نئے حادثے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کی ڈائری ایک بار مصیبت کا باعث بن چکی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سگریٹ کیس کس حادثے کی اطلاع ہے۔ لیکن اسے کوئی پریشانی نہ تھی۔ وہ زندگی کو ایک جوئے سے زیادہ وقعت نہ دیتا تھا۔ ہار یا جیت اس کے علاوہ کوئی اور تیسری چیز نہیں ہو سکتی۔ زندگی کی اس عظیم جدوجہد میں اگر ایک بار وہ پس بھی گیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ دنیا بدستور اپنے راستے پر چلتی رہے گی۔ اس کے بعد کوئی دوسری گوشت پوست کی مشین اس کی جگہ لے لے گی۔ پھر پریشانی کس بات کی۔

اس نے ویٹر کو آواز دے کر سگریٹ منگائیں اور ایک سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ ریستوران میں کافی بھیڑ تھی۔ شاید ہی کوئی میز خالی رہی ہو۔

"اوہ تو تم یہاں ہو! کسی نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ آواز نسوانی تھی۔ انور نے پیچھے مڑے بغیر کنکھیوں سے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا جو اس کے کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔ ایک نرم و نازک خوبصورت ہاتھ، انگلیاں خوبصورت اور سبک سی انگوٹھیوں سے مزین تھیں اور پھر ایک نوجوان عورت اس کے برابر کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ انور اس کی طرف مڑا اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"اوہ معاف کیجئے گا مجھے غلط فہمی ہوئی۔" وہ ندامت آمیز انداز میں بولی۔

"کوئی بات نہیں ہے تشریف رکھئے۔" انور انتہائی خوش اخلاقی اور شرافت سے بولا۔ ویسے بھی اس وقت کوئی میز خالی نہیں ہے، مجھے آپ سے مل کر مسرت ہو گی۔"

اور اس کی خوش اخلاقی کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ اس نے ابھی ابھی اپنے کوٹ کے نچلے جیب میں ایک وزن سا محسوس کیا تھا اور اب بھی محسوس کر رہا تھا۔ بظاہر وہ اس کی طرف سے لاپروائی برت رہا تھا وہ فوراً ہی یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس کا سگریٹ کیس ابھی ابھی حیرت انگیز طریقے پر اس کی جیب میں واپس آ گیا ہے۔

انور نے اپنے چہرے پر اور زیادہ شرافت کے آثار پیدا کئے اور وہ کسی دیوتا کی طرح معصوم نظر آنے لگا۔

عورت بیٹھ گئی۔

"میں کیا بتاؤں کہ آپ میرے دوست سے کتنی مشابہت رکھتے ہیں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

"اللہ پاک بڑی شان اور قدرت والا ہے۔" انور ٹھیٹ مولویانہ انداز میں بولا۔

"آپ چائے پئیں گی یا کافی۔"

"اوہ شکریہ۔ اس کی زحمت نہ کیجئے۔" عورت نے کہا۔ "میں خود منگوالوں گی۔"

"آپ میرا دل توڑ رہی ہیں۔ فرض کیجئے میں آپ سے دوستی پیدا کرنا چاہتا ہوں تو....!" انور مسکرا کر بولا۔ "اس کے بعد آپ یقیناً مجھے اپنے گھر بلا کر چائے پلائیں گی۔ اس کے بعد میں آپ کو مدعو کروں گا۔ اسی طرح زندگی بھر ہم دونوں ایک دوسرے کو دعوتیں دیتے رہیں گے اور پھر زندگی میں سوائے کھانے پینے کے اور رکھا ہی کیا ہے۔ آپ مجھے پیٹو سمجھیں گی لیکن ایسا نہیں میں صرف چٹورا ہوں۔ پیٹو اور چٹورے میں بڑا فرق ہے۔ پیٹو ہر چیز پیٹ بھر کر کھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن چٹورا دنیا کی ساری چیزیں ذرا ذرا سی چاٹ کر چھوڑ دینا چاہتا ہے۔ چاٹ پر مجھے بارہ مصالحے کی چاٹ یاد آ گئی۔ مگر شاید یہاں اس ریستوران میں نہ ملے۔ میری باتوں کا بُرا مت مانئے گا۔ میں ذرا کچھ بے وقوف سا آدمی ہوں۔ ویسے دل کا بُرا نہیں۔"

عورت ہنسنے لگی۔

"آپ واقعی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں.... ایک اچھے دوست ثابت ہوں گے۔" عورت نے اپنا ہینڈ بیگ میز کے نیچے رکھ کر آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

انور نے بیرے کو آواز دے کر چائے اور پیسٹریوں کا آرڈر دیا۔ پھر عورت کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجہ میں کہنے لگا۔

"اس ریستوران کے سارے ویٹر مجھے بیوقوف سمجھتے ہیں۔ اچھا آپ ہی ایمانداری سے بتائیے کہ میں صورت سے بھی بیوقوف معلوم ہوتا ہوں۔"

"قطعی نہیں....!" عورت شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"سچ مچ ہم اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔" انور اور بھی رازدارانہ انداز میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں کافی خوبصورت آدمی ہوں۔ لیکن لوگوں نے بیوقوف مشہور کر دیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر رضامند نہیں ہوتی۔ خیر میں نے بھی تہیہ کر لیا کہ تمام عمر شادی نہ کروں گا۔ ویسے بہتیری لڑکیاں میری دوست ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے وقوف کے دونوں گال خود بخود پھڑکتے رہتے ہیں۔ ذرا دیکھئے کیا اس وقت میرا بایاں گال پھڑک رہا ہے یا نہیں،

ذرا اور قریب سے دیکھئے۔"

عورت جھک کر دیکھنے لگی۔ سچ مچ انور کا بایاں گال خود بخود پھڑک رہا تھا۔ عورت ہنسنے لگی۔

"یہ دیکھئے..... یہ دیکھئے..... داہنا بھی پھڑکنے لگا۔"

عورت جھک کر دیکھنے لگی۔ اس دوران میں انور نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور اسے میز کے نیچے رکھے ہوئے ہینڈ بیگ میں ڈال دیا۔ عورت کو خبر تک نہ ہوئی۔ وہ بدستور انور کے گالوں کی پھڑکن دیکھ دیکھ کر ہنستی رہی۔

"ہاں تو یہ ہے میری دکھ بھری داستان۔" انور سیدھا ہو کر بولا۔ "اب بتایئے آپ کو میں بے وقوف لگتا ہوں یا نہیں۔"

"قطعی نہیں۔" عورت سنجیدہ بننے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"خدا آپ کو خوش رکھے آپ پہلی عورت ہیں جس نے مجھے بیوقوف نہیں سمجھا۔ چائے پیجئے۔" انور نے اس کے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

عورت اس دوران میں بار بار اپنی گھڑی کی طرف دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے وقت کا بڑا خیال ہے۔

"اب ہم دونوں اس طرح ملتے رہیں گے۔" انور نے بچکانے انداز میں کہا۔

"ضرور ضرور.....!" عورت مسکرا کر بولی۔ "واقعی آپ بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔"

"میں شاعر بھی ہوں۔" انور آگے کی طرف جھک کر بولا۔

"اوہ.... اچھا....؟ تب تو آپ سے مل کر اور بھی خوشی ہوئی۔"

"میرے والد صاحب بھی شاعر تھے۔"

"اچھا.....!"

"دادا صاحب بھی اور پردادا بھی۔"

"تب تو آپ واقعی بہت اچھے شاعر ہوں گے۔" عورت نے مسکرا کر کہا۔ "کبھی ہماری طرف بھی آیئے گا۔ ایک سو بیس آسکر سٹریٹ میں رہتی ہوں۔"

"اور آپ کے.....!"

"میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔" عورت جلدی سے بولی۔

"اوہو ہو ہو۔" انور بچوں کی طرح ہنستا ہوا بولا۔ "تب تو میں ضرور آؤں گا۔ تو آپ واقعی مجھے بیوقوف نہیں سمجھتیں۔"

"نہیں قطعی نہیں۔"

"اگر آپ مجھے بیوقوف نہ سمجھیں تو میں آپ کا نام پوچھنے کی جرأت کروں۔"

"میرا نام نجمہ ہے۔"

"آپ سچ مچ نجمہ ہیں۔ نجم معنی ستارہ آپ کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمکدار ہیں..... مگر آپ دمدار ستارہ نہیں، میں نے سنا ہے کہ دمدار ستارہ منحوس ہوتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

"میرا نام انور سعید ہے" انور مسکرا کر بولا۔ "لوگ مجھے کروڑ پتی سمجھتے ہیں، لیکن مجھے تو یقین نہیں آتا۔"

"تو پھر آپ سچ مچ کروڑ پتی ہیں۔"

"پتہ نہیں! ممکن ہے افواہ ہو۔"

"آپ واقعی بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ عورت گھڑی دیکھ کر اپنا ہینڈ بیگ میز کے نیچے سے اٹھاتی ہوئی بولی۔

"تو کیا چل دیں۔ میں بہت اداس ہو جاؤں گا۔"

"مجھے جلدی ہے گیارہ بجے میرے ایک عزیز باہر سے آ رہے ہیں۔ انہیں لینے کے لئے اسٹیشن جاؤں گی۔"

"خیر.....!" انور اداسی سے بولا۔ "پھر کب ملیں گے۔"

"کل کسی وقت ہمارے گھر آیئے۔" عورت نے کہا اور انور سے ہاتھ ملا کر ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے باہر چلی گئی۔

انور اٹھ کر کھڑکی کے قریب آیا وہ باہر ایک چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کار اسٹارٹ ہو گئی اور انور اپنی میز پر لوٹ آیا۔ بیرے کو بلا کر جلدی جلدی بل ادا کیا اور باہر نکل آیا۔

اور پھر جس طرف کار گئی تھی اسی طرف اس کی موٹر سائیکل بھی جا رہی تھی۔ انور کی آنکھیں شرارت آمیز انداز میں چمک رہی تھیں، لیکن پھر جلد ہی اُس کے چہرے پر معصومیت پھیل گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ابھی ابھی کسی عبادت گاہ سے لوٹا ہو۔

ابھی تک وہ کار اسے نہیں دکھائی دی تھی۔ غالباً بہت زیادہ رفتار سے روانہ ہوئی تھی لیکن انور اپنی جوابی کاروائی کی طرف سے مطمئن تھا۔

وہ تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ سامنے سڑک پر بھیڑ دکھائی دی۔ شاید کوئی حادثہ ہوگیا تھا اور پھر اس انبوہ میں اسے وہ کار دکھائی دی جس کے تعاقب میں وہ روانہ ہوا تھا۔ انور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس مسکراہٹ سے درندگی اور سفاکی جھلک رہی تھی۔ اس کی نظروں میں وہی آسودگی تھی جو ایک درندے کی نظروں میں پائی جاتی ہے۔ اس وقت جب کہ اس کا شاندار شکار بالکل اس کے قابو میں آگیا ہو۔

انور نے موٹر سائیکل فٹ پاتھ کے قریب کھڑی کر دی اور خود بھیڑ میں آگیا۔

نجمہ کار کی اگلی سیٹ پر پڑی کراہ رہی تھی۔ اس کی بائیں ران کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے قیمہ کر کے رکھ دیا ہو۔ ہینڈ بیگ کے چیتھڑے سڑک پر پڑے سلگ رہے تھے اور کار کے اندر بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

پولیس آگئی تھی۔ سب انسپکٹر نے کہیں سے ایک ایمبولینس منگوائی اور زخمی عورت کو اس پر ڈال کر ہسپتال کی طرف لے جانے لگا۔ کار سڑک کے کنارے کھڑی کر دی گئی۔ انور نے کئی آدمیوں سے اس حادثے کے متعلق پوچھنے کی کوشش کی لیکن کسی نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ کسی کو ٹھیک سے یہ نہ معلوم ہو سکا تھا کہ حادثے کی نوعیت کیا تھی۔ پھر انور چوراہے کے سپاہی کی طرف متوجہ ہوا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔" سپاہی بولا۔ "کار یہاں سے گذر رہی تھی کہ دفعتاً ایک دھماکہ سنائی دیا اور پھر ایک چیخ۔ کار رک گئی اور عورت اس حال میں نظر آئی۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس کے پاس کسی قسم کا بم تھا جو پھٹ گیا۔"

"اس نے کچھ بتایا بھی....!" انور نے پوچھا۔

"کچھ نہیں، بہرحال ایک ٹانگ تو بے کار ہی ہوگئی یا شاید مر جائے۔"

انور موٹر سائیکل لے کر سیدھا ہسپتال کی طرف روانہ ہوگیا اور اس کمرے میں نہیں گیا جس میں وہ رکھی گئی تھی۔ اندر شاید پولیس اس کا بیان لے رہی تھی۔ انور باہر ہی ٹھہرا رہا۔ وہ اندر بھی جا سکتا تھا لیکن اس نے مناسب نہیں سمجھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک سب انسپکٹر اندر سے آیا۔ انور اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"کیوں جناب آخر آپ پہنچ ہی گئے۔" اس نے انور سے کہا۔

"ہاں جناب اسی کی روٹی کھاتا ہوں۔" انور بولا۔

"اس نے بیان دیا ہے کہ کسی نے اس کی کار پر بم پھینکا تھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اور آپ نے اس پر یقین کر لیا۔"

"کیوں؟ یقین کیوں نہ کیا جائے۔"

"اگر فرض کیجئے خود اسی کے پاس بم رہا ہو تو۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"وہ ہے کون؟"

"ایک معزز آدمی کی بیوی ہے۔"

"یعنی....!"

"نیشنل آئرن ورکس کے منیجر کی بیوی ہے۔"

"اوہ....اچھا....!" انور نے کہا اور اس کے ذہن میں پے در پے کئی سوال گونج اٹھے۔

"میں نے اسے فون کر دیا ہے وہ آ ہی رہا ہوگا۔" سب انسپکٹر نے کہا اور دوسری طرف چلا گیا۔

انور تھوڑی دیر تک کھڑا سگریٹ پیتا رہا پھر دفعتاً ہسپتال کی کمپاؤنڈ سے باہر چلا گیا۔ پھاٹک کے قریب ہی چائے کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ انور وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ چائے کیلئے کہہ کر دروازے کے قریب کرسی گھسیٹ لایا۔ یہاں سے ہسپتال کے اندر جانے والے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار پھاٹک میں داخل ہوئی۔ انور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر بائیں ہاتھ سے لکھ رہا تھا۔

داراب کے لئے دوسری چوٹ، لیکن مجھے اپنے قیمتی سگریٹ کیس کے ضائع ہونے کا افسوس ہے۔ آئندہ کسی ملاقات میں اس کی قیمت وصول کر لی جائے گی۔

انور وہ کاغذ مٹھی میں دبائے ہوئے ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں آیا۔ تھوڑی دیر قبل جو کار اندر داخل ہوئی تھی پورٹیکو میں کھڑی نظر آئی۔ انور نے وہ پرچہ اس کی اگلی سیٹ پر ڈال دیا اور پھر اسی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد کار اندر سے واپس آئی اور مشرق کی طرف مڑ گئی۔ انور کی موٹر سائیکل کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ کار شہر کے بارونق بازاروں سے گزرتی ہوئی ایک ویران راستے پر ہولی۔ انور کو مجبوراً اپنی موٹر سائیکل کی رفتار کم کر دینی پڑی۔ وہ تقریباً چار فرلانگ پیچھے جا رہا تھا۔ دفعتاً اُسے خیال آیا کہ وہ سڑک آگے جا کر ختم ہوگئی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک دریا ہے۔ وہ اکثر اس طرف تفریحاً نکل آیا کرتا تھا۔ ایک خیال تیزی سے اس کے ذہن میں

گونجا اور اس نے موٹر سائیکل روک کر ایک طرف کھڑی کر دی۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک اونچے درخت پر بندر کی سی پھرتی کے ساتھ چڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب سے اونچی شاخ پر پہنچ گیا۔ اس کے گرد و پیش میلوں تک گھنی جھونپڑیاں اور سرسبز میدان پھیلے ہوئے تھے۔ دریا کے کنارے ایک طرف چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں تھیں جن سے تقریباً ڈیڑھ یا دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک بڑی سی پختہ عمارت تھی۔ جنگ کے زمانے میں اس میں کوئی سرکاری کارخانہ تھا اور جنگ کے خاتمہ پر اسے کسی نے کرائے پر لے لیا تھا۔ انور کی نظریں اس کار پر جمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کار اسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

انور درخت سے اتر آیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ نکالا لیکن دوسرے ہی لمحے میں جھنجھلا کر اسے سڑک پر پھینک دیا کیونکہ وہ نہ جانے کب کا خالی ہو چکا تھا اور پھر اس کی موٹر سائیکل شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔ وہ اس وقت صرف سگریٹوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جیب میں اتنے پیسے بھی نہ تھے کہ شہر پہنچتے ہی سگریٹ خرید لئے جاتے۔ بہرحال دفتر پہنچنے سے قبل اسے سگریٹ نہیں مل سکتے تھے۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ دفتر میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ آج کی خبریں مکمل ہو جانے کے بعد اس نے مسودہ ایڈیٹر کے کمرے میں بھجوا دیا اور پھر روزانہ چھپنے والے جاسوسی ناول کی قسط لکھنے لگا۔ آج کے کارناموں تک کی اطلاع اس نے رشیدہ کو دفتر میں آتے ہی دے دی تھی۔ رشیدہ نے اس پر کچھ تبصرہ بھی کرنا چاہا تھا لیکن انور نے یہ کہہ کر اسے روک دیا تھا کہ وہ اپنا کام مکمل کئے بغیر کسی قسم کی گفتگو کرنا پسند نہ کرے گا۔

جاسوسی ناول کی قسط لکھ چکنے کے بعد اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور سگریٹ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ رشیدہ اس دوران میں کئی بار اس کے کمرے میں جھانک کر واپس جا چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر کام کرتے وقت وہ اس کے پاس گئی تو وہ اسے بڑی بے مروتی کے ساتھ کمرے سے نکال دے گا۔

وہ پھر آئی اور یہ دیکھ کر انور کام ختم کر چکا ہے کمرے میں چلی آئی۔

"تم سچ مچ بہت خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔"

"میں فرشتوں سے زیادہ معصوم ہوں۔" انور کے چہرے پر معصومیت پھیل گئی۔

"اُس بے چاری کا نہ جانے کیا حشر ہوا ہوگا۔"

"بہرحال،، مر نہیں سکتی۔" انور نے کہا "البتہ وہ سگریٹ کیس میرے جیب میں پھنسا تو...

میری نئی غزل نامکمل رہ جاتی۔"

"تمہارا دوسرا قدم کیا ہوگا۔"

"میرا دوسرا قدم، دوسرا قدم ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ تیسرا قدم ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"پھر بدحواس ہوئے تم....!"

"تمہاری آنکھیں بہت حسین ہیں۔"

"اتنی جلدی سارے سگریٹ پی ڈالے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"گھبراؤ نہیں آج کچھ آمدنی کی توقع ہے۔ میں داراب سے اپنے سگریٹ کیس کی قیمت معہ جرمانہ اور بربادی وقت وصول کروں گا۔"

"کیوں خواہ مخواہ جان گنوا رہے ہو۔" رشیدہ بولی۔

"ڈرپوک نکل جاؤ یہاں سے۔" انور بگڑ کر بولا۔

"میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ لیکن میں تمہیں تنہا وہاں نہ جانے دوں گی۔"

"بکومت.... میں تنہا جاؤں گا۔ تم بعد میں آ سکتی ہو۔ سنو قریب آؤ۔"

رشیدہ اس کے قریب کرسی کھسکا لائی اور انور آہستہ آہستہ اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اسے دیتا ہوا بولا۔ "یہ ساری چیزیں کسی دوا فروش کے یہاں مل جائیں گی۔"

رشیدہ چلی گئی۔ انور نے کمپوزیٹر کو بلوا کر جاسوسی ناول کی قسط اسی کے حوالے کی اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

اس کا ذہن رات کی جنگ کا نقشہ مرتب کر رہا تھا۔ اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ اسے اپنی کامیابی پر اس طرح ناز تھا جیسے وہ اپنے ساتھ ایک بہت بڑی فوج لے جانے کا ارادہ رکھتا ہو اور پھر چند لمحوں کے بعد اس نے یہ سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال پھینکے اور ان سگریٹوں کے متعلق سوچنے لگا جو رشیدہ اس کے لئے خریدنے گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ واپس آ گئی۔ سگریٹوں اور سگریٹ کیس کے ساتھ اس نے چھوٹا سا پیکٹ بھی میز پر رکھ دیا۔

انوکھا پستول

انور نے صفوفوں کی تھوڑی تھوڑی مقدار لے کر انہیں یکجا کیا اور ان میں ایک بوند پانی ڈال کر چھوٹی چھوٹی گولیاں بنائیں۔ پھر چند سگریٹوں کا تمباکو نکال کر میز پر پھیلا دیا۔ تھوڑی دیر کی محنت کے بعد اس کے چہرے پر آسودگی اور اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔ رشیدہ خاموش بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

"آخر اس کا مطلب....!" رشیدہ بولی۔

"اس ترکیب سے تمباکو ذرا تیز ہو جاتا ہے۔"

رشیدہ نے اس طرح منہ بنایا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

"اب گھر بھی چلو گے یا نہیں، پانچ بج رہے ہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں نے اسکیم بدل دی ہے تم تنہا گھر جاؤ، موٹر سائیکل لیتی جاؤ اور پھر بارہ بجے کے بعد تمہیں اختیار ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم سچ مچ زندگی سے بیزار ہو گئے۔"

"نہیں زندگی سے پیار ہے البتہ اس صورت میں ضرور زندگی سے بیزار ہو سکتا ہوں جب اس میں یکسانیت پیدا ہو جائے۔"

"اگر یہی ہے تو پھر زندگی میں نیا پن پیدا کرنے کے لئے دوسرے طریقے بھی ہیں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"وہ کیا....؟"

"جب زندگی میں یکسانیت محسوس ہونے لگے تو آنکھیں بھینچ کر گدھے کی بولی بولنا شروع کر دیا کرو۔ اگر کوئی قریب ہو تو دولتیاں بھی جھاڑ سکتے ہو۔ اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو اپنی پتلون میں پیچھے کی طرف سرخ رنگ کا ایک لمبا فیتہ ٹنکوالو۔"

انور نے قہقہہ لگایا اور رشیدہ بھی ہنسنے لگی۔

"بعض اوقات بہت پیاری لگتی ہو۔"

"پھر تم نے مکھن کا ڈبہ کھولا۔ اب کیا بات ہے۔ سگریٹ بھی تو لا دیئے۔"

"تم کیا یہ سمجھتی ہو کہ میں فقیر ہوں۔" انور نے بھنا کر اپنا پرس میز پر الٹ دیا۔ اس میں سے ایک دونی گر پڑی۔

رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"آج رات کو میں کافی امیر ہو جاؤں گا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"یہ لیجئے۔" رشیدہ نے دس دس کے دو نوٹ انور کے سامنے ڈال دیئے۔

"شکریہ.... شکریہ۔" انور نوٹ سمیٹ کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "آج رات کو مع سود در سود واپس کر دوں گا۔"

"آج تمہیں شام کی چائے بھی یاد نہیں رہی۔" رشیدہ نے کہا۔

"یہیں منگواؤ" انور نے کہا۔ "آج میں یہاں سے نو بجے سے پہلے نہیں نکلوں گا۔"

"کیوں....؟"

"کیا تم سچ مچ یہ چاہتی ہو کہ میری غزل نامکمل رہ جائے گی۔"

رشیدہ نے چپڑاسی کو آواز دے کر چائے لانے کو کہا اور پیار بھری نظروں سے انور کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا کاٹ کھانے کا ارادہ ہے۔" انور سہم کر بولا۔

رشیدہ جھنجھلا گئی اور اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"تم انسان نہیں ہو۔" وہ مایوسانہ انداز میں بولی۔ "تم سچ مچ مشین بن کر رہ گئے ہو۔"

"اور یہی آدمیت کی معراج ہے کہ آدمی پر دکھ اور سکھ کا کوئی اثر نہ ہو، خوشی اور رنج دونوں اس کے لئے بے معنی الفاظ ہو کر رہ جائیں۔ اگر دنیا یونان کے قدیم.... فلسفیوں کے نقشِ قدم پر چلی ہوتی تو آج نہ کوئی تپ دق میں مبتلا ہوتا اور نہ خوشی کی زیادتی کی وجہ سے کسی کا ہارٹ فیل ہوتا۔"

"تو پھر آدمی کو آدمی کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"مت کہو....!" انور لاپروائی سے بولا۔ "جو دل چاہے کہہ لو۔"

"مگر دکھ سکھ اختیاری چیز نہیں ہیں۔ کسی احساس کو دبایا تو جا سکتا ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ سرے سے احساس ہی نہ ہو۔"

"میں اثر کی بات کر رہا تھا، احساس کی بات نہیں۔ یہ دونوں نوعیت کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ کسی جذبہ کا ہم پر جو اثر ہوتا ہے وہ داخلی نہیں بلکہ صدہا سال کے خارجی تجربات کا نتیجہ ہے اُسے یوں سمجھ لو کہ......"

"بس بس ختم کرو فلسفہ....!" رشیدہ اکتا کر بولی۔ "میں اپنا دماغ چھلنی نہیں کرانا چاہتی۔ میرا بس چلے تو تمہاری کتابوں کے ڈھیر میں آگ لگادوں۔"

اتنے میں چپراسی چائے لایا۔

"خیر خیر لو چائے پیو۔" انور نے کہا۔ "یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایک دن تم بھی میری ہی طرح سوچنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔"

رشیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سر جھکائے چائے بنانے لگی۔

"آخر تم نے یہ پیشہ کیوں اختیار کر رکھا ہے کسی یونیورسٹی میں پروفیسری کے لئے کیوں نہیں کوشش کرتے۔"

"چائے پیئو....!" انور بُرا سامنہ بنا کر بولا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"تم آخر پولیس کو ساتھ لے کر کیوں نہیں حملہ کرتے۔" رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"نہیں.... آج میں سگریٹ کیس کی قیمت وصول کروں گا اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

"سچ مچ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"دماغ خراب ہونا کوئی بُری بات نہیں۔ میری طرف دیکھو.... کتنی رسیلی ہیں تمہاری آنکھیں اور تمہارے نچلے ہونٹ کا درمیانی خم تو قیامت ہے اور یہ سلگتے ہوئے گال معلوم ہوتا ہے، شعلے نکل پڑیں گے، تم مسکرا رہی ہو۔ ارے کیا شفق پھولی ہے اور یہ موتی جیسے دانت۔ میں تارے.... رشو کہیں سچ مچ تم سے محبت نہ کرنے لگوں۔ مگر نہیں رشو میں دردِ دل سے بہت گھبراتا ہوں۔ بعض اوقات ریاحی دردِ دل بھی ہونے لگتا ہے، جو معدے کی صفائی کے بعد بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے۔ دردِ جگر کا میں قائل نہیں۔ ہاں بعض حالات میں دردِ گردہ ہو سکتا ہے۔ وہ درد کوئی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ محض دردوں کی وجہ سے مجھے اردو شاعری سے نفرت ہو گئی ہے۔ مجھے دردِ دل سے زیادہ دردِ سر اچھا لگتا ہے۔"

"ہاں ہاں.... محض اس لئے کہ ایک بار تمہیں تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"یہ بات نہیں رشو! میں نے ایک بار تفریحاً محبت کی تھی۔ مگر وہ تفریح نہ ثابت ہوئی۔ اس لئے میں نے دوسری کوشش نہیں کی۔"

"کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔"

"مجھے صرف تمہاری مردانگی سے پیار ہے۔" انور نے کہا۔ "اتنی حسین ہونے کے باوجود بھی تم میں نسائیت بہت کم ہے۔"

"تم غلط سمجھتے ہو۔ میں سو فیصد عورت ہوں۔"

"صرف جسمانی ساخت کے اعتبار سے۔"

"خیر چھوڑو! تم پھر آہستہ آہستہ فلسفے اور سائینس کی طرف آرہے ہو۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔

"اچھا رشو! اب تم جاؤ۔" انور گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "آج کی رات میری لئے ایک حسین رات ہوگی اور ہاں دیکھو مجھے یقین ہے کہ باہر داراب کا آدمی ضرور ہوگا۔ تم باہر فٹ پاتھ پر نکل کر چوکیدار سے میرے متعلق پوچھنا۔ اگر وہ اندر آنے لگے تو اُسے روک دینا۔ اس سے کہنا کہ میں اندر نہیں ہوں۔ پھر تم اس سے کہنا کہ تم میری موٹر سائیکل لئے جا رہی ہو اور وہ مجھے اس کی اطلاع دے دے گا۔"

"یہ ساری گفتگو ذرا اونچی آواز میں ہونی چاہئے سمجھیں! اچھا اب جاؤ۔"

"بھئی تم پولیس کی مدد کیوں نہیں لیتے۔" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

"کہہ تو دیا کہ مجھے سگریٹ کیس کی قیمت وصول کرنی ہے۔"

"تمہاری ضد تو بڑی خطرناک ہوتی ہے۔"

"رشو اب تم جاؤ ورنہ میں سچ مچ تم سے محبت کرنے لگوں گا۔" انور نے اٹھ کر اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"رشیدہ سمجھ گئی کہ وہ ایک نہیں سنے گا۔ آخر کار وہ اپنا پرس اٹھا کر چلی گئی۔" انور نے چپراسی کو بلایا۔

"دیکھو یہ چائے کے برتن لے جاؤ۔ میں نو بجے تک یہاں بیٹھوں گا لیکن باہر کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے کہ میں یہاں موجود ہوں اور وہاں اس طرف صحن کا دروازہ باہر سے بند کر کے تالا ڈال دینا تاکہ کوئی ادھر آنے نہ پائے۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے، میں ادھر کی کھڑکی سے نکل جاؤں

گا۔ بس جاؤ.... انعام کل....!"

چپراسی چائے کے برتن سمیٹ کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انور نے ایک الماری کھ
کر سنہرے رنگ کے سرخی مائل بال نکالے اور اپنے گالوں پر کوئی سیال شے لگا کر ان میں و
چپکانے شروع کر دیئے۔ پھر اسی طرح مونچھیں بنائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کوئی خوبصورت
جانور معلوم ہونے لگا۔ وہ تھوڑی دیر تک آئینے میں اپنی ڈاڑھی کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے بعد
نکالی اور بے ترتیب بالوں کو برابر کرنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اس نے آئینے پر الوداعی نظر ڈالی اور اُسے پھر الماری میں رکھ
وہ اب ایک معمر انگریز پادری معلوم ہو رہا تھا۔ گھڑی نے آٹھ بجائے اور انور آرام کرسی پر گر
اونگھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی گہری نیند سو جائے گا۔ ایک گھنٹے تک وہ اس طرح
حس و حرکت پڑا رہا جیسے اس میں ہاتھ پیر ہلانے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔ جیسے ہی کلاک
بجائے وہ اٹھ بیٹھا لیکن اب اس میں پہلی سی توانائی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو
جیسے وہ برسوں سے بیمار ہو۔ آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ چہرے پر مردنی چھائی تھی۔ اس نے آ
سے کھڑکی کھولی اور برآمدے میں سناٹا تھا۔ نیچے پریس کی مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دے
تھی۔ انور نے سوچا کہ کیوں نہ یہیں اپنے اس بھیس کا امتحان کرے۔ اپنی کمر کو قدرے جھ
آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کی سانس اس طرح پھول
تھی جیسے وہ دمہ کا مریض ہو۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کمرے کے سامنے پہنچ کر وہ تین بار کھان
اس کی سانس اور زیادہ پھولنے لگی۔

"کیا میں اندر آسکتا ہوں۔" وہ دروازے کے پاس پہنچ کر بھرائی ہوئی آواز میں انگر
میں بولا۔

"ضرور.... ضرور....!" اسسٹنٹ ایڈیٹر اپنی کرسی پر سیدھا ہو کر بولا۔

انور ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور ہانپنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گفتگو کرنے سے پہلے الجھی ہوئی سانسوں پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"مسٹر.... ان.... ہوف.... انور.... کہاں ملیں گے۔"

"اوہ.... وہ تو گھر چلے گئے ہیں۔ کیا آپ کو اُن کے گھر کا پتہ معلوم ہے۔"

انور نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر نے ایک کاغذ پر انور کا پتہ لکھ کر دے دیا۔

وہ تھوڑی دیر تک بیٹھا ہانپتا رہا پھر ایڈیٹر کا شکریہ ادا کرتا ہوا اُس کے کمرے سے نکل گیا۔

برآمدے سے نکل کر وہ زینے طے کرتا ہوا فٹ پاتھ پر آگیا۔ اس کا خیال صحیح نکلا۔ ایک
ی بجلی کے کھمبے کے پاس کھڑا آفس کے صدر دروازے کی طرف تاک رہا تھا اور وہ اسی کے
یب کھڑا ہو کر کھانسنے لگا۔ اس آدمی نے دو تین بار اُسے گھور کر دیکھا پھر جیب سے سگریٹ
ل کر سلگانے لگا۔

"اب کوئی ٹیکسی بھی نہ دکھائی دے گی۔" انور جھلاہٹ میں بڑبڑانے لگا۔ "اور میں.... یہیں
م ہو جاؤں گا۔"

اس آدمی نے اُسے پھر ایک بار گھور کر دیکھا اور اس کی زہریلی اور جراثیم آمیز سانسوں سے
چنے کے لئے دوسری طرف کھسک گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ٹیکسی دکھائی دی۔ انور نے ہاتھ اٹھا کر اُسے رکوایا۔

"مے پول ہوٹل....!" وہ ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا زور سے بولا۔ ٹیکسی چل پڑی۔ انور نے باہر
طرف دیکھا۔ وہ آدمی بدستور وہیں کھڑا تھا۔

"مے پول ہوٹل نہیں.... سیتا گھاٹ....!" انور نے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد کہا۔

"اچھا صاحب....!" ڈرائیور نے کہا۔ "کیا واپسی بھی ہو گی۔"

"نہیں۔"

"تو صاحب کرایہ دگنا پڑے گا کیونکہ واپسی میں وہاں سے خالی آنا پڑے گا۔"

"پرواہ مت کرو....!" انور نے جھلا کر کہا۔

ٹیکسی ویران راستے پر ہولی۔ سیتا گھاٹ سے تقریباً ایک میل ادھر ہی انور نے ٹیکسی رکوائی
ر کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا۔ ڈرائیور ویرانے میں اترنے کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ وہ کچھ خوف زدہ
ا نظر آنے لگا تھا۔ کرایہ ملتے ہی اس نے ٹیکسی شہر کی طرف موڑی اور کافی تیز رفتاری سے چل پڑا۔

انور نے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور تیز قدموں سے گھاٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

چاروں طرف گہرا اندھیرا تھا۔ سناٹے میں اس کے قدموں کی آہٹ دور تک گونج رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دریا کے کنارے بنی ہوئی عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہا تھا۔ باہر کوئی

نہیں دکھائی دیا۔ اس نے بہ آسانی پھاٹک کھولا اور احاطے میں گھس گیا۔ اب بوڑھوں اور مریضوں کی طرح نہیں چل رہا تھا۔ برآمدے پر پہنچ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ ایک آدمی نے دروازہ کھول کر باہر سر نکالا۔

"کون ہے۔"

"بے وقوف یہ رسمی باتوں کا وقت نہیں ہے۔" انور اُسے دھکا دے کر اندر گھستا ہوا بولا۔

"سردار کہاں ہیں۔"

"اوپر.... لیکن.... لیکن....!"

"اوہ وقت مت برباد کرو۔" انور جھنجھلا کر بولا۔ "مجھے راستہ بتاؤ آگے چلو.... آگے چلو!"

انور نے اُسے جلدی جلدی کہہ کر آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ وہ اس کے آگے چلنے لگا۔

"جو کام ہوتا ہے، گڑ بڑ ہوتا ہے۔" انور بڑبڑانے لگا۔ "سب سو رہے ہیں۔ کیا تم تیز نہیں چل سکتے۔"

راستے میں دو ایک آدمی اور ملے، جو انور کو تیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

"تم سب اسی طرح سوتے رہنا اچھا۔" انور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ان سے قہر بھرے انداز میں کہتا گیا۔

پھر وہ دونوں سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔ اوپر ایک ہی قطار میں کئی کمرے تھے۔ آخری سرے پر ایک اور زینہ تھا، جو تیسری منزل کے لئے تھا۔ ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اُس آدمی نے اس طرف اشارہ کیا۔

"اچھا اب تم جاؤ۔" انور آہستہ سے بولا۔ "پھاٹک پر نظر رکھنا جو کوئی بھی اندر داخل ہونے کی کوشش کرے اُسے فوراً گولی مار دینا۔ اچھا اب جاؤ۔ جلدی کرو۔ تم سب اُدھر کا خیال رکھنا۔"

وہ آدمی نیچے اتر گیا۔ انور کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ اس کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازے کھلے ہوئے تھے۔ لیکن ایک سیاہ رنگ کا پردہ درمیان میں حائل تھا۔ انور نے جھانک کر دیکھا۔ وہی ڈاڑھی والا اجنبی ایک بڑی سی میز پر بیٹھا کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔

انور پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ اجنبی چونک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں انور کا پستول جیب سے نکل آیا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔" انور نے آہستہ سے کہا۔

"تم کون ہو....!" وہ ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا بولا۔

"کوئی غیر نہیں ہوں۔" انور نے مسکرا کر کہا۔ "میں بھی چہرے پر نقلی ڈاڑھی لگانا جانتا ہوں۔ میں تم سے جھگڑا کرنے نہیں آیا۔ میں اپنے سگریٹ کیس کی قیمت چاہتا ہوں۔"

"اوہ.... انور....!" وہ مسکرا کر بولا۔ "آخر کار تم نے میرے ٹھکانے کا پتہ لگا ہی لیا اور اپنے ساتھ پولیس بھی لائے ہو گے۔ لیکن تم یہاں تک کیسے پہنچے۔ کیا میرے سب آدمی گرفتار ہو گئے۔"

"نہیں قطعی نہیں۔ وہ سب نیچے گل چھرے اڑا رہے ہیں۔ میرے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں۔ تمہارا خیال غلط ہے میں بالکل تنہا ہوں۔ اگر مجھے سگریٹ کیس کی قیمت نہ وصول کرنی ہوتی تو یقیناً اپنے ساتھ پولیس لاتا۔"

"اگر یہ بات ہے تو پستول جیب میں رکھ لو۔ میں اب بھی تم سے سمجھوتہ کرنا پسند کروں گا۔"

"حالانکہ آج تمہاری وجہ سے ایک عورت زخمی ہو گئی ہے جسے میں بے حد چاہتا ہوں۔ لیکن میں نے اس کے خلاف پولیس کو کوئی بیان نہیں دیا۔"

"اسی سے تم میری نیت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "مجھے صرف اپنے سگریٹ کیس کی قیمت چاہئے۔"

"کتنی قیمت چاہتے ہو۔"

"صرف تین سو روپے۔"

"بس....!" وہ مسکرا کر بولا۔

"میں تم سے کوئی سودا کرنے نہیں آیا اور نہ تم ان تین سو روپوں میں مجھے خرید سکتے ہو۔ میری قیمت تم نہیں ادا کر سکتے اور پھر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر مجھے یہی کرنا ہوتا تو جب چاہوں گا تمہیں بیچ بازار میں لوٹ لوں گا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"خیر.... خیر....!" وہ میز کی دراز کھول کر نوٹوں کا بنڈل نکالتا ہوا بولا۔ "یہ لو! میں تم سے جھگڑا کرنا نہیں چاہتا۔"

اس نے کچھ نوٹ گن کر انور کی طرف بڑھا دیئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں انور کو ایک اور صدمے کا سامنا کرنا پڑا۔ نوٹ تو اس کے ہاتھ میں آ گئے لیکن پستول اس کے ہاتھ سے نکل

کرداراب کے ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا۔اس نے قہقہہ لگایا۔

"داراب سے الجھنا ہنسی کھیل نہیں انور۔اب میں تمہیں چوہے کی موت مار ڈالوں گا۔"

"خیر میں مرنے کے لئے تو ہر وقت تیار رہتا ہوں۔" انور نوٹوں کو کوٹ کے اندرونی جیب میں رکھتا ہوا بولا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ داراب اس کی اس لاپروائی پر جھلا گیا۔اس نے نشانہ لے کر پستول کی لبلبی دبادی۔ مگر اُس میں سے گولی کے بجائے ایک سگریٹ نکل کر انور کی گود میں آگرا۔انور نے قہقہہ لگایا۔

"یہ پستول نہیں بلکہ پستول نما سگریٹ کیس ہے پیارے۔"

داراب نے جھلاہٹ میں پستول انور پر کھینچ مارا جسے اس نے ہاتھوں پر روک کر جیب میں رکھ لیا اور سگار لائٹر سے سگریٹ سلگانے لگا۔

"دیکھو داراب میں اس قسم کے ہتھیار اپنے پاس نہیں رکھتا جن سے شور پیدا ہو۔ میں عموماً گلا گھونٹ کر مارتا ہوں۔" انور منہ سے سگریٹ کا گنجان دھواں نکالتا ہوا بولا۔

"لیکن اب تم یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے۔ میں تمہیں بہت اذیت دے کر ماروں گا۔" داراب گرج کر بولا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ میز پر لگے ہوئے ایک بٹن پر پڑا۔

سارے مکان میں بے شمار گھنٹیاں بجنے لگیں۔ لیکن انور کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ بدستور بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔

باہر کئی قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور تین چار آدمی کمرے میں گھس آئے۔

"بیٹھ جاؤ.... داراب اب مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" انور پُر اطمینان لہجے میں بولا۔

"مت بکو....!" داراب چیخا۔

"تم نے شیلا رانی کو کیوں قتل کیا۔"

"میری خوشی....!"

"تم کرنل جاوید کو کیوں اغوا کر لائے۔"

"تم سے مطلب....!"

"مطلب یہ کہ تم مجھے قتل نہیں کر سکتے اور ہاں صابر کو کب ختم کر رہے ہو۔اس کے منیجر کی بیوی تو تمہاری محبوبہ نکلی۔"

"تم دیکھنا کہ کس بے دردی سے تم مارے جاتے ہو۔" داراب بڑبڑایا۔

"ایسا نہ کہو پیارے میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔"

"بکواس بند کرو۔" داراب پھر چیخا۔

"مہمانوں سے ایسا برتاؤ نہیں کیا کرتے اور تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس وقت تم سب کی جانیں میری مٹھی میں ہیں۔ تم اس سے زیادہ احمق ثابت ہوئے ہو جتنا میں تمہیں سمجھتا ہوں۔"

"کیا بکتے ہو۔"

"یقین نہ آئے تو اس سگریٹ کے ٹکڑے کی طرف دیکھو۔" انور جلتے ہوئے سگریٹ کا ٹکڑا فرش پر ڈالتے ہوئے بولا اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دفعتاً سگریٹ کے ٹکڑے سے ایک چمکدار شعلہ نکلا۔اس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ ان سب کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور پھر کمرے میں سفید رنگ کا گہرا دھواں بھر گیا۔ اتنا گہرا کہ ایک فٹ دور کی چیزیں بھی نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔انور نے ایک جست لگائی اور کمرے سے صاف نکل گیا۔

خوفناک درندہ

انور باہر نکل کر نیچے کی طرف جھپٹا مگر کچھ اور آدمی اوپر آرہے تھے۔ وہ اوپری منزل کے زینوں کی طرف پلٹ پڑا۔ اوپری منزل بالکل ویران تھی۔ یہاں کمرے نہیں تھے۔ چھت بالکل پاٹ تھی۔ ایک طرف لکڑی اور لوہے کا انبار تھا۔ کچھ بڑے بڑے پیپے بھی رکھے ہوئے تھے۔

"اوپر گیا ہے.... اوپر....!" کچھ آوازیں سنائی دیں اور انور خالی پیپوں کی آڑ میں دبک گیا۔ سامنے ایک بڑا سا پتھر پڑا ہوا تھا۔ انور کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ اس نے نیچے جھانک کر دیکھا۔ دریا لہریں لے رہا تھا۔ زینوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور انور نے وہ پتھر اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ ایک زبردست چھپاکے کی آواز آئی۔

"کود گیا.... کود گیا....!" کسی نے کہا۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں دریا کی سطح پر پڑ رہی تھیں۔

"چلو.... چلو.... بچ کر جانے نہ پائے.... نیچے کشتی موجود ہے۔"

وہ پھر الٹے پاؤں بھاگتے ہوئے نیچے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد انور نے پھر جھانک کر نیچے

دیکھا۔ چار پانچ آدمی ایک کشتی پر بیٹھے دریا میں چکر لگا رہے تھے۔ اس نے پیوں کی آڑ سے نکل کر ایک طویل انگڑائی لی اور خود بخود مسکرانے لگا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پیٹ کے بل چھت پر لیٹ گیا۔ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا چھت کے دوسرے کنارے پر نکل گیا۔ تھوڑی دور ہٹ کر داہنے طرف ایک چھوٹا سا پائپ نیچے تک چلا گیا تھا اور تقریباً دس فٹ نیچے دیوار میں کافی چوڑی کارنس تھی۔ انور پائپ کے سہارے کارنس پر اتر آیا اور دیوار سے چپکا ہوا اس درخت کی طرف بڑھنے لگا جس کی شاخیں دیوار کو چھو رہی تھیں۔ وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اُسے پھر رک جانا پڑا۔ آگے اس کمرے کی کھڑکی تھی جس میں داراب سے وہ ملا تھا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ انور نے آگے بڑھ کر اندر جھانکا۔ کمرہ خالی تھا۔ دفعتاً اس کے ذہن میں کچھ نئے قسم کے کیڑے کلبلائے اور وہ آہستہ سے کمرے میں اتر گیا۔

وہ میز کی طرف گیا اور پنسل اٹھا کر کچھ لکھنے لگا۔ اچانک باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔ انو چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میز کے پیچھے بڑی سی لکڑی کی الماری رکھی ہوئی تھی۔ دوسرے لمحے میں وہ اس الماری کے پیچھے تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور داراب دو آدمیوں کے ساتھ اند داخل ہوا۔

"تم لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ڈوب گیا۔" داراب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے ان آدمیوں سے کہا۔ اس کی نظر کاغذ پر پڑی جس پر انور نے کچھ لکھا تھا۔

"ارے....!" وہ بے اختیار اچھل پڑا۔ چند لمحے ٹکٹکی لگائے کاغذ کی طرف دیکھتا رہا پھر اُ آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ "دیکھا تم نے.... یہ دیکھو.... وہ ابھی اسی کمرے میں تھا۔ وہ ا بھی یہیں قریب ہوگا۔"

"ہمارے آدمی اُسے جھاڑیوں میں تلاش کر رہے ہیں۔" ایک نے کہا۔

"اب اس کا خاتمہ ہی بہتر ہے۔" داراب بولا۔ "مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ مجھے پہلے ہی ا ختم کر دینا چاہئے تھا۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ کام کا آدمی ہے اگر کسی طرح اپنے ساتھ مل جائے کیا کہنا.... یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر وہ اس وقت بچ کر نکل گیا تو ہمیں یہ عمارت چھوڑنی پڑے گی۔ ابھی پولیس کو ہماری جائے رہائش کا علم نہیں ہوا۔"

"کہیں وہ ہمارے کسی آدمی پر اندھیرے میں وار نہ کرے۔" ایک بولا۔

"مطمئن رہو۔ اُس کے پاس پستول نہیں ہے۔"

"تو کیا وہ نہتا ہم لوگوں میں گھس آیا ہے۔" ایک آدمی متحیرانہ انداز میں بولا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کا دماغ خراب ہے، بہر حال اس کا زندہ رہنا ٹھیک نہیں.... کم بخت جونک کی طرح لپٹ جاتا ہے۔"

انور الماری کے پیچھے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ لیکن اچانک ایک نئی مصیبت نازل ہوئی۔ یہ کمبخت اس وقت ناک میں سرسراہٹ کہاں سے؟ اس نے لاکھ کوشش کی.... مگر چھینک آ ہی گئی.... اور چھینک بھی ایسی فلک شگاف کہ کمرہ گونج کر رہ گیا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ چھینک نہیں بلکہ رائفل کی گولی تھی، جو اس کے سینے سے پار ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے اور دوسرے ہی لمحے میں داراب پستول لئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"باہر نکلو....!" داراب گرج کر بولا۔

انور چپ چاپ ہاتھ اٹھائے ہوئے باہر آ گیا حالانکہ اس اچانک حادثے کی وجہ سے جس کے لئے وہ قطعی تیار نہیں تھا اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ مگر وہ برابر مسکرائے جا رہا تھا۔

داراب نے اس کا گریبان پکڑ کر اپنے گروہ کے آدمیوں کی طرف دھکیل دیا۔ انور جیسے ان پر گرا انہوں نے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

"ابھی بچے ہو۔" داراب طنزیہ انداز میں قہقہہ لگا کر بولا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ لیکن اب کوئی گنجائش نہ رہ گئی تھی۔ اگر وہ ان دونوں کی گرفت سے آزاد ہو بھی جاتا تو داراب کے پستول کی گولی اُسے کب چھوڑتی۔

"لے چلو....!" داراب دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "کمرہ نمبر چار میں جہاں انور ہی کی نسل کا ایک فرد اس کا خیر مقدم کرے گا۔"

وہ دونوں انور کو کھینچتے ہوئے لے چلے۔ ان کے پیچھے داراب پستول تانے چل رہا تھا۔

"تمہاری ذرا سی حرکت تمہیں جہنم میں پہنچا دے گی۔" داراب نے کہا۔

انور بدستور خاموش رہا۔ وہ بغیر کسی جدوجہد کے چل رہا تھا۔ اس نے بھاگنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی وہ بظاہر پرسکون نظر آ رہا تھا لیکن ذہن میں انتشار برپا تھا۔

وہ لوگ زینے طے کر کے نیچے صحن میں آئے۔ ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر دونوں رک گئے۔ داراب نے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھولا۔ اندر اندھیرا تھا۔ انور کو اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا اور پھر فوراً کمرے کا بلب روشن ہو گیا۔ سامنے نظر پڑتے ہی انور کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک خوفناک ریچھ ایک جالی دار کٹہرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کمرہ کافی بڑا تھا جسے درمیان میں لوہے کی سلاخوں کو جالی دار کٹہرا لگا کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ کٹہرا چھت سے ملا ہوا تھا۔ کٹہرے کی چھوٹی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ قبل اس کے کہ ریچھ اس پر حملہ کرتا وہ جھپٹ کر کٹہرے پر چڑھنے لگا۔ چھت کے قریب پہنچ کر وہ کٹہرے میں چھپکلی کی طرح چپک گیا۔ مگر اس طرح جان بخشی مشکل تھی۔ ریچھ پہلے تو اُسے تھوڑی دیر تک نیچے سے دیکھتا رہا پھر اس نے بھی کٹہرے پر چڑھنے کی ٹھانی۔ انور کے سارے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔ لیکن اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنی ٹائی کھول کر گردن سے کھینچ لی اور پھر سگار لائٹر نکال کر ٹائی میں آگ لگا دی۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ آگ بجھ نہیں سکتی تو اس نے اُسے کٹہرے پر چڑھتے ہوئے ریچھ پر پھینک دیا۔ جلتی ہوئی ٹائی اس کے گنجان بالوں سے چپک کر رہ گئی۔ ریچھ نے ایک بھیانک چیخ ماری اور تڑپ کر نیچے جا رہا۔ اسی کے ساتھ انور بھی اس طرح چیخنے لگا جیسے ریچھ نے اس پر حملہ کر دیا ہو۔ باہر داراب کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ ریچھ زمین پر لوٹ لوٹ کر اپنے بالوں میں لگی ہوئی آگ بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انور برابر چیخے جا رہا تھا۔ وہ باہر کھڑے ہوئے آدمیوں کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا تھا کہ ریچھ نے اس پر حملہ کر دیا ہے، ورنہ ممکن ہے کوئی اور نئی مصیبت نازل ہو جائے۔

داراب برابر ہنسے جا رہا تھا۔

”کیوں انور دیکھ لی داراب کی قوت.....!“ وہ باہر سے چیخ کر بولا۔

انور اندر سے چیخا۔ ”ارے.... ارے.... بب.... خیں.... خیں.... خیر.... ارے بچاؤ.... خیر خیں.... بچاؤ“

ریچھ ابھی تک زمین پر لوٹ رہا تھا اور اس کے حلق سے غصیلی آوازیں نکل رہی تھیں۔

انور نے اس دوران میں جیب سے رومال بھی نکال لیا تھا تاکہ دوسرے حملے پر اُسے بھی جلد از جلد استعمال کیا جا سکے۔

تھوڑی دیر کے بعد ریچھ پھر اٹھ کر کٹہرے کی طرف جھپٹا۔ رومال اور سگار لائٹر پہلے ہی سے تیار تھے۔ جیسے ہی انور نے سگار لائٹر جلا دیا۔ ریچھ غرا کر پیچھے ہٹ گیا انور ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد پھر چیخنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر سگار لائٹر جلا کر ریچھ کو دھمکی دی اور ریچھ گھبرا کر کٹہرے میں گھسنے لگا۔ ابھی اس کا آدھا دھڑ باہر ہی تھا کہ انور نے رومال میں بھی آگ لگا کر اس پر ڈال دیا۔ وہ چیخ کر اندر گھس گیا اور پھر زمین پر لوٹنے لگا۔ انور پھرتی سے نیچے اترا اور کٹہرے کی کھڑکی بند کر کے ریچھ کے سامنے چیخنے لگا۔

”اُف.... ہاؤ.... ہاؤ.... بچاؤ.... باچ باچ.... باؤچ....!“

اور پھر اس کی آواز اس طرح ڈوبتی گئی جیسے وہ ختم ہو رہا ہو۔ پھر دفعتاً بالکل خاموش ہو گیا۔

ریچھ بدستور غرائے جا رہا تھا۔ انور نے ایک بار پھر سگار لائٹر جلایا اور وہ سہم کر ایک کونے میں دبک گیا۔

”ختم ہو گیا۔“ باہر سے آواز آئی اور قدموں کی آہٹیں دور ہوتی گئیں۔

انور کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ فرشتوں جیسی معصوم مسکراہٹ، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ابھی کچھ دیر قبل وہ اس ریچھ کو تارک الدنیا ہو جانے کا سبق دیتا رہا ہو۔ نیکی، سچائی اور ایمانداری کی تلقین کرتا رہا ہو۔

کمرے میں چاروں طرف بڑے بڑے روشندان تھے۔ وہ پھر کٹہرے پر چڑھنے لگا۔ احتیاطاً اس نے سگار لائٹر جلا لیا تھا۔ ریچھ دو ٹانگوں پر کھڑا ہو کر دور ہی سے فوں فوں کرتا رہا۔

انور روشندان میں پہنچ چکا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک آہٹ لیتا رہا پھر دونوں ہاتھ باہر نکال کر چھت پر ٹیکے اور دوسرے لمحے میں اس کا پورا جسم دائرہ بناتا ہوا چھت پر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سینے کے بل رینگنے لگا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ وہ آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ اُسے قریب ہی کہیں پٹرول کی بو محسوس ہوئی۔ وہ اسی طرف بڑھنے لگا۔ آگے ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جس میں دروازہ نہیں تھا۔ غالباً یہاں زمانہ جنگ میں جب کہ یہ عمارت فوج کے قبضے میں تھی یہاں سنتری کھڑا ہوتا رہا ہوگا۔ انور اس کے قریب جا کر رک گیا۔ پٹرول کی بو اس کے اندر سے آ رہی تھی۔ وہ اس کے اندر گھس گیا۔ یہاں کئی کنستروں میں پٹرول رکھا تھا۔ انور کے دماغ میں پھر کیڑے کلبلائے۔ وہ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایک طرف ایک موٹی سی رسی کا لچھا پڑا ہوا تھا۔ وہ کوٹھری سے نکل کر

چھت کے کنارے پر آیا۔ نیچے اندھیرے کی چادر پھیلی ہوئی تھی اور دریا کے بھرے بیچے ستاروں کا عکس ناچ رہا تھا۔ انور نے لوٹ کر رسی کا لچھا کھولا اور اس کا ایک سرا کوٹھری کے ک باندھ دیا۔ پھر پٹرول کے کنستر نکال نکال کر چھت پر انڈیلنے لگا۔ اور رسی کو بھی پٹرول میں بھگو اس کا دوسرا سرا نیچے پھینک دیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ اسی رسی کے سہارے نیچے اتر رہا تھا۔ زمین پر پیر ٹکتے ہی اس نے ر سے پہلے دریا میں اپنے ہاتھ دھوئے اور پھرتی سے دیوار کی طرف پلٹا۔ پھر سگریٹ لائٹر جلا رسی میں آگ لگادی۔

اب وہ جھاڑیوں میں گھس کر گھنے جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ تھوڑی دور جا کر وہ پلٹا عمارت سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ پھر شور بھی سنائی دینے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ دفعتاً کہیں موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی اور انور نے بے تحاشہ سڑک کی طرف دوڑنا شروع کرد سڑک تک پہنچتے پہنچتے موٹر سائیکل کی ہیڈ لائیٹ دکھائی دینے لگی۔ وہ بدستور اسی طرف بھاگتا ر پھر اچانک سڑک کے بیچ میں آکر دونوں ہاتھ اٹھالئے۔ موٹر سائیکل رک گئی اور سوار کا ہاتھ ب اختیار جیب کی طرف گیا۔

"رشو.... رشو.... میں ہوں۔" انور نے کہا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

"تم....!" رشیدہ ہنس کر بولی۔ "یہ تم نے اپنے چہرے پر ڈاڑھی کیوں لگا رکھی ہے۔"

"پھر بتاؤں گا....؟ تم فوراً واپس جاؤ۔ میں نے اس عمارت میں آگ لگادی ہے۔"

"ارے جنگلی....!" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"پستول لائی ہو تو مجھے دے دو.... اور ہاں یہ روپے رکھو سگریٹ کیس کی قیمت وصول کرلی گئی۔ اچھا جاؤ۔ جلدی کرو۔"

"نہیں جاتی۔"

"ضد مت کرو۔ یہ لوگ اب یہاں سے کہیں اور بھاگیں گے اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا پھر ان کا ہاتھ لگنا مشکل ہے۔"

"تو کیا ہوا ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔"

"نہیں بلکہ ساتھ مریں گے۔" انور جھلا کر بولا۔

"یہ میری دلی خواہش ہے۔"

"میں چانٹا ماردوں گا۔"

"میرے بھی ہاتھ ہیں۔"

"خدا کے لئے جاؤ تم یہاں سے۔" انور دانت پیس کر بولا۔

بدقت تمام اس نے رشیدہ کو واپس کیا اور پھر جنگل میں گھس کر عمارت کی طرف چل پڑا۔ یک طرف کچھ لوگ آگ بجھانے میں مشغول تھے۔ غالباً یہ وہ ملاح تھے جو دریا کے کنارے جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ سڑک پر ایک بڑی سی لاری کھڑی تھی جس پر سامان لادا جا رہا تھا۔ یک آدمی کسی کو پیٹھ پر لادے ہوئے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ سے بھی لاری میں ڈال دیا گیا۔ انور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور جھاڑیوں میں دبکتا ہوا لاری ی طرف بڑھنے لگا۔ آہستہ آہستہ شور کم ہوتا جارہا تھا۔ غالباً ان لوگوں نے آگ پر قابو پالیا تھا۔

معزز لٹیرا

تین بجے رات کو انور اپنے فلیٹ میں بیٹھا رشیدہ کے سامنے اپنے کارنامے دہرا رہا تھا اور رشیدہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"اور پھر وہ لاری چل پڑی۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا "اور میں لاری کی چھت پر چت لیٹا ہوا تاروں بھرے آسمان سے سرگوشیاں کر رہا تھا۔ نیچے داراب اور اس کے ساتھی میری شان میں قصیدہ پڑھ رہے تھے۔ میرے قتل کے لئے اسکیمیں بنائی جارہی تھیں اور میں ان کے سروں پر لیٹا ہوا ستاروں کو آنکھ مار رہا تھا۔ مگر رشو میں تمہاری زندگی کا راز جاننا چاہتا ہوں۔ کیا واقعی تمہاری شخصیت اتنی پُراسرار ہے جتنی داراب سمجھتا ہے۔"

"کیا مطلب....!" رشیدہ چونک کر بولی۔

"داراب تمہاری گرفتاری کے امکانات پر بھی غور کر رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ اسے تمہارے متعلق ایک گہرے راز کا علم ہوگیا ہے اگر وہ کسی طرح تمہیں پکڑنے میں کامیاب ہوجائے تو لاکھوں روپے کمائے گا۔"

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔" رشیدہ بے اختیار کھڑی ہو کر بولی۔

"قطعی میں تم سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اسی لئے میں وہ راز جاننا چاہتا ہوں تاکہ تمہاری حفاظت کی جا سکے۔"

"تم میری حفاظت نہیں کر سکتے۔" رشیدہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "میری حفاظت کا دارومدار ہر اس شخص کی موت پر ہے جو میرے راز سے واقفیت رکھتا ہے۔ داراب کا خاتمہ پھانسی کے تختے سے پہلے ہو جانا چاہئے۔"

"تو تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی۔"

"میں ابھی مجبور ہوں۔" رشیدہ فکر مند لہجے میں بولی۔ "ویسے میرے لئے سب کچھ تم ہی ہو۔"

"مجبوری کیسی؟"

"تم نہیں سمجھتے اور نہ میں ابھی تمہیں کچھ سمجھا سکتی ہوں۔ اب یہاں میرا رہنا ٹھیک نہیں۔ میں جا رہی ہوں۔ تم کم از کم ایک ہفتے کی چھٹی کے لئے درخواست دے دینا۔"

"لیکن تم جاؤ گی کہاں۔"

"کہیں اور.... اب میں یہاں قطعی غیر محفوظ ہوں۔ داراب کی موت سے پہلے میں تمہیں نہ مل سکوں گی۔ مگر وہ گروہ اب کہاں ہے۔"

"شہباز پور کے شاہی سرائے میں۔ میرا خیال ہے کہ وہ عمارت بھی پہلے ہی سے ان کے قبضے میں تھی۔ لیکن رشو! میں تمہیں اس طرح نہ جانے دوں گا۔"

"میں وہاں تنہا نہ جاؤں گی۔ تم مطمئن رہو۔ لیکن مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

"یہاں اس مکان میں تو اب میں بھی محفوظ نہیں ہوں۔ مجھے بھی کوئی نہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ پھر ہم ساتھ ہی کیوں نہ رہیں۔"

"نہیں....!" رشیدہ نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہیں میرا کہنا ماننا ہی پڑے گا۔ تم نے مجھے جو تین سو روپے دیئے ہیں ان میں سے سو تم اپنے پاس رکھو۔ دو سو میں رکھوں گی۔"

"تم سب لے جاؤ۔"

"نہیں....!" رشیدہ نے کہا اور گن کر سو روپے اسے دیتے ہوئے بولی۔ "موٹر سائیکل بھی

میں لے جاؤں گی۔"

انور خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ اس وقت رشیدہ اسے انتہائی پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔ آج سے قبل اس نے اس کی آنکھوں میں اتنے پختہ ارادوں کی جھلک نہیں دیکھی تھی۔

"میرے ساتھ نیچے تک چلو۔" رشیدہ نے انور سے کہا۔

دونوں نیچے آئے۔ انور نے گیراج کھول کر موٹر سائیکل نکالی۔ دوسرے لمحے میں رشیدہ اس پر بیٹھ چکی تھی اور موٹر سائیکل ویران سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔

انور پھر اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ اپنے کمرے سے برآمد ہوا تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی انور ہے جس کے چہرے کی جاذبیت نہ جانے کتنے دلوں میں گدگدیاں پیدا کر دیا کرتی تھی۔ اس کے چہرے پر پڑی ہوئی مصنوعی پھنسیوں میں مرہم لگا ہوا تھا۔ منہ سے رال بہہ رہی تھی اور آنکھ اس طرح بنائی گئی تھی جیسے وہ کانا ہو۔ سنہرے بالوں میں سیاہ رنگ کے خضاب نے تنفر آمیز گدلا پن پیدا کر دیا تھا جسم پر انتہائی کثیف اور بدبودار کپڑے تھے۔ ہاتھ میں ایک بھدا سا ڈنڈا تھا۔

اور دوسری صبح کو وہ اسی ہیئت میں انسپکٹر آصف کے گھر میں بیٹھا ہوا اس سے سرگوشیاں کر رہا تھا۔

"تم نے سچ مچ کمال کر دیا۔" آصف اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "اتنا کامیاب بھیس میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"بس استاد کو دعائیں دیتا ہوں۔" انور ہنس کر بولا۔

"کون استاد....!" آصف نے پوچھا۔

"انسپکٹر فریدی۔"

آصف نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو شائد وہ انسپکٹر فریدی کے نام پر گالیاں بکنا شروع کر دیتا۔ مگر اس وقت عقلمندی کا یہی تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہے۔ وہ ان حالات میں انور سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔

"داراب کی شخصیت پولیس کے لئے انتہائی پراسرار ہے۔ ہم یہ ثبوت کہاں سے بہم پہنچائیں گے کہ وہی داراب ہے۔"

"کیا یہ کافی نہیں کہ تم اغوا شدہ کرنل کو اس کے قبضے سے برآمد کر لو گے اور پھر اس کے بعد کے معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔"

"حملہ رات ہی کو مناسب ہوگا۔" آصف بولا۔

"یہ سب سے بڑی حماقت ہوگی۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "دن میں ہم قصبہ والوں کی بھی مدد حاصل کر سکیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ داراب بچ نکلے۔ ورنہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہو جائے گا۔" آصف کچھ سوچنے لگا۔ انور پھر بولا۔ "انکے پاس اسلحے کا کافی ذخیرہ ہے اسکا خاص طور پر خیال رکھنا اور تجوری والے ٹرانسمیٹر سے تو تم نے یہ اندازہ لگالیا ہوگا کہ وہ گروہ کتنا منظم ہے۔"

"اچھا تم یہیں ٹھہرو۔" آصف نے کہا۔ "میں اس سلسلے میں آفیسروں سے مشورہ لینا چاہتا ہوں۔"

"ضرور.... لیکن بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ داراب کے آدمی یقیناً میری تلاش میں ہوں گے اور ہاں میری ایک تجویز اور بھی ہے کہ چھاپہ مارنے والے والے سپاہی وردیوں میں نہیں ہوں گے۔ داراب بہت زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔"

آصف تھوڑی دیر کھڑا سوچتا رہا پھر کپڑے پہن کر باہر چلا گیا۔

انور ایک آرام کرسی پر لیٹا ہوا اطمینان سے سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا۔

انور یونہی لیٹے لیٹے مسکراتا رہا۔ دفعتاً اُسے رشیدہ کا خیال آگیا۔ اس کے اس عجیب و غریب رویے پر اُسے حیرت ہو رہی تھی آخر اس کی زندگی سے کونسا ایسا راز وابستہ ہے جسے وہ اس سے چھپا رہی ہے۔ داراب اسے قابو میں کر لینے کے بعد لاکھوں روپے کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اسے رشیدہ اتنی پراسرار کبھی نظر نہ آئی تھی وہ اس وقت معلوم نہیں کہاں اور کس حال میں ہوگی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ رشیدہ اسے اس راز کے متعلق کبھی کچھ نہ بتائے گی وہ اس کی ضدی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے یہ بھی تو کہا تھا کہ داراب کو پھانسی کے تختے سے پہلے ہی مر جانا چاہیے۔ تو کیا وہ اس فکر میں ہے اگر ایسا ہے تو وہ ایک زبردست حماقت کرنے جا رہی ہے۔ وہ تنہا اس کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ انور انہیں سب خیالات میں ڈوبا ہوا آرام کرسی پر سو گیا۔

تقریباً بارہ بجے آصف نے آکر جگایا۔

"سارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔" آصف نے کہا۔ "دوسرے آفیسروں کی بھی یہی رائے ہے کہ چھاپہ دن ہی میں مارا جائے۔" اس کے بعد وہ انتظامات کے متعلق بتانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد کئی لاریاں اور دو تین جیپ کاریں شہباز پور کی طرف جا رہی تھیں۔ یہ سب گاڑیاں مونسپلٹی کی تھیں۔ ان پر مزدور بیٹھے ہوئے تھے۔ کدالوں پھاؤڑوں اور دوسرے اوزاروں کا انبار تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کہیں سڑک بنانے جا رہے ہوں۔ جیپ کاروں پر شائد محکمہ تعمیرات کے آفیسر تھے۔ ایک لاری پر انور بھی اپنے بدلے ہوئے بھیس میں موجود تھا۔

شہباز پور پہنچ کر ان گاڑیوں نے شاہی سرائے کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ یہ ایک بہت پرانی عمارت تھی اور شاہی سرائے کے نام سے مشہور تھی۔ ویسے درحقیقت یہ سرائے نہیں تھی۔ مزدور اپنے ہاتھوں میں رائفلیں لے کر اترنے لگے۔ لیکن شاید اس عمارت کے رہنے والے پہلے ہی سے ہوشیار ہو گئے۔ قبل اس کے کہ کوئی عمارت کی طرف پیش قدمی کرتا کھڑکیوں اور روشندانوں سے گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ دو ایک سپاہی پہلی ہی باڑ میں مارے گئے۔ آخر کار انہوں نے جلد از جلد لاریوں اور جیپوں کی آڑ لے لی اور ادھر سے بھی باڑھ ماری گئی۔ عمارت کا صدر دروازہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ لیکن کسی کی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ انور ایک لاری کے پیچھے دبکا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر کہیں یہ دروازہ بند ہو گیا تو پھر نہ جانے کب تک اسی طرح فضول کارتوس برباد کئے جائیں گے۔ سارے قصبے میں ہلڑ مچ گیا تھا۔ لوگ دور ہی سے کھڑے شور مچا رہے تھے لیکن قریب آنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ شاید ان کی سمجھ میں ہی نہ آیا ہو کہ یک بیک یہ کیا ہونے لگا۔ انور نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ لاری کے اندر گھس کر اسے صدر دروازے تک ڈرائیو کر لے گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اچھل کر ڈیوڑھی میں پہنچ گیا۔ اس دوران میں کئی گولیاں لاری کی چھت توڑ کر اندر آئیں۔ انور دروازے پر ڈٹ گیا۔ وہ اوپر کی گولیوں سے محفوظ ہو گیا تھا۔ دفعتاً ڈیوڑھی میں دو آدمی دکھائی دیئے۔ انور نے ریوالور نکال کر انہیں وہیں ڈھیر کر دیا۔

"اکیلے اندر مت جانا۔" آصف چیخا۔

"ارے اسی لاری کی آڑ لے کر آگے کیوں نہیں بڑھتے۔" انور دانت پیس کر بولا۔ "اس کے نیچے سے پیٹ کے بل رینگ آؤ۔"

پولیس کے دس بارہ جوان لاری کے نیچے رینگتے ہوئے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ ان میں آصف بھی تھا۔ باہر بدستور گولیاں چل رہی تھیں۔ انور وغیرہ اندر ہی جا رہے تھے کہ دفعتاً

جیپ کار اسٹارٹ ہوئی۔ انور چونک کر پلٹا اور بے اختیار چیخ پڑا۔

"ارے لو وہ داراب نکل گیا۔ یہ کم بخت اندر سے نکلا کیسے۔" جیپ سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔

"ٹھہرو....!" آصف اسے روک کر بولا۔ "بدحواسی اچھی نہیں۔ اب یہاں سے ہٹنا موت کو دعوت دینا ہے۔ گولیوں کی زد میں آجاؤ گے۔"

دفعتاً سڑک پر ایک موٹر سائیکل دکھائی دی جس پر ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ موٹر سائیکل اسی سمت میں جا رہی تھی جدھر داراب گیا تھا۔

"ہے.... ہے سردار جی۔" انور زور سے چیخا۔ "ادھر ایک مجرم جیپ پر گیا ہے۔"

لیکن یہ اس کا ایک احمقانہ فعل تھا۔ موٹر سائیکل والے نے شاید سنا بھی نہ ہو۔ کیونکہ وہ بھی کافی تیز رفتاری کے ساتھ جا رہا تھا۔ عجیب بے بسی کا عالم تھا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ دفعتاً وہ دیوانہ وار اندر گھس پڑا۔ اس کے پیچھے آصف وغیرہ تھے۔ اندر انہیں بہت سخت جنگ کرنی پڑی۔ یہاں بھی دو تین سپاہی زخمی ہوگئے تھے۔ اس سے باہر والوں کو بھی اندر گھسنے کا موقع مل گیا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد مجرموں نے اسلحے پھینک دیئے اور خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔

"آصف جلدی کرو شائد داراب مل ہی جائے۔" انور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اور وہ دونوں مسلح سپاہیوں کیساتھ ایک جیپ میں اسی سمت روانہ ہوگئے جدھر داراب گیا تھا۔

دو تین میل کی مسافت طے کرنے کے بعد انہیں گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کچھ دور چل کر وہی جیپ سڑک پر کھڑی دکھائی دی جس پر داراب فرار ہوا تھا۔ اس کے اندر سے فائر ہو رہے تھے اور دوسری طرف جھاڑیوں میں کوئی اس جیپ پر گولیاں برسا رہا تھا۔ دفعتاً ایک چیخ سنائی دی اور داراب اچھل کر سڑک پر آ رہا۔ گولی اس کی پیشانی پر لگی تھی۔ اس کے گرتے ہی جھاڑیوں سے ایک موٹر سائیکل نکل کر سڑک پر آئی جس پر ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ پولیس افسروں نے پستول نکال لئے اور انور چونک پڑا۔

"خبردار موٹر سائیکل روک دو۔" آصف گرج کر بولا اور موٹر سائیکل رک گئی۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔" سکھ مسکرا کر بولا۔ "میں ان دس ہزار روپوں کا مستحق ہوا جو حکومت نے اسے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والے کے لئے وقف کئے تھے۔"

"بڑی سریلی آواز ہے سردار جی تمہاری۔" انور مسکرا کر بولا۔

سکھ انور کو گھورنے لگا۔ خود انور نے آگے بڑھ کر اس کی ڈاڑھی نوچ ڈالی اور سر پر بندھی ہوئی پگڑی اتار کر ایک طرف ڈال دی۔

"ارے کون.... رشیدہ....!" آصف اچھل کر بولا۔

"جی جناب۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ لیکن پھر فوراً ہی گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"انور کہاں ہے؟"

وہ انور کو اس کریہہ بھیس میں پہچان نہ سکی تھی۔ انور جلدی سے داراب کی لاش کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"کیوں آصف کیا یہ وہی شخص نہیں ہے۔" انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا، جو پلازا میں ڈائریکٹر تھا اور جس کی لاش تمہیں جلی ہوئی کار میں ملی تھی۔ اب آؤ اور قریب آجاؤ۔ کرنل جاوید اپنی جوانی کے زمانے میں بالکل ایسا ہی تھا۔ ذرا اس کی ڈاڑھی پر بھی زور آزمائی کرو۔ مگر اس سے کام نہ چلے گا۔ اس نے پلاسٹک میک کر رکھا ہے۔"

انور نے جھک کر اس کی ڈاڑھی کے بال نکالنے شروع کئے۔ پھر چہرے پر متعدد جگہ چپکے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے بھی نکالے اور دفعتاً چیخ کر اچھل پڑا۔

"ارے یہ تو صابر انجینئر ہے۔"

"آداب عرض....!" انور جھک کر بولا۔ "جو کچھ میں کہہ دیا کروں اسے پتھر کی لکیر سمجھا کرو۔ میں انسپکٹر فریدی کا شاگرد ہوں۔" پھر وہ رشیدہ کی طرف متوجہ ہوا، جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی۔

"کیوں رشو ٹھیک ہے نا۔" انور اپنی صحیح آواز میں بولا اور رشیدہ اچھل پڑی۔

"ارے یہ تم ہو! گندے.... لیچڑ....!" انور ہنسنے لگا۔

"اور ہاں جناب آصف صاحب کل جو عورت کار میں ایک پُراسرار دھماکے سے زخمی ہوئی تھی اُسے بھی حراست میں لے لینا۔ اس کا تعلق بھی داراب کے گروہ سے ہے اور اس کے شوہر کو بھی.... کیا سمجھے۔"

"وہ کیسے....!"

"اس کا ثبوت میں فراہم کروں گا۔" انور نے کہا۔ "کرنل جاوید برآمد ہی ہو گیا ہے۔اب کوئی خاص مسئلہ باقی نہیں رہا۔ تم ان سب کو لدواؤ.... اور ہم لوگ چلے۔ اگر ہماری ضرورت پڑے تو کوتوالی میں بلوا سکتے ہو۔ اور ہاں کوئی گڑبڑ.... نہ ہونے پائے۔ دس ہزار والا انعام رشیدہ ہی کا حق ہے۔ اگر یہ اچانک بیچ میں نہ آکودتی تو ہم داراب کی گرد کو بھی نہ پاسکتے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں موٹر سائیکل پر شہر کی جانب واپس جا رہے تھے۔

"تم نے اسے روکا کیسے۔" انور نے پوچھا۔

"اتفاق.... محض اتفاق.... اچانک جیپ چلتے چلتے خراب ہو گئی تھی۔"

"رشو اگر مار ڈالی جاتیں تو کیا ہوتا۔" انور غم ناک لہجے میں بولا۔

"تو تمہارا کیا بگڑتا۔"

"بگڑتا تو کچھ نہیں.... مگر .... رشو....!"

"ہاں مگر کیا۔"

"کچھ نہیں....!"

"کچھ نہیں.... میں سمجھی شاید۔"

"چھوڑو بھی.... رشو ڈارلنگ.... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"جانور....!" رشیدہ نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور کچھ سوچنے لگی۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر 5

جاسوسی دنیا

15- آتشی پرندہ

16- خونی پتھر

17- بھیانک جزیرہ

پیشِ رس

جاسوسی دنیا کا پندرھواں ناول ''آتشی پرندہ'' ملاحظہ فرمائیے۔

اس بار خطوط کی تعداد بھی پہلے سے زیادہ ہے۔ مشورے، تنقید اور تنقیص یکساں انداز کی باتیں۔ لہٰذا ان کے بارے میں کیا لکھوں۔ البتہ ایک صاحب نے کراچی سے مجھے للکارا ہے کہ میں خوابِ غفلت میں کیوں پڑا ہوا ہوں۔ قوم کو سدھارنے کی کوشش بھی کروں۔ آپکا فرمانا بجا کہ میرے ہاتھ میں قلم ہے لیکن قوم اس قلم سے صرف کہانیوں کا نزول چاہتی ہے۔ اگر کبھی ایک آدھ جملہ کسی مثال کے طور پر بھی قلم سے رپٹ گیا تو قوم جھپٹ پڑتی ہے۔ ''آخر آپ کو سیاست میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اور میں ہکا بکا رہ جاتا ہوں کہ قوم کو کیا جواب دوں۔ کیونکہ جواب دینے کے سلسلے میں ایک ضخیم کتاب لکھنی پڑ جائے گی۔ پہلے تو قوم کو یہ بتانا پڑے گا کہ سیاست ہے کیا چیز، پھر عرض کرنا پڑے گا کہ میرے اس حقیر جملے کو اس کسوٹی پر پرکھیے۔ اگر اس میں ذرہ برابر بھی سیاست پائی جاتی ہو تو جو لیڈر کی سزا وہ میری سزا...... اور پھر بھائی اگر ملک میں سیاست دانوں کی کمی ہو تو تھوڑا بہت کشٹ بھی اٹھالیا جائے۔ مجھے تو بس کہانیاں لکھنے دیجئے، میری لیڈری آپ بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ پھر خواہ مخواہ قوم کا وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔ قوم کے لئے اسکے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا کہ دعا کروں۔ ''اے اللہ اس قوم کو ایک آزاد اور منفرد قوم کی حیثیت سے ہمیشہ قائم رکھیو۔'' آخر میں ان صاحب نے پوچھا ہے کہ لیڈر کی صحیح تعریف کیا ہے؟ بڑا بے ڈھب سوال کیا ہے آپ نے۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ البتہ اکبر الہ آبادی نے اپنے زمانے کے لیڈر کی تعریف یوں کی ہے۔

یوسف کو نہ دیکھا کہ حسیں بھی ہیں جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

والسلام

ابنِ صفی

رقص

مئے پول ہوٹل کی وسیع رقص گاہ روشنی کے طوفان میں ہچکولے لے رہی تھی۔ نئے سال کا یہ پہلا عظیم الشان رقص تھا۔ فرش پر مثبت اور منفی قوتیں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر رمبا ناچ رہی تھیں اور ان کے سروں پر لال پیلے، بنفشی نارنجی اور فالسی غبارے منڈلا رہے تھے۔ نیز سرگوشیاں اور ہلکے ہلکے کھنکتے ہوئے قہقہے ہال کی فضا میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔ آرکسٹرا دھیمے سروں میں بج رہا تھا۔

انور اور رشیدہ بہت دیر سے ناچ رہے تھے اور اب انور کچھ اکتا سا گیا تھا۔ رقص کے دوران ہی اُس نے اچانک رشیدہ کو گدگدا دیا اور وہ مچل کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بال بال بچی ورنہ ایک جوڑے سے بُری طرح ٹکرا جاتی۔ رشیدہ کو ہنسی بھی آرہی تھی اور غصہ بھی۔ اُس کے اس رویہ پر کئی جوڑوں نے اُسے گھور کر دیکھا اور رشیدہ جھینپ کر ناچنے والوں کے مجمعے سے نکل گئی۔ انور بدستور اپنی جگہ پر سنجیدگی سے کھڑا اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے غباروں کو دیکھ رہا تھا۔ کئی جوڑے اُسے متحیرانہ انداز میں گھورتے ہوئے اس کے قریب سے گذر گئے اور وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے وہ وہاں بالکل تنہا ہو۔ بہتیری رنگین مزاج عورتیں اسے للچائی ہوئی نظروں سے گھور رہی تھیں۔ آج وہ ضرورت سے زیادہ ''انسان'' نظر آرہا تھا۔ لباس کے معاملے میں آج اس نے خاصی خوش سلیقگی اور نفاست برتی تھی۔ رشیدہ کا خیال تھا کہ وہ اسے آہستہ آہستہ ''انسان'' بنانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ آج وہ ہی اسے ضد کر کے یہاں لے آئی تھی اور خود اُسی نے اس کے سیاہ سوٹ کو اپنے ہاتھ سے پریس کیا تھا۔ لیکن اس کی اس حرکت سے وہ بُری طرح جھنجلا گئی تھی اور

اب تو اس کا غصہ اور بھی تیز ہوتا جارہا تھا۔ آخر یہ وہاں کھڑا کیا کررہا ہے؟ انور اس طرح اپنے اوپر اڑتے غباروں کو گھور رہا تھا جیسے اس کے جیب سے کوئی غبارہ نکل کر اُن میں جاملا ہو اور وہ اب اسے پہچان کر دوبارہ پکڑنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ دفعتاً آرکسٹرا خاموش ہوگیا؟ ہال میں قہقہے گونج اٹھے۔ رقص کرنے والے ایک دوسرے کے بازوؤں میں ہاتھ ڈالے میزوں کی طرف بڑھنے لگے۔

رشیدہ جھنجھلا کر انور کی طرف بڑھی۔

"تم پاگل ہوگئے ہو کیا۔"

"اوں......!" انور چونک کر بولا۔ "میں پاگل کب نہیں تھا۔"

"اگر یہ سب حماقتیں کرنی تھیں تو آئے کیوں تھے؟"

"بھلا اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "یہاں سب ہی ایک دوسرے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے آتے ہیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ سارے ہال والوں کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔"

"اگر متوجہ ہی کرنا تھا تو گدھے کی بولی بولنا شروع کردیتے۔"

"اور تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں ایسا نہ کروں گا۔" انور نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ خوفزدہ ہوکر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ لوگ اب بھی اُنہیں گھورے جارہے تھے۔

"خدا کیلئے انسان بنو۔" رشیدہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔ "لوگ ہمیں احمق سمجھ رہے ہیں۔"

"تو اس سے ہماری شخصیت پر کیا فرق پڑتا ہے۔"

"ارے تو کیا یہیں کھڑے رہو گے۔" رشیدہ زچ ہوکر بولی۔

"تو چلونا......!"

دونوں ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔ رشیدہ خاموش تھی۔ انور نے ایک بیرے کو بلا کر اسے کافی کا آرڈر دیا۔ اُن دونوں کے قریب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ انہیں ابھی تک تحیر آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کافی آئی۔ انور نے نظر بچا کر رشیدہ کی پیالی میں شکر کی بجائے نمک گھول دیا اور کافی کا ایک گھونٹ لے کر سگریٹ سلگانے لگا۔

رشیدہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے وہ انور کو پھٹکارنے کیلئے مناسب الفاظ تلاش کررہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک انور کو گھورتی رہی پھر اچانک بولی۔

"آدمی بنو آدمی......اس قسم کی حرکتیں سوسائٹی میں پسندیدگی سے نہیں دیکھی جاتیں۔ لوگ ابھی تک ہمیں مضحکہ خیز انداز میں گھور رہے ہیں۔ نہ جانے تم کب......!"

"یہ غبارے کتنے حسین لگ رہے ہیں۔" انور نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"تمہارا سر......!" رشیدہ نے جھلا کر کہا اور کافی کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی لیکن دوسرے ہی لمحے پیالی والا ہاتھ پیالی سمیت جھٹکے کے ساتھ میز پر آرہا۔ کافی کا گھونٹ ابھی تک اس کے منہ میں تھا اور وہ انور کو گھور رہی تھی جو نہایت سنجیدہ اور انہماک کے ساتھ گیس بھرے غباروں کا جائزہ لے رہا تھا۔

رشیدہ نے بدقت تمام وہ گھونٹ حلق سے اتارا اور بے اختیار ہنس پڑی۔

اس ہنسی میں بیچارگی، جھنجھلاہٹ، لطف اندوزی سبھی کچھ شامل تھا۔ انور چونک کر اس کی طرف مڑا۔

"میں سچ کہتی ہوں انور کسی دن......!"

"تم آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔" انور جھنجھلا کر بولا۔

"خیر! چلو آج گھر چل کر تمہیں اس مکاری کا مزہ چکھاؤں گی۔"

"آخر بات کیا ہے۔"

"تم نے میری پیالی میں نمک......!"

رشیدہ جملہ پورا نہیں کرپائی تھی ایک معمر اور وجیہہ عورت ان کے قریب آکر کھڑی ہوگئی۔ اس نے سفید ساری پہن رکھی تھی اور گلے میں ایک بیش قیمت ہار تھا۔ کلائیوں میں سونے کی جڑاؤ چوڑیاں تھیں، چہرے پر عجیب قسم کی نرمی تھی جیسے ممتا کی زیادتی کے علاوہ اور کسی دوسری چیز سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ خدوخال سے ظاہر ہورہا تھا کہ جوانی میں بے مثال خوبصورتی کی مالک ہوگی۔ عمر کافی ڈھل جانے کے باوجود بھی اس میں جاذبیت موجود تھی۔

"بچو! اگر میں یہاں بیٹھ جاؤں تو......!" عورت کچھ ہچکچاتی ہوئی بولی۔

"شوق سے شوق......!" رشیدہ نے خوش اخلاقی سے کہا۔

عورت ایک کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی۔ انور اسے تنقیدی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں تم لوگوں میں بہت دیر سے دلچسپی لے رہی ہوں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

لیکن اس کی مسکراہٹ میں تضحیک کا پہلو نہیں تھا۔ لہجے میں بزرگانہ شفقت کے آثار تھے۔

رشیدہ شرمیلے انداز میں مسکرا کر رہ گئی۔ لیکن انور کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں اس وقت تمہارے علاوہ اور کوئی کافی نہیں پی رہا ہے۔"

"ہم لوگ شراب نہیں پیتے۔" رشیدہ بولی۔

"خوب! خوب...... مجھے ایسے بچے پسند ہیں۔" عورت دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولی۔

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رشیدہ نے اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ انور اس وقت کوئی کسیلی کڑوی بات کہے۔ عورت کے لہجے میں چھپا ہوا پیار اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا انور دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

"تمہاری کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" عورت نے رشیدہ سے کہا۔ انور اپنی پیالی خالی کر چکا تھا۔

"وہ......وہ...... کچھ نہیں ٹھیک ہے۔" رشیدہ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اوہ تو میں یقیناً یہاں بیٹھ کر مخل ہوئی۔" عورت اٹھنے کا ارادہ کرتی ہوئی بولی۔

"نہیں......نہیں...... یہ بات نہیں۔" رشیدہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔

عورت بیٹھ گئی لیکن وہ انور کی طرف بار بار دیکھ رہی تھی، جو اکتائے ہوئے انداز میں جلدی جلدی سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔

"بات یہ ہے کہ اس کافی میں دو چمچے نمک ہے۔" رشیدہ مسکرا کر بولی اور انور کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ عورت مسکرا کر انور کی طرف مڑی۔ پھر دفعتاً ذرا بلند آواز میں بولی۔ "محمود! محمود میں ادھر ہوں۔"

رشیدہ نے مڑ کر دیکھا ایک آدمی ایک نوجوان عورت کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ تھا تو جوان ہی لیکن اس کی چڑھی ہوئی گھنی مونچھوں نے اسے قبل از وقت معمر اور سنجیدہ بنا دیا

تھا۔ پیشانی کشادہ اور چمکدار تھی۔ لباس کے رکھ رکھاؤ سے خوش سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے ساتھ والی عورت خدوخال کے تیکھے پن کی وجہ سے مزاج کی چڑچڑی لگ رہی تھی۔ وہ دونوں آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" عورت بڑی مونچھوں والے کی طرف مخاطب ہو کر بولی۔

"آپ لوگوں کی تعریف......!" وہ انور اور رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

پھر دفعتاً انور پر نظر پڑتے ہی چونک اٹھا۔ وہ اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"ان لوگوں سے یہیں ملاقات ہوئی ہے۔" معمر عورت بولی۔

اجنبی انور کو برابر گھورے جا رہا تھا۔ انور کی نگاہیں بھی اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اجنبی کے انداز میں تحیر تھا۔ انور اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ اسے پہچانتا ہو لیکن اس کے اظہار میں پہل نہیں کرنا چاہتا۔

"آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔" اجنبی مسکرا کر آہستہ سے بڑبڑایا۔

انور مسکرانے لگا۔ رشیدہ اور وہ دونوں عورتیں انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

"تم اتنے باسلیقہ کب سے ہو گئے ہو۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"اور تم نے اپنے ہونٹ پر یہ ابابیل کب سے پالی ہے۔" انور نے پوچھا۔

اجنبی جھینپ کر اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ارے تو کیا تم ایک دوسرے سے واقف ہو۔" معمر عورت گرمجوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"اس طرح جیسے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ سے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ "میں تین دن سے اس کی تلاش میں ہوں۔"

"تو کیا یہ انور ہیں۔" معمر عورت متعجبانہ انداز میں بولی۔

"ہاں......!" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "انور! یہ میری چچی اماں رانی صاحبہ ہری پور ہیں اور یہ میری بیوی شاہدہ۔"

انور ان دونوں سے ہاتھ ملا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"آخر تم نے بھی شادی کر ہی ڈالی" اجنبی نے انور سے کہا۔

"تم غلط سمجھے...... یہ میری دوست خان بہادر رشیدہ خاں ہیں۔" انور نے کہا اور رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ میرے کلاس فیلو محمود علی خاں ہیں۔ ہری پور کے جاگیر دار۔"

"رشیدہ......کون رشیدہ۔" رانی صاحبہ چونک کر بولیں۔ "کیا وہی جس نے داراب کو قتل کر کے دس ہزار کا انعام حاصل کیا تھا۔"

"جی وہی......!" انور مسکرا کر بولا۔

"تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" رانی صاحبہ گرم جوشی سے رشیدہ کا ہاتھ دباتی ہوئی بولیں۔ "لیکن یقین نہیں آتا......تم بہت پیاری بچی ہو! تم نے اسے کس طرح قتل کیا ہوگا۔"

"باقاعدہ مقابلہ کر کے......!" رشیدہ نے مسکرا کر کہا۔ "ایک بار ذرا سا چوکا تھا کہ میرے پستول کی گولی نے اس کا بھیجا اڑا دیا۔"

"تم واقعی دلیر لڑکی ہو۔"

انور نے دوبارہ کافی کا آرڈر دیا۔ محمود کی بیوی بدستور خاموش تھی۔ اس دوران میں اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بھی نہ دکھائی دی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انور اور رشیدہ کو کمتر سمجھ کر اُن سے اکتا رہی ہو۔ کافی آئی لیکن اس نے اپنی پیالی الٹ کر رکھ دی۔ محمود کے چہرے پر غبار سا چھا گیا۔ شاید اسے اپنی بیوی کی یہ حرکت ناگوار گذری تھی۔

"یہ کافی نہیں پیتیں۔" محمود نے ندامت آمیز لہجے میں کہا اور اس کی بیوی ہونٹ سکوڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"بہت اچھا کرتی ہیں۔" انور نے لاپروائی سے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"تم میں واقعی حیرت انگیز تبدیلی ہوئی ہے۔" محمود نے انور سے کہا اور پھر رانی صاحبہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "میرا اور ان کا لباس کا مقابلہ رہتا تھا۔ مگر یہ ظالم قیمتی سے قیمتی سوٹ اتنے بے ڈھنگے پن سے استعمال کرتا تھا کہ کلیجہ خون ہو جاتا۔ شرارتوں کی دھوم سارے کالج میں تھی۔"

"اور اس وقت بھی ایک شرارت ہی کی بناء پر مجھے ان کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔" رانی صاحبہ ہنس کر بولیں اور پھر انہوں نے پورا واقعہ دہرا دیا۔ محمود بے ساختہ ہنسنے لگا لیکن اس کی بیوی

بدستور منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

"میں دراصل ایک مسئلہ پر غور کرنے لگا تھا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ آدمی اب سے ہزاروں سال پہلے ہی اچھا تھا۔ جب وہ ڈھولکوں کی تھاپ پر اچھل کود کر اُسے ناچ کہتا تھا۔ اس طرح کم از کم اُسکے جسم میں توانائی ہی آتی تھی۔ بھلا آج کے مہذب ناچ میں کیا رکھا ہے۔ آرکسٹرا کی روں روں اور گھوں گھوں کے ساتھ کیڑوں کی طرح رینگ رہے ہیں۔"

"یار تمہاری اس الٹی کھوپڑی نے تمہیں تباہ کیا ہے۔" محمود متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "ورنہ اتنی بڑی جائیداد......!"

"محمود پلیز......!" انور احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں پرانی باتیں سننا پسند نہیں کرتا۔"

"خیر......خیر......" محمود سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "اور سناؤ کیسی گذر رہی ہے۔"

"تم مجھے تلاش کیوں کر رہے تھے۔" انور نے پوچھا۔

"بھئی ایک بہت ہی اہم معاملہ ہے۔" محمود نے کہا اور رانی صاحبہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں اب بھی یہی کہتی ہوں کہ یہ کسی آدمی کے بس کا روگ نہیں۔" رانی صاحبہ متفکرانہ انداز میں بولیں۔

"ہم لوگ بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔" محمود رانی صاحبہ کا جملہ نظر انداز کر کے انور سے بولا۔ "ایک خوفناک پرندہ ہری پور والوں کی پریشانیوں کا باعث بنا ہوا ہے۔"

"پرندہ......!" انور ہنس کر بولا۔ "تم کیا مجھے چڑے مار تصور کرتے ہو۔"

"مذاق نہیں انور یہ بہت اہم معاملہ ہے۔" محمود نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ انور خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

"اُسے آتشی پرندہ کہنا چاہئے۔" محمود آہستہ سے بولا۔ "ایک ایسا پرندہ جس کے پروں سے آگ نکلتی رہتی ہے۔ اڑان کے انداز سے کبوتر معلوم ہوتا ہے۔" انور بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ رشیدہ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"یار محمود تم ابھی تک ویسے ہی ہو۔ تمہاری شاندار غیبیں اکثر یاد آیا کرتی ہیں۔" انور ہنس کر بولا۔

محمود جھنجھلا کر اُسے گھورنے لگا۔

"یہ حقیقت ہے۔" رانی صاحبہ سنجیدگی سے بولیں۔ "لیکن محمود کا یہ خیال غلط ہے کہ تم اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکو گے۔"

انور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"لیکن قصبے والے پریشان کیوں ہیں۔" انور نے کہا۔ اُس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

"جس عمارت پر وہ اترتا ہے اس میں آگ لگ جاتی ہے۔" محمود نے کہنا شروع کیا۔

"اب تک کتنی پختہ عمارتوں اور متعدد جھونپڑوں میں آگ لگ چکی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کوئی بھوت ہے، جو قصبے والوں کے پیچھے پڑ گیا ہے لیکن میں اسے تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔"

"کیوں؟ یقین نہ کرنے کی وجہ؟" انور نے پوچھا۔

"میں ان چیزوں کا قائل نہیں۔" محمود نے کہا۔

"تم نے اپنی آنکھوں سے اس پرندے کو دیکھا ہے۔"

"ہاں......دوبار......!"

"اور پھر بھی تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ کوئی خبیث روح نہیں ہے۔" انور نے پوچھا۔

"قطعی......!"

"آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔" انور رانی صاحبہ کی طرف مڑا۔

"میں یقیناً اُسے کوئی خبیث روح سمجھتی ہوں اس کے علاوہ اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔ میں نے آج تک کسی آتشی پرندے کے متعلق نہیں سنا اور پھر ایک پتھر کا مقبرہ بھی جلتا ہوا دیکھا گیا جس میں لکڑی یا کسی جلنے والی چیز کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ خالص پتھر کا مقبرہ۔" رانی صاحبہ خاموش ہو کر انور کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھنے لگیں۔

"تو کیا وہ پرندہ روز دکھائی دیتا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں......دوسرے تیسرے دن۔"

"اور کب سے نظر آنے لگا ہے۔"

"تقریباً پندرہ یا بیس یوم سے۔"

"آتش زدگی کے علاوہ کوئی اور حادثہ۔" انور نے پوچھا۔

"ابھی تک تو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوا۔"

"کبھی کسی نے اس پرندے کا تعاقب بھی کیا ہے۔"

"نہیں! کسی کی ہمت ہی نہیں پڑتی۔" رانی صاحبہ بولیں۔ "محمود نے کئی بار کوشش کی لیکن میں نے ایسا نہیں کرنے دیا۔"

"کیا وہ ہمیشہ ایک ہی سمت سے نمودار ہوتا ہے۔"

"لوگ یہی کہتے ہیں۔" محمود بولا۔ "وہ جنگل کی طرف سے آتا ہے۔ تم شائد ہری پور کبھی نہیں گئے۔ قصبے کے مشرقی کنارے سے کچھ دور ہٹ کر جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ یہ سلسلے کچھ دور کے بعد سے ناقابل عبور ہو گئے ہیں۔ میلوں تک کرونڈے کی کانٹے دار جھاریاں پھیلی ہوئی ہیں جنہیں پار کرنا ناممکن ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ منحوس پرندہ اسی طرف سے آتا ہے۔ ایک بار میں نے سوچا تھا کہ اس پر فائر کروں مگر چچی اماں نے سختی سے روک دیا۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔ بقیہ لوگ اُسے گھور رہے تھے۔

"اور اس چڑیل کو کیوں بھول گئے۔" محمود کی بیوی شاہدہ تیوری چڑھا کر بولی۔

محمود چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کے انداز میں بیچارگی تھی۔ احتجاج تھا۔

رانی صاحبہ موقعے کی نزاکت کا احساس کر کے فوراً بولیں۔

"بہو رانی کا خیال کچھ اور ہے۔ ہری پور میں ایک دیوانی لڑکی بھی لوگوں کے خوف کی وجہ بنی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر کسی جن کا سایہ ہے اور وہی اس تباہی کی ذمہ دار ہے، جیسے ہی پرندہ دکھائی دیتا ہے اس لڑکی کی ڈراؤنی چیخیں اور دل ہلا دینے والے قہقہے سارے قصبے میں گونجنے لگتے ہیں۔"

"میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔" محمود نے آہستہ سے کہا۔

"آپ کیوں تسلیم کرنے لگے۔" شاہدہ زہر خند کے ساتھ بولی۔

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے پر اداسی سی پھیل گئی اور کوئی چھپا ہوا غم اُس کی آنکھوں میں کروٹیں لینے لگا۔

"وہ لڑکی کون ہے؟" انور نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

’’ایک ڈاکٹر کی بہن ہے۔‘‘

’’ڈاکٹر کیسا آدمی ہے۔‘‘

’’اگر میں اُسے فرشتہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا۔‘‘ رانی صاحبہ بولیں۔ ’’اس نے اپنی زندگی خدمت خلق کے لئے وقف کردی ہے۔ آج سے دو سال قبل وہ ہری پور میں آیا تھا۔ اس عرصے میں اس نے اپنی خدمات کی وجہ سے لوگوں کے دل جیت لئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کی دیوانی بہن سارے قصبے میں اودھم مچاتی پھرتی ہے کوئی کسی قسم کا اعتراض نہیں کرتا۔‘‘

’’کیا وہ ہری پور میں پاگل ہوئی ہے یا اس سے پہلے سے تھی۔‘‘

’’ڈاکٹر کا بیان ہے کہ وہ بچپن ہی سے ایسی ہے۔‘‘

’’لیکن تعجب ہے کہ ڈاکٹر اسے اس طرح آزادانہ پھرنے دیتا ہے۔‘‘ انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

’’وہ تو اُسے بعض اوقات باندھ کر رکھتا ہے لیکن وہ کسی نہ کسی طرح نکل جاتی ہے۔‘‘

’’ڈاکٹر کے خاندان کے دوسرے لوگ بھی وہیں ہری پور ہی میں رہتے ہیں۔‘‘ انور نے پوچھا۔

’’نہیں...... صرف وہ اور اس کی بہن۔ دو تین نوکر۔‘‘ رانی صاحبہ نے کہا۔

’’وہ ملٹری میں ڈاکٹر تھا۔ کسی وجہ سے اس نے ملازمت چھوڑ دی۔ اکثر ہری پور میں بھی فوج کے آفیسر اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔‘‘

’’اس کی مالی حالت کیسی ہے۔‘‘ انور نے پوچھا۔

’’کافی مالدار آدمی ہے۔‘‘ رانی صاحبہ نے کہا۔ ’’ہری پور کے مضافات میں اس نے کچھ جائیداد بھی خریدی ہے۔‘‘

انور کچھ سوچنے لگا۔

’’تو اب تم چاہتے کیا ہو۔‘‘ اُس نے محمود سے پوچھا۔

’’ہمارے ساتھ ہری پور چلو۔‘‘

’’معاملہ ہے تو دلچسپ۔‘‘ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ’’اچھا خیر میں کوشش کروں گا۔‘‘

’’کوشش نہیں۔‘‘ محمود نے کہا۔ ’’تمہیں چلنا پڑے گا۔‘‘

’’چلو نا......!‘‘ رشیدہ ٹھنک کر بولی۔ ’’میں تھوڑی تفریح چاہتی ہوں۔‘‘

’’اچھا تو کیا تم بھی چلوگی۔‘‘ انور بولا۔ ’’مگر تمہیں کسی نے نہیں مدعو کیا۔‘‘

’’ارے بھئی شوق سے...... شوق سے...... مجھے بڑی خوشی ہوگی۔‘‘ محمود جلدی سے بولا۔

شاہدہ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ رشیدہ نے شاید اس کے خیالات بھانپ لئے تھے۔ لہٰذا وہ جلدی سے بولی۔

’’ارے بھلا میں کہاں جاسکتی ہوں۔‘‘

’’کیوں......؟‘‘ رانی صاحبہ نے پوچھا۔

’’یونہی! میں آج کل بہت مصروف ہوں۔‘‘

’’تمہیں تو چلنا ہی پڑے گا۔ تم بہت پیاری بچی ہو۔‘‘ رانی صاحبہ نے کہا۔

’’نہ جانے کیوں میرا دل چاہا تھا کہ تم سے جان پہچان پیدا کروں۔ ویسے یہاں اور بھی میزیں خالی ہیں۔‘‘

’’خیر میں پرسوں ہری پور پہنچ جاؤں گا۔‘‘ انور نے کہا۔

’’اور تنہا نہیں آؤ گے۔‘‘ رانی صاحبہ مسکرا کر بولیں۔

’’رشو کی ذمہ داری میں نہیں لے سکتا۔ بعض اوقات یہ اس لڑکی سے بھی زیادہ پاگل ہو جاتی ہے، جس کا تذکرہ ابھی آپ لوگوں نے کیا تھا۔‘‘

رشیدہ نے انور کو گھور کر دیکھا اور انور سگریٹ سلگانے لگا۔

’’نہیں تم انہیں ضرور لاؤ گے۔‘‘ رانی صاحبہ نے کہا۔

’’تمہاری مونچھیں بہت خوفناک ہیں۔‘‘ انور نے محمود سے کہا۔

’’مضحکہ اڑانا شروع کردیا تم نے۔‘‘ محمود مسکرا کر بولا۔

’’لیکن ان حالات میں ان کا وجود غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔‘‘

محمود پہلے تو کچھ نہیں سمجھا لیکن انور کی نگاہیں اپنی بیوی کی طرف اٹھی دیکھ کر وہ اس کے طنزیہ ریمارک کی تہہ تک پہنچ گیا۔

’’خیر تو پرسوں تم ہری پور پہنچ رہے ہو۔‘‘ محمود گلا صاف کرتا ہوا بولا۔

"ہاں......آں......!" انور نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ محمود زیادہ تر کالج کی پچھلی زندگی کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔

پراسرار لڑکی

دو دن بعد انور اور رشیدہ ٹرین پر بیٹھے ہوئے احمد نگر کی طرف جا رہے تھے۔ احمد نگر ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن تھا جہاں سے ہری پور کا فاصلہ آٹھ میل تھا۔ اسٹیشن سے قصبے تک ایک پختہ سڑک تھی جو قصبے والوں نے اپنی ضروریات کے لئے بنوائی تھی۔ رانی صاحبہ ہری پور کی ایک ترقی پسند عورت تھی۔ اس سڑک کی تعمیر میں ان کا سب سے بڑا حصہ تھا۔ کچھ اس ایک سڑک ہی پر منحصر نہیں، قصبے والوں کے آرام و آسائش کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا تھا۔ قصبے میں متعدد جگہ بورنگ پائپ لگوائے تھے۔ ایک شفا خانہ اپنے خرچ سے تعمیر کرایا تھا۔ بچوں کے لئے چھوٹے چھوٹے کئی سکول قائم کئے تھے جہاں جدید طریقہ تعلیم رائج تھا۔ قصبے میں ایک ہائر سکنڈری سکول بھی تھا لیکن اس کا تعلق براہِ راست حکومت کے محکمہ تعلیم سے تھا۔ ویسے یہ سکول بھی رانی صاحبہ کی کوششوں سے قائم ہوا تھا اور وہ اس کی انتظامیہ کمیٹی کی صدر تھیں۔ بہر حال انہوں نے اس بات کی حتی الامکان کوشش کی تھی کہ ہری پور ایک ترقی یافتہ قصبہ سمجھا جائے۔ احمد نگر کے اسٹیشن پر محمود کار لئے موجود تھا جیسے ہی ٹرین رکی محمود کے ملازمین انور کے سامان پر ٹوٹ پڑے۔

"میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں تم اپنی پرانی عادت کے مطابق بھول نہ جاؤ۔" محمود نے اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تم خواہ مخواہ ڈر رہے تھے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "ہم ایک ماہ کی چھٹی لے کر آئے ہیں اور چھٹی ختم کئے بغیر یہاں سے واپس نہ جائیں گے۔"

"بھئی خدا کی قسم تم نے یہ کہہ کر مجھ میں نئی زندگی ڈال دی ہے۔" محمود اُسکا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔

"اسی لئے تو میں نے ایک ماہ کی چھٹی لی ہے تاکہ تم کم از کم ایک ماہ تک تو سکون کی زندگی بسر کر سکو۔" انور ہنس کر بولا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ظاہر ہے کہ مہمانوں کی موجودگی میں تم پر عتاب نازل ہونے کے امکانات کم ہو جائیں گے۔"

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اُس کے چہرے پر اضمحلال پھیل گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ان کی کار ہری پور کی طرف جا رہی تھی۔

"تو تمہاری ازدواجی زندگی ناکام رہی۔" انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

محمود اس کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ اس تذکرے سے پہلو تہی کرنا چاہتا ہو۔

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد گلا صاف کرتا ہوا بولا "شادی ایک قسم کا جوا ہے......اندھی چال۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں جواری نہیں ہوں۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"لیکن عورت بہر حال ضروری ہے۔" محمود پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "چاہے وہ بیوی ہو چاہے دوست۔"

رشیدہ نہ جانے کیوں خود بخود مسکرانے لگی۔

"جب رشو نہیں تھی تب بھی میں مطمئن تھا۔"

"لیکن آدمی نہیں تھے۔" محمود نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ فخریہ انداز میں کار کے باہر دیکھنے لگی۔

"جسے تم آدمی سمجھتے ہو وہ آدمی تو میں اب بھی نہیں ہوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"تو تم اب بھی مشین ہو۔" محمود ہنس کر بولا۔ "میں سمجھا تھا شائد اس عرصے میں نظریات تبدیل کر دیئے ہوں گے۔"

"یہ نظریہ نہیں بلکہ میرا ایمان ہے۔" انور جلے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑے سے سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

رشیدہ اس گفتگو سے اکتا رہی تھی۔ اُسے خوف ہوا کہ کہیں یہ دونوں کسی فلسفہ میں نہ الجھ

جائیں اس لئے کہ قبل اس کے کہ محمود کوئی جواب دیتا وہ اس سے پوچھ بیٹھی۔

"کیا یہ سارا علاقہ ہری پور سے تعلق رکھتا ہے۔"

"جی ہاں......!" محمود نے کہا۔ "احمد نگر تو صرف ریلوے اسٹیشن کا نام ہے، ورنہ ادھر سارا علاقہ ہری پوری کا زرعی علاقہ ہے۔"

"مجھے دیہات کی زندگی بہت پسند ہے۔"

"محض اس لئے کہ آپ شہر میں رہتی ہیں۔" محمود ہنس کر بولا۔ "اگر آپ خدانخواستہ کم دیہات سے متعلق ہوتیں تو کبھی ایسا نہ کہتیں۔"

"اُن تاڑ کے درختوں میں وہ تالاب کتنا حسین لگ رہا ہے۔" رشیدہ ایک طرف انگلی اٹھا ہوئی بولی۔

"اس سے بھی اچھا لگ رہا ہے رشو......!" انور مسکرا کر بولا۔ "اب ہم بقول تمہارے کو خشک بحث نہ چھیڑیں گے ورنہ تم کسی جگالی کرتی ہوئی بھینس کی طرف انگلی اٹھا کر کہو گی...... دیکھو ملکہ صحرا پان چبا رہی ہے...... کسی بندر کی طرف اشارہ کر کے کہو گی وہ دیکھو راجکپور آوا ہوگیا...... کسی گیدڑ......!"

محمود بے اختیار ہنس پڑا اور رشیدہ جھلا کر انور کو گھورنے لگی۔

"میں سچ کہتا ہوں کہ یہ آدمی نہیں ہے۔" محمود نے کہا۔

"بنتے ہیں۔" رشیدہ منہ سکوڑ کر بولی۔ "اپنے کو عام آدمیوں سے الگ تھلگ ظاہر کرنے خبط ہوگیا ہے۔"

"دیکھو یہ فرق ہوتا ہے بیوی اور دوست میں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "رشو کتنی آزادی سے میرے متعلق اظہار خیال کر رہی ہے۔"

"اچھا بس چپ رہو۔" رشیدہ بگڑ کر بولی۔

"چپ ہوگیا۔" انور نے کہا اور محمود کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ محمود ان کی لڑائی میں کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

"اگر تمہاری بیوی تمہیں کسی اجنبی کے سامنے ڈانٹ دیتی۔" انور مسکرا کر بولا۔ "تو تمہاری

کیا عزت ہوتی؟ نہ تو تم اسے کچھ کہہ سکتے اور نہ برداشت ہی کر سکتے۔ محض اس لئے کہ آج کا آدمی قدامت اور نئی تہذیب کی درمیانی دلدل میں بُری طرح پھنسا ہوا ہے۔ ایک طرف تو اُسے آج کی مساوات کھینچتی ہے اور دوسری طرف صدیوں پرانا ضمیر، جو عورت کی حکومیت کا عادی ہو چکا ہے۔ ذہن کے چور دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے۔ نتیجہ قہر درویش بر جانِ درویش۔ تپ دق میں مبتلا ہو جائے نہ آپ صحیح معنوں میں مساوات برت سکتے ہیں اور نہ کھلم کھلا عورت پر اپنی حاکمیت جتا سکتے ہیں۔ بس گھٹتے رہیے۔ اس کے برخلاف اگر عورت بیوی کے بجائے دوست ہے تو اس قسم کی الجھنیں پیدا ہی نہیں ہونے پاتیں۔ یقین کرو میں اور رشیدہ ایک دوسرے کی پٹائی تک کر بیٹھتے ہیں لیکن ہمارے تعلقات ناخوشگوار نہیں ہوتے۔"

"پھر تم نے فضول بکواس شروع کی۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"ارر...... لاحول...... لا...... اچھا محمود اب بس۔" انور اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر محمود بولا۔

"میں تم سے بالکل متفق ہوں۔ سچ مچ آج کی ازدواجی زندگی بہت بھیانک ہے اور تم نے اس کی جو وجہ بتائی ہے اُسے میں درست سمجھتا ہوں۔ یہی الجھاوا مجھے خاموش رکھتا ہے اور میں سارے خاندان میں رن مرید مشہور ہوگیا ہوں اور مجھے رن مرید کہنے والے جاہل نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔"

"تعلیم یافتہ" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "یہ سب جاہل ہیں، انہیں میں کتوں اور سوّروں سے بھی بدتر سمجھتا ہوں۔ ان میں کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ نہ یہ خود کو پہچان سکتے ہیں اور نہ دوسروں کو۔"

محمود خاموشی سے سگریٹ پیتا رہا۔

"اور میرا خیال ہے کہ تم بھی انہیں لوگوں کی صف میں آتے ہو۔" رشیدہ بولی۔

"میں تمہارے خیال کی قدر کرتا ہوں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "اور آئندہ بھی کرنے کی کوشش کروں گا۔"

تھوڑی دیر بعد کار قصبے میں داخل ہو رہی تھی۔

یہاں چاروں طرف بڑی بڑی نئی اور پرانی عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ راستوں اور گلیوں میں گندگی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ محمود کا مکان جو قصبے کے مغربی کنارے پر واقع تھا قصبیمیں "حویلی" کے نام سے مشہور تھا۔ یہ حویلی تین یا چار مربع فرلانگ میں پھیلی ہوئی تھی۔ درمیان میں قدیم وضع کی ایک شاندار عمارت تھی اور چاروں طرف قد آدم چہار دیواری تھی، جو مختلف قسم کے باغوں کے گرد احاطہ کئے ہوئے تھی۔

احاطے میں کار داخل ہوتے ہی کئی نوکر اٹھ کر کار کی طرف دوڑے۔

"ذرا ان کی حماقت اور فرمانبرداری دیکھو۔" محمود مسکرا کر بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اگر یہ اس طرح دوڑیں گے نہیں تو ہم بُرا مان کر واپس چلے جائیں گے۔"

"تم جاگیرداروں کی عجیب حالت ہے۔ ایک طرف تو تم یہ چاہتے ہو کہ یہ تمہارے مقابلے میں احساس کمتری میں مبتلا رہیں اور دوسری طرف ان کا احساس کمتری مضحکہ خیز بھی معلوم ہوتا ہے۔"

"یار تم تو بات بات پر تنقید کرنے لگتے ہو۔"

نوکروں نے کار کے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ کار ایک بہت ہی طویل و عریض برآمدے کے سامنے جا کر رکی۔ رانی صاحبہ برآمدے ہی میں موجود تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ رشیدہ کو اندر لے گئیں۔

اُسی دن شام کو رشیدہ محمود اور انور پائیں باغ میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ محمود کی بیوی کسی بات پر جھنجلا کر اُن کے پاس سے اٹھ گئی تھی اور انور اس پر محمود کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔

"یار مجھے تو دماغ کا ایک آدھ اسکریو ڈھیلا معلوم ہوتا ہے۔"

"تم سچ کہتے ہو۔ میں پاگلوں میں گھرا ہوا ہوں۔" محمود نے کہا۔

"اچھا اب ختم بھی کرو یہ قصہ۔" رشیدہ انور کو گھور کر بولی۔

"صحیح معنوں میں رشیدہ صاحبہ کو مجھ سے ہمدردی ہے۔" محمود نے کہا۔ "وہ سمجھتی ہیں کہ یہ میرا ایک کمزور پوائنٹ ہے اور میں اس پر تبصرہ نہیں چاہتا۔"

"خیر...... گھبراؤ نہیں۔ مجھے اس چڑچڑے پن کی گہرائیوں میں کچھ نظر آ رہا ہے۔" انور نے کہا۔

"کیا مطلب......؟" محمود چونک کر بولا۔

"تمہاری کوئی غلطی یا شاہدہ کی غلط فہمی۔" انور اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

محمود کے ہونٹوں پر بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ انور نے محسوس کیا کہ وہ کسی فوری جذبے کو دبانے کی کوشش کر رہا ہے؟ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ دراصل انور یہاں آ کر کچھ مضمحل سا ہو گیا تھا۔ یہاں کی پرسکون فضا اس کے ہنگامہ پسند مزاج کے لئے سازگار نہ تھی۔ ہر لحظہ زندگی میں ایک نئی تبدیلی کی توقع رکھنے والے ماحول کی یکسانیت کو پسند نہیں کرتے۔ وہ یہاں کبھی نہ آتا لیکن تجسس پسند طبیعت کھینچ ہی لائی۔ وہ بے چینی سے اندھیرا پھیلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہاں بھئی......!" وہ تھوڑی دیر بعد محمود کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیا تم مجھے وہ جگہ بتا سکتے ہو جہاں سے وہ تمہارا آتشی پرندہ آتا ہے۔"

"اگر جگہ معلوم ہوتی تو تمہیں کیوں تکلیف دیتا۔"

"میرا مطلب سمت سے ہے۔ تم نے جنگلوں کے کسی سلسلے کا تذکرہ کیا تھا۔ کیوں نہ ہم لوگ ادھر ہی چلیں......" انور نے کہا۔

"اس وقت...... کمال کر دیا۔ ارے تھوڑی دیر بعد رات ہو جائے گی؟ اور رات کو اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں۔"

"اچھا تو کیا پھر تم نے محض اُس پرندے کی زیارت کے لئے یہاں بلایا تھا۔" انور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ بات نہیں! ابھی پچھلے ہی ہفتے اس طرف قتل کی ایک واردات ہو چکی ہے۔"

"قتل......!" انور دلچسپی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "کس کا قتل۔"

"مقتول یہاں کا باشندہ نہیں تھا۔"

"یعنی یہاں اس قصبے میں کوئی اُسے پہچان نہ سکا؟"

"ہاں......!"

"معمولی حیثیت کا آدمی تھا۔" انور نے پوچھا۔

"جب اُسے کوئی جانتا ہی نہیں تھا تو حیثیت کے متعلق کیا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔"

''تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔'' انور سگریٹ کی راکھ جھاڑتا ہوا بولا۔ ''پوچھنا یہ ہے کہ وہ تمہاری طرح مہذب تھا یا تمہارے نوکروں کی طرح گنوار۔''

''میں نے اس کی لاش نہیں دیکھی تھی۔''

''ارے بھئی کچھ سنا تو ہوگا۔ اُس کا لباس کیسا تھا؟''

''چونکا دینے والا'' محمود مسکرا کر بولا۔

''یعنی.....!''

''وہ بالکل ننگا تھا.....!''

''میں سنجیدگی چاہتا ہوں.....!'' انور تلخ لہجے میں بولا۔

''جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حقیقت ہے۔''

''پولیس کس نتیجے پر پہنچی۔''

''ابھی تک تو کسی نتیجے پر نہیں۔''

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً چونک پڑا۔ ابھی ابھی اس نے کچھ سنا تھا۔ اُس نے معنی خیز انداز میں محمود کی طرف دیکھا اور پھر پھاٹک کے قریب ایک نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔ وحشیانہ قہقہہ۔ ایسا قہقہہ جس میں مسرت کے بجائے خوفناک قسم کا کھوکھلا پن تھا۔ ایسا قہقہہ جس میں کسی قسم کی تحریک کا شائبہ بھی نہ تھا۔

انور پھاٹک کی طرف مڑا۔ چوکیدار نے پھاٹک بند کر دیا تھا۔ ایک لڑکی سلاخیں تھامے پھاٹک کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ اُس نے دھانی رنگ کے ساٹن کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ انگارہ ہو رہا تھا اور بڑی بڑی آنکھیں اندھیری رات کے ستاروں کی طرح روشن تھیں۔ اس نے پھر قہقہہ لگایا۔ انور محمود کی طرف مڑا۔

''یہ وہی ہے۔'' محمود آہستہ سے بولا۔ اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔

''کون.....وہی پاگل لڑکی۔ جس کا تم نے تذکرہ کیا تھا۔''

محمود نے سر ہلا دیا۔

''چوکیدار کو کہو پھاٹک کھول دے۔'' انور نے کہا۔

''نہیں.....!''

''کیوں.....!'' انور اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''اگر اس کی جان لینا چاہتے ہو تو ضرور کھلوا دو۔''

''کیوں.....!''

''اگر شاہدہ کو خبر ہوگئی تو وہ اسے شکاری کتوں سے نچوا ڈالے گی۔''

''کیوں.....!''

''وہ کہتی ہے کہ جس دن اس نے ہمارے کمپاؤنڈ میں قدم رکھا میں اُس پر شکاری کتے چھوڑ دوں گی۔''

''اس کی وجہ۔''

''بھئی وجہ میں کیا جانوں۔'' محمود اکتا کر بولا۔

''انور اٹھ کر پھاٹک کی طرف بڑھا۔ اُس کے اٹھتے ہی رشیدہ بھی اس طرح اٹھی جیسے وہ بھی انور ہی کے جسم کا ایک حصہ ہو۔ انور پھاٹک کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لڑکی کو قریب سے دیکھتے ہی وہ مبہوت ہوگیا۔ اس کی وحشت زدہ آنکھوں میں بلا کی کشش تھی اور ہونٹوں پر ایک بیباک مسکراہٹ چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ رشیدہ انور کے پیچھے کھڑی اُسے گھور رہی تھی۔

''تم کیا چاہتی ہو۔'' انور نے پوچھا۔

''تمہارا سر.....! تمہارے سنہری بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر تمہاری گردن اتار لوں گی اور پھر راستے بھر تمہارے کٹے ہوئے سر سے خون کے قطرے ٹپکتے جائیں گے۔ میں جگدمبے کی بیٹی ہوں۔ میرے گلے میں کھوپڑیوں کی مالا ہے۔''

''تم بہت خوبصورت ہو۔'' انور آہستہ سے بولا۔

''تم بھی خوبصورت ہو۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ ''خوبصورت مردوں کا خون بہت لذیذ ہوتا ہے۔ اس بڑی مونچھوں والے کو بھی یہاں بلاؤ۔ میں اس کے گالوں کا گوشت چباؤں گی۔''

انور نے مڑ کر دیکھا محمود اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا تھا۔

''ہٹاؤ بھی کیوں پاگل کے منہ لگتے ہو۔'' رشیدہ آہستہ سے بولی۔

"اخاہ یہ کون رنگیلی ہے۔" لڑکی رشیدہ کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "اس کی رگوں م
خون کی بجائے شہد معلوم ہوتا ہے۔ جاؤ اسے کھا جاؤ۔ اسکی بوٹیاں نوچ کر ہولے ہولے چباؤ۔"

"لیکن میں تو تمہاری بوٹیاں چبانا چاہتا ہوں۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"ادھر ہٹو......!" رشیدہ نے انور کا بازو پکڑ کر اُسے پیچھے دھکیل دیا اور خود لڑکی سے بولی
"جاؤ...... بھاگ جاؤ...... نہیں تو حویلی والے تمہارے پیچھے شکاری کتے چھوڑ دیں گے۔"

لڑکی نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور بولی۔ "تو کیا میں اس بڑی مونچھوں والے
ڈرتی ہوں۔ وہ میرے پیر چاٹتا ہے اور میں کسی دن حویلی کو الٹ دوں گی۔ میں خود ایک شکار
کتیا ہوں۔ تمہاری گردن میں اپنے نوکیلے دانت چبھو کر خون چوس سکتی ہوں۔"

"بھاگ جاؤ...... بھاگ جاؤ...... میں سچ کہتی ہوں شکاری کتے تمہیں نوچ ڈالیں گے۔"

"میں اس سے نہیں ڈرتی۔" لڑکی سنجیدگی سے بولی۔ "میں تو چاہتی ہوں کہ میرے جسم کے
پرخچے اڑ جائیں۔ خون کے فوارے اڑیں جب میں اپنی زخمی ہونٹوں پر زبان پھیروں تو نمکی
خون...... نمکین خون۔" وہ اس طرح اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی جیسے سچ مچ اس کے
ہونٹوں میں خون ہو۔

دفعتاً اندر سے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ رشیدہ نے پلٹ کر دیکھا۔ محمود کی بیو
شاہدہ تین خطرناک کتوں کی زنجیریں تھامے برآمدے سے اتر رہی تھی۔

"انور خدا کے لئے اسے بھگا دو......!" محمود چیخا۔

شاہدہ آہستہ آہستہ پھاٹک کی طرف آرہی تھی۔

"وہ دیکھو......! وہ رہے کتے۔ جلدی بھاگو۔" رشیدہ نے سلاخوں سے باہر ہاتھ نکال کر
اُسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"یہ حویلی الٹ جائے گی۔" لڑکی چیخ کر بولی۔ "میں نہیں جاؤں گی۔ میں ان کتوں کو کھا
جاؤں گی۔"

انور پھاٹک کی طرف جھپٹا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ پھاٹک کے باہر تھا۔ چوکیدار نے
پھر پھاٹک بند کر دیا۔ انور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایک طرف دوڑنے لگا۔ لڑکی پہلے تو لڑکھڑائی

پھر وہ بھی کوئی تعرض کئے بغیر اس کے ساتھ دوڑنے لگی۔

ادھر محمود اپنی بیوی سے الجھ پڑا۔

"کیا تم بھی پاگل ہوگئی ہو۔"

"میں اپنے معاملات میں دخل اندازی پسند نہیں کرتی۔" شاہدہ نے تلخی سے کہا۔

"لوگ کیا کہیں گے۔" محمود بے بسی سے بولا۔

"مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔"

"مگر...... وہ اندر کب آئی تھی۔"

"خیر کبھی تو ہاتھ لگے گی۔" وہ کتوں کو لے کر حویلی کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

"آخر کیوں؟" محمود بیساختہ بولا۔

شاہدہ قہر آلود انداز میں پلٹی اور شعلہ باز نگاہوں سے محمود کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر کتوں کی زنجیریں کھینچتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

آتشی پرندہ

انور لڑکی کا ہاتھ تھامے قصبے کے ویران حصے میں دوڑ رہا تھا۔

"ٹھہرو...... ٹھہرو...... سؤر کے بچے اب مجھ سے نہیں دوڑا جاتا۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

انور نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ ایک کھیت میں گر پڑی۔

"اگر میں اس وقت نہ ہوتا تو شکاری کتے تمہارا خاتمہ کر دیتے۔" انور کھیت کی مینڈھ پر بیٹھتا ہوا بولا۔

لڑکی بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم کسی شکاری کتے سے کم ہو۔" لڑکی قہقہہ لگا کر بولی۔ "کیا تم مجھے نہیں نوچو گے۔"

"فی الحال تو ارادہ نہیں ہے۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"ایک سگریٹ مجھے بھی دو۔" لڑکی نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"کہیں اپنے کپڑوں میں آگ نہ لگالینا۔"

"کیا مجھے پاگل سمجھتے ہو۔"

"نہیں قطعی نہیں۔" انور اُس کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتا ہوا بولا۔

لڑکی نے سگریٹ لے کر سلگایا اور پہلے ہی کش میں بُری طرح کھانسنے لگی۔

"تم بہت اچھے آدمی ہو۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "یہاں کے لوگ بہت بُرے ہیں۔ کوئی مجھ سے بات تک نہیں کرتا۔ عورتیں مجھے گھروں میں گھسنے نہیں دیتیں۔ بچے مجھ سے ڈرتے ہیں۔ میرا بھائی بہت ظالم ہے وہ مجھے زنجیروں میں جکڑ دیتا ہے۔"

"چ چ......!" انور ہمدردانہ انداز میں بولا۔ "واقعی بہت بُری بات ہے۔"

"میں کسی دن سب کو تباہ کردوں گی۔"

"ضرور......ضرور......لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے یہ بہروپ کیوں بھرا ہے۔"

"بہروپ......کیسا بہروپ......ضرور تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

دفعتاً انور کی نگاہ جنگل کی طرف اٹھ گئی۔ چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تھا۔ اسے باتوں کی رو میں وقت کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔

"چلو تمہیں تمہارے گھر پہنچادوں۔" انور نے لڑکی سے کہا۔

"میں کوئی بچہ ہوں۔" وہ بگڑ کر بولی۔ "جب میرا دل چاہے گا خود چلی جاؤں گی۔"

دفعتاً انور چونک پڑا۔ جنگل کی طرف سے کوئی روشن اور متحرک چیز فضا میں پرواز کرتی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔ لڑکی نے ایک چیخ ماری اور بے تحاشہ جنگل کی طرف دوڑنے لگی۔ انور نے اسے پکڑنا چاہا لیکن پودوں کے جھکڑ میں الجھ کر گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کے قہقہے کہیں دور سنائی دے رہے تھے۔

چند لمحوں کے بعد پرواز کرتی ہوئی روشن چیز صاف دکھائی دینے لگی۔ یہ وہی آتشی پرندہ تھا جس کے لئے انور یہاں آیا تھا۔ اس کا جسم انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ اڑان سچ مچ کبوتر جیسی تھی۔ انور خائف تو نہیں ہوا لیکن حیرت کی زیادتی کی وجہ سے وہ اپنی جگہ پر جم سا گیا تھا۔

اُس کی زندگی میں یہ اپنی طرز کا انوکھا واقعہ تھا جسے وہ کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

دوسرے لمحے میں وہ اُس کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا۔

پرندے نے پورے قصبے کا چکر لگایا اور پھر ایک عمارت کے گرد منڈلانے لگا۔ پورے قصبے میں سناٹا چھا گیا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ پرندہ اسی عمارت کا طواف کررہا تھا۔ دفعتاً اندر سے ایک آدمی ہاتھ میں رائفل لئے ہوئے نکلا۔ اُس کے ساتھ دو آدمی اور تھے جیسے ہی اُس نے رائفل اٹھائی دونوں آدمیوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔

"پاگل نہ بنو ڈاکٹر معلوم نہیں کیا حادثہ ہو۔" ایک بولا۔

"تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں بھی اپنا گھر جلتا ہوا دیکھوں۔" رائفل والا بولا۔

"پھر بھی یہ خطرناک ہے۔"

"میں ڈرپوک نہیں ہوں۔" رائفل والے نے کہا اور نال سیدھی کرنے لگا۔ اُن دونوں نے پھر اُسے روک دیا۔

پرندہ بدستور عمارت کا چکر لگا رہا تھا۔

انور آہستہ آہستہ اُن لوگوں کی طرف بڑھا۔ قبل اس کے وہ لوگ اس کی طرف مڑتے انور رائفل چھین چکا تھا۔ ان لوگوں کی حیرت رفع ہونے سے پہلے ہی اس نے پرندے پر گولی چلادی۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور فضا میں بے شمار چنگاریاں منتشر ہوگئیں۔ پرندے کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ چنگاریاں زمین پر گرنے سے قبل ہی ٹھنڈی ہوگئیں اور پھر چاروں طرف ایک بے کراں سناٹا چھا گیا۔

"تم کون ہو۔" ایک آدمی انور کی طرف بڑھتا ہوا خوفزدہ آواز میں بولا۔

لوگ اپنے گھروں سے نکل کر اُن کے گرد اکٹھا ہونے لگے تھے۔

انور نے کوئی جواب دینے کی بجائے رائفل خاموشی سے اس کے ہاتھ میں تھمادی۔ کسی نے اس کے چہرے پر برقی ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

"آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔" کسی نے پوچھا۔

"حویلی کا ایک مہمان۔" انور پراطمینان لہجے میں بولا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"لیکن یہ آپ نے کیا کیا؟"

"تو کیا آپ لوگوں کو اس خوفناک پرندے سے محبت تھی۔" انور نے مسکرا کر پوچھا۔

"جی نہیں۔" ایک آدمی سخت لہجے میں بولا۔ "اب اگر ہمارے اوپر کوئی نئی مصیبت نازل ہوئی تو۔"

"مجھے اس کی توقع نہیں۔"

"لیکن یہ دھماکہ کیسا تھا۔" کسی نے کہا۔

"روایات کے مطابق شاید آج اس عمارت کی باری تھی۔" انور نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" رائفل والا انور کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "میں آپ کا شکر گذار ہوں یہ لوگ مجھے کبھی گولی نہ چلانے دیتے۔"

پھر وہ انور کا ہاتھ پکڑ کر اُسے عمارت کے اندر لے جانے لگا۔

"آج یقیناً یہ عمارت راکھ کا ڈھیر ہوتی۔" وہ آدمی بولا۔ "مجھے قطعی اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اب کیا ہوگا۔"

انور اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک طویل القامت اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ اپنے حلقوں میں ساکت آنکھیں اس کی دانشمندی اور ذہانت کا ثبوت دے رہی تھیں۔ لہجے میں ٹھہراؤ اور گفتگو کا پرسکون انداز مستقل مزاجی کا اظہار کر رہا تھا۔

"میں ڈاکٹر ہوں۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مجھے نصیر الرحمان کہتے ہیں۔"

"میرا نام انور سعید ہے۔"

"آپ یہاں کب آئے۔"

"آج ہی۔"

"آپ کو اس پرندے کے متعلق پہلے سے معلوم تھا۔"

"نہیں، اس قسم کا پرندہ میں نے آج پہلی بار دیکھا ہے۔" انور نے کہا۔

"اور ہم تو ہفتوں سے دیکھ رہے ہیں۔" ڈاکٹر نصیر مضمحل آواز میں بولا۔ "متعدد مکانات جل گئے۔"

"آپ کا اس پرندے کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"میرا خیال۔" ڈاکٹر نصیر فکرمند لہجے میں بولا۔ "قدیم اور جدید پرندوں کی تاریخ میں کہیں ایسے پرندے کا تذکرہ نظروں سے نہیں گذرا۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کی طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی خبیث روح ہے۔ حقیقت تو یہ ہے انور سعید صاحب کہ میں خود ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔"

"اور اس دھماکے کے متعلق جو اُس پر گولی پڑتے ہی پیدا ہوا تھا۔"

"وہ بھی تحیر خیز تھا اور وہ چنگاریوں کا انتشار......" ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا اور انور کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دوسرے کمرے میں اُسی پاگل لڑکی کا قہقہہ سنائی دیا اور ڈاکٹر کا چہرہ تاریک ہوگیا۔

"اوہ معاف کیجئے گا مسٹر انور۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "میں ابھی حاضر ہوا۔"

ڈاکٹر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور انور آرام کرسی پر دراز ہوگیا۔

لڑکی کے چیخنے اور قہقہے لگانے کی آوازیں برابر آرہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر واپس آ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"وہ میری بہن تھی۔" ڈاکٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اُس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے اور میں بالکل بے بس ہوں۔ میں اس کے لئے کچھ نہ کرسکا۔"

"مجھے افسوس ہے اور ساتھ ہی آپ سے ہمدردی بھی۔" انور نے کہا۔ "میں اُس کے متعلق سن چکا ہوں کیا یہ صحیح ہے کہ وہ زنجیریں توڑ ڈالتی ہے۔"

ڈاکٹر خاموشی سے انور کو دیکھتا رہا پھر اچانک بولا۔

"قطعی غلط! لوگ مبالغہ آرائی کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہاں یہ افواہ بھی سنی جاتی ہے کہ وہ آتشی پرندہ کوئی آسیب تھا جس سے سلیمہ متاثر ہے۔ بات یہ نہیں ہے۔ میں خود تنگ آ کر اسے کھول دیتا ہوں۔ اُس کی دردناک چیخیں مجھ سے نہیں سنی جاتیں۔ انور صاحب میں اسے بہت چاہتا ہوں، وہ پاگل ضرور ہے لیکن آج تک اس نے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔"

"یہ کیفیت کب سے ہے؟" انور نے پوچھا۔

"بچپن ہی سے۔" ڈاکٹر کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"واقعی افسوس ناک بات ہے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ڈاکٹر بولا۔

"کیا آپ حویلی والوں کے کوئی عزیز ہیں۔"

"نہیں......محمود میرا دوست ہے۔ میں چھٹیاں گذارنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔"

"آپ یہاں پہلی بار آئے ہیں۔"

"جی ہاں......!" انور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب اجازت دیجئے۔"

"مسٹر انور آپ کا احسان مند ہوں۔" ڈاکٹر نے اٹھ کر اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

انور باہر نکل آیا۔ چاروں طرف اتھاہ سناٹا تھا۔ مکانوں کی کھڑکیوں اور روشندانوں سے مدھم روشنی چھن رہی تھی۔ انور کے قدموں کی آواز سناٹے میں گونج رہی تھی۔ دفعتاً کتے بھونکنے لگے۔ دو ایک نے انور پر جھپٹنے کی بھی کوشش کی، لیکن وہ مدھم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا نہایت اطمینان سے چلتا رہا۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر سے کسی نے اُس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور قدموں کی آہٹیں اُس کے قریب آتی گئیں۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" کسی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"کون محمود......!" انور رک کر بولا۔

"میں تمہاری تلاش میں نکلا تھا۔" محمود نے کہا۔ "چچی اماں بہت ناراض ہیں۔ پرندے پر رائفل چلانے کی خبر اُن تک پہنچ گئی ہے۔ دھماکے کی آواز تو ہم لوگوں نے بھی سنی تھی لیکن رائفل کی آواز سے کئی گنا زیادہ تھا۔"

"ہاں......!" انور آگے بڑھتا ہوا بولا۔ دونوں حویلی کی طرف واپس جا رہے تھے۔

"اس دوران میں رشیدہ نے انہیں تمہارے جنگلی پن کے بہتیرے قصے سنا ڈالے ہیں۔" محمود نے کہا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"میں کل واپس چلا جاؤں گا۔"

"کیوں......؟"

"میں اسی پرندے کی حقیقت کا انکشاف کرنے کے لئے آیا تھا۔ لہٰذا جس طرح میرا دل چاہے گا کام کروں گا۔"

"میں نے کچھ نہیں کہا۔" محمود جلدی سے بولا۔ "تم اُن کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرنا۔"

"میں ان تکلفات اور ڈھکوسلوں کا عادی نہیں۔" انور منہ بنا کر بولا۔ "ہاں یا نہیں...... درمیانی گفتگو سے مجھے چڑھ ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" محمود بے چینی سے بولا۔

"خیر چھوڑو......! ڈاکٹر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" انور نے کہا۔

"اچھا آدمی ہے......بہت نیک اور بہت شریف۔"

"اور اس کی بہن......اُسے تو تم خود ہی دیکھ چکے ہو۔" محمود نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کا دماغی خلل زیادہ پرانا نہیں۔"

"کیا مطلب......!" محمود چونک کر بولا۔ "لیکن......لیکن......ڈاکٹر کا تو یہی بیان ہے۔"

"یہ مرض جوانی سے پہلے کا نہیں معلوم ہوتا۔"

"کیوں یہ تم کس طرح کہہ رہے ہو؟"

"تجربے کی بناء پر......اس کی ساری باتیں اذیت پسندوں جیسی ہوتی ہیں۔ خون پینا...... گوشت چبانا وغیرہ وغیرہ......کیا یہ سب چیزیں اس کی کچلی ہوئی جنسیت کی طرف اشارہ نہیں کرتیں۔ جنسی احساس سے پہلے کی خلل دماغی کی یہ علامات نہیں ہوتیں۔"

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شاہدہ اس پر شکاری کتے کیوں چھوڑنے جا رہی تھی" انور نے پوچھا۔

"میں خود یہی سوچتا ہوں کہ وہ اس سے پرخاش کیوں رکھتی ہے۔" محمود نے کہا۔

"شاہدہ تمہارے خاندان ہی کی لڑکی ہے۔"

"ہاں......!" محمود چونک کر بولا۔ "لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"کچھ نہیں، یونہی۔" انور نے کہا اور رک کر سگریٹ سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر محمود نے پوچھا۔

"تم ڈاکٹر کے یہاں تھے۔"

"ہاں......!" انور بولا۔ "مجھے سلیمہ سے ہمدردی ہے۔"

"یعنی......!"

"یعنی کیا؟ کیا میں اس یعنی کا مطلب پوچھ سکتا ہوں۔"

"کچھ نہیں......کچھ نہیں۔ میں دراصل شاہدہ کے آج کے رویے کی وجہ سے پریشان ہوں۔"

"آخر تم اس سے خائف کیوں رہتے ہو۔"

"خائف؟ نہیں تو......بات یہ ہے کہ میں ہنگامہ نہیں پسند کرتا۔"

"تو تم دونوں کے تعلقات ناخوشگوار ہیں۔"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے؟"

"تو کیا بنائے مخاصمت ڈاکٹر کی بہن ہے۔"

"نہیں تو......نہیں تو......بھلا وہ کیوں ہونے لگی......بالکل نہیں۔"

"مجھ سے اڑنے کی کوشش فضول ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"تم نہ جانے کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔"

"بالکل سیدھی ہانک رہا ہوں پیارے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میری نظریں دور تک پہنچ رہی ہیں۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔"

"خیر......خیر......دیکھا جائے گا۔"

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اُس کی رفتار کچھ سست پڑ گئی تھی۔

جنگل

دوسرے دن صبح ہی صبح انور نے شکار کھیلنے کی تجویز پیش کردی۔ پچھلی رات رانی صاحبہ اُس

سے بڑی دیر تک بحث کرتی رہی تھی، لیکن انور نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے اُن کی بزرگی پر حرف آتا۔ رشیدہ کے لئے یہ بات تعجب خیز رہی تھی۔ اُس نے انور کو کبھی ایسے موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں انور کوئی الٹی سیدھی بات نہ کر بیٹھے۔ اس کے دل میں رانی صاحبہ کے لئے بے پناہ احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی محرک رانی صاحبہ کی مامتا تھی۔ انور کو بُرا بھلا کہتے وقت بھی اُن کے لہجے میں تلخی کے بجائے مامتا تھی لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ انور اس چیز سے قطعی متاثر نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں صرف یہ خیال تھا کہ اگر وہ رانی صاحبہ سے لڑ بیٹھا تو اُسے حویلی سے چلا جانا پڑے گا اور آتشی پرندے کا وجود ہمیشہ کے لئے پردہ راز میں چھپ جائے گا۔ گاؤں والے اُس کی رات والی حرکت پر اُس سے الجھ چکے تھے۔ انہیں صرف اس بات کا خیال تھا کہ انور رانی صاحبہ کا مہمان تھا ورنہ شاید اس کو اُسی وقت گاؤں چھوڑ دینا پڑتا۔ پھر بھی گاؤں میں اس کے خلاف کافی پروپیگنڈا ہو گیا تھا اور گاؤں والے کسی تازہ مصیبت کے منتظر تھے۔

حویلی میں قریب قریب ہر فرد نے اس واقعے پر تبصرہ میں حصہ لیا تھا لیکن محمود کی بیوی شاہدہ بالکل خاموش تھی اور خاموشی بھی ایسی جس سے بے تعلقی ظاہر ہوتی تھی۔

انور محمود اور رشیدہ شکار کے لئے تیار ہی تھے کہ ایک شخص کوٹھی میں داخل ہوا جسے دیکھتے ہی محمود کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اُس نے سفید پتلون اور سفید قمیض پہن رکھی تھی۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان تھی۔ قد متوسط چال سے رعونت ظاہر ہوتی تھی۔ کسی طرح دیکھتے وقت پرغرور انداز میں بھنویں تان لیتا تھا۔

رانی صاحبہ بھی اس کی آمد پر خوش نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ انور کی نظریں بے اختیار شاہدہ کی طرف اٹھ گئیں جو آنے والے کو خاص توجہ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

"کیوں بھئی محمود تم نے بھی شکار کھیلنا شروع کر دیا۔" وہ محمود کی رائفل کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"کیوں......؟" محمود ایسے لہجے میں بولا جیسے اُس پر جھپٹ پڑے گا؟

"میں نے کہا اس کی آواز سے تمہارا دل نہ دھڑکنے لگے گا۔" اُس نے کہا اور بے ڈھ پن سے ہنسنے لگا۔

"عمران......!" رانی صاحبہ غصے سے بولیں۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا خالہ صاحبہ۔"

محمود اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

"اور یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے رات اُس پرندے پر گولی چلائی تھی۔" اس نے ا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"جناب والا......!" انور قدرے جھک کر بولا۔

"آدمی رنگ باز معلوم ہوتے ہو۔"

"عمران......!" رانی صاحبہ پھر گرجیں۔

"میں اس وقت نشے میں نہیں ہوں خالہ صاحبہ۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"عمران......!" رانی صاحبہ کھڑی ہو کر بولیں۔ "ادھر آؤ میرے ساتھ۔"

وہ ایک دوسرے کمرے کی طرف مڑیں۔ عمران اُن کے پیچھے تھا۔ کمرے میں داخل ہو وقت اُس نے مسکرا کر رشیدہ کی طرف دیکھا اور رشیدہ نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

محمود کا موڈ خراب ہو گیا تھا لیکن وہ اپنی خوش مزاجی برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُن کی بیل گاڑی اونچے نیچے راستوں سے گزرتی ہوئی جنگل میں داخ ہو رہی تھی۔ محمود کی تجویز تھی کہ شکار کے لئے کار ہی استعمال کی جائے لیکن رشیدہ بیل گاڑی پر ا گئی۔ وہ دیہاتی زندگی سے اچھی طرح لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔

"یہ کون بزرگوار تھے۔" انور نے محمود سے پوچھا۔

"چچی اماں کے بھانجے ہیں۔" محمود تنفر آمیز لہجے میں بولا۔

"رانی صاحبہ اس سے خوش نہیں معلوم ہوتیں۔"

"خاندان میں کوئی خوش نہیں ہے۔ کسی دن میرے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو گا۔"

"کیوں......؟"

"تم نے دیکھا نہیں شاہدہ کو میرے خلاف بھڑکانے میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے۔"

"آخر ایسا کیوں۔"

"حسد! محض اسلئے کہ میں چچا کی جائیداد کا وارث ہوں اور چچی اماں اسے منہ نہیں لگاتیں۔"

"شاہدہ کا اُس سے کیا رشتہ ہے۔"

"پھوپھی زاد بہن ہے۔"

انور خاموش ہو گیا۔ اُس کی نظریں دور تک پھیلے ہوئے جنگل کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"ابھی تک ہمیں شکار نہیں ملا۔" رشیدہ بولی۔

"جھیل پر کچھ آبی پرندے ملیں گے۔" محمود نے کہا۔

"رشو کا خیال تھا کہ شاید شکار ہاتھ باندھے ہوئے ہمارے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے گا اور کہے گا جو مزاج یار میں آئے یا شاید......!" انور کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نگاہیں کروندے کی کانٹے دار جھاڑیوں کے سلسلے پر جم گئیں تھیں۔

"کیا یہی وہ کروندے کا جنگل ہے۔" انور نے محمود سے پوچھا۔

"ہاں......!"

"اور اسے پار کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔"

"میں نے خود کبھی کوشش نہیں کی......ویسے سنا یہی ہے۔"

"لیکن......وہ دھواں کیسا ہے۔ کیا ادھر بھی آبادی ہے۔"

"ہاں......اُدھر بھیلوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں، جنہیں کروندے کے جنگل نے کم از کم ہمارے قصبے سے الگ کر دیا ہے۔"

"یہ سلسلہ کتنا وسیع ہے۔"

"شاید پندرہ یا بیس میل......دوسری طرف شوری ندی درمیان میں حائل ہو گئی ہے اور اس طرح مہذب علاقے بھیلوں کی دستبرد سے آزاد ہو گئے ہیں۔ لیکن گرمیوں کے زمانے میں جب ندی کا پانی کم ہو جاتا ہے وہ دوسری طرف کے علاقے میں ڈاکے ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"تم نے شاید یہی بتایا تھا کہ وہ پرندہ اسی طرف سے آیا کرتا تھا۔"

"قصبے میں یہی مشہور ہے......خود مجھے اتفاق نہیں ہوا۔"

دفعتاً کہیں دور موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی۔

"کیا یہ بھیل موٹر سائیکل بھی چلاتے ہیں۔" رشیدہ چونک کر بولی۔

"آواز ادھر سے نہیں آرہی ہے۔" محمود ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "یہ عمران معلوم ہوتا ہے ا ادھر ہی آرہا ہے۔ اس میں یہ خبط ہے۔ وہ تم لوگوں کے سامنے مجھ پر اپنی برتری جتانے کی کوشش کرے گا۔"

"خوب......آدمی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد موٹر سائیکل دکھائی دی۔ عمران اپنے کاندھے پر رائفل لٹکائے بیل گاڑی کی طرف آرہا تھا۔ اُنکے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ان پر دھول جھونکتا ہوا موٹر سائیکل آگے نکال لے گیا۔

"غالباً جھیل کی طرف گیا ہے۔" محمود غصے میں بولا۔ "اب شکار ملنے کی توقع نہیں۔"

"فکر مت کرو۔" انور نے کہا۔ "میں اس سے جان پہچان پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ جھیل کتنی دور ہے۔"

"قریب ہی ہے تمہیں اس سے مل کر خوشی نہ ہوگی۔" محمود بولا۔

"کیوں انور کوئی نئی شرارت سوجھی۔" رشیدہ نے کہا۔

"نہیں رشو......وہ بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ میں اپنے کسی مقصد کے لئے اُسے استعمال بھی کر سکوں۔"

"کس مقصد کے لئے......!" محمود چونک کر بولا۔

"جس مقصد کے لئے یہاں آیا ہوں۔"

"مگر تم نے تو کل ہی اُسے نشانہ بنادیا۔"

"نہیں پیارے تمہارا خیال غلط ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "وہ آسانی سے اس قصبے کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ شاید مجھے آج بھی اُس پر فائر کرنا پڑے۔"

محمود اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔" رشیدہ نے انور سے پوچھا۔

"کسی آدمی کی شرارت۔"

"لیکن یہ چیز میری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ کل رات میں نے اُسے حویلی سے دیکھا تھا۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نگاہیں بدستور کروندے کی جھاڑیوں پر جمی ہوئی تھیں۔

"وہ دیکھو......اس کمبخت نے فائر شروع کر دیئے" محمود جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"خواہ مخواہ پرندوں کو اڑا رہا ہے۔"

"ممکن ہے شکار ہی کھیل رہا ہو۔" انور نے کہا۔

"اگر وہ پوائنٹ ٹو ٹو بور کی رائفل لے کر گیا ہوتا تو میں قطعی یہ نہ کہتا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ جھیل پر پہنچ گئے۔ عمران کی موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی تھی اور وہ گھاس پر اوندھا لیٹا پائپ پی رہا تھا۔

"کیا یہاں جھیل پر گھڑیال بھی ہیں۔" انور بلند آواز میں بولا۔

"نہیں تو......!" محمود نے کہا۔

"وہ پھر اُدھر کنارے پر کیا پڑا ہے۔" انور اسی لہجے میں بولا۔ "اوہ لاحول ولا قوۃ......کوئی آدمی ہے۔"

عمران اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی اور آنکھیں رشیدہ پر جمی ہوئی تھیں۔

"رشو......!" انور آہستہ سے بولا۔ "کیا خیال ہے۔"

"اس سے ہم لوگوں کا تعارف کرادیجئے۔" رشیدہ نے محمود سے کہا۔

"میں اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔"

"ہماری خاطر......!" انور مسکرا کر بولا۔

محمود ایک لحہ کے لئے بالکل ساکت ہوگیا۔ پھر عمران کو مخاطب کر کے بولا۔

"تو تم نے سب پرندے اڑا دیئے۔"

"پھر......؟" انور اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"یہ وہ رائفل ہے جس سے ہاتھیوں کا شکار کیا جاتا ہے۔" وہ اپنی رائفل کی طرف اشارہ کر کے بولا اور انور نے اپنی ناک سکوڑ لی کیونکہ اس کے منہ سے دیسی شراب کا بھپکا نکلا تھا۔

"کوئی ہاتھی شکار کیا آپ نے؟" انور چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

عمران اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"آپ خود کو تیس مار خاں سمجھتے ہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "کل رات والی آتش بازی پر رائفل چلا کر آپ کچھ مغرور ہو گئے ہیں۔"

"آتش بازی......؟" انور تحیر ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"جناب......؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کسی شریر لڑکے کی حرکت۔"

"چھوڑو بھی۔" محمود انور کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "یہ اس وقت نشے میں ہے۔"

عمران نے قہقہہ لگایا اور رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔ رشیدہ جواباً مسکرائی۔

"آپ لوگوں کی تعریف......!"

"میرے دوست مسٹر انور اور مس رشیدہ۔" محمود منہ سکوڑ کر بولا۔

"آپ لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "میرا نام عمران ہے اور میں اس قصبے کا ایک شریف آدمی ہوں۔ ویسے کچھ لوگ مجھے بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن میں انہیں ایک دن سیدھا کر دوں گا۔"

"ضرور ضرور......!" انور نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ پھر محمود اور رشیدہ کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔ "تم لوگ بیل گاڑی پر شکار کھیلو۔ میں عمران صاحب کے ساتھ موٹر سائیکل پر جاتا ہوں۔"

"اوہو......ضرور......بڑی خوشی سے۔" عمران موٹر سائیکل کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

قبل اس کے محمود کچھ کہتا......رشیدہ بول اٹھی،

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ ہم لوگ یہاں انتظار کریں گے۔ شاید کچھ پرندے جھیل میں گریں۔"

عمران نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور انور کیریئر پر بیٹھ گیا۔

"کس طرف......!" عمران نے پوچھا۔

"کوئی بڑا شکار عمران صاحب۔" انور آہستہ سے بولا اور موٹر سائیکل چل پڑی۔

"بڑا شکار تو اس طرف ہے۔" عمران کروندے کے جنگل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"یعنی......؟"

"جنگلی لڑکیاں......!" عمران نے کہا اور ہنسنے لگا۔

"تو پھر ادھر ہی۔"

"کوئی راستہ نہیں۔"

انور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"وہ آتش بازی والی بات کیا تھی۔"

"محمود پر رعب ڈال رہا تھا۔" عمران بچوں کی طرح ہنس کر بولا۔ "وہ مجھے بدنام کرتا ہے لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ وہ مجھ سے زیادہ ذلیل ہے۔ آپ جیسے شریف آدمیوں کو اس کے ساتھ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔"

"لیکن وہ اپنی بیوی سے بہت ڈرتا ہے۔"

"مکار ہے......شاہدہ کے دکھوں سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔"

"یعنی......!"

"اس کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں بہت کمینہ ہوں انور صاحب۔ مگر پھر بھی مجھ میں تھوڑی بہت انسانیت ہے۔"

"خیر......خیر......مگر وہ پرندہ کیسا تھا۔" انور نے کہا۔

"آپ نے اس پر گولی چلا کر اچھا نہیں کیا۔ قصبے والے کسی نئی مصیبت کے منتظر ہیں۔"

"آخر وہ ہے کیا بلا......؟"

"بھیلوں کا کوئی جادو......وہ کروندے کے جنگل ہی کی طرف سے آتا ہے۔"

"میں نے تو سنا ہے کہ اس کا تعلق ڈاکٹر نصیر کی پاگل بہن سے ہے۔" انور نے کہا۔

عمران کے منہ سے بے اختیار بھانت بھانت کی گالیوں کا طوفان پھوٹ پڑا۔

"یہ بھی اسی محمود کے پٹھے کی حرکت ہے۔"

"یعنی......!"

"اس قسم کی افواہیں ہمیشہ حویلی سے اڑا کرتی ہیں۔" عمران جھلائے ہوئے لہجے میں بولا

"آخر کیوں؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں نے یہ محسوس کیا ہے۔" عمران آہستہ سے بولا۔

"مجھے اُس حویلی کی ایک ایک اینٹ سے نفرت ہے۔"

"مگر رانی صاحبہ تو آپ کی خالہ ہیں۔"

"ہوں گی۔" عمران لاپروائی سے بولا۔

انور کی نظریں کروندے کے جنگل کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ واقعی یہ ایک ناقابل عبور جنگل تھا۔ کروندے کی گھنی اور کانٹے دار جھاڑیاں میلوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ اتنی گھنی اور بلند تھیں کہ دوسری طرف نظریں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ ان کے درمیان کہیں کہیں اکاڈکا پیپل کے درخت نظر آرہے تھے۔

"تو کیا جنگلی لڑکیاں واقعی اچھی ہوتی ہیں۔" انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

"غضب کی...... اب میں کیا بتاؤں۔"

"تو پھر اُدھر چلنے کا کوئی راستہ پیدا کرو۔" انور نے کہا۔

"راستہ......!" عمران ہنس کر بولا۔ "وہ راستہ ہمیں جہنم میں پہنچا دے گا۔"

"یعنی......!"

"اول تو راستہ ہی ملنا ناممکن ہے اور اگر کسی طرح وہاں پہنچ بھی گئے تو وہ ہمیں نیزوں کی سیج پر سلا دیں گے۔"

"محمود ٹھیک کہہ رہا تھا۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا......!"

"یہی کہ تم ڈرپوک ہو۔"

عمران نے موٹر سائیکل روک دی اور پلٹ کر انور کو گھورنے لگا۔

"یہاں سے پندرہ میل کا سفر کرنا پڑے گا۔" عمران بولا۔

"پرواہ نہیں۔"

"بڑے رنگیلے معلوم ہوتے ہو اور اگر تمہارے ساتھ والی لڑکی کو اس کی اطلاع ہوگئی تو۔"

"تو کیا ہوگا...... وہ صرف میری دوست ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت نہیں فرماتے۔"

"اچھا تو پھر کل پر رکھو۔" عمران نے کہا۔ "ہمیں کچھ انتظامات بھی کرنے پڑیں گے۔ ویسے تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔ کچھ دن اگر میرے مہمان رہو تو کیا حرج ہے۔ تم نے آم کی شراب کبھی نہ پی ہوگی۔ یہ میری ایجاد ہے۔ اگر رائی کی وسکی کا مزہ نہ آجائے تو میرا ذمہ۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔" انور نے کہا۔

"تب تم ڈیوٹ ہو۔" عمران ہنس کر بولا۔ "آؤ واپس چلیں...... تو پھر شام کو مل رہے ہو نا۔ قصبے میں سب سے اونچا مکان میرا ہی ہے۔ بڑی مسجد کے پاس۔"

"میں تم سے ضرور ملوں گا۔" انور مسکرا کر بولا۔ "لیکن جنگل والی اسکیم نہ بھول جانا۔"

"یار واقعی تم خطرناک معلوم ہوتے ہو۔" عمران نے ہنس کر کہا۔

وہ جھیل کی طرف لوٹ پڑے۔

محمود اور رشیدہ بیل گاڑی میں بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ عمران انور کو چھوڑ کر قصبے کی طرف روانہ ہوگیا۔

"کیوں بھئی کچھ ملا......!" انور نے محمود سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" محمود انگڑائی لیتا ہوا بولا۔ "تم کدھر چلے گئے تھے۔"

"کروندے کے جنگل میں گھسنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا۔"

"اوہ...... یار کہیں یہ حماقت بھی نہ کر بیٹھنا۔ اُدھر وحشی رہتے ہیں۔"

"لیکن عمران نے ایک ایسی بات بتا دی ہے کہ اب جانا ہی پڑے گا۔"

"کیا......؟" محمود نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"جنگلی لڑکیاں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"کیا مطلب......؟" رشیدہ نے اُسے گھور کر کہا۔

"جنگلی لڑکیوں کا کیا مطلب ہوتا ہے؟" انور نے کہا اور رشیدہ خاموش ہوگئی۔

"ہم لوگوں کی برائی تو خوب کی ہوگی۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں تو......تم لوگوں کا تذکرہ ہی نہیں آیا تھا۔ وہ زیادہ تر آموں کی شراب اور لڑکیوں کا تذکرہ کررہا تھا۔''

''بھئی اب چلنا چاہئے۔'' رشیدہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد بیل گاڑی قصبے کی طرف واپس جارہی تھی۔

دوسرا فائر

شام کو انور عمران کے گھر سے لوٹتے وقت طرح طرح کے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا، جس مقصد کے تحت وہ عمران سے ملا تھا اس میں ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس وقت بھی نشے میں ڈوبا بہکی بہکی باتیں کرتا رہا تھا۔ پرندے سے زیادہ اُسے ڈاکٹر کی بہن کے ساتھ محمود اور اس کی بیوی کے متضاد رویے کے متعلق تشویش تھی اور پھر وہ یہ بھی سن چکا تھا کہ ڈاکٹر کی بہن اور اس پرندے کے پراسرار تعلق کے بارے میں حویلی ہی والوں نے افواہیں پھیلائی تھیں۔

اُس نے رشیدہ کے ذریعے بھی اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ رانی صاحبہ بدستور مامتا کی ندیاں بہاتی رہیں اور شاہدہ تو خیر زہر بلب تھی ہی۔ وہ رشیدہ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ خود انور نے کئی بار اس سے گفتگو کرنی چاہی لیکن اس نے موقع ہی نہ دیا۔ بہرحال اس کے ماتھے پر پڑی ہوئی سلوٹیں کسی وقت بھی غائب نہیں ہوئی تھیں۔

انور حویلی میں لوٹ آیا۔ اس نے اس وقت ڈاکٹر کو ملنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ گھر پر موجود نہیں تھا۔

حویلی پہنچتے ہی اس نے سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال دیئے اور اِدھر اُدھر کی تفریحی باتیں کرنے لگا۔

آہستہ آہستہ دھندلکا پھیلتا جارہا تھا۔ شام بہت خوشگوار تھی۔ رانی صاحبہ نے پائیں باغ میں کرسیاں ڈلوادی تھیں اور سب لوگ وہیں بیٹھے انور کے لطیفوں اور چٹکلوں سے محظوظ ہورہے

تھے۔ صرف شاہدہ خاموش تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں طوعاً و کرہاً بیٹھی ہو۔

دفعتاً کسی نے پھاٹک ہلایا اور سب کی نظریں اُدھر اٹھ گئیں۔ یہ ڈاکٹر کی بہن تھی۔

''کیا یہ پھاٹک ہمیشہ بند رہے گا۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''اوہ......یہ حرافہ پھر آ گئی۔'' شاہدہ نے تیزی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بہو رانی......!'' رانی صاحبہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتی ہوئی بولیں۔ ''پاگلوں کے منہ لگنے سے کیا فائدہ۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ پاگل ہے، جو کچھ بکتی ہے بکنے دو۔''

شاہدہ بیٹھ گئی۔ لیکن وہ قہر آلود نظروں سے پھاٹک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا کوئی میری بات کا جواب نہ دے گا۔'' وہ پھاٹک کو ہلا کر پھر چیخی۔ ''میں کہتی ہوں یہ حویلی پتھروں کا ڈھیر ہو جائے گی۔ اس پر مونچھیں ہی مونچھیں اُگ آئیں گی۔''

رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی اور انور حیرت سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ محمود تو اس طرح خاموش تھا جیسے اُسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

ڈاکٹر کی بہن نے قہقہہ لگایا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس قہقہے کی آواز آہستہ آہستہ کہیں دور سے آئی ہو اور پھاٹک کے قریب پہنچ کر یک بیک تیز ہو گئی ہو۔

یکایک انور چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''یہ پٹرول کی بو کہاں سے آئی۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔

''گیراج کی طرف سے آئی ہوگی۔ شاید ڈرائیور کار کی ٹنکی بھر رہا ہے۔'' رانی صاحبہ بولیں۔

انور بیٹھ گیا۔ اُدھر ڈاکٹر کی بہن نے پھر قہقہہ لگایا اور اندھیرے میں دور تک دوڑتی چلی گئی۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر انور بولا۔

''آخر شاہدہ صاحبہ اس سے اس قدر متنفر کیوں ہیں؟''

''میں اپنے نجی معاملات پر تبصرہ نہیں پسند کرتی۔'' شاہدہ تلخ لہجے میں بولی۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ عنقریب یہ نجی معاملہ بین الاقوامی مسئلہ بننے والا ہے۔'' انور نے ہنس کر کہا۔

شاہدہ جھلا کر اٹھی اور حویلی کے اندر چلی گئی۔

''کیا بتاؤں؟'' رانی صاحبہ اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر مضمحل انداز میں بولیں۔

''آخر یہ معاملہ کیا ہے؟'' انور نے پوچھا۔

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' رانی صاحبہ نے کہا اور وہ بھی اٹھ کر حویلی میں جانے لگیں۔

دفعتاً رشیدہ چیخ اٹھی۔ اس کا ایک ہاتھ آسمان کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

''ارے یہ تو پھر دکھائی دیا۔'' محمود بے ساختہ بولا۔

آتشی پرندہ کافی بلندی پر پرواز کرتا ہوا حویلی کی طرف آ رہا تھا۔

''لو یہ نئی مصیبت آئی۔'' رانی صاحبہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''محمود رائفل......!'' انور نے جلدی سے کہا۔

''قطعی نہیں جناب۔'' رانی صاحبہ جھلا کر بولیں۔ ''آج یقیناً یہ آفت ادھر ہی آئے گی۔ تم نے اس پر گولی چلا کر اچھا نہیں کیا تھا۔''

''کل میں نے اسی طرح ڈاکٹر کا مکان بچایا تھا۔'' انور نے کہا۔ ''اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔''

''ہرگز نہیں...... ہرگز نہیں۔'' رانی صاحبہ چیخ کر بولیں۔

پرندہ کوٹھی کے گرد چکر لگاتا ہوا آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہا تھا۔ رانی صاحبہ شاہدہ کو آواز دیتی ہوئی حویلی کی طرف بھاگی۔ شائد شاہدہ نے اُسے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی باہر آ گئی۔

اچانک انور نے ایسا منہ بنایا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

''محمود رائفل......!'' وہ پھر چیخا۔

''انور خاموش رہو۔'' رانی صاحبہ گرج کر بولیں۔

انور پھر کچھ سننے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پرندہ حویلی کی چھت پر اتر آیا۔ پھر حویلی کے پچھلے حصے سے شعلے بلند ہونے لگے۔ نوکروں نے غل مچانا شروع کر دیا۔ انور تیزی سے اُدھر بھاگ رہا تھا۔

آگ بجھانے کی کوشش جاری تھی اور انور کا کہیں پتہ نہ تھا۔

''ارے احمقو یہ پٹرول جل رہا ہے۔'' انور کی آواز سنائی دی۔ وہ چہار دیواری پر کھڑا تھا۔

پھر وہ دوسری طرف کود گیا۔

آگ پر بہت جلد ہی قابو پا لیا گیا۔ کوئی خاص نقصان نہیں ہوا تھا۔ کئی نوکر چھت پر کھڑے شور مچا رہے تھے۔ آگ تو بجھ گئی تھی لیکن خوف کے مارے وہ ابھی تک اپنی آوازوں پر قابو نہیں پا سکے تھے۔ دفعتاً وہ آتشی پرندہ اپنے پر پھڑپھڑاتا ہوا ان کے سروں پر سے نکل گیا وہ اور زیادہ چیخنے لگے اور ایک تو چکرا کر گر ہی پڑا۔

تھوڑی دیر بعد جب یہ ہنگامہ رفع ہو گیا تو انور کی تلاش شروع ہوئی۔ لیکن اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

رشیدہ کچھ سوچ رہی تھی۔ محمود انور کو تلاش کرنے کے لئے ملازمین کو قصبے میں بھیج چکا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ گذر گیا لیکن وہ واپس نہ آیا۔ رشیدہ اپنے کمرے میں آئی اور سوٹ کیس سے ریوالور نکالا۔

جب وہ برآمدے سے گذر کر پائیں باغ میں جانے لگی تو رانی صاحبہ نے اُسے ٹوکا۔

''میں ابھی آتی ہوں۔'' رشیدہ بولی۔

''کہاں جا رہی ہو۔''

''عمران صاحب کے یہاں...... ممکن ہے انور وہیں ہو۔''

''کسی نوکر کو بھیج دو۔''

''نہیں میں خود جاؤں گی...... جلد ہی واپس آ جاؤں گی۔''

''تو کسی نوکر کو ساتھ لیتی جاؤ۔''

''میں چلتا ہوں۔'' محمود بولا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔'' رشیدہ نے کہا اور چل پڑی۔ پھاٹک سے نکلنے کے بعد اُس کا رخ قصبے کے بجائے جنگل کی طرف تھا۔

رات تاریک تھی۔ رشیدہ چل تو پڑی لیکن جنگل میں داخل ہوتے ہی جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جنگل جھینگروں کی تیز آوازوں سے گونج رہا تھا۔ کروندے کی دیو پیکر جھاڑیاں اس وقت اور زیادہ خوفناک نظر آ رہی تھیں۔ رشیدہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دفعتاً کسی درخت پر الو کی چیخ سنائی دی اور وہ جھجک پڑی۔ دل شدت سے دھڑکنے لگا۔

وہ ایک لمحے کے لئے رک گئی لیکن پھر اس کے ذہن نے دلیر بننے کے لئے جدوجہد شروع کر اور دوسرے ہی لمحے میں وہ اس طرح چل رہی تھی جیسے خواب میں چل رہی ہو۔

پھر کہیں دور قدموں کی آہٹ سنائی دی جو لحہ بہ لحہ قریب آتی جارہی تھی۔ ایک متحرک سا دکھائی دیا اور رشیدہ ایک درخت کے تنے کی اوٹ میں ہوگئی۔

''خبردار! ہاتھ اوپر اٹھاؤ ورنہ گولی چلادوں گا۔'' آنے والا اچھل کر جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا بولا

رشیدہ نے پستول نکال کر فائر کردیا۔ اسکے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی

''میں تمہارے جوابی حملے کا انتظار کررہی ہوں۔'' رشیدہ چیخ کر بولی۔ ''لیکن میں جا ہوں کہ تمہارے پاس پستول نہیں ہے۔''

جواب ندارد...... رشیدہ پھر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا ا ساتھ ہی قہقہے کی آواز سنائی دی۔

''اب تو پستول ہے میرے پاس۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

رشیدہ نے کوئی جدوجہد نہ کی لیکن اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ حملہ آور کے کان کی طرف بڑ رہا تھا۔

''ارے ارے کان چھوڑو...... چھوڑو......!'' وہ کراہ کر بولا۔

''نہیں...... انور میں تمہارے دونوں کان اکھاڑ ڈالوں گی۔''

''چھوڑو...... چھوڑو......!''

رشیدہ اُسے کھینچتی ہوئی واپس لوٹ رہی تھی۔

''میں کہتا ہوں کان چھوڑو......!'' انور بگڑ کر بولا۔

''تمہارے چیخنے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔'' رشیدہ سنجیدگی سے بولی اور انور جم کر کھڑا ہوگیا

''کھینچو...... اور ...... اور زور سے کھینچو...... لیکن یاد رکھو کہ تمہارے ساتھ کان ہی کا جائے گا۔''

رشیدہ رک گئی اور اس نے کان چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر تک کھڑی خاموشی سے اُسے گھو رہی پھر چل پڑی۔ انور اُس کے پیچھے تھا۔ رشیدہ نے جس ہاتھ سے انور کا کان پکڑا تھا اس

اسے کچھ چپچپاہٹ معلوم ہورہی تھی۔ اس نے جیب سے گھڑی دیکھنے کی ننھی سی ٹارچ نکالی اور اپنا ہاتھ دیکھنے لگی۔

''خون......!'' وہ چونک کر رک گئی۔ انور جیسے ہی اس کے قریب سے گذرا اس نے اسے پکڑلیا۔ دوسرے لمحے میں ٹارچ کی مدھم روشنی انور کے چہرے پر پڑی تھی، پیشانی اور گالوں سے خون بہہ رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا......؟'' رشیدہ بے اختیار بولی۔

''کان اکھڑ گیا ہوگا؟'' انور نے لاپرواہی سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

رشیدہ نے دوڑ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور اسے سہارا دینے لگی۔

''چچ چچ......!'' انور مسکرا کر بولا۔ ''میرا بیہوش ہونے کا ارادہ نہیں۔''

''انور......!'' رشیدہ ایسی پژمردہ آواز میں بولی جسے سسکی سے تشبیہ دی جاسکتی تھی۔

انور نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

''لیکن تم کیوں آئی تھیں۔''

''مجھے یقین تھا کہ تم ادھر ہی آئے ہوگے۔''

''میں پوچھتا ہوں تم آئی ہی کیوں تھیں۔''

''تمہارے لئے۔''

''بکومت...... میں اسے پسند نہیں کرتا۔''

رشیدہ خاموش ہوگئی۔ اگر اس نے اس کے چہرے پر خون نہ دیکھ لیا ہوتا تو شاید جھپٹ پڑتی۔ اس وقت اُسے انور کے اس تحکمانہ لہجے پر غصہ نہیں آیا لیکن وہ اُس حادثے کے متعلق معلوم کرنے کے لئے بے چین تھی جس کی بناء پر انور زخمی ہوگیا تھا۔ اس نے اُسے کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ چاہتی تھی کہ جلد سے جلد حویلی پہنچ کر انور کی مرہم پٹی کرے۔ ویسے خود اُسے تو اُن زخموں کی رتی برابر پرواہ نہ ہوگی اور اس کی لاپروائی تو وہ کچھ دیر پہلے دیکھ ہی چکی تھی۔ انور کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اس حالت میں کم از کم کسی قسم کے مذاق کے لئے تیار نہ ہوتا۔ اس کی آواز پہچان کر اس نے اسے ڈرانے کے لئے ہوائی فائر کیا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے پاس پستول

نہیں ہے۔ وہ چاہتا تو اسکی آواز سننے کے بعد سامنے آجاتا لیکن نہیں اس وقت بھی اس کی رگ شرارت بھڑک اٹھی تھی اور اس نے پیچھے سے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

''ٹھہرو......!'' انور ایک گرے ہوئے درخت کے تنے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا ''میں وہاں بیٹھ کر سگریٹ پیوں گا۔''

وہ دونوں جنگل سے نکل کر قصبے کی کچی سڑک پر پہنچ گئے تھے۔

''اب وہیں چل کر پینا۔'' رشیدہ اسے پکڑ کر آگے بڑھاتی ہوئی بولی۔

''رشو......!'' انور تیز لہجے میں بولا اور ہاتھ چھڑا کر درخت کے تنے پر بیٹھ گیا۔ مجبوراً رشیدہ کو بھی بیٹھ جانا پڑا۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ...... یہ خون۔''

''حویلی والوں پر اس کا کیا ردعمل ہوا ہے۔'' انور نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

''انہیں سب سے زیادہ اس بات پر حیرت ہے کہ تم کیوں غائب ہو گئے۔''

''آگ کا کیا رہا۔''

''بجھا دی گئی کوئی نقصان نہیں ہوا۔''

''انور خاموش ہو گیا......'' پھر دو تین کش لینے کے بعد بولا۔

''آگ اس پرندے کی وجہ سے نہیں لگی۔''

''جہنم میں گیا پرندہ......!'' رشیدہ جھلا کر بولی۔ ''تم زخمی کیسے ہوئے اور اب یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ کیا اب ان زخموں کو سڑانے کا ارادہ ہے۔''

''زخموں کی حالت تشویش ناک نہیں۔'' انور لاپرواہی سے بولا۔ ''یہ جھاڑیوں کے کانٹے ہیں۔''

''کیا تم اُن میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔''

''نہیں...... بلکہ مجھے زبردستی ان میں گھسیٹنے کی کوشش کی گئی تھی۔''

''ارے......!''

''ہاں...... میں جس آدمی کا تعاقب کر رہا تھا وہ غیر معمولی طور پر طاقتور ثابت ہوا۔''

''آدمی کا تعاقب......!'' رشیدہ نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔

''ہاں وہی آدمی جو کوٹھی میں آگ لگا کر بھاگا تھا۔ پٹرول کی بو پر میں پہلے ہی چونکا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ جس وقت وہ پرندہ کوٹھی پر چکر لگا رہا تھا میں نے ہلکی ہلکی سیٹیوں کی آوازیں سنی تھیں۔ اور یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ پرندہ انہیں آوازوں پر نیچے اترا تھا۔ میں اس وقت حویلی کی پشت پر پہنچا تھا۔ جب پرندے کو سیٹیوں پر بلانے والا آگ لگا کر بھاگ رہا تھا تعجب ہے کہ قصبے والوں نے پچھلی وارداتوں میں اس چیز کی طرف توجہ نہیں دی۔ بہر حال میں اس کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے آج تک اتنا تیز دوڑنے والا نہیں دیکھا۔ جھیل کے قریب پہنچ کر وہ یک لخت میری طرف پلٹا اور قبل اس کے کہ سنبھلتا اس نے مجھے پکڑ کر اچھال دیا۔ جیسے میں آدمی نہیں بلکہ ربڑ کی گیند ہوں اور میں لاکھ سنبھلنے کے باوجود بھی اپنا سر جھاڑیوں سے نہ بچا سکا۔ مجھے اس کی طاقت پر حیرت ہوتی ہے اگر کہیں دو چار آدمیوں کے سامنے اس نے مجھے اس طرح اٹھا کر پھینکا ہوتا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔''

''اور تم نے اسے نکل جانے دیا۔'' رشیدہ نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

''پھر وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ میں کافی دیر تک اسے تلاش کرتا رہا لیکن یہ بتاؤ کہ تم اس طرح اکیلے کیوں نکل آئی تھیں۔''

''میری خوشی! جب تم میرا کوئی اعتراض برداشت نہیں کر سکتے تو مجھے کیوں اس پر مجبور کرتے ہو۔''

''یہ بات نہیں رشو......!'' انور نرم لہجے میں بولا۔ ''یہ جنگل بہت بھیانک ہے۔''

''تو کیا اب یہیں بیٹھے بیٹھے رات ختم کر دو گے۔''

''نہیں صرف سگریٹ ختم کروں گا۔'' انور آہستہ سے بولا۔ ''حویلی والوں کو اس واقعے کی اطلاع نہ ہونی چاہیے۔''

''مگر پٹرول والا معاملہ تو......!''

''اس کی فکر نہیں...... بات جہاں تھی وہیں رہنی چاہیے۔''

"اور یہ زخم......!"

"یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں۔ پرندے کا تعاقب کرتے وقت جھاڑیوں میں گر پڑا تھا۔"

"لوگ تمہیں پاگل سمجھنے لگیں گے۔"

"تب تو اور اچھا ہے۔ میں ڈاکٹر کی بہن سے شادی کرلوں گا۔"

"اچھا تو کیا تم......!"

"ہاں میں اس پر عاشق ہونے کا ارادہ کررہا ہوں۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"بس اب اٹھو چلو......!" رشیدہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

انور نے سگریٹ ایک طرف پھینک دی اور پھر وہ حویلی کی طرف چل پڑے۔ پھاٹک کے قریب عمران ملا۔

"اوہ......انور صاحب آپ لوگ آگئے۔ بھئی مجھے بڑی تشویش ہوئی تھی۔"

عمران آگے بڑھ کر بولا۔ "یہاں معلوم ہوا کہ رشیدہ صاحبہ میرے گھر گئی ہیں لیکن معلوم کر کے اور تشویش ہوگئی کہ وہ میرے گھر تک پہنچی ہی نہیں۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہم لوگ ذرا کھیتوں میں ٹہل رہے تھے۔" انور نے کہا۔

"لاحول ولاقوۃ......!" یہاں تو نہ جانے کتنی افواہیں اڑ گئیں۔

"اچھا......!" انور دلچسپی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

"جی ہاں......مگر بھئی آپ لوگ بُرا نہ مانئے گا۔ گاؤں والے گنوار ہی ہوتے ہیں۔"

اندھیرا ہونے کی وجہ سے عمران انور کا زخمی چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ چند لمحے ادھر ادھر باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ خواہ مخواہ دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوگیا۔

"مجھے تو یہ آدمی مشکوک معلوم ہوتا ہے۔" رشیدہ آہستہ سے بولی۔

"میں بھی اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔ "اور شاہدہ کے متعلق خیال ہے۔"

"مجھے تو اس کا دماغ بھی خراب ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"اس پر کڑی نظر رکھنا۔" انور نے کہا اور پھاٹک کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

"کون ہے؟" اندر سے آواز آئی۔ شاید چوکیدار مالی کے جھونپڑے میں چلم پی رہا تھا۔

"ہم لوگ ہیں۔" رشیدہ بولی اور چوکیدار اپنی لالٹین لے کر انہیں راستہ دکھانے کیلئے دوڑا۔

"ارے صاحب......!" وہ انور کو چہرہ دیکھتے ہی چیخ پڑا۔

"شش شش......کچھ نہیں آگے چلو......!" انور نے کہا۔

"کیا بات ہے۔" کسی نے برآمدے سے آواز دی۔

"مہمان ہیں۔" چوکیدار بولا۔

"بھئی تم لوگوں نے پریشان کرڈالا۔" محمود کی آواز سنائی دی۔ "آج تم لوگوں کی خاصی مرمت ہوگی۔"

"ذرا آہستہ گاؤ میرے بیٹے۔" انور آہستہ سے بولا۔ "پس نازک است شیشہ دل در کنارِ ما۔"

ایک نئی واردات

تھوڑی دیر بعد انور پلنگ پر لیٹا تھا اور رشیدہ اُس کے چہرے میں چبھے ہوئے کانٹے نکال رہی تھی۔ محمود تو ڈاکٹر کو بلوانے جارہا تھا۔ مگر انور نے روک دیا۔ اس نے کہا کہ اس طرح یہ بات سارے قصبے میں پھیل جائے گی اور میں پاگل مشہور ہوجاؤں گا۔ بہتر یہی ہے کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے۔

"لیکن آخر اس وحشت کی ضرورت ہی کیا تھی۔" رانی صاحبہ بولیں۔

"میں اُس پرندے کو پکڑنا چاہتا ہوں۔ وہ پنجرے میں خوشنما معلوم ہوگا۔"

"بھئی تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" رانی صاحبہ نے اکتا کر کہا۔

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔" رشیدہ ہنس کر بولی۔ "اکثر ان کی باتیں خود انہیں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"وہ بات ہی کیا جو سمجھ میں آجائے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "مثلاً یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ پٹرول کی بو گیراج سے آئی تھی یا......!"

"یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔" محمود نے کہا۔ "آگ یقیناً پٹرول میں لگی تھی لیکن پٹرول دیواروں پر کہاں سے آیا۔"

"میں نے دیکھا تھا......!" انور مسکرا کر بولا۔ "تمہیں یاد ہوگا کہ میں چار دیواری پر کھڑا تھا۔ وہاں سے چھت دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے دیکھا......!"

انور خاموش ہوگیا۔ بقیہ لوگ توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ البتہ رشیدہ ضرور متحیر تھی۔ کیونکہ انور نے اسے اصل واقعہ بتانے سے روک دیا تھا اور اب خود ہی بیان کرنے جا رہا تھا۔

"کیا دیکھا......؟" رانی صاحبہ بے چینی سے بولیں۔

"پرندے نے اپنی چونچ میں پٹرول کا کنستر دبا رکھا تھا۔ پٹرول چھت اور دیواروں پر انڈیل کر وہ اس میں لوٹنے لگا تھا۔"

رشیدہ کو بے اختیار ہنسی آگئی اور رانی صاحبہ اس کا منہ دیکھنے لگیں۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" انور تیز لہجے میں بولا۔

"بھلا پرندے کے پاس پٹرول کہاں سے آیا۔" رشیدہ ہنسی روک کر بات بنانے لگی۔

"سب کچھ ہوسکتا ہے بیٹی۔" رانی صاحبہ سنجیدگی سے بولیں۔ "خدا ہم لوگوں پر رحم کرے۔"

محمود کچھ نہیں بولا۔ وہ انور کو گھور رہا تھا اور خود کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ابھی نہ جانے کتنی مصیبتیں نازل ہوں۔" شاہدہ منہ سکوڑ کر بولی۔ "اگر اس پر رائفل نہ چلائی جاتی تو کچھ نہ ہوتا۔"

انور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر بڑی قاتل مسکراہٹ تھی۔

شاہدہ گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"اس پرندے کا گوشت بہت لذیذ ہوگا۔" انور نے کہا۔ "میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن اُسے دسترخوان کی زینت ضرور بناؤں گا۔"

"بھئی اب چپ بھی رہو۔" رانی صاحبہ خوفزدہ لہجے میں بولیں۔

رشیدہ نے کانٹے نکال کر انور کے چہرے کو پٹیوں سے ڈھک دیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد

سب کھانے کی میز کے گرد بیٹھے ہوئے انور کی بے تکی باتوں سے محظوظ ہو رہے تھے اور رشیدہ کسی نئے خطرے کی بو سونگھ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ انور کن موقعوں پر خود کو ضرورت سے زیادہ احمق ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

کھانا کھا کر وہ لوگ اپنے اپنے کمروں کی طرف جا ہی رہے تھے کہ ڈاکٹر نصیر کے گھر میں آگ لگنے کی اطلاع ملی۔ ایک ہی رات میں دو مکانوں میں آگ لگنے کی یہ پہلی واردات تھی۔

"بیچارے ڈاکٹر پر بھی میری ہی وجہ سے مصیبت نازل ہوئی۔" انور متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "مگر اس کے علاوہ کوئی اور چارہ ہی نہ تھا۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ خصوصاً رانی صاحبہ بہت زیادہ متفکر نظر آرہی تھیں۔ شاید انہیں خوف تھا کہ کہیں پھر کوئی حادثہ نہ ہوجائے۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

رشیدہ اور انور کے کمروں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی۔ دونوں کمروں کی کھڑکیاں پائیں باغ کی طرف کھلتی تھیں جن کے نیچے کچھ دور ہٹ کر مہندی کی باڑھ تھی جس کا سلسلہ ایک روش کے کنارے کنارے پائیں باغ کی چہار دیواری تک چلا گیا تھا اور یہ روش باغ کے عقبی دروازے کے پاس جا کر ختم ہوگئی تھی۔

باہر آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ پودوں اور جھاڑیوں میں دبکے ہوئے جھینگروں کی جھائیں جھائیں فضا پر مسلط تھی۔ انور سگریٹ سلگا کر کھڑکی کے قریب آگیا۔ اُسکے زخموں میں جلن شروع ہوگئی تھی اور ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے وہ دیر تک نہ سوسکے گا۔ اس نے کھڑکی سے سر نکال کر آہستہ سے رشیدہ کو آواز دی۔ وہ بھی ابھی جاگ ہی رہی تھی۔ انور کی آواز سن کر کھڑکی کے قریب آگئی۔

"رشو مجھے نیند نہیں آرہی ہے۔"

"زخموں میں تکلیف زیادہ بڑھ گئی ہے۔"

"ہاں......!"

"تو کیا میں آؤں۔"

"ہاں......!"

انور نے دو تین گہرے گہرے کش لیئے اور سگریٹ پھینک کر مڑا۔

"بیٹھ جاؤ......!" وہ ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ رشیدہ شب خوابی کے لباس میں اس وقت کچھ زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔

"میری طبیعت یہاں سے بُری طرح اکتا گئی ہے۔" انور بولا۔

"تو واپس چلو......!"

"یہ ناممکن ہے۔"

"کیوں......!"

"یہ زخم زندگی بھر ہرے رہیں گے۔" انور اپنے چہرے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"تو تم انتقام کی آگ میں جل رہے ہو۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "میں سمجھی تھی شاید زخموں میں جلن ہے۔"

"مذاق نہیں رشو...... میں اُسے پکڑے بغیر واپس نہیں جا سکتا۔" انور نے کہا اور دوسرا سگریٹ سلگانے لگا۔

"اگر واقعی یہ کسی آدمی کی حرکت ہے تو اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"مقصد ہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے یا تو کوئی آدمی پورے قصبے سے کسی بات کا انتقام لے رہا ہے یا پھر وہ صحیح الدماغ نہیں ہے۔"

"کیا تمہارا اشارہ ڈاکٹر کی بہن کی طرف ہے۔"

"اگر وہ مجھے ربر کی گیند کی طرح اچھال سکتی ہے تو یہی سمجھو۔"

"تم تو ڈاکٹر سے مل چکے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔ "اس کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ شاید وہ مہاتما بدھ کے بعد دوسرا غیر معمولی انسان ہے۔"

"اور عمران......!"

"اس کے متعلق تو میں کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتا۔"

"کیوں......!"

"اس لئے کہ وہ بیسویں صدی کا شیخ چلی ہے۔"

"لیکن میں ایسا نہیں سمجھتی۔"

"بھئی یہ قصہ بہت وسیع ہے۔" انور اکتا کر بولا۔ "یہاں عمران کے علاوہ بھی کئی اور لوگ ہیں، جو اس سے بھی زیادہ بدنام ہیں۔ عمران کے سلسلے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ صرف حویلی والوں سے دشمنی رکھتا ہے۔ قصبے کے بقیہ لوگوں کو پریشان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"ایک بات اور......!" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "اگر وہ صرف حویلی ہی والوں کو نقصان پہنچانے پر تل جاتا تو اس کا پکڑا جانا یقینی تھا۔ اس لئے اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ وہ گاہے گاہے ان لوگوں پر بھی حملہ کرتا رہتا ہے جن سے اُس کے تعلقات بُرے نہیں۔ اس طرح وہ لوگوں کی نظروں میں مشتبہ ہونے سے بچ رہا ہے۔"

"خیال تو بُرا نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "لیکن حویلی والوں کے اور دشمن بھی ہوں گے۔ اس سلسلے میں محض عمران ہی کا نام کیوں لیا جائے۔"

"اس کی بھی ایک وجہ ہے۔"

"کیا......؟"

"ٹھہرو......" رشیدہ اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی۔ اُس نے کمرے کا دروازہ کھول کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر واپس آ گئی۔ انور اُسے گھور رہا تھا۔

"عمران شاہدہ سے شادی کرنا چاہتا تھا......اور خود شاہدہ کی بھی یہی خواہش تھی۔"

"اوہ......!" انور چونک کر بولا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"مجھے یہ بات رانی صاحبہ نے بتائی تھی۔ لیکن شاہدہ کے متعلق خود میں نے ہی اندازہ لگایا ہے۔ عمران کی موجودگی میں اس کا سارا تیکھا پن غائب ہو جاتا ہے اور محمود سے تو شاید وہ کبھی نرمی سے گفتگو نہیں کرتی۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن وہ عمران نہیں ہو سکتا جس نے مجھے جھاڑیوں میں پھینکا تھا۔"

"اس مقصد کے لئے وہ کسی دوسرے کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔" رشیدہ بولی۔

"تمہارا اشارہ شاید جنگلیوں کی طرف ہے۔" انور بولا۔

"یقیناً......!"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان جھاڑیوں میں گھسنے کا کوئی ذریعہ ہے۔"

"میں تو یہی سمجھتی ہوں۔"

"کیوں......!"

"اگر جنگلی اس طرف آسکتے، تو یہاں آئے دن چوریوں اور ڈاکوں کی وارداتیں ہوتی رہتیں"

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ پرندہ بھی اس جنگل سے نہیں آتا۔"

"میں بھی سمجھتا ہوں۔" انور نے کہا۔ "لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کروندے کے جنگل آتا ہے محض اس لئے کہ وہ اُسے جنگلیوں کا کوئی جادو سمجھتے ہیں۔"

رشیدہ خاموش ہوگئی انور اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس سگریٹ کا ٹکڑا کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔

رشیدہ کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوتی جارہی تھیں۔ اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور ا کی طرف دیکھنے لگی۔

"تو پھر اب تم نے کیا سوچا ہے۔"

"فی الحال مجھے اس پرندے کی فکر ہے۔" انور بولا۔ "یہ ثابت ہوگیا کہ وہ محض ایک شع ہے۔ آتشزنی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ میں جلد ہی اُسے پکڑ لوں گا۔"

"ذرا سوچ سمجھ کر۔" رشیدہ چونک کر بولی۔ "یہ مت بھول جانا کہ اس پر گولی پڑتے ایک زوردار دھماکہ ہوا تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"تم اسے کس طرح پکڑو گے۔"

"جس طرح خدا پکڑوائے گا۔" انور جھلا کر بولا۔ "اچھا جاؤ اب سو رہو۔"

"تم نے مجھے خواہ مخواہ بلایا تھا۔" رشیدہ بھی اسی لہجے میں بولی۔

"ایک نظر دیکھنے کے لئے۔" انور مضحکہ خیز انداز میں آہ بھر کر بولا۔ "تاکہ میں رات آرام سے جاگ سکوں۔ اچھا اب جاؤ۔ کل رات پھر ایک نظر دیکھ لوں گا۔"

رشیدہ اسے تیز نظروں سے گھورتی رہی پھر اٹھ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

انور نے اس انداز سے دروازہ بند کرلیا جیسے اس نے کوئی بہت نیک کام کیا ہو۔ پھر وہ آنکھیں بند کر کے مسہری پر لیٹ گیا مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ایک تو زخموں کی چرچراہٹ ہی بے خوابی کے لئے کافی تھی اس پر آج کی توہین۔ شاید انور نے پہلی بار زندگی میں یہ چیز محسوس کی تھی کہ اس سے بھی زیادہ طاقت ور لوگ اس زمین پر بستے ہیں۔ اس کے ذہن میں اس وقت تک صرف ایک ہی سوال تھا وہ یہ کہ اس پراسرار آدمی سے دوسری مڈبھیڑ کب اور کس طرح ہوگی۔ اس کی غیر معمولی طاقت سے خائف ہونے کی بجائے انور اس سے دوبارہ ٹکرانے کے امکانات پر غور کررہا تھا۔

اس نے اٹھ کر گھڑی پر نظر ڈالی۔ ایک بج رہا تھا۔ اس نے سگریٹ سلگائی اور کھڑکی کے قریب آگیا لیکن دوسرے لمحے سگریٹ زمین پر تھی اور وہ اسے پیر سے مسل رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی نظریں اندھیرے میں کسی متحرک چیز کا تعاقب کررہی تھیں۔ کوئی مہندی کی باڑھ کی اوٹ لیتا ہوا آہستہ آہستہ کوٹھی کی چہار دیواری کے عقبی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ کمپاؤنڈ میں چکر لگاتے ہوئے شکاری کتوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ انور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ یہ حویلی ہی کا کوئی فرد تھا۔ ورنہ کتے آسمان سر پر اٹھالیتے۔ عقبی دروازے کے قریب پہنچ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ شاید ادھر اُدھر کی آہٹ لے رہا تھا۔ پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

انور کے کمرے کی کھڑکی زمین سے تقریباً چھ سات فٹ اونچی تھی۔ وہ آہستہ سے نیچے اتر گیا۔ اُسے خوف تھا کہ کہیں کوئی کتا بھونکنا نہ شروع کردے لیکن شاید قدرت مہربان تھی کسی نے اس طرف دھیان بھی نہ دیا۔ یا شاید یہ بات تھی کہ وہ اس کی بو میں اجنبیت نہیں محسوس کرسکتے تھے۔ وہ بہ احتیاط دروازے سے گذر گیا۔

تاروں کی چھاؤں میں دور ایک سایہ دکھائی دے رہا تھا۔ انور تیزی سے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ تھوڑی دور چل کر وہ جنگل کی طرف گیا اور انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کا دل اس کے چہرے کے زخموں میں دھڑک رہا ہو۔ سایہ تیزی سے آگے بڑھتا جارہا تھا۔ اس کے

چلنے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی جانی پہچانی منزل کی طرف جا رہا ہو۔ جنگل رہ رہ کر ڈراؤنی آوازوں سے گونج اٹھتا تھا۔ کبھی کبھی تو کروندے کی جھاڑیوں میں کچھ اس قسم کی سرسراہٹ پیدا ہوتی جیسے کوئی وحشی درندہ جھپٹ کر حملہ کرنے جا رہا ہو۔ چند گھنٹے پیشتر انور ادھر ہی سے دوبارہ گذرا تھا۔ لیکن اب کی وہ یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ وہ مشین نہیں بلکہ آدمی ہے۔ سائیں سائیں کرتی ہوئی رات کا خوفناک طلسم اس کے مشینی فلسفے پر مسلط ہوتا جا رہا تھا اور پھر اس بھیانک ماحول میں اسے ایک آواز سنائی دی۔ یہ ڈاکٹر کی پاگل بہن کے قہقہے کی آواز تھی جو کہیں دور تاریکیوں کا سینہ چیر کر پیپل کے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ میں مدغم ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی کسی درخت پر دو تین چمگادڑ بیک وقت چیخ کر خاموش ہو گئے۔ لیکن وہ سایہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے آگے بڑھتا جا رہا تھا اور اب تو اس کی چال میں کچھ دیوانگی سی پیدا ہو گئی تھی۔ جنگل اپنی بے شمار آوازوں میں چیخ رہا تھا اور سایہ آگے بڑھ رہا تھا۔ قہقہے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ انور کی رفتار سست ہو چلی تھی کہ یک بیک اس کے اندر سویا ہوا وحشی بیدار ہو گیا۔ وہ وحشی جس کا جاگنا عموماً کسی خطرے کا پیش خیمہ ثابت ہوا کرتا ہے۔

آخر کار وہ سایہ رک گیا۔ انور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ڈاکٹر کی بہن کی آواز قریب ہی کہیں سنائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سے لڑ رہی ہو۔ پھر کچھ ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی کسی کو پیٹ رہا ہو۔ سائے کا رخ آوازوں ہی کی طرف تھا۔ انور سائے سے تین چار قدم پیچھے ہی رک گیا۔

یہ وہی جگہ تھی جہاں وہ شخص غائب ہوا تھا جس کے ہاتھوں انور نے چند گھنٹے پیشتر شکست کھائی تھی۔ سامنے تھوڑی ہی دور پر جھیل لہریں لے رہی تھی۔ جس کے کنارے دو دھندلے سے سائے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو ڈاکٹر کی بہن تھی اور دوسرا کوئی اور...... ڈاکٹر کی بہن اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹ رہی تھی اور وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چیختی بھی جا رہی تھی۔

”کمینے...... کتے...... میں تیری بوٹیاں اڑا دوں گی۔ تیرے گالوں کی بوٹیاں نوچ نوچ کر چباؤں گی۔ تیرے ہونٹوں کے پرخچے اڑا دوں گی۔ سُور کے بچے! تو نے میری چوڑیاں توڑ دی

ہیں۔ میری آنکھوں کے کاجل سے آسٹریلیا کا نقشہ بنایا ہے۔ یو ڈرٹی سوائین...... میری پلکوں تلے صنوبر کے سائے تھے۔ میرے گالوں میں چناروں کی آگ تھی۔ تو نے اس آگ میں اُلو اگا دیئے۔ بکری کے خصم تیرا نانا شوپنہائر تھا۔ ٹراٹسکی کے بچے! تیرے منہ پر تھوکتی ہوں۔ سنو سُور کے بچے خزاں آ گئی۔ کلیاں مرجھا گئیں۔ باغ ویران ہو گیا۔ سنگترے اداس ہیں۔ سنگترے کی پھانکیں اداس ہیں۔ میں تیری ہڈیاں توڑ توڑ کر ان کا سارا گودا چوس لوں گی۔“

اس نے ایک وحشت ناک قہقہہ لگایا اور اسے شدت سے پیٹنے لگی۔

دفعتاً انور اپنے آگے کھڑے ہوئے سایہ کی طرف متوجہ ہوا جس کا داہنا ہاتھ آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا اور ستاروں کی چھاؤں میں کسی چمکدار چیز کی مدھم سی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ انور نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر پستول چل چکا تھا۔ انور نے جھٹکا دیا اور سایہ ایک بے جان لاش کی طرح اس پر آ رہا۔ یک بیک اس کی نظریں جھیل کی طرف اٹھ گئیں۔ ڈاکٹر کی بہن شاید جھیل میں گر گئی تھی۔ اس کے ساتھی نے بھی دیکھتے ہی دیکھتے چھلانگ لگا دی۔ انور پستول چلانے والے کو ایک طرف سرکنڈوں کی جھاڑیوں میں گھسیٹ لے گیا۔ شاید وہ بیہوش ہو گیا تھا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ دفعتاً کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے جھاڑیوں سے سر نکال کر دیکھا۔ کوئی کسی کو کاندھے پر لادے ہوئے دوڑتا ہوا اس کے قریب نکل گیا۔ دور تک قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی پھر سناٹا چھا گیا۔

انور نے بیہوش کو بائیں ہاتھ پر سنبھال کر دیا سلائی روشن کی۔

”شاہدہ......!“ اُس نے آہستہ سے کہا اور اس طرح مسکرانے لگا جیسے ابھی جو کچھ بھی ہو چکا ہے اُس پر وہ مطمئن ہے۔ اُس نے اس کی مٹھی میں جکڑا ہوا پستول نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔

شاہدہ ابھی تک بیہوش تھی۔ وہ اسے کاندھے پر لاد کر جھیل کے کنارے لے آیا اور اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ انور اس پر جھکا ہوا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ شاید وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر انور کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ڈرو نہیں۔" انور نے آہستہ سے کہا اور وہ اٹھ کر بھاگی لیکن انور نے اُسے پکڑ لیا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اگر میں نہ ہوتا تو تم نے انہیں قتل ہی کر دیا تھا۔"

شاہدہ کے منہ سے ایک دبی دبی سی سسکی نکلی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ قریب کی جھاڑیوں میں جھینگروں کی جھائیں جھائیں تیز ہوگئی۔

جھگڑا

انور تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ شاہدہ خود بولے گی۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ شاہدہ بغیر کچھ کہے سنے واپس جانے کے لئے اٹھنے لگی۔ انور بھی خاموشی سے اٹھا اور اس کے ساتھ ہولیا۔ اس نے پستول کے کارتوس نکال کر جھیل میں پھینک دیئے تھے۔

"یہ لو......!" وہ اسے پستول دیتا ہوا بولا۔ "اول تو اس کا استعمال ہی میں پسند نہیں کرتا ویسے اگر ضرورت پڑ ہی جائے تو کافی سمجھ بوجھ کر کام لینا چاہئے۔"

شاہدہ نے پستول لے لیا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔

"اس لڑکی کے ساتھ کون تھا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"لیکن تم نے گولی کس پر چلائی تھی۔"

"میرا دماغ خراب ہوگیا تھا۔" شاہدہ آہستہ سے بولی۔

"بے وجہ دماغ بھی نہیں خراب ہوتا۔"

شاہدہ خاموش ہوگئی۔ وہ اس طرح آہستہ آہستہ چل رہی تھی جیسے کسی طویل بیماری سے اٹھی ہو۔

"تمہیں اس سے کیوں دشمنی ہے۔" انور نے پھر پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"تو پھر تم جانتی کیا ہو۔" انور جھنجھلا کر بولا۔ "میں ڈاکٹر سے تمہارے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرادوں گا۔"

"میں تمہارے دوست کی بیوی ہوں۔" شاہدہ آہستہ سے بولی۔

"میں مجرموں کو اپنا دوست نہیں سمجھتا۔"

"کیا مطلب......!" شاہدہ چلتے چلتے رک کر خوفزدہ آواز میں بولی۔

"میں نہیں جانتا۔"

شاہدہ پھر چلنے لگی۔ اس کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔

"مجھے سہارا دو، ورنہ میں گر پڑوں گی۔" وہ آہستہ سے بولی۔ انور نے اُسے بازو پر سنبھال لیا۔

شاہدہ کے منہ سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔ وہ رو رہی تھی۔

"تم رو بھی سکتی ہو۔" انور طنز آمیز لہجے میں بولا۔

شاہدہ نے کوئی جواب نہ دیا وہ برابر روئے جا رہی تھی۔

"اگر واپسی میں تمہیں کسی نے دیکھ لیا تو تم کیا جواب دو گی؟" انور نے پوچھا۔

شاہدہ کی سسکیاں اور تیز ہوگئیں۔

"میں تم سے اب کچھ نہ پوچھوں گا! میں سب کچھ جانتا ہوں۔" انور نے کہا۔

"خدا کے لئے تم ہری پور سے چلے جاؤ۔" شاہدہ ہچکیاں لیتی ہوئی بولی۔

"مجھے خاندان کی عزت اپنے غصے سے زیادہ عزیز ہے۔"

"میں کسی کام میں ہاتھ ڈالنے کے بعد اسے ادھورا نہیں چھوڑا کرتا۔"

"میں تم سے التجا کرتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

شاہدہ پھر کچھ سوچنے لگی

"اس واقعے کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"میں وعدہ نہیں کر سکتا۔"

''تب پھر مجھے واپس نہ جانا چاہئے۔'' وہ ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔

''یعنی.....!'' انور مضحکہ خیز انداز میں بولا۔

''میرے لئے خودکشی ہی بہتر ہوگی۔'' وہ جھیل کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

''تو ادھر کہاں جا رہی ہو۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''جھیل شاید زیادہ گہری نہیں ہے۔''

شاہدہ رک گئی۔

''تمہارے پاس پستول بھی تو ہے۔'' انور نے سنجیدگی سے کہا۔ ''لو میں یہاں سے ہٹا جاتا ہوں شاید میری موجودگی میں تمہیں خودکشی کرتے وقت کچھ حجاب محسوس ہو۔''

''تم درندے ہو۔'' شاہدہ آہستہ سے بولی۔ ''محمود ٹھیک کہتے تھے۔''

''بھلا اس میں درندگی کی کیا بات ہے۔ میں تو تمہیں ایک معقول مشورہ دے رہا تھا۔''

شاہدہ سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئی۔

''یہ اداکاری دکھانے کا وقت نہیں۔'' انور نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ڈھائی بج رہے ہیں! کسی نے واپسی پر ہمیں دیکھ لیا تو محمود تمہیں کل ہی طلاق دے دے گا۔''

شاہدہ اس طرح اچھل کر کھڑی ہوگئی جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''خدا کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''بس فضول باتیں بند کرو..... گھر کا راستہ ادھر ہے۔'' انور ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا بولا۔

دونوں پھر چلنے لگے۔

''میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں کسی سے کہنا نہیں۔''

''تمہاری پچھلی بداخلاقیاں مجھے انتقام پر مجبور کر رہی ہیں۔''

''تم نہیں جانتے میری ساری زندگی زہر بن گئی ہے۔ میں اپنے لئے بھی عذاب ہوں اور دوسروں کے لئے بھی۔''

''میں جانتا ہوں..... اور اسی دن سے جانتا ہوں جس دن تم پہلی بار رقص گاہ میں ملی تھیں۔''

''بعض اوقات میں پاگل ہو جاتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے ان دونوں میں سے کس پر گولی چلائی تھی۔''

شاہدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔''

''میں کچھ نہیں بتا سکتی۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''تم جانو.....!'' انور نے لاپروائی سے کہا۔

شاہدہ چلتے چلتے رک گئی۔

''میں تم سے خائف نہیں ہوں۔'' وہ گرج کر بولی۔ ''میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ جاؤ تمام ڈھنڈورا پیٹ دو..... مجھے پرواہ نہیں ہے..... اور تم..... تم کتے ہو۔''

انور حیرت سے اُسے دیکھنے لگا اور وہ تیزی سے گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔ حویلی نزدیک ہی تھی۔ انور مصلحتاً وہیں رکا رہا۔ اس نے ایک سگریٹ نکالی اور سلگا کر پینے لگا۔ اس کا دماغ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ بے شمار واقعات اور کام کے نکتے سامنے بکھرے ہوئے تھے بس انہیں ترتیب دینا باقی رہ گیا تھا۔

شروع سے آخر تک کڑیاں ملتی گئیں۔ مگر وہ آتشی پرندہ..... اور پھر وہ بھیانک آدمی؟ انور چونک پڑا۔ وہ سوچنے لگا ابھی کسی نتیجے پر پہنچنے میں جلدی نہ کرنی چاہئے۔ ظاہری اسباب کی ترتیب میں ذہن دھوکا بھی کھا سکتا ہے۔ سگریٹ ختم کرنے کے بعد وہ حویلی کی طرف چل پڑا۔ باغ کا عقبی دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں تھا وہ بہ آہستگی اپنے کمرے کی کھڑکی کے پیچھے پہنچ گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ اوپر تھا۔ چراغ بجھا کر وہ بستر میں گھس گیا۔ نہ جانے کیوں دو کتے اس کی کھڑکی کے نیچے آ کر بھونکنے لگے تھے۔

دوسرے دن صبح ناشتے کی میز پر انور نے محسوس کیا کہ شاہدہ کی حالت میں کسی قسم کا فرق نہیں پیدا ہوا۔ اس کی تیوریاں بدستور چڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے انور کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا چائے کے دوران میں وہ اپنی عادت کے مطابق جلی کٹی باتیں کرتی رہی۔ اس کے اس رویے سے انور کو ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے پچھلی رات کے واقعات میں کوئی سچائی نہ رہی ہو۔ وہ محض خواب رہے ہوں۔ انور کو اس کی اداکاری پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ اسے ایک تعلیم یافتہ مگر قطعی گھریلو عورت سمجھتا تھا۔

اس کا دماغ بُری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ اس نے پچھلی رات کو محض ایک شبہے کی بنا شاہدہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ڈاکٹر کی بہن کے ساتھ متعلق کچھ بھی نہیں جان سکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاہدہ جو اس کی حقیقت سے واقف تھی اگل دے گی مگر ایسا نہ ہو سکا۔ وہ توقعات سے بڑھ کر سخت ثابت ہوئی۔ بہرحال انور کے ذ میں جو شبہ رینگ رہا تھا اس نے حقیقت کی سرحدوں کو چھونے کے لئے ایک نئی شکل اختیار ک

جیسے ہی محمود ناشتے کی میز سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگا انور نے اُسے دیکھ کر معنی انداز میں سر ہلا دیا اور مسکرا کر آنکھ ماردی۔

''شرارت نہیں پیارے......شرافت......!''

''یعنی......!''

''اپنے کمرے میں چلو......!'' انور اٹھتا ہوا بولا۔ وہ کنکھیوں سے شاہدہ کی طرف دیکھ تھا۔ اس کے اطمینان میں قطعی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ پھر انور یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ یقیناً اس کے دماغ میں بھی فتور ہے۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد جب رانی صاحبہ اپنے مرغی خانے کی دیکھ بھال کے سلسلے نوکروں کو ہدایات دینے جا رہی تھیں انہوں نے محمود کے کمرے میں تیز تیز آوازیں سنیں اور ا کمرے سے نکلتے دیکھا۔ جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ رانی صاحبہ کیساتھ رشیدہ بھی تھ

''رشو......!'' انور تیز لہجے میں بولا۔ ''اپنا سامان درست کرو۔''

''ہائیں کیا بات ہے۔'' رانی صاحبہ نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

''کوئی بات نہیں۔ میں اب جانا چاہتا ہوں۔'' انور بے رخی سے بولا۔

''آخر کیوں؟''

''مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو وجہ نہ بتا سکوں گا۔''

''تو کیا کسی بات پر ناراض ہو کر جا رہے ہو۔''

''میں اس پر بھی اظہار خیال کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔''

اتنے میں محمود بھی آ گیا۔ اس کی آنکھیں بھی غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''آخر بات کیا ہے۔'' رانی صاحبہ نے اس سے پوچھا۔

''کچھ نہیں......!''

''تم لوگ مجھے سچ مچ پاگل بنا دو گے۔''

''رشو......!'' انور نے رشیدہ کی طرف گھور کر دیکھا۔

رشیدہ وہاں سے چلی گئی۔

شور سن کر شاہدہ بھی آ گئی تھی۔ لیکن اب بھی اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''محمود تم بتاتے کیوں نہیں۔'' رانی صاحبہ پھر بولیں۔

''کیا بات ہے۔'' شاہدہ نے آہستہ سے پوچھا۔

''کچھ نہیں......!'' محمود تند لہجے میں بولا۔

رانی صاحبہ سر پکڑ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

رشیدہ دونوں سوٹ کیس لے کر آ گئی تھی۔

''ارے......ارے......تو کیا واقعی۔'' رانی صاحبہ اٹھتی ہوئی بولیں۔

''ہاں رانی صاحبہ میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔'' انور سوٹ کیس لے کر برآمدے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ رشیدہ اس کے پیچھے تھی۔ اچانک انور مڑا اور محمود کو مخاطب کر کے بولا۔

''لیکن تم یہ نہ سمجھنا کہ میں ہری پور سے جا رہا ہوں۔''

''ہری پور تمہیں آج ہی چھوڑنا ہوگا۔'' محمود گرج کر بولا۔

''محمود......!'' رانی صاحبہ چیخیں۔ ''بے شرم! بدتمیز......چپ رہو۔''

''اچھی اماں......!''

''تم بدتمیز ہو......اس گھر میں کبھی کسی مہمان کی بے عزتی نہیں ہوئی۔''

رانی صاحبہ محمود پر گرجتی ہی رہیں اور یہ دونوں وہاں سے چل پڑے۔

''لیکن ہم جائیں گے کہاں۔'' رشیدہ نے کمپاؤنڈ کے باہر آ کر پوچھا۔

''عمران کے گھر......!''

''آخر بات کیا تھی۔''

''پھر بتاؤں گا۔''

وہ دونوں تیزی سے قصبے کی طرف جارہے تھے۔

نیا میزبان

عمران نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ انور اور رشیدہ سے اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہا تھا جیسے برسوں سے انہیں جانتا ہو۔ اس کی توجہ کا مرکز زیادہ تر رشیدہ تھی۔

''انور صاحب میں نے آپ کو پہلے ہی حویلی والوں کے چھچھورے پن سے مطلع کر دیا تھا۔'' عمران نے کہا۔ ''میں یہ مان نہیں سکتا کہ آپ کسی ناخوشگوار واقعے کے شکار نہیں ہوئے۔ میں ان لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں۔''

''میں یہ کب کہتا ہوں کہ میں یونہی تفریحاً آپ کا مہمان بنا ہوں۔'' انور ہنس کر بولا۔

''مہمان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں آپ لوگوں کو اپنا ہی سمجھتا ہوں...... خصوصاً رشیدہ صاحبہ کی موجودگی تو میرے لئے باعث فخر ہے۔ انور صاحب میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں... اور پھر رشیدہ صاحبہ نے تو داراب جیسے خوفناک ڈاکو کو ختم کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ مشرقی عورتیں کسی سے کم نہیں۔''

''آپ کو ہم لوگوں کے متعلق کس نے بتایا۔'' انور نے پوچھا۔

''حویلی ہی میں معلوم ہوا تھا۔'' عمران ہنس کر بولا۔ ''اور اس کے بعد ہی میں آپ لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ محمود مجھے کبھی آپ لوگوں سے نہ ملنے دے گا۔ اسی لئے میں نے وہ کل والا بے تکا طریقہ اختیار کیا تھا۔ آپ لوگوں کو میری حماقت پر ہنسی تو بہت آئی ہوگی اور سچ پوچھئے تو وہ تھا بھی بچکانہ طریقہ۔ میں نے آپ کے شکار کا سارا مزہ کرکرا کر دیا تھا۔''

رشیدہ ہنسنے لگی۔

''ایک بات اور......'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''محمود نے مجھے دھمکی دی ہے۔''

''دھمکی! کیسی دھمکی؟''

''یہی کہ اگر میں آج ہی ہری پور سے نہ چلا گیا تو......!''

''لاشیں گر جائیں گی انور صاحب۔'' عمران اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''میرے مہمان کو ٹیڑھی نظر سے دیکھنے والا زمین پر پیر نہ ٹک سکے گا۔ یہ حویلی نہیں عمران کا گھر ہے۔''

''ایسا نہ کہو......وہ یہاں کا سب سے بڑا جاگیردار ہے۔''

''تو انور صاحب آپ کا یہ خادم بھی کسی سے گیا گذرا نہیں۔'' عمران اکڑ کر بولا۔ ''بخدا میں اس وقت نشے میں نہیں ہوں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں پوری ذمہ داری کے ساتھ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں تو صرف موقعے کی تلاش میں تھا۔ ذرا محمود بول کر تو دیکھے۔''

انور خاموش ہو گیا اور عمران اپنے چوڑے چکلے بازوؤں کی طرف دیکھتا رہا۔

''لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔'' عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''محمود آپ لوگوں کو خاص طور سے یہاں لایا تھا۔''

''یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔''

''یہ بات سارے قصبے میں مشہور ہے۔''

''لیکن لوگوں کو یہ بات معلوم کیسے ہوئی۔''

''حویلی ہی والوں کے ذریعے سے۔''

''اوہ......!'' انور کچھ سوچنے لگا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ نے شاید انہیں منع کر دیا تھا کہ آپ کے آنے کا مقصد کسی سے نہ بتائیں۔'' عمران مسکرا کر بولا۔

''آپ کا خیال صحیح ہے۔'' انور اسے گھورتا ہوا بولا۔

''اور ان لوگوں نے اس کے خلاف کیا......آخر کیوں؟''

''یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔'' انور نے کہا۔

''آپ سوچتے ہی رہ جائیں گے۔'' عمران ہنس کر بولا۔ ''آپ محمود کو نہیں جانتے۔ وہ

انتہائی مکار اور کینہ توز آدمی ہے۔ ایک طرف تو وہ آپ کو اس پرندے کی حقیقت معلوم کرنے لئے لایا اور پھر آپ کی تاکید کے باوجود بھی اس نے اس کا تذکرہ دوسرے لوگوں سے کرایا سے آپ کیا سمجھتے ہیں۔"

"عمران صاحب...... آپ بہت ذہین آدمی ہیں۔" انور اسے مصنوعی حیرت سے دیک بولا۔ "یہی سوال میرے ذہن میں بھی تھا۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ یہی سوال آپ کو اس پرندے کی حقیقت تک لے جائے گا۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آہستہ سے بولا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"محمود سے کوئی قصبے میں خوش نہیں ہے۔" عمران نے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"محض اس کی کینہ پروری کی بناء پر۔"

"ایک بات تو میں بھی کہوں گا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "شاہدہ جیسی نیک لڑکی ہرگز کے قابل نہ تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" عمران زہر خند کے ساتھ بولا۔ "دولت زندگی کی دوسری قدروں سے اہم ہے۔"

"تو کیا اس کی شادی محمود کے ساتھ زبردستی کی گئی ہے۔" انور نے انجان بنتے ہوئے پو

"یہ ایک لمبی داستان ہے انور صاحب۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ شاہدہ رضامند نہیں تھی اس سمجھوتے کی وجہ دولت ہی تھی۔ محمود کے چچا لاولد تھے یعنی رانی صاحبہ کے کوئی اولاد نہ اس لئے انہوں نے محمود کو گود لے لیا تھا اور راجہ صاحب شاہدہ کو بھی بے حد چاہتے تھے۔ ا خواہش تھی کہ محمود اور شاہدہ کی شادی ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے وصیت کی کہ محمود اسی حالت ان کی پوری جائیداد کا وارث ہو سکتا ہے جب وہ شاہدہ سے شادی کر لے، ورنہ نہیں۔ ایسی صو میں آپ خود سوچ سکتے ہیں۔"

"تو کیا شاہدہ رضامند نہیں تھی۔"

"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔" انور اسے آنکھ مار کر مسکراتا ہوا بولا۔

عمران ہنسنے لگا۔ مگر اس کا قہقہہ بالکل کھوکھلا اور بے جان تھا۔

"یہ تو آپ بھی جانتے ہیں۔" عمران نے کہا اور یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میں کینہ توز نہیں ہوں انور صاحب...... محمود اچھی طرح جانتا ہے کہ جب بھی مجھے موقع مل گیا اسے نقصان پہنچانے سے باز نہ آؤں گا۔ اگر اس کے حصے میں آئی ہوئی دولت شاہدہ کو خرید سکتی ہے تو میرا انتقامی جذبہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔ میں افلاطونی عشق کا قائل نہیں ہوں اور نہ ہی نیک آدمی ہوں۔ میں نے شراب کا پہلا پیگ اس وقت پیا تھا جب میں دس برس کا تھا۔"

"شاہدہ بھی تمہیں چاہتی تھی۔" انور نے پوچھا۔

"میں نے یہ جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔"

"تو پھر کوئی بات ہی نہ ہوئی۔" انور بولا۔

"یہ ضروری نہیں کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہو۔" عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اب بھی جب کوٹھی کے افراد مجھ سے نفرت کرتے ہیں شاہدہ اس معاملے میں ان سے بالکل الگ تھلگ نظر آتی ہے۔ وہ خود کبھی بداخلاقی سے پیش نہیں آئی۔ شادی سے قبل بھی اس کا یہی رویہ تھا حالانکہ میرے اعزہ مجھ سے ہمیشہ نفرت کرتے رہے ہیں۔"

"ممکن ہے کہ وہ ازراہِ شرافت ایسا کرتی رہی ہو۔" انور نے کہا۔

"تو میں کب اُسے کمینہ پن سمجھتا ہوں۔" عمران ہنس کر بولا۔ "مجھے اس سے محبت تھی اور ہے۔ اب یا تو محمود کو مرنا پڑے گا یا شاہدہ کو طلاق دینی پڑے گی...... آپ ہنس رہے ہیں۔ بخدا میں نشے میں نہیں ہوں۔ آپ کو یہ باتیں عجیب لگتی ہوں گی مگر میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ میں اپنی کمزوریوں کو فلسفے یا منطق کی چادر میں چھپانے کا قائل نہیں۔ میں شاہدہ کی گلو خلاصی چاہتا ہوں چاہے وہ جس صورت میں ہو۔"

"خیر چھوڑو......!" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "یہ بتاؤ کہ شاہدہ شادی سے قبل بھی چڑچڑی تھی۔"

"ہرگز نہیں......!" عمران بولا۔

"پھر آخر اس کے چڑچڑے پن کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔"

"محمود کی عیاشی اور اوباشی۔"

"اگر یہ بات ہے تو تمہیں بتاؤ کہ وہ تم جیسے بدنام آدمی سے کیسے شادی کر لیتی۔"

"خدا کی قسم اگر وہ مجھ سے کہتی تو میں شراب قطعی ترک کر دیتا۔ حالانکہ شراب میری کا جزو لازم بن کر رہ گئی ہے۔ میں مرجاتا مگر شراب نہ پیتا۔ انور صاحب وہ جس طرح کہتی اسی طرح زندگی بسر کرتا۔ انور صاحب میں مرجاتا...... مگر......!"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔ مگر میں نے سنا ہے کہ محمود قصبے میں بہت نیک نام ہے۔"

"میں پھر کہتا ہوں انور صاحب کہ وہ بڑا مکار ہے۔ اس کے سیاہ کارناموں سے واقف ہوں۔"

"مثلاً......!" انور نے کہا اور اپنی ساری توجہ اس کی طرف منعطف کر دی۔

عمران نے محمود کی عیاشی کی ایک داستان چھیڑ دی لیکن انور کو اس میں کوئی ایسی چیز نہ جو اس کے کام کی ہوتی۔

رشیدہ اس گفتگو میں قطعی کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ وہ محمود اور انور کی اچانک لڑائی وجہ جاننا چاہتی تھی آخر یہ یک بیک کیا ہو گیا۔ رانی صاحبہ پر اس کا کیا ردعمل ہوا ہوگا۔ اس دوران میں اس سے بے پناہ محبت ہو گئی تھی۔ اُن کے لہجے میں اتنی گھلاوٹ اور مامتا تھی کہ اوقات اس کا بے اختیار یہ دل چاہتا تھا کہ "ماں" کہہ کر اس سے لپٹ جائے۔

کبھی وہ یہ سوچتی کہ شاید انور نے یہ سب کچھ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کیا ہے۔ محمود اس کی لڑائی مصنوعی تھی مگر خیال آتا کہ اتنی بے ساختہ قسم کی جنگ مصنوعی نہیں ہوسکتی۔ اسے سرخ سرخ اور اپنے حلقوں سے ابلتی ہوئی آنکھیں اچھی طرح یاد تھیں۔ غصہ مصنوعی ہوسکتا لیکن اس کا خارجی ردعمل ہرگز مصنوعی نہیں ہوسکتا۔ مصنوعی غصے میں آدمی چیخ تو سکتا ہے لیکن کی آنکھیں نہیں سرخ ہوسکتیں۔

تھوڑی دیر دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد انور نے پھر مطلب

باتیں شروع کر دیں۔

"تم نے میرا میزبان بننا تو منظور کر لیا ہے لیکن اگر اس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔"

"کس قسم کا نقصان......؟" عمران چونک کر بولا۔ "کیا واقعی آپ مجھے محمود سے کمزور سمجھتے ہیں۔"

"محمود کی بات نہیں...... میرا اشارہ اس آتشی پرندے کی طرف تھا۔"

عمران خاموش ہو گیا اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہا ہے۔ انور اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ رشیدہ بھی اس کی اس اچانک تبدیلی پر حیران ہوئی۔ حیرت کی بات بھی تھی کیونکہ عمران ابھی کچھ ہی دیر قبل بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا تھا۔

"غالباً تمہاری میزبانی کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔" انور مسکرا کر بولا۔

"یہ بات نہیں انور صاحب۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر سچ مچ مجھے بھی اسی حادثے سے دوچار ہونا پڑا تو آگ پر قابو پانے کے لئے کون سی تدبیر اختیار کی جائے گی۔"

انور ہنسنے لگا۔

"خیر جی دیکھا جائے گا" عمران اٹھتا ہوا بولا۔ "قبل از مرگ واویلا سے کیا فائدہ۔ ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ کروندے کے جنگل کے متعلق کیا رہا۔ میں نے سارے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔"

"بیکار ہے۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔ "خواہ مخواہ دردسری مول لینے سے کیا فائدہ۔"

"میں کل ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ اس مقصد سے ادھر نہیں جانا چاہتے جو آپ نے ظاہر کیا تھا۔"

"تم غلط سمجھے۔" انور نے کہا۔ "میں اسے جنگلیوں کا جادو نہیں سمجھتا۔"

"پھر......!"

"کسی انتہائی احمق آدمی کا کارنامہ...... جو محض مکانوں میں آگ لگانے کے لئے اتنی دردسری مول لیتا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"عنقریب سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔" انور مسکرا کر بولا۔

عمران کچھ سوچنے لگا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر ان کی طرف مخاطب ہوا۔

"اچھا اب آپ لوگ آرام کیجئے۔ میں کچھ دیر کے لئے اجازت چاہوں گا۔"

"کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں۔" انور نے مسکرا کر کہا۔ "ہاں میرا دل چاہتا ہے جھیل میں مچھلیوں کا شکار کھیلوں۔"

"ضرور...... ضرور...... میں کانٹے وغیرہ مہیا کر دوں گا۔"

"کانٹے نہیں جال......!" انور نے کہا۔

"جال کے شکار میں کیا لطف آئے گا۔ خیر جال بھی مل جائے گا۔"

عمران چلا گیا اور انور اٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس مکان میں عمران دو ملازمین کے ساتھ تنہا رہتا تھا۔ اس کے خاندان کے بقیہ افراد دوسرے مکان میں رہتے تھے۔ شاید خود ان لوگوں نے عمران کو الگ کر دیا تھا یہاں وہ سارے لوازمات مہیا تھے جو ایک عیاش رئیس کے لئے ضروری ہو سکتے تھے۔

رشیدہ ان سب چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ اس کے ذہن میں تو صرف ایک سوال گونج رہا تھا کہ واقعات کا یہ نیا موڑ کیا معنی رکھتا ہے۔

"انور......!" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا کرنے والے ہو۔"

"میں محبت کرنے والا ہوں۔"

"دیکھو مجھے خواہ مخواہ الجھن میں مت مبتلا کرو۔"

"میں نے ابھی تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔"

"تم محمود سے کیوں لڑ گئے۔"

"میں نہیں لڑا بلکہ وہ خود لڑ گیا۔"

"آخر کیوں؟"

"انور نے اُسے رات کے سارے واقعات بتا دیئے اور رشیدہ اسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔"

"تو کیا تم نے اُسے شاہدہ کے متعلق بتا دیا تھا۔" اُس نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔" انور نے کہا۔ "میں نے صرف اس سے اتنا کہا تھا کہ رات ڈاکٹر کی بہن جھیل کے کنارے کسی کی مرمت کر رہی تھی۔ اس پر وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر یکایک خود بخود پاگل کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ پچھلی باتیں نکال بیٹھا۔ کہنے لگا اگر تم یہاں رہے تو حویلی راکھ کا ڈھیر ہو جائے گی۔ گاؤں والے الگ بدظن ہو گئے ہیں اس طرح بات بڑھ گئی۔"

رشیدہ کچھ سوچنے لگی۔

"لیکن وہ کون تھا جسے تم نے ڈاکٹر کی بہن کے ساتھ دیکھا تھا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"محمود......!" انور نے کہا اور سگریٹ نکالنے کے لئے جیب ٹٹولنے لگا۔

"محمود......!" رشیدہ نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔

"ہاں محمود! یہاں کوئی خطرناک ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔" انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "محمود کو شبہ ہو گیا ہے کہ شاید میں نے ہی ان دونوں پر گولی چلائی تھی۔"

"اگر اس نے یہ سمجھا ہے تو بالکل احمق ہے۔ بھلا تم اس پر گولی کیوں چلانے لگے؟"

"اتنی ہی عقل ہوتی تو جاگیردار کیوں ہوتا۔"

"تم نے اسے بتا کیوں نہیں دیا کہ گولی شاہدہ نے چلائی تھی۔"

"نہیں میں نے اسے مناسب نہیں سمجھا۔"

"اور کیا وہ جانتا ہے کہ تم نے اسے پہچان لیا تھا۔"

"ظاہر ہے، جبھی تو وہ اس پر مصر ہے کہ میں ہری پور سے چلا جاؤں۔"

"لیکن تم نے اس سے یہ نہیں کہا کہ تم اسے پہچان گئے تھے۔"

"نہیں......!"

رشیدہ پھر کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

"شام کو ہم لوگ جھیل میں مچھلیوں کا شکار کھیلیں گے۔" انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

"بس تمہیں ہی مبارک رہے۔" رشیدہ بے دلی سے بولی۔

"خیر! یہ اور اچھا ہے کہ تم میری دم میں نہ بندھو گی۔"

''تم یہ کہہ کر بھی مجھے مکھیوں کے شکار پر آمادہ نہیں کر سکتے۔''

شکار اور شکاری

''تم ڈاکٹر سے ملی ہو'' انور نے رشیدہ سے پوچھا۔

''نہیں......!''

''چلو تمہیں اس سے ملاؤں۔ بہت معقول آدمی ہے۔''

''بھئی میں نہ جانے کیوں کل رات سے تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ سر میں بھی درد ہے۔''

''تو پھر تمہیں تو ڈاکٹر سے ضرور ملنا چاہئے۔''

''ہاں......اچھا......خیر چلو۔'' رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

دس بج گئے تھے۔ انور عمران کے نوکر کو اطلاع دے کر ڈاکٹر کے گھر کی طرف چل پڑا۔ رشیدہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ یہ لوگ اس وقت پہنچے جب ڈاکٹر مطب سے اٹھ کر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ انور اور رشیدہ کو دیکھ کر وہ بزرگانہ انداز میں مسکرایا۔

''آئیے آئیے!'' وہ انور سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ''اس رات کے بعد سے تو پھر آپ سے ملاقات ہی نہ ہوئی۔ میں دراصل اس وقت حویلی ہی کی طرف جارہا تھا محض آپ سے ملنے کے لئے۔''

پھر وہ رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''آپ کی تعریف۔''

''یہ میری دوست مس رشیدہ ہے۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔'' ڈاکٹر نے رشیدہ سے مصافحہ کرتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''انکی طبیعت کچھ بھاری تھی۔'' انور نے کہا۔ ''لہٰذا میں نے سوچا کہ آپ ہی پاس چلوں۔''

ڈاکٹر تھوڑی دیر تک رشیدہ کی طبیعت کا حال پوچھتا رہا پھر کمپاؤنڈر کو آواز دے کر اُسے کچھ ہدایتیں دیں۔

''بس ایک ڈوز پی لیجئے بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔''

رشیدہ اٹھ کر دوا خانے کی طرف چلی گئی۔

''ہاں تو انور صاحب......!'' ڈاکٹر میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر انور کی طرف جھکتا ہوا بولا۔

''پرسوں رات کو میں آپ کی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔''

انور صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''اس کی اطلاع تو آپ کو ملی ہوگی کہ کل رات کو میرے گھر میں بھی آگ لگ گئی تھی۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''قبل اس کے کہ میں اس پرندے پر گولی چلاتا وہ چھت پر بیٹھ چکا تھا۔ لیکن انور صاحب کل مجھے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہوگیا کہ اس حرکت میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔''

''وہ کیسے......؟'' انور حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

''کسی نے پٹرول چھڑک کر مکان کے عقبی حصے میں آگ لگائی تھی اور میں نے ایک آدمی کو بھاگتے بھی دیکھا تھا۔ قبل اس کے کہ میں اس کا تعاقب کرتا وہ کہیں غائب ہوگیا۔''

''آپ کے علاوہ اور کسی نے اس قسم کی اطلاع نہیں دی۔''

''مجھ میں اور دوسروں میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔'' ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔ ''دوسرے لوگ اس پرندے سے خائف تھے لیکن میں نہیں تھا۔ دوسروں کے اوسان ہی بجا نہیں رہتے کہ وہ ان چیزوں کی طرف غور کر سکیں۔''

''جس وقت آگ لگی تھی آپ کے ہاتھ میں رائفل تو رہی ہوگی۔'' انور نے کہا۔

''ہاں تھی تو......میں اس پرندے کی تاک میں تھا۔''

''تو پھر آپ نے اس بھاگنے والے پر فائر کیوں نہیں کیا۔''

''یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی۔'' ڈاکٹر سوچتا ہوا بولا۔ ''مگر غلطی کیوں۔ بات دراصل یہ ہے انور صاحب کہ میری سب سے بڑی کمزوری ہے کہ میں کسی آدمی پر اس قسم کا حملہ نہیں کر سکتا جس سے اس کی جان جانے کا احتمال ہو۔''

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دیوار پر لگے ہوئے ایک چارٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اس کا تذکرہ آپ نے کسی اور سے بھی کیا ہے؟'' انور نے پوچھا۔

''میں دراصل اسی کے متعلق آپ سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔'' ڈاکٹر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ابھی تک میں نے کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔"

"کیا کسی خاص خیال کے تحت آپ نے ایسا کیا ہے۔"

ڈاکٹر چونک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کیوں؟ کیا آپ پر یہ خیال واضح نہیں ہوا۔ کیا اس واقعے کو شہرت دینے سے مجرم ہوشیار نہ ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے......لیکن وہ پرندہ۔"

"میں ابھی تک اس کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"حویلی والوں سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں۔" انور نے اچانک پوچھا۔

ڈاکٹر اُسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹ ایسے انداز میں سکڑ گئے جیسے وہ انور کا مضحکہ اڑانے کا ارادہ کر رہا ہو۔

"اس سلسلے میں آپ کا یہ سوال قطعی غیر متعلق معلوم ہوتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"بہر حال میں آپ کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ میں یہاں ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے جواب دوں یا ایک عام آدمی کی حیثیت سے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ دونوں حیثیتیں آپ کی شخصیت سے الگ نہیں کی جا سکتیں۔" انور نے انتہائی خشک لہجے میں کہا۔

"بحیثیت ڈاکٹر میرے ان کے تعلقات کاروباری ہیں اور بحیثیت ایک عام آدمی حویلی کی اکثر دعوتوں میں شرکت کر چکا ہوں۔ اگر تعلقات سے آپ کی مراد زیادہ ربط وضبط ہے تو میں اس کا قائل ہی نہیں۔ میرا کبھی کسی سے زیادہ ربط وضبط نہیں رہا۔"

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رشیدہ اور ڈاکٹر کی بہن دکھائی دیں۔ وہ نہایت بے تکلفی سے رشیدہ کی گردن میں ہاتھ ڈالے دواخانے سے آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے بجائے متانت اور سنجیدگی تھی۔ کپڑے بھی اس نے کافی سلیقے سے پہن رکھے تھے۔

"بھیا یہ میری سہیلی ہیں۔" وہ ڈاکٹر سے بولی۔

ڈاکٹر اُسے اس حال میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

"ٹھیک ہے سلیمہ......ٹھیک ہے۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن گردن میں ہاتھ نہیں ڈالا کرتے۔"

"کوئی پریشانی کی بات نہیں۔" رشیدہ مسکرا کر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

دونوں بیٹھ گئیں۔ سلیمہ کا ہاتھ اب بھی رشیدہ کی گردن میں تھا۔

"تم بہت اچھی ہو۔" وہ رشیدہ کے گال پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ "شاید تم شترمرغ کی بہن ہو۔"

"سلیمہ......!" ڈاکٹر ملتجیانہ انداز میں بولا۔

"آپ فکر مت کیجئے۔" رشیدہ نے پھر کہا۔

"رانی صاحبہ کے خاندان میں محمود سب سے زیادہ نیک ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا......؟" انور نے اچانک پوچھا۔

ڈاکٹر جو اپنی بہن کی طرف دیکھ رہا تھا چونک کر انور کی طرف مڑا۔

"محمود واقعی اچھا آدمی ہے۔ اس قصبے میں اس کا دم غنیمت ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"محمود......!" سلیمہ چیخ کر بولی۔ "وہ سُور کا بچہ ہے۔"

"سلیمہ خدا کے لئے۔" ڈاکٹر اٹھتا ہوا غمزدہ آواز میں بولا۔ پھر انور کی طرف متوجہ ہو کر معذرت کرنے لگا۔ "آپ جانتے ہیں کہ یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" انور آہستہ سے بولا۔ "اچھا اب ہم اجازت چاہیں گے۔"

"تم بھی جاتی ہو۔" سلیمہ رشیدہ کو کھینچ کر بٹھاتی ہوئی بولی۔ "نہیں میں تمہیں نہ جانے دوں گی۔" رشیدہ ہنسنے لگی۔

"اچھا میں نہیں جاؤں گی۔" رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر انور سے کہنے لگی۔ "تم جاؤ میں تھوڑی دیر بعد آؤں گی۔"

واپسی میں انور رشیدہ کی ذہانت کی تعریف کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ یقیناً کوئی کام کی بات معلوم کر کے واپس آئے گی۔

ادھر عمران نے صحن میں تین چار جال پھیلا رکھے تھے۔ اُن میں سے کچھ بوسیدہ تھے جن کی مرمت کی جا رہی تھی۔

"بھئی کمال کر دیا۔" انور مسکرا کر بولا۔ "ارے ایک کافی تھا۔"

"ان میں سے جو پسند ہو منتخب کر لیجئے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تفریحاً مچھلی کا شکار کر
والے کبھی جال استعمال نہیں کرتے لیکن پھر یہ سوچتا ہوں کہ شاید یہ جال آپ آسمان پر لگائی
انور صاحب میں کبھی آپ کو مشورہ نہ دوں گا۔ یہ آپ کے بس کا روگ نہیں معلوم ہوتا۔ شر
میں قصبے والوں نے کئی بہت بڑے بڑے عالموں کی اعانت حاصل کی تھی لیکن وہ منحوس پر
جوں کا توں رہا۔

"لیکن اب میں اسے جوں کا توں نہیں رہنے دوں گا۔" انور مسکرا کر بولا۔ "تم ذرہ بر
میں اس سلسلے میں تم سے اور کوئی مدد نہیں لوں گا۔"

"شاید آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں۔" عمران تلخ لہجے میں بولا۔

"یہ بات نہیں...... میں خود زیادہ بھیڑ نہیں چاہتا۔"

"آپ کی مرضی......!"

"ہاں ایک بات اور......" انور نے کہا۔ "آج ذرا ہوشیار رہنا۔ ممکن ہے کہ آج تمہار
ہی مکان کی باری ہو۔"

"مجھے اس کی فکر نہیں۔" عمران لاپروائی سے بولا اور انور چند سیکنڈ معنی خیز انداز میں ا
طرف دیکھتے رہنے کے بعد جال منتخب کرنے لگا۔ عمران اُسے تشویش آمیز نظروں سے دیک
تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بھاری غلطی کر بیٹھنے کے بعد پچھتا رہا ہو۔
انور اس کی طرف پلٹا۔

"ڈاکٹر نصیر کی بہن سلیمہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"آپ کے سوالات بڑے عجیب ہوتے ہیں۔" عمران کے لہجے میں تلخی تھی۔

"مطلب یہ ہے کہ وہ کافی خوبصورت ہے۔"

"ہاں ہے تو......!"

"سنا ہے محمود اس میں کافی دلچسپی لیتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔"

"تم نے کوشش کی۔" انور رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ قبلہ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا۔"

"کیوں؟ کیا تم اس سے ڈرتے ہو۔"

"آپ اس وقت دلچسپ باتیں کر رہے ہیں۔" عمران طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیا آپ کسی پاگل سے دوستی کر سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں؟ کیا تم رشیدہ کو پاگل نہیں سمجھتے۔"

"خیر آپ اب مذاق پر اتر آئے۔ میں سمجھا تھا شاید آپ سنجیدگی سے گفتگو کر رہے ہیں۔"

"بخدا میں قطعی سنجیدہ ہوں۔" انور نے کہا۔ "سلیمہ بہت آسانی سے۔"

"بس بس رہنے دیجئے۔" عمران ہنس کر بولا۔ "مجھے اپنی ناکارہ زندگی بہت عزیز ہے۔"

"کیوں؟ کیا وہ حملہ بھی کر بیٹھتی ہے۔"

"کیوں نہیں...... پچھلے ہی مہینے کی بات ہے کہ ایک صاحبزادے نے اسے چھیڑ دیا تھا۔ پھر اس نے اس کی ایسی مرمت کی کہ وہ ایک ہفتے تک پلنگ سے اٹھنے نہیں پائے۔ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے۔ اس نے کسی پاگل کتیا کی طرح ان کی بوٹیاں نوچ کر رکھ دی تھیں۔ پھر اس دن سے کسی کی ہمت نہیں پڑی اور ویسے وہ کسی سے بولتی بھی نہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ اُسے چھیڑنا خطرناک ہے۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن ایسی صورت میں بھی بعض بے جگر ایسے ہوں گے جو اسے چھیڑنے سے باز نہ آتے ہوں گے۔"

"یہ محض آپ کا خیال ہے۔" عمران سنجیدگی سے بولا۔ "جس وقت وہ گھر سے باہر نکلتی ہے پورے گاؤں میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ دراصل وہ روائت ہے؟ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس پرندے کا تعلق اسی کی ذات سے ہے۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔ اس کے ذہن میں کئی سوال ابھر آئے تھے۔ محمود اس سے کیوں خائف نہیں ہے؟ اور وہ دونوں جھیل کے کنارے کیا کر رہے تھے۔ اگر محمود اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا تو اس نے اس کی بوٹیاں بھی کیوں نہیں اڑا دیں۔ وہ سوچتا رہا اور عمران اٹھ کر چلا گیا۔ انور یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ عمران نے جس گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا تھا اب اس کی جگہ ایک قسم کی اکتاہٹ نے لے لی ہے۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ واپس آ گئی۔ انور اسے دیکھ کر مسکرایا اور جال چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"تو کیا تم سچ مچ شتر مرغ کی بہن ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"فضول باتیں مت کرو...... میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا ڈاکٹر کی بہن نے تمہاری بھی مرمت کر دی۔"

"مجھے اس سے ہمدردی ہے۔"

"اور اسی ہمدردی کی وجہ سے تمہارا موڈ خراب ہو گیا ہے۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔

"کوئی کام کی بات ہے؟"

"کچھ نہیں! یہ بھی میری ایک حماقت تھی۔ بھلا کسی مخبوط الحواس سے کوئی کام کی بات ہو سکتی ہے۔"

"خیر...... اچھا مجھے کام کرنے دو۔" انور پھر بیٹھ کر جال کی مرمت کرنے لگا۔

رشیدہ دوسری طرف چلی گئی۔ وہ بھی ضرورت سے زیادہ اکتا گئی تھی۔ اس کیس میں اسے ذرہ برابر بھی لطف نہیں آ رہا تھا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ابھی تک نہ تو انور اور نہ خود کوئی تھیوری بنا سکی تھی۔ بس چند واقعات کی بناء پر اندھیرے میں تیر چلائے جا رہے تھے۔

ان سب باتوں کے باوجود انور ہمت نہیں ہارا تھا۔ اس کا خیال کہ بعض اوقات بغیر سمجھے افعال بھی مقصد تک پہنچا دیتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے ساز کے پردوں پر بلا مقصد ہوئی انگلیاں غیر شعوری طور پر وہی دھن پیدا کر لیتی ہیں جس کیلئے وہ عرصے سے بے تاب تھیں۔ وہ مچھلیوں کے جال کو ایک خاص ڈھنگ سے ترتیب دیتا رہا۔

اور پھر سورج غروب ہونے سے قبل ہی جال سمیت جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

عجیب اتفاق تھا کہ رشیدہ کو اس دوران میں اچھا خاصا بخار ہو گیا اور اسے اتنی بھی سدھ نہ رہی کہ وہ انور کو اس کے ارادے سے باز رکھ سکتی اور عمران نے جانے کیوں انور سے رسماً یہ بھی نہ کہا کہ اسے اس کی مدد کی ضرورت تو نہ ہوگی۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور انور کسی ایسے درخت کی تلاش میں تھا جو اس کے خیالی نقشے کے احاطے میں ہو۔ اُسے یہ یقین تھا کہ وہ پرندہ آج بھی نمودار ہوگا مگر اس کا

کدھر ہو گا اس کا تصفیہ وہ نہ کر سکا۔ بادی النظر میں تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ آج عمران کے گھر کی باری ہے لیکن مجرم اتنا احمق نہیں ہو سکتا۔ وہ ابھی تک اس پرندے کو دوسروں کی گرفت سے محفوظ رکھنے کیلئے کافی احتیاط برت چکا تھا۔ انور کے خیال کے مطابق اس پر گولی پڑتے ہی جو دھماکہ ہوا تھا اس کا مقصد یہی تھا کہ پرندے کے چیتھڑے اڑ جائیں اور وہ کسی کے ہاتھ نہ لگ سکے۔

آہستہ آہستہ تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ آخر تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد اسے ایک موزوں درخت مل ہی گیا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ بمشکل ایک شاخ تک ہاتھ پہنچا تھا کہ کہیں قریب ہی سیٹیوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیں۔ بلکہ بالکل ویسی ہی جیسی حویلی میں آتشزدگی کے موقعے پر سنائی دی تھیں...... انور تھم گیا۔

وہ پھر نیچے اتر آیا اور اب وہ جھکا ہوا آہستہ آہستہ سیٹی کی آواز کی طرف رینگ رہا تھا۔ آوازیں جھیل کی سمت سے آ رہی تھیں۔ چند لمحوں کے بعد سناٹا چھا گیا لیکن انور بدستور جھیل کی سمت بڑھ رہا تھا۔

اچانک ایک زوردار گھونسہ اس کی کنپٹی پر پڑا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا اس کی گردن کسی کی آہنی گرفت میں تھی اور دو خونخوار آنکھیں جن سے درندگی ٹپک رہی تھی اس کے چہرے پر جھکی ہوئی تھیں۔ انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی قوت مدافعت زائل ہوتی جا رہی ہے۔ خونخوار آنکھوں کے دائرے وسیع ہوتے جا رہے تھے۔ تاریک پس منظر میں اس کے چہرے کے قریب دو انگیٹھیاں دہک رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ انگیٹھیاں بھی سرد ہو گئیں اور پھر تاریک رات سے زیادہ گہری تاریکی چھا گئی۔

نہ جانے کتنی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کے گال پر کوئی چیز رینگ رہی ہے جسے اس نے اضطرابی طور پر پرے جھٹک دیا اور بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

چاروں طرف مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ پہلے تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی بڑے صندوق میں بند ہے لیکن آہستہ آہستہ جب اس کی آنکھیں اس نئے ماحول کی عادی ہو گئیں تو پتہ چلا کہ وہ ایک خیمے کے نیچے بیٹھا ہے۔ داہنی طرف دروازے کے قریب دو موم بتیاں روشن تھیں۔ ایک طرف لکڑی کا ایک بے ہنگم سا تخت تھا جس پر ایک عجیب الخلقت آدمی بیٹھا اسے گھور

رہا تھا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں بے شمار کیڑے رینگنے لگے ہوں۔

انکشاف

یہ ایک قد آور اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ چہرے پر ڈاڑھی اور مونچھیں کچھ اس ب سے اُگی ہوئی تھیں کہ انور کو بے ساختہ کروندے کی جھاڑیاں یاد آ گئیں۔ اس کا چہرہ وحشیا تھا لیکن لباس مہذب دنیا کا تھا۔ شاید وہ انور کے استعجاب سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اس کی بوکھ دیکھ کر اسی کی گھنی مونچھوں میں جنبش ہوئی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ انور کا ہاتھ آہستہ آہستہ ج طرف بڑھ رہا تھا۔

"بیکار ہے بیٹے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ تمہارا پستول تمہارے میں رہنے دیتا۔"

"میں سگریٹ کا پیکٹ نکالنے جا رہا تھا۔" انور لاپروائی سی بولا۔

"تمہاری دلیری کا میں معترف ہوں۔" اس نے کہا اور انور کو عجیب نظروں سے دیکھ

انور نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ منتخب کر کے دیا سلائی ڈھونڈنے

"تمہاری دیا سلائی میرے پاس ہے۔ عجیب الخلقت آدمی نے دیا سلائی کی ڈبیا طرف پھینک دی۔"

انور سگریٹ سلگا کر کھڑا ہو گیا۔

"تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔" خوفناک چہرے والا بھی اٹھتا ہوا بولا۔

"میں اس ارادے سے نہیں اٹھا۔" انور مسکرایا۔ "وہ اتنے اطمینان کے ساتھ سگریٹ تھا جیسے اپنے کمرے میں ہو۔ اس کے چہرے پر معصومیت پھیل گئی تھی اور وہ اتنا بھولا دینے لگا تھا جیسے دنیا کے نشیب و فراز سے بالکل ناواقف ہو۔"

"انور یہاں تمہاری کوئی مکاری نہیں چل سکے گی۔"

"مکاری......!" انور معصومانہ انداز میں بولا۔ "میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ تم میرے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ میں مہاتما بدھ کا سچا پیرو ہوں۔"

"اگر واقعی میری موت آ گئی ہے تو میں تمہاری بات پر ضرور یقین کر لوں گا۔" وہ ہنس کر بولا۔

"کل تمہیں نے مجھے جھیل کے کنارے اٹھا کر پھینک دیا تھا۔" انور نے اچانک پوچھا۔

"ہاں کیوں کیا مجھے ایسا نہ کرنا چاہئے۔" وہ تمسخر آمیز لہجے میں بولا۔

"نہیں مجھے خوشی ہوئی تھی۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم خواہ مخواہ اس معاملے میں آ کودے۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں۔"

"میں بھی محض تمہارے عشق میں گرفتار ہو کر ان جنگلوں کی خاک چھان چھان کر پھانکتا پھر رہا ہوں۔" انور نے کچھ اس انداز میں کہا کہ وہ بیساختہ ہنس پڑا۔

لیکن انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"کیا مطلب......!" وہ چونک کر بولا اور دفعتاً سنجیدہ ہو گیا۔

"یہی کہ تم سچ مچ اتنے نیک نہیں ہو جتنا کہ سمجھے جاتے ہو۔"

"یعنی......!"

"یعنی یہ کہ آتشی پرندے سے زیادہ میں اس پاگل لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

وہ انور کو گھورنے لگا غالباً وہ اس کا فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے جواب میں کیا کہے۔ دفعتاً وہ گرج کر بولا۔ "تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے۔"

"اگر میں تمہیں نہ پہچانتا تو......!" انور نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں چھوڑ دیتا...... کیونکہ کسی بے گناہ کے خون سے ہاتھ رنگنا پسند نہیں کرتا۔"

"اور ان لوگوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جن کے گھر تم نے پھونک دیئے۔" انور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں اس سے کیا سروکار......!" وہ جھلا کر بولا۔

"سروکار نہ ہوتا تو میں یہ زحمت ہی کیوں مول لیتا۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم جیسا ذہین آدمی میرے ہاتھوں مارا جارہا ہے۔ کاش تم پہچانا نہ ہوتا۔ مگر کون جانے ممکن ہے یہ بھی تمہاری چال ہو۔"

انور اس طرح ہنس پڑا جیسے وہ اس سلسلے میں جھوٹ بولا ہو۔

"تم مجھ سے زیادہ چالاک معلوم ہوتے ہو۔" انور بے اختیار بولا۔

"خیر...... خیر...... برخوردار اب مجھے اور زیادہ گھسنے کی کوشش نہ کرو۔ تم اس طرح اپنی نہیں بچا سکتے۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ تم مجھے پہچان گئے ہو۔"

"خیر مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" انور لاپروائی سے بولا۔ "میں بے شک تمہیں پہچان ہوں۔ میں نے کل ہی پہچان لیا تھا۔ دیکھو عمران تم میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔"

عجیب الخلقت آدمی نے قہقہہ لگایا۔

"دیکھو انور تم درحقیقت اتنے چالاک نہیں جتنا خود کو سمجھتے ہو۔ اب تم عمران کا نام لے اپنی جان بچانے کی کوشش کررہے ہو۔ ابھی ابھی تم نے ایک زبردست غلطی کی ہے جسے پیش رکھتے ہوئے میں تمہارے فقروں میں نہیں آسکتا۔"

"کیسی غلطی......!"

"پاگل لڑکی کا تذکرہ۔ بھلا عمران کو اس کی ذات سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔"

"تعلق میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" انور معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"یعنی......!"

"تمہیں محمود سے دشمنی ہے۔ محض اس لئے کہ تمہاری شادی شاہدہ سے نہ ہوسکی۔ تمہیں اتفاق سے علم ہوگیا کہ محمود ڈاکٹر کی بہن میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اس پر تم نے شاہدہ کو محمود کے خلاف اکسایا اور شاہدہ کا انتقامی جذبہ اس شدت سے ابھار دیا کہ وہ کل رات کو جھیل کے کنارے دونوں پر گولی چلانے سے بھی باز نہ آئی۔ قصبے میں تم لوگوں کے گھر پھونک رہے ہو جن سے دشمنی رکھتے ہو میں نہیں جانتا کہ تمہاری آئندہ سکیم کیا ہوگی۔ بہرحال یہ مسلمہ ہے کہ تم محمود کو ختم کردینے کی فکر میں ہو۔ مگر اس طرح کہ اس کا الزام دوسروں کے سر جائے۔ ممکن ہے کہ تم اس سلسلے میں ڈاکٹر نصیر اور محمود کو بھی الجھانے کی کوشش کرو۔"

انور خاموش ہوگیا اور وہ خاموشی سے انور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کسی الجھن میں مبتلا ہوگیا ہو۔

"بہرحال تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" وہ تخت پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "اور میں تمہیں ابھی ختم کئے دیتا ہوں۔"

"ختم کرنے کے لئے کون سا طریقہ استعمال کرو گے۔" انور اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے لاپروائی سے بولا۔

"تم ایکٹنگ بہت اچھی کرلیتے ہو۔" وہ ہنس کر بولا۔ "لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم خوفزدہ ہو۔"

"ممکن ہے۔" انور نے کہا اور اس طرح اپنی ٹائی کھول کر پھینکی جیسے اُسے گرمی لگ رہی ہو۔ قمیض کے بٹن بھی کھول دیئے۔

"تم میرے لئے بڑی آسانیاں پیدا کررہے ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "میں تمہارا گلا گھونٹ کر تمہیں ماروں گا۔"

انور کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہوگئے۔ اس کی سانسیں تیز ہوگئیں اور وہ بے بسی سے زمین پر بیٹھ گیا۔

"عمران میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہاں سے چپ چاپ چلا جاؤں گا۔" انور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

عجیب الخلقت آدمی نے قہقہہ لگایا۔ "تم مکار ہو۔ میں تم پر اعتماد نہیں کرسکتا۔"

"تم جانتے ہو کہ محمود سے میرا جھگڑا ہوگیا ہے۔"

"ممکن ہے یہ بھی تمہاری مکاری ہو۔"

"تو پھر اب اس سے زیادہ اپنی صفائی میں کچھ اور نہیں کہہ سکتا۔" انور نے کہا اور سر جھکالیا۔ اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔ لیکن اس کے دونوں ہاتھ بُری طرح مشغول تھے۔ وہ خوفناک آدمی آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کا چہرہ حیرت انگیز طور پر ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اندھا، گونگا اور بہرہ ہو۔ اس کی

آنکھیں انور کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ ڈرامائی انداز میں اس کی طرف بڑ
رہا تھا۔ انور گھبرا کر کھڑا ہو گیا اس وقت سچ مچ اُسے اس کا چہرہ خوفناک معلوم ہونے لگا تھا۔

انور پھرتی سے دو قدم پیچھے ہٹا اور اس کی ٹانگ کوندے کی لپک کی طرح آگے بڑھ
ہوئے وحشی کی کنپٹی سے جا لگی۔ اس کے منہ سے ایک دبی سی چیخ نکلی اور دوسرا قدم زمین پر پڑ
سے پہلے ہی وہ لہرا کر گر پڑا۔ انور کی ٹانگ کے سرے پر پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جھول رہا تھا۔ ا
نے جھک کر دیکھا خوفناک چہرے والا بیہوش ہو چکا تھا۔ انور نے اس کے دونوں ہاتھ ٹائی
اس کی پشت پر باندھ دیئے اور اس کی جیبوں کی تلاشی لینے لگا جس سے اس کی ٹارچ اور پیٹر
برآمد ہوئے۔

اس کی تیز نظریں خیمے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہاں کچھ زیادہ سامان نہ تھا۔ دفعتاً ایک
چھوٹے سے صندوق نے انور کی توجہ اپنی طرف منعطف کرا لی۔ صندوق تخت کی آڑ میں تھا
وہاں تک موم بتیوں کی روشنی اچھی طرح نہیں پہنچ رہی تھی۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے خود صند
سے ہلکی ہلکی روشنی نکل رہی ہو اور جب اس نے صندوق کھولا تو اُس کے منہ سے حیرت آمیز
نکل گئی۔ یہ روشنی ایک بوتل میں بھری ہوئی کسی سیال شے کی تھی۔ آگ کی طرح دہکتا ہوا عرق
انور نے موم بتیاں بجھا دیں اور اس عرق کی چمک پہلے سے زیادہ ہو گئی...... اس نے بوتل اپ
جیب میں ڈال لی اور موم بتیاں پھر روشن کر دیں۔

پھر وہ خیمے سے باہر نکل آیا اور ٹارچ کی روشنی چاروں طرف ڈالنے لگا۔ کروندے
جھاڑیاں چاروں طرف سے خیمے پر اس طرح جھکی ہوئی تھیں کہ وہ ان میں چھپ کر رہ گیا
داہنے طرف لکڑی کا ایک کابک بنا ہوا تھا جس میں سے کبھی کبھی کسی کبوتر کی آواز سنائی دے رہ
تھی۔ انور نے کابک کھول کر ایک کبوتر نکالا اور بوتل سے عرق نکال کر اس پر ملنے لگا۔ دیکھتے
دیکھتے آتشی پرندہ تیار ہو گیا۔ پھر انور نے اسے اڑا دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک چکر کاٹ کر پھر کابک
آ گرا۔ اس نے اسے بند کر دیا اور خیمے میں لوٹ آیا۔

وہ خوفناک آدمی ہوش میں آ گیا تھا اور اب بیٹھا ہوا اپنی پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں
کھول ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"قطعی بے سود ہے......" انور جیب سے ریوالور نکالتا ہوا بولا۔ "تمہاری دوسری کوشش تمہیں جہنم میں پہنچا دے گی۔"

وہ اسے بے بسی سے دیکھنے لگا۔

"ڈاکٹر نصیر! تم طاقتور ضرور ہو مگر چالاک نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "تمہاری یہ گھنی ڈاڑھی صرف تمہارا چہرہ چھپا سکتی ہے آواز نہیں۔ آواز بدل دینا ایک مشکل فن ہے اور تم ابھی اس میں کچے ہو۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے جرائم کی عمر کتنی ہے اور اس حماقت کا کیا مقصد تھا۔"

ڈاکٹر نصیر تحیر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم عادی مجرم نہیں معلوم ہوتے۔" انور نے آہستہ سے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نصیر مضمحل آواز میں بولا۔ "اپنی بہن کی طرح میں بھی پاگل ہو گیا ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ سب کچھ بھول گئی ہے لیکن مجھے وہ بات یاد ہے جس کی بناء پر اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

ڈاکٹر نصیر تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر دفعتاً گرج کر بولا۔ "کیا تم اُسے کبھی معاف کر سکتے ہو جو تمہاری بہن کی زندگی برباد کر دے۔"

"ہرگز نہیں۔" انور دلچسپی کا مظاہرہ کرتا ہوا بولا۔ "لیکن پورے قصبے والے تو اس حرکت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔"

"انتقام کا جذبہ اندھا کر دیتا ہے۔" نصیر بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

"میں ایک خاص اسکیم کے تحت محمود کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے ابھی تک اس کا موقع نہ مل سکا۔ گاؤں والوں کو تو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ پرندے کے پیچھے کوئی مافوق الفطرت چیز کام کر رہی ہے۔ میں کسی دن محمود کو کسی جھونپڑے میں باندھ کر پھونک دیتا۔ اس طرح کسی کو مجھ پر شبہ بھی نہ ہوتا اور میرے انتقام کی آگ بھی بجھ جاتی۔"

"لیکن محمود......!" انور اپنا جملہ پورا نہ کر سکا۔

"تم محمود کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ آج سے تین سال قبل جب ہم شہر میں رہتے

تھے محمود نے سلیمہ کو محبت کا فریب دیا تھا۔ وہ اس سے کھیلتا رہا اور جب جی بھر گیا تو اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر سننے میں آیا کہ اس نے اپنے خاندان میں شادی کر لی ہے حالانکہ اس نے سلیمہ سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ سلیمہ اس صدمے کی تاب نہ لا سکی اور اس کا دماغی توازن بگڑ گیا۔ میں اسے بے حد چاہتا ہوں۔ دنیا میں اس کے سوا میرا اور کوئی نہیں۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ وہ ٹھیک ہو جائے لیکن میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر ایک سائیکو انیلیسیٹ نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اُسے ان ماحول انہیں حالات میں دوبارہ لے جانے کی کوشش کروں جن میں اس کا دماغ خراب ہوا۔ اس نے امید دلائی تھی کہ اس طرح اس کا ذہنی توازن ٹھیک ہو جائے گا پھر میں نے اسی مشورہ کے تحت یہاں ہری پور میں سکونت اختیار کر لی۔ محمود اور میں ایک دوسرے کے لئے انجان بنے رہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ یہ بھی کر کے دیکھا لیکن کچھ نہ ہوا۔ سلیمہ بدستور پاگل رہی پھر میرا جذبۂ انتقام بھڑک اٹھا۔ قصبے میں میں بہت جلد مقبول ہو گیا تھا اور اب میری یہاں اتنی قدر و منزلت ہے کہ خود حویلی والوں کی بھی نہ ہو گی۔ بہرحال میں اپنے اس فعل پر قطعی نادم نہیں ہوں۔ میں عدالت میں چیخ چیخ کر اپنے جرموں کا اعتراف کروں گا اور اس کی قلعی کھولوں گا جسے ہری پور والے فرشتہ سمجھتے ہیں۔''

''نہیں اس کی نوبت نہیں آنے پائے گی۔'' انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''لیکن تم نے کئی گناہوں کے گھر بھی پھونکے ہیں۔''

''مجھے افسوس ہے۔ انتقامی جذبے نے مجھے سچ مچ پاگل کر دیا تھا۔''

انور نے اس کے ہاتھ کھول دیئے اور ڈاکٹر حیرت آمیز نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

''میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کروں گا۔'' انور بولا ''سزا کا مستحق محمود ہے۔''

''لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ محمود کبھی نہ کبھی میرے ہی ہاتھ سے مارا جائے گا۔'' نصیر بے اعتمادی کے ساتھ بولا۔

''مجھے اس سے غرض نہیں۔'' انور لاپروائی سے بولا۔ ''میں خود انتقام کا قائل ہوں اور اسے درست سمجھتا ہوں۔ میں تو اس پرندے کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا تھا جو مجھے معلوم ہو گئی۔ لیکن اُس دھماکے کا کیا راز تھا۔''

''ایک ننھا سا بم......!'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''جو میں محض اس مقصد کے تحت کبوتر کے پیٹ میں باندھ دیتا تھا کہ اُسے مار گرانے والے کو اس کا راز نہ معلوم ہو سکے۔''

''بہت خوب......! اور وہ عرق......!''

''یہ میری اپنی ایجاد ہے۔ فاسفورس کا کیمیائی حل جس میں شعلگی تو قائم رہتی ہے لیکن حدت ختم ہو جاتی ہے۔''

''کیا مجھے اس کا فارمولا دے سکو گے۔'' انور نے پوچھا۔

''لے لینا......!'' ڈاکٹر نصیر نے کہا۔ ''لیکن مجھے اب بھی تم پر اعتماد نہیں۔''

''تم مطمئن رہو...... میرا کام ختم ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ مایوسی بھی ہوئی۔''

''کیسی مایوسی۔'' ڈاکٹر چونک کر بولا۔

''یہ کیس زیادہ دلچسپ اور خطرناک نہ ثابت ہوا۔'' انور نے کہا۔ ''اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ تم عادی مجرم نہیں ہو۔''

دونوں گفتگو کرتے ہوئے چل پڑے۔ دشوار گذار جھاڑیوں سے گذرتے ہوئے وہ ایک غار میں اتر گئے اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ جھیل کے کنارے تھے۔ یہاں غار کا دہانہ تنگ ہو گیا تھا اور اونچی اونچی گھاس سے تقریباً چھپا ہوا تھا۔

''تو تم اس رات کو یہیں غائب ہوئے تھے۔'' انور نے پوچھا۔

''ہاں......!'' ڈاکٹر نصیر نے آہستہ سے کہا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ جنگل میں پھیلی ہوئی بیکراں تاریکی نے انہیں اپنے دامن میں چھپا لیا۔

دوسرے دن انور اور رشیدہ ہری پور سے شہر کی طرف جا رہے تھے۔

''تم نے اسے چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔'' رشیدہ بولی۔

''میں نے بہت اچھا کیا...... محمود اس قابل ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔''

''کیا تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ اس نے تمہیں بے عزت کیساتھ اپنے گھر سے نکال دیا۔''

''نہیں یہ بات نہیں۔ اسکی یہ حرکت ایسی نہیں تھی کہ میں اس کی جان کا گاہک بن جاتا۔''

''اگر ڈاکٹر نے پھر وہی حرکتیں شروع کیں تو۔''

''نہیں اب وہ ایسا نہیں کرے گا۔ البتہ محمود کے بارے میں اس نے صاف صاف کہا تھا کہ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''مگر......!''

''چپ رہو......اب میں ہری پور کے متعلق ایک بات بھی نہیں سن سکتا۔ ختم کرو اس قصے کو۔''

''اچھا اگر تم نے مجھے دھوکا دیا تو......!'' رشیدہ ادھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ ''سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔''

''لیکن میں تم سے محبت کب کرتا ہوں۔ میں نے تم سے کبھی یہ نہیں کہا۔''

''لیکن میں تو کرتی ہوں۔'' رشیدہ نے دانت پیس کر کہا اور اس کے دونوں کان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے۔

انور نے ایک چانٹا رسید کر دیا۔ لیکن رشیدہ کا جوابی تھپڑ زوردار تھا۔ انور نے اس کے گھونگھریالے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لئے۔ رشیدہ چیخنے لگی اور پھر انور کی ناک پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ بلبلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔

''جنگلی!'' رشیدہ نے آہستہ سے کہا اور غسل خانے کی طرف چلی گئی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 16

خونی پتھر

(مکمل ناول)

پیش لفظ

انور سیریز کا چوتھا ناول پیش کر رہا ہوں۔ یہ اس سیریز کا چوتھا اور آخری معمولی شمارہ ہے۔ پانچواں ناول اس سیریز کا خاص نمبر ہوگا جس میں انور اور رشیدہ کے ساتھ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید بھی ہوں گے۔ میرا ارادہ تو یہی تھا کہ انور اور رشیدہ کے بارہ ناول پیش کروں گا لیکن اتفاق سے میرے پڑھنے والوں میں دو گروہ ہوگئے ایک کا مطالبہ ہے کہ ''فریدی اور حمید'' سیریز پھر سے شروع کیا جائے اور دوسرا انور سیریز کو بھی پسند کر رہا ہے۔ بہرحال تعداد انہی لوگوں کی زیادہ ہے جو ''جاسوسی دنیا'' میں صرف فریدی اور حمید کے کارنامے دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ شمارے (خاص نمبر) سے پھر فریدی اور حمید کے کارنامے شروع کردوں۔

پیش نظر ناول ''خونی پتھر'' میں ایک حیرت انگیز داستان ہے جو ایک سیاہ رنگ کے بیش قیمت پتھر کی چوری سے شروع ہوتی ہے اور ایک بھیانک موڑ پر پہنچ کر ختم ہوجاتی ہے۔ جواں سال

پرائیویٹ جاسوس انور اس ناول کے شروع میں ہی ایک بھیانک جال میں پھنس جاتا ہے۔ کیا وہ درحقیقت جال تھا؟ پروفیسر تیموری کو کس نے قتل کیا تھا۔ اس کے بعد پھر ایک قتل اور کیا رابعہ قاتل تھی؟ پروفیسر تیموری کے سیکریٹری کو بھی آپ قاتل سمجھیں گے، گلوریا بھی آپ کو قاتل ہی معلوم ہوگی اور سر صغیر احمد تو سو فیصدی قاتل تھا۔ اس ناول کا ہر کردار آپ کو قاتل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقتاً قاتل کون تھا؟ یہ معلوم کرکے آپ انگشت بدنداں رہ جائیں گے اور قتل کا مقصد؟ وہ بھی قاتل ہی کی طرح حیرت انگیز ثابت ہوگا، ''انور اور رشیدہ'' کی دلچسپ نوک جھونک۔ سرکاری جاسوس انسپکٹر آصف سے جھڑپیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہتیری دلچسپیاں۔

ابن صفی

پتھر کی واپسی

انور ایک گھٹیا سے ہوٹل میں بیٹھا سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ اسے ح
ہو رہی تھی کہ آخر اُسے مدعو کرنے والی نے اس نامعقول ہوٹل کو کیوں منتخب کیا۔ اسے
درجے کا ہوٹل بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ویسے اس کے مالک نے کوشش تو یہی کی تھی کہ ا
درمیانے یا اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں کی نقل بنا دے اور شاید ایسا ہو بھی سکتا تھا مگر ملازمین یا
پیدائشی لاپروائی اور بدسلیقگی نے اس کی کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ یہاں متعدد کیبن ضرو
لیکن ان کے پردے یا تو بوسیدہ تھے یا گندے۔ تھری پلائی وڈ کے پارٹیشنوں پر جگہ جگہ
لکھ کر جوڑے گئے تھے کہیں کہیں پان کھانے والوں کی کتھے اور چونے بھری انگلیوں کے نشا
بھی دکھائی دے رہے تھے۔ دیواروں پر برسوں پرانی تصویریں تھیں۔ جن پر نہ جانے کب
گرد کی تہیں جمتی چلی آ رہی تھیں۔ ان تصویروں کے درمیان کچھ طغرے بھی تھے جہاں کہ
سے جگہ بچ گئی تھی وہاں گاہکوں کے لئے ضروری ہدایات لکھ کر چپکا دی گئی تھیں۔ کچھ تحریریں
غیر متعلق تھیں جنہیں انور بالترتیب پڑھ پڑھ کر الجھ رہا تھا۔

اُن کی ترتیب کچھ اس قسم کی تھی۔

"براہِ مہربانی فرش پر مت تھوکئے۔"

"واپس ملی ہوئی رقوم کی اچھی طرح جانچ کر لیجئے۔"

"اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

"ملازمین سے جھگڑا کرنے کے بجائے اپنی شکایات کا اظہار منیجر سے کیجئے۔"

"شہنشاہ ایران زندہ باد۔"

"غسل خانہ اندر ہے۔"

"نصرٌ مِنَ اللہِ فتحٌ قریبٌ"

"سو روپے کے نوٹ کی ریزگاری نہیں ملے گی۔"

"طلب کی ہوئی اشیاء واپس نہیں لی جاتیں۔"

"اسلام زندہ باد۔"

"سیاسی گفتگو سے پرہیز کیجئے۔"

"قیامت ضرور آئے گی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔"

"نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ خریدئیے۔"

"پیٹ کے امراض کا واحد علاج چورن انار دانہ۔"

انور ان سب کو تیرہ چودہ بار دہرا چکا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ قبل وہ یہاں پہنچا تھا اور اب انتظار کی معینہ مدت میں صرف دس منٹ اور باقی رہ گئے تھے۔ وہ یہاں کچھ عجیب و غریب حالات کے تحت آیا تھا۔ آج آفس میں اُسے کسی گم نام عورت کا خط ملا تھا جس میں اس نے اس سے استدعا کی تھی کہ وہ مذکورہ ہوٹل میں ایک بج کر پچیس منٹ تک اس کا انتظار کرے۔ اسے کسی بہت ہی اہم معاملے میں انور کی مدد درکار تھی۔ اس نے خط میں اس کیبن کا نمبر بھی لکھ دیا تھا جس میں ان دونوں کو ملنا تھا۔

انور کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا کہ اُسے ایسے ہوٹل میں کسی نے مدعو کیا تھا۔ اُس سے عموماً وہی لوگ مدد لیا کرتے تھے جو کسی وجہ سے محکمہ پولیس سے رابطہ قائم کرنے میں ہچکچاتے تھے اور ایسے لوگ ابھی تک سو فیصدی دولت مند ہی ثابت ہوئے تھے ظاہر ہے کہ کسی پرائیویٹ جاسوس کے اخراجات کا بار عام آدمی نہیں اٹھا سکتا۔ لہٰذا انور کے لئے یہ چیز خاصی الجھن کا باعث بن گئی تھی کہ اگر وہ دولت مند ہے اور کسی اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہے تو اُس نے ایسے ہوٹل کا انتخاب کیسے کیا۔

اس کی نظریں پھر دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف اٹھیں۔ پانچ منٹ اور باقی رہ گئے تھے۔ بیس منٹ اُس نے کسی نہ کسی طرح گذار دیئے تھے۔ لیکن یہ پانچ منٹ اس کے خیال کے

مطابق وبال جان بننے والے تھے۔ اس دوران میں ہوٹل کے کئی گندے لڑکے اس کے آرڈر لئے کیبن کا چکر لگا چکے تھے حالانکہ انہیں یہ معلوم ہوگیا تھا کہ وہ کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ لیکن بھی ان میں سے ایک نہ ایک تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کیبن کے سامنے آ کھڑا ہوجاتا شاید اس رویے کی محرک معقول قسم کی ٹپ کی توقع تھی۔ آخر وہ پانچ منٹ بھی گذر گئے۔ انور کر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک نوجوان عورت کیبن کے سامنے آ کر رکی۔ اس نے معمولی سی سفید ساڑی باندھ رکھی تھی۔ پیر میں سیاہ پینٹ کے پرانے سینڈل تھے جن کا کہنگی کی وجہ سے جگہ جگہ سے چٹخا ہوا تھا۔ عمر بمشکل انیس بیس کی رہی ہوگی۔ جسم صحت شخصیت جاذب توجہ تھی۔ حسین بھی تھی لیکن اتنی نہیں کہ اس پر شعر کہے جاسکیں۔ آنکھوں ہچکچاہٹ یا شرمیلے پن کے بجائے ایک عجیب قسم کی بے تعلقی تھی۔ وہ ایک لمحہ تک انور کو تنقیدی نظروں سے دیکھتی رہی پھر مسکرا کر آگے بڑھی۔

"مسٹر انور......!" اس نے کیبن میں داخل ہو کر آہستہ سے کہا۔

"آپ کا خیال صحیح ہے۔" انور اٹھنے کی بجائے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

"کیا مجھے دیر ہوگئی۔" اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"آپ کا یہ خیال بھی صحیح ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "آپ دو منٹ دیر سے پہنچیں"

"مجھے افسوس ہے کیا آپ دوپہر کا کھانا کھا چکے ہیں۔ میں آپ کو یہ لکھنا بھول گئی تھی ہم کھانا بھی ساتھ ہی کھائیں گے۔"

"کیا آپ اس ہوٹل میں۔" انور چونک کر بولا۔

"جی ہاں......کیوں؟"

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے چھپکلیوں اور چوہوں کا قورمہ قطعی مرغوب نہیں۔" وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"بھئی آپ ٹھہرے بڑے آدمی۔" وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔ "ہم غریب لوگ تو یہی سب کھانے کے عادی ہیں۔"

انور اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھیں اس کے نرم و نازک ہاتھوں

تھا شاید وہ سوگئی تھی۔ انور اندر لوٹ آیا۔ باہر والے کمرے میں اُس نے دوبارہ روشنی نہیں کی۔ اندر کے کمرے میں جا کر اُس نے کپڑے پہنے اور احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا پھر باہر آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ گیرج سے موٹر سائیکل نکال رہا تھا۔

سونا گھاٹ والی کچی سڑک سنسان پڑی تھی۔ آسمان پر سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ رات یوں بھی تاریک تھی۔ بادلوں کی وجہ سے ستاروں کی دھندلی روشنی بھی غائب ہوگئی تھی۔ سڑک کے گرد اُگی ہوئی جھاڑیاں حشرات الارض کی آوازوں سے گونج رہی تھیں۔

انور نے موٹر سائیکل سونا گھاٹ کے ادھر ہی ایک میل کے فاصلے پر جھاڑیوں میں چھپا دی اور پیدل چلنے لگا۔

تیمور منزل کے تاریک آثار دور سے نظر آ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں انور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ایک بہت ہی پُراسرار عمارت میں داخل ہوتا جا رہا ہے اور وہاں ضرور کوئی حادثہ پیش آئے گا۔ اُسے پروفیسر تیموری کا چہرہ یاد آ گیا۔ چھوٹی چھوٹی دھندلی آنکھیں جن کی دھندلاہٹ اپنے پس منظر میں کوئی پُراسرار چیز چھپائے ہوئے تھی۔ انور اس وقت سوچ رہا تھا کہ اس نے تار جام میں سیاہ پتھر کا تذکرہ چھیڑ کر غلطی کی تھی۔ اگر واقعی یہ پتھر پروفیسر تیموری کے یہاں سے چرایا گیا تھا تو سیاہ پتھر کے تذکرے پر اس کا مشکوک ہو جانا قطعی قدرتی امر ہے۔ پھر کئی خدشات اُس کے ذہن میں ابھر آئے جنہیں وہ سگریٹ کے گہرے کشوں سے دبانے کی کوشش کرنے لگا۔

پروفیسر تیموری کی پچھلی زندگی سے اُسے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ ویسے آج کل شہر اور اس کے قرب و جوار کے حصوں میں وہ کافی مالدار سمجھا جاتا تھا۔ ارضیات پر اس نے دو تین کتابیں بھی لکھی تھیں اور ارضیات کے طلباء میں غیر معروف نہیں تھا۔ کسی زمانے میں یونیورسٹی میں ارضیات کا معلم بھی رہ چکا تھا۔ شہر میں اس کے دو تین بنگلے تھے لیکن سب کرائے پر اٹھے ہوئے تھے اور وہ خود ایک غیر آباد مقام پر اقامت گزیں تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا عمارت درختوں کی اوٹ میں چھپتی جا رہی تھی۔ وہ پھاٹک کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اُس نے پھاٹک کو ہلکا سا دھکا دیا اور وہ کھل گیا۔ سامنے ایک طویل روش تھی

جس کے دونوں طرف اونچے اونچے درخت تھے۔ وہ احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔ روش عمارت کے صدر دروازے کے سامنے ختم ہوگیا۔ چاروں طرف اندھیرا اور سناٹا چھایا ہوا تھا کے اندر بھی زندگی کے آثار مفقود معلوم ہورہے تھے کسی کھڑکی یا روشندان سے بھی روشنی دی۔ انور ایک لمحہ کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر جیب سے کنجیاں نکال کر انہیں آزمانے لگا۔

دروازہ کھل گیا...... اندر اندھیرا تھا...... انور نے برقی لیمپ نکالا اور اس کی ناقابل انتشار روشنی میں آگے بڑھنے لگا۔ وہ ایک وسیع ہال سے گزر رہا تھا۔ آگے چل ہاتھ پر ایک دوسرا دروازہ دکھائی دیا انور نے دوسری کنجی لگائی۔ دروازہ کھل گیا انور اندر ہی والا تھا کہ کہیں کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ وہ دیوار سے چپک گیا اور پھر اچانک قوت شامہ نے ایک خاص قسم کی خوشبو کا تجربہ کیا اس نے نتھنے سکوڑ کر ایک گہرا سانس معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس خوشبو کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلینے کی کوشش کررہا ہو۔

وہ آہستہ سے کمرے میں داخل ہوگیا۔ سب سے پہلے اُس کے ٹارچ کی روشنی پڑی۔ لڑکی کے بیان کے مطابق اسی طرف وہ شوکیس رکھا ہوا ملا جس میں وہ پتھر رکھتا میں کئی خانے تھے جن میں مختلف قسم کے پتھروں کے ننھے ننھے ٹکڑے رکھے ہوئے خانے کے نیچے پتھروں کے ناموں کی چٹیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک خانہ خالی تھا جس کے پکھراج'' تحریر تھا۔ انور نے شوکیس کھول کر پتھر اس میں رکھ دیا اور واپس ہونے کے لیکن ٹارچ کی روشنی کمرے کے فرش پر پڑتے ہی یک بیک اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ پروفیسر تیموری زمین پر چت پڑا تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوفناک حد تک تھیں۔ چہرے پر آخری وقت کی تشنجی کیفیت نہ مٹنے والے نشانات چھوڑ گئی تھی۔ سر کے مقدار میں خون پھیلا ہوا تھا۔ انور نے ٹارچ بجھا دی اور کچھ سننے لگا۔ دور کہیں موٹر کی آواز دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے شوکیس کے قریب آیا اور جیب سے رومال نکال کر اُسے کرنے لگا۔ اس کے بعد پھر اُس نے چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ سامنے ایک آیا جس کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ یہ شاید پروفیسر کے سونے کا کمرہ تھا۔ پلنگ کے سرہانے بڑے سے فریم میں کسی عورت کا فوٹو لگا ہوا تھا۔ خدوخال کے اعتبار سے یہ ایک خوبصورت

کہی جاسکتی تھی۔ رنگت چاہے جیسی رہی ہو۔ اس تصویر کے علاوہ یہاں اور کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے آرائشی سمجھا جاسکتا۔ سامنے کی دیوار میں ایک کھڑکی تھی جو کھلی ہوئی تھی۔ انور نے معنی خیز انداز میں سرہلایا اور ٹارچ کی روشنی میں کھڑکی کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اُس کے ہونٹ مایوسانہ انداز میں سکڑ گئے۔ لیکن یہاں وہ قاتل کا پتہ لگانے تو نہیں آیا تھا۔ ہوسکتا ہے سب کچھ اُسے پھنسانے کے لئے کیا گیا ہو۔ انور واپس جانے کا ارادہ کرہی رہا تھا کہ مکان کے کسی حصے میں قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔

''یہ تو بالکل اندھیرا ہے۔'' ایک آواز سنائی دی اور انور چونک پڑا۔ یہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر آصف کی آواز تھی۔ انور نے کھڑکی پر دونوں ہاتھ ٹیک کر دوسری طرف چھلانگ لگادی۔ چہار دیواری پھلانگنے میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی اور وہ اب اپنی پوری قوت سے اُس طرف دوڑ رہا تھا جہاں اس نے اپنی موٹر سائیکل چھپائی تھی۔

جاسوس کی دھمکی

انور تھوڑی ہی دیر سویا تھا کہ رشیدہ نے اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگادیا۔ چھ بج گئے تھے۔ وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا۔

''کیا ہے؟''

''انسپکٹر آصف......!'' رشیدہ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''اوہ......!'' انور نے لاپرواہی سے کہا اور پھر لیٹ گیا۔ ''اُس سے کہہ دو کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا۔''

''مگر میرے ننھے گڈے تم نے وہ حرکت کی ہے کہ تمہیں اٹھنا ہی پڑے گا۔''

''کیا......؟''

''پروفیسر تیموری کو کسی نے قتل کردیا۔''

''میرے لئے یہ خبر بہت پرانی ہوچکی ہے۔'' انور نے لاپروائی سے کہا اور تکئے کے نیچے

ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

"لیکن کچھ اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والی خبر ہے۔"

"کیا....؟"

"یہ آئی ا سے پوچھنا......! اُس نے اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں بتایا۔"

"ہوں......!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "اُسے یہیں بلا لو۔"

رشیدہ چلی گئی اور انور نے سگریٹ سلگا کر سلیپنگ گاؤن پہن لیا۔ انسپکٹر آصف کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ انور نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کل شام کو تم کہاں تھے۔" آصف نے پوچھا۔

"جہنم میں......!" انور جھلا کر بولا۔ "تم جب بھی ملتے ہو اسی قسم کے بے سروپا سوالات کرنے لگتے ہو۔"

"ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں بے سروپا سوالات نہیں کر رہا ہوں۔"

"بک چلو......!" انور آہستہ آہستہ ناک سے سگریٹ کا دھواں نکالتا ہوا بولا۔

"مجھے اس وقت افسوس معلوم ہو رہا ہے کہ تم میرے گہرے دوست ہو۔" آصف چہرے کو مغموم بنا کر بولا۔

"بہتر یہی ہوگا کہ تم مرثیہ خوانی شروع کر دو اور میں ماتم کروں۔ لیکن ہاتھ میرے اور سینہ تمہارا۔"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" آصف سنجیدگی سے بولا۔ "پروفیسر تیموری قتل کر دیا گیا۔"

"بڑا افسوس ہوا۔ کیا تمہارا کوئی رشتے دار تھا۔" انور نے معصومیت سے پوچھا۔

"کل شام کو تم کہاں تھے۔" آصف نے پھر پوچھا۔

"تارجام میں۔"

آصف اچھل پڑا اور رشیدہ اُسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"کیا کرنے گئے تھے۔"

"اونٹ خریدنے......!" انور نے سنجیدگی سے کہا اور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا

سگریٹ لگانے لگا۔ پھر رشیدہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "رشو چائے یہیں منگوا لو، شاید ابھی آصف صاحب نے بھی ناشتہ نہیں کیا۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" آصف نے منہ بنا کر کہا۔ "میری صرف اتنی خواہش ہے کہ تم اس وقت، مجھ سے سنجیدگی سے گفتگو کرو۔"

"وہ تو ہوتی ہی رہے گی۔ رشو تم جاؤ۔" انور نے کہا اور پیر پر پیر رکھ کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔

"تارجام میں تمہارا کیا کام تھا۔"

"تم کسی اخبار کے رپورٹر سے یہ نہیں پوچھ سکتے۔"

"اس گفتگو کی حیثیت سرکاری نہیں بلکہ دوستانہ ہے۔" آصف نے نرم لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی ہو......میں اپنے اصول پر سختی سے عمل کرتا ہوں۔"

"اور اگر میں بھی اپنے اصولوں پر سختی سے عمل کرنا شروع کر دوں تو۔"

"تب تم ایک اچھے لڑکے کہلاؤ گے۔" انور نے کہا اور درویشانہ شان بے نیازی سے آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"انور میں سچ کہتا ہوں کہ میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

انور خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کی آنکھوں میں اتر کر دل کا حال جاننے کے لئے کوشش کر رہا ہو۔

"پروفیسر کب اور کن حالات میں قتل ہوا۔ کیا اس کی لاش تارجام میں کہیں پائی گئی۔" انور نے پوچھا۔

"کیوں تم نے یہ کیوں پوچھا؟ بھلا پروفیسر تیموری کا تارجام سے کیا تعلق......؟" آصف نے پوچھا۔

"وہ کل مجھے تارجام میں ملا تھا۔" انور نے کہا۔

"کیا تم اسے پہلے سے جانتے تھے۔"

"نہیں کل ہی ہم دونوں نے ایک دوسرے سے جان پہچان پیدا کی تھی۔"

"اور اپنا نام غلط بتایا تھا۔" آصف بے ساختہ بولا۔ "لیکن اُس نے جس مقصد کے تحت ایسا

کیا تھا اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ وہ سمجھا تھا کہ انور اس کی معلومات پر اچھل پڑے گا۔ خوفزدہ آئے گا مگر ایسا نہ ہوا۔

انور ادھ کھلی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

''اور کچھ......!'' وہ مسکرا کر بولا۔

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم نے اسے غلط نام کیوں بتایا تھا۔''

''تمہارے اس سوال کا جواب بعد میں دونگا پہلے تم یہ بتاؤ کہ اس کی لاش کہاں پائی گئی۔''

''اُس کے گھر میں۔''

''اوہ......!'' انور کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ کچھ سوچنے لگا۔ آصف جواب طلب نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم تارجام سے یہاں کس وقت آئے تھے۔''

''سات بجے۔''

''اس کے بعد کیا کرتے رہے۔''

''رشیدہ سے لڑتا رہا......پھر تقریباً دس بجے سو گیا۔''

''اور اتنی دیر تک سوتے رہے۔''

''میں سات بجے سے پہلے کبھی بستر نہیں چھوڑتا۔'' انور نے کہا۔ ''لیکن اس قسم کے سوالات سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ تم خود کب سے تارجام نہیں گئے۔''

''چھ ماہ قبل گیا تھا۔''

''وہاں تم نے شہر سے تین میل ادھر ہی کوئی شوروم دیکھا تھا......؟''

''میں قطعی سنجیدہ ہوں۔'' انور نے کہا۔ ''جواہرات اور دوسرے غیر معمولی پتھروں کا شوروم۔''

''کیا......؟ تم نے کہا تھا کہ تارجام سے تین میل ادھر ہی۔ گویا کہ ویرانے میں۔ ویرانے میں جواہرات کا شوروم......ہونہہ۔''

''کیوں؟ ویرانے میں تمہیں جواہرات کا شوروم مضحکہ خیز کیوں لگ رہا ہے۔'' انور نے کہا۔

''دیکھو فضول باتوں میں وقت مت ضائع کرو۔''

''خیر اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو اسی وقت تارجام روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں راستے ہی میں ''نکولس اینڈ کو'' کا سائن بورڈ نظر آ جائے گا۔''

''خیر ہوگا بھئی! مجھے اس سے کیا۔'' آصف اکتا کر بولا۔

''صرف اتنا بتا دوں کہ وہاں اس شوروم کا وجود حیرت انگیز ہے یا نہیں۔''

''اگر ہے تو یقیناً حیرت انگیز ہے......!''

''تارجام سے واپسی پر میں وہاں گیا تھا۔ اگر میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی یہی کرتے۔''

''یقیناً......!''

''ٹھیک......تو جس وقت میں اندر پہنچا پروفیسر تیموری دوسرے کمرے میں کسی آدمی سے جھگڑا کر رہا تھا۔''

''دوسرا آدمی کون؟''

''میرا خیال ہے وہی نکولس تھا۔''

''ہوں......آگے کہو۔''

''ظاہر ہے کہ وہاں پہنچنے پر مجھے بھی قیمتی پتھروں سے دلچسپی لینی پڑی اور اپنا نام بھی غلط بتانا پڑا۔ اس کی بعد پروفیسر تیموری نے اپنا نام بتایا اس سے قبل میں اسے اچھا خاصا ڈاکو اور خونی سمجھتا رہا تھا۔''

''کیوں......؟''

''کیا وہ صورت سے خوفناک نہیں معلوم ہوتا......؟''

''ہوں......پھر......!''

''پھر یہ کہ میں وہاں سے واپس آ گیا اور یہ تہیہ کر لیا کہ اس شوروم کو بے نقاب کئے بغیر نہ مانوں گا۔ وہاں یقیناً کوئی خوفناک حرکت ہو رہی تھی......اور اس وقت تم پروفیسر تیموری کے قتل کی خبر سنا رہے ہو۔ تو گویا میرا اندازہ قطعی درست نکلا۔''

آصف کی سوچ میں پڑ گیا۔

"ہاں یہ تو بتاؤ تمہیں اس کا علم کیسے ہوا کہ کل میں تارجام گیا تھا۔"

"مجھے پروفیسر تیموری نے تارجام سے فون کیا تھا کہ انور یہاں مجھ سے پراسرار ملا ہے۔ میں رات کو گھر نہیں واپس جاؤں گا لہٰذا تم میرے مکان کی حفاظت کا کوئی انتظام

"تو گویا آپ مجھے چور اور ڈاکو بھی سمجھنے لگے ہیں۔" انور نے کہا۔

"شاید وہ تمہیں پہچانتا تھا......اور تمہارے غلط نام بتانے پر مشکوک ہوگیا۔ اس کے بھی تو کافی جواہرات موجود ہیں۔"

"لیکن یہ بھی عجیب چیز ہے۔" انور نے کہا۔ "تارجام والا شو روم بھی ویرانے اور پروفیسر تیموری بھی شاید ویرانے ہی میں رہتا ہے۔"

"میں کل شام ہی سے ایک ضروری کام میں مشغول تھا۔" آصف اس کی بات کا کر کے بولا۔ "اس لئے میں نے پروفیسر کی بات پر دھیان نہ دیا اور ویسے بھی مجھے یقین کوئی ایسی حرکت نہیں کرسکتے جس سے قانوناً گرفت میں آجانے کا امکان ہو۔ بہر حال رات گئے تک مشغول رہا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ مجھے سونا گھاٹ کا ایک چکر لگا لینا اگر پروفیسر واپس آگیا ہوگا تو بُرا مانے گا۔ میری اس کی خاصی دوستی تھی۔" آصف خاموش انور کی طرف دیکھنے لگا۔ انور خاصی دلچسپی کا اظہار کررہا تھا۔

"میں دو تین آدمی ساتھ لے کر سونا گھاٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔" آصف نے کہا کیا۔ "تیمور منزل کا پھاٹک کھلا ہوا تھا اور عمارت بالکل تاریک تھی۔ مجھے کچھ شبہ ہوا اور چلے گئے۔ صدر دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ پھر ہم اس کمرے میں پہنچے جہاں پروفیسر کی لاش ہوئی تھی۔ کسی نے پتھر توڑنے والے ہتھوڑے سے اس پر حملہ کیا تھا۔ میرا خیال ہے ہتھوڑے کی متعدد ضربات سے واقع ہوئی۔ سر کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔"

"کیا وہ گھر میں تنہا رہتا تھا۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں اس کے ساتھ اس کا سکریٹری حامد بھی رہتا تھا۔ لیکن وہ کل رات کو گھر پر نہیں

"کیوں......؟"

"اس کا بیان ہے کہ وہ پروفیسر سے چھٹی لے کر گیا تھا۔"

"تو پھر میرا خیال ہے کہ پروفیسر خاصا احمق تھا۔" انور نے کہا۔ "پہلے اس نے سکریٹری کو چھٹی دی اور پھر خود مکان اکیلا چھوڑ کر تارجام چلا گیا۔ تاکہ معمولی سا چور خفیف سی جدوجہد کے بعد اُس کے سارے جواہرات مار لے جائے۔"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ تم سے فون پر بات کرنے والا پروفیسر تیموری تھا۔"

"میں جلدی میں تھا اس لئے اُس کی طرف دھیان نہیں دے سکا اور پھر اس وقت اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"سکریٹری واپس کب آیا......؟"

"آج چار بجے صبح۔"

"تم نے اُسے حراست میں نہیں لیا۔"

"میں اس پر غور کررہا ہوں۔" آصف نے کہا۔ "لیکن تم مجھے خواہ مخواہ اِدھر اُدھر کی باتوں میں الجھا کر پہلو بچانا چاہتے ہو۔"

"کیا مطلب......!" انور اُسے گھور کر بولا۔

"تم اس حادثے کے متعلق کچھ جانتے ہو۔"

"جو کچھ جانتا تھا میں نے بتا دیا۔"

"تم آخر یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تم تارجام کیوں گئے تھے۔"

"میں......!" انور متحیر ہوکر بولا۔ "شاید تم گھاس کھا گئے ہو۔ بھلا میں تارجام کیوں جانے لگا۔"

"ابھی خود تم نے اس کا اعتراف کیا ہے۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"خیر! لیکن یہ مت بھولو کہ پروفیسر نے کل مجھے تارجام سے تمہارے متعلق فون کیا تھا۔ تم اسے دھوکا دینے کی کوشش کررہے تھے۔"

"تم نے خواب دیکھا ہوگا۔ خیر عدالت تمہارے اس خواب کو دلچسپی سے سنے گی۔ فی الحال مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تمہارے محکمے کے سپرنٹنڈنٹ صاحب اس بات کی شہادت دیں

گے کہ کل میں دو بجے سے دس بجے تک ان کے ساتھ رہا۔"

"کیا مطلب......!" آصف چونک کر بولا۔

"مطلب یہ میری جان کہ وہ میری بیوی کا سالا ہے۔" انور آنکھ مار کر کہنے لگا۔

"فی الحال تمہاری کوئی دکھتی رگ میرے ہاتھ میں نہیں ہے اسلئے اسے استعمال کروں گا۔"

"خیر اچھا ہوا کہ تم نے پہلے ہی بتا دیا......اس کا بھی انتظام کرلیا جائے گا۔" آصف اٹھتا ہوا بولا۔

"اررر......بیٹھو نا بھئی۔ رشیدہ چائے لا رہی ہوگی۔"

"میں چائے نہیں پیوں گا۔" آصف ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"تمہاری مرضی۔" انور نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

اتنے میں رشیدہ چائے لے کر آ گئی۔

"آصف صاحب چائے نہیں پئیں گے۔" انور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"کیوں......؟"

"مجھ سے کہہ رہے تھے مرغے کی بولی بولو۔ میں نے معذوری ظاہر کی اس پر بگڑ گئے۔"

"دیکھو انور میں بتائے دیتا ہوں۔" آصف غصے میں اس کے آگے اور کچھ نہ کہہ سکا۔

"ابھی نہیں پھر کسی وقت بتا دینا۔" انور نے لاپروائی سے کہا اور اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

"یہ کسی دن بڑی مصیبت میں پھنس جائے گا۔" آصف نے رشیدہ سے کہا۔

"میری بلا سے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ "مگر میں تو یہ دیکھتی آ رہی ہوں کہ یہ ہمیشہ دوسروں ہی کو مصیبت میں پھنسا دیتا ہے۔"

"کب تک......خیر کی ماں کب تک بکرے کی...... کہنے کا مطلب یہ کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔"

"بہر حال میں آپ کے لئے بھی چائے لائی ہوں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"تم اسے سمجھاؤ۔" آصف نے بیٹھتے ہوئے۔

"یہ میرے بس کا روگ نہیں......لیکن معاملہ کیا ہے۔"

"وہ پروفیسر تیموری کے قتل کے سلسلے میں کوئی اہم بات جانتا ہے۔"

"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"میں اسے عرصے سے جانتا ہوں۔ مجھے اچھی طرح اس کا اندازہ ہوگیا ہے کہ وہ کب اوٹ پٹانگ باتیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔"

اتنے میں انور بھی واپس آ گیا۔ اُس نے آصف کی گفتگو سن لی تھی لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

تینوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔

"ہتھوڑے پر کسی قسم کے نشانات بھی ملے یا نہیں۔"

"نہیں......!"

"ہاں میں نے رومال سے اس کا دستہ صاف کر دیا تھا۔" انور مسکرا کر بولا۔

آصف نے چڑھ کر اُسے بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور رشیدہ بھی اُسے گھورنے لگی۔

"دیکھو میاں آصف میں اپنا الو سیدھا کرنے کے بعد الٹا الو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ مجھے اپنا بہت سا قرض ادا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ بنک بیلنس بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ......اگر تم میرے پیچھے پڑنے کے بجائے اپنا کام دیکھو تو زیادہ اچھا ہوگا۔"

ایک مرد ایک عورت

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تمہارے ہاتھ میں تاش کے دو پتے ہیں۔ پہلا نکولس اور دوسرا سکریٹری۔ میرے ساتھ مغز مارنے سے بہتر تو یہی ہے کہ تم انہیں کریدنے کی کوشش کرو۔"

"مشورے کا شکریہ۔" آصف ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"ایک چیز اور......!" انور نے آہستہ سے کہا۔ "پروفیسر نے تم سے کہا تھا کہ وہ تار جام ہی میں رات گذارے گا......پھر واپس کیوں آ گیا۔"

"ممکن ہے بعد کو اُسے خیال آیا ہو گھر سیکریٹری بھی موجود نہیں اس لئے گھر اکیلا نہ
چاہئے۔" آصف نے کہا۔

"تو اسکا یہ مطلب ہے کہ اُس نے تارجام جانے سے پہلے ہی سیکریٹری کو چھٹی دے دی"

"ممکن ہے۔"

"اس لئے مجھے پھر کہنا پڑے گا کہ پروفیسر یا تو فرشتہ تھا یا بہت بڑا احمق کیونکہ تیمور
محل وقوع ایسا ہے کہ وہاں دن دہاڑے چوری ہو سکتی ہے۔"

ابھی سلسلہ گفتگو یہیں تھا کہ ایک پستہ قد مگر مضبوط جسم کا آدمی کمرے میں داخل ہوا
نے سفید سلک کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ قمیض کا سخت کالر دودھ کی طرح سفید اور بے داغ تھا
رنگ کی سپاٹ ٹائی سینے پر لہرا رہی تھی۔ آنکھوں پر سنہرے فریم کا سبک سا چشمہ تھا۔

"تو میں بالکل ٹھیک وقت پر آیا۔" وہ مسکرا کر ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر رشیدہ
طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "غالباً چائے دانی خالی نہ ہو گی۔"

انسپکٹر آصف نے اُسے گھور کر دیکھا۔ غالباً اُسے اس کی بے تکلفی ناگوار گزری تھی۔

"میں آپ لوگوں کی مشغولیت میں مخل تو نہیں ہوا۔" وہ آصف اور انور کیطرف دیکھ کر

"قطعی نہیں۔" انور نے زہریلی مسکراہٹ کیساتھ کہا۔ "آپ سے کیا پردہ مغل شہنشاہ
کے شاہی محلات میں خواجہ سراؤں کو پوری پوری آزادی تھی۔"

آنے والا رشیدہ کی طرف دیکھ کر بے ڈھنگے پن کے ساتھ ہنسنے لگا۔ رشیدہ اٹھ کر دو
کمرے میں چائے کی پیالی لینے چلی گئی۔ آصف ابھی تک اُسے گھورے جا رہا تھا۔ ایسا
ہو رہا تھا جیسے وہ اس کی موجودگی پسند نہیں کرتا۔ آصف اُس سے سچ مچ متنفر تھا اور اس کی و
کے پیشے کی گندگی تھی۔ وہ روزنامہ "پوسٹ مارٹم" کا ایڈیٹر تھا۔ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ
میلنگ تھی وہ اپنے اخبار کے ذریعے اونچے طبقے کے لوگوں کے پرائیویٹ معاملات پبلک
سامنے لاکر یا لانے کی دھمکی دے کر خاصی رقمیں پیدا کرلیا کرتا تھا۔ لیکن اس کا طریقہ کار
تھا کہ وہ براہِ راست قانون کی زد میں نہیں آتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ خواہ مخواہ کسی
آدمی کے پیچھے پڑ جاتا اور انور سے بھی وہ اسی مقصد کے تحت ملتا رہتا تھا کہ شاید اُس

کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جسے وہ اپنی آمدنی کا ذریعہ بنا سکے۔ ویسے وہ انور سے ڈرتا بہت
تھا۔ اس خوف کی وجہ انور کی غیر معمولی ذہانت اور فطری بے مروتی تھی۔

رشیدہ کی واپسی پر وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور رشیدہ اس کیلئے چائے انڈیلنے لگی۔

"کیوں قدیر......؟ کوئی نئی چیز......!" انور نے اُس سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ انسپکٹر صاحب تمہیں کوئی نئی خبر ہی سنانے آئے ہیں۔" قدیر مسکرا کر بولا۔

"اچھا بھئی اب میں چلوں۔" آصف اٹھتا ہوا بولا۔ "آج شاید دن بھر میں سونا گھاٹ پر
ہی رہوں اگر فرصت ہو تو اس طرف بھی چلے آنا۔"

"کوشش کروں گا۔" انور نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ آصف تم سے مدد لینے آیا تھا۔" قدیر بولا۔

"مجھے تمہارے اس جاننے پر کوئی اعتراض نہیں۔" انور نے لاپروائی سے کہا اور خیالات
میں ڈوبا ہوا ناک سے آہستہ آہستہ سگریٹ کا دھواں نکالنے لگا۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پروفیسر تیموری کا سیکریٹری کل رات کو کہاں تھا۔"

"کہاں......؟" انور چونک کر بولا۔

"ابھی یہ نہیں بتا سکتا اگر ان لوگوں سے سودا طے نہ ہوا تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"کن لوگوں سے۔"

"ابھی کس طرح بتا سکتا ہوں۔"

"خیر ہوگا...... میں تمہاری تجارت میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "میں
اس وقت بہت زیادہ مشغول ہوں۔"

"کوئی بات نہیں! تم جا سکتے ہو...... میں رشیدہ صاحبہ سے غپ لڑاؤں گا۔" قدیر نے کہا۔

"میں معافی چاہتی ہوں...... مجھے بھی ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے۔"

"خیر خیر...... نہ جانے کیوں مجھے آپ لوگوں سے اتنی محبت ہو گئی ہے۔"

"شکریہ شکریہ......!" انور منہ سکوڑ کر بولا۔

قدیر اٹھ کر چلا گیا۔

"تم سچ مچ بڑی احمق ہو۔"

"کیوں......!" رشیدہ تنک کر بولی۔

"تمہیں اُسے روک کر اُس سے سب کچھ اگلوا لینا چاہئے تھا۔"

"میں نہیں پڑتی اس چکر میں۔"

"خیر ہوگا......!" انور نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اُسے دیتے ہوئے کہا
نمبر کی کار کے مالک کا پتہ لگانا ہے۔"

"پھر تم نے وہی شروع کیا۔"

"جان من! انور بُری طرح پھنس گیا ہے۔ کل رات کو اگر مجھ سے ذرا سی بھی
ہو جاتی تو آصف مجھے لاش کے سرہانے ہی پکڑ لیتا۔" انور نے کہا اور پچھلی رات کی
دہراتا ہوا بولا۔ "اب میرا بھی وہی خیال ہے جو تمہارا تھا کہ مجھے کوئی پھنسانا چاہتا ہے۔"

"ابھی کیا ہے۔" رشیدہ بزرگانہ انداز میں بولی۔ "ابھی اور دھکے کھاؤ گے خراب
کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ لاؤ کاغذ مجھے دو۔"

تھوڑی دیر کے بعد دونوں آفس چلے گئے۔ رشیدہ کو چھٹی دلا کر انور اپنے روز
کاموں میں مشغول ہو گیا۔ کلاک نے گیارہ بجائے اس نے کاغذات ایک طرف رکھ
کچھ سوچنے لگا۔ آج ایک بجے کے بعد اُسے کل والی پراسرار لڑکی سے ملنا تھا لیکن اسے
یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ دوبارہ نظر نہ آئے گی۔ آخر وہ کون تھی؟ کیا اس پتھر ہی سے
موت کا تعلق تھا۔ اگر ایسا تھا تو وہ درمیان میں کیوں ڈالا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے اور
کے کسی پراسرار تعلق کے امکانات پر غور کرنے لگا۔ لیکن یہ چیز بالکل ہی مہمل تھی۔ پھر
اُسے اس پتھر کا خیال آ گیا۔ اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا اور نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو......اوہ معاف کیجئے گا۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔" انور نے ریسیور رکھ دیا اور
ڈائریکٹری اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اسے پروفیسر تیموری کے فون نمبر کی تلا
چند لمحوں کے بعد اس نے پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو...... کیا آپ پروفیسر تیموری کے گھر سے بول رہے ہیں۔ اچھا اچھا......

آصف صاحب کو فون پر بلا دیجئے۔" وہ خاموش ہو کر بائیں ہاتھ سے میز پر رکھے ہوئے کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگا۔ "ہیلو آصف! میں بول رہا ہوں...... کوئی نئی بات......؟ آخر اس قتل کا مقصد کیا ہو سکتا ہے...... کوئی چیز غائب بھی نہیں ہوئی...... یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ جواہرات بھی بدستور ہیں؟ سکریٹری سے تو پوچھو...... اچھا یہی اُسی کا بیان ہے...... خیر میں تم سے کسی وقت وہیں ملوں گا۔"

انور ریسیور رکھ کر پھر اپنے دفتری کاغذات میں ڈوب گیا۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے رشیدہ واپس آئی۔

"خبر......؟" انور اس کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولا۔

"خبر تو ہے مگر بتاؤں گی نہیں۔" رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"رشو......!" انور پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"ہرگز نہیں......ایک شرط ہے۔"

"کیا......!"

"دونوں کان پکڑ کر مرغے کی بولی بولو۔"

"قریب آؤ......زور سے نہیں بولوں گا......" انور نے رشیدہ کے کان مضبوطی سے پکڑ لئے اور آہستہ سے بولا۔ "ککڑوں کوں" اور پھر جھٹکا دے کر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ رشیدہ کھڑی بسورتی رہی اور وہ لکھتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب اس سے کچھ نہ پوچھے گا......لیکن جیسے ہی وہ جانے کے لئے مڑی انور آہستہ سے بولا۔

"ادھر آؤ......!"

رشیدہ پلٹ کر اُسے گھورنے لگی۔

"اچھا آؤ اب تم میرے کان پکڑ لو......آ جاؤ......شاباش۔"

"نہیں آؤں گی......نہیں آؤں گی۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"تو مجھے ہی آنا پڑے گا۔"

انور اٹھ کر اُس کے قریب پہنچ گیا۔ رشیدہ تھوڑی دیر تک اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔

"میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

"بولو بھی رشو......!" انور بچگانے انداز میں بولا۔ "میں بالکل یہ نہیں سمجھا تھا کہ تم بخوشی سے میرے کان پکڑنا چاہتی ہو۔"

"بکو مت......!"

"اچھا لو چپ ہو گیا۔"

"وہ پروفیسر تیموری کی کار کا نمبر تھا۔" رشیدہ نے کہا۔

"مذاق مت کرو۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔ پروفیسر کے پاس دو کاریں تھیں ایک وہ خود اپنے استعمال میں رکھتا تھا اور دوسری سیکریٹری کے پاس رہتی تھی۔ یہ سیکریٹری ہی والی کار کا نمبر ہے۔"

"میرے خدا......!" انور آہستہ سے بولا۔ "تو کیا......وہ پتھر سیکریٹری ہی نے چرایا تھا۔ نہیں نہیں یہ ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اُسے دوبارہ واپس کرنے کیلئے دوسرے سے مدد کیوں لیتا۔"

رشیدہ خاموش ہو گئی۔ انور پھر بولا۔

"رشو اس لڑکی کا پتہ لگانا بہت ضروری ہو گیا ہے۔"

"ہو گا......!" رشیدہ بے تعلقی ظاہر کرتی ہوئی بولی۔

انور نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ایک بج رہا تھا۔

"رشو......! تم پھر کسی وقت میرے کان پکڑ لینا۔ فی الحال میرے ساتھ چلو۔" انور اُسے دروازے کی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔

"کہاں......؟"

"جہاں میں چلوں۔"

اور پھر انور کی موٹر سائیکل سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔ رشیدہ کیریئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"تم مدینہ ہوٹل کے سامنے ہی ٹھہری رہنا۔ غالباً میرا مطلب سمجھ گئی ہوگی۔ تمہیں اس لڑکی کا تعاقب کر کے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کون ہے۔"

"ہوں......اور اس کی اُجرت......!"

"اجرت......!" انور چونک کر بولا۔ "ایک بہت ہی لذیذ قسم کا چانٹا۔"

رشیدہ نے اُس کی پیٹھ پر گھونسا جڑ دیا اور دو ایک راہ گیر انہیں حیرت سے دیکھنے لگے۔

ہوٹل کے کچھ فاصلے پر انور نے موٹر سائیکل روک لی اور رشیدہ اتر کر دوسرے کنارے کے فٹ پاتھ پر چلی گئی۔

انور ناک بھوں سکوڑتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ معینہ کیبن میں ایک آدمی بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ انور دروازے پر ٹھٹک گیا۔

"کیا آپ مسٹر انور ہیں۔" آدمی آہستہ سے بولا۔

انور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلے آیئے......!" وہ بولا۔

یہ ایک دبلا پتلا اور دراز قد آدمی تھا۔ گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ آنکھوں سے عیاری ٹپکتی تھی۔ چہرے کا پھیکا پھیکا تانبے جیسا رنگ بتا رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ شراب پینے کا عادی ہے۔ انور اس کے سامنے بیٹھ کر اُسے گھورنے لگا۔

"وہ کنجیاں دے دیجئے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"کنجیاں......!" انور نے تعجب ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "کیسی کنجیاں......میرا خیال ہے کہ میں اس سے قبل کبھی آپ سے نہیں ملا۔"

"وہی کنجیاں جو کل ایک لڑکی نے آپ کو دی تھیں۔"

"لڑکی......آپ شاید نشے میں ہیں۔"

"میں قطعی ہوش میں ہوں اور کنجیاں واپس لے کر جاؤں گا۔" اُس نے انور کو گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنی اجرت بتایئے۔"

"کیسی اجرت......دیکھئے جناب میں اجنبیوں سے بے تکلف ہونے کا عادی نہیں۔"

"سیدھے ہو جاؤ میاں لڑکے سیدھے۔" وہ تن کر بولا۔ "میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"وہ تو صورت ہی سے ظاہر ہے۔"

"انور......!"

"بدتمیز......!" انور تیز لہجے میں بولا۔ "انور صاحب کہو۔"

"اچھا انور صاحب کنجیاں واپس کر دیجئے۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"ناممکن! ہرگز نہیں۔" انور اٹھ کر کیبن سے نکل آیا۔

"تمہیں پچھتانا پڑے گا۔" وہ بولا۔

"اس پر پھر کبھی غور کروں گا۔" انور نے کہا اور چل پڑا۔ وہ آہستہ آہستہ قریب ریستوران کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا اشارہ پا کر رشیدہ بھی اس کے پیچھے ہو لی تھی۔ ریستوران میں پہنچ کر وہ اس کی طرف مڑا۔

"رشو...... وہ نہیں آئی۔ اس کے بجائے ایک مرد آیا ہے۔ تم اس کا پیچھا کرو...... وہ اسی ہوٹل میں بیٹھا ہے۔ کیبن نمبر پانچ میں...... جاؤ جلدی کرو۔"

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" رشیدہ بولی۔

"جاؤ میں تمہاری طرف سے بھی کھالوں گا...... مطمئن رہو۔"

رشیدہ منہ بناتی ہوئی باہر چلی گئی۔ انور دروازے کے قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ کافی کا آرڈر دے کر اس نے سگریٹ سلگایا اور سامنے رکھے ہوئے گلدان پر نظریں جما دیں۔ لیکن اس کی یہ محبت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے بائیں گال کے قریب سے ایک پیلے رنگ کی لہر گذر گئی ہو اور ساتھ ایک خاص قسم کی خوشبو...... ایک عورت پیلے رنگ کی ساری میں ملبوس کاؤنٹر کی طرف جا رہی تھی۔ لیکن وہ خوشبو! وہ خوشبو انور کا ذہن جھنجھوڑ رہی تھی اور جیسے ہی وہ عورت کاؤنٹر پر دونوں ہاتھ ٹیک کر پیچھے کی طرف مڑی انور کے سارے جسم میں ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں دوڑ گئیں۔ یہ تو وہی تھی بالکل وہی جس کی تصویر اس نے پچھلی رات پروفیسر کی خواب گاہ میں دیکھی تھی اور وہ خوشبو۔ کیا اسی خوشبو نے پچھلی رات کو اس کا ذہن پراگندہ نہیں کر دیا تھا۔ پروفیسر کے مکان کا سناٹا اور اندھیرا اُسکے ذہن میں آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔

وہ کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ بارمین نے اس کی طرف ایک گلاس بڑھا دیا جس میں اس نے پیلے رنگ کی شراب کا ایک پگ انڈیلا تھا۔ عورت نے سوڈے کی بوتل گلاس میں خالی کی اور پھر اس بُری طرح گلاس پر ٹوٹ پڑی جیسے وہ بہت پیاسی ہو۔ گلاس ختم کرنے کے بعد وہ خالی میز کی قریب بیٹھ گئی۔ بارٹنڈر دوسرا گلاس اور سوڈے کی بوتل اس کی میز پر رکھ کر چلا گیا۔

اب وہ شراب کو بے تحاشہ حلق میں انڈیل لینے کی بجائے ہلکی ہلکی چسکیاں لے رہی تھیں۔ پھر اس نے ایک سگریٹ سلگایا اور نیم وا آنکھوں سے گلاس کی طرف دیکھنے لگی۔

اتنے میں بیرا انور کی کافی لے کر آ گیا۔ انور نے عورت کی میز کی طرف اشارہ کیا۔ بیرے نے کافی کی ٹرے اس میز پر رکھ دی۔ عورت بیرے کو گھورنے لگی۔

"میں نے کافی تو نہیں منگوائی۔" وہ حیرت سے بولی۔ قبل اس کے بیرا کچھ کہتا انور اس کے قریب پہنچ گیا۔

"میں اس وقت کافی ہی پیتا ہوں۔" انور نے آہستہ سے کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"مگر آپ......!" عورت کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"ہاں...... آں......!" انور نے بیرے کو جانے کا اشارہ کر کے کہا۔ "میں آپ کے لئے اجنبی ضرور ہوں مگر آپ میرے لئے نہیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"بات یہ ہے کہ پروفیسر تیموری......!"

"جی......!" شراب کے گلاس کو اس نے اتنی مضبوطی سے پکڑ لیا کہ اس کے ہاتھ کی رگیں ابھر آئیں۔

"مطلب یہ کہ آپ پروفیسر تیموری کی دوست تھیں۔"

"جی ہاں...... جی ہاں......!" وہ جلدی سے بولی۔

"اُسے کسی نے قتل کر دیا۔"

"اوہ...... جی ہاں...... میں نے اخبار میں پڑھا ہے۔"

"اس سے آپ کب ملی تھیں۔"

"لیکن آپ کون ہیں؟"

"پروفیسر تیموری کا ایک ہمدرد......!" انور نے کہا۔ "میں آپ سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ آپ آخری بار اس سے کب ملی تھیں۔"

"مجھے ٹھیک یاد نہیں۔ ہو سکتا ہے دس روز قبل...... ہو سکتا ہے پندرہ روز قبل۔"

"اور کل رات کو......!"

عورت دفعتاً چونک پڑی۔ وہ انور کو خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"بولئے بولئے......!" انور سر ہلا کر بولا۔ "میرے پاس اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ آپ کل رات کو تیمور منزل میں تھیں۔"

"نہیں......نہیں......یہ جھوٹ ہے۔" وہ اس طرح بولی جیسے خواب میں بول رہی ہو۔

"یہ سو فیصدی سچ ہے۔"

عورت اُسے تھوڑی دیر تک خوفزدہ نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعتاً سنبھل کر بولی۔

"اگر آپ دوسری بار یہ جملہ دہرائیں گے تو میں پولیس کو فون کر دوں گی۔"

"ضرور کیجئے......اسطرح پولیس کو آسانی ہو جائے گی کیونکہ وہ خود آپکی تلاش میں ہے"

سیکریٹری

عورت پھر خوفزدہ نظر آنے لگی۔

"لیکن ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کل رات کو تیمور منزل میں تھیں یا نہیں۔"

"قطعی نہیں......ہرگز نہیں۔"

"خیر آپ کی مرضی......!" انور لاپروائی سے بولا۔ "لیکن اپنا نام بتانے میں تو آپ کو اعتراض نہ ہوگا۔"

"گلوریا تموتھی......!"

انور نوٹ بک نکال کر لکھنے لگا۔

"کہاں رہتی ہیں۔"

"رحمٰن لاج......تیسری منزل......روم نمبر پانچ۔"

"شکریہ۔" انور نوٹ بک جیب میں رکھتا ہوا بولا۔

"لیکن......لیکن؟" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا......!"

"کچھ نہیں۔"

"آپ کی مرضی۔" انور لاپروائی سے بولا اور کافی کی پیالی خالی کر کے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

وہ انور کو بغور دیکھتی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔

"میں اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتی۔ میری ہی طرح پروفیسر کے درجنوں جان پہچان والے ہوں گے۔ پولیس ان سب کو تنگ کرے گی؟"

"جان پہچان بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔" انور نے کہا۔ "ایک قسم یہ بھی ہوتی ہے کہ لوگ جان پہچان والوں کی تصویریں اپنی خواب گاہوں میں لگاتے ہیں۔"

"جی......!" عورت چونک کر بولی۔

"جی ہاں......!" انور معنی خیز انداز میں بولا۔ "پولیس آپ میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔"

"لیکن آپ کون ہیں۔"

"کہہ تو دیا کہ پروفیسر کا ایک دوست......میرا پولیس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب کچھ مجھے بتا دیں تاکہ میں آپ کو پولیس کی زیادتی سے بچا سکوں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" عورت جلدی سے بولی۔ "اور آپ مجھ پر سراسر اتہام لگا رہے ہیں کہ میں کل رات کو پروفیسر تیموری کے مکان میں تھی۔"

"خیر......خیر......دیکھا جائے گا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ پولیس کو آپ تک نہ پہنچنے دوں۔"

انور نے کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کیا اور ریستوران سے نکل گیا۔

رشیدہ کا انتظار فضول تھا معلوم نہیں وہ کب تک واپس آئے۔ انور کچھ سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی موٹر سائیکل سونا گھاٹ کی طرف جا رہی تھی اور اس کا ذہن کئی گتھیاں

سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

تیمور منزل میں پولیس ڈیرا ڈالے ہوئی تھی۔ انسپکٹر آصف بھی موجود تھا اور بہت زیا
نظر آ رہا تھا۔ انور کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل گیا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"کوئی نئی بات۔"

"کچھ نہیں...... کوئی نئی بات نہیں۔ میں نے نکولس کو حراست میں لے لیا ہے۔"

"کیوں......؟"

"شبہ کی بناء پر...... واقعی اس کا شو روم انتہائی پراسرار معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن صرف اسی کو حراست میں کیوں لیا ہے۔"

"میں تار جام گیا تھا۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "نکولس کی کل رات کی نقل وحرک
میں ڈالنے والی ہے۔"

"یعنی......!"

"وہاں سے پروفیسر تیموری کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ بھی چل پڑا۔"

"پھر......!"

"ظاہر ہے کہ اگر اُسے بھی شہر آنا تھا تو وہ پروفیسر تیموری ہی کے ساتھ کیوں نہ
تھوڑی دیر بعد چلنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے اور پھر دوسری بات یہ کہ اُس نے عام را
بجائے دشوار گزار راستے اختیار کئے جن کے ذریعہ وہ پروفیسر سے کچھ دیر قبل ہی شہر پہنچ گیا

"لیکن تمہیں یہ اطلاعات ملیں کہاں سے۔" انور نے کہا۔

"اس ٹیکسی ڈرائیور سے جو اُسے شہر لے گیا تھا۔"

"ہوں......!" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ اترا کہاں تھا۔"

"رحمٰن لاج کے قریب۔"

"رحمٰن لاج......!" انور چونک کر بولا۔

"ہاں...... لیکن تم چونکے کیوں؟"

"کچھ نہیں...... یونہی...... تو پھر نکولس نے کیا بتایا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ آسانی سے یہ نہیں بتائے گا کہ وہ تیموری کا قاتل ہے۔"

"بھئی کمال کر دیا۔ محض اتنی سی بات پر تم نے اسے قاتل ہی تسلیم کر لیا۔" انور ہنس کر بولا۔

"نہیں اس کی وجہ ایک اور بھی ہے۔ جس ہتھوڑے سے پروفیسر قتل کیا گیا تھا وہ عام استعمال کا ہتھوڑا نہیں۔ یا تو وہ پروفیسر ہی کا ہو سکتا ہے یا پھر اُسی کے کسی دوسرے ہم پیشہ کا۔"

"تمہاری مراد پتھر توڑنے والے ہتھوڑے سے ہے؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں...... سیکریٹری نے بتایا کہ وہ پروفیسر کا نہیں تھا۔"

"تو کیا نکولس نے اُسے اپنا ہتھوڑا تسلیم کر لیا۔"

"بھلا وہ کیوں تسلیم کرنے لگا۔"

"تو اس سے تم نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ نکولس ہی کا ہو سکتا ہے۔" انور بولا۔

"یہ تو اب دیکھا جائے گا۔"

"پروفیسر کا قتل کہاں ہوا......؟" انور نے پوچھا۔

"پتھروں والے کمرے میں۔" آصف نے کہا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں پچھلی رات کو انور نے پروفیسر کی لاش دیکھی تھی۔ اس وقت اجالے میں چاروں طرف لگے ہوئے شیشے کے شوکیسوں میں طرح طرح کے خوش رنگ پتھر جگمگا رہے تھے۔ آصف انور کو وہ جگہ دکھانے لگا جہاں پروفیسر کی لاش ملی تھی۔

"تو تمہیں اچھی طرح اطمینان ہے کہ یہاں سے کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔" انور نے پوچھا۔

"میں یہاں کی چیزوں سے واقفیت تو رکھتا نہیں۔" آصف مسکرا کر بولا۔ "سیکریٹری کا بیان یہی ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر موجود ہے۔ فی الحال مجھے اسی کے بیان پر یقین کرنا پڑے گا۔"

"ہوں......!" انور کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی نظریں شوکیس پر جمی ہوئی تھیں جس میں اس نے پچھلی رات کو سیاہ پکھراج رکھا تھا۔ لیکن اس وقت وہ غائب تھا۔ اسکی جگہ خالی نظر آ رہی تھی۔

"سیاہ پکھراج......!" انور نے شوکیس پر جھک کر بلند آواز میں کہا۔

"اوں...... کیا مطلب......!" آصف چونک کر بولا۔

”شاید یہاں بھی کوئی پتھر تھا جس کا نام لکھا ہوا ہے۔“ انور خالی جگہ کیطرف اشارہ کر ک

”ہاں تھا تو......اب وہ تجوری میں رکھ دیا گیا ہے۔“ آصف نے کہا۔

”کیوں......؟“

”پتہ نہیں......سیکریٹری نے رکھ دیا ہے۔“

”تمہارے سامنے۔“

”ہاں بھئی ہاں۔“

”تم اس کی قیمت سے واقف ہو۔“ انور نے پوچھا۔

”کیوں یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔“

”اس لئے کہ سیاہ پکھراج آج تک میری نظر سے نہیں گزرا......؟“

”ٹھیک ہے۔“ آصف بولا۔ ”آج سے پہلے میں نے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔“

”سیکریٹری کہاں ہے؟“

”اس کی حالت بہت ابتر ہے۔“

”وہ ہے کہاں......؟“

”اپنے کمرے میں؟ بھئی نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آتا ہے۔“

”اور مجھے تم پر رحم آتا ہے۔“ انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ ”میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں

”وہ سامنے والے کمرے میں ہے تم جاؤ۔ میں مرحوم کے سامان کی فہرست مکمل کر رہا

”مگر یہ تمہارا کام نہیں ہے۔“ انور نے کہا۔

”یہ مت بھولو کہ پروفیسر میرا دوست بھی تھا۔“

”اس کا کوئی وارث بھی ہے یا نہیں۔“

”ہے تو......لیکن اس کے متعلق پروفیسر کے قانونی مشیر مسٹر پی۔ داس زیادہ بہتر گے۔“

”اور تم نے ابھی تک اس سے گفتگو نہیں کی۔“

”میں نے کوشش کی تھی لیکن وہ آج کل شہر میں موجود نہیں ہے۔“

”ہوں......!“ انور نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ تھوڑی دیر تک وہ آصف کو بے خیالی میں گھورتا رہا پھر سیکریٹری کے کمرے کیطرف چلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ انور نے دستک دی۔ جواب ندارد......اس نے پھر دروازہ تھپتھپایا۔ اندر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ دروازہ کھل گیا۔ انور کے سامنے ایک خوبصورت جوان کھڑا تھا۔ آنکھیں سرخ اور پلکیں سوجی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کافی دیر تک روتا رہا ہو۔

”اندر چلئے۔“ انور آہستہ سے بولا۔ سیکریٹری ایک طرف ہٹ گیا اور انور کمرے میں چلا گیا۔

”بیٹھ جایئے۔“ انور ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

سیکریٹری بیٹھ کر انور کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”آپ کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ پروفیسر سے چھٹی لے کر گئے تھے۔“

”جی......!“ سیکریٹری اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”جی ہاں۔“

”میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”آپ یہاں سے کس وقت گئے تھے۔“

”دس بجے دن کو۔“

”کہاں گئے تھے؟“

”نشاط نگر اپنی خالہ کے یہاں۔“

”آپ کے استعمال میں وہی کار رہتی ہے جس کا نمبر ۲۳۷۱ ہے۔“

”جی ہاں۔“

”آپ اسی کار پر گئے تھے۔“

”جی ہاں۔“

”اور وہ کل سے اب تک آپ ہی کے پاس رہی۔“

”جی......!“ وہ چونک کر بولا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”آپ میری بات کا جواب دیجئے۔“

"نہیں کل یہ میری خالہ کے بھی استعمال میں رہی۔"

"آپ کی خالہ کی عمر کیا ہے؟"

"مسٹر.....!" وہ تیز لہجے میں بولا اور پھر انور کو گھورنے لگا۔

"اس سوال کا جواب ضروری ہے؟" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"پچاس یا پچپن سال.....!"

"ہوں.....!" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا آپ مکان کی کنجی اُس لچھے میں رکھ جس میں کار کی کنجی رہتی ہے۔"

"جی ہاں.....!"

"تو کل کنجیوں کا لچھا بھی آپ کی خالہ کے پاس رہا ہوگا۔"

"جی ہاں.....مگر کیوں.....مگر کیوں؟"

"کچھ نہیں.....کوئی خاص بات نہیں۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "کیا میں وہ لچھا سکتا ہوں۔"

"جی ہاں.....ضرور ضرور۔" سیکریٹری نے کہا اور اپنے کوٹ کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"یہ لیجئے۔"

"ان میں سے مکان کی کنجیاں کون کون سی ہیں۔" انور نے پوچھا۔

سیکریٹری بتانے لگا۔

"اچھا یہ تو وہ کنجیاں ہیں جو آپکے پاس رہتی تھیں۔ وہ کنجیاں کہاں ہیں جو پروفیسر رکھتا تھا"

"وہ ان کی جیب میں نہیں ملیں۔" سیکریٹری بولا۔

"آپ نے تلاش کی تھیں۔"

"نہیں.....قاعدے کے مطابق انہیں اُن کی جیب میں ہونا چاہئے تھا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل کرنے والا اپنے ساتھ وہ کنجیاں بھی لے گیا۔" انور بولا

"بھلا میں اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔"

"خیر چھوڑیئے.....یہ بتایئے کہ آپ نے وہ سیاہ پکھراج تجوری میں کیوں رکھ دیا؟"

"وہ تجوری ہی میں رہتا تھا۔ پرسوں چند مہمانوں کو دکھانے کیلئے شوکیس میں لگایا گیا تھا۔"

"مہمانوں کو دکھانے کے لئے؟"

"جی ہاں۔"

"ان مہمانوں کے نام.....؟"

سیکریٹری نے نام بتانے شروع کئے اور انور اپنی نوٹ بک میں لکھتا گیا۔

"سر صغیر احمد.....!" انور ایک نام پر بڑبڑایا۔ "نیشنل بنک کا ڈائریکٹر نا.....!"

"جی ہاں وہی۔"

"شاید وہ بھی تو پتھروں کا شوقین ہے۔"

"جی ہاں۔"

"پروفیسر سے اس کے تعلقات کیسے تھے۔"

"اچھے خاصے تھے۔"

"لیکن ہم پیشہ اور ہم شوق لوگ ایک دوسرے سے حسد بھی تو رکھتے ہیں۔" انور بولا۔

"بھلا میں اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"تو وہ پکھراج پرسوں سے آج تک اُسی شوکیس میں رہا۔"

"جی ہاں"

انور اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کمرے سے نکل آیا۔

کچھ نئی باتیں!

چار بجے شام کو انور تیمور منزل سے شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کیس میں اُسے سچ مچ دچنے پر مجبور ہو جانا پڑا تھا۔ سیکریٹری کا بیان الجھا ہوا تھا اور فی الحال کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ی کہ اسے مجرم کیوں نہ سمجھا جائے۔ پتھر چرایا گیا تھا۔ لیکن وہ اس کے بیان کے مطابق دعوت

والی رات سے اس وقت تک اسی شوکیس میں موجود رہا۔ پھر دوسری بات یہ کہ اگر وہ تجور
رکھا جاتا تھا تو پھر دعوت کے اختتام سے اب تک شوکیس ہی میں کیوں رکھا رہا۔ انور کو
ہو رہا تھا کہ اُس نے اس سے اور سوالات کیوں نہ کئے۔ پھر اس کا ذہن گلوریا کی طرف
ہو گیا۔ اُسے سو فیصدی یقین تھا کہ وہ پچھلی رات کو جائے واردات پر موجود تھی لیکن اس یقین
بنیاد کسی منطقی دلیل پر نہیں تھی جس خوشبو کا تجربہ اسے پچھلی رات کو ہوا تھا اس کا استعمال گلوریا
علاوہ کوئی دوسرا بھی کرسکتا تھا۔ اس امکان کے باؤجود بھی وہ نہ جانے کیوں گلوریا کو اس کیس
متعلق ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ پکھراج اسی نے چرایا ہو اور پھر کسی وجہ
اُسے واپس کر دینے پر آمادہ ہو گئی ہو۔ اس کام کے لئے اس نے اس لڑکی کو منتخب کیا ہو۔ لا
نہیں...... وہ سوچنے لگا۔ اگر یہ بات تھی تو اس لڑکی کے پاس سکریٹری کی کار کی موجودگی کیا
رکھتی ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خود سکریٹری بھی ملا ہوا تھا اور اگر یہ درست ہے تو
پتھر کی واپسی کے لئے اُسے ہموار کرنا بالکل ہی احمقانہ فعل تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام خود سکریٹری
انجام دے سکتا تھا۔ پھر اچانک اس کا ذہن ایک دوسرے ہی دھارے پر بہہ نکلا۔ آخر پروفیسر
قتل کیا معنی رکھتا ہے اگر یہ سب کچھ اُسے پھنسانے کے لئے کیا گیا تھا تو اس سازش کی پشت
کون ہوسکتا ہے اور پھر سوچتے سوچتے اسے الجھن ہونے لگی اور اس نے وقتی طور پر یہ خیال
سے نکال پھینکا۔

رشیدہ گھر پر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ انور نے کمرے میں داخل ہوتے ہی فلٹ ہیٹ
کر دور پھینک دی۔ نشانہ تو میز ہی کا لیا تھا لیکن ہاتھ بہک جانے کی وجہ سے وہ جوتوں کی الما
میں جا گری۔ ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر کے وہ ایک آرام کرسی میں دھنس گیا۔

"کیوں؟ کیا کسی نے مرمت کر دی۔" رشیدہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں میں کسی ایسے کی تلاش میں ہوں جس کی مرمت کی جاسکے۔"

"آئینہ لادوں۔" رشیدہ نے بھولے پن سے کہا اور انور اُسے گھورنے لگا۔

"رپورٹ......!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"بہت اچھا حضور...... سنئے...... وہ مے پول ہوٹل کے کمرہ نمبر ۴۶ میں رہتا ہے۔

میں اس کا نام وجے کمار ہے ہوٹل میں لڑکی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اُس سے
کچھ باتیں کرتا رہا لڑکی خوفزدہ سی نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ ہوٹل سے چلی گئی اور میں واپس آ گئی۔"

"تم واپس آ گئیں۔"

"اور پھر کیا کرتی۔"

"اوہ...... تم اتنی اُلو کیوں ہو گئی ہو۔"

"نہیں تو کہاں۔" رشیدہ حیرت سے اپنا پورا جسم ٹٹولتی ہوئی بولی۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"تو میں کیا کروں۔"

"رشو......!"

"فرمائیے مسٹر انور۔"

"مجھے غصہ آ جائے گا۔"

"بُری بات ہے۔ بچوں کو غصے سے پرہیز کرنا چاہئے۔" رشیدہ مربیانہ انداز میں بولی۔

"رشو......!" انور جھلا کر چیخا۔

"انور......!" رشیدہ بھی اسی انداز میں چیخی۔

انور دانت پیسنے لگا۔ رشیدہ اس کی نقل کر رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے تمہاری شامت آ گئی ہے۔" انور نے کہا۔

"ہاں آئی تو تھی مگر تم سے ملاقات نہ ہونے پر افسوس ظاہر کر کے اپنا پتہ چھوڑ گئی۔"

"میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔"

"بسم اللہ...... مگر میز پر نہیں۔ کمزور لکڑی کی ہے۔ میرا خیال ہے دیوار...... خیر دیوار ہی سہی۔"

"بکواس بند کرو۔" انور پھر چیخا۔

"بکواس بند کر دی۔" رشیدہ بھی اُسی انداز میں چیخی اور چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

انور نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور رشیدہ بلند آواز میں گانے لگی۔

"مان مرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار......!"

"ارے بند کرو...... بند کرو...... یہ نفرت آمیز گانا۔" انور زور سے چیخا۔

"کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار......!" رشیدہ نے پھر ہانک لگائی۔

"میں سچ کہتا ہوں۔"

"مان مرا احسان......!"

"چپ رہو۔"

"ارے نادان کہ میں......!"

"ارے چپ ارے چپ۔" انور کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بولا۔ "خدا غارت کر اُسے جس نے یہ گیت لکھا تھا۔ جاہل تھا وہ بالکل اُلو کا پٹھا تھا۔"

"تجھ سے کیا ہے پیار......!"

انور نے جھلا کر اپنی ٹائی کی گرہ تنگ کرنی شروع کر دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گھونٹ کر مر جائے گا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ گیت حد درجہ نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا۔

"چچ چچ...... ٹائی خوش رنگ بھی ہے۔" رشیدہ اس کے ہاتھ پکڑتی ہوئی بو

"آخر تمہیں اس گیت سے اتنی چڑ کیوں ہے۔"

"دور ہٹو...... دور ہٹو......!" انور اٹھتا ہوا بولا۔

"اب مجھے ان کھڑکیوں میں سلاخیں لگوانی پڑیں گی۔" رشیدہ فکر مند لہجے میں بو

"معلوم نہیں کب پڑوس کے ریڈیو سیٹ پر یہی گیت آنے لگے اور تم کھڑکی سے چھلانگ لگا

"تم خدا کے لئے یہاں سے چلی جاؤ۔" انور عاجز آکر بولا۔

"میں خود ہی جا رہی تھی۔" رشیدہ دروازے کی طرف بڑھی اور تھوڑی دور جا کر پھر

"جانتے ہو وہ پراسرار لڑکی کون ہے؟"

"کیوں خواہ مخواہ مجھے تنگ کرتی ہو۔" انور کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

"اب آئے ہو سیدھی راہ پر...... خیر سنو...... اس کا نام رابعہ صغیر ہے اور وہ سر صغیر ا لڑکی ہے۔"

"کیا کہا......؟" انور اچھل کر بولا پھر اس کی نظریں رشیدہ کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" رشیدہ نے آہستہ سے پوچھا۔

"بہت بڑی بات۔" انور کی نظریں بدستور اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"گرہیں خود بخود کھلتی جا رہی ہیں۔ خود بخود کھل رہی ہیں۔"

"تو ٹھیک سے بتاؤ نا۔"

دفعتاً انور نے چونک کر اپنی نظریں اس کے چہرے پر سے ہٹا لیں اور پھر اس طرح اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

"معاملہ بہت زیادہ الجھا ہوا ہے۔" انور نے کہا اور رشیدہ کو اپنی اور سیکریٹری کی گفتگو کے متعلق بتانے لگا۔

"تب تو معاملہ صاف ہے۔" رشیدہ بولی۔ "سیکریٹری بھی ملا ہوا ہے لیکن پروفیسر کے قتل کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا اور اب تو یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا کہ کسی نے تمہیں پھنسانے کی کوشش کی ہے۔ بھلا صغیر احمد یا اُس کی لڑکی سے تمہارا کیا تعلق۔"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"ہاں ایک بات تو بھول ہی گئی۔ ایک عورت تلاش کرتی ہوئی آفس پہنچی تھی۔ اپنا نام گلوریا بتایا تھا۔ شاید وہ مناسب حق المحنت کے عوض تم سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔"

"گلوریا؟ کیوں کیا......!" انور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا تم اُسے جانتے ہو......؟"

"ہاں...... میری فہرست میں وہ بھی شامل ہے۔"

"بہرحال وہ اپنا پتہ دے گئی ہے۔"

"ہوں......!" انور کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ "میں نے ابھی تک چائے نہیں پی۔"

"لیکن میں نے سنا ہے کہ تمہارے استاد انسپکٹر فریدی کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں۔"

"وہ عشق کی آخری منزل ہے...... میں ابھی تک وہاں نہیں پہنچ سکا۔"

چائے پی چکنے کے بعد وہ رحمٰن بلڈنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ گلوریا اُسے

کچھ بتانا چاہتی ہے کوئی اہم بات۔

تھوڑی دیر بعد وہ گلوریا کے فلیٹ کی گھنٹی بجا رہا تھا۔ دروازہ کھلا اور گلوریا چونک کر ہٹ گئی۔

"آپ......آپ......کیوں؟"

"کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"مگر اس وقت یہاں گھر میں مہمان......!"

"آپ مطمئن رہیے......آپ کا مہمان محفوظ رہے گا۔"

وہ دروازہ بند کر کے واپس لوٹ گئی۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خاص انتظام کر کے انور کو بلائے گی۔ انور نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا لیکن سامنے پڑتے ہی وہ ٹھٹک گیا۔ ایک معمر آدمی صوفے سے اٹھ رہا تھا۔ انور اسے اچھی طرح جانتا تھا سر صغیر احمد تھا۔

سر صغیر اپنے سر پر فلیٹ ہیٹ جماتا اور کچھ بڑبڑاتا ہوا اس کے قریب سے گذر گیا۔

گلوریا انور کو بُری طرح گھور رہی تھی۔

"میں اس بدتمیزی کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اور مجھے آپ کا یہ جملہ بڑا عجیب لگ رہا ہے۔"

"تم آخر ہو کون......؟" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"آپ تو اس طرح کہہ رہی ہیں جیسے میں زبردستی یہاں گھس آیا ہوں۔" انور نے مسکرا کر کہا اور اپنا ملاقاتی کارڈ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"انور سعید......!" وہ اچھل پڑی۔ "مگر......مگر......!"

"میں آپ کی درخواست پر یہاں آیا ہوں۔"

"اوہ......معاف کیجئے گا۔ آپ نے پہلے ہی کیوں نہیں بتا دیا تھا۔"

"آپ نے پوچھا ہی کب تھا......؟"

"اچھا تو بیٹھئے۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" انور بیٹھتا ہوا بولا۔

"میں آپ کی مدد چاہتی ہوں۔"

"کس معاملے میں۔"

"پولیس نے نکولس کو پکڑ لیا ہے۔"

"نکولس......کون نکولس......!"

"پروفیسر تیموری کا دوست......!"

"لیکن اس سے آپ کا کیا تعلق......؟"

"میری اور اس کی شادی ہونے والی تھی۔"

"اور وہ کل رات کو یہاں آیا تھا۔" انور نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"تو وہ پروفیسر کے ساتھ ہی کیوں نہیں چلا آیا تھا۔"

"وہ نہیں چاہتا تھا کہ پروفیسر کو علم ہو۔"

"کیوں......؟"

"اب میں کیا بتاؤں۔" وہ بے بسی سے انور کو دیکھنے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔ "آپ نے میری تصویر پروفیسر کے کمرے میں دیکھی تھی۔"

"ہاں تو پھر......!"

"یہ سب میں نے نکولس ہی کے لئے کیا تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو نکولس کے کاروبار کے لئے روپیہ کہاں سے فراہم ہوتا۔ اسے بھی پتھروں کا خبط ہے اور اس نے بھی اپنی زندگی پتھروں کے لئے وقف کر دی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور جانتا ہی نہیں۔ میں نے پروفیسر تیموری سے قرض دلوایا تھا اور اسی سے وہ کاروبار کر رہا تھا۔ پروفیسر اس کا گاہک بھی تھا۔"

"کیا پروفیسر کو تم دونوں کے تعلقات کا علم تھا۔"

"ہاں......!"

"اور یہ سر صغیر احمد۔"

"یہ بھی نکولس کے گاہکوں میں سے ہے۔"

"لیکن تمہارا اس سے کیا تعلق۔"

گلوریا خاموش ہوگئی۔ انور اُسے گھور رہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی نہیں۔"

"اچھا سیاہ پکھراج کے بارے میں تم کیا جانتی ہو۔"

گلوریا بے اختیار چونک پڑی۔ اُس کے چہرے کی رنگت اڑنے لگی تھی لیکن ا
ہی اپنی حالت پر قابو پالیا۔

"سیاہ پکھراج...... کیسا سیاہ پکھراج...... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"پھر میں تمہاری کوئی مدد نہ کرسکوں گا۔"

"مسٹر انور...... نکولس کو اس مصیبت سے نجات دلائیے۔ میں آپ سے التجا کر

"تو پھر میں جو کچھ پوچھتا ہوں تم بتاتی کیوں نہیں۔"

"جو کچھ میں جانتی تھی میں نے بتا دیا۔"

"تم نے کچھ نہیں بتایا۔ لیکن تم ایک دن سب کچھ بتانے پر تیار ہو جاؤ گی۔"

گلوریا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"کیا تم پروفیسر والی دعوت میں شریک تھیں۔"

"نہیں...... لیکن نکولس وہاں موجود تھا۔"

"سر صغیر اور پروفیسر کے تعلقات کیسے تھے؟"

گلوریا ایک بار پھر خاموش ہوگئی لیکن اُسے بولنا ہی پڑا اور وہ کافی دیر تک ب
رہی۔ لیکن انور کے لئے وہ سب بے سود تھیں۔ اس کی دانست میں وہ اس سے کچھ
کوشش کررہی تھی۔

وہ لڑکی

سات بجتے بجتے انور پھر سونا گھاٹ پہنچ گیا۔ تیمور منزل میں ابھی دو پولیس کانسٹیل

تھے۔ آصف وغیرہ جاچکے تھے۔ کانسٹیبل دوپہر کو انور اور آصف کو ایک ساتھ دیکھ چکے تھے اس لئے انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ انور سیدھا سیکریٹری کے کمرے میں چلا گیا جو اس وقت بھی بند تھا۔ البتہ کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں جن سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

انور نے دستک دی اور دروازہ کھل گیا۔ سیکریٹری اُسے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت جھانک رہی تھی۔

"میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے فرصت نہیں۔"

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہاری خالہ......!"

"آپ جاسکتے ہیں۔" وہ بگڑ کر بولا۔ "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔"

انور ہنسنے لگا...... اور سیکریٹری نے دروازہ بند کردیا۔ انور تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کھڑکی کے قریب جاکر بولا۔ "سیکریٹری صاحب آپ خواہ مخواہ ناراض ہوگئے...... مجھے رابعہ صغیر نے بھیجا ہے۔"

دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھل گیا اور سیکریٹری باہر نکل آیا۔

"کس نے بھیجا ہے تمہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"تمہاری خالہ رابعہ صغیر نے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

سیکریٹری دیوار سے ٹک کر کھڑا ہوگیا۔ انور نے محسوس کیا کہ وہ بغیر سہارے کے نہیں کھڑا ہوسکتا۔

"اندر چلو......!" انور اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے بولا۔

"سیکریٹری بالکل بے بس نظر آرہا تھا۔"

"پولیس کو ابھی اس کی اطلاع نہیں کہ تم نے پروفیسر کی اجازت کے بغیر کل رات کو گھر چھوڑا تھا۔"

"تو کیا......!" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "رابعہ نے سب کچھ بتا دیا۔"

"تم نے پولیس سے یہ بات کیوں چھپائی تھی کہ دعوت والی رات کو سیاہ پکھراج گم ہوگیا

تھا اور پروفیسر کی موت کے بعد پھر مل گیا۔"

"اگر رابعہ نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے تو اب مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"رابعہ نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا لیکن اب تمہیں سب کچھ بتانا پڑے گا۔"

سیکریٹری کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"لیکن اتنا یاد رکھو کہ تم جھوٹ بول کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔" انور پھر بولا۔

"میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔" سیکریٹری گلوگیر آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں آ
رہے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ پروفیسر کو کس نے قتل کیا لیکن یہ جانتا ہوں کہ پتھر کس نے چرا
تم کسی طرح سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرو کہ پروفیسر کا قاتل میں ہی ہوں۔ پتھر ک
اندھیرے ہی میں رہنے دو۔ میں نہیں چاہتا کہ رابعہ کا نام منظر عام پر آئے۔ اس سے بہتر
لئے پھانسی ہوگی۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں پہلے ہی سے یہ ساری اسکیم معلوم تھی۔"

"نہیں...... بلکہ میں بعد میں ان نتائج پر پہنچا ہوں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں واپس آنے کے بعد تمہیں اس بات کا احساس
تمہیں کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔"

"نہیں...... نہیں...... میں اس کے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔ کچھ نہیں سمجھنا چاہتا
اس کا اعتراف ہے کہ میں نے پروفیسر سے چھٹی نہیں لی تھی۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ را
واپس نہیں آ سکتے۔"

"تو نشاط نگر جانے سے پہلے تمہیں اس کی اطلاع نہیں تھی کہ تم نشاط نگر جاؤ گے۔"

"مسٹر انور آپ یہ سب مت پوچھئے۔ کسی طرح یہ ثابت کر کے مجھے پھانسی کے تخ
پہنچا دیجئے کہ میں ہی پروفیسر کا قاتل ہوں۔"

"کیوں؟ تم زندگی سے بیزار کیوں ہو گئے ہو؟"

"میں یہ سوچنے سے پہلے مرجانا چاہتا ہوں کہ جس پر مجھے اعتماد تھا اس نے مجھے فریب

"تمہارا اشارہ رابعہ کی طرف ہے۔"

سیکریٹری نے خاموش ہو کر گردن جھکا لی اور انور سوچنے لگا کہ اسے اداکاری سمجھے یا
قیقت۔ کیا وہ سچ مچ راست بازی سے کام لے رہا تھا یا رابعہ کو پھنسا کر خود الگ ہو جانے کی
وشش کر رہا تھا۔

"تم نے آخر پتھر کی چوری اور بازیافت کے متعلق پولیس کو کیوں نہیں بتایا۔"

"مسٹر انور وہ پروفیسر کی زندگی ہی میں چرایا گیا تھا؟ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کتنا
ش قیمت ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بتائیے کہ خود پروفیسر ہی نے اس کی اطلاع پولیس کو کیوں نہیں
ی۔"

انور چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا

"ظاہر ہے کہ وہ اس کی اطلاع پولیس کو نہیں دینا چاہتے تھے۔" سیکریٹری پھر بولا۔

"لیکن وہ پتھر اسے ملا کہاں سے تھا۔" انور نے پوچھا۔

"مجھے اس کی اطلاع نہیں اور نہ میں یہی بتا سکتا ہوں کہ وہ ان کے پاس کب سے تھا۔"

"دعوت میں رابعہ بھی شریک تھی۔"

"ہاں...... وہ بھی تھی۔" سیکریٹری نے مضمحل آواز میں کہا۔

"اور دوسری صبح کو پکھراج شوکیس میں نہیں تھا۔" انور نے کہا۔

"ہاں......!"

"اُسے رات ہی کو تجوری میں کیوں نہیں رکھ دیا گیا تھا؟"

"اب اس کے متعلق میں کیا بتا سکتا ہوں۔ میں نے پروفیسر سے کہا بھی تھا لیکن انہوں
نے کہا کہ نہیں اُسے شوکیس ہی میں رہنے دیا جائے۔"

"رابعہ کس وقت تک تمہارے ساتھ نشاط نگر میں رہی۔"

"تین بجے تک ...... بلکہ وہ وہیں رہ گئی اور میں واپس چلا آیا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں
پروفیسر صبح ہی صبح واپس نہ آ جائے۔"

"تم اسے بہت چاہتے ہو۔"

سیکریٹری خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں جھک گئی تھیں۔

"نشاط نگر میں تم کہاں رہے۔" انور نے پوچھا۔

"درحقیقت میری ایک خالہ نشاط نگر میں رہتی ہے لیکن میں نے وہاں رات نہیں گذاری تھی

"پھر......!"

"رابعہ کے گھر پر......!"

"کیا نشاط نگر میں اس کا کوئی گھر ہے۔"

"جی ہاں...... اکثر وہ لوگ تبدیل آب و ہوا کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ ویسے وہ خالی ہی رہتا ہے۔"

"کیا اس سے پہلے بھی تم لوگ اس قسم کی راتیں گذار چکے ہو۔" انور نے پوچھا۔

"کبھی نہیں اور مجھے اس پر حیرت ہے کہ رابعہ جیسی ڈرپوک لڑکی اس پر کیسے تیار ہوگئی تھی"

"تو کیا خود تم ہی نے اس سے اس کے لئے کہا تھا۔"

"قطعی نہیں...... یہ تجویز اسی نے پیش کی تھی کہ ہم نشاط نگر میں رات گذاریں۔ حالانکہ ا سے قبل وہ کبھی میرے ساتھ سینما تک نہیں گئی تھی۔ ایسی باتوں پر عموماً خوف ظاہر کیا کرتی تھی۔"

"لیکن نشاط نگر کیوں اتنی آزادی سے چلی گئی۔"

"اس نے کہا تھا کہ سر صغیر رات کو گھر پر نہیں رہیں گے۔"

"اوہ......!" انور اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ "یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ پروفیسر دونوں بیک وقت رات کو گھر سے باہر رہنے کا ارادہ رکھتے تھے۔"

"تو کیا...... تو کیا......!"

"نہیں......!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کسی قسم کا خیال ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ قطعی یہ مقصد نہیں ہے کہ سر صغیر نے تمہارے ذریعہ پروفیسر کو قتل کرادیا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں وا اس کا علم نہ ہو۔ میں سر صغیر کی طرف سے بہت زیادہ مشکوک ہوں اور پولیس کو بھی اسی راہ لگانے کی کوشش کروں گا۔"

"نہیں مسٹر انور...... نہیں خدا کے لئے ...... اس طرح رابعہ کی بھی بدنامی ہوگی اور م اسے کسی طرح برداشت نہیں کرسکتا۔ میں پولیس کے سامنے اعتراف جرم کئے لیتا ہوں اگر آ

اس قسم کا کوئی قدم اٹھایا تو میں خود کو قانون کے حوالے کردوں گا اور میرا خون ناحق آپ کی دن پر ہوگا۔"

"واہ رے میرے شیر......!" انور ہنس کر بولا۔ "تم نے تو فرہاد کی بھی قبر پر لات ماردی۔ س صدی میں میں نے ایسا عشق نہیں سنا۔"

"مسٹر انور آپ جاسکتے ہیں۔" سیکریٹری اسے گھورتا ہوا بولا۔

"ظاہر ہے کہ میں یہاں رات نہیں بسر کروں گا۔" انور مسکرا کر بولا۔

"مجھے آپ سے ہمدردی کی توقع ہے۔"

"ہمدردی کی توقع اُسی وقت رکھ سکتے ہو جب سب کچھ صحیح صحیح بتادو۔"

"اور کیا میں ابھی تک جھک مار رہا تھا۔" سیکریٹری نے بگڑ کر کہا۔

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔"

"مسٹر انور......!"

"گرم ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "بعض اوقات میں لوگوں کو مصلحتاً غصہ دلادیتا ہوں۔"

سونا گھاٹ سے واپسی پر انور کے ذہن میں عجیب قسم کا انتشار برپا تھا اور اس انتشار میں تصویریں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ رابعہ، گلوریا، نکولس، سیکریٹری سر صغیر احمد۔ وہ الجھتا اور پھر شہر پہنچ کر اس نے اپنی موٹر سائیکل سر صغیر احمد کی کوٹھی کی طرف موڑ دی۔ کوٹھی کے قریب سے صغیر دکھائی دیا جو اپنی کار پر کہیں جارہا تھا۔ انور نے موٹر سائیکل کی رفتار دھیمی کردی اور اسے یقین ہوگیا کہ صغیر کی کار کافی دور نکل گئی ہوگی تو اس نے اپنی موٹر سائیکل کوٹھی کے ک پر کھڑی کردی اور خود اندر چلا گیا۔

"کس سے ملنا ہے آپ کو......!" ایک نوکر نے آگے بڑھ کر کہا۔ "صاحب ابھی باہر ہیں۔"

"مس رابعہ......!" انور نے اپنا ملاقاتی کارڈ نوکر کو دیتے ہوئے کہا۔

نوکر چلا گیا اور انور برآمدے میں انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آیا۔

"مس صاحبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ان سے کہہ دو بہت ضروری کام ہے۔" انور نے کہا اور پھر بلند آواز میں بولا۔ "ر

"مسٹر انور......!" دروازے سے آواز آئی۔ "اندر آجایئے۔"

رابعہ سامنے کھڑی تھی۔ وہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

انور اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

"کنجیاں واپس کردیجئے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیسی کنجیاں؟"

"میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔" وہ روتی آواز میں بولی۔ "آپ جتنا روپیہ طلب
گے میں آپ کو دے سکتی ہوں۔"

"بھلا ایک ایسے آدمی کو روپوں پیسوں سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے جو پھانسی پر چڑھنے جار

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"پولیس کو وہاں میری موجودگی کا علم ہوگیا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب پروفیسر
الزام بھی میرے ہی سر تھوپ دیا جائے گا۔"

"اوہ...... میرے خدا میں کیا کروں۔" رابعہ سر پکڑ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کچھ نہیں...... میری پھانسی کی خبر اخبارات میں پڑھ لیجئے گا۔"

"نہیں...... نہیں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے۔

"تو پھر یہ بتایئے کہ پروفیسر کا قاتل کون ہے۔"

"میں...... میں کیا جانوں...... میں۔"

"کیا سر صغیر کو آپ کے اور پروفیسر کے سیکریٹری کی دوستی کے متعلق معلوم ہے۔"

"جی......!" وہ اچھل کر بولی۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ کیا انہیں یہ معلوم تھا کہ آپ سیکریٹری کے ساتھ نشاط نگر میں
بسر کریں گی۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں سیکریٹری کو نہیں جانتی۔"

"تو پھر آپ نے اس کی کار چرائی ہوگی کیونکہ آپ اُسی کی کار پر مجھ سے ملنے گئی تھیں۔"

"جی......!" رابعہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"جی ہاں...... میرے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں ہے اور کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ وجے
کمار کو آپ کب سے جانتی ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" وہ بے اختیار رو پڑی۔ "خدا کے لئے کنجیاں واپس کردیجئے اور اپنا
حق الحت بتایئے۔"

"کیا اب میں حق الحت اپنی قبر میں لے جاؤں گا۔"

"پھر میں کیا کروں۔"

"سب کچھ سچ سچ بتادیجئے۔"

"میں اس شخص کا نام نہیں بتاؤں گی۔"

"کیا قاتل کا......؟"

"نہیں نہیں...... اس کا جس نے مجھے پکھراج واپس کرنے کے لئے دیا تھا۔ لیکن وہ قاتل
نہیں ہے۔ ہرگز نہیں۔"

"اچھا تو پھر میں ہی قاتل ہوں...... چڑھ جاؤں گا پھانسی پر۔"

"نہیں...... نہیں۔" وہ بے تابانہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"آپ کی یہ پریشانی مجھے پھانسی سے نہیں بچا سکتی۔"

"میں کیا کروں......!" وہ پھر بیٹھ گئی۔

"سیکریٹری سچ مچ اس سازش میں شریک تھا یا آپ نے اُسے دھوکا دیا تھا۔"

"نہیں...... نہیں میں کچھ نہیں جانتی۔"

"آپ بہت کچھ جانتی ہیں۔"

وہ پھر رو پڑی۔

"دیکھئے یہ سب بیکار ہے۔ آپ کے آنسو بھی مجھے پھانسی سے نہیں بچا سکتے۔"

"مسٹر انور...... خدا کے لئے۔"

''میں مجبور ہوں۔''

''میں جانتی ہوں کہ آپ کا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔''

''یہ آپ کا خیال ہے۔''

''آپ بتایئے کہ میں آپ کو کتنا روپیہ دوں؟''

''روپیہ میں آپ سے نہیں لوں گا۔''

''پھر......!''

''میں نہیں بتا سکتا۔ لیجئے یہ کنجیاں سنبھالئے۔'' انور کنجیاں اس کی گود میں پھینک کر کھڑا ہو گیا اور پھر جانے کے لئے مڑا۔

''مسٹر انور......!''

''فرمایئے۔''

''خدا کے لئے......سنئے تو......ایک منٹ ٹھہر جایئے......صرف ایک منٹ سنئے تو۔''

وہ پکارتی ہی رہ گئی۔ انور کے قدموں کی آہٹیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔

''مے پول ہوٹل میں ایک مسافر وجے کمار۔'' آصف نے کہا۔ انور نے بہت ضبط سے ام لیا تھا۔ اگر وہ اس وقت بہت زیادہ محتاط نہ ہوتا تو یقیناً اچھل پڑتا۔

''اچھا......!'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ مدراس کا ایک مشہور بدمعاش تھا اور کئی بار کا سزا یافتہ بھی۔''

''مدراس کا......!'' انور نے کہا۔ ''وہی تو نہیں جو کسی جوہری کے یہاں ڈاکہ ڈالنے کے لئے میں ماخوذ ہوا تھا۔''

''وہی......وہی......لیکن میں تمہاری یادداشت کی داد دیتا ہوں۔''

''تو وہ کن حالات میں قتل ہوا......؟''

''ہوٹل والوں کا بیان ہے کہ شام کو جب وہ نشے میں بُری طرح دھت تھا ایک آدمی اسے ل تک پہنچانے کے لئے آیا تھا۔ پھر ویٹروں نے اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ تقریباً ٹھ بجے ایک ویٹر اس کا کھانا لے کر اس کے کمرے میں گیا اور وہاں سے الٹے پیروں واپس آیا۔ ں نے وہاں اس کی لاش دیکھی تھی ایک خنجر اس کے سینے میں پیوست تھا۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ ے نشے ہی کی حالت میں قتل کیا گیا تھا۔''

''اس آدمی کا پتہ لگا جو اُسے ہوٹل تک پہنچانے آیا تھا......؟'' انور نے پوچھا۔

''پتہ نہ لگتا تو اچھا تھا......!'' آصف بولا۔

''کیوں......؟''

اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا......!''

''یعنی......!''

''سر صغیر احمد نے اسے ہوٹل پہنچایا تھا۔''

''اوہ......تو کیا وہ سر صغیر کا دوست تھا۔'' انور نے پوچھا۔

''نہیں......وہ اسے ایک جگہ نشے میں پڑا ہوا ملا تھا۔''

''لیکن سر صغیر کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ مے پول ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔''

''انہوں نے اس سے پہلے بھی اسے ہوٹل میں دیکھا تھا اس لئے وہ اسے ہوٹل لے آئے

کہ شاید اسے کوئی پہچانتا ہو۔ وہاں پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ وہ وہیں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"اور تم نے اس پر یقین کرلیا۔"

"کیوں یقین کیوں نہ کرتا۔" آصف بھنا کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔" انور نے کہا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کردی۔

گھر پہنچ کر اسے رشیدہ کو سارے واقعات کی مکمل رپورٹ دینی پڑی۔

"اب آرہے ہیں دانتوں پسینے۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "پہلے ہی منع کیا تھا۔"

"تو کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ہمت ہار گیا۔"

"نہیں تم ٹھہرے تیس اور تیس ساٹھ مار خاں۔"

"ہشت...... فضول بکواس نہیں۔ سنو کل تمہیں قدیر کے دفتر میں جا کر پوسٹ مارٹ پچھلے دو تین سال کے شمارے دیکھنے ہیں۔ مجھے خیال پڑتا ہے کہ کبھی وہ پروفیسر تیموری اور سر احمد کے پیچھے پڑ گیا تھا ممکن ہے کہ کوئی کام کی بات ہاتھ لگ جائے۔"

"فضول اور بے کار۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔ "تم ہمیشہ نکمی باتیں سوچتے ہو۔ خواہ مخوا سری مول لینے سے کیا فائدہ۔"

"بہتر ہے میں یہ کام خود ہی انجام دے لوں گا۔" انور بگڑ کر بولا۔ "تم سمجھتی ہو کہ تمہا بغیر میں اپاہج ہو جاؤں گا۔"

"اچھا بابا اچھا۔ بگڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں ضرور جھک ماروں گی۔"

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو......!" انور نے ریسیور اٹھالیا۔

"اوہ انور......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں ہوں قدیر۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں سب کچھ بتادوں۔ یہ معاملہ سنگین ہے ممکن ہے کسی قانونی شکنجے میں پھنس جاؤں۔"

"تم مجھے کیا بتاؤ گے۔" انور نے پوچھا۔

"یہی کہ پروفیسر کا سیکریٹری کل رات کو کہاں اور کس کے ساتھ تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" انور مسکرایا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

"تم کچھ نہیں جانتے۔" دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی۔

"میں پوچھتا ہوں کہ تم کس طرح ان کے پیچھے لگ گئے تھے۔"

دوسری طرف سے پھر قہقہہ سنائی دیا۔ "دیکھو انور تم میرے احسان سے کسی طرح نہیں بچ کتے۔ اس قسم کی گفتگو کرنے کے بعد اور مجھ سے معلومات حاصل کر کے تم کہو گے کہ مجھے اس کا پہلے سے علم تھا۔"

"یہ بات نہیں پیارے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں رابعہ اور سیکریٹری کے عشق کے متعلق مثنوی لکھ رہا ہوں اور اس کے جملہ حقوق تمہارے نام محفوظ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"اوہ تو تمہیں سچ مچ معلوم ہے۔" قدیر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے ان کا تعاقب کیوں کیا تھا۔"

"اب اسے پوچھ کر کیا کرو گے؟ اسی کی روٹیاں کھاتا ہوں۔ اگر پروفیسر کا قتل نہ ہو جاتا تو ایک معقول رقم ہاتھ آنے کی امید تھی۔ سر صغیر کبھی یہ نہ چاہتا کہ اس کی لڑکی بدنام ہو جائے۔"

"سر صغیر......" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ "اسے شاید یہ نہیں معلوم کہ وقت اس کے لئے انسی کا پھندا تیار کر رہا ہے۔"

"کیوں...... کیا...... وہ یعنی وہ......!"

"ہاں مجھے اس پر شبہ ہے اور بہت جلد پولیس بھی میرے ہی راستے پر آجائے گی۔"

"نہیں بھئی...... تم آخر اس پر کیوں شبہ کر رہے ہو۔ اگر نکلس ہی ہوا تو؟"

"لیکن اسے اپنے ہی تک محدود رکھنا کہ میں اس پر شبہ کر رہا ہوں۔"

"ارے یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ممکن ہے کل میں رشیدہ کو کسی کام سے تمہارے پاس بھیجوں۔"

"ضرور...... ضرور...... بڑی خوشی سے۔"

"اچھا شب بخیر......!" انور نے ریسیور رکھ دیا اور رشیدہ کی طرف مڑ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"وجے کار وہی تھا۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کون......!"

''جس نے مدراسی جوہری کے یہاں ڈاکہ ڈالا تھا اور انتہائی کوششوں کے باوجود پکھراج اس کے پاس سے برآمد نہیں ہوا تھا۔''

''سیاہ پکھراج......!'' رشیدہ متحیر ہو کر بولی۔ ''آخر تمہارے سر پر سیاہ پکھراج کیوں سوار ہے''

انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کوٹ اتارنے ہی جا رہا تھا کہ رشیدہ پھر بولی۔

''کیا کھانا کھانے کا ارادہ نہیں۔''

''نہیں......!'' انور نے کہا اور کپڑے اتارنے لگا۔ ''میں نے تم سے سو بار کہا کھانے کے لئے میرا انتظار نہ کیا کرو۔''

''بہتر ہے۔'' رشیدہ جھلا کر بولی اور کمرے سے چلی گئی۔

دوسرے دن صبح ہی صبح پھر انسپکٹر آصف سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ انور کا ارادہ تھا کہ وہ سب پہلے اپنے اخبار کیلئے جاسوسی ناول کی قسط لکھے گا پھر کسی دوسرے کام میں ہاتھ لگائے گا۔ لیکن اٹھنے کے بعد اسے آصف کا منہ دیکھنا پڑا۔ جو خلاف معمول بہت زیادہ بارونق معلوم ہو رہا تھا

''دیکھا تم نے......؟'' وہ چہک کر بولا۔ ''اس بار تم پھسڈی ہو گئے۔''

''کیوں......؟''

''قاتل پکڑ لیا گیا۔''

''یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ جھگڑا قتل ہی پر ختم ہوتا۔'' انور نے کہا اور آصف ہنسنے لگا۔

''خیر......کیا یہ ثبوت بھی ناکافی ہے کہ وہ ہتھوڑا جس سے پروفیسر قتل کیا گیا نکولس ہی کا تھا۔''

''یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''نکولس کے ایک دوست ریٹائرڈ حوالدار میجر شمشیر سنگھ نے اسے شناخت کیا ہے۔''

''اوہ......وہ پگلا حوالدار میجر......!'' انور قہقہہ لگا کر بولا۔ ''یقیناً اپنی عقل کے بجائے تم خود کہیں چرنے گئے تھے۔''

''کیوں......؟''

''بھلا اس پاگل کی شہادت کس عدالت میں پیش کرو گے۔''

آصف نے پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا اور انور اسے گھورنے لگا۔

''خیر......خیر......تم بہت زیادہ عقلمند نہیں ہو۔ خود نکولس نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ ہتھوڑا اسی کا ہے۔'' آصف مسکرا کر بولا۔

''نکولس نے......!''

''ہاں ہاں نکولس نے اور اس سے یہ بھی اگلوا لیا جائے گا کہ وہ پروفیسر کا قاتل ہے۔''

''اچھا تو کیا اسے اس سے انکار ہے۔''

''ہاں......وہ اس کا اعتراف تو کرتا ہے کہ ہتھوڑا اسی کا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ پروفیسر کے گھر میں پہنچا کیسے۔''

اس بار انور نے ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا اور آصف کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

''آصف میاں تم ابھی بوڑھے ہو۔ اگر وہ سچ مچ پروفیسر کا قاتل ہوتا تو کبھی اس بات کا اعتراف نہ کرتا کہ وہ اسی کا ہتھوڑا ہے۔''

''مگر حوالدار میجر......!''

''وہ مخبوط الحواس ہے۔ اس لئے اس کی شہادت قانون کی نگاہ میں بے مصرف ہے۔''

''خیر میں تمہیں دکھا دوں گا۔'' آصف جھلا کر بولا۔

''مگر مفت دکھانا کیونکہ میں تمہارا بہت پرانا دوست ہوں۔''

آصف نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور انور کو گھورے جا رہا تھا۔

"خیر ہٹاؤ......!" انور تھوڑی دیر بعد بولا۔ "پروفیسر کے کسی وارث کا پتہ چلا۔"

"ہاں اس کا ایک بھائی سرحدی علاقے میں سمور کی تجارت کرتا ہے۔ پروفیسر کے قانونی مشیر نے اسے اطلاع دی تھی۔ اس پر اس نے اسے بذریعہ تار ہدایت کی کہ پروفیسر کا سارا اثاثہ بیچ ڈالا جائے اور دوسری دلچسپ بات یہ کہ ایک آدمی پروفیسر کی خواب گاہ کا سارا سامان خریدنے پر مجبور ہو گیا ہے۔"

"صرف خواب گاہ کا سامان۔" انور چونک کر بولا۔ "وہ آدمی کون ہے؟"

"اس نے مسٹر داس سے فون پر بات چیت کی تھی۔ غالباً وہ کسی بنک کے ذریعہ یہ سودا کرے گا۔"

"اس نے اپنا نام بتایا ہی ہوگا۔" انور نے کہا۔

"ہاں...... جے پی سنگھ......!"

"لیکن کس بنک کے ذریعہ۔"

"ابھی یہ کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

انور نے نوٹ بک اٹھا کر اس میں آصف کا بتایا ہوا نام لکھ لیا۔ اسکے ذہن میں تجوری رہی تھی جس میں سیاہ پکھراج رکھا جاتا تھا اور وہ تجوری پروفیسر کی خواب گاہ میں رکھی ہوئی تھی

"یہ بتاؤ کہ وہ صرف خواب گاہ ہی کا سامان کیوں خریدنا چاہتا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" آصف نے کہا۔

"کیا وہ تجوری خواب گاہ ہی میں نہیں ہے جس میں وہ سیاہ پکھراج رکھا ہوا ہے۔"

"اگر یہی بات ہے تو اُس احمق خریدار کو بعد میں بڑی مایوسی ہوگی۔" آصف ہنس کر

"کیوں......؟"

"سیکریٹری نے اس پتھر کو بنک میں رکھوا دیا ہے۔"

"اچھا! کس بنک میں؟"

"نیشنل بنک......!"

"اوہ......!" انور اچھل کر بولا۔ "اور سر صغیر اس بنک کا ڈائریکٹر ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ سر صغیر ہی پروفیسر کا قاتل ہے۔"

"یقیناً تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" آصف منہ بنا کر بولا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔"

"آخر تم سر صغیر کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔" آصف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اور میں بھی محسوس کر رہا ہوں کہ تم کسی سیاہ پتھر کا تذکرہ بار بار کرتے رہے ہو۔"

"صرف یہی نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں یہ بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ وجے کمار کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔"

"شاباش......!" آصف نے قہقہہ لگایا۔ "بس بس اب صرف افیون کی ایک گولی اور پاؤ بھر دودھ کی اور ضرورت پڑے گی۔ اس کے بعد تم اپنے استاد کے بھی کان کاٹ لو گے۔"

انور نے کوئی جواب دینے کے بجائے تولیہ کاندھے پر ڈالا اور غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ آصف تھوڑی دیر تک بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر وہ بھی اٹھ کر چلا گیا۔

ناشتہ کرتے وقت انور رشیدہ سے کہہ رہا تھا۔

"آج تم آفس نہیں جاؤ گی تمہیں روزنامہ "پوسٹ مارٹم" کے پرانے فائل الٹنے ہیں اور ہاں ایک اور نئی دریافت...... تم یہاں کے سارے بنکوں میں گھوم پھر کر یہ پتہ لگاؤ کہ کسی نے جے پی سنگھ کے نام سے اس دوران میں کوئی رقم تو نہیں جمع کرائی اور جمع کروائی ہے تو کس نے۔"

"فائل تو میں دیکھ لوں گی مگر یہ دوسرا کام میرے بس کا نہیں۔ کہاں کہاں کی خاک چھانتی پھروں گی۔"

"قدیر کو ساتھ لے لینا۔ میں اس سے فون پر کہہ دوں گا۔"

"بھئی...... یہ قدیر......!" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ "بہت بور ہے...... خواہ مخواہ بھیجا چاٹ ڈالتا ہے۔"

"بہرحال آج تو تمہیں اُسے برداشت کرنا ہی پڑے گا۔"

"لیکن یہ جے بی سنگھ کون ہے اور کہاں سے ٹپک پڑا" رشیدہ نے پوچھا اور انور نے
واقعہ دہرادیا۔

"جب نکو اس نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ہتھوڑا اسی کا ہے تو پھر اب خواہ مخواہ بھاگ دوڑ کی
ضرورت ہے۔" رشیدہ بولی۔

"یہ ایک اچھا خاصا معمہ ہے۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "اور اب گلوریا کو بڑا
پڑے گا۔ وہ کوئی اہم بات جانتی ہے جسے چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ
پروفیسر کا قاتل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ کبھی اسے اپنا ہتھوڑا نہ تسلیم کرتا۔"

جنگ اور خاتمہ

دوسری صبح انور کو حد درجہ خوش گوار معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی پچھلی تازگی دوبارہ لوٹ آ
اور اس کے چہرے پر فکر کے بادل نہیں تھے۔ پچھلی رات کو رشیدہ اس کا انتظار کرتے کرتے
تھی اور وہ تقریباً دو بجے رات کو چوروں کی طرح اپنے کمرے میں داخل ہو کر چپ چاپ سو گیا

صبح چھ بجے آنکھ کھل جانے کے باوجود بھی وہ ابھی تک بستر میں پڑا انگڑائیاں لے رہا
ذہن اور جسم دونوں تھکے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ اس کے باوجود بھی وہ صبح اس کے لئے
حد خوشگوار تھی۔

"بیٹے آصف......!" وہ خود بخود بڑبڑایا۔ "اس بار تمہیں مرغا بنا کر چھوڑوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ انور نے بُرا سا منہ بنایا اور اٹھ کر دروازہ کھول د
رشیدہ طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں چونک کر انور کی طر
دیکھنے لگی۔ پھر کچھ اور قریب آ کر اس طرح نتھنے سکوڑے جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہی ہو

"اوہ......!" انور بھی اسی انداز میں بولا۔

"تم تو کبھی کوئی خوشبو نہیں استعمال کرتے تھے۔" رشیدہ منہ سکوڑ کر بولی۔

"میں اب بھی کوئی خوشبو نہیں استعمال کرتا۔"

"تو پھر یہ تمہارے پاس سے ایوننگ ان پیرس کی بھینی بھینی خوشبو کیسے آ رہی ہے۔"

انور نے اب غور کیا کہ وہ پچھلی رات کی پتلون اور قمیض ہی پہنے ہوئے سو گیا تھا۔

"اور یہ تمہارے کاندھے پر سرخ دھبہ کیسا......!" رشیدہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتی
ئی بولی۔ "اوہ......اوہ......یہ تو......لپ اسٹک کا دھبہ ہے۔"

"ارے......یہ......ہاں ہے تو۔ لیکن یہ لپ اسٹک کے دھبے کا میرے پاس کیا کام۔"

"اب مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔"

"بھلا میں تمہیں بیوقوف کیوں بنانے لگا۔"

"کل رات کو تم کہاں تھے۔" رشیدہ گرج کر بولی۔

"اخاہ......اب تم نے بھی انسپکٹر آصف کی طرح اس قسم کے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔"

"میں پوچھتی ہوں تم کہاں تھے؟"

"میں بتاتا ہوں کہ نہیں بتاؤں گا۔" انور جھلا کر بولا۔ "میں نے تم سے کبھی اس قسم کے
الات نہیں کیے۔"

"میں تمہاری طرح آوارہ تو نہیں کہ تمہیں اس کا موقع ملتا۔"

"اچھا بس بس......!" انور بگڑ کر بولا۔ "تم ہمیشہ یہ بھول جاتی ہو کہ ہم دونوں صرف
ست ہیں۔"

"میں ہمیشہ یاد رکھتی ہوں......لیکن تم آوارگی نہیں کر سکتے۔"

"آوارگی......تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔"

"تو کیا پھر یہ لپ اسٹک کا دھبہ آسمان سے اترا ہے۔"

"چلو چلو......اپنا کام کرو۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کون ہے؟" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

"کون......؟"

"میں کہتی ہوں کہ تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔"

"مجھے اس سے انکار کب ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "نہ جانے کیوں وہ اس وقت
چاہتا تھا۔"

"دیکھو تمہیں بتانا پڑے گا۔"

"اچھا تو سنو! کل رات میں گلوریا سے ملا تھا اور اسے سیدھی راہ پر لانے کے لئے اسے شراب بھی پلانی پڑی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد نشے میں مجھ پر آ گری
رشیدہ کچھ سوچنے لگی لیکن انور پھر بولا۔

"اب تمہارا دماغ صاف ہوا یا نہیں۔"

"گلوریا سے تمہیں کیا معلوم ہوا۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"میں نے اُسے راز رکھنے کی قسم کھالی ہے اس لئے مجبور نہ کرو لیکن اتنا ضرور بتا سکتا کہ یہ دونوں قتل اس پتھر کے سلسلے میں نہیں ہوئے۔"

"پھر......!"

"پہلے تم مجھے اپنے کل کے کاموں کی رپورٹ دو......!"

"وجے کمار کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ مگر ۱۹۵۰ کے فائل میں مجھے ایک دلچسپ نظر آئی تھی۔"

"وہ کیا......!"

"قدیر اس زمانے میں پروفیسر تیموری کے خلاف لکھ رہا تھا۔ تقریباً پندرہ بیس شمارو اس نے اس کے خلاف لکھا ہے اور پھر اچانک لکھنا بند کر دیا اور پھر ایسی صورت میں جبکہ اک قبل اس نے یہ لکھا تھا کہ وہ دوسرے شمارے میں کچھ اور دلچسپ باتیں لکھنے کی کوشش کر لیکن اس نے دوسرے شمارے میں پروفیسر کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ تب سے اب تک نام تک نہیں لیا اور اسی آخری شمارے میں ایک خبر بھی دیکھی جس میں یہ تھا کہ سونا گا تیموری منزل کے قریب کسی نامعلوم آدمی کی موٹر کے نیچے ایک بڑھیا دب کر مرگئی۔ مجرم کی جاری ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"بہت اچھے......!" انور چیخ کر بولا۔ "بھلا وہ کس تاریخ کا شمارہ تھا۔"

"۱۲؍ جون ۵۰ء کا۔"

"پھر بہت اچھے...... رشو تم نے کمال کر دیا۔" انور نے اسے جھنجھوڑ کر کہا اور رشیدہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی، وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"اچھا بنک کا کیا رہا۔"

"سارے بنک دیکھ ڈالے لیکن کچھ پتہ نہیں چلا۔" رشیدہ نے کہا۔ "قدیر دن بھر میرے ساتھ مارا مارا پھرا اور اچانک اس کے پیٹ میں بڑا شدید درد اٹھا جس کی بناء پر میں نے اسے واپس کر دیا۔ اس نے کہا کہ اس قسم کی تلاشی بے سود ہے۔"

"کوئی بنک چھوٹا تو نہیں۔"

"چائنا بنک...... میرا خیال ہے کہ وہی باقی بچا تھا۔ قدیر نے کہا کہ وہاں جانا فضول ہے کیونکہ وہاں پر زیادہ تر غیر ملکی سرمایہ رہتا ہے لیکن میں اسے واپس کرنے کے بعد وہاں بھی گئی تھی اور اب تم اچھل پڑو کیونکہ وہاں جے بی سنگھ کے نام پانچ ہزار روپے منتقل کئے گئے ہیں۔"

"کس نے منتقل کیا ہے۔" انور نے بے تابی سے پوچھا۔

"مسٹر قدیر احمد ایڈیٹر روزنامہ پوسٹ مارٹم......!"

"وہ مارا......!" انور اچھل کر بولا۔ "بنایا آصف کو مرغا۔"

"لیکن یہ معاملہ کیا ہے۔"

"بہت بڑا معاملہ رشو۔ یہ تو ایک دلچسپ اتفاق ہے۔ ورنہ میں بدھو بن گیا تھا۔" انور نے کہا اور فون کی طرف لپکا۔

"ہیلو......!" وہ ریسیور کان کے قریب لے جا کر رشیدہ کو آنکھ مار کر بولا۔ "ہیلو...... کیا قدیر صاحب ہیں...... اوہ...... اچھا۔" وہ ریسیور رکھ کر رشیدہ کی طرف مڑا۔

"میں نے قدیر کے آفس میں فون کیا تھا۔ وہ گھر پر موجود ہے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہم لوگ وہیں چائے پئیں گے۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"جاؤ جلدی جاؤ۔" وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "بات پھر بتاؤں گا۔"

رشیدہ چلی گئی اور انور دوسرے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ تھوڑی
اس نے میز کی دراز سے ایک پستول نکالا اور اسے چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد پھر دراز
کر دیا اور اب ایک چمکدار چاقو اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔

رشیدہ کپڑے تبدیل کر کے آ گئی تھی۔ انور نے قد آدم آئینے پر الوداعی نظر ڈالی
کے لئے تیار ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں موٹر سائیکل پر قدیر کے بنگلے کی طرف جا رہے تھے۔ راستے
ٹیلی فون پوسٹ کے قریب انور نے موٹر سائیکل روک دی۔

"کیوں کیا بات ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"آصف کو فون کروں گا۔"

"گھر ہی سے کر لیا ہوتا۔"

"خیال نہیں آیا تھا...... یہ ضروری ہے۔"

فون کرنے کے بعد وہ پھر چل پڑے اور بقیہ راستہ جلد ہی طے ہو گیا۔ وہ پورٹیکو
تھے کہ قدیر باہر نکلا۔ شاید وہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک
کیس لٹکا رکھا تھا۔

"ہیلو...... انور...... رشیدہ۔" وہ انہیں دیکھ کر چہکا۔ "ادھر کیسے بھول پڑے۔ آؤ
میں نے اپنا جانا ملتوی کر دیا۔"

"کہیں باہر جا رہے تھے۔" انور سوٹ کیس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اس میں کچھ
ہیں۔ آؤ آؤ...... چلو اندر چلو۔"

"ہم لوگوں نے ابھی چائے نہیں پی۔ میں دراصل تمہاری خیریت پوچھنے کے لئے
رشیدہ سے معلوم ہوا کہ کل تمہاری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ بھئی کل کی تکلیف کا بہت بہت

"دوستوں کے لئے میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار رہتا ہوں
مسکرا کر بولا۔ "میں تمہاری طرح تو ہوں نہیں۔ نہ جانے کب سے تم سے کہہ رہا ہوں
جاسوسی ناول میرے اخبار کے لئے بھی لکھ دو مگر تمہیں فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"مجھے شرمندگی ہے۔" انور افسوس ظاہر کرتا ہوا بولا۔ "میں ضرور لکھوں گا۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

"اچھا بھئی تم لوگوں کے لئے چائے بناؤں۔" قدیر اٹھتا ہوا بولا۔

"کیوں تم کیوں بناؤ گے۔" انور نے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ میں اتوار کو سب نوکروں کو چھٹی دیتا ہوں اور اس دن اپنا سارا کام خود ہی
کرتا ہوں۔"

"بہت اچھا اصول ہے۔" انور نے کہا۔

"تو رہنے دیجئے۔" رشیدہ بولی۔ "خواہ مخواہ تکلیف کرنے سے کیا فائدہ۔"

"واہ یہ بھی کوئی بات ہے۔ صرف پانچ منٹ لگیں گے۔ میں ابھی آیا۔" قدیر نے کہا اور
کمرے سے چلا گیا۔

"تو میں بھی چلتی ہوں آپ کی مدد کرا لوں گی۔"

"نہیں نہیں آپ بیٹھئے۔" انور آہستہ سے بولا۔

درمیانی وقفے میں بالکل خاموشی رہی۔ رشیدہ کسی الجھن میں مبتلا تھی۔ وہ کبھی کبھی انور کی
طرف سوچ میں ڈوبی ہوئی نظروں سے دیکھ لیتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد قدیر ٹرے میں چائے کا سامان لے کر آ گیا۔

"چائے تو لذیذ ہے۔" رشیدہ چائے کی چسکی لے کر بولی۔ "انور نہایت بے دردی سے
بسکٹوں پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

"بہت لذیذ......!" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "اس وقت مجھے ۱۲ جون ۵۰ء کی حسین شام یاد
آ رہی ہے۔"

قدیر نے چائے کی پیالی میز پر رکھ دی اور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ انور کی طرف
دیکھنے لگا۔

"ابھی اور بھی بہت کچھ یاد آئے گا۔"

"برمحل تذکرہ......!" انور نے کہا۔ "کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم نے اس رات کو رابعہ اور

سیکریٹری کا تعاقب کیوں کیا تھا۔"

"تا کہ تم جیسے حرام خوروں کا پیٹ بھرا جا سکے۔" قدیر گرج کر بولا۔ اچانک اس کا چہ
زیادہ خوفناک نظر آنے لگا تھا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی رگوں کا خون منجمد ہوگیا
میں عجیب قسم کی سنسنی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر کھڑا ہونا چاہا لیکن توازن برقرار
سکا۔ قدیر کے قہقہے کی آواز کہیں دور سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر زمین پر آ رہا
بھی صوفے پر ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

اسے اس کا اندازہ نہیں ہوسکا کہ اسے کب ہوش آیا لیکن اس کا سویا سویا ساذہن
کر رہا تھا کہ وہ سیدھا کھڑا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ اوپر کی طرف تنے ہوئے ہیں۔ کلا
میں تیز قسم کی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے کی
ہوگئیں تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں کھڑا ہے اور اس کے دونو
لوہے کی دو موٹی سلاخوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر رشیدہ اس
میں کھڑی تھی لیکن ابھی اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ اس لئے وہ ان سلاخوں کے درمیان جھول
تھی۔ انور نے سلاخوں کی طرف دیکھا۔ دونوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً دو فٹ رہا ہوگا اور
اونچائی اتنی تھی کہ اس کے دونوں ہاتھ تنے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد اسے رشیدہ کی چیخ سنائی
وہ ہوش میں آ گئی تھی اور انور کو گھور رہی تھی۔ دفعتاً کوٹھڑی کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی
قدیر ان کے درمیان آ کر کھڑا ہوگیا۔

"کیوں بیٹے انور صاحب بڑے عقلمند بنتے تھے۔" قدیر گرج کر بولا۔ "وہ پرچہ کہاں
"کون سا پرچہ......!" انور غصے کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کر
"اچھا......اب مجھے سبق پڑھانے چلے ہو۔ میں تم دونوں کی قبر کھود کر یہیں دفن کر
اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔"

"معلوم نہیں تم کیا بک رہے ہو۔" انور گرج کر بولا۔

"یہ تو میں جانتا ہوں کہ تم نے ابھی اُسے پولیس کے حوالے نہ کیا ہوگا۔" قدیر اس کی
سنی ان سنی کر کے بولا۔ "کیونکہ تم پولیس کو اچانک متحیر کر دینے کے عادی ہوگئے ہو۔ میں

نہیں سمجھاتا ہوں کہ پرچہ میرے حوالے کردو اور اس واقعے کو بھول جاؤ۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ مجھے بتاؤ کہ تم نے اسے کہاں رکھا ہے میں خود تلاش کرلوں گا۔ ورنہ دوسری صورت میں تم جانتے ہی ہو کہ ایک قتل کو چھپانے کے لئے اکثر کئی قتل کرنے پڑتے ہیں۔ وجے کمار کا قتل شاید تمہیں یاد ہو۔"

"مجھے سب کچھ یاد ہے۔" انور بیزاری سے بولا۔ "لیکن یہ پرچہ ورچہ کیا ہے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"بیٹے انور تم مجھ کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ کل رات کو جب تم پروفیسر کی خواب گاہ کی تلاشی لے رہے تھے میں بھی اس کے مکان میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا اور جس نے بعد کو تمہارا تعاقب کیا تھا وہ میں ہی تھا۔ تم شاید مجھے پولیس کا سپاہی سمجھے تھے اور اس کے علاوہ سمجھتے بھی تو کیا۔ میں باقاعدہ پولیس کی وردی میں تھا۔ شاباش بتا دو جلدی سے کہ وہ پرچہ کہاں ہے۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

انور تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"اس پرچے کی قیمت دس ہزار روپے ہے۔"

"ٹھگیر ٹھگیر بدلائی نہیں ہوتی فرزند۔" قدیر مسکرا کر بولا۔ "تم مجھ سے دس پیسے بھی وصول نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں زندگی عزیز ہوگی تو آپ بتاؤ گے۔"

"لیکن شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ میں انسپکٹر آصف کو فون کر کے یہاں آیا ہوں۔" انور بولا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ میں اسے بچوں کی طرح بہلا سکتا ہوں۔" قدیر نے کہا۔

"فی الحال میں جا رہا ہوں۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو اور تم رشیدہ اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔ مفت میں اپنی اور تمہاری جان گنوائے گا۔"

قدیر چلا گیا۔

"آخر یہ سب کیا ہے۔" رشیدہ خوف زدہ آواز میں بولی۔

"یہ ایک وقتی تفریح ہے۔" انور ہنس کر بولا۔ "مجھے قتل کرنے کے لئے قیامت کے قریب دجال کا ظہور ہوگا۔ اس سے پہلے تو مرتا نہیں۔"

"لیکن وہ پرچہ کیسا ہے جس کا تذکرہ تم نے مجھ سے بھی نہیں کیا۔"

"قدیر نے اُسی پرچے کے لئے پروفیسر کو قتل کیا تھا۔"

"اور وہ سیاہ پتھر......!"

"وہ ایک الگ داستان ہے۔ اس کا تعلق پروفیسر کے قتل سے نہیں۔ میں ابھی تک کسی جاسوسی ناول کا خونی ہیرا سمجھتا رہا تھا لیکن دراصل ایسا نہیں ہے۔"

"لیکن اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا ہوگا۔" رشیدہ کراہ کر بولی۔

"چھٹکارا......!" انور نے کہا اور خاموش ہوگیا۔ فی الحال خود اسی کی سمجھ میں نہیں آ کہ چھٹکارے کی کیا صورت ہوگی۔

"تم نے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔ اگر تم مجھے پہلے ہی بتا دیتے تو میں تمہیں یہاں طرح ہرگز نہ آنے دیتی۔"

"اور اگر آدم شجر ممنوعہ کے قریب نہ جاتے تو اس خرابے میں کیوں پھنستے۔ میں تمہیں نہیں بتا سکتا تم ہمیشہ عورت ہی رہوگی۔" انور منہ بنا کر بولا۔ "بس غلطی ہوگئی! مجھے کیا معلوم کل اسی نے میرا تعاقب کیا تھا۔"

"لیکن یہ سب ہے کیا۔"

"بہت بڑا واقعہ......انتہائی پیچیدہ۔ اگر قدیر سے جے بی سنگھ والی حماقت نہ ہو جاتی تو کوئی سراغ رساں مجرم کا پتہ نہ لگا سکتا۔"

"تو کیا اس نے یہ سب تمہیں پھنسانے کے لئے کیا تھا۔"

"نہیں قطعی نہیں! کہہ دیا کہ پتھر والا واقعہ اس قتل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ تمہیں یاد؟ قدیر اس دن صبح غیر متوقع طور پر ہمارے یہاں پہنچا تھا اسے کسی طرح علم ہو گیا ہوگا کہ اُس میں آصف کو مجھ پر بھی شبہ ہے اسی لئے وہ سکریٹری اور رابعہ کی کہانی لے کر پہنچا تھا۔ لیکن اُس صاف صاف نہیں بتایا۔ وہ جانتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح یہ ضرور معلوم کرلوں گا کہ سکریٹر رات کو کہاں اور کس کے ساتھ تھا لہٰذا اس نے پھر مجھے یہ کہہ کر مطلع کردیا کہ وہ اس میں پیسے نہیں بنانا چاہتا۔ وہ ان دونوں کو نشاط نگر جاتے دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گیا تھا اور

کی گفتگو بھی سن لی تھی کہ وہ رات وہیں گذاریں گے۔ اس نے سوچا کہ پروفیسر اس وقت تنہا ہی ہوگا۔ اس لئے وہ خلاف توقع رات ہی کو تارجام سے واپس آ گیا تھا۔"

"لیکن آخر اس نے پروفیسر کو قتل کیوں کیا۔" رشیدہ بولی۔

"وہی بلیک میلنگ کا چکر تھا۔ تم نے اس اخبار کے فائل تو دیکھے ہی ہیں تم یہ بھی جانتی ہو کہ وہ پروفیسر کے خلاف لکھ لکھ کر اس سے روپیہ اینٹھنا چاہتا تھا۔ لیکن شاید پروفیسر نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ تیرہ جون ۵۰ء کے شمارے میں قدیر نے اسے اس کا کوئی راز افشاء کردینے کی دھمکی دی تھی۔ شاید اس پر پروفیسر نے اسے معاملات طے کرنے کے لئے سونا گھاٹ بلایا تھا۔ وہاں اتفاق سے ایک بڑھیا اس کی کار کے نیچے آ کر ہلاک ہوگئی۔ پروفیسر نے دیکھ لیا اور اسے دھمکی دی کہ وہ پولیس کو اس کی اطلاع دے دے گا۔ قدیر گیا تھا اس سے روپیہ اینٹھنے اور خود مصیبت میں پھنس گیا؟ آخر کار ان دونوں میں سمجھوتہ ہوگیا۔ پروفیسر نے اس سے بڑھیا کو کار کے نیچے کچل دینے کا اقرار نامہ لکھوالیا اور اسے دھمکی دی کہ اگر وہ کبھی اسے یا اس کے کسی دوست کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ اس اقرار نامے کو پولیس کے حوالے کردے گا۔ اس نے اقرار نامہ نہایت احتیاط سے اپنی خواب گاہ کی ایک کرسی کے گدے میں سی رکھا تھا۔ قدیر نے اسی اقرار نامے کے لئے اسے قتل کیا تھا۔ ہوسکتا ہے بعد کو پروفیسر نے بھی اس سے روپیہ اینٹھنے کی کوشش کی ہو۔ بہرحال وہ قتل کی رات کو اقرار نامہ نہ پا سکا لیکن شاید یہ جانتا تھا کہ وہ خواب گاہ ہی میں کہیں محفوظ ہے۔ لہٰذا اس نے جی بی سنگھ کے فرضی نام سے خواب گاہ کا سامان خریدنے کی پیش کش کی اور پھر جب تم اس کے پاس اس لئے پہنچیں کہ وہ تمہیں جے بی سنگھ کا پتہ لگانے میں مدد دے تو وہ بھڑک گیا اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ تم اس کے اخبار کے فائل خواہ مخواہ نہیں الٹ پلٹ رہی ہو۔ ہاں تو میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ رات کو پروفیسر کی خواب گاہ کی تلاشی ضرور لوں گا ادھر قدیر بھی اسی تاک میں تھا۔ وہ ایک پولیس مین کی وردی پہنے ہوئے تھا جب میں وہ اقرار نامہ نکال کر وہاں سے نکلا تو اس نے میرا تعاقب کیا مگر میں اسے پہچان نہیں پایا تھا ورنہ اس وقت مجھ سے یہ حماقت نہ ہوتی۔"

"اور وہ پتھر والا معاملہ......!"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے متعلق تمہیں کچھ نہ بتا سکوں گا۔ میں نے گلوریا سے
کرلیا ہے۔"

"گلوریا سے؟"

"ہاں...... اسے بھول جاؤ۔"

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم لوگ بچ جائیں گے۔"

"کیوں نہیں...... جب تک کہ میری شہ رگ نہ کٹ جائے میں یہی سوچتا رہوں گا
مر نہیں سکتا۔ میں نے آصف کو فون کردیا تھا کہ میں قدیر کے یہاں جارہا ہوں۔ قاتل وہ
اسے ثابت کردوں گا۔"

"ممکن ہے وہ آکر لوٹ بھی گیا ہو۔ قدیر نے اسے پٹی پڑھا دی ہو خود اس کے
اس کا کوئی ثبوت ہے نہیں۔ تمہارے بیان کے مطابق اقرار نامہ تمہارے ہی پاس ہے۔"

"پھر بھی میں ہمت نہیں ہار سکتا" انور نے کہا اور اپنے جوتے اتارنے لگا پھر اس
پیر کا موزہ دوسرے پیر سے دبا کر اتار دیا۔ بائیں پیر سے دائیں پیر کی موری اوپر
موزے میں اڑا ہوا ایک بڑا سا چمکدار چاقو نکال کر فرش پر ڈال دیا۔ رشیدہ اسے حیرت
رہی تھی۔ انور نے داہنے پیر کا موزہ بھی اتار دیا۔

"لیکن اسے استعمال کس طرح کرو گے...... دونوں ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں"
پرامید لہجے میں بولی۔

"ڈارون کی تھیوری کے مطابق آدمی پہلے بندر تھا" انور نے مسکرا کر کہا۔ "اور تم
ہو۔ بندر پیروں سے بھی ہاتھوں کا کام لے سکتے ہیں۔ دنیا کے سب بندر آدمی ہو گئے مگر
تک بندر ہوں اور اس وقت تمہیں اس کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ میں کسی حال میں بھی
نہیں رہ سکتا۔ کئی سرکس والے اب تک یہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے سرکس میں نوکری کرلوں

انور نے چاقو کا دستہ داہنے پیر کے انگوٹھے اور انگلیوں سے دبایا اور لوہے کی
مضبوطی سے پکڑ کر بندروں کی طرح الٹ گیا۔ وہ داہنے ہاتھ کی رسی کاٹنے کی کوشش کر
کلائی پر رسی کا تناؤ بڑھ جانے کی وجہ سے وہ زیادہ دیر تک اس حالت میں نہ رہ سکا۔

یقین تھا کہ وہ رسی کاٹنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ ایک کراہ کے ساتھ پھر سیدھا ہو گیا۔ سارے جسم سے پسینے کی دھاریں پھوٹ پڑی تھیں اور وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر رشیدہ کی طرف دیکھا اور رشیدہ بے اختیار رو پڑی۔ وہ انور کی کلائی پر بہتے ہوئے خون کو دیکھ رہی تھی۔ شاید چاقو لگ گیا۔

"رشو ڈارلنگ روتے نہیں۔" انور نے کہا اور پھر چاقو کو انگلیوں میں دبا کر الٹ گیا۔ اس کی چڑھتی ہوئی سانسوں کے ساتھ رشیدہ کی سسکیاں بھی کوٹھری میں گونج رہی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کا ایک ہاتھ آزاد ہو گیا اور رشیدہ روتے روتے بے اختیار ہنس پڑی۔ انور نے دوسرا ہاتھ بھی کھول ڈالا اور پھر رشیدہ بھی آزاد ہو گئی۔ وہ اس کے بازوؤں میں پڑی سسکیاں لے رہی تھی۔

"رشو ڈارلنگ، چپ رہو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"میرا بندر...... میرا بندر......!" اس نے دبی دبی سسکیوں کے درمیان کہا۔

"آؤ اب نکل چلیں...... مجھ میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں۔ یہ دیکھو" اس نے اپنا داہنا ہاتھ سامنے کردیا جس سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ شاید کوئی رگ کٹ گئی تھی۔ وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے لیکن وہ باہر سے بند تھا۔

"یہ تو بہت برا ہوا" رشیدہ بولی۔

"فکر مت کرو...... کبھی تو کھلے گا" انور نے کہا اور دیوار سے ٹیک لگا کر دروازے کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ رشیدہ اپنی ساری پھاڑ کر اس کے زخمی ہاتھ پر پٹی باندھنے لگی۔

انور بڑی نقاہت محسوس کر رہا تھا ایک تو ابھی تک اس نشہ آور چائے کا اثر باقی تھا دوسرے ہاتھ سے کافی خون نکل گیا تھا اور پھر اس جمناسٹک کی تھکن...... دونوں گھنٹوں اسی طرح بیٹھے رہے۔

تقریباً تین بجے کوٹھری کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ انور نے رشیدہ کو دروازے کے دوسرے طرف کھڑے ہو جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی کھڑا ہو گیا۔

کنڈی اتارنے کی آواز آئی۔ دونوں پٹ کھل گئے۔ انور اور رشیدہ پٹوں کی آڑ میں تھے جیسے ہی قدیر اندر داخل ہوا انور اس پر ٹوٹ پڑا۔ رشیدہ الگ کھڑی تھی۔ انور نے اسے پہلے ہی

حملے میں گرالیا تھا۔ مگر قدیر بھی کمزور نہیں تھا۔ وہ اپنی ساری طاقت صرف کر رہا تھا۔ دونوں ہوئے زمین پر لوٹ رہے تھے۔ رشیدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دفعتاً قدیر کے سینے پر سوار ہوگیا۔ وہ اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ رشیدہ گھبرا گئی۔ دفعتاً اسے وہ چاقو یاد آ انور وہیں کٹی ہوئی رسیوں میں چھوڑ آیا تھا۔ وہ چاقو اٹھا کر دیوانہ وار قدیر پر ٹوٹ پڑی۔ ا نہیں تھا پھر بھی قدیر اچھل کر پیچھے کی طرف آ گرا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا انور اس پر تھا۔

تھوڑی دیر بعد انور اور رشیدہ اسے رسیوں میں جکڑ رہے تھے۔

دوسری صبح کے اخبارات اس حیرت انگیز گرفتاری پر طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر لگے۔ لیکن صحیح واقعہ صرف انور کے اخبار نے چھاپا تھا اور اس کی کاپیاں ہاتھوں ہاتھ فر ہو رہی تھیں۔

وہ دن انسپکٹر آصف کے لئے یقیناً بڑا منحوس تھا۔ انور نے جی کھول کر اس کا مضحکہ لیکن وہ سب کچھ خاموشی سے سہتا رہا۔ اور کرتا بھی کیا۔ بُری طرح شکست کھا گیا تھا۔

رشیدہ نے انور کو کئی بار مجبور کیا کہ وہ اسے سیاہ پکھراج کا راز بتادے مگر ناکام رہی۔

اسی شام کو انور سر صغیر کی کوٹھی کے پائیں باغ میں بیٹھا سر صغیر کا انتظار کر رہا تھا۔ اپنا کارڈ اندر بھجوا کر وہ لان پر بیٹھ گیا تھا۔ نوکر نے آکر اس سے اندر چلنے کو کہا۔

"میں یہیں کھلے میں بیٹھنا پسند کروں گا۔" انور نے کہا اور لان چیئر پر سیدھا ہو کر بیٹھ نوکر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد سر صغیر پورٹیکو میں دکھائی دیا۔ وہ آہستہ آہستہ لان کی آرہا تھا۔ چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ انور کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک مضحکہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مسٹر انور میں اپنے دوست کے قاتل کی گرفتاری پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔" نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"شکریہ......!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "ذرا اس پر دستخط کر دیجئے۔"

اس نے اپنی جیب سے ایک چیک بک نکال کر سر صغیر کی طرف بڑھا دی۔

"پانچ ہزار روپے۔" سر صغیر اسے گھور کر بولا۔ "کیوں اس کا کیا مطلب......!"

"یہ اس سیاہ پکھراج سے تعلق رکھتا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" سر صغیر نے آہستہ سے کہا۔ پھر دفعتاً اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ نتھنے پھڑکنے لگے اور وہ گرج کر بولا۔ "تم مجھے بلیک میل کرنے آئے ہو۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

"بگڑنے کی ضرورت نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "آپ جانتے تھے کہ وہ سیاہ پکھراج چوری کا ہے لیکن پھر بھی آپ نے اسے وجے کمار سے خرید لیا تھا۔"

"جی......جی......!" سر صغیر ہکلایا۔

"جی ہاں......اور یہی نہیں......آپ نے اسی خوف سے اُسے ایک ایسی عورت کو دے دیا تھا جس سے آپ کے ناجائز تعلقات ہیں۔"

"تم فضول بکواس کر رہے ہو۔" سر صغیر پھر گرجا۔

"میرا اشارہ گلوریا تموتھی کی طرف ہے۔" انور نے مسکرا کر کہا "لیکن آپ نے وہ پتھر اس کے پاس امانتاً رکھوایا تھا۔"

سر صغیر کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے تھوک نگل رہا تھا۔

"کہئے تو یہ بھی بتادوں کہ وہ پروفیسر تیموری کے پاس کیسے پہنچ گیا تھا۔"

انور نے کہا اور سر صغیر کی طرف شرارت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔"

"گھبرایئے نہیں...... میں جو کچھ بھی بک رہا ہوں وہ میرے اخبار میں نہ چھپے گا۔ اُس پکھراج کی اصلیت سے صرف میں واقف ہوں۔ میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ ہاں تو اسی دوران میں پروفیسر تیموری نے نکولس کو قرض ادا کر دینے کا نوٹس دے دیا اور شاید آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ وہ نوٹس بعد کو واپس بھی لے لیا گیا تھا؟ ہوا یہ کہ گلوریا نے آپ کا سیاہ پتھر نکولس کو دے دیا کہ وہ اسے بطور ضمانت پروفیسر تیموری کے پاس رکھوا دے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور پروفیسر نے نوٹس لے لیا۔ لیکن چونکہ ایک بہت ہی نایاب پتھر پروفیسر کے ہاتھ لگا تھا اس لئے اس نے ضروری سمجھا کہ وہ اس کی نمائش کر کے اپنے ہم پیشہ اور ہم شوق لوگوں پر رعب ڈالے۔ اس سلسلے

میں اس نے چند لوگوں کو دعوت دی اس میں آپ اور آپ کی صاحبزادی بھی تھیں۔ کھانے
بعد اس نے پتھروں کی نمائش کی سیاہ پکھراج اس کے پاس دیکھ کر آپ کو بہت تاؤ آیا۔ واپسی
آپ نے گلوریا سے باز پرس کی۔ بہر حال آپ اسے دوبارہ واپس لینا چاہتے تھے۔ اس لئے
نے پھر وجے کمار کی خدمات حاصل کیں اور وہ اسے پروفیسر کے یہاں سے چرالایا۔ دوسرے
دن صبح وہ پھر آپ کے پاس سے غائب ہوگیا۔ اس بار اسے آپ کی صاحبزادی نے اڑایا
لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ دراصل آپ ہی کی ملکیت تھا۔ وہ اسے پروفیسر کے یہاں دیکھ چکی
تھی۔ اس لئے سمجھیں کہ شاید آپ اُسے چرالائے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اسے آپ سے
کروا پس کرنے کی ٹھان لی اور اس سلسلے میں انہوں نے خاکسار کی خدمات حاصل کیں۔
نے جن حالات میں وہ پتھر اس کی جگہ پر پہنچایا وہ بہت ہی خطرناک تھے۔''

''میں جانتا ہوں...... میں جانتا ہوں۔'' سر صغیر بے صبری سے بولا۔

''اور میں مبلغ پانچ ہزار روپے بطور حق المحنت طلب کر رہا ہوں اور ہاں شاید آپ یہ
پسند کریں گے کہ پروفیسر نکولس کے ہتھوڑے سے کس طرح قتل ہوا......؟ خیر سنئے...... آپ
تھے کہ شاید پروفیسر ہی نے اُسے دوبارہ آپ کے پاس سے غائب کرادیا۔ لہٰذا آپ پھر گلوریا
پاس پہنچے اور اسے خوب کھری کھری سنائیں۔ اسی رات کو گلوریا نے سوچا کہ وہ کیوں نہ اُسے
پروفیسر کے یہاں سے چرا کر اپنے ہاتھوں سے آپ کو واپس کردے۔ وہ جانتی تھی کہ
اسے تجوری میں رکھتا تھا۔ لہٰذا وہ نکولس کا ہتھوڑا لے کر وہاں پہنچی۔ اُسے یہ بھی علم ہوگیا
پروفیسر رات کو باہر ہی رہے گا۔ اس نے پروفیسر کی خواب گاہ کی کھڑکی کا شیشہ توڑا اور اند
ہوگئی۔ لیکن وہ اچھی طرح سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ اسے مکان کے اندر قدموں کی آہٹ
اور وہ گھبراہٹ میں ہتھوڑا وہیں چھوڑ کر کھڑکی سے کود گئی۔ آنے والا پروفیسر کا قاتل تھا
وہاں پہنچ کر یہ معلوم ہوگیا تھا کہ پروفیسر گھر پر موجود نہیں ہے اس لئے اس نے نہایت
سے اپنی کنجیوں کا گچھا استعمال کیا اور مکان کے اندر داخل ہوگیا۔ موقع غنیمت تھا اس
نے اقرار نامے کی تلاش شروع کردی۔ لیکن اس کے کامیاب ہونے سے پہلے ہی پروفیسر
اور قاتل نے اُسی ہتھوڑے سے اس پر حملہ کردیا اور اسے ختم کرنے کے بعد بھاگ نکلا

جلد ہی
ے کمار پہنچ گیا اور پھر شاید اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے وہ بھی اُس کے
ہ سے مارا گیا اور ہاں اس رات کو بھی آپ ہی نے وجے کمار کو وہاں بھیجا تھا کہ وہ اس پتھر کو
بارہ چرالائے۔ ہاں تو جناب جب میں وہاں پہنچا تو پروفیسر کی لاش سے مڈبھیڑ ہوگئی آپ خود
ہے کہ وہ چیز کتنی خطرناک تھی اور پھر جبکہ پروفیسر تار جام ہی سے انسپکٹر آصف کو فون کر چکا تھا
اس کے مکان کی حفاظت کی جائے۔ اگر میں ذرا سا بھی چوک جاتا تو وہاں پکڑا گیا تھا۔''
ر خاموش ہوگیا۔

''میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ ان معلومات کو اپنے ہی تک محدود رکھئے گا۔'' سر صغیر
کہا۔ ''رابعہ نے مجھے پہلے ہی اس کے متعلق بتادیا تھا اور میں بہت پریشان تھا۔''

سر صغیر نے چیک پر دستخط کردیئے۔

''شکریہ۔'' انور نے چیک بک تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''مطمئن رہئے میں
میلر نہیں ہوں...... اچھا...... آداب عرض......!''

پھاٹک سے نکل کر وہ موٹر سائیکل کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ رابعہ نے اس کا راستہ روک لیا۔

''تو تم نے سب کچھ بتادیا۔'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''جتنا تم نے بتایا تھا اس سے آگے نہیں بڑھا۔''

''یعنی کہ......!''

''ہاں ہاں...... میں نے ان سے یہ نہیں بتایا کہ تم نے وہ رات نشاط نگر میں سکریٹری کے ساتھ بسر
کی۔''

''شکریہ...... بہت بہت شکریہ۔''

''ٹاٹا......!'' انور نے ہاتھ ہلایا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کردی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 17

بھیانک جزیرہ

(مکمل ناول)

بوڑھا تیغ زن

رات بھر موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قیامت سے پہلے ہی شہر کی نچی اونچی عمارتیں ریت میں تبدیل ہو کر سمندر کے سینے میں سما جائیں گی۔

کوچہ و بازار ویران پڑے تھے۔ ہوا کے تیز جھونکے کھڑکیوں اور جالیوں میں شور مچاتے رانہ میں گھس رہے تھے۔ بادلوں کی گرج سے عمارتوں کی بنیادیں تک لرز رہی تھیں۔

رات بھر طوفان خوف و ہراس کے جھنڈے گاڑتا رہا۔

اور صبح شہر کی سب سے بارونق سڑک پر ایک لاش پڑی ہوئی دکھائی دی۔ لاش جس پر ایک ار بھی نہیں تھا بالکل ننگی لاش۔ جس کے چہرے کا سارا گوشت کاٹ لیا گیا تھا پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کے نیچے آنکھوں کی جگہ دو بڑے غار نظر آرہے تھے۔ ناک کی ابھری ہوئی ہڈی کے نیچے ڈاڑھوں تک پھیلے ہوئے دانت جسم کی تانبے جیسی رنگت سے ظاہر ہوتا تھا کہ شاید وہ کوئی نبرلکی ہے۔

وہ راہگیر جنہوں نے اسے دیکھا تھا سوچ رہے تھے کہ اس دل ہلا دینے والے منظر کو وہ زندگی بھر نہ بھلا سکیں گے۔ لاش وہاں سے اٹھوا دی گئی اور پولیس والے قرب و جوار کی عمارتوں میں پھیل گئے۔ لیکن کسی کو اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا ہو سکتا ہے کہ مقتول نے ٹھیک اسی جگہ چیخ چیخ کر دم توڑا ہو۔ لیکن طوفان کی ہنگامہ خیزیوں میں کسے خبر ہوتی۔

حادثہ مے پول ہوٹل کے سامنے ہوا تھا۔ انسپکٹر جگدیش نے ہوٹل کا رجسٹر چیک کیا قیام کرنے والے مسافروں میں چھان بین کی لیکن مقتول ان میں سے نہ تھا۔ آخر تھک ہار کر وہ اور

سی آئی ڈی انسپکٹر آصف ڈائننگ ہال میں آبیٹھے۔

"میں تو تنگ آ گیا ہوں اس شہر سے۔" انسپکٹر جگدیش اپنی پیشانی کا پسینہ پ
بولا۔ "روز ایک قتل دھرا ہے۔"

"یہ یقیناً کوئی غیر ملکی ہی تھا۔" آصف نے کہا۔ "اس رنگ کے لوگ اپنی طرف نہ
دیتے۔"

"غیر ملکی...... لیکن آخر کہاں کا۔"

"یہ بتانا دشوار ہے۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "قاتل نے صورت ہی بگا
غیر ملکی سفارتخانوں میں تفتیش کرلی جاتی۔"

"ایسے ہی موقعوں پر بے اختیار فریدی صاحب یاد آجاتے ہیں۔"

"وہی کیا کر لیتا۔" آصف منہ چڑھا کر بولا۔

"یہ مت کہو...... انہوں نے ایسے ایسے بے سروپا جرائم سے پردہ اٹھایا ہے جن
فرشتوں کو بھی خبر نہ رہی ہوگی۔"

"ذہن پر ذرا سا زور دینے پر سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔" آصف لاپروائی سے بو

"تبھی تو وہ لونڈا انور تمہیں انگلیوں پر نچاتا رہتا ہے۔" جگدیش نے مسکرا کر کہا۔

"تم غلط سمجھے...... نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آجاتا ہے۔"

"اس پر یا اس لڑکی پر......!" جگدیش اسے آنکھ مار کر مسکرایا۔

"کیا بات کر رہے ہو تم بھی...... وہ میری لڑکی کے برابر ہے۔"

"لیکن وہ ہے کون!" جگدیش نے کہا۔ "جب سے اس نے داراب کو قتل کرکے
سے دس ہزار روپے وصول کئے ہیں مجھے الجھن سی ہوگئی۔ آخر وہ ہے کون۔ کس خاندان۔
رکھتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ شاید انور بھی اس سے واقف نہیں ہے۔"

"اور وہ دونوں ساتھ رہتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"اور انور یہ نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔"

"وہ بھی کچھ جھکی سا ہے۔ وہ ہمیشہ آم کھاتا ہے...... پیڑوں سے اسے کوئی غرض نہیں ہوتی۔"

"تو گویا ان دونوں کی رہائش غیر قانونی ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"یہ تو خدا ہی جانے...... ویسے ان دونوں کا یہی کہنا ہے کہ وہ صرف ایک دوسرے کے
ی ہیں۔"

جگدیش نے معنی خیز انداز میں قہقہہ لگایا۔

"تعجب ہے کہ انور ابھی تک دکھائی نہیں دیا۔" جگدیش نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تم نے نہیں دیکھا۔" آصف نے مسکرا کر کہا۔ "وہ نہ جانے کب سے قرب و جوار کی
سونگھتا پھر رہا ہے۔"

"بعض اوقات وہ اپنی حدود سے نکل جاتا ہے۔" جگدیش ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ "اگر
یدی صاحب کا خیال نہ ہوتا تو میں اسے کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑتا۔"

"لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہمیشہ ایک نہ ایک لطیفہ تیار رکھتا ہے۔"

"دیکھو میاں آصف...... آدمی اگر کرنے پر آجائے تو سب کچھ کر گزرتا ہے۔"

"خیر بھئی چھوڑو ہٹاؤ...... اس لاش کے متعلق کیا کیا جائے۔"

"ایسے معاملات تو مقدرات پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔" جگدیش انگڑائی لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے......!" پیچھے سے آواز آئی۔ جگدیش اور آصف مڑے۔ انور ایک میز پر جھکا
ریٹ سلگا رہا تھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جگدیش صاحب۔" وہ ناک سے دھواں نکالتا ہوا بولا۔

"مقدرات سے زیادہ ایسے موقعوں پر جیوتش ودیا کام دیتی ہے۔ نہیں تو پھر رمل، کوڑیاں
اگر سب پٹ پڑیں تو مقتول لال بادشاہ ورنہ امریکہ کا ریڈ انڈین۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے کبھی آپ سے مشورہ نہیں لیا۔" جگدیش ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"ریڈ انڈین......!" آصف چونک کر بولا۔

"ہاں بچپن میں کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ ریڈ انڈین تانبے کی شکل کے ہوتے ہیں۔"

انور مسکرا کر بولا۔

"مگر ریڈ انڈین یہاں کہاں۔" آصف نے کہا۔ "امریکہ کی حکومت انہیں امریکہ
جانے دیتی ہے۔"

"لیکن وہ لوگ جو میکسیکو میں آباد ہیں ان پر اس قسم کی پابندیاں نہیں۔ اس لِ
مہذب ہیں۔ خصوصاً اسپینی نسلوں کے لوگ عموماً بیرونی ممالک سے براہِ راست تجارتی
رکھتے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں امریکی سفارت خانے میں تفتیش کرنی چاہئے۔"
نے کہا۔

"اب یہ تم جانو...... میں تو آج نیشنل رائفل کلب میں میکسیکو کے ایک باشن
ونسنٹ کی تیغ رانی کے کمالات دیکھوں گا۔ مطلب یہ کہ ڈان ونسنٹ ایک مشہور تیغ زا
رائفل کلب کے شمشیر زنوں سے آج اس کا مقابلہ ہوگا۔ اس نے اپنے شہر کے سارے تی
چیلنج کیا ہے۔"

"اوہ......!" آصف اسے گھورنے لگا۔

"وہ بھی سرخ رنگ کا ہے۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ وہ تھوڑی دیر کھڑا مسکراتا رہا پھر باہر

"دیکھا تم نے......!" آصف نے جگدیش کو مخاطب کیا۔

"میں کیا دیکھوں تم دیکھو...... اب بھی فریدی صاحب کے اعجاز کے قائل ہو
سب انہیں کی صحبت کا نتیجہ ہے۔"

"فریدی......!" آصف منہ بگاڑ کر بولا۔ "میرے سامنے کا لڑکا ہے۔ یہ بھی ا
ہے کہ اسے اتنی شہرت نصیب ہوگئی ہے ورنہ وہ دراصل اس کا اہل نہیں۔ سراغ رسانی
اصولوں سے تو واقف نہیں ہے۔"

"بس بنیادی لکیریں تو تم ہی پیٹا کرو۔ انہوں نے نئی نئی راہیں نکالی ہیں۔"

"لیکن ان کا فن سے تو کوئی تعلق نہیں۔" آصف نے کہا۔

"خیر اب تمہارا فن بھی دیکھ لیا جائے گا۔" جگدیش سر ہلا کر بولا۔ "مجھے اچھی طر

ہے کہ تم انور کی مدد کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

"خیر ہوگا......!" جگدیش اٹھتا ہوا بولا۔ "میں نے اپنا کام مکمل کر ہی لیا ہے۔ دو تین دن
ھر اُدھر ہاتھ مارنے کے بعد کیس تمہارے محکمے کے سپرد کر دیا جائے گا۔"

"تو پھر نیشنل کلب کی کیا رہی۔" آصف بولا۔

"اگر انور سچ کہتا ہے تو ہمیں وہاں ضرور جانا چاہئے۔"

"لیکن ہم نے اس سے یہ بھی نہ پوچھا کہ مقابلہ کس وقت ہوگا۔" آصف نے کہا۔

"میں جھوٹ نہیں کہتا۔" جگدیش مسکرا کر بولا۔ "سچ سچ تم اس لونڈے کی انگلی پکڑ کر چلتے
ر نیشنل کلب دور ہی کتنا ہے۔ ابھی چل کر معلوم کئے لیتے ہیں۔"

آصف جھینپ گیا۔

نیشنل رائفل کلب پہنچ کر وہ دونوں سیدھے سیکریٹری کے کمرے میں چلے گئے۔ دروازہ
ر سے بند تھا اور کئی آدمیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جگدیش نے آہستہ آہستہ دستک
ی۔

"ٹھہرو......!" اندر سے ایک آواز آئی اور جگدیش کی بھنوئیں سکڑ گئیں۔ اس نے
روازے کو دھکا دیا اور دونوں پٹ کھل گئے۔

کمرے میں تین آدمی تھے۔ ایک تو کلب کا سیکریٹری اور دو کوئی غیر ملکی جن کی رنگت تانبے
کی طرح سرخ تھی۔ آصف کی آنکھیں چمکنے لگی۔

"اوہ آپ لوگ!" سیکریٹری اٹھتا ہوا تحیر آمیز لہجے میں بولا "معاف کیجئے گا۔ میں کچھ اور
سمجھا تھا...... تشریف رکھئے۔"

"میں نے سنا ہے کہ آج آپ کے یہاں کوئی مقابلہ ہونے والا ہے۔" جگدیش نے پوچھا۔

"جی ہاں...... جی ہاں...... تیغ زنی کا مقابلہ......!" منیجر ان غیر ملکیوں میں سے ایک کی
طرف اشارہ کر کے بولا۔ "سی نور ڈان ونسنٹ ...... میکسیکو کے باشندے ہیں۔ آج شام کو کلب
مم اپنی تیغ زنی کے کمالات دکھائیں گے۔"

سیکریٹری نے ان سے ان دونوں کا تعارف کرایا۔ دوسرے کا نام ڈان الفریڈو تھا۔ وہ اکھڑی اکھڑی انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر جگدیش اصل موضوع پر آ گیا۔

''مسٹر ونسنٹ میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دوں گا۔'' جگدیش نے انگریزی میں کہا۔

''کہیے......!'' ونسنٹ مسکرا کر بولا۔ ''یہ ایک قوی الجثہ اور طویل القامت آدمی، پیشانی کشادہ اور سر کے بال سیاہی مائل سرخ تھے۔ آنکھیں بلی کی آنکھوں کی طرح، کبھی ہلکی اور کبھی گہری سبز معلوم ہوتی تھیں۔ ناک سے ہونٹوں کے فاصلے کی زیادتی نے چہرے کو غیر متناسب دیا تھا۔ ہونٹ پتلے تھے اور خاموشی کی حالت میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے ہونٹ بھینچے ہوئے ہے۔

''آپ یہاں کب آئے ہیں۔''

''پرسوں......کیوں؟''

''آپ کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟''

''چار......!''

''آپ میکسیکو سے سیدھے یہاں آئے ہیں۔''

''نہیں ہم انگلینڈ میں تھے۔ دراصل ہم دنیا کی سیاحت کیلئے نکلے ہیں اور تیغ زنی کے مظاہرے کر کے اپنا سفر خرچ نکالتے ہیں۔ آپ کا ملک بھی ہمارے پروگرام میں شامل ہے۔''

''آپ کے تین ساتھی کہاں ہیں۔''

''دل کشا ہوٹل میں، ہم لوگ وہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے تینوں ساتھی اس وقت بھی دل کشا میں موجود ہیں۔''

''کیوں......؟'' اسکے لہجے میں تحیر تھا۔ ''ہم انہیں اس وقت وہیں چھوڑ کر آئے ہیں۔''

''بات یہ ہے کہ ہمیں ایک لاش ملی ہے ننگی لاش...... اس کا چہرہ بگاڑ دیا گیا ہے۔ رنگت کے اعتبار سے مقتول آپ ہی کی طرف کا معلوم ہوتا ہے۔''

''اوہ......!'' ڈان ونسنٹ کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئیں۔ ''لاش آپ کو کس

وقت ملی۔''

''صبح چھ بجے۔''

''تب تو کوئی پریشانی کی بات نہیں۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''میرے چاروں ساتھی آٹھ بجے تک زندہ تھے لیکن میں اس لاش کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ خدا کرے وہ میرا ہم وطن نہ ہو۔''

تھوڑی دیر بعد جگدیش انہیں ساتھ لے کر کوتوالی پہنچ گیا۔ انہیں لاش دکھائی گئی۔

ڈان ونسنٹ لاش کو دیکھ کر کچھ پریشان سا نظر آنے لگا۔

''بے شک یہ میرا ہی ہم وطن معلوم ہوتا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟''

''اس سے پہلے آپ کے ملک کا کوئی باشندہ یہاں دکھائی نہ دیا۔'' آصف نے کہا۔

''ہم لوگ امریکن سفارت خانے کی وساطت سے غیر ممالک کا سفر کرتے ہیں میرے خیال سے آپ اس کا پتہ وہیں سے لگا سکتے ہیں۔''

''وہ تو ہم بھی جانتے ہیں۔'' آصف بولا۔

''اچھا تو اب میں جاؤں۔'' وہ ان سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ ''مجھے امید ہے کہ آج شام کو آپ لوگ رائفل کلب کا پروگرام ضرور دیکھیں گے۔''

''ضرور......ضرور......!'' جگدیش نے اسے یقین دلایا۔

ان کے چلے جانے کے بعد جگدیش اور آصف ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج دی گئی۔ امریکن سفارت خانے میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان پانچ آدمیوں کے علاوہ میکسیکو کا کوئی اور باشندہ شہر میں نہیں داخل ہوا۔

''یار آصف میری تشفی نہیں ہوئی۔'' جگدیش نے کہا۔

''پھر......!''

''ہمیں آرلیکچو چلنا چاہیئے۔''

''تو تم ان لوگوں کے پیچھے پڑ گئے۔'' آصف مسکرا کر بولا۔

''ہاں میں ان کے تین ساتھیوں کو بھی ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

"چلو بھئی! حالانکہ ابھی میرا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں لیکن پھر بھی میں دلچسپی لینے پر
لئے مجبور ہوں۔"

"کیوں......؟" جگدیش نے پوچھا۔

"میں تمہیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ صرف فریدی پر ہی دنیا نہیں ختم ہوگئی۔"

"اوہ......!" جگدیش ہنس کر بولا۔ "ضرور ضرور...... اس موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دو"

"شاید تم مذاق سمجھ رہے ہو۔"

"نہیں بھئی مذاق کیوں سمجھوں گا۔ میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ فریدی صاحب الہ
سے واپسی پر کوئی اور دھندا دیکھیں۔"

آر لکچو پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے ہوٹل میں قیام کرنے والوں کا رجسٹر دیکھا۔ پانچ
کے نام درج تھے۔ ایک ویٹر سے انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ پانچوں اس وقت ڈائننگ ہال
موجود ہیں۔ دونوں نے ڈائننگ ہال کا رخ کیا۔

پانچوں ایک بڑی میز کے گرد بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ آصف اور جگدیش کنارے کی
پر چلے گئے۔ آصف نے لنچ کا آرڈر دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ بھی کھانے میں مشغول ہوگئے۔

"ہیں تو پانچ ہی......!" جگدیش بولا۔

"بھئی میرا خیال ہے کہ ان کے پیچھے پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" آصف نے کہ

"ہاں...... آں......!" جگدیش کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں دروازے کی ط
اٹھ گئیں۔ اس کے چہرے پر توجہ کے آثار دیکھ کر آصف بھی مڑا۔

دروازے کے قریب انہیں دو آدمی دکھائی دیئے ان میں ایک بوڑھا تھا اور دوسرا جوا
بوڑھے کے چہرے پر بھورے رنگ کی فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی اور ہونٹوں میں پائپ دبا ہوا تھا
پر اطالوی طرز کی نیلی فلٹ ہیٹ تھی۔ اس نے اپنی پلکیں اس طرح سکوڑ رکھی تھیں جیسے آنک
میں دھواں لگ رہا ہو۔ اس کا جوان ساتھی اس کی طرح گٹھیلے جسم کا نہیں تھا۔ اس کی ڈاڑھی بڑ
اور آنکھوں سے مکاری جھلکتی تھی۔ بوڑھا اس سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا اور وہ اپنے ہو
بھینچ کر ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ دونوں بھی غیر ملکی ہی معلوم ہوتے ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

"آخر تمہارے سر پر غیر ملکی کیوں سوار ہوگئے ہیں۔" آصف ہنس کر بولا۔

"جگدیش پھر کھانے میں مشغول ہوگیا" تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"اس قسم کی لاش سے پہلی بار میرا سابقہ پڑا ہے۔ کم بخت قاتل نے اس کے جسم پر کپڑے
تو رہنے دیئے ہوتے۔"

"ظالم نے جوتے بھی تو نہ چھوڑے۔" آصف کو انور کی آواز سنائی دی۔ جگدیش اسے
گھورنے لگا۔ لیکن انور اس کی پرواہ کئے بغیر ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"اس وقت ہم لوگ کوئی حیرت انگیز خبر سننے کے موڈ میں نہیں ہیں۔" آصف ہونٹ سکوڑ
کر بولا۔

"مطمئن رہو۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں بھی اس کیس میں اپنی ناکامی کا صدقِ دل
سے اعتراف کرتا ہوں۔"

"میں پہلی بار تمہارے منہ سے ایسا جملہ سن رہا ہوں۔" آصف کی آواز میں تحیر تھا۔

"جگدیش صاحب...... جس چیز کا تذکرہ کر رہے تھے وہ تفتیش کے سلسلہ میں آخری کڑی تھی۔
اس کے بغیر کوئی اقدام سعی لاحاصل ہوگا۔ کپڑوں پر کم از کم لانڈری کے نشانات ضرور مل جاتے۔"

"قطعی......!" جگدیش کی آواز میں دبا سا جوش تھا۔

"اور یہ پانچوں ہی ہیں۔" انور میکسیکو کے باشندوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"ظاہر ہے کہ مقتول ان میں سے نہیں ہوسکتا۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ یہ پانچوں ہی آدمی
امریکی سفارت خانے کی وساطت سے یہاں آئے ہیں۔" وہ خاموش ہو کر سگریٹ سلگانے لگا۔

جگدیش کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ہوٹل کے کلرک نے ایک لفافہ لا کر اُس کی طرف بڑھا دیا
جس پر انسپکٹر جگدیش تحریر تھا۔

"کس نے دیا ہے۔" جگدیش نے پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا۔" کلرک سٹپٹا کر بولا۔

"کیا مطلب......؟" جگدیش اسے گھورنے لگا۔

"میں لکھنے میں مشغول تھا۔" کلرک نے کہا۔ "کوئی اس طرح میری میز پر رکھ گیا کہ مجھے خبر تک نہ ہوئی۔"

"اچھا......!" جگدیش نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور لفافہ کھولنے لگا۔ کاغذ پر کچھ تحریر تھی جسے پڑھ کر جگدیش کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں اس نے اسے میز پر رکھ دیا اور چاروں طرف تجسس آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

آصف کاغذ اٹھا کر پڑھ رہا تھا۔

"جگدیش، آصف اور انور صاحبان! مجھے آپ سے ہمدردی ہے آپ حضرات نے شاید ابھی تک طریقہ قتل پر غور نہیں کیا۔ آپ یقین کیجئے کہ اس کے چہرے کا گوشت اس کے ختم ہو جانے کے بعد کاٹا گیا ہے اس سے اس کی موت کا کوئی تعلق نہیں لیکن اس کے بقیہ جسم پر کوئی اور دوسرا زخم بھی نہیں ہے۔ ذرا ذہن پر زور دیجئے مقتول کی بائیں پنڈلی پر آپ نے ایک نیلے رنگ کی دھاری دیکھی ہوگی وہ دھاری ہی دراصل اس کی موت کا باعث بنی تھی۔ آپ یقین کیجئے کہ پوسٹ مارٹم کے وقت اس دھاری سے ایک باریک سی سوئی برآمد ہوگی۔ زہر میں بجھائی ہوئی سوئی۔ جان لینے کا یہ طریقہ میکسیکو کے قدیم باشندوں کی ایجاد ہے۔ اسپینی جنرل کورٹے کے سینکڑوں سپاہی انہیں زہریلی سوئیوں کے شکار ہوئے تھے ان کے استعمال کا طریقہ بڑا دلچسپ ہے یہ پتلی پتلی نلکیوں میں رکھی جاتی ہیں استعمال کے وقت انہیں ہونٹوں میں دبا کے پھونکتے ہیں۔ اس عمل سے سوئیاں برق رفتاری سے اچھل کر شکار کے جا چبھتی ہیں اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ جاتے ہیں۔ آپ ڈاکٹر کو فوراً مطلع کیجئے کہ وہ اس دھاری کا خاص طور سے خیال رکھے اور پھر اگر آپ وہ سوئی برآمد ہو جانے کے بعد بھی قاتل یا قاتلوں کو نہ پکڑ سکیں تو میں آپ حضرات کو خودکشی کا مشورہ دوں گا۔"

"یہ کون ہو سکتا ہے۔" جگدیش آہستہ سے بولا۔

"کوئی بھی ہو۔" انور نے کہا۔ "لیکن ہمیں اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔"

"مطلب......!" آصف متفکرانہ انداز میں بولا۔

"اسکا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ان سوئیوں اور نلکیوں کے لئے ان کی تلاشی لینی چاہئے۔"

انور نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملے بغیر میں ایسا اقدام نہیں کر سکتا۔" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"آخر یہ مشورہ دینے والا کون؟" آصف نے کہا۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جگدیش کی نظریں پھر ان دونوں کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ قریب ہی کی میز پر کھانا کھا رہے تھے۔ بوڑھے کا جوان ساتھی ہال میں بیٹھی ہوئی عورتوں کو گھور رہا تھا۔

"میں اگر آپ کی جگہ ہوتا تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار نہ کرتا۔" انور نے جگدیش سے کہا۔

"آپ ہوتے ہی کیوں میری جگہ۔" جگدیش منہ بنا کر بولا۔

"بہرحال یہ لکھ لیجئے کہ یہ آپ کے بس کا روگ نہیں۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔

قبل اس کے کہ جگدیش کچھ کہتا وہ جا چکا تھا۔ جگدیش اور آصف بڑی دیر تک اس پراسرار گفتگو کرتے رہے لیکن کسی خاص نتیجے پر پہنچنا امر محال تھا۔

انہوں نے ایک بار پھر کلرک پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی لیکن نتیجہ وہی صفر۔

ہوٹل سے نکلے تو رائفل کلب کی ایک موٹر دکھائی دی جس پر سے شام کے مقابلے کے لئے اعلان ہو رہا تھا۔ داخلہ ٹکٹ کے ذریعے تجویز کیا گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ خاصی بھیڑ ہو جائے گی۔" آصف بولا۔

"چیز دلچسپ ہوگی۔" جگدیش نے کہا۔ "میرے خیال سے نشستیں مخصوص کرالی جائیں گی۔"

"میں اس کا انتظار کرلوں گا۔"

آصف چلا گیا۔ جگدیش کا ارادہ تھا کہ وہ بھی واپس جائے لیکن کچھ سوچ کر رک گیا۔ وہ میکسیکن لوگوں کا پیچھا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد فیصلہ کر لیا کہ وہ ان پر کڑی نظر رکھے گا۔ وہ پھر آرلکچو میں واپس آ گیا۔ پانچوں غیر ملکی ڈائننگ ہال سے اٹھ گئے تھے۔ جگدیش نے پھر ہوٹل کا رجسٹر لے کر ان کے کمروں کے نمبر دیکھے اور اوپری منزل کی طرف

روانہ ہو گیا۔

وہ ایک طویل راہداری سے گزر رہا تھا۔ جس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ یہ بھی بڑا عجیب اتفاق تھا کہ ان پانچوں کو سلسلے وار خالی کمرے مل گئے تھے۔ جگدیش ان نمبروں پر اچٹتی نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اسے مخاطب کیا جگدیش مڑا۔ جس بوڑھے کو اس نے ڈائننگ ہال میں دیکھا تھا اس کا جوان ساتھی اسے اشارہ سے بلا رہا تھا۔ اس کے بلانے کا طریقہ اتنا بھدا تھا کہ جگدیش اپنی توہین محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ بہرحال طوعاً و کرہاً پلٹا۔

"تم حجام ہو۔" اس نے جھٹکے دار بھدے لہجے میں پوچھا۔ یہ سوال اس نے غلط انگریزی میں کیا تھا۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" جگدیش بگڑ کر بولا۔

اس پر اس نے جگدیش کو الٹی سیدھی گالیاں سنا کر رکھ دیں قریب کے کمروں سے بوڑھا بھی نکل آیا۔ اس نے اپنے جوان ساتھی کو کھینچ کر پیچھے ہٹا دیا اور خود جگدیش سے معافی مانگنے کے بعد اپنے ساتھی کو ایک ایسی زبان میں ڈانٹنے لگا جو جگدیش کے لئے ناقابل فہم تھی۔

"آفیسر مجھے افسوس ہے کہ اس نے آپ کو حجام کہہ کر مخاطب کیا۔" اس نے جگدیش سے انگریزی میں کہا۔ "بات یہ ہے کہ یہاں پہلی بار آیا ہوں۔ ہمارے ملک میں صرف حجام ہی اس قسم کا یونیفارم پہنتے ہیں۔"

"آپ کہاں سے آئے ہیں۔" جگدیش نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ابھی ناخوشگواری تھی۔

"ہم پرتگال کے باشندے ہیں۔" بوڑھا خوش اخلاقی سے جھک کر بولا۔ پھر اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ "آفیسر سے معافی مانگو۔"

"مجھے افسوس ہے۔" اس نے لٹھ مار دیا۔ "اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب بھی جگدیش کو حجام ہی سمجھنے پر مصر ہے۔"

جگدیش گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس بے موقع اور بے تکے واقعے نے اس کا موڈ خراب کر دیا تھا۔ وہ دوسرے کونے تک جا کر پھر واپس لوٹا۔ اس بار انور کی شرارت آمیز مسکراہٹ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"بڑے بدتمیز ہوتے ہیں یہ پرتگالی۔"

"لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" جگدیش اُسے گھور کر بولا۔

"کیوں کیا یہاں ٹہلنا منع ہے۔"

"میں تمہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔" جگدیش نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن میں تو آپ کو انسپکٹر پولیس سمجھتا ہوں۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "بہرحال یہ خبر میرے اخبار کے لئے بہت دلچسپ ثابت ہوگی کہ پرتگال کے باشندے یہاں کے پولیس والوں کو حجام سمجھتے ہیں۔"

انور جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو......!" جگدیش آگے بڑھ کر بولا۔

انور پلٹ کر مسکرایا۔

"میں فریدی صاحب کی وجہ سے تمہارا خیال کرتا ہوں۔" جگدیش نے کہا۔

"اور اسی وجہ سے میں بھی تم سے آج تک نہیں الجھا کہ فریدی صاحب تم پر مہربان ہیں۔"

جگدیش اُسے گھورتا رہا۔

"یہ خبر اخبار میں نہیں چھپے گی۔" جگدیش سخت لہجے میں بولا۔

"اچھا دیکھا جائے گا۔" انور نے کہا اور مدھم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا نیچے چلا گیا۔

جگدیش کی بیزاری اور بڑھ گئی۔ اب وہ یہاں کسی قیمت پر بھی ٹھہرنے کے لئے تیار نہیں تھا تھوڑی دیر بعد وہ بھی منہ لٹکائے ہوئے نیچے اتر رہا تھا۔

جگدیش شام تک پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن ہزار تقاضوں کے باوجود بھی نہ مل سکی۔ اس دوران میں آصف نے اسے اطلاع دی کہ تیغ زنی کے مقابلے کے ٹکٹ مل گئے ہیں اور سیٹیں بھی مل گئی ہیں۔ جگدیش کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی قسم کی تفریح میں حصہ لے۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ انور کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا اور وہاں جانے پر اس سے

ملاقات یقینی تھی۔ تقریباً چھ بجے آصف پہنچ گیا اور جگدیش کو شدید انکار کے باوجود اس کے جانا پڑا۔

نیشنل رائفل کلب کا وسیع میدان قناتوں سے گھرا ہوا تھا۔ اندر مختلف قسم کی کرسیوں درجوں کی تشکیل کی گئی تھی۔ نشستوں کا انتظام دائرے کی شکل میں کیا گیا تھا۔ وسط میں اسٹیج گیا تھا جو چاروں طرف سے کھلا ہوا تھا۔

ٹھیک سات بجے ڈان ونسنٹ اسٹیج پر نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔

اناؤنسر نے مجمع سے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے کلب کے چند نامور شمشیر زن ڈان ونسنٹ سے مقابلہ کریں گے۔'' اس کے بعد اس نے کلب کے ایک ممبر کے نا اعلان کیا۔ ایک نوجوان شمشیر زن شمشیر تولتا ہوا اسٹیج پر آیا اور تلواروں کے جھنکار سے فضا ہوگئی۔

چند ہی لمحوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ مقابلہ کرنے والے کی تلوار زمین پر تھی اور ونسنٹ کی تلوار اس کے سینے پر۔

''بہت پھرتیلا ہے۔'' جگدیش نے آصف سے کہا۔

''مجھے تو امید نہیں کہ کوئی اسکے مقابلے میں کامیاب ہو سکے۔'' آصف آہستہ سے بڑبڑایا۔

آصف کا خیال صحیح تھا۔ اس نے صرف آدھے گھنٹے میں سارے مقابلہ کرنے والوں کرلیا۔ وہ کسی تدبیر سے ان کے ہاتھ سے تلوار نکال دیتا تھا۔

''خواتین وحضرات۔'' ڈان ونسنٹ نے مجمع کو اپنی طرف مخاطب کیا۔ ''مجھے افسوس آپ میں سے کوئی بھی مجھے زیر نہ کرسکا۔ میں نے آپ کے ملک کے تیغ زنوں کی بڑی تعریف تھی۔ لیکن میں آپ کو الزام نہ دوں گا۔ یہ فن آہستہ آہستہ ساری دنیا سے ختم ہوتا جارہا ہے۔ دنیا کا ایک حصہ ایسا ہے جہاں کے لوگوں نے آتش گیر اسلحوں کی موجودگی میں بھی اس فن حفاظت کی ہے۔ اور مجھے فخر کے ساتھ اس بات کا اعلان کرنے دیجئے کہ وہ حصہ میرا وطن میکسیکو ہے۔''

''یہ قطعی جھوٹ ہے۔'' ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ لوگوں کی نظریں اس طرف اٹھ

ہر جگدیش کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ یہ وہی بوڑھا پرتگالی تھا جس کے جوان ساتھی نے اُسے پاگل سمجھا تھا۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو۔'' ڈان ونسنٹ نے اُسے للکارا۔

''میں کہنا چاہتا ہوں کہ میکسیکو کے باشندے جھوٹی شیخی بگھارتے ہیں۔''

''صاف صاف کہو۔'' ڈان ونسنٹ بگڑ کر بولا۔

''میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پرتگالی بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے۔''

''کیا زبانی؟'' ڈان ونسنٹ کے لہجے میں تمسخر تھا۔

''نہیں...... اس کا اظہار میری تلوار کرے گی۔''

''مجھے منظور ہے۔'' ڈان ونسنٹ مسکرا کر بولا۔ پھر مجمع سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ ''آپ کو ئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

''قطعی نہیں...... قطعی نہیں......!'' بے شمار آوازیں آئیں۔

بوڑھے کے لئے کلب کے سکریٹری نے ایک تلوار منگوائی جسے وہ دو تین منٹ تک زاویئے سے دیکھتا رہا...... پھر وہ اسٹیج پر پہنچ کر مجمعے سے مخاطب ہوا۔ خواتین وحضرات! میں اپنی اس بے موقع دخل اندازی پر شرم سار ہوں۔ اگر سی نور ڈان ونسنٹ ساری دنیا کو نہ للکارتے تو میں دلیری ہرگز نہ کرتا۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔'' مجمع بے تابانہ انداز میں چیخا۔

اناؤنسر تھوڑی دیر تک بوڑھے سے سرگوشیاں کرنے کے بعد بلند آواز میں بولا۔

''موسیو البرونو پرتگال کے باشندے ہیں وہ خود کو تیغ زنی کا ماہر نہیں سمجھتے لیکن پھر بھی سی ڈان ونسنٹ جیسے مشہور تیغ زن سے مقابلہ کرنے جارہے ہیں۔''

اس کے بعد اناؤنسر نے ڈان ونسنٹ کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر تک پھر گوشیاں ہوتی رہیں۔

''خواتین وحضرات۔'' اناؤنسر کی آواز پھر سنائی دی۔ ''یہ مقابلہ آدھے گھنٹے تک ہوگا موسیو البرونو کا دعویٰ ہے کہ وہ آدھ گھنٹہ میں ایک درجن تلواریں توڑیں گے۔''

"مجمع نے اس اعلان پر پرجوش تالیاں بجائیں۔"

دوسرے لمحے میں دونوں تلواریں سونت رہے تھے۔ اچانک ڈان ونسنٹ بوڑھے البر
جھپٹا۔ البرونو نے اس کی تلوار اپنی تلوار پر روکی اور دونوں میں زور ہونے لگا۔ مجمع اس بوڑ
طاقت پر عش عش کر رہا تھا۔ دفعتاً البرونو حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ پیچھے ہٹا اور ڈان ونسنٹ
زور میں تلوار سمیت زمین پر آ رہا۔ مجمعے نے تالیاں بجائیں ڈان ونسنٹ جلدی سے اٹھ
لیکن اس کے ہاتھ میں آدھی تلوار تھی۔ اس نے جھلا کر ٹوٹی ہوئی تلوار زمین پر پٹخ دی اور د
تلوار کے لئے چیخا۔ بوڑھا اس انداز میں کھڑا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ دوسری تلوار لے
ڈان ونسنٹ نے اسے للکارا لیکن اُس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس پر ٹوٹ پڑا۔ یہ حملہ ب
خطرناک تھا۔ اگر البرونو ذرا سا بھی چوکتا تو تلوار اس کے سینے سے پار ہو جاتی۔ اناؤنسر اور ر
دونوں چیخنے لگے۔ تفریحی مقابلہ خون کی پیاس میں تبدیل ہو چکا تھا لیکن ریفری ان کے د
آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ دونوں وحشیانہ انداز میں تلواریں چلا رہے تھے۔ خصوصاً ڈان ونسنٹ
جامے سے باہر ہو رہا تھا۔ دفعتاً پھر ایک زور دار جھنکار سنائی دی اور ڈان ونسنٹ کی تلوار پھر
گئی تھی۔ اب کی اس نے ٹوٹی ہوئی تلوار بوڑھے البرونو پر پھینک ماری لیکن البرونو نے اسے
تلوار پر روک کر ایک طرف ڈال دیا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار کی بجائے طنز
مسکراہٹ تھی۔

مجمع نے چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

ڈان ونسنٹ گھونسہ تان کر البرونو پر جھپٹا۔ بوڑھے نے اپنی تلوار ایک طرف ڈال دی
اس اثناء میں ڈان ونسنٹ کا گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑ چکا تھا۔ البرونو لڑکھڑا کر چار قدم
ہٹ گیا لیکن اس کا جوابی حملہ اتنا سخت تھا کہ ڈان ونسنٹ کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ وہ اتنے
نیچے لڑھک کر بیہوش ہو گیا۔

البرونو کو بیشمار آدمیوں نے گھیر لیا تھا اور اسکی تعریفوں کے پل باندھے جا رہے تھے لیکن
کچھ بوکھلایا بوکھلایا سا نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔
"وہ پھر آ رہا ہے۔" دفعتاً البرونو چیخا۔ لوگ دوسری طرف مڑے اور وہ نہایت صفائی

ان کے نرغے سے نکل گیا لیکن انسپکٹر جگدیش کی نظریں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس نے دیکھا
کہ وہ ایک طرف کی قنات چاقو سے پھاڑ کر باہر نکل گیا۔ جگدیش اس کی طرف لپکا۔ وہ بھی اس
راستے سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی۔ جگدیش جھلا کر پلٹا لیکن و
اتنے بڑے مجمع میں کسے ٹوک سکتا تھا اور پھر ایسی صورت میں جبکہ اس نے کسی کو صریحی طور پر
دیکھا نہیں تھا۔

بہرحال اس پر اس کا بہت بُرا ردعمل ہوا۔ وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کوئی اسے
دیکھ کر ہنس تو نہیں رہا ہے اس بوکھلاہٹ میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ کچھ دیر قبل البرونو سے دو د
ہاتھ کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

جگدیش نے دیکھا کہ انور کچھ دور کھڑا مسکرا رہا ہے۔ جگدیش بوکھلا کر اسکی طرف بڑھا۔

"اور اس وقت اس کم بخت نے تمہاری ٹانگ پکڑ لی۔" انور ہنس کر بولا۔

"کون تھا......؟" جگدیش نے بے اختیار پوچھا۔

"وہی جس نے دوپہر کو تمہیں حجام کہا تھا۔"

"اوہ......اور تم کھڑے دیکھتے رہے۔"

"نہیں......میں نے اسے پکڑنا چاہا تھا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔"

"وہ گیا کدھر......!"

"اگر یہی معلوم ہوتا تو پکڑ ہی نہ لیتا۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

جگدیش خاموش ہو گیا۔

"ڈان ونسنٹ زندہ ہے یا مر گیا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"مرا تو نہیں لیکن مردے سے بدتر ہے۔" انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"میں نے اتنی خوفناک تیغ زنی آج تک نہیں دیکھی۔"

"اس بوڑھے کے جسم میں آدمی کی روح نہیں معلوم ہوتی۔"

"مجھے یقین ہے کہ اگر ڈان ونسنٹ قاعدے سے مقابلہ کرتا تو بوڑھا اپنے وعدے
کے مطابق آدھے گھنٹے میں ایک درجن تلواریں ضرور توڑ دیتا۔" جگدیش نے کہا۔

"مجھے تو اسے بوڑھا کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔" انور نے کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ ...
نہیں ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"اگر تم اپنے چہرے پر مصنوعی سفید ڈاڑھی لگا لو تو کیا سچ مچ بوڑھے ہو جاؤ گے۔"

"مگر اس کی ڈاڑھی مصنوعی نہیں معلوم ہوتی۔" جگدیش نے کہا۔

"معلوم نہ ہونا اور بات ہے۔ تم نے کھینچ کر تو دیکھی نہیں۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

دوسرا اجنبی

دوسرے دن کے اخبارات تیغ زنی کے حیرت انگیز مقابلے کی نت نئی کہانیاں سنا رہے تھے۔ پراسرار البرونو کی شخصیت پر نئے نئے زاویوں سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ا... اخبار اس معاملے میں سب سے آگے بڑھ گیا تھا۔ اس نے ایک پولیس انسپکٹر کی ٹانگ کے ... جانے والا واقعہ بھی پیش کیا تھا۔ لیکن پولیس انسپکٹر کا نام نہیں ظاہر کیا تھا۔

تقریباً گیارہ بجے انسپکٹر آصف انور کے دفتر میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی انور پہنچا آصف اس پر جھپٹ پڑا۔

"یہ کس انسپکٹر کی داستان تھی۔"

"تم سے مطلب......؟" انور نے بے رخی سے کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"تمہاری شامت تمہارے گرد منڈلا رہی ہے۔" آصف بھنا کر بولا۔

"اپنا کام دیکھو...... میں ہرگز یہ نہ بتاؤں گا کہ وہ کون تھا۔"

"پولیس تم پر توہین کا مقدمہ چلا دے گی۔"

"خیر اس صورت میں اس انسپکٹر کا گریبان پکڑ کر عدالت میں کھینچ لے جاؤں گا۔"

آصف بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک انور کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"جگدیش نہ جانے کیوں تم سے ناراض ہے۔"

"تعجب ہے۔" انور حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "میں نے آج تک اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا لیکن وہ پھر بھی ناراض ہے۔ میں اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"خیر چھوڑو! البرونو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"وہی جو کچھ تم نے میرے اخبار میں پڑھا ہے۔"

"اس سے تو کوئی خاص خیال واضح نہیں ہوتا۔"

"تو پھر بس یہ سمجھ لو کہ میرا کوئی خاص خیال نہیں۔"

"لیکن وہ پھر دونوں غائب ہوں ہو گئے۔"

"کون......!"

"البرونو اور اس کا ساتھی۔"

"کہاں غائب ہو گئے۔" انور دلچسپی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

انہوں نے کل رات ہی کو آرلکچو ہوٹل چھوڑ دیا۔

"اور تم لوگ ان کی تلاش میں ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔

"ہاں......!"

"کیوں......؟"

"ڈان ونسنٹ کی حالت بہت ابتر ہے۔"

"اچھا اس لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا کیا ہوا۔"

"انتہائی حیرت انگیز۔" آصف دیدے پھرا کر بولا۔ "اس پراسرار خط کے مطابق سچ مچ اس کی پنڈلی سے ایک زہریلی سوئی برآمد ہوئی ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ موت کا باعث اس سوئی کا زہر ہی ہوا ہے۔"

"اور پھر تم نے ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں کی تلاشی نہیں لی۔"

"اس وقت تو یہی کر کے آ رہا ہوں۔" آصف نے کہا۔ "آخر تم اتنے بداخلاق کیوں ہو گئے ہو۔ اتنی دیر سے تم نے ایک بھی سگریٹ نہیں پیش کیا۔"

انور نے سگریٹ کا ڈبہ دراز سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہاں تو پھر کیا ہوا......؟"

"کچھ نہیں...... ان کے پاس سے کوئی بھی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہوئی۔" آ
سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"ہوں......!" انور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تو تم نے ان کا
چھوڑ دیا۔"

"نہیں ایسا تو نہیں۔ ہماری نظریں اب بھی ان پر ہیں۔ لیکن اب ہم سارا زور البرونو کا
لگانے میں صرف کر رہے ہیں۔"

"آخر کیوں؟" انور اسے گھور کر بولا۔ "کیا ڈان ونسنٹ نے اسکے خلاف کوئی بیان دیا ہے"

"ہاں......!"

"کیا......؟"

"یہی کہ لندن میں اس کا جھگڑا چند پرتگالیوں سے ہو گیا تھا اور وہ ان کے جان کے
ہو گئے تھے۔ ڈان ونسنٹ کا خیال ہے کہ البرونو انہیں میں سے ہے اور اس کے ساتھیوں کو نق
پہنچانا چاہتا ہے۔ اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل والی لاش کا تعلق البرونو ہی
ہے۔"

"وہ کیسے......!"

"ڈان ونسنٹ کہتا ہے کہ شاید اس نے میرے ساتھی کے دھوکے میں کسی اور آدمی کو
ڈالا ہے۔"

"بات تو کچھ قاعدے کی معلوم ہوتی ہے۔" انور نے کہا۔

"اور ان دونوں کا اس طرح غائب ہو جانا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ مجرم ہیں۔" آصف
دوسرا سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"کیوں......؟"

"ان کا طریقہ کار کچھ عجیب سا ہے۔ اگر وہ واقعی مجرم ہیں تو ایسے مجرم آج تک م

نہیں گزرے۔"

"کیا تم داراب¹ کو بھول گئے۔" آصف نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن داراب نے بھی کبھی بھرے مجمعے میں کسی پولیس انسپکٹر کی ٹانگ کھینچنے کی
نہیں کی۔"

"اوہ تو کیا یہ حرکت البرونو نے کی تھی۔"

"نہیں اس کے ساتھی نے۔"

"کس کی ٹانگ پکڑی تھی۔"

"بہت اچھے۔" انور طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"آخر بتا دینے میں کیا حرج ہے؟"

"میں غیر ضروری باتیں کرنا پسند نہیں کرتا۔" انور نے قلم اٹھا کر کچھ لکھنا شروع کر دیا۔

"شاید تم اس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔"

"قطعی نہیں۔"

آصف تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی بے تکی ہانکنے کے بعد چلا گیا۔

انور رشیدہ کا انتظار کرنے لگا۔ وہ صبح سے غائب تھی اور ابھی تک آفس بھی نہیں آئی تھی۔
پہلا اتفاق تھا کہ وہ انور کو بتائے بغیر اتنی دیر کے لئے غائب ہوئی تھی۔ دونوں تقریباً دو ڈھائی
سال سے ایک ساتھ رہتے آئے تھے اور ایک دوسرے کے عادات و اطوار سے اچھی طرح واقف
لیکن رشیدہ کا آج کا رویہ انور کو الجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ وہ پچھلی رات سے ہی کچھ بے
نظر آ رہی تھی۔ انور اسے رائفل کلب والے مقابلے میں لے گیا تھا اور رات ہی سے اس
اس کی بے چینی محسوس کر لی تھی۔ لیکن رشیدہ نے کافی استفسار کے باوجود بھی اس کی وجہ نہیں
تھی۔

گھڑی نے بارہ بجائے اور انور سارا کام چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ رشیدہ ابھی تک
آئی تھی۔ اس نے موٹر سائیکل اٹھائی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

رشیدہ کے فلیٹ کا دروازہ باہر سے بند نہیں تھا۔ انور نے اطمینان کا سانس لیا۔

---

¹ داراب کے کارناموں کیلئے جاسوسی دنیا کا چودھواں ناول "تجوری کا گیت" جلد نمبر 4 ملاحظہ فرمائیے۔

دوسرے لمحے میں وہ دروازے پر ہولے ہولے دستک دے رہا تھا۔ دروازہ کھلا سامنے کھڑی تھی لیکن خلاف توقع اس نے انور کا استقبال مسکراہٹ سے نہیں کیا۔ اس کے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ساری رات جاگتی رہی ہو۔

"رشو......!" انور تحیر آمیز انداز میں بولا۔

رشیدہ خاموش رہی۔

"تم کہاں تھی؟"

رشیدہ تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "ابھی نہیں بتا سکتی"

"کیوں؟ کیا کوئی خاص بات......؟"

رشیدہ نے سر ہلا دیا۔

"آخر کیا......؟"

"کہہ تو دیا کہ ابھی نہیں بتا سکتی۔ ہوسکتا ہے کہ میرے اندیشے محض وہم ہوں۔"

"پھر تم نے پہیلی بجھوا دی۔"

"میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی مگر ابھی نہیں۔"

"اور اس وقت الجھن میرا خاتمہ کر دے گی۔"

"اوہو......!" رشیدہ کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تمہیں میری پرواہ کب سے ہوگئی۔"

"جب تم ہنستی ہو تو مجھے ذرہ برابر بھی تمہاری پرواہ نہیں ہوتی۔ لیکن جب اداس ہوتی ہو تو میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔"

"تم آج آدمیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" رشیدہ پھر مسکرائی۔

"رشو...... نہ جانے کیوں میں آج تم سے لڑنے کے لئے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"کیوں......؟" رشیدہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

"یہی تو میں نہیں جانتا۔"

رشیدہ اسے بدستور گھورتی رہی۔

"تم رات سے پریشان نظر آ رہی ہو۔" انور پھر بولا۔ "آخر کیوں؟"

"میری طبیعت رات سے ٹھیک نہیں ہے۔"

"خیر اب تم مجھے بہلانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"چلو یہی سمجھ لو......" رشیدہ نے بے دلی سے کہا اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

انور تھوڑی دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

رشیدہ کا یہ عجیب غریب رویہ اس کی سمجھ میں نہیں آسکا۔ انور خیالات میں ڈوبا ہوا ٹیلی فون کا ڈائیل گھمانے لگا۔ پھر ماؤتھ پیس میں آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑانے کے بعد بولا۔ "ہیلو...... میں انور بول رہا ہوں...... ذرا جگدیش صاحب کو فون پر بلا دیجئے۔ اس نے ریسیور میز پر رکھ کر ایک سگریٹ سلگایا اور دھوئیں کا گنجان بادل چھوڑتا ہوا پھر ریسیور کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "ہیلو...... جگدیش صاحب...... اوہ...... مجھے افسوس ہے...... لیکن میں نے آپ کا نام تو نہیں دیا۔ آپ کے علاوہ وہاں اور بھی کئی پولیس انسپکٹر موجود تھے...... اور پھر اس طرح میں نے وہ کام کیا ہے کہ آپ کو اس کا فائدہ بھی معلوم ہوگا...... نہیں سمجھے...... اچھا تو سمجھئے...... میں نے یہ نہیں لکھا کہ ٹانگ کھینچنے والا البرونو کا ساتھی تھا...... اس سے وہ دونوں اس بات پر مطمئن ہو جائیں گے کہ پولیس ان کی طرف زیادہ دھیان نہ دے گی اور آپ اپنا کام کر گزریں گے...... ہاں ہاں...... لیکن اگر میری نیت میں فتور ہوتا تو میں حجام والے واقعے کو سب سے پہلے لکھتا لیکن میں نے اس کا ذکر تک نہیں کیا...... خیر ہاں تو البرونو اور اس کے ساتھی کا کیا رہا...... اوہ...... ابھی تک لاپتہ ہیں...... خیر اچھا شکریہ۔"

انور نے ریسیور رکھ دیا۔

سارا دن اسی الجھن میں گزر گیا کہ رشیدہ کی حالت میں غیر متوقع تبدیلی کا کیا باعث ہے وہ اپنے کمرے ہی میں رہی۔ انور نے کئی بار اس سے ملنا چاہا لیکن دروازہ نہ کھلا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے وہ باہر نکلی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سفری بیگ تھا اس نے انور کے دروازے پر دستک دی۔

دوسرے لمحے میں انور دروازے میں کھڑا اسے حیرت سے گھور رہا تھا۔

''یہ کیا خبط ہے۔''

''میں باہر جارہی ہوں۔''

''آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے۔''

''میں ایک بہت بڑے خطرے کی بو سونگھ رہی ہوں۔'' وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

''رشو میں کان اکھاڑ لوں گا'' انور نے کہا لیکن رشیدہ پر اس جملے کا کوئی اثر نہ ہوا۔

انور سمجھا تھا کہ وہ پھر اپنے پرانے موڈ میں آجائے گی مگر اس کے چہرے کی زردی میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا۔

''او بابا تم کچھ بتاؤ نا......؟'' انور چڑ کر بولا۔

''وقت نہیں ہے۔ میں جلد ہی واپس آجاؤں گی۔ ہوسکتا ہے کہ سب وہم ہو۔ لیکن مجھے احتیاط برتنی پڑے گی۔ میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی......مگر......!''

بارجے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ رشیدہ چونک کر مڑی۔ آنے والا رک گیا۔ وہ اندھیرے میں تھا اور رشیدہ کے چہرے پر انور کے کمرے کی روشنی پڑ رہی تھی۔

''کون ہے۔'' انور نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''سی نورا رومولی......!'' ایک تیز قسم کی آواز سنائی دی اور رشیدہ لڑکھڑا کر انور کے بازوؤں میں آرہی۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

''انور...... جلدی...... انور......!'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔ انور نے اسے کمرے کے اندر کھینچ کر ایک صوفے پر ڈال دیا اور خود دروازے پر جم گیا۔

''تم کون ہو......؟''

آنے والا اندھیرے سے روشنی میں آگیا۔ یہ ایک پستہ قد مگر مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ انور اس کی رنگت دیکھ کر بے اختیار چونک پڑا۔ تانبے جیسا سرخی مائل رنگ مگر وہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ انور کو ان سب کی صورتیں بخوبی یاد تھیں۔

''دوست......!'' اس نے آہستہ سے انگریزی میں کہا۔

''یعنی......؟'' انور نے سوالیہ انداز میں کہا۔ اس کے لہجے میں سختی تھی۔

''مجھے اندر آنے دو میں خود کو محفوظ نہیں سمجھتا۔'' اس نے کہا اور کمرے میں گھس کر دروازہ بند کرلیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ انور کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ میز پر پڑے ہوئے چاقو پر تھا۔

''جہاں کھڑے ہو وہاں سے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرنا۔'' انور تیز لہجے میں بولا۔ ''میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوا۔''

اجنبی نے مسکرا کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''سی نورا رومولی......!'' وہ پھر آہستہ سے بولا۔

رشیدہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی اور اجنبی کو اس طرح گھور رہی تھی جیسے اُسے پہچاننے کی کوشش کررہی ہو۔

''تم کون ہو'' انور پھر گرجا۔

''دوست...... میں دوست ہوں...... ابھی سی نورا خود بتائے گی۔'' اس نے اپنے چہرے پر لگی ہوئی گھنی مونچھیں اتار دیں۔

''ڈیگاریکا......!'' رشیدہ آہستہ سے بولی اور تیزی سے اس کے قریب آگئی۔ انور کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ گیا۔

اجنبی رشیدہ کے سامنے دوزانو ہوگیا۔

انور کی حیرت اپنی انتہائی منزلیں طے کررہی تھی۔

ان دونوں نے ایک ایسی زبان میں گفتگو شروع کردی جس کا ایک لفظ بھی انور کی سمجھ میں نہ آسکا۔

رشیدہ پہلے تو ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی پھر اچانک خوفزدہ نظر آنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ انور کی طرف مڑی۔

''انور اب تمہیں بہت جلد میرا راز معلوم ہوجائے گا لیکن ہم اس وقت جلدی میں ہیں۔''

میں اس وقت جا رہی ہوں کل کسی وقت تمہیں میرا ٹھکانہ معلوم ہو جائے گا۔"

انور نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

رشیدہ اور وہ اجنبی دروازہ کھول کر باہر نکل گئے اور پھر اچانک ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی بہت وزنی چیز بارجے پر گر پڑی ہو۔ انور جھپٹ کر باہر نکلا لیکن دوسرے لمحے میں اس کی کنپٹی کے قریب بجلی سی چمکی اور وہ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

نہ جانے کتنی دیر بعد وہ اندھیروں کے تانے بانے سے آزاد ہو سکا۔ کنپٹی بُری طرح دکھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کئے اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے کا ارادہ کیا لیکن اچانک اس کا ذہن جاگ اٹھا اور کچھ دیر قبل پیش آئے ہوئے واقعات آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ اس نے رشیدہ اور پراسرار اجنبی کو باہر جاتے دیکھا تھا پھر ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی پر اچانک حملہ کیا گیا ہو۔ وہ پھرتی سے باہر نکلا تھا اور شاید وہ کسی کا مکا ہی تھا جس نے اس کے سر کی ہڈیاں تک ہلا دی تھیں۔

انور نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے ہی کمرے میں تھا لیکن اسے پھر آنکھیں بند کر لینی پڑیں اور وہ سوچنے لگا کہ وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ بوڑھا البرونو اس کے صوفے پر بیٹھا ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

انور کا سر چکرانے لگا۔ آخر یہ بوڑھا آدمی ہے یا بھوت۔ لیکن اسکی موجودگی کا مطلب یہی تھا کہ اسی نے اس پر حملہ کر کے بے ہوش کر دیا تھا۔ انور کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا۔ کیا رشیدہ اسی لئے خائف تھی وہ پراسرار اجنبی کون تھا جسے دیکھ کر پہلے تو وہ بُری طرح خائف ہو گئی تھی لیکن پھر اس انداز میں گفتگو کرنے لگی تھی جیسے اسے برسوں سے جانتی تھی۔ رنگت کے اعتبار سے وہ ڈان ونسنٹ ہی کا ہم وطن معلوم ہوتا تھا لیکن رشیدہ اسپینی زبان کیا جانے۔ وہ اس طرح اس زبان میں گفتگو کر رہی تھی جیسے وہ اس کی مادری زبان ہو۔ اس کا ذہن پھر البرانو کی طرف گیا۔ کیا سچ مچ البرانو ہی اس غیر ملکی کا قاتل تھا مگر کیوں؟ کیا اس وقت اس نے رشیدہ اور اس کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور تو کیا، اس نے رشیدہ کو قتل کر دیا ہوگا...... رشیدہ کو۔

انور کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں اس نے پھر آنکھیں کھولیں۔ البرونو اب بھی کتاب میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں ایک موٹا سا سگار تھا جو شاید بجھ چکا تھا۔ انور

اچھلا اور یک لخت البرونو پر جا پڑا۔ بوڑھا اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ لیکن وہ پھر بھی سنبھل گیا۔ دوسرے لمحے میں اس کی فولادی انگلیاں انور کی کلائیوں میں بُری طرح چبھ رہی تھیں۔ بوڑھے کی نشست میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے انور کو اپنی بانہوں میں جکڑ لیا اور اب وہ اس کا سر اپنے ہاتھ میں لئے اس طرح اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی چھ ماہ کا شیر خوار بچہ ہو۔

"شور مچانے کی ضرورت نہیں۔" وہ آہستہ سے انگریزی میں بولا۔

انور پر سکتہ سا ہو گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اب زندگی بھر اس کی ٹانگوں کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکے گا۔

"البرونو تمہارا دشمن نہیں۔" وہ پھر بولا۔ "اگر وہ دشمن ہوتا تو یہاں ٹھہرتا ہی کیوں؟ تم کوئی احمقانہ حرکت نہیں کرو گے۔"

البرونو نے گرفت ڈھیلی کر دی اور انور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ البرونو کی حالت میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور پہلے کی طرح پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی لیکن آنکھیں جذبات سے عاری اور سرد تھیں۔ انور کے سارے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ البرونو نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ انور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں البرونو کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں جانتا ہوں تم جو کچھ سوچ رہے ہو۔" البرونو بولا۔

"کیا......؟" انور نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"یہی کہ کاش اس وقت تمہارا دوست انسپکٹر آصف یہاں آ جاتا۔"

انور بے اختیار چونک پڑا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ آخر البرونو سے اس کا کیا تعلق اور وہ اس کے بارے میں اتنی معلومات کیسے رکھتا ہے؟

"تمہیں یہاں میری موجودگی پر حیرت ہو رہی ہے۔" البرونو پھر مسکرایا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟" دفعتاً انور اٹھ کر چیخا۔

"صبر...... صبر......!" البرونو نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "اگر میں موقع پر نہ پہنچ جاتا تو تم

کہیں اور ہوتے۔"

"وہ لڑکی کہاں گئی؟" انور بے صبری سے بولا۔

"یہ ابھی نہیں بتایا جاسکتا۔ میں خود نہیں جانتا۔ لیکن وہ خود نہیں گئی زبردستی لے جائی گئی ہے۔"

انور پھر اُسے گھورنے لگا۔

"دیکھو بوڑھے، میں بہت خراب آدمی ہوں۔" انور بولا۔

"وہ تو تمہاری صورت سے ظاہر ہے۔"

انور پھر جھلا کر اٹھا۔

"دیکھو لڑکے! تم شاید اپنے ہاتھ پیر تڑوا کر ہی رہو گے۔"

"میں ڈان ونسنٹ نہیں ہوں۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ "میں تمہارا غرور توڑ دوں گا۔"

البرونو نے قہقہہ لگایا۔

"جلد بازی ٹھیک نہیں مسٹر انور۔" وہ تھوڑی دیر بعد سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے اطلاع ملی تھی کہ جرائم کی دنیا میں تم ایک بہترین دماغ ہو لیکن شاید وہ محض افواہ تھی۔ تم ایک معمولی آدمی سے بھی بدتر معلوم ہوتے ہو۔"

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انور نے اٹھنا چاہا۔

"ٹھہرو......!" البرونو اٹھتا ہوا بولا۔ "شاید یہ فون میرے لئے ہے۔"

اس نے ریسیور ہاتھ میں اٹھالیا۔ "ہیلو......ٹھیک...... میں یہاں دس منٹ تک اور انتظار کروں گا......جلدی کرو۔"

اس نے ریسیور رکھ کر بجھا ہوا سگار سلگایا اور دیوار سے لگی ہوئی ایک تصویر پر نظریں جمادیں۔ انور بُری طرح بوکھلایا تھا۔ نہ جانے وہ کیوں خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اس کی ساری تیزی اور طراری رخصت ہوگئی تھی۔ وہ بوڑھے کی بے پناہ طاقت کا بھی اندازہ لگا چکا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اس سے بھی زیادہ برق رفتار ہے۔

کسی نے دروازے پر دستک دی۔ انور نے پھر اٹھنا چاہا لیکن بوڑھے کے ہاتھ کے

اشارے پر تین آٹھ کا ریوالور دیکھ کر ہمت جواب دے گئی۔ بوڑھا ریوالور کا رخ انور کیطرف کئے ہوئے آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلا لیکن وہ داہنے پٹ کی آڑ میں ہوگیا۔

آنے والا انسپکٹر آصف تھا۔ انور اسے اشارہ کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دفعتاً اُسے البرانو کی آنکھوں میں سفاکی کی جھلک دکھائی دی اور ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کی گردش کرنے کی صلاحیت یک لخت مفقود ہوگئی ہو اور اب وہ زندگی بھر اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر سے نہ ہٹا سکے گا۔

"اوہو......!" آصف چہک کر بولا۔ "کیا بت بننے کی مشق کر رہے ہو۔"

اس کے اس جملے پر بھی انور کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور پھر آصف بے خودی میں پیچھے کی طرف مڑا۔ اس کا منہ پھیل گیا۔

"شش......!" البرونو پرسکون لہجے میں بولا۔ "شور نہیں...... ورنہ یہ ریوالور تم سے زیادہ شور مچانا جانتا ہے۔"

آصف کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے تحکمانہ لہجے میں بولا۔

آصف بیٹھ گیا۔ کبھی وہ انور کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی البرونو کی طرف۔

"مسٹر آصف کی جیب سے پستول نکال کر سامنے میز پر رکھ دو۔" البرونو نے انور سے کہا۔

انور نے تعمیل کی......لیکن میز کے قریب پہنچ کر وہ دفعتاً گھوم پڑا۔ البرونو کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا اور انور کے ہاتھ میں دبا ہوا ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔

"میں اپنے ریوالور میں بے آواز کارتوس استعمال کرتا ہوں۔" البرونو مسکرا کر بولا۔ "میں شور نہیں پسند کرتا۔"

انور گھبرا کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن البرونو کی گولی پستول کی نال پر پڑی تھی اور اس کا ہاتھ محفوظ تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" البرونو کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں یہاں دوسری کال کا انتظار کر رہا ہوں مجھے تم لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

آصف متحیرانہ انداز میں البرونو کو دیکھ رہا تھا۔ انور بے بسی سے بیٹھ گیا۔

''لیکن تم...... یعنی کہ تم......!'' آصف اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

''اس کمرے میں میری موجودگی کا سبب پوچھنا چاہتے ہو۔'' البرونو مسکرایا۔

آصف جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ڈان ونسنٹ کی حالت ابتر ہے۔''

''تو پھر اس سے کیا۔ وہ ایک مقابلے کے دوران زخمی ہوا تھا۔ سب سے پہلے اسی نے
پر جارحانہ حملہ کیا تھا۔ خیر ہوگا میں کسی قسم کی صفائی نہیں پیش کرنا چاہتا۔ مجھے اطمینان ہے کہ ج
وقت چاہوں گا یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مجھے صرف ڈان ونسنٹ کی موت کا انتظار ہے۔''

''یہ تم ایک سی آئی ڈی انسپکٹر کے سامنے کہہ رہے ہو۔'' آصف اسے گھور کر بولا۔

''میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔'' البرونو نے مسکرا کر کہا۔

انسپکٹر آصف کو زندگی میں شاید ہی کبھی کوئی ایسا لمحہ آیا ہو جب کسی مجرم نے اس س
قسم کی گفتگو کی ہو۔ وہ انور سے بھی بوکھلایا ہوا نظر آنے لگا تھا۔

''لیکن تم یہاں سے نکل نہیں سکو گے۔'' آصف ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

''میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔'' البرونو نے ریوالور کا رخ آصف کی طرف پھیر دیا۔

''بیٹھ جاؤ......!'' انور جھلا کر بولا۔ پھر البرونو سے کہنے لگا۔ ''اگر یہ صحیح ہے کہ تم اس
ابھی قیام کرو گے تو میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ......!''

''بُری بات...... بُری بات۔'' البرونو اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''ذرا ذرا سی باتو
ناراض نہیں ہوا کرتے۔''

''لیکن یہاں اس وقت اس کی موجودگی کا مطلب۔'' آصف نے انور سے پوچھا۔

''ان لوگوں نے رشیدہ کو اغوا کرلیا ہے۔'' انور دانت پیس کر بولا۔

''یہ بکواس ہے۔'' البرونو نے تلخ لہجے میں کہا۔

''پھر وہ کہاں گئی۔''

''کہہ تو دیا کہ میں نہیں جانتا۔''

''مجھ پر کس نے حملہ کیا تھا۔''

''میں یہ نہیں بتا سکتا۔''

''اس طرح تم ایک بہت بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے ہو۔'' آصف نے کہا۔

''جرائم تو میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔'' البرونو لاپرواہی سے بولا۔

اتنے میں پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ البرونو نے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا لیکن ریوالور کا رخ ابھی
صف اور انور ہی کی طرف تھا۔

''ہیلو......!'' وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''تم بہت دیر کر رہے ہو۔ کہو کیا رہا...... وہ ٹھیک ہے
نے کی امید تو نہیں...... ٹھیک بہت اچھا...... تم وہیں ٹھہرو...... میں ابھی آتا ہوں۔''

البرونو ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑا۔

''اچھا دوستو! شب بخیر۔ تم دونوں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ چلو جلدی
یرے پاس وقت نہیں ہے۔ ضرورت پڑنے پر میں قتل بھی کرسکتا ہوں ٹھیک...... ہاں اسی
ھڑے رہو۔''

البرونو نے کمرے سے نکل کر دروازہ باہر سے بند کردیا اور پھر بار جے میں پھیلی ہوئی
امیں اس کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی رہی۔

آصف دروازے کی طرف جھپٹا۔

''بیکار ہے۔'' انور مردہ دلی سے بولا۔ ''باہر سے دروازہ بند کر گیا ہے۔''

''بہرحال اسوقت بڑی بے عزتی ہوئی۔'' آصف نے پریشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''ابھی اس سے بھی زیادہ بے عزتی ہونی باقی ہے۔'' انور خشک لہجے میں بولا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''اس کمرے سے نکلنے کے لئے شور مچا کر نچلی منزل والوں کو بلانا پڑے گا۔''

یہ سن کر آصف سناٹے میں آ گیا۔ کم از کم اس عمارت کے لوگ اسے اچھی طرح جانتے تھے۔

''چیخو بھی چیخو۔'' انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''ورنہ رات تمہیں یہیں بسر کرنی پڑے گی۔''

''یار یہ تو بڑا برا ہوا۔''

"میں اس کم بخت سے سمجھ لوں گا۔" انور بھنا کر بولا۔

"وہ تو بعد کی باتیں ہیں...... اس وقت کیا کیا جائے؟ اگر چیخ چیخ کر لوگوں کو بلایا تو خواہ مخواہ احمق بننا پڑے گا۔"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"رشیدہ کا کیا قصہ ہے۔" آصف نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"خود میں ہی نہیں سمجھ سکا تمہیں کیا بتاؤں گا۔" انور نے کہا۔ "لیکن اس وقت تم آ گئے۔"

"ادھر سے گزر رہا تھا سوچا تم سے ملتا چلوں۔"

"اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون......؟"

"چائے والا......!" باہر سے آواز آئی اور آصف کا چہرہ چمک اٹھا۔

"باہر سے بند ہے کھول لو بھئی۔" آصف پر مسرت لہجے میں بولا۔

دروازہ کھلا اور قریب کے ہوٹل کا ایک لڑکا ٹرے میں چائے لئے ہوئے داخل ہوا۔

"تم سے چائے کے لئے کس نے کہا تھا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔

لڑکا سہم گیا۔

"ایک صاحب نے۔"

"کون تھا......؟"

"میں پہچانتا نہیں لیکن انہوں نے آپ کا پتہ بتایا تھا۔"

"اس کا حلیہ......!" آصف نے پوچھا۔

"بوڑھے تھے، ڈاڑھی تھی۔ ہرے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھے۔"

انور آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا اس نے تمہیں سے کہا تھا۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں...... منیجر صاحب سے میں قریب ہی کھڑا تھا۔"

"کیا تم انگریزی سمجھ لیتے ہو۔"

"نہیں منیجر صاحب نے مجھے بتایا تھا، وہ صاحب چائے کے پیسے بھی دے گئے ہیں۔"

"اچھا...... اچھا تھوڑی دیر بعد برتن لے جانا۔" انور نے کہا۔

لڑکا چلا گیا۔

"یار اس بوڑھے نے سچ مچ دماغ خراب کر دیا ہے۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں نے بڑے بڑے مجرموں کا سامنا کیا ہے...... لیکن یہ بوڑھا......" انور سگریٹ سلگاتے ہوئے سوچنے لگا۔

"کیوں......؟ کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں! رشیدہ کا معاملہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"آخر بات کیا ہے۔" آصف نے پوچھا۔

"ٹھہرو......!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "بوڑھا ہمیں مستقل طور پر بیوقوف بنائے جا رہا ہے۔ کیا چائے پیو گے؟ عجیب احمق ہو۔ اٹھو جلدی کرو۔"

آصف کھڑا ہو گیا۔ دونوں باہر نکلے۔ آصف اس کے کہنے پر عمل تو کر رہا تھا لیکن بے دلی سے۔ اس نے کئی بار انور سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن انور جلدی میں تھا۔ اس نے نیچے آ کر گیراج سے موٹر سائیکل نکالی اور دونوں اس پر بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

"کہاں چلو گے؟" آصف نے پوچھا۔

"ٹیلی فون ایکسچینج......!"

"کیوں......؟"

"البرونو کی دوسری کال ٹھیک دس بج کر پانچ منٹ پر آئی تھی۔ ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ وہ کہاں سے آئی تھی۔"

"معلوم تو ہو جائے گا۔" آصف نے کہا۔ "لیکن بوڑھا بہت چالاک ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"وہ اس قسم کی غلطی نہیں کر سکتا جس سے پکڑے جانے کا امکان پیدا ہو سکے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ تم اندر جا کر پتہ لگاؤ۔ میرا فون نمبر تو جانتے ہی ہو۔" انور نے کہا۔

ٹیلی فون ایکسچینج کے قریب پہنچ کر انور نے موٹر سائیکل روک دی اور آصف اتر کر عمارت میں داخل ہوا۔

انور فٹ پاتھ پر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ رشیدہ کے متعلق آصف کو بتائے یا نہ بتائے۔ خود رشیدہ کے رویئے نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ کون سی ایسی بات تھی جس کے لئے رشیدہ اس راز داری سے کام لے رہی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس پراسرار اجنبی کے ساتھ اپنی خوشی سے گئی تھی اور پھر اس کے بعد کے واقعات نے معاملے کو اور بھی الجھا دیا تھا۔ آنے والا ڈان ونسنٹ ہی کا ہم وطن معلوم ہوتا تھا اور ڈان ونسنٹ کے بیان کے مطابق پرتگالی بوڑھا البرونو اس کا دشمن تھا۔ لیکن وہ اجنبی ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ انور کو ان کی شکلیں اچھی طرح یاد تھیں۔ پھر وہ کون تھا۔ انور سوچنے لگا۔ کہاں سے آیا تھا۔ ان پانچ غیر ملکیوں کے علاوہ سفارتخانے میں کسی اور کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ پھر وہ مقتول کون تھا......؟ اور وہ اجنبی......؟

انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

تھوڑی دیر میں آصف مدہم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا عمارت سے نکلا۔

"میرا خیال عموماً غلط نہیں ہوتا۔" اس نے کہا۔

"کیا ہوا......!"

"دس بجکر پانچ منٹ پر تمہارے فون کی کال دولت گنج پبلک ٹیلی فون پوسٹ سے ہوئی تھی۔"

"اوہ......!" انور مایوسانہ انداز میں بولا۔ "تب تو بیکار ہے۔ وہاں سے کیا معلوم ہو سکے گا۔"

"تم نے رشیدہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تمہیں کیا بتا سکتا ہوں جبکہ خود مجھے ابھی تک کچھ نہیں معلوم۔"

"لیکن ابھی تھوڑی دیر قبل تم البرونو پر اسکے اغواء کا الزام لگا رہے تھے۔" آصف نے کہا۔

"بھئی معاملہ کچھ عجیب سا ہے۔ رشیدہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار تھی۔ میں اس کے ساتھ باہر نکلا تھا کہ کسی نے اچانک مجھ پر حملہ کر دیا جب مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ میں پلنگ پر

ہوں اور البرانو کمرے میں بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔"

"اور رشیدہ......!"

"میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئی۔"

"وہ کہاں جانے کے لئے تیار تھی۔"

"اس نے بتایا نہیں تھا۔"

"عجیب بات ہے۔" آصف نے کہا اور انور کو گھورنے لگا۔

انور نے ایک سگریٹ سلگائی اور دو تین گہرے گہرے کش لینے کے بعد بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ البرانو کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ ابھی تک اس کی کوئی حرکت سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ وہ ہمیں تنگ نہیں کرنا چاہتا۔!"

"کیوں؟ کیا وہ ابھی تک ہماری پوجا کرتا رہا ہے۔" آصف نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں......اگر وہ تنگ کرنا چاہتا......تو ہم صبح تک کمرے سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔"

"اونہہ ہوگا۔" آصف گردن جھٹک کر بولا۔ "ابھی مجھ سے سروکار ہی کیا......؟ جب کیس مجھ تک پہنچے گا اس وقت دیکھا جائے گا۔"

"جی ہاں...... اس دن تو وہ خود ہی ہاتھ باندھے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔" انور تلخ لہجے میں بولا۔

"خیر......خیر......میں ابھی اس پر رائے زنی کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں۔" آصف نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا بھئی میں تو چلا......بس آ رہی ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری بس نہ مل سکے گی۔ شب بخیر۔"

آصف انور کی طرف ہاتھ ہلاتا ہوا بس پر چڑھ گیا۔

انور نے ختم ہوتی ہوئی سگریٹ سے دوسری سگریٹ سلگائی اور خیالات میں ڈوبا ہوا کش پر کش لیتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ شاید زندگی میں پہلی بار اسے اتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بوڑھے البرونو کا تصور اس کے غصے کی آگ بھڑکا دینے کے لئے کافی تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ دوسری ملاقات پر وہ بے دریغ اپنا ریوالور استعمال کرے گا۔ خواہ

بعد میں پھانسی ہی کیوں نہ ہو جائے۔

دفعتاً ایک ٹیکسی اس کے قریب سے گزری اور وہ بے اختیار اچھل پڑا۔ البرونو کا نوجوان ساتھی پچھلی نشست پر بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے وقت ٹیکسی کی رفتار کم تھی۔ لیکن آگے جا کر اس کی رفتار تیز ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ انور اچھل کر اپنی موٹر سائیکل کی سیٹ پر آ رہا۔ دوسرے لمحے موٹر سائیکل ٹیکسی کا تعاقب کر رہی تھی ٹیکسی شہر سے ایک ویران راستے پر ہو لی۔ انور بدستور اس کا تعاقب کئے جا رہا تھا۔ انور کا ارادہ محض تعاقب کا تھا مگر پھر ایک خیال نے اسے اس ارادے سے باز رکھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ البرونو کے ساتھی کو یہیں روک کر پکڑ لیا جائے۔ ممکن ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ کر البرونو سے بھی مڈبھیڑ ہو جائے ایسی صورت میں وہ تنہا کیا کر سکے گا۔

اس نے جیب سے ریوالور نکالا اور پے در پے فائر کرنے شروع کر دیئے۔ ٹیکسی رک گئی۔ انور کو توقع تھی کہ ادھر سے بھی فائر ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔

اتنے میں اس کی موٹر سائیکل ٹیکسی کے برابر پہنچ گئی۔ ڈرائیور نیچے اتر آیا لیکن پچھلی سیٹ خالی تھی۔

"وہ ڈاکو کہاں گیا......!" انور گرج کر بولا۔

"ڈ ڈ ڈاکو......!" ڈرائیور بوکھلائے ہوئے لہجے میں ہکلایا۔

"ہاں ڈاکو! میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور "ارے" کہہ کر اچھل پڑا۔

"یعنی...... کیا...... ڈ ڈاکو...... ارے ارے۔" ڈرائیور بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

"ہاں وہ کہاں گیا۔"

"یہیں تھا...... یہیں۔" اس نے پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

انور نے ابھی تک مشین بند نہیں کی تھی اور دونوں طرف زمین پر پیر ٹیکے موٹر سائیکل ہی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دفعتاً کوئی چیز اس کی پیٹھ میں چبھی۔

"خبردار......!" پیچھے سے آواز آئی۔ "اپنا ریوالور زمین پر ڈال دو۔"

ڈرائیور بچ کر ٹیکسی میں گھس گیا اور انور نے اپنا ریوالور زمین پر گرا دیا۔ البرونو کا ساتھی اطمینان سے اس کی موٹر سائیکل کے کیریئر پر بیٹھا اس کی کمر میں اپنے پستول کی نال چبھو

اس نے جھک کر انور کا ریوالور اٹھایا اور اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"اب چلاؤ موٹر سائیکل......!" البرونو کا ساتھی اکھڑی اکھڑی انگریزی میں بولا۔

"ذرہ برابر بھی میرے حکم کے خلاف کیا تو یہیں ختم کر دوں گا۔ سیدھے چلو۔"

موٹر سائیکل چل پڑی۔ انور بُری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ موٹر کسی درخت سے ٹکرا دے۔ ایسی شکست اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

"داہنی طرف موڑ دو......!" البرونو کا ساتھی تحکمانہ لہجے میں بولا۔

انور نے موٹر سائیکل موڑ دی۔ لیکن کچھ دور جا کر خود بخود بڑبڑانے لگا۔ آخر ایسی بھی کیا

اس نے جھلا کر مشین بند کر دی۔

"چلاؤ......!" البرانو کا ساتھی چیخا۔

"نہیں......!"

"میں شوٹ کر دوں گا۔"

"کر دو......!"

"میں پھر سمجھاتا ہوں۔"

"نہیں سمجھتا...... میں بزدل نہیں۔"

ایک زخمی

ان دونوں میں تکرار ہو رہی تھی کہ کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور گولی البرونو کے ساتھی کے کان کے قریب سے گزر گئی۔

"بیوقوف آدمی بھاگو......!" وہ انور کو دھکا دیتا ہوا بولا۔

دوسرا فائر ہوا اور اس نے انور کا ہاتھ پکڑ کر جھاڑیوں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ انہیں وہ سمت معلوم ہوگئی تھی جدھر سے فائر ہو رہے تھے۔

"یہ ڈان ونسنٹ کے ساتھی معلوم ہوتے ہیں۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر انور سے بولا۔ "شکار کھیلو گے۔"

انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔ اس نے سوچا ممکن ہے پولیس کے ہوں اور اگر نہ بھی ہوں تو وہ خواہ مخواہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں سے کیوں الجھے۔

البرونو کا ساتھی اسے خاموش دیکھ کر بولا۔ "ہم بھاگ بھی سکتے ہیں مگر تمہاری موٹر سائیکل یہیں رہ جائے گی۔ اور اگر ان لوگوں نے اسے پولیس کے سامنے پیش کر دیا تو تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔"

انور جواب دینے ہی والا تھا کہ پھر فائر ہوا۔

"آدمی ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔" البرانو کا ساتھی بڑبڑایا۔

"تو پھر تم بھی فائر کیوں نہیں کرتے۔" انور نے کہا۔

"نہیں اسے یہی سمجھنے دو کہ ہمارے پاس پستول نہیں ہے۔"

"کیوں......؟"

"میں اسے زندہ پکڑنا چاہتا ہوں۔ اس طرح وہ سامنے آ جائے گا۔"

"آخر تم لوگوں نے یہ کیا لغویت پھیلا رکھی ہے۔" انور بولا۔

"اسے لغویت نہ کہو۔ وہ دن دور نہیں جب تم ہماری شان میں قصیدے گاتے پھرو گے۔"

انور اسے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس نے اسے چپ کرا دیا۔

"شش...... خاموش وہ موٹر سائیکل کی طرف آ رہا ہے۔"

موٹر سائیکل کے قریب کوئی کھڑا ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"جلدی کرو...... ورنہ موٹر سائیکل گئی۔ وہ سمجھتا ہے کہ شاید ہم بھاگ گئے۔"

اس نے انور کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ حملہ آور موٹر سائیکل پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ اس پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آ رہے۔

"خدا تم دونوں پر اپنی رحمت نازل کرے۔" انور نے بلند آواز میں کہا اور اچھل کر موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا۔

البرونو کا ساتھی چیخنے لگا۔ مگر موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو چکی تھی اور اب اونچی اونچی زمین پر کودتی آگے بڑھی جا رہی تھی۔ انور راستے کا تعین کئے بے تحاشہ بھاگ رہا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اچانک پچھلے پہیے کا ٹائر ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا اور اسے مجبوراً موٹر سائیکل روک دینا پڑی۔ مگر وہ خطرے کی بو سونگھ چکا تھا۔ ٹائر خود بخود نہیں پھٹا تھا بلکہ اس پر کسی نے فائر کیا تھا۔ انور کود کر جھاڑیوں کی طرف بھاگنے لگا۔

"ٹھہرو......!" اسے پشت پر آواز سنائی دی۔

انور نے پلٹ کر دیکھا ایک آدمی رائفل لئے کھڑا تھا۔ اندھیرے میں صورت تو نہیں دکھائی دی لیکن اس کے قد و قامت سے انور نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا کہ وہ اس سے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔

دفعتاً اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور اجنبی نے قہقہہ لگایا۔

"تو یہ تم ہو۔" اجنبی نے انگریزی میں کہا اور انور نے اسکی آواز پہچان لی۔ یہ البرونو تھا۔

"تم نے مجھ پر گولی کیوں چلائی۔" انور گرج کر بولا۔

"مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔" البرونو نے آہستہ سے کہا اور اس کے قریب آ گیا۔

"لیکن تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"تم سے مطلب......!"

"میں تمہاری دلیری کے قصے سن چکا ہوں۔" البرونو ہنس کر بولا۔ "لیکن میرا ایک ہی گھونسہ تمہیں بہشت کی سیر کرا دے گا۔"

"میں نے بھی تمہارا خاتمہ کر دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

"بہت اچھے۔" البرونو نے قہقہہ لگایا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "ممکن ہے تم سچ کہتے ہو لیکن میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ موٹر سائیکل سنبھالو اور میرے ہمراہ چلو۔"

"نہیں جاؤں گا۔" انور جھلا کر بولا۔

"چلو......!" البرانو نے اس کے سینے پر نال رکھ دی۔

مجبوراً انور نے موٹر سائیکل اٹھائی اور اسے دھکیلتا ہوا البرونو کے ساتھ چلنے لگا۔

شکست پر شکست۔ انور بُری طرح جھلایا ہوا تھا۔ البرونو کی شخصیت حد درجہ پراسرار ہوتی جارہی تھی۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ پھر اس کا ذہن البرونو کے ساتھی کی طرف منتقل ہوگیا۔ معلوم نہیں اس کا کیا انجام ہوا۔ بہت ممکن ہے کہ اس پر حملہ آور پولیس ہی کا کوئی آدمی رہا ہو۔ کیا البرونو اس سے واقف تھا۔ انور نے سوچا کہ اسے کچھ دیر قبل والا واقعہ بتادے۔ مگر پھر ارادہ بدل گیا۔ آخر وہ اسے بتائے ہی کیوں۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" البرونو تھوڑی دیر بعد بولا۔

"یہی کہ میرا اور تمہارا تعلق ہی کیا؟ نہ جانے کیوں تم لوگ میرے پیچھے پڑگئے ہو۔ رشیدہ کو اغواء کرنے کا مطلب کیا تھا۔"

"تو ابھی تک یہ خیال تمہارے دل سے نکلا نہیں۔" البرونو نے کہا۔ "خیر...... خیر...... ابھی تمہیں سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔"

البرونو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے راستہ طے کررہا تھا۔ کئی کھائیاں اور نالے پھلانگنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے مکان کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"اندر چلو......!" البرونو نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

انور نے موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کردی۔ وہ اس مکان کی ساخت پر غور کررہا تھا جس کی تعمیر کے سلسلے میں زیادہ تر لکڑی استعمال کی گئی تھی۔ قرب و جوار میں کچھ اور بھی ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے دکھائی دیئے۔ لیکن وہ سب ویران معلوم ہوتے تھے۔ غالباً یہ جھونپڑے خانہ بدوشوں کے بنائے ہوئے تھے۔ جن میں وہ وقتاً فوقتاً قیام کرتے رہے ہونگے۔ انور نے اس طرف کے خانہ بدوشوں کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔ فصل کٹنے کے زمانے میں وہ ان اطراف میں پھیل جاتے تھے دن میں تو کھلیانوں میں محنت مزدوری کرتے اور رات کو چوریاں کرتے تھے۔

"دروازہ ادھر ہے۔" البرونو نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"تمہاری دعوت کروں گا۔" البرانو اسے دھکا دیتے ہوئے بولا۔ انور بے تحاشہ پلٹ پڑا۔

انو کے ہاتھ سے رائفل گرگئی اور انور کا گھونسہ اس کی پیشانی پر پڑا۔

البرونو لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ انور پھر جھپٹا لیکن اس بار البرانو نے بُری طرح ی گردن پکڑلی کہ اسے دوسرے لمحے میں اپنی زندگی محال نظر آنے لگی۔

"احمق کہیں کے...... گدھے۔" البرانو آہستہ سے بڑبڑایا اور انور کو دھکیل کر اندر کردیا۔

اندر مٹی کے تیل کا چراغ جل رہا تھا۔ جس کی مدھم روشنی میں لکڑی کے اس کمرے کی فضا رجہ پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔ سامنے نظر پڑتے ہی انور بے تحاشہ چونک پڑا۔ ایک چارپائی پر اجنبی پڑا دکھائی دیا جس کے ساتھ رشیدہ کہیں جارہی تھی۔ انور نے پلٹ کر البرانو کی طرف ا جو معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"کیا تم نے اسے مار ڈالا۔"

"نہیں...... آہستہ بولو۔ وہ سو رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے سر میں پٹیاں بندھی ہیں۔"

"وہ لڑکی کہاں ہے۔" انور نے بے ساختہ پوچھا۔

"اسے ڈان ونسنٹ کے آدمی لے گئے۔"

"کہاں......؟"

"ابھی یہ نہیں معلوم۔"

"تم جھوٹے ہو۔" انور گرج کر بولا۔

"تم پھر چیخنے لگے۔" البرونو نے تلخ لہجے میں کہا۔ "چلو باہر چلو۔"

دونوں باہر نکل آئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک سایہ دکھائی دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بھاری وزن اٹھائے ئے ان کی طرف آرہا ہو۔ البرونو نے ٹارچ کی روشنی ڈالی اس کا ساتھی کسی کو پیٹھ پر لادے چلا ا تھا۔

"یہ کیا......؟" البرونو نے پوچھا۔

"شکار......!" اس نے اس آدمی کو زمین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ البرونو کی ٹارچ بیہوش
کے چہرے کے گرد روشنی کا دائرہ بنا رہی تھی۔ انور نے پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا۔ وہ
ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے ایک تھا۔

"تم ہم سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔" البرونو کے ساتھی نے انور کے کندھے پر ہاتھ
ہوئے کہا۔

انور نے اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے گال پر ایک
پڑا۔ انور نے بھی مکا تان لیا لیکن البرونو درمیان میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کو ڈانٹنا
شروع کردیا۔ پھر دونوں نے مل کر ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو اٹھالیا اور کمرے میں لے آئے۔
البرونو نے اسے ایک لکڑی کے ستون کے سہارے کھڑا کیا۔ نیچے سے اوپر تک رسی سے جکڑ دیا۔

"یہ تمہیں ملا کہاں......؟" البرونو نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"یہیں جنگل میں......! میں انور کو گرفتار کرکے یہاں لا رہا تھا کہ درمیان میں آ کودا۔"

"لیکن تم انور کو کیوں لا رہے تھے۔" البرونو بگڑ کر بولا۔

"اس نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی۔" اس نے کہا اور سارا واقعہ دہرادیا۔

البرونو ہنسنے لگا۔

ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو جلدی ہوش آ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ
تھا۔

"ہیلو کامریڈ......!" البرونو طنزیہ انداز میں بولا۔ "ہمارے پیچھے لگنا آسان کام نہیں ہے۔"

ڈان ونسنٹ کا ساتھی خوفزدہ نظر آنے لگا۔

"رومولی کہاں ہے۔" البرونو نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں زخمی آدمی پر جمی ہوئی تھیں جو ابھی تک
میں نہیں آیا تھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

البرونو نے اس زور کا تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا کہ پانچوں انگلیوں کے نشان بن گئے۔

"بتاؤ......!"

"نہیں......!"

اب کی اس کے ہونٹوں پر گھونسہ پڑا اور منہ سے خون بہنے لگا۔

"بتاؤ کہاں ہے رومولی......؟"

"نہیں......!"

البرونو اپنے ساتھی کی طرف مڑا۔

"آتش دان میں کوئلے دھکاؤ۔"

اس کا ساتھی کمرے سے چلا گیا۔ انور خاموش تھا۔ وہ البرونو کی اس حرکت کو اچھی نظروں
دیکھ رہا تھا۔ البرونو نے پھر اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔

"یہ طریقہ بزدلانہ ہے۔" انور بے اختیار بولا۔

"بکومت......!" البرونو تلخ لہجے میں بولا۔ "تم ان لوگوں سے واقف نہیں ہو...... یہ اس
ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی شریفانہ برتاؤ کیا جاسکے۔"

"تم نے آگ کیوں جلوائی ہے۔" انور نے کہا۔

"ایک خاص الخاص نسخہ جو صرف انتہا پسند قسم کے مریضوں کے لئے ہے۔" البرانو مسکرا کر

زخمی نے کراہ کر کروٹ بدلی اور یہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش
رہا تھا۔ اس کا منہ ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی طرف تھا اور آنکھیں کھلتے ہی سب سے پہلے
نظر اسی پر پڑی۔

"ڈی سالٹ......!" اس نے آہستہ سے کہا اور گڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ستون سے بندھے
آدمی کی آنکھوں سے نفرت جھانکنے لگی۔

پھر اس کی نظریں البرونو کے چہرے پر پڑیں اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"لیٹے رہو۔" البرونو ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم بُری طرح زخمی ہو گئے ہو۔ تمہیں آ
ضرورت ہے۔"

"مگر.....مگر.....!"

"تمہیں ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں نے زخمی کر دیا۔ رومولی کو اپنے ساتھ لے گئے
تمہیں یہاں اٹھا لایا۔"

"رومولی کو لے گئے۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ "بہت بُرا ہوا بہت بُرا ہوا"

"لیکن تم اسے کہاں لے جا رہے تھے۔" انور گرج کر بولا۔

"سی نور.....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے امید ہے کہ تم اب بھی ایک اچھے دو
ہو گے۔"

انور متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ڈی گاریکا۔" البرونو نے آہستہ سے کہا۔ "تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"اوہ تم! میرا نام بھی جانتے ہو۔" وہ متحیرانہ انداز میں البرونو کی طرف مڑا۔

"ڈان ونسنٹ کے دشمنوں کو مجھ سے زیادہ کون جانے گا۔" البرونو مسکرا کر بولا۔

"میں نے شمشیر زنی کے مقابلے میں تمہارے کمالات دیکھے تھے۔"

"خیر یہ بعد کی باتیں ہیں۔" البرونو سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ہمیں سب سے پہلے
پتہ لگانا ہے۔"

"لیکن کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تم رومولی میں کیوں دلچسپی لے رہے ہ
گاریکا نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ کوئی خاص بات نہیں۔ مجھے ہر اس ہستی سے ہمدردی ہے جس سے ڈان ونس
رکھتا ہے۔"

"لیکن تم رومولی کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔" ستون سے بندھے ہوئے آدمی
ہوئی آواز میں کہا۔

البرونو کا ساتھی اسی کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے منہ سے دوسرا جملہ نکلنے سے پہلے

نے اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔

"چپ رہو خرگوش کے بچے۔" اس نے دوسرا تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا۔

"کوئلے دہک گئے۔" البرونو نے اس سے پوچھا۔ اس نے سر ہلا دیا۔

"ایک لوہے کی سلاخ آتشدان میں ڈال کر لاؤ.....!" البرونو نے کہا اور وہ باہر چلا گیا۔

ستون سے بندھا ہوا آدمی کانپنے لگا۔

"تو کیا.....تم.....!" ڈیگاریکا ہکلایا۔

"ہاں میں اس کی چربی نکالوں گا لیکن اگر یہ ہمیں رومولی کا پتہ بتا دے گا تو ہم اسے چھوڑ
دیں گے۔"

"ہرگز نہیں.....ہرگز نہیں" ستون سے بندھا ہوا آدمی خوفزدہ آواز میں چیخا۔

البرونو کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اس کا ساتھی گھبرائے ہوئے انداز میں داخل ہوا۔

"کیا ہے.....؟" البرونو نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"پولیس.....محاصرہ کیا جا رہا ہے۔"

"کدھر.....!"

"سامنے کی جھاڑیوں میں کچھ آدمی دکھائی دیئے ہیں۔"

"اوہ.....اچھا.....!" البرونو نے کہا اور ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی کنپٹی پر ایک زوردار
گھونسہ رسید کر دیا۔ اس کی گردن ایک طرف جھول گئی وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ البرونو اور اس کے
ساتھی نے جلدی جلدی اسے ستون سے کھول کر الگ کیا۔ انور متحیرانہ انداز میں ان کی یہ ساری
کارروائیاں دیکھ رہا تھا اور خود الجھن میں مبتلا تھا کہ اس کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔

"تم ادھر آؤ.....!" البرونو نے اسے ستون کے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"کیوں.....؟"

"جلدی کرو.....ورنہ تم بھی مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ تمہاری موٹر سائیکل اس قابل نہیں
ہے کہ تم اسے کہیں لے جا سکو۔ اگر وہ پولیس کے ہاتھ لگ گئی تو سارا کام بگڑ جائے گا۔"

البرونو کے ساتھی نے اسے دھکیل کر ستون کے قریب کر دیا اور پھر دونوں مل کر اسے

باندھنے لگے۔

اس سے فارغ ہو کر البرونو نے بے ہوش میکسیکن کو پیٹھ پر لاد لیا اور وہ دونوں ڈیگر سمیت دوسری طرف سے باہر نکل گئے۔

انور کی عجیب حالت تھی۔ اس وقت نہ تو اسے غصہ ہی تھا اور نہ رنج۔ کبھی اس کا دل چاہتا کہ وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور کبھی ہذیان بکنے کو دل چاہتا تھا۔ بوڑھے البرونو نے اس کی عقل خبط کر دی تھی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہونے لگا۔ اگر البرونو واقعی رشیدہ کا دوست تھا تو اس وقت اس نے اسے ستون سے باندھ کر بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پولیس اس کے پیچھے پڑ جاتی اور یہ تو ظاہر ہی تھا کہ وہ موٹر سائیکل وہاں سے نہیں لے جا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں پولیس یقیناً اسے تنگ کرتی۔ بیک وقت دو تین فائر ہوئے اور گولیاں دیوار کے باہری حصے سے ٹکرائیں۔ انور نے آنکھیں بند کر کے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

تھوڑی دیر بعد بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

''ارے......!'' جگدیش کی حیرت زدہ آواز انور نے پہچان لی۔ ''یہ تو انور ہے۔''

پھر کسی نے اس کا سر ہلایا۔ انور نے اپنی گردن ایک طرف ڈھلکا دی۔

''بے ہوش ہے۔'' کسی نے کہا۔

''لیکن وہ کہاں گئے۔''

''پیچھے چلو...... پیچھے۔'' کسی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد کسی نے انور کو کھول کر زمین پر ڈال دیا۔ وہ بدستور بے ہوش بنا رہا۔

''نہ جانے کمبخت کدھر نکل گئے۔'' جگدیش کی آواز آئی۔ ''اچھا اسے اٹھا کر لے چلو۔''

انور نے سوچا شاید انہوں نے اس کی موٹر سائیکل نہیں دیکھی لہٰذا اب اسے ہوش میں آ جانا چاہئے۔ ورنہ موٹر سائیکل یہیں رہ جائے گی۔

نمبر 5

دوسری لاش

دو کانسٹیبل اسے اٹھانے کے لئے بڑھے ہی تھے کہ اس نے کراہ کر کروٹ بدلی۔ جگدیش آوازیں دینے لگا۔

پھر وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور آنکھیں مل مل کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''ارے......!'' وہ اٹھ کر کپڑے جھاڑتا ہوا بولا۔ ''مگر میری......!''

''تم یہاں کہاں......؟'' جگدیش آگے بڑھ کر بولا۔

''تم نے میری موٹر سائیکل دیکھی ہے؟'' انور نے اسکا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں...... میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم یہاں کیسے پہنچے۔''

''ایک لمبی داستان ہے......'' انور نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے انہیں گرفتار کیا یا نہیں۔''

''نہیں وہ نکل گئے۔''

''بہت بُرا ہوا...... بہت بُرا ہوا'' انور مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔

''تم یہاں کس طرح پہنچے۔'' جگدیش نے پھر سوال دہرایا۔

''تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ البرونو اور اس کے ساتھی رشیدہ کو پکڑ کر لے گئے۔'' انور نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ ڈان ونسنٹ کے آدمیوں میں سے بھی ایک موجود ہے۔

''اس کے ساتھی......؟'' جگدیش نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔ ''تو کیا وہ کئی ہیں۔''

''میرا تو یہی خیال ہے کیونکہ میں نے یہاں تین آدمیوں کو دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک تھا۔''

''تو کیا تمہیں بھی وہ لوگ پکڑ لائے تھے۔''

''نہیں۔'' انور نے کہا اور پورا واقعہ دہرانے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں

البرونو کے ساتھی کو حملہ آور سے لڑتے چھوڑ کر نکل بھاگا لیکن تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا کہ کسی نے فائر کر کے موٹر سائیکل کا پچھلا پہیہ بے کار کر دیا اور جب وہ قریب آیا تو میں نے اسے پہچانا۔ وہ البرونو تھا۔ میں نے جھلا کر اس پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد کے واقعات مجھے یاد نہیں۔

"ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے کوئی دکھائی نہیں دیا۔" جگدیش نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں......!" انور نے کہا۔ "مجھے اپنی موٹر سائیکل تلاش کرنی چاہئے۔"

"موٹر سائیکل تلاش کرو۔" جگدیش نے دو سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لیکن تم یہاں کس طرح پہنچے۔" انور نے جگدیش کیطرف سگریٹ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

جگدیش نے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور متفکرانہ انداز میں چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے اس نے اطلاع دی تھی کہ" جگدیش نے ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس کا بیان ہے کہ البرونو اور اس کا ساتھی کسی لڑکی کو زبردستی اٹھائے لے جا رہے تھے۔ اس نے اور اس کے ساتھی نے ان کا تعاقب کیا پھر یہ اپنے ساتھی کو یہاں چھوڑ کر ہمیں اطلاع دینے کے لئے باہر چلا گیا۔ بہر حال تو وہ لڑکی تمہاری دوست رشیدہ تھی۔ مگر تمہارے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اجنبی کے ساتھ اپنی خوشی سے گئی تھی۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اجنبی البرونو کا ساتھی تھا۔" انور نے کہا۔

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ آصف سے کچھ نہ ہو سکا۔" جگدیش بولا۔

"آصف......!" انور تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "بے چارہ آصف کیا کر سکتا تھا۔"

جگدیش کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دونوں کانسٹیبلوں نے واپس آ کر موٹر سائیکل مل جانے کی اطلاع دی۔

"آخر البرونو کا رشیدہ سے کیا تعلق۔" جگدیش نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"میں کئی گھنٹے سے یہی گتھی سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"وہ اس کے پیچھے تو نہیں لگ گئی تھی۔" جگدیش نے پوچھا۔

"ممکن ہے لیکن اس نے مجھ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔"

"ضرور یہی بات ہے۔" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اتنی دیر تک تمہارے یہاں کیوں ٹھہرا رہا۔"

"ممکن ہے کہ وہ مجھے اپنی غیر معمولی قوتوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کرتا رہا ہو۔"

جگدیش خاموش ہو گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک متجسس نظروں سے کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر ہونٹ تک اس طرح سکوڑ لئے جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"قرب و جوار کی جھونپڑیاں اجاڑ دو۔" وہ کانسٹیبلوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "اور اس لکڑی کے مکان کو چور چور کر دو۔"

"مگر اس سے فائدہ۔" انور نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

جگدیش نے اسکی طرف اس طرح دیکھا جیسے اس بات کا جواب دینا کسر شان سمجھتا ہو۔

انور نے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ ابھی اسے پولیس ہی کی لاری پر واپس جانا تھا۔ موٹر سائیکل تو بیکار ہی ہو چکی تھی۔

جھونپڑیاں اجاڑی جانے لگیں۔ وہ لوگ باہر نکل آئے تھے اور اب لکڑی کا مکان بھی توڑا جانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ویران بستی اور زیادہ ویران ہو گئی۔

وہاں سے واپسی پر راستے میں جگدیش نے انور کو پھر چھیڑا۔

"رشیدہ کون ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" جگدیش بگڑ کر بولا۔ "تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اس کا البرونو سے کیا واسطہ ہے۔"

"اگر میں یہی جانتا ہوتا تو تم مجھے اس حالت میں نہ دیکھتے۔"

"میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا۔" جگدیش منہ سکوڑ کر بولا۔

"میں نے تمہیں اس پر مجبور تو نہیں کیا۔" انور نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں تمہیں بند کر دوں گا۔"

"یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"میں جو کہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔"

"مجھے اس کا حال بھی خوب معلوم ہے۔ دعائیں دو فریدی صاحب کو جن کی بدولت آج انچارج بنے ہو۔"

"کیا مطلب......!"

"یہ کہانی بہت جلد اخبارات میں آنے والی ہے۔"

"مجھ پر تمہاری دھمکی کارگر نہیں ہو سکتی۔" جگدیش جھلا کر بولا۔

"کسی کو دھمکی دینا شریفوں کا کام نہیں۔" انور نے معصومانہ انداز میں کہا۔ "میں تو وہ حقائق پبلک کے سامنے لاؤں گا جن کی بناء پر تم نے ترقی کی ہے۔"

"میں فریدی صاحب کے خیال سے تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ ورنہ تم ابتک سڑ گئے ہوتے۔"

"میری استدعا ہے کہ تم فریدی صاحب کا خیال کرنا چھوڑ دو۔" انور نے ملتجیانہ انداز کہا اور جگدیش دانت پیسنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"تمہیں میرے ساتھ کوتوالی چلنا پڑے گا۔"

"وہ تو میں خود ہی چلوں گا۔" انور نے کہا۔ "کیا تم البرونو کے خلاف میری رپورٹ ؛ گے۔"

"اسی لئے لے چلوں گا۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔ لاری کے انجن کی آواز سناٹے میں دور دور تک پھیل رہی تھی۔ سگریٹ سلگا کر خیالات میں ڈوب گیا۔ رشیدہ اسے بُری طرح یاد آ رہی تھی۔ ابھی تک سے لاپرواہی برتتا آیا تھا مگر اب اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رشیدہ کے بغیر زندگی نہیں سکتا۔ آخر ڈان ونسنٹ کے آدمیوں سے اس کا کیا تعلق؟ کیا واقعی رشیدہ کی ذات سے کوئی راز وابستہ ہے لیکن ان غیر ملکیوں سے اس کا کیا تعلق؟ اچانک انور چونک پڑا۔ ایک خیال سے اُس کے ذہن میں ابھرا تھا۔ اس نے جگدیش کی طرف دیکھا جو باہر پھیلی ہوئی تاریکی گھور رہا تھا۔

"ڈان ونسنٹ کے ساتھی نے البرونو کو کس وقت دیکھا تھا۔" انور نے جگدیش سے پوچھا۔

"ساڑھے نو بجے۔"

"اور اس کے ساتھ رشیدہ بھی تھی۔"

"ہاں......لیکن میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں کہ وہ رشیدہ ہی تھی۔ اس نے تو صرف ایک لڑکی کا کیا تھا۔"

"بہر حال اس کا یہ بیان حد درجہ دلچسپ ہے جبکہ البرونو ساڑھے نو بجے سے سوا دس بجے میرے کمرے میں رہا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم البرونو سے مل گئے ہو۔" جگدیش اُسے گھور کر بولا۔

"تو پھر آصف بھی مل گیا ہوگا۔" انور نے لاپرواہی سے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ میرے اس بیان کی تصدیق آصف سے بھی کی جا سکتی ہے۔"

جگدیش اُسے پھر گھورنے لگا۔

"اگر یہ صحیح ہے تو ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو کیا سمجھا جائے۔"

"بنڈل......!" انور نے سنجیدگی سے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ایک عرصے سے کھا جا رہا ہے کہ شہر میں ہونے والی بڑی وارداتوں میں تمہاری شخصیت کہیں نہ کہیں ضرور الجھتی ہے۔"

"یہ بھی تم لوگوں کی خوش قسمتی ہے۔" انور نے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

جگدیش نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دل دل میں پیچ و تاب کھا رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ کوتوالی پہنچ گئے۔ جگدیش نے انور کا بیان قلمبند کرنے کے بعد اسے جانے کی اجازت دے دی۔ انور نے موٹر سائیکل وہیں کوتوالی میں چھوڑی اور ایک ٹیکسی کر کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔ لیکن اس وقت شاید ہی کوئی ہوٹل

کھلا ہو کیونکہ دو بج رہے تھے۔

گھر پہنچ کر اس نے اسٹوپ جلایا اور ہوٹل سے آئی ہوئی ٹھنڈی چائے کو دوبارہ گرم کر
لگا۔

اس وقت سچ مچ اس کی حالت بالکل پاگلوں جیسی ہو رہی تھی۔ ذہن بُری طرح الجھا
تھا۔ یکے بعد دیگرے بے شمار سوالات ذہن کے تاریک گوشوں سے ابھرتے اور پھر ڈوب جا
اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آہستہ آہستہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہوں
اب رشیدہ کو کبھی نہ پا سکے گا۔

پے در پے چائے کے دو تین کپ خالی کرنے کے بعد وہ پلنگ پر گر گیا۔

دوسرے دن صبح آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے اسے اپنی رات کی حماقت کا احساس
اس نے رات کوتوالی سے گھر واپس آنے کی بجائے ڈان ونسنٹ کے اس ساتھی کا تعاقب
نہ کیا جو پولیس والوں کے ساتھ تھا۔ البرونو کی متحیر کن حرکتیں خواہ کتنی ہی پراسرار کیوں نہ رہی
لیکن رشیدہ کے معاملے میں اس کا بیان کچھ نہ کچھ سچائی ضرور رکھتا تھا۔ انور سوچنے لگا ک
ڈیگاریکا البرونو ہی کا گرگا تھا تو اس نے ہوش میں آنے کے بعد البرونو کی موجودگی پر حیرت
کیوں کی تھی۔ اس کا وہ انداز استعجاب قطعی مصنوعی نہیں تھا۔

انور بے اختیار اٹھ بیٹھا۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اس نے کپڑے پ
اس ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ڈان ونسنٹ آصف کے بیان کے مطابق زندگی کی آ
گھڑیاں گزار رہا تھا۔ کوتوالی راستے میں ہی پڑتی تھی۔ اس نے سوچا کہ لگے ہاتھ موٹر سائیکل
لیتا چلے۔ وہ کوتوالی کے پھاٹک کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک سپاہی نے اس کا راستہ روک لیا

”کس سے ملنا چاہتے ہو۔“ سپاہی نے پوچھا۔

”میں اخبار کا رپورٹر ہوں۔“

”اندر جانے کا آرڈر نہیں۔“

”کب سے۔“

”آج سے ابھی سے۔“

”لیکن میں اخبار کا رپورٹر ہوں۔“ انور نے احتجاجاً کہا۔

بث ہو ہی رہی تھی کہ اندر آصف دکھائی دیا اور انور کو دیکھتے ہی اس نے اسے آنے کا
کیا اور سپاہی ایک طرف ہٹ گیا۔

آصف کچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا۔

”آج پہرے والے روک کیوں رہے ہیں۔“ انور نے اس سے پوچھا۔

”پولیس کی جھک ہے ورنہ اس سے کیا ہوتا ہے۔“ آصف نے کہا۔

”آخر بات کیا ہے؟“

”کوئی نئی بات نہیں۔“ آصف منہ بنا کر بولا۔ ”یہاں کا قدیم رواج ہے کہ یہاں ایک قتل
ل کی بارش ہو جاتی ہے، کیوں؟“

”آج صبح ڈی سالٹ کی لاش ملی ہے۔“

”ڈی سالٹ......!“ انور چونک کر بولا۔ اس نے یہ نام کہیں سنا تھا۔ ”ڈی سالٹ۔“ اس
ب بار پھر دہرایا۔

”ہاں وہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے تھا۔“ آصف نے کہا۔

انور کو یاد آ گیا۔ ڈیگاریکا نے اسے ڈی سالٹ ہی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ تو کیا البرونو نے
ل کر دیا۔

”اور اس کی موت بھی اسی زہریلی سوئی کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔“ آصف سگریٹ
اہوا بولا۔

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ پہلی لاش بھی ڈان ونسنٹ ہی کے ساتھی کی تھی۔“ انور نے کہا۔

”دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈان ونسنٹ اپنے بقیہ ساتھیوں سمیت کہیں غائب ہو گیا۔“

”ارے......!“ انور کے لہجے میں تحیر تھا۔ ”مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ نقل و حرکت بھی نہیں
کتا۔“

”اس کی ظاہری حالت تو ایسی ہی تھی اور ڈاکٹروں کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ ایک ماہ سے
نہیں اٹھ سکے گا۔“

"تو ڈاکٹروں نے اسے جانے کیوں دیا۔"

"ڈاکٹروں کو اس کی روانگی کا علم ہی نہیں۔ یہ بات تو لاش ملنے کے بعد معلوم ہوئی۔ ڈان ونسنٹ پرائیویٹ وارڈ میں تھا اور اس کے ساتھی بھی وہیں مقیم تھے۔ لاش ملنے کے بعد پولیس نے ہسپتال فون کیا تب یہ بات معلوم ہوئی۔"

انور کا دماغ چکرانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ البرونو نے ڈی سالٹ کو قتل کیا تھا تو ونسنٹ وغیرہ کیوں غائب ہوگئے۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" آصف نے کہا۔ "ہاں رشیدہ کا کیا ہوا"

"کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں۔" انور بے چینی سے بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کیا کروں؟"

"ارے یہ تم بول رہے ہو۔" آصف نے حیرت سے کہا۔ "میں نے اس سے قبل تمہیں پریشان نہیں دیکھا۔"

"میری ساری صلاحیتیں جواب دے گئی ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اب وہ مجھے کبھی نہ ملے گی۔ میں ابھی تک خود کو فریب دیتا رہا ہوں۔ میں اسکے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

آصف کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے انور سے ایسے الفاظ کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو اسے بالکل جانور اور عورت کے معاملے میں پتھر کی طرح بے جان سمجھتا تھا۔

انور وہاں زیادہ دیر تک نہیں رکا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل اٹھائی اور اسے گھسیٹتا ہوا قریب ہی کے ایک کارخانے تک لایا۔ وہاں اسے مرمت کے لئے چھوڑ کر ایک طرف چل پڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کہاں جائے؟ آگے چل کر ایک پبلک ٹیلی فون بوسٹ کے قریب پھر رکا۔ آج وہ آفس نہیں جانا چاہتا تھا اور جا کر کرتا بھی کیا۔ جب کہ دماغ قریب قریب ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔

"اس نے منیجر کو فون کر دیا کہ وہ آج دفتر نہ آسکے گا۔"

"لیکن...... پھر...... اب کہاں جائے اور کیا کرے؟ اب تو اسے اپنی بے بسی پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ڈان ونسنٹ کو تلاش کرے یا البرونو کو۔ اور ڈی گارا

البرونو کے ساتھ تھا۔ ممکن ہے وہ اب بھی اسی کے ساتھ ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود کو مضحکہ خیز لگنے لگا۔ فٹ پاتھ پر اس طرح گم سم کھڑے رہنا کوئی اچھی علامت نہ تھی۔ وہ گڑبڑا کر پاس کے ایک ریسٹوران میں گھس گیا۔ ابھی وہ دروازے میں ہی تھا کہ ایک آدمی اسے دھکا دیتا ہوا تیزی سے اندر داخل ہوا۔ انور کی نگاہیں اس کا تعاقب کرنے لگیں اور یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ وہاں بیٹھنے کی بجائے وہ دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ انور اسکی صورت بھی نہ دیکھ سکا۔ وہ اس دروازے کیطرف بڑھا لیکن باہر فٹ پاتھ پر چلنے والوں میں وہ شخص نہیں دکھائی دیا اور پھر انور کو اپنی حماقت پر ہنسی آنے لگی۔ رہا ہوگا کوئی۔ کسی غلط فہمی کی بناء پر یہاں چلا آیا ہوگا اور پھر اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی دوسرے دروازے سے نکل گیا۔

انور ایک خالی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن چونکہ آچکا تھا اس لئے کچھ نہ کچھ منگوانا ہی پڑا۔ چائے اور پیسٹریوں کا آرڈر دے کر اس نے سگریٹ نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ کوئی سخت سا کاغذ اس کی انگلیوں میں کڑکڑایا۔ یہ ایک بند لفافہ تھا جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔

لیکن وہ اس کی جیب میں کیسے پہنچا؟ تو کیا اس آدمی نے اسی لئے اسے دھکا دیا تھا۔ انور نے لفافہ چاک کیا۔ اس میں اسی کے نام ایک ٹائپ کیا ہوا خط تھا۔

انور خط ملتے ہی سرکلر روڈ کی عمارت "آشیانہ" میں پہنچ جاؤ۔ "تمہیں کئی بار فون پر بلانے کی کوشش کی گئی لیکن جواب نہ ملا۔ غالباً تم سمجھ ہی گئے ہو گے کہ میں کون ہوں مجھے تم پر اعتماد ہے کہ تم اپنے ساتھ پولیس نہیں لاؤ گے۔"

خط پڑھ کر انور نے لفافہ جیب میں رکھ لیا اور پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بیرہ چائے رکھ کر چلا گیا۔ اس نے جلدی جلدی دو ایک پیسٹریاں کھائیں اور چائے انڈیل کر بڑے بڑے گھونٹ لینے لگا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ خط کس کا ہوسکتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بل ادا کر کے باہر آیا۔ ایک ٹیکسی کی اور سرکلر روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ناقابل یقین

سرکلر روڈ پر بہت زیادہ عمارتیں نہیں تھیں اس لئے "آشیانہ" ڈھونڈنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ یہ ایک طویل و عریض عمارت تھی۔ سامنے ایک پائیں باغ تھا لیکن ابتر حالت میں شاید اس کی دیکھ بھال نہیں کی جاتی تھی۔

انور پھاٹک سے گزرتا ہوا پائیں باغ طے کر کے برآمدے میں آیا۔ یہاں سناٹا تھا۔ اس کی نظر دیوار میں لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر پڑی جس پر گھنٹی کا بٹن موجود تھا اس نے کئی بار تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ بٹن دبایا مگر جواب ندارد۔

اس نے دو منٹ تک توقف کیا پھر واپس لوٹنے کے لئے تیار ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اسے پھنسانے کے لئے کیا گیا ہو۔ وہ برآمدے کی سیڑھیاں طے کر رہا تھا کہ اسے کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ انور مڑا...... دروازے میں البرونو کھڑا تھا۔

"میں اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ تم تنہا ہی آئے ہو۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "اسی لئے تمہیں انتظار کرنا پڑا۔ اندر آ جاؤ۔" انور چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر خاموشی سے اندر چلا گیا۔

وہ متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے ایک وسیع ہال میں پہنچے جہاں ڈی گاریکا اور البرونو کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انور کو دیکھ کر البرونو کے ساتھی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ البرونو نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ انور کی نظریں ڈی گاریکا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جو بہت زیادہ مضمحل نظر آ رہا تھا۔

بڑی دیر تک خاموشی رہی پھر دفعتاً البرونو بولا۔

"ڈان ونسنٹ اپنے ساتھیوں سمیت کہیں غائب ہو گیا ہے اور ہم میڈموزیل رومولی کا سراغ لگانے میں ناکام رہے۔"

انور اسے گھورنے لگا۔

"تم نے ڈی سالٹ کو مار ڈالا......!" انور نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں اس نے خودکشی کر لی۔" البرونو بولا۔

"خودکشی......!"

"ہاں...... اس نے اپنے جسم میں زہریلی سوئی چبھو لی۔ ہم اس سے رومولی کے متعلق پوچھ رہے تھے۔"

"رومولی...... رومولی......!" انور بھنا کر بولا۔ "اس کا نام رومولی نہیں رشیدہ ہے۔ تم بے خواہ مخواہ کوئی غیر ملکی نام کیوں دے رہے ہو۔"

"اس کا قومی اور مذہبی نام رومولی ہی ہے۔" البرونو مسکرا کر بولا۔

"تم اس کے متعلق مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔" انور جھلا کر بولا۔ "نہ جانے تم لوگوں نے کس قسم کا جال پھیلا رکھا ہے اور مجھے بھی بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"میں تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا۔" البرونو نے ڈی گاریکا سے کہا۔ "یہ دشواری ضرور پیش آئے گی۔" پھر انور کی طرف مڑ کر بولا۔ "اچھا تم اس کے متعلق کیا جانتے ہو۔ چلو میں کہتا ہوں اس کا نام رشیدہ ہی سہی۔ پھر وہ کون ہے کس کی بیٹی ہے کس سرزمین سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر تم یہ سب جانتے ہو تو مجھے بتاؤ۔"

انور کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ خاموشی سے البرونو کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"تم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔" البرونو ہنس کر بولا۔ "اور نہ وہ تمہارے متعلق کچھ جانتی ہے لیکن میں تم دونوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں۔"

"ہونہہ......!" انور طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ "تم میرے متعلق کیا جانتے ہو۔"

"سنو گے۔" البرونو نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا تو سنو! تم نواب وجاہت علی خاں کے لڑکے ہو۔"

انور بے اختیار اچھل پڑا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر البرونو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے چچا شباہت علی خاں نے تمہیں اپنے بھائی کی ناجائز اولاد ثابت کرا کے ان کے ترکے سے محروم کر دیا۔ حالانکہ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ تمہاری ماں ان کی بیوی تھی۔"

"تم کیسے جانتے ہو۔" انور مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ...... بیٹھ جاؤ۔" البرونو ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ میں یہ بھی

جانتا ہوں کہ تمہاری زندگی کا یہ حادثہ تمہیں غلط راستوں پر نکال لے گیا۔ تمہاری نظروں میں یہ
عظیم کائنات اور اس میں متحرک زندگی محض ایک ڈھکوسلا اور بے معنی چیز بن کر رہ گئی۔ مجھے تم
سے ہمدردی ہے۔"

"مجھے تمہاری ہمدردیوں کی ضرورت نہیں۔" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"تو پھر اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے۔" البرونو کے ساتھی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"چپ چاپ بیٹھے رہو۔" البرونو نے اسے ڈانٹا اور وہ پھر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ اب بھی تمسخر
آمیز نظروں سے انور کو دیکھ رہا تھا۔

"اور رشیدہ کے متعلق سننے کے بعد تمہیں اپنے پر یقین نہ آئے گا۔" البرونو مسکرا کر بولا۔
"لیکن جس طرح میں نے تمہارے متعلق بتایا ہے اسی طرح رشیدہ کے متعلق بھی بتا سکتا ہوں۔"
انور اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ البرونو نے رک کر سگریٹ سلگایا اور تین کش
لینے کے بعد کہا۔

"رشیدہ ایک غیر معروف جزیرے کی شہزادی ہے۔"

انور کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"اب تم مجھے پریوں کے دیس کی کہانی سناؤ گے اور مجھے اپنی نانی اماں یاد آ جائیں گی اور
پھر کہانی کے خاتمے پر کہہ دینا کہ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔" انور نے پھر قہقہہ لگایا۔

البرونو کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"ہی نور، البرونو کا بیان صحیح ہے۔" ڈی گاریکا آہستہ سے بولا۔

"تم لوگ مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "تم یہاں کوئی بہت ہی خوف
ناک جرم کرنا چاہتے ہو۔ اس سے پہلے بھی کئی مجرموں نے ہمیں اپنے راستہ سے ہٹانا چاہا ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" البرونو تحکمانہ لہجے میں بولا۔

انور غیر ارادی طور پر بیٹھ گیا۔

"تمہاری حقیقت ہی کیا ہے۔" البرونو نے کہا۔ "اگر میں تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا
تو کل رات ہی ہٹا دیتا۔ تم میری نظروں میں ایک طفل مکتب سے زیادہ نہیں ہو۔"

"البرونو ٹھیک کہہ رہا تھا۔" انور کا سر چکرانے لگا اور پھر دفعتاً اسے یاد آ گیا کہ رشیدہ اپنے
سی راز کو چھپانے کے لئے داراب کے قتل پر کمر بستہ ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ کوئی معمولی واقعہ
رہا ہوگا لیکن اگر سچ مچ وہ کسی ملک کی شہزادی تھی تو ایک معمولی عورت کی طرح کیوں زندگی بسر
رہی تھی اور پھر سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ سو فیصدی ہندوستانی معلوم ہوتی تھی۔
لادہ کسی غیر ملک کی شہزادی کیسے ہو سکتی ہے۔"

"کیا سوچنے لگے۔" البرونو اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

"میں کچھ نہیں سمجھ سکا...... میرا دماغ بے کار ہوتا جا رہا ہے۔" انور نے اکتائے ہوئے لہجے
ما کہا۔

"سب کچھ سمجھ سکتے ہو بشرطیکہ دوسروں پر اعتماد کرنا سیکھو۔"

انور بے بسی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہیں محض اس لئے حیرت ہے کہ تم اس جزیرے کے عجیب و غریب رسم و رواج سے
نف نہیں ہو۔" البرونو نے کہا۔ "وہاں کے تاج اور تخت کا حقدار بچپن ہی سے وہاں سے ہٹا کر
کی دوسرے ملک میں رکھا جاتا ہے اور سن بلوغ کے پہنچنے پر پھر وہیں واپس چلا جاتا ہے اور
ران کے مرنے کے بعد عنانِ حکومت خود سنبھالتا ہے۔ اگر حکمران ولی عہد کی کمسنی ہی میں
جائے تو اس کا قریبی عزیز اس کے بالغ ہونے تک امورِ سلطنت انجام دیتا ہے اور رومولی یا
یدہ اپنے باپ کی پہلی اولاد ہونے کی حیثیت سے تخت کی حقدار تھی اس لئے اسے جزیرے سے
ادیا گیا۔ اسی دوران میں اس کا باپ حادثہ کا شکار ہو کر مر گیا۔ لہٰذا رشیدہ کا چچا عارضی طور پر
حکومت کرنے لگا۔ رشیدہ کو میکسیکو میں رکھا گیا تھا۔ ایک دن اچانک اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔
گاریکا اس کا اتالیق تھا۔ اسی نے کسی طرح پتہ لگا لیا کہ رشیدہ کا چچا اسے ختم کر کے خود ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے تخت کا مالک بننا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس نے دور اندیشی سے کام لے کر یہ خبر مشہور
کر دی کہ رشیدہ کو کسی نے مار ڈالا اور پھر اسے لے کر ادھر اُدھر کی خاک چھانتا رہا۔ نہ جانے
کیوں اسے یہ خیال آیا کہ رشیدہ صرف ہندوستان میں محفوظ رہ سکتی ہے۔ لہٰذا تم یہ خود سوچ سکتے
ہو کہ جس بچے کی پرورش ہندوستانی ماحول میں ہوئی ہو وہ سو فیصدی ہندوستانی ہی ہو گی۔ ڈی

گاریکا نے اس کی پرورش بالکل ہندوستانی طریقے پر کرائی۔ رشیدہ اپنی اصلیت سے بھی نا واقف تھی۔ لہٰذا فطری طور پر کسی ایک ایسے آدمی کی اسے تلاش ہوئی جو اس کی حفاظت کر سکے اس کے لئے ہم نے تمہیں منتخب کیا۔ ڈی گاریکا رشیدہ کو یہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ لیکن اسے دیکھنے کیلئے آتا رہتا تھا۔ اس دوران میں شاید رشیدہ کے چچا کے جاسوسوں کو اس کا علم ہوا۔ انہوں نے اسکی اطلاع اس کے چچا کو دی اور اس نے ڈان ونسنٹ کو یہاں بھیجا، تاکہ رشیدہ کو پکڑوا سکے۔ اس بار جب ڈی گاریکا اپنے لڑکے اور لڑکی کے ساتھ ہندوستان آیا تھا ڈان ونسنٹ اور اسکے ساتھی پیچھے لگ گئے تم نے اس دن صبح جو لاش دیکھی تھی وہ ڈی گاریکا کے لڑکے کی تھی۔ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں نے اسے قتل کیا تھا۔'' البرونو خاموش ہو گیا۔

انور کی نگاہیں ڈی گاریکا کی طرف اٹھ گئیں جس کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے قطرے جھلملا رہے تھے۔ وہ اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

''بے چارہ۔'' البرونو نے کہا اور انور کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

''لیکن ڈی گاریکا یہاں پہنچا کس طرح۔'' انور نے کہا۔ ''اس کا ریکارڈ کسی سفارت خانے میں نہیں ہے۔''

''وہ باقاعدہ اور جائز طور پر یہاں داخل نہیں ہوا۔'' البرونو نے جواب دیا۔

''اور تم......!'' انور نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ''تم کس سفارت خانے کے ذریعے یہاں آئے ہو۔ تمہارا بھی کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔''

''ہم لوگوں کو کسی ذریعے کی ضرورت نہیں۔'' البرونو کے ساتھی نے کہا پھر البرونو سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''میں نے ڈی گاریکا کی لڑکی کو نہیں دیکھا، کیا وہ کافی حسین ہے۔''

''بکومت......!'' البرونو اسے گھورنے لگا۔

''تو یہ ڈرامہ کب ختم ہوگا۔'' انور نے کہا۔ اس کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

''تم شاید ابھی تک اسے مذاق ہی سمجھ رہے ہو۔'' البرونو بولا۔

''حقیقت سمجھنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔''

''آخر تمہیں کس طرح یقین آئے گا۔''

''کسی طرح نہیں۔'' انور نے لاپروائی سے کہا۔ ''الف لیلے کی یہ لمبی چوڑی داستان سننے کے بعد اسے سو فیصدی یقین ہو گیا تھا کہ البرونو اسے بیوقوف بنا رہا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ رشیدہ کا افسانہ بے سروپا نہیں ہو سکتا۔ یقیناً البرونو اس سے رشیدہ کی آڑ میں کوئی بھیانک جرم کرانا چاہتا ہے۔ البرونو بغور اسکے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً وہ اٹھا اور انور کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

''میرے ساتھ آؤ......!''

انور پہلے تو ہچکچایا لیکن پھر اس کے ساتھ ہولیا۔ البرونو اسے ایک کمرے میں لایا اور دروازہ بند کرا دیا۔

''تم نے ابھی کہا تھا کہ تمہیں اس کہانی پر یقین نہیں آ سکتا۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اور اب بھی یہی کہتا ہوں۔''

''اچھا تو ادھر بیٹھ جاؤ۔'' البرونو نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیوں اب کوئی شعبدہ دکھانے کا ارادہ ہے۔'' انور مسکرا کر بولا۔

''یہی سمجھ لو۔'' البرونو نے لاپروائی سے کہا۔

البرونو دوسری طرف چلا گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک ایک میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹتا پلٹتا رہا پھر اپنے ہاتھ میں ایک اخبار دبائے ہوئے واپس آیا۔ کاغذ کی رنگت بتا رہی تھی کہ وہ بہت پرانا اخبار ہے۔ البرونو نے وہ اخبار انور کے سامنے پھیلا دیا اور ایک تصویر پر انگلی رکھ کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ ایک ننھی سی بچی کی تصویر تھی جس کے نیچے لکھا ہوا تھا۔

''کسی بے درد نے اس معصوم بچی کو قتل کر دیا۔ لاش ایک پبلک پارک میں پائی گئی۔ قتل کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔''

انور تصویر کو بغور دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ اچھل پڑا۔ لیکن شاید اس کا یہ رویہ البرونو کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ انور کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ تو سچ مچ رشیدہ کے بچپن کی تصویر معلوم ہوتی ہے۔'' انور نے کہا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا۔'' البرونو کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''کیا اس کے پاس اس کے بچپن کی تصویر تھی۔''

"ہاں...... میں نے اسکے لاکٹ میں دیکھی تھی۔ یہ لاکٹ اس کے ہار میں لگا ہوا ہے۔"

"بہر حال اب تمہیں اس پر یقین ہو جانا چاہئے۔" البرونو نے کہا۔ "یہ میکسیکو کے شہر اور بندگاہ ویرا کروز کا اخبار ہے۔"

انور نے اخبار اٹھایا اور دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر البرونو کو گھور کر بولا۔

"مگر اس میں کسی شہزادی کا ذکر نہیں۔ تم کہہ رہے تھے کہ ڈی گاریکا نے اس کے قتل کی خبر مشہور کر دی تھی۔"

اس کی شہرت اس جزیرے میں ہوئی تھی۔ مہذب دنیا تو یہ بھی نہیں جانتی کہ اس جزیرے میں کوئی آبادی بھی ہے۔ دنیا کے ویران جزیروں میں اس کا بھی شمار ہوتا ہے۔ وہاں کے باشندے نہیں چاہتے کہ مہذب دنیا ان کے وجود سے واقف ہو۔ حالانکہ وہ خود بھی کافی ترقی یافتہ ہیں اور ترقی یافتہ ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔

"البرونو کیا تم مجھے بچہ سمجھتے ہو۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں نہیں جانتا کہ تمہارا مقصد کیا ہے لیکن مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"مجھے اس دشواری کا علم تھا کہ تم یقین نہ کرو گے۔" البرونو مسکرا کر بولا۔ "خود مجھے بھی حیرت ہے کہ اس جزیرے کے باشندے ایسی صورت میں اپنا وجود کیوں کر چھپائے ہوئے ہیں جبکہ وہ دوسرے ممالک سے بھی تعلقات رکھتے ہیں۔"

"جب تمہیں خود اس پر یقین نہیں آتا تو مجھے کیوں یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہو۔" انور نے کہا۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا کہ مجھے اس پر یقین نہیں۔ یقین ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ حیرت بھی۔"

انور خاموش ہو گیا۔ البرونو بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ دفعتاً انور بولا۔

"ڈان ونسنٹ نے پولیس کو بیان دیا تھا کہ تمہاری اس سے انگلینڈ میں لڑائی ہو چکی اس لئے تم اس کے جانی دشمن بن گئے ہو۔"

"یہ قطعی غلط ہے۔ اس کا تعاقب میں انگلینڈ ہی سے کر رہا ہوں لیکن یہاں پہنچنے سے قبل شاید اسے اس کا علم بھی نہ ہو۔ تم نہیں جانتے اس نے یہ شوشہ محض اس لئے چھوڑا تھا کہ ڈیگار

لڑکی کا قتل میرے سر تھوپ دیا جائے اور اسے اس میں کامیابی بھی ہوئی۔ پولیس نے اسے میرا تعاقب کرنا شروع کر دیا اور میں نے بھی دیدہ دانستہ پولیس کو اس کا موقع دیا تھا۔"

"کیوں......؟" انور چونک کر بولا۔

"محض اس لئے کہ ڈان ونسنٹ جس مقصد کے لئے ہندوستان آیا تھا اسے آسانی سے پورا کرسکے۔"

"تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"تم سمجھے شاید میں اختلاف بیانی سے کام لے رہا ہوں۔" البرونو مسکرا کر بولا۔ "میں یہ جانتا تھا کہ ڈان ونسنٹ ہندوستان جا رہا ہے......" البرونو خاموش ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا انور اس کی باتوں میں دلچسپی لینے کی بجائے دوسری طرف دیکھ رہا ہے۔ البرونو کے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے چہرے پر لگی ہوئی گھنی ڈاڑھی الگ کر دی۔ انور ابھی تک دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے جہاں سے بات ختم کی تھی وہیں سے پھر شروع کر دی۔ "میں جانتا تھا کہ ڈان ونسنٹ ہندوستان جا رہا تھا لیکن اس کے مقصد سے واقف نہیں تھا۔ یہاں آ کر......!"

"بس ختم بھی کرو۔" انور یک بیک اس کی طرف مڑ کر بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز چیخ نکلی اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ......!" انور کا منہ پھیل کر رہ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ البرونو کی جگہ ایشیا کا جوان سال اور دلیر سراغ رساں انسپکٹر فریدی مسکرا رہا تھا۔

"اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تمہاری بے یقینی سے خدا ہی بچائے۔" فریدی نے کہا۔

"جی نہیں...... یہ بات نہیں۔" انور جلدی سے بولا۔

"خیر اب زیادہ بدحواسیاں دکھانے کی ضرورت نہیں۔ ہم آج ہی ڈان ونسنٹ کے تعاقب میں روانہ ہو رہے ہیں۔"

"لیکن آخر آپ اس بھیس میں کیوں ہیں۔" انور مضطربانہ انداز میں بولا۔

”یہ بھیس میں نے یہیں آ کر بدلا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں دراصل خاموشی سے
کرنا چاہتا تھا۔ اس دن مئے پول ہوٹل میں میں نے ہی تم لوگوں کو ایک خط بھجوایا تھا حالانکہ
نے غلطی کی تھی اور اسی غلطی کی تلافی کے لئے مجھے رائفل کلب والے مقابلہ میں حصہ لینا پڑا
پولیس اسے چھوڑ کر میرے پیچھے لگ گئی۔ اگر ڈان ونسنٹ کی نقل و حرکت دیکھی جاتی تو وہ کو
کام نہ کر سکتا۔ کل رات کو بھی عجیب اتفاق پیش آیا تھا۔ ڈی گاریکا سے میں کل رات ہی واقف
ہوا۔ ڈان ونسنٹ کے ساتھی اس کا تعاقب کر رہے تھے اور میں ان کے تعاقب میں تھا اور پھر
یہ معلوم ہوا کہ انہیں جس لڑکی کی تلاش تھی وہ رشیدہ تھی۔ لہٰذا اس صورت میں مجھے خاص طور
دلچسپی لینی پڑی۔“

”پولیس والے آپ کی تلاش میں بُری طرح سرگرداں ہیں۔“

”ان لوگوں کو بیوقوف بنانا مشکل نہیں۔“ فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

”اچھا تو دوسرے صاحب میاں حمید ہیں۔“

”ظاہر ہے۔“

”رشیدہ کے متعلق آپ کو یہ ساری باتیں ڈی گاریکا سے معلوم ہوئیں۔“

”ہاں......کل رات کو اس نے مجھے سارا واقعہ بتایا۔“

”وہ آپ کو البرونو ہی کی حیثیت سے جانتا ہے۔“

”ہاں ......اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ ورنہ وہ بھڑک جائے گا۔ میں اس اندیکھے جزیرے
سفر کرنا چاہتا ہوں۔“

”لیکن آپ ڈان ونسنٹ کے پیچھے کس طرح لگ گئے تھے۔“

”ایک دن ہم لوگ لندن کے جیفریز ہوٹل میں رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ ہمارے سا
اسکاٹ لینڈ یارڈ کا چیف انسپکٹر براؤن بھی تھا۔ ہمارے قریب ہی ڈان ونسنٹ اور اس کے سا
بھی موجود تھے۔ براؤن نے مجھے بتایا کہ یہ ان لوگوں کو مشتبہ سمجھتا ہے اور اس دوران میں انہ
نے کچھ ایسی حرکتیں بھی کیں کہ مجھے دلچسپی لینے پر مجبور ہو جانا پڑا اور پھر مجھے ان کی گفتگو سے
معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان جا رہے ہیں۔ میں تھوڑی بہت اسپینی بو[illegible] ہوں۔ میں

[illegible] گاریکا کا نام انہیں کی زبان سے سنا تھا۔ وہ اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا
[illegible] تھا کہ ڈی گاریکا کی منزل ہندوستان ہو ہی نہیں سکتی ممکن ہے وہ وہاں سے کہیں اور بھی جائے
[illegible] کسی لڑکی کا تذکرہ آ گیا جسے وہ پکڑ کر اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتے تھے۔ بہرحال ان کی
[illegible] گو اسی قسم کا معمہ تھی۔

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”جب آپ کو یہ نہیں معلوم کہ ڈان ونسنٹ گیا کہاں تو آپ اس کا تعاقب کس طرح
[illegible] ہیں گے۔“

”ظاہر ہے کہ وہ رشیدہ کو پا جانے کے بعد اس جزیرے کا رخ کرے گا اور یہ واضح ہے کہ
چوری چھپے یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لئے کوئی غیر معروف ہی راستہ
[illegible] آمد ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہم کہیں سے بھی روانہ ہوں انہیں اس جزیرے میں داخل ہونے
پہلے ہی جا لیں گے۔“

فریدی اٹھ کر میز کی طرف چلا گیا اور آئینے میں دیکھ دیکھ کر دوبارہ اپنے چہرے پر مصنوعی
[illegible] ی لگانے لگا۔

”تم شاید ابھی تک یقین اور شبہے کی کشمکش میں مبتلا ہو۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”نہیں تو......!“ انور جلدی سے بولا۔ ”میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو شاید وہ
مجھے ختم کر دیتے۔“

”اس میں تو شک نہیں۔“ فریدی نے مڑ کر ہونٹوں میں نیا سگار دباتے ہوئے کہا۔

انور نے پھر کچھ پوچھنا چاہا لیکن کچھ سوچ کر رک گیا۔

”اب سوچتا ہوں تو خود مجھے حیرت ہوتی ہے۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”کوئی صحیح
دماغ آدمی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ جیسی میں نے کی ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے کہ میں ان لوگوں کے پیچھے لندن سے یہاں تک دوڑتا چلا
[illegible] اور یہ سب کچھ ڈان ونسنٹ کے محض ایک جملے پر ہوا۔ اس کا ایک ساتھی کہہ رہا تھا کہ کہیں وہ

ہندوستان میں کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوجائیں جس پر ڈان ونسنٹ نے کہا کہ وہاں سب کرا بستے ہیں وہاں کی پولیس اتنی ذہین نہیں ہے کہ کام میں حارج ہوسکے۔"

"اوہ......!"

"اور پھر میں ان کے پیچھے لگ گیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر ڈی سالٹ خودکشی کرلیتا...!"

باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی اچانک خاموش ہوگیا۔ آنے والا ڈی گاریکا تھا وہ اسپینی زبان میں کچھ کہتا رہا اور فریدی سر ہلا ہلا کر سنتا رہا۔ بہر حال ڈی گاریکا کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا۔ پھر فریدی نے اس سے کچھ کہا اور وہ مسکرا کر واپس چلا گیا۔

"یار میں حمید سے عاجز آگیا ہوں۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیوں؟ کیا ہوا۔"

"ڈی گاریکا نے شاید اس سے اپنی لڑکی کا تذکرہ کیا تھا جو یہیں کہیں ہوٹل میں ٹھہری ہے۔ لہٰذا وہ اسے بحفاظت تمام یہاں لانے کا وعدہ کر کے گیا ہے۔ ڈی گاریکا افسوس ظاہر کر تھا کہ اس نے اس کام کے لئے اپنی خوبصورت ترین ڈاڑھی چھیل کر رکھ دی اور ایک ہندو کے بھیس میں گیا ہے۔ اسے اس بات پر حیرت ہے وہ ہم لوگوں سے اس بُری طرح مرعوب ہے کہ ہمیں اپنے پراسرار جزیرے میں لے جانا چاہتا ہے حالانکہ یہ اس قوم کی تاریخ میں واقعہ ہوگا۔ وہاں آج تک کسی غیر ملکی کے قدم نہیں پہنچے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" انور نے کہا۔

"میری معلومات کا انحصار محض ڈی گاریکا کے بیان پر ہے۔ حقیقت کیا ہے اس کے میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ڈی گاریکا نے بتایا ہے کہ اس جزیرے کے باشندے نسلاً ہیں۔ اسپین کے سپہ سالار کورٹے نے جب میکسیکو پر حملہ کیا تھا اس وقت وہاں مونٹے زو حکومت تھی۔ اتفاقاً کورٹے کا ایک سردار اپنے دستے سمیت مونٹے زوما سے مل گیا۔ اس کا باعث مونٹے زوما کی حسین لڑکی اوٹامی تھی وہ اس پر عاشق ہوگیا تھا۔ کورٹے نے مونٹے کو شکست دے دی اور وہ سردار اوٹامی اپنے دستے سمیت فلوریڈا ہوتا ہوا جزائر بہامہ کی

ہوگیا۔ پھر انہوں نے ایک غیر آباد جزیرے میں پناہ لی جو جزیرہ اینڈروس اور جزائر واٹلنگ درمیان میں واقع ہے۔ چونکہ آج بھی لوگوں کو یقین ہے کہ وہ جزیرہ غیر آباد ہے اسلئے وہ آئی لینڈ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن وہاں کی آبادی بیس لاکھ کے قریب ہے۔ ڈی یکا کا کہنا ہے کہ وہ جزیرہ کبھی غیر آباد نہیں تھا۔ وہاں اب بھی جنگلوں میں کہیں کہیں قدیم ملتے ہیں۔ لیکن وہ نیم وحشی ہیں۔ وہاں اب تک شہنشاہیت قائم ہے۔"

انور کے ہونٹوں پر گویا مہر لگ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے۔ اگر دی کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو وہ اسے الف لیلےٰ کی ہی کوئی داستان سمجھتا۔ مگر اب وہ سوچ تھا کہ اگر ڈی گاریکا کا بیان غلط بھی ہو تب بھی رشیدہ کی شخصیت پراسرار ہی رہتی ہے۔ اگر وہ ستانی ہے تو کسی غیر ملکی کا اس میں اس طرح دلچسپی لینا کیا معنی رکھتا ہے۔

"تو پھر تم ہمارے ساتھ چلو گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں رشیدہ کے لئے سب کچھ کرسکتا ہوں۔" انور آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک مجھے تم سے یہی امید ہے۔ ڈی گاریکا تمہارا احسان مند ہے کہ تم نے رومولی کی لفت کی۔ ڈی گاریکا اکثر اس سے ملتا رہتا ہے۔ رشیدہ نے تمہارے متعلق اسے سب کچھ بتا دیا ہے وہ تمہارے کردار کی بلندی کا معترف ہے۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے متعلق سوچ رہا تھا کہ اس کے یکایک غائب ہونے پر یا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ پولیس اپنا شبہ یقین میں بدل دے۔ وہ کافی دیر تک الجھتا رہا لیکن یہ خیال کے پھر اطمینان ہوگیا کہ انسپکٹر فریدی اس کے ساتھ ہوگا۔ اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ آج ہی عدہ طور پر اپنی ملازمت سے مستعفی ہوجائے گا۔ بہانہ رشیدہ کی تلاش کا ہوگا۔ جن کی گمشدگی لوگ واقف ہوچکے ہیں۔

روانگی

"عجیب اتفاقات ہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی

مصنف نے کسی ناول کا پلاٹ بکھیر دیا ہو۔ جو واقعات مجھ پر گزرے ہیں بعض اوقات میں انہیں بھی کہانیاں سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ انور کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم خود سوچو۔" فریدی بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں ڈالتا ہوا بولا۔ "کیا اس وقت میری شخصیت کسی ناول کے پراسرار جاسوس کی شخصیت سے کم ہے۔ اگر کبھی کسی نے یہ واقعہ لکھنے کی کوشش کی تو کیا پڑھنے والے اسے شاندار گپ نہیں سمجھیں گے۔"

"مجھے تو آج کل کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی دوسری دنیا میں سانس لے رہا ہوں۔" انور نے کہا۔

"بہر حال، ہم حقائق سے دوچار ہیں جنکی صداقت مستقبل کے دھندلکے میں کھوئی ہوئی ہے۔"

"لیکن ہم سفر کس طرح کریں گے؟" انور نے پوچھا۔

"یہاں سے خلیج فارس تک ہم چوری چھپے جاسکتے ہیں۔ ڈی گاریکا نے اس کا انتظام پہلے ہی کر رکھا ہے۔ اس سے قبل بھی وہ بحرین تک باضابطہ طور پر آیا کرتا تھا اور بحرین سے یہاں تک غیر قانونی طریقے پر۔ ہاں تو ہم یہاں سے بحرین تک معمولی قانون شکنی کرنے والوں کی طرح جائیں گے اور بحرین سے میں انتظام کرلوں گا۔"

"تو اس بار بھی وہ لندن سے بحرین آیا تھا۔" انور نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"لیکن ڈان ونسنٹ وغیرہ تو باضابطہ طور پر آئے تھے۔" انور نے کہا۔ "اس طرح ان دونوں کے راستے الگ ہو گئے۔"

"ہاں...... بے چارہ ڈی گاریکا اس سے ناواقف تھا کہ اس کا تعاقب کیا جارہا ہے۔ اسے ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی کا علم یہیں آ کر ہوا۔ لیکن شاید ڈی گاریکا کا لڑکا اس بات سے پہلے ہی واقف ہو گیا تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔"

"مگر اس کے بعد وہ لوگ اچانک منظر عام پر کیوں آ گئے تھے۔ تیغ زنی کے مقابلے کی وجہ سے ان لوگوں کی خاصی شہرت ہو گئی تھی۔"

"دراصل ان لوگوں سے حماقتیں سرزد ہوئیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "انہوں نے بوکھلاہٹ میں اسے قتل تو کر دیا لیکن چونکہ باضابطہ طور پر یہاں آئے تھے اور ان کا ریکارڈ تھا اس لئے خوف دامن گیر ہوا کہ پولیس انہیں تنگ کرے گی لہٰذا وہ کھلم کھلا سامنے آ گئے۔ انہوں نے یہ بھی سوچا کہ اس طرح ڈی گاریکا دھوکا بھی کھا جائے گا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ یہ انے کھانے کے لئے نکلے ہیں لیکن ہوا اس کے برعکس۔ ڈی گاریکا کے لڑکے کی شکل بگاڑ دی گئی تھی اس لئے وہ اسے کوئی اتفاقیہ حادثہ سمجھنے کیلئے تیار نہیں تھا اور پھر اچانک ڈان ونسنٹ وغیرہ کا سامنے آجانا اس کے شبہات کی تقویت کیلئے کافی تھا۔ اسی لئے ڈیگاریکا نے بھیس بدل کر رشیدہ تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔"

فریدی اور انور کافی دیر تک سفر کی اسکیم پر بحث کرتے رہے پھر انور واپس آ گیا۔ آفس آکر اس نے استعفیٰ لکھا لیکن پھر بذات خود اس نے منیجر تک پہنچانے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ وہ اس سلسلے میں زیادہ بات چیت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح بات کے قبل از وقت ہی پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا پولیس انور کے پیچھے پڑ جاتی۔ ڈان ونسنٹ غائب ہو چکا تھا اور وہ پہلے ہی سے پولیس والوں کے لئے چھلاوا بنا ہوا تھا۔ اب رشیدہ کی شخصیت بھی پراسرار طور پر ہونے والے حادثات سے منسلک ہو چکی تھی۔ لہٰذا پولیس کے لئے تاش کا آخری پتہ وہی تھا۔ انور سوچنے لگا کہ اگر اب اس سے کوئی غیر معمولی حرکت سرزد ہوئی تو وہ فریدی کی بنائی ہوئی اسکیم میں حصہ لینے سے پہلے ہی پریشانیوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے یہ طے کیا کہ اپنا استعفیٰ بذریعہ ڈاک بھیجے گا۔ رشیدہ کے غائب ہونے کی خبر پھیل چکی تھی۔ دفتر کے لوگ اس سے اسکے بارے میں پوچھتے رہے اور وہ انہیں ادھر اُدھر کی باتوں میں ٹالتا رہا۔ تقریباً چھ بجے وہ سرکلر روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں کوئی اسکا تعاقب نہ کر رہا ہو۔ لہٰذا اس نے ہائی ناتھ روڈ کے چوراہے سے ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل چلنے لگا۔"

سرکلر روڈ سنسان پڑی تھی۔ دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ انور اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد "آشیانہ" میں داخل ہو گیا۔ اس بار اس نے گھنٹی بجانے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا وہ بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔

"پردہ ہے اندر زنانہ ہے۔" کسی نے قریب ہی سے اردو میں کہا۔

انور نے پلٹ کر دیکھا پیچھے سرجنٹ حمید کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تو تم جامہ انسانیت میں آ گئے۔" انور نے کہا۔

"جان من میں کسی لڑکی کے سامنے ایسا حلیہ نہیں بناتا کہ وہ مجھے لفٹ ہی نہ دے۔"

"تو پھر اسی شکل میں اسے بلانے گئے تھے۔"

"قطعی...... میں فریدی صاحب کی طرح بزدل نہیں ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اس بار تمہاری بھی ساری شیخی ہوا ہوگئی۔"

"لونڈے ہو۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"میں تو خیر لونڈا ہوں لیکن تم لونڈے سے بھی بدتر ہو۔ کل رات کو میں نے تمہیں چوہا تھا۔"

"ایسے اتفاقات بہادروں ہی کو پیش آتے ہیں۔" انور نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا

"بہادر میاں ذرا اپنے آنسو تو سکھا لو۔ بہت روئیں گے ان کو ہم یاد کر کے چلے دل ک جو برباد کر کے۔"

دفعتاً فریدی ان کے پیچھے آ کر کھڑا ہوگیا اور جھلائے ہوئے لہجے میں آہستہ سے بولا۔

"تم لوگ سب چوپٹ کر دو گے۔" پھر حمید کی گردن پکڑ کر کہا۔ "تمہاری شامت آجائے گ

"شامت بھی اتفاق سے مؤنث ہے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

فریدی اسے گھورتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم رشیدہ کا چکر چھوڑ دو۔" حمید نے انور سے کہا۔

"مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں خواہ مخواہ اپنی بھی جان دو گے۔ اگر تم باز آجاؤ تو میں فریدی صاحب کو کس طرح روک ہی لوں گا۔" حمید نے کہا۔ "ویسے تو ہمیشہ انکے سر پر ایڈونچر کا بھوت سوار رہتا ہے"

"اگر فریدی صاحب نہ جائیں تب بھی ڈی گاریکا کی ساتھ میں جاؤں گا۔"

"عشق بُری بلا ہے۔" حمید منہ سکھا کر بولا۔ "خدا بروز قیامت تمہیں مجنوں کے دیدار

ٹرف کرے۔ آمین چلئے تشریف لے چلئے۔"

حمید نے سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ہال میں ڈی گاریکا اس کی لڑکی اور فریدی بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

"سی نور انور سعید۔" فریدی نے اٹھ کر تعارف کرایا۔ "اور سی نور رمونا ڈی گاریکا۔"

رمونا کھڑی ہو کر بڑے لچکیلے انداز میں انور کی طرف جھکی جس پر انور نے بھی اس کی تقلید ی۔ پھر دونوں بیٹھ گئے۔ سرجنٹ حمید رمونا سے اجازت لے کر اپنا پائپ سلگانے لگا۔

"مجھے تمباکو کے دھوئیں سے نفرت نہیں ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"میں اس کے لئے تمہارا شکر گزار ہوں۔" حمید نے کہا اور وہ بھی ایک خالی صوفے کے تھے پر بیٹھ گیا۔

"ہم ساحل تک کس طرح جائیں گے؟" ڈی گاریکا نے فریدی سے پوچھا۔

"یہ ساری باتیں مجھ پر چھوڑ دو۔"

"شاید آپ کو معلوم نہیں۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "پولیس نے آپ کی گرفتاری کے لئے پانچ ہزار روپے کا انعام مقرر کیا ہے۔ لہٰذا اس وقت آپ کو کوئی ایسی سڑک نہیں ملے گی جس پر گاڑیاں نہ روکی جا رہی ہوں۔"

"اوہ...... یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ تم لوگ بس دیکھتے رہو۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر حمید کی طرف اشارہ کر کے ڈی گاریکا سے بولا۔ "میرا دوست اپنی ڈاڑھی صاف کر ہی چکا ہے اب میری بھی صاف ہو جائے گی۔"

"مجھے بہت افسوس ہوگا۔" ڈی گاریکا متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "اتنی شاندار ڈاڑھی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"کوئی بات نہیں پھر اُگ آئے گی۔"

حمید اس کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ اس کی نظریں رمونا کے ہونٹوں پر جمی ہوئی تھیں جن کا سلگتا ہوا ابھار اس کے ہونٹوں میں سرسراہٹ پیدا کر رہا تھا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"وہ کیا......؟" فریدی نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"یہی کہ اب ہم لوگ بقیہ زندگی یادِ خدا میں گزار دیں۔" حمید نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ رمونا بے اختیار ہنس پڑی۔

"اور دوسری بات یہ کہ اب تم میری اجازت کے بغیر ایک لفظ بھی نہ بولو گے۔" فریدی نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر اجازت ہو تو میں یہ عرض کروں کہ میں نے آپ کا کہا مان لیا ہے۔"

"شٹ اپ......!" فریدی چیخ کر بولا اور حمید دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔ رمونا مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب ہمیں تیاری شروع کر دینی چاہئے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "پھر ڈی گاریکا سے کہنے لگا۔ مجھے تمہارا حلیہ بھی بدلنا پڑے گا ورنہ تمہاری رنگت بڑی دشواریاں پیدا کر دے گی۔ رمونا تو خیر اتنی زیادہ غیر یوروپین نہیں معلوم ہوتی۔"

"تو کیا تم میری رنگت بھی بدل دو گے۔" ڈی گاریکا حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

"یقیناً......ورنہ پھر میک اپ سے فائدہ ہی کیا۔"

"البرونو تم اس دنیا کے آدمی معلوم نہیں ہوتے۔"

"ہاں یہ فرشتہ ہیں۔" حمید خشک لہجے میں بولا۔

"تم پھر بولے۔" فریدی اسے گھورنے لگا۔

رمونا ہنس پڑی اور حمید بچکانے انداز میں طرح طرح کے منہ بنانے لگا۔

"تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔" رمونا نے اس سے کہا۔

"اگر اجازت ہو۔" حمید فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ "تو میں ان سے یہ کہوں کہ ہاں واقعی میں دلچسپ آدمی ہوں۔"

"خدا کے لئے تم باہر چلے جاؤ۔" فریدی تنگ آ کر بولا۔

"شاید میرا دوست اب کچھ بہت خوفناک قسم کی باتیں کرنے جا رہا ہے۔" حمید نے رمونا سے کہا۔ "اسی لئے یہاں میری موجودگی پسند نہیں کرتا۔ میں ابھی کمسن ہوں نا......اچھا میں تو چلا۔"

"ٹھیک ہے۔" رمونا مسکرا کر بولی اور وہ بھی اٹھ کر حمید کے ساتھ چلی گئی۔

"میرا دوست نیک آدمی ہے مگر تھوڑا شریر بھی ہے۔" فریدی نے ڈی گاریکا سے معذرت لہجے میں کہا۔

"بچہ ہے بچہ ہے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔ "رمونا اپنے بھائی کی موت کی وجہ سے بہت تھی۔ اچھا ہے اس کا دل بھی بہل جائے گا۔"

اس کے بعد سفر کے سلسلے میں ضروری اسباب کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ڈی گاریکا کو میک اپ کے لئے دوسرے کمرے میں لے کر چلا گیا۔

انور چند لمحے تک ہال میں تنہا بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔ پھر وہ بھی اٹھ کر ٹہلتا ہوا باہر برآمدے گیا۔ داہنے طرف کے دریچے کے قریب رمونا اور حمید کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

"تمہارا کیا نام ہے؟" رمونا نے حمید سے کہا۔

"حمید یوف......!"

"حمید یوف......!" رمونا نے دہرایا۔ "مگر یہ نام پرتگالی تو معلوم نہیں ہوتا۔"

"میں دراصل زار روس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "میرا میدیوف زار روس کا رشتے کا بھتیجا لگتا ہے۔"

"اوہ تو تم شاہی نسل سے ہو۔"

"ہاں انقلاب روس کے بعد میرا باپ پرتگال چلا آیا تھا۔" حمید نے کہا اور جھک کر پائپ نے لگا۔

انور سوچنے لگا کہ اب اس لڑکی کی خیر نہیں۔

"اور تمہارے حیرت انگیز دوست البرونو......!" رمونا نے پوچھا۔

"وہ خالص پرتگالی ہے اور ایک معمولی کسان کا بیٹا۔"

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔" انور چیخ کر بولا۔

"اوہ تم......!" حمید مڑ کر بولا۔ "کیا تم نے اندر شراب پی ہے۔ زیادہ چڑھ گئی ہے۔ تمیز بات کرو۔ خیر میں نے معاف کیا۔ رمونا یہ تمہاری شہزادی رومولی کا خادم ہے۔ اس لئے میں

اسے معاف کرتا ہوں۔ شاید البرونو نے اسے زیادہ پلا دی۔"

انور دانت پیسنے لگا۔ وہ کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اسے فریدی کی بات یاد آ گئی۔ وہ خود کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"نہیں نہیں خادم نہیں۔" رمونا جلدی سے بولی۔ "یہ شہزادی صاحبہ کے دوست ہیں۔"

"خیر ہوگا...... مجھ سے کیا غرض۔" حمید نے کہا۔ "میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ آدمی نشے م بالکل چغد ہو جاتا ہے۔"

"میں نشے میں ہوں۔" انور بگڑ کر بولا۔

"خیر خیر...... میں کم رتبہ آدمیوں کو منہ لگانا نہیں پسند کرتا۔"

"کم رتبہ۔" انور آستین چڑھاتا ہوا بولا اور رمونا ان کے درمیان میں آ گئی۔

"تم لوگ یہ کیا کرنے لگے۔" رمونا نے کہا۔ "یہ جھگڑا کرنے کا وقت نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید آہستہ سے بولا اور پیچھے ہٹ گیا۔ انور تھوڑی دیر تک ک اسے گھورتا رہا۔ پھر مٹھیاں بھینچتا ہوا اندر واپس آیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ سرجنٹ حمید سے ا اس کی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ اور وہ آخیر وقت تک ڈٹا رہتا تھا۔ مگر آج اس کی روح غم گہرائیوں میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس کی ساری ظرافت اور بذلہ سنجی رخصت ہو گئی تھی۔ طنز زہریلے تیر کند ہو گئے تھے اور پھر وہ خود کو ایک معمولی آدمی تصور کرنے لگا تھا۔ اس کا دماغ مر رشیدہ میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ذہانت اب کبھی واپس نہ لے جیسے وہ ہمیشہ کے لئے ناکارہ ہو گیا ہو۔

ہال میں پہنچ کر وہ ٹہلنے لگا۔ اتنے میں فریدی نے اسے دوسرے کمرے میں آواز دی۔

"تم نے اپنے انتظامات مکمل کر لئے۔"

"مجھے کوئی خاص انتظام نہیں کرنا ہے۔" انور نے کہا۔ "ضروریات کے لئے صرف ا سوٹ اور ایک بستر کافی ہوگا۔"

"تو وہ سب کہاں ہیں۔"

"میں ابھی لاتا ہوں۔"

"جلدی کرو...... تمہارا میک اپ بھی ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔ "پولیس تمہاری طرف مئن نہ ہوگی۔"

یک گھنٹے بعد انور اپنے گھر میں ضروری سامان اکٹھا کر رہا تھا۔ اس سے فرصت پا کر وہ اپنی ائیکل لے آیا جس کی مرمت ہو چکی تھی۔ اسے گیراج میں بند کرنے کے بعد اس نے اٹھایا لیکن پھر سوچنے لگا سامان سمیت آشیانہ کی طرف جانا ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی ک ہی جائے۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر سامان لے کر نیچے اترا۔ قریب ہی ایک کھڑی تھی۔

"ہوٹل آرلکچو......!" انور نے سامان رکھتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے ہی جا رہا تھا کہ غیر ارادی طور پر پیچھے کی طرف مڑا۔ انسپکٹر آصف کھڑا رہا تھا۔

"ہوٹل آرلکچو کیوں......؟" اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"اوہ آصف......!" انور نے کہا۔ "میں خطرے میں ہوں۔"

"یعنی......!"

"میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ بتاؤں۔"

"ہوش میں آؤ...... جگدیش نے تمہارے پیچھے آدمی لگا رکھے ہیں۔"

"ہوگا بھئی...... لیکن وہ آدمی میری جان نہیں بچا سکیں گے۔ میں فی الحال گھر میں نہیں رہنا "

"ڈرو نہیں۔" آصف تشفی آمیز لہجے میں بولا۔ "البرونو اب دوسری حرکت کی ہمت نہ ے گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس کی گرفتاری کے انعام کا اعلان کیا گیا ہے۔"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے مگر البرونو آدمی نہیں بھوت ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔" آصف متحیر ہو کر بولا۔

"اس میں تعجب کی بات نہیں۔ میں البرونو کے مقابلہ میں ہمت ہار چکا ہوں اور پھر ایسی لت میں جب کہ یہ نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے کیوں الجھنا چاہتا ہے۔ میرے لئے بچاؤ کے

امکانات ختم ہو گئے ہیں۔"

"تم کل تک اس کی لاش دیکھو گے۔" آصف نے کہا۔ "وہ جہاں بھی دکھائی دیا اسے گولی مار دی جائے گی۔ کیونکہ وہ غیر قانونی طریقے پر ملک میں داخل ہوا ہے۔"

"خیر بھئی...... اسے اپنے ہی تک رکھنا کہ میں آرلکچو میں مقیم ہوں۔ تم مجھ سے وہاں مل سکتے ہو کمرہ نمبر بانویں۔"

انور نے ٹیکسی میں بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا اور ٹیکسی چل پڑی۔

اسکے منہ سے خواہ مخواہ آرلکچو نکل گیا ورنہ ارادہ کچھ اور تھا...... بہرحال اسے اس اتفاق پر خوشی ہو رہی تھی کہ آصف دھوکہ کھا گیا۔ ڈرائیور دوسری طرف ٹیکسی موڑنے والا تھا کہ انور بولا۔

"آرلکچو نہیں...... گجراج گھاٹ۔"

ڈرائیور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ انور کا خیال تھا کہ وہ لوگ گجراج گھاٹ ہی کی طرف جائیں گے۔ کیونکہ وہ ادھر سے غیر ممالک کی ناجائز درآمد و برآمد کے متعلق پہلے ہی سن چکا تھا۔ گجراج گھاٹ پہنچ کر اس نے سامان ایک چھوٹے سے ہوٹل میں اتارا اور اسی ٹیکسی پر پھر شہر کی طرف روانہ ہوا۔ سرکلر روڈ کے موڑ پر اس نے ٹیکسی رکوائی۔ دس دس کے پانچ نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"میں کہاں اترا ہوں۔" انور نے ڈرائیور سے پوچھا جو ان نوٹوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"آرلکچو ہوٹل میں۔" ڈرائیور مسکرا کر بولا۔

"بہت خوب! سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" انور نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"جی...... میں جانتا ہوں کہ پولیس والوں سے آپ کی چلتی رہتی ہے۔"

"کیا تم مجھے پہچانتے ہو......؟" انور چونک کر بولا۔

"ارے صاحب میں آپ کے قریب ہی رہتا ہوں۔"

"ٹھیک! بہت اچھے۔ ہاں میں نے تمہیں کم تو نہیں دیا۔"

"نہیں صاحب بہت ہے۔" ڈرائیور اپنا ہاتھ ماتھے کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ٹیکسی بیک کی اور انور آگے بڑھ گیا۔ تھوڑا چل کر وہ مڑا...... بہت دور ٹیکسی کی سرخ روشنی

ارکی میں مدغم ہوتی جا رہی تھی۔

دو فرلانگ پیدل چلنے کے بعد وہ آشیانہ کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔

فریدی وغیرہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انور نے رمونا کو پہلے نہ دیکھا ہوتا تو یہی سمجھتا کہ غلطی سے کسی دوسری عمارت میں گھس آیا ہے۔ کیونکہ فریدی حمید اور ڈی گاریکا کی شکلیں بالکل لی ہوئی تھیں۔ فریدی کو اس نے آواز سے پہچانا ورنہ یہ معلوم کرنا بھی دشوار تھا کہ ان میں سے یدی کون ہے۔ اس نے ہندوستانی رجواڑوں کے راجپوت سرداروں جیسی شکل بنا رکھی تھی۔ جنٹ حمید اور ڈی گاریکا فوجی لباس میں تھے۔ انور کو سب سے زیادہ حیرت ڈی گاریکا کی رنگت پر کر ہوئی۔ فریدی نے اسے گندمی رنگت کا ایک ہندوستانی بنا دیا تھا۔ سرجنٹ حمید اینگلو انڈین لوم ہوتا تھا۔

انور نے دیر سے پہنچنے کا سبب بیان کیا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"تمہارا اندازہ سو فیصدی صحیح ہے۔ ہم گجراج گھاٹ ہی کی طرف روانہ ہوں گے۔" یدی نے کہا۔

"لیکن آپ لوگوں کے ساتھ میری موجودگی درست نہیں معلوم ہوتی۔" انور نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ تمہارا بھی میک اپ کیا جائے گا۔ تمہارا وہی پادری والا پرانا میک اپ زیادہ ست رہے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

فریدی انور کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ میک اپ کا سامان ایک بڑی سی میز پر بکھرا ہوا ا۔ فریدی نے انور کے سر کے بالوں کی مناسبت سے اس کے چہرے پر سرخی مائل ڈاڑھی پکا دی اور سوٹ کیس سے کتھئی رنگ کا ایک گاؤن نکال کر پہنا دیا۔

اور پھر جب وہ باہر آئے تو ڈی گاریکا بے اختیار اچھل پڑا۔

"ڈلبرٹو تم سچ مچ اس قابل ہو کہ پوجے جاؤ۔"

"میں نے ایسا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔" رمونا بولی۔

"اور مجھ جیسا آدمی......!" حمید نے پوچھا۔

"تم آدمی کب ہو۔"

"کیا مطلب......!"

"مطلب یہ کہ تم آدمی نہیں شہزادے ہو۔" رمونا نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

فریدی پھر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہاتھوں میں سوٹ کیس لٹکائے ہوئے واپس آیا۔

"ہمارا ضروری سامان پہلے ہی گجراج پہنچ چکا ہے۔" فریدی نے انور سے کہا۔

وہ سب مکان سے باہر آئے۔ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ راستے میں کئی پولیس والوں نے انہیں روکا اور ڈی گاریکا کو یہ دیکھ کر اور حیرت ہوئی کہ البرونو ہندوستانی زبان میں بھی گفتگو کر سکتا ہے۔

گجراج گھاٹ پہنچ کر انور کو پھر اپنی صحیح شکل میں آجانا پڑا۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنا سامان نہیں لے سکتا تھا۔

ایک کافی بڑی موٹر بوٹ سمندر کی پرسکون سطح پر ان کا انتظار کر رہی تھی۔ سامان بار کر دیا گیا اور وہ اطمینان سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ موٹر بوٹ کافی طویل و عریض تھی جس کے درمیان میں ایک بڑا سا کیبن تھا۔ کیبن دو حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصہ مسافروں کے لئے تھا اور دوسرا موٹر بوٹ کے عملہ کے لئے۔

اسٹروکر نے انجن اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ گھاٹ پر کئی ٹارچوں کی روشنیاں دکھائی دیں یہ کسی قسم کا اشارہ تھا جس پر انجن بند کر دیا گیا۔ بھاری بھاری قدموں کی آوازیں نزدیک آتی محسوس ہو رہی تھیں۔ دفعتاً دو پولیس انسپکٹر اور کچھ کانسٹیبل موٹر بوٹ پر چڑھ آئے۔

"کہاں جائے گا" ایک پولیس انسپکٹر نے بھاری بھرکم آواز میں پوچھا۔

"ریاست دیر گڑھ۔" فریدی پر غرور آواز میں بولا۔ "یہ ریاست کی سرکاری موٹر بوٹ ہے۔"

"سامان کدھر ہے۔"

"کیوں اپنا اور ہمارا وقت برباد کرتے ہو۔ ہم کوئی چیز ناجائز طور پر نہیں لے جارہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور انسپکٹر اسے گھورنے لگا۔

"تمہارا نام......!"

ژل رگھوراج سنگھ......!" فریدی پروقار انداز میں اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"معاف کیجئے گا......راجہ صاحب۔"

س والے موٹر بوٹ سے اتر گئے۔ انجن پھر اسٹارٹ ہوا اور موٹر بوٹ سمندر کے بپھرے
ے بھرنے لگی۔

یا بات تھی۔" ڈی گاریکا نے پوچھا۔

وئی خاص بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے انہیں ہنکا دیا۔"

ب خواہ مخواہ جاگتے رہنا فضول ہے۔" رمونا اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف
ا۔

ں تمہارے اس خیال کی قدر کرتا ہوں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "مگر البرونو کھڑے کھڑے
ادی ہے۔"

کھڑے کھڑے......!" رمونا نے متحیر ہو کر پوچھا۔

ں اور ایک آنکھ سے جاگتا رہتا ہے یعنی کہ یوں۔" حمید نے رمونا کی طرف دیکھ کر
بند کرتے ہوئے کہا اور رمونا جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

رے کم بخت تم اس کے باپ کے سامنے اسے آنکھ مار رہے ہو۔" فریدی جھلا کر اردو
یا۔

ڈی گاریکا......البرونو اس طرح سوتا ہے۔" حمید نے ڈی گاریکا کو بھی آنکھ ماری اور ڈی
بے اختیار ہنس پڑا۔

البرونو تمہارا ساتھی بہت پیارا ہے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

بہت......!" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

رمونا نے ایک سوٹ کیس سے شب خوابی کا لباس نکالا اور غسل خانے کی طرف چل پڑی۔

"البرونو تم کتنی زبانیں جانتے ہو۔" ڈی گاریکا نے فریدی سے پوچھا۔

"دنیا کی کئی مشہور زبانیں...... میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہوں۔"

"مجھے حیرت ہے۔"

"کیوں......؟"

"یورپ کی زبانیں قریب قریب ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اس لئے یورپین
لئے ان کا سیکھنا زیادہ مشکل نہیں۔ لیکن مشرقی زبانیں تم نے کس طرح سیکھیں۔ جبکہ ان کا
الخط یورپین رسم الخط سے بالکل مختلف ہے۔"

"میں صرف بول سکتا ہوں لکھ نہیں سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم عرصے تک مشرق میں رہے ہو۔"

"ہاں...... آں...... میں تو ایک سیلانی آدمی ہوں۔ مشرق و مغرب شمال و جنوب بر
لئے ایسے ہیں جیسے کسی مکان کے چار کمرے۔"

ڈی گاریکا اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو پھر تھوڑی دیر
بولا۔ "تم بہرحال ایک حیرت انگیز آدمی ہو۔"

رمونا شب خوابی کے لباس میں غسل خانے سے برآمد ہوئی۔ اس کی بڑی بڑی نیلی
آنکھیں نیند سے بوجھل نظر آرہی تھیں۔ سیاہ رنگ کا ریشمی لبادہ اس کی نقرئی گردن میں ایسا معلوم
ہو رہا تھا جیسے کالی رات ابھرتے ہوئے اجالے کو ڈسنے کی کوشش کررہی ہو۔ حمید نے ایک طویل
انگڑائی لی اور انور کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کے کان میں آہستہ سے بولا۔

"قیامت ہے۔"

"تم چغد ہو۔" انور برا سا منہ بنا کر بولا۔

"اور تم......!"

"الو کا پٹھا......!" انور جھلا کر بولا۔ اس کا دماغ پتھر کی سل ہوگیا تھا۔ نہ جانے کیوں ا
یہ سفر انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہونے لگا تھا۔ الف لیلےٰ کے سند باد جہازی کا سفر۔ کسی سستے نا
کے ہیرو کا روائتی سفر...... ایسا سفر جو پڑھنے والوں کی گھٹیا مذاق کی تسکین کیلئے تشکیل دیا جاتا
اسے اپنی ذات پر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ ایک ایسے ہی سفر میں مبتلا ہوگیا ہے اگر وہ کسی ایسے
کے متعلق کسی کتاب میں پڑھتا تو بے تکان اسے کھڑکی سے باہر سڑک پر پھینک دیتا۔

ہم شبیہہ

بحرین پہنچ کر فریدی اور حمید اپنی اصل شکلوں میں آگئے۔ انور نے بھی پادری کا لباس اتار
لیکن ڈی گاریکا کو احتیاطاً ایک ہندوستانی ہی کے لباس میں رہنے دیا گیا۔ ڈی گاریکا کے
اس کے بیٹے اور بیٹی کے پاسپورٹ تھے۔ یہاں سے فریدی اور حمید بھی اپنے بین الاقوامی
ورٹ استعمال کرسکتے تھے۔ اب سوال انور کا رہ گیا تھا۔ اس کے لئے شاید فریدی نے کوئی
سوچ لی تھی۔ غالباً اسی لئے ڈی گاریکا وغیرہ کو اطمینان دلاتا رہا تھا۔

فریدی کا خیال تھا کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ بھی فرار کے لئے بحرین کا راستہ اختیار کریں
یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ یہاں سے گزر گئے یا ابھی پہنچے ہی نہیں۔

انور ڈی گاریکا اور رمونا کو ایک ہوٹل میں چھوڑ کر فریدی اور حمید ڈان ونسنٹ کا پتہ لگانے
لئے نکل گئے۔ انور دن بھر ڈی گاریکا سے الٹے سیدھے سوالات کرتا رہا۔ وہ دراصل ڈی
یکا کے بیان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

"ہم لوگ جمہوریت کو مضحکہ خیز تصور کرتے ہیں۔" ڈی گاریکا نے کہا۔ "اسی لئے ہمارے
ں ابھی تک شہنشاہیت قائم ہے۔ لیکن ہماری شہنشاہیت تمہاری جمہوریت سے کہیں زیادہ بہتر
"

"اسی لئے تمہارا موجودہ حکمران تخت کے جائز وارث کے قتل کی کوشش کررہا ہے۔" انور
یہ لہجے میں بولا۔

"اوہو...... کیا تمہاری جمہوریت کا دامن اس بدنما داغ سے پاک ہے؟ کیا تمہارے یہاں
ن دار لیڈر قتل نہیں کئے جاتے۔ شہنشاہیت میں تو صرف ایک نالائق سے دوچار ہونا پڑتا ہے
ن جمہوریت میں نالائقوں کی ایک پوری ٹیم وبال جان بن جاتی ہے۔ ایک نالائق سے پیچھا
آسان ہے لیکن پوری ٹیم سے نپٹنا مشکل ہوجاتا ہے اور پھر ہمارے ملک کا دستور کچھ اس
ہے کہ شہنشاہ اور رعایا ہر حال میں ایک دوسرے کے پابند ہوتے ہیں تم دیکھو گے کہ ہم کس

آسانی سے اپنے موجودہ حکمران کو معزول کر دیتے ہیں۔"

انور تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"لیکن تمہاری قوم کب تک چھپی رہے گی۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ڈی گاریکا فکر مندانہ انداز میں بولا۔

"ہوسکتا ہے تم ہی لوگوں کا وجود ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو...... نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ البرونو کی مدد کے بغیر ہم شہزادی کو نہ پاسکیں گے۔"

"حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اب بھی تمہارے بیان پر شبہ ہے۔"

"یعنی......!"

"تمہارا بیان کردہ جزیرہ مجھے بالشتیوں کی سرزمین معلوم ہو رہا ہے۔"

"تم خود دیکھ لو گے۔" ڈی گاریکا مسکرا کر بولا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اور اگر میرا بیان درست ہے تو پھر میں چند غیر ملکیوں کو خواہ مخواہ کیوں پریشان کر رہا ہوں۔ کیا تم مجھے صحیح الدماغ نہیں سمجھتے۔" ڈی گاریکا نے سنجیدگی سے کہا۔

پانچ بجے شام کو فریدی اور حمید واپس آئے۔ حمید نے اپنے فلٹ ہیٹ میں کاغذ کا ایک بہت بڑا پھول لگا رکھا تھا اور دونوں جیبیں چاکلیٹوں اور ٹافیوں سے بھر رکھی تھیں۔

"اس وقت تم سچ مچ روسی شہزادے معلوم ہو رہے ہو۔" رمونا طنزیہ لہجے میں بولی۔

"روسی شہزادے۔" فریدی حمید کی طرف تعجب آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

"گڑبڑ مت کیجئے۔" انور آہستہ سے اردو میں بولا۔ "حمید اس سے کہہ چکا تھا کہ وہ زار روس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنایا اور ڈی گاریکا کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"ڈان ونسٹ اور اس کے ساتھی کل یہاں پہنچے تھے اور کل ہی کسی نامعلوم جگہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ وہ پانچ تھے۔"

"پانچ......!"

"ہاں......لیکن ان میں کوئی عورت نہیں تھی۔"

"اوہ تو کیا انہوں نے اسے مار ڈالا ہے۔" ڈیگاریکا بے چینی سے بولا۔

"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ ان کے ساتھ ایک بوڑھا مریض تھا جو بحرین کے ساحل ہوشی کی حالت میں اتارا گیا تھا۔"

"بوڑھا مریض......!" ڈی گاریکا حیرت ظاہر کرتا ہوا بولا۔ "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ انہوں نے رشیدہ کو بیہوش کر کے اس پر بوڑھے کا میک اپ کر دیا ہو۔"

"ہوسکتا ہے۔" ڈی گاریکا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ڈان ونسٹ شاہی محکمہ سراغ رسانی کا افسر ہے۔"

"وہ لوگ اسٹار کمپنی کی ایک دخانی کشتی میں روانہ ہوئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کمپنی کی کشتیاں صرف بحر روم تک چلتی ہیں۔"

"اوہ......!" ڈی گاریکا اچھل کر بولا۔ "تب وہ یقیناً جبرالٹر میں اتریں گے۔ جبرالٹر میں کا ایک خفیہ ایجنسی ہے۔"

"تو پھر آج رات کو ہم بھی روانہ ہو رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر انور کا کیا ہوگا وہ کس طرح سفر کرے گا۔" ڈی گاریکا تشویش آمیز لہجے میں بولا۔

"میں سب کچھ کر لوں گا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہاں ایک بات یہ بتاؤ رے بیٹے کی آنکھوں کی رنگت کیسی تھی۔"

"سبز......!" ڈی گاریکا تھوڑی دیر بعد گلوگیر آواز میں بولا۔

"اور بالوں کی......؟"

"سرخی مائل۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر غسل خانے میں چلا گیا۔ اس دوران میں حمید اور رمونا ٹافیاں کھاتے رہے۔ حمید نے دو چار انور کی طرف بھی بڑھائیں لیکن اس نے ہونٹ کوڑ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"البرونو تو اب بالکل جوان معلوم ہوتا ہے۔" رمونا نے

’’قطعی نہیں......وہ پچاسی برس کا ہے۔‘‘ حمید جلدی سے بولا۔

’’بعض اوقات تم سفید جھوٹ بولتے ہو۔‘‘ رمونا نے منہ بنا کر کہا۔

’’بحرین بڑی حسین جگہ ہے۔‘‘ انور نے بات اڑا دی۔

’’مجھے تو پسند نہیں۔‘‘

’’پھر تمہیں کیا پسند ہے۔‘‘

’’شلجم کا مربہ......!‘‘ رمونا نے کہا اور حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔

اتنے میں فریدی واپس آ گیا اور رمونا نے شرارت آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

’’البرونو......یہ کہتا ہے کہ تم پچاسی برس کے ہو۔‘‘

’’ٹھیک کہتا ہے۔‘‘ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

’’البرونو میں تمہاری اصلی شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔‘‘ ڈی گاریکا نے کہا۔

’’تم مجھے اس وقت میری اصلی ہی صورت میں دیکھ رہے ہو۔‘‘

’’تب تو تم تیس سال سے زیادہ کے نہیں ہو سکتے۔‘‘ رمونا نے کہا۔

’’ممکن ہے تمہارا خیال صحیح ہو۔‘‘ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

’’کیوں؟‘‘ وہ حمید کی طرف مڑی۔ ’’تمہارا جھوٹ ظاہر ہو گیا نا۔‘‘

’’اوہ......! تو اگر تیس ہی سال کے ہیں تو کون سے بڑے تیس مار خاں ہیں۔‘‘ حمید نے منہ بنا کر کہا۔

’’تیس مار خاں کیا چیز۔‘‘

’’تیس مار خان ہماری طرف اسے کہتے ہیں جو روزانہ تیس مکھیاں مار لیتا ہو۔ اس لئے وزیرِ صحت کو بھی تیس مار خاں کہتے ہیں۔‘‘

رمونا ہنسنے لگی۔

’’مجھے اب تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں رہا۔‘‘ رمونا نے کہا پھر فریدی کو مخاطب کر کے بولی۔ ’’یہ کہہ رہا ہے کہ تم ایک معمولی کسان کے بیٹے ہو اور خود یہ زارِ روس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔‘‘

ٹھیک کہتا ہے۔‘‘ البرونو نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

البرونو ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔‘‘ ڈی گاریکا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ’’آخر تم میرے لئے کیوں اٹھا رہے ہو۔‘‘

میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔‘‘ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ’’مجھے ڈان ونسنٹ اور گردنیں توڑنی ہیں۔ انہوں نے لندن کے ایک نائٹ کلب میں میری سخت توہین کی تھی۔‘‘

تو ڈان ونسنٹ کا یہ بیان صحیح تھا کہ اسکا لندن میں چند پرتگالیوں سے جھگڑا ہو گیا تھا۔

بالکل صحیح تھا۔‘‘ فریدی نے کہا۔ ’’تم ذرا اپنا پاسپورٹ مجھے دے دو۔‘‘

کیوں؟ کیا کرو گے۔‘‘

مجھے تمہارے لڑکے کی تصویر چاہئے۔‘‘

ی گاریکا نے فریدی کو پاسپورٹ دے دیا۔

انور ادھر آؤ۔‘‘ فریدی نے انور کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پھر دوسرے کمرے راس کی طرف مڑا۔ ’’مجھے خوشی ہے کہ اس وقت آنکھوں کی رنگت کام آ گئی۔‘‘

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔‘‘

تمہاری آنکھیں بھی سبز ہیں۔ میں تمہیں ڈی گاریکا کا لڑکا بناؤں گا......اس طرح تم اس ورٹ پر سفر کر سکو گے۔‘‘

انور حیرت سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی پھر بولا۔

میں خود اس گھٹیا قسم کے بہروپ سے تنگ آ گیا ہوں۔ مگر کیا کروں بعض اوقات مجبور تا ہے۔ بہرحال ڈان ونسنٹ کی حماقتیں ہمارے کام آ رہی ہیں۔‘‘

یعنی......!‘‘

اگر وہ ڈی گاریکا کے لڑکے کو قتل کر کے اس کی شکل نہ بگاڑ دیتا تو میں کبھی اس کی ہمت سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ مقتول کی تصویریں اخبارات میں ضرور شائع ہوتیں اور پھر تم اس کے ٹ کے ذریعے سفر نہ کر سکتے۔‘‘

فریدی نے سوٹ کیس سے میک اپ کا سامان نکالنا شروع کیا۔ پھر انہیں ایک میز پر پھیلا

کرانور کی طرف مڑا۔

''بعض اوقات مجھے اس بھان متی کے سوانگ پر ہنسی آنے لگتی ہے۔ کیا حماقت ہے'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''خیر اس کی کرسی پر بیٹھ جاؤ...... ممکن ہے تمہیں تھوڑی سی تکلیف بھی ہو، پلاسٹک سرجری میں کبھی کبھی زخم بھی آجاتے ہیں۔ مگر میں حتی الامکان احتیاط برتوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے ہونٹ چھیلے جارہے ہوں لیکن وہ ضبط کئے بیٹھا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد فریدی نے اسے ایک آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ انور بے اختیار چونک پڑا۔ ڈی گاریکا کا پاسپورٹ اس کے ہاتھ میں تھا۔ کبھی وہ اس کے لڑکے کی تصویر کی طرف دیکھتا اور کبھی آئینے کی طرف۔

''کمال کر دیا......!'' وہ فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اس فن میں بھی شاید ہی کوئی آپ کی ٹکر کا نکلے۔''

پھر وہ دونوں اس کمرے میں آئے جہاں ڈی گاریکا وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انور کو دیکھتے ہی ڈی گاریکا اور رمونا اچھل پڑے۔

''میرا بچہ......!'' ڈی گاریکا بے اختیار چیخا اور پھر متحیر ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''یہ انور ہے۔'' فریدی نے کہا اور ڈی گاریکا کے چہرے پر گہری اداسی پھیل گئی۔

رمونا رو رہی تھی۔ ڈی گاریکا کے ہونٹ کپکپانے لگے اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپالیا۔

''ڈی گاریکا......!'' فریدی غمناک آواز میں بولا۔ ''مجھے افسوس ہے لیکن اس کے کوئی چارہ نہیں تھا۔''

''میں اس حالت میں سفر کیسے کرسکوں گا۔'' ڈی گاریکا گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

''ہمت سے کام لو۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم مرد ہو...... اور ایک جنگ جو سپاہی۔''

''رمونا کیسے زندہ رہ سکے گی۔ اس کے مردہ بھائی کا ہم شبیہہ!'' ڈی گاریکا کی آواز میں پھنس گئی۔

''میں دل پر پتھر رکھ لوں گی۔'' رمونا تن کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی بھیگی ہوئی آنکھوں سے غصے کی آنچ نکل رہی تھی۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا اور پھر پر وقار آواز میں بولی۔

''ہمیں اولیاری کے قتل کا انتقام لینا ہے۔ میں ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کے خون سے اپنے گھنگھریالے بالوں کو سرخ کروں گی۔ ان کی ہڈیاں چباؤں گی اولیاری کا ہم شکل میرے زخم تازہ رکھے گا۔ انتقام کی آگ بھڑک اٹھے گی اور میں ڈان ونسنٹ پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کروں گی۔''

پھر وہ جوش میں بھری ہوئی بیٹھ گئی۔ ڈی گاریکا کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرے کی فضا پر ایک بوجھل سی خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ انور کو اپنے دل کی دھڑکنوں کی دھمک کنپٹیوں میں محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ ایک طرف بیٹھ گیا۔

پھر کئی گھنٹے تک ان کمروں میں ماتمی اثرات چھائے رہے۔

اس دوران میں فریدی بہت زیادہ مشغول رہا۔ اسکے سامنے ایک بہت بڑا نقشہ پھیلا ہوا تھا جس پر وہ پنسل سے نشانات لگا رہا تھا۔ اس نے کئی چارٹ بھی بنائے تھے جنہیں وہ ایک ایک کر کے پھاڑ کر پھینکتا جارہا تھا۔ آخر کار وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ایک سگار سلگا کر اس کمرے میں آیا جہاں ڈی گاریکا وغیرہ دوسرے سفر کی تیاریاں کر رہے تھے۔

''میں اک دخانی کشتی کا انتظام کرنے جارہا ہوں۔'' فریدی نے اس سے کہا۔ ''تم اپنے انتظام مکمل رکھو۔''

''میں بھی چلوں۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں......!'' فریدی نے کہا اور باہر نکل گیا۔

انور محسوس کر رہا تھا کہ ڈی گاریکا اور رمونا اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ اس لئے اس نے وہاں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔

رات آہستہ آہستہ بھیگتی جارہی تھی۔ انور اکتا دینے والی خاموشی سے تنگ آ گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ لاشوں اور سوکھی ہوئی ہڈیوں کے ڈھانچے کے درمیان وقت گزار رہا ہے۔ حالانکہ اسے حمید کے قہقہوں سے ضد سی تھی لیکن اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کاش وہی اس قبرستانی فضا کا خاتمہ کر دیتا۔

ایک بجے فریدی واپس آیا تھا۔ کشتی کا انتظام ہوگیا تھا اور اب رات ہی رات وہاں سے روانگی کی تجویز پر غور کیا جا رہا تھا۔ آخر فریدی ہی کی رائے پر سب کو متفق ہونا پڑا۔ سامان ایک اسٹیشن ویگن پر رکھا گیا اور وہ سب ساحل کو روانہ ہوگئے۔

"تم آخر اتنے خاموش کیوں ہو۔" انور نے حمید سے پوچھا۔

"تم لوگوں نے میری زندگی برباد کردی۔" حمید بسور کر بولا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"فریدی صاحب کو مجھ سے ضد ہوگئی ہے۔" حمید نے کہا۔

"آخر بات کیا ہے؟"

"تمہیں اولیاری کی شکل میں لانے کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں تھی۔" حمید جھلا کر بولا۔ "ظاہر ہے کہ اب رمونا کی مسکراہٹیں بے جان ہوکر رہ جائیں گی۔"

"اوہ! یہ بات ہے۔ حمید تم بڑے ڈیوٹ ہو۔"

"کسی خوبصورت عورت کی زندگی سے بھرپور مسکراہٹ میری جنت ہے۔"

"تم خاصے احمق ہو۔" انور منہ بنا کر بولا۔

"اور مجھ سے بھی زیادہ احمق تم ہو کہ ایک عورت ہی کے لئے موت کے منہ میں کودنے جا رہے ہو۔" حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔ انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھور رہا تھا۔

حمید کا عشق

بحرین سے جبرالٹر تک کے بحری سفر میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ آہستہ آہستہ رمونا اور ڈی گاریکا کی افسردگی دور ہوتی جا رہی تھی۔ اس دوران میں وہ سب ایک دوسرے سے کافی بے تکلف ہوگئے تھے۔ جبرالٹر پہنچ کر فریدی نے ڈی گاریکا سے وہ مقامات معلوم کئے جہاں

ان کے ملک کی خفیہ ایجنسی کے افراد رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ اور حمید ڈان ونسنٹ کی سراغ رسانی میں مصروف ہوگئے۔

انور ڈی گاریکا اور رمونا کے ساتھ ٹھہرا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ فرصت کے لمحات میں رمونا زیادہ تر غیر مستقل مزاج اور کھلنڈری لڑکی ہے۔ لیکن وہ اس غلط فہمی میں ابھی تک مبتلا تھی کہ شاید سچ مچ زار روس کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

"لیکن مجھے اس پر یقین نہیں کہ البرونو نچلے طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔" رمونا نے انور سے کہا۔

"میں بھلا اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔" انور نے کہا۔

"ہاں یہ میں بھی محسوس کرتی ہوں کہ البرونو ایک لاپرواہ آدمی ہے۔ شاید وہ کبھی سوچتا ہی نہیں کہ دوسرے اس کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں۔ بعض اوقات میں سوچنے لگتی ہوں کہ وہ شاید کسی دوسری دنیا کا آدمی ہے۔ میں نے ابھی تک اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نہیں دیکھے۔ حالانکہ اس سفر نے ہمارا کچومر نکال دیا ہے۔"

انور کچھ نہ بولا۔ رمونا تھوڑی دیر بعد پھر کہنے لگی۔

"ڈان ونسنٹ میری قوم کا بہادر ترین آدمی ہے۔ تیغ زنی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس کی حیرت انگیز صلاحیتوں کے متعلق افسانے مشہور ہیں۔ مگر البرونو نے اسے بھی شکست دے دی تھی اور اب وہ اسے جان سے مارنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ڈان الفریڈو ایک مشہور پہلوان ہے لیکن وہ بھی محض البرونو کے خوف سے دم دبا کر بھاگ نکلے۔"

انور رشیدہ کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ اس نے رمونا کو دیکھ کر پوچھا۔

"تم اس سے پہلے بھی سی نور رومولی سے مل چکی ہو۔"

"نہیں میں نے انہیں آج تک نہیں دیکھا۔"

"تو کیا اسے تمہارے جزیرے کا حکمران بنا دیا جائے گا۔"

"ہاں......!"

"لیکن تم اس کے لئے کیا ثبوت پیش کرو گی کہ وہ شہزادی رومولی ہے۔ کیونکہ تمہاری قوم تو سنا ہے کہ وہ بچپن ہی میں قتل کر دی گئی تھی۔"

''ہماری قوم کی ایک بہت بڑی شخصیت اس راز سے واقف ہے۔ ہمارا مذہبی پیشوا، مقدس باپ پطرس......!''

''اور اگر حاکم وقت نے اسے بھی جھٹلا دیا تو۔'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ مقدس باپ کو جھٹلانے کی ہمت نہیں کرسکتا۔''

''یہ کہو رائے عامہ بدلتے دیر نہیں لگتی، اور پھر حکمرانوں کے ہتھکنڈے! ہوسکتا ہے مقدس باپ کی ایسی پوزیشن ہو جائے کہ عوام ہی اسے جھوٹا سمجھنے لگیں'' رمونا خاموش ہوگئی پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔

''میں اس سے زیادہ نہیں جانتی۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوگی جبھی تو میرا باپ جدوجہد کر رہا ہے۔''

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ڈی گاریکا آ گیا۔ انور نے اپنے سوالات دہرانے شروع کئے ڈی گاریکا خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

''بیٹے اگر اس کے امکانات نہ ہوتے تو میں اتنی جدوجہد کیوں کرتا۔ میں یہ کیوں چاہتا کہ ڈان ونسنٹ کو دارالحکومت پہنچنے سے پہلے ہی پکڑ لیا جائے۔ میں اپنے ساتھ غیر ملکیوں کو کیا لے جاتا جبکہ یہ حرکت بغاوت کے مترادف ہے۔''

''میں انہیں امکانات کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''رومولی کے جسم پر ایک ایسا نشان موجود ہے جو شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ اور کسی کے جسم پر نہیں ہوتا۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

انور بے اختیار ہنس پڑا۔

''ڈی گاریکا میں بچہ نہیں ہوں۔'' انور نے کہا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ البرونو جیسا دانشمند آدمی تمہارے چکر میں کس طرح پھنس گیا۔ بہرحال اس نے میری بھی مٹی پلید کی۔''

''کیوں؟ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا'' ڈی گاریکا ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

''ایسی کہانیاں میں ہالی وڈ کی گھٹیا فلموں میں دیکھ چکا ہوں۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''ایک کا نام تو مجھے اب تک یاد ہے شہنشاہ سلیمان کا خزانہ۔ رائیڈر ہیگرڈ کے ناول کا پلاٹ جس میں ایک شکاری کوارٹر مین کو ایک ایسا خبطی ملا تھا جس کے سینے پر شاہی نشان تھا۔''

''تمہاری بے اعتباری کی وجہ میں نہیں سمجھ سکتا۔'' ڈی گاریکا خشک لہجے میں بولا۔ ''حالانکہ تمہارے سامنے ہی شہزادی رومولی سے مل چکا ہوں۔ اگر تم اسے سمجھتے ہو تو یہ بتاؤ کہ وہ میرے ساتھ جانے کیلئے کیوں تیار ہوگئی تھی۔ میرا اس کی ذات سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔''

انور خاموش ہوگیا۔ اسے اپنی حماقت پر غصہ آنے لگا۔ ڈی گاریکا نے قاعدے کی بات کہی۔ اگر واقعی رشیدہ ہندوستانی تھی تو اس کا ایک غیر ملکی سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ ڈی گاریکا کو کبیدہ خاطر کردیا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''حالات ایسے پیش آ رہے ہیں کہ میرا دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے۔ اگر میری باتوں سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔''

''نہیں بیٹے۔ کوئی بات نہیں۔ میں سمجھتا ہوں اور تمہارے لئے بھی فکر مند ہوں۔ رومولی تمہیں کسی طرح چھوڑنا نہ چاہے گی اور مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''میں جانتا ہوں کہ کوئی غیر ملکی تمہارے جزیرے میں نہیں رہ سکتا۔'' انور نے کہا۔ ''میں تو صرف رشیدہ کی زندگی کا خواہش مند ہوں میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں اور بس۔''

''تم نیک اور شریف آدمی ہو۔''

''لیکن مجھے خوف ہے کہ ڈان ونسنٹ اسے راستے ہی میں نہ ختم کردے۔'' انور نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ وہ اسے زندہ ہی لے جائیگا۔ کیونکہ فاگان ایک بار دھوکہ کھا چکا ہے۔''

''فاگان کون......؟'' انور نے پوچھا۔

''ہمارا حکمران فاگان کہلاتا ہے۔ رومولی فاگانیہ کہلائے گی۔ بیرن آئی لینڈ کی تنہا فاگانیہ۔''

''تم نشان کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔'' انور تھوڑی دیر خاموش

''ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس قسم کے نشانات صرف شاہی خاندان کے افراد ... ...

میں پائے جاتے ہیں اور تخت کے وارث کے پر جو نشان ہوتا ہے دوسرے نشانات سے
مختلف ہوتا ہے۔ یہ نشان بچوں کی پیدائش پر ان کے سینوں پر ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اس کی
سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے شاہی بچے سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے دوسرے ممالک میں
رکھے جاتے ہیں۔"

"لیکن فرضی نشان بھی تو بنائے جاسکتے ہیں۔" انور نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے کیونکہ وہ نشانات شاہی مہر کے ہوتے ہیں جو شاہی خزانے میں کافی احتیاط
کے ساتھ رکھی جاتی ہے۔"

"نشان ڈالنے کا طریقہ کیا ہے۔"

"یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے۔" ڈی گاریکا آہستہ سے بولا۔ "میں اسے پسند نہیں کرتا۔ لیکن
بہرحال رسم ہے۔ چاہے وہ وحشیانہ کیوں نہ ہو۔"

"آخر...!"

"بہت ہی ظالمانہ طریقہ ہے۔ لوہے کی مہر گرم کرکے بچے کے سینے پر داغ لگا دیا جاتا ہے۔"

"اوہ......"

"رموا نے اپنے ہونٹ اس طرح سکوڑ لئے جیسے وہ ان داغے جانے والے معصوم
کی تکلیف خود اپنے سینے پر محسوس کر رہی ہو۔

"تمہارا جزیرہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ معلوم ہوتا ہے۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

ڈی گاریکا کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی اندر داخل
اس کے پیچھے حمید تھا۔ اس نے آتے ہی انور کو گھورنا شروع کر دیا۔ انور سمجھ گیا کہ رموا کے
ٹھہرنا اسے کھل گیا۔

فریدی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ڈی گاریکا اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا
"ڈی گاریکا" فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ "تمہارے ملک کی ایجنسی کے لوگ تو
تلاش میں ہیں۔ ڈان ونسنٹ یہاں سے چلا گیا۔ وہ تین اور ایک بوڑھا مریض جو یہاں بھی
تھا، کل چار گئے ہیں اور ڈان الفریڈو یہیں رک گیا ہے۔ غالباً وہ تمہارا راستہ دیکھ رہا ہے؟"

"اوہ......!" ڈی گاریکا مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "اسپین میں میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ میکسیکو گئے ہیں۔ بہرحال یہ سمجھ لو کہ یہاں سے میکسیکو کا راستہ ہمارے لئے مخدوش ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ راستہ بدل دیا جائے۔"

"پھر کون سا راستہ اختیار کرو گے۔" ڈی گاریکا نے پوچھا۔

"کیوں نہ ہم لوگ میکسیکو کے بجائے جمیکا جائیں۔"

"بھلا جمیکا کیسے جاسکیں گے۔ وہ برطانوی حکومت کا ایک حصہ ہے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"یہ میں ٹھیک کرلوں گا۔" فریدی نے کہا۔ "جمیکا سے ہم پھر واٹلنگ کی طرف واپس آئیں گے اور واٹلنگ سے بیرن آئی لینڈ......!"

"اور اگر ڈان ونسنٹ نکل گیا تو۔"

"یا تو وہ ہم سے پہلے نکل جائے گا یا ہم اس سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ اس کے علاوہ تیسری صورت ناممکن ہے۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ ڈی گاریکا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"مگر میری رائے اس سے مختلف ہے۔" حمید نے کہا۔

فریدی کے علاوہ اور سب لوگ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"میرا خیال ہے کہ" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "پہلے ہم ٹمبکٹو جائیں پھر وہاں سے ہونولولو کا سفر کریں۔ اس کے بعد قطب جنوبی سے گزرتے ہوئے جہنم رسید ہو جائیں۔"

"بکومت......!" فریدی نے چیخ کر کہا اور حمید نے سہم جانے کی اتنی اچھی ایکٹنگ کی کہ رموا بے اختیار ہنس پڑی۔

ڈی گاریکا بھی ہنسنے لگا۔ فریدی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رموا ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"اچھا باتیں بند۔ ابھی ہم لوگوں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"شوق سے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن کھانا یہیں منگوایا جائے گا۔ ڈائننگ ہال میں کھانا ٹھیک نہیں۔"

"کیوں؟ ڈائننگ ہال میں کیوں نہیں؟ ہم وہاں بینڈ بھی سن سکیں گے۔" رمونا نے کہا۔

"البرونو کا خیال ٹھیک ہے۔" ڈی گاریکا بولا۔

"میں یہیں تمہیں بینڈ سنا دوں گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی اسے پھر گھورنے لگا اور حمید نے منہ پھیر لیا۔

پھر ڈی گاریکا نے ویٹر کو بلا کر کمرے ہی میں کھانا لانے کے لئے کہا۔

کھانے کے دوران میں حمید نے لطیفے شروع کر دیئے۔ رمونا ہر بات پر ہنس رہی تھی۔

"اس لڑکی کی خیریت نظر نہیں آتی۔" انور نے فریدی سے اردو میں کہا۔

"بھئی کیا بتاؤں...... حمید کی یہ عادت میں آج تک نہ چھڑا سکا۔ عورت اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ لیکن ایک بات ہے کہ حدود سے باہر قدم نہیں نکالتا۔"

"تم لوگ نہ جانے کس زبان میں گفتگو کر رہے ہو۔" ڈی گاریکا نے کہا۔ "مجھے الجھن ہوتی ہے۔"

"انور اپنی زبان میں کہہ رہا ہے کہ اس کا دماغی توازن بگڑتا جا رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے ہر طرح اطمینان دلانے کی کوشش کی ہے۔" ڈی گاریکا بولا۔

"میں بھی سمجھا رہا ہوں۔" فریدی نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گئے۔

کھانا ختم کرنے کے بعد ڈی گاریکا دوسرے کمرے میں آرام کرنے کے لئے چلا گیا۔ بہت تھک گیا تھا۔ بقیہ لوگ وہیں کافی پیتے رہے۔

فریدی نے ایک سگار نکال کر ہونٹوں میں دبایا اور سلگانے ہی جا رہا تھا کہ رمونا نے اسے کھینچ لیا۔

"تم بہت کثرت سے سگار پیتے ہو۔" رمونا نے کہا۔ "اب بس۔ پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں۔"

فریدی مسکرانے لگا۔

"اور میرے پائپ کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید نے اپنا پائپ ہونٹوں سے نکالتے ہوئے کہا۔

"اس سے بھی پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں۔" رمونا بولی۔ "لیکن اگر تمہارے پھیپھڑے زاب بھی ہو گئے تو اس سے کوئی خاص نقصان نہ ہوگا۔"

"کیوں......؟" حمید متحیر ہو کر بولا۔

"تم ایک ناکارہ آدمی ہو۔ صرف باتیں بنانا جانتے ہو۔" رمونا ہنس کر بولی۔

"اب زندگی بیکار ہے۔" حمید بیزاری سے بولا اور فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔ انور بھی ہنس پڑا تھا۔ شاید اس دوران میں وہ پہلی بار دل کھول کر ہنسا تھا۔

حمید نے اپنی جیب سے ریشمی رومال نکالا اور اسے اپنی گردن میں پھنسا کر دونوں سرے کھینچنے لگا۔

"تو یہ کیا کرنے لگے۔" رمونا نے مسکرا کر کہا۔

"خودکشی۔" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ اس کا چہرہ سچ مچ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں ل سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

"عجیب دیوانے آدمی ہو۔" رمونا نے کہا اور بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"نہیں نہیں...... مجھے مر جانے دو۔"

"کیا فضول حرکتیں کر رہے ہو۔" رمونا جھلا کر بولی۔

"مر بھی جانے دو۔" فریدی لاپرواہی سے بولا اور حمید رومال کے گوشے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ! تو آپ اسمیں دلچسپی لے رہے ہیں۔" حمید اردو میں بولا۔ "میں دستبردار ہوتا ہوں۔"

"تم گدھے ہو۔" فریدی جھلا کر بولا۔ "مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ ہر لڑکی میں دلچسپی لگوں۔ نہ جانے تمہارے دماغ میں کس قسم کے کیڑے کلبلاتے رہتے ہیں۔"

"میں احمق نہیں ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ آپ کی طرف جھک رہی ہے۔"

"جھکنے دو۔" فریدی بیزاری سے بولا۔ "اس کے جھکنے سے دنیا کا نقشہ نہیں بدل سکتا۔ بین الی سیاست بھی اپنی جگہ پر رہے گی۔ لیکن تمہیں ٹی۔ بی ضرور ہو جائے گا۔ دماغ ذرا ٹھنڈا رکھو ردار۔"

"تو آپ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"ابے نہیں چغد......نہیں۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔

"شکریہ۔ میں آپ ہونے والے بال بچوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

انور کیلئے ہنسی ضبط کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس لئے وہ اٹھ کر بالکونی میں چلا گیا۔ البتہ رمو
ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اس نے فریدی کو غصے میں دانت پیستے دیکھا تھا۔

"آخر بات کیا ہے؟" رمونا نے تشویشناک لہجے میں پوچھا۔

"تم پرتگالی زبان نہیں سمجھتیں۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں بالکل نہیں سمجھتی۔"

انور رمونا کی آواز سنتے ہی کھڑکی کے قریب آ گیا تھا۔

"بات دراصل یہ ہے۔" فریدی بولا۔ "تم نے اسے ناکارہ کہہ کر اس کا دل توڑ دیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میں واپس لوٹ جاؤں گا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ ناکارہ آدمی نہیں ہے۔ ابھی اس کے کارنامے تمہاری نظروں سے نہیں گزرے۔ ایک بار یہ غصے میں ایک جنگلی ہاتھی کی دم پکڑ کر لٹک گیا تھا اور ہاتھی نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی تھی۔"

"میں نے تو مذاق میں کہا تھا" رمونا نے معذرت طلب انداز میں کہا۔ پھر وہ حمید مخاطب کر کے بولی۔ "تم بُرا مان گئے۔"

"پہلے بُرا ماننے کا ارادہ کر رہا تھا مگر اب نہیں۔" حمید نے کہا اور پائپ پینے لگا۔

فریدی نے انور کو آواز دی۔ دونوں سفر کے متعلق گفتگو میں مشغول ہو گئے اور حمید رمونا ساتھ بالکونی میں چلا گیا۔ فریدی نے اسے بھی مشورے میں شریک کرنا چاہا تھا لیکن پھر یہ کر ارادہ ملتوی کر دیا کہ فی الحال حمید کوئی قاعدے کی بات نہیں کر سکتا کیونکہ رمونا اس کے سر بُری طرح سوار تھی۔

حمید بالکونی میں رمونا سے کہہ رہا تھا۔

"تم دنیا کی حسین ترین لڑکی ہو۔"

"اور تم بالکل کنگارو معلوم ہوتے ہو۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"چلو میں کنگارو ہی سہی لیکن میں زندگی بھر تمہاری تعریف کرتا رہوں گا۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ تم ہاتھی کی دم پکڑ کر لٹک گئے تھے۔"

"ہاں مگر وہ ہاتھی مردہ تھا۔"

"کیوں فضول باتیں کر رہے ہو۔"

"ارے تم البرونو کی باتوں میں آ گئی ہو۔ وہ میرا مضحکہ اڑا رہا تھا۔"

"لیکن ڈی سالٹ کو تو تم پکڑ کر لے گئے تھے۔"

"آخر تمہیں پکڑ دھکڑ اور مار پیٹ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"مجھے نڈر اور بے خوف آدمی اچھے لگتے ہیں۔ البرونو کی میرے دل میں بہت عزت ہے۔"

"اور میری......!"

"تم نے کیا ہی کیا ہے۔"

"اچھا تو میں اب دکھا دوں گا۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"کیا دکھا دو گے۔"

"اپنی زبان......!" حمید نے کہا اور اپنی زبان نکال دی۔ رمونا ہنس پڑی۔

"تمہاری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔"

"تو ہم دونوں تمہیں اچھے لگتے ہیں۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" رمونا جلدی سے بولی۔ "تم بڑے شیطان معلوم ہوتے ہو۔"

"بڑا نہیں چھوٹا کہو۔ بڑا شیطان تو البرونو ہے۔"

"میں تم دونوں کی عزت کرتی ہوں۔ اچھا مجھے البرونو کے بارے میں بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "وہ تمہاری ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتا۔"

"تم پھر بہکنے لگے۔ میں تم سے یہ کب پوچھ رہی ہوں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس سے کرنے لگی ہوں۔"

"قطعی نہیں......قطعی نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "محبت تو تم مجھ سے......!"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رمونا نے جلا کر کہا اور کمرے میں چلی گئی۔

حمید اس طرح آسمان کی طرف دیکھنے لگا جیسے چرخ کج رفتار کو گھونسہ رسید کر دے گا۔

ایک دشمن

دوسرے دن صبح وہ لوگ ایک اسٹیمر پر جمیکا کے لئے روانہ ہوگئے۔ ڈی گاریکا جمیکا جانے کی مخالفت کررہا تھا۔ لیکن فریدی نے اس کی ایک نہ سنی۔ ڈی گاریکا کی پریشانی کا باعث دراصل یہ چیز تھی کہ اس کا پاسپورٹ صرف میکسیکو تک کا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی جمیکا میں کس طرح اتر سکتا تھا۔

''تم ڈرو نہیں۔'' فریدی نے اس سے کہا۔ ''تمہاری حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں۔ تم دیکھنا کہ میں تمہیں کس صفائی سے نکال لے جاتا ہوں۔''

ڈی گاریکا اس جواب سے مطمئن ہوا تھا یا نہیں لیکن انور کے لئے اس اجمال کی تفصیل جاننی ضروری تھی۔ خود اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی ان لوگوں کو جمیکا کس طرح لے جائے گا۔ لہٰذا اس کے مزید استفسار پر فریدی کو بتانا ہی پڑا۔

''جرمن سائنسدان ولمین [1] کی تباہ کن ایجاد پر سے پردہ اٹھانے کے سلسلے میں میری کچھ اور پوزیشن ہوچکی ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں اب دولت مشترکہ کے سارے ممالک میں بغیر کسی دشواری کے داخل ہوسکتا ہوں۔ میں نے جمیکا میں پیش آنے والی دشواریوں سے متعلق انسپکٹر براؤن کو ایک کیبل روانہ کیا تھا جس کا جواب آگیا ہے۔ اسکاٹ لینڈ کی طرف سے جمیکا کے محکمہ سراغ رسانی کو ہمارے متعلق اطلاع دے دی گئی ہے لہٰذا وہاں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔''

انور مطمئن ہوگیا۔ ڈی گاریکا بھی کچھ پرسکون نظر آرہا تھا۔ کیونکہ وہ البرونو کی غیر معمولی قوتوں سے اچھی طرح واقف ہوچکا تھا۔

اسٹیمر پر مسافروں کی کثرت نہیں تھی کیونکہ وہ اسٹیمر دراصل تجارتی سامان بار کرکے جمیکا کی طرف جارہا تھا۔ عرشے پر تو ایک متنفس بھی سفر نہیں کررہا تھا۔ سارے مسافر کیبنوں میں تھے۔

موسم ٹھیک ہونے کی وجہ سے سمندر میں تموج نہیں تھا۔ لہٰذا اسٹیمر سبک روی کے ساتھ اپنا راستہ طے کررہا تھا۔ دن بھر یہ لوگ اپنے کیبنوں میں رہے اور شام کو ریستوران میں اکٹھا

[1] جاسوسی دنیا کا بارہواں ناول ''موت کی آندھی'' جلد نمبر 4 ملاحظہ فرمائیے۔

ہوگئے۔ لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ پانچ بجے کے قریب وہ ریستوران میں آیا۔ کرسی گھسیٹ کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''اب تم لوگ مجھے البرونو کہہ کر مخاطب نہ کرنا۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''کیوں؟''

''ڈان الفریڈو جہاز پر موجود ہے۔''

''ارے......!''

''ہاں اس نے ڈاڑھی لگا رکھی ہے۔ لیکن میں اسے اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔''

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک باوردی قسم کا باریش آدمی ریستوران میں داخل ہوا۔

''ہاں تو صاحبان......!'' فریدی بلند آواز میں بولا۔ ''آپ لوگوں کو مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ اسپین اور اسپینی باشندوں سے عشق ہے۔ میرے ساتھی نے آپ لوگوں کی بڑی تعریف کی ہے۔''

آنےوالے نے ڈیگاریکا پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور قریب کی ایک میز کے پاس بیٹھ گیا۔

فریدی بلند آواز میں بھی کئی طرح کی باتیں کرتا رہا۔ بہر حال وہ آنے والے پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ڈی گاریکا سے جہاز پر واقف ہوا ہے۔

دفعتاً آنے والے کی نظریں انور کی طرف اٹھ گئیں جو اولیاری کے بھیس میں تھا۔ وہ بے اختیار چونک پڑا۔ پہلے اس کے ہونٹ تھوڑے سے کھلے پھر آنکھیں پھیل کر رہ گئیں۔ چند لمحے وہ ایسی حالت میں رہا پھر قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے اس کی کرسی کی چرچراہٹ کی آواز سنی اور وہ لہرا کر فرش پر آرہا۔ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور اس کے گرد بھیڑ لگ گئی۔

''انور'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''اپنے کیبن میں جاؤ...... اور اس وقت تک باہر نہ نکلنا جب تک میں نہ آجاؤں۔''

انور چلا گیا۔ ڈی گاریکا وغیرہ حیرانی سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔ فریدی بھیڑ ہٹا کر بیہوش آدمی کے قریب پہنچ چکا تھا۔

''ہٹ جاؤ...... ہٹ جاؤ'' وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''مقدس باپ بیہوش ہوگئے ہیں۔ لڑکے ایک گلاس پانی لاؤ۔''

ویٹر لپک کر پانی کا گلاس لایا۔ فریدی نے اس کے گلے میں لٹکی ہوئی صلیب کو نہایت احترام کے ساتھ اس کے سینے پر رکھ دیا اور گلاس لے کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد پادری کو ہوش آ گیا۔ فریدی نے اسے سہارا دے کر بٹھا دیا۔

"مقدس باپ! اب طبیعت کیسی ہے۔" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" پادری چاروں طرف دیکھ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اچھا تو اٹھئے آپ بہت نحیف معلوم ہو رہے ہیں۔" فریدی اُسے اٹھا کر اپنی میز کے قریب لایا۔ سب بیٹھ گئے۔ رمونا انور کی کرسی پر بیٹھنے جا رہی تھی مگر فریدی نے اسے دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انور کی کرسی خالی ہی رہی۔

پادری بار بار خالی کرسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مقدس باپ! آپ بہت نحیف معلوم ہو رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "برانڈی منگواؤں۔"

"نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" پادری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں اس وقت بھی دورہ ہی پڑا تھا۔"

فریدی نے اس پر افسوس ظاہر کیا۔

پادری تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہنے کے بعد انور کی کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ کہاں گیا۔ تم سب سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔"

"کون......؟" فریدی چونک کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کرسی پر کوئی نہیں تھا۔"

پھر اس نے رمونا کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

پادری کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے لیکن اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پالیا۔

"ہوگا...... ممکن ہے مجھے دھوکہ ہوا ہو۔ بہر حال آپ لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی بقیہ سفر آرام سے کٹ جائے گا۔"

"ہم ہر حال میں خدمت کے لئے تیار ہیں۔" فریدی قدرے جھک کر بولا۔ "یہ سی نور ڈی گاریکا ہیں۔ یہ سی نور رمونا۔ یہ میرا ساتھی حمید یوف ہے اور میں فریدیوف۔"

"تم دونوں روسی ہو۔" پادری نے پوچھا۔

"جی ہاں...... لیکن ہم رومن کیتھولک ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تم دونوں پر آسمانی باپ برکتیں نازل کرے۔" پادری نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

"ان دونوں کے لئے شگون کی دعا کیجئے۔" فریدی نے ڈی گاریکا اور رمونا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ڈی گاریکا کا بیٹا اس سفر میں اچانک ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔"

"کہاں......؟"

"ہندوستان میں...... اور اب یہ میکسیکو جا رہے ہیں۔"

"میکسیکو......!" پادری نے حیرت سے کہا۔ "مگر یہ جہاز تو جمیکا جا رہا ہے۔"

"یہ ہسپانیولا کی بندرگاہ آپرنس پر اتریں گے۔ پھر وہاں سے میکسیکو جائیں گے۔"

"بڑا چکر پڑ جائے گا۔" پادری نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

"کیا کیا جائے۔" فریدی غم انگیز لہجے میں بولا۔ "میری ان کی ملاقات اسی جہاز پر ہوئی ہے۔ ان کی دکھ بھری کہانی سنکر بڑا افسوس ہوا۔ بات یہ ہے کہ لڑکے کی ماں ہسپانیولا میں ہے یہ لوگ خبر ڈاک کے یا تار کے ذریعہ نہیں سنانا چاہتے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" پادری نے کہا۔ "بڑا افسوس ہوا۔ خدا انہیں صبر دے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر پادری اٹھتا ہوا بولا۔

"اچھا میرے بچو! آسمانی باپ تمہاری حفاظت کرے۔"

"آپ کمزوری محسوس کر رہے ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔ "چلئے میں آپ کو کیبن تک پہنچا دوں۔"

پادری نہیں نہیں کرتا رہا۔ لیکن فریدی نے سہارے کے لئے اپنا ہاتھ پیش ہی کر دیا۔ پادری کو اس کے کیبن تک پہنچا کر فریدی لوٹ آیا۔ ڈی گاریکا متحیر تھا۔ اس نے حمید کو بلا کر کچھ باتیں کیں پھر حمید ریستوران سے چلا گیا۔

"یہ سب کیا تھا۔" رمونا بے صبری سے بولی۔ "انور کہاں گیا۔"

"تم بتاؤ۔" فریدی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز

مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"مقدس باپ انور کو اولیاری کا بھوت سمجھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔"

"اوہ! تو وہ ڈان الفریڈو تھا۔" ڈی گاریکا اچھل کر بولا۔

"ہاں......!"

"اس لئے انور کو سچ مچ تم نے بھوت بنا دیا۔" رمونا اپنی ہنسی ضبط کرتی ہوئی بولی۔

"اور اب میں نے انور کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ فی الحال اپنی اصل صورت میں آجائے۔ ڈان الفریڈو بُری طرح خائف ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ آج اپنے ساتھیوں کو وائرلیس کے ذریعے پیغام بھیجنے کی کوشش کرے۔ میرا ساتھی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔"

ڈی گاریکا کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پائے جا رہے تھے۔ رمونا پر بھی اس کے باپ کی بدلتی ہوئی کیفیت نے بُرا اثر ڈالا تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں اس کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔"

"ممکن ہے وہ تنہا نہ ہو۔" ڈی گاریکا نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"اوہ چھوڑو بھی۔" فریدی سگار نکال کر ہونٹوں میں دباتا ہوا بولا۔ "تم کچھ تھکے تھکے نظر آ رہے ہو۔ جا کر آرام کرو۔ میرا ساتھی الفریڈو پر کڑی نظر رکھے گا۔ تھوڑی دیر بعد انور بھی اپنا کام شروع کر دے گا اور ہمیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ الفریڈو تنہا ہے یا اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد ڈی گاریکا بھی اپنے کیبن کی طرف چلا گیا۔

"رمونا تم بھی ڈر رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں میں باپ کی وجہ سے فکر مند ہوں۔"

"ننھی لڑکی تمہارے اندیشے فضول ہیں۔ ہنسو، مسکراؤ، قہقہے لگاؤ۔ زندگی اسی کا نام ہے۔"

"میں ہنس تو رہی ہوں۔" رمونا کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہاری گفتگو سن کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم بہت دلیر ہو۔"

"میں دلیر کہاں ہوں؟"

"خیر......تم اپنے منہ سے تو اپنی تعریف کرو گے نہیں......مگر......!"

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ حمید آ گیا۔

"کیوں تم کیوں چلے آئے؟" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"آپ مزے کریں اور میں دھکے کھاؤں۔" حمید نے اردو میں کہا اور بیٹھ گیا۔ "اب ڈیوٹی بدل جائے تو اچھا ہے۔ آپ جا کر اس الفریڈو کے پیچھے کو تاکیے اور میں آپ کے فرائض انجام دوں گا۔"

فریدی اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ "بیہودے" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تم اپنی طرح مجھے بھی سمجھتے ہو۔ کسی دن کسی عورت ہی کے ساتھ مارے جاؤ گے۔"

"کیا بات ہے؟" رمونا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں......!" حمید نے ہنس کر کہا۔ "ذرا الفریڈو کے پیٹ میں درد اٹھا ہے ان سے کہہ رہا ہوں کہ جا کر کوئی اعلیٰ قسم کا چورن تجویز کر دیں۔"

"ٹھیک سے بتاؤ نا......!" رمونا نے کہا اور فریدی اٹھ کر چلا گیا۔

"چھوڑو بھی......البرونو پر خون کی پیاس سوار ہے۔ چلو عرشے پر چلیں......اس وقت ڈوبتا ہوا سورج بڑا حسین لگ رہا ہوگا۔"

تھوڑی دیر بعد رمونا عرشے پر جہاز کی ریلنگ سے ٹکی ہوئی حمید سے کہہ رہی تھی۔

"البرونو کبھی آدمی معلوم ہوتا ہے اور کبھی کچھ اور۔ جب وہ ڈان الفریڈو کو سہارا دینے جا رہا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی خانخوار بھیڑیا کسی بکری کے بچے کو سہارا دینے جا رہا ہو۔ نہ جانے کیوں میں نے سچ مچ اس کی آنکھوں میں خون کی پیاس دیکھی تھی۔"

"ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

دونوں کافی دیر تک عرشے پر کھڑے رہے پھر رات کی سیاہی نے دیوپیکر موجوں کو آہستہ آہستہ خوفناک بنا دیا۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی۔ جہاز سے ٹکرانے والی لہروں کی ہلکی ہلکی بوچھار ان کے چہروں پر نمی بکھیرنے لگی تھی۔ وہ اپنے کیبنوں کو لوٹ آئے۔

رات ڈھلتی گئی۔ بے کراں سناٹے میں لہروں کا شور اور انجن کا زناٹا گونجتا رہا۔ فریدی حمید اور انور ابھی تک جاگ رہے تھے۔ فریدی ڈان الفریڈو کے کیبن کے قریب دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔ حمید اور انور عرشے پر ریلنگ کے قریب اندھیرے میں چت لیٹے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد دو آدمی جن کی صورتیں اندھیرے میں پہچانی نہ جا سکیں ڈان الفریڈو کے کیبن کے دروازے پر آ کر رک گئے۔ چند لمحے اندھیرے میں ادھر اُدھر دیکھتے رہنے کے بعد انہوں نے دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ کسی نے دروازہ کھولا اور وہ اندر چلے گئے۔ پھر اندر سے ہلکی ہلکی سرگوشیوں کی آوازیں آنے لگیں۔

دروازہ کھلا دو آدمی اندر سے نکلے۔ پھر تیسرے نے انہیں روک کر آہستہ سے کہا۔

''تم انہیں صرف بیس منٹ تک باتوں میں الجھائے رکھنا۔''

''دونوں پھر اندھیرے میں گم ہو گئے اور تیسرا اندر چلا گیا۔ انور اور حمید ان کے پیچھے لگ گئے تھے۔ فریدی بدستور کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور ایک آدمی نکل کر آہستہ آہستہ کیبنوں کی طرف بڑھنے لگا۔ فریدی ریلنگ کے سہارے رینگ رہا تھا۔ پراسرار سایہ ڈی گاریکا کے کیبن کے قریب رک گیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ ڈی گاریکا نے اپنے کیبن کی روشنی کیوں نہیں بجھائی؟ کیا وہ دونوں ابھی تک جاگ رہے ہیں۔

وہ آدمی تھوڑی دیر تک کیبن کے دروازے پر جھکا رہا۔ شاید وہ تالے کے سوراخ سے اندر کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ دوسرے لمحے میں فریدی کیبن کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ ڈی گاریکا اور رمونا روشنی گل کئے بغیر ہی سو گئے تھے۔ فریدی نے پہلی ہی نظر میں ڈان الفریڈو کو پہچان لیا وہ اس وقت پادری کے بھیس میں نہیں تھا۔ اس کے اٹھے ہوئے داہنے ہاتھ میں ایک خنجر چمک رہا تھا۔ اس نے بجلی کی سرعت کیساتھ بایاں ہاتھ ڈی گاریکا کے منہ پر رکھا اور قبل اس کے داہنا ہاتھ بھی استعمال کرتا فریدی کا بایاں ہاتھ اس کے منہ پر پڑا اور داہنا ہاتھ خنجر والے ہاتھ پر۔ ڈی گاریکا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ڈان الفریڈو فرش پر فریدی کے گھٹنے کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اتنے میں رمونا بھی جاگ پڑی۔

''خاموش...... خاموش......!'' فریدی آہستہ سے بولا اور رمونا کی چیخ ہونٹوں میں دب کر

رہ گئی۔ ڈان الفریڈو فریدی کی گرفت سے نکل جانے کی جدوجہد کر رہا تھا۔

''روشنی گل کر دو۔'' فریدی پھر بولا۔ ''ڈی گاریکا نے بڑھ کر سوئچ آف کر دیا۔ ڈان الفریڈو اپنے منہ سے فریدی کا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے اسے اپنی کمر پر لاد لیا اور تیزی سے باہر نکلا۔ ڈی گاریکا اور رمونا بھی اس کے پیچھے تھے۔ ریلنگ کے قریب پہنچ کر فریدی جھکا۔ یہاں پھر دونوں میں جدوجہد ہونے لگی اور پھر دوسرے ہی لمحے فریدی خالی ہاتھ کھڑا تھا۔

''پھینک دیا...... تم نے اسے پھینک دیا۔'' رمونا زور سے چیخی۔ فریدی جھپٹ کر اس کے قریب آیا۔

''بیوقوف احمق......'' اس نے آہستہ سے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''چپ رہو۔ چلو بھاگ چلو...... جلدی کرو۔ قدموں کی آہٹیں سنائی دے رہی ہیں۔''

وہ پنجوں کے بل کیبن میں گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ لوگوں کے دوڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

'تم نے بہت برا کیا۔'' فریدی نے آہستہ سے رمونا سے کہا جو اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔

''غلطی ہوئی...... غلطی ہوئی۔ البرونو اگر تم نہ ہوتے......'' اس کی آواز گھٹ گئی اور اس کے ہونٹ فریدی کی پیشانی سے جا لگے۔

''بیوقوف لڑکی۔'' فریدی یک بیک پیچھے ہٹ کر بولا۔ ''ہوش میں رہو۔ ہوش میں۔''

''کیا بات ہے۔'' ڈی گاریکا نے پوچھا۔

''کچھ نہیں......!'' رمونا نے کہا۔ ''میرا سر چکرا رہا ہے۔''

تھوڑی دیر بعد باہر پھر سناٹا چھا گیا۔ صرف لہروں کا شور سنائی دیا۔ فریدی نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر نکلتے ہوئے ان سے کہتا گیا۔ ''اب چپ چاپ سو رہو۔''

اپنے کیبن میں واپس آ کر وہ انور اور حمید کا انتظار کرنے لگا۔ وہ ان دونوں آدمیوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں واپس آ گئے۔

"وہ دونوں رات کی ڈیوٹی والے عملہ کو باتوں میں لگائے رکھنے کے لئے گئے تھے۔" حمید نے کہا۔

"اب وہ کہاں ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"شاید سمندر کی گہرائیاں ناپ رہے ہوں گے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"شاباش......!" فریدی جوش میں اٹھتا ہوا بولا۔

"ہم ان کے پیچھے لگے رہے۔" انور نے کہا۔ "اور جب وہ ڈان الفریڈو کے کیبن کی طرف پھر واپس آئے تو ہم ان پر ٹوٹ پڑے اور پھر......حمید کے منع کرنے کے باوجود میں نے انہیں پھینک ہی دینا مناسب سمجھا۔"

"انور میرا سچا شاگرد ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیوں آپ منع کیوں کر رہے تھے۔"

"میں سمجھا تھا شاید آپ ان سے محبت کرنا پسند کریں۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"خود اعتمادی پیدا کرو برخوردار......کب تک مجھ سے پوچھ پوچھ کر کام کرتے رہو گے۔" فریدی نے کہا۔

"ڈان الفریڈو کا کیا ہوا۔" انور نے پوچھا۔

"وہ اپنے ساتھیوں کی پیشوائی کیلئے پہلے ہی روانہ کر دیا گیا۔" فریدی نے کہا اور سارا واقعہ دہرا کر بولا۔ "اب ہمیں اسطرح سو رہنا چاہئے جیسے ہم رمبا ناچتے ناچتے کافی تھک گئے ہوں۔"

دشواریاں

"میں نے البرونو کی مدد حاصل کر کے غلطی نہیں کی تھی۔" ڈی گاریکا رمونا سے کہہ رہا تھا "لیکن میں آج بھی متحیر ہوں کہ وہ اپنی جان خطرے میں کیوں ڈال رہا ہے۔ محض اس لئے کہ

ان ونسنٹ نے اس کی توہین کی تھی۔ یہ بات کسی طرح حلق سے نہیں اترتی۔ آج کی دنیا میں ایسے لوگ نہیں ملتے جو صرف توہین کا بدلہ لینے کے لئے اتنی دردسری مول لیں۔"

"کچھ بھی ہو۔" رمونا نے کہا۔ "لیکن مجھے البرونو کی نیت میں کسی قسم کا فتور نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بات ضرور ہے کہ وہ حد درجہ پراسرار ہے۔"

حمید انور اور فریدی بادبانی کشتی کے دوسرے سرے پر بیٹھے بادبانوں کو ہوا کے رخ پر لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جمیکا سے وہ واٹلنگ آئے تھے اور اب واٹلنگ سے منزل مقصود کی طرف جا رہے تھے۔ ڈی گاریکا کو حیرت تھی کہ آخر البرونو انہیں پاسپورٹ کے بغیر کس طرح سفر کرا رہا ہے۔ اس نے فریدی سے اس کے متعلق پوچھا بھی تھا جس کا اس نے کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔

واٹلنگ سے وہ سیر و شکار کے بہانے روانہ ہوئے تھے۔ اس مقصد کے لئے فریدی نے ایک بڑی بادبانی کشتی چالیس پونڈ کے عوض خریدی تھی۔ جس پر ضرورت کا سارا سامان بار تھا۔ اس وقت ہوا موافق تھی اور کشتی بیرن آئی لینڈ کی طرف جا رہی تھی۔ ایک ایک کر کے ستارے ڈوب چلے اور افق میں اجالے کی ایک پتلی سی لکیر ابھر رہی تھی۔ ہوا میں نرم روی اور لطیف سی خنکی تھی۔ بادبان ٹھیک ہو جانے کے بعد فریدی چت لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی ادھ کھلی آنکھیں افق میں ابھرتی ہوئی روشن لکیر پر جمی رہی تھیں۔

"ہے ہے......!" وہ انور کی طرف کروٹ لے کر بولا۔ "بعض اوقات میں جوش کی پیغمبری کا قائل ہو جاتا ہوں کیا شعر کہہ دیا ہے ظالم نے ؎

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت کے لئے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

"اوہو......!" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "آپ کو بھی شعر و شاعری سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔"

پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر رمونا کی طرف دیکھا جو چلو میں پانی لے لے کر اچھال رہی تھی۔

فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"حمید کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو۔" اس نے آہستہ سے انور سے پوچھا۔

انور ہنسنے لگا۔

"رمونا......!" فریدی نے آواز دی۔

"کون......؟" رمونا چونک کر بولی۔ "البرونو کیا تم نے کچھ کہا۔"

"ہاں کیا چائے پلاؤ گی۔"

"تم نے کہا کب تھا۔ ابھی لو۔" رمونا اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی اس کے لہجے میں پیار تھا۔ حمید نے اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے شروع کر دیئے۔

"کیا وضو کر رہے ہو۔" فریدی نے اسے چھیڑا۔

"جی نہیں...... آپ کے لئے چلو بھر پانی تلاش کر رہا ہوں۔" حمید جل کر بولا۔

"تمہیں نہیں ملے گا کیونکہ تمہاری آنکھ کا پانی مر چکا ہے۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر انور کو مخاطب کر کے بولا۔ "مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رمونا مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

"حمید تو کہہ رہا تھا کہ وہ اس پر ہزار جان سے باقاعدہ عاشق ہو گئی ہے۔" انور نے کہا۔

"اچھا تو آپ کا بھی دماغ خراب ہوا۔" حمید پلٹ کر بولا۔

انور کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ رمونا انہیں کے قریب اسٹوپ اٹھا لائی۔

"ذرا دیکھنا تو۔" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ "اسٹوپ کام نہیں کر رہا ہے۔"

"ادھر لاؤ......!" فریدی بولا۔

"کیا پھر اس کے دماغ کی کوئی رگ بگڑ گئی؟" رمونا نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں میں نے اس سے شرط لگائی ہے۔"

"کیسی شرط۔"

"یہی کہ تم اسے چائے نہیں پیش کرو گی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "کہتا ہے کہ ناممکن ہے۔"

"اچھا تو واقعی میں اسے چائے نہ دوں گی۔"

"شکریہ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس طرح میں جیت جاؤں گا اور پھر اس سے پندرہ پونڈ وصول کر لینا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہوگا۔"

"پندرہ پونڈ......!" رمونا حیرت سے بولی۔ "اتنی لمبی شرط۔"

"روسی شہزادہ ہے نا...... بھلا اس کے لئے پندرہ پونڈ کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔ اس کا باپ روس سے کافی دولت لایا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اسے ایک قطرہ بھی نہ دوں گی۔" رمونا ہنس کر بولی۔

حمید انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن ان کی گفتگو نہ سن سکا۔ فریدی نے اسٹوپ جلا دیا اور اب رمونا چائے کے لئے پانی رکھ رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد حمید کو سچ مچ تاؤ آ گیا کیونکہ رمونا نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی تھی۔ حمید کے علاوہ اور سب چائے پی رہے تھے۔

ڈی گاریکا کو ان باتوں کا علم نہیں تھا۔ اس نے رمونا سے پوچھا کہ اس نے اسے چائے کیوں نہیں دی۔

"آج اگست کا پہلا اتوار ہے نا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "آج یہ کسی عورت کے ہاتھ سے کوئی چیز قبول نہ کرے گا۔"

حمید نے اسے گھور کر دیکھا لیکن انور بولتا رہا۔ "یہ اس کے خاندان کی پرانی رسم ہے۔ بہت پرانی۔"

ڈی گاریکا نے فریدی کی طرف دیکھا۔

"انور سچ کہتا ہے۔" فریدی چائے کی پیالی رکھ کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔

حمید کا غصہ کافور ہو گیا۔ وہ بُری طرح جھینپ رہا تھا۔ اس کا اوپری ہونٹ غیر ارادی طور پر کپکپانے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی سب کے سب اس کی حالت پر ہنس پڑیں گے۔ آخر وہ جی کڑا کر کے اٹھا خود ہی چائے بنائی اور پینے لگا۔

"لاؤ اب نکالو پندرہ پونڈ......!" رمونا اس کا شانہ تھپک کر بولی۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"ہٹاؤ جانے دو......!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "ورنہ رو دے گا۔ میں نے پندرہ پوائنٹ معاف کر دیئے۔"

"واہ شہزادے صاحب۔" رمونا حمید کے چہرے کے پاس انگلی نچا کر بولی۔ "ساری شرارت رخصت ہوگئی۔"

حمید نے جھلا کر چائے کی پیالی پٹخ دی اور کیبن میں گھس گیا! فریدی اور انور بے اختیار ہنس پڑے۔

"واقعی آپ نے کمال کر دیا۔" انور نے کہا۔ "یہ حضرت......!"

"کیا بات تھی۔" رمونا نے انور سے پوچھا۔ انور نے سارا واقعہ دہرا دیا اور رمونا بھی ہنس پڑی۔ کشتی کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ یہاں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے جزیروں کا جال سا پھیلا تھا۔ اس لئے تموج زیادہ نہیں تھا۔

سہ پہر کو انہیں بیرن آئی لینڈ کے آثار دکھائی دینے لگے۔ جزیرہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ دور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی سبز رنگ کی ڈبیا پر بھورے رنگ کا ڈھکن چڑھا ہوا ہو۔

"وہی ناقابل عبور چٹانیں ہیں۔" ڈی گاریکا نے کہا۔ "ان کے گرد گھنے جنگل ہیں اور ان کے درمیان میں ہماری بستیاں۔ یہ چٹانیں بظاہر خشک معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کے اوپر بھی جنگل ہیں گھنے اور خوفناک۔"

فریدی انور اور حمید نے اپنی دوربینیں نکال لی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ جزیرے سے قریب ہوتے گئے۔ سمندر جزیرے میں دور تک گھستا چلا گیا تھا۔ جب انہوں نے اپنی کشتی روکی تو وہ گھنے جنگلوں کے درمیان میں تھے۔

وہ صرف ضروری سامان اور میگزین کی وافر مقدار اپنے ساتھ لائے تھے۔ کشتی کے بادبان کھولے گئے اور تھری پلائی ووڈ کا فولڈنگ کیبن تہہ کر کے کشتی سمیت گھنی جھاڑیوں میں چھپا دیا گیا۔ انور ڈی گاریکا اور حمید نے سامان کے تھیلے لادے۔ کاندھوں پر رائفلیں لٹکائیں اور چل پڑے۔ رمونا کے ہاتھ میں کھانے کی چھابی تھی۔

"لاؤ یہ مجھے دے دو۔" حمید نے کہا۔ اس کا موڈ ٹھیک ہو گیا تھا۔

"نہیں......تم پر یونہی کئی گدھوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔" رمونا بولی۔

"خیر چلو ایک گدھی...... ارے اف۔" حمید نے اپنا منہ دبا لیا اور پھر ہکلانے لگا "میرا......مم......مطلب......!"

"نہیں نہیں کہہ لو...... گدھی بھی کہہ لو۔ مجھے بُرا نہیں معلوم ہوا۔" رمونا نے کہا۔

"غلطی ہوئی کیا بتاؤں۔ بات یہ ہے کہ جب مجھ پر محبت سوار ہوتی ہے تو میں بالکل الو ہو جاتا ہوں۔"

"کیا تم پر ہر وقت محبت سوار رہتی ہے؟" رمونا نے بھولے پن سے پوچھا۔

"ہاں......نہ......نہ......کیا مطلب......کیا میں ہر وقت الو معلوم ہوتا ہوں۔"

"قطعی......!" رمونا نے کہا اور مسکرانے لگی۔ حمید ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش

پھر تھوڑی دیر بعد رمونا بولی۔ "ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ جلدی کرو۔"

"تو تم کیا سچ مچ میرا دل توڑ دو گی۔" حمید ڈرامائی انداز میں بولا۔

"نہیں......ابال کر کھاؤں گی۔" رمونا نے کہا اور تیز قدم بڑھانے لگی۔

"خیر ایک دن تم میری لاش پر آنسو بہاؤ گی۔" حمید نے کسی ناکام عاشق کے پردرد لہجے کی اتاری۔

"اگر تمہاری لاش بھی الو نہ معلوم ہوئی تو۔"

رمونا آگے بڑھ گئی اور حمید بدستور رینگتا رہا۔ انور نے پلٹ کر دیکھا اور اس نے بھی اپنی سست کردی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں دوسروں سے کافی فاصلے پر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

"فریدی صاحب کی صحبت نے بھی تمہارے کردار پر کوئی اثر نہ ڈالا۔" انور نے کہا۔

"جی......!" حمید نے داہنے ابرو کو جنبش دی۔ "فریدی صاحب کی صحبت مجھے مکھی مار کاغذ تو نہیں بنا سکتی کہ زد پر آئی ہوئی ہر مکھی بس چپک کر ہی رہ جائے اور پھر میں مرد ہوں۔ ایک اثباتی منفی قوتوں کے پیچھے دوڑنا ہی میرا معراج ہے۔"

"اور منفی قوتیں پلٹ کر تمہارے منہ پر تھوکتی بھی نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"زیادہ بڑھ کر باتیں نہ کرو۔ تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ ایک لڑکی ہی کے لئے تم بھی جھک

مارتے پھر رہے ہو۔"

"لیکن اس میں بھی میں نے اپنا وقار قائم رکھا ہے۔" انور نے کہا۔

"وقار.....!" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔ "تم جیسے لوگوں کے وقار اور مرغیوں کے غرور میں مجھے کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔"

"خیر ہٹاؤ مجھے کیا۔" انور اکتا کر بولا۔ "مجھے یہ سب پسند نہیں۔"

"آخاہ.....تو کیا سچ مچ آپ اس کے بھائی بن گئے ہیں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔"

"اچھا جی! اے انور کے بچے۔ اگر تمہارے دماغ میں کیڑے کلبلائے تو اچھا نہ ہوگا۔"

دونوں الجھ پڑے تھے اور ان کی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ حمید سامان کا تھیلا زمین پر ڈال دیا تھا اور کاندھے سے رائفل اتارنے لگا۔ انور بدستور کھڑا تھا فریدی وغیرہ نے ان کی آوازیں سن لی تھیں۔ فریدی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"کیا حماقت ہے۔ حمید تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے۔" فریدی ان کے درمیان آتا ہوا بولا۔

"انور کو منع کیجئے۔"

"کیا بات ہے بھئی۔" فریدی انور کی طرف مڑ کر بولا۔

"کچھ نہیں.....!" انور نے مسکرا کر کہا۔ "شاید حمید کے بدن میں درد ہو رہا ہے۔"

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا رمونا نے اس کے قریب پہنچ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔

"چہ، چہ، ہٹاؤ بھی جانے دو۔ ورنہ کہیں مجھے سچ مچ تمہاری لاش پر آنسو بہانے پڑیں۔" رمونا سنجیدگی سے بولی اور انور ہنس پڑا۔

"تم دونوں ضرورت سے زیادہ احمق ہو۔" فریدی نے حمید اور انور کو مخاطب کر کے کہا۔ "لڑنے کا موقع ہے۔"

"بات کیا تھی؟" ڈی گاریکا نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" انور جلدی سے بولا۔ "کبھی کبھی حمید کے سر پر چھپکلی سوار ہو

"سن رہے ہیں آپ۔" حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر تیز لہجے میں کہا۔

"انور اب فضول باتیں بند کرو۔"

انور خاموشی سے آگے بڑھ گیا اور رمونا حمید کے کاندھے پر تھیلا لادنے لگی۔

"چلو میرے الو شہزادے آگے بڑھو۔" رمونا نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔

وہ پھر چل پڑے۔ سورج غروب ہوتے ہوتے چٹانوں کا سلسلہ صرف ایک میل کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔

"واقعی ناقابل عبور معلوم ہوتی ہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ایسی چٹانیں آج تک میری نظروں سے نہیں گزریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کسی عظیم الشان قلعے کی دیواریں ہوں۔"

"ان کی بلندی ایک ہزار فٹ سے کسی طرح کم نہیں۔" ڈی گاریکا بولا۔ "محض انہیں چٹانوں کی وجہ سے مہذب دنیا اس جزیرے کو غیر آباد سمجھتی ہے۔"

"سمجھنا ہی چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "خود مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان چٹانوں کے پرے زندگی کے آثار نہیں ہیں۔"

"رات یہیں کہیں گزاری جائے گی۔" ڈی گاریکا بولا۔

وہ رات انہوں نے ایک درخت کے نیچے بسر کی۔ ڈی گاریکا کے بیان کے مطابق چٹانوں کے ادھر درندے نہیں پائے جاتے تھے اس لئے انہوں نے دن بھر کی تھکن نہایت اطمینان سے دور کی۔ دوسرے دن صبح ناشتہ کرنے کے بعد وہ پھر چٹانوں کی طرف چل پڑے اس حصے میں بھی گھنے جنگل تھے۔ ڈی گاریکا نے عام راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ اس لئے انہیں کلہاڑی کی مدد سے اپنا راستہ بنانا پڑا۔ فریدی نے چوڑے پھل کی ایک چمکدار کلہاڑی سنبھال رکھی تھی اور راستے میں آئی ہوئی شاخوں اور جھاڑیوں کو ہٹاتا جا رہا تھا۔ دو تین گھنٹوں کی محنت کے بعد وہ چٹانوں کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں چٹانوں کے نیچے حد نظر تک بانسوں کا عظیم الشان جنگل پھیلا ہوا تھا۔

فریدی، انور اور حمید ایک ہزار فٹ اونچی چٹانوں کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ایسا

معلوم ہوتا تھا جیسے انسانی ہاتھوں نے ان کی سطح ہموار کی ہو۔ وہ نیچے سے اوپر تک مسطح اور سیدھی کھڑی ہوئی تھیں۔ ڈی گاریکا نے ایک طرف اشارہ کیا اور وہ سب بانسوں کے جنگل میں گھسنے لگے۔

اب وہ چٹانوں کے نیچے مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تقریباً دو گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد ڈی گاریکا نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ یہاں جنگل کافی گھنا تھا اور چٹان کے ایک حصے پر جنگلی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ڈی گاریکا نے کلہاڑی فریدی کے ہاتھ سے لے لی اور بیلیں ہٹانے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ کلہاڑی سمیت اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ کلہاڑی کے دستے سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

"کیا ہوا......؟" فریدی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"راستہ بند کردیا گیا۔" ڈی گاریکا نے مایوسانہ انداز میں کہا اور اس کے ہاتھ سے کلہاڑی چھوٹ پڑی۔ اس کی نظریں اس حصے پر جمی ہوئی تھیں جہاں سے اس نے بیلوں کا جھنکاڑ ہٹایا تھا۔ یہ ایک گڑھا سا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔

"غار کا دہانہ......!" ڈی گاریکا آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ڈان ونسنٹ یہاں پہنچ گیا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" فریدی اکتا کر بولا۔

"یہاں ایک دو فرلانگ لمبی قدرتی سرنگ تھی جس کے دہانے سے کچھ دور ہٹ کر ایک ندی ہے۔ انہوں نے شاید ندی سے سرنگ کو ملا دیا ہے۔"

ڈی گاریکا خاموش ہوگیا۔ وہ لوگ اس طرح خاموش تھے جیسے کسی لاش کے سرہانے کھڑے ہوں۔ دفعتاً کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور گولی حمید کی پیٹھ پر لدے ہوئے تھیلے کو چھیدتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔

"پیچھے ہٹو......!" فریدی بے اختیار چیخا اور اچھل کر چٹان سے آلگا۔ بقیہ لوگ بھی اس کے پیچھے بھاگے۔ پھر دوسرا فائر ہوا۔ رمونا کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ غار کے وسیع دہانے میں جا پڑی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پانی کی سطح پر لہراتے ہوئے سنہرے بال بھی غائب ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی فریدی نے بھی گڑھے میں چھلانگ لگادی۔ بقیہ لوگ اس بری طرح سے گھبرا گئے

کہ انہوں نے مخالف سمت دوڑنا شروع کردیا۔ فائروں کی آوازیں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد سنائی دے رہی تھیں۔

فریدی کا سر پانی کی سطح پر ابھرا اور ساتھ ہی رمونا کے سنہرے بال بھی دکھائی دیئے جنہیں اس نے اپنی مٹھی میں جکڑ رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد رمونا زمین پر چت پڑی ہوئی تھی اور فریدی قریب ہی بیٹھا اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ فائر ابھی تک ہو رہے تھے۔ فریدی نے سمت کا اندازہ لگالیا تھا اوپر سے کوئی گولیاں چلا رہا تھا۔ لیکن فریدی ایسی جگہ پر تھا جو گولیوں کی زد سے باہر تھی۔ فریدی نے رمونا کی طرف دیکھا۔ اس کی سانسیں آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ ہوش میں آگئی۔ اسی دوران میں سمت مخالف سے بھی فائر ہونے شروع ہوگئے تھے۔

"ڈرو نہیں......تمہارے گولی نہیں لگی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "تم گھبراہٹ میں گڑھے میں گر گئی تھیں۔"

"وہ لوگ کہاں ہیں۔" رمونا نے پوچھا۔

"پتہ نہیں...... میں نے تو تمہارے بعد ہی گڑھے میں چھلانگ لگادی اور جب باہر آیا تو وہ لوگ یہاں نہیں تھے۔"

"تو وہ لوگ بھاگ گئے۔" رمونا نے آہستہ سے کہا۔ "اگر تم نہ ہوتے تو میں اسی گڑھے میں ڈوب جاتی۔"

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ ایک گولی ان کے قریب ہی آ کر لگی اور فریدی نے رمونا کو ایک طرف کھینچ لیا۔

"بس اس چٹان سے چپکی رہو۔" وہ آہستہ سے بولا اور قریب پڑی ہوئی رائفل اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔ چٹان کے ایک کٹاؤ کے درمیان ایک سیاہ سا دھبہ نظر آرہا تھا۔ ایک متحرک دھبہ۔ دوسرے لمحے میں فریدی کی رائفل سے شعلہ نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے دھبہ نیچے کی طرف کھسکنے لگا۔ پھر قریب ہی سے کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ رمونا چیخ کر اچھل پڑی۔ ان

سے کچھ فاصلے پر خون میں ڈوبے ہوئے گوشت کے لوتھڑوں کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ رمونا دہری چیخ کے ساتھ فریدی سے لپٹ گئی۔

فریدی نے اسے الگ ہٹا کر پھر اوپر کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"البرونو......!" رمونا پھر چیخی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا۔

"تم نے بحرین میں کیا کہا تھا......؟" فریدی بدستور اوپر کی طرف دیکھتا رہا۔ پرسکون لہجے میں بولا۔ "کیا تم اپنے بھائی کے قاتلوں کے خون سے اپنے بال نہیں رنگو گی۔"

رمونا نے فریدی کے چہرے کی طرف دیکھا جو ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ رمونا سہم گئی۔

"کیوں......؟" فریدی نے اس کی طرف دیکھا۔ "فائر ہونے بند ہو گئے تھے۔ مخالف سمت میں بھی خاموشی تھی۔ رمونا اوپر سے گرنے والی لاش کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ فریدی نے احتیاطاً پھر ایک فائر کیا۔ تھوڑی دیر تک جوابی فائر کا انتظار کرتا رہا لیکن دوسری طرف مکمل خاموشی رہی۔ فریدی نے دو تین فائر اور کئے مگر جواب ندارد۔

"شاید ایک ہی تھا۔" وہ رمونا کی طرف مڑ کر بولا اور لاش کی طرف بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو!" رمونا گھبرا کر بولی۔ "کہاں جا رہے ہو۔"

"تجربات میں اضافہ کرنے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں یہ دیکھوں گا کہ ایک ہزار فٹ کی بلندی سے گرنے والے کی لاش کیسی ہو جاتی ہے۔"

رمونا نے فریدی کی طرف مڑ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

فریدی نے مسکرا کر سر کو خفیف سی جنبش دی اور لاش پر جھک پڑا۔ وہ کافی دیر تک اسے الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر رمونا کی طرف لوٹ آیا۔

"آؤ چلیں......!" وہ اسی طرف بھاگے ہوں گے۔" فریدی نے مخالف سمت میں اشارہ کر کے کہا۔

"مجھ میں اٹھنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی ہے۔" رمونا نحیف آواز میں بولی۔ "فریدی نے تھیلا اٹھا کر پیٹھ پر لادا۔ رائفل کاندھے پر لٹکائی اور زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "لو آؤ تم بھی لد......

بھی جلدی کرو...... یہ وقت تکلفات کا نہیں۔ معلوم نہیں ان پر کیا گزری ہو۔ مجھے حیرت ہے میرا ساتھی بھی واپس نہ آیا۔"

اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ مخالف سمت جا رہا تھا۔ تھیلے کے ساتھ ساتھ رمونا بھی اس کی پیٹھ لدی ہوئی تھی۔ دو تین فرلانگ چلنے کے بعد انہوں نے عجیب مضحکہ خیز منظر دیکھا۔ انور حمید اور ڈی گاریکا بانسوں کے جھنڈ میں پھیلی ہوئی بیلوں کے جال میں بری طرح پھنسے ہوئے رہائی کے لئے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔ ڈی گاریکا نے رمونا کو دیکھ کر چیخ ماری۔ اور اگر اسے سہارا نہ دیتا تو گر پڑا ہوتا۔ پھر بھی تھوڑی دیر کے لئے وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ شاید وہ رمونا کی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ فریدی رمونا کو اتار کر آگے بڑھا۔

"یہ کیا ہوا......؟"

"ہم ان خوفناک بیلوں سے بے خبر فائر کرتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے تھے کہ اچانک انہوں نے ہمیں جکڑ لیا۔" انور نے کہا۔ "چاقو اور کلہاڑی آپ کے تھیلے میں رہ گئے تھے۔"

فریدی نے چاقو کی مدد سے انہیں بیلوں کے جال سے آزاد کیا۔ حمید کی نظریں رمونا پر جمی ہوئی تھیں جو فریدی کی پیٹھ پر لد کر یہاں تک پہنچی تھی۔ پھر ڈی گاریکا نے آنسوؤں اور آہوں کے درمیان رمونا کے بچ جانے کی داستان سنی۔

"لیکن ایک خوشخبری بھی سنئے۔" انور نے کہا۔ "اگر ہم اس جال میں نہ پھنستے تو یہ ہماری انتہائی بدنصیبی ہوتی۔"

"یعنی......!"

"ان بیلوں کے درمیان میں ایک غار موجود ہے اور ڈی گاریکا کا خیال ہے کہ اس کا دہانہ دوسری طرف ہوگا۔"

"صرف خیال ہے یا یقین بھی۔" فریدی نے ڈی گاریکا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"صرف خیال۔" ڈی گاریکا بولا۔

"ہاں...... آس کدھر......؟" فریدی بیلوں کے جھکڑوں کی طرف مڑ کر بولا۔

ڈی گاریکا آگے بڑھ کر کلہاڑی کی مدد سے بیلیں ہٹانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد غار کا دہانہ

دکھائی دیا۔

"تم دونوں رمونا کے ساتھ ٹھہرو۔" فریدی نے انور اور حمید سے کہا اور تھیلے سے ایک پستول اور ٹارچ نکال کر ڈی گاریکا کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا غار میں اتر گیا۔

کئی حادثے

چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کر لی۔ آگے چل کر غار نے سرنگ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ کائی اور سیلن کی بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا ہر قدم جہنم کی طرف اٹھ رہا ہو اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ گرمی کے باوجود اس کے جسم سے پسینے کی ایک بوند بھی نہ پھوٹی۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ دفعتاً انہیں عجیب قسم کی پھنپھناہٹ سنائی۔ دونوں رک گئے۔ آواز کی طرف فریدی نے روشنی ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے پستول سے شعلہ نکلا اور ایک بہت بڑا سانپ اچھل کر ان کی راہ میں حائل ہو گیا۔ اس نے دو تین بار زمین پر سر پٹخا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔

"بڑا سچا نشانہ ہے۔" ڈی گاریکا مضطربانہ انداز میں بولا۔

فریدی نے ادھر اُدھر روشنی ڈالنی شروع کر دی۔ ایک جگہ بہت سارے بڑے بڑے انڈے دکھائی دیئے۔

"بڑی حیرت ہوئی۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ورنہ انڈوں پر بیٹھی ہوئی مادہ بڑا خطرناک ہوتی ہے۔"

"مگر اس قسم کا سانپ یہاں خط سرطان پر کیسے؟"

"کیوں......؟"

"یہ جارا کا سانپ تھا جو صرف جنوبی امریکہ کے استوائی خطوں میں پایا جاتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "احتیاط سے چلو...... ممکن ہے کہ اس کا ساتھی بھی مل جائے۔ یہ اپنی قسم کا

انتہائی شریر سانپ ہوتا ہے۔"

"سانپوں کے متعلق تم کیا جانو۔" ڈی گاریکا کے لہجے میں تحیر تھا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر بڑھتا رہا۔ آگے چل کر انہیں روشنی دکھائی دی پھر کچھ سرسبز جھاڑیاں نظر آئیں۔ ڈی گاریکا نے سینے پر اپنے ہاتھ سے صلیب کا نشان بنا کر ایک لمبی دعا پڑھی پھر فریدی سے بولا۔ "بے شک یہ راستہ ایک بالکل ہی نئی دریافت ہے۔"

وہ دونوں واپس لوٹے۔ فریدی نے انور وغیرہ کو بتایا کہ وہ ایک نیا راستہ دریافت کرنے میں سچ مچ کامیاب ہو گئے ہیں۔ پھر یہ بحث چھڑ گئی کہ ان کی روانگی رات پر ملتوی کر دی جائے یا اسی وقت چٹانیں پار کی جائیں۔

"میرا خیال ہے کہ ہم دن ہی دن نکل چلیں کیونکہ ادھر کا جنگل خطرات سے بھرا پڑا ہے۔" ڈی گاریکا بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے دشمنوں میں سے یہاں شاید صرف ایک ہی تھا جسے میں نے ختم کر دیا۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" حمید بولا۔

"قیاس ہے۔ اگر وہ اکیلا نہیں تھا تو اس کی موت پر اس کے ساتھیوں کو کافی اودھم مچانا چاہئے تھا۔ اپنی دانست میں وہ ہمارا راستہ تو بند ہی کر چکے تھے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ چل پڑے۔ رمونا کی نقاہت ابھی دور نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس بار اسے اس کے باپ نے اپنی پیٹھ پر لاد رکھا تھا۔

"کاش......!" حمید آہستہ سے بولا۔

"چپ چپ۔" انور نے اسے چھیڑا۔ "تم یوں ہی دھان پان ہو پیارے۔ بھلا یہ نومن کی لاش تم سے کب سنبھلتی۔ اچھا ہی ہوا ورنہ فریدی صاحب کا معاملہ تو آن سعادت بزور بازو بود۔"

"اچھا اب منہ میں لگام دیجئے۔ ورنہ مجبوراً مجھے نواب چابک نواز جنگ بہادر بننا پڑے گا۔"

غار کے دوسرے دہانے سے نکلنے کے بعد انہوں نے خود کو ڈھلوان چٹانوں کی ایک چھوٹی سی وادی میں پایا۔ ڈی گاریکا تھوڑی دیر تک کھڑا سمتوں کا اندازہ لگاتا رہا پھر ایک طرف انگلی اٹھا

کر بولا۔ ''ہمیں ادھر سے چڑھنا ہوگا۔''

چٹانوں کی بناوٹ بتا رہی تھی کہ یہاں کبھی آتش فشاں پھوٹتے رہے ہوں گے۔ گو جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے وہ ڈی گاریکا کے بتائے ہوئے راستے پر چڑھنے لگے۔ ڈی گار بُری طرح تھک گیا تھا اور اب اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رمونا سمیت چڑھائی پر نہ چل سکے گا۔ مجبوراً فریدی کو اپنی خدمات پیش کرنی پڑیں۔

''البرونو مجھے سخت شرمندگی ہے۔'' رمونا نے آہستہ سے کہا۔

''پرواہ مت کرو۔'' فریدی بولا۔

راستے میں انور ڈی گاریکا اور حمید ستانے کیلئے کئی جگہ رکے۔ مگر فریدی بدستور چلتا رہا۔

''البرونو تم گوشت پوست کے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔'' رمونا نے کہا۔

''وہ بھی یہی کہتے ہیں جنہیں میں گلا گھونٹ کر مار ڈالتا ہوں۔''

''البرونو تمہیں کشت و خون کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی دلچسپی ہے۔'' رمونا نے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں...... مجھے سرسبز مرغزاروں سے پیار ہے۔ میں نیلے آسمان کی بے کر وسعتوں کو پیار کرتا ہوں۔ مجھے بیلے کی ننھی ننھی کلیوں سے محبت ہے۔ مجھے اس وقت افق بڑا ح لگتا ہے، جب غروب کے بعد رنگین لہریئے آہستہ آہستہ تاریکیوں میں گھلنے لگتے ہیں۔ مجھے ہری گھاس کی سوندھی خوشبو سے عشق ہے۔ مجھے چاندنی راتوں کا عظیم سناٹا بے حد پسند ہے۔''

''کچھ اور بھی......!''

''بہت کچھ......!''

''کیا......؟''

''اب اس وقت تو یاد نہیں آ رہا ہے پھر کبھی اطمینان سے پوچھنا۔'' فریدی اکتا کر بولا۔

''تم جو کچھ پوچھنا چاہتی ہو یہ کبھی نہ بتائے گا۔'' پیچھے سے حمید کی آواز آئی۔ ''میں تم بتاؤں...... اسے عورتوں سے نفرت ہے۔''

''شٹ اپ......!'' فریدی مڑ کر بولا۔

''رمونا میں تم سے حقیقت بیان کر رہا ہوں۔''

''کیوں البرونو......!'' رمونا نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔

''ٹھیک کہتا ہے۔ مجھے عورتوں اور ان سے عشق کے ڈھکوسلوں سے دلچسپی نہیں۔'' فریدی بولا۔

''لیکن نفرت نہیں کرتے۔'' رمونا نے پوچھا۔

''بھلا نفرت کیسے کر سکتا ہوں جبکہ میری ماں بھی عورت ہی تھی۔''

رمونا کچھ سوچنے لگی۔ حمید نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا تھا۔

''البرونو تم تھک گئے ہو گے۔'' رمونا تھوڑی دیر بعد بولی۔

''فکر مت کرو۔'' حمید چہک کر بولا۔ ''البرونو کا دماغ پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ یہ تو تم دیکھ ہی چکی ہو کہ کسی کی جان لے لینا، اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہے اور کسی کو قتل کرنے کے بعد اسے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب تھک جائے گا تو تمہیں بھی کسی گہری کھائی میں پھینک کر اس طرح مطمئن نظر آئے گا جیسے اس نے اپنے کان پر رینگتی ہوئی چیونٹی جھاڑ دی ہو۔

فریدی بے اختیار ہنس پڑا اور رمونا سچ مچ کچھ خائف سی نظر آنے لگی، اچانک اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ فریدی اس تبدیلی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے حمید کی اس حرکت پر غصہ آ گیا۔

''ٹھہرو......!'' وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ حمید رک کر اسکے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

''اب تم لے چلو گے رمونا کو۔'' فریدی نے کہا۔ اس کی سنجیدگی دیکھ کر حمید سہم گیا۔

''میں...... میں۔''

''چلو اٹھاؤ......!'' فریدی سخت لہجے میں بولا۔ اس نے رمونا کو نیچے اتار دیا تھا۔

''دیکھئے مذاق کی بات نہیں۔'' حمید گھبرا کر اردو میں بولا۔

''میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

''اوپر پہنچنے سے پہلے ہی مر جاؤں گا۔''

''چلو......!'' فریدی مکا تان کر بولا۔

''انا للہ و انا الیہ راجعون۔'' حمید رمونا کے آگے جھکتا ہوا بولا۔ فریدی نے رمونا کو اشارہ کیا اور وہ چپ چاپ اس کی پیٹھ پر چڑھ گئی۔ حمید سیدھا ہوتے وقت بُری طرح ڈگمگایا۔

"اب یہ تم سے باقاعدہ محبت شروع کردے گی۔" فریدی زہرخند کے ساتھ بولا۔

"چلو چلو آگے بڑھو۔ اگر تم ذرا بھی رکے تو بڑی شاندار ٹھوکر رسید کروں گا۔"

ہر ہر قدم پر حمید کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ رمونا خاصی تندرست اور دراز قد لڑکی تھی۔ رمونا بھی محسوس کررہی تھی کہ حمید زیادہ دور تک نہیں چل سکتا۔ لیکن وہ خاموش تھی نہ جانے کیوں۔ اس وقت وہ فریدی سے گفتگو کرنے میں خوف محسوس کرنے لگی تھی۔

"میں رمونا سمیت کسی گہری کھائی میں چھلانگ لگادوں گا۔" حمید فریدی کی طرف مڑ کر ہانپتا ہوا بولا۔

"اچھا خدا حافظ...... قیامت کے دن ملاقات ہوگی۔" فریدی سلام کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ڈی گاریکا اور انور کافی دور تھے۔ ڈی گاریکا کی وجہ سے انور بھی آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

فریدی تھوڑی دور چلنے کے بعد مڑا۔ حمید رمونا کو اتار کر ڈی گاریکا وغیرہ کیطرف لوٹ رہا تھا اور رمونا گرتی پڑتی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ فریدی تیزی سے اسکی طرف لوٹ پڑا۔

"تو اس نے تمہیں اتار دیا۔" فریدی نے کہا۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔" رمونا نے آہستہ سے کہا۔

"آؤ!" فریدی زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں...... نہیں......!" رمونا بے اختیار رو پڑی۔

"بیوقوف لڑکی، پگلی کہیں کی۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں نے اس کی قینچی کی طرح چلنے والی زبان بند کرنے کی کوشش کی تھی۔"

رمونا بدستور روتی رہی اور فریدی نے اسے پیٹھ پر اٹھالیا۔

"میرے ساتھی پر بُری طرح عشق کا بھوت سوار رہتا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اسے اس وقت میں نے اتار دیا۔"

رمونا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کسی خوفزدہ اور بے بس بچے کیطرح سسکیاں لے رہی تھی۔

"البرونو بُرا آدمی ضرور ہے مگر صرف دشمنوں کے لئے۔" فریدی نے اسے پھر دلاسا دیا۔

چٹانوں کی آخری سطح پر پہنچ کر فریدی نے رمونا کو ایک درخت کے تنے کے سہارے بٹھا دیا اور خود ایک سگار سلگا کر ڈی گاریکا وغیرہ کا انتظار کرنے لگا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ یہاں چٹانوں کی سطح بالکل ہموار ہوگئی تھی۔ حد نظر تک گھنے جنگل پھیلے ہوگئے تھے۔ ایسی چٹانوں پر گھنے جنگل کی موجودگی معجزے سے کم نہ تھی۔ یہاں اسے سنبل کے بے شمار درخت دکھائی دیئے جو بڑے بڑے سرخ پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔

"تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔" فریدی نے رمونا سے کہا۔

"نہیں تو......!" رمونا آہستہ سے بولی۔

"آخر تم مجھ سے خوفزدہ کیوں ہو۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"نہیں خوفزدہ تو نہیں۔" رمونا پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "مجھے اس کا افسوس ہے کہ تم دونوں میں جھگڑا ہوگیا۔"

"جھگڑا......!" فریدی متحیر ہوکر بولا۔ "اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایک درخت کی جڑ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اسے چھوٹے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ وہ دن بھر میں سینکڑوں بار مجھ سے روٹھتا اور منتا ہے۔"

فریدی کچھ اور کہنے جارہا تھا کہ ڈی گاریکا وغیرہ بھی پہنچ گئے۔ حمید کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے فریدی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

"مجھ میں تو اب چلنے کی سکت نہیں رہ گئی ہے۔" ڈی گاریکا بیٹھتا ہوا بولا۔

"فکر مت کرو۔ میرا ساتھی تمہیں لے چلے گا۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لعنت ہے ایسی زندگی پر۔" حمید نے جھلا کر کہا اور تیزی سے ایک طرف بڑھنے لگا۔ فریدی نے جھپٹ کر اُسے پکڑ لیا اور دبوچ کر اس کا سر سہلاتا ہوا آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

"چہ چہ...... میرے راج دلارے۔ برخوردار سلمہٗ، یہ تمہاری محبوبہ دلنواز کے والد صاحب قبلہ ہیں۔"

"کیا بات ہے۔" ڈی گاریکا ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میں عورت نہیں ہوں کہ تمہاری پیٹھ پر لد کر چلوں گا۔"

"ہم دونوں آپس میں مذاق کر رہے ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور حمید کو کھینچتا ہوا رمونا کے پاس لایا۔ پھر اس نے حمید کو اس طرح تنگ کرنا شروع کیا کہ وہ بے اختیار چیخنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رمونا مچھلیوں اور گوشت کے ڈبے کھول رہی تھی۔ مختصر سا دسترخوان بچھ گیا۔

"یہ رات یہیں گزاری جائے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔ "یہاں درندے نہیں معلوم ہوتے۔"

"اور اگر انہوں نے رومولی کو مار ڈالا تو......" انور نے کہا۔ "یہ تو ظاہر ہے کہ ڈان ونسنٹ یہاں پہنچ گیا ہے ورنہ وہ راستہ نہ بند کرتے۔"

"یہاں رات کو سفر کرنا انتہائی خطرناک ہے اور جب ہم نہ ہوں گے تو رومولی کا کیا بنے گا۔ ویسے تو ممکن ہے کہ ہم اسے کسی نہ کسی طرح بچا ہی لیں۔"

وہ رات انہوں نے وہیں بسر کی اور باری باری سے سب لوگ جاگتے رہے۔

دوسری صبح کو سفر پھر شروع ہوگیا۔ وہ کئی گھنٹے تک گھنے جنگلوں سے گزرتے رہے دفعتاً ڈی گاریکا چلتے چلتے رک گیا۔

"میرا اندازہ غلط نکلا" اس نے پرندامت انداز میں کہا۔ "میں سمجھتا تھا کہ اس سمت میں چلنے پر ہم جلدی رسیوں کے پل تک پہنچ جائیں گے۔"

"رسیوں کا پل......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ہاں چٹانوں کے درمیان ایک گہری کھائی پر بنایا گیا تھا۔ دونوں چٹانوں کا فاصلہ بمشکل پچیس فٹ سے زیادہ نہیں۔ اس کے آگے پھر کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ یہ پچیس فٹ چوڑی دراڑ میلوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ فی الحال اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم کسی بہت اونچے درخت پر چڑھ کر گرد و پیش نظر دوڑائیں ورنہ کب تک اس طرح بھٹکتے پھریں گے۔"

حمید نے برا سا منہ بنایا۔

ڈی گاریکا ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "بس یہ ٹھیک رہے گا۔ ہمیں صرف اس دراڑ کا پتہ لگانا ہے۔ اس کے بعد پل میں تلاش کر لوں گا۔"

"لیکن درخت پر چڑھے گا کون۔" انور نے کہا۔ "کم از کم مجھ میں تو اتنے اونچے درخت پر چڑھنے کی ہمت نہیں۔"

"تم میں کسی بات کی ہمت نہیں۔" حمید نے اپنا تھیلا زمین پر گراتے ہوئے کہا۔ رائفل اتار کر تھیلے سے لٹکا دی اور اب اپنے جوتے اتار رہا تھا۔ فریدی پرتشویش انداز میں حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم چڑھ جاؤ گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں! کیا آپ مجھے بھی انور سمجھتے ہیں۔" حمید نے اس انداز میں کہا کہ رمونا ہنس پڑی۔

دوسرے لمحے میں وہ بندر کی پھرتی کے ساتھ درخت کے سپاٹ تنے پر چڑھ رہا تھا اور رمونا ہنسے جا رہی تھی۔ حمید رمونا کی کھنکتی ہوئی ہنسی سے لطف اندوز ہوتا ہوا ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پیر رکھتا اوپر کی طرف جا رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں کچھ دور پر مغرب کی طرف ایک چوڑی سی سیاہ لکیر دکھائی دی جس کا سلسلہ بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ حمید تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر دیکھ کر راستے کا تعین کرتا رہا۔ پھر نیچے اترنے لگا۔ دفعتاً اسے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کوئی اس کے پیچھے موجود ہو۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا دو سرخ سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گھور رہی تھیں۔ ان آنکھوں کے نیچے ایک چپٹی سی ناک تھی۔ نچلا جبڑا آگے کی طرف نکلا ہوا تھا۔ ٹھوڑی کے گرد سفید بالوں کے بڑے بڑے گچھے تھے۔ حمید ایک شاخ سے پھسل کر دوسری پر آرہا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اوپر کی شاخ دوبارہ اس کی گرفت میں آگئی ورنہ ہڈیاں سرمہ ہو جاتیں۔ وہ اب تک حمید کی طرف گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا منہ کھولا۔ ساتھ ہی حمید کا بھی منہ کھل گیا اور بے اختیار چیخیں نکلنے لگیں۔

"ڈرو نہیں۔" نیچے سے فریدی کی آواز آئی۔ "میں نے اسے دیکھ لیا وہ ایک بے ضرر قسم کا بندر ہے۔"

حمید کی چیخیں سن کر وہ اچھلا اور دوسری شاخ پر چلا گیا۔ حمید نے اب دیکھا کہ اس کے سارے جسم پر بھی ننھے ننھے بال تھے۔ حمید تیزی سے نیچے اترنے لگا اور تقریباً دس فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگا دی۔

"بیوقوف آدمی وہ بندر تھا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اینتھرہ پواند کہلاتا ہے۔ دیکھو جغرافیہ

یاد رکھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے ورنہ تم سچ مچ شہید ہو گئے ہوتے، مگر مجھے اب جغرافیہ کی صحت پر بھی شبہ ہونے لگا ہے۔ کیونکہ جغرافیہ کی رو سے اس قسم کے بندر خط سرطان پر نہیں پائے جاتے۔"

"تم چیخنے کیوں لگے تھے۔" رمونا ہنس کر بولی۔

"چیخ کب رہا تھا۔" حمید بسورنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔ "میں تو رونے لگا تھا۔"

"کیوں......؟" رمونا نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

اس باریش اور برگزیدہ بندر کو دیکھ کر بے اختیار دادا جان مرحوم یاد آ گئے تھے۔

"خیر......خیر......!" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "غیر دلچسپ باتیں مت کرو۔ کام کی بات کرو۔"

"کام کی بات یہ ہے کہ وہ بندر ہمارے نام اور پتے لکھ کر لے گیا ہے۔ اب باقاعدہ خط و کتابت کرتا رہے گا۔ اس سے طرفین کی خیر و عافیت وغیرہ معلوم ہو جایا کرے گی۔"

"بکومت......!" فریدی چیخ کر بولا اور رمونا پھر ہنسنے لگی۔ فریدی درخت کی طرف بڑھا وہ خود ہی چڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ حمید نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔

"اتنے اونچے درخت سے خودکشی بے کار رہے گی کیونکہ سراغ رساں لاش نہ پہچان پائیں گے کیا فائدہ۔" اس نے کہا۔

فریدی نے پلٹ کر اس کی گردن پکڑ لی۔

"بب بتاتا ہوں۔" حمید تلملا کر چیخا۔ فریدی نے گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ منہ بنا کر بولا۔ "مغرب کی طرف وہ دراڑ موجود ہے۔ شاید دو میل کا فاصلہ ہوگا۔ تو گردن چھوڑیئے نا۔ آپ مذاق پر آمادہ ہوں تب بھی میری ہی شامت، اور میں مذاق کروں تو شامت در شامت۔"

فریدی اس کی گردن چھوڑ کر ڈی گاریکا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پھر وہ لوگ مغرب کی طرف چل پڑے۔ کچھ دور چلنے کے بعد ڈی گاریکا کو کچھ سننے لگا۔ فریدی بھی چونک پڑا۔ وہ معنی خیز نظروں سے ڈی گاریکا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جنگلی قبائل کا جنگی نقارہ۔" ڈی گاریکا زیر لب بڑبڑایا۔ "یا تو وہ کسی سے جنگ کر رہے ہیں یا پھر ان کے کسی بڑے تہوار کا موقع ہے۔"

ہوا کے تیز جھونکے کے ساتھ پھر نقارے کی آوازیں لہراتی ہوئی آئیں اور جنگل کی وسعتوں

یں ڈوبتی چلی گئیں۔

ہمیں کافی محتاط رہنا پڑے گا۔ ڈی گاریکا فریدی وغیرہ کی طرف مڑ کر بولا اور چلنے لگا۔

اروں کی آوازیں کہیں دور سے آتی معلوم ہو رہی تھیں۔ کبھی ہلکی اور کبھی تیز۔

ایک گھنٹے بعد وہ دراڑ کے قریب پہنچ گئے۔ فریدی نے کنارے جا کر نیچے کی طرف جھانکا۔ نچ یا چھ سو فٹ سے کم گہرائی نہ رہی ہوگی۔ اور پچیس تیس فٹ کی دوری پر دوسری چٹانوں کا سلہ شروع ہو گیا تھا۔ ڈی گاریکا شمال کی طرف چلنے لگا۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے تھے اروں کی آوازیں قریب ہوتی معلوم ہو رہی تھیں۔

"ناممکن...... بالکل ناممکن...... اب کیا ہوگا۔" ڈی گاریکا لڑکھڑاتا ہوا بولا۔ اگر وہ ایک ت کے تنے کا سہارا نہ لے لیتا تو اس کا گر جانا یقینی تھا۔

"کیا ہوا۔" فریدی چیخا۔ ڈی گاریکا سنبھل چکا تھا۔ اس کے ہونٹ ہلے...... مگر آواز نہ لی۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے جھنجھوڑا اور وہ اس طرح چونک پڑا جیسے سوتے سوتے جاگا

"پل کاٹ دیا گیا۔" وہ ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے بولا جس کے تنے سے موٹی رسیاں لپٹی ہوئی تھیں۔

"اب کیا ہوگا۔ اب کیا ہوگا۔" وہ اس طرح بڑبڑایا جیسے اس پر ہسٹریا کا دورہ پڑ گیا ہو۔

غیر متوقع انجام

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ نے ہمیں یہاں داخل ہوتے دیکھ لیا ہے۔" انے کہا۔ "ورنہ پل کے کاٹنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی دانست میں تا بند کر دیا تھا، لیکن انہوں نے رات ہی کو ہم پر حملہ کیوں نہیں کر دیا۔"

"ممکن ہے انہوں نے آج ہی ہمیں دیکھا ہو۔" انور نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم کوشش کریں تو جلدی انہیں جالیں گے۔"

"مگر اب کیا ہوسکتا ہے۔" ڈی گاریکا مایوسانہ لہجے میں بولا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"البرونو مایوس ہونا نہیں جانتا۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور وہ اس اونچے درخت کو نیچے سے اوپر تک دیکھ رہا تھا جس کے سہارے رسیوں کا پل بنایا گیا تھا۔

"وہ دیکھو......!" حمید چیخا۔ سب کی نظریں اس کے ہاتھ کی طرف اٹھ گئیں جو دراڑ کے پا اشارہ کررہا تھا۔ بہت دور ایک ابھری ہوئی چٹان پر کئی آدمی چلتے دکھائی دے رہے تھے۔

"وہی ہوں گے۔" فریدی نے کہا اور تھیلا کھول کر کلہاڑی نکالنے لگا۔ بقیہ لوگ ا حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے درخت کے تنے پر کلہاڑی سے ضربیں لگانی شروع کردیں۔

"کیا تمہارا دماغ بھی جواب دے گیا۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"کیوں؟ میں اس دراڑ پر ایک دوسرا پل بنانے جارہا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ڈی گاریکا کچھ سوچنے لگا۔ پھر دفعتاً اچھل کر بولا۔ "البرونو تم معمولی آدمی نہیں ہو۔ تم کے فوق البشر ہو۔"

پھر وہ سب باری باری سے درخت پر کلہاڑی چلاتے رہے اور شام ہوتے ہوتے انہو نے اسے گرا ہی لیا۔ درخت دوسری طرف کی چٹانوں سے جالگا تھا۔

مگر اس کے چکنے تنے پر چلنا آسان کام نہیں۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"سچ مچ تمہارا دماغ سوچنے کے قابل نہیں رہ گیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ اس نے ا رائفل کاندھے پر لٹکائی اور سامان کا تھیلا پیٹھ پر باندھا اور درخت کے تنے پر بیٹھ کر دونوں طر پیر ادھر اُدھر لٹکالئے اور پھر اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار ہنسی آگئی۔ وہ تنے پر دونوں ہاتھ ٹیک کر پھدکتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس نے ان کی طرف دیکھا قہقہہ لگاتے ہوئے ہاتھ ہلانے لگا۔ پھر باری باری سے سب نے اس کی تقلید کی۔ تھوڑی دیر وہ سب دوسرے کنارے پر بیٹھے ہوئے چائے کا انتظار کررہے تھے۔ رمونا نے اسٹوپ پر چڑھا دیا تھا اور اب دودھ کے ڈبے میں سوراخ کررہی تھی۔

"یہ سوراخ میرے دل میں ہورہا ہے۔" حمید نے فریدی کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

"اور اگر میں تمہارے سر میں بھی سوراخ کردوں تو۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار پھینک کر کہا۔

"خدا کی قسم...... اس کی انگلیاں...... ہے ہے۔"

"بس اب چپ بھی رہو...... ورنہ میں اس کی ٹانگ توڑ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟ کیوں؟ کیا کیا ہے اس بے چاری نے۔"

"کچھ نہیں......!" فریدی حمید کو گھور کر بولا۔ "یہ اس لئے کروں گا کہ وہ پھر تمہاری پیٹھ پر ر سفر کرسکے اور اس بار میں تمہاری کھال گرادوں گا احمق کہیں کے۔"

انہیں اچھی طرح یقین ہوگیا تھا کہ ڈان ونسنٹ جزیرے میں ان کے داخلے سے لاعلم نہیں ہے۔ اس لئے ڈی گاریکا کی تجویز پر انہوں نے راستہ بدل دیا ڈی گاریکا کا خیال تھا کہ اس طرح ہ ڈان ونسنٹ کو راستے ہی میں جالیں گے۔

سہ پہر کو وہ ایک ویران حصے سے گزر رہے تھے۔ جنگلوں کا سلسلہ ختم ہوگیا تھا۔ چاروں رف کتھئی رنگ کی اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ فریدی وغیرہ کی پانی کی بوتلوں میں کافی ی موجود تھا۔ ورنہ اس سنگلاخ حصے کو دیکھتے ہوئے ان میں سے ایک آدھ کا ہارٹ فیل ضرور جاتا کیونکہ اس قسم کی چٹانوں میں پانی تو بڑی چیز ہے پانی کا فریب دینے والی ریت بھی نہیں ی۔

دفعتاً فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا پھر اپنے ساتھیوں رکنے کا اشارہ کرکے ایک چٹان پر چڑھ گیا اور جب وہ واپس آیا تو اس کی آنکھیں پر اسرار طور مک رہی تھیں۔

"وہ آرہے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم لوگ خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد انہیں قدموں کی آہٹیں سنائی دینے لگیں۔

"وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے کیونکہ کافی نشیب میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تم لوگ اپنے تے اتارلو۔"

وہ سب ننگے پیر چلنے لگے...... چلتے رہے حتیٰ کہ سورج دور کی پہاڑیوں میں جھکنے لگا۔ وہ

برابر قدموں کی آوازیں سنتے رہے تھے اور فریدی کبھی کبھی کسی نہ کسی پوشیدہ مقام سے دوسری طرف جھانکتا آیا تھا۔ ایک بار اس نے رک کر اپنے ساتھیوں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔

"وہ لوگ یہاں پڑاؤ ڈال رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیں بھی رک جانا چاہئے۔ وہ تعداد میں دس ہیں۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ڈی گاریکا کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیوں نہ ہم رومولی کو یہیں چھین لیں۔"

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔ ہم صرف چار ہیں۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ ابھی میرے ہاتھ میں ایک ٹرمپ کارڈ موجود ہے۔"

"یعنی......!"

"ڈان الفریڈو......!" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ اس چہرے کی بناوٹ کچھ ایسی تھی کہ میک اپ میں دشواری پیش آئے گی مگر خیر میں کوشش کرتا ہوں۔"

فریدی اپنے سامان کا تھیلا لے کر داہنی طرف کی چٹانوں کے نیچے اتر گیا اور پھر ایک گھنٹے کے بعد انہوں نے اسے ڈان الفریڈو کی شکل میں دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے شمار خراشیں معلوم ہو رہی تھیں جن میں خون جم جم کر سیاہی اختیار کر چکا تھا۔ ہونٹ زخمی تھے۔ پیشانی کے ورم نے آنکھوں کو قریب قریب ڈھک لیا تھا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔ فریدی نے انہیں اپنی زبان دکھائی جو معمول سے زیادہ موٹی نظر آ رہی تھی۔

"میری زبان بھی زخمی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ظاہر ہے ایسی صورت میں ڈان ونسنٹ مجھ سے میرے صحیح لہجے اور آواز کی توقع نہ رکھے گا۔"

"تم ایک خطرناک کام کرنے جا رہے ہو۔" ڈی گاریکا پر تشویش لہجے میں بولا۔

"تو میں مکھیاں کب مارتا رہا ہوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "خیر......تم لوگ آرام کرو۔"

"میں بھی چلتا ہوں۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بڑے بہادر نظر آ رہے ہو۔ جی نہیں تشریف رکھئے۔" فریدی نے کہا اور اونچی نیچی چٹانیں پھلانگتا دوسری طرف اتر گیا۔ ڈان ونسنٹ کے کیمپ میں روشنی ہو رہی تھی۔

چلتے چلتے دفعتاً فریدی نے ایک چیخ ماری اور لڑکھڑا کر گر پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ کچھ آدمی اس کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔

"ارے یہ تو الفریڈو ہے۔" کسی نے کہا۔ "چلو جلدی اسے اٹھاؤ...... لیکن احتیاط سے کسی قدر زخمی ہو گیا ہے۔"

دو تین آدمی فریدی پر جھک پڑے۔ لیکن انہوں نے ابھی ہاتھ ہی لگائے تھے کہ فریدی اچھل پڑا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک ابھرتی ہوئی چٹان کی اوٹ میں تھا۔

"خبر دار......!" وہ ریوالور نکال کر بولا۔ "پیچھے ہٹو ورنہ سب کو ختم کر دوں گا۔"

"الفریڈو اس کی ضرورت نہیں۔" کسی نے دوسری طرف سے کہا۔

"ڈان ونسنٹ !" فریدی تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "شکر ہے تیرا۔ شکر ہے اے خدا۔"

اور پھر وہ چٹان کی اوٹ سے نکل آیا۔ ڈان ونسنٹ اسے سہارا دے کر کیمپ کی طرف لے جانے لگا۔

رشیدہ کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی۔ ڈان ونسنٹ نے فریدی کو ایک چٹان کے سہارے بٹھا دیا۔

"میں بیرونی جنگل تک ان کے پیچھے لگا آیا تھا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ اندر کیسے داخل ہوئے۔" ڈان ونسنٹ نے کہا۔ "انہیں دیکھ کر ملا نے رسیوں کا پل بھی کاٹ دیا تھا۔"

"انہوں نے بانسوں کے جنگل میں ایک دوسرا راستہ دریافت کر لیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اسی راستہ سے میں داخل ہوا ہوں۔ وہ آگے نکل گئے اور میں ایک مصیبت میں پھنس گیا۔ ایک بن مانس نے میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر مجھے کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ میں اس دراڑ میں کیسے جا پڑا۔"

"دراڑ میں۔" جان ونسنٹ حیرت سے بولا۔ "لیکن پھر تم اس میں سے نکلے کس طرح۔"

"یہی تو بتانے جا رہا ہوں۔" فریدی نے اپنی پھولی ہوئی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سسکی لیتے ہوئے کہا۔ "میں دیوانہ وار دراڑ میں دوڑ رہا تھا اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ وہاں جا نکلا جہاں

رسیوں کا پل تھا۔ مگر میں نے کیا دیکھا؟ فریدی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

''کیا دیکھا......؟'' ڈان ونسنٹ کے لہجے میں اضطراب تھا۔

''پل والا بڑا درخت دراڑ کے آر پار پڑا تھا اور اس کی رسی دراڑ میں لٹک رہی تھی''

ڈان ونسنٹ پہلے تو کچھ نہ سمجھا لیکن پھر دفعتاً اچھل پڑا۔ فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولتا رہا۔ ''وہ چیز میرے لئے تائید غیبی تھی۔ میں کبھی نہ کسی طرح چڑھتا اور پھسلتا ہوا رسی تک پہنچ گیا۔ اب مجھے اسوقت اچھی طرح یاد نہیں کہ میں رسی کے سہارے کس طرح اوپر پہنچا۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اسی درخت کے سہارے دراڑ کے اس پار آ گئے ہیں''

ڈان ونسنٹ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا ''تم نے مجھے وائرلیس کے ذریعہ اطلاع دی تھی کہ تمہیں اولیاری کا بھوت دکھائی دیا تھا۔''

''یہ ان کی ایک خطرناک حرکت تھی۔'' فریدی نے کراہ کر کہا۔ ''وہ رومولی کا ساتھی انور تھا۔ انہوں نے اس پر اولیاری کا میک اپ کر دیا تھا۔''

''انور......!'' رشیدہ بے اختیار چیخی اور پھر ہنس پڑی۔

''خاموش رہو۔'' ڈان ونسنٹ نے اسے ڈانٹا۔

''اس کے ساتھ دو آدمی اور ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''البرونو اور اس کا ساتھی؟'' ڈان ونسنٹ نے پوچھا۔

''ہاں! لیکن جانتے ہو البرونو کون ہے؟''

''نہیں۔''

''بین الاقوامی شہرت کا مالک انسپکٹر فریدی جس نے مصر میں ویلسن کی مشینی آندھی کا پتہ لگایا تھا۔''

''غدار...... ڈی گاریکا'' ڈان ونسنٹ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ ''لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا''

''اس کے پاسپورٹ سے۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن تمہیں اس کی اطلاع نہ دے سکا کیونکہ انہوں نے میری نگرانی شروع کر دی تھی۔''

رشیدہ نے پھر قہقہہ لگایا اور چیخ کر بولی۔ ''اگر واقعی ان کے ساتھ فریدی بھی ہے تو یہ سمجھ لو

کہ تمہاری موت تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔''

''خاموش رہو۔'' ڈان ونسنٹ اسے مکا دکھا کر چیخا۔

''میں بہت تھک گیا ہوں۔'' فریدی مضمحل آواز میں بولا۔ ''مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں صبح تک زندہ نہ رہ سکوں گا۔''

''آگ بجھا دو......!'' ڈان ونسنٹ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''ساری روشنیاں گل کر دو۔''

تھوڑی دیر بعد وہاں اندھیرا پھیل گیا۔

''ڈان ونسنٹ میں تھک گیا ہوں۔ مجھے برانڈی چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''برانڈی...... ہمارے پاس صرف دو بوتلیں رہ گئی ہیں۔ زیادہ پینے کی کوشش نہ کرنا ہم سب تھکے ہوئے ہیں۔''

ڈان ونسنٹ نے اس کے ہاتھ میں ایک بوتل تھما دی۔ فریدی نے تھوڑی سی برانڈی اندھیرے میں گرا دی پھر اس کی جیب سے ایک پڑیا نکلی دوسرے لمحے میں پڑیا کا سارا سفوف بوتل میں تھا۔

''شکریہ......!'' فریدی ایسے انداز میں بولا جیسے وہ ابھی تک سانسیں روکے ہوئے بوتل کو منہ لگائے رہا ہو اور پھر اس نے ٹٹول کر بوتل ڈان ونسنٹ کو واپس کر دی۔ بوتل ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں میں گردش کرتی رہی۔ فریدی چھیڑ چھیڑ کر ان سے گفتگو کرنے لگا۔ تھوڑی دیر تک وہ بولتے رہے پھر ان کی آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ فریدی نے دو تین بار ڈان ونسنٹ کو زور زور سے پکارا لیکن جواب ندارد پھر وہ آہستہ آہستہ ٹٹولتا ہوا رشیدہ کی طرف بڑھنے لگا۔ رشیدہ چونک پڑی۔

''یہ کیا حرکت؟'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''چپ چپ...... میں ہوں فریدی۔''

''اوہ......!'' رشیدہ قریب قریب چیخ پڑی۔

''بے وقوف لڑکی خاموش رہو۔'' فریدی نے کہا اور اس کے ہاتھ پیر کھولنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ چٹانوں سے گزر رہے تھے۔

"ڈی گاریکا اور اس کی لڑکی کو میری اصلیت نہ معلوم ہونے پائے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے صرف البرونو سمجھتے ہیں۔"

ڈی گاریکا وغیرہ رشیدہ کو دیکھ کر اچھل پڑے۔ رشیدہ انور کے شانے سے لگی ہوئی بُری طرح رو رہی تھی۔

"تم بھی کبھی اس طرح روئی ہو۔" حمید نے آہستہ سے رمونا سے پوچھا۔

"میں کیوں روتی۔"

"البرونو میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں۔" ڈی گاریکا بولا۔

"بعد کی باتیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "صبح ہمیں ڈان ونسنٹ سے سمجھنا ہے۔"

"کیوں نہ انہیں اسی وقت ٹھکانے لگا دیا جائے۔" رمونا نے کہا۔

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں نیند یا بیہوشی میں کسی کو مارنے کا قائل نہیں۔"

"اور اگر وہ رات ہی کو نکل گئے تو۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"صبح سے پہلے ان کی آنکھ کھلنی محال ہے۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"لیکن ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے۔ رات میں باری باری سے ہم پہرہ دیتے رہیں گے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ سب لوگ سو گئے۔ سوتے میں اچانک فریدی کی آنکھ کھل گئی۔ حمید رمونا اور انور کے بیچ میں رشیدہ سو رہی تھی۔ لیکن ڈی گاریکا کا کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ تیزی سے چٹانوں پر چڑھنے لگا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ یکایک اسے ایک چیخ سنائی دی۔ فریدی کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ آواز کی طرف جھپٹا پھر دوسری چیخ سنائی دی پھر تیسری اور ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔ وہ جگہ جہاں اس نے ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑا تھا دکھائی دے رہی تھی۔

"وہ حماقت کر ہی بیٹھا۔" فریدی بڑبڑایا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں نے ڈی گاریکا کو جکڑ رکھا تھا۔ ڈان ونسنٹ پوری قوت سے اس کا گلا دبا رہا تھا۔ فریدی نے رائفل جھتیائی "دھائیں" چٹانیں گونج اٹھیں۔ فریدی نے

پھر دوسرا فائر کیا اور بھاگا۔

آدمیوں کے بھاگنے کی آوازیں اسے سنائی دی۔ فریدی اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں ڈیگاریکا دو لاشوں کے بیچ میں پڑا تھا۔ اسکی آنکھیں بند تھیں۔ فریدی نے آہستہ سے اسے جنبش دی۔

"البرونو......!" ڈی گاریکا چلایا۔ "کیا وہ لوگ بھاگ گئے۔"

"ہاں یہ کیا پاگل پن تھا۔ میرے منع کرنے کے باوجود بھی تم چلے آئے۔"

"مگر یہ بہت بُرا ہوا...... وہ لوگ بچ کر نکل گئے۔ اب ہماری جان کی خیر نہیں۔"

"کوئی پرواہ نہیں۔" فریدی نے اسے اٹھایا۔ "تمہیں چوٹ تو نہیں آئی۔"

"نہیں البرونو...... مجھے اولیاری کے انتقام نے اندھا کر دیا تھا۔ جب تم لوگ سو گئے تو میں اٹھا یہ سب بیہوش پڑے تھے۔ میں نے ایک کے سینے میں خنجر اتار دیا۔ اس کی چیخ سے دوسروں کی آنکھ کھل گئی۔ جب تک وہ ہوشیار ہوں میں دوسرے کو بھی ختم کر چکا تھا کہ اچانک ان لوگوں نے مجھے پکڑ لیا۔ میں بے قابو ہو گیا مگر تعجب ہے البرونو ان میں کسی کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ تھا۔"

فریدی اور ڈی گاریکا جب پہنچے تو انور اور حمید وغیرہ جاگ چکے تھے۔ رمونا کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ ڈی گاریکا کو دیکھ کر وہ اچھل پڑی۔

"البرونو تم بہت اچھے ہو۔" وہ تشکر آمیز لہجے میں بولی۔

"میرے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید نے دخل دیا۔

رمونا نے اسے گھور کر دیکھا۔ حمید نے خاموشی سے گردن جھکالی۔

"سب لوگ تیاری میں مصروف ہو گئے اور سورج نکلتے نکلتے یہ چھوٹا سا قافلہ سنگلاخ چٹانوں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

متواتر دو دن تک سفر جاری رہا۔ اس دوران میں کوئی قابل ذکر حادثہ پیش نہیں آیا۔ آہستہ آہستہ جنگلوں اور پہاڑوں کے آثار ختم ہوتے جا رہے تھے۔ ڈی گاریکا کی تجویز پر ایک جگہ رک کر فریدی، حمید اور انور نے اپنی شکلیں تبدیل کر لیں۔ انور ڈی گاریکا کے لڑکے اولیاری کی شکل میں تھا۔ فریدی اور حمید نے ڈی گاریکا کی دی ہوئی دو تصاویر کے مطابق میک اپ کیا تھا۔ ڈی

گاریکا نے انہیں بتایا کہ شہر میں داخلے کے وقت باہر سے آنے والوں کے متعلق کافی چھان بین کی جاتی ہے۔

"مجھے خوف ہے کہ کہیں ڈان ونسنٹ نے شاہی محکمہ سراغ رسانی کو اپنی آمد سے مطلع نہ کر دیا ہو۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"کس طرح......!" فریدی نے پوچھا۔

"وائرلیس کے ذریعہ۔"

"وائرلیس......!"

"ہاں......تم کیا سمجھتے ہو۔ ہم لوگ کافی ترقی یافتہ ہیں۔ اس معاملے میں کسی یورپین ملک سے پیچھے نہیں۔"

"خبر کہاں سے بھیجی ہوگی۔" فریدی نے پوچھا۔

"میکسیکو کی بندرگاہ ویرا کروز سے۔"

"لیکن کیا یہ چیز خطرناک نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا "تمہارے پیغامات دوسرے بھی سن سکتے ہیں۔"

"یہی تو خاص بات ہے۔" ڈی گاریکا نے مسکرا کر کہا۔ "ہمارے ٹرانس میٹر سب سے الگ تھلگ ہیں۔ ہمارے ٹرانسمیٹر پر نشر کئے ہوئے پیغامات صرف ہماری ہی ریسیونگ مشینوں پر نے جا سکتے ہیں۔"

"تو پھر اب کیا کہتے ہو۔" فریدی اکتا کر بولا۔

"ہم ایک خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہوں گے۔" ڈی گاریکا نے کہا "اور ایسی صورت میں انور کے لئے اولیاری کا میک اپ مخدوش ہے۔ خود مجھے اور رمونا کو بھی اپنے حلیے تبدیل کرنے پڑیں گے۔"

دوسری اسکیم کے مطابق انہوں نے احتیاطی تدابیر کرنے کے بعد راستہ بدل دیا۔ اس طرح انہیں چھتیس گھنٹے تک اور سفر جاری رکھنا پڑا اور جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو فریدی وغیرہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ چاروں طرف بڑی عالیشان عمارتوں کا جال سا بکھرا ہوا تھا۔ لیکن انہیں یہ

ایک عجیب بات دکھائی دی کہ ساری عمارتیں سبز رنگ سے رنگی ہوئی تھیں اور عمارتوں کی چھتوں پر پودے اور جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ انہیں کوئی ایسی عمارت نظر نہ آئی جس کی چھت پر چھوٹے چھوٹے درخت نہ دکھائی دیتے رہے ہوں۔ ڈی گاریکا حمید اور انور کی حیرت پر ہنسا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس جزیرے پر پرواز کرنے والے غیر ملکی ہوائی جہاز سے محفوظ رہنے کے لئے تم لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔"

"لیکن بعض بدقسمت ہوائی جہاز" ڈی گاریکا نے ہنس کر کہا۔ "جن کی پرواز نیچی ہوتی ہے مار گرائے جاتے ہیں تم نے اکثر اپنی طرف کے اخبارات میں اس قسم کی خبریں پڑھی ہوں گی کہ فلاں طیارہ بحر اٹلانٹک اور بحر کریبین کے درمیان پرواز کرتا ہوا پراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ وہ پراسرار طریقہ ہماری طیارہ شکن بندوقوں کا رہین منت ہے۔"

"بہت خوب......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میرا دل چاہتا ہے کہ بقیہ زندگی اسی پراسرار جزیرے میں گزار دوں۔"

"سچ......!" رمونا پرمسرت لہجے میں چیخی۔

"قطعی......!" فریدی سنجیدگی سے بولا اور حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"اگر ایسا ہو سکے تو ہم اسے اپنی خوش نصیبی سمجھیں گے۔" ڈی گاریکا نے کہا۔

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ غیر ملکی یہاں رہ سکتے ہی نہیں؟ آخر کب تک اس حالت میں رہوں گا۔" فریدی نے پوچھا۔ ڈی گاریکا گڑبڑا گیا۔

"البرونو ہمارے یہاں اگر فاگان اور مقدس باپ مل کر کوئی حکم دے دیں تو اسے سب مان لیتے ہیں۔" ڈی گاریکا نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

صبح کے ہلکے ہلکے پھیلتے ہوئے دھندلکے میں وہ شہر کے غیر آباد حصہ سے گزرتے رہے۔ ڈی گاریکا کی اسکیم کے مطابق ان لوگوں کو سب سے پہلے مقدس باپ کے حضور میں حاضر ہونا تھا۔

صبح ہو چکی تھی اور شہر سے باہر نکل کر ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں یہ قافلہ پہنچ چکا تھا۔ پہاڑی کے نشیب میں چٹانوں سے ڈھکا ہوا ایک قلعہ دکھائی دے رہا تھا لال لال فیتے لگائے ہوئے۔ سپاہیوں کی دو رویہ قطار پہرہ پر تھی۔ اس قافلہ کو آتے دیکھ کر انہوں نے اپنی

رائفلیں اٹھائیں۔ ڈی گاریکا نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ فریدی اور انور وغیرہ نے اس کی تقلید کی۔ سپاہیوں کے پاس پہنچتے ہی رشیدہ نے بایاں بازو کھولا اور سپاہیوں کے بیچ میں کھڑی ہوگئی۔ مکاتان کراس نے اپنا بازو لہرایا۔

"سی نورا......!" ایک ان میں سے حیرت سے چیخا اور وہ سب رشیدہ کے گرد آ کر کھڑے ہوگئے۔ اس کے بازو پر پڑا ہوا نشان صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"فاگانیہ زندہ باد......!"

"سی نورا رومولی زندہ باد۔"

سپاہیوں نے نعرے لگائے اور اپنی سنگینیں جھکا دیں۔

مقدس باپ نعروں کی آواز سن کر باہر نکل آئے تھے۔ فریدی نے دیکھا ایک لمبا تڑنگا بڈھا آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی خوبصورت سفید ڈاڑھی اور آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک نے فریدی کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آدمی ہوشیار ہے۔

ڈی گاریکا اسے دیکھ کر جھکا۔ احتراماً اس نے مقدس باپ کی عبا کو بوسہ دیا اور کھڑا ہوگیا۔ رشیدہ کو دیکھ کر اس نے تعظیماً سر ہلایا اور اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

اچانک نقاروں کی آواز سنائی دی۔ فریدی چونک پڑا۔ ڈی گاریکا کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ نقاروں کی آواز تیز ہوتی گئی۔ مقدس باپ نے مڑ کر ڈی گاریکا کی طرف دیکھا۔

"فاگان...... مگر وہ کس سے لڑے گا۔"

دیکھتے دیکھتے سامنے کا میدان گرد و غبار سے اٹ گیا۔ مقدس باپ نے اشارہ کیا اور ایک سپاہی نے پاس پڑے ہوئے نقارہ کو زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں سپاہیوں کی قطار نکلنے لگی۔

سامنے کا غبار چھٹ گیا تھا۔ اڑتے ہوئے سبز پھریرے نقارے بجاتے ہوئے فوج آ رہی تھی۔ ان کی سنگینوں کی انیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ آگے آگے ایک شخص ننگی تلوار لیے ہوئے تھا جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ غالباً یہ اعلان جنگ تھا۔ سپاہیوں کے بیچ میں ایک شخص کے سر پر چاندی کا چھتر لگا ہوا تھا۔ غالباً یہ فاگان تھا اور اسی کے ساتھ ایک شخص اور

تھا۔ دور سے فریدی نے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی سفاکی جھلک رہی تھی۔ فریدی نے ایک نظر میں پہچان لیا۔ یہ شخص ڈان ونسٹ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

خوفناک جنگ

فوج سامنے آ کر رک گئی۔ مقدس باپ وہیں سے چلایا۔

"ٹھہرو۔"

لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا صفوں کے بیچ سے گزر کر وہ فاگان کے سامنے پہنچا۔

فریدی نے حیرت سے دیکھا کہ فاگان کے سپاہی بھی اسے دیکھ کر تعظیماً جھک گئے۔

"کیا چاہتے ہو۔"

"آپ کے پاس جو آدمی آئے ہیں یہ سب غدار اور بدیسی ہیں۔"

فاگان کے ساتھی ایک ساتھ چلائے۔

"یاناتا کی چوٹی پر ڈی گاریکا کو پھانسی دو۔"

مجمع جیسے ہی خاموش ہوا مقدس باپ نے کہا۔

"ان میں سے کوئی بدیسی نہیں۔ یہ لوگ سی نورا رومولی کے ساتھ آئے ہیں۔ سی نورا رومولی جو یہ ہے۔ مگر تمہیں یقین نہیں ہے تو اس کا نشان دیکھ لو۔" مقدس باپ کی آواز گونجی۔ انہوں نے بازو کی طرف اشارہ کیا۔ رشیدہ نے جلدی سے کپڑے ہٹانے شروع کئے۔ مقدس باپ وہاں سے اور رشیدہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلا۔ ابھی وہ اپنی فوجوں ہی کے درمیان تھا۔

"دھائیں......!" ایک گولی سرسراتی ہوئی رشیدہ کے کان کے پاس سے نکل گئی اور جب دوسرا فائر ہوا، فریدی نے فائر کیا اور ڈان ونسٹ کا پستول زمین پر تھا دوسری طرف سے فائر شروع ہوگئے۔ مقدس باپ نے رشیدہ کی طرف دیکھا۔ دونوں نے اشارہ کیا اور ادھر سپاہیوں نے بھی جوابی حملہ شروع کیا۔

دوپہر ہو چکی تھی۔ لڑائی بڑے زور شور سے جاری تھی۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ساتھی تعداد میں زیادہ تھے مگر ادھر لوگ بھی بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ ڈی گاریکا نے حمید، فریدی، رشیدہ اور انور کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا تھا۔

لڑائی کا منظر بھیانک ہوتا جا رہا تھا۔ زمین خون سے رنگ گئی تھی۔ فریدی ڈی گاریکا کے جانے کے بعد وہاں سے نکلا۔ قلعہ کی ایک چھوٹی سی فصیل پر بیٹھ کر اس نے جنگ کی حالت دیکھنی شروع کی۔

دونوں فوجیں ایک دوسرے میں غت پٹ ہو گئی تھیں۔ تعداد میں کم ہونے کی بنا پر وہ محسوس کر رہا تھا کہ اب پادری کے ساتھی پیچھے ہٹ رہے ہیں اسے اپنی پشت پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔

"البرٹو! ہم لڑائی ہار گئے۔" ڈی گاریکا کے لہجے میں اداسی تھی۔

"مگر یہ ایک دم لڑائی کیسے چھڑ گئی۔"

"مقدس باپ اور فاگان میں بہت دنوں سے ان بن تھی اور دونوں اپنی طرف سے لڑائی میں مصروف تھے۔ ذرا سے موقع کی دیر تھی سو وہ ہاتھ آ گیا۔"

فریدی خاموشی سے سنتا رہا۔ اس کی نظریں سامنے والے میدان پر تھیں۔ سورج ڈوب رہا تھا اور شام کی پھیلتی سرمگیں دھندلاہٹوں میں اس کے ساتھی بھاگ رہے تھے۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ساتھی فصیل کے نیچے تک پہنچ گئے تھے۔ غبار سے اٹے ہوئے میدان میں ہزاروں لاشیں دکھائی دے رہی تھیں۔ فریدی کانپ اٹھا۔ اتنا انسانی خون بلا وجہ بہایا گیا؟

"اب کیا ہوگا...... البرٹو! اب کیا ہوگا۔" ڈی گاریکا کے لہجے میں بدحواسی تھی۔ "تم اس کے ذمہ دار ہو...... تم......؟" وہ اچانک فریدی کے اوپر چلانے لگا۔

"نہ تم ڈان ونسنٹ کو چھوڑتے اور نہ آج ہم کو یہ دن دیکھنا پڑتا۔" وہ رو پڑا۔

"حوصلہ رکھو ڈی گاریکا۔" فریدی نے اسے اٹھایا۔

دونوں اپنے کمرے کی طرف لوٹ آئے۔

قلعہ بند کروا دیا گیا۔ چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا گیا تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک تو حمید وغیرہ سے باتیں کرتا رہا پھر چپکے سے نکل گیا۔ حمید وغیرہ پہلے تو کچھ نہ سمجھے لیکن جب فریدی کی واپسی میں دیر ہوئی تو ان کی تشویش بڑھ گئی۔

"آخر کہاں چلے گئے؟" رشیدہ بولی۔

"اب یہ سب کچھ مت پوچھو۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "آخر انہیں تمہاری تاجپوشی کا بھی تو انتظام کرنا ہے۔"

"ملکہ عالم......!" انور سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ نالائق ٹھیک کہتا ہے۔"

"اے انور میں چانٹا مار دوں گی۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"ضرور ضرور...... حضور عالی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ بدتمیز اسی لائق ہے۔"

"حمید صاحب مہربانی کر کے......" رشیدہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"اجی ہم صاحب واحب کہاں۔ ہم تو خاصے گدھے ہیں۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "فریدی صاحب کے ابدو گھوڑے صاحب ہیں۔"

وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر جھنجھلا کر کہنے لگا۔ "فریدی صاحب کو تو خیر قتل ہونا ہی ہے۔ آج نہ ہوئے تو خیر کل ہی ہو جائیں گے...... ارے میں...... ارے میری کم بختی کیوں آتی رہتی ہے بھئی۔ ارے کوئی بتانا بھئی...... ارے! ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا کوئی آواز دینا میری طرف سے ارے بھائی کوئی ہے۔"

حمید اچھل اچھل کر اول فول بک رہا تھا۔ جیسے اچانک دماغ خراب ہو گیا ہے۔

"ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا تھا۔" انور اس کا گریبان پکڑ کر بولا۔ "مگر اب شاید تمہاری شامت آ ہی گئی ہے۔"

"بس بس بکواس مت کرو۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔ "سب کچھ تم دونوں کی بدولت ہوا۔ ارے غضب خدا کا کہاں یہ منحوس جزیرہ اور کہاں میں۔ ارے کم بخت اتنا تو سوچو کہ ابھی تک میری شادی نہیں ہوئی۔ اگر میں یہاں مارا گیا تو میرا بوڑھا باپ گھل گھل کر جوان ہو جائے گا۔ آج مجھے شہناز کی یاد بُری طرح ستا رہی ہے۔ مگر نہیں توبہ لاحول ولا قوۃ...... آج کل کی لڑکیاں قابل اعتماد نہیں۔ اگر وہ بھی کسی جزیرے کی شہزادی نکل پڑی تو اپنا تو......!"

حمید تیزی سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

رشیدہ ہنسی کے مارے دوہری ہوئی جا رہی تھی۔

"اب چپ بھی رہو۔ یہاں جان پر بنی ہے اور تمہیں یہ لغویت سوجھ رہی ہے۔" انور اکتا کر بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔" رشیدہ ہنسی روکتے ہوئے بولی۔ "آخر فریدی صاحب کی ایسے غیر سنجیدہ آدمی سے کیسے نبھتی ہے۔"

"تم اسے غیر سنجیدہ سمجھتی ہو۔" انور نے کہا۔ "ارے باپ رے باپ...... اتنا بھیانک آدمی میری نظر سے گزرا ہی نہیں۔ یہ ہنسی ہنسی میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو بڑے بڑے سنجیدہ ہو کر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ کم بخت بیوقوف بن کر بیوقوف بناتا ہے۔"

"ہے آدمی پر مذاق، مگر حضرت گئے کہاں۔" رشیدہ اٹھتے ہوئے بولی۔

آدھی رات سے زائد گزر چکی تھی۔ دن بھر کی دھائیں دھائیں کے بعد اس وقت فضا پرسکون تھی جیسے طوفان آ کر تھم گیا ہو۔ فریدی کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔ رشیدہ دروازے کے قریب جا کر رک گئی۔ سامنے ہی ڈی گاریکا کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"البرونو کہاں ہے؟"

"ابھی تک نہیں آیا۔"

"اچھا میرے ساتھ آؤ...... تمہیں مقدس باپ یاد کر رہے ہیں۔"

رشیدہ ڈی گاریکا کے ہمراہ اس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

ایک بڑے سے ہال میں پادری تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ اونچے اونچے لمبے فانوس میں کافوری شمعیں جل رہی تھیں۔ صلیب کا ایک بڑا سا نشان کمرے کے اندر ماں مریم کی تصویر کے اوپر بنا ہوا تھا۔ پادری کافی متفکر نظر آ رہا تھا۔

"سی نورا رومولی...... مجھے اپنی جان کا ڈر نہیں مگر یہ ہزاروں آدمی مفت مارے جائیں گے۔" اس نے اداس لہجے میں کہا۔

رشیدہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"میرے پاس ڈان ونسنٹ کا آدمی خط لے کر آیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ فاگان میری ساری شرطیں ماننے کو تیار ہے صرف مجھے ڈی گاریکا اور اس کے ساتھیوں کو تمہارے سمیت اس کے حوالے کر دینا ہوگا۔ میرے خیال میں تم لوگ بھاگ جاؤ۔" مقدس باپ کہتا رہا۔ رشیدہ کو یہاں کے تاج و تخت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو محض فریدی کی وجہ سے چلی آئی تھی۔ فریدی کیوں آیا تھا؟ وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ مگر پھر بھی اسے شبہ تھا کہ کوئی ایسی وجہ ضرور ہے جس کی بناء پر فریدی سر مار رہا تھا۔

"مگر ہم اب جا بھی کیسے سکتے ہیں۔ راستہ چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔" رشیدہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"یہ میرا ذمہ۔" پادری نے تالی بجائی۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔

"سی نورا کو قلعہ کے باہر لے جاؤ۔"

رشیدہ ابھی چند قدم آگے بڑھی تھی کہ وہ آدمی ٹھٹکے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ جھکائے اور الٹے قدموں واپس چلے گئے۔ پادری کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

"نمک حرام......!" وہ چلایا۔

"ڈی گاریکا......!" وہ چیخا۔

جیسے ہی ڈی گاریکا اندر داخل ہوا وہ برس پڑا۔

"کتے...... میں تجھے جلا ڈالوں گا۔ تو میرے خلاف بھڑکاتا ہے۔ سی نورا ضرور واپس جائے گی اور تو بھی یہاں نہیں رہ سکتا۔ تم سبھوں کو اندھا کر کے نکال دیا جائے گا۔ تاکہ تم پھر یہاں نہ آسکو۔" وہ چلا رہا تھا۔ ڈی گاریکا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

"رحم...... مقدس باپ۔" وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "میں نے جو کچھ کیا وہ آپ ہی کے اشارے پر کیا۔ مجھے سزا مت دیجئے۔ آپ جو کچھ کہیں گے وہی ہوگا۔"

"صبح چار بجے تمہیں تانبے کی کان والے راستے سے باہر نکال دیا جائے گا۔"

"اوہ خدا......!" وہ چیخا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

رشیدہ کی قوت فکر جواب دے رہی تھی۔ وہ سیدھی انور کے پاس پہنچی۔ دروازے میں داخل

ہوتے ہوئے اس نے دیکھا۔ انور بے چینی سے ٹہل رہا ہے۔ رشیدہ کو دیکھتے ہی وہ چیخ اٹھا۔

"دھوکا رشو! بڑا زبردست دھوکا۔ اب ہم نہیں بچ سکتے۔ پادری روپیہ اور اقتدار کے لالچ میں آ کر فاگان سے مل گیا۔ اب کوئی دم میں ہم لوگ مار ڈالے جائیں گے۔"

چشم زدن میں رشیدہ کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا۔ پادری فاگان سے ساز باز کر رہا تھا مگر اپنے سپاہیوں کے ڈر کی وجہ سے کھلم کھلا اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ کھیل کھیلا۔

"مگر تم سے یہ کس نے بتایا۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"رمونا نے۔"

"فریدی صاحب آئے۔"

"نہیں...... کم بخت حمید کا بھی پتہ نہیں ہے۔"

"رشو ڈارلنگ......" اور رشیدہ اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"مرنے سے پہلے میں ایک بار...... تم سے کہہ دینا ہی چاہتا ہوں کہ...... مجھے تم سے......!"

"کہتے کیوں نہیں بیٹا کہ محبت تھی اور اب اس وقت نہ کہو گے تو کب کہو گے۔" پیچھے سے آواز آئی۔ رشیدہ اور انور دونوں نے چونک کر دیکھا۔ حمید کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کا سارا چہرہ کیچڑ میں لت پت تھا کئی جگہ سے پھٹی ہوئی قمیض سے خون رس رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ اداسی تھی۔ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح وہ دھڑام سے کرسی پر آ گرا انور نے پہلی بار حمید کو اتنا اداس دیکھا تھا۔

"یہ کیا ہوا......؟" دونوں نے بیک وقت پوچھا۔

"انور...... غالباً میں نہیں کہہ سکتا...... میں یقین ہی نہیں کر سکتا...... مگر مگر......!"

"ارے کہو گے بھی......!"

"خدانخواستہ فریدی صاحب شاید اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

"آئیں......!"

"ہاں انہیں تانبے کی کان میں دھکیل دیا گیا اور اس قلعے کے نیچے ڈائنا میٹ لگا دیا گیا

چار بج کر ۵۳ منٹ پر عمارت اڑا دی جائے گی۔ یعنی اب سے صرف ایک گھنٹہ بعد...... فریدی صاحب کو کان میں گرتے ہوئے ایک سپاہی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور تم جانتے ہو کہ کان آگ اور لاوے کی ایک بھٹی ہے۔"

"آہ......!" وہ نڈھال ہو کر گر پڑا۔

اچانک رات کا سناٹا دھائیں دھائیں کی ہیبت ناک آوازوں سے ٹوٹ گیا۔ ساری فضا چنگاریوں اور شعلوں سے سرخ ہو گئی۔ آسمان میں سرخ سرخ بڑے بڑے روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگے۔ زمین دہل اٹھی اور چٹانیں اس طرح ٹوٹ کر رہ گئیں جیسے شیشے کے ٹکڑے جھنجھنا جاتے ہیں۔ شور بڑھتا گیا۔ آسمان پر دیوتا ننگے ہو کر تانڈو ناچ رہے تھے اور رات کی دیوی کے جبڑوں سے خون بہہ نکلا تھا۔ زمین جل اٹھی تھی۔ ماحول لرز کر رہ گیا تھا۔ ہیبت ناک، مہیب اور بھیانک جزیرہ دھماکوں سے کانپ رہا تھا۔

فریدی کا قتل

فریدی جب باہر نکلا تو اچھی خاصی رات ہو چکی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ حالات نے بری طرح شکنجہ میں کس لیا ہے۔ ابھی تک اس کا سابقہ آدمیوں سے پڑتا رہا تھا مگر یہاں تو پوری حکومت سے لڑائی کا سوال تھا؟ محض اپنے اصول کی خاطر اس نے ڈان وسنٹ کو زندہ چھوڑ دیا تھا ورنہ یہ ہنگامہ نہ ہوتا۔ فریدی کو اپنے اوپر جھلاہٹ محسوس ہوئی۔ کاش وہ رشیدہ کو پاتے ہی واپس چلا جاتا۔ اس نے سوچا، مگر بار بار یہی خیال اس کے دل میں چٹکیاں لیتا رہتا کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس کی بناء پر یہاں کے باشندے دوسری دنیا سے بالکل علیحدہ رہنا چاہتے ہیں۔ پھر اس پراسرار جزیرے کے بارے میں جاننے کا شوق اسے کھینچ لایا تھا۔ لیکن اتنے انسانوں کا خون دیکھ کر وہ دہل اٹھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ ہر ممکن قیمت پر آج ہی کی رات میں جنگ کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔

فصیل کے کنارے سپاہیوں کا زبردست پہرہ تھا۔ وہ بے مقصد ادھر اُدھر گھومتا رہا۔ قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر دیوار پر چڑھ گیا۔ سامنے میدان میں سبز بتیاں روشن تھیں اور فصیل کے نیچے ایک چھوٹی سی ندی آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی۔ ذرا ہی سے فاصلے پر پہاڑوں کی بلند چوٹیاں نظر آرہی تھیں۔ اس نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی یہ حصہ قدرے محفوظ سمجھ کر نظر انداز کردیا گیا تھا۔ پہاڑی اور ندی سے گھرا ہونے کی بناء پر اس طرف حملہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

ایک پراسرار سایہ اسے حرکت کرتا معلوم ہوا۔ وہ چونک پڑا۔ سایہ دھیرے دھیرے فصیل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جلد ہی اس نے اپنے کو ایک کنگورے کے آڑ میں چھپالیا۔ سایہ اسی کے قریب آکر رک گیا۔ چاروں طرف دیکھنے کے بعد اس نے اپنی کمر سے رسی کھولی اور فصیل کے نیچے لٹکا دیا اور پھر خود آہستہ آہستہ اترنے لگا۔ فریدی بڑی غور سے اس کی نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ پانی میں پہنچتے ہی اس نے اپنے قدم لٹکا دیئے اور دوسرے ہی لمحے میں وہ ایک چھلانگ میں ندی کے اس پار فاگان کی فوجوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھتا رہا۔ جب اسے یہ اطمینان ہوگیا کہ وہ کافی آگے جاچکا ہے تو اس نے بھی فصیل سے اترنا شروع کیا۔ ندی میں آدھے فٹ پانی کے نیچے ایک بہت بڑی چٹان تھی۔ فریدی نے اپنے قدم جما دیئے۔ ندی کافی گہری تھی اور پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ لیکن چوڑائی کم ہونے کی بناء پر اسے اس پار پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ چٹانوں سے ٹکراتے ہوئے اندھیرے میں وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ وہ سایہ اس سے کافی دور نکل گیا تھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر خیموں کی قطاروں کے گرد روشنی میں اور پہرے دار دکھائی دے رہے تھے۔ فریدی رک گیا۔ آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ وہ فوراً پیچھے کی طرف مڑا۔ زمین پر بیٹھ کر اس نے حرکت شروع کی۔ اچانک اسے ٹھوکر لگی۔ اس نے ٹٹولا۔ فاگان کی فوج کے ایک سپاہی کی لاش تھی۔ لال وردی اور ہرے فیتے سے اس نے فوراً پہچان لیا۔ اپنا لباس اسے پہنا کر اس نے سپاہی کی وردی خود پہن لی اور اطمینان سے آگے بڑھا۔ پہرے دار چاروں طرف ٹہل رہے تھے۔ روشنی کی تیز شعاعیں چاروں طرف پڑ رہی تھیں۔ ان سے بچتا ہوا وہ ایک چھوٹے سے ٹیلے کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ باوجود پہاڑی علاقہ ہونے کے اسے یہ جگہ کافی گرم محسوس ہوئی۔ اسے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے زمین کے نیچے کھولتے ہوئے پانی کا سمندر

جوش مار رہا ہو۔ اس عجیب طریقے کی بھیانک سرسراہٹ سے تھوڑی دیر کے لئے فریدی جیسا بہادر انسان بھی سہم گیا۔ ٹیلے کی آڑ لیتے ہوئے وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس سے صرف چند گز کے فاصلے پر سپاہی رہ گئے تھے۔ خیمہ اسے صاف نظر آرہا تھا۔ خیمہ کے اوپر ایک بڑا سا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ جس پر ایک ریچھ کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اچانک خیمہ کا پردہ اٹھا اور ایک آدمی باہر نکلا۔ فریدی نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جسے اس نے قلعہ کی فصیل کی طرف حرکت کرتے دیکھا تھا۔ وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا واپس قلعہ کی طرف جا رہا تھا۔ خیمہ کا پردہ پھر اٹھا تھا اس بار دو آدمی ایک ساتھ باہر نکلے۔ فریدی چونک اٹھا۔ ان میں ایک ڈان ونسنٹ تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں کوئی چیز دبا رکھی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے ساتھ بہت سے آدمی آگئے۔ ان سب کا رخ قلعہ کی طرف تھا۔ ٹیلے سے کچھ دور آگے جب یہ لوگ نکل گئے تو فریدی بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ فصیل سے صرف تھوڑے ہی فاصلے پر وہ رک گئے۔ فریدی اب ان کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔

''سوسارا نے دن ہی میں سب کام ختم کرلیا تھا۔'' ڈان ونسنٹ نے کہا۔ ''اس وقت وہ خبر دینے آیا تھا کہ قلعہ کے نیچے بارود بچھا دی گئی ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں کہ سوئچ یہیں پر لگا دیا جائے۔''

''نہیں...... ٹھہرو شاید مقدس باپ کو عقل آجائے اور وہ ان سب کو ہمارے حوالے کردے۔ پھر اس کا کیا فائدہ ہوگا۔'' ڈان ونسنٹ نے کہا۔

''اس نے ہمیں کب تک وقت دیا ہے۔'' پہلا آدمی بولا۔

''چار بج کر ۵۴ منٹ کا۔''

''تو ٹھیک تو ہے۔ چار بج کر پچپن منٹ پر سوئچ لگا دو۔ فاگان کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔'' پہلا آدمی پھر بولا۔ ''اس کا بورڈ میرے خیمے میں رہے گا۔ پادری کا آدمی وہیں آئے گا اور اس سے فیصلہ کرنے کے بعد میں سوئچ آن کردوں گا۔ سوئچ لگانے کے بعد وہیں پر ایک دستہ تعینات کردیا گیا۔ فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ صرف دو گھنٹے کے اندر یا تو اس کے ساتھی مار ڈالے جائیں گے یا پھر انہیں فاگان کے حوالے کردیا جائے گا اور یقیناً وہ کسی بھی صورت میں اسے زندہ

نہ چھوڑے گا۔ فوراً وہ آگے بڑھا اور چٹانوں کی آڑ میں قلعہ کی طرف پنجوں کے بل بھاگا۔ ایک ایک منٹ بڑا قیمتی تھا۔ تھوڑی دیر تک دوڑتے کے بعد وہ ٹھہر گیا۔ فاگان کی فوجوں کا پڑاؤ کافی دور رہ گیا تھا۔ دھندلی دھندلی سبز روشنی جھلملا رہی تھی اور پادری کی فوجوں کا سرخ نشان روشنی میں جھلک رہا تھا۔ یکایک فریدی کو کسی کی چاپ سنائی دی۔ وہ فوراً بیٹھ گیا۔ پادری کی فوج کا ایک سپاہی غالباً گشت میں ادھر آرہا تھا۔ فریدی لپک کر اس کے پاس پہنچا۔ سپاہی نے فوراً رائفل اٹھائی۔ فریدی نے ایک جھٹکا دیا اور رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی وہ اسے گھور رہا تھا جیسے پہچان رہا ہو۔

"میرا نام...... تم نے مجھے سی نورا اور ڈی گاریکا کے ساتھ دیکھا ہوگا اور اگر نہ بھی دیکھا ہو تب بھی یقین کرو کہ میں دوست ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "سپاہی اسے بدستور دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے پھر کہا۔ "مجھے اس طرح نہ دیکھو...... تم فوراً جاؤ اور ڈی گاریکا سے کہہ دو کہ پورے کا پورا قلعہ خطرے میں ہے۔ سوسارا نے قلعہ کے نیچے سرنگیں بچھا دی ہیں اسلئے سرنگیں صاف کرنا شروع کردو۔ جلدی جاؤ اور ابھی حملہ کردو۔ ڈی گاریکا سے کہہ دینا کہ یہ البرونو نے کہا تھا۔"

فریدی نے دھکا دیتے ہوئے سپاہی سے کہا۔

"سی نورا......!" سپاہی چیخا اور تیزی سے قلعہ کی طرف بھاگا۔

فریدی پھر واپس مڑا۔ خطرہ جوں کا توں سر پر تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اتنے کم عرصے میں نہ تو سرنگیں صاف کی جاسکتی ہیں اور نہ لوگ بھاگ سکتے ہیں۔ وہ پھر اسی جگہ پر آگیا۔ سپاہیوں کا دستہ اسی طرح اپنی جگہ پر موجود تھا۔ ان سے لڑنا بھی بے سود تھا۔ اس لئے کہ بہرحال دو چار کو ختم کردینے کے بعد بھی وہ قلعہ کو نہ بچا سکتا تھا۔ اس نے دھیرے دھیرے ڈان ونسٹ کے خیمے کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ خیمے کے بالکل پیچھے پہنچ چکا تھا۔ جیب سے چاقو نکال کر اس نے خیمہ کا پردہ پھاڑ دیا اور اندر داخل ہوگیا۔ خیمہ کے اندر کوئی نہیں تھا۔ ڈان ونسٹ شاید کہیں باہر چلا گیا تھا۔ فریدی نے چاروں طرف سوئچ کا مین بورڈ تلاش کرنا شروع کیا۔ میز پر پڑے ہوئے ایک ڈبے پر نظر پڑتے ہی فریدی کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ وہ بڑھا اتنے میں کسی نے زور سے دھکا دیا اور وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی لڑکھڑا گیا۔ سامنے ڈان ونسٹ کھڑا تھا۔ مدھم

بز روشنی میں بھی اس کا چہرہ خوفناک نظر آرہا تھا۔

"کون ہو تم......؟" پستول کا رخ فریدی کی طرف کرتے ہوئے وہ گرجا۔

فریدی خاموش رہا۔

"کون ہو تم بتاتے کیوں نہیں...... کیا کرنے آئے تھے؟" فریدی کا ہاتھ پکڑ کر اس نے ہلایا۔

"اوہ...... البرونو......!" ڈان ونسٹ ہاتھ دیکھتے ہی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم سمجھتے رہے ہوگے کہ میں اس وردی اور میک اپ کی وجہ سے نہ پہچان سکوں گا۔ میں ل کی خفیہ پولیس کا افسر اعلیٰ ہوں اور تلوار کے مقابلہ کے روز سے یہ ہاتھ مجھے ہمیشہ سے یاد ۔ کیوں آئے تھے یہاں؟"

فریدی خاموش رہا۔

"اچھا لو! اب تم مرجاؤ...... شاباش...... مگر دیکھو ہنستے ہوئے مرنا۔ مجھے ایسے لوگوں سے سخت ت ہے جو مرتے وقت بھی گڑگڑانے لگیں۔" ڈان ونسٹ نے تلخی سے کہا اور ٹریگر دبا دیا۔

فریدی زور سے اچھلا اور چشم زدن میں وہ ڈان ونسٹ کے اوپر تھا۔ اس کا پستول گر چکا ۔ وہ پھر بورڈ کی طرف لپکا مگر فائر کی آواز سن کر سپاہی خیمہ کے پچھلے حصہ کی طرف سے داخل چکے تھے۔ گولیاں چلنے لگیں تھیں۔ فریدی نے سامنے کے دروازے کی طرف رخ کیا وردی اس نے کافی فائدہ اٹھایا اور دھکا دیتے ہوئے وہ باہر نکل آیا۔ مگر چاروں طرف سے سیٹیاں لگی تھیں اور ڈان ونسٹ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ برابر پیچھے دوڑتا آرہا تھا۔ فریدی نے اور تیز لنا شروع کیا۔ دفعتاً اسے احساس ہوا جیسے زمین کے نیچے کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ اس لوے جلنے لگے تھے۔ وہ رک گیا۔ ڈان ونسٹ اور اس کے ساتھی گولی چلاتے ہوئے آگے ے آرہے تھے۔ سامنے ایک بہت بڑے غار کا دہانہ سا دکھائی دیا۔ ایک گولی سرسراتی ہوئی اس کندھے کو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ فریدی نے جوابی فائر کیا اور غار کی طرف نظر ڈالی۔ گرمی اور ا سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ سامنے غار ایک بھٹی کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا جیسے اس بھٹی کے اندر کچھ پک رہا ہو۔ کھد بد کھد بد کی پرشور آواز سارے ماحول پر حاوی تھی۔ بطرح کی بدبودار بھاپ نکل رہی تھی۔ فریدی کا سارا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ اب

اس کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے اور دونوں میں موت یقینی دکھائی دے رہی تھی۔ یا تو غار میں کود پڑے اور یا ڈان ونسنٹ کے ہاتھوں کتے کی موت مارا جائے۔ اس نے پہلے کو دوسرے پر ترجیح دی اور غار میں چھلانگ لگا دی۔ قلعہ کی طرف سے اسے کسی کے گولی چلانے کی آواز سنائی دی۔

اٹھتی ہوئی تیز گرم بھاپ سے ہی فریدی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہاں کوئی کان ہے۔ جیالوجی سے دلچسپی رکھنے کی بناء پر اسے پورا علم تھا کہ کچی کان کس حد تک خطرناک ہوتی ہے۔ کودنے سے پہلے اس نے ایک بار غور سے غار کی گہرائی کو دیکھا تھا۔ گرتے ہی اندر پڑی ہوئی دراڑ کی ایک چٹان پر اس نے اپنے پیر جما دیئے۔ تقریباً سو فٹ نیچے گہرائی میں سرخ پانی بدبودار نالہ بہہ رہا تھا۔ اس کا کھولتا ہوا پانی اور نکلتے ہوئے سفید دھوئیں کی گرمی سے فریدی سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ اندر کی لال انگارہ کی طرح سرخ چٹانیں پانی کے پڑتے ہوئے سائے اپنی سرخی کی وجہ سے زیادہ بھیانک معلوم ہو رہی تھیں۔ چٹان پر کھڑے کھڑے فریدی نے دا طرف زیادہ چوڑائی دیکھ کر کھسکنا شروع کیا۔ اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے وہ اسی کی طرف بڑ رہا۔ قدرت کا بنایا ہوا یہ راستہ بڑی دور تک اندر چلا گیا تھا۔ جب اندھیرا ناقابل برداشت ہو گیا ڈرتے ڈرتے اس نے ٹارچ جلائی۔ دو فٹ چوڑے ایک سرنگ نما راستے سے وہ گزر رہا تھا پانی کا شور اسے اب بھی ویسا ہی سنائی دے رہا تھا۔ البتہ حدت میں کچھ کمی تھی۔ فریدی چاروں طرف نظر دوڑائی اور آگے بڑھا۔ فوراً اسے اپنے اوپر ایک پتلا سا تار دکھائی دیا۔ فر خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے فوراً تار کاٹ دیا۔ ڈائنا میٹ کے مین سوئچ سے کٹ جانے کی سے اب بچھائی ہوئی سرنگ کے پھٹ جانے کا خطرہ دور ہو گیا تھا۔ اسی تار کی سمت فریدی بھی پڑا۔ ظاہر تھا کہ یہ راستہ قلعہ کے اندر تک جاتا تھا۔ اسی سرنگ کے اندر فریدی کافی دور تک نکل تھا۔ صاف ہوا نہ ملنے سے اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ سانس پھول گئی تھی۔ اس کا سر چکرانے چاروں طرف اسے شور سا سنائی دینے لگا۔ جیسے پانی کی بہت تیز دھار اوپر سے گر رہی ہو۔ لگا اسے بڑی زور کا چکر آیا۔ اس نے سنبھلنا چاہا بغل والی دیوار پر اس کا ہاتھ پڑا اور بھربھرا کر ہوئے تودے نیچے گرنے لگے۔ فریدی سنبھل کر نیچے سے ہٹا..... ہوا کا ایک تیز جھونکا اندر

فریدی کے حواس کچھ درست ہوئے۔ اس نے دیکھا چند ہی قدم پر سرخ پانی کی ایک تیز دھار اوپر سے گر رہی تھی اور پانی نیچے کی طرف گر کر نالہ کی شکل میں بہہ رہا تھا۔ اٹھتی ہوئی گیس نے اتنا زبردست اندھیرا پھیلا رکھا تھا کہ فریدی اس کے علاوہ کچھ اور نہ دیکھ سکتا تھا۔ اچانک اسے نمی سی محسوس ہوئی۔ پانی جیسے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بے تحاشہ اس نے پیچھے کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑی بڑی چٹانیں بھی دھکیلتا گیا۔ اس طرف بھاری بھاری پتھر اپنے آپ لڑھک رہے تھے۔ وہ جیسے جیسے پیچھے ہٹتا گیا سرنگ پیچھے کی طرف دبتی جا رہی تھی۔ پانی اب نیچے کی طرف گرنے کی بجائے پھیل رہا تھا اور گیس بھر رہی تھی۔ یہ کان پھٹ جانے کے آثار تھے۔ فریدی نے اور تیزی سے پیچھے بھاگنا شروع کیا۔ وہ پھر غار کے دہانہ تک آ گیا تھا۔ گرمی اور حدت سے اس کا بدن پھنکا جا رہا تھا۔ اس نے اوپر کی طرف اچھلنا چاہا۔ ذرا سا اندازہ غلط ہونے پر وہ نیچے گر جاتا۔ اس نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ اسے زمین ہلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ سارا زور لگا کر وہ اوپر کی طرف اچھلا اور ایک سانس میں وہ باہر تھا۔ غار سے باہر نکلتے ہی اسے اپنے قدم لڑکھڑاتے ہوئے معلوم ہوئے سارا زور لگا کر وہ چلایا۔

”بھاگ جاؤ...... کان پھٹ رہی ہے۔“ چیختے ہوئے وہ بے تحاشہ بھاگا۔ بڑے زور کا دھماکہ ہوا اور فریدی نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ ایک جھٹکا اور لگا فریدی چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

”لگاتار دو تین گھنٹے تک دھماکے ہوتے رہے۔ زمین دہل کر اپنے سینے کے اندر چھپائے ہوئے خزانہ کو اگلتی رہی۔ بڑی بڑی چٹانیں روئی کے گالوں کی طرح اڑ گئیں۔ فاگان کی فوجیں کان پھٹنے سے تھوڑی دیر قبل اسی راستے پر قلعہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ کان پھٹتے ہی اردگرد آدھے میل تک کی زمین پھٹ گئی۔ قلعہ کی فصیل تک گر پڑی مگر قلعہ محفوظ رہا۔

فریدی کو جب ہوش آیا تو صبح ہو چکی تھی۔ طوفان رک گیا تھا۔ اس جگہ سے صرف چند گز کے فاصلے پر ساری زمین ایک بھیانک خندق نما غار میں بدل گئی تھی۔ پانی اوپر تک ابھر آیا تھا۔ فاگان کے ساتھی جس جگہ پر اپنا پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے وہاں سوائے گہرے مہیب غار کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ فریدی کا سارا جسم دکھ رہا تھا۔ اس کے بدن پر آبلے پڑ گئے تھے۔ اس سے اٹھا نہ

جاتا تھا۔ ہمت کر کے وہ اٹھا اور گھسٹتے گھسٹتے قلعہ کی طرف چلا۔ قلعہ کی سامنے والی دیوار گر پڑی تھی اور اب صرف ایک لمبا سا راستہ نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے دیکھا اس کی طرف کوئی آ رہا ہے۔ فریدی اسے دیکھتے ہی چیخا۔

"حمید!"

آواز سنتے ہی حمید نے بھاگنا شروع کیا۔ فریدی کے قریب آ کر وہ ٹھٹک گیا۔

"ارے......!" حمید فریدی کی شکل دیکھ کر چلا اٹھا۔

"گھبراؤ نہیں...... میرا میک اپ بگڑ گیا ہے۔" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہم سب لوگ تو آپ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ مگر مجھے یقین تھا کہ فریدی کو ابھی آغوش میں لینے کی ہمت زمین میں نہیں ہے۔" حمید بولا۔ "ذرا ٹھہریئے میں اور لوگوں کو بلا لوں۔"

تھوڑی ہی دیر بعد ڈی گاریکا، رمونا، انور اور رشیدہ آ گئے۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ہزار ہا ساتھی کان پھٹ جانے سے لقمہ اجل ہو گئے۔ قلعہ کی دیوار کے نیچے دب کر پادری بھی مر گیا تھا۔ رشیدہ نے قلعہ کی اندر کی فوج کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔

تین روز کے اندر فریدی کے زخم بھر گئے۔ پروگرام کے مطابق دوسرے ہی دن شہریوں کے عام جلسہ میں رشیدہ نے باقاعدہ طور پر رمونا کو نئی فاگانیہ بنانے کا اعلان کیا۔ ڈی گاریکا کو مقدس باپ کی جگہ دی گئی۔

اسی روز فریدی نے ڈی گاریکا کو بلا کر کہا۔ "اب ہم لوگ جائیں گے۔"

"اور میں بھی انہیں لوگوں کیساتھ جاؤں گی۔" رشیدہ نے کہا۔

"نہیں...... سی نورا تم نہ جاؤ۔" ڈی گاریکا بولا۔

"میں ضرور جاؤں گی...... نئی فاگانیہ رمونا میری جگہ تمہارا ساتھ دے گی۔ مجھے جانے دو۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔"

ڈی گاریکا اصرار کرتا رہا۔ لیکن رشیدہ کسی طرح ٹھہرنے پر تیار نہیں ہوئی۔

"میں...... میں بھی البرونو کے ساتھ جاؤں گی۔" رمونا جذبات سے بھرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تمہارے وطن کو تمہاری ضرورت ہے اور وطن کی خاطر سب کچھ قربان کر دینا چاہئے۔" فریدی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"البرونو......!" اس نے فریدی کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ "تم ہمیں یاد رکھو گے۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔" فریدی نے گڑبڑا کر کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

دوسرے روز حمید انور رشیدہ اور فریدی کو پورے شاہی اہتمام کے ساتھ ڈی گاریکا اور رمونا نے رخصت کیا۔ جزیرہ واٹلنگ سے آگے نکل کر حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ فریدی کیبن سے ٹیک لگائے بیٹھا پراسرار جزیرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ آخر رشیدہ کے مل جانے کے بعد پھر ڈی گاریکا کے ساتھ آپ کیوں گئے۔" حمید نے پوچھا۔

"ایک تو نئی دنیا دیکھنے اور دریافت کرنے کا شوق......!"

"غالباً آپ دوسرے کولمبس بننا چاہتے تھے۔" حمید نے فریدی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں یہ بات تو نہیں۔ مگر پھر بھی یہی سمجھ لو۔ اس کے علاوہ ایک بات کا شبہ تھا اور وہ درست نکلی۔"

"وہ کیا......؟" حمید انور رشیدہ ایک ساتھ بولے۔

"لندن میں میں نے ماہر ارضیات سے سنا تھا کہ واٹلنگ کے آگے ایک پراسرار جزیرے میں پلاٹینم اور تانبے کی کانیں ہیں اور جزیرے میں اترتے ہی مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ یہی وہ جزیرہ ہے جہاں رشیدہ مجھے ملی تھی وہیں میں نے پلاٹینم کے ذرات پائے تھے، تم جانتے ہو دنیا کی سب سے قیمتی دھات پلاٹینم ہوتی ہے۔"

فریدی رکا، انور، رشیدہ اور حمید ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ”وہ کانیں جو پھٹی تھیں وہ پلاٹینم اور تانبے کی تھیں۔ یقین کرو ان سے اتنی پلاٹینم پیدا کی جاسکتی ہے جتنی پوری دنیا اس وقت پیدا کر رہی ہے۔ عنقریب بین الاقوامی کمیشن کے تحت وہاں کام شروع کرادوں گا۔“

فریدی خاموش ہوگیا اور جیب سے سگار نکال کر اس کا کونہ توڑنے لگا۔ ہچکولے لیتے ہوئے کشتی نیلگوں پانی کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

تمام شد

ابنِ صفی

جاسوسی دنیا

جلد نمبر
6

18- عجیب آوازیں

19- رقاصہ کا قتل

20- نیلی روشنی

پیشرس

خاص نمبر کے بعد فریدی اور حمید کا دوسرا کارنامہ پیش کر رہا ہوں۔ یہ ایک رنگین مزاج اور دولت مند لڑکی کی داستان ہے۔ جس کا منگیتر عجیب و غریب حالات میں موت کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا عاشق جیل میں پہنچ جاتا ہے۔

عالیہ ایک رنگین مزاج لڑکی تھی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ساتھ ہی ساتھ آزاد خیال بھی تھی۔ روزانہ نئے نئے دوست بناتی تھی۔ لہٰذا اس حادثے کے رونما ہونے پر لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ عالیہ بھی اس سازش میں شریک تھی۔ ممکن ہے اس نے کسی نئے دوست کی خاطر ان دونوں کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہو۔ بظاہر حالات عالیہ کے خلاف ہی تھے۔

لیکن فریدی اس کیس کو اتنا سطحی نہیں سمجھتا۔ وہ ایک ایسی حیرت انگیز بات دریافت کرتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور پھر وہ صحیح مجرم کو منظر عام پر کھینچ لاتا ہے۔ سرجنٹ حمید نے بھی اس داستان میں کئی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ قہقہے بکھیرے ہیں۔

دلچسپ حادثہ

بات کچھ بھی رہی ہو لیکن انسپکٹر فریدی کا تار ملتے ہی حمید کے تلوؤں سے لگی اور سر پر بجھی۔ وہ اس بار تہیہ کر کے اپنے وطن آیا تھا کہ کم از کم ایک ماہ تو ضرور اپنے اعزہ کے ساتھ گذارے گا۔ مگر ٹھیک پندرھویں دن فریدی کا تار ملا اور تار کا مضمون بھی کچھ اس قسم کا تھا کہ وقتی طور پر جھلاہٹ لازمی تھی۔

لکھا تھا۔ "جلد آؤ! لطف رہے گا۔"

"کیا خاک لطف رہے گا۔" حمید تار کا فارم مٹھی میں ملتا ہوا بڑبڑایا۔ "لطف یہ رہے گا کہ دن رات جھک ماریئے! چھٹیوں میں بھی چین نہیں! سراغ رسانی سالی اوڑھنا بچھونا ہو کر رہ گئی ہے۔"

"بہر حال قہر درویش بر جان درویش۔ بستر باندھنا ہی پڑا۔ اگر صرف افسری اور ماتحتی کے تعلقات ہوتے تو شاید وہ استعفیٰ ہی لکھ کر بھیج دیتا۔

سفر کے دوران میں اس کا موڈ خراب ہی رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یکایک کونسی ایسی مصیبت آگئی۔ اس دوران میں اخبارات میں بھی سنسنی خیز حادثے کی کوئی خبر نہیں شائع ہوئی تھی۔

ٹرین تیزی سے راستہ طے کر رہی تھی اور حمید کھڑکی کے قریب بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ طبیعت اتنی بیزار تھی کہ وہ کسی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ کمپارٹمنٹ میں اس کی دلچسپی کا کافی سامان موجود تھا مگر طبیعت تھی کہ غیر حاضر۔ اکثر کئی کھنکتے ہوئے رسیلے قہقہے اس کے کانوں میں گونج اٹھتے اور وہ دوسرے کنارے پر بیٹھی ہوئی تیز طرار لڑکیوں کی طرف دزدیدہ نظروں سے

دیکھ کر رہ جاتا۔ اس سے زیادہ دلچسپی لینا کم از کم اس وقت اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ زیادہ تر خیالات اور جھنجھلاہٹ کی کشمکش جاری رہنے کے بعد دماغ پر کاہلی سی مسلط ہوگئی تھی جسے پہیوں کی گھڑ گھڑاہٹ کی یکسانیت نے کچھ اور گہرا کر دیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور کھڑکی پر سر ٹیکے اونگھ رہا تھا۔

دفعتاً کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید چونک کر پلٹا۔

"معاف کیجئے گا میری وجہ سے آپ کے آرام میں خلل پڑا۔" اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔

"فرمائیے۔"

"کیا عرض کروں! میری دیاسلائی شائد کہیں گر گئی ہے۔" اس نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

حمید کا دل چاہا کہ اس کی گردن پکڑ کر کھڑکی سے دھکیل دے! یہ ایک جوان العمر توانا اور وجیہہ آدمی تھا۔ لباس سے متمول معلوم ہوتا تھا۔ انگلیوں میں قیمتی پتھروں کی انگوٹھیاں تھیں۔ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی چین میں بھی الماس کے چھوٹے چھوٹے مستطیل ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔ حمید نے ایک بار پھر اسے گھور کر دیکھا۔ وہ کوئی بے تکا جملہ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں ندامت دیکھ کر خاموش ہوگیا۔

"لیجئے دیاسلائی حاضر ہے۔" حمید نے دیاسلائی جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

"شکریہ۔" اس نے اپنا سگریٹ کیس کھول کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں سگریٹ نہیں پیتا۔" حمید نے کہا۔

"خوب۔" وہ اپنی سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "لیکن رفاہ عام کیلئے دیاسلائی ضرور رکھتے ہیں۔"

حمید اس کی بے تکلفی پر جھلا گیا۔

"جی نہیں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔ "مجھے رفاہ عام قسم کی حرکتوں سے کوئی دلچسپی نہیں میں پائپ پیتا ہوں۔ سگریٹوں کے کاغذ مجھے بدبودار معلوم ہوتے ہیں۔"

"لیکن یہ مصری سگریٹ ہیں، اجپشیئن اسپیشل۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

حمید نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر جیب میں ڈال لی اور پائپ نکال کر اس میں

تمباکو بھرنے لگا۔ اجنبی متحیر نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بات دراصل یہ ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں نے اس سگریٹ کا صرف نام سنا تھا۔ مگر پینے کا اتفاق نہیں ہوا۔ میں اسے بطورِ یادگار اپنے پاس رکھوں گا اور مرتے وقت اپنے بڑے لڑکے کو دے کر وصیت کر جاؤں گا کہ وہ بھی مرتے وقت اپنے بڑے لڑکے کو دے کر یہی وصیت کر جائے کہ وہ اپنے لڑکے کو....!"

اجنبی کے چھت شگاف قہقہے کی وجہ سے جملہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔

"بخدا آپ بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" اجنبی اپنی ہنسی روکتا ہوا بولا۔

"جناب۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔"

"کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔"

"کسولی۔"

"کسی کام سے۔"

"جی نہیں علاج کرانے کی نیت سے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "پرسوں مجھے ایک پاگل کتے نے کاٹ لیا۔"

"خوب....!" اجنبی مسکرا دیا۔

"بھلا اس میں مسکرانے کی کیا بات ہے۔" حمید بگڑ کر بولا۔ "کیا آپ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔"

"جی نہیں....جی نہیں۔" اجنبی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

"تو پھر آپ مسکرائے کیوں۔"

"کچھ نہیں یونہی....یونہی۔"

"یونہی مسکرائے تھے آپ۔" حمید نے طیش میں آ کر کہا۔ "لیکن یونہی مسکرانا کچھ اچھی علامت نہیں۔"

"ارے صاحب آپ تو خواہ مخواہ۔"

"خواہ مخواہ کیا۔ میں خواہ مخواہ باتیں کر رہا ہوں؟ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں پاگل ہوں۔"

"نہیں صاحب۔ نہیں صاحب۔" اجنبی پیچھے کھسکتا ہوا بولا۔

"پیچھے کیوں کھسک رہے ہو؟ کیا میں کاٹ کھاؤں گا۔"

"ارے صاحب آپ نے۔" اجنبی کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

کمپارٹمنٹ کے دوسرے لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور لڑکیاں آنکھیں پھاڑے حمید کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"آپ اکیلے سفر کر رہے ہیں۔" اجنبی پھر سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

"جی نہیں! میرے ساتھ ہزاروں اس ٹرین میں سفر کر رہے ہیں.... پھر؟"

"جناب میں معافی چاہتا ہوں۔" وہ گھبرا کر اٹھتا ہوا بولا۔

"معافی.... کس بات کی معافی۔ آپ نے میرا کیا بگاڑا ہے۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ بے تحاشہ زنجیر کی طرف بڑھا۔ کمپارٹمنٹ کے دوسرے لوگ بھی گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ کیا حماقت!" حمید نے اُسے کھینچ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپ زنجیر کیوں کھینچے جا رہے ہیں۔ کیا آپ سچ مچ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔"

اجنبی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوف زدہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن اب حمید کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں کوئی دوسرا زنجیر نہ کھینچ لے کیونکہ قریب بیٹھے ہوئے کئی آدمیوں نے اسے یہ کہتے سنا تھا کہ وہ بغرض علاج کسولی جا رہا ہے۔

"آپ حضرات تشریف رکھئے۔" حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں مذاق کر رہا تھا۔" کچھ مسکراتے کچھ جھنجھلاتے ہوئے بیٹھ گئے۔

"لیکن میں اس بے تکی حرکت کا مطلب نہیں سمجھا۔" اجنبی بگڑ کر بولا۔

"آپ نے مجھ سے دیا سلائی مانگی تھی۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اگر بات یہیں تک رہتی تو خیر۔ لیکن آپ کے جملے سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ آپ بے تکلفی پر آمادہ ہیں اور آپ پر یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ میں اجنبیوں سے بے تکلفی کا عادی نہیں۔"

اجنبی ہنسنے لگا۔ لیکن اس ہنسی میں شرمندگی کے ساتھ جھنجھلاہٹ بھی موجود تھی۔ "خیر چلئے بات ختم ہوئی۔" اس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو ذرا دیا سلائی پھر عنایت فرمائیے گا۔"

"شوق سے۔" حمید نے دیا سلائی بڑھا دی اور اجنبی سگریٹ سلگانے لگا۔

کمپارٹمنٹ کے دوسرے مسافر انہیں برابر گھورے جا رہے تھے۔

"محض آپ کی وجہ سے یہ سب لوگ مجھے پاگل سمجھنے لگے ہیں۔" حمید آہستہ سے بولا۔

اجنبی نے ادھر اُدھر دیکھا اور ایک بار پھر اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔

"آپ کہیں پڑھتے ہیں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

حمید اِدھر اُدھر کی باتوں میں اس کا سوال ٹال گیا۔ پھر اور بھی باتیں چھڑ گئیں۔ دوران گفتگو میں پتہ چلا کہ دونوں کی منزل ایک ہی ہے۔

"مجھے دراصل محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر سے ملنا ہے۔" اجنبی نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"کیوں؟ کس سے؟" حمید چونک کر بولا۔

"انسپکٹر فریدی سے۔"

"اوہ....!" حمید کے چہرے پر عجیب سے آثار پیدا ہو گئے، لیکن وہ سنبھل گیا اور پھر اس طرح اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے اسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"میں ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ میں نے کئی دن قبل فریدی صاحب کو ایک خط لکھا تھا جس کا مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ اب میں خود ہی ان سے ملنے کے لئے جا رہا ہوں۔" حمید سوچنے لگا۔ کیا فریدی نے اسے اسی کے لئے بلایا ہے؟ لیکن اس نے اجنبی سے اس کے متعلق گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ شخص کوئی الٹی سیدھی کہانی لے کر فریدی کے پاس پہنچ گیا تو خواہ مخواہ بقیہ چھٹیاں بھی برباد ہو جائیں گی۔

"آپ اس سے قبل بھی انسپکٹر فریدی سے ملے ہیں۔" حمید نے پوچھا اور اجنبی چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہو۔ "معاف کیجئے گا میں اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔" اجنبی نے احتیاط سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید کا استعجاب اور بڑھ گیا۔

"مگر ابھی تو آپ....!"

"ٹھیک ہے۔" اجنبی اس کی بات کاٹ کر آہستہ سے بولا۔ "معلوم نہیں آپ کون ہیں! میں بہت پریشان ہوں۔ محض رازداری کے خیال سے میں سیکنڈ کلاس میں سفر کر رہا ہوں۔"

"ورنہ تھرڈ کلاس میں کرتے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اس کی نظریں اس کی بیش قیمت

انگوٹھیوں اور گھڑی کی چین پر جمی ہوئی تھیں۔"

"جی نہیں! یہ بات نہیں۔ فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کے لئے جگہ مخصوص کرانی پڑتی۔"

"بہت اچھے۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "اب شاید آپ مجھ سے بدلا لینا چاہتے ہیں۔"

"یہ بات نہیں۔" اجنبی بے چینی سے بولا۔ "میں آپ کا شکر گذار ہوں گا اگر آپ یہ ذکر ہی چھوڑ دیں۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ غور سے اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے چہرے پر کسی قسم کے جذبات کے آثار نہ تھے اور آنکھوں کی بے تکلفی سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس وقت خالی الذہن ہو۔ اس کے دونوں ہاتھ آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے اور پھر وہ حمید کی گردن کی طرف بڑھنے لگے۔ اس کی آنکھیں اس طرح ویران نظر آرہی تھیں جیسے وہ اندھا ہو۔ حمید گھبرا کر پیچھے کھسک گیا۔

دوسرے مسافر انہیں اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے ان کے سامنے دو مداری اپنے کرتب دکھا رہے ہوں۔

"پیچھے ہٹئے۔" حمید نے اس کے سینے پر ہاتھ مار کر پیچھے کی طرف کھسکتے ہوئے کہا۔

"ڈر گئے۔" اجنبی نے قہقہہ لگایا۔ "کیوں لے لیا نہ بدلہ۔"

حمید بُری طرح جھینپ رہا تھا۔

"دیکھا آپ نے آرٹ اسے کہتے ہیں۔" اجنبی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ جیسا زیرک آدمی بھی دھوکا کھا گیا۔"

حمید ہنسنے لگا۔ دوسرے مسافر بھی ہنس رہے تھے۔

"میں نے ابھی تک جتنی باتیں کیں، سب بکواس تھیں۔" اجنبی نے کہا۔

"خیر اس پر مجھے کسی طرح یقین نہیں آسکتا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "آپ نے ساری باتیں سچ کہی تھیں اور آپ انہیں مذاق کا رنگ دینا چاہتے ہیں۔"

"آپ یقین کیجئے۔" اجنبی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"بھلا میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں۔ جب کہ خود میں انسپکٹر فریدی ہوں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

اجنبی بے ساختہ اچھل پڑا۔

سامنے کی برتھ پر ایک پروفیسر نما آدمی اپنے سپاٹ سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ "بعض نوجوان عجیب و غریب حرکتوں کے ذریعہ لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

اجنبی نے اس کا ریمارک صاف سنا لیکن اس کی حالت میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا۔ وہ بدستور آنکھیں پھاڑے حمید کو گھورے جا رہا تھا۔

"آپ.... آپ۔" وہ ہکلایا۔

"جناب۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "آپ کا خط دلچسپ ضرور تھا لیکن مجھے اس کی صداقت پر شبہ تھا۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ سے ملنے سے پہلے ہی حالات کا جائزہ لے لوں اور اب آپ کے ساتھ ہی واپس جا رہا ہوں۔"

"تو آپ نے حالات کا جائزہ لے لیا۔" اجنبی بے چینی سے بولا۔ "اور آپ کو اب میرے بیان پر کسی قسم کا شبہ نہیں۔"

"قطعی نہیں۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا "اور مجھے اس کا بھی علم ہے کہ آپ کی زندگی ریوالور کی نال پر رکھی ہوئی ہے اور کسی وقت بھی آپ مر سکتے ہیں۔"

"اوہ....!"

"جناب۔" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔ "ان مسافروں میں سے بھی کوئی آپ کا دشمن ہو سکتا ہے۔"

"تو کیا ہم کمپارٹمنٹ بدل دیں۔" اجنبی نے پوچھا۔

"قطعی! لیکن صرف آپ! میں آپ سے علیحدہ رہ کر ہی آپ کی حفاظت کر سکوں گا۔"

اجنبی گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"چونکنے کی ضرورت نہیں۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "آپ شاید اسی وقت اپنی موت بلانا چاہتے ہیں۔ کھڑکی کے باہر دیکھئے۔"

اجنبی نے فوراً تعمیل کی اور پھر پلٹ کر دوسری طرف نہیں دیکھا۔ جیسے ہی گاڑی اسٹیشن پر رکی وہ اپنا اٹیچی اٹھا کر نیچے اُتر گیا۔

"اسٹیشن پر مل جایئے گا۔" حمید نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا اور پھر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

اس کے بعد بقیہ سفر اونگھتے ہی گذرا۔ حمید نے اُسے بیوقوف بنادیا تھا۔ لیکن سوچ رہا تھا کہ وہ ہے کون؟ اور فریدی سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔

منزل مقصود پر پہنچ کر وہ قلیوں سے گفتگو کر ہی رہا تھا کہ اجنبی بھی آکر کھڑا ہو گیا۔ لیکن حمید نے کچھ ایسا رویہ اختیار کرلیا جیسے اس نے اسے اس سے قبل دیکھا ہی نہ ہو۔

"اب آپ کیا چاہتے ہیں۔" اجنبی نے پوچھا۔

"جی....!" حمید تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" اجنبی نے چونک کر کہا۔

"کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ارے....!" اجنبی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور حمید ہنسنے لگا۔ پھر اس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔

"آرٹ اسے کہتے ہیں.... امید ہے کہ اب آپ اس کا بھی بدلہ لینے کی کوشش کریں گے۔"

حمید اُسے پلیٹ فارم پر چھوڑ کر قلی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

حیرت انگیز تجربہ

کوٹھی پہنچ کر حمید نے سامان اپنے کمرے میں پھینکا اور فریدی کی تلاش کرنے لگا۔ نوکروں سے معلوم ہوا تھا کہ وہ گھر ہی میں ہے، لیکن کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کس کمرے میں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ نوکروں نے یہ بھی بتایا کہ فریدی نے انہیں شاگرد پیشہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لئے وہ کوٹھی کے اندر بھی نہیں جاسکتے تھے۔

حمید اندرونی راہداری سے گذرتا ہوا عجائبات کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دفعتاً اسے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ غراہٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کتا انتہائی غصے میں ہے۔ آواز فریدی کی تجربہ گاہ سے آرہی تھی جو اوپری منزل پر تھا۔ حمید نے عجائبات کے کمرے میں جھانکا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رک کر کچھ سوچنے لگا۔ کتے کی آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔ حمید تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف پلٹا۔ اس کی رفتار کچھ اتنی تیز تھی کہ بادی النظر میں

دوڑنے کا گمان ہو سکتا تھا اور پھر دوسرے لمحے میں وہ زینے طے کرتا ہوا اوپری منزل کی طرف جارہا تھا۔

تجربہ گاہ کے دروازے بند تھے لیکن کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ حمید آہستہ آہستہ ایک کھڑکی کی طرف بڑھا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فریدی اپنے ایک خونخوار بلڈ ہاؤنڈ (Blood Hound) کی زنجیر تھامے کھڑا تھا، جو ایک کپڑے کے قد آدم مجسمے پر حملہ کرنے کے لئے زور کر رہا تھا۔ مجسمہ یونہی بھدے قسم کا تھا۔ لیکن اسے جو سوٹ پہنایا گیا تھا کافی قیمتی معلوم ہوتا تھا۔ کتے کے جوش و خروش سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر وہ کسی طرح چھوٹ گیا تو مجسمے کے پرخچے اڑادے گا۔

دفعتاً فریدی نے زنجیر اس کی گردن سے نکال لی اور کتا کپڑے کے مجسمے پر ٹوٹ پڑا۔ وہ اسے بُری طرح ادھیڑ رہا تھا اور فریدی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ پھر وہ کتے اور مجسمے کی طرف سے لاپرواہ ہو کر سگار سلگانے لگا۔

"آپ اس بیچارے کی مدد نہیں کر رہے ہیں۔" حمید نے باہر سے کہا اور فریدی چونک پڑا۔

"اوہ تم آگئے.... اتنی جلدی امید نہیں تھی۔"

فریدی نے دروازہ کھول دیا۔ حمید نے اندر پہنچ کر دیکھا کہ مجسمے کے بجائے اب چیتھڑوں کا ڈھیر کتے کے جوش غضب کا شکار بنا ہوا ہے۔

"آپ خیریت سے ہیں نا۔" حمید نے کتے کی طرف سے نظریں ہٹا کر فریدی کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور کتے خانے کا نگران اندر داخل ہوا۔ فریدی نے زنجیر اُسے دے دی اور حمید سے مخاطب ہوا۔

"تار کل شام ہی کو مل گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اس وقت فوراً ہی کوئی ٹرین نہ مل سکی۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "اور بذریعہ جہاز آنے میں اخراجات زیادہ بیٹھتے۔"

"تمہاری عدم موجودگی میں بہت اداس رہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"اور آپ کے قریب رہ کر مجھے اداس ہونے کا بھی موقع نہیں ملتا۔" حمید خشک لہجے میں بولا۔

اس دوران میں کتے خانے کا نگراں بلڈ ہاؤنڈ کے گلے میں زنجیر ڈال چکا تھا اور اب اُسے باہر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن کتا کسی طرح ہٹنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔

"یوں نہ جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اپنے ساتھ وہ ڈھیر بھی لے جاؤ۔"

پھر فریدی نے بڑھ کر کتے کی زنجیر پکڑلی اور نگران چیتھڑوں کا ڈھیر سمیٹنے لگا۔

ایک ہاتھ پر اُس نے چیتھڑوں کا ڈھیر سنبھالا اور دوسرے سے کتے کی زنجیر تھام کر باہر نکل گیا۔ کتا بدستور اچھل اچھل کر اس کے ہاتھ میں چیتھڑے گرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آؤ چلیں۔" فریدی بھی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں برآمدے میں آکر آرام کرسیوں میں بیٹھ گئے۔

"شاید ابھی تک آپ کا دماغ اُس جزیرے[1] والے حادثے سے متاثر ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تمہارا خیال غلط ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"پھر یہ سب کیا تھا....؟"

"ایک تجربہ۔"

"تجربہ۔"

"ہاں.... لیکن ابھی نہیں بتاؤں گا۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "پہلے جا کر کپڑے اتارو! غسل کرو! کھانا بھلا ابھی کہاں کھایا ہوگا! تم ٹھہرے پرلے سرے کے کنجوس۔"

"لیکن آپ نے مجھے بلایا کیوں ہے؟" حمید جھلا کر بولا۔

"محبت کرنے کے لئے.... جان من اس قدر ناراض کیوں ہو۔"

حمید جھلا کر اٹھا اور اندر چلا گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ پھر برآمدے ہی کی طرف واپس آیا کیونکہ فریدی اندر موجود نہیں تھا۔

ابھی وہ برآمدے میں قدم بھی نہیں رکھنے پایا تھا کہ اسے ایک ایسی آواز سنائی دی جسے وہ کچھ دیر قبل ٹرین میں سن چکا تھا۔ وہ کمرے ہی میں رک گیا۔ آواز سچ مچ اس اجنبی کی تھی جسے اس نے

[1] اس کہانی کے لئے "بھیانک جزیرہ" جلد نمبر 5 ملاحظہ فرمائیے۔

ٹرین میں بیوقوف بنایا تھا۔ لیکن اس وقت اس کے لہجے میں متانت کی بجائے دیوانہ پن جھلک رہا تھا۔ وہ اس طرح بول رہا تھا جیسے اس پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا۔

"فریدی صاحب۔" "آپ کو ماننا ہی پڑے گا۔ تیس ہزار چالیس ہزار، پچاس ہزار میں اس سے بھی آگے بڑھ سکتا ہوں۔ اپنے دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لئے اپنی ساری پونجی لٹا سکتا ہوں۔ نہیں نہیں۔ فریدی صاحب! اس طرح سر نہ ہلایئے۔ خدا کی قسم پاگل نہیں ہوں۔ فریدی صاحب میں ہوش میں ہوں۔ آپ میرے متعلق تحقیقات کر سکتے ہیں۔ جنوبی امریکہ کی کمرشل ڈائریکٹری، میں آپ کو میرا نام اور فوٹو مل سکتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے۔" فریدی کی پُرسکون آواز سنائی دی۔

"پھر آپ انکار کیوں کر رہے ہیں۔ جب کہ آپ کی چھ ماہ کی چھٹیاں بھی باقی ہیں۔ چلئے ساٹھ ہزار.... سفر خرچ اور دیگر اخراجات کے علاوہ.... اب آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"مسٹر نعیم! مجھے افسوس ہے کہ میں پھر بھی آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

"آخر کیوں؟ آخر کیوں؟"

"یونہی.... اصول کی بات آپڑی ہے۔"

"یعنی....!"

"معاف کیجئے گا۔ میرے پاس آپ کے یعنی کا کوئی جواب نہیں۔"

"تو میں قطعی ناامید ہو جاؤں۔"

"جی....!"

"فریدی صاحب! میں بڑی امیدیں لے کر آیا تھا۔"

"مجھے خود افسوس ہے۔"

"میں حتی الامکان آپ کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔" اجنبی نے کہا۔

"میں نے آخری بات کہہ دی۔" فریدی کھانس کر بولا۔ "ویسے آپ کو اختیار ہے۔ میں آپ کو کوشش سے تو باز نہیں رکھ سکتا۔"

"میں مایوس نہیں ہو سکتا۔" اجنبی کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔ "کیونکہ آپ کے بعد پھر کوئی اور نظر نہیں آتا۔ یہ میری موت اور زندگی کا سوال ہے۔ فریدی صاحب میں نے سنا تھا کہ

آپ مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ اسی لئے میں نے آپ تک آنے کی ہمت کی تھی۔“

”لیکن آپ سے زیادہ مظلوم بھی میرے پاس آچکے ہوں تو!اور میں انہیں مدد دینے کا وعدہ کرچکا ہوں تو!ایسی صورت میں آپکے ساٹھ ہزار میرے ارادے پر کس طرح اثرانداز ہو سکیں گے۔“

”تو کیا میرے دشمنوں نے آپ سے مدد طلب کی ہے۔“

”نہیں۔“

”پھر.....؟“

فریدی نے اس سوال کا جواب دینے کے بجائے ایک نوکر کو آواز دی۔

”ذرا ڈرائیور سے کہو کہ گاڑی گیرج سے نکال دے۔ باہر جانا ہے۔“

”فریدی صاحب! مجھے سچ مچ بڑی مایوسی ہوئی۔“ اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔

”میں پھر عرض کروں گا کہ مجھے افسوس ہے۔ اگر آپ تین دن قبل مجھ سے ملے ہوتے تو شاید میں اس وقت آپ ہی کے کام کے متعلق سوچ رہا ہوتا۔“

”خیر صاحب مجھے یقین ہو گیا کہ میری بربادی قریب ہے۔“

پھر حمید نے قدموں کی آہٹیں سنیں، جو بتدریج دور ہوتی جارہی تھیں اور جب برآمدے میں آیا تو فریدی خلاء میں نظریں جمائے کچھ سوچ رہا تھا۔

حمید کی آہٹ پر چونک پڑا۔

”تم نے کپڑے نہیں بدلے۔ ہم ے پول ہوٹل تک چلیں گے۔ کھانا وہیں کھائیں گے۔“ اس نے حمید سے کہا۔

حمید کوئی جواب دیئے بغیر پھر واپس لوٹ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اجنبی نے ٹرین میں اس سے کیا کہا تھا کہ وہ فریدی سے ملنے جارہا ہے۔ پھر اس نے اپنی اس بات کو مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی تھی؟ آخر کیوں؟ وہ کون تھا؟ فریدی کے پاس کیوں آیا تھا۔

”جانتے ہو کون تھا۔“ فریدی نے حمید سے راستے میں پوچھا۔

”میں آپکی طرح جادو کی پڑیا تو ہوں نہیں کہ ہر ایک کو پہچانتا پھروں؟“ حمید بیزاری سے بولا۔

فریدی خاموش ہو گیا اور حمید کو یک بیک احساس ہوا کہ اس نے اس وقت بیزاری کا اظہار کرکے غلطی کی ہے۔ اب فریدی اُسے کچھ بتائے بغیر ہی ادھر اُدھر بہلاتا پھرے گا۔ اجنبی کی

شخصیت پُراسرار تھی اور فریدی نے جس انداز سے اُسے ٹالا تھا وہ بھی کم از کم حمید کے لئے نیا تھا۔ اس نے اس سے قبل فریدی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا تھا۔ روز ہی اس کے پرائیویٹ کیس آتے رہتے تھے لیکن اس نے آج تک کسی ضرورت مند کو اتنے خشک لہجے میں کورا جواب نہیں دیا تھا اور پھر یہاں تو معاملہ ساٹھ ہزار تک پہنچ چکا تھا اور دوسرے اخراجات سے کوئی مطلب نہیں؟

حمید کی الجھن بڑھتی جارہی تھی۔ آخر وہ کون تھا؟ اور کیا چاہتا تھا؟

اور پھر اچانک اسے فریدی کا حیرت انگیز تجربہ یاد آگیا۔ حرکت قطعی پاگل پن کی تھی، لیکن فریدی سے اس کی توقع ناممکن تھی کہ وہ بچوں کی طرح کپڑے کا مجسمہ بنا کر اپنا بہترین سوٹ کتے سے نچوا ڈالے گا۔ آخر یہ سب کیا تھا؟

”میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھا۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

”ہوں.....!“ فریدی مسکرایا لیکن وہ بدستور سامنے دیکھتا رہا۔ اس کے انداز سے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ یہ مسکراہٹ کسی جملے کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

حمید کی اکتاہٹ اور جھلاہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

”لیکن ہم ے پول ہوٹل کیوں جارہے ہیں۔“

”غیر ضروری باتوں سے اجتناب کرنا سیکھو؟“ فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

”یہ غیر ضروری بات ہے؟“ حمید نے جھلا کر کہا۔

”چپ۔“

”واہ یہ بھی اچھی رہی۔“ حمید برس پڑا۔ ”خواہ مخواہ تار دے کر مجھے بلایا۔ اتنے لمبے سفر کی کوفت بھی دور نہ ہونے پائی تھی کہ یہاں چل وہاں چل۔ جہنم میں گئی ملازمت۔ میں تو اب عاجز آگیا ہوں۔“

”ملازمت کی بات کہاں چھیڑ بیٹھے۔ ہم تو چھٹی پر ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید کا غصہ اور تیز ہو گیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ البتہ اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

”ہے ہے۔“ فریدی اسے کن انکھیوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”اس وقت کافی حسین لگ رہے ہو۔ تم اپنا ہونٹ دانتوں میں مت دبایا کرو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ستارے شفق کو نگلنے کی

کوشش کر رہے ہوں۔"

حمید پھر کچھ نہ بولا۔

"تم خاموش کیوں ہو.... کچھ چھکو پیارے۔" فریدی نے اُسے پھر چھیڑا۔

"کیا آپ مجھے اُلو کا پٹھا سمجھتے ہیں؟" حمید چیخ کر بولا۔

"نہیں آدمی کا پٹھا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کار مے پول ہوٹل کے پورٹیکو میں کھڑی کر دی۔

حمید طوعاً و کرہاً اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ فریدی داہنی طرف کے کیبنوں کی قطار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کی نظریں نمبروں پر دوڑ رہی تھیں۔ چند لمحے کھڑے رہنے کے بعد وہ ایک کیبن کی طرف بڑھا۔ پردہ ہٹایا اور حمید کی آنکھوں کے سامنے بجلی سی چمک گئی۔ پردہ ہٹتے ہی کیبن میں بیٹھی ہوئی لڑکی بے اختیارانہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔ حمید اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ شہر کے فولاد کے سب سے بڑے تاجر کی لڑکی عالیہ تھی۔ اونچی سوسائٹی کا شاید ہی کوئی ایسا فرد رہا ہو، جو اُسے نہ جانتا ہو۔ وہ شہر کی تفریح گاہوں کی جان اور کلچرل قسم کے ہنگاموں کی روح رواں تھی۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی قدرے جھک کر بولا اور حمید کی طرف مڑ کر اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

عالیہ بیٹھ گئی۔ وہ بار بار اپنی پیشانی پر رومال پھیر رہی تھی۔

"آپ کا کیس یقیناً میرے لئے دلچسپ ہوگا۔" فریدی بیٹھتا ہوا مسکرا کر بولا۔

عالیہ کوئی جواب دینے کے بجائے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"اوہ.... یہ میرے رفیق کار سرجنٹ حمید ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ان کی موجودگی آپ کی تشویش کا باعث نہیں بن سکتی۔"

عالیہ کے ماتھے پر ابھری ہوئی سلوٹیں غائب ہو گئیں۔

"ہاں تو آپ نے مجھے اس وقت کیوں بلایا ہے۔" فریدی اپنے جیب میں سگار ٹٹولتا ہوا بولا۔ "اگر آپ ناپسند نہ کریں تو میں ایک سگار سلگا لوں۔"

"اوہ.... شوق سے۔" عالیہ کی مترنم آواز سنائی دی۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو تکلیف دی۔ بات یہ ہے کہ مجھے شاہد مرحوم کے نوکر سے آج ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔

ممکن ہے آپ کے کام کی ہو۔"

"وہ کیا؟"

"شاہد مرحوم نے اسی خاص تقریب کے لئے ایک سوٹ سلوایا تھا، جو تقریب سے ایک ہفتہ قبل اچانک اس کے بکس سے غائب ہو گیا تھا اور پھر ایک دن قبل اُسی بکس میں پایا گیا۔"

عالیہ کا جملہ ختم ہونے سے قبل ہی فریدی سگار سلگاتے ہوئے رک گیا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت انگیز طور پر چمکنے لگی تھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"لیکن اس کی اطلاع آپ لوگوں کو پہلے ہی کیوں نہیں دی گئی۔" فریدی نے سگار کو میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں.... نوکر کا بیان ہے کہ شاہد نے اُسے اس کا تذکرہ کرنے سے روک دیا تھا۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"میرا خیال ہے۔" عالیہ پھر بولی۔ "شاہد نے اخلاقاً اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر آپ ہی کا کسی کے گھر میں بطور مہمان قیام ہو اور آپ کی کوئی چیز گم ہو جائے تو آپ یقیناً صاحب خانہ سے اُس کا تذکرہ کرتے ہوئے ہچکچائیں گے۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" فریدی ایش ٹرے پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

حمید کی الجھن لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

خونی کتا

"اچھا تو عالیہ بیگم۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میں شاہد مرحوم کے نوکر سے پھر کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی چلئے۔"

"نہیں ابھی نہیں.... میں شام کو آؤں گا اور ہاں آپ کے والد صاحب کب تک واپس آئیں گے۔"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ وہ تقریباً چھ ماہ سے غیر ممالک کے دورے پر ہیں۔ پچھلے دو ماہ سے ان

کا کوئی خط بھی نہیں آیا۔ ان کا آخری تار مصر سے آیا تھا جس میں انہوں نے اطلاع دی تھی کہ وہ کیپ ٹاؤن جا رہے ہیں۔ اس کے بعد سے پھر کوئی خبر نہیں ملی۔"

"ہوں.... اچھا تو پھر میں شام کو آؤں گا۔" فریدی نے کہا اور ویٹر کو بلانے کے لئے گھنٹی بجاتا ہوا بولا۔ "غالباً آپ نے ابھی دوپہر کا کھانا نہ کھایا ہوگا۔"

"جی نہیں شکریہ! میں کھا چکی ہوں۔" عالیہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "اچھا تو شام کو کس وقت آپ کا انتظار کروں۔"

"پانچ بجے۔"

عالیہ چلی گئی اور فریدی حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اسے جانتے ہو۔" اس نے پوچھا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں بھلا تم کیوں نہ جانتے ہوگے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔

"یہاں ایک عجیب حادثہ ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید بدستور سر جھکائے کھانے میں مشغول رہا۔

"تم شاید دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔" فریدی پھر بولا۔

حمید نے نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور فریدی کو اس طرح گھورنے لگا جیسے مار بیٹھے گا۔

"کیوں؟" فریدی ہنس پڑا۔

"میں اس لئے دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "کہ دلچسپی لینے کے سلسلے میں کافی بدھو بننا پڑتا ہے۔ اگر میں اپنی دلچسپی کا اظہار کروں تو آپ مجھے پیس کر پی لیں۔ آپ مجھے احمقوں کی طرح ٹہلایا کرتے ہیں۔ کبھی کوئی بات نہیں بتاتے۔ بس دوڑا لیجئے۔"

"کھانا کھاؤ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "غالباً تمہارا اشارہ اس تجربے کی طرف ہے اب میں تمہیں اس کے متعلق بتا سکتا ہوں۔ اگر عالیہ نے اس وقت سوٹ والا معاملہ نہ چھیڑا ہوتا تو ابھی نہ بتاتا کیونکہ ابھی تک وہ تجربہ محض عقلی گدا تھا مگر اب وہ فولاد کی طرح ٹھوس ہے۔"

"یعنی....!"

"ٹھہرو.... تجربے کی بات بعد میں آئے گی۔ پہلے وہ واقعہ سنو جس کی بناء پر ایک خیال کے تحت مجھے یہ تجربہ کرنا پڑا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ حمید اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آج سے ایک ہفتہ قبل کی بات ہے کہ عالیہ کے شکاری کتے نے اس کے منگیتر شاہد کو مار ڈالا۔"

"مار ڈالا۔" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں.... اور عین اس وقت جب تھوڑی دیر بعد ان کی منگنی کی رسم ادا کی جانے والی تھی۔"

"اوہ....!"

"اس تقریب کے سلسلے میں عالیہ کے یہاں ایک گارڈن پارٹی دی گئی تھی۔ مہمان نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔ ان میں شاہد بھی تھا، جو تقریباً پندرہ یوم قبل سے عالیہ کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ عالیہ کو تو تم جانتے ہی ہو کہ اس میں خود نمائی کی عادت ضرورت سے زیادہ ہے۔ پارٹی شروع ہی ہونے جا رہی تھی کہ عالیہ اپنے بلڈ ہاؤنڈ کی زنجیر تھامے ہوئے پائیں باغ میں آئی۔ حالانکہ یہ ایسا موقع نہیں تھا کہ وہ کتا لے کر نکلتی مگر خود نمائی کی عادت نے اُسے اس بھونڈی حرکت پر مجبور کر دیا۔ اس کا بیان ہے کہ کتا بچپن ہی سے اس کے پاس تھا اور بہت سیدھا تھا۔ صرف شکار کے موقعوں پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بلڈ ہاؤنڈ ہے۔ ورنہ ویسے وہ دیسی کتوں کی طرح ہر ایک کی سیٹی پر دم ہلانے لگتا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر پلیٹ میں رکھے ہوئے مرغ مسلم کی ٹانگ کاٹنے لگا۔

"پھر....!"

"باغ میں پہنچ کر یک بیک اس نے بھونکنا شروع کر دیا۔ عالیہ نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اُسے واپس لے جائے۔ مگر ممکن نہ ہوا۔ دو تین نوکروں نے بھی کوشش کی لیکن لاحاصل۔ کچھ مہمان بھی عالیہ کے گرد آگئے۔ پھر دفعتاً چمڑے کا تسمہ ٹوٹ پڑا۔ اس نے اس کی گردن پکڑلی تھی لوگ دوڑ پڑے مگر اتنی دیر میں اس نے شاہد کا نرخرا ادھیڑ دیا تھا اور شاہد زمین پر پڑا ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپ رہا تھا۔ ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی وہ مر گیا۔ عالیہ نے اسی وقت چیخ چیخ کر لوگوں کو بتانا شروع کیا کہ کسی نے کتے کا تسمہ کاٹ دیا تھا۔ تسمہ نہیں بلکہ اُسے چمڑے کی ڈور کہنا چاہئے، جو پتلی پتلی پٹیوں کو بٹ کر بنائی گئی تھی اور جس کا ٹوٹنا امر محال ہے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اس

وقت اسے کاٹ دیا تھا جب کتا شاہد پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی دوران میں کسی نے ایک لڑکے کے متعلق شبہ ظاہر کیا۔ عالیہ یہ نہیں بتا سکی کہ شبہ ظاہر کرنے والا کون تھا۔ بہر حال اس لڑکے کی تلاشی لینے پر اس کی جیب سے ایک بڑا سا چاقو برآمد ہوا۔ لڑکا گرفتار کرلیا گیا لیکن وہ برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ وہ چاقو اس نے اپنی جیب میں نہیں رکھا تھا اور نہ وہ اس کا تھا۔ کسی نے وہیں اس کی لاعلمی میں جیب میں ڈال دیا تھا۔ بہر حال لڑکا گرفتار کرلیا گیا۔ جانتے ہو وہ کون تھا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔

”وہ عالیہ کے عاشقوں میں سے ایک تھا اور عالیہ بھی اُسے بے حد چاہتی ہے۔ اس نے اس کا اعتراف کیا ہے۔“

”تب تو معاملہ صاف ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیا....؟“

”یہی کہ عالیہ اور اس کا عاشق دونوں اس سازش میں شریک ہیں۔“

”چلو خیر میں اسے بھی مانے لیتا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کتے نے شاہد ہی پر حملہ کیوں کیا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ وہ شاہد سے کافی مانوس ہوگیا تھا۔ شاہد کے نوکر نے بتایا ہے کہ اکثر شاہد اُسے اپنے ساتھ لے کر تفریح کے لئے باہر جایا کرتا تھا۔“

فریدی خاموش ہو کر حمید کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”دوسری بات۔“ فریدی چند لمحوں کے بعد بولا۔ ”اگر یہ سازش عالیہ کی تھی تو اس نے اس صفائی سے اس کا اعتراف کیوں کرلیا کہ وہ شاہد سے بیزار تھی۔ اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔“

”تو پھر اُس نے انکار ہی کیوں نہیں کردیا تھا۔“ حمید نے کہا۔

”اس کے والدین کی یہی خواہش تھی۔ اس کا باپ ایک ضدی آدمی ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہے۔ اس کا باپ اکثر کہا کرتا تھا کہ اگر وہ شاہد کے ساتھ شادی پر رضامند نہ ہوگی تو وہ اسے وراثت سے محروم کردے گا۔“

”مگر محبت۔“ حمید نے کہا۔

”چھوڑو بھی، تم بھی کہاں کی بات لے بیٹھے۔ رئیس گھرانوں کی جانِ محفل قسم کی لڑکیوں کو تم نہیں جانتے۔ ان کے لئے دولت سے زیادہ اہم اور کوئی چیز نہیں! اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے عاشق سعید کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ مگر میرے خیال میں اس میں بھی ایک طرح کی سودے بازی موجود ہے۔ سعید ایک متوسط گھرانے کا لڑکا ہے اگر اتفاق سے عالیہ کی شادی اس کے ساتھ ہو جائے تو وہ زندگی بھر اس کی دولت کی وجہ سے اس سے مرعوب رہے گا اور اس کی بے راہ روی میں دخل انداز نہ ہو سکے گا۔ تم نے یہاں کی رقص گاہوں میں عالیہ کو بے شمار نوجوانوں کے ساتھ دیکھا ہوگا۔ میں اس کی فطرت سے بخوبی واقف ہوں۔

”تو خود عالیہ نے آپ سے اس کیس کی تفتیش کے لئے کہا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں... خیر تو سنو.... عالیہ کا بیان ہے کہ حادثے سے ایک ہفتہ قبل سے کوئی آدمی روزانہ رات میں کتے کو تنگ کیا کرتا تھا۔ دو ایک بار کتے کے جسم پر معمولی زخم بھی دکھائی دیئے۔“

”تو کیا شاہد ہی....“ حمید نے کہا۔

”نہیں....!“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”اگر یہ بات ہوتی تو وہ تقریب سے پہلے ہی شاہد کا خاتمہ کردیتا۔ بتا تو دیا کہ تقریب سے ایک دن قبل بھی شاہد کتے کو اپنے ساتھ باہر لے گیا تھا۔“

”تو پھر سعید۔“

”بھلا سعید کیسے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر یہ بات ہوتی تو وہ شاہد کی بجائے سعید پر جھپٹتا۔ کیونکہ وہ بھی پارٹی میں موجود تھا۔“

”پھر آخر کون۔“

”کوئی نامعلوم آدمی۔“ فریدی بولا۔ ”سارے واقعات معلوم کرنے کے بعد ہی سے میں نے تجربہ شروع کردیا تھا۔ واضح رہے کہ شاہد محض اس سوٹ کی وجہ سے مارا گیا۔ تقریب سے ایک ہفتہ پیشتر اس کے بکس سے غائب ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے کہ تقریب سے ایک دن قبل واپس مل جانے پر اُس نے وہی سوٹ پہنا ہوگا کیونکہ وہ اسی موقعے کے لئے سلوایا گیا تھا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”عجیب احمق آدمی ہو۔“ فریدی اکتا کر بولا۔ ”جس آدمی نے اُسے چرایا تھا، وہی اُسے راتوں میں پہن کر کتے کو تنگ کرتا رہا اور پھر تقریب سے ایک دن قبل اس نے اُسے دوبارہ بکس میں رکھ

دیا۔ کتا اس دوران میں سوٹ کی بو سے واقف ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ شاہد ہی کو تنگ کرنے والا سمجھ بیٹھا۔"

"محض کپڑے کی بو۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

"جھک نہیں مارتا رہا صاحب زادے۔" فریدی نے کہا۔ "آج ہی میرا تجربہ مکمل ہوا ہے۔ میں نے اپنے ایک سوٹ کا خون یونہی نہیں کرایا۔ ایک آدمی میرا سوٹ پہن کر میرے بلڈ ہاؤنڈ کو رات میں تنگ کرتا رہا ہے۔ وہی سوٹ میں نے کپڑے کے مجسمے کو پہنایا تھا۔ اگر وہ سوٹ خود میرے جسم پر ہوتا تو میرا بھی وہی حشر ہوتا، جو اُس مجسمے کا ہوا۔"

"آپ کا....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بلڈ ہاؤنڈ کی ذات ہی ایسی ہے۔ اصیل قسم کا بلڈ ہاؤنڈ اپنے حملہ آور کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ چاہے وہ اس کا مالک ہی کیوں نہ ہو! بعض کتوں میں یہ صفت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک رکھوالی کرنے والے السیشین ہی کو لے لو۔ وہ رات کو اپنے مالک کی آہٹ پر بھونکنے لگتا ہے اور اس وقت تک چپ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس کا نام لے کر کچھ کہہ نہ دے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔

"یہ حرکت گھر ہی کے کسی فرد کی ہو سکتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ممکن ہے! ابھی میں نے اس پر غور ہی نہیں کیا؟ بہر حال سازش کا طریقہ دریافت ہو گیا۔"

"میرے خیال سے اس سلسلے میں وہ آدمی کار آمد ثابت ہوگا جس نے سعید پر شبہ ظاہر کیا تھا۔" حمید بولا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن وہ آدمی پارٹی میں موجود نہیں تھا، جو اس کتے کو تنگ کر رہا تھا۔ ورنہ وہ اس پر بھی حملہ کرتا۔ بہر حال سازش بڑی پُر مغز تھی۔ مجرم نے ایک تیر سے دو شکار کئے۔ عالیہ کے منگیتر کا کام تمام ہو گیا اور عاشق جیل پہنچ گیا۔"

"ممکن ہے یہ سعید ہی کی حرکت رہی ہو۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ خود عالیہ ہی ان دونوں سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو۔" حمید نے کہا۔ "ایسی صورت میں سعید کا بیوقوف بن جانا ممکنات میں سے نہیں۔ وہ اپنی جگہ پر یہ سمجھتا رہا ہوگا کہ عالیہ محض اسی کے لئے شاہد کا خاتمہ کر دینا چاہتی ہے۔"

"ممکن ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں نے اس پہلو پر بھی غور کیا ہے! لیکن اس میں

ایک خامی ہے۔ تم عالیہ کو اچھی طرح نہیں جانتے۔ وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ اگر اسے سعید کو بھی ختم کرنا ہوتا تو وہ ایسی اسکیم نہ سوچتی جس کے تحت سعید قانون کے شکنجوں میں جکڑنے کے بعد مارا جاتا۔ ایسی صورت میں حقیقت ظاہر ہو جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اگر اسے سعید کو بھی مارنا ہی ہوتا تو وہ اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کر سکتی تھی۔"

وہ کھانا ختم کر چکے تھے۔ فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سگار سلگانے لگا۔

"تو بہر حال آپ کسی تیسرے آدمی کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔" حمید نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا۔

"کافی۔" فریدی نے قریب کھڑے ہوئے ویٹر سے کہا۔ پھر حمید کی طرف مخاطب ہوا۔

"ہاں کیا کہا تم نے۔"

حمید نے اپنا جملہ دہرایا۔

"میں ہر پہلو سے جائزہ لے رہا ہوں۔ فی الحال قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا ہی خیال صحیح ہو! عالیہ کی کیا بساط ہے۔ بڑے بڑے مجرم اس قسم کی غلطیاں کر بیٹھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے اگر کوئی تیسرا آدمی مجرم ہے تو اسے یہ پہلے ہی سے معلوم رہا ہوگا کہ عالیہ پارٹی میں کتے کو بھی لے جائے گی۔ میں نے عالیہ سے اس نکتے پر بھی گفتگو کی تھی کہ وہ خود ہی کتے کو لے گئی تھی یا کسی نے اس قسم کی تجویز پیش کی تھی۔ اس نے بتایا کہ یہ حرکت کسی کے مشورے کی بناء پر نہیں کی گئی تھی اور دوسری صورت میں وہ اس حرکت کا جواز بھی پیش نہ کر سکی۔"

"کتے کو تو گولی ماردی گئی ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"ماردی جاتی۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کرنے دیا۔" فریدی بولا۔ "وہ ایک اچھا گواہ ثابت ہوگا۔"

"تو وہ کہاں ہے۔"

"میرے پاس ہے میں کئی دن سے اس کا جائزہ لے رہا ہوں۔ وہ قطعی صحیح الدماغ معلوم ہوتا ہے۔"

"باندھ کر رکھتے ہیں نا؟" حمید نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"مطمئن رہو۔ وہ تمہاری گردن نہیں دبوچے گا۔ یہ سعادت تو کسی عورت ہی کے حصے میں آئے گی۔"

اتنے میں کافی آگئی اور فریدی سگار کو ایش ٹرے میں رکھ کر پیالیوں میں شکر ڈالنے لگا۔

"عالیہ ہے کافی حسین۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"اسی لئے تو میں نے تمہیں بلایا ہے۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم اس کے حسن کی گہرائیوں میں ڈوب کر ضرور کوئی نہ کوئی کام کی بات نکال لاؤ گے۔ اگر تم نے یہ رپورٹ بھی دی کہ حسن دیکھنے کیلئے ہے چھونے کیلئے نہیں تو میں اطمینان سے قبر میں پیر پھیلا کر سو سکوں گا۔"

چڑچڑا میجر

پانچ بجے شام کو فریدی اور حمید جہانگیر پیلس پہنچ گئے۔ یہ ایک بڑی اور شاندار عمارت تھی۔ پائیں باغ سے گذر کر وہ برآمدے میں آئے جہاں عالیہ ان کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ متعدد کمروں سے گذرتے ہوئے کھانے کے کمرے میں آئے جہاں ایک بڑی سی میز پر ناشتے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک کرسی پر ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اُن کے قدموں کی آہٹ پر چونک کر اس نے آنکھیں کھولیں اور ایک لمحہ تن کر بیٹھے رہنے کے بعد پھر کرسی کی پشت سے ٹک گیا.... وہ آدھ کھلی آنکھوں سے فریدی اور حمید کو دیکھ رہا تھا۔

"میرے چچا! میجر داؤد۔" عالیہ مسکرا کر بولی۔ "اور آپ انسپکٹر فریدی۔"

بوڑھے نے بیٹھے ہی بیٹھے اپنا ہاتھ فریدی کے ہاتھ میں دے دیا۔ مقصد مصافحہ تھا لیکن انداز سے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کوئی چیز فریدی کے ہاتھ میں دے رہا ہو۔ پھر اس کی سرخ سرخ آنکھیں سرجنٹ حمید کے چہرے پر جم گئیں۔

"سرجنٹ حمید۔" فریدی بولا۔

بوڑھے نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ میں بیجان گوشت کا ایک لوتھڑا جھول گیا ہو۔

"میں چائے پی چکا ہوں۔" فریدی بولا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔" بوڑھا اپنی کرسی میز کے قریب کھسکاتا ہوا بولا۔ "چائے بالکل ٹھنڈی ہو چکی ہے۔"

اور پھر اس طرح ناشتے میں ڈوب گیا جیسے اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا اس کمرے میں موجود نہ ہو۔ عالیہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گئی۔

"تو کیا آپ واقعی چائے نہ پئیں گے۔" عالیہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"قطعی نہیں! آیئے.... ذرا میں شاہد کے نوکر سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

بوڑھا چائے کا گھونٹ حلق میں اتارتے اتارتے رک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہو! ابھی تک وہی چرخہ چل رہا ہے۔" بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

عالیہ کوئی جواب دیئے بغیر دروازے کی طرف بڑھی۔

پھر وہ برآمدے میں آکر بیٹھ گئے۔ عالیہ نے شاہد کے نوکر کو بلایا۔

حمید اسے کسی خرانٹ پولیس آفیسر کی طرح تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ قبل اس کے فریدی کچھ پوچھتا حمید اسے مخاطب کر کے بولا۔

"وہ آدمی تمہیں پھر کبھی دکھائی دیا تھا؟"

"کون آدمی۔" نوکر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہی جسے تم نے شاہد کا سوٹ دیا تھا۔'

"میں نے۔" نوکر اچھل کر بولا اور پھر اس کی آنکھیں خوفزدہ نظر آنے لگیں۔

فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا اور پھر نوکر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تم کتنے دنوں سے شاہد کے ساتھ تھے۔" اس نے پوچھا۔

"تین سال سے۔"

"تم نے سوٹ غائب ہونے کا تذکرہ پہلے ہی کیوں نہیں کیا۔"

"صاحب نے منع کر دیا تھا۔"

"ہوں.... اچھا یہ بتاؤ! کیا وہ پارٹی میں وہی سوٹ پہن کر گئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"یہاں اس شہر میں ان کے کسی ملنے والے کو جانتے ہو۔"

"جی نہیں۔"

"کبھی کوئی ان سے ملنے کے لئے آتا تھا۔"

”میرے خیال سے تو کوئی بھی نہیں۔“

”تو یہاں اس گھر والوں کے علاوہ ان کے جان پہچان کا کوئی اور نہیں تھا۔“

”یہ کیسے کہہ سکتا ہوں۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ یہاں کوئی ان سے ملنے کے لئے نہیں آتا تھا۔“

”ہوں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم ابھی تک یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہو۔“

”پولیس نے روک رکھا ہے۔“

”میں شاہد کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔“ فریدی عالیہ کی طرف مڑ کر بولا۔

”چلئے۔“ عالیہ اٹھتی ہوئی بولی اور حمید اس کے کمر کے بل گننے لگا۔

”لیکن ذرا ٹھہریئے میں کنجی لیتی آؤں۔“ عالیہ نے کہا اور اندر چلی گئی۔

”تم کمرے کے پاس ٹھہرو۔“ فریدی نے نوکر سے کہا۔

اس کے جانے کے بعد وہ حمید سے بولا۔

”یہ کیا حماقت تھی۔ اس قسم کے گھسے پٹے سوالات کا طریقہ سول پولیس ہی کے لئے رہنے دو۔“

”آپ کا طریقہ تو دنیا سے نرالا ہے۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔

”پھر وہی بکواس۔ تم اتنا نہیں سوچ سکتے کہ اگر وہ سازش میں شریک ہوتا تو ایک ڈھکی چھپی بات کو کیوں ظاہر کر دیتا۔ ظاہر ہے کہ سوٹ کھو جانے والے واقعے کے متعلق شاہد کے بعد اس کے علاوہ گھر کا کوئی اور آدمی نہیں جانتا تھا۔“

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عالیہ آ گئی۔

پھر وہ شاہد کے کمرے میں آئے۔ نوکر ساتھ تھا۔ اس کمرے میں ایک مسہری اور دو تین کرسیوں اور ایک چھوٹی سی میز کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا۔

”کیا کپڑوں کا صندوق اسی کمرے میں تھا۔“ فریدی نے نوکر سے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”کس جگہ۔“

نوکر نے ایک طرف اشارہ کیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”یہ کدھر کھلتا ہے۔“

”پرانی حویلی میں.... مگر اُدھر کوئی رہتا نہیں۔“

”اوہ....!“

”لیکن آپ سوٹ کے متعلق....!“

”یہ ایک اہم بات ہے۔“ فریدی عالیہ کی بات کاٹ کر بولا۔ ”بہت ہی اہم۔“

پھر وہ نوکر کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”تم جا سکتے ہو۔“

نوکر چلا گیا۔

”ہاں مس عالیہ۔“ فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ”آپ نے بتایا تھا کہ کوئی آپ کے کتے کو راتوں میں تنگ کرتا رہا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”اور آپ نے اس کے متعلق کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی۔“

”کی تھی۔“ عالیہ بولی۔ ”لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔“

”پھر آپ نے کتے کو وہاں سے ہٹا تو دیا ہی ہوگا۔“

”ہٹاتی کہاں سے۔ وہ رات بھر کمپاؤنڈ میں کھلا رہتا تھا۔“

”اوہ....!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”لیکن آپ پارٹی میں کتے کو لے ہی کیوں گئی تھیں۔“ حمید دفعتاً بولا۔

”اب کیا بتاؤں۔“ عالیہ کے چہرے پر ندامت کے آثار پھیل گئے۔ ”حماقت تھی جو ہو گئی۔“

”خیر...“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا وہ ڈور پرانی تھی جس سے آپ نے کتے کو باندھ رکھا تھا۔“

”جی نہیں خریدنے کے بعد صرف دو تین بار استعمال کی گئی تھی۔“

”اوہ.... تو اس کا مطلب یہ ہے۔“ حمید جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ فریدی بول پڑا۔

”آپ حادثے سے کتنے دن قبل سے اس ڈور کو استعمال کر رہی تھیں۔“

”حادثے سے قبل زنجیر استعمال کی جاتی تھی.... لیکن....!“

”لیکن کیا....!“

”بات دراصل یہ ہے کہ زنجیر کی ایک کڑی کسی طرح ٹوٹ گئی تھی۔“

”اوہ.... لیکن زنجیر کے ٹکڑے نہیں ہوئے تھے؟“ فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں! لیکن خدشہ تھا کہ وہ بیچ سے الگ ہو جائے گی۔"

"وہ ہے کہاں! میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید برآمدے میں عالیہ کا انتظار کر رہے تھے، جو زنجیر تلاش کرنے گئی تھی۔

"اتنی دیر میں تم نے کام کی ایک بات پوچھی تھی۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

اور حمید کوئی جواب دیئے بغیر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ عالیہ بھی سازش میں شریک ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"بس اڑنے لگے۔ میں نے اس لئے تمہاری تعریف نہیں کی تھی۔"

"تعریف صرف اس کو زیب دیتی ہے۔" حمید درویشانہ انداز میں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "جس نے آپ کو بے جان اور مجھے ذی روح بنا کر میری مٹی پلید فرمادی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد عالیہ زنجیر لے کر آگئی۔ فریدی بغور زنجیر کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹ اس طرح سمٹ گئے تھے جیسے سیٹی بجانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ پھر وہ حمید کی طرف مڑا۔

"ذرا یہ کڑی دیکھو۔ اس کا ایک حصہ تیز دھار چیز سے کاٹا گیا ہے۔"

حمید زنجیر کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دیکھنے لگا۔

"اس میں شک نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اگر کتا زور کرتا تو یہ کڑی الگ ہو جاتی۔"

پھر اس نے نظریں عالیہ کے چہرے پر جمادیں۔

"اگر آپ کتے کو اسی زنجیر سے باندھا رہنے دیتیں اور اسے پارٹی میں نہ لے جاتیں تب بھی کسی نہ کسی وقت شاہد پر حملہ ضرور کر دیتا۔"

عالیہ استعجاب آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔

"تو کیا شاہد ہی رات میں کتے کو تنگ کیا کرتے تھے۔" عالیہ نے پوچھا۔

"آپ کافی ذہین ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن اگر یہ بات ہوتی تو وہ پہلے ہی شاہد کا خاتمہ کر دیتا۔"

"پھر....!"

"چھوڑیئے بھی پھر کبھی بتاؤں گا۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"کیا آپ کسی طرح یاد کر کے یہ نہیں بتا سکتیں ہیں کہ حادثہ ہو جانے پر کس نے سعید پر شبہ ظاہر کیا تھا۔"

"میں نے۔" کسی نے پیچھے سے کہا۔

فریدی وغیرہ چونک پڑے۔ عالیہ کا چچا میجر داؤد کمر پر ہاتھ رکھے کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

"میں نے شبہ ظاہر کیا تھا۔" وہ پھر بولا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شبہے کی کیا وجہ تھی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"وجہ یاد کرنے کے لئے وقت چاہئے۔" میجر داؤد خشک لہجے میں بولا۔ "بس مجھے اُس پر شبہ ہو گیا تھا۔"

"لیکن پولیس تو وجہ بھی معلوم کرنا چاہے گی۔"

"جہنم میں گئی پولیس۔" میجر داؤد دانت پیس کر بولا۔

فریدی مسکرانے لگا۔ حمید کی آنکھوں سے شبہ جھانک رہا تھا۔

"اُس کے لئے باقاعدہ بیان دینا پڑے گا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"اور آپ کو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ آپ نے یہ بات ابھی تک کیوں چھپائے رکھی۔"

"کیا....؟" میجر داؤد گرج کر بولا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ کو کوئی کسی بات پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر آپ نہیں بتانا چاہتے تو یہ بات مجھ تک ہی رہے گی۔"

"تم جاسکتی ہو۔" میجر داؤد نے عالیہ سے کہا اور وہ کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد وہاں سے چلی گئی۔

"ادھر آیئے۔" میجر داؤد ایک بنچ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

وہ لوگ بنچ پر بیٹھ گئے۔

"اس لڑکی نے خاندان کی ناک نالی میں رگڑ دی۔" میجر داؤد آہستہ سے بڑبڑایا۔

فریدی اور حمید خاموش رہے۔ فریدی نے اتنی دیر میں اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ میجر داؤد کس قسم کا آدمی ہے۔

"وہ اس آوارہ لونڈے سعید کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔" میجر داؤد نے کہا۔

"ایسی حالت میں کشت و خون کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ پارٹی میں اس کی موجودگی ہی شبہ پیدا کر دینے کے لئے کافی تھی۔ فطرتاً اُسے اس موقعے پر یہاں نہ آنا چاہئے تھا۔ اسے مدعو بھی نہیں کیا گیا تھا۔ سمجھ میں آگئی شبہے کی وجہ۔"

میجر داؤد فریدی کو اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ اپنے خیال کی تردید میں کچھ سننا پسند نہیں کرے گا۔

"آپ کا خیال قطعی درست ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور پھر اس کے جیب سے چاقو بھی برآمد ہوا۔" میجر داؤد بولا۔

"آپ نے اسے ڈور کاٹتے بھی دیکھا تھا؟"

"نہیں۔" میجر داؤد بڑبڑایا۔ "اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسے کسی نے ڈور کاٹتے نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ مجرم نہیں ہے تو یہ آپ کی بھول ہوگی۔ آخر وہ اتنا بڑا چاقو لے کر یہاں آیا ہی کیوں تھا؟"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یقیناً اس کی نیت میں فتور تھا۔ آپ مجھ سے عمر میں بہت بڑے ہیں اور مجھ سے زیادہ تجربہ کار بھی۔ کتوں کے متعلق آپ یقیناً مجھ سے زیادہ جانتے ہوں گے۔"

"میں اس کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا۔" میجر داؤد نے نرم لہجے میں کہا۔ "البتہ مجھے بچپن ہی سے کتوں کا شوق تھا۔"

"ہاں تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" فریدی سوچنے کے انداز میں بولا۔ "آخر اس نے شاہد پر حملہ کیوں کیا تھا جب کہ وہ اس سے کافی مانوس تھا۔"

"اوہ۔" میجر داؤد ہنسنے لگا۔ "یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ کتوں سے تھوڑی سی دلچسپی بھی رکھنے والا یہ جانتا ہے کہ بلڈاگ اور بلڈ ہاؤنڈ کے مزاج کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ بعض حالات میں یہ اپنے مالک تک کو نہیں چھوڑتے۔"

فریدی نے معنی خیز انداز میں حمید کی طرف دیکھا۔ پھر داؤد کی طرف مڑ کر بولا۔

"آپ نے ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔ شکریہ! بات دراصل یہ ہے کہ میں اس معاملے کو باعزت طور پر ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک شریف خاندان کی رسوائی ہو۔ میں

دراصل مس عالیہ کو سمجھا بجھا کر صحیح راستے پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر وہ اس بات سے انکار کر دیں کہ وہ سعید کو جانتی ہیں تو پھر یہ میرے بائیں ہاتھ کا کام ہوگا کہ میں سعید اور شاہد کی پرانی دشمنی ثابت کر کے سعید کو پھانسی کے تختے تک پہنچا دوں۔"

میجر داؤد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریدی کی بات کا وزن پرکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"جو دل چاہے کیجئے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "اب تو خاندان کی عزت خاک میں مل ہی چکی۔"

آسیب زدہ عمارت

میجر داؤد تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا خلاء میں گھورتا رہا اور پھر ایک طویل سانس لے کر اٹھتا ہوا بولا۔ "خیر! اچھا میں عالیہ کو بھیجتا ہوں۔"

وہ تھوڑی دور چلنے کے بعد پھر پلٹا۔ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ "مگر وہ کتا کہاں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ کسی احمق پولیس افسر نے اسے اپنے پاس رکھ چھوڑا ہے۔ آخر اسے گولی کیوں نہیں ماردی گئی۔ میں اعلیٰ حکام کو اس کے متعلق لکھوں گا۔"

"وہ کتا دراصل میرے ہی پاس ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کے پاس؟ اس عقل مندی کا سبب؟"

"میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ سچ مچ پاگل ہے یا نہیں؟"

"بہت خوب۔" میجر داؤد طنزیہ انداز میں بولا۔ "پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے۔"

"قطعی پاگل ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور کل ہی اُسے رائفل کا نشانہ بنا دیا جائے گا۔"

میجر داؤد کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

"کیا خیال ہے۔" حمید بولا۔

"دلچسپ آدمی ہے۔" فریدی نے جیب سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔

"میں اس کے متعلق شبہے میں مبتلا ہو گیا ہوں۔"

"کیوں؟"

"اس کی گفتگو۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "آخر آپ نے اس سے اتنے سارے جھوٹ کیوں بول ڈالے۔"

"آدمی ضدی اور چڑچڑا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی ہاں میں ہاں ملائے بغیر کام نہیں چلے گا۔"

"تو آپ کو اس پر شبہ نہیں ہے۔"

"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"پھر آپ کیا کہہ سکتے ہیں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"یہی کہ فضول بکواس کر کے دماغ خراب مت کرو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ کوٹھی کی کھڑکیوں اور جالیوں میں روشنی دکھائی دینے لگی تھی۔ فریدی بنچ کی پشت سے ٹک کر سگار کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

کچھ دیر بعد عالیہ آ گئی۔ اس کے انداز سے ندامت ظاہر ہو رہی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کا سامنا چچا جان سے ہو گیا۔" عالیہ نے کہا۔

"کیوں.... بھلا اس میں افسوس کی کیا بات ہے۔" فریدی بولا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔" عالیہ نے کہا۔ "اگر اُن کی کوئی بات ناگوار گذری ہو تو اس کے لئے میں معافی چاہتی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں.... میں سمجھتا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "بر سبیل تذکرہ! ذرا یہ تو بتایئے کہ آپ کے چچا کے صاحبزادے کہاں مل سکیں گے۔"

"اوہ.... وہ بیچارے.... چچا جان لاولد ہیں۔"

"بڑا افسوس ہوا.... آپ کا پائیں باغ بہت حسین ہے۔ اس کے گرد چہار دیواری بڑے سلیقے سے بنائی گئی ہے۔ یہ اس کا دوسرا پھاٹک کدھر کھلتا ہے؟"

"پرانی حویلی میں.... مگر یہ ہمیشہ بند ہی رہتا ہے۔" عالیہ نے کہا۔

"تو کیا پرانی حویلی بالکل خالی رہتی ہے؟ بیٹھ جایئے! کب تک کھڑی رہیئے گا۔"

عالیہ بیٹھ گئی۔

"وہاں کوئی نہیں رہتا۔" اس نے کہا۔ "پرانی حویلی دراصل آسیب زدہ ہے۔"

"اوہ....!" فریدی چونک کر بولا۔ "لیکن آپ لوگ تو تعلیم یافتہ ہیں۔"

"میں بذاتِ خود آسیب واسیب میں یقین نہیں رکھتی! مگر دوسرے گھر والے....!"

"خیر، خیر۔ چیز دلچسپ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ مجھے پرانی حویلی کی سیر کرنے کی اجازت دیں گی۔"

"ضرور ضرور! ٹھہریئے میں پیٹرومیکس لیمپ جلوا کر لاتی ہوں۔" عالیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اس کے جانے کے بعد فریدی حمید سے بولا۔

"میرا خیال ہے کہ مجرم نے اس کام کیلئے پرانی حویلی ہی کو استعمال کیا تھا۔ کیا خیال ہے؟"

"آپ میرا خیال پوچھ رہے ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔ "اور میں سوچ رہا ہوں کہ آخر ان آسیب زدہ عمارتوں سے کب پیچھا چھوٹے گا۔ ہر کیس میں ایک نہ ایک بھوت گھر موجود رہتا ہے۔ واقعی ہم لوگ کسی جاسوسی ناول کے سراغرساں ہو کر رہ گئے ہیں۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نظریں پرانی حویلی کے سلاخوں دار پھاٹک پر جمی ہوئی تھیں۔

"اس پھاٹک کے ذریعے بہت آسانی سے کسی کتے کو تنگ کیا جا سکتا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"مگر عالیہ تو کہتی ہے کہ کتا کھلا رہتا تھا۔ ضروری نہیں کہ وہ اس پھاٹک کے قریب بھی آتا رہا ہو۔" حمید نے کہا۔

"لیکن کیا تم گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پھینک کر اسے پھاٹک کے قریب نہیں بلا سکتے۔ میرا خیال ہے کہ مجرم نے یہی طریقہ اختیار کیا ہو گا اور پھر اسے تنگ کرنے کے لئے کوئی نوکدار چیز استعمال کی ہو گی۔"

"لیکن گھر ہی کا کوئی آدمی۔"

"پھر وہی حماقت۔" فریدی حمید کی بات کاٹ کر بولا۔ "گھر کا کوئی آدمی ایسا کرنے کے بعد گھر میں رہ ہی نہیں سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو کتا اُسے کب چھوڑتا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ گھر کا کوئی آدمی سازش میں ضرور شریک رہا ہے۔"

"ممکن ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر یک بیک حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تم نے شاید ایک بات مارک نہیں کی۔ شاہد کے کمرے کے اس دروازے میں اندر کی طرف چٹخنی نہیں ہے، جو پرانی حویلی میں کھلتا ہے، اوہ.... تو اب ہمیں یقین کر لینا چاہئے کہ پرانی حویلی ضرور استعمال کی گئی ہے۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عالیہ واپس آگئی۔

"لیمپ منگوایا ہے۔" عالیہ بولی۔ "لیکن والدہ صاحبہ پرانی حویلی کھولنے کی اجازت نہیں دیتیں۔"

"کیوں....!"

"وہی بھوتوں کا خیال۔"

"اوہ.... لیکن یہ ضروری ہے۔"

"والدہ صاحبہ آپ لوگوں کو منع کرنے کے لئے خود آرہی ہیں۔"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک معمر عورت اُن کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔

"والدہ صاحبہ۔" عالیہ آہستہ سے بولی۔ فریدی قدرے جھک کر پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"انسپکٹر صاحب! کیا حویلی میں جانا ضروری ہے۔" عالیہ کی ماں نے پوچھا۔

"قطعی ضروری ہے محترمہ۔" فریدی نے کہا۔ "آپ مطمئن رہئے۔ کوئی بھوت اُدھر نہیں آسکتا۔"

"یہ بات نہیں۔ میں کئی دن سے کچھ عجیب قسم کی آوازیں سن رہی ہوں۔"

"خوفناک آوازیں۔" حمید چونک کر بولا۔

"جی ہاں۔ وہ حویلی ہی کی طرف سے آتی معلوم ہوتی ہیں۔"

"کس قسم کی آوازیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہ بتانا دشوار ہے۔ میں کس طرح بتاؤں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں نے اس طرح کی آوازیں پہلے کبھی نہیں سنیں۔"

"کتنے عرصے سے آپ آوازیں سن رہی ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"تقریباً پندرہ یا بیس یوم سے۔"

"اوہ....!" فریدی معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں تو کہتی ہوں کہ اس معاملے کو طول دینا ہی فضول ہے۔" عالیہ کی ماں آہستہ سے بڑبڑائی۔ "یہ حرکت سعید کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہوسکتی۔ اس کا بیان قطعی غلط ہے کہ کسی اور نے وہ چاقو اس کی جیب میں ڈال دیا تھا۔"

"میں خود یہی سمجھتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بہر حال میں اپنا اطمینان کر لینا چاہتا ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس کے بغیر میری تفتیش نامکمل رہے گی۔"

"مگر عالیہ تو کہتی ہے کہ یہ کیس سرکاری طور پر آپ کو نہیں سونپا گیا بلکہ آپ اس کی درخواست پر اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"اب تو سرکاری ہی طور پر سمجھئے۔" فریدی نے کہا۔

عورت تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "میں تو عالیہ سے تنگ آگئی ہوں۔ آخر میں اسے شرمندگی اٹھانی پڑے گی جسے یہ فرشتہ سمجھ رہی ہے وہ شیطان سے بھی بدتر ثابت ہوگا۔ خیر مجھے کیا کرنا ہے۔ جہاں اتنی بدنامی سہی ہے وہاں تھوڑی اور سہی۔"

تھوڑی دیر بعد ایک نوکر پیٹرو میکس لیمپ لے کر آگیا۔ فریدی نے اس کے ہاتھ سے لیمپ لے کر اسے واپس جانے کا اشارہ کیا۔

"تم بھی جاؤ۔" عالیہ کی ماں عالیہ کی طرف مڑ کر بولی۔

حمید نے آگے بڑھ کر پرانی حویلی کا پھاٹک کھولا۔ فریدی حمید اور عالیہ کی ماں پرانی حویلی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی کبھی ایک پُر فضا پائیں باغ رہا ہوگا لیکن اب ہر طرف ویرانی نظر آرہی تھی۔ پائیں باغ کی چہار دیواری کافی بلند تھی۔ فریدی چند لمحے رک کر ادھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر عالیہ کی ماں کی طرف مڑا۔

"تو کیا آپ اندر چلیں گے۔" عالیہ کی ماں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

وہ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "تو ٹھہرئیے.... میں کنجیاں لے آؤں۔"

فریدی اور حمید پھر تنہا رہ گئے۔ فریدی نے اس دوران میں چہار دیواری کے نیچے نیچے پورے پائیں باغ کا چکر لگا ڈالا۔

"چہار دیواری کافی اونچی ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اور اس پر چاروں طرف شیشے کے ٹکڑے جڑے ہوئے ہیں لہٰذا اُدھر سے تو کسی کے آنے کے امکانات نہیں ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس ویران باغ سے گذرنے والی شائیں شائیں کرتی ہوئی ہوا اور پُر اسرار ویرانی نے اس کے ذہن پر ایک بے نام سا خوف مسلط کر دیا تھا۔

فریدی نے بجھا ہوا سگار پھینک کر دوسرا سلگایا اور صدر دروازے پر نظریں جمائے ہوئے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد عالیہ کی ماں واپس آئی۔ اس کے ساتھ میجر داؤد بھی تھا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں نے کہا لگے ہاتھوں تھوڑا اطمینان اور کرلوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیسا اطمینان.... کس بات کا اطمینان۔" میجر داؤد پھر گرجا۔

"میجر صاحب یہ نہ بھولئے کہ آپ کا ایک مہمان آپ ہی کے پائیں باغ میں پُر اسرار طریقے پر مارا گیا۔"

"پُر اسرار طریقے پر۔" میجر داؤد چونک کر بولا۔ "شاید آپ کا دماغ چل گیا ہے۔ وہ ایک پاگل کتے کا شکار ہوا تھا اور جس کی وجہ سے کتے نے حملہ کیا تھا وہ اس وقت جیل میں ہے۔"

"مگر میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ وہ کتا پاگل نہیں ہے۔ اگر دنیا کا کوئی ڈاکٹر اُسے پاگل ثابت کردے تو میں اپنا نام بدل دوں گا۔"

"سمجھا۔" میجر داؤد سر ہلا کر معنی خیز انداز میں بولا۔ "اچھی طرح سمجھ گیا بھلا کوئی کیس ہو جائے اور پولیس والے رشوت کا حساب کتاب لگائے بغیر شریفوں کا پیچھا چھوڑ دیں.... ناممکن۔"

فریدی اس [illegible] ریمارکس پر بھی بد[illegible]ور مسکراتا رہا لیکن حمید کے نتھنے پھڑکنے لگے۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔

[illegible]پ کس سے باتیں کر رہے ہیں۔" وہ آگے بڑھ کر تلخ لہجے میں بولا۔

فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

"میں ابھی کمشنر کو فون کرتا ہوں۔" میجر داؤد نے بگڑ کر کہا۔

"کمشنر نہیں بلکہ وزیر اعظم کو تار دے دیجئے۔" حمید نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"بھئی ان سب باتوں کی کیا ضرورت ہے۔" عالیہ کی ماں گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ پھر میجر داؤد کو شانے سے پکڑ کر پھاٹک کی طرف دھکیلنے لگی۔

"تم جاؤ.... جاؤ بھئی.... تمہیں ان سب باتوں سے کیا سروکار۔"

"سروکار۔" میجر داؤد نے چیخ کر کہا۔ "تم دونوں ماں بیٹی خاندان کی عزت کا جنازہ نکال دینے پر تل گئی ہو۔ میں ان ٹکڑگدے پولیس انسپکٹروں کے آگے نہیں جھک سکتا۔"

"کیا کہا......!" حمید پھر میجر داؤد کی طرف جھپٹتے ہوئے بولا۔ "جسے تم ٹکڑگدا کہہ رہے ہو وہ تم جیسوں کو خرید کر مفت بانٹ سکتا ہے۔"

"حمید....!" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ پھر میجر داؤد کی طرف جھک کر بولا۔ "آپ اس کی باتوں کا بُرا نہ مانئے گا.... اس کا خون ذرا گرم ہے۔"

"آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔" عالیہ کی ماں پُر ندامت لہجے میں بولی۔ "بات دراصل یہ ہے کہ....!"

"مجھے معلوم ہے کہ ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں.... جی ہاں۔"

عالیہ کی ماں نے صدر دروازے کی کنجی فریدی کو دے دی۔ فریدی آگے بڑھ کر تالا کھولنے لگا جو بہت زیادہ زنگ آلود تھا۔

"یہ کب سے نہیں کھولا گیا۔" اس نے مڑ کر پوچھا۔

"چھ یا سات ماہ ہو گئے۔" عالیہ کی ماں نے کہا۔

تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد تالا کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی گندی اور بدبودار ہوا کا جھونکا اُمڈ پڑا۔ جس میں ابابیلوں اور چمگادڑوں کی بیٹ کی بو شامل تھی۔

حمید نے جلدی سے ناک پر رومال رکھ لیا۔ فریدی لیمپ اٹھا کر اندر داخل ہوا۔

پھر وہ ایک راہداری سے گذرتے ہوئے صحن میں آئے، جو اونچی اونچی دیواروں سے گھرا ہوا تھا۔ مغرب کی طرف ایک وسیع دالان تھا جس کے اونچے اونچے محراب خشک بیلوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

[illegible] [illegible]ے چاہئے۔" فریدی عالیہ کی ماں کی طرف مڑ کر بولا۔ "جس کا ایک دروازہ شاہد مرحوم کے رہائشی کمرے میں کھلتا ہے۔"

عالیہ کی ماں چونک پڑی۔ وہ تھوڑی دیر تک تحیر آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"چلئے۔"

وہ انہیں دالان میں لے آئی اور ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے ایک طرف کھڑی

ہوگئی۔ فریدی نے لیمپ اونچا کیا۔ دروازے میں ایک زنگ آلود تالا لٹک رہا تھا۔ فریدی ایک اسٹول گھسیٹ کر اس پر چڑھ گیا اور لیمپ کو تالے کے قریب لے جا کر کچھ دیکھنے لگا۔ دفعتاً اس کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی اور وہ نیچے اتر آیا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ اس کی نظریں سرعت سے دالان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اچانک انہیں اپنی پشت پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

میجر داؤد منہ میں ایک بھدا سا پائپ دبائے اپنی چھوٹی چھوٹی چمکیلی آنکھوں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"کہئے جناب تفتیش فرما چکے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"ارے تم پھر آگئے۔" عالیہ کی ماں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خاموش رہو۔" میجر داؤد کے لہجے میں سختی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو گھورتا رہا پھر منہ سے پائپ نکال کر پُر وقار انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

"تم یقیناً پاگل ہوگئے ہو۔" اس نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور لیمپ زمین پر رکھ کر سگار سلگانے لگا۔

"خدا کے لئے تم چلے جاؤ" عالیہ کی ماں بولی۔

"ایسا نہ کہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میجر صاحب کی موجودگی ہمارے لئے باعث برکت ہے۔"

"تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔" میجر داؤد چیخا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میجر صاحب۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "واقعی میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"اصلی مجرم کو گرفتار کرنا۔"

"تو اصلی مجرم یہ ہیں۔" میجر عالیہ کی ماں کی طرف اشارہ کر کے پاگلوں کی طرح چیخا۔ "جنہوں نے عالیہ کو لاڈ اور پیار میں خراب کر دیا۔ اصلی مجرم عالیہ کا باپ ہے جس نے عالیہ کی بے راہ روی پر اسے تنبیہہ نہ کی۔"

"بکواس بند کرو۔" عالیہ کی ماں اتنے زور سے چیخی کہ اس کی آواز بھرا گئی اور پھر وہ بے تحاشہ چیختی ہی رہی، جو کچھ زبان میں آرہا تھا پاگلوں کی طرح بکے جا رہی تھی۔ فریدی نے بدقت تمام اُسے خاموش کرایا۔ میجر داؤد اس طرح مسکرا رہا تھا جیسے اس کی بھاوج ابھی تک اس کی شان میں قصیدہ پڑھتی رہی ہو۔

"واقعی یہ مکان آسیب زدہ معلوم ہوتا ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ہشت....!" فریدی نے لیمپ اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں سامنے والے زینوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"یہ زینے۔" اس نے عالیہ کی ماں سے پوچھا

"اوپری منزل کے ہیں۔" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ وہ ابھی تک میجر داؤد کو گھور رہی تھی۔

فریدی زینوں کی طرف بڑھا۔ دوسرے لمحے میں سب اوپری منزل کی طرف جا رہے تھے۔

اوپری منزل پر دو تین کمرے تھے۔ ایک کمرے کا دروازہ دوسری طرف بھی تھا، جو کھلا ہوا تھا اور اس دروازے کے سامنے ایک چھوٹا سا چھجا تھا۔ جس کے چاروں طرف لوہے کا جنگلا لگا ہوا تھا۔ عین چھجے کے نیچے ایک بڑا سا گنجان شاخوں والا درخت تھا۔

فریدی چھجے پر کھڑا ہو کر لیمپ کی روشنی میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"کیا یہ دروازہ کھلا ہی رہتا ہے۔" اُس نے مڑ کر پوچھا۔

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں بتا سکتی۔" عالیہ کی ماں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ شاید ابھی تک اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔

دفعتاً چڑچڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور فریدی ایک چیخ کے ساتھ لیمپ سمیت نیچے چلا گیا۔ پھر ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ ساتھ ہی دوسری طرف میدان میں ایک تیز قسم کی روشنی کا جھماکا سا ہوا.... اور پھر.... وہی تاریکی اور لامحدود سناٹا۔

شاخ میں خنجر

حمید بے تحاشہ چیخ کر چھجے کی طرف بڑھا اگر پشت سے میجر داؤد کی ٹارچ کی روشنی اس کی

آنکھیں نہ کھول دیتی تو شاید اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو فریدی کا ہوا کیونکہ چھجے کا ایک بڑا سا پتھر ٹوٹ کر نیچے گر چکا تھا اور اب اس کی جگہ ایک بہت بڑی سی خلا تھی۔ ایک بار پھر حمید کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اُس نے پلٹ کر میجر داؤد کے ہاتھ سے ٹارچ چھین لی اور نیچے کی طرف بھاگا۔

میجر داؤد کی گرجدار آواز تاریک عمارت میں گونج رہی تھی۔ "اسی لئے منع کر رہا تھا۔"

حمید گرتا پڑتا بھاگا جا رہا تھا۔ پائیں باغ میں پہنچ کر اس نے ادھر اُدھر روشنی ڈالی لیکن یہاں دوسری طرف پہنچنے کا کوئی راستہ نہ تھا

وہ پھاٹک سے گذرتا ہوا نئی عمارت کے پائیں باغ میں آیا۔ اب وہ اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ راستہ میں عالیہ نے اسے روکنا چاہا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اس وقت ہوش ہی میں نہیں تھا۔

نئی عمارت کا چکر لگا کر وہ پرانی حویلی کی پشت پر پہنچا۔ چھجے کے نیچے ٹوٹا ہوا پیٹرومیکس لیمپ پڑا ہوا تھا۔ لیکن فریدی۔ اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید دیوانہ وار اس کا نام لے کر چیخنے لگا۔ مگر جواب ندارد۔ آہستہ آہستہ اس کی چیخوں میں ضبط گریہ کی کپکپاہٹ بھی شامل ہو گئی، لیکن بے سود۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح چاروں طرف دوڑنے لگا۔ اتنے میں میجر داؤد وغیرہ بھی کئی نوکروں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں لالٹینیں تھیں۔

بدقت تمام انہوں نے حمید کو روکا۔

"لاش کیا ہوئی۔" میجر داؤد پرسکون لہجے میں بولا۔

"لاش....!" حمید بے اختیارانہ انداز میں اس کا گریبان پکڑ کر چیخا۔ پھر اس نے میجر داؤد کو دھکا دیا اور پیچھے کی طرف الٹ گیا۔

"بتاؤ فریدی کہاں ہے۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخا۔ "ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

دفعتاً چھجے کے نیچے والے درخت میں کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوئی اور کوئی زمین پر کودا۔

لالٹینیں اٹھیں اور حمید نے دفعتاً دیوانوں کی طرح قہقہہ لگایا۔

"ارے آپ۔"

"[illegible]ے کی ضرورت نہیں۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ اس کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل رہا تھا۔

پھر ایک عجیب سی خاموشی طاری ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سب کو سکتہ ہو گیا ہو۔ میجر داؤد زمین سے اٹھ کر اپنے کپڑے جھاڑ رہا تھا اور اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"دیکھ لیا ضد کا انجام۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"میں آپ سے استدعا کروں گا کہ آپ یہاں سے چلے جایئے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں چلا جاؤں.... کیوں.... یہ میرا مکان ہے.... میری زمین ہے۔"

"چلے جاؤ۔" دفعتاً فریدی گرج کر بولا۔ "آپ سب جا سکتے ہیں۔"

عالیہ اور اس کی ماں میجر داؤد کو سمجھا بجھا کر وہاں سے لے گئیں۔ فریدی نے ایک نوکر کے ہاتھ سے لالٹین لے لی۔

"اور یہ خون۔" حمید تھوڑی دیر بعد فریدی کی پیشانی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"فی الحال اسے بھول جاؤ۔" فریدی نے کہا اور حمید کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر درخت کی گنجان شاخوں میں روشنی ڈالنے لگا۔

ٹارچ کی روشنی ایک بڑے سے خنجر کے گرد دائرہ بنا رہی تھی، جو ایک موٹی سی شاخ میں پیوست تھا۔

"خنجر۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

فریدی نے ٹارچ حمید کے ہاتھ میں دے دی اور خود جوتے اتار کر درخت پر چڑھنے لگا۔ حمید خنجر پر روشنی ڈال رہا تھا۔ فریدی نے جیب سے رومال نکال کر خنجر پر ڈال دیا اور پھر اسے شاخ سے نکالنے کے بعد رومال میں لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا۔

درخت سے اُتر کر وہ چھجے کے نیچے آ گیا۔

"لالٹین ادھر لاؤ۔" اس نے حمید سے کہا۔

تھوڑی دیر تک وہ چھجے کے ٹوٹے پتھر کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اور سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا کہ وہ ہاتھ آ کر نکل گیا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کون۔"

"مجرم۔ اُسی نے چھجے کا پتھر بیچ سے توڑا تھا اور پھر اس درخت پر بیٹھا میری موت کا انتظار کرتا رہا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔ پھر سوچ کر بولا۔ "میں نے میجر کے متعلق اپنے شبہے کا اظہار کر کے غلطی نہیں کی تھی۔"

"میں اب بھی اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"بظاہر میجر کی حرکتیں ایسی ہیں کہ انہیں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

فریدی لالٹین لے کر پھر درخت کے تنے کی طرف آیا۔

"دیکھو یہ پیر کے نشانات۔" اس نے آہستہ سے کہا اور نشانات دیکھتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔ دفعتاً اس نے لالٹین زمین پر رکھ دی اور کچھ سوچنے لگا۔

"بیسود ہے۔" اس نے کہا۔ "یہاں زمین کچھ سخت ہے آگے نشانات نہیں مل سکتے۔"

"مگر وہ خنجر۔"

"ٹھہرو!" فریدی ایک طرف بڑھتا ہوا بولا۔ لالٹین کی روشنی میں حمید نے دیکھا کہ وہ جھک کر کوئی چیز اٹھا رہا ہے۔ یہ ایک لفافہ تھا۔ حمید بے تابانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ لفافے پر تازہ خون کے دھبے تھے، اور اس پر عالیہ کا پتہ لکھا ہوا تھا۔

"اوہ یہ تو میرا ہی خون ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

دوسرے لمحے میں وہ لفافے سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر لالٹین کی روشنی میں پڑھ رہا تھا۔

"عالیہ ڈارلنگ!

یہ بہت بُرا ہو رہا ہے۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ذرا جرأت سے کام لو۔ اگر تم چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ورنہ میری زندگی محال ہے۔ میں خودکشی کر لوں گا یا شاہد کو مار ڈالوں گا۔ خدارا کچھ کرو..... بہت جلد...

تمہارا سعید۔"

"اوہ....!" حمید چونک کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور فریدی لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

"تو شاہد کو مار ڈالنے کی نیت تھی۔" حمید نے کہا۔

"دیکھو یہ خون بھری انگلیوں کے نشانات۔" فریدی نے لفافہ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔"

"اب معاملہ بالکل صاف ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجرم اسی خط کے لئے اس وقت یہاں آیا تھا۔ یعنی خط چرانے کی نیت سے۔ اتفاقاً شاید اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ میں یہاں موجود ہوں اور پرانی حویلی دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ تو صاف ہے کہ وہ اسی درخت کے ذریعے حویلی میں داخل ہوا کرتا ہے۔ اس نے سوچا کیوں نہ میرا صفایا ہی کر دے۔ لہٰذا وہ چھجے کا پتھر توڑ کر درخت پر اتر گیا اور وہاں چھپا بیٹھا رہا۔ اُسے توقع تھی کہ میں چھجے سے گر کر سیدھا زمین پر پہنچوں گا۔ مگر یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ درخت کی ایک شاخ میرے ہاتھ میں آ گئی اور اس نے اپنی سکیم ناکام ہوتے دیکھ کر مجھ پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ یہاں بھی قدرت مہربان تھی۔ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو شاید تم اس وقت میری لاش دیکھتے۔ اس نے تو اپنی دانست میں کامیابی حاصل کر ہی لی تھی۔ لہٰذا فوراً ہی کود بھاگا۔ میں دراصل اس وقت نیم بیہوشی کی حالت میں تھا۔ ایک تو اوپر سے اچانک گرنا اور پیشانی کی چوٹ! مجھے اسی بات پر حیرت ہے کہ میں ایسی حالت میں اتنی دیر تک شاخوں سے کس طرح چمٹا رہ گیا اور اسے لکھ لو کہ یہ وہی تھا جس نے شاہد کا سوٹ چرایا تھا۔ میں نے اس تالے کو بغور دیکھا ہے، جو شاہد کے کمرے والے دروازے پر پڑا ہوا ہے۔ وہ زنگ خوردہ ضرور ہے لیکن قریب سے دیکھنے پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی نے مٹی کا تیل ڈال کر اس کے اندر کی صفائی کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"مگر یہ خط۔"

"ہاں وہ اسے چرانے کے لئے آیا تھا تاکہ سعید کے خلاف ایک ثبوت اور مہیا ہو سکے! یہ خط اس کے لئے بہت زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں سعید نے شاہد کو مار ڈالنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

"ہوگا۔" حمید نے کہا۔ "میں تو ابھی تک اُسی نظریئے پر قائم ہوں کہ خود عالیہ ہی نے ان دونوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ اور اس وقت یہ خط والی چال اُن دونوں کے تابوت میں آخری کیل معلوم ہوتی ہے۔"

"بھلا وہ کس طرح؟"

"عالیہ جانتی تھی کہ آپ اس وقت آئیں گے۔ لہٰذا اس نے پہلے ہی سے ان سب حرکتوں کا انتظام کرلیا تھا۔"

"پھر کہوں گا کہ تم ایک عظیم الشان احمق ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر یہی بات ہوتی تو وہ سوٹ غائب ہو جانے والا واقعہ خود نہ بتاتی کیونکہ شاہد کے نوکر کا بیان پہلے ہی قلم بند کیا جاچکا ہے اور اس میں اس کا تذکرہ نہیں تھا۔"

"چلئے یہ بھی سہی۔" حمید نے کہا۔ "یہ بتایئے کہ آخر اس کے نوکر نے اتنے دنوں کے بعد یہ بات کیوں ظاہر کی۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ محض اس کی سادہ لوحی اور آقا پرستی کی جبلت کی بناء پر ہو تو اس نے خود سے یہ بات کبھی ظاہر نہ کی ہوگی۔ عموماً قاعدہ ہے کہ لوگ مرنے والوں کی شان میں ان کے بعد بڑے بڑے قصیدے پڑھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے سامنے اسی قسم کی گفتگو ہو رہی ہو اور اس نے مرنے والے کی وضعداری پر بھی روشنی ڈال دی ہو کہ اس نے محض اخلاقاً اس بات کا تذکرہ نہیں کیا کہ اس کا سوٹ کسی نے چرا لیا تھا..... خیر چھوڑو اس بحث کو۔ آؤ چلیں۔"

دونوں پرانی حویلی سے نئی عمارت کی طرف روانہ ہوگئے۔

"ذرا ٹھہریئے۔" حمید بولا۔ "آخر یہ زخم۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر چلتا رہا۔ شاید وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس کی پیشانی سے ابھی تک خون رس رہا ہے۔ نئی عمارت کے برآمدے میں گھر کے سارے ملازم اور دونوں ماں بیٹی انتہائی سراسیمگی کے عالم میں کھڑی تھیں۔ فریدی کو دیکھتے ہی دونوں مضطربانہ انداز میں اس کی طرف بڑھیں۔

"عالیہ ڈاکٹر کو فون کرو۔" عالیہ کی ماں نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "زخم گہرا نہیں ہے۔ میں خود ٹھیک کرلوں گا۔"

"یہ آخر ہوا کیسے۔"

"بارجے کا پتھر ٹوٹ گیا تھا۔"

"پتھر ٹوٹ گیا تھا۔" بوڑھی متحیر ہو کر بولی۔

"جی ہاں اور اگر وہ درخت نہ ہوتا تو میں کہیں اور پایا جاتا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا تو اندر چلئے۔ جلدی کیجئے۔" عالیہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں آپ کی پیشانی کی ڈریسنگ کروں۔"

تھوڑی دیر بعد جب عالیہ غسل خانے میں فریدی کی پیشانی پر پٹی باندھ رہی تھی فریدی نے اس سے پوچھا۔

"سعید کبھی کبھی آپ کو خط لکھتا رہا ہوگا۔"

"اکثر۔"

"اس نے آخری خط آپ کو کب لکھا تھا۔"

عالیہ کچھ سوچنے لگی۔

"اتنا تو یاد نہیں۔" عالیہ کچھ دیر بعد بولی۔ "البتہ اتنا بتا سکتی ہوں کہ یہ بات دعوت سے پہلے کی ہے۔"

"کیا آپ مجھے وہ خط دے سکتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ...!" وہ کچھ گھبرا سی گئی۔ "بات.... یہ ہے.... بات یہ ہے کہ.... میں نے اُسے جلا دیا تھا۔"

"آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔"

"جی.... جی ہاں.... اچھی طرح۔"

فریدی نے جیب سے وہ لفافہ نکال کر عالیہ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ عالیہ پٹی باندھ چکی تھی۔

"یہ کیا۔" عالیہ بے اختیار اچھل پڑی۔

"اس کے اندر وہ خط موجود ہے۔" فریدی نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

عالیہ نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے خط نکالا اور بے اختیار چیخ پڑی۔

"نہیں! نہیں۔ آپ اس خط سے سعید کو مجرم نہیں ثابت کر سکتے۔"

"کیوں؟"

"اس نے محض دھمکی دی تھی۔ اس نے ایسا نہیں کیا۔ ہرگز نہیں کیا۔"

عالیہ خاموش ہوگئی۔ اس کے چہرے پر اچانک زردی چھاگئی تھی۔

"میں.... میں.... دراصل۔" وہ تھوک نگلتی ہوئی بولی۔ "میں آپ کو یہ خط نہیں دینا

چاہتی تھی۔"

"خیر....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے یہ خط رکھا کہاں تھا۔"

"اپنے سونے کے کمرے میں۔"

"کیا اُس میں کوئی ایسا دروازہ ہے، جو پرانی حویلی میں کھلتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... کیوں؟" عالیہ چونک کر بولی۔

"یونہی میں ذرا وہ کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"چلئے۔"

عالیہ فریدی کو اپنے سونے کے کمرے میں لے آئی۔ لیکن دروازہ کھولتے ہی وہ چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔ پرانی حویلی کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور فرش پر شیشے کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ کمرے میں تین سوٹ کیس تھے جن کی ساری چیزیں کسی نے فرش پر بکھیر دیں تھیں۔ عالیہ تھوڑی دیر تک کمرے کی ابتری کو متحیرانہ انداز میں دیکھتی رہی پھر فریدی کی طرف مڑ کر بولی۔

"تو کیا آپ۔"

"آپ غلط سمجھیں؟" فریدی آگے بڑھ کر بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک فرش پر جھکا ہوا کچھ دیکھتا رہا پھر اٹھ کر آہستہ سے بولا۔ "کسی نے دروازے کا شیشہ توڑ کر چٹخنی گرائی ہے۔"

"کس نے۔"

"وہی جس نے بارجے کا پتھر توڑ کر مجھے مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔"

"پتھر توڑ کر.... میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"وہ اُسی خط کو چرانے کے لئے آیا تھا۔ مجھے یہاں دیکھ کر اس نے سوچا کہ کیوں نہ مجھ پر بھی ہاتھ صاف کرتا چلے۔"

"کون ہو سکتا ہے۔" عالیہ اس طرح بولی جیسے خود سے باتیں کر رہی ہو۔

دوسرا حملہ

"یہ تو آپ ہی سوچ کر بتائیے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "کسی ایسے آدمی کا نام جو شاہد

اور سعید دونوں کو ناپسند کرتا رہا ہو۔"

عالیہ چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔

"شاہد سے تو کوئی یہاں واقف ہی نہیں تھا اور سعید کے جاننے والوں کو میں نہیں جانتی۔"

"آپ نے اُس دن دعوت میں شرکت کرنے والوں کی لسٹ مجھے دی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ بالکل مکمل ہے۔"

"جی ہاں۔"

"ان میں سے کسی پر شبہ ہے آپ کو۔"

عالیہ کچھ سوچنے لگی۔

میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کا کوئی پرانا دوست۔" فریدی چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

عالیہ پہلے تو اُسے غیر جذباتی طور پر دیکھتی رہی پھر اچانک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ سے مدد لے کر غلطی کی۔" عالیہ خشک لہجے میں بولی۔

"کیا آپ مجھے اپنے خاص خاص دوستوں کے نام اور پتے عنائت کریں گی؟" فریدی نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔" عالیہ نے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ وہ بھی فوراً اٹھا اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔

"سنئے تو سہی۔" فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر اُسے روکا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو کچھ نہ بتا سکوں گی۔" عالیہ نے ترشروئی سے کہا۔ "میں انہیں اپنا بیان دے چکی ہوں، جو سرکاری طور پر اس کیس کی تفتیش کر رہے ہیں، لیکن ٹھہریئے! ابھی تک آپ کو جو تکلیف اٹھانی پڑی ہے اس کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"معاوضہ.... شش شش.... تو گویا آپ مجھے رشوت دے کر میرا منہ بند کرنا چاہتی ہیں۔"

"رشوت.... کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ ابھی تک حالات آپ ہی کے خلاف ثابت ہو رہے ہیں۔"

"سمجھی! آپ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں۔" عالیہ چراغ پا ہو کر بولی۔ "خیر مجھے اس کی پرواہ

نہیں۔"اور پھر عالیہ فریدی اور حمید کو برآمدے میں تنہا چھوڑ کر دوسری طرف چلی گئی۔

"یہ اچانک کیا ہو گیا۔" حمید متحیرانہ لہجے میں بولا۔

"آؤ چلیں۔" فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتا ہوا بولا۔

کمپاؤنڈ سے باہر نکل کر فریدی نے حمید سے کہا۔"میں پرانی حویلی کی پشت پر تمہارا انتظار کروں گا۔ تم اس کتے کو گھر سے لے آؤ۔"

"کس کتے کو۔" حمید چونک کر بولا۔

"عالیہ کا بلڈ ہاؤنڈ۔"

"یعنی.... یعنی.... مم....!" حمید ہکلایا۔

"جلدی کرو۔"

"کمال کیا آپ نے وہ خونی کتا۔"

"یار تم سے تو میں عاجز آ گیا ہوں۔ آخر مرے کیوں جاتے ہو۔"

"جناب والا، میں اس لئے مرا جا رہا ہوں کہ کسی پاگل کتے کا شکار ہو کر مرنا پسند نہیں کرتا۔"

"بکو مت! وہ پاگل نہیں ہے۔"

"آ گئی شامت۔"

"جلدی کرو حمید یہ مذاق کا وقت نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" حمید بیزاری سے بولا۔"اپنے حق میں دعائے مغفرت کا وقت ہے۔"

"جاؤ....!" فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر اُسے کار کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔"اگر واقعی تمہاری جان نکل رہی ہے تو اپنے ساتھ حامد کو بھی لیتے آنا۔"

حمید نے جھلا کر کار کا دروازہ بند کیا اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔

فریدی تھوڑی دیر تک سڑک کے کنارے کھڑا رہا۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ عالیہ نے اسے جو مہمانوں کی لسٹ دی تھی اس میں قریب قریب سب ہی نام معمر قسم کے لوگوں کے تھے۔ ان میں سے اسے ایک بھی ایسا نظر نہ آیا جسے وہ عالیہ کا پرانا آشنا سمجھ سکتا۔

وہ بجھا ہوا سگار پھینک کر پرانی حویلی کے عقبی میدان کی طرف مڑ گیا۔ میجر داؤد کی ٹارچ اب تک اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔

بارجے کے نیچے والے درخت کے قریب پہنچ کر اچانک اس نے محسوس کیا کہ وہ تاریک میدان میں تنہا نہیں ہے۔

ٹھیک بارجے کے نیچے جہاں پتھر ٹوٹ کر گرا تھا ایک تاریک سایہ بے حس و حرکت کھڑا نظر آیا۔ فریدی نے دوسرے ہی لمحے میں درخت کے موٹے تنے کی اوٹ لے لی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سایہ بارجے کے نیچے سے ہٹ کر درخت کے نیچے آ گیا۔ اب فریدی سے اس کا فاصلہ بمشکل دو گز رہا ہوگا۔ فریدی اس کی تیز تیز سانسوں کو بخوبی سن رہا تھا۔ لیکن تاریکی اتنی گہری تھی کہ وہ اس کے خدوخال نہ دیکھ سکا اور پھر جب وہ میدان سے نئی عمارت کی طرف مڑا تو ایک کار فراٹے بھرتی ہوئی اس کے قریب سے نکل گئی۔ کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی ایک پل کے لئے اس کے چہرے پر پڑی تھی اور فریدی یک بیک چونک پڑا تھا۔ یہ میجر داؤد تھا۔ فریدی بدستور اپنی جگہ پر کھڑا میجر کے قدموں کی دور ہوتی ہوئی آوازیں سنتا رہا۔ تھوڑی دیر تک وہاں یونہی بے مقصد کھڑے رہنے کے بعد وہ پھر سڑک پر آ گیا۔ اس کے ذہن میں بے شمار خیالات آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کیس کے سلسلے میں ابھی تک جتنے لوگوں کو اس نے قابل اعتنا سمجھا تھا وہ سب کے سب اُسے مشتبہ معلوم ہو رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد پھر اسے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ غالباً اس بار پھر میجر داؤد ہی پرانی حویلی کے عقبی میدان کی طرف جا رہا تھا۔ مگر اب وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ ایک ہاتھ میں اس نے چھوٹی سی کدال سنبھال رکھی تھی اور دوسرے میں کوئی چیز لٹکائے ہوئے تھا۔

فریدی دبے پاؤں اس کا تعاقب کرنے لگا۔

میجر داؤد میدان کے جنوبی کنارے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ یہاں سے کچھ دور تک پرانے زمانے کی عمارت کے کھنڈرات پھیلے ہوئے تھے اور پھر جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

میجر تھوڑی دیر کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر کھنڈر میں داخل ہو گیا۔ فریدی درختوں کی آڑ لیتا ہوا تیزی سے اُدھر جھپٹا اور جب اس نے ایک گری ہوئی دیوار کے ملبے کے پیچھے سے سر ابھارا تو میجر داؤد اسے زمین کھودتا ہوا نظر آیا۔ پھر اس نے کوئی چیز گڑھے میں رکھ کر زمین برابر کر دی۔

اس کے چلے جانے کے تقریباً پانچ منٹ بعد فریدی اوٹ سے نکل کر اسی جگہ آیا جہاں میجر نے کوئی چیز دفن کی تھی۔ اس نے مٹی ہٹانی شروع کی اور پھر چند لمحوں کے بعد اس کے ہاتھ میں

ایک تھیلا جھول رہا تھا۔ فریدی جیب سے ٹارچ نکال کر اس کے اندر رکھی ہوئی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے اس تھیلے کو دوبارہ دفن کر کے مٹی برابر کر دی۔ وہ اُٹھ رہا تھا کہ اسے کسی کتے کی آواز سنائی دی۔ جو انتہائی جوش و خروش کے ساتھ بھونک رہا تھا۔ آواز قریب ہی آ رہی تھی۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی وزنی چیز گھسیٹی جا رہی ہو۔

فریدی آواز کی طرف دوڑا۔ بارجے کے قریب والے درخت کے نیچے حمید عالیہ کے بلڈ ہاؤنڈ کی زنجیر تھامے خود ہی اس کے ساتھ گھسٹ رہا تھا۔

کتا دراصل آزاد ہونے کے لئے زور لگا رہا تھا۔ قبل اس کے کہ فریدی درخت تک پہنچتا بلڈ ہاؤنڈ حمید کو درخت سے کافی دور تک گھسیٹ لے گیا۔

فریدی نے جھپٹ کر زنجیر حمید کے ہاتھ سے لے لی۔ کتے نے اب اپنی ہی جگہ پر اچھلنا کودنا شروع کر دیا تھا۔

حمید بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"یہاں پہنچتے ہی گویا سالے کا دماغ خراب ہو گیا۔" حمید اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

آہستہ آہستہ کتا پر سکون ہوتا گیا لیکن وہ اب بھی بار بار زمین سونگھ رہا تھا۔

"دماغ نہیں خراب ہو گیا بلکہ اس وقت یہ تم سے بھی زیادہ عقلمند ثابت ہو رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

کتا تھوڑی دیر تک زمین سونگھتا رہا پھر یکایک اس میں پہلا سا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔

فریدی نے زنجیر ڈھیلی چھوڑ دی اور کتے کے ساتھ دوڑنے لگا۔

"ارے.... ارے۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"آؤ.... میرے ساتھ آؤ" فریدی پلٹ کر بولا۔

حمید بے بسی سے فریدی کے ساتھ دوڑنے لگا۔

"آخر یہ کیا حماقت ہے۔"

"حماقت۔" فریدی نے کہا۔ "برخوردار یہ ہمیں مجرم کے پاس لے جا رہا ہے۔ مجھ پر حملہ کرنے والا وہی تھا جس نے شاہد کا سوٹ چرا کر اس کو تنگ کیا تھا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ اس

کے پیروں کے نشانات سونگھ رہا ہے۔"

کتا پھر رک کر زمین سونگھنے لگا۔ اس بار اس نے سر اٹھا کر ایک ہلکی سی آواز نکالی اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دو تین منٹ گذر گئے لیکن کتا اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

"پھاوڑا لاؤں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں؟" فریدی چونک کر بولا۔

"مجرم شاید زمین کے نیچے چلا گیا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"بکومت۔" فریدی نے زمین پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا تھا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ آگے بڑھتے بڑھتے یک بیک ایک جگہ جم کیوں جاتا۔"

"تم سے سنجیدگی کی امید فضول ہے۔" فریدی زمین کی طرف جھک کر دیکھتا ہوا بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک اسی حالت میں رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر زمین پر ٹارچ کی روشنی ڈالتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

"غالباً اب آپ کسی سرنگ کا دہانہ تلاش کر رہے ہیں۔" حمید نے اسے پھر چھیڑا۔ "بات ہے بھی ٹھیک، جب آپ نے کتے کی رہبری قبول کر لی تو پھر کسی بات کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔

حالانکہ حمید نے دیکھ لیا تھا کہ وہ کسی موٹر کے پہیوں کے نشانات پر چل رہا ہے اور یہ بھی سمجھتا تھا کہ جہاں تک مجرم پیدل آیا کتے نے اس کے پیروں کے نشانات سونگھ سونگھ کر ان کی رہنمائی کی اور جہاں سے وہ موٹر پر سوار ہوا کتا بھی بے بس ہو گیا۔ لیکن اسے اس وقت فریدی کو چھیڑنے میں خاصا لطف محسوس ہو رہا تھا۔

وہ سخت مٹی کی ہموار سطح والی زمین پر چل رہے تھے۔ پہیوں کے نشانات زیادہ گہرے نہیں تھے۔ لیکن ان کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ زیادہ دیر کے نہیں ہیں۔

"جناب والا۔" حمید نے کہا۔ "آخر کہاں تک سر ماریئے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہم کم و بیش میل ڈیڑھ میل چل چکے ہیں۔ اگر نشانات کا سلسلہ براہِ راست قیامت سے جاملا تو کیا کریں گے۔"

فریدی نے پھر زمین پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اچانک شمال کی طرف سے ایک فائر ہوا اور کتا

اچھل کر دور جاگرا۔ فریدی ٹارچ بجھا کر تیزی سے زمین پر لیٹ گیا۔ حمید نے بھی اضطراری طو
اس کی تقلید کی۔ کتا زمین پر تڑپ رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کے وزنی جسم کی پھڑپھڑاہٹ صا
سنائی دے رہی تھی مگر اس کے منہ سے کسی قسم کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ایک فائر اور ہوا
پھر تھوڑی دیر بعد حمید نے کچھ دور پر کسی کے تیز قدموں کی آواز سنی، جو بہت سرعت کے سا
دور ہوتی جارہی تھی۔ شاید کوئی دوڑ رہا تھا۔

"فریدی صاحب۔" حمید نے کچھ دیر بعد آہستہ سے پکارا۔ مگر جواب ندارد۔ اس نے پ
پکارا اور پھر بتدریج اس کی آواز تیز ہوتی گئی۔ پھر وہ بے تابانہ انداز میں کھڑا ہو کر چاروں طر
دوڑنے لگا۔ فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

حمید کی پریشانی بڑھ گئی لیکن پھر یہ سوچ کر اطمینان سا ہو گیا کہ اگر دوسری گولی فریدی ک
لگی ہوتی تو وہ بھی یہیں کہیں ہوتا۔

حمید بھی اسی سمت دوڑنے لگا جدھر اس نے قدموں کی آوازیں سنی تھیں۔ وہ نہ جانے ک
تک دوڑتا رہا پھر اچانک اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا اور وہ رک گیا۔ بھلا اس طرح بے مق
دوڑتے رہنے سے کیا فائدہ؟

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ وہ ایک جگہ بیٹھ کر اپنی سانسیں درست
ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

صرف ایک دن کے اندر ہی اندر اتنے واقعات پیش آئے تھے کہ حالات کا اندازہ لگانا دش
ہو گیا تھا۔ اس کیس میں بہتیرے ایسے نکتے تھے جن پر بحث کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا اور اس م
سب سے زیادہ اہم نکتہ خود مقتول شاہد کی شخصیت تھی۔ وہ کون تھا؟ کہاں سے آٹپکا تھا؟ اور ا
کے اعزہ کیسے تھے جن کے کان پر جوں تک نہ رینگی؟

دوسری بات یہ کہ اچانک عالیہ اور فریدی میں شکر رنجی کیوں ہو گئی تھی؟ اس نے اس کی
لینے سے انکار کیوں کر دیا تھا؟ یہ چیزیں بھی اپنی جگہ پر انتہائی پُر اسرار اور قابل غور تھیں کیو
خود فریدی کے ساتھ کئی بار ایسا ہو چکا تھا کہ اکثر قاتلوں نے مظلوم بن کر محض اس لئے کہ ا
سے مدد طلب کی تھی وہ اُن پر شبہ نہ کر سکے؟ تو کیا عالیہ بھی اسی قسم کا رول انجام دے رہی ہے؟
حمید نے عالیہ کے متعلق پہلے ہی یہ بات سوچی تھی لیکن فریدی نے اس پر دھیان نہیں

تھا اور اب آہستہ آہستہ حمید کا یہ خیال پختہ ہوتا جارہا تھا کہ جہانگیر پیلس کا کوئی فرد شاہد کا قاتل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میجر داؤد عالیہ اور اس کی ماں تینوں اس سازش میں برابر کے شریک ہوں اور بیچارے سعید کو قربانی کا بکرا بنایا گیا ہو۔

حمید سوچنے لگا کہ یہ بات ناممکن نہیں ہے۔ عالیہ جیسی فطرت رکھنے والی لڑکیاں عاشق بدلنے میں ید طولیٰ رکھتی ہیں۔ ان کی جنسیت کی سیمابی کیفیت کسی سے پیچھا چھڑانے کے لئے انہیں قتل تک پر آمادہ کر سکتی ہے۔

وہ اسے آج سے نہیں برسوں سے جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے اس دوران میں متعدد نوجوانوں سے رشتہ جوڑا تھا اور پھر انہیں اس طرح بھول گئی تھی جیسے کبھی کی جان پہچان ہی نہ ہو۔ ایک زمانے میں خود حمید نے بھی اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی لفٹ نہ ملنے پر ٹال گیا تھا۔ ٹھیک ہے اس نے سوچا، اسے جہانگیر پیلس ہی کی طرف چلنا چاہئے۔

اسے میجر داؤد سے تو خاص طور پر ضد ہو گئی تھی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اسے ضرور تنگ کرے گا۔ اس کا غرور کانٹے کی طرح حمید کے دل میں کھٹک رہا تھا۔

وہ اٹھ کر آبادی کی طرف چل پڑا۔ آبادی میں پہنچ کر روشنی میں اس نے اپنے کپڑوں پر جمی ہوئی گرد جھاڑی۔ ایک ریستوران کے غسل خانے میں بال درست کئے اور ٹیکسی میں بیٹھ کر جہانگیر پیلس کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ اسی کے قریب اس نے فریدی کی کار چھوڑی تھی۔ وہ ابھی تک فریدی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

نئی مصیبت

گیارہ بج چکے تھے۔ لیکن جہانگیر پیلس کے برآمدے میں ابھی تک روشنی ہو رہی تھی اور لوگوں کے گفتگو کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ حمید درانہ اندر گھستا چلا گیا۔ لیکن برآمدے میں پہنچ کر یک بیک چونک سا پڑا۔ عالیہ جس آدمی سے باتیں کر رہی تھی حمید اسے پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا۔ یہ وہی پُر اسرار آدمی تھا جس سے آج صبح اس کی ملاقات ٹرین میں ہوئی تھی اور پھر اس نے اُسے فریدی سے بے سروپا گفتگو کرتے سنا تھا۔ فریدی نے اس کا تذکرہ حمید سے چھیڑا تھ

لیکن وہ محض اپنی اکتاہٹ کی وجہ سے اُس کے متعلق پوری معلومات حاصل نہ کر سکا تھا۔

حمید تو یہ توقع لے کر آیا تھا کہ عالیہ اس سے سیدھے منہ بات بھی نہ کرے گی اور اُسے اپنی آفیسرانہ شان کو کام میں لانا پڑے گا۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ عالیہ اُسے دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی اور حمید کو اُس کے خوش اخلاقانہ انداز سے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کے گھر کسی تقریب میں شرکت کرنے کی غرض سے آیا ہو۔

"تشریف رکھئے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

اجنبی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ آپ ہی تھے۔" اجنبی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کون....!" حمید چونک پڑا۔

"آپ ہی نے تو مجھے ٹرین پر بیوقوف بنایا تھا۔" اس نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اتنی جلدی بھول گئے۔ آج ہی کی تو بات ہے۔"

"شاید آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اس سے قبل آپ سے کبھی نہیں ملا۔"

"اگر آپ اس وقت بھی مجھے بیوقوف نہیں بنا رہے ہیں تو مجھے حیرت سے بیہوش ہو جانا چاہئے۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں جب کہ میں نے اس سے پہلے آپ کو کہیں دیکھا بھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" عالیہ نے کہا۔ "آپ کا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے اور آپ شاہد مرحوم کے کیس کی تفتیش کر رہے ہیں۔"

"اوہ.... ہو سکتا ہے۔" اجنبی نے کہا۔ "یا تو میں خواب دیکھ رہا ہوں یا پھر....؟"

"میں ایک ضروری بات دریافت کرنے کے لئے آپ کے پاس آیا تھا۔" حمید نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر عالیہ سے کہا۔

"فرمایئے۔"

حمید کا توقف دیکھ کر اجنبی اٹھا۔

"اچھا تو مس عالیہ اب میں چلوں گا۔" اس نے کہا۔ لیکن وہ اب بھی بار بار حمید کی طرف

دیکھ رہا تھا۔

اسکے چلے جانے کے بعد حمید سوچنے لگا کہ وہ عالیہ سے کیا پوچھے! دفعتاً ایک بات سوجھ گئی۔

"میں انہیں حضرت کے متعلق پوچھنے آیا تھا۔"

"کیا....؟" عالیہ چونک کر بولی۔

"یہ کون ہیں اور ان کا کیا نام ہے۔"

"نعیم الرشید.... جنوبی افریقہ کے ایک ہندوستانی تاجر ہیں.... اور والد صاحب کی تجارت کے ایک حصے دار۔"

"یہاں کب سے مقیم ہیں۔"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ لیکن یہاں کے کچھ تاجروں سے حساب فہمی کے لئے آئے ہیں۔"

"اوہ....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا اُس دن تقریب میں یہ بھی شریک تھے۔"

"جی ہاں۔"

"مگر ان کا نام تو مہمانوں کی فہرست میں نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" عالیہ لاپروائی سے بولی۔ "لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں۔ ممکن ہے دو ایک نام رہ بھی گئے ہوں۔ اس وقت بھلا اس کا ہوش کسے رہا ہوگا کہ کون آیا اور کون گیا۔"

"ٹھیک ہے...." حمید نے کہا۔ "میں نے یونہی پوچھا تھا۔"

"تو کیا یہ سچ ہے کہ آج آپ نے انہیں ٹرین میں پریشان کیا تھا۔" عالیہ نے پوچھا۔

"نہیں، انہیں یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو ایک عرصے سے شہر ہی میں مقیم ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر عالیہ بولی۔

"اس وقت دراصل مجھے غصہ آ گیا تھا۔ بات بھی ایسی ہی تھی۔ فریدی صاحب کا لہجہ بھی بہت ناگوار گذرا تھا۔"

"کیا بات ہوئی تھی۔"

"اب کیا بتاؤں، یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں بہت سوشل ہوں۔ ہر ایک سے آزادانہ ملتی ہوں۔ فریدی صاحب نے اس پر طنز کیا تھا۔ میں انہیں کافی آزاد خیال اور الٹرا موڈرن سمجھتی تھی۔"

"اوہ مجھے افسوس ہے۔" حمید نے کہا۔ "آپ بُرا نہ مانئے گا۔ بعض اوقات وہ خیالات میں اس

طرح ڈوب جاتے ہیں کہ انہیں اس کا بھی احساس نہیں ہوتا کہ وہ زبان سے کیا کہہ رہے ہیں۔"

"خیر بہر حال.... مجھے اپنے رویئے پر افسوس ہے۔" عالیہ نے کہا۔

"اب اسی سے ان کی نیک دلی کا اندازہ لگا لیجئے کہ انہوں نے آپ کی تلخ کلامی کا بُرا نہیں مانا۔"

"فریدی صاحب ہیں کہاں۔" عالیہ نے پوچھا۔

"شاید اس بار ان کے گولی لگی ہے۔"

"کیا مطلب....؟" عالیہ تقریباً اچھل کر بولی۔

"کسی نے ان پر گولی چلائی تھی۔ اس کے بعد سے مجھے پتہ نہیں کہ وہ کہاں گئے۔" حمید نے کہا وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ عالیہ کو سب کچھ بتا کر اس پر اس کا ردعمل دیکھے کیونکہ وہ بھی اُن کی مشتبہ آدمیوں کی لسٹ میں شامل تھی۔

اس نے فریدی کے چھجے سے گرنے کے بعد کے واقعات دہرا دیئے۔

"اوہ میرے خدا....؟" عالیہ تقریباً چیخ کر بولی۔

اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور آنکھیں خوفزدہ نظر آنے لگی تھیں۔ وہ چند لمحے خاموشی سے حمید کی طرف دیکھتی رہی پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"تو گویا ان پر دوسرا حملہ تھا۔"

"یہی سمجھنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"اور آپ یہاں اطمینان سے بیٹھے باتیں بنا رہے ہیں۔" عالیہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"پھر آپ کی دانست میں کیا ہونا چاہئے؟" حمید نے پُر سکون لہجے میں پوچھا۔

"یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" عالیہ جھنجھلا کر بولی۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "فریدی کو کرائے کے آدمی نہیں مار سکتے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اوہ چھوڑیئے بھی۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ کی انگوٹھی بہت خوبصورت ہے۔ ویسے کسی اور کے ہاتھ میں اچھی بھی نہ لگتی۔"

عالیہ حیرت آمیز نظروں سے اُسے گھورنے لگی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کی گفتگو کا مقصد کیا ہے۔"

"قطعی بے مقصد۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "بعض اوقات بے مقصد ہی گفتگو کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"تو پھر اس کا مقصد یہ ہے کہ فریدی صاحب بخیریت تمام گھر پہنچ گئے ہیں۔"

"اور آپ کو اس پر حیرت ہے۔" حمید نے جلدی سے پوچھا۔

"جی.... جی نہیں۔" عالیہ گڑبڑا کر بولی۔ پھر وہ حمید کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔ حمید بغور اس کی بدلتی ہوئی حالت کا جائزہ لے رہا تھا۔

"آپ آخر چاہتے کیا ہیں۔" وہ تھوڑی دیر بعد پھر بولی۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ میں آپ کو صرف یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ فریدی صاحب پر آپ ہی کے گھر سے حملے شروع ہوئے ہیں۔"

"تو پھر! کیا ہم لوگ اس کے ذمہ دار ہیں۔" عالیہ گھبرا کر بولی۔

"دیکھئے نا بات بالکل صاف ہے۔ شاہد کہاں مارا گیا؟ آپ کے گھر پر۔ کسی نے اس کا سوٹ بھی چرایا تھا۔ فریدی صاحب کو بھی یہیں قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آخر میجر صاحب وغیرہ فریدی صاحب کو پرانی حویلی میں جانے سے کیوں روک رہے تھے۔ حویلی کی عجیب و غریب آوازوں کا قصہ بھی کم دلچسپ نہیں ہے۔ لیکن بھوت پریت وغیرہ کے متعلق میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ انہوں نے کسی پر چاقو سے حملہ کیا ہو یا گولی چلائی ہو۔ آپ کا شکاری کتا جس شکار کی تلاش میں مارا گیا وہ بھوت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بھوت اپنے قدموں کے نشانات نہیں چھوڑتے۔"

"تو یہ کہئے کہ آپ لوگ گھر ہی کے کسی فرد پر شبہ کر رہے ہیں۔" عالیہ نے پوچھا۔

"میرا ہرگز یہ مطلب نہیں۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ آپ لوگ بھی ہوشیاری سے رہئے گا۔ کوئی آپ کے خاندان سے دشمنی پر کمربستہ نظر آرہا ہے۔"

"اوہ.... اس کی فکر نہ کریں۔" عالیہ طنزیہ انداز میں بولی۔

تھوڑی دیر تک حمید خاموش رہا۔ پھر اٹھتا ہوا بولا۔

"خیر میرا جو فرض تھا میں نے ادا کر دیا۔"

جیسے ہی اس نے برآمدے سے قدم نکالا عالیہ نے کسی نوکر سے برآمدے کی روشنی گل

کر دینے کے لئے کہا اور پھر لان پر بھی اندھیرا چھا گیا۔

حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہوا پائیں باغ کے پھاٹک تک آیا۔ آج آسمان بھی سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس لئے تاریکی بڑھ گئی تھی۔

جیسے ہی حمید پھاٹک سے نکلا کسی نے اس کی داہنی کنپٹی پر ایک زوردار گھونسہ رسید کیا۔ حمید اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس لئے توازن برقرار رکھنا اس کے لئے دشوار ہو گیا اور وہ لہرا کر زمین پر آ رہا۔

تھوڑی دیر بعد جب اُسے ہوش آیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ کسی کار کی پچھلی سیٹ پر اس طرح پڑا ہوا ہے کہ اس کے ہاتھ اور پیر ایک ساتھ ملا کر باندھ دیئے گئے ہیں۔ کار چل رہی تھی، اس نے بہتیری کوشش کی کہ کار چلانے والے کا چہرہ دیکھ سکے لیکن ممکن نہ ہوا۔ اس کے ہاتھ اور پیر چھت کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اُسے اپنی ہیئت کذائی پر ہنسی آنے لگی۔ بڑا ستم ظریف تھا جس نے اُسے اس طرح باندھ کر ڈال دیا تھا۔

کچھ دیر تک اسی حالت میں رہنے کے بعد حمید کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے ہاتھ اور پیر ٹوٹ کر رہ جائیں گے۔ درد لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ آخر کار ایک جگہ رکی۔ کار چلانے والا اتر گیا۔ پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد دو آدمی آئے اور انہوں نے اسی حالت میں حمید کو اٹھا کر ایک طرف چلنا شروع کیا۔ ایک نے اس طرح پکڑ رکھا تھا کہ اس کا ایک ہاتھ اس کی آنکھوں پر تھا۔ اس لئے حمید راہ کا بھی اندازہ نہ لگا سکا۔ دفعتاً حمید نے عجیب قسم کی بو محسوس کی۔ حد درجہ ناخوشگوار۔ اگر اس کے ہاتھ آزاد ہوتے تو وہ بے اختیار اپنی ناک بند کر لیتا.... تو کیا وہ اسے کسی مردہ خانے میں لے جا رہے تھے۔ دفعتاً حمید کا ذہن جاگ اٹھا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ حقیقتاً کسی سڑے ہوئے مردہ جسم ہی کی بو تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد ہوا کے جھونکے پھر پاک و صاف محسوس ہونے لگے۔

"اب مجھے ڈال کر تم بھی سستا لو۔" حمید نے جی کڑا کر کے کہا۔ "ہے ہے.... کس بُری طرح ہانپ رہے ہو.... چہ چہ۔"

"چپ رہو سالے۔" ایک آدمی گرج کر بولا۔

"یار ایسے وقت میں تو مجھے گالیاں نہ دو جب کہ میں مرنے جا رہا ہوں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم کیا جانو کہ تم مرنے جا رہے ہو۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھے ندی میں پھینکو گے۔"

"اوہ تو کیا تمہیں دکھائی دے رہا ہے۔" اس بار وہ بولا جس نے حمید کی آنکھیں ڈھانپ رکھی تھیں۔

"اس وقت من کی آنکھیں کھل گئی ہیں بابا۔" حمید نے ٹھیٹھ درویشانہ انداز میں کہا۔

"اچھا بس خاموش رہو۔"

"کیوں بگڑتے ہو یار۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں شائد چند لمحوں کا مہمان ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے تمہیں کئی گر کی باتیں بتا دوں۔"

"بکواس بند کرو۔"

"اچھا بیٹا بند کر دی بکواس۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کائی اور سیلن کی بساندھ بتا رہی تھی کہ دریا نزدیک ہی ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر انہوں نے اُسے اسی حالت میں پھینکا تو ڈوب جانا یقینی ہے۔ انہوں نے اسے اپنے کاندھوں پر لاد رکھا تھا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں اب بھی اوپر کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا کہ اگر وہ تھوڑی سی جدوجہد کرے تو اس کا داہنا ہاتھ آزاد ہو سکتا ہے۔ اتنی مسافت طے کرنے کے دوران میں اس کی بندش کچھ ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ بات یہ تھی کہ ہاتھوں اور پیروں کے لئے ایک ہی رسی استعمال کی گئی تھی اور انہیں ایک ساتھ ملا کر باندھا گیا تھا۔ باندھنے والے کا مقصد محض حمید کو اذیت دینا تھا۔ لیکن اُس نے اس معاملے میں عقلمندی سے کام نہیں لیا تھا۔

حمید نے اپنے داہنے ہاتھ کو جنبش دی اور اسے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔

"سنو بیٹو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "مرنے سے پہلے تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ سب کچھ کرنا مگر شادی کبھی نہ کرنا۔"

"اچھا اچھا بابا جان۔" ایک جھلا کر بولا۔ "اب چپ بھی رہو ورنہ ہڈیاں سرمہ کر دوں گا۔"

"اور اگر تم نے میری نصیحت نہ مانی تو تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ یار ذرا ہاتھ ڈھیلا کرو، تم تو میری آنکھیں پھاڑے ڈال رہے ہو۔"

"لے بیٹا تو بھی کیا یاد کرے گا۔" دوسرے نے کہہ کر اس کی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"شکریہ..... کیا تم لوگ مجھے جانتے ہو۔"

"نہیں۔"

"مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔"

"بکومت۔" پہلا گرج کر بولا۔

اس دوران میں حمید کا داہنا ہاتھ آزاد ہو چکا تھا۔ پھر اس کے بعد پوری رسی کھول ڈالنے میں کوئی دشواری نہ رہ گئی۔ حمید نے رسی کھول کر اپنے پیٹ پر رکھ لی اور بدستور ہاتھ اور پیر اٹھائے رہا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ لوگ اُسے دریا میں پھینکیں گے لیکن جب وہ دریا والا راستہ چھوڑ کر دوسری طرف مڑے تو اسے اطمینان ہو گیا۔ اب وہ ایک کافی چوڑی پگڈنڈی پر چل رہے تھے جس کی دونوں طرف جھول کی گھنی جھاڑیاں تھیں۔

"سنو دوستو۔ میں ذرا پیشاب کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"چپ رہو۔"

"خیر میں تمہارے اوپر ہی کروں گا۔ مرنا تو ہے ہی۔"

"سچ مچ مار ڈالوں گا۔" پہلا گرج کر بولا۔

"اچھا تو بچو۔" حمید نے اس طرح کہا جیسے سچ مچ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے جا رہا ہو۔

دونوں نے اسے جلدی سے زمین پر ڈال دیا۔

دوسرے لمحے میں حمید اچھل کر جھاڑیوں کے اندر گھس چکا تھا۔

دونوں چیختے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے۔ حمید قطعی نہتا تھا اس لئے اس نے ٹھہر کر ان سے دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ پوری قوت سے جھاڑیوں میں دوڑ رہا تھا۔

مجرم کون؟

تھوڑی دیر بعد حمید کو خیال آیا کہ وہ غلطی کر رہا ہے۔ اگر وہ اسی طرح دوڑتا رہا تو تعاقب کرنے والے زندگی بھر پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ وہ ان کے قدموں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔"

دراصل اس کے قدموں کی آواز پر اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ حمید یکلخت رک گیا۔ اب وہ سیدھا جانے کے بجائے داہنی طرف مڑ کر پنجوں کے بل چل رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ کی بھاگ دوڑ کے بعد وہ شارع عام پر آ گیا۔ تعاقب کرنے والوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ غیر آباد علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں بجلی کے کھمبے بھی نہیں تھے۔ حمید کو خوف تھا کہ کہیں وہ پھر نہ پکڑ لیا جائے۔ اس لئے اس نے جوتے اتار کر پنجوں کے بل دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے۔ اس کے چاروں طرف بیکراں تاریکی تھی اور پیروں کے نیچے کنکریٹ اور کولتار کی چکنی سڑک۔

تھوڑی دیر بعد اسے روشنی کے ننھے ننھے دھبے دکھائی دیئے۔ یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ وہ شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اگر سمت مخالف میں جا پڑتا تو اسے اس کا احساس تک نہ ہوتا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

آبادی میں پہنچ کر وہ سانس لینے کے لئے رکا۔ جوتے پہنے اور ٹیکسی تلاش کرنے لگا۔ وہ کسی طرح پھر جہانگیر پیلس تک پہنچنا چاہتا تھا کیونکہ فریدی کی کار ابھی تک وہیں تھی۔ بدقت تمام اُسے ٹیکسی مل گئی۔

جہانگیر پیلس پہنچنے کے بعد اسے پھر اسی ٹیکسی پر واپس آنا پڑا کیونکہ فریدی کی کار وہاں موجود نہیں تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا حملہ آور اُسے فریدی ہی کی کار پر لے گئے تھے۔ اگر ایسا ہے تو کار بھی گئی۔ اسے دراصل اپنی حماقت پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر وہ عالیہ سے ملا ہی کیوں تھا۔

حمید نے ٹیکسی ڈرائیور کو فریدی کی کوٹھی کا پتہ بتایا اور پھر خیالات میں ڈوب گیا۔

کوٹھی کا پھاٹک ابھی تک کھلا ہوا تھا؟ حمید سوچنے لگا کیا ابھی فریدی واپس نہیں آیا؟ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو پیسے دیئے اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کوٹھی میں داخل ہوا۔ فریدی کی کار پورٹیکو میں کھڑی ہوئی تھی اور پھر اس نے فریدی کے کمرے میں روشنی بھی دیکھی۔ وہ اس کی طرف جھپٹا۔

فریدی کمرے میں تنہا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا جسے دیکھتے ہی حمید بے اختیار چونک پڑا۔ یہ شہر کا ایک شریف بدمعاش نادر تھا۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھا فریدی کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کہاں رہ گئے تھے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"لمبی داستان ہے۔" حمید نادر کو گھورتا ہوا بولا۔ "آپ کی موجودگی کا مطلب۔"

"اوہ.... آپ....!" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "آپ کے حوصلے بہت بلند ہوگئے ہیں۔"

"انسپکٹر صاحب مجھے نہیں معلوم تھا؟" نادر بے بسی سے بولا۔

"ہاں ہاں۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "تمہیں معلوم تھا کہ میں اتنے حملوں کے بعد بھی بچ جاؤں گا۔"

"آپ سنئے تو سہی۔" نادر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

"سنائیے۔" فریدی کے لہجے میں تلخی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ....!"

"ہاں ہاں کہو رک کیوں گئے۔"

نادر خاں پھر خاموش ہوگیا۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد پھر بولا۔

"میں وہ خط چرانے کے لئے گیا تھا۔ وہاں مجھے نوکروں کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ کوئی جاسوس شاہد کے کمرے میں چھان بین کر رہا ہے۔ بخدا میں نہیں جانتا تھا کہ وہ آپ ہیں، ورنہ میں اس کی ہمت نہ کرتا۔"

"اور دوسرے حملے کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"دوسرا حملہ صرف کتے پر تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ مجھے کبھی نہ چھوڑتا۔"

"تو شاہد کا سوٹ تم نے چرایا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"آج رات تم تنہا تھے۔"

"جی ہاں.... جی ہاں۔"

"لیکن اس وقت تک تمہارے پاس رائفل نہیں تھی جب تم نے درخت پر خنجر سے حملہ کیا تھا۔"

"نہیں تھی۔"

"تو پھر تم رائفل لے کر دوبارہ واپس آئے تھے۔"

نادر خان پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"جی نہیں.... وہ رائفل مجھے کسی نے دی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ آپ نے کتا منگوایا ہے۔"

"کس نے۔"

"ایک عورت نے۔"

"عورت.... کون عورت؟" فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"بہت اچھے۔"

"میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔ میں نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی۔"

"بہت خوب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اب میں کس طرح آپ کو یقین دلاؤں۔ وہ مجھے ہمیشہ رات میں ملتی رہی ہے۔ کسی ویران مقام پر اس نے مجھے شاہد کا سوٹ چرانے کی ترکیب بتائی تھی اور اسی نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ میں جہانگیر پیلس کے بلڈ ہاؤنڈ کو وہی سوٹ پہن کر راتوں میں تنگ کیا کروں۔ اس نے مجھے پرانی حویلی میں داخل ہونے کا راستہ بتایا تھا۔ ان سب کاموں کی اجرت پانچ ہزار روپے تھی۔ ڈھائی ہزار پیشگی دیئے گئے تھے میں اتنا احمق نہیں کہ بغیر سمجھے بوجھے اس چکر میں پھنس گیا۔"

"اور وہ خط۔"

"وہ خط بھی اسی نے منگوایا تھا۔ اس کے لئے پرسوں رات کو اس نے دوبارہ جہانگیر پیلس کا اندرونی نقشہ سمجھایا تھا۔"

"عورت بوڑھی تھی یا جوان۔"

"آواز سے تو جوان ہی معلوم ہوتی تھی۔"

"تو تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ عورت کون تھی۔"

"نہیں۔"

"نادر۔" دفعتاً فریدی کی آواز بلند ہوگئی۔

"جی....!" وہ سہم کر بولا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"نہیں نہیں۔"

"بکواس! اس نے جو کام تم سے لیا تھا وہ اتنا بے سروپا تھا کہ تم کسی طرح اس کا پتہ و نشان جاننے کی خواہش نہیں دبا سکتے تھے۔ تمہاری جگہ اگر کوئی احمق ترین آدمی ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔"

"اب میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔"

"خیر میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی تلخ لہجے میں بولا۔ "تم ایک بار ملک الموت کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرو گے۔ لیکن ادھر دیکھو! میری طرف تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہاری فقرے بازی میں آکر عالیہ کو مجرم سمجھ لوں گا۔"

"کون عالیہ۔" نادر خان چونک کر بولا۔

"حمید۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "اسے بتاؤ کہ کون عالیہ۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" حمید نے کہا اور فریدی کی میز پر سے ایک چھوٹا سا قلم تراش چاقو اٹھا کر نادر خاں کی طرف بڑھا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا اور نادر خاں کو گھورنے لگا۔

"مگر.... مگر.... یہ قانون کے خلاف ہے۔" نادر خان چیخا۔

"قانون.... جب قانون کی حفاظت میرے ذمہ آپڑتی ہے تو میں مجرموں کو قانون سے دور ہی رکھتا ہوں۔"

حمید نے چاقو کی نوک نادر کی گردن پر رکھ دی۔

"ٹھہرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "یہ بہت ہی معمولی قسم کی اذیت ہوگی۔ انگیٹھی میں کوئلے سلگاؤ۔"

"سنئے تو سہی۔" نادر لرز کر بولا۔

"سنائیے۔"

"میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔"

"چلو میں نے اسے بھی تسلیم کرلیا، جو تم عرض کرنا چاہتے ہو۔" حمید بولا۔

"ٹھہریئے.... ٹھہریئے۔" نادر گڑگڑایا۔

"ہاں کہو! کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"وہ میجر داؤد تھا۔"

فریدی بیٹھ گیا۔ اس کی عقابی آنکھیں نادر خاں کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"اس نے اب سے ایک ماہ پیشتر مجھے اس کام کے لئے کافی رقم دی تھی کہ میں پرانی حویلی کو

آسیب زدہ بنادوں۔ میں ہی وہاں جاکر عجیب و غریب آوازیں پیدا کیا کرتا تھا۔ پھر اس نے مجھے شاہد کا سوٹ چرانے کے لئے آمادہ کیا۔ پھر کتے کو تنگ کرنے کے لئے کہا اور آخری کام خط چرانا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ سوٹ والا معاملہ ظاہر ہوچکا ہے تو اس نے مجھے اس بات پر اکسایا کہ آپ کو ختم کردوں۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"اچھا بیٹے تم میری مہمان رہو گے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں فی الحال تمہیں پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے اپنی قید میں رکھوں گا۔"

"مجھے آپ حوالات ہی بھیج دیں تو بہتر ہے۔"

"کیوں؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کی قید کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔ آپ کے تہہ خانے پر جہنم کو ترجیح دوں گا۔"

"بہت پرانی بات ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اب وہاں بہتیری اصلاحات ہوچکی ہیں، ٹیوب لائٹ اور بجلی کے پنکھے کا خاص انتظام ہے۔ فرش پر ایرانی قالین ملے گا۔ بہترین قسم کا صوفہ سیٹ۔ بہرحال قیام و طعام کا معقول انتظام رہے گا۔"

"نہیں نہیں! خدا کے لئے آپ مجھے حوالات ہی میں بھجوادیجئے۔"

"ہوں اور پھر وہاں لوگ مار مار کر تمہارا کچومر نکال دیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں اب بھی تمہارے ساتھ رعائت برتنے کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔ مثلاً یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں تم پر یہ الزام عائد نہ کروں کہ تم نے مجھ پر تین بار قاتلانہ حملہ کیا تھا۔"

"اوہ....!"

"ہاں.... لیکن ایک شرط کے ساتھ۔"

"کیا....!"

"تم مجھے سب کچھ سچ سچ بتادو۔"

"تو آپ کو اس پر بھی یقین نہیں آیا۔"

"نہیں بیٹے میں احمق نہیں ہوں۔ غالباً تم نے میجر داؤد سے میری تکرار سن لی تھی۔ اس

لئے اب تم اسے گھسیٹنے لگے۔ میں اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔"

"تو پھر اب میں کسی پر جھوٹا الزام نہیں رکھ سکتا۔ میں نے سچی اور آخری بات آپ سے کہہ دی۔" نادر نے کہا۔

"ابھی تم ایک اور سچی اور آخری بات بتاؤ گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ تھوڑی دیر تک اُسے گھورتا رہا پھر اس کا گریبان پکڑ کر بولا "اٹھو.....!"

تھوڑی دیر بعد حمید اور فریدی کمرے میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ نادر خاں کو انہوں نے تہہ خانے میں بند کر دیا تھا۔ حمید کے استفسار پر فریدی بولا۔

"میں نے تھوڑی دور تک تعاقب کرنے کے بعد اُسے پکڑ لیا تھا۔"

"اب میری دکھ بھری داستان سنئے کہ اس کے پڑھنے سے بہتوں کا بھلا ہو گا۔"

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا اور سارے واقعات دہرا دیئے۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پورا گروہ کام کر رہا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے.....ذرا یہ تو بتایئے کہ نعیم الرشید آپ کے پاس کیوں آیا تھا.....؟"

"وہ مجھے افریقہ بھیجنا چاہتا تھا۔ وہاں اس کی تجارت میں گول مال ہو رہا ہے۔"

"اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ عالیہ کے باپ کی تجارت میں بھی اس کا حصہ ہے۔"

"نہیں۔" فریدی چونک کر بولا۔

"جی ہاں مجھے یہ بات عالیہ سے معلوم ہوئی ہے۔"

"اوہ.....!" فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئی تھیں۔

پھر حمید نے ٹرین کا واقعہ بھی دہرا دیا۔

"تم نے پہلے ہی کیوں نہ بتایا تھا۔"

"ابھی اور سنئے۔"

"کیا.....؟"

"وہ اس دن عالیہ کی منگنی کی تقریب میں بھی شریک تھا۔"

"ہوں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا "اور مہمانوں کی فہرست میں اس کا نام نہیں تھا۔"

"میں نے عالیہ سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن وہ بڑی لاپروائی سے ٹال

گئی۔ اس نے کہا کہ اسی پر منحصر نہیں، ممکن ہے کچھ نام اور بھی رہ گئے ہوں۔"

فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا پھر بیٹھ گیا۔ حمید نے کافی کا دوسرا پیالہ لبریز کیا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ فریدی قطعی بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ اس کے پیالے کی کافی نہ جانے کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"وہ مجھے افریقہ بھیجنا چاہتا تھا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "احمق کہیں کا۔ تیس ہزار، چالیس ہزار، پچاس ہزار، ساٹھ ہزار، ستر ہزار.....ایک معمولی سی بات کے لئے ستر ہزار، جس کام کو کوئی معمولی سا جاسوس وہیں انجام دے سکتا تھا۔ اس کے لئے وہ میرے پاس آیا۔ اسٹیل پرنس کی اکلوتی بیٹی اپنے باپ کے بعد اس کی دولت کی تنہا مالک ہو گی؟ کیا سمجھے؟"

"جی.....؟" حمید چونک کر بولا۔

"اگر عالیہ کی شادی تمہارے ساتھ ہو جائے تو کیسی رہے۔"

"مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"تم اس شہر کے مالدار آدمیوں میں ہو گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے سوچنے کا موقع دیجئے؟"

فریدی اس کی باتوں پر دھیان دیئے بغیر بولتا رہا۔

"دولت کی تلاش انسان سے نہ جانے کیا کیا کراتی ہے۔ تم دولت حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر سکتے ہو۔"

"جی ہاں.....جی ہاں.....مجھے منظور ہے۔"

"کیا منظور ہے۔" فریدی اس طرح بولا جیسے یک بیک سوتے سوتے چونک پڑا ہو۔

"میں عالیہ کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"کیا مطلب۔"

"آپ ہی تو ابھی کہہ رہے تھے۔"

"میں.....!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "ابے گدھے وہ تو میں مثال کے طور پر کہہ رہا تھا۔"

"مثال کے طور پر۔" حمید اس طرح بولا کہ اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

"اوہو! تو کیا شہناز کا بھوت سر سے اُتر گیا۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"نہیں تو.... میں چار شادیاں کروں گا۔"

"خیر.... خیر.... فضول باتیں بند کرو۔" فریدی دیوار کی طرف بڑھا۔ کوٹ ہک میں چمڑے کا ایک مضبوط سا کوڑا لٹک رہا تھا۔ فریدی نے اُسے اتار لیا۔

"کیا مطلب؟" حمید یک بیک چونک کر بولا۔

"ڈرو نہیں! یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

وہ تہہ خانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

نادر خاں فریدی کے ہاتھ میں کوڑا دیکھ کر لرز گیا لیکن اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس دوران میں زیادہ سے زیادہ ڈھیٹ بننے کی مشق کر رہا ہو۔

"نعیم الرشید سے تمہاری ملاقات کب ہوئی تھی۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

نادر خاں بے اختیار چونک پڑا۔

"نعیم الرشید.... میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔"

کوڑا فضا میں بلند ہوا اور سڑاکے کی آواز کے ساتھ ہی نادر خاں کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ دوسرا، تیسرا اور چوتھے پر نادر خاں فریدی پر جھپٹ پڑا۔ قبل اس کے کہ حمید دخل دیتا فریدی نے نادر خاں کو صوفے کی طرف اچھال دیا اور پھر اس پر کوڑے برسنے لگے۔

"ٹھہریئے۔" نادر خاں چیخا۔

فریدی نے ہاتھ روک دیا۔

"آپ نے وعدہ.... وعدہ.... کیا....!" وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"ہاں میں اب بھی اس وعدے پر قائم ہوں۔ اگر تم سچ سچ بتادو تو بچالئے جاؤ گے۔" فریدی اتنے پر سکون لہجے میں بولا جیسے وہ اب تک اسے پیٹتے رہنے کے بجائے لڈو کھلاتا رہا ہو۔

"نعیم الرشید ہی نے مجھے اس کام پر اکسایا تھا۔"

فریدی نے کوڑا ایک طرف ڈال دیا اور پر سکون انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے اتنی آسانی سے کیوں بتادیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس حرام زادے نے مجھے اطمینان دلایا تھا کہ اس تک کسی کا خیال پہنچ ہی نہیں سکتا۔" نادر خاں جھلا کر بولا۔ "اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر کبھی تم پکڑے بھی جاؤ گے تو میں تمہیں بچالوں گا

بس تم ادھر، اُدھر کے لوگوں پر الزامات عائد کرتے رہنا۔"

"کیا اس نے تمہیں اس کا مقصد بھی بتایا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں! میں اسی مقصد کے چکر میں پڑ کر ہی مارا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ عالیہ سے شادی ہوجانے کے بعد تمہیں اپنی ہندوستان کی تجارت کا منیجر بنادوں گا اور نہ جانے کتنے بڑے بڑے وعدے کئے تھے۔"

نادر خاں نے نعیم الرشید کی شان میں قصیدہ پڑھنا شروع کردیا۔

"خیر.... خیر.... زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں۔" فریدی ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"نعیم الرشید اس وقت کہاں ہوگا۔"

"یہ نہیں بتا سکتا۔ معلوم نہیں کہاں ہوگا۔"

"سرجنٹ حمید پر کس نے حملہ کیا تھا اور اسے لاد کر لے جانے والے کون تھے؟"

"یہ بھی میں نہیں جانتا، ہوسکتا ہے کہ اس نے اس کیلئے میرے آدمیوں سے مدد لی ہو۔"

"تمہارے آدمی کہاں ہیں۔"

"سیتا گھاٹ والی فوجی عمارت میں۔"

فریدی حمید کی طرف مڑا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ مجھے سیتا گھاٹ ہی کی طرف لے جارہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"اچھا....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں تہہ خانے سے باہر آئے۔

فریدی نے کوٹ پہنا اور جیب میں ریوالور ڈال کر حمید کے کمرے میں آیا۔ حمید بھی تیار ہوچکا تھا۔ وہ دونوں برآمدے میں آکر کھڑے ہوگئے۔ فریدی سوچ رہا تھا۔

"ٹھہرو...." فریدی نے کہا اور اندر چلا گیا۔ وہ پھر تہہ خانے کی طرف جارہا تھا۔

نادر اُسے دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔

"تقریب کی شام کو کتے کی ڈور کس نے کاٹی تھی۔" اس نے نادر خاں سے پوچھا۔

"نعیم نے.... اور چاقو سعید کی جیب میں ڈال دیا تھا۔"

فریدی کچھ اور پوچھے بغیر واپس چلا آیا۔

"آؤجی حمید صاحب۔" وہ حمید کی گردن میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ "یہ قطعی بھول جاؤ کہ تم رات بھر جاگے ہو۔" دوسرے لمحے میں ان کی کار پھاٹک کے باہر نکل رہی تھی۔

انجام

شہر کی سنسان سڑک پر فریدی کی کار فراٹے بھر رہی تھی۔ حمید کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ کبھی کبھی وہ نیند کی جھونک میں اِدھر اُدھر گرنے لگتا تھا۔

"میں تو اب بھی عالیہ کی طرف سے مشکوک ہوں۔" دفعتاً وہ چونک کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیوں....؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اب نعیم پر عاشق ہو گئی ہو اور پھر اس کی مدد سے سعید اور شاہد دونوں کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "جانتے ہو کہ میں نے اب بھی نادر کو پولیس کے حوالے کیوں نہیں کیا۔"

"نہیں۔"

"بڑا مکار آدمی ہے۔ مجھے اب بھی اس کے بیان پر شبہ ہے۔"

"تو پھر شبہ کس طرح رفع ہوگا۔"

"ایک اندھی چال چل رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال منطقی دلائل کسی طرح کام نہیں آسکتے۔"

"تو کیا آپ سیتا گھاٹ چل رہے ہیں۔"

"نہیں! نعیم کے گھر۔ اس نے مجھے اپنا پتہ دیا تھا۔"

"مگر وہ تو آج میرے ہی ساتھ آیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہاں بھی ایک بنگلہ اس نے کرائے پر لے رکھا ہے۔"

اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید بدستور اونگھ رہا تھا۔

"ابے گدھے تم اونگھ رہے ہو شاید۔ نیچے پھینک دوں گا۔"

"لیکن آپ وہاں کیوں جا رہے ہیں۔" حمید چونک کر بولا۔ "ثبوت کے لئے محض نادر کا بیان ہی کافی نہیں ہو سکتا۔"

"اب کی ہے تم نے عقلمندی کی بات۔" فریدی نے کہا۔ "ایک بات شاید میں نے تمہیں اب تک نہیں بتائی۔ وہ یہ کہ سعید کے جیب سے جو چاقو برآمد ہوا تھا اس پر اس کی انگلیوں کے نشانات نہیں تھے، لیکن نشانات تھے.... کسی اور کے.... کس کے تھے؟ یہ ابھی تک پردہ راز میں ہے۔ مجرم نے صرف یہی ایک غلطی کی ہے جس کی بناء پر وہ پکڑا جا سکتا ہے۔ اگر اس سے یہ بھول نہ ہوئی ہوتی تو قیامت تک نہ پکڑا جا سکتا۔"

"اوہ....!"

فریدی نے ایک جگہ کار روک دی۔ تھوڑی دیر تک وہ کار ہی میں بیٹھے رہے پھر فریدی کار سے اُترا۔ "یہی ہے اس کا بنگلہ۔" فریدی نے ایک عمارت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔" اور پھر وہ تاریکی میں غائب ہو گیا۔

حمید بھی باہر نکل کر پائیدان پر بیٹھ گیا۔ آسمان پر منڈلاتے ہوئے سیاہ بادل مغرب میں جمنے لگے تھے ہوا بند تھی۔ جس کی وجہ سے دم گھٹ رہا تھا۔ حمید نے کوٹ اتار کر کار میں ڈال دیا اور قمیض کے بٹن بھی کھول دیئے۔ اسے ایسے موقعوں پر فریدی پر سخت غصہ آتا تھا جب وہ اسے کہیں ساتھ لے جاتا تھا مگر کام کے وقت پیچھے چھوڑ دیتا تھا۔

نیند کی وجہ سے حمید کا دماغ پراگندہ ہو رہا تھا۔ پلکیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ اونگھنے لگا پھر اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے قریب ہی کوئی کار گذری ہو۔ وہ چونک پڑا۔ ساتھ ہی اسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"حمید.... وہ نکل گیا.... انجن اسٹارٹ کرو۔"

لیکن حمید کے سنبھلنے سے پہلے ہی وہ کار تک پہنچ گیا۔

"اندر چلو۔" وہ حمید کو دھکا دیتا ہوا بولا۔

حمید کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ بہر حال فریدی نے پھرتی سے انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو مشرق کی طرف گھما کر سڑک پر ڈال دیا۔

"اگر وہ نکل گیا تو زندگی بھر افسوس رہے گا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تم نہ جانے کیا کرتے رہے۔ اگر چاہتے تو کار کے پچھلے پہیوں پر فائر کر سکتے تھے۔"

"میں دراصل اونگھ گیا تھا۔"

"ہاں ایسے موقعوں پر تو تمہیں نیند ستاتی ہے۔ ویسے نائٹ کلبوں اور رقص گاہوں میں رات رات بھر رنگ رلیاں مناتے رہتے ہو۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

فریدی لحہ بہ لحہ کار کی رفتار تیز کر تا رہا تھا لیکن بے سود۔ نہ جانے وہ اپنی کار کدھر نکال لے گیا تھا۔

"لیکن یہ ہوا کس طرح۔ کیا آپ جاتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔ میں اس ارادے سے اس وقت نہیں آیا تھا۔ مجھے صرف یہ دیکھنا تھا کہ وہ اس وقت گھر پر موجود ہے یا نہیں۔ لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ مجھے اس بات پر یقین کر لینا پڑا کہ نادر خاں کا آخری بیان صحیح ہے۔"

"یعنی....!"

"وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔ میں نے ایک کھڑکی سے اس کی حالت دیکھی تھی۔ وہ بار بار ٹیلی فون کر رہا تھا اور یہ سب کالیں سیتا گھاٹ والی فوجی عمارت کے لئے تھیں۔ وہ بار بار کسی سے پوچھ رہا تھا کہ نادر خاں واپس لوٹا یا نہیں؟" فریدی خاموش ہو گیا۔

"پھر....!"

"میں نے سوچا کہ اسے اسی وقت پکڑ لیا جائے۔ لیکن وہ نکل بھاگا۔"

"تو آپ نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔"

"ہاں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "گرمی کی شدت کا بُرا ہو۔ اس کا سارا جسم پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ بہر حال وہ میری گرفت سے نکل گیا۔"

"آپ نے ریوالور کیوں نہیں استعمال کیا؟" حمید نے پوچھا۔

"میں اس وقت تک ایسا اقدام نہیں کرتا جب تک کہ میرے پاس مجرم کے خلاف مکمل ثبوت نہ ہو۔"

"لیکن وہ کم بخت گیا کدھر؟" حمید نے کہا۔ "کیا خیال ہے کیا وہ سیتا گھاٹ گیا ہو گا۔"

"ہرگز نہیں...." فریدی نے کہا۔ "وہ ایسی حماقت کبھی نہ کرے گا۔ وہ سمجھ گیا ہے کہ نادر خاں گرفتار ہو گیا ہے۔"

"نادر کے ساتھیوں میں سے کسی نے اطلاع دی ہو گی۔" حمید بولا۔

"سچ مچ تم سو رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ بچوں کی سی باتیں نہ کرتے! ارے میاں اس وقت یہاں میری موجودگی ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ نادر خاں گرفتار ہو گیا۔ ورنہ اس کی بنائی ہوئی اسکیم اس کی اپنی نظر میں اتنی خام نہیں تھی کہ سراغ رساں اس کی تہہ تک پہنچ سکتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً اسے اپنے کان کے قریب ریوالور کی آواز سنائی دی اور وہ بے اختیار اچھل پڑا۔

"اوگدھے تم سچ مچ سو رہے ہو۔" فریدی نے دوسرا فائر کرتے ہوئے کہا۔

حمید کو اب ہوش آیا۔ آگے سڑک پر ایک کار تیزی سے جا رہی تھی۔

"کہیں کوئی اور نہ ہو۔" حمید بے اختیار بولا۔

"میں تمہاری طرح سو نہیں رہا ہوں۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

اس نے پھر فائر کیا۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

اتنے فاصلے سے کارتوس ضائع کرنا فضول ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

اس نے رفتار کچھ اور تیز کر دی۔

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیند سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے خود اپنی حالت پر غصہ آ رہا تھا۔ اچانک اسے ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے کار کا دروازہ کھولا اور ایک بازو کھڑکی میں پھنسا کر دونوں پیر پائیدان پر رکھے اور باہر کی طرف لٹک گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔" فریدی چیخا۔

"اب شاید آپ سو رہے ہیں۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور جیب سے ریوالور نکال کر آگے والی کار کے پچھلے پہیوں پر فائر کرنے لگا۔

"شاباش۔" فریدی پُر جوش آواز میں بولا۔ "اب تم سچے شاگرد ثابت ہو رہے ہو۔ بخدا اس وقت تم نے استاد کے بھی کان کاٹ لئے۔ مگر ذرا احتیاط سے۔"

چوتھی گولی ایک پہیے پر پڑ ہی گئی۔ آگے والی کار اچھلنے لگی پھر یک بیک رک گئی۔ فریدی نے

پھرتی سے کام لیا ورنہ اس کی کار اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی۔ اچانک بریک لگنے کی وجہ سے حمید کے پیر پائیدان سے پھسل گئے لیکن قدرت مہربان تھی کہ اس کا بازو کھڑکی ہی میں پھنسا رہ گیا ورنہ شاید پھر کبھی نہ اٹھ سکتا۔

نعیم اپنی کار سے کود کر جھاڑیوں میں گھس گیا۔ فریدی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید نے بھی اس کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

جھاڑیوں کا سلسلہ کافی دور تک پھیلا ہوا تھا اور یہ اتنی گھنی تھیں کہ ان میں دوڑنا قطعی دشوار تھا۔ فریدی محض جھاڑیوں کی سرسراہٹ کی آواز پر نعیم کا تعاقب کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آوازیں بھی بند ہو گئیں۔ "یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ اس وقت ہمارے پاس ایک ٹارچ بھی نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "خیر تم یہیں ٹھہرو۔"

فریدی نے کہا اور جوتے اتار کر قریب کے درخت پر چڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر نیچے اتر آیا۔

"میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔" وہ جلدی سے جوتے پہنتا ہوا بولا۔ "جلدی کرو اگر وہ دریا پار کر گیا تو بڑی دشواری ہو گی۔"

وہ دونوں تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ فریدی حمید کا ہاتھ تھامے اسے گھسیٹ رہا تھا۔

کھلے میدان میں پہنچ کر انہوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑا راستہ طے کرنے کے بعد انہیں بہت دور ایک متحرک دھبہ دکھائی دیا۔ فریدی کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ البتہ حمید کے لئے یہ چیز بڑی مشکل تھی، اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب اس کے پھیپھڑے پھٹ جائیں گے۔ وہ فریدی سے بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

دفعتاً تاریک دھبہ ایک جگہ رک گیا اور فریدی زور سے چیخا۔

"نعیم اگر تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو گولی مار دوں گا۔"

دوسرے لمحے میں حمید نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ دھبہ فضا میں بلند ہو رہا ہو اور پھر وہ بڑی سرعت سے غائب ہو گیا۔ دوسرے دھبے نے بھی اس کی تقلید کی اور وہ بھی غائب ہو گیا۔ حمید انتہائی تھکن کے باوجود بھی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔

اگر وہ یک بیک رک نہ جاتا تو غیر ارادی طور پر وہ بھی دریا میں گر پڑا ہوتا۔ وہ ایک کگار پر کھڑا

ہوا تھا، جو پانی کی سطح سے تقریباً پچیس تیس فٹ اونچی رہی ہو گی۔ نیچے دریا میں گویا بھونچال سا آ گیا تھا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کیونکہ اسے واجبی ہی سا تیرنا آتا تھا اور کچھ دیر بعد اس نے فریدی کا نام لے لے کر اُسے پکارنا شروع کر دیا۔ مگر جواب ندارد۔

فریدی دریا کا سینہ چیر کر بڑی سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا اس کے آگے نعیم تھا۔ فریدی یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ نعیم ایک اچھا تیراک ہے۔ وہ اس دوران میں بھی ایک بار اس کی گرفت میں آ کر نکل گیا تھا۔

اس وقت وہ اس سے تقریباً دس گز کے فاصلے پر تھا۔ دریا کا دوسرا کنارا تھوڑی ہی دور رہ گیا تھا لیکن نعیم دوسرے کنارے کی طرف بڑھنے کی بجائے فریدی کو دریا میں چکر دے رہا تھا۔

رات ختم ہو رہی تھی اور افق میں اجالا پھوٹ رہا تھا۔ ستارے ڈوبنے لگے تھے۔

فریدی نے ایک بار پھر اپنی پوری قوت سے تیرنا شروع کر دیا۔ نعیم کی رفتار سست پڑ گئی تھی۔ فریدی کو قریب دیکھ کر اس نے غوطہ لگایا، لیکن اس بار فریدی کی رفتار کا اندازہ لگانے میں غلطی کی تھی۔ دوسرے لمحے میں اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سر کے بالوں کی جڑوں میں کسی نے چنگاریاں بھر دی ہوں۔ اسے پھر سطح پر ابھر آنا پڑا۔ اس کے بال فریدی کی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔ پھر فریدی نے اس کے منہ پر گھونسہ مارا اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

فریدی نے اس کے بال پکڑے ہوئے دوسرے کنارے کی طرف تیرنا شروع کیا۔ کنارہ زیادہ دور نہیں تھا لیکن وہاں تک پہنچتے پہنچتے فریدی کے ہاتھ پیر بھی جواب دینے لگے۔ دفعتاً اسے حمید کی آواز کہیں قریب ہی سنائی دی، جو اس کا نام لے لے کر چیخ رہا تھا۔

فریدی اس طرح چونک پڑا جیسے وہ ابھی تک سوتا رہا ہو اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ یک بیک نئے سرے سے تازہ دم ہو گیا ہو۔ پھر وہ بڑی تیزی سے نعیم کو دوسرے کنارے پر کھینچ لے گیا۔

حمید اب تک اُسے پکار رہا تھا اور قریب ہی پتواروں کی شپاشپ سنائی دے رہی تھی۔

"میں ادھر ہوں۔" فریدی اپنی پوری قوت سے چیخا اور تھوڑی دیر بعد ایک ناؤ کنارے آ لگی اور حمید کود کر فریدی کے قریب پہنچ گیا۔

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا فریدی بولا۔

"جلدی سے اپنے پائپ میں تمباکو بھرو۔ میرے سب سگار بھیگ کر بیکار ہوگئے ہیں۔"

حمید بھنا کر رہ گیا۔ نعیم زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

"کیا مر گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں! بیہوش ہے۔ پانی پی گیا ہے۔ بھئی تمباکو۔ کیا پائپ چھوڑ آئے ہو۔ بڑے گدھے ہو۔" فریدی نے کہا اور نعیم کے پیٹ سے پانی نکالنے کی تدبیر کرنے لگا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

اسی دن چار بجے شام کو فریدی اور حمید جہانگیر پیلس میں چائے پی رہے تھے۔ میز پر میجر داؤد بھی موجود تھا۔

"اس کی طرف تو خیال بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔" عالیہ کی ماں بولی۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار سیٹھ جی نے اس کی بے ایمانیوں کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ ایک بار ہمارا کافی روپیہ ہضم کر چکا ہے۔"

"میں پھر کہتا ہوں آپ نے غلطی کی۔" میجر داؤد خشک لہجے میں بولا۔ "بھلا وہ کیوں شاہد کو مارنے لگا۔"

"ایک دولت مند لڑکی سے شادی کرنے کی امید پر۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا عالیہ بانو اپنے باپ کی ساری دولت کی تنہا مالک نہیں ہیں۔"

"تو کیا سعید رہا کر دیا جائے گا۔" میجر داؤد نے پوچھا۔

"قطعی.....!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"کان کھول کر سن لو۔" میجر داؤد عالیہ کی ماں کو مخاطب کر کے بولا۔ "عالیہ کی شادی سعید کے ساتھ ہرگز نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں اس میں ہرج ہی کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "سعید غریب ضرور ہے لیکن نجیب الطرفین اور اچھے خاندان کا لڑکا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہے۔"

"جی.....!" میجر داؤد گرج کر بولا۔ "آپ میرے خاندانی معاملات میں دخل دینے والے کون ہوتے ہیں۔"

عالیہ کی ماں کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اسے میجر داؤد کا لہجہ بہت گراں گذرا تھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ یک بیک فریدی میجر داؤد کی طرف جھکا اور اس کے کان میں آہستہ آہستہ کچھ کہنے

لگا میجر داؤد کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ فریدی پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اس کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ میجر داؤد اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ہاں تو میرا خیال ہے کہ اس رشتے میں کوئی عیب نہیں۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگاتا ہوا بولا۔ پھر وہ عالیہ کی ماں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ سعید نے مفت میں اتنی مصیبتیں جھیلی ہیں اور آپ سبھی اس کی عمر قید یا پھانسی کے منتظر تھے اور جب کہ خود عالیہ بانو بھی یہی چاہتی ہیں۔ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔

عالیہ اٹھ کر چلی گئی۔

"بھئی میں کیا کر سکتی ہوں۔" عالیہ کی ماں نے کہا۔ "اگر عالیہ اسی پر مصر ہے تو صرف اتنا کر سکتی ہوں کہ سیٹھ جی کو اس پر رضامند کرنے کی کوشش کروں۔ ویسے اختیار تو انہیں کو ہے۔"

"آپ چاہیں تو سب کچھ ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

میجر داؤد اس دوران میں بالکل خاموش رہا اور اس کی خاموشی پر عالیہ کی ماں کو بھی حیرت ہونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب فریدی اور حمید واپس جانے کے لئے برآمدے سے گذر رہے تھے انہیں عالیہ ملی۔ "فریدی صاحب میں نے آپ کی شان میں کل رات بڑی گستاخیاں کی ہیں۔ جن کی معافی چاہتی ہوں۔" عالیہ نے قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔

"کوئی بات نہیں! ہم لوگ اس کے عادی ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مجھے سخت شرمندگی ہے۔" عالیہ فریدی کی طرف نوٹوں سے بھرا ہوا پرس بڑھاتے ہوئے بولی۔ "میری طرف سے یہ حقیر نذر قبول فرمایئے! حالانکہ یہ آپ کے شایان شان نہیں۔"

"آپ جانتی ہیں کہ میں نے یہ پیشہ حصول زر کیلئے نہیں اختیار کیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

عالیہ کا ہاتھ جھک گیا۔ فریدی اور حمید آگے بڑھ گئے۔ لیکن عالیہ پھر ان کی طرف بڑھی۔

"ذرا ایک بات سنئے۔" اس نے انہیں روک کر کہا۔ "آپ نے میجر صاحب سے کیا کہا تھا اور انہوں نے مخالفت کرتے کرتے چپ کیوں سادھ لی تھی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں یہ نہ بتا سکوں گا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن مجھے امید ہے کہ اب وہ آپ کی پسندیدہ شادی پر معترض نہ ہوں گے۔"

پھر وہ عالیہ کو حیرت زدہ چھوڑ کر اپنی کار میں آبیٹھے۔

"کیوں میجر داؤد کا کیا معاملہ تھا۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ کل رات کو میں نے اس کی ایک غیر قانونی حرکت کا پتہ لگایا ہے وہ بھی اتفاق ہی تھا۔ پرانی حویلی میں مجھے جو حادثہ پیش آیا تھا اس کی بناء پر شائد اُسے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں پولیس جہانگیر پیلس کی تلاشی نہ لے۔ کیونکہ یہ اس کے ہاں دوسرا حادثہ تھا۔"

"پھر....!"

"اسی خوف کے تحت اس نے ایک غیر قانونی چیز جو اسی کی تھی پرانے کھنڈروں میں چھپانے کی کوشش کی۔"

"کیا چیز....؟"

"چانڈو.... اور چانڈو پینے کے کچھ پائپ۔"

"اوہ....!" حمید بے اختیار ہنس پڑا۔

"شاید اس کے گھر والے بھی نہیں جانتے کہ اسے چانڈو کی لت ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مگر یہ کیس جلد ختم ہو گیا۔ اس کا افسوس ضرور ہے۔"

"کیوں....؟" فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"مگر.... خیر کوئی بات نہیں۔" حمید خود سے بولا۔ "اب عالیہ رقص گاہوں میں مجھ سے کترائے گی نہیں۔"

"اور کچھ تعجب نہیں کہ تمہیں متبنّی بھی کر لے۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"اب آپ گالیوں پر اُتر آئے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"دیکھو یار تم ہر وقت عورت کا تذکرہ کر کے مجھے بور نہ کیا کرو۔ ورنہ کسی دن تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔" فریدی نے کہا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

حمید بیزاری سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر19

رقاصہ کا قتل

(مکمل ناول)

پیش رس

"رقاصہ کا قتل" جاسوسی دنیا کا انیسواں شمارہ ہے۔ یہ ناول بھی ابن صفی کے ان سابقہ ناولوں میں سے ایک ہے، جو اپنی دلچسپ اندازِ بیان، سنسنی خیز واقعات اور تحیر کی بناء پر بے پناہ مقبولیت حاصل کر چکا ہے اور جاسوسی ناولوں میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کی کہانی رام گڈھ کی سرسبز اور شاداب پہاڑیوں کے دامن سے ابھرتی ہے اور ابتداء ہی سے پڑھنے والے کی دلچسپی اپنے اندر جذب کر لیتی ہے پھر یہی دلچسپی آگے چل کر حیرت واستعجاب کے اس نکتہ تک پہنچ جاتی ہے، جہاں پڑھنے والا خود اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔

اس ناول میں سرجنٹ حمید اور انسپکٹر فریدی کا طریقہ کار بھی بالکل جداگانہ ہے۔ دونوں آخر وقت تک اپنی اپنی شخصیتوں کو چھپائے رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ مقامی پولیس انہیں بھی مشتبہ لوگوں کی فہرست میں شامل کر لیتی ہے۔ اس موقع پر حمید کی ظرافت کہانی کو اور پُر لطف بنا دیتی ہے۔ خاص طور سے اس کی اور پولیس انسپکٹر رام سنگھ کی نوک جھونک بے حد دلچسپ ہے۔

فریدی کا پُر وقار کردار اس ناول میں بھی اپنی مخصوص ذہانت کے ساتھ سامنے آتا ہے اور سراغ رسانی کا ایک انوکھا معیار پیش کرتا ہے۔

ابن صفی کے گذشتہ کارناموں میں یہ ناول جرائم، رومان اور سراغ رسانی کا ایک عجیب وغریب ماحول پیش کرتا ہے۔

"پبلشر"

رقاصہ کی برہنہ لاش

رام گڈھ کی سرسبز شاداب پہاڑیوں کے دامن میں پیراڈائز ہوٹل کی خوبصورت عمارت کسی انگوٹھی میں جڑے ہوئے ہیرے کے نگ سے کم حسین نہیں معلوم ہوتی۔ عمارت کے چاروں طرف ہرے بھرے میدان ہیں اور پھر وہ میدان بتدریج بلند ہوتے ہوئے پہاڑوں کی شکل میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ مغربی گوشے میں ایک جھیل ہے جس کے چاروں طرف دیودار کے درخت عشق پیچاں کی بیلوں سے ڈھکے ہوئے تنوں سمیت پُر وقار انداز میں کھڑے ہوئے ہیں۔ موسم بہار میں یہ بیلیں ننھے ننھے سرخ پھولوں سے ڈھک جاتی ہیں اور پھر جھیل کے شفاف سینے پر چنگاریاں ہی چنگاریاں نظر آتی ہیں۔ ہوٹل کی طرف سے یہاں ایک جانب ایک پختہ گھاٹ بنایا گیا ہے اسی کے متصل ایک کافی طویل وعریض پختہ فرش ہے جسے اسکیٹنگ اور ڈانس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ فرش کے چاروں طرف بے شمار سدا بہار درخت ہیں جن کی چوٹیوں پر برقی فانوس لگائے گئے ہیں۔ رات میں ان کی سبز روشنی سدا بہار درختوں کو ایک نئی زندگی بخش دیتی ہے۔

آج مطلع صبح ہی سے ابر آلود تھا۔ اس لئے گھاٹ پر کافی رونق تھی۔ کچھ نہا رہے تھے اور کچھ دھوپ نہ ہونے کے باوجود بھی رنگ برنگی چھتریوں کے نیچے مختلف قسم کی تفریحات میں مشغول تھے۔ کچھ نوخیز جوڑے پختہ فرش پر اسکیٹنگ کر رہے تھے۔ فضا میں بے شمار ہلکی، بھاری، بھدی اور سریلی آوازوں کی وجہ سے عجیب سا ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔

سرجنٹ حمید ایک چھتری کے نیچے بیٹھا پانی میں ابھرتے اور ڈوبتے ہوئے صندلی جسموں کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔ اسی کے قریب ایشیا کا جوان سال اور مشہور ترین سراغ رساں انسپکٹر فریدی چت لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ دونوں میدان علاقے کی جھلسا دینے والی گرمی سے تنگ

آکر رام گڈھ آئے تھے۔ خوش قسمتی سے انہیں پیراڈائیز ہوٹل میں ایک بڑا کمرہ مل گیا تھا ورنہ آج کل یہاں سے لوگوں کو عموماً مایوس لوٹنا پڑتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس ہوٹل کے علاوہ یہاں اور کوئی ایسا ہوٹل نہیں ہے جہاں ضروریات زندگی کے ساتھ ہی ساتھ جمالیاتی حسن کی تسکین کے مواقع بھی نصیب ہوسکیں! آج کل بھی یہاں سے روزانہ متعدد سیاح ناکام لوٹ رہے ہیں۔

فریدی جس کی تفریح کا معیار ہی سب سے الگ تھا محض حمید کے بے پناہ اصرار کی بناء پر اس ہوٹل میں ٹھہرا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ ان واقعات میں جب کہ سرکاری کاموں سے اسے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا صرف مطالعہ کرنا پسند کرتا تھا لہٰذا وہ اپنے ساتھ کثیر تعداد میں کتابیں لایا تھا اور کچھ یہاں خریدیں تھیں حمید کے رنگین مشاغل سے اسے قطعی دلچسپی نہ تھی لیکن کبھی کبھی اس کے اصرار پر اسکیٹنگ اور ڈانس میں حصہ لینا ہی پڑتا تھا۔

حمید نے ایک ہفتہ کے اندر کئی لڑکیوں سے جان پہچان پیدا کرلی تھی اور ان پر بے تحاشہ روپیہ برباد کر رہا تھا۔ فریدی نے کئی بار سمجھانے کی کوشش کی لیکن کون سنتا تھا۔

اس وقت وہ بڑی دیر سے ان میں سے کسی لڑکی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے نہانے کے لباس پر لبادہ پہن رکھا تھا۔

"تم کب نہاؤ گے۔" دفعتاً فریدی نے اس سے پوچھا۔

"پرسوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"غالباً کسی کا انتظار ہو رہا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

جی.... ہاں.... پھر! آپ سے مطلب۔"

"ارے حمید کے بچے! دماغ کی چولیں پھر ڈھیلی ہوئیں۔" فریدی کتاب رکھ کر اٹھ بیٹھا۔

"ہلو سلیم۔" دفعتاً ایک سریلی آواز سنائی دی اور حمید چونک کر پلٹا۔ ایک نیم عریاں اینگلو انڈین لڑکی اسے اپنی طرف مخاطب کر رہی تھی۔

"ہلو....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "تم آگئیں! بہت دیر کردی تم نے۔"

حمید نے اپنا لبادہ اتار پھینکا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جھیل میں کود پڑا۔

فریدی بُرا سا منہ بنا کر پھر لیٹ گیا۔ وہ حمید کی انہیں حرکتوں کی بناء پر ہوٹلوں کے رجسٹروں میں اپنا صحیح نام و پتہ لکھوانا پسند نہیں کرتا تھا۔ یہاں بھی اس نے اپنا نام کیپٹن عابد اور حمید کا نام

کیپٹن سلیم لکھوایا تھا۔

حمید دو تین غوطے لگانے کے بعد پھر باہر نکل آیا اس کے ساتھ اینگلو انڈین لڑکی بھی تھی۔ دونوں چھتری کے نیچے آ بیٹھے! فریدی بدستور لیٹا رہا۔

"کیپٹن عابد کو تفریحات سے کوئی دلچسپی نہیں۔" لڑکی ہنس کر بولی۔

فریدی نے کتاب ایک طرف رکھ دی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کس قسم کی تفریحات چاہتی ہو۔" اس نے لڑکی سے پوچھا۔ پوچھنے کا انداز کچھ اس قسم کا تھا کہ لڑکی بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگی۔ فریدی کی غیر متحرک آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں دراصل اس قسم کی تفریحات پسند کرتا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے نیچے جھک کر حمید کو گود میں اٹھالیا۔

"یہ کیا کرتے ہیں۔" حمید مچل کر بولا۔

"تفریح۔" فریدی اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے پُر سکون لہجے میں بولا اور پھر دو تین قدم آگے بڑھ کر اس نے حمید کو جھیل میں اچھال دیا۔ قریب بیٹھے ہوئے لوگ چونک کر اسے گھورنے لگے لیکن کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ فریدی اینگلو انڈین لڑکی کی طرف مڑا جو گھبرا کر کھڑی ہوگئی تھی۔ اسے فریدی کا چہرہ حد درجہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"اور اب تم بتاؤ۔"

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔" حمید ہانپتا ہوا بولا' جو جھیل سے نکل آیا تھا۔

"تفریح۔"

"میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کرتا۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"میں تمہاری پسند کی پرواہ کب کرتا ہوں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

لڑکی بغیر کچھ کہے سنے وہاں سے کھسک گئی۔

فریدی اطمینان سے بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

"لوگ آپ کو پاگل سمجھنے لگیں گے۔" حمید تھوڑی دیر بعد تلخ لہجے میں بولا۔

"اور میرے لئے یہ ایک حسین ترین اطلاع ہوگی۔"

"آپ نے اس وقت مجھے کافی شرمندہ کیا ہے۔"

"اور اب یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آؤ گے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ مجھے اس طرح ریگستان نہیں بنا سکتے۔"

"مجھے اس کا اعتراف ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جب تم پر عشق سوار ہوا کرے تو مجھ سے دور ہی رہا کرو۔"

"تو کیا میں اس وقت آپ کے سر پر سوار تھا۔"

"بکومت۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "مجھے کیا کرنا ہے! جاؤ جہنم میں ننگے ہو کر ناچو نالیوں میں ناک رگڑتے پھرو۔"

فریدی سگار پھینک کر پھر لیٹ گیا۔ حمید جھلا کر کپڑے پہننے لگا۔ چار بج چکے تھے اور ہوا میں کچھ کچھ خنکی پیدا ہو چکی تھی۔ فریدی نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ویٹر سے چائے لانے کو کہا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"کہاں چلے؟"

"کہیں نہیں!" حمید منہ چڑھا کر بولا۔

"بیٹھو۔" فریدی کے لہجے میں تلخی تھی۔

"واہ یہ اچھی زبردستی۔"

"چپ رہو۔"

حمید دانت پیستا ہوا بیٹھ گیا۔

"غالباً اس لونڈیا سے معافی مانگنے جا رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ جو ایک پگ وہسکی پر خود کو بیچ دیتی ہے۔ آدمی بنو صاحب زادے! اس طرح اپنا وقار ہاتھ سے نہ جانے دو۔"

"بس آپ ہی وقار کو شہد لگا کر چاٹا کریں۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "میں بے وقار ہی بھلا۔ دوسری بار دنیا میں نہیں آنا ہے۔"

"لیکن اس طرح تم جلد ہی دوسری دنیا میں پہنچ جاؤ گے۔"

"آپ کاندھا نہ دیجئے گا میرے جنازے کو۔"

"اچھا بکواس بند! تم نہیں جا سکتے۔"

حمید دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

شام کی چائے کے لئے بینڈ بجنا شروع ہو گیا تھا ایک اینگلو انڈین لڑکی سریلی آواز میں "دی پلر مس آف دی ہلکی وے" گا رہی تھی۔ لوگ چھتریوں کے نیچے سے اٹھ کر پختہ فرش کے کنارے پڑی ہوئی میزوں کے گرد آبیٹھے تھے۔ فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا۔ حمید نے اٹھ ہی جانے میں مصلحت بھی سمجھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پھر دوسروں کے لئے مذاق کا موضوع بنے۔

وہ دونوں ایک میز کے گرد آبیٹھے۔ تھوڑی دیر بعد ویٹر چائے لایا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" فریدی نے حمید کو پھر چھیڑا۔

"کیا اب سوچنے پر بھی پابندی لگائی جائے گی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک سب انسپکٹر پولیس دو کانسٹیبلوں اور ایک ویٹر کے ساتھ ان کی میز کے قریب آکر رک گیا۔

"کیپٹن عابد اور کیپٹن سلیم۔" سب انسپکٹر دونوں کو گھورتا ہوا آہستہ سے بولا۔

فریدی نے داہنی بھوں چڑھا کر پُر وقار انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"کہئے۔"

"آپ لوگ کمرہ نمبر چالیس میں مقیم ہیں نا۔"

"ہاں.... آں۔" فریدی جیب میں ہاتھ ڈال کر سگار کیس ٹٹولتا ہوا بولا۔

"کمرہ نمبر اکتالیس میں کون ہے؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہوٹل کا رجسٹر ملاحظہ فرمائیے۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے واقف ہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ایک مس پروین ہے اسٹار ڈانسنگ پارٹی کی مغنیہ اور دوسری پارٹی کی رقاصہ دیاوتی۔"

"آپ انہیں کب سے جانتے ہیں؟"

"آپ کا مطلب کیا ہے۔" فریدی سگار کو ایش ٹرے میں رکھتا ہوا بولا۔

"دیاوتی کو کسی نے کمرہ نمبر اکتالیس میں قتل کر دیا۔"

"اوہ....!"

حمید بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ لوگ اپنے کمرے میں کب گئے تھے۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"دو بجے۔"

"کتنی دیر تک وہاں رہے۔"

"جتنی دیر تک ہمارا دل چاہا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"جی....!" سب انسپکٹر اُسے گھور کر بولا۔ "آپ کو کافی احتیاط سے گفتگو کرنی چاہئے یہ نہ بھولئے کہ مقتولہ کا کمرہ آپ کے کمرے سے ملا ہوا ہے۔"

"تو اس کے ذمہ دار ہم تو نہیں۔" حمید نے کہا۔

"چپ رہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر سب انسپکٹر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ہم لوگ بمشکل تمام وہاں دس یا پندرہ منٹ ٹھہرے ہوں گے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ وہاں کیا کرتے رہے۔"

"جھک مارتے رہے۔" حمید بھنا کر بولا۔

فریدی نے اسے پھر گھور کر دیکھا۔

"لیکن یہ قتل ہوا کب؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہ تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب....؟" فریدی اسے گھورنے لگا۔

"ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ قتل دو اور تین بجے کے درمیان کسی وقت ہوا۔"

"تو آپ خاص طور سے ہمیں کیوں اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کمرہ نمبر.... بیالیس میں پارٹی ہی کے آدمی ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پارٹی کے آدمی قاتل نہیں ہو سکتے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا اور فریدی نے پیالی اٹھالی۔

"میں آپ کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"چھری تلاش کریں گے آپ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

دفعتاً سب انسپکٹر چونک پڑا۔

"آپ کو اس قتل کی اطلاع پہلے سے تھی۔" اس نے پوچھا۔

"قطعی نہیں!"

"پھر آپ نے چھری کا حوالہ کیسے دیا۔"

"یہ تو بہت معمولی سی بات ہے انسپکٹر صاحب۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ہوٹلوں میں عموماً دو چیزیں استعمال کی ہوتی ہیں۔ چھری یا زہر یا پھر گلا گھونٹا جاتا ہے۔"

سب انسپکٹر فریدی کو گھورتا رہا، جو نہایت اطمینان سے سر جھکائے چائے پی رہا تھا۔

"کیا وہ سو رہی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں غیر ضروری سوالات کے جواب نہیں دیا کرتا۔" پولیس انسپکٹر بولا۔ "مجھے آپ کے کمرے کی تلاشی لینی ہے۔"

"تو کان کھول کر سن لیجئے۔" حمید نے کہا۔ "ہم چائے ختم کئے بغیر یہاں سے نہیں اٹھ سکتے۔"

"مجھے کسی سخت رویئے پر مجبور نہ کیجئے۔"

حمید چائے کی پیالی رکھ کر اُسے گھورنے لگا۔

"تم بیٹھو۔" فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ "آیئے انسپکٹر صاحب میرا دوست کچھ چڑچڑے مزاج کا واقع ہوا ہے۔"

وہ دونوں چلے گئے حمید بیٹھا چائے پیتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب خیر نہیں۔ ساری تفریح خاک میں مل کر رہ جائے گی۔ آہستہ آہستہ ساری میزیں خالی ہوتی جا رہی تھیں شاید لوگوں کو قتل کی اطلاع ہو گئی تھی۔ حمید نے سوچا کہ اس کا اس طرح یہاں بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اس موقع پر اپنی اصلیت ظاہر نہیں کرے گا۔

چائے ختم کرنے کے بعد حمید اٹھ گیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس جگہ آیا جہاں بہت سے لوگ اکٹھا تھے اور اسی قتل کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔

"وہ بالکل برہنہ تھی۔" ایک چھوٹے قد کا آدمی کہہ رہا تھا۔ "کسی نے اسے جانوروں کی طرح ذبح کر دیا۔ میں نے اتنا دردناک منظر آج تک نہیں دیکھا۔"

"بڑی پیاری رقاصہ تھی۔" دوسرے نے کہا۔

"آخر کون ہو سکتا ہے۔"

"پولیس شاہد اس کے ساتھ کی دوسری لڑکی پر شبہ کر رہی ہے۔"

"کس پر؟" ایک چونک کر بولا۔ "پروین پر! کبھی نہیں ہو سکتا وہ ننھی منی سی شرمیلی لڑکی قتل نہیں کر سکتی۔"

"جناب آپ کیا جانیں۔ قاتلوں کے چہرے بڑے معصوم ہوتے ہیں۔" دوسرا بولا۔

"معاف کیجئے گا! آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار نہیں ہیں۔" پہلے نے کہا۔

"فضول بات ہے۔" دوسرا ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "آپ میرے متعلق کیا جان سکتے ہیں۔"

"اس کا کل شام والا ناچ۔" پستہ قد والا آدمی پھر بولا۔ "میں زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔"

"وہ دونوں ایک ہی کمرے میں مقیم تھیں۔" ایک نے کہا۔ "دوسری لڑکی کہاں تھی۔"

"لاش سب سے پہلے اسی نے دیکھی تھی۔" کسی نے کہا۔

"لیکن وہ تھی کہاں؟"

"معلوم نہیں۔"

حمید وہاں سے ہٹ کر عمارت کی طرف جانے لگا۔ راستے میں وہی اینگلو انڈین لڑکی مل گئی۔

"اوہ! کیپٹن سلیم تمہارے برابر میں قتل ہو گیا۔" اس نے حمید سے کہا۔ "تمہارے کمرے کی بھی تلاشی لی گئی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" حمید نے کہا۔ "تم کہاں سے آ رہی ہو؟"

"اوپری منزل سے۔ پولیس لوگوں کے بیانات لے رہی ہے۔ کیپٹن عابد سے بھی کافی پوچھ گچھ ہوئی ہے۔"

"اوہ....!"

"بالکل ننگی تھی!" اینگلو انڈین لڑکی معنی خیز انداز میں آہستہ سے بولی۔

"اور دوسری لڑکی کہاں تھی؟"

"کہیں باہر گئی تھی۔ واپسی پر اس نے دیاوتی کی لاش دیکھی۔"

"پارٹی کے دوسرے افراد۔" حمید نے پوچھا۔

"ان کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔ البتہ پارٹی کا مالک اقبال کافی مطمئن نظر آ رہا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں نے بھی اُسے وہسکی پیتے دیکھا ہے۔ کیا بتاؤں تم سے کہ اس کے چہرے پر کیسی مسکراہٹ تھی۔ بہر حال اتنا سمجھ لو کہ عام آدمی ایسے حالات میں اس طرح نہیں مسکرا سکتے۔"

"اقبال وہی نا جس کی پیشانی پر ایک ابھرا ہوا سیاہ تل ہے۔"

"وہی! میں نے ہمیشہ اسے پیتے دیکھا ہے۔"

"وہ کہاں تھا؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں۔ پولیس کافی رازداری سے کام لے رہی ہے۔"

"لیکن تم کہاں جا رہی ہو۔"

"گھاٹ پر، اس حادثے نے مجھ پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے۔ اُف میرے خدا۔"

حادثے کی تفصیل

حمید آہستہ آہستہ اوپری منزل کے زینے طے کر رہا تھا۔ قتل و خون اس کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی اور نہ وہ کسی قتل کی خبر سے اس طرح متاثر ہوتا تھا جیسے کہ عام آدمی ہوتے ہیں۔ وہ تو صرف ایک بات سوچ رہا تھا۔ اسے اپنی تقدیر پر رونا آ رہا تھا کہ چھٹیوں میں بھی اسے سکون نصیب نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہاں کے کسی کیس سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مگر فریدی کہاں نچلا بیٹھ سکتا تھا۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ اب اسے اس حسین تفریح گاہ میں بھی الجھنوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ رہ گیا فریدی تو اس کی سب سے بڑی تفریح یہی تھی کہ اسے پیچیدہ قسم کے کیس ملتے رہیں۔

وہ طویل راہداری سے گزرتا ہوا اپنے کمرے کے سامنے آیا۔ مقتولہ کا کمرہ بند تھا۔ کچھ دور ہٹ کر آٹھ دس کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر پولیس والوں کے علاوہ ہوٹل کا منیجر پارٹی کا مالک اقبال مغنیہ پروین اور فریدی بیٹھے ہوئے تھے۔

"میرا دوست خود ہی آ گیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

سب کی نظریں حمید کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ سب انسپکٹر جو تھوڑی دیر قبل فریدی اور ح
کے پاس گیا تھا دوسرے انسپکٹر کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ دوسرا انسپکٹر ادھیڑ عمر کا ایک بھاری بھر
آدمی تھا۔ چڑھی ہوئی مونچھیں خضاب آلودہ تھیں۔ اس نے تیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھ
اور حمید کو خواہ مخواہ ہنسی آنے لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ فریدی ابھی تک اپنی اصلیت چھپائے ہوئے ہے۔

"بیٹھ جائیے۔" بوڑھا انسپکٹر بھاری بھر کم آواز میں بولا۔

حمید ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"آپ کا نام۔"

"سلیم الدین" حمید نے آہستہ سے کہا۔ ہیڈ محرر جیب سے قلم نکال کر لکھنے لگا۔

"باپ کا نام۔"

"شیخ محمد کلیم الدین، قادری، چشتی، نقشبندی.... اور.... اور.... حنفی بھی۔"

انسپکٹر اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"پیشہ....!" وہ گرج کر بولا۔

"آہ وزاری، نالہ وبکا.... مدھوبالا کے عشق میں گرفتار۔"

"اسے مسٹر.... ذرا ہوش سے، آپ پولیس کو بیان دے رہے ہیں۔"

"آپ کس کا پیشہ پوچھ رہے ہیں۔"

"آپ کا؟" انسپکٹر دانت پیس کر بولا۔

"میں سمجھا شاید والد صاحب کا۔ میں تو ایک برطرف شدہ کیپٹن ہوں۔"

"برطرف شدہ۔"

"مطلب یہ کہ جنگ کے بعد ہمیں بالکل چھٹی دے دی گئی۔" فریدی جلدی سے بولا۔

"آپ براہِ کرم خاموش رہئے۔" انسپکٹر نے فریدی سے کہا۔

"بہت بہتر۔" فریدی انتہائی سعادت مندانہ انداز میں بولا۔

حمید نے محسوس کیا کہ پروین بے اختیارانہ انداز میں مسکرا رہی ہے بس پھر کیا تھا۔ حمید کے
دماغ کے کیڑے باقاعدہ طور پر کلبلانے لگے۔

"موجودہ پیشہ....!" انسپکٹر پھر غرایا۔

"کہیں مرد بھی پیشہ کرتے ہیں۔"

"مسٹر....!"

"فرمائیے۔"

"مجھے سختی کرنی پڑے گی۔"

"میں صبر کروں گا۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"سلیم....!" فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"آپ لوگوں کو میرے ساتھ کوتوالی چلنا پڑے گا۔" انسپکٹر غصے میں ہانپتا ہوا بولا۔

"کیوں؟" حمید نے بھویں تان کر پوچھا۔

"ہم تیار ہیں انسپکٹر صاحب۔" فریدی نے خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔

انسپکٹر خاموشی سے تھوڑی دیر تک حمید کو گھورتا رہا جو برابر مسکرائے جا رہا تھا۔ پھر وہ فریدی
کی طرف مخاطب ہوا۔

"اپنے دوست کو سمجھائیے! خواہ مخواہ بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔"

"سلیم۔" فریدی بگڑ کر بولا۔ "شرارت اور مذاق کا وقت ہوتا ہے۔ اگر تم نہیں مانو گے تو پھر
میں نتیجے کا ذمہ دار نہیں۔"

حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

اس کے بعد وہ انسپکٹر کے سوالات کے جواب قاعدے سے دیتا رہا۔

"اچھا اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" انسپکٹر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "لیکن پولیس کی اجازت کے
بغیر آپ رام گڈھ سے باہر نہ جا سکیں گے۔"

"اوہ! تو کیا ہم لوگ بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں شامل ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں۔" ہیڈ محرر لکھتے لکھتے سر اٹھا کر بولا۔

"تب تو مزے آجائیں گے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب....!" انسپکٹر چونک کر بولا۔

"میں غیر ضروری سوالات کے جواب نہیں دیتا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ فریدی اور حمید
پھر نیچے آگئے۔

جھیل کے کنارے پھر پہلی سی رونق نظر آنے لگی تھی۔ لوگ تھوڑی دیر بعد یہ بھی بھو
گئے کہ رقاصہ کی لاش ابھی ہوٹل میں موجود ہے! پختہ فرش پر رات کے ناچ کا انتظام ہورہا تو
فضاؤں میں سریلے قہقہے رقص کررہے تھے۔ چاروں طرف گداز جسموں کی نمائش ہورہی تھ
فریدی اور حمید ایک میز کے قریب بیٹھ گئے۔

"فرمائیے سرکار! اب کیا ارادے ہیں۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"کیس بڑا دلچسپ ہے۔" فریدی جیب سے سگار نکالتا ہوا بولا۔

"یہ میں بھی جانتا ہوں۔ کوئی نئی بات بتائیے۔"

"اوہو! بہت چہک رہے ہو۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ یہ کیس مجھے بھی دلچسپ معلوم ہورہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اچھا! یہ پہلا موقع ہے کہ تمہاری زبان سے اس قسم کا جملہ سن رہا ہوں۔"

"ابھی آپ کو کئی ایسے موقعے نصیب ہوں گے۔"

فریدی خاموش ہوکر حمید کو غور سے دیکھنے لگا۔

"آپ اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں صرف اس لئے دلچسپی لے
ہوں کہ مقامی پولیس بھی ہم پر شبہ کررہی ہے۔"

"تم خواہ مخواہ اس بوڑھے کو غصہ دلا رہے تھے۔"

"وہیں سے تو دلچسپی شروع ہوئی ہے۔" حمید نے کہا۔ "سنا ہے کہ وہ بیچاری پروین پر
کررہے ہیں۔"

"حالات ہی کچھ اس قسم کے ہوئے ہیں۔"

"یعنی....!"

"خود لڑکی کا بیان مشتبہ ہے۔"

"کچھ بتائیے بھی تو۔"

"آج دو بجے کے قریب اس نے اوپری منزل کے ایک نوکر سے نیچے جانے کا کوئی دو
راستہ پوچھا تھا اور کچھ گھبرائی ہوئی بھی تھی۔ نوکر نے اسے دوسری سیڑھیاں بتائیں، جو عمار
کے عقبی حصے کے باورچی خانے میں ختم ہوتی ہیں۔"

"لیکن دوسرا راستہ پوچھنا کوئی جرم نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن دوسرے راستے سے جسے مسافر استعمال نہیں کرتے نیچے جانے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔"

"لڑکی نے کیا بیان دیا۔"

"اس کا بیان ہے کہ وہ دو بجے تفریح کے لئے باہر نکلی تھی اس وقت دیاوتی زندہ تھی لیکن اس نے اپنے سارے کپڑے اتار رکھے تھے اور صرف ایک چادر اوڑھے بیٹھی تھی۔ جاتے وقت مقتولہ نے اس سے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کب تک واپس آئے گی۔"

"لیکن وہ عقبی زینے سے کیوں گئی تھی۔" حمید نے ٹوکا۔

"اس نے بتایا کہ وہ ایک آدمی کو نظرانداز کرنا چاہتی تھی، جو اسے اپنے ساتھ تفریح کے لئے لے جانا چاہتا تھا۔"

"اوہ....!"

"وہ سامنے والے زینوں کے نیچے اس کا منتظر تھا اس لئے اس نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے عقبی سیڑھیاں استعمال کیں۔ پھر ساڑھے تین بجے جب وہ واپس آئی تو اس نے کمرے میں دیاوتی کی برہنہ لاش دیکھی۔"

"پولیس نے اس آدمی کا نام نہیں پوچھا جسے وہ ٹالنا چاہتی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"کیوں نہیں.... وہ ڈانسنگ پارٹی کا مالک اقبال تھا۔"

"اوہ....!" حمید نہ جانے کیوں چونک پڑا۔

"کیوں؟ کیا تم اقبال کے متعلق کچھ جانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے اقبال کے متعلق اینگلوانڈین لڑکی کا جملہ دہرادیا۔

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ وہ لڑکی قتل نہیں کرسکتی۔"

"اچھا....!" حمید مسکرا کر بولا۔ "یہ آپ اس کے بھولے بھالے چہرے کی بناء پر کہہ رہے ہیں۔"

"نہیں برخوردار۔ اپنے تجربات کی بناء پر۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ اب سے

صرف ایک ہفتہ قبل اس پارٹی میں داخل ہوئی ہے اس سے پہلے وہ ایک دفتر میں ٹائپسٹ تھی۔ شاہ پور کے ایک گرلز کالج کے ڈرامے میں اس نے حصہ لیا تھا۔ وہیں اس کی اقبال سے ملاقات ہوئی۔ اقبال نے اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ دفتر کی ملازمت چھوڑ کر اس کی پارٹی میں بحیثیت مغنیہ شامل ہو جائے۔ اس کیلئے اس نے جو معاوضہ پیش کیا وہ اس کی دفتر کی تنخواہ سے کئی گناہ زیادہ تھا۔ پروین تیار ہو گئی اور پھر وہ پارٹی سمیت یہاں چلے آئے اس سیزن بھر کے لئے پیراڈائیز والوں سے ان کا معاہدہ ہو گیا ہے۔"

"مگر اب وہ کیا کریں گے رقاصہ تو قتل کر دی گئی۔"

"یہ انہیں سے پوچھنا۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔ "ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ فریدی چونک کر مڑا۔ اقبال پروین کو سہارا دیتا ہوا اسی طرف لا رہا تھا۔ فریدی اور حمید نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

اقبال اور پروین قریب ہی ایک میز کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کی آوازیں انہیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"اوہ بے بی.... بے بی.... اپنی طبیعت سنبھالو! مجھے یقین ہے کہ تم بے گناہ ہو! بھلا تم کیوں اسے قتل کرنے لگیں۔" اقبال بولا۔

"میں ٹھیک ہوں بالکل ٹھیک ہوں۔" پروین نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرے خیال میں تم تھوڑی سی برانڈی پی لو۔" اقبال پھر بولا۔

"نہیں! میں نے شراب کبھی نہیں پی۔"

"ضرورتاً.... دوا کے طور پر۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"میں تمہارے لئے بہت مغموم ہوں۔" اقبال نے کہا۔

حمید نے فریدی کو آنکھ ماری۔

"شکریہ۔" پروین بے دلی سے بولی۔

اقبال تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آج کے پروگرام کا کیا بنے گا۔"

"جی۔" پروین بے اختیار چونک پڑی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں آج کا پروگرام۔ تم تھوڑا بہت ناچ بھی سکتی ہو۔"

"مگر.... دیاوتی۔" پروین رک رک کر بولی۔ "کیا وہ آپ کی بیوی نہیں تھی۔"

"قطعی تھی۔" اقبال نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن مجھے اس کے انجام پر ذرہ برابر بھی حیرت نہیں۔"

وہ کچھ اور بھی کہنے والا تھا کہ کچھ لوگ آ کر ان کی میز کے گرد اکٹھا ہو گئے۔ غالباً یہ ان سے جان پہچان رکھنے والے تھے۔

"دیاوتی اس کی بیوی تھی۔" حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اور اسے اس کے انجام پر حیرت نہیں۔" حمید پھر بولا۔ "وہ آج کے پروگرام کے متعلق سوچ رہا ہے۔" فریدی کھڑا ہو گیا۔

دوسرے لمحے میں وہ دونوں اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ راہداری میں ابھی تک پولیس والے موجود تھے۔ دیاوتی اور پروین کا کمرہ کھلا ہوا تھا اور اس میں روشنی ہو رہی تھی، اندر بھی کچھ پولیس والے موجود تھے۔

بوڑھے انسپکٹر نے فریدی اور حمید کو گھور کر دیکھا لیکن وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

فریدی لکھنے کی میز پر بیٹھ کر اپنی ڈائری میں کچھ لکھنے لگا۔ دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا، بوڑھا انسپکٹر اسے کھڑا گھور رہا تھا۔

"کیا آپ لوگوں نے نہیں سنا۔" وہ گرج دار آواز میں بولا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آپ یہاں کس کی اجازت سے آئے ہیں۔"

"اجازت....!"

"جی ہاں! جب تک تفتیش مکمل نہ ہو جائے کوئی اوپر نہیں آ سکتا۔"

"ہمیں اس کی اطلاع نہیں تھی۔"

"زینے پر نوٹس لگا دیا گیا ہے۔" بوڑھا غرا کر بولا۔

"ہمیں افسوس ہے؟" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ پھر حمید کا ہاتھ پکڑ کر باہر چلا آیا۔ باہر آکر فریدی نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی اور بھی نیچے آیا ہے اور سائے کی طرح ان کے پیچھے لگا ہوا ہے۔

"ذرا اس بوڑھے خبطی کو دیکھو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اس نے ہماری نگرانی کے لیے کسی کو ہمارے پیچھے لگا دیا ہے۔"

"تو سنئے! کیوں نہ اسے اُلو بنایا جائے۔" حمید نے کہا۔

"چھوڑو بھی۔"

"خدا قسم مزا آجائے گا۔"

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا وہ آدمی اب بھی ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ حمید کی طبیعت بے قابو ہو گئی۔ وہ فریدی کے ساتھ جانے کے بجائے جھیل کی طرف مڑ گیا۔ فریدی پختہ فرش کے کنارے پڑی ہوئی میزوں کے قریب ایک میز پر بیٹھ گیا تھا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کا تعاقب برابر جاری ہے۔

حمید جھیل کا پورا چکر لگانے کے بعد ایک جگہ رک گیا۔ پھر اس نے اپنی ٹائی کھولی اور اس میں پتھر کا ایک ٹکڑا باندھ کر ایک درخت سے لٹکا دیا۔ تعاقب کرنے والا مالتی کی جھاڑیوں میں چھپ گیا تھا۔

حمید پھر فریدی کے پاس لوٹ آیا۔

"کہاں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یونہی ٹہل رہا تھا۔"

"وہ لوگ اسے لے گئے۔"

"کسے!"

"پروین کو۔"

"کون لوگ۔"

"پولیس.... پولیس۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"کیوں....!"

"اس کے سوٹ کیس سے ایک خون آلود چھری برآمد ہوئی ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن وہ مجھے مجرم نہیں معلوم ہوتی۔"

"آپ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مجھے اس سے ہمدردی ہے۔"

"پہلے کی جان پہچان؟" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"بکو مت۔"

"لیکن میں اس ہمدردی کی وجہ ضرور پوچھوں گا۔"

فریدی کچھ جواب دیئے بغیر اٹھ گیا۔ حمید سمجھا تھا کہ شاید وہ اس کی باتوں سے اکتا کر اٹھا ہے لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ فریدی ایک آدمی کے قریب جا کر رک گیا جو ایک سدا بہار درخت کے قریب کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید بھی اٹھا۔

"آپ کے پاس دیا سلائی ہو گی۔" فریدی نے اس آدمی سے پوچھا۔ "میرا لائٹر خراب ہو گیا ہے۔"

اس نے فریدی کو پُر خیال انداز میں گھورتے ہوئے دیا سلائی پکڑا دی۔

"شکریہ۔" فریدی سگار سلگانے لگا۔ پھر سر اٹھا کر دیا سلائی واپس کرتا ہوا بولا۔ "آپ بھی تو شاید اقبال صاحب کی ڈانسنگ پارٹی کے ایک آرٹسٹ ہیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ لڑکی قاتل نہیں ہو سکتی۔" فریدی نے کہا۔

"جی....!" وہ چونکا۔

"وہ ایک معصوم لڑکی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یوں تو اُن گدھوں نے ہمارا نام بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں درج کر لیا ہے۔"

"آپ کا!"

"جی ہاں.... ہمارا کمرہ مقتولہ کے کمرے سے ملا ہوا ہے نا۔"

وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ کوئی خواہ مخواہ اپنا جرم اس کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہے ہم دونوں ڈھائی بجے سے ساڑھے تین بجے تک ساتھ رہے۔"

"کہاں....!" فریدی نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"ستلیل ندی کے کنارے جو یہاں سے ایک میل کی دوری پر ہے۔"

"آپ دونوں ساتھ گئے ہوں گے۔"

"نہیں! مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس سے اچانک ملاقات ہو جائے گی۔ میں یوں ہی ٹہلتا ہوا اُدھر نکل گیا تھا۔ اتفاقاً وہ بھی ادھر ہی آ نکلی۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ پچھلے زینوں سے کیوں اتری تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"چھوڑیئے بھی۔" وہ اکتا کر بولا۔ "میں اس وقت صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ حوالات میں اس کا کیا حال ہوگا۔ احمق لڑکی.... شہرت کے شوق میں اس نے اپنی اچھی خاصی زندگی برباد کر لی۔"

"شہرت کے شوق میں۔" فریدی نے اس کا جملہ دہرایا۔

"وہ آج سے پندرہ دن قبل ایک آفس میں ٹائپسٹ تھی۔ نہ جانے اقبال اُسے کس طرح پھسلا لایا۔"

"اقبال بھی عجیب ہی آدمی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اسے کبھی ہوش میں نہیں دیکھا۔"

وہ نفرت سے منہ سکوڑ کر رہ گیا۔

"اور آج بھی۔" فریدی پھر بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اسے کوئی غم ہی نہ ہو جیسے مقتولہ، بیوی کیا اس کی شناسا بھی نہ رہی ہو۔"

"اس کی وجہ سن کر ایک معمولی آدمی بھی چونک پڑے گا۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آپ جانتے ہیں کہ ان کی شادی کن حالات میں ہوئی تھی۔"

فریدی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"خیر ہٹایئے! مجھے کیا؟ پولیس خود ہی سب کچھ معلوم کر لے گی۔ فی الحال پروین کی گرفتار کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ اسے کل ہی پھانسی دے دی جائے گی۔"

"مگر اس نے پچھلے زینے....!"

"کچھ بھی نہیں۔ سب فضول۔" وہ فریدی کی بات کاٹ کر بولا۔ "ایسے اتفاقات ہوتے ہی رہتے ہیں اور پھر جہاں تک میرے قیافے کا تعلق ہے وہ کوئی بد چلن یا آوارہ لڑکی نہیں ہے۔ اوہ مجھے اب جانا چاہئے۔"

وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا عمارت کی طرف چلا گیا۔

فریدی پُر خیال انداز میں حمید کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ چغد ایک دوسری الجھن میں مبتلا کر گیا۔" حمید نے کہا۔ "اب کس سے پوچھتے پھریں کہ اس اقبال کے پٹھے کی شادی کن حالات میں ہوئی۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

حمید مدھم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا ٹہلنے لگا۔

نیا انکشاف

دوسرے دن صبح حمید جب سو کر اٹھا تو اس نے فریدی کا بستر خالی پایا۔ پہلے تو اس نے کوئی دھیان نہ دیا لیکن جب کافی وقت گذر جانے کے بعد بھی اس کا پتہ نہ چلا تو حمید کی تشویش بڑھ گئی۔ لیکن پھر فوراً ہی خیال آیا کہ وہ ضرور اس نئے حادثے کی چھان بین میں مشغول ہوگا اسے پروین کا حسین اور افسردہ چہرہ یاد آ گیا۔ خود اسے بھی یقین تھا کہ پروین کسی کو قتل نہیں کر سکتی۔ حمید دروازہ کھول کر راہداری میں آیا۔ زینے کے قریب اقبال کھڑا ایک آدمی سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔ حمید بھی خواہ مخواہ مسکرانے لگا۔

اس آدمی کو رخصت کرنے کے بعد اقبال آہستہ آہستہ حمید کی طرف بڑھا۔

"آپ نے کل رات اس بوڑھے کو بہت تنگ کیا تھا۔" وہ آہستہ سے بولا۔ اور شراب کی بو حمید کا دماغ پھاڑنے لگی۔ حمید جواباً صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"نہیں یہ کم بخت انہیں کو دباتے ہیں، جو ان سے دبتے ہیں۔" اقبال پھر بولا۔

"مس پروین کا کیا ہوا۔ مجھے اس حادثے پر سخت افسوس ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہونے والی باتیں اسی طرح ہو جاتی ہیں۔" اقبال نے مضمحل آواز میں کہا۔ "میں نے رشوت دے کر اسے حوالات میں بند ہونے سے تو بچالیا ہے لیکن ان کم بختوں کو نہ جانے کیسے یقین ہو گیا ہے کہ وہی قاتل ہے۔"

"آپ کی دانست میں قاتل کون ہو سکتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اب میں اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں میرے خیال میں تو کوئی اس کا دشمن نہیں تھا۔"

"مجھے حیرت ہے۔" حمید کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔

وہ دراصل دیاوتی کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچانا چاہتا تھا لیکن اس نے سوچا کہ کہیں یہ چیز فریدی ناپسند نہ کرے۔ معلوم نہیں اس نے کون سا نیا طریقہ کار اختیار کیا ہو۔

"سگریٹ۔" اقبال نے سگریٹ کیس نکال کر حمید کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ۔" حمید نے سگریٹ لے کر ہونٹوں میں دباتے ہوئے کہا۔ "مجھے انتہائی افسوس ہے کہ ایسے موقع پر جب کہ صحیح معنوں میں آپ کی پارٹی کو اپنے کمالات دکھانے کا....!"

"اوہ! مجھے اس کا غم نہیں۔" اقبال حمید کی بات کاٹ کر بولا۔ "میری زندگی میرا فن ہے۔ ہمارے پروگرام ہوتے رہیں گے مجھے دیاوتی کی موت پر افسوس ہے لیکن اس لئے نہیں کہ وہ میری بیوی تھی محض اس لئے کہ وہ ایک اچھی فنکار تھی اور اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔"

"وہ آپ کی بیوی تھی؟" حمید نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔"

"اور آپ اس کے دشمنوں سے واقف نہیں۔"

"ہماری شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔"

حمید کچھ اور پوچھنے والا تھا کہ زینوں پر فریدی دکھائی دیا۔ وہ ہلکے سرمئی رنگ کے سوٹ میں ملبوس اوپر کی طرف آرہا تھا۔

"اوہو! آپ سے ملئے۔" حمید نے اقبال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فریدی سے کہا۔ "مسٹر اقبال ڈانسنگ پارٹی کے مالک اور یہ میرے دوست کیپٹن عابد۔"

فریدی نے اکتائے ہوئے انداز میں اس سے مصافحہ کیا۔

حمید سمجھا تھا کہ فریدی اپنے مخصوص انداز میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرے لیکن اس کی بے تعلقی دیکھ کر اسے حیرت ہونے لگی۔

اقبال تھوڑی دیر تک کھڑا بیوقوفوں کی طرح مسکراتا رہا۔ پھر دونوں سے دوبارہ ہاتھ ملا کر زینے کی طرف لوٹ گیا۔ فریدی اور حمید اپنے کمرے میں چلے آئے۔

"تو تم نے اس سے جان پہچان پیدا کرلی۔" فریدی اپنی فلٹ ہیٹ میز پر ڈالتا ہوا بولا۔

"جناب والا....!" حمید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر قدرے جھکتے ہوئے کہا۔

"اس لڑکی سے بھی جان پہچان پیدا کرنے کی کوشش کرو۔"

"یہ آپ فرمارہے ہیں۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔

فریدی اسے گھورنے لگا۔

"سرکاری میں آوارہ نہ ہو جاؤں گا؟" حمید نے پھر کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔"

"نہیں نہیں میں شریف کا بچہ ہوں۔"

"خاموش رہو۔"

میں نے عہد کرلیا ہے کہ اب میں کسی عورت سے بات نہ کروں گا۔"

"جہنم میں جاؤ۔"

"آمدورفت کے اخراجات آپ کے ذمہ۔"

فریدی منہ بناتا ہوا غسل خانے میں چلا گیا۔ واپس آنے کے بعد اس نے ناشتے کے لئے فون کیا۔ اس کے ماتھے پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں۔ شاید وہ حمید کی موجودگی سے بھی بے خبر ہو گیا تھا۔ حمید خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا لیکن بولنے کی ہمت نہ کرسکا؟ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اس وقت اس نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی تو شامت آجائے گی۔

تھوڑی دیر بعد ناشتہ آگیا۔ ناشتے کے دوران میں بھی خاموشی ہی رہی۔

کسی نے باہر سے دروازے کو آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔

"آجاؤ۔" فریدی نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

کل والا بوڑھا انسپکٹر داخل ہوا۔

"اوہ آپ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تشریف لائیے۔ یہاں تشریف رکھئے چا ہے۔"

"شکریہ۔" انسپکٹر منہ سکوڑ کر بولا۔ پھر وہ حمید کو گھورنے لگا۔

"یہ ٹائی آپ کی ہے۔" اس نے جیب سے ایک ٹائی نکالتے ہوئے کہا جس کے سر۔ پتھر کا ٹکڑا بندھا ہوا تھا۔

حمید سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں اس کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر ٹائی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"اس کا مطلب۔" حمید نے چونک کر کہا۔ "اس کا مطلب شاید میں پاگل خانے سے دو نہ بتا سکوں گا۔"

فریدی حیرت سے ٹائی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ حمید کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی حمید نے اسے انگلینڈ میں خریدا تھا سیاہ رنگ کی ٹائی تھی جس پر ریڈیم کے حروف میں me in the Dark uncle اندھیرے میں یہ حروف چمکنے لگتے تھے۔

"یہ تو آپ ہی کی ہے۔" سب انسپکٹر نے پھر پوچھا۔

"سو فیصدی میری ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن اس حرکت کا مطلب۔"

"انگریزی آتی ہے آپ کو۔" حمید نے پوچھا۔

"جی نہیں! بھلا میں انگریزی کیا جانوں۔" بوڑھا طنزیہ انداز میں بولا۔

"اس تحریر کا یہ مطلب ہے۔" حمید اس کے طنزیہ لہجے کو نظر انداز کر کے بولا۔ "ا مجھے اندھیرے میں پیار کرو۔"

"یعنی۔"

"یعنی یہ کہ میں آپ کو چچا بنا کر چھوڑوں گا۔ میں بھی ملٹری میں کیپٹن رہ چکا ہوں ا خاص کا محکمہ میرے سپرد تھا۔"

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی نے حمید کو ڈانٹا۔ "انسپکٹر صاحب! مجھے بتا

بات ہے؟"

"میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" انسپکٹر جامے سے باہر ہو کر گرجا۔ "میرے پاس آپ دونوں حضرات کے وارنٹ ہیں۔ میں آپ دونوں کو دیاوتی کے قتل کے سلسلے میں گرفتار کرنے کے لئے آیا ہوں۔"

"اوہ....!" فریدی ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا اور حمید بے تحاشہ ہنس پڑا۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے اسے پھر ڈانٹا۔

"دیاوتی کا معاملہ تو پانچ سو پر ہو گیا تھا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "ہم سے ایک ہزار لے لیجئے انسپکٹر صاحب۔"

"جلدی کیجئے۔" انسپکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "خود سپرنٹنڈنٹ صاحب نیچے موجود ہیں۔"

"بہت اچھا۔ انہیں یہیں بھیج دیجئے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"اگر آپ لوگ یہی چاہتے ہیں کہ آپ کے ہتھکڑیاں لگیں تو یہ بھی ہو جائے گا۔" انسپکٹر نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

"یہ ٹائی اس کے پاس کس طرح پہنچی؟" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

حمید نے اپنی رات والی حرکت دہرا دی۔ فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"میرے خیال میں ماتھر صاحب ہی یہاں کے سپرنٹنڈنٹ ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں اور میں اس سے ابھی تک نہیں ملا۔" فریدی نے کہا۔ "اسے بڑی شکایت ہو گی۔"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔ "کیا سچ مچ ہتھکڑیاں ہی لگوائیے گا۔"

"کیا ہرج ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ہمیں اپنی شخصیت چھپانی ہے۔"

"لیکن ماتھر صاحب۔"

"میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ اگر ہم حوالات میں نہ بھی بند ہوں تو کم از کم ہمیں مشتبہ آدمیوں کی حیثیت سے مع اعزاز و اکرام کوتوالی تک ضرور جانا چاہئے۔"

تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازے کو دھکا دیا۔ یہ ایس۔ پی ماتھر تھا۔ اس کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی تھے۔ یہ سب کے سب وردیوں میں تھے۔ فریدی کو دیکھ کر ماتھر کا منہ حیرت سے کھل گیا لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی نے اسے آنکھ ماردی۔ اس کے باوجود بھی ماتھر شاید اس کا

مطلب نہ سمجھ سکا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ لوگ میرے پیچھے کیوں پڑگئے ہیں۔" فریدی غصے کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

ماتھر پلٹ کر بوڑھے انسپکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارا چال چلن مشتبہ ہے۔" بوڑھا ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

"تم لوگ نیچے میرا انتظار کرو۔" ماتھر نے اپنے ساتھیوں سے کہا وہ سب چلے گئے۔

"ہاں اب بتاؤ۔" ماتھر نے کہا۔ "تم نے مجھے اطلاع تک نہ دی کہ تم یہاں مقیم ہو۔"

"معاملہ کچھ ایسا ہی تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بیٹھو۔"

"یہ ٹائی کا کیا قصہ تھا۔" ماتھر نے پوچھا۔

"حمید کی شرارت! تمہارے انسپکٹر نے ہماری نگرانی شروع کردی تھی۔"

"خیر مارو گولی۔" ماتھر نے فریدی کے سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ "جب میں یہاں موجود ہوں تو تمہیں ہوٹل میں ٹھہرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے نام بدل رکھے ہیں۔" فریدی نے بات بتائی۔

"کوئی خاص معاملہ۔"

"ہاں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن ہماری اصلیت کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔"

"رام سنگھ تمہیں پریشان کرڈالے گا۔"

"کون رام سنگھ۔"

"یہی بوڑھا..... بہت ضدی آدمی ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ اس پر تم یہی ظاہر کرنا کہ تم بھی مجھ پر شبہ رکھتے ہو لیکن کسی وجہ سے حراست میں نہیں لے سکتے۔"

"آخر کیوں بھئی۔"

"بس یونہی۔"

"خیر ہٹاؤ! اس قتل سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"معاملہ پیچیدہ ہے۔"

"چھری تو اس لڑکی کے سوٹ کیس سے برآمد ہوئی ہے۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے ممکن ہے کسی نے اسے پھنسانے کے لئے ایسا کیا ہو۔"

"لیکن اس کا مشکوک رویہ وہ پچھلے زینوں سے کیوں اتری تھی اور گھبرائی ہوئی کیوں تھی۔"

"وجہ بھی تو بتادی تھی اُس نے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"اور تم نے اس پر یقین کرلیا۔ ناچنے والیاں اتنی شریف نہیں ہوتیں۔"

"نہ ہوتی ہوں گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن وہ اس ماحول میں نئی ہے۔ اس لئے ہچکچاہٹ لازمی ہے اور پھر اقبال یوں بھی نشے میں رہتا ہے۔"

"خیر یوں تو اقبال بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں موجود ہے۔" ماتھر نے کہا۔

"ہونے کو تو ہم لوگ بھی ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"نہیں بھائی یہ بات نہیں ہے! معاملہ واقعی پیچیدہ ہے۔"

"پروین نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا تھا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کہ دیاوتی اس وقت کسی کا انتظار کررہی تھی اور جس حال میں اس کی لاش پائی گئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کا وہ انتظار کررہی تھی وہ یا تو اس کا شوہر ہوسکتا ہے یا کوئی اور جس سے وہ شوہر ہی کی طرح بے تکلف رہی ہو۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" ماتھر نے کہا۔ "لیکن کیا ممکن نہیں کہ پروین ہی اسے قتل کرکے گئی ہو۔"

"ہوسکتا ہے! لیکن وہ پارٹی کے ایک آرٹسٹ سعید کو ستیل ندی کے کنارے ملی تھی۔ سعید کا بیان ہے کہ اس کے انداز سے کسی قسم کی بے اطمینانی یا بے چینی نہیں ظاہر ہورہی تھی۔"

ماتھر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اقبال نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ نیچے پروین کا انتظار کررہا تھا۔" فریدی بولا۔

"تو پھر کیا اقبال ہی کو قاتل سمجھا جائے۔" ماتھر نے کہا۔

"وثوق کے ساتھ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"کیا تم نے بارٹنڈر کے بیان پر غور نہیں کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ اقبال ڈھائی بجے سے ساڑھے

تین بجے تک بار میں بیٹھا بیئر پیتا رہا تھا۔"

"ٹھیک تو ہے۔" ماتھر نے کہا۔ "ڈاکٹر کا بیان ہے کہ قتل دو اور تین کے درمیان ہوا ہے۔ اقبال پروین کی تلاش میں اوپر ضرور گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے دیاوتی کو کسی اور کے ساتھ اس حالت میں دیکھ کر اسے قتل کر دیا ہو۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو وہ دوسرا آدمی اب تک خود کو ضرور ظاہر کر دیتا۔" فریدی نے کہا۔

"ممکن ہے اس نے اپنی بدنامی کے خیال سے ایسا نہ کیا ہو۔" ماتھر نے کہا۔

"بدنامی سے زیادہ اسے اپنی جان جانے کا خوف ہونا چاہئے۔ بھلا اقبال اسے کب چھوڑتا۔ فرض کرو وہ موقع پر بھاگ نکلا ہو! لیکن اقبال نے کم از کم اسے پہچان ہی لیا ہوگا۔ اس صورت میں وہ کبھی نہ کبھی اس پر ضرور حملہ کر سکتا ہے۔"

"اقبال کا تو بیان ہے کہ وہ پھر اوپر گیا ہی نہیں۔" ماتھر نے کہا۔

"اس کا بیان قطعی درست معلوم ہوتا ہے! مجھے پارٹی کے آدمیوں سے معلوم ہوا ہے کہ دیاوتی اس پر بُری طرح حاوی تھی اور خود ہی نے پروین کو اپنے کمرے میں رکھا تھا کہ کہیں وہ اس کے ساتھ رنگ رلیاں نہ منانا شروع کر دے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اقبال پروین کی تلاش میں اوپر جانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔"

"پھر آخر کون ہے۔" ماتھر اکتا کر بولا۔

"یہ بھی جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ماتھر چلا گیا۔

"تو کیا واقعی اقبال کو مجرم نہیں سمجھتے۔" حمید نے کہا۔

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا ویسے حالات اس کے خلاف ہیں۔"

"کیا مطلب....؟" حمید چونک کر بولا۔ "کون سے حالات! ابھی تو آپ انہیں حالات کے تحت اسے بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"فی الحال تو مجھے یہی کرنا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کل رات جس آدمی سے ہماری گفتگو تھی اس کا نام سعید ہے۔ وہ اس پارٹی میں پیانو بجاتا ہے اور ایک اچھا آرٹسٹ ہے تمہیں یاد ہے کل دوران گفتگو اس نے ایک بات کہی تھی۔ اقبال اور دیاوتی کی شادی کے متعلق۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔

"اوہ....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ہاں یاد ہے.... اس نے کہا تھا کہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ ان کی شادی کن حالات میں ہوئی تھی۔"

"ٹھیک۔" فریدی بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں ڈالتا ہوا بولا۔ "میں کل رات سے اب تک اس کے ساتھ رہا ہوں۔"

"رات سے.... لیکن آپ تو....!"

"بظاہر سو گیا تھا؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم جانتے ہو کہ میں اس قسم کے کام تنہا ہی کرتا ہوں۔ بارہ بجے رات کو میں نے کمرہ چھوڑ دیا تھا۔ سعید بار میں بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ بار ٹنڈر اسے بار چھوڑ دینے کے لئے کہہ رہا تھا لیکن وہ وہیں بیٹھنے پر مصر تھا۔ بارہ بجے کے بعد یہاں شراب کی بکری بند کر دی جاتی ہے۔ میں نے دو بوتلیں خریدی اور اُسے اس کے کمرے میں لے گیا پھر میں نے اُس سے سب کچھ پوچھ لیا لیکن اگر وہ نشے میں نہ ہوتا تو شاید ایک لفظ بھی نہ بتاتا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید بے چینی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اقبال ایک بہت زیادہ دولت مند آدمی ہے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "دیاوتی اس کی پارٹی میں ملازم تھی۔ اقبال شرابی اور حسن پرست ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نے دیاوتی سے بھی پینگیں بڑھائی ہوں گی۔ بہر حال معاملہ کچھ بھی رہا ہو ایک دن دیاوتی نے اسے مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ شادی کر لے۔ اقبال کے انکار پر اس نے عدالتی چارہ جوئی کی دھمکی دی اس نے اُسے بتایا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ سعید کا بیان ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور ان واقعات سے واقف نہیں۔ حتیٰ کہ نسیم بھی نہیں۔"

"نسیم کون؟" حمید نے پوچھا۔

"صرف یہی ایک چیز میں اس سے نہ اگلوا سکا۔ اُس نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ شاید یہ نام نادانستگی میں اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ پھر میں نے لاکھ کوشش کی کہ کچھ اور معلوم کر سکوں مگر ممکن نہ ہوا۔ بہر حال اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ تم پروین سے دوستی پیدا کرو۔ یہ کام میں خود بھی کر سکتا ہوں لیکن یہاں میں عورتوں کے معاملے میں شروع سے محتاط رہا ہوں۔ اس لئے لوگوں کو چونکنے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔"

دوسری عورت

اسی رات کو رقص گاہ میں رمبا کے لئے ساز بج رہے تھے۔ آج اقبال کی پارٹی کے پر
نہیں ہوئے تھے، خود ہوٹل کے منیجر نے ایک ہفتہ کے لئے انہیں رکوادیا تھا۔

خوش پوش جوڑے رقص کے لئے اٹھ رہے تھے۔ پروین بھی ایک طرف بیٹھی تھی۔ اس سے کسی نے رقص کرنے کی درخواست نہیں کی تھی اور اقبال نشے کی وجہ سے اس قابل تھا کہ رقص کر سکے! لوگ دراصل پروین سے کترا رہے تھے۔ سب کو علم ہو گیا تھا کہ اس کے کیس سے خون آلود چھری برآمد ہوئی ہے۔

فریدی اور حمید ایک طرف بیٹھے تھے۔ اس دوران میں حمید نے کئی بار رقص کے لئے ا
کوشش کی لیکن فریدی اسے برابر روکتا رہا۔ اس کی جان پہچان کی کئی لڑکیاں ادھر سے گ
لیکن وہ فریدی کی وجہ سے مجبور تھا۔

"حمید اس سے بہتر اور کوئی موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"کیا عبادت کا موقع۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو! تم جیسے سعادت مند فرزند کے لئے آوارہ اور لڑکیاں ٹھیک نہیں۔ میں نے اب تک تمہیں پروین کے لئے روک رکھا تھا۔"

"اوہ....!" حمید اچھل کر بولا۔ "میں سمجھ رہا تھا کہ شاید آپ مجھے نامحرم عورتوں کے رقص نہیں کرنے دیں گے۔"

"چلو جلدی کرو۔" فریدی اکتا کر بولا۔

حمید اٹھ کر پروین کے پاس آیا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا میں آپ سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔" حمید قدرے جھک کر آہستہ

"جی....جی۔" وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

"میں شکر گزار ہوں گا۔"

پروین کھڑی ہو گئی۔

"لیکن آپ نے اس کی جرأت کس طرح کی۔" پروین نے آہستہ سے کہا وہ دونوں

والوں کی بھیڑ میں آگئے تھے۔

"اس میں جرأت کی کیا بات ہے۔"

"عموماً آج لوگ مجھ سے کترا رہے ہیں۔"

"لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کبھی کسی کو قتل نہیں کر سکتیں۔"

پروین حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"شاید آپ کو رمبا اچھی طرح نہیں آتا۔" حمید نے کہا۔ "نہیں.... داہنا.... ٹھیک بایاں نہیں پھر داہنا.... بایاں.... بایاں.... داہنا.... ٹھیک!.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ قاتل نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے بہت بُرا کیا کہ اس پارٹی میں داخل ہوئیں۔ ابھی ہمارے یہاں کا ماحول اس کے لئے سازگار نہیں۔"

"آپ پولیس والوں سے بھی خائف نہیں۔" پروین نے کہا۔

"میں ملٹری کا آدمی ہوں نا۔"

"کل مجھے انتہائی پریشانی کے عالم میں بھی آپ کی باتوں پر ہنسی آتی تھی۔"

"ابھی میں انہیں اور تنگ کروں گا۔ ان گدھوں نے ہمارا نام بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں لکھ رکھا ہے۔"

"سنا ہے آج وہ آپ لوگوں کو بھی حراست میں لینے کے لئے آئے تھے۔"

"آئے تو تھے لیکن میرے ساتھی نے ان کی کافی حجامت بنائی۔"

"یعنی....!"

"اس سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا۔"

"لیکن وہ ناچ کیوں نہیں رہے ہیں۔"

"اسے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ دراصل فلسفی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ناچوں میں شنکر ناچ سب سے بہتر ہے جس سے جسم میں توانائی آتی ہے۔ رمبا وغیرہ کو وہ مکھی مارنے کے مترادف سمجھتا ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ عورتوں سے دور بھاگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں نے انہیں ابھی تک کسی عورت سے بات کرتے نہیں دیکھا۔"

"کہہ تو دیا کہ وہ عورتوں سے اس طرح بھاگتا ہے جیسے شیر بکری سے۔"

پروین بے تحاشہ ہنس پڑی۔
"کیا میں نے کوئی بے وقوفی کی بات کہہ دی ہے۔"
"شیر بھی کہیں بکری سے بھاگتا ہے۔"
"میرا مطلب یہ تھا جیسے بکری شیر سے۔"
پروین خاموش ہو گئی۔ دونوں ناچتے رہے۔
"اقبال بڑا واہیات آدمی معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔
"ہوں۔"
"میں نے کبھی اُسے ہوش میں نہیں دیکھا۔"
"میں تو اب اپنی زندگی سے بیزار ہو گئی ہوں۔"
"کیوں؟"
"میں ایک دلدل میں آ پھنسی ہوں۔ شہرت اور دولت کی لالچ نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔"
"اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔"
"مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ اقبال بڑا مکار ثابت ہوا۔ اس نے مجھ سے چھ ماہ کا کنٹریکٹ کیا ہے اگر میں علیحدہ ہوتی ہوں تو مجھ پر دعویٰ دائر کر دے گا۔"
"خیر اس کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔"
"کیسی کوشش۔" پروین چونک کر بولی۔
"سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آپ قتل کے الزام سے بری ہو جائیں اس کے بعد ہم اس کے لئے بھی کوشش کریں گے۔"
"میں اب کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی۔"
"یہ بہت اچھی بات ہے۔ اگر پہلے ہی سے آپ کا یہ رویہ ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔"
"آخر آپ کیوں اتنے ہمدرد ہو گئے ہیں۔"
"اس لئے کہ ہم ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔ ہم بھی تو مشتبہ ہیں نا۔"
"مگر آپ کے خلاف ان کے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔"
"تو جس کے خلاف ان کے پاس واضح ثبوت موجود ہے اس کا وہ کیا بگاڑیں گے۔"

"یعنی۔"
"یعنی یہ کہ اسے ثابت کر دینا کوئی مشکل کام نہیں کہ وہ چھری کسی اور نے آپ کے سوٹ ن میں رکھی تھی۔"
"کیا اب میرے گرد کوئی نیا جال بنایا جانے والا ہے۔" پروین نے کہا۔
"اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔
پروین پھر خاموش ہو گئی۔
"دیاوتی اور اقبال کے تعلقات کیسے تھے؟"
"میں ابھی تک اس کا فیصلہ نہیں کر سکی۔ البتہ اتنا جانتی ہوں کہ اقبال اس سے بہت ڈرتا ا۔"
"کیوں؟"
"وہ اس پر چھائی ہوئی تھی۔"
"اس کی وجہ؟"
"وجہ میں نہیں جانتی۔"
"سعید بڑا شریف آدمی ہے۔" حمید نے کہا۔
"کیا آپ اُسے جانتے ہیں؟"
"یہیں جان پہچان ہوئی ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔"
"اچھا آدمی ہے۔" پروین نے کہا۔
"لیکن وہ اقبال کو پسند نہیں کرتا۔"
"اقبال کو پسند ہی کون کرتا ہے۔" پروین بولی۔
"بدکردار آدمی ہے۔"
"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی۔ ویسے اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔"
"اچھا اس دیاوتی سے کسی کی آشنائی تھی۔"
"مجھے نہیں معلوم۔" پروین نے کہا اور حمید کو گھورنے لگی۔ "آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"آپ کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ آپ مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہیں۔"

"شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے کہا۔ "شاید آپ یہ سمجھتی ہیں کہ....

حمید کچھ اور کہنے جارہا تھا کہ ساز بند ہو گئے۔ رقص کرنے والے ادھر اُدھر منتشر لگے۔ حمید پروین کے ساتھ مالتی کی جھاڑیوں کے قریب والی میزوں میں سے ایک پر بیٹھ ایک ویٹر کو اشارے سے بلا ہی رہا تھا کہ پروین بولی۔

"واضح رہے کہ میں شراب نہیں پیتی۔"

"لاحول ولا قوۃ! تو یہاں کون فاختہ کا پٹھا پیتا ہے۔"

حمید نے ویٹر کو آئس کریم کا آرڈر دیا۔

پروین اسے پُر خیال انداز میں گھور رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ میرے متعلق کوئی غلط رائے قائم کر رہی ہیں۔" حمید مسکرا کر پھر دفعتاً دوسری طرف مڑ کر کہنے لگا۔ "لیجئے نگرانی شروع ہو گئی۔"

"نگرانی۔ کیا مطلب۔" پروین چونک پڑی۔

"رام سنگھ کے آدمی ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"کون رام سنگھ۔"

"وہی بوڑھا انسپکٹر۔"

"اوہ.... تو آپ ہٹ جائیے۔"

"کیوں؟"

"وہ آپ لوگوں کو اور زیادہ تنگ کرے گا۔"

"اچھا فرض کیجئے! اگر میں ہی دیاوتی کا قاتل ہوں تو۔"

"آپ! نہیں.... بھلا.... آپ کیوں؟"

"ناممکن نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "خیر چھوڑیئے۔ وہ آئس کریم بھی آگئی۔"

دونوں آئس کریم کھانے لگے۔

"دیاوتی تو گانا نہیں جانتی تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"آپ بہت اچھا گاتی ہیں۔"

"شکریہ۔"

"آپ سے پہلے بھی تو کوئی مغنیہ ہی ہو گی اس پارٹی میں۔"

پروین بے ساختہ چونک کر حمید کو گھورنے لگی۔

"ہاں تھی تو۔"

"اس نے ملازمت ترک کر دی۔"

"لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"پھر کہوں گا کہ آپ کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے۔"

"آپ کون ہیں؟"

"آپ مجھے نہیں جانتی۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیپٹن سلیم۔ ایک یونٹ کے محکمہ سراغ رسانی کا انچارج۔"

"اوہ....!"

"لیکن اس سلسلے میں آپ کو اپنی زبان بند رکھنی ہو گی۔ میں مجرم اور پولیس دونوں کو مغالطے میں رکھ کر اپنا کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو کیا آپ سچ مچ مجھے بے گناہ سمجھتے ہیں۔" پروین کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

"قطعی! اسی لئے تو میں سر مار رہا ہوں۔ آپ سمجھی تھیں، شاید میں بھی آپ کے فن کے پجاریوں میں سے ایک ہوں اور اس طرح آپ سے متعارف ہونا چاہتا ہوں۔ نہیں بے بی میں اتنا ڈریم فول نہیں ہوں۔"

پروین حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"لہٰذا کہنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے ابھی تک جو بات پولیس سے چھپائی ہے مجھے بتائیے۔"

"میں نے کیا بات چھپائی ہے۔" پروین نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"نسیم....!" حمید نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

"تو آپ سب کچھ جانتے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔" حمید اپنے جوش پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ شاید اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر نشانے پر بیٹھا تھا، اس خیال سے اس کا دم گھٹنے لگا کہ اب وہ بھی فریدی پر اپنی کارگزاری کا رعب ڈالے گا۔

"میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

پروین تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"جی ہاں.... وہی مجھ سے پہلے بحیثیت مغنیہ پارٹی میں کام کرتی تھی لیکن وہ واقعہ میرے سامنے نہیں پیش آیا تھا۔"

"کون سا واقعہ؟"

"جب آپ جانتے ہی ہیں تو....!"

"ممکن ہے کوئی بات مجھے نہ بھی معلوم ہو۔" حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"یہ واقعہ پارٹی کے ہر آدمی کو معلوم ہے لیکن...... اپنے عادات واطوار کی بناء پر پارٹی میں اتنی مقبول تھی کہ پولیس کو بیان دیتے وقت کسی نے اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا۔"

حمید پائپ سلگانے لگا۔ پروین تھوڑے توقف کے بعد پھر بولی۔

"نسیم اقبال کو بے حد چاہتی تھی اور اقبال بھی اسے چاہتا تھا، میں آپ سے لوگوں کا خیال بتا رہی ہوں۔ ویسے میں اقبال کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتی۔ ہاں تو اقبال نے نسیم سے شادی کا وعدہ کیا تھا اور پھر جب ایک دن یہ بات مشہور ہوئی کہ اقبال نے دیاوتی سے شادی کرلی تو نسیم کئی گھنٹے تک پاگلوں کی طرح اول فول بکتی رہی پھر اسی شام کو جب کہ اقبال اور دیاوتی پارٹی کے کچھ آدمیوں کے ساتھ چائے پی رہے تھے نسیم غصے میں بھری ہوئی اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں خنجر تھا جس سے اس نے دیاوتی پر حملہ کردیا لیکن کامیاب نہ ہوئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اس وقت ہوش میں نہ تھی۔ اسی رات کو سعید اسے لے کر کہیں چلا گیا۔ دوسرے دن واپسی پر اس نے بتایا کہ وہ اسے اس کی ماں کے پاس گاؤں چھوڑ آیا ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ میں ہر بار ہوٹل سے باہر ہی رہی تھی لیکن آخر وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا ضرورت بھی کیا تھی۔ میں نے سوچا ممکن ہے دیاوتی اسے گرفتار کرادینے کی کوشش

کرے جیسا کہ وہ اس واقعے کے بعد بھی کرچکی تھی، لیکن میں نے آج اقبال سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے نسیم کو ڈھونڈھ نکالنا بہت ضروری ہے۔ آج بارہ بجے کے بعد ہم دونوں اسے یہاں کے ہوٹلوں اور قیام گاہوں میں تلاش کریں گے۔"

ایک اور قتل

"یہ بھی آپ نے اچھا ہی کیا کہ مجھے اپنا پروگرام بتادیا۔"

"کیوں....؟"

"اب میں آپ کی حفاظت بھی کرسکوں گا۔" حمید نے کہا۔ "آپ کا یہ فعل غیر دانشمندانہ ہے کہ آپ نے اقبال سے بارہ بجے کے بعد ہوٹل گردی کا وعدہ کرلیا ہے۔"

پروین نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"آپ کے علاوہ بھی کسی اور کو یہاں نسیم کی موجودگی کا علم ہے۔"

"اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"اچھا ایک اور بات؟ کیا دیاوتی کا رویہ آپ کے ساتھ بھی خراب تھا۔"

"نہیں! لیکن وہ اس بات کی کڑی نگرانی رکھتی تھی کہ میں اقبال کے ساتھ کہیں جانہ پاؤں۔"

"اوہ....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن کل اس نے آپ کو کیوں ٹوکا نہیں تھا۔ یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ آپ بغرض تفریح کہیں جارہی ہیں۔ اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی یا نہیں کہ آپ تنہا جارہی ہیں یا کوئی اور بھی آپ کے ساتھ جائے گا۔"

"نہیں قطعی نہیں۔"

"حیرت ہے۔"

پروین حمید کو غور سے دیکھنے لگی۔

"کیا آپ اندازہ بتا سکتی ہیں کہ وہ کس کا انتظار کررہی تھی۔"

"اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتی! آپ پھر بھول رہے ہیں کہ اس پارٹی میں شامل ہوئے

چند ہی روز گزرے ہیں۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔ پروین تھوڑی دیر تک بیٹھی رہی پھر اٹھتی ہوئی بولی۔

"اچھا اب میں اجازت چاہوں گی۔"

"بہتر ہے لیکن میرے متعلق اقبال کو بھی کچھ نہ معلوم ہونا چاہئے۔"

"حتیٰ الامکان یہی کوشش کروں گی۔"

"شکریہ۔"

پروین چلی گئی۔ حمید نے ادھر اُدھر دیکھا فریدی کی میز یہاں سے کافی فاصلے پر تھی اور ایک سدا بہار درخت کی اوٹ میں پڑ گئی تھی۔ حمید اٹھ کر اس کی طرف روانہ ہو گیا۔

فریدی کافی کی پیالی سامنے رکھے اونگھ رہا تھا۔

"آج تو میں نے کمال کر دیا۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

"کیسے حلال کر دیا۔"

"حلال نہیں کمال۔"

"کون کمال۔ کیا احمد کمال۔ مگر وہ تو میرا ہی نام ہے۔"

"سمجھا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "خیر جناب اس بار میدان میرے ہاتھ رہا۔"

"اچھا....!" فریدی آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "میدان تمہارے ہاتھ رہا۔ گویا میدان نہ ہوا کسی آوارہ لڑکی کا ہاتھ ہو گیا۔"

"تو آپ اس وقت کچھ سننے کے موڈ میں نہیں ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔

"کیوں نہیں! ضرور سنوں گا۔ کچھ بھی سناؤ۔ ٹھمری، دادرا، اساوری، بھیرویں، میاں کی ٹوکری، شیام کلیان، سوہنی حتیٰ کہ قوالی تک سننے کے موڈ میں ہوں۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ نسیم کون ہے۔" حمید نے اکڑ کر پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں ایک خوبصورت سی لڑکی۔ اسی پارٹی میں پروین سے پہلے مغنیہ تھی۔"

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"اور یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس کی علیحدگی کس طرح عمل میں آئی تھی۔ نہ وہ دیا وتی پر خنجر سے حملہ کرتی اور نہ اسے اس کے گاؤں پہنچایا جاتا۔"

"تو آپ پہلے سے جانتے ہیں۔" حمید نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا وہ کچھ سوچ رہا

"دفعتاً اُسے خیال آیا کہ ابھی ایک اطلاع اور باقی ہے۔"

"اور کچھ۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اقبال بارہ بجے کے بعد پروین کو کہاں لے جائے گا۔"

"یہ بھی بہت پرانی اطلاع ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ دونوں آج نسیم کی تلاش میں لیں گے وہ یہیں کہیں مقیم ہے اور کئی بار پروین سے ملنے کی کوشش کر چکی ہے اور بتاؤں تم بالکل وہو۔ تم یہ بتائے بغیر پروین سے کچھ نہیں معلوم کر سکے کہ تم کسی خیالی فوجی یونٹ کے محکمہ راغ رسانی کے انچارج رہ چکے ہو۔ یہ ایک فنی غلطی تھی خیر بہر حال مجموعی حیثیت سے یہ انٹرویو را نہیں رہا۔ ہاں ایک بہت زیادہ کام کی بات تم نے نہیں پوچھی۔"

حمید حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے خاموش ہوتے ہی چونکا۔

"کیا....؟"

"تمہیں یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی کہ آخر سعید ہی کیوں نسیم کو اس کے گاؤں لے گیا تھا۔ ان دونوں کے تعلقات کس قسم کے تھے۔"

"مگر آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا۔" حمید بے چینی سے بولا۔

"میرے ہمزاد نے بتایا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں کسی جاسوسی ناول کے سراغ رساں کی طرح سب کچھ جانتا ہوں۔"

"بتائیے نا!" حمید اکتا کر بولا۔

"تم خود ہی بتاؤ۔"

حمید فریدی کو گھورنے لگا۔

"سوچو.... سوچو.... ذہن پر زور دو۔"

"چھوڑیئے.... میں خواہ مخواہ دردسری کیوں مول لوں۔"

"کوئی خاص بات نہیں تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے ابھی ابھی یہ ساری باتیں معلوم کی ہیں۔ میں تمہارے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔"

"کہاں؟" حمید چونک کر بولا۔

"مالتی کی جھاڑیوں میں۔"

"ہوں۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"ابھی کچے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"لیکن اگر رام سنگھ کے کسی آدمی نے آپ کو جھاڑیوں میں چھپتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔" نے کہا۔

"ممکن ہے دیکھا ہو! اگر ایسا ہوا تو اور بھی اچھا ہے۔"

"کیوں؟"

"اس طرح وہ ہم دونوں کی کڑی نگرانی شروع کر دیں گے۔"

"اس سے فائدہ؟"

"چھوڑو اس بحث کو۔ وہ دیکھو تمہاری چھوکریاں ادھر آ رہی ہیں اب تمہیں چھٹی۔ جاسکتے ہو۔" فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

حمید فریدی کو گھورتا ہوا اٹھ گیا۔

رقص کی موسیقی پھر شروع ہو گئی تھی۔ لوگ آہستہ آہستہ میزوں سے اُٹھ کر رقص گا طرف جا رہے تھے۔ حمید اپنی جان پہچان والی لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ ناچنے لگا۔ اس طبیعت بدمزہ ہو گئی تھی۔ وہ سمجھا تھا کہ فریدی اس وقت اس کی پیٹھ ٹھونکے گا مگر مایوسی کے ہی چھینٹے نے اس کا سارا جوش ٹھنڈا کر دیا۔

فریدی چپ چاپ بیٹھا ناچنے والوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی نظریں زیادہ تر ڈانسنگ ہا کے آرٹسٹوں پر پڑ رہی تھیں۔ اس وقت اقبال اور سعید کے علاوہ سب رقص میں حصہ لے ر تھے اقبال تو نشے میں تھا لیکن سعید نہ جانے کیوں سب سے الگ تھلگ ایک گوشے میں تنہا تھا۔ اس وقت اس نے شراب بھی نہیں پی تھی۔ فریدی کی نظریں شام ہی سے اس پر تھیں۔ ا کا اندازہ تو اس نے پچھلی ہی رات کو لگا لیا تھا کہ وہ زیادہ پینے کا عادی نہیں ہے۔

فریدی تھوڑی دیر تک بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر اٹھ کر سعید کی میز کی طرف بڑھا۔ سعید ا دیکھ کر بے ساختہ چونک پڑا۔

"معاف کیجئے گا۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ شاید پچھلی رات کو میں اپنا سگار لائٹر آپ کے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔"

"مجھے نہیں معلوم! دیکھوں گا۔" اس نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "رات میری حالت خراب تھی۔ کیا آپ ہی نے مجھے میرے کمرے میں پہنچایا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"میں اس تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"سعید میز پر نظریں جمائے خاموش بیٹھا تھا۔"

"آپ پیانو بہت اچھا بجاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"جی۔" وہ چونک کر بولا۔ پھر زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔ "بس یونہی ٹوٹا پھوٹا بجا لیتا ہوں۔ ویسے فن تو ایک بحر ذخار ہے۔"

"کچھ بھی ہو! مجھے آپ کی پارٹی کے سارے فنکار باکمال معلوم ہوتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

سعید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے رقص کرنے والوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی سگار سلگانے کے بعد پھر اس کی طرف مخاطب ہوا۔

"اس افسوس ناک حادثے کی وجہ سے ہم اتنے اچھے اچھے پروگراموں سے محروم ہو گئے۔" وہ پھر بولا۔

سعید پھر چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً فریدی کی توجہ اس کی طرف سے ہٹ کر رقص کرنے والوں کی طرف مبذول ہو گئی۔ پارٹی والوں میں سے ایک کم ہو گیا تھا اور اقبال بھی اپنی جگہ پر نہیں تھا۔ پھر اس نے حمید کو بھی مجمع سے نکل کر عمارت کی طرف جاتے دیکھا۔

"وہ صاحب جو وائلن بجاتے ہیں ان کا کیا نام ہے۔" فریدی نے پلٹ کر سعید سے پوچھا۔

"وحید....!"

"وہ بھی اپنے فن کے ماہر ہیں۔ مجھے بھی وائلن سے تھوڑا بہت شوق ہے۔"

سعید پھر اسے گھورنے لگا۔

"معاف کیجئے گا۔" وہ دفعتاً اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے ذرا ایک کام یاد آ گیا۔ میں آپ کا سگار لائٹر ضرور تلاش کروں گا۔"

"اوہ! کوئی بات نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "میں تو یونہی خواہ مخواہ آپ کا وقت برباد کر رہا تھا۔"

"یہ بات نہیں۔" سعید اخلاقاً دانت نکال کر بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

وہ بھی اٹھ کر ٹیلی فون بوتھ کے قریب آیا۔ تھوڑی دیر تک کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اندر جا کر ڈائل پر نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے اوہ ماتھر!.... میں ف بول رہا ہوں۔ پیراڈائیز سے دیکھو، مجھے ابھی اور اسی وقت ایک کار چاہئے.... مگر وہ تمہاری نہ ہو.... یہاں بھجوا دو.... ڈرائیور سے کہہ دو کہ کار یہاں چھوڑ کر واپس جائے.... پہچان کے لئے مجھے کار کا نمبر بتا دو۔ ہاں.... ہاں.... کیا.... تین سو سات.... بھئی پھر کہو میں نے سنا نہیں۔ تین سو ساٹھ.... اچھا شکریہ.... صبح تک کار واپس بھجوادی جائے گی۔" فریدی ریسیور رکھ کر باہر نکل آیا۔

رقص گاہ میں حمید سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ تنہا تھا اور ایک میز پر ہاتھ ٹیکے کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔

فریدی کو دیکھتے ہی وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"ایک دلچسپ اطلاع۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "میں نے اس وقت ایک ایسا منظر دیکھا ہے کہ اگر الجھن کا مریض ہوتا تو میرا ہارٹ فیل ہو جانا یقینی تھا۔"

"ہوں؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"وہ جو وائلن بجاتا ہے نا....!"

"وحید؟"

"ہاں.... وہی! اقبال اس وقت اس کا تعاقب کر رہا تھا اور سعید اقبال کا اور لطف یہ ہے کہ تینوں اس سے بے خبر تھے کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور پھر آخری آدمی یعنی میں نے یہ دیکھا کہ

تینوں اپنے اپنے کمروں میں بند ہو گئے۔"

"پروین بھی کہیں دکھائی دی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"پروین پر خاص طور سے نظر رکھنا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"پھر تم نے مجھ سے سوالات کرنے شروع کئے۔" فریدی بگڑ کر بولا۔ "جو میں کہوں وہ کرو۔"

"آپ مجھ سے کہئے کہ سر کے بل کھڑے ہو جاؤ تو کیا سچ مچ سر کے بل کھڑا ہو جاؤں گا۔"

"فضول بکواس کا وقت نہیں جاؤ۔"

اسی رات کے بارہ بجے دو کاریں پہاڑیوں میں چکرانے والی سنسان سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھیں۔ اگلی کار کی ہیڈ لائیٹس روشن تھیں لیکن پچھلی کار کی ساری روشنیاں گل کر دی گئی تھیں۔ وہ دونوں کاریں اسی طرح آگے پیچھے چلتی رہیں۔ اگلی کی رفتار سست ہوتے ہی پچھلی کار روک دی جاتی۔ اگلی کار رام گڈھ کے متعدد ہوٹلوں کے سامنے رک چکی تھی۔ اگلی کار میں اقبال اور پروین تھے اور دوسری میں فریدی اور حمید! اقبال اور پروین نے اب تک کئی ہوٹل دیکھ ڈالے تھے۔

اب ان کی کار بالی کیمپ کی طرف جا رہی تھی۔ یہاں بھی وہ ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے پہنچ کر رکے یہاں قرب و جوار میں دو ایک چھوٹے موٹے کارخانے تھے جہاں رات میں بھی کام ہوتا تھا اس لئے یہ ہوٹل رات بھر کھلا رہتا تھا۔ پروین اور اقبال اتر کر اندر چلے گئے۔ فریدی نے اپنی کار دور درختوں کے نیچے کھڑی کر دی تھی اور وہ بھی اتر کو ہوٹل کی طرف بڑھے انہوں نے لمبا سفر کرنے والے سیاحوں کا حلیہ بنا رکھا تھا۔ ان کے کوٹ میلے تھے اور پتلونوں کی کریز غائب تھی۔ بالوں پر گرد جمی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے چہروں میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کی تھی اور آسانی سے پہچانے نہیں جا سکتے تھے جس وقت وہ ہوٹل میں داخل ہوئے انہوں نے کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی ایک بوڑھی عورت کو اقبال اور پروین سے گفتگو کرتے دیکھا۔ وہ چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ اقبال ہوٹل کے رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔ دفعتاً وہ چونک کر پروین کی طرف مڑا۔

"یہ دستخط اسی کے ہیں۔"

فریدی نے اطمینان کا سانس لیا اور بوڑھی عورت کو مخاطب کر کے کافی کا آرڈر دیتا ہوا سلگانے لگا۔ پروین اور اقبال نے بھی انہیں دیکھا لیکن کوئی اہمیت نہ دی اور پھر دونوں رجز جھک گئے۔

"مگر یہ ابھی تک واپس نہیں آئی۔" بوڑھی نے اقبال سے کہا۔

"کوئی بات نہیں، ہم انتظار کریں گے۔" اقبال نے کہا اور پروین سمیت ایک میز کے قر بیٹھ گیا۔

اقبال تھوڑی دیر تک بیٹھا اونگھتا رہا پھر اچانک پروین سے بولا۔

"وہ میری کار پہچانتی ہے! کیوں نہ میں کار کو اندھیرے میں کھڑی کر آؤں.... ہو سکتا وہ میری کار پہچان کر واپس چلی جائے۔"

پروین نے سر ہلا دیا۔ اقبال کے چلے جانے کے بعد اس نے میز پر ٹھوڑی ٹیک کر آنکھی کر لیں اور حمید کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔

"اوہ.... ذرا دیکھئے.... خدا کی قسم وہ بچوں کی طرح معصوم دکھائی دیتی ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ خاموشی سے کافی پی رہا تھا۔

آدھا گھنٹہ گذر گیا لیکن اقبال واپس نہ آیا۔ پروین بے چینی سے کرسی پر پہلو بدل رہی اس کی نگاہیں بار بار دیوار سے لگی ہوئی گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھی۔ پندرہ منٹ اور گذر دفعتاً اقبال کچھ گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے دروازے ہی سے پروین کو اشارے سے پروین اٹھ کر اس کی طرف بڑھی اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گیا۔ بوڑھی حیرت سے طرف دیکھنے لگی۔

فریدی نے بھی اٹھ کر بل ادا کیا اور دونوں باہر نکل آئے۔ درختوں کے نیچے اقبا اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا پھر وہ گالیاں بکتا ہوا نیچے اتر آیا۔

"تم اسٹیئرنگ لو میں دھکا دیتا ہوں۔" اس نے پروین سے کہا۔ "اس کم بخت کو بھی ا خراب ہونا تھا۔"

اس نے کار کو دھکا دینا شروع کیا۔ لیکن یہ اکیلے اس کے بس کی بات نہ تھی۔

آخر وہ تھک ہار کر پائیدان پر بیٹھ گیا۔

"میں چاہتا تھا کہ تمہیں ہوٹل پہنچا کر پھر واپس آجاؤں۔ میں نہیں چاہتا کہ پولیس اس نتے پر تمہیں میرے ساتھ دیکھے۔"

"لیکن اسے کس نے قتل کیا؟" پروین اندر سے بولی۔ "آپ اب تک کہاں تھے؟"

"اوہ! یہ نہ پوچھو! اس کی لاش ادھر چٹانوں میں پڑی ہوئی ہے۔" وہ ایک طرف اشارہ کر کے "کسی نے اس کا پیٹ پھاڑ دیا ہے۔ اُف میرے خدا! ہائے کیسی کیسی حسینائیں قتل ہو رہی اوہ بے بی۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"لیکن آپ اُدھر کیا کرنے گئے تھے۔" پروین نے پوچھا۔

"میں نے چیخ سنی تھی! مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ نسیم کی چیخ ہے۔ میں اُدھر بھاگا مگر.... یا خدا وہ منظر میرے ذہن سے محو کر دے.... بے بی پھر اسٹارٹ کرو، میرا دم گھٹ رہا "

پروین نے کار اسٹارٹ کی اس بار انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

"شکر ہے۔" اقبال نے اٹھتے ہوئے کہا، پروین دوسری طرف سرک گئی اور اقبال نے یرنگ سنبھال لیا۔ کار چل دی۔

تھوڑی دیر چٹانوں میں بھٹکنے کے بعد فریدی اور حمید سچ مچ ایک لاش تک پہنچ گئے۔ یہ ایک معمولی طور پر حسین اور نوجوان عورت تھی۔ کسی بے رحم نے اس کا پیٹ چاک کر دیا تھا۔ اس پھٹے ہوئے لباس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی جدوجہد کے بعد قتل کی گئی ہے۔ فریدی ش پر جھک گیا۔ حمید کے ماتھے سے پسینے کی دھاریں پھوٹ نکلی تھیں، جنہیں وہ بار بار رومال سے ک کرتا جا رہا تھا۔

ہیروں کا ہار

دوسرے دن صبح ہوٹل میں پولیس موجود تھی۔ فریدی اور حمید اپنے کمرے میں تھے۔ دفعتاً پرنٹنڈنٹ ماتھر نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے دروازہ کھول دیا۔

"لو بھئی ایک اور قتل۔" ماتھر بیٹھتا ہوا بولا۔

"کیا یہاں؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... بالی کیمپ کے قریب! لیکن مقتولہ کا تعلق بھی اقبال سے ہے۔"

"یعنی۔"

"اوہ....!"

"کسی نے رات کو بالی کیمپ سے اس قتل کی اطلاع فون سے دی تھی۔"

"کس نے؟"

"کسی نامعلوم آدمی نے؟"

"اچھا! فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔"

"نسیم کے کچھ کاغذات کے ذریعے معلوم ہوا کہ وہ اسی پارٹی میں ملازم تھی۔" ماتھر نے "وہ بالی کیمپ کے کیمپ ریفرشو میں ٹھہری ہوئی تھی۔ ہوٹل کی مالکہ کا بیان ہے کہ کل را ایک بجے کے بعد ایک عورت اور ایک مرد اس کی تلاش میں آئے تھے۔"

"تو ان دونوں کا پتہ چلا۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... ابھی تک نہیں چل سکا۔" ماتھر بولا۔ "رات سے اب تک جاگ رہا تقریباً چھ ماہ سے رام گڈھ میں اس قسم کے جرائم نہیں ہو رہے تھے۔ ریکارڈ اچھا خاصہ ت جانے یک بیک کیا ہو گیا اور ہاں ایک نئی بات سنو۔ ایک بار اس نسیم نے دیاوتی پر قاتلانہ ح تھا۔"

"کیا....؟" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"پارٹی کے دوسرے آدمی سے یہ بات پوچھ گچھ کے دوران میں معلوم ہوئی اور پھر سب اس کی تصدیق کر دی۔ ذرا سوچو تو کہ یہ کتنی اہم بات تھی۔ اسے تو پہلے ہی معلوم ہونا چاہئے

"قطعی۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "لیکن یہ بات کس نے بتائی۔"

"وحید نے۔ جو پارٹی میں وائلن بجاتا ہے۔"

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا، جو حیرت سے ماتھر کو دیکھ رہا تھا۔

"اس کیس نے سچ مچ دماغ چکرا دیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نسیم اقبال سے شاد چاہتی تھی۔ خود اقبال نے اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ اچانک دیاوتی درمیان میں آجاتی ہے۔"

"تو کیا اقبال بھی نسیم کو چاہتا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"کمال کر دیا۔ اگر وہ اسے چاہتا ہی ہوتا تو دیاوتی سے کیوں شادی کر لیتا۔" ماتھر مسکرا کر بولا۔

فریدی بھی مسکرانے لگا۔ "وہ سوچ رہا تھا کہ ان سب باتوں کے معلوم ہو جانے کے باوجود بھی پولیس کو دیاوتی اور اقبال کی شادی کے متعلق صحیح معلومات کیوں نہیں۔"

"دوسری حیرت انگیز بات۔" ماتھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "پارٹی والے کہتے ہیں کہ نسیم شادی شدہ نہیں تھی۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر بولا۔

"لیکن وہ شادی شدہ تھی۔" ماتھر نے اپنی جیبوں کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "یہ رہا اس کی شادی کا سرٹیفکیٹ۔"

ماتھر نے ایک لفافہ فریدی کے سامنے ڈال دیا۔ فریدی دیر تک لفافے کے اندر کے کاغذات کا جائزہ لیتا رہا۔

"یہ تمہیں ملا کہاں سے۔" فریدی نے پوچھا۔

"مقتولہ کے سوٹ کیس سے۔"

"ابھی یہ بات پولیس کے علاوہ کسی اور پر تو ظاہر نہیں ہوئی۔"

"نہیں۔"

"ٹھیک! اچھا تو دیکھو! ابھی اس کا تذکرہ کسی سے مت کرنا۔"

"اوہ تو کیا تم....!" ماتھر اچھل کر بولا۔

"ہاں ہاں میں کل رات کو جھک نہیں مارتا پھرا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"یعنی....!"

"ابھی کچھ نہیں بتا سکتا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "پارٹی کے ہر آدمی پر پابندی لگا دو کہ وہ بغیر اجازت ہوٹل کی عمارت کے باہر قدم نہ نکالے۔"

"وہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔" ماتھر نے کہا۔ "لاش دستیاب ہونے اور مقتولہ کی شناخت ہونے کے بعد ہی سے ان پر یہ پابندی لگا دی گئی ہے۔"

"اچھا تو اب ایک کام کرو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ان سب کو ایک جگہ بلاؤ انہیں کے

ساتھ ان لوگوں کو بھی بلاؤ جن پر دیاوتی کے سلسلے میں شبہ کیا جاچکا ہے۔ یعنی ہمیں.... ہم سے دو چار الٹے سیدھے سوالات کرنے کے بعد نسیم کی پُر اسرار شادی کا تذکرہ چھیڑ دینا۔ بس پھر میں دیکھ لوں گا۔"

فریدی بولتے بولتے یک لخت خاموش ہوگیا اس کے ماتھے پر ابھری ہوئی سلوٹیں اور سلگتی ہوئی آنکھیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ وہ اس دوران میں کسی خاص نتیجے پر پہنچا ہے۔

"بس اب جاؤ۔" اس نے ماتھر کی طرف مڑ کر کہا۔ "کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ان کے سامنے گفتگو کرتے وقت یہ قطعی بھول جانا کہ میں تمہارا دوست ہوں یا تم مجھے جانتے ہو۔"

ماتھر معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

"لو بیٹے حمید صاحب! ایک نئی بات۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "نسیم شادی شدہ تھی اور اس کے باوجود بھی اقبال سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ شادی کا سر ٹیفکیٹ روپ نگر کے مجسٹریٹ کا تھا۔ شوہر کا نام جاوید افغان تھا۔"

"کیا وہ سر ٹیفکیٹ اقبال اور دیاوتی کی شادی سے پہلے کا ہے۔" حمید نے کہا۔

"قطعی۔" ایک ہفتہ قبل کا اور اس نے دیاوتی پر قاتلانہ حملہ ان کی شادی کے بعد کیا تھا۔

"تو پھر....!"

"اس سے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس حملے کی وجہ رقابت رہی ہو۔"

"پھر....!"

"یہی تو دیکھنا ہے۔"

"لیکن ماتھر کو اس قسم کی ہدایات کیوں دی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی آہستہ سے بولا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔

"بے چاری پروین کا کیا ہوگا؟"

فریدی اُسے پُر خیال انداز میں دیکھتا ہوا بیٹھ گیا۔

دفعتاً دروازے پر کسی نے دستک دی۔ یہ ایک پولیس کانسٹیبل جو سپرنٹنڈنٹ ماتھر کے حکم کے مطابق ان دونوں کو بلانے کے لئے آیا تھا۔

"تمہارے انسپکٹر رام سنگھ کہاں ہیں۔"

"بالی کیمپ۔"

"کیمپ ریفر شو میں۔"

"ہاں۔"

"اچھا تو تم چلو۔"

فریدی اور حمید نیچے اتر کر ہال میں جانے کے بجائے باہر چلے گئے۔ فریدی تیز تیز قدموں سے ٹیلی فون بوتھ کی طرف جا رہا تھا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" اس نے حمید سے کہا اور بوتھ کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

"ہیلو....!" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "اوہ اچھا، رام سنگھ کو فون پر بلاؤ۔ رام سنگھ! میں ماتھر بول رہا ہوں۔ ہوٹل کی مالکہ کو لے کر فوراً آؤ! پیراڈائیز میں۔"

حمید حیرت سے اس کی آواز سن رہا تھا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اس وقت کسی قسم کی وضاحت کے موڈ میں نہیں ہے۔

دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں ڈانسنگ پارٹی کے سارے افراد اکٹھا تھے۔ اقبال اور پروین ضرورت سے زیادہ ست اور لاغر نظر آ رہے تھے۔ ماتھر نے فریدی اور حمید کو گھور کر دیکھا۔

"آپ لوگ کانسٹیبل کے ساتھ ہی کیوں نہیں آئے۔" ماتھر نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی قدرے جھک کر بولا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ماتھر اسے احمقوں کی طرح گھور رہا تھا۔

حمید کے پیٹ میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ نہ جانے اس نے کس طرح اپنی ہنسی ضبط کر رکھی تھی۔ ماتھر اس وقت اس دنیا کا احمق ترین آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ اتنا تجربہ کار ہونے کے باوجود بھی وہ اجنبیت کی ایکٹنگ نہیں کر سکتا تھا۔ فریدی الگ بور ہو رہا تھا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں اس کی ساری اسکیم ہی چوپٹ نہ ہو جائے۔

دفعتاً ایک سب انسپکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ماتھر کے ہاتھ میں کوئی چیز دیتے ہوئے آہستہ آہستہ کچھ کہنا شروع کیا۔ ماتھر کی پیشانی پر سلوٹیں ابھری آ رہی تھیں۔ پھر اس نے سر کے

اشارے سے سب انسپکٹر کو وہاں سے ہٹا دیا۔ ماتھر کی ہتھیلی پر سونے کا ایک چھوٹا سا پھول تھا جس کے درمیان ایک ہیرا جگمگا رہا تھا۔

"اوہ....!" اقبال بے اختیارانہ اچھل پڑا۔

"کیوں؟ کیا اسے پہچانتے ہو۔" ماتھر نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"کیوں نہیں.... یہ دیاوتی کے ہار کا معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن جانتے ہو یہ کہاں ملا ہے؟" ماتھر نے پوچھا۔

اقبال اسے احمقوں کی طرح گھورنے لگا۔

"یہ نسیم کی داہنی مٹھی میں جکڑا ہوا تھا اور ابھی پوسٹ مارٹم کے وقت نکالا گیا ہے۔!"

"اوہ.... لیکن.... لیکن۔" اقبال خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً فریدی کی نظریں ایک آدمی کی طرف اٹھیں، جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے خلا: گھور رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ وہ اس کے ہاتھوں میں کیونکر پہنچا۔" اقبال آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا یہ تمہارا خریدا ہوا تھا؟" ماتھر نے پوچھا۔

"نہیں.... میں نہیں جانتا کہ وہ اسے کہاں سے ملا تھا لیکن وہ اکثر اسے پہنا کرتی تھی۔"

"ضروری ہے کہ یہ دیاوتی ہی کا ہو۔"

"میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ لیکن وہ ہار اس کے زیورات میں موجود نہیں ہے۔"

"تو اس کی اطلاع پولیس کو پہلے ہی کیوں نہیں دی گئی۔" ماتھر کڑک کر بولا۔

"ممکن ہے وہ اسی ہار کے لئے قتل کی گئی ہو۔" "آپ کے خلاف فی الحال دو چارج ہیں۔ ا تو یہ کہ آپ نے پولیس کو اس سے بے خبر رکھا کہ دیاوتی پر اس سے قبل بھی ایک بار قاتلانہ ہو چکا ہے۔ دوسرا ہار کی گمشدگی کو چھپانا۔"

ماتھر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سب آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیا آپ سے کوئی یہاں نسیم کی موجودگی سے باخبر تھا۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن پروین کے ہونٹ مضطربانہ انداز میں ہل رہے تھے۔

"تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟" ماتھر نے اس کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"میں جانتی تھی۔"

"تو پھر اسے اب تک چھپایا کیوں؟"

"میں کیا کر سکتی تھی۔ اس کے متعلق ساری باتیں میں نے سنی تھیں۔ یہاں وہ لوگ بھی موجود ہیں جنہوں نے اسے دیاوتی پر حملہ کرتے دیکھا تھا جب انہوں نے کچھ نہیں بتایا تو۔"

"مگر یہ تمہارا فرض تھا۔" ماتھر کا لہجہ قدرے نرم تھا۔ "لیکن تمہیں اس کی موجودگی کا علم کیونکر ہوا تھا۔ تم پہلے بتا چکی ہو کہ تم اسے پہچانتی نہیں تھی۔"

"وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ وہ جب بھی یہاں آئی اتفاق سے میں نہ ملی۔ اس کے متعلق اسی نے مجھے فون پر بتایا تھا جس دن دیاوتی قتل ہوئی ہے اسی شام کے لئے اس نے مجھے شاردا پارک میں ملنے کی دعوت دی تھی۔"

"لیکن وہ تم سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔"

"یہ اس نے نہیں بتایا تھا۔"

"تمہیں اس کی موجودگی کا علم تھا۔" ماتھر نے اقبال سے پوچھا۔

"پروین ہی نے مجھے دیاوتی کے قتل کے بعد بتایا تھا۔" اقبال نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"اور اس پر بھی...." ماتھر پھر گرجا لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ کیونکہ وہ اچانک رام سنگھ کی طرف مخاطب ہو گیا، جو دروازے میں کھڑا کھانس رہا تھا۔

"حضور وہ آ گئی ہے۔" رام سنگھ نے کہا۔

"کون! کیا مطلب۔"

"مسز بولڈو۔"

"کیوں؟ کیا میں نے اسے بلایا تھا؟" ماتھر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"حضور نے ابھی فون پر۔"

"میں نے۔" دفعتاً ماتھر کی نظریں فریدی کی طرف اٹھ گئیں، جو اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"بلاؤ.... بلاؤ اسے۔" ماتھر گڑگڑا کر بولا۔

ہوٹل کی مالکہ کمرے میں داخل ہوئی وہ کچھ خائف سی نظر آ رہی تھی جیسے ہی اس کی نظریں

پروین اور اقبال پر پڑیں اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

"یہی دونوں تھے۔" اس نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کیا....؟" ماتھر بیتابانہ انداز میں بولا۔

"یہی دونوں کل رات کو مقتولہ کی تلاش میں تھے۔"

"تیسرا چارج۔" ماتھر گرج کر بولا۔

اقبال اور پروین کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اقبال آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"معاملہ صاف ہو گیا۔" ماتھر حاضرین پر فاتحانہ انداز میں نظریں ڈالتا ہوا غرایا۔ "ہیرول کے ہار کے لئے نسیم نے دیاوتی کو قتل کیا اور نسیم کو کوئی قتل کر کے اس سے وہ ہار لے گیا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کون ہے۔"

اس نے پھر خاموش ہو کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں سب کے منہ فق ہو رہے تھے۔

"میں جانتا ہوں! وہ کون ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اقبال کی طرف ڈرامائی انداز میں اشارہ کر کے چیخا۔ "وہ تم ہو! اور تم.... لڑکی۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں تم اس سازش میں برابر کی شریک تھی۔"

پروین کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ اس نے بے بسی سے حمید کی طرف دیکھا جو دل ہی دل میں فریدی پر تاؤ کھا رہا تھا۔

"اور....!" ماتھر مکارانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "مجھے ایک سوال کا جواب چاہئے۔"

لوگ مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا نسیم شادی شدہ تھی۔" ماتھر نے کڑک کر پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں۔" کئی آوازیں آئیں۔

"وہ شادی شدہ تھی۔" ماتھر پھر ڈرامائی انداز میں مسکرایا۔

انتہائی پریشانیوں کے باوجود بھی اقبال اور پروین کی آنکھیں متحیرانہ انداز میں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں۔

"وہ جاوید کی بیوی تھی۔" ماتھر کے منہ سے جملہ نکلتے ہی فریدی کی تیز نظریں مجمع پر دوڑتی

چلی گئیں اور پھر دفعتاً وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں؟" ماتھر متحیر آمیز لہجے میں بولا۔

"جاوید افغان میں ہی ہوں۔" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں رک رک کر بولا۔

پُراسرار شوہر

اچانک ایک وحشیانہ قہقہہ سنائی دیا۔ اتنا وحشت خیز کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پارٹی پیانسٹ سعید بے تحاشہ ہنس رہا تھا اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی گردن کرسی کی پشت سے جا لگی۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں حلقوں سے ابھری پڑ رہی تھیں۔ سارے چہرے پر عجیب سی تشنجی کیفیت طاری تھی۔ دفعتاً وہ چیخنے لگا۔ "تم جاوید افغان ہو مکار.... فریبی.... قاتل.... سازشی.... میرا سب کچھ برباد ہو گیا۔ میں ایک ایک کو چن چن کر قتل کروں گا۔ جھوٹے تم جاوید افغان ہو۔ میرے منہ پر یہ جرأت۔"

اور پھر وہ چکرا کر زمین پر آرہا۔

ماتھر کی حالت قابل دید تھی۔ جیسے کسی نے سر بازار اسے چپت رسید کر دی ہو۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی بے ہوش پیانسٹ کی طرف۔ پروین اور اقبال تو شاید یہ بھی بھول گئے تھے کہ ان پر قتل کا الزام عاید کیا گیا ہے۔

"ڈاکٹر۔" دفعتاً ماتھر نے رام سنگھ کی طرف مڑ کر کہا۔ پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا اور وہ مصنوعی غصے کے ساتھ فریدی کی طرف مڑا۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس کا مطلب تو وہی سمجھائے گا۔" فریدی نے بے ہوش پیانسٹ کی طرف اشارہ کر کے لاپروائی سے کہا اور بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

"میرے اجازت کے بغیر کوئی کمرے سے نہیں جائے گا۔" ماتھر نے حاضرین کی طرف دیکھ کر کہا۔

دو تین آدمیوں نے سعید کو فرش سے اٹھا کر ایک صوفے پر ڈال دیا۔

حمید کی نظریں پروین پر جمی ہوئی تھیں۔ پروین بھی اس کی طرف دیکھنے لگی اور حمید بے اختیار مسکرا پڑا۔ فریدی کی ساری اسکیم اب آہستہ آہستہ اس کی سمجھ میں آرہی تھی۔ پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ شاید اس نے کسی غلط فہمی کی بناء پر پروین کو جکڑنے کی کوشش کی ہے ورنہ اس وقت اس طرح ہوٹل کی مالکہ کو بلانے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ مگر اب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ فریدی سے کسی غلطی کی توقع رکھنا سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی توقع سے کم احمقانہ نہیں ہے۔

کمرے میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگوں کے سانس لینے کی آواز کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ایک جمود سا طاری تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا تھا صرف تحیر میں ڈوبی ہو آنکھیں ایک دوسرے کی طرف اٹھ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر آگیا۔ اس نے بتایا کہ سعید کی بیہوشی کسی غیر متوقع اضطراری فعل کا نتیجہ ہے وہ اسے ایک انجکشن دے کر چلا گیا۔ سب کی نظریں سعید کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو اپنے گردو پیش سے بے خبر خیالات میں ڈوبا ہوا سگار کا گنجان دھواں بکھیر رہا تھا لوگ حیران تھے کہ آخر وہ کیا چاہتا ہے۔ وہ کون ہے جو خود کو ان حادثات سے متعلق ظاہر کر رہا ہے؟ اور اس کی حرکات کا جو ردعمل سعید پر ہوا ہے کیا معنی رکھتا ہے۔

آہستہ آہستہ وہ ہوش میں آرہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر بیٹھا لیکن اس کے چہرے پر ابھی تک دیوانگی کے آثار تھے وہ فریدی کو خونی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"ان سب کو ہٹا دیجئے۔" اس نے ماتھر سے کہا۔ "لیکن یہ جھوٹا! اسے یہیں رہنا چاہئے، میں اس کی بوٹیاں اڑادوں گا.... قاتل.... سازشی۔"

حمید حیرت سے کبھی فریدی کی طرف دیکھتا اور کبھی سعید کی طرف! فریدی کی حالت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سن ہی نہ رہا ہو۔

ماتھر نے حمید اور فریدی کے علاوہ سب کو کمرے سے ہٹا دیا۔

"تم جاوید افغان ہو۔" سعید فریدی کی طرف مکا تان کر بولا۔

فریدی مسکرا پڑا اور سعید کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈنے لگا۔

"تمہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تم جاوید افغان ہو۔"

"میں ثابت کر دوں گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

سعید پھر اسی خوفناک انداز میں ہنسا۔

"تم جاوید افغان کے سامنے کہہ رہے ہو کہ تم جاوید افغان ہو۔" سعید نے کہا۔

ماتھر بے ساختہ اچھل پڑا۔

"اگر واقعی تم جاوید افغان ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔" ماتھر کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

"ثبوت! اگر آپ اس کا ثبوت چاہتے ہیں تو آپ کو میرے ساتھ کمرے تک چلنا پڑے گا۔"

سعید انہیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ وہ ابھی تک فریدی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ رہا میرا پاسپورٹ۔" اس نے اپنا پاسپورٹ سوٹ کیس سے نکال کر ماتھر کے سامنے ڈال دیا۔ اس پاسپورٹ میں سچ مچ سعید ہی کی تصویر لگی ہوئی تھی اور نام "جاوید افغان" درج تھا۔

ماتھر نے گھور کر فریدی کی طرف دیکھا۔

"کیا ایک نام کے دو آدمی نہیں ہو سکتے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "میرا پورا نام عابد جاوید ہے۔ آباؤاجداد کا وطن افغانستان تھا یہ اور بات ہے کہ میں نسیم کا شوہر نہ ہوں۔"

"اوہ تم....!" سعید مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "تم کسی نہ کسی طرح ان حادثوں کی سازش سے ضرور تعلق رکھتے ہو۔"

"غیر ضروری باتیں نہیں۔" ماتھر خشک لہجے میں بولا۔ "بیٹھ جاؤ! تمہارے ساتھی تمہارے صحیح نام سے کیوں ناواقف ہیں اور تم نے رات ہی کیوں نہیں بتایا تھا کہ نسیم تمہاری بیوی تھی۔"

"یہ ایک لمبی داستان ہے۔" اس نے مضمحل آواز میں کہا اور اپنا منہ چھپا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

ماتھر حمید اور فریدی ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ ماتھر کی پیشانی کی سلوٹیں غائب ہوگئی تھیں اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ دفعتاً خود ہی سعید نے سر اٹھا کر کہا۔

"نسیم میری بیوی تھی۔"

"اور اس کے باوجود بھی وہ اقبال سے شادی کرنا چاہتی تھی۔" ماتھر نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"اور اسی لئے تم نے جلا کر اسے قتل کر دیا۔" فریدی بولا۔

"یہ غلط ہے قطعی غلط ہے۔" سعید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میں اسے کس طرح قتل کر سکتا ہوں جب کہ میں اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔"

"لیکن تم نے یہ بات رات ہی کیوں نہیں بتائی۔" ماتھر نے کہا۔

"میرا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ میں اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ مجھے تو اسی پر تعجب ہے کہ اس کے مر جانے کے بعد میں کس طرح زندہ ہوں۔ آپ دوسری شادی کے لئے کہتے ہیں اگر وہ ایک بار شارع عام پر ننگی ہو کر بھی ناچتی تب بھی میں اسے پوجتا رہتا۔"

"لیکن دیاوتی کے ہار کا پھول۔"

"وہ ہار دیاوتی کا نہیں تھا۔" سعید ماتھر کی بات کاٹتا ہوا بے اختیار بولا۔

"دیاوتی کا نہیں تھا۔"

"ہاں وہ نسیم ہی کا تھا۔ میں نے ہی خرید کر اسے دیا۔ شادی کا تحفہ۔" سعید کی آواز پھر بھرا گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جھلک آئے۔

"تم نے خریدا تھا۔" ماتھر کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کیا قیمت تھی۔"

"بیس ہزار روپے۔"

"بیس ہزار روپے کا تم نے خریدا تھا؟" ماتھر نے طنزیہ لہجے میں دہرایا۔

"خیر یہ بات بھی ثابت کئے دیتا ہوں۔" سعید اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے اپنا سوٹ کیس کھولا اور چند ثانئے کے بعد ماتھر کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا دیتے ہوئے کہا۔ "یہ رہی رسید روپ نگر کے سب سے بڑے جوہری کے یہاں سے خریدا گیا تھا کیا اس پر وہی تاریخ ہے جس میں ہماری شادی ہوئی تھی...." ماتھر فریدی اور حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

"لیکن تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی؟ یہاں تمہیں کتنی تنخواہ ملتی ہے۔" ماتھر نے پوچھا۔

"تنخواہ.... یہاں کی تنخواہ شاید میری سگرٹوں تک کا بار نہ سنبھال سکے۔"

"پھر....!"

"ریلوے کے اسٹیشنوں کی افغان ریفرشمنٹ سروس سے واقف ہیں۔"

"ہاں.... ہاں....!" ماتھر چونک کر بولا۔

"وہ افغان میں ہی ہوں۔"

"تم....!" ماتھر اچھل کر بولا۔ "اور یہاں.... اس حال میں.... مجھے یقین نہیں.... مجھے اس جاوید افغان سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن وہ بہت بڑا آدمی ہے۔"

"وہ چھوٹا آدمی میں ہی ہوں۔ میرے لئے اب عزت اور دولت میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔ نسیم کے بعد میں زندگی میں کوئی کشش نہیں محسوس کرتا۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

"بہر حال۔" ماتھر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "آپ کی پوزیشن بہت خراب ہو گئی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" سعید نے کہا۔ "اسی الجھاوے نے میری زبان بند کر رکھی ہے۔ لیکن اب مجھے سب کچھ بتانا ہی پڑے گا۔"

"ٹھہرئیے۔" ماتھر اٹھتا ہوا بولا۔ "میری تحریری بیان چاہتا ہوں۔"

اس نے دروازے میں جا کر ہیڈ محرر کو آواز دی۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد سعید اپنا بیان قلم بند کرا رہا تھا۔

"آج سے تین سال پہلے کی بات ہے۔" وہ گلا صاف کر کے بولا۔ "نسیم میری بھتیجیوں کو پیانو سکھانے کے لئے آیا کرتی تھی۔ اس وقت اس کا تعلق پارٹی سے نہیں تھا۔ میں اس میں دلچسپی لینے لگا۔ وہ ایک سنجیدہ لڑکی تھی اس لئے اس سے گفتگو کے مواقع کم نصیب ہوتے تھے۔ لہٰذا میں نے بھی اس سے پیانو سیکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح کم از کم میری اس خواہش کی تسکین ہو جاتی تھی کہ میں اس سے کچھ دیر گفتگو کر سکوں۔"

"ٹھہرئیے۔" ماتھر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں رہتی تھی اس کے والدین کون تھے؟ کہاں تھے۔"

"یہ خود مجھے بھی معلوم نہیں۔ اس نے کبھی نہیں بتایا البتہ میرا مستقل قیام دلاور نگر میں رہتا تھا۔ وہیں اس نے ہمارا ٹیوشن شروع کیا تھا۔ ہاں تو وہ ہمیشہ واجبی ہی گفتگو کیا کرتی تھی اس کا رکھ رکھاؤ کچھ اس قسم کا تھا کہ میں اظہار عشق کی جرأت کبھی نہ کر سکا۔ ایک سال تک ہمارا ٹیوشن کرتی

رہی اور آپ کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ ہماری گفتگو کبھی رسمیات سے آگے نہ بڑھی۔"

سعید بولتے بولتے خیالات کی رو میں نہ جانے کہاں بھٹک رہا تھا۔ دفعتاً ماتھر نے اسے ٹوکا۔

"آپ پارٹی میں کس طرح آئے۔"

"یہی بتانے جارہا ہوں۔ وہیں سے میری اس کی بدبختی کا دور شروع ہوتا ہے۔ انہیں دنوں دلاور نگر میں اقبال کی ڈانسنگ پارٹی اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ایک دن ہمیں نسیم نے اطلاع دی کہ اب وہ ہمیں سبق نہ دے سکے گی کیونکہ وہ اقبال کی ڈانسنگ پارٹی میں شامل ہو گئی ہے۔ مجھے اس خبر سے بڑا دکھ پہنچا اور میں نے تہیہ کر لیا کہ اس پر اپنی محنت ظاہر کر کے روکنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ شادی کی درخواست کی جو نہایت سرد مہری اور بے تکلفی سے ٹھکرا دی گئی۔ اس پر اپنے فن کے مظاہرے کا بھوت سوار تھا وہ چلی گئی اور میں قریب قریب دیوانہ ہو گیا۔ میں نے لاکھ چاہا کہ اس کا خیال دل سے نکال دو مگر ناکام رہا۔ آخر میں نے دیوانہ وار ڈانسنگ پارٹی کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔ آج میں اس شہر میں کل اس شہر میں۔ نسیم نے اکثر مجھے اس سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر مجھ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اتفاق سے پارٹی کے پیانسٹ کا اقبال سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور اس نے اقبال کی ملازمت ترک کر دی۔ میرے لئے میدان صاف تھا۔ میں نے ٹرائیل دے کر پیانسٹ کی جگہ حاصل کر لی۔ اس زمانے میں دیاوتی اور نسیم کے علاوہ کئی لڑکیاں اور بھی تھیں..... خیر..... کچھ دنوں بعد میں نے محسوس کر لیا کہ نسیم اقبال کی بے طرح چاہنے لگی ہے۔ میرا کلیجہ خون ہو گیا مگر میں..... خاموش رہا لیکن ایک بات آج تک میری سمجھ میں نہ آئی کہ نسیم نے کسی کو میری اصلیت سے آگاہ کیوں نہیں کیا تھا۔ بڑی عجیب وغریب عورت تھی۔ میں اسے آج تک نہ سمجھ سکا..... میں۔"

وہ پھر بہکنے لگا لیکن ماتھر کے ٹوکنے پر سنبھل گیا۔

"قصہ کوتاہ! وہ چاہتی تھی کہ اقبال اس کے ساتھ شادی کر لے۔ مگر اقبال ایک کھلنڈرا آدمی تھا۔ اسے شادی کی پابندیاں پسند نہیں تھیں اس لئے وہ اسے ٹالتا رہا۔ ایک شام..... میں..... نسیم اقبال اور دیاوتی ایک جگہ بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے۔ دفعتاً دیاوتی اقبال پر برس پڑی۔ اس کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ اقبال کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ اگر اقبال نے اس کے ساتھ شادی نہ کر لی تو وہ قانونی چارہ جوئی کرے گی..... اقبال گھبرا گیا۔ اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنی بدنامی سی بہت ڈرتا ہے۔ حالانکہ اخلاقی اعتبار سے اُسے کبھی شریف نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس نے گھبراہٹ میں نسیم کے سامنے ہی شادی کا وعدہ کر لیا۔ میں نسیم کی حالت دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہاں سے ہٹنے کے بعد اس نے اچانک مجھ سے درخواست کی کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ وہ شدید غصے میں معلوم ہو رہی تھی۔ میری تو مراد بر آئی۔ میں نے نکاح کی تجویز پیش کی جسے اس نے رد کر دیا اس کے خیال کے مطابق آرٹسٹوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ دوسرے ہی دن ہم نے روپ نگر جا کر سول میرج کر لی۔ وہیں میں نے اس کے لئے وہ ہار خریدا۔ شب عروسی منانے کے لئے ہم ایک ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ لیکن جب میں رات کو اس کے پاس پہنچا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ جس وقت اس نے میرے ساتھ شادی کی تھی وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ وہ اب بھی اقبال کو چاہتی ہے اور اسے توقع ہے کہ ایک نہ ایک دن اقبال اس کے ساتھ ضرور شادی کر لے گا۔ اس نے مجھ سے رو رو کر التجا کی کہ میں اسے ہاتھ نہ لگاؤں۔ میری حالت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی۔ میں انتہائی غصے کے عالم میں باہر نکل آیا اور رات ایک ویران پارک میں جا کر گزاری۔ دوسرے دن ہم پھر واپس آگئے جہاں پارٹی مقیم تھی۔"

"کہاں؟" ماتھر نے پوچھا۔

"رنجیب نگر۔"

"پھر کیا ہوا۔" ماتھر نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہم دونوں اجنبیوں کی طرح زندگی گذارنے لگے۔ اس دوران میں اقبال اور دیاوتی کی شادی ہو گئی۔ نسیم کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جارہی تھی۔ ہم نے اپنی شادی کا حال کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ نسیم نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں اس شادی ہی کو بھول جاؤں اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کروں۔ اسے سو فیصدی یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اقبال اس کا ہو جائے گا۔ پھر ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس نے نسیم کی زندگی اور زیادہ تلخ کر دی! دیاوتی جانتی تھی کہ نسیم اقبال سے محبت کرتی ہے اور اب تک اس سے شادی کی آس لگائے ہے۔ اتفاق سے ایک دن اس کی نظر ہماری شادی کے سرٹیفکیٹ پر پڑ گئی اور اس نے وہ ہار بھی دیکھا۔ نسیم اس کی خوشامدیں کرنے لگی کہ وہ اس کا حال کسی کو نہ بتائے۔ آخر دیاوتی نے اسے بلیک میل کیا۔ معاملہ اس پر طے ہوا کہ اگر نسیم وہ ہار دیاوتی کو

دے دے تو اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے گی۔ نسیم نے ایسا ہی کیا۔ دراصل صدمات نے اس کی عقل ضبط کر لی تھی۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اقبال کی بیوی سے اقبال کا سودا کر رہی ہے۔ میرا دل اس کے لئے رو رہا تھا۔ مجھے اس سے نفرت نہیں ہوئی۔ اب مجھے اس سے گہری ہمدردی ہو گئی تھی۔ ایک دن اس نے مجھے ہار کے متعلق بتایا اور کہنے لگی کہ اسے سخت شرمندگی ہے لیکن وہ اسے کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے مجھے واپس کر دے گی۔ میں اس سے لاکھ کہتا رہا کہ میں اسے وہ ہار دے چکا ہوں۔ اب واپس نہیں لے سکتا لیکن وہ نہ مانی اور دیاوتی سے اس کا تقاضا کیا۔ دیاوتی نے اب اسے دوسری پٹی پڑھائی۔ اس نے اس سے کہا کہ وہ ولادت کے بعد ہی اقبال سے طلاق لے لے گی۔ اس طرح وہ بدنامی سے بھی بچے گی اور اقبال جیسے نامعقول آدمی سے پیچھا بھی چھوٹ جائے گا۔ نسیم پھر چپ رہی۔ اسے دیاوتی کی باتوں پر یقین آ گیا۔ دو تین دن تک وہ خوش نظر آتی رہی لیکن ایک شام پھر اس کا دماغ خراب ہو گیا اور وہ جھلاہٹ میں دیاوتی پر حملہ کر بیٹھی۔ میں اسے دماغ کی خرابی سمجھا تھا لیکن جب میں اسے لے کر باہر آیا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ نشے میں ہے۔ نہ معلوم کس چیز کا نشہ تھا۔ شراب کا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اچھی سے اچھی شراب بھی تھوڑی بہت بو رکھتی ہے اور پینے والے کا منہ کھلتے ہی بہت زیادہ قریب کے لوگ اس کی بو محسوس کر لیتے ہیں۔ وہ کبھی شراب نہیں پیتی تھی میں نے اسے کبھی سگریٹ پیتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر میں اسے روپ نگر پہنچا کر واپس چلا آیا۔ کچھ دنوں بعد ہماری پارٹی رام گڑھ چلی آئی۔ نسیم کی جگہ پروین کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔ یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا کہ نسیم بھی ہمارا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہے۔ اسے بس ایک دھن لگی ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح ہیروں کا ہار دیاوتی سے حاصل کر کے میرے حوالے کر دے۔ وہ بالی کیمپ کے ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ وہ پروین سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔ وہ اس کے ذریعہ دیاوتی سے وہ ہار واپس لینا چاہتی تھی۔

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نسیم نے اسی ہار کے لئے دیاوتی کو قتل کیا۔" ماتھر نے کہا۔

"خدا بہتر جانتا ہے.... اس کے ہاتھ میں ہار کا ایک پھول کیسے ملا اور پھر اسے کس نے قتل کر دیا۔" سعید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"ممکن ہے کوئی اور بھی اس ہار کی تاک میں رہا ہو۔ وہ جانتا ہو کہ نسیم دیاوتی کو قتل کر کے ہار اس سے لے گئی ہے اور پھر اس نے اسی کے لئے اسے قتل کر دیا ہو!" ماتھر نے کہا۔

ماتھر بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ فریدی بھی محسوس کر رہا تھا کہ ماتھر ان سب سے پیچھا چھڑا کر اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ پروین اور اقبال کے بھی بیانات قلمبند کرنے کے بعد ماتھر، زیدی اور حمید کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن ماتھر کا رویہ ان دونوں کے ساتھ کچھ ایسا تھا جیسے وہ انہیں حوالات میں بند کرنے کے لئے لے جا رہا ہو۔

"اب کیا کیا جائے۔" ماتھر نے فریدی سے پوچھا۔

"ان میں سے کسی کو فی الحال گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ قاتل اسی پارٹی کا کوئی آدمی ہے۔"

"لیکن تم یکایک جاوید افغان کیوں بن گئے تھے۔ بھئی اس وقت تو تم نے کمال ہی کر دیا۔"

"اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہی نہیں تھا۔ اگر میں یہ نہ کرتا تو جاوید افغان کا پتہ چلنا دشوار تھا۔"

"کیوں؟"

"اگر تھوڑی دیر اور گذرتی تو سعید کا دماغ خراب ہو جاتا۔ وہ ایک نفسیاتی لمحہ تھا۔ میں اس کے چہرے پر ایسے آثار دیکھ رہا تھا جو شدید قدم کی ذہنی کش مکش کی پیداوار ہو سکتے تھے۔ اگر وہ تھوڑی دیر اور نہ بولتا تو اس کا پاگل ہو جانا یقینی تھا۔ وہ کئی دن سے گھٹ رہا تھا میرے اس اچانک جھوٹ پر اس سے، جو فعل سرزد ہوا وہ قطعی اضطراری تھا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ اس پر ہسٹریائی قسم کا دورہ پڑا تھا۔"

"یار فریدی تم سچ مچ....!"

"اب تمہارا کام یہ ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "کہ تم روپ نگر کے جوہری سے ہار کی خریداری کی تصدیق کرو۔ سعید کے پاسپورٹ کے ذریعے اس کا ثبوت فراہم کرو کہ وہ سچ مچ جاوید افغان ہی ہے اور وہ پاسپورٹ نقلی تو نہیں حالانکہ مجھے اس کے بیان میں کسی شبہے کی گنجائش نظر نہیں آتی پھر بھی ضابطے کی کارروائی ضروری ہے۔"

"اور اگر ان دونوں کے قتل میں اسی کا ہاتھ ہوا تو۔" ماتھر نے کہا۔

"یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "میں ابھی اس کے متعلق کچھ نہیں سوچ رہا ہوں۔ میں اس فکر میں ہوں کہ نسیم نے کون سا نشہ استعمال کیا تھا۔"

"بھئی کمال کر دیا۔" ماتھر قہقہہ لگا کر بولا۔

"نہیں میری جان یہ بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"لیکن حملے کے بعد بھی دیاوتی نے کسی کو نسیم کے راز سے آگاہ نہیں کیا؟" حمید سوالیہ اندا میں بولا۔

"ایسا کرنے سے وہ ہار اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔" فریدی نے کہا۔ "کیا اقبال کا بیان تمہ یاد نہیں کہ اسے دیاوتی نے پولیس کو اس کی اطلاع دینے سے روک دیا تھا۔ وہ اس بیش قیمت ہار کسی طرح نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی.... پھر فریدی بولا۔

"ماتھر تم سے ایک زبردست غلطی ہوئی۔"

"کیا....؟"

"ہار کے متعلق معلوم ہوتے ہی تمہیں پارٹی کے سارے افراد کے سامان کی تلاشی لے چاہئے تھی۔"

"یار کہتے تو ٹھیک ہو.... اب سہی۔"

"اب اس کا ہاتھ لگنا مشکل ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر ایک کام کرو۔ سعید کے بیان تمہیں یقین ہو یا نہ ہو لیکن تم اس کا بیان اخبارات کو دے دو اور ساتھ ہی اس شبہے کا بھی اظہار چاہئے کہ ان دونوں کا قاتل جاوید افغان ہی ہے۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"بھئی یہ میرا بہت پرانا اصول ہے کہ میں اصل مجرم کو مطمئن کرنے کے بعد پکڑتا ہوں۔"

"تو کیا یہ حقیقت ہے کہ تم جاوید افغان کو مجرم نہیں سمجھتے۔" ماتھر نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔"

"وجہ۔"

"اگر وہ ان کا قاتل ہوتا تو اس پر ہسٹریا کا دورہ کبھی نہ پڑتا۔ اسے صرف خود کو بچانے کی ہوتی دورے عموماً ذہنی کشمکش کی حالت میں آیا کرتے ہیں۔ قاتل ہر حال میں محتاط ہوتا ہے ا موقع پر اس کے ذہن میں ایک سے زیادہ خیالات نہیں ہوتے صرف ایک خیال.... کہ کسی ط

خود کو بچالے اور اگر بفرض محال اس کا دماغ الٹا بھی ہے تو وہ ایسی صورت میں ہمیشہ اقرار جرم کرتا ہے۔ باتیں نہیں بتاتا۔"

قاتل کون

دوسرے دن رام گڈھ کے سارے اخبارات میں جاوید افغان کی کہانی چھپ گئی اور پیراڈائیز ہوٹل میں خاص طور پر سنسنی پھیل گئی تھی۔ اخبارات کے رپورٹر مزید اطلاعات کے لئے پارٹی کے افراد کو ٹٹولتے پھر رہے تھے۔ جاوید افغان یا سعید اپنے کمرے میں بند ہو گیا اگر پولیس نے اس پر پابندی عائد نہ کی ہوتی تو شاید اس نے کبھی کا ہوٹل چھوڑ دیا ہوتا۔ اقبال اور شدت سے شراب پینے لگا تھا۔ پروین بہت زیادہ خائف نظر آرہی تھی۔ پھر اسی دن جاوید افغان گرفتار کر لیا گیا۔ یہ بھی فریدی ہی کے اشارے پر ہوا لیکن وہ کسی بات کی کوئی وجہ نہیں بتا رہا تھا۔ حمید نے بہت کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ حمید کے پیٹ میں چوہے کود رہے تھے۔ آخر اسے ایک تدبیر سوجھی۔ کیوں نہ فریدی کو غصہ دلایا جائے اس طرح وہ سب کچھ اگل دے گا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد فریدی آنکھیں بند کئے آرام کرسی پر پڑا تھا۔ حمید جانتا تھا کہ وہ سو نہیں رہا ہے۔

"کل تو آپ نے کمال ہی کر دیا۔" وہ مسکرا کر بولا اور فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بھلا کیا تک تھی۔" حمید پھر بولا۔ "آپ کی اس حرکت نے پچھلے کارناموں پر پانی پھیر دیا۔ کی گھٹیا فلم کے لچر سے کردار کی طرح اٹھ کر فرماتے ہیں کہ میں ہوں جاوید افغان لاحول ولا قوۃ کل سے آپ کی صورت دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"بکومت۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"نہیں مذاق نہیں! طبیعت بدمزہ ہو گئی۔ ایشیا کا مشہور معروف سراغ رساں ایسی بچکانہ رکت کرتا پھرے۔"

"ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے برخوردار۔ بعض کیس ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں دماغ پر

زور دینے کو دل نہیں چاہتا۔ ابھی آخری حرکت باقی ہے۔ اسے دیکھ کر تو تم اپنا سر ہی پیٹ لو گے۔"

"اگر فرض کیجئے۔" حمید نے کہا۔ "ان میں جاوید افغان نہ ہوتا تو.... آپ کا وہ اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر کس کے کلیجے کے پار ہوتا.... میرے یا آپ کے۔"

"اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر! تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ مجھے شروع ہی سے اس پر شبہ تھا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ میں نے تمہاری اور پروین کی گفتگو سننے کے بعد تم سے کیا کہا تھا۔ یہی نا کہ تم نے اس سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ دیاوتی پر حملے کے بعد سعید ہی کیوں نسیم کو اس کی ماں کے پاس پہنچانے گیا تھا۔ اس کے بعد سے میں سعید اور نسیم کے تعلقات کے متعلق چھان بین کرتا رہا تھا۔ پھر جب شادی کے سرٹیفکیٹ والی بات معلوم ہوئی تو میرا شبہ یقین کی حد تک پہنچ گیا۔ اب تم یہ کہو گے کہ آخر خود جاوید افغان بننے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جواب میں کل ہی دے چکا ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تھوڑی سی دیر اور ہو جاتی تو وہ یقیناً پاگل ہو جاتا اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر اچانک اس سے یہ کہہ دیا جاتا کہ جاوید افغان تم ہی ہو تو شاید اس کا ہارٹ فیل ہو جاتا۔ میرا وہ رویہ قطعی نفسیاتی تھا۔"

"مگر پارٹی کے سارے افراد ہم لوگوں کی طرف سے مشکوک ہوگئے ہیں۔" حمید بولا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا! پھر اب آپ نے اسے بند کیوں کرادیا ہے۔"

"محض اسی شبہے کو رفع کرانے کے لئے کم از کم مجرم تو مطمئن ہو جائے گا۔"

"لیکن یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ یہیں اسی پارٹی میں موجود ہے۔"

"تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ میں محض سوچتا ہی نہیں رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے کچھ کام بھی کیا ہے۔"

"یعنی....!"

"دیاوتی کے قتل کے بعد میں نے یہاں کی ٹیلی فون گرل پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے ہیں۔"

"بڑا اچھا کام کیا ہے۔ لیکن تو یہ ٹوٹی بھی ٹوٹے ہوئے پیمانے سے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم نہیں سمجھے۔"

"کیا نہیں سمجھا۔"

"میں نے اسے کچھ روپیہ دے کر اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ وہ ہوٹل میں قیام کرنے والوں کی ٹیلیفون کالز کے متعلق باقاعدہ چارٹ تیار کرتی جایا کرے۔"

"یعنی اس سے فائدہ۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔ ارے بھئی اس چارٹ سے مجھے معلوم ہوا کہ نسیم جس رات کو قتل ہوئی تھی اس دوپہر کو کسی عورت نے سعید کو ٹیلی فون پر کال کیا تھا۔ وہ پارٹی کے کسی آدمی کی پہلی کال تھی اس لئے میں نے اسے خاصی اہمیت دی اور وہ میرے ذہن میں محفوظ رہ گئی۔"

"تو پھر....!" "ٹوکو نہیں سنتے جاؤ۔ اسی رات کو جب مجھے پروین کی زبانی نسیم کے وجود اور اس سے متعلق واقعات کا علم ہوا تو میرا ذہن فوراً اس ٹیلی فون کال کی طرف منتقل ہوگیا۔ ممکن ہے وہ نسیم ہی رہی ہو! اس وقت تک ہمیں ہار کے متعلق کوئی علم نہیں تھا۔ میں نسیم کے پچھلے حملے اور دیاوتی کے قتل کے درمیان کی کڑیاں تلاش کرنے لگا۔ پھر دوسرے دن اس ہار کا معاملہ بھی سامنے آگیا۔ میں نے کل شام کو ماتھر کو اس ٹیلی فون کا قصہ بتایا۔ اس نے سعید سے پوچھا لیکن اس نے اس سے قطعی لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے بتایا کہ اس نے کسی عورت سے بات نہیں کی۔ رام گڑھ میں نسیم کے علاوہ کوئی اور عورت اسے جانتی ہی نہیں تھی۔ اگر اس نے نسیم سے اس دن فون پر بات کی ہوتی تو میں اسے چھپاتا کیوں؟ دوسرے واقعات کے ساتھ اس کا بھی اظہار کر دیتا۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"لیکن ٹیلی فون گرل کا بیان ہے کہ کال ریسیو کی گئی تھی۔ کسی نے اس عورت سے گفتگو کی تھی۔ سعید یا کسی اور نے کیونکہ اس نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا اور نہ وہ سعید کو اچھی طرح پہچانتی ہی تھی۔ جانتے ہو! اس کا کیا مطلب ہوا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے آدمی نے فون پر گفتگو کی کسی نقلی سعید نے جو یہیں ہوٹل میں موجود ہے اور سعید سے واقف ہے اور اس عورت کو بھی جانتا ہے ورنہ اگر اس نے غلطی سے فون ریسیور کیا تھا تو اس نے ٹیلی فون گرل کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ وہ اس کی کال نہیں ہے یا پھر اسے سعید کو اس کی اطلاع دینی چاہئے تھی۔

اس نے سعید بن کر اس عورت سے کوئی بات کی اور اسے اپنے تک محدود رکھا۔ وہ کیا بات ہو سکتی تھی جس کا تعلق سعید کی ذات سے تھا لیکن کوئی دوسرا آدمی بھی اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ ٹیلی فون گرل نے یہ بھی بتایا کہ اس کا خیال ہے کہ وہ گفتگو اسی رات کو کہیں ملنے ملانے کے وعدے پر ختم ہو گئی تھی۔

حمید خاموشی سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی بجھا ہوا سگار سلگانے کے لئے رکا۔

"اب دیاوتی کے قتل کی طرف لوٹ آؤ۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "نسیم نے ایک بار قاتلانہ حملہ کیا تھا لہٰذا تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ اس بار بھی وہ اسی کے حملے کا شکار ہوئی لیکن اب سوال نیت کا پیدا ہوتا ہے۔ تم سعید کی زبانی یہ بھی سن چکے ہو کہ وہ دیاوتی سے ہار حاصل کر کے اسے واپس کر دینے کے لئے کس قدر بے تاب تھی اس کا ضمیر جاگ اٹھا تھا۔ ممکن ہے اس نے کوئی اور صورت نہ دیکھ کر دیاوتی کو قتل ہی کر دیا ہو لیکن وہ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھتی رہی ہو گی کہ اس پر شبہ ضرور کیا جائے گا کیونکہ ایک بار وہ اس پر حملہ کر چکی ہے لہٰذا قتل کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا کہ وہ اس طرح دیاوتی کی جگہ خود لینا چاہتی تھی اس نے اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اسے قتل کیا اور شاید سعید کو ہار واپس کر دینے کے بعد وہ اعتراف جرم بھی کر لیتی.... خیر... اس نے سعید کو اس دوپہر فون کیا۔ شاید ہار واپس کر دینے کے لئے لیکن کسی ایسے شخص نے سن لیا۔ جو پہلے ہی سے اس ہار کی تاک میں تھا۔ اس نے اس سے وہ جگہ بھی معلوم کر لی جہاں ان دونوں کو ملنا تھا اور پھر اس نے اس سے وہ ہار حاصل کر کے اسے قتل کر دیا۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔

"لیکن وہ دوسرا آدمی کون ہو سکتا تھا۔"

"ٹھہرو! اتنی جلدی کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش فضول ہے، ویسے ایک معمولی سی بات ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ یا تو وہ آدمی سعید کا ہم نام ہے یا پھر اس کا نام بھی سعید کے نام سے ملتا جلتا ہو سکتا ہے۔ جبھی وہ شخص غلطی سے سعید کے بجائے اسے بلا لایا۔"

"کیا ٹیلی فون گرل کو یہ یاد نہیں کہ اس نے سعید کو بلانے کے لئے کسے بھیجا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی تو دشواری آپڑی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اسے قطعی یاد نہیں۔ ماتھر نے منیجر کے

سارے ویٹروں کو اکٹھا کر کے یہ سوال اٹھایا ہے مگر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سب نے ظاہر کی۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ایسے معاملات میں تھوڑی رشوت دے کر منہ بند کیا ہے۔"

"بہر حال اس کا پتہ چلنا دشوار ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"بس ایک اندھا داؤ جس سے تمہیں طوفان میل اور ہنٹر والی سے لے کر آن تک ساری بلند یں یکلخت یاد آجائیں گی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یعنی۔"

"فی الحال وضاحت دشوار ہے۔"

"آخر کچھ تو۔"

"نسیم اور دیاوتی کے جھگڑے کے متعلق سب سے پہلے پولیس کو کس نے مطلع کیا۔" فریدی چانک پوچھا۔

"وحید نے۔"

"کس نام پر سعید کے نام کا دھوکا ہو سکتا ہے۔"

حمید بے اختیار اچھل پڑا۔

"تو کیا وحید۔"

"محض شبہ ہے۔"

حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا، جو بے خیالی میں سگار کے کش پر کش لئے جا رہا تھا۔ "اور وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ نسیم نے قتل سے پہلے برومائیڈ پی تھی۔ برومائیڈ کی طرف اسی وقت میرا خیال گیا تھا سعید نے یہ بتایا تھا کہ حالت میں نسیم کے منہ سے کسی قسم کی بو نہیں آتی تھی۔"

"لیکن آپ بار بار نشے کا تذکرہ کیوں کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "آخر اس سے اور ان ت سے کیا تعلق؟"

"ابھی پورا تعلق خود میرے ذہن میں بھی واضح نہیں ہے! لیکن کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔"

"آخر آپ کس طرح اس نتیجے پر پہنچے۔"

"دیکھو تمہیں یاد ہوگا۔ سعید نے نسیم کے متعلق بتایا تھا کہ وہ سگریٹ تک نہیں پیتی۔ ش تو بڑی چیز ہے اور اس روز اس نے پہلی بار نسیم کو نشے کی حالت میں دیکھا تھا اور اس کا خیال یہ ہے کہ دیادتی پر حملہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ غالباً وہ نشہ ہی تھا۔ خیر اسے چھوڑو! سوال یہ ہوتا ہے کہ اس نے اچانک برومائیڈ کیوں استعمال کرنا شروع کر دیا۔"

"ممکن ہے اس سے پہلے استعمال کر رہی ہو۔" حمید نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔ سعید اسے بے طرح چاہتا تھا اور چاہنے والوں سے محبوباؤں کی کوئی چھپی نہیں رہتی۔ وہ ہر وقت ان کے متعلق سوچتے رہتے ہیں اور ان کے بارے میں سب کچھ چاہتے ہیں اور پھر ایسی صورت میں جب کہ ان کا آپس میں ہر وقت کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ یہ چیز طرح نہیں چھپ سکتی تھی۔"

"اوہ.... تو چاہنے والوں کے متعلق یہ آپ کا ذاتی تجربہ ہے۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا

"غیر متعلق بات مت چھیڑو۔ میں اس قسم کی باتیں اکثر کتابوں میں پڑھ لیا کرتا ہوں اتنی فرصت کہاں کہ میں عشق کا تجربہ کروں۔"

"میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ صرف ایک بار۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"شٹ اپ.... ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اس نے برومائیڈ ہی کیوں استعمال کیا۔ شراب سامنے کی چیز تھی۔ بعض ناکام آدمی نشے میں ڈوبے رہنا چاہتے ہیں، لیکن وہ عموماً شراب ہی ا کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ برومائیڈ جیسا بے حد نشہ کیوں؟ اور پھر یہ کہ اچانک اس کا برومائیڈ تک کیسے پہنچا۔"

"تو آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" حمید نے اکتا کر کہا۔

"یہی کہ وہ کون آدمی ہو سکتا ہے جس نے اُسے برومائیڈ سے روشناس کرایا۔"

"اونہہ۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "آپ کو تو گھما پھرا کر سوچنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ آپ کے سامنے موجود ہے اور آپ ادھر اُدھر بھٹکتے پھر رہے ہیں۔"

"سعید۔" فریدی مسکرایا۔

"ہاں سعید! میں اس کہانی پر یقین کئے لیتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "لیکن ساتھ ہی

کہتا ہوں کہ سعید نرا فرشتہ نہیں ہو سکتا۔ دیادتی کی زندگی تک وہ یہ سوچتا رہا ہوگا کہ ایک نہ دن نسیم راہ راست پر آجائے گی۔ اسی لئے وہ انسانیت برتتا رہا لیکن جب دیادتی بھی ختم ہوگئی تو اس کی رقابت جاگ اٹھی۔ اس نے سوچا کہ کہیں اب سچ مچ نسیم اقبال ہی کی نہ ہو جائے۔ اس لئے اس نے اسے قتل کر دیا۔ اس قسم کے معاملات اکثر محبوبائیں عاشقوں کے ہاتھوں قتل ہوتی رہی گئی ہیں۔"

"تمہاری یہ دلیل بھی غیر مناسب نہیں ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر شاید ہار کے اس پھول کو بھول رہے ہو جو مقتولہ کی مٹھی میں جکڑا ہوا ملا ہے۔ وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی نے وہ ہار اس سے چھیننے کی کوشش کی تھی۔ آخر کار جدوجہد میں ہار ٹوٹ گیا اور ایک پھول مقتولہ کے ہاتھ ہی میں رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ سعید ہی تھا تو کشمکش کی کیا ضرورت تھی۔ وہ نہایت آسانی سے ہار حاصل کرتا۔ پھر اسے بقول تمہارے قتل کر دیتا۔ حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ شاید اب کسی نئی دلیل کے لئے ذہن پر زور دینے لگا تھا۔ دفعتاً وہ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہوا جو کرسی سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی پشت حمید کی طرف تھی۔ "تو پھر اس طرح اقبال کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔" حمید نے کہا۔

"مگر ہم تو برابر ان کی نگرانی کرتے رہے تھے۔" فریدی نے مڑے بغیر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے لیکن وہ پون گھنٹے تک ہوٹل سے باہر کیا کرتا رہا تھا اور پھر واپسی پر اس نے نسیم کے قتل کی خبر سنائی تھی۔"

"اور اب تم یہ بھی پوچھو کہ اس نے خود ہی پولیس کو اطلاع کیوں دی تھی؟" فریدی حمید کی طرف مڑ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہ بھی سوال کرو کہ اس نے فوراً ہی پروین کو اس قتل کی بات کیوں بتا دی۔ سنو میاں حمید وقتی غصے کے تحت حملہ کرنے والے قاتل اس قسم کی حماقتیں کر سکتے ہیں۔ لیکن سوچی سمجھی ہوئی اسکیم والے قتل کے راز ایسی آسانی سے نہیں ظاہر ہو جاتے۔ فرض کرو اقبال ہی قاتل ہے تو اسے یہ بات دوپہر ہی سے معلوم رہی ہوگی کہ نسیم فلاں جگہ فلاں وقت بحیثیت موجود ہوگی۔ کیوں.... سعید کی کال اس نے ریسیو کی ہوگی۔ اچھا! اسی دن پروین نے اسے رام گڈھ میں نسیم کی موجودگی کے متعلق بتایا تھا۔ اب اگر اس کا ارادہ نسیم کے قتل کا ہوتا تو وہ اسے ساتھ لے کر نسیم کو تلاش کرنے کا پروگرام بنانے کی بجائے اُسے کچھ اور سمجھا بجھا

کر ٹال دیتا اور اگر فرض کرو کسی وجہ سے اس نے ایسا کر ڈالا تو پروین کو یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ ابھی ابھی نسیم کی لاش دیکھ کر آرہا ہے اگر وہ اتنا ہی چالاک تھا کہ پروین کو ساتھ نسیم کو قتل کرنے گیا تھا.... تو پھر اُسے فون پر پولیس کو اپنا نام بھی بتادینا چاہئے تھا ورنہ ہوٹل کی مالکہ تو اُسے دیکھ ہی چکی تھی۔ کبھی نہ کبھی اس کی مدد سے ضرور پکڑا جاتا.... اور پھر....!"

"جہنم میں جائے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "بس الجھتے جایئے یہاں تو ساری تفریح کرکری رہ گئی۔ یہ کم بخت قاتل اور مقتول اس بُری طرح ہم سے چمٹ کر رہ گئے ہیں کہ کہیں نجات نہیں ملتی۔"

"تو تم سے کون کہتا ہے۔" فریدی نے بگڑ کر کہا۔ "جاؤ.... نکلو یہاں سے جھیل کنارے کئی لوفر قسم کی لڑکیاں تمہارا انتظار کررہی ہوں گی۔ تم اس کو تفریح سمجھتے ہو۔"

"تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ آپ انہیں لوفر کہہ کر خواہ مخواہ میری توہین کر رہے ہیں۔ ہر مرد کی تفریح یہی ہے بشرطیکہ وہ مرد ہو۔"

"اچھا اچھا مرد صاحب! اب تشریف لے جایئے، ورنہ مردود بنادوں گا۔"

"نہیں جاتا۔"

"گٹ آؤٹ۔" فریدی نے اُسے دروازے کے باہر دھکا دے کر کواڑ بند کرلئے۔

"ارے تو نہانے کا لباس تو لے لینے دیجئے۔" حمید دانت پر دانت جما کر مسکراتا ہوا بولا

آخری حملہ

تین دن اور گذر گئے۔ اس دوران میں حمید کے خیال کے مطابق فریدی اندھیرے میں پیر مارتا رہا تھا۔ نہ جانے کس طرح اس کی جاوید افغان والی حرکت مشہور ہو گئی تھی۔ جب اپنے کمرے سے نکلتا لوگ اُسے گھور گھور کر دیکھنے لگتے اور پھر اس نے لوگوں میں ادھر اُدھر کر اسی واقعے کا رونا رونا شروع کردیا وہ کہتا کہ پولیس والوں نے مجھے خواہ مخواہ روک رکھا ہے کسی طرح اس پابندی سے پیچھا چھڑوانا چاہتا ہوں۔ اگر میں پولیس کی مدد نہ کرتا تو کوئی فرشتہ اس بات کا پتہ نہ لگا سکتے کہ جاوید افغان کون ہے۔" اور پھر وہ ذرا دھیمی آواز میں کہتا۔ "میرا

ہے کہ یہی جاوید افغان اس کا قاتل ہے۔ پولیس نہ جانے کس خبط میں مبتلا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ ضمانت پر رہا کردیا جائے گا۔ ایسے آدمی کی تو کھال اڑادینی چاہئے۔ کبھی کبھی وہ ہوٹل کے منیجر کے خلاف پروپیگنڈا شروع کردیتا ہے کہ وہ اس قسم کی ڈانسنگ پارٹی سے معاہدہ کرکے قیام کرنے والوں کی زندگی دوبھر کردیتا ہے اور اگلے سیزن پر یقیناً یہ ہوٹل ویران نظر آئے گا۔ وغیرہ وغیرہ اس دوران میں پارٹی کے کئی آدمیوں سے بھی اس کی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ پروین سے گفتگو کرتا ہوا پایا جاتا تھا۔ لیکن حمید کو یہ قطعی معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کس قسم کی گفتگو ہوتی تھی۔ اکثر پروین حمید سے کہا کرتی تھی کہ اس کا ساتھی بہت دلچسپ آدمی ہے۔ لیکن اس نے یہ کبھی نہیں بتایا کہ اس میں دلچسپی کی کونسی بات ہے۔ حمید نے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی۔ وہ بدستور جھیل میں نہاتا اور اپنے حسن کی نمائش کرتا رہا۔ دن بھر جھیل کے کنارے بھورے اور کالے بالوں کے سائے میں لٹیایا تو کوئی کتاب پڑھتا رہتا یا لڑکیوں کو ٹافیاں بانٹتا۔ رات ہوتی تو دو تین راؤنڈ رمبا یا والز ناچنے کے بعد سو جاتا۔ فریدی نے بھی اس کے مشاغل میں دخل نہیں دیا اور نہ وہ بھی ان کیسوں کے متعلق کوئی بات کرتا۔ حمید کو اس کی توقع تو ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ فریدی ان سے ہاتھ اٹھالے گا۔ البتہ وہ اس خاموشی اور علیحدگی کو کسی بڑے واقعے کا پیش خیمہ ضرور سمجھتا تھا۔ بارہا ایسے مواقع سے دوچار ہونا پڑا تھا جب فریدی نے نہ صرف دوسروں کو بلکہ خود اسے بھی سوتے سوتے چونکا دیا تھا۔ آج کی شام حد درجہ خوشگوار تھی۔ دن بھر آسمان سفید بادلوں سے ڈھکا رہا تھا اور اس وقت مطلع صاف ہو گیا تھا۔ البتہ افق میں گہرے بھورے بادلوں کی تہیں جمی ہوئی تھیں جن کے درمیان شوخ رنگوں کے لہریئے بڑے حسین لگ رہے تھے۔ جھیل کی ننھی ننھی لہروں میں سدابہار درختوں اور مالتی کی جھاڑیوں کے عکس مچل رہے تھے۔ اس وقت جھیل کے کنارے خاصہ جماؤ تھا اور وہاں سے ہٹ کر پختہ فرش کے قریب کی میزیں بھی بھری ہوئی تھیں۔ فریدی ڈانسنگ پارٹی کے تین چار آدمیوں کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ یوں تو پارٹی اٹھائیس افراد پر مشتمل تھی لیکن یہ پارٹی کے اچھے فنکار تھے اور فریدی زیادہ تر انہی کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ ان میں کبھی کبھی پروین اور اقبال بھی شامل ہوتے تھے۔ فریدی ان پر بے تحاشہ پیسہ پھونکتا تھا۔ حمید اس قسم کی نشستوں میں عموماً فن کے متعلق گفتگو سنا کرتا تھا اور پھر اسی دوران میں حمید پر یہ بات بھی آشکار ہو گئی کہ فریدی فن موسیقی کا بھی اگر ماہر نہیں تو ایک اول درجہ کا عالم ضرور ہے

ایک بار تو یونہی باتوں باتوں میں اس نے وائلن اٹھالیا۔ پہلے تو قوس کو یونہی الٹے سیدھے جھٹکے دیتا رہا جس پر کئی آرٹسٹ طنزیہ انداز میں مسکرائے بھی تھے لیکن پھر جو اچانک ایک دھن چھیڑ کر اُسے گت میں لے آیا تو پارٹی کے وائیلنٹ وحید کا منہ بھی حیرت سے کھل گیا۔ ارشاد اور نریندر نے تو اپنے سر دھن پر رکھ دیئے! یہ دونوں کلارٹ بجاتے تھے، ان میں رنجیت بھی تھا، جو طبلہ بجاتا تھا۔ وہ تو اس قدر بے تاب ہوا کہ اس نے دوسرے ہی لمحے میں لپک کر جوڑی اٹھالی اور حمید یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اس وقت نسیم اور دیاوتی نے عالم ارواح میں رقص شروع کردیا ہوگا۔ بہر حال پارٹی کے جو افراد کچھ دن پیشتر فریدی کو مشتبہ سمجھ کر اس سے نفرت کرتے تھے وہی اس سے اس قدر گھل مل گئے تھے جیسے برسوں پرانی جان پہچان ہو! حمید یہ سب دیکھتا اور کبھی کبھی یہ سوچتا کہ اس بار فریدی کی شکست لازمی ہے۔ وہ خواہ مخواہ تضیع اوقات کررہا ہے مجرم اقبال یا سعید ہی میں سے کوئی ہو سکتا ہے یا پھر دونوں میں سے۔ اسے یقین تھا کہ اقبال نے دیاوتی کو اس لئے قتل کیا کہ اس سے پیچھا چھوٹ جائے اور سعید نے نسیم کو اس لئے مار ڈالا کہ وہ اس کے خیال کے مطابق دیاوتی کے قتل کے بعد اس سے طلاق کا مطالبہ کرتی۔ کافی ختم کرنے کے بعد وہ سب اٹھے۔ فریدی اپنے کمرے کی طرف جارہا تھا۔ راستے میں حمید مل گیا اسے بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔

"ہم بالی کیمپ جارہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ہم لوگ سے مراد میں ہوں یا وہ لوگ بھی۔"

"وہ بھی جارہے ہیں! میں آج یہ قصہ ختم کردینا چاہتا ہوں۔"

"کون سا قصہ....!" حمید نے پوچھا۔

فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے اپنا سوٹ پہننے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد خود بخود بڑبڑایا۔

"سنا تم نے وہ چاروں رومائیڈ پیتے ہیں۔ میں اس وقت انہیں کیمپ ریفر شو میں برومائیڈ پلاؤں گا۔"

"کیمپ ریفر شو۔" حمید چونک کر بولا۔ "وہی جہاں نسیم ٹھہری ہوئی تھی۔"

"ہاں....!" فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔

"آخر اس سے فائدہ۔"

"تم خود دیکھ لو گے۔" فریدی نے کہا۔ وہ تیار ہوگیا تھا۔ حمید نے بھی جلدی جلدی کپڑے

تبدیل کئے اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"لیکن میں نہیں پیوں گا برومائیڈ ورومائیڈ۔" حمید نے کہا۔

"اچھا اچھا....!" فریدی چڑ کر بولا۔ "جلدی کیجئے۔"

وہ دونوں باہر آئے۔ چاروں ان کا انتظار کررہے تھے۔ ہوٹل کے باہر نکل کر انہوں نے ٹیکسی کی اور بالی کیمپ کی طرف روانہ ہوگئے۔ لیکن حمید نے وہ کار پہچان لی تھی کیونکہ اسی کار پر نسیم کے قتل والی رات کو وہ اقبال اور پروین کا تعاقب کرتے رہے تھے۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا اور اسے فریدی پر پھر تاؤ آگیا۔ بالی کیمپ پہنچ کر وہ کیمپ ریفر شو میں داخل ہوئے۔

"یہاں تو کافی بھیڑ ہے۔" وحید نے کہا۔

"تو کیا تم اتنا بیوقوف سمجھتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اپنا یہ شوق پورا کرنے کے لئے یہاں ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا ہے۔"

"کیا شروع ہی سے۔" نریندر نے پوچھا۔

"ہاں بھئی! اس دلاری جان کو اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "اب اسی دن اگر پولیس میرے کمرے کی تلاشی کے وقت اسے پاجاتی تو میں کہاں ہوتا۔"

"سسرال میں۔" وحید نے کہا اور بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔

"ہم تو کئی دنوں سے ترس رہے تھے۔ ہمارے پاس جو اسٹاک تھا اسے ہم نے تلاشی کے خوف سے اسی دن گڑھے میں بہادیا تھا جس دن دیاوتی قتل ہوئی تھی۔" رنجیت نے کہا۔

فریدی نے کمرہ کھولا اور لیمپ روشن کردیا۔ چاروں طرف دھندلی روشنی پھیل گئی۔ ایک بڑی میز کے گرد کئی کرسیاں پڑی تھیں وہ سب بیٹھ گئے۔ فریدی نے الماری کھول کر پانچ چھوٹے چھوٹے گلاس نکالے۔

"پانچ ہی۔" ارشاد حمید کی طرف اشارہ کرکے بولا۔ "کیا یہ نہیں پئیں گے۔"

"مجھے آج کل پیچس ہورہی ہے۔" حمید گڑگڑا کر بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی بھی برومائیڈ پئے گا۔ چند لمحوں کے بعد وہ برومائیڈ پی رہے تھے۔ نریندر نے نشے میں نسیم کے قتل کا قصہ چھیڑ دیا اور کہنے لگا کہ وہ انہیں کمروں میں سے کسی ایک میں رہتی تھی۔

"چھوڑو یار کیوں مزہ کرکرا کررہے ہو۔" کئی آوازیں آئیں۔ ان سب کی آنکھیں آہستہ

آہستہ بوجھل اور سرخ ہوتی جارہی تھیں۔ وہ سب بول رہے تھے وحید سب سے زیادہ شور مچارہا تھا وہ بات بات پر اتنے وزنی قہقہے لگاتا جیسے عمدہ قسم کے لطیفے سن رہا ہو۔ دفعتاً پشت کی کھڑکی ایک چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھل گئی اور ٹھنڈی ہوا کا ریلا اندر گھس آیا۔ پھر اندھیرے میں باہر ایک سرابھرتا نظر آیا جس کے پس منظر میں تاروں بھرا آسمان تھا۔ سب لوگ حیرت سے ادھر دیکھنے لگے پھر پیلے رنگ کی ہلکی روشنی میں کسی عورت کا چہرہ دکھائی دیا۔ یہ سب کے سب اچھل کر کھڑے ہوگئے۔

"آپ کون ہیں اور کیا چاہتی ہیں؟" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے اس نے کبھی اسے کہیں دیکھا ہو۔

"نسیم۔" ان میں سے کسی نے خوفزدہ آواز میں کہا اور پھر کرسیاں الٹنے لگیں ایک پر ایک گرنے لگا مگر وحید اُسی برابر گھورے جارہا تھا اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور لال لال آنکھیں ابلی پڑرہی تھیں۔

"میں ہزار بار تمہیں قتل کرسکتا ہوں۔" وہ اس طرح بڑبڑایا جیسے خواب میں بول رہا ہو اور پھر قبل اس کے کہ فریدی سنبھلتا وحید کے ہاتھ میں ایک بڑا سا چاقو کڑکڑاہٹ کے ساتھ کھلتا ہوا نظر آیا۔ دوسرے لمحے میں وہ کھڑکی پھلانگ چکا تھا۔

باہر ایک نسوانی چیخ سنائی دی اور ساتھ ہی کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں بھی آئیں۔

"جانے نہ پائے۔" کسی نے چیخ کر کہا۔

حمید نے پہچان لیا۔ یہ ماتھر کی آواز تھی۔ فریدی بھی کھڑکی سے باہر جاچکا تھا۔ حمید اس کے پیچھے بھاگا۔ کیا ہوا۔" فریدی نے چیخ کر پوچھا۔

"نکل گیا۔" ماتھر ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ وہ بیچارہ شاید اپنی فربہی کی وجہ سے دوڑ نہیں سکا تھا۔

"لڑکی" فریدی نے بے تحاشہ پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ بخیریت ہے۔"

فریدی دوڑنے لگا۔ حمید بھی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ ایک جگہ اچانک وہ ٹھوکر کھا کر گرا پھر اسے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا۔

دوسرے دن وہ اپنے کمرے میں پڑا پیشانی پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ پھیر رہا تھا اور پروین اس پر جھکی ہوئی تھی۔

"کیا میرا ساتھی ابھی نہیں آیا۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔" پروین نے کہا۔ "لیکن آپ زیادہ باتیں مت کیجئے۔"

"وہ پکڑا گیا یا نہیں۔"

"کیوں نہیں۔" پروین نے کہا۔ "ارے آپ اسی سے ٹھوکر کھا کر تو گرے تھے۔"

"ٹھوکر کھا کر۔"

"ہاں.... وہ پہلے نشہ کی جھونک میں گر گیا تھا۔ آپ کے ساتھی اور دوسرے پولیس والوں نے اُسے گرتے نہیں دیکھا۔ اسی لئے وہ اندھادھند آگے بھاگتے چلے گئے اور آپ نے اتفاق سے اُسی سے ٹھوکر کھائی۔"

"میرا ساتھی یہاں کب سے نہیں آیا۔" حمید نے پوچھا۔

"وہ ابھی آئے ہی نہیں۔"

"اچھا.... دیکھوں گا اُسے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "لیکن تم یہاں کیوں آئی ہو۔"

"آپ کی دیکھ بھال کے لئے۔ ویسے میں آپ لوگوں کے احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہوسکوں گی۔"

"وہ عورت کون تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"میں! آپ کے ساتھی نے مجھے اس کے لئے تیار کیا تھا اور مجھ پر نسیم کا میک اپ کر کے ماتھر صاحب کے ساتھ پہلے ہی کیمپ ریفرشو میں بھجوادیا تھا اور پھر اگر ماتھر صاحب اس وقت میرے ساتھ نہ ہوتے تو اس کم بخت نے مجھے بھی مار ڈالا تھا۔"

"کچھ اور بھی حالات معلوم ہوئے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں اور تو کچھ بھی نہیں۔"

"اقبال کا کیا حال ہے۔"

"اس وقت بھی نشے میں ہوگا۔" پروین بیزاری سے بولی۔ "اب کسی طرح اس پارٹی سے پیچھا چھوٹ جاتا.... تو بہتر تھا۔"

”سب ٹھیک ہو جائے گا....“ حمید اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”میرا ساتھی سب کچھ ٹھیک کرلے گا۔ ایک کیا ہزار معاہدے تڑوا سکتا ہے! وہ بہت بڑا آدمی ہے۔“

”میں جانتی ہوں۔“ پروین مسکرا کر بولی۔ ”وہ مجھے بتا چکے ہیں۔ کئی دنوں سے جانتی ہوں۔ ورنہ میں اس خطرناک ڈرامے میں حصہ ہی نہ لیتی۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔“

”میں۔“ حمید نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

”کل رات کو بڑا لطف آیا۔“ پروین تھوڑی دیر بعد بولی۔

”کیا....؟“ حمید نے پوچھا۔

”رام سنگھ کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔ ماتھر صاحب اپنے ساتھ چند خاص آدمیوں کو لائے تھے۔ رام سنگھ نہ جانے کیوں پہلے ہی سے آپ لوگوں کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ کل جب آپ کیمپ ریفر شو کے لئے روانہ ہوئے تھے وہ آپ کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اتفاق سے وہ وہاں بہت دیر میں پہنچا۔ اس وقت جب فریدی صاحب وحید کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ راستہ میں رام سنگھ سے مڈبھیڑ ہوگئی اس نے انہیں روکنا چاہا اس پر انہوں نے جھلا کر اسے جو ایک جانثار سید کیا ہے تو کئی قلابازیاں کھا گیا۔ فریدی صاحب اندھیرے میں آگے بڑھتے چلے گئے اُدھر ماتھر صاحب نے آپ کو گرے دیکھ لیا۔ وہاں پہنچے تو وحید بھی مل گیا، جو نشے میں ڈھیر تھا۔“

تھوڑی دیر میں رام سنگھ بھی منہ بسورتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ آپ کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔ ”چلو ایک تو پکڑا گیا۔“

حمید ہنسنے لگا۔

”اور پھر فریدی صاحب کی واپسی پر وہ پھر ان پر جھپٹنے ہی جا رہا تھا تو ماتھر صاحب اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکے۔ وہ بھی بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔ انہوں نے اُسے اس وقت تک کچھ نہیں بتایا تھا اور اس وقت کا تو پوچھنا ہی کیا جب یہ راز کھلا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے رام سنگھ کے منہ پر کالک لگا کر اُسے گدھے پر سوار کرا دیا ہو۔“ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ حمید اب اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”اب تشریف لائے ہیں آپ۔“ حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

”بھئی کیا بتاؤں بڑی مشکل سے اس نے اقبال جرم کیا ہے۔“ فریدی ایک کرسی پر بیٹھ کر

پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ پھر پروین کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

”ہلو.... بے بی.... اس نے میرے لئے چیخم دھاڑ تو نہیں مچائی۔ میں نے تمہیں یہاں ٹھہرنے کے لئے کہہ تو دیا تھا لیکن سوچ رہا تھا کہ یہ تمہیں بہت پریشان کرے گا۔ بچہ ہے نا۔ ذرا سی تکلیف میں آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔“

حمید اپنا انگوٹھا چوسنے لگا اور پروین بے اختیار ہنس پڑی۔ پھر تھوڑی دیر بعد فریدی ان دونوں کی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھوں کی زد میں بیٹھا انہیں وحید کی روداد سنا رہا تھا۔

”وحید ہی نے دیاوتی کو بھی قتل کیا تھا اور قتل کا باعث وہی نسیم والا ہار تھا سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دیاوتی نے جس بچے کا باپ اقبال کو ٹھہرایا وہ دراصل وحید کا تھا۔ اس کے اور دیاوتی کے پرانے تعلقات تھے جن کا علم کسی کو نہیں تھا۔ دوسری طرف وہ اقبال کو بھی خوش کرتی رہتی تھی۔ اس واقعہ کے بعد اس نے وحید سے کہا کہ وہ اس سے شادی کرلے لیکن وہ صاف انکار کر گیا۔ اس نے عدالت کی دھمکی دی اور وحید نے کہا کہ وہ بدنامی سے نہیں ڈرتا۔ اس پر دیاوتی نے اپنی بدنامی سے بچنے کے لئے وحید کی بلا اقبال کے سر منڈھ دی۔ چور اس کے دل میں بھی موجود تھا۔ اس لئے وہ پھنس گیا۔ حالانکہ اُسے اس پر شبہ تھا۔ اسی دوران میں وحید نے نسیم والا ہار دیاوتی کے پاس دیکھ لیا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے دیاوتی کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اسے دھمکی دی کہ اگر وہ ہار اُسے نہیں دے گی تو وہ اقبال کو اس بچے کے متعلق بتا دے گا۔ دیاوتی اس پر بھی نہ مانی تو اس نے ایک دن نسیم کو برومائیڈ پلا کر دیاوتی کے خلاف اس قدر بھڑکایا کہ وہ اسے قتل کرنے پر آمادہ ہوگئی لیکن اس کا حملہ ناکامیاب رہا تھا۔ پھر پارٹی یہاں چلی آئی۔ وحید بدستور ہار پر قبضہ کر لینے کی دھن میں لگا ہوا تھا۔ پھر معلوم نہیں کس طرح دیاوتی نے وہ ہار نسیم کو واپس کر دیا شاید وہ اس دن نسیم کا انتظار کر رہی تھی۔ اسی لئے میں نے تم سے کہا تھا کہ جس کا وہ انتظار کر رہی تھی وہ یا تو اس کا شوہر ہو سکتا تھا یا کوئی آشنا یا پھر کوئی عورت۔ غالباً وحید اس وقت پہنچا جب نسیم ہار لے کر واپس جا چکی تھی۔ اس نے دیاوتی سے بھی پھر ہار کا مطالبہ کیا۔ اس پر دیاوتی نے اُسے ہار کے متعلق سب کچھ صحیح صحیح بتا دیا۔ اسے یقین نہیں آیا اور اس نے غصے میں اسے قتل کر دیا۔ دوسرے دن جب نسیم قتل ہوئی اسے ایک ویٹر ٹیلی فون کال ریسیو کرنے کے لئے بلا کر لے گیا تھا۔ اس نے حقیقتاً وحید کو سعید سمجھا تھا۔ بہر حال فون پر نسیم

بات کر رہی تھی۔ اس نے سعید کے دھوکے میں اسے ہار کے حاصل کر لینے کا واقعہ بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ بالی کیمپ کے ریفر شو میں ٹھہری ہوئی ہے۔ وحید نے اس سے کہا کہ وہ رات کو قریب کی چٹانوں کے درمیان اسے ملے گا اور پھر اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ وہ اُسے پہچان گئی تھی اس لئے اسے ہار حاصل کرنے کے لئے تھوڑی دیر تک اس سے دھینگا مشتی بھی کرنی پڑی۔ بہر حال اس نے اسے قتل کر دیا۔ ہار کو اس نے جھیل کے کنارے دفن کر دیا تھا جسے بر آمد کر لیا گیا ہے۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔

"مگر اس بار آپ نے بہت بڑے بڑے شعبدے دکھائے ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

پروین اس طرح خاموش بیٹھی تھی جیسے بت بن گئی ہو۔

"کیوں؟" فریدی اس کی طرف مڑا۔ "تم کیا سوچ رہی ہو؟"

"نہ جانے کیوں مجھے بھی اپنی موت سامنے دکھائی دے رہی ہے۔" پروین آہستہ سے بولی۔

"ہشت! تم ڈرو نہیں۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "میں اقبال سے سارے معاملات طے کر لوں گا اگر وہ نہ مانے گا تو پھر دوسرا راستہ اختیار کیا جائے گا۔"

پروین نے کوئی جواب نہ دیا۔

"میں تمہیں کسی آفس میں کوئی اچھی سی جگہ دلا دوں گا۔ فکر مت کرو۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب جا کر آرام کرو۔ تم بھی رات سے جاگ رہی ہو۔"

پروین چلی گئی۔ حمید کے ہاتھ آہستہ آہستہ دعا کے لئے اٹھ رہے تھے۔

"کیوں یہ کیا؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"مرنے سے پہلے۔" حمید کراہ کر بولا۔ "خدائے قدوس سے ایک التجا کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"یہی کہ اسی پروین ہی سے آپ کی محبت ہو جائے تاکہ کم از کم چھٹیوں کا زمانہ تو سکون کے ساتھ گزرے۔" حمید نے منہ بسور کر کہا اور فریدی نے اس کی پیٹھ پر ایک زوردار دھول جما دی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 20

نیلی روشنی

(مکمل ناول)

گمنام منزل

تاحد نظر چٹیل اور ریتلا میدان پھیلا ہوا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گرم ہوا کے تیز جھونکے اپنے ساتھ گردوغبار کا طوفان لاتے اور مسافروں کے چہروں پر کلی کرتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر ویٹنگ روم تو ہوتے نہیں کہ معزز قسم کے مسافر کھڑکیوں کے سیاہ پردے تک گرا کر ریگستان میں ایک آدھ گھنٹے ہی کے لئے ایک ننھی سی جنت بنا سکیں۔ یہاں بس چاروں طرف سے کھلا ہوا ایک ٹین کا سائبان تھا۔ جس کے نیچے بھانت بھانت کے آدمی عجیب انداز سے لیٹے اور بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے گرد سے اٹے ہوئے چہروں پر وحشت اور بیزاری کے ملے جلے آثار پائے جاتے تھے اگر کوئی سہواً بھی اپنے خشک ہونٹوں پر ایک بار زبان پھیر لیتا تو کافی دیر تک اس کے دانتوں کے نیچے ریت کے ذرے کرکراتے رہتے اور وہ کچھ ایسے تلخ انداز میں اپنے ہونٹوں کو قوسوں اور دائروں کی شکل میں جنبش دیتا کہ دوسروں کے منہ بھی بگڑ جاتے۔ سائبان بھٹی کی طرح تپ رہا تھا اور اس پر سے گرم ہوا کے جھونکے .... زبانیں نکالے رہی تھیں۔

اس وقت کوئی سرجنٹ حمید کو دیکھتا تو یہ نہ کہہ سکتا کہ وہ کبھی نفاست پسندی کے جنون میں مبتلا رہا ہوگا۔ اس کے چمکیلے بال گرد میں اٹ گئے تھے۔ چہرے پر اس قدر دھول تھی کہ اب ماتھے سے پسینہ پونچھنے کی بھی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔

سرخ و سپید رخسار جھلس گئے تھے اور وہ دق کا مریض معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کے ذہن میں سوائے ایک موٹی سی گالی کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ جسے وہ کبھی اپنی ذات سے منسوب کرتا اور کبھی اپنے محکمے کے اعلیٰ افسر کی ذات سے۔ اس ریگستان کو پار کرتے وقت وہ ٹرین پر سوچتا آیا تھا

کہ منزل مقصود پر ضرور کچھ نہ کچھ سکون ملے گا۔ لیکن یہاں پہنچ کر ساری امیدوں پر اوس پڑ گئی اور اب اس سائبان کے نیچے ایک سوٹ کیس پر بیٹھا اس موٹر کا انتظار کر رہا تھا جس کی بشارت اس کے محکمے کے اعلیٰ افسر نے پہلے ہی دے رکھی تھی؟

یہ بلائے ناگہانی اس پر اچانک نازل ہوئی تھی۔ بس یونہی ایک دن آفس میں بیٹھے بٹھائے افسر اعلیٰ کے نادر شاہی فرمان کا شکار ہو گیا۔ انسپکٹر فریدی بھی ان دنوں شہر میں موجود نہیں تھا ورنہ شاید اس کی نوبت نہ آتی .... بہرحال شدنی .... ہونے والی بات اور پھر ملازمت کا مطلب ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا تو نہیں ہوتا۔ ہاں جب کام کی نوعیت ہی بے سروپا ہو تو اختلاج کا ہونا لازمی ہے۔ سرجنٹ حمید بھی اختلاج میں مبتلا تھا۔ اس کے اعلیٰ افسر نے صرف اتنا بتایا تھا کہ اسے فلاں اسٹیشن پر اترنا ہے پھر وہاں سے اسے ایک سیاہ رنگ کی کار لے جائے گی۔ کہاں؟ اس کی خبر حمید کے فرشتوں کو بھی نہ تھی۔ اس کا مقصد کیا تھا؟ یہ چیز بھلا کیونکر ایسی صورت میں اس کی سمجھ میں آتی۔ جب کہ اسے اپنی منزل تک کا علم نہیں تھا؟ البتہ ٹرین پر کئی بار اس سوال کے جواب میں اس کے ذہن میں لفظ "جہنم" ضرور گونجا تھا اور اب وہ سچ مچ جہنم میں بیٹھا اس سیاہ رنگ کی کار کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے تھرماس کھول کر تھوڑا سا پانی پیا اور کئی للچائی ہوئی نظریں اس کے تھرماس پر گڑ کر رہ گئیں۔ لیکن اس نے جھلاہٹ میں انہیں اس طرح اپنے ذہن سے جھاڑ دیا جیسے کوئی کان پر رینگتی ہوئی چیونٹی جھاڑ دیتا ہے۔ ہمدردی اور انسانیت کے سارے جذبات جیسے فنا ہو گئے تھے۔

اُسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا ٹھیک گیارہ بجے ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی کار شیڈ کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر ایک بھاری جبڑوں اور پھولی ہوئی سرخ ناک والا آدمی بیٹھا اپنی چھوٹی چھوٹی چمکیلی آنکھوں سے سائبان کا جائزہ لے رہا تھا اس کی گھنی مونچھیں اس طرح نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں کہ نچلے ہونٹ کا صرف درمیانی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ گردن اتنی کوتاہ تھی کہ اس کا سر شانوں کے درمیان رکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

حمید سامان اٹھا کر کار کی طرف لپکا۔ ڈرائیور نے سر کی خفیف سی جنبش کے ساتھ پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا اور وہ دروازہ کھول کر نرم گدیلے میں دھنس گیا۔ کار چل پڑی۔ حمید نے کھڑکیوں کے شیشے چڑھا دیئے تھے۔ پھر بھی ریت اور اندر گھسی آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد

اس کی حالت اتنی ابتر ہو گئی کہ وہ ڈرائیور سے یہ تک پوچھنا بھول گیا کہ وہ اسے کہاں لے جائے گا۔ کار نہ جانے کب تک چلتی رہی حمید کو کچھ یاد نہیں اس پر غشی سی طاری تھی۔ بس کبھی کبھی اس کے ہاتھ غیر شعوری طور پر تھرماس سے جا لگتے اور وہ دو ایک گھونٹ پی کر پھر اسے نیچے ڈال دیتا۔ ڈرائیور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار بھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔

شام ہوتے ہوتے کار ایک سرسبز وادی میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید اس قدر بے جان ہو چکا تھا کہ اس میں کھڑکیوں کے شیشے تک گرانے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ ڈرائیور نے پلٹ کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور کار روک کر نیچے اتر آیا پھر اس نے زور سے دروازے کھول کر شیشے گرائے اور خنک ہوا کے فرحت بخش جھونکوں نے حمید کی بے ہوشی میں اضافہ کر دیا۔۔۔۔

یہاں دور تک سرسبز چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور موٹے تنوں کے چھوٹے اور گنجان درخت حد نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے حمید کو بازوؤں میں اٹھا لیا اور ایک طرف چلنے لگا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ نارنجی شعاعیں آہستہ آہستہ ڈھلوانوں پر چڑھ رہی تھیں اور سناٹے میں پرندوں کا شور گونج رہا تھا۔ ڈرائیور حمید کو اٹھائے چلتا رہا۔ پھر وہ ایک چھوٹے سے چشمے کے کنارے رکا اور حمید کو زمین پر ڈال کر اس کے منہ پر چھینٹے دینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد حمید ایک پتھر سے ٹیک لگائے حیرانی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ڈرائیور کار سے اس کا سوٹ کیس بھی اٹھا لایا تھا اور اب اسٹوو پر چائے کا پانی چڑھا کر کیتلی کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس کی نظر بھٹکتے ہی وہ اسٹوو سے کود کر چشمے میں جا پڑے گی۔

"ارے بھائی تم کون ہو! اور مجھے کہاں لئے جا رہے ہو۔" حمید نے اس سے پوچھا لیکن اس کی مشغولیت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔" اس بار حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

اس نے چونک کر حمید کی طرف دیکھا۔

"مجھے کہاں جانا ہے۔" حمید نے دہرایا۔

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر پھر کیتلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ برف کی طرح سرد معلوم ہو رہا تھا۔ حمید کو پہلے تو غصہ آیا لیکن پھر اس کے سارے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔

وہ کافی دیر تک حیرت آمیز نظروں سے ڈرائیور کو دیکھتا رہا جو اسے حد درجہ پُراسرار معلوم

ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے کیتلی پر سے نظر ہٹا کر ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ حمید سوچنے لگا کہ آخر وہ صرف سوٹ کیس ہی اٹھا کر کیوں لایا ہے۔ سوٹ کیس کے علاوہ تھرماس اور ناشتہ بھی تو تھے اس نے اس سے پوچھنا چاہا۔ لیکن پھر نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہو رہا۔

دن بھر کی کوفت اور تھکن کے بعد ٹھنڈے پانی کے چشمے کا قرب گویا اسے جہنم سے کھینچ کر جنت میں لے آیا تھا اس نے اٹھ کر سوٹ کیس سے غسل کا لباس نکالا اور نہانے کی تیاری کرنے لگا۔

"چشمہ زیادہ گہرا تو نہیں۔" حمید نے ڈرائیور سے پوچھا۔

اس نے کیتلی سے نظر ہٹائے بغیر نفی میں سر ہلا دیا۔

حمید کافی دیر تک نہاتا رہا۔ پانی کی ٹھنڈک اسے روح کی گہرائیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اس لذت میں اس طرح کھو گیا تھا کہ اسے وقت کا بھی احساس نہ رہا۔ سورج پہاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا تھا اور افق میں کئی چمکیلے رنگ ابھر آئے تھے۔

ڈرائیور نے چائے تیار کر لی تھی اور اب بھنے ہوئے پارچوں کے سینڈوچ بنا رہا تھا۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ وہ دوپہر سے بھوکا ہے۔

ٹھنڈے پارچے کے سینڈوچ بھی اس وقت اسے بڑا مزہ دے رہے تھے۔

"بھئی آخر تم بولتے کیوں نہیں۔" حمید نے کھاتے ہوئے سر اٹھا کر کہا۔

موٹر ڈرائیور کے ہونٹوں پر ایک بیجان سی مسکراہٹ پھیل گئی لیکن وہ کوئی جواب دینے کے بجائے اپنے لئے چائے انڈیلنے لگا۔ حمید کو کچھ تو ہنسی آئی اور کچھ جھنجھلاہٹ معلوم ہوئی لیکن اس نے جھنجھلاہٹ کا اظہار کرنا مناسب نہ سمجھا! چشمے کے ٹھنڈے پانی اور گرما گرم چائے کے کپ نے گویا اسے نئی زندگی بخش دی تھی اور وہ حسبِ دستور قدیم چہکنے کے موڈ میں آ گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اس عجیب و غریب ڈرائیور کو گھورتا رہا پھر اچانک بولا۔

"بھئی اگر گونگے ہو تو صاف صاف بتا دو۔ میں کیوں خواہ مخواہ مغز ماروں۔"

ڈرائیور بے اختیار ہنس پڑا۔

"مجھے گونگا ہی سمجھئے۔" وہ بھدی اور بے ہنگم آواز میں بولا۔ "میں کچھ نہیں جانتا مجھے صرف ایک بتائے ہوئے نشان پر آپ کو اتار دینا ہے اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"نشان پر۔۔۔۔!" حمید چونک کر بولا۔ "کیا مطلب۔"

"مطلب خود میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔" ڈرائیور نے لاپروائی سے کہا اور چائے کی خالی پیالیاں اٹھا کر باسکٹ میں رکھنے لگا اس کے چہرے پر پھر سنجیدگی اور سفاکی کے آثار پھیل گئے تھے۔

"اماں تو کہاں.... اتار دو گے.... جنگل میں.... قبرستان میں.... یا کسی....!"

"جنگل میں...." ڈرائیور نے کہا۔ "جہاں دور دور تک آبادی کا پتہ نہیں۔"

"کمال کر دیا.... آخر....!"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے یہی حکم ملا ہے اور نہ میں اس کے متعلق کوئی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

حمید کا دل چاہا کہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر کتوں کی طرح بھونکنا شروع کر دے آخر اس کے اعلیٰ افسر کا مقصد کیا تھا اسی طرح کچھ دن قبل جب وہ گھر پر موجود نہیں تھا انسپکٹر فریدی بھی اپنا اتا پتا بتائے بغیر غائب ہو گیا تھا۔ گھر کے ملازموں سے بس اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ اس نے کسی لمبے سفر کی تیاری کی تھی اور وہ اس کے لئے بھی کوئی پیغام نہیں چھوڑ گیا تھا لیکن حمید نے اسے اس وقت تک اہمیت نہیں دی تھی کیونکہ اس سے قبل بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔ یوں بھی یہ عادت فریدی کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی کہ وہ اپنے پروگرام کسی کو نہیں بتاتا تھا۔ اسی طرح غائب ہو جانے کو کوئی خاص معنی نہیں پہنائے تھے۔ لیکن اس وقت وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آخر اعلیٰ افسر کیا چاہتا ہے اس کے ذہن میں لیونارڈ[1] والا واقعہ ناچنے لگا۔ لیونارڈ یورپ کا مشہور بلیک میلر جو مسٹر جیکسن کے بھیس میں محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ بن بیٹھا تھا تو پھر کیا کوئی اس قسم کا حادثہ پیش آیا چاہتا ہے کہ یہ ان دونوں کے خلاف کوئی سازش تھی؟

حمید بیک وقت چونک پڑا۔ ڈرائیور سوٹ کیس اور باسکٹ اٹھائے چلنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ وہ بادل نخواستہ اس کے ساتھ ہو لیا۔

کار پھر چل پڑی تھی۔ آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ دفعتاً ایک خیال حمید کے ذہن کے عقبی حصے سے شعور میں رینگ آیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ سوٹ کیس کے اندر کپڑوں میں کچھ ٹٹول رہا تھا آخر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ریوالور اپنی جگہ پر موجود تھا اس نے ریوالور کی پیٹی کاندھے پر ڈال کر اوپر سے کوٹ پہن لیا۔ خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈرائیور بدستور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ دونوں طرف عظیم الشان چٹانوں کا سلسلہ تھا اور ہیڈ لائیٹس کی روشنی بل

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "فریدی اور لیونارڈ" جلد نمبر 2 ملاحظہ فرمائیے۔

تی ہوئی پہاڑی سڑکوں پر پھیل رہی تھی۔ انجن کا شور چٹانوں سے ٹکرا کر دور دور تک منتشر تا معلوم ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی بڑے بڑے بالوں والی سفید لومڑیاں روشنی میں سڑک پار کرتی ائی دے جاتی تھیں۔ قرب و جوار میں پھیلے ہوئے گنجان درخت تاریکی میں کچھ عجیب وحشت سے لگ رہے تھے۔

"ارے بھائی کم از کم اتنا تو بتا دو کہ ابھی کتنا اور چلنا ہے۔" حمید نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"بس دو تین میل اور۔"

"تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

ڈرائیور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ حمید کا دل چاہا کہ ریوالور کی نال اس کی نظر نہ آنے والی دن سے لگا کر لبلبی کو دبا دے۔

"یار تم عجیب آدمی ہو...." حمید نے پھر کہا۔

"دیکھئے" ڈرائیور کرخت آواز میں بولا جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہوں اسے صرف سوچتے رہئے۔

"دیکھو دوست میں ابھی تمہاری گردن ناپ سکتا ہوں۔" حمید نے دانت پیس کر کہا۔

"اس سے فائدہ؟" ڈرائیور نے قہقہہ لگایا۔ "میرے بعد آپ یہاں یتیم بچوں کی طرح بھٹکتے ریں گے۔"

حمید کو اس زور کا غصہ آیا کہ اسے اپنی عقل گدی سے نکلتی معلوم ہونے لگی۔ لیکن وہ کرتا بھی کیا۔ قہر درویش بر جان درویش اس نے یہ بات بھی قاعدے ہی کی کہی تھی۔ اگر سچ مچ وہ تنہارہ لیا تو کہاں بھٹکتا پھرے گا۔

حمید نے ہارے ہوئے جواری کی طرح ہاتھ پیر ڈال دیئے اور تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔

آخر کار ایک جگہ رک گئی اور ڈرائیور نیچے اتر گیا۔

"اتریئے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یار.... کیوں؟" وہ ایک بار پھر ہکلایا۔

"ٹھہریئے.... میں آپ کا سوٹ کیس اتارے دیتا ہوں۔" ڈرائیور نے آگے بڑھ کر کہا۔

"تو کیا سچ مچ یہیں۔"

"جی ہاں۔"

"یار کیوں مذاق کرتے ہو۔"

"جلدی کیجئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔" ڈرائیور کا لہجہ درشت تھا۔

اس نے حمید کا سامان نیچے اتار دیا۔ طوعاً و کرہاً حمید بھی اتر آیا۔

"تم بھول تو نہیں رہے ہو!" حمید نے بوکھلا کر کہا۔

"شب بخیر...." ڈرائیور نے کار میں بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

حمید "ارے ارے" ہی کرتا رہ گیا اور کار اگلے موڑ پر پہنچ کر نظروں سے غائب ہو گئی۔ پہاڑی جھینگروں کی کان پھاڑ دینے والی تیز سیٹیاں فضا میں گونج رہی تھیں۔ حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اندھیرا تاریک ڈھلوانوں سے پھسل پھسل کر اس کے گرد اونچی اونچی دیواریں کھڑی کر رہا ہو اور یہ دیواریں اسے پیس ڈالنے کے لئے آگے بڑھ رہی ہوں۔ دفعتاً قریب ہی بہت سے گیدڑ چیخ اٹھے اور حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک برفیلی لہر دوڑ گئی۔

وہ دو بڑی چٹانوں کے درمیان بکھری ہوئی خار دار جھاڑیوں میں کھڑا تھا۔ ہر دوسرا لمحہ زیادہ سے زیادہ پاگل کر دینے والا ثابت ہو رہا تھا۔ حمید ڈرپوک نہیں تھا لیکن ایسے حالات میں مرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کوئی تک ہے آخر؟

پھر اسے دور کہیں کسی لکڑ بگھے کی قہقہہ نما چیخ سنائی دی جو لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ سوٹ کیس وغیرہ وہیں چھوڑ کر دوسری سمت والی چٹان پر چڑھنے لگا۔ انتہائی بلندی پر پہنچ کر وہ سانس لینے کے لئے رکا؟ چاروں طرف گہری تاریکی تھی۔ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے ستارے بھی دھندلے ہو رہے تھے۔ دیو پیکر چٹانوں کے نیچے بکھرا ہوا اندھیرا تو نہ جانے کتنی خبیث ارواح کی کمین گاہ معلوم ہوتا تھا۔

دفعتاً حمید کو اپنے سر پر تیزی سے جھپٹتا ہوا ایک سایہ دکھائی دیا اور پھر اس نے اس کے سارے جسم کو ڈھک لیا۔ اس نے اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ سر سے پیر تک وہ ایک تنگ جال میں پھنسا ہوا تھا وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ وہ کچھ ایسے بدحواس ہو گیا تھا کہ اس کے منہ سے چیخ تک نہ نکل سکی۔ جال کے حلقے تنگ ہوتے جا رہے تھے اور پھر وہ نیچے کی طرف لڑھکنے لگا۔ اس نے کئی بار جھاڑیوں کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

خوفناک گروہ

حمید نہ جانے کب تک بے ہوش رہا۔ بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے اسے اذیت کا احساس ہوا۔ اس کے سارے جسم میں سوئیاں سی چبھ رہی تھیں۔ چاروں طرف زرد رنگ کی گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ کئی منٹ تک وہ اندھوں کی طرح ادھر ادھر ٹٹولتا رہا پھر آہستہ آہستہ زردی سے سیاہی کے پیچ و خم مٹتے گئے اور اسے موم بتی کی لو صاف نظر آنے لگی۔ وہ ایک غار میں پڑا ہوا تھا اس کے نیچے خشک گھاس کا بستر تھا اور قریب ہی اس کا سامان پڑا ہوا تھا۔ یہاں کچھ تھوڑا سا سامان اور بھی تھا مگر کس کا؟ اس کا پستول کارتوس کی پیٹی سمیت کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ حمید نے جھپٹ کر اسے اٹھا لیا۔ یہ اس کا ایک اضطراری فعل تھا۔ ورنہ وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھ سکتا تھا اس کے سارے جسم میں بے شمار خراشیں تھیں جن سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ متعدد جگہ کانٹے چبھ گئے تھے۔ داہنے پیر میں اگر موچ نہیں آئی تھی تو کوئی رگ ضرور اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی۔ کیونکہ وہ پورا پیر جما کر زمین پر نہیں رکھ سکتا تھا۔

اس نے ایک بار پھر غار کا جائزہ لیا۔ ایک کونے میں ایک انگیٹھی رکھی ہوئی تھی جس میں کوئلے دہک رہے تھے اور اس پر رکھی ہوئی کیتلی سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ بھاپ سے پھیلنے والی ہلکی ہلکی خوشبو بتا رہی تھی کہ اس میں کافی ہے اس کے قریب ہی دودھ کا ڈبہ دکھائی دیا۔ غالباً شکر بھی کہیں قریب ہی رکھی ہو گی۔

بھوک کے مارے حمید کا برا حال ہو رہا تھا۔ کافی کی خوشبو نے اسے قریب قریب خوش کر دیا اور وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ اس حال میں ایک نامعلوم جگہ پر پتہ نہیں قید ہے یا آزاد ہے۔ کچھ دیر قبل جو حادثہ پیش آیا تھا اس کا مطلب کیا تھا۔ وہ بے تحاشا کافی کی کیتلی کی طرف جھپٹا اور دفعتاً غار کے دہانے کے قریب اسے ایک قہقہہ سنائی دیا۔

حمید ادھر متوجہ ہوا اور سامنے انسپکٹر فریدی کو کھڑا دیکھ کر بے ساختہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ....!"

انسپکٹر فریدی اپنے مخصوص انداز میں کھڑا مسکرا رہا تھا اس کے جسم پر ایک خاکی رنگ کی برجس تھی اور ایک میلا سا جیکٹ جو کہنیوں سے پھٹا ہوا تھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا چہرے پر ہلکی سی سیاہی

دوڑ گئی تھی لیکن آنکھوں کی وحشیانہ چمک اس حال میں بھی برقرار تھی اس کے دونوں ہاتھ برجس کی جیبوں میں تھے اور ہونٹوں میں سگار دبا ہوا تھا۔

"آخر اس کا مطلب" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اگر میری جان ہی لینی ہے تو کسی دن شوٹ کر دیجئے!"

"وہ تو آخری حربہ ہوگا۔" فریدی نے منہ سے سگار نکال کر کہا ادھر باسکٹ میں کچھ سینڈوچ بھی ہیں۔ مگر ٹھہرو! تمہیں اٹھنے کے لئے کس نے کہا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر حمید کو پھر گھاس کے بستر پر ڈال دیا۔

"آخر یہ کیا بھان متی کا تماشہ ہے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"سب معلوم ہو جائے گا۔ فی الحال تم چپ چاپ پڑے رہو۔"

فریدی نے باسکٹ سے کچھ سینڈوچ نکالے اور دو پیالیوں میں کافی بنائی۔

حمید سینڈوچ کھاتے وقت بھی بڑبڑائے جا رہا تھا۔ پھر اس نے دفعتاً سر اٹھا کر کہا۔

"ایک تو دن بھر ریگستان میں تپتا رہا۔ اس کے بعد یہ مذاق۔ اگر ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی تو۔"

"امریکہ سے دوسری منگوا لیتے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "مگر تم غلط سمجھے ہو۔"

"کیا غلط سمجھا ہوں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "گویا کتے کا پلا تھا۔ اول تو اس طرح بے تکے پن سے بلوایا پھر جال میں پھنسا کر۔"

"یہی تو تم نہیں سمجھے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "مگر اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا"

"ایک کیا فائدے ہی فائدے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "میرے جسم پر لاتعداد فائدے ہیں جن سے ابھی تک خون بہ رہا ہے۔"

"اچھا پہلے تم اپنا غصہ اتار لو اس کے بعد میں کچھ کہوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

کافی ختم ہونے کے بعد فریدی حمید کے زخم دیکھنے لگا۔ کئی جگہ سے کانٹے بھی نکالے۔ زخم گہرے نہیں تھے۔ معمولی خراشیں تھیں۔

حمید کا غصہ بھی سرد ہو چکا تھا اور وہ اب گھاس کے بستر پر لیٹا ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔

"تم سے زیادہ عجیب حالات میں میں یہاں پہنچا ہوں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"مگر جال میں پھنسا کر۔"

"پھر وہی۔ پہلے سن تو لو.... جال میں میں نے نہیں پھنسایا تھا۔"

"یعنی....!"

"بس سنتے جاؤ۔ ٹھہرو۔ یہاں اندھیرا ہی بہتر ہے۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر موم بتی بجھا دی۔

"خاموش۔"

اور پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے فریدی آہستہ آہستہ غار کے دہانے کی طرف رینگ رہا ہو۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کسی کی سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کیں۔ لیکن وہ دم سادھے پڑا رہا۔

"وہ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔" فریدی کی سرگوشی پھر سنائی دی۔

حمید کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔

"کون۔"

"وہی جنہوں نے تمہیں جال میں پھنسا کر پکڑنے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ کون ہیں۔"

"پھر بتاؤں گا.... چپ چاپ پڑے رہو۔ ورنہ کتوں سے بدتر موت نصیب ہوگی۔"

حمید کی پلکیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں اس پر پھر غشی طاری ہوگئی۔ رات میں کئی بار اس کی آنکھیں کھلیں۔ لیکن اس بیداری میں شعور کو دخل نہ تھا۔

دوسرے دن وہ کافی دن چڑھے تک سوتا رہا۔ فریدی کے جگانے پر اس نے آنکھیں تو کھولیں لیکن اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ سارے جسم میں درد ہو رہا تھا اور آنکھوں میں مرچیں سی بھری معلوم ہو رہی تھیں۔

"ارے تمہیں تو اچھا خاصا بخار ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب دینے کے بجائے آنکھیں بند کر لیں۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" فریدی خود بخود بڑبڑایا۔ اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ حمید کچھ بولنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"دواؤں کا بکس بھی یہاں موجود نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں پہنچتے ہی تم اس حادثے کا شکار ہو جاؤ گے۔"

حمید جھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"میں کہتا ہوں آخر اس طرح بلانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔" اس نے کہا۔

"حالات ہی ایسے تھے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"حالات! خدا سمجھے ان حالات سے آپ کے ساتھ حالات کے علاوہ اور رہتا ہی کیا ہے۔"

"بھئی بات بھی سنو تو۔"

"سنائیے نا!" حمید جھنجھلا کر بولا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"مجھے بھی اسی طرح کچھ بتائے بغیر روانہ کر دیا گیا تھا۔ ٹیکم گڈھ کے محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ مجھے اُسی اسٹیشن سے ٹیکم گڈھ لے گیا۔ جس راستے سے تم یہاں آئے ہو۔"

فریدی سگار سلگانے کے لئے رکا اور دو تین کش لینے کے بعد بھی خاموش ہی رہا۔ حمید کو اس کی اس عادت سے پرانی عداوت تھی۔ وہ ہمیشہ ایک بات کرتے کرتے دوسری بات میں الجھ کر اس کے متعلق سوچنے لگتا تھا۔

"لیکن کیوں؟ کس لئے؟" حمید نے پوچھا۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کمال کر دیا؟" حمید بھنا کر بولا۔ "تو گویا....!"

"اوہ سنو تو....!" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "بظاہر بات اتنی ہی ہے کہ یہاں سے ناجائز برآمد ہو رہی ہے۔ لاکھوں روپیہ کا سونا ہمسایہ ملک میں ناجائز طور پر بھیجا جا رہا ہے۔"

"تو یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اتنی سی بات کا پتہ بھی نہیں لگا سکا۔" حمید نے کہا۔

"یہی تو حیرت کی بات ہے!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ سامان کس وقت اور کس طرح گذرا۔"

"پھر انہیں اس کے متعلق معلوم کیسے ہوتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہمارے جاسوس ہمسایہ ملک سے اس کی اطلاع دیتے ہیں۔"

"حیرت ہے.... اتنی ذرا سی بات۔"

"ذرا سی بات نہ کہو! بہت ہی منظم گروہ ہے۔ ایک ایک بات کی خبر رکھتا ہے اس کا اندازہ اب ہوا ہے کہ یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اس کے مقابلے میں کتنا کمزور ہے۔ اب اپنی آمد ہی

بارے میں غور کرو! محض راز داری کے لئے اتنا ٹیڑھا میڑھا راستہ اختیار کیا گیا تھا۔ لیکن انہیں اس کی بھی اطلاع ہو گئی اور انہوں نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ اس وقت صرف دو ہی تھے۔ ورنہ شائد میں تمہیں چھڑانے میں کامیاب بھی نہ ہوتا۔"

"وہ ڈرائیور کون تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"یہیں کے محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آدمی رہا ہو گا۔"

"مجھے تو اسی پر شک ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے.... اس قسم کی باتوں کے کھل جانے کے ذرائع ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ مجرموں کے آدمی محکمہ سراغ رسانی میں بھی موجود ہیں۔"

"تو کیا آپ اسی غار میں رہتے ہیں۔"

"نہیں وہ تو میں تمہاری وجہ سے یہاں آبسا تھا۔ لیکن اب سوچتا ہوں کہ اس طرح چھپنا چھپانا قطعی فضول ہے کیونکہ مجرم ہم سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"پھر کیا کیجئے گا۔"

"دیکھو بھائی ایسے حالات میں موت دو چار ہی قدم کے فاصلے پر ملتی ہے اسی لئے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"آپ ٹیکم گڈھ میں کب سے مقیم ہیں۔"

"تین دن سے۔"

"اور آپ کے ساتھ کوئی خاص حادثہ پیش نہیں آیا۔"

"نہیں قطعی نہیں۔ ممکن ہے اس وقت تک انہیں میری موجودگی کا علم نہ رہا ہو۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں میرے آنے کی اطلاع تو مل جائے اور آپ کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ہم دونوں کو ایک ہی جگہ ٹھکانے لگا دینے کی اسکیم بنائی ہو۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو صرف دو ہی آدمی نہ آتے اگر وہ میرے متعلق بھی جانتے ہوں گے تو انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں دو چار آدمیوں کے بس کا روگ نہیں۔"

"یہ نہ کہئے! بے خبری میں بڑے بڑے مارے جاتے ہیں۔"

"ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"آپ نے مجھے کس طرح رہائی دلائی تھی۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے وہاں پہنچنے میں تھوڑی دیر ہو گئی تھی ورنہ اس کی نوبت نہ آنے پاتی۔ بہر حال میں اس وقت پہنچا جب وہ تمہیں جال میں پھنسا کر کھینچ رہے تھے۔ پہلے تو میں کچھ سمجھا ہی نہیں۔ لیکن جب تمہاری چیخ سنی تو بے تحاشہ فائر کرنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر تک وہ مقابلہ کرتے رہے لیکن پھر بھاگ نکلے اگر میں جانتا ہوتا کہ وہ صرف دو ہی ہیں تو میں فائر نہ کرتا اس کے بجائے انہیں پکڑنے کی کوشش کرتا۔"

"لیکن اس کے بعد بھی تو وہ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں.... آں۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔ مگر اس وقت وہ آٹھ دس تھے۔

"آٹھ دس....!"

"ہاں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا کوئی اڈہ یہاں سے قریب ہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ انہیں یہاں میری موجودگی کا علم نہیں تھا ورنہ وہ میرے ٹھکانے سے بھی واقف ہوتے اور اس وقت ہم کہیں اور پائے جاتے۔"

حمید نے کراہ کر کروٹ بدلی اور فریدی اٹھ کر آتش دان کی آگ تیز کرنے لگا۔ آتش دان پر رکھی ہوئی لوہے کی سلاخ میں کوئی پرندہ لگا ہوا تھا جسے وہ نمک چھڑک چھڑک کر بھونتا جا رہا تھا۔

"تو اب کیا یہیں پڑے رہنے کا ارادہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں تو.... تم ذرا ٹھیک ہو جاؤ تو ہم ٹیکم گڈھ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔" فریدی۔ سیخ کو آتش دان پر سے اتارتے ہوئے کہا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اور پھر مجھے اس غار میں وحشت ہوتی ہے۔"

"کتنی رومان آفریں جگہ ہے۔ آج تم غروب کا منظر ضرور دیکھنا! ہے ہے! حمید تم نرے ڈیوٹ ہو۔ یہاں زندگی ہے پیارے ان چٹانوں سے حیات کے چشمے ابلتے معلوم ہوتے ہیں۔"

"اور لکڑ بھگوں کے خونی قہقہوں کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"چھوڑو بھی۔" فریدی نے اس کی طرف کافی کا پیالہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ جہاں ہم بیٹھے ہیں یہ بھی لکڑ بھگے ہی کی پناہ گاہ ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید دانت پیس کر خاموش ہو گیا۔

فریدی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"ٹیکم گڈھ کے جس ہوٹل میں، میں ٹھہرا ہوں ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ عمدہ کھانا آرام دہ بستر، قاعدے کے لوگ، عمارت تو ساری لکڑی کی بنائی ہوئی ہے۔ لیکن اتنی پُر فضا جگہ پر واقع ہے کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ ملازموں میں ایک بھی مرد نہیں سب لڑکیاں ہیں۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ فریدی اسے بچوں کی طرح بہلانے کی کوشش کر رہا ہے۔

انہوں نے دو دن تک اسی غار میں قیام کیا اس دوران میں کوئی خاص واقع پیش نہیں آیا۔ حمید اب بالکل ٹھیک ہو گیا تھا لیکن ابھی اس کے لئے ایک جان لیوا مرحلہ باقی رہ گیا تھا اور وہ تھا ٹیکم گڈھ تک کا پیدل سفر۔ ٹیکم گڈھ وہاں سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ فریدی سے وہ یہ بھی سن چکا تھا کہ راستے میں گھنے جنگلوں کے سلسلے ملتے ہیں جو وحشی درندوں سے پر ہیں لیکن بہر حال اسے ان جنگلوں کو پار کرنا ہے۔

تیسری رات وہ ٹیکم گڈھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید کا سوٹ کیس وہیں غار میں ڈال دیا گیا۔ کپڑے اور دوسری چیزیں شکار کے بڑے تھیلوں میں بھرلی گئی تھیں۔ جنہیں وہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے دشوار گذار راستے طے کر رہے تھے۔

نیلا ہیجان

ٹیکم گڈھ پہنچ کر وہ اسی ہوٹل میں اترے جہاں فریدی سے پہلے مقیم تھا۔ عمارت کچھ زیادہ وسیع نہیں تھی۔ مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے صرف بیس کمرے تھے اور پوری عمارت میں شاید ہی کہیں سیمنٹ یا پتھر استعمال کیا گیا ہو۔ عمارت تھی تو لکڑی ہی کی لیکن سلیقے سے بنائی گئی تھی۔ بیرونی دیواریں جو بڑے بڑے گول شہتیروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی بھورے رنگ کی وارنش

سے رنگی گئی تھیں اندر کی طرف سپاٹ تختے لگا کر انہیں ہموار بنایا گیا تھا اور ان پر سفیدے کا پالش تھا۔ یہاں پر زیادہ تر غیر ممالک کے سیاح ٹھہرا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ مصور ہوتے تھے اور کچھ ایسے جنہیں کوہ پیمائی کا شوق یہاں کھینچ لاتا تھا۔ کبھی کبھی لمبے بالوں والی لومڑیوں کے شکاری بھی آ ٹھہرتے تھے۔

محل وقوع کے اعتبار سے ٹیکم گڈھ کے لوگ اسے "رشک ارم" کہتے تھے۔ یہ انتہائی اونچائی پر بنایا گیا تھا کہ یہاں سے دور دراز پہاڑی سلسلوں کی برفانی چوٹیاں صاف دکھائی دیتی تھیں جن پر طلوع و غروب کے وقت قوس قزح کے رنگ پھیلے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ نشیب میں دور تک سدا بہار درختوں کے جنگل پھیلے ہوئے تھے۔ داہنی طرف کے ڈھلوانوں میں ایک پہاڑی نال چٹانوں سے ٹکرا کر جگمگاتے ہوئے قطروں کے موتی اچھالتا ہوا بہہ رہا تھا۔ آگے چل کر اس ن ایک وسیع جھیل کی شکل اختیار کر لی تھی اور پھر اس کا پانی اگلی پہاڑیوں کی دراڑوں میں گھس کر جانے کتنے اور نالے بناتا تھا۔

فریدی اس ہوٹل میں سول اینڈ ملٹری گزٹ کے رپورٹر کی حیثیت سے مقیم تھا۔ قیام مقصد سیر و شکار بیان کیا گیا تھا۔ اس لئے جب وہ حمید کے ساتھ بحالت تباہ ہوٹل میں داخل ہوا کسی نے ذرہ برابر حیرت کا بھی اظہار نہ کیا۔ اس نے جو کمرہ لے رکھا تھا وہ دو آدمیوں کے لئے اور منیجر کو یہ معلوم تھا کہ اس کا کوئی اور ساتھی بھی آنے والا ہے۔ فریدی نے راستے ہی میں حمید تھوڑا بہت حلیہ تبدیل کر دیا تھا اور اب وہ ایک نوجوان کے بجائے پینتیس چالیس کا آدمی معلو ہونے لگا تھا۔ اگر اس پر حملہ نہ کیا گیا ہوتا تو شاید فریدی اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتا لیک اب اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی۔ چونکہ محکمہ سراغ رسانی کا ڈرائیور اسے پہچان تھا اس لئے اصلی صورت میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتہ کرنے کے بعد وہ بالکونی میں آ بیٹھے۔

"تو کیا تم جھوٹ سمجھے تھے۔" فریدی بجھا ہوا سگار نیچے پھینکتا ہوا بولا۔

"لیکن آپ نے مجھے بوڑھا بنا کر مجھ پر ظلم کیا ہے۔" حمید نے ایک ویٹرس پر نظر جما ہوئے کہا جو قریب سے گذر رہی تھی۔ پھر اس نے اسے روک کر پوچھا کیا یہاں پرنس ہنر تمباکو مل سکے گا۔"

"جی نہیں وہ تو نہیں ہوگا۔ کارلٹن اور کیپسٹن ہیں۔" ویٹرس نے کہا۔

"کارلٹن تو ہلکا ہوتا ہے۔ خیر ایک ٹن کیپسٹن کا دے جاؤ۔"

"چھوٹا یا بڑا۔"

"چار اونس والا۔ لیکن ذرا....!" حمید ایک آنکھ دبا کر بولا۔ "خیر جاؤ۔"

ویٹرس مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

"تم نے شروع کر دیں اپنی حرکتیں۔" فریدی برا سا منہ بنا کر بولا۔

"کیسی حرکتیں! آپ تو خواہ مخواہ جان کو آجاتے ہیں۔" حمید نے بھنا کر کہا۔ "میں نے کسی رت سے بات کی اور آپ کے دماغ میں زلزلہ آیا۔ پھر کس سے کہتا۔ کیا یہاں کوئی مرد نوکر ہے۔"

"تم نے اسے آنکھ کیوں ماری تھی۔"

"پھر تو نہیں مارا تھا۔" حمید جھلا کر بولا۔ "اگر آنکھ مارنے سے اس کا پیٹ پھٹ گیا ہو تو میری دن اڑا دیجئے۔ بھلا بتایئے اب کوئی آنکھ بھی نہ مارے۔"

"تو گویا آنکھ مارنا کوئی بڑا فریضہ ہے۔"

"جی نہیں آپ کی طرف برہمچاری ہو جانے میں نروان ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

یہ بحث یہیں تک پہنچی تھی کہ ویٹرس تمباکو لے کر آگئی۔

"کیوں بھئی تمہارے چوٹ تو نہیں آئی۔" حمید نے اس سے سنجیدگی سے پوچھا اور فریدی ے گھورنے لگا۔

"چوٹ....!" وہ چونک کر بولی۔ "کیسی چوٹ۔"

"ہم سمجھے شاید تم زینے پر لڑکھڑائی تھیں۔" فریدی جلدی سے بولا۔

"جی نہیں.... نہیں تو۔"

"خیر ہمیں دھوکا ہوا ہوگا۔" فریدی نے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

حمید نے تمباکو کے دام ادا کئے اور ایک بار پھر اسے آنکھ مار کر رخصت کر دیا۔

"حمید تمہاری شامت تو نہیں آگئی۔" فریدی بگڑ کر بولا۔ "کم از کم میرے ساتھ رہ کر تم زاری ہوئی حرکتیں نہیں کر سکتے۔"

"بھلا اس میں گراوٹ کی کیا بات ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"میں سچ مچ تمہیں چانٹا ماردوں گا۔"

"یہ یقیناً ایک گری ہوئی حرکت ہوگی۔" حمید فلسفیانہ انداز میں بولا۔ "کیونکہ چانٹے سے چوٹ لگتی ہے۔ مہاتما گوتم بدھ کا ارشاد ہے کہ ارشاد احمد، ارشاد علی اور ارشاد حسن وغیرہ مسلمانوں کے نام ہوتے ہیں، ہندوؤں کے نام رام کھلاون.... رام....!"

"بکومت۔" فریدی نے جھنجھلا کر اس کا منہ دبادیا۔

"ہوں.... ہوں.... کہیں میک اپ نہ بگڑ جائے۔" حمید پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"خیر بیٹے گھبراؤ نہیں جلد ہی ساری چہک بند ہوجائے گی۔" فریدی بے بسی سے بولا۔

"کیا آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"نہیں عورتوں کی موجودگی میں تو تم خاصے تمیں مار خاں معلوم ہوتے ہو۔" فریدی زہر خند کے ساتھ کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید سنجیدگی سے بولا۔

"تو اب کیا پروگرام ہے۔"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔" فریدی سگار سلگا کر برفیلی چوٹیوں پر نظریں گاڑتا ہوا بولا "کام کس طرح شروع کیا جائے۔ یہ خود ایک اپنی جگہ پر بہت بڑا سوال ہے۔ ہمارے پاس فی الحال اس اطلاع کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ یہاں سے ناجائز برآمد ہوتی ہے۔"

"اور وہ بھی اس طرح کہ یہاں کا محکمہ سراغ رسانی بے دست وپا ہو کر رہ گیا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا تمہارے اس جملے میں کوئی خاص اشارہ پنہاں ہے۔"

"اوہ....!" حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ "یہ ایشیا کا معروف سراغ رساں مجھ سے پوچھ رہا ہے۔"

فریدی پُرخیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کہ شروعات اس ڈرائیور سے کی جا کیونکہ تمہاری آمد کا راز افشا ہوگیا تھا۔"

"جناب والا۔" حمید قدرے جھک کر بولا۔ "یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "شاید ابھی تک تمہارے ذہن پر لکڑ بھگوں

نقشے مسلط ہیں۔"

"کیوں؟"

"یہ سامنے کی بات صرف اندھے ہی ٹٹول سکتے ہیں۔" فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ "ڈرائیور کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہ ہوگا کہ تم پر کیا گذری۔ ایک احمق سے احمق آدمی یہ جانتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کہاں سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام کہاں ہوسکتا ہے۔ غالباً اتنی عقل تو وہ بھی رکھتا ہوگا کہ تمہیں اس ویران مقام پر تنہا چھوڑ دیا جانا خالی از علت نہیں لہٰذا ایسی صورت میں فوراً ہی حملہ کردیا جانا ڈرائیور کے سازش میں شریک ہونے کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔"

"اونہہ! ماریئے گولی۔" حمید اکتا کر بولا۔ "میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ یہاں خاصی تفریح رہے گی۔"

"خاصی۔" فریدی نے کہا اور اپنی نظریں اُفق پر گاڑدیں۔ "ٹیکم گڈھ واقعی دلچسپ جگہ ہے۔ مجھے افسوس ہے میں پہلے کبھی یہاں کیوں نہیں آیا۔ یہاں رہ کر آدمی تین مختلف تہذیبوں سے قریب ہوجاتا ہے۔ تین ملکوں کی سرحدیں یہاں سے شروع ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک ہمارا سونا ہڑپ کرتا رہتا ہے۔"

فریدی کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ بالکونی کے دوسرے کنارے پر قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔

"ہیلو کیپٹن یاور۔" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "آپ کہاں غائب ہوگئے تھے۔"

"اوہ.... مس رینوکا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آیئے آیئے! ذرا شکار کے لئے نکل گیا تھا۔"

حمید بھی کھڑا ہوگیا اس کے سامنے ایک انتہائی حسین عورت نیلے اسکرٹ میں کھڑی ہوئی تھی۔ عمر چھبیس ستائیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ بڑی بڑی آنکھیں نشیلی ضرور تھیں لیکن ان میں کی جگہ درندگی بھی چھپی ہوئی تھی۔ مسکراتے وقت گالوں پر ہلکے ہلکے گڑھے پڑجاتے تھے۔

"آپ میرے دوست کیپٹن جلیس ہیں۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔ "شکاری آدمی ہیں اور آپ مس رینوکا ایک بلندپایہ مصور۔ آپکی ایک تصویر اس سال پیرس کی بین الاقوامی نمائش میں جانے والی ہے۔"

"مجھے انتہائی مسرت ہوئی ہے آپ سے مل کر۔" حمید اس سے ہاتھ ملاتے وقت قدرے

جھک کر بولا۔

"مسٹر راحیل تو نہیں دکھائی دیئے۔" رینو کا نے فریدی سے پوچھا۔ "میں ان کی تلاش میں ہوں۔"

"میں نے انہیں کچھ دیر قبل تمباکو نوشی کے کمرے میں دیکھا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"معاف کیجئے گا میں مخل ہوئی۔" اس نے مسکرا کر سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور رینو کا حمید کے حواس خمسہ کو جھنجھوڑتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

"آپ کا جغرافیہ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"جتنا میں نے تمہیں بتایا ہے اس سے زیادہ میں خود نہیں جانتا۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"نہ جانے آپ کس پتھر کے بنے ہیں۔"

"ہٹاؤ ہٹاؤ۔" فریدی احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اس موضوع پر گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔"

"سورج غروب ہو چکا تھا افق میں پھیلے ہوئے رنگین لہریوں پر سیاہی غالب آتی جارہی تھی۔ فریدی تھوڑی دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

"دگراج کے درے پر ایک فوجی دستہ تعینات ہے اور وہاں ایک پولیس چوکی بھی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور مناسب راستہ بھی نہیں ہے۔"

"یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں اپنا خیال نہیں ظاہر کر رہا ہوں۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کی رپورٹ ہے۔"

"تو آپ کب تک اس رپورٹ کو پیٹتے رہیئے گا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"جب تک کوئی خاص کڑی میرے ہاتھ نہ آجائے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

فریدی اسے گھورنے لگا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ حمید نے لااُبالی پن کے ساتھ اپنے شانوں کو جنبش دی اور نیچے چلا گیا۔ ڈائننگ ہال میں برتن کھنک رہے تھے اس کی نظریں بے شمار سروں پر سے پھسلتی ہوئی اس عورت پر جاکر رک گئیں جس سے فریدی نے تھوڑی دیر قبل تعارف کرایا تھا۔ وہ ایک ایکٹر قسم کے آدمی کے ساتھ بیئر پی رہی تھی۔ پھر حمید کو وہ لڑکی دکھائی دی جس سے اس نے تمباکو منگوایا تھا۔

حمید اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے ہی جارہا تھا کہ دفعتاً باہر شور سنائی دیا۔ دو تین آدمی بھاگ کر اندر آئے ان میں ہوٹل کا چوکیدار بھی تھا۔

"ایک نئی آفت۔" چوکیدار نے منیجر کے کمرے کی طرف بھاگتے ہوئے کسی سے کہا۔

ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کچھ تو گھبراہٹ میں کھڑے ہوگئے۔

اور پھر چند لمحے بعد منیجر اپنے کمرے سے نکل کر تیزی سے اوپری منزل کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ بقیہ لوگ کھڑکیوں اور دروازوں کے قریب اکٹھا ہو رہے تھے۔

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں انہیں میں شامل ہو گیا۔ لوگوں کی نظریں مغربی افق پر جمی ہوئی تھیں۔ جہاں پہاڑی سلسلوں کے پیچھے سے ایک تیز قسم کی نیلی روشنی پھوٹ رہی تھی اور پہاڑوں پر چھوٹے چھوٹے سیاہ دھبے رینگتے معلوم ہو رہے تھے۔

"دروازے اور کھڑکیاں بند کرو۔" بار ٹنڈر کاؤنٹر پر سے چیخا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے قریب کھڑے ہوئے آدمی سے پوچھا۔

"خبر نہیں صاحب، میں بھی یہاں اجنبی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

باہر بدستور شور جاری تھا۔ شاید یہ نیچے آبادی کا شور تھا۔ حمید تیزی سے اوپری منزل کے زینے طے کرنے لگا۔

اوپر بالکونی میں مجمع بڑھ گیا تھا۔ منیجر چیخ چیخ کر لوگوں سے اندر چلے جانے کی درخواست کر رہا تھا۔

"آخر یہ ہے کیا۔" کئی آدمیوں نے بیک وقت پوچھا۔

"میں بتاؤں گا.... لیکن آپ لوگ اندر تو چلیئے۔ ورنہ میں کسی کی موت کا ذمہ دار نہ ہوں گا۔"

لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے پھر کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ اس نیلے ہیجان اور موت سے کیا تعلق۔ روشنی لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جارہی تھی اور اب تو قریب کے درختوں اور ہوٹل کی دیواروں پر بھی اس کی جھلکیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔ دفعتاً فریدی نے حمید کا شانہ دبا کر اسے منیجر کے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ سب نیچے ڈائننگ ہال میں جمع ہوگئے جو لوگ پہلے ہی سے نیچے تھے ان کے چہروں پر خوف

کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ شائد انہیں پہلے ہی کچھ معلوم ہو گیا تھا۔

منیجر کاؤنٹر کے قریب رک کر مجمع پر نظریں دوڑاتا ہوا اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

"کچھ بولو بھی۔" مجمع سے کسی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"حضرات!" منیجر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ آج بھی کوئی حادثہ ضرور پیش آئے گا.... ہو سکتا ہے کہ میرا.... میرا ہی نہیں بلکہ پورے ٹیکم گڈھ کی آبادی کا اندیشہ بے بنیاد ہو لیکن احتیاط شرط ہے۔"

"عجیب آدمی ہو.... صاف صاف کہو۔" کسی نے چیخ کر کہا۔

"آج سے چھ ماہ قبل اس طرح سے چنگاریاں اڑتی دکھائی دی تھیں اور کئی بہت بڑے بڑے شعلے ٹیکم گڈھ کی آبادی میں آگرے تھے جس سے کافی نقصان ہوا تھا اور کئی جانیں بھی ضائع ہوئی تھیں۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ سرحد پار کے ایک ملک کے سائنسدانوں نے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ کیا تھا آپ نے بھی اخبارات میں اس کے متعلق پڑھا ہوگا۔"

"احتیاط کی دم۔" کوئی شرابی نشے میں بڑبڑایا۔ "احتیاط کی ماں کی ناک۔"

"آپ لوگ اس وقت براہِ کرم باہر نہ نکلیں۔" منیجر پھر بولا۔ "جب تک یہ ہیجان فرو نہ ہو جائے۔"

پورے ہال میں عجیب طرح کی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ شرابی کی آواز ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔

"ہیجان.... سالا.... قیامت تک فرو نہ ہوگا۔" وہ جھومتا ہوا اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

"مسٹر میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔" منیجر تیز لہجے میں بولا۔

"استدعا کی....!" وہ پلٹ پڑا۔ "استدعا کے بچے بتاؤ میری جان.... استدعا.... الگ.... دعا الگ.... تم دعا کرو اور میں اپنے کمرے میں جا کر استدعا کرتا ہوں۔ داہنا ہاتھ سلامت ہے تو کیا پرواہ ہے۔"

وہ بے ڈھنگے پن سے گاتا ہوا تمباکو نوشی کے کمرے میں چلا گیا۔

"یہ کیا معاملہ ہے؟" حمید نے آہستہ سے فریدی سے پوچھا۔

"خبر نہیں.... لیکن چیز دلچسپ ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"آخر ہم کب تک بند رہیں گے۔" کسی نے منیجر سے پوچھا۔

"جب تک وہ روشنی ختم نہ ہو جائے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ احتیاط ضروری ہے۔"

"احتیاط کی ماں کی ناک۔" تمباکو نوشی کے کمرے سے شرابی کی آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد آسمان پھر پہلے کی طرح صاف ہو گیا اور تمام دروازے کھول دیئے گئے۔ قرب وجوار میں کہیں کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا۔

فریدی بہت زیادہ خاموش نظر آرہا تھا۔ اس نے اس کے متعلق کسی سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی۔ حمید اسکے اس رویے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اس کی دانست میں یہ حیرت کی بات تھی ایسی عجیب و غریب بات سامنے آئے اور فریدی خاموش رہ جائے۔ یہ اس کی فطرت کے سراسر خلاف تھا۔

وہ دونوں کھانا کھا چکنے کے بعد پھر بالکونی میں آبیٹھے لیکن اس وقت وہ یہاں تنہا نہیں تھے۔ البتہ فریدی نے ایک ایسی جگہ منتخب کی تھی جو سب سے الگ تھلگ تھی۔

"آخر یہ کیا تھا؟" حمید نے پھر پوچھا۔

"اماں رہا ہوگا کوئی ڈھونگ۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

"ڈھونگ تو میں اس وقت سمجھتا۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "جب لوگ اُسے کوئی مافوق الفطرت چیز سمجھنے پر مصر ہوتے۔"

"ہوگا کچھ۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ اس کے لہجے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ حمید کی نظریں انہیں پہاڑوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ جدھر کچھ دیر قبل نیلی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ دفعتاً پھر نیلی روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا اور لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اسی طرح تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کئی بار جھماکے ہوئے اور پھر ساری پہاڑیاں نیلی روشنی سے نہا گئیں لوگ پھر اٹھ اٹھ کر اندر کی طرف بھاگنے لگے۔ فریدی اور حمید نے بھی ان کی تقلید کی۔ لیکن نیچے ہال میں پہنچ کر حمید نے محسوس کیا کہ فریدی اس کے ساتھ نہیں ہے اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

ہال کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ کھڑکیاں بھی بند تھیں اور لوگ سہمے بیٹھے تھے۔ حمید نے رینو کا کو دیکھا جس کی آنکھیں نشے میں ڈوبی ہوئی تھیں اور وہ بار بار اپنے ساتھی کے شانے پر سر رکھ دیتی تھی۔ حمید اس طرح منہ بنانے لگا جیسے نادانستگی میں کوئی کڑوی کسیلی چیز کھالی ہو۔ قریب تھا کہ اس کا دماغ بہک جائے اسے یاد آیا کہ فریدی موجود نہیں۔ اس نے پھر ادھر

اُدھر نظریں دوڑائیں۔ یک بیک اُسے کچھ خیال آیا اور وہ اس کمرے کی طرف لپکا جس میں وہ دونوں مقیم تھے۔ کمرہ بھی خالی ملا۔

تھوڑی دیر میں اس نے پوری عمارت چھان ماری لیکن فریدی نہ ملا۔ آخر وہ پھر تھک ہار کر ڈائننگ ہال میں آبیٹھا۔ روشنی اب اتنی تیز ہوگئی تھی کہ دروازوں اور کھڑکیوں کی درزوں سے دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن اب خوف کے پہلے سے آثار نظر نہیں آرہے تھے لوگ شراب یا کافی پر ٹوٹ پڑے تھے۔

رینو کا اپنی میز پر تنہا تھی اس کی نشے سے بوجھل پلکیں جھکی جارہی تھیں کبھی کبھی وہ آنکھیں پھاڑ کر صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ دفعتاً وہ اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

"ارے! ارے۔" کئی آوازیں سنائی دیں اور کچھ لوگ دروازے کی طرف لپکے۔ حمید بھی ان کے پیچھے تھا۔ رینو کا کا ساتھی اُسے اندر کھینچ لایا۔ وہ نشے میں نہ جانے کیا کیا بک رہی تھی۔ پھر نیلی روشنی کے درمیان سے ایک ہوائی سی چھوٹی اور فضا میں چنگاریاں بکھیرتی ہوئی ہوٹل کی عمارت سے گذر گئی اس کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ کہیں دور شور سنائی دیا اور پھر خاموشی چھاگئی۔

سفید حادثہ

حمید رات بھر جاگتا رہا۔ فریدی نہ جانے کہاں غائب ہوگیا تھا۔ اگر حمید ٹیکم گڈھ میں نووارد نہ ہوتا تو شاید کبھی کا فریدی کی تلاش میں نکل گیا ہوتا۔ نہ جانے کیوں اس کے ذہن پر ایک عجیب قسم کا خوف مسلط تھا، جسے موت کا خوف نہیں کہا جاسکتا۔ یونہی بس بے نام سا ایک خوف۔ آبادی سے کسی حادثے کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ ہوائی آبادی میں نہیں گری تھی۔ بلکہ اسے کسی۔ گرتے ہی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سیدھی مغرب سے مشرق کی طرف چلی گئی تھی۔

تقریباً چار بجے فریدی آیا اس نے اپنا کوٹ اتار کر کاندھے پر ڈال رکھا تھا اور ٹائی کی گرہ سینے پر جھول رہی تھی۔ بال پریشان تھے۔ گھٹنوں پر پتلون میلی ہورہی تھی اس پر گھاس کے ہرے۔ ہرے دھبے بھی تھے۔

اس نے آتے ہی کوٹ ایک طرف اچھال دیا اور خود آرام کرسی پر گر کر ہانپنے لگا۔

"اس حلئے میں آپ صدر دروازے میں داخل ہوئے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں پچھلی دیوار پھلانگ کر یہاں تک پہنچا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن جلدی کرو۔ میرا سلیپنگ سوٹ کہاں ہے۔"

اس نے جلدی جلدی کپڑے اتار کر سلیپنگ سوٹ پہن لیا اور اتارے ہوئے کپڑے ایک تولئے میں باندھ کر باہر نکل گیا جب وہ چند لمحوں کے بعد واپس آیا تو خالی ہاتھ تھا۔

"چلو! لیٹ جاؤ.... بستر پر اور سونے کی کوشش کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا اور اپنے بستر پر دراز ہوگیا۔

"آخر کیا بات ہے۔"

"چپ چپ! ملٹری کے کچھ سپاہی میرے تعاقب میں ہیں۔ ممکن ہے یہاں کی تلاشی لی جائے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ....!" حمید معنی خیز نظروں سے سر ہلا کر بولا۔ "لیکن کپڑے کہاں چھپائے۔"

"نالے میں.... وہ اب تک کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہوں گے۔"

دونوں خاموش ہوگئے۔ چند ہی ثانیے بعد دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لکڑی کی عمارت بھاری بھرکم جوتوں کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ حمید آنکھیں ملنے لگا تاکہ اگر اس کمرے کی بھی تلاشی ہو تو آنے والے یہی سمجھیں کہ وہ اچانک جاگا ہے۔

تھوڑی دیر بعد کسی نے ان کا دروازہ بھی پیٹا۔ حمید چپ چاپ دم سادھے لیٹا رہا۔ دروازہ بدستور پیٹا جارہا تھا۔

"کون ہے؟" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ پھر بڑبڑاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ "کیا بیہودگی ہے۔ میں نے اتنا ذلیل ہوٹل آج تک نہیں دیکھا۔"

پھر اس نے بجلی جلادی۔ حمید بھی اٹھ بیٹھا تھا۔ فریدی نے دروازہ کھول دیا ایک لیفٹیننٹ دو سپاہیوں کے ساتھ اندر گھس آیا اس نے فریدی اور حمید کو گھور کر دیکھا! پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"اس کا مطلب....!" فریدی گرج کر بولا۔

"شور مت مچاؤ! ہمیں ایک مشتبہ آدمی کی تلاش ہے۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔

"گٹ آؤٹ۔" فریدی حلق کے بل چیخا۔ "ورنہ ٹھوکر مار نکال دوں گا۔ تمہارے جیسے سیکنڈ

لیفٹیننٹ میرے بوٹ صاف کرتے ہیں۔"

"شٹ اَپ۔" لیفٹیننٹ گرجا۔

اتنے میں ہوٹل کا منیجر بھی آ گیا۔

"اوہ کیپٹن صاحب۔" وہ فریدی کی طرف منہ کر کے بولا۔ "بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک مشتبہ آدمی کو ہوٹل کی دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔"

"اور اب وہ مشتبہ آدمی ہماری جیبوں میں آ چھپا ہے۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں نے اتنا ذلیل ہوٹل آج تک نہیں دیکھا اور لیفٹیننٹ صاحب یہ آپ کس کے حکم سے شریف آدمیوں کے دروازے پیٹتے پھر رہے ہیں۔ یہ جنگ کا زمانہ نہیں ہے اور پھر آپ کو تلاشی لینے کا حق کب پہنچتا ہے۔ وارنٹ ہے آپ کے پاس۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" لیفٹیننٹ کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "میں ابھی تمہارے یونٹ کمانڈر کو فون کرتا ہوں۔ غالباً تم وگراج کے درے والے دستے سے تعلق رکھتے ہو۔"

"بات تو سنئے۔"

"اگر تمہیں کوئی مشتبہ آدمی دکھائی دیا تھا تو تمہیں ہوٹل کا محاصرہ کرنے کے بعد مقامی پولیس کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔ تم کس طرح گھس پڑے۔ کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ۔"

"چار....!"

"بقیہ دو کہاں ہیں۔"

"دوسرے کمروں میں تلاشی لے رہے ہیں۔"

"اور دروازہ خالی ہے! بہت اچھے! کیا کارگزاریاں ہیں۔ لیجئے جناب یہ کمرہ بھی حاضر ہے۔"

وہ تینوں اِدھر اُدھر دیکھ کر جانے لگے۔

"ٹھہریئے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ کو شبہ ہے کہ وہ اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا مستقل طور پر یہاں رہتا ہے۔"

"ہاں! ورنہ وہ یہاں گھسنے کی ہمت ہی نہ کرتا۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اس کی شکل دیکھی تھی۔"

"نہیں۔"

"دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔"

"ہاں....!"

"تو پھر فائر کیوں نہیں کیا۔"

لیفٹیننٹ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کس بات کا شبہ تھا اس پر۔"

"اس سے آپ کو کیا سروکار۔" لیفٹیننٹ نے جھلا کر کہا اور باہر نکل گیا۔

فریدی نے دروازہ بند کرتے وقت پلٹ کر حمید کو آنکھ ماری.... اور شرارت آمیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"یہ کیا دھما چوکڑی تھی۔"

"چھوڑو یار۔ خواہ مخواہ ایک سوٹ ضائع ہو گیا۔ میں اسے اتنا ڈیوٹ نہیں سمجھتا تھا۔"

"لیکن یہ لوگ کس طرح اور کہاں سے آپ کے پیچھے لگ گئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہ پوچھو۔" فریدی بیٹھ کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "بہر حال یہ سوچنا فضول ہے کہ سرحد کے نگہبان غافل رہتے ہیں۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"یار تم بعض اوقات بھیجا چاٹ جاتے ہو۔ میں وگراج کے درے کی طرف نکل گیا تھا۔ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ نگہبان کس موڈ میں ہیں۔ تم نے ابھی وہ جگہ نہیں دیکھی۔ کچھ ایسی الٹی سیدھی چٹانیں ہیں کہ پوری پلٹن ان کی اوٹ لیتی ہوئی سرحد پار کر جائے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ لیکن اس وقت دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نگہبانوں کی عقابی آنکھوں سے ایک آدمی بھی چھپ نہیں سکتا۔ نہ جانے انہوں نے کب مجھے دیکھ لیا۔"

"پھر....!" حمید بے چینی سے بولا۔

"پھر کیا" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم خود سوچ سکتے ہو کہ ہمارا سوٹا کس طرح سرحد پار کرتا ہے۔"

"ایسی حالت میں تو واقعی تعجب خیز ہے۔"

"خیر.... خیر چھوڑو۔ اس بار بڑا لطف رہے گا۔" فریدی بستر پر لیٹ کر چادر کھینچتا ہوا بولا۔

"پانچ بج رہے ہیں کچھ نہ کچھ تو سونا ہی چاہئے۔"

حمید الجھن میں ضرور مبتلا ہو گیا تھا۔ لیکن نیند کے بوجھ سے دبے ہوئے مضمحل دماغ نے کسی قسم کی خلش گوارا نہ کی اور بہت جلد بے خبر ہو گیا۔

اور پھر جب وہ فریدی کے جھنجھوڑنے پر اٹھا تو میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس نو بجا رہی تھی۔

"نو ہی تو بجے ہیں ابھی۔" حمید دوبارہ لیٹتا ہوا بولا۔

"تو اٹھارہ تو کبھی نہیں بجیں گے۔" فریدی نے اسے سیدھا کر دیا۔

حمید اپنی بند ہوتی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے گھورنے کی کوشش کرنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ مجھے قبر سے بھی اکھاڑ لائیں گے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"بشرطیکہ تمہاری لاش پوسٹ مارٹم کے بغیر دفن کر دی گئی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"وہ رہا تولیہ.... اور غسل خانہ ادھر ہے جلدی کرو ورنہ قبل از وقت بوڑھا کر دوں گا۔ اس وقت میرا موڈ بہت خراب ہے۔"

حمید اسے گھورتا ہوا پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"ایک حیرت انگیز خبر ہے۔ حمید صاحب! انتہائی حیرت انگیز۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔

حمید اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

"وگراج گھاٹ پر اُسی مقام پر ایک لاش پائی گئی ہے جہاں کل رات کو میں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"بڑی حیرت انگیز خبر ہے۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ "یہ لاش کیا چیز ہوتی ہے فریدی صاحب؟"

"اگر سیدھی سادھی لاش ہوتی تو میں تمہیں طنز کرنے کا موقع نہ دیتا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ جو مرنے سے قبل چھبیس یا ستائیس سال کا تھا مرنے کے بعد اسی سال سے کم معلوم نہیں ہوتا۔"

حمید متحیرانہ انداز میں فریدی کو دیکھنے لگا۔

"یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کا سرجنٹ رمیش جس کی عمر ستائیس برس سے زیادہ نہیں تھی۔" فریدی پھر بولا۔

"تو پھر....!"

"مرنے کے بعد اس کے جسم کے روئیں تک سفید ہو گئے ہیں۔ حد یہ کہ پلکوں کے بال بھی۔"

"مرا کس طرح۔"

"یہ ابھی تک پردہ راز ہی میں ہے۔"

"آپ لاش دیکھ آئے ہیں۔"

"نہیں۔"

"تب تو یہ ایک شاندار غپ معلوم ہوتی ہے۔" حمید تولیہ کاندھے پر ڈال کر اٹھتا ہوا بولا۔

"میں نے بھی پہلے اسے غپ ہی سمجھا تھا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن ابھی نصرت صاحب نے بھی مجھے فون پر اس کی اطلاع دی ہے۔"

"نصرت صاحب۔"

"ہاں ہاں.... یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ۔"

"تب تو واقعی حیرت ہے۔"

"ہم وہیں چل رہے ہیں جلدی کرو۔"

دس بجے وہ دونوں کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئے کوتوالی کے سامنے اتنی بھیڑ تھی کہ ٹریفک رک گیا تھا۔ وہ دونوں کسی نہ کسی طرح پھاٹک تک پہنچے یہاں پہرے داروں نے انہیں روکا۔

پہرے دار اس کے اشارے پر ایک طرف ہٹ گیا اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔

اندر بھی خاصی بھیڑ تھی۔ دو ایک آفیسروں نے انہیں گھور کر دیکھا۔ لیکن محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت انہیں دیکھ کر ان کی طرف بڑھا۔

"ہیلو کیپٹن یاور....!" اس نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ غالباً اس عجیب و غریب حادثے کی خبر آپ کو یہاں کھینچ لائی ہے۔ آپ کی تعریف۔"

"میرے دوست کیپٹن جلیس۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "میں لاش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کیپٹن یاور سول اینڈ ملٹری گزٹ کے نمائندے ہیں۔" میجر نصرت نے ڈی۔ ایس۔ پی ٹی سے کہا جو قریب ہی کھڑا فریدی کو گھور رہا تھا۔

"اوہ....!" وہ فریدی سے ہاتھ ملا کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

پھر وہ اس کمرے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں لاش رکھی ہوئی تھی۔

لاش پر سے چادر ہٹتے ہی حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چہرہ واقعی جوانوں کا
مگر سر کے بال۔ بھوئیں پلکیں سب سفید برف کے گالوں کی طرح بے داغ۔ کمرے میں ان تی
کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ فریدی غور سے لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا اس
مرنے والے کا داہنا ہاتھ اٹھا کر کچھ دیکھا۔ پھر بے چینی سے اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"ایک محدب شیشہ چاہیئے۔" اس نے نصرت سے کہا۔

"محدب شیشہ.... اچھا۔" میجر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "مگر میرا ہینڈ بیگ
یہیں ہوگا۔"

وہ پھر لوٹ پڑا اور چھوٹی سی میز پر رکھا ہوا ایک ہینڈ بیگ کھولنے لگا۔

"ویسے آپ کا کیا خیال ہے؟ اس کیس کے متعلق۔!" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"بھئی میں نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا۔ بعض ضعیف الاعتقاد اسے کوئی شیطانی حرکت
ہیں۔ رات والی نیلی روشنی..... آپ کو اس کا حال معلوم ہوا؟ غالباً آپ نے بھی دیکھی ہو گ

"مجھے معلوم ہے! لوگوں کے خیال کے مطابق وہ ہمسایہ ملک کے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ

"چنگاریوں کی وہ بوچھاڑ بھی دیکھی تھی آپ نے جس کا رخ مشرق کی طرف تھا۔"
نصرت نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کا رخ وگراج کے درے ہی کی طرف تھا۔"

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رمیش اُس حربے کا شکار ہو گیا ہے۔" میجر نصرت بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر کی کیا رائے ہے؟"

"صحیح حال تو پوسٹ مارٹم کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ ویسے سول سرجن کی رپورٹ کے
موت اچانک دورانِ خون بند ہو جانے سے واقع ہوئی ہے۔"

"اور بالوں کی سفیدی؟"

"اس بارے میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہوگا۔"

"ہوں....!" فریدی دوبارہ لاش پر جھکتا ہوا بولا۔ "شیشہ"

میجر نصرت نے محدب شیشہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ فریدی لاش کے داہنے

یوں کو محدب شیشے کی مدد سے دیکھنے لگا۔

دفعتاً حمید نے اس کے چہرے پر آسودگی کے آثار دیکھے پھر فریدی نے اپنے ہونٹ سکوڑے
پُر خیال انداز میں سیدھا کھڑا ہو گیا اور میجر نصرت کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"پوسٹ مارٹم کی صحیح رپورٹ کا علم صرف آپ اور سول سرجن تک محدود رہنا چاہیئے۔"
یدی نے کہا۔

"کیوں....؟" میجر نصرت چونک کر بولا۔

"رمیش ڈیوٹی پر ہی تھا نا۔"

"ہاں....!"

"وگراج کے درے پر....!"

"ہاں.... ہاں!"

"تو ایسی صورت میں اس کی موت کا تعلق ان واقعات سے بھی ہو سکتا ہے جن کے سلسلے میں
یہاں طلب کیا گیا ہوں۔" فریدی نے محدب شیشہ میجر نصرت کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ....! مگر....!"

"آپ اس کے متعلق سول سرجن کو پہلے ہی سے بتا دیجئے! باقاعدہ طور پر آپ کو جو رپورٹ
لے وہ گول مول قسم کی ہونی چاہیئے۔ مثلاً یہ کہ موت پُر اسرار طریقے پر ہوئی یا اچانک دورانِ
ن بند ہو جانے کی بناء پر ہوئی یا کوئی اور بات بہر حال حقیقت چھپانی ہے۔"

بوڑھی لاش کا راز

بوڑھا میجر نصرت تحیر آمیز انداز میں فریدی کو گھور رہا تھا اور فریدی لاش پر پھر جھک گیا تھا۔
نے اس کے سارے جسم کے کپڑے الگ کر دیئے تھے اور غور سے ایک ایک حصے کو دیکھ رہا
ھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اس پر چادر ڈال دی۔

"کیا آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہیں۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"جی ہاں! ایک نہایت معمولی بات ہے! آپ ان انگلیوں پر یہ نشان دیکھ رہے ہیں۔" فریدی

نے متوفی کا داہنا ہاتھ چادر سے نکالتے ہوئے کہا۔

میجر نصرت نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا۔

"یہ کسی چیز کے جلنے کے ہیں۔"

"قطعی.... لیکن۔"

"ٹھہریئے۔" فریدی نے پھر اس کے ہاتھ سے محدب شیشہ لے لیا اور انگلیوں کو دیکھنے لگ
"ذرا ادھر آیئے اور دیکھئے۔"

میجر نصرت محدب شیشے پر جھک گیا۔ فریدی بولتا رہا۔ "نشان جلنے ہی کا ہے اور بُری طر جلنے کا۔ لیکن کیا یہ آگ سے جلا ہے؟"

"ظاہر ہے۔" میجر نصرت سر ہلا کر بولا۔ "یہی وجہ ہے کہ نیلی روشنی۔"

"نیلی روشنی کو فی الحال الگ ہی رکھئے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ چنگاریاں بکھیر ہوئی ممکن ہے جلا سکتی ہو۔ لیکن کسی جوان کو بوڑھا نہیں کر سکتی۔"

"پھر! تو کیا یہ داغ ہی بالوں کی سفیدی کی وجہ ہیں۔" میجر نصرت نے حیرت سے کہا۔

"میرا تو یہی خیال ہے۔"

"اگر آگ نہیں تو پھر کس چیز کے ہو سکتے ہیں۔"

"ریڈیم۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ریڈیم۔"

"جی ہاں! اس سے متاثر شدہ کوئی اور دھات۔ ہیجان اور سنسنی پھیلانے کا ایک طریقہ۔"

میجر نصرت فریدی کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس کی باتوں پر یقین نہ آیا ہو۔

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی سب کچھ بتا دے گی۔ ڈاکٹر کی توجہ ان داغوں کی طرف خا طور سے مبذول کروایئے گا۔ لیکن راز داری ضروری ہے۔ حقیقت صرف ہم چاروں تک محدود رہنی چاہئے۔ ہم ایک بہت خطرناک گروہ سے دوچار ہیں جس میں دہشت پسندوں کے کچھ بہترین دماغ بھی موجود ہیں۔ یہ میرے ساتھی سرجنٹ حمید ہیں۔ آپ نے انہیں ان پوشیدہ طور پر بلوایا تھا لیکن پھر بھی ان پر حملہ کیا گیا۔"

"کب اور کس طرح۔" میجر نصرت چونک کر بولا۔

فریدی نے سارے واقعات مختصر الفاظ میں دہرا دیئے۔

"حیرت انگیز! انتہائی تعجب خیز۔" میجر نصرت آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ڈرائیور حقیقتاً ڈرائیور نہیں تھا۔ وہ میرے محکمے کا ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہے۔"

"معاف کیجئے گا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں خاص طور سے اُس کے متعلق نہیں کہہ رہا ہوں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ محکمہ میں کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہے جو اس گروہ سے بھی تعلق رکھتا ہے۔"

"میں بُرا نہیں مانتا۔" میجر نصرت نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہمارے ناکارہ پن کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ باہر سے مدد لینی پڑی۔"

"دیکھئے آپ پھر غلط سمجھے۔" فریدی نے کہا۔ "میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں اور آپ مجھ سے زیادہ جہاندیدہ ہیں۔ باہر سے آپ کو محض اس لئے مدد لینی پڑی ہے کہ آپ کے محکمے کے راز ظاہر ہو جاتے ہیں۔ بھلا اس میں ناکارہ پن کو کیا دخل! خیر آیئے میں زیادہ دیر تک یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے لئے میں کب آپ کو فون کروں۔ مگر نہیں.... یہ بات فون پر بھی نہ ہونی چاہئے۔ خیر میں خود ہی کسی نہ کسی طرح آپ سے مل لوں گا۔"

کوتوالی سے واپسی پر حمید نے فریدی کو چھیڑا۔

"آپ واقعی اس قابل ہیں کہ آپ کو کسی فریم میں لگا کر کسی زیارت گاہ میں رکھ دیا جائے۔"

"کیوں؟"

"آج سے پہلے مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سائنٹسٹ بھی ہیں۔"

"سائنٹسٹ وائنٹسٹ کچھ خاک بھی نہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "البتہ میرے ذہن کی تربیت خاص اصولوں کے تحت ہوئی ہے۔"

"ذرا وہ اصول بھی بتا دیجئے۔"

"ختم بھی کرو۔ اس وقت میرا دماغ بہت الجھا ہوا ہے۔"

"صرف اتنی سی بات اور بتا دیجئے کہ آپ کا اندازہ غلط ثابت ہوا تو۔"

"تو میں سمجھوں گا کہ ٹی۔ ایس۔ اسٹرلنگ جاہل اور نکما ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اس کے ایک سائنس فکشن میں اس قسم کا ایک کیس پڑھا تھا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "اگر آپ نے بہرام کی خالہ کی ناک پڑھی ہوتی تو بہتر تھا۔"

"خیر چھوڑو! یہ بتاؤ کہ عام حالات میں قدرتی طور پر کیوں بال سفید ہو جاتے ہیں۔"

"بڑھاپے کی وجہ سے۔" حمید تڑ سے بولا۔

"بڑھاپا کیسے آتا ہے؟"

"اللہ کے حکم سے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ نہ جانے کیوں اس وقت خشک قسم کی باتوں سے کترانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم دھکے کیوں کھا رہے ہو۔" فریدی جھنجلا کر بولا۔

"آپ کی عنایت اور اپنی شامت سے۔"

"تمہارے دونوں کان اکھاڑ کر منہ میں رکھ دوں گا۔"

"اچھا ہے بڑھاپے میں عینک کے دام بچیں گے۔"

"ارے حمید کے بچے۔"

"غلط سنا ہے آپ نے والد صاحب کا نام وحید ہے۔"

"شٹ اپ....!"

"فاسفورس اور ریڈیم میں کیا فرق ہوتا ہے۔" حمید نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔

"وہی جو تم میں اور گدھے میں ہے۔"

"عزت افزائی آپ کی۔" حمید رکتا ہوا بولا۔ فریدی بھی رک کر اسے گھورنے لگا۔

"اب کیا مطلب ہے۔"

"میں اس فرق کو اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"حمید فضول باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"خود میری بھی یہی کیفیت ہے۔"

"تو جاؤ جہنم میں۔" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے فرق سمجھ میں آ گیا۔" حمید پھر چلنے لگا۔ "کوئی گدھے والا کسی اڑیل گدھے کو جہنم کے سپرد کر کے آگے نہیں بڑھ جایا کرتا.... یعنی میں گدھے سے بھی بدتر ہوں.... یعنی.... یہ کہ آپ....!"

"یار خدا کے لئے چپ رہو۔"

"اب آئے ہیں راہ پر.... چلئے چپ ہو گیا۔"

وہ دونوں بازار سے گذر رہے تھے۔ یہاں بڑی بڑی اور شاندار عمارتیں نہیں تھیں۔ زیادہ تر لکڑی کی ہی عمارتیں نظر آ رہی تھیں لیکن ان میں بھدی ایک بھی نہ تھی۔ طرح طرح کے رنگ و روغن استعمال کر کے انہیں خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک جگہ لکڑی ہی کا ایک کلاک ٹاور بھی دکھائی دیا، جو زیادہ بلند نہیں تھا۔ لیکن اس پر اتنی نفیس نقاشی کی گئی تھی کہ تصویر معلوم ہو رہا تھا۔

"آخر یہاں کے لوگوں کو لکڑی سے کیوں اتنی محبت ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوں!" فریدی چونک کر بولا۔ "لکڑی.... بات دراصل یہ ہے کہ یہاں آئے دن زلزلے آتے رہتے ہیں۔"

"خدا کرے ہمارے دوران قیام میں بھی آئے۔"

"کیوں....؟"

"میں نے آج تک زلزلہ نہیں دیکھا۔"

"کیوں بیٹے کیا اس بھیانک جزیرے کا زلزلہ بھول گئے؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ لیکن پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر حمید کو گھورنے لگا۔ "تم پھر بولنے لگے۔"

"بس ایک آخری بات اور....!" حمید ایک ریستوران کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ "مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

حقیقت تو یہ تھی کہ اُس ریستوران میں حمید کو ایک جانی پہچانی صورت نظر آئی تھی یہ رینو کا تھی اور ایک میز پر تنہا بیٹھی غالباً لنچ کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ مینو اس کے ہاتھوں میں تھا۔ فریدی چپ چاپ ریستوران میں داخل ہو گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب حمید کے لگام لگنی مشکل ہے۔

"اوہ کیپٹن یاور!" رینو کا انہیں دیکھ کر مسکرائی۔ "اس طرف یہیں اس میز پر آئیے! میں ب سے آپ کی تلاش میں تھی۔"

فریدی طوہاً و کرہاً اُسی میز کی طرف بڑھا۔ حمید اُس سے دو قدم آگے تھا۔

کھانے کے دوران میں اس حیرت انگیز لاش کے متعلق گفتگو شروع ہو گئی۔

"مجھے تو یقین نہیں آتا۔" رینو کا بولی۔ "لوگ عموماً رائی کے پہاڑ بنایا کرتے ہیں۔"

"میں خود دیکھ کر آرہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ کوتوالی میں اس وقت داخلہ بند ہے۔"

"اخباری نمائندوں پر کوئی پابندی نہیں۔" فریدی نے کھاتے کھاتے سر اٹھا کر کہا۔ "آپ کے بعد چائے پیتی ہیں یا کافی؟"

"کافی! لیکن بڑی حیرت کی بات ہے اگر آپ دیکھ کر نہ آئے ہوتے تو میں کبھی یقین نہ کرتی۔"

"اور میں واقعی اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا ایک غلط راستے پر نکل آئی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"ہمارے آباؤ اجداد احمق نہیں تھے۔" فریدی لنچ ختم کر کے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا بولا۔ "انہوں نے یقیناً روحیں دیکھی ہوں گی بدارواح کے متعلق ان کا خیال غلط نہیں تھا۔"

"چچ چچ...." رینو کا نے بُرا سا منہ بنایا۔ "میں آپ کو بہت روشن خیال سمجھی تھی۔"

"روشن خیالی اپنی جگہ اور ایسے حقائق اپنی جگہ جن سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ پھر بیرے کو کافی کا آرڈر دے کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں نے وہ لاش اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی ہوتی تو ا حادثے کو محض ایک شاندار غپ سمجھتا۔ مگر ایسی صورت میں میری روشن خیالی کس طرح برق رہ سکتی ہے۔"

"تو آپ بدارواح کو کیوں درمیان میں لاتے ہیں۔" رینو کا نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ رات والی نیلی روشنی کا شکار ہوا ہو۔"

"بس ایک آدمی! اگر ایسا ہوتا تو دو چار اور بھی شکار ہوتے۔"

"مس رینو کا۔" حمید میز پر جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "آپ یاور کو قائل نہیں کر سکتیں۔

کہ وہ ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہے۔"

"یعنی....!" رینو کا مسکرا کر بولی۔

"وہ عورت اسے گوشت پوست میں چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے۔ دوسرے اس کے دیدار سے محروم رہتے ہیں اور یہ اس سے گھنٹوں باتیں کیا کرتا ہے۔"

فریدی ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ اس نے حمید کی اس بکواس کی تردید نہیں کی! اس کا رویہ دیکھ کر حمید اور بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"جب یہ دس سال کا تھا...." حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "اس وقت وہ جوان تھی۔ ایک دن اپنی چھت سے گر کر مر گئی۔ تبھی سے یہ اُسے دیکھ رہا ہے اس پر بُری طرح مرتا ہے اور وہ بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ پچھلی عالمگیر جنگ میں اسے اٹلی میں ایک حادثہ پیش آجاتا مگر اس حسین روح نے اسے پہلے ہی سے اس کی اطلاع کر دی تھی۔ لہٰذا یہ صاف بچ نکلا وہ مصیبت کے وقت ضرور اس کے کام آتی ہے۔"

رینو کا سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ جس کی آنکھیں اس دوران میں خوفناک ہو گئی تھیں اور ان میں کچھ ایسی ویرانی نظر آرہی تھی جیسے وہ سامنے والی دیوار کے پیچھے کچھ دیکھ رہا ہو۔

فریدی کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلنے لگے تھے پھر اس کی سرگوشی سنائی دی۔ "وہ آگئی سلیمہ .... میری جان۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس طرح دروازے کی طرف بڑھنے لگا جیسے نیند کی حالت میں چل رہا ہو۔ رینو کا نے اٹھ کر اسے روکنا چاہا لیکن حمید نے ہاتھ پکڑ کر اُسے بٹھا دیا۔

"اس وقت اسے چھیڑنا خطرے سے خالی نہیں۔ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔"

رینو کا بیٹھ گئی لیکن اس کی خوفزدہ آنکھیں اس دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں جس سے فریدی باہر گیا تھا۔ پھر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ حمید دوسرے ہی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر فریدی نے یہ حرکت کیوں کی۔ اس نے تو محض اُسے چڑھانے کے لئے ایک بے پر کی اڑائی تھی۔ فریدی نے اسے حقیقت کا رنگ کیوں دے دیا۔ مگر یہ الجھن زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ ایک دوسرا خیال ذہن کے کسی گوشے سے ابھر آیا تھا فریدی نے ان دونوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ حرکت کی تھی اور اب حمید کو کھانے کی قیمت اپنے ہی جیب سے ادا کرنی

پڑے گی۔

"کیپٹن یاور کہاں گیا ہوگا۔" رینو کا نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"جہنم میں۔" حمید بے خیالی میں بولا۔ لیکن پھر چونک کر کہنے لگا۔ "کیا پوچھا تھا آپ نے۔"

"آپ کا دوست کہاں گیا ہوگا۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔"

"تو کیا حقیقتاً وہ عورت اُسے دکھائی دیتی ہے۔"

"میں نے بتایا نا کہ اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں دکھائی دیتی۔" حمید اکتا کر بولا۔ اس کی الجھن بڑھ گئی تھی۔ اتفاق سے اس وقت اس کے پرس میں دس بارہ روپوں سے زیادہ نہیں تھے وہ سوچ رہا تھا کہ اگر بل زیادہ کا ہوا تو کتنی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ۔" رینو کا نے پوچھا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ اگر اس وقت کسی موٹر سے ٹکرا کر مر جائے تو کتنا اچھا ہو۔"

"کیوں؟" رینو کا چونک کر بولی۔

"کچھ نہیں یونہی.... وہ اپنے گھر والوں کے لئے عذاب بنا ہوا ہے۔"

"بیوی بچے ہیں۔" رینو کا نے پوچھا۔

"اس نے شادی ہی نہیں کی.... لیکن بچے کئی عدد ہیں۔"

"جی....!"

"جی ہاں.... اس نے ایک یتیم خانہ کھول رکھا ہے۔"

"آپ نہ جانے کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہیں.... کیا آپ بھی....!"

"جی ہاں میں بھی۔" حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ ویٹر بل لایا اور یہ دیکھ کر حمید کی جان میں جان آئی کہ وہ دس روپے کچھ آنے کا تھا۔ اس نے بل ادا کر دیا اور اب رینو کا اسے پہلے کی طرح حسین لگ رہی تھی۔

"چھوڑیئے بھی! وہ کچھ دنوں بعد پاگل ہو جائے گا۔" حمید رینو کا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ آپ مصور ہیں لیکن آپ خود نہ جانے کس کا شاہکار ہیں۔ آپ کی پلکوں کی چھاؤں کتنی خنک ہوگی

"اوہ آپ نے وہی ملٹری والوں کی بدعنوانیاں شروع کر دیں۔" رینو کا بگڑ کر بولی۔ "میں

آوارہ عورت نہیں ہوں۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی۔" حمید سہم کر بولا۔ "میں آپ کی کافی عزت کرتا ہوں۔"

"مجھے اب جانا چاہئے۔" رینو کا اٹھتی ہوئی بولی۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔"

مونچھ اکھاڑنے والی

حمید کو ٹیکم گڈھ آئے ہوئے پندرہ دن ہوگئے تھے، لیکن معاملات جہاں کے تہاں تھے۔ اس دوران میں پوسٹ مارٹم کی صحیح رپورٹ بھی مل گئی تھی جو فریدی کے خیال کے عین مطابق تھی۔ سرجنٹ رمیش کی موت ریڈیم ہی سے واقع ہوئی تھی۔ رپورٹ میں بالوں کی سفیدی کے متعلق ایک اچھی خاصی سائنٹیفک بحث تھی جسے کم از کم حمید نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اخبارات میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں ان میں اس حادثے کی اصل وجہ سے لاعلمی ظاہر کی گئی تھی۔ بہرحال پبلک کا خیال تھا کہ وہ ہمسایہ ملک کے کسی تباہ کن حربے کے تجربے کا نتیجہ تھا۔ نیلی روشنی اب بھی وقتاً فوقتاً دکھائی دے جاتی تھی۔ ایسے موقع پر پورے شہر میں اس طرح سناٹا چھا جاتا تھا جیسے وہ یک بیک زندوں کی بستی سے قبرستان میں تبدیل ہو گیا ہو۔

فریدی کی نہ جانے کتنی راتیں پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان گذر گئی تھیں۔ لیکن سب بے سود۔ وہ راستہ معلوم نہ ہو سکا جدھر اسمگلنگ ہوتی تھی.... فریدی زیادہ تر خاموش رہتا تفکر کی گہری لکیریں اس کی پیشانی پر نمایاں رہتیں۔

پہلے حادثے کے ٹھیک سولہویں دن وگراج کے درے کے قریب ایک لاش اور ملی یہ بھی ایک جوان آدمی کی لاش تھی اور اس کے جسم کے بھی سارے بال سفید ہوگئے تھے۔ یہ اسی فوجی دستے کا ایک سپاہی تھا۔ جو وگراج کے درے کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس رات پھر نیلی روشنی کے سیل سے ایک چنگاری بکھیرتی ہوئی ہوائی چھوٹی تھی اور اس کا رخ بھی وگراج کے درے ہی کی سمت تھا۔

ٹیکم گڈھ کی آبادی ایک بار پھر بدحوسیوں کا شکار ہوگئی۔ ہمسایہ ملک سے ایک بار احتجاج کیا گیا۔ لیکن وہی جواب ملا جو پہلے ملا تھا۔ یعنی کسی ایسے حربے کا تجربہ نہیں کیا۔

آج صبح سے فریدی کچھ الجھا ہوا نظر آرہا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی اس نے نہیں کھایا تھا۔ رات کے تقریباً 2 بجے باہر سے واپسی ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی وہ سویا نہیں تھا۔ حمید کے صبر کا پیالہ لبریز ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی حالت میں فریدی سے بولنا خطرے سے خالی نہین ہوتا۔ لیکن پھر بھی اس سے ضبط نہ ہوسکا۔ فریدی آنکھیں بند کئے آرام کرسی پر لیٹا تھا۔ اس کے دونوں پیر غیر ارادی طور پر ہل رہے تھے۔ حمید نے آہستہ سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ فریدی چونک کر اُسے سرخ سرخ آنکھوں سے گھورنے لگا۔

"میں کہتا ہوں آخر مجھے ساتھ ساتھ باندھے رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" حمید نے کہا۔ فریدی کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوتے ہی حمید اس پر باز کی طرح جھپٹ پڑا۔

"کوئی تک ہے آخر؟ جب مجھے عضو معطل سمجھا جاتا ہے تو پھر میری ضرورت ہی کیا ہے؟" اس نے بھنا کر کہا۔ "اگر دیکھ بھال کی ضرورت ہے تو ایک اُنا رکھ لیجئے جو رات کو تھپک تھپک کر سلا بھی دیا کرے گی۔"

"میں تمہیں عضو معطل نہیں سمجھتا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن یہ جانتا ہوں کہ تم کب اور کہاں کام آسکو گے۔"

"میدان حشر کے علاوہ اب کہیں اور کام نہیں آسکتا۔" حمید بیزاری سے بولا۔

"خیر اگر یہی بات ہے تو کسی طرح اس عورت سے میرا پیچھا چھڑاؤ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"عورت.....!" حمید اچھل کر بولا۔ "کیا مطلب! کون عورت۔"

"رینو کا۔" فریدی سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔

"صاف صاف کہئے۔"

"اس نے مجھ سے باقاعدہ عشق شروع کردیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"رونے کی ضرورت نہیں!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں بھئی.....!"

"تو اس سے شادی کر لیجئے۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ جب آپ اس کے شوہر ہو جائیں گے تو وہ آپ کو اُلو سمجھنے لگے گی۔"

"بکومت۔"

"میں حقیقت عرض کررہا ہوں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ہر عورت اپنے شوہر کو اُلو سمجھتی ہے۔ چاہے شادی سے قبل اس پر عاشق ہی کیوں نہ رہی ہو البتہ دوسروں کے شوہر اسے بڑے اچھے لگتے ہیں۔ چاہے وہ سچ مچ اُلو کے پٹھے ہی کیوں نہ ہوں۔"

"کوئی کام کی بات کرو۔"

"خیر چھوڑیئے۔" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "یہ رینو کا کہاں سے ٹپک پڑی۔ میں تو سمجھا تھا کہ آپ اسمگلنگ کے متعلق کچھ کہیں گے۔"

"سب سے پہلے اس عورت کا مسئلہ طے ہونا چاہئے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"مجھے اس پر شبہ ہے.... وہ مصور نہیں ہے۔"

"یہ آپ نے کیسے جانا۔"

"بالکل سیدھی سی بات ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ بغرض تفریح یہاں آئی ہے لیکن ایسی پُرفضا تفریح گاہوں میں آرٹسٹ قسم کے لوگ خالی ہاتھ نہیں آیا کرتے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"نہ تو اُس کے پاس مصوری کا سامان ہے اور نہ کوئی اسکیچ بک۔ اگر وہ دوسرا سامان اپنے ساتھ نہیں لاسکی تو کم از کم ایک اسکیچ بک تو اس کے پاس ہونی ہی چاہئے تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں اس کے پاس نہیں ہیں۔"

"میں نے اس کے کمرے کی تلاشی لی تھی۔"

"یہ کب؟"

"اُسی دن جب تم دونوں کو اُلو بنا کر ریستوران سے چلا آیا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ شروع ہی سے اس کی طرف سے مشکوک تھے۔"

"قطعی۔"

"اس کی وجہ۔"

"میں نے اُسے وگراج درے کے چند محافظوں کے ساتھ ایک ریستوران میں دیکھا تھا۔"

"آپ انہیں پہچانتے ہیں۔"

"ایک ایک کو اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔"

"لیکن ان محافظوں کے ساتھ اس کا پایا جانا میرے خیال سے تو کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔" حمید نے کہا۔ "ویسے اس کے ساتھی راحیل کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"راحیل کے متعلق میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ ایک پیشہ ور شکاری ہے اور موسم کے شکار کے لئے جگہ تجویز کرنے آیا ہے۔"

"رینوکا اسے کب سے جانتی ہے۔"

"میرے خیال سے وہ دونوں یہیں ملے ہیں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ مجھ سے کیوں اکھڑی اکھڑی رہتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ممکن ہے تمہاری شکل اس کے بھائی سے ملتی جلتی ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر آپ گالیوں پر اتر آئے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"اگر اس سے تمہارے جذبات کو ٹھیس لگی ہو تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"چھوڑیئے! میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اخاہ!" فریدی ہنس کر بولا۔ "آج آپ بھی مذاق کے موڈ میں نہیں ہیں۔"

"ہاں! ہاں! مجھے سوچنے دیجئے۔"

"کیا سوچنا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ رینوکا اب سے دس سال پہلے کتنی حسین رہی ہوگی۔"

"ٹھیک ہے اس کے علاوہ تمہیں کچھ اور سوچنا بھی نہیں چاہئے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔ حمید سمجھتا تھا کہ وہ تھوڑی دیر تک بالکنی میں بیٹھنے کے بعد واپس آجائے گا۔ آج کل وہ زیادہ تر بالکنی ہی میں بیٹھتا تھا اور اس کی آنکھیں مغربی افق کے اس حصے پر جمی رہا کرتی تھیں جہاں نیلی روشنی دکھائی دیتی تھی۔ دوسری موت کے بعد اس کی نظروں میں اس حیرت انگیز روشنی کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی.... فریدی اس رات کو بھی وگراج کے درے کے قریب ہی ایک جگہ چھپا ہوا تھا جس کی صبح کو دوسری لاش ملی تھی۔ اس نے

روشنی نمودار ہوتے ہی نگہبانوں کو ڈیوٹیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگتے دیکھا تھا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے لئے درہ اور ان کے خیمے قطعی ویران ہوگئے تھے۔ پھر اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ واپسی پر وہ دوبارہ اپنی اپنی جگہوں پر جم گئے تھے۔ ان کے آفیسر نے ان سے باز پرس نہیں کی تھی۔ اس سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ آفیسر بھی انہیں بھاگنے والوں میں شامل رہا ہوگا۔

حمید بھی تھوڑی دیر بعد بالکونی کی طرف نکل آیا۔ لیکن فریدی وہاں نہیں تھا البتہ اس نے رینوکا کو دیکھا جو ریلنگ پر آگے کی طرف جھکی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک کبوتر تھا۔ حمید کی آہٹ سن کر وہ اس طرح چونکی کہ کبوتر اس کے ہاتھوں سے نکل کر اڑ گیا۔

"کبوتر اڑا دیا آپ نے میرا۔" وہ کھسیانے انداز میں بولی۔

"میں نے، کمال کرتی ہیں آپ!"

"اتنی مشکلوں سے پکڑا تھا۔"

"خیر میں دوسرا لا دوں گا۔" حمید نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ الگ ہٹ گئی۔ وہ عمارت کے گرد منڈلاتے ہوئے کبوتر کو دیکھ رہی تھی۔

حمید نے اسے باتوں ہی باتوں میں روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکی اور پھر اس کے بعد ہی اُسے بھی واپس چلا آنا پڑا کیونکہ بالکونی بالکل ویران تھی اور چاروں طرف پھیلی ہوئی تیز دھوپ آنکھوں میں خیرگی پیدا کر رہی تھی۔

فریدی نے رینوکا کے خلاف شبہ ظاہر کر کے حمید کو نئی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ لیکن اس نے شبہے کی جو وجہ بتائی تھی۔ زیادہ پائیدار نہ تھی۔ اُسے زیادہ سے زیادہ ایک شک میں مبتلا دماغ کا پیدا کردہ ایک وہم کہا جا سکتا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ اسے اس کا تجربہ بھی تھا کہ فریدی کے شبہات شاذ و نادر ہی غلط نکلتے تھے تو پھر کیا وہ کوئی بات اس سلسلے میں حمید سے چھپا رہا تھا۔ وہ بات جس پر اس نے اپنے شبہے کی بنیاد رکھی تھی۔ حمید شام تک اس گتھی میں الجھا رہا۔ سورج غروب ہونے سے کچھ ہی دیر قبل فریدی واپس آگیا۔ خلاف توقع وہ اس وقت کافی بشاش نظر آرہا تھا۔ ماتھے کی سلوٹیں مٹ گئی تھیں اور ہر وقت سوچ میں ڈوبی رہنے والی آنکھیں ایک خاص قسم کی چمک سے مخمور تھیں۔ ایسی چمک جو کسی شریر بچے کی آنکھوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ کسی نئی شرارت کا پلان مرتب کرتا ہے۔

"اس وقت بڑے حسین لگ رہے ہیں آپ۔" حمید نے اسے چھیڑا۔

"ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن ذرا جلدی سے اٹھ کر سامان تو اکٹھا کرو۔ ہمیں یہ ہوٹل ہی چھوڑ دینا ہے۔"

"کیوں؟"

"وقت مت برباد کرو۔" فریدی نے کہا۔ "نیچے گاڑی کھڑی ہے۔ اس میں سامان رکھ کر واپس آجاؤ۔ جلدی کرو۔ جلدی۔ میرا منہ کیوں تک رہے ہو! چلو۔"

حمید دانت پیستا ہوا سامان اکٹھا کرنے لگا۔

سامان گاڑی پر بار کر کے جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ فریدی ڈائننگ ہال میں رینوکا کے ساتھ بیٹھا ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہے۔

رینوکا اس سے کہہ رہی تھی۔ "یاور تمہاری عدم موجودگی میں ٹیکم گڈھ کے دن اور رات بے کیف ہو کر رہ جائیں گے۔"

"صرف تین دن۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کمرہ میں نے چھوڑا نہیں ہے۔ اگر وہ میرے بھائی کی علالت کا تار نہ ہوتا تو میں اسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتا۔ مگر ایسی صورت میں جانا ضروری ہے۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔" رینوکا نے کسی فلم کی ہیروئن کی طرح رومانی انداز میں کہا اور حمید اپنے ہونٹ چاٹنے لگا۔

"اوہ کیپٹن جلیس....!" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ "آپ بھی جا رہے ہیں۔"

"جی ہاں میں بھی جا رہا ہوں۔" حمید نے پُر وقار انداز میں کہا۔ "اور ٹیکم گڈھ کی سرزمین مجھ جیسے عظیم آدمی کے وجود سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو رہی ہے۔"

"تو آپ واپس نہیں آئیں گے؟"

"میرے لئے آپ کیوں.... اس سوال کی زحمت گوارا کر رہی ہیں۔"

رینوکا کوئی جواب دیئے بغیر فریدی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ڈائننگ ہال میں بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ شام کے وقت عموماً یہاں بھیڑ زیادہ ہو جایا کرتی تھی۔ ٹیکم گڈھ کے دولت مند لوگ زیادہ تر یہیں آیا کرتے تھے۔ بعض رنگین مزاج حکام کی

شامیں بھی یہیں گذرتی تھیں۔ شراب کی بوتلیں کھلنے لگی تھیں۔ ویٹروں کی آمد و رفت میں تیزی بڑھتی جا رہی تھی۔

"آپ کیا پئیں گی۔" فریدی نے رینوکا سے پوچھا۔

"آپ تو پیتے نہیں۔"

"تو اس سے کیا کہ میں ضرور کچھ پیوں۔ چلئے کافی ہی سہی۔"

فریدی نے ویٹر کو بلا کر شراب اور کافی کا آرڈر دیا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی اس نے آج تک اُسے کسی عورت کو شراب پلاتے نہیں دیکھا تھا۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی کو شرابی عورتوں کے تصور سے بھی گھن آتی ہے پھر آخر وہ اس وقت ایک شراب پیتی ہوئی عورت کا وجود کیونکر برداشت کر سکے گا۔

شراب آئی اور رینوکا اس پر اس طرح ٹوٹ پڑی جیسے کئی دنوں سے پیاسی ہو۔ فریدی اس سے ایک خاص انداز میں گفتگو کر رہا تھا جس میں لگاوٹ اور ہچکچاہٹ دونوں ہی شامل تھیں۔ حمید کا ذہن اس بُری طرح الجھ گیا تھا کہ وہ اس پر دھیان نہ دے سکا کہ ان میں کیا گفتگو ہو رہی ہے اور پھر سامان کا مسئلہ الگ تھا۔ فریدی نے سامان کہاں بھجوایا تھا؟ حمید کی الجھن اتنی بڑھی کہ وہ آخر کار وہاں سے اٹھ گیا۔ اس اٹھ بھاگنے کی ایک وجہ اور تھی؟ اور وہ تھی رینوکا کی بدمستی! باتیں کرتے وقت اس کے ہونٹ اس طرح نئے نئے زاویئے اور قوسیں بنا رہے تھے کہ وہ صاف منہ چڑھاتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ بہر حال حمید وہاں سے بھاگ کر بالکونی میں پہنچا۔ لیکن یہاں بھی اس وقت سکون نہیں تھا چونکہ سنیچر کی شام تھی اس لئے آج بھیڑ کافی تھی۔ بالکونی میں بھی لوگ بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ حمید کو اپنی زندگی تلخ ہوتی معلوم ہونے لگی۔ شراب کے نشے میں بہکی ہوئی عورتوں کا قرب اُسے عورت کے وجود سے متنفر کر دینے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ ڈائننگ ہال ہی غنیمت تھا کیونکہ وہاں ایسا طوفان بدتمیزی نہیں تھا۔ ایک نشے میں بہکی ہوئی اینگلو انڈین لڑکی ہکلا ہکلا کر ایک فحش سا فلمی گیت گا رہی تھی اور اس کے قریب بیٹھے ہوئے مرد قہقہے لگا رہے تھے۔

پھر کوئی دوسری عورت ناک کے بل ہنستی ہوئی گنگنائی۔ "پٹ.... پٹ.... پٹاخہ.... خہ خہ خہ.... خہار۔"

حمید بوکھلا کر پھر نیچے بھاگا۔ یہاں رینوکا کی حالت نشے سے ابتر ہوتی جا رہی تھی اور فریدی اُسے بے تحاشہ پلا رہا تھا۔

"ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ عورت ہمیشہ عورت ہی رہے گی۔" فریدی نے کہا۔ اس پر رینوکا آنکھیں بند کر کے بے ڈھنگے پن کے ساتھ ہنسی اور حمید کا دل چاہنے لگا کہ وہ اس کے منہ میں دونوں انگوٹھے ڈال کر اس کے گال کانوں کی لو تک پھاڑ ڈالے۔

"نائیں.... ہاب عورت.... عورت نائیں...." رینوکا اپنا نچلا ہونٹ نچلے دانتوں پر جکڑ کر بولی۔

"عورت عورت ہے.... وہ مردوں کی برابری نہیں کر سکتی۔"

"کار ساکتی ہے۔" رینوکا نے اپنی پیشانی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ادھر.... میری طرف دیکھو۔" فریدی نے اس سے کہا اور رینوکا اپنی نشے سے بوجھل ہوتی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کے چہرے پر نظریں جمانے کی کوشش کرنے لگی۔

"میں مرد ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اور اُس آدمی کی نقلی مونچھیں اکھاڑ سکتا ہوں۔"

حمید کی نظریں بے اختیار اس آدمی کی طرف اٹھ گئیں جس کی طرف فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ وہ مرد ایک معمر اور قوی ہیکل آدمی تھا۔ چہرے پر گھنی اور اوپر کو چڑھی مونچھیں تھیں جن میں اس نے خضاب لگا رکھا تھا۔ حمید اُسے ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ وہ مقامی پولیس کا ایک سب انسپکٹر تھا، جو اس وقت سادے لباس میں تھا اور اس کی مونچھیں سو فیصدی نقلی تھیں۔

"نقلی مونچھیں۔" رینوکا آہستہ سے بولی۔

"ہاں نقلی مونچھیں۔ میں اُن مونچھوں کو اکھاڑ سکتا ہوں کیونکہ مرد ہوں۔ تم نہیں اکھاڑ سکتیں۔"

"میں بھی مرد ہوں۔" رینوکا اپنے سینے پر ہاتھ مارتی ہوئی تن کر بولی۔

"مگر تم اس کی مونچھیں نہیں اکھاڑ سکتیں۔"

"میں اکھاڑ سکتی ہوں۔"

"تم نہیں اکھاڑ سکتیں۔"

حمید کا سر چکرا گیا۔ آخر فریدی کیا کرنے جا رہا ہے۔ اس کا انجام اور اس کا مقصد وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی اُسے آنکھ مار کر پھر رینوکا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"زبان سے کہہ دینا اور چیز ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"میں اکھاڑ کر دکھا دوں گی۔" رینوکا لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی اور بڑی مونچھوں والے سب انسپکٹر کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ بیچارہ کافی کے گھونٹ لے لے کر سگریٹ پینے میں مشغول تھا۔

"بیٹے حمید۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "بس اب چل دو یہاں سے بل میں ادا کر چکا ہوں۔"

وہ دونوں اٹھ کر تیزی سے باہر نکل آئے اور عمارت کے سرے پر بھی نہ پہنچے تھے کہ اندر سے شور سنائی دیا۔

"اکھڑ گئی۔" فریدی اپنا قہقہہ دباتا ہوا بولا.... "بھاگو.... جلدی.... ادھر نالے میں اتر آؤ۔"

"لیکن آخر یہ کیا حماقت ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اب ایک نئی مصیبت۔"

"کوئی نئی مصیبت نہیں پیارے۔ اب ہم دوسرے ہوٹل میں قیام کریں گے جو گراج کے درے کے قریب ہے۔"

"لیکن اب ہم لوگ چھپیں گے کیسے! ہوش آنے پر وہ یقیناً یہی بیان دے گی کہ ہم نے اُسے اکسایا تھا۔"

"کوئی بات نہیں.... اب میں بھی اپنی صورت تبدیل کر دوں گا تم بھی کچھ اور ہو جاؤ گے۔"

"مگر میک اپ کا سامان تو اسباب کے ساتھ گیا۔"

"تم تو بال کی کھال اتارتے ہو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تھوڑی چیزیں میرے ہینڈ بیگ میں بھی ہیں۔"

"لیکن اس حرکت کی کیا ضرورت تھی۔"

"ضرورت تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔" "اب بکو مت، چپ چاپ چلے آؤ۔"

وہ ناہموار راستے طے کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ پھر ایک جگہ ایک غار میں دونوں نے ٹارچ کی روشنی سے اپنے حلئے تبدیل کئے اور سڑک پر نکل آئے۔ انہوں نے اپنے کوٹ اتار کر بغل میں دبا لئے تھے اور ٹائیاں بھی کھول لی تھیں۔ سڑک بالکل ویران تھی۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ چٹان سے چھلانگ لگا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان جھگڑوں سے نجات حاصل کر لے۔

ٹھنڈا شعلہ

دوسرا دن فریدی اور حمید کیلئے ایک دلچسپ دن تھا۔ وہ دونوں ہل ویو ہوٹل کی لان پر بیٹھے

صبح کا اخبار پڑھ رہے تھے۔ رات کے واقعے کے متعلق ایک چٹ پٹی خبر شائع ہوئی تھی۔ رینوکا سب انسپکٹر کی مونچھ اکھاڑنے کے جرم میں پولیس کی حراست میں تھی اور ان دونوں کپتانوں کی تلاش جاری تھی جنہوں نے اُسے اکسایا تھا۔ فریدی نے ہنس کر اخبار ایک طرف ڈال دیا۔

"کیا ملا آپ کو۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "خواہ مخواہ بیچاری کو پھنسوا دیا۔ محض ایک بے بنیاد شبہے پر۔"

"بے بنیاد۔" فریدی چونک کر بولا۔ "حمید بیٹے! میں کچا کام کرنے کا عادی نہیں۔ محض شبہ کی بناء پر اس قسم کے اقدام نہیں کرتا۔ ایک ٹھوس حقیقت سے دو چار ہونے کے بعد میں نے اُسے ٹھکانے لگایا ہے۔"

"یعنی....!"

"وہ کبوتروں کے ذریعہ کسی نامعلوم جگہ پیغامات بھیجا کرتی تھی۔ پیغامات کیا تھے انہیں اچھی خاصی رپورٹ کہنا چاہیے۔ جو وہ ہم لوگوں کے متعلق تیار کر کے کسی نامعلوم آدمی کے پاس پہنچا کرتی تھی۔"

"کبوتر....!" حمید چونک پڑا۔ اس کے ذہن میں گذرے ہوئے دن کا واقعہ پھر آیا۔ رینو بالکونی میں کبوتر لئے کھڑی تھی اور اس کی آہٹ پر چونک کر اڑا دیا تھا تو کیا وہ ہم لوگوں کی اصلیت سے واقف تھی۔"

"قطعی....!" فریدی نے کہا۔ "یہ چیز مجھ پر کل ہی ظاہر ہوئی ہے۔ کل بالکونی سے اس نے ایک نامہ بر کبوتر اڑایا تھا۔ اتفاق سے اسے ایک باز نے نیچے گرا دیا اور وہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ اس کے ذریعہ رینوکا نے جو رپورٹ بھیجی تھی اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے بھی ہم لوگوں کے متعلق کسی کو اطلاع دے چکی ہے وہ میری پرسوں کی نقل و حرکت کی پوری پوری رپورٹ تھی۔"

"کبوتر کے متعلق آپ کو کل ہی معلوم ہوا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں میں نے اس سے قبل بھی اُسے کئی بار کبوتر اڑاتے دیکھا تھا۔ لیکن میں یہ بھی نہ سوچ سکتا تھا کہ وہ نامہ بر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہوٹل میں جنگلی کبوتروں کی خاصی اچھی تعداد بسیرا لیتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور کبوتر رہا ہو۔ مطلب یہ کہ اُسے کسی اور نے اڑایا ہو۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں اندھا ہوں۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "میں نے خود اُسے اڑاتے دیکھا تھا اور تم اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ میں سامنے والی چٹانوں میں موجود تھا۔"

"وہاں کیا کر رہے تھے۔" حمید بے خیالی میں بولا۔

"جھک مار رہا تھا۔ تم اتنے اُلو کیوں ہو گئے ہو؟"

"آپ جھک مار رہے تھے۔ اچھا کر رہے تھے۔ جب کسی طرح بس نہ چلے تو جھک مارنا صحت کے لئے مفید سمجھا جاتا ہے۔ لیکن میں قطعی اُلو نہیں ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ رینوکا کو اس طرح پکڑوانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بس یونہی مذاق کرنے کو دل چاہا تھا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "لیکن اگر ضرورت پیش آئی تو یہی مذاق سنجیدگی میں تبدیل ہو کر ہمارے کام آ سکے گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کیا کرو گے سمجھ کر۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیا اس ہوٹل میں تمہیں کوئی لڑکی دکھائی نہیں دی۔"

"دیکھئے جناب۔" حمید چڑ کر بولا۔ "اگر آپ اس طرح مجھے ناکارہ اور نکما بنائے رکھیں گے تو میں چپ چاپ واپس جا کر اپنا استعفےٰ پیش کر دوں گا۔ جہنم میں گئی ایسی ملازمت۔"

"تو اس طرح کیا تم مجھ سے بچ سکو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں خودکشی کر لوں گا۔"

"بسم اللہ!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "چلو پھر پانی منگاؤں یا خالص گھی۔"

حمید نے بھنا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"ہے ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "یار تجھے تو عورت ہونا چاہئے تھا۔"

حمید بدستور خاموش رہا وہ اپنے ہونٹ سکوڑے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ پائپ سلگا کر اٹھا اور آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا عمارت کی طرف چلنے لگا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ فریدی بھی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ لیکن اس نے پلٹ کر دیکھا نہیں۔ عمارت میں داخل ہو کر اس کمرے کی طرف مڑ گیا جس میں دونوں قیام پذیر تھے۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی وہ چونک پڑا۔ صوفہ کے درمیان رکھی ہوئی ٹی پائی پر سونے کا

ایک بڑا سا ٹکڑا پڑا تھا۔ وہ تیزی سے اُسے اٹھانے کے لئے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں کسی نے اُسے پکڑ کر پیچھے کی طرف کھینچ لیا۔ یہ فریدی تھا۔

"اتنی بدحواسی اچھی نہیں۔" فریدی نے کہا اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"تو کیا یہ آپ نے۔"

"نہیں!.... ٹھہرو! اسے ہاتھ مت لگانا۔"

حمید حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

"ابھی تم مر ہی گئے ہوتے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مرنے سے پہلے بوڑھے ہو جاتے۔"

"کیا؟" حمید چونک کر بولا۔ "مگر.... یہ تو سونا ہے۔"

"ہاں ہاں! اور کسی نے ہماری موت کو دعوت دینے کے لئے اسے یہاں نہایت احتیاط سے رکھ دیا ہے۔ بیٹے حمید خاں! اب کھلم کھلا جنگ کرنی پڑے گی کیونکہ انہوں نے ہمیں اس بھیس میں بھی پہچان لیا ہے۔"

"آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔" حمید پھر سونے کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو! کیوں حماقت کر رہے ہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جاؤ برآمدے میں ایک بلی کا بچہ پڑا اونگھ رہا ہے اسے اٹھا لاؤ۔"

"میں نہیں جاتا..... آپ نہ جانے کیا؟"

"صاحبزادے ہو۔" فریدی خود دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "خبردار اسے ہاتھ نہ لگانا۔"

پھر وہ ایک بلی کے بچے کو ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا آپ خواہ مخواہ....!"

"چپ رہو؟"

"آپ ایسے حالات میں انتہائی مضحکہ خیز لگتے ہیں۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر بلی کے بچے کو سونے کے ٹکڑے پر ڈال دیا۔ اس نے وہاں سے اٹھنا چاہا لیکن فریدی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا اور وہ وہیں سر رکھ کر اونگھ گیا۔

حمید تمسخر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فریدی کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔

"تو کیا اب آپ اس بلی کے بچے سے انڈے دلوائیں گے۔"

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر دروازے کے قریب آ گیا۔

"کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔" حمید نے بیزاری سے کہا اور پائپ سلگا کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کئی منٹ گذر گئے۔ کمرے کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ دفعتاً بلی کے بچے نے ایک چیخ ماری اور اچھل کر زمین پر جا پڑا۔ حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ بلی کا بچہ بے حس و حرکت نظر آ رہا تھا۔ فریدی اس پر جھک پڑا۔

"یہ ابھی مرا نہیں۔" وہ اپنے دواؤں کے بکس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اس نے تیزی سے امونیا کی بوتل نکالی اور حمید کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اُسے اس کی ناک سے لگائے رکھو۔"

وہ پھر دواؤں کے بکس میں کچھ تلاش کرنے لگا تھا۔ حمید نے بوتل کھول کر بلی کے بچے کی ناک سے لگا دی۔ وہ اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے سینے پر جلنے کا داغ تھا۔ سینے کا جتنا حصہ سونے کے ٹکڑے پر تھا بُری طرح جھلس گیا تھا۔

"ہوں....!" فریدی جھکتا ہوا بولا۔ "ذرا اس کا اگلا پیر تو اٹھاؤ۔"

اس کے ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سوئی تھی۔ حمید کو اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ اس سے کچھ پوچھتا۔ فریدی نے بلی کے پیر میں سوئی چبھو دی۔

"اب بوتل ہٹاؤ۔" اس نے حمید سے کہا۔

فریدی بلی کے بچے کے قریب ہی بیٹھا رہا۔ حمید نے بوتل بند کر کے بکس میں رکھ دی۔

"اب اس سونے کو اٹھا کر جیب میں رکھ لو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ اب تمہیں مرنے کی اجازت ہے۔"

حمید جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ فریدی کے قریب آ بیٹھا۔ بلی کے بچے کے جسم میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

"اب یہ نہیں مر سکتا اور وہ دونوں مرنے والے بھی آدھے گھنٹے کے اندر اندر بچائے جا سکتے تھے۔"

"مگر.... آپ تو ریڈیم کہہ رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"اتنا ریڈیم وہ کہاں سے لائیں گے۔ انہوں نے سونے کو ریڈیم سے چارج کر لیا ہے۔ یہ ٹکڑا

بھی ریڈیم سے متاثر شدہ ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی انہیں ریڈیم کو دھات کی شکل میں لانا پڑا ہوگا اور یہ ایک مشکل عمل ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے سونے کو کس طرح ریڈیم سے متاثر کیا۔ میں سچ کہتا ہوں حمید کوئی بہت بڑا دماغ اس سازش کے پیچھے کام کر رہا ہے۔"

"لیکن یہ میز" حمید تذبذب کے عالم میں بولا۔ "یہ میز کیوں نہیں جلی۔"

"شاید اس عمل میں حرارت پذیری کا بھی دخل ہے۔"

"لیکن لانے والا اسے لایا کس طرح ہوگا۔"

"ممکن ہے لکڑی کی ڈبیہ استعمال کی ہو۔ ویسے سیسہ ہی ایک ایسی دھات ہے جس پر ریڈیم کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"شیشہ....!"

"شیشہ نہیں سیسہ....!" فریدی نے کہا۔ "جانتے ہو ریڈیم کتنی طاقتور چیز ہے۔ اس کے متعلق اندازہ لگایا گیا ہے کہ صرف دو پونڈ ریڈیم زمین کو اس کے محور سے ہٹانے کے لئے کافی ہوگا۔"

بلی کا بچہ اٹھ کر رینگنے لگا تھا اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ رینگتا ہوا دروازے کی اوٹ میں چلا گیا۔

"آپ نے انجکشن کس چیز کا دیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اسٹرانچین سلوشن....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کم بختوں نے مار ڈالنے کا بڑا اچھا طریقہ ایجاد کیا ہے! سونا دیکھ کر کون نہ للچائے گا۔ ایک ٹکڑا راہ میں کہیں ڈال دیا اور اٹھانے والے کا قصہ تمام۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اب ہم قطعی محفوظ نہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔

فریدی پُر خیال انداز میں سر ہلا کر پھر کچھ سوچنے لگا۔

"تو پھر وہ پولیس کو ہمارے متعلق اطلاع بھی دے سکتے ہیں کہ ہم اس بھیس میں یہاں موجود ہیں۔"

"شائد ہی وہ ایسا کریں!" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکے۔ دراصل اب چپ چاپ ہمارا خاتمہ کر دینے کی گھات میں ہیں۔"

"چپ چاپ کیوں! جب وہ ہمیں پہچانتے ہیں تو کبھی بھی اور کسی حالت میں ہمارا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ آپ کو شروع ہی سے بھیس بدل کر رہنا چاہئے تھا۔"

"بس حماقت ہوگئی۔ مجھے دراصل ان کی قوت اور تنظیم کا اندازہ نہیں تھا۔" فریدی سگا

لگاتا ہوا بولا۔ اس نے سونے کے ٹکڑے کو ایک لکڑی کے ڈبے میں رکھ کر دواؤں کے بکس میں ڈال دیا۔ بلی کا بچہ پھر دروازے کی اوٹ سے رینگتا ہوا باہر نکل گیا۔

"ذرا دیکھئے" حمید بے اختیار بولا۔

اس کے سفید بالوں میں ہلکی سی نیلاہٹ دوڑ گئی تھی۔ فریدی پُر خیال انداز میں سر ہلانے لگا۔ حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اُسے اپنے کچھ دیر قبل کے رویے پر افسوس ہونے لگا۔ وہ خواہ مخواہ فریدی کا مضحکہ اڑاتا رہا تھا۔ درحقیقت فریدی کی اتھاہ پانا بہت مشکل کام ہے۔

حمید اٹھ کر اندر گیا۔ فریدی سیلانچی پر جھکا ہوا منہ دھو رہا تھا۔

"بھئی یہ معاملہ اپنے بس کا نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "تم دیکھ رہے ہو کہ کسی طرح کام بنتا ہی نہیں۔ کیا بس ایک میں ہی رہ گیا ہوں۔ اس معاملے میں ہاتھ ڈالنا خودکشی سے کسی طرح کم نہیں۔ میں اپنی ناکامیوں کی رپورٹ مکمل کر کے نصرت صاحب کو دے دوں گا اور بس.... آج رات کی ٹرین سے ہم گھر کی طرف روانہ ہو جائیں گے معلوم نہیں مجرموں نے اپنا جال کہاں کہاں پھیلا رکھا ہے۔" فریدی سنجیدگی کے ساتھ یہ ساری باتیں کہہ رہا تھا۔ "چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" فریدی پھر بولا۔ "ہمیں میجر نصرت کے یہاں چلنا ہے۔ جہنم میں گیا یہ کیس۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ وہ لوٹ کر اپنے بکس سے کپڑے نکالنے لگا۔

"پیدل ہی ٹھیک رہے گا۔" فریدی نے کہا۔ "تم آخر اس قدر خاموش کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

"ساری شرارتیں ہوا ہوگئیں۔"۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر آپ اس وقت میرے پیچھے پیچھے چلے نہ آئے ہوتے تو میرا کام تمام ہو چکا ہوتا۔"

"اس میں تو شک نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہونے والی بات۔ میں بلا مقصد بغیر ارادہ تمہارے پیچھے چلا آیا تھا۔ ورنہ اس وقت وہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں ابھی زندہ رہوں گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ابھی آخری معرکہ باقی ہے۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔ "آج رات کو تو ہم واپس جا رہے ہیں۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"کبھی پھلپھسی فریدی پیچھے ہٹتا تھا۔" اس نے کہا۔

"تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں۔" فریدی رک کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ہمارے غسل خانے میں ایک ڈکٹوگراف رکھا ہوا ہے۔"

"ڈکٹوگراف۔" حمید اچھل کر بولا۔

"ہاں اور اس کا ریسیونگ سٹ کسی اور کمرے میں ہے ہماری ساری گفتگو کسی نے سن لی ہے۔ اس واقعے سے پہلے مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ وہ تو منہ دھوتے وقت اس پر نظر پڑ گئی۔ بظاہر وہ فنائل کا ڈبہ معلوم ہو رہا تھا۔ اتفاق سے میرا پیر اس سے جا لگا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ ٹین کا نہیں ہے۔ پھر دیکھنے پر ساری حقیقت واضح ہو گئی.... ہاں تو اس کے ذریعے سے کسی نے ہماری ساری گفتگو سن لی ہے۔"

"تب تو کم از کم اسے پکڑ لینے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی۔ ذرا سی تلاش کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کا سلسلہ کس کمرے سے ہے۔"

"وہ ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرح ہم جلدی ہی ختم کر دیئے جائیں۔ یہ بات میں سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ہمیں ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ معلوم نہیں دشمن کہاں اور کس روپ میں موجود ہو۔ بعض اوقات تو مجھے میجر نصرت پر بھی شبہ ہونے لگتا ہے۔"

"ارے وہ کیا....!"

"میں یہ نہیں کہتا۔" فریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہو۔"

"خیر چھوڑیئے! اب آپ کیا کریں گے۔" حمید نے کہا۔

"میجر نصرت کے یہاں سے واپسی کے بعد اپنا سامان ریلوے اسٹیشن پر پہنچا دیں گے۔"

"ریلوے اسٹیشن پر۔"

"ہاں اور اس کے بعد ہماری موجودہ شکل و صورت کے دو آدمی نو بجے رات والی ٹرین سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"پھر....!"

"پھر ہم ہوں گے اور رینو کا۔"

حمید متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

فتنہ جاگتا ہے

"اس طرح بوکھلا کر مت دیکھو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دونوں رینو کا سے عشق شروع کر دیں گے۔"

"خیر آپ کے متعلق تو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ آج کل میں نفسیاتی تجربوں کے خبط میں مبتلا ہو گیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اس سلسلے میں رینو کا کو سبجیکٹ بنانے کا ارادہ ہے۔"

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ آج رات کو دیکھ لینا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

وہ دونوں ڈھلوان راستے پر چل رہے تھے۔ ان کے دونوں طرف اونچی نیچی اور کانٹے دار جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی چٹانیں تھیں اور راستہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ شہر یہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل کی دوری پر تھا۔

دفعتاً انہیں اپنے پیچھے ایک زوردار گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ وہ دونوں چونک کر مڑے۔ ایک بہت بڑی چٹان لڑھکتی ہوئی ان کی طرف چلی آ رہی تھی۔ اُس کا حجم اتنا زیادہ تھا کہ اس نے قریب قریب راستے کی پوری چوڑائی کو ڈھک لیا تھا۔

"بھاگو....!" فریدی بے اختیار چیخا۔

وہ دونوں تیزی سے دوڑنے لگے۔ گڑگڑاہٹ کی آواز رک گئی۔ چٹان راستے کے ایک خفیف سے موڑ پر پھنس کر رک گئی تھی۔

"چلتے جاؤ! خطرہ ہے۔" فریدی بدستور دوڑتا ہوا بولا۔ "ریوالور ہے۔"

"نہیں....!" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"میں بھی نہیں لایا.... شاید ہماری عقلیں چرنے گئی تھیں۔"

پھر وہ اُس تنگ راستے سے نکل کر ایک کشادہ چٹان پر آ گئے۔ شہر نزدیک تھا۔ اس لئے وہ دم لینے کے لئے ایک جگہ رک گئے۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ محض اتفاق رہا ہو۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"سب کچھ ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ لوگ کھل کر سامنے نہیں آرہے ہیں۔"

"جناب والا وہ جائیں جہنم میں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "اگر اس وقت وہ چٹان راستے میں نہ رک گئی ہوتی تو ہمارے سیخ کے کباب کیسے ہوتے؟ بس اب سچ مچ چھوڑیئے یہ چکر اور چپ چاپ دم دبا کر نکل چلئے۔"

"یہ میری توہین ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"تو کم از کم میں تو اپنی لاش پر تمغہ نہیں لگوانا چاہتا۔"

"تم واپس جاسکتے ہو۔"

"باس.... اس جملے کے علاوہ اور آپ کو کچھ نہیں آتا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر شہر کی طرف چل پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں میجر نصرت کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ میجر نصرت اندر کسی کام میں مشغول تھا۔

فریدی اور حمید نے اپنے اصلی نام اُسے نہیں بھجوائے تھے۔ بہر حال جب وہ ڈرائنگ روم میں آیا تو اس کا رویہ قطعی غیر متعلقانہ تھا۔ کیونکہ میجر نصرت انہیں اس بھیس میں پہچانا نہیں تھا اور جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ دونوں کون ہیں تو وہ حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"واقعی آپ اس فن میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔" میجر نصرت نے کہا۔

"رینو کا کا کیا رہا۔" فریدی اس کی بات اڑا کر بولا۔ "کسی نے اس کی ضمانت تو نہیں دی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ....!"

"کیا مطلب....!" فریدی نے بے صبری سے اس کی بات کاٹی۔

"پولیس والوں نے اُسے چھوڑ دیا۔"

"کمال کر دیا آپ نے۔" فریدی بھنا کر بولا۔ "میں نے کل رات ہی آپ کو مطلع کر دیا تھا۔"

"کیا اُس کا روک لیا جانا ضروری تھا۔"

"اب یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔"

"اگر کوئی ایسی ہی بات تھی تو آپ کو صاف اطلاع دینی چاہئے تھی۔" میجر نصرت نے کہا۔

"اب میں کیا بتاؤں۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "میں سمجھتا تھا کہ آپ میرے ٹیکم گڈھ آنے کی غرض و غایت سے بخوبی واقف ہوں گے۔ بھلا کسی اور معاملے سے مجھے کیا سروکار۔"

"تو کیا اس کا تعلق اس سے تھا۔"

"جناب۔"

"بھئی میں کیا بتاؤں میں نے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو یونہی رسمی طور پر اُسے روک کے رکھنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ لہٰذا اس بیہودے نے رات بھر اسے اپنے بنگلے میں رکھا اور صبح اس سے ایک معافی نامہ لکھوا کر چھوڑ دیا۔"

"سب چوپٹ ہو گیا۔"

"پولیس آپ لوگوں کی تلاش میں تھی لیکن اس سلسلے کو میں نے ختم کرا دیا ہے۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ شاید وہ پورا گروہ ہماری نگرانی کر رہا ہے۔"

"ارے۔"

"جی ہاں.... شروعات ہی غلط ہوئی ہے۔ پورے حالات مجھے ہیڈ کوارٹر ہی میں معلوم ہو جانے چاہئے تھے۔ معلوم نہیں اس طرح ہمیں بھجوانے میں کیا مصلحت تھی۔ میں اچھی طرح معاملات کو سوچ سمجھ کر کوئی اقدام کرتا ہوں۔ اس وقت تو یہ عالم ہے کہ ہمارے چاروں طرف بے شمار جال ہیں اور ہم احمقوں کی طرح درمیان میں کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے ہیں۔"

میجر نصرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش انہیں دیکھ رہا تھا

فریدی بغیر کچھ کہے سنے کھڑا ہو گیا۔

"تو اب کیا ارادہ ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔

"کچھ نہیں! کچھ نہیں۔" فریدی کہتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔ وہ بہت زیادہ جھنجھلایا ہوا تھا۔

"دیکھا تم نے اس ڈیوٹ کو۔" اس نے حمید سے کہا۔ "اسی عقل کے بل بوتے پر سپرنٹنڈنٹ بنے بیٹھے ہیں۔ ان کے تو فرشتے بھی اس معاملے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"میرا تو دل چاہا تھا کہ اس کی مونچھیں اکھاڑ دوں۔" حمید نے کہا۔

"بیوقوف آدمی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے تو اس ڈی۔ ایس۔ پی کے بچے پر تاؤ آرہا ہے جس نے محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کی ہدایت کے باوجود اُسے چھوڑ دیا۔ انہیں بدبختوں کی عیاشیوں نے محکمے کو بدنام کر رکھا ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"آپ رینو کا سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"چھوڑو بھی۔ مارو گولی۔ جہنم میں جائے۔ جو بات نہیں ہو سکی اس کے متعلق کچھ کہنا فضول ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد خود ہی بولا۔

"نیلی روشنی سرحد پار کی چیز نہیں معلوم ہوتی۔ میں نے اچھی طرح اندازہ لگالیا ہے کہ ا سمگلنگ سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ اسی دن دکھائی دی تھی نا جس دن تم ٹیکم گڈھ آئے تھے۔ ی جس دن میں نے اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔"

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"منیجر نے کہا تھا کہ اس سے پہلے بھی سرحد پار والوں نے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ کیا اور ٹیکم گڈھ کی متعدد عمارتوں میں آگ لگ گئی تھی۔ میرے خیال میں مجرموں کا وہ مصنو تجربہ اس نیلی روشنی کا پیش خیمہ تھا۔"

"مصنوعی تجربے سے اس کی کیا مراد ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہونہہ! تو کیا تم اسے سچ سمجھتے ہو کہ وہ کوئی تباہ کن حربہ تھا۔"

"آگ جو لگی تھی۔" حمید نے کہا۔

"کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ تو تم بھی کر سکتے ہو! شہر میں پہلے ہی سے اپنے گرگے چھوڑ اس کے بعد دور کی کسی پہاڑی پر چڑھ کر بچوں کی طرح آتش بازیاں چھوڑنا شروع کر دو اور سے بنائی ہوئی سکیم کے تحت تمہارے گرگے شہر کی عمارتوں میں آگ لگاتے پھریں۔"

"یہ آپ کا قیاس ہی ہے نا۔"

"ہے تو قیاس ہی۔ لیکن سچ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرف والوں سے ہمارا کوئی جھ نہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ امن چاہتے ہیں۔ دنیا میں تباہی پھیلانے والے جنگ بازوں خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ پھر وہ بھلا ہمیں کیوں تنگ کرنے لگے جب کہ ہم بھی امن چا ہیں اور ہماری پالیسی غیر جانبدارانہ ہے.... حمید یہ ایک بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ ا طرف ہمیں ہمسایہ حکومت سے بدظن کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف.... ہماری کوئی بہت قیمتی چیز ہم سے چھینی جا رہی ہے۔ سونے کے ٹکڑوں کو ریڈیم سے متاثر کر دینا کم از کم اپنی طر کے سائنسدانوں کے بس کا روگ نہیں۔"

"خدا خیر کرے۔ آپ نے لگائی کوئی بین الاقوامی جست۔"

"دیکھو نا! محض سونے کی ناجائز برآمد کے سلسلے میں اتنی اودھم سمجھ میں نہیں آتی۔" فر

ایک جگہ رک کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ان لوگوں کا طریقہ کار تو اب اچھی طرح میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ وگراج کے درے کے قریب دو سفید لاشوں کا پایا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محافظ دستے کے کچھ لوگ بھی مجرموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ ہی کہوں گا سب کے لئے نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اگر سب مجرموں سے ملے ہوتے تو نیلی روشنی دیکھ کر بھاگنے کا ڈھونگ رچانے کی ضرورت ہی نہ رہ جاتی۔ ان کا انچارج کیپٹن رگھو بیر سنگھ ہے وہ تو سو فیصد مجرموں سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ کر ہرگز نہ بھاگتے۔"

"خیر یہ بات تو اپنی سمجھ میں آتی ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن سونے کے علاوہ اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔"

"یہ فی الحال میں خود نہیں جانتا لیکن محض سونے کی غیر قانونی برآمد کے لئے اتنی اچھل کود لایعنی ہے۔ اس قسم کی چیزوں کی اسمگلنگ معمولی چور اُچکے بھی کر لیتے ہیں۔"

وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ اچانک فریدی رک کر بولا۔

"حمید تم ہوٹل واپس جاؤ اور سامان کسی اور ہوٹل میں منتقل کر دو۔ میں میجر نصرت کے یہاں جا رہا ہوں۔"

"کیوں.....!"

"یہ ابھی نہ پوچھو۔ وقت بہت کم ہے۔ جاؤ ڈرو نہیں۔ ہمیں صرف ایک ہی بار مرنا ہے.... آج یا کل.... یا کسی اور دن۔"

"اوہ! تو کیا آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں؟" حمید تن کر بولا۔

"ہرگز نہیں۔ اچھا تو جاؤ۔ میں تمہیں پانچ بجے ستیل گھاٹ کے پہلے موڑ پر ملوں گا۔ اس بار ریوالور مت بھولنا۔"

حمید نے فریدی کے چہرے پر بے چینی اور دبے ہوئے جوش کے آثار محسوس کئے اس کی آنکھوں میں وہی پرانی وحشیانہ چمک تھی جو اس نے بارہا خطرناک موقعوں پر دیکھی تھی۔ فریدی واپس جانے کے لئے مڑ گیا۔

حمید بُری طرح چکرایا ہوا تھا۔ فریدی نے اس سے قبل کبھی اتنی سنجیدگی سے موت کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ حمید ہوٹل واپس آ گیا۔ حالانکہ وہ پہلے ہی سے ایک ہفتہ کے اخراجات کی رقم ادا کر چکا تھا۔ لیکن بہرحال وہ ہوٹل تو چھوڑنا ہی تھا۔ سب سے پہلے حمید نے فریدی کی دواؤں کا بکس کھولا کیونکہ اسے سونے کے اس ٹکڑے کی فکر زیادہ تھی۔ اس کا اندیشہ غلط نہیں ثابت ہوا۔ سونے

کا ٹکڑا غائب تھا۔ پھر وہ بقیہ چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ ہر شے اپنی جگہ پر موجود تھی۔ حمید سوچنے لگا کہ اب کس ہوٹل میں جائے۔ پھر دفعتاً اسے اس ڈکٹوگراف کا خیال آیا۔ جس کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا۔ اُس نے آہستہ سے غسل خانے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن کہیں کوئی ایسی چیز دکھائی نہ دی جس پر ڈکٹوگراف کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ کموڈ کے نیچے فرش پر دو ننھے ننھے سوراخ دکھائی دیئے۔ فرش لکڑی ہی کا تھا وہ تھوڑی دیر تک ان سوراخوں پر نظریں جمائے رہا۔ پھر ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ ڈکٹوگراف کے برقی تار غالباً انہی سوراخوں کے ذریعے کسی دوسری جگہ لے جائے گئے تھے۔ اگر فریدی نے اس واقعہ کو ذرہ برابر بھی اہمیت دی ہوتی تو اس وقت حمید اس بات کا پتہ لگائے بغیر نہ مانتا کہ ڈکٹوگراف کا دوسرا سلسلہ کس جگہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

اس نے غسل خانے سے نکل کر سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ ویٹر کو اُس نے پہلے ہی روانگی کی اطلاع دے دی تھی۔ پھر اس نے سامان ایک ٹیکسی پر لاد کر شہر کی راہ لی۔ شہر میں ایسے ہوٹل تھے جن میں وہ اطمینان سے قیام کر سکتے تھے۔ ان میں کچھ اعلیٰ درجے کے بھی تھے لیکن حمید نے ایک ایسے ہوٹل کو ترجیح دی جس میں متوسط طبقے کے لوگ قیام کرتے تھے۔

پانچ بجے اسے ستیل گھاٹی پہنچنا تھا۔ اس لئے اس نے سامان کو پورے سلیقے سے رکھنے زحمت گوارا نہ کی اس وقت چار بج رہے تھے۔ اس نے جیب میں ریوالور ڈالا اور ستیل گھاٹی طرف چل پڑا۔

ڈکٹوگراف غائب ہو جانے کے بعد سے اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ اب ان کی کڑی نگرانی نہیں ہو رہی ہے وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کو موقعہ پر سوجھی بھی خوب! مجرم یقیناً اس فقرے آگئے جبھی تو انہوں نے ڈکٹوگراف بھی ہٹا لیا۔

وہ چلتا رہا اور پھر ستیل گھاٹی والی سڑک کے پہلے موڑ پر رک گیا۔ گھڑی کی طرف دیکھا ٹھیک پانچ بجے تھے مگر فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید سڑک کے کنارے ایک چٹان سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ دفعتاً اسے اپنی پشت پر نشیب میں کسی عورت کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ نہ کیوں وہ قہقہہ اسے ایک عجیب قسم کی چیخ معلوم ہوا۔

حمید نے مڑ کر ذرا سا سر ابھارا اور دوسرے ہی لمحہ میں اس کے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دوسری طرف نشیب میں فریدی ایک درخت کے تنے سے بندھا کھڑا تھا اور ایک عورت اپنے ہاتھ میں چمڑے کا کوڑا لئے اپنے قریب کھڑے تین آدمیوں سے آہستہ آہستہ کچھ کہ

تھی۔ دفعتاً وہ فریدی کی طرف مڑی اور حمید یک بیک چونک پڑا۔

وہ رینو کا تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو دیکھتی رہی پھر شڑاپ سے کوڑا رسید کر دیا۔ فریدی کے جسم میں جنبش تک نہ ہوئی۔ وہ ایک بے جان بت کی طرح کھڑا تھا۔ دوسرا کوڑا پڑا۔ فریدی کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی تو اُس نے ہونٹ بھینچے اور نہ اُس کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔ اس کا چہرہ کوڑے کی ضربوں کی تکلیف کے تاثر سے یکسر عاری نظر آ رہا تھا۔ کوڑا تیسری بار کوندا اور رینو کا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"میں کوڑے مار مار کر آج تمہیں ختم کر دوں گی۔" وہ پر مسرت لہجے میں چیخی۔

فریدی پھر بھی کچھ نہ بولا۔

چوتھا کوڑا پڑا اور حمید آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے ریوالور کا دستہ اس مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا کہ اس کے ہاتھ کی رگیں ابھر آئیں تھیں۔ وہ ایک چٹان کی اوٹ لیتا ہوا آہستہ سے نیچے رینگ گیا۔ وہ جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس درخت کی طرف بڑھنے لگا جس سے فریدی بندھا ہوا تھا۔ وہ ٹھیک اس کے پیچھے جا کر رک گیا۔ رینو کا برابر کوڑے برسائے جا رہی تھی۔

"تم خواہ مخواہ اپنے ہاتھوں کو تکلیف دے رہی ہو میری جان۔"

"ہٹ جاؤ.... میں اس پر نشانے کی مشق کروں گا۔"

"نہیں....!" رینو کا گرج کر بولی۔ "میں نے قسم کھائی تھی کہ اسے بڑی اذیت دے کر ماروں گی۔"

"اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو گی کہ تم اتنے دنوں تک مجھ سے جدا رہیں۔ میں یوں ہی مر رہا تھا۔ تم نہیں جانتیں کہ میں تم پر کس بُری طرح عاشق ہوا ہوں۔" یہ فریدی کی آواز تھی۔

"خاموش رہو مکار۔" رینو کا پھر چیخی۔ "میں ہر حال میں اس بے عزتی کا بدلہ لے کر رہوں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "مگر اُس آدمی سے کہہ دو کہ تمہیں اتنے پیار سے نہ دیکھے ورنہ میں اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔"

"شٹ اپ۔" رینو کا نے کہا اور ساتھ ہی ایک کوڑا اور پڑا۔

حمید کا سر چکرا گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا سچ مچ فریدی کے جسم میں کسی شیطان کی روح حلول کر گئی ہے کہ اس حالت میں بھی وہ ذرہ برابر خوف کا اظہار نہیں ہونے دے رہا ہے۔

حمید نے سوچا کہ وہ کیوں نہ یک بیک ان لوگوں پر فائرنگ شروع کر دے مگر پھر سوچا کہ کہیں ان میں سے کوئی فریدی کو سچ مچ گولی نہ مار دے۔ اس نے جھاڑیوں سے جھانک کر دیکھا

فریدی کے دونوں ہاتھ درخت کے تنے کے گرد لے جاکر کلائیوں کے پاس سے باندھ دیئے گئے تھے۔ حمید نے جھاڑیوں سے ہاتھ نکال کر فریدی کے ہاتھوں کو چھوا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک جھٹکے دار جنبش ہوئی اور حمید رسیوں کے بل کھولنے لگا۔

محاصرہ

پھر پوری رسی کھول ڈالنے سے پہلے اس نے یہ مناسب سمجھا کہ فریدی کو ایک ریوالور دے۔ فریدی کے ہاتھ آزاد ہوگئے۔ لیکن اس نے انہیں پہلی ہی جیسی حالت میں رہنے کوڑے اس پر برابر برس رہے تھے۔

"رینو.... ڈارلنگ ایک بات سنو۔" اس نے بڑے پیار سے کہا۔

رینو کا نے ہاتھ روک لیا۔

"تمہیں وہ ریستوران والی بات یاد ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس مردہ عورت کو اس اپنے قریب دیکھ رہا ہوں۔"

"مت بکو۔" رینو کا نے چیخ کر کہا۔ "تم مجھے الو نہیں بنا سکتے۔"

"اچھا اگر یقین نہیں آتا تو اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور اس کے حمید کی نظروں سے غائب ہوگئے۔

"اور تم تینوں بھی۔" فریدی نے کڑک کر کہا۔ "خبردار اگر ذرا بھی جنبش کی تو بھیجے اڑتے پھریں گے۔"

رینو کا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

حمید نے جست لگائی اور جھاڑیوں کو پھلانگتا ہوا فریدی کے برابر پہنچ گیا۔

رینو کا کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ایک لائن میں کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "رینو کا تم بھی چلو سب ایک ہی قطار میں کھڑے ہوگئے۔

"ان کی تلاشی لو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید نے ان سب کی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں۔ تینوں کے پاس ریوالور نکلے پھر وہ ر

قریب پہنچ کر رک گیا۔

"جان من اگر کوئی خطرناک چیز تمہارے پاس ہو تو تم خود ہی نکال کر دے دو۔ میں تمہارے مقدس جسم کو اپنے ناپاک ہاتھ نہیں لگانا چاہتا۔" حمید نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"حمید جلدی کرو۔" فریدی نے کہا۔

"میرے پاس کچھ نہیں ہے۔" رینو کا آہستہ سے بولی۔

"یقین نہیں آتا۔" حمید نے کہا اور پستول کے دستے سے اس کا سارا جسم تھپتھپا کر رکھ دیا۔

"کچھ نہیں ہے۔" اس نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔

"اچھا اب داہنی طرف گھوم جاؤ اور چل پڑو۔ اگر کسی نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو خیر نہیں۔" فریدی نے مجرموں سے کہا۔

چاروں ایک قطار میں چل پڑے۔

"ٹھیک.... ہاں.... اب اس دراڑ میں اتر چلو۔" فریدی بولا۔

وہ سب دراڑ میں اتر گئے۔

یہ ایک تنگ و تاریک راستہ تھا۔ فریدی جیب سے ٹارچ نکال کر انہیں دکھانے لگا۔ راستے کی چوڑائی دو ڈھائی فٹ سے کسی طرح زیادہ نہ تھی۔ دونوں طرف اونچی اونچی چٹانیں دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ تقریباً ایک فرلانگ چلنے کے بعد وہ پھر اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان آگئے۔ آدھے گھنٹے تک وہ ناہموار کھڈ دار راستے پر چلتے رہے۔ پھر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور بیچ میں زمین ہموار تھی۔ حمید جو راستے بھر قطعی خاموش رہا تھا۔ یہاں کی طرح اپنی زبان نہ روک سکا۔

"لیکن آپ اس کے ہتھے کس طرح چڑھ گئے۔"

"تمہارا انتظار کر رہا تھا کہ انہوں نے نہ جانے کدھر سے آلیا۔ بس سمجھ لو کہ غفلت میں مارا گیا۔ لیکن تم نے بڑی دانشمندی سے کام لیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں تم آتے ہی فائرنگ نہ شروع کردو۔"

"میں ہر وقت بدحواسی کے موڈ میں نہیں رہتا۔" حمید نے کہا۔ "مگر ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"بس اب کہیں نہیں جانا ہے۔" فریدی نے کہا اور قیدیوں کو رکنے کا حکم دے کر ہولے ہولے سیٹی بجانے لگا۔

ادھر اُدھر کی چٹانوں سے فوجی سپاہی کود کود کر آنے لگے اور دیکھتے دیکھتے تیس چالیس مسلح

فوجیوں نے انہیں اپنے نرغے میں لے لیا۔ ان میں ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ بھی تھا۔ "قیدی" فریدی نے لیفٹیننٹ سے کہا۔

چاروں کے ہتھکڑیاں لگادی گئیں۔

"رینو ڈارلنگ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے لئے مخمل کی ہتھکڑیوں کا انتظام نہ کرسکا" فریدی نے کہا۔

رینوکا نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سر جھکالیا۔ کئی فوجی اُسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ فریدی نے یہ چیز محسوس کرلی اور لیفٹیننٹ سے بولا۔

"آفیسر! یہ قیدی بہت اہم ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نکل گیا تو پھر ہم زندگی بھر کامیاب نہیں ہوسکتے۔"

"یہ" لیفٹیننٹ مسکرا کر بولا۔ "ان کے فرشتے بھی نہیں نکل سکتے۔"

"تیل کے چشموں کی طرف کون جائے گا۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"خود کیپٹن شہاب۔"

"ٹھیک ہے۔"

تیل کے چشموں کا نام سن کر وہ چاروں بُری طرح چونکے۔ خصوصاً رینوکا تو سفید پڑگئی۔

"رینو ڈارلنگ! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیل کے چشموں کا ڈھونگ کس لئے رچایا گ ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ آج وہ نیلی سرچ لائٹ بھی ہمارے قبضے میں آجائے گی اور وہ خونی شعاعیں نی روشنی کی گود سے نکل کر ٹیکم گڈھ کی فضاؤں میں پرواز کرتی ہیں اور سناؤ تمہارے کبوتروں کا حال ہے اور ہاں یہ بھی سنو کہ اب کوئی جوان آدمی ریڈیم سے متاثر شدہ سونے کا شکار ہو کر سف موت نہیں مرے گا۔"

رینوکا حیرت سے آنکھیں پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھی بُ طرح گھبرائے ہوئے تھے۔

"میں تم سے نہیں پوچھوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "کہ وگراج کے درے سے کیا چیز اسمگل آؤٹ ہوتی ہے اس لئے کہ شائد اس راز سے تم بھی واقف نہ ہوگی۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔

پھر وہ تھوڑی دیر بعد لیفٹیننٹ کی طرف مڑا۔ "اچھا آفیسر اب تم انہیں سنبھالو اور پروگرام تو تمہیں معلوم ہی ہے اور ہاں کیپٹن شہاب کے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔"

"ڈیڑھ سو۔"

"بہت ہیں۔" فریدی پُر اطمینان لہجے میں بولا۔ "اچھا تو اب میں اپنا کام دیکھتا ہوں۔" وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑا۔

"لِلّٰہ کچھ بولتے چلئے۔" حمید نے کہا۔ "ورنہ میرا بھیجا کھوپڑی سے نکل کر ہوا میں معلق ہوجائے گا۔"

"صبر.... صبر فرزند۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "سب معلوم ہوجائے گا۔ ذرا آہستہ بولو۔ اِس طرف آجاؤ.... اس دراڑ میں۔"

"یہ اتنے فوجی کہاں سے پکڑ لئے۔"

"بتاتا ہوں.... میرے خیال سے ابھی یہیں ٹھہرو اور اندھیرا پھیل جانے دو۔" فریدی نے ایک مناسب جگہ تلاش کرلی اور وہ دونوں بیٹھ گئے۔

"نہ جانے کب سے میں نے سگار نہیں پیا۔" فریدی نے ایک سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ حمید خاموشی سے ایک طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے جانے کے بعد۔" اس نے ایک طویل کش لے کر منہ سے آہستہ آہستہ دھواں نکالتے ہوئے کہا۔ "میں نے پھر اپنا ارادہ بدل دیا تھا اور میں میجر نصرت کے یہاں جانے کے بجائے سیدھا کمشنر کے یہاں گیا اور پھر اس شریف آدمی نے میری اسکیم کے مطابق یہ سارا انتظام کردیا۔ وہ خود بھی یہاں کی پولیس سے کافی برگشتہ ہے اور اُسے یہاں کی محافظ فوج پر بھی اعتماد نہیں ہے لہٰذا اس نے ٹکری کیمپ سے مدارس رجمنٹ کا ایک دستہ بلایا ہے اور وہی میری مدد کررہا ہے۔"

"لیکن یہ تیل کے چشموں کا کیا قصہ ہے۔"

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں سے دس میل دوری پر چند غیر ملکی ماہروں نے پٹرول کے ذخائر کا پتہ لگایا ہے اور وہاں کھدائی کا کام ہورہا ہے۔ ایک غیر ملکی کمپنی نے ٹھیکہ لیا ہے۔ لیکن سنو آج سات ماہ سے کھدائی جاری ہے۔ لیکن وہ ایک قطرہ پٹرولیم حاصل نہیں کرسکے۔"

"تو پھر....!" حمید بے چینی سے بولا۔ "کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ یہاں سونا کھود رہے ہیں۔"

"قطعی نہیں.... یہاں سونا کہاں سے آیا۔"

"پھر....!"

"سونے سے بھی کوئی زیادہ اہم چیز۔"

"یعنی....!"

"چھوڑو یار.... ابھی سے مجھے لال بجھکڑ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں بھی تمہاری ہی طرح آدمی ہوں۔"

"تو وہاں بھی کوئی فوجی دستہ گیا ہے۔"

"ہاں....!"

"کیوں....!"

"نیلی سرچ لائٹ اور اُسے استعمال کرنے والوں کو قابو میں کرنے کے لئے۔"

"نیلی سرچ لائٹ۔"

"ہاں پیارے! نیلی سرچ لائٹ! اور وہ آتشبازیاں۔"

"کہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔" حمید نے کہا۔

"بھلا شرمندگی کس بات کی۔" اگر وہاں کوئی سرچ لائٹ استعمال کی گئی تو وہ انہیں پکڑ لیں گے۔ ورنہ واپس آ جائیں گے۔"

"فرض کیجئے انہیں آپ کی اسکیم کی اطلاع ہو گئی اور وہ آج چپ چاپ ہی بیٹھ رہے۔"

"اس کا امکان بہت کم ہے کہ مجرموں کو اس کا علم ہو سکے۔"

"نہ جانے کیوں مجھے کامیابی کا یقین نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہ سہی پھر دیکھا جائے گا۔ بہر حال اب یا تو یہ راز ظاہر ہو گا یا یہاں کی پیاسی چٹانیں میرے خون سے رنگین نظر آئیں گی۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموشی سے سگار کے کش لیتا رہا۔ پھر یک بیک بولا۔

"یہاں کا محکمہ سراغ رسانی یا تو بالکل ناکارہ ہے یا سب کے سب مجرموں سے ملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے پورے حالات تک سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اگر میں آج کمشنر سے نہ ملتا تو اتنی باتیں کبھی نہ معلوم ہوتیں۔ جانتے ہو سب سے پہلے ہمسایہ ملک کے مفروضہ تباہ کن حربے کی طرف کس نے حکومت کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ یہ وہی اُس غیر ملکی کمپنی کے کارکن تھے۔ انہوں نے یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ ہمسایہ ملک اپنے کسی تباہ کن حربے سے پٹرولیم کے ذخائر برباد کر دینا چاہتا ہے۔"

"پھر....!" حمید نے اُسے ٹوکا۔

"پھر کیا! جب پہلے حادثے کے چھ ماہ بعد نیلی روشنی کا ظہور ہوا تو پھر انہی کارکنوں نے ہانک لگائی۔ اگر کچھ دنوں تک یہی سلسلہ جاری رہا تو ہمسایہ ملک سے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔"

"ظاہر ہے۔" حمید نے کہا اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر حمید بولا۔

"ہم دونوں کہاں جا رہے ہیں۔"

"وگراج کا درہ....!" فریدی نے کہا۔

"مگر ہمیں تو اس دستے کے ساتھ ہونا چاہئے تھا جو تیل کے چشموں کی طرف گیا ہے۔"

"کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیا وہ زیادہ اہم نہیں۔"

"ہے کیوں نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس سے بھی زیادہ اہم وہ چیز ہے جو وگراج کے درے سے لی جاتی ہے۔"

"وہاں کے محافظ دستے کا کیا ہو گا؟" حمید نے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ وہ نیلی روشنی دیکھ کر جنگل کی طرف بھاگے گا۔"

"اور وہ پولیس چوکی۔"

"وہاں کے لوگ بھی ان کی تقلید کرتے ہیں بھلا کون ایسا ہے جو اس سفید حادثے سے نہ ڈرے گا۔"

"پھر....!"

"پھر ہم دیکھیں گے کہ سونا کس طرح لے جایا جاتا ہے۔"

"صرف ہم ہوں گے۔"

"نہیں کچھ فوجی بھی، جو تین بجے سے وگراج کے درے کے قریب شکار کھیل رہے ہیں، اندھیرا ہونے سے قبل ہی انہوں نے واپسی کا بہانہ کر کے چھپنے کے لئے جگہ تلاش کر لی ہو گی۔"

"مگر....!"

"ہاں میں جانتا ہوں جو کچھ تم پوچھنا چاہتے ہو۔" فریدی نے ایک طویل کش لے کر سگار بجھاتے ہوئے کہا۔

"وہ جو تم نے فوجی دیکھے تھے وہ وگراج کے درے کے محافظ دستے کو سنبھال لیں گے۔"

"وہ بھی اسی درے کے قریب جنگلوں میں منتشر ہو گئے ہوں گے۔"

"یہ تو آپ....!" حمید اس طرح بولا جیسے اُسے مناسب الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔

"ہتھیلی پر سرسوں جمانے والا محاورہ اسی وقت میری سمجھ میں آیا ہے۔"

چاروں طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی۔ وہ دونوں وگراج کے درے کی طرف بڑھنے لگے۔ اونچی اونچی چٹانوں کے درمیان آتے فریدی زمین پر لیٹ کر سینے کے بل رینگنے لگتا اور حمید سردی سے کانپ رہا تھا۔ فریدی کے جسم پر بھی ایسے کپڑے نہیں تھے جو سردی کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہوتے۔ بہر حال وہ بڑھتے رہے ایک جگہ فریدی رک گیا۔

"ہمیں یہیں ٹھہرنا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ فوجی بھی کہیں قریب ہی موجود ہوں گے۔"

لومڑیوں نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ کئی تو دوڑتی ہوئی اُن کے قریب سے نکل گئیں۔ آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ سناٹے میں ہوا کی سائیں سائیں ایسی لگ رہی تھی جیسے صدہا سال نیند میں ڈوبی ہوئی چٹانیں خواب آلودا اور گہری سانسیں لے رہی ہوں۔ کبھی کبھی جھاڑیوں میں پہاڑی چوہوں کی سرسراہٹ گونج اٹھتی۔ فریدی کی گھڑی کی چمکدار سوئیوں نے دس بجائے اور افق میں نیلی روشنی ابھرنے لگی اور پھر انہیں وگراج درے کے محافظ دستے کے کیمپ میں ہلچل سنائی دی۔ وزنی جوتوں کی بہت سی آوازیں چٹانوں میں گونجنے لگیں، جو آہستہ آہستہ دور ہوتی جارہی تھیں۔ نیلی روشنی کی شعاعیں بڑھنے لگیں اور آس پاس بالکل سناٹا چھا گیا۔ البتہ بھاگنے والوں کے قدموں کی آواز کہیں دور سنائی دے رہی تھیں۔

"اٹھو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

وہ دونوں درے کی طرف رینگنے لگے۔ ابھی وہ سڑک بھی نہیں پار کر سکے تھے کہ انہیں دور ایک بڑی سی متحرک چیز دکھائی دی جو تیزی سے درے کی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ یہ دونوں تیز چلنے لگے۔ لیکن سڑک کے کنارے پہنچنے سے قبل ہی وہ چیز قریب آگئی یہ ایک بغیر آواز کی الیکٹرک کار تھی جو درے میں داخل ہونے جارہی تھی۔ فریدی اور حمید نے ریوالور نکال کر پچھلے پہیوں پر فائرنگ کرنا شروع کر دی۔ کار سے بھی فائر ہوئے۔ غالباً کار کا ڈرائیور بوکھلا گیا تھا۔ اگر وہ فوراً ہی بریک نہ لگا دیتا تو وہ ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی۔

فوجیوں نے بڑھ کر اُسے نرغے میں لے لیا اور کئی ٹارچوں کی روشنیاں اس پر پڑنے لگیں۔ پچھلی سیٹ پر ایک آدمی اوندھا پڑا تھا۔ اس کی پیٹھ میں گولی لگی تھی اور ڈرائیور بیٹھا بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"کون ہو تم....!" فریدی نے گرج کر پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ درمیان میں ایک بڑا

صندوق رکھا تھا۔

فوجیوں نے رائفل کے کندے مار مار کر اس کا تالا توڑ دیا اور جب ڈھکنا اٹھایا گیا تو سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ اس میں سونے کی اینٹیں بھری ہوئی تھیں۔

"ہُرا....!" حمید نے نعرہ لگایا۔

ڈرائیور کو باندھ کر پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔

"کیپٹن راجیشور مبارک ہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"میں کیپٹن نہیں لیفٹیننٹ ہوں۔" فریدی کے قریب کھڑے ہوئے فوجی نے کہا۔

"اتنے بڑے کارنامے کے بعد آپ صرف لیفٹیننٹ نہیں رہ سکتے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حیرت انگیز انکشاف

اسی رات کو ٹیکم گڈھ کی کوتوالی کے طویل و عریض صحن میں قیدیوں کا جم غفیر نظر آرہا تھا۔ ٹیکم گڈھ میں سارے بڑے حکام موجود تھے۔ فریدی اور حمید ایک جگہ کھڑے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً ایک بڑی سی ٹرک اندر داخل ہوئی اور رکنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک فوجی اُس پر سے کود پڑا۔

"ہیلو کیپٹن شہاب۔" فریدی بے اختیار بولا۔

"فتح۔" کیپٹن شہاب اپنا داہنا ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

آفیسرز اُس کے گرد جمع ہونے لگے۔

کیپٹن شہاب بلند آواز میں فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "وہ نیلی سرچ لائٹ ہی تھی۔ میں اُسے لاد لایا ہوں۔ زبردست لڑائی ہوئی۔ ہمارا ایک آدمی کام آگیا۔ لیکن ہم نے انہیں جکڑ لیا ہے۔ سفید نسل کے پندرہ سور ہیں اور بقیہ اپنے دیسی کتے۔ کل پینتالیس ہیں۔ ہمارا ارادہ فائرنگ کا نہیں تھا مگر خود انہوں نے پہل کی۔ نگرانی کے لئے کچھ آدمی چھوڑ آیا ہوں۔"

اس ٹرک کے پیچھے کچھ اور ٹرکیں بھی تھیں جن پر سے قیدیوں کو اتارا جانے لگا۔ پھر سرچ لائٹ اتاری گئی۔ اس کی اونچائی چھ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی اور قطر کم از کم چار فٹ ضرور رہا ہوگا۔

"دیکھا آپ نے۔" فریدی نے کمشنر کو مخاطب کر کے کہا۔ "یہی ہے وہ تباہ کن ہتھیار جو ہمسایہ ملک استعمال کرتا تھا۔"

کمشنر پر خیال انداز میں سر ہلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ دونوں ٹہلتے ہوئے ڈگراج درے کے محافظوں کی طرف آئے فریدی اُن کے آفیسر کیپٹن رگھوبیر کے سامنے آکر رک گیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔

"کیوں کیپٹن! اسی طرح فرض ادا کیا جاتا ہے۔" فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

کیپٹن رگھوبیر کے ہونٹ آہستہ سے ہلے لیکن آواز نہ نکلی۔ شاید کوئی گالی اُس کے ہونٹوں تک آکر لوٹ گئی تھی۔

"تم اپنی جان کے خوف سے بھاگے تھے نا۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "ہاں فوراً یہ جلدی سے بتاؤ کہ محکمہ سراغ رسانی کے کون بزرگ تم لوگوں سے ملے ہوئے تھے۔"

"میں کیا جانوں تم کیا بک رہے ہو۔" کیپٹن رگھوبیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ لیکن پھر دفعتاً گرجنے لگا۔ "مجھے ہتھکڑی کیوں لگائی گئی ہے۔ میرے ساتھ معمولی مجرموں جیسا برتاؤ کیوں کیا جارہا ہے۔ میں پولیس کا قیدی نہیں۔ میں صرف اپنے آفیسر کے سامنے جواب دہ ہو سکتا ہوں۔"

"جان من بگڑنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور ایک بھرپور ہاتھ رگھوبیر کے منہ پر جھاڑ دیا۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹ بُری طرح بھنچ گئے اور اس کی آنکھوں سے خون اترتا معلوم ہونے لگا۔

کمشنر کی موجودگی میں کسی قیدی کو چانٹا مار دینا فریدی ہی کا کام تھا۔ سارے پولیس آفیسر سناٹے میں آگئے خود کمشنر کے ماتھے پر بھی سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔

"تمہاری آنکھیں مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔" فریدی نے دانت پیس کر کہا۔

"میں تین سال سے تمہاری تلاش میں ہوں۔"

کیپٹن رگھوبیر چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

فریدی دوسرے آفیسروں کو تحیر میں مبتلا چھوڑ کر سفید فام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"شریف آدمیو! کیا تم ہم مشرقیوں کو اتنا احمق سمجھتے ہو۔" فریدی نے انگریزی میں کہا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" ان میں سے ایک گرج کر بولا۔ "ہم لوگوں کو خواہ مخواہ پریشان کیا جارہا ہے۔ میں اپنے ملک کے سفارت خانے کو ایک پیغام بھیجنا چاہتا ہوں۔"

"اس توہین کا مطلب۔"

وہ اس کے علاوہ بھی نہ جانے کیا کیا بکتا رہا۔

فریدی مسکراتا رہا۔

"مسٹر فریدی۔" کمشنر نے فریدی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ذرا ادھر آیئے۔"

پھر وہ اُسے ایک طرف لے جا کر کہنے لگا.... "سوچ سمجھ کر! محافظ دستے کی گرفتاری تو خیر کسی نہ کسی طرح کھینچ کر جائز کی بھی جاسکتی ہے مگر یہ.....! ان لوگوں کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کیا جائے گا۔ ان پر صرف سرچ لائٹ استعمال کر کے ہراس پھیلانے کا الزام لگایا جاسکتا ہے لیکن اس پر ہمیں ایک آدھ بار انہیں وارننگ دیئے بغیر گرفتار کر لینے کا حق نہیں ہے۔ قاعدے کی رو سے سب سے پہلے ہمیں اس کی اطلاع ان کے ملک کے سفارت خانے کو دینی چاہئے تھی۔"

"مطمئن رہئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ان کے جرم ہی کے لحاظ سے انہیں اس برتاؤ کے قابل سمجھا گیا ہے۔ محض سرچ لائٹ ڈالا معاملہ ان کے لئے قطعی ناکافی ہے۔"

"کیا سونے کا اسمگلنگ۔"

"جناب والا۔"

"مگر اس کا ثبوت۔"

"میں دوں گا۔" فریدی قدرے جھک کر بولا۔

"بھئی کیسے! میری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آتا۔ کمشنر نے اکتا کر کہا۔ سونے کی اسمگلنگ کے لئے اتنی کھینچ تان۔"

"وہی عرض کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "اسی خیال نے مجھے بھی ان تک پہنچایا ہے۔ اچھا رگھوبیر سنگھ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس کی قومیت۔" فریدی نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ سکھ ہے۔" کمشنر جھنجھلا کر بولا۔

"نہیں جناب والا۔ سکھ ہوتا تو الگ رہا۔ وہ اپنے دیس کا بھی نہیں ہے۔"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" کمشنر نے اکتا کر کہا۔

"ابھی عرض کرتا ہوں۔" آیئے میرے ساتھ۔ فریدی نے کہا اور کیپٹن رگھوبیر سنگھ کے قریب جا کر رک گیا۔

"ہیلو کرنل۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

رگھوبیر سنگھ بے اختیار اچھل پڑا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ۔" فریدی نے کمشنر کو مخاطب کر کے کہا۔ "یہ کیپٹن ہو کر کرنل کے نام پر چونکتا ہے۔ حالانکہ اسے میری جہالت پر ہنسنا چاہئے تھا۔"

وہ پھر کیپٹن رگھوبیر سے کچھ کہنے جارہا تھا۔ لیکن دفعتاً رک گیا اور کمشنر کو الگ لے جاکر بولا۔

"آپ یہاں کی سب سے بڑی ذمے دار شخصیت ہیں۔ اس لئے ایک چیز کا اظہار قبل از وقت ضروری ہے۔ میں ایک بہت بڑے راز سے پردہ اٹھانے جارہا ہوں جس سے ساری دنیا میں کھلبلی مچ سکتی ہے لہٰذا اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ہماری حکومت کا کیا رویہ ہوگا۔" کمشنر آنکھیں پھاڑ کر فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

"بھئی کہہ بھی چکئے۔ مجھے کیوں خواہ مخواہ الجھن میں مبتلا کررہے ہیں۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ فریدی آگے جھک کر آہستہ آہستہ اُس کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ جسے حمید نہ سن سکا۔

"نہیں....!" کمشنر تحیر آمیز لہجے میں بولا۔

"نہ گھوڑا دور نہ میدان۔" فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔

"اوہ، اگر یہ بات ہے تو۔" کمشنر بے چینی میں اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"جناب والا.... آپ کا خیال قطعی درست ہے کہ محض سونے کی اسمگلنگ کے لئے اتنی اچھل کود ناممکن ہے۔"

"تو پھر.... تو پھر.... اُسے اوپر اطلاع پہنچائے بغیر ظاہر نہ کرنا چاہئے۔" کمشنر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن رگھوبیر اور دوسرے سفید فام قیدیوں کو کسی الگ کمرے میں لے چلئے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے خیال سے وہ کمرہ بہتر رہے گا۔ جہاں وہ سونار کھا گیا ہے۔"

"اور کون کون ہوگا؟"

"صرف آپ، میں اور میرا ساتھی۔"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔!" کمشنر وہاں سے ہٹ گیا۔

"کہئے کیا اب کوئی نئی بات سوجھی۔" حمید نے کہا۔

"بے صبری اچھی نہیں حمید صاحب۔" فریدی مسکرایا۔

"آپ تو اتنا مزہ لے لے کر آگے بڑھ رہے ہیں جیسے شب عروسی بسر کرنے جارہے ہوں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "یہ واقعی شب عروسی ہے۔ مجرم میرے پنجے میں ہیں اور میں ایک عظیم الشان جرم پر سے پردہ اٹھانے جارہا ہوں۔"

"پردہ بک.... بب...." حمید ہکلایا۔

"شٹ اپ۔ کوئی لغویات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"خیر چھوڑیئے! بتایئے یہ رگھوبیر سنگھ کون ہے۔"

"تف.... ہے تمہاری ذہانت پر۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہیں تو کوئی گھٹیا سا ناول نویس ہونا چاہئے تھا اس محکمے میں ناحق جھک مارنے کے لئے آئے۔"

"اب میں کوئی غائب دان ہوں۔"

"سینکڑوں بار میری پرسنل فائیل میں اس کا فوٹو دیکھ چکے ہو۔"

"مجھے تو یاد نہیں پڑتا۔"

"ابھی یاد آجائے گا۔"

وہ دونوں قیدیوں کو گذرتے دیکھتے رہے۔

کمشنر انہیں ایک علیحدہ کمرے میں لے جانے کا انتظام کرارہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے برآمدے سے فریدی اور حمید کو اشارہ کیا وہ دونوں اس کی طرف بڑھے۔

"یہاں اس برآمدے کے قریب بھی کوئی نہ آنے پائے۔" فریدی نے کہا۔

"اس کا انتظام کرلیا گیا ہے۔" کمشنر نے کہا اور وہ تینوں کمرے میں چلے گئے۔

رگھوبیر سنگھ اور سارے سفید فام قیدی موجود تھے۔ ان میں سے کچھ کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور کچھ پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ رگھوبیر سنگھ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ اس کی نظریں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ دفعتاً وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ شاید اُسے اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ اس کی حالت بگڑ رہی ہے۔ وہ تن کر بیٹھ گیا اور اس طرح غیر متعلقانہ انداز میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے اب وہ کمرے کے فرنیچر کی پائیداری اور خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہے گا۔ پھر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"جو کچھ بھی کیا گیا ہے اس کا خمیازہ تم لوگوں کو بھگتنا پڑے گا۔"

"خوب....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ تم انفرادی حیثیت سے کہہ رہے ہو یا تمہاری زبان تمہاری حکومت کی نمائندگی کررہی ہے۔"

"شاید تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" رگھوبیر سنگھ دانت پیس کر بولا۔

حمید کی الجھن پھر بڑھنے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جلدی سے یہ ڈرامہ ختم بھی ہو چکے لیکن وہ فریدی کی عادت سے بخوبی واقف تھا اس منزل پر پہنچ کر فریدی سے جلد بازی کی توقع فضول تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ مزہ لے لے کر آگے بڑھنے کا عادی تھا۔ جیسے نہایت لذیز قسم کی آئس کریم کھا رہا ہو۔

فریدی رگھو بیر سنگھ کی بات کا جواب دینے کی بجائے کمشنر کی طرف مڑا۔

"میرے خیال سے ایک مجسٹریٹ کی موجودگی بھی ضروری ہے۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ قطعی ضروری ہے، مجھے بھی خیال نہیں رہا تھا۔" کمشنر نے کہا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا برآمدے میں چلا گیا۔

فریدی کی نظریں رگھو بیر سنگھ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

حمید سوچنے لگا کہ اگر یہ سولہ عدد یک بیک ان پر ٹوٹ پڑیں تو ہتھکڑیاں ہی مار مار کر دونوں کا قیمہ بنا ڈالیں گے۔ وہ آہستہ سے دروازے کی طرف سرک گیا لیکن اُسے وہاں سے ہٹنا پڑا۔ کیونکہ کمشنر ایک مجسٹریٹ کو اپنے ساتھ لے کر واپس آ گیا تھا۔

"ہاں تو شریف آدمیو۔" فریدی قیدیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ "وہ زہریلا سونا کس کی ایجاد تھی۔ میں اس عظیم سائنٹسٹ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں جس نے اس کو ریڈیم کے ساتھ چار کر کے اتنا خطرناک بنا دیا تھا کہ اُسے چھونے والے بوڑھے ہو کر مر جاتے تھے۔"

قیدیوں کے چہرے سیاہ پڑ گئے۔ رگھو بیر سنگھ اپنی خونی آنکھوں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"تو صحیح معنوں میں تم ہی ان کے لیڈر ہو۔" فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

"بکواس ہے۔" رگھو بیر سنگھ چیخا۔

"کرنل ڈکسن۔" فریدی نے سخت لہجہ میں کہا۔ "تمہاری یہ ڈاڑھی مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی"

"کرنل ڈکسن....!" کمشنر اور مجسٹریٹ دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا اور وہ فریدی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگے۔

"جناب والا۔" فریدی نے قدرے جھک کر بولا۔ "میں تین سال سے اس کی تلاش میں ہوں اگر یقین نہیں تو یہ دیکھئے۔"

فریدی نے بڑھ کر رگھو بیر سنگھ کی پگڑی کھینچ لی۔ پگڑی کے ساتھ ہی مصنوعی بال بھی آئے اور رگھو بیر کی گنجی کھوپڑی بجلی کی روشنی میں انڈے کے چھلکے کی طرح چمکنے لگی۔

"ڈاڑھی تو تم نے بڑھالی تھی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اس گنجی کھوپڑی کا علاج کس طرح کرتے۔ تم لوگوں نے ایٹم بم بنانے کی بجائے گنجی کھوپڑیوں کو دوبارہ پُر بہار بنانے کا کوئی آلہ ایجاد کیا ہوتا تو اس وقت اس طرح تمہاری درگت کیوں بنتی۔"

پھر وہ کمشنر کو مخاطب کر کے بولا۔ "یہ کرنل ڈکسن ہے ایک جنگ باز ملک کی سیکرٹ سروس کا ایک آفیسر۔"

"ارے....!" مجسٹریٹ چونک کر بولا۔

"اس کا فوٹو مرکزی دفتر میں محفوظ ہے۔" فریدی نے کہا اور سونے کی اینٹوں والے صندوق کا ڈھکنا اٹھا کر بولا؟ "بھلا کسی سیکرٹ سروس والے کو سونے کی ناجائز برآمد سے کیا سروکار۔"

"کیوں نہیں۔" حمید بے ساختہ بولا۔ "یہ ہمیں اس طرح کنگال بنا کر اپنا دست نگر بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ایشیا اور افریقہ کے کئی ملکوں کے ساتھ یہی حرکت کی ہے۔ کسی کا غلہ غائب اور کسی کا سونا غائب اور کسی کا کپڑا غائب اور پھر انہیں انتہائی فراخ دلی کے ساتھ اپنا پابند بنائے رکھنے کے لئے دل کھول کر مدد بھی دی ہے۔ ایک طرف انہیں لوٹا اور دوسرے دروازے سے سخی داتا بن کر آ گئے ہیں۔"

"تمہارا یہ خیال بھی غلط نہیں ہے۔" فریدی نے صندوق سے ایک اینٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔"

کرنل ڈکسن کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ فریدی پر جھپٹ پڑے گا۔ حمید نے ریوالور نکال لیا۔

"خبردار اگر کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی تو....!"

فریدی سونے کی اینٹ کو ہاتھ میں تولنے لگا۔ پھر جیب سے ایک قلم تراش چاقو نکالا۔ وہ چاقو کا پھل اس طرح اس اینٹ کے کناروں پر چبھو رہا تھا جیسے کسی سختی سے بند کئے ہوئے ڈھکن کو کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

دفعتاً اینٹ کی ایک پرت نکل کر زمین پر گری اور فریدی کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ پھر اس نے کھلے ہوئے حصے کو ہتھیلی پر الٹا اور کسی دھات کا چمکدار برادہ ہتھیلی پر گرنے لگا۔

"دیکھا آپ نے۔" فریدی نے کمشنر اور مجسٹریٹ کو مخاطب کا کی۔

"یہ کیا....!" مجسٹریٹ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

کمشنر بہت زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور ماتھے پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"یورونیم....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ دھات جو ایٹم بم بنانے میں کام آتی ہے۔"

"مگر.... مگر....!"

"یہ دھات ہمارے یہاں بھی موجود ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ان کا ملک ایک عرصہ سے اس پر دانت لگائے ہوئے ہے لیکن ہماری حکومت نے صاف انکار کردیا تھا۔اس کے لئے انہوں نے دوسری چال چلی۔ مٹی کا تیل نکالنے کا ڈھونگ رچایا۔ تقریباً چھ ماہ سے یہ کھدائی کا کام کررہے ہیں۔ لیکن آج تک قطرہ بھی نہ نکال سکے۔اس عرصہ میں جو کچھ یہ حاصل کرتے رہے ہیں آپ کے سامنے ہے۔"

"اوہ....!" مجسٹریٹ بے چینی سے ہاتھ ملنے لگا۔

"اور تم کرنل ڈکسن....!" فریدی رگھوبیر سنگھ کی طرف مڑا۔ "آج سے تین سال قبل تم نے فوج میں کمیشن لیا اور ترقی کرتے کرتے کیپٹن کے عہدے تک پہنچ گئے اور وگراج کے درے تک تم کس طرح پہنچے یہ اب دیکھنا ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی بولتا رہا۔ "لیکن اتنا یاد رکھو کہ ہمارا یورونیم تخریبی کاموں کے لئے نہیں تمہاری منصوبہ بندیاں خاک میں ملادی جائیں گی۔ ہم دنیا میں امن چاہتے ہیں۔ کسی جنگ باز ملک کا آلہ کار نہیں بن سکتے۔"

کرنل ڈکسن یا رگھوبیر سنگھ خاموش بیٹھا رہا اُس کے دونوں ہاتھ اس کی گود میں پڑے ہوئے تھے اور آنکھوں سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسا کہ وہ کسی حرکت میں مشغول ہے۔ دفعتاً اس کے چہرے پر کرب اور بے چینی کے آثار پیدا ہوئے اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ زمین پر آرہا۔ فریدی وغیرہ اس کی طرف لپکے لیکن وہ اتنی دیر میں سرد ہوچکا تھا۔

"کیا مر گیا....!" کمشنر بوکھلا کر بولا۔

"جی....!" فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔

"مگر کیسے....! مگر کیسے۔"

فریدی نے اس کا داہنہ ہاتھ اٹھایا۔ ایک انگلی میں خون کا ایک ننھا سا قطرہ دکھائی دیا "میرے خیال سے اب اس قصے کو ختم کرنا چاہئے۔" فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔ "مجرم آپ کے سامنے ہیں اور ان کا جرم بھی۔ اس سازش کے لیڈر نے آپ کے سامنے خودکشی کرلی ہے۔"

"مگر کس طرح۔"

"یہ دیکھئے....!" فریدی نے اُس کی انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مگر.... یہ کیا.... یہ خون...!"

"جی ہاں خون۔" فریدی نے اس کا بایاں ہاتھ کھینچ کر سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سارا فتور ں انگوٹھی کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ دیکھئے اس کا اوپری ڈھکن کھلا ہوا ہے اور اس کے اندر لگی ہوئی یہ کیلی سوئی غالباً زہریلی ہے۔ بہرحال یہ معلوم کرنا پوسٹ مارٹم کرنے والوں کا کام ہے کہ موت ں طرح واقع ہوئی۔ اب انہیں آپ سنبھالئے۔ مجھے ابھی ان کے مستقر کو بھی دیکھنا ہے۔"

کمشنر اور مجسٹریٹ خاموش کھڑے تھے۔

"یہ سب جعلسازی ہے.... جھوٹ ہے۔" قیدی بڑبڑائے۔

"شٹ اپ۔" فریدی نے پلٹ کر کہا اور حمید کو لے کر کمرے سے نکل گیا۔

پھر وہ ایک جیپ کار میں بیٹھ کر مٹی کے مفروضہ تیل کے چشموں کی طرف روانہ ہوگئے۔

حمید بُری طرح چہک رہا تھا۔ اس کامیابی کے سلسلے میں اس نے بس بغلیں ہی نہیں بجائیں رنہ اور سب کچھ کر گذرا۔

مٹی کے تیل کے چشموں پر ملٹری کا پہرہ لگا ہوا تھا اور اس دوران میں کیپٹن شہاب پھر واپس یا تھا اور اس وقت وہیں موجود تھا۔ اگر پہلے ہی نہ چلا آیا ہوتا تو شاید اس وقت تک ان دونوں کو ھسنے بھی نہ دیتا۔

تھوڑی دیر کی چھان بین کے بعد فریدی نے بہت سے کارآمد کاغذات پر قبضہ کیا اور اس ٹ کا بھی پتہ لگالیا جس کے ذریعہ یورونیم کو ذروں کی شکل میں تبدیل کیا جاتا تھا۔

مجرموں کے خلاف ثبوت پیش کرنے کے لئے کافی مواد اکٹھا ہوگیا تھا اور انہیں کے ات کی مدد سے محکمہ سراغ رسانی کے دو انسپکٹر اور ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بھی پکڑا گیا۔ لیکن یہ یں تھا جو حمید کو ریگستانی اسٹیشن میں اپنی کار پر ٹیکم گڈھ کے قریب لے گیا تھا وہ دونوں دوسری ر تک وہیں مشغول رہے۔ اس دوران میں کمشنر نے بھی کئی چکر لگائے۔ ساری تحقیقات انتہائی اری سے کی جارہی تھی۔

دوسرے دن کے اخبارات نے صرف سونے کی ناجائز برآمد کرنے والے گروہ کی گرفتاری کا چھاپا تھا۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی گئی تھیں۔ ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ لکی سرمایہ دار مٹی کے تیل کے بہانے سونا کھود رہے تھے۔ کیپٹن رگھوبیر کی خودکشی کی خبر بھی

شائع ہوئی تھی۔ اس کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ اس نے فرض کی ادائیگی سے کوتاہی برتنے کی بدنامی سے بچنے کے لئے خودکشی کی تھی۔

کمشنر کے الفاظ میں معاملہ اوپر کی طرف بڑھادیا گیا اور فریدی اور حمید واپس آگئے۔ اسٹیشن پر ان کے محکمے کے اعلیٰ آفیسروں نے ان کا شاندار استقبال کیا اور کچھ دنوں بعد فریدی اور حمید کو وزیراعظم کے خطوط ملے جن میں انہیں مبارک باد دینے کے بعد پوری قوم کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔

اس زہریلے سونے کے متعلق کسی کو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ معاملہ چونکہ اور آگے بڑھادیا گیا تھا اس لئے اس میں اب کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ کرنل ڈکسن کی موت کے بعد بھی نہ معلوم ہو سکا کہ وہ ملٹری میں کن ذرائع سے داخل ہوا تھا اور اس کی رسائی وگراج درے کے محافظ دستے تک کس طرح ہوئی۔ اس کا جو سامان ملا تھا اس میں بھی کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے اس کے حالات پر روشنی پڑ سکتی۔

البتہ فریدی آج تک اسی ادھیڑ بن میں پڑا ہوا ہے کہ مجرموں نے سونے کو ریڈیم سے کس طرح چارج کیا تھا۔

حمید اکثر اسے اس پر چھیڑتا۔

"اب چھوڑیئے بھی اس چکر کو۔" وہ کہتا...! "یہ سوچئے کہ ایک آدمی کو شادی کے قابل کس طرح بنایا جا سکتا ہے۔ آپ نے سونے کو ریڈیم سے چارج کر بھی لیا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا شادی کیجئے کم از کم ایک آدھ یادگار تو چھوڑ جایئے ورنہ معلوم نہیں کب پستول کی گولی گدی سہلاتی ہوئی حلق کے راستے نکل جائے۔"

اور فریدی اُسے قہر آلود نظروں سے گھور کر رہ جاتا۔

ختم شد

ابنِ صفی

لد نمبر
7

جاسوسی دنیا

21- شاہی نقارہ

22- خون کا دریا

23- قاتل سنگریزے

پیش رس

"شاہی نقارہ" ملاحظہ فرمایئے۔

کچھ دن ہوئے ایک دوست نے کہا تھا کہ پیش رس میں کتاب کے بارے میں لکھنے کی بجائے اس صفحے پر "قسمت" کا حال بتایا کرو۔ کتاب کی اشاعت بھی بڑھ جائے گی۔ میں نے کہا مجھے یہ "وِدّیا" نہیں آتی۔ کہنے لگے ذہانت کو کام میں لاؤ۔ میں نے کہا نہیں بھائی! میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ بولے "اچھا میں تمہاری رہنمائی کرتا ہوں۔ اعلان کرو کہ اس کتاب پر نظر پڑتے ہی سب سے پہلے جس جانور کا خیال آئے اس کا نام، اپنے نام اور پتے کے ساتھ ہمیں لکھ بھیجئے۔ ہم آپ کو آپ کی آئندہ زندگی کے سارے احوال بتادیں گے۔"

میں حیرت سے ان کی شکل دیکھتا رہا۔ میری دشواری سمجھ کر زور سے ہنسے اور بولے "میاں ہر شخص آئندہ زندگی سے متعلق طرح طرح کے ہوائی قلعے بناتا رہتا ہے۔ تمہارے بھی کچھ ہوائی قلعے ضرور ہوں گے۔ ان ہی پر نظر رکھتے ہوئے اچھی اچھی پیش گوئیاں کرتے چلے جانا۔ بس ایک تکنیکی نکتہ سمجھ لو۔ وہ یہ کہ کسی کو پانی سے محتاط رہنے کی ہدایت کردینا اور کسی کو آگ سے۔ کراچی کا باشندہ ہو تو صرف ایک ہی ہدایت کرنا کہ پیدل سڑک پار کرنے کی جرأت کبھی نہ کرے۔ اس طرح تمہاری غیب دانی کی بھی دھاک بیٹھ جائے گی اور صفحہ بھی بھر جائے گا۔"

آپ کی کیا رائے ہے؟

والسلام

کنواری ہرنی

صبح چار بجے سے بارہ بجے تک کی دوڑ دھوپ کے بعد بمشکل تمام ایک ہرنی ہاتھ لگی تھی اور اب وہ اسے ادھیڑنے میں مشغول ہوگئے تھے۔ نوکروں نے لکڑیوں کے ڈھیر میں آگ لگادی اور وہ جلد سے جلد اسے ادھیڑ کر آگ میں ڈال دینا چاہتے تھے۔ لیکن اس معاملے میں سب کے سب اناڑی تھے۔ کسی ذبح کئے ہوئے جانور پر سے کھال الگ کرنا آسان کام نہیں ہے اور پھر ایسی صورت میں اور زیادہ دشواری آپڑتی ہے جب کھال کو صحیح و سلامت اتارنے کا مسئلہ درپیش ہو، سرجنٹ حمید نے جو سارا اہتمام دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ حالانکہ اس نے صبح کو بڑا گہرا ناشتہ کیا تھا۔ مگر جنگل کی دوڑ دھوپ میں اس کی افادیت دو گھنٹے سے زیادہ قائم نہ رہ سکی تھی اور تقریباً دو گھنٹے سے اس کی آنتیں غالب کا "حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں" والا شعر یاد کرنے کی کوشش میں مشغول تھیں۔ ان تین دنوں میں کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرا تھا جس میں اس نے بھوک کی شکایت کی ہو۔ شکار میں یوں بھی تھوڑی بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن جب فریدی جیسے آدمیوں کا ساتھ ہو تو یہ تھوڑی بہت تکلیف مصیبتوں کا پہاڑ بن کر سامنے آجاتی ہے۔ شکار کے سلسلے میں اس کا مقولہ تھا کہ شکار کا مطلب روزمرہ زندگی میں تبدیلی پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا اگر شکار میں بھی آرام و آسائش برقرار رہے تو پھر فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ اگر شکار میں بھی پکا پکایا کھانا سامنے آگیا تو پھر جیسے گھر ویسے شکار گاہ۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے کھانے پینے کی چیزوں میں کافی، چائے شکر، دودھ کے ڈبے اور کچھ دوسرے لوازمات کے علاوہ کسی اور چیز کی اجازت نہیں دی تھی۔ صرف حمید اپنے ساتھ مچھلیوں کے دو تین ڈبے چھپا کر لایا تھا جس میں سے وہ صرف ایک

ہی استعمال کرپایا تھا کہ فریدی کی نظر پڑ گئی اور اس نے بقیہ کو دریا برد کردیا اور حمید نے اپنا سر پیٹ لینے کا ارادہ بھی ملتوی کر دیا تھا۔ کیونکہ اس میں بھی سراسر اپنا ہی نقصان تھا۔

شکاریوں کی پارٹی آٹھ دس آدمیوں پر مشتمل تھی جن میں کچھ فریدی کے دوست تھے اور ان کے علاوہ دو تین نوکر۔ وہ اپنے ساتھ دو تین چھوٹی چھوٹی چھولداریاں لائے تھے جن کے نیچے رات بسر کی جاتی تھی ورنہ دن بھر تو سر پر کھلا ہوا آسمان ہوتا تھا۔ چونکہ بارش کا زمانہ تھا اس لئے دھوپ تو شاذ و نادر ہی ہوتی تھی لیکن کبھی کبھی ہوا تبدیل ہو جاتی اور اتنا شدید حبس ہو جاتا کہ انہیں اپنی قمیض تک اتار پھینکنی پڑتی اور یہ سمجھتے کہ اب موسلادھار بارش شروع ہو جائے گی۔ مگر جب تھوڑی سی بوندا باندی کے بعد بادل پھٹنے لگتے تو ان کی جان میں جان آتی وہ لوگ دراصل آبادی سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر پڑے ہوئے تھے۔ اگر سچ مچ موسلادھار بارش شروع ہو جاتی تو کہیں پناہ ملنی مشکل تھی۔ بھلا کینوس کی چھولداریاں کب تک بارش کا بار سنبھالتیں۔

آج بھی صبح ہی سے بارش کے آثار تھے۔ لیکن پچھلے تجربات کی بناء پر وہ اس کی طرف سے کچھ مطمئن سے ہو گئے تھے۔ ان میں صرف حمید ہی ایک ایسا تھا جس نے کبھی اس مسئلے پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت تو یہ سوچنے میں صرف ہوتا تھا کہ اگر اتفاق سے شکار نہ ملا تو کیا ہوگا۔ پرندے بھی نہ ملے تو رات کیونکر گزرے گی۔ کیا صرف کافی یا چائے پی پی کر بھوک بھلائی جاسکتی ہے؟ اسے فریدی کے ساتھ شکار میں اکثر بڑے تلخ تجربات ہوئے تھے۔ اس کا ایک خبط حمید کو بُری طرح کھلتا تھا۔ وہ یہ کہ وہ ہمیشہ پرندوں یا جانوروں کو ہوشیار کر دینے کے بعد ان پر گولی چلاتا تھا۔ لہٰذا اکثر ایسا بھی ہوتا کہ دن بھر جھک مارنے کے باوجود وہ ایک پرندہ بھی شکار نہ کرپاتے اور پھر روکھی روٹیاں چائے یا کافی میں ڈبو ڈبو کر کھائی جاتیں۔ آج بھی وہ کئی پرندے شکار کر لیتے لیکن فریدی کی جدت طرازیوں سے ناکام رہے اس نے دونالی بندوق سنبھال رکھی تھی۔ پہلے وہ ایک ہوائی فائر کر کے پرندوں کو اڑا دیتا پھر ان پر فائر کرتا۔ اتفاق سے آج اس کی ساری کوششیں رائیگاں گئی تھیں۔ اگر اشرف نے ایک ہرن نہ مار لیا ہوتا تو پھر چائے اور خشک روٹیوں کی نوبت آجاتی۔

حمید جانتا تھا کہ فریدی کے ساتھ رہ کر تفریح بھی زحمت بن جاتی ہے اس لئے وہ احتیاطاً مچھلیوں کے شکار کا سامان بھی ساتھ لیتا آیا تھا۔ مگر اسے بدقسمتی ہی کہنا چاہئے کہ اس علاقے میں

اسے ایک بھی ایسا تالاب یا پوکھر نہ مل سکا جہاں وہ مچھلیاں پھنسا سکتا۔ قریب ہی ایک ندی تھی مگر کسی تیز رفتار ندی میں اول تو مچھلیاں لگتی ہی نہیں اور اگر اتفاق سے ایک آدھ لگی بھی تو وہ اکثر اپنے ساتھ ڈور اور چرخی بھی لے جاتی ہے۔ حمید نے دو تین بار اس ندی میں شکار کھیلنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک کانٹا اور ایک بنسی کھودینے کے بعد بقیہ پر اسے کافی رحم آیا اور اس نے اس کا خیال ہی ترک کردیا۔

اس وقت بھی وہ مچھلیوں ہی کے متعلق سوچ رہا تھا اور اس کے ساتھی ہرن کی کھال اتارنے کی کوشش کررہے تھے۔ فریدی ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا اپنی رائفل کا معائنہ کررہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ کھال اتارنے کے بعد اس کے ٹکڑے کئے جائیں گے اور اس میں تقریباً ایک گھنٹہ ضرور لگے گا۔ دفعتاً اس کو ایک تدبیر سوجھ گئی۔

"ارے بھائی صاحب کیا تم لوگوں کے عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔" وہ بیٹھے بیٹھے ہنکارا۔

"کیوں؟" اشرف بھنویں تان کر بولا۔

"دیکھتے نہیں ہو کہ یہ مادہ ہے۔"

"تو پھر....!"

"اور اس کے تھنوں سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے ایک بار بھی بچے نہیں دیئے۔"

حمید نے محققانہ انداز میں کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو۔" شاہد بولا۔

"فوراً پیٹ چاک کردو اس کا۔"

"چغد ہیں آپ اچھے خاصے۔" اشرف نے کہا اور پھر کھال اتارنے میں مشغول ہو گیا۔

"میں کہتا ہوں ورنہ تمہارے فرشتے بھی اس کا گوشت نہ کھائیں گے۔"

"کیوں....!"

"اگر کلیجی کا پتہ پھٹ گیا تو سارا گوشت کڑوا ہو جائے گا۔"

"پتہ کیسے پھٹ جائے گا۔" ساجد نے کہا۔

"شکاری کی دم بنے ہیں۔" حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ "کبھی اور بھی شکار کھیلا تھا۔ میاں صاحب زادے کنواری ہرنی کو ذبح کرنے کے بعد فوراً ہی اس کی کلیجی باہر نہیں نکال لی جاتی تو پتہ خود بخود

پھٹ جاتا ہے۔"

فریدی کچھ بولنا ہی چاہتا تھا کہ حمید نے اُسے آنکھ ماردی۔

"تو پھر.....!" نعیم نے پوچھا۔

"پیٹ چاک کر کے کلیجی نکال پھینکو۔" حمید نے کہا۔

"کھال نہ خراب ہو جائے گی۔" شاہد نے پوچھا۔

"پھر وہی ڈیوٹ پن کی باتیں۔ کیوں کیا پانی بھرنے کا مشکیزہ بناؤ گے؟"

"نہیں تو.....!"

"پھر پیٹ چاک کر دینے میں کیا مصیبت ہے۔"

فریدی پہلے تو حمید کو گھورتا رہا پھر چپکے سے اٹھ کر کھسک گیا۔

"نہیں کھال خراب ہو جائے گی۔" اشرف نے کہا۔

"پھر وہی اناڑیوں جیسی باتیں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں نہیں یار کیا کر رہے ہو۔" اشرف نے کہا۔

لیکن حمید نے اس کے ہاتھ سے چھری لے کر ہرنی کا پیٹ چاک کر دیا۔

"ٹھہرو..... ٹھہرو۔" اس نے اس کے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر اس کی آنتیں کھینچتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے نرختی کاٹ کر کلیجی کی ڈاڑ باہر نکال لی اور اسے ہاتھ میں لٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں.....؟" نعیم نے اسے سوالیہ انداز میں کہا۔

"اسے پھینک آؤں.....؟" حمید نے کہا۔

"گھاس تو نہیں کھا گئے ہو۔" اشرف بھنا کر بولا۔

"یار اناڑیوں سے خدا ہی بچائے! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس سے پہلے کبھی تمہیں ہرن وغیرہ کا شکار کھیلنے کا اتفاق نہیں ہوا تو ساتھ لانے پر کبھی رضامند نہ ہوتا۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"ارے یہ کنواری ہرنی کی کلیجی ہے۔" حمید نے دانت پیس کر کہا۔

"تو پھر.....!"

"پہلے بخار آئے گا اور پھر کوڑھ تک ہو جانے کے امکانات ہو سکتے ہیں اور اگر بالکل ہی

کنواری ہرنی ہوئی تو اس سے بھی بدتر حالت ہو سکتی ہے۔"

"ہم نے تو کبھی نہیں سنا۔" نعیم نے کہا۔

"تم نے یہ بھی نہ سنا ہو گا کہ ہرنی بھی کنواری ہوتی ہے۔"

"کیوں فضول بکتے ہو۔"

"آخر تمہیں کس طرح یقین دلاؤں۔" حمید نے بظاہر زچ ہو کر کہا۔

"فریدی سے پوچھیں گے۔" ساجد بولا۔

مگر فریدی پہلے ہی کھسک گیا تھا۔ اس نے حمید کی نیت بھانپ لی تھی۔ لہٰذا وہ نہ تو حمید کی طرف سے بُرا بننا چاہتا تھا اور نہ دوسرے دوستوں کی طرف سے۔

"آپ جائیں جہنم میں۔" حمید نے جھٹک کر کہا "اگر ایک آدھ بار بیمار پڑ گیا تو کہاں لادے پھریں گے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا چھولداریوں کے پیچھے آیا اور یہاں جوتے اتار کر پنجوں کے بل جو دوڑ لگائی تو سرکنڈوں کی کھائیوں ہی میں آ کر دم لیا۔

پھر اس نے جلدی جلدی خشک لکڑیاں چنیں اور ان میں آگ لگا کر کلیجی کی ڈاڑ اس پر رکھنے ہی جا رہا تھا کہ ایک چیل نے کسی طرف سے جھپٹا مارا اور کلیجی کی ڈاڑ اس کے ہاتھ سے صاف نکال لے گئی۔ حمید کے منہ سے بے اختیار ایک موٹی سی گالی نکلی اور وہ اس کے پیچھے دوڑا۔

سیر ڈیڑھ سیر کا وزن چیل کے بس کا روگ نہیں گا۔ تھوڑی ہی دور جانے کے بعد کلیجی کی ڈاڑ اس کے پنجوں سے چھوٹ پڑی اور حمید شکاری کتے کی طرح اس کی طرف جھپٹا لیکن اس بار اس کی امیدوں پر باقاعدہ طور پر اوس پڑ گئی۔ کلیجی کی ڈاڑ کسی چوپائے کے تازہ کئے ہوئے گوبر میں لتھڑی پڑی تھی۔

چیل سامنے ہی ایک درخت پر بیٹھی شاید اس مال غنیمت پر دوبارہ قبضہ کرنے کے امکانات پر غور کر رہی تھی۔

حمید نے بھنا کر ایک بڑا پتھر اٹھایا ہی تھا کہ کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر پلٹا اور پھر اسے فریدی کی طنز آمیز مسکراہٹ کا سامنا کرنا پڑا جو اس کے خون کی حدت اور زیادہ بڑھا دیا کرتی تھی۔

فریدی نے اس کی طرف رائفل بڑھائی۔

"کیا ہے....!" حمید جھلا کر بولا۔

"پرندوں پر پتھر چلانا ظلم ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پتھر تو صرف ان بچوں پر چلائے جاتے ہیں جو کسی سنجیدہ بزرگ کے پیچھے تالیاں بجاتے چلتے ہیں۔"

"آپ چاہتے کیا ہیں۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"تمہیں سمجھا بجھا کر واپس لے جانا.... کیا تم نے بچپن میں نانی اماں سے نہیں سنا کہ چیل کو مارنے سے کانوں میں درد ہوتا ہے۔"

"خدا کی قسم....!"

"کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہہ بیٹھنا۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"آؤ چلیں شاباش....!"

"نہیں جاؤں گا۔"

"اچھا جی....!" فریدی نے اس کی گردن پکڑلی۔ "دھوکے باز! مکار.... ان بے چاروں کو اُلو بنا کر کلیجی لے اڑے تھے۔ فرزند من! کنواری ہرنی کی کلیجی کوئی شادی شدہ چیل ہی ہضم کر سکتی ہے۔"

"گردن تو چھوڑیئے۔" حمید نے جھنجھلا کر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"شامت منڈلا رہی ہے، تمہارے سر پر۔"

"شامت نہیں موت کہیے۔" حمید نے جل کر کہا۔ "آپ کے ساتھ تفریح بھی عذاب بن جاتی ہے۔"

"آگے بڑھو.... آگے۔" فریدی اسے دھکا دیتا ہوا بولا۔ "ابھی تو وہاں تمہاری بنے گی۔"

"خدا کی قسم کہیے گا نہیں کسی سے۔" حمید نے پلٹ کر کہا۔

"کیوں؟"

"اب بتاؤں کیوں.... کیوں.... کیوں....!" حمید جھنجھلاہٹ میں تقریباً ناچتا ہوا بولا۔

"چلتے ہو.... یا ایک کندہ رسید کروں۔" فریدی نے رائفل کی نالی پکڑ کر کندہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

ادھر اشرف نے اپنی انگلی کاٹ لی تھی اور چھری پھینک پھانک کر الگ جا کھڑا ہوا تھا۔ فریدی اور حمید کو آتے دیکھ کر اس نے کنواری ہرنی کی کلیجی کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"بھئی مجھے ہرنوں کے متعلق زیادہ معلومات نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن یہ کیا! کیا انگلیاں کاٹ لیں۔ یار تم لوگوں سے ایک ہرنی کی کھال نہیں ادھیڑی جاتی۔ اچھا بھئی حمید! سبھی جانتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ لگے بغیر کوئی کام ٹھیک نہیں ہوگا۔"

حمید نے فریدی کو گھور کر دیکھا اور پھر ہرنی پر ٹوٹ پڑا۔

"ارے کھال....!" اشرف چیخا۔

"ہات تمہاری کھال کی ایسی تیسی۔" حمید چیخ کر بولا۔ "یہاں بھوک کے مارے حال پتلا ہے اور آپ کو کھال کی پڑی ہے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کھال کے پرخچے اڑا دیئے اور کئی جگہ سے کھال کے ساتھ گوشت بھی ادھیڑ ڈالا۔ جب کھال الگ ہو گئی تو ایک نوکر بولا۔

"حضور کھال کھینچنے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔"

"جی.... تو اب تک.... کہاں مرے ہوئے تھے آپ۔"

"پچھلی ٹانگوں کی کھال نکالنے کے بعد اسے الٹا اٹھا کر کھال کھینچ لی جاتی ہے۔"

"بس دفان ہو جاؤ۔" حمید جھلا کر بولا۔ "ورنہ میں یہی سلوک تمہارے ساتھ کروں گا۔"

"ارے صاحب آپ لوگ خود ہی تو بھڑ گئے تھے ورنہ ہم لوگ ساتھ کس لئے آئے ہیں۔" نوکر نے کہا۔

"اچھا تو اب اس کے ٹکڑے کرو۔" حمید دانت پیستا ہوا بولا۔ "ورنہ تھوڑی دیر بعد آکر کہو گے کہ ٹکڑے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہرن کو اپنے اوپر سوار کرنے کا موقع بخشا جائے۔"

حمید چھری پھینک کر الگ ہٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد نوکروں نے ہرنی کے ٹکڑے کر دیئے اور انہیں نمک لگا کر بھونا جانے لگا۔

حمید بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل رہا تھا۔

"یار تمہاری بھوک بھی قیامت ہے۔" اشرف بولا۔

"میں تمہاری طرح مریض تو ہوں نہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

بھوک تو قریب قریب سبھی کو لگ رہی تھی۔ اس لئے بات زیادہ نہیں بڑھنے پائی۔

جب وہ لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو ادھر اُدھر کی باتیں چھڑ گئیں۔ فریدی انہیں اپنے

انگلینڈ کے تجربات بتا رہا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے اسکاٹ لینڈ یارڈ سے لے کر ایسٹ انڈیا کے گھریلو قحبہ خانوں تک کے حالات بتائے۔

"اور جناب نے کیا سیکھا۔" نعیم نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بوسہ لینے کے پچاس نئے طریقے۔" حمید اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی ہڈی کو نہایت انہاک سے جھنجوڑتا ہوا بولا۔

یہ بات اس نے اتنی سنجیدگی سے کہی تھی کہ فریدی بھی اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ لیکن حمید اس بُری طرح اس ہڈی سے بھڑا ہوا تھا کہ اس نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔

"اور یہ کہ اگر....!" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "انگلینڈ میں کسی لڑکی کے سر پر پنجہ مریم کی پتیاں رکھ کر اس کا بوسہ لے لو تو وہ قطعی بُرا نہیں مانتی۔"

"کیا بکواس ہے۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"تو پھر گنوا چلوں تمہاری حماقتیں۔" فریدی نے کہا۔

"غپ اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔"

"اچھا....!" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "تو کیا یہ غپ ہے کہ ایک نائٹ کلب میں ایک عورت نے....!"

فریدی نے بات پوری نہیں کی تھی کہ حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اشرف کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "ذرا آپ کا حلیہ ملاحظہ فرمائیے۔"

"ہاں تو کیا ہوا تھا۔" اشرف نے حمید کی بات اڑا کر فریدی سے پوچھا۔

"ہوا یہ کہ اس بدتمیزی سے نہ کھاؤ کہ دوسروں کو قے ہو جائے۔" حمید نے کہا۔

"ہمارے ڈان ژوان حمید صاحب نے.... ایک عورت کو مدعو کیا۔"

"نعیم! یار تم نہ ہوئے۔" حمید نے پھر بیچ ہی سے بات اڑا دی۔ "کتنا شاندار استقبال ہوا ہے فریدی صاحب کا کہ واہ وا۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے آفیسر تو گویا بچھے جا رہے تھے۔"

"اور وہ عورت نشے میں بُری طرح دھت تھی۔" فریدی نے کہا۔

"یہ دھت کیا بلا ہے۔" حمید نے پھر ہاتھ پیر مارے۔ "دھت دھت .... دھت....

ہاہاہاہا۔"

"بیٹے حمید خاں نے اسے اور پلا دی۔" فریدی رومال سے ہاتھ صاف کر کے سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"اور کھائیے نا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "بس اتنا ہی۔"

"اور جب اسے بہت زیادہ چڑھ گئی تو....!"

حمید نے پھر ہلڑ مچا کر اسے آگے نہ کہنے دیا۔

"یار تم سب اور کھاؤ.... ابھی اور کھاؤ.... کھاؤ نا.... ارے اشرف تم بھی کھا چکے ہو۔"

"تو پھر اس نے....!"

اب حمید نے باقاعدہ حلق پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی فریدی پھر بولا۔

"تو پھر اس نے حمید کا گریبان پکڑ لیا۔"

"گریبان پکڑ لیا۔" اشرف نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں گاڑیبان پکڑ لیا اور اپنے گھر چلی گئی۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "کیا شاندار غپ ہے.... کیا کہنا۔"

"اور پھر وہ....!"

"کیا آپ خواہ مخواہ...." حمید بھنا کر بولا۔

"کیوں بیچ میں ٹانگ اڑاتے ہو۔" اشرف نے کہا۔

"تم کیوں کود رہے ہو۔" حمید اس پر پلٹ پڑا۔

اور پھر دونوں میں باقاعدہ تکرار شروع ہو گئی اور فریدی اٹھ کر ایک چھولداری کے اندر چلا گیا۔

بدقت تمام بقیہ لوگوں نے بیچ بچاؤ کرایا۔

"تو اس سے کیا ہوتا ہے بات مجھے ہی معلوم ہو جائے گی۔" اشرف نے کہا۔

"یار تم خود ہی کیوں نہیں بتا دیتے۔" شاہد نے حمید سے کہا۔

روایتی کتا

اور پھر سب کے سب حمید کی جان کو آگئے۔

"یار کیوں خواہ مخواہ بھیجا چاٹ رہے ہو تم لوگ۔" حمید زچ ہو کر بولا۔

پھر چیخ چیخ کر فریدی کو آوازیں دینے لگا۔

"بھئی کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے چھولداری سے سر نکال کر کہا۔ "اس عورت نے حمید سے شادی کی درخواست کی تھی۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" اشرف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تو اس پر اتنی اچھل کود کیوں مچا رہے تھے۔ نہیں کوئی اور بات معلوم ہوتی ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر پھر اپنا سر اندر کھینچ لیا۔

"جناب والا....!" حمید دانت پیس کر بولا۔ "یقیناً کوئی اور بات ہے اور آپ اس بات کو سننے کی تاب نہ لاسکیں گے۔"

انہوں نے پھر اسے تنگ کرنا شروع کر دیا۔

"اچھا تو سنو....!" حمید بھنا کر بولا۔ "تم اس عورت سے بھی بدتر معلوم ہوتے ہو۔ جاؤ بابا میرا پیچھا چھوڑو۔ تم سب بھی میرے باپ ہو۔"

چھولداری میں فریدی کے قہقہے کی آواز سنائی دی اور وہ باہر نکل آیا۔

"وہ سالی تو خیر نشے میں تھی.... مگر یہ.... کم بخت۔"

"خیر بھئی سنو....!" فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔

"جی بس آرام کیجئے۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ "میں خود....!"

اس نے بات پوری بھی نہیں کی تھی کہ یک بیک بڑی بڑی بوندیں پڑنی شروع ہو گئیں اور وہ سب بے ساختہ چھولداریوں کی طرف بھاگے۔ تقریباً پانچ منٹ تک بہت تیزی سے بوندیں گرتی رہیں پھر دھوپ نکل آئی اور سب سے پہلے حمید نے بوکھلا کر اپنی قمیض اتار پھینکی۔ ہوا قطعی بند ہو گئی تھی۔ بھیگی ہوئی زمین سے انجرات نکلتے معلوم ہو رہے تھے۔ مٹی کی سوندھی خوشبو اس حبس میں اچھی لگنے کے بجائے گراں گزر رہی تھی۔

آہستہ آہستہ سب نے اپنی قمیضیں اتار پھینکیں اور چھولداریوں سے باہر نکل آئے۔ آسمان پر ابر کے ٹکڑے موجود تھے اس لئے کبھی دھوپ اور کبھی چھاؤں۔ باہر بھی انہیں سکون نہ ملا اور وہ پھر چھولداریوں میں آ گئے اور تھوڑی دیر بعد پیٹ بھرے مگرمچھوں کی طرح اونگنے لگے۔ نہ جانے

وہ کب تک سوتے رہے اور جب آنکھ کھلی تو سب سے پہلے انہیں بارش کا شور سنائی دیا۔ یا شاید اسی شور ہی کی وجہ سے وہ جاگ پڑے تھے۔

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے پانی کا ریلا چھولداریوں میں در آیا۔ انہوں نے جلدی جلدی زمین سے بستر اٹھا کر واٹر پروف تھیلوں میں بھرنے شروع کر دیئے۔

"یہ تو برسنے والا ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے پر تشویش انداز میں کہا۔

"مگر مجھے تو یہ لڈو بانٹنے والا ہی جان پڑتا ہے۔" حمید نے منہ سکوڑ کر کہا۔ وہ اپنے جوتے اتار کر کینواس کے تھیلے میں ڈال رہا تھا۔ پھر اس نے پتلون کے پائینچے موڑ کر پنڈلیوں تک چڑھا لئے۔

آہستہ آہستہ چھولداریاں بھی ٹپکنے لگیں۔

"اب کیا ہوگا....؟" کسی نے کہا۔

پھر وہ فریدی کی تجویز پر اس اسٹیشن ویگن کی طرف بھاگے جس پر وہ سامان سمیت یہاں تک پہنچے تھے۔ اندر گھس کر انہوں نے کھڑکیوں کے شیشے گرا دیئے اور چپ چاپ بیٹھ گئے۔ نوکروں اور دیہاتی رہبر نے ایک گھنی شاخوں والے برگد کے درخت کے نیچے پناہ لی۔

"سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔" اشرف بولا۔

"حیرت ہے کہ تم لوگ بے سروسامانی سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔"

فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "لطف تو اس وقت آتا جب یہ موٹر بھی نہ ہوتی۔"

"تو بسم اللہ!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "راستہ یہ ہے۔ باہر تشریف لے جائیے۔ لطف ہی لطف بکھرا پڑا ہے۔"

وہ سب ہنس پڑے اور فریدی کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

"ایسے ہی موقعوں پر صحیح معنوں میں زندگی کا احساس ہوتا ہے۔" فریدی نے مڑ کر حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید پھر بھنا کر بولا۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ پچھلی برسات میں ایک مینڈک نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

"ضرور کہا ہوگا.... راز کی باتیں اپنوں ہی سے کہی جاتی ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

اس پر پھر ایک قہقہہ پڑا اور حمید بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

بارش تھمنے کے آثار نظر نہیں آتے تھے اور اندھیرا تھا کہ پھیلتا ہی جا رہا تھا۔ سات بج چکے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہے پھر دفعتاً حمید نے کہا۔ "کیا مصیبت ہے۔ کیا ساری رات اسی طرح گزر جائے گی۔ اگر شروع ہی میں چل پڑے ہوتے تو اس وقت ہم کسی گاؤں ہی میں پناہ لے سکتے تھے۔"

"بھئی تو مجھے کیا معلوم تھا کہ اس طرح بارش ہو گی۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جلی کٹی کہنے کے لئے منہ بنایا ہی تھا کہ نوکر دوڑتے ہوئے اسٹیشن ویگن کی طرف آئے۔

"صاحب! ندی بڑھ رہی ہے۔" دیہاتی راہبر ہانپتا ہوا بولا۔

"کیا....!" فریدی چونک کر بولا۔

"جی ہاں! تھوڑی دیر بعد یہاں قدم جمانا دشوار ہو جائے گا۔"

"تب تو بھئی اکھاڑو چھولداریاں۔"

"میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔" حمید پھیل گیا۔

"کیا بکتے ہو۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"واہ زندگی کا لطف اٹھانے کا موقع پہلی بار نصیب ہوا ہے۔ میں اسے ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔"

فریدی کچھ اور کہے بغیر ویگن سے اتر گیا اور چھولداریاں اکھڑوانے میں نوکروں کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اس کی دیکھا دیکھی حمید کے علاوہ سب اتر آئے اور وہ نہایت اطمینان سے بیٹھا پائپ پیتا رہا۔

بھیگی ہوئی چھولداریاں ویگن میں رکھی جانے لگیں۔ حمید نے ایک طرف ہٹنا چاہا لیکن فریدی کے اشارے پر ایک چھولداری اس پر پھینک ہی دی گئی۔ وہ بے اختیار چیخ کر سامنے والی سیٹ پر جا گرا۔

بڑی خیریت یہ ہوئی کہ اس چھولداری میں کسی نوکر نے ہاتھ نہیں لگا رکھا تھا ورنہ حمید اس کی بوٹیاں نوچ لیتا۔ پھر بھی اسکے منہ سے بے تحاشہ ایسے الفاظ نکلنے لگے جن کا کوئی مفہوم نہیں تھا۔

"کیا فضول ٹائیں ٹائیں لگا رکھی ہے۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"جہنم میں.... گگ....!"

"شٹ اپ....!"

"خیر کبھی دیکھ لوں گا....!" حمید بے بسی سے بولا۔

"اس تفریح میں تمہارا بھی حصہ تھا۔" فریدی نے کہا اور ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ نوکر بھی اندر آگئے اور دیہاتی راہبر فریدی کے برابر بیٹھ گیا۔ ویگن چل پڑی۔

اس دوران میں بوندوں کا زور کم بھی ہوا اور پہلے سے زیادہ بھی لیکن تار نہیں ٹوٹا۔ چاروں طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی۔ فریدی راہبر کے بتائے ہوئے راستوں پر ویگن کو لئے جا رہا تھا۔ لیکن دو ایک جگہ اس کی ہچکچاہٹ پر اسے محسوس ہوا کہ شاید وہ غلط راستے پر جا رہے ہیں۔

"بھئی تم بھولتے تو نہیں۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔" اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"خدا کرے تم بھول ہی رہے ہو۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔

لیکن وہ سب کچھ اس طرح بدحواس تھے کہ انہوں نے حمید کی بات کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ وہ سبھی کچھ نہ کچھ سوچ رہے تھے اور تھوڑی دیر بعد یہ بات ان پر اچھی طرح واضح ہو گئی کہ راہ بتانے والا خود ہی بھٹک گیا ہے۔ اس آندھی اور طوفان میں اس کے امکانات پہلے ہی سے موجود تھے۔ شکار گاہ میں آتے وقت وہ ندی کے کنارے آئے تھے، لیکن واپسی میں یہ چیز قطعی ناممکن تھی کیونکہ ندی کا پاٹ کافی بڑھ گیا تھا۔ وہ پہلے سے ایک تیز بہنے والی ندی تھی اور اس وقت تو اس کا پانی دور دور تک پھیل رہا تھا۔

دفعتاً فریدی نے گاڑی روک دی۔ ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دے رہا تھا۔

"کیوں بھئی کیوں!" کسی نے کہا۔

"آگے نالہ معلوم ہوتا ہے کیا آواز نہیں سن رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ایسی صورت میں آگے بڑھنا بھی خطرناک ہے۔"

"اور پیچھے ہٹنے میں بھی اللہ میاں کا دیدار نصیب ہو سکتا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"بس داہنے یا بائیں سے نکل چلئے۔ اللہ نے چاہا تو بیڑا کھوکھر اپار ہے۔"

"شٹ اپ....!"

حمید نے قہقہہ لگایا اور سب کو اس کی بے وقت کی شہنائی کھلنے لگی۔

فریدی نے ویگن گھمائی ہی تھی کہ دفعتاً دیہاتی رہبر نے رکنے کے لئے کہا۔

ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں دور ایک عمارت سی دکھائی دی۔

"شاید ہم یدھ راج نگر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔" رہبر نے کہا۔ "لیکن نالہ۔ یہاں واقعی ایک نالہ پڑتا ہے۔"

"نالہ کس قسم کا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"معمولی سا۔" رہبر نے کہا۔ "ہم بآسانی اسے پار کر سکیں گے۔"

"کہیں پناہ بھی مل سکے گی۔" اشرف نے پوچھا۔

"کیوں نہیں! نواب صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"کون نواب صاحب۔" فریدی نے پوچھا۔

"نواب صولت مراد، یدھ راج نگر کے جاگیردار۔"

"اب کہاں جاگیردار ہیں۔" نعیم منہ بنا کر بولا۔

"نہ ہوں گے۔" رہبر نے کہا۔ "مگر اب بھی پورا قصبہ انہیں کے ہاتھ میں ہے اور کچھ اسی قصبے پر منحصر نہیں۔ قرب وجوار کا سارا علاقہ اب تک ان کی مٹھی میں ہے۔"

"ہوگا بھئی ہوگا۔" فریدی کھڑکی کھول کر نیچے اترتا ہوا بولا۔ یہاں پانی ٹخنوں سے اونچا تھا۔ اس نے اندر سے اپنی رائفل اٹھائی اور اس کے کندھے سے زمین ٹٹولتا ہوا ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں آگے بڑھنے لگا۔ تھوڑی دور چل کر وہ اچانک کمر کمر پانی میں نظر آنے لگا۔ غالباً اس وقت نالے میں تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ نالہ پار کر کے پھر کنارے کی طرف لوٹ آیا۔

"چلو اترو....!" اس نے انہیں پکار کر کہا۔ "لائٹ آف کردو۔"

نوکروں کے علاوہ اور سب اتر پڑے۔ پھر وہ بھی ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھنے لگے۔

"ڈرو نہیں چلے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

نالہ پار کر جانے کے بعد وہ دیہاتی راہبر کے پیچھے چلنے لگے۔ بوندیں اب بھی پڑ رہی تھیں۔ مگر زیادہ تیز نہیں تھیں۔ البتہ ہوا کے جھونکے تند ہوتے جا رہے تھے۔ سناٹے میں جھونکوں کی شائیں شائیں کے علاوہ کوئی اور آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ وہ چلتے رہے۔ دفعتاً قریب ہی کہیں سے کسی کتے کے رونے کی آواز سنائی دی اور راہبر چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے چاروں طرف ٹارچ کی

روشنی ڈالنی شروع کی اور پھر فریدی کی طرف مڑا۔

"صاحب یہ تو....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"ہم پھر غلط آگئے۔"

"عجیب آدمی ہو تم۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "ابھی ابھی تم نے کسی قصبے کا نام لیا تھا۔"

"جی وہ تو ٹھیک ہے.... لیکن.... لیکن وہ سنئے۔" وہ خوفزدہ آواز میں بولا۔

"کیا سنوں۔"

"کیا آپ کچھ نہیں سن رہے ہیں۔" راہبر نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے تم نے۔"

"حضور.... یہ سنئے.... یہ آواز۔"

"کیوں؟ یہ کسی شیر یا بگڑے ہوئے ہاتھی کی آواز تو نہیں۔ صرف کتے کی ہے اور وہ بھی بے چارہ رو رہا ہے۔"

"مگر صاحب یہ معمولی کتا نہیں ہے۔" راہبر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

"چلو چلو آگے بڑھو" فریدی نے بیزاری سے کہا "میں کتوں کے متعلق تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"

"صاحب چاہے گردن کاٹ ڈالئے میں تو ادھر سے ہرگز نہ جاؤں گا۔"

"کیوں بھئی آخر کیوں۔" فریدی نے زچ ہو کر کہا۔ "اس وقت بھی ہمارے پاس چھ رائفلیں ہیں۔ ہم نہایت آسانی سے اسے ختم کر دیں گے۔"

"رائفلیں۔" راہبر خوفزدہ آواز میں ہنسا۔ "جو کتا سینکڑوں برس سے زندہ ہو۔"

"کیا آپ نے سردار یدھ راج کی گڑھی کے کتے کے متعلق کبھی کچھ نہیں سنا۔"

"ارے تو سناؤ نا بابا جلدی کرو! ورنہ اگر پھر بارش تیز ہو گئی تو ہم سب جہنم رسید ہو جائیں گے۔"

"وہ زمین پر نہیں ہے۔" راہبر نے کہا۔ "اس کی آواز اوپر سے آتی ہے اور وہ جب بھی روتا ہے ندی میں باڑھ ضرور آتی ہے اور ندی کے کنارے بسے ہوئے گاؤں تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔"

فریدی نے ایک پرزور قہقہہ لگایا اور ساتھ ہی کتے کے رونے کی آواز سنائی دی۔

"صاحب خدا کے لئے۔" راہبر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہاں کوئی اس کا مضحکہ اڑانے کی ہمت نہیں رکھتا۔ وہ کوئی خبیث روح ہے۔"

"شش آگے چلو۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے خیال پڑتا ہے کہ میں اس سے پہلے بھی اس کے متعلق کچھ سن چکا ہوں۔"

"تو دوسری ہی طرف سے چلئے نا۔" حمید نے جھلا کر کہا

"نہیں محترم آپ اس معاملے میں قطعی دخل نہ دیجئے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور سب لوگ ہنس پڑے۔ لیکن راہبر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی پھر فریدی حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"آپ خواہ مخواہ مری جارہی ہیں۔ یہاں کئی مرد آپ کی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ گھبرائیے نہیں۔"

حمید نے بھنا کر اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ "کہاں ہے۔ وہ سالی گڑھی وڑھی میں آگے چلتا ہوں۔ گویا کہ مجھے اُلو کا پٹھہ سمجھتے ہیں۔"

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر راہبر سے مخاطب ہوگیا۔

"تو تم ہمیں اس گڑھی ہی کی طرف لے جارہے ہو۔"

"صاحب بس مجھے تو معاف ہی رکھئے۔"

"عجیب ڈرپوک آدمی ہو۔"

"اس معاملے میں ہمارے باپ دادا بھی ڈرپوک ہی تھے۔ لوگ دن کے وقت ادھر سے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔"

"ہم تمہیں باندھ کر لے چلیں گے۔" حمید آگے بڑھ کر بولا۔

"یوں تو آپ مجھے یہیں قتل کر کے دفن بھی کر سکتے ہیں۔" راہبر نے بے بسی سے کہا۔

"نہیں نہیں بھائی، ہم زبردستی نہیں کرتے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "تم چلو راہ بتا کر واپس جاسکتے ہو۔"

"واپس اکیلے..... یہ ظلم ہے۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"تم نے ناک میں دم کر دیا۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "نہ الٹا چلتے ہو اور نہ سیدھا۔"

"تو حضور کترا کر نکل چلئے نا۔ آپ لوگ بھی کافی بھیگے ہوئے ہیں۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ کتے کے رونے کی آواز پھر آئی اور راہبر کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔

فریدی اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "کون کون چلے گا میرے ساتھ۔"

"یار ہٹاؤ بھئی۔" اشرف بولا۔

"خدا کے لئے اس حال میں تو طبیعت کو قابو میں رکھو۔" شاہد نے کہا۔ "ہم لوگ تھک کر چور ہوگئے ہیں اور اگر جلدی ہی بھیگے کپڑے نہیں اتار ڈالتے تو شاید بیمار بھی پڑجائیں۔"

"میں تو کہہ رہا ہوں کہ تم لوگ جاؤ۔"

"بعض اوقات بڑی الجھنوں میں ڈال دیتے ہو۔" اشرف نے جھلا کر کہا۔

"سب بے کار ہے۔" حمید نے کہا۔ "آپ کے ساتھ سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ آپ بچپن ہی سے موت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ مگر موت ہے کہ منہ لگانے پر تیار ہی نہیں ہوتی۔ تم لوگ جاؤ ورنہ ساری رات یہیں کھڑے کھڑے گزر جائے گی۔"

تھوڑی دیر تک سب کے سب کھڑے بھنبھناتے رہے۔ آخر فریدی پھر بولا۔

"فضول وقت نہ برباد کرو ورنہ زیادہ رات گزر جانے پر کسے جگاتے پھرو گے۔ میں کسی ناراضگی کے تحت نہیں کہہ رہا ہوں۔ جلدی کرو۔"

"تم لوگ جاؤ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "میں بھی سرکاری آدمی ہوں۔ بھوتوں کی مردم شماری میں مجھے بھی فریدی صاحب کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔"

"کیا عورتوں کی طرح جلی کٹی سنا رہے ہو۔" فریدی نے غصیلی آواز میں کہا۔ "تم میرے ساتھ نہیں جاسکتے۔"

تھوڑی دیر تک بحث ہوتی رہی اور پھر حمید کے علاوہ اور سب راہبر کے ساتھ ایک طرف روانہ ہوگئے۔

"تم بھی جاؤ۔" فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں جاتا۔"

فریدی ٹارچ کی روشنی میں آواز کی سمت چل پڑا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد کسی بہت بڑی

عمارت کے کھنڈر نظر آنے لگے جن میں کئی بڑے بڑے مینار تھے۔ ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ کتے کے رونے کی آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔

فریدی نے اپنی رفتار تیز کردی۔ اس وقت بارش بالکل تھم گئی تھی اور مینڈکوں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی وہ آواز.... اس روایتی کتے کی آواز اس شور پر حاوی تھی۔

وہ دونوں اس چھوٹے سے ٹوٹے پھوٹے قلعے کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ لکھوری اینٹوں کی مضبوط دیواروں کے آثار اب بھی قائم تھے اور کہیں کہیں تو دیوار اپنی اصلی جسامت کے ساتھ اب بھی اپنی پائیداری کے افسانے سنا رہی تھی۔

کتے کے رونے کی آواز کہیں قریب ہی سے آئی اور حمید بے ساختہ چیخ اٹھا۔

"خدا کی قسم اوپر ہی سے آ رہی ہے۔" اس کا ہاتھ ایک طرف اٹھا ہوا تھا اور پھر پس منظر میں صرف مینڈکوں کا شور جاری رہا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ٹوٹی پھوٹی دیواریں اور اینٹوں کے ڈھیر حد نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔ کئی اونچے اونچے مینار تھے جن میں سے دو ایک اچھی حالت میں بھی تھے۔ دفعتاً ہوا کا ایک جھونکا آیا قریب ہی کوئی دیوار گری اور کتا پھر رونے لگا۔

فریدی ٹارچ سمیت تیزی سے پلٹا اور روشنی کا دائرہ ایک مینار کے نچلے حصے سے پھسلتا ہوا اوپر کی طرف چلا گیا۔ آواز یقیناً اسی مینارے پر سے آتی تھی۔ سرجنٹ حمید اس کے قریب آ گیا۔

"یہ ککیا.... کیا.... معام.... رہے۔"

"ششش.... ڈرپوک۔" فریدی اس کا شانہ تھپتھپا کر منارے کی طرف بڑھا۔

آواز پھر سنائی دی اور حمید ایک دبی سی چیخ کے ساتھ اچھل کر فریدی سے ٹکرا گیا۔

"اوپر سے.... اوپر سے....!" وہ خوف زدہ آواز میں بولا۔

فریدی ٹارچ کی روشنی میں منارے کے نچلے حصے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا قطر سات آٹھ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ ایک جگہ دروازے کے آثار بھی معلوم ہوئے۔ لیکن اب وہاں اینٹیں چنی ہوئی تھیں۔ فریدی نے ایک بار پھر نیچے سے اوپر تک روشنی ڈالی۔

"بظاہر کوئی ایسا راستہ نہیں معلوم ہوتا۔" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"جس سے کسی کتے کے گھسنے کے امکانات ہوں۔"

"گھسنے کے امکانات!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عقل کے ناخن لیجیے وہ سینکڑوں

سال سے....!"

"ہشت....!"

فریدی نے جھک کر ایک پتھر اٹھایا اور اسے ہاتھ میں لے کر تولنے لگا۔ جیسے ہی منارے کے اوپری حصے سے آواز نکلی اس نے وہ پتھر اوپر کی طرف پھینکا۔ کھٹاکے کی آواز آئی۔ پتھر نشانے پر بیٹھا تھا۔ لیکن کتے کی آواز میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

"یہ کیا کرنے لگے۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی جواب دینے کے بجائے پھر پتھر اٹھانے کے لئے جھکا۔

اس بار پھر اس نے آواز نکلتے ہی پتھر چلایا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"کتا نہیں ہے.... آؤ چلیں.... پھر دیکھیں گے.... ارے تمہارا ہاتھ کانپ رہا ہے.... اُلو کہیں کے۔"

"کیا معاملہ ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو لیکن.... کتا.... ارے۔" فریدی نے جست لگائی لیکن قریب ہی کی ایک گرتی ہوئی دیوار کی زد سے نہ بچ سکا۔ سرجنٹ حمید کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ کتا پھر مکروہ اور خوفناک آواز میں رونے لگا۔

جان پہچان

ہوش آتے ہی فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اب سر نہ اٹھا سکے گا۔ کچھ دیر قبل پیش آیا ہوا واقعہ اس کے ذہن میں ابھرنے لگا اور اس نے زمین پر چت لیٹے ہی لیٹے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ زرد رنگ کی دھندلی روشنی ہوئی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی کنویں میں پڑا ہو۔ لکھوری اینٹوں کی دیواریں ایک دائرے کی شکل اس کے گرد احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ پھر دفعتاً اسے حمید کا خیال آیا وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کنواں تیزی سے گردش کرنے لگا ہو۔ زمین میں عجیب طرح کی آوازیں ایک دوسرے میں مدغم ہوتی چلی گئیں۔

ایک بار پھر اس نے سنبھالا لیا اور تحیر آمیز انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اسے تو اینٹوں کے ڈھیر میں ہونا چاہئے تھا پھر.... یہ.... یہ.... کیا.... اس کنوئیں کی تہہ بالکل خشک اور کسی کمرے کے فرش کی طرح صاف و شفاف بھی.... کیوں؟ وہ بے تحاشہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے حمید کو دیکھا، جو تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے بھی سر ہی میں چوٹ آئی تھی اور کچھ خراشیں پیروں میں بھی تھیں۔ فریدی اس پر جھک گیا۔ وہ ابھی تک بیہوش تھا۔ وہ کئی منٹ تک اس پر جھکا رہا پھر دفعتاً سیدھا کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ سر میں اتنی شدید تکلیف تھی کہ کھڑا ہونا دوبھر ہو رہا تھا اور نقاہت کا یہ عالم تھا جیسے وہ عرصے سے بیمار ہو۔ دفعتاً اسے اس روشنی کا خیال آیا۔ زرد رنگ کی دھندلی روشنی وہ بے اختیار اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔ سترہ اٹھارہ فٹ کی بلندی پر بنے ہوئے دریچوں میں اندر کی طرف چراغ روشن تھے جنہیں وہ پہلے نہیں دیکھ پایا تھا اور اب اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سارے چراغ خود بخود رینگ کر باہر آگئے۔ فضا میں معلق انسانی کھوپڑیوں میں سے روشنی کی لوئیں پھوٹ رہی تھیں اور اسی طرح کی چراندھ پھیلی ہوئی تھی جیسے ان میں چربی جل رہی ہو۔

فریدی کے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گئے اور ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور دیوار سے ٹک کر ان چراغوں کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا، جو آہستہ آہستہ نیچے اتر رہے تھے۔

اور پھر ایک عجیب سا قہقہہ سنائی دیا جو کسی خونخوار جانور کی غراہٹ سے مشابہ تھا۔ ایک طویل قہقہے سے اس باؤلی کی دیواریں تک جھنجھنا اٹھی تھیں، سامنے کے دریچے سے ایک چمگادڑ چک چک کرتی ہوئی نکلی اور اوپر کی طرف پرواز کر گئی۔ قہقہہ ختم ہو چکا تھا۔ لیکن اب ایک دوسری طرح کی آواز باؤلی میں گونج رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کہیں کوئی ریچھ اپنے پیروں پر تھوتھنی رکھے خر خر، خر خر کر رہا ہو۔

فریدی کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔ ریوالور موجود تھا۔ اس نے اس کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کی نظریں اس دریچے کی طرف اٹھ گئیں۔ جن سے چند لمحے پیشتر چمگادڑ اڑی تھی۔ دو خونخوار آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں اور پھر وہی غراہٹ سے ملتا جلتا ہوا قہقہہ سنائی دیا۔ فریدی نے ریوالور والا ہاتھ بلند کیا لیکن نہ جانے کدھر

سے ایک بڑی سی چمگادڑ نے اسی ہاتھ پر جھپٹا مارا اور ریوالور زمین پر آرہا۔

فریدی اس چمگادڑ کی طرف جھپٹا۔ اس نے ریوالور کو زمین پر گرتے نہیں دیکھا تھا۔ ایک تو سر میں شدید تکلیف تھی اس پر اس قسم کے واقعات! وہ سمجھا شاید چمگادڑ ریوالور کو جھپٹ کر لے گئی۔ چمگادڑ اپنے پر پھڑپھڑاتی ہوئی اس کے سر پر چکر لگا رہی تھی۔ دفعتاً فریدی کو ان روشن کھوپڑیوں کا خیال آیا جو آہستہ آہستہ نیچے کی طرف آرہی تھیں۔ وہ پھر تیزی سے دیوار کی طرف چلا گیا اور اس سے ٹکرا کر اوپر دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز چیخ نکل گئی۔ اس کا ریوالور اوپر چلتی ہوئی کھوپڑیوں کے درمیان جھول رہا تھا اور وہ کھوپڑیاں نیچے آنے کے بجائے ریوالور سمیت اوپر کی طرف جا رہی تھیں۔

قہقہہ کی غراہٹ پھر سنائی دی۔ اس بار وہ ایک دوسرے دریچے سے آتی معلوم ہو رہی تھی اوپر جا کر وہ کھوپڑیاں پھر چاروں طرف بنے ہوئے دریچوں میں رینگ گئیں۔

خونخوار آنکھیں پھر دکھائی دیں حالانکہ وہ کافی بلندی پر نظر آرہی تھیں۔ لیکن فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ اس کی آنکھوں میں اتری آرہی ہوں۔ پھر ایک خوفناک شکل دکھائی دی۔ سیاہ گھنے بالوں کے ڈھیر میں خوفناک آنکھیں انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی تاریک ویرانے میں دو چراغ جل رہے ہوں۔ فریدی کا سر ایک جھٹکے کے ساتھ دیوار سے جا لگا۔ یہ اس کے زخمی سر پر دوسری چوٹ تھی۔ اسے یک بیک ایسا محسوس ہوا جیسے وہ گہرے اندھیرے میں ڈوبتا چلا جا رہا ہو۔

نہ جانے وہ کب تک بے ہوش رہا اور ٹھیک اس وقت جب اس کا ذہن آہستہ آہستہ غنودگی کی سطح پر آرہا تھا۔ کچھ دیر قبل والی قہقہہ نما غراہٹ اس کے کانوں میں گونجی اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے دوبارہ لٹا دیا ہو۔ آنکھوں کے سامنے چھایا ہوا غبار چھٹتا جا رہا تھا اس کا ہاتھ بے اختیار سر کی طرف گیا۔ انگلیاں زخموں کی بجائے کسی نرم چیز سے ٹکرائیں اور اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

اس نے خود کو ایک سلیقے سے سجائے ہوئے کمرے میں پایا۔ اس کے نیچے ایک نرم اور ستھرا بستر تھا اور سامنے ہی فانوس میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ ایک معمر اور وجیہہ آدمی اس پر جھکا ہوا تھا جس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار نظر آرہے تھے۔ قریب ہی نعیم اور اشرف دکھائی

دیئے۔ فریدی نے پھر اٹھنا چاہا لیکن اس پر جھکے ہوئے آدمی نے اس کے سینے پر ہولے سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"لیٹے رہئے.... لیٹے رہئے۔"

"میں کہاں ہوں۔"

"آپ قطعی محفوظ ہیں۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ زخم خطرناک نہیں ہیں۔ لیکن آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔" وہ ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

"حمید کہاں ہے؟ کیسا ہے۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔"

"کہاں ہے۔" فریدی نے اپنے سینے پر رکھا ہوا ہاتھ اٹھا کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"دوسرے کمرے میں.... لیکن آپ لیٹے رہئے۔"

"ہشت.... میں بالکل ٹھیک ہوں.... مجھے حمید کے پاس لے چلو۔"

فریدی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر دفعتاً اشرف کی طرف مڑ کر بولا۔

"ہم لوگ کہاں تھے؟"

"کوئی پریشانی کی بات نہیں۔" معمر آدمی فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"جو ہونا تھا.... سو ہو گیا۔"

فریدی اسے گھورنے لگا۔ پھر اشرف کو مخاطب کر کے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"آپ کی تعریف....!"

"اوہ آپ....!" ارشد نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "آپ.... آپ نواب صاحب۔"

"مجھے صولت مرزا کہتے ہیں۔" معمر آدمی نے کہا۔

"اوہ....!" فریدی نے اس کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگوں کی وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔"

"نہیں.... کوئی تکلیف نہیں۔ لیکن آپ لیٹ جائیے۔"

"میں اپنے ساتھی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔" نواب صولت مرزا مسکرا کر بولا۔

فریدی چپ چاپ لیٹ گیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے اشرف سے پوچھا کہ وہ دونوں انہیں کہاں ملے تھے۔

"تم دونوں ایک گری ہوئی دیوار کی ملبے میں دبے پڑے تھے۔" اشرف نے کہا۔

فریدی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ تحیر آمیز انداز میں اشرف کو گھورتا رہا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے پرخیال انداز میں آہستہ سے سر ہلایا۔ پھر دفعتاً پوچھ بیٹھا۔

"میرا کوٹ کہاں ہے۔"

اشرف نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں اس کا کوٹ لٹکا ہوا تھا۔

"ریوالور ہے اس میں۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ پھر لیٹ گیا۔

وہ پراسرار باؤلی اور اس کا ڈراؤنا ماحول۔ کیا وہ سب خواب تھا۔ فریدی انتشار میں مبتلا ہو گیا۔ وہ خوفناک چہرہ جلتی ہوئی معلق انسانی کھوپڑیاں۔ قہقہہ نما غراہٹ آخر یہ سب کیا تھا۔ پہلی بار وہ یقیناً ایک گرتی ہوئی دیوار کے لپیٹ میں آکر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ لیکن دوسری بیہوشی؟ کیا وہ سچ مچ خواب تھی؟ وہ سوچتا رہا اور اس کے ذہن نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ سب حقیقت تھی۔ لیکن پھر! پھر وہ گری ہوئی دیوار کے ملبے میں دوبارہ کس طرح پہنچے تھے۔ وہ ریوالور جسے وہ کھوپڑیاں اپنے ساتھ اڑا لے گئی تھیں اس کے جیب میں دوبارہ کس طرح آیا؟ کیا وہ شیطانی کتا....؟ لیکن وہ اس کے آگے نہ سوچ سکا۔ کیونکہ مافوق الفطرت چیزوں کی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہ تھی۔

"کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ تم نے ہمیں ملبے کے ڈھیر سے نکالا تھا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ہاں بھئی....!"

صولت مرزا بڑے غور سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک پرخیال سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھول جائیے۔ سب کچھ بھول جائیے۔" نواب صولت مرزا معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "جوانی کا خون اکثر غلط راستوں پر بھی لے جاتا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے آپ کے دوستوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ وہاں کس لئے گئے تھے۔" صولت مرزا مسکرا کر بولا۔ "یہ آپ کا غیر دانشمندانہ اقدام تھا۔ کوئی دن میں بھی ادھر جانے کی ہمت نہیں کرتا۔ مگر خیر شائد آپ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

فریدی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ صولت مرزا ہی کی زبانی کچھ اور بھی سننا چاہتا ہو۔

"ہمارے قصبے کے تین منچلے جوان" صولت مرزا پھر بولا۔ "اسی خبط کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک تو کچھ دن بیمار رہ کر چل بسا اور بقیہ دو آج تک صحیح الدماغ نہیں ہو سکے۔"

"اوہ....!" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کب کی بات ہے۔"

"پانچ سال قبل کی بات۔ وہ تینوں اس کتے کا راز معلوم کرنے گئے تھے۔"

"پھر....!"

"دوسرے دن صبح ان کھنڈروں میں بے ہوش پائے گئے۔"

"تو کیا یہ حقیقت ہے کہ اس کی آواز سالہا سال سے سنائی دیتی ہے۔"

"میں نے تو اپنے بزرگوں سے یہی سنا ہے۔" صولت مرزا نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "بس اب آرام کرو۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں تو اگر یہ بات ہے تو کم از کم آپ بھی اسے بچپن ہی سے سنتے آئے ہوں گے۔"

"ہاں بھئی میں صبح سب کچھ بتادوں گا مجھے باتوں میں بہلانے کی کوشش نہ کرو۔ تم بالکل اپنے باپ کی طرح جھکی معلوم ہوتے ہو۔"

"کیا آپ ان سے واقف ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"بیٹے تم ہمیں بھول گئے ہو.... لیکن ہم نہیں بھولے۔"

"ارے بھئی نواب عزیز الدین خان میرا لنگوٹیا یار تھا.... آکسفورڈ میں ہم دونوں ساتھ ہی تھے۔"

"لیکن آپ کو میرے متعلق کیسے معلوم ہوا۔"

"تمہارے دوستوں نے بتایا۔ اچھا میاں کمال بس چپ چاپ سونے کی کوشش کرو۔ حالانکہ زخموں میں تکلیف ہو رہی ہو گی۔"

"میں سونے سے پہلے اپنے زخمی ساتھی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بھئی بڑے ضدی ہو! اچھا چلو....!"

صولت مرزا نے فریدی کو سہارا دے کر اٹھایا اور پھر وہ اس کمرے میں آئے جہاں حمید ایک مسہری پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس کا سر بھی سفید پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور صولت مرزا گھبرا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ آپ اس مینار کی چوٹی پر ہوں گے۔" حمید نے کہا اور فریدی صولت مرزا کی طرف مڑ کر بولا۔ "مطمئن رہیئے اس کا دماغ خراب نہیں ہوا۔"

پھر وہ مسہری کے قریب پڑی ہوئی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ نواب صولت مرزا نے بھی ایک میز کے کونے پر ٹک کر حمید کے چہرے پر خیال انداز میں نظریں جمادیں۔ حمید کافی کی پیالی ٹی پائی پر رکھ کر اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"میرے نوکر کہاں ہیں۔" فریدی نے نعیم کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"سب آ گئے ہیں اور گاڑی بھی۔" نعیم نے جواب دیا۔

"تو تم بخیرت ہو۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"بدقسمتی سے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "خدا نے چاہا تو اب کی صفایا ہو جائے گا۔"

انتہائی سنجیدہ ماحول ہونے کے باوجود بھی شاہد اور اشرف بے ساختہ ہنس پڑے۔

"تم نے کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھا۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"عینک نہیں تھی ورنہ ضرور دیکھتا۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگ بھی اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہیں۔" صورت مرزا نے کہا۔

"قبلہ نواب صاحب۔" حمید نے دھوئیں کا بڑا سا بادل چھوڑتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میں مر جانے کی حد تک سنجیدہ ہو چکا ہوں۔"

"میں نے یہ بھی سنا ہے۔" فریدی نے نواب صولت مرزا کو مخاطب کر کے کہا۔ "کہ جب بھی وہ کتا روتا ہے قریب کی ندی میں باڑھ آجاتی ہے اور اس کے کنارے بسے ہوئے گاؤں بہہ جاتے ہیں۔"

"قطعی درست ہے۔ ابھی ابھی میری لاریاں جنگ پور کے مصیبت زدگان کو لے کر یہاں آئی ہیں۔ تھوڑی دیر قبل میں بھی وہیں تھا۔ آدھے سے زیادہ گاؤں بہہ گیا ہے۔ تین بچے ڈوب گئے ہیں۔ اپنے بچپن سے اس قسم کے واقعات دیکھتا آرہا ہوں۔ اچھا بھئی اب تم لوگ آرام کرو۔ مجھے ان بیچاروں کا بھی انتظام کرنا ہے اور ہاں.... ڈاکٹر نے تم دونوں کو صرف سیال چیزیں استعمال کرنے کے لئے کہا ہے۔ چائے.... کافی یا دودھ۔"

صولت مرزا اپنے نوکروں کو کچھ ہدایت دیتا ہوا باہر چلا گیا۔

"اب بتاؤ....!" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔

حمید کوئی جواب دینے کے بجائے ٹی پائی پر رکھے ہوئے ایش ٹرے میں پائپ کی راکھ جھاڑ کر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

فریدی تھوڑی دیر تک پرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اشرف کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"تم لوگ وہاں کس طرح پہنچے تھے۔"

"ہم دوسری طرف سے گھوم کر یہاں پہنچے۔" اشرف سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ نواب صاحب موجود نہیں تھے۔ وہ شاید جنگ پور کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے گئے ہوئے تھے۔ لیکن یہاں نوکروں کو ہدایت دے گئے تھے کہ اگر ان کی عدم موجودگی میں کوئی پناہ لینے کے لئے آئے تو اسے ساری آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ لہٰذا ان کے نوکر پہلے تو ہمیں سیلاب زدہ سمجھے لیکن جب ہم نے انہیں پوری بات بتائی تو انہوں نے ہمارے لئے معقول انتظام کر دیا۔ پھر تقریباً ایک گھنٹے تک ہم تمہارا انتظار کرتے رہے۔"

"خیر....!" فریدی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تو تمہیں اچھی طرح یاد ہے کہ ہم ملبے میں دبے ہوئے تھے۔"

"تم آخر بار بار اس کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہو۔" اشرف نے کہا۔

"انہیں یقین نہیں آرہا ہے۔" حمید دفعتاً سر اٹھا کر بولا۔ "کیونکہ یہ اس وقت ملکہ الزبتھ کے ساتھ دعوت اڑا رہے تھے۔"

"تو ابھی تم زندہ ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور حمید بھنا کر اٹھ بیٹھا۔

"سنئے جناب! جہنم میں گیا آپ کا ایڈونچر۔ میں اب کسی مزید حماقت کے لئے تیار نہیں۔"

"چپ چپ شور نہیں کرتے۔ بس اب تو بارہ بج رہے ہیں۔" فریدی نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"مذاق میں مت ٹالئے۔ ہم صبح ہی صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ مجھ میں بھوتوں سے لڑنے کی تاب نہیں۔"

"بھوت....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیسے بھوت.... پاگل ہوئے ہو، ایک بھیگی ہوئی دیوار تھی، جو ہوا کا تیز جھونکا برداشت نہ کر سکی اور بس۔"

"تو پھر وہ مینار پر رونے والا کتا میرا چچا رہا ہوگا۔"

"بہت ممکن ہے وہی ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر اشرف کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"بھئی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تم دونوں گری ہوئی دیوار کے ملبے میں دبے ہوئے تھے۔" اشرف اکتا کر بولا۔

"کیا وہاں قریب ہی کوئی باؤلی بھی تھی۔"

"باؤلی کیا....!" اشرف نے پوچھا۔

"پاگل عورت کو کہتے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ بھی جاہل ہیں۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔ "باؤلی ایک قسم کا کنواں ہوتا ہے جس میں نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں ہوتی ہیں اور پانی کی سطح سے تھوڑی ہی اونچائی پر دریچے اور برآمدے بنے ہوتے ہیں۔ قدیم زمانے میں ایسے کنوئیں گرمیوں کے زمانے کی عیاشیوں کے لئے بنوائے جاتے تھے۔"

"نہیں ہمیں وہاں کوئی ایسی چیز نہیں دکھائی دی تھی۔" اشرف نے کہا اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے ادھر ادھر دیکھنے کی ہمت ہی نہیں کی۔ حالانکہ ہم تعداد میں بیس تھے اور نواب صاحب

کے نوکروں کے پاس بھی بندوقیں تھیں۔ لیکن خوف کے مارے سب کا حال پتلا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر خود نواب صاحب چلنے پر آمادہ نہ ہوگئے ہوتے تو ان کے نوکروں کو کوئی طاقت اس وقت ان کھنڈروں میں نہیں بھیج سکتی تھی۔"

"اجی بس....!" حمید پھر سر اٹھا کر بولا۔ "ساری دنیا میں دو ہی تیس مار خاں بستے ہیں۔ ایک میں اور دوسرے آپ۔" اس نے مضحکہ خیز انداز میں فریدی کی طرف اشارہ کیا۔

پُراسرار لڑکی

"تم ابھی تک سوئے نہیں۔" فریدی بولا۔

"آپ لوگ جھک ماریئے۔ ہم تو چلے۔" اشرف اٹھتا ہوا بولا۔ "نہ جانے کس کی صورت دیکھ کر گھر سے چلے تھے۔"

"آئینہ دیکھا ہوگا۔" حمید آنکھیں بند کئے ہوئے بڑبڑایا۔

دروازہ کھلا اور ایک نوکر ہاتھوں پر ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا جس میں گرم دودھ کا جگ اور دو گلاس تھے اس کے بعد ایک دوسرا نوکر اندر آیا اور اس نے اشرف وغیرہ سے کھانے کے لئے کہا۔ وہ لوگ اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

"کیوں بھئی تمہیں دودھ چاہئے۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ "مجھے تو خواہش نہیں۔"

"میں کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

نوکر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر حمید نے دو گلاس صاف کر دیئے۔

نوکر استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے دودھ نہیں چاہئے۔" فریدی بولا۔ "اگر کافی تیار ہو تو لاؤ.... ورنہ نہیں۔"

"تیار ہے حضور۔" نوکر قدرے جھک کر بولا اور ٹرے اٹھا کر چلا گیا۔

حمید دوبارہ پائپ سلگا رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر فریدی کو دیکھتا رہا پھر بڑبڑاتا ہوا لیٹ گیا۔ "پتہ نہیں کون اُلو کا پٹھہ ڈاکٹر تھا جس نے صرف دودھ کی اجازت دی ہے۔ لعنت ہے اس زندگی پر

بھلا دیوار میں دب کر بھی زندہ رہنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"کیوں فضول ٹائیں ٹائیں مچا رکھی ہے۔"

"فضول ٹائیں ٹائیں۔" حمید ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ "یہ فضول ٹائیں ٹائیں ہے.... ارے یہ فف.... ضو.... ل....!"

دفعتاً اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ داہنی طرف کے ملحقہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ایک انتہائی حسین لڑکی شب خوابی کے لبادے میں ملبوس کھڑی انہیں غمناک انداز میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی عمر انیس یا بیس سے کسی طرح زیادہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ فریدی کھڑا ہو گیا۔

"میں تم لوگوں کے لئے مغموم ہوں۔" لڑکی نے مضمحل آواز میں کہا۔

"کوئی ایسی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ہمارے زخم معمولی ہیں۔ البتہ آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔"

"تم میں سے فرقلوس کا بیٹا اوسرس کون ہے۔" لڑکی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

فریدی اور حمید گھبرا کر ایک دوسرے کی صورتیں دیکھنے لگے۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"اوہ شاید تمہیں غموں نے پاگل کر دیا ہے۔ تم دونوں زخمی ہو۔ لیکن گھبراؤ نہیں۔ زفورس... میرا زفورس تمہارے لئے لڑ رہا ہے۔ وہ تمہارے دشمنوں کو شکست دے کر ایک دن ضرور واپس آئے گا۔ مجھے دیکھو.... میں خود یہاں اسیر ہوں۔ لیکن مجھے امید ہے کہ ایک دن زفورس مجھے اس قید سے رہائی دلائے گا۔ کئی دنوں سے میرے کچھ سپاہی یہاں آتے ہیں۔ وہ موقع کی تلاش میں ہیں۔ کسی دن یہاں شب خون ضرور ماریں گے۔"

"محترمہ شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

لڑکی کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے مجھے غلط فہمی ہی ہوئی ہے۔ تم بھی انہیں میں سے معلوم ہوتے ہو جنہوں نے مجھے قید کر رکھا ہے۔ میں یہ سمجھی تھی کہ شاید تم نے رومنوں کے خوف سے یہ بھیس اختیار کیا ہے۔"

"آپ کو کس نے قید کر رکھا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

اس عمارت کے مالکوں نے۔ میں سالہا سال سے غلامی کی زندگی بسر کرتی آرہی ہوں۔ میں اس عمارت سے باہر نہیں نکلنے پاتی.... کاش! میرا زفورس یہاں جلد سے جلد پہنچ جائے۔ مجھے اپنے باغ کے گلاب بہت یاد آتے ہیں۔ مجھے اس معبد کی یاد بہت پڑتی ہے جہاں سنگ مرمر کی غنیم سیڑھی آسمان کی طرف اپنے بازو اٹھائے اصیل مرغوں کی قربانیاں قبول کرتی ہے۔ مجھے اپنے محل کے عظیم الشان دریچے یاد آتے ہیں جن پر شاداب شاموں کی سرخیاں رنگ مارا کرتی ہیں اور محل کے نیچے بہتے ہوئے دریا میں طلائی کشتیاں تیرتی ہیں۔ مجھے اپنے دو سیاہ رو غلام یاد آتے ہیں جو میری لئے رنگ رنگ کی ننھی ننھی مچھلیاں پکڑ کر لاتے تھے اور میں انہیں شیشے کے بڑے بڑے مرتبانوں میں ڈلوا دیتی تھی۔ مجھے میرا زفورس بہت یاد آتا ہے جس کے بازوؤں میں فولادی مچھلیاں مچلتی تھیں جس کے فراخ سینے پر سر رکھ کر میں سب کچھ بھول جاتی تھی۔"

وہ خاموش ہوگئی۔ فریدی اور حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ شاید وہ لڑکی انہیں اُلو بنا رہی ہے۔

"آپ کس زمین سے تعلق رکھتی ہیں۔" حمید نے شرارت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"مصر.... ہائے میرا مصر.... میں تجھے کبھی نہیں بھول سکتی۔"

"مصر....!" فریدی چونک کر بولا۔ وہ غور سے اس لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہاں مصر....!" لڑکی کی آواز سے دبا دبا سا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔ "ایک دن تم سب غلام بنا لئے جاؤ گے۔ شاید تمہیں ہمارے جنگجو آدمیوں کا تجربہ نہیں۔ وہ جن کے نیزوں کی انیاں سورج کو آنکھیں دکھاتی ہیں وہ جن کی ڈھالوں پر خونخوار عقابوں کی تصویریں ہیں۔ وہ جنہوں نے رومنوں اور یونانیوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ وہ جنہوں نے سلونیو جیسے جلال و جبروت والے کی آنکھیں نکال کر کتوں کے سامنے ڈال دی تھیں۔ وہ اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ ان دیواروں کو پیس ڈالیں گے جنہوں نے مجھے قید کر رکھا ہے۔"

لڑکی خاموش ہوگئی۔ اسی دوران میں دوسرے کمرے سے دو عورتیں آگئیں تھیں۔ ان میں سے ایک معمر تھی اور دوسری کمسن جس کی عمر پندرہ یا سولہ کے قریب رہی ہوگی۔

"باجی! باجی....!" کمسن لڑکی نے آگے بڑھ کر اسے جھنجھوڑا اور وہ یک بیک پلٹ پڑی۔

"تم دونوں میری بوٹیاں نوچنے کے لئے آگئیں۔"

"جمیلہ....!" معمر عورت نے اسے پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔"

وہ اسے دوسرے کمرے میں کھینچ لے گئی اور کمسن لڑکی نے شرماتے ہوئے انداز میں فریدی سے کہا۔

"آپ لوگ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔ یہ اس وقت ہوش میں نہیں تھیں۔"

قبل اس کے فریدی کچھ کہتا وہ بھی دوسرے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند ہوگیا۔

فریدی اور حمید تھوڑی دیر تک حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر حمید بولا۔

"کیا شامت ہے۔"

فریدی کچھ بولنے ہی والا تھا کہ نوکر کافی کی ٹرے لے کر آ گیا۔ اس نے فریدی کی کرسی کے قریب تپائی کھسکا کر ٹرے رکھ دی۔

"ابھی یہاں ایک پاگل عورت گھس آئی تھی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"پاگل عورت..!" نوکر چونک کر بولا اور پھر پر تشویش انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"شاید وہ مصر کی رہنے والی ہے۔"

"اوہ....!" نوکر نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ منجھلی سرکار ہوں گی۔"

"منجھلی سرکار۔" فریدی نے کہا۔ "یعنی نواب صاحب کی منجھلی لڑکی۔"

"جی حضور....!"

"تو کیا وہ کچھ بیمار ہیں۔"

"جی ہاں.... کافی ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

فریدی نے محسوس کیا کہ وہ بات ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"ہم لوگ تو بُری طرح ڈر گئے تھے۔" فریدی پیالی میں کافی انڈیلتا ہوا بولا۔

نوکر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا وہ بہت پڑھتی ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن وہ صورت سے تو بیمار نہیں معلوم ہوتیں۔"

"جی صاحب۔"

"تم یہاں کب سے ہو۔"

"تین سال سے۔"

"تو تمہیں ان کی بیماری کے متعلق نہیں معلوم۔"

"نہیں صاحب۔"

"کیا وہ کبھی مصر میں بھی تھیں۔"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"ہمارے نوکر تو.... ہماری ایک ایک بات جانتے ہیں۔" فریدی پیالی رکھ کر نوکر کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"جی صاحب۔" اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔

"اور تم اپنی منجھلی سرکار کی بیماری کے متعلق بھی نہیں جانتے۔" فریدی نے دھیرے سے کہا۔

نوکر شش و پنج میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر وہ آہستہ سے بولا۔

"ان پر کسی جن کا سایہ ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس نے جلدی جلدی کافی ختم کی اور نوکر کو رخصت کر دیا۔

"ارے باپ رے باپ۔" حمید بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔ "سارے جن بھوت پریت یہیں اکٹھا ہو گئے ہیں۔ شامت قلابازیاں کھاتی دکھائی دیتی ہے۔ خدارا نکل بھاگئے۔ یہاں سے.... میں ان چیزوں سے نہیں لڑ سکتا جو دکھائی نہ دیں۔ رہے آپ... تو آپ تو ہوا سے لڑنے کی خاصی مشق بہم پہنچا چکے ہیں۔"

"شٹ اپ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"میں تو صبح چل دوں گا۔"

"بکواس ہے.... تمہیں یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔ میں اس کتے کو مینار سے نکال کر پالنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"ارے تو پالئے نا۔" حمید دانت کٹکٹا کر بولا۔ "منع کس پٹھے کے اُلو.... اُلو کے پٹھے نے کیا ہے۔ لیکن میں رک نہیں سکتا۔"

"خیر تمہاری مکھیاں بھی رکیں گی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ انہیں چاہے روکئے چاہے مار ڈالئے۔ لیکن مجھے تو بخشنا ہی پڑے گا۔"

فریدی کرسی سے اٹھ کر اس کی مسہری پر جا بیٹھا۔

"اب کیا ارادہ ہے۔" حمید اچھل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

"میں نے اتنی خوبصورت لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بس بس مجھے زیادہ گھنے کی کوشش نہ کیجئے۔" حمید نے کہا۔ "ارے باپ رے باپ اس کے جنگجو سپاہی۔"

"بہر حال تم جا نہیں سکتے۔"

"میں رومال سے اپنا گلا گھونٹ لوں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ اس سے پہلے کوئی اچھی سی وصیت ضرور چھوڑ جانا۔"

"بخدا میں عاجز آ گیا ہوں۔ گلو خاصی کے لئے موت کے علاوہ کچھ اور نہیں دکھائی دیتا۔"

"تو پھر مر ہی جاؤ، تجہیز و تکفین معقول کر دی جائے گی۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر لیٹ گیا۔

فریدی اسے خوفناک باؤلی کے متعلق بتانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ حمید کو بزدل نہیں سمجھتا تھا لیکن یہ ضرور جانتا تھا کہ وہ مافوق الفطرت چیزوں پر کچھ نہ کچھ یقین رکھتا ہے اگر اسے باؤلی والی بات معلوم ہو گئی تو وہ کسی طرح نہ رک سکے گا۔ اس کا ذہن ان متحرک اور معلق کھوپڑیوں میں الجھا ہوا تھا اور وہ عجیب و غریب اور خوفناک درندہ۔

اس دوران میں کئی بار اس کا ذہن نواب صاحب کی منجھلی لڑکی کے پراسرار رویے کی طرف بھی منتقل ہوا لیکن وہ اس کے متعلق کچھ زیادہ سوچنے پر تیار نہیں تھا۔ کیونکہ اس میں ساری علامتیں کسی ذہنی مرض کی پائی جاتی تھیں۔ البتہ وہ اس کے متعلق وضاحت سے جاننا چاہتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھا بیٹھا خیالات سے الجھتا رہا پھر جانے کے لئے اٹھا۔

"کہاں چلے....!" حمید نے پوچھا۔

"تم سوئے نہیں.... میرا بستر شاید اس کمرے میں ہے۔"

"جی نہیں.... قطعی نہیں.... میں اس بھوت گھر میں تنہا نہیں رہ سکتا؟"

"عجیب احمق ہو۔"

"آپ مجھے عجیب اُلو بھی کہہ سکتے ہیں لیکن میں....!"

"کیا بکواس ہے.... ایک لڑکی سے ڈرتے ہو۔"

"پاگل لڑکی.... کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" حمید جھلا کر بولا۔ "کیا آپ کو نوکر کی بات یاد نہیں۔"

"جی ہاں۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "اس پر کسی جن کا سایہ عاطفت ہے اور آپ اتنے گنوار ہیں کہ اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ مجھے خواہ مخواہ تنگ مت کرو۔"

"میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ میں قطعی سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔"

"ارے احمق تو آدمی ہو کر جنوں سے ڈرتا ہے۔ تف ہے۔ تجھ گدھے پر۔" فریدی جھلا کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارے اندر اتنی بوڑھی روح سسک رہی ہے۔"

"اس وقت اگر آپ مجھے گدھے کے بجائے جرنلسٹ بھی کہہ دیں تو میں بُرا نہ مانوں گا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"بکو مت....!" فریدی آرام کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ وہ اب نہیں جائے گا۔

"آپ یہاں مسہری پر آجائیے۔ میں کرسی پر سو جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں جی.... سوئیے۔" فریدی نے آنکھیں بند کرلیں۔

حمید چپ چاپ لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ آہستہ فریدی کو آوازیں دیں لیکن وہ سو چکا تھا۔

حمید نے لاکھ کوشش کی کہ وہ بھی سو جائے لیکن نیند نہ آئی۔ وہ پُراسرار لڑکی اس کے ذہن پر بُری طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس کی خواب ناک آنکھیں، سپاٹ چہرہ، عالم تحیر میں بار بار جھپکتی ہوئی پلکیں۔ گفتگو کرتے وقت اعضاء کی غیر مانوس سی جنبش.... یہ ساری چیزیں ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے آرہی تھیں۔ دفعتاً اس کی نظریں اس دروازے کی طرف اٹھ گئیں جس سے وہ داخل ہوئی تھی۔ وہ یک بیک اٹھ بیٹھا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا دروازے کی چٹخنی گرا کر پھر مسہری پر لوٹ آیا۔

وہ دن چڑھے تک سوتے رہے۔ فریدی نے آنکھ کھولتے ہی سب سے پہلے نواب صولت

مرزا کو دیکھا جو قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بھئی کمال میاں تم واقعی اپنے باپ کی نقل ہو۔" اس نے کہا۔ "بھلا اس کرسی پر سونے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اوہ....! دراصل میں باتیں کرتے کرتے سو گیا تھا۔"

"میں نے منع کیا تھا نا کہ زیادہ باتیں نہ کرنا۔ خیر یہ بتاؤ کہ طبیعت کیسی ہے۔"

"میں بالکل اچھا ہوں.... حمید.... او حمید۔"

"بھئی سونے دو نا.... اسے کیوں جگاتے ہو۔"

حمید کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

صولت مرزا تھوڑی دیر تک ان سے ان کے زخموں کی کیفیت معلوم کرتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔ وہ دونوں ضروریات سے فارغ ہو کر باہر آئے۔ صولت مرزا کے طویل و عریض مکانات کے برآمدے اور کمرے پناہ گزینوں سے بھرے ہوئے تھے اور وہ خود دوڑ دوڑ کر ان کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ ان کی طرف چلا آیا۔

"بھئی تم لوگوں نے ناشتہ کیا یا نہیں۔"

"ابھی نہیں.... ہم یوں بھی دیر سے ناشتہ کرنے کے عادی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"دیکھو یہ تمہارا گھر ہے کسی قسم کا تکلف نہ کرنا۔ جس وقت جس چیز کی ضرورت ہو کہہ دینا کیونکہ میں بُری طرح مشغول ہوں ورنہ خود ہی دیکھ بھال رکھتا۔"

"اوہ! آپ اس کی فکر نہ کیجئے گا" فریدی نے کہا۔ "ہم خود آپ کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے آئے ہیں۔"

"نہیں بھئی نہیں.... تم آرام کرو۔" نواب صاحب نے پرخیال انداز میں کہا۔ "اوہ.... ٹھیک یاد آیا۔ تم ابھی تک لڑکیوں سے نہیں ملے۔ آؤ.... آؤ.... میں کچھ اتنا زیادہ مشغول رہا کہ ان سے تمہارا تذکرہ تک نہ کر سکا۔ شکیلہ تمہاری بہت مداح ہے۔ تمہارے بہتیرے کیسوں کی رپورٹوں کے تراشے اس نے اکٹھے کئے ہیں۔ اکثر کہتی ہے کہ بہت خوفناک آدمی ہوں گے۔ ہاہاہا لیکن تمہاری مسکین صورت دیکھ کر اسے بڑی مایوسی ہوگی۔"

حمید ہنسنے لگا۔ لیکن پھر دفعتاً سنجیدہ ہو گیا۔ غالباً اسے پچھلی رات والی لڑکی یاد آگئی تھی۔

فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”تم اشرف وغیرہ کا خیال رکھنا۔ انہوں نے بھی ابھی ناشتہ نہ کیا ہوگا۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔“ حمید کی جان میں جان آئی۔ ”مجھے انہیں کے ساتھ رہنا چاہئے۔ ہم نے ہی تو انہیں شکار کی لئے مدعو کیا تھا۔ انہیں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں۔“

فریدی کے ہونٹوں پر تمسخر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور حمید اس کا مطلب سمجھ کر جھینپ گیا۔

نواب صاحب فریدی کا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کی طرف مڑے اور حمید اپنے ساتھیوں کے کمروں کی طرف چل دیا۔

راہ میں صولت مرزا نے ایک نوکر کو روک کر لڑکیوں کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ڈائننگ روم میں ہیں۔

”ارے بھئی شہریوں کو ناشتہ پہنچا یا نہیں۔“

”جی ہاں۔“ نوکر نے جواب دیا۔ ”اور آپ لوگوں کے متعلق آپ سے پوچھنا تھا۔“

”میرے خیال سے تو اب ڈاکٹر کو کھانے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“ صولت مرزا نے فریدی سے پوچھا۔

”قطعی نہیں.... میرے خیال سے رات ہی کسی خاص پرہیز کی ضرورت نہیں تھی۔“

”خیر آؤ بھئی۔“ صولت مرزا نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے وہ ڈائننگ روم میں آئے جہاں رات والی دونوں لڑکیاں اور تیسری عورت بیٹھی تھی۔ کچھ بچے بھی تھے۔ وہ سب انہیں دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔

”لو بھئی شکیلہ....!“ صولت مرزا نے چھوٹی لڑکی کو مخاطب کیا۔ ”تمہیں ایک بہت ہی خوفناک آدمی ملاؤں۔“

تینوں مستفسرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگیں۔

”انسپکٹر احمد کمال فریدی۔“ صولت مرزا نے کہا۔

”ارے....!“ شکیلہ کے منہ سے بے اختیار نکلا اور صولت مرزا ہنسنے لگے۔

”تم سمجھتی تھیں بڑا خوفناک آدمی ہوگا؟ بیٹھو بھئی بیٹھو۔“ اس نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ شکیلہ ہے۔ یہ جمیلہ اور یہ عقیلہ!“

فریدی کی توجہ کا مرکز زیادہ تر منجھلی لڑکی جمیلہ بنی ہوئی تھی۔ اس وقت اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ حد درجہ چڑچڑی ہے، ہونٹ سکڑے ہوئے تھے۔ دونوں ابروؤں کے درمیان ایک ابھری ہوئی شکن تھی جو اس کے تیکھے مزاج کی غمازی کر رہی تھی۔ ابروؤں میں ایک خاص قسم کا تناؤ تھا جس کا خوش مزاجی سے دور کا بھی لگاؤ نہیں معلوم ہوتا تھا.... لیکن.... فریدی سوچ میں پڑ گیا۔ پچھلی رات کو تو اس کے چہرے کے خطوط بڑے دلآویز معلوم ہو رہے تھے، سبک اور حسین ہونٹوں پر ایک عجیب قسم کی نشہ انگیز تھرتھراہٹ تھی۔ ماتھے پر وہ بدنما سلوٹ بھی نہیں تھی۔ ابروؤں میں تیکھے پن کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

”تو یہ وہی کمال میاں ہیں، جو عزیز چچا کے ساتھ آیا کرتے تھے۔“ بڑی لڑکی عقیلہ بولی۔

”مجھے افسوس ہے کہ بچپن کی بہتیری باتیں یاد نہیں رہ گئیں۔“ فریدی نے کہا۔

”اس کی شکایت ہی نہیں۔ زمانہ ہی نہ جانے کہاں سے کہاں جا پہنچا۔“ عقیلہ اس کی طرف چائے کی پیالی اور پیسٹریوں کی طشتری کھسکاتی ہوئی بولی۔ ”جب تک عزیز چچا زندہ رہے برابر آنا جانا رہا اس کے بعد سلسلہ ہی ختم ہوگیا۔ اللہ بخشے عزیز چچا بھی بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔“

فریدی کا دم گھٹنے لگا۔ اسے گھریلو قسم کی باتوں سے اختلاج ہونے لگتا تھا۔

عقیلہ اپنی چھوٹی بہن کو مخاطب کر کے بولی۔ ”اور سنو! عزیز چچا نے انہیں بارہ سال کی عمر میں انگلینڈ بھیج دیا تھا اور پھر دس سال تک ان کی شکل نہیں دیکھی۔ حکم تھا کہ ایم۔ اے پاس کرنے سے قبل ہندوستان نہیں آسکتے۔“ پھر وہ فریدی سے پوچھنے لگی۔ ”آخر تمہیں اس انسپکٹری میں کیا مزا ملتا ہے اول تو میرے خیال سے تمہیں ملازمت کی ضرورت ہی نہیں تھی اور اگر کرنی ہی تھی تو کسی بڑی جگہ پر گئے ہوتے اتنی تعریفیں تمہاری اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں اور ابھی تک وہی انسپکٹر کے انسپکٹر۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

”بات یہ نہیں۔“ اس نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ”میں دراصل اپنی ہی ضد کی وجہ سے اب تک انسپکٹر ہوں، بڑے عہدے حاصل کر لینے کے بعد کام کا موقع نہیں ملتا۔“

”بالکل وہی عزیز چچا کی سی باتیں۔“ عقیلہ مسکرا کر بولی اور صولت مرزا کی طرف دیکھنے لگی۔

”ٹھیک ہے وہ حضرت بھی آئے دن ایک نئے خبط میں مبتلا رہتے تھے۔ کبھی جنوبی امریکہ

تشریف لے جا رہے ہیں۔ ربڑ کی کاشت کی تربیت حاصل کرنے کے لئے اور کبھی مصر اور وجہ پوچھو تو مسکرا کر کہیں گے کیوں نہ ایک بار اہرام مصر کی زیارت کر لی جائے۔ اچھا بھئی اب تم لوگ بیٹھو میں تو چلا۔"

صولت مرزا چلا گیا۔ فریدی بار بار جمیلہ کی طرف دیکھ لیتا تھا جو ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ البتہ شکیلہ اسے کبھی کبھی پر اشتیاق انداز میں دیکھنے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بھی اس سے گفتگو کرنے کے لئے بے چین ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ جمیلہ کچھ اکتائی سی نظر آ رہی تھی۔ آخر وہ اٹھ کر چلی ہی گئی۔

"تمہارے زخموں کا اب کیا حال ہے۔" عقیلہ نے پوچھا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ تم ہو۔ ابا جان کو اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ کچھ بتاتے۔ آخر تم بدھ راج نگر ہی کی طرف کیوں چلے گئے تھے۔ نوکروں نے شاید تمہارے آدمیوں سے سنا تھا کہ تم اس شیطانی کتے کا پتہ لگانے گئے تھے۔"

"بات تو یہی تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو تم اسی طرح اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہو۔"

"ویسے میں بڑا ڈرپوک آدمی ہوں لیکن ایسی باتوں کا پتہ لگانے کو دل چاہتا ہے۔" فریدی نے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ "اگر میں یہاں سگار پیوں تو کوئی حرج تو نہیں۔"

"بھلا اس میں حرج کی کیا بات۔" عقیلہ شکیلہ کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"شکریہ۔" فریدی سگار کا کونہ توڑ کر اسے ہونٹوں میں دباتا ہوا بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر یک بیک کہنے لگا۔ "جمیلہ صاحبہ نے سچ مچ رات مجھے ڈرا دیا تھا۔ بہر حال میں اس مذاق سے دیر تک محظوظ ہوتا رہا۔"

"مذاق۔" دفعتاً عقیلہ کے چہرے پر اداسی کی گہری تہیں جم گئیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "مذاق نہیں تھا۔"

"مذاق نہیں تھا۔" فریدی کے لہجے میں مصنوعی حیرت تھی۔

"مذاق نہیں تھا۔" عقیلہ دھیرے سے بولی۔ "یہ ہماری ایک پرانی بدنصیبی ہے اس پر گیارہ سال کی عمر سے اس قسم کے دورے پڑتے ہیں۔"

"دورے....!"

"ہاں دورے.... وہ اپنے ہوش میں نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اب تو یہ حال ہے کہ قصبے کے ایک ایک فرد کو اس کی اطلاع ہو گئی ہے۔"

"یہ دورے پڑتے کس طرح سے ہیں۔" فریدی نے پرخیال انداز میں پوچھا۔

"بس سوتے سوتے اٹھ بیٹھتی ہے اور اس قسم کی باتیں کرنے لگتی ہے جیسی تم پچھلی رات سن چکے ہو۔"

"اور انہیں اپنی پچھلی زندگی بالکل یاد نہیں رہتی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... وہ سب کچھ بھول جاتی ہے۔ ہم سے کہتی ہے کہ تم نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے۔"

"اور پھر وہ اسی حالت میں دوبارہ سوئے بغیر ہوش میں نہ آتی ہوں گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟ کیا تم اس مرض کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔"

"یونہی تھوڑا بہت! علاج کس قسم کا ہوتا رہا۔"

"سب کچھ کرتے تھک گئے ہیں۔ ملک کے نامور ڈاکٹروں سے مشورے لئے گئے۔ لیکن سب ہی اس بات پر متفق ہیں کہ جب تک مرض کی وجہ نہ معلوم ہو مرض لاعلاج ہے۔ بھلا بتاؤ، ہم اس کی وجہ کیا جانیں۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ ایک ذہنی مرض ہے وہ یا تو خود بخود جائے گا یا پھر.... کیا ان کی شادی ہو گئی ہے۔"

"نہیں.... اور یہی ہماری سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔ یہ بات سارے اعزہ میں مشہور ہو گئی ہے کہ جمیلہ پر جن آتے ہیں۔ لہٰذا کہیں سے بات ہی نہیں آتی۔"

"مجھے آپ لوگوں سے ہمدردی ہے۔" فریدی متاسفانہ انداز میں بولا۔ "کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ کس قسم کی کتابیں پڑھتی ہیں۔"

"انگریزی کی موٹی موٹی کتابیں۔ مجھے تو انگریزی آتی نہیں۔ اس نے ایف اے تک پڑھا ہے۔ وہ دن بھر لائبریری میں گھسی رہتی ہے۔ اس وقت بھی وہیں کسی موٹی سی کتاب میں ڈوبی ہوئی ہوگی۔"

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ عقیلہ کا دس سالہ لڑکا جاوید بگل بجاتا ہوا گھس آیا۔

"جاوید یہ کیا بدتمیزی ہے۔" عقیلہ نے اسے ڈانٹا۔

"ممی.....!" "ہم مارچ کر رہے ہیں۔ لفٹ رائٹ.... لفٹ رائٹ۔ لفٹ رائٹ وہ زمین پر پیر مارنے لگا۔

"شکیلہ ذرا پکڑ.... اس سور کو۔"

جاوید بگل بجاتا ہوا باہر گیا۔

"ممی..... ہم بھی بگل لیں گے۔" ایک پانچ سالہ بچی اس پر لد کر ٹھنکنے لگی۔

"غصہ ور اتنی ہے کہ ابا جان بھی اس سے دبتے ہیں۔" عقیلہ رازدارانہ انداز میں بولی۔

"ورنہ ڈاکٹروں نے اسے پڑھنے لکھنے کے لئے منع کر رکھا ہے وہ کسی کی سنتی ہی نہیں۔"

"ممی ہم بھی بگل لیں گے۔" لڑکی پھر منمنائی۔

"کھا جاؤ تم لوگ مجھے۔" عقیلہ جھلا کر بولی۔ "چلو ادھر ہٹو.... لڑکیاں بگل نہیں بجاتیں۔ جاوید تو کبھی گڑیوں کے لئے ضد نہیں کرتا۔ ہاں تو۔" وہ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہو گئی۔ "مگر بڑی حیرت کی بات ہے کہ نہ تو اُسے ہوش کی حالت میں دورے کی باتیں یاد رہتی ہیں اور نہ دورے میں ہوش کی حالت کی باتیں۔

"ممی بگل.....!"

"شکیلہ اسے لے جاؤ.... ورنہ پیٹ کر رکھ دوں گی۔" عقیلہ نے بچی کو پرے دھکیلتے ہوئے کہا اور پھر فریدی سے بولی۔ "میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا حشر ہوگا۔ دورے کی حالت میں ایسی ایسی باتیں ابا جان کو کہتی ہے کہ تم ظالم رومنوں کے غلام ہو۔ مجھے آزاد کر دو۔ ورنہ تمہارے محل کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ مصری حکومت تمہیں اپنے شکاری کتوں سے نچوا ڈالیں گے۔"

فریدی سوچ رہا تھا کہ اس جھکی عورت سے کس طرح پیچھا چھڑائے۔ اس کی باتیں کسی کام کی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری..... جو باتیں اس نے کرنی چاہی تھیں ان کی طرف سے اس نے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ لہٰذا اب غیر متعلق باتوں میں الجھ کر وہ وقت برباد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے رات ہی کو سوچ لیا تھا آج بھی یدھ راج گڑھی کا ایک آدھ چکر ضرور لگائے گا۔ وہ اس کتے کا راز معلوم کرنے کے لئے بُری طرح بے چین تھا کہ کسی

طرح نکل بھاگے۔ اچانک صولت مرزا کی آواز سنائی دی۔

"آؤ بھئی فریدی تمہیں ایک دلچسپ آدمی سے ملاؤں۔"

صولت مرزا دروازے میں کھڑا عقیلہ کو گھور رہا تھا۔ فریدی اٹھ کر اس کے قریب آیا اور پھر دونوں نشست کے کمرے میں چلے گئے۔

حکیم ارسلانوس

ڈرائنگ روم میں اسے ایک قطعی غیر دلچسپ آدمی دکھائی دیا، جو ایک صوفے پر اکڑوں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ بھورے رنگ کی گھونگھریالی داڑھی اور سر پر بالوں کا ایک بے ہنگم سا گچھا تھا۔ وہ بھی کچھ اس قسم کا کہ بھوکی گائیں اسے خشک گھاس سمجھ کر بے خیالی میں اس پر ایک آدھ بار منہ ضرور مار سکتی تھیں۔ ان کی آہٹ پر وہ چونکا اور نیم باز آنکھوں سے دیکھ کر پھر اونگھنے لگا۔ لیکن اس کی یہ حالت دیر تک قائم نہ رہی۔ جیسے ہی وہ صوفے کے قریب پہنچے وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"میاں صولت اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے وہ یار ذرا دیکھو تو بن صاحب کا لونڈا مجھے چونچ دکھاتا ہے۔ قسم ہے اللہ کی نہ جانے کیا سمجھ کر چھوڑ دیتا ہوں اور جو بن صاحب سے شکایت کیجئے تو وہ بھاڑ سا منہ کھول کر کہہ دیتے ہیں کہ بچہ ہے.... ہوگا بچہ وچہ۔ میاں جس دن غصہ آ گیا زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دوں گا۔"

"ضرور ضرور بھائی صاحب۔" صولت مرزا سنجیدگی سے بولا۔ "ان سے ملئے یہ ہیں اپنے نواب عزیز الدین خاں کے صاحبزادے احمد کمال فریدی اور آپ حکیم ارسلانوس.... بڑے پائے کے حکیم ہیں۔"

"اماں وہی عزیز الدین خان نا جنہوں نے راجہ سانگر کے پاگل ہاتھی کو گولی مار دی تھی۔" اس نے پوچھا۔

"وہی وہی!"

"اچھا تو آؤ میاں بیٹھو۔" وہ ایک طرف سرکتا ہوا بولا۔ "یہ تمہارے سر پر پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے۔"

"چوٹ آگئی ہے۔" فریدی نے سعادت مندی سے کہا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ صولت مرزا دوسرے صوفے پر ٹک گیا۔

"کیا لگا گیا ہے۔"

"معلوم نہیں۔ میری بے ہوشی کی حالت میں ڈاکٹر نے بینڈیج کی تھی۔"

"بینڈیج کیا؟"

"یعنی کہ پٹی باندھی تھی۔"

"تو گویا انگریزی میں پٹی باندھی۔" اس نے ایک ٹھٹھناتا ہوا قہقہہ لگایا۔

"ارے میاں گومی باندھ گومی۔ ایک دن میں زخم بھر جائیں گے۔"

"گومی کیا۔"

"ہاہا..... پوچھتے ہیں۔ گومی کیا۔ بھئی صولت تمہیں بتاؤ گومی کیا چیز ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔" صولت مرزا مسکرا کر بولا۔

"چلو تم بھی یونہی نکلے۔ ارے میاں گومی ایک بوٹی ہے جس کی ہر چار پتیوں کے اوپر سبز رنگ کی ایک گیند ہوتی ہے۔ اس میں بے شمار سوراخ سے سفید رنگ کا ایک پھول نکلتا ہے۔ ابھی چلو میں تمہیں یہ بوٹی پہنچوادوں۔ سونے کے بھاؤ بکنے والی بوٹی ہے۔ کیا سمجھے۔"

وہ اور نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ دفعتاً فریدی کی نظر پشت کی طرف اٹھ گئی۔ عقیلہ کا لڑکا ہاتھ میں بگل لئے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر فریدی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ صولت مرزا بھی آڑ میں تھے۔ جاوید آہستہ آہستہ اپنا بگل حکیم ارسلانوس کے کان کے قریب لایا اور پھر زور کی پھونک ماری وہ چیخ کر اچھل پڑا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ پلٹتا جاوید کمرے سے جا چکا تھا۔ صولت مرزا بھی گڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ اسکے چہرے پر سنجیدگی سے لپٹی ہوئی شرمندگی کے آثار تھے۔ حکیم ارسلانوس صوفے سے جست لگا کر فرش پر آیا اور صولت مرزا کو مکا دکھا کر کہنے لگا۔

"میں سب سمجھتا ہوں۔ یہ عقیلہ کے لونڈے کی شرارت ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ میں بگل دیکھا تھا۔ خیر سمجھ لوں گا۔"

"ارے بھائی صاحب آپ ہی نے تو لڑکوں کو سر چڑھا رکھا ہے۔" مرزا نے پر شکایت لہجے میں کہا۔

"اماں تو لڑکوں کو لڑکا ہی رہنا چاہئے۔ دادا نہ بن جانا چاہئے۔ خیر خیر دیکھ لوں گا۔"

"ارے تو چلئے کہیں بیٹھئے نا۔" صولت مرزا نے کہا۔

"جی نہیں۔ میں اُلو نہیں ہوں۔ مرنے کے بعد میری قدر معلوم ہوگی۔ میاں یونان میں پیدا ہوا ہوتا تو لوگ میرے بت بنا کر پوجتے۔"

مرزا روکتا ہی رہا۔ لیکن ارسلانوس اٹھ کر چلا گیا۔

"آپ نے کیا نام بتایا تھا ان کا۔" فریدی نے پوچھا۔ صولت مرزا ہنسنے لگا۔

"نام تو محمد حسین ہے لیکن یہ خود کو حکیم ارسلانوس کہلواتے ہیں۔" صولت مرزا نے کہا۔

"یونانی علوم کے مطالعے نے ان کا دماغ الٹ دیا۔ خاص طور پر فلسفہ ان کا پسندیدہ مضمون رہا ہے۔ تھیلو سے لے کر ارسطو تک شاید ہی کوئی ایسا فلسفی ہو جس کے کارناموں کا انہوں نے عمیق مطالعہ نہ کیا ہو۔ کلیوں نے انہیں خاص طور پر متاثر کیا ہے۔"

فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئیں۔

"آپ کی لائبریری بھی بڑی شاندار ہوگی۔" اس نے کہا۔ "اکثر والد صاحب کی زبانی اس کا تذکرہ سن چکا ہوں۔"

"شاندار کیا۔ ہاں کتابیں کافی ہیں۔ میں نے عرصے سے ادھر کا رخ بھی نہیں کیا۔ نہ جانے یہ کیا بات ہے کہ اب پڑھنے پڑھانے میں دل ہی نہیں لگتا۔ صرف جمیلہ فرصت کے لمحات میں زیادہ تر وہیں گھسی رہتی ہیں۔"

"آپ نے انہیں کسی سائیکو اینلسٹ کو نہیں دکھایا۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ صولت مرزا بے اختیار چونک پڑا۔

"ابھی اندر یہی بات ہو رہی تھی۔" فریدی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ دراصل پچھلی رات کو دورے کی حالت میں ہمارے کمرے میں آگئی تھیں۔ اس گفتگو سے قبل میں یہ سمجھتا رہا کہ شاید انہوں نے مذاق کیا تھا۔"

"اب کیا بتاؤں۔" صولت مرزا مضمحل آواز میں بولا۔ "اس کی فکر مجھے گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔ پہلے تو خیر دورے ہی پڑتے تھے مگر .... ادھر کئی دنوں سے .... اب کیا بتاؤں۔ میرے علاوہ شاید ابھی گھر کا کوئی اور فرد نہیں جانتا۔"

ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ باہر کچھ شور سنائی دیا۔ بگل کی پے درپے آوازوں کے ساتھ ہی کسی بچے کی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ یہ دونوں گھبرا کر برآمدے میں نکل آئے۔ ارسلانوس جاوید کو اپنی گرفت میں جکڑ کر اس کے کان سے بگل لگائے پھونکوں پر پھونکیں مار رہا تھا۔ بمشکل تمام انہوں نے اسے چھڑایا اور صولت مرزا نے جاوید کو بھرپور چانٹا رسید کیا۔ وہ روتا ہوا اندر بھاگ گیا۔

"آپ بھی بچوں کے ساتھ بچے بن جاتے ہیں۔" صولت مرزا کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"تمہارا یہ چانٹا میری گال پر پڑا ہے۔ اسے یاد رکھنا۔" ارسلانوس سرد لہجے میں بولا۔

"آپ کے گال پر" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "مگر نواب صاحب نے بچے کو مارا ہے۔"

"غصہ تو مجھ پر آیا تھا۔" ارسلانوس بولا۔ "لہٰذا وہ تھپڑ دراصل میرے ہی گال پر پڑا ہے۔"

صولت مرزا اندر چلا گیا۔ ارسلانوس کے گرد فریدی کے دوست اکٹھا ہو گئے تھے۔ ان میں سے خصوصاً سرجنٹ حمید ارسلانوس کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں صاحب کیا میں تماشہ ہوں۔" ارسلانوس انہیں مخاطب کر کے بولا۔

"جی ہاں!" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس تماشے کے پیسے کون وصول کرے گا۔"

"کیا بکواس ہے۔" ارسلانوس بھنا کر بولا۔ "قسم ہے اللہ کی.... اگر اس قصبے کے ہوتے تو ناطقہ بند کر دیتا۔"

"حمید کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے اسے ڈانٹا۔ پھر حکیم ارسلانوس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "حکیم صاحب! میں آپ کے رتبے سے واقف ہوں۔ ملک میں کوئی آپ کی ٹکر کا نہیں۔ میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔"

"واللہ تم مومن ہو۔" ارسلانوس پرجوش انداز میں اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"اور میرے لئے کیا ارشاد ہوتا ہے جناب۔" حمید آگے بڑھ کر بولا۔

"دجال۔"

"تو بس ایمان لے آیئے مجھ پر" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "ورنہ آرے سے چروا کر دوبارہ زندہ کردوں گا۔"

"قسم ہے اللہ کی بھیجا پھاڑ دوں گا۔" ارسلانوس اس کی طرف لپکا۔ لیکن فریدی بیچ میں آ گیا۔

"جانے بھی دیجئے حکیم صاحب.... بچوں کو معاف کر دیتے ہیں۔"

"یہ بچہ ہے! اگر بچہ ہے تو اپنی ماں کا دودھ پی کر دکھائے۔" ارسلانوس گرجا۔

"ابے او بقلندوس.... زبان سنبھال کے۔" حمید بھی آگے بڑھا۔

"بقلندوس....!" اس نے بچوں کی طرح قہقہہ لگا کر کہا۔ "جاہل کہیں کے۔ یونان میں کوئی بڑا آدمی بقلندوس نام کا نہیں گزرا۔ تم بھول رہے ہو۔ شاید تمہاری مراد جالینوس سے ہے۔"

"حمید....!" فریدی نے اُسے پھر ڈانٹا اور حمید نے خاموشی اختیار کرلی۔

فریدی اسے ادھر اُدھر کی باتوں میں لگا کر پھاٹک تک چھوڑ آیا اور ارسلانوس اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے کر رخصت ہو گیا۔

"یہ کون جنگلی تھا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ایک خبطی۔" فریدی نے کہا اور اس کے متعلق اسے جو کچھ معلوم تھا بتا دیا۔

"آدمی اس قابل ہے کہ اسے دلچسپی کا مشغلہ بنایا جاسکے۔" حمید نے کہا۔

اتنے میں اشرف وغیرہ بھی آ گئے اور فریدی پر اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جانے پر زور ڈالنے لگے۔ لیکن فریدی کچھ اور سوچ رہا تھا۔ وہ پچھلی رات کو یوں ہی بلا مقصد خطرے میں نہیں پڑا تھا۔ اس نے فی الحال یہ کہہ کر انہیں خاموش کر دیا کہ وہ صولت مرزا سے مشورہ لئے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ ان کا مہمان خصوصی تھا۔

یہ بحث ہو رہی تھی کہ ایک نوکر نے آکر فریدی سے کہا۔

"سرکار آپ کو لائبریری میں یاد کر رہے ہیں۔"

فریدی حمید کو رکنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ چلا گیا۔ صولت مرزا کی ادھوری بات رہ رہ کر ذہن میں چبھ رہی تھی۔ وہ کون سی بات تھی جس کے متعلق اس کے علاوہ گھر کے کسی فرد کو علم نہیں تھا۔

لائبریری میں اسے جمیلہ بھی دکھائی دی جو ایک گوشے میں کھلی کھڑکی کے قریب باپ کی طرف پشت کئے بیٹھی تھی۔ یہ ایک کافی طویل و عریض کمرہ تھا۔ چاروں طرف بڑی بڑی الماریاں تھیں، جن میں کتابیں چنی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک بڑی میز تھی جس کے گرد گدے دار

کرسیاں تھیں۔ اس کے علاوہ بھی چھوٹی چھوٹی میزیں اور تھیں۔ بہر حال وہ سارا فرنیچر موجود تو جو کسی جدید طرز کے ریڈنگ روم کے لئے ضروری ہو سکتا ہے۔ فریدی کی آہٹ پر جمیلہ چونک کر مڑی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے کا تیکھا پن کچھ اور واضح ہو گیا تھا۔ فریدی اسے کنکھیوں سے دیکھتا ہوا صولت مرزا کی طرف متوجہ ہو گیا، جو ایک صوفے پر نیم دراز کسی کتاب پر گرد پوش چڑھا رہا تھا۔

جمیلہ نے ہاتھ میں دبی ہوئی کتاب الماری میں رکھ دی اور باہر چلی گئی۔ فریدی نے وہ جگہ نوٹ کی جہاں کتاب رکھی گئی تھی اور ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

"واقعی شاندار ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں ایک نظر ڈال لوں۔"

"ضرور بھئی ضرور۔" صولت مرزا اٹھتا ہوا بولا۔

فریدی ایک ایک الماری کا جائزہ لیتا ہوا اس الماری کے قریب آیا جس میں جمیلہ نے کتاب رکھی تھی۔ اس دوران میں صولت مرزا اسے جمیلہ کے متعلق بتا رہا تھا۔ فریدی نے وہ کتاب الماری سے نکالی اور ورق گردانی کرنے لگا۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب قسم کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ صولت مرزا کہہ رہا تھا۔ "اب ایک بالکل ہی نئی بات ہونے لگی ہے جس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ سخت الجھن میں ہوں کہ تم اس طرح غیر متوقع طور پر ادھر آ نکلے۔"

فریدی میز پر کتاب رکھ کر استفہامیہ انداز میں صولت مرزا کی طرف دیکھنے لگا۔

"ممکن ہے کہ تم نے پچھلی رات کو اندازہ لگایا ہو کہ وہ زیادہ تر قدیم یونان روم اور مصر کی باتیں کرتی ہے۔"

"قطعی اور میں اسی کے متعلق سوچتا بھی رہا ہوں۔ اس وقت وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔"

"کیا....!" صولت مرزا نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"جو کچھ وہ دن بھر پڑھتی ہیں وہی دورے کی حالت میں ان کی زبان پر ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے وہ زیادہ تر روم.... یونان اور مصر کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرتی ہے، لیکن دوسری بات....!"

صولت مرزا دفعتاً خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اس کیلئے یا تو مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہے یا پھر کہنے ہی میں اسے تامل ہے۔ فریدی میز کے کونے پر ٹک کر پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بھئی کسی طرح کہوں زبان نہیں کھلتی۔" صولت مرزا نے خود سے اکتا کر کہا۔

"اگر کوئی اہم بات ہے تو ضرور بتائیے۔ وہ مجھ تک ہی محدود رہے گی۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اہم سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن تم مجھے کیا سمجھو گے۔"

فریدی پھر اسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ دراصل اشتیاق کے ساتھ ہی ساتھ اکتاہٹ بھی اس کے ذہن کے کسی گوشے سے ابھر رہی تھی۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" اس نے کہا۔

"بھئی اگر تم رات کو اپنے یہاں کچھ اجنبیوں کو دیکھو اور ان کا کچھ بنا بگاڑ نہ سکو تو لوگ تمہیں کیا کہیں گے۔" صولت مرزا نے بے ڈھنگے پن کے ساتھ کہا۔

"بیمار یا بزدل....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن.... لیکن.... جن حالات میں مجھے اس قسم کا اتفاق ہوا ہے....!"

"آپ کو....!"

"ابھی تک ہم سب اسے ایک ذہنی بیماری ہی سمجھتے رہے ہیں۔" صولت مرزا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مگر ادھر کچھ دنوں سے....!" وہ پھر کہتے کہتے رک گیا اور فریدی کو ایک بار پھر جھنجھلاہٹ کو دبا کر چہرے پر نرمی کے آثار پیدا کرنے پڑے۔

"میں اپنے گھر میں کئی راتوں سے کچھ اجنبیوں کو دیکھ رہا ہوں۔" صولت مرزا نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن وہ اس دنیا کے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر بولا۔

"وہ اسی دنیا اور اسی زمانے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں جس کا تذکرہ جمیلہ دورے کی حالت میں کرتی ہے۔"

فریدی متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا اور صولت مرزا بولتا رہا۔ "ان کا لباس یونان یا روم کے قدیم سپاہیوں کا سا ہوتا ہے۔ سروں پر لوہے کے چمکدار خود ہاتھوں میں نیزے اور مستطیل ڈھالیں، گردن سے کمر تک زرہیں۔ ٹخنوں سے گھٹنوں تک کسے ہوئے سیاہ سینڈلوں کے تسمے۔"

فریدی نے بے خیالی میں وہ سگار کھڑکی کے باہر پھینک دیا جو ابھی سلگایا تھا۔

"آپ نے انہیں پکڑنے کی کوشش نہیں کی؟" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"اسی قسم کے سوالات کے خوف سے میں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔" صولت مرزا نے کہا۔ "انہیں دیکھ کر خون رگوں میں منجمد سا ہوتا معلوم ہونے لگتا ہے۔ یہ میں اپنے ذاتی تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔ میں انہیں تین بار دیکھ چکا ہوں ان کے چہروں کے گرد ایک عجیب قسم کی روشنی ہوتی ہے۔ آنکھیں اپنے حلقوں میں جمی جمی سی معلوم ہوتی ہیں اور سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ اسی وقت دکھائی دیتے ہیں جب جمیلہ پر دورہ پڑتا ہے۔"

"تو پھر وہ کل رات کو بھی دکھائی دیئے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ کل رات مجھے ہوش نہیں تھا۔"

"تو کیا وہ جمیلہ کے پاس آتے ہیں۔"

"ہاں! جمیلہ ان سے اس طرح گفتگو کرتی ہے جیسے وہ انہیں جانتی ہو۔"

"کس قسم کی گفتگو۔"

"وہی اوٹ پٹانگ جو تم نے پچھلی رات کو سنی ہوں گی۔ یعنی مجھے یہاں سے رہائی دلاؤ۔ زفورس کی فوجیں اب کہاں لڑ رہی ہیں اسے جلد میرے پاس پہنچنا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"وہ کیا کہتے ہیں۔" فریدی نے بے چینی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ان کے صرف ہونٹ ہلتے ہیں۔ آوازیں نہیں نکلتیں، ہاتھوں کے اشارے کرتے ہیں۔ جمیلہ کو سارے گھر میں ٹہلاتے پھرتے ہیں۔ کبھی پائیں باغ میں جاتے ہیں اور کبھی جانوروں کے اصطبل کی طرف.... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کوئی چیز تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں چھپ چھپ کر انکا پیچھا کرتا رہتا ہوں، لیکن نہ تو اس کی ہمت پڑتی ہے کہ نوکروں کو جگاؤں اور نہ یہی کر سکتا ہوں کہ انہیں للکاروں۔"

"آپ کے چوکیداروں نے تو انہیں دیکھا ہی ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میرے یہاں کبھی کوئی چوکیدار نہیں رہا۔ نہ میں کتے پالتا ہوں اور نہ چوکیدار رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ نہ تو میرے یہاں چوری ہو سکتی ہے اور نہ ڈاکہ پڑ سکتا ہے۔"

"ان لوگوں کا جمیلہ کے ساتھ کیا رویہ ہے۔"

"وہی جو غلاموں کا مالک کے ساتھ ہو سکتا ہے۔" صولت نے کہا۔ "وہ اسے دیکھ کر تعظیماً جھکتے ہیں۔ اپنے نیزوں کی انیاں زمین پر ٹیک دیتے ہیں۔ پھر وہ انہیں جھنجھوڑتی ہے۔ ان سے اپنے سوالات کا جواب چاہتی ہے لیکن وہ بت بنے کھڑے رہتے ہیں۔ البتہ ان کے ہونٹ ہلتے ہیں اور جمیلہ پاگلوں کے انداز میں کہتی ہے کہ وہ ان کی آواز کیوں نہیں سن سکتی۔ کیا وہ بہری ہو گئی ہے۔"

"تو آپ نے انہیں بولتے نہیں سنا۔"

"نہیں....!"

"اور وہ انداز سے کسی چیز کی تلاش میں سرگرداں معلوم ہوتے ہیں؟"

"ہاں....!" صولت مرزا نے جواب دیا۔

"وہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔" فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

"بھلا میں کیا جانوں۔"

"خیر.... بہر حال.... آپ نے اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"بھئی کیا بتاؤں۔ کچھ کہتے سنتے نہیں بن پڑتی۔ اب سے کچھ دن قبل میں اسے ذہنی بیماری سمجھتا تھا لیکن اب...." صولت مرزا خاموش ہو گیا۔ چند لمحے بعد وہ فریدی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر اب یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ یہ واقعی کوئی آسیبی خلل ہے۔"

"شاید آپ ان رومیوں یا یونانیوں کی بناء پر کہہ رہے ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟ کیا تمہاری رائے اس سے مختلف ہے۔"

"ابھی میں نے کوئی رائے قائم ہی نہیں کی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"لیکن مجھے اس قسم کے بھوتوں اور پریتوں کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے اور میری نظروں میں ان کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔ مثلاً ایک تو وہی آپ کا روایتی کتا۔ اگر اچانک دیوار نہ گر پڑی ہوتی تو۔"

دوسری ملاقات

شام بڑی خوشگوار تھی۔ دن بھر کی تیز دھوپ کے بعد شفق کی چھاؤں زندگی افروز معلوم ہو رہی تھی۔ مطلع صاف تھا۔ اگر گڑھوں اور تالابوں میں کیچڑ اور پانی نہ ہوتا تو یہ کہنا دشوار تھا کہ

ایک دن قبل اعتدال سے زیادہ بارش ہو چکی ہے۔ فریدی کے سارے دوست اور نوکر جا چکے تھے۔ حمید نے بھی واپس جانے کے لئے بڑا زور مارا تھا لیکن فریدی کے آگے ایک نہ چلی۔ اسے عجیب غریب کتے کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کا اشتیاق ضرور تھا لیکن وہ خواہ مخواہ خطرے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ دوسرے لوگوں سے چھان بین کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس دنیا کی چیز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو آواز صدہا سال سے سنی جا رہی ہو اس کے لئے سر مارنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے پہلے بھی سینکڑوں جوان مردوں نے اس راز سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہو گی۔ خود نواب صولت مرزا سے اسے معلوم ہوا تھا کہ ایک بار چند انگریز اس منارے پر چڑھے تھے اور انہوں نے کافی دنوں تک ادھر اُدھر ہاتھ پیر بھی مارے لیکن کوئی قاعدے کی بات نہ معلوم ہو سکی اور پھر مینار کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا۔ چونکہ اس گڑھی کو تاریخی اہمیت حاصل تھی اس لئے اکثر آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے اسے دیکھنے کے لئے آتے رہتے تھے اور ایک بار تو اس کی کھدائی بھی ہوئی تھی۔

حمید کرتا بھی کیا۔ ہاتھ پیر مارنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا اور اس کا انجام بھی خود اس کے ہاتھوں میں نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اپنا اطمینان کئے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔ اس وقت وہ دونوں کوٹھی کے عقبی پارک میں بیٹھے شفق میں تحلیل ہوتی ہوئی سرخیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ صولت مرزا اس قصبے میں رہ کر کس طرح اعلیٰ معیار کی زندگی بسر کر رہا ہے، اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ انگلینڈ کے کسی بڑے آدمی کے خانگی پارک میں بیٹھا ہو۔ یہاں لان پر کئی جگہ قد آدم مجسمے نصب تھے۔ فن میں زیادہ تر یونان و روم کی قدیم سنگ تراشی کے نمونے تھے۔ جنہیں موجودہ دور کے اچھے فنکاروں نے تراشا تھا۔

"صولت مرزا کو بھی شاید مردہ تہذیبوں سے بڑی دلچسپی ہے۔" فریدی نے کہا۔

غالباً وہ دونوں بیک وقت ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔

"ہوں....!" حمید نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بڑی دیر سے خود کو پوز کر رہا تھا۔ ورنہ خصوصیت سے آج کے دن اسے فریدی کی فقاری باتیں زہر لگ رہی تھیں۔

"اب اگر اس سلسلے میں اس کی بیٹی کا دماغ الٹ جائے تو یہ تعجب کی بات نہیں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہو گا.... ہو گا.... مجھے کیا؟" حمید بیزاری سے بولا۔

"اسے ہزاروں سال کے مردے چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔"

"اس پورے قصبے ہی پر خدائی مار نظر آتی ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ آج وہ مردے ہمیں بھی دکھائی دیں۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔

"مُردے.... نہیں سمجھے! میم رے پیش مردال یے زیر دے مُردے۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جھکتا ہوا بولا۔

حمید اسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے اکثر تواریخ کی کتابوں میں قدیم زمانے کے رومن یا یونانی سپاہیوں کی تصویریں دیکھی ہوں گی ہو سکتا ہے کہ آج تم انہیں گوشت و پوست میں دیکھو۔"

"یعنی....!"

"کیا تمہیں یاد نہیں۔" فریدی اپنی جیب میں سگار ٹٹولتا ہوا بولا۔ "کل رات کو وہ اپنے سپاہیوں کا تذکرہ کر رہی تھی۔" حمید کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ پر بھی جن آنے والے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "وہ اپنے ہوش میں کب تھی۔"

"تو میں کب کہتا ہوں کہ وہ ہوش میں تھی۔" فریدی نے ہنس کر کہا اور پھر اس نے وہ ساری باتیں دہرا دیں، جو اس کے اور صولت مرزا کے درمیان ہوئی تھیں۔

"تو یوں کہئے نا کہ اس بار آملیٹ ہی بن جائے گا اپنا۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس بیچارے کتے کا کیا ہو گا جو صدہا سال سے آپ کی یاد میں گریہ زاری کر رہا ہے۔"

"اسے دیکھیں گے۔" فریدی بولا۔

"اچھا جناب اب مجھے تو بخش ہی دیجئے۔ میری ہڈیاں کافی ملائم ہیں اور گوشت بھی کچھ ایسا سخت نہیں۔ اگر کہیں اس بار یہ حویلی ٹوٹ پڑی تو میرے کپڑے دھوبی ہی کے یہاں پڑے رہ جائیں گے۔"

"فکر مت کرو۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "میں انہیں منگوا کر محتاجوں کو تقسیم کرا دوں گا۔"

"اور میرا سارا قرض بھی آپ ہی ادا کر دیں گے۔"

"چلو یہ بھی منظور۔"

"اچھا تو ایک استدعا اور ہے۔"

"فرمائیے۔" فریدی نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"آج کی رات مجھے جی بھر کے سو لینے دیجئے۔"

"مرنے سے پہلے سونے کی خواہش غور طلب ہے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"بعض لوگ مرنے سے قبل عموماً ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسی کوئی تشویش ناک بات نہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ اسی کے ساتھ فریدی بھی اٹھا۔

"ہمیں آج رات کو بہر حال جاگنا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہمیں نہیں مجھے کہئے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "دیکھتا ہوں کہ مجھے دنیا کی کون سی طاقت سونے سے روکتی ہے۔"

"وہی طاقت جس نے کل رات کو مجھے تمہارے کمرے میں آرام کرسی پر سلا دیا تھا۔"

"شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس لڑکی سے ڈر گیا ہوں۔ لڑکی.... ہونہہ۔"

"نہیں بھئی! تم تو یونہی میرا دل خوش کر رہے تھے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "خیر.... چلتے رہو۔ چلو حکیم ارسلانوس سے ملتے آئیں۔"

"کون وہی خبطی.... خیر چلئے۔ تھوڑی کوفت ہی دور ہو گی۔"

وہ دونوں ارسلانوس کے بتائے ہوئے پتے پر روانہ ہو گئے۔

اور پھر جب قصبے والوں نے ارسلانوس کے مکان کے سامنے دو اجنبیوں کو دیکھا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ ان کی نظروں میں ارسلانوس ایسا آدمی نہیں تھا جس سے ماڈرن اور اپٹوڈیٹ قسم کے لوگ دلچسپی لے سکیں گے۔

فریدی اور حمید ایک قدیم طرز کی عمارت کے سامنے کھڑے تھے جس میں ایک کافی بلند صدر دروازہ تھا اور دروازے کے اوپر بنے ہوئے سائبان میں ابابیلوں کے گھونسلے لٹک رہے تھے جن میں شور مچاتی ہوئی ابابیلیں گھس رہی تھیں۔ شام کی ہلکی نیلگوں سیاہی میں یہ عمارت کچھ

پر اسرار سی معلوم ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی باہر نکلا، جو غالباً ارسلانوس کا نوکر تھا۔ اس کی آنکھیں کچھ چندھیائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ حمید کو نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی چمگادڑ اجالے میں ہنکا دی گئی ہو۔

اس نے انہیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

اندر گھستے ہی ابابیلوں کے بیٹ کی بدبو نے ان کا دماغ خراب کر دیا۔ وہ ناکوں پر رومال رکھے دہلیز سے گزر کر صحن میں نکل آئے۔ صحن کافی وسیع تھا اور صحن کے گرد بنے ہوئے چبوتروں پر چاروں طرف بڑے بڑے کابک رکھے ہوئے تھے جن سے کبوتروں کی غٹر غوں غٹر غوں کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ کچھ کبوتر ابھی تک اوپر ہی بیٹھے اونگھ رہے تھے اور کچھ اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے خانوں میں گھس رہے تھے۔ کچھ دیواروں پر تھے جنہیں ایک نوکر طرح طرح کی آوازیں نکال کر نیچے بلا رہا تھا۔

فریدی اور حمید کے ساتھ والے نوکر نے داہنی طرف کے دالان کی سمت اشارہ کیا جس کے اندر دھندلی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

ارسلانوس ان کے خیر مقدم کے لئے باہر نکل آیا تھا۔ اس نے ہلکے نارنجی رنگ کا ٹخنوں تک لمبا کرتا پہن رکھا تھا۔ پیروں پر بڑے بڑے بالوں والی لومڑیوں کی کھال کے جوتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے بڑے بڑے بالوں کے ڈھیر میں اپنے پیر گاڑ رکھے ہوں۔ اس وقت اس کے سر کے بالوں کا گلدستہ اوپر اٹھے ہونے کے بجائے چاروں طرف پھیل گیا تھا۔

"آؤ یار آؤ.... میں تو سمجھتا تھا کہ تم نہیں آؤ گے۔" حکیم ارسلانوس نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟ یہ آپ کیوں سمجھتے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"بھئی بات یہ ہے کہ میرے پاس دکھاوے کا ٹھاٹھ باٹ نہیں ہے۔"

"تو آپ مجھے اتنا تنگ نظر سمجھتے ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں نہیں... تمہارا باپ بھی بڑا عالی ظرف تھا۔" ارسلانوس نے کہا اور حمید کو گھورنے لگا۔

"یہ میرے عزیز ترین دوست مسٹر حمید ہیں۔"

"عزیز ترین! بھلا تم جیسے سنجیدہ آدمیوں کے ساتھ نالائقوں کا کیا کام۔"

حمید نے بھنا کر فریدی کا شانہ دبوچ لیا۔

وہ انہیں دالان میں لے آیا۔ یہاں کئی بڑے بڑے پلنگ پڑے ہوئے تھے جن میں سے کچھ پر کتابوں کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ ایک طرف پیتل کا ایک بڑا سا ساور رکھا ہوا تھا۔

وہ دونوں ایک پلنگ پر بیٹھ گئے اور ارسلانوس ساور کے قریب کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہیں ویسی ہی چائے پلاؤں گا جیسی میں خود پیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیسی چائے پیتے ہیں آپ؟" حمید نے بے تکلفانہ انداز میں پوچھا۔

"بغیر دودھ کی۔"

"اور چائے کی پتیوں کے بجائے لکھنو کا خمیرہ استعمال کرتے ہیں" حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"دیکھا تم نے۔" حکیم ارسلانوس نے فریدی سے پر شکایت لہجے میں کہا۔

"تم حکیم صاحب کے رتبے سے واقف نہیں۔" فریدی نے حمید سے کہا "اپنے الفاظ واپس لو۔"

اس نے حمید کو اشارہ کیا اور حمید کو الجھن ہونے لگی کہ آخر اس خبطی میں دلچسپی لینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" اس نے بے دلی سے کہا۔

"اخلاق کا تقاضا یہی ہونا چاہئے۔" حکیم ارسلانوس نے سنجیدگی سے کہا۔

اور حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ اس وقت ایک انتہائی پراسرار آدمی سے ہم کلام ہے کیونکہ اس نے اسے آج ہی ایسی حالت میں بھی دیکھا تھا جسے بعض سنجیدہ قسم کے بچے بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

"مگر کچھ لوگوں کو دوسروں کو دکھ پہنچا کر ہی لذت حاصل ہوتی ہے۔" ارسلانوس نے پھر کہا۔ "انسانی زندگی کی منزل کے حصول میں لذت ضرور ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم دوسروں کو حصول لذت سے محروم تو نہیں کر رہے ہیں۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔" فریدی جلدی سے بولا۔

"تمہیں فلسفے سے دلچسپی ہے۔"

"بہت زیادہ۔" فریدی نے جواب دیا۔ وہ بڑے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"آب توریت کے متعلق کیا خیال ہے۔" ارسلانوس نے کہا اور جھک کر چائے دانی میں ساور

سے گرم پانی ڈالنے لگا۔

"آب توریت....!" فریدی نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ میں نے فلسفہ انگریزی میں پڑھا ہے۔"

"ویمقراطیس کا نام سنا ہے۔"

"کیوں نہیں۔"

"وہ آب توریت کا امام سمجھا جاتا ہے۔"

"اوہ تو شاید آب توریت سے ایپکیورنیزم (Epicureanism) مراد ہے۔ ٹھیک ہے اس کے متعلق میرا وہی خیال ہے جو اوروں کا ہے۔"

"یعنی....!"

"یعنی کہ فلسفہ ہم جیسے آدمیوں کے بس کا روگ نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ وہ دراصل کسی فلسفیانہ بحث میں پھنس کر وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہاں ایک خاص مقصد کے تحت آیا تھا۔

"ایسا نہ کہو.... ہم سب کسی نہ کسی فلسفے کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔" حکیم ارسلانوس نے کہا۔

"ہوگا.... لیکن میں فلسفے کو حاصل حیات نہیں سمجھتا۔"

"کیوں....!"

"کیونکہ ان معاملات کے باوجود بھی فلسفہ....!" فریدی کے چہرے پر مایوسی تھی۔ "ہماری معلومات تشنہ رہ جاتی ہیں۔"

"مثلاً....!" حکیم ارسلانوس پیالیوں میں چائے انڈیلتا ہوا بولا۔

"مثلاً ایک بہت معمولی سی بات۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "یدھ راج گڑھی میں رونے والا کتا۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" حکیم ارسلانوس منہ سکوڑ کر بولا۔ "فلسفے کو ان لغویات سے کوئی سروکار نہیں۔"

"لیکن یہ لغویات بھی اسی دنیا میں جنم لیتی ہیں۔" فریدی نے سگار کیس اس کی طرف

بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اور اس کا تعلق بھی ہماری زندگی سے ہے۔“

حکیم ارسلانوس نے ایک سگار لے کر ہونٹوں میں دبالیا۔ فریدی اور حمید نے چائے کی پیالیاں اٹھالیں، بغیر دودھ کی تلخ چائے تھی۔ اس میں شکر بھی خفیف ہی سی ڈالی گئی تھی۔ حمید نے گھونٹ لیتے وقت بُرا سامنہ بنایا۔ بہر حال وہ اسے زہر مار کرنی ہی تھی۔

”ہم آخر انہیں اس کائنات کے اجزاء کے کس خانے میں فٹ کریں گے۔“ فریدی چائے کی چسکی لے کر ارسلانوس کا سگار سلگاتا ہوا بولا۔ پہلے ہی کش پر اسے بری طرح کھانسی آگئی۔

”لاحول ولاقوۃ۔“ ارسلانوس نے کھانستے ہوئے بُرا سامنہ بنایا اور سگار کو صحن میں پھینک دیا۔

فریدی اپنا سگار سلگا کر اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”میں نے اپنی زندگی میں کئی بار وہ آواز سنی ہے لیکن میں نے کبھی اس کے متعلق سوچا نہیں۔“ ارسلانوس نے کہا۔

”اب میں آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں۔“ حمید نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”اور اس صورت میں آپ کی پوجا کروں گا اگر آپ فریدی صاحب کو بھی اپنا ہی جیسا بنا دیں۔“

”کیا مطلب.....!“ ارسلانوس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”یہ کل رات کو اسی چکر میں میری جان گنوا چکے ہوتے۔“

ارسلانوس فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ ٹھیک ہے! میں اسے سمجھنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

ارسلانوس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”نہ جانے کتنے اس حسرت میں مرگئے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ فریدی نے کہا۔

”اس چکر میں مت پڑو۔ اپنے بزرگوں سے سنتا آرہا ہوں کہ وہ اکبر اعظم کے زمانے سے چل رہا ہے۔“

”اوہ.....!“

”تم شاید اس گڑھی کی تاریخ سے ناواقف ہو۔“

”قطعی! میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“

”یدھ راج اکبر کی فوج کا ایک سردار تھا۔ اکبر نے اس کی خدمات کے صلے میں اس کو یہاں کی جاگیر عطا کردی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بے پناہ دولت کا مالک تھا اور ملک کے کئی بڑے بڑے راجے اور مہاراجے بھی اتنے مال دار نہیں تھے۔ جسے ہم آج گڑھی کے نام سے یاد کرتے ہیں، یہ ایک بہت بڑا اور ناقابل تسخیر قلعہ تھا۔ ایک رات رانا پرتاب سنگھ کی فوجوں نے ندی پار کر کے قلعے پر شبخون مارا۔ شاید قلعہ دار پہلے دشمنوں سے مل گیا تھا۔ رانا کی فوج نے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ساری دولت لوٹ لی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ تبھی سے اکثر برساتوں میں وہاں کتے کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے اور ندی میں باڑھ آجاتی ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اب تک سینکڑوں آدمی اس کا راز جاننے کی کوشش میں جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔“

”کیا اس کے راز سے کوئی اور چیز بھی وابستہ ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

حکیم ارسلانوس چونک کر اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

”یہ مجھے معلوم نہیں۔“ اس نے توقف کے بعد کہا۔ ”لیکن میں تمہیں اس چکر میں نہ پڑنے کی رائے دوں گا۔“

”خیر چھوڑیئے۔“ فریدی نے اپنی پیالی ختم کر کے ایک طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں ایک دلچسپ چیز میں نے نوٹ کی ہے۔“

”وہ کیا.....!“

”یہی کہ اس قصبے کے بعض لوگ یونان پر بُری طرح عاشق ہیں۔“

”یعنی.....!“

”ایک تو آپ ہی یونانی علوم پر عاشق ہیں۔ صولت مرزا کو یونانی بتوں سے عشق ہے اور ان کی لڑکی۔ وہ تو خود ہی اب سے ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ قبل کی تہذیب کی ایک نمائندہ بن جاتی ہے۔“

ارسلانوس بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

”وہ لڑکی مکار ہے۔ اپنی دادی کی طرح صولت مرزا کی ماں بھی کچھ دنوں تک اسی قسم کے ڈرامے کھیلتی رہی تھی۔ محض اس لئے کہ گھر والے اس سے خائف رہیں۔ وہ دوسروں پر چھائی رہے اور اب یہ چوہیا جمیلہ وہی کھڑاک پھیلا رہی ہے۔“

"مگر صولت مرزا تو کہتے ہیں کہ بچپن ہی سے اس کی یہ حالت ہے۔"

"میاں تم کیا جانو! اس نے سب کچھ اپنی دادی سے سیکھا ہے۔ مجھ سے پوچھو میں بھی اسی خاندان کا ایک فرد ہوں۔ میرے اور ان کے آباؤ اجداد ایک ہی تھے۔"

"اوہ! اچھا صولت مرزا کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"میں عموماً ایسے موقعوں پر اپنے خیالات ظاہر کرنے سے گریز کرتا ہوں۔"

"کیسے موقعوں پر۔"

"کوئی اور بات کرو۔" حکیم ارسلانوس اکتا کر بولا۔ "نہ وہ لوگ میرے لئے کوئی اچھی رائے رکھتے ہیں اور نہ میں ان کے لئے۔"

"کیا عقیلہ بھی نہیں! وہ تو کافی سمجھ دار عورت ہیں۔ وہ یقیناً آپ کی کافی عزت کرتی ہوں گی۔"

"اوہ سمجھا! شاید تم کوئی سمجھوتہ کرانے آئے ہو۔" ارسلانوس ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔ "یہ ناممکن ہے.... یہ ناممکن ہے۔"

"بھلا سمجھوتہ کیسا....!" فریدی نے تحیر آمیز انداز میں کہا۔

"تم جانتے ہو عقیلہ میری کون ہے۔"

"نہیں۔"

"میری بہو ہے۔ ان لوگوں نے میرے بیٹے کو زہر دے کر مار ڈالا۔ انہوں نے ہمیں ہمیشہ ذلت کی نظروں سے دیکھا ہے۔"

"زہر دے کے....!"

"ہاں عقیلہ بجائے خود ایک زہر ہے۔ اس کی حرکتوں کی بناء پر میرا اکلوتا بیٹا ٹی۔بی کا شکار ہو کر مر گیا۔"

"اوہ وہ بچے! کیا عقیلہ کی دوسری شادی ہو گئی۔"

"نہیں! وہ میرے لڑکے کی اولاد ہیں۔"

وہ مردے

حکیم ارسلانوس سے واپسی کے وقت فریدی بہت خاموش تھا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لڑکا جس کے کان میں بگل بجا رہا تھا اس کا پوتا تھا۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے پرخیال انداز میں چلتے چلتے رک کر کہا۔ "ہاں اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ صولت مرزا وغیرہ نے ہی اسے بچوں اور بزرگوں کا فرق نہیں سمجھایا۔"

"خیر اس سے کوئی بحث نہیں۔" حمید نے کہا۔ "مجھے تو وہ خبطی بھی بھوت ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"آخر تمہارے سر پر بھوت کیوں سوار ہیں۔" فریدی نے جھلا کر کہا اور سگار سلگا کر پھر چل پڑا۔ حمید خاموش رہا۔ اس کی طبیعت کافی بیزار ہو چکی تھی۔ شاید اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ وہ خوبصورت لڑکیوں کا قرب حاصل ہونے کے باوجود بھی اس پر پژمردگی چھائی ہوئی تھی۔ جب بھی اسے جمیلہ کا ستا ہوا چہرہ اور وحشت زدہ آنکھیں یاد آتیں تو اس کے سارے جسم میں سنسناہٹ دوڑ جاتی اور پھر جب وہ شکیلہ کے متعلق کچھ سوچنے کی کوشش کرتا تو خود بخود اس کی طبیعت میں جھلاہٹ پیدا ہو جاتی۔ وہ بے چین تھا کہ کسی طرح یہاں سے نکل بھاگے۔ کبھی کبھی اسے خود پر بھی غصہ آنے لگتا۔ اس نے فریدی کے ساتھ بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے اور وہ ان سے اکتایا بھی تھا۔ مگر اس بار کی اکتاہٹ بالکل مختلف تھی اور پھر جب وہ اُسے اپنی بزدلی پر محمول کرنے لگتا تو وہ یہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ اس کے جسم سے کافی خون نکل چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کمزوری اسی بناء پر پیدا ہوئی ہو اور آہستہ آہستہ دور ہو جائے۔ لیکن اس دل بہلاوے کے باوجود بھی وہ خبیث ارواح کا خوف اپنے ذہن سے نہیں نکال سکا تھا۔

اسی رات کو کھانے کی میز پر صولت مرزا کے خاندان والوں کے ساتھ حمید بھی موجود تھا۔ جمیلہ کے علاوہ اور سب لوگ گفتگو میں حصہ لے رہے تھے۔ اس نے کھانے کے دوران میں ایک دوبار صرف باورچی سے بات کی تھی۔ وہ بھی کھانے کی اچھائی یا برائی کے متعلق۔ نہ تو گھر والوں ہی نے اسے کسی بات پر مخاطب کیا اور نہ اسی نے کسی سے کوئی بات کرنا ضروری سمجھا۔ گھر والوں کے اس رویئے سے لاپروائی کے بجائے کچھ دبا دبا سا خوف ظاہر ہو رہا تھا۔

حمید نے اسے پچھلی رات کے بعد سے اب دیکھا تھا۔ وہ فریدی کے بیان کے مطابق صرف ایک چڑچڑے مزاج کی لڑکی معلوم ہو رہی تھی اور بس۔ اس وقت اس کے چہرے پر وہ رومان انگیز تاثرات نہیں تھے جو پچھلی رات کو دکھائی دیئے تھے۔

شکیلہ فریدی کو بتا رہی تھی کہ اس نے اس کے کن کیسوں کے تراشے اکٹھا کئے ہیں اور انہیں

کس طرح ایک البم کی شکل میں ترتیب دیا ہے اور اب اس پر فریدی کے آٹوگراف لینا چاہتی ہے۔

صولت مرزا گفتگو میں حصہ ضرور لے رہا تھا لیکن اس کا ذہن کسی اور طرف معلوم ہوتا تھا۔ اکثر وہ کوئی بات کہتے کہتے اچانک رک کر کچھ سوچنے لگتا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد وہ دوسرے کمرے میں آبیٹھے۔ لیکن اب جمیلہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد کافی کا دور شروع ہو گیا۔ عقیلہ نے بچوں کو سونے کے لئے بھیج دیا تھا۔ اس لئے ایک اکتا دینے والے ہنگامے سے نجات مل گئی تھی۔ اس دوران میں کہیں اتفاق سے صولت مرزا نے لطیفہ چھیڑ دیا۔ پھر کیا تھا۔ حمید نے جواباً اتنے لطیفے سنائے کہ تھوڑی دیر بعد وہ سب ہنسنے میں بھی کاہلی محسوس کرنے لگے۔ خصوصاً شکیلہ تو ہنستے ہنستے بے دم ہو گئی تھی۔

اور پھر جب فریدی نے یدھ راج گڑھ کی بات چھیڑی تو حمید کو بے تحاشہ غصہ آ گیا۔ چونکہ عقیلہ اور شکیلہ کے لئے یہ موضوع بہت پرانا ہو چکا تھا اس لئے وہ جلد ہی اٹھ گئیں اور حمید کے ذہن پر ایک خواب ناک سی کاہلی مسلط ہو گئی۔

فریدی صولت مرزا سے ان لوگوں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا جنہوں نے کتے کی آواز کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے جدوجہد کی تھی۔

"بھئی تم نہیں جانتے۔" صولت مرزا رازدارانہ انداز میں بولا۔ "اس سے ایک دوسرا خبط بھی وابستہ ہے۔"

"کیا....؟"

"کسی پُراسرار خزانے کی تلاش۔" صولت مرزا نے کہا۔ "اور یہ خزانے والی بات بھی میرے ہی خاندان والوں کی زبانی باہر تک پہنچی ہے۔"

"وہ کس طرح....!" فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"بڑی لمبی داستان ہے لیکن میں اختصار کے ساتھ بتانے کی کوشش کروں گا۔ ہم سے پہلے یہ جاگیر یدھ راج نامی ایک سردار کے پاس تھی لیکن یہ آج کی بات نہیں۔ اکبر اعظم کے دور کی بات ہے۔"

اور پھر صولت مرزا نے یدھ راج اور یدھ راج گڑھی کے متعلق وہی کچھ بتایا جو ارسلانوس نے بتایا تھا۔

"پھر عہد جہانگیری میں یہ جاگیر ہمارے خاندان میں منتقل کر دی گئی۔ ہم تک کیسے پہنچی یہ نہ

پوچھو تو بہتر ہے۔"

"اگر کوئی خاص نقصان نہ ہو تو یہ بھی بتا دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"بھئی بات ذرا مضحکہ خیز ہے۔" صولت مرزا مسکرا کر بولا۔ "اور پھر تمہارے ساتھ ایک ایسے صاحب موجود ہیں جو لطیفہ گو بھی ہیں۔ اگر انہوں نے...."

"یقین کیجئے کہ میں بڑا شریف بچہ ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور صولت مرزا ہنسنے لگا۔

"بھئی بادشاہوں کی باتیں بھی بڑی عجیب ہوا کرتی تھیں۔ بات بات پر انعامات اور قتل کے فرمان چلا کرتے تھے۔ مغل بادشاہوں میں خصوصیت سے جہانگیر ان باتوں کے لئے بہت مشہور ہے۔ قتل تو خیر اس نے کم ہی کرائے ہوں گے لیکن انعامات بہت تقسیم کئے ہیں اور وہ بھی ذرا ذرا سی باتوں پر۔ میرے ایک مورث اعلیٰ جہانگیری فوج میں ایک معمولی سپاہی تھے ایک بار بادشاہ دلی سے آگرہ جا رہے تھے۔ تھوڑی فوج بھی ساتھ تھی۔ اس میں میرے مورث اعلیٰ بھی تھے۔ خیال تھا کہ رات کو کہیں پر پڑاؤ ضرور ہوگا۔ لیکن جہانگیر عالم خوشی میں چلا ہی جا رہا تھا۔ لوگ دن کے سفر سے تنگ آگئے تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے اتنے میں کسی سردار نے کہا کہ آج کم بخت اُلو بھی نہیں بولتے۔ یہ ایک بوڑھا سردار تھا اور اکثر جہانگیر کی جوانی کے زمانے میں اس کی خدمت میں رہ چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ اگر جہانگیر رات کے سفر میں اُلو کی آواز سن لیتا تو فوراً ہی قیام کا حکم جاری کرا دیتا تھا۔ ہمارے مورث اعلیٰ نے جب یہ بات سنی تو وہ اُلو کی بولی بولنے پر تیار ہو گئے۔ کام بڑا خطرناک تھا۔ یہ بات صرف اس سردار اور دو سپاہیوں تک محدود تھی۔ قافلہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ وہ حضرت آگے بڑھ گئے اور ایک درخت پر چڑھ کر اُلو کی طرح آوازیں نکالنا شروع کر دیں۔ اُلو کی آواز سنتے ہی جہانگیر نے قیام کا حکم دے دیا۔ قصہ مختصر یہ کہ اسی رات کو کسی نے بادشاہ تک خبر پہنچا دی کہ اُلو مصنوعی تھا۔ جہانگیر نشے میں تھا۔ اس پر اسے غصہ آنے کی بجائے ہنسی آ گئی۔ مورث اعلیٰ صاحب طلب کئے گئے اس نے ہنس کر انہیں بوم الدولہ اور منحوس الملک جیسے خطابات سے نوازا اور یدھ راج نگر کی جاگیر عطا کر دی۔

صولت مرزا خاموش ہو گیا اور ہنسنے لگا۔

"اس طرح میں اپنے خاندان کا آٹھواں اُلو ہوں۔" اس نے کہا اور مسکرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا جو مضحکہ خیز حد تک سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"اور وہ خزانے کی بات۔" فریدی نے پوچھا۔

"جاگیر کے ساتھ ہی ساتھ وہ قلعہ بھی ہاتھ آیا جو یدھ راج گڑھی کے نام سے مشہور ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت خراب حالات میں نہ رہا ہوگا۔ یدھ راج ایک دولت مند آدمی تھا۔ اس نے ایک بڑا شاندار تخت بنوایا تھا جس کا تذکرہ اکثر پرانی کتابوں میں ملتا ہے اور وہ اس وقت تخت عقرب کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی شکل ایک بہت بڑے بچھو کی تھی اور وہ خالص سونے کا تھا بے شمار جواہرات اس میں جڑے گئے تھے۔ اس نے وہ تخت اکبر اعظم کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بنوایا تھا۔ رانا کے آدمی اس کی تاک میں تھے۔ ایک رات انہوں نے گڑھی پر شب خون مارا اور یدھ راج کو قتل کر کے اس کی ساری دولت سمیٹ لے گئے۔ لیکن سنا جاتا ہے کہ وہ تخت ان کے ہاتھ نہیں لگا اور وہ اب بھی گڑھی ہی میں کہیں پوشیدہ ہے۔ خود میری خاندانی روایت بھی یہی ظاہر کرتی ہے۔ میرے اسلاف میں سے بھی بہتیرے اس کی جستجو کر چکے ہیں۔ لیکن کسی کو کامیابی نہیں ہوئی اور خیر میں اسے بالکل ہی لغو خیال کرتا ہوں۔ اپنے خاندان میں میں ہی ایک ہوں جس نے کبھی اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔"

فریدی خاموشی سے سن رہا تھا۔ صولت مرزا کے آخری جملے پر وہ خفیف سا مسکرایا اور جیب سے سگار نکال کر اس کا کونہ توڑنے لگا اور حمید سوچ رہا تھا کہ حکیم ارسلانوس نے اس تخت کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اسے اس کا علم ہی نہ ہو لیکن پھر بھی وہ.... صولت مرزا سے پوچھ بیٹھا۔

"حکیم ارسلانوس صاحب بھی اس سے واقف ہی ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے۔" صولت مرزا نے کہا۔ "واقف تو قریب قریب سبھی ہیں لیکن یقین بہت لوگ رکھتے ہیں۔"

"ٹھیک یاد آیا۔" فریدی بولا۔ "یہ حکیم صاحب واقعی بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔ شام کو ہم لوگ ان کے گھر گئے تھے۔ لیکن وہ بہت قاعدے سے ملے یہاں تو انہیں بالکل ہی مخبوط الحواس سمجھا تھا۔"

"جھکی آدمی ہیں۔ کبھی قاعدے کی باتیں کرتے ہیں اور کبھی دماغ بالکل الٹ جاتا ہے۔" صولت مرزا نے کہا۔

"کیا وہ آپ کے کوئی عزیز ہیں۔"

"ہاں بھئی قریبی ہیں۔ عقیلہ کی شادی ان کے لڑکے کے ساتھ ہوئی تھی۔"

"تو کیا وہ بچہ ان کا پوتا ہے جسے وہ آج پریشان کر رہے تھے۔"

"بس یہی دیکھو! تم نے شاید ہی کسی دادا پوتے سے یا پوتے کو دادا سے اس قدر بے تکلف دیکھا ہو۔ جاوید کو انہوں نے اس قدر سر چڑھا رکھا ہے کہ خدا کی پناہ! سارے بچے انہیں کے بگاڑے ہوئے ہیں۔"

"بہر حال وہ ایک بہت ہی پُراسرار آدمی ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کر کے سگار سلگانے لگا۔

حمید اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا جہاں پچھلی رات وہ سویا تھا۔ اس نے شب خوابی کا لباس پہنا اور قندیل بجھا کر لیٹ گیا۔ نیند بُری طرح مسلط تھی لیکن فریدی کے اس رویے نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اسے وہاں سے ہٹا کیوں دیا۔ کیا کوئی ایسی اہم بات بھی ہو سکتی ہے جسے فریدی صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔ کہیں وہ خزانہ تو نہیں جس کا تذکرہ صولت مرزا نے کیا تھا۔ مگر وہ فریدی کی طبیعت سے واقف تھا۔ فریدی جس نے دولت کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ کیا وہ ایک روائتی خزانے کے متعلق اسے اندھیرے میں رکھنا چاہتا ہے۔ حمید کا ذہن اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔ چند لمحے بعد اس کے خیالات کی رو جمیلہ کی طرف بہک گئی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہوں۔ لیکن پھر اسے اپنی بزدلی پر ہنسی آ گئی۔ پاگل سہی.... ہے تو عورت ہی اور وہ بھی گھریلو قسم کی۔ عورت نہ ہو، ہنٹر والی ہو سکتی ہے اور نہ چشمے والی پھر آخر خوف کی وجہ، ہو سکتا ہے کہ اس پر سچ مچ ہسٹیریا قسم کا کوئی دورہ پڑتا ہو اور اگر نہ بھی پڑتا ہو تو اس کی ایسی تیسی، ایسی تیسی، ایسی تیسی.... اور پھر اس کا ذہن "ایسی تیسی" کی گردان کرتا ہوا نیند کی تاریک دلدل میں ڈوب گیا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ سمجھا کہ شاید کسی ڈراؤنے خواب نے اسے جگا دیا ہے لیکن پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے جگا رہا ہو۔

"شش! میں ہوں۔" اسے اندھیرے میں فریدی کی سرگوشی سنائی دی۔

"کیا بات ہے۔" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آہستہ بولو۔ اس پر دورہ پڑ گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ.....!" حمید دوبارہ لیٹتا ہوا بولا۔ "اور شاید اب اس کے بھوت آہستہ آہستہ آپ کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ ناخن کے عقل.... عق عق.... ل.... کے ناخن لیجئے۔"

"عقل کے بچے۔ چپ چاپ اٹھ جاؤ۔" فریدی نے اسے کھینچ کر اٹھا لیا۔

"میں حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنا شروع کر دوں گا۔" حمید بھنا کر بولا۔

"تمہارے حلق سے آواز ہی نہ نکل پائے گی۔" فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی۔

"ارے ارے۔" حمید پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"چپ چاپ چلے آؤ۔"

"خدا نے مجھے آدمی بنا کر سخت ظلم کیا ہے۔" حمید جھنجھناتا ہوا چپل کی تلاش کرنے لگا۔

"جلدی کرو۔"

اور پھر وہ دونوں آہستہ سے برآمدے میں آ گئے چاروں طرف تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ حمید فریدی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ جھاڑیوں اور مہندی کی باڑوں کی آڑ لیتا ہوا عقبی پارک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پارک میں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ بعد میں حمید نے دیکھا کہ وہ ایک مشعل کی روشنی تھی۔ جمیلہ اپنے ہاتھوں میں مشعل اٹھائے اور بایاں ہاتھ سینے پر رکھے بتوں کے درمیان کھڑی تھی۔ وہ دونوں ڈائنا کے بت کے قرب وجوار میں اگی ہوئی مالتی کی جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ اس وقت جمیلہ سچ مچ اب سے ہزاروں برس پہلے کی عورت معلوم ہو رہی تھی۔ ٹخنوں تک لپٹا ہوا ڈھیلا لبادہ اس وقت جدید طرز کا سلیپنگ گاؤن نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے اور ایک سرکش سی لٹ چہرے کے سامنے لہرا رہی تھی اور مشعل کی سرخ روشنی میں اس کا چہرہ انگارے کی طرح مہک رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر ایک بت کے سامنے آئی اور اس کے چہرے کے برابر مشعل لے جا کر کہنے لگی۔

"تم کبھی نہیں بولو گے! کاش تمہارے پتھریلے جسم کے اندر خون کا ایک قطرہ بھی ہوتا۔ میں کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ زفورس کیا میں اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جاؤں۔ خیر اگر تم یہی چاہتے ہو تو اس جسم کو بھی مٹی کے کیڑے کھا جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بھی ایک دن

خاک ہو جائے گا۔ بولو زفورس کیا تمہیں وہ شام یاد نہیں جب ہم نیل کے شفاف پانی پر اپنے طلائی بجرے میں سیر کر رہے تھے اور ہم نے مغرب کی طرف سرخ دھوئیں کے بادل دیکھے تھے اور تم نے کہا تھا کہ بادلوں کی دیوی قربانی چاہتی ہے۔ پھر ہم دوسرے دن سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔ بادلوں کی دیوی کا مندر جو دودھ کی طرح شفاف اور اجلا ہے وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ تم نے سب کچھ بھلا دیا؟ تم نے اصیل مرغ قربان کرتے وقت کہا تھا کہ تم زندگی بھر میرے ساتھ رہو گے۔ تم سب کچھ بھول گئے۔ زفورس تمہیں قسم ہے۔ اس قصر زمردین کی جہاں سب سے بڑے معبود کے غلام رہتے ہیں۔ جہاں فضاؤں میں طلائی ابابیلیں پرواز کرتی ہیں۔ سب سے بڑے معبود کے مرکب مقدس نیولے کی قسم مجھے تو سب کچھ یاد ہے جیسے وہ کل ہی کی بات ہو۔ عود عنبر کے دھوئیں کے پیچھے لو دیتا ہوا چہرہ یاد ہے۔ بادلوں کی نسیم تن دیوی کا مقدس چہرہ اس کی ملکوتی مسکراہٹ یاد ہے۔ مجھے سب کچھ یاد ہے۔ زفورس لیکن تم نے؟ کیا تمہارے فولادی بازو تھک گئے۔ کیا تمہارے مرمر سے تراشے ہوئے سڈول سینے پر جھریاں پڑ گئیں۔ میں چند اجنبیوں میں قید ہوں۔ کیا تم مجھے رہائی نہیں دلا سکتے۔ میں جو سیاہ فام باغیوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا کرتی تھی میں جو بچپن میں سانپوں سے کھیلا کرتی تھی۔ میں جس نے ہراتلیس کی آنکھیں اپنی انگلیوں سے نکال لی تھیں۔ ایک معصوم فاختہ کی طرح بے بس ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر اس نے اپنا چہرہ بائیں ہاتھ سے چھپا لیا۔

"میں اس کو ڈربی کی چاکلیٹ کھلاؤں گا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔

"اچھا میں تو چلا.....!" حمید نے پھر کہا۔

"کہاں.....!" فریدی نے پوچھا۔

"اسی کے پاس، اس سے جا کر کہوں گا۔ جان من۔ میں تمہارا زفورس ہوں۔ باپ کا نام پوچھے گی تو چورس بتاؤں گا پھر نہایت ادب سے ایک چاکلیٹ پیش کر کے یا تو تارک الدنیا ہو جاؤں گا یا اس کی بڑی بہن سے شادی کر لوں گا۔ اس طرح بچے مفت ہاتھ آئیں گے۔"

"چپ رہو سور۔" فریدی ہنسی ضبط کرتا ہوا بولا۔

"پتہ نہیں کس کس الا بلا کی قسم کھا رہی ہے۔" حمید نے کہا۔ "قسم ہے اس ولایتی خرگوش کی

جو سال میں تیس انڈے دیتا ہے۔ یہ لڑکی کسی رات صولت مرزا کو قتل کر کے نکل جائے گی۔ اس کے سر پر فلم کمپنی کا بھوت سوار معلوم ہوتا ہے۔"

"بکو مت.....!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

پھر انہوں نے جمیلہ کی سسکیوں کی آوازیں سنیں، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"بھئی مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتی۔" حمید نے کہا۔

"چپ رہو گدھے! صولت مرزا بھی یہیں کہیں چھپا ہوگا۔"

"ارے یہ کیوں!"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر حمید کا شانہ دبا دیا۔ اس کی نظریں سامنے اٹھ گئیں اور اگر فریدی نے دوسرے ہی لمحے میں اس کا منہ بھی نہ دبا دیا ہوتا تو اس کی چیخ سارے پارک میں اٹھی ہوتی۔ بت کے پیچھے سے پانچ قد آور آدمی نکل آئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے اور خم کھائی ہوئی مستطیل ڈھالیں تھیں۔ لباس قدیم رومن یا یونانی سپاہیوں جیسا تھا۔ سروں پر آہنی خود تھے اور سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز وہ روشنی تھی، جو ان کے چہروں پر پھیلی ہوئی تھی بلکہ زرد رنگ کی روشنی جس کا عکس ان کے سینوں پر پڑی ہوئی چمکدار زرہوں پر پڑ رہا تھا۔ ان کے چہرے مشعل کی روشنی کے احاطے سے باہر تھے۔ دفعتاً جمیلہ ان کی طرف جھپٹی۔

"تم آگئے۔ بتاؤ زفورس کہاں ہے۔ آج تم مجھے لے کر ہی جاؤ گے۔ بولو جواب دو۔"

ان میں سے ایک کے ہونٹ ہلتے رہے، جیسے وہ کوئی بات کہہ رہا ہو۔ لیکن آواز ندارد۔ پھر وہ سب تعظیماً جھکے۔

جمیلہ نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا جس کے ہونٹ ہلے تھے۔

"میں کچھ نہیں سن سکتی۔" زور سے بولو۔ "کیا تم بہرے ہو۔"

اس کے ہونٹ پھر ہلے۔ لیکن آواز نہ نکلی۔ اس بار جمیلہ نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا جس کی آواز فریدی اور حمید نے صاف سنی۔ تھپڑ کھانے کے باوجود بھی وہ بت بنا کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر شکن تک نہ آئی۔

حمید بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"کیوں اب کیا خیال ہے بیٹا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "نکلنے لگی جان۔"

حمید بدستور خوف کے مارے دانت کٹکٹاتا رہا۔

تھپڑ کھانے والے نے اپنا نیزہ اور ڈھال زمین پر ڈال دیئے اور پھر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔ آنکھیں بند کر لیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرے پر تشنجی کیفیت طاری ہو گئی۔

حمید فریدی سے لپٹا جا رہا تھا۔ ادھر اس پُر اسرار آدمی کی حالت غیر نظر آ رہی تھی۔ بقیہ چار خاموش کھڑے تھے۔ دفعتاً وہ پھر اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔ اس بار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور چہرہ بھی زندہ آدمیوں جیسا معلوم ہو رہا تھا۔

"نقارہ.....!" اس کے ہلتے ہوئے ہونٹوں سے آواز نکلی۔

"اے وادی نیل کی بیٹی۔" اس نے زمین سے اپنا نیزہ اور ڈھال اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تو اس نقارے کے بغیر اس طلسم سے نکل نہیں سکتی۔"

اس کی آواز آدمیوں جیسی نہیں تھی۔ اس میں کچھ عجیب سا کھوکھلا پن موجود تھا۔ ویران ویران سی آواز۔

"میں نہیں جانتی تو کس نقارے کا ذکر کر رہا ہے۔"

"وہ اسی عمارت میں کہیں موجود ہے۔" اس نے جواب دیا۔

دفعتاً فریدی نے حمید کو پرے ہٹا دیا اور جھاڑیوں سے نکل کر ایک طرف رینگنے لگا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ ادھر نہ جانے کیوں جمیلہ نے مشعل زمین پر گرا دی اور اس پر پیر رکھ کر اسے بجھا دیا۔ پارک میں تاریکی چھا گئی۔ صرف ان پانچ آدمیوں کے چہرے روشن تھے۔ اچانک حمید کو بعض دیوتاؤں کی تصویریں یاد آ گئیں جن کے چہروں کے گرد روشنی کے ہالے ہوتے ہیں۔ کیا یہ اسی قسم کی ملکوتی روشنی تھی۔ اس کا دل ایک بار پھر تھرا گیا۔

آسمان پر پھر سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ اندھیرا پہلے سے زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔ مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ فضا میں انتشار برپا کیئے ہوئے تھی۔ جھاڑیوں کی اوٹ سے ان پُر اسرار آدمیوں کے چہرے صاف نظر آ رہے تھے اور اب تو ان میں حرکت پیدا ہو گئی تھی۔ شاید وہ چل رہے تھے۔ فریدی اور حمید جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے ان کا تعاقب کرتے رہے۔ دفعتاً فریدی ٹھٹھک گیا۔ وہ اصطبل کی طرف جا رہے تھے اور شاید جمیلہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔ حمید نے فریدی کے ہاتھ میں دبا ہوا پتلی سی ڈور کا ایک لچھا دیکھا اور بھونچکا رہ گیا۔ آخر وہ کیا کرنے جا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں

نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ فریدی کو کس طرح روکے اس نے کئی بار کچھ کہنا چاہا لیکن منہ سے آواز نہ نکلی۔ بس وہ مشینی طور پر فریدی کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس کے اس فعل میں ارادے کو تو دخل نہیں تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ساری قوت کسی پراسرار طریقے پر زائل ہو گئی ہو۔ بہر حال وہ فریدی کے ساتھ گھسٹتا پھر رہا تھا۔

جمیلہ ان آدمیوں سمیت اصطبل میں داخل ہو گئی۔ حمید کو یاد آیا کہ فریدی نے اس سلسلے میں اصطبل ہی کا تذکرہ کیا تھا۔ آخر اصطبل میں کیوں! فریدی کے خیال کے مطابق انہیں شاید کسی کی تلاش تھی۔ اس وقت اس نے ان کی زبان سے "نقارے" کا نام بھی سنا تھا۔ اگر انہیں کسی نقارے کی تلاش تھی تو پھر بار بار اصطبل کا رخ کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ حمید کے ذہن میں بیک وقت کئی سوال تھے۔ اگر وہ واقعی اب سے ہزاروں سال قبل کے مردے تھے تو ان کا یہاں کیا کام! ظاہر ہے کہ جمیلہ صولت مرزا کی لڑکی نہیں تھی۔ اس حقیقت سے تو کسی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ایک مخصوص حالت کے تحت خود کو اس کی قیدی سمجھنے لگے۔ یہ سب کچھ سہی لیکن کم از کم حمید کا ذہن اب اس بات کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا کہ وہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہے۔ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہو جانے کے بعد صرف مریض ہی کو عجیب و غریب شکلیں نظر آسکتی تھیں۔ دوسروں کو نہیں۔ پھر یہ کیا راز ہے۔ حمید اس قسم کی گتھیوں میں الجھا ہوا فریدی کے ساتھ ساتھ رینگتا رہا۔ پھر فریدی اصطبل کے قریب پہنچ کر رک گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ لوگ باہر نکل آئے۔ دفعتاً فریدی نے رسی والا ہاتھ بلند کر کے اسے گردش دی اور دوسرے لمحے میں رسی اس کے ہاتھ سے نکل کر پراسرار آدمیوں کی طرف جھپٹی اور پھر ان کے چہروں کی روشنی غائب ہو گئی۔ ادھر فریدی نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور اندھیرے میں کسی کے گرنے کی آواز آئی۔

"خبردار اگر اپنی جگہ سے ہلے تو گولی مار دوں گا۔" فریدی کی گرج دار آواز دور تک لہراتی چلی گئی۔

لیکن جواب میں کسی قسم کی آواز نہ سنائی دی۔ فریدی نے رسی کو کھینچنے کے لئے زور لگانا شروع کر دیا۔ مگر بے سود۔ آخر اس نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ نکالی.... اور روشنی ہوتے ہی اس کے منہ سے حیرت بھری چیخ نکل گئی۔ اصطبل کے قریب جمیلہ تنہا کھڑی تھی اور رسی کا دوسرا سرا اصطبل کے سائبان کے ستون کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ فریدی دیوانہ وار چاروں طرف دوڑنے لگا۔

جمیلہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

"ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ۔" قریب ہی کہیں صولت مرزا کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

اس دوران میں فریدی نے پورے پارک کی دوڑ لگا ڈالی۔ لیکن ان پُراسرار شخصیتوں کا سراغ نہ ملا۔

"بڑے دلیر ہو.... بہت دلیر۔" صولت مرزا نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "مگر تم نے بہت بُرا کیا۔"

"یقیناً میں نے بُرا کیا کہ انہیں نکل جانے دیا۔"

"یہ بات نہیں۔ وہ ہرگز ہماری دنیا کے آدمی نہیں ہیں۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو.... دیکھو.... تمہاری کمند کہاں پھنسی ہے۔" صولت مرزا نے رسی کی طرف اشارہ کیا۔

"تو پھر گرا کون تھا۔"

"میں....!" صولت مرزا بولا۔ "ٹھوکر کھا کر گرا تھا۔"

جمیلہ ڈرامائی انداز میں آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا۔" حمید بولا۔

"اچھا جی! آپ بھی بہک رہے ہیں۔" فریدی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔

جمیلہ ان کے قریب آکر رک گئی۔

صولت مرزا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ پڑا۔ فریدی نے جھپٹ کر جمیلہ کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"پاگل لڑکی۔" فریدی کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔ کیونکہ جمیلہ اس کی گرفت سے نکل جانے کے لئے بُری طرح زور لگا رہی تھی۔

"اب تو بہتر یہی ہے کہ میں اسے زہر دے دوں۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اندر چلو۔" فریدی نے اسے عمارت کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

بہزار دقت وہ اسے اس کے کمرے میں لائے۔ یہاں اسی جدوجہد میں اس کا ہاتھ میز پر جا پڑا اور دوات ایک کتاب پر الٹ گئی۔ وہ ان پر بُری طرح خفا ہوتی رہی.... نہ جانے کتنی مغلظات سنا ڈالیں پھر تقریباً دو بجے اسے نیند آگئی۔

بے تکے اشعار

دوسرے دن صبح جب فریدی اور حمید ناشتہ کرنے کے لئے اندر جا رہے تھے۔ انہوں نے ایک کمرے میں جمیلہ کی آواز سنی جو کسی پر بگڑ رہی تھی۔

"میری میز پر سیاہی کس نے گرائی.... صاف صاف بتاؤ، ورنہ کھال ادھیڑ دوں گی۔ حرام خور۔ مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔ سچ سچ بتا دو، ورنہ تم سب کی شامت آجائے گی۔"

فریدی نے دروازے کو خفیف سا دھکا دیا اور وہ کھل گیا۔ جمیلہ کے سامنے تین نوکرانیاں سر جھکائے کھڑی تھیں وہ ان پر برس رہی تھی۔

"محترمہ یہ حماقت مجھ سے ہوئی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"آپ سے؟" وہ حیرت زدہ لہجے میں بولی۔ "آپ میرے کمرے میں۔"

"جی ہاں! رات آپ کی طبیعت پھر خراب ہوگئی تھی۔"

جمیلہ خاموشی سے فریدی کو دیکھتی رہی پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے نوکرانیوں کو باہر جانے کے لئے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔" جمیلہ بولی۔

"کس سلسلے میں۔"

"عجیب بات ہے کہ میری طبیعت خراب ہوتی ہے اور مجھے اس کا احساس نہیں ہوتا۔ روز صبح ایک نہ ایک نئی کہانی سنتی ہوں، میں کس طرح یقین کروں کہ مجھ پر دورہ پڑتا ہے۔ ابا جانی کا خیال ہے کہ زیادہ پڑھنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ لہٰذا میں نے تقریباً ایک ماہ تک کسی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ لیکن گھر والوں کے بیان کے مطابق مجھے اس حال میں بھی دوروں سے نجات نہیں

ملی۔ اوہ.... خیر چلئے، شاید آپ لوگ ناشتے کے لئے جا رہے تھے۔"

وہ ان کے ساتھ ہولی۔ اس گفتگو کے دوران میں ایک بار بھی اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نہیں آئی تھی۔ اس نے یہ ساری باتیں ہوش میں کی تھیں۔ لیکن حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اب بھی اپنے ہوش میں نہ ہو اور کسی بھی لمحے میں پلٹ کر اس کی گردن دبوچ سکتی ہے۔

وہ ڈرائنگ روم میں آئے۔ یہاں صولت مرزا عقیلہ اور شکیلہ ان کا انتظار کر رہے تھے۔

ناشتے کے دوران میں زیادہ تر خاموشی رہی۔ شکیلہ جب بھی زیادہ بولنے کی کوشش کرتی جمیلہ اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگتی تھی۔ عقیلہ کی گھریلو قسم کی باتوں پر اس کے ہونٹ سکڑ جاتے تھے۔ عقیلہ کے بچوں سے تو وہ بُری طرح بیزار معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت وہ فریدی میں خاص طور پر دلچسپی لے رہی تھی۔

"ابا جانی کہتے ہیں کہ آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔" جمیلہ نے فریدی سے کہا۔

"خاک بھی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "البتہ فرصت کے اوقات میں تھوڑا بہت پڑھنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں۔"

"یونانی اساطیر کا مطالعہ کیا ہے آپ نے؟"

"شاید....!" فریدی اثباتی انداز میں مسکرایا۔

"مجھے یاد نہیں پڑ رہا ہے کہ اس دیوی کا کیا نام تھا جس نے نارسس کو خود پرستی کی بددعا دی تھی۔"

"ڈائنا....!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"ڈائنا.. ڈائنا..." جمیلہ سر ہلا کر بولی۔ "میری یادداشت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے۔"

حمید شکیلہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو سر جھکائے چپ چاپ ناشتہ کر رہی تھی۔

ناشتہ کے بعد لڑکیاں اٹھ کر چلی گئیں اور وہ لوگ وہیں بیٹھے رہے۔

"اس وقت وہ قطعی ہوش میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں! لیکن بھئی اب میں عاجز آگیا ہوں۔ معلوم نہیں کب کیا ہو جائے۔ نہ جانے وہ پانچوں کون ہیں۔" نواب صاحب تشویش کن لہجے میں بولے۔

"آپ رات کو ان کا کمرہ باہر سے مقفل کیوں نہیں کرا دیا کرتے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بتاؤں یہ بھی کر کے دیکھ چکا ہوں۔ لیکن جانتے ہو اس کا انجام کیا ہوا۔ پہلے تو وہ شور مچاتی رہی پھر اپنا سر دیوار سے ٹکرا کر زخمی کر لیا۔ بھلا بتاؤ ایسی صورت میں کیا ہو سکتا ہے۔ بس ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی نہ کوئی رات بھر جاگتا رہتا ہے اور ادھر کئی دن سے میں ہی جاگ رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان پانچوں پر میرے علاوہ کسی اور کی نظر پڑے۔"

"واقعی آپ بڑے صبر آزما حالات سے دوچار ہیں۔" فریدی نے مغموم لہجے میں کہا "لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب وہ اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سب کچھ بھول جاتی ہیں تو پھر انہیں اپنی مادری زبان کیونکر یاد رہتی ہے۔"

"ارے میاں! اس کا بھی بڑا لمبا قصہ ہے۔" صولت مرزا نے چائے دانی کا ڈھکن اٹھا کر اس میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "شروع شروع میں اس پر گونگے دورے پڑتے تھے اور وہ تیرہ سال کی عمر میں کسی چھ ماہ کے بچے کی طرح صرف غوں غوں کر لیا کرتی تھی۔ پھر ایک سال بعد اس نے خود سال بچے کی طرح ہکلا ہکلا کر بولنا شروع کیا اور یہ اتنی صاف زبان اسے سات سال کے عرصے میں حاصل ہوئی ہے۔"

"تو گویا دورے کی حالت میں ان کی بات چیت غوں غوں سے شروع ہوئی ہے۔"

"ہاں قطعی۔" صولت مرزا نے پرخیال انداز میں کہا۔ "دورے کی حالت میں اس نے زبان سیکھی ہے۔"

فریدی پرخیال انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"لیکن مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔" صولت مرزا پھر بولا۔

"میں تو آپ کو یہی رائے دوں گا کہ آپ انہیں انگلینڈ یا کسی دوسرے مغربی ملک میں لے جا کر عمدہ سائیکو انیلیسٹ کو دکھایئے۔ اگر آپ اس کے لئے تیار ہوں تو میں ایک سائیکو انیلیسٹ کے لئے آپ کو تعارفی خط بھی دے سکتا ہوں۔ لندن کے ویسٹ انڈ میں ڈاکٹر ٹائیلون بہت مشہور آدمی ہے۔ وہ زیادہ تر ذہنی امراض کا علاج بہت اچھی طرح کرتا ہے۔"

"ارے میاں وہ کسی لمبے سفر کے لئے تیار ہی نہیں ہوتی۔ کئی بار کہا مگر جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ اب میرے لئے دو راستے رہ گئے ہیں یا تو بدنامی برداشت کروں یا خودکشی کر لوں۔"

"بھلا اس میں بدنامی کی کیا بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ وہ ایک مرض میں مبتلا

ہیں۔"

"لیکن اگر کسی اور نے بھی ان آدمیوں کو دیکھ لیا تو کیا خیال کرے گا۔"

"ہاں یہ بات ضرور قابل تشویش ہے۔"

صولت مرزا کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے چہرے کی رہی سہی توانائی بھی بڑھاپے کے اضمحلال میں تبدیل ہو چکی تھی اور آنکھوں سے ایک غم انگیز سنجیدگی ظاہر ہونے لگی تھی۔ فریدی بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور سرجنٹ حمید غالباً یہ سوچ رہا تھا کہ کیا سوچنا چاہئے۔ اس وقت جمیلہ کو ہوش میں گفتگو کرتے سن کر وہ ایک نئی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا کہ اگر وہ سب کچھ حقیقتاً محض ڈھونگ ہی تھا تو اس ڈھونگ کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ سوچتا رہا اور پھر اسے اس ڈھونگ والے نظریئے کو سرے ہی سے مسترد کر دینا پڑا۔ کیونکہ دوسری طرف صولت مرزا کا یہاں بچوں کی طرح زبان سیکھنا تیرہ سال کا ناپختہ ذہن اتنی مکمل اور جامع اسکیم نہیں بنا سکتا۔ خیر اچھا اگر اسے مرض ہی تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان پراسرار آدمیوں کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔"

"تو پھر بتاؤ نا کہ میں کیا کروں۔" صولت مرزا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"آپ مطمئن رہیے۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "مرض کے لئے تو خیر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ پانچ آدمی۔"

فریدی کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ نوکر نے ارسلانوس کی آمد کی اطلاع دی۔

ارسلانوس اپنی تمام تر وحشتوں سمیت ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر اس نے ایک عجیب سا قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر احمقوں کی طرح ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔

"فرمایئے۔" صولت مرزا نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

ارسلانوس اسے چند لمحوں تک عجیب نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تمہارا لہجہ کچھ ایسا ہے جیسے میں تم سے کچھ ادھار مانگنے آیا ہوں۔"

"دیکھئے! اس وقت طبیعت حاضر نہیں ہے۔" صولت مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"تو تم بھی غیر حاضر ہو جاؤ نا.... میں تو ان مہمانوں سے ملنے آیا ہوں۔"

صولت مرزا برا سا منہ بنا کر کھڑا ہو گیا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے مڑا اور اندر چلا گیا۔

ارسلانوس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ وہ صولت مرزا کے

چلے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک اس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس سے وہ گیا تھا۔ یک بیک چونک کر فریدی کی طرف مڑا۔

پھر وہ وہاں سے اٹھ کر نشست کے کمرے میں آئے۔

"ہاں تو محمد کمال افندی صاحب! کہئیے رات کیسے گزری۔ آپ کی چوٹ کا کیا حال ہے۔" ا
نے پوچھا۔

"احمد کمال فریدی کہئیے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "رات اچھی گزری اور چوٹ میں بھی کافی افاقہ معلوم ہوتا ہے۔"

"افاقہ.... ہاہاہا۔" ارسلانوس نے قہقہہ لگایا۔ "افاقہ۔"

"بھلا اس میں ہنسنے کی کیا بات تھی۔" حمید نے جزبز ہو کر کہا۔

"ایک واقعہ یاد آ گیا تھا اپنے بچپن کا۔" ارسلانوس ہنسی روکتا ہوا بولا۔ "لیکن میں بتاؤں گا نہیں۔"

"کیا کہا۔" حمید مصنوعی غصے کا اظہار کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کو بتانا پڑے گا۔"

فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

"میں بے ہودگی نہیں پسند کرتا۔" ارسلانوس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"آپ کو بتانا پڑے گا کہ آپ کیوں ہنسے تھے۔"

"حمید....!" فریدی نے اسے ڈانٹا۔

"آپ مت دخل دیجئے۔"

ارسلانوس بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے اٹھنے کا انداز لڑنے مرنے والا ضرور تھا لیکن چہرے پر اس قسم کے کوئی آثار نہیں تھے۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غیر ارادی طور پر اس سے کوئی حرکت سرزد ہونے والی ہے۔

فریدی اس کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ یک بیک ان کے درمیان میں آ گیا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" فریدی ارسلانوس کو صوفے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "بزرگوں کو اتنا تیز مزاج نہ ہونا چاہئیے۔"

پھر اس نے پلٹ کر حمید کو ڈانٹا۔

بدقت تمام وہ ارسلانوس کو بٹھانے میں کامیاب ہو سکا۔ حمید بھی چپ چاپ بیٹھ گیا۔ لیکن وہ ابھی تک اسے گھورے جا رہا تھا۔ اس نے دراصل یہ چھیڑ چھاڑ مذاقاً شروع کی تھی۔ لیکن اب نہ جانے کیوں اسے سچ مچ غصہ آ گیا۔

"میاں تم میں رکھا ہی کیا ہے۔" ارسلانوس ہاتھ نچا کر بولا۔ "ایک منٹ کی گرفت میں ہڈیاں کڑکڑا جائیں گی۔ میں نے صاحب کے لونڈے کو تو ٹھیک ہی کر دیا۔ تم کیا مال ہو۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "ہم واقعی آپ کے سامنے بچے ہیں۔ بھلا آپ کی پرانی ہڈیوں کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں۔"

ارسلانوس اب فریدی کو گھورنے لگا۔ حمید کم از کم اپنے متعلق تو یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ارسلانوس سے زیادہ دیر تک نظریں نہیں ملا سکتا۔ کیونکہ اسے اس کی آنکھوں کی پُراسرار ویرانی بڑی ڈراؤنی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن وہ اس وقت فریدی کی آنکھوں کو اس کی آنکھوں کے مقابل دیکھ رہا تھا۔

ارسلانوس خوفناک حد تک سنجیدہ نظر آ رہا تھا اور فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

دفعتاً ارسلانوس پھر ہنس پڑا اور اب وہ احمقوں کی طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ فریدی سگار سلگانے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کس خبط میں مبتلا ہو۔" اچانک ارسلانوس فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

"لیکن تم بھی دوسرے احمقوں کی طرح مفت اپنی جانیں ضائع کر دو گے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"مطلب....!" ارسلانوس نے تیز قسم کی سرگوشی کی اور پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں سنجیدگی سے پوچھا۔ "میں کل شام ہی کو سمجھ گیا تھا کہ تم یدھ راج گڑھی کے متعلق کچھ معلوم کرنے کے لئے بے تاب ہو۔"

"بھلا کیوں!" فریدی استفہامیہ انداز میں سر ہلا کر مسکرایا۔

"تخت عقرب کے لئے۔" سونے کا وہ فرضی تخت جس کے لئے سینکڑوں جانیں جا چکی ہیں۔ تمہیں یہاں کھینچ لایا ہے۔"

"تو کیا آپ اس کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔" فریدی اس کے قریب آکر بیٹھتا ہوا بولا۔

"یہی جانتا ہوں کہ اب وہ ایک شاندار غپ ہے۔ میرے پاس اس کا واضح ثبوت موجود ہے کہ رانا کے سپاہی یدھ راج کی دوسری دولت کے ساتھ اسے بھی لے گئے تھے۔"

"میرے خیال سے تو آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ تم میری معلومات کو چیلنج کر رہے ہو۔" ارسلانوس بگڑ کر بولا۔

"دیکھئے آپ پھر غلط سمجھے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی معلومات کو چیلنج نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں اپنی معلومات کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔"

"تمہاری معلومات کا ذریعہ کیا ہے۔" ارسلانوس نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"بعض قدیمی قلمی کتابیں۔"

"کس کی لکھی ہوئی ہیں۔"

"نام تو مجھے یاد نہیں رہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں یہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ" فریدی جملہ پورا نہیں کرنے پایا تھا کہ اندر کچھ شور سا سنائی دیا اور وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کہو کہو! یہاں تو سب ہوتا ہی رہتا ہے۔" ارسلانوس بیزاری سے بولا۔

"کیا ہوتا رہتا ہے۔"

"اونہہ چھوڑو بھی۔ تم شاید اپنی معلومات کا رعب جما رہے تھے مجھ پر... ہاں... جاری رکھو۔"

"بہت مختصر سا بیان ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے تخت عقرب یا تخت افعی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو اس کتے کی آواز کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ اس سے بھی بڑی حماقت ہے۔ یار سچ مچ تم اپنے باپ ہی کی طرح پاگل معلوم ہوتے ہو۔"

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پر خیال انداز میں کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار تھے۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ ارسلانوس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

"کیا وہاں نہ چلئے گا۔" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"اوں....!" فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ تو یہ کہو۔" ارسلانوس منہ بنا کر بولا۔ "میں لونڈا نہیں ہوں۔ صاف صاف کیوں نہیں

کہتے کہ تم لوگوں کو میری موجودگی کھل رہی ہے۔"

"ارے نہیں قبلہ! تشریف رکھئے۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دراصل مجھے یہاں کے تھانے کے انچارج سے ملنا تھا۔ پھر کسی وقت مل آؤں گا۔"

"جی نہیں۔ جی نہیں۔ اسی وقت تشریف لے جائیے۔ میں بھی عدیم الفرصت ہوں۔" ارسلانوس نے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے انداز میں کچھ ایسی بے ساختگی تھی جیسے وہ کسی خطرے کو ٹال کر بھاگا ہو۔

فریدی حمید کی طرف مڑا۔

"یہ کیا حماقت تھی۔"

"آپ اکتائے تھے نا۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"بعض اوقات تم بالکل الو ہو جاتے ہو۔"

"ارے تو کیا سچ مچ آپ اس روائتی تخت کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہر افواہ کے پیچھے کچھ نہ کچھ حقیقت ہوتی ہے۔"

"بس تو پھر اپنا تو صفایا ہو گیا۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "مجھے وہ پیتل کی[1] مورتی اب تک یاد ہے۔"

"لیکن اس کی پشت پر بھی ایک حقیقت تھی۔"

"اور ہم اس حقیقت کو سونگھتے اور چاٹتے ہوئے ٹھنڈے ٹھنڈے واپس آگئے تھے۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"اچھا اب بکواس بند کیجئے۔ ہمیں یدھ راج گڑھی تک چلنا ہے۔" فریدی نے جلا ہوا سگار کھڑکی کے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

"باپ رے۔" حمید پائپ سلگاتے سلگاتے رک کر بولا۔ "بھئی.... میں....!"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا ایک بات میری بھی سن لیجئے۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ مجھے نیند آرہی ہے۔ رات مچھروں نے سونے نہیں دیا۔"

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "پہاڑوں کی ملکہ" جلد نمبر 3 ملاحظہ فرمائیے۔

"چلتے ہو یا گردن میں ہاتھ دوں۔"

"کیا مصیبت ہے چلئے صاحب۔ کاش میرے والد صاحب زندگی بھر کنوارے ہی رہتے۔"

"اب کھسکو بھی ورنہ تمہیں تو ناپید اکردوں گا۔"

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ایک لچکیلی سی نسوانی آواز سنائی دی۔

"سنئے۔"

دونوں چونک کر مڑے۔ صولت مرزا کی چھوٹی لڑکی شکیلہ عقبی دروازے میں کھڑی فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"فرمایئے۔" فریدی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ فریدی سے آہستہ آہستہ کچھ کہتی رہی۔ اس کے انداز میں کچھ ہچکچاہٹ سی تھی۔ حمید متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ارے بھئی میں اتنا بڑا آدمی نہیں ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "خیر چلئے۔"

فریدی حمید کو ٹھہرنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ چلا گیا اور حمید پائپ میں منہ دبا کر اپنا سر سہلانے لگا۔ اس کی آنکھیں مضحکہ خیز طور پر اپنے حلقوں میں گردش کرنے لگی تھیں۔

پانچ منٹ گزر گئے لیکن فریدی واپس نہ آیا حمید اکتا کر برآمدے میں نکل جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس بار کسی دوسری عورت نے اسے مخاطب کیا۔

وہ بوکھلا کر مڑا۔ صولت مرزا کی دوسری پُراسرار لڑکی جمیلہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ جمیلہ عادت کے مطابق اس وقت بھی اپنی تیکھی سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"فف.... فرمایئے۔" حمید ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"چلے جاؤ.... تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔" وہ ڈرامائی انداز سے تیز قسم کی سرگوشی میں بولی۔

اس کی آنکھیں حد درجہ خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور ماتھے کی سلوٹیں اور زیادہ نمایاں ہو گئی تھیں۔ وہ اس سے دو قدم کے فاصلے پر رک گئی۔

"چچ.... چلے.... جائیں گے.... بب.... بیل.... بالکل چلے جائیں گے۔" حمید پیچھے کھسکتا ہوا بولا۔

وہ چند لمحے کھڑی اسے حقارت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعتاً دوسرے دروازے سے باہر چلی گئی اور حمید بوکھلا کر برآمدے میں نکل آیا۔ وہ اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے اسے آواز دی اور وہ جواب دینے کی بجائے دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

حمید تیزی سے اس کی طرف مڑا کچھ کہنا چاہا۔ ہونٹ ہلے۔ غصے کی شدت کی وجہ سے آواز نہ نکلی۔

"کیوں؟ کیا تم ان رات والے آدمیوں کی ایکٹنگ کر رہے ہو۔"

"جناب۔" حمید زہریلے لہجے میں بولا۔ فریدی کو چند لمحے گھورتا رہا پھر یک بیک برس پڑا۔

"جہنم میں گئی دوستی اور محبت۔ میں اس بھوت خانے میں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں رہ سکتا۔"

"آخر کچھ بتاؤ بھی تو۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اس کمرے کی طرف چل پڑا جس میں ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔ فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔

"یار تم تو کسی خونخوار بیوی کی طرح پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے۔" فریدی نے اسے پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔ "کچھ منہ سے بولو بھی تو۔"

"مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "کیا اس شیطان کی نواسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"کس سے۔"

"بھوتوں کی محبوبہ سے۔"

"کیا جمیلہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اے ہے۔" حمید جھلاہٹ میں ہاتھ نچا کر بولا۔ "اس وقت ملی ہوتی تو یہ مسکراہٹ حلق سے اتر جاتی۔"

"آخر بات کیا ہے۔"

حمید خود ہی اس وقت بات کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح فریدی کو سمجھا بجھا کر یہاں سے نکال لے جائے۔ لہٰذا اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔

"اچھا ٹھہرو.... میں ابھی آیا۔" فریدی نے کہا اور اندر چلا گیا۔

حمید برآمدے سے نکل کر لان پر اتر آیا۔ وہ بار بار بوکھلا کر برآمدے کی طرف دیکھنے لگتا کہ کہیں جمیلہ تو نہیں آرہی ہے۔ پندرہ منٹ کے بعد فریدی پھر دکھائی دیا۔ گہرے تفکر کی وجہ سے اس کے ماتھے پر رگیں ابھر آئی تھیں وہ حمید کو چند لمحے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"آؤ چلیں۔"

"اچھا.... اچھا.... میں سامان سمیٹتا ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"ہم یدھ راج گڑھی جا رہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر پھاٹک کی طرف چلنے لگا۔

حمید کا دل چاہا کہ یا علی کا نعرہ مار کر سر کے بل کھڑا ہو جائے۔

"سنو! وہ اس وقت قطعی ہوش میں تھی۔" فریدی نے کہا۔

"اس کی....!" حمید اس سے آگے نہ کہہ سکا۔

"چپ رہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "پہلے میں سمجھا تھا کہ شاید اس وقت بھی اس پر دورہ پڑا ہوگا۔ مگر ایسا نہیں۔ صولت مرزا سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ صبح سے اب تک سوئی ہی نہیں لہٰذا اپنے ہوش میں ہے۔"

"ہوش میں ہو یا نہ ہو۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"عورت ہے پیارے.... اور حسین بھی ہے اس کے علاوہ تمہیں اور کیا چاہئے۔"

"مجھے تو بس اب بیس گز کفن چاہئے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"خیر اس کا بھی انتظام کر دیا جائے گا۔ فی الحال تو میرے ساتھ چلو۔"

حمید منہ پھلائے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے ایک کاغذ کا ٹکڑا حمید کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"یہ کیا....؟" حمید نے پوچھا۔

"پڑھ لو۔"

حمید نے اسے پڑھ کر برا سا منہ بنایا۔ اس میں کچھ بے سروپا اشعار لکھے تھے۔

دھن دھن دھن نقارہ باجے
بچھو پر یدھ راج براجے
نقارے میں ڈنگ لگا ہے
مہابلی کا نقارہ ہے
بچھو پر الو بیٹھے گا
ڈنگ پر چڑھ کر راج کرے گا

حمید استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں؟ اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ مجھے الو کیوں سمجھنے لگے ہیں۔"

"محض اس لئے کہ ہم لوگ آٹھویں الو کے مہمان ہیں۔ کیا تم مجھ سے کسی پاگل پن کی توقع رکھ سکتے ہو؟"

"آپ پر کیا منحصر ہے میں خود کو ہی پاگل سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

"خیر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ان اشعار کا مطلب سمجھئے۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "البتہ زبانی یاد کرنے کی کوشش کروں گا اور جب میرے بچے اس قابل ہو جائیں گے تو انہیں بھی یاد کرادوں گا اور انہیں وصیت کر جاؤں گا کہ وہ اپنے بچوں کو یاد کرادیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس سے اچھے شعر کبھی نہ کہہ سکیں گے۔"

فریدی کوئی جواب دینے کے بجائے مسکراتا رہا۔

مجھے یہ اشعار شکیلہ سے ملے تھے۔

ایک اشارہ

حمید بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"خیریت.... خیریت۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ لڑکی بھی پاگل ہی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیوں؟"

"بھلا ان مہمل اشعار سے ذہن کے اس گوشے کا کیا تعلق جہاں عشق کے کیڑے کلبلا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "اسے تو عشقیہ اشعار یا فلمی گیت لکھنے چاہئے تھے۔ مثلاً مار کٹاری مر جانا.... ہو گئی رے میں تو ہو گئی.... یا پھر دل لے کے چلے تو نہیں جاؤ گے ہو راجہ جی.... ہو راجہ جی۔"

"تم ہو خاصے چغد....!" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "تمہیں بس دو ہی باتیں آتی ہیں یا خرگوش کی طرح دبکتے پھرو گے یا پھر عشق! وہ بھی گھٹیا قسم کا۔"

"خیر خیر.... یہاں تو ہر چیز گھٹیا ہے۔ آپ ٹھہرے اونچے آدمی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ شکیلہ ضرور آپ کو اپنی طرف متوجہ کر لے گی۔ ہاں ذرا کمسن ہے۔"

"حمید کے بچے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "آخر تم اپنی طرح مجھے بھی کیا سمجھتے ہو۔"

"آپ بھی میری طرح آدمی ہیں۔"

"مگر میں نے زندہ رہنے کا طریقہ آدمیوں سے سیکھا ہے۔ کتوں سے نہیں۔"

"آپ مجھے کتا کہہ رہے ہیں۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"صرف کہہ ہی نہیں رہا ہوں بلکہ واپسی پر تمہیں کتوں کے ساتھ باندھوں گا۔"

"اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ آپ یہ سب مذاقاً کہہ رہے ہیں تو میں....!"

"ہاں تو تم کیا کرتے۔" فریدی اسے تیکھے پن سے دیکھتا ہوا بولا۔

"صبر کرتا۔" حمید نے اتنی بے بسی سے کہا کہ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"خیر.... غیر ضروری باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال ہمیں۔"

"ٹھہریئے! پہلے میری ایک بات کا جواب دیجئے۔"

"کیا....؟"

"یدھ راج گڑھی سے واپسی پر ہم کہاں جائیں گے۔"

"ظاہر ہے کہ جہاں تھے۔"

"ناممکن! میں اب وہاں ہر گز نہ جاؤں گا۔"

"تو کیا تم واقعی سنجیدگی سے کہہ رہے ہو۔"

"قطعی۔"

"یقین نہیں آتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"آخر یقین نہ آنے کی وجہ۔"

"میں نے تمہیں کبھی کسی جگہ سے بھاگتے نہیں دیکھا۔ جہاں خوبصورت لڑکیاں ہوں۔"

"لڑکیاں کہہ رہے ہیں آپ انہیں۔" حمید چیخ کر بولا۔ "اگر وہ لڑکیاں ہیں تو خدا شیطان کو بھی ان کے شر سے محفوظ رکھے۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"خدا کرے میری ہی طرح آپ بھی پاگل ہو جائیں۔"

"آخر تم جمیلہ سے ڈرتے کیوں ہو۔"

"چلئے یہ بھی ایک ہی رہی۔ مجھے آپ سے توقع نہیں تھی کہ آپ بچوں کی طرح باتیں کریں گے۔"

"آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ یا تو مجھے معاف کیجئے یا خودکشی کی کوئی آسان سی ترکیب بتا دیجئے۔"

"یہ دونوں کام بہت مشکل ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں تمہیں دراصل سسکا سسکا کر مارنا چاہتا ہوں۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور منہ پھلائے راستہ طے کر رہا تھا۔ فریدی ہی بولتا رہا۔

"جمیلہ نے اس وقت جو بھی کہا ہے قطعی ہوش میں کہا ہے۔ پھر بھلا بتاؤ۔ اس بات کا پتہ چلائے بغیر میں کس طرح پیچھے ہٹ سکتا ہوں کہ وہ یہاں ہماری موجودگی کیوں ناپسند کرتی ہے۔"

"ارے جاسوس اعظم۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "بلکہ ارسلانوس اعظم تو بالکل سامنے بات ہے۔"

"یعنی....!"

"کل رات کو حضور اعلیٰ نے اس کے چہیتے بھوتوں پر حملہ کر دیا تھا۔"

"مگر دورے کی حالت کی باتیں تو اسے یاد ہی نہیں رہتیں۔"

"اور آپ کو اس شاندار غپ پر یقین آ گیا ہے۔"

"غپ نہیں ہے فرزند....!"

"ہوسکتا ہے کہ اب ایشیا کا نامور سراغ رساں کچھ اور بلند ہو رہا ہو۔" حمید خشک قسم کے طنزیہ لہجے میں بولا۔

"ایشیا کا یہ کمترین جاسوس تم سے بہر حال زیادہ تجربہ کار ہے۔" فریدی نے چلتے چلتے رک کر سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"خیر نہ گھوڑا دور نہ میدان۔" حمید بولا۔ "لیکن میں تو اسے پسند نہ کروں گا کہ وہ ابلیس کی محبوبہ کسی رات سوتے وقت میری گردن ناپ دے۔ میں نے کل رات والے بھوتوں کی گفتگو سنی ہے۔"

"اچھا میاں صاحب زادے اگر تم بھوتوں پر یقین رکھتے ہو تو تمہیں لچر قسم کی روایات کے مطابق یہ بھی معلوم ہوگا کہ بھوتوں سے دنیا کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر یہ بتاؤ کہ وہ بھوت معمولی آدمیوں کی طرح کسی نقارے کی تلاش میں کیوں ہیں۔"

"ممکن ہے... نقارے سے ان کی کچھ اور مراد ہو۔"

"ہوسکتا ہے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "ممکن ہے وہ بادشاہی حلوہ سوہن کو نقارہ کہتے ہوں اور اس اصطبل کو حلوائی کی دوکان سمجھتے ہوں۔ آخر، بھوت ہی ٹھہرے۔ ہماری طرح ان کے پاس عقل تو ہوتی ہی نہیں۔ اگر ہوتی تو بھوت کیوں بنتے کیونکہ بھوت بننے سے آسان تو لیڈری ہے۔"

"دیکھئے! کبھی کبھی میرا کہنا بھی مان لیا کیجئے۔"

"میں اسی انتظار میں بوڑھا ہوا جا رہا ہوں کہ ایک بار تو تم کوئی قاعدے کی بات کہو اور میں مان کر آرام سے قبر میں جا سوؤں۔"

"اچھا اگر یہی بات ہے تو میں مرنے کے لئے تیار ہوں۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

"مگر خدا کرے مجھ سے پہلے آپ کی گردن ناپی جائے تاکہ میں آپ کی روح کو سات سلام کرنے کے بعد خود بھی آپ کے پیچھے روانہ ہو جاؤں۔"

"اچھا بکواس بند۔"

"بند ہو گئی جناب۔" حمید نے کہا۔ "لیکن آخری بات پوچھنے کی اجازت دیجئے۔"

"بے تکی نہ ہونی چاہئے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شکیلہ آپ کو کہاں لے گئی تھی۔"

"کیوں نہیں....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ میرا آٹوگراف لینا چاہتی تھی اس نے میرے کیسوں کے تراشے اخبارات سے جمع کر کے ان کا البم بنایا ہے۔ اسی البم پر میں نے آٹوگراف دیئے ہیں۔"

"تو کیا اسے یہ نہیں معلوم کہ انسپکٹر فریدی کے سارے کارنامے سرجنٹ حمید کی مدد کے بغیر ادھورے رہ جاتے۔"

"جانتی ہے۔" فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو اس نے میرا آٹوگراف کیوں نہیں لیا۔"

"خیر اس پر بھی کبھی بحث ہوگی۔" فریدی نے کہا اور رک کر ایک راہ گیر سے یدھ راج گڑھی کا راستہ پوچھنے لگا۔

"ٹھیک ہی جا رہے تھے۔" فریدی پھر بولا۔ "ہاں تو میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ اگر وہ اس وقت میرا آٹوگراف نہ لیتی تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔"

"افسوس کی بات ہی تھی۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "ایسی ملائی قسم کی لڑکیوں کو تو ہر ایک کا آٹوگراف لینا چاہئے۔"

"پھر آ گئے اصلیت پر۔" فریدی نے کہا۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ اس وقت میرا آٹوگراف نہ لیتی تو مجھے یہ بے تکے اشعار کبھی نہ ملتے۔"

حمید بے اختیار ہنس پڑا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر فریدی کی طرف متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"کیوں بھلا ان اشعار کی کیا اہمیت ہے۔"

"بہت بڑی اہمیت ہے حمید صاحب۔ اگر اس لڑکی کا بیان صحیح ہے تو یہ اشعار بڑی قیمت رکھتے ہیں۔"

"یعنی....!"

"یہ اشعار اس کی نظم کی کاپی میں لکھے ہوئے تھے۔ نظموں کے انتخاب کے معاملے میں وہ

ایک باذوق لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ سوائے ان چند اشعار کے میں نے اس کی کاپی میں کوئی لچر اور بے تکی چیز نہیں دیکھی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"پوری بات سنو تو.... میں ان اشعار کو پڑھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس پر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہنے لگی کہ اس نے انہیں قدیم سمجھ کر تبرکاً لکھ لیا تھا۔ پھر اس نے بتایا کہ وہ اشعار اس نے ایک پرانے کتبے سے نقل کئے تھے جو یدھ راج گڑھی کی کھدائی پر زمین سے برآمد ہوا تھا۔"

"اوہ.... تو یہ بچھو....!" حمید چونک کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"بہت دیر میں عقل آئی ہے۔" فریدی بجھا ہوا سگار ایک طرف پھینکتا ہوا بولا۔

"تو کیا اس بچھو کا تعلق تخت عقرب سے ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی کیا کہا جا سکتا ہے، بہر حال "بچھو پر یدھ راج براجے" سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یدھ راج تمہاری طرح پاگل تو نہ رہا ہوگا اور کسی بچھو پر بیٹھ جاتا اور اس نقارے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ ممکن ہے یہ وہی نقارہ ہو جسے تمہارے بھوت تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ اشعار کسی کتبے سے نقل کئے گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس گھر میں کوئی بہت ہی خوفناک ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا۔ اتفاقاً ہم لوگ بھی وہاں جا پہنچے اور شاید ان کی نادانستگی میں اس کا ایک آدھ منظر بھی دیکھ لیا۔ اس لئے اب وہ ہمیں اُلو بنانے کے لئے واقعات کو کوئی اور شکل دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"چلو یہی سہی۔" فریدی نے کہا۔ "میں فی الحال تمہارے خیال کی تردید نہیں کر سکتا لیکن پھر بھی یہ حالات اس قابل نہیں کہ ان میں دلچسپی لی جائے۔ کئی باتیں قابل غور ہیں۔ صولت مرزا چاہتا ہے کہ ہم یہاں قیام کریں۔ جمیلہ چاہتی ہے کہ چلے جائیں۔ ارسلانوس تخت عقرب کو واہمہ قرار دیتا ہے، صولت مرزا اس کے وجود سے منکر نہیں اور آج شکیلہ کی کاپی میں مجھے یہ اشعار ملتے ہیں۔"

"اور اس کے بعد حمید کے پٹھے کا قیمہ ہو جاتا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"پھر وہی بکواس۔" فریدی باتوں کی رو میں بولتا رہا۔ "اب یہ دیکھنا ہے کہ کھدائی والی بات کہاں تک سچ ہے اور آثار قدیمہ کے سرکاری محکمے کی طرف سے کھدائی ہوئی تھی یا کسی ہسٹوریکل

سوسائٹی کی طرف سے۔ میں نے ابھی تک صولت مرزا سے اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی۔"

"قطعی فضول ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ان کھدائی کرنے والوں کا پتہ زندگی بھر نہ چل سکے گا۔"

"آخر کیوں؟" فریدی نے تنگ آ کر کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ آخر آپ اتنی جلدی ہر بات پر ایمان کیوں لے آتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ آٹھواں اُلو ہمیں نواں اور دسواں اُلو بنانے کے چکر میں ہے۔"

"اف.... فوہ.... تم سے نپٹنا آسان کام نہیں۔ اثبات یا نفی کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ ہو تو بتاؤ۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس بات پر یقین کر لیا جائے یا نہ کیا جائے۔ چلو ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ شکیلہ کا بیان قطعی درست ہے۔ اب اس مفروضے کو یقین میں بدلنے کے لئے جو جدوجہد کرنی پڑے گی اس سلسلے میں ہمیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔ ویسے اس کے علاوہ اگر سچ اور جھوٹ پرکھنے کی کوئی اور آسان تدبیر تمہارے ذہن میں ہو تو بتاؤ۔ اگر اس پر عمل نہ کروں تو جو گدھے کا حشر وہ تمہارا۔"

"میں کہتا ہوں آخر اس کا پیچھا ہی کیوں نہ چھوڑ دیا جائے۔"

"نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔ اگر میں نے ایسا کیا تو تمہاری شادی جمیلہ کے ساتھ نہ ہو سکے گی۔"

"چھوڑیئے جی! میں آج کل مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم ایک عورت سے بُری طرح خائف ہو۔"

"میں اسے عورت سمجھتا ہی نہیں۔ خدا کی قسم اگر وہ عورت ہے تو میں اب زندگی بھر عورت کا نام نہیں لوں گا۔"

"لیکن اس عورت سے ایک بہت ہی اہم کام لیا جا سکتا ہے۔"

"کیا....!"

"وہی جو دوسرے لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہی جنہیں تم بھوت کہتے ہو۔"

"بس بس اب مجھے بہلانے کی کوشش نہ کیجئے۔" حمید نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"اس بار آپ کو بھوتوں کا قائل ہی ہونا پڑے گا۔ میں تو آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ اس کے چکر میں نہ پڑیئے۔ یہ پورا قصبہ آسیب زدہ معلوم ہوتا ہے۔"

"بکواس ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"بھئی مجھے تو اب پیاس معلوم ہو رہی ہے۔ دھوپ ہے کہ دوزخ کی آنچ اور یدھ راج گڑھی کا راستہ شیطان کی آنت۔"

"ٹھہرو.... وہ سامنے کنواں دکھائی دے رہا ہے اور کچھ لوگ پانی بھر رہے ہیں۔"

وہ دونوں لمبے لمبے ڈگ بڑھاتے ہوئے کنوئیں کے قریب آئے۔ یہاں انہوں نے پانی پیا اور پھر چل پڑے۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے دونوں کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ یدھ راج گڑھی کے منارے تو دکھائی دے رہے تھے لیکن وہ ابھی دور تھی۔ چلتے چلتے حمید بولا۔

"چلیئے اگر میں اسے مان بھی لوں کہ وہ بھوت مصنوعی تھے یعنی وہ بھوتوں کا بہروپ تھا تو یہ آپ اس کتے کی آواز کو کس طرح جھٹلائیے گا اس کے لئے کون سا خبطی جواز پیش کیجئے گا۔ کونسی تجرباتی مثال آپ کے آڑے آئے گی۔"

"بھئی اسے میں خود ابھی تک نہیں سمجھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس سلسلے میں کسی ماورائی قوت کا وجود تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"ٹھیک ہے.... بعض لوگ اپنی عقل کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔

"بیٹے اس وقت تو تم مجھ پر طنز کر رہے ہو۔ لیکن اسے یاد رکھو کہ تمہیں بعد کو شرمندہ بھی ہونا پڑے گا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے پر بدستور بیزاری کے اثرات بکھرے رہے۔

"میرا خیال ہے۔" فریدی پھر بولا۔ "اگر اس رات کو تمہیں یدھ راج گڑھی میں ایک بار بھی ہوش آیا ہوتا تو شاید تم مر ہی جاتے اور اگر نہ بھی مرتے تو کم از کم اپنا مذہب تو ضرور ہی بدل ڈالتے۔"

"کیا مطلب....!"

"خدا پرستی کے بجائے بھوت پرستی کے قائل ہو جاتے۔"

"یعنی....!"

"یعنی کہ میں ابھی کچھ اور نہیں بتانا چاہتا۔" فریدی نے کہا اور رک کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

دیوانی کی باتیں

تھوڑی دیر بعد وہ یدھ راج گڑھی میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک عظیم الشان کھنڈر پھیلا ہوا تھا۔ کہیں عمارتوں کے آثار اب بھی باقی تھے۔ منارے تو قریب قریب اب تک محفوظ تھے۔ سب سے پہلے وہ اس منارے کے قریب پہنچے جس پر انہوں نے کتے کی آواز سنی تھی، حمید کانپ کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر تک فریدی نیچے سے اوپر تک اسے دیکھتا رہا پھر اس دروازے کے قریب آیا جسے اینٹوں سے بند کر دیا گیا تھا۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا اور پھر حمید کی طرف پلٹ آیا۔

"بڑی مشکل تو یہ ہے کہ اسے کھلوانے کے لئے آثار قدیمہ سے اجازت لینی پڑے گی۔" اس نے کہا۔

"اوہ تو اب اس فتنے کو باہر نکالنے کا ارادہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہ جانے تم کن کن زاویوں سے باتیں کرتے ہو۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "اگر وہ تمہارے خیال کے مطابق بھوت ہے تو کیا اسے اس قسم کی دیواریں قید کر سکیں گی۔"

"چلیے.... پیچھا چھوڑیئے۔" اس نے یہ بات سوچ سمجھ کر نہیں کہی تھی۔

وہ کافی دیر تک گڑھی کے چکر لگاتے رہے، حمید محسوس کر رہا تھا جیسے وہ کسی خاص چیز کی تلاش میں ہو۔

"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آپ کچھ ڈھونڈ رہے ہوں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں مجھے ایک باؤلی کی تلاش ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ وہ تو صولت مرزا کے گھر میں موجود ہے۔"

"پھر وہی حرکت....!" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"آخر باؤلی کیوں؟" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا "آپ کئی بار کسی باؤلی کا تذکرہ کر چکے ہیں۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اگر مل جاتی تو اچھا تھا۔ قدیم عمارتوں میں ایک آدھ باؤلی ضرور نظر آتی ہے۔"

"آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"نہیں تو..... قطعی نہیں۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر جھک مارنے کے بعد وہ لوٹنے لگے۔ دفعتاً فریدی اینٹوں کے ایک ڈھیر کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کی متجسس نگاہیں کسی چیز پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر وہ اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ جھک کر کوئی چیز اٹھا رہا ہے اور جب اس کے پاس واپس آیا تو اس نے اس کے ہاتھ میں ایک فاؤنٹین پن دیکھا۔

"پارکر ففٹی ون ہے۔" فریدی اسے پرخیال انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔ "غالباً یہ وہی جگہ ہے جہاں ہم گرے تھے، لیکن فاؤنٹین پن! کہیں یہ ہمارے ساتھیوں میں سے تو کسی کا نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم میں سے تو کسی کے پاس بھی پارکر ففٹی ون نہیں تھا۔"

"پھر یہ کس کا ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور ایک بار پھر اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ کافی دیر تک جھکا دیکھتا رہا۔ پھر ایک اینٹ اٹھا کر نیچے اتر آیا۔ جیب سے محدب شیشہ نکال کر اس نے اینٹ کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

"نشانات تو ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہاں اس مٹی کے دھبے پر، جواب خشک ہو چکا ہے۔"

حمید اس کے قریب آ گیا۔ فریدی سر اٹھا کر پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ ہم میں سے کسی کی انگلیوں کے ہوں۔"

"ہوگا صاحب! اسے پھینکئے اور چل دیجئے۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "نہ جانے آپ کس چکر میں ہیں۔"

"اب شاید بتانا ہی پڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ پھر اینٹوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "دیوار گرنے کے بعد سے صولت مرزا کی حویلی میں پہنچنے تک ہم اسی میں نہیں دبے پڑے رہے تھے۔"

"پھر.....!" حمید یک بیک چونک کر بولا۔

"ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو ایک باؤلی میں پایا تھا اور تم بھی میرے ہی قریب پڑے ہوئے تھے۔"

"میں.....!" حمید اچھل کر بولا۔ "لیکن مجھے تو یاد نہیں۔"

"تم بے ہوش تھے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مجھے خوشی ہے کہ آخیر تک بیہوش ہی رہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کچھ نہیں مطلب یہ کہ تمہارا ننھا سا دل اس تبدیلی پر دھڑکنے لگتا اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی نابالغ لڑکی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے بھی لگتے۔"

"آخر کیوں؟"

"فضول وقت مت برباد کرو۔ آؤ چلیں۔"

"اس اینٹ کو تو پھینکئے۔"

"نہیں۔ اپنا اطمینان کئے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ چلو بڑھو۔" فریدی نے اسے دھکا دے کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ یہ نشانات ہمارے ساتھیوں ہی میں سے کسی کے ہوں گے۔" وہ چلتا ہوا بولا۔

"آخر انہوں نے ہی ہمیں اس ڈھیر سے نکالا ہی تھا۔ اس وقت اینٹیں بھیگ رہی ہوں گی لہٰذا ان پر لگی ہوئی مٹی میں نشانات ضرور پڑے ہوں گے۔"

"لیکن ان سے پہلے بھی کسی نے ہمیں اس ڈھیر سے نکالا ہوگا۔ ورنہ ہم باؤلی میں کیوں کر پہنچے اور پھر اس کے بعد دوبارہ ہمیں اس ڈھیر میں دفن کیا ہوگا۔"

"آپ نے خواب دیکھا ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر ذرا اسے دیکھو۔"

اس نے اپنا داہنا ہاتھ حمید کے سامنے پھیلا دیا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ نشانات کیسے ہو سکتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"خراش.....!"

"جناب.....!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "یہ خراشیں ایک چمگادڑ کے پنجوں کی ہیں۔ جو مجھ پر اس باؤلی میں جھپٹی تھی۔"

"کمال کر دیا آپ نے۔ جب یہاں کوئی باؤلی ہے ہی نہیں تو۔"

"ہے تو ضرور۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"دیکھئے میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ اس شیطانی چکر میں نہ پڑیئے۔"

"بکے جاؤ۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کو راہ راست پر لانا ناممکن ہے۔ ایک بار کوئی نظریہ قائم کر لینے کے بعد اس کا اس سے ہٹ جانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ منہ میں پانی لے کر سیٹی بجانا۔ اب اس نے حمید کی الجھن میں اضافہ کر لینے کے لئے ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ آخر باؤلی والی بات اس نے اسے اتنی دیر سے کیوں بتائی۔ وہاں بھی کوئی خاص قسم کا حادثہ پیش آیا تھا؟ بہر حال یہ بات معلوم ہونے پر حمید کے یقین کو اور زیادہ تقویت پہنچ گئی اور وہ اسے سچ مچ شیطانی کارخانہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کس طرح فریدی کو اس چکر سے نکال لے جائے اور خود بھی جان بچائے۔ اپنی جان تو خیر وہ بچا ہی سکتا تھا۔ اگر وہ واپس جانے پر اڑ جائے تو فریدی اسے باندھ کر تو رکھنے سے رہا۔ لیکن وہ اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فریدی کو کسی خطرے میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی وجہ افسری اور ماتحتی کا خیال نہیں تھا۔ فریدی کی شخصیت اور کردار نے اسے اپنا غلام بنا لیا تھا۔ وہ اس کے بے پناہ خلوص کا پجاری تھا۔ اس کی اس محبت پر جان دیتا تھا، جو صرف چھوٹے بھائی ہی کے لئے ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ اس طرح نہیں بھاگ سکتا تھا جس سے ان کے جذباتی رشتے مجروح ہوتے۔

"لیکن ذرا یہ تو بتایئے۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "کہ آپ کی خودداری کہاں قیام کرے گی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا خیال ہے کہ کوئی شریف آدمی کسی ایسی جگہ نہیں رہ سکتا جہاں لوگ اس کے قیام کے خواہشمند نہ ہوں۔"

"اوہ....؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تو گویا تم اب تک جمیلہ کے خیال میں ڈوبے ہوئے ہو۔"

"میں نے تو اپنی بڑی توہین محسوس کی ہے۔"

"مگر ہم تو صولت مرزا کے مہمان ہیں۔"

"چہ خوب.... گویا جمیلہ صولت مرزا کی لڑکی نہیں ہے۔"

"ہے کیوں نہیں.... لیکن پاگل ہے۔"

"مجھے تو یہاں سبھی پاگل دکھائی دیتے ہیں۔"

"اچھا تو تمہارا انتظام ارسلانوس کے یہاں کرا دوں گا۔"

"بہتر ہو گا کہ آپ مجھے کسی ریچھ یا بھیڑیئے کے سپرد کر دیجئے۔"

"ارے نہیں۔ بڑا پیارا آدمی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اپنا اپنا ذوق ہے۔ بہر حال میں اس ڈارون کے پٹھے کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"

"اوہ ہو.... تو بے چارے ڈارون پر کیوں غصہ اتار رہے ہو۔"

"محض اس لئے کہ یہ ساری بیداری اس کی پھیلائی ہوئی ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے غیر مروئی قوتوں پر یقین کرنا چھوڑ دیا۔"

"بیٹے حمید صاحب یہ خیال اپنے ذہن سے نکال لو۔ ورنہ مجھے تم سے نفرت ہو جائے گی۔"

"کاش نفرت ہی ہو جاتی۔"

"اچھا ذرا تیز چلو۔" فریدی نے اسے پھر دھکا دیا۔

"چل تو رہا ہوں۔ اب کیا سر کے بل چلوں۔"

تین بجتے بجتے وہ لوگ اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا اور نہ صولت مرزا کو اطلاع ہی دے کر گئے تھے۔ صولت مرزا کافی دیر تک بزرگانہ انداز میں فریدی کو برا بھلا کہتا رہا۔ حمید اندر ہی نہیں گیا۔ اس نے فریدی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی چائے اس کے کمرے میں بھجوا دے۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کر لیا اور سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس گھر میں مزید قیام کرنے کے خیال ہی سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ پائپ میں تمباکو بھر کر اسے سلگاتا ہوا ایک آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ راستے کی تھکن پچھلی رات کی بیداری ایک بوجھ کی طرح اس کے ذہن پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے تین چار گہرے گہرے کش لینے کے بعد جلی ہوئی تمباکو ایش ٹرے میں جھاڑ دی اور پھر آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر اونگھنے لگا۔

ابھی اچھی طرح آنکھ نہیں لگی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید منہ سکوڑتا ہوا اٹھا۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ کوئی تک ہے ابھی سے چائے بھی آ گئی ان لوگوں کو سوا

کھانے پینے کے کچھ اور بھی آتا ہے۔ کیا مصیبت ہے.... ارے باپ؟

دروازہ کھولتے ہی وہ بے اختیار اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

دروازے میں جمیلہ کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

"جی ہاں....!" حمید بوکھلا کر بولا "مم.... میں سامان ہی.... بب.... باندھ رہا تھا۔"

جمیلہ اندر چلی گئی اور حمید کے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔

"وہ دیکھئے نا....!" وہ پھر بولا۔ "یہ بکس ہے نا.... ذرا اس کی کنڈی کچھ سخت ہو گئی ہے۔ ارے.... ہولڈال کہاں ہے۔ بستر بندھ گیا۔ بالکل بندھ گیا۔"

جمیلہ آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ اتنے مضحکہ خیز کیوں ہوئے جا رہے ہیں۔" جمیلہ پرسکون لہجے میں بولی۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ سچ مچ خواہ مخواہ اُلو ہوا جا رہا ہے۔ اس سے یہ حرکت قطعی غیر ارادی طور پر سرزد ہوئی تھی۔ لہٰذا اب وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو... لیکن اس کا نچلا ہونٹ ابھی تک خود بخود پھڑکے جا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔

"مجھے اپنے رویے پر افسوس ہے۔" جمیلہ آہستہ سے بولی۔ "میں غصے میں تھی۔"

"اوہ کوئی بات نہیں.... کوئی بات نہیں۔"

"لیکن میں کیوں غصے میں تھی؟" جمیلہ نے سوال کیا اور حمید پھر بوکھلا گیا۔ اس نے یہ سوال محض باتوں کی رو میں کیا تھا۔ ورنہ جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھتی نہ رہتی۔

"غالباً آپ کو فریدی صاحب پر غصہ آیا ہوگا۔" حمید نے کافی سوچ بچار کے بعد کہا۔

"بھلا ان پر کیوں آتا۔"

اس دوسرے سوال پر حمید جھنجھلا گیا۔ اس دوران میں اس نے خود کو کافی سنبھال لیا تھا اور اس کا دماغ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی وہ ساری صلاحیتیں بھی جاگ اٹھی تھیں جو عورتوں کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی ہوتی تھیں۔

"شاید آپ کو ان کی بے ڈھنگی چال پر غصہ آیا ہوگا۔" اس نے کہا۔

"تو گویا میں اب تک ان کی چال دیکھتی رہی ہوں۔" جمیلہ نے ناخوشگوار لہجے میں سوال کیا۔

"آپ غلط سمجھیں۔ یہ بات نہیں۔ قاعدہ ہے کہ بعض بے ہنگم چیزوں پر خود بخود نظر پڑ جاتی ہے۔"

جمیلہ خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں سامنے والی دیوار پر جمی ہوئی تھیں اور حمید گھبرا گھبرا کر اس کی نظروں کا تعاقب کر رہا تھا کہ کہیں دیوار سے کوئی بھیانک چیز نہ نکل پڑے۔

"بہر حال میں غصے میں تھی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"مجھے قطعی افسوس نہیں ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "غصے میں آدمی کہنا کچھ چاہتا ہے منہ سے نکلتا کچھ ہے۔ مثلاً میں ہی غصے کی حالت میں بڑی بے تکی باتیں کرنے لگتا ہوں۔ اگر غصے میں کسی کو گدھا کہنا ہو گا تو ٹماٹر یا چقندر کہہ جاؤں گا۔"

جمیلہ کے ہونٹوں پر ایک بے جان مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہر حال حمید کی عاقبت روشن کرنے کے لئے یہی کافی تھا۔ وہ اچھی طرح چہکنے کے موڈ میں آ گیا۔

"اب ایک بار کا لطیفہ سنئے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ایک نوکر پر ایک دن بڑا تاؤ آیا۔ کہنا یہ چاہتا تھا کہ سور کے بچے جہنم میں جاؤ۔ لیکن بوکھلاہٹ میں کہہ گیا جہنم کے بچے سور میں جاؤ۔ لہٰذا وہ مرعوب ہونے کے بجائے سر پیٹ پیٹ کر ہنسنے لگا۔"

جمیلہ پھر مسکرائی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچانک اس طرح سنجیدہ ہو گئی جیسے حمید نے اسے گالی دی ہو۔

"میں یہاں آپ سے فلرٹ کرنے نہیں آئی۔" اس کے لہجے میں حمید نے ناقابل برداشت قسم کی تلخی محسوس کی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ اس کے دوسرے جملے کا منتظر تھا اور خود جمیلہ کے انداز کی تشنگی یہ بات ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اس ایک جملے پر اکتفا نہ کرے گی۔ وہ کچھ کہنا ضرور چاہتی تھی لیکن چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔

"میں آپ سے صاف صاف باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ یقین رکھیں کہ وہ صرف مجھ تک ہی محدود رہیں گی۔"

جمیلہ کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ والد صاحب نے تم لوگوں کو بھی اس سازش میں شریک کیا ہے۔"

"سازش....!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں سازش....!" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "بہت دنوں سے برداشت کر رہی تھی لیکن اب

ضبط کی سرحدوں سے باہر ہو چکی ہوں۔ والد صاحب نے شاید تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ مجھے کیوں بدنام کر رہے ہیں۔"

"بدنام کر رہے ہیں۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھولے مت بنو۔ میں سب کچھ جانتی ہوں۔"

حمید حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہا اور وہ بولتی رہی۔

"والد صاحب اس لئے مجھے بدنام کر رہے ہیں کہ میری شادی نہ ہو سکے۔ اگر شادی ہو گئی تو وہ تین لاکھ کی رقم ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی جو نانا جان مرحوم خاص طور پر میرے نام سے بنک میں جمع کرا گئے ہیں۔"

"اوہ.....!"

"پھر تم نے ایکٹنگ شروع کی۔" جمیلہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "تم مجھے کسی طرح اس بات کا یقین نہیں دلا سکتے کہ تم دونوں اس سازش میں شریک نہیں ہو۔"

حمید نے سوچا کہ کیوں نہ فی الحال اس کی ہاں میں ہاں ملائی جائے۔

"میں ایکٹنگ نہیں کر رہا ہوں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو لیکن مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ ابھی تک فریدی صاحب نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

جمیلہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر سر اٹھا کر آہستہ سے گلوگیر آواز میں بولی۔

"میری زندگی برباد کر کے تم لوگوں کو کیا ملے گا۔ والد صاحب کو سمجھا دو کہ مجھے وہ تین لاکھ روپے نہیں چاہئیں لیکن میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔"

"میں انہیں سمجھا دوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا تم نے کبھی اور بھی کسی ایسی بیماری کا نام سنا تھا جیسی مجھ سے منسوب کی جاتی ہے۔"

"کبھی نہیں۔"

"کیا تم نے بھی مجھے کسی رات کو دورے کی حالت میں چلتے پھرتے دیکھا تھا۔"

"ہر گز نہیں۔" حمید نے سفید جھوٹ بولا۔

"تو پھر وہ سیاہی میری میز پر کس طرح گری تھی؟" جمیلہ نے حمید کو گھور کر پوچھا۔

"میں کیا جانوں..... میں نے فریدی صاحب کی زبانی سنا تھا۔"

"آخر انہیں ان باتوں سے کیا مل جائے گا۔ میں نے سنا تھا کہ وہ مجبوروں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر آخر میرے لئے کیوں اتنے تنگدل بن گئے ہیں۔"

"میں انہیں سمجھا دوں گا۔" حمید جلدی سے بولا۔

نہ جانے کیوں اسے اس سے کچھ کچھ ہمدردی سی ہو چکی تھی۔ لیکن وہ ان معاملات کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ کیوں کہ وہ خود اسے دو بار دورے کی حالت میں دیکھ چکا تھا۔ وہ سوچتا رہا۔

"میں نے سب کچھ آپ کے سامنے رکھ دیا؟" جمیلہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "اب جو کچھ آپ کا ضمیر گوارا کرے۔"

"آپ مطمئن رہئے۔" حمید بھی مودبانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

جمیلہ چلی گئی اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن قلابازیاں کھانے لگا تھا۔ آخر اس گھر میں ہو کیا رہا ہے۔ باپ کچھ بیٹی کچھ۔ دوسری بیٹی دماغ خراب کرنے کے لئے مہمل اشعار بانٹتی ہے اس نے پچھلی رات کو وہ منظر بھی دیکھا تھا جب بیٹی نے باپ کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا اور وہ سب کیا تھا۔

وہ بے صبری سے فریدی کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ نہ آیا۔ اس دوران میں چائے بھی آئی لیکن نہ تو صولت مرزا دکھائی دیا اور نہ فریدی..... برآمدے میں ایک آدھ بار شکیلہ پر ضرور نظر پڑی۔ لیکن اس نے حمید کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ حمید تھوڑی دیر تک بیٹھا الجھتا رہا۔ پھر برآمدے میں نکل آیا۔

رات ہوئی لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ حمید نے صولت مرزا سے پوچھا۔ لیکن اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ آخر حمید تھک ہار کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ حالانکہ جمیلہ سے اس کی گفتگو ہو چکی تھی۔ لیکن وہ رات کے تصور ہی سے لرز رہا تھا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد اس نے نہایت احتیاط سے کمرے کے سارے دروازے بند کر دیئے اور انتہائی گرمی کے باوجود بھی بند کمرے میں سو گیا۔

کتبے کا سراغ

دوسرے دن فریدی ناشتے کی میز پر صولت مرزا سے کہہ رہا تھا۔

"آج ہم لوگ واپس جا رہے ہیں۔"

ناشتے پر اس وقت یہی تینوں تھے۔ حمید چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے ابھی تک اس سے یہی نہیں پوچھا تھا کہ وہ پچھلی رات کو کہاں رہ گیا تھا۔ اس وقت وہ اور.... صولت مرزا ناشتہ ہی کر رہے تھے کہ وہ بھی آ گیا تھا اور قبل اس کے کہ اس سے رات کی غیر حاضری کا سبب پوچھا جاتا اس نے آج کی روانگی کا ذکر چھیڑ دیا۔

"تو کیا تم ہمیں اس مصیبت میں چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں آپ ہی کیلئے ایسا کر رہا ہوں۔ فی الحال یہاں رہ کر میں آپ کے کسی کام نہ آسکوں گا۔" فریدی نے چائے کی پیالی رکھ کر سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

صولت مرزا چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"رات کہاں رہ گئے تھے۔"

"تھانے کے انچارج نے روک لیا تھا۔ لہٰذا رات اس کے ساتھ بسر کرنی پڑی۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے بُرا نہ مانا ہوگا۔"

"اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے۔" صولت مرزا نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"تو کس ٹرین سے جاؤ گے۔"

"تین بجے والی سے۔"

اس گفتگو کے علاوہ بقیہ وقت میں خاموشی ہی رہی۔

ناشتے کے بعد فریدی اور حمید عقبی پارک میں آبیٹھے۔

"اب بتائیے کہ آپ رات کہاں تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"اسی پارک میں۔"

"یہاں....!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں....!"

"پھر....!"

"نہ تو رات اس پر دورہ ہی پڑا اور نہ وہ بھوت دکھائی دیئے۔"

"کل رات دورہ نہیں پڑا....؟" حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔"

"آخر کل کیوں نہیں پڑا۔"

"نہ پڑا ہوگا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر آپ کیا کرتے رہے۔"

"بھوتوں کا انتظار۔"

"واقعی آپ دیوانگی کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔"

فریدی مسکرانے لگا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"جانتے ہو وہ فونٹین پن کس کا تھا۔"

"یہی جانتا ہوتا تو لوگ ولی اللہ نہ کہتے۔" حمید بیزاری سے بولا۔ لیکن فریدی نے اس کے لہجے پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "وہ فونٹین پن جمیلہ کا تھا۔"

"ارے....!" حمید تقریباً اچھل پڑا۔ "کس سے معلوم ہوا۔"

"صولت مرزا سے۔"

"پھر اس نے آپ سے یہ بھی پوچھا ہوگا کہ وہ آپ کو ملا کہاں سے۔"

"یقیناً۔ یہ ایک قدرتی سوال تھا۔" فریدی مسکرایا۔

"پھر آپ نے کیا کہا۔"

"ظاہر ہے کہ میں نے اسے حقیقت نہ بتائی ہوگی۔"

"آپ یک بیک شہر کے لئے کیوں تیار ہوگئے۔"

"اس کتبے کے چکر میں ہوں جس پر سے وہ اشعار نقل کئے گئے تھے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "میں آپ کو اتنا ناسمجھ نہیں سمجھتا تھا۔"

"خیریت.... خیریت۔" فریدی مسکرایا۔ "تم عقلمند کب سے ہوگئے۔"

"میں کسی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہوں۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری اور فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"پیر و مرشد اس راز سے ذرا ہیچ مقدار کو بھی آگاہ فرما کر رونے کا موقع دیجئے۔"

حمید نے فلسفیانہ انداز میں اُلو کی طرح اپنے دیدے پھرائے اور جمیلہ کی گفتگو بیان کر دی۔ پھر جب اس نے اس موقع پر یہ تصور کرتے ہوئے کہ فریدی کی آنکھیں چمکنے لگی ہوں گی اس طرف دیکھا تو اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ فریدی کے چہرے سے کچھ ایسی بے تعلقی ظاہر ہو رہی تھی جیسے وہ اب تک کسی ضدی بچے کی "ریں ریں اور ٹیں ٹیں" سنتا رہا ہو۔

"پھر کیا ہوا۔" حمید کے خاموش ہوتے ہی اس نے لاپروائی سے پوچھا۔

"میرا سر....!" حمید بھنا کر بولا۔

"پھٹا تو نہیں۔" فریدی نے ہمدردانہ انداز میں پوچھا۔

"آپ مجھے اُلو سمجھتے ہیں۔" حمید نے چیخ کر کہا۔

"نہیں الو سے بھی اونچی چیز۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "آخر تم اس دیوانی لڑکی اور اس کی باتوں کو کیوں اتنی اہمیت دیتے ہو۔"

"معلوم نہیں آپ کس چکر میں ہیں اور کیا سوچتے ہیں۔"

"میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ لڑکی کچھ نہیں جانتی۔ حتی کہ اسے اپنے متعلق بھی کچھ نہیں معلوم۔"

"یہ کتنے عرصے کے تجربات کا نچوڑ ہے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"اخا! اب آپ بھی طنز فرمانے لگے.... صاحبزادے ہو۔"

"شکریہ! میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ حرام زادہ ہوں۔"

"خیر فضول باتیں چھوڑو.... ہمیں چلنے کی تیاری بھی کرنی ہے۔"

وہ دونوں اٹھ کر اس کمرے میں چلے آئے جہاں ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔ حمید منتشر چیزیں اکٹھا کرنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گنگناتا بھی جا رہا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ وقتی ہی طور سہی اس بھوت خانے سے نجات تو مل رہی ہے۔

"تو آپ اس کتبے کو کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

فریدی آرام کرسی پر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ حمید کے مخاطب کرنے پر اٹھ بیٹھا۔

"کیا پوچھا تھا تم نے۔"

حمید نے اپنا سوال دہرایا۔

"اس کے لئے زیادہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے گی۔" فریدی نے انگڑائی لے کر کہا۔ "صولت مرزا سے معلوم ہوا ہے کہ کھدائی کرنے والے یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی چیز برآمد ہوئی تھی تو وہ یونیورسٹی کے میوزیم میں ضرور موجود ہوگی۔"

"تو یقین کیجئے کہ وہ کتبہ موجود نہ ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....!"

"ارے صاحب یہ سب مل کر ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ مجھے تو ان کی کسی بات پر یقین نہیں آیا۔"

"ایسی بے یقینی بھی ٹھیک نہیں۔ خصوصاً ایک سراغ رساں کے لئے۔"

"سراغ رساں....!" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "چھٹیوں میں، میں خود کو قطعی سراغ رساں نہیں سمجھتا۔ یہ سعادت تو کچھ آپ ہی کے حصے میں آئی ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں گہرے تفکر کا پتہ دے رہی تھیں۔

"لیکن یہ تو بتایئے۔" حمید پھر بولا۔ "وہ کتبہ شکیلہ کے ہاتھ کیسے لگا تھا۔"

"کھدائی کرنے والوں نے صولت مرزا ہی کے گھر قیام کیا تھا۔"

"اوہ تو.... بہر حال صولت مرزا وغیرہ نے آپ کو اچھی طرح جکڑ لیا ہے۔"

"اچھا سنو....!" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "اب ہم ان معاملات کے متعلق قطعی کوئی بات نہ کریں گے۔"

حمید اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر سر کو خفیف سی جنبش دے کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

اس کیس میں کچھ اس قسم کے الجھاوے پیدا ہو گئے تھے کہ حمید نے اس کی طرف سے اپنے ذہن کو بے تعلق کر لینے ہی میں بھلائی دیکھی۔ اس کا خیال تھا کہ صولت مرزا وغیرہ انہیں کسی جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن فریدی اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ حالانکہ فی الحال اس کے پاس اپنے نظریئے کی پختگی کے ثبوت میں کافی دلائل نہیں تھے لیکن پھر بھی وہ اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ کوئی دوسرا ان لوگوں کو اپنا آلہ کار بنائے ہوئے ہے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر جمیلہ ان واقعات سے بے تعلق ہے تو پھر اس کا فاؤنٹین پن یدھ راج

گڑھی میں کس طرح پہنچا اور پھر خلاف معمول پچھلی رات کو اس پر دورہ کیوں نہیں پڑا۔ وہ ارسلانوس کو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ محض اس لئے کہ یہ ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ تحت عقرب یدھ راج گڑھی میں موجود نہیں ہے تو کیا ان سب شیطانی حرکتوں میں اس کا بھی ہاتھ ہے۔ ہو سکتا ہے یہی بات ہو کیونکہ اس کے اور صولت مرزا کے تعلقات اچھے بھی نہیں معلوم ہوتے۔ دونوں ملتے ضرور ہیں لیکن ان کے درمیان میں کوئی ناخوشگوار سا جذبہ حائل معلوم ہوتا ہے۔ ایک بار ارسلانوس نے اس کی برائیاں بھی تو بیان کی تھیں اور جمیلہ کی حرکات کو محض ڈھونگ قرار دیا تھا تاکہ گھر والوں پر اس کا رعب قائم رہے۔ اس کے برخلاف جمیلہ اس بات کی شاکی ہے کہ اس کے گھر والے اسے بدنام کر کے شادی سے روکنا چاہتے ہیں۔

حمید نے لاکھ کوشش کی کہ اپنے ذہن کو ان واقعات کی طرف سے ہٹا لے۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ یدھ راج نگر سے روانگی کے وقت اس کا دماغ بُری طرح پک رہا تھا اور چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ لیکن اس کے برخلاف فریدی بالکل ہی سیدھے سادھے موڈ میں تھا.... روانگی سے قبل اس نے صولت مرزا سے الوداعی ملاقات اس طرح کی جیسے وہ اب تک ان کے یہاں محض سیر و تفریح کرتا اور دعوتیں اڑاتا رہا ہو۔ حمید نے اس وقت ایک بات اور بھی محسوس کی کہ جمیلہ خلاف عادت بہت زیادہ بشاش نظر آ رہی تھی اور بقیہ لوگوں کے چہروں پر وہی آثار تھے، جو کسی مہمان کو رخصت کرتے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ خصوصاً صولت مرزا بہت زیادہ پریشان اور اداس معلوم ہو رہا تھا۔

جمیلہ انہیں اسٹیشن تک چھوڑنے کے لئے آئی۔ صولت مرزا بھی آ رہا تھا لیکن فریدی نے روک دیا۔

گاڑی پندرہ یا بیس منٹ لیٹ تھی حمید کو اس وقت سخت حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی نے جمیلہ سے سوائے چند رسمی باتوں کے اور کوئی بات نہ کی۔ آخر کیوں؟ حمید کا خیال تھا کہ جمیلہ اس ڈرامے کی خاص کردار ہے لیکن فریدی اسے بُری طرح نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ فریدی اسے تنہا پاتے ہی اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دے گا۔ اس دوران میں فریدی کسی کام سے ان کے پاس سے ہٹ گیا اور جمیلہ حمید سے بولی۔

"میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ لیکن آپ نے ان باتوں کا تذکرہ والد صاحب سے تو نہیں کیا۔"

"نہیں نہیں.... میں اتنا ناسمجھ تو نہیں ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"شکریہ...." وہ آہستہ سے بولی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔ "میں ایک بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہوں۔ کبھی کبھی میرا دل مجھے بغاوت پر ابھارتا ہے۔ لیکن پھر افسوس ہوتا ہے۔ میں ہر وقت کسی نہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا رہتی ہوں۔ کبھی کبھی میرے منہ سے ایسی باتیں بھی نکل جاتی ہیں جو مجھے نہ کہنی چاہئیں۔"

"ہوتا ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔

"آپ نے فریدی صاحب سے اس کا تذکرہ ضرور ہی کیا ہوگا۔" جمیلہ نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ورنہ پھر بات ہی کیا رہ جاتی۔ میں نے بس کسی طرح انہیں واپس چلنے پر راضی کر لیا۔"

جمیلہ نے سر جھکا لیا اور پھر جب اس نے نظریں اٹھائیں تو حمید نے اس کے چہرے پر ندامت کے آثار دیکھے۔ سارا تیکھا پن نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس کی بجائے اس کے چہرے پر ایک غم آلود نزاہٹ پھیل گئی تھی اور آنکھیں کسی گہری سوچ اور پرسکون جھیل کی طرح حسین اور طمانیت بخش نظر آنے لگی تھیں۔ پھر حمید دوسرے ہی لمحے میں یہ بھی بھول گیا کہ وہ تھوڑی دیر قبل اس سے خائف تھا۔ اسے وہ پُراسرار بھوت بھی نہ یاد رہ گئے۔ اس نے اس تھپڑ کو بھی فراموش کر دیا جسے ایک بیٹی نے اپنے باپ کے منہ پر رسید کیا۔ وہ سب کچھ بھول گیا اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا وہ یہ کہ جمیلہ غیر معمولی حسن کی مالک ہے۔ کسی بڑے آرٹسٹ کا ایک اچھوتا خیال۔

شہر پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی اور فریدی کو اس کتبے کے متعلق چھان بین ملتوی کر دینی پڑی۔

حمید بہت زیادہ تھکا ہوا تھا اس لئے زیادہ دیر تک نہ جاگ سکا۔ لیکن رات میں جب بھی اس کی آنکھیں کھلیں اس نے فریدی کی لائبریری میں روشنی دیکھی۔

دوسرے دن صبح اسے نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی رات بھر لائبریری ہی میں رہا اور اس وقت وہ ایک آرام کرسی پر پڑا سو رہا تھا۔ حمید نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی دیر سونے کا تہیہ کر چکا ہے اتنی ہی دیر سوئے گا۔ اس نے نہ جانے کس طرح یہ عادت ڈال لی

تھی۔ یہ چیز کسی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ اچھے اچھے بااصول قسم کے لوگ بھی نیند پر قابو نہیں پاتے۔ لیکن فریدی کا خیال تھا کہ جتنی دیر بعد جاگنے کا تہیہ کر لیتا اس سے ایک منٹ بھی ادھر ادھر نہ ہوتا۔ وہ اکثر حمید سے کہا کرتا تھا کہ وہ اس کی قوت ارادی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ قوت ارادی کی تربیت انسان کو کسی چیز کی پابند نہیں بنا سکتی۔ خواہ وہ موت ہی کیوں نہ ہو اور حمید کو سچ مچ اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس نے ایک نہیں سینکڑوں بار فریدی کو موت کے منہ سے نکلتے دیکھا تھا۔

آٹھ بجے فریدی سو کر اٹھا لیکن وہ بہت خاموش خاموش تھا۔ چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے اور آنکھیں ابھی تک نیند میں ڈوبی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ ناشتے کے دوران میں اس نے بہت کم گفتگو کی۔ وہ بھی اس کیس یا زیر تفتیش کتبے کے متعلق نہیں تھی۔

دس بجے وہ دفتر کے لئے روانہ ہو گئے۔ فریدی دیر تک دفتر میں بیٹھا۔ اس نے صرف حاضری بتائی۔ دو ایک کاغذات دیکھے اور پھر اٹھ کر کہیں چلا گیا۔ حمید نے شام چار بجے تک اس کا انتظار کیا۔ لیکن وہ جب واپس نہ آیا تو مجبوراً اسے ٹیکسی ہی پر گھر واپس ہونا پڑا کیونکہ فریدی اپنی کار ساتھ لے گیا تھا۔

وہ گھر پر بھی موجود نہیں تھا۔ حمید غسل اور ناشتے سے فارغ ہو کر یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا کرے کہ فریدی کی آواز سنائی دی۔ وہ برابر کے کمرے میں کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آیا۔ فریدی کا مخاطب ایک ادھیڑ عمر کا بھاری بھرکم آدمی تھا جس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف اور نچلا جبڑا اتنا بھاری تھا کہ غیر متناسب معلوم ہوتا تھا۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ نہ جانے ان میں کیا بات تھی کہ حمید کو ہاتھی کی آنکھیں یاد آگئیں۔ سفید قمیص اور پتلون میں وہ بڑا بارعب معلوم ہو رہا تھا۔ گفتگو کرتے وقت اس کی ٹھوڑی کچھ اس انداز سے ہل رہی تھی کہ حمید کا ذہن ایک ایسے بھیڑیے کے تصور سے خالی نہ رہ سکا جو اپنے شکار کی بوٹیاں نوچ رہا ہو۔ فریدی اسے ساتھ لے کر اپنے عجائبات کے کمرے میں چلا گیا۔

حمید متحیر تھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے اسے کہیں نہ کہیں دیکھا ضرور تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح یقین تھا کہ اس نے اسے فریدی کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ عجائبات کے کمرے کی طرف بڑھا۔ فریدی اس نووارد کو بعض قدیم اور تاریخی چیزیں دکھا دکھا کر ان پر

تبصرہ کر رہا تھا۔

حمید نے دیکھا کہ نووارد بھی کبھی کبھی اظہار خیال کر دیتا ہے۔ وہ ہر چیز کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی اسے خاص طور پر قدیم کتبوں اور مخطوطات کے نمونے دکھا رہا ہے۔

"میں ان چیزوں پر عاشق ہوں۔" فریدی نے اسے کہا۔ "اور جہاں کہیں بھی مجھے کوئی پرانا کتبہ دکھائی دیتا ہے اسے خرید لینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہوں۔"

"اچھا شوق ہے۔" نووارد نے سر ہلا کر کہا۔ "خیر میری تو عمر ہی اس دشت کی سیاحی میں گزری ہے لیکن اتنے نمونے خود میرے پاس بھی نہیں ہیں۔"

"خیر بہر حال۔" فریدی اسے سگار پیش کرتا ہوا بولا۔ "مجھے امید ہے کہ ایک مشترک شوق رکھنے کی بناء پر ایک دوسرے سے آئندہ بھی ملتے رہیں گے۔"

"ضرور ضرور....!" نووارد مسکرا کر بولا۔ "یہ حقیقت ہے کہ مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔"

وہ دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ اسلئے حمید سامنے سے ہٹ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

فریدی اسے رخصت کرنے کے لئے پھاٹک تک آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ حمید سے کہہ رہا تھا۔

"تم نے بہت اچھا کیا کہ اس کے سامنے نہیں آئے۔"

"کیوں....؟ وہ کون تھا۔"

"یونیورسٹی کے شعبہ تواریخ کا صدر ڈاکٹر بھٹناگر۔"

"تو آپ اسی کتبے کے چکر میں ہیں۔"

"ہاں! یدھ گڑھی کی کھدائی اسی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔"

"وہ کتبہ....!"

"یونیورسٹی کے میوزیم میں موجود نہیں ہے۔ ڈاکٹر بھٹناگر کا کہنا ہے کہ اس قسم کا کوئی کتبہ برآمد نہیں ہوا۔"

"وہ تو میں پہلے ہی جانتا تھا...." حمید مسکرا کر بولا۔

"تم غلط جانتے تھے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کھڑکی کے با دیکھتا ہوا بولا۔ "جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ کھانا مئے پول میں کھائیں گے۔"

"کوئی خاص بات۔" حمید اسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ہو سکتا ہے کوئی خاص بات ہی ہو جائے۔ جلدی کرو۔"

"دوڑ دھوپ نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا۔ "یہ ابھی سے بتائے دیتا ہوں کہ ایک آ راؤنڈ رمبا کے بھی ہوں گے۔"

"چلو چلو....!" فریدی بیزاری سے بولا۔

حمید ایک فلمی گیت گاتا ہوا دوسرے کمرے میں جانے لگا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔

حمید رک گیا۔

"آئندہ اس قسم کے گیت نہیں گاؤ گے۔"

"خدا کی قسم آپ نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔"

"بکو مت.... جاؤ....!"

بُرے پھنسے

مئے پول ہوٹل میں خاصی رونق تھی۔ آٹھ بج چکے تھے۔ ڈرائینگ ہال میں بھی بال روم موسیقی سنائی دے رہی تھی لیکن ابھی شاید رقص نہیں شروع ہوا تھا۔

حمید نے اندر داخل ہوتے ہی اپنے مخصوص انداز میں دانت کنکنائے اور چاروں طر دیکھنے لگا۔ کاؤنٹر پر آج کوئی دوسری کلرک لڑکی بیٹھی تھی۔ اس سے پہلے کبھی اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

"یہ کوئی نئی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کیبنوں کی طرف بڑھنے لگا۔ حمید چل تو رہا کے پیچھے.... لیکن ذہن بال روم کی موسیقی میں الجھا ہوا تھا۔

فریدی نے ایک کیبن کا پردہ ہٹایا لیکن دوسرے ہی لمحے میں چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ پردہ بدستور ہٹا ہوا تھا۔ فریدی کے چونکنے پر حمید نے بھی اندر کی طرف دیکھا۔ داہنے کنارے پر رکھی ہوئی کرسی پر ایک آدمی بیٹھا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور ہونٹ ذرا سے کھل گئے تھے۔

"آپ کی تعریف....!" حمید نے تمسخرانہ انداز میں فریدی سے پوچھا۔

فریدی پر خیال انداز میں اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے لگا۔ حمید نے اس کے چہرے پر الجھن کے آثار محسوس کیے۔

"کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں! تم یہیں اسی جگہ ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملائے اور بولنے لگا۔

"ہیلو.... کوتوالی.... کون.... جگدیش کو بلاؤ۔" تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"جگدیش! میں فریدی بول رہا ہوں۔ مئے پول ہوٹل کے کیبن نمبر چودہ میں ایک لاش ملی ہے.... فوراً آؤ۔"

لاش کا نام سن کر قریب بیٹھی ہوئی لڑکی اچھل پڑی۔

"چپ چپ! ہلڑ مت مچانا۔" فریدی نے اس سے آہستہ کہا۔ "میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

کلرک بُری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔ بار بار اس کی نظریں کیبن نمبر چودہ کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"جب تک پولیس نہ آجائے تم یہاں کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔" فریدی نے اس سے کہا اور پھر کیبن کے قریب لوٹ آیا۔

"آخر بات کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"لاش....!"

"کہاں لاش....!"

"آہستہ بولو! اندر۔" اس نے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے.... تو.... تو....!"

"شامت.... میں جارہا ہوں۔"

"ٹھہرو.... اس کی موت غیر متوقع ضرور ہے لیکن وہ خود....!"

"کیا آپ اسے جانتے ہیں۔"

"ہاں.... وہ اس کتبے سے واقف تھا۔"

"ارے.... تو.... اس کا یہ مطلب....!"

"ہاں میں اسی سے ملنے کے لئے یہاں آیا تھا۔"

"کس طرح.... کیسے۔"

"پھر بتاؤں گا۔ جگدیش وغیرہ شاید اب آہی رہے ہوں گے۔"

"کیا مصیبت ہے۔" حمید بھنبھنایا۔ "جہاں کسی معاملے میں ہاتھ دیا.... کشت وخون شروع ہو گیا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر کیبن کے اندر چلا گیا۔ حمید باہر ہی ٹھہرا رہا۔

دس پندرہ منٹ کے بعد پولیس کی لاری مئے پول ہوٹل کے سامنے رکی۔ انسپکٹر جگدیش دو تین کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر بڑے ناخوشگوار قسم کے تاثرات پائے جارہے تھے۔ شاید وہ اس حادثے کی غیر متوقع اطلاع پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ سب سے پہلے اس کی نظر حمید پر پڑی جو کیبن نمبر چودہ کے سامنے کھڑا تھا۔ حمید نے مسکرا کر اسے آنکھ ماری اور وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔

"کہئے؟ فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"اوپر منیجر کے کمرے میں۔" حمید نے کہا اور پھر کیبن کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"ترقی کا ایک اور موقع۔"

"چھوڑیئے بھی! میں تو اب عاجز آگیا ہوں۔" جگدیش نے منہ بنا کر کہا اور پردہ اٹھا کر کیبن کے اندر چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہوٹل کا منیجر اور فریدی بھی پہنچ گئے۔ حمید کی ڈیوٹی کانسٹیبلوں نے سنبھال لی اور وہ بھی اندر چلا گیا۔

مرنے والا ابھی تک اسی حالت میں بیٹھا تھا۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھوں اور سکڑے ہوئے ہونٹوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے مرنے سے قبل اسے کسی گہرے تحیر میں ڈوبنا پڑا ہو اور اسی

حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی ہو۔

"غالباً آپ اس وقت بہت زیادہ مشغول ہوں گے۔" فریدی نے منیجر سے کہا، جو بہت زیادہ گھبرایا ہوا نظر آرہا تھا۔ وہ اس کا مطلب سمجھ کر باہر چلا گیا۔

"میں یہاں کھانا کھانے کی غرض سے آیا تھا۔" فریدی نے جگدیش سے کہا۔ "اتفاقاً اسی کیبن کی طرف گھوم پڑا۔"

"لیکن یہ مرا کیسے۔" جگدیش نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"بھئی میں اس کے ساتھ تو تھا نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "یہ بات پوسٹ مارٹم کے ذریعہ معلوم ہی ہو جائے گی۔"

"تو میں یہاں اس کے متعلق تفتیش شروع کر دوں اور رپورٹ میں یہ لکھ دوں کہ لاش کی اطلاع مجھے آپ سے ملی تھی۔"

"ضرور.... ضرور....!"

جگدیش کی ہچکچاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہے۔ لیکن فریدی نے اسے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر ہوٹل کے باہر نکل آیا۔

"کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ قتل ہے یا خودکشی۔" حمید نے کہا۔ "فطری موت.... یا قوم نظر کی شاعری قسم کی کوئی ناقابل فہم حرکت.... آخر اسے کیا سمجھا جائے۔"

"قتل....!"

"لیکن قتل کا طریقہ سمجھ نہ آیا۔" حمید نے کہا۔ "اور شاید یہ پہلا موقع ہے کہ آپ نے اتنے پراسرار قتل میں کوئی دلچسپی نہ لی۔"

"طریقہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"اور قتل کی وجہ سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ مرنے والے کا صورت آشنا بھی پہلے ہی سے تھا۔"

"اور پھر بھی آپ اسے اتنی لاپروائی سے ٹال گئے۔ آخر وہ تھا کون؟"

"یونیورسٹی کے شعبہ تواریخ کا ایک لیکچرار.... آثار قدیمہ کی چھان بین کرنے والی پارٹی کا ایک رکن۔"

"قتل کی وجہ کے متعلق آپ کیا کہہ رہے تھے۔"

"وہ مجھے اس کتبے کے متعلق اہم بات بتانے والا تھا۔"

فریدی نے ہاتھ اٹھا کر ایک ٹیکسی رکوائی اور پھر وہ اس میں بیٹھ کر آر لکچھو کی طرف روانہ ہو گئے۔

"لیکن آپ نے جگدیش سے یہ باتیں کیوں چھپائیں۔" حمید بولا۔

"اس کی ضرورت تھی۔ بہر حال قاتل ہر وقت ہماری مٹھی میں ہے۔"

"کیا....!" حمید چونک کر بولا۔ "آپ قاتل سے بھی واقف ہیں۔"

"قطعی....!"

"تو اسے پکڑ کیوں نہیں لیتے۔"

"ہمارے پاس فی الحال اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت موجود نہیں ہے۔"

"وہ دوسرا آدمی آپ کو کہاں مل گیا تھا۔"

"وہیں یونیورسٹی کے تاریخی عجائب خانے میں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس وقت وہیں موجود تھا جب میں ڈاکٹر بھٹناگر سے اس کتبے کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار کے کش لینے لگا۔

"پھر....؟" حمید نے پوچھا۔

"میں نے ڈاکٹر بھٹناگر کو اپنے شوق کے متعلق بتایا اور اسے دعوت دی کہ وہ کسی دن میرے جمع کئے ہوئے نمونے بھی دیکھے اور وہ اسی وقت اس کے لئے تیار ہو گیا۔"

فریدی پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر تک چپ رہا پھر بولا۔ "جب ہم دونوں باہر آ رہے تھے مرنے والے نے پیچھے سے ایک چھوٹا سا پرچہ مجھے تھما دیا۔"

"اور اسی پرچے میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آپ اس سے مئے پول ہوٹل میں ملیں۔" حمید نے کہا

"اف فوہ.... یار سچ مچ تم بڑے ذہین ہوتے جا رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"کیا آپ اس وقت یہ نہیں سمجھے تھے کہ بھٹناگر کو اس پرچے کا علم ہو گیا ہے۔"

"حقیقتاً میں دھوکا کھا گیا۔" فریدی مضمحل آواز میں بولا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کتبے کے راز سے ڈاکٹر بھٹناگر کے علاوہ کچھ اور لوگ

واقف ہیں۔"

"یقیناً....!" فریدی نے کہا۔ "شاید تم اس بات سے نہیں واقف کہ آثار قدیمہ کی چھان بین کرنے والی اس پارٹی کا واحد مشغلہ دفینوں کی تلاش ہے۔ آثار قدیمہ کی چھان بین تو محض ایک بہانہ ہے۔"

"اوہ! لیکن آپ کی یہ ساری معلومات نئی نہیں معلوم ہوتیں۔"

"ٹھیک ہے! پہلے محض شبہ تھا لیکن اب یقین ہو چکا ہے۔" فریدی نے کہا اور کھڑکی پر ہاتھ ٹیک کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارے یہ ٹیکسی کدھر جا رہی ہے۔" دفعتاً وہ چونک کر سیدھا ہو گیا۔ حمید بھی ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ دراصل باتوں میں اس درجہ محو ہو گئے تھے کہ انہیں اس کا دھیان بھی نہیں رہا کہ وہ کہاں کے لئے روانہ ہوئے تھے اور ٹیکسی کدھر جا رہی ہے۔ اچانک ڈرائیور کے قریب بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں کوئی چیز چمکی اور وہ ان کی طرف مڑ کر بیٹھ گیا۔ اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ پہلے وہ دونوں اسے کلینر سمجھے ہوئے تھے کیونکہ ان کی پوشش کچھ اس قسم کی تھی۔ اب انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا، جو حد درجہ خوفناک تھا اور چمکیلی آنکھوں سے سفاکی ظاہر ہو رہی تھی۔

فریدی ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سیٹ کی پشت سے ٹک گیا۔

ٹیکسی شہر کے باہر ایک ویران سڑک پر کھڑی کر دی گئی۔

"باہر آؤ....!" ریوالور والا گرج کر بولا۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

دونوں چپ چاپ نیچے اتر آئے۔

"ان کی تلاشی لو۔" ریوالور والے نے ڈرائیور سے کہا اور فریدی اور حمید نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے، اتفاق سے اس وقت ان دونوں میں سے کسی کے پاس ریوالور نہیں تھا۔

"کوئی خطرناک چیز....!" ریوالور والے نے ڈرائیور سے پوچھا جو ان کی جامہ تلاشی لے کر الگ ہٹ گیا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"چلو بیٹھو.....!" اس نے ریوالور کی نال سے ٹیکسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آر لکچو ہوٹل.....!" فریدی ٹیکسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

ریوالور والے کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

ٹیکسی پھر چل پڑی۔

"میں کہتا ہوں.... آر لکچو ہوٹل! کیا تم بہرے ہوگئے ہو۔" فریدی ڈرائیور کا شانہ جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

"چپ چاپ بیٹھے رہو۔" ریوالور والے نے آہستہ سے کہا۔

"چپ چاپ ہیں پیارے بھائی۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ "بھوک کے مارے آواز ہی نہیں نکل رہی ہے ورنہ اس وقت تمہیں شیام کلیان سناتا۔ معرکے کی چیز ہے۔"

"ڈرائیور....." فریدی چیخا۔

"جانے بھی دیجئے۔" حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اگر بے چارے کے کان کے پردے پھٹ گئے تو اس کے بال بچوں کے حلق پھٹ جائیں گے۔"

"تم ہو کون۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "لیکن میں تم سے ہرگز یہ نہ پوچھوں گا کہ تم نے یہ سب کس لئے کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ریوالور والا مسکرا کر بولا۔ "جتنی بہادری چاہو دکھالو..... پھر موقع نہ ملے گا۔"

"کیا سمجھے۔" حمید نے فریدی کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "بھائی ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے کھانے پینے کا انتظام پہلے ہی کرلیا ہوگا۔"

"ضرور ضرور.....!" ریوالور والا مسکرا کر بولا اور پھر ریوالور کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا۔ "اس غذا کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"بہت کم لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ویسے چیز شاندار ہے..... ذرا دینا تو۔"

"پیچھے ہٹو.....!" ریوالور والا درشت لہجے میں بولا۔

"بڑے بھائی بُرا مان گئے۔" حمید نے بچوں کی طرح منہ بنا کر پوچھا۔

فریدی انتہائی بے تعلقانہ انداز میں ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس ریوالور کو نقلی سمجھتا ہو۔ ایک جگہ ٹیکسی پھر رکی اور ان سے نیچے اترنے کو کہا گیا۔ حمید اٹھ ہی رہا تھا

کہ فریدی نے اس کا ہاتھ دبادیا اور وہ پھر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی اب بھی ایک ویرانے میں کھڑی ہوئی تھی اور نہ جانے کدھر سے دو تین آدمی اور آگئے۔

"کھینچ کر باہر نکال لو۔" ریوالور والا گرجا۔

دوسرے آدمیوں نے ٹیکسی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ڈرائیور ابھی تک اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حمید کو تو انہوں نے جلد ہی باہر کھینچ لیا لیکن فریدی ابھی تک اڑا بیٹھا تھا۔ تین تین آدمی اسے کھینچ رہے تھے لیکن وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کررہا تھا۔ شامت اعمال ان میں سے ایک نے اس کے منہ پر گھونسا مارا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کی گردن فریدی کے ہاتھ میں تھی اور وہ دروازوں کے پاٹوں میں دبے ہوئے کتے کی طرح چیخ رہا تھا۔

"میں سچ کہتا ہوں گولی ماردوں گا۔" ریوالور والے نے باہر سے کہا۔

"ابے تو اس میں کہنے سننے کی کیا بات ہے۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ "مار بھی دے۔"

"سسکا سسکا کر ماروں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"خیر معلوم ہوا کہ تم بھی اپنے دن پورے کرچکے ہو۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"شٹ اپ.....!"

"یو شٹ اپ ڈرٹی ڈاگ.....!" حمید حلق کے بل چیخا۔

ریوالور والے نے حمید کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کردیا۔ حالانکہ حمید دو گرانڈیل آدمیوں کی گرفت میں بُری طرح جکڑا ہوا تھا لیکن ریوالور والے کا تھپڑ پڑتے ہی گویا اس کے جسم میں بجلیاں کوند گئیں اور یک لخت اس طرح تڑپا کہ وہ دونوں اسے نہ سنبھال سکے۔ ساتھ ریوالور والا بھی زمین پر آرہا۔ حمید نے بس اتنا محسوس کیا کہ اس پر بھی کوئی جھپٹ پڑا۔

"خبردار.....!" فریدی کی گرجدار آواز سنائی دی۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور تم ڈرائیور کے بچے باہر نکلو.....!"

"ہرا.....!" حمید کی للکار دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔

"حمید ٹیکسی اسٹارٹ کرو۔" فریدی نے کہا۔ "خبردار اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو شوٹ کردوں گا۔ ہاتھ اٹھائے رکھو۔"

حمید اچھل کر ڈرائیور کی سیٹ پر جابیٹھا۔ فریدی ان آدمیوں کی طرف ریوالور کی نال کئے

ہوئے آہستہ آہستہ ٹیکسی کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک کسی طرف سے فائر ہونے شروع ہوگئے۔

فریدی جھپٹ کر ٹیکسی کی آڑ میں ہوگیا اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور سے بھی شعلے نکلنے لگے۔

"حمید.... نکل چلو۔" فریدی نے چیخ کر کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔ حمید نے ٹیکسی بڑی پھرتی سے گھمائی تھی اور اب اسے اچھی خاصی رفتار سے لئے جا رہا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے ایک طویل سڑک تھی اور کانوں میں گولیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

تھوڑی دور چل کر اس نے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی اور بے اختیار اچھل پڑا۔ اگر فوراً ہی اسٹیئرنگ نہ سنبھال لیتا تو ایک درخت سے گاڑی ضرور ٹکرا جاتی۔ پچھلی سیٹ خالی تھی۔ حمید نے بوکھلا کر ٹیکسی روک دی۔ آخر فریدی کہاں گیا، کیا وہ بدحواسی میں اسے وہیں چھوڑ آیا۔ اپنی جان بچانے کے لئے یہ تک نہ دیکھا کہ فریدی بھی بیٹھ چکا ہے یا نہیں۔ اس وقت دل چاہ رہا تھا کہ اپنے ہاتھوں ہی سے اپنا گلا گھونٹ لے۔

وہ ٹیکسی سے اتر آیا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے کہ دور اسے کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں۔ دفعتاً ایک سوال تیزی سے اس کے ذہن میں گونج اٹھا۔ کیا وہ لوگ اس کا تعاقب کر رہے ہیں اور پھر دوسرے ہی لمحے میں جھپٹ کر وہ جھاڑیوں کے پیچھے جا چکا تھا۔

اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ کار ٹیکسی کے قریب آکر رک گئی۔ کئی آدمی اتر کر خالی ٹیکسی کا جائزہ لینے لگے۔

"تلاش کرو۔" ان میں سے ایک چیخا۔ "جھاڑیوں میں گھسو۔"

حمید پنجوں کے بل نشیب میں دوڑنے لگا۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازیں سناٹے کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ اچانک حمید کا پیر پانی میں پڑا اور وہ لامحدود گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

آگ

دوسرے دن صبح حمید اپنی پلنگ پر پڑا رات کے واقعات پر غور کر رہا تھا۔ اسے اپنی الجھن کا وہ

اچھی طرح یاد تھا جب وہ نادانستگی میں ایک گہرے تالاب میں جا گرا تھا۔ اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اسے تیرنا نہ آتا ہوتا تو اس کا کیا حشر ہوتا اور اگر اسے اس درخت کی شاخ نہ مل جاتی تو وہ کنارے ہی پہنچ کر ڈوب گیا ہوتا۔ وہ بھی دلدل میں کمر تک تو یونہی دھنس گیا تھا۔ کتنی خوفناک دلدل تھی جس کے سہارے وہ پھر سے دنیا دیکھ سکا۔ ورنہ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا اور احباب بچارے پلاؤ کے لئے منہ دیکھ کر رہ جاتے۔

فریدی نہ جانے کہاں غائب ہوگیا تھا۔ کیا ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا؟ حمید خود کو نفرین کر رہا تھا۔ اس نے شروع ہی سے اپنا اطمینان کیوں نہیں کر لیا تھا۔ اگر اسے اس وقت یہ معلوم ہوگیا ہوتا کہ فریدی ٹیکسی میں نہیں بیٹھ سکا تو کبھی اس طرح نہ بھاگتا۔

اس کے خیالات کی رو اچانک بدھ راج گڑھی کی طرف مڑ گئی اور اسے فریدی کے قول کی صداقت پر کچھ کچھ یقین آنے لگا۔ اس پراسرار کتبے کی جس پر مہمل اشعار لکھے ہوئے تھے اہمیت ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس کتبے کے لئے شعبہ تواریخ کے ایک لیکچرار کا قتل ہوگیا۔ اسے اور فریدی کو پکڑنے کی کوشش کی گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا حقیقتاً تخت عقرب جیسے کسی حیرت انگیز تخت کا وجود ہے۔ پھر اسے وہ مہمل اشعار یاد آگئے اور ساتھ ہی ہنسی بھی آگئی۔ اس مصرع پر تو اس کا دماغ ہی چل نکلا۔

بچھو پر الو بیٹھے گا

اور اس نے انہیں اوزان میں مصرعے فٹ کرنے شروع کر دیئے

الو پر گدھا بیٹھے گا
گدھے پر مرغی بیٹھے گی
مرغی پر بلی بیٹھے گی
بلی ککڑوں کوں بولے گی

وہ غسل خانے سے آکر ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا۔ لیکن اس وقت اس کا دل کسی بات میں نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی سوال گونج رہا تھا کہ فریدی پر کیا گزری ہوگی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ صبح کا اخبار دیکھنے کے لئے لائبریری کی طرف جا رہی رہا تھا کہ نوکر نے ایک تار لاکر اسے دیا۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا اور لفافہ چاک کرتے کرتے اس کے ذہن نے لاتعداد سوال

کرڈالے۔ تار فریدی کے نام تھا۔ لیکن تار دینے والے کا نام پڑھ کر حمید کے ہونٹ سکڑ گئے۔ سوچنے لگا کہ اب کیا مصیبت آ گئی۔ اس نے ایک بار پھر تار کا مضمون پڑھا۔

"فوراً آؤ.... ایک نئی مصیبت.... صولت مرزا....!"

حمید سوچنے لگا کہ یہ نئی مصیبت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا وہ بھوت جمیلہ کو اٹھالے گئے۔ لیکن پچھ رات کے واقعات کے بعد سے وہ انہیں بھوت سمجھنے پر پس و پیش کر رہا تھا اور پھر ان مہمل اشع میں بھی تو کسی نقارے کا ذکر تھا۔ ان بھوتوں کو بھی کسی نقارے کی تلاش تھی۔ ان سب باتوں باوجود بھی کم از کم جمیلہ کی بیماری کا معاملہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ لیکن فریدی اسے ایک قسم بیماری ہی قرار دے رہا تھا۔ خیر چلئے بیماری ہی سہی۔ لیکن وہ کتا جو یدھ راج گڑھی میں سینکڑ سال سے روتا چلا آرہا ہے اور عموماً بارش ہی کے زمانے میں روتا ہے اور جب بھی روتا ہے قریب کی ندی میں اتنا زبردست سیلاب آتا ہے کہ کنارے بسے ہوئے گاؤں ڈوب جاتے ہیں۔ آخر کو منطق اس کا جواز کس طرح پیش کرے گا۔ اسے کس طرح انسانی کارنامہ قرار دے گا۔

کچھ دیر قبل حمید ان سارے معاملات سے بُری طرح بیزار تھا اور کسی نہ کسی طرح اپنی جا بچا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی کا اس طرح غائب ہو جانا اس کی کاہلی کے لئے سم قاتل ثابت ہوا۔ حمید کو یقین تھا کہ وہ یدھ راج نگر ہی کے واقعات کے سلسلے میں غائب ہوا ہے۔ لہٰذا اب اس معاملے کو کسی طرح نہیں ٹال سکتا تھا۔ خواہ خود اس کی جان ہی کو خطرہ کیوں نہ ہو۔

اس نے فوراً ہی ایک ملازم کو تار کا جواب لکھ کر دیا اور خود ٹیلی فون پر دفتر کے کسی آدمی سے گفتگو کرنے لگا۔

صولت مرزا کو وہ اپنی روانگی کے متعلق تار دے چکا تھا۔ اگر فریدی کا خیال نہ ہوتا تو وہ کبھ ایسا نہ کرتا۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اس معاملے میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے او اسی لئے شاید اس پر کوئی اچانک مصیبت نازل ہوئی ہے اگر وہ یدھ راج نگر نہ گیا تو ممکن ہے کہ اس کے لئے زندگی بھر افسوس کرنا پڑے۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی سچ مچ جال میں پھنس گیا ہو۔

اسی رات کو وہ یدھ راج نگر پہنچ گیا۔ صولت مرزا بذات خود اسٹیشن پر موجود تھا۔ لیکن بہت زیادہ پریشان نظر آرہا تھا۔

"فریدی نہیں آئے۔" اس نے سب سے پہلے سوال کیا۔

"وہ پھر بتاؤں گا.... آپ یہ بتائیے کہ بات کیا ہے۔"

"آؤ چلو باہر گاڑی کھڑی ہے بتاؤں گا.... عجیب قسم کی مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں۔"

وہ دونوں اسٹیشن کے باہر آکر کار میں بیٹھ گئے۔

"کل رات کو اصطبل میں آگ لگ گئی تھی۔" صولت مرزا نے کہا۔

"کس طرح۔"

"خدا بہتر جانتا ہے جمیلہ بُری طرح جل گئی ہے۔ خدا اس کے حال پر رحم کرے۔"

"جل گئیں....!" حمید چونک کر بولا۔ "وہ کس طرح جل گئیں۔"

"پچھلی رات کو پھر اس پر دورہ پڑا تھا اور وہ پُر اسرار آدمی پھر دکھائی دیئے تھے۔"

"اوہ....!"

"وہ اسے پہلے کی طرح اصطبل میں لے گئے اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اصطبل میں آگ لگ گئی۔ بدقت تمام جمیلہ کو اندر سے نکالا جا سکا۔ وہ تو کہو کسی گھوڑے کے پیروں تلے روندی نہیں گئی۔"

"اور وہ آدمی....!" حمید نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔

"وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا.... پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"اس کے علاوہ کوئی اور بات۔"

"اور کچھ نہیں۔"

گھر پہنچ کر حمید نے جمیلہ کو دیکھا جو واقعی بُری طرح جل گئی تھی۔ اس کا سارا جسم پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کا سارا چہرہ قطعی محفوظ تھا۔ تین چار نرسیں اس کمرے میں موجود تھیں اور پورے گھر پر قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

کھانا کھالینے کے بعد حمید صولت مرزا کو ساتھ لے کر اصطبل کی طرف گیا جو اب راکھ کا ڈھیر معلوم ہو رہا تھا۔ کہیں ادھ جلی دیواریں کھڑی تھیں جن کی جڑوں تک سیاہی دوڑ گئی تھی۔

"وہاں سے لوٹ کر وہ تمباکو نوشی کے کمرے میں آبیٹھے۔"

"ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس نے تو کافی اطمینان دلایا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق آگ کا اثر اندرونی اعضاء پر نہیں ہے۔"

"تو پھر یقیناً کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں تم نے فریدی کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

اتنے میں نوکر کافی کی ٹرے لایا اور صولت مرزا کافی انڈیلنے لگا۔

لیکن وہ ابھی تک جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حمید نے فریدی کے متعلق مختصر سب کچھ بتا دیا۔

"ارے تو کیا حقیقتاً اس کتبے یا ان اشعار میں کوئی خاص بات تھی۔" صولت مرزا نے کہا۔ "تو اب ایک دوسری الجھن! نہ جانے فریدی پر کیا گزری ہو۔"

"خیر اسے تو چھوڑیئے۔ مجھے اس کی ذرہ برابر فکر نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "ہم لوگ موت سے نہیں ڈرتے۔ میں آپ سے اس نقارے کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"نقارہ! کیسا نقارہ۔"

"وہی نقارہ جس کی تلاش میں وہ پراسرار آدمی اصطبل کے چکر لگاتے تھے۔"

صولت مرزا کوئی جواب دینے جا رہا تھا کہ ارسلانوس آ گیا۔ وہ اس وقت بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر وحشت کے آثار نہیں تھے۔ سر پر بالوں کا گلدستہ نما جھاڑ بھی نہیں تھا۔ آج نہ جانے کیوں اس نے اپنے بال بڑے سلیقے سے سنوار رکھے تھے۔ داڑھی میں بے ترتیبی نہیں تھی۔

"جمیلہ کیسی ہے۔" اس نے پوچھا اور پھر حمید پر نظر پڑتے ہی بولا۔

"اوہ آپ....!"

اس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے میں حمید کے ہاتھ کی ہڈیاں کڑکڑا گئیں۔

"وہ محمد کمال آفندی کہاں ہیں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"احمد کمال فریدی کہیئے۔" حمید نے ٹوکا۔

"وہی وہی....!" ارسلانوس مسکرا کر بولا۔ "نہ جانے کیوں مجھے ان کا یہی نام یاد رہتا ہے۔ ہاں بھئی صولت جمیلہ کا کیا حال ہے۔"

"پہلے سے کچھ بہتر۔" صولت مرزا نے کہا۔

حمید نے محسوس کیا کہ ارسلانوس دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرایا ہے۔ صولت مرزا کے چہرے پر بیزاری کے اثرات پھیل گئے تھے۔ وہ چند لمحوں کے بعد کوئی عذر کر کے اندر چلا گیا۔

حمید ارسلانوس کے پاس آ بیٹھا۔

"آپ جمیلہ کی کیفیت سن کر مسکرائے کیوں تھے۔" حمید نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"دیکھو فرزند! میں تمہیں ایک بار پھر سمجھائے دیتا ہوں کہ مجھ سے ایسی لہجے میں گفتگو نہ کیا کرو۔"

"تو اصطبل میں تم نے ہی آگ لگائی تھی۔"

"کیا بکواس ہے۔" ارسلانوس بگڑ کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم شریفوں کی توہین کرتے پھرو۔ اگر تم صولت کے مہمان نہ ہوتے تو میں تمہیں اس بدتمیزی کا مزا چکھا دیتا۔"

"خیر.... میں صولت مرزا کو اس معنی خیز مسکراہٹ سے آگاہ کر دوں گا۔ شاید انہوں نے دیکھا نہیں تھا۔"

"تم نے پھر وہی بکواس کی۔"

"اچھا تمیز سے گفتگو کیجئے۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"بیٹا اگر جان کی خیریت چاہتے ہو تو جتنی جلدی ہو سکے اس گھر سے نکل بھاگو۔" ارسلانوس نے کہا۔

"کیوں....؟" حمید چونک کر بولا۔

"صولت نے جو کھیل شروع کر رکھا ہے اس کے دوران میں تم لوگوں کا وجود برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"کیسا کھیل....!"

"وہی کھیل جو اس نے میرے بیٹے کے ساتھ کھیلا تھا۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔"

"اچھا تو آؤ میری ساتھ۔" ارسلانوس اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

وہ اسے عقبی پارک میں لے آیا جہاں بت نصب تھے۔

"صولت مرزا بڑا لالچی آدمی ہے۔ وہ کبھی نہ چاہے گا اس کی دولت کسی دوسرے کو
جائے۔ جمیلہ تین لاکھ روپیوں کی بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ اوہ میرا بچہ..... میرا بیٹا بھی... صو
کی ہوس کا شکار ہوا۔" ارسلانوس کی آواز بھرا گئی اور وہ چہرہ چھپا کر بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگا

وہ بھوت

حمید کو اپنی عقل خبط ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ شاید ارسلانوس سے دو ہاتھ بھی کرنے پڑیں۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا۔ وہ کسی بوڑھی بھیڑ کی طرح پھسپھسا لگا تھا۔ حمید الجھن میں پڑ گیا کہ وہ اسے کن الفاظ میں تسلیاں دے۔ پاگل آدمی ٹھہرا۔ اگر دلا پر بھوں بھوں رونا شروع کر دیا تو وہ کیا کرے گا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ خود اسی کو رونے پر مجبور کر دے۔

"لوگ میرے دکھ سے واقف نہیں۔" ارسلانوس سسکیاں روک کر بولا۔ "وہ صرف سے ہی نفرت کرنا جانتے ہیں۔ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ میں خود اپنے لئے ہو گیا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔"

"فلسفہ چیز ہی ایسی ہے۔" حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"فلسفہ.....!" ارسلانوس ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ "کاش فلسفے ہی نے میری زندگی پر ڈالا ہوتا۔"

"پھر کیا بات ہے۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں.....!" ارسلانوس نے کہا اور جانے کے لئے مڑ گیا۔

دفعتاً کہیں دور ایک ساتھ تین چار فائر ہوئے تو وہ چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑے وقفے کے بعد پھر فائر ہوئے اور اس کے بعد ہوتے ہی رہے۔

ارسلانوس بے تحاشہ پھاٹک کی طرف دوڑنے لگا۔ حمید نے آواز دے کر اسے روکنا چاہا بے سود۔ پھر اس کے پیچھے دوڑا لیکن پھاٹک کے باہر جاتے ہی ارسلانوس اس کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ وہ چیخ چیخ کر اسے آوازیں دے رہا تھا۔ مگر جواب ندارد۔ فائر کی آوازیں ابھی تک سنائی دے رہی تھیں۔

حمید بھاگ کر اندر آیا۔ صولت مرزا اور اس کے کچھ نوکر پھاٹک کی طرف آ رہے تھے۔

"کہاں گئے تھے آپ.....!" صولت مرزا نے حمید سے پوچھا۔

"ارسلانوس کے پیچھے۔ وہ نہ جانے کیوں فائروں کی آوازوں پر بے تحاشہ دوڑتا ہوا کسی طرف نکل گیا۔"

"یہ فائر کہاں اور کیوں ہو رہے ہیں۔"

"میں خود ہی الجھن میں ہوں۔" صولت مرزا نے کہا۔ "آپ بیٹھئے۔ میں ابھی..... دیکھ کر آتا ہوں۔"

"میں بھی چل رہا ہوں۔" حمید نے کہا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔

وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ کچھ لوگ انہیں اپنی طرف دوڑ کر آتے دکھائی دیئے۔

"کون ہے۔" صولت مرزا نے بلند آواز میں پوچھا۔

"ارے..... سرکار.....!" کسی نے کہا اور وہ سب ان کے قریب آ گئے اور پھر ان میں سے ایک ہانپتا ہوا بولا۔ "سرکار گڑھی میں گولیاں چل رہی ہیں۔"

"کون ہے۔"

"نہ جانے سرکار..... بہت سے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو تم کہاں جا رہے ہو۔"

"آپ ہی کے پاس سرکار..... تھانیدار صاحب نے بھیجا ہے۔"

"کیوں.....؟"

"انہوں نے کہا ہے کہ اپنی سب بندوقیں لے کر یا تو خود آ جایئے یا بھجوا دیجئے۔"

صولت مرزا نے کچھ نوکر گھر کی طرف دوڑائے۔ چند لمحوں کے بعد وہ بندوقیں اور میگزین لے کر آ گئے۔ پھر انہوں نے یدھ راج گڑھی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک فائروں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر سکون ہو گیا۔

"لیکن یہ سب یک بیک ہوا کیسے۔" صولت مرزا نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"نہ جانے سرکار! بس اچانک گولی چلی پھر تھانیدار صاحب دو تین سپاہیوں کے ساتھ آ گئے۔ لیکن گڑھی میں جانے کی ہمت نہ پڑی۔ تھانے میں اس وقت دو رائفلیں تھیں اس لئے انہوں نے

مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔"

وہ گڑھی کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن فائر کی آوازیں نہیں سنائی دیں۔ مجمع دور کھڑا تھا لوگوں کے پاس لالٹینیں اور پٹرومیکس بھی تھے۔ لیکن شاید گڑھی کے اندر جانے کی ہمت پڑ رہی تھی۔ سب انسپکٹر بھی دو تین سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔

"کہئے صاحب۔" صولت مرزا نے اسے مخاطب کیا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا نواب صاحب۔" سب انسپکٹر بے چارگی کے ساتھ بولا۔ "ان ل کا خیال ہے کہ کچھ آسیب واسیب۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "پچھلی رات والی جنگ کے بعد سے اُن خیالات کچھ ڈانواں ڈول سے ہو گئے تھے اور پھر اس وقت اسے مجمع پر کچھ رعب بھی توڑنا تھ

"تو پھر چلئے اندر....!" صولت مرزا نے کہا۔

"یہ ذرا خطرناک ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "معلوم نہیں وہ کہاں چھپے ہوں۔"

"کون.... آسیب....!" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ فریدی صاحب کے ساتھی تو نہیں۔" سب انسپکٹر نے صولت مرزا سے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن.... تو پھر کیا کیجئے گا۔"

"میرے خیال سے تو اب صبح ہی پر رکھا جائے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"چہ خوب....!" حمید نے صولت مرزا کے نوکر کے ہاتھ سے رائفل لیتے ہوئے کہا نے میگزین میں کارتوس ڈالے اور رائفل اٹھا کر دو تین ہوائی فائر کر دیئے۔

لیکن جواب میں کوئی فائر نہیں ہوا۔ تھوڑی وقفے کے بعد اس نے پھر ایک فائر کیا۔ بدستور خاموشی رہی۔

"آیئے....!" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ اس کے ایک ہاتھ میں رائفل تھی اور دو میں ٹارچ۔ اسے بڑھتے دیکھ کر صولت مرزا بھی بڑھا۔ پھر سب انسپکٹر اور صولت م بندوقیں دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

وہ سب گڑھی میں داخل ہو گئے۔ نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے وہ چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ لیکن یہاں چاروں طرف ایک اتھاہ سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ صرف چلنے سے پیروں کے

آئی ہوئی روڑیوں کی کڑکڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔

کئی جگہ انہیں خون کے بڑے بڑے دھبے دکھائی دیئے۔ انہیں کسی لاش کے ملنے کی بھی توقع تھی۔ لیکن پوری گڑھی کا چکر لگا لینے کے باوجود بھی کوئی لاش نہ ملی۔

تھوڑی دیر بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ صرف سب انسپکٹر صولت مرزا حمید اور چند کانسٹیبل رہ گئے۔ پھر صولت مرزا بھی جمیلہ کی علالت کا عذر کر کے جانے لگا۔ اس پر حمید نے اسے الگ لے جا کر کہا۔

"آج رات ان پُراسرار آدمیوں کا خیال رکھئے گا۔ دیکھئے وہ آج آتے ہیں یا نہیں۔"

"تو کیا تم یہیں ٹھہرو گے۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"آخر کیوں؟"

"اپنے لئے خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں آج رات کو میں چھت کے نیچے رہنا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"فی الحال کچھ نہ بتا سکوں گا۔"

"خیر بھئی آج رات تو یوں بھی نیند آجائے گی۔ اچھا تو میں چلا لیکن تمہارے لئے فکر مند ضرور رہوں گا۔"

صولت مرزا کے چلے جانے کے بعد حمید پھر سب انسپکٹر کے پاس لوٹ آیا۔

"آپ نہیں گئے۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں آپ کے ساتھ رہ کر تفتیش میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"شکریہ شکریہ۔ اگر فریدی صاحب بھی ہوتے تو کتنا اچھا تھا۔ آخر وہ کہاں رہ گئے۔"

"وہ شہر میں ہیں۔"

تھوڑی دیر تک وہ دونوں اس کے متعلق خیال آرائی کرتے رہے پھر سب انسپکٹر نے تفتیش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں قصبے کے گھر گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی گئی۔ راہگیروں کو روک کر ان سے سوالات کئے گئے۔ دو ایک چھوٹے زمیندار جو سب انسپکٹر سے پرخاش رکھتے تھے حوالات پہنچائے گئے۔

حمید نے جب بھی اعتراض کا منہ کھولا تو اسے یہی جواب ملا۔ "آپ ان حرام زادوں کو نہیں

جانتے۔ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتے ہیں۔"

تقریباً تین بجے اس چرخے سے نجات ملی۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ بقیہ رات تھانے ہی میں بسر کرے لیکن پھر یہ ارادہ ملتوی کر دینا پڑا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب صبح تک ان بے گناہ گرفتار شدگان کا کچومر نکال دیا جائے گا۔ اگر وہ وہاں رہا تو اس زیادتی کو برداشت نہ کر سکے گا۔ ناچار وہ صولت مرزا کی حویلی کی طرف چل پڑا۔ حقیقتاً وہ اس وقت وہاں نہیں جانا چاہتا تھا۔ ارسلانوس کے جملے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

بے خیالی میں وہ سامنے والے پھاٹک سے جانے کے بجائے عقبی پارک کی طرف مڑ گیا۔ اصطبل کے قریب پہنچ کر وہ ٹھٹک گیا۔ جلے ہوئے اصطبل کے ملبے پر ایک آدمی جھکا ہوا نظر آیا۔ اس نے انہیں آدمیوں کا سا قدیم رومن لباس پہن رکھا تھا جنہیں حمید بھوت سمجھا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی اور چہرہ کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا تھا۔ حمید ذہن پر زور دینے لگا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا ہے۔ ان پانچوں کے چہرے تو اسے اچھی طرح یاد تھے۔ وہ ان میں سے نہیں تھا۔ دفعتاً حمید چونک پڑا۔ اس کی صورت تو اس بت سے ملتی جلتی تھی جسے جمیل زفورس کہہ کر مخاطب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تو کیا؟ وہ حقیقتاً بھوت ہے۔ حمید کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا مہندی کی باڑھ میں چھپ گیا۔ وہ پُراسرار آدمی اپنے نیزے سے ایک جگہ اصطبل کا ملبہ ہٹا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ ملبے کے ڈھیر سے اتر کر اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا لیکن پھر اس کے جسم میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ ریوالور تو اس کے سوٹ کیس میں بند تھا۔

"میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔" وہ مہندی کی باڑھ کے قریب آ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"چپ چاپ کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ یہ نیزہ تمہاری ہڈیوں میں اترتا چلا جائے گا۔"

حمید کھڑا ہو گیا لیکن اس کے سارے جسم میں کپکپی طاری تھی۔

"میں تمہیں شہید کر کے بھوت بنانا چاہتا ہوں۔" اس نے سفاکانہ انداز میں کہا۔

حمید خاموش رہا۔ پھر وہ پُراسرار آدمی بے اختیار ہنس پڑا اور ساتھ ہی حمید ارے کہہ کر اچھلا ہے تو ایک ہی جست میں مہندی کی باڑھ پار کر گیا۔ ہنسی کا انداز فریدی کا سا تھا۔

"خدا کی قسم اسی بل بوتے پر سراغ رسانی کا دعویٰ رکھتے ہو۔"

"اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"تو میں کسی کنوارے گڈے سے تمہاری شادی کر دیتا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میرے یار تو ہیچ لونڈیوں سے بھی بدتر ہیں۔"

دفعتاً فریدی کے چہرے پر پھیلی ہوئی زرد روشنی غائب ہو گئی۔

"یہ کس طرح ہوا۔" حمید بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

"نہایت آسانی سے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے سر پر رکھے ہوئے خود میں اندر کی طرف ننھے ننھے تین بلب لگے ہوئے ہیں جن کا تعلق میری جیب میں رکھی ہوئی ایک معمولی سی بیٹری سے ہے جب چاہتا ہوں انہیں جلا دیتا ہوں اور جب چاہتا ہوں بجھا دیتا ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن آپ نے اتنی جلدی یہ سامان کہاں سے مہیا کر لیا۔"

"سب ڈاکٹر بھٹناگر کی عنایت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آؤ آؤ ادھر .... جھاڑیوں کی اوٹ میں آ جاؤ۔"

"کل رات کہاں رہ گئے تھے۔" حمید نے پوچھا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"تم شاید سمجھے ہو گے کہ مجھے پکڑ لیا گیا۔" اس نے کہا۔ "بات یہ نہیں تھی۔ اس وقت کی چال بڑی کار آمد ثابت ہوئی۔ وہ اندھیرے میں یہی سمجھے کہ میں بھی اسی ٹیکسی پر بیٹھ کر نکل گیا ہوں۔ اس طرح مجھے ڈاکٹر بھٹناگر کے مکان میں گھسنے کا موقع مل گیا۔ وہ لوگ تو بے چارے رات بھر مجھے تلاش کرتے رہے۔ ڈاکٹر بھٹناگر کے مکان کی تلاشی لینے پر مجھے خود بھی یقین ہو گیا کہ اس کے متعلق میرا اندازہ قطعی درست تھا۔ وہ پانچوں پُراسرار آدمی اسی کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لباس جو میں نے پہن رکھا ہے اسی کے گھر سے چرا کر لایا ہوں۔"

"لیکن وہ پانچوں تو کل رات کو یہاں اسی لباس میں موجود تھے۔" حمید نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ بھٹناگر کے یہاں صرف پانچ آدمیوں کے لئے لباس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی وہاں کئی جوڑے وردیاں اور ہیں۔ ہاں تو وہ کل رات کو نقارہ یہاں سے نکال لے گئے۔"

"یعنی اصطبل سے ....؟" حمید نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

"ہاں.... اپنی عقلوں پر تو پتھر پڑگئے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں اپنی
حماقت بھی زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ وہ نقارہ دراصل یہاں گھوڑوں کے دانہ کھانے کے ہودے کے
طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ خود صولت مرزا بھی اس کی حقیقت یا اہمیت سے آگاہ نہیں تھا۔ ک
وہ لوگ اسے کھود کر نکال لے گئے اور ساتھ ہی وہ اصطبل میں آگ بھی لگا گئے۔"

"آخر تھا کیا اس نقارے میں....!"

"اس راستے کا نقشہ جو ہمیں تخت عقرب تک لے جاتا۔"

"یہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔"

"قیاس...!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آج وہ یدھ راج گڑھی میں راستہ تلاش کر رہے تھے۔"

"تو کیا وہ ساری اودھم....!"

"میں نے ہی مچائی تھی۔" فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔ "ان کے کئی آدمی ہلاک ا
زخمی ہوئے ہیں۔"

"مگر لاشیں....!"

"وہ اٹھا لے گئے ہوں گے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو ان کا راز ظاہر ہو جاتا۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"آخر انہوں نے نقارے کی تلاش کے لئے یہ سوانگ کیوں بھرا تھا۔"

"یہ ان کی زبردست چال تھی۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "اس معاملے میں ڈا
بھٹناگر کی ذہانت کا قائل ہو جانا پڑتا ہے۔ یدھ راج گڑھی کی کھدائی کے دوران میں صولت م
ہی کے یہاں ٹھہرا تھا۔ غالباً وہ جمیلہ کے مرض سے واقف ہو گیا تھا۔ اس کی نظر خصوصاً اس با
پر زیادہ تھی کہ جمیلہ دورے کی حالت میں قدیم روم اور یونان کی باتیں کیا کرتی ہے خود کو قد
مصر کی باشندہ سمجھتی ہے۔ لہٰذا اس نے اسی حوالے سے قدیم رومن سپاہیوں کی اختراع کی تا
دیکھنے والے اسے آسیبی سمجھ کر ان سے دور ہی رہیں اور وہ اپنا کام کر گزریں۔"

"اور آپ.... آپ اس لباس میں کیوں آئے۔"

"اپنا بھی وہی مقصد تھا اگر اس لباس میں نہ آتا تو ممکن ہے کہ مجھے گولی ہی مار دی جاتی۔"

"کون گولی مارتا۔"

"صولت مرزا....!"

"کیوں؟"

"شاید نیند نے تمہاری سوچنے کی قوت سلب کرلی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ارے میاں.... کل اس کی لڑکی اسی اصطبل میں بری طرح جل چکی ہے۔ بھلا آج رات کو
اس کے قریب آنے والا زندہ رہ سکتا تھا۔ صولت مرزا نے مجھے اس لباس میں یہاں دیکھا تھا اور
چپ چاپ دم دبا کر بھاگ گیا تھا۔ ممکن ہے وہ اب بھی کسی کھڑکی یا روشندان سے جھانک رہا ہو۔"

حمید فریدی کو اپنی اور ارسلانوس کی گفتگو کے متعلق بتاتا ہوا بولا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں
آتی کہ ارسلانوس گولیوں کی آوازیں سن کر بے تحاشہ بھاگا کیوں تھا۔"

"وحشت....!" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ارسلانوس کی شخصیت بھی کچھ مشتبہ سی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ صولت مرزا کے
پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے۔"

"ایک بہت ہی معمولی وجہ تو اس کا مرحوم بیٹا ہے۔" حمید نے کہا۔ "صولت مرزا کی کسی
حرکت کی بناء پر گھل گھل کر مر گیا۔"

"یہ ارسلانوس کا بیان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تم اس کی حقیقت سے واقف نہیں۔
اس کے لڑکے کی پرورش دراصل صولت مرزا ہی کے یہاں ہوئی تھی۔ ارسلانوس اپنی بیوی کے
مرنے کے بعد سے لڑکے کی طرف سے بھی لاپرواہ ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ایک بار سخت بیمار تھا۔ اس
کے سارے جسم پر زخم ہو گئے تھے اور ان میں کیڑے بج بجایا کرتے تھے۔ ارسلانوس نے اسے گھر
سے نکال کر گلی میں ڈلوا دیا تھا۔ اگر صولت مرزا نہ ہوتا تو کیڑے اس کی ہڈیاں تک چاٹ جاتے۔"

"بھئی یہاں تو میری عقل ہی خبط ہو گئی ہے۔" حمید اکتا کر بولا۔

"پہلے کبھی نہیں تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "ایک
بات سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اس نقارے کا علم کیونکر ہوا جب کہ خود مرزا بھی
اس کے وجود سے لاعلم تھا۔ اسے یہ کس طرح معلوم ہوا کہ نقارہ صولت ہی کے یہاں کہیں پر
موجود ہے۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد چونک کر کہنے لگا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کیا....؟"

"جمیلہ کو آپ قطعی معصوم قرار دیتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ کسی مقصد کے لئے استعمال کی جاتی رہی ہے۔ خود کسی بات سے واقف نہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ بتائیے کہ اس کا فاؤنٹین پن یدھ راج گڑھی تک کیسے پہنچا۔"

"ہاں یہ سوال بھی غور طلب ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں تو اسے بھول ہی گیا تھا۔ خیر جو کچھ بھی ہے جلد ہی سامنے آجائے گا۔"

"تو آپ چلے کہاں؟" حمید نے کہا۔

"جہاں اب تک تھا.... تمہیں ہدایات ملتی رہیں گی۔ میرے متعلق صولت مرزا کو کچھ نہ بتانا۔"

اور پھر وہ کچھ دور چل کر تاریکی میں غائب ہوگیا۔

خون ریز جنگ

فریدی نے ان پانچ آدمیوں کا بھی راز ظاہر کردیا۔ نقارے کے متعلق بھی اس کا قیاس درست ہوسکتا ہے۔ جمیلہ کی ذہنی بیماری بھی حقیقت رکھ سکتی ہے لیکن وہ اس کتے کی آواز کو کس طرح آدمی کا کارنامہ ثابت کرسکے گا۔ جب کہ وہ سینکڑوں سال سے سنی جارہی ہے۔

صبح سے صولت مرزا سے کسی خاص موضوع پر گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اسے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ پچھلی رات کو بھی اصطبل کے قریب ان میں سے ایک آدمی دکھائی دیا تھا اور اس کی شکل پارک میں نصب شدہ بتوں میں سے ایک سے ملتی جلتی تھی۔ صولت مرزا جمیلہ کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھا۔ جمیلہ کی حالت پہلے سے بہتر ضرور تھی لیکن وہ ہر وقت کراہتی اور چیختی رہتی تھی۔ جلنے کے بعد سے وہ اب تک سو نہیں سکی تھی۔ دو ایک بار صرف غشی کے دورے پڑے تھے۔ وہ بھی زیادہ دیر تک کے لئے نہیں۔ جلنے کے بعد سے اب تک اس نے ہزار دو ہزار سال پرانی باتیں نہیں کی تھیں اور وہ ہر ایک کو پہچان بھی رہی تھی۔ بار بار ہر ایک سے پوچھتی تھی کہ وہ آخر جلی کیسے؟ کہاں اور کب جلی۔

حمید دن بھر اونگھتا رہا۔ دو ایک بار شکیلہ سے بھی مڈبھیڑ ہوئی اور حمید نے اسے مخاطب کرنے کی بھی کوشش کی لیکن وہ کچھ بولی نہیں یا شاید جمیلہ کی وجہ سے اس کی ساری شوخی ختم ہوگئی تھی۔ عقیلہ کے بچے بھی خاموش تھے۔

تقریباً تین بجے شام کو ایک لڑکے نے حمید کو لفافہ دیا جس پر اسی کا نام تحریر تھا۔ حمید نے اس کے ہاتھ پر ایک سکہ رکھ کر اسے رخصت کردیا۔ یہ خط فریدی کا تھا۔ اس نے شام کو یدھ راج گڑھی کے قریب کے جنگل میں بلایا تھا۔ اس کے علاوہ خط میں کچھ اور نہیں تھا۔

حمید ایک نئی الجھن میں پڑ گیا۔ فریدی شاید ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تنہا ہی کام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ معاملہ تنہا نپٹنے کا نہیں تھا۔ معلوم نہیں ڈاکٹر بھٹناگر کا گروہ کتنا مضبوط ہو۔ وہ دو آدمی ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔ بہر حال اسے جانا ہی تھا۔ سوچتے سوچتے اسے رات والی جنگ کا خیال آگیا کل تو فریدی بالکل تنہا تھا۔ وہ ان سے اکیلا ہی بھڑ گیا تھا اور اسے یہ دعویٰ بھی تھا کہ اس نے ان میں سے کئی ایک کو ختم کردیا ہے۔

چھ بجتے ہی وہ جنگل کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس نے اپنا ریوالور لے لیا تھا اور کافی تعداد میں کارتوس بھی۔ اسے دیر تک نہیں بھٹکنا پڑا۔ وہ ایک اونچے اور گھنے درخت کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ اسے اوپر سے ہلکی ہلکی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر اوپر دیکھا۔ فریدی گھنی شاخوں سے سر نکالے جھانک رہا تھا۔ اس نے حمید کو اوپر آنے کا اشارہ کیا اور حمید بھنا کر رہ گیا۔

"اس وقت آپ جیسے بلند مقاموں تک میری رسائی ناممکن ہے۔ میں آپ کے جنگل خانے تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"چپ....!" فریدی ہونٹ پر انگلی رکھ کر بولا اور پھر اشارے سے اوپر چڑھنے کو کہا۔

مجبوراً حمید نے جوتے اتار کر پتلون کی جیب میں ٹھونسے اور درخت پر چڑھنے لگا۔

دفعتاً فریدی نے گلے میں لٹکی ہوئی دوربین آنکھوں سے لگائی اور مغرب کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ سر گھماتا ہوا یدھ راج گڑھی کی سمت پلٹا۔ تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا پھر دوربین چھوڑ کر حمید سے مخاطب ہوگیا۔

"وہ آج بھی باز نہیں آئیں گے۔ ڈھائی تین من سونا کم نہیں ہوتا اور پھر اسی کے ساتھ ہی ساتھ قیمتی جواہرات بھی جو اس تخت میں جڑے ہوئے ہیں۔"

"مجھے تو یہ اب بھی بنڈل ہی معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر.... خیر.... ذرا اسے دیکھو۔" فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ابھی تھوڑی بہت روشنی باقی تھی۔ حمید نے کاغذ پر نظریں جمادیں۔ اس پر سرخ روشنائی سے بچھو کا ڈنگ بنا ہوا تھا اور کچھ ہندسے بنے ہوئے تھے۔ کچھ تیروں کے نشانات تھے۔ ڈنگ کے چاروں طرف سمتوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو دوربین سے یدھ راج گڑھی کا جائزہ لینے میں مشغول ہو گیا تھا۔

"کیا یہ ڈراؤنے خوابوں کا تعویذ ہے۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں بیٹے۔" فریدی نے مڑے بغیر جواب دیا۔ "کیا تمہیں ان مہمل اشعار کا وہ مصرعہ یاد نہیں رہا۔"

"کون سا....!"

"نقارے میں ڈنگ لگا ہے۔"

"ہاں تو پھر....!"

"یہ وہی ڈنگ ہے جو نقارے میں لگا ہوا تھا۔"

"آپ کو ملا کہاں سے۔"

"کیا تم اس کاغذ پر خون بھری انگلیوں کے نشانات نہیں دیکھ رہے ہو۔"

"دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ کل رات کو انہیں میں سے کسی کے پاس تھا۔" فریدی نے کہا۔ وہ ابھی تک یدھ راج گڑھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً حمید کی طرف مڑ کر دوربین اس کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔

"ذرا دیکھنا تو یہ کون ہے؟"

حمید نے دوربین لے کر آنکھوں سے لگائی۔ یدھ راج گڑھی میں ایک آدمی دکھائی دیا جو ٹوٹی ہوئی دیواروں کی آڑ میں چھپتا پھر رہا تھا۔

"یہ تو ارسلانوس معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال ارسلانوس کو بھول جاؤ۔ ان لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔"

آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا اور جنگل مختلف قسم کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔

"کچھ معلوم ہے کہ وہ ہیں کتنے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کی پرواہ مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے پاس چھ عدد بہترین قسم کے بندوقچی ہیں۔"

"ان کے نام سنو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیپٹن ابراہیم جلیس، میجر شفیق الرحمٰن، کرنل کنہیالال کپور، سارجنٹ میجر شوکت اور انسپکٹر جاوید۔"

"لیکن یہ سب ہیں کہاں۔"

"درختوں پر۔" فریدی نے کہا۔ "انہیں آج ہی اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ادھر اُدھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔ لیکن حمید کا ذہن ارسلانوس میں الجھا ہوا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد فریدی نے اسے ٹہوکا دیا۔ حمید چونک کر سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ یدھ راج گڑھی میں کہیں کہیں پر روشنی کے ہلکے ہلکے متحرک دھبے نظر آ رہے تھے۔

"لیکن ایک بات تو سنئے۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے کہ آج یہاں کی پولیس مداخلت کر بیٹھے۔"

"کوئی ہرج نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میرے پاس ڈاکٹر بھٹناگر کا وارنٹ ہے۔ اس پر ایک قتل کا بھی الزام ہے۔"

"یہ روشنیاں۔" حمید نے کہا۔

"شاید انہوں نے راستے کی تلاش شروع کر دی ہے۔" فریدی نے کہا اور ہولے ہولے سیٹی بجانے لگا۔ قریب کے دو تین درختوں پر سرسراہٹ سنائی دی۔

"آؤ اب اتر چلو۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے اترتے ہی ان چھ آدمیوں کو دیکھا۔ وہ انہیں اچھی طرح جانتا تھا۔ کیونکہ وہ فریدی کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔

وہ جھاڑیوں اور ٹیلوں کی آڑ لیتے ہوئے یدھ راج گڑھی کی طرف بڑھنے لگے۔ پھر گڑھی کے قریب پہنچ کر انہوں نے زمین پر لیٹ کر سینوں کے بل رینگنا شروع کر دیا۔

گڑھی میں پندرہ بیس آدمی دکھائی دیئے جنہوں نے قدیم رومن سپاہیوں جیسا لباس پہن

رکھا تھا اور ان کے چہروں پر ہلکی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں دو تین جھکے ہوئے ٹارچ کی روشنی میں زمین دیکھ رہے تھے۔ فریدی کے ساتھیوں میں سے کسی نے حیرت کا اظہار نہ کیا۔ حمید سوچنے لگا کہ شاید فریدی انہیں پہلے ہی سب کچھ بتا چکا ہے۔

جھکے ہوئے آدمیوں میں سے ایک سیدھا کھڑا ہو گیا۔ حمید نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ ڈاکٹر بھٹناگر تھا۔ اس نے جھکے ہوئے آدمیوں سے کچھ کہا اور وہ بھی سیدھے ہو گئے۔

"کیا یہ لوگ کل اسی لباس میں تھے۔" حمید نے فریدی سے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں! آج انہوں نے ضرورتاً ایسا کیا ہے۔ اگر کل گولیاں نہ چلی ہوتیں تو شاید یہ اتنی احتیاط نہ کرتے۔"

"تو اب کیا کہتے ہو۔" ساتھیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"ابھی ٹھہرو.....!" فریدی نے کہا۔

بھٹناگر کا ایک ساتھی اپنے آدمیوں سے ہٹ کر ایک منارے کی طرف گیا۔ پھر وہاں سے الٹے پاؤں لوٹ آیا۔ لیکن واپسی میں کسی قدر اہتمام تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ قدم گن رہا ہو۔ اتنی دیر میں فریدی اور اس کے ساتھی ٹوٹی ہوئی دیواروں کی اوٹ میں رینگتے ہوئے ان کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"پچیس قدم یہاں پورے ہوتے ہیں۔" بھٹناگر کے ساتھی نے کہا۔

بھٹناگر اس کے قریب آ گیا اور جھک کر ٹارچ کی روشنی میں کچھ دیکھنے لگا۔

"مگر یہاں بھی ویسا نشان نہیں دکھائی دیتا۔" بھٹناگر نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اگر یہاں کبھی اس قسم کی عمارت تھی تو کم از کم اس کے آثار تو ہونے ہی چاہئے تھے۔"

"کہیں ہم الو نہیں بن گئے۔" کسی نے کہا۔

"یقیناً الو ہی معلوم ہوتے ہو۔" فریدی بلند آواز میں بولا۔ "خبردار اگر کوئی ہلا تو کھوپڑی اڑی۔"

آناً فاناً ان کے چہروں کی روشنیاں غائب ہو گئیں اور وہ سب پھرتی سے زمین پر لیٹ گئے۔ فریدی اور اس کے ساتھی بلندی پر ضرور تھے لیکن اب انہیں وہ لوگ صاف نہیں دکھائی دیتے تھے۔ ان کے ساتھیوں میں سے ایک نے سر ابھارا ہی تھا کہ ایک فائر ہوا۔ مگر نہ جانے وہ کیسے بچ گیا۔

"فائرنگ شروع کر دو۔" فریدی نے کہا اور ادھر سے بھی گولیاں چلنے لگیں۔ حمید نے بھی

ریوالور نکال لیا تھا۔ دونوں طرف سے بے تحاشہ گولیاں چل رہی تھیں۔ بھٹناگر کی طرف دو تین چیخیں بھی سنی گئیں۔

"یوں نہیں۔" فریدی بولا۔ "ایک ایک آدمی دائرے کی شکل میں کھسکتا چلے۔ وہ لوگ ایسے میں اوپر چڑھنے کی ہمت نہیں کریں گے۔"

سب نے آہستہ آہستہ کھسکنا شروع کر دیا۔ لیکن ان کے ریوالور برابر آگ اگلتے جا رہے تھے۔ دوسری طرف پھر ایک چیخ سنائی دی۔ گڑھی کے باہر بھی شور سنائی دے رہا تھا اور باہر بھی ایک آدھ فائر سنائی دیئے۔ شاید باہر والے حمید کے پچھلی رات کے تجربے کو دہرا رہے تھے۔

ادھر بھٹناگر کی طرف کے ایک آدمی نے اوپر آنے کی کوشش کی اور حمید کے ریوالور نے اسے پھر نیچے پہنچا دیا۔

"فضول ہے ڈاکٹر بھٹناگر۔" فریدی نے زور سے کہا۔ "اب بھی بہتر ہے کہ باز آ جاؤ۔"

دوسری طرف سے فائر بند ہو گئے اور فریدی کے ساتھیوں نے گولیاں چلانا بند کر دیا۔

"بولو کیا کہتے ہو۔" فریدی نے پھر آواز دی لیکن جواب ندارد۔ فریدی نے ایک فائر بھی کیا لیکن اس کا بھی جواب نہیں دیا گیا۔ فریدی نے دو تین فائر اور کئے.... لیکن بے سود۔

آخر انسپکٹر جاوید نے ٹارچ روشن کی۔ نیچے آٹھ زخمی یا مردے دکھائی دیئے۔ فریدی تیزی سے نشیب میں اتر گیا۔ اس کے پیچھے بقیہ لوگ بھی تھے اور پھر کئی ٹارچوں کی روشنیاں قرب و جوار میں پھیلنے لگیں۔ لیکن بھٹناگر اور اس کے بقیہ ساتھیوں کا کوئی پتہ نہ تھا۔

"اچھا میاں جاوید صاحب سیٹی ہو گی تمہارے پاس۔" فریدی نے کہا۔ "ہونی تو چاہئے کیوں کہ اتفاق سے تم اس وقت وردی میں ہو۔"

"کیا کرو گے سیٹی۔" انسپکٹر جاوید نے جیب سے پولیس کی سیٹی نکالتے ہوئے کہا۔

"عقل کے ناخن لو یار۔" فریدی نے کہا۔ "مقامی پولیس کے آدمی باہر موجود ہوں گے۔ اگر انہوں نے اندر گھس کر ہم پر بے تحاشہ گولیاں برسانی شروع کر دیں تو کیا کرو گے۔ اچھا چلو.... بجاؤ خطرے کی سیٹی۔"

انسپکٹر جاوید نے خطرے کی سیٹی بجائی۔ باہر سے جواب آیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد بھاری بھرکم جوتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ فریدی نے ٹارچ سے اشارہ کیا اور مقامی پولیس کے

جوان دوڑ کر ان کی طرف آئے۔ وہ سب مسلح تھے۔ شاید آج احتیاطاً دوسرے تھانے سے بھی کچھ سپاہی بلوا لئے گئے تھے۔

"ارے آپ....؟" سب انسپکٹر فریدی کو دیکھ کر چیخا اور پھر متحیرانہ انداز میں زمین پر پڑے ہوئے آدمیوں کو دیکھنے لگا۔

"ہمیں کچھ اور آدمیوں کی تلاش ہے جو اس وقت بھی یہیں کہیں موجود ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر یہ ہیں کون....؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"قاتل.... سازشی اور خطرناک قسم کے مجرم۔ ان کے وارنٹ میرے پاس موجود ہیں۔ انہیں اٹھوا کر لے جایئے۔ ہم دوسروں کی تلاش میں ہیں اور یہ قصبے والوں کی بھیڑ یہاں سے ہٹوا دیجئے۔ کوئی گڑھی کے اندر نہ آنے پائے۔"

سب انسپکٹر زمین پر پڑے ہوئے آدمیوں کو اٹھوانے کا انتظام کرنے لگا اور یہ لوگ دوسروں کو ڈھونڈھنے میں مشغول ہو گئے۔

تختِ عقرب

"آخر گئے کہاں۔" کیپٹن حامد پر تشویش لہجے میں بولا۔ "اگر اوپر چڑھتے تو صاف دکھائی دے جاتے۔ ایک نے چڑھنے کی کوشش کی تھی ہم میں سے کسی کی گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔"

"اوپر تو نہیں گئے۔" فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

"تو پھر زمین میں گھس گئے ہوں گے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

"تمہارا خیال درست بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

وہ تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ انہیں گری ہوئی عمارتوں کے ملبے کے درمیان ایک تنگ سا راستہ دکھائی دیا جس کے دونوں طرف کے ڈھیر چھ سات فٹ سے کم بلند نہیں تھے۔ وہ اس میں گھس پڑے۔

"غالباً وہ اسی راستے سے فرار ہوئے ہیں۔" فریدی مایوسانہ انداز میں بولا۔

"ساری محنت برباد ہو گئی۔ بہت زیادہ دور اندیشی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ اگر میں سیٹی وغیرہ

ی چکر میں نہ پڑا ہوتا تو وہ نکل کر جا نہیں سکتے تھے۔"

"پھر بھی۔" انسپکٹر جاوید بولا۔ "وہ بچ کر کہاں جائیں گے۔ میرے خیال سے تو اب تم وہ کام شروع کر دو جس کے لئے دردِ سر مول لی ہے۔ فی الحال راستہ صاف ہو گیا ہے۔"

"اس نقشے کی مدد سے تو ہم عمر بھر وہاں نہ پہنچ سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیونکہ شاید ظاہری نشانات مٹ چکے ہیں۔ میں نے اس نقشے کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ بھٹناگر کا ساتھی مینار سے پچیس قدم تک بالکل ٹھیک چلا تھا۔ اس جگہ بچھو کے ڈنگ کی شکل کی کسی عمارت کے آثار ضرور ہونے چاہئیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے، ہاں ایک دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ٹھیک اسی جگہ کھدائی کی جائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس تخت کو کسی تہہ خانے ہی میں ہونا چاہئے۔"

وہ لوگ ابھی تک اس تنگ راستے میں چل رہے تھے۔ دفعتاً کچھ دور پر انہیں ایک سایہ سا دکھائی دیا اور پھر فوراً ہی غائب ہو گیا۔ ان کی ٹارچوں کی روشنی دور تک پھیلتی چلی گئی۔ لیکن پوری راہ سنسان پڑی تھی۔ جس جگہ سایہ دکھائی دیا تھا وہاں پہنچ کر فریدی رک گیا۔ اس کی نظریں چاروں طرف دوڑ رہی تھیں۔ قریب ہی اسے ایک غار دکھائی دیا جس کے دہانے پر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ فریدی نے جھاڑیوں کو ہاتھ سے ہٹا کر اندر روشنی ڈالی۔ یہ ایک بڑا سا غار تھا جس کا دوسرا سرا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اندر سیلن کی بدبو پھیلی ہوئی تھی.... اور زمین گیلی تھی۔ فریدی اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔

"یہاں دیکھو! پیروں کے یہ نشانات بالکل تازہ معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں ہیں تو....!" حمید نے کہا۔ "اور کئی آدمیوں کے معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو آؤ.... پھر انتظار کس بات کا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر ڈاکٹر بھٹناگر ہاتھ آ گیا تو ممکن ہے کہ ہم وہ راستہ بھی پا جائیں ورنہ ویسے تو کوئی امید نہیں ہے۔"

وہ سب غار میں اتر گئے۔ فریدی آگے آگے چل رہا تھا۔ کچھ دور تک زمین بالکل بھیگی ہوئی تھی۔ اندر گھستے ہی ان پر مچھروں نے یلغار کر دی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کئی ایک اس کی ناک کے راستے پیٹ میں بھی اتر گئے ہوں۔ اتنے مچھروں کی بھنبھناہٹ اس کے دماغ کی چولیں ہلائے دے رہی تھیں۔ وہ اپنے منہ پر تھپڑ لگاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے گئے غار تنگ ہوتا گیا اور پھر کچھ اور آگے چل کر صرف اتنا بڑا

سوراخ رہ گیا جس سے صرف ایک آدمی لیٹ کر گزر سکتا تھا۔ فریدی نے جھک کر اس میں ٹارچ کی روشنی ڈالی اور پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"تم سب ایک بار اس کی زیارت کر لو۔" وہ کپکپائی ہوئی آواز میں بولا۔

سب سے پہلے حمید جھکا اور وہ بھی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں جواب طلب انداز میں فریدی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ باری باری سب نے دیکھا اور بت بن کر رہ گئے۔

"کیا خیال ہے؟" فریدی پھر بولا۔

"تو کیا وہ دروازہ....!" حمید اس سے آگے نہ کہہ سکا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی انہیں تختِ عقرب مل ہی جائے گا۔ اس نے اس سوراخ سے چند قدم کے فاصلے پر ایک دروازہ دیکھا تھا۔

"دیکھو.... دیکھو۔" فریدی سوراخ پر جھکتا ہوا بولا۔ "یہ سوراخ بھی قدرتی نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے گرد جمی ہوئی کائی یہ بتاتی تھی کہ یہ سوراخ خاص طور پر بنایا گیا ہے اور پھر یہاں کائی کا کیا کام۔ جب کہ یہاں پانی کی ایک بوند بھی نہ پہنچ پاتی ہو گی۔ ذرا یہ قرب وجوار کی زمین دیکھو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں کبھی پانی پڑا ہی نہیں۔ پھر یہاں اس دہانے میں کائی کہاں سے آئی۔ اس کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اس کی سینچائی کی جاتی ہے۔"

"ممکن ہے اوپر کا پانی رس رس کر یہاں تک پہنچتا ہو۔" حمید نے کہا۔

"اگر یہ بات ہوتی تو ہمارے اوپر کا حصہ بھی نم ہوتا۔ لیکن وہ بالکل ہی خشک پڑا ہے۔ خیر تو اب کیا ارادہ ہے۔" حمید بے صبری سے بولا۔

"میں ہی شروعات کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اور پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر لیٹ کر سوراخ کے اندر رینگ گیا۔ یکے بعد دیگرے دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی۔

"اوہو....!" فریدی ایک پتھر کے ٹکڑے پر جھکا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اسے سوراخ پر رکھ دیا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے کسی چیز پر ڈھکن لگا دیا گیا ہو۔ اس نے اسے پھر ہٹا لیا۔

"یہ دیکھو اس میں بھی ایک طرف ویسی ہی کائی لگی ہوئی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سچ مچ اس سوراخ کا ڈھکن ہے۔ اگر اسے اس میں لگا دیا جائے تو دوسری طرف سے راستہ قطعی مسدود

معلوم ہو گا۔ بھئی داد دینی پڑتی ہے اس کاریگری کی۔"

وہ بولتے بولتے خود بخود چونک پڑا اور پھر کہنے لگا۔ "تو کیا بھٹناگر سے بھی پہلے کوئی اس تہہ خانے پر قبضہ کر چکا ہے۔"

"اسے چھوڑو.... اب یہ بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟" انسپکٹر جاوید نے کہا۔

فریدی پتھر کو چھوڑ کر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی درازوں سے ہلکی ہلکی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ فریدی آگے بڑھ کر درازوں سے جھانکنے لگا اور پھر فوراً ہی پیچھے ہٹ آیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"میں تم لوگوں کو ہرگز اندر نہ جھانکنے دوں گا۔ ورنہ تم لوگ بھاگ نکلو گے۔"

"کیوں؟ کیوں؟" سب لوگ آگے بڑھے۔

"نہیں ابھی ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دروازے کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ لیکن وہ دوسری طرف سے بند تھا۔ اس نے کافی زور صرف کیا لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"تڑوانا پڑے گا۔" فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

حمید مضطربانہ انداز میں آگے بڑھا۔ اس نے دروازے کی درز سے آنکھ لگا دی۔ دوسرے لمحے میں وہ چیخ کر فریدی پر آ رہا۔

"کیوں.... بس مر گئے.... منع کیا تھا۔" فریدی نے اسے الگ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"بیٹے حمید صاحب یہ وہی باؤلی ہے جس کی مجھے تلاش تھی.... جہاں میں نے چند گھنٹے گزارے تھے۔ لیکن اس وقت مجھے یہ دروازہ نہیں دکھائی دیا تھا۔ کیا دیکھا؟ میں نے بھی اس وقت یہی دیکھا تھا۔"

کرنل کپور بھی جھپٹ کر دروازے کے قریب آیا۔ لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو حمید کا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے بھئی۔" کیپٹن جلیس نے اپنے کلاک ٹاور جیسے جسم کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں! ادھر مت جاؤ۔" کرنل کپور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آخر کیوں؟"

"انسانی کھوپڑیاں خلاء میں ناچ رہی ہیں ان میں چراغ جل رہے ہیں۔"

"ارے باپ....!" کیپٹن ابراہیم جلیس نے بوکھلا کر کہا اور گھبراہٹ میں اونٹ کی طرح

بلبلانے لگا۔

"چھوڑ یار....!" شفیق الرحمٰن نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔ "روشن دماغوں کی کھوپڑیاں ہوں گی۔"

باری باری سب نے اندر جھانکا اور سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ خصوصاً ابرار جلیس کی بلبلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی۔

"یار جلیس....!" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تم ایک بار ٹارزن سے کُ لڑ جاؤ۔ تمہاری ساری کلیجی خود بخود سیدھی ہو جائیں گی۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی بلبلاہٹ بدستور جاری رہی۔

"اس دروازے کو توڑنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

"تت.... توڑنا.... کیا کہہ رہے ہیں.... حضرت....!" جلیس نے کانپتے ہوئے کہا۔

"یار میں تمہیں بڑا بہادر سمجھتا تھا۔"

فریدی نے بدقت تمام انہیں راضی کیا اور جلیس کے علاوہ وہ سب مل کر زور لگانے لگے دفعتاً اندر کسی وحشی درندے کی غراہٹ سنائی دی اور وہ سب گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"تم لوگ نہ جانے کس ریگستانی مٹی کے بنے ہو۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "ارے بابا! سب کے پاس ریوالور ہیں۔ وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔"

"ملنگ.... کون؟" جلیس پھر ہکلایا۔

"یار تم چپ ہی رہو۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

غراہٹ برابر سنائی دے رہی تھی اور وہ سب بُری طرح کانپ رہے تھے۔

خصوصاً حمید اور جلیس کی تو جان ہی نکل رہی تھی۔

"آخر تم اسے کیا سمجھتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"بھھ.... بھوت....!" کیپٹن حامد نے کہا۔

"بکواس۔ اگر وہ بھوت ہے تو اندر ہی سے کیوں غرا رہا ہے۔ باہر کیوں نہیں نکلتا۔ اگر وہ واقعی بھوت ہوتا تو اب تک تمہاری گردنیں کس طرح سلامت رہتیں۔"

"مگر.... مگر....؟" حمید نے کچھ کہنا شروع کیا۔

"آپ تو براہِ کرم خاموش ہی رہئے.... چغد کہیں کے۔"

فریدی انہیں بڑی دیر تک سمجھاتا رہا اور پھر کسی نہ کسی طرح انہیں دروازہ توڑنے پر راضی کر لیا۔

بدقت تمام ایک تختہ نکل سکا۔ اتنا ہی کافی تھا۔ فریدی نے اندر ہاتھ ڈال کر کنڈی گرا دی اور دونوں پٹ کھول دیئے۔ غراہٹ کی آواز اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ فریدی نے اندر داخل ہوتے ہی خلاء میں ناچتی ہوئی کھوپڑیوں پر فائر کئے۔ سب کی سب.... چٹاخ چٹاخ ٹوٹ کر بکھر گئیں اور باؤلی میں اندھیرا پھیل گیا۔ سب نے ٹارچیں روشن کر لیں۔ انہیں آٹھ دس آدمی زمین پر اوندھے پڑے دکھائی دیئے جن کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ یہ ڈاکٹر بھٹناگر کے آدمی تھے اور غالباً وہ بھی انہیں میں رہا ہو گا۔

فریدی نے اس طرف روشنی ڈالی جدھر سے غراہٹ کی آواز آ رہی تھی اور حمید بے اختیار چیخ پڑا۔

"ارے یہ تو ارسلانوس ہے۔"

"ہاں ہاں.... میں ہی ہوں۔" اوپر کے دریچے سے آواز آئی۔ "اور اب تم لوگ یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتے۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک فائر ہوا اور گولی سنسناتی ہوئی اس کے کان کے پاس سے نکل گئی۔ اس نے فائر کر دیا۔ پھر باؤلی کی تنگ فضا پے در پے فائروں سے گونج اٹھی۔ فریدی آہستہ آہستہ زینوں کی طرف رینگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ اوپر پہنچ گیا۔ ارسلانوس کے ریوالور سے نکلتے ہوئے شعلوں نے اس کی رہنمائی کی اور اس کے قریب پہنچ کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ اندھیرے میں دونوں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے زور آزمائی کر رہے تھے۔

"کیا پکڑ لیا۔" نیچے سے کسی نے پوچھا۔

آواز سن کر فریدی اس طرح چونکا کہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور ارسلانوس صاف نکل گیا۔ فریدی اندھیرے میں اس کے دوڑنے کی آواز پر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی دروازہ بند کیا گیا ہو۔ اتنی دیر میں اس کے ساتھی بھی اوپر آ گئے تھے۔ ٹارچ کی روشنی میں ایک دروازہ دکھائی دیا۔ انہوں نے زور لگا کر اسے کھولنا چاہا مگر ان کی کوشش بے کار

گئی۔ دروازہ بہت مضبوط تھا۔

"بھٹناگر کے ساتھیوں میں سے ایک کی کمر میں کلہاڑی لٹکی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔

پھر چند لمحوں کے بعد وہ دروازہ کلہاڑی کی ضربوں سے ہل رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اسے بھی توڑ گرایا اور ساتھ ہی اندر سے ایک فائر ہوا اور فریدی کا ساتھی چیخ کر پیچھے لڑھک گیا۔ بقیہ لوگ ادھر اُدھر ہو گئے۔ فائروں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا تھا۔

"ارسلانوس ریوالور پھینک دو۔" فریدی نے چیخ کر کہا۔

"نہیں.... ہرگز نہیں۔ تخت میرا.... میرا ہے۔ میرے جیتے جی کوئی نہیں لے سکتا۔"

وہ برابر فائر کرتا رہا اور ادھر سے بھی فائر ہوتے رہے۔ دفعتاً اندر چیخ سنائی دی۔

"ہو.... اف.... باخ.... میرا ہے.... یہ میرا ہے.... کوئی نہیں لے سکتا۔"

"باخ.... خاہ.... میراہاخ....!"

اندر سے گولی چلنی بند ہو گئی تھی۔

فریدی نے اندر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ تخت عقرب روشنی میں دمک رہا تھا اور اس میں جڑے ہوئے ہیرے جگمگا رہے تھے۔ ارسلانوس نے اسے اس طرح دبوچ رکھا تھا جیسے وہ انتہائی محبت سے کسی بچے کو پیار کر رہا ہو اور اس کے خون کی بوندیں تخت سے زمین پر برس رہی تھیں۔

گولی اس کے سینے میں لگی ہوئی تھی۔

"میرا.... ہائے....!" وہ ایک بار پھر تڑپا اور زمین پر آ رہا۔ اس کا منہ پھیل گیا تھا اور آنکھیں حلقوں سے نکل پڑی تھیں۔

دفعتاً فریدی کو اس ساتھی کا خیال آیا جس کے گولی لگی تھی۔ وہ تیزی سے پلٹا اور گرے ہوئے ساتھی پر جھک پڑا۔ یہ کیپٹن حامد تھا۔ گولی اس کی ران میں لگی تھی اور وہ بے ہوش تھا۔ فریدی زخم کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے خیال کے مطابق ہڈی نہیں ٹوٹی تھی۔ گولی نے صرف گوشت کو چھیدا تھا۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جاوید باہر سے مدد لے آیا اور وہ سوراخ کھود کھود کر بڑھایا گیا جس سے وہ اندر آئے تھے۔ بھٹناگر اور اس کے بے ہوش ساتھی وہاں سے اٹھوائے گئے۔ کیپٹن حامد کو بھی

نکالا گیا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ ارسلانوس کی لاش اٹھوائی گئی۔ نہ جانے کیوں اس کی موت کے بعد حمید کے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی موت کا ین وہ کافی عرصے تک نہ بھلا سکے گا۔ اس کے خیال کے مطابق ارسلانوس بُرا آدمی نہیں تھا۔ ے اس بے پناہ دولت نے پاگل بنا دیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو انہیں اسی رات کو مار ڈالتا جب وہ پہلی بار زمی میں داخل ہوئے تھے۔

فریدی بھی مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی اور وہ اس کی روشنی ں باؤلی کا جائزہ لے رہا تھا۔

"وہ دیکھو....!" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ "اوپر باریک باریک تار نظر آ رہے ہیں وہ لوپڑیاں انہیں تاروں پر ناچا کرتی تھیں۔ شاید ارسلانوس نے بھولے بھٹکے آدمیوں کو ڈرانے کے لئے یہ سارا انتظام کیا تھا تاکہ یہاں کے آسیبی قصوں کی شہرت ہو اور لوگ ادھر آنا ہی چھوڑ دیں۔ غالباً ہمیں بھی وہ اسی لئے یہاں اٹھا لایا تھا۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ وہ ارسلانوس کی موت کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ارسلانوس کی موت جیسے شاید وہ کبھی نہ بھلا سکے۔ اس نے اس سے پہلے بھی سینکڑوں موتیں دیکھی تھیں کئی خود اس کی گولی کا نشانہ بنے تھے لیکن وہ کسی کی موت سے اتنا متاثر نہیں ہوا تھا۔

پردہ اٹھتا ہے

دوسرے دن دوپہر کو صولت مرزا کی حویلی کے وسیع ہال میں ضلع کے سارے بڑے بڑے حکام جمع تھے۔ تخت عقرب درمیان میں رکھا ہوا تھا۔ اس کی متعلق اندازہ لگایا تھا کہ وہ تین چار من سے کسی طرح کم نہ ہوگا اور اس میں لگے ہوئے جواہرات کی قیمت کے متعلق کوئی خیال آرائی بھی نہ کر سکا تھا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ فریدی کی تقریر بڑے غور سے سن رہے تھے۔ وہ شروع سے ساری داستان بیان کر رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک سوال کیا۔

"کیا ارسلانوس اس تخت پر عرصے سے قابض تھا۔"

اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ سب خاموش تھے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنی جیب سے ایک کتاب نکالی۔

"یقیناً وہ اس پر عرصے سے قابض تھا۔" اس نے کہا۔ "اس کا ثبوت اس ڈائری سے ملتا ہے۔ یہ ارسلانوس کی ڈائری ہے۔ میں آپ کو اس کے بعض خاص خاص حصے سناتا ہوں۔"

۲۶/ مئی ۱۹۲۸ء مجھے حیرت ہے کہ میں آج خوشی سے مر کیوں نہ گیا۔ میں نے تخت عقرب تک کا راستہ پالیا ہے۔ وہ تخت مجھے مل گیا ہے جسے میں جنوں اور پریوں کی کہانی کا کوئی تخت سمجھتا تھا۔ میرے خدا اتنی دولت اب میں بہت بڑا آدمی ہوں۔ ملک کا دولت مند ترین آدمی۔ میں نے وہ راستہ بند کر دیا ہے جس کے ذریعے سے تخت عقرب تک پہنچا ہوں اور اوپر کے سارے نشانات بھی مٹا دیئے ہیں۔ ایک دوسرا راستہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑے وقفے کے بعد بولا۔ "اب اس کے پاگل پن کی وجہ بھی سنئے۔

"لکھتا ہے۔ اوہ میرے خدا میں کیا کروں۔ اسے کہاں لے جاؤں۔ اس تخت نے میری راتوں کی نیند حرام کر دی ہے۔ دن کا سکون چھین لیا ہے۔ میں اسے کیا کروں۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

فریدی نے بہت سارے ورق الٹ ڈالنے کے بعد پھر مجمع کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ "اب اس وقت کی تحریریں سنئے۔ جب سے میں اس المیئے میں داخل ہوتا ہوں میں تو اسے المیہ ہی کہوں گا۔ مجھے مرنے مرانے سے گہری ہمدردی ہے.... سنئے۔"

گئی رات دو آدمی اس شیطانی کتے کو اس منارے سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجھے ان کی حماقت پر ہنسی آئی اور ان کی دلیری پر عش عش کرتا رہ گیا۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ تخت عقرب کی تلاش میں نہ ہوں۔ اتفاقاً ان پر ایک دیوار آگری اور میں انہیں تہہ خانے میں اٹھا لایا۔ پھر میں نے انہیں ڈرانے کی اسکیم بنائی تاکہ وہ پھر ادھر کا رخ نہ کریں۔ میں نے تین چار انسانی کھوپڑیوں کو جو مجھے اسی تہہ خانے میں ملی تھیں پتلے پتلے تاروں پر نچانا شروع کیا۔ ان میں قندیلیں بھی روشن کر دیں۔ ایک آدمی کو ہوش آیا۔ وہ واقعی بہت دلیر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی ہراس نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے ریوالور سے ان کھوپڑیوں پر گولی بھی چلانا چاہی۔ میں نے ایک چمگادڑ اس کے ہاتھ پر کھینچ مارا۔ ریوالور زمین پر گر پڑا۔ جسے میں نے تار میں پھنسا کر اوپر کھینچ لیا۔ لیکن وہ پھر بھی خائف نہ ہوا۔"

"کیا وہ تم تھے؟" کئی آوازیں آئیں۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب آگے سنئے۔ ارسلانوس نے اس شیطانی چرخے میں نواب صاحب اور ان کی صاحبزادی کو بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے متعلق بھی اس نے تحریر کیا ہے۔"

"لکھتا ہے.... !میں نے انسپکٹر فریدی کو بیوقوف بنانے کے لئے ایک دوسری چال چلی ہے۔ خدا کرے وہ دھوکا کھا جائے۔ اگر یہ داؤ اس پر چل گیا تو وہ اسے سو فیصدی آسیبی معاملہ سمجھ کر اس سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ اس کے لئے میں جمیلہ کا فاؤنٹین پن چرا کر یدھ راج گڑھی کے اسی ڈھیر پر ڈال آیا ہوں جس میں فریدی اور حمید دب گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کم از کم دن میں تو ادھر ضرور ہی آئیں گے۔"

پھر فریدی نے فاؤنٹین کا قصہ بتاتے ہوئے کہا۔ "اس کی آخری تحریر بھی سن لیجئے۔ لکھا ہے کل رات کو دیر تک یدھ راج گڑھی میں گولیاں چلتی رہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فریدی وغیرہ کے علاوہ بھی کوئی اور تخت عقرب کے چکر میں ہے۔ یہ بہت بُرا ہوا۔ کیا اب یہ تخت میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کیا وہ اب میرا نہ رہے گا جسے میں نے رات رات بھر جاگ کر حاصل کیا ہے۔ خدا وہ وقت نہ لائے۔ وہ میرے لئے قیامت کی گھڑی ہوگی۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ہم لوگ آپ کے اس کارنامے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔" کمشنر نے اٹھ کر کہا۔

"شکریہ۔" فریدی جھک کر بولا۔ "لیکن ابھی میرا کام ختم نہیں ہوا۔ تخت نشینی ایک ضمنی دریافت تھی۔ میں تو اس کتے کی آواز کا راز جاننے کی فکر میں تھا۔"

"ہمیں آپ کی صلاحیتوں سے امید ہے کہ آپ اس میں بھی کامیاب ہونگے۔" کمشنر نے کہا۔

شام ہوتے ہوتے تخت عقرب ملٹری کے پہرے میں وہاں سے اٹھوا کر ایک فوجی لاری میں رکھوا لیا گیا اور اسے سرکاری خزانے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ شاہی نقارہ ڈاکٹر بھٹناگر کے قبضے سے برآمد کیا گیا۔ سچ مچ اس پر بچھو کے ڈنگ کی تصویر کندہ تھی اور اس میں نقشہ بنا ہوا تھا۔

اسی رات کو کھانے کی میز پر فریدی صولت مرزا کو مہمل اشعار کا مطلب سمجھا رہا تھا۔

"نقارے میں ڈنگ کا مطلب تو آپ سمجھ ہی گئے۔ اب آگے چلئے۔ بچھو پر الو بیٹھے گا۔ معاف

کیجئے گا۔ یہ اشارہ مجھے آپ ہی کے خاندان کے افراد کی طرف معلوم ہوتا ہے اور اس کتبے کا تعلق بھی آپ ہی کے کسی بزرگ سے رہا ہوگا۔ جبھی انہوں نے اُلو کا لفظ استعمال کیا ہے کہ اس کا مطلب ہوا کہ یدھ راج کے بعد سے ارسلانوس پہلا آدمی نہیں تھا جس نے اس تخت کو اپنی ملکیت سمجھا ہو۔ آپ کے خاندان کے بھی کچھ بزرگوں کی رسائی اس تک ہوگئی تھی۔ ورنہ یدھ راج کے زمانے میں اُلو کا کیا تذکرہ اور پھر ان اشعار کی زبان میر و سودا کے زمانے سے بہت پہلے کی نہیں معلوم ہوتی۔ یدھ راج تو....اکبر کے زمانے میں تھا۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "اب صرف دو مسئلے اور رہ گئے ہیں۔ پہلا تو کتے کی آواز اور دوسرا یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اصطبل میں نقارے کی موجودگی کا علم کیونکر ہوا۔"

"ہوگا بھئی....مارو گولی۔" صولت مرزا اکتا کر بولا۔ "کم بختوں نے جمیلہ کی تو جان ہی لے لی۔"

"اب کیا حال ہے کچھ بولتی ہے یا نہیں۔"

"صرف دو باتیں کہتی ہے ان کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کبھی پوچھتی ہے کہ میں کس طرح جلی اور کبھی کہتی ہے کہ میں وہی ڈرامہ دیکھوں گی جو میں نے انگلینڈ میں دیکھا تھا۔"

بس یہی دو باتیں۔

"کیسا ڈرامہ....!" فریدی چونک کر بولا۔

"ارے بھئی کیا بتاؤں۔ اس کے اس کہنے پر مجھے یاد پڑتا ہے کہ شاید اس پر اسی ڈرامے کے دیکھنے کے بعد دورہ پڑا تھا۔"

"ڈرامے کی نوعیت یاد ہے آپ کو۔" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نوعیت کیا؟ نام ہی یاد ہے۔ انطونی اور قلوپطرہ ڈرامہ تھا۔"

"مصر قدیم کے افراد....!" فریدی زیر لب بڑبڑایا۔ پھر صولت مرزا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تو وہ دورہ کس طرح پڑا تھا۔"

"جمیلہ ڈرامہ شروع ہونے سے پہلے ہی سو گئی تھی۔ جب ڈرامہ شروع ہوا تو میں نے اسے جگا دیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی دیکھتی رہی۔ ڈرامہ ختم ہونے کے بعد مجھے یہ شک گزرا تھا کہ جمیلہ جاگ تو رہی ہے مگر شاید اپنے ہوش میں نہیں ہے۔"

"اوہ....سو فیصدی یہی بات رہی ہوگی۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا اس سے پہلے بھی کبھی

انہوں نے اس ڈرامے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

"میری یادداشت میں تو کبھی نہیں۔" صولت مرزا بولا۔ "جب سے جلی ہے تبھی سے رٹ رہی ہے۔"

"ہوں....اچھا کیا اس ڈرامے میں بھی آگ لگنے کا کوئی منظر تھا۔"

"اب تو اتنا مجھے یاد نہیں۔"

"ضرور رہا ہوگا۔" فریدی نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ صولت مرزا استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"دیکھئے....اس قسم کی ذہنی بیماریوں کا سبب معلوم ہو جانے پر مریض خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جمیلہ صاحبہ کو وہ سچویشن یاد آگئی ہے جہاں سے ان کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ مجھے تو یقین ہے کہ اب ان پر دورے نہ پڑیں گے اور اگر اب بھی دورے پڑتے رہیں تو آپ انہیں ضرور کسی سائیکو انیلیسٹ کو دکھا دیجئے گا۔ مرض کے شروعات کے وقت کی سچویشن تو اب آپ کو یاد آہی گئی ہے۔ محض اسی نکتے سے وہ ان کا نفسیاتی تجزیہ کر کے مرض دور کر دے گا۔"

فریدی کی گفتگو سے صولت مرزا کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

دوسرے دن صبح فریدی اور حمید یدھ راج گڑھی کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کے ساتھ دو مزدور بھی تھے۔ فریدی اس منارے کو کھلوانے کا اجازت نامہ پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ مزدوروں نے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر دروازے میں چنی ہوئی اینٹیں الگ کر دیں۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ ابابیلوں کے بیٹ کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے داخل ہوتے ہی دو تین چمگادڑیں نکل کر اجالے میں چکرانے لگیں۔ وہ چکردار زینے طے کرتے ہوئے اوپر جانے لگے۔ حمید دل ہی دل پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس معاملے میں اسے ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ انسانی کارنامہ نہیں ہے۔ آخری سیڑھیوں پر پہنچ کر فریدی روشندان سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے قریب قریب ہر روشندان سے باہر جھانکا اور پھر اچانک ایک روشندان پر اس کی نظریں جم گئیں۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسرے روشندانوں سے اس کا موازنہ کر رہا ہو۔

"لاحول ولا قوۃ....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ آؤ واپس چلیں۔ اس وقت تو بس کوفت ہوگئی۔ میں تو سمجھا تھا کہ کوئی نہ سمجھ میں آنے والا معاملہ ہوگا۔ کیا دھرا ہے

اس میں۔"

"آخر کیا بات ہے؟"

"بہت سامنے کی بات ہے پیارے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر ٹھہرو اس طرح شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ لہٰذا کسی مزدور سے ایک آدھ بالٹی.... پانی منگوالو۔"

"کیا مطلب....!"

"او حمید کے بچے کبھی کبھی مطلب پوچھے بغیر بھی کوئی کام کر ڈالا کرو۔"

حمید نیچے اترنے لگا۔ اس وقت پھر بارش کے آثار معلوم ہو رہے تھے۔ مغرب سے سیاہ اور بوجھل گھٹائیں اٹھ رہی تھیں۔ ہوا بھی تیز ہو گئی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے منارہ ہل رہا ہو۔ نیچے صولت مرزا اور اس کے دوست بھی کھڑے ہوئے تھے۔

"کیوں بھئی کیا رہا۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

"فی الحال ایک بالٹی پانی ہونا چاہئے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"پانی.... پانی کیا ہوگا۔"

"کتا پیاسا ہے۔"

"کتا....!"

"جی ہاں اوپر تشریف لے جائیے۔"

صولت مرزا کے ساتھ اس کا ایک نوکر بھی تھا جو اس کے اشارے پر پانی لینے کے لئے چلا گیا اور وہ لوگ منارے پر چڑھنے لگے۔ فریدی دیوار سے ٹکا ہوا سگار پی رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"آخر تم نہ مانے۔" صولت مرزا نے کہا۔

"بھلا مانتا کیسے، جب کہ یہ ساری مشقت میں نے اسی لئے برداشت کی تھی۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے۔"

"کیوں؟ مایوسی کیوں؟"

"اسلئے کہ ایک بہت ذرا سی بات سینکڑوں برس سے لوگوں کے خوف کا باعث بنی ہوئی ہے۔"

"آخر کیا....؟"

"ذرا پانی آجانے دیجئے۔"

تھوڑی دیر بعد پانی آ گیا اور فریدی نے روشندان پر چھینٹے دینے شروع کر دیئے۔

"یہ بھی ٹھیک نہیں۔" فریدی نے کہا اور بالٹی روشندان کے اوپر بنی ہوئی ایک کارنس پر رکھ دی اور پھر اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اسے بھگو کر اس کا ایک سرا بالٹی میں ڈال دیا اور دوسرا روشندان پر لٹکا دیا۔ اس سے روشندان پر پانی ٹپکنے لگا۔

"ابھی کافی دیر لگے گی۔" فریدی نے کہا۔ "آئیے میں آپ کو وہ باؤلی دکھاؤں جہاں تخت عقرب رکھا ہوا تھا۔"

حمید کو اس نے وہیں روک کر روشندان کو تر کرتے رہنے کے لئے کہا اور مرزا وغیرہ کو لے کر نیچے اتر گیا۔

وہ تقریباً تین چار گھنٹے تک باؤلی میں رہے۔ انہوں نے وہ راستہ تلاش کر لیا جسے ارسلانوس نے بند کر دیا تھا۔

جب وہ گڑھی سے نکل رہے تھے تو انہوں نے کتے کے رونے کی آواز سنی۔ فریدی بے اختیار ہنسنے لگا۔ لیکن دوسرے لوگ بدحواس ہو گئے۔

"گھبرائیے نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اس بھوت کو بھی پکڑ لیا ہے۔ آئیے میرے ساتھ۔"

مینار کے قریب پہنچ کر فریدی نے دیکھا کہ حمید مینار سے بہت دور کھڑا طرح طرح کے منہ بنا رہا ہے۔

کتا رہ رہ کر رو رہا تھا۔

"کیوں حمید کیا بات ہے۔" فریدی نے ہنس کر پوچھا۔

"کیا شیطان کے کان بہرے ہو گئے ہیں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"خیر.... خیر.... آؤ میرے ساتھ...." فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

تقریباً سب ہی اوپر جاتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔ بدقت تمام وہ انہیں اوپر لے گیا۔ بالائی منزل بالکل خالی تھی۔ لیکن کتے کے رونے کی آواز بدستور جاری تھی اور یہاں یہ اتنی تیز تھی کہ ان کے کان پھٹے جا رہے تھے۔

"یہاں ادھر روشندان میں دیکھئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہاں اس لکڑی کے فریم کی ضرورت تھی۔ اس کے بغیر بھی روشندان بنایا جاسکتا تھا اور پھر دیکھئے کہ اس میں سوراخ کی ضرورت تھی۔ روشندان کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ایک دو انچ قطر رکھنے والا سوراخ بنادیا جائے ہاں تو اب دیکھئے لکڑی کے بھیگنے کی وجہ سے یہ سوراخ پہلے سے زیادہ تنگ ہو گیا ہے اور سا والے بڑے روشندان سے آنے والے ہوا کے جھونکے جب اس سوراخ سے گزرتے ہیں تو آواز پیدا ہوتی ہے جب یہ خشک ہو کر کشادہ ہو جاتا ہے تو یہ آواز نہیں پیدا ہوتی۔"

"مگر اس طرح آواز کیسے.....!" ایک صاحب نے کہا۔

"کبھی بانسری بجائی ہے آپ نے۔" فریدی نے کہا۔ "بانسری کی آواز کا دارومدار بھی سوراخوں پر ہوتا ہے۔ ہاں تو نواب صاحب یہ دراصل ایک اشارہ تھا جسے لوگوں نے آسیبی خلل سمجھ لیا۔ یہ اشارہ اس بات کا تھا کہ اب اس قریب کی ندی میں سیلاب آنے والا ہے۔ یعنی اتنی بارش جس سے بھیگ کر یہ سوراخ اس قدر تنگ ہو جائے کہ اس قسم کی آوازیں نکلنے لگیں۔ ندی میں سیلاب کی اطلاع لانے کے لئے یہ آواز کافی ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یدھ راج کے زمانے میں لوگ اس سے واقف رہے ہوں گے اور اس کی پہلی آواز پر گاؤں خالی کرنا شروع کردیتے رہے ہوں گے۔"

سب لوگ پر سکوت انداز میں فریدی کی باتیں سن رہے تھے۔ اس کے خاموش ہو جانے پر کوئی نہ بولا۔

"آج بھی یہ کتا رو رہا ہے۔" فریدی آنکھ مار کر بولا۔ "لیکن آج سیلاب نہیں آئے گا۔ ویسے گاؤں والوں میں ہلچل ضرور پیدا ہوگئی ہوگی اور وہ بھاگ بھی رہے ہوں گے۔"

"بھئی خدا کی قسم! تم سے بڑا بھوت بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔" صولت مرزا نے مسکرا کر کہا۔

"آیئے اب چلیں۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ بے چارے گاؤں والے خواہ مخواہ پریشان ہوں گے؟"

راستے میں فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "کیوں حمید صاحب کیا خیال ہے۔"

"اب شاید آپ میری منہ سے بھی اپنی تعریف سننا چاہتے ہیں۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"حالانکہ نواب صاحب نے بڑے مناسب الفاظ میں آپ کی تعریف کردی ہے۔"

سب ہنسنے لگے۔ گاؤں میں انتشار پھیل گیا تھا۔ صولت مرزا نے فوراً ہی ندی کے کنارے بسے ہوئے لوگوں میں آدمی دوڑا دیئے تھے جو لوگوں کو سب کچھ سمجھانے کی کوشش کررہے تھے۔

جب تک کھڑکی بھیگی رہی کتے کے رونے کی آوازیں بھی سنائی دیتی رہیں۔

اسی شام کو اطلاع ملی کہ ڈاکٹر بھٹناگر نے نہ جانے کس طرح حوالات میں خودکشی کرلی، اس طرح فریدی اپنے ایک سوال کے جواب سے محروم رہ گیا۔ وہ یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اصطبل میں نقارے کی موجودگی کا علم کیونکر ہوا تھا۔

رات کو کھانے کی میز پر شکیلہ فریدی سے کہہ رہی تھی۔ "ان واقعات کی رپورٹ کی ایک کاپی اپنے دستخط سمیت مجھے بھی بھجوایئے گا۔"

"خدا کے لئے اب آپ اپنی شادی کرلیجئے۔" حمید نے آہستہ سے فریدی کے کان میں کہا اور فریدی دانت پیس کر رہ گیا۔ اگر صولت مرزا وغیرہ موجود نہ ہوتے تو وہ حمید کی پیٹھ پر ایک زوردار گھونسہ ضرور رسید کردیتا۔ بہرحال وہ سب حمید کو استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے اور فریدی دل ہی دل میں تاؤ کھا رہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 22

خون کا دریا

(مکمل ناول)

کیچڑ میں پھول

پچھلے پہر کی نکھری ہوئی چاندنی جنگل کے سرسبز سینے پر محیط تھی۔ چاروں طرف ایک لامتناہی سکوت پھیلا ہوا تھا۔ ہولے ہولے چلنے والی خنک ہوا ایسی لگ رہی تھی جیسے سوئے ہوئے جنگل کی خواب آور اور بوجھل سانسیں۔ دفعتاً تار جام والی سڑک پر کسی کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی دکھائی دی اور پھر سناٹے میں انجن کی ہلکی آواز انتشار پھیلانے لگی۔ انسپکٹر فریدی کی خوبصورت کیڈی لاک سڑک کے سپاٹ سینے پر پھسلتی چلی جا رہی تھی۔ وہ اس وقت تار جام سے واپس آرہا تھا۔ سرجنٹ حمید اس کے برابر بیٹھا جھکولے کھا رہا تھا۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہو اور جس کا ایک ہلکی سی جنبش پر بھی ہل جانا یقینی ہو۔ ایک آدھ بار تو اس کا سر اسٹیئرنگ سے بھی ٹکرا گیا تھا۔ فریدی اسے بار بار سنبھال لیتا تھا۔

حمید نشے میں تھا۔ اسے بُری طرح پلا دی گئی تھی۔ اگر فریدی نے موقع پر بر وقت پہنچ کر مداخلت نہ کی ہوتی تو شاید وہ اسے پلاتے پلاتے مار ہی ڈالتے۔ فریدی نے اسے ایک اہم کام کے سلسلے میں تار جام بھیجا تھا۔ وہاں چند پولیس انسپکٹروں نے تفریحات میں پھانس لیا۔ حمید عادتاً شرابی نہیں تھا لیکن انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ اسے مجبوراً پینی ہی پڑی۔ شروع میں اس نے سوچا تھا کہ وہ ایک آدھ پیگ سے زیادہ نہ پیئے گا مگر وہ پھر ایک اناڑی کی طرح ڈوبتا ہی چلا گیا۔ اگر فریدی وہاں نہ پہنچ گیا ہوتا تو معلوم نہیں وہ لوگ مذاق ہی مذاق میں اس کی کیا درگت

بنا دیتے۔ اس کا وہاں اس طرح پہنچ جانا محض اتفاق ہی پر مبنی نہ تھا۔ نہ اسے اس معاملے کے متعلق کوئی دوسری خاص بات یاد آتی اور نہ وہ وہاں پہنچتا، بہر حال وہ کسی طرح حمید کو اٹھالایا۔ پہلے اس نے اسے پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ لیکن حمید نشے کی حالت میں اول فول بکتا ہوا اچھل کر اس کے قریب آبیٹھا۔

اور جب کیڈی کے انجن سے ہلکی ہلکی آواز نکلنے لگی تو دفعتاً فریدی نے اسے کچے راستے پر موڑ لیا۔ یہ علاقہ اس کا اچھی طرح دیکھا بھالا ہوا تھا۔ اسے یاد آ گیا کہ قریب ہی ایک تالاب ہے جہاں سے وہ موٹر کے لئے پانی لے سکے گا۔

کار رک گئی اور حمید ایک جھٹکے کے ساتھ فریدی پر آ رہا۔

"ہیں ہیں ہیں۔" وہ اس کی گردن سے لپٹا ہوا منمنایا۔

"میری جان۔"

"ادھر ہٹو....!" فریدی نے اسے دھکا دیا۔

"میں تمہارے لئے سونے کا تاج.... محل.... بنوادوں گا۔" حمید فریدی کے اوپر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "مگر میری جان.... پہلے تم مر کر.... بھی تو دکھاؤ۔"

"چپ رہو۔" فریدی نے اس کی گردن دبوچ کر کہا۔

"مار ڈالو۔" حمید نے گھگھیا کر کہا۔ "میرا باپ بھی یتیم تھا....اور میں بھی لاوارث ہوں۔"

پھر اس نے اس طرح منہ بنایا جیسے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے گا۔

"دیکھو.... سور.... اب اگر تم نے بکواس کی تو۔"

"ہمیں ڈانٹتی ہیں.... آں!"

"ابے میں عورت ہوں۔" فریدی نے چیخ کر پوچھا اور حمید کی ناک دبا دی۔

"نہیں تم دیوی ہو۔" حمید نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں پوجتا ہوں۔ تم فرشتوں سے ...زیادہ تگڑی.... اور قلوپطرہ کی طرح حاتم طائی ہو۔"

فریدی نے پھر اس کی پیٹھ پر ایک دھول جڑ دی اور پٹرول کے خالی ٹین لے کر نشیب میں اترنے لگا۔

تالاب کے مرتعش سینے پر چاند کی کرنیں مچل رہی تھیں۔ فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ اسے

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دودھیا چاندنی اس کی نندا سی آنکھوں کی راہ سے روح کی گہرائیوں میں اترتی چلی جا رہی ہو۔ نیند کے مارے دماغ کا سناٹا جنگل کے سکوت سے ہم آہنگ سا ہوتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سی مدہوشی اس کے ذہن پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے پٹرول کے دونوں ٹین زمین پر رکھ دیئے اور ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

نیند کی حالت میں بعض اوقات بڑے بڑے عجیب خیالات ذہن کے ڈھکے چھپے گوشوں سے شعور میں رینگ آتے ہیں۔ فریدی کا اونگھتا ہوا دماغ بھی کچھ بے تکے خیالات کی آماج گاہ بن گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ جس پتھر پر بیٹھا ہوا ہے وہ ایک زوردار دھماکے کے ساتھ پھٹ بھی سکتا ہے۔ اس خیال سے پلٹتی ہوئی کچھ یادیں بھی شعور کی سطح پر ابھر آئیں۔ ان میں ایک گدے دار کرسی بھی تھی جس کے گدے میں ایک ٹائم بم چھپا دیا گیا تھا اور جس نے ایک آدمی کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ اسے دوا کی وہ بوتل یاد آئی جس میں کسی نے پھٹ جانے والا آتش گیر مادہ بھر دیا تھا ایک ایسی ربڑ کی گڑیا یاد آئی جس میں ایک مہلک دوا بھری ہوئی تھی اور جس نے ایک پورے خاندان کا صفایا کر دیا تھا۔ اس کا ذہن بھٹک ہی رہا تھا کہ اسے پے در پے ہارن کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ سچ مچ حمید پر آج بڑا تاؤ آیا تھا۔ پھر یہ معلوم ہونے پر کہ وہ ایک چکر میں پھنس کر اپنی یہ حالت بنا بیٹھا تھا۔ اس کا غصہ تو رفع ہو گیا تھا لیکن ابھی قدرے جھلاہٹ باقی تھی۔ جواب پھر آہستہ آہستہ غصہ میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔

وہ پٹرول کے ٹین وہیں چھوڑ کر پھر کار کی طرف لوٹ گیا۔ حمید بے تحاشہ ہارن بجاتا جا رہا تھا۔

"ارے کم بخت کیا اب بیٹری کا بھی صفایا کر دے گا۔" فریدی اسے جھنجھوڑ کر بولا۔

"ارے تم آ گئیں.... میری جان.... یہ اونٹ چلتا کیوں نہیں۔" حمید نے بچوں کی طرح ٹھنک کر کہا۔

فریدی نے اسے اگلی نشست سے اٹھا کر پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

"بہت تگڑی ہو مری جان۔" حمید بڑبڑایا۔

"لیکن میں اپنے باپ کی دم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ.... تمہارے لئے ہاتھی دانت کا تاج محل ضرور بنواؤں گا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے حمید کی ٹائی کھول کر اس کے ہاتھ باندھ دیئے

اور اپنی ٹائی سے پیر۔

"ارے.... ارے!" حمید روہانسا ہو کر بولا۔ "یہ اچھی محبت باندھتی ہیں.... آں۔"

"شٹ اپ....!" فریدی نے کہا اور حمید باقاعدہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

فریدی نے چاہا کہ اس کا گلا دبا دے۔

وہ اسے چیختا چلاتا اور بڑبڑاتا چھوڑ کر پھر تالاب کی طرف اتر گیا۔ پٹرول کے خالی ٹین اٹھائے اور انہیں پانی سے بھرنے لگا۔

دونوں ٹین کا پانی موٹر میں ڈال کر پھر تالاب کی طرف بڑھا۔

اسے آج کے منحوس دن پر بھی غصہ آرہا تھا۔ حمید کی اس حماقت کی بناء پر وہ غصے میں رات کا کھانا بھی بھول گیا تھا۔ تقریباً نو بجے وہ تارجام پہنچا تھا اور پھر حمید کو ڈھونڈتا ہوا اس ہوٹل کی طرف جا نکلا تھا جہاں وہ اور اس کے دوست رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ پھر وہ حمید کو کار پر لاد کر فوراً ہی وہاں سے چل پڑا تھا۔

اس نے بھرے ہوئے ٹین زمین پر رکھ دیئے اور سیدھا کھڑا ہو کر سگار سلگانے لگا۔ نہ جانے کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر اور ٹھہرے۔ اس نیند کے باوجود بھی وہ وہاں ٹھہرنا چاہتا تھا جو فرصت کے لمحات میں اسے سب سے زیادہ عزیز ہوا کرتی تھی۔ اس کی نظریں تالاب کی چمکدار سطح سے چلتی ہوئی افق میں جا ڈوبیں۔ جہاں دو سیاہ ٹکڑے ابھر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد چونک کر اس نے ٹین اٹھائے اور چلنے کیلئے مڑا ہی تھا کہ چند قدم کے فاصلے پر داہنی طرف کی جھاڑیوں میں سرسراہٹ سنائی دی۔ اگر ساتھ ہی اسے ایک سایہ بھی نہ دکھائی دیا ہوتا تو شاید وہ اسے کوئی اہمیت دیئے بغیر آگے بڑھ جاتا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے ٹین پھرتی سے زمین پر رکھ دیئے اور اچھل کر ایک پتھر کی اوٹ میں ہو گیا۔ ہر وہ جرائم پیشہ جس کا اس سے سابقہ پڑ چکا تھا۔ اس کا دشمن تھا لہٰذا ایسے موقع پر اس کا ہوشیار ہو کر احتیاطی تدابیر اختیار کرنا غیر ضروری نہیں تھا۔

وہ کئی سیکنڈ تک پتھر کی اوٹ سے جھانکتا رہا۔ لیکن پھر کوئی دکھائی نہ دیا۔

البتہ جھاڑیاں ہل رہی تھیں۔ وہ عجیب کش مکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ دوسرا اقدام اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس کا نیند کے بوجھ سے دبا ہوا ذہن پہلے کی نسبت کچھ صاف ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی جسم پر کسلمندی طاری تھی۔ بہر حال یہ علامت بھی اس بات کی دلیل تھی کہ وہ خائف نہیں

ہوا۔ ورنہ خوف کی حالت میں تو جسم میں غیر معمولی طور پر پھرتی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ذہن کی دسترس سے نکل کر اضطراری افعال کا شکار ہونے لگتا تھا۔

دفعتاً اسے حمید کا خیال آیا جسے وہ باندھ کر نشے کی حالت میں چھوڑ آیا تھا۔ اگر واقعی دشمن گھات میں تھا تو حمید کے لئے بھی وہ اتنا ہی مہلک ثابت ہو سکتا تھا جتنا کہ خود اس کے لئے۔

وہ پتھر کی اوٹ سے نکل کر آہستہ رینگتا ہوا اوپر کی طرف بڑھنے لگا۔ پورے ڈھلوان میں لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے حرکت کرنے سے جھاڑیاں ہل رہی ہیں لیکن وہ اس وقت اور زیادہ احتیاط برت کر حمید کی جان خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔

اس دوران میں اس نے سوچا کہ ممکن ہے وہ کوئی جانور رہا ہو۔ لیکن اسے اپنی آنکھوں پر شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ سایہ کسی آدمی کا ہی دکھائی دیا تھا۔ جھاڑیوں سے نکل کر وہ تیزی سے کار کے قریب آیا۔ حمید پچھلی سیٹ پر لیٹا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر بدستور بندھے ہوئے تھے البتہ لباس کی بے قاعدگی سے معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے سو جانے سے قبل بھی ہاتھ پیر کھولنے کی جدوجہد کی ہے۔

فریدی پرخیال انداز میں اس ڈھلان کی طرف دیکھنے لگا جدھر سے یہاں تک پہنچا تھا۔

دفعتاً اسے ایک چیخ سنائی دی۔ کسی عورت کی چیخ جو تالاب کی طرف سے آئی تھی۔ پھر دوسری چیخ سنائی دی اور ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی پانی پر ہاتھ پیر مار رہا ہو۔

فریدی تیزی سے ڈھلان کی طرف اترنے لگا۔ اس وقت اس کے دل سے کسی قسم کی سازش کا خیال قطعی نکل گیا تھا۔ چیخ پھر سنائی دی اور تالاب کی سطح پر دو ہاتھ نظر آئے، جو بے بسی کے عالم میں ادھر اُدھر جھول رہے تھے۔ فریدی نے کوٹ اتار کر الگ پھینکا اور جوتے پہنے ہی تالاب میں چھلانگ لگا دی۔

ڈوبنے والے نے اس کی گردن اپنے بازوؤں میں جکڑ لی۔ فریدی نے کوئی مزاحمت نہ کی کیونکہ اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تالاب کی گہرائی زیادہ نہیں اور جب وہ ڈوبنے والے کی سمت سیدھا کھڑا ہوا تو پانی اس کی گردن تک تھا۔ وہ آہستہ آہستہ باہر آیا۔

کوئی عورت اس کی گردن سے بُری طرح چمٹی ہوئی تھی اور اسی حالت میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ فریدی نے بدقت تمام اسے اپنے جسم سے الگ کر کے زمین پر لٹا دیا۔ اس کے کپڑے کیچڑ

سے لت پت ہو گئے تھے۔ فریدی نے سب سے پہلے اس کے پیٹ میں پانی نکالنے کی تدبیریں اختیار کیں۔ پھر سگار جلا کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

یہ کوئی غیر ملکی عورت معلوم ہوتی تھی۔ اس کی رنگت انگریز یا فرانسیسی عورتوں کی طرح صاف نہیں تھی۔ گورے رنگ میں کچھ کچھ سنہرا پن سا تھا۔ بالوں کی رنگت کے متعلق اندازہ لگانا دشوار تھا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اخروٹ جیسی رنگت کے رہے ہوں۔ اس نے ایک ریشمی اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ وہ کیچڑ میں آلودہ ہونے کی بناء پر اس کے جسم سے چپک کر رہ گیا تھا۔ فریدی نے اندازہ لگایا کہ وہ لڑکی اب خطرے میں نہیں ہے لہٰذا وہ اسے وہیں چھوڑ کر ان جھاڑیوں کی طرف متوجہ ہو گیا جن میں اسے سایہ دکھائی دیا تھا۔ یہ جھاڑیاں موٹے موٹے تنکوں کی شکل میں کھڑی ہوئی تھیں۔ فریدی کو اس قسم کی وہ جھاڑیاں یاد آ گئیں تھیں جو اس نے اکثر دلدلی خطوں میں دیکھی تھیں۔ اس کا خیال بالکل صحیح نکلا۔ یہاں بھی دلدل ہی تھا اور اس کا سلسلہ براہِ راست تالاب سے جاملا تھا۔ یہاں سے اسے وہ کچی سڑک صاف دکھائی دے رہی تھی جہاں اس نے اپنی کار کھڑی کر رکھی تھی۔ دلدل میں ایسے کچھ نشانات تھے۔

فریدی نے پھر مڑ کر اس کی طرف دیکھا جو ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا رہا۔ کچھ سوچتا رہا پھر لڑکی کو اٹھا کر کار تک لایا اور اسے اگلی نشست پر ڈال کر دوبارہ تالاب کی طرف لوٹ گیا۔

کار میں پانی ڈال دینے کے بعد اس نے ٹارچ نکالی اور اپنی کار کے آگے کی زمین پر دیکھنے لگا۔ کسی دوسری کار کے پہیوں کے تازہ نشانات پر ٹارچ کی روشنی دائرہ بنا رہی تھی۔ فریدی پر اطمینان انداز میں سر ہلا کر پیچھے کی طرف لوٹ پڑا۔ اب وہ اس جگہ کھڑا تھا جہاں سے دلدل کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ تھوڑی دور تک کچھ دیکھتا رہا اور پھر کار کی طرف لوٹ آیا۔ حمید کے ہاتھ پیر کھول کر اسے پھر اگلی نشست پر لے آیا۔

اور بے ہوش لڑکی کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔

"ہام.... بچ....!" حمید نے بڑبڑا کر فریدی کا منہ چوم لیا۔

فریدی نے اس کے سر پر ایک ہاتھ رسید کر کے کار اسٹارٹ کر دی۔

اسے قدرت کی ستم ظریفی پر ہنسی آ رہی تھی۔

نہ جانے وہ کون تھی، کہاں کی تھی اور اس گندے تالاب میں کن حالات کے تحت پہنچی اور بھی عجیب اتفاق تھا۔ اگر کار کا پانی کم نہ ہوتا تو تالاب کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آتا اور وہ ب کر مر جاتی۔

وہ سوچنے لگا.... ممکن ہے خودکشی کی نیت رہی ہو۔ لیکن آخر خودکشی کے لئے اس نے ے تالاب کو کیوں منتخب کیا۔ دفعتاً اس کا خیال پھر دلدلی خطے اور اس کے نشانات کی طرف ل ہو گیا۔ اگر خودکشی ہی کرنی تھی تو وہ سب سے پہلے دلدل میں کیوں کودی۔ براہِ راست اب ہی تک کیوں نہیں چلی گئی۔ دلدل کے نشانات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پہلے دلدل میں ی اور پھر رینگتی ہوئی تالاب میں جا پڑی اور پھر اس دوسری کار کے نشانات.... تو کیا کسی نے ے اس کار سے نیچے پھینک دیا۔ فریدی راستے بھر اسی گتھی میں الجھا رہا۔

حمید کبھی کبھار چونک کر اول فول بکنے لگتا تھا۔

دوسری صبح حمید کے لئے بڑی تحیر خیز تھی۔ آنکھ کھلتے ہی اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا ۔ یہ بات تو اسے یاد ہی نہیں رہی تھی کہ وہ گھر تک پہنچا کس طرح تھا۔ البتہ پہلے کے واقعات ا کے ذہن پر ابھرے آ رہے تھے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ فریدی کا سامنا کس طرح کرے گا۔

وہ اٹھ کر برآمدے میں آیا۔ غسل خانے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اسے فریدی کی آواز ائی دی، جو کسی نوکر کو سمجھاتا ہوا ادھر آ رہا تھا۔

حمید بے اختیار اوپری منزل کے زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ ایک کمرے کے قریب سے رتے وقت اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا اور اچانک ٹھٹک گیا۔ اس کی نظریں کھڑکی سے راکر اس جگہ پہنچیں جہاں ایک خوبصورت لڑکی ہلکے نیلے رنگ کے لبادے میں لپٹی ہوئی سو رہی ی۔ وہ بے اختیار پنجوں کے بل چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آیا اور چند لمحوں تک اس سوئی ہوئی لڑکی دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔

اب وہ بڑے اطمینان سے زینے طے کرتا ہوا اتر رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ فریدی اس کے کمرے کے سامنے کھڑا ہے لیکن وہ مخاطب ہوئے بغیر غسل خانے کی طرف جانے لگا۔

"ٹھہریئے نواب صاحب۔" فریدی نے آواز دی۔

حمید رک کر ڈرامائی انداز میں اس کی طرف مڑا۔

"فرمایئے۔"

"فرمایئے کے بچے! تمہاری رات کی حرکت۔"

"اوہو....!" حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"بھلا عورت اور شراب میں فرق کیا ہے۔"

"اب یہ بے حیائی.... شرم نہیں آتی۔" فریدی نے کہا۔ "کل رات تم ایک مرے ہوئے کتے کی طرح اوک رہے تھے۔"

"شرم تو مجھے ابھی کچھ دیر قبل آئی تھی۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"میں اوپر سے آرہا ہوں۔"

"اچھا تو اسی لئے تم اس سینہ زوری پر آمادہ نظر آرہے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اجی ہاں.... میں ابھی تک غلط فہمی میں مبتلا تھا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مگر ہے زور آور۔"

"بکومت....!" فریدی نے بے زاری سے کہا۔ "تم نہیں جانتے کہ وہ کن حالات میں یہاں تک پہنچی ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں گا۔" حمید بے حیائی کی ہنسی ہنستا ہوا آنکھ مار کر بولا۔ "ابھی آپ مجھے ایک درد بھری کہانی سنا کر فرمائیں گے کہ اگر میں اسے یہاں نہ لاتا تو کیا کرتا۔"

"پھر بکواس۔"

"لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں۔" حمید اس کی بات سنی ان سنی کر کے بولا۔ "کہ وہ جس ملک سے تعلق رکھتی ہے وہاں نہ تو یتیم پالے جاتے ہیں اور نہ بیوائیں۔"

"میں کہتا ہوں کہ تم نے شراب کیوں پی تھی۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"میں کہتا ہوں آپ اس گھر میں ایک جوان عورت کو کیوں لائے جہاں مجھ جیسا نیک شریف بچہ رہتا ہو۔"

"میں چانٹا ماروں گا۔"

"حق بات کہنے پر لڈو نہیں ملا کرتے۔" حمید نے اسی کے لہجے میں نقل اتاری۔

فریدی نے جھلا کر حمید کی گردن پکڑ لی اور حمید اس طرح شور مچانے لگا جیسے وہ سچ مچ اس کی ن دبا رہا ہو۔

"توبہ کرو کہ اب کبھی اتنی نہیں پیو گے۔" فریدی نے کہا۔

"تاؤ نہ دلایئے مجھے۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔ "آپکی اس محبوبہ پر اس سے کچھ رعب نہیں پڑیگا۔"

"پھر وہی.... میں کہتا ہوں آخر۔"

"آخر.... واخر سے کام نہیں چلے گا۔ آپ کو بتانا پڑے گا وہ کون ہے۔"

"میں خود نہیں جانتا۔"

"بہت اچھے.... بہت اچھے۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔

"دیکھو گدھے میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔

"میرے ٹوٹے ہوئے سر سے بھی یہی صدا آئے گی۔"

"اچھا آؤ.... میرے ساتھ۔" فریدی نے کہا۔

"مگر ٹھہرو....!"

وہ اسے برآمدے میں چھوڑ کر ایک کمرے میں چلا گیا۔ پھر واپسی پر حمید نے اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک کوڑا دیکھا۔

"اگر وہ میرے لئے قطعی اجنبی نکلی۔" فریدی نے کوڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تو میں تمہاری کھال اتار دوں گا۔"

"کسی قسم کی شرط لگانا قریباً ناجائز ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"چلو....!" فریدی اس کی گردن دبوچ کر اسے زینوں پر چڑھانے لگا۔

کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ لڑکی بیدار ہو چکی تھی۔ جیسے ہی فریدی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اور اس کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔ پہلے تو وہ ٹکٹکی لگائے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ پھر جیسے ہی اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے کوڑے پر نظر پڑی۔ وہ بے اختیار چیخ مار کر مسہری پر گر پڑی۔

"مار ڈالو.... مجھے مار ڈالو۔ وہ اپنا منہ چھپا کر انگلش میں بڑبڑانے لگی۔"

"روز روز کی اذیت سے موت بہتر ہے۔"

پھر وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے قطرے تیر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بے اختیار رو پڑی اور فریدی و حمید متحیرانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تم لوگ مجھے بالکل پاگل بنا دو گے۔" وہ ہچکیاں لے لے کر بولی۔

"مجھے کالے کوسوں لے آئے۔ پھر میری وہ حالت بنائی کہ میں اب خود کو پہچان بھی نہیں سکتی اور اب مجھ سے کہتے ہو۔ میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ مگر مجھے بھی تو بتاؤ۔"

"لڑکی اب تم محفوظ ہاتھوں میں ہو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"تم دونوں پاگل ہو یا پھر میں ہی پاگل ہو گئی ہوں اور مجھے کسی پاگل خانے میں چند پاگلوں کے ساتھ بند کر دیا گیا ہے۔"

"یہ پاگل خانہ نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"بھائی کا دولت خانہ ہے۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔

فریدی نے گھور کر اسے دیکھا اور پھر اس اجنبی لڑکی کی طرف مخاطب ہو گیا۔

"کل رات ہم تمہیں ایک تالاب سے نکال کر لائے ہیں۔" فریدی نے اس سے نرم لہجے میں کہا۔

"تالاب سے۔" اس نے کہا اور پرخیال انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔

"مجھے سب کچھ یاد ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم نے پھر کسی طرح مجھے پکڑ لیا ہے اور اب میرا امتحان لے رہے ہو۔ میرے منہ سے ایک لفظ بھی تم لوگوں کے خلاف نکلا تو تم بے دردی سے مجھ پر کوڑے برسانا شروع کر دو گے۔"

"یقیناً تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے تم دونوں کو ان میں کبھی نہیں دیکھا.... لیکن....!"

"کن میں....!" فریدی بات کاٹ کر بولا۔

"میں عاجز آ گئی ہوں، تنگ آ گئی ہوں۔" لڑکی نے کہا۔

اور فریدی نے محسوس کیا، جیسے یک بیک اس کی خونی پیاس بڑھ گئی ہو۔

"تو اٹھاؤ کوڑا۔"

"کہیں یہ پاگل تو نہیں۔" حمید نے آہستہ سے اردو میں کہا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے کہا اور یک بیک اس کے لہجے کی نرمی غائب ہو گئی۔

اس نے لڑکی کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم خودکشی کی نیت سے بے تاب ہو کر تالاب میں کودی تھیں۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"سنو لڑکی! تم اس وقت ایک پولیس آفیسر سے باتیں کر رہی ہو۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ لیکن اس ہنسی کا زہریلا پن کسی طرح چھپ نہ سکا۔

فریدی اسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"تم لوگ کیا کیا نہیں بنے۔" اس نے مضمحل آواز میں کہا۔

"تم اس سے پہلے بھی پولیس آفیسر بن کر میری ننگی پیٹھ پر کوڑے برسا چکے ہو۔"

"کیوں سرکار یہ کیا کہہ رہی ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیا آپ کی کچلی ہوئی جنسیت نے تسکین کی کوئی نئی راہ نکالی ہے؟"

"کیوں فضول بک رہے ہو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا اور کوڑا ایک طرف ڈال دیا پھر لڑکی سے بولا۔

"تم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ مگر ٹھہرو.... ناشتہ یہیں آ جائے گا۔"

فریدی نے حمید کو نیچے چلنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے ساتھ ساتھ زینوں کی طرف بڑھنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کسی چکر میں پھنسی ہوئی تھی۔" فریدی بولا۔ "اور کسی طرح وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"مجھے اس قسم کے معمولی کام سے کوئی دلچسپی نہیں اور پھر ابھی تک مجھے آپ کی باتوں پر یقین نہیں آیا ہے۔"

"کن باتوں پر۔"

"یہی کہ وہ آپ کے لئے قطعی اجنبی ہے۔"

"کیا تم نے اس کی باتیں نہیں سنیں۔"

"کان پھاڑ کر سنی ہیں اور اب اس بات پر عش عش کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں کہ آپ نے اسے بڑی عمدہ ٹریننگ دی ہے۔"

"پھر بکواس شروع کر دی۔"

"نہیں جناب مجھے کیا مطلب! بہر حال میں بھی اب قطعی آزاد ہوں۔"

"یعنی....!"

"اب یہاں میری دوست بھی آیا کریں گی۔"

"ابے تو کیا وہ میری محبوبہ ہے۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"نہیں صاحب وہ آپ کی پیر و مرشد ہے اور آپ قوالی کرنے کیلئے اسے یہاں لائے ہیں۔"

"حمید بکواس بند کرو۔"

"فریدی صاحب مجھے حق کی بات کہنے دیجئے۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے جھلا کر کہا اور باورچی خانہ کی طرف مڑ گیا۔

حمید چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ پھر تیزی سے اوپری منزل پر جانے کے لئے مڑ گیا۔

وہ بے دھڑک اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں وہ لڑکی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ حمید اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"تم بہت حسین ہو۔"

لڑکی سر اٹھا کر حمید کو گھورنے لگی۔ پھر تیز آواز میں بولی۔

"کیا تمہیں آرتھر کا انجام یاد نہیں؟"

"کون آرتھر....؟"

"وہی جس نے مجھ سے عشق جتانے کی کوشش کی تھی اور تمہارے چیف نے ایک ہی گھونسے میں اس کے سر کی ہڈیاں چور کر دی تھیں۔"

"تم میرے چیف کو کب سے جانتی ہو۔"

"سنو! میں فضول بکواس میں نہیں پڑنا چاہتی۔" اس نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اب میں اس طرح رہوں گی جس طرح رہنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔ میں تمہیں حکم دیتی ں کہ یہاں سے نکل جاؤ اور اپنے اس بلڈاگ کو میرے پاس بھیج دو۔"

"بلڈاگ....!" حمید نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔

"ہاں ہاں بلڈاگ....!" لڑکی چیخ کر بولی۔

"اب میں اس سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔ میں اس پر بھی حکومت کروں گی۔ میں اگلوں کے ساتھ پاگل ہی بن جاؤں گی۔ مجھے یہ کمرہ پسند ہے۔ میں یہیں رہوں گی۔ میرا سارا سامان آرائش برابر کے کمرے میں سے لے آؤ۔ جلدی کرو۔"

"میں تمہارا نوکر نہیں ہوں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"غلام کے بچے تو کیا ہے، میں اب تمہارے بلڈاگ کو بھی غلام سمجھوں گی، جاتا ہے یا اٹھاؤں کوڑا۔"

"شٹ اپ....!" حمید حلق کے بل چیخا۔ وہ غصہ سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ اتنی شدید توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب فریدی یہ نہیں چاہتا کہ وہ اس کے ساتھ رہے۔ تقریباً دو سال سے دونوں ایک ساتھ ہی رہ رہے تھے۔ پہلے حمید الگ رہتا تھا لیکن فریدی اس سے بے تکلف ہو جانے کے بعد اس کا سامان بھی اپنی ہی کوٹھی میں اٹھوا لایا تھا۔ اتنے دنوں تک وہ دونوں افسر اور ماتحت کی بجائے بھائیوں کی طرح ایک ساتھ رہتے آئے تھے اور اب حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی نے اسے گھر سے نکال دینے کے لئے یہ جال بچھایا تھا۔ لیکن اسے اس سے زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑے گی، وہ ابھی اور اسی وقت فریدی کا گھر چھوڑ دے گا۔

حمید کچھ سنے بغیر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

نیچے فریدی نوکروں کو ناشتے کے لئے کچھ ہدایت دے رہا تھا۔

حمید اس سے مخاطب ہوئے بغیر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

"ابھی اور اسی وقت" وہ ایک کرسی پر گرتا ہوا بڑبڑایا۔ لیکن پھر اچانک ایک دوسرا خیال اس کے ذہن میں پیدا ہوا کہ وہ اپنا سامان لے کر جائے گا کہاں۔ جگہ مل جائے گی؟ مکان آج کل کہاں ملتے ہیں۔ خیر کچھ بھی ہو وہ سوچنے لگا۔ سامان یہیں پڑا رہنے دیا جائے۔

لیکن وہ خود اب اس چھت کے نیچے نہیں رہ سکے گا۔ وہ سوچتا رہا۔ پھر دفعتاً اٹھا.... جا
سے پہلے فریدی سے دو باتیں کرنی چاہتا تھا۔ وہ باہر نکلا۔ فریدی اس کے کمرے ہی کی طرف
تھا۔ حمید رک کر اس کی طرف گھورنے لگا۔

"خیریت....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں....!" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ایک نہیں دو.... ڈھائی تین.... ساڑھے تین....!"

"کیا میں نے کبھی یہ خواہش کی تھی کہ میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔"

فریدی پہلے تو مسکرایا لیکن حمید کے تیور دیکھ کر اسے تحیر آمیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"کیوں؟ یہ بات پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔"

"آپ نے ناحق کیوں اتنی دردسری مول لی ہے۔" حمید نے سرد لہجے میں کہا۔ "میرے لـ
صرف یہ کہہ دینا کافی ہوتا کہ اب اپنا کہیں اور انتظام کرلو۔"

"اچھا جی....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "کیا پھر چڑھالی ہے تم نے۔"

"میں اس وقت قطعی سنجیدہ ہوں۔" حمید نے کہا۔ "میں آپ کو بہت صاف گو سمجھتا ہو
میں یہ نہیں جانتا تھا کہ آپ میں اخلاقی جرأت کی کمی ہے۔"

"آخر کیا بک رہے ہو۔"

"میں نہیں جانتا تھا کہ آپ میری ایک ذلیل عورت سے توہین کرائیں گے۔"

"کیا مطلب....!"

"کچھ نہیں میں جارہا ہوں اور کوئی مناسب جگہ مل جانے پر اپنا سامان بھی لے جاؤں گا۔"

حمید جانے کے لئے مڑا لیکن فریدی اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"پاگل ہوئے ہو۔ آخر بات کیا ہے؟" اس نے حمید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کس نے توہین کی ہے تمہاری۔"

"خدارا اب مجھے روکنے کی کوشش نہ کیجئے۔"

"عجیب آدمی ہو کچھ بتاؤ بھی تو؟"

"اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔" وہ آگے بڑھنے کے لئے اسے ہٹانے لگا۔

"ابے حمید کے بچے! تمہارا دماغ ٹھنڈا کردوں گا۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ قبل اسکے کہ وہ باہر نکلتا فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

"شامت آئی ہے تمہاری! کون سور چاہتا ہے کہ تم یہاں نہ رہو۔"

"مجھے بولنے پر مجبور نہ کیجئے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب افسری اور ماتحتی ہی کا رشتہ بخوبی نبھ جائے۔"

"اور تم مجھے اس پر مجبور نہ کرو کہ تمہیں اس وقت کے لئے بند کردوں جب تک کہ تمہارا دماغ ٹھنڈا نہ ہو جائے۔"

"اس واقعہ کے بعد میں رسمی باتوں کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔" حمید نے کہا۔

"کس واقعہ کے بعد۔"

حمید کوئی جواب دینے کی بجائے فریدی کو گھورنے لگا رہا۔ اسے سو فیصدی یقین ہو گیا تھا کہ فریدی اسے نکالنا چاہتا ہے۔ اسے لڑکی کا یہ جملہ کہ میں اب تمہیں غلام سمجھوں گی اس کے کانوں میں اب بھی گونج رہا تھا۔ دفعتاً اسے یاد آیا کہ اس نے فریدی جیسے کو بھی بلڈاگ جیسے خطاب سے نوازا تھا۔

"آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اوپر جایئے وہ اپنے بلڈاگ کو یاد کر رہی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرح تمہارا دماغ بھی خراب ہو گیا ہے۔"

"نہیں.... اس کی طرح نہیں بلکہ ایک شریف آدمی کی طرح۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"محبوبائیں تو عموماً خر دماغ ہوا کرتی ہیں۔"

"پھر وہی محبوبہ محبوبہ کی رٹ....!" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔

"اچھا آؤ میرے ساتھ.... شاید تمہیں میرے بیان پر یقین آجائے۔ میں اسے اقدام خودکشی کے جرم میں پولیس کے حوالے کر دیتا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ حقیقتاً وہ اقدام خودکشی نہیں تھا۔"

فریدی اسے زبردستی گیراج میں لایا اور کیڈی لاک کی پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کرکے بولا۔

"یہ دیکھو مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا کہ خواہ مخواہ سیٹ پر کیچڑ پھیلا کر اسے برباد کر دیتا۔"

حمید تذبذب میں پڑ گیا۔ واقعی پوری سیٹ ہی برباد ہو کر رہ گئی تھی اور اس کے علاوہ کوئی
چارہ باقی نہیں رہ گیا تھا کہ آئل کلاتھ ہی بدل دیا جائے۔ "پھر وہ آپ کو کس طرح پہچانتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ مجھے قطعی نہیں پہچانتی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن مجھے وہ بات تو بتا
جس پر تم مجھے چھوڑ رہے ہو۔"

حمید کا موڈ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا تھا اور ان باتوں کو دہراتے ہوئے اسے کچھ شرم س
محسوس ہونے لگی تھی۔

فریدی اسے تذبذب میں دیکھ کر بولا۔

"بتاؤ نا.... یہ معاملہ مجھے سیدھا سادھا معلوم نہیں ہوتا۔" حمید نے برا سا منہ بنا کر اس
اور اپنی گفتگو دہرا دی۔

فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں آگئی تھیں۔

"کیا تم اسے پاگل سمجھتے ہو۔" فریدی نے پرخیال انداز میں پوچھا۔ "اگر آپ کا اس سے کو
تعلق نہیں ہے تو وہ یقیناً پاگل ہے۔"

"کیوں....؟"

"اس کی بے تکی باتیں۔"

"وہ ایک دلچسپ کیس ہے اور اس کے ذریعہ ہمیں مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔"
فریدی نے کہا۔

"میری طرف سے جائے وہ جہنم میں۔"

"قطعی قطعی....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"لیکن اب تم جا نہیں رہے ہو۔"

"ابھی تک میرا اطمینان نہیں ہوا۔"

"تم گدھے ہو! تمہیں شرم نہیں آتی۔ میرے متعلق ایسا سوچتے ہو۔ اب اگر تم نے ایک
بکواس کی تو خدا کی قسم پیٹوں گا۔"

پھر فریدی اسے دھکیلتا ہوا اندر لایا۔ یہاں وہ لڑکی نیچے اتر آئی تھی اور اس نے نوکروں
برسنا شروع کر دیا تھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

کافی شور و غل مچانے کے بعد اس نے فریدی سے پوچھا۔

"وہ سور کا بچہ بلڈاگ کہاں ہے؟ میرے کپڑے کہاں ہیں اور اب تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟"

"اب کیا خیال ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"پاگل.... قطعی پاگل۔"

"نہیں پیارے۔" اس نے کہا اور پھر لڑکی کو مخاطب کر کے بولا۔

"کپڑوں کا انتظام ہو جائے گا.... تم اپنی ناپ بتاؤ۔"

"مجھے باہر لے چلو.... باہر جاؤں گی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں.... لیکن اس طرح تم پھر انہیں لوگوں کے ہتھے چڑھ جاؤ گی۔"
ریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

لڑکی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ متذبذب نظر آنے لگی تھی۔

"خیر چھوڑو ناشتہ تیار ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "مطمئن رہو.... اب تم پولیس
کی حفاظت میں ہو۔"

وہ سب ڈرائنگ روم میں آئے۔ لڑکی خاموش ہو گئی تھی۔ ناشتہ کے دوران میں اکثر وہ
آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد فریدی نے پھر اس قصے کو چھیڑا۔ لڑکی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا
تھا جیسے وہ فریدی کی باتوں پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

میں کسی بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے خود اپنی بات پر یقین نہیں۔ شاید کسی
دن میں یہ بھی بھول جاؤں کہ میں کون ہوں۔" اس نے کہا۔

"تمہیں یاد دلانے کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے۔" فریدی نے پرخیال انداز میں
کہا اور خاموش ہو گیا۔

لڑکی سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"وہ یہ کہ میں تمہیں اقدام خودکشی کے جرم میں پولیس کے حوالے کر دوں۔" فریدی پھر بولا۔

"ارے نہیں نہیں۔" حمید ملتجیانہ انداز میں بولا۔ جس کا موڈ اب بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔ بہ
تمام فریدی نے اسے یقین دلایا کہ وہ پولیس آفیسر ہے۔ اس سلسلہ میں اسے اپنا شناختی کار
دکھانا پڑا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی کہہ رہی تھی۔ "کیا تم اس بات پر یقین کر سکو گے کہ میں خو
اپنے لئے اجنبی ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اب اگر میرے ماں باپ بھی دیکھیں تو نہ پہچان سکیں۔"

"تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟"

"ہنگری میں۔"

"انہوں نے تمہیں تلاش کرنے کی کوشش تو کی ہوگی؟"

"شاید....!" لڑکی نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "انہیں یہ بھی معلوم نہ ہوگا کہ میں کہاں ہو

"کیوں....؟"

"مجھے خود بھی معلوم نہیں کہ میں یہاں تک کیسے پہنچی۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ ایک رات ایک ریستوران میں شومان کے ساتھ کھانا کھا رہی
اس کے بعد آنکھیں کھلنے پر میں نے محسوس کیا کہ میں اسٹیمر کے ایک کیبن میں پڑی ہوں۔
میری آنکھ پاگل خانے میں کھلی۔"

"شومان کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میرا ایک دوست....!"

"کوئی پرانا دوست رہا ہوگا۔"

"نہیں.... ہماری دوستی کوئی ایک ماہ سے زیادہ پرانی نہیں تھی۔"

"تم وہاں کیا کرتی تھیں۔"

"شیشے کے برتنوں کے کارخانے میں کام کرتی تھی۔"

"وہ شومان پھر کہیں دکھائی دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"اور بلڈاگ کون ہے؟"

"بلڈاگ....!" لڑکی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بولی۔

"میں اس کا نام نہیں جانتی لیکن میں نے اتنا خوفناک اور طاقتور آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"پاگل خانے سے تمہاری کیا مراد ہے۔ میرے خیال سے یہاں اس شہر میں تو کوئی بھی پاگل
ہیں ہے۔"

"نہیں ہوگا لیکن میں پاگلوں ہی کے ساتھ تھی۔"

"آخر تم کس بناء پر اسے پاگل خانہ سمجھنے پر مصر ہو۔"

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ تم مجھے اپنی غلام سمجھو اور مجھ سے ویسا ہی برتاؤ کرو پھر اگر تم
کہانہ مانو تو میں کیا کروں گی۔"

"کچھ نہیں....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن وہ اسی بات پر مجھ پر کوڑے برساتے تھے۔"

"کیا....!" فریدی چونک کر بولا۔

"جب میں انہیں اپنا ملازم سمجھنے کی بجائے پاگل سمجھتی تھی تو وہ مجھے بے دردی سے مارتے
۔" لڑکی نے کہا۔

"ان میں کوئی بھی آدمی کم حیثیت کا نہیں معلوم ہوتا تھا.... وہ سب کافی تعلیم یافتہ بھی ہیں
بلڈاگ اس نے تو مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔"

"یعنی....!"

"اس نے میری شکل ہی تبدیل کر دی۔ پہلی بار چہرے کی پٹیاں کھولنے پر جب آئینہ میرے
نے لایا گیا تو میرے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ میں بالکل بدل گئی ہوں۔"

"میرے خدا میں اپنے والدین کو کس طرح یقین دلاؤں گی کہ میں ان کی اپنی بیٹی ہوں۔"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے نکلا اور حمید بھی آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس بلڈاگ نے میرے چہرے کا آپریشن کیا تھا۔" لڑکی پھر بولی۔

"میرا سارا چہرہ پٹیوں سے ڈھک دیا گیا تھا.... میں پاگل ہو جاؤں گی۔ وہ مجھے مار مار کر

امیروں کے رہن سہن کے طریقے سکھاتے تھے۔ میں ایک غریب لڑکی جو ناشتے میں صرف ایک اسٹیک کھا کر سارا دن گزار دیتی تھی بڑی بڑی عظیم الشان میزوں پر کھانے کے لئے زبردستی مجبور کی جاتی ہوں۔ میرے پاس صرف تین اسکرٹ ہوا کرتے تھے۔ دو معمولی تھے اور ایک کچھ اچھا جسے میں خاص خاص موقعوں پر پہنتی تھی۔ لیکن اب میرے پاس درجنوں اسکرٹ ہیں اور مجھے دن میں کئی بار لباس تبدیل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔"

"اور اس کے باوجود بھی تم وہاں سے بھاگ آئیں۔" فریدی نے کہا۔

"میری جگہ تم ہوتے تو کیا کرتے۔"

"یہ سوال دلچسپ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر مجھے وہاں اتنی آسائشیں ہوتیں تو میں وہاں سے کبھی نہ بھاگتا۔"

"خواہ تمہاری صورت ہی کیوں نہ بدل جاتی۔" اس نے بھولے پن سے پوچھا۔

فریدی اس کا جواب دینے کی بجائے کچھ سوچنے لگا۔

دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے سر ابھارا۔ ممکن ہے یہ خود ان ہی لوگوں کے لئے کو جال بچھا رہی ہو۔ اس سے قبل بھی فریدی کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں۔

"وہ لوگ تم پر کوڑے برساتے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"یقین نہیں آتا....! بھلا تم جیسی خوبصورت لڑکی پر کوڑے۔"

"تم یقین نہیں کرو گے۔" وہ جھلا کر کھڑی ہو گئی اور لبادے کے اوپر کے بٹن کھول کر ا پشت حمید کی طرف کر دی۔

"دیکھو....!" ساری پیٹھ پر ابھری ہوئی نیلی اور سیاہ دھاریاں تھیں۔ حمید لرز اٹھا۔

"بند کرو.... بند کر دو۔" وہ جلدی سے بولا۔

"کل رات بھی انہوں نے مجھے بے تحاشہ پیٹا تھا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن کل رات ہی کو میں وہاں سے نکل بھاگی۔ وہ میرا کمرہ مقفل کرنا بھول گئے تھے۔"

"وہ جگہ بتا سکتی ہو۔"

"شاید میں باہر سے اس عمارت کو پہچان بھی نہ سکوں۔" لڑکی نے کہا۔ "کیونکہ مجھے کبھی ا

نکلنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ البتہ اتنا بتا سکتی ہوں کہ وہ عمارت کسی ویرانے میں ہے جس کے چاروں طرف گھنے جنگل ہیں۔"

"تم اس تالاب تک کس طرح پہنچی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے کوئی تالاب یاد نہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "البتہ اپنے ہوش میں مجھ سے جو حرکتیں ہوئیں انہیں بتانے کی کوشش کروں گی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

پھر بولی۔ "باہر نکلنے کے بعد میں جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں گھس پڑی۔ میرا سارا جسم دکھ رہا تھا۔ دکھن نہیں بلکہ اسے جلن کہنا چاہئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سارے جسم میں دہکتے ہوئے انگاروں سے لکیریں کھینچ دی گئی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد یہ سوزش اور بڑھ گئی۔ پھر شائد میں دو تین میل کی مسافت طے کرنے کے بعد گر پڑی۔

"تمہیں سمت کا بھی دھیان نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"قطعی نہیں! اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا۔ وہ یہ کہ میں آزاد ہو گئی ہوں اور ہر قیمت پر مجھے ان سے ہمیشہ کے لئے پیچھا چھڑا لینا ہے۔"

"ہاں.... خیر تو پھر....!"

"جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میں نے کہیں قریب کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ میں نے جھاڑیوں سے منہ نکال کر دیکھا تو سڑک کے کنارے ایک پرانی وضع کی کار کھڑی تھی اور کوئی اس کا انجن کھولے اس پر جھکا ہوا تھا۔ مجھ میں چلنے کی سکت بالکل نہ تھی۔ دفعتاً مجھے ایک تدبیر سوجھی۔ اس کار کے پیچھے لگیج کیریئر بھی لگا ہوا تھا جیسے ہی کار رینگی میں جھاڑیوں سے نکل کر لگیج کیریئر پر بیٹھ گئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔ مجھے اس کی فکر نہ تھی۔ میں تو جلد سے جلد ان کی دسترس سے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے تک میرے ہوش و حواس بجا رہے لیکن اس کے بعد سر چکرانے لگا۔ اس سے آگے میں نہیں جانتی کیا ہوا؟

"ہوں....!" فریدی پر خیال انداز میں سگار سلگانے لگا۔ پھر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"ان میں کسی کا حلیہ بتا سکتی ہو۔"

"قریب قریب سبھی کے بتا سکتی ہوں۔ لیکن نام کسی کا نہیں جانتی۔" لڑکی نے کہا۔ "خصوصاً اُس

معمر سرجن کی شخصیت تو کبھی نہ بھلا سکوں گی۔ جسے دیکھ کر بے اختیار بلڈاگ کہنے کو جی چاہتا ہے۔"

"وہی جس نے تمہاری شکل بگاڑی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں اس کا سر چھوٹا ہے اور جبڑے اتنے بھاری ہیں کہ چہرہ سینے پر لٹکا ہوا سا معلوم ہوتا تھا، شانے غیر معمولی طور پر چوڑے ہیں۔" آنکھیں چھوٹی اور سرخ ہیں۔ قد درمیانہ رنگ گندمی، پیشانی کافی کشادہ ہے۔ بال اتنے چھوٹے رکھتا ہے کہ وہ کسی طرف موڑے نہیں جاسکتے اور ہونٹ پتلے ہیں۔"

فریدی نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا جو لاپروائی سے چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "اچھا تو تمہیں ٹریننگ کس قسم کی دی جارہی تھی۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی ڈرامے کا ریہرسل ہو رہی ہو۔ ایسے موقعوں پر مجھے نہایت قیمتی لباس پہنایا جاتا تھا اور میرے ساتھ باوردی باڈی گارڈ ہوتے تھے جن کے نیزوں پر سفید جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں اور ان جھنڈیوں پر پیلے رنگ کے عقاب بنے ہوئے تھے۔"

"پیلے رنگ کے عقاب....!" فریدی چونک کر سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔

"اس وقت وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ تمہارا نام بورازیانہ ہے۔"

"اچھا بے بی۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "خیریت اسی میں ہے کہ تم ان کمروں تک محدود رہنا۔ تم کھڑکیوں کے قریب بھی نہیں جاسکتیں اور اگر اس کے خلاف کیا، تو نتیجے کی تم خود ذمہ دار ہوگی۔ یہ کوئی بہت بڑی سازش ہے۔"

"تو کیا اب تمہاری قید میں رہنا پڑے گا۔"

"قید نہیں بلکہ حفاظت میں۔" فریدی نے کہا۔ "اگر ان لوگوں نے تمہیں دیکھ لیا تو مجھے زندگی بھر افسوس کرنا پڑے گا۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"ابھی تک جو کچھ تمہارے ساتھ ہوتا آیا ہے اسے کب سمجھی ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ڈرو نہیں.... اس گھر میں تم ہر طرح محفوظ رہوگی۔ مجھے اپنے کپڑوں کے سائز دے دو اور اگر ہمارے ملک کا لباس پہننا چاہتی ہو تو اس سے بہتر کچھ نہ ہوگا۔"

"میں نہیں جانتی کہ تمہارے ملک کی عورتیں کیسا لباس پہنتی ہیں۔"

"میں تمہیں تصویروں میں دکھاؤں گا میرے ساتھ آؤ۔"

"کیا تمہارے گھر میں کوئی عورت نہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"یہ نہ پوچھو....!" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔ "ورنہ ہم دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیں گے۔"

"کیوں....!" لڑکی کے لہجے میں تحیر تھا۔

"ہم لوگ اپنی پیدائش سے پہلے ہی بیوہ ہوگئے تھے۔"

لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی۔

فریدی اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا اور یہاں ایک الماری سے ایک البم نکال کر اسے دیا۔ اس البم میں بہت سی تصویریں تھیں۔ ان میں سے کچھ عورتوں کی بھی تھیں ایک لباس اسے بے حد پسند آیا۔ وہ اسے پہننے پر رضامند ہوگئی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید نوکروں کو اس لڑکی کے متعلق خاص ہدایت دے کر روانہ ہوگئے۔

"اب کیا کہتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"بظاہر تو یہ داستان طلسم ہوشربا سے کم نہیں ویسے خدا جانے۔" حمید نے کہا۔

"لڑکی کچھ بے وقوف سی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیوں....!"

"آخر وہ انہیں اپنا غلام کیوں نہیں سمجھتی تھی۔"

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں اور کیڈی چکنی سڑک پر پھسلتی جارہی تھی۔

دفعتاً اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

"میں اس پیلے عقاب کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"آپ کی سوچ پر کوئی پابندی نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ ہمیشہ ایسی ہی باتیں سوچتے ہیں جن کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔"

"اچھا خیر تم ہی کوئی ایسی بات سوچو جو اس سے بھی زیادہ اہم ہو۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔

"میں اس بلڈاگ کے متعلق سوچ رہا ہوں جس کا کوئی وجود نہیں۔"

"وجود نہیں....!" فریدی سامنے دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"جی ہاں.... میں اس لڑکی کے بیان کو ذرہ برابر بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں۔" حمید نے کہا۔ "اس نے اقدام خودکشی کیا تھا۔ سزا کے خوف سے داستانیں گڑھ رہی ہے۔ خیر میں یوں بھی آپ کو رائے نہ دیتا کہ آپ اسے پولیس کے حوالے کر دیں۔ چار دن گھر میں رونق ہی رہے گی۔"

"تم نے اس بلڈاگ کو کبھی نہیں دیکھا۔" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ وہ یہاں کے مشہور آدمیوں میں سے ہے۔"

"جو حلیہ اس نے بیان کیا ہے ویسا آدمی مجھے آج تک نہیں دکھائی دیا۔"

"خیر دیکھو....!" فریدی نے کار دفعتاً فٹ پاتھ کے قریب روک دی۔

"ادھر دیکھو....!"

بائیں طرف والی عمارت میں ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر ڈاکٹر ضرغام تحریر تھا اور کھڑکی کے اندر حمید کو ایک آدمی دکھائی دیا، جو میز پر جھکا ہوا کچھ لکھنے میں مشغول تھا اور پھر اچانک اس کے دماغ میں لفظ بلڈاگ کی گردان شروع ہو گئی۔

"میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور پھر کار چل پڑی۔

حمید بارہ بجے تک ہائی سرکل نائٹ کلب میں برج کھیلتا رہا۔ فریدی نے اسے ڈاکٹر ضرغام کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کی تاکید کی تھی۔ وہ پانچ بجے شام سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اور اس دوران میں اس نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس کی بناء پر اس پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکے۔ آٹھ بجے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ نائٹ کلب میں آیا تھا اور ایک بجے برج چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔ لیکن اس کے دوست وہیں رہ گئے تھے۔ حمید اس کا تعاقب کر رہا تھا اور پھر اسے اس کے گھر پہنچا کر واپس آیا تھا۔ اس نے پھاٹک پر قدم رکھتے ہی برآمدے میں خلاف معمول تاریکی دیکھی تھی۔ ویسے برآمدے میں ہر حالت میں روشنی رہتی تھی۔ پھاٹک کا بلب بھی بجھا ہوا تھا۔

رکھوالی کرنے والے السیشن کتوں نے ہلکی ہلکی آوازیں نکالیں۔

اور حمید انہیں چمکارتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ "کون حمید" برآمدے کے دوسرے کنارے سے فریدی نے اسے آواز دی۔ "اوہ.... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"لائن فیوز ہو گئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ادھر ہی چلے آؤ۔"

"میرے خیال سے رکھوالی کے لئے کتے ہی کافی ہوتے ہیں۔" حمید نے کہا اور ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

فریدی نے سگار لائٹر جلا کر اوپر اٹھایا۔ وہ ایک آرام کرسی پر لیٹا ہوا تھا۔ حمید اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا خبر لائے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... مجھے تو ایسی کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی جس کی بناء پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکے۔ جسمانی ساخت کے اعتبار سے وہ بے ڈھنگا ضرور ہے خوفناک بھی معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا کردار بھی خوفناک ہو۔ دوسری بات۔" حمید نے عقل مندوں کی طرح مخصوص انداز میں سر ہلا کر کہا "جولیا نے صرف اس کا حلیہ کیوں بتایا۔ ان لوگوں کے متعلق اس نے وضاحت سے کیوں نہیں بتایا جو اس پر کوڑے برسایا کرتے تھے۔ نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کے چہرے تو ازبر ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اس قسم کے لوگوں کی ہر چیز ذہن سے بُری طرح چپک جاتی ہے، جو ہمارے لئے اذیت ناک ہوں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جولیا نے ہمیں اُلو بنایا ہے۔"

"وہ کس طرح۔"

"اس سلسلہ میں ایک نقطہ تو عرض کر ہی چکا۔ اب دوسرا ملاحظہ فرمائیے۔ ڈاکٹر ضرغام کی شخصیت ایسی ہے کہ کوئی اسے ایک بار دیکھ کر زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔ میں نے صبح اس کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی اور تھوڑی دیر بعد جب اس کا خیال آتا تھا تو اس کی مکمل تصویر میرے ذہن میں اُبھر آتی تھی۔ ممکن ہے جولیا نے اسے پہلے کبھی دیکھا ہو اور آپ کے استفسار پر اس کا حلیہ بتا چکی ہو۔"

"تمہاری یہ دلیل قابل قبول نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "پھر تمہیں وہ نشانات بھی ذہن میں رکھنے چاہئیں جو تم نے اس کی پیٹھ پر دیکھے تھے۔"

"ہو سکتا ہے کہ انکی کوئی اور وجہ ہو۔ آخر آپ اسکی اس کہانی کو حقیقت سمجھنے پر کیوں مصر ہیں"

"اس سے پہلے بھی کبھی تم نے ڈاکٹر ضرغام کو کوئی اہمیت دی تھی۔" فریدی نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے میں نے اس کا نام بھی نہیں سنا تھا۔" حمید بولا۔

"حالانکہ وہ کئی سال سے یہاں قیام پذیر ہے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"رہا ہوگا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ حمید کچھ کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ یک بر آمدے کے بلب روشن ہوگئے۔ حمید نے روشنی میں دیکھا کہ فریدی کے قریب رکھی ہوئی ٹی پائی پر ٹیلی فون بھی موجود ہے۔

"آج سے تین سال قبل ڈاکٹر ضرغام نے ایک طبی رسالے میں ایک مضمون لکھا تھا جس مردے کا آپریشن کر کے شکل تبدیل کر دینے کے امکانات پر بحث کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ عنقریب تجربات کرنے والا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "تو آپ نے جولیا کی اس ہوائی پر بھی یقین کر لیا ہے اس کا چہرہ آپریشن کے ذریعہ بگاڑ دیا گیا ہے۔"

"تم اسے ہوائی کہتے ہو؟" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "امریکہ میں اس قسم کے تجربات ہو چکے ہیں۔"

"جی ہاں.... میں نے اکثر امریکی رسائل میں اس قسم کے سرجنوں کے اشتہارات دیکھے ہیں جو پھولی ہوئی ناک اور گدھوں جیسے کانوں کا آپریشن کر کے انہیں حسین بنا دیتے ہیں۔ خیر یہاں تک تو یقین کیا جا سکتا ہے لیکن پورے چہرے کے خدوخال بدل دینا اپنی سمجھ سے باہر ہے اور جولیا کا چہرہ تو بالکل بے داغ ہے کیا یہ آپریشن کرنے والوں کا کمال ہے۔ بہر حال آپ کے پاس اس کے لئے کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال منطقی دلیل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ ابھی ہمارے پاس اتنا مواد نہیں ہے۔"

"ہوگا صاحب۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ذرا دیکھنا....!" فریدی نے حمید سے کہا اور خود آنکھیں بند کر کے آرام کرسی کی پشت

لگایا۔

حمید ریسیور اٹھا کر سننے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

ریسیور رکھ کر وہ فریدی کی طرف مڑا۔

"کرن سنگھ تھا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "کہہ رہا تھا کہ ناولٹی سینما سے نکلتے وقت تین برقعہ پوش عورتوں کے نقاب نوچ لئے گئے۔"

"ٹھیک.... بیٹھ جاؤ۔!" فریدی نے کہا اور میز پر رکھے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ لکھنے لگا پھر الٹ کر رکھ دیا۔

حمید تحیر آمیز انداز میں اس طرف دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔

فریدی نے پھر حمید کو اشارہ کیا اور حمید نے پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"وحید ہے۔" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے بولا۔

"کہہ رہا ہے کہ باٹم روڈ پر دو عورتوں کے نقاب نوچے گئے۔"

فریدی نے کاغذ پر پھر کچھ لکھا اور ریسیور اپنے ہاتھوں میں لے کر بولنے لگا۔

"وحید میں بول رہا ہوں، فریدی.... کیا تم کسی کو پکڑ نہیں سکے۔"

"کیا کہا.... سب پاگل.... اچھا خیر.... تمہیں اور تمہارے آدمیوں کو اب چھٹی ہے۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا اور بیٹھ کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میرے قائم کردہ نظریے کی تائید ہو رہی ہے۔"

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ تم نرے گاؤدی ہو۔" فریدی اکتا کر بولا۔ "ارے صاحبزادے جولیا کی تلاش کی جا رہی ہے۔ یہ دیکھو....!" اس نے میز پر رکھا ہوا کاغذ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بارہ بجے دوپہر سے اس وقت تک اٹھائیس برقعہ پوش عورتوں کے نقاب نوچے جا چکے ہیں۔"

"کس نے نوچے۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"چند مخبوط الحواس آدمیوں نے اور وہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی نہیں پکڑے جا سکے۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کہے، کچھ ہی دیر قبل وہ اس کی

سادگی کا مضحکہ اڑا رہا تھا، اب وہ اتنا بے حیا بھی نہیں تھا کہ ان کو اتفاقات کے زمرے میں
کر کے کسی نئی بحث کا آغاز کر دیتا۔ اسے اتفاق تو اس وقت کہا جا سکتا تھا۔ جب شہر میں اس سے
بھی اس قسم کی کوئی واردات ہوئی ہوتی۔

شہر کی سڑکوں پر روزانہ خبط الحواس اور مجنوں قسم کے آدمی اسے ہر روز دکھائی دیتے
جن کے متعلق اس نے عوام کی زبانی یہ بھی سنا تھا کہ وہ سی آئی ڈی کے آدمی ہیں۔ حالانکہ ان
سے ایک بھی اس کے محکمہ سے نہیں تھا۔ بہر حال شہر میں ایسے آدمیوں کی تعداد کم نہیں
لیکن آج تک ان سے کوئی خطرناک حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی۔ ان کا پاگل پن عموماً گالیوں
تک بکواس ہی تک محدود رہتا تھا یا پھر کبھی کبھی ان میں سے ایک آدھ پتھر لئے بچوں کے پیچھے
ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اکثر وہ بھیک مانگتے وقت راہگیروں سے بھی الجھ جاتے تھے اور پھر اگر معاملہ
آدھ کا ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ وہاں تو ایک دن میں اٹھائیس عورتوں کے نقاب نوچے
تھے۔ اسے تو کوئی بچہ بھی کسی غیر معمولی سازش پر محمول کر سکتا تھا۔

حمید نے ہارے ہوئے جواری کی طرح ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ فریدی کے ہونٹوں پر
زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اب کیا کہتے ہو۔"

"فی الحال میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"

"کہو گے کیا۔" فریدی نے کہا۔

"اگر جولیا ڈاکٹر ضرغام کا حلیہ نہ بیان کرتی تو شاید مجھے بھی یقین نہ آتا۔"

"کیا آپ کے پاس اس کا کوئی خراب ریکارڈ موجود ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں لیکن اس کا وہ مضمون....!"

"آپ بھی مضمون کو لئے پھرتے ہیں۔"

"میں اس مضمون کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں جسکے متعلق ابھی بتایا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر

"یہ ایک دوسرا مضمون ہے، جو اب سے ڈیڑھ ماہ قبل شائع ہوا تھا۔ اس میں اس نے
سال قبل والے مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا تھا کہ میں تین سال سے انتھک تجربات کے
اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تبدیلی ہیئت کے لئے چہرے کا آپریشن کامیاب نہیں ہوتا۔ اب
سال قبل جو میں نے لکھا تھا وہ میری خام خیالی تھی.... امریکی ڈاکٹروں کے کامیاب تجربوں

متعلق اس کا خیال ہے کہ وہ زیادہ تر اتفاقات پر مبنی ہیں۔"

"تو پھر....!"

"تو پھر کیا....! سوچنے کی بات ہے کہ تین سال بعد پہلے والے بیان کی تردید کی ضرورت
کیوں محسوس ہوئی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں اور سر میں
جھائیں جھائیں شروع ہو گئی تھی۔

"چالاک سے چالاک آدمی بھی کوئی نہ کوئی حماقت کر بیٹھتا ہے۔" فریدی پھر بولا۔

"اگر وہ تین سال بعد اپنا تردیدی مضمون نہ چھپواتا تو....!"

"جولیا کہاں ہے۔" حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"سو رہی ہے۔"

"تو اسی لئے آپ یہاں بھاگ آئے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟ اس سے کیا۔"

"بھلا ایک غیر عورت کیساتھ اکیلے گھر میں.... آپ بڑی بوڑھیوں کو کیا منہ دکھاتے۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"اے ہے۔" حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "ذرا دانتوں تلے انگلی بھی دبائی ہوتی۔"

"شٹ اپ....!"

"انشاءاللہ آپ حشر کے دن کنواری لڑکی بنا کر اٹھائے جائیں گے۔"

"کیا لوفروں کی طرح دو پیسے والے جملے بول رہے ہو۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"میں آپکے دکھوں کی تہہ تک پہنچ گیا ہوں۔" حمید اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولا۔

فریدی بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں آپ کے دل کی گہرائیوں تک اتر گیا ہوں۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"مت ٹائیں ٹائیں کرو۔"

محبت میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے انسان پر
کہ تاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگِ جان پر

"خدا کے لئے مجھے ایسے سڑے بسے شعر مت سنایا کرو۔"

"اصغر گونڈوی کا شعر ہے جناب۔"

"اللہ تعالیٰ کا تو نہیں ہے۔"

"کیوں صاحب کیا خرابی ہے اس شعر میں۔"

"اس قسم کی کیفیت صرف کافی مقدار میں بھنگ پی جانے پر پیدا ہو سکتی ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ایسی حالت میں ستاروں کی چمک تو کیا ستاروں کے خیال سے بھی رگ چمکنے لگتی ہے۔ آپ اتنے پیارے خیال کا خون کر رہے ہیں۔"

"خیال کیا میں تو تمہارا خون کر دینے کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔"

"آخر آپ عورت کے نام پر بدکتے کیوں ہیں۔"

"یار کیوں بور کر رہے ہو۔" فریدی نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "نیند نہیں آرہی تمہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اندر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

فریدی نے مڑ کر دیکھا۔ جولیا دروازے میں کھڑی پریشان نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "تم نے میرا کہنا نہیں مانا۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"اندر آجاؤ.... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ پیچھے ہٹ کر تاریکی میں جاتی ہوئی بولی۔

"کیوں....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے۔

"میں نے ابھی ایک خوفناک خواب دیکھا ہے۔"

"کیا....!" حمید نے پوچھا۔

لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ وہ فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی اور فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس خواب کو سننے کا خواہش مند نہیں ہے۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید نے پھر خواب کے متعلق استفسار کیا۔

"وہ بلڈاگ....!" لڑکی کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ لیکن یک بیک رک گئی۔

"ہاں.... آں....!" فریدی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں نے دیکھا جیسے اس نے گھونسہ مار کر میرے سر کی ہڈیاں چور کر دیں۔"

"اس خواب کی وجہ خوف ہے اور کچھ نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا تم خواب کی حقیقت ل نہیں ہو۔"

"کبھی کبھی میں نے ایسے ایسے خواب دیکھے ہیں جو پورے ہو چکے ہیں۔"

"اتفاقات ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ خواب کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔ میرا ایک گھونسہ ے سر کی ہڈیاں چور نہیں کر سکتا۔"

"میں اس بلڈاگ کے گھونسے کی بات کر رہی ہوں۔"

"وہی سہی وہ اتنا طاقتور نہیں ہے۔"

"تو کیا تم اسے جانتے ہو۔" لڑکی نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، وہ اس شہر کا ایک معمولی سا ڈاکٹر ہے۔"

"تب تم اسے نہیں جانتے۔" جولیا مسکرا کر بولی۔ "نہ اس کی طاقت سے واقف ہو۔ کوئی مولی طاقت والا آدمی ایک گھونسے میں کسی کے سر کے پرخچے نہیں اڑا سکتا؟ آرتھر کا سر میرے امنے ہی پھٹا تھا اور اس نے میرے سامنے ہی تڑپ تڑپ کر جان دے دی تھی۔"

"آرتھر کون....؟"

"ان ہی میں سے ایک تھا۔"

"مگر تم نے کہا تھا کہ ان میں سے کسی کے نام سے واقف نہیں تھی۔"

"وہ دراصل مجھ سے عشق کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔" جولیا نے سادگی سے کہا۔ "اس سلسلہ میں وہ مجھ سے گھنٹوں باتیں کرتا تھا اور اسی نے مجھے اپنا نام بھی بتایا تھا۔ ایک دن اس خوفناک آدمی نے اسے مجھ سے عشق کا اظہار کرتے ہوئے دیکھ لیا اور اسی جگہ بے چارے آرتھر کو تڑپ تڑپ کر جان دینی پڑی۔"

"آرتھر....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا پھر جولیا کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"وہی نا جس کے بائیں کان کی لو کٹی ہوئی تھی۔ داہنے نتھنے پر بڑا سا تل تھا۔"

"وہی وہی....!" لڑکی جلدی سے بولی اور فریدی کے چہرے پر نظریں جمادیں۔ فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

دوسرے دن صبح حمید کی طبیعت کسلمند تھی۔ پچھلی رات کافی رات تک جاگتا رہا تھا۔ جولیا سے گفتگو کرنے کے بعد فریدی اٹھ کر سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ حمید آرتھر کے متعلق اس سے استفسار کرنا چاہتا تھا۔ اسے یاد آرہا تھا کہ اس نے اس سے پہلے بھی یہ نام سنا تھا لیکن ذہن پر کافی زور دینے کے باوجود بھی یہ نہ یاد آیا کہ نام کس سلسلہ میں تھا اور پھر اس نام پر فریدی کے چہرے پر تشویش کے آثار بھی دکھائی دیئے تھے۔ آخر کیوں، اور وہ اسے کچھ بتائے بغیر چپ چاپ اٹھ گیا تھا۔ حمید کافی دیر تک الجھتا رہا۔

اور شاید یہ الجھن اور زیادہ بڑھ جاتی مگر ناشتے کی میز پر جولیا کی ہیئت کذائی دیکھ کر اس کی الجھن رفع ہوگئی۔ وہ اس وقت لیڈی ہملٹن کے غرارے اور جمپر میں ملبوس تھی اور دوپٹے کو گردن میں ڈال کر ٹائی کی گرہ لگائے ہوئے تھی۔

"ارے اس طرح نہیں استعمال کیا جاتا۔" حمید نے کہا۔

"اونہہ....!" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "چلنے بھی دو۔"

"پھر کس طرح۔" جولیا نے کہا۔

"ٹھہرو بتاتا ہوں۔" حمید بولا اور اٹھ کر اسے باقاعدہ دوپٹہ اوڑھا دیا اور پھر بڑا سا گھونگھٹ نکال کر اپنی جگہ پر آبیٹھا۔

وہ چند لمحے تک اسی حالت میں بیٹھی رہی۔ پھر منمناتی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں چائے کس طرح پیوں گی۔"

"یہ بھی کچھ مشکل نہیں۔" حمید نے کہا اور چائے کی پیالی گھونگھٹ میں لے جا کر اس کے ہونٹوں سے لگادی۔

فریدی حمید کو گھور رہا تھا اور بولا کچھ نہیں۔

"اس طرح تو بڑی دشواری ہوگی۔" جولیا اکتا کر بولی۔

"میں تمہیں اپنے ملک کے لباس کا صحیح استعمال بتا رہا ہوں۔" حمید نے کہا اور اس کا ہاتھ کیک سلائس سمیت گھونگھٹ میں گھس گیا۔

"مجھ سے نہیں بنے گا۔" جولیا نے کہا۔

"مجبوری ہے۔"

جولیا بدستور گھونگھٹ نکالے بیٹھی رہی۔ وہ اسی طرح چائے پینے لگی تھی۔ کیا تمہارے یہاں سب کی سب عورتیں ایسا ہی لباس پہنتی ہیں۔ جولیا نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"ہمیشہ....!"

"ہاں....!"

"وہ زندہ کس طرح رہتی ہیں۔"

"خود تمہیں دو چار دن کے بعد اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔"

"تو کیا مجھے بھی اس طرح رہنا ہوگا۔" جولیا گھبرا کر بولی۔

"قطعی....اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔"

"میں تو مر جاؤں گی۔"

"ہمارے یہاں کی عورتیں سو سال سے قبل نہیں مرتیں۔"

"تعجب ہے۔"

"بھلا اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔"

"تمہارے یہاں کی عورتیں دنیا کا آٹھواں عجوبہ معلوم ہوتی ہیں۔" جولیا نے کہا۔

"اور مرد اس سے بھی زیادہ اُلو کے پٹھے ہیں۔"

"کیوں....؟"

"اس لئے کہ ہمارے یہاں شادی سے پہلے میڈیکل ٹسٹ کا رواج نہیں ہے۔"

"کیا اوٹ پٹانگ بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا اور پھر جولیا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اپنا منہ کھول دو، یہ خواہ مخواہ تنگ کر رہا ہے۔" جولیا نے ہنس کر گھونگھٹ ہٹا دیا۔ پھر حمید سے کہنے لگی۔ "یقیناً یہاں کے مرد اُلو کے پٹھے معلوم ہوتے ہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر جولیا بولی۔

"کیا اس کو نقاب کہتے ہیں۔"

"نہیں گھونگھٹ.... کیوں؟"

"کیا یہ دونوں لفظ ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔"

"نہیں، نقاب اور گھونگھٹ میں تھوڑا سا فرق ہے۔ بہر حال وہ بھی چہرے کو چھپانے ہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔"

"میں آج صبح کا اخبار پڑھ رہی تھی۔ اس میں یہ خبر کافی دلچسپ تھی کہ کل چند پاگل آدمیوں نے اٹھائیس عورتوں کے نقاب نوچ ڈالے۔ لیکن میں انہیں پاگل نہیں سمجھتی ہوں۔ انہوں نے نہایت عقلمندی کا کام کیا ہے۔"

"انہیں میں بھی عقل مند سمجھتا ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں تم کسی بڑی گہری سازش میں شریک کی جانے والی تھیں۔"

"میری عقل ہی خبط ہو کر رہ گئی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس دنیا میں ہوں یا عالم ارواح میں۔ کہیں میں سچ مچ پاگل ہی نہ ہو جاؤں۔"

"گھبراؤ نہیں۔" فریدی نے اسے دلاسہ دیا۔ "آہستہ آہستہ سارے سازشی میری گرفت میں آتے جا رہے ہیں۔"

"ممکن ہے کہ مجھے اس گورکھ دھندے سے نجات بھی مل جائے۔" جولیا مغموم لہجے میں بولی۔ "لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اپنے والدین کو کس طرح یقین دلاؤں گی کہ میں ان کی بیٹی ہوں۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا.... تم مت گھبراؤ۔"

"لیکن آخر یہ سب کچھ ہوا کیوں.... میری زندگی کیوں اس طرح برباد کی گئی۔"

"میں اسی سوال کے جواب کی تلاش میں ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تمہیں زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔ وہ لوگ تمہاری تلاش میں ہیں اور ان کا گروہ بہت منظم معلوم ہوتا ہے اگر تم سے ذرا بھی لغزش ہوئی تو سارا کام بگڑ جائے گا۔"

"حتی المقدور احتیاط برتوں گی۔"

"تمہیں ناچنا آتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے کبھی تفریحات کا موقع ہی نہیں ملا۔" جولیا نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا تو خیر اس مکان میں تمہیں بہت سی تفریحات ملیں گی۔"

حمید ابھی اٹھنا نہیں چاہتا تھا لیکن فریدی کے اشارے پر اٹھنا ہی پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ باہر جانے کے لئے لباس تبدیل کر رہے تھے۔

"یہ آرتھر کون تھا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"تم آرتھر کو نہیں جانتے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "تب تو تمہیں اس محکمے میں نہیں ہونا چاہئے۔"

"یہ تو وہی بات ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "تم خدا کو نہیں جانتے۔ تب تو تمہاری پیدائش ہی غلط ہوئی ہے۔"

"تمہیں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ تو معلوم ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ اس کا ریکارڈ کافی عرصہ تک تمہاری فائل میں رہا ہے۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"خیر وہ ایک عادی مجرم اور ایک خطرناک بلیک میلر تھا۔ آج سے چھ ماہ قبل تین سال کی قید بامشقت سے رہا ہوا تھا، بہر حال جولیا نے یہ ایک بڑے کام کی بات بتائی ہے۔"

"مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا۔"

"کس طرح....!" فریدی نے پوچھا۔

"وہی بکواس کر رہی تھی۔"

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔"

"اس وقت میں اسے پاگل سمجھتا تھا۔"

"ہوں.... خیر.... آؤ چلیں۔"

"لیکن جانا کہاں ہے...." حمید نے پوچھا۔

"فی الحال آوارہ گردی کے موڈ میں ہوں۔"

"مگر میں بڑا شریف بچہ ہوں۔"

"چلو چلو....!" فریدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

پھر چند لمحوں کے بعد فریدی کی کیڈلاک بڑی سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔

"کیا آپ نے کوئی طریقہ متعین کر لیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی نہیں.... ابھی تو میں بقول شخصے اندھیرے میں ہاتھ مار رہا ہوں۔"

"ایک بات میری سمجھ میں آج تک نہیں آئی۔"

"کیا....!"

"آخر ہم پر ہی کیوں اس قسم کی بلائیں نازل ہوتی ہیں۔"

"کیسی بلائیں۔"

"کیا یہ ضروری تھا کہ وہ بڑھیا آپ ہی کو ملتی۔" حمید نے کہا۔ "میں شروع سے دیکھ رہا ہوں کہ جس زمین پر آپ کے قدم پڑتے ہیں وہیں سے کوئی نہ کوئی نیا فتنہ ضرور ابھرتا ہے، پتہ نہیں کہ آپ کی تقدیر کس بناسپتی ستارے سے وابستہ ہے۔"

"تقدیر کی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھو تو تمہیں ہر راہ پر ہر موڑ پر کسی نہ کسی عجیب واقعہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"میں آنکھیں بند نہیں رکھتا۔"

"اگر آنکھیں بند نہیں رکھتے تو تم نے اسے پاگل کیوں سمجھ لیا تھا۔"

"میں کیا ہر ایک ایسا ہی سمجھتا۔"

"ہر ایک نہ کہو.... اپنی کہو۔"

"خیر ماریئے گولی۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

فریدی یوں ہی بلا مقصد اپنی کار ادھر ادھر دوڑاتا پھر رہا تھا۔ کبھی اس سڑک پر کبھی اُس پارک کے سامنے روک دی اور کبھی کسی ریستوران کے سامنے.... ڈاکٹر ضرغام کے مطب کا بھی ایک چکر لگا چکا تھا اور اسے کل ہی کی طرح میز پر جھکا ہوا پایا تھا۔ آج بھی اس کے یہاں مریضوں کی زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔

دنڈو پر ایک آدمی کھڑا شاید دوا لے رہا تھا اور دو بوڑھیاں اس کی میز کے قریب پڑی ہوئی کرسیوں پر اونگھ رہی تھیں۔

اب اس کی کار باتھ روڈ کی طرف سے نیلی روڈ کی طرف جا رہی تھی۔

"یہ کیا....!" دفعتاً حمید بولا۔

ایک جگہ کافی بھیڑ دکھائی دی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ لوگ کسی کو گھیر گھیر کر پکڑنے کی ش کر رہے ہیں۔ فریدی نے یک لخت کار روک دی اور اتر کر بھیڑ کی طرف بڑھا۔

ایک آدمی سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ابھی ابھی ایک دیوانے نے ایک طالبہ کا نقاب نوچا وہ بیچاری ایک طرف سمٹی کھڑی تھی۔ فریدی بھیڑ کو چیرتا ہوا اندر گھسا۔ دیوانہ ہر بار نے والوں کی گرفت سے نکل جاتا تھا، وہ خود بھی لہولہان ہو رہا تھا اور کئی آدمیوں کو اپنے بڑے ناخنوں اور چمکیلے دانتوں سے زخمی کر چکا تھا۔

فریدی چند لمحے تک کھڑا اسے بغور دیکھتا رہا پھر خود بھی اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے اس کے ں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے، لیکن لاکھ احتیاط کے باوجود بھی اس کے دانتوں سے نہ بچ سکا۔ نے اس کے شانے پر منہ مارا تھا مگر فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان کام نہ تھا۔

حمید بھیڑ کو ہٹانے لگا۔ فریدی نے اس کو کار کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ دفعتاً کسی اور ف سے ایک اور آدمی بھی دیوانے پر ٹوٹ پڑا۔

"مار ڈالوں گا سالے کو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "میری بیٹی کا نقاب.... کل اسی نے....!"

فریدی اسے ہٹانے لگا۔ اس جدوجہد کے دوران میں کسی طرح دیوانہ اس کی گرفت سے نکل ا اور دوسرا آدمی فریدی پر آ رہا۔

حمید بے ساختہ اس دیوانے کی طرف بڑھا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ دوڑے اور یہی چیز ں کے نکل جانے کا سبب بن گئی اگر وہ ایک ساتھ نہ دوڑتے تو اس نے اس خبطی کو پکڑ لیا ہوتا۔ گلے موڑ پر پہنچ کر وہ یک بیک بھیڑ میں غائب ہو گیا۔

واپسی پر حمید نے فریدی کو اس آدمی سے الجھے ہوئے پایا جس کی وجہ سے وہ اس کی گرفت ے نکل گیا تھا۔

"کیا ضرورت تھی آپ کو خواہ مخواہ بیچ میں کودنے کی۔" فریدی بگڑ رہا تھا۔

"اس نے کل میری بچی کا نقاب نوچا تھا۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اس پاگل کتے کو۔ اگر کومت ان پاگلوں کا کوئی انتظام نہیں کر سکتی تو ہم خود قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔"

فریدی اسے جواب دینے کی بجائے قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کے منہ پر تھپڑ مار دے۔ لیکن اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس

نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن میں نے اسے پکڑ ہی لیا تھا۔"

"اب کیا بتاؤں....!" وہ آدمی خفیف ہو کر بولا۔ "اسے دیکھ کر میں خود کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ کل اس نے سر راہ شرمندہ کیا تھا۔"

"خیر ہوگا۔" فریدی نے بے تعلقانہ انداز میں کہا اور اپنی کار کی طرف مڑ گیا۔ لیکن وہ اب بھی کنکھیوں سے اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس دوران میں اس نے حمید کو کچھ اشارہ کیا اور وہ کار کے قریب سے ہٹ کر سڑک کے کنارے پر چلا گیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔

حمید سڑک کی کنارے کھڑا رہا۔ اتنے میں وہ آدمی جس نے دیوانے کو مارا تھا ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ حمید اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

وہ دو تین سڑکوں کا چکر لگانے کے بعد ڈاکٹر ضرغام کے دواخانے کے سامنے پہنچ کر رک گیا اور حمید کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ڈاکٹر ضرغام کے مطب میں داخل ہو گیا۔ دواخانے کے سامنے ہی فٹ پاتھ پر پرانے ناولوں اور رسالوں کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ حمید وہاں رک کر کاؤنٹر پر لگی ہوئی کتابیں الٹنے پلٹنے لگا۔

اس کی نظریں کبھی کبھی اس کھڑکی کی طرف اٹھ جاتی تھیں جس کے پیچھے ڈاکٹر ضرغام کی میز تھی۔ یکایک ڈاکٹر ضرغام اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دب گیا تھا۔ "میں اسے دیکھ لوں گا۔"

حمید نے سڑک کے شور کے باوجود ڈاکٹر ضرغام کی آواز صاف سن لی تھی۔ "کسے دیکھ لے گا۔" حمید کے ذہن نے سوال کیا۔

کیا یہ جملہ اس نے فریدی کے لئے کہا تھا۔ کیا وہ شخص جس کا وہ تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا فریدی کو پہچانتا تھا اگر یہ بات ہے تو وہ اسے بھی پہچانتا ہوگا اور یہ بھی جانتا ہوگا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ لیکن دوسری بات کو اس کے ذہن نے قبول نہ کیا۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ ضرغام کے مطب میں آتا ہی کیوں، یا اگر کسی وجہ سے آیا ہی تھا تو اس کے داخل ہوتے ہی ڈاکٹر ضرغام استھسکوپ اٹھا کر اس کا معائنہ شروع کر دیتا اور وہ اسی سلسلہ میں اپنی رپورٹ بھی سناتا۔ حمید نے

ڈاکٹر ضرغام کی طرف دیکھا جو کھونٹی سے لٹکا ہوا کوٹ اتار رہا تھا۔ پھر اس نے ٹائی کی گرہ درست کی اور انگلیوں سے سر کے بال ٹھیک کرتا ہوا فٹ پاتھ پر اتر آیا۔

وہ آدمی بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ ڈاکٹر ضرغام نے حمید کے قریب سے گزرتے وقت اسے گھور کر دیکھا اور سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی کار میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ حمید چکرا گیا کہ اب اس کا تعاقب کرے یا اس آدمی کے انتظار میں وہیں کھڑا رہے۔

وہ آدمی تھوڑی دیر تک اونگھتا رہا پھر وہ بھی باہر نکل آیا۔

حمید پھر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ دفعتاً اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، اسے ہر حالت میں ڈاکٹر ضرغام کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔

اس نے سوچا کہ وہ اس بات کا تذکرہ فریدی سے نہ کرے گا کیونکہ اس طرح اس کا احمق قرار دیا جانا یقینی تھا۔ فریدی گھنٹوں اس کا مذاق اڑاتا۔

وہ آدمی تھوڑی دیر ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے کے بعد ایک چھوٹے سے کیفے میں گھس گیا جس میں بار بھی تھا۔

❁

رات اپنے سیاہ بازو پھیلائے کائنات پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ حمید اور جولیا رات کے کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے فریدی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ صبح سے غائب تھا۔ آج اس کی تفتیش کا پانچواں دن تھا۔

حمید کو حیرت تھی کہ آخر فریدی اس بار اتنی احتیاط کیوں برت رہا ہے۔ قاعدے کے مطابق تو اسے اب ڈاکٹر ضرغام سے الجھ ہی جانا چاہئے تھا۔

"تمہارا چیف تو مجھے ان آدمیوں سے بھی عجیب معلوم ہوتا ہے۔" جولیا نے کہا۔

"کیوں....!" حمید نے پوچھا۔

"اس نے پورے مکان کو اچھا خاصا عجائب خانہ بنا رکھا ہے۔"

"کیا تم نے یہاں سب کچھ دیکھ لیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"سب کچھ سے کیا مراد ہے۔"

"مطلب یہ کہ تم نے مجھے بھی دکھایا نہیں۔"

"کیوں نہیں تمہارے جیسا Laughing Beast (ہنسنے والا درندہ) آدمی تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔" جولیا نے ہنس کر کہا۔

"تم غلط سمجھیں.... میں بہت روتا ہوں۔"

"کیوں....!"

"ایک ستم رسیدہ آدمی ہوں۔"

"تم....!" جولیا ہنس کر بولی۔ "بھلا تم پر کس نے ظلم کیا ہے۔"

"مجھے ان کے نام تک یاد نہیں رہے۔"

"ظلم کی قسمیں بتاؤ۔"

"کیا کرو گی سن کر تمہیں دکھ ہوگا۔"

"پھر بھی۔"

"ایک بار ایک آدمی نے میرے منہ پر کہہ دیا تھا کہ تمہاری ناک ٹیڑھی ہے۔"

"ٹھیک تو کہا تھا اس نے....!"

"ہائیں....!" حمید اچھل کر بولا۔ "تم بھی یہی کہتی ہو۔"

"نہیں نہیں سیدھی ہے۔ میں نے تو یونہی مذاق کیا تھا۔ اچھا دوسرا ظلم؟"

"دوسرا ظلم یہ ہے کہ آج تک کسی لڑکی نے مجھ سے شادی کی درخواست نہیں کی۔"

"یہ تو واقعی ظلم ہے۔" جولیا مسکرا کر بولی۔

"مجھے اُلو بنا رہی ہو۔"

"نہیں نہیں.... تیسرا ظلم۔"

ایک بار مجھے ایک لڑکی سے محبت ہوگئی۔ بڑی سنجیدہ اور حلیم تھی۔ میں نے اسے کبھی ہنستے یا مسکراتے حتیٰ کہ بات کرتے بھی نہیں دیکھا۔ میں نے اسے کئی بار متوجہ کرنے کی کوشش کی مگر صرف دیکھ کر رہ گئی۔

"پھر....!"

"ایک بار ایک جگہ تنہا مل گئی۔ میں نے اس سے گفتگو کرنی چاہی، جانتی ہو اس نے کیا کہا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ جولیا اسے سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا کہا....!" وہ تھوڑی دیر بعد اکتا کر بولی۔

اس نے کہا۔ "لوع.... باغ.... بوق.... بعوق....!"

"کیا مطلب....!"

"وہ کم گو تھی۔" حمید غمزدہ لہجے میں بولا اور اداسی کی ایکٹنگ کرتا ہوا اس کی آنکھوں میں بھنے لگا۔

جولیا بے اختیار ہنس پڑی اور کافی دیر تک ہنستی رہی۔

"تم نے شادی کیوں نہیں کر لی اس سے۔" جولیا ہنس کر بولی۔

"میں نے سوچا کہیں اس بے چاری کو میرے ساتھ رہ کر بولنا ہی نہ پڑ جائے۔"

"تو تم زندگی بھر کنوارے ہی رہو گے؟"

"ہاں....!"

"آخر کیوں؟ تم لوگ تو کافی دولت مند ہو۔" جولیا نے کہا۔

"میرا چیف عورتوں سے ڈرتا ہے اور میں....!"

"کیوں....؟" جولیا نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"میں نہیں جانتا.... لیکن جب سے تم یہاں آئی ہو وہ گھر میں بہت کم رہتا ہے۔"

"کیا مجھ سے بھی ڈرتا ہے۔"

"ہاں تم سے بھی بُری طرح خائف ہے۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں....!"

"عجیب بات ہے تم تو کہہ رہے تھے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے فول مین کی آندھی اور بیرون آئی لینڈ کی پُراسرار آبادی کا پتہ لگایا تھا۔"

"ہاں ہاں میں نے غلط نہیں کہا تھا۔"

"اور وہ عورتوں سے ڈرتا ہے۔"

"عجیب لڑکی ہو تم بھی۔" حمید نے کہا۔ عورتوں سے خائف رہنے میں اس کی دلیری اور بلند ہمتی میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے دیکھو میں کتنا بہادر آدمی ہوں لیکن اندھیرے میں کسی کالی بلی

کی سرخ سرخ آنکھیں دیکھ کر بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ سناٹے میں اُلو کی آواز سن کر میرا دم لگتا ہے۔ اگر اندھیرے میں تم ہی چونک کر مجھے ڈرا دو تو میں چیخ مار کر تم سے لپٹ جاؤں گا۔

جولیا کچھ کہنا ہی چاہ رہی تھی کہ قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چونک کر آواز کی طرف دیکھنے لگی۔ فریدی اپنی بغل میں ایک فائل دبائے اندر داخل ہوا۔ ابھی وہ بیٹھنے ہی پایا تھا کہ جو پوچھ بیٹھی۔

"مسٹر فریدی! کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر حمید کی طرف دیکھا اور پھر جولیا کو مخاطب کر کے بولا۔ "اس ق کی اطلاعات صرف تمہیں اس سے مل سکتی ہیں۔"

"یہ کہتا ہے کہ تم میری وجہ سے ادھر اُدھر بھاگے پھرتے ہو۔" جولیا نے کہا۔ "خیر بھاگ دوڑ تو میری ہی وجہ سے ہو رہی ہے، لیکن اس کا کہنا ہے کہ تم مجھ سے اس قدر خائف ہو کہ تم گ میں نہیں رہتے۔"

"ممکن ہے کہ یہ ٹھیک ہی کہتا ہو۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "تم لوگ کھانا کھا چکے؟"

"لیکن تم مجھ سے ڈرتے کیوں ہو۔" جولیا نے پوچھا۔

"بھئی اس سے پوچھو، وہی کوئی معقول وجہ بتا سکتا ہے۔" فریدی اکتا کر بولا۔

پھر اس نے باورچی کو آواز دے کر بلایا۔

"میں اس وقت کھانا نہیں کھاؤں گا۔" اس نے کہا۔ "بس جلدی سے کافی اور دو پیسٹریاں دے جاؤ۔"

"دیکھا تم نے۔" حمید چہک کر بولا۔ "ڈر کے مارے بھوک بھی غائب ہو گئی۔ صرف کافی پئیں گے۔"

"کیوں بے کار بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی اردو میں بڑبڑایا۔

"میں کہتا ہوں آخر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔" حمید نے انگریزی میں کہا۔ "یہ بے چاری نہ شیر ہے نہ بھیڑیا۔"

"شٹ اپ....!"

"اچھا خوف کی وجہ ہی معلوم ہو جائے۔"

"حمید چپ رہو، ورنہ سر توڑ دوں گا۔" فریدی نے اردو میں کہا۔

"اوہو....!" حمید حیرت کا اظہار کرتے ہوئے جولیا کی طرف مڑا۔ "یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے کل رات کو تمہیں اپنے کتے سے لڑتے دیکھا تھا۔"

"میں....!" جولیا متحیر ہو کر بولی۔ "نہیں یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

"یہ تمہیں خوامخواہ بے وقوف بنا رہا ہے۔" فریدی نے جولیا سے کہا۔ "اس کی باتوں میں نہ آؤ۔"

"تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔" جولیا حمید کی طرف مڑی۔

"یہ غلط ہے۔ میں نے آج تک کسی لڑکی کو بے وقوف نہیں بنایا۔ ہمیشہ خود بنتا رہا ہوں۔"

"تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ تم نے بہتیری لڑکیوں کو بے وقوف بنایا ہوگا۔ میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں۔" جولیا بولی۔

"البتہ بعض لڑکیوں نے مجھے اس قدر بے وقوف بنایا ہے کہ اب مجھے خود کو بے وقوف کہتے ہوئے بھی شرم آنے لگی ہے۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"اچھا کس طرح بے وقوف بنایا تھا۔"

"ایک دو کیس ہوں تو بتاؤں۔"

"پھر بھی ایک آدھ....!" جولیا چونک کر بولی۔

"خدا خیر کرے۔" فریدی اردو میں بڑبڑایا۔ "حمید کے بچے خدارا اس مظلوم لڑکی پر رحم کرو۔"

"ابھی کچھ دنوں کی بات ہے۔" حمید فریدی کی بات کو نظرانداز کر کے بولا۔ "ایک لڑکی مجھ سے بہت قریب ہو گئی اور اس نے رو رو کر مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ ہرگز مجھ سے شادی نہ کرے گی۔ اس بات پر مجھے سچ مچ اس سے محبت ہو گئی، لیکن اس نے مجھے بے وقوف بنایا۔ مجھے کہیں کا نہ رکھا۔"

"کیوں کیا کیا اس نے۔" جولیا نے حیرت سے کہا۔

"منمنانے لگی.... ناک کے بل بولنے لگی۔"

"کیوں! منمنانے کیوں لگی۔"

"تاکہ میں اس سے نفرت کرنے لگوں۔ اسے بھلا دوں۔"

"عجیب بات ہے.... بھلا اس میں نفرت کی کیا بات ہے۔"

"میں ہر اس عورت سے نفرت کرنے پر مجبور ہوں، جو ناک کے بل بولتی ہے۔"

"عجیب آدمی ہو تم....!"

"لیکن میں نے اس معاملہ میں بڑا دھوکہ کھایا۔"

"کیا....؟"

"اسے دراصل زکام ہو گیا تھا۔"

"تو پھر بھلا اس میں اس کا کیا قصور....!" جولیا ہنس کر بولی۔

"قصور سراسر اسی کا ہے۔" حمید نے کہا۔ "اسے بتا دینا چاہئے تھا کہ وہ زکام میں مبتلا ہے۔ مگر خیر حقیقت معلوم ہو جانے پر بھی مجھے اس سے نفرت ہی رہی۔"

"پھر نفرت کیوں رہی۔"

"اس لئے کہ زکام ٹھیک ہو جانے کے بعد وہ منمناتی رہی۔"

"تو پھر زکام ہی رہا ہوگا۔"

"خدا جانے....!" حمید نے کہا۔ "تم نے رستم و سہراب کا لکھا ہوا فردوسی نامہ پڑھا ہے؟"

"حمید سو راب چپ بھی رہو۔" فریدی نے کہا۔

اتنے میں کافی آ گئی اور وہ تینوں اپنی اپنی پیالیاں سیدھی کرنے لگے۔ کافی کے دوران میں فریدی نے اپنا فائل کھول کر جولیا کے سامنے رکھ دیا۔

"ارے یہ تو آرتھر کی تصویر ہے۔" جولیا ایک فارم میں چپکی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"ہوں....!" فریدی نے دوسرا ورق الٹتے ہوئے کہا۔ "اسے بھی دیکھا ہے کہیں؟"

"نہیں....!" جولیا بولی اور فریدی نے دوسرا ورق الٹا۔ اس طرح وہ بدستور ورق الٹتا رہا۔ ایک جگہ جولیا بے اختیار چیخ پڑی۔

"یہ بھی تھا.... ان میں یہ بھی تھا اور زیادہ تر اس نے مجھ پر کوڑے برسائے ہیں۔"

"ٹھیک....!" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

جولیا نے پورا فائل الٹ دیا لیکن اور کسی تصویر کے متعلق اس نے کچھ نہیں کہا۔ فریدی نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھ دیا اور کافی کی پیالی پکڑ کر پرخیال انداز میں سگار کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"کیا تم نے ان کا پتہ لگایا ہے۔" جولیا نے پراشتیاق لہجہ میں پوچھا۔

"ہاں.... لیکن ابھی یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے یہ سب کیا کیوں؟ وہ اب بھی تمہاری تلاش میں ہیں۔"

"تم انہیں پکڑ کیوں نہیں لیتے۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ میں ان کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کروں گا۔ اگر کسی طرح آرتھر کی لاش مل جاتی تب بھی غنیمت تھا۔"

"کیا میری شہادت کافی نہ ہوگی۔"

"قطعی نہیں.... عدالت تمہارے اس بیان پر ہرگز یقین نہ کرے گی کہ تمہاری شکل تبدیل کر دی گئی ہے کیونکہ تمہارے خدوخال سو فیصد قدرتی معلوم ہوتے ہیں اور تم خواہ مخواہ ایک جنجال میں پھنس جاؤ گی کہ تم بغیر پاسپورٹ اور ویزا کے داخل کیسے ہوئیں۔"

"جولیا خاموش ہو گئی۔"

کافی ختم کرنے کے بعد فریدی نے جولیا کو سونے کے لئے اوپری منزل میں بھیج دیا اور خود باہر جانے کے لئے تیاریاں کرنے لگا۔ اس نے حمید کو بھی تیار ہو جانے کو کہا۔ حمید طوعاً و کرہاً تیار ہو گیا۔ اس وقت وہ کہیں باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

راستے میں حمید نے فریدی سے کہا۔

"آپ کہہ رہے تھے کہ کسی عدالت کو جولیا کے بیان پر یقین نہیں آ سکتا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔"

"تو پھر آپ نے کیسے یقین کر لیا۔"

"اس لئے کہ اب میں یہ بات اچھی طرح جان گیا ہوں کہ اس واقعہ سے تعلق رکھنے والے لوگ پکے سازشی ہیں۔ آرتھر کے متعلق میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں۔ اب تمہیں اس کے ساتھی کے پاس لئے چل رہا ہوں۔ اسی کے پاس جس کی تصویر جولیا نے شناخت کی تھی۔"

فریدی نے چرچ روڈ پر اپنی کار روک دی۔

"کیوں یہ وہی کیفے ہے نا جہاں تم نے میجر سلمان کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"کون میجر سلمان....!"

"وہی جس کا تعاقب تم نے کیا تھا۔"

"اوہ ہاں....!" حمید نے کہا۔ "یہی وہ کیفے ہے۔"

فریدی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔ یہاں قریب قریب ساری میزیں بھری ہوئی تھیں۔ زیادہ تر لوگ شراب پی رہے تھے۔

حمید کی نظریں کاؤنٹر پر رک گئیں جہاں ایک دبلا پتلا آدمی کھڑا اپنی پیشانی رگڑ رہا تھا۔ کچھ د قبل اس نے اس کی تصویر فائل میں دیکھی تھی۔

فریدی پر نظر پڑتے ہی وہ بے اختیار چونک پڑا۔ پھر اس نے کاؤنٹر کی کھڑکی کھولی اور تیز تیز چلتا ہوا ان کے قریب آیا اور بولا۔

"فرمائیے سرکار....!" وہ قدرے جھک کر بولا۔ "آج ہمیں کیسے عزت بخشی؟"

"مجھے آرتھر کا پتہ چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو.... ضر.... ضروری نہیں کہ مجھے اس کا پتہ معلوم ہو۔" اس نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں آج کل باعزت طور پر زندگی بسر کر رہا ہوں اور مجھے اب کسی کا پتہ نہیں معلوم۔"

"ہوں....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے دراصل اس سے ایک کام لینا تھا۔"

"اوہو حضور والا تو کون سا کام ہے۔ میں نہ کر سکوں گا۔ مجھ سے فرمائیے۔"

"تمہارے بس کا نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "یہ میں جانتا ہوں کہ کون کیا کام کر سکتا ہے۔"

"کیا کسی کو بلیک میل کرنا ہے؟"

"ہاں....!"

"ہاں تو یہ واقعی میں نہ کر سکوں گا۔"

"اچھا خیر، اگر آرتھر کہیں دکھائی دے تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔"

"بہت بہتر....!"

واپسی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

"اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ آرتھر سچ مچ مار ڈالا گیا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"کیا تم نے غور کیا تھا کہ وہ ضرغام کا نام لیتے لیتے رہ گیا تھا، تم نے اسے چونکتے نہیں دیکھا تھا۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ اس نے ضرغام کے "ضر" کو ضروری میں کھپا دیا تھا۔"

❁

"تو بس اتنی سی بات کے لئے آپ یہاں دوڑ آئے تھے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "بظاہر تو تمہیں بھی یہی معلوم ہو گا کہ میرا دماغ چل گیا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"باطن وہ ہر وقت چلتا ہی رہتا ہے۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

فریدی کچھ نہیں بولا۔ اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کہ آج گھر کی رکھوالی کرنے والے کتے بھی بند تھے۔"

"یعنی....!" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"اور جس وقت ہم لوگ گھر سے روانہ ہوئے دو تین آدمی ہماری نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"کون تھے....!"

"ضرغام کے ساتھی۔"

"تو کیا وہ اس بات سے واقف ہو گئے ہیں کہ جولیا ہمارے پاس ہے۔"

"قطعی....!" فریدی نے کہا اور کار کی رفتار سست کر دی۔

"اور آپ جولیا کو چھوڑ آئے ہیں۔" حمید تقریباً چیخ کر بولا۔

"میں بہرہ نہیں ہوں۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

حمید دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

"اور رکھوالی کے کتے بھی بند ہیں۔" اس نے پھر کہا۔

"ہاں ہاں....!" فریدی جھلا کر بولا۔ "سینکڑوں بار سمجھا دیا کہ سمجھ میں آئی ہوئی بات کے متعلق دوبارہ مت پوچھا کرو۔"

"آپ نہ جانے کیسی باتیں کررہے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"کون سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔" فریدی نے داہنے ابرو کو جنبش دے کر کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ آپ ایسی حالت میں اسے تنہا کیوں چھوڑ آئے ہیں۔"

"ہاں یہ سوال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ.....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں داہنے فٹ پاتھ پر رینگ رہی تھیں۔ دفعتاً اس نے کار کی رفتار تیز کردی اور پھر اسے ایک بالکل ہی غیر متعلق راستے پر موڑ دیا۔

"کیوں یہ کیا....!" حمید چونک کر بولا۔

"کام بن گیا۔" فریدی نے کہا اور کار کو ایک تاریک گلی میں موڑ دیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ ایک سڑک پر آگئے۔ لیکن یہ سڑک بالکل سنسان تھی اور دیہی علاقوں سے گزرتی ہوئی سعید آباد کی طرف چلی گئی تھی۔

فریدی نے کار کو سڑک کے کنارے لگی ہوئی جھاڑیوں میں اتار دیا اور اسے موڑ کر اس کا رخ پھر سڑک کی طرف کر دیا۔

"اس بیچاری کیڈی پر تو رحم کیجئے۔" حمید نے کہا۔

"سب چلتا ہے۔"

"میں گاڑیوں کو خوبصورت رکھنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"لیکن آخر یہ سب ہے کیا.... کون سا کام بن گیا۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"کام یہ بن گیا کہ انہوں نے جولیا پر قابو پالیا ہے۔"

"اوہ....!"

"شور مچانے کی ضرورت نہیں۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ اسے فریدی پر غصہ آرہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ یہ سمجھتا تھا کہ فریدی شاذو نادر ہی کوئی غلط قدم اٹھاتا ہے۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ پانچ دن کی خاموشی دراصل طوفان سے قبل کی خاموشی تھی اور فریدی سچ مچ کوئی خطرناک اقدام کرنے جارہا ہے۔

"میں ریوالور نہیں لایا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"فی الحال شائد اس کی ضرورت پیش نہ آئے، فریدی نے پر اطمینان لہجے میں کہا اور شاید اس کی ضرورت پڑے تو میرا ہی ریوالور کافی ہوگا۔ ویسے میں بھی آج کل خون بہانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"لیکن آپ نے بازار میں یک بیک یہ کیسے کہا تھا کہ کام بن گیا۔"

"اشارہ کیا تھا۔"

"کس کو....!"

"اپنے ایک آدمی کو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وحید، راجندر اور رمیش بھی میرے ساتھ کام کررہے ہیں۔"

"لیکن اس بار آپ نے یہ کیسی بد پرہیزی کر ڈالی۔" حمید نے کہا۔

"اس کیس میں بڑا پھیلاؤ ہے۔ شاید تمہیں نہیں معلوم کہ ضرغام ایک بہت بڑے گروہ کا سرغنہ ہے اور یہ سب کچھ مجھے اس کیس کے سلسلے میں معلوم ہوا ہے، ورنہ پہلے تو میں اسے کچھ سمجھتا ہی نہ تھا۔"

"انہیں کس طرح معلوم ہوا ہے کہ جولیا ہمارے پاس ہے۔"

"خود میں نے انہیں اس راز سے آگاہ کیا ہے۔"

"وہ کس طرح۔" حمید نے بے چینی سے پوچھا اور اپنا پائپ ٹٹولنے لگا۔ "نہیں حمید صاحب فی الحال تمباکو پینے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔"

"بھئی یہ لمبی داستان ہے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر مختصراً سنو۔ ضرغام کے آدمی اس دن سے میرے پیچھے لگ گئے تھے جس دن میں نے تمہیں میجر سلمان کا تعاقب کرنے کو کہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ شاید ڈاکٹر ضرغام نے یہ جملہ میرے ہی لئے کہا تھا کہ میں اسے دیکھ لوں گا۔ بہر حال اس دن سے وہ مجھے باقاعدہ دیکھ رہا ہے، ہاں تو اسی دن سے ایک دو آدمی برابر میرا تعاقب کررہے ہیں، لیکن مکان کے کمپاؤنڈ میں قدم رکھنے کی ہمت کسی نے بھی کی نہیں۔ اس وقت تک انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ جولیا ہمارے پاس ہے۔ غالباً ضرغام اس خیال میں رہا ہوگا کہ کہیں میں کسی دیوانے کو پکڑ کر اس سے کچھ اگلوانہ لوں،

لہٰذا اس نے میرے پیچھے آدمی لگا دیئے۔"

"خیر آج کا لطیفہ سنو۔ مگر نہیں پہلے میں تمہاری الجھن کو بھی رفع کرتا چلوں۔ جولیا کو دوبارہ ان کے حوالے کر دینے میں ہمارا فائدہ ہی ہے اس طرح ہم یہ بھی معلوم کر سکیں گے کہ آخر انہوں نے اس کی صورت کیوں تبدیل کی۔"

"میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے وہ اسے مار ہی ڈالیں۔"

"میرے بیٹے یہ ناممکن ہے۔" فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ "جولیا پر انہوں نے بہت محنت کی ہے۔ ایک بار پھر وہ اُسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں گے۔"

ڈاکٹر ضرغام خود کو اسی لئے محفوظ سمجھتا ہے کہ ابھی تک میرا ذہن اس تک پہنچا ہی نہیں اور آج کے واقعہ نے تو اس کا ذہن بالکل ہی صاف کر دیا ہوگا۔

"وہ کیا....؟"

"وہی تو بتانے جا رہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں تو آج شام کو میں اور وحید کیفے ڈی فرانس میں کافی پی رہے تھے اور ہمارا ہمزاد یعنی ڈاکٹر ضرغام کے گروہ کا ایک آدمی بھی ہمارا تعاقب کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا تھا اور میرے قریب ہی بیٹھا ایک کپ کافی پر اخبار لئے اونگھ رہا تھا۔ میں نے اونچی آواز میں وحید سے گفتگو شروع کر دی۔"

"اوہ....!" فریدی خاموش ہو کر کچھ سننے لگا۔ "گاڑی کی آواز۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

چند لمحوں کے بعد حمید نے بھی کسی موٹر کے انجن کی گھڑگھڑاہٹ سنی اور پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑی سی دیو پیکر لاری ان کے سامنے سے گزر گئی جس کی ہیڈ لائیٹس بجھی ہوئی تھیں اور پچھلے حصے کی سرخ روشنی بھی غائب تھی۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی اور اسے سڑک پر نکال لایا۔

اس کی کیڈی بھی اندھیرے میں آگے بڑھ رہی تھی۔

"تو کیا اس لاری پر....!" حمید نے پوچھا۔

"قطعی....!" فریدی بولا۔

"آپ یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"انہوں نے لائٹ کیوں بجھا رکھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر میں اس لاری کو دن میں

بھی دیکھ چکا ہوں اور میں نے اس پر جمشید کو بھی دیکھا تھا۔"

"کون جمشید....!"

"وہی جس سے مل کر ابھی آ رہے ہیں، اس کیفے کا مالک۔"

"مگر اندھیرے میں آپ نے لاری کو کیسے پہچان لیا....؟"

"ریڈیو کا ایریل تم نے کسی لاری یا بس میں آج تک نہ دیکھا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ریڈیو نہیں بلکہ پرانے قسم کے ٹرانسمیٹر کا ایریل ہے۔" لاری کی گڑگڑاہٹ قریب معلوم ہونے لگی تھی۔ اس لئے فریدی نے کار کی رفتار کچھ کم کر دی۔

"آپ نے وہ بات نہیں بتائی جو وحید سے کہی تھی۔" حمید بولا۔

"لاری کی آواز پر کان رکھنا۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں تو میں نے بلند آواز میں جولیا کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ میں نے اسے بتایا کہ آج کل پاگل لڑکی میرے قبضہ میں ہے، جو مجھے تار جام کے راستے میں ملی تھی۔ وہ نہ جانے کیسی اوٹ پٹانگ باتیں کرتی ہے۔ کہتی ہے میری صورت بدل گئی ہے۔ کبھی کہتی ہے، مجھے مت مارنا۔ میں تمہیں اپنا غلام سمجھوں گی۔ اپنا پتہ نشان بھی نہیں بتاتی۔ میرا ارادہ ہے اُسے پاگل خانے بھجوا دوں وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد پھر بولا۔

"میرا اندازہ قطعی درست نکلا۔ انہوں نے آج ہی اسے غائب کر دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ میرے یہاں جولیا کی موجودگی سے ناواقف تھے اور ہاں پھر اس کے بعد میں نے ان پاگلوں کی بات چھیڑ کر کہا کہ پتہ نہیں کیوں آج کل شہر میں پاگلوں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور اس میں نہ جانے کیا راز ہے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن جولیا کا دوبارہ ان کے ہاتھ لگ جانا بہتر معلوم نہیں ہوتا۔"

"کیوں....؟"

"وہ اس سے ساری باتیں اگلوا کر اسے قتل کر دیں گے۔"

"میں جولیا کو اتنا احمق نہیں سمجھتا کہ وہ ساری باتیں اگل دے گی۔"

"آخر آپ اس کے متعلق اتنی خوداعتمادی کے ساتھ کیوں باتیں کر رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ وہ بھی اس پلان میں شریک ہے۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔

"میں نے اسے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ میں دوبارہ اسے ان لوگوں میں پہنچوانا چاہتا ہوں۔"

"اس نے انکار نہیں کیا۔" حمید نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"اسے پوری بات سمجھا دی تھی نا؟ اب وہ ان کے سامنے شاندار اداکاری کا مظاہرہ کرے گی۔"

"کیسی اداکاری۔"

"پاگل پن کی....!" فریدی نے کہا۔

"اور میں نے اسے یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ وہ بے چوں وچراں ان کے احکام کی تعمیل کرتی رہے گی۔"

"آپ کچھ کہیں، لیکن مجھے تو اس کی خیریت نظر نہیں آتی۔"

"تم ڈیوٹ ہو.... ابھی کتنے دنوں کی بات ہے کہ تم اسے میری محبوبہ سمجھ بیٹھے تھے۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے تھے کہ تمہیں اپنے گھر سے نکلوانے کے لئے اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس لئے تمہاری عقل کی تو سند نہیں۔"

"پھر آپ کیوں مجھ جیسے اُلو کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"محض اس لئے کہ کوئی مادہ اُلو مل جائے تو تمہارے ساتھ جوڑ دوں۔"

دفعتاً آگے جانے والی لاری کی ہیڈ لائیٹس روشن ہوگئیں اور پچھلی سرخ روشنی بھی نظر آنے لگی۔ وہ رکی ہوئی تھی۔ اگر فریدی پھرتی سے بریک نہ لگاتا تو اُس کی کیڈی لاری سے ٹکرا گئی ہوتی۔ اس نے روشنی میں دیکھا کہ ڈرائیور انجن کھولے اس پر جھکا ہوا ہے۔ حمید نے گردن اونچی کی۔ لاری کے اندر بھی روشنی تھی لیکن وہ خالی پڑی تھی۔ فریدی کے ہونٹ بھینچ گئے۔ وہ کار سے اُتر آیا اور ڈرائیور کے قریب جا کر بولا۔

"تم نے بیچ سڑک لاری کیوں کھڑی کر رکھی ہے۔"

"پٹرول ختم ہوگیا ہے صاحب۔" ڈرائیور درشت لہجے میں بولا۔

فریدی کی نظریں لاری کے اندر بھٹک رہی تھیں۔

یہ لا....!

"یہ لاری کس کی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نہیں بتاتا اور کیوں بتاؤں۔ آپ کون ہیں پوچھنے والے؟"

"ابھی معلوم ہوجائے گا۔" فریدی نے کہا اور ڈرائیور کی سیٹ پر چڑھ گیا۔ اس نے لاری میں لگے ہوئے ریڈیو پر ہاتھ پھیرا جس کا اوپری ڈھکن ایک جگہ ہاتھ لگتے ہی کھٹاکے کے ساتھ زمین پر آرہا۔

"اوہ ٹرانسمیٹر....!" فریدی نے ڈرائیور کو گھور کر کہا۔ "میری جان تم مجرم ہو۔ اس کا لائسنس ہے تمہارے پاس۔"

ڈرائیور کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"خبردار ہاتھ اوپر اٹھاؤ....!" فریدی نے اس کا ہاتھ جیب کی طرف جاتے دیکھ کر ریوالور نکال لیا۔ "پیچھے ہٹو....!"

فریدی نیچے اتر آیا۔

"آگے بڑھو....!" وہ اسے اپنی کار کی طرف لے جا رہا تھا۔ دفعتاً کسی طرف سے فائر ہوا اور ڈرائیور چیخ مار کر گر پڑا۔ وہ اوندھے منہ گرا تھا اور اس کی پیٹھ سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ فریدی اچھل کر اپنی کار کی اوٹ میں ہوگیا اور اس کے پستول سے بھی ایک شعلہ نکلا۔ پھر اس نے لاری کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ حمید بھی دوڑ پڑا تھا۔ فریدی نے بیٹھے بیٹھے دوسرا فائر کیا لیکن لاری چل پڑی تھی۔

فریدی نے اپنی کار اس کے پیچھے لگا دی۔ لیکن تھوڑی دور گیا تھا کہ پورا جنگل فائروں سے گونجنے لگا۔ ایک گولی کار کے شیشے سے بھی ٹکرائی۔ فریدی بال بال بچا۔ لیکن حمید کی پیشانی شیشے کے ٹکڑوں سے زخمی ہوگئی۔ اگر اس نے سر نہ جھکا لیا ہوتا تو شاید آنکھوں ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ پھر کیڈی کے دونوں پچھلے ٹائر زوردار دھماکوں کے ساتھ پھٹ گئے۔ فریدی نے پھرتی سے کار روکی اور پھر حمید کا ہاتھ پکڑ کر جھاڑیوں میں کود گیا۔ ابھی تک برابر فائر ہو رہے تھے۔ پھر انہوں نے جھاڑیوں کی اوٹ سے دیکھا کہ چار پانچ متحرک سائے آہستہ آہستہ کار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"خبردار....!" انہوں نے ایک آواز سنی۔ "اپنا ریوالور باہر پھینک دو۔"

انہوں نے خالی کار کو اپنے نرغے میں لے لیا اور شاید ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

"یار بڑی چوٹ ہو گئی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن وہ لوگ بھی کیا یاد کریں گے۔"

دوسری طرف سڑک پر وہ لوگ ٹارچ کی روشنی میں کار کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

"کیوں کیا کہتے ہو؟" فریدی نے کہا۔ "بنادوں ان کی حجامت....؟"

"میرے خیال میں چپ چاپ چلئے۔" حمید بولا۔ "اب تو کار بھی بے کار ہو چکی ہے۔"

"بہرحال بڑی زبردست چوٹ ہو گئی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ آج سے میں بھی اپنا شمار احمقوں میں کروں۔"

"بہت پہلے سوچنی تھی یہ بات۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "یہ شکست بھی زندگی بھر یاد رہے گی۔"

"تلاش کرو۔" کار کے قریب کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے گرج کر کہا۔ دونوں دور تک گھنی جھاڑیوں میں گھستے چلے گئے۔

"گھبراؤ نہیں فرزند۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہ جنگل میرا جانا بوجھا ہے۔"

ایک گولی ان کے سروں پر سے سنسناتی ہوئی نکل گئی اور پھر سارا جنگل رائفلوں کی آواز سے گونج اٹھا۔

فریدی نے پھر ریوالور نکال لیا۔

"کیا کر رہے ہیں آپ۔" حمید اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "مفت میں جان دینے سے کیا فائدہ۔"

"عادت.... مجبور ہوں۔ گولیوں کی آواز سن کر طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے۔"

"خدارا میرے اور اپنے ہونے والے بال بچوں پر ترس کھائیے۔"

"چپ....!" فریدی نے کہا اور آوازوں کی طرف فائر کر دیا۔ ایک چیخ سنائی دی اور فریدی بڑبڑایا۔ "ہات تیرے کی۔"

پھر اس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنا شروع کر دیا۔

دفعتاً فریدی نے ایک زوردار چیخ ماری اور راستہ کاٹ کر جھاڑیوں کے دوسرے سلسلے میں گھس گیا۔

"کیا ہوا....!" حمید گھبرا کر بولا۔

"چلے آؤ چپ چاپ۔ اُلو کہیں کے۔" وہ ہنس رہا تھا۔

دوسری دن صبح حمید بہت زیادہ بور نظر آرہا تھا۔ پچھلی رات کی بدحواسیاں ابھی تک اس کے ہن پر چھائی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں بھاگم بھاگ پیدل چل کر گھر تک پہنچے۔ حمید تو دو ایک جگہ گرا ی تھا اور چوٹیں بھی کھائی تھیں۔ لیکن وہ سب معمولی تھیں۔

فریدی کا موڈ زیادہ خراب تھا۔ شاید یہ اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اس نے بُری طرح لست کھائی تھی۔ وہ چپ چاپ ایک آرام کرسی پر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ کچھ دیر قبل اس نے ک کپ کافی منگوائی تھی، جو رکھے ہی رکھے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ ادھ جلا سگار اس کی انگلیوں میں دبا واتھا اور اب اس میں سے دھوئیں کی لکیر بھی نہیں نکل رہی تھی۔

"اب ایشیا کا شرلاک ہومز کیا سوچ رہا ہے۔" حمید نے بیٹھے بیٹھے چٹکی لی۔

فریدی نیم باز آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر کچھ اس قسم کی مسکراہٹ تھی جیسے اس وقت مسکرانے میں بھی کاہلی محسوس کر رہا ہو۔

"مجھے شرلاک ہومز کہہ کر میری توہین نہ کرو۔" اس نے مضمحل آواز میں کہا۔

"حرکت تو آپ سے اسی قسم کی سرزد ہوئی ہے اور اب دل چاہتا ہے کہ آپ کو آرام کرسی الے سراغ رساں کا خطاب دیا جائے۔"

"دل کھول کر کہہ لو فرزند ارجمند.... میں بھی انسان ہی ہوں۔ آخر تم مجھ سے غلطی کی توقع کیوں نہیں رکھتے۔"

"تو بہرحال آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"تم اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے تم نے سچ مچ میری غلطی پکڑ لی ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ میں نے غلطی کہاں پر کی ہے۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے وہ کوئی بڑی ڈھکی چھپی غلطی ہو۔"

"بتاؤنا آخر....!" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ اب وہ کرسی پر سیدھا ہو کر ٹھ گیا تھا اور اس کے چہرے سے کاہلی اور تھکن کے آثار بالکل غائب ہو گئے تھے۔

"کسی چھ سال کے بچے سے رجوع فرمائیے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"میں تمہیں اس سے زیادہ نہیں سمجھتا۔"

"اچھا تو چھلکال....!" حمید تتلا کر بولا۔ "آپ نے جولیا کو ان کے حوالے کل کے بلی بھالی گلتی کی ہے۔"

"خدا کی قسم ایک سال کا بچہ بھی یہی کہتا۔"

حمید منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے دراصل جمشید سے مل کر بڑی غلطی کی ہے۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔

مجھے اس سے نہ ملنا چاہئے تھا اور پھر آرتھر کے تذکرے نے انہیں بہت بُری طرح چونکا دیا ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ اس سے ضرغام کو اپنی خطرناک پوزیشن کا خیال بھی آ گیا ہو۔ ایک گھونسے میں کسی کا سر پھوڑ دینا بڑی حیرت انگیز حرکت ہے۔ اس قسم کے واقعات ساری زندگی یاد رہتے ہیں۔ ضرغام کو کم از کم اس کے متعلق تو یقین ہو گیا ہوگا کہ جولیا نے اس کا تذکرہ مجھ سے ضرور کیا ہوگا۔ لاری کا اس طرح خالی ہو جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ضرغام تو کم از کم میری اسکیم سے واقف ہو گیا تھا اور وہ لاری.... مجھے دھوکہ دینے کے لئے شروع ہی سے خالی رکھی گئی تھی۔ جولیا کو وہ لوگ کسی اور راستے سے لے گئے، لیکن انہوں نے غلطی سے اس میں ٹرانسمیٹر لگا رہنے دیا ورنہ انہیں اتنی گولیاں بھی برباد نہ کرنی پڑتیں اور میں سیدھا سادھا اُلو بنا ہوا گھر واپس آجاتا۔

حمید خاموش بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"بہر حال اب جولیا کی خیریت نظر نہیں آتی۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"اب میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"تو پھر اب کیا کریں گے۔"

"ضرغام کی نگرانی جاری ہے۔" فریدی تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ "مفت میں ایک دوسرا خون اور ہوا۔ میری گولی ٹھیک نشانہ پر بیٹھی تھی۔"

"مگر وہاں جنگل میں کوئی لاش نہیں ملی۔ حتیٰ کہ خون کے دھبے بھی مٹا دیئے گئے ہیں۔"

"آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔" حمید نے کہا۔

"بیوقوف آدمی میں تمہاری طرح سوتا نہیں رہا۔ آخر گاڑی کی تلاش میں بھی تو جانا ہی تھا۔"

"تو کیا وہ مل گئی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی مل گئی ہے۔"

"کہاں ہے۔"

"گیراج میں۔"

"اتنی جلدی لائے کس طرح۔ اس کے تو دونوں ٹائر پھٹ گئے تھے۔" فریدی ہنسنے لگا۔

"آؤ میرے ساتھ....!" فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔

وہ اسے گیراج میں لایا۔ کیڈی وہیں کھڑی تھی۔ اس کے دونوں ٹائر بالکل صحیح و سالم تھے۔

"ارے....!" حمید کی نظریں بے ساختہ ونڈ اسکرین کی طرف اٹھ گئیں۔ "یہ ٹوٹ گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اور اس کے ٹکڑوں سے میری پیشانی زخمی ہوئی تھی۔"

"قطعی ٹوٹ گیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"پھر اتنی جلدی۔"

"حمید صاحب وہ بڑے ذہین لوگ ہیں۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"یہ مجھے اسی جگہ اسی حالت میں ملی ہے۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"مگر اس پر ٹائر بھی چڑھا دیئے گئے ہیں۔"

"تب تو یقیناً وہ لوگ پاگل ہیں۔ جولیا ٹھیک کہتی ہے۔"

"وہ تو نہیں لیکن تم ضرور پاگل ہو۔"

"کیوں....!"

"انہوں نے میرے منہ پر وہ چانٹا مارا ہے کہ زندگی بھر یاد رہے گا۔"

حمید متحیرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"انہوں نے کل رات کے حادثہ کا کوئی ثبوت نہیں چھوڑا۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ لہٰذا میں سرکاری طور پر اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ حد ہو گئی۔ بعض درختوں کے تنے چھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح انہوں نے ان پر لگی ہوئی گولیوں کے نشانات مٹائے ہیں اور نشانات کچھ اس قسم کے بنائے گئے ہیں جیسے کسی نے درختوں کی گوند اکٹھا کرنے کے لئے ان کے تنے چھیل دیئے ہوں۔ حمید صاحب بڑا منظم گروہ ہے بلکہ اسے بین

الاقوامی گروہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کیونکہ ہنگری میں انہوں نے شومان نامی آدمی سے کام لیا تھا۔"

حمید بُری طرح چکرا گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی اس طرح شکست کھائے گا اور اس شکست کے افسوس سے زیادہ اسے جولیا کے انجام کا خیال ستا رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے زندہ نہ چھوڑا ہوگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی کو اسے دوبارہ ان لوگوں تک پہنچانا تھا تو اس کے لئے خود اس کا گھر موزوں نہیں تھا۔ کسی اور ذریعہ سے بھی یہ کام بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ اسے گھومنے پھرنے کے لئے بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا اور پھر اس طرح وہ ان لوگوں تک پہنچ ہی جاتی کیونکہ ان کے آدمی سارے شہر میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس صورت میں پردہ نشین عورتوں کے نقاب بھی نہ نوچے جاتے۔"

"تو اب فی الحال آپ کے ذہن میں کوئی سکیم نہیں۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"فی الحال میرا ذہن کسی جھیل کی سطح کی طرح صاف ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور اس پر رنگین خیالات کی سبک رفتار بطخیں تیر رہی ہیں۔"

"آپ جیسا اذیت پسند بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"زندگی میں ایسے بے شمار واقعات پیش آتے ہیں۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "اگر آدمی ہر ایک پر مغموم ہو کر بیٹھ جائے تو اسے میر تقی میر یا فانی بدایونی کہیں گے۔"

"آپ کے لہجے میں سفاکی ہے۔" حمید نے کہا۔ "مجھے اس بے چاری....!"

"مجھے بھی اس سے ہمدردی ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"لیکن تم ہی بتاؤ کہ ایسی صورت میں کیا ہو سکتا ہے۔"

"اس کی حفاظت....!" حمید بولا۔

"اس کی طرف سے تو میں قطعی مطمئن ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"نہ جانے آپ کس بناء پر مطمئن ہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"یہ نہ بھولو کہ اسے اس کام کے لئے ہنگری سے لایا گیا تھا۔ بھلا ہنگری ہی کیوں یورپ کا کوئی اور ملک کیوں نہیں اور انہوں نے تفریحاً یا محض تجربے کے لئے اس کی شکل تبدیل کی تھی تو اس کے لئے اتنے لمبے سفر کی کیا ضرورت تھی۔ یہیں سے کسی لڑکی کو پکڑ لیتے۔ کسی بدصورت لڑکی کو جسے اپنی بدصورتی کا غم رہا ہوتا۔ بدصورت لڑکیاں عموماً اپنی بدصورتی پر مغموم رہا کرتی

ہیں۔ کوئی نہ کوئی اس قسم کی بدصورت لڑکی نہایت آسانی سے اس تجربے کے لئے تیار ہو جاتی۔"

حمید خاموشی سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ فریدی کی یہ دلیل اس کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگی تھی۔ وہ خود سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی ہنگری سے کیوں لائی گئی۔

"بہر حال....!" فریدی بولا۔ "وہ قطعی محفوظ ہے اور میری ہدایت کے مطابق وہ ان کے پروگرام پر عمل کر رہی ہوگی۔"

"وہ سب کچھ بے چون و چرا سیکھ رہی ہوگی، جو وہ اُسے سکھانا چاہتے ہیں۔" حمید سوالیہ انداز میں بولا۔

"اچھا تو کیا اب تک تم انہیں پاگل ہی سمجھ رہے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سازش کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ بہتیری سازشوں سے اس کا سابقہ پڑ چکا تھا۔ لیکن ایسی سازش سے دوچار ہونے کا پہلا اتفاق تھا اور وہ تذبذب میں تھا کہ اس سازش کا پتہ لگانے میں کامیاب بھی ہو سکیں گے یا نہیں۔ سب سے زیادہ الجھن اسے اس بات کی تھی کہ ابھی تک اس کیس کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں تھی۔ ناشتے کی میز پر وہ دونوں خاموش رہے اور آفس جاتے وقت راستے میں بھی ان میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں اور وہ بار بار کیڈی کے سیٹ پر پہلو بدل رہا تھا۔ حمید کو یاد نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ خود اپنی زندگی میں کبھی اتنا سنجیدہ ہوا ہو۔ اسے صحیح معنوں میں جولیا سے ہمدردی تھی۔ اکثر راتوں میں جب وہ کروٹ لیتے وقت کراہتی تو اس کے ذہن میں کوڑے کے نیلے اور سیاہ داغ ابھر آتے۔ ایک رات اس نے اسے بے خبری میں روتے سنا تھا جب وہ جگائی گئی تو اس نے یہ سن کر ہنسنا شروع کر دیا تھا کہ وہ نیند میں رو رہی تھی۔ حمید کو اس وقت ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے دل پر گھونسہ مار دیا ہو۔ کتنی خوش مزاج لڑکی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی اصل شکل میں اور زیادہ حسین لگتی رہی ہو۔ اس کے ساتھ کتنی بڑی ٹریجڈی ہوئی تھی لیکن وہ پھر بھی ہنستی تھی۔ بے تحاشہ قہقہے لگاتی تھی اور ہنستے وقت شاید یہ بھول جاتی کہ وہ اپنے وطن سے کالے کوسوں دور پڑی ہوئی انجانے حادثات کے تھپیڑوں میں ادھر اُدھر بہتی پھر رہی ہے۔ حمید نے ایک سسکی سی لی اور کھڑکی پر سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔ آفس میں پہنچ کر وہ دونوں اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ حمید کی میز فریدی کی میز سے کچھ فاصلے پر تھی۔ وہ سر جھکائے

فائلوں میں دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کے ماتھے پر ابھری ہوئی سلوٹیں اور آنکھوں کی بے چینی صاف بتا رہی تھی کہ اس کا ذہن فائلوں سے کہیں دور بھٹک رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک چپڑاسی فریدی کی میز پر فائل رکھ گیا جس پر اشد ضروری کی سلپ لگی ہوئی تھی۔ فریدی نے دوسرے فائل الگ رکھ دیئے اور نئے آئے ہوئے فائلوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔ دفعتاً حمید نے اسے بے تحاشہ چونکتے ہوئے دیکھا۔

"اوہ میرے خدا....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور فائل بند کرنے کے بعد سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ خالی نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسی ویرانی حمید نے اس کی آنکھوں میں پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کے سارے جسم میں خوف کی ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ قبل اس کے کہ وہ فریدی کو مخاطب کرتا۔ فریدی فائل اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ پھر حمید نے اسے ڈی آئی جی کے کمرے میں جاتے دیکھا۔ حمید اس کے غیر متوقع رویہ کے متعلق الجھن میں پڑ گیا۔ اس نے کبھی فریدی کو اتنے تحیر کے عالم میں نہیں دیکھا تھا۔ حمید بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ فریدی واپس آیا تو اس کے چہرے سے فکر مندی کے سارے اثرات دور ہو چکے تھے اور اس کی آنکھوں میں پہلے جیسی خود اعتمادی کی جھلک نمایاں تھی۔

"آؤ چلیں۔" وہ حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ وہ فائل ابھی تک اس کی بغل میں دبا ہوا تھا۔

"کہاں؟ اور یہ فائل؟"

"ہم گھر چل رہے ہیں۔" فریدی نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ حمید چپ چاپ اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس کی الجھن اور بڑھ گئی۔

"میں تمہیں خوش نظر آرہا ہوں نا....!" فریدی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے حمید سے پوچھا۔ سوال بڑا عجیب سا تھا۔ بہر حال حمید صرف بے دلی سے سر کو ہلا کر رہ گیا۔ "میں تمہیں کچھ بے وقوف بھی معلوم ہو رہا ہوں گا۔"

"میں اس وقت ہنسنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید بے زاری سے بولا۔

"افوہ.... میں آج تمہاری زبان سے یہ کیا سن رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کہیں میں خوشی کے مارے عقل مند نہ ہو جاؤں۔"

"آخر آپ یک بیک چہکنے کیوں لگے؟" حمید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"مجھے اپنی شکست پر رونا نہیں آتا۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ وہ میری ہی طرح ہیں۔ اگر ے ہونٹ سور کی تھوتھنی جیسے ہوتے تو میں انہیں کاٹ کر پھینک نہ دیتا۔"

"تو اس وقت تو آپ کسی علامہ دل جلے ادیب کی سی باتیں کر رہے ہیں۔"

"حمید بیٹے میں دنیا کا احمق ترین آدمی ہوں۔"

"کتنی بار دہرایئے گا۔ مجھے یقین ہو گیا ہے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "لیکن میں اس وقت وجہ ا پوچھوں گا۔"

"تم پوچھو یا نہ پوچھو....! اس وقت میں اپنی حماقتوں کا قصیدہ پڑھنے کیلئے بے تاب ہوں۔"

"شاید آج آپ نے بھی کچھ شوق فرمایا ہے۔"

"نہیں پیارے میں نشے میں نہیں ہوں، بلکہ اس پیلے عقاب کی حیثیت مجھ پر روشن ہو گئی ہے۔"

"کیا مطلب....!" حمید یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔

"پیلا عقاب بوہیمیا کے خاندان کے امتیازی نشان ہے۔"

"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا۔"

"یہ تو مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔ لیکن میرے ذہن نے اتنی لمبی جست لگانے سے انکار کر دیا۔ لانکہ جولیا کا ہنگری سے تعلق ہونا اس کے سو فیصدی امکانات پیدا کر رہا تھا۔ مگر انسانی ذہن ہے وکہ کھا ہی گیا۔"

"آخر آپ صاف کیوں نہیں بتاتے۔"

"اس فائل کو دیکھو....!" فریدی نے کہا۔

حمید فائل کھولتے ہی اچھل پڑا۔ اس کی نظریں ایک تصویر اور اس کے نیچے کی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔

"ارے یہ تو جولیا ہے۔" وہ بے ساختہ بولا۔ "مگر.... مگر....!"

"جی نہیں....!" فریدی کے ہونٹوں پر ایک خشک سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "بوہیمیا کی شہزادی بورازیانہ۔"

"مگر یہ تو جج.... جولیا....!" حمید پھر ہکلایا۔

"نہیں جناب بوہیمیا کی شہزادی بورازیانہ۔" فریدی ہونٹ سکیڑ کر بولا۔ "جولیا کو اس کا ہم

شکل بنایا گیا ہے۔ آگے دیکھو اس کے باپ کی تصویر ہے، جو بوہیمیا کا موجودہ حکمران ہے۔"

"میں سمجھ گیا.... بالکل سمجھ گیا۔" حمید بے اختیار چیخ پڑا۔

"کیا سمجھ گیا....؟"

"اصلی شہزادی بورازیانہ کو غائب کر کے اس کی ہم شکل جولیا کو نقلی شہزادی بنایا جائے گا۔"

"یہ تو میں بھی سمجھ گیا ہوں۔" فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔ "لیکن اس میں کئی زبردست گتھیاں ہیں جن کا سلجھانا فی الحال بہت مشکل نظر آتا ہے۔ ٹھہرو جلدی نہ کرو۔ گھر پہنچ کر اطمینان سے گفتگو کریں گے۔ ابھی بہت وقت ہے۔"

گھر پہنچ کر فریدی نے باورچی سے کافی بنانے کو کہا اور غسل کرنے چلا گیا۔ حمید کی جھنجھلاہٹ پھر بڑھ گئی۔ وہ اس موقع پر زیادہ سے زیادہ باتیں کرنا چاہتا تھا۔ آخر اس معاملے کے صاف ہو جانے کے باوجود کون سی گتھیاں باقی رہ جاتی ہیں جن کا سلجھانا فریدی کی دانست میں آسان نہیں۔ فریدی غسل سے فارغ ہو کر ناشتے کی میز پر جم گیا۔ کافی تیار ہو چکی تھی۔ کیتلی سے اٹھنے والی بھاپ کے ساتھ ساتھ اس کی ہلکی ہلکی خوشبو کمرے میں پھیل رہی تھی۔ فریدی نے ایک کپ حمید کے آگے سرکا دیا۔ اس کے انداز سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس نے کچھ دیر قبل کوئی اہم بات ادھوری نہیں چھوڑی تھی۔

حمید کا غصہ تیز ہو گیا۔ فریدی اس کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"اب اس دزدیدہ نگاہی میں جان نہیں رہ گئی۔" حمید جل کر بولا۔

"ایسا نہ کہو ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔" فریدی نے خاص رومانی انداز میں کہا۔

"میں کہتا ہوں وہ گتھیاں۔"

"میں پوچھتا ہوں تم نے فائل کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں۔"

"کرلیا....!"

"کیا سمجھے....!"

"وہی جو کچھ پہلے کہہ چکا ہوں۔"

"اس کے علاوہ کوئی قابل اعتراض بات۔"

"کوئی نہیں....!" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"تب تو تم پر ہزار بار پھٹکار....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں تمہیں اتنا بدھو نہیں سمجھتا تھا۔ آخر تمہارے والدین نے تمہارا نام اُلو کیوں نہیں رکھا۔"

"بدنصیبی ہے آپ کی۔"

"نہیں میں اکثر سنجیدگی سے اس بات پر غور کرتا ہوں کہ تم روز بروز گاؤدی کیوں ہوتے جا رہے ہو۔"

"اس مسئلے پر پھر کبھی غور کر لیجئے گا۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"خیر کافی پیو ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی.... ذرا ادھر سے سگار اٹھا دینا۔"

فریدی نے تھوڑے توقف کے بعد سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "جب کہیں کا کوئی بادشاہ یا حاکم کسی دوسرے ملک جاتا ہے تو اس کے استقبال کی کتنی تیاریاں ہوتی ہیں اور تم نے کبھی کسی مملکت کے وزیراعظم یا بادشاہ کے متعلق یہ نہیں سنا ہوگا کہ اس نے کسی دوسرے ملک کی حکومت سے یہ استدعا کی ہو کہ اس کی آمد کو راز میں رکھا جائے۔ نہ تو اخبارات میں خبریں شائع ہوں اور نہ ان کی تصاویر، استقبال بھی نہ کیا جائے۔"

"واقعی ایسا کبھی سننے میں نہیں آیا۔" حمید نے کہا۔

"تم نے فائل کا مطالعہ کیا ہی نہیں۔" فریدی اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "شروع سے اب تک بورازیانہ کی تصویر دیکھتے رہے۔ نہ جانے کب آدمی بنو گے یار۔ اب میں تمہیں سچ مچ کتوں کے ساتھ باندھنا شروع کر دوں گا۔"

"اس وقت آپ پر اتنی عقلمندی کیوں سوار ہو گئی ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اپنا بیان جاری رکھئے۔"

"اوہو یہ انداز۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "خیر تم نے فائل کا مطالعہ نہیں کیا۔ بوہیمیا کا بادشاہ اپنی لڑکی سمیت اس طرح ہمارے ملک میں داخل ہو رہا ہے۔ مقصد سیر و سیاحت ہے۔ اس رازداری کے لئے اس نے جو عذر لنگ پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ پریس کے نمائندوں کی بھیڑ بھاڑ سے گھبراتا ہے۔ سیر و سیاحت میں وہ استقبال جیسے رسمی ڈھکوسلوں کا قائل نہیں، ایسے موقعوں پر وہ ایک معمولی انسان کی طرح لطف اٹھانا چاہتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "بہتیرے بڑے آدمی یہی چاہتے ہیں۔"

"چاہتے ہوں گے۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔ "لیکن بیسویں صدی کے بادشاہوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔"

"مگر دنیا کا ہر انسان چاہے چھوٹا ہو چاہے بڑا ہو بعض اوقات یہی چاہتا ہے کہ وہ دنیا کی ہر دلچسپی میں دل کھول کر آزادی سے حصہ لے سکے۔ ممکن ہے وہ آج کل عام ذہنی سطح پر آ گیا ہو۔" حمید نے کہا۔

"قطعی ناممکن ہے۔ ذہنی سطح اور چیز ہے۔ اسے بعض اوقات خیالات ہی تک محدود رہنا پڑتا ہے۔ بعض مجبوریاں اسے عملی جامہ نہیں پہننے دیتیں۔ بادشاہوں کے ساتھ جان کا خوف بھی تو لگا رہتا ہے۔"

"تو گویا آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بادشاہ بھی نقلی ہے۔"

"میں یہ قطعی ثابت نہیں کرنا چاہتا۔" فریدی نے کہا۔

"اصلی ہو یا نقلی اسے جان کا خوف تو ہونا ہی چاہئے۔"

"دوسری بات....!" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"ممکن ہے اسے اس سازش کا علم ہو گیا ہو۔ اس لئے اس نے احتیاطی اقدام کے طور پر اپنی آمد کو راز میں رکھنے کی استدعا کی ہو۔"

"کوڑی زیادہ دور کی نہیں لائے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اگر اسے سازش کا علم ہو گیا تھا تو وہ یہاں آیا ہی کیوں اور پھر اس نے یہ استدعا قاہرہ کے دوران قیام کی ہے، وہ اپنے ملک سے روانگی کے بعد قاہرہ میں بھی ٹھہرا ہے اب یہ بتاؤ کہ اس نے یہ استدعا اپنے ملک سے روانگی کے وقت کیوں نہیں کی تھی ہاہا....ہا....!"

"اس سے تو میرے نظریئے کو تقویت پہنچتی ہے۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ اسے اس سازش کا علم قاہرہ کے دوران قیام میں ہوا۔"

"تب تو اسے وہیں سے واپس لوٹ جانا چاہئے تھا۔" فریدی نے کہا۔

"تم سچ مچ بعض اوقات بچوں کی سی باتیں کرنے لگ جاتے ہو۔ ارے میاں اگر وہ اس سازش

لم ہو جانے کے بعد بھی یہاں آ رہا ہے تو اس سے بڑا پاگل شاید روئے زمین پر نہ مل سکے اور پھر
ری بات یہ کہ اگر اس پر سیر و سیاحت کا بھوت اس طرح سوار تھا تو اس نے یہ خواہش کیوں کی
، کہ اس کے لئے مخصوص انتظامات نہ کئے جائیں۔ ایسی صورت میں تو اسے اپنی حفاظت کے
ے فوج کا ایک پورا دستہ مانگنا چاہئے تھا۔"

حمید سچ مچ چکرا کر رہ گیا۔

فریدی کے دلائل بہت وزنی تھے، لیکن وہ تو بادشاہ کے نقلی ہونے کے متعلق بھی کوئی بات
ق کے ساتھ کہنے سے انکار کر چکا تھا۔ پھر آخر اس گورکھ دھندے کا کیا مطلب؟

حمید کو خاموش دیکھ کر فریدی ہنس پڑا۔

"یہ معاملہ اتنا سیدھا سادا نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔" اس نے دوسری پیالی لبریز کرتے
ئے کہا۔ "اور پیئو ابھی کافی وقت ہے۔"

"کیسا وقت....!" حمید نے کہا۔

"ان کا جہاز یہاں اب چار بج کر پچیس منٹ پر پہنچ رہا ہے۔"

"آج ہی؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں....ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔ فکر مت کرو۔"

"تو آپ کیا کریں گے؟"

"پھر وہی احمقوں کی سی باتیں، ارے یہ فائل میرے سپرد کیوں کیا گیا ہے۔"

"تو گویا قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند....!" حمید نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"قطعی....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "ان کی محافظت ہمارے ہی ذمے آ پڑی ہے۔"

"مگر انہوں نے تو استدعا کی ہے۔"

"کی ہو گی۔" فریدی نے کہا۔ "ہماری حکومت ان کی طرف سے مطمئن نظر نہیں آتی۔"

"کیا کیا قلابازیاں کھائی ہیں....اس کیس نے بھی۔"

"دیکھو ابھی اور کتنی کھاتا ہے۔"

"سچ مچ عقل چکرا گئی ہے۔"

"اگر میں نے پہلے عقاب کو صحیح معنوں میں اہمیت دی ہوتی تو بہتیری گتھیاں اسی وقت سلجھ جاتیں۔"

"وہ کس طرح۔" حمید نے پوچھا۔

"قومی اور خاندانی نشان کی انسائیکلو پیڈیا میں' میں نے اس کے متعلق پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ کاش مجھے یہ بھی معلوم ہوتا کہ بوہیمیا کی آئندہ حکمران لڑکی ہوگی۔ بورازیانہ کا نام میں نے جولیا کی زبانی سنا تھا لیکن نہ جانے کیوں میں نے اسے اہمیت نہ دی۔"

"تعجب ہے کہ آپ اتنا بھی نہیں جانتے تھے۔"

"تو گویا آپ جانتے تھے۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"میں بھلا کیا جانتا۔ میں تو ٹھہرا ایک گاؤدی۔"

"اور میں کونن ڈائیل کے مضحکہ خیز جاسوس شرلاک ہومز کی طرح ہمہ داں ہوں، جو آنکھ بند کر کے اور سڑا سا پائپ منہ میں دبا کر ساری دنیا کے حالات بتادیا کرتا تھا۔"

"پھر بھی آپ کو اتنا تو معلوم ہونا چاہئے تھا۔"

"بوہیمیا جیسے بہتیرے پس ماندہ ملکوں کے متعلق میں بھی کچھ نہیں جانتا۔"

"تب آپ ایک اچھے سراغ رساں نہیں بن سکتے۔" حمید اسے تاؤ دلانے لگا۔

"شکریہ....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "اب میں ایک اچھا سراغ رساں بننے کی کوشش کروں گا۔ اچھا بھئی.... اب اٹھو، چلنے سے پہلے ہم تھوڑا سا میک اپ بھی کریں گے۔ کیونکہ وہاں ضرغام کے آدمی ضرور ہوں گے۔"

"مگر افسوس ہے کہ آپ بوہیمیا....!" حمید اٹھتے ہوئے بولا۔

فریدی ہنس پڑا۔

"ہنسنے کی بات نہیں واقعی افسوس معلوم ہوتا ہے۔"

"افسوس تو مجھے بھی ہے جلدی کرو۔"

دونوں نے اپنی شکلیں تبدیل کیں۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کے چشمے لگائے اور ایک ٹیکسی کر کے ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہوگئے۔ ابھی ساڑھے تین بجے تھے اور جہاز آنے میں پچیس منٹ کی دیر تھی۔ یہ لوگ سب سے پہلے مسافروں کے کمروں کی طرف گئے جن میں بہت زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ فریدی متجسسانہ انداز میں ہر ایک کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکل آئے۔

"ابھی تو خیریت نظر آئی ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔ جہاز کی آمد میں ف پچیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔

"کیا وہ کسی خاص ہوائی جہاز سے آرہے ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں ایک معمولی مسافر بردار جہاز ہے۔ کہہ تو دیا کہ وہ معمولی آدمیوں کی طرح آرہے ہیں۔"

"نہ جانے کیا راز ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو ظاہر ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اور میرا خیال ہے کہ وہ کسی ہوٹل میں ہریں گے۔ حمید صاحب اگر انہیں اس سازش کا علم ہو گیا ہوتا تو کسی ہوٹل میں تو کبھی نہ ٹھہرتے۔"

"بہر حال ان دونوں کی شخصیتیں بھی بڑی پراسرار ہیں۔"

"مسافروں کا استقبال کرنے کے لئے لوگ جمع ہو رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن ان میں زیادہ تر عورتیں ہی نظر آتی ہیں۔ مردوں میں صرف ہوائی اڈے کے عملہ ے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو کیا آپ ضرغام یا اس کے ساتھیوں کی تلاش میں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"شاید....!"

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ان کی آمد سے باخبر ہوں۔ قاہرہ سے اس قسم کی ہدایت یا تدعا کرنے کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ بوہیمیا سے چلتے وقت ان کا پروگرام نہیں تھا۔ ورنہ وہ ں کی استدعا کرتے میرا خیال تو یہی ہے کہ ضرغام وغیرہ اس سے باخبر نہیں۔"

"ممکن ہے۔ تمہارا خیال صحیح ہو۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ڈچ ایئر لائن کا دیو پیکر مسافر بردار جہاز فضا میں چکر کاٹتا ہوا دکھائی دیا اور ھر نیچے اتر آیا۔ مسافر اترنے لگے۔ استقبال کرنے والے اور ہوٹلوں کے ایجنٹ بے تحاشہ ان کی طرف دوڑنے لگے۔

بوہیمیا کے بادشاہ کو پہچان لینے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ وہ بڑی دیر تک اس کی تصویر کو دیکھتے رہے تھے۔ وہ ایک معمر مگر قوی الجثہ آدمی تھا۔ چہرے پر گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھیں تھیں۔ آنکھوں پر ہلکے سرمئی رنگ کی عینک لگائے تھا۔ پیشانی بہت کشادہ تھی اور سر پر سفید رنگ ے گھنگھریالے بال تھے۔ اس کے ساتھ بورازیانہ بھی تھی۔

"خدا کی قسم اس میں اور جولیا میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا اور آگے بڑھا۔

شاہ بوہیمیا کے پیچھے ہوٹلوں کے ایجنٹ لگ گئے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا صاحب ہوٹل ڈی فرانس، اعلیٰ انتظام، شاندار جگہ، دنیا کے بڑے بڑے لوگ ٹھہرتے ہیں۔ گھر کا سا آرام، ونڈر فل لائف۔"

دوسرا رینک رہا تھا۔ "مے پول ہوٹل بادشاہوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ عظیم الشان کمرے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"انہیں ہوٹل میں نہ ٹھہرنا چاہئے۔"

"اچھا....!" حمید نے کہا اور خود آگے بڑھ کر ایجنٹوں کی بھیڑ میں گھس گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "پرائیویٹ انتظام، ہوٹل سے بڑھ کر شاندار اور آرام دہ شاندار کمرے۔ شاندار پائیں باغ، دل بہلانے کے لئے عظیم الشان لائبریری، اندرونِ خانہ قسم کے سارے کھیل، عمدہ نسل کے بہترین اور سیدھے سادھے کتے، نہانے کے لئے شاندار اور خوبصورت تالاب۔ دنیا بھر کے لذیذ ترین کھانے وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی اس کی اس حرکت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ شاہ بوہیمیا کسی کا نوٹس نہیں لے رہا ہے۔ وہ چپ چاپ جہاز کے ایک آدمی کے ساتھ مسافر خانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کیا آپ نے پہلے ہی کوئی انتظام کر لیا ہے۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں....!"

"تو پھر میرے ساتھ چلئے۔" حمید نے کہا۔ "آپ جیسے باسلیقہ اور شاندار آدمی کے لئے وہی جگہ مناسب رہے گی۔"

وہ کوئی جواب دیئے بغیر چلتا رہا۔ پھر مسافر خانے کے قریب پہنچ کر ہوٹل "ڈی فرانس" کے ایجنٹ سے باتیں کرنے لگا۔ حمید صرف اتنا ہی سن پایا تھا۔ "ہم غسل کرنے کے بعد چلیں گے۔" پھر وہ ایک کمرے میں مڑ گئے، جو بالکل خالی تھا۔ حمید برآمدے میں ٹھہر گیا۔ فریدی تھوڑے ہی فاصلہ پر کسی مسافر سے باتیں کر رہا تھا۔

بوہیمیا کا بادشاہ ٹرنک سے کپڑے نکال کر غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ بورازیانہ ایک آرام

ہی پر آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ ان دونوں میں سر مو فرق نہیں۔ وہی وہی چال ڈھال، کچھ بالوں کی رنگت گہری تھی لیکن اس فرق کو بھی وہی محسوس کر سکتے تھے ہوں نے دونوں کو قریب سے دیکھا ہو اور اس فرق پر خاص طور پر دھیان دیا ہو۔ پیروں کی اٹ میں بھی تھوڑا سا فرق تھا۔ جولیا کے پیروں کی انگلیاں اس کے پیروں کی انگلیوں سے زیادہ پ اور نازک تھیں۔ لیکن بورازیانہ کے پیر بھی کم حسین نہیں تھے۔ اس نے گرمی کی شدت ے تنگ آکر اپنے اسٹاکنگ اتار دیئے تھے اور مرمر سے تراشی ہوئی پنڈلیوں پر بار بار ہاتھ پھیر ہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا باپ غسل کر کے نکل آیا۔ اب وہ تیاری کرنے لگی۔ حمید رآمدے میں پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بورازیانہ غسل خانے میں جا چکی تھی۔ دفعتاً تھوڑی ر بعد حمید نے ایک چیخ سنی۔ فریدی بھی چونکا۔ وہ تیزی سے اس کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے اس کے باپ سے پوچھا، جو غسل خانے کے قریب کھڑا اسے ئاطب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اندر سے بورازیانہ نے کچھ کہا۔ اس پر اس کے باپ نے بھی کچھ کہا، جو فریدی کی سمجھ میں نہ آسکا۔ البتہ اس نے اس کے چہرے پر کسی قسم کی تشویش کے آثار دیکھے۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ کوئی بات نہیں.... وہ پھسل کر گر پڑی تھی۔ چوٹ نہیں آئی۔"

تھوڑی دیر بعد بورازیانہ بھی غسل کر کے باہر نکل آئی۔ اب وہ پہلے سے زیادہ نکھر آئی تھی۔ اس کی گردن کی ایک ہلکی سی سلوٹ میں دو چار بال پھنسے ہوئے تھے۔ نہ جانے کیوں حمید کے سینے میں کلبلاہٹ ہونے لگی۔

فریدی اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور رہا تھا۔

"خدا کی قسم یہ بورازیانہ نہیں ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تو اتنی جلدی یہاں....!"

"تم یہیں ٹھہرو....!" فریدی نے کہا اور تیزی سے اٹھ کر دوسری طرف چلا گیا۔ حمید بیٹھا رہا۔ دفعتاً اس کی نظریں بورازیانہ کے پیروں پر پڑیں اور وہ بے اختیار چونک پڑا۔ یہ تو سو فیصدی جولیا ہی کے پیر تھے۔ ویسے سبک اور نازک، حمید کو خوبصورت پیروں سے عشق تھا۔ اگر اسے ایک

بار بھی کہیں خوبصورت پیر نظر آجاتا تو پھر اس کی بناوٹ عرصہ تک اس کے ذہن سے چپکی رہتی تھی اور پھر جولیا کے پیر جنہیں اس نے کئی دنوں تک دیکھا تھا کیسے بھول جاتا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا۔ وہ قطعی خاموش تھی۔ بوہیمیا کے بادشاہ نے کئی بار گفتگو کی۔ لیکن وہ صرف نفی یا اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔ ہوٹل ڈی فرانس کا نمائندہ بھی آ گیا تھا۔ اس نے اس کا سامان اٹھوانا شروع کیا اور پھر وہ تھوڑی دیر بعد چلے گئے۔ حمید بدستور بیٹھا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ فریدی واپس آیا تو اس کا چہرہ سرخ تھا۔ آنکھیں انگارا ہو رہی تھیں۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے تھوڑی دیر تک کھڑا رہا۔ پھر تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ فریدی غسل خانہ میں دیکھ رہا تھا۔

"وہ فرش پر پھسل کر گری نہیں تھی۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہ دیکھو کسی مرد کے پیر کے نشانات بالکل تازہ ہیں اور یہ.... اوہ.... خون.... کی بوند بخدا وہ اسے لے گئے۔" فریدی نے دوسرے دروازے کو دھکا دیا۔ یہ ایک دوسرا کمرہ تھا، جو باہر سے بند تھا۔ اس نے نیچے جھک کر کوئی چیز اٹھائی۔ یہ سر میں لگانے کا کلپ تھا۔ چمکدار ٹائیلس لگے ہونے کی وجہ سے قدموں کے نشانات نہیں مل سکے۔ البتہ یہاں بھی کئی جگہ خون کی بوندیں ملیں۔ سامنے ایک دروازہ تھا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔ سامنے کی دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ باہر کی روشنی اندر آرہی تھی۔ یہ کمرہ دیوار ٹوٹنے سے پہلے بالکل تاریک رہا ہوگا کیونکہ اس میں کوئی روشن دان بھی نہیں تھا۔ یہاں پرانا اور ٹوٹا پھوٹا فرنیچر بھرا ہوا تھا۔ فریدی تیزی سے آگے بڑھا اور دیوار کے خلاء سے باہر نکل گیا۔ حمید بھی اس کے ساتھ ہی بڑھا۔

"دوسری چوٹ....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہاں بھی خون ہے۔" اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔ "اور کسی کار کے پہیوں کے نشانات! وہ لوگ اسے ادھر ہی سے لے گئے۔"

سامنے دور تک جنگل کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور وہ ہوائی اڈے کی عمارت کی پشت پر کھڑے تھے۔ پھر انہوں نے کار کے پہیوں کے نشانات پر چلنا شروع کر دیا۔

"مجھے اس وقت خود اپنی ذات سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن بورازیانہ کا باپ اسے پہچان ہی لے گا۔" حمید نے کہا۔

"ناممکن قطعی ناممکن۔" فریدی نے کہا۔

"جولیا کے پیروں کی بناوٹ بورازیانہ کے پیروں سے بالکل مختلف ہے۔" حمید نے کہا۔

"اس چیز نے تو مجھے بھی اتنی جلدی اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور کر دیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن کوئی باپ بیٹی کے پیروں کو اس طرح نہیں دیکھتا جس طرح تم دیکھتے ہو۔ تمہارے دیکھنے میں جنسیت کو دخل ہے۔ اسی لئے تم اسے اہمیت دیتے ہو.... اور پھر اس نے اسے اس بات کا موقع ہی کب دیا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے میرے جانے کے بعد فوراً ہی اسٹاکنگ پہن لئے ہوں گے۔"

"پہن تو لئے تھے۔" حمید فکر مندانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے تو بورازیانہ کا باپ بھی نقلی ہی معلوم ہوتا ہے۔"

فریدی پھر جھک کر زمین کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید ایک پہیے میں ہوا کم تھی۔ وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہ نشان دیکھو۔"

"ہاں معلوم تو یہی ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

کچھ دور چل کر سیاہ اور پختہ سڑک شروع ہو گئی۔

"اگر وہ سڑک پر نکل گئے ہیں تب تو یہاں آنا ہی بے سود رہا۔" حمید نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

فریدی زمین پر بیٹھ کر سڑک کو انگلی سے ٹٹولنے لگا۔ "قطعی بے سود نہیں رہا۔ حمید صاحب۔" وہ سڑک کے پار ادھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔ "وہ سڑک پر ہی ہو لئے ہیں کیونکہ دوسری طرف نشانات نہیں۔ دن بھر کی تیز دھوپ میں سڑک کا کولتار پگھل کر نرم ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ سڑک پر نشانات ڈھونڈیں گے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اس طرح تو آپ کو سینکڑوں نشانات مل جائیں گے۔"

"یہ نہ بھولو کہ مطلوبہ موٹر کے ایک پہیے میں ہوا کم تھی اور شائد وہ پچھلا پہیہ تھا۔ اس نے خاص قسم کا نشان ڈالا تھا۔ میرے خیال سے اس میں اتنی ہوا کم تھی کہ اس کا ریم زمین سے لگ رہا تھا۔" فریدی جھک کر دیکھنے لگا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"موٹر یہاں سے مڑی ہے۔ اچھا اس نشان کو دیکھو۔ ان دونوں میں کچھ فرق معلوم ہو رہا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہ نشان اسی پہیئے کا ہے جس میں ہوا کم تھی۔ بس چپ چاپ چلے آؤ.... خواہ وہ ہوائی اڈے تک ہی کیوں نہ لے جائے۔"

"اس طرح کب تک چلتے رہیں گے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو زیادہ دور تک نہ جانا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ تھوڑی دور کے بعد وہ لوگ محکمہ جنگلات کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں سے فریدی نے کسی کو فون کیا۔

"کس سے بات کی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ڈی۔ آئی۔ جی صاحب سے۔"

"اس کیس کے متعلق....!" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.... وہ تو فائل ملنے کے بعد ہی میں نے ان سے اپنے شبہے کا اظہار کر دیا تھا اور اس وا میں نے انہیں نئے لیکن متوقع حادثے کی خبر دے دی ہے۔ چوکی سے نکل کر وہ پھر نشانات پر پڑے۔ ابھی کچھ کچھ دھوپ باقی تھی لیکن اس میں سرخی پیدا ہو چکی تھی۔

"اب اندھیرے میں کہاں بھٹکتے پھریں گے۔" حمید نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میرے مینٹل میں ایک چھوٹی سی ٹارچ پڑی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر مقابلہ کی نوبت آگئی تو۔"

"مقابلہ کریں گے۔" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

"ریوالور....؟" حمید بولا۔

"وہ بھی موجود ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے تو پہلے ہی سے کھٹکا تھا کہ ہوائی اڈے پر ہی نہ کوئی واردات ضرور ہو جائے گی۔"

"وجہ....؟" حمید بولا۔

"بوہیمیا کی بجائے قاہرہ سے ہدایات کا موصول ہونا۔"

"آپ وہی ایک لکیر پیٹ رہے ہیں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"وہ سب سے زیادہ اہم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ٹھہرو...." وہ پھر زمین پر جھک گیا۔

"یہاں سے کار یا لاری ادھر کچے راستے پر مڑ گئی۔" اس نے سر اٹھائے بغیر کہا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "حمید صاحب میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ اس علاقے میں صرف دو عمارتیں ہیں۔ ایک تو محکمہ جنگلات کی چوکی اور دوسری یہاں سے تین میل کے فاصلے پر۔" فریدی نے کچے راستے کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ "دوسری عمارت بالکل ویران مقام پر ہے۔ جنگ کے زمانے میں وہ فوجی رسد گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی اور اب شاید ویران پڑی ہے۔ میرے خیال سے اسے کسی تعلقہ دار نے خرید لیا تھا اب وہاں کیا ہے، یہ میں نہیں جانتا۔"

"تو آپ نے پہلے ہی وہاں پر چھاپہ کیوں نہیں مارا۔"

"کہہ تو رہا ہوں کہ وہ محض اندازہ تھا۔ لیکن اس وقت یقین آ گیا ہے اور یونہی خواہ مخواہ چھاپہ مار کر کیا کرتا۔ اب اگر بورازیانہ وہاں سے برآمد ہو جاتی ہے تو سارا کام بن جائے گا۔ پہلے میرے پاس ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا اور اب دونوں ہم شکلوں کی موجودگی میں مجھے ان کے خلاف جرم ثابت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔" وہ کچے راستے پر چل پڑے تھے۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جولیا کے بال۔" حمید نے کہا۔

"بالوں کی رنگت....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "صاحب زادے ہلکے کتھئی رنگ کے خضاب کے ذریعہ یہ دشواری بھی حل کی جا سکتی ہے۔ جولیا نے بورازیانہ کے بالوں کے رنگ کا خضاب لگا رکھا تھا۔" دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ کپکپاتی ہوئی دھوپ اونچے درختوں کی چوٹیوں پر آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی اور جنگل انواع و اقسام کے شور سے گونجا ہوا تھا۔ کچے راستے کے دونوں طرف گھنی جھاڑیوں میں جھینگروں نے اپنی ریں ریں، ٹیں ٹیں شروع کر دی تھی۔

وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ انہیں کسی کار کی آواز سنائی دی۔ دونوں جھاڑیوں میں گھس گئے۔ چند لمحوں کے بعد ایک کار گرد اڑاتی ہوئی تیزی سے گزر گئی۔

"تم نے دیکھا....؟" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بھلا اتنی بڑی چیز کیسے نہ دیکھتا۔ اگر اندھا بھی ہوتا تو کم از کم آواز تو سن ہی لیتا۔ کار پر کون تھا؟ میں غور نہیں کر سکا۔"

"جمشید تھا....!"

"وہی اس کیفے کا مالک....!"

"ہاں اچھا اب آؤ لوٹ چلیں۔" فریدی نے کہا اور جھاڑیوں سے نکل آیا۔ وہ جھکا ہوا زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔

"یہی کار تھی یہ نشان دیکھو۔ مگر شاید واپسی کے لئے بھی اسے جلدی ہی تھی۔ جبھی تو اس نے پہئیمیں ہوا نہیں بھری تھی۔" وہ دونوں پھر سڑک کی طرف واپس جا رہے تھے۔

"کیوں! کیا معاملہ کل پر چھوڑ دینے کا ارادہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں ابھی اور اسی وقت ورنہ بورازیانہ نہ جانے کہاں جا پہنچے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تو کہاں چلے؟"

"ڈی۔ آئی۔ جی کو فون کروں گا۔ اب اس معاملہ کو جلد از جلد ختم کر دینا چاہئے ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔"

"فکر نہ کیجئے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "ڈاکٹر ضرغام بڑا اچھا سرجن ہے۔"

"فکر کس بات کی اس کی مدد کے بغیر بھی تمہارے ساتھ شادی کر ہی نہ سکوں گا۔"

"خیر اس سلسلے میں کئی بار آپ کی خدمت میں ہمدرد دواخانے کا لٹریچر پیش کر چکا ہوں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اس قسم کے برجستہ جواب پسند آتے ہیں۔" فریدی اس کی پیٹھ پر گھونسہ جما کر بولا۔

وہ محکمہ جنگلات کی چوکی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ فریدی نے پھر اندر جا کر فون کیا اور واپس آ گیا۔

"کوئی خاص انتظام....!" حمید نے پوچھا۔

"نہیں صرف پندرہ آدمی۔"

"صرف پندرہ کیوں؟" حمید نے کہا۔ "کیا آپ مجرموں کی صحیح تعداد سے واقف ہیں۔"

"نہیں! لیکن وہ عمارت میری دیکھی ہوئی ہے۔ اس کی پچویشن ایسی ہے کہ اگر سلیقے سے حملہ کیا جائے تو پندرہ ہی کافی ہوں گے۔ زیادہ بھیڑ بھاڑ سے کیا فائدہ۔"

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ نو دس بجے سے قبل چاندنی کی توقع بھی نہیں تھی۔ انہوں نے چوکی کے قریب ہی ایک گھنا درخت منتخب کیا اور اس پر چڑھ گئے۔

"آپ کے ساتھ رہ کر بھی بالکل بندروں کی سی زندگی ہو جاتی ہے۔"

"شکر کرو..... بندروں ہی جیسی ہو جاتی ہے۔ ورنہ اس زمانے میں زندگی کہاں ملتی ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"اگر یہیں سے ٹپک پڑوں تو قیامت تک کی زندگی کا مزہ آ جائے۔"

"ارے یار..... تو اپنی جان کو اتنی اہمیت کیوں دیتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تیرے مرجانے سے زندگی تو فنا ہو گی نہیں۔ پھر خوف کس بات کا۔ بس ذرا زندگی کا ایک مظہر کم ہو جائے گا۔"

"لیکن میں زندگی کے دو چار اور مظاہر بنا لینے سے پہلے نہیں مرنا چاہتا۔"

"خوش فہمی ہے تمہاری..... ورنہ تم میں رکھا ہی کیا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"خیر چھوڑیئے اس بحث کو.....!" حمید اکتا کر بولا۔ "مایوسی کی صورت میں زنانہ دواخانے سے ساڑھے تین روپے میں ایک بچہ خرید لوں گا۔"

پھر وہ دونوں کافی دیر تک ادھر اُدھر کی تفریحی باتیں کرتے رہے۔ حمید کے لئے یہ پہلا اتفاق نہیں تھا۔ اس نے بارہا فریدی کو ایسے موقعوں پر ادھر اُدھر کی بے تکی باتیں کرتے سنا تھا۔ اس کا ہمیشہ یہ قاعدہ تھا کہ وہ مجرموں کے گرد اپنا جال بن کر اس طرح مطمئن اور بے تعلق ہو جاتا تھا جیسے اس نے انکے ہتھکڑیاں ہی لگا دی ہوں۔ بہر حال ایسی حالت میں حمید کسی سخت اور خطرناک مقابلے کی توقع ضرور رکھتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد انہیں سڑک پر ایک کار دکھائی دی جس کے اندر کسی نے دیا سلائی جلا کر سگریٹ سلگائی اور اس کی روشنی میں اس کا دھندلا سا چہرہ دکھائی دیا۔

"پہچانا.....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"نہیں.....!"

"ڈاکٹر ضرغام.....!"

پھر حمید نے کار کو کچے راستے پر مڑتے دیکھا۔ تھوڑی دیر تک سناٹے میں انجن کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر سکوت طاری ہو گیا۔ بہت دور کی جھاڑیوں میں کار کی لائیٹس کا عکس کبھی کبھی چمک اٹھتا تھا۔

"چلو یہ بھی بڑا اچھا ہوا۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ وہ بھی یہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ جمشید اسے اپنی کامیابی کی اطلاع دینے گیا تھا۔" حمید بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "ابھی تک وہ نہیں آئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ضرغام کی

موجودگی ہی میں ان پر حملہ کردیا جائے۔" حمید سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس گروہ کی طاقت کا حال اس پر اچھی طرح ظاہر تھا۔ اس کے افراد چالاک بھی تھے اور دلیر بھی۔ دن دہاڑے ہوائی اڈے سے کسی کو اغوا کر کے لے جانا آسان کام نہیں تھا اور اغوا بھی کیسا۔ ایک شکل کو دوسرے ہم شکل سے بدلنا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر ان کے کرتوت سے واقف ہو چکا ہے۔ ایسے آدمیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف پندرہ آدمی؟

دفعتاً اس کی نظر فریدی کی طرف اٹھ گئی، جو اپنی چھوٹی سی ٹارچ روشن کر کے ہلا رہا تھا۔ پھر اسے نیچے کچھ دور پر ایک دوسری ٹارچ دکھائی دی۔

"اتر چلو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ آگئے۔"

پھر تھوڑی دیر بعد سترہ آدمیوں کی پارٹی گھنے جنگل میں گھس رہی تھی۔

فریدی نے مختصر راستہ اختیار کیا تھا اور بے دھڑک جھاڑیوں میں گھستا پھر رہا تھا۔ ٹارچ استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ محض اپنی یادداشت کے سہارے اندھیرے میں اس پُراسرار عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کی جدوجہد کے بعد وہ لوگ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ عمارت کافی طویل و عریض تھی اور اس کی بند کھڑکیوں کے دھندلے شیشوں سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ فریدی نے دو دو تین تین آدمیوں کو جھاڑیوں میں چھپانا شروع کر دیا۔ ترتیب کچھ ایسی تھی کہ پوری عمارت چاروں طرف سے گھر گئی۔ پھر وہ انہیں ضروری ہدایات دے کر عمارت کی پشت پر آیا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ اکثر عمارت کے اندر سے قہقہوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"حمید۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اوپر چلنا ہے۔ یہ لو ریوالور اور کارتوس....!"

"اوپر.... لیکن کیسے؟"

"یہ درخت دیکھ رہے ہو۔ اس کی ایک شاخ چھت پر جھکی ہوئی ہے۔"

حمید نے ایک گہری سانس لی اور درخت کی طرف بڑھنے لگا۔ دوسرے لمحہ میں وہ درخت پر چڑھ رہا تھا۔ فریدی بھی اس کے بعد چڑھنے لگا۔ دونوں بہ آسانی چھت پر اتر گئے۔ چھت بالکل سپاٹ تھی۔ البتہ نچلے صحن کے چاروں طرف دو دو فٹ اونچی دیواریں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں رینگتے ہوئے دیوار کے قریب آئے۔ صحن میں جھانک کر دیکھا۔ وسیع صحن میں چاروں

رف چھوٹی چھوٹی میزیں بچھی ہوئی تھیں جن میں چار چار کی ٹولیوں میں بتیس آدمی بیٹھے ہوئے راب یا کافی پی رہے تھے۔ ڈاکٹر ضرغام ٹہل رہا تھا۔ ایک آرام کرسی پر بورازیانہ پڑی ہوئی تھی۔ ں کے چہرے پر بے چارگی کے اثرات پھیلے ہوئے تھے۔ ضرغام بار بار رک کر اس کی طرف یکھنے لگتا تھا۔

دفعتاً فریدی نے ایک ہوائی فائر کیا جس کے جواب میں محاصرہ کرنے والوں نے بھی عمارت پر باڑھ ماردی۔ کھڑکیوں کے شیشوں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔

"ڈاکٹر ضرغام....!" فریدی اوپر سے چیخا۔ "تم ہار گئے۔ چپ چاپ خود کو ہمارے حوالے کردو۔"

یک بیک اندر سے تین چار فائر ہوئے اور صحن میں لگے ہوئے لیمپ چکنا چور ہوگئے۔ پھر ایک طویل کرب ناک اور بتدریج مضمحل ہوتی ہوئی چیخ سنائی دی۔ کسی عورت کی چیخ، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے اس کے سینے میں خنجر اتار دیا ہو۔ فریدی نے اندھا دھند فائر کرنے شروع کردیئے۔ حمید بھی بڑی مستعدی سے اندھیرے میں فائرنگ کر رہا تھا اور اب نیچے سے بھی فائر ہونے شروع ہوگئے۔ اندر شائد مجرموں نے بھی اپنی رائفلیں سنبھال لی تھیں۔ کبھی کبھی ایک آدھ چیخ بھی سنائی دے جاتی تھی۔ نیچے دروازوں اور کھڑکیوں کے ٹوٹنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید فریدی کے ساتھیوں نے دروازوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ فریدی آہستہ آہستہ نیچے جانے والے زینوں کی طرف رینگنے لگا۔

"یہ خطرناک ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"فکر مت کرو.... تم اپنی جگہ پر مستعد رہو اور فائرنگ جاری رکھو۔"

پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے حمید کی نظروں سے غائب ہوگیا اور تھوڑی دیر کے بعد حمید کو ایسا سوس ہوا جیسے اندر بہت ہی شدید قسم کی جنگ چھڑ گئی ہو۔ پے در پے چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید باہر کے لوگ بھی اندر گھس گئے تھے۔ دفعتاً اس نے فریدی کی آواز سنی جو چیخ کر کہہ رہا تھا "اوپر اپنا آدمی ہے۔" حمید بھی رینگ کر زینے کے قریب آگیا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کی گولی اس کے کسی ساتھی کو نہ لگ جائے۔

متواتر دو گھنٹے تک گولیاں چلتی رہیں۔ پھر یک بیک سناٹا چھا گیا۔ البتہ چیخنے اور کراہنے کی

آوازیں ابھی تک سنائی دے رہی تھیں۔ دفعتاً صحن میں روشنی دکھائی دی۔ فریدی ہاتھ میں ایک پٹرومیکس لیمپ لٹکائے ہوئے باہر آیا۔

"حمید اگر زندہ ہو تو نیچے آجاؤ۔"

اس نے نیچے سے آواز دی۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ بورازیانہ کی لاش کرسی سے بندھی ہوئی تھی۔

اس کے سینے میں ایک خنجر پیوست تھا اور چہرہ اس قدر بگاڑ دیا گیا تھا کہ خدا کی پناہ۔ حمید نیچے اتر آیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ بورازیانہ کے چہرے کا سارا گوشت کاٹ لیا گیا تھا۔

دوسری طرف صحن کے پختہ فرش پر گویا خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں، جن میں ان کے ساتھیوں کی بھی لاشیں تھیں۔ کچھ تو اب تک سسک اور کراہ رہے تھے۔ فریدی تھوڑی دیر تک بورازیانہ کی لاش کی طرف دیکھتا رہا پھر کمروں کی طرف پلٹ آیا۔ حمید بھی اس کے ساتھ تھا۔ فریدی کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اس کی آنکھیں غم ناک تھیں۔

حمید نے ضرغام کو دیکھا جو فرش پر بندھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔

"اس کے گھونسے نے میرا سر پاش پاش کر دیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن سامنے والی دیوار نے اس کا ہاتھ توڑ دیا۔" پھر وہ ضرغام کو مخاطب کر کے بولا۔

"کیوں ضرغام.... تم واقعی بہت دلیر ہو اور بہت ذہین بھی، لیکن اسے کیا کیا جائے کہ میرے علاقے میں سازشیں بہت کم بار آور ہوتی ہیں۔" ضرغام کچھ نہیں بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ اپنی ہی بوٹیاں نوچنے کے متعلق غور کر رہا ہو، پھر وہ برآمدے میں آگئے۔ انکے ساتھیوں میں سے صرف آٹھ زندہ بچے تھے۔ سترہ مجرم حراست میں آگئے اور ان میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو زخمی نہ رہا ہو۔ فریدی کے چہرے پر بھی دو تین خراشیں تھیں جن سے خون رس رہا تھا۔

"آپ کے چوٹ کس طرح آئی۔" حمید نے پوچھا۔

"ضرغام کے ناخن۔" فریدی نے کہا۔ "میں تو ہمت ہار چکا تھا۔ خدا کی پناہ۔ اتنا طاقت ور آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ اگر اس کا ہاتھ نہ ٹوٹتا تو وہ کبھی قابو میں نہ آتا۔ وہ تو کہو میں پھرتی سے ہٹ گیا اور اس کا گھونسہ دیوار پر پڑا.... ورنہ خیر.... اف فوہ.... کتنا خون بہہ

گیا.... اور وہ بے چاری۔"

وہ رات بھاگ دوڑ میں گزر گئی۔ وہاں سے واپسی پر فریدی ہوٹل ڈی فرانس میں پہنچا۔ بوہیمیا کے فرمانروا کو اس حادثے کی خبر سنائی اور وہ ہنس کر کہنے لگا۔ "شاید تم زیادہ پی گئے ہو۔" اس کی لڑکی جولیا بھی جاگ پڑی تھی اور اس کے رویے پر تو فریدی خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور حمید کے سینے میں تو نفرتوں کا جوالامکھی پھوٹ رہا تھا۔ جولیا نے نہ صرف انہیں پہچاننے سے انکار کر دیا بلکہ ان کے اس خیال کا مضحکہ بھی اڑایا کہ بوہیمیا کی شہزادی بدل دی گئی ہے۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر وہ چپ چاپ چلے نہ جائیں گے تو وہ پولیس کو فون کر دے گی کہ دو شرابی ان کے کمروں میں گھس آئے ہیں۔

تھکن کی وجہ سے اس وقت فریدی کا ذہن کسی آخری فیصلے پر نہ پہنچ سکا۔ لہٰذا وہ ان کی نگرانی کے لئے دو آدمی چھوڑ کر وہاں سے لوٹ آیا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی اور حمید کو اپنے بنگلے پر طلب کیا۔

"بھئی اس معاملے کو یہیں ختم کر دو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی سے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"بورازیانہ والا معاملہ.... اوپر سے یہی حکم آیا ہے کہ اس مسئلہ پر اب کوئی مزید تحقیق نہ کی جائے۔ البتہ اگر ضرغام کے خلاف کچھ اور چارج لگائے جائیں تو بہتر ہے۔"

"آخر کیوں....!" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"اب یہ نہ پوچھو....!"

"تو یہ خون کا دریا مفت میں بہایا گیا۔ بورازیانہ کی لاش بھی موجود ہے۔ لیکن اس کی شناخت نہ ہو سکے گی۔"

"خود اس کے باپ نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا ہے۔"

"لیکن میں ثابت کر دوں گا۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"ہماری حکومت اس کے لئے تیار نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔"

"اگر ٹھیک ہے تو پھر مجھے یہ معلوم کرنے دیجئے کہ ایک باپ نے اپنی بیٹی کو پہچاننے سے کیوں انکار کر دیا۔ اگر چہرہ بگاڑ دیا ہے تو کیا ہوا۔ اس کے دوسرے اعضاء تو صحیح و سالم ہیں۔"

"بھئی اس قصے کو ختم کرو۔ ضرغام کو پھانسی پر چڑھانے کے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس نے تین خون کئے جن میں سے ایک گم نام لڑکی بھی ہے۔"

"گمنام لڑکی.....!" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ وہ بورازیانہ ہے۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"پھر آخر حکومت کیوں.....؟"

"بھئی یہ ایک دوسری حکومت کا راز ہے اور دونوں لڑکیاں غیر ملکی تھیں۔ ضرغام نے جن دیسیوں کا خون بہایا ہے اس کے لئے اس پر مقدمہ چلایا جائے گا اور اگر دوران سماعت خود اسی نے سارا راز اگل دیا تو.....!"

"مقدمہ کھلی عدالت میں نہیں ہوگا۔"

"یہ سراسر ظلم ہے۔ دو الگ الگ ملکوں میں بھی انسان ہی بستے ہیں اور ان میں سے کسی کی رگوں میں خون کی بجائے پانی نہیں ہوتا۔"

"امورِ مملکت میں ہم دخل انداز نہیں ہو سکتے۔"

"تو خیر.... پھر میرا استعفیٰ آپ کو آفس میں مل جائے گا۔" فریدی برافروختگی کے عالم میں اٹھتا ہوا بولا۔

"مجھے اسی کا خدشہ تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی مسکرا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔ حکومت تم جیسے کام کے آدمی کو بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ میں اوپر والوں کو تمہاری افتادِ طبع سے پہلے ہی آگاہ کر چکا ہوں۔ آخر تم استعفیٰ کیوں دینا چاہتے ہو۔"

"تاکہ آزادی کے ساتھ اس راز کا پتہ لگا سکوں۔"

"میں خود تمہیں بتا سکتا ہوں۔ لیکن راز داری کے وعدے کے ساتھ ہی ساتھ تمہیں یہ وعدہ بھی کرنا پڑے گا کہ تم اس کے بعد استعفیٰ نہیں دو گے۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"مجھے منظور ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک پر خیال انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "جولیا ہی بوہیمیا کے تاج کی صحیح وارث ہے۔"

"کس طرح.....!" فریدی بے چینی سے پہلو بدل کر بولا۔

"بورازیانہ حقیقتاً شاہ بوہیمیا کی بیٹی نہیں تھی۔ اس نے اسے بیٹی کی طرح پالا تھا۔ جولیا حقیقتاً اس کی بیٹی تھی اور اس کی پرورش ہنگری کے ایک غریب گھرانے میں ہوئی تھی۔ شاہ کو تخت کے دشمنوں کی طرف سے خدشہ تھا کہ وہ اس کی بیٹی کو زندہ نہیں رہنے دیں گے لہٰذا اس نے جولیا کو شیر خوارگی ہی کے عالم میں ہنگری بھجوا دیا تھا اور اس کی جگہ ایک لاوارث بچی کو دے دی تھی۔ وہ بھی بورازیانہ ہی کہلاتی تھی۔ جوان ہو کر وہ بھی اپنی قوم میں بہت مقبول ہو گئی۔ شاہ کو فکر تھی کہ اب وہ اپنی لڑکی کو کس طرح واپس بلائے۔ اس دوران میں اس کے وہ دشمن بھی ختم ہو چکے تھے جن کی طرف سے اسے خدشہ تھا۔ وہ اس راز کو ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے یہی تدبیر سوچی کہ جولیا کی شکل تبدیل کر کے اسے بورازیانہ کی شکل میں لایا جائے۔ یہ کام امریکہ میں بھی آسانی سے ہو سکتا تھا لیکن وہاں اس بات کے پھیلنے کا خطرہ تھا۔ اس دوران میں اس کی نظروں سے ڈاکٹر ضرغام کا کوئی مضمون گذرا جس میں اس نے اپریشن کے ذریعے شکل تبدیل کرنے کے امکانات پر بحث کی تھی۔

اس نے اس سلسلہ میں ضرغام سے خط و کتابت کی اور وہ اس پر تیار ہو گیا۔

پروگرام یہ تھا کہ جولیا کو کچھ بتایا نہ جائے۔ اس کی شکل تبدیل کر کے اسے بورازیانہ کے عادات و اطوار اور آداب شاہی سکھائے جائیں۔ جب وہ سب کچھ سیکھ جائے تو اسے اس راز سے آگاہ کیا جائے۔ ورنہ شروع میں خوشی کے مارے اس کے پاگل ہو جانے کے امکانات بھی ہو سکتے تھے۔ بورازیانہ کے متعلق یہ پروگرام تھا کہ اسے جولیا کی پہلی شکل میں لا کر ہنگری بھجوا دیا جائے۔ اسے مار ڈالنے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ اگر وہاں کسی سے اس تبدیلی کا ذکر بھی کرتی تو لوگ اسے پاگل سمجھتے۔ ہنگری والے جنہوں نے جولیا کی پرورش کی تھی شاہی خاندان کے خاص وفاداروں میں سے تھے کسی سے اس واقعے کا تذکرہ نہ کرتے اور اگر بورازیانہ انہیں جولیا کی شکل میں مل جاتی تو اسے اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرتے اور مشہور کر دیتے کہ کسی اچانک حادثے کی وجہ سے ان کی لڑکی کا یا تو واقعی دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر وہ اچانک غائب ہو جانے کے باعث بازیافت پر

والدین کے عتاب ڈر سے پاگل بن گئی ہے۔"

فریدی متحیرانہ انداز میں ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "قاہرہ سے رازداری کی استدعا کرنے کا یہ مطلب تھا کہ ضرغام نے شاہ کو جولیا کے غائب ہونے کی خبر بھجوادی تھی لیکن اسے توقع تھی کہ وہ اُسے ڈھونڈ نکالے گا اور اسکے مل جانے پر ہی اس نے اسے مطلع کیا ہوگا۔ مگر وہ تار اسے قاہرہ میں نہ مل سکا ہوگا۔ البتہ دوسرے دن یہاں ڈاکٹر ضرغام کو قاہرہ سے ان کی روانگی کا تار ملا ہوگا؟"

"قطعی یہی بات تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے سر ہلا کر کہا۔

فریدی پھر خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے سے گہری سوچ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"ڈاکٹر ضرغام کے دوسرے جرائم کا کیا ہوگا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"اس کے ساتھیوں نے وہ جگہیں بتادی ہیں۔ اب موٹر ڈرائیوروں کی لاشیں برآمد کی جائیں گی۔ بہرحال یہ میری زندگی کی پہلی شکست ہے۔"

"شکست کیوں....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "اگر حکومت درمیان میں نہ آجاتی تو تم نے سارے عقدے ہی حل کرلئے تھے۔"

"مجھے عقدوں سے زیادہ بے گناہوں کی جانوں کا خیال رہتا ہے۔ وہ غریب لڑکی بھی مفت میں ماری گئی اور اتنا خون فضول بہا اور اس لئے کہ مجرم ایک بادشاہ ہے۔"

اس واقعے کے بعد فریدی عرصے تک غمگین رہا۔

کچھ دنوں کے بعد جولیا اپنے باپ کے ساتھ بوہیمیا واپس چلی گئی۔

اپنے دوران قیام میں اس نے کئی بار فریدی سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 23

قاتل سنگریزے

(مکمل ناول)

پیش لفظ

"قاتل سنگریزے" کو آپ ہر حیثیت سے دلچسپ پائیں گے۔ اس میں تحیر، مزاح، کردار نگاری اور داستان کی دلچسپی سب کچھ موجود ہے۔ ایک کرنل کی موت پُر اسرار حالات میں ہوئی۔ وہ اپنے ریوالور سے کسی پر حملہ کرتا ہے مگر خود مر جاتا ہے۔ لیکن اسے گولی نہیں لگی تھی۔ اس کا بھائی پھول توڑتے وقت چیخ کر گرتا ہے اور مر جاتا ہے۔ پھر بھتیجا اپنی کار میں بیہوش پایا جاتا ہے۔ آسمان سے مردہ پرندوں کی بارش۔ ایک عجیب و غریب جانور کا تذکرہ جس کا نام کوئی نہیں جانتا تھا۔ پُر اسرار آدمی کی داستان جس سے سب خائف رہتے تھے، جو نوجوان لڑکیوں کو اٹھالے جاتا تھا۔ جس نے کرنل سے انتقام لینے کی قسم کھائی تھی۔ فریدی اس ناول میں بہت پرسکون نظر آتا ہے، لیکن وہ خاموشی سے کیا کرتا رہا تھا؟ انکشاف ہوتے ہی آپ چونک پڑیں گے۔ ایک لڑکی تین مرد۔ سارجنٹ حمید نے دل پر جبر کر کے ہاتھ پیر ہلائے تو ایک حماقت کر بیٹھا، لیکن وہ حماقت بھی کام آگئی۔

ابنِ صفی

مرگِ ناگہاں

ڈوبتے ہوئے سورج کی نارنجی شعاعیں پیلی کوٹھی کی اوپری منزل پر پھیلی ہوئی تھیں اور پیلی کوٹھی شہر کی دوسری عظیم الشان عمارتوں سے الگ تھلگ سدا بہار درختوں اور پھولوں کے تختوں سے گھری کھڑی تھی۔ یہ تھی تو دولت گنج ہی کے علاقے میں لیکن شہری آبادی اس سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ اس کے اردگرد کی آبادی کا شمار شہری آبادی میں نہیں ہوتا تھا۔ یہاں زیادہ تر ماہی گیر تھے، جو قریب کے دریا سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ دو چار گھر کپڑا بننے والوں کے بھی تھے۔ ان کے علاوہ پیلی کوٹھی کے مالک کرنل جواد کے ملازمین نے بھی اپنے گھر بنالئے تھے۔ اس علاقے کی ساری زمین کرنل جواد ہی کی تھی، جو اس نے برائے نام کرائے پر اٹھا رکھی تھی۔ کرایہ محض اس لئے لیتا تھا کہ زمین پر اس کا قبضہ مالکانہ قائم رہے۔ ورنہ ویسے اس کا مقصد اس زمین کو آباد کرنا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے اس بات کا بھی خیال رکھا تھا کہ کوئی ایسا آدمی وہاں آباد نہ ہونے پائے جو اس کے سامنے سر اٹھا سکے۔ اس کی یہ عنایت صرف نچلے ہی طبقے تک محدود تھی۔ بہر حال پیلی کوٹھی کے چاروں طرف بے شمار چھوٹے موٹے کچے پکے مکانات اور جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے اور شام کے دھندلکے میں اس بستی میں پیلی کوٹھی نہ جانے کیوں انتہائی پُر اسرار معلوم ہونے لگتی تھی۔

خود کرنل جواد اس سے بھی زیادہ پُر اسرار تھا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ سے فرصت پانے کے بعد سے اس نے یکے بعد دیگرے آٹھ شادیاں کی تھیں اور وہ سب دو دو تین تین سال کے وقفے سے لاولد ہی مر گئی تھیں۔ اسی بنا پر اس کے بعض بے تکلف دوست اُسے بیوی خور کہنے لگے تھے۔ آٹھ

بیویوں میں سے کسی نے بھی اس کا کوئی وارث نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے اب آخر عمر میں نزدیک اور دور کے بہتیرے رشتے دار اس کے گرد جمع ہوگئے تھے۔ اُن میں اس کا سگا بھائی سلیم اور بھتیجا کیپٹن اشرف بھی تھا۔ پہلے وہ دونوں کسی دوسرے شہر میں رہتے تھے لیکن ادھر دو سال سے ان کا قیام پیلی کوٹھی ہی میں تھا۔ ان دونوں کے علاوہ پانچ افراد اور تھے جن میں اس کا بھانجا ڈاکٹر قدیر نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ شہر میں اس کی پریکٹس اچھی خاصی چلتی تھی اور وہ اتنا دولت مند تھا کہ اس نے دو ڈاکٹر ملازم رکھ چھوڑے تھے، جو اس کی عدم موجودگی میں اُس کے مریضوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر قدیر عموماً گرمیوں کا زمانہ اپنے ماموں کرنل جواد ہی کے ساتھ گذارا کرتا تھا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ تھی لیکن وہ ابھی تک کنوارا تھا۔ عزیزوں میں وہی کرنل جواد سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ وہی ایک ایسا تھا جسے کرنل کچھ سمجھتا تھا۔ لڑکیوں میں اُسے اپنی بیوہ سالی بیگم نواز کی لڑکی عالیہ بھی عزیز تھی۔ کرنل جواد کی ایک چچازاد بہن اپنے شوہر سے بگاڑ کر کے اُسی کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا اکلوتا لڑکا نصیر بھی تھا جسے کرنل قطعی پسند نہیں کرتا تھا۔ اُس کے عادات و اطوار اُسے ناپسند تھے۔ وہ کافی خوبصورت تھا اور ہر وقت خود کو بنائے سنوارے رہتا تھا۔ کرنل اُسے عموماً زنخا کے نام سے یاد کرتا تھا۔ بستی کے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ سب کرنل کی کثیر دولت کی لالچ میں یہاں جمع ہوگئے تھے اور ان میں سے ہر ایک کرنل کا دل جیتنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کرنل جواد کے اعزاء اسے خبطی سمجھتے تھے۔ چڑچڑا تو خیر وہ تھا ہی۔ اس پر عمر کا تقاضا۔ لیکن عمر کی زیادتی نے اس کے جسم پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا تھا۔ جسم کی توانائی کی بناء پر اُس کے سفید بال ایسے ہی معلوم ہوتے تھے جیسے وہ قبل از وقت سفید ہوگئے ہوں۔ ویسے اس کی عمر ستر سال سے کسی طرح کم نہ تھی۔

اس وقت وہ اپنے پائیں باغ میں بیٹھا اپنے داہنے پیر کے تلوے کا وہ زخم دیکھ رہا تھا جو اُسے تقریباً ایک ماہ سے پریشان کئے ہوئے تھا۔ بس ایک دن بیٹھے بٹھائے داہنے پیر کے تلوے میں کھجلی اٹھی جو بڑھتی ہی گئی اور پھر کھجلاتے کھجلاتے دوچار دن بعد زخم ہوگیا تھا۔ کھجلی اتنی شدید اٹھتی تھی کہ وہ بے اختیار اپنا تلوہ ہر اس چیز سے کھجلانے لگتا جو چیز اس کے ہاتھ لگ جاتی تھی۔ ایک دن شیو کرتے وقت کھجلی اٹھی اور اس نے بلیڈ سے کھجلانا شروع کردیا۔ نتیجے کے طور پر تلوہ

جگہ سے کٹ گیا۔
ڈاکٹر قدیر اس کا علاج کر رہا تھا۔ بینڈیج وغیرہ بھی وہ خود اپنے ہاتھ ہی سے کرتا تھا لیکن زخم ہی تک نہ بھر سکا تھا۔ جہاں کھجلی اٹھی کرنل جواد پٹیاں کھول ڈالتا اور زخم کو رگڑنے لگتا۔ کبھی سہری کی پٹیوں سے کبھی صوفے سے اور کبھی کسی درخت کے تنے سے۔

آج ڈاکٹر قدیر صبح ہی سے گھر پر موجود نہیں تھا اس لئے خود کرنل ہی پائیں باغ میں بیٹھا ہوا پنا زخم دھو رہا تھا۔ اس کا سب سے پرانا خادم رفیق پانی ڈال رہا تھا۔

"نہ جانے آج قدیر نے اتنی دیر کہاں لگادی۔" کرنل خود بخود بڑبڑایا۔

"بہت ممکن ہے کہ کوئی خاص قسم کا مریض مل گیا ہو۔" رفیق نے کہا۔

"لیکن اُسے میرا خیال بھی تو رکھنا چاہئے تھا۔" کرنل نے جھنجھلا کر کہا۔

"کپتان صاحب یا نصیر میاں کو بلاؤں۔" رفیق نے کہا۔

"کیپٹن اشرف کہو۔" کرنل منہ بنا کر بولا۔ "یہ لونڈا تو اس طرح اکڑتا پھرتا ہے جیسے کیپٹن نہیں جنرل ہو اور آواز سنئے تو جیسے بلی میاؤں میاؤں کررہی ہو۔ پریڈ کیا کراتا ہوگا۔ عجیب زمانہ آگیا ہے، ایسے ایسے نازک بدنوں کو فوج میں نوکریاں ملنے لگی ہیں سنا ہے کہ وہ زنخا بھی کمیشن کے چکر میں ہے۔"

"کون....؟"

"اماں.... وہی نصیر، جسے ہلکی سی چپت بھی ماردوں تو کئی دن بخار آجائے۔"

"صاحب ان لوگوں کے طور طریقے تو مجھے بالکل پسند نہیں۔" رفیق نے کہا۔

"ارے بابا تو مجھے کب پسند ہیں۔ سنا ہے کل رات کو نصیر نشے میں تھا۔ اگر میری آنکھ کھل گئی ہوتی تو بتاتا سؤر کو۔ پینے کو دو پیگ اور اودھم اتنا مچائیں گے جیسے قرابے صاف کرگئے ہوں۔"

"سرکار مجھے تو ہنسی بھی آرہی تھی اور غصہ بھی۔ آتے ہی عالیہ بی بی کا ہاتھ پکڑ لیا اور جھوم جھوم کر کہنے لگے، تمہارا نام فل فل فلوٹی ہے، مگر عالیہ بی بی نے بھی وہ زوردار تھپڑ رسید کیا ہے کہ پچھلے جنموں کا حال بھی روشن ہوگیا ہوگا۔"

"میں ہوتا تو مارتے مارتے ادھ مرا کردیتا۔" کرنل نے کہا۔ "ارے ہم بھی پیتے تھے اور بے تحاشہ پیتے تھے۔ مگر کیا مجال کہ زبان میں لغزش ہوجائے۔"

"کیا میں جانتا نہیں۔" رفیق نے کہا اور پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

"کپتان صاحب بھی پیتے ہیں لیکن میں نے ڈاکٹر صاحب کو آج تک نشے میں نہیں دیکھا۔"

"ارے وہ کیا پئے گا کنجوس مکھی چوس۔" کرنل ہنس کر بولا۔ "لیکن اس ہنسی سے پیار بھی جھلک رہا تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"ارے وہ سور! تم اُسے اچھا کہتے ہو۔ دیکھتے نہیں مجھ سے برابر سے لڑتا ہے۔"

"وہ تو خود آپ ہی نے انہیں شہہ دے رکھی ہے۔"

"مجھے کھرے آدمی پسند ہیں۔" کرنل نے پیر کو خشک کر کے سامنے والی کرسی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ خوشامدی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بقیہ سب لوگ میری موت کے منتظر ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

رفیق کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کرنل کی رائے سے اتفاق ہو لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

پھر کرنل خود ہی تھوڑی دیر کے بعد بڑبڑانے لگا۔ "لیکن انہیں مایوسی ہو گی۔ وہ مجھے نہیں جانتے۔ میں نے وہ وصیت نامہ مرتب کیا ہے کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی۔"

رفیق پھر خاموش رہا۔ دفعتاً کرنل اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ "پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تم چالیس سال سے میرے ساتھ ہو۔ میری طبیعت کا اندازہ تم نے بخوبی لگا لیا ہو گا۔ اچھا بتاؤ تو میں نے کس قسم کا وصیت نامہ مرتب کیا ہے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" رفیق نے اس کی طرف مرہم اور پٹیاں بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو.... اس طرح کچھ سکون مل رہا ہے۔ مرہم لگاتے ہی پھر کھجلی شروع ہو جائے گی۔ کرنل نے کہا۔ "ان میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم کہ میں آج کل کیا کر رہا ہوں۔"

"تو آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ تم تمام میں ڈھنڈورا پیٹتے پھرو۔" کرنل جھنجھلا کر بولا۔ پھر تھوڑی دیر تک اُ… گھورتے رہنے کے بعد کہنے لگا۔ "مجھے اُن سب سے زیادہ تم پر اعتماد ہے۔ میرا کون سا ایسا راز… جو تم نہیں جانتے۔ تمہارے علاوہ میں نے کسی اور کو اپنا ہمدرد سمجھا ہی نہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ

اب میری موت قریب ہے۔"

"آپ نے پھر وہی باتیں کرنی شروع کر دیں۔" رفیق نے آہستہ سے کہا۔ "وہ نہ جانے کب کا مر کھپ گیا ہو گا۔"

"نہیں وہ کبھی نہیں مر سکتا۔ میری موت سے پہلے تو کبھی نہ مر سکے گا۔ وہ خبیث وہ ناہنجار۔ اُس کے علاوہ اور کون اس سُوّر کی تصویر بنا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس سُوّر کو یا تو میں پہچانتا ہوں یادہ خود اس سے واقف ہے۔ مجھے اس کی دھمکی آج تک یاد ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے جب میں نے اُسے ہنٹر سے پیٹا تھا۔ میں اُسے پیٹ رہا تھا اور کسی انجانے خوف سے میری روح لرز رہی تھی۔ یہ دھمکی مجھے اسی کی طرف سے موصول ہوئی ہے سنو! اب یا تو میں ہی مروں گا یا وہ خود۔ جب سے مجھے اُس سُوّر کی تصویر دکھائی دی ہے میں اپنے پاس ہر وقت بھرا ہوا ریوالور رکھتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ وہ یہاں کس طرح پہنچے گا۔" رفیق نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"تعجب ہے کہ تم اسے دیکھ چکنے کے بعد بھی اس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔" کرنل نے کہا۔ "میں جادو وغیرہ کا قائل نہیں ہوں مگر پھر بھی مجھے اس کی شخصیت میں کوئی مافوق الفطرت چیز محسوس ہوتی رہی ہے۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔ دھوپ غائب ہو گئی تھی اور اب دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ بستی کے مکانوں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا اور چراگاہوں سے واپس آنے والے مویشیوں کی گھنٹیاں فضا میں ارتعاش پیدا کئے ہوئے تھیں۔

کرنل کی نظریں اُفق پر جمی ہوئی تھیں جہاں کئی رنگوں کے شوخ لہریئے اُبھر آئے تھے وہ وہاں اسی طرح بیٹھا رہا حتیٰ کہ افق کے رنگ بھی دھندلے پڑ گئے۔ ابھی تک اس کا زخم کھلا ہوا تھا اور رفیق چپ چاپ کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس دوران میں ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ کرنل کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ رفیق اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ کرنل اپنے عادات و اطوار کے اعتبار سے تقریباً خبطی ہی تھا۔ اگر رفیق ایسی حالت میں اسے اپنی طرف مخاطب کرنے کی کوشش کرتا تو وہ بے تحاشہ اس پر برس پڑتا اس لئے خاموش ہی رہ کر خود اس کے چونکنے کا انتظار کرتا رہا۔ کرنل کی عادت تھی کہ وہ اکثر اسی طرح گہری سوچ میں ڈوب جاتا تھا اور اس کی آنکھیں اس طرح ویران ہو جاتی تھیں جیسے وہ بحالت بیداری کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا اور اگر اسے اس

محویت سے چونکانے کی کوشش کی جاتی تھی تو وہ ضرورت سے زیادہ برافروختہ نظر آنے لگتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کرنل خود بخود چونکا اور اس کی نظریں پھاٹک کے باہر دھندلکے میں رینگنے لگیں۔ پھر وہ بے تحاشہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے زخم.....!" رفیق بے اختیار بولا اور اس کی نظروں نے کرنل کی نگاہ کا تعاقب کیا۔ باہر اُسے کوئی جانور بھاگتا ہوا دکھائی دیا لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکا۔

ساتھ ہی کرنل نے ایک زوردار چیخ ماری اور تیزی سے دوڑتا ہوا پھاٹک کے باہر نکل گیا۔ رفیق بھی اس کے پیچھے دوڑا لیکن کرنل کی رفتار تیز تھی۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر دوڑ رہا تھا۔ رفیق یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کرنل اس عمر میں بھی اتنا تیز دوڑ سکتا ہے، حالانکہ اس کی عمر ہی کرنل کے ساتھ گذری تھی۔ لیکن اس وقت اسے اس طرح دوڑتے دیکھ کر وہ اپنی حیرت کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ خود رفیق بھی بوڑھا تھا اور اب اس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ زیادہ تیز چل بھی سکتا۔ لیکن اس وقت وہ اپنی ضعیفی کے خیال کے باوجود بھی حتی الامکان کرنل کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً اسے ایک فائر کی آواز سنائی دی اور اس نے کرنل کی چیخ بھی صاف پہچان لی۔ پھر کسی کے گرنے کی آواز آئی۔ رفیق دیوانوں کی طرح چیختا ہوا آواز کی طرف دوڑ رہا تھا۔

پھر دو گھنٹے کے بعد کرنل کے خاندان کے سارے افراد اس کی لاش کے گرد جمع تھے۔ دولت گنج تھانے سے پولیس بھی آ گئی تھی۔ لاش ابھی تک اسی جگہ پڑی ہوئی تھی جہاں کرنل گرا تھا۔

کیپٹن اشرف پولیس انسپکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ہم لوگوں نے فائر کی آواز سنی، پھر پے در پے چیخیں سنائی دیں۔ ہم سب دوڑ کر ادھر آئے تو چچا جان کو اس حال کو پایا۔"

"کیا یہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی تھے۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"نہیں پائیں باغ میں بیٹھے اپنے زخم کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔"

"ان کے پاس اور کون تھا۔"

"ان کا خادم خصوصی رفیق۔"

"وہ کہاں ہے۔"

"اس کم بخت کو تو ہم بہت دیر سے تلاش کر رہے تھے۔" کیپٹن اشرف کا باپ سلیم بھرائی دئی آواز میں بولا۔

"ان دونوں کے علاوہ اور باغ میں کون تھا۔"

"ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔" کیپٹن اشرف نے اپنی آنکھوں پر رومال پھیرتے ہوئے کہا۔ "ہم سب اندر تھے۔"

"آپ کے گھر والوں میں سے کوئی باہر تو نہیں۔"

"ہاں.... میرا بھانجا ڈاکٹر قدیر.....!" سلیم نے کہا۔

"کب سے باہر ہیں۔"

"صبح سے.... غالباً شہر گیا ہوا ہے۔"

"نوکر جو غائب ہو گیا ہے اس کا گھر کہاں ہے۔"

"وہ ہمیشہ بھائی صاحب کے ساتھ ہی رہتا تھا۔" سلیم نے کہا۔

"کیا اُس سے اُن کی کبھی لڑائی ہوئی تھی۔"

"میرے خیال سے تو کبھی نہیں۔" سلیم نے اپنی روہانسی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "بھائی صاحب اُس پر بہت اعتماد کرتے تھے۔"

"کیا آپ سب نے فائر کی آواز سنی تھی۔"

"ہم نے تو سنی تھی کیپٹن اشرف نے کہا اور پھر وہ بیگم نواز، عالیہ اور اپنی پھوپھی بیگم عارف کی طرف مخاطب ہوا جو تھوڑی دور پر کھڑی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ انہوں نے بھی اس کے بیان کی تائید کی۔ سبھی نے فائر کی آواز صاف سنی تھی۔ چیخوں کے متعلق اُن میں اختلاف تھا۔ کسی کا خیال تھا کہ وہ رفیق کی چیخیں تھیں اور کوئی کہتا تھا کہ وہ خود کرنل جواد چیخ رہا تھا۔

سب انسپکٹر لاش پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔

"لیکن ان کی موت گولی لگنے سے نہیں ہوئی۔" پھر وہ کرنل کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے ماتھے پر تفکر کی گہری لکیر نمایاں ہو گئی تھیں۔

"کتنے فائروں کی آوازیں سنی گئی تھیں۔" اس نے کیپٹن اشرف سے پوچھا۔

"صرف ایک۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" اشرف نے کہا اور اپنے گھر والوں کی طرف دیکھنے

لگا۔ اس کے اس بیان کی بھی تائید کی گئی۔

"تب تو وہ فائر اسی ریوالور سے ہوا تھا۔" سب انسپکٹر نے ریوالور کی نال کو اپنے ناک کے قریب لے جاتے ہوئے کہا۔ "اس میں سے صرف ایک گولی چلائی گئی ہے اور کچھ دیر قبل۔"

"تو پھر موت کس طرح واقع ہوئی۔" سلیم نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔ "آپ کہتے ہیں کہ ان کے گولی بھی نہیں لگی۔"

"مجھے خود حیرت ہے۔" سب انسپکٹر نے لاش پر ٹارچ سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر وہ یک بیک چونک کر کرنل کے پیروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ تلوے میں زخم کیسا۔" اس نے کہا۔

"یہ تو تقریباً ایک ماہ قبل سے تھا۔" کیپٹن اشرف بولا۔

"تو کیا یہ عموماً ننگے پیر ہی چلا کرتے تھے۔"

"جی نہیں.... ابھی آپ سے بتایا ناکہ باغ میں بیٹھے اسی زخم کی مرہم پٹی کر رہے تھے اور ان کا خادم ان کی مدد کر رہا تھا۔"

"کیا وہ زخم کی پٹی خود ہی کیا کرتے تھے۔"

"نہیں! ڈاکٹر قدیر کرتے تھے، لیکن وہ آج صبح ہی سے گھر پر موجود نہیں تھے۔"

"کیا اس سے قبل بھی کبھی انہیں اپنے ہاتھ سے مرہم پٹی کرنی پڑی تھی۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہمیں اس کا دھیان نہیں۔" سلیم نے کہا۔

"کیا آج یا اس دوران میں کسی سے ان کا جھگڑا ہوا تھا۔"

"میرے خیال سے تو نہیں۔"

"ان کا کوئی دشمن بھی تھا۔"

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" سلیم بولا۔ "میں تقریباً دو سال سے یہیں مقیم ہوں۔ میں نے انہیں کبھی لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ البتہ وہ اکثر ہم میں سے کسی سے ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ عمر کافی تھی اس لئے کچھ چڑچڑے ضرور ہو گئے تھے۔ لیکن ان کا وہ چڑچڑا پن بھی ہم ہی لوگوں تک محدود رہتا تھا۔"

"غائب ہو جانے والے ملازم کا حاضر ہونا ضروری ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ اس کے بعد پھر رسمی اور قانونی کاروائیاں ہوئیں اور لاش وہاں سے اٹھوا کر تھانے کی طرف روانہ کر دی گئی۔

پھول کا ڈنک

تین دن گذر گئے مگر رفیق کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اس دوران میں گھر والوں میں سے کئی نے پیلی کوٹھی سے چلے جانے کا اردہ ظاہر کیا۔ لیکن پولیس نے انہیں اس وقت تک کے لئے روک دیا جب تک کہ تحقیقات مکمل نہ ہو جائے۔

کرنل کی سالی بیگم نواز خاص طور سے چلے جانے پر مصر تھیں کیونکہ کرنل کے بعد ان کا یہاں ٹھہرنا بعید از مصلحت تھا۔ دوسری طرف وہ اپنی لڑکی عالیہ کی طرف سے بھی متفکر تھیں کیونکہ بیگم عارف کا لڑکا نصیر اُسے ہر وقت گھورتا رہتا تھا۔ کیپٹن اشرف بھی اس میں خاصی دلچسپی لیتا تھا۔ ڈاکٹر قدیر ہی صرف ایسا تھا جو اس کی طرف کبھی توجہ بھی نہیں دیتا تھا۔

کرنل نے با قاعدہ یا بے قاعدہ طور پر کوئی وصیت نامہ نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے قانونی طور پر اس کا جائز وارث کیپٹن اشرف کا باپ سلیم قرار پایا تھا، حالانکہ سلیم بیگم نواز کو روکے رکھنے پر مصر تھا لیکن بیگم نواز بُری طرح الجھی ہوئی تھیں۔ یہاں وہ اگر کرنل کے بعد کسی سے زیادہ بے تکلف تھیں تو وہ ڈاکٹر قدیر تھا۔ وہ بھی آج کل زیادہ تر باہر ہی رہتا تھا۔ حالانکہ کرنل کی طرح سلیم بھی اس کا حقیقی ماموں تھا لیکن وہ سلیم سے زیادہ مانوس نہیں تھا۔ کرنل کی زندگی میں بھی ان دونوں میں بہت ہی کم گفتگو ہوتی تھی۔ البتہ کیپٹن اشرف سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی لیکن نہ جانے کیوں آج کل وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے رہتے تھے۔

کرنل کی پُراسرار موت کے بعد سے پورے گھر پر ایک عجیب سی ویرانی چھا گئی تھی۔ ہر قسم کے کھیل تماشے بند تھے۔ ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف نے بلیرڈ کھیلنا ترک کر دیا تھا۔ بیگم نواز اور بیگم عارف نے بھولے سے بھی شطرنج کی بساط نہیں بچھائی۔ بہر حال ہر شخص قریب قریب تھوڑا بہت مضمحل ضرور تھا۔ مگر نصیر! اس کے مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اب بھی شراب کے نشے میں عالیہ کو چھیڑتا رہتا تھا۔ اس کی ماں اس کی ان حرکتوں سے عاجز آ گئی تھی۔ مگر خاموشی

کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ شوہر سے پہلے ہی جھگڑا ہو چکا تھا۔ اب وہ اس سر پھرے لڑکے کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کیپٹن اشرف نصیر کو کئی بار اس کی حرکتوں پر ڈانٹ چکا تھا۔ عالیہ کے چھیڑنے کے معاملے میں وہ نہ جانے کیوں خاموش رہتا۔ لیکن جب نصیر بھدے اور بے ہنگم سروں میں امریکن لہجے میں کوئی انگریزی گیت چھیڑ دیتا تو کیپٹن اشرف جھلائے بغیر نہ رہتا۔ آج بھی وہ دوپہر کے کھانے کی میز پر اس پر برس رہا تھا۔

"تم آخر اپنی بے ڈھنگی حرکتوں سے باز کیوں نہیں آتے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے تمہیں چچا جان کی اچانک موت سے خوشی ہوئی ہو۔"

"بھلا مجھے کیا غم ہو سکتا ہے۔" نصیر ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "جب کہ مجھے ان کی جائیداد سے ایک حبہ بھی ملنے کی امید نہیں۔"

"نصیر....!" اس کی ماں گرج کر بولی اور ڈاکٹر قدیر مسکرانے لگا۔

"نصیر میاں....!" سلیم نے کہا۔ "میں یہاں تم سب سے بڑا ہوں۔ کم از کم تمہیں میرا لحاظ تو کرنا ہی چاہیے۔"

نصیر نے اپنی پلیٹ ایک جھٹکے کے ساتھ آگے سرکا دی اور اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

"عجیب لڑکا ہے۔" سلیم نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"آپ ہی نے سر چڑھا رکھا ہے۔" بیگم عارف بولیں۔

"بچہ ہے۔" سلیم نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔

بیگم نواز، عالیہ اور ڈاکٹر قدیر بالکل خاموش تھے۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر رفیق کہاں گیا۔" سلیم نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"مزے کر رہا ہوگا۔" بیگم نواز نے کہا۔ "پتہ نہیں نمک حرام نے یہ حرکت کیوں کی۔"

"نہیں.... میں اس کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتا۔" سلیم آہستہ سے بولا۔ "وہ بچپن ہی سے ہمارے یہاں رہا ہے۔ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔"

پھر وہ مستفسرانہ انداز میں ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں خود بھی یہی سوچتا ہوں۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔ پھر تھوڑی

دیر بعد سر اٹھائے بغیر بولا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ عجیب و غریب ہے۔"

"کیا....؟" سلیم نے چونک کر نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا اور ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھنے لگا۔

"معدے میں زہر کے اثرات نہیں پائے گئے۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ لیکن....!" اس نے اپنی نظریں سلیم کے چہرے پر جما دیں۔ "موت زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

"زہر....!" سب بیک وقت بولے۔

"خون میں اچانک تیز قسم کا زہر پھیل جانے کی وجہ سے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔"

ڈاکٹر قدیر خاموش ہو کر اپنی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگا۔ بقیہ لوگ ہاتھ روکے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ پیر کے زخم کے ذریعہ جسم میں زہر داخل ہوا۔" قدیر نے آہستہ سے کہا۔ "اور خود میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"تو رفیق....!" کیپٹن اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"خدا ہی بہتر جانے۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"شاید کسی زہریلی چیز پر پیر پڑ گیا۔" عالیہ نے کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

سلیم کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار پیدا ہو گئے تھے اور آنکھوں میں دبی سی بے چینی کی جھلک دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ کھانا کھانے کے بعد خاموشی سے اٹھ گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلیم نے کیپٹن اشرف کو برابر والے کمرے سے آواز دی اور وہ اٹھ کر وہاں چلا گیا۔

سلیم بے تابانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔

"میرے ساتھ آؤ....!" اس نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا لائبریری میں آیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سلیم نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کیپٹن اشرف اُسے متحیرانہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"تم نے سنا.... قدیر کیا کہہ رہا تھا۔" سلیم کیپٹن اشرف کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

اشرف نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کی آنکھیں ابھی تک سوالیہ انداز میں سلیم کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

”آخر یہ کیسا زخم تھا جو ایک ماہ کے علاج کے باوجود بھی ہرا ہی رہا؟“ سلیم نے پوچھا۔

”میں نے تو اسے ایکزیما ہی کی کوئی قسم سمجھتا ہوں۔“ کیپٹن اشرف نے کہا۔

سلیم تھوڑی دیر تک اشرف کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”مجھے قدیر پر اعتماد نہیں ہے۔“

”جی....!“ دفعتاً اشرف چونک پڑا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”زخم کا علاج قدیر ہی کر رہا تھا۔ وہی بینڈ تیج وغیرہ بھی کرتا تھا اور میرا خیال ہے کہ اُس دن سے قبل کبھی وہ بینڈ تیج کے وقت باہر نہیں رہا۔“

”تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ چچا جان کی موت میں قدیر کا ہاتھ ہے۔“ اشرف اٹھتا ہوا ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

”بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ“ سلیم نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”میں نے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔“

”جی....!“ اشرف کا لہجہ بدتمیزی سے بھی کچھ آگے بڑھ گیا تھا۔

سلیم اسے گھورنے لگا۔

”تم مجھ سے گفتگو کر رہے ہو۔“ اس نے خشک لہجے میں کہا۔

اشرف کچھ نہ بولا۔ وہ ہونٹ سکوڑے کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ سلیم کی طرف مڑا

”لیکن یک بیک آپ اس نتیجے پر کیوں پہنچے۔“

”بھائی جان کی وہ دولت جس کا علم کسی کو نہیں۔“

”یعنی....!“

”وہ جواہرات جو وہ افریقہ سے لائے تھے۔“

”لیکن انہوں نے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔“ اشرف نے کہا۔

”میں نے آج سے دس سال قبل انہیں دیکھا بھی تھا۔“ سلیم آہستہ سے بولا۔ ”لیکن اب ان کا کہیں پتہ نہیں۔“

”ممکن ہے چچا جان نے انہیں فروخت کر دیا ہو۔“

”قطعی ناممکن.... اس قسم کی چیزیں اُسی وقت فروخت کی جاتی ہیں جب نقد روپیہ نہ ہو،

بھائی جان کے پاس ہمیشہ نقد روپیہ رہا ہے۔“

”تو پھر آپ قدیر ہی پر کیوں شبہ کر رہے ہیں، رفیق بھی تو غائب ہے اور میرا خیال ہے کہ چچا جان کے سارے معاملات سے واقف بھی تھا۔“

”ابھی بچے ہو۔ اگر رفیق کو بھاگنا ہی ہوتا تو وہ اتنا پیچیدہ راستہ کبھی نہ اختیار کرتا۔ اگر وہ ان ہیروں کی موجودگی سے واقف تھا تو انہیں بہ آسانی چرا کر بھی فرار ہو سکتا تھا۔ بھائی جان کی موت کا خواہاں کیوں ہوتا۔“

”کچھ بھی ہو۔“ کیپٹن اشرف نے کہا۔ ”میں قدیر کی طرف سے بُرے خیالات نہیں رکھ سکتا۔“

”خیر....!“ سلیم نے آہستہ سے کہا۔ ”میں نے تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کر دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میری زندگی کی گھڑیاں بھی پوری ہو رہی ہیں۔“

”واہمہ ہے۔“ کیپٹن اشرف اٹھتا ہوا بولا۔

”ٹھہرو....!“ سلیم نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“ پھر وہ دونوں اس کمرے میں آئے جسے کرنل دفتر کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

”بیٹھو....!“

اشرف بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر اکتاہٹ اور بیزاری کے ملے جلے اثرات پائے جا رہے تھے۔

سلیم نے صبح کی ڈاک کے بنڈل سے ایک لفافہ نکال کر اشرف کے سامنے ڈال دیا۔

لفافے پر سلیم کا نام اور پتہ تحریر تھا۔ اشرف نے اس کے اندر کا کاغذ نکالا اور پھر اپنے باپ کی طرف دیکھ کر مضحکانہ انداز میں مسکرانے لگا۔

کاغذ پر کسی عجیب و غریب جانور کی تصویر بنی ہوئی تھی جس کا جسم تو سُوَر کا سا تھا لیکن سر۔ وہ اتنا مضحکہ خیز تھا کہ اشرف اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ سر کسی پرندے سے مشابہت رکھتا تھا، جسم پر اسی قسم کی دھاریاں تھیں جیسی چیتے کے جسم پر پائی جاتی ہیں۔

تصویر کے نیچے انگریزی ٹائپ کے حروف میں یہ الفاظ تحریر تھے۔

”میں اس لڑکی کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخ نہ سن سکا اس لئے تم پر ہمیشہ نحوست کا سایہ رہے گا اور تمہارے بعد والے بھی میرے انتقام کا شکار ہوں گے۔“

تحریر پر نظر ڈالتے ہی اشرف سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ کیا ہے؟" سلیم خود بخود بڑبڑایا۔

"یہ کس نے بھیجا ہے؟" اشرف نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" سلیم نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ "لیکن اس بات پر بھی یقین نہیں آتا کہ کسی نے مجھ سے مذاق کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بھائی جان کو بھی مرنے سے قبل اسی قسم کی کسی الجھن سے دوچار ہونا پڑا ہو۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" اشرف نے بے بسی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں آخر بھائی جان اس دوران میں ہر وقت اپنے پاس بھرا ہوا ریوالور کیوں رکھنے لگے تھے۔"

"اس کے متعلق اکثر میں نے بھی سوچا ہے۔" اشرف نے کہا۔

"اور وہ بھاگ کر باہر کیوں گئے تھے اور انہوں نے کس پر فائر کیا تھا۔"

"یہ چیز بھی غور طلب ہے۔" اشرف پر تشویش انداز میں بولا۔ "خیر تو میں اس خط کو دولت گنج کے تھانے میں پہنچائے دیتا ہوں۔"

"نہیں.... میں خود ہی انسپکٹر سے ملوں گا۔" سلیم نے اشرف کے ہاتھ سے لفافہ لے کر پھر دوسرے خطوط کے درمیان رکھ دیا۔

"لیکن قدیر....!" اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" سلیم نے کہا۔

"آپ نصیر کے متعلق کیوں نہیں سوچتے جبکہ اس تحریر کی روشنی میں اس کی سازش کے امکانات موجود ہیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ابھی آپ اس کا امکان بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ چچا جان کو بھی اس قسم کا کوئی خط ملا ہوگا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ چچا جان نے کبھی اُسے عالیہ کو چھیڑنے پر لعنت ملامت کی ہو اور اسے اس پر غصہ آگیا ہو۔ اس تحریر میں بھی کسی لڑکی کا تذکرہ موجود ہے اور آپ اس جملے کا مطلب بھی بخوبی سمجھتے ہوں گے۔ بیگم نواز یہاں سے کبھی کی چلی گئی ہوتیں، لیکن پولیس نے ہر ایک کی نقل و حرکت پر پابندی لگادی ہے۔ وہ چچا جان کی زندگی میں ہی جانے کے لئے تیار تھیں۔"

"خدا جانے....!" سلیم اکتا کر بولا۔ "لیکن مجھے نصیر اتنا ذہین نہیں معلوم ہوتا۔ بدتمیز ضرور ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ اتنی سی بات پر خون کر دینے پر آمادہ ہو جائے۔ عالیہ کے مسئلہ پر میں بھی دو ایک بار اُسے ڈانٹ چکا ہوں۔"

"نصیر اور صرف نصیر....!" اشرف آہستہ سے بڑبڑایا۔

"لیکن پھر جواہرات کہاں گئے۔"

"بہر حال میں بھی اس خط کو محض مذاق سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے پیچھے کوئی گہری سازش کام کر رہی ہے۔" اشرف نے کہا۔

سلیم نے میز کی دراز سے ایک ریوالور نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

سلیم دن بھر اکتایا اکتایا سا نظر آتا رہا۔ نصیر سب سے ناراض ہو کر پورٹیکو میں ٹہل رہا تھا۔ ڈاکٹر قدیر حسب معمول کھانا کھا کر شہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پورٹیکو میں نصیر کی ماں بیگم عارف بھی دکھائی دی۔ دونوں آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے تھے۔ نصیر کی حرکات و سکنات سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی آواز بلند بھی ہو جاتی تھی۔ بیگم عارف نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے شاید اندر لے جانا چاہا لیکن اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اور پھولوں کی کیاریاں پھلانگتا مہندی کی قد آدم باڑھ کے پیچھے غائب ہو گیا۔

بیگم عارف چند لمحے کھڑی بسورتی رہی پھر وہ بھی اندر چلی گئی۔

گرمیوں کی دوپہر تھی۔ دھوپ میں تیزی ضرور تھی، لیکن ہوا گرم نہیں تھی۔ پھر بھی کھانا کھا چکنے کے بعد وہ سب تقریباً اونگھنے لگے تھے۔ ان میں سے کچھ سو گئے اور کچھ اونگھتے رہے۔ بیگم عارف اور بیگم نواز نصیر کے رویئے پر لڑ جھگڑ کر سو گئی تھیں۔ عالیہ اپنے کمرے میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

تین بجے ڈاکٹر قدیر خلاف توقع واپس آگیا۔ نصیر تو اسی وقت سے غائب تھا اور اشرف شائد دولت گنج کے تھانے کی طرف نکل گیا تھا۔

چار بجے دفعتاً پائیں باغ میں شور سنائی دیا۔

اور پیلی کوٹھی والوں کو ایک دوسرے حادثے کے لئے تیار ہو جانا پڑا۔ سلیم عقیق البحر کی کیاریوں کے قریب پڑا کراہ رہا تھا۔

"کیا ہوا....!" قدیر بے تحاشہ اس پر جھکتا ہوا بولا۔

"اشرف.... اشرف.... بیٹے۔" سلیم کربناک انداز میں چیخا۔ "وہی سور.... وہی سور"

"کیا ہوا....!" قدیر نے اُسے پھر جھنجھوڑا اور سلیم کی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے نفرت جھانکنے لگی۔

"اشرف....!" وہ پھر چیخا۔

اتنے میں اشرف پھاٹک میں داخل ہوا۔ کیاریوں کے قریب بھیڑ دیکھ کر وہ بے تحاشہ دوڑا

"ارے یہ کیا ہوا....؟"

"اشرف....!" سلیم پھر چیخا۔ وہ اپنی ایک انگلی اس طرح دبائے ہوئے تھا جیسے کانٹا لگ گیا ہو

"یہ کیا ہوا....!" اشرف اُسے اٹھانے کے لئے جھک گیا۔

"بیٹے....!" سلیم اشرف کی آغوش میں چیخا اور تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

"ارے یہ کیا ہوا۔" اشرف لاش سمیت دھڑام سے زمین پر آ رہا؟ وہ بیہوش ہو چکا تھا عورتیں بُری طرح چیخ رہی تھیں۔

ڈاکٹر قدیر نے بدقت تمام بیہوش اشرف کو سلیم کی لاش سے الگ کیا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آ گئی اور اس بار خانہ تلاشی ہوئی کیونکہ ڈاکٹر قدیر نے اس موت کو کسی سریع الاثر زہر کا نتیجہ قرار دے دیا تھا۔ مرنے والے کے ناخن پیلے پڑ گئے تھے اور اس کے منہ سے ہرے رنگ کا رقیق مادہ بہہ رہا تھا۔

ان کیاریوں میں دیکھ بھال کرنے پر پولیس کو وہاں ایک بھرا ہوا ریوالور پڑا ملا جس سے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ اشرف نے اس ریوالور کی شناخت کرتے ہوئے وہ عجیب وغریب پولیس کے حوالے کر دیا، جو آج صبح ڈاک سے اس کے باپ کو موصول ہوا تھا۔

اس دن نصیر بہت رات گئے واپس آیا اور نہ جانے کیوں وہ اس موت پر بے اختیار رو پڑا حالانکہ کرنل کی موت پر اس کی آنکھیں بھیگی تک نہیں تھیں۔

وہ جانور

صبح بہت خوشگوار تھی، ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ سرجنٹ حمید فریدی کی کوٹھی کے عقبی پارک میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے کھڑا تھا۔ چہرہ بھی اوپر ہی کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایڑیاں اٹھائے بغیر اپنا جسم آہستہ آہستہ اوپر کی طرف تان رہا ہو۔ ماتھے کی رگیں پھول آئی تھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ایک ننھا منا سا فاکس ٹیریئر اس کے پیروں سے لگا ہوا ان سے اپنا جسم رگڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ بھونکتا ہوا اس کے گرد چکر لگا کر اس کی پتلون کا پائنچہ کھینچنے لگتا۔

"ہوں۔ ہوں۔"

کتے نے پھر اس کا پائنچہ کھینچا۔

"ابے ہٹ....!" حمید بدستور ہاتھ اٹھائے بولا۔

اب کی کتے نے جست لگائی اور اس کے سینے تک آ گیا۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے.... تیری.... سُور کے بچے۔" وہ جھلا کر اس کے پیچھے دوڑا۔ کتا کوٹھی کی طرف بھاگ رہا تھا اور حمید اس کے پیچھے تھا۔ دفعتاً فریدی نے اُسے آواز دی جو لائبریری کی کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔

حمید اس کی طرف پلٹ آیا۔

"اندر آؤ....!" فریدی نے کہا۔

"پہلے اس لکی کے بچے کی ٹانگیں توڑ دوں۔"

"کیوں خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑے ہو۔"

"خواہ مخواہ....!" حمید بھنا کر بولا۔ "میں ان سارے کتوں کو چن چن کر زہر دے دوں گا۔"

"چلو خیر! تمہیں شاید یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کتوں کو کونسا زہر دیا جاتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حمید بھنبھناتا ہوا لائبریری میں چلا گیا۔

"تو کیا آپ رات بھر یہیں بیٹھے رہے۔" حمید نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔

فریدی اس وقت بھی وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا جو اس نے پچھلی رات کو پہن رکھے تھے اور میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے سگار کے جلے ہوئے ٹکڑوں سے پُر تھا۔

"ہاں....!"

"کیوں....!"

"میں آج کل بہت پریشان ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کی پریشانی کی وجہ دریافت نہیں کروں گا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"کیوں....!"

"اس لئے کہ میں اس سے واقف ہوں۔"

"کیا....؟"

"شہر میں کسی عورت نے کوئی ایسا بچہ جن دیا ہوگا جس کے تین سر ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"یا پھر کوئی گدھا آدمیوں کی طرح بولنے لگا ہوگا۔" حمید پھر بولا۔

"خیر وہ تو بڑی دیر سے بول رہا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید کھسیانے انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں اس لئے پریشان ہوں کہ تم جیسے کاہل آدمی نے آج کل ورزش کیوں شروع کر دی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آج کل ہپناٹزم کی مشق کر رہا ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"اچھا جی!" فریدی آنکھیں پھیلا کر بولا۔

"جناب والا....!" حمید نے قدرے جھک کر کہا۔

"بھلا یہ مشق کس قسم کی تھی، جس میں کتا تمہارا ساتھ دے رہا تھا۔"

"قوت ارادی بڑھتی ہے اس سے۔"

"وہ کس طرح۔"

"ایڑیاں اٹھائے بغیر جسم کو تانتا چلا جاتا ہوں اور یہ محسوس کرتا ہوں جیسے میں آسمان کو چھو رہا ہوں۔"

"بہت اچھے۔" فریدی ہنس پڑا۔

"آپ کے لئے ہر بات مضحکہ خیز ثابت ہو جاتی ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"خواہ مخواہ جھک مت مارو۔"

"میں بددل نہیں ہو سکتا۔ اس مشق کو جاری رکھوں گا۔" حمید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"کیوں....!"

"سب سے پہلے اضطراری افعال پر قابو پانا سیکھو۔" فریدی نے کہا۔ "اب یہی دیکھو.... خواہ مخواہ بیٹھے بیٹھے دونوں ٹانگیں ہلا رہے ہو۔ اس سے فائدہ۔ جسم کی ہر وہ حرکت جس سے انرجی ضائع ہوتی ہو ذہن کو یکسوئی نہیں دے سکتی۔ ہپناٹزم کے لئے ذہن اور جسم کی ہم آہنگی ضروری ہے۔ تمہارا ذہن تمہارے جسم کی اس حرکت سے قطعی بے تعلق ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ یک بیک تم پر اس کا بھوت کیوں سوار ہو گیا۔"

"آپ میری ہر بات کو خبط کیوں قرار دیتے ہیں۔" حمید بگڑ گیا۔

"اس لئے کہ تم کسی معاملے میں مستقل مزاج نہیں ثابت ہوئے۔"

"اس بار ثابت کر دکھاؤں گا۔"

"خیر.... خیر.... تم کسی نیک ارادے کے تحت ایسا نہیں کر رہے ہو۔"

"یعنی....!"

"کسی احمق نے کہہ دیا ہوگا کہ ہپناٹسٹ کی آنکھوں میں بے پناہ کشش پیدا ہو جاتی ہے۔"

"یہ تو مسلمہ ہے۔"

"اور اسی لئے تم پر ہپناٹزم کا خبط سوار ہو رہا ہے۔ تاکہ بوڑھی عورتوں کو اپنی طرف کھینچ سکو۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

"آپ کے سر پر تو ہر وقت عورت سوار رہتی ہے۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"بہت اچھے۔" فریدی ہنس پڑا۔

"میں یہ پوچھ رہا تھا کہ آخر آپ پچھلی رات سوئے کیوں نہیں۔" حمید نے کہا۔

"میں نے یہی بتانے کے لئے تمہیں آواز دی تھی۔" فریدی بولا۔ "کل تم بیکاری کی شکایت

کر رہے تھے نا۔"

"آئی شامت....!" حمید منہ بنا کر بولا۔

"ڈرو نہیں۔" فریدی نے کہا اور میز کی دراز سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کیطرف بڑھادیا۔

حمید اس کاغذ کو دیکھتے ہی پہلے تو ہنسا پھر اس طرح منہ بنانے لگا جیسے رو دینے کا ارادہ کر رہا ہو۔

"کیوں....؟" فریدی نے اُسے اپنی طرف مخاطب کیا۔

"میں ہنسا اس لئے کہ چلو پیچھا چھوٹا اور رویا اس لئے کہ اب چھوٹے چھوٹے بچے آپ پر پتھر چلائیں گے۔" فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"یہی وہ تصویر ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "جسے دیکھ کر حاتم طائی نے کہا تھا، ایک بار دیکھا ہے دوسری بار چشمہ لگا کر دیکھنے کی ہوس ہے اور حاتم اس کلمے کو سن کر اتنا رویا تھا کہ بحر عرب کی ساری مچھلیاں درختوں پر چڑھ گئی تھیں اور پھر جب تک حمام بادگرد کا پتہ نہیں لگ گیا تھا ماہی گیر درختوں پر پتھر چلا کر اپنی بسر اوقات کرتے رہے تھے....اور....!"

"شٹ اپ....!"

حمید منہ سکوڑ کر وہ کاغذ واپس کرنے ہی جا رہا تھا کہ رک کر پھر کچھ دیکھنے لگا۔

پھر وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔ "ہائے ہائے یہ کس لڑکی کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخ ہے۔"

"ادھر لاؤ۔" فریدی نے کاغذ اسکے ہاتھ سے لے کر کہا۔ "اب چپ چاپ یہاں سے چل دو۔"

"آخر اس ناراضگی کی وجہ۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"تم کسی وقت سنجیدہ نہیں رہ سکتے۔"

"تو کیا واقعی یہ سنجیدگی کا موقع تھا۔"

"بکو مت....!"

"کمال کردیا آپ نے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "بے تکے کارٹون دکھا کر مجھے سنجیدہ رہنے کی تلقین فرماتے ہیں....کیا سچ مچ۔"

"جی ہاں....میرا دماغ چل گیا ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ حمید تھوڑی دیر بعد پھر مسکرا دیا۔

"اگر آپ رات بھر مصوری کی مشق کرتے رہنے کے بعد اتنی حسین تصویر بنانے میں

کامیاب ہوئے ہیں تو میں تہہ دل سے آپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنے کے امکانات پر غور کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"یہ مذاق نہیں ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

حمید اس کی سنجیدگی دیکھ کر یک بیک چونک پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ فریدی سچ مچ سنجیدہ ہے۔ پھر اس کی نظر جواب طلب انداز میں فریدی کے چہرے پر جم گئی۔

"دولت گنج کی عمارت پیلی کوٹھی کے کیس کے متعلق اخبار میں کچھ دیکھا تھا۔" فریدی نے سوال کیا۔

"ہاں....ہاں....وہی کرنل شمشاد....!"

"جی نہیں کرنل جواد....تمہاری یادداشت بڑی مایوس کن ہے۔"

"چلئے....نام سے شخصیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"پھر پرسوں اس کا بھائی بھی پُر اسرار حالات میں موت کا شکار ہو گیا۔"

"کل کے اخبار میں یہ بھی پڑھا تھا۔" حمید نے کہا۔ "اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اپنی ہی شامت آئے گی۔ لہٰذا شامت آنے سے پہلے ناشتہ تو کر لیجئے۔"

فریدی پھر اسے گھورنے لگا۔

"اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"تم احمق ہو۔" فریدی نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوکر آیا۔

"چائے یہیں دے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور نوکر چلا گیا۔

"یہ کیس دولت گنج کے تھانے سے اپنے یہاں بھیج دیا گیا ہے۔" فریدی اس کاغذ کے ٹکڑے پر نظر جماتے ہوئے بولا۔

حمید کچھ نہ بولا اور کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا اور باہر نرم نرم گھاس پر پڑے ہوئے نقرئی قطروں سے کئی طرح کے رنگ جھلکنے لگے تھے۔

"اور یہ خط" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "سلیم کو اسی صبح کو موصول ہوا تھا جس دن اس کی موت واقع ہوئی۔"

"کون سا خط....!" حمید نے پوچھا۔

"یہی....!" فریدی نے کاغذ کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا۔

"تو آپ نے تفتیش شروع کر دی۔"

"ابھی نہیں.... ابھی تو میں تھا۔ نرداروں کی رپورٹ پر غور کر رہا ہوں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کرنل کا کوئی نوکر بھی تو غائب ہو گیا تھا۔"

"ہاں.... اور وہ ابھی تک لاپتہ ہے۔"

"اس تصویر کے نیچے کی تحریر عجیب ہے۔" حمید نے کہا۔

"اور خود اس تصویر کے متعلق کیا خیال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہ تصویر۔" حمید تصویر کو فریدی کے ہاتھ سے لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر تھوڑی دیر تک اس پر نظر جمائے رہنے کے بعد کہنے لگا۔ "میرے خیال سے یہ چڑچیت سؤر کی تصویر ہے۔"

"کیا....؟"

"چڑچیت سؤر۔" حمید محققانہ انداز میں بولا۔ "کیونکہ سر چڑیا جیسا ہے جسم پر چیتے جیسی دھاریاں ہیں اور جسم کی بناوٹ اسے سؤر ظاہر کرتی ہے۔ لہٰذا اس کا نام چڑچیت سؤر ہے۔ ٹمبکٹو میں پایا جاتا ہے۔ وہاں کے لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اکثر پیارے خالو بھی کہتے ہیں۔ بعض محققین کی رائے ہے خالو نہیں بھالو کہتے ہیں لیکن فاہیان اسے جنبھالو کہنے پر مصر ہے اور ابن بطوطہ نے تو شفالو کہہ کر بمشکل جان بچائی ہے لیکن اس ناہنجار یعنی حمید ولد وحید ساکن پورٹ سعید کی جان بچتی نظر نہیں آتی۔ الا ماشاءاللہ۔"

"بک چکے....!" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یقین نہ آئے تو ہدایت نامہ خاوند کا صفحہ ۲، ۳ ملاحظہ فرمائیے۔" حمید اُسی موڈ میں بولا۔ "تمام پرائیویٹ حالات کھول کھول کر لکھ دیئے گئے ہیں۔ اگر فائدہ نہ ہو تو ایمان دھرم سے کہہ دینے پر پوری رقم ہضم....!"

"اب چپ بھی رہو.... ورنہ سر توڑ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

اتنے میں چائے آ گئی اور حمید یہ بھی بھول گیا کہ اس نے بات کہاں سے چھوڑی تھی۔ فریدی خاموشی سے ناشتے میں مشغول رہا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور آنکھیں کسی گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔

دفعتاً برآمدے میں لگی ہوئی گھنٹی بجی۔

"شاید وہ آ گئے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کون....!" حمید نے پوچھا۔

"ڈاکٹر قدیر.... اور کیپٹن اشرف....!"

"کون ڈاکٹر قدیر.... راجروپ نگر والا۔"

"نہیں کرنل جواد کا بھانجا۔ ہملٹن روڈ پر جس کا دواخانہ ہے۔"

"اچھا وہ! وہ تو کئی بار کتوں کے سلسلے میں یہاں آ چکا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اور کیپٹن اشرف.... کرنل کا بھتیجا اور وارث ہے۔ لیکن میں اُس سے شخصی طور پر واقف نہیں۔ کل رات کو ڈاکٹر قدیر نے فون پر کہا تھا کہ وہ دونوں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"تو یہ کیپٹن اشرف شائد اسی شخص کا لڑکا ہے جس کی موت کرنل کے بعد واقع ہوئی۔" حمید نے کہا۔

"بہت دیر میں سمجھے۔"

اتنے میں نوکر دو ملاقاتی کارڈ لے کر آیا۔

"انہیں یہیں لے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف لائبریری میں داخل ہوئے۔

رسمی گفتگو ہونے کے بعد فریدی نے انہیں ناشتے میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

"غالباً آپ لوگ اسی کیس کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔" ڈاکٹر قدیر سے فریدی نے پوچھا۔

"آپ ٹھیک سمجھے۔" قدیر نے کہا۔

"آپ نہ بھی آتے تو تھوڑی دیر میں ہم ہی آپ تک پہنچتے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ کیس ہمارے محکمے میں آ گیا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ "ورنہ پولیس سے تو کسی قسم کی توقع نہیں۔"

"آپ کا خیال ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ورنہ اس کیس میں تو کچھ بھی نہیں رکھا ہے۔"

قدیر اور اشرف چونک کر فریدی کو غور سے دیکھنے لگے۔

"کیا کرنل کو بھی اس قسم کا کوئی خط ملا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہمیں اس کی اطلاع نہیں۔" کیپٹن اشرف نے قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ قدیر نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

"آپ کے والد کی موت کے وقت انکے قریب کون کون تھا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ایک تو میں ہی تھا۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ "اور تین عورتیں، پانچ نوکر۔"

"سب یہیں موجود ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"ان کی چیخ سن کر سب سے پہلے اُن کے پاس کون پہنچا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں....!" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔

"وہ غالباً اس وقت زندہ ہی تھے؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں....!"

"انہوں نے کچھ کہا تھا۔"

"کچھ نہیں.... اشرف کو پکار رہے تھے۔"

"حالت کیا تھی۔"

"انہوں نے اس طرح اپنی ایک انگلی دبا رکھی تھی جیسے کانٹا لگ گیا ہو۔"

"ہوں.... اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس موت کو بھی زہر ہی کی وجہ قرار دیتی ہے۔"

فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"جی ہاں....!"

"اور زہر پھیلنے کا ذریعہ غالباً وہ کانٹا قرار دیا گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"میں نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی پڑھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر.... ہاں تو.... اس ملازم رفیق کے علاوہ بھی آپ کسی کو مشتبہ سمجھتے ہیں۔"

"ہمارا شبہ تو اس پر بھی نہیں۔" کیپٹن اشرف نے کہا۔

پھر اس نے رفیق کے متعلق فریدی کو سب کچھ بتا دیا۔

"اچھا اس تصویر کے نیچے والی تحریر پر بھی آپ کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی نہیں...." کیپٹن اشرف بولا۔ "خود والد مرحوم اسے دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے تھے۔"

فریدی کچھ اور پوچھنے جا رہا تھا کہ دفعتاً ڈاکٹر قدیر بول پڑا۔

"ٹھہریئے.... اس وقت اب ایک بات اور یاد آ رہی ہے، جو میں اپنے بیان میں لکھوانا بھول گیا تھا۔"

فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"چھوٹے ماموں نے اشرف کو پکار کر یہ بھی کہا تھا.... وہی سور.... وہی سور۔"

"اوہ....!" فریدی کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔ "یہ بہت اہم بات تھی۔"

وہ آہستہ سے بولا۔ "کوئی اور بات۔"

"اور کچھ نہیں.... بس دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گئے۔"

"اور ان کا پستول عقیق البحر کی کیاری میں ملا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

فریدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"بہتر ہے میں گیارہ بجے تک آپکے یہاں آؤں گا۔ گھر کے ہر فرد کی موجودگی ضروری ہے۔"

تھوڑی دیر وہ بعد دونوں اٹھ کر چلے گئے۔

"کیوں بھئی کیا خیال ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"ان حضرت کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے کو وہ سؤر دکھائی بھی دیا تھا۔"

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔"

"اور آپ اس پر یقین رکھتے ہیں۔"

"میں نے یہ بھی تو نہیں کہا۔ ویسے ڈاکٹر قدیر کے بیان کے انداز سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوگا.... لیکن میں یقین کرنے کیلئے تیار نہیں کہ اس قسم کے کسی سؤر کا وجود بھی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے اس کی کوئی مستقل قسم نہیں ہے لیکن ایک آدھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔ کیا تم نے چار آنکھوں اور تین سینگوں کے بیل نہیں دیکھے۔"

"بہت دیکھے ہیں لیکن....!"

"فکر کی بات نہیں! فی الحال اس جانور کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔"

"پھر.....!"

"پھر کچھ بھی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس وقت تم نے پیسڑیاں بہت کم کھائیں۔"

گوشت میں دھواں

فریدی اور حمید کئی گھنٹے سے پیلی کوٹھی میں چھان بین کر رہے تھے۔ نصیر کے علاوہ گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ نصیر غالباً صبح ہی سے غائب تھا۔ فریدی نے کرنل کے کاغذات بھی دیکھے۔ اس کی خواب گاہ کا بھی جائزہ لیا۔ پھر کیپٹن اشرف نے فریدی کو بھی بتایا کہ اس نے اپنے باپ کی زبانی کرنل کے کچھ جواہرات کا تذکرہ بھی سنا تھا اور یہ بھی سنا تھا.... کہ وہ غائب ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ خود اس قسم کی کسی چیز سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھا۔

"کیا انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ جواہرات رکھے کہاں جاتے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں انہوں نے یہ نہیں بتایا۔"

"تو پھر آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ گمشدہ نوکر رفیق کی طرف سے مشکوک ہیں۔"

"والد صاحب کا شبہ اس پر نہیں تھا۔"

"کیا انہوں نے کسی اور پر بھی شبہ ظاہر کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا اور پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ کیپٹن اشرف کچھ ہچکچا رہا ہے۔

"اس سوال کا جواب بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اب میں کیا بتاؤں! انہوں نے ایسی بات کہی تھی کہ یہ سمجھ لیجئے....!" کیپٹن اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہئے کہئے۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھ پر بھی شبہ کر سکتے تھے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی نے کہا۔ "صاف صاف کہئے نا۔"

"بس یہی سمجھ لیجئے۔"

"لیکن آپ کا لہجہ بتا رہا ہے کہ یہ حقیقت نہیں ہے۔"

اشرف خاموش ہو گیا۔ وہ بے بسی سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس بات کے چھیڑ دینے پر پشیمان ہو۔

"دیکھئے۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "جب تک آپ لوگ صاف صاف باتیں نہ بتائیں گے میں کچھ نہ کر سکوں گا۔"

"کس طرح کہوں۔"

"وہ تو بتانا ہی پڑے گا۔" اس بار فریدی کا لہجہ قدرے درشت تھا۔

"انہیں بھائی قدیر پر شبہ تھا۔" اشرف نے آہستہ سے کہا۔

"شبہے کی وجہ بھی بتائی تھی انہوں نے۔"

اشرف نے اپنی اور اپنے والد کی وہ ساری گفتگو دہرا دی جو اس کے مرنے سے چند گھنٹے پیشتر ہوئی تھی، لیکن اس نے نصیر کے متعلق کچھ نہ کہا۔ اُس نے یہ نہیں بتایا کہ خود اس کا شبہ نصیر پر تھا۔ بیانات سے فرصت پانے کے بعد فریدی اور حمید پائیں باغ میں آگئے۔ وہ اسی کیاری کے قریب کھڑے ہوئے تھے جہاں سلیم مرنے سے قبل گرا تھا۔

حمید بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کیوں کیا کسی خاص نتیجے پر پہنچ گئے ہو۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیا....!"

"حسن چاہے جہاں نظر آئے قابل پرستش ہے۔"

"تو تم اتنی دیر اسی پر غور کرتے رہے۔" فریدی نے منہ بنا کر پوچھا۔

"کیوں کیا اس پر غور کرنا جرم ہے۔"

فریدی کے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کیاری کے قریب کی جھاڑیوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"عقیق البحر میں کانٹے نہیں ہوتے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی ان کیاریوں میں نہیں چھپ سکتا۔ لامحالہ اُسے جھاڑیوں میں چھپنا پڑا ہوگا۔"

"کسے چھپنا پڑا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"وہی جس نے سلیم کی انگلی میں زہر کا انجکشن لگایا تھا۔"

"زہر کا انجکشن....!"

"اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ خود بخود اس کے جسم میں زہر پھیل گیا۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "دولت گنج کی پولیس نے بہت دیر کر دی۔"

"تو پھر کیپٹن اشرف کا شبہ بھی ضرور وزن رکھتا ہے۔" حمید نے کہا

"ہو سکتا ہے۔"

فریدی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک وہاں جھکا ہوا کچھ دیکھتا رہا۔ پھر باہر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں حمید نے ایک سرخ رنگ کا رومال دیکھا جو اس کا نہیں تھا۔

"یہ رومال....!"

"جھاڑیوں میں تھا۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اشرف نے ڈاکٹر قدیر پر شبہ ظاہر کیا ہے، لیکن حقیقتاً وہ اس شخص کی طرف سے مشکوک معلوم ہوتا ہے، جس کا نام اس نے نصیر بتایا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میں.... میں تو اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ کیا سچ مچ مرنے سے پہلے اُسے وہ عجیب و غریب جانور دکھائی دیا تھا۔"

"میں فی الحال اس کے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔" فریدی نے کہا۔ "ضروری نہیں کہ اُسے وہ سُور دکھائی دیا ہو۔"

"پھر وہ سُور سُور کیوں چیخا تھا۔"

"اس سے یہ تو نہیں ثابت ہوتا کہ اس نے سچ مچ وہ سُور دیکھا ہی ہو۔ وہ اپنا جملہ نہیں پورا کر سکا تھا کہ اس کی جان نکل گئی تھی۔ ممکن ہے وہ کچھ اور کہتا۔"

حمید پرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہیں یہ نہ بھولنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "کہ زہر کا انجکشن دینے میں بھی کچھ وقت لگا ہوگا اور سلیم ان جھاڑیوں کے قریب ضرور آیا ہوگا اگر اسے وہ سُور دکھائی دیا ہوتا تو وہ دور ہی سے اس پر فائر کرتا۔"

"پھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید بے چینی سے بولا۔

"یہاں بھی سُور کی تصویر۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ممکن ہے ان جھاڑیوں میں اسے سُور کی تصویر دکھائی دی ہو اور وہ اسے نکالنے کے لئے یہاں تک آیا ہو اور جھاڑی میں چھپے ہوئے کسی نامعلوم آدمی نے اسی دوران میں اس کی انگلی میں زہر کا انجکشن دے دیا ہو۔"

"آخر آپ انجکشن ہی پر کیوں زور دے رہے ہیں۔"

"وہ یوں کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی یہی بتاتی ہے۔"

"ڈاکٹر قدیر آ رہا ہے۔" حمید بیک بیک آہستہ سے بولا۔

"آنے دو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور وہ سرخ رومال جیب میں رکھ لیا جو اُسے جھاڑیوں میں ملا تھا۔ ڈاکٹر قدیر اُن کے قریب آ کر رک گیا۔

"نصیر صاحب نہیں آئے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"اس کا کچھ ٹھیک نہیں معلوم کب آئے۔"

"سلیم صاحب والی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے متعلق آپ کو کوئی علم ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں وضاحت کے ساتھ مجھے کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"مثلاً زہر کا انجکشن....!" فریدی اُسے پرخیال انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں نے پہلے ہی اس کا اندازہ لگا لیا تھا۔" قدیر نے کہا۔ "میں خود یہ جانتا ہوں کہ عقیق البحر کے پودوں میں کانٹے نہیں ہوتے۔"

"آپ کے علاوہ گھر میں کوئی اور بھی اس قسم کی رائے رکھتا ہے۔"

"کسی نے اس کا اظہار نہیں کیا....؟" قدیر نے کہا۔

"اب ذرا مجھے یہ بتائیے کہ کرنل صاحب کی لاش کہاں پائی گئی تھی۔" فریدی نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔

قدیر ان کی رہنمائی کرنے لگا اور وہ پھاٹک سے نکل کر تقریباً دو تین سو گز کے فاصلے پر آکھڑے ہوگئے۔

"غالباً یہاں گرے تھے۔" قدیر نے کہا۔

"آپ تو شائد اس موقع پر موجود نہیں تھے۔" فریدی بولا۔

"ہاں میں شہر میں تھا اور اس وقت واپس آیا تھا جب پولیس چھان بین کر رہی تھی۔"

"خیر....!" فریدی نے کہا۔ "اچھا تو تھوڑی دیر بعد پھر میں آپ کو تکلیف دوں گا۔" اور ڈاکٹر قدیر کا مطلب سمجھ کر کوٹھی کی طرف لوٹ گیا۔

فریدی بغور زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہاں بے شمار سنگریزے بکھرے ہوئے تھے اور اس حصے کی سطح بھی کچھ اونچی تھی۔ فریدی نے جیب سے محدب شیشہ نکالا اور ان سنگریزوں کو اس کی مدد سے دیکھنے لگا۔ پھر سر اٹھا کر حمید سے بولا۔ "کار سے چمڑے کا تھیلا اور واکنگ اسٹک نکال لاؤ۔"

"کیا چہل قدمی کا ارادہ ہے۔"

"جلدی کرو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔

دھوپ تیز تھی۔ حمید طرح طرح کے منہ بناتا ہوا چل دیا۔ اس نے ابھی تک فریدی کے چہرے پر وہ آثار نہیں دیکھے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اس کیس میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے۔ حالانکہ یہ کیس بھی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی پراسرار معلوم ہو رہا تھا۔

حمید نے کار سے تھیلا نکالا جو کافی وزنی معلوم ہو رہا تھا اور پھر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے اس میں رکھی ہوئی چیز دیکھی۔ یہ کچے گوشت کے کئی ٹکڑے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا انہیں حیرت سے دیکھتا رہا پھر واکنگ اسٹک اٹھا کر فریدی کی طرف چل پڑا۔

"یہ پیشہ زیادہ مناسب رہتا۔" حمید اُس کے آگے تھیلا ڈالتا ہوا بولا اور واکنگ اسٹک بھی اس کی طرف بڑھا دی۔

فریدی گوشت کا ایک ٹکڑا نکال کر اُسے واکنگ اسٹک کے سرے پر باندھنے لگا۔

"کیا آپ بھی مداریوں کی سی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر مزہ نہ آئے تو پیسہ واپس۔" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ ہم یہاں بہت دیر میں پہنچے ہیں لیکن دیکھو شاید ابھی کچھ مزہ باقی ہو۔"

فریدی واکنگ اسٹک کے گوشت بندھے ہوئے سرے کو آہستہ آہستہ قرب و جوار کی زمین پر پھیرنے لگا تھا۔

"کاش اس وقت میرے ہاتھ میں ایک ڈگڈگی اور بانسری ہوتی۔" حمید نے کہا اور فریدی ہنس پڑا۔

اگر میں نہ ہوتا تو تم یہی سب کچھ کرتے ہوئے نظر آتے۔" اس نے کہا۔

حمید بظاہر اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی حیرت بھی بڑھ رہی تھی۔ وہ اس سے قبل بھی کئی موقعوں پر فریدی کو اس سے زیادہ احمقانہ حرکتیں کرتے دیکھ چکا تھا اور اس کا تجربہ شاہد تھا کہ وہ بعد کو بہت ہی تحیر خیز انجام پر ختم ہو گئی تھیں۔ حمید کے ذہن میں کئی طرح کے خیالات گردش کرتے رہے۔

فریدی نے اس دوران میں بتائی ہوئی جگہ کا چکر لگا ڈالا۔ واکنگ اسٹک سنگریزوں پر پھیل رہی تھی۔

دفعتاً فریدی کے منہ سے ایک آسودگی آمیز آواز نکلی۔ حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ واکنگ اسٹک کے گوشت لگے ہوئے ٹکڑے کو بغور دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"لو میاں حمید....!" اس نے واکنگ اسٹک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ان سنگریزوں پر نہایت لذیز قسم کا گوشت پکایا جاسکتا ہے۔"

حمید نے گوشت کے ٹکڑے کی طرف دیکھا۔ ایک پتلی سی دھوئیں کی لکیر اس سے نکل کر فضا میں بل کھا رہی تھی۔

"یہ کیا....!" حمید کی آنکھیں فرط حیرت سے پھیل گئیں۔

"مداری کے ہاتھ کی صفائی۔ اب بجاؤ ڈگڈگی۔"

"آخر یہ ہے کیا بلا۔" حمید آگے جھک کر دیکھتا ہوا بولا۔

جس جگہ سے دھواں نکل رہا تھا وہاں اُسے سفید رنگ کا ایک ننھا سا سنگریزہ دکھائی دیا۔ فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی چمٹی نکالی اور سنگریزے کو اُس سے پکڑ کر اپنے پرس میں ڈال لیا۔

"ہمیں یہاں اسی طرح کے اور بھی سنگریزے تلاش کرنے ہیں۔ ورنہ پھر کسی کی جان جائے گی۔" فریدی نے کہا اور زمین پر جھک گیا۔

تقریباً آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد ویسے ہی دو تین ذرے اور ملے۔

حمید اس دوران میں اس سے بہت کچھ پوچھتا رہا۔ لیکن فریدی نے اُسے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں پیلی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔

چار بج چکے تھے اور موسم بھی کچھ اعتدال پر تھا۔ پسینے میں شرابور کر دینے والی تپش سے نجات مل گئی تھی۔ فریدی نے حمید کو کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا اندر نہ چلئے گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے ابھی ابھی ایک نئی صورت سامنے والی کھڑکی میں دیکھی تھی۔"

"یقیناً وہ کوئی عورت رہی ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور اگلی نشست پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر دی، لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے مشین بند کر دینی پڑی۔ ڈاکٹر قدیر پورٹیکو سے اُسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر قدیر تیز قدموں سے آتا دکھائی دیا۔

"فریدی صاحب! ایسی بھی کیا بے مروتی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "میرے خیال سے ہمارے تعلقات نئے نہیں۔"

"قطعی نہیں! بھلا اس کے اظہار کی کیا ضرورت تھی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"ہم نے آپ ہی لوگوں کے انتظار میں شام کی چائے نہیں پی۔" قدیر نے کہا۔ "اور آپ ہیں کہ اس طرح چپ چاپ چلے جا رہے ہیں۔"

فریدی اور حمید کار سے اتر آئے۔

ڈرائنگ روم میں گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ نصیر بھی واپس آ گیا تھا۔ غالباً حمید نے اسی نئی صورت کے متعلق کہا تھا۔ نصیر کے علاوہ بقیہ لوگوں سے وہ پہلے ہی متعارف ہو چکے تھے۔

فریدی نصیر کو تھوڑی دیر تک متجسس نظروں سے دیکھتا رہا۔ لیکن اس سے کچھ پوچھا نہیں۔ نہ جانے کیوں حمید اُس سے چند سوالات کرنا چاہتا تھا۔ گھر والوں کے بیان کے مطابق انہیں معلوم ہوا تھا کہ نصیر سلیم کی موت پر بے تحاشہ رو دیا تھا جب کہ کرنل کی موت پر اس کے چہرے پر شکن تک نہ آئی تھی۔ حمید اس کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال پھینکے۔ کیونکہ عالیہ ڈاکٹر قدیر سے گفتگو کرتے وقت بڑے دلآویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

دفعتاً فریدی نے وہ رومال نکالا جو اُسے جھاڑیوں میں پڑا ملا تھا اور اُسے میز پر رکھ کر چٹکی سے مسلنے لگا۔ لیکن خود حمید کو بھی یہ محسوس نہ ہو سکا کہ فریدی نے یہ حرکت ارادتاً کی ہے۔ بس ا

معلوم ہو رہا تھا جیسے باتوں کی رو میں قطعی غیر ارادی طور پر اُس سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہو۔

کیپٹن اشرف فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "انسپکٹر صاحب آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کیا کروں۔"

فریدی پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پورج لیجئے۔" نصیر نے فریدی کی طرف پلیٹ سرکائی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں کچھ چونک سا پڑا۔

"شکریہ.... بس میں شام کو صرف چائے پیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اب حمید کو رومال کا خیال آیا اور وہ متجسسانہ نظروں سے نصیر کو دیکھنے لگا۔

"ہاں آپ نے کیا فرمایا تھا۔" فریدی اشرف کی طرف مخاطب ہو گیا۔

"اگر وہ پُر اسرار خط محض مذاق نہیں تھا۔" اشرف بولا۔ "تو پھر مجھے بھی مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"اس میں بعد والوں کے لئے بھی تو دھمکی تھی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ چچا جان کو بھی اسی قسم کا کوئی خط موصول ہوا تھا تو پھر اب میری ہی باری ہے کیونکہ ان کا ترکہ میرے والد مرحوم سے گذرتا ہوا مجھ تک پہنچتا ہے۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اگر اس میں ذرہ برابر بھی صداقت ہے تو آپ کو کافی محتاط رہنا چاہئے۔"

"لیکن میں کس طرح بچ سکوں گا۔" کیپٹن اشرف بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"غالباً یہ رومال میرا ہے۔" دفعتاً بیگم عارف نے کہا۔

"کیا آپ نے مجھ سے کچھ فرمایا۔" فریدی اس کی طرف مڑا۔

"یہ رومال....!"

"اوہ....!" فریدی اس طرح چونک کر رومال کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اُس کے متعلق بھول ہی گیا ہو۔ "جی ہاں یہ مجھے آپ کے پائیں باغ میں پڑا ملا تھا۔ کیا یہ آپ کا ہے؟"

نصیر نے ہاتھ بڑھا کر وہ رومال فریدی سے لیا۔

"اشرف صاحب۔" فریدی اشرف کی طرف مڑ کر بولا۔ "اگر آپ کو بھی کبھی اس قسم کا خط

موصول ہو تو مجھ تک پہنچنے میں تاخیر نہ کیجئے گا۔"

"بہتر ہے۔"

"اور آپ.....!" فریدی بیگم نواز سے مخاطب ہوا۔ "مجھے دولت گنج والی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کہیں باہر جانا چاہتی ہیں۔"

"خیال تو تھا۔"

"شوق سے جاسکتی ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "میں غیر ضروری پابندیوں کا قائل نہیں ہوں۔"

"اب میں نے خود ہی اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔"

"آپ کی خوشی۔" فریدی نے کہا۔

نصیر عالیہ کی طرف دیکھ کر شرارت آمیز انداز میں مسکرارہا تھا۔

فریدی نے ان دونوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور اپنی پیالی کی چائے ختم کرنے لگا۔ پھر وہ ڈاکٹر قدیر کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیس بہت پیچیدہ ہے ڈاکٹر صاحب۔"

"جناب اگر پیچیدہ نہ سمجھتا تو آپ کے پاس کیوں دوڑا جاتا۔" قدیر نے کہا۔

"اب اس ملازم رفیق کا معاملہ رہ جاتا ہے۔"

"مجھے تو یہ حرکت اسی کی معلوم ہوتی ہے۔" بیگم نواز نے کہا۔

"کیا آپ مجھے اس کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔" فریدی نے پوچھا۔

وہ کرنل صاحب کے معاملات میں بہت زیادہ دخیل تھا۔

"خیر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی جس نوکر پر بہت زیادہ اعتماد ہوتا ہے وہ دخیل ہو ہی جاتا ہے۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ حادثہ سے قبل والی رات کو دونوں میں کچھ تکرار ہوئی تھی۔"

"تو آپ نے یہ بات پولیس کو کیوں نہیں بتائی تھی۔"

"یعنی.....!"

"دو شہروں کے ناموں پر بحث ہوتے ہوئے تکرار ہوگئی تھی اور کرنل صاحب نے اُ بہت بُرا بھلا کہا تھا۔"

"کون سے شہر.....!"

"غالباً افریقہ کے تھے۔"

"نام.....!"

"صرف ایک کا یاد رہ گیا ہے ممباسہ۔"

فریدی کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں۔

آسمانی شکار

پیلی کوٹھی سے واپسی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

"وہ لڑکی بڑی مصیبت میں معلوم ہوتی ہے۔"

"کون لڑکی.....!" حمید چونک کر بولا۔

"وہی جس کی مسکراہٹ تمہیں بہت بھلی لگ رہی تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"اوہو! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ واقعی اس کی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی۔"

"اے خدا.....!" حمید آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بولا۔ "اس پتھر کے پگھلنے پر میں تیری خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

فریدی نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کر دی اور مسکرا کر بولا۔ "یار دل چاہتا ہے کہ میں بھی اس سے محبت شروع کر دوں۔"

"بھی کا کیا مطلب" حمید نے کہا۔ "آخر آپ مجھے اتنا دل پھینک کیوں سمجھتے ہیں۔"

"تم خواہ مخواہ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ تینوں اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خصوصاً نصیر اس معاملے میں زیادہ نامعقول معلوم ہوتا ہے۔"

"آپ نے اتنی جلدی اس کا اندازہ کیسے لگالیا۔"

"اس کے لئے میرے پاس کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وجدان کی تربیت سمجھ لو۔"

"ماریئے گولی۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "وہ گوشت میں دھواں..... آخر کچھ تو بتایئے نا۔"

"تم نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ پڑھی تھی۔"

"ہاں....!"

"کوئی خاص بات۔"

"بھئی جو کچھ بھی ہو خود ہی بتا ڈالئے۔ ورنہ مجھے اختلاج ہونے لگا ہے۔"

"اچھا تو سنو۔" فریدی نے کہا۔ "کرنل کے پیر کے تلے میں ایک زخم تھا اور وہ ننگے پیر دوڑا تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں اس زخم کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ اُس زخم پر دھوئیں کا نشان پایا گیا تھا اور اسی اشارے نے مجھے پچھلی رات جاگ کر گذارنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور پھر اُس نے دفعتاً اپنی کار دوبارہ پیلی کوٹھی کی طرف موڑ دی۔

"یعنی....!" حمید چونک کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں شام بڑی خوشگوار ہے اور میں پھر ایک بار اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے اُلو نہ بنائیے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "خیر میں فی الحال صرف ان سنگریزوں میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"ہاں تو وہ سنگریزے۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "تم نے کبھی سفید رنگ کے وہ سنگریزے دیکھے ہیں جو مچھلی کے سر سے نکلتے ہیں۔"

"دیکھے ہیں۔" حمید کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔ اُسے فریدی کی پہیلیاں بجھوانے والے انداز سے بڑی اُلجھن ہوتی تھی۔

"یہ سنگریزے بھی ایک قسم کی مچھلی کے سر میں پائے جاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے تو آج تک نہ کہیں پڑھا اور نہ کہیں سنا۔" حمید بے اعتباری کے لہجے میں بولا۔

"تم نے پڑھا ہی کیا ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "زیادہ سے زیادہ تم ایشیا یا دنیا کی جغرافیائی سوسائٹیوں کی ان کتابوں کا حوالہ دو گے، جو آج سے بیس برس قبل شائع ہوئی تھیں۔"

"خیر یہی سہی۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ مچھلی کم از کم اپنی طرف تو پائی نہ جاتی ہوگی۔"

"بہت کمیاب ہے۔ اپنی طرف تو خیر پائی ہی نہیں جاتی۔ ابھی چند ایک دریائے کانگو اور دریائے آمیزن میں ملی ہیں۔ لیکن کانگو کے جنگلات کے وحشی باشندے اُسے عرصہ سے بطور زہر استعمال کرتے آئے ہیں۔ وہ اپنے تیروں اور نیزوں کو اس کے خون میں بجھا کر زہریلا بناتے ہیں۔"

"آپ کو اس کے متعلق کہاں سے اطلاعات ملیں۔" حمید نے پوچھا۔

"معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے محض پرانا ذخیرہ کافی نہیں ہوتا۔ میں نے اس مچھلی کے متعلق عالمی جغرافیائی سوسائٹی کے ایک سہ ماہی رسالے میں پڑھا تھا اور پچھلی رات کو اُسے تلاش کرنے میں میرے کئی گھنٹے صرف ہو گئے۔"

اس مچھلی کا نام کیا ہے۔

"جغرافیائی سوسائٹی نے اُسے (Poisonia) پوائزونیا کا نام دیا ہے۔ کانگو بیسن والے اسے فلاں کہتے ہیں۔ دریائے آمیزن کے کنارے بسنے والے جنگلی قبائل میں یہ ولاچا کے نام سے مشہور ہے۔"

"لیکن یک بیک آپ کا ذہن اس مچھلی کی طرف کیوں منتقل ہو گیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"کرنل کے زخم پر پائے جانے والے دھوئیں کے نشان نے میری رہنمائی کی تھی۔ ان سنگریزوں کا اثر آناً فاناً پورے جسم میں پھیل جاتا ہے، لیکن یہ صرف کھال اترے ہوئے گوشت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر تم اُس سنگریزے کو چٹکی میں پکڑ لو تو کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوگا لیکن اگر تمہاری انگلی میں خفیف سا بھی زخم ہے تو سنگریزے لگتے ہی اُس میں سے دھواں نکلنے لگے گا اور دیکھتے دیکھتے تمہاری نامعلوم بیوی بیوہ ہو جائے گی۔ ہاں تو میں یہ بھی جانتا تھا کرنل نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ افریقہ اور جنوبی امریکہ میں بھی گذرا ہے بیگم نواز نے کیا کہا تھا۔"

"میں نے کچھ نہیں سنا تھا۔"

"ٹھیک ہے تم اس وقت اس لڑکی میں دلچسپی لے رہے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رفیق اور کرنل میں افریقہ کے دو شہروں کے ناموں کے سلسلے میں بحث ہو گئی تھی اور کرنل نے اُسے سخت وسست بھی کہا تھا۔"

"بھلا اس سے اور آپ کی باتوں سے کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ رفیق بھی شاید اُس زمانے میں اسی کے ساتھ تھا، جب اس کا قیام افریقہ میں تھا۔"

"اور آپ اب اس وقت ان لوگوں سے بھی دریافت کرنے کیلئے پھر واپس جا رہے ہیں۔"

"نہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس لڑکی سے باقاعدہ طور پر عشق کرنے لگو۔"

"میں آج کل بہت مشغول ہوں۔" حمید نے منہ سکوڑ کر کہا۔

اور فریدی مسکرانے لگا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔

فریدی کی کار پیلی کوٹھی کے پھاٹک پر رک گئی۔ فریدی اور حمید اندر جانے لگے۔ پھاٹک سے کچھ دور ہٹ کر لان پر نصیر اور کیپٹن اشرف نظر آئے، جو اونچی آواز میں جھگڑ رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر یک بیک خاموش ہو گئے۔ اُن کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔

"معاف کیجئے گا میں نے پھر تکلیف دی۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" کیپٹن اشرف نے شدید غصہ کے باوجود بھی مسکرانے کی کوشش کی اور اس کا چہرہ کچھ عجیب سا معلوم ہونے لگا۔

"میں ڈاکٹر قدیر سے پھر ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہتر ہے۔ میں ابھی بھیجتا ہوں۔" کیپٹن اشرف نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

نصیر تھوڑی دیر تک ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ وہ رومال آپ کو کس جگہ ملا تھا۔"

"جی ہاں! کیوں نہیں۔ وہ انہیں جھاڑیوں میں ملا تھا جن میں سلیم صاحب کو وہ عجیب وغریب سؤر دکھائی دیا تھا۔"

"یہ رومال پچھلے ایک ہفتہ سے میرے پاس رہا ہے۔" نصیر نے کہا۔

"لیکن آپکی والدہ... خیر یہ کوئی ایسی بات نہیں، جس سے مجھے دلچسپی ہو سکے۔" فریدی بولا۔

"لیکن اس گھر کا کوئی فرد آپ کو دلچسپی لینے پر مجبور کرے گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ان میں سے کوئی مجھے ان معاملات میں الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"وہ سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔" نصیر نے مجنونانہ انداز میں کہا۔ "اور ان دونوں موتوں کو میرے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔"

"نفرت کی وجہ۔"

نصیر اُسے اس طرح گھورنے لگا جیسے اُس نے اُسے گالی دے دی ہو۔

"انہیں سے پوچھئے نفرت کی وجہ۔ لیکن میں اس وقت تک اس گھر سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ عالیہ نہ چلی جائے۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"کیا ان لوگوں نے آپ کو میرے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" نصیر نے پوچھا۔

"میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ آپ شہر کے مشہور بیرسٹر مسٹر عارف کے صاحبزادے ہیں۔"

"اور ایک آوارہ لڑکا بھی۔" نصیر منہ بنا کر بولا۔

"یہ آپ کا نجی معاملہ ہے۔"

"کیا اشرف نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ میں شراب کے نشے میں عالیہ کو چھیڑتا ہوں اور محض اس بناء پر میں نے کرنل صاحب کو پُراسرار طریقے پر مار ڈالا کہ انہوں نے ایک بار میری اس حرکت پر ڈانٹا تھا اور سلیم ماموں کو اس لئے ختم کر دیا کہ وہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔"

"نہیں! مجھے کسی نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" فریدی نے کہا۔ "کیا کوئی فرد کھلم کھلا یہ ساری باتیں کہہ رہا ہے۔"

"اشرف کی باتوں سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔" نصیر بولا۔

"نہیں وہ صاف صاف اپنے شبہے کا اظہار نہیں کر رہے ہیں۔"

"نہیں.... لیکن....!"

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

سامنے ڈاکٹر قدیر آتا ہوا دکھائی دیا۔ نصیر خاموش ہو گیا۔

"اچھا مسٹر نصیر پھر کبھی.... میں آپ کا شکر گذار ہوں۔" فریدی نے کہا اور ڈاکٹر قدیر کی طرف بڑھ گیا۔

"دوبارہ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"اوہ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" قدیر ہنس کر بولا۔ "فرمایئے۔"

"ایک ضروری بات۔" فریدی نے کہا اور پھر وہ تینوں ٹہلتے ہوئے پھاٹک تک آئے۔ اس دوران میں ڈاکٹر قدیر استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔

"کیا رفیق اس دوران میں کرنل کے ساتھ ہی تھا جب وہ استوائی خطوں کا سفر کر رہے

تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور وہی ان کی چیزوں کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"ڈاکٹر قدیر کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کا پہلے ہی سے پروگرام تھا کہ صبح کے گئے شام کو واپس آئیں گے۔"

"کب کی بات کر رہے ہیں۔"

"جس دن کرنل صاحب کو حادثہ پیش آیا تھا۔"

"ہاں میرا یہی پروگرام تھا۔" قدیر نے کہا۔ "کرنل صاحب کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔"

"کیوں؟"

"اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ مجھے ہرگز نہ جانے دیتے۔ یہ تو آپ نے بھی سنا ہوگا کہ وہ کچھ جھکی قسم کے آدمی تھے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کرنل صاحب کے علاوہ گھر کے سب افراد کو آپ کے پروگرام کا علم تھا۔"

"جی ہاں!" قدیر نے کہا پھر چونک کر بولا۔ "کیا آپ گھر ہی کے کسی فرد پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں!" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "گھر والوں کی معلومات سے کوئی باہری بھی تو فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "اچھا ایک بار پھر اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

حمید دل ہی دل میں جھنجھلا رہا تھا کہ آخر اتنی ذرا سی بات کے لئے دوبارہ واپس آنے کی کیا ضرورت تھی۔

فریدی قدیر سے مصافحہ کر کے جانے کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ دفعتاً کئی پرندے ان پر آگرے اور پھر زمین پر گر کر پھڑپھڑانے لگے۔ فریدی چونک کر اوپر دیکھنے لگا۔

دھند میں لپٹی ہوئی فضا میں بگلوں کی ایک قطار پرواز کر رہی تھی۔ ان میں سے کچھ اور بھی قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے آرہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اُن کے قریب آگرے۔ وہ تھوڑی دیر تک تڑپتے رہے اور پھر ٹھنڈے ہوگئے۔

فریدی استفہامیہ نظروں سے ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کل شام کو بھی یہی ہوا تھا۔" ڈاکٹر قدیر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر بولا۔

"کل شام کو بھی کچھ پرندے اسی طرح یہاں گرے تھے۔"

"یہاں کے علاوہ بھی کہیں سے اس قسم کی کوئی اطلاع آئی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"میری دانست میں تو نہیں آئی تھی۔"

"فریدی قطعی خاموش رہا۔ اس نے جھک کر ایک مردہ پرندہ اٹھایا اور اُسے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے کار کی طرف بڑھنے لگا۔

کیپٹن اشرف اور عالیہ بھی آگئے۔

"کہئے انسپکٹر صاحب چل دیئے۔" اشرف نے کہا اور پھر اس کی نظر فریدی کے ہاتھ میں لٹکے ہوئے پرندے پر پڑی۔ زمین پر پڑے ہوئے مردہ پرندے بھی دکھائی دیئے۔ "ارے آج پھر...." وہ چونک کر بولا۔ "پتہ نہیں یہ سب کیا ہے۔"

"میرے خیال سے۔" فریدی نے کہا۔ "کوئی وبا آنے والی ہے۔ کیوں ڈاکٹر۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو کہیں اور بھی گرتے۔" اشرف نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ کہیں اور بھی گریں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور حمید بے تعلقی سے الگ کھڑا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ عالیہ بھی فریدی سے ہاتھ ملا رہی ہے تو اس نے بھی آگے بڑھ کر پرجوش انداز میں ڈاکٹر قدیر سے مصافحہ کیا۔ پھر اشرف سے پھر وہ عالیہ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اُسے بیگم نواز نے پورٹیکو سے آواز دی اور وہ حمید کی طرف دھیان دیئے بغیر ادھر چل دی۔ حمید بُری طرح جھینپا اور بوکھلاہٹ میں پھر ڈاکٹر قدیر سے مصافحہ کرنے لگا۔ جب اس حماقت کا احساس ہوا تو مسکرا کر بولا۔ "قدیر صاحب اب تو آپ نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ کبھی آیئے۔ دو چار بالکل نئی قسم کے کتے آئے ہیں۔ آپ اس فاکس ٹیریئر کو یقیناً پسند

کریں گے جس کے جسم پر گلہریوں کی سی دھاریاں ہیں۔"

"ضرور آؤں گا۔" قدیر بولا۔

فریدی نے مردہ پرندے کو پچھلی نشست پر ڈال دیا اور کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

"اُلو کہیں کے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "لیکن مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

حمید جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ پرندے....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"مر گئے بیچارے۔" فریدی گلوگیر آواز میں بولا۔ "اور تمہیں اکیلا چھوڑ گئے۔ اس پر سے یہ ستم کہ عالیہ....!"

فریدی نے جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ حمید ہلڑ مچانے والے انداز میں ہنسنے لگا۔ فریدی پھر کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے۔

حمید بھی خاموش ہو گیا۔ یہ کیس کچھ عجیب پُر اسرار صورت میں ان کے پاس آیا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا ان پرندوں کی موت کا بھی انہیں حادثات سے کوئی تعلق ہے، جو پیلی کوٹھی والوں کو پیش آئے۔

گھر پہنچ کر فریدی نے مردہ پرندے کو اٹھانے کے لئے پچھلی نشست پر ہاتھ ڈالا۔ مگر وہ خالی معلوم ہوئی۔ اس نے چونک کر اندر کا بلب روشن کر دیا۔ مردہ پرندے کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اور وہ دونوں حیرت کے عالم میں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔

مشتبہ نوکر

دوسرے روز کے اخبارات میں حمید نے پیلی کوٹھی کے متعلق بڑی حیرت انگیز باتیں دیکھیں۔ سارے واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر لکھا گیا تھا۔ اُس عجیب و غریب جانور کے متعلق بھی کافی حاشیہ آرائیاں ہوئی تھیں۔ ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ وہ جانور بارہ بجے رات سے پانچ بجے صبح تک کوٹھی کے پھاٹک پر بیٹھا رہتا تھا۔ ایک اخبار نے اس خبر پر "مردہ پرندوں کی بارش" کی سرخی جمائی تھی اور خبر میں لکھا تھا کہ پیلی کوٹھی میں پچھلی رات شام کو آسمان سے اتنے

مردہ پرندے گرے کہ پائیں باغ میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہ رہی۔

حمید نے سارے اخبارات فریدی کے سامنے رکھ دیئے اور وہ بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"بھئی اپنے یہاں کی صحافت انہیں غپوں کی بناء پر قائم ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں جب بلیا اور غازی پور کی سرحد پر پانچ چھ ہزار مردہ سانپ پائے گئے تھے۔"

"نہیں۔"

"وہ بڑا دلچسپ واقعہ تھا۔ ایک دن اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ بلیا اور غازی پور کی سرحد پر ہزاروں مردہ سانپ پائے گئے ہیں۔ دوسرے دن ایک اخبار نے لکھا کہ یہ ہندوستان کی تاریخ میں دوسرا واقعہ ہے۔ مہابھارت کے موقعے پر بھی اسی طرح ایک جنگل میں لاکھوں مرے ہوئے سانپ پائے گئے تھے۔ کافی عرصہ تک اسی موضوع پر طرح طرح کی خیال آرائیاں ہوتی رہیں۔ پھر ایک دن ایک صاحب کا بیان شائع ہوا۔ وہ دراصل سانپ کی کھالوں کے ایجنٹ تھے۔ اتفاق سے انہیں ایک ساتھ پچیس تیس سانپ مل گئے تھے۔ انہوں نے ان کی کھالیں اتروالیں اور انہیں شاہراہ پر پھینکوا دیا اور پھر وہ پچیس تیس سانپ لاکھوں میں تبدیل ہو گئے اور ان کا ناطہ مہابھارت سے جوڑ دیا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید پر خیال انداز میں بولا۔ "میں بھی اسے غپ سمجھتا ہوں۔ اگر اس قسم کی کوئی بات ہوتی تو وہ لوگ آپ کو ضرور مطلع کرتے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جتنی بھی حقیقت ہے حیرت انگیز ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ ایسے عجیب و غریب کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"ابھی تک میری دلچسپی کی کوئی بات وقوع پذیر نہیں ہوئی۔"

"یعنی جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ غیر دلچسپ ہے۔"

"تم جیسی بچوں کے لئے تو ضرور دلچسپ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس قسم کی ہاتھ کی صفائیاں میں نے بہت دیکھی ہیں۔ دیکھو میاں یہ عام لوگوں کو اُلو بنانے کا ایک سستا سا نسخہ ہے۔"

"آخر آپ کسی نتیجے پر پہنچے یا نہیں۔"

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عالیہ واقعی بہت حسین ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس میں

تین تو کیا بیک وقت دس آدمی بھی دلچسپی لیں تو مجھے حیرت نہ ہو گی۔"

حمید مضحکہ خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"آج کل خالص گھی بھی نہیں ملتا ورنہ میں چراغ ضرور جلاتا۔ خدا بڑی قدرت والا ہے۔ اگر چاہے تو ریت کے بادل بنا کر ان سے پانی برسائے۔"

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دوسرے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"ڈاکٹر قدیر کا فون تھا۔" حمید نے واپس آ کر کہا۔

"کیا کہہ رہا تھا۔"

"پیلی کوٹھی کے قریب لوگ جوق درجوق جمع ہو رہے ہیں اور قدیر وغیرہ انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اخبارات نے غلط خبریں چھاپی ہیں لیکن مجمع کسی طرح ہٹتا ہی نہیں، مجبوراً انہوں نے دولت گنج کے تھانے سے پولیس بلوائی ہے۔"

"اور وہ ننھا منا سا بچہ اپنے کارناموں پر خوش ہو رہا ہو گا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کون....!" حمید چونک پڑا۔

"یہ میں ابھی نہیں جانتا۔ لیکن وہ بچہ ہے۔ انتہائی ناتجربہ کار اور جلد باز۔ کرنل کو تو اس نے بڑے سلیقے سے ختم کیا۔ لیکن سلیم کے سلسلے میں اس سے ناتجربہ کاری ہی والی حرکت سرزد ہوئی ہے۔"

"یعنی....!"

"اسے کوئی ایسی جگہ منتخب کرنی چاہئے تھی، جہاں کانٹے ہوتے۔ اس طرح وہ بہ آسانی لوگوں کو دھوکا دے سکتا تھا۔ عقیق البحر میں تو خیر کانٹے ہوتے ہی نہیں اور اس جھاڑی میں بھی کوئی کانٹے دار پودا نہیں دکھائی دیا۔"

حمید خاموش ہو گیا لیکن پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ پرندہ کا سے کس طرح غائب ہو گیا۔"

"بھوت رہا ہو گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آخر آپ مجھ سے صاف صاف کیوں نہیں بتاتے۔"

"جب خود میری سمجھ میں صاف صاف آ جائے گا تو میں اس سے بھی زیادہ صاف بنا کر پیش

کر دوں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ انہیں لوگوں میں سے کسی پر شبہ کر رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن تم ایسا کہتے وقت شاید بھول جاتے ہو کہ کرنل کا ایک نوکر بھی غائب ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں اُسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"کیوں؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ بھی ایک کامیاب جاسوس نہیں ہو سکتے۔" حمید نے پھر فریدی کی نقل کی۔

"بھلا پیرو مرشد کیوں۔" فریدی نے ہنس کر پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ رفیق نے کرنل کو ہیروں کے لئے مارا ہو گا، اور وہ انہیں لے بھی گیا۔ پھر آخر سلیم کو مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اُسے یہ خیال تھا کہ سلیم کچھ جانتا ہے تو اُسے بھی کرنل کے بعد ہی ختم کر دیتا۔ دو تین دن انتظار نہ کرتا اور پھر دوسری بات یہ کہ جب اس نے کرنل کو اتنے پُراسرار طریقے پر ختم کیا تھا تو غائب کیوں ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اپنی بچت ہی کے لئے اتنا ٹیڑھا راستہ اختیار کیا۔"

"شاباش....!" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ "واقعی تم نرے بدھو ہی نہیں ہو۔"

"جناب والا! اگر میں نہ ہوتا تو کوئی آپ کا نام تک نہ جانتا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

اب کی بار وہ واپس آیا تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"کیوں؟" فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"رفیق مل گیا۔"

"ہوں....!" فریدی نے اتنی لاپروائی سے کہا کہ حمید جھنجھلا گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی اچھل پڑے گا۔

"دولت گنج کے پولیس اسٹیشن پر آپ کو بلایا گیا ہے۔"

"خیر بھی چلیں گے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ناشتہ۔"

"آخر آپ اتنی لاپروائی کیوں برت رہے ہیں۔"

"حمید صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ کاہل ہو جاؤں۔"

"تو آج کل آپ موڈ میں نہیں ہیں۔"

"ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی، جو مجھے موڈ میں لا سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "بھلا مردہ پرندوں کی بارش سے کیا ہوتا ہے۔ اگر ہاتھیوں کی بارش ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔"

فریدی ہنس پڑا۔

"بھئی اُسے تو میں ابھی تک بھی نہیں سمجھ سکا۔" فریدی بولا۔ "لیکن حمید صاحب اس بار آپ بہت چاک وچوبند نظر آرہے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"کیس ہی ایسا ہے۔"

"لیکن اس بار تو تم نے ایک مرتبہ بھی بھوتوں کا خوف نہیں ظاہر کیا۔ حالانکہ آسمان سے مردہ پرندوں کی بارش بھی ہو رہی ہے اور وہ بھی صرف پیلی کوٹھی ہی میں ورنہ اُسے کسی قسم کی وبا بھی سمجھا سکتا تھا۔"

"کیا آپ مجھے ڈرپوک سمجھتے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"لیکن حمید صاحب اب آپ عالیہ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں کہ میں ہی اس کے حسن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا رہا ہوں۔"

"حمید صاحب بکواس بند۔ اب ہم ناشتہ کریں گے۔"

"ضرور ناشتہ کیجئے۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بلکہ میں تو یہ رائے دوں گا کہ ایک داشتہ اور ایک باقاعدہ بیوی کیجئے۔"

"شٹ اپ....!"

"اے ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "بیوی کے نام سے اس طرح لجاتے ہیں، جیسے ابھی چلو ہٹو کہہ کر آنچل سے منہ چھپالیں گے۔"

"یار خدا کے لئے زنخوں کی طرح منکامت کر، ورنہ کسی دن چمڑی ادھیڑ دوں گا۔"

"اچھا اچھا جلدی کیجئے۔" حمید نے پھر فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ دولت گنج کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی راستے میں خاموش ہی رہا۔ حمید نے کئی بار اُسے چھیڑنے کی کوشش کی لیکن وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔ اس کی نظریں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر سامنے دیکھ رہا تھا۔

رفیق کو ابھی تک حوالات میں نہیں بند کیا گیا تھا۔ وہ سب انسپکٹر کی کرسی کے قریب زانوؤں میں سر دیئے زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف بھی موجود تھے۔ شاید وہ رفیق کی شناخت کے لئے بلائے گئے تھے۔ فریدی کے پہنچتے ہی ڈاکٹر قدیر نے ان لوگوں کی شکایات شروع کر دیں، جو پیلی کوٹھی کے گرد جمع ہو گئے تھے۔"

"کہاں ملا....!" فریدی نے سب انسپکٹر سے سوال کیا۔

"بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" سب انسپکٹر نے آہستہ سے کہا اور حمید کو بے اختیار ہنسی آگئی کیونکہ اس کے سامنے ایک ایسا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا جو شاید اس وقت دو قدم بھی نہ چل سکتا۔ رفیق ایک نحیف الجثہ آدمی تھا۔ چہرے پر مختصر سی فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی۔ گال اندر کو دھنسے ہوئے اور جھریوں سے پر تھے۔ آنکھوں میں کبر سنی کی وجہ سے دھندھلاہٹ آگئی تھی۔

"اب خود ہی سن لیجئے گا وہ داستان الف لیلیٰ۔ میں کیا بتاؤں۔" سب انسپکٹر فریدی سے کہہ رہا تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک غور سے رفیق کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور جب وہ اس کی روپوشی کی وجہ دریافت کرنے لگا تو رفیق بے اختیار رو پڑا۔

"میں ایک اندھے کنوئیں میں قید تھا۔" اس نے کہا۔

سب انسپکٹر کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کس نے قید کیا تھا۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔ میں کرنل صاحب کے پیچھے دوڑا تھا۔ کسی نے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور میں.... پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک گڑھے میں پایا۔ دوسرے دن صبح روشنی میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک کنواں ہے۔"

"پھر تم کس طرح نکلے۔"

"کل رات میری چیخ و پکار سن کر کسی راہگیر نے نکالا۔"

"کس طرح نکالا۔"

"رسی پھینکی تھی اُس نے جسے میں نے اپنی کمر سے باندھ لیا تھا۔ پھر اُس نے مجھے اوپر کھینچ لیا۔"

"وہ کنواں دکھا سکتے ہو۔"

"جی ہاں.... وہ پیلی کوٹھی سے زیادہ دور نہیں۔"

"کیوں صاحب۔" فریدی ڈاکٹر قدیر کی طرف مڑا۔ "کوئی اندھا کنواں ہے وہاں۔"

"مجھے تو علم نہیں۔"

"مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا۔" رفیق بولا۔ "وہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ اتنی گنجان جھاڑیاں کہ خدا کی پناہ اور کانٹے دار جھاڑیاں ہیں۔ اس لئے اُدھر جانے کی کوئی ہمت ہی نہیں کرتا۔"

"تو کیا تم نے کل رات ہی کو غل مچایا تھا۔"

"چیختے چیختے میری آواز بیٹھ گئی ہے۔ کیا آپ محسوس نہیں کر رہے ہیں۔"

"تو تمہیں کل رات کو اس کنوئیں سے نکالا گیا۔"

"جی ہاں۔"

"تو تم رات ہی کیوں نہیں حاضر ہوئے۔"

"یہ داروغہ جی سے پوچھئے کہ میں یہاں کس حال میں لایا گیا ہوں۔"

فریدی کے استفسار پر سب انسپکٹر نے بتایا کہ وہ آج صبح ایک کھیت میں بیہوش پڑا پایا گیا تھا۔

"اس راہ گیر نے تمہیں کھیت میں ڈال دیا تھا۔" فریدی نے رفیق سے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ مجھے کسی نے رسی کی مدد سے نکالا تھا۔"

فریدی خاموشی سے اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم اس عمر میں اتنے دنوں تک بغیر کھائے پیئے زندہ کیونکر رہے۔"

رفیق نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہچکچا رہا ہے۔

"کیا اسے کرنل اور سلیم کی موت کا علم ہو چکا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے سب انسپکٹر سے

چھا۔

"ہاں....!"

"خیر.... حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہئے تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر رفیق سے مخاطب ہو گیا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"کیا بتاؤں....!" رفیق نحیف آواز میں بولا۔ "اب جب کہ مجھ پر کرنل صاحب اور ان کے ائی کو مار ڈالنے کا شبہ کیا جا رہا ہے میری ہر بات سے مکاری ظاہر ہو گی۔"

"اس کا فیصلہ تم عدالت پر چھوڑ دو۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو بے لف کہو۔"

"اس کنوئیں میں روزانہ حلوہ پھینکا جاتا تھا اور پانی سے بھری ہوئی بوتلیں بھی۔"

"دیکھا آپ نے۔" اُس نے فریدی سے کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ یہ الف لیلیٰ کی ایک داستان ائے گا۔"

"حضور آپ اس کنوئیں میں اب بھی خالی بوتلیں اور وہ رومال دیکھ سکتے ہیں جن میں باندھ حلوہ پھینکا جاتا تھا۔ میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ یقین نہ کریں گے۔ کوئی بھی یقین نہیں سکے گا۔" رفیق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"مجھے یقین ہے.... خیر.... ہاں تو تمہارے مالک ننگے پاؤں بھاگے کیوں تھے اور انہوں نے ر کس پر کیا تھا۔"

"ہونہہ....!" رفیق ایک زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اب آپ مجھ سے وہ بات پوچھ رہے ما جس کے اظہار پر شاید پاگل خانے بھجوا دیا جاؤں۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید سے بولا۔ "آؤ چلیں! ہمیں وہ کنواں بھی دیکھنا ہے۔" پھر رفیق سے کہنے لگا۔ "تم بھی چلو۔"

فریدی نے سہارا دے کر اُسے اٹھایا۔

"کوئی آدمی ساتھ کر دوں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں ابھی اسے واپس لاتا ہوں۔"

پھر اس نے ڈاکٹر قدیر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔
"ڈاکٹر صاحب! آپ اس کی ضمانت لے رہے ہیں۔ بوڑھا آدمی ہے۔ حوالات میں مر جائے گا۔" فریدی نے کہا۔
"تو کیا واقعی آپ اُسے بے گناہ سمجھتے ہیں۔" قدیر کے لہجے میں حیرت تھی۔
"یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔" فریدی بولا۔ "میں اپنے پرانے تعلقات کی بناء پر آپ سے یہ استدعا کر رہا ہوں۔"
"ضرور ضرور! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں آج ہی ضمانت کیلئے درخواست دے دوں گا۔"

اندھا کنواں

"میں آپ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔" رفیق فریدی کے پیروں پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار رو پڑا۔
"نہیں نہیں بھائی یہ کیا کرتے ہو۔" فریدی اپنے پیر ہٹا کر اسے سیدھا بٹھاتا ہوا بولا۔ اُس نے اسے اگلی سیٹ پر اپنے ساتھ ہی بٹھایا تھا۔ حمید پچھلی نشست پر تھا۔
فریدی نے رفیق کے بتائے ہوئے راستے پر کار لگا دی۔
"ہاں تو میں نے تم سے کرنل کی بدحواسی کی وجہ پوچھی تھی۔" فریدی نے کہا۔
رفیق کے ہونٹ ہلے اور ایک ہزیانی قسم کی ٹرٹراہٹ سنائی دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود سے باتیں کر رہا ہو۔ پھر یک بیک چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔
"آپ یقین کریں یا نہ کریں۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "لیکن جو کچھ میرے علم میں ہے بتانے کی کوشش کروں گا۔"
وہ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کہاں سے شروع کروں۔"
"تم یہ بھول جاؤ کہ پولیس والے کو بیان دے رہے ہو۔" فریدی نے اُسے دلاسا دیا۔
"وہ ایک عجیب و غریب جانور کے پیچھے دوڑے تھے۔" رفیق آہستہ سے بولا۔ "اگر میں آپ

اس کی شکل و صورت کے بارے میں بتاؤں تو آپ بے تحاشہ میرا مضحکہ اڑائیں گے۔"
"نہیں میں مضحکہ نہیں اڑاؤں گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "شائد میں بھی اس سُوَر سے واقف ہوں جس کے جسم پر چیتے کی سی دھاریاں ہیں اور جس کا سر....!"
"آپ جانتے ہیں۔" رفیق فریدی کا بازو پکڑ کر پرجوش انداز میں بولا۔
"تو تم نے بھی اُس جانور کو دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔
"میں نے اندھیرے میں کوئی جانور دیکھا تھا۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہی تھا۔ بہر حال کرنل صاحب اس کے پیچھے دوڑے تھے۔"
"لیکن تم نے تو ابھی یہ کہا تھا کہ اگر میں اس جانور کے متعلق بتاؤں گا تو آپ میرا مضحکہ اڑائیں گے۔"
"میں نے ٹھیک کہا تھا۔ کرنل صاحب کو اُسی جانور کی توقع تھی۔"
"کیوں توقع کیوں تھی۔"
"انہیں تین چار دن قبل ایک خط موصول ہوا تھا۔ اس پر اُسی جانور کی تصویر بنی ہوئی تھی اور اس میں انہیں غالباً جان سے مار دینے کی دھمکی دی گئی تھی۔"
"تم نے وہ خط دیکھا تھا۔"
"جی ہاں کرنل صاحب مجھ پر اعتماد کرتے تھے اور پھر دوسری بات یہ کہ اس سے قبل بھی ہمارا سابقہ اس جانور اور اُس کے مالک سے پڑ چکا تھا۔"
"یعنی....!"
"میں اب داستان کے اسی حصے کی طرف آ رہا ہوں، جسے سن کر تھانے دار صاحب نے الف لیلیٰ والی پھبتی کہی تھی۔"
"تم کافی پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔
"پڑھا لکھا خاک بھی نہیں۔ بس آپ جیسے بڑے لوگوں کی خدمت میں رہ کر بولنے کا سلیقہ آ گیا ہے۔"
حمید آگے سرک آیا۔
"یہ غالباً ۲۸ء کی بات ہے۔ کرنل صاحب کی پارٹی افریقہ کے جنگلات میں شکار کھیلنے کے

لئے مومباسہ اتری تھی۔ ان کے ساتھ کئی انگریز بھی تھے۔ ان میں کچھ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گئے تھے۔ میں کرنل صاحب کے ہمراہ تھا۔ وہیں اُس پُر اسرار آدمی سے ہماری ملاقات ہوئی جو اس عجیب و غریب جانور کا مالک تھا۔ وہ تھا تو یوروپین ہی نسل کا آدمی لیکن اس کا رہن سہن بالکل وہاں کے مقامی باشندوں کا سا تھا۔ اس کی شکل مجھے آج بھی یاد ہے۔ اتنا خوفناک آدمی اُس کے علاوہ پھر کبھی میری نظروں سے نہیں گذرا۔ اس کے دونوں شانے اس کے سر سے کچھ ہی نیچے رہے ہوں گے۔ اُن کے درمیان میں اس کا سر بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا جیسے کسی ٹوکری میں بڑا سا تربوز رکھا ہو۔ اُس کی آنکھوں میں یوں تو مریضوں کی سی نقاہت ظاہر ہوتی تھی لیکن حقیقتاً اس کی طاقت اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ وہاں کے مقامی باشندے اُسے جادوگر سمجھ کر اُس سے خائف رہتے تھے۔"

رفیق کھانسنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ "مقامی باشندے یہ سمجھتے تھے کہ اس کے قبضے میں خبیث روحیں ہیں اور وہ اس عجیب و غریب جانور کو بھی کوئی خبیث روح ہی سمجھتے تھے جو اس کے پیچھے پالتو کتوں کی طرح چلا کرتا تھا۔ ہمارے ساتھ کے انگریز اس کی معلومات سے فائدہ اٹھانے کیلئے اُسے اکثر مدعو کرتے تھے۔ مومباسہ میں ہم نے آبادی کے باہر قیام کیا تھا۔ یہ کرنل صاحب کی تجویز تھی، ورنہ دوسرے ساتھی تو کسی ہوٹل میں قیام کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال ہم خیموں میں مقیم تھے وہاں سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا جہاں ڈاگی ٹاہ رہتا تھا۔"

"ڈاگی ٹاہ کون۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہی پراسرار آدمی۔ اُسے وہاں کے باشندے ڈاگی ٹاہ کہتے تھے، جو غالباً ڈاکٹر کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ ہاں میں یہ تو بتانا ہی بھول گیا کہ وہ ڈاکٹر بھی تھا۔ ہمارے ساتھ بھی ایک انگریز ڈاکٹر تھا اس نے ہمیں بتایا کہ وہ ایک تجربہ کار ڈاکٹر معلوم ہوتا ہے۔ ہاں تو.... وہ تقریباً ہر روز ہمارے کیمپ میں آتا تھا۔ کچھ دنوں بعد ہم بھی اس سے خوف محسوس کرنے لگے۔ اس کی موجودگی میں کم از کم مجھے تو یہ محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی درندہ انسان کی شکل میں ہمارے پاس آبیٹھا ہو۔ خصوصاً ہمارے ساتھ کی عورتیں تو اس سے بہت زیادہ خائف رہا کرتی تھیں۔ اب سنئے اصل واقعہ یہاں سے شروع ہوتا ہے ایک رات ہم کھانا کھانے کے بعد کرنل واٹسن کے خیمے میں جمع تھے اور دوسرے دن کے شکار پر بحث ہورہی تھی کہ ہم نے کسی عورت کی چیخ سنی۔ عورتیں سب دوسرے خیمے میں تھیں۔ دفعتاً انہوں نے بھی چیخنا شروع کر دیا۔ ہم سب گھبرا کر باہر نکل آئے۔

وہ سب 'ڈاگی ٹاہ' 'ڈاگی ٹاہ' چیخ رہی تھیں۔ کسی عورت نے جس کے اوسان بجا تھے ہمیں بتایا کہ ڈاگی ٹاہ کرنل واٹسن کی چودہ سال لڑکی لوسی کو اٹھا لے گیا۔ ہم سب نے جلدی جلدی رائفلیں اور ٹارچیں اٹھائیں۔ عورت نے ڈاگی ٹاہ کے فرار کی سمت بتائی اور ہم اسی طرف بے تحاشہ دوڑنے لگے۔ بدحواسی میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہوگئے جو بھی جہاں تھا ڈاگی ٹاہ کو تلاش کر رہا تھا۔ اچانک میرے کرنل صاحب اس تک پہنچ ہی گئے۔ لڑکی خوف کے مارے بیہوش ہوگئی تھی اور وہ شیطان ڈاگی ٹاہ اپنا منہ کالا کرنے ہی جا رہا تھا کہ کرنل صاحب اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس سے شک نہیں کہ وہ کرنل صاحب سے کہیں زیادہ طاقتور تھا لیکن کرنل صاحب نے نہ جانے کس طرح اُسے بہت زیادہ زخمی کر دیا۔ مگر افسوس کہ وہ نکل جانے مین کامیاب ہوگیا۔"

رفیق کو پھر کھانسی آگئی۔ فریدی بہت آہستہ آہستہ کار چلا رہا تھا۔

"اور پھر....!" رفیق تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ افریقہ کے دوران قیام میں برابر ہمارا تعاقب کرتا رہا۔ اُس نے کئی بار میرے کرنل صاحب پر چھپ کر حملے بھی کئے۔ لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ کئی خطوط میں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی تھی۔ اُن خطوط پر بھی اس کے اس خبیث جانور کی تصویر بنی رہتی تھی، اور پھر جب اُس دن کرنل صاحب کو پھر اسی قسم کا خط ملا تو وہ بڑھاپے کی وجہ سے گھبرا گئے۔ آخیر عمر میں دل و دماغ میں کمزوری آہی جاتی ہے۔"

"تو کیا افریقہ سے واپس آنے کے بعد بھی انہیں خطوط ملے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس سے قبل کے خطوط افریقہ ہی کے دوران قیام میں ملے تھے۔"

"گھر والے بھی اس واقعے سے واقف رہے ہوں گے۔"

"قطعی نہیں.... گھر والے تو کیا پورے ملک میں میرے سوا اور کوئی اس سے واقف نہیں تھا۔"

"کیوں....!"

"نہ جانے کیا بات تھی کہ کرنل صاحب نے نہ تو خود ہی کسی سے اس کا تذکرہ کیا اور نہ مجھے ہی کرنے دیا۔"

"وجہ تو بتائی ہوگی۔"

"نہیں اس کی وجہ نہیں بتائی۔"

"تو تم وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ گھر کا کوئی فرد اس واقعے سے واقف نہیں تھا۔"

"مجھے اس پر اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ اس وقت میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔"

"آخر تم اتنے وثوق سے کیوں کہہ رہے ہو۔"

"اگر انہوں نے کسی کو بتایا ہوتا تو اس سے اس خط کا بھی تذکرہ کرتے جو انہیں اس دن ملا تھا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"کرنل صاحب اپنے جواہرات کہاں رکھتے تھے۔"

"اُنکے سونے کے کمرے میں ٹھیک ان کے سرہانے ایک تجوری ہے۔ اُسی میں رکھتے تھے۔"

"لیکن وہ غائب ہیں۔"

"ارے....!" رفیق بے اختیار اچھل پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ ان کا علم بھی میرے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔"

"تجوری بالکل خالی ملی ہے۔"

"اور کاغذات....!" رفیق نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"کاغذات بھی نہیں تھے۔"

"افسوس اس میں کئی اہم دستاویز بھی تھیں، بس یہ سمجھ لیجئے کہ لاکھوں روپے ڈوب گئے۔"

"تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ پُر اسرار آدمی یہاں آ گیا ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"ایسی صورت میں میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"اس پُر اسرار آدمی کی اس وقت کیا عمر رہی ہو گی۔"

"تقریباً ساٹھ سال۔"

"ہوں....!" فریدی نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا اور مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا جو لاپروائی سے باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رفیق پھر کھانسنے لگا۔

رفیق نے کھانستے کھانستے ایک طرف اشارہ کیا اور فریدی نے کار روک دی۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ یہاں سے پیلی کوٹھی تقریباً ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھی اور اس کی پشت کا حصہ یہاں سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تینوں کار سے اترے، چاروں طرف جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ رفیق کچھ سوچنے لگا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ وہ کنواں کس جگہ ہو سکتا ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیا مطلب....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"میں نے آپ سے بتایا نا کہ میں باہر نکلنے کے بعد زیادہ دیر ہوش میں نہیں رہا تھا۔"

"تو پھر تم نے اس جگہ کا اندازہ کیسے لگا لیا تھا جبکہ رات بھی اندھیری تھی۔"

"وہ پیپل کا درخت۔" رفیق نے ایک طرف ہاتھ اٹھا دیا۔ "اکثر پوجا پاٹھ کرنے والی عورتیں اس پر چراغ چڑھا جاتی ہیں۔ میں نے اسی سے جگہ کا اندازہ لگایا تھا۔ مجھے سوچنے دیجئے۔ میں اس سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں جدھر درخت دکھائی دیا تھا۔"

حمید کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی لیکن فریدی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

رفیق تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر دفعتاً ایک طرف چلنے لگا۔ فریدی اور حمید اُسی جگہ کھڑے رہے۔ کچھ دور چل کر رفیق رک گیا۔ چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر فریدی کو آواز دی۔

"میرے خیال میں وہ جگہ یہی ہے۔" اس نے کانٹے دار جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"صرف خیال ہی خیال ہے یا....!"

رفیق نے اپنے کرتے کا دامن اٹھایا جس کا ایک کونہ تھوڑا سا غائب تھا اور آہستہ سے بولا۔

"یہ یہیں کہیں الجھ کر پھٹا تھا.... وہ دیکھئے.... اس طرف آ جایئے۔ یہ رہا۔"

جھاڑیوں میں ایک جگہ ویسی ہی دھاریوں والا تھوڑا سا کپڑا پھنسا ہوا تھا جیسا رفیق نے کرتا پہن رکھا تھا۔ فریدی جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر رفیق کو دیکھا۔

"حمید! کار سے واکنگ اسٹک نکال لاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"پھر واکنگ اسٹک۔" حمید بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

"وہ خط کیا ہوا تھا جو کرنل کو موصول ہوا تھا۔" فریدی نے رفیق سے پوچھا۔

"وہ بھی اسی تجوری میں بند تھا۔"

حمید واکنگ اسٹک لے کر واپس آ گیا۔ فریدی اس سے جھاڑیاں ہٹا ہٹا کر اندر گھس رہا تھا۔ کچھ دور چل کر وہ رک گیا۔ تھوڑی دیر تک سر جھکائے کچھ دیکھتا رہا پھر دفعتاً حمید اور رفیق کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

حمید نے اُسے آواز دی، لیکن جواب ندارد۔ حالانکہ وہ جگہ جہاں وہ غائب ہوا تھا زیادہ دور نہ تھی۔ بمشکل تمام تیس یا چالیس گز کا فاصلہ رہا ہوگا۔ حمید اُسے پے در پے آواز دیتا رہا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ جھلا کر رفیق کی طرف پلٹ پڑا۔

"او بوڑھے! میں تیری بوٹیاں اڑا دوں گا۔"

"رفیق نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود بھی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہا تھا۔"

"بولو....!" حمید نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"حضور میں کیا...." رفیق ہانپ رہا تھا۔

حمید اُسے گھسیٹتا ہوا کار کی طرف لے گیا۔

"حضور....!" رفیق پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"حضور کے بچے۔" حمید نے اُسے اندر دھکیل کر کھڑکیوں کے تالے بند کر دیئے اور انجن کو بھی مقفل کرنے کے بعد جھاڑیوں کی طرف چل دیا۔

وہ فریدی کو آواز دیتا ہوا کپڑوں کی پرواہ کئے بغیر جھاڑیوں میں گھس رہا تھا۔

اور پھر وہ اگر اچانک سنبھل نہ جاتا تو وہ خود بھی اس اندھے کنوئیں میں جا پڑا ہوتا۔

کنوئیں کی تہہ میں اُسے ایک آدمی دکھائی دیا۔ نیچے اندھیرا ہونے کی وجہ سے صورت صاف نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

حمید نے پھر آواز دی۔

"کیوں مرے جا رہے ہو۔" نیچے سے آواز آئی اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن پھر دوسرے لمحے میں اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ فریدی تہہ تک پہنچا کس طرح۔ کیا بے خیالی میں گر گیا؟ لیکن اگر یہ بات ہوتی تو وہ اتنے اطمینان سے اُسے جواب کس طرح دیتا۔

حمید جھک کر دیکھنے لگا اور پھر اس پر ساری حقیقت روشن ہوگئی۔ کنواں پختہ تھا۔ اوپر سے نیچے تک اینٹیں چنی ہوئی تھیں۔ کگاریں اتنی چوڑی اور قریب قریب تھیں کہ کوئی بھی بہ آسانی تہہ تک پہنچ سکتا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو۔" نیچے سے آواز آئی۔ "اسے نگرانی میں رکھو۔"

حمید پھر کار کے قریب آگیا۔ اُسے اپنے رویئے پر افسوس ہو رہا تھا۔ رفیق کی آنکھیں ابھی

بھیگی ہوئی تھیں۔ حمید نے کھڑکیوں کے تالے کھول کر اُسے باہر نکالا۔

"صاحب ملے۔" اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"ہاں.... لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم خود ہی کنوئیں سے کیوں نہیں نکل آئے تھے۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ اُس کنوئیں کو دیکھ کر یہی سوال کریں گے۔" رفیق آہستہ سے بولا۔ "اوپر سے دیکھنے میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی آسانی سے اس میں اتر سکتا ہے اور نیچے سے اوپر آسکتا ہے۔ مگر شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ نچلی کگار بہت اونچی ہے اور مجھ جیسے بوڑھے....!"

فریدی کے قہقہے نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی۔ وہ چپ چاپ ان کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"واقعی نچلی کگار تک پہنچنا تمہارے بس کا روگ نہیں تھا۔" اس نے یک بیک سنجیدہ ہو کر کہا۔ "مگر اُس کنوئیں میں نہ وہ رومال ملے اور نہ وہ خالی بوتلیں۔"

رفیق کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ہونٹ ہلے، لیکن وہ صرف تھوک نگل کر رہ گیا۔

"ڈرو نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں شاید آج رات تک اور قید میں رہنا پڑے۔ کل ضمانت ہو جائے گی اور ہاں ضمانت کے بعد جاؤ گے کہاں۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ میں کہاں جاؤں گا۔ پیلی کوٹھی کے علاوہ میرا کوئی گھر نہیں تھا اور اب وہاں سب مجھ پر شبہہ کر رہے ہیں۔"

"خیر تم عدالت ہی میں رک کر میرا انتظار کرنا۔" فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

پھر زہر

ایک ہفتہ گذر گیا۔ فریدی خلاف معمول بہت زیادہ خاموش تھا۔ وہ اس کیس کے متعلق بہت کم گفتگو کرتا تھا اور حمید کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر اس نے تہیہ کیا کہ وہ خود ہی فریدی سے الگ تھلگ تحقیقات شروع کر دے گا۔ سب سے زیادہ بیتابی اُسے اس بات کی تھی کہ وہ کسی طرح اُن پرندوں کی موت کے متعلق معلوم کر لے۔ فریدی نے رفیق کو کیوں حوالات سے نکلوایا تھا۔ یہ چیز ابھی تک اس کیلئے معمہ بنی ہوئی تھی۔ اس نے اُسے اپنے ایک دوست کے یہاں ٹھہرا

دیا تھا۔ اُس نے یہ سب کچھ اپنی خود اعتمادی کے ساتھ کیا تھا جیسے اُسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ رفیق کا اس سازش سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن حمید کو اس پر یقین نہیں تھا۔ بعض اوقات فریدی اصل مجرموں سے بھی دیدہ و دانستہ اپنی بے تعلقی ظاہر کرتا تھا جیسے وہ یا تو بے گناہ ہوں یا بالکل ہی معصوم۔

دوسری طرف وہ نصیر سے دوستی بڑھا رہا تھا۔ پیلی کوٹھی میں آمد و رفت بڑھ گئی تھی اور وہاں کے سارے افراد اس سے کافی بے تکلف ہو گئے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا سچ مچ فریدی کو عالیہ پسند آ گئی ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا خیال تھا جس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ اُسے اپنے الفاظ میں عورت پروف کے نام سے یاد کرتا تھا۔ حمید نے ایک بات اور نوٹ کی تھی وہ یہ کہ فریدی پیلی کوٹھی جاتے وقت عموماً اُسے نظر انداز کر جاتا تھا۔

حمید اس وقت گھر میں تنہا تھا۔ فریدی دفتر سے آنے کے بعد ناشتہ کر کے فوراً ہی کہیں چلا گیا تھا۔ آج تو خصوصاً اس کے رویے پر اُسے بڑا تاؤ آیا تھا۔ مگر قہر درویش بر جانِ درویش۔ آج تو اس نے اس کے اس سوال کا جواب تک نہیں دیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس نے اپنے کوٹ کے کالر میں بڑا سا گلاب کا پھول لگا رکھا تھا۔ تھوڑی دیر تک حمید اس گلاب کے پھول کے متعلق غور کرتا رہا تھا۔ پھر دفعتاً اس کا ذہن پیلی کوٹھی کی طرف گھوم گیا جہاں پچھلی شام کو بھی کچھ مردہ پرندے گرے تھے۔ وہ شروع ہی سے اُن کے متعلق سوچتا آیا تھا۔ کرنل اور اس کے بھائی کی پُراسرار موت نے اُس کے دل سے یہ خیال نکال دیا تھا کہ وہ کوئی آسیبی خلل ہے کیونکہ انہیں ختم کر دینے کے لئے جو طریقہ استعمال کیا گیا تھا وہ اس پر اچھی طرح روشن ہو گیا تھا اس نے عرصہ ہوا ان پرندوں کے متعلق ایک تدبیر سوچی تھی لیکن اسے آج تک عملی جامہ نہ پہنا سکا تھا۔

اس کی کاہلی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فریدی بعض اوقات اُسے سچ مچ مکھیاں ہی مارنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ جب ضرورت سمجھی کام لیا ورنہ پڑے پڑے باتیں بنایا کرو۔

حمید جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے۔ کاندھے پر شکار کا تھیلا اور رائفل لٹکائی اور گیراج سے موٹر سائیکل نکال کر پیلی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ دولت گنج پہنچ کر اُس نے موٹر سائیکل راجروپ نگر والی سڑک کی طرف موڑ دی کیونکہ وہ پیلی کوٹھی کی پشت پر پہنچنا چاہتا تھا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ دھوپ کی تیزی کم ہو گئی تھی۔ لیکن دن بھر کی جھلسی ہوئی زمین ابھی تک تپ رہی تھی۔

پیلی کوٹھی کی پشت پر پہنچ کر حمید نے موٹر سائیکل جھاڑیوں میں چھپا دی اور خود ایک اونچے درخت پر چڑھنے لگا۔ گنجان ٹہنیوں کے درمیان اس نے ایک ایسی مضبوط شاخ تلاش کر لی جس پر وہ کچھ دیر تک بیٹھ سکے۔ درخت کافی اونچا تھا اور جہاں حمید بیٹھا تھا وہاں سے پیلی کوٹھی کا پائیں باغ صاف نظر آ رہا تھا۔

ایک بڑی سی میز کے گرد کئی آدمی بیٹھے تھے۔ حمید نے شکار کے تھیلے سے دوربین نکالی اور اس کا فوکس ٹھیک کر کے پائیں باغ کی طرف دیکھنے لگا۔ میز پر چائے دانیاں اور فواکہات رکھے ہوئے تھے اور وہاں نصیر کے علاوہ گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ فریدی بھی تھا۔ وہ ٹھیک عالیہ کے سامنے بیٹھا ہاتھ ہلا ہلا کر گفتگو کر رہا تھا۔ حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پائیں باغ کی طرف سے بے تعلق ہو کر آسمان میں کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پرندوں کی کئی قطاریں گذر گئیں لیکن ان میں سے ایک بھی مر کر نیچے نہ گرا۔ حمید مایوس ہو گیا۔ اُسے اپنی اس حماقت پر تاؤ آ گیا۔ آخر کیا تک ہے۔ خواہ مخواہ بندروں کی طرح درخت پر چڑھ بیٹھے ہیں۔ اس کا دل چاہا کہ کاندھے سے رائفل اتار کر پیلی کوٹھی کے پائیں باغ میں گولیوں کی بوچھاڑ کر دے۔

دفعتاً پرندوں کی ایک قطار پھر گذری اور ان میں سے کئی لہرا کر قطار سے الگ ہو گئے۔ پھر وہ قلابازیاں کھاتے اور اپنے پر پھڑپھڑاتے نیچے کی طرف جانے لگے۔ حمید نے یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ پائیں باغ میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر اس کا کیا ردعمل ہوا۔ وہ تحیر آمیز انداز میں پرندوں کی گذرتی ہوئی قطاروں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔ ایک آدھ پرندے اب بھی گر رہے تھے۔

حمید نے جلدی جلدی ایک بار پھر دوربین کا فوکس ٹھیک کیا اور گردن کچھ اونچی کر کے دیکھنے لگا۔ دو تین پرندے اور گرے۔

بہر حال اس نے جو کچھ بھی دیکھا اس کے متعلق اخذ کئے ہوئے نتیجے پر قطعی مطمئن تھا۔

پھر اُس نے دوربین کا رخ پائیں باغ کی طرف پھیر دیا۔ وہ سب گرے ہوئے پرندوں کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے لیکن فریدی ابھی تک اسی جگہ پر بیٹھا تھا۔ خود حمید کو پہلے ہی سے اتنی حیرت تھی کہ وہ اس پر مزید حیرت کا اضافہ کرنا فضول سمجھنے لگا۔

لیکن وہ انہیں ضرور متحیر کرنا چاہتا تھا۔ ذہن میں شرارت کے کیڑے کلبلا اٹھے تھے۔ ایسے موقعوں پر ہمیشہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی تھی۔ اس نے رائفل سیدھی کی، پیلی کوٹھی پر سے گذرتے ہوئے پرندوں کی قطار پر فائر کردیا۔ ایک گرا اس نے جلدی میں یہ تک دیکھنا ضروری نہ سمجھا کہ پیلی کوٹھی والوں پر اس کا کیا ردعمل ہوا ہے، بس اس نے پھرتی سے رائفل کاندھے پر ڈالی اور نیچے اترنے لگا۔ اچانک اس کی نظریں پیلی کوٹھی کی طرف اٹھ گئیں۔ کچھ لوگ وہاں سے پچھواڑے کی طرف آرہے تھے۔ حمید پھر اوپر چڑھ گیا۔ غنیمت یہی تھا کہ درخت کافی گنجان تھا لیکن حمید مطمئن نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آنے والوں میں فریدی ضرور ہوگا۔ ایسی صورت میں آسانی سے بچ نکلنا معجزات میں سے ہو سکتا تھا۔

شفق کے رنگ گہرے ہو چکے تھے اور آہستہ آہستہ سارا جنگل دھند میں لپٹا جارہا تھا۔ حمید ٹھیک اپنے نیچے لوگوں کے بولنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ فریدی کہیں دور سے کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ کچھ دیر ادھر اُدھر سر مارنے کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ اب کافی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ حمید تھوڑی دیر تک کسی کی آہٹ کا منتظر رہا لیکن جب کچھ سنائی نہ دیا تو وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ دفعتاً اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی کیونکہ یہ آواز بہت دور سے آئی تھی۔

لیکن نیچے آکر جیسے ہی اُس نے اُن جھاڑیوں میں قدم رکھا جہاں موٹر سائیکل چھپائی تھی۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور وہ گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

قرب وجوار کی ساری جھاڑیاں چھان ماریں۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ وہ سوچنے لگا کہ لے جانے والا اس سے زیادہ چالاک تھا۔ کیونکہ وہ اسے جھاڑیوں سے نکال کر کافی دور تک کھینچتا ہوا لے گیا تھا۔ پھر اسٹارٹ کرکے رفوچکر ہو گیا تھا۔

حمید نے سوچا کہ پیلی کوٹھی جائے۔ شاید فریدی وہاں موجود ہو لیکن پھر رائفل اور شکار کے تھیلے کا خیال آتے ہی اس نے ارادہ ملتوی کردیا۔

دولت گنج تک پیدل آنے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی کی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ شہر پہنچ کر موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادے گا۔ وہ موٹر سائیکل اسے سرکاری طور پر ملی تھی اس لئے اُسے اور زیادہ الجھن تھی۔

برآمدے میں داخل ہوتے ہی اُس نے محسوس کرلیا کہ فریدی گھر میں موجود ہے۔ اس لئے اس نے رائفل اور تھیلا چپ چاپ سائیڈ کے کمرے میں رکھ دیئے۔

فریدی اندرونی برآمدے میں آرام کرسی پر لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ حمید نے چپ چاپ اوپری منزل میں نکل جانا چاہا۔

"ذرا ادھر تشریف لائیے۔" فریدی نے اُسے آواز دی۔

"فرمائیے۔" حمید رک کر مڑا۔ اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"قریب آؤ.....!" فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "یہ کیا حرکت تھی۔"

"کیسی حرکت.....؟"

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔"

"آخر آپ کہہ کیا رہے ہیں۔"

"تم نے درخت پر سے گولی کیوں چلائی تھی۔"

حمید بوکھلا گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید فریدی نے اُسے دیکھ لیا تھا۔

"میری خوشی۔ میں اس کیس کی تفتیش الگ سے کررہا ہوں۔"

"درخت پر چڑھ کر۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"جس طرح مجھے آسانی ہوگی کروں گا۔"

"صاحبزادے ہو۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "خیر جو کچھ بھی ہوا بُرا نہیں ہوا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یک بیک تمہارے سر پر بھوت کیوں سوار ہو گیا تھا اور پھر ذرہ برابر بھی احتیاط نہیں برت سکتے۔ حالانکہ تم نے واپسی میں بہت دور جاکر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی تھی۔ لیکن پھر بھی.... انہوں نے دولت گنج کے تھانے میں رپورٹ درج کرادی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم موٹر سائیکل کے ٹائر بدل ڈالو۔ چلو یہ کام ابھی کئے لیتے ہیں۔ آئندہ ایسی حماقت نہ کرنا۔"

فریدی کھڑا ہو گیا۔

"مگر..... مگر.....!" حمید ہکلایا۔

"کیا.....؟" فریدی دروازے کی طرف جاتے جاتے رک کر بولا۔

"کچھ نہیں۔"

"تو آؤ....!"

"بات کیا ہے....!"

"کیا بات ہے۔"

"ٹھہریئے تو....!"

"ارے تو بول نا بابا۔"

"موٹر سائیکل کوئی اڑا لے گیا۔"

"کیا....؟" فریدی غصے میں پلٹا۔ "میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

"آپ میرا قیمہ کر دیجئے۔ اب غلطی تو ہو ہی گئی۔"

"تو تمہیں اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اچھا کان پکڑو۔"

حمید نے کان پکڑ لئے۔

"مرغ کی بولی بولو۔"

"یہاں نہیں....!" حمید ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

"آہستہ سے بولو۔"

"ککڑوں کوں۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"شاباش....!" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "موٹر سائیکل گیرج میں موجود ہے۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر میں انہیں باتوں میں نہ بہلاتا تو انہیں موٹر سائیکل مل گئی ہوتی۔"

"لیکن آپ نے زبردست غلطی کی۔"

"کیوں....؟"

"اگر میں اندھیرے میں آپ کو گولی مار دیتا تو۔"

"آپ....!" فریدی نے اس کے منہ کے سامنے ہاتھ نچا کر کہا۔ "آپ میں اتنی صلاحیت

ہوتی تو رونا کس بات کا تھا۔"

"میں دھوکا کھا گیا۔" حمید نے کہا۔ "اگر آپ نے اسی جگہ اسٹارٹ کی ہوتی تو دیکھتا۔"

"مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "خیر تمہاری اس حرکت سے فائدہ ہی پہنچنے کی امید ہے۔ ورنہ اس وقت میرے ہاتھ میں ہنٹر ہوتا اور تم خاک و خون میں لوٹتے نظر آتے۔"

"آپ خواہ مخواہ اپنی طاقت کا رعب ڈالا کرتے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔ "کبھی....او....او....اف۔" حمید جملہ نہیں کرپایا تھا کہ فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی۔

"ہاں کیا کہہ رہے تھے۔" فریدی اس کی گردن دبوچے ہوئے بولا۔

"ارے ارے خدا کی قسم میں ابھی مر جاؤں گا۔" حمید غصیلی آواز میں بولا اور فریدی نے ہنس کر اس کی گردن چھوڑ دی۔

حمید تھوڑی دیر کھڑا گردن سہلاتا رہا پھر بولا۔

"سچ کہتا ہوں کہ آپ کی یہ ساری درندگی کافور ہو سکتی ہے۔" اس نے کہا۔ "بشرطیکہ آپ شادی کرلیں۔"

"ضرور کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "بشرطیکہ کوئی پتھر یا فولاد کی عورت مل جائے۔"

"تاکہ گھبراؤں تو ٹکرا بھی سکوں مر بھی سکوں۔" حمید نے احمد ندیم قاسمی کا مصرعہ پڑھ دیا۔

"خدا کی قسم بڑا پیارا شعر کہا ہے ندیم نے۔" فریدی نے آہستہ سے شعر پڑھا۔

اب یہ سوچا ہے کہ پتھر کے صنم پوجوں گا
تاکہ گھبراؤں تو ٹکرا بھی سکوں مر بھی سکوں

فریدی تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ حمید بول پڑا۔

"ان مردہ پرندوں کے متعلق آپ نے کیا رائے قائم کی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم اسی لئے درخت پر چڑھے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ تو روشن ضمیر ہیں۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"روشن ضمیر تو نہیں لیکن تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"خیر میں فضول بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم کچھ بتانے کے لئے بیتاب ہو۔"

"جی ہاں....!" حمید نے اکڑ کر کہا۔ "وہ کسی قسم کے زہریلے پتنگے کھا کر مر جاتے ہیں۔"

فریدی بے اختیار ہنس پڑا اور حمید کا خون کھول کر رہ گیا۔ کیونکہ اس نے دوربین کے ذریعے صاف دیکھا تھا کہ پرندے فضا میں اڑتے ہوئے پتنگوں کو کھا کھا کر نیچے گر رہے تھے۔

"برخوردار انسان کے علاوہ اور سارے حیوانات میں ایک خاص قسم کی حس ہوتی ہے جس کے ذریعے انہیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون سی چیز ان کے لئے بے ضرر اور کون سی مہلک ہے۔ انسان میں بھی وہ حس موجود ہے لیکن دوسری شکل میں ہم اُسے حس نہیں بلکہ ادراک کہتے ہیں۔"

"آپ کا فلسفہ نہ انہیں موت سے بچا سکتا ہے اور نہ ان پتنگوں کو بے ضرر ثابت کر سکتا ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے۔"

"میں یہ تو نہیں کہتا کہ تم نے غلط دیکھا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"پھر آپ کیا کہتے ہیں۔" حمید جھلاہٹ میں تقریباً چیخ پڑا۔

"میں کہتا ہوں کہ وہ پتنگے بذات خود زہریلے نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ ان کی قسم قطعی بے ضرر ہے۔ وہ پیدائشی زہریلے نہیں۔"

"پھر....!"

"اُن کے پیروں کو زہریلا بنایا گیا ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید متحیر ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

آخری حملہ

تھوڑی دیر کے لئے برآمدے میں سناٹا چھا گیا۔ پھر آخر حمید ہی نے خاموشی توڑ دی۔

"تو آپ اُن کے متعلق پہلے ہی سے جانتے تھے۔"

"پہلے سے اگر تمہاری مراد زیادہ دن ہیں تو میں بھی تمہاری ہی طرح اندھیرے میں تھا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بات مجھے کل معلوم ہوئی ہے۔ میں نے بھی وہی درخت استعمال کیا تھا جس پر

تم آج تھے، لیکن تم نے اُن پتنگوں کا ٹھکانہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہوگی۔"

"ٹھکانہ....!" حمید پھر چونک پڑا۔

"ہاں.... وہ جگہ جہاں سے پتنگے برآمد ہوتے ہیں۔" فریدی بولا۔ "میں ان کی خاصی بڑی تعداد پکڑ لایا ہوں۔ اگر تم کو میرے بیان پر اب بھی شبہ ہو تو میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی اسے اس کمرے میں لایا جہاں اس نے سانپ پال رکھے تھے۔ اس نے ایک بریکٹ سے جالی کا ایک صندوق اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔ اس میں ٹڈیوں کی شکل کے بے شمار پتنگے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

فریدی نے چمٹی سے پکڑ کر ایک پتنگا نکالا اور اُسے ایک سانپ کے آگے ڈال دیا۔ قبل اس کے کہ پتنگا سنبھل کر اڑنے کی کوشش کرتا سانپ منہ مار کر اُسے چٹ کر گیا۔

پھر انہیں زیادہ دیر تک نتیجے کا انتظار نہ کرنا پڑا۔ سانپ نے پہلے تو زمین پر سر رکھ دیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اتنے زور سے اچھلا کہ وہ دونوں چونک کر پیچھے ہٹ گئے۔

تھوڑی دیر تک تڑپتے رہنے کے بعد وہ سرد ہو گیا۔

پھر فریدی نے دوسرا پتنگا نکالا اور اُس کے پر توڑ دیئے۔ وہ دوسرے سانپ کے آگے ڈالا گیا۔ تقریباً دس منٹ انتظار کرنے کے باوجود بھی حمید نے اُس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ پائی۔

"تمہاری بے یقینی کی وجہ سے میرے ایک سانپ کا خون ہو گیا۔" فریدی نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے مرغ یا کبوتر کا خون ہو گیا ہو۔"

"غیر متعلق بات مت چھیڑو۔"

"ضرور چھیڑوں گا۔" حمید نے کہا۔ "میں کہتا ہوں آخر یہ سب کباڑ خانہ یہاں سے کب ہٹے گا۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید دراصل غیر متعلق باتیں کر کے اپنی جھینپ مٹانا چاہتا تھا۔

"لوگ آپ کو خبطی کہنے لگے ہیں۔" حمید پھر بولا۔ "میں نے تو آج تک کسی سنجیدہ اور باہوش آدمی کو سانپ پالتے نہیں دیکھا۔"

"طوطا پالتے دیکھا ہے آپ نے۔" فریدی بولا۔

دیکھا ہے.... پھر....!"

"وہ دودھ دیتا ہے یا اس کے انڈے کھائے جاتے ہیں۔"

"خوبصورت پرندہ ہے۔"

"مجھے سانپ خوبصورت لگتے ہیں۔"

"ارے صاحب خدا کرے آپ کو مینڈک اور کچھوے بھی خوبصورت لگیں میرے باپ کا کیا جاتا ہے۔"

"فضول باتوں میں اپنی اس وقت کی شرمندگی چھپانے کی کوشش نہ کرو۔"

"آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کیا جواب ہو سکتا ہے۔" حمید ڈھٹائی سے بولا۔

"بکو مت۔" فریدی نے کہا اور بیرونی برآمدے کی طرف چلا گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ہولے ہولے سیٹی بجاتا ہوا خود بھی برآمدے کی طرف چلا گیا۔

"حمید....!"

"فرمائیے۔"

"ادھر آؤ۔"

"آ گیا۔"

"بیٹھ جاؤ۔"

"بیٹھ گیا۔"

"جہنم میں جاؤ۔"

"پاسپورٹ بنوا دیجئے۔"

"تم امریکی انداز میں سیٹی نہ بجایا کرو۔"

"آپ تو شاید میرے مرنے پر بھی تنقید سے باز نہ آئیں گے۔"

"اگر بدسلیقگی سے مرے تو اس کی توقع ضرور رکھو۔"

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"آج کل بہت موڈ میں معلوم ہوتے ہیں۔"

فریدی جواب دینے کی بجائے سگار سلگانے لگا۔

"فرمائیے! آپ کا عشق کن منزلوں میں ہے۔" حمید تھوڑے توقف کے بعد بولا۔

"اگر بات کرنے کے لئے کوئی ڈھنگ کا موضوع نہ سوجھے تو خاموش ہی رہا کرو۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پھاٹک پر ایک کار آکر رکی اور کوئی اتر کر پھاٹک میں داخل ہوا۔ رکھوالی کرنے والا السیشین بھونکنے لگا۔

"نیو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

آنے والا کیپٹن اشرف تھا اور بہت زیادہ گھبرایا ہوا نظر آرہا تھا۔

"آیئے! آیئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "سب خیریت۔"

"خیریت کہاں.... اب میں۔" اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ دھم سے ایک کرسی میں گر گیا۔

"کیا بات ہے؟" حمید اُس کی طرف جھپٹا۔

اشرف نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ دبا ہوا تھا۔ حمید اسے لے کر احمقوں کی طرح دیکھنے لگا۔ پھر اس نے بوکھلا کر فریدی کو دے دیا۔

"اوہ....!" فریدی لفافہ کھولتے ہی چونک پڑا۔ "تو آپ کی بھی باری آگئی۔"

"کیا بات ہے۔" حمید نے بیساختہ پوچھا۔

"وہی خط۔"

"ارے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک اس عجیب و غریب جانور کی تصویر دیکھتا رہا پھر لفافے پر کی تحریر پر نظریں جما دیں۔ اس پر کیپٹن اشرف کا نام لکھا ہوا تھا۔

"یہ خط آپ کو کب اور کس طرح ملا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ابھی کچھ دیر قبل کھانا کھانے کے بعد جب میں اپنے سونے کے کمرے میں گیا یہ میرے تکئے پر رکھا ہوا تھا۔"

"ہوں....!" فریدی نے پرخیال انداز میں سر ہلایا۔

"میں کیا کروں۔" اشرف مایوسانہ انداز میں بولا۔

"ہمت کیجئے۔ آپ تو ملٹری کے آدمی ہیں۔"

"اگر آمنے سامنے کا مقابلہ ہوتا تو بات بھی تھی۔" اشرف نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"میں نے گھر میں کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ سیدھا آپ کے پاس چلا آیا۔"

"آپ نے اچھا کیا۔" فریدی نے کہا۔ "رفیق کے بیان کے مطابق ہمارا مقابلہ ایک پُراسرار شخصیت سے ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا۔"

"پھر بھی.... مجھے اندھیرے میں نہ رکھئے۔"

"وہ آپ کے چچا کا ایک بہت پرانا دشمن ہے۔"

"کون....!"

"افریقہ کا ایک پُراسرار باشندہ۔"

"کچھ اور بھی بتائیے۔"

فریدی نے رفیق کا بیان دھرا دیا۔ اشرف خوفزدہ آواز میں ہنسنے لگا۔

"اول تو مجھے اُس جانور کے وجود پر ہی شبہ ہے اور اگر اس قسم کی کوئی بات ہوئی ہوتی تو چچا جان مجھے ضرور بتاتے۔ انہوں نے اپنے افریقہ کے بہتیرے کارنامے بتائے ہیں۔"

"ممکن ہے کسی وجہ سے اس کا تذکرہ نہ کیا ہو۔"

"کسی نہ کسی سے تو ضرور کرتے۔"

"پھر آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے سوال کیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔"

"رفیق اتنا ذہین نہیں معلوم ہوتا کہ قتل کے اتنے نادر طریقے سوچ سکے۔"

"پھر....!"

"مجھے اس کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔"

"تو کیا وہ پُراسرار آدمی یہاں آگیا ہے۔"

"میں اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔"

"خیر وہ ہو یا نہ ہو۔" اشرف گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ بتائیے کہ اب میں کیا کروں۔"

"احتیاط برتئے۔"

"کیا چچا صاحب نے احتیاط نہ برتی ہوگی۔ والد صاحب بھی کافی محتاط تھے۔ مگر۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں پیلی کوٹھی کی نگرانی کیلئے دس بارہ کانسٹیبل بھجوادوں گا۔ ان میں سے دو آپکے کمرے کے سامنے رہیں گے۔"

"کیا یہ احتیاط مجھے بچالے گی۔" اشرف کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی۔

"مسٹر اشرف ہمت کیجئے۔" فریدی نے اُسے پھر دلاسا دیا۔ "میں ابھی فون پر ایس۔پی کی اجازت لے کر آپ کے یہاں کانسٹیبل بھجواتا ہوں اور میں خود بھی غافل نہ رہوں گا۔"

اشرف کچھ دیر تک بیٹھا رہا۔ اس دوران میں فریدی نے ایس۔پی کو فون کر کے اجازت حاصل کرلی۔

"آپ بے فکر رہئے۔"

اشرف جانے کے لئے اٹھا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے دونوں سے مصافحہ کیا اور برآمدے سے اتر گیا۔ السیشین پھر بھونکا اور فریدی نے اسے ڈانٹ کر چپ کرادیا۔

تھوڑی دیر بعد کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک چیخ بھی سنائی دی۔ پھر کوئی گرا۔ انجن کی آواز فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔

السیشین بھونکتا ہوا پھاٹک کی طرف دوڑا۔ فریدی اور حمید بھی بڑھے۔

اور پھر انہوں نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ اشرف کی کار کی اگلی نشست کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں پیر اندر تھے اور آدھا دھڑ نیچے زمین پر تھا۔ ہاتھ پھیل گئے تھے۔ کار کا انجن شور مچارہا تھا۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر انجن بند کردیا۔

سڑک بالکل سنسان تھی۔ پھر فریدی نے السیشین کا پٹہ پکڑ کر اُسے پھاٹک کے اندر دھکیل دیا۔

فریدی کے سارے نوکر بھی اکٹھا ہوگئے تھے۔

اشرف گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ فریدی نے کار کے اندر نظر ڈالی۔ بریکوں کے پاس ایک انجکشن لگانے والی سرنج پڑی ہوئی تھی۔ اُس نے اسے احتیاط سے اٹھالیا۔ اُس میں کوئی سیال

شے بھری ہوئی تھی۔

اشرف کو سڑک سے اٹھا کر اندر لایا گیا۔ قریب ہی ایک ڈاکٹر کی بھی کوٹھی تھی۔ فریدی نے اُسے فون کیا اور وہ پانچ منٹ کے اندر ہی اندر وہاں پہنچ گیا۔

سب خاموش کھڑے تھے۔ حمید کبھی فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی اشرف کی طرف، جو ابھی تک گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"صرف بیہوشی۔" ڈاکٹر نے سر اٹھا کر کہا۔ "کوئی خاص بات نہیں۔ میرا خیال ہے کہ بیہوشی محض خوف کا نتیجہ ہے۔"

فریدی نے پر خیال انداز میں سر ہلا دیا۔

ڈاکٹر اشرف کو ایک انجکشن دے کر چلا گیا۔

"یعنی بالکل ہمارے سر پر۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی مسکرانے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

"میرا خیال ہے کہ اگر السیشین اس کی چیخ سن کر دوڑا نہ ہوتا تو وہ اپنا کام کر ہی گیا تھا۔" حمید پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ اس کی نظریں اشرف پر جمی ہوئی تھیں جس میں اب ہوش کے کچھ کچھ آثار پیدا ہو چلے تھے۔ پھر اُس نے کراہ کر کروٹ بدلی۔ ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھی آہستہ آہستہ کھلنے لگیں اور وہ یک بیک اٹھ بیٹھا۔

"میں بھی مرا.... ہائے۔" وہ پھر دھڑ سے لیٹ گیا۔

"آپ بچ گئے ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

اشرف اس طرح فریدی کو دیکھ رہا تھا جیسے اُسے اس کی بات پر یقین نہ ہو۔

"آپ واقعی بچ گئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

اشرف پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنا بایاں ہاتھ دبا رہا تھا۔

"لیکن یہ واقعہ پیش کس طرح آیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ.... میں۔" اشرف رک رک کر بولا۔ "میرا ہاتھ گیٹرز پر تھا کہ کوئی تیز چیز چبھی۔" اس نے اپنا ہاتھ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی نے ایک جگہ انگلی رکھ کر اُس کی طرف سوالیہ انداز سے دیکھا۔

"یہیں....!" اشرف نے سر ہلا دیا۔

"میرے ذہن میں میرے باپ کی موت گونج اٹھی۔" اشرف آہستہ سے بولا۔ "پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔"

"اس کا حملہ کامیاب نہیں ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن.... اب میں۔" اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں خود آپ کو اس وقت واپس جانے کی اجازت نہ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

اشرف کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔

"بلکہ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ان سب کو بھی کچھ دنوں کے لئے یہیں بلالوں۔"

فریدی کے اس جملے پر حمید کے خیالات کی رو عالیہ کی طرف بہک گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی سچ مچ عالیہ کو پسند کرنے لگا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اُن سب کو یہاں بلانے کا ارادہ کیوں ظاہر کرتا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ دھمکی صرف کرنل اور اس کے وارثوں کے لئے تھی۔ کرنل کا آخری وارث حملے کے باوجود بھی بچ گیا تھا۔ پھر اب ان لوگوں کی اتنی حفاظت کیا معنی رکھتی تھی۔ ہاں اشرف کی موت کے بعد پھر ڈاکٹر قدیر وارث ہو سکتا تھا۔ مگر جب تک اشرف زندہ ہے اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں.... پھر؟

حمید کا ذہن عالیہ کے علاوہ اس الجھن کا کوئی جواز نہ پیش کر سکا۔

"ان لوگوں کو۔" اشرف تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میرے خیال سے انہیں تو کوئی خطرہ نہیں۔"

"شائد آپ وہ آج شام والا فائر بھول گئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اوہ! مجھے اپنی پریشانی میں اس کا دھیان ہی نہیں تھا۔"

"اُس فائر سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ دشمن کسی وقت کھل کر بھی سامنے آسکتا ہے۔"

حمید کی الجھن اور بڑھ گئی۔ فریدی جان بوجھ کر غلط بیانی سے کام لے رہا تھا۔ آخر کیوں؟ اور پھر اس وقت اس فائر کا تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

پھر تھوڑی دیر بعد فریدی پیلی کوٹھی والوں کو فون کر رہا تھا۔ "ہیلو! ڈاکٹر قدیر! میں فریدی بول رہا ہوں۔ کیپٹن اشرف کو ایک حادثہ پیش آ گیا ہے۔ لیکن وہ بالکل بخیریت ہیں۔ کوئی گھبرانے

کی بات نہیں۔ آج رات وہ میرے مہمان رہیں گے .... نہیں نہیں واقعی وہ بخیریت ہیں....اگر کہئے تو خود ان کو فون پر بلاؤں.... خیر.... بھئی میں تو یہ مشورہ دوں گا کہ آپ سب کچھ دنوں کے لئے یہاں آجائیے۔ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ سب بہت خطرناک پوزیشن میں ہیں۔"

وہ مجرم

دوسرے دن بھی فریدی نے اشرف کو نہ جانے دیا۔ حمید الجھن میں تھا کہ آخر فریدی نے اشرف کو اس سیریج کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا اس کے پوچھنے پر فریدی نے صرف یہ بتایا کہ وہ اسے اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی دن دوپہر کو اشرف کو بخار ہو گیا اور شام تک پیلی کوٹھی کے سارے افراد فریدی کی کوٹھی میں اکٹھا ہوگئے۔ ان کے وہاں قیام کرنے کے سلسلے میں ڈاکٹر قدیر کے علاوہ اور سب متفق تھے اور وہ آخیر تک اپنی بات پر اڑا رہا۔ آخر طے یہ پایا کہ قدیر پیلی کوٹھی ہی میں رہے گا۔ فریدی نے اس کے علاوہ اور سب کا انتظام کر دیا۔ بہر حال وہ ڈاکٹر قدیر کی ضد پر متردد نظر آرہا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس نے بہت زیادہ اصرار نہیں کیا۔

اُس کی تاکید تھی کہ کوئی گھر سے باہر نہ جائے۔ نصیر نے اس پر بڑی واویلا مچائی۔

"آخر کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔ "اگر دو چار دن گھر ہی پر رہ جاؤ گے تو کونسی مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔"

"میں بغیر پئے نہیں رہ سکتا۔"

"بہت بُری عادت ڈال لی ہے تم نے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر آؤ۔ میرے ساتھ میں تمہارا یہ عذر لنگ بھی باقی نہ رہنے دوں گا۔"

وہ اُسے ایک چھوٹے سے کمرے میں لایا جہاں اعلیٰ درجے کا فرنیچر موجود تھا اور دیواروں پر مصوری کے نادر نمونے نظر آرہے تھے۔ فرش پر بہترین قسم کا ایرانی قالین تھا۔

فریدی ایک الماری کا پٹ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ نیچے سے اوپر تک عمدہ قسم کی شراب کی بوتلیں چنی ہوئی تھیں۔

"گڈ لارڈ....!" نصیر تحیر آمیز آواز میں بولا۔ پھر فریدی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "آپ بہت اونچی شرابیں پیتے ہیں۔"

"میں نہ اونچی پیتا ہوں نہ نیچی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ صرف ان مہمانوں کے لئے ہیں جو اس سے شوق کرتے ہیں۔"

"آپ بہت گریٹ آدمی ہیں۔" نصیر فریدی کا شانہ دبا کر بولا۔

"لیکن پی کر ہلڑ نہیں مچاؤ گے۔" فریدی نے اس کا ہاتھ ہٹا کر کہا۔ "پیئو اور وہ سامنے کوچ ہے چپ چاپ سُو رہو۔ کیا سمجھے، ورنہ میرے خطرناک کتے تمہیں نوچ کھائیں گے۔"

بیگم عارف، بیگم نواز اور عالیہ فریدی کی کوٹھی دیکھتی پھر رہی تھیں۔ حمید ان کے ساتھ تھا۔ سانپوں والے کمرے کے قریب سے گذرتے وقت حمید نے کہا۔

"اس میں فریدی صاحب کے بعض رشتے دار رہتے ہیں۔"

"اس کمرے میں۔" عالیہ بولی۔

"ہاں آپ کو حیرت کیوں ہے۔"

"آپ نے کہا بعض رشتے دار.... کیا کئی ہیں۔"

"کئی نہیں درجنوں۔"

"بھلا اتنے سے کمرے میں۔"

"اگر یقین نہ ہو تو اس کھڑکی سے جھانک کر دیکھ لیجئے۔"

عالیہ کھڑکی کے قریب آگئی اور پھر چیخ کر لوٹ پڑی۔

"سانپ....!" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

دونوں عورتیں بھی بڑھیں لیکن انہیں بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

کمرے کے اندر فرش پر کئی بڑے بڑے سیاہ رنگ کے سانپ رینگ رہے تھے۔

"یہ گھر نہیں مداری کا جھولا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"لیکن سانپ کیوں۔" بیگم نواز نے کہا۔

"بس شوق ہی تو ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن گھبرائیے نہیں۔ کمرے کی بناوٹ ایسی ہے کہ باہر نہیں آسکتے۔"

"تیس چالیس تو کتے ہی ہوں گے۔" بیگم عارف نے بیگم نواز سے کہا۔

"کتے تو خیر سبھی پالتے ہیں، لیکن سانپ۔" عالیہ بولی۔ "انہیں کھلاتا پلاتا کون ہے۔"

"خود فریدی صاحب۔"

وہاں سے وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ عجائبات کے کمرے میں وہ تقریباً آدھ گھنٹے تک رہے۔

"اور وہ اپنی دولت اسی طرح برباد کر رہے ہیں۔" بیگم نواز نے کہا۔

"کہیں ان کے سامنے یہی جملہ نہ دہرا دیجئے گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "وہ اپنی دانست میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔"

"شادی کیوں نہیں کرتے۔" بیگم عارف نے کہا۔

"یہ ایک دلچسپ داستان ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ایک بار انہیں ایک نجومی نے بتایا کہ تمہاری دو شادیاں ہوں گی۔ جھلا کر بولے میں ایک بھی نہ کروں گا۔ تب سے اب تک اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور میں اس نجومی کی تلاش میں ہوں۔"

"کیوں....!" عالیہ بولی۔

"تاکہ میں اس بات پر کسی طرح اسے راضی کروں کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لے۔"

عورتیں ہنسنے لگیں۔

"نہیں واقعی کیوں نہیں شادی کرتے۔" بیگم نواز نے کہا۔

"اگر کسی لڑکی سے آپ کو دشمنی ہو تو پھر میں کوشش کروں۔" حمید بولا۔

"کیوں.... میں نہیں سمجھی۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ کوئی شامت زدہ ہی فریدی صاحب کی تقدیر سے ٹکرائے گا۔"

"ارے اُسے یہ سارے کتے، سانپ بچھو اور بلاؤ نوچ نہ کھائیں گے۔"

عالیہ ہنسنے لگی۔

"اور آپ.... آپ اپنے متعلق کیا کہتے ہیں۔" بیگم عارف نے ہنس کر کہا۔

"ارے ہی ہی۔" حمید نے شرمانے کی بڑی عمدہ ایکٹنگ کی۔

وہ لوگ ایک اور کمرے کے قریب سے گذرے اور بیگم عارف چونک پڑی۔ اس کا لڑکا نصیر ایک میز کے سامنے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ میز پر شراب کی بوتل اور گلاس رکھا ہوا تھا۔

حمید نے سوچا کہ وقت بڑے مزے میں کٹ جائے گا۔ فریدی نے اس کی ڈیوٹی لگادی تھی کہ وہ اس کے ساتھ گھر پر رہے گا۔

حمید عالیہ وغیرہ کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا کر اُسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں نصیر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ نیم وا آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور حمید کی ہتھیلی کھجلانے لگی۔

"آیئے آیئے.... پیارے بھائی۔" وہ نشے میں بڑبڑایا۔

حمید اسکے قریب بیٹھ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ پھر بوتل اٹھا کر دیکھی جو خالی تھی۔

"اور چاہیئے۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں پیارے بھائی۔" وہ رک رک کر بولا۔ "فر.... فر.... فدائی صاحب نے کہا تھا.... سو جانا۔"

"واہ یار نرے اناڑی معلوم ہوتے ہو۔" حمید ہنس کر بولا۔ "سوگئے تو پھر پینے کا مزہ ہی کیا۔ نہیں اور پیئو۔"

اس نے الماری سے دوسری بوتل نکالی اور میز پر رکھ دی۔

نصیر پھر پینے لگا۔

"یار وہ تمہاری محبوبہ ابھی اشرف کے کمرے میں تھی۔"

"کون عالیہ....!" نصیر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں....!"

"میں دونوں کو شوٹ کردوں گا۔"

"اب اس وقت جانے دو۔ وہ اس کے سر میں تیل لگا رہی ہے۔"

"خدا کی قسم مار ڈالوں گا۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا۔

"نہیں یار بُری بات ہے۔" حمید نے اُسے پکڑ لیا۔

"ہوگی سالی بوری بات۔ تم ہٹ جاؤ۔"

"جانے بھی دو صبر کرو۔ واقعی تم پر ظلم ہو رہا ہے۔"

"مجھ پر ظولم۔ ہائے مجھ پر ظولم۔ پیارے بھائی۔" وہ حمید کی گردن سے لپٹ گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ "ظولم.... ہائے ظولم۔"

"صبر کرو.... صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" حمید نے کہا اور دو تین تھپکیاں دے کر اُسے چھوڑ دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا باہر جانے لگا۔ فریدی آفس جا چکا تھا۔ اس لئے حمید مطمئن تھا۔

نصیر آگے تھا اور حمید پیچھے.... جیسے ہی وہ کاریڈر کے سرے پر مڑے سامنے سے اشرف آتا دکھائی دیا اور حمید جھپٹ کر ایک کمرے میں چلا گیا۔

نصیر نے اشرف کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ اشرف نے اُسے پرے جھٹک دیا۔

"یہ کیا بیہودگی۔" وہ گرج کر بولا۔

"ہائیں یہ بیہودگی ہے.... تیل مالش ہوتی ہے.... میں صبر کروں گا.... صبر کا پھل.... صبر کا پھل.... کیا ہوتا ہے.... پیارے بھائی۔" اس نے حمید کو آواز دی۔

"تمہیں شرم نہیں آتی۔" اشرف اس کا گریبان پکڑ کر بولا۔ "دوسرے کے گھر میں بھی وہی حرکتیں۔"

"یہ میرے باپ کا گھار ہے۔ ہائے.... ہائے.... تیل مالش.... تیل مالش.... بوٹ پالش.... آلو چھولے.... آج کا تازہ اخبار.... خستہ کراری گزک۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"بارہ مسالے کی چاٹ.... چرچراکے ٹوٹی کھاٹ.... فرنچ لے.... لے.... لپ۔"

اشرف نے بڑھ کر اس کا منہ دبا دیا۔ دونوں میں ہاتھا پائی ہونے لگی اور حمید بھی نکل آیا۔

"ذرا میری مدد کیجئے۔" اشرف ہانپتا ہوا بولا۔ "مجھے سخت شرمندگی ہے۔"

"سس.... سالے.... تیل مالش....!" نصیر نے اشرف کے سر پر دوہتھڑ رسید کر دیا۔ اشرف نے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لئے۔

اشرف قابل تعریف حد تک اس کی حرکتوں کو برداشت کر رہا تھا۔ اُس نے اس دوران کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا جسے انتقامی اسپرٹ سے تعبیر کیا جا سکتا۔ اس کا انداز پند گانہ تھا۔

پھر حمید اور اشرف نے مل کر اُسے مہمان خانے کے ایک خالی کمرے میں بند کر دیا۔

حمید کو بڑا لطف آ رہا تھا۔ لیکن پھر اُس نے سوچا کہ کہیں بات بڑھ کر فریدی تک نہ جا پہنچے۔ اس لئے اس نے زیادہ چھیڑ چھاڑ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

دوسرے دن صبح تک وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں۔ پچھلی رات کو

کافی دیر تک متعدد قسم کے دلچسپ مشاغل جاری رہے تھے۔ پھر گیارہ بجے سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

دوسرے دن فریدی نے ڈاکٹر قدیر کو فون کیا اور اس سے استدعا کی کہ وہ رات کا کھانا اسی کے ساتھ کھائے۔

"آخر یہ قدیر بھی کیوں نہیں آ گیا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ڈرپوک آدمی نہیں ہے۔" یہ فریدی کا مختصر جواب تھا۔

رات کو سب کھانے کے کمرے میں اکٹھا تھے اور ڈاکٹر قدیر کا انتظار ہو رہا تھا۔ نصیر اس وقت بھی نشے میں تھا لیکن نہ جانے کیوں فریدی کی موجودگی میں بہت زیادہ محتاط نظر آ رہا تھا۔ اگر کبھی کسی بات پر بے تحاشہ ہنستا بھی تو قہقہے کو ذرا دبائے ہوئے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آواز کو زیادہ بلند ہونے سے روک رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد قدیر بھی آ گیا۔ وہ پندرہ منٹ دیر سے پہنچنے پر معذرت طلب کر رہا تھا۔

کھانے کے دوران میں زیادہ تر تفریحی باتیں ہوتی رہیں۔ حمید نے لطیفے شروع کر دیئے تھے۔ عالیہ دل کھول کر ہنس رہی تھی اور نصیر دانت پیس رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ کبھی کبھی ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف عالیہ سے گفتگو کرنے لگتے تھے وہ ان دونوں کے بیچ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ نصیر دوسری طرف ٹھیک اس کے سامنے تھا۔

کھانے کے بعد وہ سب تمباکو نوشی کے کمرے میں کافی کا انتظار کرنے لگے۔

ڈاکٹر قدیر نے اشرف پر حملے کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ وہ فریدی سے حملے کا طریقہ پوچھ رہا تھا۔

"طریقہ وہی تھا جس کا اظہار میں بہت پہلے کر چکا ہوں۔ زہر کا انجکشن....!"

اشرف بے اختیار چونک پڑا۔

"آپ نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی تھی۔" اس نے کہا۔

"میں آپ کو اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔" فریدی بولا۔ پھر اس نے جیب سے ایک سرنج نکالی۔

"یہ اشرف صاحب کی کار میں پائی گئی تھی اور ایک سریع الاثر زہر سے لبریز تھی۔"

قدیر نے ہاتھ بڑھا کر وہ سرنج فریدی کے ہاتھ سے لے لی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

فریدی کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"یہ شاید میری ہی ہے۔" قدیر نے لاپروائی سے کہا اور سرنج فریدی کو واپس کردی۔

سب لوگ چونک کر قدیر کو دیکھنے لگے۔ صرف فریدی کا چہرہ استعجاب کے اظہار سے عاری تھا۔

"مجھے اسی کی توقع تھی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

اتنے میں کافی آگئی لیکن ان میں سے کوئی بھی کافی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

سب کی نظریں قدیر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور اسکے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔

"آپ لوگ کافی پیجئے نا۔" فریدی نے کہا۔ "ڈاکٹر قدیر کی سرنج ہونے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ حقیقتاً مجرم ہیں۔"

فریدی نے صرف عالیہ کے چہرے پر اطمینان کی جھلک دیکھی اور وہ ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجرم نے انہیں پھنسانے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔" اشرف نے کہا۔

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر جھک کر کافی لانے والے نوکر کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ نوکر سر ہلا کر چلا گیا۔

وہ سب اپنی پیالیوں میں کافی انڈیل رہے تھے۔

"عالیہ صاحبہ نے غالباً اس گھر کو مداری کے جھولے سے تشبیہ دی تھی۔" فریدی نوکر کے ہاتھ سے گوشت لیتا ہوا بولا۔

"جی نہیں! میں نے حمید صاحب کا جملہ دہرایا تھا۔" عالیہ نے مسکرا کر کہا۔

"بہرحال میں آپ لوگوں کو ایک شعبدہ دکھانا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں پیسہ اکٹھا کرنے کے لئے ڈبہ بھی لیتا آؤں۔ بڑے بڑے صاحب لوگ موجود ہیں۔"

سب ہنسنے لگے اور حمید تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس نے خطرے کی بو سونگھ لی تھی، لیکن اسے بہت دیر میں ہوش آیا۔ فریدی کی آنکھوں میں درندگی کی جھلک پیدا ہوگئی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وحشت خیز چمک کا کیا مطلب ہے۔

اس نے اپنے کمرے میں آکر میز کی دراز سے پستول نکالا اور جیب میں ڈال لیا اور پھر تمباکو کا ایک خالی ڈبہ لے کر تمباکو نوشی کے کمرے میں لوٹ آیا اور ڈبے کو میز پر رکھتا ہوا بولا۔ "ہاتھ کی صفائی پیٹ کے لئے۔ جو جس کے جی میں آئے تماشے کے بعد ڈبے میں ڈال دے۔ ورنہ سخی کا بول بالا اور سوم کا منہ کالا۔"

ایک بار پھر قہقہہ پڑا اور حمید فریدی کو آنکھ مار کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ خود اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا اور اس کی نظریں نصیر پر جمی ہوئی تھیں۔

فریدی نے ایک ڈبیہ سے ایک سنگریزہ نکالا اور اسے چمٹی سے پکڑ کر سب کو دکھاتا ہوا بولا۔

"یہ آگ تو نہیں۔"

سب لوگ ہنسنے لگے۔ وہ پھر بولا۔ "خوب غور سے دیکھ لیجئے۔"

پھر اس نے وہ سنگریزے گوشت کے ٹکڑے پر رکھ دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر اوپر اٹھ کر بل کھانے لگی۔

"قدیر صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہی وہ سنگریزہ ہے جس نے کرنل کی جان لی تھی۔ اُن کے زخم پر جلنے کا نشان تو آپ کو یاد ہی ہوگا۔"

"لیکن یہ ہے کیا بلا۔" ڈاکٹر قدیر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"پوائزوینا مچھلی کے سر کا سنگریزہ۔"

"پوائزوینا مچھلی۔" اشرف نے دہرایا۔

"جی ہاں۔" فریدی لاپروائی سے بولا "اور پوائزوینا مچھلی کے متعلق انہیں بتانے لگا۔"

اس کے بعد اس نے کرنل کے متعلق وہ داستان چھیڑی جو اُسے رفیق سے معلوم ہوئی تھی۔

"کیا آپ میں سے کسی کو اس کا علم تھا۔" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں....!" چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔

"کیا آج یا کل اشرف صاحب نے بھی آپ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔"

قبل اسکے کہ کوئی جواب دیتا اشرف خود ہی بول پڑا۔ "مجھے اس غپ پر یقین نہیں آیا تھا۔"

خیر بہرحال آپ نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ یہ اچھی عادت ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔" فریدی بولتا رہا۔ "لیکن میرا پیشہ ایسا ہے کہ میں کسی بات کو سرے سے غپ ہی سمجھنے پر

مصر نہیں ہوتا۔ ہاں تو مومباسہ سے تحقیقات کرانے پر معلوم ہوا کہ وہاں اس قسم کا ایک آدمی موجود تھا۔ لیکن وہ تقریباً دس سال سے غائب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ حقیقتاً ایک ایسا ہی عجیب و غریب جانور اپنے پاس رکھتا ہے۔" فریدی خاموش ہو کر ان کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "مجرم بہت چالاک ہے اور زہروں کے متعلق اس کی معلومات اور استعمال کے طریقوں کی داد دینی پڑتی ہے۔ مثلاً پرندوں کی موتیں۔"

"پرندوں کی موتیں۔" سب بے اختیار چیخ پڑے۔

"جی ہاں.... ٹڈیوں کے شکل کے پتنگوں کے پروں کو زہر میں ڈبویا گیا اور وہ پرندے انہیں کھا کر.... ہاں تو اشرف صاحب اُس پراسرار آدمی کا وجود واہمہ نہیں تھا۔"

"لیکن چچا جان اس کا تذکرہ کسی سے تو کرتے۔" اشرف ہر ایک کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے بھی اس کا علم نہیں تھا۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"پھر اس مجرم نے رفیق کو ایک کنوئیں میں قید رکھا۔" فریدی نے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر یک بیک عالیہ سے بولا۔ "کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ مجرم کون ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔" عالیہ گھبرا کر بولی۔ لیکن فریدی کسی اور طرف دھیان دیئے بغیر بولتا رہا۔ "میں نے تقریباً ایک سال کا ریکارڈ چھنوا ڈالا ہے، لیکن رفیق کے بتائے ہوئے حلیئے کے کسی غیر ملکی کی آمد کا پتہ نہیں چلتا۔ مومباسہ کی پولیس کا خیال ہے کہ وہ ایک سیلانی آدمی تھا کہیں مر کھپ گیا ہوگا۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک انہیں فرداً فرداً گھورتے رہنے کے بعد مسکرا کر بولا۔ "بہر حال مجھے یقین ہے کہ یہ اس کی حرکت نہیں۔ کوئی ایسا آدمی ہے جو ڈاکٹر قدیر سے خاص طور پر پُرخاش رکھتا ہے۔"

"کون ہے وہ۔ میں اس کا خون پی لوں گا۔" نصیر ہاتھ ہلا ہلا کر چیخنے لگا۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔ "میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیپٹن اشرف تم سرنج کے معاملے میں دھوکا کھا گئے۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔"

یک بیک کافی کی میز الٹ گئی اور اشرف اچھل کر بھاگا۔

"خبردار....!" حمید نے ریوالور نکال لیا لیکن اشرف دروازے سے نکل چکا تھا۔

عورتیں بُری طرح چیخ رہی تھیں۔ حمید دروازے کی طرف جھپٹا۔

"ٹھہرو! اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرا کر پرسکون لہجے میں بولا۔ "مہمانوں سے دھینگا مشتی نہیں کی جاتی۔"

دفعتاً باہر کتوں کے بھونکنے اور کسی کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔

"اب جاؤ....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "ورنہ وہ اس کی بوٹیاں اڑا دیں گے۔"

بیگم عارف فریدی کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ حمید، قدیر اور نصیر باہر بھاگے۔

"مجرموں کو پکڑنا میرا فرض ہے۔" فریدی نے بیگم عارف سے کہا اور وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں اشرف کو سنبھالے ہوئے اندر لائے۔ اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ چہرے پر کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ حمید نے اسے ایک آرام کرسی پر ڈال دیا۔

"یہ ایک سعادت مند بیٹا ہے۔" فریدی تنفر آمیز لہجے میں بولا۔ "جس نے دولت کے لالچ میں باپ اور چچا کا خون کیا۔ عالیہ کو حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر قدیر کو پھنسوانا چاہا۔"

"تم بار بار عالیہ کا نام کیوں لے رہے ہو۔" بیگم نواز بگڑ کر بولی۔

"اس لئے کہ عالیہ بھی ڈاکٹر سے....!"

"فریدی صاحب۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ لیکن فریدی اپنا جملہ پورا کئے بغیر پھر اشرف سے مخاطب ہو گیا۔

"تم نے شروع میں نصیر کو پھنسانے کی کوشش کی تھی اس لئے بیگم عارف کا رومال استعمال کیا تھا۔"

اشرف آرام کرسی پر پڑا ہانپتا رہا۔

"تم غلط کہتے ہو کہ تمہیں کرنل اور اُس پُر اسرار آدمی کی لڑائی کا حال معلوم تھا۔ کیا تم نے کرنل کی زندگی ہی میں ان کی ڈائری نہیں چرائی تھی۔ کیا تمہیں اس ڈائری سے ان واقعات کا علم نہیں ہوا تھا۔ کل رات میں نے وہ ڈائری برآمد کرلی ہے۔ اشرف صاحب تم لوگوں کو یہاں رکھنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں اطمینان سے پیلی کوٹھی کی تلاشی لے سکوں۔ ڈاکٹر قدیر کا مسئلہ کلوروفارم نے حل کردیا۔"

"کلوروفارم....!" ڈاکٹر قدیر چونک پڑا۔

"میں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کو سوتے میں بیہوش کیا تھا۔ ہاں تو اشرف.... اُس ڈائری پر سے بھی آپ کی انگلیوں کے نشانات لئے گئے ہیں.... اور بتاؤں۔" فریدی نے ایک الماری کھول کر اس میں سے جوتوں کا ایک جوڑا نکالا اور مسکرا کر بولا۔ "اشرف صاحب کیا یہ جوتے آپ کے نہیں ہیں۔"

اشرف خاموش رہا اور فریدی تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "ان میں سے ایک جوتے کی ایڑی غائب ہے اور وہ مجھے اس کنوئیں کی ایک کگار پر ملی تھی، ایسے کاموں میں زبر سول کے جوتے مفید بھی ہوتے ہیں اور نقصان دہ بھی۔ تمہیں ان کی ایڑیوں کی مضبوطی کا اندازہ پہلے ہی لگالینا چاہئے تھا۔ اس میں شک نہیں کہ تم نے رفیق کو قید کر کے چھوڑ دینے کی اسکیم بنا کر اپنی انتہائی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ اس طرح یقیناً پولیس چکر میں پڑ جاتی اور اس پُر اسرار اجنبی کو پکڑنے کے لئے نہ جانے کہاں کہاں جال ڈالتی اور کون کون سے کنوئیں کنگھالتی لیکن تمہارے ربر سول جوتوں کا بُرا ہوا۔ تمہیں وہ ڈائری بھی ضائع کر دینی چاہئے تھی اور آخری حماقت کم از کم میرے گھر سے دور رہ کر کرتے۔ ڈاکٹر قدیر کی سرنج ناحق استعمال کی تھی۔ اس طرح اگر اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات نہ بھی ملتے تو میں اس راستے سے ہٹ جاتا جس پر تم نے پولیس کو لگانے کی کوشش کی تھی۔ پس تم ہوس میں مارے گئے۔ جلدی میں تم نے اس کا بھی خیال نہیں رکھا کہ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات نہ پڑنے پائیں۔ بہر حال کرنل کی دولت تمہارے ہاتھ نہ لگ سکی۔ ڈاکٹر قدیر میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔"

"یہ مبارک باد کا موقع نہیں۔" ڈاکٹر قدیر گلوگیر آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"ہپ ہپ ہُرا....!" نصیر نشے میں بڑبڑایا۔

"چپ رہو۔" بیگم عارف نے اُسے ڈانٹا۔

اور پھر کمرے پر قبرستان کی سی خاموشی مسلط ہو گئی۔

ختم شد

ابنِ صفی

جاسوسی دنیا

د نمبر
8

24- پتھر کی چیخ

25- خوفناک ہنگامہ

26- دوہرا قتل

پیش لفظ

یہ ناول ایک بالکل ہی انوکھی اور نئی کہانی پیش کرتا ہے۔ جرم کرنے والوں میں Sadist یا اذیت کوش آج کل نمایاں نظر آتے ہیں۔ آئے دن آپ نے اخباروں میں کم عمر لڑکوں اور لڑکیوں کے اغواء اور بعد میں اُن کے بے رحمانہ قتل کے بارے میں پڑھا ہوگا۔ آپ اسے یقین مانیں کہ ایسے بھیانک جرائم کے پیچھے ایسی معصوم صورتیں بھی ہوتی ہیں جن کی طرف کسی کا گمان بھی نہیں جاسکتا۔ یہ اپنے جنسی دباؤ سے مجبور ہوکر اس حد تک خطرناک، مریضانہ اور بھیانک شکل اختیار کرلیتے ہیں کہ انہیں انسانی ہڈیوں کے چچوڑنے میں رسیلی جلیبیوں کا مزہ آتا ہے۔

ایسا ہی ایک کردار آپ کو اس ناول میں ملے گا۔ میاں حمید بھی اس مرتبہ کافی چاق و چوبند رہے۔ انہوں نے محض باتیں نہیں بنائیں بلکہ کچھ کیا بھی ہے۔

آئندہ شمارہ جوبلی نمبر ہوگا۔ "خوفناک ہنگامہ" کی کہانی کے لئے میں زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اب تک جتنے ناول میں نے چیلنج کے ساتھ لکھے ہیں انہیں آپ سب نے پسند کیا ہے۔ جوبلی نمبر بھی اُسی اعتماد کے سہارے لکھ رہا ہوں اور آپ یقین کیجئے کہ پڑھنے کے بعد آپ اُسے زندگی بھر نہیں بھول سکتے۔

"خوفناک ہنگامہ" میں آپ کو ایک بار پھر آپ کے محبوب کردار انور اور رشیدہ ملیں گے۔ حمید نے تو اس بار کمال ہی کیا ہے۔ یقیناً اُس کی سنجیدگی آپ کو چونکا دے گی۔ فریدی کو اس بار ایک عجیب وغریب عورت سے ٹکر لینا پڑی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یورپ کے تین نامور جاسوس فریڈک، شلائر اور گارساں سے فریدی کی مڈبھیڑ...... بھیانک ہڈیوں کے پنجر، عجیب وغریب مچھلی اور دوسری دلچسپیاں آپ کو ملیں گی جن کے لئے "جاسوسی دنیا" مشہور ہے۔

ابنِ صفی

قمار خانہ

"لوسنو میرے بھائیو!" سرجنٹ حمید نے ہانک لگائی۔ "یہ وہ سانپ ہے کہ پتھر پر پھن مارتا ہے تو پتھر راکھ ہوجاتا ہے۔ پانی پر پھن مارتا ہے پانی بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔ آگ کھاتا ہے انگارے ہگتا ہے۔ صندل دیپ میں پایا جاتا ہے۔ اسے آتش خور کہتے ہیں۔"

وہ ایک پیشہ ور دوا فروش کی طرح اول فول بک رہا تھا۔ صرف پندرہ منٹ میں اُس کے گرد اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی تھی۔ اُس نے گھنی اور چڑھی ہوئی سفید نقلی مونچھیں لگا رکھی تھیں میک اپ اتنا شاندار تھا کہ سر کے بال کھچڑی معلوم ہورہے تھے۔ بہرحال وہ ایک انتہائی تندرست بوڑھے دوا فروش کے بھیس میں فٹ پاتھ پر مجمع لگا رہا تھا۔ اُس کے سامنے بہت سے مرتبانوں میں مردہ اور زندہ سانپ تھے۔ ایک بڑے سے صندوق پر دواؤں کی شیشیاں چنی ہوئی تھیں۔ اُن میں سے کسی میں نقرئی گولیاں تھیں اور کسی میں طلائی۔ اکثر میں کوئی سیال شے بھی تھی۔

یہ حرکت محض اُس کی افتادِ طبع نہیں تھی۔ اس مرتبہ شاید زندگی میں پہلی بار انسپکٹر فریدی نے ایک اہم کام اُس کے سپرد کیا تھا۔ اور وہ اُس سے کسی قسم کا مشورہ لئے بغیر اس کام کو سرانجام دینے کی کوشش میں مشغول تھا۔ پہلے فریدی نے وہ کیس اپنے ہی لئے رکھا تھا لیکن اس دوران میں وہاں کچھ عجیب قسم کی وارداتیں ہونی شروع ہوگئیں اور فریدی پہلا کیس حمید کے سپرد کر کے

اُن کے متعلق چھان بین میں مشغول ہوگیا۔

وہ وارداتیں واقعی عجیب اور وحشت ناک تھیں۔ شہر کے مختلف حصوں میں تین نوخیز اور خوبصورت لڑکوں کی لاشیں ملی تھیں جنہیں کسی وحشی درندے نے بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا۔ انسپکٹر فریدی تقریباً ایک ہفتے سے پریشان تھا لیکن اُس خوفناک راز کی ایک کڑی بھی ہاتھ نہ لگی تھی۔

اس سے پہلے اُس کے پاس ایک بہت بڑے گروہ کا کیس تھا جو بہت ہی منظم طریقے پر شہر کے مختلف حصوں میں جوا کھلاتا تھا۔ لیکن ابھی تک اُس کا ایک رکن بھی گرفتار نہ ہوسکا تھا۔ دوسرا کیس اس سے بھی زیادہ اہم تھا اس لئے پہلا کیس سرجنٹ حمید کے حصے میں آیا۔ حمید نے اسے سرانجام دینے کے سلسلے میں کافی لاف وگزاف کی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ اُس نے دوران تفتیش میں کبھی فریدی کو ڈھنگ کی رپورٹ نہیں دی۔ نہ اُسے اپنے پروگرام ہی سے متعلق کچھ بتایا۔ شہر کے ایک حصے میں اُس نے ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا جہاں غریب طبقہ کے لوگ آباد تھے۔ اپنی دواؤں کا بکس اور سانپوں کے مرتبان وہ وہیں رکھا کرتا تھا۔

وہ تین دن سے اسی جگہ پر مجمع لگا رہا تھا۔ اُسے دراصل قریب کی ایک عمارت پر شبہ ہوگیا تھا۔ یہ شہر کی ایک مخصوص متمول طبقے کی تقریب گاہ تھی۔ یہاں صرف اُسی طبقے کے افراد شادی بیاہ یا دوسری تقاریب کے انتظامات معاوضہ لے کر کئے جاتے تھے۔ حمید متواتر تین دن سے دیکھ رہا تھا کہ وہاں دن اور رات ایک نہ ایک تقریب برپا رہتی تھی اور اُس میں حصہ لینے والے بھی زیادہ تر مختلف نہیں ہوا کرتے تھے۔ اُس طبقے کے رسم و رواج کے مطابق کوئی غیر اُس عمارت میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ حمید کا شبہ یقین کی حد تک پہنچتا جا رہا تھا کہ وہ جس عمارت کی تلاش میں ہے وہ یہی ہوسکتی ہے۔ وہ آج بھی صبح سے کئی بار یہاں مجمع اکٹھا کر چکا تھا اور وہ اس وقت آخری مجمعے کے سامنے اپنے بار بار دہرائے ہوئے جملے دہرا رہا تھا۔ ''اس سانپ کی چربی کا کیا پوچھنا...... صاف صاف تعریف خلاف تہذیب ہے۔''

اُس نے رک کر ایک شیشی اٹھائی اور مجمع کو دکھا کر کہنے لگا۔ ''اس میں آتش خور سانپ کی چربی افعی یعنی کوبرا کالے سانپ کی چربی۔ سانڈے کی چربی، اود بلاؤ کی کلیجی کا پتہ...... روہو مچھلی کا پتہ شامل ہے...... بجلی ہے بجلی...... نہ پان کی ضرورت نہ پتے کی حاجت...... نہ چھالا ڈالتا ہے نہ

آبلہ، پانچ منٹ میں اثر دکھاتا ہے۔ آزمائش کرو۔ اگر غلط نکلے تو کل یہیں آ کر گریبان پکڑ لینا۔ پندرہ دن آپ کے شہر میں قیام کروں گا۔ دلی، آگرہ، کانپور اور لکھنو ہوتا ہوا آپ کی شہر میں آیا ہوں اور آپ کے شہر سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ اس طرح آپ کی خدمت بھی کروں گا اور مرشد کا حکم بھی بجا لاؤں گا۔''

پھر اُس نے دوا کی قیمت بتائی اور اُسکی اپنے گرگوں میں سے ایک نے سب سے پہلے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر پندرہ بیس منٹ کی اندر اندر ٹین کے صندوق پر چنی ہوئی شیشیاں صاف ہوگئیں۔

اس دوران میں حمید کی توجہ اُس عمارت کی طرف بھی مبذول ہوتی رہی تھی اور اُسے اُس میں داخل ہونے والوں میں شہر کا ایک مشہور جواری بھی دکھائی دیا تھا اور وہ اُس طبقے سے متعلق نہیں تھا۔ مجمع ختم کرنے کے بعد حمید نے سامان سمیٹنا شروع کیا۔ اس وقت اس کا ارادہ عارضی قیام گاہ کی طرف جانے کا نہیں تھا۔ اُس نے ایک تانگے پر سامان بار کرایا اور فریدی کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

ایک سائیکل سوار اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید نے پہلے تو اُس کی طرف دھیان نہیں دیا لیکن وہ ایک بار اُسے تانگے سے آگے نکلتے اور پھر رفتار کم کر کے تانگے کے پیچھے لگتے دیکھ کر کھٹک گیا۔ حمید اُس کا صورت آشنا تھا۔ اُس نے اسے اکثر اُس مشتبہ عمارت کے سامنے والے ریستوران میں دیکھا تھا۔

''بھائی۔'' اُس نے تانگے والے کو بلند آواز میں مخاطب کیا۔ ''شاید میں راستہ بھول رہا ہوں۔''

''کیوں...... آپ ہی نے تو......!''

''ہاں ہاں'' حمید اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''وہ جو کلاک ٹاور ہے نا...... اُس کے سامنے والی سڑک پر پٹرول پمپ والی گلی میں۔''

''مگر آپ......!'' تانگے والے کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ ''آپ نے تو......!''

''میاں بگڑو نہیں...... پردیسی ہوں بھول ہوئی۔ چونی زیادہ لے لینا۔''

تانگہ والا بڑبڑاتا رہا۔ پھر اُس نے اگلی سڑک پر حمید کی عارضی قیام گاہ کی طرف تانگہ موڑ دیا۔ سائیکل سوار اب بھی تانگے کے پیچھے لگا ہوا تھا اور حمید ایسا بے تعلق نظر آ رہا تھا جیسے کوئی

بات ہی نہ ہو۔ اُس نے جیب سے نسوار کی شیشی نکالی اور دو چٹکیاں ناک کے دونوں نتھنوں میں چڑھا گیا لیکن پھر اُسے اپنی حماقت پر افسوس ہونے لگا۔ وہ اس بھیس کے دوران میں اپنی جیب میں نسوار کی شیشی ضرور رکھتا تھا۔ لیکن آج تک استعمال کرنے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ نتھنوں میں جلن اور ناک میں تیز قسم کی سرسراہٹ ہونے لگی لیکن وہ حتی الامکان چھینک روکنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ چھینکیں شروع ہوتے ہی اناڑی پن فوراً ظاہر ہو جاتا۔ اُس کے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گئے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی کھال گوشت چھوڑ رہی ہو...... آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ بہرحال وہ چھینک نہ روک سکا۔ البتہ اُسے کھانسی میں تبدیل کرتے وقت جیب سے رومال نکال لینا پڑا اور پھر وہ سچ مچ اُس طرح کھانسنے لگا جیسے دورہ پڑا ہو۔ اس طرح حلق میں خراش ضرور آ گئی لیکن ناک کی تکلیف دہ سرسراہٹ سے نجات مل گئی۔

تعاقب برابر جاری رہا۔

حمید رہائش گاہ پر پہنچ کر سامان اتارنے لگا اور تعاقب کرنے والا آگے بڑھ گیا۔ حمید سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ اب تو اُسے سو فیصدی یقین ہو گیا تھا کہ اُس کی اتنے دنوں کی محنت بیکار نہیں گئی۔ اُس نے سوچا کہ فریدی کو فوراً اُس کی اطلاع دے دے لیکن دوسرے ہی لمحے میں خودنمائی کی جبلت نے اُبھر کر اس خیال کا گلا گھونٹ دیا۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ اکیلے ہی یہ معرکہ سر کرے۔ اس طرح وہ فریدی کے اس خیال کا مضحکہ اڑا سکے گا جس کی رو سے وہ عملی اعتبار سے نکما تھا۔ حمید اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرنے لگا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح عمارت میں ضرور داخل ہوگا۔ مجمع لگانے کے دوران میں اُس نے اس عمارت میں داخل ہونے کا طریقہ بھی دیکھ لیا تھا۔ آنے والے دربان کو دعوتی کارڈ دکھا کر اندر داخل ہوتے تھے۔ حمید نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ دراصل کسی تقریب کے دعوتی کارڈ ہی کا ڈھونگ تھا۔ اسی طرح صرف انہیں لوگوں کی رسائی وہاں تک ہو سکتی تھی جو معتبر تھے۔ یعنی وہ کارڈ ایسے ہی لوگوں میں تقسیم کیے جاتے تھے جن کے متعلق اس کے گروہ کو پورا پورا اطمینان تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر نہیں کریں گے۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد حمید پھر اُسی عمارت کی طرف واپس جا رہا تھا۔ لیکن اس بار اُس نے امیر اوباشوں کی سی وضع اختیار کی تھی۔ کچھ دور چل کر اُس نے ٹیکسی کی اور اُس عمارت

کے سامنے والے ریستوران کے قریب جا کر اُترا۔ ریستوران میں بھیڑ کم تھی۔ البتہ باہر والا حصہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حمید چائے خانے میں گھس گیا۔ اتفاق سے ایک کھڑکی کے قریب کی میز خالی تھی۔ وہ اسی پر جم گیا۔ یہاں سے اُس عمارت کا پھاٹک زیادہ دور نہیں تھا۔ حمید ارادہ کر کے ادھر نکل تو آیا تھا مگر عمارت میں داخل ہونے کی کوئی تدبیر ابھی تک نہیں سوجھی تھی۔

وہ کافی دیر تک ٹھنڈی چائے کی چسکیاں لیتا رہا لیکن بے سود۔ عمارت میں داخل ہونا آسان کام نہیں تھا۔ اگر وہ کسی ویران جگہ پر ہوتی تو وہ دیواریں بھی پھلانگ جاتا۔ اگر اس پر بھی بس نہ چلتا تو وہ نقب زنی کے امکانات پر غور کرتا لیکن یہاں بھرے پُرے بازار میں اُن کا خیال ہی احمقانہ تھا۔

وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر پھاٹک کی طرف ٹکٹکی لگائے بیٹھا تھا حتیٰ کہ وہ اُس نامعلوم آدمی کے وجود سے بھی بے خبر تھا جو اُس کی قیام گاہ سے اُس کے پیچھے لگا ہوا یہاں تک چلا آیا تھا۔ وہ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھا شام کا اخبار دیکھ رہا تھا لیکن یہ وہ آدمی نہیں تھا جس نے آج شام کو اُس کا تعاقب اُس کی قیام گاہ تک کیا تھا۔

دفعتاً حمید کو اس عمارت کے پھاٹک پر دو آدمی دکھائی دیئے۔ دونوں نے اپنے جیبوں سے کارڈ نکالے لیکن ایک نے پھر اپنا کارڈ جیب میں رکھ لیا۔ اُس کا ساتھی تو اندر چلا گیا مگر اس کا رخ ریستوران کی طرف تھا۔ پھر حمید نے اُسے بار والے حصے میں داخل ہوتے دیکھا۔ حمید نے جلدی جلدی چائے ختم کی بل ادا کیا اور ریستوران سے باہر نکل گیا۔ اُس کے ذہن میں ایک تدبیر ابھر تو آئی تھی لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ بار میں جائے یا نہ جائے۔

اُس آدمی نے اندر پہنچ کر ادھر اُدھر نظر ڈالی اور سیدھا پیشاب خانوں کی طرف چلا گیا۔

حمید بھی تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس حصے میں جہاں پیشاب خانے تھے اندھیرا تھا۔ البتہ پیشاب خانوں کے اندر دھندلی دھندلی روشنی تھی۔ حمید دبے پاؤں اُسی لیٹرین میں داخل ہو گیا جس میں وہ آدمی گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ایک ہاتھ اسکے منہ پر تھا اور دوسرا اُس کی گردن دبا رہا تھا۔ پھر اُس نے اُس کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ وہ لہرا کر زمین پر آ رہا۔

پھر حمید نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اُس کے کوٹ کے اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا کارڈ

موجود تھا۔ اُس نے اُسے اپنی جیب میں ڈالا اور بے ہوش آدمی پر اچٹتی نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

وہاں سے وہ ایک دوسرے ریستوران میں پہنچا اور بیرے کو کافی کا آرڈر دیتا ہوا ایک خالی کیبن میں گھس گیا۔ قیام گاہ سے یہاں تک تعاقب کرنے والا اب بھی اُس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ لیکن وہ کسی کیبن میں بیٹھنے کی بجائے کھلے ہال ہی میں بیٹھ گیا تھا۔

حمید نے کارڈ نکالا۔ اُس میں کسی جمشید جی نے رستم جی کو اپنے بیٹے کی شادی کے سلسلے میں مدعو کیا تھا۔ حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کارڈ پھر جیب میں رکھ لیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ رستم جی کا رول ادا کرے گا اور اُسے اس بات کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ تھی کہ اُس آدمی کے ہوش میں آنے پر اُس کی اس حرکت کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ بس اُس کے سر پر اُس عمارت میں داخل ہونے کا بھوت سوار ہوگیا تھا۔

اُس نے گرم گرم کافی حلق میں انڈیلنی شروع کردی۔

پھر کچھ دیر بعد وہ عمارت کے پھاٹک پر کھڑا دربان کو کارڈ دکھا رہا تھا اور اُس کا تعاقب کرنے والا اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر رہا تھا۔ ادھر حمید نے عمارت میں قدم رکھا اور وہ کسی طرف روانہ ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔

حمید ایک کافی وسیع ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ یہاں چاروں طرف بے شمار چھوٹی چھوٹی میزیں پڑی ہوئی تھیں اور اعلیٰ پیمانے پر مختلف قسم کا جوا ہو رہا تھا۔ حمید نے انجام سے بے پرواہ ہوکر دل ہی دل میں ایک زوردار قہقہہ لگایا کہ اس بار فریدی کو اس کی ذہانت کا قائل ہونا ہی پڑے گا۔

اندر پہنچنے پر ایک آدمی نے پھر اس کا کارڈ دیکھا اور بلند آواز میں "رستم جی" کی ہانک لگائی اور پھر ایک طرف اشارہ کرکے آہستہ سے بولا۔

"میز نمبر اٹھائیس......!"

حمید اُس میز کی طرف بڑھا۔ اُس پر تین آدمی تھے اور چوتھی کرسی خالی تھی۔ اُسی میز کا ایک آدمی اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ حمید کو اطمینان تھا کہ وہ جوا کھیل سکے گا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے اُس کے لئے تیار ہوکر آیا تھا۔

وہ خالی کرسی پر بیٹھنے ہی جا رہا تھا کہ وہ آدمی کھڑا ہوگیا جو اُسے گھور رہا تھا۔

"آپ کی تعریف......!"

"رستم جی......!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے کسی نئے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوجانا پڑا۔ وہ اُسے پہچان رہا تھا۔ یہ آدمی وہی تھا جو رستم جی کے ساتھ تھا۔

"باپ کا نام......؟"

"کیوں......؟" حمید اُسے گھورتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

"کچھ نہیں۔" وہ آدمی ہنس کر بولا۔ "میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔"

پھر وہ اٹھ کر کہیں چلا گیا۔ اُس میز کے بقیہ دو آدمی نشے میں بُری طرح دھت تھے۔

"اوئی چلی گیا۔" اُن میں سے ایک منہ میں انگوٹھا ڈال کر بولا۔ "ہم بھی جائیں گا۔"

"نہیں جانی تم بیٹھے گا۔" دوسرا اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ہم تمہارا جورو کا بھائی ہے۔"

"نہیں ہام تمہارا جورو کا بھائی ہے۔" پہلے نے کہا۔

"ہاٹ سالا ہم تمہارا جورو کا بھائی ہے۔" دوسرا قہقہہ لگا کر بولا۔

"کیوں بابا......؟" پہلے نے حمید سے پوچھا۔

"تمہاری جورو......!" حمید بھناہٹ میں گالی بکتے بکتے رہ گیا۔ اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو وہ اُن دونوں میں کافی دلچسپی لیتا۔ مگر فی الحال تو اُس کا ذہن اٹھ کر جانے والے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اُسے شبہ ہوگیا ہے۔

"ہاں ہاں...... ہمارا جورو بڑا جور دار ہے۔" وہ حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "تم بھی ابھی لونڈا ہے۔ ہمارا جورو تم کو آم کا مافک......!"

حمید اُس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہوگیا۔ دونوں نے قہقہہ لگایا۔

"ڈر گیا ڈر گیا......!" دوسرا تالیاں بجا کر چیخا۔ "بچہ ہے...... چھورا ہے...... ٹاہ...... ٹاہ۔"

حمید پھر بیٹھ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ رستم جی کا ساتھی نہ جانے

کہاں غائب ہوگیا تھا۔ اگر وہ باہر گیا تھا تب تو حمید کا راز فاش ہونے میں دیر نہ لگے گی۔ وہ یقیناً اُسے تلاش کرنے کے لئے بار میں جائے گا۔ وہ دونوں ساتھ ہی آئے تھے۔ اس لئے رستم جی نے اُسے وقتی علیحدگی کے متعلق ضرور بتایا ہوگا۔ ممکن ہے اس نے اس سے کہا ہو کہ وہ دو ایک پیگ پی کر واپس آجائے گا۔

''کیوں بیٹا ہوتی ہے۔'' اُن میں سے ایک حمید کے منہ کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

''ہوتی ہے۔'' حمید نے تاش کی گڈی اٹھا کر میز پر پٹخ دی۔

اتنے میں ایک اور آدمی آکر خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ پستہ قد مگر گٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔ چہرہ لمبوترہ اور مضحکہ خیز تھا۔ چہرے کی مناسبت سے ناک بہت چھوٹی تھی کان دیکھ کر حمید کو خچر کے کان یاد آگئے۔

''آپ بہت دنوں کے بعد دکھائی دیئے۔'' اُس نے حمید سے کہا۔

''میں باہر چلا گیا تھا۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''پچھلی بار......!'' وہ کچھ کہتے کہتے رک کر اپنی داہنی آنکھ مسلنے لگا پھر بولا۔ ''ذرا دیکھئے کچھ پڑ گیا ہے۔''

حمید اُس کی آنکھ میں دیکھنے کے لئے جھکا ہی تھا کہ اُس کے جبڑے کی ہڈیاں کڑکڑا گئیں اور وہ کرسی سے اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا لمبوترے چہرے والے نے اُس کا گریبان پکڑ کر اُسے کھڑا کر دیا۔ اس بار اُس کی داہنی کنپٹی پر گھونسا پڑا اور زمین پر گرتے ہی اُس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی پر ایک ٹھوکر بھی محسوس کی۔ پھر وہ وسیع ہال اپنے سازوسامان سمیت تیزی سے گردش کرنے لگا۔ فانوس کی ٹھنڈی روشنی آگ اگلنے لگی اور پھر...... تاریکی کی گہری چادر نے اسے اندھیروں میں سلا دیا۔

درندگی

وہ نہ جانے کب تک بے ہوش پڑا رہا۔ پھر ہوش میں آتے ہی اُس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا جو بڑی شدت سے دکھ رہا تھا۔ جبڑے اور داہنی آنکھ پر ورم آ گیا تھا۔ پیٹھ بھی بری

طرح دکھ رہی تھی۔ وہ کراہ کر اٹھا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ابھی تک آنکھوں کے سامنے ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں قید ہے۔ کانوں کی سنسناہٹ ختم ہوتے ہی اُسے کمرے کے باہر شور سنائی دینے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کرسیاں اور میزیں ٹوٹ رہی ہوں۔ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے ہوں۔ بہرحال توڑ پھوڑ کی آواز اور لوگوں کی چیخوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر دروازے کے قریب آیا اور اُسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگا۔ یہ اس کا قطعی اضطراری فعل تھا۔ پھر جیسے جیسے اُس کا ذہن صاف ہوتا گیا اُس کے ہاتھ رکتے گئے۔ اول تو اُس شور وشغب میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی اور پھر دروازہ پیٹنے سے کیا حاصل۔ بہرحال اُسے اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے فریدی کا مشورہ لئے بغیر یہ حرکت کیوں کر ڈالی۔

پھر وہ باہر کے شور کے متعلق سوچنے لگا۔ آخر یہ شور کس قسم کا تھا۔

دفعتاً کسی نے اُس کمرے کے دروازے پر ٹھوکر ماری اور حمید چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

دروازے پر متواتر ضربیں پڑ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد چڑچڑاہٹ سنائی دی اور دروازہ ٹوٹ کر زمین پر آرہا۔ حمید اگر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو اُس کا زخمی ہوجانا یقینی تھا۔

اور پھر اُس کے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔ یہ پولیس والے تھے۔

''حضرت مل گئے۔'' انسپکٹر جگدیش چیخا۔

حمید ٹوٹے ہوئے دروازے پر سے جست لگا کر باہر نکل آیا۔ انسپکٹر فریدی ایک میز پر کھڑا گرفتار شدگان کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر پکڑے جانے والوں کی بھیڑ میں گھستا چلا گیا۔ وہ اُس لمبوترے چہرے والے کو تلاش کرتا پھر رہا تھا لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

پھر کسی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر پلٹا۔ فریدی طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"بہت اچھے۔" اُس نے کہا۔ "خاصے کارٹون لگ رہے ہو۔"

حمید جھینپ کر بغلیں جھانکنے لگا۔

"اوپر بھی دیکھ لیں۔" فریدی نے کوتوالی انچارج جگدیش سے کہا۔

پھر وہ تینوں کچھ کانسٹیبلوں کے ساتھ اوپری منزل میں چلے گئے۔ فریدی قطعی خاموش تھا۔ اُس نے پھر حمید سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ گھر پہنچتے ہی شامت آ جائے گی۔

اوپر کے بہتیرے کمرے مقفل تھے۔

سارے قفل ایک ایک کر کے توڑے جانے لگے۔ ایک کمرے میں ایک خوبصورت اور نوجوان عورت ملی جس کے ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ پولیس والوں کو دیکھ کر وہ بے تحاشہ رو پڑی۔ استفسار پر اُس نے بتایا کہ تین دن قبل سینما سے واپسی پر چند بدمعاشوں نے اُسے پکڑ لیا تھا اور اُس سے ایک کثیر رقم کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اُس کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ شہر کے ایک بہت بڑے تاجر کی بیوہ تھی۔ حمید نے اُسے رسیوں سے آزاد کرتے وقت محسوس کیا کہ وہ بخار سے بھن رہی ہے۔

اُسے فوراً ہی ہسپتال بھجوانے کا انتظام کیا گیا۔ وہ تو اپنے گھر جانے پر مصر تھی لیکن باقاعدہ بیان لیے بغیر یہ چیز ناممکن تھی۔

اُس کی سرخ سرخ نشیلی آنکھیں دیر تک حمید کے ذہن پر چھائی رہیں لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ وہ لمبوترے چہرے والے کے لئے بھی بے چین تھا۔ حمید کو اس کا گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح دھوکے میں رکھ کر اُس پر حملہ کر دے گا۔ ورنہ شاید وہ اس بُری طرح مار نہ کھاتا اور اب رہ رہ کر اُن کا خون جوش مار رہا تھا۔ اگر وہ اس وقت مل جاتا تو وہ اُس کی بوٹیاں اڑا دیتا۔ اُس کا ذہن اس بُری طرح الجھا ہوا تھا کہ اُس نے فریدی سے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ یک بیک یہاں پہنچ کیسے گیا۔

"کیا تم کسی کی تلاش کر رہے ہو......؟" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"ہاں مجھے ایک لمبوترے چہرے والے کی تلاش ہے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔" فریدی نے کہا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کیا اُسی نے

تمہاری یہ درگت بنائی ہے؟"

"بس زیادہ تاؤ نہ دلائیے مجھے۔" حمید بڑبڑایا۔

"خیر خیر......!" فریدی کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نظریں کاریڈور میں پڑے ہوئے کپڑوں کے ایک ڈھیر پر جم کر رہ گئیں تھیں۔ ایک کانسٹیبل نے آگے بڑھ کر اُسے پیر سے سرکایا۔

اور پھر اُن سب کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔

یہ ایک خوبصورت اور تندرست لڑکے کی لاش تھی جسے بڑی درندگی کے ساتھ نوچا گیا تھا۔

فریدی بے ساختہ اُس پر جھک پڑا۔ تھوڑی دیر تک بغور اُسے دیکھتا رہا پھر سر اٹھا کر آہستہ سے بولا۔ "حمید اب مجھے تمہاری اس حماقت پر ذرہ برابر بھی افسوس نہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جگدیش اور اُس کے ساتھیوں کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے شہر میں یہ ایک ہی نوعیت کی پانچویں لاش تھی۔ اس سے پہلے والی لاشیں کسی مکان یا پوشیدہ جگہ سے برآمد نہیں ہوئی تھیں۔

فریدی نے جیب سے محدب شیشہ نکالا اور دیر تک لاش کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر زمین سے اٹھتا ہوا بولا۔ "کوئی نشان نہیں...... لاش اٹھوا دو۔"

پولیس نے ایک لاکھ پچپن ہزار روپے اپنے قبضے میں کیے اور تہتر قیدیوں کو لاریوں میں بھر کر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئی۔

فریدی خاموش تھا۔ حمید سمجھا تھا کہ تنہائی نصیب ہوتے ہی اُسے نہ جانی کتنی کڑوی کسیلی باتیں حلق سے اتارنی پڑیں گی۔ لیکن خلاف توقع فریدی کچھ نہیں بولا۔ تقریباً بارہ بجے رات کو کوتوالی سے فرصت ملی۔ اُس عورت کا بیان قلم بند کرنا دوسری صبح تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ فریدی کا خیال تھا کہ بخار کی شدت کی وجہ سے اُس کا دماغ قابو میں نہ ہوگا۔

ایک بجے وہ دونوں گھر پہنچے۔

فریدی اب بھی خاموش تھا۔ حمید کو الجھن ہونے لگی۔

"آپ وہاں پہنچے کس طرح تھے؟" حمید نے اُس کی خاموشی سے اکتا کر پوچھا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اُس اڈے سے واقف نہیں تھا۔" فریدی نے پھیکی مسکراہٹ کے

ساتھ کہا۔

"تو کیا آپ کو میری گرفتاری کی اطلاع ہو گئی تھی۔"

"نہیں......لیکن تم نے اندر داخل ہونے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا تھا اُس کی اطلاع ملتے ہی میں چل پڑا تھا۔"

حمید اُسے پُرخیال نظروں سے دیکھتا رہا۔ فریدی تھوڑے توقف کے بعد پھر بولا۔ "وہاں اُن کے جانے پہچانے آدمی ہی داخل ہوتے ہیں اس لئے میں نے سوچا کہ تم پر کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور نازل ہوگی۔"

"لیکن آپ کو اطلاع کیسے ملی تھی؟"

"میں تمہاری طرف سے بے خبر نہیں تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میرا ایک آدمی تمہارے ساتھ برابر لگا رہتا تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو تم نہ جانے کہاں ہوتے۔"

"جب آپ پہلے ہی سے اُس اڈے سے واقف تھے تو آپ نے کوئی کاروائی کیوں نہیں کی؟" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "خواہ مخواہ مجھے اس طرح ذلیل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اچھا جی......!" فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ "میں نے کچھ کہا نہیں تو آپ شیر ہو رہے ہیں۔"

"بتایئے نا آخر...... یہ کوئی تصوف کا مسئلہ تو تھا نہیں۔"

"میں اُس گروہ کے سرغنہ کے چکر میں ہوں۔ جس کی شخصیت آج تک پردہ راز میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ جتنے لوگ پکڑے گئے ہیں اُن میں سے ایک کا بھی تعلق اُس گروہ سے نہ ہوگا۔ گروہ والے سب نکل گئے۔ یہ تو بے چارے بدنصیب کھلاڑی تھے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ وہ لمبوترے چہرے والا نکل گیا۔" حمید نے کہا۔

"پھر سہی۔" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "اب تو تم مار دھاڑ اور سراغ رسانی پر آمادہ ہی ہو گئے ہو خیر تم میں زندگی تو پیدا ہوئی لیکن نہیں ابھی کوئی عورت مل جائے...... پھر تم ایک کیچوے کی طرح حقیر ہو جاؤ گے۔"

"گھبرایئے نہیں۔" حمید جل کر بولا۔ "اگر کسی کے ریوالور کا نشانہ نہ بنا تو دیوار سے سر ٹکرا کر جان دے دوں گا۔"

"اب خود ہی عورتوں کی طرح بولنے لگے۔"

حمید نے بیزاری سے منہ پھیر لیا۔ اُس کی چوٹیں بُری طرح دکھ رہی تھیں اور آج رات نیند آنے کے امکانات نظر نہیں آرہے تھے۔ اس لئے وہ گفتگو کو طول دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن فریدی نے ایسا مسئلہ چھیڑ دیا...... کہ قہر درویش بر جان درویش کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ بہر حال وہ اس موضوع کو ختم ہی کر دینا چاہتا تھا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا......؟"

"جو لوگ بلا کسی خوف و خطر اُن لاشوں کو پبلک مقامات پر لا سکتے ہیں وہ انہیں کسی ویرانے میں لے جا کر دفن بھی کر سکتے ہیں۔"

"یقیناً......!"

"پھر آخر وہ انہیں شہر میں پھینکنے کا خطرہ کیوں مول لیتے ہیں؟"

"ڈھنگ کا سوال ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ان میں سے اکثر قتل ویران مقامات ہی پر ہوئے ہیں لیکن لاشوں کو شہر میں لا ڈالا گیا ہے اور اس وقت جو لاش ملی ہے وہ بھی کہیں سے لائی ہی گئی ہے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"

"اگر آنکھیں کھلی رکھو تو اتنے بچکانے سوالات نہ کرنے پڑیں۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "اُس عمارت میں ہمیں کسی جگہ اتنی مقدار میں خون نہیں ملا کہ ہم ایسا سوچ سکیں۔ خود لاش کے نیچے خون کے معمولی دھبے ملے ہیں لاش پر پائے جانے والے کپڑوں کے ڈھیر میں بھی خون نہیں تھا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ بات بالکل سامنے کی تھی لیکن وہ باتوں کی رو میں ایک احمقانہ سوال کر بیٹھا تھا۔ بہر حال وہ اب بھی فریدی کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا پہلا سوال یقیناً دلچسپ تھا۔" فریدی پھر بولا۔ "یہ حقیقت ہے کہ لاشوں کو بہ آسانی دفن بھی کیا جا سکتا تھا یا پھر اس کے لئے گٹر بھی استعمال کیے جا سکتے تھے آخر مجرم اپنے جرائم کو منظر عام پر کیوں لا رہا ہے۔" فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"آپ کا کیا خیال ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"عقلی گدا سن کر کیا کرو گے۔ جو کچھ بھی کہوں گا اس کے لئے فی الحال کوئی منطقی دلیل نہ پیش کر سکوں گا۔ ویسے میری دانست میں مجرم کوئی انتہا پسند قسم کا اذیت کوش (sadist) ہے۔ وہ حصول لذت کے لئے محض مار ڈالنا ہی کافی نہیں سمجھتا بلکہ لاشوں کے ذریعہ شہر میں سنسنی پھیلا کر اُس سے بھی لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔"

"یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجرم کا جنسی جنون وحشیانہ پن کی حد تک پہنچ گیا ہے۔"

"قطعی...... ہمیں ابھی تک جتنی بھی لاشیں ملی ہیں وہ کم عمر لڑکوں کی ہیں کسی کی عمر پندرہ سولہ سے زیادہ کی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ ویسے حقیقت خدا ہی جانے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور بات بھی ہو۔"

"لیکن میں پھر کہوں گا کہ آخر لاشوں کو منظر عام پر ڈالنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟"

"اذیت پسندی کی انتہا۔" فریدی بولا۔ "مجرم لاش کے وارثوں کی گریہ وزاری اور پبلک کی خوفزدگی سے بھی لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ اذیت پسندی کی درجنوں قسمیں ہیں اور شاید ہم انتہائی قسم سے دوچار ہیں۔ اس حد تک پہنچنے کے بعد اکثر جنونی اپنی بوٹیاں تک نوچ ڈالتے ہیں۔"

حمید خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بولا۔

"آپ نے کہا تھا کہ قتل کسی ویرانے ہی میں ہوئے ہیں۔"

فریدی نے سر کو خفیف سی جنبش دی کر کہا۔ "دوشنبے کو جو لاش ملی تھی اُس کے متعلق تحقیقات کرنے پر میں نے یہی اندازہ لگایا ہے۔ وہ الفنٹن کالج میں پڑھتا تھا اور اتوار کو دس پندرہ لڑکوں کی ٹولی کے ساتھ پکنک پر جھریالی گیا تھا۔ واپسی پر وہ اُن سے الگ ہو گیا۔ اُس نے اُن سے کہا تھا کہ وہ قریب کے ایک گاؤں میں اپنے کسی عزیز سے ملنے کے لئے جا رہا ہے۔ میں اُس لڑکے کے والدین سے ملا۔ انہوں نے بتایا کہ اُس گاؤں میں اُن کا کوئی عزیز نہیں تھا۔ شہر میں تحقیقات

کرنے کے بعد میں جھریالی کی طرف گیا۔ پھر اُس گاؤں میں بھی چلا گیا۔ وہاں تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ اس شکل و شباہت کے لڑکے کو کسی نے وہاں نہیں دیکھا تھا۔ میں پھر جھریالی لوٹ آیا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"تم نے کبھی جھریالی کی پہاڑیوں کی سیر کی ہے؟"

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"دلچسپ جگہ ہے۔ مگر پکنک پر جانے والے انہیں عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ میں بھی اس سے پہلے کبھی ان پہاڑیوں پر نہیں چڑھا تھا۔ باہر سے تو وہ بالکل خشک اور بے جان پتھروں کی معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کے درمیان میں بڑی ہریالی ہے۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ حمید سوچنے لگا کہ شاید فریدی پر نیند نے حملہ کیا ہے تبھی وہ موضوع سے بھٹک رہا ہے۔ قتل کی بات کرتے کرتے پہاڑیوں کی ہریالی پر آ گیا۔ لیکن اُس نے اُسے ٹوکا نہیں۔ بعض اوقات اُسے سچ مچ فریدی پر رحم آنے لگتا تھا۔ بس ہر وقت کام کی دھن۔ کبھی کبھی کھانا پینا تک بھول جاتا تھا اور فرصت کے اوقات میں یا تو مطالعہ یا کتوں اور دوسرے جانوروں کی دیکھ بھال یا پھر کسی نئے کیمیاوی تجربے کا چکر۔ حمید کے خیال کے مطابق وہ ایک مظلوم آدمی تھا جو خود پر ظلم کر رہا تھا۔ اپنی جنسیت کو بے دردی سے کچل رہا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی اُسے کبھی عورت کا پیار نصیب نہ ہو سکے گا۔ عورت کے خیال پر اُس کے ذہن نے اُس عورت کی طرف جست لگائی جو اُسے عمارت میں ملی تھی۔ کتنی حسین تھی وہ۔ پھر یکایک اُسے لمبوترے چہرے والا یاد آ گیا اور اُس کا خون کھولنے لگا۔

"یہ مٹھیاں کیوں بھینچ رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اُوں......!" حمید چونک پڑا۔ "کچھ نہیں...... ہاں تو اُن پہاڑیوں پر بڑی ہریالی ہے۔"

"تم اُلو ہو۔" فریدی ہنس پڑا۔ "تمہیں اُس لمبوترے چہرے والے پر غصہ آ رہا ہے۔"

"نہیں تو۔" حمید کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "آپ اپنی تحقیقات کے متعلق بتا رہے تھے۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے ان پہاڑیوں میں ایک جگہ خون کے بڑے بڑے دھبے دیکھے تھے۔ کچھ کپڑوں کے چیتھڑے بھی۔ ان میں سے ایک دھجی

مقتول کی قمیض کی بھی ثابت ہوئی۔ ایک انگوٹھی ملی جسے مقتول کے والدین نے شناخت کرلیا کہ وہ اُسی کی تھی اور بس! لیکن مجرم! وہ ابھی تک پردہ راز ہی میں ہے۔"

فریدی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ حمید اُسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

ناکام تفتیش

دوسرے دن صبح حمید فریدی کو بتائے بغیر ہسپتال پہنچ گیا۔ انسپکٹر جگدیش اُس عورت کا بیان لے رہا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ وہ بھی اُس کی حسن پرست طبیعت سے بخوبی واقف تھا۔

"ہمارے سراغ رساں حمید صاحب۔" جگدیش نے کہا۔ "سچ پوچھئے تو آپ انہیں کی بدولت رہا ہوئی ہیں۔"

حمید جگدیش کی بات اڑا کر اس سے اُس کی خیریت پوچھنے لگا۔

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" عورت مسکرا کر بولی۔ "میں اب گھر جانا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔ "آپ جب چاہیں جا سکتی ہیں۔" پھر وہ جگدیش کی طرف مڑ کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں نے غلط نہیں کہا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بیان لے چکا ہوں۔" جگدیش نے کہا۔

ڈاکٹر نے بھی اجازت دے دی کیونکہ بخار رات ہی میں اتر گیا تھا اور کوئی ایسی خاص بات بھی نہیں تھی جس کی بناء پر اُسے ہسپتال میں روکا جاتا۔

"میں آپ کو گھر تک پہنچا دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"بڑی مہربانی...... آپ کا احسان۔" وہ دفعتاً خاموش ہوگئی۔ اُس کی نظریں دروازے کی

طرف اٹھ گئی تھیں۔ انسپکٹر فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکراتا ہوا اُن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"انسپکٹر فریدی صاحب۔" جگدیش احتراماً اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ لیڈی جہانگیر عادل جی۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی جگدیش کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتا ہوا بولا۔ "پچھلی رات میں بھی موجود تھا۔"

"اوہ...... ہی...... ہی...... ہی......!" جگدیش احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔

"غالباً آپ جا رہی ہیں۔" فریدی لیڈی جہانگیر کی طرف مڑ کر بولا۔ وہ چونک پڑی۔

فریدی کو بڑی انہماک سے دیکھ رہی تھی۔ حمید کچھ بڑبڑانے لگا۔

اس وقت فریدی بہت جچ رہا تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کے سرج کے سوٹ میں اُس کا چہرہ بڑا حسین معلوم ہو رہا تھا۔

"جی ہاں...... میں جا رہی ہوں۔" لیڈی جہانگیر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔

"بہتر ہے۔" فریدی نے جگدیش کو مخاطب کیا۔ "ایک کانسٹیبل آپ کے ساتھ کردو۔"

"وہ تو......!" حمید کی بات ہونٹوں ہی میں رہ گئی کیونکہ فریدی اُسے گھور رہا تھا۔

لیڈی جہانگیر ایک بار پھر اُن سب کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلی گئی۔

"سنا تم نے۔" حمید نے جگدیش کو مخاطب کیا۔ "پتھر کئی طرح کے ہوتے ہیں۔"

جگدیش ہنسنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ فریدی حمید کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر لایا۔

"وہ کس قسم کا پتھر تھا حمید صاحب جس سے ٹکرانے کے بعد تم کارٹون بن گئے۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ پتھر......!" حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

فریدی ہنس رہا تھا۔

"خدا کی قسم! آپ اس مجرم سے زیادہ اذیت پسند ہیں۔"

"آخر تم اس کے ساتھ جا کر کرتے کیا؟" فریدی نے پوچھا۔

"اُس کا گریبان پکڑ کر آپ کے لئے دعائے خیر کراتا۔" حمید جھلا کر بولا۔

فریدی پھر ہنسنے لگا۔ "کیا تم نے صبح آئینہ نہیں دیکھا؟"

حمید اُسے گھورنے لگا۔

"مطلب یہ کہ اس ٹوٹی پھوٹی صورت میں تمہیں اس کے سامنے آنا ہی نہ چاہئے تھا۔" فریدی نے پھر چٹکی لی۔

اس بار حمید بھنا کر پلٹ پڑا۔ "آپ کیوں دوڑے آئے تھے؟"

"تمہیں اپنے ٹوٹے پھوٹے چہرے کی مرمت کرانے کا مشورہ دینے کے لئے۔" فریدی نے کہا اور اپنی کیڈی لاک میں بیٹھ گیا۔

حمید منہ بنائے فٹ پاتھ پر کھڑا ہی رہا۔

"کیوں......؟" فریدی نے اسے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"میرا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔"

"یعنی......؟"

"میں قبل از وقت کچھ نہیں بتا سکتا۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"اوہ......!" فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔ "اور اس بار تمہاری ہڈیاں سرمہ ہو جائیں گی۔"

"خدا کی قسم تاؤ نہ دلایئے ورنہ شہر کی ہر لمبوترے چہرے کو چوکور بنا دوں گا۔"

"شاباش......اور پھر میرے ہی ہاتھوں جام شہادت بھی نوش فرماؤ گے۔"

"آپ نہ جانے خود کو کیا سمجھتے ہیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "وہ تو کہئے میں بھی شریف ہی آدمی ہوں اگر کوئی ڈاکو واکو ہوتا تو دیکھتا آپ کی ذہانت۔"

فریدی نے قہقہہ لگا کر اُسے کیڈی میں کھینچ لیا اور پھر وہ سڑک پر فرّاٹے بھرنے لگی۔

"بیٹے حمید خاں......تمہیں جہنم رسید کرنے کے لئے بس ایک عورت کافی ہوتی۔"

"تو جلدی سے جہنم رسید کر دیجئے نا مجھے۔ اُس نے کئی ماہ سے آپ کے نظریاتی جہنم کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"یار حمید......!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "کسی وقت تو عورت کی طرف سے خالی الذہن ہو جایا کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو بھی جنسی جنون کا شکار نہ ہو جاؤ۔"

حمید نے جواب میں غالب کا شعر پڑھ دیا۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا

"اچھا تو کیا میں آپ کو لڑکیاں سپلائی کروں؟" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"لاحول ولاقوۃ......سپلائی بڑا گندہ لفظ ہے۔ آخر آپ جیسے عالی دماغ کو یہ لفظ سوجھا کیسے؟"

"جو شعر تم نے پڑھا ہے فی الحال اُس سے تو یہی مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے۔"

"آپ غلط سمجھے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم کیوں نہ لیڈی جہانگیر سے اس تفتیش میں مدد لیں۔"

"وہ کس طرح؟"

"بس یونہی! ملنے ملانے سے بہتیری راہیں پیدا ہو جاتی ہیں۔"

"بکومت......!" فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر اُس نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "وہ ایک آوارہ عورت ہے۔"

"آپ کی نظروں میں تو دنیا کی ہر عورت آوارہ ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ وہ تین چار دن سے غائب تھی۔ لیکن کسی نے خبر نہیں لی۔"

"ممکن ہے اُس کے گھر پر کوئی اور آدمی ہی نہ ہو۔"

"ملازمین تو ہوں گے ہی۔" فریدی نے کہا۔ "اگر وہ دو دو تین تین دن گھر سے غائب رہنے کی عادی نہ ہوتی تو پولیس تک اُس کی گم شدگی کی رپورٹ ضرور پہنچ گئی ہوتی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ بھی تو کئی کئی دن گھر سے غائب رہتے ہیں۔ تو کیا آپ بھی آوارہ ہیں اور آپ کا بھی کوئی ملازم آپ کی گمشدگی کی رپورٹ نہیں کرتا......ہائے ہائے کاش آپ بھی کوئی بلونڈی ہوتے۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید تھوڑی دیر بعد پھر بڑبڑانے لگا۔ "میں صرف ایک وجہ سے خدا کے وجود کا قائل ہوں کہ اُس نے نر کے ساتھ مادہ بھی پیدا کی ہے۔ اس طرح زندگی کی خواہش جانداروں میں برقرار رہتی ہے ورنہ......خودکشی کی وبا عام ہوتی۔"

فریدی مسکرا رہا تھا۔ شاید وہ بھی تفریحی باتوں کے موڈ میں آ گیا تھا۔

"اچھا اگر مادہ نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔" اس نے کہا۔

"مرغیوں کی طرح آپ بھی انڈے دیتے۔"

"مگر انڈوں کے لئے مرغ بھی ضروری ہے۔"

"اس صورت میں کوئی اور انتظام ہوتا۔" حمید نے کہا۔ "مثلاً نر ہی میں کوئی ایسا اعصابی نظام رکھا جاتا کہ وہ درختوں کی طرح خود ہی نر اور مادہ دونوں ہوتا۔ مرد انڈے دیتا جناب۔ فرض کیجئے کوئی ایشیا کے عظیم سراغ رساں سے ملنے کے لئے آیا اور فریدی صاحب نے اندر سے کہلوا دیا۔ معاف کیجئے گا میں اس وقت انڈے دے رہا ہوں یا انڈوں پر بیٹھا ہوں۔ آج کے اکیسویں دن تشریف لایئے گا اور پھر اگر اندر حمید نے چھیڑ دیا تو کڑکڑا کر پھول گئے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"خدا کی قسم بڑا مزہ آتا۔" حمید ہونٹ بھینچ کر ہنسا۔ "دفتروں میں اسی قسم کی عرضیاں موصول ہوتیں...... جناب عالی...... گذارش ہے کہ مجھے انڈروں پر بیٹھنا ہے اس لئے اکیس دن کی رخصت فرمائی جائے۔"

"تب تو تمہیں روز ہی انڈروں پر بیٹھنا پڑتا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"نہیں میں اپنے اور آپ کے انڈروں کی تجارت کرتا۔" حمید بولا۔ "اور سنئے...... فرض کیجئے آپ کسی ضرورت سے ڈی۔ آئی۔ جی سے ملنا چاہتے ہیں اُس کے کمرے کے سامنے پہنچے لیکن چپراسی درمیان میں حائل ہو کر آہستہ سے بولا۔ صاحب انڈے دے رہے ہیں۔ جہاں ملک کی آبادی بڑھنی شروع ہوئی قوم کے لیڈر اپیل شائع کرنے لگے۔ خدا کے لئے آپ لوگ فی الحال انڈروں پر بیٹھنا چھوڑ دیجئے۔ ٹرین پر بیٹھے ہوئے ہیں دفعتاً کمپارٹمنٹ میں کسی کا پیٹ مروڑا...... گڑگڑا کر بولا۔ آپ لوگ ذرا منہ پھیر لیجئے۔ میں اور آپ کسی مجرم کا پیچھا کر رہے ہیں۔ دفعتاً آپ سست پڑ گئے۔ وجہ پوچھی تو آہستہ سے بولے۔

"انڈا" اور زمین پر بیٹھ گئے۔ مجرم غائب۔ یا مجرم ہی پر وقت پڑا تو پلٹ کر ہم سے اجازت طلب کی اور خود بیٹھ گیا۔ دوسرے دن اخبارات میں سرخیاں جم رہی ہیں کہ فلاں فلاں مجرم انڈے دیتے وقت گرفتار کر لیا گیا یا پھر انسپکٹر فریدی مجرم کا تعاقب کرتے وقت انڈے دینے لگے اور مجرم صاف نکل گیا۔ یا مجرم انسپکٹر فریدی کے انڈے لے کر فرار ہو گیا۔"

"بس کرو سور......!" فریدی ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچتا ہوا بولا۔

"تو پھر آپ وہیں چل رہے ہیں نا؟" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں......!" فریدی یک بیک اُس سے بھی زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا اور حمید خاموش ہو گیا۔ اُس کی چوٹیں ابھی تک دکھ رہی تھیں اور حقیقتاً وہ اتنی دیر تک محض اس لئے بکواس کرتا رہا تھا کہ فریدی اُس لمبوترے چہرے والے کو بھولا رہے۔ ورنہ وہ بات بات پر حوالہ دے کر اُسے چھیڑتا۔

"کل رات والی لاش کی بھی شناخت ہو گئی۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کون تھا......؟"

"چمڑے کے ایک تاجر سیٹھ سلیمان کا لڑکا...... اُس کا گھر کوتوالی کے قریب ہی ہے۔ میں صبح سیٹھ سلیمان سے ملا تھا۔"

حمید دوسرے جملے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن فریدی پھر خیالات میں کھو گیا۔

"اُس نے کیا بتایا......؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کہنے لگا کہ وہ کئی دن سے کچھ کھویا کھویا سا معلوم ہوتا تھا اور کئی راتوں سے اپنے کالج کے کسی پروفیسر سے پڑھنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ چنانچہ پچھلی شام کو بھی وہیں گیا تھا۔"

"تو وہ پروفیسر......؟"

"اُس پروفیسر کا نام وہ نہیں بتا سکا۔"

"کس کالج میں پڑھتا تھا......؟"

"موڈرن میں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ سارے پروفیسروں سے ملنا پڑے گا۔"

"میں اتنا لمبا چوڑا راستہ کبھی اختیار نہیں کرتا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر......؟"

"میں فی الحال اس لڑکے کے والدین سے ملوں گا۔ جس کے متعلق جھریالی میں تحقیقات کر چکا ہوں۔"

"اُس سے کیا ہوگا؟"

"پھر وہی احمقانہ سوالات۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔ "میری تفتیش کی رو سے وہ سارے مقتول ایک ہی کالج سے متعلق نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ اُن سب کا قاتل ایک ہی ہے۔ کیونکہ قتل کی نوعیت مختلف نہیں مجھے تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ وہ سارے لڑکے کس بہانے سے رات کو گھروں سے غائب رہے تھے۔"

"تو کیا آپ پروفیسر والے واقعے کو بہانہ سمجھتے ہیں؟"

"قطعی......!"

"آخر کیوں......؟"

"اگر یہ حرکت پروفیسر کی ہوتی تو وہ کبھی ایسے اوقات میں اس قسم کے اقدامات نہ کرتا جبکہ ان لڑکوں کی موجودگی اُس کے یہاں ثابت ہو سکتی۔"

"مگر آپ تو اسے ایک قسم کا جنون قرار دے چکے ہیں۔ پھر جنون میں عقل کا کیا کام؟"

"حمید صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر وہ مجرم اس وقت آپ کو کہیں مل جائے تو آپ اُس کے متعلق یہ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ وہ اتنی درندگی سے کسی کو قتل کر سکتا ہے۔"

"پھر یہ کیسا جنون......؟"

"یہ ایسا ہی جنون ہے اور صرف اُس وقت بیدار ہوتا ہے جب شہوانی جذبات اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہے ہوں۔ اُس وقت مکمل تسکین کے لئے خون کی پیاس بڑھ جاتی ہے۔ آدمی درندگی پر اُتر آتا ہے بعض صورتوں میں تسکین کے بعد بھی مزید تسکین کے لئے اس قسم کی حیوانیت درکار ہوتی ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دنیا کی کوئی ایسی بات بھی ہے جو آپ نہیں جانتے۔"

"ہائے اسی کا تو افسوس ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ حمید صاحب یہ دنیا بہت وسیع ہے اور یہاں کا ہر فرد کم از کم ایک ایسا تجربہ ضرور رکھتا ہے جو دوسرے کے لئے قطعی نیا ہوتا ہے۔ پھر بھلا

بتاؤ میں کیا جان سکتا ہوں۔ بس اسی علم کی پیاس مجھے دن رات بے قرار رکھتی ہے اور جب مجھے کوئی نیا تجربہ ہوتا ہے تو میں اپنی بے چارگی کا احساس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں اس عظیم کائنات میں ایک حقیر کیڑے کی طرح رینگ رہا ہوں۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر بڑا آدمی ازراہِ خاکساری یہی کہتا ہے۔"

"عام آدمی اسے خاکساری پر محمول کرتے ہیں مگر یہ سو فیصدی حقیقت ہوتی ہی۔ ہر بڑا آدمی اس بات کو شدت سے محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی کھال سے باہر نہیں نکل سکتا۔"

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا فریدی نے ایک جگہ کار روک دی۔

پھر وہ دونوں ایک عمارت کی اوپری منزل کی طرف جا رہے تھے۔ فریدی اُس لڑکے کے باپ سے ملا جس کی متعلق وہ جھریالی کے قریب والے گاؤں میں تحقیقات کر چکا تھا۔ اُس کے لڑکے کو مصوری ہی کا شوق تھا اس لئے اس نے قتل سے پندرہ دن قبل نیشنل آرٹ کالج میں داخلہ لیا تھا۔ جہاں رات کو بھی مصوری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مقتول رات ہی کے کلاس اٹنڈ کرتا تھا۔ اس کے بعد فریدی دوسرے مقتولین کے ورثا سے بھی ملا۔ لیکن انہوں نے بھی مختلف قسم کی باتیں بتائیں۔ رات کو وہ سب کسی نہ کسی بہانے سے باہر رہے تھے۔ ان مقتولوں کی رہائش گاہوں کی تلاشی وہ پہلے ہی لے چکا تھا اور اُسے مایوسی ہی ہوئی تھی کیونکہ کہیں کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس سے مجرم کی شخصیت پر کوئی روشنی پڑ سکتی۔

"دیکھا تم نے۔" فریدی واپسی پر حمید سے کہہ رہا تھا۔ "کسی نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی جس سے ایک ہی نتیجہ نکالا جائے۔ خیر ہم فی الحال نیشنل آرٹ کالج چل رہے ہیں۔"

"بہر حال میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کیس میں ہمارے پرخچے اڑ جائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔"

نیشنل آرٹ کالج میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُس نام کے کسی لڑکے نے وہاں داخلہ ہی نہیں کرایا۔ یہ بات پرنسپل سے معلوم ہوئی تھی لیکن فریدی نے اپنے اطمینان کے لئے سارے رجسٹر خود ہی الٹ ڈالے اور اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

"بیکار ہے۔" اُس نے حمید سے کہا۔

اور وہ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ پھر دوسرے مقتولین کے متعلق بھی تفتیش کی لیکن نتیجہ وہی صفر۔ کسی کے متعلق یہ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ رات کو کہاں غائب رہتا تھا۔ فریدی اور حمید تھک ہار کر گھر واپس آگئے۔

وہ عورت

تین بجے وہ گھر پہنچے۔ فریدی کے چہرے سے جھلاہٹ ظاہر ہورہی تھی۔ آتے ہی وہ ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ چند لمحے آنکھیں بند کئے لیٹا رہا پھر سگار سلگانے لگا۔

’’نہ جانے وہ کس لالچ میں پڑ گئے تھے۔‘‘ وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

’’کون......؟‘‘ حمید چونک کر بولا۔

’’وہی لڑکے...... کسی نے بھی اپنے والدین کو رات کی غیر حاضری کی صحیح وجہ نہیں بتائی۔‘‘

’’کیا آپ بھول گئے کہ کل والی لاش آپ کو ایک قمار خانے میں ملی تھی؟‘‘ حمید نے کہا۔

’’ہاں......!‘‘ فریدی اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

’’ممکن ہے کہ وہ سب وہاں جوا کھیلنے کی غرض سے جاتے رہے ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں شروع شروع میں کسی لمبی جیت میں رکھا گیا ہو۔ یہ لالچ ناکافی ہے۔ مجھے تو یہ حرکت اُسی گروہ کے کسی آدمی کی معلوم ہوتی ہے۔‘‘

’’میرا بھی یہی خیال ہے اور وہ آدمی اس گروہ کا کوئی معمولی ممبر نہیں معلوم ہوتا۔‘‘

’’سرغنہ......؟‘‘ حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

’’قطعی! کسی معمولی ممبر کی لئے اتنا اہتمام نہیں کیا جاسکتا۔‘‘

’’ہاں...... اُن قیدیوں کا کیا ہوا......؟‘‘

’’سب حوالات میں ہیں۔‘‘ فریدی نے کہا۔ ’’اور میرے خیال کے مطابق وہ سب کھلاڑی ہی نکلے۔ گروہ کے سارے آدمی نکل جانے میں کامیاب ہوگئے۔ ہوسکتا ہے کہ اُن میں ایک آدھ گروہ کا بھی آدمی ہو۔ مگر اول تو یہ پتہ لگانا ہی محال ہے کہ اُن میں سے گروہ کا کون آدمی ہے اور اگر یہ معلوم بھی ہوگیا تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بقیہ لوگوں کی صحیح نشاندہی کرسکے۔‘‘

’’پھر......؟‘‘

’’پھر کیا...... یہی کہ فی الحال معاملہ بالکل سپاٹ ہے۔ لیکن تم ضرور کچھ ناہموار ہوگئے ہو۔‘‘

’’آپ نے پھر وہی تذکرہ چھیڑ دیا۔‘‘ حمید بھنا کر بولا۔ ’’اُس سور نے مجھے دھوکے میں رکھا ورنہ وہ اس وقت کہیں......!‘‘

’’اور گل چھرے اڑا رہا ہوتا۔‘‘ فریدی نے حمید کا جملہ پورا کرکے قہقہہ لگایا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ اٹھا کر ریسیور اٹھالیا۔

’’ہیلو...... یس فریدی اسپیکنگ...... اوہ آپ فرمایئے۔‘‘ فریدی تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ ’’مجھے افسوس ہے کہ ہم دونوں اس وقت مشغول ہیں...... پھر کبھی سہی...... ارے شرمندہ نہ کیجئے مجھے۔ بات ہی کیا تھی...... وہ تو محض اتفاق تھا...... ورنہ ہمیں کیا معلوم ہوتا...... خیر...... پھر کبھی سہی...... شکریہ۔‘‘

فریدی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا اور مسکرانے لگا۔

’’سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہم میں سے کس پر عاشق ہوئی ہے۔‘‘ اُس نے کہا۔ ’’مگر نہیں تمہاری صورت تو آج اس قابل ہی نہیں تھی۔‘‘

’’کس سے باتیں کررہے ہیں؟‘‘

’’لیڈی جہانگیر عادل کی۔‘‘ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ’’اُس نے ہم دونوں کو چائے پر مدعو کیا تھا۔‘‘

’’اور آپ نے؟‘‘

’’ہاں...... آں...... انکار کردیا۔‘‘

’’بہت اچھا کیا۔‘‘ حمید نے منہ بنا کر کہا۔ ’’لیکن میں تو ضرور جاؤں گا۔‘‘

’’بکومت......!‘‘

’’بکوں گا......!‘‘

’’تمہارے منہ پر توبڑا چڑھا دیا جائے گا۔‘‘

’’میں ایسی زندگی پسند نہیں کرتا جس میں تفریح کو دخل نہ ہو۔‘‘

’’مجھے ایسی موت بھی پسند ہے جس میں تضیع اوقات نہ ہو۔‘‘ فریدی نے سگار ہونٹوں سے نکال کر کہا۔ ’’مجھے افسوس ہے کہ میں اس معاملے میں تمہیں آج تک راہ راست پر نہ لا سکا۔‘‘

’’اوہ تو کیا آپ راہ راست پر چل رہے ہیں۔‘‘ حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔ ’’آپ ایک خشک اور بنجر چٹان کی طرح اپنی ہی ذات تک محدود رہنا چاہتے ہیں۔ آپ خود غرض ہیں۔ آپ کا جذبہ تخلیق فنا ہو چکا ہے۔ آپ کی زندگی کے ویرانوں میں پیار بھرے گیت کبھی نہ گونجیں گے۔‘‘

’’نہ گونجیں......!‘‘ فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

’’مجھے آپ کی بے بسی پر رحم آتا ہے۔‘‘ حمید فلسفیانہ انداز میں بولا۔ ’’میں جانتا ہوں کہ آپ اپنی جنسیت کو بُری طرح کچل رہے ہیں۔ آپ ظلم کر رہے ہیں۔ خود پر بھی اور اُس جذبہ تخلیق پر بھی۔‘‘

’’جو بے شمار ننگے اور بھوکے آدمیوں کو جنم دیتا ہے۔‘‘ فریدی نے حمید کا جملہ پورا کر دیا۔

’’یہ آپ کے بس کی بات ہے کہ آپ ننگے بھوکوں کی پیداوار روک دیں۔ مگر اس لطیف جذبے کو کچلنے سے فائدہ؟‘‘

’’کیوں دماغ چاٹ رہے ہو۔‘‘ فریدی اکتا کر بولا۔ ’’ایسی گفتگو ہمیشہ بیکاری کے لمحات میں چھیڑا کرو۔‘‘

’’کیا یہ حقیقت ہے کہ آج تک کوئی عورت آپ کی زندگی میں داخل نہیں ہوئی۔‘‘

’’کیوں نہیں۔‘‘

’’کون تھی وہ......؟‘‘ حمید نے خالص ڈرامائی انداز میں کہا۔

’’میڈم چیانگ کائی شک کی بڑی بہن۔‘‘

’’اوہ......تو وہ آج کل کہاں ہے؟‘‘

’’قبر میں......کیا تم اُس کے پاس جانا چاہتے ہو؟‘‘

’’نہیں کبھی خط لکھئے گا تو میرا بھی سلام لکھ دیجئے گا۔ اچھا تو میں چلا۔‘‘ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

’’کہاں......؟‘‘

’’لیڈی جہانگیر عادل جی۔‘‘

’’اگر اپنی دکھتی ہوئی چوٹوں پر ہاتھ پھیرنے سے بھی محروم ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہو تو ضرور جاؤ۔‘‘

حمید دھم سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

’’مجھے ٹی۔بی ہو جائے گا۔‘‘ حمید حلق کے بل چیخا۔

’’تقدیر کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔‘‘ فریدی نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

’’میں خودکشی کرلوں گا۔‘‘

’’مگر پچھلا حساب بے باق کرنے کے بعد۔‘‘

’’آپ ظالم ہیں۔‘‘

’’مجھے اس سے انکار کب ہے۔‘‘

’’میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔‘‘

’’خودکشی سے پہلے یا خودکشی کے بعد؟‘‘

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ چپ چاپ کسی بہانے سے نکل جائے۔ فریدی اُس کی تفریحات میں شاذ و نادر ہی حارج ہوتا تھا۔ لیکن جب وہ اُسے کسی بات سے باز رکھنے پر اڑ ہی جاتا تو حمید کی ایک نہ چلتی۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ آج بھی فریدی کا انداز کچھ اسی قسم کا ہے۔ وہ فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

’’میں ذرا......!‘‘

’’کام سے جا رہے ہو۔‘‘ فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔ ’’کیوں شامت آئی ہے۔‘‘

’’آپ تو خواہ مخواہ۔‘‘

’’بیٹھ جاؤ۔‘‘ فریدی تحکمانہ لہجے میں بولا۔

''بیٹھ گیا۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''سچ مچ تمہاری شامت آ گئی ہے۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''تمہیں بند کرنا پڑے گا۔''

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی نے وہ جملہ مذاقاً نہیں کہا تھا۔ اُس کے چہرے پر خطرناک قسم کی سنجیدگی تھی۔

''تم ہمیشہ کام بگاڑنے پر تلے رہتے ہو۔'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''لیکن میں اس بار تمہیں اس کا موقعہ نہیں دوں گا۔''

''آخر بات کیا ہے؟'' حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''میں تمہیں بند کر دوں گا۔''

''پھانسی دے دیجئے نا مجھے۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''شٹ اپ......!''

اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتا ہوا ایک کمرے کی طرف لے گیا۔

''آپ اس وقت میرے ساتھ اس طرح پیش آ رہے ہیں جیسے میں آپ کی منکوحہ پر ڈاکہ ڈالنے جا رہا ہوں۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ اُس نے سوچا کہ اب اس وقت غصہ دکھا کر خود ہی زچ ہونا پڑے گا۔ فریدی کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس نے جو کچھ کہا تھا اُسے کر گزرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ فریدی نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

''آخر بند کرنے سے کیا فائدہ۔'' اُس نے پھر کہا۔

''فائدہ اور نقصان میں سمجھتا ہوں۔''

حمید کو پھر تاؤ آ گیا۔ بھنا کر بولا۔ ''اگر یہ بات ہے تو میں اسی وقت استعفیٰ دیتا ہوں۔''

''فضول......!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''تمہیں میرے ہی ساتھ مرنا بھی پڑے گا۔''

''اور اگر میں میڈیکل سرٹیفکیٹ داخل کر دوں تو......؟'' حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

''اس صورت میں تمہیں مجھ سے پہلے مرنا پڑے گا۔'' فریدی اُس کا ہاتھ چھوڑ کر بولا

''حمید بھنبھناتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی خاص بات

ضرور ہے۔ ورنہ فریدی اس طرح پیش نہ آتا۔

اُس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے کپڑے اتارے اور بستر میں گر گیا۔ اُس کا ذہن فریدی کے اس عجیب وغریب رویے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔

حمید انواع و اقسام کے خیالات میں الجھا ہوا سو گیا اور جب اُس کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا کہ کوئی دروازہ بھڑ بھڑا رہا ہے۔

''ارے کون ہے بابا......؟'' اس نے مسہری پر پڑے ہی پڑے ہانک لگائی۔ پھر فریدی کی آواز پہچان کر اٹھ بیٹھا۔

میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس ساڑھے چھ بجا رہی تھی۔

فریدی شاید کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔

''اب تم نخریلی عورتوں کی طرح اپنا غصہ پلنگ پر اتارنے لگے ہو۔'' فریدی اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''اچھا جلدی سے تیار ہو جاؤ۔''

''مرنے کے لئے؟'' حمید نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔

''جلدی کرو وقت کم ہے۔''

''آپ تشریف لے جایئے۔''

''لیڈی جہانگیر کے یہاں نہیں چلو گے؟''

''لیڈی جہانگیر کی......!''

''شٹ اپ......نہیں بلکہ گٹ اپ......!''

''اب کیا مصیبت آ گئی۔'' حمید زچ ہو جانے والے انداز میں چیخا۔

''اٹھو......!'' فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر اٹھا دیا۔

حمید نے منہ دھو کر طوعاً و کرہاً کپڑے تبدیل کئے اور فریدی کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یک بیک فریدی کے خیالات کیوں تبدیل ہو گئے۔ پھر خیال آیا کہ کہیں اُس نے محض اُسے چڑھانے کے لئے لیڈی جہانگیر کا حوالہ نہ دیا ہو۔

''آخر جانا کہاں ہو گا؟'' حمید نے راستے میں پوچھا۔

''لیڈی جہانگیر عادل جی۔''

''اب کیوں؟''

''میری خوشی۔''

''لیکن میں نہیں جاؤں گا۔''

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارا انکار کبھی وزن نہیں رکھتا۔''

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اُسے سچ مچ غصہ آ گیا۔ آج ہی فریدی اُسے لیڈی جہانگیر کے معاملے میں کافی شرمندہ کر چکا تھا اور اب خود ہی اُسے کھینچے لئے جا رہا ہے۔ وہ اپنے انداز سے بے تعلقی ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

فریدی کی کیڈیلاک جہانگیر پیلس کے سامنے رک گئی۔ جہانگیر پیلس شہر کی عمدہ ترین عمارتوں میں سے تھی۔ سر جہانگیر عادل جی کی موت کے بعد اُس کی ساری جائیداد اس عمارت سمیت اُس نوجوان بیوی کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ وہ ایک بوڑھا اور لاولد آدمی تھا۔ تیسری شادی کے دو ہی سال بعد اُسے موت نے آ دبایا اور کسی قریبی عزیز کی عدم موجودگی کی بناء پر سارا ترکہ اُس کی بیوی کو ملا۔

ملاقاتی کارڈ بھجوا کر فریدی بیرونی گیلری میں انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد لیڈی جہانگیر خود باہر آ گئی۔

''اوہ آیئے! آیئے۔'' وہ پر جوش انداز میں بولی۔ ''میں سمجھی تھی شاید آپ لوگ کسی مصلحت کی بناء پر یہاں آنا مناسب نہیں سمجھتے۔''

''یہ بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ہم لوگ حقیقتاً بہت مشغول تھے۔''

پھر وہ متعدد کمروں اور برآمدوں سے گزرتے ہوئے ایک وسیع ہال میں پہنچے جو جدید طرز کے سامان آرائش سے بھرا ہوا تھا۔ دیواروں پر سنہرے فریموں میں قد آدم تصویریں آویزاں تھیں۔ ان میں زیادہ تر دنیا کے مشہور ترین مصوروں کے شاہکار تھے۔

اس وقت حمید کو لیڈی جہانگیر ایک بالکل ہی نئی شخصیت معلوم ہو رہی تھی۔ چہرے سے پژمردگی کے آثار مٹ چکے تھے۔ لباس اور رکھ رکھاؤ میں سلیقہ تھا لیکن وہ کچھ خائف ضرور نظر

آ رہی تھی۔

فریدی پیانو کے قریب کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک رسمی گفتگو ہوتی رہی پھر اچانک فریدی نے اُسے اپنے مخصوص قسم کے کھردرے لہجے میں مخاطب کیا۔

''لیڈی جہانگیر۔''

''ٹھہریئے!'' وہ بات کاٹ کر بولی۔ ''میرا نام افروز ہے۔''

''اوہ......!'' فریدی یک بیک مسکرا پڑا۔ ''لیکن میں اتنی بے تکلفی کی جسارت نہیں کر سکتا۔''

حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''لیکن کم از کم میں تو تکلفات کا قطعی عادی نہیں۔''

''تب تو آپ یقیناً میرے ہم خیال ہیں۔'' افروز حمید کی طرف پلٹ کر مسکرائی۔

پھر فریدی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہنے لگی۔ ''یقیناً ہم لوگ ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں مگر میں اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔ اخلاقیات کے بے جا ڈھونگ کی میں سرے سے قائل ہی نہیں۔ لہٰذا نہایت صفائی سے عرض کرتی ہوں کہ میں لیڈی جہانگیر کے نام پر مخاطب ہونا پسند نہیں کرتی۔ مجھ میں ایک کمزوری اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر میرے دل کی بات زبان تک نہ آ سکے تو مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔''

''قدرتی بات ہے۔'' حمید نے قائل ہو جانے والے انداز میں سر کو جنبش دی۔

''لیکن......!'' فریدی کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔ ''جب تک آپ دوسری شادی......!''

''میں جانتی ہوں کہ میں اس وقت تک لیڈی جہانگیر ہی رہوں گی۔'' وہ فریدی کی بات کاٹ کر بولی۔

فریدی استفہامیہ نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے اُس کے دوسرے جملے کا منتظر ہو۔ لیکن اُس نے پھر وہ بات ہی اڑا دی۔

وہ حمید کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ''کیا چوٹیں اسی ہنگامے میں آئی تھیں؟''

''اچھی خاصی شکل بگڑ کر رہ گئی۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ شاید انہیں قتل کر دیا گیا۔''

''کیوں......؟'' افروز چونک کر بولی۔

"اکیلے بے دھڑک اُس جم غفیر میں گھس گئے تھے۔ بہت دلیر آدمی ہیں۔ انہوں نے کئی مواقع پر میری بھی جان بچائی ہے اور اگر یہ حضرت وہاں نہ گھستے تو شاید مجرم آپ سے مطلب براری میں کامیاب ہو گئے ہوتے۔"

"تو کیا انہیں وہاں میری موجودگی کا علم تھا۔" افروز نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

حمید ملتجیانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا اور "ہاں" کہہ دینے کا اشارہ بھی کیا۔

"نہیں! انہیں شبہ تھا کہ وہ مجرموں کا اڈہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور آپ کا مل جانا محض اتفاق تھا۔"

"بہرحال میں آپ دونوں کی مشکور ہوں۔" افروز نے کہا اور حمید کی طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ جماہی لینے کے بہانے منہ چھپانے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر افروز بولی۔ "آپ لوگوں کو ٹینس سے تو ضرور ہی شوق ہوگا۔ کبھی ادھر بھی تشریف لایا کیجئے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ میرا لان بہت عمدہ ہے لیکن پھر بھی۔"

"ضرور ضرور......!" فریدی نے کہا۔ "خیر میں نے تو کبھی ٹینس کھیلی ہی نہیں۔ البتہ میرے دوست حمید صاحب بہت اچھے کھلاڑی ہیں۔"

حمید کو فریدی کے اس سفید جھوٹ پر تاؤ آ گیا۔ وہ اچھا کھلاڑی ہرگز نہیں تھا۔ وہ ایسے کھیل کا تو قائل ہی نہیں تھا جس میں بہت زیادہ ہاتھ پیر ہلانے پڑیں۔ اُس کا خیال تھا کہ فرصت کے لمحات میں بھی جسم کو تکلیف دینا پرلے سرے کی حماقت ہے۔

"اوہ! تب تو آپ سے مل کر اور خوشی ہوئی۔" افروز نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بہت خوش مزاج اور لطیفہ گو ہیں۔" فریدی بولا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک اُسے فریدی کے اس وقت کے عجیب وغریب رویے کا خیال آ گیا۔ اُس نے کبھی کسی عورت سے اُس کی تعریف نہیں کی تھی۔ لیکن اس وقت نہ جانے کیوں اُس کی خصوصیات گنوا رہا تھا۔

"ہاں تو لیڈی......!" فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "اوہ معاف کیجئے گا...... بات یہ ہے کہ باتوں میں پڑ کر آپ سے ایک اہم بات دریافت کرنا بھول گیا۔"

"فرمایئے......!"

"کیا آپ ان میں سے کسی مجرم کو شناخت کر سکتی ہیں؟"

"مجھے افسوس ہے کہ نہیں۔ ان میں سے کوئی چہرے پر سیاہ نقاب لگائے بغیر میرے سامنے نہیں آیا۔"

فریدی کی پیشانی پر تشویش لکیریں ابھر آئیں۔

"آپ کو کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ہوسکتا ہے کہ وہ پھر......!"

"میں خود بھی یہی سوچتی ہوں۔" افروز پرخیال انداز میں بولی۔ "کیا خیال ہے آپ کا...... اگر میں اپنے ساتھ مسلح آدمی رکھوں؟"

"بہت اچھا خیال ہے...... میں بھی یہی مشورہ دینے والا تھا۔" فریدی مضطربانہ انداز میں کرسی پر پہلو بدلتا ہوا بولا۔ پھر اس کا ہاتھ بے خیالی میں پیانو پر جا پڑا اور سارے ہال میں ایک بے ہنگم سی جھنکار گونج اٹھی۔

"مجھے افسوس ہے۔" وہ آگے کی طرف جھک کر بولا۔

"کوئی بات نہیں۔" افروز نے قہقہہ لگایا۔ "میں اس کی نغمگی سے لطف اندوز ہوئی ہوں۔ کم از کم اس نے ماحول کی یکسانیت تو ایک لحظہ کے لئے دور کر دی۔"

"آپ تو فلسفی معلوم ہوتی ہیں۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

واپسی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ "بیٹے حمید صاحب...... اگر یہ ہموار ہو جائے تو پھر کیا بات ہے۔"

"کیا مطلب......؟" حمید چونک کر بولا۔

"میرے خیال سے تمہیں اُس کی بیوگی سے زیادہ اُس کی دولت میں دلچسپی لینی چاہئے۔"

"میں لال بجھکڑ نہیں ہوں۔" حمید نے اُس کی گول مول باتوں سے تنگ آ کر کہا۔

"میں نے اس عورت کو تمہارے لئے پسند کیا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس لئے نہیں کہ وہ بہت خوبصورت ہے محض اس لئے کہ کثیر دولت کی مالک ہے۔"

حمید نے قہقہہ لگایا۔ ''کوئی مصلحت......؟''

''قطعی نہیں۔'' فریدی کے لہجے میں معصومیت تھی۔ ''واقعی یہ تمہارے لئے ایک بہتر بیوی ثابت ہوگی۔''

''الو نہ بنایئے مجھے۔'' حمید اپنے بازوؤں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

''نہیں حمید اسے پھانسو......!''

''آج میں پہلی بار آپ کی زبان سے اتنا بازاری جملہ سن رہا ہوں۔'' حمید نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

''لفظ پھانسو! بھی میں نے اُس کی دولت ہی کے سلسلے میں استعمال کیا ہے۔''

حمید کی حیرت بڑھتی جارہی تھی۔ کیونکہ وہ فریدی سے اس قسم کے خیالات کی توقع نہیں رکھتا تھا۔

اندھیرے میں گھونسہ

جہانگیر پیلس کا وسیع ہال برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ آرکسٹرا کی چلبلی دھنیں فضا میں منتشر ہورہی تھیں۔ آج یہاں نوروز کی دعوت کے سلسلے میں ایک عظیم الشان تقریب منعقد ہونے والی تھی۔ شہر کے اعلیٰ طبقے کے لوگ مدعو کئے گئے تھے۔ ان میں فریدی اور حمید بھی تھے۔ ان دونوں کے داخل ہوتے ہی اکثر اطراف سے انگلیاں اٹھنے لگی تھیں۔ شہر کے اونچے طبقے کے بیشتر لوگ فریدی سے اچھی طرح واقف تھے اور اُس سے متعارف ہونے کے متمنی رہا کرتے تھے۔ خوب صورت مردوں سے فلرٹ کرنے والی امیر لڑکیاں تو خاص طور پر اُس کی طرف توجہ دیتی تھیں۔ لیکن وہ ان کی طرف سے کچھ اس طرح بے نیازی ظاہر کرنے کا عادی ہوگیا تھا جیسے وہ خود بھی انہیں کی جنس سے تعلق رکھتا ہو۔

اس دعوت میں شرکت کے اہتمام کے سلسلے میں حمید نے تو ریکارڈ ہی توڑ دیا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ غسل خانے سے برآمد ہوا تھا اور پھر اُس نے دو ہی گھنٹے لباس کے انتخاب اور استعمال میں صرف کئے تھے......اس دوران میں لیڈی جہانگیر سے اُس کی گاڑھی چھننے لگی تھی لیکن معاملات ابھی تک محض دوستی ہی کے دائرے میں تھے۔ حمید کو فریدی کا یہ خیال قطعی لغو معلوم ہونے لگا تھا کہ وہ ایک آوارہ عورت ہے۔ حمید نے اُس کے ساتھ کئی راتیں نائٹ کلبوں اور رقص گاہوں میں گذاری تھیں۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی بات اُس کے مشاہدے میں نہیں آئی تھی جس کی بناء پر وہ اُسے آوارہ کہہ سکتا۔ اُس کا ہر ملنے والا اُس سے عزت اور تکریم سے پیش آتا تھا۔ حالانکہ اُس کے ملنے والوں میں سبھی جوان اور اُس کے ہم عمر تھے۔ لیکن حمید نے اُن میں سے کسی کی آنکھوں میں اُس کے لئے جنسی بھوک نہیں دیکھی تھی۔

فریدی اس دوران میں بہت زیادہ مصروف رہا تھا۔ لیکن اُس نے اپنی مصروفیت کے متعلق کوئی ڈھنگ کی بات حمید کو نہیں بتائی۔ ادھر کچھ دنوں سے اُن عجیب وغریب وارداتوں کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا تھا لیکن پچھلی لاشوں کے سلسلے میں ابھی تک اخبارات میں بیانات شائع ہورہے تھے اور شہر میں کافی سنسنی تھی۔ حمید بدستور اُس لمبوترے چہرے والے کی تلاش میں تھا اور ابھی تک وہ اس بات کا بھی فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ دوبارہ مل جانے کی صورت میں وہ اُس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے گا۔

آرکسٹرا کی گت بند ہوگئی اور ہال میں صرف قہقہے سنائی دیتے رہے۔ ہلکی ہلکی نسوانی چیخیں گونجتی رہیں۔ ابھی پہلا راؤنڈ شروع نہیں ہوا تھا۔ رقص سے پہلے جمناسٹک کا پروگرام تھا۔ دو ماہر فن چینیوں اور اُن کے ساتھ ایک خوردسال لڑکے نے محیر العقول کرتب دکھانے شروع کئے۔ ہال تالیوں اور تحسین آمیز شور سے گونجتا رہا۔

ایک گھنٹے بعد رقص شروع ہوا۔ لیڈی جہانگیر اس وقت قریب قریب سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ پہلے راؤنڈ میں وہ اپنی ہی قوم کے ایک نوجوان کے ساتھ ناچتی رہی۔ حمید ایک اینگلو انڈین لڑکی کا ہم رقص تھا اور فریدی...... اُس نے تو ایسی حرکت کی تھی کہ رقص کرنے والے بہتیرے نوجوان جوڑے اب تک اُس پر ہنس رہے تھے۔ وہ ایک ادھیڑ عمر عورت کے ساتھ ناچ

رہا تھا۔

’’تمہارا ساتھی بڑا ستم ظریف ہے۔‘‘ حمید کی ہم رقص اُس سے بولی۔

’’ستم رسیدہ بھی ہے۔‘‘ حمید نے پُرخواب آنکھوں سے اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

’’کیوں......؟‘‘

’’بچپن ہی میں ماں کے سائے سے محروم ہوگیا تھا۔‘‘ حمید ہنس کر بولا۔ ’’اسی لئے اُسے بوڑھی عورتیں زیادہ پسند آتی ہیں۔‘‘

’’اُس کی آنکھیں۔‘‘ ہم رقص تھوک نگلتی ہوئی بولی۔ ’’اُس کی آنکھوں میں کیا ہے۔ میں اُس سے آنکھیں نہیں ملا سکتی۔ میرا خیال ہے کوئی عورت اُس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتی۔‘‘

’’میں اُسے سیاہ عینک استعمال کرنے کا مشورہ دوں گا۔‘‘ حمید اپنی گرفت مضبوط کرتا ہوا بولا۔ ہم رقص کی پیشانی اُس کے شانے پر تھی۔

’’میں نے تمہیں ایک بار ہائی سرکل نائٹ کلب میں دیکھا تھا۔‘‘ ہم رقص گنگنائی۔

’’ایک کیا......سینکڑوں بار دیکھا ہوگا۔‘‘

’’میں تو وہاں صرف ایک ہی بار جاسکی ہوں۔‘‘

’’میرے ساتھ روز چلا کرو۔‘‘

پہلا راؤنڈ ختم ہوگیا۔ لوگ گیلری میں لگی ہوئی میزوں پر آبیٹھے۔ میزوں پر عمدہ قسم کی کاک ٹیل موجود تھی۔ حمید تنہا رہ گیا۔ اُس کی ہم رقص کسی دوسری میز پر چلی گئی تھی۔ فریدی اپنی ادھیڑ ہم رقص کے ساتھ حمید کی میز پر آبیٹھا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ دوسرے راؤنڈ میں بھی اُسی کے ساتھ رقص کرے گا۔

’’مادام فلوبیٹر۔‘‘ فریدی نے حمید سے تعارف کرایا۔ ’’اور یہ میرے ساتھی مسٹر حمید۔‘‘

دونوں نے رسمی جملے دہرائے۔

’’لیڈی جہانگیر نے بڑی اچھی کاک ٹیل مہیا کی ہے۔‘‘ ادھیڑ عورت اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔

’’ہم دونوں کاک ٹیل پی کر ہمیشہ نزلے زکام میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔‘‘ فریدی نے کہا۔

’’عجیب بات ہے۔‘‘ عورت نے کہا اور اپنا گلاس بھرنے لگی۔

اتنے میں لیڈی جہانگیر آگئی۔

’’آپ لوگ نہیں پی رہے ہیں؟‘‘ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔

’’ہم لوگ اس وقت صرف کافی پینے کے عادی ہیں۔‘‘ فریدی نے ہنس کر کہا

’’میرا خیال ہے کہ آپ لوگ شراب پیتے ہی نہیں۔‘‘

’’ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو۔‘‘

’’ٹھہریئے! میں کافی منگواتی ہوں۔‘‘

’’تکلیف کی ضرورت نہیں۔‘‘ فریدی نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور حمید نے لیڈی جہانگیر کی جھرجھری محسوس کرلی۔

’’تکلیق تی......تکلیف کی کیا بات۔‘‘ لیڈی جہانگیر تھوک نگلتی ہوئی بولی۔ پھر اُس نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی لانے کو کہا۔

’’اس شہر میں آپ سے زیادہ سلیقہ مند عورت مجھے نہیں نظر آئی۔‘‘ فریدی کی ہم رقص لیڈی جہانگیر سے بولی۔

’’نہیں تو......میں تو بالکل گنوار ہوں۔‘‘ لیڈی جہانگیر نے قہقہہ لگایا۔

’’اس قسم کی کاک ٹیل میں نے زندگی میں ایک ہی بار پی تھی۔‘‘ مادام بیٹر نے کہا۔ ’’ڈچیز آف واگھان کی کاک ٹیل پارٹی میں اسپین والوں کا سلیقہ بھی اس سلسلے میں مشہور ہے۔ لیکن میں نے وہاں بھی ایسی کاک ٹیل نہیں چکھی......‘‘

’’میرا خیال ہے کہ آپ کا پیشہ......!‘‘ لیڈی جہانگیر فریدی کی طرف مخاطب ہوگئی۔ ’’آپ کو شراب نوشی سے باز رکھتا ہے۔‘‘

’’ضروری نہیں! بس یونہی پینے کو دل نہیں چاہتا۔‘‘

’’حالانکہ میں تھوڑی بہت پیتی ہوں۔‘‘ لیڈی جہانگیر نے کہا۔ ’’لیکن نہ جانے کیوں مجھے وہ لوگ پسند ہیں جو نہیں پیتے۔‘‘

’’میں بھی نہیں پیتا۔‘‘ حمید آہستہ سے بولا اور لیڈی جہانگیر ہنسنے لگی۔

"واقعی حمید صاحب بہت زندہ دل آدمی ہیں۔"

کافی آگئی اور لیڈی جہانگیر اٹھ کر دوسرے مہمانوں کی میز پر جا بیٹھی۔

فریدی کی ہم رقص بھی اٹھنے لگی۔

"میں دوسرے راؤنڈ کے لئے بھی آپ ہی سے استدعا کروں گا۔" فریدی نے اُس سے کہا۔

مادام فلوبیٹر ایک لمحہ اُسے میٹھی نظروں سے دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔ "راؤنڈ شروع ہوتے ہی میں آجاؤں گی۔"

حمید اُس کے جانے کے بعد تحقیر آمیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"حقیقتاً آپ نے اپنی زندگی برباد کرلی ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن میں نے کبھی تمہیں اس کی رائے نہیں دی۔"

"یہاں کئی خوبصورت لڑکیاں آپ کی ہم رقص بننے کی متمنی نظر آرہی تھیں۔"

"ہوسکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"لیکن آج میں اس کی وجہ پوچھ کر ہی رہوں گا۔"

"کس کی وجہ؟"

"میں شروع ہی سے اس بات کا اندازہ لگا رہا ہوں کہ آپ ایسے موقعوں پر زیادہ تر بوڑھی عورتوں کو تلاش کرتے ہیں۔"

فریدی مسکرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"بتایئے نا......!" حمید نے پھر کہا۔

"پہاڑی ندیوں کو کبھی کبھی آبشار بھی کہتے ہیں۔" فریدی بولا۔

"پانچویں درجے کی جغرافیہ کی کتاب میں میں نے بھی یہی پڑھا تھا لیکن میں اپنے سوال کا جواب چاہتا ہوں۔"

"کسی فلمی رسالے کے سوال و جواب کے ایڈیٹر سے رجوع کرو۔"

"بولئے۔"

"پہلا ہی جواب ٹھیک ہے۔"

"آپ کو بتانا پڑے گا۔"

"میں مرد آدمی ہوں نا۔" فریدی اکتا کر بولا۔ "کسی ایسی عورت کے ساتھ رقص نہیں کرسکتا جو میری جنسیت کو متحرک کردے۔"

"تو لنگوٹی باندھ کر کسی برگد کے درخت کے نیچے دھونی رمایئے۔ کسی رقص گاہ میں آپ کا کیا کام؟"

"فرزند میں یہاں تفریحاً نہیں آیا۔"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ اسی بھیڑ میں وہ لمبوترے چہرے والا بھی موجود ہے۔"

"کہاں......؟" حمید بے ساختہ کھڑا ہوگیا۔

"تشریف رکھئے! بوکھلاہٹ مجھے پسند نہیں۔"

"میں سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ بچ کر نکل گیا......!"

"بکومت......!" فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بٹھا دیا۔ "تمہارے فرشتے بھی اُسے نہیں پہچان سکتے۔"

"میرے فرشتے اتنے بدھو نہیں۔"

"اچھا تو جاؤ ڈھونڈ ہی لو اُسے۔" فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

"کیا وہ اس وقت یہیں ہال میں موجود ہے۔"

"قطعی......!"

حمید نے پورے ہال کا چکر لگا ڈالا۔ لیکن لمبوترے چہرے والا کہیں نہ ملا۔

"آپ مذاق کررہے ہیں۔" واپسی پر اُس نے فریدی سے کہا۔

"میں قطعی سنجیدہ ہوں۔"

"تو پھر بتایئے نا کہ کہاں ہے؟"

"پہلے تم وعدہ کرو کہ ہاتھ پیر قابو میں رکھو گے؟" فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

میں وعدہ نہیں کر سکتا۔“ حمید بولا۔

”تو پھر مجبوری ہے۔“

”آپ بھی نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہیں۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”اس مجبوری کی کیا بات

”میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہاں اُس کی موجودگی کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔“

”تو یہ اتنا الجھا ہوا معاملہ ہے کہ آپ کو باقاعدہ دیکھنا پڑے گا۔“ حمید بگڑ کر بولا۔

”آہستہ فرزندمن۔“ فریدی اُس کا شانہ تھپ تھپاتے ہوئے بولا۔ ”زیادہ بدحواسی اچھی نہیں۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ وہ لیڈی جہانگیر کو دوبارہ پکڑنا چاہتا ہے۔“

”ظاہر ہے۔“

”اس لئے اُس نے اتنا شاندار میک کیا ہے۔“ فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”اور وہ از بھیڑ میں اسے اغوا کرے گا۔“

”پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”میں فی الحال صرف سوچنا چاہتا ہوں۔“ فریدی بجھا ہوا سگار سلگاتا ہوا بولا۔

”تو سوچئے۔“ حمید نے کہا اور پیر پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔ اُسے الجھن ہو رہی تھیں۔ آج کئ دنوں کے بعد فریدی پھر چونکا تھا۔ ورنہ اس دوران میں اُس نے ایک بار بھی اُن واقعات تذکرہ نہیں کیا تھا۔ حالانکہ کئی اخبارات نے محکمہ سراغ رسانی پر طنز بھی کیے تھے۔ ایسے مواقع فریدی خاص طور پر چاق و چوبند نظر آنے لگتا تھا۔ لیکن اس بار ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دینے والے محاورے کو سچ مچ عملی جامہ پہنا رہا ہو اور اب اس وقت اچانک اُس نے پھر کروٹ بدلی تھی۔ حمید چند لمحے کھڑا اُسے گھورتا رہا پھر بیٹھ گیا۔

”جاؤ پھر تلاش کرو۔“ فریدی کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

”آپ سے خدا ہی سمجھے۔“ حمید نے بیزاری سے کہا اور منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہوگئی تھی۔ لوگ آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے۔ اتنے میں لیڈی جہانگیر حمید کے قریب سے گذری۔

”کیا میں آپ سے درخواست کر سکتا ہوں۔“ حمید نے اس سے کہا۔

”ضرور ضرور......!“ وہ ہنس کر بولی۔ ”لیکن میں دو منٹ بعد حاضر ہوسکوں گی۔ ابھی تک جنجر کی بوتلیں نہیں آئیں۔ کچھ کم پڑ گئی ہیں۔“

وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ فریدی کی معمر ہم رقص آ گئی تھی۔ فریدی اُسے بازوؤں میں لے کر رقاصوں کی بھیڑ میں گم ہوگیا۔ حمید میز پر ٹک کر اپنا پائپ سلگانے لگا۔

آرکسٹرا "Kiss me! Kiss me! Naughty boy" بجا رہا تھا اور کئی جوڑوں نے اس پر عمل بھی شروع کر دیا تھا۔ حمید کی نظریں فریدی کو ڈھونڈنے لگیں اور پھر جیسے ہی وہ اُسے دکھائی دیا حمید اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ اُس کی بوڑھی ہم رقص بار بار اُس کی طرف اپنے ہونٹ بڑھا رہی تھی اور وہ کچھ اس طرح کے منہ بنا رہا تھا جیسے اُسے ابکائیاں آ رہی ہوں۔

حمید کی نظر برابر اُن کا تعاقب کر رہی تھی۔ ایک بار تو اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے دونوں زمین پر آ رہیں گے۔ وہ بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔ اتنے میں لیڈی جہانگیر آ گئی۔

”خیریت......؟“ وہ حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ حمید نے فریدی کی طرف اشارہ کیا اور وہ بھی ہنسنے لگی۔

”اتنا عجیب و غریب آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“ لیڈی جہانگیر نے کہا۔ ”میں نے پہلے بھی ان کے تذکرے سنے تھے۔ حمید صاحب اس شہر میں یہ تنہا آدمی ہیں جن کے متعلق اونچے طبقے کی عورتیں اور لڑکیاں بہت زیادہ باتیں کرتی ہیں۔ اتنا دولت مند آدمی اور ایک معمولی انسپکٹر۔ اتنا حسین اور صحت مند آدمی، پھر بھی جوان عورتوں کی دوستی کا خواہش مند نہیں۔ آج ساری لڑکیاں اس کی ہم رقص بننے کی متمنی تھیں۔“

”کیا آپ کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”قدرتی بات ہے۔“

”تو آیئے...... میں بھی اُن سے کم عجیب نہیں ہوں۔“ حمید اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے رنگ کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ ”میری عمر ایک سو ستر سال ہے پھر بھی میں پچیس سال سے زیادہ کا نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے نقلی دانت نکلوا کر اصلی دانت لگائے ہیں۔ ایک بندر سے غدودوں کا تبادلہ کیا ہے۔ بندر تندرست اور بخیریت ہے۔ البتہ میں آج کل درختوں پر چڑھنے کی

مشق کر رہا ہوں اور بندر نے کوئلے کا بیوپار کر لیا ہے۔"

لیڈی جہانگیر دوہری ہوئی جارہی تھی۔ حمید کی گرفت مضبوط ہوگئی اور وہ آہستہ سے بولا

"کیا میں کم عجیب ہوں لیکن پھر بھی اتنا عجیب نہیں ہوں کہ کسی بوڑھی عورت کو ہم رقص بنا کر جوان عورتوں کی توہین کروں۔"

"اس میں تو شک نہیں۔" لیڈی جہانگیر مسکرا کر بولی۔ "اس وقت بہتیری جوان عورتیں زخمی سانپوں کی طرح بل کھا رہی ہیں۔"

"کیا کسی جوان عورت سے اُن کی دوستی نہیں؟" لیڈی جہانگیر نے پوچھا۔

"نہیں! لیکن یہ جانے کیوں آپ کی طرف بہت شدت سے جھک رہے ہیں۔"

"اوہ...... آپ مجھے بیوقوف بنا رہے ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ کم از کم ایک بار ضرور مجھ سے رقص کی درخواست کرتے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسی عورت کے ساتھ آخر تک رقص کرتے رہیں گے۔"

"چھوڑیئے اُن کا تذکرہ۔ اتنے عرصے سے میرا اُن کا ساتھ ہے لیکن میں بھی اب تک انہیں نہیں سمجھ سکا...... اور......!"

حمید اور کچھ کہنے جارہا تھا کہ دفعتاً ہال کے سارے قمقمے بجھ گئے اور ساتھ ہی حمید کے جبڑے پر ایک گھونسہ پڑا اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے لیڈی جہانگیر کو گھسیٹ لیا تھا۔ ہال میں متواتر چیخیں گونجنے لگیں۔ پھر حمید نے اندھیرے میں لیڈی جہانگیر کی چیخ صاف پہچانی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اندھیرے میں کسی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور سارا ہال دھماکے سے گونج اٹھا۔ چیخیں اور تیز ہوگئیں۔ عجیب انتشار اور بے چینی پھیل گئی تھی اور پھر اُس پر سے اندھیرا۔ حمید دیوانہ وار دوسروں سے ٹکراتا پھر رہا تھا اُس کے ذہن میں لمبوترا چہرہ ناچنے لگا تھا۔ اگر اُس وقت اُسے فریدی مل جاتا تو وہ نہ جانے کتنی سلواتیں سنا رکھ دیتا۔

پھر کئی ٹارچوں کی روشنیاں اندھیرے میں چمکنے لگیں۔ لوگ ابھی تک چیخ رہے تھے تھوڑی دیر بعد ہال میں پھر روشنی ہوگئی اور حمید نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ ہال کے

فرش پر کئی عورتیں بے ہوش پڑی تھیں اور بہتیری کھڑی چیخ رہی تھیں۔ کسی کا ہار گم ہوا تھا اور کسی کے بالوں کے جڑاؤ کلپ...... حمید لیڈی جہانگیر کو تلاش کر رہا تھا۔

چہرہ در چہرہ

حمید فریدی کو بھی ڈھونڈھ رہا تھا۔ پوری بلڈنگ میں زلزلہ سا آ گیا تھا۔ لیڈی جہانگیر کے ملازمین بدحواسی میں ادھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ انہیں بھی لیڈی جہانگیر کے غائب ہو جانے کا حال معلوم ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد لیڈی جہانگیر مل گئی۔ وہ پائیں باغ کے پھاٹک پر بے ہوش پڑی تھی۔ اُس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ لباس کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور بال بے ترتیبی سے اُس کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔

کسی نے ڈاکٹر کو فون کر دیا تھا اور ساتھ ہی پولیس کو بھی پولیس والے اور ڈاکٹر ساتھ ہی پہنچے۔

فریدی کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔

پولیس انسپکٹر حمید کو پہچان کر اُس کی طرف بڑھا۔

"میں یہاں موجود تھا لیکن ہنگامے کی وجہ سے اتنا ہی بے خبر ہوں جتنے کہ آپ۔" حمید نے کہا۔

پھر اُس نے سارے واقعات بتا کر کہا۔ "لیڈی جہانگیر میری ہم رقص تھی۔"

"اور اُسی وقت یہ حادثہ پیش آیا۔" سب انسپکٹر طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"تم صرف رپورٹ لکھ کر واپس جا سکتے ہو۔" قریب ہی سے آواز آئی۔

دونوں چونک کر پلٹے۔ فریدی اپنے ہونٹوں سے سگار نکال رہا تھا۔

"بے ہوش عورتوں کے بیانات لو۔" اُس نے کہا۔"اور اُن عورتوں کے بھی جن کے زیورات چھینے گئے ہیں۔"

"بہت بہتر۔" سب انسپکٹر نے آہستہ سے کہا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

حمید فریدی کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"آخر نکل گیا نا ہو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"میں اُسے پکڑنے کے لئے تو نہیں آیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیا یہ ایک بدنما داغ نہیں کہ ہماری موجودگی میں۔"

"ہم فرشتے تو نہیں۔"

"افروز زخمی ہوگئی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔

"پھر بھی آپ۔"

"تو آپ ہی جا کر ہاتھ پیر ماریئے نا۔" فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔"میں تو نکما ہوگیا ہوں۔"

"اچھا یہ بات ہے۔" حمید مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ چند لمحے فریدی کو تیز نظروں سے گھورتا رہا پھر تیزی سے چلتا ہوا وہاں آیا جہاں سب انسپکٹر بیانات لے رہا تھا۔

بیہوش عورتیں ہوش میں آچکی تھیں۔ ان کی بھی کوئی نہ کوئی چیز غائب ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر نے اُن کی بے ہوشی کی وجہ ڈر بتائی تھی۔ لیڈی جہانگیر کو بھی ہوش آ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اُس کی پیشانی کے زخم کی مرہم پٹی کردی تھی۔ اُس نے حمید کو الگ بلا کر کہا۔

"میں سب کے سامنے اپنا بیان نہیں دوں گی۔"

"کیوں......؟"

"بات ہی ایسی ہے۔ سب کے سامنے ذلیل ہونا نہیں چاہتی۔"

حمید استفہامیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"آج بھی کچھ لوگ مجھے اٹھا لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"اوہ......!" حمید بے چینی سے بولا۔"کسی کو پہچانا آپ نے؟"

"نہیں......!"

"اپنے سب مہمانوں کو پہچانتی ہیں آپ؟"

"نہیں کیوں......!"

"میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان میں سے کون کون غائب ہے۔"

"تو کیا مہمان......!"

"جی ہاں......بہت ممکن ہے کہ مجرم مہمانوں میں مل گئے ہوں۔"

"ہوسکتا ہے......میں بہتیرے مہمانوں کو نہیں پہچانتی۔ کیونکہ میں نے سر جہانگیر کے وقت کی فہرست کے مطابق دعوتی کارڈ جاری کئے تھے۔"

سب انسپکٹر سب کے بیانات قلمبند کر چکنے کے بعد لیڈی جہانگیر کی طرف متوجہ ہوا۔ ساری عورتیں آج کی دعوت کو بُرا بھلا کہہ رہی تھیں۔ لوٹے ہوئے زیورات کا تخمینہ ڈیڑھ لاکھ کے لگ بھگ تھا۔ پورا ہال ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس پر وحشیوں کی کسی فوج نے حملہ کردیا ہو۔ مہمان ابھی تک موجود تھے اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ اُن میں سے کئی محکمہ سراغ رسانی کو بھی بُرا بھلا کہہ رہے تھے کیونکہ محکمے کے دو بہترین افراد کی موجودگی میں یہ سب کچھ ہوا تھا۔

اُس کے خواہش کے مطابق لیڈی جہانگیر کا بیان علیحدہ کمرے میں لیا گیا۔ جہاں صرف حمید اور سب انسپکٹر تھے۔

پھر دوسرے مہمانوں سے بھی پوچھ گچھ شروع ہوئی۔ لیڈی جہانگیر کے ملازموں کے بیانات قلم بند کئے گئے۔ ان میں سے چار کو حراست میں بھی لیا گیا۔ حالانکہ لیڈی جہانگیر اُن کی نیک چلنی کی ضمانت دے رہی تھی۔

فریدی سب سے الگ تھلگ پیانو پر کہنیاں ٹیکے مجسمے کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید نے کئی بار اُس کی طرف دیکھا لیکن اُس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ پائی۔ صرف اُس کی عقابی آنکھیں متحرک تھیں۔ جسم اس طرح ساکت تھا جیسے اُس نے کبھی حرکت ہی نہ کی ہو۔

دفعتاً سب انسپکٹر اُس کے قریب آ کر آہستہ سے بولا۔

"اگر اجازت دیجئے تو ان سب کی جامہ تلاشی لی جائے۔"

"تمہاری مرضی! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فریدی نے کہا اور جیب سے نیا سگار نکال کر سلگانے لگا۔

سب انسپکٹر نے معذرت کے ساتھ مجمع کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ لوگوں کے چہرے بگڑ گئے۔ کیونکہ وہ سب ذی حیثیت تھے۔ لیکن مجبوری...... اُن میں بعض بلند آواز میں پولیس والوں کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے لیکن اُن کے احتجاج کے باوجود بھی کاروائی شروع کردی گئی۔ حمید پھر جھلا کر فریدی کی طرف بڑھا۔

"کیا وہ ابھی تک یہاں موجود ہے؟" اُس نے پوچھا۔

فریدی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پھر آخر آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ مجھے بتایئے وہ کون ہے؟"

"تلاش کرلو۔"

حمید پیر پٹختا ہوا ہال سے باہر نکل آیا۔ غصے میں اُسے راستے کا بھی دھیان نہ رہا اور وہ ایک غلط راہداری میں آنکلا اور پھر اپنے اندازے کے مطابق راہداری کے اختتام پر داہنی طرف مڑ گیا۔ وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

دفعتاً تاریکی کے احساس نے اُسے چونکا دیا۔ وہ نہ جانے کدھر نکل آیا تھا۔ چاروں طرف اندھیرا تھا لیکن یہ بھی کوئی راہداری ہی تھی۔ کیونکہ زمین پر بچھی ہوئی چٹائیوں کی وجہ سے خود اُسے اپنے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ واپسی کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ کسی نے تیز قسم کی سرگوشی کی "ٹھہرو۔"

آواز دور سے آئی تھی لیکن اُس کی گونج صاف بتا رہی تھی کہ بولنے والا راہداری ہی میں ہے۔ حمید رک گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اُسے معلوم ہوگیا کہ مخاطب وہ خود نہیں تھا بلکہ کوئی اور! کیونکہ وہ اب دو آدمیوں کی سرگوشیاں اپنے قریب سے سن رہا تھا۔

"پھاٹک پر بھی پولیس موجود ہے۔"

"پھر......؟"

حمید دیوار سے چپک کر کھڑا ہوگیا اور اپنی پھولتی ہوئی سانس کی آوازوں کو دبانے کی کوشش

کرنے لگا۔ ہال سے وہ شدید غصے کی حالت میں نکلا تھا اور پھر اُس پر تیز رفتاری۔ اُس کی سانسیں تیز ہوگئی تھیں۔

"تلاشیاں شروع ہوگئی ہیں۔" آواز پھر سنائی دی۔

"میں نکل جاؤں گا۔" دوسری آواز آئی۔

"اگر پکڑے گئے تو...... وہ دونوں مردود بھی موجود ہیں۔"

حمید ہونٹ بھینچ کر سر ہلانے لگا۔

"تو پھر بتاؤ نا......؟"

"کیا بتاؤں؟"

"تم اُلو ہو...... میں چہار دیواری پھلانگ کر نکل جاؤں گا۔ یہاں کہیں چھپانا ٹھیک نہیں۔"

"تم جانو......!"

"پھر حمید کے قریب سے دو سائے گذر گئے۔ حمید اندازاً چلتا رہا۔ زمین پر میٹنگ ہونے کی وجہ سے قدموں کی آواز نہیں سنائی دی رہی تھی۔ دوسری راہداری کے سرے پر کسی کمرے کی روشنی پڑ رہی تھی۔ حمید نے وہاں دونوں کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی۔ وہ تیزی سے قدم بڑھانے لگا۔ پھر اُس نے انہیں پائیں باغ میں اترتے دیکھا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ البتہ تاروں کی چھاؤں میں اُسے دو سائے دکھائی دے رہے تھے۔ حمید مہندی کی باڑھوں کی آڑ لیتا ہوا اُن کا تعاقب کر رہا تھا۔ لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے گا۔ وہ چیز جسے وہ چھپانا چاہتے تھے نہ جانے اُن میں سے کس کے پاس تھی۔ اگر وہ اُن سے بھڑ گیا تو ممکن ہے کہ ایک تو نکل ہی جائے اور اگر وہ "ایک" وہی ہوا جس کے پاس وہ چیز موجود ہے تو ساری محنت اکارت جائے گی۔ اس وقت اُس کے پاس ریوالور بھی نہیں تھا۔ اگر وہ ہال تک جا کر وہاں سے مدد لانے کی کوشش کرتا تو وہ نکل ہی جاتے۔

وہ دونوں چہار دیواری کے نیچے پہنچ چکے تھے۔ پھر اُن میں سے ایک زمین پر بیٹھ گیا اور دوسرا اُس کے کاندھے پر پیر رکھ ہی رہا تھا کہ حمید بے اختیار چیخ پڑا۔ "خبردار اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

دونوں گھبرا کر کھڑے ہوگئے۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ" حمید نے پھر للکارا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں اُس کا فاؤنٹین پن تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ اندھیرے میں دور سے پستول کی نال ضرور معلوم ہوگا۔ دونوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھالئے تھے۔

حمید آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اُس کی آنکھیں کافی دیر سے اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوگئی تھیں۔ اُن دونوں میں سے ایک نے وہیں کوئی چیز گرائی تھی جسے حمید نے صاف دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُن میں سے ایک بولا۔

"کہاں بھاگ رہے تھے؟" حمید نے گرج کر پوچھا۔

دونوں خاموش رہے۔

"داہنی طرف مڑو" حمید نے کہا۔ "اور چل پڑو۔ کوئی حرکت کی تو بھیجا صاف۔"

دونوں چلنے لگے۔ حمید تیزی سے دیوار کے قریب آیا۔

"چلتے جاؤ" اُس نے پھر للکارا۔ گھاس پر پڑی ہوئی پوٹلی اُس کے ہاتھ آگئی تھی۔

"بائیں مڑو......!" وہ حلق کے بل چیخا۔ پوٹلی کچھ وزنی تھی۔ اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

"وہ مارا......!" اُس نے دل ہی دل میں کہا اور پھر وہ اُس ڈرامائی واقعے کے متعلق ہوائی قلعے بنانے لگا جس سے فریدی کو دوچار ہونا تھا۔

پھاٹک کے قریب پہنچ کر اُس نے ان دونوں کو پولیس کانسٹیبلوں کے حوالے کردیا اور انہیں فاؤنٹین پن دکھاتا ہوا بولا۔ "دیکھو...... یہ رہا پستول" پھر وہ قہقہے لگاتا ہوا اندر چلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جس طرح فریدی آہستہ آہستہ پوری بات بتا کر دوسروں کو حیرت زدہ کرتا ہے اس وقت بھی وہی طریقہ اختیار کرے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے گرفتار شدگان کو اندر لے جانے کی بجائے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ حمید حقیقتاً احمق نہیں تھا لیکن اس وقت اُس پر دادخواہی کا بھوت سوار تھا اور ظاہر ہے کہ اُسے یہ داد اُن عورتوں کی طرف سے ملتی جن کے زیورات لوٹے گئے تھے۔ لہٰذا اُس کا اپنی کھوپڑی کی حدود سے نکل جانا برحق تھا۔ اُس نے جلدی میں اُن دونوں کی شکلیں دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

ہال میں ابھی تک لوگوں کی جامہ تلاشی لی جارہی تھی اور حمید نے فریدی کو بدستور پیانو ہی پر پایا۔ وہ پہلے ہی کی طرح اپنی دونوں کہنیاں پیانو پر ٹیکے مجمعے کا جائزہ لے رہا تھا۔

حمید نے زیورات کی پوٹلی اُس کے سامنے ڈال دی اور جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے چونک کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ نہ جانے کیوں اُس کے جسم کی سارے روئیں کھڑے ہوگئے تھے اور سر سے پیر تک ایک ٹھنڈی لہر دوڑتی چلی گئی تھی۔ وہ فریدی کی آنکھیں تھیں یا کسی خوفناک درندے کی۔ اُس نے حمید کو سر سے پیر تک دیکھا اور پھر اُس کی نظریں جواب طلب انداز میں اُس کے چہرے پر جم گئیں۔

"لٹے ہوئے زیورات......!" حمید آہستہ سے بولا۔

"کہاں ملے؟"

"دو آدمیوں کے پاس سے برآمد کیے۔ وہ حراست میں ہیں۔"

"آہم...... اچھا......!" فریدی نے ایک طویل انگڑائی لی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ گہری نیند سے چونک کر اٹھا ہو۔ پھر اُس نے سب انسپکٹر کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ٹھہریئے۔" مجمع پر سناٹا چھا گیا۔

"لوٹا ہوا مال برآمد کرلیا گیا ہے۔" اُس نے بلند آواز میں کہا۔

ایک لمحہ خاموشی رہی پھر ہال میں تیز قسم کی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔

لٹی ہوئی عورتیں بے تحاشہ پیانو کی طرف لپکیں۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے اُن سے کہا۔ "عدالتی کاروائی شناخت سے قبل نہ تو یہ آپ کو واپس مل سکیں گے اور نہ دکھائے ہی جائیں گے۔"

اس دوران میں بھی اُس کی نظریں مجمع ہی کی طرف رہیں۔

عورتیں بڑبڑاتی ہوئی واپس جارہی تھیں اور فریدی کے رویے سے ظاہر ہورہا تھا جیسے اُس کے کانوں تک اُن کی آوازیں پہنچ ہی نہیں رہی ہیں۔

"ٹھہریئے۔" ایک بار پھر فریدی کی آواز گونجی۔ "آپ...... جو باہر جارہے ہیں۔"

ید کی نظریں بے ساختہ اُس طرف اٹھ گئیں جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ ایک آدمی

دروازے میں کھڑا فریدی کو گھور رہا تھا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا توانا اور تندرست آدمی تھا۔ حمید سے اچھی طرح واقف تھا۔ یہ شہر کے ایک مشہور نائٹ کلب کا منیجر مسٹر ڈاملے تھا۔

''آپ کس کی اجازت سے باہر جارہے تھے؟'' فریدی اُس کی طرف بڑھا۔

''کیا ابھی کوئی اور جھنجھٹ باقی ہے؟'' اُس نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

''صرف ایک اور......!'' فریدی نے اُس کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوا جیسے اُس نے بالوں سمیت اُس کے چہرے کی کھال کھینچ لی ہو خصوصاً حمید کی آنکھوں کے سامنے تو بجلی سی چمک گئی اور اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''لمبوترا چہرہ۔''

دوسرے لمحے میں وہ اچھل کر اُس پر جاپڑا۔ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آرہے۔ کبھی یہ اوپر نظر آتا تھا اور کبھی وہ۔ لوگ بدحواسی میں اُن کے گرد اکٹھا ہوتے جارہے تھے۔ لمبوترے چہرے والا لڑنے سے زیادہ نکل بھاگنے کی فکر میں تھا۔ مگر حمید جونک کی طرح لپٹ کر رہ گیا۔ آخر کار پولیس والوں نے اس جدوجہد کا خاتمہ کردیا۔

لمبوترے چہرے والے کو ہتھکڑیاں لگائی جارہی تھیں اور فریدی کی نظریں اب بھی کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

حمید نے پھر آگے بڑھ کر لمبوترے چہرے والے کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کردیا۔ پورے ہال میں شاید ہی کوئی ایسا چہرہ رہا ہو جس پر حیرت کے آثار نہ ہوں۔ مسٹر ڈاملے کے قریبی دوست اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ وہ شخص جسے وہ سالہا سال سے ڈاملے کی شکل میں دیکھتے آئے تھے اُن کے سامنے اجنبیوں کی طرح کھڑا تھا۔

ڈاکٹر نے لیڈی جہانگیر کو آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن جیسے ہی اُس کے کانوں تک نئے واقعے کی خبر پہنچی وہ ننگے پیر دوڑتی چلی آئی۔

''ارے یہ مسٹر ڈاملے......؟'' وہ حمید کو مخاطب کر کے بولی۔ ''نہیں یقیناً آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔''

اُس کے قریب کھڑے ہوئے ایک مہمان نے ایک ہی سانس میں سارا واقعہ دہرایا۔

''میرے خدا......!'' وہ تحیر آمیز لہجے میں بولی۔

''آپ نے اس سے پہلے بھی یہ شکل کہیں دیکھی تھی؟'' حمید نے اُس سے پوچھا۔

''نہیں کبھی نہیں...... کہیں نہیں۔'' وہ اپنا چہرہ چھپا کر بولی۔ ''آج میرا گھر بدنام ہوگیا۔''

پھر وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ ''میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ گئی۔''

''اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔'' حمید نے اُسے تسلی دی۔ ''لٹے ہوئے زیورات بھی مل گئے ہیں۔''

''اوہ......!'' وہ آنسو پونچھ کر حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

''آپ نے میری عزت رکھ لی۔''

قریب ہی ایک لڑکی دوسری سے کہہ رہی تھی۔ ''جس زمین پر ان دونوں کے قدم پڑتے ہیں وہاں کوئی نہ کوئی حیرت انگیز واقعہ ضرور ہوتا ہے۔''

دو فائر

مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہورہے تھے۔ لٹی ہوئی عورتیں دیر تک فریدی اور حمید کو گھیرے رہیں۔ بدقت تمام وہ دونوں اُن سے پیچھا چھڑا سکے۔

''اور وہ دونوں کہاں ہیں؟'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''باہر......!''

''تو آؤ باہر ہی چلیں۔''

زیورات کے متعلق ضابطے کی کارروائی ہوچکی تھی۔ سب انسپکٹر مجرم سمیت جانے کے لئے تیار تھا۔ وہ بھی فریدی اور حمید کے ساتھ ہی ساتھ باہر نکلے۔ پائیں باغ کے پھاٹک پر کانسٹیبل

موجود تھے۔

"وہ دونوں کہاں ہیں؟" حمید نے ہیڈ کانسٹیبل کو مخاطب کیا۔

"وہ دونوں......ہی ہی ہی۔" ہیڈ کانسٹیبل نے دانت نکال دیئے۔ "وہ تو کب کے چلے گئے۔"

"کیا......؟" حمید کان پھاڑ دینے والی آواز میں چیخا۔

"جی ہاں......!" اُس نے سہم کر کہا۔ "انہوں نے کہا تھا کہ تمہارے سارجنٹ صاحب......!"

"کیا بکواس ہے......بکو جلدی۔" حمید جھلا گیا۔

"انہوں نے کہا تھا کہ سرجنٹ صاحب پیئے ہوئے ہیں۔ ہم اُن کے دوست ہیں۔ انہوں نے ہم سے مذاق کیا ہے۔"

"اور تم نے یقین کرلیا......؟" حمید دانت پیس کر بولا۔

"تو صاحب آپ ہی نے ٹھیک سے بات کی ہوتی؟" ہیڈ کانسٹیبل کے لہجے میں تلخی تھی۔ "کیا آپ نے اُن کے سامنے فاؤنٹین پن نچا کر اُسے پستول نہیں کہا تھا؟"

حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سربازار اُس کے سر پر چپت رسید کردی ہو۔ وہ سوچنے لگا کہ حقیقتاً غلطی اسی کی تھی۔ اُس کی اس حرکت پر اُسے شرابی تو کیا پاگل بھی سمجھا جاسکتا تھا۔ اُسے چاہئے تھا کہ مجرموں کو سپرد کرتے وقت کانسٹیبلوں کو سب کچھ سمجھا دیتا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ سب انسپکٹر بھی قریب ہی کھڑا تھا۔

"کیابات ہے؟" اُس نے حمید سے پوچھا۔

حمید ہنسنے لگا۔

"کوئی بات نہیں۔" اُس نے کہا۔ "میں نے اپنے دوستوں سے مذاق کیا تھا۔ لیکن" ادھورا ہی رہ گیا۔"

"اچھا......!" سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔ "پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ مجرم کہاں ہیں جنہیں آپ نے پکڑا تھا"

"ان کا مسئلہ فی الحال ٹیڑھا ہے۔" فریدی نے کہا جو اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ حمید

اس سلسلے میں ضرور کوئی حماقت ہوگئی ہے۔

"لیکن میری رپورٹ......؟" سب انسپکٹر نے کہا۔

"وہ تو میرے خیال سے ابھی تک نامکمل ہی ہوگی۔"

"جی ہاں۔"

"تو اُسے اس طرح مکمل کرو کہ لوٹا ہوا مال لے کر مجرم فرار ہونے کی کوشش کررہے تھے کہ کانسٹیبلوں نے انہیں جالیا۔ کافی دیر تک جدوجہد ہوتی رہی اور وہ لوٹا ہوا مال چھوڑ کر فرار ہوگئے۔"

"مگر......!"

"میں انہیں اپنے طور پر حاضر کروں گا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اُن کا ہاتھ اس سے بھی گہرے بعض معاملات میں رہا ہے۔ اب تم جاسکتے ہو۔ لیکن رپورٹ اُسی طرح مکمل کرنا جیسے میں نے کہا ہے۔"

سب انسپکٹر نے لمبوترے چہرے والے کو پولیس کی لاری میں سوار کرادیا، جو فریدی اور حمید کو کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا۔

اُن کے چلے جانے کے بعد فریدی حمید کی طرف پلٹا۔

"ہاں اب تم بک چلو......!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

حمید نے اٹک اٹک کر پورا واقعہ دہرادیا۔

"نہ جانے تمہارا بچپن کب رخصت ہوگا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کوٹھی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دونوں پھر اُسی ہال میں آئے۔ یہاں کی ابتری دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کچھ دیر قبل یہاں رنگ رلیاں منائی جاتی رہی ہوں گی۔ ہال کے وسط میں لیڈی جہانگیر خاموش کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہوگیا ہو۔ فریدی اور حمید اُس کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ لیکن اُس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ خلاء میں نظریں جمائے کھڑی تھی۔

"مجھے آج کے حادثے پر افسوس ہے محترمہ......!" فریدی نے کہا۔

لیڈی جہانگیر چونک پڑی۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر فریدی کی طرف پر خیال انداز میں دیکھنے لگی۔

"میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔" فریدی پھر بولا۔ "لیکن آپ کر بھی کیا سکتی تھیں!"

"میں ڈاملے کو عرصے سے جانتی تھی۔"

"ہم بھی جانتے تھے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اُس کی دوسری حیثیت آج ظاہر ہوئی۔"

"آپ اُسی کی قید میں تھیں۔" حمید بولا۔

"اب سارے معاملات میری سمجھ میں بھی آ رہے ہیں۔" لیڈی جہانگیر نے کہا۔

"کیا.....؟" فریدی نے اپنی نیند سے بوجھل آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

"وہ عرصہ سے مجھ سے شادی کا خواہش مند تھا۔"

"اوہ! تب تو معاملہ صاف ہے۔"

"کیا.....؟"

"اُس نے پہلی بار اسی مقصد کے حصول کے لئے آپ کو مقید کیا تھا۔"

"لیکن.....!" وہ فریدی کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

فریدی استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھ رہا تھا۔

"لیکن اس طرح اُس کی مقصد براری کیونکر ہوتی۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی دوسری حیثیت مجھ پر نہ ظاہر کرتا۔"

"ٹھیک ہے لیکن ڈاملے کی حیثیت سے وہ آپ کو اتنا زیرِ بار احسان ضرور بنا سکتا تھا۔"

"کس طرح؟"

"ڈاملے کی شکل میں آپ کو اپنی ہی قید سے رہائی دلا کر۔"

"اوہ.....!" اُس نے فریدی کی طرف تحیر آمیز نظروں سے دیکھا۔ "لیکن اب میں کیا کروں۔ میرا گھر تو آج بدنام ہی ہو گیا۔"

"اس کی فکر نہ کیجئے۔ یہاں کا کوئی اخبار اس حادثے کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکتا اور آپ کے مہمانوں کی غلط فہمی رفع کرنے کی بھی کوشش کی جائے گی۔"

"میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"کسی سے بھی نہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "ہم یہ سب کچھ اخلاقاً نہیں کرتے بلکہ مجبوراً کریں گے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" افروز کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

فریدی نے بھی حمید کو گھور کر دیکھا۔

"دوستوں کے لئے مجبوراً پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔" افروز آہستہ سے بولی۔

"خیر..... خیر..... میں بھی آپ ہی کی طرح رسمی باتوں کا قائل نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے آپ کے یہاں مستقل طور پر دو کانسٹیبلوں کی ڈیوٹی کا انتظام کر دیا ہے۔"

"میں کس زبان سے۔"

"پھر آپ نے وہی رسمی بات چھیڑی۔" فریدی پھر مسکرایا۔ "اگر آپ ضروری سمجھتی ہوں تو آج رات حمید صاحب بھی یہاں رہ سکتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"دیکھئے! میں نہ کہتا تھا کہ ہر آدمی کبھی نہ کبھی رسمی باتیں کرنے پر مجبور ہو ہی جاتا ہے۔"

"بخدا یہ میرے حقیقی جذبات ہیں۔" افروز نے سنجیدگی سے کہا۔

"خیر اچھا..... میرے لائق کوئی اور خدمت.....؟"

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔"

"پھر وہی رسمی جملہ.....!"

"میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔" افروز ہنس کر بولی۔

"اچھا تو حمید صاحب..... شب بخیر۔" فریدی نے کہا اور لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا ہال سے باہر نکل گیا۔

"آئیے.....!" افروز تھوڑی دیر بعد بولی۔ "آپ کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہیں۔"

"اُوں......!" حمید چونک پڑا اور بے جان سی ہنسی کے ساتھ کہنے لگا۔ "مجھے اس کا اف
ہے کہ میں اس ڈاملے کے بچے کی اچھی طرح مرمت نہ کرسکا۔"

"خیر آیئے! ایک بج رہا ہے۔ آج رات کی نیند تو گئی۔"

"نیند تو مجھے بھی نہ آئے گی۔"

افروز حمید کو ایک کمرے میں لے آئی۔ غالباً یہ اُس کے سونے کا کمرہ تھا۔

یہاں ہر وہ چیز موجود تھی جو ایک آرام طلب اور رنگین مزاج عورت کے سونے کے کمر
میں ضروری ہوسکتی ہے۔

"بیٹھیے۔" اُس نے ایک آرام کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود ایک کھڑکی کھول کر اُس
قریب کھڑی ہوگئی۔

حمید کی نظریں ایک تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ کسی مشاق مصور کا کارنامہ تھا۔ ایک عریا
اور جوان عورت جس کے ہاتھوں اور پیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور ایک
سا سانپ اُس کے جسم سے لپٹا ہوا اُس کے چہرے پر پھن مارنے کی کوشش کررہا تھا۔

دفعتاً افروز حمید کی طرف مڑی اور اس کا انہماک دیکھ کر بے ساختہ مسکرا پڑا۔

"کیا یہ تصویر......!" افروز ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "کسی شریف عورت کی خواب گاہ کے لئے
معیوب سمجھی جاسکتی ہے۔"

حمید چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی نظریں تو تصویر کی طرف تھیں لیکن ذ
کہیں اور تھا۔ وہ فریدی کے اس عجیب وغریب رویے کے متعلق سوچ رہا تھا جو اُس نے کچھ
قبل اختیار کیا تھا۔ صرف وہی نہیں آج رات اس عمارت میں قدم رکھتے ہی حمید نے ایک عجیب
قسم کا تغیر محسوس کیا تھا جسے وہ اب تک کوئی معنی نہیں پہنا سکا تھا۔ اُس کے ذہن میں بیک وقت
سوال ابھر آئے تھے۔ اس پر افروز کے سوال نے جو بالکل ہی مختلف النوع تھا اُسے ذہنی انتشار
میں مبتلا کردیا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ......؟" وہ ہنس کر بولی۔

"کچھ نہیں! میں اسی تصویر کے متعلق غور کررہا تھا۔"

"تو آپ اسے فحاشی سمجھتے ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ میں اسے آرٹ ہی سمجھنے پر مصر رہوں گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"یہی تو مشکل ہے کہ عام طور پر آرٹ اور فحاشی کے نازک فرق کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔"

"میں بہت زیادہ ذہین نہیں ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن پھر بھی مجبوری اور جوانی کے اس خوبصورت تخیل کی قدر ضرور کرسکتا ہوں۔"

"حمید صاحب! میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔" افروز نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ کی لائین کے لوگ عموماً صرف منطقی ہوتے ہیں۔ لیکن آپ......اوہ میں بھی کہاں بہک رہی ہوں۔ شاید پاگل ہوجاؤں گی۔"

دفعتاً وہ اپنا سر پکڑ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"کیوں کیا ہوا......؟" حمید بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں۔" افروز سر اٹھا کر بولی۔ "وہ کچھ خوفزدہ سی نظر آنے لگی تھی۔"

حمید خاموش ہوگیا۔

"کون کہہ سکتا ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "کہ یہ میری زندگی کی آخری رات نہیں ہے۔"

"کیوں......؟"

"مجھے کچھ ایسا ہی محسوس ہورہا ہے جیسے میری موت قریب ہو۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی۔" حمید ہنس پڑا۔

"آپ ہی کے بیان کے مطابق ڈاملے کسی بڑے گروہ کا سرغنہ تھا۔"

"ہاں تو پھر......؟"

"کیا اُس کے ساتھی......وہی حرکت نہیں کرسکتے۔"

"ٹھیک ہے......لیکن میں یہاں جھک مارنے کے لئے تو نہیں رک گیا۔"

افروز خاموش ہوگئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ فکرمندی اور خوف کے آثار نے اُسے نہ جانے کیوں اور زیادہ حسین بنا دیا تھا۔ اُس کے دونوں ابروؤں کے درمیان ایک نازک سی لکیر ابھر آئی تھی اور ہونٹ قدرے کھل گئے تھے۔ جن سے دانتوں کی چمک جھلکیاں مار رہی تھی۔

"لیکن......!" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"آپ بیکار پریشان ہیں۔" حمید نے اُسے تسلی دی۔

"اس وقت ایک خیال اور پیدا ہوا ہے۔" افروز نے آہستہ سے کہا۔

"وہ کیا......؟"

"میں یہ نہیں کہتی کہ میرا خیال سچ ہی ہو۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ اس کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔"

"آپ تو پہیلیاں لے بیٹھیں۔" حمید اکتا کر بولا۔

"شاید فریدی صاحب مجھ پر بھی شبہ کر رہے ہیں۔"

"کمال کر دیا......شاید آپ اختلاج قلب کی مریض ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"نہیں حمید صاحب...... میں قطعی سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ میں ایسا سمجھنے پر مجبور ہوں۔ کیا آپ اُن حالات میں یہ نہ سمجھیں گے کہ میں بھی اُسی گروہ سے تعلق رکھتی ہوں؟"

"کون سے حالات......؟"

"یہاں پر ڈاملے کی موجودگی...... میرا خیال اب بھی یہی ہے کہ وہ مجھ سے شادی کا خواہش مند تھا اور اسی لئے اُس نے یہ حرکت کی۔ لیکن آپ کے ذہن میں تو وہ عورتیں بھی ہوں گی جو خواہ مخواہ لوٹی گئیں۔ اگر اُسے صرف مجھے لے جانا تھا تو اُس نے اتنا ہنگامہ کیوں برپا کرایا؟"

"ظاہر ہے کہ اُس نے ایک تیر سے دو شکار کئے۔" حمید نے کہا۔ "آپ یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ وہ اچھے خاصے ڈاکوؤں کا گروہ ہے۔"

"حمید صاحب! آپ مجھے اطمینان نہیں دلا سکتے۔ فریدی صاحب کو مجھ پر شبہ ہے۔"

"آخر آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ رہی ہیں؟"

"کیا ابھی انہوں نے رسمی گفتگو کے سلسلے میں میرا مضحکہ نہیں اڑا دیا تھا۔" افروز نے سنجیدگی سے کہا۔ "حالانکہ یہ اس کا موقع نہیں تھا۔"

"اوہ......!" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ اُن کی عادتوں سے واقف نہیں۔ اسی لئے ایسا کہہ رہی ہیں۔ بعض اوقات اُن کی زبان بڑی سفاک ہو جاتی ہے۔"

"مجھے بہلانے کی کوشش نہ کیجئے۔ خیر ہو گا ماریئے گولی۔ میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کسی نہ کسی الجھن میں ہمیشہ مبتلا رہی ہوں۔"

"میں کس طرح آپ کی غلط فہمی رفع کروں؟" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "فریدی صاحب دودھ پیتے بچے نہیں ہیں۔ کیا انہوں نے آپ کو پھاٹک پر بے ہوش نہیں دیکھا تھا۔ کیا یہ آپ کی پیشانی کی چوٹ مصنوعی ہے؟"

"کیوں؟ کیا کوئی مجرم اپنا جرم چھپانے کے لئے یہ سب نہیں کر سکتا۔ ایک سراغ رساں یہ بھی تو سوچ سکتا ہے کہ میں نے خود ہی اپنا سر پھوڑ لیا ہو گا۔ محض اس لئے کہ اُس کا شبہ رفع ہو جائے۔"

"واللہ میں آپ سے نہیں جیت سکتا۔" حمید ہنس کر بولا "یقیناً آج کل آپ کا معدہ خراب ہے۔ خراب معدے سے اٹھنے والے ابخرات ذہن میں الجھن اور دوسروں کی طرف سے بے بنیاد شبہات پیدا کرتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ایک صاحب کا واقعہ یاد آ رہا ہے۔" حمید اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔ وہ لہجہ جو وہ کوئی لطیفہ سنانے سے قبل اختیار کرتا تھا۔ "اُن کا معدہ خراب رہا کرتا تھا۔ معدے سے انجرات اٹھ کر ذہن میں پہنچتے اور پھر سارا زمانہ انہیں اپنا دشمن معلوم ہونے لگتا۔ ایک رات انہیں نیند آ رہی تھی۔ انجرات برابر اٹھ رہے تھے۔ اچانک اُن کا کتا بھونکنے لگا۔ وجہ خواہ کچھ رہی ہو لیکن اُس کی آواز پر یکا یک اُن کے دماغ نے قلابازی کھائی۔ وہ سوچنے لگے کہ جب ایک آدمی اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود بھی احسان فراموش ہو سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کسی وقت جانور کا بھی دماغ نہ الٹ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی رات اُن کا کتا ہی اُن کی گردن دبوچ بیٹھے۔ جب آدمی کا اعتبار نہیں تو کتے کا کیا بھروسہ۔ وہ تھوڑی دیر تک پڑے الجھتے رہے پھر اٹھے اور کتے کو گھر سے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا لیکن جیسے ہی کمرے میں جانے کے لئے مڑے کتا پیچھے کھڑا دکھائی دیا۔ اب تو سچ مچ اُن پر بدحواسی کا دورہ پڑ گیا۔ بھلا کتا دوبارہ اندر کیسے آ گیا۔ اگر وہ اٹھارہ فٹ

اونچی دیوار پھلانگ کر آیا ہے تب تو یقیناً اس کی نیت میں فتور ہے۔ بس پھر کیا تھا حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنا اور دوڑنا شروع کردیا۔ نتیجے کے طور پر نہ صرف گھر کے دوسرے لوگ بلکہ اڑوس پڑوس والے بھی دوڑ پڑے۔ کافی اودھم رہی۔ بعد کو پتہ چلا کہ انہوں نے کتے کے دھوکے میں بکری کو باہر نکال دیا تھا۔ کتا شروع سے آخیر تک گھر ہی میں رہا تھا۔''

افروز ہنس پڑی۔

''واقعی حمید صاحب! خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کا آپ کا ہر وقت کا ساتھ ہو۔'' اُس نے کہا۔

حمید کا وزن کئی پونڈ بڑھ گیا۔

''لیڈی......!''

''افروز......!'' وہ احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''لیکن مجھے مٹھائی زیادہ اچھی نہیں لگتی۔''

''یعنی......؟''

''اس نام پر زبان کی جڑ تک میٹھی ہوجائے گی۔''

''بنانے لگے۔'' افروز نے اس انداز میں کہا کہ حمید کا دل دھڑکنے لگا اور وہ سوچنے لگا کہ کہیں ''مخرب اخلاق'' لٹریچر قسم کی کوئی حرکت نہ ہوجائے۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' حمید کی آنکھیں نشیلی ہوگئیں۔

افروز کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دفعتاً قریب ہی ایک فائر ہوا اور ٹھیک کمرے کی کھڑکی کے نیچے ہی ایک چیخ سنائی دی۔

افروز اچھل کر حمید پر آ گری۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ حمید اُسے مسہری پر ڈال کر کھڑکی کی طرف جھپٹا۔ دوسرا فائر ہوا اور گولی کھڑکی کے اوپر لگی۔ حمید کھڑکی بند کر کے دروازے کی طرف بھاگا۔

''کہاں جا رہے ہیں؟'' افروز خوفزدہ آواز میں چیخی۔

''ڈرو نہیں۔'' حمید نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

کوٹھی کے ملازمین بدحواسی میں عقبی پارک کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد حمید نے افروز کی خواب گاہ کی کھڑکی کے نیچے ایک آدمی کو خاک و خون میں لتھڑا ہوا پایا۔ گولی ران میں لگی تھی۔ زخمی کے قریب ہی ایک ریوالور پڑا تھا۔ حمید نے اُسے رومال سے پکڑ کر اٹھایا۔ اُس میں سارے کارتوس موجود تھے۔ نال سے بارود کی بو بھی نہیں آ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد افروز بھی وہاں پہنچ گئی۔

''کیا مر گیا......؟'' وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

''نہیں بے ہوش ہے۔'' حمید نے پرخیال انداز میں کہا اور آگے بڑھ کر دیوار پر کچھ دیکھنے لگا۔

''یا خدا...... یہ کیا مصیبت ہے۔'' افروز نے کہا اور خود بھی گر پڑی۔ وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔

حمید پھر پولیس کو فون کر رہا تھا۔

ایک چال

دوسرے دن انسپکٹر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

''ڈاملے حوالات سے فرار ہوگیا۔''

''کیا......؟'' حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے یوں بھی اُسکی آنکھیں بند ہوتی جارہی تھیں۔ ابھی تک جہانگیر پیلس والی فائرنگ کا معمہ بھی حل نہیں ہوا تھا۔ اُس پر اُسے یہ حیرت انگیز خبر سننی پڑی۔ کوتوالی کی مستحکم حوالات سے نکل بھاگنا آسان کام نہیں تھا۔

''یہ ناممکن ہے۔'' وہ خود بخود بڑبڑایا۔

''ناممکن۔'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''یہ لفظ نپولین کی ڈکشنری میں نہیں تھا۔''

حمید پھر سوچ میں پڑ گیا۔ حالانکہ ایسے موقع پر کسی سوچ میں پڑنا ہی فضول تھا مگر وہ اپنے اونگھتے ہوئے دماغ کو کیا کرتا جو کسی ایک خیال سے چمٹ کر سوجانا چاہتا تھا۔

"آخر کس طرح نکل گیا.....؟" اُس نے پوچھا۔

"جس طرح میں نے چاہا۔"

"آپ نے؟" حمید کے اونگھتے ہوئے دماغ نے سنبھالا لیا۔

"ہاں..... میں نے۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "اُس سے کچھ اگلوا لینا بہت مشکل کام تھا۔"

"یہ آپ کہہ رہے ہیں؟" حمید کے لہجے میں تحیر تھا۔

"کیوں..... ظاہر ہے کہ میں اس سلسلے میں اپنے مخصوص طریقے نہیں اختیار کر سکتا تھا کیونکہ سول پولیس نے براہِ راست اُسے پکڑا تھا۔ اگر آدھے گھنٹے کے لئے بھی وہ میرا تہہ خانہ دیکھ لیتا تو اُسے حوالات سے فرار ہونے کا موقع ہی نہ دیا جاتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم تو سو رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پچھلی رات ذرا خوشگوار تھی نا۔"

"پچھلی رات.....؟" حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

"کیوں؟" فریدی کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ وہ بچ کر نکل گیا۔"

"کون.....؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہی جس نے اُس پر گولی چلائی تھی۔"

"اچھا زخمی ہونے والا کون ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"کوئی بھی ہو۔ مجھے اس سے غرض نہیں؟ آپ یہی کہیں گے نا کہ وہ انہیں مجرموں کا ساتھی ہے۔"

"قطعی..... وہ بھی ڈاملے کے ساتھیوں میں سے ایک ہے۔" فریدی بولا۔

"لیکن اُس پر گولی چلائی کس نے؟"

"تم ابھی کہہ رہے تھے کہ تمہیں افسوس ہے کہ وہ بچ کر نکل گیا۔"

"اور اب بھی یہی کہتا ہوں۔"

"آخر کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ بھی قانون کی گرفت میں آ سکتا ہے۔" حمید بولا۔

"خیر..... خیر.....!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "یہ بتاؤ کہ وہ ہاتھ میں ریوالور لئے اس کھڑکی کے نیچے کیا کر رہا تھا؟"

"موت کا انتظار.....!" حمید نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"اگر حملہ آور تمہیں مل جاتا تو کیا کرتے؟" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہتھکڑیاں ڈال دیتا۔"

"اچھا.....!" فریدی نے مسکرا کر اپنے ہاتھ حمید کی طرف بڑھا دیئے۔

"کیا مطلب.....؟" حمید اُسے گھورنے لگا۔

"یہ غیر قانونی حرکت میں نے ہی کی تھی۔"

"آپ نے؟"

"ہاں اور اگر نہ کرتا تو تم اس وقت چار آدمیوں پر سوار نظر آتے۔"

"تو آپ بھی وہیں رہ گئے تھے؟"

"قطعی.....!"

"آخر کیوں؟" حمید نے پر خیال انداز میں کہا۔ "تو کیا افروز کا خیال درست ہے۔"

"کیسا خیال.....؟"

"یہی کہ آپ اُس کی طرف سے مشکوک ہیں۔" حمید نے کہا اور لیڈی جہانگیر کی ساری گفتگو دہرا دی۔

فریدی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا۔

"لیکن آپ نے مجھے وہاں کیوں چھوڑ دیا تھا؟" حمید نے پوچھا۔

"اوں.....!" فریدی چونک کر بولا۔ "محض اس لئے کہ تم افروز کی حفاظت کرو اور میں تمہاری۔"

''لیکن آپ کے رویہ نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آپ حقیقتاً اُس کی طرز وہ اس گروہ کا سرغنہ نہیں ہے۔''
مشکوک ہیں۔'' ''کیوں؟ کیا اُسی گروہ کا ایک اور فرد بھی ہمارے قبضے میں نہیں ہے؟''
''کیسا رویہ؟'' ''وہ زخمی؟''
''اس سے پہلے آپ نے کبھی مجھے کسی عورت میں دلچسپی لینے پر مجبور نہیں کیا۔'' ''ہاں...... یہ بات اُسی سے معلوم ہوئی ہے کہ لمبوترے چہرے والا جو گروہ میں ٹائیگر کے
''اگر میں تمہیں اس پر مجبور نہ کرتا تو آج ہم ڈاملے کو پکڑ نہیں سکتے تھے۔ میں جانتا نام سے مشہور ہے گروہ کا سرغنہ نہیں۔ گروہ کے کسی فرد نے سرغنہ کو آج تک دیکھا ہی نہیں۔ انہیں
اُس عورت کے قریب رہ کر ہمیں مجرموں تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔ وہ آسانی سے اس کا بس احکامات ملتے رہتے ہیں اور یہ احکامات اُن کو لمبوترے چہرے والے یا ٹائیگر کے ذریعے
چھوڑ دیتے۔'' ملتے ہیں۔''
حمید چند لمحے تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''میں فی الحال تمہارے اس خیال کی تردید نہیں کر سکتا۔'' فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔
''ڈاملے کس طرح فرار ہوا......؟'' ''ہوسکتا ہے کہ اُس نے مسٹر ڈاملے کا بہروپ اسی لئے بھرا ہو اور ہاں میں نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ
''چھوڑنے والے نے اُسے اس شرط پر چھوڑا ہے کہ وہ کسی طرح مجھے قتل کر دے گا۔'' گروہ والے اُسے مسٹر ڈاملے کی حیثیت سے نہیں جانتے۔''
''آپ کو......؟'' حمید چونک کر بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔
''ہاں......!'' فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ ''ڈی۔ ایس۔ پی جمیل نے اُ ''کیا اُس نے پولیس کو کچھ بتایا ہی نہیں؟''
شرط پر چھوڑا ہے۔'' ''بہت کچھ بتایا ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''لیکن وہ بتانا ایسا ہی ہے جیسے تم کسی کو اپنا
''ڈی۔ ایس۔ پی جمیل نے؟'' حمید کی حیرت بڑھ گئی۔ کیونکہ ڈی۔ ایس۔ پی جمیل پیشہ ماہی گیری بتا دو۔ اُس نے پولیس کو بتایا کہ وہ مسٹر ڈاملے کے بھیس میں اپنی بدصورتی چھپانا
فریدی کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے خیال آیا کہ کچھ چاہتا تھا۔ اور بس...... اُس نے اس کا اقرار نہیں کیا کہ اُس کا تعلق کسی گروہ سے بھی ہے۔ لیڈی
فریدی کہہ چکا ہے کہ ڈاملے کو اُسی کی ایماء پر فرار کا موقع دیا گیا تھا۔ جہانگیر کے گھر میں ہونے والی لوٹ مار سے اُس نے خود کو قطعی بے تعلق ظاہر کیا ہے۔ اُس نے یہ
''واقعی تم جا کر سو رہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''آج بہت کام کرنا ہے۔'' بھی بتایا کہ اُس کے تعلقات سر جہانگیر عادل جی سے بہت اچھے تھے اور لیڈی جہانگیر اُسے سر
وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''یہ محض اس لئے کیا گیا کہ اُسے اس رعایت پر جہ جہانگیر کی زندگی ہی سے جانتی تھی۔ بہرحال اُس کے پورے بیان کا اختصار یہ ہے کہ اُس نے
ہو۔ بہرحال اب میں یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا۔ کیونکہ حوالات سے نکل مسٹر ڈاملے کے بھیس میں کسی کو رتی برابر بھی نقصان نہیں پہنچایا۔ اُس میک اپ کا مقصد محض
میرے آدمی اُس کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔'' چہرے کی عیب پوشی تھا۔''
''لیکن آخر اتنا پیچیدہ راستہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' حمید نے پوچھا۔ کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اگر کچھ دنوں تک اُس پر سختی کی جاتی تو وہ بہت کچھ اگل دیتا۔'' حمید نے
''بہتر ہے کہ تم جا کر سو ہی رہو۔'' فریدی اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ''ابھی کچھ ''ناممکن۔ میں اس کے ٹائپ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ایک بار
میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ پولیس اس سے کوئی کام کی بات معلوم نہ کر سکی۔ یہ بھی واضح ر

اُس کے سینے پر ریوالور کی نال بھی رکھ دی جاتی تو وہ کچھ نہ بتاتا۔''

''بہر حال......!'' حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ ''اب اس اگلی ہوئی مکھی کو دوبارہ نگلنا پڑے گا۔

''اور کل رات کو شاید تم ہاتھی نگل رہے تھے۔ اُس سے زیادہ کسی کیس میں بھی تمہیں عیاشی کا موقع نہ ملا ہوگا۔ کفرانِ عورت مت کرو پیارے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس کیس کے دوران میں تم پر کروڑ جان سے عاشق بھی ہو جائے۔ عورت مال دار ہے۔ اُس کی دولت دوسری عیاشیو کے کام آئے گی۔''

''یہ آپ کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں ہاں...... میں کہہ رہا ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اگر زبان کا اعتبار نہ ہو تو لکھ بھی دے سکتا ہوں۔''

''افروز کے متعلق آپ نے کیا رائے قائم کی ہے؟''

''بہت خوب صورت ہے۔''

''یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ اُس کے چال چلن کی متعلق......؟''

''چال تو قیامت ہے حمید صاحب لیکن لفظ چلن آج تک میری سمجھ میں نہ آسکا۔ ورنہ ا پر بھی روشنی ڈالتا۔ محاوروں سے میں عاجز ہوں۔ اب اگر آپ رکھ رکھاؤ کے متعلق بھی پوچھ بیٹ تو میں صرف رکھ اٹھاؤ کے بارے میں بتا سکوں گا۔ رکھ رکھاؤ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہی معا چل چلاؤ کے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے۔ ویسے مٹر پلاؤ پر میں بحالت فاقہ بھی تقریر کرسکتا ہوں۔

حمید سمجھ گیا کہ فریدی اب اس کے متعلق گفتگو کرنا نہیں چاہتا اور پھر اُسے یاد آیا کہ وہ ا بار اس سلسلے میں افروز کو بُرے الفاظ میں یاد کر چکا ہے۔

''اُس زخمی نے لاشوں کے متعلق کیا بتایا؟'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''یہی کہ وہ سرغنہ کے احکامات کے مطابق مختلف مقامات سے اٹھا کر ادھر اُدھر ڈالی گئی تھیں۔ اس کا مقصد کیا تھا یہ آج تک گروہ کے کسی فرد کو نہ معلوم ہوسکا۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''جاؤ اب سو رہو مجھے بھی تھوڑا بہت سونا ہے۔ میں بھی پچھلی رات جاگتا ہی رہا ہوں۔''

''کل رات کتنی لڑکیاں......!''

''تم پر مرتے مرتے بچیں۔'' فریدی نے اُس کا جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ ''اب تم سچ مچ جا کر سو رہو ورنہ تھوڑی بعد ہی دیر ناک پر انگلی رکھ کر گفتگو کرنے لگو گے۔''

حمید نے ایک آنکھ دبا کر جماہی لی اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

پھر چار بجے شام سے پہلے اُس کے خراٹے نہیں رکے اور جب وہ سو کر اٹھا تو اُس نے فریدی کو اُسی کمرے میں پایا جہاں وہ اُسے چھوڑ گیا تھا۔

ایش ٹرے میں سگاروں کے کئی جلے ہوئے ٹکڑے نظر آئے۔

''آپ نہیں سوئے؟'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں...... تمہارے جانے کے بعد میں نے فرض کرلیا تھا کہ پچھلی رات کو میں جی بھر کے سو چکا ہوں۔''

''بہت خوب......!'' حمید ہنس پڑا۔ ''اگر کسی دن آپ نے میزوں کرسیوں کو مجرم اور کسی کتے کو گھوڑا فرض کرلیا تو پڑوس کے بچوں کو بڑی خوشی ہوگی۔''

''جب میں نے تم جیسے گدھے کو آدمی فرض کرلیا ہے تو اب مجھے کسی بات میں کوئی ہچکچاہٹ نہ محسوس ہونی چاہئے۔''

''کاش آپ نے مجھے گدھا فرض کیا ہوتا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''خیر اگر کام چوری کا موڈ ہو تو میں یوں بھی تمہیں مجبور نہ کروں گا۔''

''پھر آپ نے بات پلٹ دی۔ میں نے یہ تو نہیں کہا۔''

''خیر...... خیر...... جلدی کرو۔ ناشتہ بھی غالباً تیار ہوگا۔ اُس کے بعد ابھی میک اپ بھی کرنا ہے۔''

''میک اپ......؟'' حمید ہکلا کر رہ گیا۔

اور پھر چھ بجے کے قریب وہ دونوں کیڈیلاک پر سڑکیں ناپ رہے تھے۔

فریدی ایک ادھیڑ عمر کے پروقار آدمی کے بھیس میں تھا اور حمید اپنے میک اپ میں شرم سے کٹا جا رہا تھا۔ اگر بات میک اپ ہی پر ختم ہو جاتی تو خیر لیکن یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔

فریدی نے اُسے پندرہ سولہ سال کا ایک نوخیز لڑکا بنا دیا تھا جس کے اوپری ہونٹ پر ہلکی ہلکی روئیدگی تھی۔فریدی اس کی طرف دیکھ کر بار بار اپنی بائیں آنکھ دبا دیتا تھا۔

''اس پیشے پر سو بار لعنت......!'' حمید بڑبڑایا۔

''ڈرو نہیں تمہیں پیشے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' حمید جھنجھلا گیا۔

فریدی نے پھر مسکرا کر اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔

''آخر ہم جائیں گے کہاں؟'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''ظاہر ہے کہ جہنم میں......!'' فریدی ہنس پڑا۔

''میں بگاڑتا ہوں میک اپ......!'' حمید نے دھمکی دی۔

''میرا کیا ہوا میک اپ ہے بیٹے خاں......کسی فلم یا ڈرامے کا میک اپ نہیں۔ اسے بگاڑنے کے لئے تمہیں کافی مقدار میں ایمونیا صرف کرنی پڑے گی۔''

حمید کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔اس وقت اُسے سچ مچ اپنی بے بسی پر غصہ آرہا تھا۔ وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ اُسے غصہ اس بات پر تھا کہ فریدی نے اسے اپنے پروگرام کے متعلق بتایا کیوں نہیں۔لیکن یہ بھی کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ ایسے مواقع پر عموماً یہی کرتا تھا۔ اس لئے مجبوراً حمید نے اپنی بوٹیاں نوچنے کا ارادہ بھی ملتوی کردیا۔

کیڈی لاک ایک ویران سڑک پر جارہی تھی۔شہر کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ دفعتاً فریدی نے کیڈی ایک دوسری سڑک پر موڑ دی۔حمید بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔تھوڑی دیر بعد کار کے رکتے ہی چونک پڑا۔

کار نیاگرا ہوٹل کے گیراج کے سامنے رکی تھی۔ شمالی سرے پر بیٹھے ہوئے واچ مین نے ایک خالی حصے کے برقی نمبر روشن کردیئے۔کیڈی کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔فریدی نے کار اندر لگادی اور انجن بند کر کے نیچے اُتر آیا۔پھر وہ ہوٹل کی عمارت کی طرف بڑھے جو آبادی سے بہت دور ویرانے میں اپنی مخصوص قسم کی رنگ رلیوں کے لئے مشہور تھی۔ یہاں کے اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ صرف دولت مند ہی طبقہ اُن کا متحمل ہوسکتا تھا۔ عام لوگ تو بے چارے ٹھنڈی

سانسیں ہی بھر کر رہ جاتے تھے۔ یا پھر یونہی دوستوں پر رعب ڈالنے کے لئے اکثر کوئی ایسا کارنامہ دہراتے جو نیاگرا ہوٹل سے متعلق ہوتا۔ ویسے اگر اُن سے وہاں کی تنظیم نشست ہی کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ صرف منہ دیکھ کر رہ جاتے یا پھر بات ہی اڑا دیتے۔

فریدی اور حمید اندر داخل ہوئے۔ ہال میں ایک اطالوی رقاصہ آرکسٹرا پر ناچ رہی تھی اور ساری میزیں بھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔ فریدی نے رک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر مایوسانہ انداز میں آمد و رفت کے دروازے کی طرف لوٹ پڑا۔حمید خاموشی سے اُس کی تقلید کرتا رہا۔

ایک آدمی ان کا تعاقب کررہا تھا۔حمید کو تو حقیقتاً اس کی خبر نہیں تھی ویسے فریدی کے انداز سے بھی یہی ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اس سے لاعلم ہے۔ حمید سمجھا تھا کہ اب فریدی گیراج سے کار نکالے گا لیکن وہ پارک میں آبیٹھا۔ بیٹھتے وقت اُس نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔

''تمہارا نام عارف ہے اور تم نیشنل کالج کے طالب علم ہو......کیا سمجھے۔''

چیختی چٹانیں

حمید پر پھر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑگیا لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی اٹھتا ہوا اونچی آواز میں بولا۔

''اچھا تو میاں عارف پھر ملاقات ہوگی۔''

اُس کی آواز سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ دمے کا مریض ہو۔ پھر وہ لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا پارک سے نکل گیا۔

حمید نے بنچ کی پشت سے ٹک کر اپنے مقدر کو دو تین ناقابل فہم گالیاں دیں اور جیب میں

سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

فریدی نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اس میک اپ کے دوران میں پائپ کی بجائے سگریٹ پئے گا۔

یہاں تک تو سارے معاملات اُس کی سمجھ میں بخوبی آ گئے تھے لیکن اس صورت میں پیش آنے والے حادثات سے وہ قطعی بے خبر تھا۔ آنے والے لمحات میں کیا کرنا تھا۔ خصوصاً یہ تو ایک ایسا سوال تھا جس کا کوئی جواب اُس کا ذہن تلاش نہ کر سکا۔

فریدی جا چکا تھا اور اُسے وہاں بیٹھنا تھا مگر کب تک؟ کس لئے؟ مقصد تو صاف ظاہر تھا لیکن حصول مقصد کا طریقہ تاریکی میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسے موقع پر تو فریدی کو پتہ نہ کچھ ضرور بتانا چاہئے تھا۔ آخر وہ اسے کچھ بتائے بغیر کیوں چلا گیا؟ اُس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ جلدی میں ہو اور اپنے لئے تو حمید کے ذہن میں ایک بڑی مناسب تشبیہہ گونج رہی تھی۔ وہ خود کو ایک ایسا بکرا تصور کر رہا تھا جسے شیر کے شکار کے لئے باندھا گیا ہو۔

حمید نے سگریٹ نکالا اور اسے ہونٹوں میں دبا کر کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا پھر اُسے سلگا کر لائیٹر جیب میں رکھنے ہی جا رہا تھا کہ بائیں طرف سے ایک آدمی اپنے ہونٹوں میں سگریٹ دبائے اُس کی سمت جھکتا ہوا بولا۔

''تکلیف تو ہو گی۔''

حمید نے اُس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور اُس کا سگریٹ سلگا دیا۔

وہ سیدھا کھڑا ہو کر آہستہ سے بولا۔ ''شکریہ۔''

حمید نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور لائیٹر جیب میں ڈال کر ایک طرف سرک گیا۔

''اب بھلا بتائیے۔'' وہ بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔ ''اتنی دور سے آئے تھے تفریح کے لئے لیکن اندر کوئی میز ہی خالی نہیں۔''

''ہم بھی رجسٹریشن کروانا بھول گئے تھے۔'' حمید نے کہا۔ ''یہاں بغیر اس کے کام نہیں چلتا۔''

''یقیناً یہی بات ہو گی۔'' اجنبی آہستہ سے بولا۔ ''میں نے ڈائرکٹری میں اس ہوٹل کا نام دیکھا۔ میں نے سوچا پرسکون اور عمدہ جگہ ہو گی۔''

''تو آپ یہاں نووارد ہیں؟'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں......!'' اجنبی بولا۔ ''تعجب ہے کہ یہ لوگ اس پارک کو بھی کیوں نہیں استعمال کرتے۔''

''یہ صرف گارڈن پارٹیز کے لئے مخصوص ہے۔'' حمید بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بولا۔

''آپ شاید اسٹوڈنٹ ہیں۔''

''جی ہاں......!''

''کس ایئر کے؟''

''فورتھ ایئر۔''

اجنبی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سلگانے لگا۔

یہ ایک ڈھلتی ہوئی عمر کا تندرست آدمی تھا۔ خدوخال بتا رہے تھے کہ جوانی میں کافی حسین اور پرکشش رہا ہوگا اور اُس کے پروقار چہرے پر کبھی ایک شوخ سی مسکراہٹ ہوتی رہی ہوگی۔ آنکھیں شرارت آمیز چمک سے محروم نہ رہی ہوں گی۔

''آپ مجھے کسی اچھے خاندان کے چشم و چراغ معلوم ہوتے ہیں۔'' اجنبی تھوڑی دیر بعد بولا اور حمید کی اچھلنے والی زبان کسی طرح قابو میں نہ رہ سکی۔

''نہ میں چشم ہوں اور نہ چراغ۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''مجھے عارف کہتے ہیں۔''

''آپ کافی زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔'' اجنبی ہنسنے لگا۔ ''یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے......کبھی میں بھی......!''

''میں بھی بڑھاپے میں یہی کہوں گا۔'' حمید نے اُس کی بات کاٹ دی۔

اجنبی ہنس کر خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''حیرت ہے کہ آپ ایسی دلچسپ جگہ تنہا آئے ہیں۔''

''والد صاحب کو ساتھ لانے کا ارادہ تھا مگر انہیں ٹافیاں خریدنی تھیں۔ اس لئے انہوں نے چچا جان کو ساتھ کر دیا تھا۔ لیکن وہ بھی چلے گئے۔'' اجنبی نے قہقہہ لگایا۔

''میرا مطلب یہ تھا کہ نوجوان لوگ ایسی جگہوں پر کسی عمدہ قسم کے پارٹنر کے بغیر نہ
جاتے۔''

''سمجھا......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن میرے ساتھ یہ ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہے کہ
لڑکیاں مجھے منہ نہیں لگاتیں۔''

''آپ کو......!'' اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''شاید آپ مذاق کر رہے ہیں۔''

''میں حقیقت عرض کر رہا ہوں۔''

''نہیں مان سکتا۔'' اجنبی مسکرا کر بولا۔ ''آپ نے خود ہی انہیں منہ لگانا مناسب نہ سمجھا ہوگا۔''

''اب میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔'' حمید نے کہا۔ اُس کے کان کچھ کچھ کھڑے ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ''میں نے کئی بار لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن کس نے نوٹس تک نہ لیا۔''

''میں کس طرح یقین کر لوں!'' اجنبی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''آپ جیسے نوجوان کو الٹرا موڈرن لڑکیاں پوجتی ہیں۔''

''میں شاید آپ کو یقین نہ دلا سکوں۔'' حمید نے دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

''اگر میں نے ثابت کر دیا تو......؟'' اجنبی مسکرا کر بولا۔

''تو میں عمر بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔'' حمید نے قہقہہ لگایا۔

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔'' اجنبی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں ثابت کر سکتا ہوں یا تو آپ بن رہے ہیں یا پھر اپنی صحیح قدر و قیمت سے خود واقف نہیں۔''

حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ بے اختیار مسکرا پڑا۔

''میں آپ کو کئی لڑکیوں سے ملاؤں گا۔'' اجنبی پھر بولا۔ ''اس کے بعد مجھے آپ کو سا
سلام کرنے کا موقع ضرور ملے گا۔''

''لڑکیوں سے......!'' حمید نے آہستہ سے دہرایا۔

''جی ہاں......! اٹھارہ وکٹوریہ روڈ میں میرا قیام ہے۔ اگر آپ کل شام کو وہاں آ سکیں تو
میں اپنے دعوے کو پایہ ثبوت تک پہنچا دوں گا۔''

''میں ضرور آؤں گا۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''ورنہ ممکن ہے کہ میں احساس کمتری کا شکار ہو کر مر ہی جاؤں۔''

''لیکن میاں صاحبزادے۔'' وہ حمید کے کاندھے پر انتہائی بے تکلفی سے ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ''آپ حدود سے آگے نہیں بڑھیں گے۔''

''کس قسم کی حدود......؟'' حمید نے معصومیت سے پوچھا۔

''مجھے احمق نہ بنائیے۔'' اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ اس سے زیادہ سمجھ دار ہیں جتنا میں آپ کی عمر میں تھا۔''

''میں سمجھ دار تو ہوں لیکن یقین مانئے میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

اس پراسرار اجنبی نے ہنس کر ایک ایسا اشارہ کیا کہ حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں کلبلاہٹ ہونے لگی۔

''ارے......نہیں......ہی ہی ہی۔'' حمید مصنوعی قسم کے شرمیلے انداز میں ہنسنے لگا۔

''آپ رہتے کہاں ہیں؟''

''پرنس ہوٹل میں۔''

اجنبی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے؟''

''اوہ......وہ...... پروفیسر عمران...... ہاں تھے تو؟'' حمید اُس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

''کچھ نہیں......میں نے یونہی پوچھا تھا۔''

''بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔'' حمید نے قہقہہ لگایا۔ ''یہاں ساری میزیں بھری دیکھ کر الٹے پاؤں واپس گئے۔ کچھ تعجب نہیں کہ اپنی ذاتی میز اور کرسی لے کر واپس آ رہے ہوں۔''

''واقعی......؟''

''فلسفے کے پروفیسر ہیں نا! ایک دن الٹے جوتے پہن کر جوتے والوں پر برس رہے تھے کہنے لگے عجب سور ہوتے ہیں یہ جوتے والے بھی۔ کم بخت ایسے جوتے بناتے ہیں جو کبھی تنگ

اور کبھی ڈھیلے۔''

اجنبی نے قہقہہ لگایا۔

''اور سنئے! ایک صبح اپنے بنگلے سے کالج جانے کے لئے تیار ہو کر نکلے۔ نہ جانے کہاں سے ایک گدھا آنکلا تھا اور ٹھیک اسی جگہ آکر کھڑا ہو گیا تھا جہاں انہیں اپنی موٹر سائیکل ملتی تھی۔ اُس دن اتفاق سے نوکر موٹر سائیکل نکالنا بھول گیا تھا۔ آپ بے خیالی میں گدھے پر چڑھ بیٹھے اور لگے زمین پر پاؤں مارنے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا۔ کہنے لگے کم بخت اسٹارٹ ہی نہیں ہوتی۔''

اجنبی کے قہقہے برابر گونج رہے تھے۔

''خدا کی قسم آپ بہت زندہ دل آدمی ہیں۔ میں مان نہیں سکتا کہ لڑکیاں آپ کو لفٹ نہیں دیتیں۔''

''آپ کو ماننا پڑے گا۔'' حمید دفعتاً بگڑ کر بولا۔

اجنبی حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگا۔

''آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں؟''

''ارے نہیں صاحب۔'' اجنبی پرے کھسکتا ہوا بولا۔

''میں کل ضرور آؤں گا لیکن اگر مجھے شرمندگی ہوئی تو......!''

''میرا سر اڑا دیجئے گا۔'' اجنبی مسکرا کر بولا۔

''آپ نے میری بات کا بُرا تو نہیں مانا؟'' حمید نے تھوڑی دیر بعد نرم لہجے میں کہا۔

''نہیں قطعی نہیں......!''

''میں بہت بدنصیب آدمی ہوں۔'' حمید نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ پھر باقاعدہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''ارے ارے......آپ رو کیوں رہے ہیں۔'' اجنبی گھبرا کر بولا۔

''کچھ نہیں کوئی بات نہیں۔'' حمید اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں کل آپ سے ضرور ملوں گا۔''

''لیکن ٹھہریئے تو آپ رو کیوں رہے ہیں؟'' اجنبی کہتا ہی رہا لیکن حمید چل پڑا۔ اس آنسو ابھی تک جاری تھے اور وہ دل ہی دل میں فریدی کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اُس نے رومال آنکھیں خشک کرنی چاہیں لیکن بے سود۔ آنکھوں میں بدستور جلن ہوتی رہی اور پانی بہتا رہا

فریدی نے میک اپ کے سلسلے میں نہ جانے کون سی چیز استعمال کی تھی جسے حمید کی لاپروائی نے آنکھوں تک پہنچا دیا تھا اور آنکھیں تھیں کہ برابر بہے جا رہی تھیں۔ وہ بدقت تمام گیراج تک پہنچا۔ فریدی کی کیڈی لاک ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ حمید نے آنکھیں خشک کر کے چاروں طرف دیکھا لیکن فریدی کہیں نہ دکھائی دیا۔

اس نے چپ چاپ کار گیراج سے نکالی اور اُسے سڑک پر لے آیا۔ پھر وہ دل ہی دل میں یہ سوچ کر خوش ہونے لگا کہ کیڈی کی عدم موجودگی میں فریدی کو کافی دھکے کھانے پڑیں گے کیونکہ یہاں پر ٹیکسیاں نہیں ملتی تھیں۔ یہاں ایسے لوگ شاذونادر ہی آتے تھے جنہیں کرائے کی سواریاں کرنی پڑیں۔

خاصی تاریکی چھا گئی تھی۔ سڑک سنسان تھی لیکن نہ جانے کیوں حمید کیڈی کو آہستہ آہستہ چلا رہا تھا۔ آگے چل کر اُسے کار روک دینی پڑی کیونکہ تھوڑی دور پر ایک آدمی اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ جب ہیڈ لائیٹس کی روشنی اُس کے چہرے پر پڑی تو حمید نے اُسے پہچانا...... یہ فریدی تھا۔

''چوٹ دینا چاہتے تھے۔'' وہ اُس کے برابر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''ادھر کھسکو......!''

فریدی نے حمید کو ہٹا کر اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ کیڈی پھر چل پڑی۔

''چلو معاف کر دیا۔'' فریدی نے کہا۔ ''کیونکہ اس وقت تم نے اپنا پارٹ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔''

''جناب......!'' حمید ہونٹ پھیلا کر بولا۔ ''آخر آپ مجھے کب تک بندروں کی طرح نچائیے گا۔ جہنم میں گیا یہ پارٹ وارٹ......میری آنکھیں۔''

''انہیں آنکھوں کی بدولت وہ تمہیں عرصے تک یاد رکھے گا۔''

''اس تضیع اوقات کا مقصد کیا تھا......؟''

''اگر تم مقصد بھی نہیں سمجھ سکے تو تم پر گدھوں کی پھٹکار۔''

''فرض کیجئے کہ میں سچ مچ قربانی کا بکرا ہی ثابت ہوا تو؟''

''خیر اُس کی خوشی ہے کہ مقصد تمہاری سمجھ میں آ گیا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

"ہاں اگر واقعی تم مارے ہی گئے تو کسی نہ کسی طرح صبر کرلوں گا۔"

"بس؟ گویا میں......!"

"آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے مرنے سے دنیا کوئی کمی محسوس نہ کرے گی کا
کوئی دوسرا حمید پیدا ہو جائے گا۔"

"لیکن جنہوں نے اس حمید کو پیدا کیا ہے اُن کا کیا حشر ہوگا......؟"

"میں انہیں بھی صبر ہی کا مشورہ دوں گا۔"

حمید نے فریدی کو گھور کر دیکھا۔ وہ حد درجہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"تو کیا سچ مچ آپ مجھے کسی خطرے میں جھونک رہے ہیں؟"

"ہاں...... ہاں...... ہاں......!" فریدی نے جھلّے دار آواز میں کہا اور دفعتاً کار روک
اور انجن بند کرکے نیچے اُتر گیا۔

"میرا انتظار کرو۔"

پھر وہ تاریکی میں غائب ہوگیا۔ کچھ دور تک قدموں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر
نے ایک سگریٹ سلگایا اور سیٹ سے ٹک گیا۔ اُسے اس وقت وہ ساری لاشیں یاد آرہی تھ
جنہیں دیکھ کر اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ پھر اس کا ذہن اُس اجنبی کی طرف مڑ گیا
سے کچھ دیر قبل اُس نے باتیں کی تھیں اور وہ باتیں...... کیا وہ کسی نوجوان کو پھانسنے کے
ناکافی تھیں۔ خوبصورت لڑکیوں کا لالچ۔ کیا وہ سب بے چارے اسی لالچ میں مارے گئے
حمید کو فریدی کا یہ سوال یاد آگیا کہ وہ کون سی ایسی چیز تھی جو اُن لڑکوں کو کافی رات گئے تک
سے باہر روکے رکھتی تھی۔ خوب صورت لڑکیاں...... اُس کے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گ
بوڑھے اجنبی کا شفقت آثار چہرہ بھیڑیئے کی شکل میں تبدیل ہوکر اُس کی آنکھوں کے سا
آگیا۔

حمید خائف نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی کبھی ایسا موقع آیا تو وہ خود اُس کی بو
اڑا دے گا۔ الجھن دراصل اس بات کی تھی کہ فریدی اُس کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ا
اندھیرے میں دھکیل رہا تھا۔ اُس نے ایسا پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ اُس کے لئے یہ چیز بھی تحیر خ

کہ اس کیس میں اتنے دن لگ گئے تھے اور ابھی تک کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ فریدی محض اپنی طبع رسا اور پھرتیلے پن ہی کے لئے مشہور تھا ورنہ محکمے میں مکھیاں مارنے والے تو بہتیرے پڑے ہوئے تھے۔ اس دوران میں کئی بار افسران بالا کی طرف سے یاد دہانی بھی کی جا چکی تھی اور یہ اس کی یادداشت میں پہلا موقع تھا۔ ورنہ اس سے قبل افسران بالا کو کبھی اس کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ حمید سناٹے میں جھینگروں کی جھائیں جھائیں سنتا رہا۔ اُسے آج شام افروز سے ملنا تھا مگر نہ مل سکا۔ وہ اُس کے لئے ہمدردی کی بے پناہ جذبات رکھتا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ زیادہ خوبصورت عورت کی بہرحال مٹی پلید ہو جاتی ہے۔ چاہے وہ غریب ہو چاہے دولت مند۔ کچھ نہیں تو لوگ اُس کے لئے گندے خیالات ہی رکھتے ہیں۔ زیادہ پر جوش اور بے باک قسم کے آدمی تو دانت پر دانت جما کر اُن کا اظہار بھی کر دیتے ہیں اور کچھ اس انداز میں جیسے انہوں نے زبان نہیں ہلائی بلکہ اپنے ارادے کو عملی جامہ ہی پہنا ڈالا۔ حمید اونگھنے لگا۔ لیکن اس کا نیم غنودہ ذہن اب بھی سوچے جا رہا تھا۔ حکومت کو چاہئے کہ اس کی روک تھام کرے۔ خوبصورت عورتوں کو کہیں اور بھیج دے...... کہیں اور...... جہاں فرشتے بستے ہوں یا پھر فریدی جیسے لوگ ہوں۔ فریدی کے خیال پر اونگھتے ہوئے ذہن نے قلابازی کھائی اور نیند کے دھندلکوں میں اُسے فرشتے ہی فرشتے نظر آنے لگے۔ پھر ایک فرشتے نے اُس کے سر پر چپت رسید کردی۔

حمید چونک پڑا۔

"زندہ ہو یا مر گئے؟" فریدی نے اُس کے سر پر دوسری چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔

"مر گیا......!" حمید نے جھلا کر کہا اور سیدھا ہوگیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کردی اور حمید نے محسوس کیا کہ اُس کی رفتار بہت تیز تھی۔

"کیا اولے پڑنے والے ہیں؟" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں...... ممکن ہے یہ قصہ اسی وقت ختم ہو جائے۔" فریدی بولا۔

اچانک حمید کی نیند غائب ہوگئی اور وہ فریدی کو گھورنے لگا۔

"کچھ ہی دیر پہلے ایک گاڑی جھریالی کی طرف گئی ہے۔" فریدی پھر بولا۔ "اس کی روانگی

نیا گرا ہوٹل سے ہوئی تھی اور اُس میں ایک لڑکا بھی تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرنے والے کی شکل دیکھی جا سکی۔"

"آپ گئے کہاں تھے؟" حمید نے پوچھا۔

"قریب ہی۔" فریدی نے کہا۔ "سرجنٹ رمیش سے اطلاعات لینے۔ وہ جھریالی کی ط جانے والی گاڑیوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ میں نے اس کا انتظام جھریالی والے حادثے کے بع کر لیا تھا۔"

"تو کیا اب آپ ہر اس گاڑی کے پیچھے دوڑ لگائیے گا جس پر کوئی خوبصورت لڑکا ہو؟"

"نہیں فرزند...... نیا گرا ہوٹل اُن کا خاص مرکز ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بات ڈا رہائی کے بعد ہی معلوم ہوئی ہے۔ ورنہ میں غیب داں تھا کہ یہاں دوڑا چلا آتا۔"

"تو کیا وہ ڈالمے ہی تھا جس سے میں نے باتیں کی تھیں۔"

"نہیں...... وہ اُسی گروہ کا کوئی اور آدمی تھا۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ اُس گاڑی پر وہی مجرم ہ

"پھر بھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ یہ کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ تو ہے نہیں کہ مجرم بندھے ٹکے اصولوں کے تحت ہاتھ آ جائے اور نہ میں شرلاک ہومز ہوں۔ سمجھے۔"

حمید پھر کچھ نہیں بولا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو قائل کرنا آسان کام نہیں۔ دلائل اُ صرف خاموش کر سکتے تھے لیکن کام سے روک دینا دلائل تو کیا حقائق کے بس کا بھی روگ نہیں ؛

کیڈی لاک سنسان سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ حمید پھر اونگھنے لگا۔ اُسے خبر نہ ہوئی ک وقت گذر گیا۔ اگر کار ایک جھٹکے کے ساتھ نہ رکتی تو شاید وہ سوتا ہی رہتا۔ فریدی نے کار روک ہیڈ لائیٹس بجھا دی تھیں۔ حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ اُسے نہ وقت کا احسا اور نہ مقام کا۔

"وہ روشنی دیکھ رہے ہو؟" فریدی نے ایک طرف اشارہ کیا۔ کچھ دور پر ہلکی سرخ رنگ روشنی دکھائی دی اور کچھ دھواں بھی۔

"ہاں...... کیا ہم کسی گاؤں میں ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں...... یہ جھریالی کی غیر آباد پہاڑیاں ہیں۔ کیا تمہیں وہ چٹانیں نہیں دکھائی دیتیں ں روشنی نظر آ رہی ہے۔"

"چٹانیں؟" حمید نے پھر آنکھیں پھاڑ دیں۔ پہلے وہ انہیں چھوٹے چھوٹے مکانوں کی ں سمجھا تھا۔

"یہاں اس وقت روشنی کا کیا کام......!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور کیڈی سے اُتر گیا۔ نے بھی اُس کی تقلید کی۔ پھر وہ پہاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ سیاہ رات سائیں سائیں تھی اور اُن کے قدموں کی آواز دور دور تک گونج رہی تھی...... دفعتاً انہوں نے ایک چیخ پھر دوسری جیسے وہ ختم ہونے سے پہلے ہی دہرا دی گئی ہو۔ ایسا معلوم ہوا جیسے نیم روشن چیخ رہی ہوں۔ حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔ فریدی نے آواز کی دوڑنا شروع کر دیا۔ حمید کئی جگہ ٹھوکریں کھا کر گرتے گرتے بچا۔ فریدی ایک چٹان سے چٹان پر جست لگاتا پھر رہا تھا مگر چیختی ہوئی چٹانیں اب بھی کافی بلندی پر تھیں۔ دفعتاً ں آنی بند ہو گئیں لیکن روشنی ابھی تک دکھائی دے رہی تھی۔

بدقت تمام وہ دونوں اُن چٹانوں تک پہنچے۔ پھر انہیں ایک عبرت ناک منظر سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک نوجوان لڑکے کی برہنہ لاش پڑی تھی اور اُس کے قریب لکڑیوں کا ایک ڈھیر جل رہا یہ لاش بھی پچھلی لاشوں سے مختلف نہیں تھی۔ اُس کے جسم پر بھی نوچنے گھسوٹنے کے نشانات ر گردن کسی چھری سے ریتی گئی تھی۔ کٹی ہوئی گردن سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

"تم یہیں ٹھہرو......!" فریدی نے حمید کی طرف ایک ریوالور اچھالتے ہوئے کہا اور طرف اتر گیا۔ حمید نے ریوالور ہاتھوں پر روک لیا۔ اُس کا منہ خشک ہوا جا رہا تھا اور سانسیں میں رک رہی تھیں۔ پھر وہ روشنی سے ہٹ کر دو چٹانوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ رات اپنے سیاہ ے کھولے وقت کا تعاقب کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی لوٹ آیا۔ اُس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ حمید نے مستفسرانہ نظروں سے دیکھا۔

"ہم دیر میں پہنچے۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور لاش کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ تیزی سے اُس پر جھکا۔ تھوڑی دیر تک اُسی حالت میں رہا پھر سیدھا
اندھیرے میں گھورنے لگا۔

بہت دور جنگل میں کسی موٹر کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی دکھائی دی اور پھر اندھیرا ہو گیا
رات کا سناٹا اور گہرا معلوم ہونے لگا۔ ایک لاش ...... سلگتی ہوئی لکڑیاں اور
بظاہر بے بس نظر آ رہے تھے دھندلی روشنی میں اُن کے سائے کپکپا رہے تھے۔

حیرت

دوسری صبح فریدی بہت زیادہ مشغول تھا۔ لاش ہی کے ساتھ اُس نے کئی اور چیز
پہاڑیوں میں دریافت کی تھیں جن پر وہ غور کر رہا تھا لیکن وہ چھری نہیں مل سکی جس سے
مقتول کو ختم کیا تھا۔ اُس لاش کے وارثوں کا پتہ بھی آسانی سے چل گیا۔ آج صبح جب
لڑکے کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے کے لئے کوتوالی آئے تو انہیں اس کی لاش ملی۔
اُن سے متعدد سوالات کئے۔ لیکن اس بار بھی اُسے کوئی ایسی بات نہ معلوم ہو سکی جس
شخصیت پر روشنی پڑتی۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ مقتول اپنی زندگی میں پہلی بار رات بھر گھر
رہا تھا۔ پچھلی لاشوں کے وارثوں کے بیانات اور اس میں فریدی کو صرف یہی فرق قابل غور

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجرم نے اپنا پرانا رویہ بدل دیا۔" فریدی نے حمید

"دوسرے مقتولین نے کئی کئی راتیں گھر سے باہر گذاری تھیں اور اس نے پہلی بار یہ
لیکن میاں حمید ذرا غور تو کرو اُس جال کے متعلق جس میں یہ پھنس جاتے ہیں۔"

"اگر وہ کل والا اجنبی حقیقتاً اُسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا تو یہ جال غیر معمولی نہیں

"یعنی......؟"

"خوب صورت لڑکیوں کا لالچ......!" حمید نے کہا۔

"تم ٹھیک سمجھے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ابھی تو تمہیں اس سے بھی زیادہ حیرت
سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"قبل از وقت سمجھانا بھی نہیں چاہتا۔"

"میں سمجھنا بھی نہیں چاہتا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

اس کے بعد پھر دن بھر دونوں میں کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔

فریدی تین بجے تک دفتر سے غائب رہا۔ کل کی ناکامی کی بناء پر حمید آج کی تیاریوں کو بھی
ہی سمجھ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی آج اُسے کل والے اجنبی کے بتائے
پتے پر بھیجے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج کی کامیابی پر بھی یقین نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم نہیں
کون سا رخ اختیار کریں؟ وہ اسے فریدی کی اندھی چال ہی سمجھنے پر مجبور تھا اور سوچ رہا تھا
اُس نے یہی اسکیم بنائی تو اُسے ضرورت سے زیادہ ہوشیار رہنا پڑے گا۔

فریدی کی واپسی پر وہی ہوا جس کے متعلق حمید سوچ رہا تھا۔ وہ دونوں آفس سے گھر
آئے۔

"تم جانتے ہو کہ ڈالمے کے آدمی میری تاک میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"انہیں ہونا ہی چاہئے۔" حمید بولا۔ "کیونکہ ڈالمے آپ ہی کی مرضی کے مطابق عمل کر رہا ہے۔"

"ہوں...... اسی لئے میں تمہارا میک اپ یہاں نہیں کروں گا۔"

"لیکن......!"

"تم شاید وہاں جاتے ہوئے ڈر رہے ہو۔"

"نہیں تو...... لیکن......!"

"تم نے اب تک جو کچھ اندازہ لگایا ہے معاملات اُس کے برعکس ہی نکلیں گے۔" فریدی
اعتماد لہجے میں کہا۔

حمید جواب طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہاں مجھے خود تمہیں سے خوف معلوم ہو رہا ہے۔"

"مجھ سے......؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں تم سے......!" فریدی بولا۔ "اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنا اور ہاں
اب جھریالی کے علاوہ کوئی اور مقام منتخب کیا جائے۔"

"یہ تو ظاہر ہی ہے۔" حمید نے کہا اور اپنا پائپ بھرنے لگا۔

"ویسے میں تم سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہوں گا۔ یہ میں تمہیں نہ بتاتا کیونکہ تم ا اپنی ایکٹنگ میں بے ساختگی نہ پیدا کرسکو گے۔ مگر خیال آتا ہے کہ تم ڈر رہے ہو۔"

"میں ڈر رہا ہوں؟" حمید نے جھلا کر کہا۔

"تمہارے چہرے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"میں اپنا چہرہ کھرچ ڈالوں گا۔ آخر آپ مجھے اتنا بزدل کیوں سمجھتے ہیں؟"

"تمہاری آنکھیں سب کچھ کہہ دیتی ہیں۔"

"میں اپنی آنکھیں پھوڑ لوں گا۔" حمید پھر چیخا۔

"خیر...... خیر...... تھوڑی دیر بعد امتحان ہو ہی جائے گا۔" فریدی نے کہا اور کمرے میں چلا گیا۔

حمید کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے پائپ پیتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ناشتہ آ گیا۔ فرید ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس لئے ہوئے دوسرے کمرے سے آیا اور دونوں ناشتہ کر۔

تقریباً چھ بجے حمید ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے سے برآمد ہوا۔ وہ اپنے والے بھیس میں تھا۔ فریدی نے میک اپ کے لئے اسی ہوٹل کو منتخب کیا تھا۔ آج کئی دنو اُس نے اس ہوٹل کا ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا۔

حمید نے ٹیکسی کی اور وکٹوریہ روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ خائف نہیں تھا لیکن الجھ تھی۔ معلوم نہیں کیا واقعات پیش آئیں اور کس قسم کی لڑکیوں سے ملاقات ہو لڑکیاں؟...... کیسی لڑکیاں؟ ممکن ہے وہ محض فریب ہو۔ دیکھا جائے گا۔ وہ زیر لب بڑ جیب سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ وکٹوریہ روڈ پہنچ کر اُس نے ڈرائیور سے "اٹھارہ" دوسری سگریٹ سلگانے لگا۔ ٹیکسی ایک عظیم الشان کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ حمید نے اتر ادا کیا اور پھاٹک کی طرف بڑھنے لگا۔

"اوہ...... ہیلو عارف۔" پائیں باغ سے آواز آئی۔ کل والا اجنبی تیزی سے درمیا طے کرتا ہوا پھاٹک کی طرف آ رہا تھا۔

"ہیلو......!" حمید گرم جوشی سے مسکرایا۔

"میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اجنبی اُس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔"

"اچھا ہی ہوا کہ آپ باہر تھے...... ورنہ شاید مجھے لوٹ جانا پڑتا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟ چلئے اندر چلئے۔"

"کل میں بدحواسی میں آپ کا نام دریافت کرنا بھول گیا تھا۔" حمید بولا۔ "بھلا اس وقت میں کسی کو کیا بتایا کہ مجھے کس سے ملنا ہے۔"

"بہرحال آپ آ ہی گئے۔" وہ حمید کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔ "مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے وعدہ خلافی نہیں کی۔ آپ جانتے ہیں کہ ایسی صورت میں کتنی تکلیف ہوتی ہے۔"

"میں تو خودکشی کے امکانات پر غور کرنے لگتا ہوں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

وہ دونوں پائیں باغ میں داخل ہو گئے۔ حمید اس کوٹھی کے محل وقوع پر غور کر رہا تھا۔ وکٹوریہ روڈ پر کئی کوٹھیاں تھیں لیکن ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے قریب نہیں تھی۔ دو دو یا تین تین فرلانگ کا فاصلہ ضرور رہا ہوگا اور یہ سڑک کچھ ایسی زیادہ پر رونق بھی نہیں تھی۔ یہاں زیادہ تر وہی لوگ آباد تھے جو شہر کے ہنگاموں سے دور رہنا چاہتے تھے۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں آپ کی کوئی خاص خاطر نہ کرسکوں گا۔" اجنبی نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ اچانک میرے میزبان کے صاحبزادے کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔"

"میری سب سے بڑی خاطر یہی ہوسکتی ہے کہ اب آپ اپنا مکمل تعارف کرا دیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "میں کل رات بھر اپنی اس حماقت کی بناء پر شدید الجھن میں مبتلا رہا ہوں کہ آپ جیسے عمدہ دوست کا نام تک دریافت نہ کرسکا۔ معاف کیجئے گا آپ کو لفظ دوست پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"نہیں...... بھلا اعتراض کیوں؟" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"میری اور آپ کی عمر کا فرق۔ حالانکہ میں خود اس کا قائل نہیں۔" حمید نے کہا۔

"تو کیا آپ مجھے اس معاملے میں تنگ نظر سمجھتے ہیں؟" اجنبی سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے پی کی ملک کہتے ہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی میں نفسیات کا لیکچرر ہوں!"

"آپ سے مل کر واقعی خوشی ہوئی۔" حمید نے پھر اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھاتے

ہوئے کہا۔ ''اور آپ کی دوستی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں۔''

وہ دونوں ایک وسیع ہال میں آئے جس میں سے ایک کشادہ زینہ اوپری منزل کی گیلری تک چلا گیا تھا۔

''آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میرا کوئی دوست میرا ہم عمر نہیں۔'' پروفیسر ملک نے کہا۔

''غالباً اس سلسلے میں بھی آپ نے نفسیات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔'' حمید بولا۔

''یعنی......!''

''یہ ہمیشہ جوان بنے رہنے کا بیش قیمت نسخہ ہے کہ جوانوں کی صحبت اختیار کی جائے۔''

''واقعی آپ بہت ذہین ہیں۔'' پروفیسر ملک نے قہقہہ لگایا۔

حمید بے چینی سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا اور اُس کی یہ ایکٹنگ بے ساختگی کی حامل تھی۔

پروفیسر ملک اُس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔

''مسٹر عارف......! میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت آپ کی کوئی خاطر کرسکوں گا۔ سب لڑکیاں اوپر ہیں ایسے موقعے پر یہ تعارف بے تکا ہی رہے گا۔''

''کیسے موقع پر......؟'' حمید نے پوچھا۔

''اُف فوہ! اتنی از خود رفتگی......!'' پروفیسر ہنسا۔ ''میں نے ابھی عرض کیا تھا نا کہ میرے میزبان کے صاحبزادے پر دورہ پڑ گیا ہے۔''

''اوہ! کس قسم کا دورہ......!''

''ہسٹریا ہی کی قسم کا دورہ ہوسکتا ہے۔'' پروفیسر نے پُرتشویش انداز میں کہا۔

''تب تو واقعی میں بہت ہی بے موقع آیا۔'' حمید بولا۔

''کیوں؟ کیا آپ میری صحبت میں بور فیل کر رہے ہیں؟''

''ارے نہیں......آپ بھی کمال کرتے ہیں۔''

دفعتاً اوپری منزل سے ایک چیخ سنائی دی اور حمید کے کانوں میں پچھلی رات کی جھریالی دار چیخیں گونجنے لگیں۔

''سنا آپ نے......؟'' پروفیسر بولا۔ ''اُسی کی چیخیں ہیں۔ دورے کی حالت میں چیخ رہا ہے۔''

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ کیا پچھلی رات والی چیخیں ایسی ہی نہیں تھیں؟

''کس وقت پڑا تھا دورہ......؟'' اُس نے پوچھا۔

''صبح ہی سے وہ اس مصیبت میں مبتلا ہے۔''

چیخ پھر سنائی دی اور ساتھ ہی باہر برآمدے میں بہت سے آدمیوں کے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ دوسرے لمحے میں پردہ ہٹا اور فریدی سات آٹھ مسلح کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر گھس آیا۔

پروفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ اور کانسٹیبل اندر آ گئے۔

حمید نے پروفیسر ملک کی گردن پکڑ کر آگے کی طرف دھکا دیا......اور کانسٹیبلوں نے اُسے سنبھال لیا۔

''عارف میاں سلمہ......!'' فریدی نے کہا۔ ''میں سمجھا تھا شاید تم کام آ گئے۔''

حمید نے اوپری منزل کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے۔'' پروفیسر ملک چیخا۔

''خاموش رہئے جناب۔'' حمید نے کہا۔ ''ہم ذرا اُس مریض کو دیکھنے جا رہے ہیں جو غالباً اب چل بسا ہوگا۔''

اچانک چیخ پھر سنائی دی۔ ایک لمبی چیخ جو آہستہ آہستہ مدھم ہوتی گئی۔

فریدی اور حمید زینوں پر چڑھنے لگے انہوں نے دو تین کانسٹیبلوں کو بھی اشارہ کیا۔ بقیہ نیچے ہی رہے۔

پروفیسر ملک چیخ چیخ کر گالیاں بک رہا تھا۔ اس پر کسی کانسٹیبل نے اُس کے منہ پر شاید تھپڑ بھی رسید کر دیا۔

اوپر کے دو تین دروازے توڑ دیئے گئے اور پھر ایک کمرے میں عجیب و غریب منظر تھا۔ ایک برہنہ عورت جس کے ہاتھ میں ایک چمک دار چھری تھی اور ایک دوسرے مردہ برہنہ جسم پر جھکی ہوئی تھی۔ اُس کی پشت انہیں کی طرف تھی۔ اس لئے چہرہ نہ دیکھا جا سکا۔

پھر وہ یک لخت اچھل کر دوسرے کمرے میں گھس گئی۔

''میرے خدا......!'' حمید تحیر آمیز انداز میں چیخا۔ ''یہ افروز تھی......ارے لیڈی جہانگیر۔''

کانسٹیبل دروازے ہی پر جم کر رہ گئے تھے۔

"پکڑو......!" فریدی نے حمید کو اشارہ کیا۔

"مم......میں......!" حمید ہکلایا۔ "آپ ہی......کیوں نہیں۔"

فریدی نے کانسٹیبلوں کی طرف دیکھا۔

"کہیں اُدھر سے نہ نکل جائے۔" اُن میں سے ایک بولا اور وہ سب گیلری سے گذر ہوئے دوسری طرف چلے گئے۔

فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ ڈرتے ہیں؟" حمید تھوک نگلتا ہوا بولا۔ "اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں

"نہیں......تو......!" فریدی بھی تھوک نگلتا ہوا بولا۔ "وہ......نن......ننگی ہے۔"

"کیا واقعی......؟" حمید نے احمقوں کی طرح پوچھا۔ حالانکہ وہ خود بھی اُسے اُس حال میں دیکھ چکا تھا۔

فریدی نے بھی احمقوں کی طرح سر ہلا دیا۔

پھر اچانک اُس کمرے سے ایک فائر ہوا اور فریدی کی فلٹ ہیٹ صاف اڑ گئی۔

"وہ گئی۔" حمید چیخ کر فلٹ ہیٹ کی طرف دوڑا۔

"ہوش میں آؤ......!" دفعتاً اُسے فریدی کی گرج دار آواز سنائی دی۔

حمید پلٹ آیا۔ فریدی نے ایک میز الٹ کر اُس کی آڑ لے لی تھی۔ حمید بھی اُس کے قریب آ گیا۔

"لیڈی جہانگیر......!" فریدی چیخا۔ "ریوالور پھینک دو۔"

کمرے سے پھر فائر ہوا۔ فریدی نے بھی جوابی فائر کیا۔ حمید نے نیچے بھی فائروں ک آوازیں سنیں پھر پوری عمارت دھاکوں سے گونجنے لگی۔ اس کمرے سے جس میں لیڈی جہانگ گھسی تھی فائر ہونے کا یہ مطلب تھا کہ دوسری طرف نکل بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ورنہ صاف نکل گئی ہوتی۔ حمید کا دماغ بہت سے کام کرنے لگا تھا۔ اُس نے سوچا کہ کہیں دوسری طرف سے بھی فائر نہ شروع ہو جائیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اس وسیع عمارت میں صرف تین ہی آد رہے ہوں۔ دفعتاً اُس کی نظریں اُس لاش پر پڑیں جس پر سے لیڈی جہانگیر اٹھی تھی۔ وہ پچھل

لاشوں ہی کی طرح درندگی کا شکار ہوئی تھی۔

نیچے برابر فائر ہو رہے تھے اور چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

سامنے والے کمرے سے پھر فائر ہوا اور ساتھ ہی ایک چیخ بھی سنائی دی۔

"خودکشی......!" فریدی میز کی اوٹ سے نکل کر کمرے کی طرف جھپٹا۔

لیڈی جہانگیر فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اُس کے داہنے کان سے خون بہہ رہا تھا۔ فریدی نے اپنا کوٹ اتار کر اُس کے برہنہ جسم پر ڈال دیا۔ وہ ابھی سانسیں لے رہی تھی فریدی زخم دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے حمید کا کوٹ بھی اتروا کر اُسے اچھی طرح ڈھک دیا۔

"کامیاب نہیں ہوئی۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "گولی صرف کان میں لگی ہے۔ تم یہیں ٹھہرو۔" پھر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

نیچے اب تک گولیاں چل رہی تھیں۔ دفعتاً حمید کی نظریں کمرے کے روشندان کی طرف اٹھ گئیں۔ شیشوں کے پیچھے اُسے ایک لمبوترا چہرہ دکھائی دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں اُس کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا۔ روشندان کے شیشے ٹوٹ کر فرش پر آ رہے اور ایک چیخ بلند ہوئی۔ چہرہ پہلے تو روشندان ہی کی طرف جھکا اور پھر پیچھے کی طرف لڑھک گیا۔

لیڈی جہانگیر بے ہوش پڑی تھی۔ حمید کے دل میں اُس کے لئے کسی قسم کے جذبات نہیں تھے۔ نہ غصہ، نہ نفرت، نہ ہمدردی نہ پیار۔ اور اب تو اُس کی حیرت بھی رفع ہو گئی تھی۔ نہ جانے کیوں اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے پہلے ہی سے اس کی توقع رہی ہو حالانکہ یہ بات پہلے اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

تھوڑی دیر بعد اوپر کچھ کانسٹیبل پہنچ گئے۔ حمید انہیں لیڈی جہانگیر کے پاس چھوڑ کر کمرے سے نکل آیا۔ وہ لمبوترے چہرے والے کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔

نیچے گولیاں چلنا بند ہو گئی تھیں۔ ہال میں حمید کو کئی لاشیں نظر آئیں۔ کچھ قیدی اور کچھ زخمی دکھائی دیئے۔ تین کانسٹیبل بھی کام آئے تھے۔ فریدی کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا جسے وہ بار بار انگلی سے پونچھ کر ادھر اُدھر چھڑک دیتا تھا۔

"یہ کیا ہوا......؟" حمید نے پوچھا۔

"میز الٹتے وقت شاید چوٹ آ گئی تھی۔" فریدی نے کہا اور قیدیوں کا جائزہ لینے لگا۔

"ایک لاش تیسری منزل پر بھی ہے۔" حمید بولا۔

اور وہ لاش حقیقتاً لمبوترے چہرے والے ہی کی نکلی۔

آدھے گھنٹے کے بعد زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا جا رہا تھا۔ ان میں لیڈی جہانگیر بھی تھی جو ا تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔

دوسری صبح اخبارات شائع ہوتے ہی شہر میں ہلچل مچ گئی۔ ہاکر چیختے پھر رہے تھے۔ ا فریدی اور سرجنٹ حمید کے کارناموں سے گمنام گلیاں تک گونج رہی تھیں۔ پولیس ہسپتال سامنے تقریباً آدھا شہر امنڈ آیا تھا۔ ہر ایک اُس درندہ صفت عورت کی ایک جھلک کے لئے تاب نظر آ رہا تھا۔ لوگوں کی زبانوں پر اُس کی خوبصورتی اور پرکشش شخصیت کی کہانیاں تھیں زیادہ تر یہ خیال ظاہر کیا جا رہا تھا کہ یقیناً اُس کے جسم میں کوئی خبیث روح حلول کر گئی ہے۔

دوسری طرف فریدی اپنے آفس میں بیٹھا افسران بالا کو اس کیس کی تفصیلات بتا رہا تھا۔

"مجھے اس عورت پر پہلے ہی سے شبہ تھا۔" اس نے کہا۔ "لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ ہی اس گروہ کی سرغنہ بھی ہے۔ مجھے اُس پر اُسی وقت شبہ ہو گیا تھا جب وہ قمار خانے سے بر ہوئی تھی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ وہ ایک مقفل کم میں رسیوں سے بندھی پڑی تھی۔ آخر ا رسیوں سے باندھنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ اس کمرے کو مقفل بھی کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر بندھی نہ ہوتی تب بھی کمرے سے باہر نہیں نکل سکتی تھی اور پھر اگر حفاظت کے خیال سے کو باندھا بھی جاتا ہے تو عموماً اُس کے دونوں ہاتھ پشت پر ہوتے ہیں تاکہ وہ پیروں کی رسیاں کھول سکے۔ اس کے برخلاف اُس کے دونوں ہاتھ یونہی معمولی طور پر بندھے ہوئے تھے اگر چاہتی تو بہ آسانی اپنے پیروں کی رسیاں کھول سکتی تھی۔ پھر اُس کے بعد ہاتھ بھی کھل سکتے تھے دراصل واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب مجرم بھاگنے لگے تھے تو اُس نے خود کو بندھوا لیا تھا۔ جلدی میں ان نکتوں پر غور نہ کر سکی۔ ورنہ ویسے وہ بلا کی ذہین عورت ہے۔ اُسے سو فیصدی شبہ تھا کہ اس کی طرف سے مشکوک ہوں۔ لہٰذا اُس نے میرا شک رفع کرنے کے لئے اپنے یہاں نورو بال منعقد کیا اور اُس میں اپنے ہی آدمیوں سے ہڑبونگ مچوائی۔ یہ ظاہر کرنا چاہا کہ وہ ا

دوبارہ اٹھانے کے لئے آئے تھے۔ بہرحال موقع واردات پر پکڑنے سے پہلے یہ چیز میرے لئے خواب وخیال میں بھی نہ تھی کہ وہ اس گروہ کی سرغنہ ہو سکتی ہے یا وہ ساری درندگی اُس کی تھی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ کوئی آدمی اُسے لڑکوں کو پھانسنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ پرسوں والی لاش جو جھریالی میں ملی تھی اُس نے میرے خیالات یکسر بدل دیئے۔ میں نے اس سلسلے میں کسی مرد کی جستجو تو بالکل ہی ترک کر دی کیونکہ اُس لاش پر مجھے کئی جگہ لپ اسٹک کے نشانات بھی ملے تھے۔ لیکن اس حالت میں بھی میرے ذہن میں لیڈی جہانگیر نہیں آئی۔ اُسے دیکھ کر یہ کہا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ کسی وقت بھیڑیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتی ہوگی۔ اس کے برخلاف میری ذہن میں کسی حد درجہ خوفناک صورت والی عورت کی تصویر تھی۔ دوسری دلچسپ بات یہ کہ اس پورے گروہ میں دو ایک کے علاوہ کسی اور کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اُن پر کوئی عورت حکومت کر رہی ہے۔ لیڈی جہانگیر نے یہ گروہ بڑے ہی پراسرار طریقے پر ترتیب دیا تھا۔ گروہ کے بیشتر افراد نے اعتراف کیا ہے کہ وہ عادی مجرم ہیں اور انہیں خط و کتابت کے ذریعے اس گروہ میں شامل کیا گیا تھا۔ انہیں باقاعدہ طور پر بڑی تنخواہیں ملتی تھیں اور مال غنیمت کا کچھ حصہ بھی ان میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ سردار کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔ انہیں سردار کے احکامات ڈاملے یا کرن ڈے سے ملتے تھے۔"

پھر فریدی نے انہیں بتایا کہ ڈاکٹر لیڈی جہانگیر کا طبی معائنہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ جنسی جنون میں مبتلا ہے۔ اس میں Nymphomania (جنسی بوالہوسی) اور Sadism (اذیت کوشی) دونوں رجحانات موجود ہیں۔

"اسی لئے آپ مجھے اُس سے شادی کرنے کا مشورہ دے رہے تھے؟"

حمید نے منہ بنا کر کہا۔ افسران بالا ہی کے سامنے وہ بولنے کے لئے بے چین تھا لیکن نہ جانے کس طرح اُس نے خود کو روکا تھا۔ اُن کے پاس سے ہٹتے ہی اُس نے فریدی کو پیٹنا شروع کر دیا۔ "اور آپ نے اتنی خطرناک جگہ مجھے کیوں بھیجا تھا۔"

"حمید صاحب.....!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اگر میں آپ کو پہلے ہی یہ بتا دیتا کہ افروز مشتبہ ہے تو آپ اپنے رویے میں فطری بے ساختگی برقرار نہ رکھ سکتے۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''آپ بھی اُس سے بُری طرح خائف تھے۔''

''میں......نہیں تو۔''

''قطعی تھے۔ اسی لئے آپ اُس رات اس بوڑھی عورت کے ساتھ ناچے تھے۔ آپ خوف تھا کہ کہیں افروز آپ کو وہیں نہ ادھیڑنا شروع کردے۔''

فریدی ہنس کر خاموش ہوگیا۔ حمید بھی کچھ دیر خاموش رہا۔

''ایک بات سمجھ میں نہ آئی۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ یہ کہ افروز بذات خود بہت دولت م تھی۔ پھر اُس نے یہ سب کیوں کیا۔ اُس کے گروہ والے ڈاکے بھی تو مارتے تھے۔ اعلیٰ پیمانے جوا بھی کھلاتے تھے۔''

''خود اُس کا مقصد لوٹ اور کھسوٹ نہیں تھا۔'' فریدی بولا۔ ''اُس نے یہ سب کچھ مـ اپنے جنون کی تسکین کے لئے کیا تھا۔ اگر وہ اتنا طاقت ور گروہ نہ بناتی تو اُسے اپنی حیوانیت بھینٹ چڑھانے کے لئے نوجوان کہاں سے ملتے۔''

''خدا کی قسم آپ کی شادی اُسی کے ساتھ ہونی چاہئے۔'' حمید بے ڈھنگے پن سے ہنستا ہوا بولا۔

''پھر اُتر آئے تم بکواس پر......جاؤ اپنا کام کرو۔''

''اچھا ایک بات بتا دیجئے؟''

''جلدی بکو! ابھی مجھے رپورٹ مکمل کرنی ہے۔''

''کل اُسے پکڑتے وقت آپ کی گھگھی کیوں بندھ گئی تھی؟''

''رمیش......!'' فریدی نے سرجنٹ رمیش کو آواز دی۔

''جی......!'' رمیش دوسرے کمرے سے بولا۔

''اسے یہاں سے کان پکڑ کر نکال دو۔'' فریدی نے کہا اور لکھنے میں مشغول ہوگیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 25

خوفناک ہنگامہ

(مکمل ناول)

پیش لفظ

"خوفناک ہنگامہ" میں نے چیلنج کے ساتھ لکھا ہے اور اسی چیلنج کے ساتھ جوبلی نمبر کی صورت میں اسے پیش کر رہا ہوں۔ تحیر اور استعجاب، قدم قدم پر نئی دھڑکنیں اور نئے ہنگامے ایک ایسا ماحول آپ کے سامنے لائیں گے کہ آپ بہرحال یہ ضرور سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ جاسوسی ادب نے ایسا کارنامہ اب تک کسی زبان میں پیش نہیں کیا گیا۔

اس کہانی کے مجرم کوئی معمولی انسان نہیں ہیں۔ فریڈرک، شلائر، اور گارساں تین بھیانک انسان جن کی آپس کی لڑائی نے فریدی جیسے ذہین نڈر اور باحوصلہ شخص کو پریشان کر دیا۔ ایک بین الاقوامی مجرم ہندوستان کے ایک عظیم سائنسدان سے ایک گہرا راز حاصل کرنے کے لئے کتنے خون کر ڈالتا ہے۔ مجرموں کا یہ گروہ انہیں میں سے ہے جس نے مسولینی کو دوسری جنگ عظیم کے

دوران فرار ہونے میں مدد دی تھی۔

میاں حمید کا کردار آپ لوگوں کے لئے ہمیشہ ایک بحث کا موضوع رہا۔ وہ ہنسوڑ ہے۔ کھلنڈرا ہے۔ ہر وقت زندگی کی تیز دھوپ سے بچنے کے لئے قہقہوں کے رنگ میں محل تیار کرتا رہتا ہے۔ مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ جب وہ کام کرنے پر آتا ہے تو فریدی بھی تعجب میں پڑ جاتا ہے۔ اس کی بہادری اور تیزی اپنی جگہ پر اٹل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ خود مذاق بن کر دوسروں کو مضحکہ خیز بنا کر لطف اٹھاتا ہے۔

میں سنسنی خیز اشتہار بازی کا قائل نہیں ہوں اور جو کچھ بھی کامیابی جاسوسی دنیا کے ناولوں نے حاصل کی ہے وہ اسی بناء پر کی ہے کہ جب بھی آپ سے جو وعدہ کیا گیا اسے حتی الامکان پورا کیا گیا۔ اردو میں کسی مصنف کو یہ فخر حاصل نہیں ہے کہ اس کی کتابیں سال بھر میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد فروخت ہوتی ہیں اور جاسوسی دنیا کے ناولوں کے مصنف یعنی اس خاکسار کو یہ فخر صرف آپ کے ذوق سلیم اور اپنے ساتھیوں کے تعاون کی بناء پر حاصل ہے۔

ابن صفی

انجانے اشارے

محکمہ سراغ رسانی کی عمارت کے کلاک ٹاور نے نو بجائے اور رات کا سناٹا کچھ ہوگیا۔ وسط دسمبر کی ایک تاریک اور انتہائی سرد رات تھی۔ کہرے کی وجہ سے ستارے بھی آ رہے تھے۔ سردی کی شدت میدانی علاقے میں بھی یخ بستہ پہاڑوں کی یاد دلا رہی تھی۔ ہی بجے تھے لیکن سناٹے کا یہ عالم تھا جیسے کافی رات گزر گئی ہو۔ اگر کبھی سڑک پر ایک آدھ جاتی تو سکوت کچھ اس طرح ٹوٹتا جیسے کسی مریض نے کراہ کر کروٹ بدلی ہو اور پھر بے خبر ہو گ

محکمہ سراغ رسانی کے آپریشن روم میں تقریباً تمام مقامی سی آئی ڈی انسپکٹر موجود میں رات کی ڈیوٹی والے بھی تھے اور دن کی ڈیوٹی والے بھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے انہیں ایک مقصد کے تحت اس وقت یہاں اکٹھا کیا تھا اور خود موجود نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ کئی راتو ٹرانسمیٹر پر کچھ عجیب وغریب آوازیں سنی جا رہی تھیں۔ افسران بالا کا خیال تھا کہ وہ کوئی کی اشاراتی زبان تھی اور کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کی جا رہی تھی۔ آپریٹر اے راتوں سے برابر ریکارڈ کر رہا تھا۔ اس کی ایک ایک کاپی محکمے کے سارے انسپکٹروں کے دی گئی تھی لیکن کوئی ابھی تک اس کا مفہوم نہیں پیدا کر سکا تھا۔ آخر افسران بالا نے تھک فیصلہ کیا کہ وہ سب آج رات کو بذات خود آپریشن روم میں موجود رہیں۔

یہ آوازیں ٹھیک دس بجے رات کو ٹرانسمیٹر پر سنائی دیتی تھیں۔ آپریٹر کا بیان تھا کہ اس ل میں ابھی تک فرق نہیں آیا تھا۔

ایشیا کا عظیم سراغ رساں فریدی سب سے الگ تھلگ بیٹھا آپریٹر کی رپورٹ پڑھ رہا تھا۔ لسٹر میں جس کے کالر کانوں تک کھڑے ہوئے تھے اس کا خوبصورت چہرہ بڑا حسین لگ رہا س کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور ہونٹ قدرے سکڑ گئے تھے۔

"ہم لوگ تو محض جھک مارنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔" اس کے کانوں میں انسپکٹر ے کی آواز گونجی جو ابھی ابھی آیا تھا اور دروازے میں کھڑا پُرتمسخر انداز سے اس کی طرف رہا تھا۔

دوسرے انسپکٹر ہنسنے لگے۔ لیکن نہ جانے کیوں ان کے قہقہے فریدی کی ہلکی سی مسکراہٹ کے ، بے جان معلوم ہو رہے تھے۔

یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ فریدی کے سارے ساتھی اس کی دولت شہرت اور مقبولیت ناء پر اس سے جلنے لگے تھے اور موقع بے موقع اس پر طنز کرنے اور پھبتیاں کسنے سے باز نہیں ے تھے۔ اس کے ساتھ کے سبھی انسپکٹر معمر اور بزعم خود جہاندیدہ اور تجربہ کار تھے۔ لہٰذا وہ اپنے لے میں ایک "نوجوان انسپکٹر" کو آگے بڑھتے کس طرح دیکھ سکتے تھے۔ انسپکٹر آصف ان ، کا پیش رو سمجھا تھا اور وہ تھا بھی ان سب سے سینئر لیکن کارکردگی میں کسی رنگروٹ سے بھی تھا۔ فریدی عموماً اس کی باتوں کو ہنس کر ٹال دینے کا عادی تھا۔ آصف چونکہ اس سے عمر میں بڑا تھا اس لئے وہ اس کا احترام کرتا تھا لیکن کبھی کبھی خود اسی کی چھیڑ چھاڑ فریدی کو بے تکلفی مادہ کر دیتی تھی۔

"اسی لئے میں آپ سب سے کافی فاصلے پر بیٹھا ہوں۔"

"بچوں کا ہم لوگوں میں کام ہی کیا۔" آصف نے کہا اور اپنا اوورکوٹ اتارنے لگا۔

فریدی اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ آصف نے جیب سے رومال نکالا اور ناک پر رکھ کر دو ماکر یہ آوازیں نکالنے کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آصف چچا.....!" انسپکٹر سنگھ بولا۔ "اب تمہارا بڑھاپا ہے بچے ہی انگلی پکڑ کر تمہیں

چلائیں گے۔"

انسپکٹر سنگھ بھی ایک نوجوان آدمی تھا۔ فریدی سے اس کے گہرے تعلقات تھے۔ اِر
بھی انہی چند انسپکٹروں میں سے تھا جو اپنی عمر اور کارکردگی کی وجہ سے پرانے انسپکٹروں
تشنیع کا شکار ہوتے تھے۔

"ہمارے سامنے کے شیر خوار ہو۔" آصف گردن اکڑا کر بولا اور سگریٹ سلگانے

"اور یہی شیر خوار کچھ دنوں کے بعد ڈی۔ ایس۔ پی اور ایس۔ پی ہو جائیں
لیفٹیننٹ سعید نے کہا۔

لیفٹیننٹ سعید ملٹری کی سیکرٹ سروس سے مرکزی سی۔ آئی۔ ڈی میں آیا تھا اور ا
بھی محکمے کے نوجوان انسپکٹروں میں ہوتا تھا۔

"نوجوانی کے خواب کافی حسین ہوتے ہیں۔" انسپکٹر آصف مسکرا کر بولا۔ "ابھی
کے چکر میں پڑ کر ان خوبصورت دنوں اور سحر انگیز راتوں کو برباد نہ کرو۔ جاؤ میرے
رات اس لئے نہیں کہ تم یہاں سر کھپاؤ۔"

"پھر کہاں جائیں.....؟" فریدی نے معصومیت سے پوچھا۔

"تم تو بیکار ہی پوچھ رہے ہو۔" آصف نے طنز آمیز مسکراہٹ کی ساتھ کہا۔

"کیوں.....؟"

"سنا ہے تمہیں عورتوں کے قریب پہنچ کر چکر آنے لگتے ہیں۔"

اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ فریدی کے ہونٹوں پر اب بھی وہی خود اعتمادی کی مسکراہٹ

"چکر محض اس خیال سے آتے ہیں کہ آخر انہیں بوڑھے کس طرح سنبھالتے ہوا
اس نے کہا۔ "خصوصاً وہ بوڑھے جن سے پستہ قد عورتیں بھی نہیں سنبھالی جاتیں۔"

آصف چونک کر فریدی کو گھورنے لگا اور فریدی نے ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا۔

"ایک بے تکی بات کہہ کر اس طرح قہقہہ لگانا بیوقوفی کی علامت ہے۔" آصف بھنا

"میں دراصل یہ عرض کر رہا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "جب بوڑھوں سے رقص
کو پناہ ملے گی تو ہم نوجوان بھی اس کے متعلق کچھ سوچ سکیں گے۔"

"کیا مطلب.....؟" آصف پھر اُسے گھورنے لگا۔

"کیا آپ کچھ دیر قبل ہوٹل ڈی فرانس میں ایک پستہ قد عورت کے ساتھ نہیں ناچ رہے تھے؟"

"دوسروں کی ٹوہ میں رہنا کمینہ پن ہے۔" آصف جھلا کر بولا۔

"خیر اس کمینے پن میں تو ہم سب سرکاری طور پر مبتلا ہیں۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "مسٹر
بز اس بات کے شاہد ہیں کہ میں پانچ بجے سے اسی کمرے میں موجود ہوں۔"

"تب تم نے کسی سے سنا ہوگا۔"

"مسٹر آپریٹر یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ کوئی اس وقت سے میری کرسی کے قریب بھی نہیں آیا۔"

آپریٹر نے فریدی کی تائید کی۔

"کیوں استاد آصف.....!" انسپکٹر بز جی نے قہقہہ لگایا۔ "ہم تمہیں قطعی گھریلو آدمی سمجھتے تھے۔"

"جھوٹ ہے! بکواس ہے۔" آصف نے جھلا کر کہا اور فریدی کو گھورنے لگا۔

"میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ آپ تین راؤنڈ ناچے تھے۔"

آصف نے بوکھلا کر اپنے کوٹ کے اوپری جیب پر نظر ڈالی۔ ایک خوش رنگ رومال کا کونہ
نکلا ہوا تھا۔ جسے اس نے جلدی سے اندر کر لیا۔

"اوہ.....اس رومال کی بناء پر تم ایسا کہہ رہے ہو۔" آصف نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "ہوسکتا
کہ یہ کسی دوسرے کا ہو۔"

"نہیں جناب یہ قطعی آپ کا ہے۔" فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔

"اور یہی بات ظاہر کرتی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں آج پہلی بار ہوٹل ڈی فرانس
رقص میں شرکت کی تھی۔"

"بالکل بکواس ہے۔"

"اگر یہ رومال کسی اور کا ہوتا تو وہ اسے اس کے صحیح مصرف میں لایا ہوتا۔"

"صحیح مصرف.....؟" انسپکٹر بز جی نے فریدی کو ٹوکا۔

"جی ہاں یہ رومال ہوٹل ڈی فرانس والوں کی ایک احمقانہ جدت ہے۔ اگر آپ تین راؤنڈ
ٹکٹ خریدیں تو آپ کو ٹکٹوں کے ساتھ اس قسم کا ایک رومال بھی ملے گا جو قطعی اس قابل نہیں

ہوتا کہ کسی اونچے مذاق کی آدمی کے استعمال میں رہ سکے۔ پھر اگر یہ رومال واپس کردیا ایک راؤنڈ کا ٹکٹ مفت مل جاتا ہے۔ صرف اناڑی ہی اسے استعمال کے لئے رکھ لیتے ہیں جاننے والے اسے واپس کرکے ایک راؤنڈ مفت ناچ لیتے ہیں۔"

"تم میری توہین کررہے ہو۔" آصف گرجا۔

فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس کے نوجوان ساتھی بھی دل کھول کر ہنس رہے تھے وقت وہ بھی ان کے ساتھ ہوگئے تھے۔ جوان سے پرخاش رکھتے تھے۔ آصف نے صورت بچاؤ کی نہ دیکھی تو وہ خود بھی ہنسنے لگا۔

"خیر...... خیر......!" آصف نے بلند آواز میں کہا۔ "میری جیب میں یہ رومال کوئی بھی واقف کار اتنی باتیں بتا سکتا تھا۔"

"لیکن شاید وہ یہ نہ بتا سکتا کہ آپ کی ہم رقص پستہ قد تھی۔" انسپکٹر سنگھ بولا۔

"یہ غلط ہے۔" آصف نے بگڑ کر کہا۔

"قطعی صحیح ہے۔" فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ "اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ ناچتے ناچتے بری طرح لڑکھڑائے بھی تھے مگر گرے نہیں! ہاں تو جناب سوئنگ لینے سے اپنی طاقت اور عورت کے وزن کا اندازہ ضرور لگالیا کیجئے۔"

آصف منہ پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم غلط کہتے ہو! تم وہاں نہیں تھے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"مسٹر آپریٹر......!" فریدی نے آپریٹر کو مخاطب کیا۔

"یہ حقیقت ہے کہ مسٹر فریدی پانچ بجے سے یہیں اسی کمرے میں موجود ہیں شاید اپنا السٹر پہننے کے لئے گئے تھے۔" آپریٹر نے کہا۔

"تب کسی اور نے اطلاع دی ہوگی۔" آصف نے کہا۔

"کسی نے بھی نہیں...... یقین کیجئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"تب تم آدمی نہیں ہو...... بھوت ہو۔"

"ہوسکتا ہے کہ یہ بات درست ہو۔" فریدی کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک

وہ سگار سلگانے لگا۔

"مگر یار تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا کہ عورت پستہ قد تھی۔" لیفٹیننٹ سعید نے پوچھا۔

"چھوڑو بھی کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔" انسپکٹر آصف نے اکتا کر کہا۔

"واہ چچا......!" انسپکٹر سنگھ نے قہقہہ لگایا۔ "ذرا بچوں کو بھی تو لطف اندوز ہونے دیجئے۔"

فریدی شرارت آمیز نظروں سے آصف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جب کسی شریف آدمی کے سینے پر۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "لپ اسٹک کا دھبہ دکھائی ے تو یہی سمجھنا چاہئے کہ عورت پستہ قد تھی۔ اگر کاندھے پر یہی دھبہ دکھائی دے تو عورت ہر ں میں دراز قد سمجھی جائے گی۔ لیکن یہ دھبے عموماً بے ساختگی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ناچتے چتے دونوں لڑکھڑا جائیں اور گرنے کے خوف کی وجہ سے لپ اسٹک کی تہہ بگڑنے کا دھیان نہ جائے۔"

آصف نے بوکھلا کر اپنے سینے پر نظر ڈالی۔ سفید قمیض پر ایک واضح قسم کا دھبہ موجود تھا۔ ہلڑوں نے قہقہے لگائے اور وہ جھلاہٹ میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ قہقہے اور تیز ہوگئے۔

"کون جانے یہ حضرت اسے لے کر گر ہی پڑے ہوں۔" انسپکٹر بزجی ہنستا ہوا بولا۔

"نہیں......!" فریدی نے کہا۔ "اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ دھبہ پھیل جاتا۔ آصف صاحب رتے گرتے سنبھل گئے تھے۔"

"مگر یار تم نے پکڑا خوب۔" لیفٹیننٹ سعید بولا۔ "اپنا جواب نہیں رکھتے۔"

فریدی بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ اتنے میں کینٹین کا بیرا کافی لے کر آیا۔ اسی کے پیچھے پے انسپکٹر آصف بھی داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر اب بھی غصے کے آثار تھے۔ ایک بار پھر آپریشن م قہقہوں سے گونج اٹھا۔ آصف ہونٹ سکوڑے ہوئے ایک پیالی میں کافی انڈیل رہا تھا۔

"میرے خیال سے تو اس وقت ٹھنڈا پانی زیادہ مناسب رہے گا۔" لیفٹیننٹ سعید مسکرا ر بولا۔

"تم بدتمیز ہو۔" آصف اس کی طرف پلٹ پڑا۔

"شٹ اپ......!" لیفٹیننٹ سعید پیر پٹخ کر کھڑا ہوگیا۔

آصف پیالی رکھ کر اُسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔ فریدی اٹھ کر ان کے در
آ گیا۔

"سعید! مذاق کو مذاق ہی میں رہنے دو۔" وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"میں نے اسے مذاق کی حدود سے نہیں نکالا۔" سعید آصف کو گھورتا ہوا بولا۔

"خیر! چھوڑو...... فضولیات میں کیا رکھا ہے۔" فریدی نے کہا اور اسے دوسری ط
دھکیل لے گیا۔

پھر وہ سب خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ آصف اور سعید اب تک ایک دوسرے کو گھو
جا رہے تھے۔

دفعتاً ٹرانسمیٹر کے ریسیونگ سیٹ کی آواز بلند ہو گئی۔

"ٹک ٹکل ٹاک" وہ سب چونک پڑے۔ ریسیونگ سیٹ سے آوازیں آتی رہیں۔
ٹکل ٹٹ لیٹ ٹکل ٹاک...... اولیو ہاورڈ...... ٹکل ٹیپ ٹیپ رافٹ...... سیسل براؤن......
لاک لاک...... ٹافٹ......!"

بولنے والا لہجے کے اعتبار سے دیسی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ سب غور سے سنتے ر

"رک...... رک...... روفی ٹکل ٹاک...... پلیٹ ہاف...... ٹکل ٹکل...... ارے باپ۔"

"یہ چیخ کیسی؟" فریدی اچھل کر بولا۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے

"ٹکل ٹکل" کے فوراً بعد ایک چیخ سنائی دی تھی اور یہ چیخ قطعی دیسی تھی۔ چیخنے والا ار
چیخا تھا۔ پھر ہلکی ہلکی گھڑ گھڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ "ٹکل ٹکل" اور دوسری آوازیں بھی سنائی
رہیں جن کے پس منظر میں گھڑ گھڑاہٹ برابر جاری تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد سناٹا چھا گیا
معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کے ہونٹ سل گئے ہوں۔

سب سے پہلے فریدی ہی بولا۔

"میرے خیال سے یہ جس ٹرانسمیٹر کی آوازیں ہیں وہ کسی کار میں فٹ ہے۔"

وہ سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"مگر یہ چیخ کیسی تھی؟" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" سعید اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "یہ گھرگھراہٹ کسی کار ہی کی تھی۔"

"لیکن یہ چیخ۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "یہ کسی غیر ملکی کی نہیں تھی۔"

"تمہیں دھوکا ہوا ہے۔" انسپکٹر بزجی نے کہا۔ "وہ چیخ نہیں تھی۔"

"آپریٹر...... ریکارڈ لیا ہے؟" فریدی نے آپریٹر سے پوچھا۔

"جی ہاں......!"

"سناؤ......!"

تھوڑی دیر بعد آپریٹر نے ریکارڈ سنایا۔ چیخ موجود تھی۔ "ارے باپ" صاف سنائی دیا۔

"آخر یہ ہے کیا بلا......؟" انسپکٹر سنگھ نے کہا۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی نیا سگار سلگا رہا تھا۔

"اس میں دو نام بھی لیے گئے ہیں۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اولیو ہاورڈ اور سیسل براؤن۔"

"یہ لپ اسٹک کے دھبوں پر نظر رکھنے والوں کے بس کا روگ نہیں معلوم ہوتا۔" آصف نے مسکرا کر کہا۔

فریدی جواباً مسکرا کر رہ گیا۔

"اس بار تو وہی تیر ماریں گے جن سے عورتیں نہیں سنبھلتیں۔" سعید نے قہقہہ لگایا۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔" آصف تلخ لہجے میں بولا۔

"میں خود چھچھورے آدمیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔"

"منہ میں لگام دو۔" آصف کھڑا ہو گیا۔

"یار تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔" فریدی نے کہا اور سعید کو کھینچتا ہوا باہر لایا۔

"تم دخل مت دیا کرو۔" سعید ہانپتا ہوا بولا۔ "اس کے کیڑے جھاڑنے ہی پڑیں گے۔"

"اونہہ...... چلو...... آؤ...... تھوڑی تفریح ہو جائے۔ تم نے ابھی کھانا نہ کھایا ہوگا۔"

فریدی کی کیڈی لاک کولتار کی چکنی سڑک پر پھسل رہی تھی اور اس کا ذہن ان آوازوں سے زیادہ اس چیخ میں الجھا ہوا تھا۔

''سپرنٹنڈنٹ نے ناحق اتنی بھیڑ اکٹھا کی تھی۔'' سعید بولا۔

''کیوں؟''

''اس قسم کے اشارے نہ تو اپنے یہاں ملٹری ہی میں رائج ہیں اور نہ ہی مرکزی سی آئی ڈی میں۔''

''یہ تو ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''ظاہر ہے کہ یہ سب بیچارے انگلیوں کے نشانات کے ماہر ہیں۔''

''مگر یار......وہ چیخ۔'' فریدی نے دھیرے سے کہا۔

''وہ اور زیادہ حیرت انگیز تھی۔ چیخ کے ساتھ ہی کچھ دیر کیلئے وہ آوازیں بند ہوگئی تھیں۔''

''اور پھر گھر گھراہٹ سنائی دی تھی۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور ان آوازوں کا سلسلہ پھر جاری ہوگیا تھا۔''

''تم کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہو؟'' سعید نے پوچھا۔

''فی الحال اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کسی ایسے ٹرانسمیٹر کی آوازیں تھیں جو کسی کار میں فٹ ہے۔''

سعید کچھ نہ بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر کہنے لگا۔

''اور وہ مجھے تقریباً زبانی یاد ہے۔'' فریدی بولا۔ ''لیکن یہ اشارے میرے لئے قطعی نئے تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں بعض پارٹیوں نے نئے اشارے اختراع کئے تھے ان میں سے کچھ مجھے بھی معلوم ہیں لیکن یہ ان میں سے بھی نہیں تھے۔'' کیڈی لاک مے پول ہوٹل کے سامنے رک گئی۔

اور وہ دونوں اتر کر اندر چلے گئے۔ ایک حسین اور خوش گلو رقاصہ اسٹیج پر رقص کر رہی تھی۔ لیکن فریدی کا ذہن ان آوازوں میں الجھا ہوا تھا۔

چوٹ

سردی شباب پر تھی۔ شاہراہیں سنسان ہوچکی تھیں۔ خصوصاً شہر کے باہر تو قبرستان کی سی

خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ آدھی رات کے ستارے نندا سی آنکھوں سے اپنے نیچے پھیلی ہوئی بیکراں خلاؤں میں گھور رہے تھے۔ کرائم رپورٹر انور نے بے خبری میں کروٹ لی اور سڑک کے نیچے لڑھک آیا۔ اس کے چاروں طرف سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل بکھرا ہوا تھا اور سر پر سیاہ اور ٹھنڈی رات اپنے تاریک بازو پھیلائے منڈلا رہی تھی۔

دفعتاً وہ کراہ کر اٹھ بیٹھا اور بے ساختہ اپنے سر کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ زخم سے بہے ہوئے خون کے منجمد لختے بالوں میں پھیلنے لگے۔ وہ اس طرح اچھل کر کھڑا ہوگیا جیسے اس کا یہ فعل قطعی مشینی رہا ہو۔ نقاہت ضرور محسوس ہو رہی تھی اور رات کی تاریکی اسے معمول سے زیادہ گہری نظر آرہی تھی۔ لیکن پھر بھی اپنے اعضا میں چستی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی چھوٹی سی ٹارچ بدستور موجود تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ اسے استعمال کرنے کے بجائے اپنی دکھتی ہوئی آنکھوں پر زور دینے لگا۔

سناٹے کا تسلسل بدستور قائم تھا۔ انور ایک درخت کے تنے کی آڑ میں کھڑا ہوکر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت آہستہ آہستہ واپس آرہی تھی۔ وہ کافی دیر تک اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر جیب سے رومال نکال کر زخم پر باندھتا ہوا مغربی نشیب میں اترنے لگا۔ جھاڑیوں کی سرسراہٹ سناٹے میں پھیل رہی تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر رک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی آہٹ کا منتظر ہو۔

پھر اس نے جیب سے ٹارچ نکالی اور جھاڑیوں میں روشنی ڈالنے لگا۔ اس کی موٹر سائیکل جوں کی توں موجود تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ شہر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ سردی یونہی شدید اس پر سے طوفانی رفتار سے دوڑنے والی موٹر سائیکل پر ہوا کے طمانچے......انور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے زخم پر برف کے ہتھوڑے پڑ رہے ہوں۔ اس موسم میں شاید درد بھی منجمد ہوگیا تھا۔ زخم کی جگہ پر ایک بڑا سا دکھتا ہوا پتھر معلوم ہو رہا تھا اور سر اتنا بھاری لگ رہا تھا جیسے ذرا سی بے احتیاطی اسے گردن سے نیچے لڑھکا دے گی۔

شہر کی سنسان مگر روشن راہوں سے گزرتے وقت وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں موٹر سائیکل فٹ پاتھ پر نہ چڑھ جائے اس کے ہاتھ بُری طرح کانپ رہے تھے اور اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے

وہ پھر بیہوش ہو جائے گا۔

آخر کار اس نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کے سامنے موٹر سائیکل روک دی۔ کچھ دو
کھڑا ہوا سنتری چونک پڑا۔ وہ اسے شک آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی انور ٹیلی فون ا
کی طرف بڑھا اس نے آواز دی۔

"کون ہے؟"

انور رک گیا۔ سنتری اپنے جوتوں کی آواز سے سناٹے میں گونج پیدا کرتا ہوا اس
قریب آیا۔

"کیا بات ہے؟"

"فون کروں گا۔"

"جانتے ہو کیا وقت ہے؟" سنتری نے پوچھا۔

"دو......!" انور نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"پھر......؟" سنتری کی تیز نظریں انور کو ٹٹولنے لگیں۔

انور کو خیال آیا کہ بوتھ تو کبھی کا بند ہو چکا ہوگا۔

"اوہ...... مجھے دھیان نہیں تھا۔" انور موٹر سائیکل کی طرف پلٹا۔

"ٹھہرو......!" سنتری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ پھر انور کے قریب آیا اور اس کی آنکھ
میں دیکھنے لگا۔

"کہیں دنگا فساد کیا ہے؟" اس کی نظریں چوٹ پر بندھے ہوئے رومال کی طرف اٹھ گ
جس پر خون کا بڑا سا دھبہ دکھائی دے رہا تھا۔

"نہیں، گر گیا تھا۔"

"کہاں......؟"

انور جھنجلا گیا۔ کوئی اور موقعہ ہوتا تو شاید وہ اس کے منہ پر تھپڑ مارنے سے باز نہ آتا ل
اس وقت جب کہ ایک قدم اٹھانا بھی دشوار معلوم ہو رہا تھا خون کا گھونٹ پی کر رہ ہی جانا پڑا۔

"فون کرنا ضروری ہے۔ میں اس حالت میں گھر تک نہیں پہنچ سکتا۔" اس نے کہا۔

سنتری چند لمحے تک اسے دیکھتا رہا پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولا۔

"تھانے سے کر دو۔"

"اوہ......!" انور کے جسم میں پھر سے توانائی آ گئی۔ وہ بھول ہی گیا تھا کہ قریب ہی تھانہ
ی ہے۔

"اچھا دوست......!" انور نے مسکرا کر کہا۔ "ذرا یہ موٹر سائیکل دیکھنا، تھانے والے مجھے
ہی طرح پہچانتے ہیں۔"

اس کے جانے کے بعد بھی سنتری کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا۔

تھانے کا انچارج انور کو اچھی طرح پہچانتا تھا اسے اس حال میں دیکھ کر مسکرایا۔ "کہئے قبلہ
ریت تو ہے؟"

"میں ذرا فون کروں گا۔"

اس نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

انور نے ڈائل پر انگلی رکھی اور پھر پلٹ کر انچارج کی طرف دیکھنے لگا۔ جو معنی خیز انداز
ل مسکرا رہا تھا۔

"یہ چوٹ کیسی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"گر گیا تھا۔" انور نے کہا اور نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو...... فریدی صاحب ہیں...... اوہ...... آپ...... آپ جاگ رہے ہیں۔ میں انور
ل رہا ہوں...... ولی گنج کے تھانے سے...... مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ آپ تک پہنچ سکوں۔
ر آ جائیے۔"

انور ریسیور رکھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ انچارج اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"آخر بات کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"کیا انسپکٹر فریدی صاحب کو فون کیا ہے؟"

انور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تب تو کوئی خاص ہی بات ہوگی۔" انچارج سر ہلا کر مسکراتا ہوا بولا۔

انور جواب دینے کی بجائے سگریٹ سلگانے لگا۔

"یقیناً کسی سے لڑ کر آرہے ہو۔" انچارج نے کہا۔

"پتہ نہیں آپ لوگ مجھے بیل کیوں سمجھتے ہیں۔" انور کے لہجے میں تلخی تھی۔

انچارج تھوڑی دیر تک اُسے پُرتمسخر انداز میں دیکھتا رہا پھر ایک طرف مڑ کر اونگھنے لگا۔

انور اپنے جسم کو گرم رکھنے کے لئے سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ کے بعد سنتری انور کی موٹر سائیکل دھکیلتا ہوا تھانے میں آیا۔ اسے غالباً یہ شبہ ہوا تھا کہ وہ کوئی مجرم تھا جو اس سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے موٹر سائ اس کی حفاظت میں دے کر خود کہیں فرار ہوگیا۔

انور کو انچارج کے قریب بیٹھا دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

"صاحب آپ کی موٹر سائیکل برآمدے میں رکھی ہے۔" اس نے انور سے کہا اور وا چلا گیا۔

انچارج ایک لحظہ کے لئے چونک کر پھر اونگھنے لگا۔

ڈھائی بجے انسپکٹر فریدی تھانے میں داخل ہوا۔ انچارج نے چونک کر اس کی طرف د پھر کھڑا ہوگیا۔

"بڑی دیر سے پوچھ رہا ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "مگر انہوں نے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

فریدی نے انور کے سر پر بندھے ہوئے رومال کو بغور دیکھا...... پھر انچارج کی طر دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے سر کو جنبش دی۔

"آؤ چلیں......!" اس نے انور سے کہا۔ "موٹر سائیکل یہیں رہنے دو۔"

انچارج نے اردلی کو آواز دی۔

"موٹر سائیکل اندر رکھ دو۔" اس نے اردلی سے کہا۔

فریدی کی کیڈی لاک سنسان سڑکوں سے گزر رہی تھی۔

"تو تم اس کار کے پیچھے لگ گئے تھے؟" فریدی نے کہا۔

انور بے ساختہ اچھل پڑا۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھور رہا تھا۔

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا......؟"

"میں نے تمہاری چیخ سنی تھی۔" فریدی بولا۔

"اور اس پر بھی آپ نے مجھے وہاں پڑا رہنے دیا۔" انور نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"تم غلط سمجھے! مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ تم تھے کہاں؟"

"پھر......؟"

"میں نے تمہاری چیخ ٹرانسمیٹر پر سنی تھی اور تمہارا لہجہ صاف پہچانا تھا۔"

انور خاموش ہوگیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ کار تھی؟"

"وہ آسانی سے معلوم ہوگیا تھا۔ تمہاری چیخ کے فوراً بعد ہی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی تھی اور کار کے انجن کی آواز کے ساتھ ہی کافی دیر تک وہ اشارے بھی سنے جاتے رہے تھے۔"

"میں کئی دنوں سے اس کار کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔"

"ہوں......!" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "اس کے متعلق کچھ اندازہ بھی لگایا۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ کسی غیر ملک کے جاسوس ہیں۔"

"ان میں کسی کی شکل بھی دیکھی ہے؟"

"نہیں......اس میں کامیاب نہیں ہوسکا۔"

"کار کا نمبر......؟"

"اندھیرا تھا......!"

"خیر......!" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

گھر پہنچ کر فریدی نے انور کے زخم کی ڈریسنگ کی اور تھوڑی دیر تک اس کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔

"برانڈی دوں......؟" اس نے پوچھا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں نہیں پیتا۔"

"اور میں تمہاری اصول پرستی کی قدر کرتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بہرحال سرد شدید ہے۔ ٹھہرو...... میں کافی بناتا ہوں۔"

"آپ......؟"

"ہاں...... رات کو میں کسی نوکر کو جگانا پسند نہیں کرتا۔"

فریدی نے ہیٹر لا کر اس پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا۔

"ہاں...... اب کہہ چلو......!"

آج سے چار دن قبل میں رات کو تار جام سے آ رہا تھا۔ راستے میں میں نے اس کار کو دیکھ اور اسے نظر انداز کر کے شہر واپس آ گیا۔ دوسری رات پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ کار ٹھیک اسی مقا پر دکھائی دی لیکن میں جلدی میں تھا اور اس رات بھی میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ تارجا میں میں نے تھوڑا سا بزنس بھی شروع کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر رات گئے تک مجھے وہاں ٹھہ پڑتا ہے۔ بہرحال تیسری بار اس کار کو وہاں دیکھ کر مجھے اسے اہمیت دینی ہی پڑی۔ لہٰذا آج م تار جام جانے کی بجائے سرِ شام ہی وہاں جا کر چھپ گیا۔"

انور سگریٹ سلگانے کے لئے رک گیا۔ فریدی کی نظریں ہیٹر پر رکھی ہوئی کیتلی پر جمی ہوئی تھیں۔

"ٹھیک دس بجے کار وہاں پہنچی میں قریب ہی جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔" انور سگریٹ طویل کش لے کر بولا۔ "اور پھر کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ لہجہ یوروپین تھا۔ لیک زبان...... اس کے متعلق خود آپ ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ کسی قسم کے اشارے تھے۔"

انور خاموش ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا جو ابھی تک کیتلی ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں جھاڑیوں سے نکل کر کار کی پشت پر آ گیا۔ دراصل میں بولنے والے کا چہرہ دیکھ چاہتا تھا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ کار میں اندھیرا تھا۔ البتہ میں نے یہ اندازہ ضرو لگا لیا کہ اس میں کئی آدمی تھے اور پھر شاید کسی نے پیچھے سے مجھ پر حملہ کیا۔"

"کار کا رنگ اور موڈل وغیرہ بتا سکو گے؟" فریدی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ۴۶ء کی فورڈ تھی۔"

تھوڑی دیر بعد کافی تیار ہو گئی۔

"اب اس وقت گھر تو جاؤ گے نہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں......!" انور نے کہا۔ "لیکن میں حمید کے کمرے میں نہیں لیٹوں گا۔"

فریدی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "نہیں...... وہ گھر میں ہے ہی نہیں۔"

"تب میں خوش نصیب ہوں۔ خواہ مخواہ بھیجا چاٹ کر رکھ دیتا ہے۔"

فریدی نے کافی کی پیالی انور کی طرف بڑھا دی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔

سرجنٹ حمید کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے سیاہ سوٹ پر السٹر پہن رکھا تھا۔ فلٹ ہیٹ سر کی پشت پر چپکی ہوئی تھی اور بال پیشانی پر لٹک آئے تھے۔ کمرے میں ان دونوں کو بیٹھا دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ شاید وہ یہ سمجھا تھا کہ فریدی سو گیا ہوگا اور وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا جائے گا۔ پھر صبح کو اس سے کہے گا کہ وہ تو گیارہ بجے ہی واپس آ گیا تھا۔ بہرحال انور کے سر پر پٹی بندھی دیکھ کر اس کے ذہن نے قلابازی کھائی اور قبل اس کے کہ فریدی اس سے اتنی رات گئے گھر آنے پر باز پرس کرتا...... حمید انور کو مخاطب کر کے بولا۔

"تو آپ یہاں مزے کر رہے ہیں اور وہ بے چاری رشیدہ پریشان ہو رہی ہے۔"

فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا۔

"جی ہاں۔" حمید اپنی فلٹ ہیٹ اتار کر میز پر اچھالتا ہوا بولا "آپ آج شام کو چند غنڈوں سے لڑ کر کہیں غائب ہو گئے تھے۔ اس وقت سے میں اور رشیدہ نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔"

"کس نالی کا کیچڑ چاٹ کر آ رہے ہو؟" انور نے مسکرا کر پوچھا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"کہاں تھے؟"

"بتایا تو کہ رشیدہ کے ساتھ......!"

"انور کی تلاش کر رہے تھے۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"جی ہاں......!"

"اور انور کہاں تھا......؟"

"جہنم میں......!" حمید جھلا کر بولا اور کیتلی کا ڈھکن اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"شامت آئی ہے۔"

"پتہ نہیں مجھے تو دکھائی نہیں دیتی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پیالی میں کافی انڈیلی پھر انور کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اب غنڈہ گردی بھی شروع کر دی ہے تم نے؟ یار کسی دن بند نہ کرادوں تمہیں۔"

"تم تھے کہاں......؟" فریدی نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"تب معاملہ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے۔" حمید سنجیدگی سے بڑبڑایا اور فریدی کی طرف معصومیت سے بولا۔ "ہائی سرکل نائٹ کلب میں۔"

"کل سے پھاٹک نہیں کھلے گا۔" فریدی نے کہا۔

"آپ بات تو سمجھتے نہیں۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ آج کل آپ ٹکل کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ لہٰذا قبل اس کے کہ میری موت آئے میں اگلے سارے گناہ معاف کرالینا چاہتا ہوں۔"

"بکومت......!"

"اچھا نہیں بکوں گا۔ میں سمجھا تھا شاید آپ میری بکواس سننا چاہتے ہیں۔"

"میرے خیال سے شاید اب وہ کار اس جگہ نہ دکھائی دے۔" فریدی نے انور سے کہا۔

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" انور بولا۔

"تم ہمیشہ غلط سوچتے ہو۔" حمید نے کہا۔

"پھر بولے تم......!" فریدی اسے گھورنے لگا۔

"لیکن غلط نہیں بولا۔"

"شٹ اپ......!"

گلدان میں ہاتھی

"مثلاً یہ گلدان" حمید نے مینٹل پیس سے ایک چینی کا گلدان اٹھا کر جھٹکے دار آواز میں کہا۔ "میں چاہوں تو اس گلدان سے ہاتھی نکال سکتا ہوں۔"

"کیا بکتے ہو۔" فریدی اسے گھور کر بڑبڑایا۔

"خدا کی قسم ہاتھی نکالوں گا۔"

انور بیزاری سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا اور رشیدہ ہنس رہی تھی۔ وہ اس وقت ڈائننگ روم میں صبح کا ناشتہ کررہے تھے۔ انور رات بھر گھر سے غائب رہا تھا۔ اس لئے رشیدہ نے صبح ہی فریدی کو فون کیا تھا۔ ایسے مواقع پر وہ ہمیشہ یہی کرتی تھی۔ بہرحال فریدی سے انور کے متعلق معلوم ہونے پر وہ سیدھی یہیں چلی آئی تھی۔

حمید پر اب تک ہپناٹزم (عمل تنویم) کی مشقوں کا بھوت سوار تھا۔ اس لئے وہ عموماً بہت ہلکے قسم کا ناشتہ کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ تھوڑا سا پورج کھا کر اور ایک گلاس گرم گرم دودھ پینے کے بعد اٹھ گیا تھا اور اب ٹہل ٹہل کر کافی پی رہا تھا۔

"ہاں تو اس میں سے ہاتھی ضرور نکلے گا۔" اس نے گلدان کو میز پر رکھ کر اسے رومال سے ڈھک دیا۔

"چمن سے بیٹھو ورنہ چانٹا ماردوں گا۔" فریدی بولا۔

"ہپناٹزم میں وہ قوت ہے کہ وہ ہی چانٹا انور کے منہ پر بھی پڑسکتا ہے۔" حمید نے ہانک لگائی۔ "لیکن ہاتھ بی رشیدہ کا ہوگا۔"

"رشیدہ کا سینڈل اور تمہارا سر بھی ہوسکتا ہے۔" انور نے کہا۔

"اخلاقاً اسے بھی برداشت کرلوں گا۔ کیونکہ فی الحال تمہارا سر اس قابل نہیں ہے اور رشیدہ بی جبراً اپنے معمولات میں فرق بھی نہ ڈال سکیں گی کیونکہ رشیدہ صاحبہ یہ غذا آپ کے ناشتہ ہی کے ساتھ مہیا کرنے کی عادی ہیں۔"

"مجھے مت گھسیٹئے۔" رشیدہ نے مسکرا کر کہا اور کافی کا گھونٹ لے کر گلدان کی طرف

"آپ خود ہی اسکے ساتھ گھسٹتی پھرتی ہیں۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "ورنہ یہ اس

"حمید تمہاری زبان بند ہوگی یا دوسرا راستہ اختیار کیا جائے۔" فریدی اسے گھور

"ہاں تو جناب...... اس گلدان سے ہاتھی برآمد ہوگا۔" حمید نے اس کی بات

"ارے انور...... اپنے دونوں ہاتھ الگ رکھو...... اگر انگلیاں پھنسائے رہے تو......

"اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی فریدی نے اس کا کان پکڑ کر باہر نکال دیا۔

حمید نے یہ سارا کھڑاگ اسی لئے پھیلایا تھا کہ اسے فریدی اور انور کی اس گفتگو
مل جائے جو چھڑنے ہی والی تھی۔ آج کل وہ سر کھپانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ اچھی
تھا کہ ٹرانسمیٹر پر سنائی دینے والی آوازیں عنقریب ہی وبال جان بننے والی ہیں۔ انور
والے حادثے نے تو رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔ بہرحال وہ دل ہی دل میں
کمرے سے نکل گیا۔

اسکے جانے کے بعد رشیدہ نے اٹھ کر گلدان پر سے رومال ہٹایا اور پھر کھل کھلا کر

"کیا ہے......؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

رشیدہ نے گلدان میز پر الٹ دیا۔

انور بھی بے اختیار مسکرا پڑا۔

پیتل کا ایک چھوٹا سا ہاتھی گلدان سے نکل پڑا تھا۔

"یار بڑا اسُوڑ رو ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن میں اسے خوب سمجھتا ہوں۔ بڑ
بچوں کی سی حرکت ہے لیکن اس کا مقصد میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔"

"کیا......؟" انور نے پوچھا۔

"بس ڈوج دے کر نکل گیا۔"

"یعنی......؟"

"ہماری گفتگو میں حصہ نہیں لینا چاہتا تھا۔" فریدی پیتل کے ہاتھی پر نظریں جما
بولا۔ وہ تھوڑی دیر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر دفعتاً چونک پڑا۔

ذرا اسے اٹھانا تو......!" اس نے رشیدہ سے کہا۔

ئیدہ نے وہ کھلونا فریدی کی طرف کھسکا دیا۔

یدی اسے ہاتھ میں لے کر بغور دیکھتا رہا۔ پھر اسے میز پر رکھ کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔
نداز ایسا تھا جیسے وہ اپنے حافظے پر زور دے رہا ہو۔

حمید......!" اس نے آواز دی جو برابر والے کمرے میں کھڑا ہلکے سروں میں سیٹی بجا رہا تھا۔

فرمائیے۔" اس نے وہیں سے کھنکناتی ہوئی آواز میں ہانک لگائی۔

یہاں آؤ۔"

دوسرا کان میں اپنے لئے رکھنا چاہتا ہوں۔"

چلو......!" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

غلام حاضر ہے۔ زیادہ تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔" حمید نے ڈرائنگ روم میں آ کر کہا۔

یہ ہاتھی کہاں تھا......؟"

میں کیا بتا سکتا ہوں......" حمید لاپروائی سے بولا۔

بیکار باتیں مت کرو۔" فریدی نے زچ ہو کر کہا۔ "مذاق کے دوسرے مواقع بھی ہو سکتے ہیں۔"

یہ یہاں کیسے آیا......؟" حمید نے رشیدہ سے پوچھا۔

گلدان میں تھا۔"

ید نے قہقہہ لگایا اور پھر ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔

انور...... یہ سب تمہاری بدولت ہوا۔" اس نے کہا۔

کیا مطلب......؟" انور بھنا کر پلٹا۔

میں تم سے کہہ رہا تھا کہ انگلیوں میں انگلیاں پھنسا کر مت بیٹھو۔"

پھر وہی بکواس۔" فریدی بولا۔

اگر یہ ایسا نہ کرتا تو ہاتھی زندہ اور گوشت پوست میں ہوتا۔"

اچھا بیٹے ذرا قریب آؤ۔" فریدی نے پیتل کے ہاتھی کی دم پکڑ کر اسے گھماتے ہوئے کہا۔
ں کی دم اس طرح گھوم رہی تھی جیسی وہ چوڑیوں پر کس دی گئی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے دم

الگ ہوگئی اور اس کی جگہ ایک سوراخ دکھائی دینے لگا۔ فریدی اپنا ہاتھ پھیلا کر اسے اپ
کی سطح تک لایا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کھوکھلے ہاتھی کے اندر کچھ دیکھ رہا ہو
ہاتھی والا ہاتھ اپنے چہرے کے قریب نہیں لے گیا۔

''ذرا دیکھو تو اس میں کیا ہے؟'' فریدی نے ہاتھی حمید کے چہرے کے قریب
ہوئے کہا۔

حمید دیکھنے کے لئے جھکا لیکن سوراخ آنکھ کے بجائے ناک سے جا لگا اور حمید تل
ہٹ گیا۔

وہ اس طرح منہ بنا رہا تھا جیسے چھینک روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر دفعتاً اس پر
دورہ پڑ گیا۔

فریدی بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔

''ارے...... ارے...... آق چھیں......!'' حمید کمرے میں ناچ رہا
مصیبت......آق چھیں۔''

انور اور رشیدہ متحیر تھے۔ وہ ہنس تو رہے تھے مگر احمقوں کی طرح۔ حمید برابر چھینک

''یہ کیا......آق چھ......چھیں چھیں......ارے۔'' وہ جھلاہٹ میں پیر پٹخنے لگا۔

''میں تمہاری ناک سے دوسرا ہاتھی برآمد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' فر
کر بولا۔

''میں......ہر......آق چھیں......جاؤں چھیں......!'' حمید جھلا کر اپنے منہ پر تھپڑ ما

انور اور رشیدہ کبھی اس کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی پیتل کے اس ہاتھی کی طرف۔

''ارے چھیں......مچھیں......بچاؤ......بچھیں......!'' وہ دھڑام سے ناشتے کی میز

''اسے پکڑو۔'' فریدی نے انور سے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

انور نے حمید کو اٹھا کر ایک آرام کرسی پر ڈال دیا۔ اسے اب بھی چھینکیں آ رہی تھ
ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پیر میں سکت نہ رہ گئی ہو۔ سرخ سرخ آنکھیں ا
سے ابلی پڑ رہی تھیں اور آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

''اماں یہ کیا ہوا......؟'' انور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کی آنکھوں سے بے بسی جھانکنے لگی تھی اور چھینکیں ابھی تک جاری تھیں۔

پیتل کا ہاتھی میز پر پڑا تھا اور رشیدہ جھکی ہوئی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً وہ کچھ اور جھکی اور ہاتھی سے اپنا کان لگا دیا۔

''ارے......!'' وہ اچھل کر میز سے الگ ہٹ گئی۔

''کیا ہوا......؟'' انور چونک کر مڑا۔

''آواز......اس میں سے آ رہی ہے۔''

انور تیزی سے میز کی طرف جھپٹا۔ اس نے جھک کر سنا اور احمقوں کی طرح منہ پھاڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''آواز......!'' حمید اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ''آؤ......اچھیں......چھیں۔''

اس نے پھر اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

فریدی ایک ہاتھ میں سرنج لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

''اس میں سے آواز آ رہی ہے۔'' انور نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

''حمید کا ہپناٹزم بول رہا ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''ہپناٹزم کی......چھیں......'' حمید نے پھر اپنے منہ پر تھپڑ مارا۔

فریدی نے اس کے بازو میں انجکشن دے دیا۔ حمید کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ لیکن فریدی کے چہرے سے بے اطمینانی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ انور نے فریدی کو اس پیتل کے ہاتھی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ فریدی حمید کو چھیڑنے میں مصروف تھا۔

''میں منع کرتا تھا کہ ہپناٹزم کے چکر میں نہ پڑو۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی چھینکیں اب کچھ کم ہو چلی تھیں۔ اس میں اتنی قوت بھی نہ رہ گئی تھی کہ وہ اس ہاتھی سے نکلنے والی آواز پر اپنے چہرے کو متحیر بنا سکتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے انور کی بات ہنس کر کیوں ٹال دی تھی۔ وہ خود اس ہاتھی کو ایک معمولی سا کھلونا سمجھا

تھا۔لیکن اس کے اندر سے نکلنے والی وہ تیز قسم کی بو کیسی تھی جس سے اس پر چھینکوں کا دورہ پڑ
تھا۔اس ہاتھی کے سلسلے میں اسے پچھلی رات یاد آ گئی۔

فریدی اٹھ کر انور اور رشیدہ کے پاس جا بیٹھا۔تھوڑی دیر بعد حمید کو چھینکوں سے نجات
اور اس پر غنودگی طاری ہوگئی۔فریدی نے انور اور رشیدہ کو دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ
اور خود بھی اٹھا۔پیتل کا ہاتھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

''آخر یہ ہے کیا بلا......؟'' انور نے دوسرے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

''ایک دلچسپ چیز......!'' فریدی نے کہا۔''مگر یہ حمید کو کہاں ملا۔''

فریدی اسے پھر الٹنے پلٹنے لگا اس کے پیٹ میں ایک دوسرا سوراخ تھا۔جس کا قطر
انچ ضرور رہا ہوگا اور اس میں لکڑی کا ایک ٹکڑا پھنسا ہوا تھا۔یہ ٹکڑا بھی گول ہی تھا لیکن اس کی
پر کئی ابھرے ہوئے نکیلے نشانات تھے۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی بڑا ٹکڑا رہا ہو اور سوراخ
پاس سے ٹوٹ گیا ہو۔

فریدی حسب عادت خاموش ہو گیا تھا انور اور رشیدہ کو الجھن ہونے لگی۔

انور تو اس کی عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھا لیکن رشیدہ کو حقیقتاً اس کی خاموشی کھ
رہی تھی۔

''آپ نے نہیں بتایا کہ ہے کیا......؟'' وہ بے صبری سے بولی۔

''کسی چھڑی کا دستہ۔'' فریدی نے کہا اور ہاتھی کو میز پر رکھ کر سگار سلگانے لگا۔

''لیکن حمید صاحب کو یک بیک چھینکیں کیوں آنے لگی تھیں؟''

فریدی نے پھر ہاتھی کی دم علیحدہ کر کے اس کے نیچے سے نمودار ہونے والے سوراخ
رشیدہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔''اس کی ناک اس سوراخ سے جا لگی تھی۔''

''شاید آپ زیادہ نہیں بتانا چاہتے۔'' رشیدہ شوخی سے بولی اور انور اسے گھورنے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا۔اگر یہ بات ہوتی تو میں اس کا تذکرہ ہی
چھیڑتا۔''

رشیدہ خاموش ہوگئی۔

فریدی تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔

''تم نے اس میں جو آوازیں سنی تھیں اس پر مجھے قطعی حیرت نہیں کیونکہ میں اس کے متعلق
پہلے ہی سے تھوڑا بہت جانتا تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ حمید کو اس کی شرارت کا مزہ بھی اسی کے
ذریعے چکھایا جا سکتا ہے۔''

''تو کیا حمید اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔'' انور نے کہا۔

''اگر جانتا ہوتا تو اپنا چہرہ اس کے قریب کبھی نہ لاتا۔'' فریدی بولا۔

''بہرحال اس کے تین مصرف ہیں۔یہ کسی چھڑی کا دستہ بھی ہے۔اسے نسوار دان بھی سمجھا
جا سکتا ہے لیکن حقیقتاً یہ ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر ہے۔''

''ٹرانسمیٹر......!'' انور بے ساختہ اچھل پڑا۔

''ہاں......ٹرانسمیٹر......پچھلی جنگ میں جاپانی جاسوسوں نے اسے چین ملایا اور انڈیمان
میں استعمال کیا تھا۔''

''لیکن آپ نے اسے ٹرانسمیٹر ہی کیسے سمجھ لیا تھا......؟'' رشیدہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ
کر بولی۔''اسے بچوں کا کھلونا بھی سمجھا جا سکتا ہے۔''

''کئی وجوہات کی بناء پر'' فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔''ایک تو یہ لکڑی کا ٹکڑا......
دوسرا ساؤنڈ پر یہ ابھرا ہوا نوکیلا نشان اس کی چمک دیکھ رہی ہو۔یہ کرسٹل ہے۔آواز کی لہروں کا
انجذاب اسی کرسٹل کے ذریعہ ہوتا ہے۔یہ لہروں کو اندر کی مشین بھی دکھاتا۔ممکن ہے کھولنے پر یہ
کام کا نہ رہ جائے۔''

انور اور رشیدہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

''یہاں پر اس کی موجودگی کوئی خاص معنی رکھتی ہے۔'' فریدی تھوڑی دیر بعد خود بخود
بڑبڑایا۔

''کہیں اس کا تعلق انہیں لوگوں سے نہ ہو۔'' انور بولا۔

''نہیں......وہ تو نہیں ہو سکتے۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیوں......؟''

''وہ آوازیں جو میں نے آفس کے ٹرانسمیٹر پر سنی تھیں وہ اس کے لئے قطعی بیکار ہیں۔ صرف اسی ٹرانسمیٹر کی نشر کی ہوئی آوازیں قبول کرسکتا ہے، جو اسی کی ساخت سے مناسبت رکھ ہو اور ہمارے ٹرانسمیٹروں کے لئے تو یہ بالکل ہی لایعنی ہے۔''

انور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ خود بھی کافی ذہین، تیز اور طرار تھا لیکن فریدی کا سا ہوتے ہی کچھ اس طرح احساس کمتری کا شکار ہوتا کہ بعض اوقات تو خود کو بالکل ہی احمق تصو کرنے لگتا تھا۔

''مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے۔'' فریدی پھر بولا۔ ''جیسے ملک میں بیرونی جاسوسوں کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے۔''

''وہ تو ہمیشہ ہی رہتی ہے۔'' انور نے کہا۔

''لیکن فی الحال وہ کسی خاص چکر میں معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ٹرانسمیٹر پر انہیں خاص قسم کے اشارے نشر کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہوتی۔ خیر چھوڑو ہٹاؤ...... ہاں تو اس ہاتھی نما ٹرانسمیٹر کی بات ہو رہی تھی۔ اس کے استعمال کا ڈھنگ بڑا دلچسپ تھا۔ جاپانی جاسوس عموماً مذہبی پیشواؤں کے بھیس میں رہا کرتے تھے اور اس قسم کے ٹرانسمیٹر علانیہ طور پر لئے پھرتے تھے۔ یہ ان کے عصا کے سر پر نصب ہوتے تھے۔ ان میں وہ اپنی نسوار بھی رکھا کرتے تھے اور نسوار سونگھنے کے بہانے مجمع عام میں بھی ان کے ذریعہ بہ آسانی پیغام بازی کرسکتے تھے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے پہلے اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔'' انور بڑبڑایا۔ ''ا یہ نسوار ہی تھی جس نے میاں حمید کو چھینکنے پر مجبور کردیا تھا۔''

''یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اگر اس کے متعلق زیادہ لوگ جانتے ہوتے تو یہ اتنی آزادی سے استعمال نہ کیا جاتا۔''

''تو اس کا مطلب......!''

''مطلب بالکل صاف ہے۔'' فریدی نے پیتل کا ہاتھی اٹھا کر کہا۔ ''اس لکڑی کے ٹکڑے کو دیکھ رہے ہو۔ یہ کتنا صاف شفاف ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے چھڑی سے علیحدہ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ ورنہ اس لکڑی کے ٹکڑے پر خاصی میل جمع ہوتی۔''

انور نے سر ہلایا۔

''یعنی کوئی حال ہی میں اسے چھڑی کے دستے کے طور پر استعمال کرتا رہا ہے۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ''اور پھر یہ کسی طرح چھڑی سے الگ ہوگیا۔ بہرحال اسے کوئی یہاں بھی آزادانہ طور پر ہی استعمال کرتا رہا ہے۔ ورنہ اسے چھڑی کے سرے پر لگانے کی کیا ضرورت تھی۔''

انور نے پھر سر ہلایا۔

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ''لہٰذا تمہیں اس بات پر افسوس نہ کرنا چاہئے کہ تم اس قسم کے ٹرانسمیٹر سے پہلے واقف نہیں تھے۔ اس ٹرانسمیٹر کا راز عام نہیں ہے۔ مجھے اس کے متعلق ایک جاپانی جاسوس ہی سے معلوم ہوا تھا، جو اتفاقاً میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔''

''تب پھر مجھے واقعی افسوس نہ ہونا چاہئے۔'' انور مسکرا کر بولا۔

فریدی کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ ایک نوکر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک طشتری تھی جس میں ایک ملاقاتی کارڈ رکھا ہوا تھا۔ فریدی نے کارڈ اٹھا کر پڑھا پھر اٹھتا ہوا بولا۔

''تمہیں تھوڑی دیر بیٹھنا پڑے گا۔''

''نہیں اب ہم بھی چلیں گے۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''حمید صاحب کو ہوش آنے پر فون کردیجئے گا۔ میرے خیال سے کوئی تشویشناک بات نہیں۔''

''قطعی نہیں۔'' فریدی بولا۔

انور اور رشیدہ چلے گئے۔

شوہر کا بھوت

ڈرائنگ روم میں ایک نوجوان عورت فریدی کا انتظار کر رہی تھی۔ ملاقاتی کارڈ دیکھ کر ہی فریدی نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ اس کے شناساؤں میں سے نہیں ہے۔ اس نے لیڈی ہملٹن کی

ہلکی زرد ساری پر سمور دار کالر کا لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔

ساری کا آنچل سر پر تھا۔ لمبی اور گھنیری پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زیادہ تر نظریں نیچی ہی رکھنے کی عادی ہو۔ کبھی کبھی اسکی نظریں دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

فریدی کو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ کھڑی ہوگئی۔

''تشریف رکھئے؟'' فریدی قدرے جھک کر بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑی رہی پھر فریدی کو مخاطب کرکے کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''کیا فریدی صاحب بہت زیادہ مصروف ہیں۔''

فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ایسا تو نہیں۔''

''کیا وہ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں گے؟''

''کیوں نہیں......!''

''تو پھر......انہیں اطلاع دے دیجئے۔''

''فرمائیے......میں ہی فریدی ہوں۔''

''اوہ آپ......!'' عورت کے انداز میں استعجاب تھا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ جو فریدی سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھے اسے بوڑھا ہی سمجھتے تھے۔ یہ عورت بھی شاید اسی خیال میں تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو اس طرح دیکھتی رہی جیسے اسے اس کے بیان پر شبہ ہو۔

''میں نے سنا ہے کہ آپ......؟'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''فرمائیے......!'' فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ''اس کمرے کی کوئی بات اس کی دیواروں سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔''

''میں نے سنا ہے کہ آپ پرائیویٹ طور پر بھی ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔''

''جی ہاں اکثر ایسے اتفاقات بھی ہوئے ہیں۔''

عورت چند لمحے خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بات شروع

کرنے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کر رہی ہو۔

فریدی استفہامیہ انداز سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر ۲۵ اور ۲۸ کے درمیان میں رہی ہوگی۔ چہرہ حد درجہ پرکشش اور متین تھا۔ پیشانی کی ہلکی ہلکی سلوٹیں تمکنت ظاہر کر رہی تھیں۔ رنگ چمپئی تھا۔ بڑی بڑی نشیلی آنکھیں اور بوجھل پلکیں عجیب سی کیفیات کی حامل تھیں۔

''آپ نے پروفیسر چودھری کا نام تو سنا ہی ہوگا'' وہ آہستہ سے بولی۔

''پروفیسر چودھری۔'' فریدی اپنے ذہن پر زور دینے لگا۔

''ایشیاٹک سائنس کانگریس کے صدر......!'' عورت نے کہا۔

''اوہ جی ہاں۔'' فریدی سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''وہ میرے شوہر ہیں۔''

''اوہ مسز چودھری۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں ذاتی طور پر ان سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہوں۔ شاید ایک بار وہ اچانک کہیں غائب ہو گئے تھے۔''

''تب سے اب تک لاپتہ ہیں۔'' مسز چودھری نے کہا۔

''اوہ......!''

''تقریباً چھ ماہ ہونے کو آئے......لیکن......!''

''لیکن کیا......!'' فریدی چونک کر بولا۔

''میں وہی کہنا چاہتی ہوں جس کے لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔''

فریدی آگے کی طرف جھک آیا۔

''وہ چھ ماہ قبل اچانک غائب ہوگئے تھے۔'' مسز چودھری مضمحل آواز میں بولی۔ ''میں نے پولیس میں بھی رپورٹ درج کرائی تھی۔ چھ ماہ تک ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوسکا لیکن ادھر کئی دنوں سے......!''

وہ پھر چپ ہوگئی۔

''کہئے......کہئے!''

''ادھر کئی دنوں سے وہ کوٹھی میں دکھائی دیتے ہیں۔''

"کیا مطلب......؟" فریدی چونک کر بولا۔

"کافی رات گئے وہ کوٹھی میں ٹہلتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے کی ہمت نہیں کہ ان کا سامنا بھی کر سکے۔"

"صاف صاف کہیئے۔" فریدی بے چینی سے بولا۔

"ان کا چہرہ حد درجہ خوفناک ہوتا ہے۔ اندھیرے میں شعلے کی طرح دہکتا رہتا ہے۔"

"اوہ......!" فریدی بے چینی سے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"اکثر وہ میرے قریب سے بھی گزرے ہیں لیکن میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کی آنکھیں گردش ہی نہیں کر سکتیں۔"

عورت پھر خاموش ہوگئی۔

فریدی کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

"سارے نوکر خوفزدہ ہو کر کمروں میں جا چھپتے ہیں اور اب تو میں بھی یہی کرنے لگی ہوں۔

"کتے بھونکتے ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"میرے یہاں کتے نہیں ہیں۔" وہ بولتی گئی۔ "میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ کروں۔ نوکروں کا خیال ہے کہ چودھری کسی حادثے کا شکار ہو گئے اور یہ انہیں کا بھوت ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا سمجھوں۔ پہلی رات میں نے ان کے چہرے کی شعلگی کا خ کئے بغیر انہیں آوازیں بھی دی تھیں۔ لیکن وہ چونکتے تک نہیں۔ نہ ان کی پلکیں جھپکیں اور آنکھوں نے گردش کی۔ میں آپ سے کیا بتاؤں کہ وہ کتنے خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ اب معلوم ہوتا ہے جیسے پیروں کے علاوہ ان کا بقیہ جسم پتھر کا ہو۔ چلتے وقت ہاتھ بھی نہیں ہلتے... میرے خدا۔"

اس نے جھک کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ فریدی کے ماتھے پر سوچ کی گہ لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"اچھا وہ غائب کن حالات میں ہوئے تھے۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"اچانک......!" وہ سر اٹھا کر بولی۔ "ایک رات وہ اپنے کمرے میں سوئے اور دوسری

مرے میں نہیں پائے گئے۔"

"ان کا کچھ سامان بھی غائب تھا۔"

"نہیں......میرے علم میں تو کوئی ایسی چیز نہیں جو غائب ہوئی ہو۔"

"کپڑے تو پہنے ہی ہوں گے۔"

"نہیں! ان کے جسم پر وہی سلیپنگ سوٹ تھا جو وہ پہن کر سوئے تھے۔"

"اور سلیپنگ گاؤن......!"

"وہ کمرے ہی میں موجود تھا۔"

"اور آپ نے ان کے غائب ہونے کی یونہی سرسری رپورٹ کردی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ اور میں کر بھی کیا سکتی تھی۔ میں نے رپورٹ درج کرادی اور برابر اعلیٰ ام سے بات بھی کرتی رہی لیکن ہمیشہ یہی جواب ملا کہ تلاش جاری ہے۔"

"ہوں......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آپ نے انکے دوستوں سے بھی پوچھ گچھ کی ہوگی۔"

"جی ہاں! جتنے میرے علم میں تھے۔"

"اچھا آج کل پیش آنے والے واقعات کی رپورٹ بھی کی آپ نے؟"

"کس طرح کرتی۔ نہ جانے کیا بات ہے۔ معلوم نہیں کیا حادثہ پیش آئے۔ ویسے میں خود وت پرست قسم کے واہموں کی قائل نہیں۔ میں نے نوکروں کو بھی منع کر دیا ہے کہ اس کا تذکرہ کا سے نہ کریں۔"

"تو پھر آپ یہاں کیسے آئیں؟"

"پچھلی رات حالات نے دوسری شکل اختیار کرلی اور جب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو پ کے پاس چلی آئی۔"

فریدی اسے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"حالات کی دوسری شکل سے آپ کی کیا مراد ہے۔" اس نے پوچھا۔

"پچھلی رات وہ اوپری منزل میں چل رہے تھے۔ میں نیچے تھی۔ تھوڑی دیر بعد نیچے ہال میں اتر آئے اور ہمیں بھاگ کر ایک کمرے میں پناہ لینی پڑی۔ میرے ساتھ میرے تین ملازم

بھی تھے۔ہم نے کمرہ بند کرلیا اور پھر محسوس کیا کہ ہال کی روشنی گل ہوگئی۔ دفعتاً بھاگ دو آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہال میں بہت سے آدمی موجود ہوں۔ ا آدھ چیخیں بھی سنی گئیں۔ ہم میں سے کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے سب بھاگتے ہوئے باہر چلے گئے ہوں۔ پھر دو آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں جو کسی عجیب غریب زبان میں گفتگو کررہے تھے اور دونوں کے لہجوں میں کتوں کی سی غراہٹ تھی۔ ایسا معا ہوتا تھا جیسے ان کے سینوں میں منوں بلغم اکٹھا ہو۔ وہ زبان نہ انگریزی تھی نہ جرمن، فرانسیسی نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے یہاں بولی جانے والی مختلف زبانوں میں سے بھی نہیں تھ پھر کوئی ہال میں گرا۔ ایک چیخ سنائی دی پھر بھاری قدموں کی آوازیں۔ شاید وہ دونوں بھا رہے تھے۔ اس کے بعد بالکل سناٹا چھا گیا۔ ہم تقریباً آدھ گھنٹے تک اسی کمرے میں رہے باہر نکل آئے۔ ہال میں روشنی کی لیکن اس وقت ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے یہ د کہ نہ تو کوئی کرسی اپنی جگہ سے ہلی تھی اور نہ کوئی چیز الٹی تھی۔ شیشے اور چینی کے بڑے بڑے گلد اپنی جگہوں پر بدستور رکھے تھے۔ ہنگامہ اتنا شدید ہوا تھا کہ پورے ہال میں ابتری ہونی چا تھی۔ ہم لوگ جی کڑا کر کے باہر نکلے۔ باہر بھی سناٹا تھا۔ البتہ پائیں باغ کا پھاٹک کھلا ہوا دکھ دیا۔ نوکر آگے بڑھتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ میں ہمت کرکے آگے بڑھی۔ پھر ہم چاروں نے کر پائیں باغ کا پھاٹک بند کیا۔ واپسی میں پھر ہمارے دانت خوف سے بجنے لگے۔ چودھ صاحب اوپری منزل کی ایک کھڑکی میں دکھائی دیئے۔ ان کا چہرہ اندھیرے میں دہکتا ہوا دکھ دیا اور ان کی آنکھیں ہمیں دیکھنے کے بجائے ٹھیک اپنے سامنے دیکھ رہی تھیں۔ ہم پھر بھاگ اندر آگئے اور ہم چاروں نے ساری رات جاگ کرگزاری۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

عورت تھوڑی دیر تک فریدی کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

”اب بتایئے! میں کیا کروں؟“

”میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کیا مشورہ دوں۔“

”کیا میں پولیس کو اس کی اطلاع دے دوں۔“

”ہونا تو یہی چاہئے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ان کے غائب ہونے سے پہلے ان کا کسی سے جھگڑا تو نہیں ہوا تھا۔“

”میرے خیال سے تو نہیں۔ وہ بہت زیادہ تنہائی پسند تھے۔ ان کے کسی سے ایسے تعلقات ہی نہیں تھے کہ جھگڑے تک نوبت پہنچتی۔“

”لیکن کوئی نہ کوئی تو ایسا ضرور ہی رہا ہوگا جس سے ان کے زیادہ تعلقات رہے ہوں۔“

”یہ بتانا دشوار ہے۔“ مسز چودھری سوچتی ہوئی بولی۔ ”لیکن ٹھہریئے۔ یہاں صرف ایک ہی ایسا آدمی ہے جس سے ملنے کیلئے وہ اکثر جایا کرتے تھے اور وہ خود کبھی ہمارے گھر نہیں آیا۔“

”کون......؟“

”علم الاجسام کا ماہر پروفیسر درانی۔“

”اوہ......!“

”وہ اکثر اس کے یہاں جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ خود سے کبھی کسی اور سے ملنے نہیں گئے۔ زیادہ تر لوگ انہیں سے ملنے کے لئے آیا کرتے تھے۔“

”کیا آپ ان غیر ملکیوں میں کسی کے متعلق کچھ بتا سکیں گی؟“

”شاید نہ بتا سکوں۔ کیونکہ مجھے ان کے اس قسم کے ملنے والوں یا ان کے مشاغل سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔“

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”میرے خیال سے ابھی آپ پولیس کو باقاعدہ طور پر مطلع نہ کریں۔ میں آج کسی وقت آپ کے یہاں آؤں گا۔“

”میں زندگی بھر آپ کی شکر گزار رہوں گی۔“

اس عورت کی عجیب وغریب کہانی ختم ہوتے ہی فریدی پھر اس ہاتھی نما ٹرانسمیٹر کی گتھی میں الجھ گیا۔ فی الحال وہ کوئی اور کیس لینا نہیں چاہتا تھا لیکن اس عورت نے ایک ایسی شخصیت کا تذکرہ کردیا تھا کہ وہ دلچسپی لینے پر مجبور ہوگیا۔ یہ پروفیسر درانی کی شخصیت تھی۔ تعلیم یافتہ طبقوں میں اس کا نام بہت عزت سے لیا جاتا تھا۔ لیکن دو ہی چار ایسے خوش قسمت رہے ہوں گے جنہوں

نے اسے دیکھا بھی ہو۔ وہ اپنی کوٹھی سے شاذ و نادر ہی نکلتا تھا اور وہ بھی بند گاڑی میں۔ روز[ا] میں تو وہ بند گاڑی بھی نظر نہیں آتی تھی اس سلسلے میں اس کے لئے کئی باتیں مشہور تھیں۔ کچھ[...] تھے کہ وہ اتنا بدصورت اور بے ہنگم ہے کہ پبلک کے سامنے آتے ہوئے شرماتا ہے۔ کچھ کا یہ خ[...] تھا کہ اسے دن میں کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا۔ زیادہ ذہین لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایسا عجیب وغر[یب] رویہ اختیار کرکے اپنی شہرت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ بہرحال وہ ہر اس شخص کیلئے معمہ تھا جو ا[س] متعلق تھوڑا بہت بھی علم رکھتا تھا۔ ویسے سارے ملک میں اسکی ٹکر کا ایک بھی ماہر علم الاجسام نہیں تھا

فریدی نے اس کی لیبارٹری کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔ اس کے پاس قدیم اور جد[ید] حیوانات کے بے شمار ڈھانچے تھے لیکن انہیں بھی شاید دو ہی چار آدمیوں نے دیکھا ہو۔ فرید[ی] انہیں خاص طور سے دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کا کوئی مناسب حیلہ آج تک ہاتھ نہیں آیا تھا

مسز چودھری کو پھاٹک تک پہنچانے کے بعد فریدی مڑا ہی تھا کہ اسے حمید دکھائی دیا۔ برآمدے میں کلیجہ تھامے کھڑا تھا اور دو تین نوکر دور کھڑے مسکرا رہے تھے۔ فریدی نے انہیں گھ[ور] کر دیکھا اور وہ چپ چاپ کھسک گئے۔

"کیوں کیا بات ہے؟" فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر پوچھا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اسی انداز میں کھڑا آنکھیں پھاڑے پھاٹک [کی] طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تمہیں نوکروں کا بھی خیال نہیں ہوتا۔"

"نوکر میرے باپ تو نہیں۔" حمید پلٹ پڑا۔ لیکن پھر مضمحل ہو کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابھی تک تمہارا دماغ درست نہیں ہوا۔"

حمید نے پھر پلٹ کر فریدی کو دیکھا۔ لیکن اس بار اس کی آنکھوں سے غم جھانک رہا تھا۔ فریدی کو اس کی اس ایکٹنگ پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

حمید ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ "اے برادر یہ کس گلشن کی کلی تھی۔ کس بحر نا پیدا کنار کا دُرِ خوش آب تھی۔ یہ کون تھی، جو میرے دل کے سمندر کے جوار کو بھاٹا کھلا کر چلی گئی۔"

"آ گئے اوقات پر......!" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"آپ تو پتھر ہیں۔ اگر اسے والد صاحب قبلہ بھی دیکھتے تو زلیخا کی طرح دوبارہ جوانی کی[...] اٹھتے۔"

فریدی اس کا گریبان پکڑ کر اسے اندر کھینچ لے گیا۔

"وہ ٹرانسمیٹر تمہیں کہاں سے ملا تھا۔" اس نے پوچھا۔

"ٹرانسمیٹر......!" حمید بوکھلا کر بولا۔ "کہیں آپ کی عقل اسی کے ساتھ ہی تو نہیں چلی گئی۔"

"بونت......وہ کھلونا نہیں بلکہ ٹرانسمیٹر ہے۔" فریدی نے اکتا کر کہا۔

"تو کیا وہ آواز......؟" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

"تم نے سنی تھی......؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں......جب میں اس مصیبت میں مبتلا تھا تو انور اور رشیدہ نے کوئی آواز سنی تھی۔ میں [نے] مذاق سمجھا تھا۔"

"تو کیا اس ٹرانسمیٹر پر چھینکیں براڈکاسٹ کی جاتی ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"نہیں وہ ایک تیز قسم کی نسوار تھی جس نے تمہیں چھینکنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

پھر فریدی نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے سن رہا تھا۔ فریدی خاموش ہوتے ہی بولا۔ "تو یہ بلا میں خود ہی اپنے گلے باندھ لایا ہوں۔"

"تمہیں وہ ملا کہاں تھا......؟"

"جگہ کا نام شاید نہ بتا سکوں لیکن جگہ دکھا سکتا ہوں۔ پچھلی رات جب میں نائٹ کلب سے [لو]ٹ رہا تھا تو میں نے اسے راستے میں پڑا پایا تھا......مگر یہ عورت کون تھی؟"

"پھر بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "تم ذرا جلدی سے کپڑے تبدیل کر ڈالو۔"

"آ......اے پیاری شامت۔" حمید چھت کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے تجھ سے محبت [ہو گ]ئی ہے کیونکہ تو کسی حال میں میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔"

نیا انکشاف

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی کی کیڈیلاک پھاٹک کے باہر نکلی۔ حمید فریدی کے برابر بیٹھا
سے منہ بنا رہا تھا۔

"جان نکلنی شروع ہوگئی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بیکار تاؤ نہ دلایئے مجھے۔" حمید نے کہا۔ "آپ کبھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کر

"یعنی......!"

"اس ٹرانسمیٹر کا چکر چھوڑ کر آپ کو اس بیچاری کی مدد کرنی چاہئے۔"

"شاید تم اس کی پوری کہانی بھول گئے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"میں اب بھوتوں سے نہیں ڈرتا۔ بشرطیکہ وہ کسی عورت کا بھوت نہ ہو۔"

فریدی ہنس کر چپ ہوگیا۔

"ہاتم روڈ کی طرف چلئے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ اب تک میرے ذہن
ہوئی ہے۔"

"تمہارا ذہن تو اچھا خاصا کانجی ہاؤز ہے۔"

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے ایک ہزار سال قبل اسے یونان میں دیکھا

"بہت اچھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا ابھی حال ہی میں رائیڈر ہیگرڈ کا کو
پڑھا ہے؟"

"نہیں میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ یونان کے کسی قدیم سنگ تراش کا شاہکار معلوم ہوتی

"یار حمید! میرا بھیجا مت چاٹ۔"

"قبلہ محترم میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں...... ہاں داہنی طرف موڑ لیجئے۔"

"فرمایئے۔" فریدی نے اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے کہا۔

"آپ عورتوں سے خوفزدہ ہونا چھوڑ دیجئے۔ ورنہ آئندہ آپ کے دشمن آپ

لانے کی بجائے عورت پھینکا کریں گے۔"

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"فرض کیجئے۔" حمید پھر بولا۔ "آپ کہیں سے گزر رہے ہیں اور ایک مجرم آپ کی تاک
ا ہے۔ اس نے اپنے ہاتھوں پر ایک خوبصورت سی عورت سنبھال رکھی ہے جیسے ہی آپ زد پر
ے اس نے عورت پھینک ماری اور آپ چیخ مار کر بیہوش ہوگئے۔ پھر اس نے اطمینان سے
پ کی گردن ریتی اور چلتا بنا۔"

"یار کوئی کام کی بات کر۔" فریدی اکتا کر بولا۔

"یہ کسی کام چور سے کہئے گا۔" حمید نے کہا۔ "اوہ ٹھیک یاد آیا۔ کیا آپ کسی ایسے مصنف کو
ں کام چور کہیں گے جو انگریزی کے ناولوں کے پلاٹ چرا کر اردو میں ناول لکھتا ہو۔"

"کیوں اسے کیوں کام چور کہیں گے۔"

"بھئی مصنفوں کے کارناموں کو انگریزی میں ورک کہتے ہیں جس کے معنی اردو میں
کام ہوئے۔ لہٰذا میری دانست میں چور قسم کے مصنفوں کو اردو میں کام چور کہا جاتا ہے۔"

"لیکن تم مصنفوں پر کیوں آ کودے۔"

"اس لئے کہ کہیں وہ کم بخت ٹرانسمیٹر نہ کود پڑے۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو
رتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس قسم کی چیزیں میرے یا آپ ہی کے ہاتھ
یوں لگا کرتی ہیں۔ کسی اور راہگیر نے اسے کیوں نہیں اٹھایا۔ یہ ٹھوکریں میرے ہی مقدر میں
یوں لکھی ہوئی تھیں۔ پچھلی رات والا حادثہ انور ہی کو کیوں پیش آیا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ اسی
میان میں وہ یہاں تارجام تک کی دوڑ لگایا کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی تذکرہ نویس نے
ن واقعات کو لکھا تو لوگ سو فیصدی غپ سمجھیں گے۔"

"بیٹے حمید خاں! اسی قسم کے اتفاقات ہمیں مجرموں تک پہنچاتے ہیں ورنہ ہم ساری زندگی
ک ٹوئیے مارتے رہیں۔ سراغ رساں غیب دان نہیں ہوتے۔"

"آخر اس قسم کے لغو اتفاقات پیش ہی کیوں آتیں۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ پھر چونک
ا۔ "روک دیجئے۔"

کیڈی لاک ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ حمید اتر پڑا۔

"غالباً یہی جگہ تھی۔" وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"رات اندھیری تھی حمید صاحب۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔ "میرے پاس ٹارچ تھی ورنہ اس کم بخت پر کیسے نظر پڑ

"پھر بھی۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "وہ کوئی ایسی عجیب وغریب چیز نہیں تھی گردوپیش بھی ٹارچ کی روشنی ڈالنے کی زحمت گوارا کرتے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" حمید تذبذب کے عالم میں بولا۔ "لیکن سامنے والی کوٹھی کے پھاٹ رکھے ہوئے پتھر کے شیر اس وقت ٹارچ کی روشنی کی زد میں تھے۔"

"تب ٹھیک ہوسکتا ہے کیونکہ اس سڑک پر ایسے شیر اور کہیں نہیں ہیں۔" فریدی کو طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر دفعتاً چونک پڑا اور حمید کا ہاتھ اس زور سے دبایا کہ وہ بلبلا اٹھا۔

حمید کبھی فریدی کی غیر متحرک آنکھوں کی طرف دیکھتا اور کبھی کوٹھی کی طرف۔

"کیا یہ شیر پتھر کے نہیں ہیں؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

فریدی اپنی نظریں پھاٹک سے ہٹا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تو آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"حمید! شاید اس بار بھی سہرا تمہارے ہی سر رہے گا۔"

"سہرا......!" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ "لاحول ولاقوۃ......توبہ کیجئے! بھلا آپ کے ر رہ کر سہرے کی نوبت کہاں آئے گی۔"

"ہشت......!" فریدی نے دبے ہوئے جوش کے ساتھ کہا۔ "پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پ دیکھ رہے ہو۔"

"میری آنکھیں کمزور نہیں ہیں۔ میں پڑھ بھی رہا ہوں۔ پروفیسر بی۔ سی چودھر حمید نے کہا اور پھر یک بیک اچھل کر بولا۔ "یہ اسی کی کوٹھی تو نہیں جو ابھی آپ سے ملنے گئی تھی

"تم ٹھیک سمجھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو گویا کہ واقعی شامت آگئی۔"

"کیوں؟ تم تو ابھی اس سے ملنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھے۔"

"لیکن اب ان حالات میں نہیں ملنا چاہتا۔"

"کن حالات میں؟" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آپ اس کے گھر میں ہونے والے ہنگامے اور اس ہاتھی میں کوئی تعلق پیدا کرنے کی وشش کررہے ہیں۔"

"تو کیا میں غلطی کررہا ہوں۔"

"نہیں......غلطی تو مجھ سے ہوئی کہ اس وبال جان کو ٹھوکر سے ادھر اُدھر کردینے کی بجائے پنے ساتھ لیتا گیا۔"

"کیا بکتے ہو۔ آؤ اندر چلیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر کیڈی کی طرف لے آیا۔

انہیں دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وزیٹنگ کارڈ ملتے ہی مسز چودھری خود ہی باہر نکل ئیں۔ اس کے چہرے پر مسرت کی لہریں تھیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اسے ان کی غیر متوقع مد پر حیرت بھی ہے اور خوشی بھی۔

"آیئے......آیئے......بہت بہت شکریہ۔"

وہ انہیں ایک وسیع ہال میں لے آئی۔ فریدی کی نظریں زینے کی طرف اٹھ گئیں جو اوپری زل کی طرف گیلری سے ملحق تھا۔

"میں سمجھی تھی شاید آپ نے مجھے ٹال دیا۔" مسز چودھری بولی۔

"آپ غلط سمجھی تھیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "کیا آپ پچھلی رات کو اسی کمرے میں تھیں؟"

"جی ہاں......!" مسز چودھری متحیر ہوکر بولی۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ یہاں کئی کمرے ہیں۔ آپ نے خصوصیت سے اسی کے متعلق کیوں پوچھا؟"

"کوئی خاص بات نہیں...... یہ میرا قیاس تھا۔"

"قیاس کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔"

"بس یونہی۔" فریدی نے کہا اور پورے ہال کو متجسس نظروں سے دیکھنے لگا۔

"آپ کی تعریف......؟" مسز چودھری نے حمید کی طرف اشارہ کیا جو دیا سلائی کا تنکا چبا

رہا تھا۔

''میرے ساتھی سرجنٹ حمید۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''انہیں اس لئے ساتھ لایا ہوں کہ بھوتوں کے اسپیشلسٹ ہیں۔''

''اوہ...... بڑی خوشی ہوئی۔'' مسز چودھری نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن حمید کے انداز میں سردمہری تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اس وقت حمید کو کوئی بوکھلاہٹ کیوں نہیں سرزد ہوئی۔

''تو آپ لوگ لنچ میرے ہی ساتھ کھائیں گے۔'' مسز چودھری نے کہا۔

''اسکی ضرورت نہیں'' فریدی بولا۔ ''پھر کبھی! ہم لوگ فی الحال بہت زیادہ مصروف ہیں۔''

''میں نہیں مان سکتی۔'' مسز چودھری نے کہا۔

''آپ کی مرضی......!'' حمید جلدی سے بولا۔

''میں ابھی حاضر ہوئی۔'' مسز چودھری نے کہا اور ہال سے چلی گئی۔

''یہ کیا حرکت...... میں تو ٹال رہا تھا'' فریدی نے کہا۔

''میں بھوتوں کا اسپیشلسٹ ہوں نا'' حمید نے دیدے پھرا کر کہا۔ ''اور آپ اسی مقصد کے تحت مجھے یہاں لائے ہیں لہٰذا میں نے جو کچھ مناسب سمجھا کیا۔''

''چغد ہیں آپ اچھے خاصے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اگر آپ میرا چغد پن بھی ملاحظہ فرمانے کے موڈ میں ہوں تو اب کی بحیثیت ؟ متعارف کرادیجئے۔''

''بکومت......!''

''نہیں بکوں گا...... لیکن یہ بتائیے کہ آپ نے خصوصیت سے اسی کمرے کے متعلق کس بناء پر کہا تھا۔''

''تم واقعی چغد ہو۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اتنا نہیں دیکھ سکتے کہ صرف اسی کمرے کے دروازے کی چٹخنی اس طرف ہے۔ دوسرے دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں شاذونادر ہی کھولا جاتا ہوگا۔ اس دروازے کا پردہ سرکا ہوا ہے جس کا مطلب

یہ ہے کہ دروازہ باقاعدہ استعمال ہوتا ہے۔''

''میں اتنی ذرا ذرا سی باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔'' حمید منہ بگاڑ کر بولا۔

''اسی لئے ہر موقع پر چغد ہو جاتے ہو۔''

''چغد کے ساتھ سلمہ ضرور استعمال کیا کیجئے۔ ہاں اُلو کے لئے اس کی قید نہیں کیونکہ وہ عموماً کسی کا ماتحت نہیں ہوا کرتا۔''

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مسز چودھری واپس آ گئی۔

''چودھری صاحب کی لیبارٹری تو بڑی شاندار ہوگی۔'' فریدی دفعتاً اسکی طرف مڑ کر بولا۔

''جی ہاں...... کیا آپ دیکھیں گے؟''

''میں پوری کوٹھی دیکھنا چاہتا ہوں۔''

نچلے کمروں کو دیکھتے ہوئے وہ بالائی منزل پر آئے۔ یہیں پروفیسر چودھری کی شاندار لیبارٹری بھی تھی جہاں چاروں طرف بڑی بڑی میزوں پر شیشے کے آلات رکھے ہوئے تھے۔ دو ایک مختلف النوع مشینیں بھی نظر آئیں۔ ان میں چھ ہارس پاور کا ایک انجن بھی تھا۔

''میرے خیال سے پروفیسر کے غائب ہونے کے بعد سے یہاں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہوگی۔''

''نہیں! لیکن اکثر میں ان آلات کی صفائی اور دیکھ بھال کرتی رہتی ہوں۔''

''پچھلی بار آپ نے ان کی صفائی کب کی تھی؟''

''شاید ایک ہفتہ قبل......!''

''اس کے بعد سے انہیں کسی نے نہیں چھوا......!''

''نہیں۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔ ممکن ہے نوکروں میں سے کسی نے چھوا ہو۔''

''مجھے اس کی توقع نہیں۔'' مسز چودھری بولی۔

فریدی جیب سے محدب شیشہ نکال کر آلات کا معائنہ کرنے لگا۔ دفعتاً وہ تھوڑی دیر بعد مڑا۔

''قریب آئیے۔'' فریدی نے مسز چودھری سے کہا۔

پھر وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محدب شیشے کی مدد سے اس کی انگلیاں دیکھنے لگا۔

مسز چودھری کا ہاتھ کانپ رہا تھا اور چہرہ ایسا ہو گیا تھا جیسے کسی نے سرخ رنگ کی پچکاری ماردی حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ البتہ فریدی کا چہرہ کسی پرسکون جھیل کی ط طرح سپاٹ تھا۔

"ذرا اپنے تینوں نوکروں کو بھی بلائیے۔" فریدی نے اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیو دیکھ لینے کی بعد کہا۔

مسز چودھری کھڑکیوں کی طرف بڑھی۔

"ٹھہرئیے۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "پچھلی رات آپ نے مسٹر چودھری کو کھڑکی میں دیکھا تھا......؟"

مسز چودھری نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی اس کی چوکھٹ کو غور سے دیکھ رہا تھا اور مسز چودھری اسے گھور رہی تھی۔

"نوکروں کو بلا لیجئے۔" اس نے سر اٹھا کر کہا اور پھر اس کی نظریں محدب شیشے پر جم گئیں

مسز چودھری نے کسی نوکر کو آواز دے کر سبھوں کو اوپر لانے کو کہا۔

فریدی نے نوکروں کے ہاتھ بھی دیکھے اور انہیں رخصت بھی کر دیا۔ اس کی پیشا سلوٹیں ابھر آئی تھیں اور آنکھیں کسی گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔

"آپ کو یقین ہے کہ انہیں کسی نے نہیں چھوا۔"

"مجھے یقین ہے...... لیکن ٹھہرئیے۔ میں صرف اپنی اور نوکروں کی ذمہ داری لے سکتی ہوں"

"فون تو ہوگا ہی آپ کے یہاں؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"حمید......!" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "فنگر پرنٹ کے فوٹو گرافر کو یہاں آ کے لئے فون کر دو۔"

حمید مسز چودھری کے ساتھ نیچے چلا گیا۔ فریدی کھڑکی سے پائیں باغ میں جھانک رہا تھوڑی دیر بعد وہ دونوں واپس آ گئے۔ مسز چودھری کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔

"کیا اوپری منزل اس وقت تک کے لئے مقفل کی جا سکتی ہے جب تک کہ ہمارے

افر نہ آجائیں۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں......!"

"بہتر ہے...... آپ کو تکلیف تو ہوگی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ہال میں بیٹھے ادھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے۔ اس دوران میں حمید نے ا بار مسز چودھری کو بے تحاشہ ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"پروفیسر درانی کے متعلق آپ کیا جانتی ہیں؟" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"میں کیا بتا سکتی ہوں جب کہ میں نے آج تک اسے دیکھا ہی نہیں۔"

"پروفیسر چودھری سے اس کے متعلق کچھ سنا تو ہوگا۔"

"سننے کو تو بہت کچھ سنا ہے۔"

"آخر وہ پبلک کے سامنے کیوں نہیں آتا۔"

"شاید اپنی بدصورتی کی بناء پر۔ وہ بہت ہی بے ڈول آدمی ہے۔ چودھری صاحب کا کہنا کہ کوئی اسے دیکھ کر اپنی ہنسی روک ہی نہیں سکتا۔ اکثر یونیورسٹی کے طلباء اس سے درس لیتے ہیں نا انہوں نے بھی اسے نہیں دیکھا۔"

"بھلا وہ کیسے؟" حمید نے ہمہ تن اشتیاق بن کر پوچھا۔

"اس کی لیبارٹری میں لاؤڈ اسپیکر فٹ ہے۔ طلباء وہاں بیٹھتے ہیں اور وہ اپنے کمرے سے سا درس دیتا ہے۔ اگر کسی طالب علم کو کوئی سوال کرنا ہو تو اس کیلئے ٹیلی فون استعمال کیا جاتا ہے۔"

"لیکن کبھی تو وہ باہر نکلتا ہی ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"ہاں! چودھری صاحب سے بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ ادھر دس بارہ سال سے گوشہ نشین لیا ہے۔ اس سے پہلے وہ اتنا بے ہنگم نہیں تھا۔ جوانی کے زمانے میں وہ خاصا سوشل آدمی تھا۔"

"وہ تنہا ہی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں اس کی ایک لڑکی بھی ہے۔ اسے میں نے دیکھا ہے، بڑی بھولی ہے۔ لیکن اس لے گھر کے گھٹے گھٹے سے ماحول نے اسے بھی نیم خبطی بنا دیا ہے۔ ایک بار وہ چودھری صاحب لے ہمراہ یہاں آئی تھی۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ لنچ کیلئے گانگ بجا اور وہ تینوں ڈرائنگ روم کی طرف چلے گ
لنچ کے دوران میں فریدی نے مسز چودھری سے پوچھا۔

"چودھری صاحب غائب ہونے سے کچھ دن قبل کسی غیر ملکی سے ملے تھے؟"

"مجھے یاد نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان سے ملنے کے لئے جتنے بھی لوگ آتے عموماً خشک طبیعتوں کے ہوا کرتے تھے اس لئے میں ان کا نوٹس ہی نہیں لیتی تھی اور چودھری صاحب نے مجھے اس پر مجبور کیا۔"

"ویسے تو چودھری صاحب بھی خشک آدمی رہے ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"قطعی نہیں...... گھریلو زندگی میں وہ قطعی خشک نہیں تھے۔"

"عجیب بات ہے۔" حمید بولا۔

"ہم دونوں قطعی متضاد طبیعتوں کے مالک تھے۔" مسز چودھری غمگین آواز میں

"انہیں سائنس سے پیار تھا اور مجھے آرٹ سے...... لیکن ہم دونوں کے یہ مختلف رجحانات بنائے مخاصمت نہیں بنے۔ میں ان کی لیبارٹری سے اٹھنے والی بدبوؤں پر جھلایا کرتی تھی انہوں نے میری بنائی ہوئی تصاویر کو ہمیشہ قدر اور پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا ہے۔ ا میری تصاویر کے موڈل بھی بنے ہیں۔ وہ مجھ سے آرٹ پر اسی انداز سے بحث کرتے تھے خود بھی ایک اچھے آرٹسٹ اور میرے ہم ذوق ہوں۔"

"آپ مصور بھی ہیں۔" حمید اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"کیوں نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہارے یہاں بھی تو تارا چودھری کا ایک ش موجود ہے۔ وہ وینس کی تصویر۔"

"اوہ...... تارا چودھری آپ ہی ہیں۔" حمید متحیر ہو کر بولا۔

لیکن فریدی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کی یہ حیرت قطعی مصنوعی تھی۔ اسے بھلا اس غرض ہو سکتی تھی کہ اس عورت کا سوشل اسٹیٹس کیا ہے۔ وہ تو ہر عورت کو صرف عورت سمجھتا تھا۔ اور بس

"تو وہ تصویر آپ نے خریدی تھی۔" مسز چودھری نے مسکرا کر فریدی سے پوچھا۔

"جی ہاں...... پوری گیلری میں مجھے صرف وہی تصویر پسند آئی تھی اور نمائش کے اف

ے دن میں نے اسے خرید لیا تھا۔ لیکن وہ آخر تک گیلری میں لگی رہی۔ بعد کو پتہ چلا کہ اول م اسی تصویر کو ملا تھا۔"

"اس میں کیا بات پسند آئی تھی آپ کو......؟"

"رنگوں کا امتزاج! جو چہرہ آپ نے پینٹ کیا تھا اس کی پس منظر کے لئے اداس شام کا ب اور اس اداسی کے اظہار کے لئے مناسب رنگوں کا استعمال اور وہ چہرہ صحیح معنوں میں یکی حسن کا حامل تھا۔"

"فریدی صاحب! آپ کے اندر کس کہنہ مشق مصور کی روح موجود ہے۔" مسز چودھری تعریفی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "وہ دراصل پروفیسر درانی کی لڑکی عامرہ کا چہرہ تھا۔ اس لئے میں نے اسی کو موڈل بنایا تھا۔"

لنچ ختم کرنے کے بعد وہ پھر ہال میں آ بیٹھے۔

تھوڑی دیر بعد فنگر پرنٹ سیکشن کے فوٹو گرافر بھی آ گئے اور لیبارٹری میں تصویریں لینے کا شروع ہو گیا۔ مختلف قسم کے آلات کی تصویریں لی گئیں۔ اس کھڑکی کی چوکھٹ کی تصویر بھی لی جس میں پچھلی رات کو پروفیسر چودھری کا بھوت دکھائی دیا تھا۔

مسز چودھری ان ساری مشغولیات کو حیرت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔

چلتے وقت فریدی نے اس سے کہا۔ "اب آپ کوتوالی میں رپورٹ کر دیجئے کہ کچھ نامعلوم کل رات گئے آپ کی کوٹھی میں گھس کر آپ کے آرام میں مخل ہوتے ہیں اور وہ کوششوں باوجود بھی ابھی تک نہ تو پہچانے جا سکے ہیں اور نہ پکڑے جا سکے ہیں...... اور ان کی اس رکت کا مقصد بھی سمجھ میں نہیں آتا۔"

فوٹو گرافر جا چکے تھے۔

واپسی میں فریدی پھاٹک کے قریب پوپی رکسنڈ کی کیاری میں جھک کر کچھ دیکھنے لگا۔

پھر اس نے ننھے ننھے پودوں میں ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک لمبی سی چھڑی کو یال انداز میں دیکھ رہا تھا۔ جس پر پالش نہیں تھی لیکن اس کی سطح بڑی نفاست کے ساتھ ہموار گئی تھی...... بالکل سپاٹ اور چکنی...... پالش نہ ہونے کے باوجود بھی اس میں چمک تھی۔"

فریدی مسز چودھری کی طرف مڑا۔

"کیا میں اسے لے سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"شوق سے۔" مسز چودھری نے قہقہہ لگایا۔

لیکن فریدی کی سنجیدگی دیکھ کر فوراً ہی سنبھل گئی۔

فریدی کی کیڈی لاک جا چکی تھی۔ لیکن وہ ابھی تک پھاٹک کے قریب کھڑی کچھ سوچ ر

گارساں

"اب آفس میں چل کر سر کھپایئے۔" حمید منہ بگاڑ کر بڑبڑایا۔

"نہیں فی الحال آفس نہیں جائیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"آخر یہ ٹوٹی پھوٹی چھڑی...... شرم نہیں آتی۔"

"گھر چل کر بتاؤں گا کہ شرم کیوں نہیں آتی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اوہ...... تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ ٹرانسمیٹر۔"

"چل کر دیکھیں گے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "لکڑی کی ساخت تو یہی؛ اور اس کا سرا بھی ٹوٹا ہوا ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آلات پر آپ نے جو نشانات دیکھے تھے......!"

"وہ مسز چودھری اور اس کے نوکروں کی انگلیوں کے نہیں تھے۔"

"تو پھر اس بھوت کے ہو سکتے ہیں...... آخر اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"فی الحال کچھ بھی نہیں...... لیکن اس کی یہ حرکت حیرت انگیز ضرور ہے۔ چھ ماہ قبل

غائب ہو گیا اور اب بھوت بن کر نمودار ہوا ہے...... دوسری چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ وہ سلیپنگ سوٹ ہی پہنے ہوئے غائب ہو گیا تھا حتیٰ کہ گاؤن بھی نہیں پہنا تھا...... اور اب اگر وہ ہاتھی اس لڑکی پر فٹ ہو جاتا ہے...... تو...... حمید صاحب! بس یہ سمجھ لیجئے کہ مزہ آ جائے گا۔"

حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"خیریت......؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مزہ آرہا ہے۔" حمید نے کہا اور سیٹی بجانے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "پروفیسر درانی سے کب مل رہے ہیں؟"

"ضروری نہیں کہ اس سے ملا ہی جائے۔"

"آپ ملئے یا نہ ملئے...... میں تو ملوں گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟"

"میں وینس کی اس تصویر کو گوشت و پوست میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"یار تم آدمی ہو یا آدم خور۔"

"فی الحال میں بہت شدت سے بور ہوں۔" حمید ڈرامائی انداز میں بولا۔ "جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ وینس کا موڈل وہی تھی۔ کیا نام بتایا تھا اس نے ...... عامرہ...... نام بھی بڑا خوابناک ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں برسوں سے یہ نام سنتا آیا ہوں۔ میں نے کئی بار سوچا ہے کہ میں وینس کی اس تصویر کو چوم لوں مگر وہ کافی اونچائی پر لگی ہوئی ہے۔ ایک بار سیڑھی لا رہا تھا کہ کتے بھونکنے لگے۔"

"بکو نہیں۔" فریدی بیزاری سے بولا۔

"تو پھر کیا کروں؟"

فریدی اسے گھورنے لگا۔

"سامنے...... دیکھئے سامنے۔ کہیں جہنم میں نہ پہنچا دیجئے گا۔"

واقعی سڑک پر ٹریفک بہت زیادہ تھا۔ ذرا سی غلطی انہیں دوسری دنیا میں پہنچا سکتی تھی۔

فریدی اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سامنے دیکھ رہا تھا۔

گھر پہنچ کر مہمان خانے کی طرف چلا گیا۔ کیونکہ اسی حصے کے ایک کمرے میں چودھری کی بنائی ہوئی تصویر آویزاں تھی۔ وہ بڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ تصویر یا اس لڑکی کوئی دلچسپی رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن وہ اس وقت فریدی کو تاؤ دلانے کے لئے ایسا کر رہا تھا نے سوچا تھا کہ وہ اس ماہ میں ایک یا دو ہفتے کی چھٹی لے کر کہیں باہر چلا جائے گا۔ لیکن ٹرانسمیٹر والا معاملہ بیچ میں آ کودا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کی گلوخلاصی ناممکن تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک نوکر اسے تلاش کرتا ہوا وہاں آ پہنچا۔

فریدی اپنے سونے کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

”تم کہاں چلے گئے تھے؟“ فریدی نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

”آپ کے پاندان کے لئے ڈلیاں کتر رہا تھا۔“ حمید نے ناک پر انگلی رکھی اور ا
بولا۔ لیکن اس کے انداز میں جھلاہٹ تھی۔

”او سُور......!“ فریدی نے اٹھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ ”ہزار بار منع کیا کہ زنخوں کی طرح...

”صحبت کا اثر......!“ حمید جلدی سے بولا۔

”گٹ آؤٹ......“ فریدی چیخا۔

”شکریہ......!“ حمید بھی اسی انداز میں چیخ کر باہر چلا گیا۔ اس کے سونے کا کمرہ فریدی کے سلیپنگ روم سے ملحق تھا۔ وہ بھی اپنے پلنگ پر بیٹھ کر جوتے کے بند کھولنے لگا۔ حمید جانتا کہ آج رات اسے جاگنا بھی پڑے گا اور سردی بھی کھانی پڑے گی۔ بھلا فریدی اس بھوت درشن کئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج خلاف معمول اس وقت اپنے سونے کمرے میں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو اس ٹرانسمیٹر کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کی خواہش ضرور لیکن وہ نہ جانے کیوں اس وقت فریدی کو تنگ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس چڑ کا کیا ہوا۔ ٹرانسمیٹر اس پر فٹ ہوا یا نہیں۔

اس نے غیر ارادی طور پر اٹھ کر ریڈیو کھول دیا۔ بی بی سی سے مغربی موسیقی براڈکاسٹ ہو رہی تھی۔ دفعتاً اسے شرارت سوجھی اور اس نے اچھل اچھل کر انگریزی میں گانا شروع کر دیا

موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا......

ہو ہا......ای......او......ای
او پیارا ابابیل لوگ تم اڑ جا رہا ہے
ہم کو بھی سنگ لے جائے گا کہ نہیں
نیلے آسمان میں اوپر چڑیا لوگ بھی اڑتا ہے
مگر ہم سالا اُلو کا پٹھا......اود بلا ہے
موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا......
ہو ہا......ای......او......ای
ای......او......ای
بطخ اپنے بچے کو دودھ پلا رہا ہے
اونٹنی انڈے دے رہا ہے
پیاری اور پیارا شاہ بلوط کے درخت پر چونچ ملا رہا ہے
گھاس ککر متے کو چومتا ہے
ہم سالا بالکل اکیلا ہے
بیوی بچے کو ترس جائے گا
موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا
ہو ہا......او......ای......او

فریدی دروازے میں کھڑا بے بسی سے ہنس رہا تھا۔

”آخر تم چاہتے کیا ہو......؟“

”ایک ہفتے کی چھٹی......ای......او......ای“

”شٹ اپ......!“

”ای......او......ای۔“

فریدی نے آگے بڑھ کر اس کا منہ دبا دیا لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حمید کو اس پر کچھ تاؤ نہیں آیا۔ وہ اس کی گرفت سے نکل کر پھر ہلڑ مچانے لگا۔ نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا۔

فریدی اسے سنجیدگی سے گھورتا رہا۔ پھر ہونٹ پھیلا کر بولا۔ ''تمہیں چھٹی مل جا اور کمرے سے چلا گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا مسکراتا رہا۔ شاید اب اسے نئی شرارت سوجھی تھی۔ وہ بھ چاپ اپنے کمرے سے نکل کر فریدی کے کمرے میں چلا گیا۔

فریدی لیٹنے ہی جا رہا تھا کہ حمید نے اس کے سرہانے کی گول میز پر سے پیتل کا ہاتھ اور دیوار سے ٹنگی ہوئی چھڑی کے سرے پر اسے فٹ کرنے لگا۔

فریدی کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ ہاتھی کے پیٹ میں پھنسے ہوئے لکڑی کے ٹکڑ ایک ایک ریشہ چھڑی کے ناہموار سرے پر ٹھیک بیٹھا تھا۔

حمید نے پرخیال انداز میں سر ہلایا۔ وہ دراصل فریدی کی نقل کر رہا تھا۔ اس کے بعد کے مخصوص انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''یہ باوا آدم کا عصائے پیری ہے۔'' حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔ تھوڑ خاموش رہا پھر بولا۔ ''ہابیل اور قابیل کی جنگ کے بعد اس پر ابابیل نے قبضہ کر لیا تھا۔''

فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔

حمید نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور آگے کی طرف جھکتے ہوئے دانت پر دانت جما کر لگا۔ ''جب آپ ہنستے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دور کسی ویرانے کے ایک چھوٹے سے میں چاندی کی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ جیسے کہکشاں کی ساری لڑیاں چھن چھن کرتی ایک د سے ٹکراتی سنگ مرمر کے فرش پر آ گری ہوں۔''

''جیسے تمہاری عقل......!'' فریدی نے کہا۔ ''کسی ویرانے میں گھاس چر رہی ہو...... زیا بچپنا بھی کھلنے لگتا ہے۔''

''تو جناب والا میں آپ کی طرح خس تو نہیں ہو سکتا۔ خدا نے اچھا کیا کہ آپ کو عورت کر مرزا غالب کے زمانے میں نہیں پیدا کیا ورنہ وہ پیشہ آبا کو شاعری پر ترجیح دیتے اور آج بھ اس حیرانی کا موقع نصیب نہ ہوتا کہ دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں۔''

''بک چکے......؟''

''جی ہاں!''

''تو جا کر سو رہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری زندگی کی آخری نیند ہو۔''

فریدی نے کہا اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے یہ بات مذاق میں نہیں کہی۔ حمید بھی یک سنجیدہ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''جاؤ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہارے آخری قہقہے رہے ہوں۔'' فریدی نے پھر کہا۔

''آخر بات کیا ہے؟'' حمید آہستہ سے بولا۔

''مقابلہ ایسے آدمی سے ہے کہ میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھ سکتا۔''

''یعنی......!''

فریدی نے وہ چھڑی حمید کے ہاتھ سے لے لی اور اس کے نیچے لگی ہوئی لوہے کی سلاخ کو ادیا۔ پھر چھڑی کا اوپری حصہ حمید کے چہرے کے قریب لے گیا۔

''پڑھو......!'' وہ آہستہ سے بولا۔

چھڑی کے اوپری حصے کی سطح پر مستطیل کی تھوڑی سی خلاء پیدا ہو گئی تھی۔

''گارساں......!'' حمید جھک کر بڑبڑایا۔ پھر سیدھا ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ نام سنا ہے کبھی۔''

''سنا تو ہے لیکن......!''

''اس کے متعلق کچھ جانتے نہیں۔'' فریدی بولا۔ ''یہ دنیا کا خوفناک ترین آدمی ہے۔ پچھلی مہ جزائر انڈمان میں جاپانیوں کا داخلہ اسی کے دم سے ہوا تھا۔ چین کے بعض اہم مقامات کی بدولت نکل گئے تھے۔ بعد کو اس نے جاپانیوں کو بھی چرکا دیا اور اتحادیوں سے جا ملا۔ پھر دیوں کو بھی ایک زبردست چوٹ دے کر روپوش ہو گیا تھا۔ بہر حال آج ساری دنیا کی حکومتیں بات پر متفق ہیں کہ وہ جہاں دکھائی دے اسے گولی مار دی جائے۔''

حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیا فرانس کا باشندہ ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں......!''

"لیکن نام تو فرانسیسیوں ہی جیسا ہے۔"

"تم اسے فرنچ انڈو چائینیز کہہ سکتے ہو۔ اس کا باپ انڈو چائینیز تھا اور ماں فرانسی
پیدائش انڈو چائنا میں ہوئی تھی۔"

"اور موت شاید ہمارے یہاں ہوگی۔" حمید بولا۔

"ایسا نہ کہو...... یہ وہ شخص ہے جس کی دشمن ساری دنیا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اب
آسمان پر رہا ہوگا اور نہ تحت الثریٰ میں...... لیکن آج تک کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔"

"لیکن پروفیسر چودھری کی کوٹھی سے اس کا کیا تعلق......؟" حمید نے کہا۔

"یہی تو دیکھنا ہے۔" فریدی نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ حمید کو اس کی فکر مندی میں
بہت سراسیمگی بھی نظر آ رہی تھی۔

"لیکن میں اسے اس لئے ڈھیل نہیں دے سکتا۔" فریدی خود بخود بڑبڑایا۔ "کہ ا
چودھری کی کوٹھی کا تعلق معلوم کروں۔ اگر وہ نظر آ گیا تو......"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر بولا۔

"مسز چودھری نے پچھلی رات کو دھینگا مشتی کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ اگر وہ وہاں
تو انتہائی سراسیمگی کی حالت میں وہاں سے بھاگا ہے۔"

"کیوں......؟"

"اس کا ثبوت وہاں اس ٹرانسمیٹر کی موجودگی ہے۔ وہ اتنا بدحواس تھا کہ ایسی چ
چھوڑ گیا جس سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی تھی۔"

"ممکن ہے...... چودھری کا بھوت......!" حمید بولا۔

"لیکن چودھری کا بھوت کیا بلا ہے؟"

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو...... آفس آف دی نیو اسٹار...... ذرا انور صاحب کو فون پر بلا دیجئے۔" وہ تھوڑ
تک خاموش رہا پھر بولا۔

"ہیلو انور!...... میں بول رہا ہوں...... فریدی...... ہاں...... حمید بالکل ٹھیک ہے؟

اب کام ہے......تم کبھی پروفیسر درانی سے ملے ہو؟...... وہی ماہر علم الاجسام...... جو پبلک میں
ہیں آتا...... خیر مجھے اسی کی توقع تھی...... اسے بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے...... اور میں بھی
ہیں میں سے ہوں۔ ہاں تو اس سے ایک انٹرویو لینے کی کوشش کرو...... لیکن خیال رہے کہ وہ
ہیں ٹیلی فون ہی پر نہ ٹال دے...... عموماً پریس رپورٹروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرتا ہے......
ر گھسنے کی کوشش کرنا...... میں اس کے متعلق جاننا چاہتا ہوں...... بہرحال تم اس سے بہ نفس
س ملو گے...... موضوع...... موضوع بہتیرے ہیں...... اچھا چلو موضوع بھی بتائے دیتا
ں...... ابھی حال ہی میں برازیل کی پہاڑیوں میں کسی قدیم جانور کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا
ہے...... ساخت کے اعتبار سے وہ ایک ہاتھی سے بھی بڑے کنگاروں کا ڈھانچہ معلوم ہوتا
ہے...... تم اسی کے متعلق اس کی رائے لے سکتے ہو...... بہرحال کوشش کرو...... اگر کامیابی ہوگی
خیر...... ورنہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے گا...... مجھے یقین ہے کہ تم اسے دیکھ کر اس کے
ردار کے متعلق بہت کچھ بتا سکو گے...... اچھا۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیوں کیا یہ کام میں نہیں کر سکتا تھا......؟" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"تمہارے بس کا نہیں۔"

"میں دکھا دوں گا۔"

"بس بس میری مرضی کے بغیر کسی کام میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ نتیجے کے تم
ذمے دار ہو گے۔"

"آپ مجھ پر انور کو ترجیح دیتے ہیں۔"

"اماں کہہ دیا ایک بار کہ یہ کام تم نہ کر سکو گے۔ تم رپورٹروں کے ٹیکٹ سے واقف نہیں۔"

"خیر ہوگا، مجھے کیا کرنا ہے۔"

"تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ فی الحال جا کر سو جاؤ۔"

"زبردستی سو جاؤں......؟"

"کیا تم کل تین بجے تک جاگتے نہیں رہے؟"

"یقیناً جاگتا رہا تھا مگر یہ ضروری نہیں کہ اس وقت نیند آ ہی جائے۔"

"بلاؤ اسے۔" فریدی تلخ لہجے میں بولا۔ "ورنہ اگر آج رات تم نے نیند کا نام لیا نہ سمجھو۔"

"آپ کے ساتھ کبھی خیریت رہ نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ بھی مؤنث ہے۔"

"پھر آ گئے اسی مؤنث مذکر پر۔ یار میں تیرا سر کہاں دے ماروں۔"

"کسی نرم و لطیف سینے پر۔"

"دور ہو جاؤ۔" فریدی نے اس کی گردن میں ہاتھ دے کر اسے کمرے سے باہر ن

حمید اپنے کمرے میں چلا آیا۔ حقیقتاً اسے نیند پریشان کئے ہوئے تھی۔ سر میں ہ بھی ہونے لگا تھا۔ لیکن کل رات سے اب تک اتنے تحیر انگیز واقعات پیش آئے تھے ک ذہن کی یکسوئی ہی رخصت ہو گئی تھی۔ لہٰذا ایسی حالت میں سو جانا کافی مشکل تھا۔

کسی نہ کسی طرح اسے نیند آ ہی گئی۔

آہنی گرفت

کرائم رپورٹر انور سگریٹ کا ایک طویل کش لے کر فکر مندانہ انداز میں رشیدہ کی ط جس کی انگلیاں برق رفتاری کے ساتھ ٹائپ رائٹر کے بورڈ پر دوڑ رہی تھیں۔

رشیدہ اور وہ دونوں ابھی تک نیو اسٹار ہی کے دفتر میں کام کر رہے تھے۔ عرصہ ہ کے راز[1] سے پردہ اٹھ چکا تھا اور وہ دونوں اب بھی بہترین دوستوں کی طرح ایک سات تھے۔ کئی بار ان کی بعض ہمدردوں نے انہیں شادی کا مشورہ دیا اور رشیدہ راضی بھی ہو گئی لیکن

[1] جاسوسی دنیا کا سترھواں ناول "بھیانک جزیرہ" جلد نمبر پانچ ملاحظہ فرمائیے۔

صاف انکار کر دیا۔ ان دونوں میں اکثر اب بھی نہ صرف لڑائی جھگڑے بلکہ دھول دھپے کی نوبت آ جاتی تھی۔ مگر یہ چیز دوستانہ شکر رنجی سے آگے نہ بڑھتی۔

"کچھ سوچا تم نے؟" انور اسے گھور کر بولا۔

"ہاں......!" رشیدہ نے سر ہلا دیا۔

"کیا......؟"

"یہی کہ اس بار پھر قرض لے کر کام چلانا پڑے گا۔"

"میں پروفیسر درانی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔" انور جھلا کر بولا۔

"اوہ......!" رشیدہ معصومیت سے بولی "اس کے متعلق میں نے یہ سوچا ہے کہ وہ واقعی ماہر سائنسدان ہے۔"

"چانٹا تو نہ کھاؤ گی۔"

"میرا گھونسہ ہضم کر سکو گے۔"

"رشو میں سچ مچ تھپڑ مار دوں گا۔"

"میں تمہاری گال کانوں تک پھاڑ دوں گی۔"

انور تھوڑی دیر تک اسے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا پھر ٹہلنے لگا۔

"اچھا ٹائپ کرو۔" کچھ دیر بعد پھر وہ رشیدہ کی طرف مڑا۔

"کر تو رہی ہوں۔"

"یہ شیٹ نکال دو اور جو میں کہوں وہ ٹائپ کرو۔"

رشیدہ نے ناک بھوں سکوڑ کر وہ شیٹ الگ کر دیا اور دوسرا شیٹ چڑھانے لگی۔

"ڈیئر مسٹر انور......!" وہ بولنے لگا۔ "حالانکہ مجھے تمہاری برادری اور تمہارے پیشے سے نفرت ہے اور میں نے آج تک کسی رپورٹر کو منہ نہیں لگایا لیکن میں تمہیں یہ شرف بخشنے کے لئے تیار ہوں...... برازیل کے پہاڑوں میں جو ڈھانچہ پایا گیا ہے اس کے متعلق اخبارات میں مضحکہ خیز قسم کی خیال آرائیاں نظر آ رہی ہیں اور میں کئی دنوں سے اپنے ملک کے جاہل لوگوں کی عقلوں پر ماتم کر رہا ہوں۔ لہٰذا میں تمہیں یہ عزت بخشنا چاہتا ہوں کہ تمہارے اخبار کے لئے اس

کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ میں آج پانچ بجے شام کو مل سکتا ہوں۔"

انور خاموش ہو گیا اور رشیدہ سر اٹھا کر تحیر آمیز نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

"اس کا کیا مطلب......؟"

"شیٹ نکال دو۔" انور نے کہا۔ رشیدہ نے شیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ انور ا پڑھتا رہا۔ پھر اس نے اس کے نیچے فاؤنٹین پن سے پروفیسر درانی کے دستخط کر دیئے۔

"کیوں شامت آئی ہے۔" رشیدہ سر ہلا کر بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ وہ بعض اوقات ہا پائی تک اتر آتا ہے۔"

انور رشیدہ کی بات کا جواب دیئے بغیر ٹیلی فون کی طرف مڑا۔

"ہیلو......!" وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "پروفیسر صاحب......نہیں سیکر نہیں...... ڈائریکٹ کنٹیکٹ ...... پروفیسر صاحب...... میں انور بول رہا ہوں......عزت افزائی شکریہ......لیکن میں فون پر انٹرویو نہیں لوں گا......میں آپ کے سامنے بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

اور پھر اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا اور اپنا کان سہلانے لگا۔

"میں سمجھ گئی......!" رشیدہ نے قہقہہ لگایا۔ "لیکن یہ نہ بھولو کہ ابھی تمہارے سر کے زخم کناروں پر بھی کھرنڈ نہیں جمی۔"

انور پھر کچھ نہ بولا۔

"تمہاری مرضی......!" رشیدہ پھر ٹائپ کرنے لگی۔ "لیکن اگر تمہارے منہ کا ایک دانت کم ہوا تو میں تمہیں گھر میں نہ گھسنے دوں گی۔"

انور تھوڑی دیر تک اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"تم اس کے متعلق کیا جانتی ہو؟"

"آج سے دو ماہ قبل اس نے ڈیلی میل کے رپورٹر کی چٹنی بنا دی تھی۔"

"مجھے بھی معلوم ہے۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"اور جو راستہ تم اختیار کر رہے ہو وہ تو اسے بھیڑیا بنا دے گا۔"

"میں نے کبھی کوئی کام سوچ سمجھ کر نہیں کیا۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔ موت بھی اطلاع دیئے بغیر ہی آتی ہے۔"

"شش......!"

انور اپنی میز پر بیٹھ کر کام کرنے لگا۔ اس کی نظریں بار بار گھڑی کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"میں بھی چلوں گی۔" رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"نہیں......!"

"دیکھتی ہوں تم کس طرح روکتے ہو۔"

"اس طرح۔" انور نے کہا اور اٹھ کر کمرے کے دروازے بند کر دیئے اس کمرے میں صرف وہی دونوں بیٹھتے تھے۔ پہلے انور بیٹھتا تھا اور رشیدہ کی میز کمپوزیٹروں کے کمرے میں ہوا کرتی تھی لیکن بعد کو انور نے اسے بھی وہیں بلا لیا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ رشیدہ کی طرف آیا۔ اس کے دونوں کان مضبوطی سے پکڑ کر دو تین گہرے جھولے دیئے اور پھر تین چار مرتبہ تھپڑ جھاڑ کر الگ ہٹ گیا۔

رشیدہ نے شور نہیں مچایا پہلے اسے گھورتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"کمینے......کتے......سُور......وحشی......جنگلی......یہ آفس ہے......جہنم میں جاؤ"

آنکھیں خشک کر کے وہ پھر ٹائپ کرنے لگی۔ انور نے دروازہ کھول دیا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ رشیدہ نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ وہ بدستور سر جھکا کر ٹائپ کرتی رہی۔

گھڑی نے ساڑھے چار بجائے اور انور کمرے سے نکل آیا۔ رشیدہ نے سر اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس کی موٹر سائیکل پروفیسر درانی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ موٹر سائیکل اس نے پورٹیکو ہی میں پہنچ کر روکی اور دو منٹ تک انجن بند نہیں کیا۔ پوری کوٹھی شور سے گونج رہی تھی۔

ایک دبلا پتلا اور کافی لمبا آدمی برآمدے میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کی سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا اور گردن میں شوخ رنگوں والی ٹائی تھی۔ چہرہ سفید اور زندگی کے

صحت مند آثار سے قطعی محروم تھا۔ آنکھیں دھندلی اور عرق آلود تھیں۔

انور نے اسے دیکھ کر انجن بند کر دیا اور اسٹینڈ گرا کر سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

''کیا بات ہے؟'' وہ آدمی اسے خواب ناک انداز میں گھورتا ہوا بولا۔

''پروفیسر سے ملنا ہے۔'' انور لاپروائی سے بولا۔

''پروفیسر سے......؟'' اس نے اس انداز میں دہرایا جیسے انور ملک الموت سے ملنے کا متمنی ہ

''خود انہوں نے مجھے بلایا ہے۔''

''انہوں نے! لیکن مجھے تو اس کی اطلاع نہیں۔''

''آپ ہیں کون؟'' انور نے اُسے گھور کر پوچھا۔

''ان کا سیکریٹری۔''

''لیکن انہوں نے مجھے بلایا ہے اور براہِ راست مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

''براہِ راست......!'' وہ اس طرح بولا جیسے خواب میں بڑبڑا رہا ہو۔ اس کی نظریں ا
کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ نہ جانے کیوں انور کے ذہن میں ایک کینچلی چڑھا ہوا پرانا سا
کلبلانے لگا۔

''ہاں ہاں جناب براہِ راست......!''

''ثبوت......؟''

''ابھی کچھ دیر قبل میں نے فون پر ان سے بات کی تھی۔''

''خیر میں پوچھتا ہوں...... آیئے۔''

وہ دونوں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے۔ سیکریٹری نے ایک کرسی کی طر
اشارہ کر کے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا۔

انور بیٹھ کر اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی سراسیمگی کے آثار نہ
تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پروفیسر نے سچ مچ اُسے مدعو کیا ہو۔

سیکریٹری ماؤتھ پیس میں ہکلا رہا تھا۔

''یس سر...... ایک صاحب...... اوہ یس سر...... آپ نے انہیں بلایا تھا...... یس سر......

ہی کہتے ہیں...... یس سر۔''

پھر وہ ماؤتھ پیس کو ہاتھ سے بند کر کے انور کی طرف مڑا۔ ''کیا نام بتایا تھا آپ نے؟''

''انور سعید۔''

سیکریٹری ماؤتھ پیس میں بولنے لگا۔

''یس سر...... انور سعید صاحب...... اچھا صاحب نہیں...... صرف انور سعید...... یس سر۔''

''مسٹر، آپ خود گفتگو کر لیجیے۔'' اس نے ریسیور انور کی طرف بڑھا دیا۔

''ہیلو......!'' انور کو فون میں عجیب قسم کی غراہٹ سنائی دی۔

''کون ہو تم......؟''

''انور سعید...... نیو اسٹار کا رپورٹر......!''

''کیا ہے؟'' عجیب طرح کی آواز تھی۔

''آپ نے مجھے بلایا ہے۔''

''بکواس ہے...... تمہارا دماغ خراب ہے۔''

''تو پھر آپ نے مجھے کیوں پریشان کیا۔'' انور اس زور سے چیخا کہ کمرہ گونج اٹھا اور
یٹری اسے گھورنے لگا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ایک اطمینان بخش مسکراہٹ تھی۔

انور اسے کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے تمہیں نہیں بلایا۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میرے پاس آپ کی تحریر موجود ہے۔'' انور جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ''میرا وقت
قیمتی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' تھوڑے توقف کے بعد آواز آئی۔ ''سیکریٹری۔''

انور نے ریسیور سیکریٹری کی طرف بڑھا دیا۔

''یس سر...... یس سر...... ویری ول سر......!''

''جایئے۔'' وہ ریسیور رکھ کر انور کی طرف مڑا۔ ''راہداری کے آخری سرے پر داہنی طرف
جایئے گا۔''

"آپ چل کر دکھا دیجئے۔"

"میں......اوہ......!" وہ ہکلایا۔ "مجھے فون پر اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں ملی۔"

انور چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر راہداری میں داخل ہوگیا۔ آخری سرے پر پہنچتے ہی اسے اپنی پشت پر ایک سریلی آواز سنائی دی۔

"ٹھہریئے۔"

انور چونک کر مڑا۔

اس سے کچھ فاصلے پر ایک دبلی پتلی اور خوبصورت سی لڑکی کھڑی تھی۔ اس کی بڑی آنکھیں کسی خوفزدہ ہرنی کی آنکھوں سے مشابہ تھیں۔ چہرے پر ایک غم آلود اضمحلال طاری انور دل [illegible] ن کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"آپ ڈیڈی سے ملنے آئے ہیں؟"

"جی ہاں......! غالباً آپ کا مطلب پروفیسر صاحب ہے۔"

لڑکی سر ہلا کر بولی۔ "آپ اس سے پہلے بھی کبھی ان سے مل چکے ہیں؟"

"جی نہیں!"

لڑکی کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"خدارا ان سے کسی بات پر بحث نہ کیجئے گا۔"

"کیوں؟" انور نے پوچھا۔

"کیا آپ نے ان کے متعلق کچھ نہیں سنا......؟"

"نہیں۔"

"آپ کے سر پر پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"چوٹ ہے۔"

"تب تو آپ خدارا واپس چلے جائیے......جائیے۔"

"میں ان سے مل کر ہی جاؤں گا۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے۔"

لڑکی تھوڑی دیر کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "جائیے! لیکن جیسے ہی انہیں کسی بات پر

آبنوس کی گول میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجا دیجئے گا۔ میں فوراً آ جاؤں گی۔ داہنے ہاتھ کی طرف نے والا کمرہ۔ لیکن اندر داخل ہونے سے پہلے تین بار دروازہ پر ہلکی ہلکی دستک ضرور دیجئے گا۔"

انور نے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔

"آجاؤ......!" اندر ایک غراہٹ نما بے ہنگم آواز سنائی دی۔

انور دروازے کو دھکا دے کر بے دھڑک اندر چلا گیا۔ ایک بڑی میز کے پیچھے اسے ایک ب الخلقت آدمی یا جانور کا سر دکھائی دیا۔ چہرے پر ڈاڑھی بھی تھی اور اس ڈاڑھی کی موجودگی وہ سر کسی ارنے بھینسے کا سر معلوم ہو رہا تھا۔

"گڈ ایوننگ پروفیسر......!" انور قدرے جھک کر بولا۔

"انگریز کی بچے ہو؟" ایک چنگھاڑ سنائی دی۔

"اچھا السلام علیکم......!"

"وعلیکم السلام......تم جھوٹے ہو......میں نے پہلے کبھی تمہیں نہیں دیکھا......بیٹھ جاؤ"

انے بڑی میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

انور بیٹھ گیا۔

پروفیسر درانی ایک چکر کھانے والی کرسی میں دھنسا ہوا تھا۔ انور نے محسوس کیا کہ سر کی بت اس کا جسم بھی کافی پھیلاؤ رکھتا ہے۔

"وہ میری تحریر کہاں ہے؟" پروفیسر کی چنگھاڑ پھر سنائی دی۔

انور نے ٹائپ کیا ہوا خط اس کی طرف بڑھا دیا۔

خط پڑھتے وقت پروفیسر درانی کا چہرہ حد درجہ خوفناک ہوگیا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں لگیں......اور پھر......انور نے اس کے حلق سے نکلنے والی بے ہنگم آوازوں کو مصلحتاً نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

"یہ میرے دستخط نہیں ہیں۔" وہ چنگھاڑ کر کھڑا ہوگیا اور اس کی عظیم الشان توند میز کے اوپر انے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مغل طرز کی کسی عمارت کا گنبد متحرک ہوگیا ہو۔ وہ میز پر اپنے ہاتھ ٹیکے انور کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ ایک ٹھنڈی سی لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"میں تمہیں سمجھاؤں گا۔" وہ ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں اس ڈھانچے متعلق گفتگو کرنے کے لئے تمہیں بلاؤں گا۔ تمہیں...... تم...... جو ایک مائل بہ انحطاط نسل تعلق رکھتے ہو۔ تم جس کی ذہانت مینڈک اور چوہے کی ذہانت کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتی۔ تم پریس رپورٹر، کیچوے سے بدتر...... میں تمہیں بلاؤں گا...... ایک سائنٹیفک مسئلے پر اظہار کرنے کیلئے۔ تمہارے اوپر تو ایک چمپنزی کی کھال بھی نامناسب معلوم ہوگی...... دفان ہوجا

"میں آپ کی زندگی میں دفن ہونے کے لئے تیار نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"دفن نہیں دفان......!" وہ میز پر گھونسہ مار کر حلق کے بل چیخا اور کمرے میں کم از کم ہزار آوازیں بکھر گئیں۔

انور خاموش بیٹھا رہا۔ وہ دیدہ و دانستہ یہ بات ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ا سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں۔ پروفیسر درانی کی سانس پھول رہی تھی۔

"میں سمجھتا ہوں۔" وہ دانت پیس کر ہانپتا ہوا بولا۔ "تم نے میرا وقت برباد کرنے لئے یہ چال چلی ہے۔"

"بحیثیت بزرگ آپ کو میری اس شرارت پر ہنسی آنی چاہئے تھی۔" انور سنجیدگی سے بولا

"ہنسی......!" پروفیسر اچھل کر بولا۔ "مجھے کبھی ہنسی نہیں آتی۔ میں بندروں کی طرح دا نکالنا پسند نہیں کرتا۔"

"تو پھر آپ کو بن مانسوں کی طرح خاک بھی نہ اڑانی چاہئے۔" انور اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کیا......؟" پروفیسر پھر کھڑا ہوگیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں اس وقت دنیا کے عظیم ترین سائنٹسٹ سے گفتگو کر رہا ہوں۔" ا کے لہجے میں بیزاری تھی۔

پروفیسر پھر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ شعلہ بار ہوگئی تھیں۔

"گٹ آؤٹ۔" دفعتاً وہ اتنی زور سے چیخا کہ انور چونک پڑا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا لیکن اس نے بھی یہ طے کرلیا تھا کہ اپنے چہرے پر ایسے آثار پیدا نہ ہونے دے گا جن سے

ظاہر ہوسکے کہ وہ اس سے مرعوب ہوگیا ہے۔ حالانکہ اسے شروع ہی سے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی خونخوار ریچھ کے کٹہرے میں بند کردیا گیا ہو۔

"اس ڈھانچے کے متعلق دنیا آپ کے خیالات کی منتظر ہے۔" انور نے کہا۔

"دنیا کو اگر اس کی ضرورت ہوگی تو میرے پاس باقاعدہ طور پر وفد آئے گا۔ اس کے لئے میں کسی حقیر پریس رپورٹر سے گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔ ناؤ گٹ آؤٹ۔"

"اچھا تو یہ حقیر پریس رپورٹر آپ کو اس فرعونیت کا مزہ چکھا دے گا۔" انور جانے کے لئے اٹھتا ہوا بولا۔ دراصل اس کا مقصد حل ہوگیا تھا۔ فریدی نے اسے صرف اس کے عادات و اطوار اور حلیہ وغیرہ معلوم کرنے کے لئے ہدایت دی تھی۔

"مجھ پر اپنے چیتھڑے کے ذریعے گندگی اچھالو گے۔" پروفیسر اٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں...... میں اتنی پست ذہنیت نہیں رکھتا۔" انور جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو! کیا تمہیں ڈیلی میل کے رپورٹر کا حشر نہیں معلوم تھا۔"

"معلوم تھا...... اور اس وقت میں یہ سوچ رہا ہوں کہ شاید اس نے بھیڑ کا دودھ پیا تھا۔"

پروفیسر درانی اچھل کر میز کے پیچھے سے نکل آیا۔

انور کے سامنے دنیا کا آٹھواں عجوبہ کھڑا تھا۔ اس کا قد ساڑھے چار فٹ سے کسی طرح زیادہ نہ رہا ہوگا۔ مگر پھیلاؤ...... خدا کی پناہ...... انور سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں اتفاق سے اس پر گر گیا تو اس کی ہڈیاں سرمہ ہوجائیں گی اور جسم امرود کی جیلی بن جائے گا۔

"لیکن تم نے شاید کسی گدھی کا دودھ پیا ہے۔" پروفیسر انور کی طرف جھپٹا۔ انور اچھل کر ایک طرف ہوگیا اور پروفیسر اپنے زور میں دیوار سے جاٹکرایا۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ پھر پلٹ پڑا۔ انور نے اندازہ لگایا تھا کہ اس کا بھاری بھرکم جسم اسے ہلنے جلنے سے بھی باز رکھتا ہوگا۔ لیکن اس کا پھرتیلا پن دیکھ کر اسے چکر آنے لگا۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور انور سارے کمرے میں بھاگتا پھر رہا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ پروفیسر دروازے کی خاص طور پر حفاظت کر رہا ہے۔ کمرے کی چوڑائی کم تھی اسے خدشہ تھا کہ اگر اس نے ایک بار بھی اس کے قریب سے نکلنے کی کوشش کی تو موت ہی ٹانگ پکڑ لے گی۔ انور نے

پوری قوت لگا کر بڑی میز الٹ دی۔ پروفیسر زخمی شیر کی طرح دھاڑ کر اس کی طرف جھپٹا۔ انور جھک کر میز کی اوٹ میں ہوگیا۔ پروفیسر بھی دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر جھکا۔ انور نے ہائی جمپ کی مشق کا مظاہرہ کیا...... لیکن ...... اس کی ایک ٹانگ پروفیسر کے ہاتھ میں آ ہی گئی...... اور انتہائی الجھن کی حالت میں بھی اسے ہنسی آ گئی۔ وہ فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں پروفیسر کے ہاتھوں میں تھیں اور پروفیسر بھی اوندھا پڑا ہوا بن مانسوں کی طرح شور مچا رہا تھا۔ انور کو اپنی پنڈلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ لیکن اسے اطمینان تھا کہ اب پروفیسر خود بھی قیامت تک نہ اٹھ سکے گا۔ تاوقتیکہ اس کی ٹانگیں نہ چھوڑ دے۔ انور کہنیاں زمین پر ٹیک کر آگے کھسکنے کے لئے زور لگا رہا تھا۔

اس جدوجہد کے دوران میں انور کا سر کئی بار دیوار سے ٹکرا گیا تھا اور زخم پھر سے تازہ ہوگیا تھا۔ زخم پر بندھی ہوئی پٹی سے خون رسنے لگا۔ چہرے پر کئی جگہ خراشیں آ گئی تھیں۔ ناک کے قریب داہنے گال کا بہت سا چمڑہ نکل گیا تھا۔

پروفیسر نے بھی شاید تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس کی ٹانگیں نہ چھوڑے گا۔ دونوں ابھی تک زمین پر اوندھے پڑے تھے۔ پروفیسر نے چیخنا بند کر دیا تھا۔ البتہ اس کی چڑھتی ہوئی سانسیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

دفعتاً انور کو آبنوس کی گول میز کا خیال آیا۔ جو قریب ہی پڑی ہوئی تھی اور اس کی دسترس سے باہر نہ تھی۔ اس نے خود کو آدھے دھڑ سے اٹھایا اور میز پر رکھی ہوئی برقی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

تھوڑی دیر بعد راہداری میں تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی اور وہی لڑکی اندر گھس آئی۔

''ڈیڈی......!'' وہ زور سے چیخی...... اور انور کی ٹانگوں پر پروفیسر کی گرفت پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوگئی۔

''ڈیڈی...... چھوڑ دو...... اسے۔''

''بھاگ جاؤ......!'' پروفیسر غرایا۔

''میں اپنا گلا گھونٹ لوں گی۔'' وہ بلبلا کر رو پڑی۔

پروفیسر نے انور کے پیر چھوڑ دیئے اور انور اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''جاؤ...... بھاگو......!'' وہ انور کو دروازے کی طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔ انور اس طرح نہیں بھاگنا چاہتا تھا لیکن اس سے اس کا رونا نہ دیکھا گیا۔ وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اس نے انور کو باہر دھکیل کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

انور چند لمحے کھڑا لڑکی کے رونے کی آواز سنتا رہا۔ شاید پروفیسر اسے چمکار رہا تھا۔

وہاں مزید ٹھہرنا فضول سمجھ کر انور چل پڑا۔ اس کی حالت بڑی مضحکہ خیز تھی۔ سارے کپڑے ستیاناس ہو گئے تھے اور اسے یہ سوچ سوچ کر شرم آ رہی تھی کہ ابھی اسے اسی حالت میں بڑی سڑکوں سے گزرنا ہوگا۔

بہر حال وہ جوں توں گھر پہنچا۔

سات بج گئے تھے اور اندھیرا گہرا ہوگیا تھا۔

اس کے فلیٹ میں روشنی تھی۔ رشیدہ فلیٹ میں موجود تھی۔ انور کو اس حال میں دیکھ کر اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

چند لمحے خاموش کھڑی اسے گھورتی رہی پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھی اور پھر دونوں ہاتھوں سے اس کے گالوں پر چانٹوں کی بوچھاڑ کر دی۔

''سور...... کمینے...... کتے...... میں منع کرتی تھی۔''

انور خاموشی سے پٹتا رہا۔

پھر رشیدہ نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

انور اس کا نوٹس لئے بغیر کھڑکی کے قریب جا کر کھڑا ہوگیا۔ رشیدہ کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ انور کی نظریں باہر سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔

پھر اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور فریدی کو فون کرنے لگا۔

شروع سے آخیر تک کی روداد دہرانے کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا اور رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔

''میرے زخم صاف کر کے بینڈیج کر دو۔''

رشیدہ آنسو پونچھتی ہوئی اٹھی اور ڈریسنگ کا سامان درست کرنے لگی۔

انور سگریٹ سلگا کر ٹہلنے لگا۔

رشیدہ اب بھی روئے جا رہی تھی۔

"او...... رشیدہ کی بچی...... مجھے آنسوؤں سے نفرت ہے۔" انور نے کہا اور اسے گھورنے

کچھ گھونسے کچھ فائر

نو بجے رات کو فریدی اور حمید آرلکچو میں کافی پی رہے تھے۔ کچھ دیر قبل حمید انور کی مرمت پر دل کھول کر ہنس چکا تھا اور اب دونوں خاموشی سے کسی مسئلے پر غور کر رہے تھے۔

"کیا آپ کو واقعی پروفیسر درانی پر بھی شبہ ہے؟" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں...... لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ پروفیسر چودھری کے معاملے پر کچھ روشنی ڈال سکے۔"

"تو آخر انور کی حجامت بنوانے سے کیا فائدہ ہوا آپ کو......؟"

"میں پروفیسر درانی کو اتنا پاگل نہیں سمجھتا تھا۔ بہر حال اس سے ملنے سے قبل میں اس شخصیت کے بارے میں اندازہ لگا لینا چاہتا تھا۔ وہ انتہائی ضدی مغرور اور احساس برتری کا معلوم ہوتا ہے۔ اس سے کوئی کام کی بات معلوم کرنے کے سلسلے میں کافی احتیاط برتنی پڑے گی"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے وہ کوئی ہوا ہو۔"

"یہ بات نہیں وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ ملک کے چوٹی کے لیڈر اس کا نام ع سے لیتے ہیں اور اس کی بد دماغیوں کے باوجود بھی اس کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔ تم شاید خیال میں ہو گے کہ اس سے دھونس دھڑلے سے بھی کام نکل جائے گا۔"

"اچھا اگر وہ کمینگی ہی پر آمادہ ہو گیا تو کیا کیجئے گا۔" حمید بولا۔

"طرح دینی پڑے گی حمید صاحب۔ اس کی علمیت کی بناء پر میں اس کا احترام کرتا ہوں

"آپ بھی عالم ہیں اسی لئے...... میں ٹھہرا جاہل...... ہمیشہ جوتے گانٹھتا رہتا ہوں اس لئے میرے ہاتھ میں تو جوتا ہو گا۔"

"تم انور سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا فرمایا آپ نے...... خدا کی قسم پھر ایک دن یہی سہی۔"

"کیا......؟"

"میری اور انور کی کشتی۔"

"آپ کشتی لڑیں گے؟" فریدی تمسخرانہ انداز میں بولا۔

"آپ مجھے اتنا کمزور کیوں سمجھتے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔ "اچھا آپ ہی میرا پنجہ موڑ دیجئے۔"

حمید نے پنجہ آگے بڑھا دیا۔ فریدی نے اپنی انگلیاں اس میں پھنسائیں اور......

"ارے...... ارے" حمید بل کھانے لگا۔ "توڑنے کو کب کہا تھا۔"

فریدی نے ہنس کر ہاتھ چھوڑ دیا۔

"اچھا اب اٹھنا چاہئے۔" فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ٹھہریئے......!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ذرا ایک بات اور سمجھ لینے دیجئے ورنہ بعد کو آپ مجھے الزام دیں کیونکہ آج کل مجھ پر کشت و خون بُری طرح سوار ہے۔"

فریدی استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ظاہر ہے کہ آپ کسی ارادے سے نکلے ہیں اور آپ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ وہ ایک خطرناک آدمی ہے اور آپ کو یہاں اس کی موجودگی کا یقین واثق ہے اور ہم دونوں تنہا وہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے محکمے کو بھی اس سے باخبر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ یہ بڑی اہم چیز تھی۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"تم اپنی کس بات کا جواب چاہتے ہو؟" فریدی بولا۔ "میرے خیال سے تم نے کوئی جواب طلب بات کہی ہی نہیں۔"

"ہم تنہا کیوں جا رہے ہیں؟"

"معاملات کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے...... ابھی ہم ان کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

فریدی بولا۔

''اور اگر معاملات نے ہمارا صحیح اندازہ لگالیا تو۔''

''بکومت...... گٹ آؤٹ۔''

ریسپشن روم میں آ کر انہوں نے اپنے اوور کوٹ پہنے۔ فلٹ ہیٹ اٹھائے ا کھڑے کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ٹھنڈی ہوا ان کے گال سہلاتی ہوئی کانوں میں گم تھی۔ سڑک پار کر کے ایک گلی میں گھستے وقت اُنہوں نے فلٹ ہیٹوں کے گوشے چہ جھکا لئے۔

دوسری سڑک پر پہنچ کر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی چل پڑی۔ حمید پائپ م بھرتا ہوا فریدی کی طرف مڑا۔ جو سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹ سکوڑے سامنے دیکھ رہا

''تم تو عورتوں کے بڑے گہرے نباض ہو۔'' دفعتاً وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

''خیریت......؟'' حمید نے پائپ سلگاتے رک کر کہا۔

''مسز چودھری نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ پروفیسر چودھری کے سارے جو موجود تھے اور وہ چپل بھی پلنگ ہی کے پاس پڑے پائے گئے تھے جنہیں وہ رات کو پہنا کرتا

''اس نے بتایا نہیں تو آپ کو معلوم کیسے ہوا......؟''

''پولیس کی تفتیش رپورٹ سے۔''

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا پھر مسکرا کر بولا۔

''میں یقیناً عورتوں کی نفسیات کا ماہر ہوں لیکن جوتوں اور چپلوں پر میری نظر نہیں ہیں۔ Leg Fetishism کا شکار نہیں۔''

''یقیناً ہو...... میں نے تمہیں انہیں عورتوں کے پیچھے بھاگتے دیکھا ہے جن کے پ اور حسین ہوتے ہیں کچھ تعجب نہیں کہ تم ان کے انگوٹھے بھی چوستے ہو۔''

''اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی اپنا ہی انگوٹھا چوسنے لگتا ہوں۔''

''بات پھر ادھر اُدھر ہوگئی۔ میں نے وہ بات اس لئے کہی تھی کہ تم اس پر سنجیدگی سے گے۔''

''تو جناب اگر آپ سنجیدگی سے پوچھتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں اسے مکار سمجھنے ے لئے تیار نہیں۔ بڑی پیاری عورت ہے۔''

''جذبات سے الگ رہ کر سوچو......!''

''ناممکن فریدی صاحب۔ آپ قطعی غیر فطری بات کہہ رہے ہیں۔ کوئی مرد کسی ایسی عورت ے متعلق جذبات سے الگ رہ کر کچھ سوچ ہی نہیں سکتا جس کے ساتھ اس کے جنسی رشتے کا قیام ِمکن ہو۔''

''کبھی کبھی یہ بھول جایا کرو کہ تم مرد ہو۔''

''یہ بھی غیر فطری ہے۔''

''میری مثال سامنے رکھو۔''

''آپ خود کو دھوکا دیتے ہیں۔ آپ کسی خطرناک Complex کے شکار ہیں۔''

''خیر چلو یہی سہی۔ میں اس کی تردید نہیں کرسکتا۔ اگر آدمی کے ساتھ Complexe نہ ہوں تو وہ اپاہج ہوجائے۔ مگر تم اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا۔''

''خدا نہ کرے کہ کبھی میرا دل ٹھنڈا ہو...... جس دن ایسا ہوا خودکشی کرلوں گا۔''

پروفیسر چودھری کی کوٹھی قریب ہی تھی۔ فریدی نے ٹیکسی رکوائی اور وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور اس کے کنارے بجلی کے کھمبے اپنی زرد روشنی سمیت بے کراں ات ہی کا ایک حصہ معلوم ہو رہے تھے۔

فریدی اور حمید سڑک چھوڑ کر عمارت کی پشت پر پھیلی ہوئی تاریکی میں چلے گئے۔

''میرا خیال ہے کہ چودھری کی کوٹھی یہی ہے۔'' فریدی بولا۔ تھوڑی دیر تک تاریکی میں وبی ہوئی عمارت کے نیچے سے اوپر تک دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔ ''تھوڑی بہت محنت تو کرنی ہی ے گی۔''

''یعنی......؟''

''ٹھہرو بتاتا ہوں......'' فریدی نے کہا اور دیوار کی طرف چلا گیا۔ حمید بھی بڑھا فریدی وار کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس پائپ کے سہارے ہمیں اوپر جانا ہے۔" فریدی نے سرگوشی کی۔

"اپنے بس کا روگ نہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "پہلے سے بتا دیا ہوتا تو لنگوٹی باندھ کر آپ بھی کمال کرتے ہیں۔"

"کیا مصیبت آ گئی۔"

"السٹر ولسٹر لاد کر مجھ سے نہ چڑھا جائے گا۔"

"السٹر اتار دو۔"

"رکھوں کہاں......؟"

"مجھے دو......!" فریدی نے کہا اور بیٹھ کر اپنے جوتے اتارنے لگا۔ جوتے جیبوں میں ٹھونس کر اس نے حمید کا السٹر کاندھے پر ڈالا اور فلٹ ہیٹ کو سر کی پشت پر چپکا کر پائپ کے سہارے اوپر چڑھنے لگا۔ حمید کو طوعاً و کرہاً اس کی تقلید کرنی پڑی۔ پائپ کے لوہے کی ٹھنڈک اس کے ہاتھوں کی ہڈیوں میں گھسی جا رہی تھی۔ تھوڑی دور چڑھنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ فلٹ ہیٹ سرک کر نیچے چلی گئی اور وہ دل ہی دل میں کوئی اچھوتی اور نئی گالی تلاش کرنے لگا۔ پائپ سے ملی ہوئی کھڑکی صاف نظر آ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے ایک ٹانگ اٹھا کر کھڑکی کے اندر رکھی اور حمید کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

حمید کی حالت ابتر تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پائپ گرفت سے اب نکلا تب... سانس پھول گئی تھی۔ ہاتھ اور پیر پتھر کی طرح سخت اور بے حس ہوئے جا رہے تھے۔ بدقت وہ کھڑکی تک پہنچ ہی گیا۔ لیکن اگر فریدی اسے فوراً ہی سنبھال نہ لیتا تو وہ کھڑکی اس کے جنت کی کھڑکی ثابت ہوتی۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ حمید جوتے پہننے لگا۔ پھر فریدی نے اس کا اوور کوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اتفاقاً اس کا ہاتھ حمید کے سر سے جا لگا اور وہ چونک کر بولا

"فلٹ ہیٹ کیا ہوئی۔"

"اس پر زمین کی قوتِ کشش غالب آ گئی۔"

"خیر......اس بات کی خوشی ہے کہ تم ایسے موقعوں پر بھی اچھے جملے بول سکتے ہو۔"

ریدی نے جیب سے ٹارچ روشن کر کے چاروں طرف دیکھا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جو روم کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا ہوگا اور گرد و غبار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ عرصہ سے نہیں لی گئی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ فریدی کو اس دروازے کا بھی ایک شیشہ کاٹنا سے قبل وہ پائپ ہی پر چڑھتے چڑھتے کھڑکی کا بھی شیشہ کاٹ چکا تھا۔ دروازے کے تالا نہیں تھا۔ اس لئے دروازہ کھول لینے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کمرے سے نکل کر وقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ دن ہی میں اوپری منزل کو اچھی طرح دیکھ بھال چکے تھے۔ ویل راہداری سے گزرتے وقت دفعتاً فریدی نے حمید کا شانہ دبایا۔ حمید بھی رک گیا۔ آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے ہال کی طرف والے زینوں چلے گئے۔ انہوں نے وہ آہٹ بیرونی زینوں پر سنی تھی۔

نے والا تھوڑی دیر تک راہداری کی ایک کھلی کھڑکی کے قریب کھڑا رہا۔ تاروں بھرے کے پس منظر میں اس کے خطوط صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ کوئی مرد تھا وہ آدھے دھڑ سے کے باہر جھکا اور پھر وہاں سے ہٹ کر پروفیسر چودھری کی لیبارٹری کے دروازے پر انہوں نے تالے میں کنجی گھمانے کی آواز سنی۔ دروازہ ہلکی آواز کے ساتھ کھلے اور کی آہٹ دور ہوتی چلی گئی۔

وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے لیبارٹری میں داخل ہو گئے۔ لیکن......ابھی ان کی آنکھیں کو تلاش کر رہی تھیں کہ پیچھے سے کئی آدمی ان پر ٹوٹ پڑے اور پھر میزوں پر رکھے شیشے کے آلات چھنا چھن ٹوٹنے لگے۔ فریدی اور حمید کو ایک دوسرے کی خبر نہ رہی۔

وہ کل پانچ تھے۔

"شٹلار! خود کو ہمارے حوالے کر دو۔" دروازے پر کسی نے انگریزی میں کہا۔ لہجہ بھی کھا۔ پانچوں کے ہاتھ رک گئے۔ فریدی کو چھینک آئی۔ پھر ایک دوسری چھینک سنائی دی لی نے اندازہ لگا لیا کہ حمید کہاں ہے۔ شاید یہ اشارہ انہوں نے ایسے ہی مواقع کے لئے کیا تھا۔

فریدی ایک کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ شاید ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں سوچ

سکتا تھا کہ ابھی اسی کمرے کی ایک کرسی اچھل کر دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی پر پڑ
گی اور وہ زمین پر چاروں خانے چت ہوگا۔

اس کے گرتے ہی فریدی نے ایک ہاتھ سے ٹارچ نکالی اور دوسرے سے ریوالور سن

"اَپ مائی لیڈس......!" وہ کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولا۔ ٹارچ کی روشنی میں چو
اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے اور فریدی کے ریوالور کی نال ان کی طرف تھی۔

"حمید! ان کی ٹائیوں سے ان کے ہاتھ ان کی پشت پر باندھ دو۔" فریدی نے اردو میں

"یہ سب کسی سفید نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔"

حمید تین کے ہاتھ باندھ چکا تھا۔ دفعتاً کسی نے پیچھے سے فریدی کے ریوالور والے ہا
زور سے ہاتھ مارا اور اس کی گردن پکڑ کر آگے کی طرف دھکا دیا۔ فریدی اس غیر متوقع حملے
لئے تیار نہیں تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ منہ کے بل زمین پر جارہا۔

"بھوت......!" اس نے حمید کی چیخ سنی۔

فریدی نے گرتے ہی ٹارچ بجھا دی اور لیٹے ہی لیٹے اچھل کر ایک بڑی میز کے نیچے
گیا۔ وہ تین آدمی جن کے ہاتھ حمید نہیں باندھ سکا تھا اس پر ٹوٹ پڑے۔ حمید نے ریوالور
کر فائر کردیا۔ اس نے چودھری کے بھوت کا نشانہ لیا تھا۔ جس کا چہرہ اندھیرے میں شعلے
طرح دہک رہا تھا اور جس نے فریدی کو دھکا دیا تھا۔ فائر خالی گیا۔ حمید نے ایک میز الٹ د
کوئی دب کر چیخا۔

بھوت غائب ہوچکا تھا۔ میز پھر سیدھی ہوگئی اور کوئی اس کے نیچے سے نکل کر درواز
طرف بھاگا۔

حمید نے پھر فائر کیا لیکن یہ بھی خالی گیا۔

"کیا کرتے ہو۔" اسے فریدی کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی کوئی دھم سے گرا۔ راہدا
میں بہت سے قدموں کی آہٹیں گونج رہی تھیں۔ پھر سکوت طاری ہوگیا۔

فریدی کی ٹارچ کی روشنی لیبارٹری میں پھیل گئی اور حمید نے دیکھا کہ فریدی ایک آدمی
سوار ہے۔

دونوں نے مل کر اسے اٹھایا۔ یہ انہیں میں سے تھا جن کے ہاتھ حمید نے باندھے تھے اس کے ہاتھ ابھی تک بندھے ہوئے تھے۔ فریدی اسے کالر سے پکڑ کر کھینچتا ہوا ہال میں جانے والے زینوں کی طرف چلا۔ حمید ان کے پیچھے تھا اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے میں ریوالور۔

ہال میں روشنی تھی اور وہ بالکل سنسان پڑا ہوا تھا۔ فریدی نے قیدی کو ایک صوفے میں پھینک دیا اور صوفے کے ہتھے پر پیر رکھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا اور چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

"کیوں بیٹے! یہ سب کیا ہے؟" فریدی نے انگریزی میں پوچھا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ فریدی نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کردیا۔

"بولو نا چچا......!" حمید نے اس کی زخمی ناک پکڑ کر زور سے دبا دی اور وہ بیساختہ چیخ پڑا۔

دفعتاً سامنے والا کمرہ کھلا اور مسز چودھری باہر آتی دکھائی دی۔ وہ حد درجہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔ وہ فریدی اور حمید کی طرف بے تحاشہ دوڑی۔

"فریدی صاحب......کیا ہوا......؟ یہ سب کیا ہے؟ میں نے ابھی فائر کی آواز سنی تھی۔"

"کوئی بات نہیں ہم لوگ غافل نہیں تھے۔ کیا آپ نے اسے کبھی دیکھا ہے؟"

تارا چودھری اسے غور سے دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔ "میں نہیں جانتی......لیکن یہ......کیا یہاں میری کوٹھی میں؟"

"جی ہاں...... یہاں کوئی حیرت انگیز بات ہونے والی ہے۔"

"کیا بہت سے تھے؟"

"جی ہاں......!"

"اور وہ......؟"

"چودھری صاحب کا بھوت......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ اتفاق سے نکل گیا۔ لیکن مطمئن رہئے نہ وہ چودھری صاحب ہیں اور نہ ان کا بھوت......!"

"پھر......؟"

"کچھ بھی نہیں۔" فریدی صوفے کے پاس سے ہٹتا ہوا بولا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"کوتوالی فون کردو۔"

"آپ کی پیشانی زخمی ہوگئی ہے۔" تارا بولی۔

"فکر مت کیجئے۔"

"میں ڈریسنگ کا سامان لاتی ہوں۔ لیکن فریدی صاحب میں اب اس کوٹھی میں نہ رہ سکوں

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ "آپ اسے پولیس کے حوالے کرکے کہ
کے یہاں چلی جائیے۔"

دفعتاً قیدی کی چیخ سے ہال کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔

وہ دونوں اچھل پڑے۔

قیدی زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا......اور......اس کے پیٹ میں ایک تیر پیوست تھا۔

اس نے کربناک انداز میں آخری جست لگائی......اور گر کر ٹھنڈا ہوگیا۔

تارا چیخ کر فریدی کے بازوؤں میں آگری۔

حمید جو دوسرے کمرے میں فون کر رہا تھا......ریسیور پھینک کر ہال میں آگیا۔

ہال میں قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

پھر سب سے پہلے فریدی چونکا۔

انہوں نے پوری کوٹھی چھان ماری لیکن ایک نفس بھی نہ دکھائی دیا۔

بکر مچھ

اسی رات کو پروفیسر چودھری کی کوٹھی میں پولیس نے ڈیرا ڈال دیا۔ پروفیسر چودھر
بیوی کوٹھی چھوڑ کر اپنے ایک عزیز کے یہاں چلی گئی۔ اس کوٹھی میں ایسے عجیب و غریب حا

ں کسی یوروپین کی لاش ملنا معمولی بات نہ تھی۔ دوسرے ہی دن ملک کے اخبارات کے کالم کے
لم سیاہ ہوگئے اور پروفیسر کے اچانک غائب ہوجانے والا واقعہ پھر سے کریدا گیا لیکن صحیح
عات کا اظہار کسی نے نہیں کیا تھا اور کرتا بھی کیسے جب کہ......فریدی ہی نے غلط رپورٹ دی
ی۔ اس کے رپورٹ کے مطابق وہ اور حمید چودھری کی کوٹھی کے قریب سے گزر رہے تھے کہ
وں نے کچھ آدمیوں کو مشتبہ حالت میں کوٹھی کے اندر داخل ہوتے دیکھا پھر وہاں انہیں ان سے
ھاپائی بھی کرنی پڑی۔

چودھری کی بیوی نے پہلے ہی اپنی کوٹھی میں ہونے والے واقعات کی رپورٹ درج کرادی
ی۔ بس ان دونوں رپورٹوں کو ملا کر اخبارات نے عجیب عجیب کہانیاں تراشی تھیں۔

فریدی رات ہی سے بہت مصروف تھا۔ اس نے بے شمار فائل کھول رکھے تھے۔ لاتعداد
ماد اس کے سامنے پڑی تھیں اور وہ انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔ ایش ٹرے راکھ سے بھر گیا تھا۔
قریباً دو بجے رات کو ان کی واپسی ہوئی تھی۔ تب سے وہ جاگتا ہی رہا تھا۔ حمید بھی اس کے
ریب ہی موجود تھا لیکن آرام کرسی پر۔ ویسے اگر وہ نوکیلے پتھروں پر بھی بیٹھا ہوتا تو اس کی نیند کو
وئی نہیں روک سکتا تھا۔ پھر پچھلی رات کی ورزش اور دھول دھپے کے بعد کی تھکن......وہ
طمینان سے خراٹے لے رہا تھا۔

سورج طلوع ہوگیا تھا اور دھوپ پھیلتی جارہی تھی۔ دفعتاً انور اور رشیدہ کمرے میں داخل
ہوئے۔ انور کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور چہرے پر کئی نیلے اور سرخ نشانات نظر آرہے تھے۔

انور فریدی کے سر پر بھی پٹی بندھی دیکھ کر مسکرایا۔

"آپ بھی زخمی ہوگئے؟"

فریدی نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ نے مجھے اطلاع نہ دی۔" انور بیٹھتا ہوا بولا۔

"مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔" فریدی نے کہا۔

"آپ خراٹے فرما رہے ہیں۔" رشیدہ نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

حمید ان کی آوازیں سن کر جاگ پڑا تھا لیکن اس نے آنکھیں کھولنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

"خراٹے نشر کر رہا ہوں۔" وہ آنکھیں بند کئے ہی کئے بڑبڑایا۔

"آخر بات کیا تھی؟" انور نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے مختصراً سارے واقعات دہرا دیئے۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ "اُ
نے ہم پر کسی کے دھوکے میں حملہ کیا تھا۔"

"کسی اور کے دھوکے میں......؟" انور بولا۔

"ہاں..... کیونکہ انہوں نے شلائز کے نام سے مخاطب کیا تھا۔"

"شلائز......؟"

"ہاں شلائز۔" فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔ "کیا تم نے کبھی یہ نام سنا ہے؟"

"ممکن ہے سنا ہو۔"

فریدی نے ایک تصویر انور کی طرف بڑھا دی جسے دیکھتے ہی وہ بے ساختہ چونک
رشیدہ بھی جھک کر تصویر دیکھنے لگی۔

"یہ ناک......!" انور آہستہ سے بڑبڑایا اور فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"یہ مغربی جرمنی کا ایک جاسوس ہے اور آج کل یہاں باضابطہ طور پر آیا ہوا ہے۔
حکومت کی طرف سے کوئی پیغام لے کر...... جس کی اطلاع ابھی تک ہمیں بھی نہیں ہو سکی۔
ہے کہ یہ گارساں ہی کے متعلق کچھ ہو۔"

"لیکن پروفیسر درانی کے یہاں اس کا کیا کام......!" انور نے بے چینی سے کہا۔

"پروفیسر درانی کے یہاں؟" فریدی کے لہجے میں تحیر تھا۔

"جی ہاں...... میں نے اسے کل رات کو بارہ بجے پروفیسر کے سیکریٹری کے کمرے
اس سے گفتگو کرتے دیکھا تھا۔"

"اوہ تو تم پھر وہاں گئے تھے؟" رشیدہ انور کو گھور کر بولی۔

"میں بتاؤں۔" حمید یک بیک انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا۔ "پروفیسر کی لڑکی بڑی حسین ہے
رشیدہ انور کو تیز نظروں سے دیکھنے لگی۔

انور فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "میں اسے تھوڑی سی سزا دیئے بغیر نہ مانوں گا اور اسی چکر

ل رات کو وہاں گیا تھا۔"

"یقیناً......!" حمید دیدے پھرا کر بولا۔ "اگر تم اس کی لڑکی کو اُلو بنانے میں کامیاب
ہوئے تو یہ اس کے لئے سخت ترین سزا ہو گی۔"

"حمید......!" فریدی اسے گھورنے لگا۔

"سرکار......!" حمید اسی لہجے میں جھکتا ہوا بولا۔

"اگر سنجیدگی سے نہیں بیٹھ سکتے تو چلے جاؤ۔"

"جو حکم......!" حمید مسکرا کر بولا اور کمرے سے نکل گیا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ یہی تھا جس کی تم تصویر دیکھ رہے ہو۔" فریدی نے انور سے پوچھا۔

"مجھے یقین کامل ہے۔"

"اوہ......!" فریدی کرسی کی پشت سے ٹک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"گارساں کی تصویر نہیں ہے آپ کے پاس......؟" انور نے پوچھا۔

"اس کا کوئی صحیح ریکارڈ کہیں نہیں ہے۔"

"لیکن ان ملکوں کے پاس تو ہونا ہی چاہئے جن کے لئے وہ کام کرتا رہا ہے۔"

"وہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے پاس اس کا صحیح ریکارڈ نہیں ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"اس کی صحیح شکل تک تو معلوم نہیں کسی کو۔" فریدی نے کہا۔ "یہی وجہ ہے کہ وہ آج بھی
زادی سے اس زمین پر چل رہا ہے۔ ورنہ اس کی دشمن ساری دنیا ہے۔"

"ممکن ہے وہ چودھری کا بھوت ہی گارساں ہو۔" انور نے کہا۔

"لیکن آخر چودھری کی کوٹھی سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" رشیدہ بولی۔

"یہی سب سے بڑا سوال ہے۔" فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ پھر تھوڑی
ر بعد بولا۔ "اور اب یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ شلائز بھی......"

"کہیں وہ چودھری کا بھوت چودھری ہی نہ ہو۔" رشیدہ نے کہا۔

"پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا لیکن پچھلی رات یہ خیال ترک کر دینا پڑا۔"

"کیوں......؟" رشیدہ نے پوچھا۔

ظاہر ہے کہ چودھری پر اسرار طریقے پر غائب ہوگیا تھا اس کی کوئی معقول و(جہ) چاہئے۔ پھر اچانک چھ ماہ بعد بھوت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ میں کچھ اور لوگ بھی دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ اگر وہ چودھری ہے تو کسی خاص مصلحت کی بنا بھوت بنا ہوگا۔ فرض کرلو کہ وہ اپنی کسی خاص چیز کی حفاظت کے لئے ایسا کررہا ہے اور کچھ بھی اسی چیز کی تاک میں ہیں۔ چودھری انہیں اس بہروپ میں کوٹھی سے دور رکھنا چاہتا پچھلی رات کو جب میں ان لوگوں سے نپٹ رہا تھا اسی نے مجھ پر پیچھے سے حملہ کیا تھا چودھری ہی تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہاں ایک سے زیادہ پارٹیاں دکھا رہی ہیں۔ اگر وہ چودھری ہے تو اسے اس سے واقف ہونا چاہئے ورنہ اس نے یہ بہ کیوں بھرا ہے۔ ایسی حرکتیں عموماً بے بس آدمی ہی کیا کرتے ہیں۔ لیکن کل کی بات سے ہورہا ہے کہ وہ بے بس نہیں ہے۔ جن لوگوں سے میں لڑ رہا تھا ان پر اس کی موجودگی کا کو نہیں ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس کی حقیقت سے واقف ہیں اور وہ ان کی سے۔ اب سوچو! چودھری اگر اتنا انتظام رکھ سکتا تھا تو پھر اسے بھوت کی شکل میں ظاہر ہو کیا ضرورت تھی اور اگر وہ یہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ اسے بھوت نہ سمجھیں گے تو پھر اس بہر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"پھر وہ کون ہے؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"کوئی بھی ہو لیکن چودھری نہیں ہوسکتا۔" فریدی نے کہا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

"شیو کررہا ہوں۔" حمید نے دوسرے کمرے سے کہا۔

"اس کے بعد ذرا یہاں آجانا۔"

"اس ٹرانسمیٹر میں پھر کوئی آواز سنائی دی تھی؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں لیکن آفس کے ٹرانسمیٹر میں وہ اشارے پچھلی رات کو بھی سنے گئے تھے۔"

"وہ کار میرے ذہن میں ہے۔" انور بولا۔

"قطعی بیکار ہے۔" حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"تمہیں بازار تک جانا ہے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیوں......؟"

"ایک بڑی مچھلی اور ایک بکری کے بچے کا سر لاؤ۔"

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ اس قسم کی خرید و فروخت عموماً باورچی کیا کرتے تھے۔ فریدی کافی سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"باورچی سے کہئے......آپ نے مجھے اتنا گھٹیا سمجھ لیا ہے۔"

"پھر وہی! میں کہتا ہوں فضول باتیں مت کرو......نوکروں کو اس کا علم نہ ہونا چاہئے۔"

"مجھے اُلو مت بنائیے......!"

"جاؤ......!" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا اور حمید پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا۔

رشیدہ ہنسنے لگی۔

"اس کا اسکریو ہر وقت ڈھیلا ہی رہتا ہے۔" انور نے کہا۔

"خبطی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا "مگر ہے شاندار آدمی۔ کل تو اس نے اس بھوت کا صفایا ہی کردیا تھا۔ تھوڑا بہت کام چور ضرور ہے لیکن جب کوئی کام کرنے پر آجاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔"

"لیکن بعض اوقات بہت تکلیف دہ ہوجاتا ہے۔" انور نے کہا۔

"تم اس سے اچھی طرح واقف نہیں۔" فریدی بولا۔ "پروفیسر درانی کے یہاں نوکر کتنے ہیں؟"

"نوکر......؟ شاید یہ نہ بتا سکوں کیونکہ مجھے وہاں اس کے سکریٹری اور اس کی لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں نظر آیا۔"

حمید کپڑے پہن کر پھر اُسی کمرے میں آگیا۔

"تم ابھی گئے نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"سنئے جناب۔" حمید ہاتھ پھیلا کر بولا۔ "میں ابھی اتنا بڑا سراغ رساں نہیں ہوا کہ ناشتہ کرنا بھی بھول جاؤں۔"

"اوہ......!" فریدی نے انور اور رشیدہ کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم نے بھی ابھی ناشتہ نہ کیا ہو!"

"کر چکے ہیں۔" رشیدہ ہنس کر بولی "اور اگر نہ بھی کیا ہوتا تو تب بھی یہی کہتے۔"

"کیوں......؟"

"حمید صاحب کی حق تلفی کے خوف سے۔" رشیدہ نے کہا۔

"جملہ کچھ جچا نہیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "مگر خیر میں اخلاقاً ہنسوں گا ضرور۔"

پھر اس نے زبردستی ایک زوردار قہقہہ لگایا اور سب ہنسنے لگے۔

حمید شاید ناشتے کے لئے کہتا آیا تھا کیونکہ اس کے آنے کے بعد ہی ناشتے کی ٹرالی آ گئی۔ ناشتے کے دوران بھی حمید کی زبان نہ رکی۔

"یار جلدی کرو۔" فریدی اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"اڑن طشتریوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" حمید نے فریدی کی بات اڑا کر رشیدہ کو مخاطب کیا۔

"وہی جو سب کا ہے۔"

"سب میں تو میں بھی آ گیا لیکن ان کے متعلق میرا کچھ خیال نہیں ہے۔"

"بہرحال دوسروں کے خیال سے تو متفق ہی ہوں گے۔"

"دوسروں کی تو میری نظروں میں کوئی اہمیت ہی نہیں۔"

"اے حمید صاحب۔" فریدی نے اسے پھر ٹوکا۔

"جناب والا......! ہاں تو رشیدہ صاحبہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ میری نظروں میں ان خیالات کی کوئی اہمیت نہیں۔ نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ کسی سیارے کے ہوائی جہاز ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ وہ کسی جنگ باز ملک کا کوئی مہلک ہتھیار ہیں۔ اللہ تمہیں نور ایمان عطا کرے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ رحمت خداوندی کے خوان ہیں جن میں بھنی ہوئی بٹیریں اور سیخ کے کباب پائے جاتے ہیں۔"

"اچھا تو میں خود ہی جاتا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"بس ایک کپ کافی اور......آخر اتنی جلدی کیوں ہے؟" وہ اپنی پیالی میں کافی انڈیلتا ہوا بولا۔

ناشتے کے بعد حمید چلا گیا۔

فریدی انور اور رشیدہ سے کافی دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ چودھری کی گمشدگی کا بھی تذکرہ چھیڑا۔

"مجھے یقین ہے۔" فریدی بولا۔ "کہ چودھری خود سے غائب نہیں ہوا بلکہ اسے غائب کیا گیا ہے۔"

"واقعات کو آپ جس روشنی میں لے رہے ہیں اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔" انور نے کہا۔

"لیکن ان سب باتوں کا کیا مطلب ہے؟" رشیدہ بولی۔

"شاید مطلب بھی واضح ہو جاتا۔ لیکن حمید نے فائر کر کے سب گڑبڑ کر دیا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں اس سے کیا ہوا......؟"

"جو بھی پارٹیاں اس کوٹھی میں دلچسپی لے رہی ہیں وہ خود اس سلسلے میں احتیاط برتتی ہیں کہ ان کی موجودگی کا علم کسی کو نہ ہو سکے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"وہ یہ نہیں چاہتے کہ ان کی آپس کی جدوجہد کے سلسلے میں کوئی ایسی بات ہو جس کی خبر پولیس تک جا پہنچے۔ کل بھی ان میں سے کسی نے ریوالور نہیں استعمال کیا۔"

"حمید کے ذہن میں ابھی کچا پن ہے۔" انور بولا۔

اتنے میں حمید بھی واپس آ گیا۔ شاید اس نے انور کا جملہ سن لیا تھا۔ منہ بنا کر کہنے لگا۔

"اور تمہارا ذہن پک کر سڑ گیا ہے۔ تم جیسے لونڈوں کی یہ مجال کہ میرے ذہن پر تنقید کریں۔"

"بات کہنے کا سلیقہ پیدا کرو۔" انور اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"اکیلے کوئی کچھ نہیں پیدا کر سکتا۔" حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ فریدی بول پڑا۔

"لائے یا نہیں؟"

"لایا ہوں۔" حمید نے تھیلا اس کے سامنے پٹخ دیا۔

"اب یہی بد سلیقگی ملاحظہ فرمائیے۔" انور نے مسکرا کر کہا۔ "باورچی خانے کے بجائے اسے یہاں اٹھا لائے۔"

"یہ چیز تمہارے اُبلے ہوئے ذہن کے لائق نہیں ہے۔" حمید بولا۔ حالانکہ یہ حقیقت تھی کہ خود اسے بھی نہیں معلوم تھا کہ فریدی نے وہ سب کیوں منگوایا ہے۔

"حمید ٹھیک کہتا ہے...... یہ سب باورچی خانے کے لئے نہیں۔" فریدی نے کہا۔

اور تھیلا اٹھا کر اس کے اندر دیکھنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد اسے اٹھائے ہوئے کمرے سے چلا گ

"خدا خیر کرے۔" حمید اپنے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پیدا کر کے بولا۔

"کیوں......؟" رشیدہ اسے تحیر آمیز انداز میں دیکھنے لگی۔

"اب چپ چاپ یہاں سے کھسک لینا چاہئے۔ شاید فریدی صاحب کا پرانا مرض پھر ابھر آیا ہے۔"

"کیا بکتے ہو......؟" انور بڑبڑایا۔

"نہیں یار......؟" حمید غمزدہ صورت بنا کر آہستہ سے بولا۔ "تم ان کی زندگی کے حالا اور ان کی ٹریجڈیز سے واقف نہیں ہو۔"

"کیا......؟" رشیدہ نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔ لیکن یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ کسی بھی غیر معمولی شخصیت کا مالک انتہ چوٹ کھایا ہوا آدمی ہوتا ہے۔ آج دسمبر کی اٹھارہ تاریخ ہے نا۔"

حمید خاموش ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"آخر بتاتے کیوں نہیں؟" رشیدہ بے چینی سے بولی۔

"ہر ماہ کی اٹھارہ تاریخ کو......مگر نہیں......کچھ نہیں میں مجبور ہوں۔"

"کس کی باتوں میں پڑی وہ۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔

"انور تم نہیں جانتے۔" شدت غم سے حمید کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

انور بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ حمید اس سے پہلے کبھی ایسے موڈ میں نظ نہیں آیا تھا۔

"آخر بتانے میں کیا حرج ہے؟" رشیدہ کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

"ناممکن ہے۔ یہ اس صدی کے ایک بہت بڑے آدمی کی زندگی کا راز ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ پچھلے ماہ انہوں نے ایک مرغ اور ایک سانپ کے ساتھ بڑا برتاؤ کیا تھا۔"

"یعنی......؟"

"ایک سانپ اور ایک مرغ کو لڑا کر بڑی دیر تک روتے رہے تھے۔"

"غلط......!" رشیدہ ہنس پڑی۔ "بھلا مرغ کس طرح لڑا ہوگا سانپ سے۔ مرغ تو پ کو دیکھ کر ہی مر جاتے ہیں۔"

"یہی تو بات ہے......انہوں نے مرغ کو شراب پلا دی تھی۔"

"کیا بکتا ہے۔" انور بے تحاشہ ہنس پڑا۔ لیکن حمید بدستور غمگین رہا۔ اس نے عجیب غمزدہ از میں رشیدہ کی طرف دیکھا جو سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"اور پھر جب مرغ مر گیا تو وہ اور زیادہ روئے۔"

"تم ہمیں بے وقوف بنا رہے ہو۔" رشیدہ ہنس پڑی۔

"میں تمہیں یقین نہیں دلانا چاہتا۔" حمید پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر رشیدہ بولی۔

"ہم کسی سے کہیں گے نہیں۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کے چہرے سے ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

"کوئی......عورت......!" حمید اٹک اٹک کر بولا۔ پھر دفعتاً چونک کر کہنے لگا۔ "نہیں ں......رشیدہ صاحبہ میں مجبور ہوں۔"

رشیدہ کے چہرے پر الجھن کے آثار پھر ابھر آئے تھے اور وہ انور کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"فضول وقت برباد کر رہی ہو۔" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ حمید نے چھت کی طرف دیکھ کر طرح منہ بنایا جیسے غمگین سروں میں سیٹی بجائے گا۔ پھر انور کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"ور صاحب! میرا ہی جگر ہے کہ ایک نیم پاگل آدمی کے ساتھ دن رات رہتا ہوں۔ تم فریدی حب کی گھریلو زندگی سے واقف نہیں ہو......اگر تم کسی آدمی کے کمرے میں......!"

ید پھر خاموش ہو گیا اور رشیدہ بے تابی سے کرسی پر پہلو بدلنے لگی۔

"ں ایک ہفتہ قبل کی بات کر رہا ہوں......ایک رات تقریباً دو بجے میری آنکھ کھل گئی۔" ہ خاموش ہو گیا۔

اور انور بھنا کر بولا۔ ''ارے تو بتاؤ نا......!''

''دل نہیں چاہتا......مگر خیر فریدی صاحب کے سامنے اس کا تذکرہ نہ آنے پائے آہستہ سے بولا۔ ''میں نے ان کے کمرے میں اچھل کود کی آوازیں سنیں اور گھبرا کر اپ سے نکل آیا۔ ان کے کمرے میں خاصی ہڑبونگ مچی ہوئی تھی......اوہ میرے خدا...... بڑے بالوں والی کتیا کو شراب پلا رہے تھے۔''

''بکواس ہے......کتے شراب نہیں پیتے۔'' انور نے کہا۔

''لیکن وہ پلا رہے تھے......فریدی جیسے ذہین آدمی کے لئے دنیا کی کوئی بات نہیں۔ شراب کسی جانور یا پرندے کے خون میں ملا کر دی جارہی تھی۔ بہرحال اس کے نے جو کچھ دیکھا......ہرگز نہ بتاؤں گا۔''

''چلو رشیدہ دیر ہو رہی ہے۔'' انور اٹھتا ہوا بولا۔

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''بتاؤ نا......!'' رشیدہ انور کی بات نظر انداز کر کے بولی۔

''کیا فائدہ......!'' حمید کی آواز رقت انگیز تھی۔ ''تم سن کر ہنسو گی۔ لیکن میں چ کہ فریدی صاحب کو کبھی کوئی دردناک حادثہ پیش آیا ہے۔''

انور نے رشیدہ کی طرف دیکھا اور پھر جھٹکے کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔ رشیدہ کے ا فی الحال اٹھنے کا ارادہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔

''وہ کتیا کو شراب پلا کر تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتے رہے پھر سینے پر ہا آہستہ سے کہا۔ 'قمر النساء ڈارلنگ......' پھر وہ شاید اس کی تھوتھنی سے اپنے ہونٹ ملانے تھے کہ بف کر کے وہ پیچھے ہٹ گئی۔ وہ پھر بولے۔ قمر النساء ڈارلنگ میں مر جاؤں گا۔ کتیا بھونکنے لگی تھی۔ بہرحال وہ اس کا منہ چومنے میں ناکام رہے۔''

''رشیدہ......!'' انور کے لہجے میں جھلاہٹ تھی اور رشیدہ برابر ہنسے جارہی تھی لیکر چہرہ بالکل ایسا ہی نظر آرہا تھا جیسے وہ کسی لاش کے سرہانے بیٹھا ہو۔

''میں کہتا تھا کہ تم ہنسو گی۔ فریدی صاحب پر اسی قسم کے دورے پڑتے ہیں۔''

حمید کی آواز بھرا گئی اور اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے آنسو گالوں میں ڈھلک آئے۔

رشیدہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی شریف آدمی کو غیر ارادی طور پر گالی دے بیٹھنے کے بعد ندامت کا اظہار کر رہی ہو۔

''اچھا آؤ......!'' حمید رومال سے آنسو خشک کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں تمہیں دکھاؤں۔ آج بھی کوئی نیا گل کھلے گا۔ لیکن تمہیں اس طرح چلنا ہوگا کہ تمہارے قدموں سے آواز پیدا نہ ہو۔''

وہ انہیں اوپری منزل پر لے آیا جہاں فریدی کی تجربہ گاہ تھی۔ حمید انہیں ٹھہرنے کا اشارہ کر کے پنجوں کے بل ایک کھڑکی کے قریب آ گیا۔ چند لمحے تجربہ گاہ میں جھانکتا رہا پھر پلٹ کر انہیں قریب آنے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں دبے پاؤں کھڑکی کے پاس آ گئے۔ فریدی ایک بڑی میز کے قریب کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک ایسی مچھلی لٹکا رکھی تھی جس کا سر بکری کا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔

''اب چپ چاپ نکل چلو'' حمید آہستہ سے بولا اور وہ تینوں دبے پاؤں نیچے آ گئے۔

''اب تم لوگ جاؤ......میری شامت آنے والی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں......؟ یہ کیا تھا......؟''

''بکرمچھ......!'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''جب سوچتے سوچتے ان کا دماغ تھک جاتا ہے تو وہ ہمیشہ اسی قسم کی ایک مچھلی بناتے ہیں۔ اسے بکرمچھ کہتے ہیں اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور پھر میری گردن دبوچ کر انتہائی غصے میں کہتے ہیں کہ اس کی پوجا کرو۔''

''بکواس ہے۔'' انور نے کہا۔

''یار تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے۔ کیا تم نے انہیں یہ کہتے نہیں سنا تھا۔ حمید جانتا ہے کہ یہ باورچی خانے کے لئے نہیں ہے۔''

انور متذبذب نظر آنے لگا۔

''اچھا......بس اب جاؤ......میں نہیں چاہتا......''

انور اور رشیدہ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑے رہے پھر جانے کے لئے مڑے اور حمید بولا۔

"اب مجھے اپنی خیر منانی چاہئے۔"

جب اسے یہ اطمینان ہوگیا کہ وہ پھاٹک کے باہر پہنچ گئے ہوں گے تو اس نے دار قہقہہ لگایا اور خود ہی اپنی پیٹھ ٹھونکنے لگا۔ پھر دفعتاً اسے فریدی دکھائی دیا۔ وہ زینوں اتر رہا تھا...... اسے احمقوں کی طرح ہنستا دیکھ کر رک گیا۔

"سب ٹھیک ہوگیا۔" حمید نے قلقاری لگائی۔ "رشیدہ میرے ساتھ شادی رضامند ہوگئی ہے۔ اس بات پر اس میں اور انور میں جھگڑا ہوگیا اور وہ دونوں چلے گئے"

چوکور کنواں

دوسرے دن انور اپنے آفس میں نیو اسٹار کے ہم عصر اخبارات کے تازہ شمار تھا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک مقامی اور کثیر الاشاعت اخبار تھا۔

"رشو......!" اس نے رشیدہ کو مخاطب کیا جو ٹائپ رائٹر پر سے ڈھکن اٹھا رہی تھ میں نہ کہتا تھا تم اس سؤر کو نہیں جانتیں۔"

"کیسے......؟ کیا بات ہے۔"

انور نے اخبار اس کی طرف پھینک دیا۔ رشیدہ نے پہلے ہی صفحہ پر ایک بے غریب آبی جانور کی تصویر دیکھی جس کا سر بکری کا تھا اور دھڑ مچھلی کا۔ اسی کے نیچے ایک میں کہا گیا تھا کہ اٹھارہ دسمبر کو انسپکٹر احمد کمال فریدی نے ایک ماہی گیر سے ایک ایسی ہے جس کا سر بکری کا ہے اور اس کے بعد فریدی کی افتاد طبع کے متعلق ایک داستان تھی مطابق وہ عجائبات کا شوقین اور ایک عمدہ قسم کے چھوٹے موٹے عجائب خانہ کا مالک تھا۔

"کمال کا آدمی ہے۔" رشیدہ اخبار رکھ کر بولی۔ "وہ رو بھی تو رہا تھا...... کسی کو

باتوں پر یقین آسکتا ہے۔"

طلسم ہوشربا پڑھی ہے تم نے؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں...... کیوں؟"

"اس کا ایک کردار عمرو عیار ہے۔"

"ہاں......!"

"یہ کم بخت اس سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ عموماً خود کو بالکل احمق ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے زہریلے پن سے میں ہی واقف ہوں۔ جانتی ہو اس نے ہم لوگوں کو کیوں ٹال دیا تھا۔"

رشیدہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اس نے یہ سب کچھ ہمیں ٹالنے ہی کے لئے کیا تھا۔ اگر ہم لوگ وہاں ٹھہرتے تو اسے ہماری گفتگو میں حصہ لینے پر مجبور ہونا پڑتا۔ معلوم نہیں ہمارے اس طرح چلے آنے پر اس نے فریدی صاحب سے کیا کہا ہوگا؟"

"لیکن اس تصویر کی اشاعت سے فریدی صاحب کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"معلوم نہیں...... ان کے طریقے ذرا مشکل ہی سے سمجھ میں آتے ہیں۔"

رشیدہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انور نے رشیدہ کو اشارہ کیا۔

"ہیلو......!" رشیدہ نے ریسیور اٹھایا۔ "اوہ...... جی ہاں...... اچھا۔" وہ پھر انور کی طرف مڑ کر بولی۔ "تمہارا فون ہے۔ فریدی صاحب ہیں۔" انور نے ریسیور رشیدہ کے ہاتھ سے لے لیا۔ "ہیلو...... جی...... جی...... اچھا...... ابھی آیا......!" انور نے ریسیور رکھ دیا۔

"کہاں......؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"پروفیسر چودھری کی کوٹھی پر۔ اگر کوئی کام پینڈنگ میں نہ ہو تو چلو۔"

وہ دونوں نیچے آئے۔ انور نے موٹر سائیکل فٹ پاتھ سے سڑک پر اتاری اور دونوں پروفیسر کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگئے۔

پھاٹک پر پولیس کا پہرہ تھا۔ لیکن شاید انہیں پہلے ہی سے مطلع کر دیا گیا تھا۔ اس لئے

انہوں نے انور کی موٹر سائیکل نہیں روکی۔ پورٹیکو میں دونوں اتر گئے۔ محکمہ سراغ رسانی کا آدمی ان کی رہنمائی کے لئے برآمدے میں موجود تھا۔

فریدی اور حمید ایک کمرے میں خاموشی سے کھڑے کسی مسئلے پر غور کر رہے تھے۔ انور رشیدہ کو دیکھ کر حمید نے قہقہہ لگایا اور رشیدہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"مسز چودھری نہیں آئیں؟" فریدی نے اس آدمی سے پوچھا جو انور اور رشیدہ کو تک لایا تھا۔

"جی نہیں۔"

"اچھا تو جاؤ......!" فریدی نے کہا۔ "وہ بھی آ ہی رہی ہوں گی۔"

اس کے جانے کے بعد حمید نے مسکرا کر انور کی طرف دیکھا۔

"امید ہے کہ تم نے بکر مچھ کی تصویر آج کے مورننگ نیوز میں ضرور دیکھی ہوگی۔" اس نے

"بھائی حمید! واقعی تم بڑے خطرناک آدمی ہو۔" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"انور کے سامنے ایسا نہ کہو۔" حمید خشک لہجے میں بولا۔ "ورنہ خودکشی کر لے گا۔"

فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہ لے رہا تھا وہ کمرے کے بیرونی دروازے میں کھڑا باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ پروفیسر چودھری کے سونے کا کمرہ ہے۔" دفعتاً اس نے مڑ کر انور سے کہا۔ "وہ سے غائب ہوا تھا اور وہ دروازہ جو ہال میں کھلتا ہے اندر سے بند پایا گیا تھا اور یہ دروازہ...... اس نے بیرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ انور دروازے کے قریب جا کر باہر دیکھنے لگا۔ دروازہ پائیں باغ کی طرف کھلتا تھا لیکن اس طرف کے حصے میں بدنظمی سی تھی۔ یہاں پھولوں کی کیاریاں نہیں تھیں۔ اس طرف کی مہندی کی باڑھ کی بھی شاید عرصے سے خبر نہیں لی گئی تھی۔ حصہ دراصل سائڈ کا تھا۔

"قیاس ہے کہ وہ اسی دروازے سے نکل کر گیا تھا۔" فریدی پھر بولا۔

"میں کہتا ہوں کہ اب اس کے پیچھے پڑنا ہی فضول ہے۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"کیوں......؟"

"چھ ماہ قبل کی بات ہے۔ لکیر پیٹنے سے فائدہ۔"

"لکیر......!" انور طنزیہ انداز میں ہنسا۔

"اچھا میاں ترم خاں۔" حمید اپنا ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تمہیں بھی دیکھ لیں گے۔"

"فضول باتوں سے کیا حاصل۔" فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ یں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر دروازے میں مسز چودھری نظر آئی۔ انور اور رشیدہ کو ر وہ کچھ ٹھٹکی لیکن پھر دلآویز انداز میں مسکراتی ہوئی بولی۔ "مجھے شاید کچھ دیر ہو گئی۔ آج اپنے گھر میں کتنی اجنبیت محسوس کر رہی ہوں۔"

"میں نے ایک خاص مقصد کے تحت آپ کو تکلیف دی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تکلیف تو دراصل میں نے ہی دی ہے۔" مسز چودھری مسکرا کر بولی۔

"تھوڑی دیر کے لئے میں پھر وہی غم ناک موضوع چھیڑنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ مجھے چودھری صاحب کی مشغولیات کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔"

"میں پہلے ہی عرض کر چکی ہوں کہ مجھے ان کی مشغولیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔"

"میرا مطلب ہے کہ جس زمانے میں وہ غائب ہوئے کیا کوئی ایسی بات آپ نے ان میں نوٹ کی تھی جو آپ کے لئے باعث حیرت ہو۔"

مسز چودھری کچھ سوچنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"مجھے یاد نہیں پڑتا۔"

"آپ نے مجھ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا کہ ان کی چپلیں بھی موجود تھیں۔"

حمید فریدی کے اس جملہ پر خاص طور سے مسز چودھری کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ لیکن اس نے چہرے پر اضمحلال کے علاوہ کچھ اور نہیں پایا۔

"بات یہ ہے۔" وہ مغموم آواز میں بولی۔ "کہ میں اس خیال سے خوف کھاتی ہوں کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

فریدی اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔ مسز چودھری کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ دفعتاً اس نے اپنی لمبی لمبی پلکیں اٹھائیں اور فریدی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر پھر نظریں جھکا لیں۔

"میں جانتی ہوں کہ اس کا کیا مطلب ہے مگر پھر بھی میں یہ نہیں سوچنا چاہتی۔"

"یعنی آپ کو اس حادثے کی توقع تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی نہیں......اس قسم کے حالات ہی نہیں تھے۔"

"پھر آپ نے یہ کس طرح اندازہ لگالیا کہ وہ اس دنیا میں نہیں۔"

اس نے اچانک نظریں اٹھائیں اور فریدی کو بغور دیکھنے لگی۔

"کیوں......کیا آپ نے ابھی چپلوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔" اس نے کہا۔ "ظاہر ہے اگر وہ اپنے پیروں سے چل کر کہیں گئے ہوتے تو ان کے پیروں میں کم از کم چپلیں ضرور ہوتیں۔"

"اس وقت کی تکلیف دہی گراں تو نہیں گزری۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"اوہ قطعی نہیں۔"

"فی الحال آپ کو تکلیف تو ضرور ہی ہوگی آپ کو اپنی کوٹھی چھوڑ دینی پڑی ہے۔"

"ظاہر ہے کہ دوسرے کے گھر میں آرام نہیں مل سکتا۔"

فریدی خاموش ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ حمید انور اور رشیدہ کے چہروں پر اکتاہٹ کے آثار آرہے تھے۔

"کیا وہ کبھی حوض تھا......؟" فریدی نے باہر دیکھتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔

حمید وغیرہ کی نظریں ایک حوض پر جم گئیں جس کے پختہ کنارے زمین کی سطح پر ابھرے ہوئے تھے۔

"جی نہیں کنواں تھا۔" مسز چودھری نے کہا۔ "عرصہ ہوا پاٹ دیا گیا ہے۔"

"چوکور کنواں......؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"جی ہاں......!" مسز چودھری بولی۔ "یہ بھی چودھری صاحب کی افتادِ طبع کا نتیجہ تھا۔ ایک دن یونہی بیٹھے بیٹھے کہنے لگے کہ اگر چوکور کنواں بنوایا جائے تو کیسی رہے۔ اس وقت یہ بات تو ٹل گئی لیکن دوسرے ہی دن انہوں نے کام شروع کرادیا۔ بہرحال مذاق ہی مذاق میں سینکڑوں روپے برباد ہوگئے۔ شروع میں تو اس میں پانی نکلا لیکن کچھ دنوں بعد وہ بالکل خشک ہوگیا اور پھر اسے پاٹ دیا گیا۔"

فریدی خاموشی سے سنتا رہا۔ مسز چودھری کی بات ختم ہوتے ہی بولا۔

"چودھری صاحب کے غائب ہوجانے کے بعد پاٹا گیا تھا۔"

"جی ہاں......پٹائی کا کام انہوں نے ہی شروع کرایا تھا......لیکن کام ختم ہونے سے پہلے ہی غائب ہوگئے تھے۔"

"اوہ......!" فریدی معنی خیز انداز میں انور کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اندازاً کتنا کام باقی رہا ہوگا۔"

"یہ تو مجھے یاد نہیں رہا۔" مسز چودھری کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"خیر......!" فریدی نے موضوع بدلا۔ "حکومت نے چودھری صاحب کی تلاش کا کام باقاعدہ طور پر محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کردیا ہے۔ حکومت کو صحیح معنوں میں ان کے متعلق تشویش ہے۔"

"تو میں یہاں کب تک واپس آسکوں گی؟"

"ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

مسز چودھری کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "آخر وہ لوگ کون ہیں جو کوٹھی میں گھس آئے تھے اور وہ کون تھا جس کے تیر لگا تھا......؟"

"کچھ بھی نہیں معلوم ہوسکا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں ایک بار پھر آپ سے اس وقت کی تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

مسز چودھری سمجھ گئی کہ فریدی اب اسے ٹالنا چاہتا ہے۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر بولی۔

"اجازت ہے؟"

"شوق سے! تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔"

مسز چودھری چلی گئی۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔

"اتنی خوبصورت عورت سے تو ڈھنگ سے بات کیا کیجئے۔" اس نے کہا۔

"اجازت ہے۔" فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔ "بقیہ ڈھنگ کی باتیں آپ کر لیجئے۔"

"کیا وہ تصویر پروفیسر درانی کے لئے ہے۔" انور نے پوچھا۔

"ہوں......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس عورت کو اپنے شوہر کی کسی بات سے دلچسپی

ہی نہیں تھی۔"

"آپ کو یقیناً حیرت ہوگی۔" حمید نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "کیونکہ آ
بیوی کا تجربہ نہیں۔ قبلہ فریدی صاحب میاں اور بیوی ایک ہی سانچے میں نہیں ڈھالے جا
اس لئے اللہ پاک کے حضور میں میرا مشورہ ہے کہ یا تو میاں بیوی کو ایک ہی سانچے
ڈھالا کرے یا پھر عورت اور مرد کے تعلقات پر سے بالکل کنٹرول ہٹالے۔"

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر باہر چلا گیا۔

"ہر وقت ٹائیں ٹائیں۔" انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"اور تم دونوں ٹائیں ٹائیں فش......!" حمید نے رشیدہ کی طرف اشارہ کرکے کہا ا
پائپ بھرنے لگا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" انور اسے گھورنے لگا۔

"اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔ ورنہ ٹٹو بنادوں گا۔"

انور سگریٹ پھینک کر حمید کی طرف بڑھا اور حمید نے اپنا پائپ میز پر رکھ دیا۔
جھپٹ کر دونوں کے درمیان آ گئی۔

"تم خواہ مخواہ بیچ میں آ کودتی ہو۔" حمید نے رشیدہ سے کہا۔ انور نے رشیدہ کو ایک
ہٹا دیا...... اور پھر اس کا گھونسہ دیوار پر پڑا۔ انور جھلا کر پلٹا۔

"اتنی ہی سزا کافی ہے۔" حمید میز پر سے اپنا پائپ اٹھاتا ہوا پرسکون لہجے میں بولا
نے بڑی پھرتی سے وار خالی دیا تھا۔

رشیدہ انور کو دروازے کے باہر دھکیل لے گئی۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے سیدھے کھڑے ہوکر کہا۔ وہ اس بند اور چوکور کنوئیں
قریب کھڑا تھا۔

"کچھ نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔ "میرے خیال سے انور اور حمید کو ایک جگہ اکٹھا نہ کیا جا

"یار میں عاجز ہوں اس گدھے سے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر حمید کو آواز دی

حمید لاپروائی سے پائپ پیتا ہوا باہر آیا۔

"کیوں...... کیا داغ دی شکایت۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "اب آپ ہی بتایئے اگر میں
دیوار پر گھونسہ مارنے سے روکتا تو یہ الٹا مجھے بداخلاق سمجھتا۔ عجیب الٹی کھوپڑی ہے۔ اگر
وہ مچھلی اس کے سر سے چپکاتے تو خاصا مناسب رہتا۔"

فریدی نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے پائیں باغ کے مالی کو آواز دی اور
ایک پھاوڑا لانے کو کہا۔

پھاوڑا آنے پر فریدی نے کنوئیں کی طرف اشارہ کرکے حمید سے کہا۔

"چلو کھودو......!"

"کہیں میں بھنگ تو نہیں پی گیا۔" حمید فریدی کے چہرے کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔

"جلدی کرو۔"

"تاؤ کے دکھاتے ہیں۔ میں کمزور نہیں ہوں۔" حمید نے کہا اور پھاوڑا اٹھا کر پل پڑا۔

"اس کے یہاں سات پشت سے یہی پیشہ ہوتا آیا ہے۔" انور نے قہقہہ لگایا۔

"بیٹے دعائیں دو رشیدہ کو...... ورنہ آج کسی گھورے پر کتوں سے لڑتے ہوئے نظر
آتے۔" حمید بولا

حمید تھوڑی دیر تک کھودتا رہا پھر پھاوڑا رکھ کر فریدی کی طرف مڑا۔

"مجھے کھودنے سے انکار نہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ مجھے ذلیل کرنے پر تلے
ہوئے ہیں لیکن اتنا بتا دیجئے کہ یہ صرف میری سزا ہے یا آپ اس میں سے لنگوروں کا جوڑا برآمد
کرنے کی توقع رکھتے ہیں۔"

"ادھر ہٹ آؤ۔" فریدی نے کہا۔ حمید جلدی سے پھاوڑا چھوڑ کر ہٹ آیا۔

"کیا...... دھماکا ہوگا......؟" اس نے اس انداز سے کہا کہ انور اور رشیدہ دونوں ہنس پڑے۔

"یار بیکار بھیجا مت چاٹ۔" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ پھر اس نے سول پولیس کے اے
ایس آئی کو بلا کر چند مزدوروں کے لئے کہا۔

"ایک قیاس کی بناء پر میں ایسا کر رہا ہوں۔" اس نے انور سے کہا۔ "یہ تو کلیہ ہے کہ
اگر وہ خود سے کہیں نہیں گیا اب اس کے جانے کی بھی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو اسے

یہیں کمرے ہی میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا یا زندہ لے جایا گیا۔ مار ڈالنے کی صورت میں
کی لاش کو کہیں اور نہ لے گئے ہوں گے جب کہ یہ آدھا یا وہ تہائی بھرا ہوا کنواں قریب ہی موجود

''اور اگر فرض کیجئے کہ وہ اسے زندہ ہی لے گئے ہوں تو۔'' حمید بولا۔

''میں اس کے امکان سے انکار تو نہیں کرتا مجھے اس پر بھی یقین کامل نہیں ہے کہ مار
کی صورت میں بھی انہوں نے اسے اسی کنویں میں دفن کیا ہو...... ممکن ہے وہ اس کو سر
نظر انداز ہی کر گئے ہوں۔''

''تو پھر اسے کھودنے سے کیا فائدہ؟''

''تو جناب حمید صاحب آپ جادوگر تو ہیں نہیں کہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چودھری
لگالیں گے۔ یار تو مجھے ناولوں کا شرلاک ہومز کیوں سمجھتا ہے۔''

''خیر چلئے یہ بھی نہ سہی۔'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اگر انہوں نے اس کی لاش یہاں
بھی ہوگی تو چھ ماہ بعد آپ کیا نکالیں گے؟ وہ کیڑے؟ جو خود بھی خاک ہو چکے ہوں گے۔''

''پھر بھی......!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''مجھے اس چوکور کنوئیں کو دیکھنے کا شوق ہے۔''

''یوں دیکھنے کو آپ تحت الثریٰ بھی دیکھ سکتے ہیں۔ میں آپ کی آنکھیں نہ بند کردا

''اچھا اب براہِ کرم گھر تشریف لے جایئے۔'' فریدی اسے گھور کر بولا۔

''شکریہ۔'' حمید جانے کے لئے مڑا۔

انور وغیرہ کے آنے سے پہلے بھی فریدی اسے گھر واپس جانے کی تاکید کر چکا تھا۔
دراصل پروفیسر درانی کے فون کی توقع تھی اس لئے وہ چاہتا تھا کہ حمید گھر ہی پر موجود رہے
مچھلی کی تصویر دیکھ کر پروفیسر درانی کا چونکنا لازمی تھا۔ ماہر علم الاجسام ہونے کی حیثیت
ہمیشہ ایسی چیزوں کی طرف سب سے پہلے دوڑتا تھا۔ ایک بار شہر میں ایک گائے نے ایسا
تھا جس کے تین سر تھے۔ کئی لوگ اس کے خواہاں تھے لیکن درانی نے سب سے زیادہ ر
کر کے اسے خرید لیا تھا۔ اسی قسم کے کئی اور بھی واقعات تھے۔ جن کی بناء پر یہ سمجھا جاسکتا
وہ اس مچھلی کے لئے ضرور کوشش کرے گا۔''

فریدی کا خیال سو فیصدی صحیح نکلا۔ گھر پہنچتے ہی ایک نوکر نے بتایا۔

''کوئی صاحب صبح سے کئی بار فون کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنا فون نمبر بھی لکھوا دیا ہے کہ
جیسے ہی فریدی صاحب واپس آئیں انہیں بتائے ہوئے نمبروں پر فون کرنے کی تاکید کی جائے۔''

حمید نے نمبر دیکھے پھر ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی۔ وہ نمبر پروفیسر ہی کے ثابت ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد حمید پروفیسر درانی کو فون کر رہا تھا۔

''کون......؟'' دوسری طرف سے عجیب قسم کی آواز آئی۔

''انسپکٹر فریدی۔'' حمید بولا۔

''اوہ......اچھا......!'' غراہٹ سنائی دی۔ ''اس وقت تم پروفیسر درانی بیالوجسٹ سے ہم
کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہے ہو۔''

حمید نے باقاعدہ کان کھڑے کئے اور ناک رگڑ کر بولا۔ ''اشرف! کون اشرف؟''

''اشرف نہیں شرف......!'' غراہٹ کچھ تیز ہوگئی۔

''لیکن......میں شرف نہیں ہوں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے...... مجھے احمد کمال فریدی کہتے
ہیں۔ اکثر انگریز فراڈ بھی کہتے ہیں۔''

''جہنم میں گئے انگریز......!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کیا تم بالکل جاہل ہو؟''

''جی نہیں......کامل بھی یہاں نہیں رہتے۔''

''کامل نہیں......جاہل......جاہل......!'' بڑی زوردار چیخ سنائی دی اور حمید کا کان جھنجھنا اٹھا۔

''کامل تو میں بہت ہوں...... پر آپ کام بتایئے۔''

''جہنم میں جاؤ......!'' یہ بھی چیخ ہی تھی۔

حمید اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔

''میں وہ مچھلی خریدنا چاہتا ہوں۔''

''کون سی مچھلی......؟''

''وہی جس کی تصویر مورننگ نیوز میں شائع ہوئی ہے۔''

''تو بکر مچھ کہئے نا......!''

حمید نے ایک بے ہنگم قہقہے کی آواز سنی اور پروفیسر پھر بولنے لگا۔

''تم آدمی ہو یا مسخرے...... تم نے اس کا نام بھی رکھ دیا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا نام ہو سکتا ہے؟'' حمید بے بسی سے بولا۔

''میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔ کیا قیمت مانگتے ہو؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں نہیں بیچنا چاہتا...... اس لئے کچھ قیمت نہیں مانگتا۔''

''تم لوگوں کو عقل کب آئے گی۔'' پروفیسر غرایا۔ ''تم اسے اپنے کمرے میں رکھ کر مز بغلیں بجاؤ گے اور میں دنیا کے سامنے ایک نیا تجربہ پیش کروں گا۔''

''میں نہیں چاہتا کہ آپ ساری دنیا کو بغلیں بجانے پر مجبور کریں۔'' حمید نے کہا۔

''شٹ اپ......!''

''یو شٹ اپ۔'' حمید نے ریسیور رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ واقعی وہ خوفناک آدمی ہوگا۔ اُ کی آواز ہی کم ڈراؤنی نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد اسے ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ فریدی اور اس کے ملاقاتیوں کا تا بندھ گیا تھا۔ وہ سب اس حیرت انگیز مچھلی کو دیکھنا چاہتے تھے۔ حمید بوکھلا گیا۔ اب انہیں جواب دے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے اسے قریب سے دیکھ لیا تو پول کھل جائے گا۔ ان سے ا نے کہہ دیا کہ وہ ایک لیبارٹری میں بھجوا دی گئی ہے جہاں اسے اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ زیا عرصہ تک خراب نہ ہو سکے۔

انہیں تو خیر کسی نہ کسی طرح سے ٹال دیا۔ لیکن دوسری مصیبت ذرا صبر آزما تھی۔ اس محکمے کے آفیسروں کے فون بھی آنے لگے وہ بھی اسے دیکھنا چاہتے تھے۔ خصوصاً ڈی۔ آئی۔ جی بُری طرح بے تاب تھا۔ حمید نے انہیں بھی وہی جواب دیا جس پر اسے تاکید کی گئی کہ لیبارٹر سے آتے ہی وہ ان تک پہنچائی جائے۔ ان کی بیویاں ان سے زیادہ بے چین تھیں، لہٰذا حم ایک بار پھر سوچنا پڑا کہ عورت زندگی کے ہر شعبے میں تکلیف دہ حد تک وبال جان ہو جاتی ہ اگر خود اس کی کوئی بیوی ہوتی اور وہ اس قسم کی کوئی لغو خواہش ظاہر کرتی تو وہ اس کی ناک اکھ ڈالتا (کان اکھاڑنے کی دھمکی تو سبھی دیتے ہیں)۔

بھنا کر اس نے پھر ریسیور اٹھایا اور پروفیسر چودھری کے فون کے نمبر ملانے لگا۔

''ہیلو...... پانچ سات تین آٹھ...... انسپکٹر فریدی صاحب کو فون پر بلائیے۔'' وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''ہیلو...... میں اُلو کا پٹھا بول رہا ہوں...... وہ سالی بکر مچھ وبال جان ہوگئی ہے۔'' پھر اس نے پوری روداد دہرا دی۔

''صبر کرو بیٹے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کنوئیں سے انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ برآمد ہوا ہے۔''

''کیا......؟'' حمید بوکھلا کر سر کھجانے لگا۔

''انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ۔''

''لنگور کا ڈھانچہ ہوگا۔ پھر سے غور کیجئے۔''

''لنگور انگوٹھی نہیں پہنا کرتے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

حمید نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا اور بڑبڑانے لگا۔

''یہ معاملہ ابھی ختم نہیں ہو سکتا...... ہات تیری تقدیر......!''

دفعتاً باہر کی گھنٹی بجنی شروع ہوگئی۔

''پھر کوئی آیا...... ہات تیری بکر مچھ کی......!''

اس نے جھلا کر جست لگائی اور صوفے پر چڑھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان لوگوں سے کس طرح پیچھا چھڑائے، جو اس مچھلی کے درشن کے لئے جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ نوکر نے ایک کارڈ لا کر دیا۔ یہ پروفیسر درانی کے پرائیویٹ سیکریٹری کا ملاقاتی کارڈ تھا۔ حمید جھلاہٹ میں دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ پہلے سیکریٹری کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر چیخ کر بولا۔ ''گٹ آؤٹ''

''جناب...... جناب......'' سیکریٹری اٹھتا ہوا بولا۔

''بالکل نکل جاؤ...... دور ہو جاؤ۔'' حمید حلق کے بل چیخا۔ ''اگر اس سالے کا دماغ خراب ہے، تو میں بھی کوئی شریف آدمی نہیں۔ وہ کون ہوتا ہے میری مچھلی خریدنے والا...... سالا میری توہین کرتا ہے۔''

حمید نے اسے دھکے دے کر ڈرائنگ روم سے نکال دیا۔ اس کے جانے کے بعد
بڑبڑانے لگا۔ "چلو یہ مرحلہ بھی بخیر وخوبی طے ہوا...... اب کیا کرنا چاہئے...... مگر یہ سالا
گھنٹی پھر بجنی شروع ہوگئی تھی۔

حسین عیارہ

حمید دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ رات کے نو بج چکے تھے، لیکن فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ برآمد ہونے کے بعد ایک بار اس نے اس سے فون پر گفتگو کی تھی اور اس بات کی تاکید تو پہلے ہی کردی تھی کہ وہ اس وقت تک گھر پر موجود رہے جب تک کہ وہ واپس نہ آجائے۔ اس پابندی نے گویا اسے پاگل ہی بنادیا تھا۔ ویسے ہلکی قسم کی دیوانگی دن بھر طاری رہی تھی۔ اس کی زبان میں اس "بکرمچھ" کی زیارت کرنے والوں نے اسے ادھ مرا کر دیا تھا۔ کسی کو ٹالا کسی کی خوشامدیں کیں اور کسی پر جھنجھلایا۔ دن بھر کی بک بک جھک جھک کی بنا پر اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہوگیا اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کافی پئے یا تھوڑی سی برانڈی سپ کرلے۔

دفعتاً اسے باہر کمپاؤنڈ میں رکھوالی کرنے والے کتوں کا شور سنائی دیا۔ پہلے اس نے اس کی طرف کچھ دھیان نہ دیا لیکن جب شور بڑھتا ہی گیا تو وہ جھنجھلا کر باہر نکل آیا۔ عمارت کے بائیں بازو کی طرف چاروں کتے ایک جگہ کھڑے اچھل اچھل کر بھونک رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک بند دروازے کے نیچے کی زمین سونگھنے لگتے تھے۔

حمید نے انہیں ڈانٹا لیکن ان کے جوش میں کمی واقع نہ ہوئی۔

"ابے تم میری جان کو آگئے۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔ "جہنم میں جاؤ۔"

کتے بدستور دروازے کی زمین سونگھ سونگھ کر بھونکتے رہے۔ حمید کے ذہن میں ایک شبہ نے

مارا اور اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر اس پر یہ روشن ہوگئی کہ کوئی اس دروازے سے اندر گھسا ہے کیونکہ اوپر کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا، جو کچھ دیر قبل ہی توڑا گیا تھا۔

حمید نے تین کتوں کو تو وہیں چھوڑا اور ایک کا پٹہ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اندر لایا۔ پھر نوکروں کو دے کر اس نے انہیں بھی ہوشیار کردیا۔ کتا شور مچاتا ہوا ایک طرف بھاگ رہا تھا۔ دفعتاً کمرے کا دروازہ دھڑاکے کے ساتھ بند ہوا اور حمید اس پر پل پڑا۔ کوئی دوسری طرف سے لگا کر چٹخنی چڑھانے کی کوشش کررہا تھا۔ حمید نے ایک بار پھر اپنی پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ ی طرف کوئی گرا اور حمید بھی اپنے ہی زور میں اس پر جاپڑا۔ اسی کے پیچھے کتا بھی تھا جس ایک آدھ پنجے اسے بھی مارے۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اچانک حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کا جسم ہلکا ہوکر ہوا میں اڑنے لگا ہو۔ کیونکہ اس کے نیچے دبا ہوا جسم کسی مرد کا نہیں تھا۔ حمید کی ت ڈھیلی پڑگئی۔ قبل اس کے وہ تڑپ کر نکل جاتی اس نے اس کے بال مضبوطی سے جکڑ لئے یک سریلی چیخ کمرے میں گونج اٹھی۔ بہرحال حمید کے حواس بجا ہوگئے تھے۔ اس نے ایک سے اس عورت کے بال پکڑ رکھے تھے اور دوسرے سے کتے کو دھکیلنے کی کوشش کررہا تھا جو اس مل تھا کہ اپنے شکار کی تکہ بوٹی کرڈالے۔

"پکڑو...... اس خبیث کو۔" اس نے باہر کھڑے ہوئے نوکروں کو للکارا۔ نوکروں نے کتے قابو کرلیا اور شاید اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ حمید انہیں اپنی مدد کے لئے پکارے گا۔ حمید کے بالوں کو پکڑے ہوئے اسے روشنی میں لایا اور پھر اس کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔ ایک خوبرو ما اس کے سامنے کھڑی تھی اور اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے مغربی طرز کا لباس پہن رکھا تھا اور خود بھی کسی مغربی ہی ملک کی باشندہ معلوم ہوتی تھی۔

"کون ہو تم......؟" حمید نے اپنی آواز میں کرختگی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور حمید کو یہ دیکھ کر حیرت ہونے لگی کہ اس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی سراسیمگی ظاہر نہیں ہورہی۔ فریدی کی صحبت میں رہ کر اسے تھوڑی بہت فرنچ اور جرمن بھی آ گئی تھی۔ اس نے ان دونوں زبانوں میں بھی اپنا سوال دہرایا لیکن جواب ندارد۔ وہ اسے

دیوانوں کی طرح گھورے جارہی تھی۔ دفعتاً اس کے ہونٹ کھلے۔

"پپ...... پپ...... پیہہ...... پی...... ہی ہی ہی ہی۔"

وہ حمید کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بے تحاشہ ہنسنے لگی اور حمید گھبرا کر پیچھے ہٹ

"پاگل معلوم ہوتی ہے۔" اس نے نوکروں کی طرف مڑ کر خوفزدہ آواز میں کہا۔ و منہ میں ہاتھ دے سکتا تھا لیکن کسی پاگل عورت سے بھڑنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ جب سمیلی[1] قوم کی ایک پاگل عورت سے اس کا سابقہ پڑا تھا پاگل عورتوں کو دیکھ کر ہی اس کی ر ہو جاتی تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک ہنستی رہی پھر اس نے ایک ایسی حرکت کی کہ حمید نے بوکھلا آنکھیں بند کرلیں۔ شاید نوکروں کی بھی یہی حالت ہوئی تھی کیونکہ وہ اس کے قدموں ک صاف سن رہے تھے لیکن اپنی جگہوں پر اس طرح جمے ہوئے تھے جیسے پتھر کے ہوگئے ہوں۔

"کون ہو تم......؟" حمید نے اچانک فریدی کی آواز سنی اور آنکھیں کھول دیں۔

لیکن وہ اب بھی اسی حالت میں تھی۔ فریدی نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ کر اوپر اٹھ اب وہ اس قابل ہوگئی تھی کہ حمید باقاعدہ اپنی آنکھیں کھول سکے۔ وہ لڑکی اب بھی خاموش

"حمید...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟" فریدی انتہائی غصے میں اس کی طرف مڑا۔

"آپ...... بات......" حمید ہکلایا۔ "بات تو سمجھ لیجئے...... یہ...... یہ...... پاگل۔"

"کون ہو تم......؟" فریدی نے پھر لڑکی سے سوال کیا۔

لیکن وہ کچھ نہ بولی۔

فریدی کبھی حمید کو گھورتا، کبھی لڑکی کو اور کبھی قریب کھڑے ہوئے نوکروں کو۔

حمید نے جلدی جلدی اور ہکلا ہکلا کر اسے پوری بات سمجھانے کی کوشش کی ا

"نوکروں سے پوچھ لیجئے۔"

اسے خوف تھا کہ فریدی کچھ اور نہ سمجھا ہو۔ فریدی نے نوکروں کو جانے کا اشارہ کیا کو ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔

[1] جاسوسی دنیا کا گیارہواں ناول "پہاڑوں کی ملکہ" جلد نمبر 3 ملاحظہ فرمائیے۔

"اس کے ہاتھ نہ چھوڑیئے گا...... ورنہ......!" حمید نے کہا۔

"بکومت......!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ پھر لڑکی سے انگریزی میں پوچھنے لگا۔ "تم کون ہو یہاں کیوں آئی تھیں......؟"

"یہ سُور......!" لڑکی نے حمید کی طرف اشارہ کیا اور رو پڑی۔

"کیوں......؟" فریدی گرج کر بولا۔

"ارے خدا کی قسم......" حمید بوکھلا کر بولا۔ "یہ مکار جھوٹی ہے...... نوکروں سے......!"

"خاموش رہو۔" فریدی چیخا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ "بہتر ہے کہ تم اسی وقت ٹھی سے نکل جاؤ۔ میں تمہیں اتنا ذلیل نہیں سمجھتا تھا۔"

"آپ سنئے تو سہی۔"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

"تو جہنم میں جایئے۔" حمید نے جھلاہٹ میں اپنے قریب پڑی ہوئی چھوٹی میز کو ٹھوکر ری اور کمرے سے نکل گیا۔ اس نے تیزی سے پائیں باغ طے کیا اور پھاٹک کے باہر نکل گیا۔ ے سے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑی دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا ر پھاٹک کی طرف لوٹ آیا۔ سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے لیکن وہ پتلون کی جیب میں تھ ڈالے پھاٹک سے چپکا کھڑا رہا۔ اسے اس لڑکی کے برجستہ جھوٹ پر حیرت ہو رہی تھی اور کی ذہانت پر بھی...... وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ لڑکی کس طرح کوٹھی میں داخل ہوئی تھی اور اس کا مقصد بھی اس کے ذہن میں نہیں تھا۔ وہ تو بس ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اندر سے کیلی باہر نکلی تو یہ تاریک سڑک کام دے گی۔

اب اسے فریدی پر بھی غصہ نہیں تھا۔ اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس نے کن الفاظ میں اس کی توہین کی تھی۔ ٹھنڈک کے ساتھ بس ایک ہی خیال اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ پھاٹک کے اندر قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ پیچھے سرک گیا۔ اس نے سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا...... اس لئے تاریکی میں اس کے دیکھ لئے جانے کے امکانات کم تھے۔

فریدی اور وہ لڑکی پھاٹک پر آ کر کھڑے ہوگئے تھے۔

”مجھے اس واقعے پر انتہائی افسوس ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ بچ گئیں۔“ ز
سے کہہ رہا تھا۔

”میں اس کی رپورٹ ضرور کروں گی۔“ لڑکی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

”بیکار.....!“ فریدی بولا۔ ”بات بڑھانے سے کیا فائدہ.....اس سے آپ کی بھی بدنامی

”خیر.....!“ لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ ”یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یہ
ملک ہے۔“

پھر حمید نے قدموں کی آواز سنی۔ وہ لڑکی اس کے قریب سے ہوکر گزری اور فر
واپس چلا گیا۔

حمید دبے پاؤں کچھ دور تک اسکے پیچھے چلتا رہا۔ پھر دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑا۔

”ٹھہرو تو ڈارلنگ.....!“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں آسمان کے سارے ستارے زمین پر اتر آئے۔ د
کنپٹی پر پڑا اور کچھ ستارے حمید کی آنکھوں میں گھس گئے اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ کسی نے
اس پر حملہ کیا تھا۔

اور پھر اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو اپنے بستر پر پایا۔ فریدی اس پر جھکا ہوا تھا۔

”حمید..... پیارے مجھے معاف کردو۔“ فریدی کے لہجے میں ندامت تھی۔

حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی دونوں کنپٹیاں سہلائیں، جو ابھی تک دکھ رہی
فریدی کو گھورنے لگا۔

”سچ مچ وہ مجھے چوٹ دے گئی۔“ فریدی پھر بولا۔

حمید نے قہقہہ لگایا اور چیخ کر بولا۔ ”ایشیا کا عظیم سراغ رساں زندہ باد۔“

پھر بُرا سا منہ بنا کر لیٹ گیا کیونکہ چیخنے پر اسے چکر آ گیا تھا۔

”یار وہ اس حالت میں تھی کہ میں یہی سمجھا۔“ فریدی پھر حمید پر جھک کر بڑبڑایا
ہاتھ کے اشارے سے جانے کو کہا۔

”آپ مجھے اتنا لوفر سمجھتے ہیں۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔ ”لیکن میں..... مجھ پر کس

تھا؟ میں سمجھا شاید آپ.....!“

”قطعی نہیں..... میں اسے پھاٹک تک چھوڑ کر واپس آیا۔ تم پر شدید غصہ تھا۔ اس لئے
کھانا بھی ٹال کر سیدھا سونے کے کمرے میں چلا آیا..... اور پھر..... وہ ٹرانسمیٹر ..... اور وہ
چھڑی..... دونوں غائب تھے۔“

حمید نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس وقت وہ خود کو ایک عظیم الشان ہیرو سمجھ رہا تھا..... حالانکہ وہ
اسے بھی پاگل بن کر ڈرا چکی تھی اور صاف نکلی جارہی تھی لیکن پھر بھی وہ اس وقت فریدی کا مضحکہ
اڑانے پر تل گیا تھا۔ دفعتاً ایک خیال اس کے ذہن میں گونجا۔ آخر وہ ٹرانسمیٹر اور چھڑی کس
طرح لے گئی۔

”لیکن وہ غالباً خالی ہاتھ تھی۔“ حمید نے کہا۔

”اور وہ خود اس طرح تمہیں بیہوش بھی نہیں کرسکتی تھی۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں
دیکھتا ہوا بولا۔ ”صاحبزادے اس لئے کوٹھی میں گھسی تھی کہ گھر کے سارے افراد کو کسی ایک جگہ اکٹھا
کرلے اور اس کے ساتھی اپنا کام کر جائیں۔ چاروں رکھوالی کرنے والے کتوں کی لاشیں باہر
کمپاؤنڈ میں پڑی ہوئی ہیں۔“

”ارے.....!“ حمید کے لہجے میں تحیر تھا۔ ”انہیں کس نے اور کب مارا.....؟“

”یہ تو میں نہیں بتا سکتا لیکن ان پر بھی وہی زہریلے تیر چلائے گئے ہیں۔ یہ چاروں تیر
بالکل ویسے ہی ہیں جیسا وہ تیر تھا۔“

”کون سا.....؟“

”وہی جس سے چودھری کی کوٹھی میں ایک غیر ملکی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔“

حمید اپنی خشک زبان تالو سے رگڑنے لگا۔ فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر بولا۔ ”وہ
دونوں چیزیں کمرے میں نہ پاکر مجھے تمہاری مظلومیت کا احساس ہوا اور میں کوٹھی سے نکل کر
سڑک کی طرف دوڑا۔ حالانکہ یہ سو فیصدی حماقت تھی لیکن اگر مجھ سے یہ حماقت سرزد نہ ہوتی تو تم
سردی سے اکڑ گئے ہوتے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے سر کا درد حد سے تجاوز کرتا جارہا تھا۔

"میں سمجھا تھا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کہ شاید اس کا تعلق پروفیسر درانی سے ہے۔"

"خوب یاد دلایا۔" فریدی چونک کر بولا۔ "اس ٹرانسمیٹر یا اس چھڑی کے جانے کا افسو نہیں کیونکہ اس کے ذریعے مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا کر چکا۔ لیکن اس وقت اس لڑکی نے بچ میرے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر دیں۔"

"کیا مطلب......؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا۔ حمید پر غنودگی طاری ہوگئی تھی۔ لیکن اس کی آہٹ پر وہ چو پڑا۔ فریدی جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس نے آواز دی۔

"میں جاگ رہا ہوں۔"

"نہیں سوجاؤ۔"

"کیا بھوکا ہی سو رہوں۔" حمید جھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"شاید تم مرتے وقت بھی یہی کہو گے۔" فریدی ہنس پڑا۔

اس نے ایک نوکر کو آواز دے کر وہیں کھانا لانے کو کہا اور شرارت آمیز نظروں سے حمی دیکھتا رہا۔

"کیا مطلب......؟" حمید اسے گھورنے لگا۔

"یار مجھے اس لڑکی کی حرکت پر ہنسی آرہی ہے۔ اس نے تو تمہارا سر ہی تڑوا دیا ہوتا...... جانے میں کیا سوچ کر کچھ نہیں بولا...... ورنہ دل یہی چاہا تھا کہ تمہاری مرمت کر دوں۔"

"تو قبلہ فریدی صاحب۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "میں اتنا کمزور بھی نہ ہوں جتنا ظاہر کرتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم معمولی مرمت سے ٹوٹ پھوٹ نہیں سکتے۔" فریدی مسکرایا۔

"خیر اگر کبھی اس کا موقع آگیا تو یہ بھی ظاہر ہو جائے گا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "میں نے جگدیش کو فون کیا ہے کہ میر یہاں چوری ہوگئی۔ وہ رپورٹ لکھنے کے لئے آ ہی رہا ہوگا۔"

"لیکن آپ تو اس ٹرانسمیٹر اور گارساں والے معاملے کو چھپانا چاہتے تھے۔"

"قطعی اسے تو چھپانا ہی پڑے گا۔ ورنہ کسی وقت بھی موت سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ ارساں نے خود کو آزاد رکھنے کے لئے بہت کشت و خون کیا ہے وہ ہم پر کہیں بھی اور کسی بھی ت حملہ کر سکتا ہے۔"

"پھر آپ نے چوری کی رپورٹ کیوں کی ہے۔"

"یہ پوچھو کہ کس چیز کی چوری کی رپورٹ کی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "حقیقتاً وہ مچھلی رائی گئی ہے۔"

"مچھلی......!" حمید حیرت سے بولا۔ "اسے تو آپ نے تصویر کھینچ جانے کے بعد ہی اورچی خانے میں پہنچا دیا تھا۔"

"شاید ان گھونسوں نے تمہارے اسکریو ڈھیلے کر دیئے ہیں۔ صاحب زادے اگر اس کی چوری کی رپورٹ نہیں کروں گا تو کل آفیسروں کو دکھاؤں گا کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کے رشن کے لئے بُری طرح بے چین ہیں۔ دوسری بات! رپورٹ لکھوانے کے سلسلے میں کسی نہ کسی پر شبہ بھی ظاہر کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے میں نے پروفیسر درانی کو منتخب کیا ہے۔"

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی بولتا رہا۔ "شبہے کی وجہ بھی لکھوانی پڑے گی۔ اس کے لئے میں آج شام کا اخبار پیش کر دوں گا۔ جس نے یہ خبر چھاپی ہے کہ پروفیسر درانی کے لاکھ اصرار کے باوجود بھی انسپکٹر فریدی نے اس عجیب و غریب مچھلی کو فروخت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔"

"آخر اس سے فائدہ......؟" حمید نے پوچھا۔

"اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ میں پروفیسر درانی کے گھر کی تلاشی لینے کے لئے وارنٹ حاصل کر سکوں گا جس کے لئے میں بُری طرح بیتاب ہوں۔ اس کے گھر میں شلائر کی موجودگی کوئی خاص معنی رکھتی ہے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ شلائر کا تعلق پروفیسر چودھری کی کوٹھی میں ہونے والے واقعات سے بھی ہے۔"

"ان ہڈیوں کے ڈھانچے کے متعلق تو میں بھول ہی گیا۔" حمید نے کہا۔

"وہ پروفیسر چودھری ہی کا ہے۔"

"آپ یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"

"انگلی کی ہڈی میں پھنسی ہوئی ایک انگوٹھی یہی ظاہر کرتی ہے۔ مسز چودھری نے ا[س کی] شناخت کرلیا ہے۔"

"بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ شاید وہ اس وقت اس معاملے [پر] بہت سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔

"پیچیدہ ترین کہو۔" فریدی نے سگار سلگانے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر چونک کر بو[لا]

"ابھی تک کھانا نہیں آیا۔"

عامرہ

دوسری صبح حمید نے لباس کے انتخاب۔ کے سلسلے میں سلیقے اور نفاست کی حد کردی۔ ا[یک] ایوننگ ان پیرس کی آدھی شیشی صاف ہوگئی۔ وہ مسز چودھری کی پینٹ کی ہوئی تصویر کو گوشت پوست میں دیکھنے جا رہا تھا۔ پروفیسر درانی کے گھر کی تلاشی لینے کے سلسلے میں سارے انتظام[ات] مکمل ہوگئے تھے اور کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش اس وقت فریدی ہی کی کوٹھی میں موجود تھا اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے اور وہ بار بار فریدی کی طرف نظریں اٹھاتا جو سلیپنگ گاؤن میں لپٹا ہوا شیو کر رہا تھا۔

"معاملہ بڑے آدمی کا ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"پھر......؟" فریدی ہاتھ روک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہاں آپ کی موجودگی قطعی غیر قانونی ہوگی۔"

"مجھے قانون نہ پڑھایئے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"آپ تو بگڑ گئے۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔"

"بس جو میں آپ سے کہوں کرتے جایئے...... میں سب کچھ اپنی ذمہ داری پر کر رہا ہوں۔"

جگدیش خاموش ہوگیا۔ وہ انسپکٹر فریدی کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا اور اسے اتنی ترقی اسی کے طفیل نصیب ہوئی تھی۔ اس نے کئی پیچیدہ کیسوں میں نہ صرف اس کی رہنمائی کی تھی بلکہ عملی طور پر اس کا ہاتھ بٹایا تھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"معاف کیا گیا۔" فریدی نے اکڑ کر کہا اور ہنسنے لگا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔

"جگدیش صاحب! یہ محض اس مچھلی کا معاملہ نہیں ہے۔"

"پھر......؟"

"ابھی کچھ نہ پوچھو۔ آہستہ آہستہ خود ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

شیو کر چکنے کے بعد فریدی نے لباس تبدیل کیا اور پھر وہ ناشتے کی میز پر آ بیٹھے۔

"اپنے کانسٹیبلوں اور محرر کو بھی ناشتہ بھجوا دو۔" فریدی نے جگدیش سے کہا پھر اس نے اردلی کو بلا کر اس کے متعلق ہدایات دیں۔

"بھائی حمید تو بڑے زوروں پر جا رہے ہیں۔" جگدیش اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔

"تم بھی زوروں پر ہوتے۔ مگر تمہیں تو سڑی بسی وردی لادنی پڑتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"اور سنایئے! اس درمیان میں آپ کو کسی سے عشق ہوا یا نہیں؟"

"ایک برہمن کے لڑکے پر مرمٹا ہوں مگر کیا کروں کہ اس کے سیاں کوتوال ہیں اور وہ خود کوتوالی انچارج۔"

جگدیش جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ پروفیسر چودھری کا کیا معاملہ ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"اتنا ہی میں بھی جانتا ہوں جتنا کہ تم......!" فریدی بولا۔

"مگر ہے معاملہ حیرت انگیز...... کہیں یہ اس کی عورت ہی کی حرکت نہ ہو...... سائنٹسٹ

عموماً خشک طبیعت کے ہوا کرتے ہیں۔ وہ ایک رنگین مزاج عورت ہے۔ آرٹسٹ بھی ہے۔
ہے کہ اس کے کسی عاشق نے اسے قتل کر کے یہیں دفن کر دیا ہو۔"

"ضروری نہیں کہ ہر آرٹسٹ عورت عاشق بھی رکھتی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ضروری
کہ ہر رنگین مزاج عورت اپنے شوہر سے بے وفائی ہی کرے۔"

"آپ عورتوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔ "اس لئے اس موضوع پر
ڈالنے سے گریز کیا کیجئے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن پچھلی رات کو......!"

"یہ حلوہ بھی کھائیے نا۔" حمید جلدی سے بولا اور پھر اس کی زبان تیزی سے چلتی
"آپ کی خوراک روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ رنگ پیلا پڑتا جا رہا ہے۔ آنکھوں کے گرد
پڑ گئے ہیں۔ دماغ جھائیں جھائیں کرتا ہوگا۔ خوب ڈٹ کر کھایا کیجئے ورنہ آنکھوں کے سا
نیلی پیلی چنگاریاں اڑنے لگیں گی اور محصول ڈاک بذمہ خریدار ہو جائے گا۔"

"پچھلی رات......!"

"بھائی جگدیش! تم تکلف کر رہے ہو۔" حمید تیزی سے جگدیش کی طرف مڑ کر بولا۔
جیلی......انڈے تم نے کھائے ہی نہیں......اماں تم تو سبزی کور کبھی نہیں تھے۔"

"پچھلی رات بڑی خوشگوار تھی۔" فریدی نے اکتا کر جملہ پورا کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا
کہیں دیر نہ ہو جائے۔

ناشتے کے بعد ان کی پارٹی پروفیسر درانی کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی۔

کمپاؤنڈ میں سناٹا تھا۔ برآمدے میں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ ایک کمرے کے دروازے پر ا
تختی لگی ہوئی تھی جس پر "سکریٹری" لکھا تھا۔ لیکن یہ کمرہ بھی بند تھا۔ پھر وہ صدر درواز
آئے اور فریدی بار بار گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔ پوری عمارت کا کوئی بھی دروازہ کھلا ہوا دکھائی نہ
دیا......حتیٰ کہ کھڑکیاں تک بند تھیں۔

فریدی کافی دیر تک گھنٹی بجاتا رہا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد اندر قدموں کی آہٹ سنائی دی
دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت سی بھولی بھالی لڑکی دکھائی دی جس کے ایک ہاتھ میں کنگھا تھا ا

ں ہاتھ تیل میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے؟" اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"پروفیسر کو باہر بھیج دیجئے۔" فریدی اپنی فلٹ ہیٹ اتارتا ہوا نرم لہجے میں بولا۔

"باہر......!" لڑکی اسے گھورتی ہوئی بولی۔ "وہ کبھی باہر نہیں آتے۔ تم لوگ چپ چاپ
جاؤ......آج مجھے پہلی بار موقع ملا ہے کہ میں اپنے ڈیڈی کے بال سنوار سکوں۔"

"آپ ان سے کہئے کہ پولیس گھر کی تلاشی لینا چاہتی ہے۔"

"وہ میری نہیں سنیں گے! آپ لوگ جائیے۔"

"تب پھر ہمیں مجبوراً......زبردستی گھر میں گھسنا پڑے گا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر ہنس کر بولی۔

"چلو میں تمہیں ڈیڈی سے ملاؤں......اب وہ سب سے مل سکیں گے۔ میرے ڈیڈی بہت
ے آدمی ہیں......آئیے۔"

"سکریٹری کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں!"

وہ اس کے پیچھے گھر میں داخل ہوئے۔ پوری عمارت سنسان پڑی تھی۔ انہیں ایسا معلوم
ہوتا تھا جیسے وہ کسی ویران مقبرے میں چل رہے ہوں۔ ان کے قدموں کی آوازیں اونچی چھت
کے کمروں میں بازگشت پیدا کر رہی تھیں۔ لڑکی انہیں پروفیسر کے سونے کے کمرے میں لے آئی۔

اور پھر ان میں سے کئی اپنی چیخیں نہ روک سکے۔ پروفیسر اپنے پلنگ پر چت پڑا تھا لیکن
اس کی گردن کٹی ہوئی تھی۔ خون بستر پر جم کر سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ اس کے بال تیل سے بھیگے
ہوئے تھے اور انہیں بڑے سلیقے سے سنوارا گیا تھا۔ شاید ڈاڑھی میں بھی کنگھا کیا گیا تھا۔

فریدی تحیر آمیز نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"دیکھو! میرے ڈیڈی کتنے اچھے لگتے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے
کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ "وہ سب کے سب بت بنے کھڑے رہے۔"

"میں سوچا کرتی تھی کہ ڈیڈی کے سر میں تیل ڈالوں۔ ان کے بال سنواروں، گھنٹوں ان

کا سر سہلاؤں لیکن وہ مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ بڑے خراب ہیں ڈیڈی۔" اس
اس طرح منہ بنایا جیسے ڈیڈی سے روٹھ گئی ہو۔ پھر ہنس کر بولی۔ "مگر...... آج ڈیڈی نے کچھ
کہا۔ میں ایک گھنٹے سے ان کا سر دبا رہی تھی...... دیکھو...... دیکھو...... انہوں نے آج تمہیں
کچھ نہیں کہا...... ورنہ وہ ملنے والوں کو مار بیٹھتے تھے...... میرے ڈیڈی اچھے ہو گئے......!" اس
نے بچوں کی طرح تالی بجائی اور جھک کر مردہ پروفیسر کی پیشانی چوم لی۔

جنہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ رو پڑیں گے چپ چاپ کمرے سے نکل گئے۔ ان میں
حمید بھی تھا۔ وہ ایک دوسرے خالی کمرے میں جا کر بے تحاشہ رونے لگا۔

اس کے ذہن کی نہ جانے کون سی گرہ اچانک کھل گئی تھی۔

"یہ تمہارے ڈیڈی ہیں؟" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ہاں...... ہاں...... تمہیں یقین کیوں نہیں آتا...... میں سمجھ گئی۔" وہ بچوں کی طرح ہنس
کر بولی۔ "انہوں نے تمہیں مارا نہیں۔ اس لئے تم انہیں ڈیڈی نہیں سمجھتے...... ڈیڈی اچھے
ہو گئے...... اب وہ کسی سے جھگڑا نہیں کریں گے...... کسی کو نہیں ماریں گے...... میں ڈیڈی سے
ڈرتی ہوں...... مگر انہوں نے مجھے کبھی نہیں مارا...... دیکھو دیکھو! آج ڈیڈی کے بال کتنے اچھے
لگ رہے ہیں...... میرے ڈیڈی۔" اس نے پھر لاش کی پیشانی چوم لی۔

"بی بی ہوش میں آؤ۔" جگدیش کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں بے ہوش کب ہوں۔ تمیز سے بات کرو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں عامرہ درا
ہوں۔" اس نے کہا اور پروفیسر کے سرہانے بیٹھ کر اس کی ڈاڑھی میں کنگھا کرنے لگی۔

فریدی باہر نکل آیا۔ وہ حمید کو تلاش کر رہا تھا۔ اس نے اسے ایک کمرے میں روتے دیکھا

"حمید......!" فریدی نے اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور اس نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے

"اس لڑکی کو گھر لے جاؤ...... مسز چودھری کو فون کر کے بلا لینا۔"

حمید کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔

"مرد کے پہلو میں پتھر کا جگر ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا اور پھر اسی کمرے میں چلا آیا
جگدیش وغیرہ خاموش کھڑے تھے اور عامرہ سر جھکائے ہوئے اپنے مردہ باپ کے بالوں

لی کنگھی کر رہی تھی۔

"سنو بیٹی۔" فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ "میں تمہارے ڈیڈی کا دوست ہوں...... کیا تم
رے گھر چلو گی؟"

"ڈیڈی نہیں جانے دیں گے۔" اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "وہ مجھے کہیں نہیں
نے دیتے۔"

"میرے یہاں جانے سے نہیں روکیں گے۔"

"مگر میں ڈیڈی کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی۔"

"ابھی واپس آ جانا...... شاباش...... بڑی اچھی بیٹی ہے۔"

"اچھا آپ کے یہاں ننھے ننھے بچے ہیں۔" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں...... ہاں......!"

"آپ کی بیوی پیانو پر گیت گاتی ہیں۔"

"ہاں...... تم چلو تو سہی...... سب کچھ ہے۔"

"لیکن میں انہیں کہوں گی کیا......؟" وہ خود سے باتیں کرنے لگی۔ "ڈیڈی کے دوست
ا...... بس میں انہیں چچی ماں کہوں گی...... اور بچے کو منا بھیا...... میرا منا بھیا۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس طرح سینے پر رکھ لئے جیسے سچ مچ کسی منا بھیا کو لپٹا رہی ہو۔

"میں چلوں گی۔" وہ اٹھ کر بولی۔

فریدی اسے لے کر باہر آیا...... پھر اسے حمید کے سپرد کر کے فرانسیسی زبان میں بولا۔
اور صاحب کی بیوی اور ان کے چھوٹے بچوں کو بھی بلوا لینا۔" اور مختصراً اسے سب کچھ بتا دیا۔

"کس زبان میں بول رہے ہیں آپ......؟" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"فرانسیسی میں بیٹی! میں انہیں سمجھا رہا تھا کہ وہ تمہاری چچی ماں سے کہہ دیں گے کہ وہ
اری خوب خاطر کریں۔ تمہیں پیانو پر گیت سنائیں۔"

"یہ کون ہیں؟"

"میرے بھائی ہیں۔"

حمید اسے لے کر چلا گیا۔

"اچھا تو میاں جگدیش......!" فریدی نے کہا۔ "اب تم آفیسروں کو فون کرنا شروع کر دو۔"

"لیکن...... یہ آخر ہوا کیا......؟"

"اس پر فون کرنے کے بعد غور کرنا۔"

آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر کوٹھی میں شہر کے سارے بڑے بڑے آفیسر اکٹھا ہو گئے۔

"آپ تلاشی کے لئے آئے تھے؟" کلکٹر نے جگدیش سے پوچھا۔

"تو پھر یہاں ان کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔" اس نے فریدی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں اس تلاشی کے سلسلے میں نہیں آیا......؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ اور بات ہے میں اور یہ ایک ہی وقت پر یہاں پہنچے۔ میں دراصل پروفیسر چودھری والے کیس کے سلسلے یہاں آیا تھا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ کل پروفیسر چودھری کے یہاں ایک بند کنوئیں سے ا ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ برآمد ہوا ہے اور ایک انگوٹھی کی بناء پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ وہ ڈھانچہ پر چودھری ہی کا ہے۔ دونوں پروفیسروں کے قریبی تعلقات تھے اس لئے میں نے مناسب سمجھا پروفیسر درانی سے مل کر چودھری کے متعلق دریافت کروں...... لیکن...... اسے بھی کسی نے قتل کر دیا"

کلکٹر خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اس کی لڑکی کہاں گئی؟ نوکر کہاں ہیں؟"

"لڑکی کا دماغ الٹ گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "نوکر تھے ہی نہیں...... ایک سیکر تھا...... وہ بھی لاپتہ ہے۔"

"لیکن لڑکی ہے کہاں؟"

"میرے گھر پر...... میں نے اسے گھر بھجوا دیا...... یہاں اس کی موجودگی ٹھیک نہیں تھی۔"

"لیکن آپ نے یہ سب اپنی مرضی سے کیوں کر ڈالا۔"

فریدی اپنے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑا۔ شاید وہ اس سوال کا جواب اس سے دلوانا چاہتا تھا۔

"بات یہ ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی جلدی سے بولا۔ "انسپکٹر فریدی کے پاس ایک مخصوص اجازت نامہ ہے، جو انہیں اوپر والوں سے ملا ہے۔ مخصوص حالات میں وہ اس کی رو سے ملک کے

کبھی بھی کسی بھی کیس میں دخل انداز ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن کم از کم ہمارا انتظار تو کیا ہوتا۔" کلکٹر بولا۔

"یقین کیجئے کہ مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ اگر وہ تھوڑی دیر اور ٹھہرتی تو شاید اس کا ہارٹ فیل ہو جاتا اور ہمیں ایک متوقع گواہ سے ہاتھ دھونے پڑتے۔"

تھوڑی دیر بعد محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر نے کیمرے سنبھال لئے۔

پورے کمرے کی متعدد تصویریں لی گئیں۔ فریدی بہت زیادہ مشغول تھا۔ لیکن کوئی کام کی بات دریافت نہ ہو سکی۔ قاتل یا قاتلوں نے کسی قسم کے نشانات نہیں چھوڑے تھے۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ قتل پچھلے بارہ گھنٹوں سے پہلے کسی وقت ہوا۔ اندازہ دس اور گیارہ بجے رات کے درمیان کا تھا۔ دوسری طرف پولیس کی ایک پارٹی کوٹھی کی تلاشی لے رہی تھی۔

فریدی جائے واردات سے ہٹ کر ایک دوسرے کمرے میں آ گیا۔ اس کے ماتھے کی شکنیں ابھری ہوئی تھیں۔

اس نے پرخیال انداز میں سگار سلگایا اور اسے ہونٹوں میں دبائے کھڑا رہا۔ اتنے میں اس محکمے کا ڈی۔ آئی۔ جی بھی اسی کمرے میں آ گیا۔ فریدی نے سگار جلدی سے ہونٹوں سے نکالا اور پشت پر چھپا لیا۔

"تکلفات کی ضرورت نہیں۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ کر سگار پھر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"مجھے تو بہرحال ڈسپلن کا خیال رکھنا چاہئے۔" فریدی بولا۔

"خیر...... خیر......!" ڈی آئی جی بزرگانہ انداز میں مسکرایا۔ "اگر ضدی نہ ہوتے تو شاید اس وقت میں تمہارا ماتحت ہوتا...... ہاں...... چھوڑو، ان باتوں کو...... تمہاری وہ مچھلی تو برآمد نہیں ہوئی۔"

"جناب والا...... وہ محض ایک سٹنٹ تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"سٹنٹ تھا......؟" ڈی۔ آئی۔ جی نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں...... ہاتھ کی ایک معمولی سی صفائی...... بکری کا سر اور مچھلی کا دھڑ جمانا مشکل کام نہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے...... لیکن......!"

"چودھری والے کیس کے سلسلے میں اس گھر کی تلاشی لینا چاہتا تھا۔" فریدی نے اس کی

بات کاٹ کر کہا۔ "لہٰذا میں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ مگر اب خود اس کا قتل یہ ظاہر کر رہا ہے کہ سازش کی ڈور کہیں دور الجھی ہے۔" فریدی نے اپنی آواز دھیمی کر دی۔

"اس درمیان میں پروفیسر چودھری کی کوٹھی غیر ملکی جاسوسوں کا اکھاڑہ بنی رہی ہے۔"

"کیا مطلب......؟" ڈی۔آئی۔جی چونک کر بولا۔

"اطمینان سے تنہائی میں بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اسے مصلحتاً ضابطے کی رپورٹ میں نہ دے سکوں گا۔"

"میں جانتا ہوں۔" ڈی آئی جی مسکرا کر بولا۔ "تم کسی کیس کے دوران تفتیش میں کم ڈھنگ کی رپورٹ نہیں دیتے۔"

"لیکن میں صرف آپ کو سب کچھ بتا دوں گا اور پھر آپ ہی اس کی راز داری کی اہمیت انداز لگا سکیں گے۔"

ڈی۔آئی۔جی چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد باقی آفیسر بھی چلے گئے۔ صرف ایک ڈی۔ایس۔پی تین سب انسپکٹر اور چند کانسٹیبل رہ گئے۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا دی گئی۔ باہر پریس رپورٹروں اور پبلک کا ہجوم تھا۔ پروفیسر کے قتل کی خبر آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی تھی اور پھر ریڈیو کی لہروں نے اسے ساری دنیا میں منتشر کر دیا تھا۔

فریدی نے کوٹھی کا پھاٹک بند کروا دیا اور پھر اس نے کوٹھی کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ ایک گھنٹے کی تھکن کے باوجود بھی ایسی کوئی چیز نہ مل سکی جس سے کسی خاص راستے کی طرف رہنمائی ہو سکتی۔

فریدی کے ذہن میں کئی طرح کے خیالات ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں عامرہ ہی اپنے باپ کی قاتل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ اس گھر میں ایک طرح سے قید تھی اور قید بھی کیسی؟ قید تنہائی...... وہ اسے کہیں جانے نہیں دیتا تھا اور نہ کسی کو اپنے گھر میں قدم رکھنے دیتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے تنگ آ کر اسے قتل ہی کر دیا ہو۔ اور پھر اس کے بعد اچانک اس کا دماغ الٹ گیا ہو یا ممکن ہے کہ وہ مصلحتاً خود کو پاگل ظاہر کر رہی ہو۔

دوسری طرف سیکریٹری کا مسئلہ تھا۔ آخر وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ عامرہ یہ بھی نہ بتا سکی تھی

پچھلی رات کو موجود تھا یا نہیں۔ اس کی شخصیت پر بھی کوئی روشنی نہ پڑ سکی۔ وہ کون تھا؟ اس کا کیا تھا؟ مستقل سکونت کہاں تھی؟ اکثر کاغذات پر اس کے دستخط ضرور ملے تھے لیکن دستخط سے اندازہ لگانا ناممکن نہیں تو عام حالات میں دشوار ضرور ہوتا ہے اور پھر اس کے دستخط میں تو سرے ہی سے غائب تھے۔ وہ صرف چند آڑی ترچھی لکیروں سے مرکب تھی۔ عامرہ کی ذہنی یا اکتسابی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس سے کوئی کام کی بات معلوم ہو سکے۔

کوٹھی پر باقاعدہ پہرہ لگ گیا تھا اور اب ایک مجسٹریٹ کی موجودگی میں سامان کی فہرست بنائی جا رہی تھی۔

فریدی کی موجودگی غیر ضروری تھی کیونکہ وہ پہلے اپنے طور پر تلاشی لے چکا تھا۔ وہ گھر واپس آیا۔ بیرونی برآمدے میں قدم رکھتے ہی اسے بچوں کے شور کی آواز سنائی دی۔ ڈرائنگ روم میں فریدی کے پڑوسی داور صاحب کے بچے اکٹھا تھے اور عامرہ ان کے سب سے چھوٹے بچے کو گلے لگائے بھینچ بھینچ کر پیار کر رہی تھی۔ اس کی عمر سولہ اور اٹھارہ کے درمیان رہی ہوگی۔ لیکن وہ اس وقت ایک ننھی منی سی معصوم لڑکی لگ رہی تھی۔

فریدی کو دیکھتے ہی وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی۔

"آپ آ گئے...... آپ کا گھر بہت اچھا ہے۔ چچی ماں اچھی ہیں۔ انہوں نے مجھے خوب ... اور یہ منا بھیا۔" اس نے زور سے بچے کو پیار کیا۔

"میں اسے نہیں دوں گی...... ڈیڈی کو بھی یہیں لائیے نا...... آپ ڈیڈی کے بہت اچھے ... ہیں۔"

"ہاں بیٹی! میں انہیں بھی لاؤں گا۔" فریدی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"مگر آپ چچی ماں سے بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔" عامرہ نے قہقہہ لگایا۔

"تم نے پیانو پر گیت سنا......؟" فریدی نے اس کی بات اڑا کر کہا۔

"چچی ماں کو گانا آتا ہی نہیں۔" اس نے مایوسی سے کہا۔ "مگر وہ دوسری جو ہیں انہوں نے سنایا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ میں بھی تمہاری چچی ہوں۔ کیا وہ آپ کے بھائی کی بیوی ہیں؟"

اتنے میں مسز چودھری اور داور صاحب کی بیوی اندر سے آ گئیں اور دونوں کی آنکھ
سرخ ہو رہی تھیں۔ شاید وہ دیر تک روئی تھیں۔ فریدی سوچنے لگا کہ عامرہ مسز چودھری کو
پہچان سکی۔

"عامرہ بیٹی۔" فریدی نے کہا اور مسز چودھری کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "کیا تم
انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا......؟"

"نہیں ...... میں نے نہیں دیکھا ہے۔ مگر یہ بہت اچھی ہیں۔ انہوں نے مجھے کہ
سنائے تھے...... اب ڈیڈی کو لے آیئے نا...... میرے ڈیڈی یہاں آ کر خوب ہنسیں گے
آپ نے بندر بھی پال رکھے ہیں وہ ان کی اچھل کود دیکھ کر خوب ہنسیں گے...... مگر...... آپ
بندروں اور اپنے پرندوں کی کافی دیکھ بھال رکھئے گا ورنہ ڈیڈی انہیں لیبارٹری میں لے جا کر
کی چیر پھاڑ کر دیں گے۔"

"انہوں نے تمہاری تصویر بھی تو بنائی تھی۔" فریدی نے پھر مسز چودھری کی طرف اشارہ

"نہیں تو...... آپ جھوٹ کہتے ہیں۔"

"ہاں بیٹی...... تمہیں چودھری چچا یاد ہیں؟"

"کون چودھری چچا...... میں نہیں جانتی۔ جایئے! ہم کھیل رہے ہیں۔"

فریدی وغیرہ وہاں سے ہٹ آئے۔ عامرہ بچوں میں کھیل رہی تھی۔

"یک بیک یہ کیا ہو گیا؟" مسز چودھری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اس لڑکی
حالت دیکھ کر تو میں اپنا غم بھول گئی ہوں۔"

"وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ کئی گھنٹے تک باپ کی لاش کے پاس
رہی ہے۔"

"اس بچی کا اب کیا ہو گا......؟" مسز داور نے پوچھا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا...... حمید کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں!"

فریدی حمید کے کمرے میں آیا۔ وہ ایک آرام کرسی پر نیم دراز چھت کی طرف دیکھ رہا

ی کی آہٹ پر چونکا۔

وہ تھوڑی دیر تک عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مجھ میں اس لڑکی کا
ا کرنے کی سکت نہیں۔"

"کیا ہوا......؟"

"اسے دیکھتے ہی میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکتا...... اس کا کیا انتظام کیا جائے۔"

"وہ بعد کو سوچیں گے۔" فریدی اٹھ کر دروازے کے قریب جاتا ہوا بولا۔ اس نے کاریڈر
ا کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر اندر لوٹ آیا اور حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

"مسز چودھری پر اس لڑکی...... مگر نہیں...... میں تمہیں ایک بات بتانا بھول گیا تھا...... تم
ن پر مسز چودھری کو سب کچھ بتا دیا ہو گا۔"

"نہیں...... میں نے اسے صرف بلایا تھا۔" حمید نے کہا۔ "میں خود بھی مسز چودھری پر اس
ل دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی ایک بات مجھے شروع سے کھٹک رہی تھی کہ اس نے ایک ہی
ت پر اس کی تصویر کیسے بنائی تھی۔ لوگ ہفتوں پوز دیتے ہیں تب جا کر کہیں تصویر مکمل ہوتی
"

"خیر...... یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں...... ایک اچھا آرٹسٹ صرف چند گھنٹوں میں مکمل اسکیچ
سکتا ہے...... یہ مت بھولو کہ اس تصویر میں زیادہ تر تارا چودھری کے تخیل کی رنگ آمیزی
بہر حال تم نے بہت اچھا کیا۔ ہاں تو اس پر کیا ردعمل رہا......؟"

"اس نے جیسے ہی عامرہ کو یہاں دیکھا بھونچکی رہ گئی اور سب سے پہلا یہی سوال کیا کہ کیا
بر مخبوط الدماغ ہو گیا؟"

"ٹھیک......!"

"اور پھر جب میں نے اسے پورا قصہ بتایا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔
اسے قطعی نہیں پہچانا...... میں نے اسے یہ بھی یاد دلانے کی کوشش کی...... لیکن...... وہ یہی
تی رہی...... کہ...... میں نے پہلے کبھی انہیں نہیں دیکھا۔"

"یار بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔" فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ "شلائر کا نام میں

نے پروفیسر چودھری کی کوٹھی میں سنا تھا اور شلائر پروفیسر درانی کے یہاں بھی دیکھا گیا۔ چودھری کا قتل پراسرار حالات میں ہوا اور پروفیسر درانی کا قتل بھی اس سے کم پراسرار نہیں ہے۔"

"کیوں نہ شلائر کو حراست میں لے لیا جائے۔" حمید نے کہا۔

"اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت ہم کہاں سے لائیں گے۔ البتہ اس کی کڑی نگرانی شروع کردی گئی ہے۔ اس کا انتظام میں نے اسی دن کرلیا تھا جب انور نے مجھے اس کے تعلق اطلاع بہم پہنچائی تھی۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "آخر عامرہ کا کیا انتظام کیا جائے...... مسز درانی اور مسز چودھری دونوں ہی اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔"

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے یہ سوچا ہے کہ اسے ڈی۔آئی۔جی صاحب کے یہاں پہنچادوں۔ وہاں وہ ہر طرح محفوظ رہے گی اور ان کا خاندان بھی خاصا بڑا ہے۔ چھوٹے بچے بھی کئی ہیں۔"

"یہ بہت اچھا رہے گا۔" حمید نے کہا اور پائپ سلگانے لگا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک [illegible] کے آثار تھے۔

اندھیرے میں

پروفیسر درانی کی کوٹھی رات کی سیاہ چادر میں لپٹی کھڑی تھی۔ گیارہ بج چکے تھے۔ سامنے کی سڑک سنسان پڑی تھی۔ کبھی کبھی ان سنتریوں کے کھانسنے کھنکھارنے کی آوازیں فضا میں منتشر ہوجاتی تھیں، جن کا پہرہ پروفیسر کی کوٹھی پر لگایا گیا تھا۔ اکثر ان میں سے ایک آدھ بلند آواز میں موسم کی ماں یا بہن سے اپنا رشتہ بھی ظاہر کردیتا۔ وہ پوری پوری ایمانداری سے اپنے فرائض انجام

رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ دو دو کی ٹولیوں میں تقسیم ہوکر کوٹھی کا چکر بھی لگاتے تھے۔ لیکن وہ اس سے بے خبر تھے کہ کوٹھی کی پشت پر کیا ہورہا ہے۔ شاید انہوں نے اس طرف جانا فضول سمجھا تھا۔ کیونکہ دیواریں بہت اونچی تھیں اور ان کی دانست میں کسی آدمی کی دسترس سے بالکل باہر تھیں۔

کوٹھی کی پشت پر دور تک لمبی گھاس کی جھاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دفعتاً ایک طرف کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور جھاڑیوں سے ایک آدمی نکل کر کوٹھی کی طرف بڑھا۔ ٹھیک دیوار کے نیچے پہنچ کر وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تاروں کی چھاؤں میں تھوڑی دیر تک اس کی پرچھائیں دکھائی دیتی رہی پھر وہ یک بیک غائب ہوگیا۔

کچھ فاصلے پر دو آدمی اور جھاڑیوں سے نکلے لیکن وہ زمین پر پیٹ کے بل رینگ رہے تھے۔ ان کا رخ بھی کوٹھی ہی کی طرف تھا۔ ان میں سے ایک رینگتے رینگتے رک گیا۔ دوسرا کچھ آگے بڑھ کر پیچھے کی طرف مڑا اور آہستہ سے بولا۔

"کیا ہوا......؟"

"ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" دوسرے نے کہا۔ "لیکن اگر یہاں درانی کے بھوت سے شرف ملاقات حاصل ہوا تو......؟"

"حمید! خدا کے لئے......" پہلا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں کوٹھی کے شمالی سرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"فریدی صاحب! میں آئس کریم ہوا جارہا ہوں۔"

"چپ......!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

شمالی سرے سے ایک اور سایہ آگے بڑھ رہا تھا۔ فریدی اور حمید جہاں تھے وہیں رک گئے۔ دوسرا سایہ بھی اسی جگہ آکر غائب ہوگیا جہاں پہلا غائب ہوا تھا۔ فریدی ایک گڑھے میں رینگ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ انہوں نے تین سائے اور دیکھے وہ بھی کوٹھی ہی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دیوار کے نیچے پہنچ کر وہ زمین پر لیٹ گئے اور تیسرا دیوار سے ٹک کر کھڑا ہوگیا۔ پھر دیوار کی جڑ میں روشنی کا ایک دھبہ دکھائی دیا۔ وہ دونوں غائب ہوچکے تھے۔ تیسرا بدستور دیوار

کے سہارے کھڑا رہا۔

"آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں...... یار لوگ۔" حمید اپنے سردی سے بجتے ہوئے دانتو
قابو پاکر آہستہ سے بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ اندھیرے میں گھور رہا تھا۔ اس کی نظریں اس آدمی پ
ہوئی تھیں، جو ابھی تک دیوار کے سہارے کھڑا تھا۔

"نقب......!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "مگر انہوں نے نقب لگائی کس وقت۔ پہلا آ
دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہوگیا تھا۔"

"اور ہم دونوں بھی۔" حمید دانت کٹکٹا کر بولا۔ "اگر تھوڑی دیر اور اسی طرح پڑے ر
ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہوجائیں گے۔"

"چپ......!" فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ اپنے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا پتھر تول رہا تھا

"ارے......ارے......!" حمید سہم کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا اور فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی

"ابے تجھے نہیں مار رہا ہوں...... خدا کی قسم تم بڑے سؤر ہو۔ آئے کیوں تھے؟"

"تو کیا آپ اسے مار رہے ہیں۔" حمید نے سائے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں...... بکو نہیں۔"

"شاید آپ کو مجھ سے زیادہ سردی لگ رہی ہے۔" حمید اس کا پتھر والا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

"کیوں......؟"

"اگر پتھر اسے لگنے کے بجائے دیوار سے لگا تو......؟"

"مجھے اعتماد ہے کہ وہ اس کے سر ہی پر لگے گا۔"

"تب تو آپ کو بخار بھی معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "اگر فرض کیجئے یہ پتھ
اس کے سر پر بھی پڑا تو وہ اس قابل نہ رہ جائے گا...... کہ بعد کو ہم اسے شناخت کرسکیں۔"

"اس کے علاوہ اور کیا صورت ہوسکتی ہے؟ دیکھتے نہیں کہ اس کی پشت دیوار سے لگی
اور چہرہ ہماری طرف ہے۔"

"اگر آپ اس کا بصدق دل اعتراف کریں کہ حمید دنیا کا سب سے بڑا سراغ رساں ہے

کوئی نئی تدبیر سوچ سکتا ہوں۔"

"نہ صرف دنیا...... مریخ، زہرہ، عطارد مشتری وغیرہ کے سب سے بڑے اُلو ہو۔"

"چلئے خیر یہی سہی۔ میں اسے دیوار کے پاس سے ہٹانے جارہا ہوں اور میرا ڈکشن کہتا
کہ وہ ریوالور نہیں استعمال کرے گا۔ کیونکہ دوسری طرف مسلح پہرہ ہے۔"

"حمید صاحب! اسکریو نہ ڈھیلے ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا تمہیں وہ زہریلے تیر یاد نہیں؟"

"مجھے یقین ہے کہ اس کے پاس کمان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ تیر ریوالور کی نال میں رکھ
نہ پھینکے جاتے ہوں گے۔ آپ آخر ڈرتے کیوں ہیں؟"

فریدی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کو گھورنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ حمید ہی
رہا ہے یا اس کے جسم میں کسی شیطان کی روح حلول کرگئی ہے۔

"شاید آپ پر گارساں کا خوف بُری طرح مسلط ہوگیا ہے۔" حمید پھر بولا۔

"حمید پیارے......" فریدی تحیر آمیز لہجے میں آہستہ سے بولا۔ "کیا واقعی تم اس وقت اسی
میں ہو یا محض زبان طراری ہے؟"

"بات صرف اتنی سی ہے مرشد و مولائی۔ کہ میں اپنا خون کھولا کر سردی مٹانے کی کوشش کررہا
...... لیکن خیر...... تیار ہوجایئے...... میں اسے میدان میں لاتا ہوں......" حمید نے کہا اور
ھے کے باہر رینگ گیا۔ وہ جھاڑیوں کی طرف جارہا تھا۔ تھوڑی دور چل کر وہ ذرا سا ابھرا اور
لیٹ کر رینگنے لگا۔ فریدی نے دیوار سے لگے ہوئے آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ آگے کی طرف
ہوا شاید حمید کو دیکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ پھر وہ بھی پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا اور حمید کی
ف تیزی سے رینگنے لگا۔ فریدی تیار تھا جیسے ہی وہ گڑھے کے قریب پہنچا اس نے اچھل کر اس
گردن دبوچ لی۔ اس کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر تھا لیکن وہ آدمی بھی کم طاقت ور نہیں معلوم
تھا۔ اگر حمید نے بھی آگے بڑھ کر اس کے سر پر ریوالور کا دستہ نہ رسید کردیا ہوتا تو شاید وہ
ی کی گرفت سے نکل ہی گیا تھا۔ وہ بیہوش ہوگیا۔ انہوں نے اپنی ٹائیاں کھولیں اور اس کے
پیر جکڑ کر اسے گڑھے میں ڈال دیا۔ دفعتاً حمید کو پھر کچھ یاد آیا۔ اس نے جیب سے رومال
ل کر اسکے منہ میں ٹھونس دیا اور فریدی کے رومال سے اس کے ہونٹوں پر پٹی سی باندھتا ہوا بولا۔

"اب اس کی روح کم از کم منہ کی طرف سے تو نہ نکل سکے گی۔"

"اس وقت تم نے وہ کام کیا ہے...... خیر میں تمہیں کم از کم سو روپے عیاشی کے لئے دوں گا۔"

"خدا آپ کے بال بچوں کو بھی عیاشی نصیب کرے۔" حمید نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

اور پھر وہ دونوں تیزی سے دیوار کے نیچے پہنچے۔ یہ دیوار پتھر کی تھی۔ پتھر کی بڑی بڑی سلیں جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ نیچے بنیاد سے ملی ہوئی ایک سل نکال دی گئی تھی اور ایک آدمی بہ آسانی رینگ کر اندر جا سکتا تھا۔

"تم باہر ہی ٹھہرو......!" اس نے حمید سے کہا۔ "کوئی نکل کر جانے نہ پائے۔"

"اسی بات پر ایک گندی سی مثل یاد آ رہی ہے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "مگر...... خیر...... اسے دہراؤں گا نہیں...... ممکن ہے اسی وقت شہادت نصیب ہو جائے۔"

فریدی اسے باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ وہ ایک تاریک راہداری میں تھا۔

چونکہ دن ہی میں اس نے یہ عمارت اچھی طرح دیکھ لی تھی اس لئے اسے یہ معلوم کرنے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ کوٹھی کے کس حصے میں ہے۔ پوری عمارت تاریک پڑی تھی اور کہیں سے کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اس نے ربر سول کے جوتے پہن رکھے تھے اس لئے وہ قدموں کی آواز پیدا کئے بغیر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا...... دفعتاً وہ چونک پڑا...... ممکن ہے کہ وہ محض واہمہ رہا ہو۔ کیونکہ اس نے دبی سی نسوانی چیخ سنی تھی لیکن یہ معلوم کرنا دشوار تھا...... کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔

راہداری سے نکل کر وہ ایک گیلری میں آیا۔ پھر بڑے ہال کی طرف مڑ ہی رہا تھا کہ اسے پھر وہی چیخ سنائی دی۔ اس بار اس نے آواز کا رخ معلوم کر لیا۔ ایک کمرے کی کھڑکی کے نیچے دو آدمی کھڑے کمرے کے اندر جھانک رہے تھے اور وہ آواز اسی کمرے سے آئی تھی۔ فریدی قریب ہی کے ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔

یہ عمارت مغربی اور مشرقی طرز کا ایک دلکش امتزاج تھی۔ باہر سے تو وہ ایک خالص مغربی طرز کی عمارت معلوم ہوتی تھی لیکن اس کے اندر بھی صحن تھا اور اسے بڑی خوبصورتی سے بنایا گیا

حن دائرے کی شکل میں تھا۔ جس کے چاروں طرف گیلری تھی اور گیلری کے بعد برآمدے پھر کمروں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جن کے درمیان کئی طویل راہداریاں تھیں۔ اگر کوئی کمروں چھت پر سے صحن کی طرف دیکھتا تو وہ اسے ایک وسیع کنواں معلوم ہوتا۔

تاروں کی دھندلی روشنی نے نہ صرف صحن بلکہ برآمدوں کو بھی نیم تاریک کر دیا تھا اور ی کو وہ دونوں آدمی صاف نظر آ رہے تھے۔

"پیچھے ہٹو......!" وہی نسوانی آواز پھر سنائی دی اور فریدی کو دفعتاً اس لڑکی کی آواز یاد آ گئی ے اور حمید کو چکا دے کر ٹرانسمیٹر نکال لے گئی تھی۔

"میں جانتا ہوں ریوالور خالی ہے۔" ایک مرد کی آواز آئی۔ لیکن وہ بھی انگریزی ہی میں تھا اور اس کا لہجہ بھی غیر ملکی ہی تھا۔

"پیچھے ہٹو......!" وہ پھر چیخی۔ تھوڑے وقفے کے بعد کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور ایک فائر لیکن آواز اتنی ہلکی تھی کہ کوٹھی کے باہر والوں نے شاید ہی سنا ہو اور وہ چیخ...... بڑی دلخراش شاید اس لڑکی نے مرد کا خاتمہ کر دیا تھا۔

وہ دونوں آدمی جو کھڑکی کے نیچے کھڑے تھے کمرے کے دروازے کے قریب آ گئے۔ کوئی کر کمرے سے نکلا لیکن ان دونوں نے اسے دونوں طرف سے جکڑ لیا۔

"ریوالور چھین لو......!" ایک بولا۔

تھوڑی سی جدوجہد ہوئی اور لڑکی کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا۔ شاید دوسرے نے ر چھین لیا تھا۔

"اسے کمرے میں لے چلو۔" ایک نے کہا۔ یہ دونوں بھی انگریزی ہی میں گفتگو کر رہے تھے۔

وہ دونوں اسے اسی کمرے میں گھسیٹ لے گئے جس سے وہ نکلی تھی اور فریدی آہستہ سے ے کے قریب آ گیا۔

"روشنی کرو...... دیا سلائی جلا کر سوئچ ڈھونڈھ لو......!" مردانہ آواز سنائی دی۔ فریدی طرف ہو گیا۔

پہلے دیا سلائی جلی پھر کمرے کا بلب روشن ہو گیا۔

اور پھر فریدی نے وہ منظر دیکھا کہ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"سنہری بھیڑیئے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

وہ لڑکی حقیقتاً وہی تھی جس نے اسے اور حمید کو اُلو بنایا تھا۔ وہ دونوں آدمی کافی قوی اور خونخوار چہروں والے تھے۔

"لاؤ نکالو...... کیا لے جا رہی تھیں۔" ان میں سے ایک بولا۔ وہ دونوں اس لاش کی طرف سے قطعی لاپرواہ نظر آ رہے تھے، جو ان کے پیروں کے قریب ہی پڑی تھی۔ فریدی کو کے پیر صاف نظر آ رہے تھے۔

"میں تم سے بالکل خائف نہیں ہوں۔" لڑکی نے کہا۔

دونوں زور سے ہنسے اور پھر دوسرا بولا۔ "لڑکی...... ہم نہیں چاہتے کہ تمہیں ننگا کریں خود ہی نکالو۔"

"میں کچھ نہیں لے جا رہی ہوں۔ یہ مجھے زبردستی یہاں پکڑ لایا تھا۔" لڑکی لاش کی طر اشارہ کر کے بولی۔

دونوں نے پھر قہقہہ لگایا۔

"یہ کون ہے؟" پہلے نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"ہم جانتے ہیں...... اور تم بھی جانتی ہو...... مگر بے بی تم کون ہو اور کس کے لئے کر رہی ہو؟"

"تم لوگ نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ میں نے ایک ایسے آدمی کو گولی ماری ہے جس مجھ پر مجرمانہ حملہ کیا تھا۔"

"لاؤ نکالو وہ ڈائری۔" پہلا گرج کر بولا۔ "تم جانتی ہو کہ تم نے شلائر کو قتل کیا ہے یہ بھی جانتی ہو کہ شلائر نے پچھلی رات کو اسی ڈائری کے لئے پروفیسر کو قتل کیا تھا۔ چلو بتاؤ کس کے لئے کام کر رہی ہو؟"

"تم دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" لڑکی جھلا کر بولی۔

"چلو ڈک جلدی کرو۔" پہلے نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ اور ی ہوں۔"

"وہ اندر نہ آ سکیں گے۔ جیک دس پر اکیلا بھاری رہے گا۔ چلو لڑکی۔ نکالو جلدی...... تم ت خوبصورت ہو۔ ہم زبردستی نہیں کریں گے۔"

دفعتاً فریدی نے اپنی پشت پر قدموں کی آوازیں سنی اور کھڑکی سے ہٹ کر برابر والے رے میں گھس گیا۔ جو تاریک تھا۔ آنے والے چار تھے۔ ان میں سے ایک کھڑکی کے قریب آ گیا۔

"ہینڈز اپ......!" دوسرے لمحے میں فریدی نے ایک گرجدار آواز سنی اور ساتھ ہی لڑکی کا نہ بھی کمرے میں گونجا۔

"اچھا سنہرے بھیڑیو۔" اس نے تیز آواز میں کہا۔ "اگر پہچان سکتے ہو تو پہچان لو...... انہیں کے لئے کام کر رہی ہوں۔"

فریدی کا سر چکرانے لگا۔ وہ حمید کے متعلق سوچ رہا تھا۔ آخر یہ چاروں کدھر سے آئے۔ رہے کہ اس نقب کے علاوہ کوئی اور راستہ اندر آنے کا نہیں تھا...... کیا حمید؟ کیا یہ اسے ختم رکے آئے ہیں؟ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا...... لیکن وہ وہاں سے ہٹ نہ سکا...... الہ کی ایسی ڈائری کا تھا جس کے لئے پروفیسر قتل کا گیا تھا۔

فریدی انہیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک مار پیٹ اور دھول دھپے کی آواز سنائی دی۔ کسی نے چیخ کر کہا۔ "ایڈنا...... تم نکل جاؤ۔"

فریدی کمرے سے برآمدے میں کھسک آیا۔ صحن میں وہ سب ایک دوسرے پر پل پڑے ں اور لڑکی تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی برآمدے کی طرف آ رہی تھی۔ فریدی دیوار سے چپک گیا بھی وہ اس کے قریب پہنچی وہ تیزی سے آگے جھکا۔ پھر اس کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر تھا اور بلاؤز کے اندر...... اس نے ڈائری نکال کر اپنی جیب میں ڈالی اور لڑکی کو کمر پر لاد لیا۔ یہ ب اتنی پھرتی سے ہوا کہ لڑکی اپنی گلوخلاصی کے لئے ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکی۔ اس نے اس کا منہ ئی سے دبا رکھا تھا۔

اور) منزل پر پہنچ کر اس نے اسے نیچے اتارا۔

"لڑکی...... اگر شور مچاؤ گی تو میں گلا گھونٹ کر تمہیں مار ڈالوں گا۔" اس نے جھٹکے دار میں کہا۔ بہر حال ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی جرمن انگریزی بول رہا ہو۔ لڑکی بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر فریدی نے اس کی دونوں کنپٹیاں دبائیں اور وہ لہرا کر اس کے بازوؤں پر آ رہی۔ وہ بیہوش ہو گئی تھی۔ فریدی نے اسے فرش پر ڈال دیا اور کمرے کے دروازے کو باہر سے بند کر کے تیسری منزل کی طرف لپکا۔ نیچے سے بدستور آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید ابھی تک ان کش مکش کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔

تیسری منزل کی چھتیں سپاٹ تھیں۔ فریدی بے تابی سے پشت والے حصے کی طرف بڑھا اسے حمید کے لئے پریشانی تھی اور یہ پریشانی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے نیچے جھانک کر دیکھا کوئی اسی جگہ دیوار سے چپکا کھڑا تھا جہاں اس نے حمید کو چھوڑا تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ کہیں وہ انہیں چاروں کے ساتھیوں میں سے نہ ہو، جو بعد میں آئے تھے فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے اپنے مخصوص انداز میں آہستہ آہستہ سیٹی بجائی دیوار سے چپکا ہوا آدمی الگ ہٹ گیا۔ شاید وہ اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے پھر بجائی اور نیچے سے اس کا جواب آیا۔ فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر اس نے فاؤنٹین پین نکالا۔ جیب سے وہ ڈائری نکال کر اس میں سے ایک سادہ ورق پھاڑا اور ٹارچ کی روشنی میں لکھنے لگا۔ "فوراً پہرے والوں کی طرف جاؤ اور تین چار آدمیوں کو لے کر برآمدے آ جاؤ...... میں دروازہ کھولتا ہوں۔"

پھر وہ کوئی چھوٹی سی وزنی چیز ڈھونڈھنے لگا جس سے اس کاغذ کو لپیٹ کر نیچے پھینک سکے۔ چھت پر اکھڑے ہوئے پلاسٹر کے بہت سے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان سے ایک اٹھا لیا۔

ٹارچ کی روشنی میں فریدی کی تحریر نیچے پہنچ گئی۔ حمید نے اسے اٹھا کر سگار لائٹر کی روشنی میں پڑھا اور پھر اسے جیب میں ڈال کر وہاں سے چل پڑا۔

فریدی تیزی سے نچلی منزل پر آیا۔ ان آدمیوں کی ہاتھا پائی اور غراہٹ ابھی تک جاری تھی۔ فریدی ہال سے گزرتا ہوا ایک ایسے کمرے میں آیا جس کا ایک دروازہ برآمدے میں کھلتا

حمید دس پندرہ مسلح سپاہیوں کے ساتھ برآمدے میں موجود تھا۔ اس دوران میں اتفاق سے پولیس کی ایک گشتی لاری بھی آ گئی تھی اور اس سے بھی کچھ مدد مل گئی تھی۔ وہ سب اندر داخل ہوئے مگر صحن میں سناٹا تھا۔ انہوں نے ٹارچیں روشن کیں۔ دو آدمی فرش پر اوندھے پڑے دکھائی دیئے۔ ان کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور چہرے نیلے پڑ گئے تھے۔ یہ وہی دونوں تھے جنہوں نے لڑکی کو پکڑا تھا۔ وہ چاروں انہیں بے دم کر دینے کے بعد شاید اس خیال کے تحت نکل گئے تھے کہ لڑکی بحفاظت اپنے ٹھکانے پہنچ گئی ہو گی۔

فریدی ان دونوں کو حراست میں لینے کے لئے کہتا ہوا اوپری منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ حمید بھی اس کے ساتھ تھا۔

"میرے بعد آنے والے چار آدمی نہ جانے کدھر سے آئے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"اسی طرف سے جہاں آپ نے مجھے کھڑا کیا تھا۔" حمید بولا۔ "میں نے انہیں راستہ تو دے دیا تھا لیکن یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ سب مل کر آپ کی چٹنی نہ بنا دیں۔"

"بھلا راستہ کس طرح دیا تھا......؟" فریدی نے کہا۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ "ارے تم نے انہیں وہ لاش تو دکھائی ہی نہیں۔"

"کون سی......؟"

"شلائر کی لاش......!"

"کیا یہاں......!"

"ہاں......!" فریدی نے اوپری منزل پر پہنچ کر اس کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا جس میں وہ لڑکی بند تھی۔

جیسے ہی فریدی نے ٹارچ کی روشنی ڈالی حمید بیساختہ اچھل کر بولا۔ "ارے! آپ ہیں۔"

پھر اس نے بڑی پھرتی سے جھک کر اسے اٹھایا اور کاندھے پر ڈال لیا۔ وہ ابھی تک بیہوش تھی۔ وہ دونوں پھر نیچے اترنے لگے۔

"ہاں کس طرح راستہ دیا تھا......؟" فریدی نے پوچھا۔

"پچ......پھر بتاؤں گا......!" حمید تھوک نگل کر رہ گیا۔

"بیٹے زیادہ دماغ خراب نہ ہو۔"

نیچے پہنچ کر فریدی نے لڑکی کو بھی پولیس والوں کے سپرد کرنا چاہا لیکن حمید پھیل گیا۔ فری
کو الگ لے جا کر کہنے لگا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں......؟"

"میں انتقام ضرور لوں گا۔" حمید نے کہا۔

"پاگل ہوا ہے؟ ابے اُلو...... جو کچھ تو نے سوچا ہے اسے انتقام نہیں احسان کہتے ہیں۔ ک
عورت سے انتقام لینے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس کی گود کا بچہ چھین کر اسی کے سا
اس کی ٹانگیں چیر ڈالی جائیں۔"

"نہیں...... میں تو......!"

"چپ رہو...... گندے...... سُوّر......!"

فریدی نے شلائر کی لاش بھی اٹھوا دی۔ وہ دونوں ابھی تک بیہوش تھے۔ البتہ لڑکی ہو
میں آ گئی تھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پولیس والوں کو دیکھ رہی تھی۔

"ہیلو سوئیٹی......!" حمید اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔ "اس وقت خا
کیوں ہو۔"

لڑکی نے سر جھکا لیا۔

"ان سب کو لے جائیے۔" فریدی نے گشتی لاری کے سب انسپکٹر سے کہا۔ "کڑی نگر
میں رکھئے گا۔ میں ابھی کوتوالی میں آ کر مفصل رپورٹ دوں گا۔"

دو مسلح کانسٹیبل فریدی اور حمید کے ساتھ رہ گئے۔ فریدی نے مختصراً سارا واقعہ حمید کو بتا
کہا۔ "شاید وہ نقب پچھلی ہی رات کو لگائی گئی تھی اور شلائر نے اسی کے ذریعے اندر داخل ہ
پروفیسر کو ختم کیا تھا۔ مگر وہ کم بخت سیکریٹری کون تھا...... اور کہاں غائب ہو گیا۔ انور نے شلا
اسی سے تو گفتگو کرتے دیکھا تھا۔"

"اور وہ بڑا......!"

"چپ......!" فریدی نے حمید کی بات کاٹ دی۔ "اس کے متعلق پھر گفتگو کریں گے۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اسی کمرے میں آ گئے جہاں سے شلائر کی لاش اٹھائی گئی تھی۔ یہاں ٹائیلو کا فرش تھا۔ انہیں ایک کونے کا ایک ٹائیل اکھڑا ہوا دکھائی دیا۔ فریدی نے خالی جگہ میں ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ ایک زمین دوز خانہ سا نظر آیا۔

"وہ یہیں تھی۔" اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا اور اکھڑے ہوئے ٹائیل کو پھر اس کی جگہ پر جما دیا۔ دونوں پولیس والے کمرے کے باہر تھے۔ وہ دونوں بھی روشنی گل کر کے کمرے سے نکل آئے۔

"او مائی لارڈ......" فریدی اپنا سر تھپتھپا کر بولا۔ "آج دماغ نہ جانے کہاں ہے۔ ہم اسے تو بھول ہی گئے جسے گڑھے میں ڈال آئے تھے...... لاحول ولاقوۃ۔"

وہ بیرونی دروازہ بند کر کے اسی نقب کے ذریعہ کوٹھی کی پشت پر پہنچے۔ گڑھے میں وہ آدمی بدستور موجود تھا اور اسی طرح بندھا ہوا چاروں طرف لڑھکتا پھر رہا تھا۔

"زیادہ جوش نہیں میرے سنہرے بھیڑیئے۔" فریدی نے کہا اور سپاہیوں کی طرف مخاطب ہو کر اردو میں بولا۔ "اسے بھی اٹھاؤ...... اسے بحفاظت کوتوالی تک پہنچانا تمہارا کام ہے۔ میں ایک خط دے رہا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید مدھم سروں میں سیٹی بجاتے سڑکیں ناپ رہے تھے۔

"بہرحال تین سنہرے بھیڑیئے بھی پکڑے گئے جن میں ان کا سرغنہ بھی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"سنہرے بھیڑیئے...... کیا مطلب......؟"

"کیا یورپ کے سنہرے بھیڑیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے؟" فریدی نے پوچھا۔

"فریڈرک اینڈ کو......!" حمید نے کہا۔ "وہ جو مسولینی کو اتحادیوں کی قید سے نکال لے گئے تھے۔"

"وہی...... ان دونوں قیدیوں میں سے ایک فریڈرک ہی ہے۔"

"نہیں......!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں صاحب زادے۔ مجھے حیرت ہے کہ آخر یہ سب یہاں کیا کر رہے ہیں اور پتہ نہیں

ابھی اور کتنے ہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم پھر کچھ دنوں کے لئے بہت بڑے آدمی ہونے والے ہیں"

دونوں خاموش چلتے رہے۔ حمید پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"اس لڑکی کا مجھے قیامت تک افسوس رہے گا۔"

"پھر کیڑے کلبلائے...... دوں گا ایک تھپڑ۔"

"وہ سو روپے کب دلوا رہے ہیں؟"

فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک کار تیزی سے آرہی تھی اور اس کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی سڑک پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دونوں بائیں طرف سرک گئے۔ کار ان کے قریب پہنچ کر اچانک بائیں طرف مڑی اور فوراً ہی رک گئی۔ وہ دونوں اچھل کر پیچھے ہٹ گئے اور ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ کار سے کسی نے انہیں للکارا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

ان کے ہاتھ اس طرح اٹھ گئے جیسے وہ کسی مشینی عمل کے تحت اٹھے ہوں۔ چار آدمی کار سے اترے۔ پانچواں ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ ان چاروں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

"وہ ڈائری نکالو" ان میں سے ایک اکھڑی اکھڑی انگریزی میں بولا۔

"وہ تو گئی۔" فریدی نے بیساختہ کہا۔

"ان کی تلاشی لو۔" ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی نیچے اترتا ہوا بولا۔

"وقت مت برباد کرو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ اس وقت تک کوتوالی کی تجوری میں پہنچ چکی ہوگی"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کیا سمجھ کر جھوٹ بول رہا ہے۔ چار چار ریوالوروں کی نالیں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں کوئی چال کارگر نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ لوگ تلاشی لئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔

پانچویں نے فریدی کی جامہ تلاشی لی اور پھر حمید کا جسم ٹٹولنے لگا۔

"نہیں ہے۔" پانچواں آدمی غرایا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔"

وہ پانچوں کار میں بیٹھ گئے اور کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ حمید نے اپنے ہاتھ گرا دئے

فریدی بدستور اٹھائے رہا۔

"کیا سوگئے؟" حمید اسے جھنجھوڑ کر بولا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ ڈائری ہے کیا بلا۔" فریدی اپنے ہاتھ گرا کر بولا۔

"لیکن وہ ہے کہاں؟ میرے خیال سے اسے آپ نے ان لوگوں کو تو دیا نہیں تھا۔"

"وہ وہیں ہے جہاں پہلے تھی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"یعنی......؟"

"پروفیسر کی کوٹھی میں...... اسی زمین دوز خانے میں...... میں اتنا احمق نہیں کہ اسے ساتھ لئے پھروں...... لیکن ان کے فرشتے بھی یہ نہیں سوچ سکتے کہ وہ اب بھی وہیں ہے۔ پتہ نہیں اس میں کیا ہے۔"

نئی مصیبت

دوسرا دن سبھی کے لئے تحیر خیز تھا۔ وہ لڑکی سخت پہرے کے باوجود بھی حوالات سے غائب ہوگئی تھی۔ دوسروں کی نظروں میں تو یہ معاملہ انتہائی پراسرار تھا لیکن فریدی اور حمید اچھی طرح جانتے تھے کہ کیا واقعہ پیش آیا ہوگا۔ کیونکہ وہ اس لڑکی کے متعلق پہلے ہی سے بہت کچھ جانتے تھے۔ فریدی کے ایماء پر پہرے والے تین سپاہیوں کو حراست میں لے لیا گیا اور پھر جب ان پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا تو انہوں نے حقیقت ظاہر کردی۔ اس لڑکی نے ان پر بھی اپنا پرانا حربہ استعمال کیا تھا اور انہیں بھی جل دے کر بے داغ نکل گئی تھی۔

مقامی اخبارات کے غیر معمولی ضمیمے شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے تھے۔ پروفیسر درانی کا قتل کم پراسرار نہ تھا پھر اس کی ویران کوٹھی غیر ملکی جاسوسوں کی موجودگی اور ان کی مشتبہ

نقل و حرکت۔ ایک غیر ملکی جاسوس کی لاش دنیا کے مشہور شاطر فریڈرک اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری۔ ان سب واقعات نے اخبار والوں کے لئے اچھا خاصا مواد مہیا کر دیا تھا وہ مختلف انداز سے ان پر نہ صرف اظہار خیال کر رہے تھے بلکہ بہت سے عجیب و غریب فیصلے بھی کر دیئے تھے۔ لیکن گارساں کا کہیں تذکرہ نہیں تھا۔ اس کے متعلق فریدی، حمید انور رشیدہ اور سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی کے علاوہ کسی اور کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ یہ بھی فریدی کی خوش قسمتی ہی تھی کہ اتفاق سے گارساں کا ٹرانسمیٹر اس کے ہاتھ لگ گیا تھا اور وہ اس کی ساخت کے متعلق پہلے ہی سے تھوڑی بہت معلومات رکھتا تھا۔ ورنہ شاید اس کے فرشتوں کو بھی گارساں کی ہوا نہ لگتی۔ کیونکہ وہ جاسوس جو اس کے خلاف نبرد آزما تھے اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔ رات کو فریڈرک اور اس کے ساتھی نے اس لڑکی سے پوچھا بھی تھا کہ وہ کس کے لئے کام کرتی ہے ممکن ہے کہ مرنے والے شلائز کو بھی اس کا علم نہ رہا ہو کہ وہ کس سے لڑ رہا ہے۔

فریڈرک اور اس کی دوسرے ساتھی کی حالت ابتر تھی۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ وہ بچ سکیں گے۔ ان کا تیسرا ساتھی جسے فریدی اور حمید نے باندھ کر گڑھے میں ڈال دیا تھا کوئی بات نہ بتا سکا جس سے چودھری یا درانی کے معاملات پر روشنی پڑتی۔ وہ برابر یہی کہے گیا کہ اسے اصل واقعات کا علم نہیں تھا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فریڈرک ان کا سرگروہ تھا۔ اس کے گروہ کے پانچ آدمی ابھی تک آزاد تھے۔ لیکن وہ ان کی نشاندہی نہ کر سکا۔ پوچھ گچھ کے دوران اس نے نادانستہ طور پر یہ بات ظاہر کر دی کہ ٹرانسمیٹروں پر سنے جانے والے عجیب و غریب اشارات اسی کے گروہ والوں سے تعلق رکھتے تھے۔

پروفیسر درانی کا سکریٹری ابھی تک لاپتہ تھا۔ اس کے متعلق تو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا تھا کہ وہ پروفیسر درانی کے پاس کب سے تھا۔ ممکن تھا کہ عامرہ اس پر روشنی ڈالتی لیکن وہ بھی اپنا توازن کھو بیٹھی تھی۔ فریدی نے اپنی اسکیم کے ماتحت اسے ڈی۔ آئی۔ جی کے یہاں پہنچا دیا اور وہ اب ذہنی امراض کے ایک ماہر کے زیر علاج تھی۔

فریدی اور حمید دن بھر مصروف رہے۔ لڑکی کے نکل جانے کا انہیں بے حد افسوس تھا۔ حمید اس مسئلے پر بار بار اسے چھیڑ رہا تھا۔

"جناب والا! اگر آپ میرے مشورے پر عمل کرتے تو یہ دن دیکھنا نہ نصیب ہوتا۔" وہ بار بار یہی جملہ دہراتا تھا۔

شام کو پھر انہوں نے پروفیسر درانی کی کوٹھی کا رخ کیا۔ فریدی اس ڈائری کے لئے بُری طرح بے چین تھا۔ دن بھر وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

جیسے ہی اس نے کوٹھی میں قدم رکھا پچھلی رات کے سارے واقعات ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ اس کمرے کے دروازے جس میں اس نے ڈائری رکھی تھی اب تک کھلے ہوئے تھے۔ فریدی نے آگے بڑھ کر فرش سے ٹائیل ہٹایا اور پھر...... اگر وہ یکلخت اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو اس زمین دوز خانے سے پھن کاڑھ کر اچھلنے والے سانپ نے اسے ڈس ہی لیا تھا۔ حمید تو بوکھلا کر میز پر چڑھ گیا۔ دونوں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس سانپ کو گھور رہے تھے، جو خانے سے نکل آنے کی جدوجہد میں مشغول تھا۔

"یار شاید پھر چوٹ ہو گئی۔" فریدی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ سانپ کو مار ڈالنے کے بعد وہ اس خانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ڈائری غائب تھی۔ البتہ تہہ میں انہیں ایک لفافہ دکھائی دیا۔ فریدی نے اسے نکالا اوپر اسی کا نام تحریر تھا۔ فریدی اور حمید لفافے سے برآمد ہونے والے خط پر جھک پڑے۔

"مسٹر فریدی!

اپنے دو چار معمولی کارناموں پر پھول جانے والے عموماً احمق ہوا کرتے ہیں۔ تم خود کو دنیا کا زیرک ترین آدمی سمجھنے لگے تھے اس لئے تمہارے لئے ایک دوسری ہلکی سی چپت تجویز کی جاتی ہے اول تو میں یہی سمجھتی ہوں کہ تمہیں یہ سانپ زندہ نہ چھوڑے گا لیکن اگر بدقسمتی سے بچ گئے تو یہ خط دیکھ کر ضرور سوچو گے کہ وہ تمہیں ڈس ہی لیتا تو بہتر تھا۔ میں تمہیں یہ تعزیت نامہ محض اس لئے لکھ رہی ہوں کہ مجھے بے وقوف آدمیوں سے دلچسپی ہے اور پھر تم تو صرف بیوقوف ہی نہیں بلکہ کافی حسین بھی ہو۔ جاہلوں کی سی شجاعت بھی رکھتے ہو۔ بہر حال میں جب تک تمہارے دیس میں ہوں تم میں ضرور دلچسپی لیتی رہوں گی...... اگر مجھ سے ملنا چاہو

تو چاند ماری کے میدان میں آج رات کو بارہ بجے مل سکتے ہو۔ میں وہاں تنہا ہوں گی۔ یہ لکھنا فضول ہے کہ تم بھی تنہا آنا...... خیر...... پوشیدہ طور پر کم از کم پندرہ بیس آدمی ضرور ساتھ لانا...... یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ میں تم اکیلے کے بس کا روگ نہیں۔ تمہاری جاہلانہ شجاعت سے توقع ہے کہ وہ تمہیں آج رات کو چاند ماری کے میدان میں ضرور لائے گی۔ اپنے اُس احمق ترین ساتھی کو ہرگز نہ لانا جسے دیکھ کر مجھے بارش میں بھیگے ہوئے اُلو یاد آجاتے ہیں۔

وہی لڑکی"

آخری جملے پر حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور فریدی کو گھورنے لگا جس کے چہرے پر غصہ آثار کی بجائے مسکراہٹ تھی۔

"یہ سب کچھ آپ کی بدولت ہوا" حمید بھنا کر بولا۔ "اگر آپ نے اسے میرے کردیا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔"

"چھوڑو یار......!" فریدی مسکرا کر بولا "اس خط نے ...... مجھے نہ جانے کہاں سے پہنچا دیا۔ خدا کی قسم اگر یہ خط اسی لڑکی کا ہے تو مجھے اس پر پیار آنا چاہئے۔"

"اور اگر اس کے باپ نے لکھا ہے تو مجھے پیار آنا چاہئے۔" حمید جل کر بولا۔

"آؤ چلیں......!" فریدی نے کہا۔

"میرا تو یہیں دفن ہونے کو دل چاہتا ہے۔"

"یار ہٹاؤ بھی...... دل چھوٹا مت کرو۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم بھیگے ہوئے اُلو قطعی نہ معلوم ہوتے۔"

"لیکن اس نے آپ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے حرف بحرف مجھے اتفاق ہے۔"

"مجھے فی الحال تم سے اتفاق ہے۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

یخ بستہ شام ہولے ہولے سیاہیوں میں تحلیل ہوتی جارہی تھی۔ وہ دونوں کیڈی لاک بیٹھ گئے لیکن فریدی اس کا تصفیہ نہ کرسکا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔

کافی دیر تک وہ یونہی بلا مقصد ادھر اُدھر مارے پھرے۔

"خیر...... یہ ایسا حادثہ نہیں کہ ہم میں سے کسی کا دماغ چل جائے۔" حمید نے فریدی کو ٹوکا۔

"آخر اس ڈائری میں کیا تھا......؟" فریدی چونک کر بڑبڑایا۔

"ڈاڑھی میں عموماً بال ہوا کرتے ہیں۔"

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر اسٹیئرنگ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"یہ خط بھی مجھے خالی از علت نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "یعنی یہ محض مذاق نہیں ہے۔"

"یعنی اس کا یہ مطلب ہوا کہ آج رات چاند ماری کے میدان میں ضرور تشریف لے جائے گا۔"

"ارادہ تو یہی ہے۔"

"یعنی اس کے الفاظ میں آپ اپنی جاہلانہ شجاعت کا مظاہرہ کریں گے۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید مسکرا کر بولا "اس نے آپ کے حسن کی بھی تو تعریف کی ہے۔"

"اور تم اس لئے نہ جاؤ گے کہ وہ تمہیں بارش میں بھیگا ہوا اُلو سمجھتی ہے۔"

"خیر...... میری بات تو کیجئے مت۔" حمید نے کہا۔ "میں کہیں بھی آنکھ بند کر کے کودنے کا قائل نہیں ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

"یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میں نے اس ڈائری کے متعلق کوئی رپورٹ نہیں دی تھی ورنہ اور زیادہ خفت اٹھانی پڑتی۔"

"آپ کو اسے وہاں چھپانا ہی نہ چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"حقیقتاً میں اس وقت یہ بھی بھول گیا تھا کہ مقابلہ گارساں سے ہے۔"

"ماریئے گولی۔" حمید اکتاہٹ کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "مجھے اب اس کیس سے بالکل دلچسپی نہیں رہی۔"

"کیوں......؟"

"اتنی شاندار شکست کی بعد بھی آپ یہ سوال کرتے ہیں۔"

"یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ تم اسے شکست کس طرح کہہ سکتے ہو جبکہ ہمیں یہ تک نہیں معلوم کہ اس سارے ہنگامے کا مطلب کیا ہے؟ وہ چیز جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی اس کی اہمیت کیا تھی؟ ہوسکتا ہے کہ وہ ڈائری ہمارے لئے قطعی فضول رہی ہو...... اس کے بھی امکانات تھے کہ اسے پالینے کے بعد بھی ہمیں اُلو بننا پڑتا۔"

حمید بظاہر فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ فریدی بولتا رہا۔ "ابھی تک ہم بالکل تاریکی میں ہیں۔ مختلف معاملات ایک دوسرے سے الجھ کر رہ گئے ہیں اور ہم ان میں سے کسی کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

"خیر...... اسے چھوڑیئے۔" حمید نے کہا۔ "یہ بتایئے کیا واقعی آپ چاند ماری کے میدان میں جائیں گے؟"

"ہاں......!" فریدی کے لہجے میں خوداعتمادی تھی۔

"یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ میں نے اس قسم کے چیلنج صرف بعض سڑے ہوئے جاسوسی ناولوں میں پڑھے تھے۔ بہرام کا ڈنڈا یا ڈنڈے کا بہرام وغیرہ قسم کے ناول ایسے خطوط سے بھرے پڑے ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ کسی مجرم نے سراغ رساں کو چیلنج کیا ہو۔"

"میں نے بھی نہیں سنا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی پھر بولا۔ "اسی لئے میں وہاں ضرور جاؤں گا۔"

"خیر اگر آپ کی قسمت میں شہادت ہی لکھی ہے تو کوئی آپ کو اس سعادت سے محروم نہیں کرسکتا۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ گھر پہنچ کر وہ بھی خاموش ہی رہا۔ کھانے سے قبل اس نے ڈی آئی جی سے فون پر گفتگو کی، جو پروفیسر درانی کی لڑکی کے متعلق تھی۔ اس کے بعد اس نے کوتوالی بھی فون کیا تھا اور جگدیش سے کچھ دیر تک فریڈرک اور اس کے زخمی ساتھی کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا رہا تھا۔ پھر حمید کے استفسار پر اس نے بتلایا تھا کہ ان دونوں کی حالت قابل

نہیں تھی۔ ان سے اس ہنگامے کی وجہ بھی نہیں معلوم ہوسکی۔

ں بجتے ہی وہ حمید کے روکنے کے باوجود بھی کہیں جانے کے لئے تیار ہوگیا۔

"خدارا......!" حمید نے کہا۔ "وہاں جانے سے پہلے یہ تو سوچ لیجئے کہ آخر چاند ماری کا ہی کیوں؟ شہر کے گردونواح میں کئی اور سنسان علاقے بھی تو ہیں۔"

"میں یہ سوچ کر نہیں جا رہا ہوں کہ وہاں حلوہ ملے گا۔" فریدی بولا۔ "چاند ماری کے ے انتخاب کے مقصد سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ اگر چلنے کی نوبت آجائے تو گردونواح کی آبادی والے اسے کسی فوجی مشق سے تعبیر کرکے ئیں۔"

"پھر بھی آپ جا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اور سنو......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس اللہ واسطے کی دعوت کا مقصد بھی تمہیں اس طرح وہ اس بات کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ میں نے اس ڈائری کا مطالعہ کیا ہے اور میں نے اس دعوت سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس ڈائری میں ان کے متعلق نشان دہی ہے لہٰذا اگر میں وہاں نہ گیا تو وہ یہی سمجھیں گے کہ میں ان کے اصل ٹھکانے سے واقف ہوں اور اگر انہوں نے یہ سمجھ لیا تو ہم کسی وقت بھی ٹھکانے لگائے جاسکتے ہیں۔"

"تو اکیلے جانا کہاں کی عقلمندی ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہ تم سے کس نے کہا کہ میں اکیلے جا رہا ہوں۔"

"پھر آپ نے مجھے تیار ہونے کے لئے کیوں نہیں کہا۔"

"اس وقت کے پروگرام میں تم نہیں ہو۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"کیوں......؟"

"بس یونہی...... جتنا کہا جائے اتنا ہی کرو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

حمید نے پھر کچھ نہیں کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اب بولنا ٹھیک نہیں۔ فریدی کے مزاج سے وہ اچھی طرح واقف ہوچکا تھا۔ اس کے اندازِ گفتگو ہی سے اسے معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ کس موڈ میں کہاں تک کیا برداشت کرسکتا ہے۔

فریدی کے جانے کے بعد وہ پندرہ بیس منٹ تک اس جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ اس کے سراغ رسانی کے تجربات میں شاید یہ پہلا کیس تھا جو اتنی واردات ہوجانے کے بعد بھی اب تک معمہ بنا ہوا تھا۔ وہ سوچتا رہا اور کیس کے خاص خاص پہلو اس کے ذہن میں اجاگر ہوتے گئے۔ پروفیسر چودھری کے قتل کی دریافت...... اسی رات کو پروفیسر درانی کا قتل...... اور پھر دوسری رات کو ایک ایسے غیر ملکی جاسوس کا قتل جو ملک میں باضابطہ طور پر داخل ہوا تھا...... فریڈرک کی گفتگو کے حوالے سے اسی کا پروفیسر کا قاتل ثابت ہونا...... یورپ کے خونخوار ترین آدمیوں (سنہرے بھیڑوں) کی ملک میں موجودگی۔ ان کا داخلہ تو قطعی غیر قانونی طور پر ہوا تھا کیونکہ ان کا کہیں بھی کوئی ریکارڈ نہ مل سکا...... کیا یہ اتنا کشت و خون محض اس ڈائری کے لئے ہوا تھا؟ اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہوسکتا تھا تو پھر اس ڈائری کی اہمیت کا سوال بھی قدرتی تھا کیا وہ اس مقصد کی کوئی گمشدہ کڑی تھی جس کے حصول کے لئے اتنا ہنگامہ برپا ہوا تھا۔

اچانک حمید نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ حالانکہ کچھ دیر قبل اس نے فریدی کی بات مان لی تھی لیکن اب وہ اسے تنہا خطرے کے منہ میں جاتے نہ دیکھ سکا تھا۔ اس نے اٹھ کر سیاہ سوٹ پہنا، ریوالور جیب میں ڈالا اور گیراج سے موٹر سائیکل نکال کر چاند ماری کے میدان کی طرف روانہ ہوگیا۔

تیز اور سرد ہوا ہڈیوں میں گھستی معلوم ہورہی تھی۔ ہاتھ ہینڈل پر اس طرح جمے ہوئے تھے کہ وہ بھی برف ہوگئے ہوں اور ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ انہیں قیامت تک ان پر سے نہ ہٹا سکے گا۔

فریدی کے دلائل اس کے ذہن نے تو قبول کر لئے تھے لیکن دل یہی کہہ رہا تھا کہ اس کا یہ اقدام دانشمندانہ نہیں تھا۔ اس نے یہ تو کہا تھا کہ وہ تنہا نہیں جائے گا لیکن آخر وہ اسے کیوں نہیں لے گیا۔ جیسے جیسے وہ اس موضوع پر سوچتا اس کی الجھن بڑھتی جاتی۔

چاند ماری کے میدان سے آدھ میل ادھر ہی اُسے موٹر سائیکل روک کر مشین بند کردینی پڑی۔ کیونکہ وہ رائفلوں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

اس کا ذہن کوئی فیصلہ نہ کرسکا لیکن وہ غیر ارادی طور پر موٹر سائیکل کو دھکیلتا ہوا پیدل آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر اسے رائفل کے دہانوں سے نکلنے والے شعلے صاف نظر آنے لگے۔ اس نے "

...یں بھی سنیں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے یقیناً آخری چیخیں تھیں۔ وہ چلتے چلتے رک ...اس کی زندگی میں شاید ہی کبھی کوئی ایسا واقعہ آیا ہو جب اس نے اتنی شدت سے بے بسی ...ی کی ہو۔ اسے یقین تھا کہ فریدی بھی یہیں کہیں موجود ہے۔ لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ ...ے میں آگے بڑھنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک نئی تدبیر ...ر ابھارا۔ کیوں نہ وہ شہر واپس جاکر اپنے ساتھ امداد لے آئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں یہ ...بھی فضول معلوم ہوا اتنی دیر میں واقعات نہ جانے کون سا رخ اختیار کریں ہوسکتا ہے کہ اس ...ک یہ ہنگامہ ہی فرو ہوچکے۔ ایسی صورت میں مفت کی ندامت ہاتھ آئے گی۔ اسے پھر ...ی کے اس جملے کا خیال آیا جس کے مطابق وہ یہاں تنہا نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنے ...ر دو ہی ایک آدمی لایا ہو...... تو......؟

"جہنم میں گئے سب......!" وہ جھنجلاہٹ میں اپنا سر جھٹک کر بڑبڑایا۔ پھر تھوڑی دیر تک ...سوچتا رہا۔ دفعتاً اس نے موٹر سائیکل کے داہنی طرف اُگی ہوئی جھاڑیوں میں دھکیل دیا اور ...نشیب میں اتر گیا۔ سڑک سے کچھ ہی دور پر دونوں طرف ڈھلوان میدان تھے۔ انہیں میدانوں ...سلسلہ آگے چل کر ایک ہوگیا تھا۔ چاند ماری کا اصل میدان حقیقتاً وہی تھا۔ ویسے تو یہ پورا علاقہ ...ی نام سے پکارا جاتا تھا۔

حمید کے ذہن میں کوئی واضح اسکیم نہیں تھی۔ وہ یونہی بلا مقصد ڈھلوان میدان میں اترتا ...ا تھا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ پانچ چھ منٹ سے کوئی فائر نہیں ہوا۔ وہ جہاں تھا وہیں رک ...ا۔ اس کی کلائی پر بندھی ہوئی ریڈیم ڈائل کی گھڑی ساڑھے بارہ بجا رہی تھی۔ پندرہ منٹ گذر ...ۓ اور وہاں بدستور سناٹا رہا پھر اس نے چاند ماری کے میدان میں متعدد ٹارچوں کی روشنیاں ...دیکھیں جو ادھر اُدھر گردش کرتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی غائب ہوگئیں اور تاریکی سناٹے سے ...تو سرگوشیاں کرتی رہیں۔ حمید نے پھر گھڑی دیکھی۔ ایک بج رہا تھا۔ سردی نے اسے بدحال ...کر رکھا تھا اور اسے اپنی حماقت پر غصہ آرہا تھا کہ اول تو وہ یہاں آیا ہی کیوں اگر آیا تھا تو اتنی دیر ...تک ٹھہرا کیوں رہا۔

وہ واپسی کی لئے مڑ ہی رہا تھا کہ اسے کچھ دور پر ایک آدمی دکھائی دیا جو غالباً کسی دوسرے

آدمی کو اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے تھا۔ حمید کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ نیت دراصل تعاقب کی تھی کچھ دور تک اس کے پیچھے چلتا رہا۔ پھر دفعتاً اس نے اپنے سردی سے سکڑے ہوئے ذہن کو ایک موٹی سی گالی دی اور ریوالور نکالا اور تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" اس نے دانت کٹکٹا کر کہا چلنے والا رک گیا۔

حمید نے پھر اپنا جملہ دہرایا۔

"میرے دونوں ہاتھ پھنسے ہوئے ہیں۔" اس نامعلوم آدمی نے جواب دیا اور حمید بے اختیار اچھل پڑا۔ کیونکہ آواز فریدی کی تھی۔

"آپ...... یہ...... کیا......؟" حمید ہکلایا۔

"ایک لاش......!" فریدی نے کہا۔ "لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا؟"

"لاش......!" حمید دانت کٹکٹا کر بولا۔

"حماقت نہیں...... چپ چاپ چلے جاؤ۔"

"تو کیا میں جھک مارنے کے لئے آیا تھا۔" حمید کو بھی غصہ آ گیا۔

"یقیناً...... میں نے تمہیں منع کر دیا تھا نا۔"

حمید یک لخت مڑا اور جھلاہٹ میں اسے اس کا بھی خیال نہ رہا کہ وہ چلنے کے بجائے دوڑ رہا ہے۔ سردی نے پہلے ہی دماغ خراب کر رکھا تھا اس پر سے غصہ۔

اوپر آ کر اس نے جھاڑیوں سے موٹر سائیکل نکالی اور شہر کی طرف چل پڑا۔ پھر اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اس سے پہلے کبھی اسے فریدی پر اتنا شدید غصہ نہیں آیا تھا۔ غصے کی بات بھی تھی۔ وہ تو اتنی دیر تک سردی سے سکڑتا اور رائفلوں کی آوازیں سنتا رہا اور آپ بدقت تمام ملے بھی، تو دھونس جماتے ہوئے۔

"سب کچھ جہنم میں جائے۔" حمید دانت کٹکٹا کر بڑبڑایا اور اس کے دکھتے ہوئے ہاتھوں کی گرفت ہینڈلز پر اور مضبوط ہوگئی۔ لیکن دوسرا لمحہ اس کے لئے حد درجہ سنسنی خیز تھا۔ موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں اسے ایک بڑی سیاہ وین دکھائی دی جو سڑک پر اس طرح آڑی کھڑی

تھی کہ راستہ رک گیا تھا۔ اس نے بریک لگا کر موٹر سائیکل کو سڑک کے نیچے اتارنے کی کوشش کی لیکن تین ایسے آدمیوں نے اس کا راستہ روک لیا جن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور انہوں نے ان کی نالیں سیدھی کر رکھی تھیں۔ حمید کو رکنا پڑا۔

"مشین بند کر دو......!" ایک نے انگریزی میں کہا۔ لہجہ غیر ملکی تھا۔ حمید نے مشین بند کر دی لیکن سیٹ پر بدستور جما رہا۔

"نیچے اتر آؤ۔"

"کیوں...... کس لئے؟ میری جیبیں بالکل خالی ہیں۔" حمید نے لاپروائی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

دفعتاً وین کا دروازہ کھلا اور اندھیرے میں حمید کو کسی عورت کے گھونگھریالے بال دکھائی دیئے۔ پھر ایک ننھی سی ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔

"یہ وہ نہیں۔" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "لیکن یہ اس کا ساتھی ہے۔"

حمید نے آواز صاف پہچان لی اور پھر اسے یہ سمجھ لینے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ نادانستگی میں ان لوگوں سے آ بھڑا ہے۔

"تو پھر......؟" ان میں سے کسی نے پوچھا۔

"وہ بھی یہیں کہیں ہوگا۔ تلاش کرو۔" لڑکی تحکمانہ لہجے میں بولی۔ "اس کے ہاتھ پیر باندھ کر وین میں ڈال دو۔"

"نیچے اتر آؤ۔" ایک نے آگے بڑھ کر رائفل کا کندہ حمید کے سینے میں مارا۔ حمید چپ چاپ اتر آیا اور موٹر سائیکل ایک طرف گر گئی۔ ان میں سے ایک نے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر باندھ دیئے۔

"اندر چلو......!" اسے گردن سے پکڑ کر وین میں دھکیل دیا گیا اور پھر اس کے دونوں پیر بھی باندھ دیئے گئے۔

"تم لوگ چلو......!" لڑکی نے کہا۔ "میں اسے دیکھتی ہوں۔"

"خفا

ری جان۔" حمید پڑے پڑے بڑبڑایا۔ "تمہارے فرشتے بھی اسے نہ

پا سکیں گے۔"

"شٹ اپ......!" کسی نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔" حمید چیخ کر بولا۔ "وہ آدمی نہیں بھوت ہے۔"

"شور مت مچاؤ۔"

دوسرا تھپڑ پڑا۔

حمید دانت پیس کر رہ گیا۔ اس وقت اس کے علاوہ......وہ اور کر ہی کیا سکتا تھا۔

بُرے پھنسے

حمید کا بقیہ وقت بیہوشی کی حالت میں کٹا......ایک تو سردی کی شدت، دوسرے اس کی نہ رکنے والی زبان کے جواب میں تھپڑوں کی بارش اور پھر جب ان لوگوں نے یہ اندازہ لگالیا کہ وہ کسی طرح چپ نہ ہوگا تو انہوں نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ کچھ دیر تک تو وہ اس بات کی کوشش کرتا رہا کہ اسے گھٹن کا احساس نہ ہونے پائے لیکن اس کا ذہن جلد ہی جواب دے گیا۔

دوسری بار جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا جیسے وہ اوپر اٹھ رہا ہو۔ چاروں طرف کچھ اس قسم کی تاریکی تھی کہ وہ گھبرا کر اپنی آنکھیں پھاڑنے لگا۔ کہیں وہ اندھا تو نہیں ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک وہ یہی سمجھتا رہا کہ اس کا سر چکرا رہا ہے لیکن پھر غور کرنے پر محسوس ہوا کہ وہ سنسناہٹ اس کے ذہن کی نہیں ہوسکتی تھی اور اوپر اٹھنا محض وقتی احساس نہیں تھا۔ سنسناہٹ یقیناً کسی مشین ہی سے پیدا ہورہی تھی اور وہ ایک کھردرے فرش پر چت لیٹا اوپر کی طرف اٹھ رہا تھا۔

تقریباً آدھ گھنٹہ گزر جانے کے باوجود بھی تاریکی میں کمی نہ ہوئی۔ اگر حمید کی کلائی پر اندھیرے میں چمکنے والے ڈائل گھڑی نہ ہوتی تو اسے یقین ہوجاتا کہ وہ اندھا ہوگیا ہے۔ وہ

کروٹ بھی نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اس کا جسم چمڑے کے تسموں سے جکڑا ہوا تھا۔ اس کا سر ایک بار پھر چکرا گیا۔ کیا وہ کسی ہوائی جہاز پر تھا......؟ مگر ہوائی جہاز......اسے الجھن ہونے لگی۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار ہوائی جہاز پر سفر کرچکا تھا سابقہ تجربات کی بناء پر وہ کس طرح سمجھ لیتا کہ وہ کسی جہاز پر ہے۔ ہوائی جہاز کی آواز کانوں کے پردے پھاڑ دیتی ہے۔ لیکن یہاں تو صرف ایک ہلکی سی سنسناہٹ تھی اتنی ہلکی کہ حمید پہلے اسے اپنے دماغ ہی کی سنسناہٹ سمجھا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا گھڑی کا ڈائل چمک رہا تھا لیکن ہاتھ ایسی پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ وقت دیکھ سکتا۔ اس نے دو ایک بار اپنے جسم کو جنبش دینے کے لئے زور لگایا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد نے اسے بالکل تھکا دیا اور اس نے نڈھال ہوکر آنکھیں بند کرلیں۔

وہ اپنی اس مصیبت کا ذمہ دار فریدی کو ٹھہرا رہا تھا۔ اگر اس نے اس سے اس طرح گفتگو نہ کی ہوتی تو وہ جھلا کر کبھی اتنی بدحواسی میں نہ بھاگتا۔

پھر اس کا ذہن اس لاش کی طرف گھوم گیا جسے فریدی نے اپنی پشت پر اٹھا رکھا تھا۔ آخر وہ کس کی لاش تھی؟ اور اس کا مقصد کیا تھا؟ حمید نے کراہ کر کروٹ لینے کی کوشش کی لیکن چمڑے کے تسمے اس کی ہڈیوں میں چبھ کر رہ گئے۔ اس بار اسے گلوخلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ اب کی ایک انتہائی منظم گروہ سے سابقہ ہے۔

اسے اپنے گرد پھیلی ہوئی تاریکی قبر کی تاریکی معلوم ہونے لگی اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ سانسیں تیز اور بوجھل ہوگئی تھیں۔ اچانک اسے محسوس ہوا جیسے وہ برق رفتاری کے ساتھ نیچے جارہا ہو۔ کانوں میں گونجنے والی سنسناہٹ نے اب دوسری شکل اختیار کرلی تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے بے شمار ہلکی ہلکی سیٹیاں بج رہی ہوں۔ پھر ایک جھٹکا لگا......آواز ختم ہوگئی اور ایک پاگل کردینے والا سناٹا ذہن پر مسلط ہوگیا۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل چاہنے لگا کہ اپنے ہی دانتوں سے اپنی بوٹیاں نوچ ڈالے۔

دفعتاً اس کے دائیں طرف تاریکی میں ہلکی روشنی کا ایک چوکور دھبہ نظر آیا اور ساتھ ہی ٹھنڈی ہوا کا ایک ریلا اس کے چہرے کا خون منجمد کرتا ہوا گزر گیا۔

چوکور دھبے میں سے دو تاریک سائے اندھیرے میں رینگ آئے۔ انہوں نے حمید کے

تسمے کھولے اور کھینچ کر تاریکی سے نکال لیا۔

آسمان پر آخر شب کے ستارے جماہیاں لے رہے تھے اور چاروں طرف اونگھتا ہوا سا پھیلا ہوا تھا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا۔ سگار کی شکل کا ایک دیو پیکر راکٹ زمین پر لٹکا ہوا تھا۔ اسے اب معلوم ہوا کہ وہ ایک راکٹ میں سفر کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔

حمید نے ڈوبتے ہوئے دل سے چاروں طرف نظریں دوڑائیں وہ ایک غیر آباد مقام پر کھڑا تھا...... حد نظر تک اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں جن پر رات کا گہرا سرمئی غبار طاری تھا۔

"میں کہاں ہوں......؟" حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بڑبڑایا۔

"جہنم میں......!" دونوں ہنس پڑے۔

حمید کو ان پر غصہ نہیں آیا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اس نے اتنی بے بسی محسوس کی تھی۔

"چلو......!" وہ دونوں اسے ایک طرف دھکیلتے ہوئے بولے۔

حمید چلنے کی بجائے گھسٹ رہا تھا۔ اس کا ذہن بالکل سپاٹ ہو گیا تھا۔ دل میں نہ کوئی خیال تھا اور نہ کوئی ایسی خلش جسے ڈر یا غصے کے اثر سے تعبیر کیا جاسکتا۔ پیر اس طرح اٹھ رہے تھے جیسے وہ اس کا مشینی فعل ہو۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے خود کو ایک ایسی عمارت کے سامنے پایا جو بدھ مذہب والوں کی عبادت گاہ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ اسے کھینچتے ہوئے اندر لے گئے۔ عمارت کافی وسیع تھی۔ اس کے قبر نما کمروں میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ اسے ایک کمرے میں دھکا دے کر دروازہ باہر سے بند کرلیا گیا۔ حمید پیال کے ایک ڈھیر پر پڑا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نقاہت نے پھر اس کے ذہن پر قابو پالیا۔ زمین پر ٹکے ہوئے دونوں ہاتھ پیال کے ریشوں سمیت آگے کی طرف پھسل گئے اور اسے اپنی ٹھوڑی پر لگنے والی چوٹ کا احساس تک نہ ہوا۔ قبر نما کمرے کی دھندلی روشنی پر گہری سیاہ تہیں چڑھتی چلی گئیں۔

دوسری صبح ایک آدمی اسے ٹھوکر مار مار کر بیدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ کمرے کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں سے چمکدار دھوپ اندر رینگ آئی تھی۔ حمید نے اپنی جلتی ہوئی آنکھیں بند کرلیں۔ اس کی پیٹھ پر ایک ٹھوکر پڑی اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اجنبی نے قہقہہ

لگایا اور اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچتا ہوا کمرے سے نکال لے گیا۔

وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جس کی دیواروں سے پتھر کی کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ کمرے کی چھت سات فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ یہاں پانچ آدمی پتھر کی کرسیوں پر بیٹھے کسی ایسی زبان میں گفتگو کر رہے تھے جو حمید کے لئے بالکل نئی تھی۔ ان کی قومیت کے بارے میں بھی کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ ان کی رنگت گندمی تھی اور بال گہرے سیاہ۔ اسے ان سب کے خدوخال میں یکسانیت بھی نظر آئی۔ آنکھیں تو قریب قریب سبھوں کی ایک جیسی تھیں۔ ان میں کچھ عجیب طرح کی وحشت تھی۔

حمید کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔ حمید نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ یہ کسی مغربی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔

ان پانچوں میں سے ایک نے اس سے کچھ کہا جس کے جواب میں اس نے کوئی بات مسکراہٹ کے ساتھ کہی اور حمید سے انگریزی میں بولا۔ "ناشتے میں چائے پیتے ہو یا کافی؟" اس کے لہجے میں کرختگی نہیں تھی۔

اس کا ساتھی اسے ایک دوسرے کمرے میں لایا جہاں ایک بڑی سی بھدی میز پڑی ہوئی تھی۔ کچھ بے ہنگم سی کرسیاں بھی تھیں۔ حمید نے ایک عجیب سی اشتہا انگیز خوشبو محسوس کی، جو شاید باہر والے کمرے سے آ رہی تھی۔ اس کے ساتھی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ حمید بیٹھ ہی رہا تھا کہ اس کی نظریں کھڑکی سے گزر کر بیرونی مناظر میں ڈوب گئیں۔ برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں پر دھوپ چمک رہی تھی۔

اس کا ساتھی اسے چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ حمید اٹھ کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ نزدیک و دور کی ساری پہاڑیاں برف سے ڈھکی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ براؤن رنگ کی سخت چٹانوں سے بنی ہوئی زمین پر سبزے کا نشان تک نہیں تھا۔ البتہ کہیں کہیں زرد رنگ کی کانٹے دار جھاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ بڑے بڑے گوشت خور پرندے فضا میں چکر کاٹ رہے تھے۔ جو نہ چیلوں سے مشابہ تھے اور نہ گدھوں سے۔ ان کی رنگت سیاہ تھی چونچ کی بناوٹ سے حمید نے اندازہ لگایا کہ یہ گوشت خور ہی ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی تیز اور کپکپاتی آوازوں سے سکوت

ٹوٹ جاتا۔

حمید بے سروپا خیالات میں ڈوبا رہا۔

تھوڑی دیر بعد اس کا ساتھی ہاتھوں پر ٹرے اٹھائے ہوئے اندر آیا جس میں ایک بڑی چائے دانی اور ایک کپ تھا۔ ایک پلیٹ میں تین چار چھوٹے چھوٹے بھنے ہوئے پرندے تھ پھر وہ اسے کمرے میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا۔ حمید نے پیالے میں کافی انڈیلی۔ دو ہی تین گھنٹو کے بعد اسے تمباکو کی یاد ستانے لگی..... پچھلی رات کے ہنگامے کے دوران میں اس کا پائپ ا تمباکو کی پاؤچ کہیں گر گئے تھے۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد وہ پھر کھڑکی کے قریب چلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ک آخر یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ پچھلی رات ان آدمیوں میں اس لڑکی کی موجودگی سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ وہ اس وقت گارساں کا قیدی تھا اور کسی ایسی جگہ پہنچا دیا گیا تھا جہاں سے نک بھاگنے کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکے۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے ہی ملک کے کسی حصے م ہے یا کسی دوسرے ملک میں۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اپنے شہر سے یہاں تک اس رات میں لایا گیا تھا؟ وہ اپنے ذہن پر زور دینے لگا کہ انہوں نے شہر کے کس حصے میں راکٹ اتا ہوگا۔ کاش وہ فریدی کا کہنا مان گیا ہوتا۔ وہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی اسے اپنے ساتھ نہ لے گیا ہوگا۔

حمید ان خیالات کو اپنے ذہن سے نکال پھینکنے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ پچھتاوا فضول تھا وہ اسے اس جال سے نکال سکتا تھا۔ فریدی کو شاید اس کی خبر ہی نہ ہو کہ اس پر کیا گزری۔

”ناشتہ کر چکے؟“ اسے اپنی پشت پر آواز سنائی دی۔

حمید چونک کر پلٹا۔ وہی آدمی جو اسے یہاں تک لایا تھا اسے اپنے پیچھے آنے کا اشار کر کے واپس جا رہا تھا۔

حمید نے اسے آواز دے کر روکا۔

”اس لذیذ ناشتے کا بہت بہت شکریہ۔“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”میں نے کئی گھنٹوں سے تمبا نہیں پیا۔“

”سگار پیتے ہو.....؟“ اس نے پوچھا۔

”چلو سگار ہی سہی..... کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔ ورنہ مرنے کے بعد بھی جماہیاں آتی ہی گی۔“

اس نے ہنس کر جیب سے سگار کیس نکالا اور حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید سگار سلگا کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ پھر اسی کمرے میں آیا جہاں اس نے ان پانچ یوں کو دیکھا تھا۔ وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ حمید کو دیکھ کر خاموش ہوگئے۔

”تم کون ہو.....؟“ ان میں سے ایک نے حمید کو انگریزی میں مخاطب کیا۔

”ایک سرکاری سراغ رساں۔“ حمید نے کہا۔ وہ جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا۔ اس نے فریدی ئی بار یہ کہتے سنا تھا کہ اگر گارساں کو ہم پر اس بات کا شبہہ بھی ہوگیا کہ ہم لوگ اس کی جودگی سے واقف ہیں تو ہر حال میں موت ہمارے قریب ہی رہے گی۔

”تم یہاں کیوں لائے گئے ہو.....؟“

”مجھے ابھی تک بتایا نہیں گیا۔“ حمید نے کہا اور لاپروائی سے بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

”کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم ابھی قتل کر دیئے جاؤ گے؟“

حمید کے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن اس نے حتی مکان اپنے چہرے کو خوف کے آثار سے بچانے کی کوشش کی۔

”مجھے یہ بھی نہیں بتایا گیا..... اور اگر بتا بھی دیا جاتا تو میں کر ہی کیا سکتا تھا۔“ حمید نے کہا۔

”جانتے ہو کہ تم کس کے قیدی ہو.....؟“

”قیدی.....؟“ حمید چونک کر بولا۔ ”اگر یہ قید ہے تو میں زندگی بھر اسی حالت میں رہنے لیے تیار ہوں۔ تمہاری کافی مجھے بیحد پسند آئی۔ شاید برازیل کی تھی۔ اپنی طرف تو وہ ملتی ہی نہیں۔“

حمید خاموش ہوگیا۔ لیکن ان میں سے کسی کے بولنے سے قبل خود ہی بڑبڑانے لگا۔ ”مجھے علوم کر کے خوشی ہوتی کہ میں کن لوگوں میں ہوں۔ شلائز کو ہم پہچان ہی چکے..... فریڈرک اور کے ساتھیوں کو بھی پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن تم لوگ ابھی تک معمہ بنے ہوئے ہو۔“

پانچوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

”فریڈرک کو تم نے کیسے پہچانا.....؟“ ایک نے پوچھا۔

"میرا آفیسر بڑا ہمہ داں قسم کا آدمی ہے۔"

"تو اس نے ہمیں بھی پہچان لیا ہوگا۔"

"نہیں......!" حمید نے یقین دلانے والے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "اگر اس نے پہچانا ہوتا تو مجھے ضرور بتاتا۔"

"تمہارا آفیسر اس وقت کہاں ہوگا؟"

"کہیں نہ کہیں ضرور ہوگا۔" حمید سوال کرنے والے کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اب اسے کوئی نہ پا سکے گا۔"

"کیوں......؟"

"میرے غائب ہو جانے پر وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا ہوگا۔"

"خیر گھبراؤ نہیں......تمہاری تنہائی بہت جلد رفع ہو جائے گی۔"

"میں شادی تو ہرگز نہیں کروں گا چاہے مار ڈالو......!" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور سب متحیر ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"شادی......شادی سے کیا مطلب......؟"

"اب شادی کا مطلب کیا بتاؤں......شرم آ رہی ہے۔" حمید نے کچھ ایسے انداز میں کہ وہ سب ہنس پڑے۔

"تم تنہائی رفع ہونے کا مطلب غلط سمجھے۔" ایک بولا۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ عنقریب تم آفیسر بھی تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔"

"خام خیالی ہے۔" حمید حقارت سے ہنستا ہوا بولا۔ "اس پر قابو پانا آسان کام نہیں۔"

"کیوں......؟"

"وہ بھیس بدلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔"

"بھیس......؟" اجنبی کی ہنسی بھی تحقیر آمیز تھی۔ "اطمینان رکھو......وہ ہمارے مقابلے میں خود کو چوہا محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"تو کیا تم اسے بھی مار ڈالو گے؟" حمید نے بناوٹی خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"اگر ضرورت سمجھی گئی تو ہمیں اسی میں آسانی ہوگی۔"

"شریف آدمیو! تم شاید اس سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔"

"وہ ڈائری کیا ہوئی......؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"جہنم میں گئی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "نہ جانے اس میں کیا تھا۔"

"تمہارا آفیسر تو جانتا ہی ہوگا۔"

"وہ بھی اسے نہیں دیکھ سکا تھا......مگر ٹھہرو......کیا وہ خوبصورت لڑکی تمہارے گروہ سے نہیں رکھتی؟"

"کیوں......؟"

"کیا وہ ڈائری وہی نہیں اڑا لے گئی تھی۔ کیا اسی نے میرے آفیسر کو چاند ماری کے میدان آنے کے لئے چیلنج نہیں کیا تھا......؟"

"تم دونوں وہاں ساتھ ہی گئے تھے؟" حمید سے پھر سوال کیا گیا۔

"نہیں! وہ مجھ سے پہلے چلا گیا تھا۔"

"کوئی خاص اسکیم تھی؟"

"نہیں......وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔"

"لیکن تم تو وہیں ملے تھے۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ وہ واقعی نہیں جائے گا اس لئے اس کے غائب نے کے بعد میں بھی اُدھر چلا گیا تھا۔"

"کیوں......اس بے یقینی کی وجہ......؟"

"میں اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"کیا وہ تمہیں وہاں ملا تھا......؟"

"نہیں......لیکن میں نے رائفلوں کی آوازیں ضرور سنی تھیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہی آدمی بولا۔

"وہ کہاں مل سکے گا......؟"

’’میں نے کہا نا کہ اب اس کے فرشتوں کو بھی اسکے متعلق کچھ نہ معلوم ہو گا۔‘‘

’’کیوں......؟‘‘

’’تم لوگوں کی...... کیوں...... سے تو میں عاجز آ گیا ہوں...... وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔‘‘

’’وہ جتنی جلدی ہمارے ہاتھ لگ جائے گا...... اتنی ہی جلدی تمہاری رہائی بھی ہو گی۔‘‘

’’میں نہیں سمجھا۔‘‘

’’ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے کیونکہ تمہیں مارنے کا کام تو تمہارے شہر میں ہی ہو سکتا تھا۔‘‘

’’پھر......؟‘‘

’’تمہارے آفیسر کی موجودگی میں ہمیں ایک بات کا تصفیہ کرنا ہے۔‘‘

’’اس کے متعلق میں نے جو کچھ بتایا ہے وہ سو فیصدی صحیح ہے۔‘‘

’’تمہاری مرضی......!‘‘ وہ اکتا کر بولا۔

موت کے دروازے پر

اس گم نام ویرانے میں رات کا سناٹا بڑا خوفناک تھا۔ آج حمید کو زمین پر پڑی ہوئی پیال پر نہیں لیٹنا تھا۔ کمرے میں کوئی آتش دان نہیں تھا پھر بھی وہ اسی کو غنیمت سمجھ رہا تھا کہ اس کے نیچے پیال بھرا ہوا چمڑے کا بستر ہے۔ اوپر ایک نہیں تین تین کمبل ہیں یہ اور بات ہے کہ یہاں کی سردی کے اعتبار سے وہ بھی ناکافی رہے ہوں۔

اسے گرفتار کرنے والوں نے ابھی تک اسے کسی اذیت میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ وہ سب اس سے اس طرح بے پرواہ نظر آتے تھے جیسے وہ ان کے ساتھیوں ہی میں سے ایک ہو۔ دن میں

ی دیر تک اس عمارت کے باہر بھی ٹہلتا رہا تھا اور قرب و جوار میں اسے اس عمارت کے علاوہ وئی دوسری عمارت نہیں دکھائی دی تھی۔ کوئی ایسا آدمی بھی نظر نہیں پڑا تھا جو اس عمارت کے افراد ے الگ ہوتا۔ عمارت کی پشت پر ایک دو ڈھائی سو فٹ گہری وادی تھی جس میں چند ٹوٹے وٹے جھونپڑے دکھائی دیتے تھے۔ لیکن یہ بھی ویران تھے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی آباد رہے ہوں۔ ید نے عمارت کے باشندوں سے اس مقام کے نام کے متعلق کئی بار استفسار کیا تھا لیکن کسی نے وئی جواب نہ دیا۔

دو بج گئے تھے لیکن ابھی تک اسے نیند نہیں آئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور سگار سلگانے ہی رہا تھا کہ کھڑکی میں ایک تیز قسم کی روشنی کا کوندا سا لپکا اور گھڑگھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ جو لمحے جاری رہ کر بند ہو گئی۔

حمید بستر سے کود کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ باہر اندھیرے میں وہی راکٹ نما مشین کھڑی ی۔ کچھ لوگ اس سے اتر رہے تھے۔ حمید نے اس لڑکی کی بھی آواز سنی۔ جس کی بدولت اتنی بازیاں کھانی پڑی تھیں۔

ان میں سے ایک نے ٹارچ روشن کی۔ دو آدمی ایک تیسرے آدمی کو کھینچ کر راکٹ سے نکال رہے تھے۔ اس کے چہرے پر روشنی پڑتے ہی حمید چونک پڑا۔ یہ فریدی تھا اور کافی جھلایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ٹارچ بجھا دی گئی اور حمید ان کے قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔

اب تو سونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ فریدی بھی آ پھنسا...... یعنی یہاں سے رہائی کی رہی سہی ید بھی منقطع ہو گئی۔

حمید فریدی کے سامنے انتہائی خطرناک اور ڈراؤنے حالات میں بھی شیر ہو جایا کرتا تھا۔ وہ ل وقت بھی ایک انجانی سی تقویت محسوس کر رہا تھا۔ اچانک اس کی ساری صلاحتیں بیدار گئیں۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ ہلڑ ہی مچایا جائے، تھوڑی تفریح رہے گی۔

اور پھر وہ ہلڑ مچانے لگا۔

دروازہ کھلا۔ حمید کو قندیل کی روشنی میں دو سائے دکھائی دیئے۔ قندیل اسی لڑکی کے ہاتھ ں تھی جسے دیکھ کر حمید کا خون گھولنے لگتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا جس کی ناک پر پٹی

بندھی ہوئی تھی۔ یہ بھی مغرب ہی کے کسی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بہت سُوَر آدبی بالوب ہوتا ہے۔"

حمید سمجھ گیا کہ اس کی ناک بُری طرح زخمی ہے اور وہ کچھ ایسی تکلیف میں مبتلا ہے کہ ناک سے آواز نکالتے ہوئے بھی ڈرتا ہے۔ اسی لئے وہ آدمی کو آدبی اور معلوم کو "بالوب" کہہ رہا تھا۔

"ہیلو...... بھیگے اُلو......!" لڑکی نے حمید کو مخاطب کیا۔ "شور کیوں مچا رہے ہو۔"

"اسے باہر بھیج دو تو بتاؤں۔" حمید نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا بکتے ہو؟" وہ گرج کر بولا۔ لیکن اس کی زخمی ناک نے حمید کو خاک بھی سمجھنے نہ دیا۔

"میں چشمے کے بغیر تمہاری بات نہیں سمجھ سکتا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور لڑکی کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

زخمی ناک والا گھونسا تان کر اس کی طرف بڑھا لیکن لڑکی درمیان میں آ گئی۔

"آرتھر! تم جاؤ...... میں اسے ٹھیک کرلوں گی۔ کیا تمہیں احکامات یاد نہیں؟"

زخمی ناک والے کا ہاتھ ڈھیلا ہو کر لٹک گیا۔

"دیکھو لڑکی......!" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "میں مرعوب ہوجانے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔"

زخمی ناک والا چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

"تم واقعی بڑی ظالم ہو۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ سو جاؤ...... یہ بھی میری شرافت ہے کہ میں نے تمہاری کھال نہیں کھنچوائی۔"

"میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ میری کھال ضرور کھنچوالو۔ ممکن ہے کہ میں کھال کے بغیر ہی تمہیں کچھ حسین معلوم ہوں۔"

"خیر وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے کہ تم ساری طراریاں بھول جاؤ گے۔"

"مجھے اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا۔" حمید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھیٹ ہندوستانی عشق

راز میں کہا۔

"بکواس بند کرو۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔ "میں تمہیں ایک دلچسپ خبر سنانے آئی ہوں۔"

"ایک نہیں دو سناؤ۔"

"تمہارا آفیسر فریدی ایک حقیر کیڑے کی طرح ہمارے ہاتھوں بے بس ہو چکا ہے جس پر ہارے ملک کو ناز تھا۔"

حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ جب ہنس چکا تو بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ب میں تمہارے جال میں پھنس گیا تو اس بیچارے کی کیا حقیقت ہے۔ وہ تو دراصل میرا اگرد ہے۔ کام میں کرتا ہوں اور نام اسکا مشہور ہوتا ہے۔ خیر...... چھوڑو...... ہٹاؤ...... پھر کیا رہی؟"

"کیا......؟"

"بات یہ ہے۔" حمید نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔ "مجھے یا معلوم ہوتا ہے جیسے میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔"

"بکو نہیں...... چپ چاپ سو جاؤ۔ اگر شور مچاؤ گے تو سختی کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔"

"ریٹا ڈارلنگ...... میں مر جاؤں گا۔"

"شش...... میرا نام ایڈنا ہے۔"

"ایڈنا......؟" حمید اپنے ہونٹ چاٹتا ہوا بولا۔ "کتنا پیارا نام ہے...... ایڈنا...... ارے او...... خدا کی قسم میں شاعر نہیں ہوں ورنہ اسی وقت ایک غزل کہہ کر تمہاری خدمت میں مطلع رض کر دیتا۔"

"تمہارا نام حمید ہے نا......!" لڑکی ہنس کر بولی۔

"کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ میرا نام ہمائیڈ ہے اور میں حضرت عیسیٰ کے گدھے کی بڑی زت کرتا ہوں۔"

"بکو مت...... بدتمیز......!" لڑکی کا چہرہ بگڑ گیا۔

"اوہ معاف کرنا...... میں سمجھتا تھا کہ تم مذہبی عورت نہیں ہو۔"

"اچھا اب بکواس بند۔"

"چلو بند ہی سہی......لیکن ایک بات اور بتادو......وہ یہ کہ میں اپنے ہی ملک میں ہوں یا کہیں اور؟"

"تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہ ہونی چاہئے۔" لڑکی نے خشک لہجے میں کہا "تم صرف یہ سوچو کہ تمہیں سسکا سسکا کر مارا جائے گا یا ایک دم خاتمہ کر دیا جائے گا۔"

"بھئی مرنے جینے کی تو اپنی نظروں میں کوئی وقعت ہی نہیں اور پھر ایسی صورت میں جب کہ خنجر تمہارے ہاتھ میں ہو۔"

"شٹ اپ......!" ایڈنا نے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

مجبوراً حمید لیٹ گیا۔

دوسرے دن صبح اسے پھر اسی بڑے کمرے میں لے جایا گیا جہاں وہ اس سے پہلے ان پانچوں آدمیوں سے گفتگو کر چکا تھا۔ اس وقت ان پانچوں کے علاوہ چھ آدمی اور تھے جن میں ایڈنا بھی شامل تھی اور اس کا وہ ساتھی بھی جس کی ناک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ فریدی درمیان میں کھڑا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

حمید نے لوگوں کی نظریں بچا کر ایڈنا کو آنکھ ماردی اور فریدی کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا

"موت کے منہ میں بھی تم اپنی بیہودگی - از نہیں آتے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن آپ کی آواز بھیک کیوں مانگ رہی ہے؟" حمید بولا۔

فریدی کی آواز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سردی کی وجہ سے اس کا گلا بیٹھ گیا ہو۔

"سردی کا اثر ہے۔" فریدی نے کہا اور کمرے کے دوسرے لوگوں کو گھورنے لگا۔

"تم وہی ہو جس نے اس لڑکی سے ڈائری چھینی تھی۔" ایک نے فریدی کو مخاطب کیا۔

فریدی خاموش رہا تو اسی نے پھر کہا۔ "میں تمہیں سے پوچھ رہا ہوں۔"

"میں اس وقت تک کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں کن لوگوں میں ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تم بہت زیادہ بُرے لوگوں میں نہیں ہو۔"

"مجھے اور میرے ساتھی کو یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"ضرورتاً......!" جواب ملا۔ "تمہاری وجہ سے ہمارا بہت نقصان ہوا ہے۔"

فریدی انہیں معنی خیز نظروں سے دیکھتا رہا اور چند لمحے بعد بولا۔ "تم قاتل ہو۔ سازشی تم نے ہمارے ملک کو دو عظیم سائنسدانوں سے محروم کر دیا۔"

"یہ غلط ہے۔" ان میں سے ایک بولا۔ "لیکن ہم ان کے قاتلوں سے واقف ہیں۔"

"تم لوگ ہو کون؟ چودھری کو کس لئے قتل کیا گیا؟ اس کا قاتل کون تھا......؟" فریدی نے کر کہا۔

"تم یہاں اس لئے نہیں لائے گئے کہ ہم تمہیں اس کی سراغ رسانی میں مدد دیں۔"

"ارے تو وہی بتاؤ نا......میں بہت مشغول آدمی ہوں۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"تمہیں پروفیسر درانی کے گھر کی تلاشی لینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی؟"

"مجھے اس پر سازشی ہونے کا شبہ ہوا تھا۔"

"فضول بحثوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔" داہنی طرف کے دروازے سے آواز آئی۔

چونک کر مڑا۔ ایک لمبا تڑنگا آدمی فریدی کو گھور رہا تھا۔

"اس ڈائری میں کیا تھا......؟" اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"تم مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔"

"تم نے اسے وہیں چھوڑ دیا تھا......؟"

"تاکہ میرا بھی وہی حشر نہ ہو، جو پروفیسر درانی کا ہوا تھا۔"

"کیا مطلب......؟" اجنبی چونک کر بولا۔

"مطلب بھی مجھ ہی سے پوچھو گے؟" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تم نے درانی کو کیوں قتل کیا؟ اس لڑکی نے شلائر کا خون کیوں بہایا؟ تم لوگوں نے فریڈرک اور اس کے ساتھی کو نیم کیوں کر دیا تھا؟ ظاہر ہے کہ اسی ڈائری کے لئے......!"

"درانی کے قتل کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے شلائر ہی نے مارا تھا۔"

"اور پروفیسر چودھری......؟" فریدی بولا۔

"اس کا گلا میں نے ہی اپنے ہاتھوں سے گھونٹا تھا۔" اجنبی نے کچھ ایسا منہ بنا کر کہا جیسے وہ

اس وقت بھی اپنے اس کارنامے کی لذت محسوس کر رہا ہو۔

"کیوں......؟"

"یہ سب پوچھ کر کیا کرو گے؟" اجنبی مسکرا کر بولا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ "ا
دونوں کو ٹھکانے لگا دو۔ اگر یہ اس ڈائری کے متعلق کچھ جانتے بھی ہیں تو انہوں نے سرکاری طو
پر اس کی کوئی رپورٹ نہیں دی۔"

"میں اس ڈائری کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن جاننے کی خواہش
ضرور رکھتا ہوں۔"

اجنبی کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو میرے دوست......!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اجنبی رک کر اس کی طرف
دیکھنے لگا۔ فریدی پھر بولا۔ "ظاہر ہے کہ ہم لوگ یہاں سے واپس نہیں جاسکتے۔ کیونکہ ہم یہ
نہیں جانتے کہ ہم کس مقام پر ہیں۔"

"پھر......؟"

"مرنے سے پہلے میری ایک خواہش پوری کردو۔"

"کیا......؟" اجنبی نے مسکرا کر پوچھا۔

"اس ڈائری میں کیا تھا......؟ جس کے لئے اتنا ہنگامہ برپا ہوا۔"

"ننھے بچے......!" اجنبی نے قہقہہ لگایا۔ "میں نے تمہاری شہرت سنی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ
تم تھوڑے بہت ذہین ضرور ہو گے۔"

"تو تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں ذہین نہیں ہوں۔"

"ذہین......!" اجنبی نے ایک تضحیک آمیز قہقہہ لگایا۔ "اگر تم ذرہ برابر بھی ذہین ہوتے تو
پروفیسر چودھری کے کنوئیں سے برآمد ہونے والے ہڈیوں کے ڈھانچے کو شہرت نہ دیتے۔ تم
جانتے تھے کہ چودھری کا بھوت فرضی تھا۔ تم یہ بھی جانتے تھے کہ چودھری کے مکان میں ایک
سے زیادہ ایسی پارٹیاں دلچسپی لے رہی ہیں جو ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ اگر تمہاری جگہ میں
ہوتا تو اس ڈھانچے کو چپ چاپ دبا کر تماشا دیکھتا اور پھر مجھے یہ بات معلوم کرلینے میں ذرا بھی

ڈائری نہ ہوتی کہ وہ سب کس لئے ہو رہا تھا۔"

"میں بہت پہلے اپنی شکست تسلیم کر چکا ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور حمید حیرت
سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی کا یہ جملہ اس کے لئے ایک سانحہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی کی
ردی ناقابل تسخیر ہے۔

"خیر سنو......!" اجنبی فخریہ انداز میں بولا۔ "میں تمہارے ملک سے ایک قیمتی راز لئے
جارہا ہوں۔ میں اسے دنیا کے کسی بھی جنگ باز ملک کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہوں۔"

وہ خاموش ہو کر فریدی کی طرف پر غرور انداز میں دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "یہ
ب انتہائی خطرناک گیس کا فارمولا ہے...... ایسی گیس جن کی تھوڑی سی مقدار تقریباً دو سو میل
ے گھیرے میں اثر انداز ہو سکتی ہے...... بستیوں کی بستیاں ویران کی جاسکتی ہیں۔ نہ اس میں
ہوگی کا ڈر نہ یتیمی کا خوف...... بس ایک طرف سے چھڑکاؤ...... دو سو میل کے اندر کا ایک بھی
ی روح زندہ نہیں رہ سکتا...... کیا سمجھے...... یہ تمہارے اسی پروفیسر چودھری کی ایجاد ہے اور اس
ائری میں اسی کا فارمولا درج ہے۔"

"لیکن وہ ڈائری تو پروفیسر درانی کی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں...... وہ چودھری ہی کی ڈائری ہے۔"

"تو چودھری کے یہاں تم لوگ اسی کی تلاش میں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں...... اور چودھری کا بھوت بھی میں ہی تھا...... لیکن تم اس عجیب و غریب پینٹ کی
ریف نہیں کرو گے؟ جس سے میرا چہرہ انگارے کی طرح دہکنے لگتا تھا۔"

"وہ میرے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

اجنبی چند لمحے حیرت سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا واقعی تم اتنے نڈر ہو جیسا کہ ظاہر
کرتے ہو؟"

"تم نے بھی اپنے احمق ساتھیوں کی طرح وہی بات چھیڑ دی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔
"ہاں تو تمہیں اس گیس کا علم کیونکر ہوا تھا......؟"

اجنبی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"۱۹۵۰ء کی بین الاقوامی سائنس کانفرنس میں پروفیسر چودھری نے اس قسم کی گیس کی تشکیل کے امکانات پر اظہار خیال کیا تھا اور یہ بات کہی تھی کہ اس سے ایٹمی توانائی کی طرح تعمیری کام بھی لئے جاسکیں گے۔ پہلے میں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ مختلف ممالک کے جاسوس چودھری کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ اس معاملے میں شلائز اور فریڈرک پیش پیش تھے۔ لیکن چودھری نے انہیں اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔"

اجنبی خاموش ہوگیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر فریدی کو گھورتا ہوا پُر خیال انداز میں بولا۔

"شلائز اور فریڈرک نے چودھری کے اسسٹنٹ پر ڈورے ڈالے اور کسی طرح اس سے یہ معلوم کر لینے میں کامیاب ہوگئے کہ چودھری نے ایک مختصر سے تجربے کے بعد اس گیس کا فارمولا ترتیب دے لیا ہے اور پھر وہ بُری طرح چودھری کے پیچھے پڑ گئے۔ میں سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ ایک رات عجیب اتفاق پیش آیا۔ ہم تینوں الگ الگ ایک دوسرے سے مطلق بے خبر چودھری کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ چودھری کو اغواء کروں گا۔ شاید ان دونوں کی بھی یہی سکیم رہی ہو۔ بہرحال میں اس وقت اس کمرے میں پہنچا۔ جب فریڈرک اور شلائز وہیں پر ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے چودھری شائد سوتے سوتے جاگ پڑا تھا اور اس شش و پنج میں تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ میں نے چپکے سے کمرے میں داخل ہو کر بجلی بجھا دی اور چودھری کو پیٹھ پر لاد کر لے بھاگا۔ لیکن مجھے ایک دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ شلائز اور فریڈرک کے ساتھی نیچے موجود تھے اور میں تنہا تھا۔ میں چوکور کنوئیں کے قریب والی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ ان دونوں کے ساتھیوں کی نظر مجھ پر نہیں پڑی۔ چودھری کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں تھا لیکن پھر بھی میں نے سوچا کہ کہیں اس جدوجہد میں ان لوگوں کی نظر ہم پر نہ پڑ جائے۔ لہٰذا میں نے چودھری کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ ارادہ صرف یہ تھا کہ اسے اس طرح بیہوش کردوں۔ مار ڈالنے کی نیت نہیں تھی۔ مگر تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ مر چکا ہے بہرحال میرا پورا پروگرام اپ سٹ ہوگیا۔ مجھے امید تھی کہ چودھری نے وہ فارمولا کہیں نہ کہیں لکھ ضرور چھوڑا ہوگا۔ میں نے چودھری کی لاش اس کنوئیں میں دبا دی اور چپ چاپ واپس آ گیا۔"

وہ پھر خاموش ہوگیا اور تھوڑی دیر بعد مسکرا کر بولا۔ "لیکن تم نے جس طرح وہ ڈھانچہ اس

کنوئیں سے برآمد کیا قابل تعریف ہے۔ تمہاری ذہانت میں شبہ نہیں۔ لیکن مجھ سے یہ ہرگز نہ پوچھنا کہ میں کون ہوں۔"

"اوہو......!" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "تو تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔"

اجنبی چونک پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر بولا۔ "تمہیں اب اپنی چالبازیوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ شاید تمہارے ساتھی بھی تمہاری اصلی شخصیت سے واقف نہ ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا......؟" اجنبی کی آنکھیں پھیل گئیں اور ان سے درندگی جھلکنے لگی۔

"خیر چھوڑو ہٹاؤ......!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے مرنے سے پہلے مجھے سب کچھ بتا دو گے۔"

"تم جا سکتے ہو۔" اجنبی نے کمرے کے بقیہ لوگوں سے کہا۔ وہ سب اس طرح اٹھے جیسے تاخیر ہونے پر شاید انہیں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑیں۔

"بیٹھ جاؤ......!" اجنبی نے فریدی اور حمید کو پتھر کی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آخر آپ کیا کرنے جا رہے ہیں؟" حمید نے اردو میں کہا۔

"بس دیکھتے جاؤ۔" فریدی بولا۔

اجنبی خاموش تھا۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ اب گفتگو شروع کرنے کے لئے یا تو مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہے یا موضوع ڈھونڈ رہا ہو۔

دفعتاً باہر ایک ایسا خوفناک دھماکہ ہوا کہ وہ سب سناٹے میں آ گئے اور پھر اجنبی چیخ کر بے تحاشہ دروازے کی طرف دوڑا۔

آخری منظر

حمید منہ پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا......؟'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

''ان کا زیپلن تباہ ہو گیا......!'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''زیپلن یا راکٹ......؟''

''حقیقتاً نہ وہ زیپلن تھا اور نہ راکٹ۔ کوئی نئی ایجاد تھی۔''

''لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ زیپلن ہی تباہ ہوا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اسے تباہ ہونا ہی تھا'' فریدی فخریہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''ورنہ فریدی انہیں بے بس کس طرح کرتا۔''

حمید دروازے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ فریدی نے اسے آنکھ کے اشارے سے روک دیا۔

دفعتاً باہر...... ''آگ...... آگ......'' کا شور سنائی دیا۔

''بھاگو......!'' فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

دونوں بے تحاشہ دوڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اس راکٹ نما مشین کا ڈھانچہ آگ کی لپٹوں میں گھرا ہوا تھا۔ عمارت کے ایک حصے سے بھی شعلے بلند ہو رہے تھے۔ عمارت کے مکین مخالف سمت میں بے تحاشہ دوڑے جا رہے تھے۔

''یہ کیوں بھاگ رہے ہیں۔'' حمید نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

''بھاگو، جلدی کرو۔'' فریدی بھی اسی طرف دوڑنے لگا۔ حمید بھی اس کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔

''آخر یہ کیوں بھاگ رہے ہیں؟'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''تم واقعی ڈیوٹ ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''اس عمارت میں اس کا میگزین بھی ہے۔ معلوم نہیں وہ ڈائری کہاں ہے۔''

حمید نے ایڈنا کو لڑکھڑاتے دیکھا لیکن اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اسے اٹھانے کے لئے نہ رکا۔ پھر اس نے زخمی ناک والے کو دیکھا۔ جو بقیہ ساتھیوں سے کٹ کر پلٹ پڑا تھا۔ اس نے جھک کر ایڈنا کو اٹھایا اور اپنے کاندھے پر لاد کر پھر دوڑنے لگا۔

دفعتاً پھر ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ حمید گھبرا کر مڑا۔ عمارت کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ وہ دونوں اور تیزی سے دوڑنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے ان سبھوں کو جالیا۔

وہ قوی ہیکل اجنبی جس سے وہ تھوڑی دیر قبل گفتگو کر رہے تھے کسی ایسی زبان میں اپنے ساتھیوں پر برس رہا تھا جو اُن کے لئے نئی تھی۔

''اے دوست......!'' فریدی اس سے نرم لہجے میں بولا۔ ''اس ڈائری کا کیا ہوا؟ میں بقیہ داستان سننے کے لئے بے چین ہوں۔''

''داستان......!'' وہ دانت پیس کر فریدی کی طرف لپکا۔ اگر وہ وار خالی نہ دیتا تو اس کا گھونسا اس کی پیشانی پر پڑتا۔

''اے دوست! تم نے وعدہ کیا تھا۔''

''شٹ اپ......!'' اجنبی حلق کے بل چیخا اور اپنے ساتھیوں سے گرج کر بولا۔ ''ان دونوں کی دھجیاں اڑادو۔''

''نہیں پیارے گارساں......!'' ایک طرف سے آواز آئی۔

حمید نے چونک کر دیکھا۔ زخمی ناک والا اپنے دونوں ہاتھوں میں دو ریوالور تھامے کھڑا تھا۔

اس نے مسکرا کر کہا۔ ''بقیہ داستان تمہیں سنانی پڑے گی...... اور تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔''

''اوہ...... شیفرڈ! کتے......'' گارساں غصے میں اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔

''وہ کتا تو چاند ماری کے میدان میں دفن ہے۔'' زخمی ناک والے نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

حمید اس کی آواز پہچان کر بے اختیار اچھل پڑا۔

یہ فریدی کی آواز تھی۔

لیکن فریدی تو اپنی صحیح شکل و صورت میں اس کے قریب کھڑا تھا۔ لیکن وہ پہلے سے کچھ دبلا

ضرور نظر آ رہا تھا۔

"ان کی ٹائیوں سے ان کے ہاتھ ان کی پشتوں پر جکڑ دو۔" زخمی ناک والے نے فریدی اور حمید کو اشارہ کیا اور پھر دوسرے آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ "تم صرف دس ہو اور میرے قبضے میں بارہ گولیاں ہیں اور یہ بھی سمجھ لو کہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔"

فریدی اور حمید بتائے ہوئے کام میں مشغول ہو گئے۔

ایک آدمی نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن دوسرے ہی لمحے میں زخمی ناک والے کے ریوالور کا فائر اس کا کام تمام کر چکا تھا...... اور...... بقیہ لوگ کانپ کر رہ گئے۔

گارساں شعلہ باز نظروں سے زخمی ناک والے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی ناک پر ابھی تک پٹی بندھی ہوئی تھی لیکن آواز سے اب ایسا نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی ناک زخمی ہے۔

"میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔" اس نے بے دردی سے ہنس کر کہا۔ "تم سب یہیں سو جاؤ گے۔"

"ایڈنا ڈارلنگ...... اب بتاؤ۔" حمید ایڈنا کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور سر جھکائے کھڑی رہی۔

سب کو باندھ چکنے کے بعد وہ دونوں گارساں کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچے وہ ان دونوں پر ٹوٹ پڑا۔ زخمی ناک والے کے ریوالور سے پھر ایک شعلہ نکلا اور گارساں چیخ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے اپنی بائیں ران داہنے ہاتھ سے دبا رکھی تھی۔ گولی ران میں لگی تھی۔ لیکن اس نے اپنا ہاتھ ران پر سے ہٹا لیا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی اور حمید جیسے ہی آگے بڑھے اس نے پھر ان پر حملہ کر دیا۔ فائر ہوا۔ اس بار گولی اس کے داہنے بازو پر لگی تھی۔ لیکن اس نے فریدی اور حمید کی گردنیں نہ چھوڑیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی انگلیاں آہستہ آہستہ اس کی گردن میں اترتی جا رہی ہوں۔

ایڈنا اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے زخمی ناک والے کو گھور رہی تھی۔

زخمی ناک والے نے آگے بڑھ کر ریوالور کا دستہ گارساں کے سر پر مار دیا۔ وہ پھر ان دونوں کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے سر سے بھی خون بہنے لگا تھا اس نے جھنجھلاہٹ میں اپنا خون بھرا ہاتھ اپنے چہرے پر مل لیا اور پہلے سے بھی زیادہ خوفناک دکھائی دینے لگا۔ لیکن اس کے

ہم کے تاؤ میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ ایک زخمی شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔

"ہاں پیارے...... وہ بقیہ داستان......!" زخمی ناک والا ہنس کر بولا۔ اب گارساں اس پر پٹ پڑا۔ لیکن اس بار اس نے فائر کرنے کے بجائے صرف پستول کے دستے سے کام لیا اور س کی پیشانی سے بھی لہو رسنے لگا۔

"فضول ہے...... خبیث کے فرزند......!" زخمی ناک والے نے کہا اور اسے دھکا دے یا۔ گارساں کولہوں کے بل دھب سے زمین پر آ رہا۔ وہ غصے میں شور مچاتا ہوا اپنے سر کے بال چ رہا تھا۔

"ہاں بیٹے! وہ بقیہ داستان۔" زخمی ناک والے کے لہجے میں بلا کی سفاکی تھی۔

گارساں نے اس کی طرف تھوک دیا۔

"خیر بیٹے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "تم نے اپنی داستان بڑے فخریہ انداز میں سنائی تھی۔ اب وڑی سی میری بھی سن لو...... جسے تم فریدی سمجھ رہے ہو۔ وہ فریدی کا ایک شاگرد انور ہے اور یدی یہ خاکسار ہے۔"

حمید نے انور کی طرف دیکھا، جو فریدی کی شکل میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کتنا کامیاب میک پ تھا۔

"تمہارے ساتھیوں نے مجھے چیلنج کر کے انتہائی حماقت کا ثبوت دیا تھا۔"

فریدی پھر بولا۔ "چاند ماری کے میدان میں اتفاق سے تمہارا آدمی شیفرڈ میرے ہاتھ لگ یا جسے میں پہلے بھی ہارلے بلڈنگ میں دیکھ چکا تھا۔ بہر حال میں نے گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ ر دیا۔"

حمید کے ذہن میں اس رات کے واقعات چکر لگانے لگے جب اس نے فریدی کو اپنے ندھے پر ایک لاش اٹھائے دیکھا تھا۔

"ہاں تو اے دنیا کے پر اسرار ترین آدمی گارساں۔" فریدی بولا۔ "میں نے شیفرڈ کو وہیں ڑھے میں دفن کر دیا اور خود پر اس کا میک اپ کر کے ہارلے بلڈنگ پہنچ گیا۔ میرا اندازہ ست تھا۔ تمہارے سارے ساتھی وہیں مقیم تھے۔ میں نے اپنی ناک پر پٹی باندھ لی تھی تاکہ

ناک زخمی ہونے کا بہانہ کر کے آزادی سے اپنی آواز بدل سکوں...... تمہارے کسی آدمی کو مجھ پر ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوا۔ پھر دوسرے دن جب وہ مجھے پکڑنے کی اسکیم بنا رہے تھے میں نے ایک زبردست قسم کھائی اور عہد کیا کہ میں یا تو فریدی کو پکڑ لاؤں گا یا پھر زندگی بھر انہیں اپنی شکل دکھاؤں گا...... لہٰذا میں فریدی کو پکڑ لایا۔"

فریدی نے انور کو آنکھ ماری۔

"اور یہ چوہیا......!" فریدی نے ایڈنا کی طرف اشارہ کیا۔ "جو بڑی دانش مند تھی آخر چکر میں آ ہی گئی۔"

گارساں پھر چیخ کر فریدی کی طرف جھپٹا مگر اسے پہلے ہی کی طرح زمین پر بیٹھ جانا پڑا کیونکہ یہ اس کے سر پر تیسرا زخم تھا...... اور پہلے کے زخموں سے گہرا بھی۔

"اس کے بھی ہاتھ باندھ دو......!" فریدی نے حمید اور انور سے کہا۔

گارساں زیادہ دیر تک جدوجہد جاری نہ رکھ سکا۔ اس کے جسم سے کافی خون بہہ گیا تھا۔

حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔

"اور اس کا کیا ہوگا......؟" حمید نے ایڈنا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس کا آملیٹ بنے گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ پھر گارساں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "ڈائری کہاں ہے؟"

گارساں پاگلوں کی طرح ہنس پڑا اور اس نے اپنا چہرہ گھما کر اس خاک کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا جو کچھ دیر قبل ایک عمارت کی شکل میں تھا۔

انور کو یقین نہ آیا۔ اس نے اس کی جامہ تلاشی لی لیکن ڈائری برآمد نہ کر سکا۔

"ہم واپس کس طرح جائیں گے؟" حمید نے پوچھا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی سرزمین میں نہیں ہو؟"

"میرا تو یہی خیال ہے۔"

"غلط خیال ہے...... ہم رام گڈھ سے بمشکل تمام دس یا پندرہ میل کے فاصلے پر ہوں گے"

"رام گڈھ......؟" حمید اچھل کر بولا۔

"ہاں تمہیں حیرت کیوں ہے۔"

"اپنے یہاں سے رام گڈھ کا فاصلہ کیا ہے؟" حمید نے کہا۔

"تقریباً ڈیڑھ ہزار میل۔"

"اور ہم نے چند گھنٹوں میں یہ مسافت طے کر لی تھی۔ میرا خیال ہے کہ بمشکل دو گھنٹے ن ہوئے ہوں گے۔"

"انکی وہ اڑنے والی مشین انتہائی حیرت انگیز تھی۔ تمہیں یاد ہے کہ تم کہاں سے اڑے تھے؟"

"مجھے ہوش نہیں تھا۔"

"تمہیں سن کر حیرت ہوگی کہ وہ مشین ہارلے بلڈنگ کی چھت پر اترا کرتی تھی اور وہیں پرواز بھی کرتی تھی۔ اس میں آواز اتنی کم پیدا ہوتی تھی کہ پڑوس والے تک اس کے وجود لاعلم تھے اور اندھیری رات میں وہ لوگوں کی نظروں سے بچ کر پرواز کر جاتی تھی۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر گارساں سے کہنے لگا۔ "جانتے ہو تمہاری اڑنے مشین کا کیا حشر ہوا......؟"

گارساں کچھ نہ بولا۔

"یہ تمہارے ہی میگزین کے ایک ٹائم بم کا کرشمہ تھا۔ میں نے پچھلی رات کو اس عمارت کا ایک گوشہ دیکھ ڈالا تھا اور وہ بم اس مشین میں آج صبح رکھا گیا تھا...... کیا سمجھے...... مجھے نہیں آتا کہ تم وہی گارساں ہو جس کیلئے ساری دنیا حیران ہے...... مگر یار میں ناحق یہ کہہ رہا اگر مجھے تمہارا وہ ہاتھی نما ٹرانسمیٹر اور وہ چھڑی نہ ملتی تو میں بھی اندھیرے ہی میں رہتا۔"

وہ قیدیوں کو لے کر عمارت کے ملبے کے قریب آئے۔ ڈائری کا خیال فضول ہی تھا اس کی دھجیاں اڑ گئی ہوں گی۔

حمید اب بھی سوچ رہا تھا کہ اس ڈائری میں کیا تھا اور اس کا علم گارساں کو کس طرح ہوا کیا اسی میں اس گیس کا فارمولا درج تھا؟

"یہ گاؤں......!" فریدی گہری وادی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "آج سے چھ سال قبل تھا۔ بدھ مذہب کے لوگوں کی آبادی تھی۔ اچانک ہیضہ پھیلا اور پورا گاؤں صاف ہو گیا اور

جو بچ گئے...... پھر انہوں نے ادھر کا رخ نہ کیا۔"

کارواں چل پڑا۔

قیدی آگے تھے اور وہ تینوں ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالو تھے۔ ایڈنا کے ہاتھ بھی انور نے اپنی ٹائی سے باندھ دیئے تھے۔ قیدی سر جھکائے چل رہے تھے۔ ان کی چال سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب اپنے کسی خاص عزیز کو دفن کر کے قبرستان سے لوٹ رہے ہوں۔

"بقیہ داستان تو رہ ہی گئی۔" انور ہنس کر بولا۔

"بقیہ داستان مجھے معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "فریڈرک بیان دے کر مرا ہے۔ اس کے بیان سے میں نے جو نتائج اخذ کئے ہیں میرے خیال سے وہ غلط نہیں۔ پروفیسر چودھری دفن کر دینے کے بعد گارساں عرصہ تک اس خیال میں رہا کہ چودھری نے اس فارمولے متعلق کوئی تحریر ضرور چھوڑی ہوگی۔ فریڈرک اور شلائر چودھری کی تلاش میں رہے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کہیں روپوش ہو گیا۔ شلائر بہت بڑا عیار تھا۔ اس نے کسی طرح چودھری کے اسسٹنٹ سے یہ معلوم کر لیا کہ چودھری کے سارے فارمولے اس کی ڈائری میں رہا کرتے تھے۔ لیکن بھی اسی خیال میں تھا کہ چودھری ان کے خوف سے کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی ڈائری بھی اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔ اس کے برخلاف جب اس ڈائری کا علم گارساں کو ہوا تو اس نے چودھری کی کوٹھی میں اس کی تلاش شروع کر دی اور پھر جب اس نے یہ دیکھا کہ شلائر اور فریڈرک بھی چودھری کا چکر چھوڑ کر اسی ڈائری کی فکر میں پڑ گئے ہیں تو اس نے چودھری کے بھوت ڈھونگ رچایا تاکہ کم از کم چودھری کے گھر والے اس کی سرگرمیوں میں حارج نہ ہو سکیں۔ چودھری کے اسسٹنٹ نے دو ماہ تک اس کا انتظار کیا۔ پھر اس نے پروفیسر درانی کے یہاں ملازمت کر لی۔ اس کا وہ سکریٹری جو لاپتہ ہے وہی تھا۔ لاپتہ کیا...... وہ بیچارہ بھی اب اس دنیا میں نہیں۔"

"کیوں اسے کیا ہوا......؟" انور چونک کر بولا۔

"شلائر نے اسے بھی ختم کر دیا۔" فریدی نے کہا۔ "فریڈرک سائے کی طرح شلائر کے پیچھے لگا رہتا تھا اور اسے اس کے متعلق سب کچھ معلوم تھا۔ وہ اس کے معمولی سے معمولی پروگرا

واقف رہتا تھا۔ ہاں تو پروفیسر درانی کو اپنے سکریٹری پر بڑا اعتماد تھا جس دن اس کنوئیں سے ھری کا پنجر برآمد ہوا تھا اسی دن شاید اس خبر سے متاثر ہو کر درانی نے سکریٹری کو بتایا کہ ھری نے اپنی گمشدگی سے دو دن قبل اسے اپنی ڈائری دی تھی اور کہا تھا کہ وہ اسے حفاظت رکھے کیونکہ اسے ان لوگوں میں کچھ غیر ملکی جاسوسوں کا شبہ ہو گیا تھا، جو اسے اس کے مداح کر گھیرے رہا کرتے تھے۔ سکریٹری خود بھی عرصے سے اس ڈائری کی تلاش میں تھا۔ اس وقت نے درانی سے اس کے متعلق کوئی بات نہ کی۔ اسی دن اتفاق سے اس کی ملاقات شلائر سے ئی۔ وہ اسے ایک جرمن سائنسدان کی حیثیت سے جانتا تھا۔ اس نے اسے اکثر چودھری کے اتھ بھی دیکھا تھا۔ غالباً اس نے سوچا ہوگا اگر اسے ڈائری مل بھی گئی تو وہ کہاں اس کا سودا کرتا رے گا کیوں نہ اس کا تذکرہ اس جرمن سائنسدان سے کرے۔ لہٰذا اس نے شلائر سے اس کا رہ کیا۔ وہ تو تھا ہی اسی چکر میں۔ معاملہ پچیس ہزار پر طے ہو گیا اور دونوں نے اسے پروفیسر انی کی کوٹھی میں تلاش کرنے کی اسکیم بنائی۔ لیکن بھلا شلائر اسے کس طرح گوارا کر لیتا کہ اس میں اس کا کوئی شریک بھی ہو۔ اس کے لئے اتنی ہی اطلاع کافی تھی کہ وہ ڈائری پروفیسر انی کی کوٹھی میں موجود ہے۔ اس نے اسی شام کو پروفیسر درانی کے سکریٹری کو ٹھکانے لگا دیا۔ ڈرک نے اس جگہ کی نشاندہی کی تھی جہاں اس کی لاش دفن کی گئی تھی۔ میں تو ادھر پھنس گیا ن مجھے یقین ہے کہ پولیس نے اسے برآمد کر لیا ہوگا۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔ وہ ابھی تک شیفرڈ ہی کے بھیس میں تھا اور اس کی ل پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ انور نے بھی اپنا میک اپ نہیں بگاڑا تھا۔

"ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا......؟" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ٹھیک ہے...... اسی رات کو لائر پروفیسر کی کوٹھی میں گھسا۔ فریڈرک بھی اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ اگر وہ ری شلائر کے ہاتھ لگ بھی گئی تو وہ اسے اس سے بزور حاصل کر لے گا۔ لیکن وہ اس تیسری ٹی سے خائف ضرور تھا۔ جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ مرتے دم تک اسے اس کا علم ہو سکا کہ تیسری پارٹی کا تعلق گارساں سے تھا۔ بہرحال شلائر اس کی تلاش میں تھا کہ اس کی بھیڑ درانی سے ہو ن۔ وہ اس کی خوابگاہ میں گھس گیا تھا۔ وہیں اسے پروفیسر سے دوچار ہونا

پڑا اور پھر اس نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے اسے قتل کر دیا۔ دوسری رات کو شلائر نے ڈائری کا پتہ لگالیا......اور اس کے بعد تو تم جانتے ہی ہو۔"

"اس کا افسوس ہے کہ وہ ڈائری ضائع ہوگئی۔" حمید بولا۔

"مجھے قطعی افسوس نہیں۔ اس کا ضائع ہوجانا ہی اچھا ہوا۔ کیونکہ آدمی ابھی ارتقا کی اس منزل پر نہیں پہنچا جہاں پر فرشتے کا گمان ہو سکے۔"

حمید اکتاہٹ میں مبتلا ہوجانے کے خوف سے اپنا ذہن ادھر اُدھر ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر ایڈنا کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"ہیلو ڈارلنگ......اب ہم لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے کیا میں اب بھی تمہیں بارش میں بھیگا ہوا اُلو معلوم ہوتا ہوں؟"

"شٹ اپ......!" وہ بھنا کر بولی۔

"خواہ مخواہ تمہاری عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"خدا کے لئے مجھے پریشان مت کرو۔"

ایڈنا چلتے چلتے رک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یا تو اس سے میرا پیچھا چھڑاؤ......یا مجھے گولی مار دو۔"

"اچھا......چلو......تم آگے چلو۔" فریدی نے اس سے کہا اور حمید کی گردن پکڑلی۔

"دیکھئے......خدا کی قسم آپ ہر معاملے میں ٹانگ نہ اڑایا کیجئے۔"

"کیوں پریشان کر رہا ہے اسے؟"

"کیوں؟" حمید جھلا کر بولا۔ "کیا اسے متبنیٰ کرنے کا ارادہ ہے۔ اگر ایسا خیال ہے تو میرے باپ کو بھی فرزندی میں قبول فرمایئے۔"

انور اس کی پیٹھ پر ایک دھول جما کر ہنسنے لگا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 26

دوہرا قتل

(مکمل ناول)

ہمزاد

جھن جھناک......

نوکر کے ہاتھ سے تلوار نکل کر دور جا گری اور وہ احمقوں کی طرح منہ کھولے اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑا رہا۔

"چلو اٹھاؤ...... پھسڈی۔" حمید اپنی تلوار کو خلاء میں گردش دیتا ہوا للکارا۔

"بیٹا یہ سپہ گری ہے...... ہنسی کھیل نہیں۔"

"اب میں ہاتھ جوڑتا ہوں صاحب۔" نوکر گڑگڑا کر بولا۔

"ابے تم پٹھان ہو۔"

"باپ دادا رہے ہوں گے؟ میں تو......!"

"چلو کچھ نہیں...... اٹھاؤ تلوار...... شاباش...... بس دو دو ہاتھ اور......!"

"اور جو ابکی لگ ہی گئی؟"

"اچھا اچھا...... میں احتیاط کروں گا۔"

نوکر نے طوعاً وکرہاً پھر تلوار اٹھائی اور الٹے سیدھے ہاتھ مارنے لگا۔ حمید کو صبح سے اختلاج ہو رہا تھا۔ کئی بار کسی نئے مشغلے کی دریافت کے سلسلے میں ذہن کو جھٹکے دیئے، لیکن کچھ نہ سوجھا۔ اتوار کا دن تھا۔ فریدی بھی گھر پر موجود نہیں تھا کہ اُسی سے تھوڑی دیر بکواس کر کے دل بہلاتا۔ اُس نے اپنے اس اختلاج کے لئے بھی اتوار ہی کا دن مقرر کر رکھا تھا۔ عموماً سنیچر کی شام ہی سے

بجات میں مشغول ہو جاتا اور یہ سلسلہ کافی رات گئے تک جاری رہتا پھر سوتے سوتے تین بج تے اور اتوار کی صبح کو وہ معدے میں ہلکی سی گرانی لے کر بیدار ہوتا۔ معدے کے انجرات دل و غ سے ٹکراتے اور اختلاج شروع ہو جاتا۔ آج بھی یہی ہوا تھا۔ بڑی دیر تک اس کا اُکھڑا ہوا ن اُسے خیالی قلابازیاں کھلاتا رہا۔ آخر کار اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی نوکر کو پکڑ کر تھوڑی دیر تک یزنی ہی کی جائے۔ فریدی کی موجودگی میں وہ شاید اس کا خیال بھی دل میں نہ لاتا۔

نوکر بیچارہ بُری طرح خائف تھا۔ کئی بار تو اس کی چیخیں نکل گئی تھیں۔

ہر لحظہ اُسے ایسا ہی محسوس ہوتا تھا جیسے تلوار اب لگی اور تب لگی۔

"پوری قوت سے حملہ کرو۔" وہ ہانپ رہا تھا۔

"اگر تمہارا ہاتھ رکا تو...... گردن صاف۔"

"ارے باپ رے۔" وہ لرزتی ہوئی آواز میں چیخ کر پیچھے ہٹا۔

"دشمن سمجھ کر حملہ کرو۔" حمید نے کہا۔

نوکر شروع ہی سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن جان بچتی نظر نہیں آتی تھی۔ اس بار اس نے جھلا کر تلوار ماری اور حمید نے قہقہہ لگایا۔

"شاباش......!"

وہ پے در پے وار کرتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اناڑی ہی تھا اس لئے جلد ہی ہانپنے لگا۔ وہ سمجھا تھا شاید اسی طرح پیچھا چھوٹ جائے گا، لیکن تھکن کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ لگا۔ آخر وہ تلوار پھینک کر برآمدے کی طرف بھاگ نکلا۔ تقریباً سارے ہی نوکر یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے قہقہے بلند کئے۔

"چل بے نصیر......!" حمید نے ایک دوسرے نوکر سے کہا۔

"بخشئے سرکار......!"

"چل بے۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

پھر حمید اُسے گردن پکڑ کر لان پر کھینچ لایا۔

"ارے میں مرا......!" وہ گھٹی ہوئی آواز میں چلایا۔

"شوپ راؤ......!"

مرتا کیا نہ کرتا...... اُسے بھی تلوار اٹھانی ہی پڑی، لیکن وہ اُسے اتنی احتیاط سے ہلا رہا تھا جیسے شیشے کی ہو۔ حمید نے جھپٹ کر تلوار ماری اور بوڑھا نصیرا ہائے کر کے چاروں خانے چت گر پڑا۔

اتنے میں ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ حمید سمجھا شائد فریدی آ گیا۔ وہ نصیرا کی طرف دھیان دیئے بغیر مڑا...... کار فریدی کی نہیں تھی۔

ایک وجیہہ اور کافی تندرست جوان آدمی کار سے اتر رہا تھا۔ صورت حمید کے لئے بالکل نئی تھی۔ حمید نے تلوار کی نوک زمین پر ٹیک دی۔ دوسرا لمحہ یقیناً چونکا دینے والا تھا نہ صرف حمید بلکہ سارے نوکر حیرت زدہ رہ گئے۔ ایک ہی شکل وصورت کے دو آدمی اُن کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کا لباس بھی یکساں تھا۔ قد میں بھی کوئی واضح فرق نہ نظر آیا۔ پھر وہ دونوں ان کی طرف بڑھے۔ دونوں کے پیر برابر سے اٹھ رہے تھے۔ ان کی چال میں بھی اختلاف نہیں تھا۔

"آداب عرض......!" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ "آواز میں فرق رہا بھی ہو تو ایسے موقعے پر اس طرف دھیان دینے کا کسے ہوش رہتا ہے۔"

"فرمائیے......!" حمید بوکھلا کر بولا۔

"انسپکٹر فریدی صاحب سے ملنا ہے۔" دونوں نے بیک وقت کہا۔

"وہ اس وقت موجود نہیں۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" اس بار بھی وہ ایک ساتھ ہی بولے۔

حمید ایک لحظہ انہیں گھورتا رہا پھر بولا۔

"آپ لوگ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔"

"میڈ غاسکر سے۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"اسم شریف......!"

"صغیر شاہد......!" دونوں نے کہا۔

"اور آپ کا......!" حمید دوسرے سے مخاطب ہوا۔

"صغیر شاہد......!" دونوں نے دہرایا۔

"یعنی آپ دونوں کا......!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"دو......!" دونوں متحیر ہو کر بولے۔ "دو کون! میں تنہا ہوں! نہ جانے یہاں کے لوگوں کو ہو گیا ہے۔ اگر فریدی صاحب نے بھی دو ہی کہا تب تو مصیبت آ جائے گی۔"

"یعنی......!" حمید چونک پڑا۔

"یعنی یہ کہ یہاں سب کے دماغوں میں فتور معلوم ہوتا ہے۔" دونوں نے کہا۔ "ایک کے کھائی دیتے ہیں۔ میں خان بہادر ظہیر شاہد کا چھوٹا بھائی ہوں۔ میڈ غاسکر میں میری تجارت ۔ کچھ دنوں کے لئے یہاں آیا ہوں...... آیا نہیں بلکہ شامت لائی ہے۔"

حمید سناٹے میں آ گیا...... اس نے پلٹ کر نوکروں کی طرف دیکھا، جو ایک ایک کر کے سے کھسکتے جا رہے تھے۔

"فریدی صاحب سے آپ کیوں ملنا چاہتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"سی آئی ڈی والوں نے تنگ کر رکھا ہے۔" دونوں نے کہا۔

"کیوں......؟" حمید نے سوچے سمجھے بغیر سوال کیا۔

"انہیں بھی میں دو ہی نظر آتا ہوں۔" دونوں بولے۔

"تو فریدی صاحب کیا کر سکیں گے۔"

"وہ میرے بھائی صاحب خان بہادر ظہیر شاہد کے دوست ہیں۔ شاید کچھ کر سکیں۔"

"کیا آپ میں سے ایک نہیں بول سکتا۔" حمید نے کہا۔

"کیا لغویت ہے......!" دونوں چیخے۔

حمید چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر بولا۔

"میں فریدی صاحب کا اسسٹنٹ ہوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" دونوں نے اپنے ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیئے۔ حمید کا ہاتھ بھی ن کی طرف بڑھا لیکن اس کے ہاتھ میں اُن دونوں کے ہاتھ بیک وقت آ گئے۔ وہ دونوں قطعی دّی تھے۔

"لیکن بیکار...... قطعی بیکار......!" انہوں نے مایوسی سے کہا۔ "آپ کو بھی ایک کے دو

دکھائی دیتے ہیں۔"

حمید متحیر ضرور تھا لیکن اس پر جھنجھلا گیا۔

"کیا آپ کو دوسرا نہیں دکھائی دیتا۔" اس نے ایک سے کہا۔

"کہاں؟" وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بولے۔ دیر تک دیکھتے رہے پھر انہوں نے مایوسی سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "کس مصیبت میں پھنس گیا۔ لعنت ہے اس سرزمین پر...... میں جلد سے جلد واپس چلا جاؤں گا۔"

حمید نے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑ کر ان کی طرف دیکھا اور اپنا سر اس انداز میں سہلانے لگا جیسے دفعتاً دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہو۔

"آپ مُدغاسکر سے ایک ہی پاسپورٹ پر آئے ہیں۔" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا دس پر آتا......!" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"پاسپورٹ موجود ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں......!" دونوں اپنے کوٹوں کی اندرونی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولے۔

انہوں نے پاسپورٹ نکالے اور حمید کی طرف بڑھا دیئے۔

حمید انہیں دیکھنے لگا۔ دونوں ایک ہی آدمی کے پاسپورٹ تھے۔ دونوں پر ایک ہی نام تحریر تھا۔ ولدیت بھی ایک ہی تھی۔ روانگی تاریخ اور مقام بھی ایک ہی تھے۔ اُس نے دونوں پاسپورٹوں کو اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"تو آپ......!" وہ بولا۔ "خان بہادر ظہیر ہی کے یہاں مقیم ہیں۔"

"جی ہاں......!" انہوں نے جواب دیا۔

"بہتر...... آپ تشریف لے جائیے۔ میں فریدی صاحب کو وہیں بھیج دوں گا۔"

"پاسپورٹ......!" دونوں نے ہاتھ بڑھائے۔

"اوہ...... معاف کیجئے گا......!" حمید نے ایک پاسپورٹ نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ دونوں نے اپنے ہاتھ گرا لئے۔ ان میں سے ایک کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں دونوں ہنسنے لگے۔

"واہ جناب خوب مذاق ہے۔" انہوں نے کہا۔ "یہ تو آدھا ہے...... میں نے آپ کو پورا پاسپورٹ دیا تھا۔"

حمید اُسے بھی جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "آپ کو دھوکہ ہوا ہے...... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے آپ سے پاسپورٹ لیا ہی نہیں تھا۔"

"ہائیں......!" دونوں منہ کھول کر اُسے گھورنے لگے۔

"آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

"مذاق نہ کیجئے......" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں یہیں رک کر فریدی صاحب کا انتظار کروں گا۔"

"اچھا تو پھر اندر تشریف لے چلئے۔" حمید کی رگ شرارت پھڑکنے لگی تھی۔ وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ دونوں ایک ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنی جیبوں سے سگریٹ نکالے۔ یہ بھی ایک ہی قسم کے تھے۔ دونوں نے ساتھ ہی سگریٹ سلگائے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دونوں کسی مشین کے ذریعے حرکت کر رہے ہیں۔ دونوں کی یکساں حرکتوں میں توقف کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ حمید انہیں تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ گھر کے سارے نوکر کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے۔

"گھر والوں نے الگ ناطقہ بند کر رکھا ہے۔" انہوں نے کہا۔ "زندگی حرام ہو گئی...... یہاں آ کر پچھتایا۔"

"پاسپورٹ سنبھالئے۔" حمید نے ایک پاسپورٹ اُن کی طرف اچھال دیا جو اُن کے سامنے ہی جا کر گرا۔ لیکن انہوں نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔

"مُدغاسکر میں آپ کا کب سے قیام ہے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ وہ انہیں لے تو آیا تھا لیکن اب اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُن سے کیا گفتگو کرے۔

"دس سال سے...... آدھا بھی واپس کر دیجئے۔" انہوں نے کہا۔

"شادی ہو چکی ہے آپ کی۔" حمید نے اُن کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔

"شادی......!" دونوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "اسی لئے آیا تھا لیکن جس لڑکی سے رشتہ

طے تھا اُس نے بھی مجھے ایک تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔"

"آپ کی بھائی صاحب کیا کہتے ہیں۔"

"وہ بھی دو ہی کہتے ہیں۔"

"واقعی یہ بہت بڑا ظلم ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا اور دوسرا پاسپورٹ بھی ان کی طرف پھینک دیا۔

"شکریہ۔" دونوں نے اپنے اپنے پاسپورٹ اٹھا کر جیبوں میں ڈال لئے۔ حمید تھوڑی دیر تک بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ تشریف رکھئے میں ایک منٹ میں حاضر ہوتا ہوں۔"

اندر آ کر اس نے سارے نوکروں کو اکٹھا کیا اور ان سے آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔ پھر وہ ڈرائنگ روم میں لوٹ آئے۔ دونوں ہم شکل ایک ہی انداز سے خاموش بیٹھے تھے۔

"نہیں آئے فریدی صاحب۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی نہیں......!" حمید نے کہا۔ اس کے چہرے پر شرارت اور بے چینی کے ملے جلے آثار نظر آرہے تھے۔

دفعتاً دونوں طرف کے دروازوں سے چار چار نوکر برآمد ہوئے اور اُن دونوں پر ٹوٹ پڑے۔ تھوڑی جدوجہد کے بعد وہ سست پڑ گئے۔ ایک ایک کو چار چار نے پکڑ رکھا تھا۔

"اس بدتمیزی کا مطلب۔" دونوں رک رک کر بولے۔

"ابھی بتاتا ہوں......!" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

پھر دونوں کو الگ الگ کمروں میں بند کر دیا گیا۔

"اب کیا خیال ہے۔" حمید نے ایک کمرے کے باہر سے پوچھا۔ "کیا نام ہے تمہارا۔"

"آدھا صغیر شاہد......!" اندر سے آواز آئی۔ "صغیر شاہد ایک بٹا دو۔"

دونوں کمرے ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے اور یہ بات ناممکن تھی کہ ایک کی آواز دوسرے تک پہنچ سکے۔ حمید نے دوسرے کمرے کے پاس آ کر بھی وہی سوال دہرایا لیکن جواب من وعن تھا، جو پہلے آدمی سے ملا تھا۔

"اگر میں آدھے صغیر شاہد کو گولی ماردوں تو۔" حمید نے پوچھا۔

"دوسرا آدھا خود بخود مر جائے گا۔" جواب ملا۔

حمید دوسرے کمرے کی طرف بڑھا لیکن ابھی وہ درمیان ہی میں تھا کہ اس نے دو چیخیں سنیں۔ یہ دونوں انہیں کمروں سے بلند ہوئی تھیں۔ حمید نے جھپٹ کر دروازہ کھولا۔ ایک صغیر شاہد کمرے کے فرش پر چاروں خانے چت پڑا تھا۔ اُس کے دانت بیٹھ گئے تھے اور غشی کی ساری علامات موجود تھیں۔ پھر وہ بھاگ کر دوسرے کمرے کی طرف آیا۔ یہاں بھی وہی حال تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہوں پر بیہوش پڑے تھے۔ حمید نے انہیں اٹھوا کر پھر یکجا کر دیا۔ اور وہ اس طرح ہوش میں آ گئے جیسے بجلی کا کرنٹ لگتے ہی کوئی مشین چل پڑے۔

وہ چند لمحے سراسیمگی کے ساتھ ادھر اُدھر دیکھتے رہے پھر اس طرح اٹھ کر بیٹھ گئے جیسے انہیں کچھ دیر قبل کی کوئی بات یاد نہ ہو۔

"کیا آپ تھوڑا پانی پلوا سکیں گے۔" انہوں نے حمید سے کہا۔

"ضرور......!" حمید خود ہی اٹھ کر پانی لینے چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں صرف ایک گلاس تھا۔ اُس نے وہی اُن دونوں کی طرف بڑھا دیا۔ دونوں نے ایک ساتھ گلاس پر ہاتھ ڈالے۔ حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ دونوں ایک ساتھ پانی پینے کی کوشش کر رہے تھے اور ان کے چہروں پر اس وقت بھی بلا کی سنجیدگی تھی۔ بالآخر دونوں نے اپنے منہ گلاس سے لگا دیئے اور سارا پانی ان پر الٹ گیا۔ پھر خالی گلاس حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے رومالوں سے اپنے منہ پونچھے۔ کپڑوں پر گرے ہوئے پانی کی طرف انہوں نے دھیان ہی نہیں دیا۔ حالانکہ شاید گریبانوں سے گذر کر پانی اُن کے سینوں تک پہنچ گیا تھا۔

"آٹھ اور آٹھ کتنے ہوتے ہیں۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔ اُسے کچھ کچھ یقین ہو چلا تھا کہ وہ دونوں پاگل بھی ہیں۔

"آٹھ اور آٹھ ہوتے ہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے کہ آٹھ اور آٹھ کی جمع کتنی ہوگی۔" حمید جلدی سے بولا۔

"اٹھاسی۔" انہوں نے کہا۔

"اگر میں آپ دونوں کے سر ٹکرا دوں تو کیا باقی بچے گا۔"

"بہت ہو چکا۔" دونوں غصہ سے گھونسہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ "اگر آپ نے "دونوں" کہا تو اچھا نہ ہوگا۔"

"بیٹھئے بیٹھئے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں یونہی مذاق کر رہا تھا۔"

"آپ بڑی دیر سے مذاق کر رہے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں۔"

"اب نہیں کروں گا۔" حمید نے یقین دہانی والے انداز میں کہا۔

دونوں بیٹھ گئے۔

"آپ فضائی راستے سے آئے ہیں یا بحری راستے سے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"بحری راستے سے۔"

"جہاز والوں نے بھی آپ کو دو ہی سمجھا ہوگا۔"

"جی ہاں...... آج کل مجھے پوری دنیا پاگل نظر آتی ہے۔" دونوں بولے۔

"آپ شروع ہی سے دو حصوں میں تقسیم ہیں۔"

"میرے نجی معاملات سے آپ کو کیا سروکار......!" دونوں نے کہا۔

"آپ یہاں سے مڈغاسکر تنہا گئے تھے۔" حمید نے پھر سوال کیا۔

"ہائیں...... پھر وہی......!" دونوں آنکھیں پھاڑ کر بولے۔

حمید بوکھلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُن سے گفتگو کس طرح کرے اور کیا پوچھے۔ اس سے قبل بارہا اس کی نظروں سے تحیر خیز واقعات گذرے تھے، لیکن یہ اپنی نوعیت کا ایک ہی تھا۔

"تو آپ فریدی صاحب سے مل کر ہی جائیں گے۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں...... اب اس بات کا فیصلہ ہی ہو جانا چاہئے۔"

"فیصلہ......!" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "فیصلہ میں کئے دیتا ہوں۔"

پھر اس نے نوکروں کو پکارنا شروع کیا، جو دوسرے کمرے کی کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے۔

"پکڑو انہیں۔"

قبل اس کے کہ وہ سنبھلتے نوکروں نے انہیں پھر قابو کر لیا۔

"تجربہ گاہ میں لے چلو......!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

وہ انہیں فریدی کی کیمیاوی تجربہ گاہ میں لایا۔

"کرسیوں میں جکڑ دو انہیں۔" حمید نے نوکروں سے کہا لیکن اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی دونوں ہم شکلوں نے نہ تو اس پر احتجاج کیا اور نہ ہی گلو خلاصی کے لئے ہاتھ پیر مارے اور جب انہیں کرسیوں سے باندھا جا رہا تھا تو ان کے چہرے پر اتنا اطمینان تھا جیسے اُن کی تاج پوشی کے سلسلے میں یہ سارے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔"

حمید نے دونوں کے چہروں کو خوب اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا۔ پھر کچھ دیر تک محدب شیشے کے عدسے ان کے خدوخال کا جائزہ لیتا رہا اور وہ اس طرح بیٹھے رہے جیسے ان کا ڈاکٹری معائنہ ہو رہا ہو۔

"یہاں درد ہوتا ہے۔" انہوں نے اس وقت کہا جب حمید ایک کا داہنا جبڑہ ٹٹول رہا تھا۔

"دانت میں......!" حمید نے کہا اور میز سے زنبور اٹھاتا ہوا بڑبڑایا۔ "نکال دوں دانت۔"

"نکال دیجئے۔" دونوں نے لاپروائی سے کہا اور حمید زنبور رکھ کر انہیں گھورنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ انہیں ٹھونک بجا کر دیکھتا رہا۔ اس نے وہ سارے ذرائع اختیار کئے جن سے کامیاب ترین میک اپ بھی ختم ہو سکتا تھا...... مگر...... اُن دونوں کے چہرے جوں کے توں رہے۔ بال برابر فرق بھی ظاہر نہ ہو سکا۔

"یارو میں ہار گیا......!" حمید بے بسی سے بولا۔ "اب ختم کرو یہ مذاق۔"

"مذاق آپ کر رہے ہیں یا میں۔" دونوں گرج کر بولے۔

"آپ دونوں ساتھ پیدا ہوئے تھے۔"

"ارے خدا تمہیں غارت کرے۔" دونوں حلق کے بل چیخے اور ان کی کرسیاں الٹ گئیں۔

نوکروں نے کرسیاں پھر سیدھی کر دیں۔ وہ سب ہنسی سے دوہرے ہوئے جا رہے تھے۔

"کیا ہنگامہ ہے۔" فریدی کی تیز آواز سنائی دی۔ حمید چونک کر مڑا۔ نوکر اس طرح سنجیدہ ہو گئے تھے جیسے انہیں ملک الموت نظر آ گیا ہو۔

"جاؤ اپنا کام کرو۔" اُس نے سخت لہجے میں کہا اور وہ سب چپ چاپ باہر چلے گئے۔ پھر

وہ حمید کو گھور کر بولا۔ ''یہ کیا حرکت۔''

''ملاحظہ فرمائیے۔'' حمید نے اُن دونوں کی طرف اشارہ کیا۔

''کیوں باندھ رکھا ہے۔'' فریدی رک کر بولا۔ ''ظہیر کے بھائی کو۔''

''مگر دوسرا کون ہے۔''

''دوسرا......؟'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''بھنگ تو نہیں پی گئے۔ دوسرا کہاں ہے دوسرا کون؟''

الجھن

حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ نہ صرف بھنگ بلکہ تاڑی، شراب اور افیون وغیرہ وغیرہ کا کاک ٹیل پی گیا ہو کیونکہ فریدی نے یہ جملہ بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔

''خدا آپ کا بھلا کرے۔'' دونوں نے خوشی کا نعرہ لگایا اور بیساختہ اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش میں کرسی سمیت منہ کے بل نیچے چلے آئے، فریدی نے دوڑ کر انہیں سیدھا کیا اور ان کی رسیاں کھولنے لگا۔

''آپ فرشتہ ہیں۔'' دونوں نے کہا۔ ''رحمت کا فرشتہ...... اس ملک میں آپ پہلے آ ہیں جسے ایک کے دو نہیں دکھائی دیتے۔''

''میں پاگل نہیں ہوں۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے آپ کی دشواریوں کا ہے...... میں ابھی ظہیر ہی سے مل کر آ رہا ہوں۔''

''بھائی صاحب نے کہا تھا کہ آپ اُن کے دوست ہیں، لیکن آپ کے اسسٹنٹ نے بے حد پریشان کیا ہے۔ نہ جانے کن کن چیزوں سے میرا منہ دھلوایا کہ اب تک جلن ہو رہی ہے۔''

''کیوں......؟'' فریدی پھر حمید کو گھورنے لگا۔ حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''مسٹر صغیر...... مجھے افسوس ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''مطمئن رہئے سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اچھا تو پھر کبھی ملاقات ہوگی۔'' دونوں نے اپنے ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیئے، فریدی بعد وہ حمید کی طرف مڑے۔

''اب آپ کو یقین آیا۔''

''بالکل قطعی......'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

اُن کے چلے جانے کے بعد حمید، فریدی کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے قہقہہ اس کی ساری سنجیدگی رخصت ہوگئی تھی اور آنکھوں میں شرارت آمیز چمک پیدا ہوگئی تھی۔

''فرمائیے حمید صاحب عقل بڑی یا آپ......!''

''میرے خیال سے یہ دونوں جڑواں بھائی ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''واقعی تم نے بڑی گہری بات بتائی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میرا ذہن اتنا اونچا اڑ ہی سکتا۔''

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

فریدی بھی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر خود بخود ہنس پڑا۔

''حمید صاحب۔'' اس نے کہا۔ ''شرارت اسے کہتے ہیں...... اچھے اچھوں کا ناطقہ بند ہو گیا۔''

''کیا مطلب......!'' حمید چونک کر بولا۔

''وہ جڑواں بھائی نہیں ہیں...... خود ظہیر بُری طرح پریشان ہے اور وہ وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا کہ اُن دونوں میں سے اسکا بھائی کون ہے۔ یہی حال گھر کے سارے افراد کا ہے۔''

''تو جناب ایک پر دوسرے کا میک اپ بھی نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''میں اچھی طرح نان کر چکا ہوں۔''

فریدی پھر ہنس پڑا۔

''شرارت محض شرارت۔'' اس نے کہا۔ ''مگر ہمارے محکمے کی لئے ایک مستقل دردسری، صغیر نے دنیا بھر کی شرارتوں کا ریکارڈ توڑ دیا۔''

"لیکن یہ دونوں ایک ساتھ سفر کس طرح کر سکے۔"

"انہوں نے ایک ساتھ ہرگز سفر نہیں کیا۔"

"لیکن میں نے ان کے پاسپورٹ دیکھے ہیں۔" حمید بولا۔ "دونوں میڈ غاسکر سے ایک ہی تاریخ کو روانہ ہوئے ہیں۔"

"تو کیا ہوا......اس سے یہ بات کب ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے ایک ہی جہاز پر سفر کیا۔ اُس تاریخ کو میڈ غاسکر سے تین جہاز روانہ ہوئے تھے۔"

"ظہیر شاہد صاحب کا کیا خیال ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"وہ قریب قریب پاگل ہو چکا ہے۔ وہی نہیں بلکہ گھر کا ہر فرد......صاحبزادے میڈ غاسکر سے اس لئے بلائے گئے تھے کہ ان کی شادی کر دی جائے۔ لڑکی گھر ہی کی ہے۔ اُس کے مرحوم چچا کی لڑکی۔"

"یہ حضرت میڈ غاسکر میں کیا کرتے تھے۔"

"سونے اور چاندی کی کئی کانوں کا حصہ دار ہے۔ کافی دولت مند آدمی ہے اور یہ دولت خود اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ اپنی دولت کا بیشتر حصہ اپنی شرارتوں کی نذر کر دینے کا عادی ہے۔"

"تو اسے آپ سچ مچ شرارت ہی سمجھتے ہیں۔"

"پھر اور کیا سمجھوں؟ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اس صدی کی سب سے بڑی اور عجیب شرارت ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ کچھ سوچتا رہا پھر خود بخود ہنس پڑا۔

"وہ ایک شرارت ہی کے سلسلے میں یہاں بھاگا تھا۔" اس نے کہا۔ "دس سال قبل کی بات ہے اس کے بڑے بھائی ظہیر شاہد کی شادی ہوئی اس ظالم نے اس کی بیوی کو حجلہ عروسی سے غائب کر کے کسی دوسرے کے کمرے میں پہنچا دیا اور بیوی کی جگہ ایک ساٹھ سالہ بوڑھیا کو بٹھا دیا، جو کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔ میاں ظہیر گھونگھٹ الٹنے سے پہلے بڑی دیر تک رومانی قسم کے ڈائیلاگ بولتے رہے۔ پھر جو گھونگھٹ الٹا ہے تو بس مزہ آ گیا۔ جب بات کھلی تو صغیر کے پیچھے رائفل لے کر دوڑے۔ پھر صغیر کو یہاں سے بھاگنا پڑا۔ ظہیر حقیقتاً اُسے مار ڈالنے پر تل گیا۔"

"ظاہر ہے کہ اب بھی دونوں کے تعلقات کشیدہ ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں ایسا تو نہیں۔ شادی کے لئے ظہیر ہی نے اُسے بلایا تھا۔"

وہ دونوں گفتگو کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے۔ فریدی کے بیڈ روم میں ٹیلی فون کی گھنٹی رہی تھی۔ کمرے سے واپسی پر اُس نے حمید سے کہا۔ "ظہیر شاہد کا فون تھا۔"

"کیا بات ہے؟"

"نعیمہ ان دونوں سے لڑ پڑی ہے۔"

"نعیمہ کون۔"

"صغیر کی منگیتر......!" فریدی ہنس کر بولا۔ "وہ دونوں اُس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"معاملہ بڑا دلچسپ ہے اگر اجازت ہو تو میں ان دونوں کو ایک کر دوں۔"

"وہ تو بڑی آسانی سے ہو سکتا تھا، لیکن دشواری یہ ہے کہ خود اس کے گھر والے اُسے شناخت کر سکتے۔"

"مگر دونوں کی آوازوں میں خفیف سا اختلاف ہے۔" حمید بولا۔

"میں نے بھی محسوس کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن ظہیر اس کے باوجود بھی اُسے شناخت کر سکتا۔"

"دنیا کا آٹھواں عجوبہ۔" حمید بولا۔ "اگر یہ محض شرارت ہے تو اس کے لئے واقعی بڑی بھاری ادا کرنی پڑی ہوگی۔"

"اس میں شک نہیں۔"

"ان پر کون سی فرد جرم عائد ہو سکتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں......کیونکہ ایک کے خلاف دوسرے کو کوئی شکایت نہیں اور اس وقت تک تو کیا ہی نہیں جا سکتا جب تک کہ اس حرکت کا مقصد نہ ظاہر ہو جائے۔"

"پھر آخر کیا ہوگا۔"

"کچھ بھی نہیں......خاصی تفریح رہے گی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"اگر اُن دونوں کو یہاں بلا کر رکھا جائے تو کیا ہرج ہے۔ ظہیر شاہد آپ کا خاصا گہرا دوست" حمید نے کہا۔

"بخشئے آپ تینوں مل کر زندگی تلخ کردیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ چلتے ہو ظہیر کے یہاں۔"

"ابھی آپ وہیں سے تو آ رہے ہیں۔"

"بلف تھا...... میں نے اُس سے صرف فون پر گفتگو کی تھی۔ لیکن ابھی جو فون آیا ہے اُس پر اُس نے مجھے گھر آنے کی دعوت دی ہے۔"

حمید تیار ہوگیا۔ دونوں باہر آئے۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد اُن دونوں نے نعیمہ کو چھیڑا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

کیڈی لاک کا رخ ظہیر کے گھر کی طرف تھا جو فریدی کی کوٹھی سے آدھ میل کے فاصلے پر رہا ہوگا۔

"نعیمہ کو کیوں چھیڑا ہوگا۔" حمید نے سوال کیا۔ اُس کا ذہن اُن دونوں کو تنگ کرنے کی حرکتیں سوچ رہا تھا۔

"انہوں نے اُس سے کہا کہ محکمہ سراغ رسانی والوں نے بھی انہیں ایک تسلیم کرلیا ہے، لہٰذا اب شادی میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بھئی میرا خیال تو یہ ہے کہ صغیر نے یہ حرکت ہی اس لئے کی ہے کہ اس کی شادی نعیمہ سے نہ ہو سکے۔"

"تو وہ انکار بھی تو کرسکتا تھا...... ظاہر ہے کہ ظہیر صاحب کا دست نگر نہیں۔"

"ٹھیک ہے...... وہ ظہیر کا کہنا ٹال سکتا ہے لیکن اپنی دادی کا نہیں۔ ہیں تو وہ ان کی سوتیلی ہی دادی، لیکن دونوں اُن سے بہت محبت کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔ غالباً یہ انہیں کی خواہش ہے کہ صغیر کی شادی نعیمہ سے ہو۔"

"نعیمہ کافی خوبصورت ہوگی۔"

"کیوں......؟"

"یہ اُسی سے پوچھ کر بتاؤں گا کہ وہ کیوں کافی خوبصورت ہے۔" حمید نے کہا۔

کیڈی لاک خان بہادر ظہیر کی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

انہوں نے خان بہادر ظہیر کو دیکھا جو بے چینی سے برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔ یہ چالیس سال کا ایک متین اور سنجیدہ آدمی تھا۔ پیشانی سے کچھ اوپر تھوڑے سے بالوں میں سفیدی تھی اور ایک پتلی سی سفید لہر پیچھے کی طرف مڑے ہوئے سیاہ بالوں میں کچھ عجیب لگتی تھی۔ آنکھوں کی

خواب ناک کیفیت اس کی نرم دلی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ فریدی کو دیکھ کر وہ کچھ عجیب انداز میں مسکرا پڑا۔

"یار تم بھی بس کمال ہی کرتے ہو۔" اس نے کہا۔ "اُن بھوتوں نے تو اب زندگی اجیرن کردی۔"

"کیا ہوا......!" فریدی نے پوچھا۔

"کہتے ہیں محکمہ سراغ رسانی نے انہیں ایک تسلیم کرلیا ہے۔"

"اگر میں یہ نہ کہتا تو کہتا کیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"ہم سب تنگ آگئے ہیں۔ آؤ اندر چلو...... مجھے ڈر ہے کہ کہیں دادی جان جوتی لے کر دونوں پر پل نہ پڑیں۔ کل سے کئی بار دھمکا چکی ہیں۔"

"نعیمہ سے کیا باتیں ہوئیں۔"

"ہوئیں کیا...... ابھی تک ہو رہی ہیں۔ یار کیا بتاؤں کبھی غصہ آتا ہے اور کبھی ہنسی۔"

"نکال باہر کیجئے۔" حمید نے کہا۔

"کسے نکال باہر کروں...... اُن میں سے ایک یقیناً صغیر ہے اور میں وثوق کے ساتھ کہہ نہیں سکتا کہ کون ہے۔ شرارت کی حد کردی سُوروں نے۔"

ظہیر رک کر کچھ سننے لگا پھر بولا۔ "میرا خیال صحیح ہے۔ نعیمہ ابھی تک ان سے الجھی ہوئی ہے۔ یار سنو...... تم بھیس وغیرہ بھی شاندار بدلتے ہو کچھ بتاؤ...... میری مدد کرو۔"

"ان میں سے کسی نے اپنی شکل تبدیل نہیں کی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "دونوں ہم شکل ہیں۔"

"پھر میں کیا کروں۔" ظہیر بے بسی سے بولا۔

"ارے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "دو چار دن تنگ کر کے راہِ راست پر آجائے گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہارے محکمے والوں نے تو ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ دونوں حراست میں نہ لے لئے جائیں۔"

"ہشت......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "قانوناً وہ گرفت میں نہیں آتے۔ کیا ہم شکل اور ہم نام ہونا جرم ہے۔ دونوں الگ الگ پاسپورٹ رکھتے ہیں اور قطعی قانونی طور پر یہاں آئے ہیں۔"

مجھے تمہارا بھائی جینئس معلوم ہوتا ہے۔ اتنی شاندار شرارت شاید ہی کسی نے کی ہو۔"

وہ لوگ نشست کے کمرے میں آئے۔ فریدی کو دیکھ کر دونوں ہم شکل بے ساختہ اچھل پڑے اور نعیمہ کو مخاطب کر کے بولے۔

"یہ لو محکمہ سراغ رسانی بھی آ گیا۔ اب تمہیں میری بات ماننی ہی پڑے گی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ نعیمہ اُسے شکایت آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"فریدی صاحب۔" ہم شکلوں نے اُس سے کہا۔ 'خدارا اپنی زبان مبارک سے یہاں بھی میرے متعلق اظہار خیال فرما دیجئے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"یہی کہ میں ایک ہوں۔"

"قطعی ایک ہیں آپ...... محکمہ سراغ رسانی اسے تسلیم کر چکا ہے۔"

"آداب......!" دونوں نے جھک کر نعیمہ کو سلام کیا۔

نعیمہ بھنا کر اٹھی اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔ اس پر دونوں نے قہقہہ لگایا۔ نعیمہ نے اندر جا کر دادی جان سے نہ جانے کیا کہہ دیا کہ وہ چراغ پا ہو کر سیدھی نشست کے کمرے میں چلی آئیں۔ ان کی عمر ساٹھ ستر کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ چہرہ شفاف اور بارعب تھا لیکن اس پر ماتا کی نرمی تھی۔

"کیوں کمال میاں۔" انہوں نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "تم نے بھی انہیں کم بختوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ سب اتنے پریشان کیوں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بس میاں بس...... تم بھی جان جلانے آ گئے۔ میں ان نکٹوں کا منہ جھلس دوں گی۔"

"دادی جان۔" دونوں ہم شکلوں نے ہانک لگائی۔ "آخر آپ اپنے صغیر سے اتنی بیزار کیوں ہو گئی ہیں۔"

"صغیر باز آ جا اپنی حرکت سے، میں پھر سمجھاتی ہوں، ورنہ جوتیوں سے تم دونوں کی خبر لوں گی۔"

"ہائے پھر وہی دونوں...... پھر وہی دونوں۔" ہم شکلوں نے باقاعدہ اپنا سر پیٹنا شروع

ر دیا۔ تھپا تھپ...... تھپا تھپ...... تھپا تھپ...... تھپا تھپ۔

اگر حمید اور فریدی آگے بڑھ کر اُنکے ہاتھ نہ پکڑ لیتے تو یہ سلسلہ نہ جانے کب تک جاری رہتا۔

دادی جان انہیں ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھیں جیسے بلبلا کر رو پڑیں گی۔ غصے کے ساتھ ساتھ اگر بے بسی کا احساس بھی ہو جائے تو یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ظہیر ہنس رہا تھا لیکن اس کی میں بھی زچ ہو جانے کی آخری منزلیں جھلک رہی تھیں۔

"میں ابھی چلا جاؤں گا۔" دونوں نے روہانسی آواز میں کہا۔ "ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا۔"

"دور ہو جاؤ کم بختو......!" دادی جان جوتی اتارنے کے لئے جھکیں۔

"ہائے پھر وہی کم بختو......!" دونوں بولے...... "مار لیجئے مگر دل نہ دکھائیے۔"

"جانے بھی دیجئے۔" فریدی اُن کے اور دادی جان کے درمیان میں آ گیا۔

فریدی نے بدقت تمام دادی جان کو سمجھا بجھا کر ڈرائنگ روم سے رخصت کر دیا۔

"صغیر مذاق کی بھی حد ہوتی ہے۔" ظہیر سنجیدگی سے بولا۔

"میں ابھی اس ملک سے تو نہیں جا سکتا لیکن اس گھر سے ضرور چلا جاؤں گا۔" دونوں نے ان کر کہا۔

"یار تم ہی سمجھاؤ۔" ظہیر نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"اگر آپ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں سمجھا دیتا۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"کیا سمجھا دیتے۔" دونوں نے بھولے پن سے پوچھا۔

"یہی کہ لومڑی سال میں تمیں انڈے دیتی ہے۔"

"ساڑھے تمیں......!" دونوں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میڈغاسکر کی لومڑیاں تو بعض اوقات اکتیس بھی دے ڈالتی ہیں۔ یہ تو مقدر کی بات ہے۔"

حمید جھنجھلا کر رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دنیا میں کیا کوئی ایسا آدمی بھی ہے، جو اس کا ناطقہ کے۔ بہر حال وہ خود کو جوابی کاروائی کے لئے تیار کرنے لگا۔

فریدی اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا، اس لئے جلدی سے بولا۔

"اچھا بھئی میں تو چلا...... جب صغیر صاحب کو تم لوگوں کی بے بسی کا پورا پورا احساس

ہو جائے گا تو معاملات خود بخود اعتدال پر آجائیں گے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" دونوں نے فریدی کو روک کر کہا۔

"صغیر میاں......ابھی بچے ہو۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑا۔

باہر پورٹیکو میں نعیمہ دکھائی دی، جو ایک آدمی سے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہی تھی۔ یہ نوجوان اور قبول صورت تھا۔ وضع قطع سے اسپورٹس مین بھی معلوم ہوتا تھا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ خاموش ہوگئی اور وہ نوجوان بھی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

فریدی نے نعیمہ کی طرف دیکھ کر سر کو خفیف سی جنبش دی اور مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ نعیمہ بھی جواباً مسکرائی لیکن مسکراہٹ جاندار نہیں تھی۔ نعیمہ نہ بہت خوبصورت تھی اور نہ اُسے بدصورت ہی کہا جاسکتا تھا۔ البتہ اُس کی آنکھیں خمار آگیں ضرور تھیں اور غالباً اس میں یہی ایک کشش تھی۔ لباس کے معاملے میں ہلکے رنگوں کی دلدادہ تھی۔ اس وقت وہ ہلکے نارنجی دوپٹے میں خاصی دلکش لگ رہی تھی۔

"یہ مرد کون تھا......!" حمید نے پوچھا۔

"اختر......ظہیر کا پرائیویٹ سکریٹری اور غالباً دور کے رشتے کا کوئی عزیز بھی، میں نے عموماً ان دونوں کو ہمیشہ ساتھ ہی دیکھا ہے۔"

پھر دونوں خاموشی سے کیڈی لاک پر بیٹھ گئے۔

"ہوٹل ڈی فرانس......" حمید نے اس انداز میں کہا جیسے اس نے کسی ٹیکسی ڈرائیور کو ہدایت دی ہو۔

"اچھا جی......!"

"ہاں مرے سرکار چھ بج رہے ہیں......ساڑھے چھ بجے وہاں ایک شاندار پروگرام ہے۔"

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"اچھا تو اتر جائیے گاڑی سے میں تو جاؤں گا۔"

"تشریف لے جائیے۔" فریدی نے کیڈی روک دی اور خود نیچے اتر گیا۔

حمید نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

پراسرار قتل

ناشتے کی میز جلد ہی ویران ہوگئی۔ ہوا یہ کہ کسی بات پر حمید کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور کافی اده گھونٹ جو حلق سے نہیں اترا تھا......منہ سے نکل پڑا۔

پھر فریدی ناشتہ ختم کئے بغیر ہی اٹھ گیا۔

حمید تمباکو کا نیا ٹن لینے کے لئے اپنے بیڈروم کی طرف جا ہی رہا تھا کہ فریدی کی خواب گاہ ں لگے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فریدی ابھی تک کھانے ہی کے کمرے میں بیٹھا صبح کا بار دیکھ رہا تھا۔ حمید اس کی خواب گاہ میں چلا گیا۔

"ہیلو......!" اُس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ "کون؟ ہاں...... ہاں......ارے؟ ...کب؟ اوہ......اچھا......اچھا......؟"

وہ ریسیور رکھ کر تیزی سے کھانے کے کمرے کی طرف بڑھا۔

"حقیقتاً ہم دونوں منحوس ہیں۔" حمید نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔

"مجھے...... بیکار......گھسیٹتے ہو......اپنے ساتھ۔" فریدی اخبار پر نظریں جمائے ہوئے ...رک کر بولا۔

"نہیں آپ اور میں دونوں۔" حمید کی آواز کپکپا رہی تھی۔ "جہاں ہمارے قدم پڑتے ہیں اری شامت پہلے ہی سے ہماری منتظر رہتی ہے۔"

"کیا ہوا......!" فریدی نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہی، جو اپنی تقدیر بن چکا ہے۔"

"بتاؤ نا کیا بات ہے۔"

"قتل......میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ......وہ دونوں......!"

"جلدی سے کہہ چلو......!" فریدی سگار سلگاتے سلگاتے رک کر بولا۔

"خان بہادر ظہیر کا سکریٹری اختر قتل ہوگیا۔ ابھی ابھی جگدیش کا فون آیا ہے۔"

"مجھے خدشہ تھا......!" فریدی بڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

"خدشہ......!" حمید حیرت سے بولا۔

"جگدیش نے کہاں سے فون کیا ہے۔"

"خان بہادر کی کوٹھی سے......وہ آپ کا منتظر ہے۔"

کار اسٹارٹ کرتے وقت حمید کہہ رہا تھا۔ "اس کی پشت میں دو خنجر پیوست ہیں۔"

"دو خنجر......!" فریدی چونک کر بولا۔

پھر حمید کافی دیر تک منتظر رہا کہ فریدی اس کے آگے بھی کچھ کہے گا۔ لیکن وہ خاموش تھا۔ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا ضرور چاہتا تھا۔

"کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں آپ......؟" حمید نے خود ہی اس سے پوچھا۔

"نتیجہ......بھلا دیکھے بھالے بغیر نتیجہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے۔"

"دو خنجروں کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو......ان دونوں کی طرف تمہارا خیال ہے۔"

"قطعی......!" حمید بے چینی سے بولا۔ "میں نے آج تک یہ نہیں سنا کہ کسی قاتل نے بیک وقت دو خنجر استعمال کئے ہوں۔"

"جلدی کرنا چاہئے۔" فریدی نے کار کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔ "نئے ڈی۔ ایس۔ پی صاحب ذرا کافی عقلمند معلوم ہوتے ہیں۔ جگدیش نے کیا کہا تھا کسی چیز کو ابھی تک ہاتھ تو نہیں لگایا گیا؟"

"نہیں۔"

خان بہادر کی کوٹھی کے پھاٹک پر دو مسلح پولیس کانسٹیبل موجود تھے۔ فریدی نے باہر ہی کار روک دی۔ انہوں نے کانسٹیبلوں کے قریب ہی نعیمہ کو بھی دیکھا جو ایک ننھے سے کتے کی زنجیر تھامے کانسٹیبلوں سے الجھ رہی تھی۔

"آخر کیوں نہیں جانے دیتے اندر......" وہ تیز لہجہ سے پوچھ رہی تھی۔

فریدی کو دیکھ کر دونوں سپاہی ایک طرف ہو گئے۔

"کیا معاملہ ہے۔" نعیمہ نے فریدی سے پوچھا۔

"کیا تم گھر پر نہیں تھیں۔" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں......پولیس یہاں کیوں؟ کیا بات ہے بتائیے نا۔"

"تم کہاں تھیں؟"

"ہوا خوری کے لئے گئی تھی۔"

"کس وقت......!"

"آخر آپ بتاتے کیوں نہیں۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"کسی نے اختر کو قتل کر دیا۔"

"کیا......؟" وہ تقریباً چیخ پڑی اور کتے کی زنجیر اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔ وہ چند لمحے فریدی کی طرف خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر تیزی سے دوڑتی ہوئی اندر چلی گئی۔ کتا بھونکتا ہوا زنجیر سمیت اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ فریدی کی نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

"آؤ......!" وہ آہستہ سے بولا۔

برآمدے میں ہی خان بہادر سے ملاقات ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ہونٹوں کی خشکی پپڑیوں کے شکل میں تبدیل ہو گئی تھی۔

"اب کیا ہوگا۔" وہ فریدی کی طرف بڑھ کر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"لیکن یہ کب اور کہاں ہوا......؟" فریدی نے پوچھا۔

"لائبریری میں......آؤ دیکھو......ادھر آؤ......کون کہہ سکتا ہے کہ وہ مر گیا۔"

ظہیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پائیں باغ کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔ پھر اُس نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا جس سے اختر کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خلاء میں گھور رہا ہو۔ اس کا رخ پائیں باغ ہی کی طرف تھا۔

"دیکھ رہے ہو۔" ظہیر نے فریدی کو جھنجھوڑ کر کہا۔ اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ "وہ اب دنیا میں نہیں......مگر دیکھو تو......" وہ اپنے ہاتھ ملنے لگا۔

"تو یہ لائبریری ہی ہے نا......!" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں......صبح ہم میں سے کئی آدمیوں نے اسے اسی حالت میں دیکھا اور کوئی دھیان نہ دیا۔ پھر میں نے ہی اُسے پکارا اور جب کئی آوازیں دینے کے باوجود بھی اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو میں جھنجھلا کر لائبریری میں گھس گیا......اوہ......میرے خدا......جانتے ہو......اُس کی پیٹھ میں دو خنجر ہیں......دو خنجر۔"

دوسری کھڑکی میں ڈی۔ایس۔پی کا چہرہ دکھائی دیا۔ اس کے پیچھے جگدیش تھا۔

"اور وہ دونوں کہاں ہیں۔"

"اوہ......وہ......!" اچانک ظہیر کی آواز بند ہوگئی۔ وہ تھوک نگل کر بولا۔ "خدا کے لئے صغیر کو بچاؤ۔"

"کیوں......؟"

"کچھ نہیں......کچھ نہیں۔" ظہیر مضطربانہ انداز میں بولا اور انہیں چھوڑ کر تیزی سے اندر چلا گیا۔

فریدی چند لمحے کھڑا اُس کھڑکی میں دیکھتا رہا پھر وہ بھی اندر جانے کے لئے مڑا۔

لائبریری میں پولیس والوں اور محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ مقتول کھڑکی کے قریب رکھی ہوئی لکھنے کی میز پر ایک ہاتھ رکھے بیٹھا تھا اور اُس کی پشت میں دو خنجر پیوست تھے۔

"ذرا دیکھئے۔" حمید بیساختہ بولا۔ اُس کی نظریں خنجروں پر جمی ہوئی تھیں۔ دونوں ایک ہی ساخت کے تھے اور ان کے دستوں پر چھوٹے چھوٹے جواہرات نصب تھے۔

"میرے خیال سے لاش کو ہاتھ نہ لگایا گیا ہوگا۔" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"جی نہیں......!"

فریدی اور حمید لاش کے قریب آئے۔ فریدی جھک کر خنجروں کو دیکھنے لگا۔ حمید نے اس کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے......وہ تھوڑی دیر تک لاش پر جھکا رہا پھر سیدھا ہو کر پُر خیال انداز میں میز پر بکھری ہوئی چیزوں کی طرف دیکھنے لگا۔ مقتول کا ہاتھ میز پر اس طرح رکھا ہوا تھا جیسے وہ کسی چیز کو دبائے ہوئے ہو۔

پورے کمرے میں خاموشی مسلط تھی۔ ڈی۔ایس۔پی سٹی معنی خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"گھر والوں کے بیانات لئے گئے۔" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"سرسری پوچھ گچھ ہوئی ہے۔ دراصل آپ کا انتظار تھا۔"

"تمہیں کس وقت اطلاع ملی تھی۔"

"آٹھ بجے۔"

فریدی اپنی گھڑی کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ دونوں ہم شکل......!" ڈی۔ایس۔پی بڑبڑایا۔

فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ دونوں میڈ غاسکر سے آئے ہیں۔" ڈی۔ایس۔پی پھر بولا۔ "خود کو ایک کہتے ہیں، ایک ہی نام اور ولدیت رکھتے ہیں......پھر بھی آپ کے محکمے نے اُن کے لئے کچھ نہیں کیا۔"

"کر ہی کیا سکتا ہے میرا محکمہ......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر وہ خود کو ایک کہتے ہیں تو اُن کا شمار صرف پاگلوں میں ہوسکتا ہے۔ رہ گئیں بقیہ باتیں تو اُن کے لئے دنیا کا کوئی قانون انہیں مجرم قرار نہیں دے سکتا۔"

"لیکن کم از کم میں تو اب انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"آپ کی مرضی۔" فریدی اپنے شانوں کو لاپروائی سے جنبش دیتا ہوا بولا۔

پھر اُس کی ہدایت کے مطابق فوٹو گرافروں نے کئی زاویوں سے اُس لاش کے فوٹو لئے۔

وہ بڑی دیر تک محدب شیشے کی مدد سے لاش اور قرب و جوار کا جائزہ لیتا رہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ موت کس طرح واقع ہوئی۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ حمید چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید ڈی۔ایس۔پی نے بھی یہ بات سن لی تھی اور طنزیہ انداز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"واقعی یہ بہت الجھا ہوا مسئلہ ہے۔ شاید آپ رات بھر شراب پیتے رہے ہیں۔"

"میں اس نیک عادت سے محروم ہوں۔" فریدی کی جوابی مسکراہٹ بھی بڑی زہریلی تھی۔

"یہ خنجر...... جنہیں صرف اندھے ہی ٹٹول کر موت کا ذمہ دار قرار دے سکتے ہیں۔ میری نظروں میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔"

"کیوں......؟" ڈی۔ ایس۔ پی کی بھنوئیں تن گئیں۔

"موت ان خنجروں کی وجہ سے نہیں واقع ہوئی۔"

حمید اُسے اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ سچ مچ پچھلی رات شراب پیتا رہا ہو۔

"بہت خوب......!" ڈی۔ ایس۔ پی مسکرا کر بولا۔ "آپ تو سچ مچ اب شرلاک ہومز کے بھی کان کترنے لگے ہیں۔"

"معاف کیجئے گا......!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "سراغ رسانی کا فن میں نے جاسوسی ناولوں یا ہالی وڈ کی فلموں سے نہیں سیکھا۔"

"یعنی......!" ڈی۔ ایس۔ پی کے لہجے میں تلخی تھی۔

"یعنی یہ کہ ذرا مقتول کا چہرہ اور بیٹھنے کا انداز ملاحظہ فرمایئے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ نے کبھی کسی ایسے آدمی کے چہرے پر اتنا سکون دیکھا ہے جس کی موت خنجر لگنے سے واقع ہوئی ہو۔"

"آپ تو شاعری کرنے لگے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"جی ہاں اور مقطع سنتے ہی آپ پھڑک اٹھیں گے۔" فریدی پرسکون انداز میں بولا۔

"کیوں اپنی بھد کرایئے گا۔" حمید آہستہ سے بولا۔ لیکن پھر جو 'ارے باپ' کہہ کر اچھلا ہے تو دروازے ہی کے پاس جا کر رکا۔

"کیا ہوا......!" جگدیش اور ڈی۔ ایس۔ پی گھبرا کر بیک وقت بولے۔ حمید اپنی داہنی ران دبائے اور ہونٹ سکوڑے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"ایک ننھی سی پن چبھونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ میاں حمید اچھل کر اتنی دور گئے۔" فریدی نے اپنا ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اُس کی چٹکی میں ایک پن دبی ہوئی تھی۔ "اور یہ۔" اُس نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔ "خنجر لگنے کے باوجود بھی کرسی ہی پر جما رہا۔ وہ بھی اس انداز میں جیسے خنجر کی بجائے لڈو کھائے ہوں۔ کوتوال صاحب! اس قسم کے سنسنی خیز مناظر صرف جاسوسی ناولوں اور مار پیٹ کی فلموں ہی میں دکھائی دیتے ہیں۔ حقائق سے ان کا تعلق نہیں۔ اگر یہ خنجر لگنے سے پہلے زندہ ہوتا تو

ے بجائے فرش پر نظر آتا یا اس کا سر اس میز پر ہوتا۔ مرنے کے بعد بھی چہرے پر تشنجی کے ے جاتے۔ ایک ہاتھ گود میں اور دوسرا میز پر رکھ کر نہ مرتا۔"

کیا دو طاقتور آدمی اُسے کرسی ہی پر روکے رکھنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔"

ں۔ پی نے کہا۔ "آپ نے شاید پہلے کبھی یہ بھی نہ دیکھا ہو کہ کسی آدمی کی جان لینے کے وقت دو خنجر استعمال کئے گئے ہیں۔"

خیر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی...... ایک آدمی پر بیک وقت پانچ آدمی بھی حملہ کر سکتے ہیں۔

ہوں کہ آپ کے ذہن میں وہی دونوں ہیں۔"

"میں تو انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

ریدی اُس کے جواب میں کچھ کہے بغیر پھر لاش پر جھک گیا۔

"یہ کیس اتنا تحیر خیز نہیں ہے جتنا کہ آپ سمجھ رہے ہیں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے پھر کہا۔

"میں ثابت کر سکتا ہوں کہ موت ان خنجروں سے نہیں واقع ہوئی۔" فریدی سر اٹھا کر لہجے میں بولا۔

"اگر اجازت ہو تو یہ خنجر نکال لوں۔"

"جو دل چاہے کیجئے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے اس طرح کہا جیسے اُسے اس معاملے سے کوئی ا نہ ہو۔

ریدی نے دونوں خنجر نکال لئے۔ اس کے لئے اُسے کافی زور صرف کرنا پڑا۔ لیکن لاش کی جوں کی توں رہی، جسم بالکل اکڑ گیا تھا۔

"اب دیکھئے۔" فریدی نے ڈی۔ ایس۔ پی کو مخاطب کیا۔ "یہاں پر تو خون کے دریا چاہئے تھے...... اس کے برخلاف ایک دھبہ بھی نہیں دکھائی دیتا۔ کیا خیال ہے؟ لاش ہو جانے کے بعد یہ خنجر گھونپے گئے تھے یا نہیں۔"

فریدی نے لاش کی پیٹھ ننگی کر دی۔

"اگر آپ ان خنجروں کو اُس کی موت کی وجہ قرار دیتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تو پھر اسے بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مقتول کے جسم میں خون ہی نہیں تھا۔"

"پھر آخر یہ مرا کیسے۔" ڈی۔ایس۔پی نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی بتا سکے گی، بہر حال یہ صاف ظاہر ہے کہ قتل کا جوا ظاہر کیا گیا ہے، حقیقتاً وہ موت کا باعث نہیں ہوا اور دیکھئے...... یہ زخم.....!" فریدی نے چھوٹے سے زخم کی طرف اشارہ کر کے کہا' جو خنجر والی جگہ سے کچھ اوپر تھا۔ "پہلے یہاں گھونپنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن پسلی کی ہڈی بیچ میں حائل ہوگئی۔"

ڈی۔ایس۔پی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"میرے خیال سے اب یہاں میری موجودگی ضروری نہیں۔ آپ تو آ ہی گئے۔ جگدیش صاحب میں چلا۔ ہاں ان دونوں کیلئے وارنٹ گرفتاری قابل ضمانت ضرور نکلوائیے گا

ڈی۔ایس۔پی چلا گیا۔

"کیا چوٹ ہوئی ہے سالے کو۔" جگدیش مسکرا کر بڑبڑایا۔

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر مقتول کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ پھر اس نے ا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی جو میز پر رکھا ہوا تھا۔ حمید اور جگدیش بھی قریب آ گئے۔ ہاتھ ایک لفافہ تھا۔ فریدی نے اُسے اٹھا کر دیکھا۔ یہ بند تھا اور اس پر ڈاک کا ٹکٹ چسپاں تھا اوپر پتہ نہیں لکھا گیا تھا۔ فریدی نے لفافہ چاک کیا اور اندر کا خط نکالا۔ حمید اُسے بغور دیکھ فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں ابھرتی آ رہی تھیں۔ پھر اُس نے خط کو تہہ کر کے لفافے میں ہوئے مقتول کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"کوئی خاص بات......!" حمید نے پوچھا۔

فریدی نے چونک کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔

"لاش اٹھوا دو......!" فریدی نے جگدیش سے کہا۔

ایمبولینس گاڑی پہلے ہی سے موجود تھی۔ لاش اٹھوا دی گئی۔ لائبریری میں د کانسٹیبلوں کی ڈیوٹی لگا کر وہ لوگ باہر نکل آئے۔ کوٹھی کے افراد ڈرائنگ روم میں اکٹھا کنبہ نو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ فریدی نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں، نعیمہ ان میں نہیں دونوں ہم شکل خاموش کھڑے تھے۔ دادی جان کی آنکھوں کے پپوٹوں پر رو

لیا تھا۔

"مقتول آپ کے یہاں کب سے تھا۔" فریدی نے ظہیر کو مخاطب کیا۔

"اختر کی پرورش ہی یہیں ہوئی تھی۔" ظہیر نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"رات کو آخری بار اُسے کس نے دیکھا تھا۔" فریدی نے گھر والوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔

"غالباً میں نے......!" ظہیر ہی بولا۔

"کس وقت......!"

"دس بجے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"میں بھی لائبریری ہی میں تھا...... میرے اور اُسکے علاوہ لائبریری سے کسی اور کو دلچسپی نہیں۔"

"اُس وقت وہ کیا کر رہا تھا۔"

"غالباً کچھ لکھ رہا تھا۔"

وہ لڑکی

"کیا وہ میز صرف اُسی کے استعمال میں رہتی تھی۔"

"ہاں...... وہ اسی کی میز تھی۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اُس نے وہ دونوں خنجر نکال کر میز پر ڈال دیئے۔

خان بہادر ظہیر کے چہرے پر زردی پھیل گئی اور وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

دونوں ہم شکلوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔

"یہ دونوں خنجر میڈ غاسکر کے بنے ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور سو فیصدی میرے ہیں۔" ہم شکلوں نے ایک ساتھ کہا۔

"صغیر...... میں پاگل ہو جاؤں گا۔" خان بہادر یک بیک چیخ پڑا۔

"صبر......صبر......!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ اُن دونوں نے ایسی حالت میں بھی اپنا ڈھونگ ختم نہیں کیا۔

"اسی لئے......!" فریدی انہیں گھور رہا تھا، اور پھر بولا۔ "ڈی۔ ایس۔ پی کا خیال ہے تمہیں حراست میں لے لیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔" دونوں نے پر اطمینان لہجے میں کہا۔ "شبہے میں وہ ضرور مجھے گرفتار کر سکتے ہیں۔"

"میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" دادی جان بلبلا پڑیں۔ "اب ختم بھی کرو یہ حماقت۔"

"تو یہ دونوں خنجر بھی ایک ساتھ ہی استعمال کئے گئے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں......!" دونوں نے جواب دیا۔

"تو پھر تمہیں اختر کے قتل کے الزام میں حراست میں لے لیا جائے۔"

"لیکن حقیقتاً میں نے اُسے قتل نہیں کیا۔" اس بار پھر دونوں ساتھ ہی بولے۔ "اگر مجھے کرنا ہوتا تو اپنا خنجر استعمال نہ کرتا اور پھر میں اُسے قتل ہی کیوں کرنے لگا۔"

"خیر اس کا جواز میرے پاس موجود ہے۔ تم اُسے قتل کر سکتے تھے۔"

کمرے کے سارے لوگ فریدی کو گھورنے لگے۔ لیکن دونوں کی ظاہری حالت میں تبدیلی رونما نہ ہوئی۔

"صاف صاف کہو......!" ظہیر خوفزدہ آواز میں بولا۔

فریدی اُسے کوئی جواب دیئے بغیر جگدیش کی طرف مڑا۔ "ان سب کے بیانات قلم کئے جائیں گے۔"

جگدیش باہر چلا گیا۔

"یار یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" ظہیر ایک قدم آگے بڑھ کر آہستہ سے بولا۔

"پلیز خان بہادر...... ظہیر شاہد۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر خشک لہجے میں کہا۔

خود حمید کو فریدی کا کہنا بہت بُرا معلوم ہوا۔ ظہیر اور فریدی ایک دوسرے کے گہرے دوست

تھے اور اُن دونوں میں کافی بے تکلفی تھی۔ اُسے فریدی سے اس طرز گفتگو کی توقع نہ رہی ہوگی۔

ظہیر پھر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

دفعتاً بیرونی برآمدے میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک بھاری بھرکم نوجوان لڑکھڑاتا ہوا کمرے میں گھس آیا۔ اُس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ شراب پیئے ہوئے ہے، فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ وہ کمرے میں مجمع دیکھ کر دروازے کے قریب ہی رک گیا تھا۔

"کیا یہ سچ ہے۔" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں ظہیر کو مخاطب کیا۔

ظہیر نے اثبات میں صرف سر ہلا دیا، کچھ بولا نہیں۔

"آپ کی تعریف......!"

"یہ...... یہ...... میرے خالہ زاد بھائی شمس الحیات ہیں۔ پانچ دن قبل دہلی سے آئے ہیں۔" ظہیر بولا۔

اتنے میں جگدیش ہیڈ محرر کو لے کر اندر آ گیا۔

"ظہیر صاحب کے علاوہ بقیہ حضرات باہر تشریف لے جائیں۔" فریدی نے کہا۔

فریدی کے اس رویے کو ظہیر کے گھر کے لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن کوئی کچھ بولا نہیں۔

وہ ظہیر سے کافی دیر تک مقتول کے متعلق معلومات فراہم کرتا رہا۔ پھر بولا۔ "ہوسکتا ہے کہ کسی نے صغیر اور اس کے ساتھی کو پھنسانے کے لئے ایسا کیا ہو۔ لیکن وہ بھی گھر ہی کا کوئی فرد ہوسکتا ہے۔"

ظہیر خاموشی سے فریدی کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔

"تم نے لاش دیکھی ہے۔ قاتل نے نہایت اطمینان سے اپنا کام کیا ہے۔ اس نے مقتول کی پشت میں خنجر مارے ہیں اور ساتھ ہی وہ اسے اس طرح سنبھالے بھی رہا ہے کہ وہ کرسی سے گر نہ سکے۔ یہ کام بہت اطمینان کا ہے اور یہ اطمینان کسی باہری کو نصیب نہیں ہوسکتا۔"

"میری الجھن دیوانگی کی حد تک بڑھتی جا رہی ہے۔" ظہیر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "آخر گھر کا کوئی فرد یہ کرنے ہی کیوں لگا۔"

"کوئی خلش! کوئی پرخاش! تم کسی کے دل میں تو بیٹھے نہیں ہوئے ہو۔ بہتیرے لوگ کینہ

پرور ہوتے ہیں اور بلا کے شاطر بھی۔ مرتے دم تک یہ نہیں ظاہر ہونے دیتے کہ وہ کسی کی طرف سے کینہ بھی رکھتے ہیں۔"

"نہیں......نہیں......میری گھر میں کوئی ایسا نہیں ہے۔ سب اُسے چاہتے تھے۔" ظہیر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تو پھر مجبوری ہے۔" فریدی نے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ "صغیر کسی طرح نہ بچ سکے گا۔"

"صغیر......یقیناً وہ دونوں پاگل ہیں۔" اُس نے پرخیال انداز میں کہا۔

"اگر پاگل نہ ہوتے تو آج انہیں ہوش آ گیا ہوتا۔"

"لائبریری سے ملی ہوئی کس کی خواب گاہ ہے۔"

"ایک سرے پر نعیمہ کا کمرہ ہے اور دوسرے سرے پر شمس کے لئے انتظام کیا گیا ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ پچھلی رات کو شمس صاحب گھر میں نہیں تھے۔"

"ٹھیک ہے۔ کل رات وہ اپنے کسی دوست کے گھر پر تھا۔"

"اور ابھی واپس آئے ہیں۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"نعیمہ کو بھیج دو۔"

ظہیر باہر چلا گیا۔ اُسی کے ساتھ ہی فریدی نے حمید کو بھی باہر جانے کا اشارہ کیا۔ حمید بھی اسی کے ساتھ باہر آیا۔ برآمدے میں دوسرے لوگ بھی تھے۔

"نعیمہ کہاں ہے؟" ظہیر نے اپنی بیوی سے پوچھا۔

"ابھی ابھی میں نے اُسے اختر کے کمرے میں دیکھا تھا۔" ظہیر کی سالی فوزیہ نے کہا۔ یہ بھی ظہیر ہی کے ساتھ رہتی تھی اور بی۔ ایس۔ سی کے دوسرے سال میں تھی۔

"ہم اختر کا کمرہ بھی دیکھیں گے۔" حمید بولا۔

"آیئے۔" ظہیر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں ایک کمرے کے سامنے رک گئے۔

ظہیر نے دروازے کو دھکا دیا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ برابر کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ظہیر

لڑکی کی طرف جھپٹا۔

"ارے......!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ احمقوں کی طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید بھی آگے بڑھا۔

نعیمہ کمرے کے فرش پر بے حس وحرکت پڑی تھی۔ ظہیر نے اُسے پے در پے آوازیں دیں لیکن اُس میں جنبش بھی نہ ہوئی۔

"ارے تو کیا یہ بھی......!"

"گھبرایئے نہیں۔" حمید نے کہا۔ "وہ صرف بیہوش معلوم ہوتی ہیں۔"

پھر گھر کے سارے افراد اور پولیس آفیسر وہیں اکٹھا ہو گئے۔ دروازے کا شیشہ توڑ کر اندر کی چٹخنی گرائی گئی۔

نعیمہ ابھی تک بیہوش تھی۔

"اس کمرے میں تالا ڈال کر چابیاں اپنے پاس رکھو۔" فریدی نے جگدیش سے کہا۔

فوزیہ حمید کے قریب کھڑی تھی۔ حمید نے اُس کی آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک دیکھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ حسین ضرور ہے، لیکن اس میں نسوانیت بہت کم ہے۔ اُس کے اعضاء مضبوط تھے اور چہرے پر زندگی آمیز توانائی کے آثار تھے۔ اس وقت گھر بھر میں اُسی کا چہرہ پررونق نظر آ رہا تھا اور شاید آج صبح بھی وہ اپنے لباس پرفیوم چھڑکنا نہیں بھولی تھی۔

نعیمہ کو دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اب فریدی خان بہادر کے مہمان شمس الحیات کی طرف متوجہ ہوا۔

"غالباً آپ کا کمرہ لائبریری کے مشرقی سرے پر ہے۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں......!"

"اور آپ پچھلی رات کو گھر پر نہیں تھے۔"

"جی نہیں۔"

"کہاں تھے؟"

شاید وہ اس سوال کے لئے تیار نہیں تھا، ہچکچا کر بولا۔ ''اور اگر میں نہ بتا سکوں تو۔''

''میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا اور دونوں ہم شکلوں کی طرف پلٹ پڑا۔

''وہ خنجر آپ کہاں رکھتے تھے۔''

''سوٹ کیس میں۔'' دونوں نے جواب دیا۔

''میں صرف آپ سے پوچھ رہا ہوں۔'' فریدی نے اُن میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کیا جواب آپ کے کانوں تک نہیں پہنچا۔'' دونوں تلخ لہجے میں بولے۔

''نعیمہ کی بیہوشی کی وجہ بتا سکتے ہو۔''

''میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔'' دونوں مسکرا کر بولے۔

''ایک کو الگ لے جاؤ۔'' فریدی جھنجھلا کر جگدیش کی طرف مڑا۔

جگدیش اور ایک دوسرے سب انسپکٹر نے ان سے ایک کو پکڑا اور دھکیلتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا لے گئے۔ دوسرا چپ چاپ وہیں کھڑا رہا۔

''اب یہ مذاق ختم کرو۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ دفعتاً اُس کی پتلیاں اوپر کو چڑھنے لگیں جسم پر رعشہ طاری ہوا اور وہ لہرا کر زمین پر آ رہا۔

پھر جگدیش آتا ہوا دکھائی دیا۔

''وہ بیہوش ہو گیا۔'' اُس نے فریدی سے کہا۔ اور پھر چونک کر بولا ''ارے یہ بھی۔''

فریدی نے جھک کر دیکھا۔ اس کے دانت بیٹھ گئے تھے اور وہ بھاری بھاری سانسیں لے رہا تھا۔

''بظاہر بیہوش ہی معلوم ہوتا ہے۔'' فریدی بولا۔

''دونوں بیہوش ہو گئے۔'' حمید ہنس پڑا۔

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔ خان بہادر ظہیر بہر حال اس کا دوست تھا اور اس کے گھر

میں ہونے والے حادثے کی وجہ سے گھر کی فضا پر ماتمی اثرات طاری تھے۔ فریدی کو اس کی ہنسی ناگوار گزری۔ حمید بھی جلدی سے سنبھل گیا۔

''یہ اس وقت تک ہوش میں نہیں آئیں گے جب تک کہ انہیں یکجا نہ کیا جائے۔'' اس نے کہا۔

''کیا مطلب......!''

''مجھے ایک بار اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔''

فریدی نے اُسے بھی اٹھوا کر ڈرائنگ روم میں بھجوا دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد جگدیش نے آ کر اطلاع دی کہ انہیں سچ مچ ہوش آ گیا۔

ظہیر نعیمہ کے کمرے میں تھا۔ اُسے جب اس بات کی اطلاع ملی تو وہ دوڑ آیا۔

''بھئی اب تو صغیر کی حرکتیں برداشت کی حد سے گذر گئی ہیں۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' فریدی بولا۔ ''نعیمہ کیسی ہے۔''

''اُسے ہوش آ گیا ہے۔''

''کیا ایسی حالت میں ہے کہ اُس سے کچھ پوچھا جا سکے۔''

''میرے خیال سے تو ٹھیک ہی ہے۔''

وہ دونوں نعیمہ کے کمرے میں آئے۔ وہ ایک بڑے تکئے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ فریدی کو دیکھتے ہی اُس نے آنکھیں جھکا لیں۔ اُس کے چہرے پر کچھ اس قسم کا اضمحلال تھا جیسے وہ برسوں سے بیمار ہو۔

''صبح تم ہوا خوری کے لئے گئی تھیں؟'' فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں......!''

''کیا اسی دروازے سے۔'' فریدی نے اس دروازے کی طرف اشارہ کیا، جو لائبریری میں کھلتا تھا۔

''نہیں......!''

''رات کس وقت سوئی تھیں۔''

''گیارہ بجے۔''

"تمہیں اس کا علم تھا کہ اختر لائبریری میں موجود ہے۔"

"جی ہاں۔"

"کس طرح......!"

"دروازے کی درزوں سے لائبریری کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔"

"اور تمہارے سونے کے وقت تک رہی۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن تم نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ وہ اختر ہی تھا۔"

"بھائی جان اور اختر کے علاوہ رات کو لائبریری میں کوئی اور نہیں بیٹھتا تھا۔"

"کیا تم تھوڑی دیر کے لئے باہر جاسکتے ہو۔" فریدی نے ظہیر سے کہا۔

"یہ بھی میری بدنصیبی ہے کہ یہ کیس میرے سپرد کیا گیا ہے۔ تمہیں یقیناً مجھ پر غصہ آرہا ہوگا۔"

"نہیں بھئی۔" ظہیر بولا۔ "میں تمہارے فرائض کی ادائیگی میں حارج نہیں ہوسکتا۔"

ظہیر چلا گیا۔

"ہاں تو یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو کہ تمہارے سونے کے وقت تک ظہیر اور اختر دونوں ہی لائبریری میں موجود نہیں تھے۔"

"نہیں بھائی جان چلے گئے تھے۔"

"تم نے اٹھ کر دیکھا تھا۔"

"نہیں۔"

"پھر تم کو ان کے چلے جانے کے متعلق کس طرح معلوم ہوا تھا۔"

"میں نے اُن کی گفتگو سنی تھی اور پھر قدموں کی آوازیں۔"

"کیا تم بتا سکو گی کہ اُن میں کیا گفتگو ہوئی تھی۔"

"گفتگو سمجھ میں نہیں آئی تھی۔"

"تم یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہو کہ وہ ظہیر ہی کے قدموں کی آواز تھی۔"

نعیمہ کچھ سوچنے لگی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی الجھن میں پڑ گئی ہو۔

"بات یہ ہے کہ ان کے جانے کے بعد میں نے درز سے جھانک کر دیکھا تھا۔" وہ ہچکچا کر بولی۔

"اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔"

"میرا سر چکرا رہا ہے۔" نعیمہ اپنی کنپٹیاں دبا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"لڑکی...... مجھے تم سے ہمدردی ہے۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم دل کھول کر رو بھی نہیں سکتیں۔"

دفعتاً نعیمہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں، چہرے کی زردی اور گہری ہوگئی۔

"میں سب کچھ جانتا ہوں۔ مجھے تم سے گہری ہمدردی ہے۔ ڈرو نہیں...... یہ بات مجھ تک ہی رہے گی۔"

نعیمہ ابل پڑی۔ رکے ہوئے آنسوؤں میں طغیانی آگئی تھی۔

"اس کی پشت میں دو خنجر پائے گئے ہیں اور یہ دونوں صغیر اور اس کے ہم شکل کے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

وہ کچھ نہ بولی۔ فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "تم اُس وقت اس کمرے میں کیوں گئی تھیں۔"

"یونہی، پاگل پن۔"

"تم دونوں کے متعلق کسی کو بھی علم تھا۔"

"میں نہیں جانتی...... کچھ نہیں جانتی۔ خدا کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔"

"میں تمہیں پریشان کرنا نہیں چاہتا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور اس کے کمرے سے چلا آیا۔

"نعیمہ کے پاس کسی کی موجودگی ضروری ہے۔" فریدی نے ظہیر سے کہا۔

"آخر کیوں۔"

"یونہی! بہرحال یہ ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں کوئی غیر ضروری بات نہیں کرتا۔"

پھر اُس نے شمس الحیات کو مخاطب کیا۔ "ہاں جناب! براہِ کرم اُس دوست کا نام اور پتہ بتائیے، جس کے یہاں آپ نے پچھلی رات گزاری تھی۔"

"مجبوری ہے۔"

"آپ قانون کو سختی پر مجبور نہ کریں تو بہتر ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

دودھ کا پیالہ

تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا، وہ دونوں ہم شکل پھر برآمدے میں آ گئے۔ اُن کے چہروں پر بے اطمینانی نہیں تھی۔

شمس الحیات فریدی کو اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

"بتا دیجئے نا۔" فوزیہ آہستہ سے بولی اور وہ نشے کی جھونک میں اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بولو شمس...... خدا کے لئے بولو۔" ظہیر نے جھنجھلا کر کہا۔ "تم سب مجھے پاگل بنائے دے رہے ہو۔"

"چلئے...... میں بتاؤں گا۔" شمس نے فریدی کو الگ چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ فریدی کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ وہ کافی ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا لیکن اس وقت اس کی الجھنیں بڑھ گئی تھیں۔ یہ حادثہ ایک ایسے آدمی کے گھر میں ہوا تھا جو اس کا بہترین دوست تھا اور وہ یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ یہ حرکت گھر ہی کے کسی فرد کی تھی۔ ایسی صورت میں اُسے ایک طرف تو اپنے فرائض کا احساس تھا اور دوسری طرف اس دوستی کا خیال تھا، جو قریب قریب خاندانی تھی۔

فریدی اُسے ابھی تک گھورے جا رہا تھا۔

"میں...... دراصل......!" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔

"آپ کو یقین نہ آئے گا۔"

"پھر وہی بکواس......!"

"میں نے رات منٹو پارک میں گزاری تھی۔"

"منٹو پارک میں۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں......!"

"کیا کرتے رہے۔ مگر نہیں...... اس وقت تم نشے میں ہو۔ خیر جب تک تمہیں ہوش نہ آ جائے...... تم حراست میں رہو گے۔"

"میں نے شراب ضرور پی رکھی ہے، لیکن میں قطعی ہوش میں ہوں۔"

"فضول......!" فریدی باہر جانے کیلئے مڑا۔ "آپ بغیر اجازت کہیں جائیں گے نہیں۔"

اس پوچھ گچھ کے دوران میں حمید نے محسوس کیا کہ فریدی اُن دونوں ہم شکلوں کے بیہوش ہو جانے کے بعد سے انہیں قطعی طور پر نظرانداز کر رہا ہے۔

فرداً فرداً گھر کے سارے لوگوں کے بیانات قلم بند کئے جا چکے تھے۔ حمید یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ فریدی اُن سے مطمئن نہیں معلوم ہوتا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے جب انسپکٹر جگدیش کا روزنامچہ دیکھا تو ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ اُس میں نعیمہ کا بیان نہیں تھا...... اس کے متعلق اُس کے دل میں اُسی وقت سے خلش موجود تھی، جب اُس نے اُسے مقتول کے کمرے میں بیہوش دیکھا تھا۔ آخر اسی نے اختر کی موت سے اتنا اثر کیوں لیا تھا اور پھر وہ ایسے وقت میں اختر کے کمرے میں کیوں گئی جب کہ پولیس گھر میں موجود تھی۔ ایک نادان بچہ بھی ایسے مواقع پر تاڑ ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پولیس کی نظر گھر کے ایک ایک فرد پر تھی اور اُن میں سے کسی کا بھی بیان تشفی بخش نہیں تھا۔ خود حمید اُن میں سے کئی پر شبہے کی نظریں ڈال چکا تھا۔ دوسری طرف خود اختر کی موت کا معمہ اُسے الجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ آخر اس کی موت کس طرح واقع ہوئی۔ کیا واقعی وہ دونوں ہم شکل اس حادثے سے بے تعلق تھے۔ پھر اُن دونوں ہم شکلوں کا بیان جس میں انہوں نے دونوں خنجروں کو اپنی ملکیت تسلیم کر لیا تھا اور اُن کی شرارت اس خطرناک موقع پر

بھی برقرار تھی کیا وہ حقیقتاً شرارت تھی یا کوئی پراسرار سازش؟

گھر والوں نے ناشتہ نہیں کیا تھا۔ اب ایک بج رہا تھا۔ ضابطے کی کاروائی ختم ہو چکی تھی۔ فریدی نے شمس اور نعیمہ کے بیانات کو دوسری فرصت پر اٹھا رکھا تھا۔ جگدیش کو رخصت کرنے سے پہلے فریدی نے اُس سے تھوڑی دیر تک گفتگو کی۔ یہ گفتگو اُن دونوں ہم شکلوں کو حراست میں لینے کے متعلق تھی۔

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔ "تم اپنی ڈی۔ایس۔پی صاحب کو سمجھانے کی کوشش کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے اور تمہارے محکمے میں کسی قسم کی کوئی چپقلش ہو جائے۔"

"بہتر ہے۔" جگدیش بولا۔ "لیکن......آپ......!"

"کیا......؟"

"میں نے اس سے پہلے کسی موقع پر آپ کو اتنی الجھنوں میں نہیں دیکھا۔"

"تم میرے اور ظہیر کے تعلقات سے واقف ہو۔"

پھر جگدیش چلا گیا۔ گھر میں صرف دو کانسٹیبل رہ گئے۔ ایک مقتول کے کمرے کے دروازے پر تھا اور دوسرا لائبریری میں جہاں واردات ہوئی تھی۔

فریدی نے پھر نعیمہ کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ تکئے پر کہنیاں ٹیکے اور ٹھوڑی ہتھیلیوں پر رکھے ویران آنکھوں سے خلاء میں گھور رہی تھی۔ فریدی کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔

"شمس سے اُس کے کیسے تعلقات تھے۔"

"تعلقات......!" نعیمہ تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ "دونوں ایک دوسرے کو ناپسند کرتے تھے۔"

"ناپسندیدگی کی وجہ۔"

"میں نہیں جانتی۔" وہ کچھ جھنجھلا سی گئی۔

"میں جانتا ہوں کہ گھر بھر سے زیادہ تمہیں رنج پہنچا ہے۔ لیکن میں فرائض کی انجام دہی کے لئے مجبور ہوں۔"

نعیمہ پھر اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ہوسکتا ہے کہ اس کا قتل تمہاری ہی وجہ سے ہوا ہو۔"

"میری وجہ سے۔" نعیمہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں کیا تم اسے کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔"

"کیسے......!"

"نعیمہ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔"

"کیا معلوم ہے؟"

"تم اس کے ساتھ بھاگنے والی تھیں۔ تمہیں صغیر پسند نہیں تھا۔ تم اس سے شادی نہیں کرنا اہتی تھیں۔"

نعیمہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ پھر اچانک ہذیانی انداز میں بولی۔ "نہیں......نہیں......یہ غلط ہے۔ ز کو صغیر نے قتل نہیں کیا۔ آپ غلط سوچ رہے ہیں۔"

"پھر اُن دونوں کے خنجر۔"

"کچھ......نہیں......کچھ بھی نہیں......خدارا......اس گھر کو تباہی سے بچائیے۔"

"تو پھر بتاؤ نا کہ شمس اور اختر کے تعلقات اچھے کیوں نہیں تھے۔"

"رشک اور حسد! دادی جان اختر کو چاہتی تھیں اور گھر کے سیاہ وسفید کا مالک وہی تھا۔"

"ہوں......کل رات کو شمس گھر پر نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔ "تم جانتی ہو۔"

"نہیں۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ نعیمہ بولی۔

"مجھے حیرت ہے کہ لائبریری میں یہ سب کچھ ہو گیا اور میری آنکھ نہ کھلی۔ مجھے کبھی گہری نہیں آتی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پچھلی رات مجھے غشی کی طرح نیند آئی ہے۔ بس دودھ پی لیٹی اور سو گئی۔"

"دودھ......!" فریدی کی نظریں چینی کے ایک بڑے پیالے پر جم گئیں، جو نعیمہ کے رہانے والی چھوٹی سی گول میز پر رکھا ہوا تھا۔

وہ تیزی سے میز کی طرف بڑھا......پیالے کی تہہ میں تھوڑا سا منجمد دودھ باقی تھا۔ فریدی

نے پیالے کو اٹھا کر سونگھا پھر رکھ دیا۔ اس کی نظریں نعیمہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیا تم نے اس میں افیون کی خفیف سی بو نہیں محسوس کی تھی۔"

"ہیک سی معلوم ہوئی تھی۔ لیکن میں نے اُسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ کیا کہا؟ افیون تھی۔"

"سو فیصدی افیون۔ تم نے دودھ کی رنگت پر بھی غور نہیں کیا تھا۔"

"ہیک اور رنگت ہی نے مجھے یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اُس میں دھواں لگ گیا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔"

"غالباً مجرم یہ جانتا تھا کہ تمہاری نیند کھٹکے کی ہے۔"

نعیمہ کچھ نہ بولی۔ وہ حد درجہ متحیر نظر آ رہی تھی۔

"کل رات کو کمرے میں دودھ کون لایا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"گا گا......!"

"گا گا...... کون......!"

"نوکرانی ہے۔ دودھ روزانہ ہی لاتی ہے۔"

"یہاں دودھ آنے کے بعد سے تم یہیں رہیں یا باہر بھی گئی تھیں۔"

"وہ عموماً دس بجے دودھ لاتی ہے کیونکہ میرے سونے کا وہی وقت ہے۔"

"باہر نہیں گئی تھیں۔"

"نہیں......!"

فریدی تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر دودھ کا پیالہ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"ٹھہریئے......!" نعیمہ نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

فریدی رک گیا۔

"کیا آپ مجھے بدنامی سے نہیں بچا سکتے۔"

"میں نے سوچا تو یہی ہے، لیکن دراصل اس کا دارومدار حالات پر ہے۔"

"میں برباد ہو چکی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو امنڈ پڑے۔ "لیکن بدنام ہونے کے بعد زندہ رہنا میرے بس سے باہر ہو جائے گا۔"

"کیا اختر کے ساتھ فرار ہونے کی صورت میں تم بدنامی سے بچ جاتیں۔"

"وہ بھی پاگل پن تھا۔" نعیمہ نے اپنا منہ چھپا لیا۔

فریدی نے باہر آ کر اُس نوکرانی کو طلب کیا، جو نعیمہ کے لئے اُس کے کمرے میں دودھ یا کرتی تھی۔ فریدی نے اس سلسلے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا کہ وہ پیالے کے متعلق کیوں پوچھ کر رہا ہے۔

"کل رات کا دودھ اتنا پک گیا تھا کہ اُس میں بو آ گئی تھی۔" فریدی نے پوچھا اور حمید لا کر اُسے گھورنے لگا۔

"نہیں تو...... صرف ایک ابال کے بعد میں نے اُسے بٹیا کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔" انی بولی۔

"دودھ کی رنگت کیسی تھی۔"

"جیسی ہوتی ہے۔"

"عورت! ٹھیک ٹھیک جواب دو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "کیا تمہیں اس میں کچھ کچھ سیاہی ں ہوئی۔"

اُس نے اُسے ہر طرح اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ دودھ کی رنگت معمول کے مطابق ا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ دودھ کراؤن ڈیری فارم کی سربند بوتلوں میں آتا تھا اور اس نے اُسی یل توڑ کر دودھ کو پکنے کے لئے دیگچی میں ڈال دیا تھا۔

"کیا تم اُسے چھوڑ کر باہر گئی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں...... میں شروع ہی سے باورچی خانے میں بیٹھی رہی تھی۔"

"تمہیں یقین ہے کہ اس دوران میں کسی اور نے دودھ کو ہاتھ نہ لگایا ہوگا۔"

ملازمہ کچھ سوچنے لگی۔ فریدی بغور اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"میں اس کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔"

"کیوں......؟" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے تھوڑی دیر کے لئے پیالہ برآمدے میں چھوڑ دیا تھا۔"

"کیوں......؟"

"میں دودھ لے کر جارہی تھی کہ فوزیہ بیٹا اچانک چلتے چلتے گر پڑیں اور ان کے دونوں گھٹنوں میں خراشیں آ گئیں۔ انہوں نے مجھ سے ٹنکچر آئیوڈین مانگا جو بڑی بیگم صاحبہ کے کمرے میں رہتی ہے۔ میں پیالہ وہیں چھوڑ کر ٹنکچر لینے دوڑی چلی گئی۔"

"وہ کہاں گری تھیں......؟" فریدی نے پوچھا۔

ملازمہ نے اُسے وہ جگہ دکھائی اور وہ میز جس پر اس نے دودھ کا پیالہ رکھا تھا۔

"پھر جب تم ٹنکچر لے کر واپس آئیں تو فوزیہ کہاں تھیں۔"

"اپنے کمرے میں۔"

"اور پیالہ......!"

"وہیں تھا جہاں وہ رکھ گئی تھی۔"

"تم نے اُن کے گھٹنے میں آنے والی خراشوں کو دیکھا تھا۔"

"جی ہاں......دونوں گھٹنوں پر کی بہت سی کھال ادھڑ گئی تھی اور خون رس رہا تھا۔"

"پھر تم نے وہ پیالہ نعیمہ کے کمرے میں پہنچا دیا۔"

"جی ہاں۔"

"ہوں......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم جا سکتی ہو۔"

پھر اُس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ اُسے دراصل فوزیہ کی تلاش تھی۔ لیکن وہ دکھائی نہیں دی پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں ہے۔ فریدی اُسے بلوانے کی بجائے خود ہی اس کمرے کی طرف چل پڑا۔

فوزیہ کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ کھڑکی پر دونوں کہنیاں ٹیکے باہر کی طرف د رہی تھی۔ فریدی کی آہٹ پر چونک کر مڑی۔

"میں آپ کو پھر تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"فرمائیے......!"

"پچھلی رات آپ کس طرح گری تھیں۔"

"اوہ......وہ کچھ نہیں۔" فوزیہ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کیساتھ بولی۔ "کس نے کہا آپ سے؟"

"بس یونہی تذکرتا سنا ہے۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ کیلے کا چھلکا ہی تھا جس پر آپ کا سلا تھا۔"

"جی نہیں......کیا کیجئے گا پوچھ کر۔" فوزیہ ہنس پڑی۔

"یہ بھی ضروری ہے......کیلے کا چھلکا۔"

"جی نہیں......غرارے کے پائینچے میں اٹک کر گری تھی۔"

"گرنے کے بعد آپ فوراً ہی اپنے کمرے میں چلی آئی ہوں گی۔"

"جی نہیں......کچھ دیر اٹھنے میں بھی لگی ہوگی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"مطلب یہ کہ آپ نے اُس ملازمہ کا انتظار برآمدے میں نہ کیا ہوگا جسے ٹنکچر لینے کو بھیجا تھا۔"

"نہیں میں کمرے میں چلی آئی تھی۔" وہ دفعتاً سنجیدہ ہو کر بولی۔ "کیا بات ہے۔"

"بہت ہی خاص بات ہے۔ ہاں تو ملازمہ اندازاً کتنی دیر بعد واپس آئی ہوگی۔"

"دو یا تین منٹ تو ضرور ہی لگے ہوں گے۔"

"اُس وقت برآمدے میں آپ دونوں کے علاوہ کوئی اور بھی تھا۔"

"میرے خیال سے تو نہیں۔"

"یہ شمس صاحب کیسے آدمی ہیں۔"

"زیادہ اچھے تو نہیں......لیکن اتنے بُرے بھی نہیں کہ کسی کو قتل کر دیں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں۔ کیا وہ ہر وقت نشے میں ہوتے ہیں۔"

"میں نے تو عموماً انہیں نشے ہی میں دیکھا ہے۔"

"گھر میں کوئی افیون بھی استعمال کرتا ہے۔"

وہ پھر ہنس پڑی۔

"میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں۔"

"دادی جان۔"

"سنا ہے دادی جان اختر کو بہت چاہتی تھیں۔"

"جی ہاں......لیکن......افیون......!"

"پچھلی رات نعیمہ نے جو دودھ استعمال کیا تھا اس میں افیون ملی ہوئی تھی۔"

"ہوسکتا ہے دادی جان اُسے بھی افیونی بنانا چاہتی ہوں۔" فوزیہ نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"جی نہیں......غالباً اختر کے قاتل نے اسی میں بہتری سمجھی ہو کہ نعیمہ کو بیہوش کردے کیونکہ عموماً اُسے گہری نیند نہیں آتی اور اُسے یہ تو معلوم ہی رہا ہوگا کہ شمس رات کو اپنے کمرے میں نہیں ہوگا۔"

فوزیہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے فریدی کو دیکھ رہی تھی۔

"جس وقت آپ نے نوکرانی کو ٹنکچر کے لئے کہا تھا اس کے ہاتھ میں دودھ کا پیالہ تھا اور وہ اُسے وہیں میز پر رکھ کر چلی گئی تھی۔"

"میں نے دھیان نہیں دیا تھا۔" فوزیہ نے کہا۔ "اوہ......میرے خدا تو کیا اُن دونوں پاگلوں نے۔"

"کیا وہ دونوں انہیں کے خنجر نہیں تھے۔" فوزیہ بولی۔

"تھے کیوں نہیں......لیکن وہ اتنے احمق بھی نہیں معلوم ہوتے کہ اپنے خنجر کسی لاش میں چھوڑ جائیں اور پھر خود ہی اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ وہ خنجر انہیں کے ہیں۔"

"پھر مجھے تو کم از کم اس گھر میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو اختر کو ختم کردینے کی فکر میں را ہو۔" فوزیہ بولی۔

"ممکن ہے یہ حرکت کسی باہری کی ہو۔"

"ناممکن......!" فوزیہ بولی۔ "کوئی باہری آدمی اس کی ہمت نہیں کرسکتا اور پھر آپ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ نعیمہ کو اسی لئے افیون دی گئی تھی کہ قاتل اپنا کام بے کھٹکے ہو کر کرسکے۔"

"نہ آپ یہ تسلیم کرتی ہیں اور نہ ہو۔"

"عقل چکر میں ہے۔" فوزیہ اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

پھر فریدی نے اُس سے مزید سوالات نہیں کئے۔

پھانسی کی خواہش

آنکھ کھلتے ہی حمید نے جھلا کر تین بار لاحول پڑھی اور پھر دونوں کان دبا کر سونے کی کوشش نے لگا۔ مگر توبہ کیجئے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز اب بھی اس کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ جب عورتوں سے پردہ اٹھ گیا تو کانوں کے پردوں کی موجودگی کیا ن رکھتی ہے۔ کاش کان کا پردہ ٹیلی فون کے موجد کی عقل پر پڑ گیا ہوتا......مگر یہ سب کچھ چنے کے بعد بھی ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہی......حمید جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر اُس نے بلند آواز ں دو تین بار ٹیلی فون کے موجد کی ماں بہن کی عزت افزائی کی اور جو ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو غصے کے مارے بھیجا تک کانپنے لگا۔ دو آدمی بیک وقت "ہیلو......ہیلو" کررہے تھے۔

"فریدی صاحب ہیں۔" دو آوازیں سنائی دیں۔

"جہنم میں گئے۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

"کب آئیں گے۔"

"جہنم سے کبھی کوئی واپس نہیں آیا ہے۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"معاف کیجئے گا......!" آوازیں آئیں۔ "میں سمجھا شاید سرکاری آدمی ہونے کی وجہ سے۔"

"شٹ اپ......!" حمید چیخا۔

"بہت بہتر......!"

سلسلہ منقطع ہوگیا۔

حمید نے پلنگ پر بیٹھ کر کھوپڑی سہلانی شروع کردی۔ ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بج رہی تھی۔ ب کی حمید نے ٹیلی فون کے موجد کی دادی اور نانی تک بات پہنچادی۔

"ہیلو......!" اُس نے ریسیور اٹھا کر جھٹکے دار آواز میں کہا۔

"معاف کیجئے گا۔" اس بار پھر دو آوازیں سنائی دیں۔

"نہیں معاف کروں گا۔" حمید چیخ پڑا۔ "میں نے تم دونوں کی گرفتاری کا انتظام کرلیا ہے۔"

"دونوں...... پھر وہی دونوں۔ خدا تمہیں غارت کرے۔"

"بکواس بند کرو۔" حمید نے چیخ کر کہا۔

"کیا؟" دونوں نے کہا۔ "معاف کیجئے گا سنا نہیں۔"

"میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔" حمید اتنی زور سے چیخا کہ آواز پھٹ گئی۔

"پھر نہیں سنا! کیا آپ زور سے نہیں بول سکتے۔"

"ہاں تمہاری......!" حمید نے ریسیور میز پر پٹخ دیا۔

وہ ان دونوں ہم شکلوں سے تنگ آ گیا تھا اور کل سے یہی سوچ رہا تھا کہ ان کی حجامت کس طرح بنائے، لیکن کوئی معقول تدبیر ابھی تک نہیں سوجھی تھی۔

فریدی رات سے غائب تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں حمید اُسی کے کمرے میں سو گیا تھا۔ لیکن اب سوچ رہا تھا کہ اُس سے بڑی بھاری غلطی سرزد ہو گئی تھی۔ اگر وہ اپنے کمرے میں سوتا تو اتنے سویرے کیوں اٹھنا پڑتا۔ حالانکہ اُس کے سونے کے کمرے اور فریدی کے بیڈروم میں ایک ہی دیوار حائل تھی، لیکن اگر وہ اپنے کمرے میں سویا ہوتا تو فریدی کے کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی اُسے نہ جگا سکتی۔

اُس نے ریسیور کو میز ہی پر پڑا رہنے دیا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

سورج طلوع ہو رہا تھا۔ شاید حمید نے کئی ماہ بعد سورج طلوع ہونے کا ناگوار منظر دیکھا تھا۔ اس لئے اس نے زیادہ دیر تک اُس سے طبیعت بیزار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

بیرونی برآمدے میں آ کر اُس نے دیکھا کہ فریدی ایک دیسی کتے کو کچے گوشت کے پارچے کھلا رہا ہے۔

"کیوں؟ کیا اب دیسی کتوں سے بھی شوق فرمایا جائے گا۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کتے کو انہماک سے دیکھ رہا تھا جو اپنا سر جھٹک جھٹک کر ایک بڑے سے پارچے کو نگلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فریدی نے ایک دوسرے پارچے پر ڈاک کا ایک ٹکٹ چپکایا اور کتے کے آگے ڈال دیا۔

وہ پہلا پارچہ اگل کر اس کی طرف لپکا۔

"ہائیں......!" حمید اچھل کر بولا۔ "آپ کی طبیعت تو اچھی ہے نا۔"

"بکومت!" فریدی کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

کتا ٹکٹ لگا ہوا پارچہ کھا چکنے کے بعد اگلے ہوئے ٹکڑے کو چبانے لگا۔

فریدی دوسرے پارچے پر ٹکٹ چپکا رہا تھا۔

"اے پروردگار......" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "یہ خواب ہے یا بیداری...... میں زندہ ہوں یا مردہ......!"

"کیا بک رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ارے یہ ٹکٹ کیوں...... کیا ویسے پارچہ بیرنگ ہو جائے گا۔ (ابے او کتے تو کتا ہے یا پوسٹ ماسٹر۔"

کتے نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی۔ ممکن ہے اس نے سوچا ہو کہ آدمی بھونکا ہی کرتے ہیں۔

"مت ٹائیں ٹائیں کرو۔" فریدی بڑبڑا کر رہ گیا۔

اس نے پھر ایک پارچہ پھینکا۔ کتے نے اُسے اوپر ہی اوپر روک کر چبانا شروع کر دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ایک تیز قسم کی آواز نکلی، جو بتدریج کم ہوتی گئی اور ساتھ ہی ساتھ اس کے اگلے پیر بھی آگے کی طرف پھیلتے گئے۔ وہ دونوں پیروں کے درمیان سر رکھے پلکیں جھپکاتا ہوا خاموشی سے مر رہا تھا۔

فریدی جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔

"ٹھنڈا ہو گیا۔" اس نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔

حمید کا عجیب عالم تھا۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی کتے کی طرف۔

فریدی کے ہاتھ میں تین ٹکٹ اور تھے...... اس نے انہیں احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔

"یہ کیا ہوا......!" حمید نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

"دکھائی نہیں دیتا۔"

"دکھائی دیتا ہے...... لیکن اس کی روانگی بذریعہ رجسٹری ہوئی ہے یا ہوائی ڈاک سے۔ آخر آپ مجھے اُلو کیوں سمجھتے ہیں۔ کیوں جان لی اس غریب کی۔"

''اسی طرح بیچارہ اختر بھی۔''

''کیا......؟'' حمید پھر اچھل پڑا۔

''ہاں حمید صاحب۔ اس کی موت کا باعث بھی ایک ٹکٹ ہی ہوا ہے۔''

''یعنی......!''

''تمہارا سر......اتنی معمولی معمولی باتوں کی وضاحت مت چاہا کرو۔''

''بخدا میں نہیں سمجھا۔''

''کیا تمہیں وہ لفافہ یاد نہیں، جو مقتول کے ہاتھ کے نیچے دبا ہوا ملا تھا۔''

''اُسے تو میں بالکل ہی بھول گیا تھا۔''

''لفافے کا وہ حصہ ہاتھ کے نیچے تھا جس پر ٹکٹ چپکا ہوا تھا۔ غالباً اس نے ٹکٹ کو زبان پر رکھ کر نم کیا ہوگا اور پھر اُسے چپکاتے ہی چپکاتے ختم ہوگیا۔''

''زہر......!'' حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''اتنا سریع الاثر۔''

''اس کتے کی موت تو دیکھ ہی چکے ہو۔ دیکھو نا......اس پارچے کو کچلتے ہی کچلتے اس کی موت واقع ہوگئی۔ حلق کے نیچے اتارنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ٹکٹ کے پیچھے لگی ہوئی گوند زہریلی ہے۔''

''کون سا زہر ہو سکتا ہے۔''

''پوٹاشیم سائینائیڈ......!'' فریدی نے کہا۔ ''اس سے زیادہ سریع الاثر زہر دنیا میں کوئی اور نہیں۔ زبان پر رکھا اور بیڑا پار......اختر کی لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی یہی کہتی ہے کہ موت پوٹاشیم سائینائیڈ ہی سے واقع ہوئی ہے۔''

''یہ ٹکٹ تھے کہاں۔''

''اسی میز پر جہاں اُس کی لاش پائی گئی تھی۔''

''اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملنے سے پہلے ہی آپ نے ان ٹکٹوں پر قبضہ کرلیا تھا۔''

''قطعی......!''

''آپ کا ذہن ادھر پہنچا کیسے تھا۔''

''نہایت آسانی سے۔ یہ تو پہلے ہی ثابت ہو چکا تھا کہ موت خنجروں سے نہیں ہوئی تھی۔ وہ کوئی زہر ہی رہا ہوگا۔ لیکن اس موت میں بھی لاش کی وہ حالت نہ ہونی چاہئے تھی جس میں نے اُسے پایا، کیونکہ پوٹاشیم سائینائیڈ کے علاوہ ہر زہر تھوڑی دیر تک تڑپاتا ضرور ہے۔ لفافہ مد ہوتے ہی میرا ذہن پوٹاشیم سائینائیڈ کے امکانات پر غور کرنے لگا تھا۔''

''اس لفافے میں کیا تھا؟''

''ایک خط، جو اس نے اپنے کسی دوست کو لکھا تھا۔ اُسی خط کے ذریعہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ رئیسہ فرار ہو کر اُس دوست تک پہنچنے والے تھے۔''

''میں تو کہتا ہوں کہ یہ انہیں دونوں مردودوں کی حرکت ہے۔'' حمید بولا۔

''وہ اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ قانون کو بے بس کر سکتے ہیں، قتل کی بھی ہمت رکھتے ہوں گے۔''

''فرزند من......!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''پوٹاشیم سائینائیڈ استعمال کر چکنے کے بعد خنجروں ل حماقت کی کیا ضرورت تھی۔''

''ہمیں اُلو بنانے کے لئے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اگر ہم مجرم ہوتے تو لاش میں پے خنجر چھوڑنے کی حماقت کبھی نہ کرتے۔''

''خوب......!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''آج کل کافی عقل مند ہو رہے ہو۔''

''اب آپ پوچھیں گے کہ انہیں یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی کہ اُن کا لق اس قتل سے ہے۔''

''ضرور پوچھوں گا۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''ظاہر ہے کہ انہوں نے اُسے اسی لئے قتل کیا کہ وہ اس کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ تفتیش ل اگر یہ بات ظاہر ہو جاتی تو اُن دونوں پر ضرور شبہ کیا جاتا۔ لہٰذا انہوں نے علی الاعلان خود ہی جر لگا کر ہمیں شبہ ہی نہیں بلکہ یقین کر لینے کی دعوت دے دی۔ اس طرح ہم اس الجھن میں سکتے ہیں کہ ممکن ہے کسی اور نے انہیں پھنسانے کے لئے ان کے خنجر استعمال کئے ہوں۔''

''بہت اچھے......تم یقیناً سوچنے کی عادت ڈال رہے ہو۔'' فریدی بولا۔

''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

"نہیں......تمہارے دلائل مان لینے کے قابل ہیں۔"

"پھر......؟"

"پھر کیا......؟"

"ان دونوں کو حراست میں لے لیا جائے۔"

"لیکن......شمس کے لئے کیا کرو گے۔" فریدی بولا۔ "کیونکہ ابھی تک اس نے گھر سے غائب رہنے کی کوئی معقول وجہ نہیں بتائی۔ لیکن وہ تمہاری نظروں میں مشتبہ نہیں ہے۔"

"اسی حد تک......!" حمید نے کہا۔ "جہاں تک اُس کے اس بے تکے بیان کا تعلق ہے کہ اس نے وہ رات منٹو پارک میں گزاری تھی۔ وہ ہمیں ابھی تک نشے ہی کی حالت میں ملا ہے۔ اس لئے اس کے بیان کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ جاتی۔ ایسی صورت میں اگر وہ منٹو پارک کے بجائے سعادت حسن منٹو پارک کا بھی حوالہ دے تو آپ کو بُرا نہ ماننا چاہئے۔"

فریدی مسکرانے لگا......پھر اُس نے ہنس کر کہا۔ "تم اب بھی صبح اٹھنے کے فوائد کے قائل نہ ہو تو تم پر تین حرف۔"

حمید ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"اگر آپ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ وہ گھر میں نہیں تھا تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ نعیمہ کے دودھ میں افیون اس نے نہیں ملائی تھی۔ پھر اس سے تو آپ انکار کر ہی نہ سکیں گے کہ سازش کا تعلق ایک سے زیادہ آدمیوں سے ہے۔"

"تم یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر آپ انہیں حراست میں کیوں نہیں لیتے۔"

"نہ لینے میں کیا حرج ہے ظاہر ہے کہ وہ کہیں جا تو سکتے ہی نہیں کیونکہ ان کے پاسپورٹ میرے پاس ہیں۔"

"لیکن میرا بھیجا تو کھا سکتے ہیں صبح سے فون کر کر کے دماغ خراب کر دیا سالوں نے۔"

"کیا کہہ رہے تھے۔"

"کچھ نہیں......فضول بکواس۔ آپ کو پوچھا تھا۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر

چونک کر بولا۔ "یہ تو بتائیے! کیا آپ کی دانست میں مجرم کو یہ یقین تھا کہ مرنے والا رات کو کوئی خط ضرور لکھے گا اور پھر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ رات ہی کو اُسے لفافے میں بند کر کے ٹکٹ بھی چپکا دیتا۔ آخر اس نے ٹکٹ ہی کو کیوں زہر آلود کیا؟"

"میں اسی پر غور کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا "اور اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس نے اور ذرائع بھی استعمال کئے ہوں گے۔ نعیمہ کے دودھ میں افیون ملانے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ مجرم کو اپنی کامیابی کا سو فیصدی یقین تھا......اور ظاہر ہے کہ وہ یقین محض ٹکٹ کی بناء پر نہیں ہو سکتا۔"

"ہو سکتا ہے اس نے اختر کے استعمال میں آنے والی دوسری چیزوں کو بھی زہر آلود کیا ہو......مثلاً......اوہ حمید صاحب۔ میں اُس صراحی کو تو بھول ہی گیا جو اُسی میز کے قریب رکھی ہوئی تھی۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میں نے لائبریری کو مقفل کرا دیا تھا۔"

"اچھا افیون کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"اگر افیون اس ملازمہ نے نہیں ملائی تو وہ اس وقت دودھ میں ڈالی گئی جب وہ پیالے کو برآمدے میں چھوڑ کر ٹنکچر آیوڈین لینے چلی گئی تھی۔"

"ظہیر صاحب کی دادی افیون کی عادی ہیں۔" حمید بولا۔

"تو اس سے کیا......؟"

"مطلب یہ کہ شاید انہیں کی افیون استعمال کی گئی ہو۔"

"کیا وہ خود ہی استعمال نہیں کر سکتیں۔"

"اچھا کیا اُن پر بھی شبہ ہے۔" حمید بولا۔

"کیوں نہیں......جب شکوک کے اسباب موجود ہوں تو شبہ نہ کرنا بھی کفر ہے۔"

"یعنی......!"

"اگر تمہارا یہ خیال صحیح ہے کہ وہ دونوں قاتل ہیں تو اس معاملے میں دادی ہی اُن کی مددگار ہو سکتی ہے۔ یہ دادی ہی کی خواہش تھی کہ صغیر کی شادی نعیمہ سے ہو۔ فرض کرو کسی طرح اُسے یہ علم ہو گیا ہو کہ نعیمہ اختر کے ساتھ فرار ہو رہی ہے لہٰذا اختر کی احسان فراموشی پر غصہ آنا لازمی ہے۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مگر یار یہ پوٹاشیم سائینائیڈ......

آخر مجرم نے اسے کس طرح حاصل کیا۔ عام زہروں کی طرح وہ آسانی سے نہیں دستیاب ہوتا۔"

حمید بھی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ فریدی نے ایک نوکر کو بلا کر مردہ کتے کے متعلق کچھ ہدایات دیں اور پھر وہ دونوں اندر چلے گئے۔

میز پر شہر کے سارے روزنامے بکھرے ہوئے تھے۔ ناشتے کے دوران میں وہ دونوں انہیں الٹتے پلٹتے رہے۔ خان بہادر ظہیر کے یہاں ہونے والے حادثے کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہوئی تھیں، لیکن کسی اخبار نے بھی موت واقع ہونے کی صحیح وجہ نہیں لکھی تھی۔ صرف اُن دونوں خنجروں کے سلسلے میں انواع واقسام کی بحثیں تھیں۔ ظہیر کے خاندان میں دو ہم شکلوں کی موجودگی اور اُن کے یکساں عادات و اطوار کی داستان بھی شائع ہوئی تھی اور قتل کے متعلق ساری بحثوں کا مرکزی خیال وہی دونوں تھے۔

"یہ تم نے ریسیور میز پر کیوں ڈال دیا ہے۔" فریدی نے فون کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس وقت وہ دونوں بیڈروم ہی میں ناشتہ کر رہے تھے۔ فریدی نے اٹھ کر ریسیور فون پر رکھ دیا۔"

"فون کی گھنٹی کا شور مجھے پسند نہیں۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو......!" فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"کون صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے دو آوازیں سنائی دیں۔

"فریدی......!"

"اوہ...... آخر آپ نے ڈس کنکٹ کیوں کر رکھا ہے۔ ایک گھنٹے سے کوشش کر رہا ہوں۔"

"کہئے...... کیا بات ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدارا مجھے حراست میں لے لیجئے۔" دو آوازیں آئیں۔

"کیوں......؟"

"گھر والوں نے پریشان کر ہی رکھا تھا اب اخبار والے بھی پیچھے پڑ گئے۔ سب نے مجھے دو لکھا ہے کوٹھی کے سامنے خلقت کا اژدھام ہے، جو مجھے دیکھنے کیلئے بے قابو ہے۔ یا تو ان سب

سے میرا پیچھا چھڑائیے یا پھر میرے خلاف جلد سے جلد جرم ثابت کر کے مجھے پھانسی دلوا دیجئے۔"

اور وہ تصویر

حادثے کے تیسرے دن فریدی نے شمس الحیات کو مقفل کمرے سے نکالا۔ اس نے اُسے پچھلی رات کو ایک کمرے میں بند کر دیا تھا تاکہ اسے شراب نہ مل سکے۔ اُس نے یہ سب اپنی ہی کوٹھی میں کیا تھا۔ وہ اسے تفریح کے بہانے ظہیر کے یہاں سے لایا تھا۔ اس وقت بھی وہ شراب پئے ہوئے تھا۔

جیسے ہی فریدی نے اُسے کمرے سے نکالا اُس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امنڈ پڑا۔ جب وہ اچھی طرح بک چکا تو فریدی مسکرا کر بولا۔

"میرا احسان مانو کہ میں نے تمہیں ایک بہت بڑی ذلت سے بچالیا۔ کیا تمہیں سچ مچ حوالات ہی پسند ہے۔"

"حوالات......" شمس چیخ کر بولا۔ "کیسی حوالات! تم مجھے دھونس میں نہیں لے سکتے۔"

"دھونس کی ایک ہی رہی۔" حمید ہنس پڑا۔ "یار تم بھی اپنے نام ہی کی طرح عجیب معلوم ہوتے ہو۔ تمہارا نام شمس الحیات نہ جانے کیوں ہے؟ تمہیں تو ہفت تلخیات (Seven Bitter) ہونا چاہئے تھا۔"

"میں ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کر دوں گا۔"

"اس میں بہت عرصہ لگے گا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ ضرور ہے کہ خود تمہارا وارنٹ گرفتاری ناقابل ضمانت بھی ہوسکتا ہے۔"

قبل اس کے کہ شمس الحیات کچھ کہتا فریدی اُسے مخاطب کر کے بولا۔

"دوشنبہ کی رات کو تم کہاں تھے؟"

شمس اُسے کچھ دیر تک گھورتا رہا پھر اس نے جھلا کر کہا۔ "کتنی بار بتاؤں کہ منٹو پارک میں تھا۔"

"کیوں......؟" فریدی کی آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں نہیں بتا سکتا۔"

"تب تم جھوٹے ہو۔"

"یہی سہی۔" شمس لاپرواہی سے بولا۔ "میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ میں سچا ہوں۔"

"تب تو مجبوراً......" فریدی نے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

شمس الحیات کی جماہی درمیان ہی سے ختم ہوگئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فون کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے اپنی انگلی ڈائل پر رکھی ہی تھی کہ اس نے کہا۔

"ٹھہریئے۔"

فریدی ریسیور اٹھائے ہوئے اس کی طرف مڑا۔

"ایک شرط ہے۔" شمس پھر بولا۔

"کیا.... ؟" فریدی نے کہا۔ اس کی انگلی ابھی تک ڈائل ہی پر تھی۔

"آپ وہ بات اپنے ہی تک رکھیں گے۔"

"بات کی نوعیت معلوم کئے بغیر میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔"

"تو جانے دیجئے۔"

"شمس ایک بار پھر سمجھ لو۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "محض ظہیر کی خاطر میں وہ طریقے اختیار کرنے سے اجتناب کررہا ہوں جس سے اسکے خاندان کی بدنامی ہو۔ اگر تم حوالات میں بند ہوئے تو تمہارا نام معہ ولدیت اور سکونت اخبارات میں ضرور شائع ہوگا اور تم تو یہ جانتے ہی ہو کہ مجھے اپنا فرض ہر حال میں ادا کرنا ہے۔ میں اپنے فرائض پر دوستی یا تعلقات کو ترجیح نہیں دے سکتا۔"

شمس تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر ہچکچاتا ہوا بولا۔

"میں ایک لڑکی کا انتظار کررہا تھا۔"

"ویری فائین......!" حمید اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"تو کیا تم رات بھر اس کا انتظار کرتے رہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں......اُس نے بارہ سے تین بجے کا وقت دیا تھا۔"

"خوب......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "منٹو پارک میں...... بارہ سے تین بجے رات تک کا وقت۔"

"میں کہہ رہا تھا کہ میں اپنی صداقت کا کوئی ٹھوس ثبوت نہ پیش کرسکوں گا۔" شمس بڑبڑایا "کیونکہ وہ خط بھی ٹائپ کیا ہوا تھا اور تصویر......تصویر بھی آسانی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔"

پھر اس نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "پھنس گیا...... میں بُری طرح پھنس گیا فریدی صاحب۔"

"کیا تم بغیر پئے بھی بہکنے لگتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں بہک نہیں رہا ہوں۔" شمس اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ "مجھ پر یقیناً شبہ کیا جاسکتا ہے۔ میرے اور اختر کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ حادثے سے ایک روز قبل میری اس سے لڑائی بھی ہوگئی تھی۔"

"کس بات پر......؟"

"بس یونہی! اُس میں ایک خاص عادت تھی۔ جب بھی وہ لڑکیوں میں بیٹھتا اور میں بھی موجود ہوتا تو مجھے تختہ مشق بنانے کی کوشش کرتا تھا۔"

"کیا اس دن بھی اس نے یہی حرکت کی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"کون کون موجود تھا۔"

"نعیمہ، فوزیہ اور ان کی تین سہیلیاں۔" شمس نے کہا۔ "اور میں نہایت بے باکی سے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اگر نعیمہ اور فوزیہ درمیان میں نہ آجاتیں تو میں اس کا گلا ضرور گھونٹ دیتا۔"

"تمہیں گھر میں اس کی مقبولیت بھی ناپسند تھی......؟" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ میرا گھر نہیں۔"

"تم اکثر ظہیر کے یہاں آتے رہتے ہو۔"

"جی ہاں اور اکثر زیادہ دنوں تک بھی قیام کرتا ہوں۔"

"کوئی خاص دلچسپی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ...... خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔ ہاں وہ لڑکی کون ہے۔ جس نے تمہیں منٹو پارک میں بلایا تھا۔"

"آپ نے پھر وہی سوال کیا......؟" شمس کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا آپ یقین کریں گے کہ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔"

یک بیک حمید اور فریدی دونوں کی دلچسپی بڑھ گئی۔

"یقین کیا جاسکتا ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تو سنئے...... میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔ البتہ اس دوران میں مجھے اس کے تین خطوط موصول ہوئے ہیں۔ آخری خط کے ساتھ اس کی تصویر بھی تھی اور یہ سارے خطوط انگریزی میں ٹائپ کئے ہوئے تھے۔"

"کیا بذریعہ ڈاک موصول ہوئے تھے۔"

"جی ہاں...... اسی شہر سے پوسٹ کئے گئے تھے۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ مجھے عرصے سے جانتی ہے اور محبت کرتی ہے...... وغیرہ وغیرہ۔"

"وغیرہ بھی کرتی ہے۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"شٹ اپ......!" فریدی اس کی طرف تیزی سے مڑا۔

"تصویر کے ساتھ والے خط میں اس نے منٹو پارک میں ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ وہ ملاقات ہونے پر اپنے متعلق سب کچھ بتائے گی۔ حقیقتاً میں اسے کسی کی شرارت ہی سمجھا تھا۔ سو فیصدی شبہہ اختر پر تھا کیونکہ وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ مجھے کسی طرح بیوقوف بنا کر لڑکیوں اور ان کی سہیلیوں کی دلچسپی کا سامان بہم پہنچائے۔"

"پھر بھی منٹو پارک دوڑے گئے تھے۔" حمید نے۔

"یہ خیال بھی تو تھا...... مگر ٹھہریئے...... بس ایک گھونٹ کہیں سے مل جاتی۔ صرف ایک گھونٹ۔" اس نے اپنے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور وہ چلا گیا۔ فریدی اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ شمس عادی قسم کا والا ہے، ایسے لوگ اعتدال کے ساتھ پینے پر بہکا نہیں کرتے۔

تھوڑی دیر بعد حمید وہسکی کا ایک بڑا پگ لایا۔

"ہیو...... میرے دوست......!" شمس بچوں کی طرح کھل گیا۔ "بڑے معاملہ فہم معلوم تے ہو۔ بخدا میں نئے دن کا آغاز پٹیالہ پگ ہی سے کرتا ہوں۔"

ایک ہی سانس میں اُس نے گلاس خالی کر دیا۔ پھر تھوڑی دیر تک اس طرح منہ چلاتا رہا منہ کے اندر گونجی ہوئی بو سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"میں عورت کے معاملے میں خاصا اُلو ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ اس کے بے جان ے پر جوانی کا خون پھر سے جھلکیاں مارنے لگا تھا۔ وہ تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا۔ "بڑی جلدی غلط میں مبتلا ہو جاتا ہوں، حالانکہ مجھے سو فیصدی یقین تھا کہ کوئی مجھے الو بنا رہا ہے لیکن پھر ...... پھر بھی میں نے اپنی وہ رات منٹو پارک میں برباد کی، سوچ رہا تھا ممکن ہے سچ ہی ہو۔"

"لیکن وہ نہیں آئی۔" فریدی نے کہا۔

"بالکل نہیں۔"

"وہ خطوط کہاں ہیں۔"

"گھر پر......!"

فریدی نے معنی خیز انداز میں حمید کی طرف دیکھا۔

"کسی سے ان خطوط کا تذکرہ بھی کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں...... کسی سے بھی نہیں اور آپ کو بھی بتانے کا ارادہ نہیں تھا۔ مگر مفت کی رسوائی کون لے۔"

"میں تمہاری عقل مندی کی داد دیتا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا چلو...... میں ذرا ن خطوط پر بھی ایک نظر ڈال لوں۔"

پھر وہ ظہیر کی کوٹھی پر آئے۔ اس درمیان میں فریدی اور حمید نے یہ بات محسوس کی تھی کہ کر اُن دونوں کی آمد پر کچھ اکتایا اکتایا سا نظر آنے لگتا ہے۔ حمید نے اس کے متعلق فریدی ے بھی پوچھا تھا لیکن اس نے کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔

حمید نے اُن دونوں ہم شکلوں کو بھی دیکھا جو بیٹھے ایک ساتھ سر کھجا رہے تھے اور دونوں نے ایک ہی انداز میں اپنے ہونٹ بھی سکوڑ رکھے تھے۔

برآمدے سے فوزیہ گذر رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی اور حمید یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کی مسکراہٹ میں بڑی سکس اپیل ہے۔

"کہاں رہ گئے تھے شمس بھائی۔" اس نے کہا۔

"میرے ساتھ تھے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "پچھلی رات ہم ایک بجے تک شطرنج کھیلتے رہے۔"

پھر فوزیہ، فریدی اور حمید سے دو ایک رسمی باتیں کرنے کے بعد چلی گئی۔ اس دوران میں وہ شمس کو کچھ ایسی نظروں سے دیکھتی رہی تھی جیسے وہ اُسے پرلے سرے کا بیوقوف سمجھتی ہو۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید وہ خطوط دیکھ رہے تھے جن کے لئے وہ یہاں آئے تھے۔ تینوں خطوط انگریزی میں ٹائپ کئے ہوئے تھے اور ان پر بھیجنے والے کا نام نہیں تھا۔ خطوط سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کو بیوقوف بنانے کے لئے ہی لکھے گئے ہیں۔ فریدی اُن خطوط پر غور کر رہا تھا اور حمید اُن کے ساتھ والی تصویر میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ کسی حسین لڑکی کی تصویر تھی۔ خدوخال کافی دلکش تھے۔

"دوسری رات......!" فریدی شمس کی طرف مڑ کر بولا۔ "پھر تم دوسری رات منٹو پارک نہیں گئے۔"

"نہیں......!"

"کیوں......؟"

"دوسرے دن کافی عقل آ گئی تھی۔ حقیقتاً یہ اُسی کی شرارت تھی۔"

"کس کی......؟"

"اختر کی؟ اگر وہ زندہ ہوتا تو ابھی یہ سلسلہ قائم ہی رہتا۔"

"ہوں......!" فریدی نے وہ خطوط جیب میں ڈال لئے۔ تصویر حمید کے پاس تھی۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔" کمرے کے دروازے پر دونوں ہم شکل کھڑے تھے۔

"صرف ایک......!" حمید بھنا کر پلٹا۔

"آخر آپ ہی کو مجھ سے اتنی دشمنی کیوں ہے۔" انہوں نے حمید سے کہا۔

"دشمنی نہیں محبت کہو...... جب تم یہاں سے جانے لگو گے تو تمہارا ڈبلی کیٹ اپنے لئے لوں گا۔"

"ہائیں...... ڈبلی کیٹ...... پھر وہی۔" دونوں نے سنجیدگی سے کہا۔ "معلوم نہیں یہ مذاق ب ختم ہوگا۔"

"پھانسی کے تختے پر......!" حمید اُن سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"پیارے بھائی! کاش آپ سچ کہہ رہے ہوں۔ اس زندگی سے موت ہی بہتر ہے۔ حد ستم ظریفی کی۔ کبھی آپ کو بھی اسی طرح ایک سے دو ہونے کا اتفاق ہوا تو پتہ چل جائے گا۔"

فریدی اس طرح سوچ میں ڈوبا ہوا تھا جیسے وہ اُن کی گفتگو سن ہی نہ رہا ہو۔

"میں کیا بتاؤں...... میرے دوستو!" حمید نے غم ناک لہجے میں کہا۔ "میرا بس ہی نہیں ...... ورنہ سب ٹھیک ٹھاک ہو جاتا۔"

"کیوں بس نہیں چلتا۔" دونوں نے بھولے پن سے کہا۔ "بس چلایئے۔ ورنہ میری زندگی اد ہو جائے گی۔ میں ہر لڑکی کو دو نظر آتا ہوں۔ نعیمہ نے بھی شادی کرنے سے صاف انکار ر دیا۔"

"نعیمہ......!" حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔

غالباً اُسے خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں حمید، نعیمہ اور اختر کے تعلقات پر روشنی ڈالنا نہ شروع دے، اُس نے ابھی تک یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کی تھی۔

فریدی انہیں وہیں چھوڑ کر ظہیر کے پاس چلا آیا۔ اس نے وہ تصویر حمید سے لے لی تھی۔

"تمہارا ٹائپ رائٹر ٹھیک چل رہا ہے۔" اس نے ظہیر سے پوچھا۔

"ہاں...... کیوں......!"

"ایک خط ٹائپ کرنا ہے۔"

ظہیر فریدی کو اپنے دفتر والے کمرے میں لے آیا۔ فریدی ٹائپ رائٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔

"میری موجودگی ضروری تو نہیں۔" ظہیر نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔" فریدی نے کہا اور مشین پر کاغذ چڑھانے لگا۔ پھر اس نے اُن خطوط سے ایک نکال کر اس کی نقل کرنی شروع کر دی۔

پھر وہ تنا محو ہو گیا کہ اسے نعیمہ کی آمد کی خبر تک نہ ہوئی، جو پچھلے دروازے سے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

فریدی اس وقت چونکا جب وہ اس کی پشت سے بیساختہ میز پر کچھ دیکھنے کے لئے جھکی۔ وہ ایک طرف سرک گیا۔ نعیمہ وہی تصویر دیکھ رہی تھی، جو فریدی کی بے خیالی کی وجہ سے میز ہی پر پڑی رہ گئی تھی۔

"یہ تصویر......!" وہ سیدھی کھڑی ہو کر آہستہ سے بڑبڑائی۔ پھر جواب طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیوں......؟" فریدی کی ٹٹولنے والی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

"یہ یہاں کہاں......؟" نعیمہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"کچھ نہیں۔" نعیمہ نے کہا اور تصویر اٹھا کر اپنے بلاؤز کے گریبان میں رکھ لی۔

"تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ فی الحال یہ تصویر سرکاری ملکیت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" نعیمہ نے کہا۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"کیا تم اسے جانتی ہو۔"

"جاننا کیسا...... یہ میرے ہی البم کی ایک تصویر ہے۔ نہ جانے کس نے نکال کر یہاں ڈال دی۔"

"اوہ......!"

"یہ میری ایک مرحوم سہیلی کی تصویر ہے۔"

"مرحوم سہیلی۔" فریدی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "کیا ابھی حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔"

"جی نہیں......ایک سال کے لگ بھگ۔"

"اسی شہر میں رہتی تھیں۔"

"جی نہیں......لکھنؤ میں تھی۔"

"اچھا تو یہ تصویر مجھے دے دو۔" فریدی نے کہا۔ "تم نے اپنا البم کب سے نہیں دیکھا۔"

"آخر آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"یونہی......ضرورتاً......تم اسے کہاں رکھتی ہو۔"

"بکس میں......!"

"ذرا اُسے لاؤ تو......!"

"مگر اس وقت ...... وہ دراصل فی الحال شمس بھائی کے پاس ہے۔ نہیں وہ ابھی واپس آئے یا نہیں؟"

"شمس کے پاس......!" فریدی چونک کر بولا۔ "ان کے پاس کب سے ہے۔"

"کل ہی لے گئے تھے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

نعیمہ بیٹھ گئی۔ وہ بہت زیادہ متحیر نظر آ رہی تھی۔

"انہیں البم کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔"

"یہ تو میں نے نہیں پوچھا تھا۔ البتہ خود انہوں نے اپنی اکتاہٹ کا تذکرہ کر کے دل بہلانے کے لئے البم یا کوئی اور باتصویر قسم کا رسالہ مانگا تھا۔"

"کیا یہ تصویر اس وقت اس میں موجود تھی۔"

"یہ بتانا مشکل ہے......میں نے دھیان نہیں دیا تھا۔"

"خیر......تصویر مجھے دے دو۔ کسی وقت واپس مل جائے گی۔"

"آخر بات کیا ہے......؟" نعیمہ نے اس کی طرف تصویر بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ یہ بھی تفتیشی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔"

نعیمہ کے چہرے پر پائے جانے والے بے اطمینانی کے آثار بدستور قائم رہے۔

"شمس اپنے کمرے میں موجود ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مگر ٹھہرو۔ تم یہ کس طرح کہہ سکتی

ہو کہ یہ تصویر تمہارے البم ہی سے نکالی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اُسی پوز کی دوسری کاپی ہو۔"

نعیمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تمہیں تکلیف تو ہوگی۔" فریدی پھر بولا۔ "شمس اور سرجنٹ حمید کو یہاں بھیج دو...... وہ بھی تمہیں شمس ہی کے کمرے میں ملے گا۔"

نعیمہ جانے کے لئے اٹھی۔

"اور ہاں......" فریدی آہستہ سے بولا۔ "شمس سے اس تصویر یا البم کا تذکرہ مت کرنا۔ ہوسکے تو شمس کے چلے آنے کے بعد البم پر بھی ایک نظر ڈال لینا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ تصویر تمہارے ہی البم کی ہے یا نہیں۔"

نعیمہ چلی گئی۔ فریدی نے ٹائپ رائٹر سے کاغذ نکال کر جیب میں رکھ لیا اور سگار سلگانے لگا۔

فریدی یہ بھی سوچ رہا تھا کہ نعیمہ اس طرف اتفاقاً آ نکلی تھی یا کسی مقصد کے تحت۔

حمید اور شمس جلد ہی آ گئے۔ فریدی نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تصویر کا معاملہ صاف ہوگیا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور شمس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔

"کیا......!"

"حقیقتاً تمہیں کسی نے بیوقوف بنایا تھا۔"

"کیسے معلوم ہوا۔"

"بس معلوم ہوگیا...... تمہیں یہاں سے اس لئے ہٹایا گیا تھا کہ مجرم بہ آسانی اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکے۔"

شمس کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔

"اب تم پر کوئی پابندی نہیں۔" فریدی بولا۔ "لیکن تفتیش کے دوران میں تمہیں ٹھہرنا پڑے گا۔"

"اس لئے مجرم نے مقصد براری کے لئے تمہیں بھی استعمال کیا ہے۔"

"بھی کا کیا مطلب...... کیا کوئی اور بھی تھا......؟"

"کیا تم نے اور چڑھالی ہے...... عادت اچھی نہیں کیا چھوڑ نہیں سکتے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "خیر میں نے یہی بتانے کے لئے تمہیں بلایا تھا۔ اب اگر تم کہیں جانا چاہو تو

جاسکتے ہو۔"

زہر کی گمشدگی

شمس کے چلے جانے کے بعد بھی فریدی اور حمید اُسی کمرے میں بیٹھے رہے۔

فریدی اُسے اس تصویر کے متعلق بتا رہا تھا۔ اتنے میں نعیمہ واپس آ گئی۔

"کیوں......؟" فریدی اس کی طرف مڑا۔

"نہیں ہے۔" نعیمہ آہستہ سے بولی۔

"ہوں...... اس کا تذکرہ کسی سے مت کرنا۔ لیکن البم واپس ملنے پر شمس سے یہ ضرور پوچھنا کہ وہ تصویر کہاں گئی۔"

"آپ نے مجھے ایک نئی الجھن میں ڈال دیا۔"

"بہتر یہ ہے کہ تم اپنی پرانی ہی الجھنوں میں مبتلا رہو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

نعیمہ تھوڑی دیر کھڑی رہی پھر چپ چاپ کمرے سے چلی گئی۔

"آپ کا کھردرا لہجہ مجھے پسند نہیں۔" حمید نے کہا۔

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر جیب سے ٹائپ کیا ہوا کاغذ نکال کر دیکھنے لگا۔

"ان خطوط کے لئے بھی یہی ٹائپ رائٹر استعمال کیا گیا ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تو کیا شمس ہی......!" حمید نے کہا۔

"ہوسکتا ہے۔"

"گویا اب بھی آپ کو یقین نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"آخر اتنی ذرا سی بات پر یقین ہی کیوں کرلیا جائے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی...... کیا اس نے ہمیں اس تصویر اور خطوط کے ذریعہ بیوقوف بنانے کی کوشش نہیں کی۔"

"ہوسکتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے...... نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"ہوسکتا ہے کہ حقیقت ہی ہو۔"

"پھر وہی گول قسم کی بات......!" حمید بولا۔

"پھر کیا چاہتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اب اس قصے کو ختم کیجئے۔"

"کیسے ختم کروں۔"

"آپ معاملے کو خواہ مخواہ طول دے رہے ہیں۔"

"تو کچھ بکو بھی نا۔"

"ظاہر ہے کہ شمس نے ہمیں دھوکا دیا۔"

"ذرا آہستہ بولو۔" فریدی نے کہا۔ "ممکن ہے وہ خود ہی دھوکا کھا گیا ہو۔ اکثر فریب خوردہ ہمیں فریب کار معلوم ہوتے ہیں۔"

"میرے خیال سے اب آپ کو یہ پیشہ ہی ترک کردینا چاہئے۔ پہلے آپ گھما کر ناک پکڑتے تھے اور اب۔"

"شمس......!" فریدی نے اُسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ باہر قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"ارے خدا تمہیں غارت کرے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "دونوں ہم شکل دروازے میں کھڑے ہانپ رہے تھے۔

"فریدی صاحب...... پانی سر سے اونچا ہوچکا ہے۔" دونوں نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تب تو تمہیں الٹا لٹکا کر تمہارے پیٹ سے پانی نکالنا پڑے گا۔" حمید بیساختہ بولا۔

"پیارے بھائی! اس وقت میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" دونوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی انہیں گھورنے لگا۔

"کوئی مجھے افیونی بنانے کی کوشش کررہا ہے۔"

"کیا مطلب......!"

"کسی نے میرے بکس میں افیون رکھ دی ہے۔"

"اوہ......!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "کہاں...... چلو دیکھیں۔"

سچ مچ صندوق سے کافی مقدار میں افیون برآمد ہوئی۔ حمید نے جواب طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

"میں اب یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔" دونوں نے کہا۔ "میرے قیمتی خنجر گئے اور اب کوئی میری اچھی بھلی تندرستی برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔"

"اسے ہاتھ تو نہیں لگایا۔" فریدی افیون کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ ایک براؤن رنگ کے کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی۔"

"نہیں...... لیکن یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے کہا اور اُسے احتیاط سے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"ایک دوسرا جرم......!" حمید نے اُن دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں نہیں سمجھا......!" دونوں بولے۔

"افیون کی ناجائز تجارت......!"

"پیارے بھائی میرا مضحکہ مت اڑاؤ۔" دونوں آبدیدہ ہوکر بولے "میں بہت مظلوم ہوں۔"

"تم صغیر ہو......" دفعتاً فریدی نے ان میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"جی ہاں......!" دونوں متحیر ہوکر بولے۔

"صرف تم......!"

"صرف کا کیا مطلب......؟" دونوں نے معصومیت سے پوچھا۔

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے جھلا کر اُسے دھکا دے دیا۔

"کتنی بے عزتی ہورہی ہے...... میں یہاں کیوں آیا...... کیوں آیا۔"

پھر جوانہوں نے کیوں آیا کیوں آیا، کی تکرار کے ساتھ سر پیٹنا شروع کیا ہے تو فریدی اور حمید سے بھاگتے ہی بنی۔

دونوں انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر باہر آ گئے۔

"میں پھر کہتا ہوں کہ انہیں حراست میں لے لیجئے۔" حمید نے کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔"

"آپ اُن دونوں سے زیادہ عجیب نظر آ رہے ہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی لاک کوتوالی کی طرف جا رہی تھی۔

"اب کہاں......!" حمید نے پوچھا۔

"کوتوالی! لائبریری والی صراحی کے پانی کے تجزیہ کی رپورٹ آ گئی ہوگی۔"

"آپ بیکار وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"کیوں......؟"

"اگر یہ معلوم ہی ہو گیا کہ اُس صراحی کا پانی بھی زہر آلود تھا تو آپ کیا کر لیں گے۔"

"تم نے پھر بے تکی ہانکنی شروع کر دی۔"

"میں سچ عرض کر رہا ہوں حضور والا......آپ صحیح مجرم کو زندگی بھر نہ پکڑ سکیں گے۔ حالانکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مجرم گھر ہی کا کوئی فرد ہے۔"

"بڑی جلد فیصلہ کر ڈالتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "چلو میں اسے شروع ہی سے تسلیم کر رہا ہوں کہ مجرم گھر ہی کا کوئی فرد ہے......پھر......!"

"پھر یہ کہ اختر مرحوم کا باقاعدہ عرس ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کی موت بڑی پُر کرامت ہوئی ہے۔ دو دو خنجر لگے لیکن جسم سے خون تک نہ نکلا۔ بہرحال میرا اور آپ کا فرض ہے کہ اُس کے مریدوں کی صحیح تعداد معلوم کر کے کسی اہل دل کو اس کا سجادہ نشین بنا دیں۔"

"بکومت......!" فریدی آہستہ سے بولا اور پھر کسی خیال میں ڈوب گیا۔

کوتوالی پہنچ کر حمید کو اپنی ہنسی ضبط کرنا دشوار معلوم ہونے لگا کیونکہ صراحی والے پانی کے کیمیاوی تجزیہ کی رپورٹ اس کی دانست میں فریدی کے لئے مایوس کن تھی۔ پانی صرف پانی تھا۔

میں زہر کی آمیزش نہیں تھی۔

"اب بتایئے۔" اُس نے چٹکی لی۔ "اختر کی موت معجزہ ہے یا نہیں۔"

"یا پھر ہو سکتا ہے کہ قاتل و مقتول میں پہلے ہی سے کوئی سمجھوتہ رہا ہو۔ اس نے مقتول کے سامنے ہی ٹکٹ پر زہر لگایا ہوگا اور پھر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ہوگا لو پیارے چپکا دو ...ے لفافے پر...... اُس نے مجرم کا شکریہ ادا کر کے ٹکٹ پر لب لگا کر اسے لفافے پر چپکاتے ہوئے ہنسی خوشی جان دے دی ہوگی۔"

"واقعی......اب پورا نظریہ بدلنا پڑے گا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"مجھے اُس پانی میں زہر کی آمیزش کی توقع تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر صرف ان ٹکٹوں کے بل بوتے پر مجرم کو اپنی کامیابی کا یقین کیونکر ہو گیا تھا۔ کیا مجرم کو یقین تھا کہ مقتول خط ضرور لکھے گا۔ میرے خیال سے یہ تو اس صورت میں ممکن ہے کہ خود مجرم ہی نے اسے نہ صرف خط لکھنے کی ترغیب دی ہو بلکہ رات ہی کو اُسے پوسٹ کر دینے پر بھی اکسایا ہو۔"

"سرجنٹ حمید کبھی کوئی غلط رائے نہیں قائم کرتا۔" حمید نے اپنی پیٹھ خود ہی ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ خود نعیمہ ہی مجرم ہے۔"

"اب کہی آپ نے سچی بات۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"لیکن......؟"

"لیکن ویکن کچھ نہیں......سو فیصدی وہی ہے۔"

"بیٹے خاں......اگر وہی ہوتی اس نے وہ لفافہ اس کے ہاتھ کے نیچے کبھی نہ چھوڑا ہوتا کیونکہ وہ خود اسی کی ذات سے تعلق رکھتا تھا اور اس میں اس کی بدنامی تھی۔"

"چلئے پھر مجرم ہاتھ آتے آتے نکل گیا۔" حمید ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس کی پیشانی پر ابھرتی ہوئی لکیریں گہرے تفکر کی غمازی کر رہی تھیں۔

...فتا جگدیش نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"میں صبح سے کئی بار آپ کو فون کر چکا ہوں۔ لیکن ہر بار لائین انگیج تھی۔"

"آج بھی ریسیور میز پر ڈال دیا گیا ہوگا۔" فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا پھر

جگدیش سے پوچھا۔ ''کیوں۔''

''یونیورسٹی سے ایک ایسی رپورٹ ملی ہے جس سے آپ کو دلچسپی ہوسکتی ہے۔''

''کیا......!''

''وہاں کی لیبارٹری سے پوٹاشیم سائینائیڈ چرایا گیا ہے۔''

''اوہ......کب......!''

''وہاں کا منتظم بھی اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔'' جگدیش نے کہا۔

''لیکن یہ بات آج ہی معلوم ہوئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پچھلے دنوں چرایا گیا ہو۔ بہر حال آج اس کی شیشی غائب تھی۔''

''تحقیقات کیلئے کوئی گیا یا نہیں۔''

''ابھی نہیں۔'' جگدیش نے جواب دیا۔

''آؤ تو جلدی کرو۔''

جگدیش نے روزنامچے میں روانگی لکھی اور وہ سب یونیورسٹی کی طرف چل پڑے۔

شعبہ سائنس کی عمارت میں پہنچ کر انہیں لیبارٹری تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔

فریدی نے وہ جگہ دیکھی جہاں سے زہر کی شیشی غائب ہوئی تھی۔ لیبارٹری کے انچارج نے بتایا کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شیشی کب چرائی گئی۔

''لیکن پچھلی بار کب دیکھی گئی تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میں ہر ماہ اسٹاک چیک کرتا ہوں۔ چنانچہ آج سے ایک ہفتہ قبل جب میں نے اسٹاک چیک کیا تھا تو وہ موجود تھی۔''

''اس کے بعد بھی الماری کھولی گئی ہوگی۔''

''یقیناً......!''

''لیکن کسی نے اس کے متعلق غور نہیں کیا۔''

''جی نہیں......آج دراصل مجھے الماری کھولنے کا اتفاق ہوا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ غائب ہے۔''

''اُس ایک ہفتے کے دوران میں آپ نے آج ہی الماری کھولی تھی۔''

''جی ہاں۔''

''آپ کے اسسٹنٹ کتنے ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''چار......!''

''کیا وہ سب موجود ہیں۔''

''جی ہاں۔''

فریدی نے باری باری سے اُن چاروں اسسٹنٹوں سے بھی گفتگو کی لیکن جگدیش اور حمید کو معلوم ہوسکا کہ اس نے اس سے کیا نتائج اخذ کئے۔

بہر حال اُن چاروں کے بیان کے مطابق وہ الماری متعدد بار کھولی گئی تھی لیکن اُن میں کسی کو بھی زہر کی گمشدگی کا احساس نہیں ہوا۔ پوری الماری نیچے سے اوپر تک چھوٹی بڑی یوں سے بھری پڑی تھی۔ ایسی صورت میں صرف اسی چیز پر توجہ دی جاسکتی ہے جس کی ت ہے۔''

فریدی ایک بار پھر لیبارٹری انچارج کی طرف پلٹا۔

''اتنی شیشیوں کے درمیان آپ نے یہ بات کیسے مارک کرلی کہ پوٹاشیم سائینائیڈ کی شیشی ب ہے۔''

لیبارٹری انچارج شائد اس سوال کے لئے تیار نہیں تھا۔

''بات یہ ہے۔'' وہ تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا۔ ''میں یہاں رکھے ہوئے زہروں پر خاص طور نظر رکھتا ہوں۔''

''اس الماری میں کتنے قسم کے زہر ہوں گے۔'' دفعتاً فریدی نے سوال کیا۔

''کئی قسم کے۔'' لیبارٹری انچارج نے کہا۔

''آپ کو ان شیشیوں کی تعداد تو معلوم ہی ہوگی جن میں مختلف قسم کے زہر ہیں۔''

''تعداد......جی ہاں......لیکن نہیں ٹھہریئے۔'' وہ الماری کی طرف بڑھا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔'' فریدی نے اُس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اُسے آگے بڑھنے سے

روک دیا۔

وہ اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''آپ زہروں پر خاص طور سے نظر رکھتے ہیں پھر بھی آپ ان کی شیشیوں کی صحیح تعداد نہیں بتا سکتے۔ لیکن پوٹاشیم سائینائیڈ کی شیشی کی گمشدگی کا احساس آپ کو ہو جاتا ہے...... کیا یہ عجیب بات نہیں۔''

''بھلا میں شیشیوں کی صحیح تعداد کس طرح بتا سکتا ہوں۔ ممکن ہے اسسٹنٹوں نے اس الماری کی بعض شیشیاں دوسری الماری میں رکھ دی ہوں۔''

''آپ کی یہ دلیل بھی کچھ بے تکی ہی سی معلوم ہوتی ہے۔ کیا آج آپ نے یہ بات ظاہر ہونے پر کہ اک شیشی غائب ہے بقیہ شیشیاں نہیں چیک کیں۔''

''جی نہیں۔''

''لہٰذا آپ کا یہ بیان سرے سے غلط معلوم ہوتا ہے کہ آپ زہروں پر خاص طور سے نظر رکھتے ہیں۔''

''نہ جانے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' انچارج کچھ جھنجھلا گیا۔

''مائی ڈیئر سر......!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اس بات کا جواب آپ ہی دیں گے کہ وہ شیشی کہاں گئی۔ آپ، کے چاروں اسسٹنٹ اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کے حکم کے مطابق جو چیز جہاں سے اٹھائی جاتی ہے وہیں رکھی جاتی ہے۔ وہ بیچارے سہواً بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتے کہ اس الماری کی کوئی شیشی کسی دوسری الماری میں رکھ دیں۔ پھر دوسری بات یہ کہ اگر آپ کے خیال کے مطابق اس الماری کی شیشیاں دوسری الماری میں بھی پہنچ سکتی ہیں تو پھر آپ صبح سے صرف اس ایک الماری پر کیوں زور دیتے رہے۔ آپ نے دوسری الماریاں بھی کیوں نہیں کھلوائیں۔''

''کھلوائیں تھیں۔''

''بکواس۔ اگر آپ نے کھلوائی ہوتیں...... تو ہمیں ان کی زیارت سے محروم نہ رکھتے کیا آپ کے اسسٹنٹ جھوٹے ہیں۔''

''آپ کی گفتگو توہین آمیز ہے۔'' انچارج نے احتجاجاً کہا۔

''شٹ اپ۔'' فریدی نے انگلی اٹھا کر کہا۔ ''آپ خود کو حراست میں تصور کریں۔''

چور کے ہمدرد

سرجنٹ حمید نے بیٹھے ہی بیٹھے اکتا کر ایک طویل انگڑائی لی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ نو بج چکے تھے لیکن فریدی ابھی تک اپنے سونے کے کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی اور پھر سناٹا چھا جاتا۔ حمید صبح سے کئی بار دروازے پر دستک دے چکا تھا لیکن جواب ندارد۔

پچھلے دن کی حیرت انگیز گرفتاری کی یاد کچھ عجیب سے احساسات میں لپٹی ہوئی اب بھی حمید کے ذہن پر مسلط تھی۔ فریدی نے اُسے کس آسانی سے اپنے دلائل کے جال میں جکڑ لیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر صرف پولیس ہی والے تفتیش کے لئے گئے ہوتے تو اتنی جلدی اس نتیجہ پر پہنچنا مشکل تھا لیکن یہ بات اب بھی اس کے دل میں کھٹک رہی تھی کہ آخر ظہیر کے گھر میں ہونے والے حادثے سے اس کا کیا تعلق؟ فریدی اسے کس بناء پر اس سے منسلک کر رہا ہے۔ ضروری نہیں کہ یونیورسٹی سے چرایا ہوا زہر وہاں بھی استعمال کیا گیا ہو اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک لیبارٹری انچارج نے اقبال جرم نہیں کیا تھا۔ ویسے ہر ایک کو یقین تھا کہ وہ یا تو خود مجرم ہے یا پھر زہر کی گمشدگی کے راز سے واقف ہے۔

حمید نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی اور چیخ کر بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ آپ زندہ ہیں، لیکن میں ضرور مر جاؤں گا۔''

''کیوں......؟ کیا ہے۔'' فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول کر کہا۔ اُس کی آنکھیں سرخ تھیں اور بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ کمرے سے سگار کی بو کا ریلا آیا۔

''ناشتے کا وقت تو نکل گیا......؟'' حمید نے مایوسی سے کہا۔

''تو مجھے کھا جاؤ...... کھاؤ......!'' فریدی نے حمید کا گریبان پکڑ کر زور سے جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ ''کس گدھے نے تم سے کہا تھا کہ اکیلے ناشتہ نہ کرنا۔''

''تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ ناشتے کی ایسی کی تیسی میں ویسی...... میں دوپہر کا

کھانا بھی نہ کھاؤں گا۔"

"کھانا......!" فریدی نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

حمید کمرے میں گھس گیا۔ پلنگ کے قریب والی میز پر متعدد چیزیں بکھری ہوئی تھیں، جن میں افیون بھی تھی، جو اُن دونوں ہم شکلوں کے پاس سے برآمد ہوئی تھیں۔ شمس کے خطوط بھی تھے اور خطوط کے ساتھ والی تصویر بھی۔ حمید فریدی کی طرف پلٹا۔

"یہ بات تھی۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "عورت افیون اور عشقیہ خطوط۔ معلوم ہوتا ہے تھوڑی سی چکھی بھی گئی ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔"

"بکو نہیں...... ناشتے کے لئے کہہ دو۔"

"وہ تو خود بخود آ جائے گا...... لیکن مجھے بک لینے دیجئے۔"

"بکو......!"

"پہلی بات تو یہ کہ اس بار آپ بُری طرح شکست کھائیں گے۔ دوسری بات یہ کہ آپ کی شکست مجھے کھائے گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ اب آپ ہوائی قلعے بنانے لگے ہیں۔"

"تیسری بات کی وضاحت چاہتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"نیو یارک میں کسی نے ایک دواخانے سے زہر چرایا اور یہاں ایک آدمی کی موت واقع ہوگئی۔ ممکن ہے اسی دن لندن، پیرس اور انقرہ میں بھی زہر چرایا گیا ہو۔ آخر آپ نیو یارک ہی کے کان کیوں اینٹھنے لگے۔"

"بہتر ہے کہ پہلے ناشتہ کرلو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ورنہ ممکن ہے کہ پھر تمہیں ہاضمے کی بھی مہلت نہ ملے۔"

"معقول مشورہ ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور باہر چلا گیا۔

باورچی خانے میں ناشتے کے لئے کہہ کر وہ پھر واپس آ گیا۔

"تم دراصل......!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"جی ہاں...... میں دراصل کیا......؟"

"لیبارٹری انچارج صفدر اور اختر کی موت کا تعلق نہیں سمجھ سکے۔"

ریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر مسکرا کر کہنے لگا۔ "آخر ظہیر اس کی ضمانت لینے کے لئے یار ہے۔"

"کیا......؟" حمید اچھل پڑا۔

"جناب...... ظہیر کل سے کئی بار مجھے اس کے متعلق فون کر چکا ہے۔"

"تو کیا ظہیر......؟" وہ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہشش...... نتائج اخذ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ بس سنتے جاؤ۔ ظہیر نے مجھے وہ صفدر کو بہت عرصہ سے جانتا ہے اور اس کی نیک چلنی کی ضمانت بھی لے سکتا ہے۔ ایک نے میں اس کے یہاں اس کی آمد و رفت بھی تھی اور وہ دراصل فوزیہ کا ٹیوشن کئے ہوئے تھا۔"

"لیکن یہ ساری باتیں آپ کو اس وقت تو نہیں معلوم تھیں جب آپ نے اُسے گرفتار کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے...... میں کب کہتا ہوں کہ معلوم تھیں۔ میں نے تو اسے اس جرم میں پکڑا تھا ں نے زہر کی گمشدگی کی رپورٹ دے کر پولیس کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔"

"تو اختر کو اسی نے زہر دیا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں...... ظہیر کے بیان کے مطابق وہ پچھلے کئی ماہ سے وہاں نہیں تھا۔ تم بھی عجیب احمق کیا وہ سارے حالات تمہارے ذہن سے یکسر محو ہو گئے جن کی بناء پر یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ ھر ہی کا کوئی فرد ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اُس گھر کے کسی فرد نے صفدر سے زہر حاصل کیا۔"

"بڑی دیر میں سمجھے حضور۔"

ناشتہ آ گیا تھا اس لئے پھر حمید کو کچھ پوچھنے کا ہوش نہ رہ گیا۔

اس نے دو تین لمبے لمبے ہاتھ مارے اور چائے انڈیلنے لگا۔

"ایک اور دلچسپ اطلاع۔" فریدی اس کی بدحواسی پر دھیان دیئے بغیر بولا۔ "صفدر اس ختر شمس کے ذریعہ متعارف ہوا تھا۔ دونوں کسی زمانے میں ہم جماعت رہ چکے ہیں۔"

"وہ ما......!" حمید نے حلق پھاڑ کر چلانے کی کوشش کی لیکن منہ کا نوالہ غیر ارادی طور پر ق میں پھنس گیا اور "وہ مارا" کا نعرہ مکمل نہ ہوسکا۔

"تم بالکل جنگلی ہی ہو گیا۔" فریدی بھنا کر بولا۔

حمید اپنا سینہ پیٹ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔

پھر اس نے چاہا کہ پھنسا ہوا لقمہ چائے کے گھونٹ سے اتارا جائے لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اغے...... اغے...... ہچ...... ہچ......!" ہچکی بھی شروع ہو گئی۔

"نہیں...... تم آج اسی طرح مر جاؤ۔" فریدی نے کہا اور اس کی چائے کی پیالی چھین لی۔

"مرا...... ہچ......!" حمید سینہ پیٹتا ہوا بولا۔

"ضرور مرو......!" فریدی نے اس کی پیٹھ پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ جھٹکے سے نوالہ حلق کے نیچے اتر گیا۔

یہ واردات کھانے کی میز پر ہوئی تھی اس لئے حمید کو ذرا بھی غصہ نہ آیا۔ اُس کے ماتھے پر شکن تک نہ تھی۔

"میں شروع ہی سے کہہ رہا تھا۔" حمید حلوے کی پلیٹ پر ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا۔ "میرا سو فیصدی شبہ شمس ہی پر تھا۔"

"تب تم بالکل چغد ہو۔" فریدی نے چائے کی پیالی اس کی طرف سرکا دی۔

"افسوس کہ آپ کو آج ہی اس کی اطلاع ملی۔" حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔ "ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میرے کہنے پر عمل کرتے تو اتنے دنوں تک پریشان نہ ہونا پڑتا۔"

"یعنی......!"

"شمس کو پہلے ہی گرفتار کر لینا تھا۔"

"شمس مجرم نہیں ہو سکتا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں......!"

"غالباً اس وقت تمہارا دماغ بھی معدے میں چلا گیا ہے۔" فریدی بولا۔ "اگر شمس ہی مجرم ہے تو اسے یہ ظاہر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ وہ گھر میں تھا ہی نہیں۔ فرض کرو اگر وہ مجرم ہے بھی تو معمولی ذہانت کا آدمی نہیں۔ ٹکٹوں کو زہر آلود کر کے کسی کی جان لینے والا اتنا

نہیں ہو سکتا کہ اپنی بریت کیلئے اس قسم کے بھونڈے اور مشکوک ثبوت پیش کرے اور پھر ے بڑی بات تو یہ ہے کہ جب وہ گھر میں موجود ہی نہیں تھا تو دودھ میں افیون کس نے ملائی۔"

"یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ وہ اس وقت گھر میں داخل ہوا جب سب سو گئے تھے۔" حمید ا۔

"پھر بھی افیون کا مسئلہ رہا جاتا ہے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ اس میں سچ مچ افیون تھی۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔ ارے اس پیالے کی پینڈی میں لگے ہوئے دودھ کا باقاعدہ طور پر ی تجزیہ ہوا تھا۔"

"پھر آپ کی دانست میں مجرم کون ہے۔"

"سارے واقعات تمہارے سامنے ہیں۔ تم خود ہی اس کا فیصلہ کرو۔"

"میں غیب داں نہیں ہوں۔"

"تو کیا تم مجھے غیب داں سمجھتے ہو۔"

ناشتہ ختم کرنے کے بعد فریدی لباس تبدیل کرنے لگا۔

"تیار ہو جاؤ" اس نے حمید سے کہا۔

"ہر وقت تیار رہتا ہوں۔"

"جلدی کرو...... زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"کہاں چلنا ہے۔"

"جہنم میں۔"

"فی امان اللہ...... بندہ وہاں کی موجودہ اقتصادی حالت معلوم کئے بغیر ہرگز نہ جائے گا۔"

"گھونسہ تیار ہے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"تو کیا گھونسے ہی پر تشریف لے جایئے گا۔"

"چلو......!" فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر اُسے اس کے کمرے میں دھکیل دیا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی لاک ظہیر کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

"بیچارا صفدر دھوکے میں مارا گیا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیوں......؟"

"اگر اختر کی موت کی صحیح وجہ اخبارات میں شائع ہوئی ہوتی تو وہ قیامت تک پولیس کو ز[ہر] کی گمشدگی کی اطلاع نہ دیتا۔ وہ غریب یہی سمجھتا رہا کہ پولیس اس معاملے میں دھوکہ کھا گئی او[ر] اب بھی یہی سمجھتا ہے اسی لئے اس نے ابھی تک اقبال جرم بھی نہیں کیا۔"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ نے ظہیر کو بھی نہیں بتایا کہ اس کی موت زہر سے واقع ہوئی تھی۔"

"اسے پولیس ہی کے چند آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اصل مجرم اب بھی مطمئن ہوگا۔"

"قطعی......لیکن ساتھ ہی ساتھ اُسے یہ خوف بھی ہوگا کہ کہیں صفدر کچھ اگل نہ دے۔"

"صفدر نے اس کی گمشدگی کی رپورٹ ہی کیوں کی۔"

"اگر رپورٹ نہ کرتا تب بھی ایک نہ ایک دن اس سلسلے میں اسے جوابدہ ہونا ہی پڑتا۔ پوٹاشیم سائینائیڈ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا۔ آخر وہ اسٹاک کہاں سے پورا کرتا۔"

"لیبارٹری کے تجربات میں اس کی کھپت دکھا دیتا۔"

"اتفاق سے وہ کسی قسم کے تجربے میں کام نہیں آتا۔ وہ صرف اس لئے رکھا جاتا ہے [کہ] کیمسٹری کے طلباء اس کی نوعیت سے واقف ہوسکیں۔ بہرحال اس نے رپورٹ کرنے میں ا[س] لئے جلدی کی کہ اس کے دل پر بوجھ تھا۔ وہ جلد از جلد اس الجھن سے گلوخلاصی حاصل کرنا چا[ہتا] تھا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ پولیس کی نظر تہہ تک نہیں پہنچ سکی اور لاش دفن بھی ہوگئی تو اس[نے] رپورٹ کردی۔"

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

اُن کی ملاقات سب سے پہلے ظہیر ہی سے ہوئی۔

"میں خود ہی تمہارے یہاں آنے کے متعلق سوچ رہا تھا۔" ظہیر نے کہا۔

"کوئی خاص بات......!" فریدی نے پوچھا۔

"ابھی تک اُس نے اقبال جرم نہیں کیا...... جب تک پولیس اس میں کامیاب نہ ہو جا[ئے]

[گ]ی، ضمانت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"تم لوگوں کے معاملات سمجھ ہی میں نہیں آتے، جب اُس غریب نے چرایا ہی نہیں تو [اق]بال جرم کہاں سے کرے گا۔"

"پولیس کو یقین ہے کہ چور وہی ہے۔"

"آخر کس بناء پر۔"

"بناء وناء وہی لوگ جانیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ بہت نیک آدمی ہے۔"

"ہر نیک آدمی اُسے نیک ہی سمجھے گا۔" حمید بولا۔

"گھر کے سب لوگ موجود ہیں۔" فریدی نے ظہیر سے پوچھا۔

"ہاں......کیوں......؟"

"میں اُن سب کی موجودگی ایک جگہ چاہتا ہوں۔"

وہ سب ڈرائنگ روم میں اکٹھا ہو رہے تھے۔ نعیمہ پر ابھی تک وہی سوگوارانہ اثرات طاری تھے۔ شمس اپنی نشیلی آنکھوں سے فریدی اور حمید کو گھور رہا تھا۔ دونوں ہم شکل آج کچھ بیزار بیزار سے نظر آرہے تھے۔ ظہیر کی آنکھوں میں ایک طرح کا احتجاج تھا جسے وہ اپنی طبعی خوش اخلاقی میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ صرف فوزیہ ایسی تھی جس کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہ دکھائی دی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک فائیل دبا رکھا تھا شاید وہ یونیورسٹی جانے کے لئے تیار تھی۔

"اب آپ لوگ یونیورسٹی پر بھی حملہ کرنے لگے ہیں۔" اس نے مسکرا کر فریدی سے کہا۔

"یونیورسٹی خود ہی اس نیک کام کی دعوت دیتی ہے۔ میں کیا کروں۔"

"کیا آپ کی دانست میں کوئی چور بھی پولیس کی مدد لے سکتا ہے۔"

"یہ چور کی ذہنی حالت پر مبنی ہے۔ لیکن افسوس کہ صفدر بہت زیادہ ذہین ہے۔ اُسے یہ سوچنا چاہئے تھا کہ کم از کم پوسٹ مارٹم کرنے والے اتنے احمق نہیں ہوا کرتے۔"

"کیا مطلب......!" فوزیہ اُسے گھورنے لگی۔

"آپ لوگوں میں سے ایک فرد کی سمجھ میں میرا مطلب بہ آسانی آ گیا ہوگا۔" فریدی

پورے مجمع پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

"کیا......؟" ظہیر کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"ہاں......!" فریدی اس کے چہرے پر نظر جما کر بولا۔ "میں ایک حیرت انگیز بات بتانے آیا ہوں۔"

"بھئی بتاؤ نا...... مجھے الجھن ہو رہی ہے۔" ظہیر بے چینی سے بولا۔

"اختر کی موت خنجروں کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی۔"

"پھر......!" متعدد آوازیں کمرے میں گونج کر رہ گئیں۔ دونوں ہم شکلوں نے قہقہہ لگایا۔

"انسپکٹر فریدی زندہ باد" دونوں چیخنے لگے۔ "میں زندہ باد...... تم زندہ باد...... سب زندہ باد۔"

"شور نہیں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا "تم دونوں بھی ادھیڑے جاؤ گے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم میں سے صغیر کون ہے۔"

"ہائیں پھر وہی دونوں۔" دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ "زندہ باد...... واپس...... بالکل واپس۔"

"بیٹھ جاؤ...... زیادہ بچپنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی حد درجہ سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

"ہاں تو ظہیر صاحب۔" اُس نے ظہیر کی طرف مڑ کر کہا۔ "تم صفدر کے لئے اتنے بے چین کیوں ہو۔"

"تمہارا لہجہ بڑا عجیب ہے۔"

"اس کی بھی وجہ ہے۔"

"یعنی......!"

"میرے خیال سے یونیورسٹی سے چرایا ہوا پوٹاشیم سائینائیڈ اسی گھر میں استعمال کیا گیا ہے۔"

"سائینائیڈ......!" فوزیہ فریدی کو گھورنے لگی۔ ہر ایک کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"حیرت کی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم تو سائنس کی طالبہ ہو...... پوٹاشیم سائینائیڈ کی زود اثری سے واقف ہی ہو گی۔ بیچارا اختر اسی کا شکار ہوا۔"

"لیکن خنجر......!"

"خنجر...... خنجر ان دونوں کو پھنسانے کے لئے اس کی موت کے بعد استعمال کئے گئے۔"

"ہائے پھر وہی دونوں۔" ہم شکلوں نے اپنی پیشانیوں پر ہاتھ مارے۔

"شٹ اپ......!" حمید نے انہیں گھونسہ دکھایا۔

مجرم

ڈرائنگ روم میں مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ فریدی خاموشی سے اُن کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"مجرم نے بڑا شاندار پلان بنایا تھا۔ بیچاری نعیمہ کو دودھ میں افیون دی گئی۔ شمس صاحب کو دھوکہ دے کر باہر رکھا گیا۔"

"میں نہیں سمجھا......!" ظہیر نے کہا۔

"شاید شمس صاحب مجھے وضاحت کی اجازت نہ دیں۔" فریدی نے مسکرا کر شمس کی طرف دیکھا۔ جو اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ فریدی نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور آہستہ سے بولا۔

"لیکن مجرم نے یہ طریقہ اس لئے نہیں اختیار کیا تھا کہ وہ اختر کو آسانی سے ختم کر سکے۔ ظاہر ہے کہ پوٹاشیم سائینائیڈ اتنا زوداثر ہوتا ہے کہ اس کے شکار کو ایک بار کراہنے تک کی مہلت نہیں ملتی۔"

"پھر......!" نعیمہ کی پرسکون آواز سنائی دی۔

"مجرم نے یہ طریقہ اس لئے استعمال کیا کہ وہ اُن دونوں خنجروں کی موت کی وجہ ظاہر کر سکے۔ خنجر لگنے پر آدمی چیختا اور تڑپتا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اُس چیخ پکار کی وجہ سے کم از کم لائبریری کے قریب کے کمروں میں سونے والے تو بیدار ہو ہی سکتے ہیں لہٰذا مجرم نے تمہیں افیون دی تا کہ تم صبح پولیس کو یہ بتا سکو کہ تم گہری نیند سوئی تھیں، جو کم از کم تمہارے لئے ناممکن تھا۔ گھر بھر جانتا ہے کہ تمہاری نیند ذرا سی آواز پر بھی ختم ہو سکتی ہی۔ اس طرح وہ پولیس کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا تھا کہ اس نے وہ حالات پیدا کر دیئے تھے کہ قریب کے کمروں والے بھی قتل سے بے خبر رہے۔"

"لیکن ......افسوس......!" فریدی تھوڑی دیر رک کر مغموم آواز میں بولا۔

"مجرم کو اس بات سے واقفیت نہیں تھی کہ لاش میں خنجر چبھانے سے خون نہیں نکلتا۔"

"اوہ......خون تو واقعی نہیں تھا۔" کئی آوازیں آئیں۔

"اب میں اس قتل کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔" فریدی نعیمہ کی طرف مڑا۔

"میں کیا بتا سکتی ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"وہ تم نے ہی اس سے لکھوایا تھا۔"

"جی ہاں......لیکن آپ نے وعدہ......کیا تھا۔"

"میں ابھی تک اس وعدے پر قائم ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم اُس رات کو ظہیر کے چلے آنے کے بعد لائبریری میں گئی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"وہ خط لکھ چکا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"اور تم نے اُسے اس وقت پوسٹ کر دینے پر مجبور کیا تھا۔"

نعیمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا چہرہ دفعتاً زرد ہو گیا تھا اور آنکھیں اس طرح غیر متحرک ہو گئی تھیں جیسے پتھرا گئی ہوں۔

"کیا وہ ٹکٹ چپکاتے ہی چپکاتے ختم نہیں ہو گیا تھا۔" فریدی کی گرجدار آواز سناٹے میں گونجی اور نعیمہ کرسی سے لڑھک کر زمین پر آ رہی۔ بقیہ لوگ اٹھ کر اس کی طرف دوڑے وہ بیہوش تھی۔

"کیا ہے یار......آخر کیا معاملہ ہے۔" ظہیر جھنجلا کر بولا۔

"معاملہ بالکل صاف ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا اور پھر ظہیر کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میرے دوست مجھے افسوس ہے کہ یہ ناگوار فرض مجھے ہی انجام دینا پڑا۔"

"تو کیا نعیمہ......!" ظہیر بے ساختہ چیخ پڑا۔

"مجھے افسوس ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔" ظہیر کی دادی نے فریدی کے کوٹ کا کالر پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"خود نعیمہ نے ابھی ابھی اس کا اعتراف کیا ہے۔"

"کیا کہا ہے......اس نے......اُس نے کچھ نہیں کہا۔" ظہیر بدحواسی سے بولا۔ پھر اُس نے بدقت تمام دادی جان کے ہاتھوں سے فریدی کا کالر چھڑایا۔

"ٹھیک ہے......اس نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن کیا آپ لوگوں میں سے کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ اختر کو زہر کس طرح دیا گیا۔"

سب لوگ نعیمہ کو اسی حال میں چھوڑ کر فریدی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"بتایئے نا......!" فریدی نے پھر پوچھا۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"آپ نہیں بتا سکیں گے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "لیکن نعیمہ میرا اشارہ سمجھ گئی تھی۔ اُس نے سمجھ لیا تھا کہ مجھ پر پوری پوری حقیقت واضح ہو گئی ہے۔"

"یعنی......!"

"زہر لفافے پر چپکائے جانے والے ٹکٹ کی پشت پر لگایا گیا تھا۔"

ظہیر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ "لیکن کیوں......نعیمہ نے اُسے کیوں مارا......؟"

"یہ نعیمہ ہی بتائے گی، لیکن اتنا میں بتا سکتا ہوں کہ وہ صغیر کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی۔"

ظہیر کی دادی پھر ابل پڑیں۔

نعیمہ ابھی تک بیہوش تھی۔

فریدی نے مختصراً ساری داستان دہرا دی اور اس نے اس لفافے کا تذکرہ بھی کیا جس کے ذریعہ اُسے اختر اور نعیمہ کے تعلقات کا علم ہوا تھا۔

"اگر یہ بات تھی تو اس نے اسی کو کیوں مار ڈالا۔"

"یہ تو وہی بتائے گی۔"

"غلط ہے......قطعی غلط۔"

فریدی ان ہم شکلوں کی طرف مڑا۔

"صغیر......تم بتاؤ......وہ افیون۔"

"میرے صندوق میں کسی نے رکھ دی تھی۔"

"سنا تم نے......ان دونوں کو مشتبہ بنانے کے لئے یہ نعیمہ کا دوسرا حربہ تھا۔"

"پھر وہی دونوں۔"

"بکومت......!" فریدی انہیں گھور کر بولا۔ پھر ظہیر سے کہنے لگا۔ "اُس افیون پر نعیمہ کی انگلیوں کے نشانات صاف موجود ہیں۔"

حمید کوتوالی فون کر چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جگدیش زنانہ فورس کے ساتھ ظہیر کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ نعیمہ گرفتار کر لی گئی۔ انہوں نے لاکھ لاکھ کوشش کی وہ اُسی وقت اقرار جرم کر لے لیکن اُس نے چپ سادھ لی تھی۔ ظہیر اور شمس وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ گھر والوں میں سے صرف وہی دونوں ہمشکل موجود تھے۔ جب نعیمہ کو پولیس کی لاری پر چڑھایا جانے لگا تو وہ دونوں اپنے ہاتھ ہلا کر بولے "ٹاٹا" اور پھر اندر چلے گئے۔

حمید اور فریدی دونوں ظہیر کے خاندان کے لئے مغموم تھے۔ انہیں کئی گھنٹے تک کوتوالی میں ٹھہرنا پڑا۔ شام کو واپسی پر انہوں نے ان دونوں ہم شکلوں کو ا

"بہت بُرا ہوا" دونوں نے ہانک لگائی۔

"صغیر......!" فریدی نے اُن میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "شرارت ختم کرو...... ورنہ میں تمہارے لئے بھی کوئی نہ کوئی سبیل نکال لوں گا۔"

اس نے دوسرے کو آنکھ ماری اور فریدی سے بولا۔ "کس طرح اندازہ لگایا آپ نے۔"

دوسرا قطعی خاموش تھا۔ حمید بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ صرف آوازوں کا نقال ہے۔" فریدی نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ "ویسے نہ یہ ہماری زبان سمجھتا ہے اور نہ بول سکتا ہے۔ جب تم بولتے ہو تو یہ من عن تمہاری آوازوں کی نقل کرتا چلا جاتا ہے۔"

"خدا کی قسم آپ بالکل ٹھیک سمجھے۔" صغیر حیرت سے بولا۔ "دوسرا اب بھی خاموش اور ان دونوں سے بے تعلق نظر آ رہا تھا۔"

"لیکن میں نے اس دن تم دونوں سے الگ الگ بات کی تھی۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" صغیر مسکرا کر بولا۔ "وہ اردو میں صرف دو جملے بول سکتا ہے، جو میں نے بڑی دشواری سے رٹائے ہیں۔" "آدھا صغیر...... شاہد...... صغیر شاہد ایک بٹا دو" جب آپ دوسری بار اس کے پاس جانے لگے تھے تو میں نے چیخ ماری تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اب بیہوش ہو جانے کا وقت آ گیا ہے۔ لہٰذا ہم دونوں بیہوش ہو گئے۔ بیہوش ہو جانے کا ڈھونگ بھی اسی لئے رچایا تھا کہ وہ مجھ سے الگ ہو کر اردو نہ بول سکے گا۔"

"لیکن تم نے یہ سب کیا ہی کیوں تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"محض مذاق...... شرارت۔ میرا ارادہ تھا کہ دو ایک دن گھر والوں کو تنگ کرنے کے بعد حقیقت ظاہر کر دوں گا...... لیکن......!"

"لیکن کیا......؟"

"اسی دوران میں اختر قتل کر دیا گیا اور میرے خنجر استعمال کئے گئے۔ اس لئے میں نے کہا چلو یہی دیکھو اب قانون تمہارے لئے کیا کر سکتا ہے۔"

"کیا تم خائف نہیں تھے۔"

"تھوڑا بہت خوف ضرور تھا۔ لیکن میں نے کہا چلنے دو...... پھر نعیمہ سے متعلق بہتیری باتیں مجھے معلوم ہوئیں۔ وہ اول درجے کی آوارہ لڑکی ہے۔ میں نے اُسے اختر کے ساتھ......!"

"مجھے معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تمہیں یہ ہم شکل کہاں سے ملا تھا۔"

"میڈ غاسکر سے...... یہ ایک اطالوی ہے۔ اب سے تین سال قبل میں نے اسے بھکاریوں کے ایک گروہ میں دیکھا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی...... لیکن میرا ہم شکل...... مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ یہ عموماً ڈاڑھی رکھتا ہے...... ورنہ میرے جاننے والوں کو بڑی دشواری ہو جائے۔ اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ آوازوں کا بہترین نقال ہے۔"

"بہترین نہیں بلکہ حیرت انگیز کہنا چاہئے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تو اب تم نے یہ ڈرامہ بالکل ختم کر دیا۔"

"قطعی۔"

"اس تفریح میں تمہارے کتنے روپے صرف ہوئے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"تقریباً ساڑھے سات ہزار۔" صغیر نے ہنس کر کہا۔ "میں اس قسم کی تفریحات پر بے دریغ روپیہ صرف کرتا ہوں۔ میرے جاننے والے مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ لیکن میں کیا کروں، میری تفریح کا معیار ہی یہی ہے۔ معیار نہیں بلکہ نوعیت کہئے۔ خود بیوقوف بننا اور دوسروں کو بیوقوف بنانا۔ پھر بھلا ہلکی پھلکی شرارت میں کیا رکھا ہے۔ بہرحال اس شرارت سے مجھے اتنا فائدہ ضرور تھا کہ آپ جیسی عظیم شخصیت سے ذاتی طور پر واقفیت ہوگئی۔ میرا دعویٰ تھا کہ مجھے کوئی نہ پکڑ سکے گا...... مگر...... اچھا یہ بتائیے۔ آپ نے کیسے اندازہ لگایا کہ میں ہی صغیر ہوں...... ایک بار اور آپ نے اتنی ہی خود اعتمادی کے ساتھ میرا ہاتھ پکڑا تھا۔"

"کوئی خاص بات نہیں...... یہ بولتا تو ہے تمہاری ہی جیسی آواز میں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ آواز کسی مشین سے نکل رہی ہو...... اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ، الفاظ کا ساتھ نہیں دیتا۔ اس لئے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ اردو جانتا ہی نہیں۔"

"حقیقتاً آپ اس دور کے زیرک ترین آدمی ہیں۔"

"اچھا...... آپ بھی مجھے بیوقوف بنانے لگے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"نہیں خدا کی قسم نہیں۔" صغیر نے سنجیدگی سے کہا پھر حمید سے بولا۔ "اور آپ کے متعلق میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ میں اور آپ مل کر ساری دنیا کو انگلیوں پر نچا سکتے ہیں۔"

"نہیں اس کے لئے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

اس جواب پر صغیر کچھ جھینپ سا گیا۔

"نعیمہ نے اقرار جرم کیا یا نہیں۔" اس نے فریدی سے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس نے اختر کو کیوں مار ڈالا۔"

"کیا تمہیں اُن دونوں کے تعلقات کے بارے میں پہلے سے معلوم تھا۔"

"معلوم چہ معنی دارد...... میں نے حادثے سے قبل والی رات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اختر اسی لئے کافی رات گئے تک لائبریری میں بیٹھا کرتا تھا کہ دونوں کو عیاشی کے موقعے نصیب ہوسکیں۔"

"نعیمہ کو میں ایسی لڑکی نہیں سمجھتا تھا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ایک اختر ہی پر منحصر نہیں

ں کے تعلقات صفدر سے بھی تھے۔"

"اوہ......!"

"اختر سے اس کا جھگڑا ہوگیا تھا" فریدی نے کہا۔ "وہ شادی تو کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ ں نے شادی سے بچنے کے لئے اختر کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا تھا کہ وہ اُسے لے کر کہیں چلا جائے۔ اختر اس پر تیار نہیں ہوا۔ اس پر دونوں میں جھگڑا ہوگیا۔ نعیمہ فطرتاً ضدی اور زود رنج قسم کی لڑکی ہے۔ اُس نے اختر کا خاتمہ کردینے کا تہیہ کرلیا۔ صفدر سے پہلے ہی اُس کی راہ و رسم تھی اور شاید کبھی شادی کے سلسلے میں بھی عہد و پیماں ہوئے تھے۔ لہٰذا اس نے تمہیں ختم کردینے کے لئے اس سے پوٹاشیم سائینائیڈ طلب کیا۔ صفدر کا یہی بیان ہے کہ اس نے تمہارے ہی لئے اسکیم بنائی تھی اور اس نے اسے کچھ اس طرح بہلایا کہ اُسے پوٹاشیم سائینائیڈ دینا ہی پڑا۔ صفدر اُسے بُری طرح چاہتا تھا۔ نعیمہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ دونوں ہم شکلوں میں سے صغیر کو پہچان گئی ہے۔ صغیر کی موت کا الزام آسانی سے دوسرے کے سر تھوپا جاسکے گا۔"

"بہت خوب......!" صغیر مسکرا کر بولا۔

"اگر وہ ایسا کر گذرتی تو واقعی بڑی دشواریاں پیدا ہوجاتیں کیونکہ تم دونوں انتہائی پراسرار بنے ہوئے تھے۔ کم از کم میں تو لاکھ برس پتہ نہ لگا سکتا کہ تمہیں کس نے اور کیوں مارا۔ ہاں تو وہ اپنی محبت کا واسطہ دے کر زہر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس نے صفدر سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر صغیر مرگیا تو خاندان والے اس کیلئے اسی کو منتخب کریں گے کیونکہ انہوں نے پہلے ہی یہ سوچ رکھا تھا کہ صغیر نہ آیا یا اس نے شادی سے انکار کردیا تو پھر اس کی شادی صفدر سے کردی جائے گی۔"

"کمال کردیا۔" صغیر بڑبڑایا۔

"بہرحال زہر حاصل ہوجانے کے بعد اس نے پھر اختر کی خوشامد کرنی شروع کردیں کہ وہ اُسے بھگالے جائے لیکن اختر کسی طرح تیار نہ ہوا۔ قصہ مختصر یہ کہ اس نے اسے اس بات پر تیار کرلیا کہ وہ اپنے کسی دوست کو خط لکھ دے کہ وہ فلاں دن اپنی محبوبہ کو لے کر اس کے یہاں پہنچ رہا ہے۔ پھر وہ اکیلی ہی وہاں چلی جائے گی اور اس سے یہ کہہ دے گی کہ اختر کہیں راستے میں رک گیا ہے، بعد کو آجائے گا اس نے اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کسی ایسے آدمی سے

واقف نہیں جس کے یہاں وہ کسی دوسرے شہر میں جا کر قیام کر سکے۔ اس طرح وہ اس کے لئے ایک تعارفی خط ہو جائے گا۔ پھر کچھ دنوں بعد وہ خود ہی کہیں اپنا انتظام کر لے گی۔ شاید اختر نے اپنی جان چھڑانے کے لئے اس قسم کا خط لکھنا منظور کر لیا۔ شام ہی سے نعیمہ نے اس کی اسٹیشنری میں زہر لگے ہوئے ٹکٹ رکھ دیئے تھے اور اسی دوران میں وہ تمہارے خنجر بھی چرا چکی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ شمس والے خطوط کا لطیفہ بھی سنو...... دو خطوط اُسے اختر ہی نے بھیجے تھے۔ وہ دراصل اُسے بیوقوف بنا کر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ نعیمہ کو اس کا بھی علم تھا۔ تیسرا خط خود اُس نے لکھ دیا اور اس کے ساتھ اپنے البم کی ایک تصویر بھی کر دی۔ تصویر دیکھ کر شمس صاحب کے الو سیدھے ہو گئے اور انہیں سچ مچ منٹو پارک کی سوجھ گئی۔ بہر حال وہ بیچارا مفت میں مارا گیا اور پھر جب اس کے ہاتھ کے نیچے سے وہ خط برآمد ہوا تو وقتی طور پر مجھے یقین ہو گیا کہ تم نے ہی اُسے قتل کیا ہے۔"

"بڑا الجھا ہوا کیس تھا۔" صغیر بولا۔

"صرف دو غلطیوں کی بناء پر وہ پکڑی گئی۔ ایک تو وہ افیون جس میں اس کی انگلیوں کے نشانات تھے...... دوسری غلطی تھی صفدر کی جلد بازی۔ اس نے زہر کی گمشدگی کی رپورٹ دینے میں بڑی جلدی کی۔"

"خیر صاحب...... یہ تجربہ بھی زندگی بھر یاد رہے گا۔" صغیر انگڑائی لے کر بولا۔

"مقدمے کے دوران میں تم دونوں کو یہیں ٹھہرنا پڑے گا۔"

"ہاں...... پھر وہی دونوں۔" صغیر کے ساتھ اس کا ہم شکل بھی بول پڑا۔ شاید اس نے اسے اشارہ کیا تھا۔

فریدی اور حمید ہنس پڑے۔

"اطالوی کے علاوہ کوئی اور زبان بھی جانتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں......!" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ "اچھا اب اجازت چاہوں گا۔"

دونوں نے ایک ساتھ اپنے ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیئے۔

ختم شد

ابنِ صفی

لد نمبر
9

جاسوسی دنیا

27- چار شکاری

28- بے گناہ مجرم

29- لاشوں کا آبشار

پیشرس

جو داستان پیش کی گئی ہے اپنی دلچسپی کے اعتبار سے ابن صفی کے دوسرے کارناموں سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں۔ اس ناول میں سرجنٹ حمید نے صحیح معنوں میں خود کو فریدی کا جانشین ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ایک خوفناک سازش کا شکار ہو کر قانون کی نظروں میں مجرم بن جاتا ہے اور اُسے روپوشی اختیار کرنی پڑتی ہے.... ایک ایسی لڑکی قتل کر دی جاتی ہے، جو سرجنٹ حمید کو کسی ریاست کا شہزادہ سمجھتی ہے.... کیوں سمجھتی تھی؟.... اس پر خود حمید کو بھی حیرت تھی.... ایک بینک کا ڈیڑھ من سونا خاک ہو جاتا ہے.... ایسے شکاری جو کوؤں کا شکار کھیلتے تھے.... بھلا سونے کی خاک اور کوؤں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے.... لیکن فریدی اپنی حیرت انگیز معلومات کی بناء پر دونوں کا تعلق ڈھونڈ ہی نکالتا ہے.... حمید تنہا مجرموں کا مقابلہ کرتا ہے اور ایک جگہ شراب پی کر وہ کتوں کی طرح بھونکتا ہے.... مجبوراً فریدی کو اس پر ٹھنڈا پانی ڈالنا پڑتا ہے.... چاروں شکاری کیا کر رہے تھے.... انہوں نے جو ڈھونگ پھیلایا تھا اس کے لئے پس منظر میں کیا تھا؟

میرا دعویٰ ہے کہ آپ اس ناول کو بار بار پڑھیں گے۔

(پبلشر)

شامت

تین موٹر سائیکلیں برابر سے سڑک پر دوڑ رہی تھیں۔ سرجنٹ حمید نے کئی بار کوشش کی کہ اپنی موٹر سائیکل ان کے درمیان سے نکال لے جائے لیکن کامیاب نہ ہوا۔ وہ تینوں رہ رہ کر ایک ساتھ اس طرح لہریں لیتی تھیں کہ سڑک کی پوری چوڑائی اُن کے حیطۂ عمل میں آجاتی تھی۔ حمید ہارن پر ہارن دیتا رہا لیکن اُن تینوں سواروں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ حمید کو تاؤ آگیا۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو شاید اُسے تاؤ نہ آتا لیکن بات دراصل یہ تھی کہ پچھلی سیٹ پر اُس نے ایک خوبصورت سی لڑکی کو بھی لاد رکھا تھا اور وہ راستے بھر اُسے طرح طرح کے کرتب دکھا کر اُس کی سریلی چیخیں سنتا آیا تھا۔ ایک بار تو اس بیچاری کو بالکل یقین ہو گیا تھا کہ وہ دونوں موٹر سائیکل سمیت چکنا چور ہو جائیں گے۔ ہوا یہ کہ حمید نے ایک سائیکل سوار کے قریب سے گذرتے وقت اُس کی ٹوپی اچک لی۔ توازن جو گڑبڑایا تو موٹر سائیکل سڑک کے نیچے اُتر گئی۔ اگر حمید نے فوراً ہی ہینڈل نہ سنبھال لیا ہوتا تو موٹر سائیکل دس پندرہ فٹ گہری کھائی میں چلی گئی ہوتی۔

اس نے تو وہیں سے واپسی کے لئے ہلڑ مچانا شروع کر دیا تھا لیکن حمید پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ بالی کیمپ کے اکلوتی ریستوران میں اسٹیک کھائے بغیر واپسی کا سوال ہی نہ پیدا ہوگا۔ اس لڑکی کا نام سارہ تھا۔ یہ اینگلو انڈین تھی لیکن اردو اتنی صاف بولتی تھی کہ اہل زبان کا دھوکا ہوتا تھا۔ البتہ بعض اوقات باتوں کی رو میں لہجہ نہ سنبھال پاتی تھی۔ اس کے اور حمید کے تعلقات کے متعلق

صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اس کی نئی دریافت تھی۔ ایک رقص گاہ میں ان کی ملاقات ہوئی اور پھر دونوں میں گاڑھی چھننے لگی۔

آج اتوار تھا۔ حمید فریدی سے کٹ کر سارہ کے ٹھکانے پر پہنچا اور اسے بالی کیمپ کی طرف لے اڑا۔ بالی کیمپ جنگ کے زمانے میں یقیناً کیمپ رہا ہوگا لیکن اب تو وہاں لوہے کے کئی کارخانے قائم ہوگئے تھے اور ان بارکوں میں مزدور رہنے لگے ہیں جن میں کبھی فوج رہا کرتی ہوگی۔ بہر حال پُر فضا جگہ ہونے کی بناء پر اب اُسے تفریح گاہ کی حیثیت سے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ تار جام جانے والی سڑک کی ایک شاخ مشرق کی طرف مڑ گئی ہے۔ یہی بالی کیمپ کا راستہ ہے۔ اس سڑک کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ نہ جانے کیوں؟ یہ اب تک صرف "بالی کیمپ والی سڑک" کہلاتی ہے اس کے شروع پر ایک کھمبے پر ایک تیر نصب ہے جس پر "بالی کیمپ" لکھا ہے اور بس! سڑک کے دونوں طرف سرسبز ٹیلے ہیں جن پر اکثر بھیڑوں کے ریوڑ دکھائی دیتے ہیں۔ تار جام کی سڑک سے کٹنے کے بعد بالی کیمپ تک درمیان میں کوئی آبادی نہیں ملتی۔

"سارہ ڈارلنگ....!" حمید گنگنایا۔ "ٹکرا دوں.... کسی سے۔"

"میں نہیں جانتی۔" سارہ کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ "میری نس نس ٹوٹ گئی ہے۔"

"سارہ ڈارلنگ! اس وقت زندگی کا حسن بڑھ گیا ہے۔"

"تم سور ہو.... اب میں کبھی تمہارے ساتھ نہ نکلوں گی۔"

"اوہو.... تو تمہیں یقین ہے کہ تم آج زندہ جاؤ گی۔"

سارہ نے جھلا کر اُس کی پشت پر مکے جھاڑنے شروع کر دیئے۔ حمید نے موٹر سائیکل کو ایک گہری لہر دی اور آگے جانے والی موٹر سائیکلوں کے درمیان سے صاف نکال لے گیا لیکن وہ اپنے پیچھے بیٹھی ہوئی سارہ کی حرکات و سکنات سے قطعی لاعلم تھا۔ اُس نے اس سے اپنے کمال کی داد ضرور چاہی مگر یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ ان تینوں کو کسی قسم کا اشارہ کر کے پھر اس کی پیٹھ پر دھولیں جمانے لگی تھی۔

"روکو! ارے روکو.... میں مری....!" دفعتاً اُس نے چیخنا شروع کر دیا۔

حمید نے رفتار کم کر کے موٹر سائیکل سڑک کے کنارے لگا دی۔

"ہائے....!" سارا سڑک کے کنارے بے تحاشہ گر کر کراہی۔

"کیا ہوا....؟" حمید اس پر جھک پڑا۔

"ہائے....!" سارہ سڑک کے کنارے بے تحاشہ گر کر کراہی۔

"کیا ہوا....؟" حمید اس پر جھک پڑا۔

"ہائے....!" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اینٹھ گئی۔ "پتہ نہیں.... کیا ہو گیا.... اُف.... ہائے۔"

تینوں موٹر سائیکلیں نظر سے اوجھل ہو گئی تھیں اور سڑک بالکل سنسان تھی۔

حمید اسے سہارا دے کر ٹیلوں کی طرف لے گیا۔

وہ گھاس پر لیٹ گئی۔

"آخر بتاؤ نا....!"

"پسلیوں میں.... نہ جانے کیا ہو گیا.... ہائے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا" حمید نے بوکھلا کر کہا۔ "اب یہاں کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"مجھے دفن کیا جا سکتا ہے۔" سارہ جھلا کر بولی۔

"یہ بھی مجھ اکیلے کے بس کا روگ نہیں۔"

"سور ہو تم.... چپ رہو.... ہائے.... ہائے۔"

"اچھا تو چلو.... اب کیمپ تھوڑی دور ہے.... وہاں ڈسپنسری بھی ہے۔"

"چھوڑ دو مجھے.... چلے جاؤ یہاں سے۔ اُس نے گھاس پر لوٹ لگائی۔"

"یعنی تمہیں یہاں چھوڑ کر چلا جاؤں۔"

"اُف.... ہائے.... چپ رہو۔"

"اچھا چپ ہوں.... مگر....!"

"ہائے.... چپ....!"

"ارے.... پھر چپ۔"

حمید نے کئی بار جھنجھلا کر اپنا سر پیٹ لینے کا ارادہ کیا لیکن.... کامیاب نہ ہوا۔ سارا برابر کراہے جا رہی تھی۔ نہ وہ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر بقیہ راستہ طے کرنے پر رضامند ہوتی تھی اور نہ یہی بتاتی تھی کہ تکلیف کی نوعیت کیا ہے۔ وہ سراسیمگی کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ ٹیلے کی دوسری جانب سے ایک آدمی اُن کی طرف آتا نظر آیا۔ سارہ کو زمین پر تڑپتے دیکھ کر وہ

رک گیا۔ پھر اُس نے جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔ وضع قطع سے کسی اچھی سوسائٹی کا فرد معلوم ہوتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے حمید سے پوچھا۔

"اچانک دونوں پسلیوں میں کچھ.... نہیں بلکہ نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"افوہ.... مطلب ہی پر تو میں بھی غور کر رہا ہوں۔"

"خیر! میرے لائق کوئی خدمت۔" اُس نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" حمید پر جھلاہٹ سوار ہو رہی تھی۔

"میرے خیال سے انہیں ادھر لے چلئے۔" اُس نے ٹیلے کی دوسری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ہمارے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی ہے۔"

ٹیلے کے دوسری طرف والے نشیب میں تین چار آدمی مختلف قسم کی تفریحات میں مشغول تھے۔ اُن کے ساز و سامان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس طرف پکنک کی غرض سے نکل آئے ہیں۔ تھوڑے فاصلے پر ایک خوبصورت سی کار بھی کھڑی ہوئی تھی۔

حمید اور سارہ کو دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے۔ سارہ ہولے ہولے کراہتی ہوئی حمید کے سہارے چل نہیں بلکہ رینگ رہی تھی۔ ان کے ساتھ والے آدمی نے اپنا کوٹ اتار کر زمین پر بچھا دیا اور سارا کروٹ کے بل گر کر ہانپنے لگی۔

"ڈاکٹر....!" حمید کے ساتھ والے نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ "اچانک ان کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے۔"

"اوہ....!"

"ڈاکٹر....!" حمید نے اپنے ذہن میں دہرایا اور بغور اُس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ خدوخال کچھ جانے پہچانے سے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ آخر اُس نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔ جب کچھ یاد نہ آیا تو اُس نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے سوالیہ نشان کو تاریک گوشوں میں دھکیل دیا۔

ڈاکٹر سارہ پر جھکا ہوا اُس سے تکلیف کی نوعیت معلوم کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر

اٹھا کر کہا۔

"کوئی تشویش ناک بات نہیں! اکثر اچانک جھٹکوں کی بناء پر رگوں اور پٹھوں میں اس قسم کی تکلیف ہو جاتی ہے۔ میرے خیال سے تھوڑی سی برانڈی مناسب رہے گی۔"

"برانڈی....!" حمید نے سارہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہمارے پاس موجود ہے۔" ایک آدمی باسکٹ میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

اُس نے گلاس میں تھوڑی سی برانڈی انڈیل کر سارہ کی طرف بڑھا دی۔ سارہ نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر کے زمین پر لڑھکا دیا اور پھر لیٹ گئی۔

سورج غروب ہونے میں ابھی دیر تھی۔ حمید شدت سے بور ہو رہا تھا۔ ساری تفریح کرکری ہو کر رہ گئی تھی۔ اب بالی کیمپ پہنچنے سے زیادہ اُسے واپسی کی فکر تھی۔ لیکن سارہ کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کم از کم ایک آدھ گھنٹے سے قبل واپسی کے لئے تیار نہ ہو سکے گی۔

حمید مجبوراً موٹر سائیکل بھی اسی طرف دھکیل لایا۔

"شاید آپ اسٹوڈنٹ ہیں۔" ڈاکٹر نے حمید کو مخاطب کیا۔

"جی ہاں۔" حمید نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں کی تفریح میں خلل پڑا۔"

"نہیں بالکل نہیں۔" ڈاکٹر ہنس کر بولا اور اپنے آگے رکھے ہوئے گلاس میں برانڈی انڈیلنے لگا۔

بقیہ لوگوں نے بھی اپنے گلاس سنبھال رکھے تھے۔

"آپ بھی لیجئے۔" ڈاکٹر نے اپنا گلاس حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی.... شکریہ.... میں نہیں پیتا۔"

"مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔

"حقیقت عرض کر رہا ہوں۔"

"کیا آپ نے کبھی نہیں پی۔"

"یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"دیکھئے میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھا۔" ڈاکٹر نے پھر قہقہہ لگایا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ عادی نہیں۔ لیکن خیر جانے دیجئے بعض کمزور دماغ کے آدمی بہکنے کے خوف سے پینے سے گریز کرتے ہیں۔"

اس جملے پر حمید کو تاؤ آگیا اور پھر اُس نے یہ ثابت کرنے کے لئے گلاس اٹھالیا کہ وہ اعصابی کمزوری کا شکار نہیں ہے۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اسے ایک ہی سانس میں خالی بھی کر دیا۔

اس نے فاتحانہ انداز میں سارہ کی طرف دیکھا اور وہ ڈاکٹر کو مخاطب کر کے بولی۔

"کیا آپ کی برانڈی مفت کی ہے۔"

"نہیں تو.... کیوں؟"

"آپ نے بہت بُرے آدمی کو دعوت دی ہے۔" اُس نے ہنس کر کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آپ کو پوری بوتل کی یاد میں آنسو بہانے پڑیں گے۔"

"نہیں.... خیر.... اتنے پکّڑ نہیں معلوم ہوتے۔" ڈاکٹر حمید کی طرف دیکھ کر ہنسا۔

"حمید نے انتہائی بے تکلفی سے بوتل اٹھائی اور کافی مقدار میں برانڈی انڈیل کر سوڈے کی بوتل کھولنے لگا۔ ڈاکٹر حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید کو دعوت دے کر سچ مچ حماقت کر بیٹھا ہو۔

"معاف کیجئے گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "دو تین پگ میں تو میرے کان بھی گرم نہیں ہوتے۔"

اُس نے دوسرا گلاس بھی پیا نہیں بلکہ پیٹ میں انڈیل لیا۔ شیخی میں آکر اُس نے یہ حرکت کر ڈالی لیکن یہ سوچ رہا تھا کہ سینے کی خراش عرصے تک تکلیف کا باعث بنی رہے گی۔ برانڈی کافی تیز اور پرانی معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے آدمیوں کے چہروں پر تحیر کے آثار دیکھ کر اُس نے تیسرے گلاس کے لئے بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور سارہ ہنسنے لگی۔

"معاف کیجئے گا۔" ڈاکٹر نے بوتل اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپ بڑی بے دردی سے پی رہے ہیں۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

اس نے بوتل باسکٹ میں ڈال دی۔

"دیکھئے آپ مہمان نوازی کی روایات کو پانی پلا رہے ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ پھر دفعتاً اُسے احساس ہوا کہ واقعی چڑھ رہی ہے۔ وہ "پانی پھیرنے" کے محاورے کو غلط بول گیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ نشے میں اُس نے روایات کو پانی پلا دیا۔ اس نے دوبارہ اپنے جملے پر غور کیا تو اُسے بڑے زور سے ہنسی آگئی۔

وہ لوگ بھی ہنسنے لگے اور حمید اپنے ذہن سے کشتی لڑنے میں مشغول ہو گیا۔ شراب واقعی بہت تیز تھی۔ اُسے اپنا جسم ہوا میں پینگیں لیتا ہوا معلوم ہونے لگا تھا۔ اُسے اپنی حماقت پر غصہ آیا اور نشے کی تیزی کچھ اور بڑھ گئی.... اور پھر جب شام کی ٹھنڈی ہوا نے اُس کے کان سہلائے تو مزہ ہی آگیا۔

"اب چلو اٹھو۔" اُس نے سارہ کو اس طرح ڈانٹا جیسے وہ اس کی بیوی ہو۔

"میری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہوئی۔" سارہ جھلا کر بولی۔

"ایسی جلدی بھی کیا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "ابھی بہت وقت ہے۔ پانچ ہی تو بجے ہیں۔"

پھر وہ سب سارہ اور حمید کو لڑتے چھوڑ کر آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ یہ گفتگو سیاسی معاملات پر تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حمید وغیرہ کی آمد سے قبل بھی اُن کا موضوع گفتگو سیاست ہی رہا ہو۔

ڈاکٹر شاید اپنے ساتھیوں کی کٹ حجتی سے عاجز آگیا تھا۔ اُس نے زچ ہو جانے والے انداز میں کہا۔ "بھئی جیسے بعض سرکاری معاملات کا علم بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے اب تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔ اچھا اسے یوں سمجھ لو! بہتیرے آدمیوں کو معلوم ہے کہ دلاور نگر سے سونے کی بھاری مقدار یہاں آنے والی ہے۔ لیکن شاید انہیں یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کس تاریخ کو اور کس ٹرین سے آئے گی۔"

"معلوم کیوں نہ ہوگا۔" ایک آدمی بولا۔

"قطعی نہیں۔" ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا۔ "عوام کو ایسی باتیں نہیں معلوم ہونے پاتیں۔"

دفعتاً حمید فاتحانہ انداز میں ان کی طرف مڑا۔ اس کا دماغ اس وقت اس کی کھوپڑی کے اوپر لہرا رہا تھا۔

"کیا.... فر.... مایا آپ نے! عوام کو.... یہ باتیں نہیں معلوم.... ہا.... ہا.... پھس میں بھی عوام ہوں.... لیکن.... پھس.... میں جانتا ہوں۔"

ڈاکٹر ہنسنے لگا۔

"اس وقت تو آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ خلیل خاں آج کل شتر مرغ اڑاتے ہیں۔"

"ہاں.... آپ.... اڑاتے تو ہیں۔ خلیل خاں میرے چچا ہیں۔" حمید اپنے سینے پر ہاتھ مار

کر بولا۔

"واقعی چڑھ گئی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا اور سب ہنسنے لگے۔ حمید کو غصہ آگیا۔

"تم پر چھاڑ گئی ہے۔" وہ گرج کر بولا۔ "میں بتا سکتا ہوں کہ سونا کب آرہا ہے۔"

"یار مت کان کھاؤ۔" ڈاکٹر بُرا سامنہ بنا کر بولا۔ "تمہیں پلا کر میں نے اپنے سر عذاب مول لے لیا۔"

"خدا قسم.... وہ تیرہ تاریخ کو سترہ ڈاؤن سے آئے گا۔"

وہ سب حلق پھاڑ کر ہنسنے لگے۔ حمید نے غصے میں اپنے ہی منہ پر تھپڑ مار لیا اور اتنا زور دار کہ اُسے لڑکھڑا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

"شکر کرو کہ یہ تھپڑ میرے ہی منہ پر پڑا ہے۔" وہ دانت پیس کر بولا۔

"یار کیا آفت مول لی ہے۔" ڈاکٹر نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "اب اگر ان حضرت نے اس وقت موٹر سائیکل استعمال فرمائی تو سیدھے ملک الموت سے بغل گیر ہو جائیں گے۔"

"چوپ راؤ۔" حمید جھومتا ہوا بولا۔ "آؤ سارہ ڈارلنگ چالیں۔"

"ہرگز نہیں ایسی غلطی بھی نہ کیجئے گا۔" ڈاکٹر نے سارہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہائیں.... تم میری محبوبہ پر.... عاشق ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔" حمید ڈاکٹر کو مکا دکھا کر بولا۔ "ہڈیاں چور کر دوں گا۔"

"صاحب زادے ہوش میں آؤ.... ورنہ....!"

"معاف کر دیجئے....!" سارہ گھبرا کر بولی۔ "یہ نشے میں ہیں۔"

"ڈارلنگ.... ڈارلنگ.... تم میری توہین کر رہی ہو۔"

"چپ رہو۔" سارہ نے اُسے ڈانٹا۔

"ہائے تم بھی ڈاکٹر ہو گئیں۔" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔

"میں کہتی ہوں، بالکل زبان بند رکھو۔"

"ارے تو بتاؤ نا کہاں بندر کھوں۔"

"آپ واپس کس طرح جائیں گی۔" ڈاکٹر نے سارہ سے پوچھا۔ "یہ تو بالکل بیکار ہیں۔"

"اگر میں بیکار ہوں تو تم واہیات ہو۔" حمید حلق کے بل چیخا۔

"اگر آپ انہیں اور مجھے اپنی کار میں شہر تک پہنچادیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔" سارہ نے کہا۔

"اور آپ میں سے کوئی ان کی موٹر سائیکل پر بیٹھ لیں۔"

"ٹٹو پر بیٹھ لیں۔" حمید مکا تان کر سارہ کی طرف بڑھا۔

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" ڈاکٹر نے اُسے پکڑ لیا۔

"ہٹ.... جاؤ.... میں اسے مار ڈالوں گا۔"

ان سب نے حمید کو پکڑ کر بٹھالیا۔ سارہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"ہانستی ہو.... گویا میں کتے کا پلا ہوں۔"

"چپ رہئے جناب.... آپ تو واقعی....!" ڈاکٹر بے بسی سے بولا۔

"نائیں چپ رہتا جناب.... آپ خود جناب۔"

ڈاکٹر کے ساتھی بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے اُن سے کہا بھی کہ ان دونوں کو اُن کے ٹھکانے پر پہنچادیا جائے لیکن انہوں نے دھیان نہ دیا۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب!"

"کبھی نہیں.... بتاؤں گا.... تم لوگ مجھ کو الو سمجھتے ہو۔"

"نہیں نہیں.... ہم آپ کو الو سے بھی بڑی چیز سمجھتے ہیں۔"

"میں چیز ہوں....؟" حمید بگڑ کر بولا۔ "آپ خود چیز ہیں.... چیز.... چیزیں.... چیزوں.... چوزوں۔"

"میرے خیال سے آپ انہیں چھوڑیئے اور چلئے ہمارے ساتھ۔" ایک نے سارہ سے کہا۔

"نہیں یہ ناممکن ہے۔" سارہ بولی۔

"دیکھا تم نے.... دیکھا۔" حمید اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر ہنسا۔ تاریکی پھیلتی جارہی تھی۔ حمید زمین پر داہنی کہنی ٹیک کر سارا کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"کیا کہتی ہیں آپ۔" ڈاکٹر نے سارہ سے پوچھا۔

"کچھ ناہیں کہتی.... جاؤ.... چالے جاؤ۔" حمید نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

"مان جاؤ ڈارلنگ۔" سارہ اس کا سر سہلا کر بولی۔

"ہائے.... ایسے بولو نا.... مان گیا.... چالو۔"

حمید لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور وہ سب زمین پر بکھرا ہوا سامان سمیٹنے لگے۔

کار میں بیٹھتے ہی حمید کا نشہ ہرن ہونے لگا کہ سارہ اُسے اس حالت میں اپنے کوارٹر میں تو ہرگز نہ لے جائے گی۔ سارہ نرس تھی اور ہسپتال کے سرکاری کوارٹر میں رہتی تھی اور حمید نے اُسے اپنی جائے رہائش کے متعلق آج تک کچھ نہ بتایا تھا۔ پھر فریدی اور اس کی باز پرس کا خیال آتے ہی اُس کے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی! وہ شروع ہی سے اس جدوجہد میں مصروف تھا کہ نشے کو اپنے ذہن پر غالب نہ آنے دے مگر رہ رہ کر اٹھنے والی اس لہر کو کیا کرتا، جو اُسے بہکنے پر مجبور کررہی تھی اچانک ذہن نے پھر پلٹا کھایا اور اُسے اپنے اوپر غصہ آنے لگا کہ آخر وہ فریدی سے اتنا ڈرتا کیوں ہے، یہ بزدلی ہے۔ کمزوری ہے۔۔۔۔ بالکل کمزوری ہے۔

"میں پیوں گا۔۔۔۔ اور پیوں گا۔۔۔۔!" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ "کسی کے باپ کا ساجھا۔"

"خرید کر پینا۔۔۔۔ برخوردار۔۔۔۔!" ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔

"خرید کر پیوں گا۔۔۔۔ پرید کر خیوں گا۔ سمجھتے ہو۔ میں بزدل نہیں ہوں۔"

مرمت

کمپاؤنڈ میں شور سن کر فریدی باہر نکل آیا۔ دو تین نوکر کتے خانے کے قریب کھڑے ہنس رہے تھے۔ وہ اُس طرف اندھیرا ہونے کی بناء پر اُن کے چہرے نہ دیکھ سکا لیکن ہر ایک کی آواز وہ بخوبی پہچان رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔۔!" اُس نے بلند آواز میں پوچھا۔

سناٹا چھا گیا۔ نوکر خاموش ہوگئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے کسی آدمی کو کتوں کی طرح بھونکتے سنا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ تینوں نوکر وہاں سے ہٹ کر پورٹیکو میں آگئے۔ بھونکنے کی آواز بدستور جاری تھی۔

"کیا ہے۔۔۔۔؟" فریدی کو غصہ آگیا۔

"حمید صاحب۔" ایک نوکر نے کہا اور بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اندر جاؤ۔" فریدی انہیں گھور کر بولا۔ پھر اُس نے حمید کو آواز دی لیکن وہ برابر بھونکتا رہا۔

فریدی جھنجھلاہٹ میں آگے بڑھا۔

حمید کتے خانے کے کٹہرے سے منہ ملائے زمین پر بیٹھا بھونک رہا تھا۔

"یہ کیا حرکت۔۔۔۔!"

"بھوں۔۔۔۔!" حمید نے نہایت سادگی سے جواب دیا۔

فریدی نے اُس کی گردن پکڑ کر اُسے ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑا کر دیا۔

"چیاؤں۔۔۔۔ چیاؤں۔۔۔۔ چیاؤں۔" حمید اس طرح چلایا جیسے کوئی کتا پتھر کھا کر بھاگتے وقت آوازیں نکالتا ہے۔

"یہ بات ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ حمید کے منہ سے بو آرہی تھی۔ اتفاقاً اس کا ہاتھ اس کے کوٹ کی جیب سے ٹکرا گیا جس میں حمید نے بوتل ٹھونس رکھی تھی۔

ہوا یہ کہ شہر پہنچ کر حمید نے موٹر سائیکل تو دولت گنج کے تھانے میں چھوڑ دی اور وہاں سے ٹیکسی کر کے ہوٹل ڈی فرانس میں آیا۔ یہاں اُس نے ڈرائی جن کی ایک بوتل خریدی۔ چوتھائی بوتل وہیں صاف کر دی اور بقیہ جیب میں ڈال کر پھر ٹیکسی پر بیٹھا اور گھر آگیا۔

"کیوں سور۔۔۔۔ یہ کیا حوکت۔" فریدی نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچی اور دوسرے سے بوتل نکال کر زمین پر پٹخ دی۔

"میں بزدل نائیں ہوں۔" حمید پوری قوت سے چیخا۔

"نائیں کے بچے ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اسے کھینچتا ہوا اندر لے چلا۔

"او۔۔۔۔ سارہ۔۔۔۔ ڈارلنگ۔" حمید دردناک آواز میں چلایا۔

فریدی نے اُسے برآمدے کے فرش پر دھکیل دیا۔ سارے نوکر اکٹھا تھے۔

"اپنے اپنے کمروں میں جاؤ۔" فریدی ان کی طرف مڑ کر بولا۔

وہ سب چپ چاپ چلے گئے۔

"کیوں سور۔۔۔۔ تم نے پھر شراب پی۔" فریدی نے اُس کے دونوں کان جھنجھوڑ کر کہا۔

"اُکھڑ گئے۔۔۔۔ ہائے اُکھڑ گئے۔" حمید گالوں پر کان ڈھونڈ رہا تھا۔

"میں آج تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"سارہ ڈارلنگ.... اوہو ہو ہو۔"

فریدی اُسے دوبارہ اٹھا کر دھکے دیتا ہوا اندر لے جا رہا تھا۔

"اپنے ساتھ مجھے بھی بدنام کرتے ہو۔"

"میں پیوں گا.... پھر پیوں گا.... مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔" حمید جھومتا ہوا بولا۔

"میں اپنے باپ کی گود میں بیٹھ کر پیوں گا۔" پھر اُس نے کان پر ہاتھ رکھ کر ہانک لگائی۔

"پینے کے دن آئے پیئے جا۔"

اس کے بعد شائد وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر ناچنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ فریدی نے اُس کی ٹانگوں میں اپنا پیر اڑا دیا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

"مار ڈالوں گا۔" حمید اٹھ کر فریدی کی طرف جھپٹا اور فریدی کو ہنسی آ گئی اس نے پھر اپنی ٹانگ آگے بڑھا دی اور حمید پھر گر پڑا۔

اس بار وہ خود سے نہ اٹھ سکا فریدی نے کھینچ کھانچ کر اُسے سیدھا کیا۔

"کس نے پلائی ہے تمہیں۔" اُس نے حمید کو جھنجھوڑا۔

"بوتل نے.... بوتل میں مے ہے، مے میں نشہ.... ارے ہاں۔"

"تم نے پچھلی بار قسم کھائی تھی نا۔" فریدی نے پھر اس کا کان پکڑا۔

"مچھلی کب کھائی تھی۔"

"سارہ کون ہے؟"

"سارہ.... سارہ ہے! بارہ بارہ ہے۔ تیرہ چودہ ہے.... چودہ سہی ایک بٹا دو ہے۔"

فریدی نے اُسے دھکے مار مار کر ڈرائنگ روم سے بھی نکالا اور اب وہ اسے غسل خانے کی طرف لئے جا رہا تھا۔ اُس نے ایک ہاتھ سے حمید کی گردن پکڑی اور دوسرے سے نل کھول دیا۔ پانی کی تیز دھار حمید کے سر پر گر رہی تھی۔

"ارے.... ہوق.... ہوق.... پھو.... پھو.... ارے مرا.... پھو....!"

"پھر پیو گے۔"

"نہیں.... ارے.... پھو.... پھو.... مرا....!"

تھوڑی دیر تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

پھر وہ اُس کے سونے کے کمرے میں لے آیا۔ حمید کا نشہ تو خاک اترتا البتہ اُس کا سر آہستہ آہستہ بھاری ہوتا جا رہا تھا اور وہ خاموشی سے فریدی کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے وہ اُس کے لئے کوئی اجنبی ہو۔ فریدی نے اس کا سر تولئے سے خشک کیا اور بھیگے ہوئے کپڑے اتارنے لگا۔

"تمہاری حرکتیں اب ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ دراصل فریدی کا یہ جملہ ایک بے معنی بے ربطی کے ساتھ اس کے ذہن میں اترا تھا۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا لیکن ذہن کا بوجھ اس کی زبان پر بھی حاوی ہو گیا اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اب چپ چاپ سو جائے۔

دوسری صبح وہ دونوں ایک دوسرے سے اینٹھے ہوئے تھے۔ حمید کو پچھلی رات کی ساری باتیں ایک بے ربط خواب کی طرح یاد تھیں۔ حمید شرمندہ بھی تھا اور وہ حقیقتاً فریدی کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ ناشتے کی میز پر بھی دونوں خاموش ہی رہے حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی اس کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کر رہا ہے۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد حمید ٹیکسی کر کے دولت گنج چلا گیا تھا۔ تھانے سے موٹر سائیکل لینی تھی۔ تھانے کا سیکنڈ آفیسر اس کا گہرا دوست تھا اس نے حمید کو چھیڑا۔ لیکن حمید کا موڈ اس قابل ہی نہیں تھا کہ وہ تھوڑی دیر رک کر اس سے گپ لڑاتا۔

وہ دولت گنج سے سیدھا آفس پہنچا۔ فریدی کی کیڈیلاک تو کمپاؤنڈ میں موجود تھی۔ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ سرجنٹ رمیش اپنی ڈسک پر سر جھکائے کسی فائیل کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ حمید کی آہٹ پر چونک پڑا۔

حمید اپنی ڈسک کی طرف بڑھا۔

"سننا تو یار ذرا۔" رمیش نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"سن رہا ہوں۔" حمید نے مڑے بغیر جواب دیا۔

"آج صاحب کا موڈ اتنا بگڑا ہوا کیوں ہے۔"

"رات زیادہ پی گئے ہوں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تو کیا پینے بھی لگے ہو۔"

"کب نہیں پیتا تھا۔"

حمید اپنی ڈسک پر آبیٹھا۔ اُس کی طبیعت بھاری ہو رہی تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ کرسی ہی پر بیٹھے بیٹھے سو جائے۔ رہ رہ کر سارے جسم میں کچھ ایسی لہریں دوڑتی معلوم ہو رہی تھیں جو کبھی گرم جان پڑتیں اور کبھی ٹھنڈی! نتھنوں سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔

"آج انسپکٹر صاحب بھی کچھ جھنجھلائے ہوئے ہیں۔" رمیش بولا۔

حمید کوئی جواب دینے کی بجائے اپنی ڈسک آہستہ آہستہ کھٹکھٹانے لگا۔ رمیش چند لمحے اس کی طرف مضحکانہ انداز میں دیکھتا رہا۔ پھر فائیل کی ورق گردانی میں مشغول ہو گیا۔

حمید ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔ ایک عجیب قسم کی اکتاہٹ اس کے ذہن پر مسلط تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے زندگی کا سارا حسن ختم ہو گیا ہو۔ کائنات کی رگیں ٹوٹ رہی ہوں اور انہیں کے ساتھ رجائیت کا وہ تانا بانا بھی ٹوٹ رہا ہو۔ جو اس نے اپنی شخصیت کے گرد پھیلا رکھا تھا۔ ایک بے نام سی خلش اُس کے سینے میں رہ رہ کر چبھ رہی تھی۔

دفعتاً اُس کی نظریں یوں ہی غیر ارادی طور پر اُس فائیل کی طرف اٹھ گئیں۔ جسے سرجنٹ رمیش الٹ پلٹ رہا تھا۔

"ذرا ٹھہرو تو...!" اس نے کہا اور تیزی سے اٹھ کر رمیش کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے وہ صفحہ چٹکی سے پکڑ لیا جسے رمیش الٹنے جا رہا تھا۔

اس کی نظریں اسی صفحے پر چپکی ہوئی ایک تصویر پر جم گئی تھیں۔ اچانک اسی کی طبیعت کا اضمحلال غائب ہو گیا اور سانسیں تیزی سے چلنے لگیں۔

اتنے میں فریدی آ گیا۔ اُس نے ایک اچٹتی سی نظر حمید پر ڈالی اور اپنے میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔

حمید پھر اپنی ڈسک پر آبیٹھا۔ رمیش کو اس کے رویے پر حیرت تھی۔ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکا اور حمید یہ بھول گیا تھا کہ وہ آفس کے کمرے میں بیٹھا ہے اور وہاں اس کے علاوہ دو آدمی اور بھی ہیں۔ رمیش تھوڑی دیر تک اسے گھورتا رہا پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

حمید کا ذہن ایک بھورے رنگ کی ڈاڑھی کا ایک ایک بال چن رہا تھا۔ اور پھر جب وہ ڈاڑھی غائب ہو گئی تو حمید بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کل ہی اُسے یہ یاد آ گیا ہوتا کہ

سے ڈاکٹر کا چہرہ جانا پہچانا سا کیوں معلوم ہو رہا تھا تو اس وقت فریدی اُسے اینٹھنے کی بجائے اس کی پیٹھ ٹھونک رہا ہوتا۔

فریدی کے میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"یس.... فریدی اسپیکنگ .... اوہ جگدیش.... کیا بات ہے.... ہاں.... ہاں.... اچھا.... تو پھر.... یار مجھے ناحق تکلیف دیتے ہو.... کچھ رقابت.... وقابت کا سلسلہ رہا ہو گا۔ ان لوگوں کو اکثر اسی قسم کے حادثات سے دوچار ہونا پڑتا ہے.... کیونکہ.... یہ درجنوں چاہنے والے رکھتی ہیں.... چھوڑو.... چھوڑو.... میں بہت مصروف ہوں.... تھوڑی پوچھ گچھ کرو.... سب معلوم ہو جائے گا.... اس کے عاشقوں کی فہرست تیار کرنا زیادہ مفید ہو گا.... اماں بچے ہی رہو گے ہمیشہ.... اسکے ساتھ والیوں سے پوچھو.... اگر کوئی خاص دشواری ہو تو بتانا....!"

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا اور حمید کو تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا رمیش سے مخاطب ہو گیا۔

"سول ہسپتال کی.... کوئی نرس تھی سارہ.... کسی نے اُسے قتل کر دیا۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی اس کا نوٹس لئے بغیر سگار پیتا رہا۔ حمید بیٹھ گیا۔ اُس کا سر چکرانے لگا تھا۔ سارہ قتل کر دی گئی کیوں؟ کس لئے؟ کس نے قتل کیا؟ مگر ممکن ہے کوئی اور سارہ ہو! لیکن پھر بھی اس کی الجھن رفع نہ ہوئی۔ وہ اٹھ کر تیزی سے فون کے قریب آیا۔

"ہیلو....!" اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔ اُس کا اندازہ پہلے ہی سے تھا کہ جگدیش سول ہسپتال ہی سے بولا ہو گا اس لئے اس نے وہیں کے لئے رنگ کیا۔ "سول ہسپتال.... ذرا انسپکٹر جگدیش کو فون پر بلا دیجئے۔"

اُسے زیادہ دیر تک انتظار نہ کرنا پڑتا۔ دوسری طرف سے جگدیش کی آواز آئی اور حمید بولنے لگا۔

"ہیلو.... میں فریدی بول رہا ہوں۔"

اس پر فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن حمید بولتا ہی رہا۔ "کیا وہ کوارٹر ہی میں پائی گئی ہے.... اوہ.... کوارٹر کا نمبر کیا ہے.... سولہ.... اوہ.... اچھا۔"

حمید ریسیور رکھ کر اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھنے لگا۔

فریدی پہلے سمجھا تھا کہ شاید حمید اُسے گھسنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اُس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔ حمید کی آنکھوں میں سراسیمگی تھی۔

"کیوں....؟" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

حمید اُسے باہر چلنے کا اشارہ کر کے کمرے سے نکل گیا۔

فریدی متحیرانہ انداز میں اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔ دونوں لان پر نکل آئے۔

حمید چند لمحے فریدی کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کل میں سارہ کے ساتھ تھا۔"

"تم....!"

"جی ہاں۔" اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ اس کی موت رقابت کے سلسلے میں واقع ہوئی۔

"کیوں....؟"

"کل میں نادانستہ طور پر.... جہاں تک میرا خیال ہے ایک بہت بڑے مجرم سے جا ٹکرایا تھا۔"

"یعنی....!"

"سردار صفدر سے۔"

"کس سے....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"سردار صفدر سے۔" حمید نے کہا اور پچھلی شام کی پوری روداد سنا کر بولا۔ "میں دولت گنج کے تھانے میں اتر گیا تھا اور وہ لوگ اسے اس کے کوارٹر تک پہنچانے چلے گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ڈاکٹر.... سردار صفدر ہی تھا۔"

"ہو سکتا ہے تمہیں دھوکا ہوا ہو۔" فریدی بولا۔ "تم نے فائیل میں صرف تصویر دیکھی تھی یا رپورٹ پڑھنے کی بھی زحمت گوارا کی تھی۔"

"نہیں میں نے رپورٹ نہیں پڑھی۔"

"آج سے چھ ماہ قبل سردار صفدر ایک حادثے کا شکار ہو کر مر چکا ہے۔"

"ہو گا! لیکن ان معاملات میں میری نظریں بہت کم دھوکا کھاتی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر اس تصویر سے ڈاڑھی نکال دی جائے تو اسی ڈاکٹر کا چہرہ بر آمد ہو گا۔"

"ہوں.... لیکن وہ نرس...." فریدی آہستہ سے بولا۔ "کیا تم کل اُسے اس کے کوارٹر سے لے گئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"ظاہر ہے کہ وہاں کچھ لوگوں نے تمہیں اس کے ساتھ ضرور دیکھا ہو گا۔"

"یقیناً....!"

"چلو یہی اچھا ہوا کہ تم دولت گنج ہی میں اُتر گئے تھے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ تمہارے متعلق سب کچھ جانتی رہی ہو گی۔"

"نہیں.... میں نے اُسے اپنا نام شاہد بتایا تھا۔"

"ہوں.... مگر تمہیں کبھی عقل نہ آئے گی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

اگر تمہاری بات تسلیم کر بھی لی جائے تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ سارہ کے قتل میں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہے۔"

"کسی طرح نہیں۔"

"پھر....؟"

"پھر یہ کہ.... میں سول ہسپتال جا رہا ہوں۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "اگر کسی نے پہچان لیا تو زحمت میں پڑو گے۔"

"تو پھر آپ جائیے۔ میں نے اپنی زندگی کے چند بہترین لمحے اسکے ساتھ گذارے ہیں۔"

"آخری لمحہ بھی اُسی کے ساتھ گذارتے تو بہتر تھا۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

شہزادہ

تھوڑی دیر تک حمید پر بگڑتے رہنے کے بعد فریدی سول ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اُسے اپنے ساتھ نہیں لے گیا۔ سارہ کے کوارٹر کے سامنے خاصی بھیڑ تھی اور وہاں کھڑے ہوئے کانسٹیبل بڑی دیر سے مجمع ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

"بہت اچھا ہوا کہ آپ آگئے۔" انسپکٹر جگدیش فریدی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"کیا کوئی خاص بات ہے۔"

"بہت ہی خاص.... قتل تو زیادہ الجھا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر ٹھہریئے! میرے ساتھ آیئے.... لاش اس کمرے میں ہے۔"

جگدیش اُسے لاش والے کمرے میں لے گیا۔ اینگلو انڈین نرس فرش پر چت پڑی تھی۔ کسی نے اس کا گلا گھونٹ کر خاتمہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر ابھی تک لاش کے قریب ہی موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ موت پچھلی رات کو دس اور بارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔

"دروازہ باہر سے بند تھا۔" جگدیش نے فریدی کو بتایا۔

"ہوں....!" فریدی نے بے خیالی میں سر ہلا دیا۔ اُس کی نظریں اُس میز پر جمی ہوئی تھیں جس پر پچھلی رات کا کھانا چنا گیا تھا.... دو کرسیاں آمنے سامنے پڑی تھیں کھانا دو آدمیوں کا معلوم ہوتا تھا اور شاید اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا گیا تھا۔

"تمہارا اندازہ کیا ہے۔" فریدی نے جگدیش کو مخاطب کیا۔

"قاتل .... مقتولہ کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہاں پچھلی رات کو غیر متوقع طور پر نہیں آیا تھا کیونکہ میز پر دو آدمیوں کا کھانا جیوں کا تیوں موجود ہے۔"

"قیاس غلط نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"لیکن کھانے سے قبل ہی قاتل اس پر حملہ کر بیٹھا۔" جگدیش نے کہا "اور اسے ختم کرنے کے بعد چپ چاپ نکل گیا۔ مگر میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔"

"کیوں....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"ادھر آیئے۔" رمیش نے اُسے دوسرے کمرے میں چلنے کو کہا۔

اور پھر فریدی کو ایک تحیر خیز بات سے دوچار ہونا پڑا۔ اُس کے ہاتھ میں دو ٹائپ کئے ہوئے خطوط اور ایک تصویر تھی اور تصویر بھی کس کی؟ میاں حمید کی۔

"یہ ساری چیزیں مقتولہ کے بکس سے برآمد ہوئی ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

فریدی اُن دونوں خطوط کو پڑھ رہا تھا۔ ان میں حمید نے سارہ کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گا۔ خطوط کے نیچے اُس نے اپنے پورے دستخط

نٹین پن سے کئے تھے اور نام کے ساتھ سرجنٹ بھی لکھا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ دونوں ط خود فریدی ہی کے رائیٹنگ پیڈ کے کاغذوں پر ٹائپ کئے گئے تھے۔

"اور سنیئے۔" جگدیش آہستہ سے بولا۔ "کل دن کو یہ ایک آدمی کے ساتھ موٹر سائیکل پر ں گئی تھی۔ دیکھنے والوں نے اس آدمی کا جو حلیہ....!"

"وہ حلیہ بھی حمید ہی کا ہے۔" فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔

"جی ہاں.... میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں لیکن مقتولہ کی ساتھ والی نرسوں نے اس آدمی ام شاہد بتایا تھا۔"

"ہوں.... کیا اُن میں سے کسی کو یہ تصویر بھی دکھائی ہے۔"

"جی نہیں.... قطعی نہیں.... ان خطوط اور اس تصویر کا علم میرے علاوہ کسی اور کو نہیں۔"

"ٹھیک....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہاں تم نے مجھے کیا اسی لئے فون کیا تھا۔"

"جی نہیں! یہ چیزیں تو فون کرنے کے بعد برآمد ہوئی ہیں۔ دوبارہ آپ کو فون کرنے ہی رہا تھا کہ آپ آگئے۔"

"میں ذرا اُن نرسوں سے الگ الگ ملنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے اس کا نام شاہد بتایا ہے۔"

"میں بلواتا ہوں۔ سب میٹرن کے کوارٹر میں موجود ہیں۔"

فریدی وہیں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ جگدیش باہر جا چکا تھا اور فریدی متجس نظروں سے روں طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی یا الجھن کے آثار قطعی نہ تھے اور نہ اُسے حمید غصہ ہی آرہا تھا۔ اسے اس پر بھی جھلاہٹ نہیں تھی کہ حمید نے اُن خطوط کے لئے اُس کے پیڈ کا کاغذ کیوں استعمال کیا جس پر اُس کا نام چھپا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد جگدیش ایک نرس کے ساتھ واپس آیا۔

"تمہارا نام....!" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"تھیوڈورا۔"

"سارہ کو کب سے جانتی تھیں۔"

"جب سے یہاں آئی تھی۔"

"کب سے تھیں....!"

"چھ ماہ قبل....!"

"اس کے ملنے والوں سے بھی کچھ واقفیت رکھتی ہو۔"

"ہسپتال والوں کے علاوہ صرف ایک آدمی سے اس کے تعلقات تھے وہ بھی ابھی حال ہی کے تھے۔"

"کس سے۔"

"شاہد سے۔"

"وہ کہاں رہتا ہے۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اتنا بتا سکتی ہوں کہ میں نے آج تک شاہد کے علاوہ اسے اور کسی بیرونی آدمی کے ساتھ نہیں دیکھا۔"

"کیا وہ کل شاہد ہی کے ساتھ کہیں گئی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"تم نے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"اور پھر وہ دونوں واپس آئے تھے۔"

"ان کی واپسی کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔"

پھر فریدی نے حمید کی تصویر جیب سے نکال کر اُس کے سامنے ڈال دی۔

"اسے پہچانتی ہو۔" اس نے پوچھا۔

"اوہ! یہی تو وہ ہے شاہد۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"تمہیں کس نے بتایا تھا کہ اس کا نام شاہد ہے۔"

"خود سارہ نے۔"

فریدی نے یکے بعد دیگرے اُن ساری نرسوں سے گفتگو کی جو حمید کو بحیثیت شاہد جانتی تھیں۔ بہر حال اس کے علاوہ کوئی اور بات معلوم نہ ہو سکی کہ وہ شاہد کے متعلق صرف اتنا ہی جانتی تھیں کہ اس کا نام شاہد ہے اور نام انہیں سارہ ہی سے معلوم ہوا تھا۔

"سارہ اُن کے متعلق کچھ اور بھی کہا کرتی تھی۔" فریدی نے ان سے پوچھا۔

پہلے اس نے انہیں فرداً فرداً الگ بلا کر سوالات کئے تھے اور اب وہ سب ایک ہی جگہ پر تھیں۔ اس کی اس بات کا جواب فوراً ہی نہیں ملا۔ اُن میں سے سبھی کے چہرے سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

"ایک بات....!" ایک نرس بولی۔ "عجیب ہونے کی بناء پر مجھے اب تک یاد رہ گئی ہے ویسے اور کسی کا دھیان نہیں۔"

"کیا....؟"

ایک بار وہ باتوں کی رو میں کہہ گئی تھی کہ شاہد کی شخصیت پُر اسرار ہے جس دن اُس پر سے پردہ اٹھے گا دنیا حیرت زدہ رہ جائے گی۔

"اوہ....!" فریدی پُر خیال انداز میں اُسے دیکھنے لگا۔ "کچھ اور۔"

"اور.... کوئی خاص بات نہیں۔ ویسے وہ زیادہ تر اسی کی باتیں کیا کرتی تھی۔ بڑا خوش مزاج ہے۔ انتہائی ذہین، خوش سلیقہ اور مہذب وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی نے انہیں رخصت کر دیا.... پھر وہ جگدیش کیطرف مڑ کر بولا۔ "بُرے پھنسے میاں حمید۔"

"تو کیا حمید نے.... واقعی....!" جگدیش چونک کر بولا۔

"میرا یہ مطلب نہیں کہ حمید نے اسے قتل کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بھلا حمید اور رقابت! یار اس کی محبت رقابت والی ہوتی ہی نہیں۔ وہ تو بس لڑکیوں کا ساتھ چاہتا ہے۔ افلاطونی عشق پر یقین نہیں رکھتا۔"

"اور یہ خطوط۔"

"خطوط....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ذرا یہ تو سوچو کہ جب اس نے مقتولہ کو اپنا نام شاہد بتایا تھا تو پھر خطوط میں سرجنٹ حمید لکھنے کی کیا ضرورت تھی اور پھر خطوط بھی کیسے قتل کی دھمکی والے۔ نہیں جگدیش صاحب! اگر وہ ایسا کرتا بھی تو کم از کم میرے رائیٹنگ پیڈ کا کاغذ نہ استعمال کرتا۔"

"تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ حمید صاحب قاتل ہیں۔" جگدیش جلدی سے بولا۔

"نہیں شبہ تو کرنا ہی پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں یہ بھی سنو کہ یہ دستخط حمید ہی کے ہیں یا یوں سمجھو کہ بالکل ویسے ہی ہیں۔"

"تب تو...."

"نہیں اس بناء پر بھی یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ حمید ہی کی حرکت ہے۔ کیونکہ ہم آئے دن ایسے نقلی دستخطوں سے دوچار ہوتے رہتے ہیں کہ اصل اور نقل میں تمیز کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔"

"لیکن ابھی اس نرس نے کہا تھا کہ سارہ نے شاہد کی پُر اسرار شخصیت کی طرف اشارہ کیا تھا۔" جگدیش نے کہا۔

"ہاں یہ بات ضرور تشویش ناک ہے۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شاہد کی اصلیت سے واقف تھی بہرحال معاملہ پیچیدہ ہے۔"

"حمید صاحب ہیں کہاں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"آفس میں۔"

جگدیش خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آپ نے ان لوگوں کو تصویر کیوں دکھا دی۔"

"میں یہ بات چھپانا نہیں چاہتا کہ حمید بھی اس کیس میں مشتبہ حیثیت رکھتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر تم تو ایک بار یہاں کی تلاشی لے ہی چکے ہو! ذرا میں بھی دیکھ لوں۔"

فریدی ایک ایک چیز کو بنظر غائر دیکھ رہا تھا۔ ایسے نشانات کی طرف سے تو اسے پہلے ہی سی ہو چکی تھی، جو قاتل نے چھوڑے ہوں۔ اس کا خیال تھا کہ قاتل نے ہاتھوں میں دستانے ن کر سارہ کا گلا گھونٹا تھا لیکن اس بات پر حیرت ضرور تھی کہ پاس پڑوس والوں کو بھی اس ادثے کی خبر نہ ہوئی۔ سارہ ایک تندرست لڑکی تھی آسانی سے تو نہ مری ہوگی۔

اُس کی کتابوں کی الماری دیکھتے وقت فریدی کو اعتراف کرنا پڑا کہ وہ ایک ستھرے مذاق کی لڑکی تھی الماری میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں تھی جو کسی گھٹیا مصنف کی ہوتی فحش قسم کا امریکی لٹریچر بھی نہیں دکھائی دیا۔

اس تلاشی کے دوران میں صرف ایک چیز کام کی مل سکی۔ یہ سارہ کی ڈائری تھی اور پھر وہ اس کے اوراق الٹ پلٹ رہا تھا ایک جگہ شاہد کا نام دیکھ کر اُس کی دلچسپی بڑھ گئی۔

مقتولہ نے خالص رومانی انداز میں لکھا تھا۔

"کیا سچ مچ میرے خواب حقیقت بن جائیں گے۔ میں بچپن ہی سے ایک ایسے شہزادے کے متعلق سوچتی آرہی ہوں جو مجھے اچانک مل جائے، مجھے چاہنے لگے لیکن ایک معمولی آدمی کی

حیثیت سے اور پھر اچانک یہ راز کھل جائے کہ وہ ایک شہزادہ ہے ہم دونوں حسین مرغزاروں میں ٹہلتے پھریں۔ بیکراں وسعتوں میں اکیلے ہوں۔ نیلا آسمان دور کی پہاڑیوں پر جھکا ہوا معلوم ہو اور پہاڑوں پر ڈوبتے ہوئے سورج کی قرمزی کرنیں ہولے ہولے رینگ رہی ہوں۔ ہمارے سروں پر قازوں کی لمبی سی قطار پرواز کر رہی ہو اور ہمارے پیروں کے نیچے ٹھنڈی گھاس ہو۔ شہزادے کی پُر خواب آنکھیں میری روح کی گہرائیوں میں جھانک رہی ہوں۔ پھر وہ میرے زانو پر سر رکھ کر سو جائے۔ کاش میرے خوابوں کی تعبیر سچ مچ مجھے مل گئی ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ شاہد شہزادہ ہے۔ اُس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے کچھ چھپانا چاہتا ہے۔ مجھے اس کی شخصیت پُر اسرار معلوم ہوتی ہے۔ میرا شہزادہ مجھے مل گیا ہے۔ میری حسین آرزو! شاہد شہزادہ ہے۔ ایک دن یہ راز ضرور کھلے گا۔"

فریدی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا حمید اُسے بیوقوف بنا رہا تھا۔ وہ کچھ بھی رہا ہو لیکن اب یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ سارہ اسے حمید کے نام سے نہیں جانتی تھی۔ فریدی نے پوری ڈائری دیکھ ڈالی۔ اس میں شاہد کا تذکرہ کئی جگہ کیا گیا تھا لیکن حمید کی اصل حیثیت کے متعلق کہیں ہلکا سا اشارہ بھی نہ ملا۔

"اسے بھی دیکھو....!" فریدی نے وہ ڈائری جگدیش کی طرف بڑھا دی۔

تقریباً پندرہ بیس منٹ تک سکوت رہا.... اس دوران میں جگدیش ڈائری کی ورق گردانی کرتا رہا اور فریدی کمروں کی دوسری چیزیں الٹتا پلٹتا رہا۔

"بھئی کمال کر دیا حمید نے بھی۔" جگدیش آہستہ سے بڑبڑایا۔ "شہزادے صاحب۔"

"تمہاری کھوپڑی الٹ گئی ہے۔" فریدی بولا۔

جگدیش استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ڈائری کی کسی تحریر سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ شاہد نے خود کو کسی شہزادے کی حیثیت سے پیش کیا ہو۔ مقتولہ خود اسے شہزادہ سمجھنے پر مصر دکھائی دیتی ہے کس بناء پر؟ ڈائری اس کا جواب نہیں دیتی۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" جگدیش سر ہلا کر بولا۔

فریدی نے وہ ڈائری اُس سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لی۔ تصویر اور خطوط بھی اُسی کے

پاس تھے۔

"بڑی دلچسپ سازش ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"سازش....؟" جگدیش چونک کر بولا۔

فریدی خاموش ہی رہا۔ تھوڑی دیر تک وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"رپورٹ میں کیا لکھ رہے ہو!"

"یہی تو سوچ رہا ہوں۔" جگدیش فکر مندانہ انداز میں بولا۔ "اس تصویر اور خطوط نے بڑ الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"نہایت آسان طریقہ۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تصویر اور خطوط کا تذکرہ سرے سے ہی نہیں۔"

"اور شاہد....؟"

"شاہد کا تذکرہ ضروری ہے اور اس کا بیان کیا ہوا حلیہ بھی لکھو۔"

"آپ نے تصویر انہیں ناحق دکھائی۔"

"اوہ.... چھوڑو.... یہ سب دیکھا جائے گا۔"

فریدی آفس واپس آگیا۔ حمید کمرے میں نہیں تھا وہ اور رمیش شاید چائے پینے کے کینٹین میں چلے گئے تھے۔ فریدی اپنی میز پر بیٹھ کر کام میں مشغول ہو گیا اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی خاص بات ہوئی نہ ہو۔ کچھ دیر بعد حمید اور رمیش واپس آگئے۔

"اوہ شہزادے صاحب۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس کے ہونٹوں پر شرا آمیز مسکراہٹ تھی۔ حمید نے بیزاری سے منہ پھیر لیا۔

"کسی نے گلا گھونٹ کر اُسے مار ڈالا۔" فریدی نے رمیش سے کہا۔

"اچھا....!"

"کل وہ شاہد نامی ایک آدمی کے ساتھ کہیں گئی تھی۔ پولیس کا شبہ اسی پر ہے۔"

حمید چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"شاہد کے متعلق خیال کیا جا رہا ہے کہ اس نے سارہ کو اپنے متعلق دھوکے میں رکھا تھا

"وہ کس طرح....!" رمیش نے پوچھا۔

"اس نے مقتولہ سے کہہ رکھا تھا کہ وہ کسی ریاست کا شہزادہ ہے۔"

حمید کچھ بولنے کے لئے بے چین نظر آ رہا تھا۔ لیکن فریدی اُسے الجھن میں چھوڑ کر پھر کام میں مشغول ہو گیا۔

جیسے ہی رمیش باہر گیا حمید فریدی کے پاس آ بیٹھا۔ لیکن فریدی نے سر اٹھا کر دیکھنے تک کی زحمت گوارا نہ کی۔

سونے کی خاک

"شہزادے والی بات کیا تھی۔" حمید نے اکتا کر پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "عورتوں کے پیچھے دوڑنے والے عموماً اسی قسم کی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔"

"دیکھئے مجھے زیادہ الجھن میں نہ ڈالئے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اور میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اپنے چہرے پر قبرستانی فضا پیدا کرنے کی بجائے قہقہے لگائیے ورنہ.... یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ شام کے اخبارات میں شاہد کا حلیہ شائع ہو جائے گا۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "شہزادے والی بات۔"

"بتا تو چکا کہ شاہد نے خود کو شہزادہ ظاہر کیا تھا۔"

"قطعی.... غلط ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن شہزادے والی بات میں خود آج تک نہ سمجھ سکا۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر بولا۔

"وہ خود ہی اکثر مجھے پرنس کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھی.... اور قطعی سنجیدگی سے.... اکثر جھنجھلا کر یہ بھی کہہ بیٹھتی تھی کہ تم آخر خود کو چھپاتے کیوں ہو۔"

فریدی متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم نے اس سے شہزادہ سمجھنے کی وجہ نہیں پوچھی؟"

"اس کا اُس نے کبھی کوئی تشفی بخش جواب ہی نہیں دیا اور میں حقیقتاً یہی سمجھتا رہا کہ وہ مجھے بیوقوف بنا رہی ہے لیکن آپ کو اس کا علم کیونکر ہوا....؟"

"اس کی ڈائری سے.... لیکن اُس میں بھی اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"مگر بیٹے خاں تمہیں ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔"

"کیا....!" حمید چونک کر بولا۔

"اُسے خط لکھنے کے لئے تمہیں میرے رائٹنگ پیڈ کا کاغذ نہ استعمال کرنا چاہئے تھا۔"

"خط....! میں نے آج تک اُسے کوئی خط لکھا ہی نہیں۔"

"تصویر دی تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے اُسے اپنی کوئی تصویر بھی نہیں دی۔"

"لیکن یہ دونوں چیزیں اس کے یہاں سے برآمد ہوئی ہیں۔" فریدی نے تصویر اور خطوط اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"خدا کی قسم....!" حمید خطوط پڑھ کر بوکھلا گیا۔ "مگر.... یہ دستخط بالکل ایسے ہی ہیں جو میں کرتا ہوں۔"

"ممکن ہے شراب کے نشے میں کبھی لکھ کر بھول گئے ہو۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"کہہ لیجئے! اب تو اُلو بن ہی گیا ہوں۔"

فریدی چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اس سے تم ملے کس طرح تھے؟"

"ہوٹل ڈی فرانس کے ایک رقص کے دوران میں وہ خود ہی میری طرف جھکی تھی۔"

"اس کے دوسرے دوست بھی رہے ہوں گے۔"

"مجھے اُن کے متعلق علم نہیں۔ اُس نے کبھی کسی کا تذکرہ نہیں کیا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"اچھا گھامڑ خاں! مجھے ان لوگوں کے متعلق بتاؤ۔ جنہوں نے تمہیں شراب پلائی تھی۔"

"ان کے متعلق بھی آپ کو سب کچھ بتا چکا ہوں۔"

"تم نے اچانک ہی بالی کیمپ کا پروگرام بنالیا تھا یا یہ بات پہلے ہی سے طے تھی۔"

"میں نے دو دن پہلے ہی سے طے کر رکھا تھا۔"

"خوب....!" فریدی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "بہر حال وہ خود ہی تم پر عاشق ہو گئی تھی۔"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اوہ....!" فریدی اپنی بائیں آنکھ دبا کر آہستہ سے بولا۔ "قصور تمہارا نہیں تمہارے کٹیلے پن کا ہے۔"

حمید بھنا کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو پیارے بیٹھو! اس وقت تم میری مٹھی میں ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہیں نہایت آسانی سے پھانسی کے تختے تک پہنچا سکتا ہوں۔"

"ہونہہ.... پھانسی....!" حمید ہذیانی انداز میں ہنس پڑا۔

"اس ہنسی میں دلیری کا اظہار ضرور ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن آج رات شاید ہی تمہیں سونا نصیب ہو سکے۔"

"سونا....!" حمید زیر لب بڑبڑایا اور دفعتاً اس کے ذہن نے پچھلی شام کی دھندلی یادوں کی طرف جست لگائی۔ برانڈی کی بو شعور کی تہوں کو کلبلانے لگی اور پھر ذہن کے تاریک گوشوں میں سونے کا تصور جھلکیاں مارتا ہوا ابھرنے اور ڈوبنے لگا۔

"سونا.... سونا۔" وہ مضطربانہ انداز میں بیٹھ گیا۔

فریدی اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔"

"شاید کچھ سونے کی بات تھی۔" حمید اس طرح بولا جیسے خود سے باتیں کر رہا ہو۔

"ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔ "لیکن اس سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے۔"

"بخدا سونے کی کچھ بات تھی۔"

"بکومت....!" فریدی بگڑ کر بولا۔

"میں نے کیا کیا.... میں نے کیا کیا۔" حمید بے چینی سے ہاتھ مل رہا تھا۔

"تو کیا سچ مچ تمہیں نے۔" دفعتاً فریدی کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پیدا ہو گئے۔

"کیا سچ مچ....؟" حمید اُسے گھورنے لگا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔"

"خراب نہیں ہوا تو اب ہو جائے گا۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔"

"ابے او گدھے کچھ بولے گا بھی یا پہیلیاں ہی بجھاتا رہے گا۔"

"میں نے نشے میں دلاور نگر سے لائے جانے والے سونے کا راز ظاہر کر دیا ہے۔"

"کیوں....؟ کس طرح....!"

"میں نشے میں تھا۔"

"کتنی بار کہو گے کہ تم نشے میں تھے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"سنئے تو سہی.... نشے کی ترنگ تو آپ جانتے ہی ہیں۔"

"ابے اچھی طرح جانتا ہوں.... تم بک بھی چکو۔"

"وہ غالباً گورنمنٹ کی پالیسیوں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے انہیں مثال کے طور پر یہ بات بتائی کہ دلاور نگر سے لائے جانے والے سونے کی روانگی کی تاریخ سے عوام واقف نہیں ہوں گے۔ لیکن بہتوں کو یہ بات ضرور معلوم ہو گی کہ دلاور نگر سے سونا آنے والا ہے۔ میں نشے میں تو تھا ہی۔ اس بات پر میں نے ڈاکٹر کو للکار دیا کہ میں تاریخ ہی نہیں بلکہ اس گاڑی کے متعلق بھی بتا سکتا ہوں جس سے سونا لایا جائے گا۔"

"خوب....!" فریدی توجہ سے سن رہا تھا۔

"پھر میں نے انہیں اُس کے متعلق بتا دیا۔"

"کیا بتایا۔"

"تیرہ تاریخ کو سترہ ڈاؤن سے۔"

"تمہیں سو فیصدی یقین ہے کہ تم نے یہی بتایا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... کیا میں نے غلط بتایا۔"

"قطعی غلط بتا دیا۔ وہ سترہ تاریخ اور تیرہ ڈاؤن ہے۔"

"تب تو بڑا اچھا ہوا۔"

"کیا اچھا ہوا؟"

"یہی کہ سچ مچ میں نے انہیں دھوکا دے دیا۔"

"اپنی خیر مناؤ بیٹے۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "بلکہ خیر منانے سے بہتر تو یہ ہو گا کہ تم اُن لوگوں کو تلاش کرو۔"

حمید کچھ نہ بولا اور فریدی بھی خیالات میں ڈوب گیا۔ اُس کا ذہن بڑی تیزی سے مختلف موضوعوں پر جست لگا رہا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ سردار صفدر ہی تھا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد حمید سے پوچھا۔

"مجھے سو فیصدی یقین ہے لیکن اب اُس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں ہے۔"

"ہوں....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "حمید صاحب! اچھا ہی ہوا کہ یہ بات آپ کو یاد آ گئی ورنہ بہت سا وقت بیکار ضائع ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اگر واقعی تم نے اُسے قتل نہیں کیا تو کوئی اور کسی دوسرے اہم مسئلے سے وقتی طور پر ہماری توجہ ہٹانا چاہئے۔"

"سازش....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"یا پھر یہ کہ ہمارا کوئی دشمن ہی ہمیں تنگ کرنا چاہتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"لیکن نہیں! مجھے پہلے ہی خیال پر زور دینا چاہئے کیونکہ سونے والی بات محض اتفاقیہ نہیں معلوم ہوتی۔"

"تو آپ کا یہ خیال ہے کہ تیرہ ڈاؤن پر ڈاکہ پڑے گا۔"

"ڈاکہ....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا تمہیں وہ ڈاکہ یاد نہیں جو آج سے دو ماہ قبل نو ڈاؤن پر پڑا تھا۔"

"مگر! میرے خیال سے کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... لیکن اُس ٹرین سے بھی وافر مقدار میں سونا آ رہا تھا۔"

"ہاں.... مجھے یاد ہے! ڈاکہ ڈالنے والے ناکام رہے تھے۔"

"تم انہیں ناکام سمجھتے ہو۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیوں؟ کیا سونا محفوظ نہیں رہا تھا؟ میرا خیال ہے کہ مسافروں کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔"

"لیکن فرزند تم نے کب سے اخبار نہیں دیکھا....؟"

"کیوں....؟"

"وہ سارا سونا خاک ہو گیا۔"

"کب؟ کس طرح؟"

"کل کا اخبار دیکھا تھا۔"

"نہیں....!"

"ہاں کل تو تم بالی کیمپ کی سیر کر رہے تھے۔"

"سونا خاک کس طرح ہو گیا۔"

"آزاد بینک کا ڈیڑھ من سونا خاک ہو گیا اور یہ وہی سونا تھا جو اُسی ٹو ڈاؤن سے آیا تھا جس پر ڈاکہ پڑا تھا۔"

"رکھے ہی رکھے خاک ہو گیا۔"

"نہیں! اُسے اینٹوں کی شکل میں ڈھالنے کے لئے پگھلانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ پگھلنے کی بجائے خاک ہو گیا۔"

"ڈیڑھ من سونا۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جناب! اور آپ نے ولاور نگر سے آنے والے سونے کی بھی مٹی پلید فرمانے کی کوشش فرمائی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں آپ کو مطلب سمجھانے کے لئے نہیں پیدا ہوا۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

"میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔"

"لیکن خواہ مخواہ بچہ بننے کی خواہش بھی پریشان کئے رہتی ہے۔"

"یہ بات نہیں جب آپ کوئی بات سمجھانے لگتے ہیں تو مجھے بڑا مزہ آتا ہے۔"

"چاپلوسی بند حمید صاحب! میں آپ کو پھانسی سے نہیں بچا سکوں گا۔"

"پھانسی کی....!" حمید جھنجھلا کر گالی بکتے بکتے رہ گیا۔

"پھانسی کی توہین نہ کرو کہیں اُسے سچ مچ غصہ نہ آجائے۔"

"فریدی صاحب! میں موت سے نہیں ڈرتا۔"

"جیتے رہو فرزند! کسی عورت کو قتل کر دینے کے بعد جوانمرد ہی ایسی باتیں کیا کرتے ہیں۔"

حمید نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا اور اُٹھ کر اپنی ڈسک پر چلا گیا۔

"بیکار! تمہاری جھلاہٹ تمہیں بے گناہ نہیں ثابت کر سکتی۔ شہزادے صاحب۔" فریدی ہنس کر بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

"ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست لکھو۔"

"کیوں....؟"

"جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"

حمید درخواست لکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے وہ کاغذ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی نے درخواست لے کر رکھ لی اور بولا۔

"اب چپ چاپ گھر چلے جاؤ۔"

حمید چند لمحے کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

"کیا تم نے سنا نہیں۔" فریدی سر جھکائے ہوئے بولا۔

"حمید نے بے چوں وچرا موٹر سائیکل اٹھائی اور گھر کی طرف چل پڑا۔ اُس کے ذہن پر سارہ چھائی ہوئی تھی۔ حالانکہ اُس نے اس کی لاش نہیں دیکھی تھی لیکن پھر بھی تصور کی آنکھ اُس کے شوخ چہرے پر غبار آلود چادر دیکھ رہی تھی۔ خفیف سے کھلے ہوئے نرم و نازک ہونٹ جو عموماً خاموشی کی حالت میں کھل جاتے تھے۔ دھندلائی ہوئی آنکھیں۔ وہ آنکھیں، جو سرور کی ہلکی سی لہر پر بھی جگمگا اٹھتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ.... اگر وہ لوگ سازشی ہی تھے تو انہوں نے اُسے کیوں مار ڈالا۔ اگر وہ اُس کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی تب بھی اُسے مار ڈالنے کی وجہ؟ پھر اُسے پچھلی باتیں یاد آ گئیں.... آخر وہ اُسے کسی ریاست کا پرنس سمجھنے پر کیوں مصر تھی.... ممکن ہے یہ بھی چال رہی ہو! لیکن.... اگر چال تھی تو اُس نے اس کے متعلق ڈائری میں کیوں لکھا؟"

وہ اُن دونوں خطوط کے متعلق بھی سوچ رہا تھا آخر فریدی کے پیڈ کے کاغذ کیونکر حاصل کئے گئے ہوں گے۔ کیا کوئی نوکر بھی اس سازش میں شریک ہے؟ پھر اس کے خیال کی رو سونے

والے معاملے کی طرف مڑ گئی۔ فریدی کے گفتگو کے انداز سے اس نے یہ مطلب اخذ کیا تھا کہ ٹرین پر ڈاکہ ڈالنے والوں نے شاید اصل سونے کی جگہ ایسا سونا رکھ دیا تھا جو حدت سے پگھلنے کی بجائے خاک ہو جانے کی خاصیت رکھتا تھا۔

پھر ایک نیا خیال اس کے ذہن میں ابھرا۔ کہیں یہ سب کچھ اسی لئے تو نہیں کیا گیا کہ فریدی اس قتل میں الجھ جائے اور سازشی اپنی مقصد برآری میں مصروف رہیں.... وہ سوچتا رہا لیکن شہزادے والا معاملہ اس ڈھانچے کے کسی خانے میں فٹ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس کیس میں بُری طرح پھنس گیا۔ البتہ ان دونوں خطوط کی موجودگی اُسے تھوڑا بہت اطمینان دلا رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ دستخطوں کے ماہر اصل اور نقل میں بہ آسانی فرق ڈھونڈ لیں گے۔ اس کی دانست میں سازشیوں نے خطوط کا اضافہ کر کے ایک زبردست غلطی کی تھی! اگر کہیں انہوں نے صرف تصویر ہی پر قناعت کی ہوتی تو اس کی گلو خلاصی مشکل ہی تھی۔ حمید کی موٹر سائیکل سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھی۔ بس وہ غیر ارادی طور پر مختلف موڑوں پر اُس کا رخ پھیرتا جا رہا تھا۔ ویسے وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اُسے گھر جانا ہے یا کہیں اور....!"

کوّوں کے شکاری

اُسی شام کو کرنل فریدی حمید کے ہونٹوں اور ناک کے نتھنوں کی مرمت کر رہا تھا۔ حمید نے بڑی دیر سے اپنی کھانسی تک روک رکھی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک عمل جاری رہا۔ پھر فریدی نے اس کے سامنے آئینہ رکھ دیا اور حمید اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکا۔ ہونٹ کافی موٹے نظر آ رہے تھے اور نتھنے پھولے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ اُس پر سرخی بھی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شدید نزلے کی شکایت کی بناء پر اُس نے بار بار رومال استعمال کیا ہو۔

"بس اب بالکل ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "ہونٹوں اور نتھنوں پر تیل کی قسم کی کوئی چیز نہ لگنے دینا۔ یہ میک اپ مہینوں کے لئے کافی ہے۔"

"بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔"

"اسی لئے کہتا ہوں فرزند کہ عورت کا چکر بُرا ہوتا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"واقعی بُرا ہوتا ہے.... اب دیکھئے نا کہ عورت ہی کے چکروں میں پڑ کر ہم دونوں پیدا ہو گئے۔"

فریدی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ یہ نہیں کہ وہ اس جملے پر جھینپ گیا تھا یا اس تذکرہ ہی کو ٹالنا چاہتا تھا۔

"لیکن مجھے کب تک اس طرح رہنا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"جب تک کہ معاملات صاف نہ ہو جائیں۔"

"مگر اس طرح تو میں اور زیادہ مشکوک ہو جاؤں گا۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔" فریدی شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ تم حشر تک نہ پہچانے جا سکو گے۔ اک ذرا تاریک شیشوں کی عینک لگائے رہا کرنا۔"

"لیکن میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔"

فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میری بے عزتی ہو۔" اس نے کہا۔

"بے عزتی کیوں؟"

"اگر تمہیں ایک گھنٹے کے لئے بھی حوالات دیکھنی پڑی تو میرے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہو گا۔"

"آخر آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ میں پکڑ ہی لیا جاؤں گا۔"

"یہ بھی کوئی پیچیدہ بات ہے؟" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔ "تم نہایت آسانی سے پکڑ لئے جاؤ گے؟ کیا تم یہ بھول گئے کہ تم نے واقعی اسے قتل نہیں کیا؟ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ تمہیں پھنسانے ہی کے لئے کیا گیا ہے جو لوگ میرے رائٹنگ پیڈ کا کاغذ حاصل کر سکتے ہیں، جو تمہارے دستخط بنا سکتے ہیں کیا وہ تمہیں حوالات تک پہنچانے کے لئے کوئی چال نہ چلیں گے۔ شام کے ایک اخبار میں مقتولہ کی تصویر شائع ہوئی ہے۔ اگر فرض کرو اُن آدمیوں میں سے کوئی پولیس کو یہ اطلاع دے دیتا ہے کہ اس نے پچھلی شام کو اسی شکل و صورت کی لڑکی کو تمہارے حلیے کے ایک آدمی کے ساتھ دیکھا تھا تو پھر تم کہاں ہو گے۔ مزید شہادت کے لئے وہ کسی نہ کسی سارہ کے ساتھ والی نرسوں کو بھی پیش کرا سکتے ہیں۔ خیریت اسی میں ہے کہ جو کچھ میں کہوں چپ چاپ

کرتے چلو! تم یہ بھی جانتے ہو کہ ڈی۔ایس۔پی سٹی سے میرے تعلقات اچھے نہیں۔"

ابھی شاید فریدی نے اپنی بات ختم بھی نہ کی تھی کہ بیرونی برآمدے میں کئی قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور دوسرے ہی لمحے میں ڈی۔ایس۔پی سٹی دو سب انسپکٹروں اور تین کانسٹیبلوں سمیت ان دونوں کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ ڈی۔ایس۔پی نے چاروں طرف دیکھا۔

"سرجنٹ حمید کہاں ہے۔" اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"وہ تو بعد کو بتاؤں گا۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "آپ یہ بتایئے کہ اس کمرے تک کس طرح پہنچے۔"

"میں سرجنٹ حمید کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔"

"میں آپ کو شریفوں کی طرح رہنے کا سلیقہ سکھانے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"کیا مطلب....؟"

"کسی کے گھر داخل ہونے کا یہ طریقہ نہیں۔"

"آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں؟" ڈی۔ایس۔پی بگڑ کر بولا۔

"ایک قانون شکن سے جو خود کو قانون کا محافظ کہتا ہے۔"

ڈی۔ایس۔پی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ غصے کی بات بھی تھی۔ فریدی نے اُس کے ماتحتوں کے سامنے اُسے اُدھیڑ کر رکھ دیا تھا وہ اندر ہی اندر بُری طرح کھول رہا تھا اور فریدی یہ سوچ رہا تھا کہ اس کی محنت جو اس نے حمید کے میک اپ پر صرف کی ہے بیکار نہیں گئی۔ حمید نے بھی اپنے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا کر لئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس غیر متوقع گفتگو پر شدت سے متحیر ہو۔

"میں پوچھ رہا ہوں کہ سرجنٹ حمید کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم! لیکن یہ طریقہ....!"

"طریقے وریقے کو فی الحال الگ رکھئے۔" ڈی۔ایس۔پی سرد لہجے میں بولا۔ "میرے پاس اس کا وارنٹ گرفتاری ہے۔"

"کیا....؟" فریدی چونک کر بولا۔ "کیوں؟"

"ایک نرس کے سلسلے میں اُسے مشتبہ سمجھا گیا ہے۔"

"اوہ.... لیکن....؟" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا! آہستہ آہستہ اس کے چہرے سے

جھنجھلاہٹ کے آثار غائب ہوتے جا رہے تھے اور ڈی۔ایس۔پی کے ہونٹوں پر ایک تنفر آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"کیا آپ صبح موقع واردات پر نہیں تھے؟"

"تھا کیوں نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن حمید....!"

"کیا نرسوں نے آپ ہی کے سامنے شاہد کا حلیہ نہیں بیان کیا تھا۔"

"کیا تو تھا.... لیکن.... محض اس بناء پر حمید ہی کیوں.... لیکن ٹھہریئے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اُس کے ماتھے پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی الجھن میں ہو۔ ڈی۔ایس۔پی اُسے گھورتا رہا پھر چند لمحوں کے بعد بولا۔

"میرے پاس وقت کم ہے۔"

"بات یہ ہے کہ میں بھی فکر میں پڑ گیا ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ آج دوپہر کو ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست میرے حوالے کر کے سعید آباد چلا گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"اس نے تو مجھ سے یہ کہا تھا کہ وہاں اس کا کوئی قریبی عزیز سخت بیمار ہے۔"

"ہوں.... عزیز کا پتہ۔"

"پتہ اُس نے نہیں بتایا۔"

ڈی۔ایس۔پی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"میں اس گھر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"شوق سے.... لیکن ہر کام قانون کے اندر رہ کر ہو گا۔" فریدی بولا۔

"یعنی....!"

"تلاشی کا وارنٹ دکھایئے۔ دو گواہوں کی بھی ضرورت پیش آئے گی.... اور آپ تو خیر اپنی جامہ تلاشی کی اجازت تو دے ہی دیں گے۔"

"سب کچھ ہو جائے گا۔" ڈی۔ایس۔پی غرایا۔

ایک سب انسپکٹر فریدی کے دو پڑوسیوں کو بلا لایا۔ پھر دوسری کارروائیوں کے بعد ڈی۔ایس۔پی تلاشی شروع کرنے ہی جا رہا تھا تو فریدی نے اُسے روک کر کہا۔

"ٹھہریئے! ایک بنیادی غلطی کی تلافی کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس وقت تلاشی قطعی غیر قانونی سمجھی جائے گی۔"

"کیا مطلب....!"

"آپ لوگ میری نادانستگی میں اندر داخل ہوئے ہیں۔ اگر آپ نے آتے وقت خود ہی کوئی مشتبہ چیز کہیں ڈال دی ہو تو۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" ڈی۔ ایس۔ پی جھنجھلا کر بولا۔

"قاعدے کی بات میں نے کہہ دی۔ اب جیسا آپ کا دل چاہے....!"

"آپ سرکاری کام میں حارج ہو رہے ہیں۔"

"جی نہیں! میں نے صرف ایک قانونی نکتہ آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں ضرور تلاشی لوں گا۔" ڈی۔ ایس۔ پی پیر پٹخ کر بولا۔

"یوں تو آپ اس عمارت میں آگ بھی لگا سکتے ہیں.... حاکم ٹھہرے۔"

"مسٹر فریدی آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔"

"جی نہیں میں آپ کو بھی حد ہی میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تلاشی لی جائے گی۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"میں آپ کو روکتا تو نہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور سگار سلگانے لگا۔

دو گھنٹے کی عرق ریزیوں کے باوجود بھی ڈی۔ ایس۔ پی کوئی ایسی چیز برآمد نہ کر سکا جس کی بناء پر حمید قانون کی مزید گرفت میں آسکتا۔

وہ تھک ہار کر پھر اُسی کمرے میں آگیا جس میں اُس نے فریدی اور حمید کو چھوڑا تھا۔

اگر آپ رات کو کھانا میرے ہی ساتھ کھائیں تو مجھے خوشی ہوگی۔" فریدی نے اس سے کہا۔

"جی نہیں شکریہ۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور عمارت میں اپنے وزنی جوتوں کی گونج پیدا کرتا ہوا باہر چلا گیا۔ دونوں گواہ بھی پولیس والوں کے ساتھ ہی رخصت ہو گئے تھے۔

"کیوں! حمید صاحب! اب کیا خیال ہے۔" فریدی اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"خدا کی قسم اگر آپ کا تعلق سٹیج سے ہوتا تو سارے ملک میں آپ کی اداکاری کا ڈنکا بج جاتا۔"

"اسٹیج پر ڈنکا نہیں طبلہ بجتا ہے.... اب چھوڑو یہ باتیں۔ ہوٹل ڈی فرانس میں تمہارے انتظام کر دیا گیا ہے.... دفع ہو جاؤ۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن....!"

"عجیب آدمی ہو.... میں کہتا ہوں اب چپ چاپ چل دو۔ ہوٹل ڈی فرانس میں کمرہ نمبر تمہارا نام سعید جو ہے اور تم ایک کشمیری سیاح ہو۔ کشمیر میں تمہاری جاگیر ہے۔"

"اور میں عموماً جاگیر ہی میں انڈے دے دیا کرتا ہوں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"تم یہ مت سمجھو کہ تمہیں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اس ایک چھٹی کے منٹ منٹ کا حساب لے لوں گا۔"

"یعنی....!"

"تمہیں اُن چار شکاریوں پر نظر رکھنی ہے۔"

"کون سے چار شکاری۔"

"وہی، جو شہر میں کوے مارتے پھرتے ہیں۔"

"اور میں اُن کے پیچھے مکھیاں مارتا پھروں گا۔"

"اگر نہیں پھرو گے تو پھر پھانسی کا تختہ....!"

"کیا مطلب.... بھلا ان کا اس معاملے سے کیا سروکار۔"

"ایک شبہ ہے۔"

"کیا....!"

"تم جانتے ہو کہ ابھی میں اس کا اظہار نہیں کروں گا۔"

"چلئے! میں پوچھتا ہی نہیں۔" حمید بولا۔ "ویسے میں خود انہیں اور ان کی کمپنی کو سرے سے سمجھتا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"اگر میں فی الحال بتانا مناسب نہ سمجھوں تو!" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"انہوں نے شہر میں کوے مارنے کا اجازت نامہ بلدیہ سے حاصل کیا ہے۔" فریدی بولا۔

"مجھے ایسے اجازت ناموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ حکومت نے ایک بار ان دو ڈاکٹروں کی

بھی تو مدد کی تھی جو آدمی کو کتوں کی سی قوت عطا کر دینے کا دعویٰ کرتے تھے۔[1] کیا یہ نیا ڈھونگ بھی اسی قسم کا نہیں ہے۔ ہو نہ ہو کوے کے پروں سے کاغذ بنائیں گے۔ بھلا وہ کاغذ کس کام آئے گا۔"

"وہ بیک وقت کاغذ بھی ہوگا اور کپڑا بھی۔ اُس سے نہایت عمدہ قسم کے پیراشوٹ بنائے جاسکیں گے۔"

"اور وہ پیراشوٹ!" حمید ہنس کر بولا۔ "ہوا بازوں کو نیچے لانے کی بجائے اوپر لے جائیں گے۔"

"اچھا تو تم اسے مذاق سمجھ رہے ہو۔"

"جی نہیں! میں نہایت سنجیدگی سے عرض کر رہا ہوں۔"

اسے سارہ کی موت یاد آگئی اور اس پر پھر پہلی سی دل گرفتگی کے آثار طاری ہونے لگے مگر سوال اب بھی اُس کے ذہن میں چبھ رہا تھا کہ ان شکاریوں سے اس معاملے کا کیا تعلق؟ فریدی سے اُس کی توقع نہیں تھی کہ وہ بات کو اسی وقت صاف کر دے گا۔ بہر حال اُس نے سنجیدگی سے اس مسئلے کو کریدنا شروع کر دیا۔

"ذرا یہ تو سوچئے کہ وہ کاغذ یا کپڑا مہنگا کس قدر پڑے گا۔"

"مہنگا.... بھلا مہنگا کیوں پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی، کیا آپ کی نظر کارتوسوں کی گرانی پر نہیں۔ یہ بھی ضرور نہیں کہ وہ ایک ہی فائر میں ایک کوا بھی مار لیں! لہٰذا یہ کتنا مہنگا پڑے گا یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔"

فریدی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

حمید اس مسئلے پر اپنے نکتہ نظر سے کچھ اور بھی روشنی ڈالنا چاہتا تھا فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "کوے کا شکار آسان نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں کوشش کروں تو پانچ کارتوس برباد کرنے کے بعد بھی شاید کامیاب نہ ہو سکوں۔"

"خیر وہ تمہاری طرح احمق نہیں ہیں۔ اگر وہ بندوق ہی سے کوؤں کا شکار کرتے ہوتے تو انہیں پاگل خانے بھجوا دیتا۔" فریدی نے کہا۔

"پھر....؟"

"کیا کبھی شکار کے دوران میں تمہیں کوؤں کے جھنڈ کا سامنا کرنا پڑا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "احمقوں کا چکر" جلد نمبر 3 ملاحظہ فرمائیے۔

"میاں صاحب زادے! جہاں تم نے ایک فائر کیا! کوے تمہارے ساتھ ہو لئے وہ آگے آگے اور تم ان کے پیچھے بعض اوقات تو کم بخت چیخ چیخ کر شکار کا سارا مزا کرکرا دیتے ہیں۔ یہ لوگ دراصل کوؤں کی اسی عادت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ جہاں انہوں نے بستی میں دو ایک فائر کئے ان کے ساتھ ہو لئے۔ اس طرح یہ لوگ ان کوؤں کو بستی کے باہر ایک جگہ ہنکا لے جاتے ہیں جہاں انہوں نے پہلے ہی سے بڑے بڑے جال لگائے ہیں وہ دراصل کوے پھنساتے ہیں مارتے نہیں! میونسپل ایریا میں بندوق چلانا منع ہے اسلئے انہوں نے خاص طور پر اجازت نامہ حاصل کیا ہے۔"

"لیکن سارہ کے قتل سے ان کا کیا تعلق ہے۔" حمید نے جلدی سے پوچھا۔ مگر اسے مایوسی ہوئی۔ وہ سمجھتا تھا شاید فریدی باتوں کی رو میں کچھ نہ کچھ ضرور اگل دے گا۔

"ایک بار کہہ دیا کہ میں ابھی اسے واضح نہیں کرنا چاہتا کیونکہ فی الحال میں قیاسات ہی کے اسٹیج میں ہوں۔"

"چلئے قیاس ہی سہی۔" حمید بولا۔

"فضول ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اب جاؤ۔"

حمید ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ بھر اس کا ذہن ان شکاریوں اور ان کی کمپنی میں الجھا رہا، جو ایک نئی ایجاد کے سلسلے میں حکومت اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ چاروں شکاری بجائے خود اپنی کمپنی کی اچھی خاصی پبلسٹی تھے جس وقت وہ اعلیٰ قسم کے شکاری سوٹ میں ملبوس کاندھوں پر بندوقیں لٹکائے شہر میں داخل ہوئے تو ان کے گرد اچھی خاصی بھیڑ لگ جاتی۔ وہ چاروں کافی وجیہہ اور مضبوط ہاتھ پیر والے تھے۔ تعلیم یافتہ بھی معلوم ہوتے تھے۔ عوام سے گفتگو کرتے وقت ان کے لہجوں میں حد درجہ شائستگی اور ملائیت ہوتی تھی۔ کالجوں کے بعض منچلے طلباء انہیں راہ چلتے روک کر کسی قریبی ریستوران میں چائے کے لئے مدعو کرتے اور وہ ان کی دعوت خندہ پیشانی سے قبول کر لیتے اور پھر چائے کے دوران میں اپنی کمپنی کی اسکیم کی تفصیلات کے بارے میں بتاتے۔ شروع شروع میں محکمہ سراغ رسانی کے بعض افراد نے انہیں شک کی نظروں سے دیکھا تھا لیکن آخر کار انہیں بھی اپنی رائے بدل دینی پڑی۔ اخبارات نے بھی اُن کے متعلق بہت کچھ لکھا تھا۔ کسی نے اس اسکیم کا مضحکہ اڑایا تھا اور کسی نے اسے "ترقی کی طرف ایک اور قدم" سے تعبیر کیا تھا۔ بہر حال جتنے منہ اتنی باتیں۔ البتہ حکومت

کی امداد کا انحصار اسکیم کی کامیابی پر تھا۔

جھڑپ

دوسرے دن کے اخبارات میں حمید کی فراری کا حال بڑی بڑی حاشیہ آرائیوں کے ساتھ شائع ہوا۔ بات معمولی نہیں تھی۔ ایک ایسے آدمی پر قتل کا الزام عائد کیا گیا تھا جس نے قانون کی محافظت کے سلسلے میں کئی بار موت کا سامنا کیا تھا۔

ایک اخبار میں حمید اور سارہ کی تصاویر بھی چھپی تھیں۔ حمید نے جب یہ تصویریں دیکھیں ت سکتے میں آگیا۔ اُسے کوئی ایسا موقع یاد نہ آیا جب اُس نے سارہ کے ساتھ کوئی تصویر کھنچوائی ہو۔ تصویر کھنچوانے کے مسئلے پر وہ ہمیشہ بدکتا رہتا تھا۔ اس نے آج تک کسی عورت کے ساتھ تصو نہیں کھنچوائی تھی۔ اس تصویر کو دیکھ کر اُسے سچ مچ یقین آگیا کہ سارہ سازشیوں سے ملی ہوئ تھی۔ ۔۔کیا وہ خود بھی اُس سازش سے بے خبر تھی۔ کیا اُن سازشیوں نے محض سونے کی روانگ کے عد اُسے اس لئے قتل کر دیا کہ کہیں یہ بات ظاہر نہ ہو جائے۔

حمید انہیں خیالات میں الجھا ہوا سڑکیں ناپ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ پبلک میں اِ ن چہ میگوئیاں بھی سنتا جارہا تھا۔ ایک جگہ تو اُسے بیساختہ ہنسی آگئی۔ ایک صاحب ایک مج میں فرما رہے تھے۔ "ارے صاحب میرے خیال سے تو وہ جاسوس بھی کوئی ڈاکو ہی تھا۔ ارے آپ ہنستے ہیں۔۔۔۔ جناب والا۔۔۔۔ کیا نام تھا اس کا۔۔۔۔ بہرام ڈاکو۔۔۔۔ بہرام ڈاکو ہمیشہ پولیس آفیہ کے بھیس میں رہا کرتا تھا۔۔۔۔ اس کی اصلی صورت سے کوئی واقف ہی نہیں تھا۔"

اس پر ایک طالب علم ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ "بہرام کا وجود نہیں تھا۔۔۔۔ بہرام دراص لیبلانک کے ناولوں کے ایک ڈاکو آرسین لوپن کا اردو ترجمہ ہے۔"

وہ صاحب بگڑ کر بولے۔ "چلئے یہ ایک ہی رہی۔ آپ بچے ہیں کیا جانیں میاں میں نے ا دادا کی زبانی سنا تھا! اُن سے بہرام کا بڑا یارانہ تھا۔ وہ دلی میں کوتوال تھے۔ آپ شاید یہ بھی نہ جا ہوں کہ بہرام تھا کون۔ کس خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ خیر تمہیں تو یہ بھی ہوائی ہی معلوم ہوگی۔ تمہارا نہیں انگریزی تعلیم کا قصور ہے۔ بہرام دراصل بہادر شاہ ظفر کا پڑپوتا تھا۔ انگریزوں

نتقام لینے کے لئے ڈاکو بن گیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ خود بہادر شاہ ظفر ہی بہرام تخلص کرتے تھے۔" طالب علم نے ہنس کر کہا۔

حمید دل ہی دل میں قہقہے لگاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ اس وقت دراصل اُن چاروں شکاریوں ی تلاش میں نکلا تھا۔ اس نے آج تک فریدی کے قیاسات کو قیاسات ہی کی حدود میں نہیں دیکھا تھا۔ اُس کے شبہات عموماً حقیقت ہی ثابت ہوئے تھے۔

دفعتاً اُسے کوؤں کا شور سنائی دیا! بیشمار کوے فضا میں منڈلا رہے تھے وہ سب ایک عمارت پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد شکاری دکھائی دیئے۔ اُن میں سے ایک نے فائر کیا۔ کوے پھر شور مچاتے ہوئے اُڑے۔ حمید بھی ان دونوں کے پیچھے ہولیا۔ کوے تھوڑی دور اڑنے کے بعد کسی عمارت یا رخت پر بیٹھ جاتے تھے اور جیسے ہی وہ دونوں شکاری اُن کے نزدیک پہنچتے پھر اڑ کر شور مچانے لگتے تھے۔ اس طرح وہ شکاری انہیں بستی کے باہر نکال لائے۔

یہاں پہنچ کر ان شکاریوں نے اپنی بندوقیں جھاڑیوں میں ڈال دیں اور خود ایک سائے دار رخت کے نیچے لیٹ گئے۔ انہوں نے حمید کو دیکھ لیا تھا اور ان کے چہروں پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسی کسی ایسے میزبان کے چہرے پر ہوتی ہے جو ایک معزز مہمان کے استقبال کا شرف حاصل کر رہا ہو۔

حمید نے ایک درخت پر گوشت کے بڑے بڑے لوتھڑے لٹکے ہوئے دیکھے جن کے گرد بے شمار چیلیں منڈلا رہی تھیں۔ کوؤں کا جھنڈ اُن پر ٹوٹ پڑا۔

"اِدھر آجایئے۔" ایک شکاری نے حمید کو مخاطب کیا۔

حمید چپ چاپ اُن کے پاس جا کر بیٹھ گیا جس درخت کے نیچے وہ لیٹے ہوئے تھے اُس کے تنے سے ایک موٹی سی ڈور لٹک رہی تھی جس کا سلسلہ اوپر ہی اوپر دوسرے درخت سے جاملا تھا۔ جہاں گوشت کے لوتھڑے نظر آرہے تھے۔

"کیا آپ لوگوں کا تعلق اُس کمپنی سے ہے جو پروں سے۔۔۔۔!"

"جی ہاں۔۔۔۔!" ایک شکاری بولا۔ "آپ شاید یہاں اجنبی ہیں۔"

"کیوں۔۔۔۔؟" حمید چونک پڑا۔

"شروع میں ہمارے ساتھ ایک جم غفیر ہوا کرتا تھا لیکن اب یہ چیز لوگوں کے لئے نئی نہیں

رہی۔ پھر بھی باہر سے آنے والے اب بھی اکثر ہمارے ساتھ ہو لیتے ہیں۔"

"میں نے اخبارات میں آپ لوگوں کی اسکیم کے بارے میں پڑھا تھا۔" حمید بولا۔

شکاری خاموش ہو کر اس درخت کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس طرح بہتیری چیلیں اور دوسرے گوشت خور پرندے بھی پھنس جاتے ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"جی ہاں بعد کو ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔"

"کیا آپ مجھے ایک گدھ عنایت کریں گے۔" حمید بولا۔

"گدھ.... بھلا گدھ کیا کیجئے گا۔" ایک شکاری سنجیدگی سے بولا۔

"آپ ہنسیں گے۔" حمید نے احمقانہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں قطعی نہیں۔" شکاری نے یقین دلایا۔

"آدمی کی بعض خواہشات بڑی احمقانہ ہوتی ہیں۔" حمید بولا۔ "بچپن ہی سے میری ب خواہش رہی ہے کہ میں ایک گدھ پالوں لیکن میری یہ خواہش آج تک نہ پوری ہو سکی۔"

دوسرا شکاری جو اونگھ رہا تھا یہ بات سن کر اٹھ بیٹھا اور حمید کو تضحیک آمیز نظروں سے دیکھ ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی آپ کا دولت خانہ کہاں ہے۔"

"دولت خانہ۔" حمید نے شرماتے ہوئے انداز میں کہا "میں کوئی مہاجن نہیں ہوں خطہ کشم میرا وطن ہے اور ایک چھوٹا موٹا زمیندار۔"

"خیر نہ آپ چھوٹے ہیں اور نہ موٹے۔ لیکن زمیندار ضرور معلوم ہوتے ہیں۔ خیر جناب آپ کی خواہش ضرور پوری کردی جائے گی۔"

"حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ایک ٹرک آکر اُن کے قریب رک گیا۔ نشست پر صرف ایک آدمی تھا جو صورت سے پیشہ ور ڈرائیور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ایک شکار نے اٹھ کر درخت کے تنے سے لٹکتی ہوئی ڈور کا سرا کھینچ لیا اور پھر بے شمار پرندوں کے پروں پھڑپھڑاہٹ اور اُن کی چیخوں سے فضا مکدر ہو گئی۔

درخت پر پھیلا ہوا جال پرندوں سمیت لڑھکتا نیچے آرہا۔ بہت کم پرندے جال کی زد نکل پائے تھے۔ دونوں شکاری اٹھ کر جال کی طرف لپکے۔ حمید بھی اُن کے پیچھے دوڑا۔ شاید

ں بھی اُس کے لئے ایک بالکل ہی نئی قسم سے تعلق رکھتا تھا۔ ٹرک پر آیا ہوا آدمی بدستور اپنی پر بیٹھا رہا۔

جال میں کوؤں کے علاوہ چند چیلیں بھی تھیں اور دو ایک گدھ بھی۔ بقیہ پرندے ابھی تک ر مچاتے ہوئے اُس درخت کے گرد منڈلا رہے تھے۔ حمید بھی شکاریوں کے ساتھ جال پر جھک ا اور جب وہ اُسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے اس نے ان میں سے ایک کی جیب سے اس کا س اڑا لیا۔

اُن دونوں کو اُس کی خبر تک نہ ہوئی لیکن ٹرک میں بیٹھا ہوا آدمی اس کی حرکت دیکھ رہا تھا۔ بد نے پہلے ہی یہ بات محسوس کرلی تھی کہ وہ اُس آدمی کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور حقیقتاً اسی چیز نے اُسے اس حرکت پر اکسایا تھا۔

اُس نے اُن دونوں کو جال اٹھانے میں مدد دی اور اُن کے ساتھ ٹرک تک آیا۔ جال پرندوں یت ٹرک پر ڈال دیا گیا۔

"شکریہ۔" ایک شکاری حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "آپ ہمیں اپنا ایڈریس دے دیں گدھ نچا دیا جائے گا۔"

"ہوٹل ڈی فرانس! کمرہ نمبر تیرہ.... اور میرا نام سعید جو ہے۔"

"اُف فوہ۔" ڈرائیور بولا۔ "تو آپ کشمیری ہیں! لیکن لب و لہجہ کشمیریوں جیسا نہیں ہے۔"

"میں عرصے تک اس صوبے میں رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن افسوس کہ اس کے باوجود بھی آپ شریف سوسائٹی کے قابل نہیں بن سکے۔"

"کیا مطلب....!" حمید بگڑ کر بولا۔

"پرس نکالو....!" ڈرائیور نے گرج کر کہا۔

حمید بے تحاشہ مخالف سمت میں بھاگنے لگا۔

"ٹھہرو! ورنہ گولی ماردوں گا۔" ڈرائیور نے للکارا۔ اس نے سچ مچ ریوالور نکال لیا تھا۔

حمید نے پلٹ کر دیکھا اور رک گیا۔ ڈرائیور ٹرک سے اُتر آیا تھا۔

"ادھر آؤ....!" اُس نے گرج کر کہا۔

حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے ان کی طرف بڑھنے لگا۔ لیکن ڈرائیور اس بات سے

قطعی لاپرواہ تھا کہ دوسرا لمحہ خود اُس کے لئے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔ حمید ان سے تین قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

"اپنا پرس نکالو اس کے جیب سے۔" ڈرائیور نے ایک شکاری سے کہا۔

اب شکاری نے گھبرا کر اپنی جیبیں ٹٹولیں اور بے اختیارانہ انداز میں حمید پر جھپٹا۔

دفعتاً حمید چیخ مار کر زمین پر گر پڑا اور پھر ڈرائیور کو یہ تک سمجھنے کی مہلت نہ ملی کہ ریوالور اس کے ہاتھ سے کس طرح نکل گیا۔

دوسرے لمحے میں حمید ان کی طرف ریوالور تانے انہیں ٹرک کے پاس سے ہٹا رہا تھا۔

"تمہاری جیبوں میں جو کچھ بھی ہو نکال کر زمین پر ڈال دو۔"

دونوں شکاری سراسیمگی کا شکار ہو گئے تھے۔ البتہ ڈرائیور کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ان دونوں اپنی بندوقیں بھی ٹرک میں رکھ چکے تھے۔ اس لئے اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ حمید کے حکم کی تعمیل کرتے۔ بادلِ ناخواستہ انہوں نے اپنی جیبوں سے وہ سب کچھ نکالا جو نقدی کی شکل میں تھا۔

"داہنی طرف منہ کرو۔" حمید گرج کر بولا۔

زمین پر پڑا ہوا مال غنیمت سمیٹتا ہوا وہ پھر للکارا۔ "چل پڑو.... چلتے جاؤ.... مڑ کر دیکھا اور موت نے چپت لگائی۔ شاباش.... لفٹ رائٹ.... لفٹ رائٹ.... لفٹ.... لفٹ!"

اور جب وہ بیس پچیس گز آگے بڑھ گئے تو وہ اچھل کر ٹرک میں آ بیٹھا۔

وہ تینوں گالیاں بکتے ہوئے ٹرک کے پیچھے دوڑ رہے تھے لیکن اب حمید کو پانا آسان کام نہیں تھا شہر کے قریب پہنچ کر اس نے ٹرک چھوڑ دیا اور پیدل چل پڑا۔

وہ جلد سے جلد کیفے ڈی فرانس کی رہائش ترک کر دینا چاہتا تھا کیونکہ اس حلیہ میں اس نے خود کو مشکوک بنا لیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ لوگ اس واقعے کی رپورٹ ضرور کریں گے۔

ہوٹل ڈی فرانس پہنچ کر اُس نے حساب بے باق کیا اور ایک ویٹر کو بند گاڑی لانے کی ہدایت دیتا ہوا پھر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ اس کا کل سامان ایک بستر اور ایک سوٹ کیس پر مشتمل تھا پندرہ منٹ بعد ویٹر واپس آ گیا۔ حمید نے سامان اُس سے بھجوا دیا وہ دراصل اس فکر میں تھا کہ گاڑی والے کی نظر اُس پر نہ پڑنے پائے۔

تھوڑی دیر بعد بند گھوڑا گاڑی شہر کے پُر رونق حصوں سے گذر رہی تھی اور حمید اندر بیٹھا اطمینان سے اپنے چہرے پر ملائم اور گھونگھریالے بال چپکانے کی کوشش کر رہا تھا وہ اس صفائی سے گاڑی میں داخل ہوا تھا کہ کوچوان کی نظر اس پر نہیں پڑ سکی تھی اور سیٹ پر بیٹھتے ہی اُس نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا تھا اور اندر ہی سے اس کوچوان کو نیاگرا ہوٹل کی طرف چلنے کو کہا تھا۔ نیاگرا ہوٹل شہر سے باہر ایک پُر فضا مقام پر واقع تھا۔ مناظر فطرت کے رسیا عموماً وہیں قیام کیا کرتے تھے۔ لیکن ہوٹل اتنا مہنگا تھا کہ عام آدمی وہاں ناشتہ کرنے کی ہمت بھی شاذ و نادر ہی کیا کرتے تھے۔ حمید نے اس ہوٹل کا نام محض اس واسطے لیا تھا کہ وہ شہر سے دور تھا۔ اس طرح دوران سفر میں اُسے اتنا وقت مل جاتا کہ وہ فریدی کے میک اپ پر ایک دوسرا میک اپ بہ آسانی کر سکتا تھا۔

اس نے آئینے پر آخری اور تنقیدی نظر ڈالی۔ سیاہ رنگ کی گھونگھریالی ڈاڑھی میں اس کا چہرہ عجیب لگ رہا تھا۔ اس نے تاریک شیشوں کی عینک آنکھوں پر جماتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول دیا اور پھر سیٹ کی پشت سے ٹک کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ نیاگرا ہوٹل ہی میں ٹھہرتا۔ یہاں تک تو وہ محض لئے آیا تھا کہ اپنی شکل اطمینان سے تبدیل کر سکے۔ اگر نیاگرا ہوٹل میں اُسے کوئی کمرہ نہ بھی ملتا تو وہ پھر شہر واپس جا سکتا تھا۔ لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کمرہ بہ آسانی مل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ فریدی کو فون کر رہا تھا۔

"سعید جو بول رہا ہے.... فی الحال نیاگرہ کے چالیس نمبر میں قیام ہے۔ وجہ پھر بتاؤں گا.... جی.... نہیں بتاتا.... ضروری بات! اگر اُن چاروں میں کوئی کوتوالی میں رپورٹ لکھائے تو.... اُلو کے پٹھے کو مطلع کر دیجئے گا۔"

فریدی وجہ پوچھتا ہی رہ گیا لیکن حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

اُس نے کمرہ بند کر کے اطمینان سے لوٹی ہوئی رقم کا جائزہ لیا۔ کل دو سو ستائیس روپے تھے۔ نیاگرہ میں دو تین دن قیام کرنے کے لئے یہ رقم کافی ہی نہیں بلکہ بہت تھی۔ چار بجے فریدی نے اسے فون پر کال کیا۔ اُس نے بتایا کہ شکاریوں نے اپنے لٹنے کی رپورٹ پولیس کو دی ہے۔ آدمی جس نے خود کو کشمیری ظاہر کیا تھا۔ انہیں لوٹ کر چلتا بنا۔

"دیکھئے....!" حمید بولا۔ "آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ اس معاملے کو اختتام تک پہنچائے

بغیر اپنے اوپر کاہلی مسلط نہ ہونے دوں گا۔"

"اب کیا سوچ رہے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کچھ نہیں حالات کا منتظر ہوں۔"

"اطلاعات دیتے رہنا۔"

"اگر ضروری سمجھا تو....!"

"کیڑے زیادہ نہ کلبلائیں تو بہتر ہے۔" فریدی کا تلخ لہجہ سنائی دیا۔

"میں نکما نہیں ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" دوسری طرف سے جھلائی ہوئی آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے فون پر ہیڈ ویٹر کو اطلاع دی کہ وہ ناشتہ ڈائننگ روم ہی میں کرے گا۔

شام کا لباس پہن کر وہ نیچے آیا۔ وہ ہر ہر قدم پر رک کر کچھ سوچنے لگتا تھا۔ پھر اچانک اُ نے اپنی رفتار تیز کر دی اور ڈائننگ روم ہی میں آ کر دم لیا۔ اس کی صورت تو فلسفیوں جیسی ہو گئی تھی اب وہ اپنے حرکات و سکنات سے بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ سو فیصد فلسفی ہے۔

لیکن یہاں پہنچتے ہی اچانک اس پر بدحواسی طاری ہو گئی۔ کیبن نمبر آٹھ میں چاروں شکار چائے پی رہے تھے۔ وہ آہستہ سے ایک طرف ہٹ گیا لیکن نمبر سات خالی تھا۔ اس وقت جلد یہی تقاضہ ہو سکتا تھا کہ وہ اسی کیبن میں جا کر بیٹھ جائے۔

بیٹھتے ہی اس نے گھنٹی بجائی۔ ویٹر نے ناشتے کا سامان میز پر لگا دیا۔

حمید کے کان کیبن نمبر آٹھ کی طرف لگے ہوئے تھے۔

"ٹرک کہاں ملا تھا۔" اُن میں سے کسی نے پوچھا۔

"باٹم روڈ کے چوراہے پر۔"

"تم دونوں خاصے اُلو ہو۔"

"بھلا ہم کیا جانتے کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ اس قسم کے لوگ ہمارے پیچھے لگے ہی رہا کرتے ہیں۔"

"خیر.... بہر حال یہ اچھا کیا کہ رپورٹ کر دی۔"

"اور سنئے اُس نے اپنا پتہ حقیقتاً صحیح بتایا تھا۔ میں نے ہوٹل ڈی فرانس میں پتہ لگایا ہے لیکن

ہمارے پہنچنے سے دو گھنٹے قبل ہی جا چکا تھا۔ بہر حال پولیس اب اُس گاڑی والے کی تلاش میں ہے، جو اُسے وہاں سے لے گیا تھا۔"

حمید نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے میک اپ کر چکنے کے بعد گاڑی کی کھڑکیاں کھول کر غلطی کی تھی اُسے کوچوان کے سامنے تو آنا ہی نہ چاہئے تھا۔ اگر وہ چاہتا تو نیاگرا ہوٹل پہنچنے پر بھی خود کو کوچوان کی نظروں سے بچا سکتا تھا۔

جال

اس نے سوچا کہ کیوں نہ فریدی کو اُس گاڑی بان کے متعلق فون کر دے کہ وہ اُسے پولیس کے ہتھے نہ چڑھنے دے۔ گاڑی کا نمبر اُسے اچھی طرح یاد تھا اور یہ بھی محض اتفاق تھا ورنہ نمبر دیکھنے یا یاد رکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ تو اتفاقاً اُس کی نظر نمبروں پر پڑ گئی تھی اور ساتھ ہی اُسے یہ یاد آ گیا تھا کہ اُس کی بیمہ کی پالیسی کا بھی یہی نمبر ہے۔ اس طرح گاڑی کا نمبر اُسے یاد رہ گیا تھا۔

حمید نے فون کا ریسیور اٹھا کر پھر رکھ دیا۔

اس کے ذہن میں ایک نئی چال اُبھر رہی تھی۔ تین چار منٹ تک اُس کے چہرے پر کچھ عجیب سے آثار دکھائی دیتے رہے پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "فون تو کر ہی دینا چاہئے۔"

اُس نے پھر ریسیور اٹھایا۔ لیکن فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس کی انگلی فون کے ڈائیل پر گھومنے لگی۔

"ہیلو.... انسپکٹر جگدیش.... اوہ تو اچھا تم ہی ہو.... میں فریدی بول رہا ہوں.... کہو وہ گاڑی ملی یا نہیں۔"

"کون سی! دوسری طرف سے آواز آئی۔"

"اماں وہی کشمیری والا کیس۔"

"جی نہیں.... ابھی نہیں ملی.... لیکن آپ....!"

"ہاں میں اس میں تھوڑی بہت دلچسپی لے رہا ہوں۔" حمید بولا۔ "دیکھو اگر وہ مل بھی جائے

تو اس کی رپورٹ پر فی الحال عمل در آمد نہ کرتا۔"

"بہت بہتر.... لیکن....!"

"لیکن یہ کہ تم ہمیشہ احمق رہو گے۔ ارے بھائی جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔"

"بہت بہتر۔"

ریسیور رکھ کر حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن وہ اب بھی یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی اور جگدیش کی ملاقات نہ ہو جائے۔

"اونہہ....!" اُس نے سر جھٹک کر اپنا سوٹ کیس کھولا اور ایک ریوالور نکال کر جیب میں ڈال لیا۔ اب وہ زینے طے کر کے ڈائننگ ہال کی طرف جا رہا تھا۔

اس نے ان چاروں شکاریوں کو ہال سے اٹھ کر باہر جاتے دیکھا اور تھوڑے فاصلے سے ان کا تعاقب کرنے لگا۔ اس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بیرونی پارک کی طرف جا رہے ہیں۔

پارک میں پہلے سے بھی کچھ لوگ موجود تھے۔ حمید ان چاروں سے زیادہ دور نہ ہونے کی بناء پر ان کی گفتگو صاف سن رہا تھا۔

"لو یار....!" ان میں سے ایک کہہ رہا تھا "بعض اوقات میں واقعی حماقت کر بیٹھتا ہوں۔ باتوں کی رو میں کار سے انجن کی کنجی تک نہیں نکالی۔"

"اور دوسری حماقت مجھ سے سن لو۔" دوسرا آدمی بولا۔ "تم نے کار قطعی غلط جگہ کھڑی کی ہے۔ اس وقت میں نے تمہاری دل شکنی کے خیال سے تمہیں ٹوکا نہیں۔ نیا گرا میں آنے والی کاریں عموماً گیرج میں کھڑی کی جاتی ہیں، لیکن تم باہر ہی چھوڑ آئے ہو۔"

"اونہہ! چھوڑو بھی سب چلتا ہے۔" تیسرے نے کہا۔

چاروں ایک بنچ پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگے۔

گیرج عمارت کی پشت پر تھا۔ وہ کافی طویل اور تقریباً چالیس پچاس حصوں پر مشتمل تھا۔ ہر حصے پر نمبر پڑے ہوئے تھے اسے ایک چوکیدار کنٹرول کرتا تھا۔ جب بھی کوئی کار اس طرف آتی چوکیدار حصے روشن کر دیتا۔ اس کے سامنے ایک چارٹ ہوتا تھا جس پر وہ خالی اور بھرے حصوں میں نشانات لگایا کرتا تھا۔ بہر حال گیرج کو کنٹرول کرنے کا طریقہ سائنٹیفک اور بالکل نیا تھا۔ ورنہ

ابڑا گیراج ایک چوکیدار کے بس کا روگ نہیں تھا۔

شکاریوں کی گفتگو سننے کے بعد حمید چپ چاپ وہاں سے کھسک گیا۔ گیرج سے تھوڑے صلے پر اُسے بادامی رنگ کی ایک کار کھڑی دکھائی دی۔ اُس نے اندر جھانک کر دیکھا تالے میں جی لگی ہوئی تھی۔ وہ کار کو اسٹارٹ کر کے گیراج کے قریب لایا۔ چوکیدار نے ایک حصے کے نمبر شن کر دیئے اور حمید نے کار اندر لے جا کر کھڑی کر دی۔ پھر اُس نے انجن کھول کر اُس پر دست فقت پھیرا لیکن کنجی بدستور لگی رہنے دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر پارک میں آ گیا۔ چاروں شکاری اب بھی اسی بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے اور ید بے چینی سے اُن کے اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

اُسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اٹھ کر گیرج کی طرف چلے حمید تھوڑے صلے سے اُن کا تعاقب کر رہا تھا۔ اندھیرا کافی پھیل گیا تھا اور گیرج کے آخری سرے والے کیمپ سٹ کی روشنی پورے حصے کو روشن کرنے کے لئے کافی نہیں تھا۔ شاید وہ چاروں کار کو اس جگہ پاکر متحیر تھے۔ آخر کار چوکیدار نے اُن کی رہنمائی کی لیکن انہیں اُس کی زبانی یہ سن کر حیرت وئی کہ کسی ایسے آدمی نے کار کو گیرج میں پہنچایا تھا جو اُن میں سے نہیں تھا۔

ایک شکاری نے اندر جا کر کار کو باہر نکالنا چاہا لیکن کار اسٹارٹ ہی نہ ہوئی۔ میاں حمید نے نجن پر ذرا گہرے قسم کا ہاتھ پھیرا تھا۔

آخر ان تینوں کو بھی اُس کی مدد کے لئے اندر جانا پڑا۔

گیرج کے قرب و جوار کے حصے بالکل ویران تھے اور چوکیدار بھی اپنی جگہ پر واپس جا چکا تھا۔ ید نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دوسرے لمحے میں وہ گیرج کے ندر تھا۔

"کیا یہ کشمیری آپ لوگوں کی مدد کر سکتا ہے۔" اس نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔

"تم....!" ایک چونک کر بولا۔

"ہاں میں.... ذرا اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو اور ہاں وہ میرا گدھ کہاں ہے!"

چاروں اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے سکتے کے عالم میں کھڑے رہے۔

"تم نے میرے خلاف رپورٹ دے کر اچھا نہیں کیا۔"

"ہم پھر رپورٹ کریں گے۔" ایک نے بگڑ کر کہا۔

"ذرا آہستہ فرزند....!" حمید بولا۔ "یہ ریوالور بغیر آواز کا ہے۔ شور پسند نہیں کرتا۔"

"تم ہو کون۔"

"تمہاری تجارت کے حصے کا جائز حق دار! یہاں ہر نیا کام شروع کرنے والا ہمارا حصہ ضرو نکالتا ہے۔ نہ صرف میرا.... بلکہ میرے گروہ کا بھی.... کیا سمجھے؟"

"نہ جانے کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔ جانتے ہو شریف آدمیوں کو پریشان کرنا جرم ہے۔"

"یہ بھی جانتا ہوں اور تمہاری شرافت سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔ بہر حال معا کی بات کرو۔"

"کیسا معاملہ....!"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے دھمکی دی۔ "اگر بلی کھاتی نہیں تو ڈھلکا دیتی ہے۔ اچھا تو م چلا.... نہ تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو اور نہ پولیس۔ سردار صفدر کو میں لونڈا سمجھتا ہوں۔"

حمید ریوالور کا رخ اُن کی طرف کئے ہوئے دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو....!" ان میں سے ایک آہستہ سے بولا۔ "تم کون ہو....!"

"ارے تم مجھے نہیں جانتے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "حالانکہ میں تم لوگوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں اور تمہاری ایک حرکت کی بناء پر تم سے سخت متنفر بھی ہوں۔"

"کون سی حرکت....!"

"اس اینگلو انڈین نرس کا قتل! تمہارا مقصد دوسری طرح بھی حل ہو سکتا تھا۔ مگر نہیں سردا صفدر.... جابر کے کسی شاگرد کی طرح ذہین نہیں ہو سکتا۔"

"جابر.... کون جابر....!"

"تم جابر کو بھی نہیں جانتے۔ تب تو تم نے ناحق اس کاروبار میں ہاتھ لگایا ہے۔"

"کون سا کاروبار....!"

"اوہو....!" حمید ہنس پڑا۔ "تو کیا آزاد بینک کا سونا یونہی خاک ہو گیا۔"

"تم کون ہو۔" چاروں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ ان کی آوازیں خوفزدہ تھیں۔

"جابر[1] کا ایک شاگرد.... وہ جابر جو اپنے وقت کا ایک ذہین ترین آدمی تھا۔ وہ جابر جس کی

[1] جابر کے کارناموں کیلئے جاسوسی دنیا کے ناول "خطرناک بوڑھا" اور "مصنوعی ناک" جلد نمبر 2 پڑھئے۔

ی جگہ ایک غار تھا اور اس کے باوجود بھی وہ ہر طرح کی آواز پر قادر تھا۔"

چاروں خاموش رہے اور حمید پھر بولا۔

"تم نے شاید اُس جاسوس کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔"

"نہیں یہ غلط ہے۔" ایک بولا۔

"ہو گا! مجھے اس سے سروکار نہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "میں تو اپنا حصہ چاہتا ہوں.... ور یہ لو.... اپنے روپے.... جابر کا کوئی شاگرد گرہ کٹ یا گھٹیا قسم کا لٹیرا نہیں ہوتا۔ یہ تو محض تم وگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے تھا۔"

حمید نے جیب سے نوٹ نکال کر اُن کے سامنے پھینک دیئے۔

وہ چاروں کچھ نہیں بولے حمید نے پھر کہا۔

"میں یہیں اسی ہوٹل میں ٹھہروں گا.... تنہا.... کمرے کا نمبر چالیس ہے۔ اس کے باوجود بھی میرا دعویٰ ہے کہ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ویسے ریوالور کی گولی سے مجبوری ہے وہ بھی اگر اندھیرے سے چلائی جائے۔ لیکن اس پر بھی تم نہ بچ سکو گے کیونکہ مجھ جیسے پانچ آدمی تمہارے راز سے واقف ہیں اور میں انہیں کا نمائندہ ہوں۔"

"ریوالور جیب میں رکھ لیجئے۔" ایک شکاری آہستہ سے بولا۔ "اس پر غور کیا جائے گا۔"

حمید نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

پھر وہ چاروں حمید سمیت گیرج سے باہر آ گئے۔

"آؤ میرے ساتھ۔" حمید نے کہا اور وہ سب پھر ڈائننگ ہال میں آ گئے۔

"نہیں یہاں ٹھیک نہیں ہے۔" اُس نے پھر کہا اور انہیں اپنے کمرے میں لے آیا۔

اُن میں سے ایک آدمی کو حمید بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اُسے الجھن میں ڈالے ہوئے تھیں۔ اس کا ذہن بار بار دہرا رہا تھا "کہاں دیکھا ہے۔ کہاں دیکھا ہے۔"

پھر دفعتاً اُسے اُس ڈاکٹر کی آنکھیں یاد آ گئیں جس نے اُسے شراب پلائی تھی۔ حمید نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"معاملات طے ہو جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ہم بڑی دیر سے آپ کے اس مذاق سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔" اُس شکاری نے کہا جسے

حمید پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"خیر....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔"

"آپ اعتراف کرتے ہیں کہ آپ وہی ہیں جس نے ان دونوں کو لوٹا تھا؟" شکاری نے پوچھ

"ہاں! اور وہ فون رکھا ہوا ہے! تم پولیس کو اطلاع دے دو کہ تم نے اُس آدمی کو پالیا ہے" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

وہ چاروں عجیب قسم کی کش مکش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جانی پہچانی آنکھوں والا آہستہ سے بولا

"ہم سے کس قسم کا سمجھوتہ کرنا ہے؟"

"آدھا.... آدھا....!"

"یعنی....!"

"تیس سیر سونا اور وہ جو دلاور نگر سے آرہا ہے۔"

"بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔"

حمید نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ پھر بولا۔

"بلیک میل شریف آدمیوں کو کیا جاتا ہے۔ اگر تم ہمارا حصہ نہیں دو گے تو ہم زبردستی چھین لیں گے۔"

"یہ بات ہے۔" شکاری کی بھنویں تن گئیں۔

"سنو تم چار ہو اور میں اکیلا۔ مجھے گھور کر نہ دیکھو۔" حمید ہنس پڑا۔

شکاری پھر کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

حمید نے خود ہی چھیڑا۔ "ہم تمہاری ایک ایک بات سے باخبر ہیں۔ کیا تم نے شہر کے مشہو جاسوسوں کو دوسری طرف الجھا دینے کے لئے سارہ کو قتل نہیں کیا۔"

"ذرا آہستہ بولو۔" شکاری نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"سردار صفدر مجھے یقین ہے کہ تم ناسمجھی سے کام نہ لو گے۔"

"کیا....!" شکاری اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو بیٹھو....!" حمید نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میرے علاوہ میرے پانچ ساتھی بھ تمہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں۔"

دوسرے شکاری بھی کھڑے ہو گئے۔ انہیں اپنے ریوالور نکال لینے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن حمید کے تیز قہقہے سن کر اُن کے ہاتھ کانپ گئے۔

"فضول ہے دوستو! پانچ خوفناک آدمی بھوتوں کی طرح تمہارے پیچھے لگ جائیں گے اور وہ مجھ سے بھی زیادہ شاطر ہیں۔"

سردار صفدر نے اپنے ساتھیوں کو ڈانٹا اور انہوں نے پھر اپنے ریوالور جیبوں میں ڈال لئے۔

"چلو منظور....!" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن میری بھی دو شرائط ہیں۔"

"کیا....؟"

"تمہیں اپنے ساتھیوں کو بھی مجھ سے ملانا پڑے گا۔"

"دوسری شرط....؟" حمید نے پوچھا۔

"بیٹھے بیٹھے حصہ نہیں ملے گا۔ تمہیں ہمارا ہاتھ بٹانا پڑے گا۔"

"دوسری شرط قطعی منظور ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "لیکن پہلی شرط کے سلسلے میں مجھے دہرانا پڑے گا کہ میں جابر کا شاگرد ہوں۔"

"صاف صاف کہو۔"

"بالکل صاف ہے وہ پانچ آدمی بھی ہاتھ بٹائیں گے لیکن وہ تم پر ظاہر نہیں کئے جاسکتے۔"

"سمجھوتے کے لئے اعتبار شرط۔" سردار صفدر نے سنجیدگی سے کہا۔

"استاد جابر معاملے کا پکا تھا لیکن وہ کسی پر اعتبار نہیں کرتا تھا۔"

"تب تو پھر سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔"

"تمہاری خوشی۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "ویسے سترہ ڈاؤن پر تمہیں سونا تو کیا لوہا بھی نہیں ملے گا۔"

"کیا مطلب....!" صفدر چونک کر بولا۔

"تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ اس لونڈے نے تمہیں یہ اطلاع نشے کی حالت میں دی تھی۔"

"تم یہ بھی جانتے ہو۔" سردار صفدر کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

"میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہمیں ایک ایک حرکت کا علم ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ سونا حقیقتاً کب آئے گا۔"

"کب آئے گا....؟"

"سردار صفدر میں نشے میں نہیں ہوں۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔

صفدر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ آخر کا طویل سانس لے کر بولا۔ "اچھا دوست! مجھے منظور ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتادوں کہ میں بازوں کو زندہ نہیں رہنے دیتا۔"

"استاد جابر کا بھی یہی اصول تھا۔" حمید نے خندہ پیشانی سے کہا۔

"کل دس بجے کارخانے میں آجاؤ۔" صفدر اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن اگر اس دوران میں پو کے ہتھے چڑھ جاؤ تو ہمیں الزام نہ دینا کیونکہ اس گاڑی کی تلاش جاری ہے۔"

"اُس کی فکر مت کرو۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "میرے ساتھیوں نے کوچوان کو سنبھال ہے۔ جابر کے شاگرد کچا کام کبھی نہیں کرتے۔"

"اچھا تو شب بخیر۔"

اعلیٰ ترین اخلاق کے مظاہرے کے طور پر حمید انہیں گیرج تک نہ صرف چھوڑنے آیا گاڑی کا انجن ٹھیک کرنے میں انہیں مدد بھی دی۔

ایک انکشاف

اُن کی کار چلی بھی گئی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حمید اپنی جگہ پر جم سا گیا ہو۔ وہ درا فریدی تک پہنچنے کے لئے بُری طرح بے چین تھا۔ غیر متوقع طور پر حالات نے نئی کروٹ تھی۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے اور پھر وہ اس پر اپنی گذاریوں کا رعب بھی ڈالنا چاہتا تھا۔

یہاں ٹیکسی کی توقع فضول تھی کیونکہ یہاں زیادہ تر ایسے ہی ذی حیثیت لوگ آتے تھے کی اپنی کاریں ہوں۔ اُس نے سوچا چلو پیدل ہی سہی کبھی نہ کبھی تو پہنچ ہی جائے گا۔ لیکن اُ خوش نصیبی ہی کہنا چاہئے کہ پھاٹک سے باہر قدم نکالتے ہی اُسے ایک ٹیکسی دکھائی دی۔ جو سڑ کے کنارے کھڑی تھی اور اس کا ڈرائیور ٹارچ کی روشنی میں انجن پر جھکا ہوا تھا۔ شاید کوئی خ

ئی تھی۔

"شہر چلو گے بھئی۔" حمید نے لہک کر پوچھا۔

"کیوں نہیں.... مگر شاید کچھ دیر لگ جائے۔" ڈرائیور بدستور سر جھکائے ہوئے بولا۔

"پرواہ نہیں.... میں انتظار کروں گا۔" حمید دروازہ کھول کر اندر بیٹھتا ہوا بولا۔

دو تین منٹ بعد انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

"کہاں جائیے گا۔" ڈرائیور نے کھڑکی سے حمید پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

"تیرہ سومرسٹ اسٹریٹ۔" حمید نے جواب دیا اور ڈرائیور اپنی سیٹ پر آبیٹھا۔

"انسپکٹر فریدی کے یہاں جائیے گا۔" ڈرائیور بولا۔

حمید اچھل پڑا اور اس کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔ ڈرائیور بدستور اسٹیئرنگ کرتا رہا۔

"کیا تم جانتے ہو۔"

"ہاں....!" ڈرائیور بولا۔ "فریدی کو بھی اور فریدی کے پٹھے حمید کو بھی۔"

حمید نے ریوالور کی نال اس کی پشت سے لگادی۔

"روکو! ورنہ گولی ماردوں گا۔"

"ماردو....!" ڈرائیور نے لاپروائی سے کہا اور اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ ٹیکسی بدستور چلتی رہی۔

"روکو....!"

"واہ یہ اچھی زبردستی ہے۔" ڈرائیور نے کہا۔ "اچھا چلو کرایہ بھی مت دینا۔"

"میں سچ مچ ماردوں گا۔" حمید گرج کر بولا۔

"سچ مچ ماردو....!" ڈرائیور ہنس کر بولا۔ "لیکن تمہارے ریوالور کی گولیاں تو میرے پاس ہیں۔"

حمید نے غور کیا تو حقیقتاً ریوالور کو بالکل خالی پایا۔

"کیوں ہے نا یہی بات!" ڈرائیور نے کہا۔ "بہت چالاک بنتے تھے۔ آج ایک اناڑی کی جیب سے پرس غائب کر کے تم اپنی ہاتھ کی صفائی پر پھول گئے تھے۔ اَب بتاؤ کیسی رہی.... سردار صف لودھوکا دینا آسان کام نہیں۔"

حمید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ لیکن اُس نے جی کڑا کر کے قہقہہ لگا ہی دیا اور پھر پرجوش انداز میں بولا۔

"میرے پانچوں ساتھی....!"

"سرے سے بنڈل ہیں۔" اس کی بات کاٹ دی گئی۔

"جابر کے شاگرد....!" حمید ہکلایا۔

"نرے چغد ہیں۔" ڈرائیور بیچ ہی میں بول پڑا۔

"لیکن میں نہیں ہوں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"تم چغد سے بھی کمتر ہو۔"

دفعتاً حمید نے ریوالور پھینک کر اُس کی گردن پکڑلی۔

"خیر تم میں اتنی طاقت نہیں معلوم ہوتی لیکن میں گاڑی درخت سے ٹکرائے دیتا ہوں۔"

اور حمید نے اچانک محسوس کیا کہ ڈرائیور کی دھمکی عملی جامہ پہننے ہی والی ہے۔ اس نے گردن چھوڑدی اور بدحواس ہو کر سیٹ پر گر گیا۔

ڈرائیور بُری طرح ہنس رہا تھا۔

کار شہر کی سڑکوں سے گذرتی ہوئی سومرسٹ اسٹریٹ کی طرف ہولی اور حمید پاگل ہو جانے کی حد تک الجھنے لگا اسے توقع تھی کہ وہ کہیں اور لے جایا جائے گا۔ لیکن وہ سومرسٹ اسٹریٹ....!

ٹیکسی فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی اور حمید کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ رہی تھیں۔ ٹیکسی پورٹیکو میں رک گئی۔

"اُترئیے سرکار....!" ڈرائیور مڑ کر بولا اور حمید کے منہ سے چیخ نکل گئی ڈرائیور کی گھنی ڈاڑھی غائب تھی اور فریدی کی طنز آمیز مسکراہٹ اُس کے سینے میں کچوکے لگا رہی تھی۔

"معاف کیجئے گا....میں پہچان گیا تھا۔" حمید کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"ضرور ضرور....اسی لئے میرا گلا بھی گھونٹا جا رہا تھا....چلو اترو۔"

وہ دونوں ٹیکسی سے اُتر کر اندر آئے۔

"لیکن اس کی کیا ضرورت تھی۔" حمید جھلا کر بولا۔

"میں نے سوچا کہ کہیں تم اپنی کارگذاری پر مغرور نہ ہو جاؤ اسلئے ایک ہلکا سا ڈوز ضروری ہے۔"

"آپ واقف ہیں۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں وہاں جھک مار رہا تھا۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"اگر ضرورت پڑ جاتی تو میں تمہارے اُن پانچوں ساتھیوں میں سے ایک کا رول تو ادا کر ہی دیتا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں نے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں یہ تو نہیں کہتا۔ آج میرا دل چاہتا ہے کہ میں تم پر فخر کروں۔"

اس جملے پر حمید کے تلوؤں سے کھوپڑی تک تری دوڑ گئی۔

"لیکن آپ نے میرے ریوالور سے کارتوس کس طرح غائب کیے تھے۔"

"جب تم ٹیکسی میں بیٹھ رہے تھے اُس وقت میں نے ریوالور تمہاری جیب سے نکال لیا تھا اور جن ٹھیک ہو جانے کے بعد جب میں نے تم سے گفتگو کی تھی اُسی وقت وہ تمہاری جیب میں واپس ی چلا گیا تھا۔"

"کمال ہے۔"

"لیکن تم نے انہیں لوٹا کس طرح تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے پورا واقعہ دہرانے کے بعد کہا۔ "میں نے آپ کا نام لے کر جگدیش سے کہہ دیا تھا ہ وہ گاڑی بان کی اطلاع پر تفتیش نہ کرے۔"

"یار تم سچ مچ عقل مند ہوتے جا رہے ہو۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔ "کیوں نہ ہو خود بھی تو نے ہو۔"

"جناب میں شروع ہی سے عقل مند ثابت ہو رہا ہوں۔" حمید نے اکڑ کر کہا۔ "اب آپ کیا ماتے ہیں سردار صفدر کے متعلق۔"

"ٹھیک ہے وہ سردار صفدر ہی ہے۔" فریدی بولا۔ "اُس کی موت ہی کچھ مشکوک قسم کی ئی تھی۔ جلی ہوئی عمارت سے جو لاش نکلی تھی وہ کسی اور کی رہی ہوگی۔"

"لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ کو ان شکاریوں پر شبہ کس طرح ہوا۔"

"کوؤں کی وجہ سے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ہاں! میں نے ایک بار کوے ہی کی وجہ سے سونے کو خاک ہوتے دیکھا تھا۔"

حمید رک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی کچھ اور بھی کہے گا لیکن اُسے

مایوسی ہوئی اور مایوسی کا لازمی نتیجہ جھلاہٹ تو ہوتی ہی ہے۔

"میں نے بھی ایک بار۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "کوے ہی کی وجہ سے آدمی کو اہوتے دیکھا ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"بچپن میں مجھے کیمیاگری کا خبط تھا۔" اُس نے کہا اور اسی سلسلے میں میں نے سونے کو خاک ہوتے بھی دیکھا تھا۔

"لیکن کوے۔" حمید بے صبری سے بولا۔

"وہی بتانے جارہا ہوں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "میرے والد صاحب کے ایک دوست کیمیاگر تھے۔ وہ اکثر ہمارے ہی یہاں آکر تجربے کیا کرتے تھے۔ اُن کے پاس کئی ایسے تھے جو صدہا سال سے سینہ بسینہ منتقل ہوتے ہوئے ان تک پہنچے تھے۔ اُن کی دیکھا دیکھی مجھے کا چسکا لگ گیا۔ اُن دنوں ایک شعر جو دراصل کیمیا کا نسخہ تھا میرے والد اور اُن کے دوست کے درمیان موضوع بحث بنا ہوا تھا۔ چلو تمہیں وہ شعر بھی سنادوں۔

گفت از شیخ مغرب، زرنیخ و سرب و زیبق گو گرد و طوطیارا
در خونِ تیرہ ترکن اور ابنار درکن، عجلت مکن خدارا

ہاں تو جناب اس نسخے میں "خون تیرہ" کا معمہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ابجد کے قاعدے بھی زور مارا گیا لیکن لاحاصل! آخر سوچا گیا کہ کوے کے خون سے شروعات کی جائے۔ پھر ہر جاندار شے کے خون کا تجربہ کیا گیا جو کامیاب نہ ہوسکا۔ کوے کے خون والا تجربہ ایک حد کامیاب رہا تھا اس سے جو دھات تیار ہوئی تھی وہ سونے کی سی رنگت رکھتی تھی لیکن جب اُ نوسادر چھڑک کر پگھلایا گیا تو وہ دھات خاک کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔

"ارے....!" حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

فریدی پھر خاموش ہوگیا تھا۔ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خون تیرہ کا معمہ حل ہوجائے تو سونا بن جائے گا۔"

"قطعی....!"

"اور یہ زیبق وغیرہ کیا ہے۔"

"زیبق پارہ کو کہتے ہیں۔ زرنیخ ہڑتال کو۔ سرب معنی سیسہ۔ گوگرد گندھک کو اور طوطیا تم نتے ہی ہوگے۔ کیونکہ اس کا دوسرا اہم قافیہ لفظ تم پر صادق آتا ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کیا جانتے ہیں۔"

"میں کچھ بھی نہیں جانتا۔" فریدی نے معصومیت سے کہا۔

"تو آپ کو کیمیا کے اور بھی نسخے معلوم ہوں گے۔"

"سینکڑوں۔"

"کوئی کامیاب بھی ہوا۔"

"ایک بھی نہیں! ارے میاں یہ خبط ہے۔ دھاتوں کی شکل تبدیل کی جاسکتی ہے لیکن اصلیت ں۔ عربوں نے اسے بطور فن اختیار کیا تھا اور اسے الکیمیا کے نام سے پکارتے تھے۔ مغربیوں اسے اپنا کر الکمی بنالیا۔ پھر اسی کو کیمسٹری کا نام دے کر اس کا دائرہ بہت وسیع کردیا گیا۔"

"لیکن میں نے سنا ہے۔" حمید بولا "کہ بہتیرے سادھو جڑی بوٹیوں کے ذریعہ کھری چاندی ھرا سونا بنالیتے ہیں۔۔

فریدی ہنسنے لگا.... پھر بولا۔

چلو ایک سادھو صاحب کی غزل اسی موضوع پر سن لو۔

تین پات کا بروا جیبھہ کا جانے سب کوئے
ہائے پھولے باٹے پھولے، پھولے بارہ ماس
رنگ نکال کے بنگ میں ڈالو مُرتے چاندی ہوئے

اب اگر ہمت ہو تو ڈھونڈ نکالو اس تین پتیوں والے پودے کو جس میں سال بھر پھول آتے ہیں جسے ہر شخص جانتا ہے اُس کے پھول کا رنگ نکال کر رانگے میں ڈالو چاندی ہوجائے گا۔ دوسرے بزرگوار فرماتے ہیں۔

دھات سے دھات لڑا مرے پوتا
کہاں کی بوٹی کہاں کا بوٹا

"یعنی جڑی بوٹیوں کا چکر فضول ہے۔ دھات کو دھات سے لڑاؤ چاندی یا سونا بن جائے گا۔ ے پاس دھات سے دھات لڑانے کا نقشہ بھی موجود ہے۔ لیکن حمید صاحب سب بکواس

ہے۔ پھر وہی کہوں گا کہ اصلیت نہیں بدلتی صرف رنگ تبدیل ہوتا ہے۔"

"میں کوشش کروں گا۔" حمید نے کہا۔

"اور اُسی دن میرے ہی ہاتھوں جیل میں نظر آؤ گے۔"

"کوئی آسان سانسخہ بتایئے۔"

"ختم کرو یہ قصہ اور کام کی بات کرو۔" فریدی اُکتا کر بولا۔

"میں خون تیرہ کا معمہ ضرور حل کروں گا۔"

"اور نتیجے کے طور پر خوک تیرہ ہو جاؤ گے۔"

"یعنی.... مجھے فارسی کم آتی ہے۔"

"کالا سور....!"

"اوہ تو کالے سور کا خون!" حمید جلدی سے بولا۔

"بکومت! وقت کم ہے۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"شہزادے والی بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔"

"وہ بات....!" فریدی پُر خیال انداز میں بولا۔ "جہاں تک میں سمجھا ہوں وہ بیچار دھوکے ہی میں ماری گئی۔ خیر اس مسئلے کو فی الحال ملتوی رکھو! تو تم کل دس بجے اُن لوگوں رہے ہو۔"

"خیال تو یہی ہے۔"

"لیکن اب تم مجھ سے نہیں ملو گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا....؟"

"انہیں تمہاری طرف سے پورا پورا اطمینان ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "میں خو ضروری سمجھوں گا تمہیں کہیں نہ کہیں مل جاؤں گا۔"

"آخر آپ کی اسکیم کیا ہے۔"

"میں انہیں اس وقت پکڑنا چاہتا ہوں جب وہ ٹرین میں ڈاکہ مار رہے ہوں۔"

"اوہ....!"

"دوسری بات یہ کہ تمہیں کوؤں کا صحیح مصرف معلوم کرنا ہے۔"

"مگر.... وہ تو ابھی آپ بتا ہی چکے ہیں۔" حمید بولا۔

"ضروری نہیں کہ میرا خیال درست ہی ہو۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر یہ لوگ خود کو شہرت کیوں دے رہے ہیں۔ یہ کام ہایت خاموشی سے بھی ہو سکتا تھا۔"

"انہوں نے بڑا نفسیاتی طریقہ اختیار کیا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "چھپ کر کام کرنے الے عموماً قانون سے ڈرتے ہی رہتے ہیں اور یہی خوف بعض اوقات ان سے ایسی غلطیاں کرا دیتا ہے کہ ان کی گردن قانون کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ اس کے برخلاف کسی قسم کا ہنگامہ برپا کر کے ام کرنے والوں کو بڑی تقویت رہتی ہے اور یہ تقویت ان میں خود اعتمادی پیدا کر کے انہیں غلطیوں سے بچاتی ہے۔"

"کیا انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔"

"میں یہ تو نہیں کہتا کہ اُن سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ انہوں نے یہی ایک زبردست غلطی کی کہ تمہیں شراب پلا کر تم سے کوئی بات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اور یہ بھی اندازہ نہ لگا سکے کہ حقیقتاً تمہیں نشہ ہو گیا ہے یا صرف ترنگ میں ہو۔"

"پھر....!"

"میرے کہنے کا مطلب دراصل یہ تھا....!"

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا! گفتگو کرتے وقت اس کے ماتھے پر سلوٹیں اُبھر آئیں اور پھر وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"سنا! تم نے جگدیش تھا! اُس گاڑی کا پتہ لگ گیا جس میں تم نیاگرا ہوٹل تک گئے تھے۔ ہوٹل ڈی فرانس کے ویٹر نے اُسے شناخت کر لیا ہے.... اور کوچوان گاڑی میں مردہ پایا گیا ہے۔ اُس کی داہنی کنپٹی پر گولی لگی ہے۔"

"ارے....!"

"ہاں.... اور اب تمہارا نیاگرہ ہوٹل واپس جانا درست نہیں۔ ان لوگوں نے تمہیں ایک

دوسرے قتل میں بھی پھانسنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی تر
اصلیت سے واقف نہیں۔"

شکاری کی چال

بارہ بجے رات کو حمید آر لکچو میں ایک کمرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آر لکچو بھ
کے اعلیٰ ترین ہوٹلوں میں سے تھا۔

فریدی نے اس کا پرانا میک اپ بگاڑ کر اُسے دوسری شکل میں تبدیل کر دیا تھا اور یہ شکل اتنی غیر دلچسپ اور معمولی تھی کہ وہ بھی آدمیوں کی اس بے پناہ بھیڑ میں آ گیا تھا، جو دیکھنے و
پر کوئی اثر قائم کئے بغیر گذر جاتی ہے۔

دوسرے دن صبح وہ ایک ٹیکسی کر کے اُس کارخانے کی طرف روانہ ہو گیا جہاں کوؤں پروں سے ایک حیرت انگیز چیز بنائی جانے والی تھی جو بیک وقت کاغذ بھی تھی اور کپڑا بھی۔ کارخانے کی عمارت جس کے بعض حصے ابھی زیر تعمیر ہی تھے۔ دولت گنج کے اُس ویران علا
میں واقع تھی جہاں گرمیوں کے موسم میں شہر کے بعض ٹھیکیدار اینٹوں کے پڑاوے لگایا کر
تھے۔ کارخانے میں داخلہ منیجر کی اجازت سے ہوتا تھا اس لئے ابھی تک صرف شہر کے
اشخاص ہی اندر تک پہنچ سکے تھے لیکن اسکولوں اور کالجوں کے طلباء کو اجازت مل جاتی تھی مگر
کے لئے بھی انہیں اپنے پرنسپل یا ہیڈ ماسٹر کے سفارش نامے لانے پڑتے تھے۔

حمید پھاٹک پر روکا گیا۔ جنرل منیجر کا آفس چہار دیواری کے اندر تھا اُس نے چوکیدار کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ایک ضروری کام کے سلسلے میں جنرل منیجر سے ملنا چاہتا ہے لیکن
نے اندر نہ جانے دیا۔

"اچھا تو پھر میرا نام ہی جنرل منیجر تک پہنچا دو۔" اُس نے کہا۔

چوکیدار اس پر تیار ہو گیا۔ حمید نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اُس پر "جابر" لکھا
چوکیدار کو دے کر اطمینان سے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ چوکیدار نے وہ پرچہ ایک دوسر
آدمی کو دے دیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید طلب کر لیا گیا۔ جنرل منیجر کے کمرے میں وہ چاروں شکاری موجود تھے۔
ا کے علاوہ ایک آدمی اور بھی تھا، شاید اس سازش میں جنرل منیجر کا رول ادا کر رہا تھا۔ چاروں
اری حمید کو حیرت سے دیکھنے لگے کیونکہ یہ وہ تو نہیں تھا جس سے انہوں نے پچھلی رات نیاگرہ
ا گفتگو کی تھی۔

"میں وہی ہوں۔" حمید اُن کی طرف قدرے جھک کر بولا۔ "اور تمہیں یہ بتانے کے لئے آیا
ں کہ کوچوان والے واقعے سے ہم لوگ قطعی مرعوب نہیں ہوئے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" سردار صفدر نے اپنے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"تم نے اُسے اسی لئے تو مار ڈالا ہے کہ پولیس میرے خلاف اپنی جدوجہد کچھ اور تیز کر دے۔"

"یہ غلط ہے! ہم نے اُسے دیکھا بھی نہیں۔"

"خیر چھوڑو....!" حمید لاپروائی سے بولا۔ "میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں۔"

"سترہ ڈاؤن والی بات حقیقتاً غلط تھی۔" سردار صفدر نے کہا۔

"بہت دیر میں سمجھے۔" حمید حقارت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔

"شاید.... سراغرسانوں کو اس کا علم ہو گیا ہے۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتا....!" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"جہاں تک میرے علم میں ہے! ابھی تک کوئی اس کے متعلق سوچ ہی نہیں سکا۔"

"لیکن....!" سردار صفدر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اخبارات بار بار پچھلے ڈاکے کا حوالہ دے
ہے ہیں۔"

"دے رہے ہوں گے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی کہ سونا بدل
یا گیا تھا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید خود ہی بولا۔

"تم نے اُس لڑکی کو مار کر غلطی کی۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اُسی قتل کے سلسلے میں یہاں کا بہترین دماغ تمہارے راستے پر نہ لگ جائے۔"

"کون....؟"

"وہی فریدی! جس کی کھال اُدھیڑنے کے لئے میں عرصے سے بے تاب ہوں۔ تمہیں اس کا علم نہ ہو کہ سرجنٹ حمید کو اُسی نے غائب کردیا ہے اور اب اس قتل کے معاملے میں ا ہے۔ تم نے ایک دوسری غلطی اور بھی کی ہے۔ اُسے شاہد ہی بنا رہنے دینا تھا۔ اس کی طرف تم نے سارہ کو جو خط لکھے تھے اُن میں حمید کے دستخط نہ کرنے چاہئیں تھے۔ تمہیں شاید یہ نہ ہو کہ فریدی کے ہاتھ سارہ کی ڈائری لگ گئی ہے اور اس سے اُس نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اُسے بحیثیت حمید جانتی ہی نہیں تھی۔"

"یار تم بڑے کام کے آدمی ہو۔" سردار صفدر حیرت سے بولا۔

"یہی نہیں میرے دوست! میں یہ بھی جانتا ہوں کہ دلاور نگر والا سونا کب اور کہ سے آئے گا۔"

"تم سبھی کچھ جانتے ہو۔ مگر یہ کوئی اچھی بات نہیں۔" سردار صفدر ہنس کر بولا۔

"لیکن اگر تم کوؤں کے پروں کا استعمال ثابت نہ کر سکے تو....!" حمید نے سنجیدگی سے بو سردار صفدر پھر ہنس پڑا۔

"شاید اب تم اس پر بھی کچھ روشنی ڈالو گے۔" اُس نے کہا۔

"نہیں.... کیونکہ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا البتہ اس پر یقین ضرور ہے کہ کے پروں سے کبھی کچھ نہ بنا سکو گے۔"

"تم ابھی ہماری تکنیک سے واقف نہیں ہو اسی لئے ایسا کہہ رہے ہو۔" صفدر سنجیدگی بولا۔ "آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔"

حمید اٹھ کر اُن کے ساتھ ہولیا۔ وہ اس عمارت میں آئے جہاں مشینوں کا شور گونج رہا تھ

"یہ دیکھو....!" سردار صفدر نے دھنکے ہوئے پروں کے ایک ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے! بہت صفائی سے دھنکے گئے ہیں۔" حمید نے سیاہ رنگ کا تھوڑا سا سفوف لیکر میں مسلتے ہوئے کہا۔ "لیکن اسے ایسے ریشوں میں کس طرح تبدیل کرو گے جن سے تار بنایا جاسکے"

"ایسا ممکن ہے۔" سردار صفدر بولا۔ "ہم نے ایک ایسی چیز دریافت کرلی ہے جس کے ذ سے ریشوں میں تبدیل کیا جاسکے گا۔"

سردار صفدر اُسے باتوں میں لگائے ایک دوسرے کمرے میں لایا۔ دروازے میں قدم رکھتے

ے کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ایک سب انسپکٹر اور دو پولیس کانسٹیبل شائد ان کا انتظار کر رہے تھے۔ حمید اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سردار صفدر کو گھورنے لگا اور صفدر زہریلی ہنسی کے تھ بولا۔

"ہاں تو اب تم ان شریف آدمیوں سے معاملہ طے کرلو۔"

"بہتر ہے۔" حمید نے لاپروائی کی نہایت شاندار ایکٹنگ کی۔ "لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں! لوم نہیں اب تم کون سی چال چلنے والے ہو میں پھر کہتا ہوں کہ ہم میں کوئی باعزت سمجھوتہ جانا چاہئے.... نہیں نہیں مجھے اپنا سرمایہ چاہئے۔"

"سن لیا آپ نے۔" سردار صفدر نے سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔

"آپ حراست میں لئے جاتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے حمید سے کہا۔

"کیوں....؟ کس لئے؟"

"آپ ان لوگوں پر چند بے بنیاد الزامات لگا کر انہیں بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔"

حمید سردار صفدر کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔

"اور تم نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ کل میں نے ہی تمہارے تین آدمیوں کے روپے چھینے تھے ر میں نے ہی اُس کوچوان کو قتل کیا ہے۔"

"کیا....؟" سب انسپکٹر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ سردار صفدر کے چہرے پر بھی سراسیمگی اری ہوگئی تھی۔ اُس نے شائد سب ا اس کے متعلق نہیں بتایا تھا۔

"جی ہاں۔" دفعتاً حمید ر ہانسی آواز میں بو۔ "ان کم بختوں نے مجھے برباد کردیا۔ اپنے اس بے تکے کام میں میرا روپیہ لگوا کر میرا دیوالہ نکال دیا اور اب میں جو اس پر احتجاج کرتا ہوں تو مجھے رح طرح کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ ابھی کل ہی انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں پھنسوا دوں گا۔ ل ان کے آدمیوں کو کسی نے لوٹ لیا اور انہوں نے میرے گرد جال بن دیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی بلکہ تمہیں بھجوائیں گے۔"

"کیوں....؟" سب انسپکٹر صفدر کی طرف مڑا۔

"جھوٹ سراسر جھوٹ۔ ہم نے یہ کبھی نہیں کہا۔"

"بہرحال آپ کے اس جملے کی بے ساختگی یہی بتاتی ہے کہ یہ حقیقتاً آپ کے حصے دار ہیں۔"

سب انسپکٹر مسکرا کر بولا۔

"نن.... نہیں.... غلط ہے۔" سردار صفدر ہکلا کر رہ گیا۔

"کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے۔" حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔

"جی نہیں۔"

"تارجام والے سیٹھ دھنی رام کا نام تو سنا ہی ہوگا۔"

"جی ہاں.... جی ہاں۔"

"میں وہی ہوں۔"

"اوہ....!"

"غلط.... بالکل بکواس۔" سردار غضبناک آواز میں چیخا۔ "اس نے بھیس بدل رکھا ہے۔"

"چلئے یک نہ شد دو شد۔" حمید ہنس کر بولا۔ "شاید تمہارا دماغ ہی خراب ہو گیا ہے۔ دا میاں تمہیں میرا سرمایہ واپس کرنا پڑے گا۔"

"میک اپ ہے۔" سردار صفدر مکا تان کر ہوا میں لہراتا ہوا بولا۔

"چلئے صاحب! اس کا بھی اطمینان کر لیجئے۔" حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔ "منہ دھلوایئے میرا"

"نہیں صاحب۔" سب انسپکٹر جھلا کر بولا۔ "آپ ان لوگوں کے خلاف باقاعدہ رپور کیجئے۔ خواہ مخواہ میرا اتنا وقت برباد ہوا۔"

"ٹھہریئے۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "میں بھی چلتا ہوں آپ کے ساتھ ورنہ یہ لوگ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

"یہ بات ہے! اچھا رپورٹ میں یہ بھی لکھوایئے گا۔ چلئے میرے ساتھ۔"

"ٹھہریئے۔" صفدر گھبرا کر بولا۔ "سیٹھ دھنی رام جی.... مجھے آپ کے مذ ت منظور ہیں۔"

"دیکھا آپ نے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"اگر آپ نے سمجھوتہ کر بھی لیا تو پولیس ان لوگوں پر دھوکہ دہی کے سلسلے میں مقد ضرور چلائے گی۔"

"انسپکٹر صاحب.... ذرا ٹھہریئے۔" سردار صفدر لجاجت سے بولا۔

پھر ہرے رنگ کے کاغذات کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی دی، جو صفدر کے جیب

ر سب انسپکٹر کی جیب میں غروب ہوگئی۔

"خیر....!" سب انسپکٹر ہنس کر بولا۔ "آپ دونوں شریف آدمی ہیں بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔"

پولیس والے چلے گئے! سردار صفدر اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

"لوہے کے چنے دیکھے ہیں تم نے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم حقیقتاً یہاں سے زندہ نہیں جاسکتے۔" صفدر چیخ کر بولا۔

"ارے تم نے پھر وہی شروع کر دیا۔"

دفعتاً تین چار آدمی حمید پر ٹوٹ پڑے۔ اُس نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن سردار صفدر نے الور نکال لیا۔

"چلو یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" حمید اطمینان سے بولا۔ اُسے یقین تھا کہ فریدی اُس کی طرف ، بے خبر نہیں ہوگا۔

"میرے پانچ ساتھی۔"

"انہیں بھی جہنم رسید کروں گا۔" صفدر دانت پیس کر بولا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔"

"گرم پانی اور تولیہ لاؤ۔" صفدر نے اپنے ایک آدمی سے کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "میں تمہاری لی صورت دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ تو تم بڑی دیر سے دیکھ رہے ہو۔"

گرم پانی فوراً ہی آگیا۔ شاید وہ انجن کی ٹنکی سے لایا گیا تھا۔

سردار صفدر کو بڑی مایوسی ہوئی۔ سارا پانی ختم ہو گیا لیکن حمید کے چہرے میں کوئی فرق واقع یں ہوا۔ حمید پہلے ہی سے مطمئن تھا۔ فریدی نے اُس میک اپ کے سلسلے میں اپنا مخصوص ریقہ اختیار کیا تھا۔ اس میک اپ کو ایمونیا کے علاوہ دنیا کی کوئی دوسری چیز ختم نہیں کر سکتی تھی۔

"تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟" سردار صفدر نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"جہاں کہیں بھی ہوں گے چند گھنٹوں کے اندر اندر تم سے آ بھڑیں گے۔" حمید بولا۔ "اور ب میں تم سے کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ تم ناقابل اعتماد ہو۔ تم نے لیس کو تو اپنی اسکیم میں شریک کر لیا تھا لیکن یہ نہ سوچا کہ میں بھی کچھ کر سکتا تھا۔"

"کیا کر سکتے تھے؟"

"تمہارا راز فاش کر سکتا تھا۔"

"لیکن ثبوت نہ مہیا کر سکتے۔" سردار صفدر نے قہقہہ لگایا۔

"لیکن یہ تو ثابت ہی کر سکتا تھا کہ تم سردار صفدر ہو۔"

"خیر وہ موقع تو تمہارے ہاتھ سے نکل ہی گیا۔" سردار صفدر نے کہا۔

"میں اپنے معاملات خود ہی طے کرنے کا عادی ہوں۔"

"ابھی طے ہوا جاتا ہے تمہارا معاملہ بھی.... مگر نہیں.... ابھی تو وہ پانچ بھی باقی ہیں۔

حمید بدستور مسکراتا رہا۔

"دلاور نگر والا سونا کب آرہا ہے۔" سردار صفدر نے دفعتاً حمید کی گردن دبا کر کہا۔

اسے دو آدمیوں نے بُری طرح جکڑ رکھا تھا۔ اس لئے وہ جدوجہد نہ کر سکا۔ صفدر کی گر تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ تھوڑی سی دیر تک وہ برداشت کرتا رہا۔ لیکن پھر اس کی کنپٹیاں سن لگیں اور آنکھوں کے سامنے گہرا تاریک دھواں لہرانے لگا۔ دھوئیں کے لہریئے تہہ بہ تہہ چلے گئے اور پھر مکمل تاریکی.... گہرا اندھیرا۔

اور پھر دوبارہ ہوش آنے پر ایک بہت ہی تیز قسم کی روشنی کے احساس سے اس کی آ دکھنے لگیں۔ چھت سے لگا ہوا ایک بہت بڑا بلب چکا چوند پیدا کرنے والی روشنی پھیلا رہا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھتا رہا اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بہت بڑے صندوق میں بند ہو۔ کمرہ چوکور تھا اور شاید دیواروں کی اونچائی بھی اتنی ہی رہی ہو فرش کی لمبائی یا چوڑائی تھی۔ اس میں کوئی دروازہ تھا اور نہ کھڑکی حتیٰ کہ دیواروں میں کہیں جوڑ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ البتہ چھت کے قریب ہر دیوار میں ایک ایک روشندان تھ میں ہوا صاف کرنے والے پنکھے گردش کر رہے تھے اگر حمید کو وہ پنکھے نہ دکھائی دیتے تو و سمجھتا کہ وہ کسی قبر میں دفن کر دیا گیا ہے اور اب نکیرین سوال وجواب کیلئے آنے ہی والے ہیں

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دفعتاً اُس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔

"سونا....!" وہ بے ساختہ بولا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اتنا سونا شاید زندگی میں پہلی بار دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ صندوق نما کمرے کے ایک گوشے

سونے کا بہت بڑا ڈھیر جگمگا رہا تھا۔

پھر اُسے اور بھی چیزیں نظر آئیں اور اُن چیزوں نے اُسے کیمیا کا وہ نسخہ یاد دلا دیا جس پر اُس نے اور فریدی نے کافی دیر تک بحث کی تھی۔

سیسے کی بڑی بڑی سلاخیں ہڑتال۔ گندھک اور طوطیا کے ڈھیر۔ پتھر کی بڑی بڑی بوتلیں جن میں پارہ بھرا ہوا تھا۔

حمید اپنی موجودہ حالت بھول کر فریدی کے اندازے پر عش عش کرنے لگا۔ حقیقتاً وہ ابھی تک خود کو اس کیس کا ہیرو سمجھتا رہا تھا۔ مگر اس وقت وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر فریدی کی ہمہ گیر معلومات کا ذخیرہ آڑے نہ آتا تو وہ بڑی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

شروع سے اب تک کے واقعات تیزی سے اُس کے ذہن میں گردش کرنے لگے مگر ایک خلش.... بیچاری سارہ.... اور وہ شہزادے والی بات.... وہ بیچاری مفت میں ماری گئی۔ مگر کون جانے وہ سچ مچ ان کی ساتھی ہی رہی ہو اور انہوں نے کسی اور مصلحت کی بناء پر اُسے قتل کر دیا ہو۔ بہر حال غیر شعوری طور پر اُس کا ذہن اس خیال سے گریز کر رہا تھا کہ وہ اسی کی بدولت ماری گئی۔

متحرک خزانہ

تھوڑی دیر بعد حمید اُس صندوق نما کمرے کی دیواریں ٹٹولتا پھر رہا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہاں کس طرح لایا گیا۔ چاروں دیواریں سپاٹ اور چکنی پڑی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اُسے یہیں مرنا پڑے گا۔

اُسے گھٹن ہونے لگی لیکن وہ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی حتی الامکان کوشش کر رہا تھا۔ گھٹن کا احساس تازہ ہوا کی کمی پر نہیں تھا۔ نہ جانے کس طرح اُن پنکھوں نے اس کمرے کی فضا کو اس قابل بنا رکھا تھا کہ اس میں آدمی زندہ رہ سکے۔ ویسے بظاہر کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی تھی جسے تازہ ہوا کی گذر کا ذریعہ سمجھا جا سکتا۔

اس نے آنکھ بند کر کے یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ اس کے گرد بیکراں وسعتیں ہیں اور سر پر نیلا آسمان پھیلا ہوا ہے۔ وہ دراصل اس احساس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا کہ وہ ایسی

دیواروں میں مقید ہے جن میں کوئی دروازہ نہیں ہے کیونکہ یہی احساس ساری گھٹن کا باعث تھ گھٹن اس پر غشی بھی طاری کر سکتی تھی اور موت کا ذریعہ بھی بن سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ ایک بہت بڑے راز کی تہہ تک پہنچ گیا ہے۔ سو ڈھیر اُسے بے وقعت معلوم ہونے لگا وہ یہ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اُ کارخانے میں داخل ہوئے بارہ گھنٹے گذر چکے تھے کبھی کبھی وہ گھڑی کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ دو چکے تھے اور اُسے اپنے جسم میں نقاہت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ نہ جانے اُس نے کتنی دیر پائپ نہیں پیا تھا لیکن تمباکو نوشی کی خواہش بھی جیسے مر گئی تھی۔

حقیقت تو یہ تھی کہ وہ تازہ دم ہونا ہی نہیں چاہتا تھا اُسے اپنے ذہن کی اونگھتی ہوئی کیفیت اس وقت بڑی غنیمت معلوم ہو رہی تھی اور وہ تصوریت کے مکتب خیال کے فلسفیوں طرح اس کیفیت کو ماحول سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ تمباکو کے تین کش اس کیفیت کا خاتمہ کر دیتے اور وہ پھر سے اُسی گھٹن کا شکار ہو جاتا۔ آہستہ آہستہ اس غنودگی طاری ہوتی گئی اور وہ فرش پر ایک طرف لڑھک گیا۔

پھر شاید وہ کسی قسم کا شور ہی تو تھا جس سے اُس کی نیند اچٹ گئی تھی وہ اچھل کر کھڑا ہو لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ پھر چکرا کر گر پڑا۔ صندوق نما کمرہ ہل رہا تھا۔ اُس کے فرش کے اُسے کچھ ایسی گھڑگھڑاہٹیں محسوس ہو رہی تھیں جیسی ریل کے پہیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ قمقمہ جو چھت میں روشن تھا اچانک بجھ گیا۔ حمید سمجھا شائد اُس کی زندگی ہی کا چراغ گل ہو گھٹن کے لئے وہ دیواریں ہی کیا کم تھیں اُس پر سے اندھیرا۔

اور پھر وہ اپنی اُن آوازوں پر قابو نہ پا سکا جو ہسٹریا کے کسی مریض کی چیخوں سے مشابہ تھیں۔

کمرہ تیزی سے اوپر کی طرف اٹھ رہا تھا۔ پھر دفعتاً اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اُس کی چھت ٹھوس چیز سے ٹکرائی ہو۔ آوازیں تھم گئیں اور بلب پھر سے روشن ہو گیا۔ کمرہ بھی غیر متحرک تھا

پھر سامنے کی دیوار شق ہوتی معلوم ہوئی اور آخر کار ایک چھ فٹ اونچے اور تین فٹ چوڑ دروازے سے تاروں بھرا آسمان دکھائی دیا اور ساتھ ہی عجیب قسم کا شور بھی سنائی دیا۔ حمید بے ساختہ جست لگائی اور باہر نکل آیا۔ باہر بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی اور قریب ہی کہیں ہو رہے تھے۔ حمید نے پلٹ کر کمرے کی طرف دیکھا جس میں اب بھی بلب روشن تھا۔ پھر

نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ وہ ایک ایسی جگہ پر کھڑا ہوا تھا جہاں چاروں طرف اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں اور یہ جگہ کافی طویل و عریض تھی۔ اُس نے محسوس کیا کہ یہاں کا فرش پختہ ہے۔ بھلا اس پختہ فرش کے گرد جنگلی اور خود رو جھاڑیوں کا مطلب؟ حمید کے ذہن میں سوال تیزی سے گونجا لیکن فی الحال اس میں اتنی تاب نہیں تھی کہ اس پر مزید غور کرتا۔

دفعتاً پھر ریل کے پہیوں کی سی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی اور وہ کمرہ زمین میں دھنسنے لگا۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُس پختہ فرش کی طرف دیکھ رہا تھا اور اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ آخر وہ کمرہ کہاں گیا۔ فرش بالکل برابر تھا۔ حمید نے گھبرا کر اپنی ران میں زور سے چٹکی لی اور پھر اُسے یقین آگیا کہ وہ اب تک خواب نہیں دیکھتا رہا تھا.... اُس نے کتنی ہی دیا سلائیاں پھونک ڈالیں۔ لیکن فرش میں کہیں کوئی دراڑ یا رخنہ نہیں دکھائی دیا اور ساتھ ہی یہ بات بھی اُس پر واضح ہو گئی کہ وہ کسی ٹینس کورٹ میں کھڑا ہے۔

گولیوں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں لیکن اب بھی کبھی کبھی کسی کی چیخ یا کراہ سنائی دے جاتی تھی۔ حمید ٹینس کورٹ سے نکل آیا اور یہ دیکھ کر اُسے حیرت نہیں ہوئی کہ وہ اُس کارخانے ہی کی چہار دیواری میں ہے۔ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ اُس اندھیرے میں آہستہ آہستہ رینگتا ہوا چہار دیواری کے پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دفعتاً پھر دھینگا مشتی اور توڑ پھوڑ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایک آدھ فائر بھی ہوئے۔

اب حمید کو فریدی کا خیال آیا۔ وہ اُس کی طرف سے غافل تو نہ رہا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے حملہ ہی کر دیا ہو۔ مگر پھر خیال آیا کہ فریدی وافر ثبوت اکٹھا کئے بغیر اس قسم کا کوئی اقدام نہیں کر سکتا۔ وہ اُس کے غائب ہو جانے کے سلسلے میں تلاشی تو لے سکتا تھا لیکن حملہ کرنے کی ئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

حمید عمارت کے سرے پر پہنچ کر مڑ ہی رہا تھا کہ اُس نے کسی کو تیزی سے دوڑ کر اپنی طرد آتے دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اچھل کر دیوار سے جا لگا۔ دوڑنے والا اُس کے یب گذر گیا تھا۔ پھر اُس نے ایک دوسرے آدمی کو بھی اسی طرف آتے دیکھا۔ وہ بھی دوڑ ہی رہا تھا۔ حمید چونک پڑا۔ نے والے کی شکل نہیں دکھائی دی تھی لیکن اُس کے دوڑنے کا انداز بتا

رہا تھا کہ وہ فریدی ہے۔ اس کی یہ دوڑ بھی نوعیت کے اعتبار سے کم حیرت انگیز نہیں تھی۔ فر
نے تقریباً چھ ماہ تک اس طرح دوڑنے کی مشق کی تھی۔ دوڑتے وقت وہ اپنے پورے جسم ک
ایسے زاویوں میں رکھتا تھا کہ انتہائی مشاق قسم کا کوئی نشانہ باز بھی اُسے اس حالت میں گولی نہ
سکتا تھا۔ مشق کے ابتدائی دور میں حمید اس پر غلیل سے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چلایا کرتا تھا
ایک وقت بھی آیا جب فریدی نے اس حالت میں اُسے ریوالور چلانے پر مجبور کیا۔

حمید نے سوچا کہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرے لیکن قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا فریدی ن
ہو چکا تھا۔ بہر حال اُسے اب یقین ہو گیا تھا کہ پولیس کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔

وہ پھر آہستہ آہستہ پھاٹک کی طرف بڑھنے لگا۔ دفعتاً کسی طرف سے دو آدمی اُس پر
پڑے اور وہ قطعی بے بس ہو گیا۔ پھر وہ دونوں اُسے کھینچ کر روشنی میں لائے۔ حمید نے
پولیس کانسٹیبلوں کے نرغے میں پایا۔

انہوں نے تقریباً پندرہ بیس آدمیوں کو ہتھکڑیاں پہنا رکھی تھیں۔ انسپکٹر جگدیش
ڈی۔ ایس۔ پی سٹی بھی موجود تھے۔ حمید کو وہ سب انسپکٹر بھی دکھائی دیا جسے سردار صفدر نے
کے لئے بلایا تھا۔

"سیٹھ دھنی رام....!" وہ چیخ کر حمید کی طرف بڑھا۔

"اوہ....!" ڈی۔ ایس۔ پی سٹی بھی اس کی طرف مڑا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اُسے فریدی دکھائی دیا جو سردار صفدر کو بالوں سے پکڑ کر کھینچ
لا رہا تھا۔ سردار صفدر کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا اور وہ اس طرح اچھل اچھل کر چل رہا تھ
اُس کا ٹخنہ یا کولہا اُتر گیا تھا۔ فریدی نے اُسے ایک کرسی میں دھکیل دیا۔

"سیٹھ دھنی رام تو مل گئے۔" جگدیش نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی نے اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر سردار صفدر سے گرج کر پوچھا۔ "سرجنٹ کہاں ہے؟"

"میں کیا جانوں! میں نہیں جانتا۔"

"میں جانتا تھا.... میں جانتا تھا۔" حمید بے اختیار چیخ پڑا۔

"کیا جانتے تھے؟" فریدی اس کی طرف تیزی سے مڑا۔

"ان کم بختوں نے میرا دیوالہ نکال دیا۔ میں مر جاؤں گا۔" حمید بدحواس ہو کر زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "میرا ہارٹ فیل ہو رہا ہے ارے میں مرا۔"

اور پھر اُس نے ایسی آوازیں نکالنی شروع کر دیں جیسے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے گا۔

"جھوٹا ہے.... جھوٹا ہے۔" صفدر اپنی رانیں پیٹ کر چیخا۔ "یہ جابر کا شاگرد ہے.... جابر کا۔"

"ارے میں مرا.... میرا روپیہ....!" حمید نے پھر ہانک لگائی۔

"مکار.... سور.... کمینے....!" سردار صفدر چلایا۔

"ہائے میں نے اُسی وقت پولیس کو اطلاع کیوں نہ دی۔" حمید تقریباً رو کر بولا۔

"کب؟ کیا بات تھی؟" ڈی۔ ایس۔ پی نے پوچھا۔

"یہ سالے....!" حمید نے کہا اور شاید پھر وہ دو چار گالیاں بھی بکنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ڈی۔ ایس۔ پی نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"سیدھی طرح بتاؤ۔"

"انہوں نے نہ جانے کیوں ایک اینگلو انڈین لونڈیا کو ایک پولیس والے کے پیچھے لگا دیا تھا اور پھر وہ مار ڈالی گئی۔"

"بکواس ہے....!" سردار صفدر چیخا۔

"تم تھے کہاں۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"ارے کیا بتاؤں.... دھنی رام نے وہ دھن دیکھا ہے۔ بس رے بس۔"

"صاف صاف بتاؤ۔"

"ان لوگوں میں مجھے ایک تہہ خانے میں بند کر رکھا تھا جس میں سونا پٹا پڑا ہے۔"

سردار صفدر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"کہاں ہے.... وہ تہہ خانہ....!"

"اب تو پتہ نہیں کہاں ہے۔ ویسے کچھ دیر قبل ٹینس کورٹ پر تھا۔"

اس پر سردار صفدر نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔ "آپ لوگ ایک پاگل آدمی کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ ٹینس کورٹ پر تہہ خانہ.... چہ خوب۔"

"ہائے.... میرا.... روپیہ.... میں مرا۔" حمید نے پھر ہانک لگائی۔

وہ رات حمید کو بھی مجرموں کے ساتھ ہی حوالات میں بسر کرنی پڑی۔ سردار صفدر اور اُس کے ساتھیوں کو کڑی نگرانی میں رکھا گیا تھا حالانکہ اُن پر لگائے ہوئے الزامات میں سے ایک کا بھی ثبوت بہم نہیں پہنچا تھا لیکن سردار صفدر کے باندھ لئے جانے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ ایک مجرم تھا جس کو اب تک مردہ تصور کیا جاتا رہا تھا۔ رات بھر فریدی ایک ایک کر کے انہیں بلاتا رہا.... اور پھر صبح صرف حمید کو حوالات سے نکال لیا گیا۔ وہ ابھی تک سیٹھ دھنی رام ہی والے میک اپ میں تھا۔ فریدی اُسے الگ لے گیا۔

"وہ تہہ خانے والی بات کیا سچ نہیں تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی ٹھیک تھی۔"

"لیکن اُن میں سے کسی نے بھی اُس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ البتہ تمہارا معاملہ بالکل صاف ہو گیا ہے۔"

"شہزادے والی بات کیا تھی۔" حمید نے بیساختہ پوچھا۔

"پھر بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال یہ تہہ خانے والی بات صاف ہونی چاہئے ورنہ کچھ بھی نہ ہوا۔"

"میں نے آپ کو جو کچھ بھی بتایا ہے اُس میں سرمو فرق نہیں۔"

"مگر وہ ٹینس کورٹ!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کل رات بھی دیکھا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"کیا اُن میں سے کسی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ نقلی سونا بناتے رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....؟"

"پھر میرا معاملہ کس طرح صاف ہوا۔"

"انہوں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ دلاور نگر سے لائے جانے والے سونے پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے تھے اور محض اس کے متعلق صحیح اطلاع حاصل کرنے کے لئے انہوں نے سارہ کو پھانسا تھا۔"

فریدی حمید کو اُس کمرے میں لایا جہاں محکمہ سراغ رسانی اور سول پولیس کے آفیسر بیٹھے تھے۔

"کہئے سیٹھ صاحب! آپ ان لوگوں کے چکر میں کیسے پھنس گئے تھے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے

حمید سے پوچھا۔

"جناب والا یہ سیٹھ دھنی رام نہیں ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا؟ کیا میں نہیں پہچانتا۔" ڈی۔ آئی۔ جی منہ بنا کر بولا۔

"یہ سیٹھ دھنی رام کی نقل ہے۔ میرا اسرجنٹ حمید۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم ان تک مشکل ہی سے پہنچ پاتے۔"

پھر فریدی شروع سے پوری داستان دہراتا ہوا بولا۔ "اس بیچارے کو پھانسنے کے لئے اُن لوگوں نے بڑا شاندار پلان بنا رکھا تھا۔ ایک رات جب یہ ہوٹل ڈی فرانس کے رقص میں حصہ لے رہا تھا مجرموں کے دو آدمیوں نے جو اُس اینگلو انڈین نرس کے قریب کھڑے ہوئے تھے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ شہزادہ بہت اچھا ناچ رہا ہے اور پھر انہوں نے بلند آواز میں اس پراسرار شہزادے کی داستان چھیڑ دی جو عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے شوق میں اپنی ریاست سے یہاں بھاگ آیا تھا۔ سارہ نے اُن کی گفتگو صاف سنی اور چونکہ وہ فطرتاً رومان پسند تھی اس لئے اُس نے خود ہی حمید کی طرف جھکنا شروع کر دیا۔ حمید نے اُسے اپنا نام شاہد بتایا کیونکہ وہ پبلک لائف میں عموماً اپنی اصلیت چھپانے کے اصول پر کاربند ہے۔"

"اچھی عادت ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔

"دونوں دو ہی تین دنوں میں کافی گھل مل گئے۔" فریدی نے کہا۔ "پھر ایک دن دو تین مجرم سارہ سے ملے اور اُسے بتایا کہ وہ اُس کے دوست شہزادہ شاہد کی ریاست کے جاسوس ہیں اور اس سے یہ استدعا کی کہ وہ شہزادے کو راہ راست پر لانے میں ان کی مدد کرے، سارہ کا یقین اور بھی پختہ ہو گیا۔ ویسے اس نے حمید سے کئی بار پوچھا کہ وہ اپنی شہزادگی کو پردہ راز میں کیوں رکھنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حمید اس سازش سے آگاہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ اس بات کو سارہ کا مذاق سمجھتا رہا۔ وہ لوگ برابر سارہ سے ملتے رہتے تھے۔ سارہ نے انہیں بتایا کہ وہ اس بات کا اعتراف ہی نہیں کرتا کہ وہ شہزادہ ہے اس پر انہوں نے اُس سے کہا کہ وہ کسی دن اُسے کسی ایسی جگہ لائے جہاں وہ لوگ پہلے ہی سے موجود ہوں پھر وہ لوگ اُسی کی زبان سے کہلوا دیں کہ وہ حقیقتاً شہزادہ ہے۔ اس طرح سارہ نے جھریالی کی سیر کا پروگرام بنایا اور وہاں اُن لوگوں نے حمید کو شراب پلا کر دلاور نگر سے آنے والے سونے کے متعلق اطلاعات بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ اتفاق سے حمید نے نشے کی

جھونک میں انہیں غلط اطلاع دے دی۔ لیکن وہ اُسے سچ ہی سمجھے تھے۔ پھر اُسی رات کو انہوں سارہ کو قتل کردیا تاکہ حمید کو مشتبہ بنا کر محکمہ سراغ رسانی کو اُسی حادثے کے پیچھے لگا دیں آسانی سے اپنا کام کرتے رہیں۔ اُسی دوران میں آزاد بینک کے سونے کے متعلق اخبارات آگیا۔۔۔ اور میری توجہ کوؤں کے شکاریوں کی طرف مبذول ہوگئی۔"

"لیکن ابھی تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ وہ نقلی سونا بنا کر اصلی سونے کی جگہ کھپا تھے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"اتفاق سے حمید صاحب اس تہہ خانے کی سیر بھی کر آئے ہیں جہاں سونے کا ا زبردست ڈھیر تھا اور وہ ساری چیزیں بھی تھیں جن سے نقلی سونا بنایا جاتا ہے۔"

"لیکن وہ تہہ خانہ ہے کہاں۔۔۔!"

"مجھے یقین ہے کہ میں اُسے کھود نکالوں گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

اُسی دن دوپہر کو فریدی اور حمید پولیس پارٹی کے ساتھ اس کارخانے میں مزید چھان کر رہے تھے۔ سب سے پہلے وہ ٹینس کورٹ میں گئے۔

"سخت حیرت ہے۔" فریدی متفکرانہ انداز میں بولا۔ "اگر وہ کسی مشینی نظام کے تحت حرَ کرتا ہے تو وہ خود بخود اوپر کس طرح آیا اور پھر نیچے کیسے چلا گیا۔ خیر یہ بتاؤ کہ جب اُس نے اٹھنا شروع کیا تھا تو تم کیا کر رہے تھے۔"

"زندگی سے بیزار ہو رہا تھا۔"

"اونہہ! مذاق چھوڑو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم سے نادانستگی میں کوئی ایسی حرکت تو ہوئی تھی جس سے مشین چل پڑی ہو۔"

"میں شاید اس وقت گہری نیند سو رہا تھا۔" حمید نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

دفعتاً فریدی کچھ سوچتے سوچتے چونک پڑا۔ اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر اُس کے قدم سے مشینوں والی عمارت کی طرف اٹھنے لگے۔

حمید بھی اُسی کے ساتھ ہی ساتھ عمارت میں داخل ہوا۔ دونوں کئی کمروں سے گذ ہوئے ہوئے ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں تاروں اور کئی قسم کی مشینوں کا جال سا پھیلا

ا۔ فریدی کچھ دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا۔ پھر اُس نے آگے بڑھ کر ایک ڈائنامو چلا دیا جس ے ساتھ ہی کمرے کی ساری مشینیں چلنے لگیں اور ان کے شور سے کان پھٹنے لگے۔

فریدی پھر کچھ دیر تک رک کر شاید کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

اچانک وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"اس کھڑکی سے ٹینس کورٹ صاف نظر آتا ہے۔ تم ذرا اُدھر کا دھیان رکھنا۔"

حمید کی نظریں کھڑکی سے گذر کر ٹینس کورٹ پر جم گئی تھیں۔ دفعتاً وہ چیخ پڑا۔

"وہ آیا۔۔۔ ارے پھر غائب۔"

پھر وہ فریدی کی طرف مڑا جو ایک مشین کے پہیئے کو پکڑے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کورٹ میں لڑے ہوئے کانسٹیبل بھی چیخنے لگے تھے اس کی حالت تو دیکھنے کے قابل تھی جو اُس کمرے کے ساتھ ہی اٹھتا چلا گیا تھا اور پھر اُس کے غائب ہوتے ہی زمین کی سطح پر آگیا تھا۔

وہ دونوں دوڑتے ہوئے ٹینس کورٹ میں آئے۔ حمید نے جتنی چیزیں اُس متحرک کمرے میں پچھلی رات کو دیکھی تھیں جوں کی توں موجود نظر آئیں۔

آفیسروں کو فون کیا گیا۔

اس واقعے کے آدھ گھنٹے کے بعد فریدی اُسی مشینوں والے کمرے میں اپنے آفیسروں کو اُس پہیئے کے متعلق بتا رہا تھا۔

"پچھلی رات کو میری اور سردار صفدر کی مڈبھیڑ اسی کمرے میں ہوئی تھی۔ پھر میں اُسے ڈھکیلتا ہوا اس پہیئے تک لایا تھا۔ اتفاقاً وہ اس ہینڈل سے ٹکرایا اور پہیہ گھوم گیا۔ میں اُسے ہینڈل ہی پر دبائے رہا۔ کسی طرح وہ پھر میری گرفت سے نکل گیا اور پہیہ اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ اس وقت جب میں حمید سے اس کے متعلق گفتگو کر رہا تھا تو اچانک مجھے رات کی بات یاد آگئی اس وقت بھی مشین چل ہی رہی تھی۔ اس کمرے کی پوری مشینری کا تعلق اُسی متحرک تہہ خانے سے معلوم ہوتا ہے۔"

آزاد بینک کا سارا اصلی سونا اسی تہہ خانے سے برآمد ہوا اور کافی مقدار میں نقلی سونا بھی ملا۔

یہ سارا ہنگامہ ختم ہو جانے کے بعد سے اب تک سرجنٹ حمید کیمیا کے نسخوں کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ خصوصاً "خون تیرہ" کا معمہ تو اُس کے لئے سوہان روح بن گیا ہے وہ روز ہی کسی نہ کسی

کالی جاندار شے کا خون کر ڈالتا ہے.... کالی بلی.... کالا کتا.... کالی مرغی.... البتہ ہاتھیوں سے پہلے بھی محبت کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہے۔

ایک دن ایک کلوٹی سی لڑکی کو بھی پکڑ لایا تھا لیکن بعد میں فریدی کو بتایا کہ اسے اس کا نام یتیم یتیم سا معلوم ہوا تھا اس لئے اُس نے اُسے ذبح نہیں کیا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 28

بے گناہ مجرم

(مکمل ناول)

پیش رس

اس ناول کی کہانی اپنے پیچیدہ پلاٹ کے اعتبار سے دنیا کی چند انتہائی پُراسرار کہانیوں میں سے ایک ہے۔ ایک شخص جو قاتل ہے مگر جو بے گناہ ہے۔ ایک عورت جس نے شوہر کو دھوکا دیا! ایک عجیب و غریب گڑیا! ایک آدمی جو گرمیوں میں پاگل ہو جاتا ہے، جس کی مونچھیں، ابرو، پلکیں، چندیا سب کچھ صاف تھی! قتل کا ایک حیرت انگیز کیس! جس میں میاں حمید بے پناہ طور پر دلچسپی لے رہے ہیں۔ حمید کے انوکھے لطیفے، اس کے قہقہے آپ کبھی نہ بھول سکیں گے۔ فریدی نے زیادہ پریشانی نہیں اٹھائی۔ مگر ایک منزل پر پہنچ کر وہ بھی چکرا جاتا ہے۔ ابن صفی کا یہ دلچسپ پُراسرار کارنامہ آپ بار بار پڑھیں گے۔

پبلشر

دو چیخیں

پرویز اس وقت چونکا جب شیشے کی دوات اس کی مٹھی میں چکنا چور ہو گئی۔ شیشے کے ٹکڑے ں نے فرش پر ڈال دیئے اور سیاہی بھرا ہوا ہاتھ میز پوش کے کونے میں پونچھنے لگا۔ آس پاس ئی بھی موجود نہیں تھا، البتہ مینٹل پیس پر رکھی ہوئی گھڑی کی "ٹک ٹک" اُسے ایسی لگی جیسے کوئی دی اُس کی حالت پر افسوس ظاہر کرنے کے لئے "چہ چہ" کر رہا ہو۔

پرویز چند لمحے گھڑی کو گھورتا رہا پھر اُس نے میز پر سے پیپر ویٹ اٹھا کر اس زور سے گھڑی پر مارا کہ وہ بھی جھنجھناتی ہوئی فرش پر آگری۔

راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی اور اُس کا بوڑھا نوکر رانو دروازے کے سامنے پہنچ کر ٹھٹک گیا۔

"بھاگ جاؤ۔" پرویز نے چیخ کر دوسرا پیپر ویٹ اٹھایا۔

رانو سامنے سے ہٹ کر چند لمحے وہیں کھڑا رہا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ وہ تین سال سے پرویز کے ساتھ تھا اور اس عرصے میں اُس نے اُسے ایک بار بھی ہنستے تو کیا مسکراتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی دانست میں اس کا آقا دنیا کا عجیب ترین آدمی تھا۔ دنیا کا عجیب ترین جوان، جو انتہائی خوبصورت ہونے کے باوجود بھی اپنی شخصیت کو خاک میں ملا رہا تھا، جو دولتمند ہونے کے باوجود بھی دولت کی طرف سے قطعی بے پروا تھا۔ رانو نے آج تک اس کے کسی دوست کو نہیں دیکھا تھا۔ اس سے کبھی کوئی ملنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ اور نہ وہ خود ہی کہیں باہر جاتا تھا۔ اس کا وقت یا تو اس عمارت کے کمروں میں گزرتا یا پھر پائیں باغ میں! جب اُس نے یہ کوٹھی خریدی تھی تو پائیں باغ کی چہار دیواری زیادہ سے زیادہ تین چار فٹ بلند رہی ہوگی، لیکن کوٹھی خریدنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ چہار دیواری کافی اونچی کرادی اور

سلاخوں دار پھاٹک بدلوا کر ایسا پھاٹک لگوایا جسے بند کرا دینے کے بعد دوسری طرف کی چیز دکھائی دیں۔ پڑوسیوں نے بھی اُس کی اس حرکت کو حیرت کی نظروں سے دیکھا تھا۔

رانو کو اس کی ہر عادت غیر معمولی معلوم ہوتی تھی اور ہر مشغلہ انتہائی خوفناک، وہ اوقات پائیں باغ میں جال لگا کر ننھے ننھے پرندے پکڑتا۔ پھر ان میں سے نروں کو اڑا دیتا لیک پرندوں کو ایسی ایسی اذیتیں دے کر مارتا کہ رانو کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ وہ ان کے پر انہیں ایسی جگہ ڈال دیتا جہاں چیونٹیاں بکثرت ہوتیں۔ پھر وہ گوشت کے اُن لوتھڑوں کی اتنی محویت سے دیکھتا جیسے اس کی روح نور کے سمندر میں غوطے لگا رہی ہو۔

تتلیوں کو پکڑ کر ان کے پروں کو گوند سے چپکا دیتا اور پھر ان کے ننھے ننھے پروں کو ایک کر کے بلیڈ سے کاٹتا۔ درختوں پر دوڑتی ہوئی گلہریوں پر چاقوؤں سے نشانہ لگاتا اور نوکیلے والے چاقو ان کے جسموں سے گذر کر شاخوں میں پیوست ہو جاتے اور وہ اسی طرح پھنسی پھڑپھڑاتی اور کربناک آوازیں نکالتی رہتیں۔

رانو کبھی اس سے نفرت کرتا اور کبھی اُسے اس پر رحم آنے لگتا۔ رحم اس وقت آتا ج اُسے یونہی بلاوجہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھتا۔

گھر میں چار نوکر تھے جن میں مالی بھی شامل تھا۔ یہ سب اپنے مالک سے بظاہر بیزار تھے اُسے چھوڑ نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ نوکروں کے معاملہ میں بڑا فراخ دل تھا۔ ان کی فروگذاشت انہیں کبھی کچھ کہتا نہیں تھا۔ اخراجات کا حساب تو خیر آج تک لیا ہی نہیں تھا۔ تنخواہیں اچھی دیتا تھا۔ ان میں سے اگر کبھی کوئی بیمار ہو جاتا تو ایسی تندہی سے اس کی دیکھ بھال کرتا جیسے وہ کوئی عزیز ہو!

بوڑھے رانو کو افیون کی لت تھی۔ اس کا بار بھی پرویز ہی سنبھالے ہوئے تھا۔ مالی ہر شام کو شراب ضرور پیتا اور بے طرح پیتا تھا۔ اسکے اخراجات بھی پرویز ہی کی جیب سے نکلتے۔ اگر وہ کبھی ان پر خفا بھی ہوتا تو بعد میں معافی ضرور مانگ لیتا۔ لہٰذا آج بھی یہی ہ تھوڑی دیر تک اسی کمرے میں بیٹھا رہا۔ پھر باہر نکل آیا۔ اس کے چہرے پر نرمی کے آثار ہو گئے تھے اور حلقوں سے اُبل پڑنے والی آنکھیں پھر بوجھل سی نظر آنے لگی تھیں۔ اس کی اداسی لوٹ آئی تھی معمول کے اوقات میں وہ عموماً ایک انتہائی غمزدہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"رانو....!" اس نے رانو کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا، جو اس کی طرف پشت کئے کھڑا پائیں غ میں کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ چونک کر مڑا اور گھبرا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم نے بُرا تو نہیں مانا۔" پرویز آہستہ سے بولا۔

"نہیں سرکار! بالکل نہیں....!" رانو کی باچھیں کھل گئیں۔ "مگر سرکار مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے۔"

"کس بات کا۔"

"آپ اپنی بالکل خبر نہیں لیتے.... آپ کسی ڈاکٹر....!"

"تو کیا تم مجھے پاگل سمجھتے ہو...." پرویز نے اس کی بات کاٹ دی۔ لیکن اُس کے لہجے میں ب بھی نرمی تھی۔

"نہیں صاحب.... مگر آپ کی صحت۔"

"مجھے کیا ہوا۔" پرویز اپنے چوڑے چکلے سینے اور بازوؤں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"مگر صاحب رئیسوں کی یہ شان نہیں کہ ایک کونے میں بند بیٹھے رہیں۔"

پرویز بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"باہر کی دنیا بڑی حسین ہے صاحب۔" رانو پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے۔"

رانو نے محسوس کیا کہ آج پرویز کا موڈ کچھ ٹھیک ہے، ورنہ اس سے قبل کئی بار اس مسئلے پر جھنجھلا چکا تھا۔ وہ جب بھی اس کی تنہائی پسندی کے سلسلے میں کچھ کہتا پرویز کو غصہ آ جاتا اور وہ اُسے سخت سست کہہ کر دوسری طرف نکل جاتا۔ اُس نے سوچا کہ آج وہ مسئلہ بھی چھیڑے جس کے متعلق پوچھنے کی آج تک ہمت نہیں پڑی تھی، نہ صرف رانو بلکہ دوسرے ملازمین بھی اُس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھے۔ لیکن اُن میں سے کسی نے بھی پرویز سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ رانو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کس طرح چھیڑے۔

آخر کار وہ سوچتا ہی رہ گیا.... اور پرویز.... وہ تو کبھی کا اندر جا چکا تھا۔

وہ معاملہ تھا بھی بڑا خوفناک! انہیں ڈر تھا کہ کہیں اس کی اطلاع پولیس کو نہ ہو جائے لیکن خود انہوں نے اس کا تذکرہ باہر کسی سے نہیں کیا۔

بات دراصل یہ تھی کہ اُس کمرے تک اُن کی رسائی ہی نہیں تھی جہاں وہ سب کچھ ہوتا تھا

ورنہ نوکر تو آسمان میں تھگلی لگاتے ہیں۔ اس کمرے کے دروازے میں ایک بڑا سا قفل پڑا
جس کے کھلنے اور بند ہونے کا انحصار ہندسوں کی ترتیب پر تھا۔ اور وہ ترتیب پرویز کے علا
کسی کو نہیں معلوم تھی۔ دروازے کے سارے رخنے بند کردیئے گئے تھے، اس لئے باہر سے
حال دیکھنا قطعی ناممکن تھا۔

پرویز کا معمول تھا کہ وہ ہر رات کھانا کھانے کے بعد اس کمرے میں ضرور جاتا تھا
سارے نوکر لرزنے لگتے تھے۔ کمرے کے اندر سے "شراپ شراپ" کی آوازیں آتیں
معلوم ہوتا جیسے کوئی کسی پر کوڑے برسا رہا ہو۔ پھر کسی عورت کی چیخیں سنائی دینے لگتیں۔

تھوڑی دیر بعد پرویز باہر نکل کر کمرے کو مقفل کردیتا۔ اس کے چہرے پر ایسی ہیبت
ہوتی کہ نوکر اُس سے آنکھ ملانے کی بھی ہمت نہیں کرسکتے تھے۔

یہ بات آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ عورت کون تھی؟ اور کیا وہ اُسی
میں بند رہا کرتی تھی؟ اگر وہ اس کمرے ہی میں رہتی تھی تو اب تک زندہ کیسے تھی؟ پرویز
سلسلہ تقریباً دو ماہ سے شروع کر رکھا تھا تو کیا وہ کچھ کھائے پیئے بغیر دو ماہ سے زندہ تھی
کمرے کا دروازہ دن میں کبھی نہیں کھولا جاتا تھا۔ رات کو بھی پرویز خالی ہاتھ ہی اندر جا
بہرحال یہ معمہ کسی طرح حل نہیں ہوسکا تھا۔

کبھی کبھی نوکر یہ بھی سوچنے لگتے تھے کہ کہیں وہ کوئی خبیث روح نہ ہو، رانو اکثر راز
انداز میں بقیہ نوکروں سے کہتا۔

"صاحب پر ضرور کسی چڑیل کا سایہ ہے، حسین اور تندرست آدمیوں پر اکثر چڑیلیں
ہوجاتی ہیں اور زندگی بھر پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

اس پر مالی کہتا۔

"میں ہوتا تو سالی کی چوٹی کاٹ لیتا۔"

"بڑے تیس مار خاں ہیں۔" بندو کہتا۔

"ابے ہاں ہاں۔" مالی چھاتی پر ہاتھ مار کر کہتا۔ "ذرا عاشق ہوکر دیکھے تو سالی، ابے
دادا نے بھی ایک چڑیل کی چوٹی کاٹی تھی اور مرتے دم تک اسے ازاربند میں باندھے رہے۔"

"بھلا ازاربند میں کیوں باندھے رہے۔" بندو پوچھتا۔

"بس ازاربند ہی میں تو ہاتھ نہیں لگاتیں۔" رانو محققانہ انداز میں بولتا۔

"اچھا بابا کیا یہ سچ ہے۔ چڑیلوں کے پنجے پیچھے اور ایڑیاں آگے ہوتی ہیں۔"

رانو اپنے ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں لاکر ہلادیتا۔

"یار اپنے اوپر تو کوئی چڑیل بھی عاشق نہیں ہوتی۔" بندو آہ بھر کر کہتا۔

"بس کر یار میرے! اگر جو کہیں کوئی سن ہی رہی ہو تو۔" شکورا بول پڑتا۔

"کھدا قسم اپنے کو تو چڑیل ہی مل جاتی۔" بندو اس طرح اکڑ کر کہتا جیسے اپنے ساتھیوں پر
اہر کر رہا ہو کہ وہ چڑیلوں سے نہیں ڈرتا۔

شروع شروع میں انہیں رات رات بھر نیند نہیں آتی تھی لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ اس کے
دی ہوتے گئے تھے اور انہیں یقین ہوگیا تھا کہ وہ چڑیل اس کمرے سے نکل کر کم از کم انہیں
یشان نہیں کرے گی، پہلے وہ یہی سمجھے تھے کہ وہ سچ مچ کوئی عورت ہی ہے، مگر جب کچھ عرصہ
زر گیا تو انہیں اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ اگر وہ کوئی عورت تھی تو اس نے اپنی رہائی کے لئے ہنگامہ
بوں نہیں کیا۔ اگر وہ وہاں قید تھی تو کسی وقت دن میں بھی تو اس کی آواز سنی جاتی۔

رانو بڑی دیر تک کھڑا اس معاملے پر غور کرتا رہا۔ پھر اس نے "اونہہ" کہہ کر اپنے شانوں کو
ھٹک دیا۔ آخر اُسے ان معاملات میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ سات بج گئے تھے اور اندھیرا گہرا
ہوتا جارہا تھا۔ باورچی خانے میں سیخوں پر بھونے جانے والے مرغ مسلم کی خوشبو فضا میں تیرتی
پھر رہی تھی۔ رانو نے بیچ سے زمین پر تھوک کر آستین سے ہونٹ صاف کئے اور سونے سے قبل
الی افیون کی چسکی کے خیال میں مگن ہوگیا۔ مرغ کی روغن دار ملائم ہڈیوں کا تصور بھی اس کی
روح کی جڑیں سہلانے لگا تھا اس نے سوچا کہ سالا مرغ بھی اگر ہاتھی کے برابر ہوتا تو مزہ آجاتا۔

رانو اندر لوٹ آیا۔ پرویز آنکھیں بند کئے ایک آرام کرسی پر پڑا تھا۔ اور وہ کھانے کے وقت
تک اسی طرح پڑا رہا۔

رانو باورچی خانے کے دروازے پر آکر بیٹھ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ صاحب زیادہ سے زیادہ
ایک ٹانگ کھائیں گے۔ کاش دوسری ٹانگ اسے مل جاتی۔ مگر وہ سالا بندو بھلا کیوں اسے دینے لگا۔
وہ ٹانگ کھلائے گا.... شکورا کو جو اُسے اکثر اپنے ایک عزیز کے یہاں لے جاتا ہے جسکی لونڈیا
کرنیٹوں کے بھی کان کاٹتی ہے۔ اُس کے حصے میں شاید پیٹھ کی ہڈی آئے۔

گھڑی نے آٹھ بجائے۔ پرویز کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ملازموں نے برتن
اور باورچی خانے میں آبیٹھے۔ رانو نے پہلے ہی تہیہ کر لیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہوگا مرغ کی ٹا
ہی پر ہاتھ مارے گا۔ لہٰذا کھانا سامنے رکھ کر انہوں نے جھگڑنا شروع کر دیا۔ مالی رانو کا طرفدار ہو

"میں خوب سمجھتا ہوں۔" رانو سر ہلا کر بولا۔ "مگر بیٹا اس سے کچھ نہیں ہوتا۔"

"لو! ٹھرو۔" بندو نے پورا مرغ رانو کے سامنے پٹخ دیا۔

"مطلب کیا ہے تیرا....؟" رانو بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"چل بیٹھ بھی بابا۔" شکور اُس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہوا بولا۔ "چل تو ہی کھا لے۔ ہی ہی ہ

"اب تو سالے پر تھوکوں بھی نہیں۔" رانو نے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا

"آج اسی کی بات مان لیتے۔" مالی بڑبڑایا اور پھر بندو بھی پھٹ پڑا۔

لیکن ان کا یہ جھگڑا دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ پہلے انہوں نے کسی عورت کی چیخ سنی اور اس
بعد ہی کسی مرد کی چیخ سنائی دی۔

چاروں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"صاحب۔" رانو نے آہستہ سے کہا اور چاروں کھڑے ہو گئے کیونکہ پرویز کی چیخ انہوں
پہلی بار سنی تھی۔

پھر وہ چاروں اس کمرے کی طرف دوڑے۔ راہداری میں اندھیرا تھا۔ انہوں نے قریب
کسی کی گہری گہری سانسوں کی آواز سنی۔

"رانو.... بندو....!" پرویز کی گھٹی گھٹی آواز آئی۔ "روشنی۔"

اس راہداری کا بلب کئی دن ہوئے فیوز ہو گیا تھا اور ابھی تک اُسے بدلا نہیں گیا تھا اس
یہاں عموماً اندھیرا ہی رہتا تھا۔

بندو ٹارچ لانے کے لئے دوڑا۔

"کیا بات ہے صاحب۔" رانو نے پوچھا۔

"بات.... بات.... پتہ نہیں۔" پرویز ہانپتا ہوا بولا۔

اتنے میں ٹارچ آگئی۔ نوکروں نے پرویز کی حالت کو بڑی حیرت کی نظروں سے دیکھا
کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔ چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ رہی تھیں اور وہ اس

رہا تھا جیسے دمے کا مریض ہو۔ اُس نے مڑ کر اس پُراسرار کمرے کی طرف دیکھا جس کا
ازہ کھلا ہوا تھا۔ پھر اس نے کپکپاتے ہوئے ہاتھ سے ٹارچ پکڑی اور کمرے کی طرف بڑھنے
نوکر خوفزدہ تھے، اس لئے ان میں سے کسی نے بھی آگے بڑھنے میں جلدی نہیں کی، وہ آٹھ
قدم پیچھے ہی تھے کہ پرویز کمرے میں داخل ہوا اور نوکروں نے پھر اس کی چیخ سنی، وہ جہاں
ہی رک گئے۔ ہر ایک کے دل کی دھڑکنیں اس کے سر میں دھمکتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں،
م بخود کھڑے رہے۔ انہیں شاید پرویز کے پکارنے کا انتظار تھا۔ پھر انہوں نے پرویز کو کمرے
نکلتے دیکھا۔ ٹارچ روشن تھی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا راہداری طے کر رہا تھا۔ وہ ان کے قریب سے
گیا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے ان کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑے۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر ان کی طرف نہیں دیکھا۔

برآمدے میں پہنچ کر وہ اسی آرام کرسی پر گر گیا جس پر شام سے لیٹا ہوا تھا۔

"صاحب۔" رانو سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا بات ہے؟"

"پانی....!" پرویز کی آواز میں بہت زیادہ نقاہت تھی۔

پانی پی چکنے کے بعد اُس نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور پھر کسی نے بولنے کی ہمت نہیں کی۔
سوچ رہا تھا کہ وہ آج اس کمرے کو کھلا ہی چھوڑ آیا ہے؟.... آخر کیوں؟.... اور آج وہ خود
کیوں دو بار چیخا تھا؟

"پولیس کو فون کر دو۔" پرویز تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"پولیس کو....!" رانو تقریباً چیخ پڑا۔

"ہاں۔"

"کس لئے صاحب! کیوں؟"

"میں نے اُسے مار ڈالا ہے۔"

"کسے؟" رانو کا دم گھٹنے لگا۔

"ان سے کہہ دو کہ میں بے گناہ ہوں.... میں نے اُسے مار ڈالا ہے.... میرے خدا....
ا ہے؟ تم ابھی تک گئے نہیں! فون کر دو! کوتوالی کا نمبر تین سو پندرہ ہے.... جاؤ۔"

"کیا کہہ دوں۔" رانو تھوک نگلتا ہوا بولا۔

"بہرے ہو! کیا سنا نہیں۔" پرویز اس طرح بولا جیسے خود اُسے اپنی آواز نہ سنائی دے رہی ہو۔ "کہہ دو یہاں قتل ہو گیا ہے۔"

پُراسرار لاش

سرجنٹ حمید نے اندھیرے میں ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا۔ فریدی نے پلٹ کر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور حمید بیٹھ کر اُس پتھر کو سہلانے لگا جس سے ٹھوکر لگی تھی۔

"یہ کیا حماقت؟" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"برابر کر رہا تھا، کہیں بُرا نہ مان گیا ہو۔"

"بالکل ہنسی نہیں آئی۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے کہ اس پتھر نے بھی میرے معافی مانگنے پر مسکرا کر یہ نہیں کہا کہ کوئی بات نہیں"

"اٹھو نہیں تو ٹھوکر مارتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"البتہ اس معاملے میں پتھر آپ سے زیادہ بلند واقع ہوا ہے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ تم ہنسنے ہنسانے کے چکر میں پڑ کر بالکل احمق ہو گئے" فریدی بولا۔

"اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ اس پتھر سے بھی بدتر ہیں۔"

"بکو مت! زیادہ بچپنا بھی کھلنے لگتا ہے۔"

"شاید پانچ سو پچھترویں بار آپ یہ جملہ دہرا رہے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہے کہ پانچ سو چھترویں بار بھی آپ یہی جملہ دہرائیں گے۔ لہٰذا اب اس میں کچھ رد و بدل کیجئے"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پھر کہا۔

"بہتر یہ ہوگا کہ اس جملے کی ترتیب بدل دیجئے۔ مثلاً زیادہ کھلنے بھی لگتا بچپنا۔ مت بکو اس جملے کے الفاظ کے شروع کے حروف میں الٹ پھیر کر دیجئے جیسے بت بکو! بیادہ زچپنا کھی ہگتائے.... یا پھر آخر کے حروف۔"

"یار خدا کے لئے پیچھا چھوڑو۔"

"چھوڑ دیا۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "لیکن میں کل سے اس چکر میں نہیں پڑوں گا۔"

"وہ تو پڑنا ہی ہوگا۔"

"سنئے جناب!" حمید جھلا کر بولا۔ "یا تو میں خودکشی کر لوں گا یا اس ڈاکٹر کو گولی مار دوں گا جس نے آپ کو ہواخوری کا مشورہ دیا ہے۔ بھلا کوئی تک ہے۔ سارے شہر کا پیدل چکر لگاتے پھریئے۔"

"خودکشی سے بہتر تو یہ ہوگا کہ تم کسی تندرست آدمی کے ساتھ کہیں بھاگ جاؤ جو تمہیں کما کر کھلا سکے۔"

"بالکل نہیں.... بچا یہ جملہ۔" حمید کھرکھراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"فکر نہیں۔"

"اور یہ بھی نہیں کہ سڑکوں ہی کے چکر کاٹے جائیں۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کھائیاں اور نالے بھی پھلانگئے۔ ڈاکٹر نے دھکے کھانے کے لئے نہیں، ہواخوری کے لئے کہا تھا۔ ساری دنیا اتنی ترقی کر گئی ہے، مگر اپنے یہاں کے ڈاکٹر ڈیوٹ کے ڈیوٹ ہی رہے۔ اس زمانے میں جب کہ سارے کام مشینوں سے لئے جا رہے ہیں نہ جانے ہواخوری کم بخت کیوں رجعت پسندی کے چکر میں پھنسی ہوئی ہے۔"

"اوہو.... تو آپ ہی سوچئے نا کوئی ترقی یافتہ طریقہ۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"سوچ لیا ہے؟" حمید نے اکڑ کر کہا۔

"فرمایئے۔"

"سائیکل کا پمپ.... گھر بیٹھے ہواخوری فرمایئے۔"

فریدی ہنس پڑا۔

"ترکیب استعمال کیلئے پتہ لکھا ہوا لفافہ اور چار آنے کے ٹکٹ ارسال فرمایئے۔" حمید پھر بولا۔

"چلتے رہو چپ چاپ۔" فریدی نے اُسے دھکا دیا۔

"سچ کہتا ہوں زندگی سے جی اُچاٹ ہو گیا ہے۔" حمید نے کسی تھکے ہوئے بوڑھے کی طرح کہا۔ "اب میں بقیہ زندگی یاد خدا میں گذارنے کے لئے جنوبی امریکہ چلا جاؤں گا۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ بس تھکتے رہو۔ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اگر کچھ کام نہیں تو پیدل چلو۔"

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ پانچ بجے سے اب تک کئی میل کا چکر لگا چکے تھے۔ ادھر کئی

دنوں سے فریدی نے اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے مشورے پر ہواخوری کا مشغلہ شروع کر
اس کے ساتھ حمید کو بھی گھسٹنا پڑتا تھا۔ یعنی اس کا وہ فالتو وقت جو رقص گاہوں اور نائٹ کل
میں صرف ہوتا تھا اب ہواخوری کی نذر ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ حمید نے اس پر ضرورت سے
ہلڑ مچایا ہوگا۔ تاؤ تو اُسے دراصل اس بات پر آتا تھا کہ آخر یہ خواہ مخواہ ہواخوری کا بھوت
سوار ہو گیا۔ ہواخوری یا پیدل چلنے کا مشورہ انہیں لوگوں کو دیا جاتا ہے، جو کسی مرض میں
ہوں، لیکن یہاں اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔

"تو آپ نہیں بتائیں گے؟" حمید تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"کیا....؟"

"یہی کہ آخر ڈاکٹر نے یہ مشورہ دیا ہی کیوں؟"

"اس لئے کہ آج کل تمہیں گہری نیند آتی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے....!" حمید بوکھلا کر بولا۔

"ہاں.... ہاں تمہیں۔"

"اور اس نے مشورہ آپ کو دیا ہے۔"

"یہ مشورہ میں نے تمہارے ہی لئے طلب کیا تھا۔"

"یعنی اتنے دنوں سے آپ مجھے اُلو بنا رہے ہیں۔"

"اُلو نہیں آدمی بنا رہا ہوں۔ اُلو تو تم سوتے وقت ہو جاتے تھے۔ ادھر سے البتہ اس ا
میں کچھ افاقہ معلوم ہوتا ہے۔"

"یعنی....!"

"سوتے وقت اس بُری طرح شور مچاتے تھے کہ خدا کی پناہ.... اور یوں کہ ساری
صاف سمجھ میں آتی تھیں اور وہ ساری باتیں اتنی بدبودار ہوتی تھیں کہ ناک پھٹنے لگتی تھی۔"

"مثلاً....!"

"مثلاً یہ کہ ہائے ہائے کیا رنگت ہے۔ ارے مار ڈالا، کیا مسکراہٹ ہے، چال ہے کہ ؛
یہی نہیں بلکہ عورتوں کی قسمیں اور ان کے عادات و خصائل بھی گنوانے لگتے ہو۔ لمبی ناک
نفاست پسند ہوتی ہے۔ چھوٹی آنکھ والی خوشامد پسند اور کینہ توز ہوتی ہے۔ کلوٹیاں گاڑھی

رتی ہیں۔ بڑے دانتوں والی حاسد اور شکی ہوتی ہے اور بھی نہ جانے کیا کیا اُلا بلا۔"

"تو کیا یہ بدبودار باتیں تھیں۔" حمید نے بھنا کر پوچھا۔

"نہیں بڑی اونچی باتیں تھیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"بہرحال آپ کل سے مجھے اس طرح نہیں ٹہلا سکتے بھلا کوئی تک ہے.... واہ وا....؟"

"اوہ....!" دفعتاً فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ وہ اس وقت ایک آبادی کی پشت سے گذر رہے
تھے۔ اُنکی بائیں طرف بڑی بڑی عمارتوں کا ایک لامتناہی سا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ حمید بھی رک گیا۔
ٹارچ کی روشنی کا دائرہ ایک عمارت کی دیوار پر جم گیا تھا۔

"نقب....!" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

دیوار میں ایک اتنا بڑا سوراخ نظر آرہا تھا جس سے ایک آدمی بیٹھ کر بہ آسانی گذر سکتا تھا۔
یوار سے نکالی ہوئی اینٹیں نیچے ڈھیر تھیں۔ فریدی نے ادھر اُدھر دیکھا یہ عمارت دوسری
ارتوں سے قطعی الگ تھی۔

وہ دونوں دیوار کے نیچے آگئے۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا اور جھینگروں کی مسلسل جھائیں
ھائیں بھی اندھیرے ہی کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھی۔ فریدی نے ٹارچ بجھا دی اور دیوار سے
ل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر نقب کے مہرے میں پھینکا جس کے گرنے کی آواز
نائی دی۔ اس کے بعد پھر سناٹا چھا گیا۔

دوسرے لمحے میں وہ دونوں اندر پہنچ گئے اور ٹارچ کی روشنی زمین پر پڑتے ہی حمید اچھل کر
یچھے ہٹ گیا۔ ایک عورت کمرے کے فرش پر اوندھی پڑی تھی۔

"کیا مطلب....!" حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

اس کمرے میں دوسری طرف ایک ہی دروازہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔ کھڑکیاں نہیں تھیں۔ ایک
رف ایک بڑا سا لکڑی کا صندوق رکھا ہوا تھا۔ اسی کے سامنے دوسرے گوشے میں ایک چھوٹی سی
ل میز تھی، جس پر سیاہ رنگ کا ایک بکس تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک عورت پر جھکا رہا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"لاش....!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"خدا آپ پر رحمت نازل کرے۔" حمید بڑبڑایا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دروازے سے نکل گیا۔ راہداری سنسان پڑی تھی دبے پاؤں چل رہا تھا۔ راہداری کے سرے پر پہنچ کر اُس نے آوازیں سنیں۔ وہ کچھ دیر کے رکا اور پھر یک دم برآمدے میں آگیا۔ گفتگو کرنے والے ٹھٹک گئے اور وہ جو آرام کرسی پر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی انہیں تیز نظروں سے گھورتا رہا، بقیہ چار آدمی نوکر معلوم ہوتے تھے۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے خود ہی سکوت توڑا۔

"آپ کون ہیں؟" پرویز کی آواز میں خوف تھا۔

"کیا آپ اس سے واقف ہیں کہ اس عمارت کے ایک کمرے میں....!" فریدی کا جملہ ہونے سے پہلے ہی پرویز پھوٹ پڑا۔

"میں بے قصور ہوں.... وہ میرے ہاتھوں مری ہے۔ مگر میں بے قصور ہوں۔"

فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ ہوش میں نہ ہو۔

"وہ کون ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہ....!" پرویز اس طرح چونکا جیسے یک بیک سوتے سوتے جاگ پڑا ہو۔ "وہ کون۔

اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں اور ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ کی دکھائی دی پھر اگر فریدی آگے بڑھ کر اُسے سنبھال نہ لیتا تو وہ سیدھا زمین پر ہی آیا ہوتا۔ آنکھیں بند تھیں اور سانسیں رک رک کر آ رہی تھیں۔ فریدی نے اُسے آرام کرسی پر ڈال

"کیا بات ہے۔" فریدی نوکر کی طرف مڑا۔

وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"فون ہے یہاں۔" فریدی نے پھر سوال کیا۔

"نہیں....!" رانو ہکلایا۔ "پڑوس میں ہے۔"

"کوئی ڈاکٹر قریب ہے۔"

"جی ہاں....!"

"بلاؤ اُسے، میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

رانو جانے لگا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا اور راہداری کے سرے پر جا کر حمید کو آواز دی۔ حمید شاید راہداری ہی میں فریدی کی آواز پر دوڑ پڑا۔

"ان کے ساتھ جاؤ۔" فریدی نے رانو کی طرف اشارہ کر کے حمید سے کہا۔ "کوتوالی فون کر دینا.... اور ڈاکٹر....؟"

حمید نے پرویز کی طرف دیکھا۔

"بیہوش ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "جلدی کرو۔"

حمید رانو کے ساتھ چلا گیا۔

"وہ عورت کون ہے؟" فریدی نے بقیہ نوکروں سے پوچھا۔

"کون عورت....؟" تینوں بیک وقت بولے اور فریدی حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

"کیا یہاں چوری بھی ہوئی ہے؟"

"نہیں تو....!" شکورا بولا۔ شاید اُس نے اپنے خوف پر قابو پا لیا تھا۔ تھوڑی دیر رک کر اُس نے کہا۔ "مگر صاحب نے ابھی پولیس کو فون کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" فریدی نے کہا اور راہداری کی طرف جانے لگا۔ سرے پر پہنچ کر وہ مڑا۔ تینوں نوکروں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی تھی۔

"کیوں....؟" اس کی آواز بلند ہو گئی۔

"آپ ہیں کون۔" بندو خوفزدہ آواز میں بولا۔ "اندر کیسے آئے۔ پھاٹک تو بند ہے۔"

"میں تمہیں یہی دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کیسے آیا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

مالی آنکھیں پھاڑے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اُسکے منہ سے بے ہنگم سی آوازیں نکلنے لگیں۔

"اُبے اُبے۔" بندو اور شکور روہانسی آواز میں چیخے اور پھر انہوں نے بھی مالی کے سر میں سر ملانا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تینوں کو فرنجک ہو گئی ہو۔

"چپ رہو۔" فریدی انہیں ڈانٹ کر ان کی طرف بڑھا لیکن اُس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی تینوں لہرا کر زمین پر گر پڑے۔

"کیا مصیبت ہے۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔ وہ تینوں بھی بیہوش ہو چکے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ کبھی وہ راہداری کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی چاروں کی طرف۔

ایک خیال تیزی سے اُس کے ذہن میں گونجا۔ کہیں یہ مکاری تو نہیں کر رہے ہیں۔ ب
اعتراف جرم اُسے یاد آرہا تھا۔ ساتھ ہی نوکروں کی لاعلمی بھی اس کے ذہن میں تھی۔ انہو
گھر میں کسی عورت کے وجود سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ پھر وہ نقب؟ آخر بات کیا ہے؟

وہ دس پندرہ منٹ تک خیالات میں کھویا رہا۔ چاروں آدمی ابھی تک بیہوش پڑے
قدموں کی آواز سن کر وہ چونکا۔ حمید اور رانو ڈاکٹر کو لے آئے تھے۔

"اوہ.... یہ بھی گئے۔" حمید نوکروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "مجھے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہ

"کیوں....؟"

"بوڑھے سے جو کچھ معلوم ہوا تھا اس کی بناء پر میں نے یہی اندازہ لگایا تھا۔"

فریدی اس پر کوئی دوسرا سوال کرنے کی بجائے ڈاکٹر کی طرف مڑا، جو پرویز پر جھکا ہو
دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔

"یہ بیہوش نہیں! نیند ہے۔ گہری نیند، جو شاید آسانی سے نہ ٹوٹ سکے۔ کیا یہ انسو(ب
خوابی) کا مریض ہے۔"

"پتہ نہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

تینوں نوکروں کے متعلق ڈاکٹر نے بتایا کہ ان کی بیہوشی کی وجہ غالباً خوف ہے۔

"ایک لاش بھی ہے۔" فریدی نے ڈاکٹر سے کہا۔

"لاش....!" ڈاکٹر کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"جی ہاں۔ میرے ساتھ آیئے۔" فریدی نے کہا اور حمید سے بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

پھر وہ رانو کو بھی اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کرتا ہوا راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

لاش دیکھ کر رانو چیخ پڑا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر لاش سیدھی کر دی اور رانو سے ب

"یہ کون ہے؟"

"ہم.... میں.... نہیں جانتا۔"

"کبھی نہیں دیکھا....؟"

"نہیں.... کبھی نہیں۔" رانو نے کہا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نقب کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر لاش کو دیکھتا رہا۔ اس نے فریدی کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر مقتولہ کی گردن دیکھ

ڑا ہو کر بولا۔

"آخر بات کیا ہے۔ پولیس کو اطلاع ہوئی یا نہیں۔ اسے گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔"

"میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور بات ابھی تک میری سمجھ
یں بھی نہیں آئی۔"

ریوالور کی کہانی

پولیس آگئی تھی۔ حمید نے خاص طور سے جگدیش کو فون کیا تھا اور اتفاق سے وہ اُس وقت
توالی ہی میں موجود تھا۔ تینوں نوکروں کو ہوش آگیا تھا۔ لیکن پرویز کی حالت بدستور وہی تھی۔
اکٹر نے بھی اُس کے سلسلے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے گریز کیا تھا۔ نوکروں سے پوچھ گچھ پر
یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ وہ حقیقتاً بے خوابی کا مریض تھا۔ اکثر پندرہ پندرہ دن تک اُسے نیند
ہیں آتی تھی۔

پرویز اور اُس کی مشغولیات کے متعلق ہر ایک نے حیرت سے سنا۔ رانو کا بیان دوسروں سے
یادہ مربوط اور واضح تھا اس لئے فریدی بار بار اسی سے سوال کر رہا تھا۔

"ہم یہاں تین سال سے ہیں۔" رانو کہہ رہا تھا۔ "لیکن ہم نے یہاں کبھی کوئی عورت نہیں دیکھی۔"

"اور تمہیں یہ یقین ہے کہ وہ نقب آج ہی کسی وقت لگائی گئی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! کل میں پچھواڑے کی طرف سے گذرا تھا۔ اس وقت میں نے نقب نہیں دیکھی تھی۔"

"اپنے مالک کی پچھلی زندگی کے متعلق بھی کچھ جانتے ہو۔"

"جی نہیں! نہ مجھے اُن کے رشتے داروں ہی کے متعلق کچھ معلوم ہے۔"

"کیا وہ ہمیشہ سے عجیب و غریب حرکتیں کرتا رہا ہے۔"

"میں نے ابھی بتایا نا آپ کو۔ کمرے والا معاملہ شاید دو ڈھائی ماہ پہلے شروع ہوا تھا۔"

"تو یہاں کبھی کوئی آتا ہی نہیں تھا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں.... اوہ ٹھہریئے.... جی ہاں چینی ہی معلوم ہوتا تھا۔"

"تم پھر بہکنے لگے۔"

"نہیں حضور! اب سے ڈھائی تین ماہ پہلے ایک چینی صاحب کے پاس آیا تھا۔ وہ اپنے سا
ایک بہت بڑا صندوق لایا تھا۔ وہی صندوق جو ابھی آپ نے اس کمرے میں دیکھا ہے۔"

فریدی چونک کر رانو کو گھورنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔

"اور اسی کے بعد ہی سے تمہیں اس کمرے میں کسی عورت کی چیخیں سنائی دینے لگی تھیں

"جی ہاں....!" رانو جلدی سے بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"تمہارے مالک کے پاس خطوط وغیرہ بھی آتے رہے ہوں گے۔"

"آتے تھے اور اکثر کتابوں کے پارسل بھی آیا کرتے تھے۔ صاحب بھی خطوط لکھا کرتے تھ

"کہاں سے آئے تھے۔"

"یہ تو نہیں بتا سکتا۔ میں پڑھا لکھا نہیں۔"

"تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی بتا سکے گا۔"

"جی نہیں وہ بھی میری ہی طرح ہیں۔"

"مگر تمہارا لب ولہجہ تو پڑھے لکھے لوگوں جیسا ہے۔"

"صحبت کا اثر ہے سرکار! میں ہمیشہ بڑے ہی لوگوں کے پاس رہا ہوں۔"

"تمہارے مالک کا ذریعہ معاش کیا تھا۔"

"یہ میں نہیں جانتا لیکن بینک سے میں ہی روپے لایا کرتا ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ سب لاش والے کمرے میں دوبارہ آئے۔ لاش اب
وہیں پڑی تھی۔ فریدی نے اُس بڑے صندوق کا ڈھکن اٹھایا جس کے متعلق رانو نے بتایا تھ
میں لمبے ریشوں والی خشک گھاس اور کاغذ کی ردی بھری ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ا
کبھی کوئی چیز پیک کی گئی ہو۔ فریدی کے اشارے پر کانسٹیبلوں نے صندوق میں بھری ہوئی
فرش پر الٹ دی۔ فریدی دیر تک اُسے ٹارچ کی روشنی میں دیکھتا رہا پھر حمید نے دیکھا کہ
کاغذ کا ٹکڑا تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ رہا ہے۔

"یہ تو ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی ہوا اندھیرے میں ہوا۔" فریدی چاروں طرف ٹارچ کی
ڈالتا ہوا بولا۔

"کیوں اندھیرے میں کیوں؟" جگدیش بولا۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں اس کمرے میں الیکٹرک فٹنگ نہیں ہے۔" فریدی نے آہستہ سے
ا۔ "اور مجرم یہاں جو کچھ بھی کرتا رہا ہے اس کے لئے اس نے موم بتیاں استعمال کی ہیں۔ کیا یہ
ملی ہوئی موم بتیوں کا موم نہیں ہے؟" اس نے ایک طاق کی طرف اشارہ کیا۔ کچھ دیر چپ رہ کر
ر بولا۔ "لیکن آج یہاں موم بتی بھی نہیں تھی۔ غالباً مجرم کو یہ یاد نہیں کہ کمرے میں موم بتی
ہیں ہے۔"

"لیکن وہ آوازیں جو روزانہ سنی جاتی تھیں۔" حمید نے کہا۔ اس کا کیا مطلب تھا۔ اس عورت
ے متعلق تو یہی سوچا جا سکتا ہے کہ یہ اس نقب کے ذریعے اندر داخل ہوئی۔

"اور! پرویز نے اس پر حملہ کیا تھا؟ اگر یہ صورت بھی تھی تو گلا گھونٹ دینے کی کوئی وجہ سمجھ
ں نہیں آتی۔ پرویز اسے مار ڈالے بغیر بھی بے دست و پا کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ جسم کی بناوٹ کے
عتبار سے کافی طاقتور معلوم ہوتا ہے اور اس عورت کو تم دیکھ ہی رہے ہو۔"

"ممکن ہے پرویز بھی اُسے بھوت ہی سمجھا ہو۔" حمید نے کہا۔ "جس طرح نوکر آپ کو
بھوت سمجھے تھے۔ اس کمرے سے متعلق ساری چیزیں ان لوگوں کی طرح پُر اسرار ہیں۔"

"پرویز کے لئے نہیں ہو سکتیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیونکہ اس کے پُر اسرار بنانے
کا ذمہ دار وہی ہے۔"

"میرے خیال سے اس عورت کے متعلق پڑوس میں چھان بین کرنی چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"نوکر فراڈ ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے اس کہانی پر اعتبار
کیسے کر لیا۔"

"محض اس لئے کہ اُن تینوں نوکروں کی بیہوشی مصنوعی نہیں تھی اور نہ اُن آوازوں میں
بناوٹ تھی، جو بیہوش ہونے سے قبل اُن کے حلق سے نکلی تھیں۔"

"ڈاکٹر بھی اُن کا پڑوسی ہے۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے وہ بھی اس سازش میں شریک ہو۔"

"یوں تو ہم بھی اسی نقب کے ذریعے اندر داخل ہوئے تھے۔" فریدی نے مسکرا کر
کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہم نے ہی اس عورت کو یہاں بھیجا ہو۔ کیوں بھئی جگدیش؟"

جگدیش ہنسنے لگا۔

"پرویز کی نیند....!" حمید مضحکانہ انداز میں مسکرایا۔ "اس نیند کے متعلق کیا خیال ہے"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ ڈاکٹر کی تشخیص غلط ہے۔" فریدی اس کی طرف مڑا۔

"میں نے تو ایسی نیند کے متعلق آج تک نہیں سنا، جو بیہوشی سے بھی زیادہ گہری ہو۔"

"کیوں؟ کیا نواب[1] وجاہت مرزا کی نیند تمہیں یاد نہیں۔"

حمید جواب دینے کی بجائے لاش کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے شاید اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

تب تو معاملہ صاف ہے فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم بھی اس سازش میں شریک ہوتے ہو۔ ورنہ اس وقت میرا اور تمہارا یہاں کیا کام! تم مجھے اس طرف لائے ہی کیوں تھے"

"میں لایا تھا۔" حمید بھنا کر بولا۔

"شاید آپ انہیں پھر پھنسانا چاہتے ہیں۔" جگدیش نے ہنس کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد لاش اٹھوادی گئی اور وہ لوگ برآمدے میں آبیٹھے۔ پرویز اب تک کرسی ہی پر تھا۔

"بیہوش ہونے سے قبل اس نے اعتراف جرم کیا تھا۔" فریدی بولا۔ "لیکن یہ ہے کو اس کے ملازمین اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ویسے آدمی دولت مند معلوم ہوتا ہے۔"

فریدی کھڑا ہو گیا۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

"اب دیکھئے۔" حمید بولا۔ "تھوڑی ہی دیر ٹھہرنا پڑتا ہے یا قیامت تک۔"

"آپ بُری طرح اکتائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہوں۔ چہ خوب! گویا آپ کو اس میں شبہ ہے۔"

"اتنا عمدہ کیس ملا ہے آپ لوگوں کے شایان شان۔"

"کیا....؟" حمید چیخ کر بولا۔ "گویا میں کیسوں کے لئے مرا کرتا ہوں۔"

"نہیں بڑے بھائی بگڑتے کیوں ہو۔" جگدیش ہنس پڑا۔

"تم نہیں جانتے کہ میں اس وقت کتنا دکھی ہوں۔"

"کیوں....؟"

[1] جاسوسی دنیا کا پہلا ناول "دلیر مجرم" ملاحظہ فرمائیے۔

"کسی عورت کی لاش دیکھ کر مجھے سب سے پہلے یہی خیال آتا ہے کہ اس کی زندگی میں اُسے ون نہ ملا۔"

"فرض کیجئے کہ آپ زندگی ہی میں اس سے مل لئے ہوتے تو۔"

"تو اس وقت میں ایک ہی نظر دیکھ کر بتادیتا کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتی تھی۔" حمید نے ادگی سے کہا۔

جگدیش ہنسنے لگا۔

"کیوں! کیا میں نے کوئی بیوقوفی کی بات کہہ دی۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

جگدیش کی ہنسی تیز ہو گئی۔

"شاید تم بھی گئے۔" حمید مایوسی سے بولا۔

جگدیش ہنستا رہا۔

"ارے....!" دفعتاً حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا....؟" جگدیش نے بھی اس کی تقلید کی۔ حمید تاریک راہداری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لدیش کے ساتھ تین کانسٹیبل بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"وہی عورت۔" حمید نے سرگوشی کی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"کون عورت....!" جگدیش نے پوچھا۔

"وہی.... جس کی لاش۔"

"کیا؟" جگدیش سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید نے جھپٹ کر جگدیش کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا اور راہداری کی طرف دوڑا۔

"ٹھہرو.... ٹھہرو۔" جگدیش نے اُسے آواز دی۔ لیکن وہ جاچکا تھا۔ جگدیش وغیرہ راہداری کے سرے پر آکر کھڑے ہو گئے لیکن اُن میں سے کوئی بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ ر انہوں نے ایسی آوازیں سنیں، جو عموماً دھینگا مشتی کی صورت میں پیدا ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی حمید ا گھٹی گھٹی سی آواز بھی سنائی دی۔ وہ جگدیش کو پکار رہا تھا۔

"کون ہے.... خبردار" جگدیش نے للکار کر زمین پر پیر پٹخے لیکن اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ پھر س نے پلٹ کر کانسٹیبلوں کی طرف دیکھا۔ لاش والے کمرے میں کوئی دھت سے زمین پر گرا اور

ساتھ ہی کسی کے دوڑنے کی آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

جگدیش نے حمید کو آوازیں دیں لیکن جواب ندارد۔ اس نے رانو کے ہاتھ سے ٹارچ ۔ اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

کمرے میں پہنچ کر انہوں نے عجیب منظر دیکھا۔ حمید زمین پر اوندھا پڑا اٹھنے کی کوشش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھوں میں اتنی طاقت بھی نہ رہ گئی کہ وہ اُن پر زور د۔ اٹھ سکے۔ جگدیش نے جلدی سے جھک کر اُسے اٹھایا لیکن وہ اُس سے لپٹ پڑا۔

"ارے.... ارے میں ہوں۔" جگدیش بوکھلا کر بولا۔ لیکن حمید اس کی گردن میں ہاتھ جھٹکا دے چکا تھا۔ اگر سپاہی آگے بڑھ کر اُسے سنبھال نہ لیتے تو وہ سر کے بل زمین پر چلا آیا ہو

"ہوش میں آؤ.... میں جگدیش ہوں۔" جگدیش خوفزدہ آواز میں چیخا۔

حمید گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اور اس نے اس طرح اپنے سر کو جھٹکے دینے شروع کر دیئے بیہوشی کے اثرات سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

"جگدیش....!" وہ گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم کہاں مر گئے تھے وہ دو تھے۔"

"کون؟"

"پتہ نہیں۔" حمید جگدیش کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔" .... وہ تمہارا ریوالور لے گئے۔"

"کیا....؟" جگدیش تقریباً چیخ پڑا۔

"دیکھتے کیا ہو! آگے بڑھو...." حمید بوکھلا کر بولا اور نقب کے راستے باہر نکل گیا۔ جگ وغیرہ بھی اس کے پیچھے لپکے۔

دوسری طرف تاریکی اور سناٹے کی حکومت تھی۔ حمید بدحواسی میں اِدھر اُدھر بھاگتا تھا۔ جگدیش اور اس کے ساتھی بھی اُس کا ساتھ دے رہے تھے وہ رکتا تو رک جاتے بھاگتا کے پیچھے دوڑتے۔

"اب کہیں وہ بھی ہاتھ سے نہ جائے۔" حمید نے چیخ کر کہا اور نقب کے راستے پھر کوٹھ داخل ہو گیا۔ پرویز بدستور آرام کرسی پر پڑا تھا۔

"حمید صاحب۔" جگدیش ہانپتا ہوا بولا۔ "بہت بُرا ہوا.... میرا ریوالور.... اب کیا ہو گ

"میں کیا جانوں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "سراسر تمہاری غلطی ہے۔ اگر تم لوگ بھی میری مدد ے لئے پہنچ گئے ہوتے تو کبھی ایسا نہ ہوتا۔"

جگدیش بدحواس ہو کر ایک کرسی پر گر گیا۔

"ملازمت گئی۔" وہ بڑبڑایا۔ "معطل ہو جاؤں گا۔ مقدمہ چلے گا۔"

"اگر انہوں نے مجھے مار ہی ڈالا ہوتا تو۔" حمید غصہ سے بولا۔

"تم نے میرا ریوالور کیوں نکالا تھا۔" جگدیش چیخا۔

"میں نے نہیں نکالا تھا۔" حمید نے گردن جھٹک کر لاپروائی سے کہا۔

"مت بکو۔" جگدیش نے جھلاہٹ میں گھونسا تان کر کہا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی کی آواز سنائی دی۔ وہ دروازے میں کھڑا حمید اور جگدیش کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"میرا بیڑا غرق کر دیا انہوں نے۔" جگدیش فریدی کی طرف مڑا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" حمید گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یک بیک بیٹھے بیٹھے نہ جانے کیا ہو گیا۔ اتنا تو میں نے دیکھا تھا کہ ذرا سا اونگھ گئے تھے۔"

"مت بکو۔" جگدیش حلق کے بل چیخا اور پھر اچانک اس کے چہرے پر بے بسی چھا گئی۔

"آخر بتاتے کیوں نہیں۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

جگدیش نے غصیلی اور روہانسی آواز میں پورا واقعہ دہرایا۔

"تم بھنگ تو نہیں پی گئے۔" حمید بُرا مان کر بولا۔ "یہ سالا سچ مچ بھوت خانہ معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا بات ہے۔" فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور پھر ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "ارے آپ کا دماغ بھی پھر گیا۔" حمید بے بسی سے بولا۔ "کان دیکھئے کوے پر غصہ اتارنے سے کیا فائدہ۔"

"دیکھو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"تو آپ اچھی طرح کب پیش آتے ہیں۔"

"حمید....!"

"سرکار والا! ابھی اور اسی وقت میرا استعفیٰ منظور فرمائیے۔"

دفعتاً فریدی جگدیش کے ریوالور ہولسٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"جگدیش کیا تم واقعی ہوش میں نہیں ہو۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"جی....!" جگدیش گھبرا کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ریوالور تمہارے ہولسٹر میں موجود نہیں ہے؟"

جگدیش نے بے اختیارانہ انداز میں ہولسٹر میں ہاتھ ڈالا اور پھر "ارے" کہہ کر پڑا.... ریوالور موجود تھا۔

"اُلّو کی دم فاختہ۔" حمید نے دانت پیس کر جگدیش کو گھورتے ہوئے کہا۔

جگدیش کا حلیہ دیکھنے کے قابل تھا۔

"ایشور قسم ان لوگوں سے پوچھ لیجئے۔" جگدیش بوکھلا کر بولا۔ کانسٹیبلوں اور پرو نوکروں نے حیرت آمیز انداز میں بڑبڑانا شروع کر دیا۔

فریدی حمید کی طرف مڑا لیکن وہ اتنی دیر میں راہداری کے بیرونی سرے تک پہنچ چ اُس نے تیز تیز قدموں سے پائیں باغ طے کیا اور پھاٹک سے گذر کر سڑک پر آ گیا اور پھر اُ ایک طرف کھڑے ہو کر جو ہنسنا شروع کیا ہے تو پیٹ دباتے دباتے اس کا بُرا حال ہو گیا۔

اُس نے اس وقت جگدیش کے ساتھ وہ شرارت کی تھی کہ جگدیش شاید مرتے دم اسے نہ بھلا سکے۔ حقیقتاً اُسے کچھ بھی نہیں دکھائی دیا تھا اور نہ اس وقت اُس کے ذہن میں شرارت تھی۔ اس نے محض جگدیش کو ڈرانے کے لئے مردہ عورت کے بھوت کا حوالہ د اُس کا ریوالور چھینا تھا لیکن جب اس نے یہ محسوس کیا کہ جگدیش اور اُس کے ساتھی خوف کی سے کمرے تک آنے کی بھی ہمت نہیں کر رہے ہیں تو دفعتاً اس کے ذہن نے قلابازی کھائی ا نئی شرارت اس کے رگ و ریشے میں کلبلانے لگی۔ پھر اس نے خود ہی ایسی اچھل کود مچائی ج کئی آدمیوں سے لڑ رہا ہو۔ بھاگنے اور گرنے والوں کی ایکٹنگ بھی خود ہی کی.... اور پھر جگد اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا تو اس نے چپ چاپ ریوالور اُس کے ہولسٹر میں سرکا دیا تھا۔

اول تو خالی پیٹ میں ہنسی شاذ و نادر ہی آتی ہے لیکن اگر زیادہ دیر تک آتی تو پھر ریاح گولے اس بُری طرح آنتوں میں ٹھوکر مارتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ لہٰذا حمید کے معدے پر مصرعہ صادق آ رہا تھا۔ "رہتے رہتے دل میں تیرادرد بھی ہو گیا۔" پیٹ میں معدے کی جگہ

بہت بڑا دکھتا ہوا گولا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ شہر کی طرف چل پڑا۔ بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ یہاں کسی سواری کا دستیاب ہونا بھی مشکل ہی نظر آ رہا تھا۔ کبھی کبھی ایک آدھ کار گذر جاتی تھی۔ وہ ٹیکسی نہ ہوتی تھی۔ بہر حال وہ پیدل ہی چلنے کا تہیہ کر کے سڑک چھوڑ کر عمارتوں کے پشت والے ویران حصے میں آ گیا۔ سڑک سے جانے میں زیادہ وقت صرف ہوتا اور چلنا بھی بہت پڑتا۔

حمید چلا تو آیا تھا لیکن حقیقتاً اُس کا ذہن اُسی قتل میں الجھا ہوا تھا۔ پرویز اس کمرے میں روزانہ کسی عورت کو چیخنے پر مجبور کرتا تھا۔ اگر وہ مقتولہ ہی تھی تو اتنے دنوں تک کمرے میں بند کیونکر رہی دن میں اس نے شور کیوں نہیں مچایا۔ پھر اُس نقب کا کیا مطلب تھا۔ وہ غیر ملکی آدمی اُس بڑے صندوق میں کیا لایا تھا۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ فریدی نے اس بکس سے کوئی کاغذ نکال کر جیب میں رکھا تھا۔ وہ چلتے چلتے رک گیا۔ کہیں قریب ہی سے پٹرول کی تیز بو آ رہی تھی۔

پٹرول کی بو

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھور رہا تھا۔ دفعتاً اُسے اپنی بائیں جانب والے نشیب میں ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔ تقریباً دو ڈھائی سو گز کے فاصلے پر جھاڑیوں کے قریب ایک آدمی نظر آ رہا تھا جس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ ٹارچ کی روشنی میں حمید کو ایک دوسرا انسانی مجسمہ دکھائی دیا، جو ایک سفید چادر میں لپٹا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ قریب ہی پٹرول کا ٹین رکھا تھا۔ اُس آدمی نے ٹین اٹھا کر چادر میں لپٹے ہوئے جسم پر پٹرول انڈیلنا شروع کیا۔ ہوا کے جھونکے پٹرول کی بو کو دور دور تک پھیلا رہے تھے۔

حمید نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اسے للکارنا شروع کر دیا۔

"خبردار! گولی مار دوں گا۔"

اس آدمی کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی اور وہ ایک ہی جست میں جھاڑیاں پار کر کے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ حمید اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا اس نے زمین پر پڑے ہوئے آدمی کے پاس سے ٹارچ اٹھائی اور جھاڑیوں میں گھس گیا لیکن پندرہ بیس منٹ سر مارنے کے باوجود بھی بھاگنے والے

کا نشان نہ ملا۔

تھک ہار کر وہ پھر اسی جگہ واپس آ گیا۔ چادر میں لپٹا ہوا جسم اب بھی اسی حالت میں پڑا
حمید نے اُس کے چہرے سے چادر اٹھائی اور چیخ کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

کیا یہ اسی عورت کی لاش نہیں تھی۔ وہ لاش جسے تھوڑی دیر قبل پولیس اٹھا لے گئی ت
پھر یہ یہاں کیسے۔ کیا اس پُر اسرار آدمی نے اس پر اس لئے پٹرول نہیں چھڑکا تھا کہ اُسے
دے؟ آخر وہ کون تھا اور اسے لاش کس طرح ملی۔

وہ پھر آگے بڑھا۔ مقتولہ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ حمید پھر ٹھٹک گیا۔ اسے یاد آ رہا
اُس نے جو لاش کمرے میں دیکھی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن یہ کھلی ہوئی آنکھیں ز
سے بھرپور معلوم ہو رہی تھیں۔ حمید نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا جو دباہی چلا گیا۔ وہ پھر ا
کر پیچھے ہٹ آیا؟ کیا اس کا سر پلپلا ہے۔ یعنی سر میں ہڈی ہی نہیں۔ خوف کی ایک ٹھنڈی سی لہ
کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

اس نے پھر جی کڑا کر کے اس کے پیر ٹٹولے لیکن وہاں بھی ہڈی ندارد۔ ایک خیال
سے اُس کے ذہن میں گونجا اور اس نے اس جسم سے لپٹی ہوئی چادر کھینچ کر ایک طرف ڈال
اور پھر اُسے یہ سمجھ لینے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ مجسمہ ربر کا تھا۔ لیکن یہ بھی کم حیرت
دریافت نہ تھی۔ آخر اس کا کیا مطلب! ربر کا مجسمہ؟ جو ہو بہو مقتولہ کی نقل تھا۔

حمید تھوڑی دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے اس مجسمے کو اٹھایا اور چل پڑا.... مجسمہ
بھاری نہیں تھا۔ تھوڑی دور چل کر وہ پھر لوٹ پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس واقعے کا تعلق
اسی معاملے سے نہ ہو۔ لہٰذا پٹرول کے ٹین اور اُس چادر کو وہیں چھوڑ دینا نامناسب معلوم ہو
لیکن اس سلسلے میں سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ وہ اُن سب چیزوں کو لاتا کس طرح۔
منٹ تک سوچتا رہا پھر اس نے پٹرول کا ٹین اور چادر جھاڑیوں میں چھپا دی۔

وہ اسی وقت پرویز کے مکان پر جا کر فریدی کو بھی اس کی اطلاع دے سکتا تھا لیکن
دوسری اسکیم کے تحت جو اُسے اسی وقت سوجھی تھی اس نے واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔
اس نے اس مجسمے کو کاندھے پر اٹھایا اور چل پڑا۔ اُسے سب سے زیادہ فکر اس بات کی
نوکروں کی نظر اُس مجسمے پر نہ پڑنے پائے۔ آخر کار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گیا۔ وہ

یدی کے کمرے میں پہنچا اور مجسمے کو اس کے بستر پر ڈال کر چادر سے ڈھک دیا۔

اس سے فراغت حاصل کر کے اُس نے کھانے کے لئے ہلڑ مچانا شروع کر دیا... اور پھر
ابھی پہلا لقمہ بھی نہ اٹھایا تھا کہ فریدی اور جگدیش بھی آ گئے۔

"آج تمہاری خیریت نہیں۔" فریدی اُسے مکا دکھا کر بولا۔

"اطلاعاً عرض ہے کہ میں بھی کسی سے کمزور نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور جلدی
جلدی منہ چلانے لگا۔

"بیٹھو بھئی جگدیش۔" فریدی ڈائننگ ٹیبل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں کپڑے بدل
ر آتا ہوں بے تکلف شروع کر دو۔ میں بھی آ کر شریک ہو جاؤں گا۔"

فریدی اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"اور سناؤ بھائی جگدیش بہت دنوں بعد ملاقات ہوئی۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "کھاؤ نا یار
بس شروع ہو جاؤ! فریدی صاحب ابھی شیو کریں گے۔"

"میں تم سے ناراض ہوں۔" جگدیش نے گردن اکڑا کر کہا۔ "تم نے میرا بڑا مضحکہ اڑایا۔
کانسٹیبلوں کے سامنے تمہیں ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔"

"خدا کی قسم! کسی دن بیچ بازار میں تمہاری بے عزتی کروں گا۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"اگر فرض کرو وہ حادثہ حقیقت پر مبنی ہوتا تو تم نے میری گردن ہی کٹوا دی تھی۔"

جگدیش بغلیں جھانکنے لگا.... حمید بولتا رہا۔

"تمہارے محکمے میں لومڑیوں کے علاوہ آج تک کوئی اور دوسرا جانور نظر نہ آیا.... چوڑیاں
پہن....!"

دفعتاً حمید کے منہ کا نوالہ باہر نکل پڑا اور اس کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔

"اِہ....اِہ....اِہ....ایہہ۔"

اور اس لمبی سی "ایہہ" کے بعد وہ کرسی سے لڑھک کر زمین پر چلا آیا۔

جگدیش نے پلٹ کر دیکھا۔ فریدی اُسی مجسمے کو گردن سے پکڑے ہوئے آ رہا تھا۔ حمید کو اس
طرح گرتے دیکھ کر اُس نے اُسے زمین پر ڈال دیا اور حمید کی طرف لپکا۔

جگدیش حمید کی بجائے زمین پر پڑے ہوئے مجسمے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"سنو بھئی۔" فریدی نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر کے کہا۔ "کیا تم بھی ڈر رہے ہو۔ ربر کا مجسمہ ہے۔ میاں حمید بیہوش ہو گئے ہیں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ جگدیش بھی اس کے قریب

فریدی چند لمحے حمید پر جھکا ہا تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑاتا رہا۔ پھر اس نے اس کے دونو پکڑ کر جو زور لگایا ہے تو وہ "اکھڑ گئے" کا نعرہ مار کر کھڑا ہو گیا۔

"کہاں تھا یہ مجسمہ....؟" فریدی نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ کر پوچھا۔

"ارے میں.... خیں.... خیں.... میں کیا جانوں۔"

حمید اس کے ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"اس سے کام نہیں چلے گا برخوردار....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "شرارت کے نشے اپنا رومال اسی کے نیچے چھوڑ آئے تھے۔"

"تب تو مجبوری ہے۔" حمید اپنے کان سہلاتا ہوا بولا۔

"فضول باتیں مت کرو۔"

"میرے ایک دوست نے تحفتاً پیش کیا ہے۔" حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔

"تین دن تک سونے نہیں دوں گا۔" فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید نے درویشوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر شعر پڑھا۔

"قبر میں جی بھر کے سونا زندگی کی نیند کیا
زہرو راہِ عدم اٹھ اب سویرا ہو گیا"

"سچ کہتا ہوں! مارتے مارتے سویرا کر دوں گا۔" فریدی بولا۔

"راستے میں پڑی ملی تھی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"غلط کہتے ہو.... میرا خیال ہے کوئی اسے جلانے جا رہا تھا۔"

"جی....!" حمید نوالا ہاتھ سے رکھ کر بولا.... اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی اس پر کیونکر پہنچا۔ پٹرول کی بو بھی اُس میں باقی نہیں رہ گئی تھی۔

"جناب۔" فریدی پُر سکون آواز میں بولا۔ "مذاق میں مت ٹالو.... یہ بہت ضروری ہے"

حمید نے رک رک کر پورا واقعہ دہرایا۔ لیکن اُس کا ہاتھ اور منہ تیزی سے چل رہے

ے خدشہ تھا کہ فریدی واقعات سن لینے کے بعد جائے واردات کی طرف ضرور دوڑے گا۔ لہٰذا ٹ تو بھر ہی لیا جائے۔

"اور تم وہ چادر اور پٹرول کا ٹین وہیں چھوڑ آئے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"بہت احتیاط سے ایک جگہ چھپا آیا ہوں۔"

"اچھا تو ختم کرو کھانا۔"

"ختم سرکار۔" حمید نے پانی کا گلاس چڑھا کر ڈکار لی اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "آپ ں بھی کھا لیجئے۔"

"واپسی پر۔" فریدی جگدیش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"جی ہاں.... اور کیا؟" جگدیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

فریدی نے گیرج سے جیپ نکالی۔

"چلو تمہیں ڈرائیو کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"بہت بہتر۔" حمید نے کہا۔ لیکن فریدی اس کی آنکھوں کی شرارت آمیز چمک نہ دیکھ سکا۔

سڑک سے گذر کر جیپ ویران راستوں پر ہو لی۔ حمید جان بوجھ کر اُسے بہت زیادہ ناہموار لن پر چلا رہا تھا۔

"یار بس بھی کرو۔" جگدیش کراہ کر بولا۔ ذرا ہی سی دیر میں جیپ کے جھٹکوں نے اس کی نس ڈھیلی کر دی تھی۔ فریدی خاموش بیٹھا رہا۔ پتہ نہیں وہ نید کی اس حرکت کو جان بوجھ کر نظر از کر رہا تھا یا خیالات میں اس بُری طرح کھویا ہوا تھا کہ اس کی طرف دھیان ہی نہیں ہوا۔

"کیوں....؟" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگایا کہ کوئی اسے نے جا رہا تھا۔"

"تم اسی لئے پوچھ رہے ہو نا کہ پٹرول کی بو تو اڑ گئی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی!"

"لیکن کانوں کے سوراخوں میں خفیف سی بو باقی رہ گئی تھی اور پھر اس کے بالوں میں ایک دیا ائی بھی الجھی ہوئی ملی تھی۔ بہر حال تم چوک گئے۔ اس آدمی کو پکڑنا تھا۔

"پرویز کا کیا ہوا؟"

"ہم اسے ہسپتال بھجوا کر آئے ہیں، اس کی نیند میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔"

اچانک حمید نے بریک لگائی اور جگدیش کا سر اس کی پیٹھ سے ٹکرا گیا۔

"سنبھل کر بیٹھو۔" حمید نے انجن بند کرتے ہوئے کہا اور نیچے اُتر گیا۔

پٹرول کا ٹین اور چادر بدستور اُسی جگہ موجود تھے جہاں حمید نے انہیں چھپایا تھا۔

پھر وہ انہیں اُس مقام پر لایا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں ق جوار کی زمین کا جائزہ لینے لگا۔ ایک جگہ تین چار دیاسلائیاں پڑی ہوئی ملیں۔

"غالباً گھبراہٹ میں گر گئی ہوں گی۔" فریدی بولا۔ "آدمی بہت زیادہ دلیر نہیں ہوتا۔"

زمین سخت تھی اس لئے قدموں کے نشانات دیکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ پھ فریدی نے اس کے امکانات کو نظرانداز نہیں کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس لوٹ رہے تھے۔

"پرویز کے نوکروں کا کیا ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! ان کا کیا ہوتا۔"

"بہر حال بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"اب نہیں رہ گیا۔" فریدی بولا۔ "تھوڑی دیر قبل ضرور تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں تم سے کب کہتا ہوں کہ سمجھو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔

گھر پہنچ کر فریدی اور جگدیش نے کھانا کھایا۔ دورانِ طعام میں جگدیش نے اس کیس متعلق کئی بار گفتگو کرنی چاہی لیکن فریدی نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ خود بھی ابھی معاملا نوعیت کو بخوبی نہیں سمجھ پایا ہے۔

جگدیش کے چلے جانے کے بعد فریدی نے خود ہی گفتگو چھیڑ دی۔

"اگر یہ ربر کا نمونہ نہ ملتا تب بھی ہم اس نتیجے پر ضرور پہنچتے۔"

"کس نتیجے پر۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ اس کمرے میں ایک ربر کا مجسمہ تھا۔"

"تو کیا وہ اُسی کمرے میں تھا۔"

"جناب۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اُس بڑے صندوق میں وہ مجسمہ ہی لایا گیا تھا۔"

"کہاں سے؟"

"شہر کی ایک جاپانی فرم سے جو کھلونوں کا کاروبار کرتی ہے۔ غالباً پرویز نے باقاعدہ آرڈر ے کر اُسے بنوایا تھا اور میرا خیال ہے کہ اس پر کافی پیسہ صرف ہوا ہوگا۔"

"فرم کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" حمید نے پوچھا۔

فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر "جاپانیز جنٹس کارپوریشن۔" چھپا ہوا تھا۔

"یہ پرچہ اُسی صندوق میں ملا تھا۔" فریدی بولا۔

"بات کچھ کچھ سمجھ میں آتی ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بھی فی الحال اس ہی ہے۔"

"چلو قیاس ہی سہی! لیکن یہ بات تو ماننی ہی پڑے گی کہ ابھی تم اسی مجسمے کی شکل کی ایک لاش لھ چکے ہو۔ اور وہ بھی پرویز کی کوٹھی کے ایک پُراسرار کمرے میں۔"

"چلئے مان لی میں نے یہ بات..... پھر.....؟"

"پھر یہ کہ پرویز کے عجیب وغریب عادات واطوار۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اچھا صاحب زادے تم نے اُس چھوٹے اور سیاہ رنگ کے صندوق کو بھی دیکھا ہوگا۔ جو ایک وٹی سی میز پر رکھا ہوا تھا۔"

"کچھ یاد تو پڑتا ہے۔"

"اُسے بھی دیکھنے کی زحمت گوارا کی تھی تم نے۔"

"نہیں۔"

"اگر تم دیکھتے بھی تو اُس کی اہمیت کو نظرانداز کر جاتے۔"

"کیوں؟ کیا چیز تھی اس میں۔"

"کچھ بھی نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ حقیقتاً گراموفون تھا۔"

"گراموفون؟" حمید نے احمقوں کی طرح دہرایا۔

"ہاں گراموفون؟.... کیا سمجھے؟"

"گراموفون ہی سمجھا؟"

"ڈیوٹ ہو! آخر اس کمرے میں گراموفون کا کیا کام؟ اور وہ بھی صرف گراموفون ندارد۔ پورے گھر میں ایک بھی ریکارڈ نہ مل سکا۔"

"تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "میرے خیال سے وہ ایک ہونے کی بناء پر اس کمرے میں ڈال دیا گیا ہوگا۔ وہ کمرہ غالباً اسٹور روم کی حیثیت سے ا جاتا ہے۔ کیونکہ نہ تو اس میں الیکٹرک فٹنگ ہے اور نہ کھڑکیاں وغیرہ۔"

"ٹھیک ہے! لیکن گراموفون کی اُن استعمال شدہ سوئیوں کے بارے میں کیا کہو گے میز پر پائی گئی ہیں۔"

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ چیخیں۔"

"بہت دیر میں سمجھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پرویز روزرات کو ایسا ریکارڈ بجاتا تھا صرف چیخیں تھیں۔"

"لیکن وہ ریکارڈ۔"

"اس مجسمے کی طرح وہ بھی گراموفون سے غائب کر دیا گیا۔"

"فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا اور پھر حمید لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اُ پر آمادہ نہ کر سکا۔"

وہ کون تھی

دوسری صبح فریدی نے سب سے پہلے اسپتال فون کیا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ پرویز کی نیند جاری ہے اور یقین کے ساتھ یہ بتانا دشوار ہے کہ اس کا سلسلہ کب ختم ہوگا۔ ہو سکتا کے لئے سر کے آپریشن کی ضرورت بھی پیش آئے۔

فریدی ریسیور رکھ کر کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر

رے کی طرف دیکھا۔ حمید ابھی تک خراٹے لے رہا تھا۔ فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا س کی ہدایت تھی کہ سوتے وقت کمرے کو کبھی مقفل نہ کیا جائے۔

"حمید....!" فریدی نے آواز دی۔

"ارے.... ہر.... ہر.... ہٹ.... تُخ.... تُخ۔" حمید نے بڑبڑا کر کروٹ لی۔

اور پھر فریدی نے جھنجھوڑ کر اُسے کھڑا کر دیا۔

"کیا مصیبت ہے؟" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

"خیر مجھے کیا۔ میں کہے دیتا ہوں کہ حمید صاحب نہیں ملنا چاہتے۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"کس سے....!" حمید نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ایک لڑکی ڈرائنگ روم میں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"لڑکی....!" حمید نے حیرت سے کہا پھر ہنس پڑا۔ "مجھے گھس رہے ہیں، بہت اچھے۔"

"تمہاری مرضی۔" فریدی شانوں کو جنبش دے کر جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہریئے۔ آپ نے میرے بڑے حسین خواب کا خون کر دیا ہے۔ میں خواب دیکھ رہا تھا جیسے میں مویشی خانے کا منشی بنا دیا گیا ہوں۔"

"تھے تو اسی قابل۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

اور پھر حمید کو یقین کر لینا پڑا کہ حقیقتاً کوئی لڑکی ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کر رہی ہے۔ اس نے جلدی جلدی شیو کیا اور لباس تبدیل کر کے باہر نکلا تو فریدی کو ناشتے کی میز پر دیکھا جو نہایت اطمینان سے بیٹھا کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔

حمید کو پھر خیال آیا کہ شاید اُس نے اُسے اُلو بنایا ہے۔ للہٰذا وہ ڈرائنگ روم کی طرف جانے کی بجائے سیدھا ناشتے کی میز کی طرف بڑھا۔

"آج موسم خوشگوار ہے۔" اُس نے اپنے سامنے کی پلیٹ سیدھی کرتے ہوئے کہا۔

"کل بھی خوشگوار تھا۔" فریدی بولا۔

"امید ہے کہ پرسوں بھی رہے گا۔" حمید نے کہا اور کافی انڈیلنے لگا۔

"تو کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ چلی گئی۔" فریدی چونک کر بولا۔

"مجھے اُسی وقت سے معلوم ہے جس وقت آپ نے اس کی آمد کی خوشخبری سنائی تھی۔" حمید

لاپروائی سے بولا۔

"تم شاید مذاق سمجھے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ لو۔"

اس نے اس کی طرف کاغذ کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنا پتہ دے گئی ہے اور کہہ گئی ہے کہ جلدی کی وجہ سے وہ انتظار نہیں کر سکتی۔ حمید صاحب کو بھیج دیجئے گا.... تم اُسے کب سے جانتے ہو۔"

حمید نے تحریر پر نظر ڈالی، لیکن مس رعنا سلیم کی شخصیت اس کے ذہن کے گوشے میں نہ ابھری۔ سرسری جان پہچان والیوں میں بھی شاید اس نام کی کوئی نہیں تھی۔

پتہ چار بٹا سولہ۔ دارو والا بلڈنگ تھا۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں آرہا تھا کہ اس نے کبھی اس عمارت ہی میں قدم رکھا ہو۔

"میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟" حمید کاغذ پر نظر جمائے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"بکتے ہو۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ کو یقین نہ آئے گا۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "لڑکی فراڈ معلوم ہوتی ہے، خیر میں دیکھوں گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک انتظار کرتا رہا کہ شاید کچھ کہے لیکن اس کی مسلسل خاموشی نے خود اُسے ہی بولنے پر مجبور کر دیا۔

"آج کا پروگرام۔"

"کوئی خاص نہیں۔" فریدی نے بے دلی سے کہا۔

"کیا آپ اس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"قطعی لے رہا ہوں۔"

"پھر....؟"

"پھر کیا؟ ابھی تک کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچا۔"

"اگر میری موجودگی ضروری نہ ہو تو....!" حمید جملہ ختم کئے بغیر ہی خاموش ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ وہ تمہاری پرانی شناسا ہے اور تم اُس سے ملنے کے لئے ضرور جاؤ گے۔ بہرحال میں تمہیں روکتا نہیں۔"

"شکریہ....!" حمید نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد حمید کی موٹر سائیکل دارو والا بلڈنگ کی طرف جا رہی تھی۔ دارو والا بلڈنگ شہر کی مشہور عمارتوں میں سے تھی۔ اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کی تیسری منزل پر محکمہ خوراک کے دفاتر تھے۔ پہلی دوسری اور چوتھی منزلوں کے فلیٹ رہائش کے لئے استعمال ہوتے تھے اور ان کا کرایہ اتنا زیادہ تھا کہ صرف ذی حیثیت لوگ ہی اُن میں رہ سکتے تھے۔

حمید چوتھی منزل پر پہنچ کر سولہ نمبر کے فلیٹ کے سامنے رک گیا، جو مقفل تھا۔ دروازے کی داہنی جانب مس رعنا سلیم کے نام کی تختی نظر آئی اس کا رہا سہا شبہ بھی رفع ہو گیا۔ ورنہ راستہ بھر وہ سوچتا آرہا تھا کہ کہیں احمق نہ بننا پڑے۔ وہ فریدی کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب بھی حمید اُسے چوٹ دینے کی کوشش کرتا اس کی طرف سے جوابی کاروائی ضرور ہوتی۔ پچھلی رات اُس نے اُسے اُس مجسمے کے سلسلے میں بیوقوف بنانے کی کوشش کی تھی لہٰذا اُسے خدشہ تھا کہ فریدی اُس کا بدلہ ضرور لے گا۔

حمید کھڑا سوچ رہا تھا کہ برابر والے فلیٹ سے ایک لڑکی نکلی اور حمید کو وہاں کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ حمید نے پہلی ہی نظر میں اس کا پورا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ ایک قبول صورت اور الٹرا موڈرن قسم کی لڑکی تھی۔ عمر اٹھارہ انیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ نیلے اسکرٹ میں وہ کافی حسین لگ رہی تھی۔

حمید نے اپنی فلٹ ہیٹ اتاری اور مودبانہ انداز میں بولا۔

"کیا آپ مس رعنا سلیم کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔"

لڑکی نے تحیر آمیز نظروں سے اُسے دیکھا اور پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"آپ ٹھہرئیے۔ میں انہیں بلائے دیتی ہوں۔ غالباً نچلی منزل میں ہوں گی۔"

حمید اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک گرانڈیل قسم کے ادھیڑ آدمی کیساتھ واپس آئی۔ پھر وہ تو اپنے فلیٹ میں چلی گئی اور وہ آدمی کھڑا حمید کو گھورتا رہا۔ اس نے خاکی گبرڈین کے پتلون پر چوڑی دھاریوں والی بنیائین پہن رکھی تھی۔ حمید نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ نشے میں ہے۔

"کیوں.... بیٹا؟" وہ بھاری بھرکم آواز میں غرایا۔

"کیا مطلب....!" حمید کی بھنویں تن گئیں۔

"ڈھمپ کٹل! مطلب پوچھتے ہو۔" اُس نے ہنس کر کہا۔ "کہاں ہے لونڈیا؟"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید کو غصہ آ گیا۔

"لونڈیا کہاں ہے؟ مارتے مارتے ڈھمپ کٹل بنادوں گا۔ بتاؤ لونڈیا کہاں ہے ڈھمپ کٹل۔"

"شٹ اپ....!"

"شٹ اپ سے کام نہیں چلے گا ڈھمپ کٹل۔ کل رات وہ تمہارے ہی ساتھ گئی تم ڈھمپ کٹل اب ردا جمانے آئے ہو۔ بتاؤ ورنہ بھیجا پھاڑ دوں گا۔"

حمید چکرا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ برابر والے فلیٹ میں دستک دے یا اُسی الجھا رہے۔ اُسے ساتھ لانے والی اتنی بے تکلفی سے اپنے فلیٹ میں چلی گئی تھی جیسے تھوڑی د قبل اُس سے اور حمید سے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

"میں رعنا سلیم کے متعلق پوچھ رہا تھا۔" حمید نے نرمی سے کہا۔

"اور نہیں تو کیا میں اُس کی ماں کے بارے میں کہہ رہا ہوں ڈھمپ کٹل! بتاؤ لونڈیا کہاں ہے۔"

"ہوں۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور یہ ڈھمپ کٹل کیا ہے۔"

"ڈھمپ کٹل ہے۔ بتاؤ لونڈیا کہاں ہے۔"

اس بار حمید کی زبان نہیں چلی بلکہ ہاتھ چلا۔ وہ نشے میں تو تھا ہی۔ تھپڑ کا بار نہ سنبھال سکا لڑکھڑایا تو پیٹھ کھڑکی سے جا لگی۔ کھڑکی شائد اندر سے بند نہیں تھی۔ اس کے دونوں پٹ کھل گئے اور توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر اس کی کمر دوہری ہو گئی۔ اس کے منہ سے ایک کریہہ نکلی اور وہ دونوں ہاتھوں سے کمر تھام کر بیٹھ گیا۔ اس پر سے حمید نے ایک ٹھوکر بھی جڑ دی۔

لیکن دوسرا لمحہ ایسا نہیں تھا کہ اُسے اس آدمی کی طرف دھیان دینے کا موقعہ ملتا وہ بیٹھا رہا تھا اور ارد گرد کے فلیٹوں سے لوگ نکلنے لگے تھے

حمید کی نظریں کھڑکی سے گذر کر کمرے کے اندر لگی ہوئی ایک بڑی تصویر پر جم گئیں اور سو فیصدی اسی عورت کی تصویر تھی جس کی لاش وہ پچھلی رات کو پرویز کے یہاں دیکھ چکا تھا۔ ح نے پھر ایک اچٹتی سی نظر ان لوگوں پر ڈالی جو فلیٹوں سے نکل کر بالکنی میں جمع ہو رہے تھے۔ اسکرٹ والی لڑکی چوٹ کھائے ہوئے آدمی کو فرش سے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ حمید اس بات پر بڑی حیرت ہو رہی تھی کہ فلیٹ والوں نے یہ تک جاننے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی

نہ کیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں چوٹ کھانے والے سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہ ہو۔

"سالے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ڈھمپ کٹل۔" وہ پھر اٹھ کر حمید کی طرف جھپٹا۔ لیکن اس حمید کی ٹانگ چل گئی اور اُسے خود ہی اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے اس سے پہلے کبھی اتنی شاندار اس (غالباً فارسی میں "چپ راست") نہیں ماری تھی۔ وہ پھر ڈھیر ہو گیا اور اس بار اس کا سر ار سے ٹکرا گیا۔ وہ بیہوش ہو گیا تھا۔

نیلے رنگ کے اسکرٹ والی لڑکی پھر نیچے کی طرف جانے لگی۔

"ٹھہرو۔" حمید نے اُسے مخاطب کیا۔ "ادھر چلو! تم نیچے نہیں جا سکتیں۔"

"کیوں؟" وہ پلٹ کر حمید کو گھورنے لگی۔

"اپنے فلیٹ میں جاؤ۔" حمید تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"نہیں جاتی.... تم کون ہو۔ میں ابھی پولیس کو اطلاع دیتی ہوں۔"

"میں پولیس کا باپ ہوں.... اندر جاؤ۔"

لڑکی نے تماشائیوں کی طرف دیکھا لیکن ان میں سے کسی نے بھی اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔

معاملات آہستہ آہستہ حمید کی سمجھ میں آتے جا رہے تھے۔

"لڑکی.... مجھے سختی پر مجبور نہ کرو۔ میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں یہ شریف آدمی تمہاری طرفداری کیوں نہیں کر رہے ہیں۔ اندر جاؤ۔"

بیہوش آدمی ابھی تک وہیں پڑا ہوا تھا کسی نے یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ دفعتاً حمید نے آگے بڑھ کر اس لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اس کے فلیٹ میں دھکیل کر روازہ باہر سے بند کر لیا۔

"آپ کون ہیں؟" تماشائیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"سرکاری آدمی۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "ذرا ادھر آیئے۔"

حمید رعنا سلیم کے فلیٹ کی کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس آدمی کے قریب پہنچتے ہی اُس نے تصویر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"وہ رعنا سلیم ہی ہے۔"

"جی ہاں!" اس نے سر ہلا کر کہا اور حمید کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

"اس کارعنا سے کیا تعلق ہے۔" حمید نے بیہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"تعلق! کیا بتاؤں۔" اس نے کہا۔ "ان سب نے مل کر ہماری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ ہی کیا آپ نے جو مارتھا کو نیچے نہیں جانے دیا ورنہ وہ اس کے ساتھیوں کو بلا لاتی۔"

"ان دونوں کے علاوہ کوئی اور بھی لڑکی یہاں ایسی ہے۔"

"نہیں.... صرف یہی دونوں.... اور یہ ٹائیگر۔" اس نے بیہوش آدمی کی طرف ا کر کے کہا۔ "ایک خطرناک قسم کا غنڈہ ہے۔ ان دونوں سے پیشہ کراتا ہے۔"

"کیا اس کا نام ٹائیگر ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"نام کوئی نہیں جانتا۔ وہ خود کو فخریہ ٹائیگر کہتا ہے اور امریکی ڈاکوؤں کی طرح کا لباس پہنتا ہے

"ہوں.... یہاں کہیں قریب فون ہے۔"

"جی ہاں.... میرے فلیٹ میں۔" تماشائیوں میں سے ایک نے کہا۔ "میرے ساتھ آئیے

"آپ لوگوں نے پولیس کو اس کی اطلاع کیوں نہیں دی۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"اپنی شامت بلواتے یہ اور اس کے ساتھی ہمیں زندہ نہ رہنے دیتے۔ معاف کیجئے گا پو خود اس سے پیسے کھاتی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد حمید انسپکٹر جگدیش کو فون کر رہا تھا۔

"ہیلو.... انسپکٹر جگدیش.... میں حمید بول رہا ہوں.... مقتولہ کی رہائش کا پتہ چل گیا۔ والا بلڈنگ کی چوتھی منزل پر فوراً پہنچو۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کو مقتولہ کا ٹھکانہ کیسے معلوم ہوا۔ اُسے اُس کے نام کا کیونکر ہوا۔ یہ بات تو اُس کی سمجھ میں اچھی طرح آ گئی تھی کہ اس وقت فریدی نے دراصل ا سے پچھلی رات والی شرارتوں کا بدلہ لیا تھا۔

"اس غنڈے کے دوسرے ساتھی کہاں ہوں گے۔" حمید نے ایک سے پوچھا۔

"نیچے پہلے مالے میں فرینڈز ہوٹل جو ہے نا۔ وہ اسی سالے کا ہے اور اس کے ساتھی و ہوتے ہیں۔"

دارو والا بلڈنگ سے کوتوالی زیادہ دور نہیں تھی اس لئے جگدیش کو وہاں پہنچنے میں دیر نہ لگی

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" حمید بولا۔ "سب سے پہلے اُن غنڈوں کو پکڑنا ہے۔"

فلیٹ والوں کی شناخت پر ٹائیگر اور اس کے ساتھیوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ ٹائیگر کو ہوش آ گیا تھا اور وہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ نیلے اسکرٹ والی مارتھا بھی حراست میں لے لی گئی۔ یہ بات تو ظاہر ہی ہو چکی تھی کہ وہ لوگ ان لڑکیوں سے پیشہ کراتے تھے لہٰذا حمید نے اُن سے رعنا کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی۔

"تم نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا تھا کہ کل رات کو رعنا جس کے ساتھ تھی وہ میں ہی تھا۔" حمید نے مارتھا کو مخاطب کیا۔

"میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔" مارتھا نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن اس نے سوٹ اسی قسم کا پہن رکھا تھا۔"

"کیا وہ یہاں آیا تھا؟"

"نہیں۔"

"پھر تم نے انہیں کہاں دیکھا تھا۔"

"آرلکچنو میں۔"

"تو تم نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔"

"یہاں اُس کے پاس کون کون آتا تھا۔"

"یہاں کوئی نہیں آتا۔" مارتھا نے کہا اور سر جھکا لیا۔

"سوسائٹی گرلز والا رویہ ہو گا ان کا۔" جگدیش مسکرا کر بولا۔

"کچھ ایسے آدمیوں کے متعلق بتا سکتی ہو جن کے ساتھ تم نے اُسے کبھی دیکھا ہو گا۔"

"یہ بتانا مشکل ہے۔ ہم دونوں کبھی ساتھ نہیں رہے۔"

"کیا تم جانتی ہو کہ کسی نے اُسے پچھلی رات کو قتل کر دیا؟"

"کیا....؟" مارتھا چیخ اٹھی۔ اس کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔

"صاحب ہم بے قصور ہیں۔" ٹائیگر ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔ اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

حمید رعنا سلیم کے فلیٹ کی تلاشی لینے کے متعلق سوچنے لگا۔

ایک تصویر

واپسی پر حمید کا سینہ فخر سے پھولا ہوا تھا۔ پورٹیکو میں قدم رکھتے ہی اُس نے انگریزی ر میں سیٹی بجانی شروع کردی۔ تلاشی کے دوران میں اس نے چند ایسی چیزیں دریافت کی تھیں کی اس کی نظروں میں بڑی اہمیت تھی۔

نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی تجربہ گاہ میں ہے۔ حمید بڑی شان سے زینے طے کر اوپری منزل پر پہنچا۔ فریدی ٹسٹ ٹیوب میں کوئی سیال شے ڈالے ہوئے اسپرٹ لیمپ کی گر ش دے رہا تھا۔ حمید کی آہٹ پر اس نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر مشغول ہو گ

حمید تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا لیکن جب فریدی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا تو وہ خود ہی ب

"رعنا سلیم آپ کے حسن کی بڑی تعریف کر رہی تھی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم کوئی حماقت کر کے آئے ہو۔" فریدی بدستور سر جھکائے ہوئے بو

"جی ہاں! میں نے اُس سے آپ کی شادی طے کردی ہے۔"

"شکریہ۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور پھر ٹسٹ ٹیوب کو اسپرٹ لیمپ سے ہٹا کر آنک کے قریب لے جاتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ ذرات تحلیل نہیں ہو سکتے۔"

"خواہ میری کھوپڑی تحلیل ہو کر دریائے نربدا ہو جائے۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھ بولا۔

"کیا مضائقہ ہے؟ لیکن یہ ذرات۔"

"میں کہتا ہوں آخر اس طرح اُلو بنانے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"محض اس لئے کہ میں تمہیں انگلی پکڑ کر نہیں چلانا چاہتا۔"

"نہیں بلکہ گردن پکڑ کر دھکا دینا چاہتا ہوں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"سنو! اس کیس کو تمہیں ہی نپٹانا ہے۔ میں آج کل بہت مشغول ہوں۔" فریدی نے ک ٹسٹ ٹیوب کی سیال شے ایک برتن میں انڈیل دی۔ پھر اس نے رومال سے دونوں ہات

کے سگار سلگایا اور حمید کے چہرے پر نظریں جماتا ہوا بولا۔ "بک چلو۔"

"بک بک بک۔" حمید نے ٹہلنا شروع کر دیا اس حرکت میں جھنجھلاہٹ بھی شامل تھی۔

فریدی ہنس پڑا۔

"میں کہتا ہوں اگر میں پٹ جاتا تو۔" حمید پلٹ پڑا۔

"آئندہ کے لئے سعادت مند ہو جاتے اور کیا۔"

حمید نے سوچا کہ زیادہ بات بڑھانا مناسب نہیں آخر اسے اپنی کارگزاریوں کی دھاک بھی تو انی تھی۔

"آپ کو اس کا نام اور پتہ کیسے معلوم ہوا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کے ملاقاتی کارڈ سے، جو اس کے پرس سے برآمد ہوا تھا۔"

"رات آپ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"کیوں؟"

"یونہی....!"

"اس تصویر کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" حمید نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر یدی کے سامنے ڈال دی۔ یہ اُسی تلاشی کے دوران میں ملی تھی۔

"معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

اُس تصویر کے متعلق حمید نے بھی کچھ سوچا تھا لہٰذا وہ فریدی کی رائے معلوم کرنے کے ئے بے چین ہو گیا۔

"اور یہ کہ وہ ایک پیشہ ور قسم کی سوسائٹی گرل تھی۔" حمید نے کہا اور پوری روداد دہرادی۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کا چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ دفعتاً وہ ئی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس نے اُن دونوں کو آرلکچنو میں کس وقت دیکھا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"ساڑھے چھ اور سات کے درمیان۔"

"ٹھیک۔" فریدی پھر سوچ میں پڑ گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا لیکن پھر فریدی کی خاموشی برداشت سے باہر ہو گئی۔

"ابھی آپ نے کہا تھا کہ معاملہ صاف ہو گیا۔"

"اوں!" فریدی نے چونک کر انگڑائی لی اور حمید کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"معاملہ قطعی صاف ہو گیا۔ پرویز حقیقتاً وہاں اس عورت کی موجودگی سے لاعلم
نے اسی ربر کے مجسمے کے دھوکے میں اس کی گردن دبا دی۔"

"کیا پرویز کو ہوش آگیا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"پھر آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"اس سلسلے میں جتنے بھی واقعات پیش آئے ہیں انہیں یکجا کر کے ترتیب دے لو او
کی پچھلی زندگی اور اسکے عادات واطوار کی روشنی میں ان کا جائزہ لو۔ بات سمجھ میں آجا

"مجھے ان لوگوں کے بیان پر شبہ ہے۔" حمید بولا۔

"کیوں؟"

"مجھے وہ بھی اس سازش میں شریک معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا تم قتل کے مقصد سے واقف ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں؟"

"پھر تم نے لفظ سازش کیسے استعمال کیا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی پرویز سے ملے ہوئے ہیں۔"

"غلط سمجھے.... یہ ہو سکتا ہے کہ وہ سب یا ان میں سے کوئی اُس آدمی سے تعلق ر
کی وجہ سے یہ حادثہ رونما ہوا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہ قتل پرویز سے نادانستگی میں کرایا گیا ہے۔"

"کس طرح؟"

"جس طرح تمہاری کھوپڑی الٹ گئی ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "میں جانتا ہو
وقت تمہارا ذہن اس عورت میں الجھا ہوا ہے جسے پولیس کے سپرد کر آئے ہو۔"

"اس سے میں بہت بڑے بڑے کام لینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"حکومت۔" فریدی تجربہ گاہ سے نکل کر نیچے چلا گیا۔ حمید نے منہ بنا کر اپنے شانے سکوڑے
بھی اُس کے پیچھے چل پڑا۔

فریدی ابھی زینوں ہی پر تھا کہ باہر کی گھنٹی بجی۔ شاید کوئی ملاقاتی تھا۔ وہ کچھ دیر صحن میں کھڑا
لین جب کوئی کسی کا ملاقاتی کارڈ لے کر اندر نہ آیا تو وہ خود ہی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔
ے والا شاید اُسی کے محکمے سے تعلق رکھتا تھا ایسے لوگوں کے لئے ملاقاتی کارڈ کی رسمی قید نہیں
۔ وہ عموماً گھنٹی استعمال کرنے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتے تھے۔

حمید برآمدے ہی میں تھا کہ فریدی ڈرائنگ روم سے واپس آگیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک
تھا۔

"کچھ نہیں.... فضول..... میں پہلے ہی سمجھا تھا۔" وہ کاغذ پر نظریں جمائے ہوئے بڑبڑایا۔

"کیا....!"

"فنگر پرنٹ والوں کی رپورٹ ہے۔ پٹرول کے ٹین پر تمہاری انگلیوں کے نشانات کے علاوہ
کچھ نہیں ملا۔"

"اس نے دستانے پہن رکھے ہوں گے؟"

"ہاں کافی ہوشیار آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوگا.... اُس معاملے کو بھی تو صاف کیجئے نا۔" حمید اکتا کر بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"پرویز نے اُس عورت کی نقل کیوں تیار کرائی تھی۔"

"بدبختی تھی سالے کی۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

"اور چیخوں والا ریکارڈ کیوں بنوایا تھا۔" فریدی رو میں بولتا رہا۔ "اس کی شخصیت اتنی پُراسرار
ا تھی؟ وہ دنیا سے بے تعلق اُس عمارت میں کیوں بند رہتا تھا؟ اس کے اندر اذیت پسندانہ
نات کیوں پیدا ہوئے تھے؟"

حمید خاموش رہا۔

"اس نے دو ماہ قبل جاپانیز مرچنٹس کارپوریشن کے ذریعہ ایک ایسا مجسمہ تیار کرایا، جو ایک
رت کی نقل تھا۔ ایک ایسا ریکارڈ تیار کرایا جس میں صرف چیخیں تھیں۔ کل رات اُسے اس

کمرے میں مجسمے کی بجائے اُس عورت کی لاش ملی جس کی نقل وہ مجسمہ تھا۔ پھر تم نے کسی آدمی کو دیکھا، جو اس مجسمے کو جلانے کی کوشش کر رہا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل رات اس جگہ اس کی ہم شکل عورت نے لے لی تھی۔ آخر پرویز نے اُسے مار کیوں ڈالا؟ اور اعتراف کے ساتھ ہی ساتھ اپنی بے گناہی کیوں ثابت کرتا رہا۔"

فریدی خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "مرچنٹس کارپور... منتظم نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ مجسمہ خاص طور سے آرڈر دے کر بنوایا گیا تھا۔ ... لئے پرویز نے اس عورت کی پوری تصویر دی تھی ساتھ ہی ریکارڈ کا آرڈر بھی۔"

"چلئے میں سمجھ گیا کہ وہ مجسمہ بنوایا گیا تھا؟" حمید نے کہا۔ "لیکن میں اس پر کیسے یقین ... کہ پرویز نے اُسے نادانستگی میں مار ڈالا۔"

"اس کی بھی وجہ ہے تم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ تم اس نقب کو کیوں بھول گئے۔ چلو خیر اسے بھی جانے دو۔ پرویز نے اگر اسے جان... مار ڈالا تھا تو اس نے اُس کی لاش کو ٹھکانے کیوں لگا دیا اس کے لئے کافی موقع تھا ظاہر ہے رات بھر بھی اس کمرے میں بند رہتا تو کسی نوکر کی ہمت اس کے قریب آنے کی نہ پڑتی ... اُس کمرے ہی سے خائف تھے۔

"نہیں۔" حمید نے کہا۔ "میں اُس نقب کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اُس نقب ہی کی ... رہا ہوں کہ پرویز نے اُسے جان بوجھ کر قتل کیا تھا اور اسے ٹھکانے لگا دینے کی کوشش ... اُس نے اُسے مار ڈالنے کے بعد خود ہی نقب لگائی مگر نہیں.... اگر یہ بات تھی تو وہ کمرے ... کس طرح پہنچی تھی۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "بس بوکھلا گئے۔ چلو سنو! تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت ... اُس نے اُسے جان بوجھ کر یا اپنے ہوش میں قتل کیا۔ ہو سکتا ہے کہ میری تھیوری غلط ہو ... نے امکانات ہی کی روشنی میں اُسے مرتب کیا ہے۔ میری دانست میں کسی شخص نے، جو اس کے معمولات سے اچھی طرح واقف تھا اس عورت کو نقب کے راستے کمرے میں ... اُسے وہیں ٹھہرنے کی تاکید کر کے وہ ریکارڈ اور مجسمہ وہاں سے نکال لے گیا اور ہو سکتا ... نے وہاں دیا سلائی اور موم بتی بھی غائب کر دی ہو۔ اس کے جانے کے بعد پرویز اندر دا...

...ور اندھیرے میں اس عورت کو مجسمہ ہی سمجھ کر اس کا گلا گھونٹنے لگا ہو۔"

"بھلا مجسمے کا گلا گھونٹنے سے کیا مراد؟" حمید نے اُسے ٹوکا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ گراموفون پر چیخوں کا ریکارڈ لگا کر اُس مجسمے کی پوجا کرتا رہا ہوگا۔ کیا ... نہیں نوکروں کا بیان یاد نہیں۔ کیا پرویز کی ان حرکتوں کا علم نہیں جو وہ ننھے ننھے پرندوں ... لہریوں اور تتلیوں کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ کیا تم اس کا مطلب بتا سکتے ہو کہ وہ نر پرندوں کو چھوڑ ... ر صرف مادہ پرندوں ہی کو کیوں اذیت دیتا تھا.... بہر حال" وہ تھوڑی دیر رک کر پھر بولا۔ "میں ... س نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر وہ عورت اُسے روزِ روشن میں کہیں مل جاتی تو وہ اُسے زندہ نہ چھوڑتا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ.....!"

"قطعی! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اُس سے یہ قتل نادانستگی میں سرزد ہوا۔"

"آخر وہ کون ہو سکتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"عورت.... عورت.... عورت۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔

حمید اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس سے پیچھا چھڑانا محال ہے؟ یہ صرف انہیں لمحات میں تم پر جان دیتی ہے جب تم نے اُس کے جذبات ابھار دیئے ہوں اور اس کے علاوہ وہ صرف ماں بن سکتی ہے، بہن بن سکتی ہے اور بیٹی بن کر وفادار رہ سکتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

"کچھ نہیں میں نے ایک غیر متعلق بات شروع کر دی تھی۔ ویسے مختصراً یہ کہ رعنا کبھی نہ کبھی پرویز کی بیوی ضرور رہی ہوگی۔"

"بیوی!" حمید تقریباً چیخ پڑا۔

"قیاس ہے۔ فی الحال میرے پاس اس کا واضح ثبوت نہیں۔"

"اگر وہ اس کی بیوی تھی تو میں بیویوں کے مستقبل سے مایوس ہوں۔"

"بیوی!" فریدی پُر خیال انداز میں بڑبڑایا۔ "شٹ اپ.... اس لفظ کو بار بار نہ دہراؤ۔"

"کیا کفن اور کافور دکھائی دینے لگتا ہے آپ کو۔" حمید ہنس پڑا۔

فریدی پھر کسی خیال میں ڈوب گیا۔

"نہ آپ شادی کرتے ہیں اور نہ دوسروں ہی کو شادی شدہ دیکھ سکتے ہیں۔" حمید نے چٹکی لی
"میں نہیں چاہتا کہ تمہارا محبوب ترین موضوع گفتگو دیر تک جاری رہے۔" اس نے کہا
چند لمحے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "بہر حال وہ عورت
بھی دھوکے ہی میں ماری گئی۔"

"کیوں؟"

"تم شاید کچھ اور سوچ رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ وہاں مرنے کی نیت سے تو نہ آئی ہوگی
ظاہر ہے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ پرویز یہ جانتا ہی نہ رہا ہوگا کہ وہ بھی اسی شہر میں مقیم ہے۔" فریدی
بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔ "تم بالکل الو ہو! تم نے مجھے فون کیوں نہیں کیا۔ اس دوسری لڑکی
حراست میں نہ لینا تھا۔"

"کیوں....؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہزاروں حلیے تھے۔ خیر جو کچھ بھی ہوا بہتر ہی ہوا۔ اب کیا کرنا ہے؟" وہ سوالیہ نظروں
حمید کو دیکھنے لگا۔

"غالباً پرویز کی بیہوشی رفع ہونے کا انتظار ہی بہتر رہے گا۔" حمید بولا۔

"مہمل۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اس سے کیا ہوگا۔ وہ زیادہ سے زیادہ اپنا اور اس عورت کا تع
ظاہر کردے گا۔ اس آدمی کے متعلق شاید وہ بھی کچھ نہ بتا سکے جو اس قتل کا باعث بنا ہے۔"

"کیوں؟"

"پھر وہی کیوں؟" فریدی جھنجھلا گیا۔ "تم آدمی ہو یا کسی کی نقل۔ یا افیون کھا رکھی ہے
اس آدمی کو یہ یقین ہوتا کہ پرویز کی شخصیت پر روشنی ڈال سکے گا تو وہ ایسی حرکت ہی نہ کرتا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کہنا کیا چاہتا ہے۔

"اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اُس نے اس عورت کو پرویز ہی کے ہاتھوں کیوں قتل کرایا
فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ضرور دیکھئے۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔ وہ حقیقتاً اس لڑکی کے متعلق سوچنے لگا تھا جو

پولیس کے حوالے کر آیا ہے۔ ان دنوں اس کی زندگی کچھ خشک سی گذر رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ
اگر وہ تفتیش ہی کے بہانے اس سے تھوڑے بہت تعلقات پیدا کرلیتا تو یہ پہاڑ سے دن اور اُجاڑ سی
راتیں اتنی گراں نہ گذرتیں وہ سوچتا رہا اور فریدی بولتا رہا۔ "پرویز کی نیند کا سلسلہ شاید ابھی ختم نہ
ہو۔ سالہا سال کی بے خوابی کا شکار ذہن کچھ دن آرام ضرور کرے گا جس خلش نے اُسے نیند سے
محروم کردیا تھا وہ رفع ہوگئی۔"

"کون سی خلش؟" حمید چونک کر بے خیالی میں بولا۔

"یہ خلش کہ حمید کی موت فریدی کے ہاتھوں واقع ہوگی۔" فریدی نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"آخر آپ آج کاٹنے کو کیوں دوڑ رہے ہیں۔"

"تمہیں یہاں آنے کی بجائے آرلکچو میں جانا چاہئے تھا، ممکن ہے کہ وہ دونوں وہاں روز
جاتے رہے ہوں۔"

"میں کہتا ہوں سیدھا راستہ اختیار کیجئے۔" حمید نے کہا۔ "پرویز کے نوکروں میں سے کوئی اس
آدمی کو ضرور جانتا ہوگا۔ کیونکہ پرویز کا کوئی نوکر ہی اُسے پرویز کے معمولات سے باخبر کرسکتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ سب اس سے لاعلم ہیں۔" فریدی کے لہجے میں خوداعتمادی تھی۔

دوسرا پاگل

تین دن گذر گئے۔ لیکن پرویز کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ پھر بھی ڈاکٹروں کو
توقع تھی کہ وہ خود ہی کسی وقت ہوش میں آجائے گا۔

اس دوران میں فریدی اور حمید دونوں بے حد مشغول رہے۔ حمید نے اپنے شبہے کے مطابق
پرویز کے نوکروں کو ہر طرح ہلایا جلایا لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہ ہوسکی۔ آرلکچو کی تحقیقات
میں بھی مایوسی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس سے فریدی نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ رعنا اور وہ گم نام آدمی
روزانہ کے گاہکوں میں سے نہیں تھے۔ فریدی پرویز کے کاغذات میں بھی الجھا رہا۔ یہ بھی تو دیکھنا
تھا کہ آخر پرویز کون ہے۔ اس کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟ اس کے دوسرے اعزہ بھی ہیں؟ اگر ہیں تو
کیا ہیں؟ حمید اس کی مصروفیات میں مخل نہ ہوا اور نہ ہی اس نے اس سے یہی دریافت کیا کہ اسے

کچھ کامیابی ہوئی یا نہیں اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ داروو الا بلڈنگ کے غنڈے مارتھا سمیت ضمانت پر رہا ہوگئے تھے اور حمید مارتھا کے ساتھ مصروف تفتیش تھا۔ فریدی نے بھی اس طرف دھیان نہیں دیا۔

آج بھی حمید نے پہلے ہی سے کوئی خاص قسم کا پروگرام بنا رکھا تھا لہٰذا جب فریدی نے اُسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو وہ پھیل گیا۔

"میں کہیں نہیں جاسکتا! خواہ مخواہ مجھے بور نہ کیجئے۔ میں پرویز والے معاملے میں الجھا ہوا ہوں۔"

"اسی سلسلے میں تمہیں تکلیف دی جارہی ہے۔" فریدی بولا۔

"کیوں آپ نے تو کہا تھا کہ میں کسی دوسرے معاملے میں مصروف ہوں۔"

"فی الحال میں نے اُسے ملتوی کردیا ہے۔"

"لیکن میں دوسرا پروگرام بنا چکا ہوں۔"

"شٹ اپ....!" فریدی بگڑ کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم آج کل اسی بہانے کس قسم کے پروگرام بنا رہے ہو۔ تم کل رات بھی مارتھا کے ساتھ آرلیکچو میں رقص کررہے تھے۔"

"تو پھر....!" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا "میں اس کی پوجا کرکے تو مجرم تک پہنچ نہیں سکتا۔"

"چلو کپڑے پہنو۔" فریدی نے اُسے اس کے کمرے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈیلاک کمپاؤنڈ سے سڑک پر نکل رہی تھی۔

"اب تو بتا دیجئے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"سعید آباد۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"کیوں کوئی خاص بات۔"

"کون سا سعید آباد۔" حمید نے پھر پوچھا۔

"تو کیا اس صوبے میں کئی سعید آباد ہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"جانتے ہیں آپ کتنی دور ہے سعید آباد۔"

"اٹھاسی میل۔"

"اس بھاگ دوڑ کا مطلب۔"

"پرویز کے سلسلہ نسب کا پتہ چل گیا ہے۔"

"جو غالباً عوج بن عنق سے ملتا ہوگا۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"وہ سعید آباد کے ایک رئیس کا لڑکا ہے۔"

"کیسے معلوم ہوا۔"

"پرویز کے کاغذات سے۔" فریدی نے کہا۔ "اس کا سوتیلا بھائی اب بھی غالباً سعید آباد ہی رہتا ہے۔"

"سوتیلا بھائی؟" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں.... لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہمارا شکار وہی ہو۔ ویسے بظاہر اس حادثے کا مقصد یہی سکتا ہے کہ پرویز کی دولت ہتھیائی جائے۔"

"کیوں؟ یہ کس طرح؟"

"یہ اس طرح کہ اگر اُس شخص کا پتہ نہیں لگتا تو پرویز کا راستہ پھانسی کے تختے تک بالکل ف ہے؟"

"اوہ....!"

"لیکن یہ بات پھر بھی صاف نہیں ہوئی کہ اس پُر اسرار آدمی کو پرویز کے معمولات کا علم کر ہوا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

تین گھنٹے بعد وہ سعید آباد پہنچ گئے۔ دن ڈھل رہا تھا اور اس چھوٹے سے شہر پر اضمحلال سا ری ہوتا جارہا تھا۔ سرور لاج تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ یہ پتھر کی سلوں سے ی ہوئی ایک بہت بڑی عمارت تھی جس کے سامنے ایک کشادہ پائیں باغ تھا۔ باغ کی چہار واری جدید طرز کی تھی۔

فریدی کی کیڈی پھاٹک سے گذرتی ہوئی پورٹیکو میں جاکر رک گئی۔

حمید کی نظریں جو ہر چیز کا مضحکہ خیز پہلو تلاش کرلینے میں کافی مشاق تھیں یہاں بھی محروم رہ سکیں۔ اس نے برآمدے میں ایک عجیب الخلقت آدمی دیکھا۔ یہ تھا تو نوجوان العمر ہی لیکن س نے اپنا حلیہ بڑا مضحکہ خیز بنا رکھا تھا۔ اگر ڈھنگ سے ہوتا تو اس کی شخصیت یقیناً جاذب توجہ

ہوتی۔ اس نے نیلے رنگ کی سلک کا ایک لمبا سا لبادہ پہن رکھا تھا اور پیروں میں غالباً
کھال کے سلیپر تھے۔ ڈاڑھی مونچھیں صاف تھیں۔ سر کے نچلے حصوں میں گھنے اور سیا
بیچ کا حصہ بالکل صاف اور سپاٹ تھا۔ شاید اس نے اپنی بھنوئیں بھی مونڈ رکھی تھیں۔

فریدی اور حمید کو کار سے اترتے ہوئے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔
چہرے پر ایسی الجھن کے آثار نظر آرہے تھے جو تنہائی پسند آدمیوں کی طبیعت کا خاصہ ہو

"ہیلو....!" اس نے اپنی آنکھوں کو گردش دی۔

فریدی اور حمید اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ حمید کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ا
کے درمیانی حصے کی صفائی میں قدرت کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ اُس پر اُسترہ چلایا گیا تھا۔

"کیا تنویر صاحب تشریف رکھتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"تنویر صاحب تشریف رکھتے ہیں فرمایئے۔" وہ کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

"سی آئی ڈی انسپکٹر! گڈ گاڈ....! ہلو۔" وہ فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"میں تنویر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ملئے.... ملئے.... تشریف رکھئے۔" اس نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر فریدی کو گھورنے لگا۔

"اے منڈو!" اس نے شاید کسی نوکر کو پکارا۔ "بیگم صاحب کو بولو، سب دودھ بہا جار

"تو آپ ہی تنویر صاحب ہیں۔" فریدی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"جی ہاں۔" تنویر نے ہاتھ ملانے کے بجائے اپنی چھڑی فریدی کے ہاتھ میں د
دروازے کی طرف دیکھ کر چیخا۔ "ارے بھئی دودھ بہا جارہا ہے۔"

حمید پر تولنے لگا۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو اس کا سر ضرور سہلاتا۔

"نہیں بہہ رہا ہے۔" دروازے سے ایک مترنم قسم کی نسوانی آواز آئی۔

حمید اور فریدی چونک کر مڑے۔ عورت قبول صورت اور دلکش تھی۔ عمر بیس
کے درمیان میں رہی ہوگی۔ دونوں کھڑے ہوگئے۔

"بیگم آپ سے ملئے.... فریداحمد صاحب! سی آئی ڈی انسپکٹر۔"

فریدی۔" فریدی نے مسکرا کر قدرے جھکتے ہوئے تصحیح کی۔

تشریف رکھئے۔" بیگم نے پھر حمید کے کانوں میں شربت کی پچکاری لگائی۔

ب دودھ بہہ گیا؟" تنویر نے بچوں کی طرح اُس سے پوچھا۔

نہیں بہا؟" وہ جھنجھلا کر بولی۔

یں پرویز صاحب کے متعلق کچھ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

پرویز بھائی!" مسز تنویر چونک پڑی۔ "ہاں ہاں فرمایئے۔"

انہیں ایک حادثہ پیش آگیا ہے؟"

ب اور کہاں؟" عورت تقریباً چیخ کر بولی۔

اوہ....!" تنویر ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہ پوچھو! زندہ ہے یا مر گئے۔"

مید نے اُسے عجیب نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

چپ رہیے۔" مسز تنویر بگڑ کر بولی۔ پھر فریدی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ "کہاں پیش آیا
بات ہے ہمیں تقریباً تین چار سال سے ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"ہم اُن کے متعلق صرف ایک ہی بات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" تنویر پھر بولا۔ "زندہ ہیں یا
۔ اگر بیمار ہیں تو کب تک مر جانے کی امید ہے اور یہ کہ کچھ بینک بیلنس بھی ہے یا خالی ہاتھ
ہے ہیں۔"

"تنویر ڈارلنگ.... خدا کے لئے۔" ز تنویر ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"وہ کئی دنوں سے بیہوش ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ویری گڈ۔" تنویر اپنی ران پر ہاتھ مار کر اچھلا۔ "تب تو جلد ہی مرنے کی امید کی جاسکتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ مرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" حمید نے اُسے آنکھ مار کر کہا۔

"ہائے سب دودھ بہا جارہا ہے" تنویر نے بیوی کی طرف دیکھ کر ہانک لگائی۔

"نہیں بہہ رہا ہے۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ پھر فریدی سے مخاطب ہوئی "بتایئے نا کیسے
ث ہوئے؟"

"انہوں نے ایک عورت کو مار ڈالا ہے۔"

"ہائے غضب!" مسز تنویر سینے پر ہاتھ مار کر اچھل پڑی۔

"ایک عورت نے انہیں مار ڈالا۔ ہپ ہپ ہرا۔" تنویر تالی پیٹنے لگا۔

"چپ رہو.... چپ رہو۔" اس کی بیوی اُسے جھنجھوڑ رہی تھی۔

بمشکل تمام تنویر خاموش ہوا۔ فریدی اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

"میں آپ سے کیا عرض کروں۔" اس کی بیوی جھینپے ہوئے انداز میں کہہ رہی
"گرمیاں شروع ہوتے ہی یہ ایسے ہو جاتے ہیں۔"

"تو اس خاندان میں سبھی ایسے ہوئے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ کہ یہ مرض موروثی تو نہیں۔" فریدی بولا۔

"پرویز بھائی نے کسے قتل کر دیا۔ وہ کون عورت تھی؟"

"رعنا سلیم۔"

"نام تو بڑا حسین ہے۔" تنویر بولا۔ "خود بھی حسین رہی ہوگی۔ ارے بھئی دودھ بہا جا رہا۔"

"نہیں بہہ رہا ہے۔" اُس کی بیوی اس کا شانہ تھپکتی ہوئی بولی۔

"رعنا سلیم کون تھی؟" اس نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے جیب سے وہی تصویر نکالی، جو حمید کو رعنا سلیم کے فلیٹ کی تلاش کے سلسلے میں ملی تھی۔ اس میں پرویز اور رعنا سلیم دونوں ساتھ تھے۔

"یہ عورت....!" مسز تنویر بے اختیار چیخی۔ "ہائے غضب ثمینہ باجی۔"

اُس نے اپنا منہ بازوؤں میں چھپا لیا۔

"ثمینہ....!" تنویر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "لاؤ دیکھوں تو۔"

اُس نے تصویر زمین سے اٹھالی۔

"بے شک ثمینہ ہی ہے۔" اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اپنی بیوی کی طرف دیکھا جو بازوؤں میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ وہ اُس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "ارے.... سارا دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"دیکھا آپ نے۔" وہ فریدی کی طرف شکایت آمیز نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "یہ بیوی ہے۔"

"ثمینہ سے پرویز کا کیا تعلق تھا۔" فریدی نے اُس کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"وہ پرویز کی بیوی تھی۔ اس کے ہاتھوں ماری گئی.... اور یہ بیوی بھی....!"

"چپ رہو۔" مسز تنویر چیخ پڑی۔

"کیا ان دونوں کے تعلقات اچھے نہیں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں!" تنویر منہ چڑھا کر بولا۔ "تم نے خواہ مخواہ میری ننھی منی بیوی کو رلا دیا۔ ثمینہ اس کی چچازاد بہن تھی.... ہائے سب دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"محترمہ ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔" فریدی نے اُسے دلاسا دیا۔

"کیوں مار ڈالا.... انہوں نے کیوں مار ڈالا۔"

"یہ تو ان کے ہوش میں آنے پر معلوم ہوگا۔"

"کیا ہوش میں آجانے کے امکانات ہیں۔" تنویر نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔"

"تب تو بیہوشی ہی فضول ہے۔" تنویر بولا۔ "یار کچھ ان کے بینک بیلنس کے متعلق تو بتاؤ۔"

"تنویر تم جانور ہو.... بالکل جانور۔" اس کی بیوی چیخی۔

"یہ دیکھئے یہ میری بیوی ہے.... میری جان میں بھی تمہیں مار ڈالوں گا۔"

"تمہارا خاندان ہی خونی ہے۔"

"پاندان! کیا کہا پاندان۔" تنویر بڑبڑایا۔ پھر فریدی سے پوچھنے لگا۔ "آخر خاندان کے نام پر مجھے پاندان کیوں یاد آجاتا ہے۔"

تنویر کی بیوی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلو! اندر چلو۔"

"مائی ڈیئر انسپکٹر رخصت۔" تنویر نے فریدی کی طرف دیکھ کر مایوسی سے کہا۔ "یہ پاگل عورت مجھے قبر ہی میں دھکیل کر دم لے گی۔ ہائے سب دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"نہیں بہہ رہا! اندر چلو۔" وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتی ہوئی فریدی سے بولی۔ "میں ابھی آتی ہوں۔"

فریدی اور حمید عجیب نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد مسز تنویر واپس آگئی۔

"ہاں اب بتائیے انسپکٹر صاحب۔" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "پوری گرمیاں مصیبت میں گذریں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ پرویز صاحب کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔"

"ان لوگوں کی نسل ہی ایسی ہے۔" وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔ "ان کے باپ بھی تھوڑے سے جھکی تھے۔"

"پرویز اور ثمینہ کے تعلقات کیسے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"پہلے تو اچھے تھے۔"

"پہلے سے کیا مطلب۔"

"پانچ سال قبل ہم سب اکٹھا رہا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے باپ حیات تھے۔ ان کے انتقا کے بعد بٹوارہ ہو گیا۔ پرویز نے اپنی غیر منقولہ جائیداد بیچ ڈالی اور ثمینہ کو لے کر کہیں چلے گئے۔ اا کے بعد ان کا کچھ پتہ نہیں کبھی سننے میں آیا کہ افریقہ میں ہیں.... اور کبھی جنوبی افریقہ میں۔"

"ثمینہ آپ کی چچازاد بہن تھی۔"

"جی ہاں۔"

"اس کے والدین کا پتہ بتائیے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میرے علاوہ ان کا کوئی عزیز قریب زندہ نہیں۔"

"تنویر صاحب کے علاوہ پرویز کا کوئی اور وارث۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدا کے لئے تنویر صاحب کی باتوں پر دھیان نہ دیجئے گا۔ گرمیوں بھر اُن کی یہی حالت رہے گی۔ اکثر مجھ سے کہتے ہیں کہ خدا کرے تم مرجاؤ تو میں دوسری شادی کروں۔ وہ بھی مرجا۔ تو تیسری کروں اور اسی طرح چوتھی.... پانچویں.... کل کہہ رہے تھے کہ میں اپنی پلکیں بھی ک ڈالوں گا۔ کبھی کبھی کہتے ہیں کہ چہرے پر اُبھری ہوئی ناک بُری لگتی ہے۔ خوبصورت آدمیوں چہرہ بالکل سپاٹ ہونا چاہئے۔ بعض اوقات اپنے دونوں کان پکڑ کر اکھاڑنے کی کوشش کر۔ ہیں۔ کہتے ہیں یہ کیا ادھر اُدھر نکلے ہوئے ہیں کیا خدا یہاں کنول کے پھول نہیں لگا سکتا تھا۔"

حمید ہنسنے لگا اور آہستہ سے بولا۔ "انہیں ایک شفاخانے میں داخل کرادیجئے۔ ڈاکٹر حمید شفاخانہ.... تین دن میں ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"اور یہ دودھ کا کیا قصہ ہے۔" فریدی نے پُر خیال انداز میں پوچھا۔

"دن رات باورچی خانے میں دودھ پکواتے رہتے ہیں۔ ذرا ذرا سی دیر بعد کہتے ہیں دیکھو ہ بہا جا رہا ہے۔ دودھ کبھی استعمال نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ مجھے صرف بالائی پڑنے کا منظر بڑا ن لگتا ہے۔ ہاں آپ نے کسی ڈاکٹر کا نام بتایا تھا۔"

"وئی نہیں! یونہی۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "تو پرویز کا کوئی اور وارث نہیں۔"

"جی نہیں! لیکن خدارا.... تنویر صاحب کی بات کو کوئی اہمیت نہ دیجئے گا۔" مسز تنویر نے کہا۔

کار میں لاش

کافی رات گئے فریدی اور حمید سعید آباد سے واپس ہو رہے تھے انہوں نے بڑی دیر تک ادھر ھر سر مارا تھا۔ سعید آباد کی کوتوالی میں بھی کچھ دیر ٹھہرے تھے۔ یہاں ساری پوچھ گچھ تنویر ہی ے متعلق ہوئی تھی۔ تنویر کے خاندان سے واقفیت رکھنے والے بھی یہ نہ بتا سکے کہ پرویز نے اں بود و باش اختیار کر رکھی تھی۔ تنویر کے متعلق سب نے تصدیق کی کہ گرمیوں میں اس کا اغی توازن گڑبڑا جایا کرتا ہے۔

تنویر کا شمار سعید آباد کے نیک نام اور خدا ترس لوگوں میں ہوتا تھا۔ فریدی نے اس کے علق جو معلومات فراہم کی تھیں انہیں مدِ نظر رکھتے ہوئے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ پرویز لے معاملے میں اس کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔

"مگر اس کا پاگل پن عجیب ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہے تو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "لیکن۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں اس سے ایک بار پھر ملوں گا؟" حمید نے کہا۔

"مگر پاگلوں سے تو تم ڈرتے ہو۔"

"سنجیدہ قسم کے پاگلوں سے نہیں۔ میں انہیں پاگلوں سے ڈرتا ہوں جن سے جان پہچان نہ ہو۔ اچھا بھلا بتائیے میں کبھی آپ سے ڈرا ہوں۔"

فریدی شاید جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا یا پھر شاید کچھ اور سوچ رہا تھا۔

"آپ شاید اس کی بیوی کے متعلق سوچ رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ہونا بھی چا
قدرتی بات ہے۔ جب کوئی مجرد آدمی کسی شادی شدہ جوڑے کو دیکھتا ہے تو دل میں ٹیس
اٹھتی ہے۔ اگر آج آپ شادی شدہ ہوتے تو آپ کی بیوی بھی بیچاری ملنے والوں سے یہی کہ
آپ ان کی باتوں کا بُرا نہ مانئے گا۔ یہ چوبیسوں گھنٹے سراغرساں رہتے ہیں۔"

"یہ بات بھی اب صاف ہو گئی کہ ثمینہ پرویز کی بیوی تھی۔" فریدی بولا۔ "لیکن پیشہ کرتی تھ

"ٹھیک یاد آیا! آپ نے اس اطلاع سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ پرویز کی بیوی ہی ہو سک
آخر آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگا لیا تھا۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "صرف بیوی ہی کی بیوفائی کسی آدمی کو اتنا بھیا
سکتی ہے۔"

"کیوں؟ کیا کسی محبوبہ کی بے وفائی آدمی کو انتقام پر نہیں اُکسا سکتی۔" حمید نے کہا۔

"اکسا سکتی ہے لیکن ایسے معاملات میں یہ آگ دیر تک نہیں سلگتی.... محبوبہ کسی دوسر
ہو کر بچے جننے میں مشغول ہو جاتی ہے اور عاشق کچھ دنوں تک تو دردناک قسم کے فلمی گیت
رہتا ہے پھر وہ بھی اپنی راہ لگ لیتا ہے یا زیادہ تاؤباز ہوا تو موقع ملنے پر انتقام لے لیتا ہے لیکن
پہلی فرصت میں۔ زیادہ دنوں تک یہ روگ نہیں پالتا۔"

"لیکن میں نے تو ایسے بھی عاشق دیکھے ہیں جو محبوبہ کے بچوں سے خود کو ماموں
کہلواتے ہیں۔" حمید بولا۔ "مگر پرویز۔"

"پرویز تین سال سے تنہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "ممکن ہے اُسے علم ہی نہ رہا ہو کہ ا
بیوی کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے جب کوئی عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دیتی ہے تو خواہ شوہر ا
سے محبت رہی ہو یا نہ رہی ہو اس کی مردانگی کو ضرور ٹھیس لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی مردانگی کی ت
سمجھتا ہے اور ایک چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح انتقام کے لئے بیتاب رہتا ہے۔ پرویز
مجسمہ اسی لئے بنوایا تھا کہ اپنے اندر بھڑکتی ہوئی آگ پر چھینٹے دیتا رہے۔"

"کیا آپ اسے درست اور جائز سمجھتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ کسی معلم اخلاق سے پوچھو۔"

"نہیں میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں۔ آپ کی ٹانگ تو دنیا کے ہر معاملے میں اڑی ہوئی ہے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "میرے خیال میں شادی عورت اور مرد کے
رمیان محض ایک سماجی معاہدہ ہے۔ اگر طرفین میں سے کوئی اس معاہدے کا احترام نہ کرے تو
ں کی سزا موت تو نہ ہونی چاہئے کیونکہ دنیا کا کوئی قانون عہد شکنی پر اتنی سخت سزا نہیں دیتا۔"

"مگر سوال پھر اُسی جھنجھلائی مردانگی پر آپڑتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"جھنجھلائی ہوئی نہیں بلکہ مشتبہ مردانگی کہو۔"

"مشتبہ کیوں؟"

"ایسے معاملات میں بیوی کو قتل کر دینے والے عموماً اپنی مردانگی میں شبہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا
ن کی غیر شعوری خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنی جنسی کمزوری کے اُس چلتے پھرتے اشتہار کو ہمیشہ
کے لئے ختم کر دیں اور یہ لاشعوری خواہش عموماً دیوانگی کی حد تک بڑھے ہوئے غصے کا لبادہ اوڑھ
ر ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی یہ خواہش منطقی شعور کو احتساب کا موقع ہی نہیں دیتی اور عمل یعنی قتل
رزد ہو جاتا ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ بیویوں کی بدچلنی کی وجہ عموماً شوہروں کی جنسی کمزوری ہوتی ہے۔"

"نہیں ایسا تو نہیں بہتیرے نامردوں کی بیویاں انتہائی پارسا ہوتی ہیں اور بہتیرے جوان
ردوں کی طوائفوں سے بھی بدتر۔ مثلاً وہ عورت جو جنسی بوالہوسی کا شکار ہے۔ فولاد کے آدمی کی
بھی پابند نہیں رہ سکتی۔ اُسے تو بس اپنی زندگی میں ہر آن اور ہر لحظہ نیا پن چاہئے۔"

"جنسی ابولہوسی کی وجہ کیا ہوتی ہے؟"

"ہوتی ہو گی کچھ مجھے یا تمہیں اس موضوع پر کوئی مضمون نہیں لکھنا ہے۔" فریدی اُکتا کر بولا۔

"لیکن راستہ تو کاٹا ہے۔" حمید نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

"تو عورت ہی کا تذکرہ کیوں۔" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"محض اسلئے کہ مجھے ایک عورت نے جنم دیا ہے اور عورت ہی قبر تک پہنچائے گی شعر سنئے۔

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا،
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا سے جدائی کا"

"ابے سور یہ تصوف کا شعر ہے۔" فریدی ہنستا ہوا بولا۔

"یا شیخ! میں جانتا ہوں۔ ہمہ اوست کا دم بھرتا ہوں۔ جب عورت بھی وہی اور مرد بھی وہ تو پھر یہ حجاب کہاں تک درست ہے۔ یہ سارے قطرے ایک دن مل کر دریا بن جائیں گے۔"

"ظالم تو تو فرائڈ سے بھی دس ہاتھ آگے نکل گیا۔ اس نے پوری انسانی زندگی کو جنسیت کے سانچے میں ڈھالا تھا اور تو نے جنسیت کے ڈانڈے ابدیت سے ملا دیئے۔"

"میں اس موضوع پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"تو ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا ابھی سے مخصوص کر لیا جائے۔"

"کیوں ہتھکڑیاں کیوں۔ واہ جناب Sun Bath اور Health جیسے رسالے تو کھلے عام فروخت ہوں اور میری محققانہ تصنیف پر یہ عتاب.... کتاب کا نام "عشق مجازی سے عشق حقیقی تک ہوگا'

"لکھو گے کیا؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"یہی لکھوں گا کہ عورت اور مرد کے تعلقات پر کسی طرح کی پابندی عائد نہ کرنا حسن ازل سے کھلی ہوئی غداری ہے۔ غداروں کو کسی طرح معاف نہیں کیا جا سکتا۔ تصوف زندہ باد اور بقیہ سب، کچھ مردہ باد۔ علماء کرام بائیکاٹ وغیرہ وغیرہ۔"

"تمہارے والد صاحب ابھی زندہ ہیں۔"

"اور میری کتاب پڑھ کر اُن کی زندگی اور بڑھ جائے گی۔" حمید ہنس کر بولا۔ "کیا سمجھتے ہیں آپ میرے ابا میاں کو.... میں جو کچھ بھی ہوں انہیں کی بدولت ہوں۔ یہ تصوف میں نے انہیں سے سیکھا ہے۔ ایک بار کا لطیفہ سنئے۔"

حمید نے رک کر ایک زور دار قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "میں یہی کوئی بارہ تیرہ برس کا رہا ہوا گا۔ ابا میاں کے شباب کا زمانہ تھا۔ ایک رات ایک صاحبہ مردانخانے میں تشریف لائیں.... میں دوڑا ہوا والدہ صاحبہ کے پاس گیا اور انہیں گھبراہٹ میں یہ خبر دی کہ ابا میاں ابھی ابھی دو تم بوتلیں اپنے ساتھ لائے ہیں، اور انہوں نے مردانخانے کا دروازہ بند کر لیا ہے۔ والدہ صاحبہ اُ کی رنگین مزاجی سے تو واقف تھیں لیکن یہ بوتلوں والی اطلاع اُن کے لئے بالکل نئی تھی۔ غ میں وہ چھت پر چڑھیں اور ادھر ہی سے مردانخانے میں چلی گئیں۔ پھر میں جو بھاگا ہوں تو چچا یہاں جا کر پناہ لی۔ مگر دوسرے دن اس بُری طرح ادھیڑا گیا ہوں کہ خدا کی پناہ۔"

"ابے سور۔" فریدی ہنسنے لگا۔

"دوسرا لطیفہ سنئے! اُس وقت میری عمر پانچ یا چھ سال رہی ہوگی۔ ابا نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ تم بڑے ہو کر کیا بنو گے۔ میں نے جواب دیا رنڈی۔ وہ منہ پھاڑ کر مجھے گھورنے لگے پھر بولے کیا بکتا ہے۔ میں نے کہا امی خالہ جان سے کہہ رہی تھیں کہ آپ رنڈیوں کو بہت چاہتے ہیں۔"

"کیوں غپ ہانک رہا ہے۔" فریدی بولا۔

"خدا قسم۔"

"خیر حمید صاحب! اگر تم مرد نہ ہوتے تو رنڈی ہی ہوتے۔"

"ہائے ہائے کیا زمانہ تھا۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "بارہ تیرہ برس کی عمر میں مجھے ایک صاحب کی بیوی سے عشق ہو گیا تھا.... ہائے.... خدا کی قسم میں اس کے مہندی لگے ہوئے نرم و نازک ہاتھ کبھی نہ بھلا سکوں گا اور وہ اُبھرے ہوئے ہونٹوں کے گرد لرزتی باریک سی نتھ۔"

"نتھ! لاحول ولا قوۃ۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔ "کیا وہ تمہاری کوئی رشتہ دار تھی۔"

"ہاں! میرے باپ کے چھوٹے سالے کی بیوی۔"

"یعنی تمہاری ممانی۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"اب تو ممانی ہی ہیں۔ مگر اُس زمانے میں میں نے سنجیدگی سے خواہش کی تھی کہ کاش وہ میری بیوی ہوتیں۔"

"تم سے بڑا سور آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا؟"

"آپ تو سور کہہ کر رہ گئے لیکن ابا میاں اور امی نے خاصی پٹائی کی۔"

"کیا انہیں معلوم ہو گیا تھا۔" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے کبھی چھپ کر عشق نہیں کیا۔" حمید بولا۔ "ایک دن میں نے ممانی کو ایک عدد خط لکھ دیا۔ لکھا کیا تھا ایک ناول سے نقل کر دیا تھا۔ اس پر ممانی نے میرے کان تھام کر دو تھپڑ اور ماموں نے ہزاروں قہقہے لگائے۔ والدین تک خبر پہنچی تو انہوں نے الگ ادھیڑا۔"

"اس کے بعد پھر کبھی سامنا کرنے کی ہمت پڑی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدا کی قسم! ماموں کے سامنے انہیں آنکھ مار کر مونچھوں پر تاؤ دیا کرتا تھا وہ دونوں میاں بیوی تو یہی سمجھتے تھے کہ میں نے ان کی چڑھ نکال رکھی ہے۔ مگر میں سنجیدگی سے عاشق ہوا تھا۔"

"اور اب۔"

"اب تو وہ سو فیصدی ممانی ہوگئی ہیں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "لیکن اب مَیں اپنے ذہن کو کریدتا ہوں تو اُس نتھ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہاتھ آتا۔ مجھے دراصل اُن کی نتھ سے عشق تھا۔ ہر وہ شخص جو مجھ سے قریب ہے اُسے میں تصور میں نتھ ضرور پہناتا ہوں۔ مثلاً آپ سے محبت ہے آپ کی عدم موجودگی میں جب بھی آپ کی تصویر میرے ذہن پر ابھری آپ کی ناک میں نتھ ضرور ہوتی ہے اور نتھ کے بیچ میں سگار۔"

"مارتے مارتے اُلو بنادوں گا۔" فریدی جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"میں نے لمبی لمبی ڈاڑھیوں پر نتھیں لہراتی محسوس کی ہیں۔" حمید نے غمگین آواز میں کہا۔

کیڈی لاک سنسان سڑک پر پھسلتی جارہی تھی۔ دفعتاً مخالف سمت سے ایک کار برق رفتا سے آئی اور گذر گئی۔

"کیوں....؟" فریدی بے ساختہ چونکا۔ "کیا یہ چیخ نہیں تھی۔"

اس نے اپنی کار کی رفتار کم کردی اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔ دوسری چیخ حمید نے بھی صاف سُ لیکن آواز دور کی تھی۔ فریدی نے تیزی سے کیڈی پیچھے کی طرف موڑلی۔ سڑک کے دو طرف گھنی جھاڑیوں اور چھول کے گنجان جنگلوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دو تین فرلانگ آ ایک کار کھڑی ہوئی دکھائی دی جس کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔

کار کے قریب پہنچ کر انہوں نے عجیب منظر دیکھا۔ اگلی سیٹ کی بائیں جانب کا دروازہ کھلا تھا۔ ایک آدمی جس کا سر پائیدان پر ٹکا ہوا تھا اور بقیہ حصہ کار کے اندر دکھائی دیا۔ فریدی نے گاڑی کی روشنی نہیں گل کی تھی۔ لیکن یہ کار ہیڈلائیٹس کی رینج میں نہ ہونے کی بناء پر کافی رو میں نہیں تھی۔

"ٹارچ لاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کیڈی کی طرف دوڑا۔ وہ ٹارچ تو نکال لایا، لیکن انجن بند کرنا وہ بھی بھول گیا تھا۔ فر نے اوندھے پڑے ہوئے آدمی کو سیدھا کیا۔ چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑتے ہی وہ چونک اٹھا۔

"اوہ.... کہیں دیکھا ہے اسے.... مگر یہ مرچکا ہے۔"

نرخرے پر تیز قسم کے ناخنوں کے نشانات تھے۔ کسی نے نرخرا اس شدت سے دبایا تھا ناخن گوشت میں اُتر گئے تھے۔

"وہ اسی طرف ہوگا۔" فریدی تیزی سے بائیں سمت کی جھاڑیوں کی طرف مڑا۔ ٹارچ حمید ہاتھوں میں تھی۔ جب تک وہ اُسے روشنی دکھائے فریدی جھاڑیوں میں کود چکا تھا۔ حمید بھی تا پھر وہ دونوں دور تک چھول کے جنگلوں میں گھستے چلے گئے۔ دفعتاً فریدی نے حمید سے کہا۔

"تمہیں وہیں ٹھہرنا چاہئے تھا۔ چلو.... واپس چلو۔" وہ پھر سڑک کی طرف دوڑا۔

فریدی نے جھاڑیوں میں گھسنے سے پہلے نہ تو اپنی گاڑی کا انجن ہی بند کیا تھا اور نہ روشنی ہی ائی تھی۔

"یا تو کیڈی گئی یا وہ کار۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ وہ دوڑ رہا تھا۔

"کیوں....؟" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"سڑک پر روشنی نہیں دکھائی دیتی۔"

وہ پوری قوت سے دوڑنے لگے تھے، فریدی کا اندازہ درست نکلا۔ لاش والی کار غائب تھی اور یدی کی کیڈی کا انجن بند کرکے روشنی گل کردی گئی تھی۔

"جلدی کرو۔" وہ جھپٹ کر کار میں بیٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ کسی زخمی بھیڑیے کی رح غرا رہا تھا۔ کئی بار کی کوشش کے باوجود بھی انجن اسٹارٹ نہ ہوا۔

"کیا حماقت ہوئی ہے۔" وہ نیچے اُتر کر انجن کا ڈھکن اٹھاتا ہوا بولا۔ "ٹارچ ادھر لاؤ۔"

"چوٹ دے گیا۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"جلد بازی ہمیشہ بُرے نتائج سے دوچار کرتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی۔"

"کار موڑی نہیں گئی۔" فریدی نے ٹارچ کی روشنی زمین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر دفعتاً تیزی ے جھکا۔ دوسرے لمحے میں حمید نے اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی جس پر ہیرے کے نا چھوٹے چھوٹے نگ جگمگا رہے تھے۔ فریدی اُسے جیب میں ڈال کر کیڈی کی طرف جھپٹا۔ وہ ر سعید آباد کی طرف جارہے تھے لیکن اس بار گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی۔

"کیا آپ نے کسی کو دیکھا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر اس بدحواسی کا کیا مطلب۔"

"اچھا تو تم یہ سمجھتے ہو کہ اس لاش نے یہ سب حرکتیں کی ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ واقعات کے اُس ڈرامائی انداز نے اُسے کچھ سمجھنے ہی نہیں دیا تھا مرنے والے کے نرخرے پر ناخنوں کے نشانات نہ دیکھتا تو مشکل ہی سے یقین آتا کہ و موت نہیں مرا۔ کار ڈرائیو کرتے کرتے ہارٹ فیل بھی تو ہو سکتا ہے؟

فریدی خاموشی سے اسٹرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ کیڈی ساٹھ میل کی رفتار سے دوڑ رہی تقریباً تیس میل نکل آئے تھے اور سعید آباد بہت زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ دفعتاً انہیں تیز دکھائی دی اور پھر جلد ہی اُس روشنی کا معمہ بھی حل ہو گیا۔ سامنے بیچ سڑک پر ایک کار میں گھری کھڑی تھی۔ فریدی نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا اور کیڈی روک دی۔

"جانتے ہو! وہ کس کی لاش تھی۔" اس نے بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔"

"یہ جاپانیز مرچنٹس کارپوریشن کا وہی ایجنٹ تھا جس نے وہ مجسمہ پرویز کے یہاں پہنچ اب قاتل نے اس کی لاش بھی جلا دی۔"

دیوار پھٹتی ہے

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کیڈی اسٹارٹ کر دی۔ بمشکل تمام اُس نے آگے بڑھایا۔ یہ بھی بڑا خطرناک کام تھا کیونکہ جلتی ہوئی کار کے شعلوں نے سڑک چوڑائی کو گھیر رکھا تھا بس مقدر ہی تھا کہ کیڈی آگے نکل گئی۔

"اب کہاں۔" حمید نے کہا۔

"سعید آباد.... سرور لاج۔"

"اوہ تو کیا....؟"

"میں تنویر کو چیک کروں گا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "آخر اس نے بھنویں کیوں کرر کھی ہیں۔ سر کا درمیانی حصہ کیوں منڈوا دیا ہے۔"

"تو کھوپڑی چیک کریں گے آپ اس کی۔" حمید مضحکانہ انداز میں بولا۔

کیڈی کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ حمید نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ دو بج ر

"کیا آپ تنویر پر شبہ کر رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی۔"

"وجہ۔"

"میں اس وقت کسی بحث میں پڑنے کے لئے تیار نہیں۔ میں نے اس کے متعلق ایک بہت ہی اہم بات نہیں معلوم کی۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ وہ عموماً گرمیوں میں ہمیشہ اپنی بھنوؤں وغیرہ کی صفائی کرا دیتا ہے۔"

"بھئی میرا خیال ہے کہ اگر اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہوتا تو وہ پرویز کے بینک بیلنس وغیرہ کے متعلق کچھ نہ پوچھتا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ خود کو پاگل بنا کر پیش کر رہا ہے۔" فریدی بولا۔

"تو کیا وہ ہر سال گرمیوں میں پاگل بننے کی مشق کرتا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مجھے اس پر یقین ہے کہ وہ پاگل نہیں ہے۔"

"آخر اس یقین کی کوئی وجہ بھی ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"اس کی آنکھیں.... پاگلوں اور ہوش مندوں کی آنکھوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"چلئے صاحب۔" حمید اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

تھوڑی دیر بعد کیڈی سرور لاج کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ پھاٹک بند تھا۔ تقریباً آٹھ یا دس منٹ تک انہیں پھاٹک ہلانا پڑا۔ شاید چوکیدار سو رہا تھا۔

"کون ہے؟" اندر سے بھرائی ہوئی آواز آئی۔

"پولیس....!"

"پپ.... پپ.... پولیس.... کیوں؟"

"دروازہ کھولو۔" حمید نے پھاٹک پر لات ماری۔

"شش یہ نہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بیگم صاحب کے حکم کے بغیر.... نہیں کھل سکتا۔" اندر سے آواز آئی۔

"اُن سے کہو انسپکٹر فریدی ہے۔"

اندر قدموں کی چاپ سنائی دی جو بتدریج دور ہوتی گئی۔

"آخر آپ کس طرح چیک کریں گے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"بس دیکھتے رہو۔"

"اگر وہ تنویر ہی رہا ہوگا تو محتاط ہو گیا ہوگا اور پھر میرا خیال ہے کہ اس کی بیوی بھی اس کی حرکتوں سے لاعلم نہ ہوگی۔"

"خدا جانے۔"

"اگر وہ تنویر ہی تھا۔" حمید بولا۔ "تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ واپس ہی آ گیا ہو۔ کیونکہ کار تو اس نے جلادی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ تو سوچو کہ اُس نے وہ کار وہیں کیوں نہ جلادی جہاں اُس نے اُسے پہلے چھوڑا تھا۔ اتنی دور جانے کے بعد جلانے کی وجہ کے متعلق بھی تو غور کرو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی ہی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"اُس نے یہ سارے انتظامات پہلے ہی سے کر رکھے ہوں گے۔ ہم یہاں سے سات بجے گئے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے یہاں سے ایک میل ٹرین جاتی ہے جو تقریباً دو گھنٹے میں ہمارے تک پہنچ جاتی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جانے سے پہلے اس نے اُسی مقام پر جہاں وہ کار جل رہی تھی ایک موٹر سائیکل چھپادی ہو۔"

"تو اُسے یہاں لا کر مارنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"شہر میں اُسے لاش جلانے کا موقع نہ ملتا۔"

"پھر بھی اسی وقت یہاں آنے کی منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں؟"

"ظاہر ہے کہ وہ اپنی کار بھی دیکھ چکا ہے۔ اُس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ یہ ہم ہی ہیں۔ اس۔ وہ کافی محتاط ہو گیا ہوگا۔"

"میں کہتا ہوں تم بس دیکھتے جاؤ۔"

"اندھیرے میں دکھائی بھی تو نہیں دیتا۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

اندر پھر قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔

"کیا بات ہے.... کون صاحب ہیں۔" بیگم تنویر کی کپکپاتی ہوئی مترنم آواز آئی اور حمید کی آنکھیں یک بیک جاگ اٹھیں۔

"میں ہوں انسپکٹر فریدی۔" فریدی نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے۔" اندر سے آواز آئی پھر بیگم تنویر نے شاید چوکیدار کو مخاطب کیا۔ "پھاٹک دو۔"

کڑکڑاہٹ کے ساتھ پھاٹک کھلا اور فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"مسز تنویر مجھے افسوس ہے لیکن اس وقت یہاں میرا آنا بہت ضروری تھا۔"

"فرمائیے! اگر دیر تک ٹھہرنا ہو تو اندر چلئے۔" اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

وہ سب ایک بڑے کمرے میں آئے۔ مسز تنویر نے گہرے نیلے رنگ کی سلک کا سلیپنگ پہن رکھا تھا.... اور پیروں میں سیاہ مخملی چپلیں تھیں۔ چہرہ اس وقت پہلے سے زیادہ حسین ہو رہا تھا۔

وہ فریدی اور حمید کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آپ کا خاندان خطرے میں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جی؟" وہ بے ساختہ چونک پڑی۔

"تنویر صاحب کہاں ہیں۔"

"اپنے کمرے میں سو رہے ہیں.... بات کیا ہے؟" اُس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"ذرا انہیں جگا دیجئے۔"

"جگادوں.... لیکن...." لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔ "آخر آپ بتاتے کیوں نہیں۔"

"محترمہ میں آپ کو ان الجھنوں میں نہیں ڈالنا چاہتا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"اور میں آپ کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ اُن سے کسی معاملے پر گفتگو کرنا فضول ہے۔"

"کیا ان کا ذہنی توازن اتنا ہی بگڑا ہوا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ایک بات اور.... کیا وہ ہمیشہ ایسی حالت میں اپنی یہی وضع قطع بنائے رہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"بھنویں وغیرہ صاف کرادیتے ہیں۔"

"جی ہاں! لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"بہتر یہی ہوگا آپ انہیں جگادیں۔"

"اور اگر فرض کیجئے وہ نہ جاگے تو۔"

"جاگیں گے کیوں نہیں۔" فریدی نے اتنے بھولے پن سے پوچھا کہ حمید اس پر ہوتے ہوتے رہ گیا۔

"وہ اکثر تین تین دن تک نہیں جاگتے۔" مسز تنویر بولی۔

حمید چونک کر اُسے گھورنے لگا لیکن فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُ کوئی غیر متوقع بات نہ سنی ہو۔

"اوہو....!" فریدی بولا۔ "تو انکے اور پرویز صاحب کے مرض کی نوعیت ایک ہی ہے"

"کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے، جو سونا شروع کرتے ہیں تو اکثر تیسرے دروازہ کھلتا ہے۔ اس دوران میں کتنا ہی شور مچایئے! دروازہ پیٹیئے لیکن شاید وہ کروٹ تک لیتے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ جب یہ کیفیت ہو تو انہیں اٹھایا ہی نہ جائے۔ اگر وہ زبردستی جگائے اُن کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"

"بالکل یکساں حالات ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر چونک کر کہنے لگا۔ "محترمہ زور دیجئے۔ کیا آپ کا کوئی ایسا عزیز بھی ہے جسے پرویز اور تنویر صاحبان کا ترکہ پہنچ سکے۔"

"کوئی نہیں.... کوئی بھی نہیں۔ خدارا مجھے الجھن میں نہ ڈالئے۔"

"تنویر صاحب کس وقت سونے کے لئے گئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ لوگوں کے جانے کے بعد ہی انہوں نے کھانا کھایا اور اس کے بعد سونے چلے"

"اندازاً کیا وقت رہا ہوگا۔"

"غالباً ساڑھے سات۔"

"کیا آپ مجھے اُن کے کمرے تک لے چلیں گے۔"

"کچھ بتایئے بھی۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "اس طرح خواہ مخواہ تنگ کرنے سے کیا فائدہ"

"محترمہ میں ایک بار پھر تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے معذرت کی

ا چاہتا تھا کہ آپ کو کسی الجھن میں ڈالوں۔ لیکن اب بتانا ہی پڑے گا۔"

فریدی نے مختصراً پرویز کی روداد دہرادی۔ لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ پرویز کی بیوی اُسے ذکر طوائفوں کی سی زندگی بسر کرنے لگی تھی۔ اُس کے متعلق اُس نے یہ بتایا کہ دونوں کسی ن کی بناء پر علیحدہ ہو گئے تھے۔ پرویز کو اس قدر غصہ تھا کہ اُس نے اپنی بیوی کا ایک مجسمہ بنوا کر انتقامی جذبے کی تسکین کا درجہ پیدا کر لیا تھا۔ پھر اُس نے یہ بتایا کہ کسی نے اس کی بیوی کو ہ دے کر اُس کمرے میں پہنچا دیا جہاں وہ مجسمہ رکھا ہوا تھا اور پرویز نے مجسمے ہی کے دھوکے اُس کا گلا دبا دیا۔"

تنویر کی بیوی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

"آپ ڈر رہی ہیں نا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں اسی لئے آپ کو کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔"

"نہیں میں ڈر نہیں رہی ہوں۔ آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔"

"وہ ایسا ہی آدمی ہو سکتا ہے جسے پرویز کی موت کے بعد کوئی فائدہ پہنچ سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ ی سے نہ بچ سکے گا۔ میں تنویر صاحب کے لئے بہت فکر مند ہوں۔"

مسز تنویر بہت زیادہ بے چین ہو گئی۔

"اور سنئے! میں نے ابھی راستے میں اُس ایجنٹ کی لاش دیکھی ہے جس کی معرفت پرویز نے سمہ بنوایا تھا۔ لہٰذا مجھے واپس آنا پڑا۔ اس لئے کہ جلد یا بدیر آپ لوگوں پر بھی حملہ ہو سکتا ہے قاتل کو پرویز صاحب اور اس مجسمے کے متعلق ایجنٹ ہی سے معلوم ہوا ہوگا۔"

"اور اس نے اس ایجنٹ کو بھی مار ڈالا۔"

"جی ہاں۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "میں پرویز صاحب کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں عرض کر چکی ہوں نا کہ وہ اندر سے دروازہ بند کر کے سوتے ہیں۔"

"آپ کی مرضی۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں نے آپ کو خطرات سے آگاہ کر دیا۔ اب پ جائیں۔"

"ٹھہریئے! میں بھلا کیا کر سکتی ہوں۔ آپ خود چل کر دیکھ لیجئے کہ کمرہ اندر سے مقفل ہے۔"

"چلئے!" فریدی بولا۔

مسز تنویر ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ لیکن وہ

اندر سے بند تھا۔ اس نے کوئی ایسا سوراخ یا جھری تلاش کرنے کی کوشش کی جس سے اندر جا سکے۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ دروازے کے دونوں طرف کھڑکیاں تھیں لیکن وہ بھی بند اور اُن میں بھی شیشے نہیں تھے۔"

کمرے کے اندر سے بجلی کا پنکھا چلنے کی آواز آرہی تھی۔

کافی اونچائی پر ایک روشندان نظر آیا جو کھلا ہوا تھا اور اس کے اندر گہرے نیلے رنگ کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

"دوسری طرف بھی دروازہ ہوگا۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کوئی کھڑکی۔"

"کھڑکی بھی نہیں ہے۔"

"یعنی اگلی دیوار کے بعد کوئی دیوار نہیں ہے۔ اگر دروازہ ہوتا تو مکان کی پشت پر کھلتا۔"

"جی ہاں۔"

"عجیب بات ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ کمرہ بھی ایسا ہی تھا جس میں پرویز کی بیوی کی لا
گئی تھی۔ عجیب معاملہ ہے مگر ہاں! اس میں تو نقب لگائی گئی تھی۔"

"خدا کے لئے کچھ کیجئے۔" مسز تنویر مضطربانہ انداز میں بولی۔

"بانس کی سیڑھی ہوگی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ذرا جلدی سے منگوائیے۔" فریدی نے کہا۔

نوکر بھی بیدار ہوگئے تھے اور وہ کچھ دور پر کھڑے ان لوگوں کو عجیب نظروں سے دیکھ رہے

تھوڑی دیر بعد سیڑھی آگئی۔ فریدی نے اُسے روشندان سے لگا دیا اور دیکھتے ہی دیکھ
چڑھ گیا۔ کمرے کے اندر نیلے رنگ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔
پرتکلف بستر ضرور لگا ہوا تھا۔ لیکن وہ بالکل خالی تھی۔ تنویر کا پیلے رنگ کا لبادہ جو اس نے پہن رکھا تھا، ہینگر پر لٹکا ہوا نظر آیا۔ دوسری طرف یا اِدھر اُدھر کی دیواروں میں نہ کوئی دکھائی دی اور نہ دروازہ۔

فریدی چپ چاپ نیچے اتر آیا۔ پھر نوکروں کو مخاطب کر کے بولا۔

"تم لوگ جاکر آرام کرو۔"

"کیا بات ہے۔" مسز تنویر اُسے جھنجھوڑ کر بولی۔ فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ وہ نوکروں کے چلے جانے کا منتظر رہا۔

"محترمہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ مجھے اس طرح اُلو بنائیں گے۔" اس نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" مسز تنویر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کمرہ بالکل خالی ہے۔"

"جی۔" اُس نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "ناممکن.... قطعی ناممکن۔"

"آپ خود دیکھ لیجئے۔" فریدی نے روشندان کی طرف اشارہ کیا۔

مسز تنویر چند لمحے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہی پھر سیڑھی کی طرف بڑھی۔

فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

روشندان میں جھانکتے ہی وہ بے اختیار چیخ پڑی۔ سیڑھی کے ڈنڈے اس کی گرفت سے نکل گئے اگر فریدی نے جھپٹ کر اُسے ہاتھوں پر نہ روک لیا ہوتا تو وہ بھی اپنی چچازاد بہن ثمینہ کے پاس پہنچ گئی ہوتی۔ وہ بیہوش تو نہیں ہوئی تھی لیکن حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوسکتی۔ فریدی نے اُسے برآمدے میں پڑی ہوئی کرسی پر ڈال دیا۔

اب حمید سیڑھی پر چڑھ رہا تھا۔ روشندان میں جھانکنے پر اُسے یہ سمجھنے پر مجبور ہو جانا پڑا کہ تنویر کی بیوی نے انہیں دھوکے میں رکھا تھا۔ وہ نیچے واپس آنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ سامنے کی دیوار میں نیچے سے اوپر تک ایک دراڑ سی پڑگئی جو دیکھتے ہی دیکھتے کافی کشادہ ہوتی جا رہی تھی۔ حمید نے پیچھے پلٹ کر.... فریدی وغیرہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ فریدی مسز تنویر کی طرف سے بے خبر نہیں تھا۔ حمید کو ریوالور نکالتے دیکھ کر اُس نے مسز تنویر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کی چیخ کسی طرح نہ رک سکتی۔

ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا اور دیوار پھر برابر ہوگئی۔ لیکن یہ تنویر نہیں تھا۔ اس کے بال گھنے، گھونگھریالے اور پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے، خدوخال جاذب توجہ اور دلکش تھی، جوان اور صحت مند تھا۔

"خبردار....!" حمید نے روشندان سے للکارا۔ "اگر بھاگنے کی کوشش کی تو گولی ماردوں گا۔"
اس نے نے گھبرا کر اوپر دیکھا اور روشندان میں ریوالور دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے
"کیا بات ہے؟" فریدی نے نیچے سے پوچھا۔
"دروازہ توڑ دیجئے۔"
حمید نے محسوس کیا کہ وہ آدمی آہستہ آہستہ دیوار کی طرف کھسک رہا ہے۔
"اپنی جگہ کھڑے رہو۔" حمید نے للکارا۔ فریدی دروازے سے شانہ لگائے زور کر رہا تھا دروازہ کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ادھر دروازے میں چرچراہٹ ہوئی اور اُدھر نہ جا کیا ہوا کہ حمید سیڑھی سمیت دیوار پر پھسلتا ہوا نیچے چلا آیا۔ خیریت یہ ہوئی کہ ریوالور نہیں چا دروازہ ٹوٹ چکا تھا۔ فریدی حمید کی پرواہ کئے بغیر اندر گھس پڑا۔ کمرہ خالی تھا اور سامنے والی دیوار درمیانی خلا بدستور قائم تھی۔ فریدی دیوانہ وار اُس سے گذر کر مکان کی پشت پر آ گیا۔ کافی فا پر سامنے ایک تاریک سایہ دوڑ رہا تھا۔ فریدی نے بے تحاشہ اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔
فریدی نے اُسے جلد ہی جالیا۔ بہر حال وہ بہت زیادہ طاقت ور ثابت نہیں ہوا۔ شاید وہ گھبرایا ہوا بھی تھا۔ اس لئے اس نے جلد ہی ہاتھ پیر ڈال دیئے۔
تھوڑی دیر بعد وہ تنویر کے ڈرائنگ روم میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ اُس کے دونوں ہا اس کی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور پیر بھی آزاد نہ تھے۔
تنویر کی بیوی برابر چیخے جا رہی تھی۔ "ہائے تنویر کہاں ہیں۔ تنویر کیا ہوئے۔"
"تم اپنی انگوٹھی وہیں چھوڑ آئے تھے۔" فریدی نے اس آدمی سے مسکرا کر کہا۔
وہ کچھ نہیں بولا۔ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔
"آخر اتنی جلدی کیا تھی۔" فریدی اپنی جیب سے انگوٹھی نکالتا ہوا بولا۔ "کل اس کا خاتمہ کر دیتے۔"
"انگوٹھی۔" مسز تنویر انگوٹھی کی طرف دیکھ کر چیخی۔ "یہ انگوٹھی کس کی ہے۔"
"اس کی؟" فریدی نے بندھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔
"غلط.... بکواس! یہ تنویر کی ہے۔"
"اور یہ کون ہے؟" فریدی نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا۔
"میں نہیں جانتی۔"

"آپ اپنے شوہر کو نہیں جانتیں! حیرت ہے۔" فریدی نے کہا اور بڑھ کر اس آدمی کے سر کے بال نوچ لئے۔ پھر بھنویں بھی نوچ ڈالیں۔ ہونٹوں پر سے پلاسٹک کے ٹکڑے نوچے۔
تنویر اپنی مصنوعی وحشت سمیت اُن کے سامنے تھا۔ اس کی بیوی نے چیخ ماری اور گر کر بے ہوش ہو گئی۔

پاگلوں کی کہانی

اس کیس نے شہر میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ اخباروں کے کرائم رپورٹر کوتوالی اور محکمہ سراغ رسانی کی عمارتوں کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ تنویر حوالات میں تھا اور پرویز کو بھی پچھلی رات کو ہوش آ چکا تھا لیکن ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق کسی نے بارہ گھنٹے تک اس سے کوئی گفتگو نہ کی۔
مقتول ایجنٹ کے متعلق چھان بین کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ تنویر کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔ جس کار میں ان دونوں نے سفر کیا تھا وہ کارپوریشن کی ملکیت تھی۔ تنویر کی بیوی بھی اس ایجنٹ کو جانتی تھی لیکن بقیہ معاملات سے اُسے کوئی سروکار نہ تھا۔
تنویر نے بڑی مشکلوں سے اعتراف جرم کیا تھا۔ سول پولیس تو اپنے سارے حربے استعمال کر کے ہار گئی تھی۔ آخر فریدی نے وہ طریقہ استعمال کیا، جو دوسروں کی نظروں میں انتہائی احمقانہ تھا۔ حمید تو سمجھا کہ شاید فریدی کے دماغ میں بھی فتور واقع ہو گیا ہے لیکن تنویر کا بیان ہے کہ اگر یہ سلسلہ کچھ دیر اور جاری رہتا تو وہ سچ مچ پاگل ہو جاتا۔
فریدی نے اُسے ایک بڑی سی میز پر چت لٹا کر اس کے ہاتھ پیر اس طرح کس دیئے تھے کہ وہ جنبش نہ کر سکے۔ پھر اس نے اس کے سر کے دونوں طرف دو تختیاں کھڑی کر کے ان میں کیلیں ٹھکوادیں۔ اب اس کا سر بھی جنبش نہیں کر سکتا تھا۔ آنکھیں چھت کی طرف لگی ہوئی تھیں۔
پھر اُس نے ایک ہانڈی منگوائی اور اس کی پیندی میں چھوٹا سا سوراخ کر کے اس میں ذرا سا کپڑا ٹھونس دیا۔ ہانڈی میں پانی بھرا گیا اور وہ عین تنویر کے سر پر چھت سے لٹکا دی گئی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایک ایک بوند تنویر کی پیشانی پر ٹپکتی رہی۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک وہ خاموش رہا پھر اس نے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ "وہ آئی.... وہ گری.... آ.... آ.... آ.... آئی.... گری...."

گگ.... گگ.... گری۔"

پھر وہ چیخنے لگا۔ "میں پاگل ہو جاؤں گا.... ہٹاؤ.... اس ہانڈی کو.... فریدی کمینے سور. ہٹاؤ.... وہ گری.... ارے میری پیشانی پھٹی۔ چھوڑ دو مجھے.... بتاتا ہوں.... بتاتا ہوں. میں نے ہی ثمینہ کو اس کمرے میں پہنچایا تھا۔ میں نے ہی ایجنٹ کو مارا تھا۔ وہ گری.... ارے م مرا.... میں پاگل....!"

پھر اس نے سب کچھ اگل دیا۔ وہ ثمینہ سے پرویز کے ایک دوست کی حیثیت سے ملا تھا چو اس نے بھیس بدل رکھا تھا اس لئے وہ اُسے پہچان نہ سکی۔ تنویر کو اس کے مجسمے کے متعلق ا ایجنٹ ہی سے معلوم ہوا تھا۔ وہ ایجنٹ تنویر کو دونوں حیثیتوں سے جانتا تھا۔ تنویر کی حیثیت بھی اور اُس بدلے ہوئے بھیس میں مسٹر شمشاد کی حیثیت سے بھی۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا دونوں ایک ہی ہیں۔ اس قسم کے مجسمے اور ریکارڈ کا آرڈر چونکہ ایک نئی اور حیرت انگیز بات اس لئے اس نے اس کا تذکرہ تنویر سے بھی کیا۔ وہ تصویر بھی دکھائی جس کے مطابق مجسمے کی تیا ہوئی تھی۔ اس سے پہلے حقیقتاً تنویر کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ پرویز بھی اسی شہر میں موجود اس اطلاع پر اس نے خفیہ طور پر چھان بین کی تو اُسے معلوم ہوا کہ پرویز تقریباً تین سال سے رہ رہا ہے۔ ثمینہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔

ثمینہ سے جس طرح اس کی ملاقات ہوئی اس کی تفصیل بھی بڑی دلچسپ تھی۔ تنو شروع ہی سے گرمیوں کے زمانے میں جنسی دیوانگی کے دورے پڑا کرتے تھے لیکن وہ خواہشات کی تکمیل کھلم کھلا نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسے اپنی بیوی سے بڑی محبت تھی اور وہ خا قسم کی جنسی دیوانگی جس کا وہ شکار تھا اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایسی نہیں تھی کہ کسی ایک پر قنا کرتی۔ تنویر نیک نام بھی رہنا چاہتا تھا اور اپنی ضرورت بھی اس کے پیش نظر تھی لہٰذا اس گرمیوں کے زمانے میں خود کو سچ مچ کا پاگل بنا کر پیش کرنا شروع کر دیا۔ بھیس بدلنے کی غرض وہ ہمیشہ اپنے سر کے بال اور بھنویں منڈوا دیا کرتا تھا اور اپنی عجیب و غریب نیند کے بہانے تین دن تک گھر سے غائب رہتا۔ یہ ایام قرب و جوار کے شہروں یا سعید آباد ہی کی طوائفوں گذرا کرتے تھے یہاں آتا تو اسی ایجنٹ کے یہاں ٹھہرتا اور دونوں مل کر عیاشی کرتے۔ ایجنٹ تھا کہ وہ کس مجبوری کی بناء پر بھیس بدلا کرتا ہے۔ لیکن اسے یہ قطعی نہیں معلوم تھا کہ وہ پر

بھائی ہے۔

ایک رات شہر کے ایک حصے میں تنویر کو ثمینہ مل گئی۔ اس رات وہ ایجنٹ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ تنویر نے ثمینہ کا تعاقب کر کے اس کی جائے رہائش کا پتہ لگا لیا اور ایک دن اُسے راہ میں روک کر اس سے پوچھا کہ وہ ثمینہ تو نہیں ہے۔ اس نے ثمینہ کو بتایا کہ وہ پرویز کا ایک دوست ہے اور اس کے یہاں اس کی تصویر دیکھ چکا ہے۔ ثمینہ نے اُسے بتایا کہ ان دونوں میں ناچاقی ہو چکی ہے اور پرویز اُس سے ناراض ہے۔ اس پر تنویر نے اُسے یہ اطلاع دی کہ وہ تو اُسے پوجتا ہے۔ محاورۃً نہیں بلکہ حقیقتاً اس نے اس کا ایک مجسمہ بنوایا ہے اور وہ سچ مچ اس کی پرستش کرتا ہے۔ ثمینہ بے قرار ہو گئی۔ کئی سال طوائفانہ زندگی بسر کرنے کے بعد وہ پھر سے گھر بسانے کے خواب دیکھنے لگی۔ اس اطلاع نے اس کا مستقبل روشن کر دیا تنویر نے اس کا اندازہ پہلے ہی لگا لیا تھا کہ پرویز نے وہ مجسمہ کس لئے بنوایا ہے۔ اگر چیخوں والا ریکارڈ بھی ساتھ ہی نہ بنواتا تو شاید وہ بھی یہی سمجھتا کہ اس نے وہ مجسمہ اپنی محبت کی تسکین ہی کے لئے بنوایا ہے۔

اس کمرے کے متعلق جس میں وہ مجسمہ رکھا گیا تھا ایجنٹ سے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ کمرے کی ساخت کے بارے میں معلوم کرنے کے بعد اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی کونے ہی پر ہوگا۔ ایک رات وہ پرویز کی کوٹھی کی پشت پر پہنچا۔ ایک روشندان سے چیخوں کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں اور پھر اس نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ مجسمہ اسی کمرے میں ہے۔

اس دوران میں وہ ثمینہ سے برابر ملتا رہا۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر کبھی وہ پرویز کے سامنے چلی گئی تو وہ اُسے زندہ نہ چھوڑے گا۔ لہٰذا اس نے پروگرام بنانا شروع کیا کہ اسے کسی طرح اُس مجسمے والے کمرے میں پہنچا کر مجسمہ غائب کر دیا جائے۔ اس طرح سانپ بھی مرے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ پرویز کی پھانسی کے بعد اس کی دولت بھی ہاتھ چڑھے گی۔

ثمینہ نے پرویز کا پتہ بہت پوچھا۔ مگر تنویر نے نہ بتایا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ روزِ روشن میں بھی وہ اس سے ملی کہ وہ اس پر حملہ ضرور کرے گا مگر یہ حملہ کسی کے بیچ بچاؤ کرا دینے پر ناکام بھی ہو سکتا ہے۔

تنویر نے اس سے کہا کہ وہ پرویز کو متحیر کرنا چاہتا ہے کیوں نہ وہ اُسے اس کمرے میں پہنچا کر اس کا مجسمہ غائب کر دے۔ ثمینہ نے اس تجویز کو پسند کیا پھر وہ دونوں ایک رات وہاں جا پہنچے۔

تنویر کو اندر پہنچایا اور وہاں سے وہ مجسمہ اور ریکارڈ لے کر رفوچکر ہو گیا۔ یہ بات تو اُسے ایجنٹ سے معلوم ہو گئی تھی کہ پرویز نے اُس مجسمے کے معاملے میں بڑی راز داری سے کام لیا تھا حتیٰ کہ اُس نے نوکروں کو بھی اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی تھی۔

سرجنٹ حمید ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہتا پھر رہا تھا کہ فریدی اس صدی کا عظیم ترین پاگل ہے کہ اس نے ایک پاگل پن کی حرکت کر کے اس پاگل سے سب کچھ اگلوا لیا.... اب وہ اس تیسرے پاگل کی روداد سننے کے لئے بے چین تھا جس نے سونے کا ریکارڈ توڑ دیا تھا۔ حالات کے مضحکہ خیز پہلو اس کے ذہن میں ہلچل مچائے ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک شوہر بیوی سے محروم ہو گیا اور ایک بیوی شوہر سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ دونوں نے تصوف کی راہ پر زور سے دوڑ لگادی تھی۔

شام کو فریدی اور حمید ہسپتال پہنچے۔ پرویز تکئے سے ٹیک لگائے بستر پر نیم دراز تھا۔ وہ دونوں اس کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔

"میرا خیال ہے کہ میں پہلے بھی آپ حضرات کو دیکھ چکا ہوں۔" اس نے نقیہہ آواز میں کہا۔

"حادثے والی رات کو۔" فریدی بولا۔

دفعتاً پرویز کے چہرے پر مردنی چھا گئی اور تھوک نگل کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"میری دانست میں آپ قطعی بے قصور ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔" پرویز مضمحل آواز میں بولا۔

"کیا آپ کو معلوم ہو گیا؟"

"جی ہاں اخبار.... ایک مریض کی عنایت سے اخبار مجھے مل گیا تھا۔"

"بہر حال تنویر حراست میں ہے۔"

"اس نے جو کچھ بھی کیا اچھا ہی کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی گزند پہنچے۔ ثمینہ جب بھی میرے سامنے آتی میں اس کے ساتھ یہی برتاؤ کرتا۔"

"شروع میں تو آپ دونوں کے بہت اچھے تعلقات تھے۔" فریدی نے کہا۔

"تعلقات.... میں اُسے سچ مچ پوجتا تھا۔ لیکن میں اس کے متعلق ہمیشہ دھوکے ہی میں رہا۔ میں اُسے پاک باز سمجھتا رہا۔ لیکن یہ حقیقت بعد کو واضح ہوئی کہ شادی سے پہلے ہی اس کے

تعلقات بہتیروں سے رہ چکے تھے۔ وہ حقیقتاً ایسی نہیں تھی کہ کسی ایک ہی کی ہو رہتی۔ اسی کی بدولت میرے اور تنویر کے درمیان بٹوارہ ہوا تھا۔ وہ ایسی جگہ رہنا ہی نہیں چاہتی تھی جہاں کوئی نہ کوئی ہر وقت اس کے سر پر مسلط رہے۔ رقیہ بڑی نیک عورت ہے اسی لئے ثمینہ نے اس کے ساتھ رہنا گوارا نہ کیا؟"

"رقیہ کون؟" فریدی نے پوچھا۔

"تنویر کی بیوی۔ ابھی ابھی یہاں سے اٹھ کر گئی ہے۔ کسی طرح تنویر کو بچائیے ورنہ وہ بے موت مر جائے گا۔"

"محال ہے۔" فریدی بولا۔ "اس کی گردن پر دو دو خون ہیں۔"

پرویز خاموش رہا لیکن اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شدید ترین قلبی اذیت میں مبتلا ہے۔

"کیا آپ کو معلوم تھا کہ ثمینہ بھی اسی شہر میں موجود ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں! وہ اب سے چار سال پہلے میرے ایک دوست کے ساتھ فرار ہو گئی تھی اور اس کے بعد سے پھر مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوا۔ بہر حال انتقام کی آگ نے مجھے قریب قریب پاگل کر دیا تھا۔"

"لیکن آپ نے اسے مار کس طرح ڈالا۔" فریدی نے پوچھا۔ "کیا آپ کو اس کا احساس نہیں ہوا تھا کہ آپ ایک ذی روح کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔"

"اسے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ جیسے ہی میں اندر داخل ہوا وہ کچھ کہے سنے بغیر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس وقت میں نے نقب کی طرف خیال نہیں کیا تھا۔ دفعتاً میرے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر جا پڑے اور غیر شعوری طور پر میری گرفت سخت ہو گئی۔ نوکروں نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے چیخیں سنی تھیں لیکن مجھے اس کا بھی ہوش نہیں۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہو گیا۔ دوبارہ جب میں ٹارچ منگوا کر اندر گیا تو وہ مجسمہ بھی موجود نہیں تھا۔ نقب کی طرف میں نے اُس وقت بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کے متعلق تو مجھے آج ہی اخبار کے ذریعہ معلوم ہوا۔"

فریدی اور حمید کچھ دیر رسمی گفتگو کرتے رہے پھر اٹھ آئے۔

"آج آر لکچو میں بڑا زوردار پروگرام ہے۔" حمید نے راستے میں کہا۔

"ابھی تمہارا دل پروگراموں سے نہیں بھرا۔" فریدی بولا۔

"پتہ نہیں آپ آدمی ہیں یا بلوٹنگ پیپر۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔

"ایک بات آج تک سمجھ میں نہ آئی۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کوئی شوہر اپنی بیوی بد چلنی نہیں برداشت کر سکتا۔ لیکن عموماً بیویاں اپنے شوہروں کی بد چلنی برداشت کرتی ر ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"

"لیکن تمہاری بیوی تمہیں کبھی نہ برداشت کر سکے گی۔" فریدی بولا۔

"تو کیا میں بد چلن ہوں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"نہیں تم تو فرشتے ہو۔"

"معاف کیجئے گا۔ جناب میں لڑکیوں سے صرف دوستی کرتا ہوں۔"

"ہر پڑھا لکھا بد چلن یہی کرتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا کہا۔" حمید چیخ کر بولا۔ "بد چلن کہہ لیجئے لیکن اگر پڑھا لکھا کہا تو اچھا نہ ہوگا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"اگر ہم اس وقت آر لکچو ہی میں کھانا کھائیں تو کیا حرج ہے۔" حمید نے کہا۔

وہ دونوں آر لکچو میں آئے۔ ڈائننگ ہال میں ابھی تھوڑی بہت گنجائش تھی۔ حمید نے ا ایسی میز پر قبضہ جما لیا جس کے گرد و پیش کئی خوبصورت لڑکیاں تھیں۔

"افوہ یار! تم بھی کہاں آمرے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا ان لڑکیوں سے وحشت ہو رہی ہے وہ کیسی رہے گی۔" حمید نے ایک لڑکی کی طر آنکھوں سے اشارہ کیا۔

"خدا نے چاہا تو ہمیشہ بخیریت رہے گی.... ادھر اُدھر مت دیکھو.... اے بوائے مینو لاؤ"

فریدی نے مینو دیکھ کر کچھ چیزوں کا آرڈر دیا اور پھر کئی کھنکتے ہوئے قہقہے اس کے کا میں گونجنے لگے۔ قریب کی میز پر بیٹھی چار لڑکیاں حمید کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنس رہی تھ فریدی نے حمید کی طرف دیکھا جو سر جھکائے نہایت سنجیدگی سے طرح طرح کے منہ بنا رہا تھا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے اُسے آہستہ سے جھڑکا۔

"نہ جانے کیا ہوگیا ہے ہونٹوں میں۔" حمید نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے کہا۔ "کھجلی.... کیسی کھجلی۔"

اس نے فریدی کو بھی منہ چڑھا دیا۔

"میں جانتا ہوں.... گدھے سور! پبلک مقامات پر بیہودگی کھل جاتی ہے۔"

"اب بتائیے کھجلی کو کیا کروں۔"

"جوتے سے کھجلاؤں گا۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

بہر حال حمید نے وہ رات فریدی پر حرام کر دی۔

اور اس کیس کے سلسلے میں بعد کے واقعات میں صرف یہی بات بہت زیادہ اہم ہے کہ الت نے پرویز کو قتل کی نیت نہ رکھنے کی بناء پر بری کر دیا۔ فاضل جج نے تجویز میں لکھا تھا کہ ارادتاً نہیں بلکہ اضطراری کیفیت کے تحت سرزد ہوا تھا۔ جس کی وجہ خوفزدگی بھی قرار دی سکتی ہے۔ عدالت کی نظروں میں صحیح معنوں میں مجرم تنویر ہی تھا۔ ثمینہ کے معاملے میں اسے سال قید بامشقت کی سزا دی گئی اور ایجنٹ کے قتل کے سلسلہ میں سزائے موت۔

مسز تنویر کی حالت بہت ابتر تھی۔ فیصلہ سنتے ہی وہ عدالت میں بیہوش ہو گئی۔ زندہ تو وہ اب ہے لیکن ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو کر رہ گئی ہے۔ پرویز ہر طرح اس کا خیال رکھتا ہے، لیکن اس کے ن میں اتر جانا اس کے بس کی بات نہیں۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر29

لاشوں کا آبشار

(مکمل ناول)

پیش رس

"لاشوں کا آبشار" ایک عظیم مصنف کی عظیم ترین تخلیق ہے! یہ وہ ناول ہے جس کا ہر لفظ، ہر جملہ اپنی جگہ پر نفسیاتی حقیقتوں کے ذخیرے رکھتا ہے۔اس کے پورے ماحول میں ایک ایسی کشش اور جاذبیت ہے کہ ابتدا سے انتہا تک ہر کردار، کسی ڈرامہ کے افراد کی طرح ہنستا، بولتا، چیختا نظر آتا ہے۔

اس کہانی کا مرکزی کردار کرنل فریدی اور حمید کے بجائے ایک مجرم ہے مگر ایسا مجرم جو سماج اور سوسائٹی کے لئے ہمیشہ سے ایک مسئلہ رہا ہے، ایسا عجیب وغریب سوال.... جس کا جواب اب تک نہ دیا جاسکا ہے!

اس ناول میں شاید ہی کوئی ایسا کردار ہو جسے آسانی سے بھلایا جاسکے! کنول کو آج تک لوگ یاد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُسے پھر موقع دیا جائے! حمید کی اور اس کی دلچسپ چھیڑ چھاڑ خصوصاً ابتدائی حصے میں اس کا برتاؤ قہقہہ انگیز ہے! نادرہ ایک مجہول سی لڑکی ہے جس کی شکل صرف ایک بار دکھائی دیتی ہے لیکن اس کی چال.... ذہن میں چپک کر رہ جاتی ہے۔ مسٹر

کیو جو اس ناول کا مرکزی کردار ہے اپنی خوفناک آنکھوں سمیت ہر جگہ نظر آتا ہے۔

اس ناول کا وہ حصہ عجیب و غریب ہے جہاں مصنف نے پاگل خانے کی تصویر کشی کی ہے۔ یہ تصویر اتنی مکمل، اتنی جاندار اور انسانی ہمدردی سے لبریز ہے کہ بے اختیار.... آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔

حمید کے قہقہے اس کی شرارتیں، اس کے جملے، اس کا حیرت انگیز ذہن جو بڑی سے بڑی مصیبتوں میں بھی قہقہے لگانے کے بارے میں سوچتا ہے، ایک انوکھی دنیا کی تعمیر کرتے ہیں۔

اور پھر کرنل فریدی.... جیسا عظیم سراغ رساں اپنے کمال کے عروج پر نظر آتا ہے۔

پبلشر

الف لیلیٰ کی ایک رات

ہلکی سردیوں کی ایک خوشگوار رات تھی لیکن یہ خوشگواری اُسی وقت تک قائم رہی جب تک سرجنٹ حمید کو راستہ بھٹک جانے کا احساس نہیں ہوا۔ وہ سر شام ہی دلاور نگر سے چل پڑا تھا۔ کام کچھ اتنا ہی ضروری تھا کہ اس نے ٹرین کے وقت کا انتظار کرنے کے بجائے فریدی کی کار استعمال کی تھی۔ واپسی پر شام ہو گئی۔ تھوڑی دور تو وہ پختہ سڑک سے آیا پھر اس خیال سے کہ سفر مختصر ہو سکے اس نے ایک جگہ کار کو ایک کچے راستے پر موڑ دیا۔ یہ اس نے اپنی یادداشت کے بھروسے پر کیا تھا۔ اس کی دانست میں ایک بار فریدی نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ بہر حال حمید کو یقین تھا کہ اس نے کار غلط راستے پر نہیں موڑی تھی۔

اُسے شہر پہنچنے کی کچھ اتنی جلدی تھی کہ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ کیڈلاک جیسی شاندار گاڑیاں کچے راستوں کے لئے نہیں ہوتیں۔

مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے چاندنی ہلکی تھی اور جنگل کے سناٹے سے اس کی ہم آہنگی بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر رفیق سفر تنہائی نہ ہوتی تو اس وقت کیڈی کے پہیوں کے نیچے کی ناہموار زمین نہ جانے کتنے جہانوں کی سیر کرا دیتی اس وسیع کائنات کے رشتے میں پروئے ہوئے دو دلوں کے کتنے راز فاش ہوتے۔ اس کے ذہن کی سطح پر کئی حسین چہرے اُبھر آئے اور وہ ان میں سے کسی ایک کو اپنے گرد بکھری ہوئی بیکراں خوبصورتی کا ایک حصہ بنانے کے لئے منتخب کرنے لگا۔

بہر حال اس کا ذہن شاعرانہ خیالات کی وادیوں میں بھٹکتا رہا اور وہ خود جنگل میں.... جب کافی دیر ہو گئی اور وہ بدگد کا عظیم الشان درخت نہ ملا جہاں سے اسے بائیں طرف مڑنا تھا تو اچانک

وہ سارے شاعرانہ خیالات سراسیمگی کی دلدل میں جا پھنسے۔ اس دوران میں نہ تو اسے وقت
احساس رہ گیا تھا اور نہ یہی دھیان تھا کہ سڑک سے کتنا فاصلہ طے کر چکا ہے۔ کیڈی کے انجن
کچھ اس قسم کی آوازیں نکلنے لگی تھیں جیسے پانی تھوڑا ہی رہ گیا ہو۔ پٹرول تو خیر ٹنکی میں کافی تھا
کار کے پچھلے حصے میں بھی کئی ٹین بھرے رکھے تھے۔

اس نے کار روک دی لیکن انجن بند نہیں کیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کار اسی طرف
دی جدھر سے آیا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر اُسے دو راستے نظر آئے جو مختلف سمتوں میں چلے گئے
اور ان کے درمیان گھنا جنگل تھا۔ حمید کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا کہ وہ ان میں سے
راستے سے آیا تھا۔ اُس نے نیچے اُتر کر پہیوں کے نشانات دیکھنے شروع کئے لیکن بدقسمتی سے ز
اتنی سخت تھی کہ وہ نشانات نہ ملنے پر اس میں سما بھی تو نہیں سکتا تھا اور آسمان تو خیر ازل سے
دور ہے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ آخر کار اس نے جیب ٹٹول کر ایک روپیہ
اور دونوں راہوں کو ذہن میں رکھ کر ٹاس کیا۔ روپیہ آواز کے ساتھ زمین پر گرا اور وہ جھک
دیکھنے لگا۔

"ہیڈ....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور کار اسٹارٹ کر دی۔ اب وہ تن بہ تقدیر ایک را
پر ہولیا۔

کچھ دیر پہلے کی حسین چاندنی کفن یا کسی مقدس کنواری کی طرح بور لگنے لگی تھی۔ رو
چادر اور سناٹے کا ربط ٹوٹ چکا تھا۔ وہ حسین چہرے جو کچھ دیر قبل ذہن کی سطح پر اُبھرے
جھلاہٹ کے غبار میں چھپ گئے اور وہ پختہ سڑک! وہ آدھ گھنٹہ چلتے رہنے کے باوجود بھی نہ ملی۔

کیڈی کا سنجیدہ ترین انجن پیاس سے بے قابو ہو کر شور مچانے لگا تھا۔

"شامت ہے شامت۔" حمید نے بڑبڑا کر کیڈی روک دی۔

چند لمحے بے حس و حرکت بیٹھا رہا پھر نیچے اُتر آیا۔

پانی کا مسئلہ بہت ضروری تھا ورنہ بھٹکنے کو کیا؟ دو چار گھنٹے اور سہی لیکن پانی ہی کہاں مل جا
اگر وہ سڑک ہی سڑک چلا ہوتا تو کہیں نہ کہیں کامیابی ضرور ہو جاتی۔ آتے وقت راستے میں ا
نے کئی تالات دیکھے تھے مگر یہاں جنگل میں اگر کوئی ہوتا بھی تو ضروری نہیں کہ اس کی رسا

ں تک ہو ہی جاتی۔

وہ کھڑا کچھ سوچ رہا تھا کہ دفعتاً اُسے اپنے سامنے کچھ دور پر روشنی دکھائی دی جو کچے راستے
ے اٹھ کر سامنے کی جھاڑیوں پر پھیل گئی اور پھر ایک آواز سنائی دینے لگی جو کسی ٹرک ہی کے
نجن کی ہو سکتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک تیز رفتار ٹرک جھاڑیوں سے نکل کر مخالف سمت میں
ڑ گیا۔ حمید سوچنے لگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سڑک ہی کی طرف سے آئی ہو۔

وہ پھر کیڈی میں جا بیٹھا اور اسی طرف چل پڑا جدھر سے ٹرک آیا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اچانک اُسے پھر رک جانا پڑا۔ بائیں طرف ایک کشادہ راستہ تھا۔ نہ
مرف ہموار بلکہ باقاعدہ دونوں طرف مالتی کی گھنی جھاڑیاں تھیں لیکن خودرو نہیں۔ ان کی کاٹ
چھانٹ اور باقاعدگی کسی آدمی کی مرہون منت تھی۔ یہ راستہ ایک چھوٹے سے سلاخوں دار پھاٹک
پر ختم ہو گیا تھا جو بند نہیں تھا۔ مدھم چاندنی میں ایک سفید سی عمارت کے آثار نظر آرہے تھے۔
حمید کو حیرت تو ضرور ہوئی لیکن کیڈی کے لئے پانی کی ضرورت نے اسے بڑھنے نہیں دیا۔ اس
نے کار موڑی اور پھاٹک سے گذر کر پائیں باغ میں پہنچ گیا۔ جو اپنی وسعت کے اعتبار سے پائیں
باغ سے بھی بڑی کوئی چیز تھی۔ جس کے درمیان میں ایک بڑی سی عمارت تھی لیکن طول و عرض
کی مناسبت سے اس کی اونچائی غالباً بہت ہی کم تھی۔ سامنے ایک طویل برآمدہ تھا جس میں برقی
قمقمے روشن تھے۔ قریب ہی کہیں سے گھڑ گھڑاہٹ کی آواز آرہی تھی جو غالباً کسی زیادہ طاقت والے
ڈائنامو کی تھی۔

برآمدے کے سامنے والی روش پر مڑنے کی بجائے حمید نے کیڈی اسی طرف روک دی۔

برآمدے میں کوئی نہیں تھا اور آس پاس بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ حمید نے سوچا کہ اس جدید
طرز کی عمارت میں جسے ڈائنامو کے ذریعے روشن کیا جاتا ہے گھنٹی ضرور ہوگی۔

وہ کیڈی سے اُتر ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

اگر یہ تشبیہہ گھٹیا اور پرانی نہ ہوتی تو وہ یہی سوچتا کہ وہ چہرہ سیاہ پردے کی اوٹ سے اسی طرح
نکلا تھا جیسے بدلی سے چاند نکل آئے سفید سلک کا لمبا لبادہ ہلکورے لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اس
لبادے کے اوپر سیاہ بل کھائے ہوئے گیسوؤں میں ایک خوابناک اور سلگتا ہوا سا چہرہ جس کے
خدوخال آنکھوں میں گدگدی پیدا کر رہے تھے اور جب وہ برآمدے کی روشنی کی زد سے نکل کر

روش پر اُتر آئی تو دھندلی چاندنی میں گویا جان پڑ گئی۔

وہ حمید سے ایک گز کے فاصلے پر کھڑی اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی اور حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اپنے جسم کی مشین چلتے چلتے دفعتاً گئی ہو۔

"آپ کون ہیں؟" تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے چاندنی بول اٹھی ہو۔

"مم.... مسافر....!" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"کیا چاہئے؟" اس بار گھنٹیاں سی بج اٹھیں اور حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کی آواز میں بھی بڑی سیکس اپیل ہے۔

"پانی....!" حمید نے کیڈی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ختم ہو گیا ہے۔"

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کم سے کم الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے لڑکی واپس چلی گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہولے ہولے ہوا میں تیرتی چلی جا رہی ہو۔

حمید نے جیب سے رومال نکال کر پسینے کی وہ بوندیں خشک کیں جو اس دوران میں اس کے چہرے پر پھوٹ آئی تھیں۔ دل اس طرح دھڑک رہا تھا جیسے وہ لڑکیوں کے معاملے میں بالکل اناڑی ہی ہو۔ اس سے پہلے کبھی اسے کسی لڑکی کا قرب نہ نصیب ہوا ہو۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر برآمدے میں دکھائی دی اور اس نے حمید کو اشارے سے بلایا۔

حمید کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ برآمدے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہی لڑکی ہے جو کچھ دیر قبل اس کے قریب چاندنی میں کھڑی تھی؟ لباس تو وہی تھا لیکن شکل صورت کے معاملے میں اُسے اپنی یادداشت پر پورا پورا اعتماد تھا۔ یہ وہ لڑکی تو ہرگز نہیں تھی کچھ دیر قبل اسکے حواس خمسہ پر بُری طرح چھا گئی تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں بھی خوابناک تھیں۔

"راستہ بھٹک گئے ہو۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔ آواز میں اتنی دلکشی نہیں تھی۔

"جی ہاں.... کیا آپ براہِ مہربانی کار کے لئے پانی دلوا سکیں گی۔"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم آدمی ہو۔" لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔

"جی....؟" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"سچ بتاؤ کیا تم آدمی ہو۔" اس بار اس کی آواز شدت جذبات سے کپکپا رہی تھی۔

"اس پر میں نے ابھی تک غور ہی نہیں کیا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر پانی....!"

"آپ کھانا بھی میرے ہی ساتھ کھائیں گے۔" لڑکی اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "میں نے پچاس سال بعد آدمی دیکھا ہے۔"

یہ سن کر حمید کو بھی سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ اس کے لئے یہ خیال بھی توہین آمیز تھا کہ کوئی لڑکی ہنس رہی ہو۔

"تب تو آپ مجھے دیر تک دیکھئے۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے حمید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھا۔

"ڈماسٹر....!" حمید بولا۔ "اور آپ کا۔"

"کنول؟" اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ "میں ایک تالاب میں اُگی تھی۔"

حمید بدقت تمام ہنسی ضبط کر کے بولا۔ "اور.... میں.... مجھے کچھ شکاری ہمالیہ پہاڑ سے پکڑ لائے تھے۔ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔"

"ہمالیہ پہاڑ سے؟" لڑکی نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا۔ "اندر چلو.... یا یہیں بیٹھ جاؤ۔"

حمید نے وہیں بیٹھنا زیادہ مناسب سمجھا۔

"ہاں تو تم کس طرح لائے گئے تھے؟" لڑکی نے پوچھا۔

حمید چند لمحے غور سے اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا آپکے والد صاحب گھر پر تشریف نہیں رکھتے۔"

"والد صاحب کیا ہوتا ہے؟"

"بہت بُرا ہوتا ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر گھر پر موجود ہو تو آپ جیسی صاحبزادیاں لی بلی بنی رہتی ہیں۔"

"بلی بھیگ جانے پر اچھی نہیں لگتی۔" وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر آپ پانی دلوا دیتیں....!"

"پانی! اوہ.... کھانے کے بعد۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"تب تو آدمی نہیں معلوم ہوتے۔" لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"اچھا مجھے بھوک ہے.... منگوایئے کھانا۔"

"طالوت.... او طالوت۔" لڑکی نے کسی کو آواز دی۔

حمید بے اختیار جھجک پڑا۔ سامنے والے دروازے سے ایک گرانڈیل حبشی جھپٹ کر ا جس نے زمانہ قدیم کے حبشی غلاموں کا سا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

"کھانا یہیں لاؤ۔" لڑکی نے اس سے کہا۔

حبشی کے جانے کے بعد حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"طالوت بڑا وفادار جانور ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "جب میں تالاب میں اُگی تھی تو یہ کی شکل میں کائیں کائیں کرتا ہوا میرے گرد منڈلانے لگا تھا۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں آ پھنسا ہے۔ اس ویرانے میں اس قسم کی عمار موجودگی ہی کم حیرت انگیز نہ تھی۔

"ہاں تو آپ ہمالیہ سے کس طرح لائے گئے تھے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"باندھ کر۔" حمید بولا۔ "اس وقت میرے پورے جسم پر ایک ایک فٹ لمبے بال تھے۔"

"بال! لیکن اب تو نہیں ہیں۔"

"وجہ یہ ہے کہ میں روز صبح اوپر سے نیچے تک شیو کر ڈالتا ہوں۔ سر پر تھوڑے سے یادگار چھوڑ دیئے ہیں۔"

"اوہ....!"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "اور وہ صاحبہ کہاں اُگی تھیں جو آپ سے مجھے ملی تھیں۔"

"کون؟ کیا یہاں؟" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں....!"

"لیکن یہاں تو میرے اور طالوت کے علاوہ اور کوئی نہیں۔"

"تو پھر مجھے دھوکا ہوا ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُسے ا کے بیان پر یقین نہیں آیا تھا۔ ہر چند کہ وہ اُسے شرارت ہی سمجھ رہا تھا پھر بھی اس مکان اور کے مکینوں کے متعلق کچھ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ عمارت زیادہ پرانی نہیں ہے۔" حمید پُر خیال انداز میں بولا۔

"ہاں! کل یہ کچھ تھی اور آج کچھ ہے۔ منٹوں میں بنتی اور بگڑتی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"غالباً اس سلسلے میں کسی انگوٹھی یا چراغ سے مدد لی جاتی ہوگی۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ....!" وہ چونک کر حیرت سے بولی۔ "تو آپ جانتے ہیں۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ میں ایک جن کے قبضے میں ہوں۔"

"جی ہاں۔ میں نے آپ کے متعلق الف لیلیٰ میں یہی پڑھا تھا۔" حمید چڑ کر بولا۔ "ویسے کیا میں آپ کے والد صاحب کا نام پوچھ سکتا ہوں۔"

"والد صاحب۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ "آخر یہ کیا بلا ہے؟"

"مجھے یقین ہے کہ اس وقت وہ بلا گھر میں موجود نہیں ہے۔" حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"آپ کچھ خفا معلوم ہوتے ہیں۔"

"مجھے جلدی ہے! اگر آپ پانی دلوا دیتیں تو اچھا تھا۔ ویسے میں پھر کبھی بھی حاضر ہو سکتا ہوں۔"

"کیا میں اتنی بُری ہوں۔" لڑکی ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

"آپ غلط سمجھیں مجھے جلد واپس جانا ہے۔"

حمید کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ پاگل ہے۔

"طالوت.... او طالوت۔" لڑکی نے حبشی کو آواز دی۔

وہ پھر جھپٹ کر باہر نکلا۔

"کھانا لاؤ۔"

اس نے ایک میز اٹھا کر ان کے درمیان میں رکھ دی اور اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر واپس آیا۔ وہ اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سا خوان اٹھائے ہوئے تھا۔

جیسے ہی خوان میز پر رکھا گیا حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔ خوان میں ایک بڑا سا سانپ کنڈلی مارے پھن اٹھائے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں روشنی میں چمک رہی تھیں۔

حمید نے بیٹھے ہی بیٹھے جست لگائی اور دوسرے لمحے میں وہ برآمدے کے نیچے تھا۔

"پیارے.... میری جان۔" لڑکی چیختی ہوئی جھپٹی۔

اُس نے حمید کو دبوچ لیا اور آہستہ آہستہ کہنے لگی۔ "یہ طالوت.... سور بڑا کمینہ ہے۔ تم ڈر گئے؟"

"نہیں....!" حمید دانت بھینچ کر بولا۔ "شاید یہ پاگل خانہ ہے۔"

"دولت خانہ۔" لڑکی نے سنجیدگی سے تصحیح کی۔

حبشی خوان اٹھا کر پھر اندر چلا گیا۔ وہ شروع سے اب تک مشین کی طرح حرکت کرتا آیا تھا اس دوران میں ایک بار بھی اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا وہ کسی جا میں پھنسنے والا ہے۔

"خفا ہو کر نہ جاؤ۔" لڑکی نے اُسے برآمدے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

حمید کا عجیب حال تھا۔ غصہ ہنسی اور ندامت تینوں نے ایک ساتھ اس پر یلغار کر دی تھی لڑکی اُسے پھر برآمدے میں کھینچ لے گئی۔

"یہ طالوت.... واقعی بڑا کمینہ ہے میں معافی چاہتی ہوں۔"

حمید حقیقتاً اس فکر میں تھا کہ کسی طرح نکل بھاگے۔

"تو آپ یانی....!"

"آج رات یہیں ٹھہر جاؤ تو کیا حرج ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"کیوں؟"

"آج وہ جن نہیں آئے گا۔"

"محترمہ! یہ بیسویں صدی۔ ۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "آج کل کے لئے شرارت بیکار ہے۔"

"شرارت! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

حمید نے سوچا کہ اس طرح سر مارنا فضول ہے۔ کیوں نہ وہ بھی انہیں خرافات پر اتر آئے لہٰذا وہ اپنے حرکات و سکنات میں ڈرامائی انداز پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا یہ چاندنی کل بھی اتنی ہی حسین تھی۔" حمید کی آواز خوابناک تھی۔

"چاندنی....!" لڑکی نے سسکی سی لی۔

"ایسی ہی چاندنی تو تھی جب میں۔" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا؟" لڑکی کی آنکھیں کچھ اور نشیلی ہو گئیں۔ حمید افق میں دیکھنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔

"وہاں.... اس پار.... جہاں بہار کے خوش گلو پرندے.... طربیہ گیت گاتے ہیں سنہری

دلی خوبانیاں.... تمہیں شہدیلی پر اعتراض تو نہیں۔"

"نہیں! اعتراض کیوں ہوتا۔"

"میں سمجھا شاید تم اسے قواعد کے رو سے غلط قرار دے دو۔"

"محبت کرنے والے قواعد کی پرواہ نہیں کرتے۔" لڑکی سنجیدگی سے بولی اور حمید سوچنے لگا اب اتنی ڈھیٹ لڑکی سے کبھی ملاقات نہ ہو۔

"تو تم محبت کرنا چاہتی ہو۔" حمید دردناک آواز میں کراہا۔ لیکن اس کی آواز دبی دبی سی تھی۔ ں کا بھی تو خیال تھا کہ اگر ابا میاں قسم کے کوئی بزرگ گھر پر موجود ہی ہوئے تو کیا ہوگا۔

"سچ مچ بتاؤ تم کون ہو۔" لڑکی اُس کا ہاتھ دبا کر بولی۔

"اُدھر چلو....!" حمید نے مالتی کی جھاڑیوں کی طرف اشارہ کیا۔

ہ دونوں برآمدے سے اُتر کر روش طے کر کے لان پر آبیٹھے۔ لڑکی سوالیہ انداز میں اُس کی دیکھ رہی تھی۔

"میری داستان بہت درد بھری ہے۔" حمید ایک آہ جگر خراش کھینچ کر بولا۔ "اے غنچہ دہن گل.... اندام میں رہنے والا شہر بے نیل و مرام کا ہوں اور لوگ مجھے شہزادہ امرود بخت ہا۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی ایک بے تحاشہ قسم کے قہقہے کو نہایت صفائی سے دبا گئی۔ لتا رہا۔

"میرے باپ شہنشاہ شلجم نصیب نے مجھے پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک خانہ باغ ترتیب دیا ب دستور نجومیوں سے حکم لگوا دیا کہ بارہ برس تک عورتیں میری شکل نہ دیکھنے پائیں لیکن ہرحال شہنشاہ شلجم نصیب کہ جب میں پانچ ہی سال کا تھا تو ایک عورت نے مجھے اس طرح یا بس اُس دن سے یہ حال ہے کہ میں صحرا صحرا جنگل جنگل مارا پھرتا ہوں۔ لہٰذا کبھی پٹرول ر کبھی پانی ختم۔ اس غریب الوطنی میں ایک بیمہ کمپنی کے ایجنٹ کے چکر میں پڑ کر کار بھی نا پڑی۔"

حمید آہ سرد بھر کر خاموش ہو گیا۔

"کیا سوچنے لگے۔" لڑکی تھوڑی دیر بعد بولی۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہیں اُس روسیاہ جن کے پنجے سے کس طرح چھڑاؤں۔"

"آہ میں اس نابکار خوک پیکر سے تنگ آ گئی ہوں۔"

"ایک تدبیر ذہن میں آئی ہے۔"

"کیا؟" لڑکی نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"پتہ لگاؤ کہ اس نے اپنی زندگی کا بیمہ کرایا ہے یا نہیں۔"

"نہیں کرایا۔ میں پوچھ چکی ہوں۔" لڑکی ایک بیساختہ قسم کی مسکراہٹ کو دبا کر بولی۔

"تب تو میں اُسے کسی بیمہ ایجنٹ کے چکر میں پھنسا کر تمہیں صاف نکال لے جاؤں گا"

"سچ....!" لڑکی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"ایک بار میں نے بھی اسی طرح اپنی جان بچائی تھی۔"

"کیسے؟ کیا بات تھی۔"

"اب سے ایک سال پہلے کی بات ہے۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "صحرا بھرتا پھرتا ایک شہر میں جانکلا.... کہ نام جس کا نگار سلطانہ تھا۔ شہر پناہ کے پھاٹک نے ایک جم غفیر دیکھا۔ بہت سے لوگ ایک گدھے کو پکڑے اس کی ناز برداریوں میں تھے۔ جیسے ہی میں نے پھاٹک میں قدم رکھا گدھے نے دولتیاں جھاڑیں اور ان لوگوں سے کر تیر کی طرح میری طرف آیا اور میری ٹانگوں میں سے اس طرح نکلا کہ میں دوسرے اس کی پیٹھ پر سوار تھا۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں نعرے لگائے اور ٹوپیاں اچھالیں۔ پھر ا مجھے گدھے پر سے اُترنے نہ دیا اور مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے جلوس کی شکل بڑھے۔ میں نے ایک شخص سے کہ مرد عقیل و فہیم معلوم ہوتا تھا اس عزت افزائی کی و تو اس نے کہا کہ 'جہاں پناہ بادشاہ بنا دیئے گئے'!"

"بادشاہ۔" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! یہ اس ملک کی رسم تھی! جب بادشاہ مر جاتا تھا تو لوگ ایک گدھے کو پکڑ کر ا بادشاہ کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ گدھا جسے اپنے اوپر سوار کرا لیتا وہی بادشاہ بنا دیا جاتا۔ اتن یقیناً بڑی اچھی تھی لیکن اس مرد عاقل نے ایک بات اور بھی بتائی جسے سن کر مجھے وجہ میں گدھے سے اُتر جانا پڑا۔"

مید خاموش ہو کر پائپ سلگانے لگا۔

کیا بات تھی!" لڑکی بے چینی سے بولی۔

اس نے بتایا کہ مرتے وقت یہ گدھا بادشاہ پر سوار ہو جاتا ہے اور اس وقت تک نہیں اُترتا اُس کا دم نہ نکل جائے۔ بہر حال میں نے گدھے سے اُتر کر شور مچانا شروع کر دیا کہ ی آنکھیں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ مجمع نے کہا کہ شاہی گدھے کی توہین نہیں برداشت کی نہیں اس کی آنکھوں کی کمزوری کا ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔ بات بڑھ گئی آخر فیصلہ یہ ہوا ھے کو کسی ماہر امراض چشم کے پاس لے جایا جائے۔ قصہ مختصر یہ کہ گدھے کی آنکھیں ٹسٹ یں اور واقعی وہ کمزور نکلیں.... گدھے کے لئے چشمہ خریدا گیا۔ چشمہ لگتے ہی کمبخت نے ی ہی طرف رخ کیا۔ میں نے پھر غل غپاڑہ مچایا کہ یہ نشے میں معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں ھے کو پکڑ لیا۔ کیونکہ انتخاب کی ساعت ٹل چکی تھی۔ انہوں نے کہا کہ انتخاب کل ہوگا۔ ھا تمہارے ہی ساتھ رہے گا۔ تو اے نازنین پری تمثال وہ گدھا میرے پیچھے لگ گیا۔ جھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے کس طرح پیچھا چھڑاؤں۔ آخر ایک تدبیر سوجھ گئی۔ میں بیمہ کمپنی کے ایجنٹ کی تلاش شروع کر دی۔ تقدیر مہربان تھی کہ جلد ہی مل گیا۔ میں نے گدھے کا تعارف کرایا اور وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔ پھر کافی رات گئے ایجنٹ کے ٹھکانے ہ گیا۔ گدھا وہاں موجود نہیں تھا۔ میں نے وہ رات ایجنٹ ہی کے یہاں بسر کی اور رات بھر ے سونے کے لالچ میں میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ میں بھی اپنی زندگی کا بیمہ کرالوں گا۔ ے دن صبح ہی صبح میں اُسے اپنے ساتھ لے کر شہر پناہ کے پھاٹک پر پہنچ گیا۔ پہلے دن کی ج بھی کافی بھیڑ تھی۔ گدھا چشمہ لگائے اداس کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی ے بیزار ہو۔ جیسے ہی دونوں وہاں پہنچے وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا میری طرف بڑھنے کمپنی کے ایجنٹ نے کنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور اس پر نظر پڑتے ہی گدھے کا گیا۔ ایجنٹ اس کے پیچھے دوڑتا ہوا چیخ رہا تھا۔ سنئے تو سہی مسٹر۔ خدارا مستقبل کے لئے کچھ ئے۔ آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے.... آپ کے بوڑھے ماں باپ.... آپ کی عزیز از نفر حیات...." پھر گدھے نے کسی طرح جان نہ بچتی دیکھ کر ایک کنویں میں چھلانگ اس طرح میں بادشاہ بنتے بنتے بچ گیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ گدھا کثرت سے برانڈی پیتا

تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

لڑکی بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔ حمید نے اتنی دیر میں بناوٹ کا سارا جال توڑ دیا تھا۔ و
دیر تک ہنستی رہی پھر یکایک سنجیدہ ہوگئی اور مضمحل آواز میں بولی۔

"پیارے امرود بخت مجھے کسی طرح نکال لے چلو۔ ہائے یہ چاندنی رات اور اُس کا ا
جن کا تصور بھی میرے لئے تکلیف دہ ہے۔"

"اگر تمہیں یقین ہے کہ اُس نے اپنی زندگی کا بیمہ نہیں کرایا تو تمہیں اس قید
دلوادوں گا۔ دوسری بات یہ کہ اب مجھے جانا چاہئے.... اور پانی۔"

"نہ جاؤ پیارے امرود بخت....!" لڑکی ٹھنک کر بولی۔

"اف فوہ! مجھے بیمہ کمپنی کا ایک ایجنٹ بھی تو تلاش کرنا ہے۔"

"اچھا کھانا تو کھالو۔"

"بخشئے! اگر اس بار وہ طالوت کا بچہ....!"

"اوہو! تم سمجھے نہیں تھے۔ دراصل کھانا تیار نہ رہا ہوگا۔ اسی لئے اس نے جھلا کر
کی ہوگی۔"

"خیر! آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ واقعی آپ کمال کی آدمی ہیں۔ جب بھی ا
گذروں گا آپ سے ضرور ملوں گا۔ اب تو آپ سنجیدگی سے اپنا تعارف کرادیجئے۔"

لڑکی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

حمید نے سوچا اب اسے کچھ اور سمجھانا بیکار ہے۔ پھر کبھی سمجھا جائے گا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں برآمدے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ دونوں میں وہی پہلے
تکی گفتگو چھڑی ہوئی تھی۔ لیکن حمید سوچ رہا تھا کہ کھانے بہت لذیذ ہیں۔ خصوصاً شا
کھاتے وقت اسے سچ مچ نیند آنے لگی۔ باہر چاندنی کی خنک چادر پھیلی ہوئی تھی اور اس ک
خوشبودار شاہی ٹکڑے گل رہے تھے۔ آنکھوں کے پپوٹوں میں گدگدی ہو رہی تھی او
ہڈی میں سرور انگیز لہریں تھیں اس کا داہنا ہاتھ چمچے سمیت اٹھا ہی رہ گیا اور اُسے گہری نی

آسمانی فائر

نہ جانے کب تک حمید پر وہ عجیب و غریب نیند طاری رہی۔

دوسرے دن.... اگر سورج کی کرنیں سیدھی اس کے چہرے پر نہ پڑتیں تو وہ سوتا ہی رہتا۔
ہر حال نیند کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ کیڈی ہی میں سفر کر رہا تھا لیکن
لی سیٹ پر لیٹے لیٹے وہ کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ڈرائیو کرنے والے کی پشت اُس کی طرف تھی اور وہ
پکٹر فریدی کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

پچھلی رات کے سارے واقعات حمید کے ذہن میں چکر لگا رہے تھے۔ اُس نے ایک بار پھر
ھیں مل کر چاروں طرف دیکھا اور اُسے یقین آگیا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے۔ ساتھ ہی
یدی کی آواز بھی سنائی دی۔

"آرام فرمایئے! آرام فرمایئے آپ اٹھ کیوں بیٹھے۔"

حمید نے جست لگائی اور اُس کے برابر پہنچ گیا۔ کیڈی شہر میں داخل ہو رہی تھی۔

"میں کہاں تھا؟" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر سامنے دیکھنے لگا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" حمید نے پھر کہا۔

فریدی اپنے ہونٹ بھینچے خاموش رہا۔ حمید کی بوکھلاہٹ اور بڑھ گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ
یدی نے اُسے معلوم نہیں کہاں اور کس حال میں پایا ہو۔

"میں تمہارا تبادلہ کرادینے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تبادلہ تو رات ہی کو ہوگیا ہوتا.... مگر....!"

"میں کوئی سڑی بسی داستان یا اس حرکت کا جواز سننے کے لئے تیار نہیں۔"

"میں کہتا ہوں میری بات تو سنئے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔"

"اچھا تو یہی بتادیجئے کہ میں آپ کو کہاں اور کس حال میں ملا تھا۔"

"حمید! بکواس مت کرو۔"

"بڑی مصیبت ہے۔"

وہ دونوں پھر خاموش ہوگئے۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ اسے یقین تھا کہ فریدی اس کی داستان سن کر صرف قہقہے لگائے گا۔ یہ بھی اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ پچھلی رات کو اُسے بے وقوف بنایا گیا تھا۔ شاہی ٹکڑے کھاتے وقت طاری ہونے والی غنودگی اُسے یاد تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پھر اُس کے بعد کیا ہوا؟ کیا فریدی اُسے اسی عمارت سے لایا ہے یا کہیں اور سے؟ کوٹھی پہنچ کر فریدی حمید کی طرف دیکھے بغیر اترا اور اندر چلا گیا۔ حمید چند منٹ بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر کیڈی گیراج میں لے جاکر کھڑی کردی۔

فریدی اندرونی برآمدے میں ٹہل رہا تھا اور اس کا موڈ زیادہ خراب تھا۔ حمید چپ چاپ آکر دروازے میں کھڑا ہوگیا۔ فریدی نے ایک بار پھر اسے گھور کر دیکھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

حمید کی الجھن بڑھتی جارہی تھی۔ آخر فریدی نے اُسے کہاں اور کس حال میں پایا تھا۔

وہ بھی اس کے کمرے میں چلا گیا۔

"بہتر یہی ہے کہ تم اس وقت کہیں ٹل جاؤ۔" فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"میرا موڈ بہت خراب ہے۔"

"آپ تو اس طرح تاؤ کھا رہے ہیں جیسے میں آپ کی کنواری لڑکی ہوں۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور آپ نے مجھے کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھ لیا ہو۔"

فریدی پھر اُسے گھورنے لگا۔

"اگر آپ فوراً ہی سیدھے نہ ہوگئے تو شاید آپ کو پچھتانا پڑے۔" حمید نے کہا۔

"بک چلو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "لیکن تمہاری ان حرکتوں کی بناء پر مجھے بڑی ندامت ہوتی ہے۔"

"کن حرکتوں کی بناء پر؟"

"مجھے چڑھا رہے ہو؟" فریدی تیز لہجے میں بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیا ہوگیا ہے۔"

"بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کیا ہمیشہ کے لئے۔" حمید نے ڈرامائی انداز میں پوچھا۔

"گٹ آؤٹ۔"

"میں کچھ نہیں کہتا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو مبتلا رہئے لیکن اتنا تو بتا دیجئے کہ آپ نے مجھے کہاں اور کس حال میں پایا تھا۔"

فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید کے الفاظ کو تولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کیوں؟" وہ آہستہ سے بولا۔

"بات کچھ ایسی ہی ہے کہ جس پر آپ یقین نہیں کریں گے۔"

"ہوں!" فریدی اپنے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"میں اگلی سیٹ پر تھا یا پچھلی پر۔"

"پچھلی پر.....!"

"اور کار کہاں تھی۔"

"سڑک کے کنارے۔" فریدی تلخ لہجے میں بولا۔

"سڑک کے کنارے۔" حمید نے اپنی کھوپڑی سہلاتے ہوئے دہرایا۔

"اب کوئی ایسی داستان دہرا دو جس پر مجھے یقین آجائے۔"

"اُف فوہ! یہ تو میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ آپ یقین نہ کریں گے۔"

"ضرور یقین کروں گا۔ کیونکہ تمہارے ساتھ شمپین کی دو خالی بوتلیں بھی تھیں۔"

"بوتلیں؟" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"چلو بور مت کرو! دفع ہوجاؤ۔"

"عجیب مصیبت ہے۔"

"جاؤ بابا جاؤ..... میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔ میں اب کسی بات کیلئے کچھ نہیں کہوں گا۔"

"میں شاید جہنم سے بھی اسی طرح نکال دیا جاؤں۔" حمید اپنے جیب میں پڑے ہوئے پائپ کو ٹٹولتا ہوا بولا۔

"تمہارے ساتھ کون تھا۔"

"کیا کسی دوسرے کا سراغ بھی پایا جاتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آئینہ دیکھو....!" فریدی نے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید کو اپنے گالوں پر لپ اسٹک کے دھبے نظر آئے۔

"میں سچ کہتا ہوں کہ آپ یقین نہ کریں گے۔" حمید فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

"خیر آپ یقین کریں یا نہ کریں مجھے وہ داستان دہرانی ہی پڑے گی۔" حمید نے کہا۔

اور پھر اس نے الف لیلیٰ والی داستان شروع کر دی۔ فریدی لاپروائی سے سنتا رہا۔ نہ تو اُ ہنسی آئی اور نہ اُس نے کسی موقع پر حیرت ہی کا اظہار کیا جب حمید سب کچھ کہہ چکا تو فریدی ک ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ کی جھلک دکھائی دی۔

"یہ کہانی بیسویں صدی کے معیار سے مطابقت نہیں رکھتی۔" اس نے کہا۔ "لیکن شاید تم نہیں جانتے کہ وہ عمارت کس کی ہے؟"

"نہیں میں نہیں جانتا۔"

"اگر جانتے ہوتے تو اس سے کم از کم اس قسم کی کوئی داستان منسوب نہ کرتے۔"

"کیوں؟ وہ کس کی ہے۔"

"ڈاکٹر نارنگ ایم۔ پی کی۔"

"ڈاکٹر نارنگ کی؟" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ڈاکٹر نارنگ وہ پھر بڑبڑایا۔

اُسے حقیقتاً حیرت تھی۔ ڈاکٹر نارنگ نہ صرف اُس شہر بلکہ پورے ملک کے مشہور تر آدمیوں میں سے تھا۔ نہ صرف اعلیٰ حکام بلکہ وزراء تک اس کا احترام کرتے تھے۔ بہر حال ح متحیر تھا کہ وہ اس ڈرامے سے کیا مطلب اخذ کرے جو پچھلی رات اس عمارت میں کھیلا گیا تھا۔ ح یہ بھی جانتا تھا کہ ڈاکٹر نارنگ غیر شادی شدہ تھا۔ لہٰذا یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ اس کی لڑ رہی ہوگی۔

"کیوں؟ کیا سوچنے لگے؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب اصل واقعہ بیان کر جاؤ۔"

"خدا کی قسم میں نے جو کچھ بھی کہا ہے اس میں ایک فیصدی بھی جھوٹ نہیں۔"

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"خیر....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ یقین نہ کریں گے۔"

ہلی لڑکی.... وہ نہ جانے کون تھی اور کیا تھی۔ کتنی عجیب تھی.... چال کتنی حیرت انگیز تھی۔"

"حیرت انگیز نہیں بلکہ قیامت کہو۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "تمہاری بدولت مجھے کافی مندگی ہوئی ہے۔ پولیس کی ایک گشتی لاری لے کر تمہاری تلاش میں جانا پڑا اور تم جس حال ملے اس کا تو اس یہی تقاضا تھا کہ میں ڈوب مرتا۔"

"پھر آپ نے وہی بات کہی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "آپ کیوں ڈوب مرتے کیا میں آپ کی جہ محترمہ ہوں۔"

فریدی کو پھر غصہ آ گیا اور حمید موقع کی نزاکت کا احساس کر کے اُس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "ایک بار دیکھا ہے، اور دوسری بار کھنے کی ہوس ہے میں اسی عمارت کے قریب ہی کہیں ایک جھونپڑی ڈالنے والا ہوں۔"

"چھوڑو ختم کرو۔" فریدی اکتا کر اٹھتا ہوا بولا۔ "اب اگر تم نے کبھی بلا ضرورت شراب تعمال کی تو میں تمہیں دھکے دے کر نکال دوں گا۔"

"اس وقت ایشیا کا عظیم ترین سراغ رساں بچوں کی سی باتیں کر رہا ہے۔" حمید نے ہونٹ کوڑ کر کہا اور فریدی پلٹ پڑا۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا حمید پھر بولا۔ "اگر میں آپ کو دلاور نگر کے قریب ہی کہیں ملا تھا تب تو یقیناً میں نے شمپین کی دو بوتلیں صاف کر دی ہوں گی۔ غضب دا کا شمپین کی دو بوتلیں اور میں ابھی تک زندہ ہوں۔ کیا میں دلاور نگر کے قریب ہی ملا تھا۔"

"نہیں۔" فریدی نے بیزاری سے کہا۔

"پھر کتنا فاصلہ رہا ہوگا۔"

"فضول وقت نہ برباد کرو۔" فریدی لاپروائی سے بولا حمید کے خیال دلانے پر وہ بھی اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے لگا تھا۔ حمید اسے دلاور نگر سے تقریباً پینتیس چالیس میل کے فاصلے پر ملا تھا۔ شمپین کی دو بوتلیں صاف کر دینے کے بعد اتنی دور کا سفر شاید فولاد کے آدمی سے بھی نہ ہو سکتا اور یہ چیز بھی تقریباً ناممکن تھی کہ حمید نے اتنا سفر کر چکنے کے بعد رک کر دو بوتلیں پی ڈالی ہوں۔ یہ بات فریدی بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ حمید شراب کا عادی نہیں ہے۔

"دوسری بات یہ کہ اگر کوئی عورت وہاں اس کے ساتھ آئی اور اسی کی ترغیب پر حمید نے یہ حرکت کر ڈالی تو پھر وہ خود کہاں گئی۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنی دور پیدل تو نہ گئی ہوگی۔

فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھا جو اس طرح ہونٹ سکوڑے بیٹھا تھا جیسے سیٹی بجا ارادہ کر رہا ہو۔

"آج تمہیں پاگل خانے میں داخل ہونا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا....؟" حمید بے ساختہ اچھل پڑا اور فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ دو

"پاگل.... خانے.... میں۔" فریدی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "میرا خیال ساجد حقیقتاً پاگل نہیں ہے۔"

"کون ساجد؟"

"کرنل فرید والا کیس بھول گئے۔"

"کرنل فرید۔" حمید اپنے ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔

"چھ ماہ قبل کی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بھلا تمہیں کیوں یاد ہو گی۔ کرنل ف پراسرار طریقے پر قتل کر دیا گیا تھا اور جس کی بہن غائب ہو گئی تھی۔"

"نہ جانے کتنوں کی بہنیں روزانہ غائب ہوتی رہتی ہیں۔ میں کہاں تک خیال رکھوں۔ مسکرا کر بولا۔

"تب پھر تمہیں اس کیس کی تفصیل کہاں یاد ہو گی۔ معاملہ تقریباً دب ہی گیا تھا۔ لیک رات کو....!"

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو! فریدی بول رہا ہے.... ارے۔"

فریدی کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ پڑا.... اور اس نے مضطربانہ انداز میں اُ اٹھایا۔ "ہیلو.... ہیلو.... کہاں.... کیسے؟.... آتا ہوں۔" وہ ریسیور رکھ کر تیزی سے طرف مڑا۔

"چلو....؟" وہ دروازے کی طرف بھاگا۔

حمید اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

گیراج سے کار نکالتے وقت اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ حمید نے کبھی اسے اس حال نہیں دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا۔

"وزیر خزانہ۔" فریدی تھوک نگل کر بولا۔ "وزیر خزانہ بھرے مجمع میں قتل کر دیئے گئے۔"

"بھرے مجمع میں۔" حمید اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

کیڈیلاک سڑک پر فراٹے بھرتی رہی اور وہ دونوں خاموش رہے۔ نہ تو حمید نے یہ پوچھا کہ حادثہ کہاں ہوا اور نہ ہی فریدی نے بتایا۔ اس کی آنکھیں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور ہاتھ اسٹیئرنگ پر حرکت کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ اور بقیہ جسم قطعی بے جان معلوم ہوتا تھا۔

حمید کار میں لگے ہوئے آئینے میں دیکھ دیکھ کر اپنے چہرے سے لپ اسٹک کے دھبے صاف رہا تھا۔

"اپنے یہاں سے کس کس کی ڈیوٹی تھی۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کئی انسپکٹر تھے، سپرنٹنڈنٹ بھی تھے۔ بڑی حیرت کی بات ہے۔ وزیر خزانہ کی مخالفت کہیں ی نہیں تھی۔ نیک نام وزراء میں سے تھے۔"

"یہ حادثہ کہاں ہوا۔"

"یونیورسٹی میں.... وہ شعبہ فلکیات کا افتتاح کر رہے تھے۔ تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔"

"قاتل ضرور پکڑ لیا گیا ہوگا۔" حمید بولا۔

"قاتل....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "کسی نے شاید قاتل کی شکل بھی نہ دیکھی ہو۔"

"کیوں....؟" حمید چونک کر بولا۔

"میں اس وقت تمہیں یہی بتانے جا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔"

"کیا؟"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔

اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو حمید اس کی خاموشی پر جھنجھلا جاتا۔ لیکن خود اس کا ذہن اس بُری طرح الجھ گیا تھا کہ اسے اپنے سوال کا دھیان تک نہ رہا۔

یونیورسٹی کی کمپاؤنڈ پولیس والوں سے بھری تھی۔ ہر طرف سرخ پگڑیاں اور خاکی ٹوپیاں نظر آرہی تھیں۔ خصوصاً جلسہ گاہ جو کئی بڑے بڑے شامیانوں پر مشتمل تھی عجیب افرا تفری کا عالم تھا۔ فریدی اور حمید بھیڑ میں گھستے چلے گئے۔ ڈائس کے گرد پولیس آفیسروں نے گھیرا ڈال دیا تھا

ڈائس پر شہر کے اعلیٰ حکام اور کچھ معززین سرگوشیاں کر رہے تھے۔ انہیں میں فریدی کے محکمہ کے
آئی۔جی اور ڈی۔آئی۔جی بھی تھے۔ ڈائس کے داہنے سرے پر ایک مذہبی پیشوا دعائیں پڑھ رہا تھا
فریدی کو دیکھ کر ڈی آئی جی نے اسے ڈائس پر آنے کا اشارہ کیا۔

گولی مقتول کی پیشانی پر لگی تھی۔ حمید نے لاش پر سے اپنی نظریں فوراً ہی ہٹالیں وہ
بدبخت کے متعلق سوچ رہا تھا جس نے اتنے اچھے آدمی کو موت کی آغوش میں دھکیل دیا تھا۔ ملک
میں ان کی علم دوستی اور خدا ترسی کی دھوم تھی۔ نہ جانے کتنے یتیم اور بیوائیں انہیں کے سہارے
زندگی بسر کر رہی تھیں۔

فریدی تھوڑی دیر تک لاش کی طرف دیکھتا رہا پھر ڈی۔آئی۔جی اُسے ڈائس کے
اتار لے گیا۔ حمید بھی ساتھ تھا۔

"میں نے ہی تمہیں فون کیا تھا۔" ڈی۔آئی۔جی فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "اُف میرے خدا
نہ جانے وہ کیا بلا تھی۔ میں یہیں موجود تھا.... وہ تقریر کر رہے تھے۔"

"قاتل....؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"کہاں کا قاتل، کیسا قاتل، نہ جانے وہ کیا چیز تھی۔ شکل تو رائفل جیسی نہیں تھی لیکن
آواز ویسی ہی تھی۔"

فریدی پُر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"فضا میں تیرتی ہوئی آئی تھی۔" ڈی۔آئی۔جی کہتا رہا۔ "بس ایک لحظہ ڈائس کے سامنے
معلق رہی اور آنریبل منسٹر دوسرے لمحے میں نیچے تھے۔"

"اور وہ پھر اسی طرح واپس گئی جیسی آئی تھی؟" فریدی نے کہا۔

ڈی۔آئی۔جی اثبات میں سر ہلا کر بولا۔ "پھر میں نے تو دیکھا نہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ
تیر کی طرح اوپر چڑھتی چلی گئی.... اور پھر نظروں سے غائب ہو گئی۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی پہلے ہی سے واقف تھا۔ اس کا یہ جملہ کہ کسی نے شاید قاتل
شکل بھی نہ دیکھی ہو۔ اسی پر دلالت کرتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

"آنریبل منسٹر تقریر کر رہے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں انہوں نے تقریر شروع ہی کی تھی۔"

"مائیک سے کتنے فاصلے پر تھے۔"

"وہی جو فاصلہ عموماً رکھا جاتا ہے۔"

"مائیک کہاں گیا؟" فریدی مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"مائیک.... بھئی مائیک سے کیا۔" ڈی۔آئی۔جی نے بے دلی سے کہا۔ "پتہ نہیں اس
افراتفری میں کیا ہوا۔"

"میں مائیک کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے کسی کے حواس درست نہیں۔ تمہیں کیا الزام دوں۔" ڈی۔آئی۔جی نے کہا اور
ڈائس کی طرف چلا گیا۔

فریدی متجسسانہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"آخر مائیک کیوں۔" حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ بھی ڈائس کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے ڈائس پر کھڑے ہو کر
چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

"اوہ....!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ ڈائس سے اتر کر سیدھا اُس طرف پہنچا
جہاں مائیکروفون کے لوازمات اکٹھا تھے۔ وہ چند لمحے اُن کا جائزہ لیتا رہا پھر حمید سے بولا۔

"تم یہیں ٹھہرو.... یہ ساری چیزیں روکی جائیں گی۔"

وہ پھر ڈی۔آئی۔جی کے پاس واپس آیا۔

"میں نے وہ سارا اس سامان رکوا دیا ہے؟"

"کون سا....؟" ڈی۔آئی۔جی نے پوچھا۔

"مائیکروفون کے لوازمات۔"

"بھئی اس سے کیا ہوگا۔" ڈی۔آئی۔جی جھنجھلا کر بولا۔

"کیا وہ مشین اتنی بڑی تھی کہ اس میں کم از کم ایک آدمی بیٹھ سکے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں اتنی بڑی نہیں تھی۔"

"تب پھر مشینیں اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتیں۔ میٹرو کمپنی میں جہاں سے مائیکروفون آیا ہے
پہلی فرصت میں پہرہ لگانا چاہئے تاکہ کوئی چیز ادھر سے اُدھر نہ ہونے پائے۔"

"اور....!" ڈی۔ آئی۔ جی اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"جلدی کیجئے۔" فریدی نے کہا اور بھیڑ میں غائب ہو گیا۔

دوسرا حملہ

ایک گھنٹے کے اندر اندر پورا ملک سراسیمگی کا شکار ہو گیا تھا۔ اخبارات کے ضمیمے چھپ رہے تھے شہر میں تو ایسا سناٹا تھا جیسے قبرستان ہو۔ دوکانیں بند تھیں۔ سڑکوں پر فوجی دستے گشت کر رہے تھے۔ راہ گیر سرگوشیوں میں گفتگو کرتے ادھر سے اُدھر نکل جاتے اگر کسی کے ہونٹوں مسکراہٹ بھی آئی تو وہ دوسرے ہی لمحے میں چونک کر اس طرح سنجیدہ ہو جاتا جیسے اس سے یہ ک لاش کے سرہانے سرزد ہوئی ہو۔

وزیر خزانہ بہت اچھے آدمی تھے اور جب کوئی بہت اچھا آدمی قتل کر دیا جاتا ہے تو کائنات ذرہ ذرہ سوگوار معلوم ہونے لگتا ہے۔ ہوائیں تک آہیں بھرنے لگتی ہیں۔

عام آدمیوں سے زیادہ وہ لوگ پریشان تھے جن کی ذمہ داری مقتول کی جلسہ گاہ سے صحیح سلامت واپس جانے ہی پر ختم ہو سکتی تھی۔ محکمہ سراغ رسانی کی عمارت کے بڑے کمرے میں سب اکٹھا تھے۔

آئی۔ جی کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور اس کے گرد بیٹھے ہوئے دوسرے آفیسر ایک دوسرے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ چند لمحے پیشتر ان کے درمیان.... گرما گرم بحثیں ہوئی تھیں اور فیصلہ ہوئے بغیر ختم بھی ہو گئیں تھیں۔

اُس آسمانی رائفل کا مسئلہ اتنا آسان نہیں تھا کہ چند گھنٹوں کی نشست میں اس کی تہہ پہنچا جا سکتا۔ اس کے متعلق تو اتنا بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ آئی کس سمت سے تھی اور کس سمت۔ دیکھنے والے صرف اتنا بتا سکتے تھے کہ وہ ایک لمبے اور لمبائی کی مناسبت سے بہت ہی چوڑے صندوق کی شکل کی تھی۔ فائیر کی آواز ایسی ہی تھی جیسی کسی رائفل کی ہوتی ہے۔

انسپکٹر آصف انسپکٹر ماتھر کی طرف جھکا ہوا آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "شرلاک ہومز کے بچے صاحب ندارد ہیں۔ خواہ مخواہ میٹرو والوں کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ میرے شیر کی ہر بات نرالی ہو

بھلا مائیکروفون سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

انسپکٹر ماتھر کوئی جواب دینے کے بجائے دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ آئی۔ جی اپنی بھاری کرائی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "یہ درست ہے کہ اس آسمانی حربے کے سامنے سبھی بے بس تھے سوال تو یہ ہے کہ کسی ایسے حربے کا وجود ہی کیوں! آخر ہم سب کس لئے ہیں۔ مجھے اپنے محکمے فخر تھا۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

"مجھے سب سے زیادہ شکایت تم سے ہے۔" آئی۔ جی کی آواز پھر سنائی دی۔

اور ان سب کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں کیونکہ آئی۔ جی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ وازے میں انسپکٹر فریدی دکھائی دیا۔ اس کے پیچھے سرجنٹ حمید تھا۔ دونوں کے چہروں سے لن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں کچھ نہ کر سکا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ ۔ حمید کے رینک کا کوئی آدمی میٹنگ میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے وہ الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

"مائیکروفون کا کیا قصہ تھا؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"ایک خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن فی الحال کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا۔ ویسے میں اب بھی یہی اہوں کہ اس حادثے کا کچھ نہ کچھ تعلق مائیکروفون سے ضرور ہے۔"

"کیوں؟"

"ابھی سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی کہ مشینیں آدمی کی قوت ارادی کی پابند ہو جائیں۔ وہ ٹین کسی میکانکی ہی سسٹم کے تحت چلتی ہوں گی۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے! کہتے جاؤ۔" آئی۔ جی بولا۔ "میں سمجھ رہا ہوں۔ وہ یقیناً وائرلس ہی سے کنٹرول ہاجاتی ہو گی۔"

"اور اس میں ٹیلی ویژن سسٹم کا بھی دخل معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اسی لئے میں مائیک پر زور دے رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

"اگر ہم یہ نہیں تسلیم کرتے تو پھر ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ کسی آدمی کی قوت ارادی کی
پابند ہے۔ اسے چلانے والے نے سوچ لیا کہ آنریبل منسٹر کو ختم کرنا ہے۔ لہٰذا وہ مشین ان
تلاش میں چل پڑی۔"

آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔ شاید اسے فریدی کا لہجہ ناگوار گزرا تھا۔

"شاید آپ کو وہ اڑن بم یاد نہیں۔" انسپکٹر آصف فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ "جو پچھ
جنگ عظیم میں جرمنوں نے استعمال کئے تھے۔"

"اڑن بم....!" آئی۔ جی آصف کو گھورنے لگا۔ "ان کا یہاں کیا سوال؟"

"اڑن بموں کا سسٹم دوسرا تھا۔" فریدی نے آصف کو مخاطب کیا۔ "ان کی اڑان اور
میں سمت اور فاصلے کے تعین کو دخل تھا۔ اس لئے وہ بعض اوقات غلط جگہوں پر بھی گر پڑ
ہیں۔ فرض کیجئے وہ برلن سے لندن کے لئے روانہ ہوگئے تو وہ ادھر اُدھر بھٹکتے ہوئے لندن ن
پہنچیں گے۔ انہیں کنٹرول کرنے والی مشین انہیں لندن کی سمت برلن اور لندن کے درم
فاصلہ کا تعین کر کے روانہ کرے گی۔ بس اتنے ہی فاصلے پر پہنچ کر وہ گر جائیں گے چاہے وہ لن
ہو چاہے کوئی اور جگہ۔ سمت کے تعین میں ذرا سی بھی غلطی انہیں لندن کے بجائے کہیں اور
سکتی ہے۔"

"غیر متعلق بحث سے کیا فائدہ۔" آئی۔ جی نے اُسے ٹوکا۔

"ہاں تو جناب والا میں یہ عرض کر رہا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ آنریبل منسٹر کے گر
افراتفری کے دوران میں مائیکروفون بدل دیا گیا۔"

آئی۔ جی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"وہ شخص جو میٹرو کمپنی کی طرف سے مائیکروفون پر مامور تھا، حراست میں ہے۔" فر
پھر بولا۔ "اس کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ جلسہ شروع ہونے سے آدھا گھنٹہ قبل مائیکر
خراب ہو گیا تھا۔ اُس نے اُسے بنانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اتنے میں ایک آد
یہ تجویز پیش کی کہ کمپنی سے دوسرا منگوالیا جائے چونکہ مائیکروفون کی دیکھ بھال کرنے والا
اس لئے اس نے خود جانا مناسب نہ سمجھا۔ اس پر اس نامعلوم آدمی نے کہا کہ اگر وہ مائیکروفو
طلبی کے لئے تحریر دے دے تو وہ منٹوں میں لا سکتا ہے۔ محافظ نے منیجر کے نام ایک پرچ

ے دیا اور وہ آدمی دوسرا مائیکروفون لے آیا۔"

"اوہ....!"

"لیکن جلسہ گاہ میں بعد کو جو مائیکروفون ملے۔ اُس میں کوئی خاص بات نہ تھی۔"

"خاص بات؟"

"یعنی ان کا میکینزم وہی تھا جو عام طور پر ہوتا ہے۔"

"اُس دوسرے آدمی کا پتہ چلا۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی نہیں! اس میٹرو کے منیجر کا بیان ہے کہ دوسرا کوئی مائیکروفون جلسہ گاہ میں گیا ہی نہیں
رنہ اس صورت و شکل کا کوئی آدمی اس تک پہنچا تھا۔ دوسرا مائیکروفون جو جلسہ گاہ میں ملا تھا اس
ے متعلق اس نے بتایا کہ وہ میٹرو کمپنی کا نہیں تھا۔ ویسے اس پر میٹرو کمپنی ہی کا نام درج تھا۔
ٹرو لاؤڈ اسپیکر سروس۔"

آئی۔ جی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"حقیقتاً تم محکمے کی ناک ہو۔"

فریدی کے ساتھیوں کے منہ چڑھ گئے لیکن ڈی۔ آئی۔ جی بے اختیار مسکرا پڑا تھا۔ یہ
سکراہٹ کچھ ایسی ہی تھی جیسے کوئی باپ اپنے بچے کی تعریف کسی دوسرے سے سن کر کھل اٹھے۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر آئی۔ جی نے کہا۔

"تو اب کیا کرنا چاہئے۔"

"ڈی۔ آئی۔ جی صاحب میرے طریقہ کار سے بخوبی واقف ہیں۔" فریدی تھوڑے توقف
کے بعد بولا۔

اس پر ڈی۔ آئی۔ جی نے آئی۔ جی کی طرف جھک کر آہستہ سے کچھ کہا اور آئی۔ جی پر خیال
انداز میں سر ہلانے لگا۔

کچھ دیر پورے کمرے میں سرگوشیاں ہوتی رہیں پھر آئی۔ جی کی آواز سنائی دی۔

"بہر حال آپ لوگ اپنی آنکھیں کھلی رکھئے۔ یہ کیس خاص طور سے کسی کے سپرد نہیں کیا
جارہا ہے۔ ہر ایک کو کوشش کرنی ہے۔"

اس مختصر سی ہدایت کے بعد میٹنگ برخواست ہوگئی۔ سب چلے گئے لیکن فریدی وہیں

موجود رہا۔

"اب بتاؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔ آئی۔ جی کی نظریں بھی اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں نے پچھلی رات اس رائفل کو پرواز کرتے دیکھا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا....؟" دونوں بیک وقت بولے۔

"اور میرا خیال اُسی طرف گیا تھا۔"

"تو کیا تم پہلے ہی سے اس کے متعلق جانتے تھے۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"تھوڑا بہت۔"

"پھر بھی تم نے کچھ نہ کیا؟"

"کل رات سے قبل مجھے اُس کے وجود پر یقین نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔ "حقیقتاً کل رات بھی مجھے یقین واثق نہیں تھا۔ اس کا تو اس وقت خیال آیا جب میں نے حادثے کی خبر سنی تھی۔"

"تم نے اُسے کہاں دیکھا تھا؟"

"شہر کے اُتری حصے میں وہ زیادہ بلندی پر نہیں تھی۔"

"کدھر گئی تھی؟"

"مشرق کی سمت!" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ لوگ اس کا امتحان کر رہے تھے۔"

"تو کیا تم ان لوگوں سے بھی واقف ہو۔"

"جی نہیں۔"

"بہر حال تم نے اپنی معلومات کو چھپا کر اچھا نہیں کیا۔" آئی۔ جی کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"جناب والا.... معلومات کی نوعیت ہی ایسی نہیں تھی کہ جس پر فوری ایکشن کیا جاسکتا۔"

"یعنی....!"

فریدی نے ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ کو کرنل فرید کا کیس تو یاد ہوگا۔"

"کرنل فرید۔" ڈی۔ آئی۔ جی ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہ جس کی بہن....!"

"جی ہاں! وہی....!"

"کیا کیس تھا؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"کرنل فرید! ایک ریٹائرڈ فوجی تھا۔" فریدی بولا۔ "دولت مند مگر شریف قسم کے لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اب سے چھ ماہ قبل کسی نے اسے اس کی کوٹھی ہی میں قتل کر دیا۔ اس کی بہن قتل والی رات ہی سے غائب ہے اس کا پرائیویٹ سیکریٹری اس حادثے کے بعد پاگل ہوگیا تھا جو آج بھی پاگل خانے میں ہے۔ بہن کرنل ہی کے ساتھ رہتی تھی۔"

"لیکن اس معاملے سے اس کا کیا تعلق....؟" آئی۔ جی اکتا کر بولا۔

"وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "ایک ہفتہ قبل کی بات ہے کہ ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہوئی جو کرنل کے پرانے ساتھیوں میں سے تھا۔ دوران گفتگو میں اس سے پتہ چلا کہ کرنل ایک اچھا میکینک اور انجینئر بھی تھا۔ وائرلیس اور ٹیلی ویژن اس کے محبوب ترین موضوعات تھے اور وہ پچھلے کئی سالوں سے اس فکر میں تھا کہ انہیں کی بنیادوں پر کوئی حربہ تیار کرے اس وقت میں نے اس بیان کو کوئی اہمیت نہ دی تھی لیکن جب پچھلی رات پرواز کرتی ہوئی وہ شے مجھے نظر آئی تو قدرتی طور پر اس شخص کے الفاظ مجھے یاد آگئے۔"

"کیس کا انچارج کون تھا؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"غالباً انسپکٹر سدھیر۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس زمانے میں گارساں والے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ بہر حال کرنل کے قتل کی نہ تو آج تک وجہ معلوم ہو سکی اور نہ قاتل ہی کا سراغ ملا اور اس کی بہن کی حیرت انگیز روپوشی ابھی تک پردہ راز میں ہے۔ سدھیر کا خیال ہے کہ شاید وہ بھی قتل میں شریک تھی۔ لیکن میں واقعات کی روشنی میں ایسا سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ کرنل کا سیکریٹری پولیس کو عجیب حالت میں ملا تھا۔ کرنل کی بہن کے بستر پر خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے تھے اور وہ اس طرح بے ترتیب تھا کہ جیسے اس پر سونے والے کو کسی سے جدوجہد کرنی پڑی ہو۔"

"نوکر کہاں تھے۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"شاگرد پیشہ میں جو کوٹھی سے کافی فاصلے پر ہے اور انہیں صبح ہی اس حادثے کی اطلاع ہوئی تھی۔"

"کچھ اسکا بھی اندازہ ہے کہ ان تمام معاملات میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

کافی دیر تک ان تینوں میں بحثیں ہوتی رہیں۔ لیکن آخر میں نتیجہ وہی صفر، نہ کوئی فیصلہ ہو سکا اور نہ طریق کار ہی کا تعین کیا جاسکا۔

"خوفناک ہنگامہ" جلد نمبر 8 ملاحظہ فرمائیے۔

فریدی کے دوسرے ساتھی مائیکروفون کے محافظ کے بتائے ہوئے حلیے سے چمٹے ہوئے تھے وہ انہیں ریٹائرنگ روم میں چھوڑ کر مسکراتا ہوا باہر آ گیا۔

شہر کی حالت اب تک ویسی ہی تھی۔ ویرانی اور سوگواری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ فریدی کی کیڈیلاک تیزی سے سڑک پر پھسل رہی تھی۔ حمید اور وہ خاموش تھے غالباً وہ دونوں اس سے بھی بے خبر تھے کہ ایک دوسری کار کیڈیلاک کا تعاقب کر رہی ہے۔

"فی الحال ساجد ہی والی کڑی اپنے ہاتھ میں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کون ساجد۔" حمید نے پوچھا۔

"وہی کرنل فرید کا سکریٹری جو پاگل خانے میں ہے۔ اس سے کرنل کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ بنے ہوئے پاگلوں کو راہ راست پر لانا بڑا دشوار کام ہے اور کرنل کی بہن کا سراغ! نہ تو اُس کا کوئی فوٹو ہی دستیاب ہو سکا اور نہ مکمل حلیہ! حلیے کے متعلق اختلاف بیانیاں پائی جاتی ہیں۔ البتہ ایک چیز سب کے بیانات میں مشترک ہے اور وہ ہے اس لڑکی کی چال۔ سب یہی کہتے ہیں کہ چلتے وقت وہ زمین سے کچھ اوپر تیرتی ہوئی سی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا؟" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ لیکن اس کی حیرت ایک سیکنڈ بھی قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے کان کے قریب ہی ایک فائر ہوا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کی چیخ سنائی دی اور حمید کے چہرے پر لاتعداد چھریاں سی آکر لگیں کیڈیلاک ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔

"یہ حادثہ ایک سنسان سڑک پر ہوا تھا۔ دو ایک لوگ جو ادھر سے گذر رہے تھے فریدی کی کار کی طرف جھپٹے۔ فریدی اپنی پیشانی دبائے حمید پر جھکا ہوا تھا۔ جس کا سر سیٹ کی پشت سے ٹک کر ایک طرف ڈھلک گیا تھا۔ حمید کے چہرے پر کئی جگہ خون رس رہا تھا اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ فریدی نے اسے سنبھالنے کے لئے اپنی پیشانی سے ہاتھ ہٹا لیا اور اس کے چہرے پر بھی خون کی چادر پھیل گئی۔

"ٹھہریئے۔ ٹھہریئے۔" ایک راہگیر اس کی مدد کے لئے لپکا۔ چار پانچ آدمی کار کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے۔

کھڑکی کا شیشہ چکنا چور ہو گیا تھا۔

فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔ حمید کے گولی نہیں لگی تھی۔ کھڑکی کے شیشے کے ٹکڑوں نے اس کا چہرہ زخمی کر دیا تھا اور خود فریدی کی پیشانی کا زخم بھی انہیں ٹکڑوں کے لگنے کا نتیجہ تھا۔

اس نے رومال سے اپنا چہرہ صاف کیا اور راہگیر سے بولا۔

"ٹھیک ہے! سب ٹھیک ہے۔"

"کسی نے اس پیلی کار سے گولی چلائی تھی۔" دوسرے نے کہا۔ "میں نے خود دیکھا تھا۔ یہ کیا وقت آ گئی ہے اس شہر میں۔"

"گولی! نہیں کسی شریر بچے نے پتھر پھینکا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کمال کرتے ہیں آپ ارے جناب مین نے خود دیکھا تھا۔"

"آپ کو دھوکا ہوا ہوگا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

راہگیر حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

کیڈیلاک سول ہسپتال کی طرف جا رہی تھی۔

حمید تھوڑی دیر بعد کسمسایا اور کراہ کر سیدھا ہو گیا۔ سامنے لگے ہوئے آئینے پر نظر پڑتے ہی ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کا سارا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"چھونا مت۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "گھبراؤ نہیں زخم گہرے نہیں ہیں۔ ننھی ننھی کرچیں معلوم ہوتی ہیں۔"

"اوہ آپ بھی تو۔"

"میری فکر مت کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بس تقدیر ہی تھی.... ورنہ.... گولی میرے اپنے شانے کو چھوتی ہوئی نکل گئی ہے۔ اگر کوٹ میں شولڈر پیڈ نہ ہوتا، تو ہڈی صاف تھی۔ البتہ پچھلی سیٹ برباد ہونے کا افسوس ہے۔"

حمید نے پلٹ کر دیکھا۔ پچھلی سیٹ میں بڑا سا سوراخ تھا۔

"تو کیا وہی رائفل تھی۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"نہیں گولی ایک کار سے چلائی گئی تھی۔"

"کار سے۔"

"ہاں اور وہ محض تمہاری وجہ سے نکل گئی۔ میں سمجھا شاید تم اللہ کو پیارے ہو گئے۔"

"کاش گولی میرے ہی لگی ہوتی۔" حمید ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ "اب میرے چہرے پر شمار رنگ کے داغ ہوں گے اور کوئی لڑکی میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرے گی۔"

"لڑکی....!" فریدی نے منہ بنا کر کہا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔

"ہائے۔" حمید آہستہ سے کراہا۔

"میں نے مائیکروفون کے معاملے میں ہلڑ مچا کر غلطی کی تھی۔" فریدی بولا۔

پُراسرار مسٹر کیو

اُس حیرت انگیز رائفل کے متعلق نہ صرف شہر یا ملک بلکہ ساری دنیا میں چہ میگو ہو رہی تھیں۔ خصوصاً شہر کے لوگ تو بُری طرح سہمے ہوئے تھے۔ ملک کی سربر آوردہ ہست خوف اور اندیشوں کا شکار ہو گئی تھیں۔

دوسرے دن کے اخبار نے وزیر خزانہ کے قتل کے ساتھ ہی محکمہ سراغ رسانی کے بہترین افراد پر حملے کی بھی خبر چھاپی تھی۔ اخبار بیچنے والے گلی کوچوں میں چیختے پھر رہے تھے۔

"محکمہ سراغ رسانی کے دو آفیسروں پر بھی قاتلانہ حملہ، دونوں آفیسر اپنے زخموں ڈریسنگ کرانے کے بعد حیرت انگیز طریقے پر غائب ہوگئے۔"

یہ فریدی اور حمید کے زخمی اور غائب ہونے کی خبر تھی۔ انہوں نے سول ہسپتال میں ا زخموں کی ڈریسنگ کرالی تھی اور پھر اپنے محکمے کے اعلیٰ آفیسروں کو اطلاع دیئے بغیر روپوش ہو تھے۔ اخبارات کی اطلاع تو دراصل یہی تھی لیکن عام آدمی اسے کیا سمجھتے کہ اسی دن محکمہ سر رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی کی کار دلاور نگر کی طرف کیوں جا رہی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ اور دو انسپکٹر بھی تھے۔ ڈی۔ آئی۔ جی خود کار ڈرا کر رہا تھا۔ پینتیس میل پختہ سڑک پر چلنے کے بعد کار ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ پھر وہ اُس عما میں داخل ہوتی دکھائی دی جس میں سرجنٹ حمید نے ایک حیرت انگیز رات گزاری تھی۔

ڈاکٹر نارنگ ایم۔ پی عمارت میں موجود تھا۔ اُسے محکمہ سراغ رسانی کے آفیسروں کو ا کوٹھی میں دیکھ کر حیرت نہ ہوئی کیونکہ وہ مقتول منسٹر کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔

ڈاکٹر نارنگ دوہرے بدن کا ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان میں رہی ہو گی۔ لیکن صحت مند ہونے کی بناء پر یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ بڑھاپے کی سرحدوں میں قدم رکھ چکا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ گفتگو کرنے کا عادی تھا اور دوران گفتگو میں اپنی نظریں مخاطب کے چہرے سے ہٹائے رکھتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ اُسے کبھی کسی سے کرخت آواز میں گفتگو کرتے ہوئے نہیں سنا گیا۔

"میں اُن تمام لوگوں سے مل رہا ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی کہہ رہا تھا۔ "جن سے مقتول منسٹر کے قریبی تعلقات تھے۔"

"میں بھی انہی بدنصیبوں میں سے ایک ہوں۔" ڈاکٹر نارنگ کی آواز کپکپا گئی۔

پھر ڈی۔ آئی۔ جی کافی دیر تک مقتول کے دوسرے دوستوں کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا۔ جب واپسی کیلئے بالکل تیار تھا تو اُس نے اچانک ڈاکٹر نارنگ سے کہا۔ "مجھے ایک شکایت بھی ہے۔"

"کہیے۔" ڈاکٹر نارنگ نے میز پر رکھے ہوئے گلدان کی طرف نظر جماتے ہوئے کہا۔

"یہاں پرسوں رات کو میرے محکمے کے ایک آدمی کے ساتھ بڑا خطرناک مذاق کیا گیا۔"

"یہاں....!" ڈاکٹر نارنگ چونک پڑا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"کسی صاحبزادی نے اُسے کوئی نشہ آور چیز کھلا دی تھی۔"

"صاحبزادی نے۔" ڈاکٹر نارنگ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں، وہ راستہ بھٹک کر ادھر نکل آیا تھا۔"

"اُسے غلط فہمی ہو گئی ہو گی۔ یہ حادثہ کہیں اور پیش آیا ہو گا۔"

"اُسے یقین ہے؟"

"تب اس نے خواب ہی دیکھا ہو گا۔" ڈاکٹر نارنگ مسکرا کر بولا۔ "یہاں ہمیشہ اس عمارت کا منتظم چند نوکروں کے ساتھ رہتا ہے اور وہ بھی میری ہی طرح تجرد کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ میں زیادہ تر شہر میں رہتا ہوں۔ کبھی کبھی ادھر بھی آ نکلتا ہوں۔ پرسوں میں یہاں نہیں تھا۔ یہاں کسی لڑکی کی موجودگی سرے ہی سے مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس طرف اس ساخت کی کوئی اور عمارت نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"نہیں۔"

"اس نے بالکل یہی نقشہ بتایا تھا۔ جو میں اس عمارت کا دیکھ رہا ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا

"مجھے حیرت ہے۔"

"اس نے ایک حبشی غلام کا بھی تذکرہ کیا تھا۔"

"حبشی غلام۔" ڈاکٹر نارنگ بے ساختہ ہنس پڑا۔ "تب تو اُس نے حقیقتاً خواب دیکھا ہوگا۔"

"دو لڑکیاں تھیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی اس کی بات نظر انداز کر کے بولا۔ "ان میں سے ایک ایسی تھی جسے ہم عرصہ سے تلاش کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر نارنگ یک بیک سنجیدہ ہو گیا اور پھر اس نے کسی کو آواز دی۔ چند لمحے بعد ایک قبول صورت نوجوان اندر داخل ہوا۔ جس نے سمر کا سوٹ پہن رکھا تھا اور گردن میں شوخ رنگوں والی ٹائی تھی۔

"پرسوں رات کو یہاں کون تھا۔" ڈاکٹر نارنگ نے اس سے پوچھا۔

"ج.... جی.... کوئی بھی تو نہیں.... کوئی نہیں۔" منتظم ہکلانے لگا۔

"جھوٹ مت بولو۔"

"جی کوئی نہیں.... میں.... سس.... سچ....!"

"ہکلا کیوں رہے ہو.... کوئی ضرور تھا۔" ڈاکٹر نارنگ کی آواز بلند ہو گئی اور سیکریٹری کانپنے لگا

"ج.... جی.... مم.... معافی چاہتا ہوں۔"

"کون تھا....؟"

"ڈائریکٹر ناگر....!"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"فلم ڈائریکٹر، میرا دوست ہے۔ ادھر شوٹنگ کی غرض سے آیا تھا۔ میں نے آپ کی اجازت کے بغیر ٹھہرا لیا تھا۔ معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی حبشی بھی تھا ان کے ساتھ۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور دو لڑکیاں بھی۔"

"جی نہیں صرف ایک تھی کنول۔"

"کسی مسافر کو بیوقوف بنایا گیا تھا؟" ڈاکٹر نارنگ نے پوچھا۔

"جی ہاں.... وہ کنول کی شرارت تھی.... میں منع کرتا رہا.... مگر؟"

"اُسے کوئی نشہ آور چیز دی گئی تھی۔" نارنگ نے پوچھا۔

"نشہ آور.... اوہ.... شاید وہ اسی لئے سو گیا تھا۔"

"صاف صاف بتاؤ۔"

"اُسے بیوقوف بنانے کا پروگرام کنول ہی نے بنایا تھا۔" منتظم نے کہا اور شروع سے آخر تک پوری داستان دہرانے کے بعد بولا۔ "کنول اور حبشی کے علاوہ کوئی اور اُس کے سامنے نہیں گیا۔ پھر کنول نے اُسے کھانا کھلایا اور کھاتے ہی کھاتے وہ سو گیا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کوئی نشہ آور چیز تھی۔ پھر ہم اُسے اسی کی کار میں ڈال کر سڑک پر چھوڑ آئے تھے۔"

"تم جانتے ہو کہ تم لوگوں نے کتنا بڑا جرم کیا ہے؟" نارنگ بولا۔ "اگر وہ سانپ اُسے کاٹ لیتا تو۔"

"جی.... دراصل اُس میں زہر نہیں تھا۔ ناگر اُسے کسی سین کی شوٹنگ کے لئے لایا تھا۔"

"لیکن کسی کو کوئی نشہ آور چیز کھلا دینا بھی جرم ہے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" منتظم گڑگڑایا۔

"لڑکیاں دو تھیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی نہیں ایک تھی۔"

"تمہاری بدولت مجھے ذلت نصیب ہوئی۔" ڈاکٹر نارنگ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا وہ ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑ کر بولا۔ "آپ اسے لے جائیے اور جو کارروائی مناسب سمجھئے کیجئے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" منتظم پھر گڑگڑانے لگا۔

"دوسری لڑکی کون تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے گرج کر پوچھا۔

"ج.... جی.... دوسری لڑکی.... مم.... ناگر کی محبوبہ تھی۔"

"تم نے اب تک اُسے چھپایا کیوں تھا۔"

"وہ.... نن.... ناگر....!"

"گھبراؤ نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نرم لہجے میں بولا۔ "میں نارنگ جی کی بدنامی کے خیال سے

تمہیں درمیان میں نہ لاؤں گا۔"

منتظم تھوڑی دیر تک سر جھکائے کھڑا رہا۔ پھر تھوک نگل کر بولا۔ "پہلے وہی لڑکی باہر آئی تھی پھر اُس نے اندر جا کر اُس مسافر کا تذکرہ کیا۔ ناگر اندر تھا اس نے جھانک کر باہر دیکھا اور کنول سے تھوڑی دیر تک سرگوشیاں کرتا رہا۔ پھر اُس نے کنول کو باہر بھیج کر اس لڑکی کو ایک کمرے میں بند کر دیا۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ وہ مسافر دراصل ایک ایسا رئیس ہے جو اس کی محبوبہ پر ڈورے ڈالنے کی فکر کر رہا ہے.... وہ اُسے اچھی طرح بیوقوف بنا کر رخصت کرے گا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس لڑکی کا تذکرہ کسی سے نہ کروں کیونکہ وہ اسے بعض پروڈیوسروں سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"تمہیں اس لڑکی سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔"

"جی نہیں وہ بہت کم گفتگو کرتی تھی اور اس کی آنکھوں.....!"

"ہاں ہاں کہو! گھبراؤ نہیں۔"

"اس کی آنکھوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بیداری میں بھی کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔"

"تم ناگر کو کب سے جانتے ہو۔"

"پچھلے ماہ اس سے شہر میں ملاقات ہوئی تھی۔"

"یہاں پہلی بار آیا تھا۔"

"نہیں دوسری بار۔ اس سے پہلے بھی اس نے یہاں دو تین دن تک قیام کیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ اکیلا ہی تھا۔"

"اس کا پتہ۔"

"سولہ پرنس اسکوائر.... دولت گنج۔"

"سپرنٹنڈنٹ نے پتہ نوٹ کیا اور ڈی۔ آئی۔ جی نے ہاتھ کے اشارے سے گفتگو کا سلسلہ ختم کر دیا۔"

"جاؤ.....!" ڈاکٹر نارنگ سیکریٹری کو گھورتا رہا۔ پھر ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ "مجھے اس واقعے کا افسوس ہے۔"

"اب بہتر یہی ہے کہ تم اپنا بستر گول کرو۔"

"حضور میں تباہ ہو جاؤں گا۔" منتظم گڑگڑایا۔

"تمہیں بیس منٹ کے اندر اندر کوٹھی چھوڑ دینی ہے۔" ڈاکٹر نارنگ نے خشک لہجے میں کہا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

منتظم اس کے عادات و اطوار سے اچھی طرح واقف تھا اور اس لہجے کو خوب سمجھتا تھا۔ چارو ناچار اس نے اپنی ضروری چیزیں ایک سوٹ کیس میں بھریں اور باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر نارنگ مالتی کی جھاڑیوں کے قریب آم کے درخت کے سائے میں کھڑا تھا۔ اس نے منتظم کو جاتے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

سوٹ کیس وزنی تھا۔ کبھی وہ اُسے ہاتھ میں لٹکاتا اور کبھی کاندھے پر رکھ لیتا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی سوچتا جا رہا تھا کہ کب تک اور کہاں تک اس طرح جائے گا۔

کچے راستے کے دوسرے موڑ تک پہنچتے پہنچتے اس کے دونوں ہاتھ شانوں سے علیحدہ ہوتے معلوم ہونے لگے۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح وہ پختہ سڑک تک پہنچ ہی گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کدھر جائے۔

دفعتاً سمت مخالف سے ایک کار آتی دکھائی دی۔ چونکہ ونڈ اسکرین سورج کے سامنے نہیں تھا اس لئے کار ڈرائیو کرنے والے کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی اور وہ ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "ناگر.....!"

کار اس کے قریب آ کر رک گئی۔

"ہیلو راجن.... کہاں؟" کار ڈرائیو کرنے والے نے کہا۔

"ارے یار کیا بتاؤں.... شاید اس وقت پیدل ہی شہر جانا پڑتا۔"

"بھلا کیوں؟ چلو سوٹ کیس اندر رکھ دو۔"

راجن نے پچھلی سیٹ کی کھڑکی کھول کر سوٹ کیس رکھ دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ پچھلی سیٹ پر ایک آدمی اور بھی تھا۔ اس نے مسکرا کر سوٹ کیس رکھوانے میں مدد دی۔ راجن کے لئے یہ صورت نئی تھی۔

"ادھر آ جاؤ۔" ناگر نے اگلی سیٹ کی کھڑکی کھولتے ہوئے کہا۔

راجن بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

"پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔" راجن ہانپتا ہوا بولا۔ "تمہاری ہی وجہ سے مجھے ملاز سے ہاتھ دھونے پڑے۔ میں تمہیں منع کر رہا تھا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ آدمی درا محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آفیسر تھا۔ یار سچ بتاؤ وہ لڑکی کون تھی۔"

ناگر ہنسنے لگا۔ "پرواہ مت کرو پیارے۔ میرا بہت بڑا.... کاروبار ہے۔"

"مگر.... میں نے پولیس کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ البتہ تمہارا پتہ بتاتے وقت مجھے ہوش تھا.... اور میں نے صحیح پتہ نہیں بتایا۔"

"کسی بات کی فکر مت کرو۔" ناگر گردن جھٹک کر بولا۔

"سچ سچ بتاؤ، وہ لڑکی کون ہے۔"

"میری محبوبہ! میں اُسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔"

"کہیں سے بھگا کر لائے ہو۔"

"ہاں....!" ناگر نے کہا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

کار ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔

"ادھر کہاں؟" راجن نے پوچھا۔

"جلد پہنچیں گے کم از کم دس میل کا فرق پڑ جائے گا۔"

راستہ آٹھ دس فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ دونوں طرف سرکنڈوں کی اونچی اونچی اور جھاڑیاں تھیں۔

"اور کیا پوچھا تھا پولیس والوں نے۔"

"اور تو کچھ بھی نہیں لیکن حیرت ہے کہ انہوں نے مجھے اس خیال سے گرفتار نہیں کر اس میں ڈاکٹر نارنگ کی بدنامی تھی اور ڈاکٹر نارنگ نے مجھے اس طرح نکال دیا۔"

"فی الحال تم شہر میں کہاں جاتے۔" ناگر نے پوچھا۔ "کیا کوئی تمہارا دوست یا عزیز وہاں ہے۔"

"کوئی نہیں! میں تمہارے ہی پاس جاتا اور پھر کوئی اور انتظام کرتا۔"

ناگر نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر راجن بولا۔

"یار وہ کنول بڑی تیز لڑکی ہے۔"

"کیوں.... کہیں عاشق تو نہیں ہو گئے اس پر۔" ناگر نے بھدا سا قہقہہ لگایا۔

"پتہ نہیں کیوں وہ میرے ذہن پر بُری طرح چھا گئی ہے۔"

"تو پھر عشق اور کسے کہتے ہیں۔"

"عشق بہت اونچی چیز ہے۔" راجن سنجیدگی سے بولا۔

دفعتاً راجن کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن پکڑ لی۔ راجن نے تڑپ کر پلٹنا چاہا لیکن دوسرے لمحے میں اس کے منہ پر ایک گھونسہ پڑا.... اور کار رک گئی۔ کار کے اندر شدید قسم کی جدوجہد ہو رہی تھی۔ ناگر نے دوسرا گھونسہ مارا اور راجن کی نکسیر ٹوٹ گئی لیکن وہ بھی کمزور نہیں تھا۔ اس نے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ اپنی گردن سے ہٹا دیئے ناگر نے پھر ہاتھ اٹھایا لیکن اس بار اسی کا جبڑہ راجن کے ہاتھوں بیکار ہو گیا۔

راجن کار سے نیچے کود گیا۔ وہ دونوں بھی اس کی طرف جھپٹے لیکن شاید راجن لڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ بے تحاشہ ایک طرف دوڑنے لگا.... وہ دونوں اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ دفعتاً داہنی طرف کی جھاڑیوں سے ایک فائر ہوا۔ راجن نے بھاگتے بھاگتے چیخ کر ایک جست لگائی اور گر کر تڑپنے لگا۔ اس کی کنپٹی سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا۔

تعاقب کرنے والے رک کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ پھر دونوں اس طرف جھپٹے جدھر سے فائر ہوا تھا۔ جھاڑیاں سنسان پڑی تھیں۔ البتہ ان میں بارود کی ہلکی سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ دونوں چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتے رہے پھر راجن کی طرف لوٹ آئے جو ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

انہوں نے کار کا پچھلا حصہ کھول کر پٹرول کے تین کنستر نکالے اور انہیں لاش پر خالی کرنے لگے۔

"نہ جانے کون تھا؟" ناگر کے ساتھ والے نے کہا۔

"مسٹر کیو (Q) کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"مسٹر کیو!" دوسرا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "آخر یہ مسٹر کیو ہے کون؟"

"کام کرو کام۔" ناگر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "کہیں تمہاری کھوپڑی میں بھی چھٹانک بھر سیسہ نہ اُتر جائے۔"

"یار میں تنگ آ گیا ہوں.... اس کام سے۔" دوسرا بولا۔

"معلوم ہوتا ہے.... سچ مچ.... موت منڈلا رہی ہے تمہارے سر پر۔"

پٹرول ڈال دینے کے بعد وہ لاش سے دور ہٹ گئے۔ پھر ناگر نے ایک دیا سلائی سلگا کر لاش

کی طرف اچھال دی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہاں آگ ہی آگ تھی۔ واپسی پر انہیں کار میں ا
پرچہ ملا جس پر تحریر تھا "اپنے کام سے کام رکھو! اور حکم کی تعمیل کرو! مسٹر کیو کے متعلق کچھ
موت کو دعوت دینا ہے۔"

حمید پاگل خانے میں

سرجنٹ حمید نے چیتھڑے لگا رکھے تھے۔ آنکھوں میں وحشت تھی اور شیو بڑھا ہوا تھا۔ با
بے ترتیب تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان میں برسوں سے تیل نہ پڑا ہو۔ سر میں خس و خاشا
اور گردوغبار کا عالم یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے وہ سچ مچ پاگل ہو۔ چہرے پر متعدد چھوٹے چھوٹے زخم
جن پر کھرنڈ جمنے لگی تھی۔ اس کے شناساؤں میں سے اگر کوئی اُسے اس حال میں دیکھ لیتا تو ہرگز
پہچان سکتا۔

وہ تین دن سے اس توقع پر شہر بھر میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ اُسے پا
خانے بھجوا دے۔ لیکن وہ ابھی تک تو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس دوران میں ا
نے متعدد شرارتیں کی تھیں مگر لوگوں نے اسے پاگل خانے بھجوا دینے کی بجائے اس کی حرکتو
میں خاصی دلچسپی لی۔ عموماً اس کے پیچھے ہر وقت چھوٹے چھوٹے بچوں کی خاصی بھیڑ ہوا کرتی تھ
اس نے فریدی سے کہا کہ اس دردسری سے کیا فائدہ، براہِ راست اسے پاگل خانے میں
دیا جائے۔ لیکن فریدی نے اسے مناسب نہ سمجھا۔ فریدی کا کہنا تھا کہ مجرم بہت منظم معا
ہوتے ہیں۔ ذرا سی غلطی پوری اسکیم پر پانی پھیر سکتی ہے۔

جس دن سے ان دونوں پر حملہ ہوا تھا فریدی بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ خود روپوشی اخ
کر کے اسی نے ڈی۔ آئی۔ جی سے استدعا کی تھی کہ وہ ڈاکٹر نارنگ سے مل کر حمید والے معاملے
تحقیق کرے.... اور یہ معاملہ تو اب کافی روشنی میں آچکا تھا کہ وہ لڑکی جو حمید کو اس عمارت
پہلے نظر آئی تھی کرنل فرید کی روپوش بہن نادرہ ہی تھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے ڈاکٹر نارنگ کے
سے جو پتہ حاصل کیا تھا وہ سرے ہی سے بیکار ثابت ہوا۔ اس عمارت میں ناگر نام کا کوئی آدمی نہ
رہتا تھا اور فلمی دنیا میں بھی کوئی اس نام سے واقف نہیں تھا۔ نہ کنول نامی کسی ایکٹریس ہی کا سر

ل سکا اور اس خبر نے تو ڈی۔ آئی۔ جی کی رہی سہی امیدوں پر پانی ہی پھیر دیا کہ ڈاکٹر نارنگ نے
پنے منیجر کو اسی دن برطرف کر دیا تھا۔ بہر حال اب راجن کی بھی تلاش جاری تھی۔

ان دو تین دنوں کے دوران میں حمید کو بعض اوقات ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے وہ سچ مچ
اگل ہو گیا ہو۔ وہ قریب قریب ہر وقت دعا مانگا کرتا تھا کہ اے پاک پروردگار اپنی پہلی فرصت
یں پاگل خانے بھجوادے۔ ورنہ یہ پیچھے پیچھے تالیاں بجاتے ہوئے چلنے والے شریر بچے مجھے سچ مچ
اگل بنا دیں گے۔ اپنی اسکیم کامیاب ہوتے نہ دیکھ کر اس نے کئی بار سوچا کہ اب عورتوں کو بھی
چھیڑنا شروع کر دے لیکن پھر خیال آیا کہ عورتوں کو چھیڑنے والے کو کسی طرح معاف نہیں کیا
جاتا خواہ پاگل آدمی ہو خواہ پاگل کتا۔ بعض اوقات تو لوگ ایسے پاگل کتے کو بھی مار مار کر آدمی
بنا لیتے ہیں۔

آج صبح ہی سے وہ ادھر اُدھر اچھل کود مچاتا پھر رہا تھا۔ کسی کو مسکرا کر آنکھ مارتا، کسی کو منہ
چڑھایا اور کسی کو چونچ دکھاتا۔ صبح ہی صبح اس نے سب سے پہلی شرارت یہ کی تھی کہ ایک چوراہے
کے گول چبوترے پر جا چڑھا تھا۔ ٹریفک کا سپاہی موجود نہیں تھا۔ اس لئے اسے اس کے فرائض
انجام دینے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ وہ ناچ ناچ کر گذرتی ہوئی کاروں کو گذرنے اور رکنے کے
اشارے کرتا۔ ڈرائیور ہنس ہنس کر اُسے گھونسہ دکھاتے اور گذر جاتے۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک یہی کرتا رہا۔ پھر ڈیوٹی والا ٹریفک کانسٹیبل آگیا اور اُس نے بدقت
تمام اُسے چبوترے سے ہٹایا لیکن وہ بھی اسے پاگل خانے بھجوا دینے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔ حمید
دل ہی دل میں اُسے گالیاں دے کر وہاں سے ہٹ گیا۔

لیکن آج اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ پاگل خانے ضرور جائے گا۔

بڑے چوک میں پہنچ کر سچ مچ اُسے اپنی قسمت جاگتی معلوم ہونے لگی۔ اس نے ڈسٹرکٹ
مجسٹریٹ کو دیکھا جو اپنی کار سے اُتر کر فٹ پاتھ پر چڑھ رہا تھا۔ حمید نے سوچا کہ یہ آخری موقعہ
ہے۔ اگر یہ بھی ہاتھ سے نکل گیا تو پھر مرتے دم تک پاگل خانے کا دیدار نصیب نہیں ہوگا۔

"ہائے جانی سنو تو سہی۔" حمید ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پیچھے لپکتا ہوا بولا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ چلتا رہا۔

"او نیلی ہیٹ.... پلٹ میری جان.... ہائے رکو جانی.... نیلی ہیٹ.... نیلی ہیٹ۔"

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پلٹ پڑا۔

حمید نے سینے پر ہاتھ مارااور اُسے آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"مری جان.... اب تو رحم کرو، عاشق دلگیر پر۔"

پتہ نہیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے دل پر کیا گذر رہی تھی۔ البتہ اس کے ڈرائیور نے جھ کر حمید کی گردن پکڑلی اور حمید اس سے لپٹ پڑا۔

اس طرح اُسے پاگل خانے پہنچنے کا موقع نصیب ہو گیا۔

پاگل خانے کے پھاٹک کے قریب ہی اندر کی جانب ڈسپنسری تھی جس کے آگے ٹ کا سائبان پڑا ہوا تھا۔ حمید نے بے شمار آدمی دیکھے جو انتہائی سنجیدگی سے کسی نہ کسی کام میں مشغو تھے۔ کوئی پھولوں کی کیاریوں میں پانی دے رہا تھا۔ کوئی مہندی کی باڑھ کتر رہا تھا۔ کوئی رسی بٹ تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ پاگل تو کسی طرح نہیں ہو سکتے۔

اُسے ڈسپنسری والے سائبان کے نیچے ایک بنچ پر بٹھا دیا گیا۔ اچانک ایک صاحب جو کافی تڑنگے تھے اُس کے سامنے آکر کھڑا ہو گئے۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ تھا کہ وہ خود بھی تو پاگل ہے۔ اگر کسی سے ہاتھا پائی کی نوبت آگئی تو اسے تکلیف نہ کرنا پڑے گی۔

وہ صاحب تھوڑی دیر تک حم کو گھورتے رہے پھر انہوں نے کولہے ہلانا شروع کر دیئے۔

"ابے.... ابے.... یہ کیا کر ہا ہے۔" سائبان کے نیچے سے کسی نے للکارا۔

"بھائی کے سامنے دم ہلا رہا ہوں۔" اُن صاحب نے آنکھوں سے حمید کی طرف اشا کر کے کہا۔

وہ دوسرا آدمی بھی چبوترے پر چڑھ آیا۔ اس کے چہرے پر لمبی سی ڈاڑھی لہرا رہی تھی ا آنکھوں میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

"دُم....!" اُس نے اپنی ڈاڑھی پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس طرح ہلائی جاتی ہے.... اب تک تمہارا دماغ صحیح نہیں ہوا۔"

پھر اُن میں سے ایک ڈاڑھی ہلاتا رہا اور دوسرا کولہے مٹکاتا رہا۔

حمید نے اٹھ کر ناچنا شروع کر دیا۔ عافیت اسی میں نظر آئی۔ آخر وہ بھی پاگل ہی تو تھا۔

جو لوگ ادھر اُدھر کاموں میں مشغول تھے وہ بھی ایک ایک کر کے اکٹھا ہونے لگے۔ بڑ

شکل سے پاگل خانے کے منتظموں نے اس ہنگامے کو فرو کیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید کا طبی معائنہ شروع ہوا جو اتنی جلدی اور لاپروائی سے ختم کر دیا گیا کہ مید کو حیرت ہونے لگی۔

بہر حال ڈاکٹر نے رپورٹ میں لکھا کہ وہ ایسا پاگل نہیں تھا جسے کہیں الگ باندھ کر رکھا ئے۔ حمید کے چیتھڑے اُتروا کر پاگل خانے کا لباس پہنایا گیا جو ایک جانگھیا ایک شلوکے اور ایک وضع سی ٹوپی پر مشتمل تھا۔

اُسے باغ میں نئی کیاریاں کھودنے اور کھاد ڈالنے پر لگا دیا گیا۔

حمید کی نظریں اُسے ڈھونڈ رہی تھیں جس کے لئے وہ یہاں آیا تھا۔

اس کے ساتھ اور بھی کئی آدمی اُسی کام پر لگے ہوئے تھے۔ وہ انہیں بار بار گھورنے لگتا تھا کہ خر انہیں پاگل کیسے سمجھ لیا جائے۔ وہ سب نہایت سنجیدگی اور خاموشی سے اپنے کاموں میں صروف تھے۔

دفعتاً باغ کے باہر اس جگہ شور سنائی دیا جہاں کچھ پاگل رسیاں بٹ رہے تھے۔ حمید اچھل کر ڑا ہو گیا۔ ایک پاگل ایک درخت کے تنے سے چمٹا ہوا چیخ رہا تھا۔ "مار ڈالوں گا.... سالے لو.... دھت تیری کی....!"

وہ اپنا سینہ تنے سے ٹکائے زور کر رہا تھا۔ پاگل خانے کے دو محافظ اُس کی طرف جھپٹے۔ پہلے تو انہوں نے اُسے ہٹانے کی کوشش کی لیکن جب کامیاب نہ ہوئے تو اس پر کوڑے برسانے شروع کر دیئے۔ مگر وہ درخت سے لپٹا ہی رہا اور پھر کچھ دیر بعد بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ڈسپنسری سے اسٹریچر آیا اور اسے اس پر ڈال کر مریضوں کے وارڈ میں پہنچا دیا گیا۔ حمید کے ساتھی خاموشی سے پھر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک بولا۔

"اس کے لاشعور میں بچپن ہی سے ظالمانہ رجحانات پرورش پاتے رہے ہیں۔"

حمید بوکھلا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ پچاس بچپن سال کا ایک قوی الجثہ آدمی تھا۔ چہرے پر گھنی اور بڑی ڈاڑھی تھی۔ پیشانی کشادہ اور چمکدار تھی۔ آنکھیں غمناک اور دھندلی تھیں ناک کے جوڑ پر نظر آنے والا نشان ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اب سے پہلے کبھی چشمہ لگاتا رہا ہو گا۔

"لاشعور حیوانی جبلتوں کا گہوارہ ہے۔" اس نے ایک پاگل کو مخاطب کر کے کہا۔ "سمجھے ہو۔"
پاگل نے نفی میں سر ہلا دیا اور پہلے پاگل نے کہا۔ "ایک قسم کا منطقی شعور سمجھ لو۔ اعتبار بھی کہہ سکتے ہو۔ منطقی شعور دراصل حیوانی جبلتوں کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ مگر اسے کیا سمجھو گے۔ خیر اسے یوں سمجھو میں اس وقت ناچنا چاہتا ہوں لیکن مجھے نہ ناچنا چاہئے منطقی شعور کہتا ہے کہ تم یونیورسٹی کے پروفیسر ہو۔ تمہیں ہرگز نہ ناچنا چاہئے.... لیکن میں ناچ شروع کر دیتا ہوں۔"

اس نے سچ مچ گا گا کر ناچنا شروع کر دیا۔

سیاں نے انگلی مروڑی رے.... رام قسم شرما گئی میں۔

وہ ٹھمک ٹھمک کر اپنی انگلی مروڑتا اور شرماتا رہا اور ساتھ ہی گھنی ڈاڑھی میں فاحشہ عورتوں کی طرح مسکرانے کی کوشش بھی کرتا جا رہا تھا۔

"شٹ اپ۔" ایک محافظ کا کوڑا اس کی پیٹھ پر پڑا اور وہ تلملا کر دوہرا ہو گیا۔ جب محافظ چلا گیا تو اس نے گھٹنوں میں منہ دیکر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ یہ پاگل بھی غیر شعوری طور پر جابر قوتوں سے خائف رہتے ہیں ورنہ محافظ بس اس کے ایک ہی تھپڑ کافی ہوتا۔ وہ حقیقتاً کوئی پڑھا لکھا آدمی معلوم ہوتا تھا کچھ تعجب نہیں کہ اس کا پروفیسر والا حوالہ درست ہی رہا ہو۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد مختلف حصوں سے شور اٹھتا پھر "شٹ اپ شٹ اپ" کی آوازیں آتیں اور سکوت طاری ہو جاتا۔

شام ہو گئی لیکن وہ نہ ملا جس کی حمید کو تلاش تھی۔ پانچ کے گھنٹے کے ساتھ ہی کام رکوا دیا گیا تھا۔ لیکن اب بھی بعض ایسے تھے جو کام ہی سے چمٹے رہنا چاہتے تھے اور انہیں کام سے الگ کرنے کے لئے بھی محافظ کو کوڑے پھٹکارنے پڑتے اور پھر جب وہ سب اپنی بارکوں کی طرف لوٹ رہے تھے تو ایک پاگل نے حمید کے قریب آ کر آہستہ سے کہا۔

"کل تک میرا گھونسلہ مکمل ہو جائے گا اور پھر میں اڑ کر اس میں جا چھپوں گا.... انڈے دوں گا۔ بچے نکالوں گا.... چوں.... چوں.... چرر چرر چرر....!"

پھر وہ راستے بھر چوں چوں چرر چرر کرتا گیا۔

بارکوں کے قریب پہنچ کر حمید شش و پنج میں پڑ گیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ کسی نے اسے ت کے قیام کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہاں مختلف قسم کی عمارتیں تھیں۔ بعض عمارتوں میں ں کوٹھریاں تھیں جن میں لوہے کی سلاخوں والے دروازے تھے۔ ان میں غالباً خطرناک قسم ے پاگل رکھے جاتے ہوں گے۔ ایک بہت بڑا ٹین کا شڈ بھی تھا۔ جس کے نیچے بے شمار پلنگ تھے ں پر نمبر پڑے ہوئے تھے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اسے بھی پاگل پن کی کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کرنی چاہئے لیکن پھر ظوں کے کوڑے کا خیال کر کے اس کی روح لرز گئی۔

دفعتاً اسے قریب ہی کہیں بھینس کے ڈکرانے کی آواز سنائی دی اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک ں نیم کے درخت سے پیٹھ رگڑ رگڑ کر بھینسوں کی سی آوازیں نکال رہا تھا۔ حمید چونک پڑا۔ انکہ اس کا چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن خدوخال وہی تھے، وہی آنکھیں.... یہ جد ہی تھا۔ حمید نے فریدی کے فائل میں گھنٹوں اس کی تصویر دیکھ کر اس کے خدوخال کو ذہن ن کرنے کی کوشش کی تھی۔

جیسے ہی حمید اس کے قریب پہنچا اس نے جھپٹ کر اس کے سینے میں سر اڑا دیا اور پیچھے کی ف ریلنے لگا۔ حمید نے قدم جما دیئے تھے۔ اس نے اس کا سر اپنے بازوؤں میں جکڑ کر آہستہ سے ۔ "بیٹے.... بیٹے ساجد.... تم پاگل نہیں ہو۔"

ساجد تڑپ کر اُس کے بازوؤں سے نکل گیا۔ وہ اُسے حیرت اور خوف کے ملے جلے انداز ، گھور رہا تھا۔

کرنل کی اڑنے والی رائفل نے وزیر خزانہ کا خون کر دیا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ئے کہا۔ "نادرہ ابھی تک غائب ہے۔ اب تمہیں بولنا ہی پڑے گا اور اگر نہیں بولو گے تو بہت ت طریقے اختیار کئے جائیں گے۔"

"تم کون ہو۔" ساجد خوفزدہ آواز میں بولا۔

"میں کوئی بھی ہوں۔ لیکن تمہیں بولنا ہی پڑے گا۔"

"میں کچھ نہیں.... جج.... جانتا.... میں پپاگل....!"

"ہونہہ پاگل!.... پاگل تو میں بھی ہوں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ یہاں

میڈیکل ٹسٹ قاعدے سے ہوتا ہی نہیں۔ محض پچھلی ہسٹری دیکھ کر پاگل پن کی قسم کا تعی کر کے نمبر لگا دیئے جاتے ہیں۔ چلو بیٹے الگو جلدی اس قسم کی حرامخوری ہر محکمے میں ہو رہی ہے

"میرا.... شائد.... میرا وقت بھی قریب آگیا ہے۔" ساجد آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تو کیا تم نے ہی کرنل کو قتل کیا تھا۔"

"نہیں! ہرگز نہیں۔"

"پھر تمہاری موت کیوں قریب آگئی ہے۔"

"مار ڈالو.... مار ڈالو.... لیکن مار ڈالنے سے پہلے کسی بلی کی طرح مجھے چوہا سمجھ کر مت۔" ساجد نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپالیا۔

"جب تم مجرم نہیں ہو تو تمہیں کس بات کا ڈر ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بہلاؤ نہیں مجھے۔" ساجد کانپتا ہوا بولا۔ "مارنا ہے تو مار ہی ڈالو... اب تو تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ میں پاگل نہیں ہوں۔"

حمید اس کے ایک ایک لفظ پر غور کر رہا تھا۔ اس طرح اچانک جھپٹ بیٹھنے کا اس پر جو رد ہوا تھا وہ بھی اس کے پیش نظر تھا۔

"تم خواہ مخواہ ڈر رہے ہو۔" حمید اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا اور وہ چیخ کر پیچھے ہٹ گ

"میرا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے۔" حمید پھر بولا۔

ساجد کسی خوفزدہ شکاری کی طرح دبک رہا تھا۔

"اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں یہاں سے نکال کر پولیس والوں کے سپرد کر دیا جائے تو کوئی اعتراض نہیں۔"

"نہیں.... نہیں!" ساجد مضطربانہ انداز میں بولا اور تھوڑی دیر تک اسے غور سے د کے بعد کہنے لگا۔

"تو تم مسٹر کیو کے آدمیوں میں سے نہیں ہو۔"

"مسٹر کیو؟" حمید حیرت سے بولا۔ "یہ کون بلا ہے۔"

"مجھے بچاؤ۔" ساجد بچوں کی طرح سسکیاں لیتا ہوا بولا۔

"ڈرو نہیں!" حمید نرم لہجے میں بولا۔ "یہ مسٹر کیو کون ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"تم نے پھر وہی ضد شروع کر دی۔"

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔ میرا خیال ہے کہ شاید ہی کسی کو اُس کے متعلق کچھ معلوم ہو۔ بہر حال مجرموں کا ایک جم غفیر اس کا تابع فرمان ہے۔"

"اور تم بھی انہیں میں سے ایک ہو۔"

"م.... میں۔" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"گھبراؤ نہیں۔ تم سرکاری گواہ بنا کر چھوڑ دیئے جاؤ گے۔"

"میں یہیں بہتر ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "شاید مسٹر کیو مجھے بیچ عدالت میں بھی زندہ نہ چھوڑے۔"

"اوہ....! تو کیا وہ ایسا ہی خطرناک آدمی ہے۔"

ساجد صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"وہ ہزاروں آدمیوں کا شہنشاہ ہے۔" ساجد تھوڑی دیر بعد بولا "لیکن ان میں سے شاید ہی ی کو معلوم ہو کہ ایک کا دوسرے سے کیا تعلق ہے۔"

"ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "میں سمجھ گیا! تم کس طرح اس کے چکر میں پھنسے تھے۔"

ساجد نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے سے ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں دراصل! مجھ سے ایک بار ایک جرم سرزد ہو گیا تھا جس کے متعلق میں یہ سمجھتا تھا کہ س پر ہمیشہ پردہ پڑا رہے گا۔"

"چلو میں تم سے اس کے متعلق کچھ نہیں پوچھوں گا۔" حمید جلدی سے بولا۔

"لیکن....!" ساجد بولتا رہا۔ "مسٹر کیو کو اس کا علم تھا۔ اس نے مجھے بلیک میل کیا۔ مجھے اس کی طرف سے ایک خط ملا جس میں اُس جرم کی تفصیل درج تھی اور مجھے دھمکی دی گئی تھی کہ اگر میں نے مسٹر کیو کی ہر خواہش کے آگے سر نہ جھکا دیا تو اس کی اطلاع پولیس کو دے دی جائے گی۔"

"تو تم نے اسے کس طرح مطلع کیا تھا کہ تمہیں منظور ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ٹیلی فون کے ذریعے! اس نے مجھے نمبر لکھا تھا.... کہ اگر مجھے منظور ہو تو اس نمبر پر فون کر دوں۔"

"نمبر یاد ہے؟" حمید نے کہا۔

"ہاں.... تھری زیرو۔"

"تھری زیرو!" حمید حیرت سے بولا۔ "یہ تو ٹیلی فون ایکسچینج کا نمبر ہے۔"

"میں جانتا ہوں.... لیکن نمبر یہی تھا۔" ساجد بولا۔

"پھر....؟"

"پھر اس نے مجھے دوسرے خط کے ذریعہ کرنل فرید کے یہاں سیکریٹری کی جگہ کرنے کی کوشش کا حکم دیا۔"

"اسی رائفل کے لئے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن کرنل فرید بہت چالاک آدمی تھا۔ اس نے مجھے اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی اور دوسری حیرت انگیز بات یہ کہ کرنل فرید بھی مسٹر کیو کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے قتل سے تین چار دن قبل مجھے اس کا علم ہوا تھا۔ اتفاق سے میرے ہاتھ دو تین ایسے خطوط لگ گئے جو مسٹر کیو نے اسے لکھے تھے۔ بہر حال مسٹر کیو کو بھی اس پر اعتماد نہیں تھا اُس نے مجھے اس کے پیچھے لگادیا تھا۔ جس رات اس کا قتل ہونے والا تھا مجھے مسٹر کیو کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ میں رات کرنل فرید کے گھر پر نہ رہوں۔ مسٹر کیو کا وجود مجھے عرصہ سے الجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں اس کا سراغ لگاؤں۔ چنانچہ میں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی اور یہ دیکھنے کے لئے کہ اس نے یہ حکم کیوں دیا ہے میں کرنل کے مکان ہی میں چھپا رہا اور تقریباً بارہ بجے رات کو کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور میں بیہوش ہو گیا۔ دوسری صبح میں نے خود کو ایک کمرے میں مقفل پایا اور باہر پولیس والوں کے بھاری بھرکم جوتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ان میں سے کچھ قتل کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں بُری طرح گھبرا گیا۔ پولیس والوں سے زیادہ مسٹر کیو کا خوف دامنگیر تھا۔ لہٰذا فوری طور پر اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوجھا کہ پاگل بن جاؤں۔"

ساجد خاموش ہو گیا۔ حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آخر وہ لوگ اس کی بہن کو کیوں لے گئے۔"

"وہ اس رائفل کے متعلق سب کچھ جانتی تھی۔ شائد استعمال کا طریقہ بھی اسے معلوم

تھا۔" ساجد نے کہا۔

"کیا وہ لڑکی بہت کم سخن تھی۔"

"بہت زیادہ۔" ساجد نے کہا۔

"اس کی چال کیسی تھی؟"

"چال ہی تو سب کچھ تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی چال نہیں دیکھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ زمین سے کچھ اوپر تیر رہی ہو۔"

"مسٹر کیو! یا اس کے ساتھیوں کے متعلق اور بھی کچھ جانتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں! بتایا نا کہ میں تقریباً چھ ماہ تک کرنل کے ساتھ رہا لیکن مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ بھی مسٹر کیو ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ شاید اسے بھی میرے متعلق علم نہ رہا ہو۔"

"لیکن تمہیں اس کے یہاں ملازمت کس طرح مل گئی۔"

"مسٹر کیو کے خوف نے دلائی تھی وہ ملازمت۔ ظاہر ہے کہ اگر میں وہ ملازمت حاصل نہ کر سکتا تو میرا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ جس کی دھمکی مسٹر کیو پہلے ہی دے چکا تھا۔ لہٰذا میں نے سر توڑ کوشش کی اور کامیاب ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں مسٹر کیو ہی نے کوئی اور طریقہ اختیار کیا ہو۔"

"لیکن! تم کہہ چکے ہو کہ کرنل نے تم پر رائفل کا راز کبھی نہ ظاہر ہونے دیا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ وہ تمہاری حقیقت سے واقف تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ قطعی واقف نہیں تھا۔" ساجد بولا۔

"بہر حال اُس رائفل نے ایک بہت بڑے آدمی کی جان لے لی۔ خیر اب تم کیا کہتے ہو۔ یہیں رہنا چاہتے ہو یا کوئی اور انتظام کیا جائے۔"

"نہیں میں یہیں بہتر ہوں۔" اس نے کہا اور ایک طرف چلا گیا۔ حمید دیر تک کھڑا اندھیرے میں گھورتا رہا۔

رنگ اور بھنگ

دوسری صبح سرجنٹ حمید بہت مضمحل تھا۔ پاگلوں کے خوف سے اُسے رات بھر ٹھیک سے

نیند نہیں آئی تھی اور ویسے بھی سوتا ہی کہاں۔ اس کیلئے خاص طور پر کوئی انتظام نہیں کیا گیا
پورے پاگل خانے میں بد نظمی ہی بد نظمی نظر آتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہاں کے لا
دماغوں میں بھی فتور ہے۔ اُسے رات بھر ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا رہنا پڑا تھا
صبح ہوتے ہی وہ پاگل پھر بارکوں اور سائبانوں سے جانوروں کی طرح ہانک دیئے گئے
انسانی مشینیں پھر چل پڑیں۔ ان کی آنکھیں ویران تھیں اور چہرے ہر قسم کے جذبات سے
عاری۔ صرف ان کے جسم حرکت کر رہے تھے۔ جب کبھی اُن میں سے کسی کے ذہن کی رو
اس پر کوڑے برسنے لگتے اور جب وہ درد سے بے تاب ہو کر چیختا تب بھی اس کے چہرے پر
کے احساس کے آثار نہ ہوتے۔ آنکھیں بدستور ویران اور کھوئی کھوئی ہوتیں۔ بس یہ معلو
جیسے یہ آواز کسی مشین ہی سے نکلی ہو۔

حمید پھر اپنے پچھلے ہی دن والے کام میں آلگا۔ بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ پچھلی
بھی اُسے بھوکا ہی رہنا پڑا تھا۔ کیونکہ ابلی ہوئی پتلی اور بدبودار دال باجرے کی سخت روٹیو
ساتھ حلق سے نہ اتاری گئی تھی۔ بہر حال اب اُسے خوف تھا کہ کہیں اس بھوک کی حالت
محافظوں کے کوڑے نہ کھانے پڑیں۔ آج اسے ان لوگوں میں ساجد بھی دکھائی دیا جو ایک
درخت کے نیچے چٹائی بن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے اور آنکھوں سے
جھانک رہا تھا۔ وہ تقریباً دو گھنٹے سے سر جھکائے بیٹھا چٹائیاں بن رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی کسی خوفزد
کی طرح سر اٹھا کر اپنی پشت کی طرف دیکھنے لگتا اس کے قریب ہی کچھ اور بھی تھے۔ وہ بھی ا
طرح خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً حمید نے ایک چیخ سنی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ساجد اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک
پر ٹوٹ پڑا۔ قبل اس کے کہ محافظ اس کی طرف دوڑتے اس کا سر کئی بار نیم کے تنے سے ٹکر
ساتھ ہی اس کے منہ سے کسی بگڑے ہوئے کتے کی سی غراہٹ بھی نکل رہی تھی۔ دو محافظ
بھی بُری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔ کئی محافظ اور آگئے انہوں نے اسے رسیوں سے جکڑ کر ان بارکو
طرف روانہ کر دیا جہاں خطرناک قسم کے پاگل رکھے جاتے تھے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اب سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔ یا پھر یہ مسٹر کیو سے محفوظ رہنے
لئے دوسری حکمت عملی تھی۔ ظاہر ہے کہ اب اسے ایک الگ کمرے میں بند کر دیا جائے گا او

تک باہر نہ نکالا جائے گا جب تک ڈاکٹروں کو یقین نہ ہو جائے کہ وہ اب کسی پر حملہ نہیں
ے گا۔

ہنگامہ فرو ہونے کے ایک گھنٹے بعد ایک محافظ حمید کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ نیچے جھک کر
ی کی پشت پر پڑے ہوئے نمبر دیکھے اور حمید سے اٹھنے کو کہا۔

"پ.... پیاؤں۔" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"چل بے۔" اُس نے حمید کی گردن پکڑ کر دھکا دیا۔ حمید چپ چاپ اس کے ساتھ چلنے لگا۔
ڈسپنسری کے سائبان کے نیچے ایک آدمی کھڑا ڈاکٹر سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ حمید کی طرف
ر مسکرایا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ سوچنے لگا کہ کمال کا
بدلا ہے ظالم نے.... مسٹر کیو کیا مسٹر کیو کا باپ بھی اسے نہیں پہچان سکتا۔ فریدی نے اس
پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اسے پاگل خانے سے نکال لائے گا۔ حمید نے دل ہی
ں قہقہہ لگایا اور سوچنے لگا۔ آج پھنسے ہو دوست۔ مری جان۔ فریدی صاحب۔ اب کم از کم
نئے پریشان کئے بغیر نہ مانوں گا۔

"آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔" وہ ڈاکٹر صاحب سے دردناک آواز میں کہہ رہا تھا۔

"یہ میرا سگا بھائی ہے اور میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ بڑی مشکل سے ڈسٹرکٹ
یٹ صاحب اس پر راضی ہوئے ہیں۔" پھر وہ حمید کی طرف مڑ کر بڑے پیار سے بولا۔

"بو میاں۔"

"بھائی جان۔" بو میاں سلمہ جھپٹ کر اُس سے لپٹ گئے اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔
حمید نے دل میں سوچا کہ غضب کا ایکٹر ہے۔ اس گھبراہٹ میں کتنا بے ساختہ پن تھا۔ یہ
ہٹ کتنی قدرتی تھی۔ اگر سگا بھائی بھی پاگل ہو جائے تو لوگ غیر شعوری طور پر اس سے
ہی رہتے ہیں۔

"مانتا ہوں استاد۔" حمید نے دل میں کہا۔ "مگر میں تمہیں تنگ ضرور کروں گا۔"

وہ اپنے ساتھ کپڑے بھی لایا تھا۔ سفید کرتا اور پاجامہ۔ پاگل خانے کے کپڑے اتروا لئے گئے۔
پاگل خانے کے باہر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ حمید اچھل کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور کار چل
ا۔ حمید اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر پھیر کر اُسے چمکار رہا تھا۔ راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ حمید

سوچ رہا تھا کہ شاید فریدی اس کی افتادِ طبع کی بناء پر خاموش ہے۔ سوچتا ہوگا کہ اگر میں ز میں پہل کی تو حمید نچائے بغیر نہ چھوڑے گا۔ خیر صاحب دیکھنا ہے کہ یہ خاموشی کتنی د رہتی ہے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ وہ ان تکالیف کا گن گن کر بدلہ لے گا جو اُسے پاگل خانے م پڑیں تھیں وہ اونگھتا اور سوچتا رہا.... ڈیڑھ دن کی تھکن اور پچھلی رات کی بیداری کے اثر کے ذہن پر حاوی ہوتے گئے اور وہ سیٹ کی پشت سے لگ کر خراٹے لینے لگا۔

پھر اسی وقت اس کی آنکھ کھلی جب اسے جھنجھوڑ کر جگایا گیا۔

کار ایک عالی شان عمارت کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ کار سے اُتر کر ادھر اُدھر دیکھنے ل کچھ بولنے ہی والا تھا کہ اپنی شرارت والی اسکیم کا خیال آگیا۔

"غررر.... غررر.... غرچ....!" اس نے حلق سے آواز نکالی اور اپنی دانست میں کے ساتھ گھسٹنے لگا جو اس کا ہاتھ تھامے اندر کھینچے لئے جارہا تھا۔

متعدد راہداری کے چکر کاٹنے کے بعد وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے اور پھر حمید کی ر مچ فنا ہوگئی۔ کمرے کے وسط میں وہی حبشی طالوت کھڑا تھا۔ جسے اُس نے اپنی الف لیلیٰ والی ر ڈاکٹر نارنگ کے بنگلے میں دیکھا تھا۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ لیکن.... وہ سوچ رہا تھا کتنی زبر غلطی ہوئی اب اسے سچ مچ فریدی پر غصہ آنے لگا تھا۔ اگر اس نے یقینی طور پر کوئی ڈھنگ ک بتادی ہوتی تو وہ مجرموں کے ہاتھ میں کیوں پڑتا.... مگر.... خیر.... اس نے شروع کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس کی بناء پر اُسے پاگل نہ سمجھا جاتا۔ اس نے مذاق ہی مذاق م تک اپنا پاگل پن برقرار رکھا تھا اور یہاں سے نکل بھاگنے کا بس ایک یہی حربہ رہ گیا تھا۔ حمی دل و دماغ کو متوقع اور غیر متوقع ہر قسم کے حادثات کا مقابلہ کرنے کے لئے قوت ارا تحت منظم کرنے لگا۔ حمید کے ساتھی نے اسے طالوت کی طرف دھکیل دیا۔ طالوت اپ چوڑے بازو پھیلائے آگے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ حمید نے اُس کے جسم سے ٹکراتے ہی میں ہاتھ ڈال کر دو عدد بوسے اس کے رخساروں پر رسید کردیئے۔

طالوت کی گرفت ڈھیلی پڑگئی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ حمید چاروں خانے چت ز گرا۔ طالوت حیرت سے آنکھیں پھاڑے حمید کو گھور رہا تھا۔ حمید پھر اٹھ کر اس کی طرف ج طالوت نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کی طرف تان دیئے۔ حبشی بڑا قد آور تھا۔ حمید شاید اس

ں سے بھی نچا رہا ہو۔ طالوت اُسے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا اور حمید اس لئے بار بار اچھل لہ شاید دو چار بوسے اور نصیب ہو جائیں۔ ویسے اسکے منہ کی بدبو سے اس کا دماغ پھٹا جارہا تھا۔ وہ شخص جو حمید کو اپنے ساتھ لایا تھا بے تحاشہ قہقہے لگا رہا تھا۔ پھر اچانک وہ سنجیدہ ہو کر ی میں غرایا۔ "یہ بنا ہوا پاگل ہے۔ تمہیں اسے راہِ راست پر لانا ہے۔"

"نہیں.... نہیں....!" حبشی غلط سلط انگریزی میں چیخا۔ "یہ سچا پاگل ہے۔"

"بکو نہیں! اسے ٹھیک کرو۔"

"کیوں.... تم جھوٹے پاگل ہو۔" حبشی نے کھسیانے انداز میں پوچھا۔

"بھوں.... بھوں۔" حمید کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ حبشی کا منہ چوم لینے کی کوشش ابھی اری تھی۔

"کتیا کے بچے۔" حبشی نے ہنس کر اس کی گردن دبوچی اور حمید چوٹ کھائے ہوئے کتے کی "چیاؤں چیاؤں" کرنے لگا۔ طالوت پر ہنسی کا دورہ پڑگیا۔ وہ حمید کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہٹ ھی پیٹ دباتا اور کبھی منہ۔

"خاموش خاموش۔" دوسرا آدمی حلق پھاڑ کر چیخا۔

طالوت کی ہنسی رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ حمید اب دوسرے آدمی کی طرف جھپٹا۔ پہلے تو کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔ لیکن دوسرے لمحے میں سنبھل کر اس نے جو ہاتھ جھاڑا ہے تو میاں حمید کو دن میں تارے نظر آگئے۔ وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا لہٰذا نا برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر ڈھیر ہوگیا۔ لیکن وہ بھی طے کر چکا تھا کہ چاہے جان چلی جائے ت نہیں تسلیم کروں گا۔ وہ جھپٹ کر پھر اٹھا اور یہی حرکت دہرادی۔

حبشی پیٹ دبائے پورے کمرے میں ناچتا پھر رہا تھا۔ حمید کی اس حرکت نے تو اسے بے دم ا۔

"کیا ہلڑ ہے۔" دوسرے کمرے میں ایک تیز قسم کی نسوانی چیخ سنائی دی اور ایک لڑکی اندر آئی۔ لیکن اب حمید اپنے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ حمید اسے انداز کرکے طرح طرح کی حرکتیں کرتا ہوا حبشی ہی کے پیچھے دوڑتا رہا۔

"طالوت۔" دوسرے آدمی نے اُسے پھر للکارا؟ "خاموش رہو! ورنہ گولی ماردوں گا۔"

اچانک وہ سہم کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ دراصل اب اس میں ہنسنے کی سکت ہی نہ رہ گئی تھی۔ ار
نے سوچا کہ اب تھوڑی سی خدمت اس لڑکی کی بھی کرنی چاہئے۔

اس نے ڈرامائی انداز میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑے اور قدیم ہندوستانی رقص کا ایک پوز
ہوا لڑکی کے سامنے جھک گیا۔ پھر اس کے بعد کتھک کے بول بولتا ہوا جو ناچا ہے تو ایک ساتھ
کلی، بھارتیہ ناٹیم اور منی پور کے وہ وہ پینترے دکھائے ہیں کہ حبشی پر تو گویا ملک الموت ہی
ہو گیا۔ لڑکی بھی ہنس رہی تھی اور وہ دوسرا آدمی کبھی ہنستا تھا اور کبھی جھنجھلا کر پیر پٹخنے لگتا۔

"یہ پاگل نہیں ہے.... ہرگز نہیں ہے۔" وہ حلق کے بل چیخا اور حمید کا گریبان پکڑ لیا۔
پاگل نہیں ہو۔ میں تمہاری کھال اڑا دوں گا۔"

حمید نے دانت نکال کر قہقہہ لگایا جو اتنا ہذیانی قسم کا تھا کہ لڑکی خوفزدہ آواز میں چیخ پڑی۔

دفعتاً قریب ہی کسی کمرے میں فائر کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی شیشوں کے ٹوٹ کر گر
سے چھناکے بھی پیدا ہوئے۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید نے
قہقہہ لگایا۔ وہ سمجھا شاید پولیس آگئی۔

"اسے دیکھو۔" دوسرے آدمی نے حبشی سے کہا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے نکل
راہداری میں رک کر وہ دونوں شاید اندازہ لگانے لگے کہ آواز کس کمرے سے آئی تھی۔ پھ
ایک کمرے میں گھس گئے۔ سامنے والی کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹ کر زمین پر بکھر گیا تھا اور کم
میں بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ مرد کی نظر سامنے والی میز پر پڑی جس پر ایک بوتل رکھی تھ
جھپٹ کر اُس کے قریب آیا۔ بوتل کے نیچے ایک کاغذ کا ٹکڑا دبا ہوا تھا جس پر کچھ تحریر تھا۔ وہ ا
اٹھا کر پڑھنے لگا۔

"کیا ہے؟" لڑکی اس کے قریب پہنچ کر بولی۔

"مسٹر کیو۔" اُس نے سرگوشی کی۔ لڑکی کھڑکی کی طرف بڑھنے لگی۔ لیکن اس نے ا
ہاتھ پکڑ لیا۔

"اس کی سزا موت ہے۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "مسٹر کیو کو دیکھنے کی خواہش ہی جرم ہے

"ہوں! جیسے میں جانتی نہیں۔" لڑکی بڑے ناز سے لچک کر بولی۔

"نہیں.... تم نہیں.... جان سکتیں۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تم مسٹر کیو ہو۔" لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔

مرد نے ایک ڈراؤنا سا قہقہہ لگایا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑے ہوئے پھر اسی کمرے میں آگیا جہاں
وہ چھوڑ گیا تھا۔ بوتل جس میں کوئی سیال شے بھری ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

یہاں حمید اور حبشی دونوں ہی تھک کر بیٹھ گئے تھے۔

"اسے مضبوطی سے پکڑو۔" اس نے حبشی سے کہا۔ حمید اس کے ہاتھ میں بوتل دیکھ کر پہلے
رہا تھا حبشی نے اُسے اس طرح جکڑ لیا تھا کہ ہاتھ پیر ہلانا بھی مشکل نظر آنے لگا۔

لڑکی کے ساتھی نے بوتل سے عرق نکال نکال کر اس کے منہ پر چھینٹے مارنے شروع
کیے۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ چہرے پر چپکے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے اپنی جگہ چھوڑ رہے
اُسے یقین ہو گیا کہ اب جان بچنی محال ہے۔ بہرحال وہ تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔

ایک ایک کر کے پلاسٹک کے سارے ٹکڑے نکال لئے گئے اور دفعتاً وہ لڑکی چیخ اٹھی۔

"ارے.... یہ تم ہو! امرود بخت۔"

حبشی اُسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ حمید تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہاں.... میں.... سرجنٹ حمید؟.... اور اب واپس جا رہا ہوں۔"

حمید دروازے کی طرف مڑا لیکن حبشی جھپٹ کر درمیان میں آگیا۔

"اس کا مطلب۔" حمید لڑکی کے ساتھی کی طرف مڑ کر بولا۔

"انسپکٹر فریدی کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا لیکن تمہیں پچھتانا پڑے گا۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"پاگل خانے کیوں گئے تھے؟" اُس نے اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم ہو کون؟" حمید بگڑ کر بولا۔

مرد نے پھر حبشی کی طرف دیکھا اور اس نے حمید کو پکڑ لیا۔ حمید نے تعرض نہیں کیا تھا۔ وہ
نتا تھا کہ ہاتھ پیر مارنے کا وہی انجام ہوگا جو کسی دلدل میں پھنسے ہوئے آدمی کا ہوتا ہے۔ وہ
ہی طرح اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ حبشی کی قوت کا عشر عشیر بھی نہیں رکھتا۔

"فریدی کہاں ہے۔" مرد نے آگے بڑھ کر حمید کے منہ پر تھپڑ مارا۔

حمید حتی الامکان پر سکون رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ میں اتنی آسانی سے تمہارے ساتھ کیوں چلا آیا۔" حمید نے اس سے پوچھا
وہ حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے شاید یہ توقع نہیں تھی کہ حمید اتنا پرسکون نظر آئے گا۔

"میں جانتا تھا کہ تم ڈاکٹر ناگر ہو۔"

"پھر....؟"

"میں سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے اس طرح کنول سے ایک بار پھر ملاقات ہو جائے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

کنول اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے خاموش کھڑی تھی۔ حمید کے اس جملے پر اس کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

"سنو ناگر! یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہو۔ میں اس لڑکی کو تم سے چھین لے جاؤں گا۔" حمید نے پھر کہا۔

"فریدی کہاں ہے۔" ناگر گرج کر بولا۔

"کنول! میں وہ دلچسپ رات ابھی تک نہیں بھولا۔" حمید نے ناگر کی سنی ان سنی کر کے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

اسی بار پھر ناگر نے ایک بھرپور ہاتھ حمید کے منہ پر مارا اور حمید تو حقیقتاً اس وقت کمال ہی کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا اسے توہین اور چوٹ کا کچھ احساس ہی نہ ہو۔

"میں پتھر ہوں میرے دوست.....!" اُس نے قہقہہ لگایا۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہیں اپنے ہاتھ کی ڈریسنگ نہ کرانی پڑے۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" ناگر حلق کے بل چیخا۔

"کوئی نئی بات نہیں۔ ہزاروں بار یہ جملہ سن چکا ہوں اور ہزاروں ہی لاشیں میں نے اپنے قدموں میں دیکھی ہیں۔"

"پیس ڈالو اسے۔" ناگر نے حبشی کو مخاطب کیا اور حبشی کی گرفت تنگ ہونے لگی۔

حمید کو اپنی ہڈیاں کڑکڑاتی معلوم ہو رہی تھیں۔ لیکن وہ حتی الامکان کوشش کر رہا تھا کہ اس کا جسم ڈھیلا نہ ہونے پائے۔ اپنے ذہن کو درد کے احساس سے بچانے کے لئے اس نے بڑبڑانا

...ع کر دیا۔

"کنول! میں تمہیں اس جن کے.... قبضے سے نکال لے جاؤں گا.... بیمہ کمپنی کا ایجنٹ مل ...ہے۔"

"شٹ اَپ....!" کنول نے اُسے ڈانٹا۔ پھر اپنے ساتھی سے کہنے لگی۔ "اس سے کیا فائدہ۔ ...ے میں حکم کی تعمیل نہیں کر رہے ہو۔ مار ڈالنے کا حکم تو نہیں۔"

دفعتاً ایسا معلوم ہوا جیسے ناگر ہوش میں آ گیا ہو۔

"چھوڑ دو۔" اُس نے طالوت سے کہا۔

اور حمید ایک صوفے پر جم گیا۔

"ایک سگریٹ پلاؤ گے۔" اس نے بڑی لاپروائی سے ناگر کو مخاطب کیا۔

"کیا یہ پاگل نہیں ہے۔" لڑکی حیرت سے بولی۔

"نہیں۔" ناگر کے لہجے میں سختی تھی۔

حمید ہنسنے لگا۔ کنول اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم قتل بھی کئے جا سکتے ہو۔" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"تمہارے لئے میں دس بار قتل ہونا منظور کر لوں گا۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

ناگر کنول کی طرف پلٹا۔ "اپنے کمرے میں جاؤ۔" اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ کنول کی پیشانی پر ...ں پڑ گئیں۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں نفرت کی ہلکی سی جھلک دیکھی لیکن پھر وہ دوسرے لمحے میں مسکرانے لگی۔ اس نے ایک اچٹتی سی نظر حمید پر ڈالی اور کمرے سے چلی گئی۔

"میں نے تم سے ایک سگریٹ مانگی تھی۔" حمید نے ناگر کو مخاطب کیا۔ ناگر کے چہرے پر ...ید قسم کی الجھن کے آثار تھے۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر حمید کے سامنے ڈال ...۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس سے یہ حرکت بے خیالی میں ہوئی ہو۔

"مگر نہیں ایسی حالت میں سگریٹ پینے سے ممکن ہے مجھے غش ہی آ جائے؟" حمید نے بڑبڑا کر کہا۔

"کیوں؟" ناگر نے چونک کر پوچھا۔

"میں کل رات سے بھوکا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "پاگل خانوں کی غذا ہوش مندوں کے لئے

قطعی ناموزوں ہے اور پھر میں تو کھانے کی میز سے بعض اوقات محض اس لئے اٹھ جاتا ہوں کہ کسی طشتری سے کچے مسالے کی بو نہ آتی ہو۔"

"تم پاگل خانے کیوں گئے تھے۔" ناگر نے بیساختہ پوچھا۔

"ایک آدمی کی تلاش میں! جس کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ بنا ہوا پاگل ہے۔" حمید نے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ چھپانا بے کار ہے۔ مجرم ان کی اسکیم سے واقف ہو گئے ہیں ورنہ وہ اس وقت یہاں نہ ہوتا۔

"لیکن یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی۔" حمید بولتا رہا۔ "کیونکہ آج ہی اُس نے ایک دوسرے پاگل کو قریب قریب ختم ہی کر دیا ہے اور اب اُسے خطرناک پاگلوں کی کوٹھری میں بند کر دیا گیا ہے۔"

"تم اُس سے ملے تھے۔"

"نہیں.... اُسے تو میں نے اس وقت پہچانا جب محافظ اُسے زنجیروں میں جکڑے ہوئے کوٹھڑی کی طرف لے جا رہے تھے۔"

"وہ کون ہے۔" ناگر نے پوچھا۔

"تم آخر مجھے یہاں لائے کس لئے ہو۔" حمید نے بات اڑا دی۔ "اس رات کو مجھے بیوقوف بنانے کا کیا مطلب تھا۔"

"دیکھو دوست....!" ناگر نرم لہجے میں بولا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم فریدی کا پتہ بتا دو۔ ورنہ یہ بڑی خراب جگہ ہے۔"

"اس کا علم یہاں داخل ہوتے ہی ہو گیا تھا۔" حمید نے کہا۔ "میں پوچھتا ہوں۔ تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہیں۔"

"ہم لوگ بہت بُرے ہیں اور فریدی کا پتہ چاہتے ہیں۔" ناگر مسکرا کر بولا۔

"اور یہ حقیقت ہے کہ مجھے نہیں معلوم، کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا۔"

"یہاں....!" ناگر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ضد کا نتیجہ موت ہی ہوا کرتی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ آج بھی مذاق ہی کر رہے ہو۔" حمید نے ایسی سنجیدگی سے کہا جس میں لاپرواہی بھی شامل تھی۔

"اے....!" ناگر حبشی کی طرف دیکھ کر چیخا۔ "ترکیب نمبر تیرہ۔"

حمید کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ ترکیب نمبر تیرہ کیا چیز تھی۔ حبشی اُسے گود میں اٹھا کر ایک دوسرے کمرے میں لے گیا۔ پھر اسکے دونوں ہاتھ پشت پر جکڑ دیئے گئے اور ناگر نے کوڑا سنبھالا۔

چھلانگ لگانے والا

حمید کی آنکھ کھلی تو چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ پورے جسم میں کچھ اس قسم کی وزش تھی جیسے اس کی کھال اتار کر کسی نے اُسے نمک کے ڈھیر میں دبا دیا ہو۔

پچاس کوڑے تک تو اُس نے گنے تھے۔ لیکن اس کے بعد اسے ہوش نہیں رہ گیا تھا۔ وہ سوچ ہا تھا کہ اچھا ہی ہوا کہ اُسے فریدی کے پروگرام کا علم نہیں تھا ورنہ ممکن تھا کہ وہ اس اذیت سے چنے کے لئے سب کچھ بتا ہی دیتا اپنی زندگی میں شاید پہلی بار اس نے اتنی بے بسی محسوس کی تھی ن پھر بھی یہ یقین کر لینے کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آ رہی تھی کہ فریدی اس کی طرف سے فل ہوگا۔

اچانک ایک تیز قسم کی روشنی کا بڑا سا دھبہ اس کی پشت کی طرف اندھیرے میں رینگ آیا۔ ید چونک پڑا۔ لیکن وہ اتنی ہی تیزی سے مڑ نہ سکا۔ کیونکہ جسم کو جنبش دینے کا خیال ہی اذیت ل تھا۔

کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور سوئچ آن کرنے کی آواز کے ساتھ ہی کمرے میں شنی پھیل گئی۔

یہ کنول تھی۔ لیکن وہ پہلے کی طرح ترو تازہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ حمید نے اسے دیکھ کر نکھیں بند کر لیں.... وہ تھوڑی دیر تک کھڑی اُسے دیکھتی رہی پھر اس کے قریب ہی زمین پر دو انو بیٹھ گئی۔

حمید نے پھر آنکھیں کھولیں اور تکلیف کی شدت سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"تم بتا کیوں نہیں دیتے۔" کنول نے سرگوشی کی۔

"میں نہیں جانتا۔" حمید نے نحیف آواز میں کہا۔ "اور اگر جانتا بھی ہوتا...."

"یہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔" کنول کی آواز دردناک تھی۔

"کون؟"

"میں تمہارے لئے کیا کروں۔" کنول کی آواز میں بے چینی اور بے بسی تھی۔

حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کنول متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگی۔

"تم کیا کرو۔" حمید بولا۔ "وہی کوڑا اٹھا لاؤ.... اور تم بھی شروع ہو جاؤ۔"

کنول نے اپنے دانت اتنی سختی سے بھینچ لئے کہ جبڑوں کا گوشت اُبھر آیا۔ شاید وہ آنسوؤں کے ایک بیساختہ قسم کے ابال کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کچھ نہ بولی۔ البتہ اس کی غمگین آنکھیں حمید کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم کل رات سے بھوکے ہو۔" اُس نے پھر سرگوشی کی۔

"ٹھیک یاد آیا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیا تم آج مجھے وہی خواب آور دوا نہیں دے سکتیں۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میرے جسم پر دہکتے انگاروں سے لکیریں کھینچ دی گئی ہوں۔"

وہ سچ مچ رو پڑی۔ لیکن اُس نے جلد ہی اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

کہیں دور بھاری قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی جو رفتہ رفتہ نزدیک آتی گئی اور پھر حبشی اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سا پیالہ اٹھائے ہوئے نظر آیا اُسے دیکھتے ہی کنول حمید سے بلند آواز میں بولی۔

"میں کہتی ہوں تمہیں بتانا ہی پڑے گا ورنہ سسکا سسکا کر مار ڈالے جاؤ گے۔"

"میں نہیں جانتا۔" حمید نحیف آواز میں بولا۔

حبشی نے پیالہ کنول کے قریب رکھ دیا۔ چند لمحے خونخوار آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر چلا گیا۔

کنول نے چمچے سے حمید کے منہ میں دودھ ٹپکانا شروع کیا۔

"میں... تمہیں... اس جن... کے قبضے سے..." حمید رک رک کر بولتا رہا۔ "ضرور... رہائی دلاؤں گا۔"

کنول کچھ نہ بولی۔

"مجھے یقین ہے۔" حمید اسے ہاتھ کے اشارے سے روک کر بولا۔ "اس میں بھی کوئی چال ہو سکتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"تم مجھ سے ہمدردی جتا کر مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتی ہو۔"

کنول نے انکار میں سر ہلا دیا۔ وہ منہ سے تو کچھ نہ بولی لیکن اس کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں.... اور حمید کا دعویٰ تھا کہ مرتے دم تک عورتوں کی آنکھوں کی زبان سمجھتا رہے گا۔

"تم نے اس رات مجھے بیوقوف کیوں بنایا تھا۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں بتا سکتی.... لیکن.... تم کسی طرح یہاں سے نکل جاتے تو اچھا تھا۔"

"کیوں....؟"

"یونہی۔"

"مسٹر کیو کا خوف۔" حمید نے کہا اور کنول بے ساختہ اچھل پڑی اور اس کے بعد اس سے جو فعل سرزد ہوا وہ قطعی اضطراری تھا۔ وہ جھپٹ کر دروازے کی طرف گئی اور ادھر اُدھر جھانک کر پھر واپس آ گئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ تھوک نگل کر آہستہ سے بولی۔

"خاموش رہو.... تم....!"

"باہر کوئی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا اور پھر بیٹھ کر اُس کے حلق میں دودھ ٹپکانے لگی۔

"خدا کے لئے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "یہاں کسی کے سامنے اس کا نام نہ لینا ورنہ اسی وقت ختم کر دیئے جاؤ گے۔"

"تم نے اسے دیکھا ہے۔"

"کسی نے نہیں دیکھا۔"

"تم اُس کے پھندے میں کس طرح پھنسیں۔"

"یہ سب مت پوچھو۔"

"ناگر کون ہے!"

"یہاں سے نکلنے کے لئے کچھ سوچو۔" وہ جلدی سے بولی۔

"تمہارا نام کنول ہے یا کچھ اور۔"

"یہی ہے! یہی ہے۔" وہ بے چینی سے بولی۔ "تم اتنے مطمئن کیوں ہو۔"

"میں ہر حال میں مطمئن رہتا ہوں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"تب تم بھی جن ہی معلوم ہوتے ہو۔" کنول نے پیالے کی طرف اشارہ کیا۔

چوٹوں کی تکلیف معمولی نہیں تھی لیکن حمید کسی طرح بھی یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ خوفزدہ ہے یا اس نے کوڑوں کی اُس بارش کو ذرہ برابر بھی اہمیت دی ہے۔

"تم بہت اچھی ہو۔" حمید اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"تم سچ مچ امرود بخت ہی معلوم ہوتے ہو۔" کنول مسکرا پڑی۔ "کچالو بن گیا ہے تمہارا مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔"

"اگر اس وقت منہ میں دودھ نہ ہوتا تو کچالو کے نام پر پانی بھر آیا ہوتا۔"

کنول صرف مسکرا کر رہ گئی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ ساجد کی بات ٹھیک ہی نکلی کسی "مسٹر کیو" کا وجود ضرور ہے اور یہ لوگ بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا دل چاہا کہ کرنل کی بہن نادرہ کے متعلق بھی پوچھے لیکن فوراً خیال آگیا کہ وہ اپنی پاگل خانے والی ناکامی کی داستان ناگر کو سنا چکا ہے۔

اس کا ذہن پھر بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔ پیالے کا دودھ ختم ہونے سے پہلے ہی اُس نے ہاتھ اٹھا کر کنول کو روک دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی اس کو دیکھتی رہی پھر اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کی جھلک دکھائی دی۔ حمید نے نیند کے دباؤ سے جھکتی ہوئی پلکوں کو زبردستی اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شکریہ! میرے لئے یہی بہتر ہے۔ آج کی خواب آور دوا زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگی۔"

اور پھر وہ سو گیا۔ کنول تھوڑی دیر بیٹھی اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتی رہی اور پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔ وہ راہداری کے موڑ پر پہنچی تھی کہ کسی سے ٹکرا گئی۔ پیالہ ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔

یہ ناگر تھا اور بُری طرح بدحواس نظر آ رہا تھا۔

"پولیس....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "طالوت کہاں ہے۔"

"باورچی خانے میں۔"

"چلو....!" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دوڑتا ہوا بولا۔ "پولیس نے گھیرا ڈال دیا ہے۔"

باورچی خانے سے انہوں نے طالوت کو لیا اور ایک تاریک راہداری میں گھستے چلے گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں پوری عمارت پولیس والوں کے بھاری قدموں کی آوازوں سے گونج

ئی۔ گوشہ گوشہ چھان لیا گیا لیکن حمید کے علاوہ اور کوئی نہ ملا۔ حمید گہری نیند سو رہا تھا۔ پولیس والوں نے اسے اس کی کوٹھڑی سے نکال کر ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر ڈال دیا۔ پھر وہ عمارت کی تلاشی لینے میں مشغول ہوگئے اور انہیں اس کا بھی دھیان نہ رہا کہ وہ حمید کو تنہا چھوڑ آئے ہیں۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کے ساتھ دو سب انسپکٹر تھے اور وہ تینوں اس کامیابی کے خیال میں مگن تھے کہ ہر قسم کے خدشات سے گویا محفوظ ہی ہوگئے تھے۔

جب وہ تلاشی لے کر پلٹے تو ان کے پیروں سے زمین نکل گئی۔ ڈرائنگ روم خالی اور حمید غائب تھا۔ وہ پھر دیوانوں کی طرح پوری عمارت میں پھیل گئے۔ لیکن لاحاصل حمید کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

حمید کو یقین تھا کہ اس کی نیند خود بخود نہیں ٹوٹی کیونکہ آنکھیں کھلتے ہی اسے اپنے منہ میں کسی کڑوی یا کسیلی چیز کا مزہ محسوس ہوا اور ایک خاص قسم کی بو بھی اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔ وہ کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ بستر بہت ہی نرم اور پر تکلف تھا اور ملائم تکیوں سے ویسی ہی خوشبو آرہی تھی جیسے وہ اپنے تکیوں کے لئے استعمال کرتا تھا۔ کمرہ بھی وہ نہیں تھا جس کے فرش پر چت لیٹے لیٹے اس نے کنول کے ہاتھ سے دودھ پیا تھا۔ اس کی نظریں کھلی ہوئی کھڑکی کے باہر رینگ گئیں۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی.... لیکن یہ کیا؟ چاندنی کی کرنیں زمین پر مچلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہ ایسی تعجب خیز بات تھی کہ وہ اپنی تکالیف کا احساس کئے بغیر اچھل کر کھڑا ہو گیا اور جھپٹ کر کھڑکی کے قریب پہنچا لیکن دوسرے ہی لمحے میں دل چاہا کہ اپنے منہ پر تھپڑ مارے۔ چاند کی کرنیں زمین پر نہیں بلکہ دریا کی لہروں پر مچل رہی تھیں۔ کھڑکی سے تقریباً دس بارہ فٹ نیچے دریا بہہ رہا تھا۔ داہنی طرف اسے پل نظر آیا اور پھر وہ کسٹم ہاؤس کی عمارت کو بھی پہچان گیا شاید وہ اسی عمارت کے کسی کوارٹر میں تھا۔ دفعتاً اسے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ چونک کر مڑا۔ دروازے میں ایک آدمی نظر آیا جس کی شکل حمید کے لئے نئی تھی۔

"ڈرو نہیں۔" وہ مسکرا کر بولا اور حمید اس کی آواز پہچان کر اچھل پڑا۔

"یہ فریدی تھا۔"

وہ چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"آپ کے پاس ریوالور ہوگا؟"

"ہاں! کیوں؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تھوڑی دیر کے لئے ادھار دے دیجئے۔"

"کیوں؟"

"میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کو گولی مار دوں۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

فریدی اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا اور اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"اگر تم اس وقت مجھے توپ سے بھی اڑا دو تو بُرا نہ مانوں گا! میرے اچھے بیٹے۔"

"ذرا پیٹھ دیکھئے میری۔"

"میں دیکھ چکا ہوں.... اور اس کے لئے ان کا جسم کا ایک ایک ریشہ ادھیڑ ڈالوں گا۔"

فریدی نے اُسے پلنگ پر لٹا دیا۔ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر حمید داستان بیان کر چلا۔ حالانکہ اس نے سب سے پہلے اسی کے متعلق معلوم کرنا چاہا تھا کہ وہ یہاں تک کیسے پہنچا۔ لیکن فریدی نے اُسے مجبور کر دیا کہ وہ خود اپنی روداد پہلے سنائے۔ جیسے ہی حمید مسٹر کیو کا نام لیا فریدی تقریباً اچھل پڑا۔ وہ تحیر خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... کہتے چلو.... پھر بتاؤں گا۔"

حمید نے بیان جاری رکھا اور جب وہ خاموش ہوا تو فریدی نے پوچھا۔

"وہ لڑکی.... یعنی نادرہ بھی کہیں نظر آئی تھی۔"

"نہیں.... لیکن مسٹر کیو کے نام پر چونکے کیوں تھے۔ کیا آپ پہلے سے اس کی شخصیت واقف ہیں۔"

"ہاں.... لیکن اس کی اس حیثیت کے متعلق شاید خواب میں بھی نہ سوچ سکتا۔" فرید خیال انداز میں بولا۔

"یعنی....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس نام کا تعلق سیکرٹ سروس والوں سے ہے۔"

"آپ انہیں جانتے ہیں۔"

"میں صرف ان کی تعداد جانتا ہوں۔ وہ پانچ ہیں اور یہی نام استعمال کرتے ہیں کہاں

اور کون ہیں؟ اس کا پتہ نہیں۔ میں نے کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ ان کا پتہ لگاؤں۔ وہ بھی بہر حال سرکاری ہی آدمی ہیں۔"

"اور اُن کا ٹیلی فون نمبر بھی تھری زیرو ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"اور یہی ٹیلی فون نمبر ایکسچینج کا بھی ہے۔"

"ہاں؟ اور شاید یہی چیز تمہیں الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"قطعی....!"

"مسٹر کیو کے لئے ٹیلی فون ایکسچینج میں خاص طور سے انتظام کیا گیا ہے۔ مسٹر کیو کے لئے کوئی کال آتے ہی ٹیلی فون آپریٹر اس کا سلسلہ ایک ٹرانسمیٹر سے ملا دیتا ہے۔ اس طرح ایکسچینج سے مسٹر کیو کے لئے ٹیلی فونک ٹرانسمشن ہو جاتا ہے اور آپریٹر تک کو اس بات کا پتہ نہیں چلنے پاتا کہ یہ کال کہاں کے لئے آئی تھی۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ سیکرٹ سروس والے ہی....!"

"نہیں حمید صاحب۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "اتنی جلدی کوئی فیصلہ صادر کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔ بہت دنوں بعد ایسا کیس ملا ہے جس میں ذہنی اور جسمانی دونوں طرح کی ورزشیں کرنا پڑیں گی۔"

وہ خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا اور حمید بولا۔

"حمید صاحب! اگر اپنی کھال میں صحیح سلامت رہے تو؟"

"یار مجھے حقیقتاً ساری زندگی اس کا افسوس رہے گا کہ تم اس حال کو پہنچ گئے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر آپ کا یہ افسوس میری پیٹھ کی سوزش نہیں کم کر سکتا۔"

"مگر یہ تو سوچو کہ کنول نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بھینس کا دودھ پلایا تھا۔" حمید جلدی سے بولا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ.... راجن.... ڈاکٹر نارنگ کی دیہی جائیداد کا منیجر کہاں غائب ہو گیا؟" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"اوہ....!" حمید متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے اس کے متعلق کنول سے پوچھنا چاہئے تھا....

خیر.... اب آپ بتایئے کہ یہ کم بخت شہزادہ امرود بخت.... کچالو خصال بن لر یہاں تک کیسے پہنچا

"حقیقتاً اس حادثے کی تمام تر ذمہ داری مجھ پر ہی ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر اپنے جوتے اتار کر اطمینان سے بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں نے تمہارے پاگل خانے پہنچنے والے واقعے کو شہرت دی تھی۔"

"شہرت دی تھی۔" حمید حیرت اور غصے میں بولا۔

"جس لئے شہرت دی تھی اس میں کامیابی بھی ہوئی لیکن ایک جگہ دھوکا کھا گیا.... خیر... بہرحال میں نے اس لئے اس معاملے کو شہرت دی تھی کہ مجرموں پر اس کا ردعمل دیکھ سکوں میں جانتا تھا کہ وہ تم پر قابو پانے کی کوشش ضرور کریں گے۔ چنانچہ ایک آدمی نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا جعلی اجازت نامہ بنایا اور اسے لے کر پاگل خانے پہنچ گیا۔ تم نے پاگل خانے کے تھوڑے فاصلے پر ایک دوسری کار بھی دیکھی ہوگی جس کے پیچھے گرائپ واٹر کا اشتہار لگا ہوا تھا میں نے اس کمپنی سے اس مقصد کے لئے حاصل کی تھی.... بہرحال میں نے اس پر تم دونوں کا تعاقب کیا۔"

فریدی رک کر سگار سلگانے لگا۔

"اور اس کے باوجود آپ اتنی دیر میں پہنچے۔" حمید بھنا کر بولا۔

"سنتے تو جاؤ! اس عمارت کے سامنے پہنچ کر میں الجھن میں پڑ گیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس میں مغربی جرمنی کا سفیر رہتا ہے اور وہیں اس کا دفتر بھی ہے۔ تم جانتے ہی ہو کہ ایسے موقع جس قسم کی کاروائیاں ہوتی ہیں۔ میں نے نگرانی کیلئے رمیش اور وحید کو وہاں کر دیا اور خود ڈی۔ آئی۔ جی کے پاس پہنچا۔ بہرحال وہاں کی تلاشی کا اجازت نامہ حاصل کرنے میں دیر ہو گئی اور پھر جب وہاں گھیرا ڈالنے کا انتظام کیا جا رہا تھا تو اچانک یہ اطلاع ملی کہ عمارت دراصل خالی ہے۔ سفیر کا دفتر دن ہوئے کسی دوسری عمارت میں منتقل ہو گیا ہے۔ دھوکا دراصل اس لئے کھا گیا کہ وہاں سفارت خانے کا بورڈ نہیں ہٹایا گیا تھا یا ممکن ہے کہ خود مجرموں ہی نے دوسرا لگا دیا ہو۔ بہرحال باہر تو بورڈ لگا ہوا تھا اور اندر ایک جگہ ایک تختی پر لکھا ہوا ملا۔ 'کرائے کے لئے خالی ہے' خیر... بے چارے جگدیش وغیرہ تو یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ تم پھر مجرموں کے ہاتھ میں پڑ گئے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"تو وہ لوگ گرفتار ہو گئے۔"

"وہاں.... کوئی ان کی گرد کو بھی نہ پا سکا۔ البتہ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ پولیس نے دو گھنٹے تک جھک مارنے کے بعد ایک چور دروازے کا پتہ لگا لیا ہے جو ایک پتلی سی گلی میں کھلتا ہے اور جدھر کسی نے دھیان تک نہیں دیا تھا۔ یعنی ادھر پولیس نہیں تھی۔"

"انور بھی کام کر رہا ہے یا نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نے ابھی تک تو اُسے بلایا نہیں۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "سب کو ایک ساتھ بڑا دینا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ کیس بڑا پیچیدہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کچھ تازہ دم لوگ بھی موجود رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حالات کوئی دوسرا رخ اختیار کر لیں۔ فی الحال.... میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ ملک بھر میں اس وقت تک مائیکروفون استعمال نہ کیا جائے جب تک ایکسپرٹ یہ اطمینان کر لیں کہ اس میں کوئی دوسرا سسٹم بھی تو نہیں پایا جاتا۔"

"ملک بھر میں....؟" حمید حیرت سے بولا۔

"جناب.... یہ کوئی ملک گیر تنظیم معلوم ہوتی ہے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ دانتوں پسینہ آ جائے گا۔ کیونکہ اس مسٹر کیو نے بڑا عجیب طریقہ اختیار کیا ہے۔"

"لیکن آپ تو سیکرٹ سروس....!"

"ٹھیک ہے۔" فریدی حمید کی بات کاٹ کر بولا۔ "یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ سیکرٹ سروس والے اس قسم کی کوئی حرکت کریں گے۔ اس کیس میں یہی تو ایک اہم نکتہ ہے میرا خیال ہے کہ وہ پانچوں سیکرٹ سروس والے دوسری دنیا میں پہنچ چکے ہیں۔"

"کیوں؟"

"ظاہر ہے کہ ان کی زندگی میں تو یہ ناممکن ہے کہ کوئی ان کا نام استعمال کر سکے۔"

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اور حمید کا ذہن نیند کے تانے بانے میں الجھتا جا رہا تھا۔ دفعتاً وہ فریدی کی آواز سن کر چونک پڑا اور ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے نیچے دریا میں کوئی وزنی چیز کافی اونچائی سے گری ہو۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ سمجھتا فریدی کھڑکی میں چڑھ کر دریا میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ حمید پہلے تو اچھل کر کھڑکی کے قریب گیا پھر دروازے کی طرف بھاگا۔ آگے ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ حمید دروازہ کھول کر مکان کے باہر آ گیا۔ باہر سناٹا تھا۔

غالباً رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ گھاٹ بھی بالکل سنسان تھا اور پل پر آمد ورفت بھی ہو چکی تھی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

وہ شاید ایک منٹ تک بے حس و حرکت کھڑا دریا کی سطح پر نظریں جمائے رہا۔ کچھ دو بڑی بڑی لہریں گرداب کی شکل میں اٹھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی کوئی سیاہ سی چیز سطح پر ابھرتی اور ڈوب جاتی۔

حمید کا جسم اور دماغ دونوں ہی تقریباً بیکار تھے۔ یہاں تک وہ محض اضطراری فعل کے پہنچا تھا اور اب اسے ایک منٹ کھڑا ہونا بھی دوبھر معلوم ہو رہا تھا۔ صرف ایک سوال اس ذہن میں تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فریدی نے دریا میں چھلانگ کیوں لگائی

وہ وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ کوئی تیرتا ہوا اسی طرف آرہا ہے۔

فریدی نے کنارے پہنچ کر کسی دوسرے آدمی کو پانی سے کھینچ کر باہر نکالا۔

خوفناک آنکھیں

فریدی اُسے کاندھے پر اٹھائے ہوئے گھر کے اندر چلا گیا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ ر میں پہنچتے ہی حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ فریدی نے اسے فرش پر ڈال کر اُس پیٹ سے پانی نکالنے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں۔

"ہیلو....!" دفعتاً وہ رک کر بولا۔ پھر مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا یہ وہی نہیں ہے جو تمہیں پاگل خانے سے لے گیا تھا۔"

"ناگر....!" حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی بدستور مشغول رہا۔ اُس نے اس کے گیلے کپڑے اتار کر اُسے ایک چادر میں لپیٹ د حمید کھڑکی کے قریب کھڑا باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ بھی کوئی تو نہیں۔ پھر وہ صحن کی طرف جھپٹا اور باہر کے دروازے میں کنڈی لگا کر واپس آگیا۔ فریدی کر پر بیٹھا بے ہوش آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی دواؤں کا بکس فرش پر کھلا رکھا تھا اور اُس اپنے ہاتھ میں انجکشن والی سرنج سنبھال رکھی تھی۔

"تم کھڑے کیوں ہو؟"

"ہمیں غافل نہ رہنا چاہئے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "کہیں یہ کوئی چال نہ ہو۔"

"جو کچھ بھی ہے ابھی ظاہر ہو جائے گا۔" فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔ "تم اس آرام کرسی پر لیٹ جاؤ.... مگر نہیں تمہاری پیٹھ اس قابل نہیں۔ بہتر تو یہی ہے کہ.... اچھا ذرا ادھر آؤ۔"

پھر وہ اُسے برآمدے میں لا کر بولا۔ "اسے شاید دو تین منٹ بعد ہوش آجائے۔ جب تک میں نہ کہوں تم اس کے سامنے مت آنا۔ یہاں اس پلنگ پر لیٹ جاؤ۔ بلکہ سو جاؤ تو بہتر ہے۔"

"کیا آپ نے اسے کودتے دیکھ لیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اس نے پل پر سے چھلانگ لگائی تھی۔" فریدی بولا۔

"پتہ نہیں کیا بات ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ مسٹر کیو ہی کا کسی قسم کا عتاب ہو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا.... اس نے برآمدے میں پڑے ہوئے پلنگ کی طرف اشارہ کیا اور کمرے میں چلا گیا۔

ناگر کو ہوش آگیا تھا۔ وہ پلنگ پر چت پڑا متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی پر نظر پڑتے ہی اچھل کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس طرح اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے جیسے دفعتاً اس کی بینائی ہی رخصت ہو گئی ہو۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ "مجھے جہنم میں جھونک دو! میں خود ہی کود جاؤں گا.... مگر میرا قصور.... مجھے میرا قصور بھی تو بتاؤ.... یا پھر مجھے مر ہی جانے دو.... اس طرح ادھیڑو مت.... ایک چوہے کی طرح بے بس نہ کرو۔"

وہ خاموش ہو گیا پھر دفعتاً حلق پھاڑ کر چیخا۔ "سنا تم نے۔"

"سن لیا....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"میں ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔" ناگر نے اپنی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

لیکن وہ اب بھی فریدی کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"اگر تم وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی اقدام خودکشی نہ کرو گے تو میں تمہیں پولیس کے حوالے نہ کروں۔" فریدی نے کہا۔

ناگر نے ایک لحظے کے لئے فریدی کی طرف دیکھا اور پھر نظریں ہٹالیں۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے خودکشی کی کوشش کیوں کی تھی۔" فریدی پھر بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔" ناگر نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"یعنی تم ارادتاً نہیں گرے تھے۔" فریدی اسے پرخیال انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"مجھے جانے دو۔" ناگر اٹھتا ہوا بولا۔

"جاؤ....!" فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ وہ اسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا لیکن شاید اس بار کسی ریوالور کی گولی کو تمہارے بھیجے کا راستہ تلاش کرنا پڑے۔

ناگر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ پھر پلنگ پر گر کر اپنا برہنہ جسم چادر سے چھپانے لگا۔

"ڈرو نہیں!" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تم اب قطعی محفوظ ہو۔ یہاں میری موجودگی میں کوئی تم پر ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ ویسے میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تم دریا میں خود کودے تھے یا کسی نے تمہیں پھینکا تھا۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"پھر وہی ضد....!"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میرے ذہن میں صرف یہی ایک خیال تھا کہ کود جاؤں بس کود گیا۔"

"اور وہ تمہارا اپنا خیال نہیں تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا....؟" ناگر پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یہی کہ تم خود سے نہیں کودے تھے۔"

"تم کون ہو؟" ناگر خوفزدہ آواز میں بولا۔

"ڈرو نہیں! میں ان میں سے نہیں جنہوں نے تمہیں چھلانگ لگانے پر مجبور کیا تھا۔"

"پھر آخر کون ہو۔"

"بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور میز پر رکھے ہوئے کپڑے اٹھا کر اُسے دیتا ہوا بولا۔ "انہیں پہن لو۔"

ناگر نے قمیض اور پتلون پہنی! لیکن اس کی تحیر آمیز نظریں بار بار فریدی کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"آؤ میرے ساتھ۔" فریدی نے برآمدے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

جیسے ہی ناگر کی نظر حمید پر پڑی وہ لڑکھڑا گیا۔ اگر فریدی سہارے کے لئے اپنا بازو آگے نہ کر دیتا تو اس کا سر دیوار سے ٹکرا گیا تھا۔

حمید بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اب بتاؤ بیٹے ناگر صاحب۔" وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

ناگر نے آنکھیں بند کر لیں۔

"غالباً....اب تم یہ سمجھ گئے ہو گے کہ میں کون ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"پولیس....!" ناگر کانپتا ہوا بولا۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "کہ تم پر یہ ساری مصیبتیں اس کی وجہ سے نازل ہوئیں تھیں۔"

"کیا....؟ م....میں نہیں سمجھا۔" ناگر ہکلایا۔

"تم نے اُسے پولیس والوں کیلئے چھوڑ دیا تھا اور خود فرار ہو گئے تھے۔ لہٰذا تمہارے مسٹر کیو....!"

ناگر کی ایک بے ساختہ قسم کی چیخ نے فریدی کا جملہ نہ پورا ہونے دیا۔

"تم جھوٹے ہو۔" ناگر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا اور کمرے میں بھاگ گیا۔

پھر فریدی اور حمید نے بدحواسی کے عالم میں اسے پلنگ کے نیچے گھستے دیکھا۔

"بس....!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "چلو خیر! میں تمہیں سول پولیس کے رحم و کرم پر چھوڑتا ہوں۔" فریدی نے اسے بدقت تمام پلنگ کے نیچے سے نکالا۔

"تم....تم....مسٹر کیو کے آدمی ہو۔" ناگر ہذیانی انداز میں بک رہا تھا۔ "میں کہیں نہیں بچ سکتا۔ کسی طرح نہیں بچ سکتا۔"

"تو تمہیں اسی طرح یقین دلایا جا سکتا ہے کہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔" فریدی نے کہا۔

"جھوٹ....بلف....دھوکا....مسٹر کیو کا نام اسکے آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔"

"لیکن اس کا نام مسٹر کیو تو نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہو یا نہ ہو۔ لیکن اس نام سے بھی کوئی واقف نہیں ہے۔"

"ایسا تو نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس کے ساتھیوں کے علاوہ دو اور آدمی بھی ہیں جو اس نام سے واقف ہیں۔"

"کون؟"

"انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید۔"

"تت.... تو.... آپ.... مسٹر فریدی.... ہیں۔" ناگر کے لہجے میں حیرت تھی۔

فریدی مسکراتا رہا۔ ناگر تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد پھر بولا۔

"تو پھر.... خدا کے لئے.... مجھے کسی بند گاڑی میں جیل خانے بھجوا دیجئے.... ورنہ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا.... اور میں نے ابھی تک کوئی ایسا جرم نہیں کیا جس کی سزا موت ہو۔"

"تم یہاں ہر طرح محفوظ رہو گے۔" فریدی نے کہا۔ "بشرطیکہ جو کچھ پوچھوں اس کا سچ جواب دو۔"

"میں سب کچھ کروں گا۔ مجھے بچایئے۔"

"تم جانتے ہو کہ مسٹر کیو حقیقتاً کون ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"اسے کبھی دیکھا ہے۔"

"نہیں۔"

"اس رات جب تم نے سرجنٹ حمید کو ڈاکٹر نارنگ کے یہاں بے وقوف بنایا تھا تمہارے ساتھ کتنی لڑکیاں تھیں۔"

"دو....!"

"جو حمید سے پہلے ملی تھی کون تھی؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔ مسٹر کیو کے حکم سے میں اسے وہاں لے گیا تھا۔"

"تمہارے پاس وہ کب سے تھی۔"

"اسی دن آئی تھی۔ جس دن میں وہاں گیا تھا۔"

"کہاں سے آئی تھی۔"

"میں یہ بھی نہیں جانتا۔ مسٹر کیو کے حکم کے مطابق میں سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی

بند گاڑی میں بیٹھ گیا تھا.... وہ لڑکی.... حبشی.... اور کنول.... تینوں مجھے اس میں ملے تھے۔"

"کنول کون ہے۔"

"اس نے مجھ سے آج تک نہیں بتایا۔"

"ڈاکٹر نارنگ کے منیجر راجن سے تمہاری جان پہچان کس طرح ہوئی تھی۔"

"مسٹر کیو کے حکم کے مطابق میں نے اُس سے دوستی پیدا کی تھی۔"

"کیا راجن بھی اُسی کے آدمیوں میں سے تھا۔"

"یہ نہیں کہہ سکتا.... ہو سکتا ہے کہ رہا ہو۔ مسٹر کیو کے گروہ کے لوگ ایک دوسرے کو اس وقت تک نہیں جانتے جب تک کہ مسٹر کیو خود نہ چاہے۔"

"راجن تمہیں اس کے بعد ملا تھا۔"

"رر.... راجن....!" ناگر ہکلا کر رہ گیا۔

"جھوٹ نہیں سنوں گا۔" فریدی اُسے تیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"اُسے مسٹر کیو نے ختم کر دیا۔"

"کیسے؟"

"مجھے مسٹر کیو کی طرف سے حکم ملا کہ میں راجن کو دلاور نگر والی سڑک سے لے کر جھریالی کے جنگل میں مار ڈالوں۔ مدد کے لئے ایک آدمی بھی دیا گیا تھا۔ حکم تھا کہ لاش کو پٹرول چھڑک کر جلا دیا جائے۔"

"تو تم دونوں نے اُسے مار ڈالا۔"

"نہیں....!" ناگر گھبرا کر بولا۔

"پھر....؟"

"جب وہ ہم سے چھوٹ کر بھاگ رہا تھا تو کسی نے سرکنڈوں کی جھاڑیوں سے اُس پر فائر کر دیا۔ لیکن لاش ہمیں ہی جلانی پڑی تھی۔"

"دوسرا آدمی کون تھا۔"

"پتہ نہیں.... اس دن کے بعد سے اب تک نہیں دکھائی دیا۔"

"خیر اب یہ بتاؤ کہ تم اس کے چکر میں کس طرح پڑے تھے۔"

ناگر تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "اس نے مجھے بلیک میل کیا تھا۔"

پھر اس نے اسی قسم کی ایک داستان دہرادی جیسی حمید کو پاگل خانے میں ساجد نے سنا
تھی۔ ناگر دراصل منشیات کی ناجائز تجارت کرتا تھا۔ مسٹر کیو نے اسے ایک خط کے ذریعہ دھ
دی تھی کہ اگر اُس نے اس کے احکامات کے آگے سر نہ جھکا دیا تو وہ اس کا راز فاش کردے گا
اُسے بھی یہی ہدایت ملی تھی کہ وہ اپنے فیصلے سے فون کے ذریعے آگاہ کرے۔ نمبر وہی "تھ
زیرو" تھا۔

"ٹیلی فون کرنے کے متعلق کوئی اور بھی ہدایت ملتی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... کہ گفتگو شخصی ٹیلی فون کی بجائے کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے کی جائے۔"

"اس کے بعد کسی قسم کی گفتگو یا مشورے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔" فرید
نے پوچھا۔

"مسٹر کیو کے خطوط یا تو بذریعہ ڈاک آتے ہیں یا کسی دوسرے پُر اسرار طریقے سے مجھ تک
پہنچتے ہیں۔"

"پُر اسرار طریقے سے۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... آج ہی! جب میں آپ کے ساتھی کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کر رہا
مسٹر کیو نے مکان کے ایک حصے میں فائر کر کے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ جب ہم کمرے م
گئے تو ہمیں اُس کا خط ملا اور ساتھ ہی ایک بوتل بھی جس میں غالباً سیال ایمونیا تھی۔ خط م
ہدایت تھی کہ میک اپ بگاڑنے کے لئے بوتل کا عرق استعمال کیا جائے۔"

"اوہ....!" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔

"وہ لڑکی کہاں ہے.... کنول....!" حمید نے پوچھا۔

فریدی اسے گھورنے لگا اور حمید نے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

"کنول.... میں نہیں جانتا کہ وہ اب کہاں ہے۔" ناگر نے کہا۔

"لیکن تم تینوں ساتھ ہی تو بھاگے ہو گے۔" فریدی بولا۔

"ہم وہاں ساتھ ہی پہنچے تھے جہاں ہمیں خطرات کے وقت پناہ لینے کا حکم ملتا تھا۔ اس کے بع
میں یہاں چلا آیا۔"

"کہاں گئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔ لیکن ناگر نے فوراً ہی جواب نہ دیا۔

"کیا.... میں یقین کرلوں کہ آپ میری حفاظت کریں گے۔" ناگر نے پوچھا۔

"حتی الامکان....!" فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔

"ہم لوگ! بیلی روڈ کی کوٹھی نمبر سترہ میں گئے تھے۔"

"کس کی کوٹھی ہے۔"

"اس کا علم مجھے نہیں۔ پہلی ہی بار وہاں گیا تھا۔"

"پھر....!"

ناگر خاموش ہو گیا۔ اس پر پھر رعشہ طاری ہو گیا تھا۔

"اس کی یاد بھی میرے لئے پریشان کن ہے۔" وہ کانپتا ہوا بولا۔

"سنو دوست!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ایک بات اور بھی واضح کرتا چلوں وہ یہ کہ مجھے
اور حقیقت میں فرق کرنے کا کافی سلیقہ ہے۔"

"میں جو کچھ بھی کہنے جارہا ہوں اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ نہیں۔" ناگر بولا۔

"خیر.... چلو....!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"وہاں اس عمارت کے ایک کمرے میں مجھے کسی کی آواز سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا
روازے کے ٹوٹے ہوئے شیشے سے دو خوفناک آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ سرخ سرخ
نکھیں۔ میری ہمت نہیں تھی کہ میں کسی طرح نظریں چرا سکتا۔ میں ان کی طرف دیکھتا رہا
ایسا محسوس ہوتا رہا جیسے میرے جسم کی ساری طاقت ان خوف ناک آنکھوں میں کھنچی
ہو۔ پھر مجھے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آواز ان آنکھوں سے
ی ہو۔ مجھ سے کہا جارہا تھا کہ میں ایک بند گاڑی میں پل تک جاؤں اور وہاں سے دریا میں
لگادوں۔ میں خاموشی سے مڑا اور باہر نکل آیا۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی
تھا کہ مجھے دریا میں چھلانگ لگانی ہے.... اچھی طرح یاد نہیں کہ میں پیدل پل تک آیا یا میں
یقیناً کسی بند گاڑی میں یہاں تک کا سفر کیا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر فریدی تیز نظروں سے اس کے چہرے کو ٹٹولتا ہوا
"اُس آسمانی رائفل کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"آسمانی رائفل.... میں اسکے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" ناگر نے کہا۔ "کیا وہ بھی مسٹر کیو...؟"

"غالباً....!" فریدی اٹھ کر ٹہلتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"میں نے تمہیں اس سے محفوظ رکھنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ لیکن اگر تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو شاید میں تمہارے مسٹر کیو سے بھی زیادہ خوفناک ثابت ہوں۔"

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں.... میں....!"

ناگر کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ فریدی چونک کر پلٹا۔ دروازے میں تین آدمی کھڑے تھے تینوں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے اور اُن کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

بموں کی بارش

فریدی کے سکون میں کسی قسم کا فرق نہ آیا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی اور آنکھوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی ڈرامے کا ریہرسل دیکھ رہا ہو۔

"مکان چھوٹا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور مہمانوں کا تانتا بندھ گیا ہے۔"

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" آنے والوں میں سے ایک نے سرگوشی کی حمید اور ناگر نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ لیکن فریدی بدستور کھڑا مسکراتا رہا۔ ناگر بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"مارنا مت۔" دفعتاً فریدی چیخا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے ان تینوں آدمیوں کے پیچھے کھڑے ہوئے کسی آدمی کو مخاطب کیا ہو۔ تینوں چونک کر مڑے لیکن دوسرے ہی لمحے میں ان کے ریوالور زمین پر تھے اور فریدی اُن پر پل پڑا تھا۔ وہ تینوں ایک ساتھ پیچھے کی طرف الٹ گئے۔

حمید نے بے تحاشہ چھلانگ لگائی اور زمین پر پڑے ہوئے ریوالوروں پر قبضہ کرلیا۔

"ابے او گیدڑ کے بچے۔" حمید نے ناگر کو للکارا۔ لیکن اس نے سر اٹھانے کی بھی ہمت نہ کی وہ اسے اُسی حال میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ فریدی ان تینوں سے گتھا ہوا تھا۔

"ہینڈز اپ۔" حمید آہستہ سے بولا اور فریدی انہیں چھوڑ کر الگ ہٹ گیا اور ان تینوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھالئے۔

تھوڑی دیر بعد حمید اور ناگر انہیں رسیوں سے جکڑ رہے تھے اور فریدی ریوالور لئے کھڑا تھا۔

"اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "تم دونوں یہیں ٹھہرو میں ابھی آیا۔"

وہ باہر چلا گیا اور حمید قیدیوں کے چہروں سے نقاب نوچنے لگا۔

"ان میں سے کسی کو پہچانتے ہو۔" حمید نے ناگر سے پوچھا۔

ناگر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

وہ تینوں سر جھکائے زمین پر بیٹھے رہے۔

"تمہیں کس نے بھیجا تھا۔" حمید نے انہیں مخاطب کیا۔

لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ ان میں سے دو تو خائف نظر آتے تھے۔ لیکن ایک کے چہرے پر اب بھی خوفناک عزائم کی جھلک تھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی اندر داخل ہوا۔

تینوں کو اٹھایا گیا۔ ان کے ہاتھ ان کی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

باہر کھڑی ہوئی کار میں انہیں دھکیل دیا گیا۔ اگلی نشست پر فریدی اور ناگر بیٹھے پچھلی پر حمید اور مجرموں میں سے دو نیچے تھے اور تیسرا سیٹ پر۔

"تعاقب کا خیال رکھنا۔" فریدی نے حمید سے کہا اور کار اسٹارٹ کردی۔

حمید پچھلے شیشے سے سڑک کی طرف دیکھتا رہا.... پھر ان کی کار جنگل کی طرف مڑ گئی۔

پل کے قریب والے کوارٹر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے جاتے وقت اسے بند کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ ان کے جانے کے تقریباً آدھ گھنٹے بعد ایک دوسری کار آکر وہاں رکی اور اس پر سے ایک آدمی نیچے اترا۔ اس کے علاوہ اس کار میں اور کوئی نہیں تھا۔

اُس نے بھی اپنا چہرہ سیاہ نقاب سے چھپا رکھا تھا۔ وہ چند لمحے کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کوارٹر کے دروازے کے قریب آکر رک گیا۔ شاید وہ آہٹ لے رہا تھا۔ اُس نے جھانک کر اندر دیکھا۔ پھر ایک کنکری اٹھا کر کوارٹر کے اندرونی سائبان پر پھینکی۔ ٹین کا سائبان بج اٹھا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی آواز نہ سنائی دی۔

دوسرے لمحے میں وہ کوارٹر کے اندر تھا۔ صحن میں ایک کرسی الٹی ہوئی ملی جس کا ایک پایہ ٹوٹا ہوا تھا۔ تینوں قیدیوں کے نقاب فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں اٹھا کر دیکھا اور ایک عجیب طرح کی آواز اس کے منہ سے نکلی جو کسی بھیڑیئے کی غراہٹ سے بہت کچھ مشابہ تھی۔

پھر وہ برآمدے میں آیا چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا۔ کمرے کا بلب روشن

کمرے میں اُسے ناگر کے بھیگے ہوئے کپڑے ملے جنہیں اس نے بہت احتیاط سے اپنے میں پکڑ لیا۔ تھوڑی دیر کمرے کی مختلف چیزیں الٹنے پلٹنے کے بعد وہ کمرے سے نکل آیا۔ ناگر کپڑے کار میں ڈال دیئے۔ اگلی سیٹ سے ایک چھوٹا سا صندوق اٹھایا جس سے ایک بڑا سا تار رہا تھا۔ زمین پر جھک کر اُس نے فریدی کی کار کے نشانات دیکھے اور وہ صندوق ایک پہیے کے پر رکھ دیا۔ تار کا سلسلہ موٹر کی بیٹری سے ملاتے ہی صندوق کی سطح روشن ہو گئی۔ صندوق کا حصہ دراصل شیشے کا تھا۔ اس کے نیچے ایک بڑی سی سوئی تھی جو آہستہ آہستہ حرکت کر تھی۔ سوئی کے گردو پیش بے شمار چھوٹی چھوٹی آڑی، ترچھی، اور سیدھی لکیریں تھیں۔ کہیں قوسین، دائرے اور زاویئے بھی نظر آرہے تھے۔ سوئی اپنا چکر پورا کرنے سے قبل ہی جگہ رک گئی۔ اُس نے جھک کر دیکھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی کار بھی اُدھر ہی جارہی تھی جدھر فریدی کی گئی تھی۔

رات ڈھل رہی تھی اور چاند افق کی طرف جھک رہا تھا۔ سناٹے کی چادر کائنات پر محیط چھپول کے جنگلوں میں گھستے ہی فریدی کو کار کی رفتار کم کردینی پڑی تھی راستہ ناہموار بار بار حمید سوچنے لگتا تھا کہ کہیں کار الٹ ہی نہ جائے۔ چاند کے غروب ہوتے ہی اندھیرا پھیل گ

دفعتاً حمید کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"تعاقب....!"

"کیا....؟"

"جی ہاں.... جھاڑیوں میں.... ابھی دور ہیڈ لائٹیں چمکیں تھیں.... غالباً کوئی کار ہی

"کک.... کون؟" ناگر ہکلا کر رہ گیا۔

تینوں قیدیوں نے اچھلنا شروع کردیا تھا۔

"ذرا ان کی کنپٹی سہلاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کے تین ہی گھونسوں نے انہیں خاموش کردیا۔ گھونسے کنپٹیوں پر مارے گئے تھے۔

"ان میں سے کوئی ہوش میں تو نہیں۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

حمید انہیں اچھی طرح ہلا کر دیکھنے کے بعد بولا۔ "سب ٹھیک ہے۔ اوہ وہ روشنی پھر.... ب ہی معلوم ہوتی ہے۔"

فریدی نے کار روک دی لیکن انجن بند نہیں کیا۔ پھر وہ ناگر کو بازو سے پکڑ کر اتر گیا۔ حمید کے پیچھے تھا۔

وہ تینوں قریب کی جھاڑیوں میں چھپ گئے۔

تھوڑی دیر بعد انہیں سچ مچ ایک کار دکھائی دی جو اُن کی کار سے تھوڑے فاصلے پر رک گئی اور اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی ان کی کار کے پچھلے حصے پر پڑ رہی تھی۔ حمید نے ریوالور نکال ایک آدمی کار سے اُتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔

"شش....!" فریدی حمید کا بازو پکڑ کر آہستہ سے بولا۔ "اسے کار کے قریب آنے دو۔"

اس آدمی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریدی کی کار کی طرف بڑھنے کا ارادہ ہا ہو۔ وہ چند لمحے اسی طرح کھڑا رہا.... پھر اپنی کار میں بیٹھ کر اسے پیچھے کیطرف لے جانے لگا۔

"چلو بڑھو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "کوئی خطرناک ارادہ۔ اس کے قریب ہی رہو۔"

وہ تینوں اُس کی کار کے ساتھ ہی ساتھ پیچھے کی طرف چلتے رہے۔ کار کافی پرانے ماڈل کی اور تھی۔ اس لئے اس کا انجن خاصا شور مچا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فریدی نے جھاڑیوں کی کھڑاہٹ کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ انجن کے شور میں جھاڑیوں کی آوازیں جائیں گی۔ تقریباً ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار رک گئی اور انجن بند ہو گیا۔ کی اور سناٹے کا وہی عالم تھا۔

"آخر یہ کیا کرنے جارہا ہے۔" حمید نے سرگوشی کی۔

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی بولا۔

ناگر کانپ رہا تھا۔

"اماں تم آدمی ہو یا بید مجنوں۔" فریدی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ریوالور کی سامنے ہی رکھنا، ورنہ کہیں اپنے ہی گولی نہ مار لو۔"

پھر وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ضرورت کے وقت فائر کرنے کی اجازت ہے۔"

وہ تینوں سینے کے بل رینگتے ہوئے جھاڑیوں سے نکلے.... لیکن کار بالکل خالی تھی۔

"وہیں مار لیتے تو بہتر تھا۔" حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک زوردار دھماکا سنائی دیا۔ پھر دوسرا اور ایسا معلوم ہوا جیسے پورے جنگل میں آگ لگ گئی ہو۔

"بھاگو....!" فریدی حمید کا ہاتھ کھینچتا ہوا بولا۔

وہ تینوں تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑ رہے تھے۔

"آخر.....بب.....بات کیا ہے۔" حمید ہانپتا ہوا بولا..... ایک دھماکا اور ہوا۔

"شاید اُس نے کار پر بم مارا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اب ادھر اُدھر پھینک رہا ہے۔"

"مم.... مسٹر کیو....!" ناگر نے روتی آواز میں پوچھا۔

پھر دھماکہ ہوا۔ کار کے انجن کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

"جھاڑیوں میں.... گھسیں؟" حمید نے پوچھا۔

"بس بھاگتے رہو..... ایسی حماقت نہ کرنا۔ یہ بم غالباً ادھر ادھر کی جھاڑیوں ہی میں جا رہے ہیں۔"

"تب تو مارے ہی گئے۔ میں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"بیٹے! حمید خاں! اس وقت اُس سے الجھنا ٹھیک نہیں۔ معلوم نہیں اسکے پاس کتنے اور بم ہوں۔"

کار کی ہیڈ لائیٹس کا عکس سامنے کی جھاڑیوں کے اوپری حصے پر پڑ رہا تھا۔ کار شاید کسی نشیب میں تھی۔ ایک دھماکہ کہیں قریب ہی ہوا اور تیز قسم کی روشنی کے ساتھ ہی انہوں نے آنچ بھی محسوس کی۔ دوسرے ہی لمحے میں کار سر پر تھی۔ تینوں نے داہنی طرف کی جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔ فریدی نے پلٹ کر کار پر فائر کیا۔ دو ریوالور اور چلے۔ لیکن کار تیزی سے گزر گئی۔ وہ ابھی تک فائر کئے جا رہے تھے۔

"چلو بس بھی کرو۔" فریدی جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

کار کے انجن کی آواز کہیں دور سنائی دے رہی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ بھی سناٹے میں گھل مل گئی۔

"بڑی چوٹ ہوئی۔" حمید بولا۔

"اس کے علاوہ نہیں کہ اب پیدل چلتے چلتے کچومر نکل جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "بموں کا اسٹاک ختم ہو گیا تھا۔"

"چلئے کار کی خبر لیں۔" ناگر بولا۔

"کار.... شاید کار کے ٹکڑے بھی نہ ملیں۔ کیا تم روشنی نہیں دیکھ رہے ہو۔ آگ چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ بس اب یہاں سے نکل چلو۔"

"مجھ میں اب چلنے کی بھی تاب نہیں۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"چلو تو آؤ میری پیٹھ پر۔" فریدی نے کہا۔

فریدی نے اُسے پیٹھ پر لاد لیا۔ آگ پھیلتی جا رہی تھی.... ناگر کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ فریدی اب بھی اتنی ہی آسانی سے دوڑ رہا تھا جتنی آسانی سے اب تک دوڑتا آیا تھا۔ ناگر کی سانس بری طرح پھول رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کاش سانس ہی درست کرنے کا موقع مل جاتا۔

سڑک پر پہنچ کر فریدی نے حمید کو اتار دیا۔ ناگر گر کر زمین پر ہانپنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ مسٹر کیو کے گروہ میں تم سب سے کچے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اگر.... میں.... میں.... آپ کے ساتھ.... نہ ہوتا.... تو.... میرا ہارٹ فیل ہو جاتا۔"

"وہ کار کس کی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"سرکاری۔" فریدی بولا۔ "بھئی جلدی کرو! کم از کم دس میل پیدل چلنا پڑے گا۔"

"کیا بے بسی ہے۔" حمید مضمحل سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"ہے تو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اگر ایسے میں تمہیں کوئی لڑکی مل جائے تو۔"

"جہنم میں گئی لڑکی۔" حمید غرا کر بولا۔

"کیوں بھئی ناگر۔"

"جی.... مجھے تو آپ مسٹر کیو سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوتے ہیں۔"

"وہ تینوں مفت میں مارے گئے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی چلتے رہو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"مجھے تو اب بھی یقین نہیں کہ میں زندہ ہوں۔" ناگر خوف زدہ آواز میں بولا۔

"کیوں....؟"

"مسٹر کیو! ایسے آدمیوں کو زندہ نہیں چھوڑتا جنہیں سمجھتا ہے کہ وہ پولیس کے ہاتھ لگ

جائیں گے۔"

"مگر! تم کہتے ہو کہ کسی نے اُسے آج تک دیکھا ہی نہیں ہے۔"

"جی ہاں!"

"پھر اسے کس بات کا خوف ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کے ساتھیوں کو پولیس پکڑ بھی لے تو خود اس پر ہاتھ پڑنا محال ہے۔"

وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ کسی کو اس کا نام ہی معلوم ہو سکے۔

"اوہ....!" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ "ٹھیک ہی تو ہے۔ اگر پولیس کو یہ معلوم ہو کہ کوئی مجرم سیکرٹ سروس والوں کی ٹیلی فونک ٹرانسمشن سروس استعمال کر رہا ہے تو اسے بند کردے گی اور مسٹر کیو ایک بہت بڑی آسانی سے محروم ہو جائے گا۔"

"تب تو یار ناگر۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں مر ہی جانا چاہئے۔"

"جج....جی...." ناگر چلتے چلتے رک گیا۔

"ہاں! تمہیں مر جانا چاہئے۔"

"لیکن....!" وہ تھوک نگل کر بولا۔ "آپ نے وعدہ کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں مسٹر کیو سے بچاؤں گا۔ لہٰذا میں اسی وقت تمہیں دو بار بچا چکا ہوں۔ لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تمہیں زندہ رہنے دوں گا۔"

ناگر کے منہ سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں جیسے اُسے فرنجک ہو گئی ہو۔

"چپ رہو گھاس....!" حمید اس کی پیٹھ پر گھونسہ جھاڑ کر بولا۔

"میں مر جاؤں گا۔" ناگر نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

"اچھا! تو لڈو بانٹنے کی بات ہو رہی تھی۔" حمید نے بڑے بے دردی سے قہقہہ لگایا۔ "ظاہر ہے کہ مارے جاؤ گے تو ضرور مر جاؤ گے۔"

"مجھے معاف کر دیجئے۔" ناگر گھگھیا کر بولا۔

"ابھی نہیں! مر جاؤ گے تب۔" حمید نے جھلا کر کہا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"واقعی تم بڑے ڈرپوک ہو۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "مجھے حیرت ہے کہ مسٹر کیو جیسے محتاط آدمی نے تمہیں کس طرح اپنے گروہ میں شامل کر لیا تھا اور مجھے تو اب اس میں بھی شک

کہ تم منشیات کی ناجائز تجارت کرتے رہے ہو۔ ایسے لوگ بھی تھوڑے کیا کافی دلیر ہوتے ہیں۔"

ناگر کچھ نہ بولا۔

"خیر میں تمہیں خود نہیں ماروں گا۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تمہیں خودکشی کرنی پڑے گی۔"

"خودکشی۔"

"ہاں.... ظاہر ہے کہ مسٹر کیو نے تمہیں ہپنوٹائز کر کے خودکشی ہی کے لئے بھیجا تھا اور اُس نے تمہارے پیچھے کسی کو لگا بھی دیا تھا جس نے اسے اطلاع دی کہ تم مرنے سے بچا لئے گئے ہو۔"

"پھر....؟"

"پھر یہی کہ تمہیں خودکشی کر ہی لینی چاہئے ورنہ مسٹر کیو کو بڑا دکھ ہوگا اور میں نہیں چاہتا کہ اس بے سہارا یتیم کا دل دکھے۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔" ناگر خوفزدہ آواز میں ہنسا۔

"ویسے! تم رہتے کہاں ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہمیں جانا کہاں ہے۔" حمید نے جھلا کر پوچھا۔

"بکومت.... ہاں.... تم نے نہیں بتایا۔"

"پرنس لین میں۔"

"مالدار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ پھر قدرے توقف سے پوچھا "اور کون کون ہے تمہارے ساتھ۔"

"کوئی نہیں.... میں تنہا رہتا ہوں۔"

"تب خودکشی کے لئے گھر ہی مناسب رہے گا۔"

"نہیں! نہیں۔" ناگر کانپتا ہوا بولا۔ "میں بالکل ویسا ہی محسوس کر رہا ہوں.... دریا میں کودنے سے قبل.... نہیں.... میں خودکشی نہیں کروں گا۔"

"کیا محسوس کر رہے ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"بالکل یہی کہ مجھے خودکشی کر لینی چاہئے۔ دریا میں کودنے سے قبل بھی یہی ایک خیال میرے ذہن میں تھا کہ مجھے دریا میں کود جانا چاہئے.... نہیں نہیں میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"تم اپنے گھر میں خودکشی کرو گے۔" فریدی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔
ناگر کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔

خفیہ پیغام

تیسرے دن پرنس لین کی کوٹھی نمبر گیارہ میں ناگر کی لاش پائی گئی۔ داہنی کنپٹی پر گولی تھی۔ پولیس کو اس نتیجے پر پہنچنا پڑا کہ وہ خودکشی کا کیس تھا۔ کیونکہ قریب پڑے ہوئے ریوالور دستے پر مرنے والے ہی کے انگلیوں کے نشانات ملے تھے۔ کوٹھی کی تلاشی لینے پر کافی مقدار کوکین برآمد ہوئی اور پھر کچھ کاغذات بھی ملے۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ مرنے والا بڑے پیما پر منشیات کا ناجائز لین دین کرتا تھا۔

کوٹھی کے باہر کافی بھیڑ تھی جس میں اخباروں کے رپورٹر بھی تھے۔ پولیس نے کسی کو اندر نہیں جانے دیا۔ سرجنٹ حمید تھوڑی دیر تک کھڑا لوگوں کی چہ میگوئیاں سنتا رہا پھر وہاں چل پڑا۔ اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کا چشمہ.... لا شکاریوں جیسا پہن رکھا تھا۔ اُس نے ایک ٹیکسی کی اور پھر روزنامہ نیو اسٹار کے دفتر کے قریب اُتر گ

دفتر کے سامنے والے ریستوران میں داخل ہو کر اُس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ دوسر کنارے پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری اور حمید تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا رہا؟" اس آدمی نے پوچھا۔

"تمہاری خودکشی خاصی کامیاب رہی۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

ناگر ہنسنے لگا۔ اس کے چہرے پر بھی فریدی نے اپنی استادی دکھائی تھی۔ اتنا شاندار میک ا تھا کہ خود ناگر ہی پہلے اچنبھے میں پڑ گیا تھا۔

"کافی بھیڑ ہو گی۔" ناگر نے پوچھا۔

"کچھ مت پوچھو تمہاری شادی پر بھی اتنے آدمی اکٹھا نہ ہوتے۔"

"لیکن لاش کہاں ملی تھی۔"

"اوہ! یہ بھی کوئی بڑی بات ہے۔" حمید اپنی نقلی مونچھوں کو اینٹھتا ہوا بولا۔ "سول ہسپتال ے ایک لاوارث مردہ لے کر اُس پر تمہارا میک اپ کر دیا گیا۔"

"لیکن.... مردے میں خون کہاں سے آیا ہو گا۔"

"یار تم ڈیوٹ ہو! ارے بکرے کا خون۔ ویسے تم بھی کسی بکرے سے کم نہیں ہو۔" حمید نے ہا "اب تم خودکشی کی وجہ بھی پوچھو گے۔"

"یقیناً....!"

"تمہارے مسٹر کیو کو مطمئن کرنے کے لئے۔ ورنہ وہ تمہیں پاتال میں بھی نہ چھوڑتا۔"

"کوئی اور وجہ۔" ناگر نے پوچھا۔ "ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کو مجھ سے ہمدردی نہیں ہو سکتی۔"

حمید تھوڑی دیر تک اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"مجھے اب بھی تم پر شبہ ہے۔"

"کس بات کا۔" ناگر چونک کر بولا۔

"یہی کہ کہیں تمہاری کھوپڑی میں بھس کے بجائے عقل تو نہیں بھری ہوئی ہے۔" حمید ہا اور اشارے سے ایک ویٹر کو بلا کر اس سے بولا۔

"ایک کام کرو گے.... اوہ اچھا.... ٹھیک! یہ سامنے اخبار کا دفتر ہے نا! یہاں ایک مس ہیں.... جانتے ہو گڈ.... تو یہ لفافہ انہیں دے آؤ۔ کیا سمجھے؟"

حمید نے اس طرح اسے آنکھ ماری جیسے اس لفافے میں کوئی عشقیہ خط ہو۔

"اور یہ لو اپنا انعام۔" اُس نے ایک روپیہ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ویٹر سلام کر کے چلا گیا۔

"کیوں اُستاد۔" ناگر اپنی ایک آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"ناگر....!" حمید نے سنجیدگی سے اُسے مخاطب کیا۔

"فرمایئے۔"

"تم نے کبھی عشق کیا ہے۔"

"کس سے۔"

"کسی سے۔"

"ہاں....!" ناگر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مجھے زندگی کے ہر حصے میں دولت سے عشق رہا ہے۔"

"دھت....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "تم فلسفی معلوم ہوتے ہو.... خیر
تمہیں کنول نہیں پسند آئی تھی۔"

"دولت کسی ایک کنول کی پابند نہیں ہوتی۔" ناگر مسکرا کر بولا۔ "مگر وہ دوسری.... لڑ
میں اُسے کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"او ہو! بر سبیل تذکرہ.... یہ تو بتاؤ کہ اس رات کیا مجھے پہچان کر بے وقوف بنایا گیا تھا"

"قطعی....!" ناگر سر ہلا کر بولا۔ "کنول تمہیں پہچانتی تھی۔ اُس نے تو یہاں تک بتادیا تھا
وہ کیڈیلاک مسٹر فریدی کی تھی۔ حمید صاحب! میرا خیال ہے کہ کنول اس گروہ کے بہتر
دماغوں میں سے ہے اور اس حبشی کی تو اس سے روح فنا رہتی ہے۔"

"ہے زوردار....!" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"دنیا کی مکار ترین لڑکی کہہ لو۔" ناگر بولا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ناگر ہی بولا۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"ہدایات کا انتظار۔"

"مسٹر فریدی کہاں ہوں گے۔"

"خدا ہی جانے! تمہارے مسٹر کیو کو بھی دانتوں پسینہ آجائے گا۔"

"میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔" ناگر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا یہ کم حیرت انگیز
کہ میں نے خودکشی بھی کرلی ہے اور زندہ بھی ہوں۔ میری جگہ دراصل جیل خانہ میں ہونی چا
تھی۔ لیکن محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کے ساتھ بیٹھا غپیں مار رہا ہوں۔"

"شش....!" حمید نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کی نظریں دروازے کی رف ا
ہوئی تھیں جہاں کرائم رپورٹر انور[1] اور محکمہ سراغ رسانی کا بوڑھا انسپکٹر آصف داخل ہو رہے تھے

انور ایک جواں سال خوبصورت، ذہین مگر لاپرواہ آدمی تھا۔ بظاہر تو ایک معمولی کرائم رپو
تھا۔ لیکن شہر میں ہونے والے جرائم سے اس کا تھوڑا بہت تعلق ضرور ہوا کرتا تھا۔ لیکن
ہوشیار تھا کہ قانون کی گرفت میں آنے سے قبل ہی کوئی نیا فتنہ کھڑا کر کے الگ ہو جاتا۔ مح
کے آفیسروں میں فریدی کے علاوہ اور کسی سے نہیں دبتا تھا۔ فخریہ کہتا تھا کہ میں فریدی کا شا

[1] انور اور رشیدہ کے کارناموں کے لئے جلد نمبر 4 اور جلد نمبر 5 ملاحظہ فرمائیے۔

دل رشیدہ اس کی دوست تھی۔ دونوں ایک ہی دفتر میں کام کرتے تھے اور ایک ہی فلیٹ میں
تے تھے۔ رشیدہ کافی حسین مگر مضبوط اعضاء کی لڑکی تھی۔ چال ڈھال میں نسوانیت کی بجائے
اغ قسم کی مردانگی رکھتی تھی۔

انسپکٹر آصف محکمہ سراغ رسانی کے ان آفیسروں میں سے تھا جو عموماً دوسرے کے کاندھے
رکھ کر بندوق چلانے کے قائل تھے۔ اس پر جب بھی کوئی آفت آتی وہ انور کے پیچھے لگ جاتا۔
ں سے مدد کا طالب ہوتا، کبھی خوشامدیں کرتا اور کبھی دھونس دھڑلے سے کام نکالنے کی کوشش
رتا۔ انور اُسے عموماً "بوڑھے بیٹے" کہہ کر مخاطب کرتا۔ وہ تینوں حمید اور ناگر کے قریب ہی ایک
الی میز پر آبیٹھے۔

انور آصف سے کہہ رہا تھا۔ "چلو جلدی سے آرڈر پلیس کرو۔"

"تم ہمیشہ گردن ہی کاٹنے کی فکر میں رہتے ہو۔" آصف ہنس کر بولا۔ "خیر.... بوائے۔"

اس نے ویٹر کو بلا کر تین آدمیوں کے لئے لنچ کا آرڈر دیا۔

"ہوں.... اب کہہ چلو۔" انور رشیدہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"ظاہر ہے کہ تم اس موقع پر نچلے نہ بیٹھو گے۔" آصف نے کہا۔ "میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ
ر مجھ سے مل کر کام کرو تو کیا حرج ہے؟"

"چلو منظور ہے۔ میں مرتے دم تک تم سے مل کر کام کرتا رہوں گا۔ کام بھی تو بتاؤ۔"

"اڑنے لگے آخر! میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔"

"خیر یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"آخر وہ رائفل.... کس کی ہو سکتی ہے۔" آصف نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری ہی ہے۔" انور نے سنجیدگی اور لاپروائی سے کہا۔

"پھر وہی۔" آصف بگڑ کر بولا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

حمید اور ناگر آئس کریم کھانے میں مشغول تھے۔

"تمہارے استاد۔" آصف تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ "تو نہ جانے کس چوہے کی بل میں
جا گھسے ہیں۔"

"اور آخیر میں یقیناً کسی ہاتھی کی سونڈ پکڑے ہوئے برآمد ہوں گے۔" انور بولا۔

"ہونہہ.....!" آصف نے بُرا سا منہ بنایا۔

ویٹر نے کھانا میز پر لگا دیا تھا۔

"بہر حال تم اطلاعات چاہتے ہو۔" انور نے کہا۔ "لہٰذا سب سے بڑی اطلاع یہ ہے کہ اب تک میں تو خود ہی اندھیرے میں ہوں۔"

"میں اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"تم تو شائد اسے بھی تسلیم نہ کرو کہ بعض اوقات تم بڑے حسین معلوم ہوتے ہو۔ ا برسبیل تذکرہ میرے پاس سگریٹ بھی نہیں ہیں۔"

"تم ڈاکو ہو۔" آصف بگڑ کر بولا۔ "میرے پاس زیادہ پیسے نہیں ہیں۔"

"کیوں! کیا اب اس فیشن ایبل بوڑھی عورت سے کچھ نہیں ملتا جس نے مارٹن روڈ پر خانہ کھول رکھا ہے۔"

آصف تحیر آمیز نظروں سے انور کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر کچھ بڑبڑاتے ہوئے اس نے ج سے پرس نکالا۔

انور نے ویٹر کو آنکھ کے اشارے سے بلا کر آہستہ سے کہا۔ "اسٹیٹ ایکسپریس کے دو ٹن۔

"دو نہیں ایک۔" آصف جھلا کر بولا۔

"اس عورت کے پاس ایک لڑکی بھی.....!"

آصف نے انور کو جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ دس کا ایک نوٹ نکال کر ویٹر کے ہاتھ میں تھ ہوا جلدی سے بولا۔ "چلو بھاگ کر جاؤ دو ہی لانا۔"

پھر وہ قہر آلود نظروں سے انور کو گھورنے لگا۔ رشیدہ دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرا رہی تھ

"آج کل میں بڑی پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔" انور سر جھکائے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "فلیٹ تین ماہ کا کرایہ چڑھ گیا ہے۔ لانڈری والے نے تقاضوں کی بھرمار کر رکھی ہے۔ رشیدہ کا ا قرض دار ہوں۔"

"یار تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔" آصف بے بسی سے بولا۔

"صرف دو سو روپے مجھے بطور قرض دے دو۔" انور اسی طرح سر جھکائے ہوئے بولا۔ "ا پائی ادا کر دوں گا۔"

"میں کوئی قارون ہوں۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"خیر نہ دو۔" انور نے معصومیت سے کہا۔ "ویسے میں دوسرا طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہوں۔"

"تم کچھ نہیں کر سکتے۔" آصف بھڑک اٹھا۔

"یہ تو تم سچ کہہ رہے ہو۔" انور نے ٹھنڈے پانی کا گلاس چڑھا کر پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

سگریٹ آ گئے اور ویٹر میز صاف کر کے چلا گیا۔ آصف انور کو بدستور گھورتا رہا۔

"تم خود کو نہ جانے کیا سمجھنے لگے ہو۔" اُس نے کہا۔

"ایک ایسا یتیم جو قطعی بے سہارا ہو۔" انور مسمسی صورت بنا کر بولا۔

آصف کی جھلاہٹ اور بڑھ گئی اور وہ رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔

"تم بھی نہیں سمجھاتیں اسے! مجھے یقین ہے کہ کسی دن بڑی مصیبت میں پھنس جائے گا۔"

"کبھی کبھی سمجھا دیا کرو بھئی۔" انور نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ ہنس پڑی۔

آصف بل ادا کر کے اٹھنے لگا۔

"تو تم میری مدد نہیں کرو گے۔" انور نے کہا۔

"نہیں.... نہیں.... نہیں۔"

"خیر اب اس عورت کی خیر نہیں.... اور جو کچھ بھی بیان وہ عدالت میں دے گی ظاہر ہے۔"

"تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔"

"جتنی بھی طرح دیتا ہوں اتنا ہی تم سر پر چڑھتے ہو۔"

"خیر اگر میں سر پر چڑھا ہوتا تو تم ٹوٹی ہوئی ہڈیوں اور لوتھڑوں کا ڈھیر ہوتے۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔" آصف ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھتا ہوا بولا۔

"تم میری مدد کرو! میں تمہاری مدد کروں گا اور ساتھ ہی دعا کروں گا کہ خدا میرا اور تمہارا بیڑا پار کر دے۔"

"تم مجھ سے ایک حبہ بھی نہیں لے سکتے۔"

"تمہاری مرضی! میں زبردستی کا قائل نہیں۔" انور نے آہستہ سے کہا اور اس کے چہرے پر فرشتوں کی سی معصومیت نظر آنے لگی۔

"اچھا پچھلے ہی مہینے میں مجھ سے ڈھائی سو لے چکے ہو۔"

"یہ بھی تو سوچو کہ تم نے پچھلے مہینے میں لوہے کی چور بازاری کے سلسلے میں ڈیڑھ ہزار کمائے تھے۔"

"آہستہ بولو۔" آصف ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔ "عجیب لغو آدمی ہو۔"

"بہر حال اگر تم نے ڈیڑھ ہزار میں سے ڈھائی سو نکال دیئے تو کون سا بڑا کمال کیا۔"

"میں ایک پائی بھی نہ دوں گا۔"

"مانگتا کون ہے تم سے۔" انور بھی بگڑ کر بولا۔ "میں براہِ راست اسی سے معاملہ طے کرلوں گا۔"

"کیا....!" آصف اچھل کر بولا۔ "تم اس سے بات بھی نہیں کر سکتے۔"

"بات!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں اسے فلمی گیت تک سناؤں گا۔"

"خیر دیکھ لوں گا۔"

"تمہاری آنکھیں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ چشمہ لگا کر دیکھنا۔"

"اچھا....!" آصف دانت پیستا ہوا بولا۔ "دیکھا جائے گا۔"

وہ تیزی سے ریستوران سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد ہی ناگر اور حمید بھی اٹھ گئے۔

رشیدہ انور کو مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تم کسی دن ضرور پھنسو گے۔" اس نے کہا۔

"شکار نکل گیا۔" انور ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"ہر مہینے تو لوٹتے ہو! غریب، کو۔"

"غریب کہتی ہو۔ اس لکھ پتی کو۔ اس سے بڑا راشی شاید پورے محکمے میں کوئی نہ ہو۔"

"حالت تو چماروں جیسی بنائے رکھتا ہے۔"

"نوابی کر کے گردن تھوڑا ہی کٹوائے گا۔" انور بولا۔

"ابھی ابھی فریدی صاحب کا خط ملا۔" رشیدہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کیا لکھا ہے؟"

"جیمس اینڈ جعفری کی فرم کے لئے ایک لیڈی اسٹینو ٹائپسٹ کی جگہ نکلی ہے! آج ہی انٹرویو فریدی صاحب نے لکھا ہے کہ میں انٹرویو میں جاؤں۔"

"تو گویا.... وہ چاہتے ہیں کہ تم اس فرم میں ملازمت کرلو۔"

"اور کیا....؟"

"میرے لئے کچھ نہیں لکھا۔"

"نہیں.... بہت ممکن ہے کہ آگے چل کر تم بھی جھونکے جاؤ۔"

"شاید یہ میرے لئے پہلا اتفاق ہے کہ شہر میں ہونے والے کسی جرم کے متعلق لاعلم ہوں۔"

رشیدہ کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"اوہ....!" انور پر خیال انداز میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ وہی رائفل والا چکر ہے۔ وہ کہاں۔ یہ سب کچھ نہیں لکھا۔"

"خط کس سے ملا۔"

"یہیں کے ایک ویٹر سے۔"

"ہوں۔ میرا خیال ہے کہ فریدی صاحب کے ہاتھ کوئی کڑی آگئی ہے۔ اسی لئے ان پر حملہ ہوا تھا۔"

"ہو سکتا ہے.... وہ مائیکروفون والا معاملہ بھی معمولی نہیں تھا۔"

"اور شاید وہی حملے کا باعث بھی تھا۔ فریدی صاحب کے اس انکشاف نے اس عجیب و یب اسلحے کو قریب قریب بیکار ہی کر دیا۔"

"سرجنٹ حمید کا بھی کہیں پتہ نہیں۔" رشیدہ بولی۔

"ساتھ ہی ہوگا۔"

"اچھا تو اب وقت ہو رہا ہے.... میں چلی۔" رشیدہ کلائی کی گھڑی دیکھ کر اٹھتی ہوئی بولی۔

"کچھ پیسے ہیں تمہارے پاس۔" انور نے کہا۔ "تنخواہ پر لے لینا۔"

"ایک پائی بھی نہیں.... میں نہیں دے سکتی۔"

"نہ جانے کیوں آج بہت حسین لگ رہی ہو۔"

"نہیں میں حبشن ہوں۔" رشیدہ نے منہ بنا کر کہا اور باہر نکل گئی۔

انور انتہائی تلخی سے ہونٹ سکوڑے ہوئے سیٹی بجانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ڈراؤنا آدمی

جیمس اینڈ جعفری کا دفتر رحمٰن لاج کے تین چار فلیٹوں پر مشتمل تھا۔ شہر کی بڑی فرموں میں جیمس اینڈ جعفری کا بھی شمار ہوتا تھا۔ فرم کا ایک پارٹنر جعفری ہی اس کا جنرل منیجر بھی تھا۔ دوسرے حصے دار غیر ملکی تھے۔ جیمس سب سے بڑا حصہ دار اور ہالینڈ کا باشندہ تھا لیکن وہ یہاں نہیں رہتا تھا۔ اس کی یہاں کی تجارت کی دیکھ بھال اس کا مختار مسٹر ہرشفیلڈ کرتا تھا۔ وہ بھی ہر ماہ کے اختتام ہی پر دفتر میں آتا تھا۔ مختصر یہ کہ فرم حقیقتاً جعفری ہی کی کارکردگی کی بناء پر چل رہی تھی۔

جعفری کے کمرے کے سامنے ایک بڑا کمرہ تھا جس میں اس کی سیکریٹری راحیلہ بیٹھتی تھی اور شاید یہی کمرہ ملاقاتیوں کے لئے بھی تھا۔ حالانکہ انٹرویو کا وقت دو بجے تھا لیکن نو ہی بجے سے امیدوار آنے لگی تھیں۔ دو بجتے بجتے تو خاصی بھیڑ ہوگئی۔ ان میں سبھی نوجوان اور قبول صورت تھیں۔ جو نہیں بھی تھیں انہوں نے بننے کی کوشش کی تھی۔ انہیں میں رشیدہ بھی نظر آرہی تھی۔ ابھی تک اس کا نمبر نہیں آیا تھا۔ انٹرویو کے لئے اندر جانے سے پہلے ہر لڑکی اپنے پرس سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنے بالوں اور چہرے پر تنقیدی نظریں ضرور ڈالتی تھی۔ بعض اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی نئی تہہ چڑھانے لگتیں۔ رشیدہ نے اپنا پرس ٹٹولا لیکن اس میں کیا تھا۔ انور اسے ایک کنگھا تک تو رکھنے نہیں دیتا تھا۔ لپ اسٹک تو خیر اس نے برسوں سے نہیں استعمال کی تھی۔ انور کا قول تھا کہ لپ اسٹک لگانے سے حسن کی عصمت دری ہو جاتی ہے اور چہرے سے فاحشہ پن ٹپکنے لگتا ہے۔ البتہ ہلکے سے پاؤڈر اور اتنے ہلکے سے روج پر کہ سرخی قدرتی معلوم ہو اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

ابھی کئی لڑکیاں باقی تھیں کہ سیکریٹری نے آکر رشیدہ کا نام لیا۔

رشیدہ لاپرواہی سے اٹھی اور اس کے ساتھ ہولی۔ سیکریٹری نے دروازہ کھولا اور رشیدہ جنرل منیجر مسٹر جعفری کے کمرے میں داخل ہوئی۔

دو سرخ اور خوفناک آنکھیں اس کی طرف اٹھیں اور رشیدہ کانپ گئی۔ بھاری جبڑوں اور تیکھے خدوخال کا ایک ڈراؤنا آدمی اُسے گھور رہا تھا۔ اس کے شانے کافی چوڑے اور بھرے ہوئے تھے۔ پیشانی اونچی اور بال گھونگھریالے تھے لیکن نہ جانے کیوں اُن میں کوئی دلکشی نہیں تھی۔

"آہم....!" اس نے غرا کر سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

رشیدہ بیٹھ گئی۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کا حلق خشک ہونے لگا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جسم ریشہ ریشہ کانپ رہا ہو۔

"آہم.... نام....!" وہ غرایا۔

"رشیدہ....!" وہ سر جھکائے ہوئے بولی۔

"تعلیم....!"

"بیچلر آف آرٹس۔"

"نانسنس، گریجویٹ کہو.... لڑکی بھی بیچلر.... ایبسرڈ۔"

"گریجویٹ....!" رشیدہ گھبرا کر بولی۔

"لپ اسٹک کبھی نہیں استعمال کرتیں یا آج ہی نہیں کی۔"

"کبھی نہیں۔"

"گڈ....!"

پھر اس نے اپنی سیکریٹری کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "کوئی اور بھی ایسی ہے جس نے لپ اسٹک لگا رکھی ہو۔"

"جی نہیں۔" سیکریٹری کی کپکپائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

"سب کو رخصت کردو۔" وہ غرایا۔ "اور اگر تم نے بھی اس کا استعمال ترک نہ کیا تو تمہیں رخصت کردیا جائے گا.... سمجھیں۔"

"جی ہاں۔" وہ مری ہوئی آواز میں بولی اور باہر چلی گئی۔

"ڈکٹیشن....!" اس نے رشیدہ کی طرف کاغذ اور پنسل سرکاتے ہوئے کہا۔

رشیدہ کا ہاتھ کانپ رہا تھا لیکن وہ پنسل پکڑ کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ بول رہا تھا اور رشیدہ کا ہاتھ تیزی سے چل رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر ایک بار بھی اس سے نظریں چار ہو گئیں تو وہ جسمانی اور ذہنی دونوں حیثیتوں سے بیکار ہو جائے گی۔

"بس....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "جاؤ اسے ٹائپ کرو۔"

رشیدہ کمرے سے چلی آئی۔ بڑے کمرے میں سیکریٹری کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنی میز پر سر اوندھائے بیٹھی تھی اور اس کے جسم کی متواتر جنبشوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سسک سسک کر رو رہی ہے۔ رشیدہ چپ چاپ بیٹھ کر ٹائپ کرنے لگی۔ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ فریدی نے کہاں پھنسا دیا۔

تھوڑی دیر بعد گھنٹی بجی اور سیکریٹری اچھل کر سیدھی ہو گئی۔ اس نے جلدی جلدی اپنی آنکھیں خشک کیں لباس درست کیا اور اندر چلی گئی۔ رشیدہ نے محسوس کیا کہ اس نے اپنے ہونٹ صاف کر ڈالے ہیں۔

رشیدہ ٹائپ کر چکنے کے بعد انتظار کرتی رہی۔ سیکریٹری اندر تھی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اتنی دیر تک ٹٹول ٹٹول کر ٹائپ کرتی رہی۔ لیکن اس کی بھی ہمت نہیں تھی کہ جعفری کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتی۔

جیسے ہی سیکریٹری کمرے سے نکلی وہ کھڑی ہو گئی۔

"ہو گیا۔" رشیدہ آہستہ سے بولی۔ سیکریٹری نے سر کو خفیف سی جنبش سے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور اپنی میز پر بیٹھ گئی۔

رشیدہ اندر چلی گئی۔

"آہم.... سٹ ڈاؤن۔" جعفری غرایا۔

رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے شیٹ اُس کی طرف بڑھا دی۔

"ٹھیک! پہلے کہاں کام کیا ہے۔"

"نیو اسٹار کے دفتر میں۔"

"وہاں سے کیوں چھوڑا۔"

"زائد سٹاف میں تھی۔"

"آہم! کتنی تنخواہ تھی۔"

"ڈھائی سو۔"

"لیکن یہاں صرف دو سو ملیں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" رشیدہ آہستہ سے بولی۔

"گڈ!" اس نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے رک کر کہا۔ "ایک بات اور.... تم اپنے کام سے کام رکھو گی۔ وہ بات جس سے تمہیں کوئی سروکار نہ ہو اپنی دلچسپیوں کی لسٹ پر نہیں لاؤ گی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"آہم.... کچھ نہیں.... بس۔" اس نے گھنٹی بجائی اور سیکریٹری پھر اندر آ گئی۔

"انہیں کام بتاؤ۔" اس نے ایک کاغذ پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

سیکریٹری رشیدہ کو لے کر بڑے کمرے میں چلی آئی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور ناک کے نتھنے سرخ ہو گئے تھے۔ اس نے ایک فائل نکال کر رشیدہ کے سامنے ڈال دیا۔

"تاریخ وار ٹائپ کرتی جاؤ۔ ایک ایک نقل بھی ہو گی۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

رشیدہ صرف اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ ویسے وہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ وہ فائل سے کاغذات نکال کر ٹائپ کرنے بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد جعفری اپنے کمرے سے نکل کر اُن کی طرف دھیان دیئے بغیر باہر چلا گیا۔ اس کے جوتوں کی چرچراہٹ کافی دیر تک سنائی دیتی رہی۔

رشیدہ ٹائپ کر رہی تھی لیکن اس کا ذہن اسی عجیب و غریب آدمی میں الجھا ہوا تھا اور اس کی سیکریٹری راحیلہ تو اس سے بھی عجیب تر معلوم ہو رہی تھی۔ یہ ایک دبلی پتلی سی کافی خوبصورت لڑکی تھی۔ آنکھیں بڑی اور پلکیں گھنیری تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہر وقت کسی انجانے نشے سے بوجھل رہتی ہوں۔ رشیدہ نے اسے آفس میں روتے دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اگر اپنے مالک کا رویہ اپنے لئے توہین آمیز سمجھتی ہے تو یہاں کیوں پڑی ہوئی ہے جعفری جیسا وحشی بھی آج تک اس کی نظروں سے نہیں گذرا تھا۔ اس نے اس غریب لڑکی سے کتنی بے دردی سے باتیں کی تھیں۔ شاید وہ عورت کا احترام کرنا جانتا ہی نہیں تھا۔

رشیدہ سوچتی رہی اور اس کی انگلیاں تیزی سے **Key Board** پر چلتی رہیں۔ اس نے یہ تک نہ محسوس کیا کہ راحیلہ اس کے قریب ہی آ کر بیٹھ گئی ہے۔

"کیا تمہیں کہیں اور ملازمت نہ ملتی۔" اس نے رشیدہ کو مخاطب کیا اور رشیدہ چونک پڑی۔

"ملازمت کہاں ملتی ہے آج کل۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"دو ہی تین ہفتوں میں تمہارے گالوں کی ہڈیاں اُبھر آئیں گی۔"

"کیوں....!"

"اوہ! کیا تم نے کچھ نہیں محسوس کیا۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ "کیا وہ آدمی ہے درندہ وحشی....!"

"لیکن.... یہی میں بھی سوچ رہی تھی کہ آخر تم....!"

"میں....!" وہ رشیدہ کی بات کاٹ کر بولی۔ "میں مجبور ہوں۔ میری ایک اندھی بیو ہے چھ بھائی بہن ہیں۔ وہ سب چھوٹے ہیں۔ اگر میں یہاں ملازمت ترک کردوں تو ان کا کیا مجھے یہاں تین سو روپے ملتے ہیں۔ زہر کی تین سو بوندیں، تین سو خنجر، جو چاہو سمجھ لو۔"

"یہ ہمیشہ ایسا ہی رہتا ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"ہمیشہ.... تم ہر وقت یہی محسوس کرو گی کہ تم پر ایک سانپ پھن اٹھائے مسلط ہے نہیں کب ڈس لے۔"

"تم یہاں کب سے ہو۔"

"ڈیڑھ سال سے.... اور یہ ڈیڑھ سال ایسے معلوم ہوئے ہیں جیسے ڈیڑھ ہزار برس گذ ہوں۔"

"اس فرم کی خاص تجارت کیا ہے۔"

"لوہے کا سامان، سمندر پار کی ادویات، چمڑہ اور بھی کچھ ایسی چیزیں جن کیلئے خاص اسٹاف۔"

"جنرل منیجر کا قیام کہاں ہے۔"

"خدا ہی جانے۔"

"کیوں؟" رشیدہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ ایک قطعی غیر سوشل آدمی ہے۔ کم از کم میں تو قطعی نہیں جانتی کہ وہ کہاں رہتا۔ اس کی کیا مشغولیات ہیں۔"

"بیوی بچے ہیں۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"بیوی بچے۔" راحیلہ زہر خند کے ساتھ بولی۔ "جانوروں کے بیوی بچے نہیں ہوا کر۔

دور کہیں جوتوں کی چرچراہٹ سنائی دی اور راحیلہ اچھل کر اپنی میز پر جا بیٹھی۔ رشـ

انگلیاں Key Board پر دوڑنے لگیں راحیلہ گھبراہٹ میں ایک فائل الٹ رہی تھی۔ جوتوں کی چراہٹ قریب ہوتی جارہی تھی اور پھر کمرہ گونجنے لگا۔ جعفری دونوں کی میزوں کے درمیان رک گیا۔ دونوں اس طرح کام میں مشغول نظر آرہی تھیں جیسے انہیں اس کے آنے کی اع ہی نہ ہو۔ البتہ راحیلہ کانپ رہی تھی۔

"آہم....!" جعفری غرایا۔ "غپیں لڑ رہی تھیں.... لڑکی۔" اس نے رشیدہ کو مخاطب کیا۔ ئی ہو.... لیکن.... آفس ٹائم میں.... صرف کام ہونا چاہئے۔"

وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رشیدہ بدحواسی سے ٹائپ کرتی رہی۔ اس کے چلے جانے کے بعد اس نے سر نہیں اٹھایا۔ اس کی آواز اب تک اس کے سر میں دھمک پیدا کررہی تھی اور راحیلہ بالکل پیلی پڑ گئی تھی۔

چار بجے پوری عمارت گھنٹیوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ رشیدہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ راحیلہ لیں اٹھا اٹھا کر الماری بند کررہی تھی۔ شاید یہ کام ختم ہونے کی گھنٹی تھی۔ رشیدہ بدستور ٹائپ تی رہی۔

"مشین بند کرو۔" راحیلہ نے اس کے قریب آکر کہا۔

"یہ شیٹ تو نکال لوں۔" رشیدہ بولی۔

"نہیں گھنٹی بجنے کے بعد کوئی کام نہیں کرسکتا۔"

"خیر اگر تم کچھ اور بھی سننا چاہتی ہو تو مجھے اعتراض نہیں۔" راحیلہ نے منہ بنا کر کہا اور اپنا ڈبیگ اٹھانے لگی۔

"ٹھہرو۔" رشیدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے جلدی جلدی شیٹ ٹائپ رائٹر سے نکالا اور سرے کاغذات سمیٹ کر فائل میں رکھ دیئے۔

پھر وہ دونوں آفس سے نکل آئیں۔

"تو ہم گہرے دوست ہیں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "آؤ چائے پئیں۔"

"چائے۔" راحیلہ کی آواز کھوئی کھوئی سی تھی۔ "مجھے فوراً ہی گھر پہنچنا ہوتا ہے.... ماں دھی ہے نا۔ دوسری بہنیں بھی چھوٹی ہیں۔ اگر میں تھوڑا بہت وقت تفریحات کے لئے وقف ردوں تو.... مجھے دراصل یہاں سے جاکر کھانا تیار کرنا ہوگا۔"

"تو پھر مجھے اپنا گھر ہی دکھادو۔"

"اوہ بڑی خوشی سے۔" راحیلہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "ضرور چلو، ماں بہت خوش ہوگی میر کوئی دوست نہیں، مجھ جیسی مردہ دل سے کون دوستی کرے گا۔ آج کل دوستیاں تو عموماً کلبوں باروں اور ریستورانوں تک محدود ہوتی ہیں۔ اوہ..... ابھی تک بس نہیں آئی۔"

"ٹیکسی سے چلیں گے۔" رشیدہ نے لاپروائی سے کہا۔

"ٹیکسی....!" راحیلہ نے اس طرح دہرایا جیسے رشیدہ نے ہوائی جہاز کہا ہو۔

"ہاں.... ہاں.... میرے پاس کافی پیسے ہیں۔ میں اکیلی ہی ہوں نا.... کافی پیسے بچتے ہیں۔"

"تم اکیلی ہو۔" راحیلہ اسے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

رشیدہ نے ایک ٹیکسی رکوائی اور دونوں اس میں بیٹھ گئیں۔ پھر اُس نے راحیلہ سے پتہ پو کر شوفر کو بتایا اور ٹیکسی چل پڑی۔ راحیلہ اب تک رشیدہ کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا کوئی مرد دوست نہیں۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"نہیں کوئی نہیں۔" راحیلہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ "میں نے آج تک اس کی ہمت ہی نہیں کی

"کیوں؟"

"میں اپنی ہی ذات سے بڑی خائف رہتی ہوں کہ میرے ہی جذبات مجھے تنکے کی طر جانے کدھر بہالے جائیں گے پھر میری اندھی ماں کا کیا بنے گا۔ میرے ننھے ننھے بھائی بہن۔"

راحیلہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے جنہیں وہ دوسری طرف منہ پھیر کر چھپ کوشش کررہی تھی۔

رشیدہ کچھ نہ بولی اور اس لڑکی کی بیچارگی پر غور کررہی تھی۔ دونوں خاموش تھیں۔

دفعتاً راحیلہ چیخ پڑی.... وہ سامنے ہی دیکھ رہی تھی۔

ٹیکسی کے ڈرائیور کی لاپرواہی تھی یا سامنے سے آنے والی کار میں بیٹھے ہوئے آدمی کی کہ دونوں کاریں بس ایک فٹ کے فاصلے پر رک گئیں۔ بریکوں کی آواز سنائی دی اور وہ دونوں سیٹ کی پشت سے ٹکرا گئیں۔

دوسرے لمحے میں انہوں نے غراہٹ قسم کی آواز سنی جو جنرل منیجر جعفری کی آواز علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی کار سے اُتر کر سیدھا ٹیکسی کی طرف آیا کھڑکی کھولی

شوفر کو گریبان سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ اس نے ان دونوں کی طرف دھیان تک نہ دیا تھا۔ ڈرائیور کو دو تین ہاتھ جھاڑنے کے بعد وہ نہایت سکون سے اپنی کار میں جاکر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

ڈرائیور کئی منٹ تک گالیاں بکتا رہا۔ ٹیکسی کے گرد اچھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہوگئی تھی۔

"کیوں صاحب میری غلطی تھی۔" وہ ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا ان دونوں کی طرف مڑ کر بولا۔

"نہیں....!" رشیدہ نے آہستہ سے کہا۔

"خیر سالے کو پھر کبھی دیکھ لوں گا۔ اُسے بھی یہیں رہنا ہے اور مجھے بھی۔"

ٹیکسی روانہ ہوگئی مگر ڈرائیور بدستور بڑبڑائے جارہا تھا وہ کچھ اس قسم کی باتیں کررہا تھا جیسے شہر میں جتنے بھی قتل ہوتے ہیں اسی کے دم سے اور جتنی بھی بدمعاشیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سب کا روحِ رواں وہی ہے۔ دنیا میں اب تک جتنے بھی سرکش گذرے ہیں انہیں اسی نے نیچا دکھایا تھا۔

رشیدہ اور راحیلہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبانیں پھیر رہی تھیں۔

حمید کی شرارت

تقریباً آٹھ بجے رشیدہ راحیلہ کے گھر سے واپس آئی۔ راحیلہ کے متعلق اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ایک سعادت مند بیٹی اور محنت کرنے والی بہن ہے۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس کی گھریلو زندگی کے متعلق سوچ سوچ کر کافی دیر تک لطف اندوز ہوتی مگر اس کا ذہن تو اپنی فرم کے جنرل منیجر جعفری میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اگر انسپکٹر فریدی نے اسے نہ بھیجا ہوتا تب بھی اور کسی موقع پر اس کی شخصیت رشیدہ کے ذہن پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ضرور پیدا کرتی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ آخر اس نے یہ کیوں کہا تھا کہ وہ اپنے کام سے کام رکھے گی کیا وہاں کوئی ایسا کام بھی ہوتا تھا جو کسی دوسرے کی کھوجی طبیعت میں بے چینی پیدا کرسکتا ہو۔

وہ فٹ پاتھ پر پیدل چل رہی تھی۔ دفعتاً اُس کے قریب سے گذرتے ہوئے دو آدمیوں نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ وہ دبی زبان سے اسی عجیب و غریب رائفل کا تذکرہ کررہے تھے جس نے پُراسرار طریقے پر وزیرِ خزانہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ انداز گفتگو ایسا تھا جیسے

وہ اس کے متعلق کچھ جانتے ہوں اور ان آدمیوں سے بھی واقف ہوں جنہوں نے اسے استعمال کیا تھا۔

رشیدہ چپ چاپ ان کا تعاقب کرنے لگی کیونکہ وہ ان کی حقیقت سے ناواقف تھی۔ ان میں ایک سرجنٹ حمید تھا اور دوسرا ناگر، حمید نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ وہ ابھی تک شکاری ہی والے بھیس میں تھا اور اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں۔ رشیدہ کو دیکھ کر اس کی رگ شرارت پھڑک اٹھی تھی اور اس نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رائفل کا تذکرہ چھیڑا۔ دن بھر کی کوفت کے بعد وہ تھوڑی سی تفریح بھی کرنا چاہتا تھا۔ آج وہ اور ناگر ٹیلی فون ایکسچینج کے گرد منڈلاتے رہے تھے۔ ٹیلی فون ایکسچینج میں اُسی دن محکمہ سراغ رسانی کے دو تین آدمی بحثیت ٹیلی فون آپریٹرز داخل ہوئے تھے۔ انہیں فریدی کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ مسٹر کیو کے پیغامات پر نظر رکھیں اور انہیں نوٹ کر کے اس تک پہنچائیں۔ حمید دن بھر کی رپورٹ لے کر جا ہی رہا تھا کہ رشیدہ نظر آ گئی۔

حمید اور ناگر نے ایک ریستوران کا رخ کیا۔ رشیدہ پیچھے لگی رہی وہ ان کے قریب ہی کی ایک خالی میز پر جا بیٹھی۔ حمید اور ناگر سرگوشیوں میں گفتگو کرتے رہے۔ بظاہر وہ رشیدہ کی طرف سے لاعلم نظر آرہے تھے۔

رشیدہ نے کافی منگوائی لیکن اسے پتہ نہیں کہ کب ختم ہو گئی۔ وہ دراصل ان کی گفتگو سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

اپنی چائے ختم کرنے کے بعد حمید اور ناگر اٹھ گئے۔ رشیدہ کا شبہ یقین کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے جلدی سے بل ادا کیا اور باہر نکل آئی۔ دونوں فٹ پاتھ پر آہستہ چل رہے تھے۔ سڑک سے گذر کر وہ ایک گلی میں مڑ گئے۔ رشیدہ کافی فاصلے پر ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ نہ جانے کتنی پیچ در پیچ گلیوں سے اسے گذرنا پڑا۔ وہ دونوں کہیں رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

وہ پھر ایک تاریک گلی میں مڑے اور رشیدہ جیسے ہی اس گلی میں داخل ہوئی اس نے محسوس کیا کہ دونوں کے قدموں کی آوازیں آنی بند ہو گئی ہیں۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھور رہی تھی۔ دفعتاً کوئی ٹھنڈی سی چیز اس کی کنپٹی سے آلگی۔

"خبر دار۔" ایک سرگوشی سنائی دی۔ "آواز نکلی اور کھوپڑی صاف۔ بغیر آواز کا ریوالور

ہے..... آگے چلو..... چلو.....!"

اب ریوالور کی نال اس کی پیٹھ پر تھی اور وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی تھی۔

"داہنے مڑو..... چلتی رہو..... ٹھیک..... اب رک جاؤ۔"

تالے میں کنجی گھمانے کی آواز سنائی دی اور کوئی دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔ گلی میں عجیب طرح کی سیلی سیلی سی بدبو گونج رہی تھی۔

"چلو اندر چلو..... شاباش۔" سرگوشی پھر سنائی دی۔ حمید حتی الامکان اپنی آواز بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رشیدہ پرلے سرے کی چالاک اور ذہین ہے اگر پہچان گئی تو ساری تفریح کرکری ہو جائے گی۔ ان کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ پھر سوئچ آن کرنے کی آواز آئی اور راہداری روشن ہو گئی۔ رشیدہ نے خود کو انہیں دونوں کے درمیان میں پایا۔ گھنی مونچھ والے شکاری کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"آگے بڑھئے..... محترمہ۔" سرجنٹ حمید نے نہایت ادب سے کہا۔

"اس کا مطلب.....!" رشیدہ بگڑ کر بولی۔

"اندر لغت موجود ہے۔ مجھے مطلب زبانی نہیں یاد رہا کرتے۔"

"مجھے جانے دو..... ورنہ شور مچاؤں گی۔"

"اونچی سے اونچی عورت سے بھی میں یہی توقع رکھتا ہوں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "چلئے۔"

رشیدہ بے بسی سے چلنے لگی۔ وہ ایک کمرے میں آئے جہاں کئی پرانی اور زنگ خوردہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

"تشریف رکھئے۔" حمید نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ رشیدہ بیٹھ گئی۔

"مجھے یاد نہیں آرہا ہے کہ میں آپ کو یہاں کس لئے لایا ہوں۔" حمید نے ذہن پر زور دینے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" رشیدہ بگڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"جاؤ ایک چھرا تلاش کرو۔" حمید نے ناگر کو مخاطب کر کے کہا۔ ناگر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" حمید رشیدہ کی طرف دیکھ کر خشک لہجے میں بولا۔ "مجھے جو لڑکی پسند آتی ہے

اُسے میں اپنی پہلی فرصت میں ذبح کر ڈالتا ہوں۔"

رشیدہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"اس لئے ذبح کر ڈالتا ہوں کہ وہ کسی اور کو نہ پسند آجائے۔" حمید نے پھر کہا۔

"بکو نہیں! مجھے جانے دو۔" رشیدہ جی کڑا کر کے بولی۔

"افسوس!" حمید مغموم آواز میں بولا۔ "میں سمجھا تھا کہ تم پہلی ہی نظر میں مجھ پر عاشؔ ہو گئی ہو گی۔"

رشیدہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں وہ کسی پاگل کے ہتھے نہیں چڑھ گئی۔ اتنے میں ناگر ایک بڑا سا چھرا لے کر آگیا۔ حمید نے ہاتھ میں لے کر اس کی دھا دیکھی پھر بگڑ کر بولا۔

"اس سے تو موم کی عورت بھی نہ ذبح ہو گی۔ جا کر تیز کرو۔"

ناگر چھرا لے کر پھر چلا گیا۔

"جب سے تمہیں دیکھا ہے۔" حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھیٹھ عشقیہ انداز میں بولا۔ "دل کبھ نیچے کبھی اوپر.... تمہارا خون کتنا لذیذ ہو گا۔ اور تمہاری بوٹیاں.... ہائے.... ہائے.... بغ ریشے کا گوشت.... ہولے ہولے احتیاط سے چباؤں گا۔ بوٹیاں دانتوں کے نیچے پھسلیں گی... ہائے.... ہائے۔"

وہ اچھل اچھل کر زور زور سے سینہ پیٹنے لگا۔

رشیدہ کانپنے لگی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا لہرانے لگا۔

"سنتی ہو۔" حمید نے پھر ہانک لگائی۔ "تمہاری انگلیوں کی ہڈیاں.... رسیلی ہڈیاں.... کر کرکر چباؤں گا۔"

رشیدہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگ یہ پاگل ہے تو اس کا ساتھی تو پاگل نہیں ہو سکتا۔ کس وبال میں پھنس گئی۔

"ڈرو نہیں بھئی۔" حمید بچوں کی طرح ٹھنک کر بولا۔ "ڈر کر تم سارا مزہ کر کرا کر دو گی۔"

"مجھے جانے دو۔" رشیدہ گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخی۔

"اس مکان کی دیواریں خاص طور سے بنائی گئی ہیں۔" وہ پُر سکون لہجے میں بولا۔ "تم اچھ

ح چیخ چیخ کر دیکھ لو کوئی جو مدد کو آئے۔ چلو تمہیں ان لڑکیوں کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں دکھاؤں ہیں پہلے کھا چکا ہوں۔ ارے اب تو رال بھی ٹپکنے لگی۔ کہاں مر گیا۔ بھائی، اے کیا ابھی تک ابھی نہیں تیز ہوا۔"

"خدا کے لئے مجھے جانے دو۔"

"کیا تم نہیں چاہتیں کہ میں تمہیں کھا جاؤں۔"

"نہیں....!" رشیدہ بوکھلا کر بولی۔

"اگر میں تمہیں چھوڑ دوں تو مجھے یاد رکھو گی۔"

"ہاں....!" رشیدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور کیا سن رہی ہے۔

"تمہارا نام کیا ہے۔"

"رشیدہ....!"

"تب تو میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔"

"کیوں....؟"

"رشیدہ جو نام ہے تمہارا۔ ہر وہ نام مجھے بہت پیارا لگتا ہے جس میں شین ہو رشیدہ.... ہائے۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر ہانک لگائی۔ "ابے تیز ہو گیا چھرا۔"

"تیز کر رہا ہوں۔" کسی دوسرے کمرے سے آواز آئی۔

"جلدی کرو۔"

"نہیں.... نہیں....!" رشیدہ گھگھیائی۔

"ارے.... واہ.... یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ سب سے پہلے تمہارے ہونٹ کاٹوں گا پھر لوں کا گوشت اتاروں گا.... ہائے ہائے۔"

وہ کسی ندیدے آدمی کی طرح منہ چلانے لگا۔

"بچاؤ.... بچاؤ" رشیدہ زور سے چیخی۔

حمید ہنسنے لگا۔ دور کہیں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی جلدی جلدی زینے طے کر رہا ہو۔

"چپ رہو.... چپ رہو۔" حمید دھیرے سے بولا۔ "میرا باپ آرہا ہے۔"

"بچاؤ....!" رشیدہ پھر چیخی۔

"عجیب احمق لڑکی ہو۔ خدا غارت کرے تمہیں۔ سارا مزہ کرکرا کر دیا۔"

قدموں کی آوازیں نزدیک ہوتی جارہی تھیں۔ پھر ایک دروازہ کھلا اور رشیدہ کو انسپکٹر فریدی دکھائی دیا۔ وہ چیخ کر اس کی طرف جھپٹی اور قریب قریب اس پر گر پڑی۔

"بچائیے! بچائیے مجھے اس پاگل سے۔"

"پاگل....!" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... پپ پاگل.... مجھے ذبح کرنا چاہتا تھا.... چھرا.... چھرا.... تیز ہو رہا ہے۔"

"سمجھا! ٹھہرو کہاں چلے۔" فریدی نے حمید کو للکارا۔

حمید رک گیا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ رشیدہ سیدھی کھڑی ہو گئی تھی حیرت سے کبھی حمید کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف۔

"حمید! میں تم سے سچ مچ تنگ آگیا ہوں۔"

"حمید....!" رشیدہ نے آہستہ سے دہرایا اور اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ آہستہ آہستہ کی طرف بڑھی اور پھر اچھل کر اس کے بال مٹھی میں جکڑ لئے دوسرے لمحے میں وہ اسے اُ صوفے پر گرائے اس پر چڑھی بیٹھی گھونسوں اور تھپڑوں کی بارش کر رہی تھی۔ فریدی بے تح ہنس رہا تھا اور حمید ہنس تو وہ بھی رہا تھا لیکن رشیدہ کی چٹکیوں اور بکوٹوں کی وجہ سے اس کی ہنسی کراہیں اور چیخیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ بدقت تمام فریدی نے انہیں الگ کیا۔ اس دوران بھی آگیا تھا اور اس کے ہاتھ میں ابھی تک چھرا دبا ہوا تھا۔

"ابھی تک میرا دل نہیں بھرا۔" رشیدہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"اور ابھی میری تھکن بھی دور نہیں ہوئی۔ انور واقعی بڑا خوش قسمت ہے۔"

"بے حیا۔" رشیدہ نے بھنا کر کہا۔

"کسی عورت کے ہاتھ سے پٹنے میں بڑی لذت پائی جاتی ہے۔"

"اچھا تو ٹھہرو۔" رشیدہ پھر بڑھی لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر حمید سے کہا۔ "اب پیٹوں گا تمہیں۔"

"خدا کی قسم بڑی کوفت ہو گی مجھے۔" حمید ڈھٹائی سے بولا اور ہنستا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

"تم کیسے پھنس گئیں اس کے چکر میں۔" فریدی نے پوچھا۔

رشیدہ نے سارے واقعات دہرا دیئے۔

"عاجز ہوں اس سور سے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر میں بھی کسی موقعے سے وہ مزہ چکھاؤں گی کہ یاد ہی کرے گا۔"

"بھئی ابھی نہیں.... بہت کام کرنا ہے۔"

"میں نے جیمس اینڈ جعفری میں ملازمت کر لی ہے۔"

"بہت خوب۔ جعفری کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرو اور ادھر اُدھر بھی نظر رکھنا۔"

"کیا اس کا تعلق اسی رائفل....!"

"ہاں.... ہاں.... لیکن کسی کام میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ بڑا خوفناک اور پرلے سرے کا وحشی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی پُر خیال انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "تمہیں میری طرف سے براہ ہدایات ملتی رہیں گی۔ جب ضرورت سمجھوں گا تو انور کو بھی شریک کر لوں گا ویسے اس کا خیال کیا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں! وہ کہتا ہے کہ ابھی تک میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔"

"معاملہ ہی ایسا ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "تم نے اپنا صحیح نام ہی بتایا تھا نا۔"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے! میں سوچ رہا تھا کہ کہیں تم غلط نام نہ بتاؤ۔ اس طرح اسے شبہ ہو جاتا۔"

"تو کیا اس طرح شبہ نہ ہوگا۔" رشیدہ نے کہا۔ "شہر کے سارے جرائم پیشہ قریب قریب میرے اور انور کے نام سے تو واقف ہی ہیں۔"

"فکر مت کرو۔ تم وہاں اکیلی نہیں ہو۔" فریدی بولا۔ پھر اس نے حمید کو آواز دی۔

حمید دانتوں میں پائپ دبائے ہوئے اس شان سے داخل ہوا جیسے کچھ دیر قبل اس نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر انجام دیا ہو۔ رشیدہ کو بھی ہنسی آ ہی گئی۔

"رشیدہ کو گلی کے موڑ تک پہنچا آؤ۔" فریدی نے کہا۔

"میں خود چلی جاؤں گی۔" رشیدہ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"ایسا بھی کیا۔" حمید اس کے پیچھے چل پڑا۔ ناگر بھی اس کے ساتھ تھا۔

رشیدہ کو پہنچا کر دونوں لوٹے۔

فریدی کمرے میں ان کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی برس پڑا۔

"نہ موقع دیکھتے ہو نہ محل! آخر اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ گدھے کہیں کے! شرم نہیں آئی پٹتے ہوئے۔"

"آپ کو آگئی.... یہی کافی ہے۔ میں اور آپ الگ تھوڑا ہی ہیں۔" حمید جیب سے دن بھر کی رپورٹ نکالتا ہوا بولا۔ "مسٹر کیو کے نام کئی پیغامات تھے۔ نمبر۱ نہیں ملا۔ نمبر ۲........ نہیں ملا.... بہر حال دن میں تقریباً پچاس آدمیوں نے "نہیں ملا" کی ہانک لگائی۔ سبھوں نے پبلک ٹیلی فون بوتھ استعمال کئے تھے۔ پیغام نمبر ۵۳.... سب ٹھیک ہے.... نمبر ۵۴.... دیکھ لیا جائے گا نمبر ۱۵۵ انتظار ہو گیا.... نمبر ۶.... آج رات کو.... نمبر ۵۷.... بنگلہ خالی ہے! کوئی نیا منیجر ابھی تک نہیں رکھا گیا۔"

"آخری پیغام....!" فریدی پُر خیال انداز میں بولا۔ "غالباً ڈاکٹر نارنگ کے متعلق ہے۔"

"اوہ ٹھیک یاد آیا.... یہ تو بھول ہی گیا تھا۔" حمید نے کہا۔ "آج تین بجے شام کو کسی نے ڈاکٹر نارنگ پر بھی حملہ کیا تھا.... حملہ آور پکڑا نہیں گیا۔"

"کہاں.... کس طرح۔" فریدی چونک کر بولا۔

"بیچ بازار میں.... مین روڈ پر.... وہ کار میں جا رہا تھا کہ کسی نے گولی چلائی لیکن وہ بچ گیا۔ شیشے کے کچھ ٹکڑے اس کے جسم پر لگے ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئی تھیں۔

"رمیش! جیون اور اختر!" حمید بولا۔ "جیمس اینڈ جعفری کے دفتر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ آخر انہیں وہاں کیوں لگایا گیا ہے۔ کیا وہی مسٹر کیو ہو سکتا ہے۔ جعفری ہے تو خوفناک۔ رشیدہ وہاں کیا کرے گی۔"

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور پھر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

ڈکٹافون

مسٹر کیو کا مسئلہ ابھی تک فریدی اور حمید ہی تک محدود تھا یا پھر خود اسی کے گروہ والے اس ے واقف تھے۔ رشیدہ تک کو فریدی نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا اور اس کا محکمہ تو خیر ھیرے میں تھا ہی۔ اس بار بھی اس نے حسب عادت محکمے کو اپنی مشغولیات کی باقاعدہ رپورٹ ں دی تھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی تک کو اس کا علم نہیں تھا کہ فریدی کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ یدی نے اپنے ماتحتوں میں سے پانچ چھ خاص قسم کے آدمیوں کو مختلف کاموں پر لگا رکھا تھا لیکن بھی یہ نہیں جانتے تھے کہ انہیں ہدایات کہاں سے مل رہی ہیں۔

بہر حال مسٹر کیو کا نام تاریکی ہی میں رہتا اگر واقعات نے دوسرا رخ اختیار نہ کر لیا ہوتا اور ر اس واقعے کا ذمہ دار بھی فریدی ہی تھا کہ مسٹر کیو کو خود ہی اپنا نام ظاہر کر دینا پڑا۔ فریدی کو ے علم تھا کہ اس نام کو سیکرٹ سروس کے بعض ممبر استعمال کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا حمید اور کے تجربات سامنے رکھ کر اُس نے اس کے متعلق تفتیش شروع کر دی۔ ہو سکتا ہے کہ مجرم ے واقف ہو گیا ہو اور اس نے اب کسی قسم کی پردہ داری مناسب نہ سمجھی ہو۔

ناگر کی مصنوعی خودکشی والے دن کے بعد سے ٹیلی فون ایکسچینج میں مسٹر کیو کے نام کے مات موصول ہونے بند ہو گئے تھے۔

جس دن ناگر کی مصنوعی خودکشی منظر عام پر آئی اسی دن ڈاکٹر نارنگ ایم۔ پی پر حملہ کیا گیا ن وہ بال بال بچ گیا۔ اسی رات کو ایک دوسرا حادثہ ہوا۔ وہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے معمولی ں تھا۔ ڈاکٹر نارنگ ہی کے گروپ کے دو پارلیمنٹری ممبر اپنی قیام گاہوں پر قتل کر دیئے گئے۔ ری صبح کو ان کے سر جسموں سے الگ پائے گئے اور انتہائی کوششوں کے باوجود بھی اس قسم ے نشانات نہ مل سکے جن سے قاتلوں پر روشنی پڑتی۔

عوام میں خوف کی لہر دوڑ گئی تھی اور خواص کو تو ہر لحظہ ملک الموت کی جھلکیاں دکھائی دیتی یں۔ پہلے وزیر خزانہ انتہائی پُر اسرار طریقے پر قتل ہوئے پھر ڈاکٹر نارنگ پر شہر کی سب سے ری بڑی سڑک پر اعلانیہ حملہ کیا گیا اور اسی رات کو پارلیمنٹ کے دو اور ممبر قتل کر دیئے گئے لہٰذا اس کی سراسیمگی لازمی تھی۔

محکمہ سراغ رسانی کی عمارت میں تو گویا زلزلہ آگیا تھا۔ آئی۔ جی سے لے کر معمو
لباس والے تک بوکھلاہٹوں کا شکار نظر آرہے تھے۔ سارا عملہ آج پھر بڑے کمرے میں اک
البتہ فریدی اور حمید موجود نہ تھے اور وہ پانچ مخصوص سادہ لباس والے بھی نہیں تھے جنہیں
نے خود ٹریننگ دی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی اور آئی۔ جی میں کسی خاص مسئلے پر بحث ہو رہی تھی کہ ایک کلرک
ڈی۔ آئی۔ جی کو مطلع کیا کہ اس کی فون کال ہے۔

ڈی۔ آئی۔ جی اٹھ کر چلا گیا تقریباً دو تین منٹ تک خاموشی رہی پھر ڈی۔ آئی۔ جی ک
پر ایک انسپکٹر نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا۔

"ڈاکٹر نارنگ ایم پی کا فون تھا۔" اُس نے آئی۔ جی سے کہا۔ "کوئی خاص بات معلو
ہے۔ مجھے بلایا ہے۔ آواز سے خوفزدہ معلوم ہوتے تھے۔"

"میرا خیال تو یہ ہے کہ اب یہ سب اپنی حفاظت کیلئے آدمی بھی مانگیں گے۔" آئی۔ ج
ڈی۔ آئی۔ جی چند لمحے بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر کمرے سے باہر چلا گیا۔

ڈاکٹر نارنگ اپنی شہری قیامگاہ کے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا جیسے ہی ایک نو
ڈی۔ آئی۔ جی کا ملاقاتی کارڈ لا کر ہ خود ہی صدر دروازے تک دوڑا چلا گیا۔

"اوہ.... آپ آگئے شکریہ۔" وہ ڈی۔ آئی۔ جی سے مصافحہ کرتے ہوئے مضطربانہ اند
بولا۔ "چلئے.... اندر چلئے.... اوہ! میں اس تکلیف دہی کے لئے شرمندہ ہوں۔ میں خود بھ
آپ تک پہنچ سکتا تھا مگر....؟"

وہ اُسے نشست کے کمرے میں لے آیا۔

"بیٹھئے! بیٹھئے۔ آپ جانتے ہیں کہ پرسوں مجھ پر حملہ ہو چکا ہے اور رات کو میر
ساتھی....!" ڈاکٹر نارنگ تھوک نگل کر رہ گیا۔ پھر ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "وز
بھی میرے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ میں کچھ سمجھ نہیں سکتا۔ میری.... ہم لوگوں کی
سے تو پورا ملک واقف ہے....!"

"جی ہاں۔" ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔ "یہی تو باعث حیرت ہے سارے کے
مخلص اور بے ضرر محب وطن تھے۔"

"اور اب.... ایک ایسی بات ہوئی ہے۔" ڈاکٹر نے خوف زدہ انداز میں چاروں طرف دیکھتے
کہا۔ پھر مضطربانہ اٹھا اور دروازے تک گیا۔ ایک لمحہ ادھر اُدھر دیکھتا رہا اور لوٹ کر آہستہ
لا۔ "آج صبح مجھے ایک دھمکی آمیز خط ملا ہے کسی نامعلوم آدمی کی طرف سے۔"
اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف بڑھا دیا۔
ڈی۔ آئی۔ جی لفافے سے خط نکال کر پڑھنے لگا۔ معمولی کاغذ پر ٹائپ کیا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر نارنگ ایم پی.... خوش قسمت تھے کہ کل بچ گئے۔ بہر حال
تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اپنا دیہی بنگلہ ایک ماہ کے لئے بالکل خالی کر دو۔
اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو وزیر خزانہ اور تمہارے
دو ساتھیوں کا ہو چکا ہے۔ اگر تم اسے محض دھمکی سمجھو تو یہ تمہاری بھول
ہوگی۔ اس سلسلے میں پولیس سے مدد لینا وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ
نہ ہوگا۔ وزیر خزانہ کی موت ہزاروں کے مجمع میں ہوئی تھی تمہارے
دونوں ساتھی بھرے پُرے گھروں میں مار ڈالے گئے لیکن کسی کو کانوں
کان خبر نہ ہوئی۔ کافی عقل مند آدمی ہو۔ اس لئے توقع ہے کہ حکم کے
خلاف نہ کرو گے۔ فقط

مسٹر کیو۔"

"مسٹر کیو!" ڈی۔ آئی۔ جی آہستہ سے بڑبڑایا اور جواب طلب نظروں سے ڈاکٹر نارنگ کی
دیکھنے لگا۔

"اب بتایئے میں کیا کروں۔"

"آپ کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا مگر یہ مسٹر کیو۔"

"میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔" ڈاکٹر نارنگ نے بے چینی سے کہا۔ "لیکن کیا آپ کے
اقدامات مجھے بچا سکیں گے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی نے آپ سے مذاق کیا ہو۔"

"مذاق! مجھ سے کون.... مذاق کرے گا۔ شاید آپ بھول رہے ہیں کہ پرسوں مجھ پر حملہ

بھی ہو چکا ہے۔"

"تو سنئے! میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ چپ چاپ بنگلہ خالی کر دیجئے۔ کیا وہاں آپ کے ملازمین ہیں؟"

"جی ہاں!"

"تو انہیں وہاں سے ہٹا دیجئے۔ بقیہ ہم دیکھ لیں گے اور آپ زیادہ تر گھر ہی رہیں تو بہتر ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک اسے تسلیاں دیتا رہا پھر وہ خط اس سے لے کر واپس آگیا۔ آئی۔ جی اس کا منتظر تھا۔ وہ دونوں اپنے مخصوص ریٹائرنگ روم میں چلے آئے۔

ان دونوں کے درمیان مسٹر کیو کی شخصیت زیر بحث تھی۔

"جہاں تک میرے علم میں ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی کہہ رہا تھا۔ "یہ نام سیکرٹ سروس وا استعمال کرتے ہیں اور اس کا علم میرے محکمے میں فریدی کو ہو تو ہو اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ کیو وہی ایک ایسا ہے جو متعلق اور غیر متعلق ہر بات پر نظر رکھتا ہے۔"

"لیکن سیکرٹ سروس والے....!" آئی۔ جی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اسی الجھن میں بڑی دیر سے مبتلا ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"آخر یہ فریدی رپورٹ کیوں نہیں دے رہا ہے۔" آئی۔ جی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"کبھی نہیں دیتا اور میرے خیال سے اچھا ہی کرتا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "خصوصہ معاملہ تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جس میں انتہائی رازداری سے کام لیا جائے۔"

"میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ رپورٹ تو اسے دینی ہی چاہئے۔"

"کون سمجھائے اُسے! زیادہ کہئے تو استعفیٰ تیار ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ محض فطری میلان کی بن اس محکمے میں آیا ہے۔ ورنہ خاندانی دولت اتنی کثیر رکھتا ہے جو کئی پشتوں کے لئے کافی ہو سکتی ہے"

"کچھ بھی ہو اتنی خودسری نہیں برداشت کی جا سکتی۔" آئی۔ جی کی آواز غصے میں کانپ رہی تھ

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "وہ جب بھی اس طرح غائب ہوا ہے کچھ نہ کر کے ہی واپس آیا ہے۔ گارساں[1] ہی والے کیس کو لیجئے۔"

"آپ خواہ مخواہ اُس کی طرف داری کر رہے ہیں۔" آئی۔ جی بگڑ کر بولا۔

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا لیکن اس کا چہرہ بھی غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

---

[1] جوبلی نمبر "خوفناک ہنگامہ" ملاحظہ فرمائیے۔

آئی۔ جی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اردلی نے چق ہٹا کر آپریشن روم کے انچارج کی آمد کی اطلاع دی۔

"بلالو....!" آئی۔ جی بولا۔

آنے والے نے ایک کاغذ بڑھاتے ہوئے ڈی۔ آئی۔ جی سے کہا۔ "آپ کے نام ٹرانسمیٹر پر یہ پیغام موصول ہوا ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی نے کاغذ لے لیا۔ یہ پیغام محض اشاراتی الفاظ (Code Words) میں تھا۔

دفعتاً ڈی۔ آئی۔ جی کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہوئی اور وہ دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولا۔

"دیکھا آپ نے! ہمیں مسٹر کیو کے متعلق آج ہی معلوم ہوا ہے لیکن فریدی پہلے سے جانتا تھا۔"

"یعنی....؟"

"سنئے!" ڈی۔ آئی۔ جی کاغذ پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ "جناب والا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر کیو نے خود ہی اپنے کو ظاہر کر دیا اور یہ بات بھی آپ سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ یہ نام سیکرٹ سروس کے پانچ ممبران استعمال کرتے تھے۔ جب مجھے پہلی بار مجرم مسٹر کیو کے نام سے آگاہی ہوئی تو میں نے سیکرٹ سروس والوں کی تلاش شروع کر دی میں نے ان کے ٹھکانے کا پتہ لگا لیا ہے۔ لیکن وہ خود نہیں ملے اور نہ ان کے ٹرانسمیٹر ہی کا سراغ مل سکا۔ ٹیلی فون ایکسچینج میں بھی پرسوں رات سے اب تک مسٹر کیو کے نام کوئی پیغام نہیں موصول ہوا۔ حالانکہ پچھلا ریکارڈ بتاتا ہے کہ ہر گھنٹے میں آٹھ دس پیغامات اس کے نام ضرور ہوتے تھے۔ آپ اس سلسلے میں سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر سے گفت و شنید کیجئے۔ ویسے میں تو یہی سمجھنے پر مجبور ہوں کہ وہ پانچوں عرصہ ہوا ٹھکانے لگا دیئے گئے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی خاموش ہو کر فخریہ انداز میں آئی۔ جی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں....!" آئی۔ جی نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے اور اس طرح اپنے جوتوں کی طرف دیکھنے لگا جیسے ان سے جواب طلب کر رہا ہو۔

"تو کوئی سیکرٹ سروس والوں کی آڑ میں یہ سب کچھ کر رہا ہے۔" آئی۔ جی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔"

"پھر کیا کیا جائے۔"

"میرے خیال سے سیکرٹ سروس والوں کے ہیڈ کوارٹر سے تحقیق ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" آئی۔جی نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا۔

"آپریشن روم کے انچارج کو سلام دو۔" آئی جی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد انچارج آ گیا۔

"یہ پیغام....!" آئی۔جی کاغذ اس کی طرف بڑھاتا ہوا "سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر کے لئے.... جواب فوراً چاہئے۔"

آپریشن روم کے انچارج کے جانے کے فوراً بعد کئی منٹ تک خاموشی رہی پھر ڈی آئی جی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ فریدی کسی سیدھے ہی راستے پر لگ گیا ہے۔"

"لیکن مجھے اس کا یہ رویہ قطعی پسند نہیں۔" آئی۔جی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ضروری نہیں کہ وہ ہر معاملے میں دانش مند ہی ثابت ہو۔ اسے دوسروں سے بھی مشورہ کرنا چاہئے۔"

ڈی۔ آئی۔جی شاید بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

"بات تو ٹھیک ہی ہے! اگر ہماری لاعلمی میں کسی مصیبت میں پھنس گیا تو ہمیں اطلاع تک نہ ہوگی۔ خیر اگر مل گیا تو میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"سمجھاؤ نہیں بلکہ مجبور کرو۔"

"بہتر ہے۔"

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ دونوں کے چہرے گہرے تفکر کا پتہ دے رہے تھے۔ دفعۃً ڈی۔ آئی۔جی چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یہ آواز کیسی تھی۔" وہ آہستہ آہستہ بڑبڑایا۔

"آواز کہاں....!"

"کچھ کھر کھر سی تھی۔"

آئی۔جی ہنسنے لگا۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔ "واقعی ہم لوگوں کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں رہی۔ غالباً اس الماری میں کوئی چوہا ہے۔"

نمبر 9

"چوہا! وہ دیکھئے! سنئے یہ آواز کچھ ایسی ہی ہے جیسی مائیکروفون میں ہاتھ لگنے یا کسی دوسری چیز رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔"

آئی۔جی غور سے سننے لگا پھر سر ہلا کر ڈی۔ آئی۔جی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتا ہوا "ہے تو۔"

ڈی۔ آئی۔جی نے الماری کھول کر دیکھا۔ وہاں کتابوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا لیکن آواز تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد برابر سنائی دیتی رہی۔ دفعتاً اُس نے الماری کے پیچھے جھانک کر دیکھا اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز سی آواز نکل گئی۔

"ڈکٹافون[1]....!" وہ آئی۔جی کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہاں ڈکٹافون کا کیا کام۔"

دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ آئی۔جی نے آپریشن روم کے انچارج کو پھر بلوایا۔ لیکن اس نے بتایا کہ محکمے کے سارے ڈکٹافون آپریشن روم ہی میں موجود ہیں اس کمرے میں تو کبھی کوئی ڈکٹافون لایا ہی نہیں گیا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی ہماری گفتگو سنتا رہا ہے۔" آئی۔جی نے کہا۔

اس انکشاف پر محکمے کی عمارت کو ایک دوسرے زلزلے سے دوچار ہونا پڑا۔ سارے کمرے چھان مارے گئے اور نتیجے کے طور پر پانچ عدد سٹ اور بھی برآمد ہوئے۔

لیکن ان کا سلسلہ کہاں سے تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک انسپکٹر نے اس کا بھی پتہ لگا لیا۔ ٹیلی فون کے تاروں پر لپٹے ہوئے باریک باریک تار دکھائی دیئے جن کا سلسلہ دوسرے کھمبے تک جا کر ختم ہو گیا تھا اور وہیں سے تار نیچے کی طرف لائے گئے تھے۔ دوسرا کھمبہ دراصل مہندی کی ایک بے ترتیب باڑھ کے درمیان میں تھا اور اس کی بے مرمت شاخیں کافی اونچائی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لئے ان تاروں کا آسانی سے دیکھ لیا جانا تقریباً ناممکن ہی سا تھا۔

پھر مہندی کی باڑھ سے ملی ہوئی مالتی کی جھاڑیوں میں ڈکٹافون کا ریسیونگ سیٹ بھی مل گیا۔ اس کی تلاش کے سلسلے میں کافی ہنگامہ برپا ہو گیا تھا اور ڈی۔ آئی۔جی سوچ رہا تھا کہ ان سے ایک ایسی ہی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔

"ہم سے غلطی ہوئی۔" ڈی۔ آئی۔جی نے کہا۔ "اب اس آدمی کا پتہ چلنا دشوار ہے جو انہیں استعمال کرتا ہے۔"

---

[1] ایک آلہ سماعت جو دوسروں کی لاعلمی میں ان کی پوشیدہ گفتگو سننے کے لئے استعمال کیا ہے۔

"غلطی تو سچ مچ ہوئی۔" آئی۔جی مضمحل آواز میں بولا۔

"اگر فریدی ہوتا.....!"

آئی۔جی کے حلق سے نکلنے والی غصیلی آواز نے ڈی۔آئی۔جی کو جملہ مکمل نہ کرنے دیا۔

"کیا ہوتا۔" آئی۔جی جھنجھلا کر کہہ رہا تھا۔ "تم لوگوں نے اسے فوق البشر کا درجہ دے رکھا ہے اور اسی لئے اس کا دماغ عرش پر رہتا ہے۔"

ڈی۔آئی۔جی خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ اب کچھ بولے گا ہی نہیں۔ کچھ دیر بعد وہ پھر اسی کمرے میں آبیٹھے جہاں ڈکٹافون کا پہلا سیٹ ملا تھا۔ وہ دونوں خاموش ہی تھے اور ان کے چہروں پر ناگواری کے اثرات پائے جارہے تھے۔

آپریشن روم کے انچارج کے قدموں کی آہٹ نے خاموشی کا طلسم توڑ دیا۔ وہ آئی۔جی کے سامنے ایک کاغذ رکھ کر واپس چلا گیا۔

یہ سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر والوں کی رپورٹ تھی جو ٹرانسمیٹر پر موصول ہوئی تھی۔ آئی۔جی پڑھنے لگا۔

"پانچوں آدمی کام کررہے ہیں۔ تین دن قبل ان کی تنخواہیں ادا کی گئی ہیں۔ ان کی جا رہائش کے متعلق کسی کو کوئی علم نہیں۔ جب ضرورت محسوس ہوگی ان سے معلوم کرلی جا گی۔ لیکن اس کے لئے بھی اوپر سے آئے ہوئے احکامات ہی کارآمد ثابت ہوسکیں گے۔"

آئی۔جی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

"عجیب بات ہے۔"

"ہے تو عجیب ہی۔" ڈی۔آئی۔جی نے کہا۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ اب وہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا لیکن وہ حقیقتاً فریدی کے اس خیال سے متفق تھا کہ سیکرٹ سروس وا بھی مار ڈالے گئے اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر نارنگ کے دیہی بنگلے کی خفیہ نگرانی شروع کرادے۔

سعی لاحاصل

ایک دن رشیدہ بہت سویرے آفس پہنچ گئی۔ لیکن یہ محض اتفاق نہیں تھا بلکہ اُس نے دا

نہ ایسا کیا تھا۔ تین چار دنوں کے دوران اس نے جیمس اینڈ جعفری فرم کے متعلق بہت کچھ لوم کرلیا تھا اور جعفری کے سلسلے میں یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ وہ اکثر اپنے کمرے بیٹھے ہی بیٹھے حیرت انگیز طور پر غائب ہوجایا کرتا تھا۔ جعفری کے کمرے کا دروازہ اسی بڑے ے میں کھلتا تھا جس میں رشیدہ اور راحلہ بیٹھا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ دوسری طرف صرف کیاں تھیں اور ان میں بھی لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ ورنہ یہ خیال ہوتا کہ وہ باہر نے کے لئے ان کھڑکیوں ہی کو استعمال کرتا ہوگا۔ لہٰذا رشیدہ کا خیال تھا کہ اس کے کمرے میں دروازہ ہے اور وہ اسے ڈھونڈھ نکالنا چاہتی تھی۔ اسے اطمینان تھا کہ جعفری دس بجے سے آفس میں نہیں آئے گا ورنہ شاید وہ اس کی ہمت بھی نہ کرتی۔ کیونکہ محض اس کی آنکھوں ہی اُس کی روح فنا ہونے لگتی تھی۔ آٹھ بج رہے تھے ساڑھے نو بجے قبل قبل راحیلہ کے آنے بھی امکانات نہیں تھے۔

صفائی کرنے والا کمرے کی صفائی کرکے جاچکا تھا اور چپراسی بڑے کمرے کے باہر اسٹول پر ا بڑے مزے سے سگریٹ پی رہا تھا۔ رشیدہ کو خلاف معمول اتنے سویرے دیکھ کر اسے حیرت ئی لیکن رشیدہ نے پچھلے دن کے بقیہ کام کو نپٹانے کا بہانہ کرکے اس کی حیرت زیادہ نہ بڑھنے ۔ حالانکہ یہ چیز جیمس اینڈ جعفری کی فرم کے قاعدے کے خلاف تھی۔ لیکن چپراسی شاید یہ چ کر چپ ہو رہا کہ مس صاحبہ ابھی نئی پھنسی ہیں۔ جس دن منیجر صاحب نے کان کھول دیئے ب ٹھیک ہوجائے گا۔

رشیدہ فائیل نکال کر ٹائپ کرنے بیٹھ گئی لیکن چپراسی کا مسئلہ؟ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے کس رح ٹالا جائے۔ دفعتاً اُسے اُس نے آواز دی۔

"دیکھو.....!" اُس نے کہا۔ "مجھے دو درجن لفافوں اور اتنے ہی پوسٹ کارڈوں کی ضرورت ہے اگر لادو تو بڑا کام کرو۔ ابھی کافی وقت ہے۔"

"لادوں گا! مس صاحب۔" وہ دانت نکال کر بولا۔ "یہ بھی کوئی کام میں کام ہے۔"

رشیدہ پانچ کا نوٹ نکال کر اُسے دیتی ہوئی بولی۔ "بقیہ تمہارے ناشتے کے لئے۔"

"ارے.....ہی.....ہی.....ہی" چپراسی نے ایک بار پھر دانت نکال دیئے۔

رشیدہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ڈاکخانہ اتنی دور تھا کہ آدھ گھنٹے سے قبل اس کی واپسی ناممکن

تھی۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جعفری کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہاں کچھ زیادہ فرنیچر نہیں تھا۔ سامنے ایک بڑی سی میز تھی اور اُس کے پیچھے ایک چکر کھانے والی کرسی اور ایک تجوری، دونوں بازوؤں میں دو بڑی بڑی الماریاں تھیں جن کی چوڑائی نے دونوں طرف کی دیواروں کو تقریباً ڈھک لیا تھا۔ رشیدہ نے سب سے پہلے دونوں الماریوں کے پیچھے جھانک کر دیکھا۔ دیواریں سپاٹ تھیں۔ پھر وہ میز کی طرف بڑھی۔ کرسی کے پیچھے لکڑی کا ایک بڑا صندوق نظر آیا جو مقفل نہیں تھا۔ رشیدہ نے یونہی بے خیالی میں اُس کا ڈھکن اٹھا دیا.... اور پھر! دوسرے لمحے میں اُس کی سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔ پورا صندوق ریوالورز سے بھرا ہوا تھا اور سب بالکل نئے تھے۔

رشیدہ نے جیمس اینڈ جعفری کی تجارت کے متعلق اچھی طرح چھان بین کی تھی اور اُسے یقین تھا کہ اسلحہ جات کی تجارت اس فرم میں نہیں ہوتی تھی۔ اس نئی دریافت سے پیدا ہو جانے والے جوش نے فی الحال چور دروازے کا خیال تو اس کے ذہن سے نکال ہی دیا۔ صندوق کا ڈھکن بند کر کے وہ الٹے پاؤں اپنے کمرے میں واپس آگئی۔

وہ کچھ دیر تک اپنی میز پر بیٹھی ہانپتی اور چہرے سے پسینہ پونچھتی رہی پھر یکبارگی اٹھی اور باہر نکل آئی۔ اُسے محکمہ سراغ رسانی کے ان آدمیوں میں سے کسی کی تلاش تھی جنہیں فریدی نے جیمس اینڈ جعفری کے دفتر کے قرب وجوار میں رہنے کی تاکید کی کر دی تھی۔

سامنے والے ریستوران میں اُسے ایک جانے پہچانے چہرے کی جھلک دکھائی دی۔ سرجنٹ حمید تھا اور اب تک اسی شکاری ہی والے بھیس میں تھا۔ رشیدہ نے تیزی سے سڑک پار کی اور ریستوران میں داخل ہو گئی۔

"ہلو....!" حمید نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری۔

"میں نے ایک نئی دریافت کی ہے۔" رشیدہ ادھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ "اس کیبن میں اٹھ چلو۔"

وہ دونوں کیبن میں آکر بیٹھ گئے اور رشیدہ نے پردہ کھینچ دیا۔ پھر اُس نے جلدی جلدی اپنا کارنامہ دہرایا۔

"تمہیں یقین ہے کہ اسلحہ کی تجارت ہوتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"سو فیصدی یقین ہے۔"

"اچھا تو تم یہیں بیٹھو۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "ابھی آفس میں واپس نہ جانا۔ اس چپراسی کو بھتی رہو اور اس سے جو کچھ بھی منگوایا ہے باہر ہی لے لو تو بہتر ہے پھر تم نہایت آسانی سے اسے سمجھا سکتی ہو کہ تم ابھی آفس واپس نہ جاؤ گی۔ کیونکہ تمہیں ایک دوسرا ضروری کام یاد آگیا ہے۔ سمجھ گئیں۔"

"اچھا پھر....!"

"اپنے وقت سے آفس جاؤ گی۔"

"ٹھیک! لیکن اگر چپراسی نے اس کا تذکرہ کسی سے کر دیا تو۔"

"دیکھا جائے گا.... تم نے ضرور تا تو ملازمت کی نہیں ہے۔"

حمید ریستوران سے چلا گیا اور رشیدہ باہر آ بیٹھی۔ اس نے بیرے کو بلا کر ناشتے کا آرڈر دیا اور پاتھ پر نظریں جما دیں۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں چپراسی نکل نہ جائے۔

چپراسی خلاف توقع جلد ہی نظر آگیا۔ لیکن ساتھ ہی رشیدہ کو ایک دوسرا خیال بھی آگیا۔ وہ ری میں اپنا فائل میز پر ہی چھوڑ آئی تھی اور اُس کی عدم موجودگی میں اس کا وہاں پایا جانا قطعی ناسب تھا لہٰذا اس نے چپراسی کو باہر ہی روکنے کا خیال ترک کر دیا۔ ابھی ساڑھے آٹھ ہی بجے تھے۔

اس نے جلدی جلدی الٹا سیدھا ناشتہ کیا اور باہر نکل آئی۔ آفس پہنچی تو چپراسی لپک کر اٹھا۔

"میں ذرا ناشتہ کرنے چلی گئی تھی۔" رشیدہ نے اس سے لفافے اور پوسٹ کارڈ لیتے ہوئے ا۔ چپراسی نے بقیہ پیسے بھی واپس کرنے چاہے لیکن رشیدہ نے لینے سے انکار کر دیا۔ چپراسی ام کر کے بڑبڑانے لگا۔ "خدا آپ کا بھلا کرے۔ بچے کے لئے چپل ہو جائے گی۔ مس صاحب رے آٹھ بچے ہیں۔ بہت غریب آدمی ہوں۔ یہاں کل ساٹھ روپے ملتے ہیں نہ انعام نہ ش۔ خدا آپ کا بھلا کرے۔"

"چچ چچ....!" رشیدہ غمناک انداز میں سر ہلا کر بولی۔ "میں کسی دن تمہارے بچوں سے ملنے لئے آؤں گی۔"

"ارے.... آپ مس صاحب.... ہم غریب آدمی ہیں۔"

"غریب سے کیا ہوتا ہے ہمارے بھائی ہو۔"

"خدا آپ کا بھلا کرے۔" چپراسی پیشانی کی طرف ہاتھ لے جاتا ہوا بولا۔ "مگر.... مس

صاحب ایک بات کہوں.... آپ نئی ہیں۔"

"کیا.... کہو کہو۔"

"صاحب بڑا بُرا آدمی ہے۔ کسی کی عزت کو عزت نہیں سمجھتا اس کا حکم ہے کہ نہ وقت سے پہلے آؤ اور نہ وقت کے بعد رکو۔ ولایت ہو آیا ہے نا۔ پانچ برس وہاں رہا ہے۔ کہتا ہے سب کام قاعدے سے ہونا چاہئے۔ اگر اسے کبھی معلوم ہو گیا کہ آپ وقت سے پہلے آئی تھیں.... تو"

"اوہ....!" رشیدہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "تو میں چلی جاؤں۔"

"ہاں مس صاحب وہ بہت بُرا آدمی ہے۔"

"تو تم کسی سے کہو گے نہیں۔"

"ارے نہیں صاحب۔"

رشیدہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ایک بہت بڑا مسئلہ خود بخود حل ہو گیا تھا اس نے جلدی سے فائل کو الماری میں ڈالا اور اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی ہوئی باہر نکل آئی۔

بقیہ وقت اُس نے دوسری سڑک کے ایک ریستوران میں گزارا اور ٹھیک سوا نو بجے وہاں سے آفس چل پڑی۔ آفس پہنچتے پہنچتے ساڑھے نو بج گئے۔ بڑے کمرے میں دو پولیس انسپکٹر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ موجود تھے اور راحیلہ کھڑی انہیں گھور رہی تھی۔ شاید وہ بھی ابھی ابھی آئی تھی۔ اس نے رشیدہ کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اور اپنی میز پر بیٹھ گئی۔ رشیدہ نے بھی چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کئے اور راحیلہ سے سر کے اشارے سے ان کی موجودگی کا مطلب پوچھا راحیلہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

رشیدہ نے اپنا فائل نکالا اور ٹائپ رائٹر سنبھال بیٹھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر ایک سب انسپکٹر کو مخاطب کیا۔ "کس کا انتظار ہے آپ کو۔"

"جعفری صاحب کا۔" اس نے جواب دیا۔

اتنے میں راحیلہ شاید کسی کاغذ کے لئے جعفری کے کمرے میں جانے لگی لیکن سب انسپکٹر نے اُسے روک دیا۔

"کیوں؟" راحیلہ گھبرا کر بولی۔

"یونہی! تشریف رکھئے۔"

راحیلہ بیٹھ گئی۔ اُس کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"آخر بات کیا ہے؟" رشیدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی بات نہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

ٹھیک دس بجے جعفری دفتر میں داخل ہوا۔ پولیس والوں کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا انہیں گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"آہم....!" غراہٹ سنائی دی۔ "کیا بات ہے۔"

"اس کمرے کی تلاشی لینی ہے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"کیوں؟"

"اوپر سے حکم ملا ہے اور یہ رہا تلاشی کا وارنٹ۔"

"آہم....!" جعفری کی غراہٹ بڑھ گئی۔ "اس حماقت کا مقصد۔"

"ہم یہاں فضول باتیں سننے کے لئے نہیں آئے۔" ایک سب انسپکٹر بگڑ کر بولا پھر اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور وہ دندناتے جعفری کے کمرے میں گھستے چلے گئے۔ رشیدہ کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

"شاید ان لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" جعفری نے رشیدہ اور راحیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں جیمس بارٹلے کا فائل لینے اندر جا رہی تھی۔" راحیلہ نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "لیکن انہوں نے مجھے اندر نہیں جانے دیا۔"

"ان کی شامت آئی ہے۔" جعفری بلند آواز میں بولا اور رشیدہ متحیر رہ گئی۔ کیونکہ اس نے یہ جملہ دراصل پولیس والوں کو سنانے ہی کے لئے کہا تھا۔

جعفری اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ اسکے بعد راحیلہ بھی اٹھی اور رشیدہ نے اس کی تقلید کی۔

سب انسپکٹر بکس کا ڈھکن اٹھائے اپنے ساتھیوں کو گھور رہا تھا اور بکس بالکل خالی تھا۔ رشیدہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اچھا ہی ہوا کہ جعفری پولیس والوں کی طرف متوجہ تھا ورنہ رشیدہ کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالتوں سے کم از کم کھٹک ضرور جاتا۔

"آخر مطلب کیا ہے؟" جعفری گرج کر بولا۔

"ار.... بات یہ ہے۔" سب انسپکٹر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہمیں اطلاع ملی ہے کہ

یہاں.... اس کمرے میں کوئی چور دروازہ ہے۔"

جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی دوسرے سب انسپکٹر نے کمرے کی دیواروں کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا تھا۔

"گٹ آؤٹ۔" جعفری حلق کے بل چیخا۔ اُس کی خوف ناک آنکھیں اُبل پڑی تھیں او چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ ہیبت ناک معلوم ہونے لگا تھا۔

"لینگویج پلیز.....[1]"

"آئی[2] سے گٹ آؤٹ۔" جعفری ایک قدم آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"مجھے مجبور نہ کیجئے کہ میں آپ کو حراست میں لے لوں۔ آپ اس طرح براہِ راس حکومتی اہلکاروں کی توہین کر رہے ہیں۔"

دفعتاً جعفری اپنا رویہ بدل کر آہستہ سے بولا۔"مجھے افسوس ہے! لیکن آپ کو بھی یہ چاہئے کہ معزز اور بے ضرر شہریوں کی توہین کرتے پھریں۔ فرض کرو کہ اگر یہاں کوئی چ دروازہ ہے بھی تو حکومت کو اس سے کیا واسطہ۔"

"کچھ دیر قبل...." سب انسپکٹر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔"یہاں سے کچھ غیر قانونی اش اسی چور دروازے سے باہر لے جائی گئی ہیں۔"

"یقیناً.... حکومت نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔" جعفری نے تلخ لہجے میں کہا اور اس سب انسپکٹر سے بولا، جو دیواریں کھٹکھٹاتا پھر رہا ہے۔"کیوں؟ پلاسٹر اور وقت برباد کر ر ہو۔ یہ رہا چور دروازہ۔"

اُس نے بڑی میز کو دھکا دیا اور وہ ایک تیز قسم کی آواز کے ساتھ چکنے فرش پر پھسلتی ہ دوسری طرف چلی گئی۔ پھر اس نے مینٹل پیس پر رکھے ہوئے ایک آدھے مجسمے کا سر گھما کھٹاکے کی آواز کے ساتھ فرش کا درمیانی حصہ کھسک گیا اور ایک تاریک سی خلاء ظاہر ہو گئی۔

"یہ ہے وہ چور دروازہ۔" جعفری غرایا۔

پولیس والے کبھی حیرت سے اسے دیکھتے تھے اور کبھی تہہ خانے کے تاریک دہانے کو۔"

"جاؤ دیکھو.... کیا ہے اس میں۔" جعفری پھر غرایا۔"شاید وہ غیر قانونی اشیاء اسی کی ط رہی ہوں.... جاؤ نا.... وہاں بھیڑئیے نہیں ہیں۔"

[1] اپنی زبان سنبھالئے

[2] میں کہتا ہوں نکل جاؤ۔

ایک سب انسپکٹر تہہ خانے کی طرف بڑھا لیکن پھر رک کر جعفری کی طرف دیکھنے لگا جو رسی پر بیٹھ کر اپنا پائپ سلگانے لگا تھا۔ اس نے اپنی بھنوئیں تان کر سب انسپکٹر کی طرف دیکھا اور پ کو دانتوں میں دبائے ہی دبائے کہنے لگا۔"جاؤ نا.... لیکن میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں گا۔ برے پاس برباد کرنے کے لئے وقت نہیں۔"

وہ سب انسپکٹر تین کانسٹیبلوں کے ساتھ نیچے اُتر گیا۔ دوسرا اوپر ہی رہا۔

"لڑکیو! بیٹھ جاؤ۔" جعفری رشیدہ اور راحیلہ کی طرف دیکھ کر بولا۔"ابھی یہ لوگ نٹ کا ماشہ دکھائیں گے۔"

"میں کہتا ہوں۔" سب انسپکٹر نے جھلا کر کہا۔"آپ اتنے بدتہذیب کیوں ہیں۔"

"آہم.... آدمی کو پہچان کر برتاؤ کرنے کا عادی ہوں۔ میں تمہارے محکمے پر ہرجانے اور الہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کروں گا.... مذاق ہے۔"

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر واپس آگیا اس کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی اپنے ساتھی کی لرف دیکھ کر بولا۔"شراب کی پیٹیاں ہیں.... اور غالباً....!"

"جناب....!" جعفری نے اُس کی بات کاٹ کر مضحکانہ انداز میں کہا۔"اور فرم کے پاس لایتی شراب درآمد کرنے کا لائسنس بھی ہے۔"

"پیٹیاں کھلی ہیں یا بند۔" انسپکٹر نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"بند ہیں۔"

"تو وہ کھولی جائیں گی۔"

"کھولو....!" جعفری لاپروائی سے بولا۔

تقریباً دو گھنٹے تک کام جاری رہا لیکن پیٹیوں میں شراب کی بوتلوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہ نکلا۔ تہہ خانے میں کسی دوسرے دروازے کی بھی تلاش کی جا رہی تھی لیکن بے سود.... پولیس والے ہانپتے ہوئے تہہ خانے سے نکل آئے۔

"میں پورے آفس کی تلاشی لوں گا۔" ایک بولا۔

"ضرور لو....!" جعفری غرایا۔"کم از کم دو لاکھ ہرجانے کا دعویٰ کروں گا۔"

رشیدہ کی حالت ابتر تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ فریدی کو کیا جواب دے گی۔ آفس کے

دوسرے کمروں کی بھی تلاشی لی گئی لیکن نتیجہ وہی صفر۔ ریوالور تو کیا ریوالور کی تصویر بھی نہ مل سکی۔ تلاشی ختم ہونے کے بعد جعفری نے چنگھاڑ چنگھاڑ کر سارا دفتر سر پر اٹھالیا۔ پولیس والوں کے چلے جانے پر بھی وہ کافی دیر تک بیٹھا کسی غصیلے بلڈاگ کی طرح غراتا رہا۔

آفس ٹائم کے بعد رشیدہ باہر نکلی تو بُری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ بس سٹینڈ پر حمید سے ملاقات ہوگئی۔ شاید وہ وہاں اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

"کیوں؟ کیا یہ اسی رات کا بدلہ تھا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"خدا کی قسم مجھے خود حیرت ہے۔" رشیدہ جلدی سے بولی۔ "میں یہی سوچ رہی تھی کہ تم یہی سمجھو گے۔"

"بہرحال مجھے کافی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس وجہ سے اور پریشانی ہے کہ میں نے فریدی صاحب سے مشورہ لئے بغیر تلاشی کا وارنٹ نکلوالیا تھا۔"

"پھر اب بتاؤ میں کیا کروں۔" رشیدہ بے بسی سے بولی۔

"اس لڑکی سے میرا تعارف کرا دو جو تمہارے کمرے میں بیٹھی ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مت فضول بکو۔" رشیدہ نے یک بے جان سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ بہت شریف لڑکی ہے۔"

"لڑکی تو ہے.... اگر وہ کمینی ہی ہوتی تو میں اسے برداشت کر لیتا۔"

"کسی وقت تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔"

"کبھی نہیں۔ آج صبح تمہاری ہی بدولت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ نتیجے میں یہ ذلت نصیب ہوئی خیر اچھا پھر سہی! ٹاٹا۔"

وہ فٹ پاتھ پر رینگنے والی بھیڑ میں غائب ہو گیا۔

دو مکار

آرلکچو میں بڑا شاندار پروگرام تھا۔ سردیوں کی خوشگوار رات تھی اور اس لئے اور بھی خوشگوار تھی کہ دوسرے دن اتوار تھا۔

سرجنٹ حمید اور ناگر بیٹھے بڑی دیر سے رقص میں شرکت کرنے والوں کا جائزہ لے رہے ے۔ یہاں وہ کسی خاص مقصد کے تحت نہیں آئے تھے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ اور تھکن نے ہیں نڈھال کر دیا تھا۔ ناگر تو جس وقت سے آیا تھا برابر بیئر پیئے جا رہا تھا۔ حمید اس وقت شکاری ے لباس میں نہیں تھا۔ البتہ میک اپ وہی پرانا تھا۔ اس نے عمدہ قسم کا ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا اور وں میں ہیرے ڈال لئے تھے۔ بہر حال وہ اس وقت راجپوتوں کی کسی شاہی نسل کا ایک متمول معلوم ہو رہا تھا۔ چڑھی ہوئی گھنی سیاہ مونچھیں ظاہری وجاہت میں خاص اضافہ تھیں۔

"ابے او ڈانگر۔" حمید ناگر کی بوتل پر کاگ رکھتا ہوا بولا۔ "اب بس کرو۔"

"باس! ابھی سے باس۔" ناگر انگلی نچا کر بولا۔

"ارے تمہیں بیئر سے بھی نشہ ہو جاتا ہے۔"

"چوتھی بوتل ہے.... ہی ہی ہی میں کیا نشہ۔"

"ابے چل بھی سکو گے اب تم! مینڈک کہیں کے۔"

"مینڈک ہی ہی ہی.... مینڈک.... مینڈک کا اچار کھایا ہے تم نے کبھی۔"

"مت بور کرو۔" حمید بھنا کر بولا۔

"آج میں بہت اداس ہوں۔" ناگر رک رک کر بولا۔

"نہیں دیوداس ہو.... مت دماغ چاٹو۔"

"دیوداس بھی پیتے پیتے مر گیا تھا.... اور میں بھی کسی دن پیتے پیتے مر جاؤں گا.... مم.... .... کنور صاحب.... میں حمید صاحب کہنے جا رہا تھا.... کیا نام بتایا تھا آپ نے۔"

"کنور رنجیت سنگھ۔ اگر تم ذرا بھی بہکے تو الٹا ہاتھ رسید کروں گا۔"

"میں تم سے کمزور نہیں ہوں.... ہاں۔" ناگر بھنوئیں چڑھا کر بولا۔

"نہیں نہیں تم رستم ہو۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں ناگر نشے میں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ دفعتاً اس کی نظریں جعفری پر جم گئیں جو کاؤنٹر پر بارمین سے باتیں کر رہا تھا۔

"ناگر ڈیئر۔" حمید بولا۔ "کیا تم اسے جانتے ہو۔"

ناگر نے مڑ کر دیکھا۔ اس وقت جعفری مجمعے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یک بیک حمید نے محسوس کیا جیسے ناگر کا نشہ ہی ہرن ہو گیا ہو۔ وہ پلٹ کر خوفزدہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ ساتھ

ہی وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان بھی پھیرتا جارہا تھا۔

"کیوں....!" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اس کی آنکھیں....!" ناگر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تمہیں پسند نہیں آئیں۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"میں جارہا ہوں۔" ناگر اٹھنے لگا۔

"بیٹھو....!" حمید اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"آنکھیں.... مجھے نہ روکئے۔"

"بیٹھو....!" حمید نے زبردستی اُسے بٹھادیا۔ ناگر بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"بیئر اور منگاؤں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!" ناگر نے آہستہ سے کہا۔ وہ اب بھی مڑ مڑ کر جعفری کی طرف دیکھتا جارہا تھ

"آخر بات کیا ہے۔"

"وہ آنکھیں۔"

"ارے تو بولو نا بابا! یہ شعر ہے یا مصرعہ۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ وہی آنکھیں ہیں جنہوں نے مجھے دریا میں چھلانگ لگانے پر مجبور کیا تھا

"اوہ.... تمہیں یقین ہے۔"

"بالکل ویسی ہی ہیں۔"

"تو خیر بھاگنے کی ضرورت نہیں۔"

"میری جان نہ لیجئے۔"

"چپ بے.... ڈیوٹ۔"

ناگر ایک طرف گردن ڈال کر بیٹھ گیا۔

"وہ تمہیں اس میک اپ میں پہچان نہ سکے گا۔" حمید نے اسے تسلی دی۔

"کون؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ.... ارے۔"

"چپ رہو پھسڈی۔"

"خیر جان تو جانی ہی ہے کیوں نہ میں ہی....!" ناگر کا کانپتا ہوا ہاتھ اُس کی جیب کی طرف

ہا رہا تھا۔

"خبردار.... پاگل ہوئے ہو۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہی مسٹر کیو ہے۔" ناگر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"بکو نہیں.... محض آنکھوں کی بناء پر.... اور پھر تم یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہو
ہ وہ آنکھیں تمہارے مسٹر کیو ہی کی ہیں۔"

"پھر یہ ہے کون....!" ناگر نے پوچھا۔

"جیمس اینڈ جعفری کی فرم کا جنرل منیجر مسٹر جعفری۔"

"اوہ تب تو۔" ناگر کی آواز میں پھر کپکپاہٹ تھی۔ "تب تو.... پھر آخر فریدی صاحب نے
ں کے پیچھے آدمی کیوں لگائے ہیں۔"

"پتہ نہیں! چلو چھوڑو۔ ہمیں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔ جیسا کہا جائے گا کریں
ے۔ ہائے کیا کیا یلا یلیاں نظر آرہی ہیں۔"

"یلا یلیاں کیا؟" ناگر نے پوچھا۔ لیکن وہ اب بھی خوفزدہ نظروں سے جعفری ہی کی طرف
یکھے جارہا تھا۔

"ابے تم یلا یلی نہیں سمجھے۔"

"نہیں۔"

"یلا یلی خوبصورت لڑکی کو کہتے ہیں لفظ "لڑکی" میں "ڑ" مجھے بہت گراں گزرتا ہے اور پھر
ب صورت لڑکی اُسے تو چکیلا ہی سا نام دینا چاہئے۔ یلا یلی بہت مناسب ہے۔"

"زبردستی خواہ مخواہ۔" ناگر نے منہ بنایا۔ وہ دراصل کسی طرح جعفری کے خیال سے پیچھا
ڑانا چاہتا تھا۔ جواب ہال میں نہیں تھا۔

"زبردستی کیوں؟ ذرا اس یلا یلی کی آنکھیں تو دیکھو۔" دفعتاً حمید چونک کر بولا۔

حمید ایک لڑکی کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"واقعی لاجواب آنکھیں ہیں۔" ناگر بڑبڑایا۔

"لیکن تم کو کسی اور کی آنکھیں بھی یاد آرہی ہوں گی۔"

"کس کی؟"

"خدا کی قسم یہ کنول کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔" حمید سیدھا ہو کر بولا۔

"کنول....!" ناگر ہنسنے لگا۔ "شاید آپ اس کی شکل بھول رہے ہیں۔"

"اور شاید وہ بھی تمہاری موجودہ شکل بھول جائے۔"

"تو کیا میک اپ ہے۔" ناگر نے پوچھا۔

"قطعی! یہ آنکھیں اور یہ گردن جھٹکنے کا مخصوص انداز کنول ہی کا ہو سکتا ہے۔" حمید اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔

آرکسٹرا شروع ہو گیا تھا۔ لوگ رقص کے لئے اپنی جگہیں چھوڑ رہے تھے حمید جھپٹ کر اُس لڑکی کے قریب پہنچا۔

"کیا میں آپ سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔" اس نے بڑے سلیقے سے جھک کر کہا۔

"جج.... جی ہاں.... مجھے خوشی ہو گی۔"

اس دوران میں آرکسٹرا نے دھن بدلی اور والز بجنے لگا۔ وہ دونوں رقاصوں کی بھیڑ میں آگئے۔ لڑکی نے اپنا جسم تان کر ٹھوڑی آگے کی طرف نکالی اور کولہوں کو پیچھے ہٹا کر حمید کے کاندھوں پر زور ڈال دیا اور حمید نے اسے گول گول چکر دینے شروع کر دیئے۔

"آپ کو والز کا بڑا سلیقہ ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"شکریہ۔"

"آپ کے بال بڑے حسین ہیں۔"

"اور آپ کی مونچھیں۔" لڑکی مسکرائی۔ "حالانکہ نقلی ہونے کی وجہ سے ایسی معلوم ہو ہیں جیسے کسی امرود پر گھاس اگ آئی ہو۔"

"اوہو....!" حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "لیکن آپ کی آنکھوں کے کنول ہمیشہ شاداب رہیں گے۔"

لڑکی ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "تو تم نے پہچان لیا.... امرود بخت۔"

"دور ہی سے پہچان گیا تھا۔"

"تو پھر گرفتار کرا دو نا۔"

"ہے ہے! تمہیں میں گرفتار کراؤں گا.... تمہیں یلا یلی کو....!"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"میری لغت میں انتہائی حسین لڑکی کو کہتے ہیں۔"

"تم مکار ہو.... ہرجائی کہیں کے! میں تمہیں کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔"

"پھر بھی تمہارے مالک نے مجھے گولی کا نشانہ نہیں بنایا۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھلا تم جیسے الابلا کو۔"

"میں الابلا ہوں۔" حمید نے بُرا مان کر کہا۔

"بگڑو نہیں میری لغت میں الابلا انتہائی شریر لڑکے کو کہتے ہیں۔"

"کنول ڈارلنگ مجھے حیرت ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو۔ بے چارے ناگر کا تو بہت بُرا حشر ہوا۔"

"اُس مسخرے کا حشر۔" کنول ہنس کر بولی۔ "واقعی بہت بُرا ہوا ہے۔ بیئر کی چار چار بوتلیں ب ہی نشست میں صاف کر دیتا ہے۔"

"ارے تم اُسے بھی پہچان گئی ہو۔"

"کیوں نہیں! مجھے عرصہ سے تم لوگوں کی تلاش تھی۔"

"کیوں....!"

"مالک کا حکم! اور جس دن میں نے اطلاع دے دی تم لوگ ٹھکانے لگا دیئے جاؤ گے۔"

"ابھی تک کیوں نہیں دی۔"

"میری مرضی۔"

"کل کہاں ملو گی۔"

"کہیں نہیں.... لیکن تمہارے گرو گھنٹال کا پتہ آج تک نہ چل سکا۔"

"اور تو یہ کہو! اس طرح پتہ لگانا چاہتی ہو۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو جسے میں نے تکلیف سے بچانے کے لئے خواب آور دوا دی تھی۔"

"اس ہمدردی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔" حمید ہنس کر بولا۔

"مجرم بھی آدمی ہی ہوتے ہیں اور ہر ایک کے لئے ان کے سینے میں پتھر کا ٹکڑا نہیں ہوتا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "تو.... تم آج تک اپنے مالک کی شخصیت کے متعلق کچھ نہیں معلوم کر سکیں۔"

"نہیں.... اب میں اسے پھانسی کے تختے ہی پر پہنچانا پسند کروں گی۔"

"یہ تبدیلی کیوں؟"

"محض اسلئے کہ وہ آدمی نہیں جانور ہے۔ اُسے بہتے ہوئے خون سے پیار ہے وہ بھیڑیا ہے۔"

"جعفری کو جانتی ہو۔"

"کون.... وہی خوفناک آدمی.... جو ابھی کاؤنٹر پر تھا۔"

"ہاں.... وہی۔"

"آج کل اُس کے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے۔" کنول بولی۔

"کیا خیال ہے کہیں وہی تو تمہارا مالک نہیں۔"

"پتہ نہیں.... ویسے میں نے اسے اپنی لسٹ پر رکھ لیا ہے۔"

"لسٹ پر۔"

"ہاں مجھے بھی تو تمہاری ہی طرح مجرموں کی تلاش رہتی ہے۔"

"کیوں....؟"

"جس کے متعلق ذرا بھی شبہ ہوا کہ یہ کسی قسم کا مجرم ہو سکتا ہے میں اس کے پیچھے لگ جاتی ہوں اور پھر اس کے متعلق معلومات فراہم کر کے اپنے مالک کو اطلاع دیتی ہوں اور پھر وہ اسے بلیک میل کر کے اپنے گروہ میں شامل ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔"

"تمہاری یہی ڈیوٹی ہے۔"

"ہاں....!"

"فی الحال میری سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ....!"

"کیا....؟"

"ہم سے مل کر کام کرو نا۔" حمید نے اپنی آنکھیں نشیلی بنا کر آہستہ سے کہا۔

"یہ کسی طرح ممکن نہیں۔"

"اونہہ.... چکر پورا نہیں ہوا۔" حمید نے اس کی بات کاٹ دی۔ "بایاں پیر.... ٹھیک.... کنول ڈارلنگ تم سچ مچ بڑی پیاری ہو۔"

"تم سور ہو۔ مجھے بے وقوف مت بناؤ۔" کنول نے اس کے شانے پر چٹکی لی۔

"تم ایک محبت بھرے دل کے متعلق بہت کچھ جانتی ہو۔" کنول نے منہ بنا کر کہا۔ "تم روز کسی نہ کسی لڑکی کو بیوقوف بناتے ہو۔ ہرجائی ہو تم.... ہری چگ۔"

"میں نے آج تک کسی لڑکی کو بےوقوف نہیں بنایا البتہ بنتا ہی رہا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اب تک کنوارا ہوں۔" حمید کی آواز گلوگیر ہو گئی اور وہ بولتا رہا۔ "بہتیری لڑکیوں نے مجھ سے دی کا وعدہ کیا۔ لیکن بعد میں کیڑے نکال دیئے کسی نے کہا کہ تمہاری ایک ٹانگ چھوٹی ہے اور بڑی.... اچھا تمہیں بتاؤ.... اتنی دیر سے ناچ رہا ہوں تم نے کچھ محسوس کیا؟"

"نہیں تو....!"

"اگر ایک ٹانگ چھوٹی ہوتی تو میں باقاعدہ پھدکتا ہوتا۔ ایک لڑکی نے یہ کہہ کر میرا دل توڑ کہ کھٹائی دیکھ کر میری رال ٹپکنے لگتی ہے۔ ایک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ میں بڑھاپے میں ل کھوسٹ معلوم ہونے لگوں گا۔"

"اور میں یہ کہتی ہوں کہ تم سے بڑا مکار آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا.... وہ ڑوں کی مار مجھے اب تک یاد ہے اور اس پر تمہارا رویہ۔ کوئی اور ہوتا تو اُس کے منہ سے آواز بھی نکلتی۔"

"خوب یاد دلایا۔" حمید نے کہا۔ "وہ لڑکی نادرہ کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں.... اب میرے ساتھ نہیں ہے۔"

"کنول ڈارلنگ.... میں مرتے دم تک تمہیں یاد رکھوں گا.... ہائے وہ پہلی ملاقات وہ اندنی رات اب بھی اکثر ذہن کے تاریک گوشوں میں پھسل آتی ہے۔ کاش یہ کم بخت تمہارا لک درمیان میں حائل نہ ہوتا۔ میں اُسے کسی دن تھری زیرو پر فون کر دوں گا۔"

"بہت اچھے۔" کنول نے قہقہہ لگایا۔ "اس طرح تم مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ اب اس ے رابطہ قائم کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔"

"چلو یہی سمجھ لو.... ویسے تم مجھے مکار تو سمجھتی ہی ہو۔" حمید معصومیت سے بولا۔

"فی الحال پیغام رسانی کے لئے آدمی استعمال کئے جا رہے ہیں۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ اُن آدمیوں تک اُس کے پیغام کس طرح پہنچتے ہیں۔"

دفعتاً حمید کی نظر ناگر کی طرف اٹھ گئی جو میز پر سر اوندھائے بیٹھا تھا۔ اس نے رقص میں

بھی شرکت نہیں کی تھی اور پھر اسے جعفری دکھائی دیا جو ناگر کے قریب ہی کھڑا کسی عورت سے باتیں کر رہا تھا۔ عورت کی پشت حمید کی طرف تھی۔ اتنے میں آرکسٹرا بند ہو گیا تھا۔ رقاص اپنی میزوں کی طرف لوٹنے لگے۔ جعفری سے گفتگو کرنے والی عورت مجمعے کی طرف مڑی اور حمید نے اسے ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ رشیدہ تھی۔

شریف بھیڑیا

رشیدہ اس وقت کسی طرح جعفری سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اگر اسے ذرہ برابر شبہ بھ ہوتا کہ جعفری اسے یہاں مل جائے گا تو وہ ادھر کا رخ ہی نہ کرتی۔ دن بھر کی کوفت دور کر یہاں چلی آئی تھی۔ ویسے اسے یہاں جعفری کو دیکھ کر حیرت ضرور ہوئی۔ کیونکہ اسے معلوم کہ وہ بہت ہی خشک اور غیر سوشل قسم کا آدمی ہے اور پھر اسے بھول کر بھی یہ توقع نہیں ہو سک تھی کہ وہ اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرے گا۔ بہر حال وہ اس کے اس رویہ پر کھٹک ضرور گ تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شاید جعفری کو اس کی تلاشی والی حرکت کا علم ہو گیا تھا اور اب وہ ا طرح اسے کسی جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔

رشیدہ نے سرجنٹ حمید اور ناگر کو بھی دیکھا تھا۔ دوسرا راؤنڈ شروع ہوتے ہی حمید پھر ا لڑکی کے ساتھ ناچنے لگا تھا جس کے ساتھ اس نے پہلے رقص کیا تھا۔ ناگر کو میز پر سر اوندھا۔ دیکھ کر اس نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ شاید زیادہ پی گیا ہے۔ کیونکہ شراب کی بوتل اب بھی اس کی م پر رکھی ہوئی تھی۔

"آؤ.... لاؤنج میں چلیں۔" جعفری نے دوسرا راؤنڈ شروع ہوتے ہی رشیدہ سے کہا۔

لاؤنج بالکل خالی تھی۔ وہاں بیٹھنے والے سب کے سب رقص میں شرکت کرنے چلے گئے تھے جعفری نے بیٹھتے ہوئے جھک کر آہستہ سے کہا۔ "لڑکی تم نے مجھے دھوکہ کیوں دیا۔"

رشیدہ کو اپنی روح جسم سے پرواز کرتی معلوم ہونے لگی۔ وہ اس سے آنکھیں چرا رہی تھی۔

"تم شاید میری آنکھوں کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتیں۔" جعفری نے خوفناک آواز م ہنس کر کہا اور جیب سے تاریک شیشوں کی عینک نکال کر لگالی۔ کچھ دیر رشیدہ کی گھبراہٹ سے غا

لطف اندوز ہوتا رہا پھر نرم لہجے میں بولا۔ "میں نے تمہارے متعلق سب کچھ پتہ لگالیا ہے۔"

رشیدہ کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

جعفری بولتا رہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تم نیو اسٹار کے زائد اسٹاف میں تھیں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم وہاں سے ایک رقم کو خرد برد کر دینے کے الزام میں نکالی گئی ہو۔"

رشیدہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ حقیقتاً انور نے یہی چال چلی تھی۔ غالباً اس کے لئے اسے زیدی سے یہی مشورہ ملا تھا۔ رشیدہ کی علیحدگی کی وجہ غبن دکھائی گئی تھی۔

رشیدہ نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پالیا اور بڑے مسکین لہجے میں بولی۔ "پھر میں کیا کرتی۔ کیا بھوکوں مرتی۔ اگر میں علیحدگی کی اصل وجہ ظاہر کر دیتی تو مجھے کون ملازم رکھتا۔"

"کتنی رقم تھی؟"

"صرف ساڑھے تین سو روپئے جو میں نے ایک سول ایجنٹ سے زر ضمانت کے طور پر وصول کر کے بعض ضروریات پر صرف کر دیئے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے کسی طرح ٹھیک کر دوں گی۔ مگر اچانک اس ایجنٹ کی ملاقات براہِ راست منیجر سے ہو گئی۔"

"خیر.... فکر نہ کرو۔ مجھے توقع ہے کہ تم کم از کم میرے ساتھ ایسا نہ کرو گی۔ ویسے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم بڑی دلیر لڑکی ہو اور میں کم از کم ہر دلیر فرد کو دولت مند دیکھنا پسند کرتا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" رشیدہ نے کہا۔

جعفری نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا اور پھر رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔ "میں تمہیں دولت مند دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"جی....!" رشیدہ کا دل پھر دھڑکنے لگا تھا۔ لیکن اس بار وجہ خوف نہیں تھی، بلکہ اپنے مقصد میں کامیابی کا خیال اس کے ذہن میں ہیجان برپا کئے ہوئے تھا۔

"تمہیں دولت مند دیکھنا چاہتا ہوں۔ اپنے مخصوص اسٹاف میں جگہ دینے کے متعلق غور کر رہا ہوں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔" رشیدہ کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"لیکن لڑکی! ایک بات ذہن میں رکھنی پڑے گی کہ تم مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کرو گی۔"

"دھوکا! نہیں کبھی نہیں۔ دھوکہ تو میں نے انہیں بھی نہیں دیا۔ میری نیت درست تھی۔"

میں کسی نہ کسی طرح وہ رقم ضرور پوری کر دیتی۔"

جعفری تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"تمہیں میرے لئے تھوڑی سی سراغ رسانی کرنی پڑے گی۔"

"سراغ رسانی۔" رشیدہ چونک پڑی۔

"ہاں! دفتر ہی میں۔" جعفری پرخیال انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میرے دفتر میں بھیڑوں کی کھال میں کچھ بھیڑیئے بھی گھس آئے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اس شہر میں میرے کچھ حریف بھی ہیں جو مجھے نقصان پہنچانے پر تلے رہتے ہیں۔ تلاش والا واقعہ تم بھولی نہ ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ دفتر ہی کے کسی فرد کے اشارے پر ہوا تھا۔"

"اوہ.... لیکن....!"

"مجھے یقین ہے کہ یہی بات ہے۔" جعفری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کل سے تمہاری تنخواہ پانچ روپے ماہوار لگے گی اور اس سراغ رسانی کے سلسلے کے اخراجات الگ.... بولو! کر سکو گی۔"

"ضرور کر سکوں گی۔" رشیدہ بڑبڑائی۔ "پانچ سو روپے۔ آپ بہت اچھے ہیں اور آپ اتنا بھی دیتے تو میرا فرض تھا۔ مالک کے نمک حراموں کو جہنم رسید ہی ہونا چاہئے۔"

"مجھے تم سے یہی توقع تھی۔" جعفری مسکرا کر بولا۔

"دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے" پھر جعفری بولا۔ "یہ راؤنڈ ختم ہونے سے پہلے ہ ہمیں اٹھ جانا ہے میں تمہیں اس وقت ایک ایسے شخص سے ملانا چاہتا ہوں جس کے پیچھے تم کل ہ سے لگ جاؤ گی۔"

"بہتر ہے۔" رشیدہ نے جلدی جلدی کافی پی اور پھر جعفری بل ادا کر کے اٹھا۔ دونوں دوسرے دروازے سے باہر نکل آئے۔ جعفری کی کار قریب ہی کھڑی تھی۔ اُس نے اگلی سیٹ کی کھڑکی کھولی اور رشیدہ اس کا شکریہ ادا کر کے اندر بیٹھ گئی۔ جعفری اُس کے برابر بیٹھ کر اسٹیئرنگ کرنے لگا۔ کار شہر کی سڑکوں سے گزر رہی تھی۔ رشیدہ نے موج میں آکر راحیلہ کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"میں جانتا ہوں وہ بڑی ایماندار لڑکی ہے۔" جعفری بولا۔

"آپ سے ڈرتی بہت ہے۔"

"میں دیدہ دانستہ اس پر سختی کرتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"کافی خوبصورت لڑکی ہے اگر کسی جال میں پھنس گئی تو.... اس کا خاندان تباہ ہو جائے گا۔ کی بیوہ اندھی ماں....!"

"آپ جانتے ہیں۔"

"کیوں نہیں۔" جعفری بولا۔ "میں اسی لئے اس پر سختی کرتا ہوں کہ وہ سنگھار کرنا چھوڑ دے۔ دفتر کے کئی کلرکوں نے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میں نے معاملات کو آگے نہ بڑھنے دیا۔"

"سچ مچ آپ فرشتہ ہیں۔"

کار شہر کی ایک ویران سڑک پر جا رہی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" دفعتاً رشیدہ چونک کر بولی۔

"بس اب دور نہیں ہے۔ میں دراصل ایک آدمی کی عدم موجودگی میں تمہیں اُس سے ملانا چاہتا ہوں۔"

رشیدہ خاموش ہو گئی مگر اس کا دل دھڑکنے لگا۔

"کیا تم ڈر رہی ہو۔" جعفری ہنس کر بولا۔ "میری نظروں میں عورتوں کا بہت احترام ہے۔"

اس نے یک بیک ایسی شکل بنائی جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ دفعتاً اس نے رشیدہ سے کہا۔ "کیا کار ڈرائیو کرنا جانتی ہو۔"

"جی ہاں۔"

"اچھا تو چند منٹوں کے لئے اسٹیئرنگ سنبھال لو۔"

رشیدہ نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھا اور وہ اچھل کر پچھلی سیٹ پر چلا گیا۔

"فکر مت کرو، اسٹیئرنگ کرتی رہو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

وہ پچھلا شیشہ گرا کر اندھیرے میں گھورنے لگا۔ بہت دور سڑک پر ایک بہت بڑا اور متحرک تاریک دھبہ سا دکھائی دے رہا تھا یہ دراصل ایک کار تھی۔ جس کے ہیڈ لائیٹس روشن نہیں تھیں۔ غالباً جعفری کی کار کا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ جعفری نے سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک

رائفل نکالی جس کی نال میں نیچے کی طرف ایک بڑی سی ٹارچ فٹ تھی۔

"چلتی رہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "ڈرنامت میں فائر کرنے جارہا ہوں۔"

"کیوں....؟" رشیدہ کانپ کر بولی۔

"چسفورڈ کمپنی کا کوئی آدمی ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔"

"قتل! نہیں نہیں۔" رشیدہ بوکھلا گئی۔

"اوہ....!" جعفری غرایا۔ "میں صرف اس کی کار کا ایک ٹائر پھاڑنے جارہا ہوں۔"

اُس نے رائفل سیدھی کی۔ ٹریگر پر انگلی رکھتے ہی ٹارچ روشن ہوگئی اور ساتھ ہی فائر بھی ہوا۔ گولی تعاقب کرنے والی کار کے اگلے پہیئے پر لگی تھی۔

غیر ارادی طور پر رشیدہ کا ہاتھ گیئر پر جاپڑا.... اور کار کی رفتار کم ہوگئی۔

"کیا کر رہی ہو۔" جعفری غرایا اور رشیدہ کو رفتار پھر تیز کردینی پڑی۔ جعفری پھر بولا۔ "بہت ڈرپوک ہو تم۔"

"مجھے کشت وخون سے دلچسپی نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"تو کیا میں خونی ہوں۔" جعفری بگڑ کر بولا۔

"جی نہیں۔" رشیدہ نے جلدی سے کہا۔

جعفری پھر اگلی سیٹ پر آبیٹھا اور کار ڈرائیو کرنے لگا۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم پہلے کسی زمانہ میں پولیس سے مل کر کام کیا کرتی تھیں۔ اب بھی کرتی ہو یا نہیں۔" جعفری اس کی طرف گھورتے ہوئے بولا۔

"حالات پر منحصر ہے۔" رشیدہ نے بے پروائی سے کہا لیکن اس کا دل پھر دھڑکنے لگا تھا۔

"انور تمہارا شوہر ہے۔"

"نہیں صرف دوست ہے۔"

"بڑے کام کا.... آدمی ہے اگر اُسے بھی میرے ہی فرم میں لے آؤ تو کیا حرج ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ بلکہ میں آپ سے یہ استدعا کروں گی کہ میری تنخواہ میں اضافے کا علم اُسے نہ ہونے پائے۔"

"کیوں....؟"

"میرے زیادہ تر روپے وہی ہضم کرلیتا ہے اور اب تو مجھے اس سے کچھ کچھ نفرت سی ہوچلی ہے۔ واشار کے دفتر والی رقم دراصل اسی پر صرف ہوئی تھی۔ اس سور نے میری ذرا بھی مدد نہ کی۔"

"تو تم اس سے الگ ہونا چاہتی ہو۔"

"میں تو چاہتی ہوں لیکن وہ میرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔"

"اور اگر میں چھڑادوں تو۔"

"عمر بھر آپ کا احسان مانوں گی۔"

"اچھا میں کوشش کروں گا۔ ویسے وہ سو فیصدی پولیس کا پٹھو ہے۔"

"ایسا تو نہیں.... وہ پولیس والوں سے رقم اینٹھنا خوب جانتا ہے۔ انہیں اس بُری طرح بلیک میل کرتا ہے کہ خدا کی پناہ۔"

"مجھے معلوم ہے۔" جعفری نے کہا اور کار کی رفتار سست ہوگئی۔ تھوڑی دور چل کر ایک کچے راستے پر مڑی اور شاید ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کی مسافت طے کرنے کے بعد رک گئی۔ جعفری اتر پڑا۔ رشیدہ بھی اتری لیکن سہمی سہمی سی نظروں سے اندھیرے میں گھور رہی تھی۔ یہاں چاروں طرف جھاڑیاں ہی جھاڑیاں نظر آرہی تھیں اور سامنے ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کی کھڑکیوں سے زرد رنگ کی ہلکی روشنی چھن رہی تھی۔ دونوں مکان میں داخل ہوئے اور جعفری نے دروازہ بند کرکے ایک وحشتناک قہقہہ لگایا۔

رشیدہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔ جعفری کی آنکھیں حد درجہ بھیانک نظر آنے لگی تھیں۔

"کیوں چوہیا۔" اُس کی غراہٹ بلند ہوگئی۔ "تو ایک بھیڑیئے کو راستہ دکھانے کی کوشش کر رہی تھی۔"

رشیدہ چیخ مار کر ایک صوفے پر گر گئی۔

جعفری نے پھر ایک قہقہہ لگایا لیکن یہ قہقہہ معنوی اعتبار سے قہقہہ ہرگز نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی شیر دھاڑ کر رہ گیا ہو۔

رشیدہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے پڑی تھی۔

"فریدی ہی نے بھیجا تھا نا تجھے۔"

"نہیں.... نہیں.... یہ جھوٹ ہے۔" رشیدہ خوفزدہ آواز میں چیخی۔

"مجھے جھوٹا کہتی ہے۔"

"ہاں....؟"

"کیا....؟"

"نہیں نہیں....!"

"تیرے جسم کا ایک ایک ریشہ الگ کردوں گا اور کسی کو کانوں کان تک خبر نہ ہوگی۔"

رشیدہ کچھ نہ بولی اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر غشی طاری ہو رہی ہو۔

"بتاؤ! فریدی کہاں ہے؟" جعفری نے اس کی گردن ٹٹولتے ہوئے کہا اور پھر اس کی گر سخت ہوگئی۔

"بتاتی ہوں۔" رشیدہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی اور جعفری نے اُس کی گردن چھوڑ دی

"میں نہیں جانتی۔" اُس نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "پانی....پانی۔"

"تم نہیں جانتیں۔"

"ہاں اس نے مجھے ایک خط کے ذریعے آپ کے یہاں ملازمت کرنے کا مشورہ دیا تھا۔"

"اور تم نے ملازم ہوتے ہی اپنا کام شروع کردیا۔ کیوں کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ شہر میں جتنے قتل ہوئے ہیں ان میں میرا ہاتھ ہے۔"

"یہ میں نہیں جانتی۔ اس نے صرف یہ لکھا تھا کہ میں ہوشیاری سے سب کچھ دیکھتی او رہوں۔"

"تمہارے علاوہ اور بھی کوئی ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"خیر....اب اس وقت تک تمہاری رہائی ناممکن ہے جب تک تم یہ سب کچھ اگل نہ دو

جعفری نے رشیدہ کی گردن پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا کردیا اور اس کے دونوں ہاتھ پشـ لے جا کر انہیں ایک پتلی سی ڈور سے باندھنے لگا۔ دفعتاً ان دونوں پر ایک بہت ہی تیز قسم کی ر پڑی اور فوراً ہی غائب ہوگئی۔ جعفری غراتا ہوا کھڑکی کی طرف جھپٹا۔ باہر بدستور تاریکی ہوئی تھی۔ اس نے کھڑکی کے باہر چھلانگ لگادی۔ پھر وہ دیوانوں کی طرح قرب و جوار میں پھر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہانپتا ہوا کمرے میں واپس آگیا۔ رشیدہ کے دونوں ہاتھ پشت پر بند

ہوئے تھے....اور....وہ چپ چاپ کھڑی تھی۔

"تمہارے حمایتی۔" وہ گرج کر بولا۔ "لیکن دیکھنا ہے کہ وہ تمہیں یہاں سے کس طرح لے جاسکتے ہیں۔ پولیس....ہوں....پولیس میرے نزدیک بے جان کھلونا ہے، جس کی اسپرنگ جب چاہوں توڑ دوں۔ تلاشی میں کیا ملا تھا نہیں اور تم نے کیا دیکھا تھا....ہنہہ....!"

گرفتاری اور فرار

رشیدہ کو غائب ہوئے دس دن گذر گئے تھے۔ اس دوران میں انور نے جیمس اینڈ جعفری کا پورا دفتر ہلا کر رکھ دیا لیکن کوئی نتیجہ نہ برآمد ہوا۔ جعفری نے رشیدہ سے جو کچھ بھی کہا تھا سچ کر دکھایا۔ پولیس اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکی۔ ایک طرف اس نے خود محکمہ پولیس ہی پر ہرجانے اور ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر رکھا تھا اور دوسری طرف رشیدہ کے خلاف ایک رپورٹ بھی درج کرائی تھی۔ اس نے اس پر الزام لگایا تھا کہ وہ اس کی تجوری کا تالا توڑ کر پندرہ ہزار روپے کے نوٹ نکال لے گئی ہے ثبوت میں اس نے رشیدہ کا ہینڈ بیگ پیش کر دیا جو اسے ٹوٹی ہوئی تجوری کے پاس ہی پڑا ملا تھا۔ تجوری کے ہینڈل پر رشیدہ کے انگلیوں کے نشانات تک مل گئے۔ یہ تجوری اسی کے کمرے میں رکھی رہتی تھی۔ اس واقعے والی شام کو جعفری نے رشیدہ کو تجوری کی کنجی دے کر اس میں سے کچھ نکالنے کو کہا تھا۔ اس طرح تجوری کے ہینڈل پر اس کی انگلیوں کے نشانات باقی رہ گئے تھے اور جعفری نے اُس وقت تک انکی حفاظت کی تھی جب تک پولیس نے انہیں دیکھ نہیں لیا تھا۔

نہ صرف انور بلکہ حمید اور اس کے دوسرے ساتھی بھی اس کے لئے سرگرداں تھے۔ البتہ فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اب تو حمید کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے؟ حمید کو یقین کامل تھا کہ رشیدہ کو جعفری ہی نے غائب کیا ہے کیونکہ اس نے ان دونوں کو وقوعے والی رات کو آرلکچو میں ساتھ دیکھا تھا۔ اسے اب رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے ان دونوں پر نظر کیوں نہ رکھی۔

اس دوران میں بھی کئی حادثات رونما ہوئے تھے۔ ڈی۔ آئی۔ جی کی ہدایت کے مطابق ڈاکٹر نارنگ نے اپنا دیہی بنگلہ خالی کرادیا تھا اور ڈی۔ آئی۔ جی نے اس کی نگرانی کرنے کے لئے محکمہ سراغ رسانی کے دو انسپکٹر مقرر کردیئے تھے لیکن دوسری صبح ان دونوں کی لاشیں ملیں۔ اُن کے

سر بڑی بے دردی سے کچلے گئے تھے اور لاشیں راستے پر ڈال دی گئی تھیں اسی رات کو ڈاکٹر نارنگ پر ایک بار پھر حملہ ہوا۔ اس کے بیان کے مطابق جب وہ رات کا کھانا کھا کر پائیں باغ میں ٹہل رہا تھا تو کسی نے اس پر چھرے سے حملہ کیا اور اس کا داہنا بازو زخمی ہو گیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ حملہ آور کو پہچان نہیں سکا تھا۔ اگر وہ لڑنے پر آمادہ نہ ہو گیا ہوتا تو حملہ آور دوسرا وار ضرور کرتا۔ اس کے نوکروں نے اس کی چیخ سنی تھی۔

ان حادثات کے بعد ڈاکٹر نارنگ کے دیہی بنگلے اور شہری رہائش گاہ پر مسلح پولیس کا پہرہ لگا دیا گیا۔ لیکن ایک رات بنگلے کے پہرے داروں پر کسی نامعلوم آدمی نے دیسی بم پھینکے۔ نتیجہ کے طور پر ایک ہلاک ہو گیا اور تین کے گہرے زخم آئے۔ البتہ اس کی شہری رہائش گاہ پر پھر کوئی حادثہ نہیں ہوا۔

اب تو ڈی۔ آئی۔ جی کو بھی فریدی پر تاؤ آنے لگا تھا۔ محکمہ سراغ رسانی پر چاروں طرف سے بوچھاڑیں ہو رہی تھیں۔ حکومت نے پورے ملک کے بہترین دماغ ایک جگہ اکٹھا کر دیئے تھے لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ پھر یہ خبر بھی گشت کرنے لگی تھی کہ حکومت عنقریب برطانوی حکومت سے استدعا کر کے اسکاٹ لینڈ یارڈ کے نامور جاسوسوں کی خدمات حاصل کرنے والی ہے۔

ڈی۔ آئی۔ جی اپنے آفس میں بیٹھا بُری طرح کھول رہا تھا کہ چپراسی نے ایک کارڈ لا کر پیش کیا۔ ڈی۔ آئی۔ جی پیشانی پر شکنیں ڈالے اس کارڈ کو چند لمحے گھورتا رہا پھر جھنجھلائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آنے دو۔"

نیو اسٹار کا کرائم رپورٹر انور سعید چق ہٹا کر اندر داخل ہوا۔

"بیٹھ جاؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے مضطربانہ انداز میں کہا جس میں جھنجھلاہٹ بھی شامل تھی۔ "وہ لڑکی ملی یا نہیں۔"

"وہ تو نہیں ملی۔" انور نے کہا۔ "لیکن اس کا سراغ معہ ثبوت مل گیا ہے۔"

"یعنی....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

انور نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اس کی میز پر رکھ دی۔

"یہ کیا۔" ڈی۔ آئی۔ جی اُس پر جھکتا ہوا بولا پھر سیدھا ہو کر انور کو گھورنے لگا۔ انور کچھ نہ بولا۔

"بولتے کیوں نہیں، یہ کون ہے؟" ڈی۔ آئی۔ جی نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"جیمس اینڈ جعفری کا جنرل منیجر جعفری.... اور دوسری رشیدہ ہے۔"

"اوہ....!" ڈی۔ آئی۔ جی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اور غالباً یہی مسٹر کیو ہے۔" انور بولا۔ "اُسے کسی طرح علم ہو گیا کہ رشیدہ کو فریدی صاحب نے اس کی فرم میں ملازمت کرنے کی ترغیب دی تھی لہٰذا اس نے اُسے غائب کر دیا اور اس کی چالاکیوں سے تو آپ واقف ہی ہوں گے کہ اس نے کس طرح پولیس پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کیا ہے اور کس خوش اسلوبی سے رشیدہ کو چور ثابت کر کے اس کے خلاف رپورٹ بھی درج کرا دی ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی اس تصویر کو برابر گھورے جا رہا تھا۔ یہ جعفری اور رشیدہ کی تصویر تھی جس میں وہ رشیدہ کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر باندھ رہا تھا۔

"تمہیں یہ ملی کہاں سے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"ایک خط کے ساتھ فریدی صاحب کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔"

"فریدی۔" ڈی۔ آئی۔ جی چونک کر بولا۔ "وہ ہے کہاں.... خط لاؤ۔"

"پتہ نہیں.... وہ کہاں ہیں۔" انور جیب سے خط نکالتا ہوا بولا۔ "دستی خط.... آرلکچو کے [illegible] سے ملا تھا۔"

کاغذ پر صرف دو سطریں تحریر تھیں۔

"تصویر بھیج رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم صحیح نتیجے پر پہنچو گے اُسے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کے پاس لے جاؤ...."ف"

"مائی گاڈ....!" ڈی۔ آئی۔ جی حیرت سے بولا۔ "تو یہی شخص مسٹر کیو ہے۔"

"میرا تو یہی خیال ہے۔" انور نے کہا۔

"اچھا تو تم جاؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "اخبار میں اس کے متعلق کچھ نہیں آنا چاہئے۔"

"بہتر ہے۔" انور نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

دوسرا لمحہ ڈی۔ آئی۔ جی کے لئے انتہائی ہیجان آفریں تھا۔ وہ خط اور تصویر لئے ہوئے آئی۔ جی کے دفتر کی طرف لپکا۔

پھر آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر جیمس اینڈ جعفری کے دفتر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ کسی کو سانس

لینے کی مہلت بھی نہ ملی لیکن خود جعفری کا کہیں پتہ نہ تھا۔ پولیس نے عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا۔ جعفری کے کمرے والا تہہ خانہ بھی دیکھا گیا لیکن لاحاصل.... دفتر کا سارا عملہ حراست میں لے لیا گیا۔ ڈی۔ آئی۔ جی کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے منہ پر تھپڑ مارے۔ جلدی میں اس نے ایک زبردست غلطی کی تھی۔ محاصرے سے پہلے اسے معلوم کر لینا چاہئے تھا کہ جعفری دفتر میں موجود بھی ہے یا نہیں۔ آئی۔ جی بھی اس کے سر الزام تھوپ رہا تھا۔ حالانکہ وہ خود بھی عقل رکھتا تھا۔ اس کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند لمحوں کے بعد وہ دونوں ہی متفقہ طور پر فریدی کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔

"کیا حماقت کی ہے اس لونڈے نے خود کو نہ جانے کیا سمجھ رکھا ہے۔" آئی۔ جی بولا۔

"میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔ آخر اس کرائم رپورٹر کو تصویر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "خود آرائی کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔"

"بہت ہو چکا۔" آئی۔ جی پھنکارا۔ "پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ میں آج ہی اسے معطل کر ہوں اور ساتھ ہی اس کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کراؤں گا۔ بہت سر چڑھایا گیا ہے۔ میں کم ایسے آدمی کا وجود اپنے محکمے میں برداشت نہیں کر سکتا جو ڈسپلن برقرار نہ رکھ سکے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے ریسیور اُ لیا۔ چند لمحے بُرا سا منہ بنائے ہوئے سنتا رہا پھر ایک طویل "اچھا" کے ساتھ ریسیور پٹخ دیا۔

آئی۔ جی سوالیہ انداز سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو جان ہی کو آ گیا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی بڑبڑایا۔

"کون....؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"ڈاکٹر نارنگ.... اب نہ جانے کون سی آفت ٹوٹی ہے کہ بلا رہا ہے۔"

"ابھی کیا ہے! یہ سارے لیڈر ناطقہ بند کر دیں گے۔ فریدی کے لونڈا پن کی وجہ سے بنا کھیل بگڑ گیا۔"

ڈی۔ آئی۔ جی دو انسپکٹروں کے ساتھ ڈاکٹر نارنگ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ڈا نارنگ برآمدے میں کھڑا پائیں باغ میں پھیلے ہوئے کبوتروں کے لئے دانہ ڈال رہا تھا۔

"فرمائیے۔" میں آج بہت مشغول ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"کیا؟ میں نہیں سمجھا!" ڈاکٹر نارنگ نے حیرت سے کہا۔

"آپ نے فون کیا تھا مجھے۔" ڈی۔ آئی۔ جی جھنجھلا کر بولا۔

"میں نے.... نہیں تو۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" ڈی۔ آئی۔ جی بے بسی سے بولا۔ "وہ مسٹر کیو بھی ہاتھ آتے تے رہ گیا۔"

"کیا کیسے.... یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ اندر چلئے۔" ڈاکٹر نارنگ بولا۔

وہ لوگ ملاقاتی کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔

"کیا مسٹر کیو کی شخصیت ظاہر ہو گئی۔" ڈاکٹر نارنگ نے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن اسے فی الحال اپنے ہی تک محدود رکھئے گا۔ سردست تو وہ نکل بھی گیا ہے۔ ن زیادہ دیر تک نہ بچ سکے گا۔ سارے ملک میں وائرلس کے ذریعہ اس کا حلیہ جاری کر دیا گیا ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"جیمس اینڈ جعفری کا جنرل منیجر جعفری۔" ڈی۔ آئی۔ بولا۔

قبل اس کے کہ ڈاکٹر نارنگ کچھ کہتا کمرے کے ایک گوشے میں غراہٹ سی سنائی دی۔

"جعفری حاضر ہے۔"

وہ سب چونک کر مڑے۔

جعفری ایک دروازے میں کھڑا انہیں خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں لور تھا۔ جس کا رخ انہیں کی طرف تھا۔ وہ چاروں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔" جعفری غرایا۔ "مسٹر کیو پر ہاتھ ڈالنا آسان کام ں۔ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب۔"

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سبھوں کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ البتہ ڈاکٹر نارنگ کے ہونٹوں پر عجیب رح کی مسکراہٹ تھی۔ جعفری نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ہتھکڑیوں کا جوڑا نکالا اور ے ایک انسپکٹر کی طرف اچھالتا ہوا بولا۔ "اپنے ڈی۔ آئی۔ جی اور ڈاکٹر نارنگ کے ہاتھوں میں او.... چلو.... جلدی کرو۔"

انسپکٹر نے طوعاً و کرہاً ایک ہتھکڑی ڈی۔ آئی۔ جی کے اور دوسری ڈاکٹر نارنگ کے ہاتھ میں

ڈال دی۔ دوسرے سب انسپکٹر کا ہاتھ جیب کی طرف جا ہی رہا تھا کہ جعفری نے اسے للکار
"خبردار میں سر سے پیر تک آنکھیں ہی آنکھیں رکھتا ہوں۔"

"یہ کیا لغویت ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی جھلا کر چیخا۔

"سرکار ناراض نہ ہوں۔" جعفری قدرے جھک کر بولا۔ اس کا ایک ہاتھ اس کے سر پر تو اس نے اپنے بال مٹھی میں جکڑے اور ایک جھر اتا سا مارا۔ بالوں کے ساتھ چہرے کی کھال بھ اترتی چلی گئی اور جب وہ سیدھا ہوا تو ڈی۔ آئی۔ جی اور دونوں انسپکٹر بے ساختہ چیخ پڑے۔ "فریدی"

دفعتاً ڈاکٹر نارنگ ڈی۔ آئی۔ جی پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں کے داہنے اور بائیں ہاتھ ایک ساتھ جکڑے ہوئے تھے اور دوسرے دائیں بائیں آزاد تھے۔ دونوں ایک ساتھ زمین پر آ رہے۔ قبل اس کے کہ وہ لوگ سنبھلتے ڈاکٹر نارنگ اٹھ کر بھاگا۔ پتہ نہیں اس نے کس طرح اپنا ہاتھ ہتھکڑ سے نکال لیا تھا۔ ہتھکڑی بدستور بند تھی۔ فریدی ڈاکٹر نارنگ کے پیچھے دوڑا۔ اس کے پیچھے تینوں بھی بھاگے۔ وہ سارے کمروں میں ناچتے پھر رہے تھے اور ڈاکٹر نارنگ کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"میں بھی شاید پاگل ہو گیا ہوں۔" فریدی نے کہا اور ایک سمت دوڑنے لگا۔ ایک کمرے م پہنچ کر وہ ایک لحظہ کے لئے رکا۔ یہاں ایک میز الٹی پڑی تھی غالباً وہ دیوار سے لگی رہی ہو گی۔

"یہ ہتھکڑی لو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اپنے ہاتھ میں جھولتی ہوئی ہتھکڑی کی طرف دیکھ کہا۔ ایک انسپکٹر نے آگے بڑھ کر ہتھکڑی نکال دی۔

فریدی دیوار سے لگے ہوئے ایک ایک ریک پر زور آزمائی کر رہا تھا۔ دفعتاً ریک اپنی جگہ کھسک کر ایک طرف ہو گیا۔ سامنے دروازہ تھا وہ چاروں دیوانہ وار اندر گھسے۔

"بڑا غلط طریقہ تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی بڑبڑا رہا تھا۔

"جناب والا۔" فریدی نے مڑے بغیر کہا۔ "آپ محاصرہ کر کے تو اُسے پکڑ ہی نہیں سـ تھے۔ اس عمارت کے نیچے سرنگوں اور تہہ خانوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ گھبرائیے نہیں! میں جا ہوں کہ وہ کہاں گیا ہو گا۔"

وہ ایک کشادہ سرنگ میں دوڑ رہے تھے۔ اُن میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ بولنا چاہتا تھا لیکن ا کے دم گھٹ رہے تھے۔ سرنگ تاریک اور متعفن تھا۔

"لیکن سنو تو سہی۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہانپتا ہوا بولا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"ہاتم روڈ پر نکلیں گے۔ موٹروں کے کارخانہ کے پاس۔ گھبرائیے نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہیں گیا ہو گا۔ موٹروں کا کارخانہ اسی کا ہے۔ اس نے وہاں سے ایک موٹر لی ہو گی اور سیدھا ساگر ن گیا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے تو اب بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ مسٹر کیو ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"اس سرنگ میں دوڑتے وقت بھی نہیں۔" فریدی کے لہجے میں تمسخر تھا۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔

"آخر اتنا اُدھم مچانے کی کیا ضرورت تھی۔" ایک انسپکٹر بولا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔" فریدی بولا۔ "ذرا رفتار اور تیز کیجئے۔"

تھوڑی دیر بعد انہیں روشنی دکھائی دی۔ پھر تین زینوں پر نظر پڑی دوسرے لمحے میں وہ باہر ایک بڑا سا پتھر ایک طرف پڑا تھا جو غالباً ڈاکٹر نارنگ کے نکلنے سے پہلے سرنگ کے دہانے پر ا رہا ہو گا۔ چاروں طرف کروندے کی کانٹے دار اور بے ترتیب جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ں نے بروقت تمام راستہ بنایا اور باہر نکلے۔ سڑک زیادہ دور نہیں تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے جنرل گیراج تک آئے۔ کم از کم ڈی۔ آئی۔ جی کے لئے تو یہ نئی اطلاع تھی کہ وہ گیراج ڈاکٹر نارنگ ی ملکیت تھا۔ گیراج کا منتظم باہر ہی مل گیا۔

"ڈاکٹر صاحب آئے تھے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"تنہا ہی تھے۔" فریدی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ گیراج کا منتظم دونوں انسپکٹروں کو ت سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ انہوں نے ریوالور اور کارتوسوں کی پیٹیاں لگا رکھی تھیں۔ منتظم نے ب میں سر ہلا دیا۔

"اُف فوہ۔" فریدی نے بے چینی سے کہا۔ "انہیں منع کیا گیا تھا کہ تنہا باہر نہ نکلیں۔ کتنا رہ ہے ان کے لئے.... کدھر گئے۔"

"ایک کار لے کر اُدھر گئے ہیں۔" منتظم نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"کوئی اور گاڑی فالتو ہے۔"

"جی ہاں ہے۔"

"فون بھی ہے یہاں.... اچھا ذرا گاڑی جلدی سے نکلوائیے۔ ان کی جان کو خطرہ ہے۔"

فریدی مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملنے لگا۔

"فون ہے! آیئے۔" منتظم گھبرا گیا تھا۔ فریدی نے فون پر ہاتھ ڈالا۔

"ہیلو.... کوتوالی.... ڈی۔ آئی۔ جی آف انٹیلی جنس اسپیکنگ.... ساگر مینشن کا محاصرہ فوراً کرلیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ آدمیوں سمیت.... فوراً.... جلدی۔"

ریسیور رکھ کر فریدی باہر بھاگا۔ کار باہر کھڑی تھی۔ اس نے جھپٹ کر اسٹیئرنگ سنبھالا اور اس کے ساتھی بھی بیٹھ گئے۔ کار تیزی سے بیلی روڈ کی طرف مڑی اور دونوں انسپکٹروں کے ر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔

لاشوں کی بارش

"اُف فوہ! کتنا بے وقوف بنے ہیں ہم لوگ.... اس کی گرفتاری کے بعد بھی شاید کسی مشکل ہی سے یقین آئے کہ وہ خود ہی مسٹر کیو ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"میرے پاس ثبوتوں کا انبار عظیم ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"حمید کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں! ہوگا کہیں۔" فریدی بولا۔ "اس بار میں نے انہیں بھی دھوکے میں رکھا۔ جنہیں خود ہی کام پر لگایا تھا۔" ایک لمحے کے لئے خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔

"حمید تک کو اس کا علم نہیں کہ مسٹر کیو کون ہے۔ وہ اب بھی جعفری کی تلاش میں ہوگا۔"

"لیکن.... کیوں؟"

"اطمینان سے عرض کروں گا۔ فی الحال تو میں بھی امید و بیم کی حالت میں ہوں۔"

"اگر نکل گیا تو بہت بُرا ہوگا۔"

"ساگر مینشن کے علاوہ اور کہیں نہیں جاسکتا۔" فریدی نے کہا۔

"یقین کی کوئی وجہ۔"

"ہیڈ کوارٹر ہی ہے پانچ دنوں سے متواتر میں اسی چکر میں رہا ہوں اور یقین واثق ہو جانے اُن اقدام کا فیصلہ کیا تھا۔ اُف فوہ! آج تو یہ فاصلہ کسی طرح کم ہی نہیں ہو رہا ہے۔"

"دیکھو رفتار کم کرو۔ ہم شہر کے آباد حصے میں داخل ہو رہے ہیں۔"

"غالباً پولیس اب تک وہاں پہنچ گئی ہوگی۔" فریدی نے رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم نے فون پر! اُف فوہ.... بڑی غلطی کی۔" ڈی۔ آئی۔ جی بے چینی سے پیشانی رگڑنے لگا۔

"جی.... کیسی غلطی۔"

"تم نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ نارنگ ہی مسٹر کیو ہے۔ اگر وہ انہیں دھوکہ دے کر نکل گیا تو۔"

"مجھے یقین ہے کہ اگر وہاں پولیس پہنچ بھی گئی ہوگی تو بھی شاید ہی عمارت میں داخل ہو سکی ہو۔"

"کیوں؟"

"وہاں مسٹر کیو کے ساتھ ستر آدمی رہتے ہیں اور ڈاکٹر نارنگ کا ذہنی توازن فی الحال بگڑ گیا ہے ورنہ وہ اس طرح نہ بھاگتا۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنا محتاط آدمی تھا۔ خود اس کے آدمیوں کو اس کا علم نہیں کہ مسٹر کیو کون ہے۔ اس نے ہر طرح اپنی مضبوطی کر رکھی تھی۔ اگر وہ اس طرح نہ بھاگتا تو اسے مجرم ثابت کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آجاتا اور میں نے یہ ڈرامائی انداز محض اس لئے اختیار کیا تھا کہ اسے اچانک ذہنی طور پر انتشار میں مبتلا کردوں اور وہ گرفتاری کے وقت رد عمل کے طور پر کوئی اضطراری حرکت کر بیٹھے مگر مجھے اس کا گمان بھی نہیں تھا کہ وہ بند ہتھکڑی سے ہاتھ نکال لے گا۔"

"واقعی تم اس سے بھی زیادہ بھیانک ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اگر خدانخواستہ کہیں تم بھی غیر قانونی راستوں پر نکل گئے ہوتے تو ہم لوگوں کے لئے ایک مستقل درد سر ہو جاتے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ دفعتاً اس نے کار کی رفتار بالکل کم کردی اور ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا۔ "سن رہے ہیں آپ۔"

"ارے! یہ تو مشین گنوں کی آوازیں ہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اچھل کر کہا۔

"وہ دیکھئے۔" فریدی نے سامنے اشارہ کیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور ساگر مینشن سے چاروں طرف گولیاں برس رہی تھیں۔ پولیس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

فریدی نے بڑی پھرتی سے کار بیک کی۔ اگر وہ دو ڈھائی سو گز اور آگے بڑھ گئے ہوتے تو کار گولیوں کی زد پر آجاتی۔ فریدی نے کار کو اگلی گلی میں موڑ دیا۔ ساگر مینشن مقابل سمت کی لائن میں

تھی۔ گلی کے اندر سہمے ہوئے آدمیوں کا ہجوم تھا اور پولیس والے بھی سراسیمگی کا شکار ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ فریدی کار روک کر کود پڑا۔ وہ سب بھی اترے، اور بھیڑ میں گھستے چلے گئے۔

آگے چل کر ایس۔پی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف جھپٹا۔

"ہمارے آنے سے قبل ہی گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔" وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا "میرے خدا نہ جانے کتنی لاشیں ساگر مینشن کے سامنے پڑی ہیں.... اور!.... آیئے میرے ساتھ۔"

ایس۔پی انہیں لے کر ایک عمارت میں داخل ہوگیا۔ اوپری منزل پر پہنچ کر اُس نے ایک کمرے کے روشندان کی طرف اشارہ کیا۔

وہ سب روشندانوں سے جھانکنے لگے۔ یہ عمارت ٹھیک ساگر مینشن کے سامنے تھی اور یہ لوگ اس کے عقبی راستے سے داخل ہوئے تھے۔

روشندانوں سے آنکھیں لگاتے ہی فریدی اور اس کے ساتھیوں کے منہ سے بیک وقت "ارے" نکل گیا۔ گولیاں ساگر مینشن کے اُن نلوں سے نکل رہی تھیں جو غالباً بارش کا پانی نکلنے کے لئے لگائے گئے تھے۔ ایک ایک فٹ باہر نکلے ہوئے نل جن کا جھکاؤ غالباً پچھتر ڈگری کے زاویئے سے سڑک کی طرف تھا۔

"ایسے ہی نل۔" ایس۔پی بولا۔ "پوری عمارت میں چاروں طرف لگے ہوئے ہیں۔ غالباً چوتھی سمت بھی گولیاں برس رہی ہوں گی۔"

ساگر مینشن کے ٹھیک نیچے فٹ پاتھ پر لاشوں کے ڈھیر تھے۔

"مگر وہ لاشیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "وہ تو گولیوں کی زد میں نہیں۔ وہاں ان کا ڈھیر کیا معنی رکھتا ہے۔"

"اور.... اُف۔" عمارت کا ایک مکین آگے بڑھ کر ہانپتا ہوا بولا۔ "مجھ سے پوچھئے.... میرے خدا.... میرے حواس درست نہیں۔ وہ لاشیں ساگر مینشن ہی سے گری ہیں۔ لاشوں کا آبشار.... خدا کی قسم.... لاشوں کا آبشار۔ وہ اس طرح گر رہی تھیں جیسے بارش ہو رہی ہو۔ سب سے پہلے لاشیں گریں اور پھر.... ان نلوں سے گولیاں نکلنے لگیں۔ میرا بھائی.... ہائے کہیں وہ بھی.... نہ مارا گیا ہو.... میرے خدا.... اس کا کچھ پتہ نہیں۔"

وہ خاموش ہو کر الٹے پاؤں دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔ گولیاں برابر سے جا رہی تھیں۔

فریدی نے ایک بار پھر فٹ پاتھوں پر پڑی ہوئی لاشوں کی طرف دیکھا اور نیچے اُتر آیا۔

"تو اس نے اپنے ساتھیوں کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اب کیا کیا جائے۔" ڈی۔ آئی۔ جی پاگلوں کی طرح آنکھیں نکال کر بولا۔

"فون.... یہاں اس عمارت میں کوئی فون ہے۔" فریدی ایس۔پی کی طرف مڑا۔

"وہ تو ہوگا ہی! یہ بتایئے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"مسٹر کیو۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "وہ اس عمارت میں موجود ہے۔"

ایسا معلوم ہوا جیسے ایس پی پر بم گر پڑا ہو۔ وہ حیرت سے منہ اور آنکھیں پھاڑے کھڑا رہا۔

"کیوں بھئی! فون ہے یہاں۔" فریدی ایک آدمی کی طرف مڑا جو غالباً اسی عمارت کا کوئی فرد تھا۔

"جی ہاں! آیئے میرے ساتھ۔"

وہ دونوں تیزی سے اترے۔ دوسرے لمحے میں فریدی کی انگلی ٹیلی فون کے ڈائیل پر چل رہی تھی۔ اُس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ "ہیلو.... ہیلو۔"

جواب میں ایک خوفزدہ سی نسوانی آواز سنائی دی۔

"ڈاکٹر نارنگ سے کہو۔" فریدی گرجا۔ "کب تک گولیاں چلیں گی۔ ساگر مینشن کا ایک نفس زندہ نہ بچے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ ساگر مینشن ایک سیدھی سادی سی عمارت ہے۔"

"وہ پاگل ہو گیا ہے۔" گھٹی گھٹی سی آواز آئی۔ "مجھے بچاؤ.... میں ایک کمرے میں پھنسی پڑی ہوں۔ دروازے پر ایک بڑی وزنی الماری آگری ہے۔ میں اُسے ہٹا نہیں پا رہی ہوں۔ مجھے بچایئے۔"

"تم کون ہو؟" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک بے بس لڑکی۔ اسے نہیں معلوم کہ میں زندہ بچ گئی ہوں۔ ورنہ وہ مجھے بھی نہ چھوڑے گا.... بچاؤ۔"

"کیا وہ تنہا ہے۔"

"ہاں.... اس نے سبھوں کو مار ڈالا ہے اور اب ایک مرکزی مشین پر بیٹھا ساری مشینوں کو کنٹرول کر رہا ہے۔ خدارا کسی طرح آؤ۔ وہ پاگل ہو گیا ہے میں نہیں جانتی کہ اس کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے۔"

"وہ.... وہی تمہارا مسٹر کیو ہے۔ تم کنول تو نہیں۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... آپ کون ہیں.... کہاں سے بول رہے ہیں۔"

"فریدی.... چپ چاپ پڑی رہو۔ وہ کس کمرے میں ہے۔"

"لائبریری کے قریب والے میں جس میں مشینیں فٹ ہیں۔ فریدی صاحب خدا کے لئے مجھے بچایئے۔ اس نے سب کو مار ڈالا نادرہ.... کرنل کی بہن کو بھی۔"

"لیکن.... اس نے تنہا.... ان سبھوں کو کس طرح مار ڈالا۔"

"اوہ.... بڑے خوفناک طریقے سے۔ اس نے عمارت میں داخل ہوتے ہی سبھوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ مسٹر کیو کا حکم ہے کہ تم سب اوپر چلو۔ پھر اس نے ان سبھوں کو اوپری منزل پر لے جا کر چھت کے سرے پر کھڑا کیا۔ خدا کی پناہ میں بھی انہیں میں تھی۔ پھر اچانک اس نے ایک برین گن اٹھائی اور گولیاں برسانے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں خون تھا اور وہ اندھا ہو رہا تھا۔ میں کسی نہ کسی طرح نکل گئی اور اب میں اس کمرے میں۔ پھنسی ہوئی گولیوں کی آوازیں سن رہی ہوں۔ خدا کے لئے جلد پہنچئے۔"

"اچھا لڑکی۔" فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "چپ چاپ پڑی رہو۔ میں آ رہا ہوں۔" وہ ریسیور رکھ کر جانے کے لئے مڑا۔

ڈی۔ آئی۔ جی وغیرہ بھی اُسی کمرے میں آ گئے تھے۔

"کیسے جاؤ گے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جس طرح بھی بن پڑے گا۔ جانا تو ہے ہی۔ وہ تنہا ہے اور ایک مشین کے ذریعہ ان بندوقوں کو کنٹرول کر رہا ہے۔"

"نہیں.... اس حالت میں.... بھلا میں کیسے جانے دوں گا۔ اب میرے خیال سے اسے تھکنے ہی دو۔ لوگ ہوشیار ہو گئے ہیں اور اب کسی کے مرنے کا امکان نہیں۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"وہاں ایک زندگی خطرے میں ہے۔ ایک ایسی لڑکی جس سے ہمیں تھوڑی بہت مدد بھی ملی ہے۔ میں اُسے اس کے رحم و کرم پر کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔"

"پاگل نہ بنو۔" ڈی۔ آئی۔ جی اس کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔

"میں آپ کا حکم نہ ماننے پر مجبور ہوں۔" فریدی نے پلٹ کر اُسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ ڈی۔ آئی۔ جی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی پاگل کی ویران آنکھیں رہی ہوں۔ بے حس اور خوفناک۔ فریدی ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھا۔ لیکن ایس۔ پی دروازے میں حائل ہو گیا تھا۔

"براہِ کرم ہٹ جایئے۔ وہاں تک پہنچنا کچھ مشکل کام نہیں۔ تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کس کمرے میں ہے۔ عمارت میری دیکھی ہوئی ہے۔ وہ بس اندھوں اور پاگلوں کی طرح گولیاں برسا رہا ہے۔"

"لیکن جاؤ گے کس طرح۔" ڈی۔ آئی۔ جی بے چینی سے بولا۔

"وہ سارے نل دو دو فٹ کے فاصلے پر لگے ہوئے ہیں۔ اگر میں کسی دو نلوں کے درمیانی فاصلے کو ذہن میں رکھ کر چلوں تو گولیوں سے بچ سکتا ہوں۔"

"خطرناک! انتہائی خطرناک.... ہر گز نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی چیخ کر بولا۔

لیکن اتنی دیر میں فریدی ایس۔ پی کو دھکا دے کر باہر نکل چکا تھا۔

"پکڑو.... اسے پکڑو.... پاگل.... سور۔" ڈی۔ آئی۔ جی بے تابانہ اس کے پیچھے دوڑا لیکن فریدی گلی میں بھرے ہوئے آدمیوں کی بھیڑ میں غائب ہو چکا تھا۔

وہ لوگ پھر کھڑکیوں کے قریب آ گئے اور پھر انہوں نے فریدی کو نیچے فٹ پاتھ پر دیکھا۔ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر گولیاں گر گر کر گرد و غبار اڑا رہی تھیں۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے اوپر سے اسے پھر آواز دی لیکن اس نے سر اٹھا کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس کی نظریں پائپ پر جمی ہوئی تھیں اور پھر وہ چل پڑا لوگ چیخنے لگے۔ پھر اس نے اتنی تیزی سے سڑک پار کی جیسے بجلی چمک گئی ہو۔ دوسرے فٹ پاتھ پر پہنچ کر وہ مڑا اور ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگا۔

"ہے کوئی اس کی ٹکر کا۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہنس پڑا۔ یہ ہنسی عجیب قسم کی تھی۔ کچھ گلوگیر سی جس میں شاید کچھ آنسوؤں کی نمی بھی شامل تھی۔ حقیقتاً اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"زندہ باد بیٹے! زندہ باد۔" وہ ہاتھ مل کر بڑبڑایا۔

فریدی نے نچلے سارے دروازوں پر نظریں دوڑائیں لیکن سب کے سب بند تھے۔ تیسری منزل کی ایک کھڑکی کھلی نظر آ رہی تھی اور اسی سے ملا ہوا ایک موٹا سا پائپ تھا جو نیچے تک چلا آیا

تھا۔ فریدی نے اپنے جوتے اتارے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکال کر پتلون کی جیب میں ڈالا اور کوٹ بھی اتار کر وہیں فٹ پاتھ پر پھینکا۔ اب وہ اسی پائپ کو پکڑ کر اوپر چڑھ رہا تھا۔

اسے بدقسمتی ہی کہنا چاہئے کہ جب وہ اوپر پہنچ کر کھڑکی میں داخل ہو رہا تھا تو ریوالور اس کی جیب سے نکل کر نیچے فٹ پاتھ پر جا پڑا۔ فریدی نے جھک کر دیکھا اور پھر بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا "اونہہ! جہنم میں جائے۔"

کمرہ خالی تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ پیروں میں جوتے نہیں تھے۔ اس لئے وہ کوئی آواز پیدا کئے بغیر بہ آسانی نقل و حرکت کر رہا تھا۔

عمارت کا پورا نقشہ اس کے ذہن میں تھا۔ وہ دوسری منزل پر اُتر آیا۔ مشین گنیں اب تک چل رہی تھیں۔ لائبریری کے قریب پہنچ کر وہ ایک لحظہ کے لئے رکا پھر آہستہ آہستہ اس کمرے کی طرف بڑھا جس کا پتہ کنول نے دیا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نارنگ کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ مجنونانہ انداز میں ایک پہیے کو تیزی سے گھمائے جا رہا تھا۔ فریدی پنجوں کے بل چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور پھر یکلخت ڈاکٹر نارنگ پر ٹوٹ پڑا۔ ڈاکٹر نارنگ کسی زخمی سانپ کی طرح پلٹا اور پہیہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ دونوں گتھ گئے تھے۔ ڈاکٹر نارنگ کسی پاگل کتے کی طرح فریدی کو بھنبھوڑ رہا تھا۔ ایک تو ویسے ہی کافی طاقتور تھا اور پھر اس وقت کا کیا پوچھنا دوسرے ہی لمحے فریدی کی قوت جواب دینے لگی۔ گولیوں کی آواز بند ہو گئی تھیں۔ فریدی نے اپنی پوری قوت سے نارنگ کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

"خبردار نارنگ۔" دفعتاً دروازے کی طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "الگ ہٹو ورنہ گولی مار دوں گی۔"

کنول دروازے میں ریوالور لئے کھڑی تھی۔ نارنگ کے حلق سے عجیب طرح کی ڈراؤنی آواز نکلی اور فریدی کو بس اتنا محسوس ہو سکا جیسے وہ بھی نارنگ ہی سے لپٹا ہوا کوئی فٹ اچھل گیا ہو۔ پھر اس نے کنول کی گھٹی گھٹی سی چیخ سنی۔ نارنگ ایک ہاتھ سے فریدی سے نپٹ رہا تھا اور دوسرے سے اس نے کنول کو دبوچ رکھا تھا۔ کنول کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر دور جا پڑا۔ وہ کنول کو بُری طرح دبا رہا تھا اور کنول کے حلق سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو۔

فریدی نے بائیں ہاتھ سے ڈاکٹر نارنگ کی ناک دبا کر ایک زوردار جھٹکا دیا اور اس کا سر اس کی

بغل کے نیچے آ گیا۔ فریدی کی گرفت سخت ہوتی گئی۔ داہنے ہاتھ سے وہ کنول کو الگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے جھلا کر نارنگ کی گدی پر ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ اس نے کنول کو چھوڑ دیا اور وہ بے جان سی فرش پر آ رہی۔ ڈاکٹر نارنگ فریدی کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ فریدی کا دوسرا گھونسہ اس کے پیٹ پر پڑا اور وہ بلبلا کر دوہرا ہو گیا۔ اس کا سر فریدی کی گرفت سے نکل گیا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا تیسرا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا اور وہ کسی مرتے ہوئے بھینسے کی طرح ڈکرا کر چت ہو گیا۔

دوسرے لمحے میں فریدی اس کے سینے پر سوار تھا اور اس کے نہ رکنے والے ہاتھ نارنگ کے چہرے پر گھونسوں کی بارش کر رہے تھے۔

پولیس آ گئی۔ ڈی۔ آئی۔ جی ساتھ تھا۔ فریدی نارنگ کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ نارنگ بے ہوش تھا۔ فریدی کسی شرابی کی طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ قمیض تار تار ہو گئی تھی۔ بال بکھرے تھے۔ چہرے پر کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے سہارا دینا چاہا لیکن وہ جھپٹ کر کنول کے پاس پہنچا جو بے حس و حرکت فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

"یہ ابھی زندہ ہے۔" فریدی پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔ "جلدی کرو۔ اسے ہسپتال لے جاؤ۔ جلدی.... نبض کمزور چل رہی ہے۔"

بے ہوش نارنگ کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ اسے اٹھانے سے پہلے کنول کو وہاں سے ہٹا دیا گیا۔

فریدی نے فاتحانہ انداز سے نارنگ کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی جو اس کے چہرے سے بہے ہوئے خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی اسے سہارا دیئے ہوئے اپنے رومال سے اسکے چہرے کا خون خشک کر رہا تھا۔

"اُسے ہسپتال بھجوا دیا۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں! ہاں.... تم مطمئن رہو۔ سب ٹھیک ہو رہا ہے۔"

"درندہ۔" فریدی نے نارنگ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور ایک ہاتھی سے بھی زیادہ طاقتور! پتہ نہیں اور کون کون سی حیوانی قوتیں رکھتا ہے۔ ایک زہریلے سانپ کی طرح ہپنوٹائیز بھی کر سکتا ہے۔ کرنل کی بہن کو اس نے ہپناٹزم ہی کے اثر میں لے رکھا تھا اور وہ رائفل بھی یہیں کہیں ہوگی۔ وہ بے چاری لڑکی.... اس کی لاش بھی یہیں کہیں ہوگی۔"

"اچھا! اب تم چلو یہاں سے۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"اوپری منزل پر کچھ لاشیں ضرور ہوں گی۔"

"اوہ.... چھوڑو.... سب دیکھ لیا جائے گا.... چلو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "مگر نہیں پچھلی طرف سے چلیں گے۔ سڑک پر مجمع تمہیں اور مجرم کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہے۔"

وہ دونوں پچھلے دروازے سے نکل کر دوسری سڑک پر پہنچے۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے ایک سب انسپکٹر سے کار لانے کے لئے کہا۔

"میں شاید ننگے پیر ہوں۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اور میرے جسم پر چیتھڑے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تمہارا کوٹ اور جوتے نہ جانے کہاں ہوں گے۔ ریوالور تو اٹھا لیا گیا تھا لیکن اُن کی طرف دھیان نہیں گیا۔"

اس سڑک اور ساگر مینشن سے ایک سو پچیس لاشیں اٹھائی گئیں۔ شہر میں ایک بار پھر خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ لوگوں کو اس کی خوشی تو ضرور تھی کہ ایک اتنا خوفناک مجرم گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن ساتھ ہی وہ دل گرفتہ بھی تھے کہ ایک دن میں ایک سو پچیس جانیں چلی گئیں۔ زیادہ تر لوگوں نے پہلے اسے افواہ ہی تصور کیا کہ مسٹر کیو ڈاکٹر نارنگ تھا۔ لیکن پھر یقین تو کرنا ہی پڑا۔ سرجنٹ حمید اور ناگر نے طالوت حبشی اور نادرہ کی لاشیں شناخت کیں۔

مسٹر کیو عدالت میں

محکمہ سراغ رسانی کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ شہر کے سارے بڑے حکام موجود تھے۔ انور اور رشیدہ کو پہلی صف میں جگہ ملی تھی۔ سرجنٹ حمید ناک بھوں چڑھائے پھٹا پھٹا پھر رہا تھا۔ فریدی کی تقریر کے دوران میں ایک مرتبہ بھی اس نے ہال میں قدم رکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ کیس کی تمہید کے بعد فریدی ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر مجمع پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر بولا

"ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسٹر کیو کی شخصیت بڑے عجیب طریقے پر پردہ راز میں تھی۔ مجھے پہلے ہی سے علم تھا کہ سیکرٹ سروس کے پانچ آدمی اس نام کو استعمال کر رہے ہیں۔ میں ان کے ٹھکانے سے واقف نہیں تھا۔ لیکن اس اطلاع کے بعد اُن کے متعلق چھان بین کرنا ضروری

ہو گیا۔ بہر حال مختصراً یہ کہ میں نے ان کے ٹھکانے کا پتہ تو لگا لیا لیکن نہ تو ان کے ٹرانسمیٹر کا سراغ ملا اور نہ خود ان کا۔ کافی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ انہیں شاید مجرموں نے ختم ہی کر دیا۔ لیکن سیکرٹ سروس کا ہیڈ کوارٹر برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ وہ نہ صرف موجود ہیں بلکہ اپنی تنخواہیں بھی لے رہے ہیں۔ بات عجیب تھی۔ مگر میں اپنے ہی نظریئے پر جما رہا۔ آخر آج ڈاکٹر نارنگ نے اس بات کا اعتراف کر ہی لیا کہ اس نے ان پانچوں کو ختم کر کے ان کی چیزوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایک طرف وہ انہیں اپنے جرائم کا بھی آلہ کار بناتا رہا اور دوسری طرف سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر سے بھی رابطہ قائم رکھا حتیٰ کہ ان پانچوں کی تنخواہیں تک حاصل کرتا رہا۔ اس طرح وہ حکومت کے اہم رازوں میں بھی دخیل ہوتا گیا۔

"لیکن اس کا مقصد کیا تھا....؟" کسی نے سوال کیا۔

"مقصد.... اس نے اپنے خلاف لگائے ہوئے الزامات کا اعتراف کر لیا ہے لیکن.... مقصد کے متعلق کہتا ہے کہ اس کا اظہار عدالت ہی میں کرے گا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" ڈی۔ آئی۔ جی نے بے چینی سے پوچھا۔

"میرا خیال! میرا خیال یہ ہے کہ ان کے سارے جرائم کے پس منظر میں کوئی اہم تنظیم نہیں تھی۔ اگر اس نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا تھا تو میدان سیاست کے بہترین کھلاڑیوں کو اپنے بس میں کرنے کی کوشش کرتا لیکن اس کے برعکس اس کے آدمیوں میں سبھی قانون کے مجرم نظر آتے ہیں۔ معمولی چور اُچکے، قاتل، سازشی اور قانوناً ناجائز اشیاء کی تجارت کرنے والے۔ بہر حال میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ سب کچھ محض دہشت اور انتشار پھیلانے کے لئے تھا اور وہ بھی قطعی بلا مقصد! میں اسے ایک طرح کا جنون ہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔ میرا دعویٰ ہے کہ ڈاکٹر نارنگ کسی خطرناک کومپلکس کا شکار ہے۔"

"خیر یہ بات بھی کھل ہی جائے گی۔ تم اپنا بیان جاری رکھو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"اس کے ساتھی ناگر کی مصنوعی خودکشی کے متعلق تو بتا ہی چکا ہوں۔ اگر ایسا نہ کرتا تو ڈاکٹر نارنگ اُسے کسی حال میں بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ اس کا طریقہ شروع ہی سے یہ رہا ہے کہ اگر وہ اپنے کسی ساتھی کے متعلق یہ محسوس کر لیتا تھا کہ وہ پولیس کے ہتھے چڑھ جائے گا تو وہ اسے زندہ ہی نہیں چھوڑتا تھا۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ مسٹر کیو کا نام بھی پردہ راز ہی میں رہے۔ بہر حال میری

احتیاط سے اتنا تو ہوا کہ ناگر بچ گیا۔ لیکن مسٹر کیو کو اس کی خودکشی پر یقین نہیں آیا تھا۔ اس لئے اس نے خود ہی اپنا نام اپنے ہی ذریعہ سے ظاہر کر دیا۔ اس میں بھی اس کی ایک گہری چال تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ خود ہر طرح کے شبہات سے بالاتر رہے۔ چونکہ سب سے پہلے اس کا دیہی بنگلہ محکمہ سراغ رسانی کے ایک فرد سرجنٹ حمید کو مشتبہ معلوم ہوا تھا اس لئے اس نے ہر طرح سے اپنی صفائی ضروری سمجھی اور میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر حمید کو اس بنگلے میں وہ حادثہ نہ پیش آیا ہوتا تو ہم آج بھی ان سارے جرائم کی روح رواں سے ناواقف ہوتے۔ ڈاکٹر نارنگ نے اپنے ساتھیوں کی اس حماقت پر پردہ ڈالنے کے لئے اتنے پاپڑ بیلے کہ اس سے غلطیاں ہی سرزد ہوتی چلی گئیں اور نتیجے کے طور پر اسے قانون کی گرفت میں آجانا پڑا۔... ہاں تو.... کرنل فرید کے سیکریٹری ساجد اور نارنگ کے ساتھی ناگر کے بیان سے مجھے اس کے طریقہ کار کا علم ہوا۔ جو بڑا عجیب تھا۔ وہ ایسے مجرموں کو بلیک میل کر کے اپنے گروہ میں شامل کر لیتا تھا جن کے جرائم سے پولیس بھی لاعلم ہوتی تھی اور اس کے لئے وہ سیکرٹ سروس والوں کا ٹرانسمیٹر استعمال کرتا تھا۔ اس طرح وہ اپنے ساتھیوں کے لئے بھی معمہ بنا ہوا تھا۔ اس نے یہ چیز بھی ان کے ذہن نشین کرادی تھی کہ اگر ان میں سے کسی نے کبھی مسٹر کیو کی شخصیت کا راز معلوم کرنے کی کوشش کی تو ختم کر دیا جائے گا اور اس نے کئی ...یوں کے ساتھ یہی برتاؤ بھی کیا۔ صرف ساجد ہی ایسا تھا جو بچ گیا۔ وہ بھی اگر پاگل خانے کی ر...ہ لیتا تو اس کی زندگی بھی ناممکن تھی۔"

"بھئی.... وہ جعفری والا واقعہ۔" ڈی۔ آئی۔ جی مضطربانہ انداز میں بولا۔

"اسی کی طرف آ رہا ہوں۔" فریدی نے مسکراتے ہوئے تقریر جاری رکھی۔ جب مجھ پر اور حمید پر حملہ ہوا تو میں نے یہی مناسب سمجھا کہ روپوش ہو جاؤں۔ مجھ سے دراصل ایک زبردست غلطی ہوئی تھی۔ اس مائیکروفون والے واقعے میں بھی مجھے راز داری ہی برتنی چاہئے تھی۔ بہرحال مجھ پر وہ حملہ ڈاکٹر نارنگ کی جھلاہٹ ہی کا نتیجہ تھا۔ اس طرح میں نے اس کا ایک محیرالعقول حربہ قطعی بیکار کر دیا تھا۔"

"وہ اڑنے والی رائفل کہاں ہے۔" متعدد آوازیں آئیں۔

"ابھی تک نہیں برآمد ہو سکی۔ ڈاکٹر نارنگ نے ابھی تک اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ بہرحال میں اپنی روپوشی کے لئے کسی اچھی سی جگہ کی تلاش میں تھا اسی دوران میں میں نے فیصلہ

یا کہ ایسی صورت میں کسی ایک جگہ رہنا ٹھیک نہیں تھا ابھی میں شہر ہی تک محدود تھا کہ ساجد اور ر کے تجربات کا علم ہوا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مسٹر کیو پر ہاتھ ڈالنے کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے کہ میں بھی مجرموں کا رول ادا کر کے اس تک پہنچوں۔ کچھ ایسے جرائم کروں جو مسٹر کیو کو پی طرف متوجہ کر لیں اور وہ مجھے بھی بلیک میل کر کے اپنے گروہ میں شامل ہونے پر مجبور ے۔ میں اسی اُدھیڑ بن میں مصروف ایک شام راجروپ نگر کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں یک کار الٹی ہوئی کار پر نظر پڑی۔ وہ غالباً ایک درخت سے ٹکرا کر الٹی تھی۔ وہ سڑک عموماً ویران رہتی ہے۔ اس لئے شاید ابھی تک کسی نے اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ بہرحال اس کار میں ھے جیمس اینڈ جعفری کا جنرل منیجر جعفری دکھائی دیا جو بہت زیادہ زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے راب کی بو آ رہی تھی۔ بس اسی وقت اچانک میری اسکیم مرتب ہو گئی۔ جعفری دیکھنے میں خاصا اؤنا معلوم ہوتا ہے اور کچھ خبطی سا بھی ہے۔ شہر میں نہیں رہتا۔ دیہاتوں اور غیر آباد مقامات اس نے چھوٹے چھوٹے مکانات بنوا رکھے ہیں۔ انہیں میں اس کا قیام رہتا ہے۔ میری اس کی نہی رسمی سی ملاقات تھی۔ میں نے سوچا اس سے کام لینا زیادہ مناسب رہے گا۔ میں نے اسے الٹی ئی کار سے نکال کر اپنی گاڑی میں ڈالا اور راجروپ نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں میں نے عفری کو اپنے ایک دوست ڈاکٹر شوکت کے سپرد کیا اور اسے ساری باتیں سمجھا دیں۔ مجھے توقع ی تھی کہ جعفری کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اور یہی ہوا۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹر وکت ہی کا مہمان رہا۔ بہرحال اس کے دفتر میں کسی کو میرے متعلق ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوا اور ھیان ہی کیوں دیتا۔ دفتر والے تو اس سے لرزتے ہی رہا کرتے تھے.... پھر میں نے رشیدہ کو اس ے دفتر میں جگہ دی۔ شروع ہی سے ارادہ تھا کہ اپنے جرائم کے ذریعہ رشیدہ ہی کو بناؤں گا۔ اسے ا کا ذرہ برابر بھی علم نہ تھا کہ وہ فریدی جس نے اسے وہاں ملازمت کرنے کی ترغیب دی ہے۔ د ہی جعفری بھی ہے۔ اس طرح اس کے دل میں بناوٹ نہیں ہونے پائی.... جس دن دفتر کی اشی ہوئی اسی دن میرا نام مسٹر کیو کی لسٹ میں آ گیا۔ اس کے آدمی میرے متعلق اور زیادہ علومات فراہم کرنے کی کوشش کرتے رہے.... اس کے گروہ کی ایک لڑکی کنول نے اس کا پتہ الیا تھا کہ اس تلاشی میں رشیدہ ہی کا ہاتھ تھا۔ بہرحال میں رشیدہ کو لے اڑا۔ مسٹر کیو کا کوئی آدمی ری کار کا تعاقب کر رہا تھا میں نے اس کا ایک ٹائر پھاڑ دیا۔ محض اسے یہ باور کرانے کے لئے کہ

میں اُسے پولیس کا کوئی آدمی سمجھا ہوں۔ جس مکان میں رشیدہ کو لے گیا تھا وہ جعفری ہی کا ہے اور ایک غیر آباد مقام پر واقع ہے۔ میں نے کئی دنوں سے وہیں بود و باش اختیار کر رکھی تھی اور برابر یہ محسوس کرتا رہا تھا کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ لیکن میں بظاہر بے پروا نظر آتا رہا..... ہاں، تو جب میں رشیدہ کو باندھ رہا تھا تو ہم پر ایک تیز قسم کی روشنی پڑی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی فلیش کیمرے کی ہے۔ اس پر میں نے چیخ چلا کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ کسی پولیس والے کی حرکت تھی۔ میں نے عمداً رشیدہ سے ساری گفتگو اونچی آواز میں کی تھی۔ لیکن اب یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے مسٹر کیو کے آدمی نہ اٹھا لے جائیں۔ کیونکہ انہیں کسی ایسے آدمی کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو فریدی کا پتہ اور نشان جانتا ہو..... دوسرے دن صبح ہی میں نے رشیدہ کو بے ہوش کر کے ایک ٹرک میں ڈالا اور اس کے اوپر پیال لاد دیا۔ اس طرح اسے بھی راجروپ نگر پہنچایا اس وقت میں جعفری کی شکل میں نہیں تھا۔ نگرانی کرنے والے اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اس لئے میدان صاف تھا..... دوسرے دن آفس میں مجھے وہی تصویر ملی جو میں نے بعد میں انور کو بھیج دی تھی۔ تصویر کے ساتھ ہی مسٹر کیو کا ایک دھمکی آمیز خط بھی تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ اگر میں اس کے گروہ میں نہ شامل ہوا اور اس کے احکامات کی تعمیل نہ کی تو وہ تصویر پولیس کے حوالے کر دی جائے گی۔ میرا جواب اس نے ایک ویران جگہ پر مانگا تھا۔ میں نے جواب لکھ کر وہاں رکھ دیا۔ خط و کتابت جاری رہی۔ جس کے ذریعہ اس نے مجھے کئی جرائم کی ترغیب دی۔ بہر حال میں پیغام رسانی کے طریقے کا راز جاننے کا کوشاں رہا۔ پھر مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اس کے خطوط کئی ہاتھوں سے گزرتے ہوئے مجھ تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح وہ خط بھی کئی ہاتھوں سے گذرتا ہوا ساگر مینشن تک پہنچا تھا اور پھر وہاں سے اسے کوئی نامہ بر کبوتر ڈاکٹر نارنگ تک پہنچا دیتا تھا اور ڈاکٹر نارنگ کا ٹائپ کیا ہوا خط کبوتر ہی کے ذریعے ساگر مینشن تک پہنچتا تھا۔ مجھے کئی دنوں تک ان کبوتروں کا تعاقب کرنا پڑا تب جا کر یہ راز کھلا کہ وہ ڈاکٹر نارنگ کی کوٹھی پر اترتے ہیں۔ پھر میں نے اپنی کئی راتیں چوروں کی طرح ساگر مینشن اور نارنگ کی کوٹھی کی تلاشی لینے میں صرف کیں اور جب مکمل طور پر اس بات کا یقین ہو گیا کہ اصل مجرم نارنگ ہی ہے تو میں نے وہ تصویر انور کو بھیج دی۔ جب جعفری کے دفتر کی تلاشی ہو رہی تھی تو اس وقت میں سڑک ہی پر موجود تھا۔ لیکن دوسرے بھیس میں۔ ڈی۔ آئی۔ جی کی واپسی پر میں نے انہیں ڈاکٹر

ارنگ کی طرف سے فون کیا.... اور پھر جو کچھ بھی ہوا آپ جانتے ہی ہیں۔"

تمام واقعات صاف ہو چکے تھے لیکن لوگ نارنگ کا بیان سننے کے لئے بے تاب تھے۔ جس ن عدالت میں ڈاکٹر نارنگ کا بیان ہونے والا تھا کہیں تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔ صرف واص ہی کا داخلہ ہو سکا تھا۔ عوام سڑک پر اور عدالت کے صحن میں بھرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر ارنگ نے بڑی شرافت سے استدعا کی تھی کہ باہر والوں تک اس کی آواز پہنچنے کے لئے مائیکرو ون کا انتظام کیا جائے۔ پہلے اس کی یہ درخواست مسترد کر دی گئی لیکن جب اُس نے اس بات کا قین دلایا کہ ملک کے مفاد کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہے گا تو درخواست منظور کر لی گئی اس نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ کوئی ایسی بات شروع کرے تو مائیکروفون کا سلسلہ منقطع بھی کیا جا سکتا ہے.... بڑی عجیب درخواست تھی۔

نارنگ قیدیوں کے کپڑے پہنے ہوئے کٹہرے میں بیٹھا تھا۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات تھی کہ پہلے سے بھی زیادہ تندرست نظر آ رہا تھا۔ چہرہ سرخ تھا اور آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک ظر آ رہی تھی۔ جب وہ اپنا بیان دینے کے لئے کھڑا ہوا تو عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ پھر حلف دینے ی رسم شروع ہونے والی تھی کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "کسی موہوم ہستی کو درمیان میں لانے ی ضرورت نہیں میں جو کچھ بھی کہوں گا سچ ہی کہوں گا۔ البتہ میں بہتے ہوئے خون کی قسم کھا سکتا وں۔ کیونکہ خون ریزی ہی میرا مذہب رہا ہے۔ لوگ میرے جرائم کا مقصد جاننے کے لئے بے ب ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جو مقصد کسی مذہب کا ہو سکتا ہے وہی میری خونریزی کا بھی تھا۔ ہب انفرادی اور اجتماعی سکون کا ذریعہ ہے اور میں صرف انفرادیت میں یقین رکھتا ہوں محض س لئے کہ اجتماعی زندگی نے مجھے حرامی قرار دیا تھا۔

حرامی! ہاں میں حرامی ہوں.... میری سنجیدگی پر کئی منہ حیرت سے کھل گئے ہیں۔ کچھ مسکرا ی رہے ہیں اور آنریبل چیف جسٹس یہ سوچ رہے ہیں کہ شاید اب میں پاگل پن کا ڈھونگ چانے جا رہا ہوں۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالوں گا اور پھر اس وقت تک پھانسی سے بچا رہوں گا جب ب مجھے پاگل خانے میں قیام کرنا پڑے گا.... نہیں میں باہوش و حواس کہہ رہا ہوں کہ میں حرامی وں۔ میں اپنی ماں کی شادی کے ٹھیک پانچویں مہینے میں پیدا ہوا تھا۔ اس سانحے پر اس نے تو دکشی کر لی تھی لیکن وہ شخص جس سے اُس کی شادی ہوئی تھی.... میں اس کا تذکرہ اتنے عامیانہ

انداز میں کر کے اس کی توہین کر رہا ہوں.... وہ دنیا کا عظیم ترین شخص تھا میں تو اُسے خدا تک کہنے کے لئے تیار ہوں۔ اس نے مجھے اپنے بیٹے کی طرح پالا اور پھر دوسری شادی نہ کی.... ہوش سنبھالنے پر مجھے یہ سمجھایا گیا کہ حرامی کہتے کسے ہیں.... میری ماں کا شوہر اس پر جھنجھلاتا اور اپنی بوٹیاں نوچتا۔ گاؤں بھر سے اس نے دشمنی مول لے لی لیکن پھر بھی وہ میرے لئے دوسروں سے لڑتا رہا۔ عورتیں اپنے بچوں کو میرے ساتھ کھیلنے سے روکتی تھیں میں بچپن ہی سے بڑا حساس تھا۔ مجھ پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ کچھ اور بڑا ہوا تو سوچنے لگا کہ آخر حرامی ہونے میں میرا اپنا کیا قصور ہے۔ میرے پالنے والے نے تنگ آ کر مجھے شہر کے ایک ہوسٹل میں بھیج دیا۔ بچپن ہی سے ذہین تھا۔ لکھنے پڑھنے میں دل زیادہ لگتا تھا.... میں تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ لیکن وہاں بھی مشکل سے ایک ہی سال سکون سے گزار پایا۔ دوسرے سال اسی ہوسٹل میں میرے گاؤں کے دو ایک لڑکے اور بھی آ گئے۔ مجھے پھر وہی آوازیں سنائی دینے لگیں....'' ڈاکٹر نارنگ ایک لحظہ کے لئے رکا۔ عدالت میں سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ چند لمحے مجمعے کو گھورتا رہا پھر گرج کر بولا۔

''مجھے بتاؤ میں کیا کرتا.... مجھے جواب دو؟ اگر کوئی مادر زاد لنگڑا ہو تو لوگوں کو اس سے ہمدردی ہوتی ہے۔ مادر زاد اندھے ہندوؤں میں سورداس اور مسلمانوں میں حافظ کہلاتے ہیں.... لیکن میں.... کیا میں بذاتِ خود ایک بہت بڑی مجبوری.... نہیں تھا، کیا میں ایک بیماری کی طرح نہیں پیدا ہوا تھا۔ اگر میں شاستر پڑھ لیتا تب بھی حرامی ہی رہتا۔ اگر قرآن بھی حفظ کر لیتا تو لوگ مجھے حافظ کہتے ہوئے ہچکچاتے۔ آخر کیوں! کیا میں بھی ایک لنگڑے یا اندھے کی طرح اپنی پیدائش کے معاملے میں بے بس نہیں تھا.... زانی اور زانیہ اگر تائب ہو جائیں تو خدا ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے لیکن میں تمہارے خدا سے پوچھتا ہوں کہ آخر اس نے حرامی کو کیوں اپنے بندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے.... وہ جس کا میں نطفہ ہوں وہ اگر تائب ہو کر مولوی یا پنڈت ہو گیا ہو گا تو لوگ اس کے قدم چوم رہے ہوں گے اور وہ بہشت یا سورگ کی آس لگائے بیٹھا ہو گا.... لیکن.... میں.... میں کس طرح خود کو بدل سکتا ہوں۔ میں حرامی ہوں۔ کوئی عادت نہیں ہوں کہ بدل جاؤں.... میں ماضی.... حال.... اور مستقبل تینوں سے محروم ہوں۔ حال محض اس لئے کامیاب رہا کہ میں خود کو چھپانے میں کامیاب ہو گیا۔ اگر واقعی کوئی دوسری زندگی بھی ہے تو.... میں اس سے بھی مایوس ہوں کیونکہ بعض مذاہب حرامی کو ہر حال میں جہنمی قرار دیتے ہیں

ہتے ہیں کہ حرامی ہر حال میں مرنے سے قبل خود کو جہنم کا مستحق بنا لیتا ہے چلئے حرامی کو راہِ مستقیم ے بھی محروم کر دیا گیا۔ پھر آخر کیا کرے کہاں جائے۔ بتاؤ نا.... بولو.... جواب دو۔''

ڈاکٹر نارنگ خاموش ہو کر مجمع کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

''کوئی نہیں بولے گا۔'' اس نے زہر خند کے ساتھ تقریر پھر شروع کر دی۔ ''میں بہت گے بڑھ آیا۔ لوگ یہ جاننے کے لئے بیتاب ہوں گے کہ ایک حرامی ایم۔ پی کیسے بن گیا۔ اسے حق کس طرح مل گیا۔ میں انہیں مایوس نہ کروں گا۔ ہاں تو میں اس ہوسٹل سے فرار ہو گیا اور یہ ے کر لیا کہ کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں مجھے کوئی جانتا نہ ہو۔ میں اس میں آج تک کامیاب رہا۔ ں نے گھٹیا سے گھٹیا مزدوریاں کیں مگر تعلیم نہ چھوڑی۔ سیاست میں ایم۔ اے کرنے کے بعد ں باقاعدہ طور پر میدان سیاست میں اتر آیا لیکن وہ حرامی والا کومپلکس اب بھی مجھے بے چین کئے ئے تھا۔ مجھے آدمی سے نفرت تھی۔ میں سوچتا تھا کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں حرامی ں تو ساری عظمت آن کی آن میں ڈھیر ہو جائے گی۔ جھنجھلاہٹ نے میری خون کی پیاس بڑھا ی۔ کسی بھی آدمی کو بے بس کر کے مجھے سچی خوشی حاصل ہوتی تھی۔ میں ایک ایسے مبارک ت کے خواب دیکھا کرتا تھا جب ایک ایسی قوت میرے ہاتھوں میں ہو کہ لوگ اس کے آگے ے بس ہو کر رہ جائیں۔ مجھے اقتدار کی خواہش نہیں تھی۔ میں تو لوگوں کو خوفزدہ دیکھنا چاہتا تھا۔ ئیوں کی کراہیں اور مرنے والوں کی ہچکیاں سننا چاہتا تھا.... میں حرامی تھا اسلئے خود کو جہنم کا تحق بنا رہا تھا.... جہنم....!''

نارنگ نے رک کر قہقہہ لگایا۔ ''جہنم.... کیا شہر اس دوران میں جہنم نہیں تھا کیا میں اس م کا مستحق ہر گز نہ بنتا۔ میرا خیال ہے کہ دنیا کے نیک اور شریف آدمیوں میں کم از کم پانچ صدی حرامی ضرور ہوں گے لیکن وہ اس لئے قابل نفرت نہیں ہیں کہ ان کی ماؤں نے انہیں یہ بتایا ہو گا کہ وہ حرامی ہیں۔ لہٰذا وہ سو فیصدی بہشت کے مستحق ہیں۔''

ڈاکٹر نارنگ کی آواز دھیمی پڑ گئی اور وہ مسکرا کر بولا۔ ''میں نے اپنے جرائم کا اعتراف کر لیا ، اور ابھی میں بعض مضحکہ خیز قسم کے فیصلے سنوں گا۔''

''آرڈر.... آرڈر....!'' جج میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''میں اب بھی وقت کا سب سے بڑا آرڈر ہوں۔'' ڈاکٹر نارنگ نے قہقہہ لگایا۔ ''اس مقدمے

کے دوران میں میں نے کئی بار عدالت کی توہین کی ہے۔ اس لئے پھانسی کے ساتھ توہین عدالت کے سلسلے میں چھ ماہ کی سزا ضرور رکھی گئی ہوگی۔ لہٰذا میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ پھانسی کے بعد ہی مجھے چھ ماہ کی سزائے قید دی جائے۔"

حاضرین کے قہقہے کسی طرح رک نہ سکے۔

عدالت نے پھر میز پر موگری بجانی شروع کردی۔

عدالت برخواست ہونے پر فریدی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ حمید کے چھیڑنے پر آہستہ سے بولا۔

"اگر یہ غلط راستے پر نہ نکل گیا ہوتا تو بڑا عظیم آدمی ہوتا۔"

"اونہہ۔۔۔!" حمید نے بُرا سامنہ بنایا۔ "کنول کا کیا رہا۔"

"وہ اور ناگر سرکاری گواہ کی حیثیت سے پیش ہوئے ہیں! ظاہر ہے کہ بری ہو جائیں گے۔"

"وہ رائفل نہ جانے کیا ہوئی۔"

"کیا تم پچھلی کاروائیوں کے دوران سوتے رہے ہو۔ اُس نے اسے اسی وقت تباہ کر دیا تھا جب میں نے مائیکروفون کے امتناع کے لئے آرڈر نکلوائے تھے۔"

ڈاکٹر نارنگ کی پھانسی کا منظر بھی عجیب تھا جنہوں نے اسے اس وقت دیکھا تھا ان کا بیان ہے کہ وہ گوشت و پوست کا آدمی تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف یا اضمحلال کی جگہ شگفتگی تھی۔ جب اس سے اس کی آخری خواہش پوچھی گئی تو مسکرا کر بولا۔ "پوچھنے سے کیا فائدہ جبکہ پوری ہی نہ کی جاسکے۔ میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ جتنے بھی موجود ہیں انہیں بڑے بے دردی سے قتل کردوں۔ آخری خواہش پوچھنے کا ڈھکوسلہ بھی عجیب ہے! اچھا خیر چلو! اگر پوچھنا ہی ہے تو ایک بڑی معمولی سی خواہش پوری کردو۔ میرے مرنے سے پہلے یہی کہہ دو کہ ڈاکٹر نارنگ حرامی نہیں ہے۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے کھڑا اس مجمعے کو دیکھتا رہا جسے گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ پھر اس نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگایا اور بلا تکان پھانسی کے تختے پر چڑھ گیا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
10

جاسوسی دنیا

30- مونچھ مونڈنے والی

31- گیتوں کے دھماکے

32- سیاہ پوش لٹیرا

پیشرس

عظیم مصنف ابن صفی نے ایک بار پھر یہ ثابت کردیا کہ صرف ان ہی کا قلم ان کے قائم کئے ریکارڈ توڑ سکتا ہے۔ انہوں نے یہ بات منوائی کہ اردو ادب میں ایک نئی تاریخ کا اضافہ کرنے والا قلم اپنے اندر وہ شگفتگی اور شادابی رکھتا ہے جسے دیکھ کر گل و لالہ کی رعنائی شرما جاتی ہے۔ اس کے اندر بے پناہ طاقت ہے کہ کبھی وہ رومان کے سمن زاروں کی لوریاں سناتا ہے۔ کبھی دیوار قہقہہ کی چلتی پھرتی صورتیں لاتا ہے کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں۔ کبھی استعجاب کا سمندر ہے۔ کبھی پیچیدہ، پُر اسرار، سنسنی خیز واقعات کے حسین طلسم کی فسوں کاری ابن صفی کے اسی کمال نے انہیں لاکھوں انسانوں کا محبوب مصنف بنادیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اردو میں کسی مصنف کو اپنی زندگی میں اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جو ابن صفی کو حاصل ہے۔

پبلشر

تفریح

ستمبر کی ایک اداس شام تھی۔

سرجنٹ حمید کی اکتاہٹیں اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہی تھیں۔ صبح سے وہ منہ باندھے گھر ہی پر پڑا رہا تھا نہ کوئی تفریح تھی اور نہ دلچسپی! فریدی پر آج کل مطالعے کا بھوت سوار تھا لہٰذا وہ ہر وقت لائبریری ہی میں پڑا رہتا تھا۔ حکم تھا کہ اس سے کوئی غیر ضروری بات نہ کی جائے۔

مسٹر کیو والے کیس سے فرصت پا کر اُس نے تین ماہ کی چھٹی لے لی تھی، جو اس شرط پر ملی تھی کہ ضرورت پڑنے پر اُسے طلب بھی کیا جاسکتا ہے۔ جب اُس نے چھٹی کی درخواست دی تھی تو حمید نے کافی دیر تک بغلیں بجائی تھیں کیونکہ اسے توقع تھی کہ یہ چھٹیاں زیادہ تر تفریحات ہی میں گزریں گی لیکن جب فریدی نے لائبریری کی راہ لی تو اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

ممکن ہے کہ وہ شام دوسروں کے لئے حسین رہی ہو۔ لیکن حمید کو تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے جلو میں کفن اور کافور کی ٹھنڈک لئے ہوئے آئی ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے رنگین کس طرح بنائے۔ فلموں سے تو اس کی طبیعت ہی اچاٹ ہوگئی تھی۔ وہی گھسے پٹے پلاٹ۔ وہی پرانی ریں ریں ٹیں ٹیں۔ ایک لڑکی اور لڑکا جن کا ایک دوسرے پر عاشق ہو کر شادی کے لئے ادھار کھانا ضروری۔ لڑکے یا لڑکی کے والدین کی ناراضگی برحق۔

ایک عدد ویلین کی خرمستیاں یا مست خریاں لازمی۔ ایک بے ہنگم سے اور چغد قسم کے کومیڈین کی موجودگی لازمی۔ اس پر سے غزلوں اور گیتوں کے ردے ولادت اور رحلت پر ہیروئن کی غزلیں، جو عموماً سیاہ لباس اور گلیسرین کے آنسوؤں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ قصاب کی چھری سے

کم نہیں۔ دیکھو تو دیکھو ورنہ ٹکٹ کے داموں سمیت جہنم میں جاؤ۔

رہ گئے ہالی ووڈ کے فلم تو ان کا کیا پوچھنا۔ ٹانگوں کے علاوہ اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ پلاٹ ٹانگیں! سینریو! ٹانگیں! اسکرین پلے ٹانگیں، مقصد بھی ٹانگیں ہی اور نتیجے کے طور پر صرف یکے تانگے والوں کی چاندی اور شریف قسم کے طالب علم اپنی مدد آپ کرنے کے صلے میں پیتل کی طرح زرد۔

حمید نے جھنجھلا کر صبح کے اخبار الٹنے شروع کر دیئے۔ اسے توقع تھی کہ شہر میں کہیں نہ کہیں کوئی تفریحی پروگرام ضرور ہوگا۔ آخر کار ایک اخبار کے مقامی خبروں کے کالموں میں ہوٹل ڈی فرانس کے تفریحی پروگرام پر نظر پڑ گئی۔ حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

اور پھر جب وہ تیار ہو کر نکلا تو برآمدے میں فریدی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

"کیوں؟ کہاں....!" فریدی نے اسے نیچے سے اوپر تک گھورتے ہوئے پوچھا، وہ ایک نیچی سی آرام کرسی پر نیم دراز کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھا۔ بائیں طرف ایک پائی تھی جس پر زرد کور کا ٹیبل لیمپ روشن تھا۔ حمید بھنا کر پلٹ پڑا۔

"میں نے آپ کو سینکڑوں بار سمجھا دیا کہ ٹوکا مت کیجئے۔"

"شامت آئی ہے۔" فریدی نے کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔

"جی نہیں جا رہی ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ فریدی اسے چند لمحے گھورتا رہا پھر کتاب اٹھا کر دوبارہ اس پر نظریں جما دیں۔

پہلے حمید نے سوچا تھا کہ باہر نکل کر کیڈی لاک نکالے گا۔ لیکن اب وہ پیدل ہی جا رہا تھا۔ جھنجھلاہٹ کچھ اور بڑھ گئی تھی اور اسی جھنجھلاہٹ کے تحت وہ سوچ رہا تھا کہ اب فریدی ناقابل برداشت حد تک خشک ہو گیا تھا اور کم از کم اب وہ تو اس کے ساتھ کسی طرح رہ نہیں سکتا اور کیا آپ کو اپنا پتھریلا پن مبارک آخر آپ دوسروں کی جان کو کیوں آجاتے ہیں۔ گھسے رہئے لائبریری میں کون منع کرتا ہے۔ لیکن دوسروں کو تو زندہ رہنے دیجئے۔

ہوٹل ڈی فرانس کی رقص گاہ ہمیشہ کی طرح آج بھی پر رونق نظر آرہی تھی۔ رقص شروع ہونے میں ابھی دیر تھی۔ حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں کہ شائد کوئی شناسا مل جائے۔ لیکن مایوسی ہی ہوئی۔

چوبی فرش کے دونوں طرف کی گیلریوں میں ابھی تک کچھ پچھلی میزیں خالی تھیں۔ حمید ایک اچھی سی جگہ تلاش کر کے بیٹھ گیا۔ وہ جگہ اچھی اس لئے تھی کہ قریب ہی کی میز پر ایک کافی حسین سی لڑکی ایک انتہائی بے ڈھنگے اور بدصورت آدمی کے ساتھ بیٹھی ہوئی غالباً شیری یا پورٹ پی رہی تھی۔

حمید کی آمد پر وہ لڑکی اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر دوبارہ اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ حمید نے سوچا کہ اسے اپنی طرف پھر سے متوجہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کی دانست میں یہ اس کی کھلی ہوئی توہین تھی کہ کوئی ایک بار اس کی طرف دیکھ کر دوبارہ نہ دیکھے....؟

میز پر مینو نہیں تھا۔ حمید نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلایا۔

"آج کیا کیا ہے۔" اُس نے اس سے پوچھا۔

"سبھی کچھ صاحب۔ مٹن چاپ، برین چاپ، مٹن کٹلٹ...اسٹیک... میکرونی....پڈنگ۔"

"میں تم سے موسم کا حال نہیں پوچھ رہا ہوں۔" حمید بگڑ کر بلند آواز میں بولا۔ لڑکی چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگی اور ویٹر کچھ گھبرا گیا۔

"جی صاحب۔"

"میں پوچھتا ہوں تلے ہوئے چوزے ہوں گے۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

"ہاں صاحب.... چکن روشڈ....!"

"رولڈ گولڈ....!" حمید نے تحیر آمیز سنجیدگی سے کہا۔ "کیا مسخرہ پن ہے۔"

"رولڈ گولڈ نہیں.... چکن روشڈ۔" ویٹر زور سے بولا۔

"تو لاؤ نا ایک پلیٹ جھک کیوں مار رہے ہو۔"

لڑکی اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی اور وہ آہستہ سے بولا۔ "بہرا معلوم ہوتا ہے۔"

ویٹر چلا گیا۔ حمید کا مقصد حل ہو گیا تھا اس نے یہ حرکت محض اسی لئے کی تھی کہ لڑکی وقتاً فوقتاً اُس کی طرف دیکھتی رہے۔

آہستہ آہستہ خالی میزیں بھی بھرنی شروع ہوگئیں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ویٹر واپس آگیا۔

"پروگرام کس وقت سے شروع ہوگا۔" اس نے ویٹر سے پوچھا۔

"آٹھ بجے سے۔"

"آٹھ بجے ہیں۔" حمید بگڑ گیا۔ "آٹھ نہیں آٹھ ہزار ہوں تو مجھ سے کیا! میں وقت پوچھتا ہوں اور آپ بچوں کی تعداد بتاتے ہیں۔ کسی دیہات سے پکڑ کر آئے ہو کیا۔"

لڑکی پھر ہنسنے لگی اور ویٹر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آٹھ بجے صاحب! ایٹ کلاک شارٹ....!" ویٹر زور سے بولا۔

"تو ایسا بولو نا۔" حمید نے کہا اور پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ویٹر گردن جھٹک کر جا چکا تھا۔

"بہرا ہونا بھی عذاب ہی ہے۔ لڑکی اپنے ساتھی سے کہہ رہی تھی۔ کتنا خوش سلیقہ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس عیب نے اس کی شخصیت ہی برباد کر دی۔"

حمید سر جھکائے کھانے میں مشغول رہا۔

لڑکی کے ساتھی نے کوئی دوسرا تذکرہ چھیڑ دیا۔ لڑکی بڑی دلکش تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس سے کس طرح جان پہچان پیدا کرے۔

"ذرا.... دیکھو! اُدھر....!" لڑکی اپنے ساتھی سے مضطربانہ انداز میں بولی۔

حمید سمجھا شائد اس بار بھی اشارہ اسی کی طرف ہوا ہے۔ لہٰذا وہ سر جھکائے ہوئے کنکھیوں سے اُن کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اس کا خیال درست نہیں تھا۔ لڑکی کی نظریں کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے آدمی کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ بھی اپنی میز پر تنہا ہی تھا۔ ظاہری حالت سے معزز اور دولت مند معلوم ہوتا تھا۔ اگر چہرے پر بڑی بڑی اور گھنی مونچھیں نہ ہوتیں تو کچھ کم عمر معلوم ہوتا۔ آنکھیں بڑی اور پیشانی کشادہ تھی۔ وہ بھی کبھی کبھی کنکھیوں سے اس عجیب غریب جوڑے کو دیکھ لیتا تھا۔

"میرے خیال میں یہ مونچھ بھی ہمارے پیمانے کے مطابق ہے۔" لڑکی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"ہے تو....!" اس کا ساتھی بے دلی سے بولا۔ "لیکن اب مجھے اس مکھی مار کام سے دلچسپی نہیں رہ گئی۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" لڑکی اسے گھورنے لگی۔

اس کا ساتھی کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار تھے۔

گفتگو بڑی عجیب تھی۔ حمید کو چونکنا پڑا لیکن وہ بدستور سر جھکائے ہوئے چوزوں کو آہستہ

آہستہ ادھیڑنے میں مصروف رہا۔ البتہ اس کے کان انہیں دونوں کی طرف لگے ہوئے تھے۔

"تم جانتے ہو کہ مجھے غصہ بھی آسکتا ہے۔" لڑکی پھر بولی۔

"میں نے انکار تو نہیں کیا۔" اس کے ساتھی نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔ پھر وہ دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور وہ لڑکی اس بڑی مونچھوں والے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ حمید کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔ اس نے گھنی مونچھوں والے کو مسکراتے دیکھا۔ لڑکی بھی بڑے میٹھے انداز میں مسکرا رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے ساتھی کو بھی اس طرح دیکھتی جا رہی تھی جیسے وہ یہ سب کچھ اس کی نادانستگی میں کر رہی ہو۔ اس کے ساتھی نے اس کی طرف سے منہ پھیر رکھا تھا۔

جلد ہی بڑی مونچھوں والا بُری طرح بے چین نظر آنے لگا۔

حمید بیٹھا دیکھتا رہا۔ دفعتاً لڑکی کا ساتھی اس کی طرف مڑا اور لڑکی اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہو گئی اور وہ بڑی مونچھوں والا بھی چونک کر اپنے سامنے رکھی ہوئی پلیٹوں پر جھک گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ صورت کچھ جانی پہچانی سی تھی۔ اس نے ذہن پر زور دیا لیکن یاد نہ آیا۔ بہر حال تھوڑی دیر بعد وہ اسے پہچاننے کی کوشش ترک کر کے موجودہ دلچسپ حالات کا جائزہ لینے لگا۔

"میں ذرا باتھ روم تک جاؤں گا۔" لڑکی کا ساتھی اٹھتا ہوا بولا۔

اس کے چلے جانے کے بعد دونوں میں اشارے کنائے ہونے لگے۔ اتنے میں رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی۔ لڑکی نے چوبی فرش کی طرف اشارہ کیا۔ بڑی مونچھ والا مضطربانہ انداز میں اپنی کرسی سے اٹھ رہا تھا۔

پھر حمید نے ان دونوں کو رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں گم ہوتے دیکھا۔ لڑکی کا ساتھی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ یہ سب کچھ تو ہوا لیکن حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ بڑے گھاٹے میں رہا ہے کیونکہ اب ہال میں کوئی ایسی صورت نظر نہیں آرہی تھی جو عمدہ قسم کی ہمرقص ثابت ہوسکتی۔ مجبوراً اُسے ایک ایسی صورت کا انتخاب کرنا پڑا جو تیس یا پینتیس سے کم نہیں تھی۔

اس کی طبیعت کافی بیزار تھی، اس لئے وہ اپنی ہمرقص سے گفتگو کے مواقع ٹال رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس لڑکی اور بڑی مونچھ والے کے قریب پہنچ گیا۔

لڑکی اس سے کہہ رہی تھی۔

"آپ کے بازو! فولاد کی طرح سخت ہیں۔"

"اوہ! نہیں تو.....!" مونچھ والا بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔

"آپ کی آنکھیں بہت حسین ہیں۔"

"آپ مجھے بنا رہی ہیں۔"

"نہیں میں سچ کہتی ہوں۔ اوہ کاش ہم رات بھر اس طرح ناچتے رہیں۔"

"وہ آپ کے ساتھی کہاں گئے۔"

"کہیں بیٹھا پی رہا ہوگا اور پھر کتے کی طرح قے کرے گا۔" وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"آپ کے کوئی عزیز ہیں۔"

"ہاں....!" ایک ایسا بدگوشت جسے آپریشن کے ذریعہ الگ کرانے میں بھی تکلیف ہوگی۔

"یعنی....!"

"میرا شوہر ہے! خود کو انتہائی شریف ظاہر کر کے مجھ سے شادی کی۔ لیکن میرا دل ہی جانتا ہے۔ کئی کئی بوتلیں ایک ہی نشست میں صاف کر دیتا ہے.... یہی نہیں.... اب کیا بتاؤں۔"

"واقعی، آپ کے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔" بڑی مونچھ والے نے کہا اور پھر اس کے بعد وہ موجودہ سوشل نظام کی برائیوں سے متعلق رٹے رٹائے جملے دہرانے لگا۔

"اب وہ رات بھر غائب رہے گا۔ یہاں ڈھیر ساری چڑھا کر کمسن لڑکوں کی تلاش میں نکل جائے گا۔ سور کمینہ.... کتا....!"

"ارے یہ بات بھی ہے۔" مونچھ والا ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "گولی مار دینے کے قابل ہے۔"

"اب آپ ہی بتائیے۔" لڑکی نے کہا۔ "اگر میں جھنجھلا کر اُس سے انتقام نہ لوں تو کیا کروں۔ عرصے تک شرافت کی زندگی بسر کرتی رہی۔ لیکن اب میں انتقام پر اتر آئی ہوں۔ پھر چاہے کوئی آوارہ سمجھے یا....!"

"آپ قطعی حق بجانب ہیں۔" بڑی مونچھ والا جلدی سے بولا۔ "مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔"

"اُس راؤنڈ کے بعد ہم گھر چلیں گے۔" لڑکی نے کہا۔

"ضرور.... ضرور....!" مونچھ والے کی آواز دردناک ہوگئی۔ "آپ جیسی حسین لڑکی

اور.... اُف... یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو اس سے نجات دلوا سکتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" لڑکی بولی۔ "چھاتی پر مونگ دلنے والا محاورہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔"

"اوہ اچھی طرح۔" مونچھ والے نے قہقہہ لگایا۔ "اچھا ہے ایسے آدمیوں کے ساتھ یہی برتاؤ ہونا چاہئے۔ آپ کی یہ اسپرٹ بڑی دقیع ہے جب تک ایسا نہ ہوگا آوارہ قسم کے شوہر راہِ راست پر نہ آئیں گے۔ ویسے کیا آپ کو یقین ہے کہ اُسے ہمارے مشاغل کا علم نہ ہوگا۔"

"قطعی نہیں! وہ شائد اب یہاں موجود بھی نہ ہو۔ دو ایک بوتلیں خرید کر کبھی کا چل دیا ہوگا۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی اس کی جیب ضرور کاٹے گی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ ان دونوں کا تعاقب ضرور کرے گا۔ اب اس نے ان کے قریب رہنا مناسب نہ سمجھا۔ دور سے بھی بہ آسانی ان پر نظر رکھ سکتا تھا۔

ادھر اس کی ہم رقص بڑی دیر سے اُسے گفتگو پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور وہ بدستور بہرا بنا ہوا تھا۔

"آپ بہت اچھا ناچتے ہیں۔" ہم رقص بولی۔

جواب میں حمید نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آٹھ بج کر دس منٹ!"

"کیا؟" ہم رقص حیرت سے بولی۔

"نہیں گھڑی ٹھیک چل رہی ہے۔" حمید نے معصومیت سے کہا۔

"شائد آپ اونچا سنتے ہیں۔" ہم رقص مسکرا کر بولی۔

"تین بھائی ہیں۔" حمید نے کہا اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"بھلا اس میں ہنسنے کی کیا بات۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"میں نے یہ نہیں پوچھا تھا۔" اُس نے زور سے کہا۔

"پھر کیا کہا تھا....؟"

"میں نے کہا تھا کہ آپ بہت اچھا ناچتے ہیں۔"

"ناشتے کا وقت....!" حمید حیرت سے بولا۔ "بھلا یہ بھی کوئی ناشتے کا وقت ہے۔"

ہم رقص پھر ہنس پڑی۔

"کیا آپ بچپن ہی سے بہرے ہیں۔" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کہاں ٹھہرے ہیں؟ کون ٹھہرے ہیں؟" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھہرے نہیں بہرے۔" وہ جھنجھلا کر اُس کے کان میں چیخی۔

حمید اُسے گھورنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"جی ہاں میں بہرہ ہوں۔ لیکن آپ کو اس طرح میرا مذاق اڑا کر دل نہ دکھانا چاہئے۔"

"میں نے مذاق کب اڑایا۔"

"خیر... اور بھی جو کچھ دل چاہے کہہ لیجئے۔ میں بڑا بدنصیب ہوں۔" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔

"ارے.... آپ تو خواہ مخواہ....!" ہم رقص نے اُس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں واقعی بڑا بدنصیب ہوں۔" حمید بولا۔ "اسی عیب کی وجہ سے آج تک میری شادی نہ ہو سکی۔"

"شادی کریں گے آپ....؟" اس نے ہنس کر پوچھا۔

"جی ہاں! دادی کا انتقال ہو گیا۔" حمید نے رونی صورت بنا کر کہا۔ "بڑی نیک تھیں۔ بے چاری مجھے پیار سے چندھڑ کہا کرتی تھیں جس کے معنی مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکے۔"

ہم رقص بے تحاشہ ہنس پڑی۔

"آپ کو غم ناک تذکروں پر بھی ہنسی آتی ہے۔" حمید پھر بگڑ گیا۔

"آپ نہ جانے کیا الٹا سیدھا سنتے ہیں۔" وہ بھی جھنجھلا گئی۔

"پھر کیا کہا تھا آپ نے....!"

"کچھ نہیں....!"

"کچھ تو کہا تھا۔ واہ یہ اچھی رہی۔ کیا خدا نے مجھے اس لئے بہرا کیا تھا کہ لوگ مجھے تنگ کریں۔"

"میں نے کہا تھا۔" وہ اس کے کان میں منہ لگا کر بولی۔ "آپ رقص گاہوں میں نہ آیا کریں۔"

"کیوں....؟"

"ورنہ کسی دن کوئی لڑکی آپ کی مرمت کر دے گی۔"

"محبت کر دے گی۔" حمید نے احمقوں کی طرح کہا۔ "میری ایسی قسمت کہاں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" عورت بڑبڑائی۔

"نہیں پہلے آپ اپنا نام بتائیے۔ میں بعد کو بتاؤں گا۔"

"کس مصیبت میں پھنس گئی۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"خیر نہ بتائیے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میرے بدنصیب کان اس قابل ہی نہیں ہیں کہ آپ کا پیارا پیارا نام سن سکیں۔"

عورت نے جھلا کر ایک جھکولا لیا اور حمید کی گرفت سے نکل گئی۔

وہ آگے جا رہی تھی اور حمید اس کے پیچھے تھا۔ گیلری میں پہنچ کر وہ ایک کرسی پر گر گئی۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے۔" حمید گھبرائے ہوئے انداز میں اس پر جھکتا ہوا بولا۔

"پیچھا چھوڑو میرا۔" اس نے بگڑ کر کہا۔

حمید اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا طبیعت خراب ہے۔"

"نہیں! نہیں! نہیں! میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"سیدھا توڑ دوں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیا سیدھا توڑ دوں۔"

عورت نے جھلا کر اپنے دونوں ہاتھ پیشانی پر مار لئے۔

"سر توڑ دوں۔" حمید کھسیانے انداز میں ہنس کر بولا۔ "نہیں آپ مذاق کر رہی ہیں۔"

وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک حمید کو شعلہ باز آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر اُس کے منہ سے اس طرح کی آوازیں نکلنے لگیں جیسے ہسٹریا کا دورہ پڑ گیا ہو۔ "جنگلی.... گنوار.... احمق....!"

وہ تیزی سے مڑی اور جب وہ دروازے سے باہر نکل رہی تھی تو حمید کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جیب سے پائپ نکالا اور کرسی کی پشت سے ٹک کر تمباکو بھرنے لگا۔

وہ دونوں رقص کر رہے تھے۔ حمید انہیں دیکھتا رہا۔ پائپ سلگا کر وہ پھر اٹھا اس کی نظریں دراصل اس لڑکی کے بدصورت ساتھی کو تلاش کر رہی تھیں، اس نے پورے ہوٹل کا گوشہ گوشہ چھان مارا لیکن وہ نہ ملا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ وہ اس کا شوہر تو کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

وہ پھر گیلری کی طرف لوٹ آیا۔

تھوڑی دیر بعد پہلا راؤنڈ ختم ہوگیا۔ دوسروں کے ساتھ وہ دونوں بھی گیلری میں لوٹ آئے۔ وہ اس میز پر تھے جس پر پہلے وہ لڑکی اور اس کا بدصورت ساتھی بیٹھے تھے۔

حمید کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا پائپ پیتا رہا۔

"میں ذرا اسے دیکھ لوں۔" لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔

اس کی عدم موجودگی میں بڑی مونچھ والا مضطربانہ انداز میں بار بار پہلو بدلتا رہا۔ کبھی انگلیوں سے میز کا کونہ کھٹکھٹاتا۔ کبھی دیا سلائی سے دانت کھتیرنے لگتا۔ اس کے دونوں پیر غیر ارادی طور پر ہل رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد لڑکی واپس آگئی۔

"چلیں....!" بڑی مونچھ والا بے چینی سے بولا۔

لڑکی کے سر کی خفیف سی جنبش کے ساتھ وہ اٹھ گیا۔

حمید انہیں باہر جاتے دیکھتا رہا۔ جیسے ہی وہ دروازے سے گزرے وہ بھی پائپ کی جلی ہوئی تمباکو جھاڑ کر کھڑا ہوگیا۔ باہر کئی ٹیکسیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں انمیں سے ایک پر بیٹھ گئے۔

حمید بھی ایک دوسری پر بیٹھتا ہوا ڈرائیور سے آہستہ سے بولا۔ "اس ٹیکسی کا تعاقب کرنا ہے.... لیکن ذرا فاصلے سے.... پولیس....!"

ٹیکسی چل پڑی۔

مونچھ مونڈنے والی

رات تاریک تھی۔

دونوں ٹیکسیاں شہر کے مشرقی سرے کی آبادی کی طرف جارہی تھیں۔ باٹم روڈ کے چوراہے پر پہنچ کر اگلی ٹیکسی داہنی طرف مڑگئی۔ دور تک دو منزلہ عمارات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

اگلی ٹیکسی کچھ دور چلنے کے بعد ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔ سڑک پر اندھیرا تھا۔ حمید نے بھی اپنی ٹیکسی کافی فاصلے پر رکوائی اور پھر جب اگلی ٹیکسی واپسی کے لئے مڑ رہی تھی تو سرجنٹ حمید اس سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

ان دونوں نے پائیں باغ کا پھاٹک بند نہیں کیا تھا۔ اس لئے حمید کو اندر داخل ہونے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ حالانکہ عمارت کے برآمدے کا بلب روشن تھا لیکن مہندی کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے حمید روشنی کی زد سے باہر تھا۔ اس نے یہ سب کچھ تو کرلیا تھا لیکن اب سوچ رہا تھا کہ اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ وہ عمارت کے اندر تو گھس نہیں سکتا تھا۔

بہر حال وہ اسی پر غور کرتا ہوا آہستہ آہستہ عمارت کے داہنے بازو کی طرف رینگ رہا تھا۔ دفعتاً کسی کمرے میں روشنی ہوئی اور کھڑکیوں کے شیشوں کے چمکدار عکس اندھیرے کے سینے پر جم گئے۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ شاید وہ اسی کمرے میں تھے۔

دوسرے لمحے میں حمید کھڑکی کے شیشے سے کمرے کے اندر جھانک رہا تھا۔

لڑکی ایک آرام کرسی پر نیم دراز سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لیتی ہوئی ادھ کھلی آنکھوں سے مونچھ والے کیطرف دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے سامنے کھڑا صحیح معنوں میں بغلیں جھانک رہا تھا۔

لڑکی نے مسکرا کر کچھ کہا اور وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ حمید تک لڑکی کی آواز نہیں پہنچی کیونکہ کھڑکی بند تھی۔ پھر اس نے لڑکی کو مونچھ والے کے قریب جاتے ہوئے دیکھا.... اور پھر وہ دونوں اتنے قریب ہوگئے کہ دونوں کے جسم ایک دوسرے کو چھونے لگے۔ مونچھ والے کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ لڑکی کے شانوں پر رکھ دیئے اور احمقوں کی طرح مسکرانے لگا۔ دفعتاً سامنے والے دروازے سے ان پر ایک تیز قسم کی روشنی پڑی اور مونچھ والا اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ دروازے میں لڑکی کا بدصورت ساتھی کھڑا اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا اور اس کے گلے میں ایک فلیش کیمرہ لٹک رہا تھا۔

اس نے کیمرہ اتار کر ایک طرف ڈال دیا اور بڑی مونچھ والے پر ٹوٹ پڑا۔

کچھ دیر بعد لڑکی اور اس کا ساتھی اسے ایک کرسی سے باندھ رہے تھے۔ شائد اب مونچھ والے میں جدوجہد کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔

اسے کرسی میں اچھی طرح جکڑ دینے کے بعد لڑکی نے ایک میز کی دراز سے استرا نکالا۔ لڑکی کا ساتھی مونچھ والے کا سر اپنی گرفت میں جکڑے ہوئے تھا.... اور پھر دوسرے لمحے میں لڑکی سے جو حرکت سرزد ہوئی اس نے حمید کی آنکھوں کو اپنے حلقوں سے نکلنے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ اس کی مونچھ مونڈ رہی تھی۔

ادھر اچانک ایک جھلائے ہوئے کتے نے غرا کر حمید کی ٹانگ پکڑلی۔ حمید بے تحاشہ اچھلا۔ ٹانگ تو اُس کی گرفت سے نکل گئی لیکن وہ خود ایک کیاری میں جاپڑا۔ کتا دوبارہ اس پر جھپٹا اور اٹھتے اٹھتے اس نے اس کے کوٹ کا دامن پکڑلیا۔ حمید نے دو تین گھونسے جھاڑ دیئے۔ لیکن کتا بھی کم نہیں تھا۔ اس بار اس نے اس کے ہاتھ پر منہ مارا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ حمید بے تحاشہ بھاگ رہا تھا اور وہ اس کے پیچھے تھا۔ لڑکی شائد برآمدے میں کھڑی ہوئی اُسے آوازیں دے رہی تھی۔

سڑک پر پہنچتے پہنچتے بُری حالت ہوگئی۔ کتا تھا کہ برابر تعاقب کئے جارہا تھا۔ اس کی غراہٹ کے ساتھ ہی ساتھ حمید کسی کے پیروں کی تیز آواز بھی سن رہا تھا۔ کتے کے پیچھے بھی شائد کوئی دوڑ رہا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب معاملہ گڑبڑ ہے۔ اگر وہ لڑکی کا ساتھی ہوا تو اسے فوراً ہی پہچان لے گا۔ پیچھے دوڑنے والے نے کتے کو آوازیں دینی شروع کردیں تھیں۔ پھر حمید نے محسوس کیا کہ کتے کا جوش بھی کچھ کم ہوتا جارہا ہے۔ شاید کتے کے مالک نے کتے کو پکڑلیا تھا۔

"ٹھہر جاؤ۔" اس نے شاید حمید کو آواز دی۔

اب حمید نے بھاگنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کسی شبے کے تحت اس نے کتے کو دوبارہ چھوڑدیا تو مصیبت ہی آجائے گی۔ وہ رک گیا۔

آنے والا کتے کا پٹہ پکڑے ہوئے اس کے ساتھ قریب قریب گھسٹتا ہوا آرہا تھا۔ کتے کے منہ سے ابھی تک ہلکی ہلکی غراہٹ نکل رہی تھی۔ سڑک پر اندھیرا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ لڑکی کا ساتھی ہے اور اسکے پاس اتفاق سے ٹارچ نہ ہوئی تو پہچان لئے جانے کا امکان نہیں رہ جاتا۔

"تم کون ہو؟" آنے والے نے کڑک کر پوچھا۔

"پہلے اپنا لہجہ درست کرو۔" حمید بھنا کر بولا۔

"اوہ....!" وہ یک لخت نرم پڑگیا۔ "لیکن آپ کمپاؤنڈ میں کیوں داخل ہوئے تھے۔"

"نعیم صاحب سے ملنا تھا۔" حمید نے کہا۔

"کون نعیم صاحب۔"

"اوہ تو کیا.... وہ کوٹھی نمبر چوراسی نہیں تھی۔"

"جی نہیں.... قطعی نہیں! وہ تو.... اس کا نمبر پینتالیس ہے۔"

"تب تو یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی۔" حمید نے کہا۔ "جیسے ہی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا یہ مصیبت

آگئی۔ اب تو کپڑے بھی اس قابل نہیں رہ گئے کہ اس وقت نمبر چوراسی تک پہنچ سکوں۔"

"کیا آپ ادھر پہلے کبھی نہیں آئے۔" اس کے لہجے میں شبہ جھلک رہا تھا۔

"جی نہیں! اس شہر میں شائد تیسری بار آیا ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر ندامت آمیز لہجے میں بولا۔

"مجھے افسوس ہے۔ ویسے میرے لائق کوئی خدمت....!"

"جی نہیں شکریہ۔" حمید کے لہجے میں تلخی تھی۔

وہ تیزی سے واپسی کے لئے مڑا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ کتے والا بھی واپس جارہا ہے۔

اس کے ذہن میں بیک وقت کئی خیال گونج رہے تھے۔ آخر یہ سب کیا تھا۔ انہوں نے اس کی مونچھ کیوں صاف کردی۔ اس آدمی کو دیکھتے ہی لڑکی نے اس کی مونچھ کے متعلق گفتگو کی تھی؟ تو کیا وہ اسے اسی لئے پھنسا کر لائی تھی کہ اس کی مونچھ صاف کردی جائے اور وہ کیمرہ.... غالباً اس کے ساتھی نے ان دونوں کی تصویر لے کر مونچھ والے کو بلیک میل کرنے کی دھمکی دی تھی تاکہ وہ پولیس کو اس واقعے کی اطلاع نہ دے سکے۔ حمید اب بھی سوچ رہا تھا کہ وہ اس سے پہلے بھی اسے کہیں دیکھ چکا ہے۔

ان خیالات کے ساتھ ہی ایک دوسرا خیال بھی اسے بے چین کئے ہوئے تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس حالت میں فریدی سے مڈبھیڑ ہوگئی تو اس کی پوزیشن کیا ہوگی؟ کیا وہ اسے پیش آئے ہوئے واقعات کی صداقت باور کرا سکے گا۔

وہ چلتا رہا۔ وہ ایسے راستوں سے گزرنے کی کوشش کررہا تھا جن پر زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔ شہر میں داخل ہو کر وہ زیادہ تر تاریک گلیوں میں گھستا رہا۔ کپڑوں کی حالت اتنی ابتر تھی کہ اسے روشنی میں آتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی تھی۔

گھر پہنچ کر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ یعنی فریدی کا سامنا ہوگیا۔ وہ ابھی تک برآمدے میں بیٹھا کتاب چاٹ رہا تھا۔ حمید کو اس حالت میں دیکھ کر بے اختیار مسکرا پڑا۔

"کسی لڑکی کے باپ یا عاشق کا کارنامہ....!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر کتاب پر نظریں جمادیں۔

"چلئے یہی سہی۔" حمید نے بھنا کر کہا اور اندر جانے لگا۔

"ٹھہرو.... ذرا قریب آؤ۔" فریدی کی معنی خیز نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ آہستہ سے بولا۔ "میں نے اندازہ لگانے میں جلدی کی تھی۔ غالباً وہ لڑکی کے باپ یا عاشق کا کتا تھا.... یقیناً ہی تھا کیوں؟ اور تم کئی جگہ گرے بھی ہو۔ اوہ غالباً کسی کیاری میں۔ گیلی مٹی اور پتیوں کے رگڑ کے نشانات.... کیا کسی کھڑکی پر بھی چڑھنے کی کوشش کی تھی۔ نہیں برخوردار تم جھوٹ نہیں بول سکو گے۔ کیونکہ کھڑکی کی سلاخوں پر شائد حال ہی میں کتھئی رنگ پھیرا گیا ہے جو گیلا تھا۔ سفی کوٹ پر تین لمبی لمبی براؤن دھاریاں جن کے فاصلے برابر ہیں.... یہی بتاتی ہیں۔"

"اور بھی کچھ بتاتی ہیں....!" حمید دانت پیس کر بولا۔

"ہاں.... آں.... ذرا اور روشنی میں آؤ.... بیٹھ جاؤ.... ٹھیک۔"

فریدی نے الیکٹرک لیمپ کا شیڈ اتار دیا اور تیز قسم کی روشنی میں حمید پہلے سے بھی زیا مضحکہ خیز لگنے لگا۔ فریدی آگے جھک کر کچھ دیکھتا رہا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر حمید ک گھورنے لگا۔

"تو اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔" اس نے کہا۔

"میں نہیں پوچھوں گا کہ آپ کس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔" حمید جل کر بولا۔

"نہ پوچھنا ہی اچھا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میں بغیر پوچھے ہی بتاؤں گا۔ ا کوئی معمر عورت تھی۔ چھی چھی۔ لاحول ولا قوۃ۔"

"کیا!" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ آخر فریدی کو اس کا علم کیسے ہوا۔ کیا وہ معمر عورتوں کی سونگھ سکتا ہے۔ اسے اپنی ہم رقص یاد آگئی جسے اس نے الو بنایا تھا۔ وہ چند لمحے فریدی کو حیرت سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "نہیں یہ جھوٹ ہے۔"

"بکتے ہو۔" فریدی نے خود اعتمادی سے کہا اور کتاب پر نظریں جما دیں۔

"آخر بتائیے نا! آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

فریدی نے کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔ چند لمحے شرارت آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے کے بعد آگے کی طرف جھک کر اُس کے کوٹ کے اوپری بٹن پر ہاتھ رکھ دیا دوسرے ہی لمحے میں وہ لمبے لمبے بال اپنی چٹکی میں دبائے ہوئے تھا۔

"یہ سفیدی مائل بال.... کیا تم کوئی بالدار جانور ہو کہ اس قسم کے بال تمہارے کوٹ کے بٹن میں الجھے ہوئے پائے جائیں۔"

حمید جھینپ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بال اسی وقت الجھے ہوں گے جب اس کی ہم رقص تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلی تھی۔

"میں نے ضرورتاً ایسا کیا تھا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے ساری باتیں ضرورتاً ہی تو ہوتی ہیں۔ جب لڑکیاں لفٹ دینا چھوڑ دیتی ہیں تو....!"

"آپ غلط سمجھے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"کیا میں کچھ کہہ رہا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس نے متنبی کرنے کے خیال سے تمہیں آزمائشی طور پر استعمال کیا ہو۔"

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔"

"واقعی یہ بہت بُری بات ہے کہ تم جیسے سنجیدہ آدمی کا مذاق اڑایا جائے۔" فریدی غم ناک لہجے میں بولا۔ "بہر حال نتیجہ کیا نکلا۔ متبنی کرے گی یا نہیں۔"

"اگر آپ سنجیدگی سے نہیں سننا چاہتے ہیں تو....!" حمید اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی فریدی بھی اٹھا۔

"سچ سچ کھانا کھایا تھا یا نہیں۔" وہ حمید کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "وہ کتا غالباً اس کے لڑکے کا ہوگا۔" حمید ایک جھٹکے کے ساتھ الگ ہو گیا اور فریدی بولتا رہا۔

"کاش میں بھی وہ جانفزا منظر دیکھنے کے لئے وہاں موجود ہوتا۔ کیا باغ ہی میں وہ تمہیں متبنی کرنے لگی تھی۔"

"بس بس اس کے آگے سراغ رسانی کی حدیں ختم۔" حمید نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگایا۔

"چلو کھانا کھائیں۔" فریدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "ویسے تم کسی نہ کسی دن دردسری کا باعث ضرور بنو گے۔"

حمید نے اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا۔ وہ اس وقت فریدی سے نہیں بھڑنا چاہتا تھا۔ لیکن کھانے کی میز پر دوبارہ ملاقات ہونا ضروری تھا۔ گھڑی ساڑھے بارہ بجا رہی تھی۔

اتنی رات گئے کھانا فریدی کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مطالعہ یا کسی دوسری مصروفیت کی بناء پر اکثر ایسا ہو جاتا تھا۔ ایسے حالات میں نوکروں کے لئے ہدایت تھی کہ وہ اس کے انتظار میں بیٹھے نہ رہیں۔ حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی خود ہی میز پر کھانا لگا رہا ہوگا۔ ایسے موقعوں پر وہ نوکروں کو کبھی نہ جگاتا تھا۔

واپسی پر حمید کا اندازہ درست نکلا۔ فریدی کھانے کے میز پر اس کا منتظر تھا اور کوئی نوکر موجود نہیں تھا۔ حمید اپنا واقعہ دہرانے کے لئے بُری طرح بے چین تھا۔ لیکن سوچ رہا تھا کہ ان شبہات کی موجودگی میں جن کا اظہار فریدی طنزیہ انداز میں پہلے ہی کر چکا ہے اس کی کہانی پر مشکل ہی سے یقین کرے گا۔

"گھر میں چاہے جس طرح رہو۔" فریدی کھانے کے دوران میں بولا۔ "لیکن باہر تمہیں ایک پروقار آدمی ہونا چاہئے۔"

"آپ میری بات تو سنتے نہیں.... اپنی ہی کہے جا رہے ہیں۔"

"چلو.... سناؤ۔" فریدی مردہ سی آواز میں بولا۔

"آپ یقین بھی کریں گے۔ معاملہ بظاہر مضحکہ خیز مگر حالات کی بناء پر عجیب بھی ہے۔"

"بکو بھی۔"

حمید نے پوری داستان مختصراً دہرا دی۔ فریدی درمیان میں ہنستا اور مسکراتا رہا۔

"تو آپ کو یقین نہیں آیا۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"اگر فرض کرو یقین بھی کر لوں تو پھر....!"

"یعنی یہ کوئی ایسی خاص بات ہی نہیں۔"

"یہ بھی نہیں کہتا۔ لیکن میں فی الحال صرف مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"پہلی بار آپ کی زبان سے اس قسم کا جملہ سن رہا ہوں۔" حمید بولا۔

"ہاں.... آں.... یہ بھی کوئی ایسی خاص بات نہیں۔ ہمیشہ موڈ یکساں نہیں رہتا۔"

"تو میں یہ سمجھ لوں کہ اب آپ آہستہ آہستہ بڑھاپے کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں۔"

"لغو! میں کبھی بوڑھا نہیں ہو سکتا۔"

"خوش فہمی ہے آپ کی۔" حمید ہنس کر بولا۔ "کبھی آئینہ دیکھئے چہرہ پیلا پڑ گیا ہے۔ گالوں کی

ہڈیاں ابھر آئی ہیں۔ ہونٹ خشک ہو گئے ہیں اور آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں بھی اڑنے لگی ہوں گی۔ خیر شادی سے تو جی چراتے ہی ہیں اگر کہئے تو کسی جاپانی دواخانے سے خط و کتابت کر دوں۔"

"ضرور کرو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ورنہ بوڑھیوں سے لاشوں پر اتر آؤ گے۔"

"بہرحال آپ اس معاملے میں دلچسپی نہ لیں گے۔"

"کبھی تم بھی تو کچھ کیا کرو۔" فریدی بولا۔ "اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس طرح نہ بھاگتا۔"

"خیر میں اسلئے بھاگا کہ جس سے ملاقات ہوئی تھی وہ میرا کوئی دور کا بھی عزیز نہیں ہوتا تھا۔"

"حالانکہ ہمیشہ کتوں ہی کے ساتھ بندھے رہتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر فریدی نے پوچھا۔

"اور اس مونچھ والے نے کوئی جدوجہد نہیں کی تھی۔"

"کی تھی۔" حمید نے کہا۔ "لیکن بُری طرح جکڑا ہوا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس حالت میں تصویر لینے کا یہی مقصد ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے۔"

"لیکن آخر مونچھ مونڈنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "پہلے تو میں یہ سمجھا کہ شائد وہ دونوں اسے لوٹیں گے۔"

"کیوں....؟" فریدی چونک کر بولا۔ "یہ کتے کیوں بھونک رہے ہیں۔"

کمپاؤنڈ کی رکھوالی کرنے والے السیشن بری طرح شور مچا رہے تھے۔

"اونہہ بھونک رہے ہوں گے۔" حمید نے کہا۔ دونوں کھانا کھا چکے تھے۔

"شائد کوئی پھاٹک بھی ہلا رہا تھا۔ ذرا دیکھو تو۔"

حمید سننے لگا.... پھر بولا۔ "ہاں ہے تو۔ اتنی رات گئے کون احمق ہو سکتا ہے۔"

حمید ٹارچ لے کر باہر نکلا۔ حقیقتاً کوئی پھاٹک ہلا ہلا کر آوازیں دے رہا تھا اور کتے پھاٹک کے سامنے شور مچا رہے تھے۔ حمید برآمدے کا بلب روشن کر کے آگے بڑھا۔

اور پھر پھاٹک پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہی وہ چونک پڑا کیونکہ یہ وہی آدمی تھا جس کی کچھ دیر قبل مونچھ مونڈی گئی تھی۔

"کیا فریدی صاحب ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں....!" حمید نے پھاٹک کھولتے ہوئے کہا۔

روداد

فریدی بھی برآمدے میں نکل آیا تھا اور آنے والے کو تجسس آمیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ آنے والے کی حالت بھی کچھ کم عجیب نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر گھبراہٹ اور شرم کا حملہ ایک ساتھ ہوا ہو۔

"ارے....!" دفعتاً فریدی چونک کر بولا۔ "یہ تم ہو نجمی۔"

"ار....ہاں.... لیکن....!" آنے والے نے اپنا ہاتھ اوپری ہونٹ پر رکھ لیا۔

"خیریت! اتنی رات گئے۔ آؤ اندر چلو۔ لیکن یہ تبدیلی۔"

"اسی لئے.... میں دراصل اسی لئے آیا ہوں۔"

حمید حیرت سے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ اب اسے یاد آیا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ اس کا نام نجمی تھا۔ تار جام کے ایک کارخانے کا منیجر تھا اور فریدی سے اس کے قریبی تعلقات تھے۔ ویسے حمید سے شاید ایک ہی بار ملاقات ہوئی تھی۔

تینوں ڈرائینگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ نجمی کے انداز سے ابھی تک ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے کہا۔ "تمہاری مونچھیں تو بڑی شاندار تھیں۔"

"ہاں تھیں تو....!" نجمی ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"اب ان سے دوبارہ کیا سنئے گا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "ظاہر ہے کہ بتانے میں بہت دیر لگائیں گے۔"

"جی....!" نجمی چونک کر حمید کی طرف مڑا۔

"جی ہاں۔ ایسی عورتوں سے ہزاروں سال میں ایک ہی بار ملاقات ہوتی ہے۔"

"تو کیا....!" نجمی یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "آپ جانتے ہیں۔"

"جی ہاں! اس عمارت کا تعلق شہر کی ساری عمارتوں سے ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"بیٹھو بیٹھو....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اس کی دلچسپی بڑھتی جارہی تھی۔ نجمی کبھی حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف۔

"اب غالباً آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔" حمید فریدی کی طرف دیکھ کر فخریہ انداز میں بولا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگوں کو اس کا علم کیونکر ہوا۔" نجمی بے چینی سے بولا۔

"اور.... پھر بھی آپ نے میرے لئے کچھ نہ کیا۔"

"حمید تمہیں پہچان نہیں سکا تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر دوسری بات یہ کہ معاملے کی نوعیت سمجھے بغیر کوئی اقدام کیونکر ممکن تھا۔

"نوعیت! نوعیت تو خود میری سمجھ میں نہیں آئی۔" نجمی بولا۔ "بہر حال کچھ ایسے حالات پیدا ہوگئے ہیں کہ میں پولیس کو بھی باقاعدہ طور پر مطلع نہیں کر سکتا۔"

"سمجھا۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ "غالباً وہ فلش کیمرہ تمہیں ایسا کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔"

"قطعی.... اوہ تو آپ سب کچھ جانتے ہیں۔"

"پھر بھی میں تمہارے ہی منہ سے سننا پسند کروں گا۔"

"میں شروع سے بتاتا ہوں۔" نجمی گلا صاف کر کے بولا۔

"نہیں! صرف اس وقت سے جب تم ٹیکسی میں اس کے گھر جارہے تھے۔"

"لیکن آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا۔"

"سرجنٹ حمید تم سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھے۔"

"اوہ....!" نجمی حمید کو جھینپے ہوئے انداز میں دیکھنے لگا۔

"ہاں تو پھر....!" فریدی نے اُسے ٹوکا۔

"ٹیکسی میں وہ ایک فاحشہ عورت کی طرح مجھے اکساتی رہی۔" نجمی نظریں نیچی کر کے بولا۔

"اس کے اس رویے پر میں بُری طرح نروس تھا کیونکہ آج تک کسی ایسی عورت سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ گھر پہنچ کر اُس نے بہت ہی بیہودہ قسم کی باتیں شروع کر دیں۔ میری عادت کچھ ایسی ہے کہ میں عورت کو عورت ہی کے روپ میں دیکھنا پسند کرتا ہوں، یعنی اس میں کم از کم تھوڑا بہت تو شرم کا مادہ ہونا چاہئے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں کبھی اتنا نروس نہیں ہوا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ پہلی ملاقات تھی۔ لیکن وہ جنسی مسائل پر اتنی بے باکی سے

گفتگو کر رہی تھی جیسے دو مرد انتہائی بے تکلف ہو جانے کے بعد آپس میں کرتے ہوں گے بہر حال وہ میرے قریب آکر کھڑی ہو گئی اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے۔ اتنے میں ہم پر ایک تیز قسم کی روشنی پڑی وہ اس کے ساتھی کے کیمرے کی تھی۔ وہ مجھ ٹوٹ پڑا اور چونکہ میں بہت زیادہ نروس ہو گیا تھا۔ اس لئے جلد ہی زیر کر لیا گیا۔"

نجمی خاموش ہو گیا۔

"اور پھر اس لڑکی نے تمہاری مونچھ صاف کر دی۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں لوگوں کا سامنا کس طرح کروں گا۔" نجمی نے کہا۔ "کیا اسے میرا پاگل پن نہ سمجھیں گے۔ ایسی شاندار مونچھیں آسانی سے نہیں پرورش پاتیں۔"

"اس کے بعد کیا ہوا؟" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"ان کا کتا شائد باہر کسی پر جھپٹ پڑا تھا۔ اس لئے وہ دونوں مجھے بندھا ہوا چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد میں نے انہیں برابر کے کمرے میں بلند آواز میں گفتگو کرتے سنا۔ وہ اپ ساتھی کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ اس نے اسے جانے ہی کیوں دیا۔ ممکن ہے وہ کوئی ایسا آدمی رہا ہو جس سے کچھ نقصان پہنچ سکے۔ اس کا ساتھی اسے مطمئن کرنے کی کوشش کر تھا۔ لیکن وہ اپنی ہی بات پر اڑی ہوئی تھی، بہر حال ان کی واپسی پر میں نے بھی چیخنا شروع کر دیا اس پر اس کے ساتھی نے میری توجہ اپنے کیمرے کی طرف مبذول کرائی۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے کسی سے بھی اس واقعے کا تذکرہ کیا یا پولیس کی مدد لی تو وہ مجھ پر مقدمہ چلا دے گا۔ ثبوت میں وہ تصویر پیش کی جائے گی۔ اس کے بعد اس نے الٹا مجھ پر ہی برسنا شروع کر دیا اور وہ کمبخت عورت کہنے لگی کہ اس نے خود کو ایک مشہور نجومی ظاہر کیا تھا لہٰذا میں اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے اسے گھر لائی۔ لیکن یہ مجھ پر مجرمانہ حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اس پر اس کے شوہر نے چھرا نکال لیا لیکن وہ اسے روک کر بولی کہ اتنی ہی سزا کافی ہے۔ ایسے کمینے آدمیوں کے چہرے پر مونچھ نہ ہونی چاہئے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میں نے کئی بوتلیں چڑھا لی ہوں۔ آخر کار انہوں نے دھکے دیکر مجھے گھر سے نکال دیا اور میں نے ایک بے بس چوہے کی طرح بھاگ نکلنے میں ہی عافیت سمجھی۔"

نجمی خاموش ہو گیا۔ فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

"مونچھ مونڈتے وقت کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تھی۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی نہیں۔" جواب بھی سنجیدگی ہی سے دیا گیا اور فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

"اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کہیں وہ مجھے اس تصویر کے ذریعہ بلیک میل نہ کرے۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی بولا۔ "ممکن ہے اس سازش کی تہہ میں یہی مقصد ہو۔ لیکن آخر یہ مونچھ والا معاملہ .... اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ وہ مونچھ مونڈے بغیر بھی اس مقصد میں کامیاب ہو سکتے تھے۔"

"پھر اب بتائیے میں کیا کروں۔ اوہ .... ٹھیک یاد آیا۔ مونچھ صاف کر دینے کے بعد وہ دونوں مجھ پر جھکے ہوئے کچھ دیر تک میرے چہرے کو بغور دیکھتے رہے تھے۔"

فریدی اسے پُر خیال انداز میں دیکھنے لگا۔

"غالباً وہ اس بات کا اندازہ لگا رہے ہوں گے کہ دوبارہ ہاتھ صاف کرنے کی امید کب تک کی جائے۔" حمید بولا۔

"بکو مت ....!" فریدی اسے گھورنے لگا۔ پھر نجمی سے بولا۔ "بھئی! فی الحال تم سکوت ہی اختیار کرو۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم اب شہر ہی مت آؤ۔ ہاں کیا انہوں نے تمہارا پتہ بھی پوچھا تھا۔"

"قطعی نہیں! نام تک نہیں پوچھا تھا۔"

"بہر حال! اگر اس دوران میں وہ تمہیں بلیک میل کر کے کچھ رقم اینٹھنا چاہیں تو مجھے مطلع کرنا۔ یہ کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا میں فی الحال جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہتا۔"

"اور شائد" حمید نے کہا۔ "اس سے پہلے بھی کئی مونچھیں مونڈی جا چکی ہیں۔"

"کیوں ....؟"

"اس لڑکی نے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ یہ مونچھ بھی ہمارے پیمانے کے مطابق ہے۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال بھی درست ہو۔" فریدی بولا۔

"لیکن فی الحال میں کیا کروں!" نجمی بے چینی سے بولا۔

"یعنی ....!"

"لوگ میرا مضحکہ اڑائیں گے۔ میں انہیں اس کے متعلق کیا بتاؤں گا۔"

"بھئی اب اس کے لئے کیا کہا جا سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بہر حال عورتوں کا چکر برا ہوتا ہے۔ اگر تم میں یہ کمزوری نہ ہوتی تو اس کی نوبت کیوں آتی۔"

"چلئے یہ اور رہی۔" حمید ہنس کر بولا۔ "آپ اسے کمزوری فرماتے ہیں۔"

"نہیں بڑی شہزوری ہے۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "تمہارے تو مونچھیں بھی نہیں ہیں۔ البتہ کان یا ناک ضرور کٹوا بیٹھو گے۔"

"کس مصیبت میں پھنس گیا۔" نجی بڑبڑایا۔

"کچھ نہیں صبر کرو۔" فریدی کا لہجہ تلخ تھا۔ "لوگ اگر پوچھیں تو کہہ دینا کہ بہت زیادہ نشے کی حالت میں سگریٹ سلگا رہا تھا کہ ایک طرف دیا سلائی لگ گئی۔ لہٰذا مونچھ بدنما معلوم ہونے لگی تھی....!"

"اس لئے بقیہ اُسترے کی نذر ہو گئی۔" حمید بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر نجی آہستہ سے بولا۔

"خیر آپ لوگ آرام کیجئے۔ اب میں سیدھا تارجام ہی جاؤں گا۔"

اس کے جانے کے بعد کچھ دیر تک خاموشی ہی رہی۔

"فرمایئے سرکار۔" حمید بولا۔ "اب کیا خیال ہے۔"

"خیال یہ ہے کہ اس عظیم کائنات میں سب سے عجیب تخلیق عورت کی کھوپڑی ہے۔"

"یعنی...

"میرا خیال تھا کہ تم اردو سمجھ لیتے ہو گے۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"میں آپ کے خیال کی تائید کرتا ہوں۔ لیکن عورت کی کھوپڑی۔"

"کسی عورت ہی کی کھوپڑی کسی مونچھ والے کا اوپری ہونٹ ٹٹولنے کے لئے اتنی شاندار اسکیم سوچ سکتی ہے۔"

"واہ! ہو سکتا ہے کہ یہ اس کے ساتھی کی اسکیم ہو۔" حمید نے کہا۔

"حالات کی روشنی میں تو ایسا نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے کہا۔ "کیا تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے ساتھی نے مونچھ کا تذکرہ سن کر بیزاری ظاہر کی تھی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ شائد وہ اس کا نوکر ہے۔"

"ممکن ہے۔" حمید نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ "مگر اس کا مقصد۔"

"اوپر ہونٹ ٹٹولنا۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"لیکن کیوں....؟"

"میں لال بجھکڑ تو ہوں نہیں۔" فریدی نے بیزاری سے کہا۔

"کاش میرے بھی مونچھیں ہوتیں۔"

"نہیں ہیں تو ہو جائیں گی۔" فریدی بولا۔ "کل تمہیں اپنی مونچھ منڈوانی پڑے گی۔"

"مجھے.... اوہ سمجھا نقلی۔"

"اور اس کے لئے دن بھر تمہارے چہرے کی مرمت کرنی پڑے گی۔"

"کیوں.... دن بھر کیوں؟"

"اوہو! تو کیا معمولی مونچھیں مونڈ واؤ گے۔ وہ جو ایک جھٹکے ہی میں اکھڑ جائیں۔ بیٹے خاں پلاسٹک کا ایک چہرہ بنانا پڑے گا۔"

"لیکن ذرا حسین سا۔" حمید جلدی سے بولا۔

"ہاں.... آں.... ایک گدھے کے چہرے پر سیاہ مونچھیں بہت کھلیں گی۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ بے چارا نجی حقیقتاً کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ گیا۔"

"تم بھی کسی دن اپنی شامت لاؤ گے۔"

"شامت نہیں بلکہ حجامت کہئے۔" حمید بولا۔ "مگر جناب! میں اتنا احمق نہیں۔"

"آپ.... پدی کے شوربے۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ لئے۔ "نپولین، ہٹلر اور میسولینی بھی عورت کے معاملے میں احمق تھے۔"

"بس ایک آپ عقل مند ہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "نپولین، ہٹلر اور میسولینی ہی جیسے لوگ عورتوں سے تعلقات رکھتے ہیں ڈرپوک نہیں۔"

فریدی ہنسنے لگا اور حمید بکتا ہی گیا۔ "خبر لیجئے اپنی! کسی پہاڑی لنگور کی خدمات حاصل کیجئے، ورنہ وی۔ پی بیرنگ ہو جائے گا۔"

"ارے واہ رے میرے سورما۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا لندن کی وہ رات بھول گئے جب ایک عورت نے تمہارا گریبان پکڑ کر تم سے خود کو ماں کہلوالیا تھا۔"

"نشے میں تھی سالی۔ اگر باپ بھی کہلواتی تو کہہ دیتا۔ پھر اس سے کیا۔"

"اور حالت کیا تھی تمہاری اس وقت۔ ہاتھ پیر کانپ رہے تھے، حمید خاں کے! ایسا معلوم

ہو تا تھا جیسے قصائی پر بکری چڑھ بیٹھی ہو۔"

"ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔" حمید نے جھینپا ہوا سا قہقہہ لگایا۔ "بہت خوب۔ وہ تو کہیے کہ چھوڑ کر خود ہی ہٹ گئی ورنہ....!"

"سچ مچ ماں بنا لیتا۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"بس ایک واقعہ لے کر لکیر پیٹ رہے ہیں۔"

"نہیں میں تمہیں سنجیدگی سے مشورہ دیتا ہوں کہ اب یہ حرکتیں چھوڑ دو۔ ورنہ پھنسو گے کسی دن۔"

"حمید خاں کے اصول دوسرے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔ "کبھی کسی لڑکی کے ساتھ اس کے گھر نہیں جاتا۔ اگر شادی شدہ ہے تو سب سے پہلے اس کے شوہر سے دوستی کرتا ہے۔ اگر شادی شدہ نہیں تو اس کی شادی کی فکر پہلے۔ اگر شادی نہ ہو سکے تو پھر مجبوراً اُس کے ابا میاں سے عشق کرنا پڑتا ہے۔ اگر ابا میاں بھی نہ ہوں تو پھر پڑوسیوں سے رسم و راہ.... اس پر ایمان رکھتا ہے کہ عورت ایک ایسی بیل ہے جو ہمیشہ پاس کے درخت پر چڑھتی ہے۔"

"آخر فائدہ ہی کیا ہے اس سے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ حمید کی باتوں میں ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ اس کا ذہن تو دراصل نجمی والے کیس میں الجھا ہوا تھا لیکن وہ حمید کو باتوں میں الجھائے رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی بھی وجہ تھی کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حمید کی بکواس اس کے ذہن کو ایسے نقطے پر پہنچا دیتی تھی جہاں اسے سارے الجھاوے ایک سیدھی لکیر معلوم ہونے لگتے تھے۔

"فائدہ پوچھتے ہیں آپ۔" حمید اپنے دیدے پھرا کر بولا۔ "تفریح فریدی صاحب! بعض اوقات ایسے دلچسپ واقعات پیش آتے ہیں کہ بس مزہ ہی آجاتا ہے۔ مثلاً میں ایک ایسی عورت سے واقف ہوں جس نے عاشق کے ساتھ ہی ساتھ ایک عدد شوہر بھی پال رکھا ہے۔ آپ نے بعض اوقات سنا ہوگا کہ کچھ لڑکیاں اپنے کتوں کو پیغام بری کی ٹریننگ دیتی ہیں اور انہیں کے ذریعہ ان کی خط و کتابت چلتی ہے۔ بالکل یہی حال اس عورت کا بھی ہے۔ اس نے شاید شوہر اسی لئے پال رکھا ہے۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہی بے چارہ اس عورت اور اس کے عاشق کی خط و کتابت کا واحد ذریعہ ہے۔"

"بھلا وہ کس طرح؟" فریدی نے سامنے کی دیوار پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

"نہایت آسانی سے۔ شوہر اور عاشق دونوں آپس میں گہرے دوست ہیں۔ عاشق صاحب شوہر کو کبھی رومال میں کشیدہ کاری کے لئے کپڑا اور ریشم کی ریلیں عنایت کرتے ہیں اور کبھی بھابی کے لئے کتابیں بھجواتے ہیں۔ ریشم کی ریلوں کے نلکوں میں خطوط ہوتے ہیں۔ کتابوں کی جلدیں بیچ سے دو کی جاتی ہیں اور ان میں خطوط رکھ دیئے جاتے ہیں۔ وہ دونوں میرے بھی دوست ہیں، لیکن انہیں اس کا پتہ نہیں کہ میرے ان دونوں سے تعلقات ہیں، لہٰذا اس طرح مجھے الگ الگ ان کی داستانیں سننے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ دوسری دلچسپ بات عاشق کا بیان ہے کہ ان دونوں کے تعلقات اس وقت سے ہیں جب محترمہ صرف بارہ سال کی تھی اور وہ حضرت پندرہ سال کے۔ شوہر سلمہا کو اس بات کا غم کھائے جا رہا ہے کہ ان کی بیوی انہیں بالکل الو سمجھتی ہے بھلا بتایئے ایسی حالت میں وہ انہیں الو ہی سمجھ کر بڑا احسان کرتی ہے.... اب سوچئے کیا یہ تفریح ایسی بُری ہے۔ میں عورتوں کا اسپیشلسٹ ہوں فریدی صاحب۔ صرف ایک بار مجھے کسی عورت سے ملا دیجئے۔ اگر پہلی ہی ملاقات میں اس کی پوری ہسٹری نہ بتا دوں تو کان کتر لیجئے۔"

"خوب....!" فریدی بے خیالی میں بولا۔

"ایک ایسی عورت کو بھی جانتا ہوں جو اپنے سوتیلے بھانجے سے عشق کرتی ہے۔"

"کیا فضول بک رہے ہو۔" فریدی بڑبڑایا۔

"ایک سوتیلی....!"

"اب چانٹا مار دوں گا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا، اسی کے ساتھ حمید بھی اٹھا۔

"فریدی صاحب یہ دنیا محض فلسفہ اور منطق ہی نہیں ہے۔ کبھی ریاض کے بندھنوں سے نکل کر حمید کی دنیا میں بھی آیئے اگر آپ جھنجھلا کر اپنی آنکھیں نہ پھوڑ لیں کان نہ اکھاڑ ڈالیں تو میرا ذمہ۔"

"شٹ اپ....!" فریدی انگڑائی لیتا ہوا بولا۔

"اسی لئے کہتا ہوں کہ شادی کر ڈالئے۔"

"چل بے۔" وہ حمید کو دھکا دیتا ہوا بولا۔ "رات کافی گزر گئی ہے۔ بکواس بند، اب سوئیں گے۔"

حمید کی حجامت

دوسرے دن فریدی نے دس بجے تک سارے انتظامات مکمل کر لئے۔ اُسے اُن دونوں کی نقل و حرکت کے متعلق فون پر اطلاعات ملتی رہیں۔ پھر اُس نے اپنے پانچ چھ گھنٹے تجربہ گاہ میں صرف کئے اور تقریباً چار بجے اُس نے وہ مصنوعی خدوخال ترتیب دے لئے، جو اسے حمید کے چہرے پر فٹ کرنے تھے۔ فریدی پلاسٹک میک اپ کا ماہر تھا۔ اس نے یہ آرٹ دراصل ایک بوڑھے آئرش ایکٹر سے سیکھا تھا۔ لندن میں اس سے اس زمانے میں ملاقات ہوئی تھی جب وہ وہاں زیر تعلیم تھا، چونکہ سراغ رسانی کا اسے بچپن ہی سے شوق تھا اس لئے وہ ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا تھا، جن سے اس فن کے لوازمات کے متعلق کچھ سیکھ سکے۔

چھ بجے تک حمید کا حلیہ بالکل ہی تبدیل ہو گیا اور ایک انتہائی باوقار آدمی نظر آنے لگا۔ چہرے پر شاندار قسم کی گھنی مونچھیں تھیں۔

ساڑھے سات بجے فریدی کو فون پر اطلاع ملی کہ وہ لڑکی تنہا آرلکچو میں داخل ہوئی ہے۔ حمید بالکل تیار تھا۔ وہ دونوں ساتھ ہی گھر سے نکلے لیکن پھاٹک پر پہنچ کر ان کی راہیں الگ ہو گئیں۔

حمید جانتا تھا کہ آرلکچو میں آج کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ لیکن ہوٹل میں قدم رکھتے ہی فون پر ملی ہوئی اطلاع کی تصدیق ہو گئی وہ وہاں موجود تھی۔

آج حمید نے خاص طور پر ایسے جوتوں کا انتخاب کیا تھا جن کی تیز قسم کی گونجیلی چرچراہٹ مردوں تک کو قبر سے اٹھنے پر مجبور کر سکتی تھی۔ ہوٹل میں داخل ہوتے ہی نہ صرف وہ لڑکی بلکہ دوسرے لوگ بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حمید اس لڑکی کے قریب ہی والی ایک میز پر بیٹھ گیا لیکن اس کی پشت لڑکی کی طرف تھی۔

لڑکی تھوڑی دیر تک مضطربانہ انداز میں اسے دیکھتی رہی پھر بے چینی سے پہلو بدلنے لگی۔ اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سرعت سے کسی فیصلے پر پہنچنے

کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نے ایک بار اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی حمید کی پشت پر پہنچ گئی۔

"راشد صاحب۔" وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "اس طرح چوری چوری۔"

حمید چونک کر مڑا۔ شائد اپنی زندگی میں پہلی بار اُس نے حیرت ظاہر کرنے کی اتنی شاندار ایکٹنگ کی تھی۔

وہ چند لمحے سراسیمگی کے عالم میں اسے گھورتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"شائد.... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ مجھے نصرت کہتے ہیں۔"

"جی....!" لڑکی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ پھر اچانک ہنس کر کہنے لگی۔ "بہت اچھے راشد صاحب.... ایکٹنگ کامیاب ضرور ہے.... لیکن آپ مجھے اُلو نہیں بنا سکتے۔"

"میں نہیں سمجھا محترمہ۔" حمید نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "بھلا میں اس کی جرأت کیسے کروں گا جبکہ میں آپ کو جانتا ہی نہیں۔"

"اف فوہ۔" لڑکی بے جان سی ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ "میرے خدا.... اتنی مشابہت۔"

حمید چپ چاپ اسے دیکھتا اور اس کی حرکت پر متحیر ہوتا رہا۔

"میں اس بے تکلفی کی معافی چاہتا ہوں۔" وہ تھوڑی دیر بعد پھر بولی۔ "لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ خود راشد صاحب کے گھر والے بھی دھوکا کھا سکتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"بہرحال میں شرمندہ ہوں۔"

"اس کی بھی ضرورت نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اب تو جان پہچان ہو ہی گئی۔ آپ بھی اپنا تعارف....!"

"مجھے پروین کہتے ہیں لیکن حقیقتاً میں شرمندہ ہوں۔"

"چھوڑیئے بھی۔ میرے لئے یہی فخر کیا کم ہے کہ اچانک اس طرح آپ جیسی مہذب اور حسین خاتون سے ملاقات ہو گئی۔"

وہ کچھ نہ بولی۔

"اکثر اس قسم کے اتفاقات پیش آتے رہتے ہیں۔" حمید ہنس کر کہنے لگا۔ "یہیں اسی شہر میں

کچھ عرصہ پیشتر دو حیرت انگیز ہم شکل سلوارد ہوئے تھے اور دونوں خود کو ایک کہتے تھے ایک ساتھ بولتے تھے۔ چلتے تھے اور سوتے تھے۔ دونوں کا نام صغیر شاہد تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "ان پر شائد قتل کا بھی تو الزام تھا۔"

"بالکل وہی۔ آپ ٹھیک سمجھیں۔ یہ دنیا بڑی عجیب ہے۔ اکثر بڑے دلچسپ آدمیوں سے ملاقات ہوئی ہے۔ کل ایک صاحب سے اچانک ملنے کا اتفاق ہوا۔ دوران گفتگو میں رک رک مایوسی سے کہنے لگے کہ آپ بھی بیوقوف نہیں معلوم ہوتے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اس جملے کا مطلب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ دنیا کا ہر پانچواں آدمی بیوقوف ہے۔ میں اب تک پانچ پانچ کی ہزاروں ٹولیوں سے تبادلہ خیال کر چکا ہوں لیکن مجھے آج تک کوئی نہ ملا۔"

لڑکی ہنسنے لگی۔ "میرے خیال سے انہیں دوسرے تیسرے اور چوتھے ہی آدمی ملے ہوں گے۔"

"کیا کہا جائے۔" حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "اور سنئے! کئی دن ہوئے ایک شریف اور مہذب قسم کے آدمی کو ایک نیم کے درخت پر چڑھتے دیکھ کر مجھے رک جانا پڑا۔ وہ صاحب خفیف ہو کر بولے۔ مجھ سے بڑی حماقت ہوئی۔ مجھے دراصل چند کھجوریں درکار تھیں لیکن اوپر چڑھ جانے پر معلوم ہوا کہ یہ تو نیم کا درخت ہے۔ ویسے یہ بات ثابت ہو ہی گئی کہ سارے درختوں کی پتیاں اوپر ہی ہوتی ہیں، لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اتروں کس طرح۔ میں نے پوچھا چڑھے کس طرح تھے کہنے لگے سیڑھی لگا کر میں نے چاروں طرف دیکھا مگر کوئی سیڑھی نظر نہ آئی۔ اس پر خود ہی بولے سیڑھی سامنے والے مکان پر موجود ہے۔ میں نے صاحب خانہ سے سیڑھی کے لئے کہا تھا وہ بیچارے لے آئے اور اوپر چڑھ آنے کے بعد میں نے ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور تکلیف دہی کی معافی چاہتے ہوئے عرض کیا کہ اب آپ تکلیف نہ کریں وہ سیڑھی لیکر واپس چلے گئے۔ اب اگر آپ تھوڑی سی تکلیف کریں تو میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ سیڑھی کے بغیر اترنا بھی محال ہے۔"

لڑکی نے کھنکتا ہوا سا قہقہہ لگایا۔

"آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میری خوش قسمتی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ ویسے آپ کرتے کیا ہیں۔"

"قیمتی پتھروں کی تجارت کرتا ہوں۔" حمید بولا۔

"اوہ کیا سچ مچ....!" لڑکی تقریباً چیخ پڑی۔

۱؎ جاسوسی دنیا کا انتہائی دلچسپ ناول "دوہرا قتل" جلد نمبر 8 ملاحظہ فرمائیے۔

"او ہو تو یہ کون سی ایسی بڑی حیرت انگیز بات ہے۔" حمید ہنسنے لگا۔

"یہ بات نہیں۔ مگر خیر جانے دیجئے۔ آپ کو تکلیف ہو گی۔"

"فرمایئے! فرمایئے میں حاضر ہوں۔"

"بات کچھ عجیب سی ہے۔ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔"

"بالکل۔ بے تکلفی سے فرمایئے۔"

"ایک لمبی کہانی ہے۔"

"فکر نہیں۔ دو چار گھنٹوں میں ختم ہی ہو جائے گی۔"

"ایسی بھی نہیں۔" لڑکی ہنسنے لگی۔

"میں استدعا کرتا ہوں کہ مجھے خدمت کا موقع عنایت کیجئے۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" وہ جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔ "ایک گھریلو جھگڑا ہے۔ ہم دراصل دو بہنیں ہیں۔ والد کے ترکے میں ہمیں آٹھ انگوٹھیاں بھی ملی تھیں۔ بٹوارہ بڑی بہن کے ہاتھوں ہوا۔ والد کی زندگی میں مجھے کیا سب کو اس کا علم تھا کہ ان انگوٹھیوں کے نگینے بہت بیش قیمت ہیں لیکن جب میں نے اپنی چار انگوٹھیاں پرکھوائیں تو ان کے سارے نگینے نقلی ثابت ہوئے۔ بڑی بہن کی انگوٹھیوں کا بھی یہی حشر ہوا۔ لیکن میں سوچتی ہوں کیا یہ ممکن نہیں کہ بڑی بہن نے جوہری کو ملا لیا ہو۔ جس نے ہماری انگوٹھیاں پرکھی تھیں۔"

"ممکن ہے.... بہت ممکن ہے۔" حمید پر خیال انداز میں سر ہلا کر بولا۔ اسے اس لڑکی کی ذہانت پر حیرت ہو رہی تھی۔ کتنی برجستہ کہانی تھی۔

"میں چاہتی ہوں کہ کوئی میرا دوست ہو جس پر میں اعتماد کر سکوں۔ میری بہن کی انگوٹھیاں بھی پرکھ لیتا۔"

"میں حاضر ہوں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر کہئے تو ابھی.... اسی وقت۔"

"ارے.... اب اس وقت کیا.... آپ کو تکلیف ہو گی۔"

"قطعی نہیں.... میری یہ شام بالکل فالتو ہے۔"

"اچھا تو پھر....!"

"بسم اللہ....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ ابھی آپ نے کچھ کھایا پیا نہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"واپسی پر.... کیا آپ واپس نہ آئیں گی۔"

"کیوں نہیں؟"

"تو پھر چلئے۔"

باہر انہوں نے ایک ٹیکسی کی اور چل پڑے، لڑکی اس سے بالکل ملی ہوئی بیٹھی تھی۔

"میرے خاندان والوں سے میری نہیں بنتی۔" لڑکی نے کہا۔

"کیوں؟" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں ذرا آزاد خیال ہوں اور فطرت کی پرستار ہوں۔ اخلاقیات پر یقین نہیں رکھتی۔"

"اوہ! تب تو آپ بہت اونچی ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ڈھکوسلوں کی قطعی قائل نہیں ہوں دو اور دو چار والی صاف باتیں۔ انسانی زندگی پر بے جا قیود کی سختی سے مخالفت کرتی ہوں۔"

"بے جا قیود کی سختی سے آپ کی کیا مراد ہے۔"

"بہتیری باتیں ہیں۔ مثال کے طور پر جنسی تعلقات ہی کر لیجئے۔ ان پر عائد شدہ پابندیوں سے متنفر ہوں لیکن کیا کیا جائے کہ آدمی ابھی اتنا بیدار نہیں ہوا کہ ان معاملات کو سمجھ سکے۔ مثلاً اگر میں آپ کی کوئی ضرورت پوری کردوں تو آپ مجھے آوارہ سمجھنے لگیں گے۔"

"ہرگز نہیں۔" حمید انتہائی سنجیدگی سے بولا۔ "میں خود بھی اس کا قائل ہوں۔ گوڈون[1] کی پولیٹیکل[2] جسٹس پڑھی ہے آپ نے۔"

"پڑھی ہے۔" لڑکی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "لیکن گوڈون بھی مخلص نہیں تھا اگر وہ عورت اور مرد کے تعلقات پر کسی قسم کی پابندی کا قائل نہیں تھا تو اس نے شیلی پر دعویٰ کیوں دائر کیا تھا اگر وہ مخلص ہوتا تو شیلی سے اسلئے ناراض نہ ہوجاتا کہ وہ اسکی لڑکی میری گوڈون کو بھگا لے گیا تھا۔"

"ٹھیک کہتی ہیں آپ....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "اس بات پر میں آپ سے متفق ہوں۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ وہ نہ صرف ذہین بلکہ کافی تعلیم یافتہ بھی معلوم ہوتی ہے، ورنہ گوڈون کے متعلق اتنی سچی بات کہہ دینا معمولی تعلیم کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔

"گوڈون کا یہ کارنامہ" لڑکی نے کہا۔ "اس وقت کا ہے جب وہ باپ نہیں بنا تھا.... پولیٹیکل

[1] Godwin [2] Political Justice (سیاسی انصاف)

جسٹس جنسی جھلاہٹ ہی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اس میں خلوص نہیں۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ میں اس معاملے میں گوڈون سے زیادہ مخلص ہوں کیونکہ میری شادی ہوچکی ہے۔ لٰہذا میرے لئے جنسی جھلاہٹ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"قطعی نہیں.... قطعی نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "میں آپ کے خیالات کی قدر کرتا ہوں۔"

"آپ یہ بھی نہ سمجھئے گا کہ میں کسی قسم کے جنسی جنون میں مبتلا ہوں۔ میری ذہنی حالت قطعی نارمل ہے۔"

"یقیناً....!" حمید نے کہا۔ "جنسی جنونیوں کی تو شکل ہی سے ظاہر ہوجاتا ہے۔"

"مجھے عرض کرنے دیجئے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔" لڑکی بولی۔ "جنسی جنونی عام حالات میں بڑے معصوم صورت اور فرشتہ خصلت ہوتے ہیں۔ شرمیلا پن تو انکے کردار کا جزو لازم ہوتا ہے لیکن جب وہ دورہ پڑتا ہے تو وہ بیوی بیٹی، بہن یا شوہر، بیٹا، بھائی میں بھی تمیز نہیں کرسکتے۔"

"ہوسکتا ہے" حمید نے کہا۔ "اس کے متعلق میری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔"

"مطالعہ بڑی عمدہ چیز ہے۔" لڑکی اپنے جسم کو بل دے کر انگڑائی لیتی ہوئی بولی۔ اس گفتگو کے دوران میں ان کا رہا سہا فاصلہ بھی ختم ہوگیا تھا اور حمید اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال پھینکنا چاہتا تھا کہ وہ اس وقت کسی عورت کے قریب بیٹھا ہوا ہے۔

تھوڑی دیر بعد حمید پھر اسی عمارت میں داخل ہو رہا تھا جہاں پچھلی رات ایک کتا اس سے بڑے اخلاق سے پیش آیا تھا۔ لڑکی اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ پھر کچھ دیر کے لئے غائب ہوگئی۔ واپسی پر اس نے معذرت کے ساتھ حمید کو بتایا کہ اس کی بہن گھر پر موجود نہیں ہے لیکن تھوڑی دیر بعد آجائے گی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں انتظار کروں گا۔" حمید صوفے پر نیم دراز ہوتا ہوا بولا۔

دونوں میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر وہ لڑکی باتوں کی رو میں اسی صوفے کے ہتھے پر آبیٹھی جس پر حمید بیٹھا ہوا تھا۔

"اوہ کیا آپ کی یہ آنکھ مصنوعی ہے۔" وہ حمید پر جھکتی ہوئی بولی۔ پھر اتنا جھکی کہ اُن کے چہروں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ رہ گیا۔ ٹھیک اسی وقت فلیش کیمرے کی روشنی ان پر پڑی اور وہ دونوں اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ لڑکی کا بدصورت ساتھی انہیں قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

"بچاؤ! مجھے بچاؤ۔" لڑکی چیختی ہوئی اُس کی طرف دوڑی۔

"کیوں بے! یہ کیا حرکت۔" بدصورت آدمی حمید پر ٹوٹ پڑا۔ حمید نے مزاحمت نہ کی۔ ا
اُس کے منہ سے تحیر آمیز آوازیں نکل رہی تھیں، جب وہ دونوں مل کر اسے صوفے میں با
چکے تو لڑکی بولی۔ "کیوں مکار! تم میرے ساتھ اسلئے آئے تھے کہ میری تقدیر کا حال بتاؤ گے۔"

"دھوکا! دھوکا۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "تم جھوٹی ہو، مکار ہو! تم مجھے انگوٹھیوں"

"شٹ اپ.... ابھی بتاتی ہوں۔" اس نے میز کی دراز سے استرا نکالتے ہوئے کہا۔

"تم جیسے کمینے آدمی کے چہرے پر مونچھیں اچھی نہیں لگتیں۔"

"کیا....؟" حمید چیخا۔ "میں پولیس....!"

"میں تم پر مقدمہ چلاؤں گا۔ تمہاری اس وقت کی تصویر عدالت میں پیش کروں گا۔" لڑ
ساتھی غرایا۔

حمید نے ہاتھ پیر ڈھیلے کر دیئے۔

"اگر تم نے اس واقعے کے متعلق کسی سے کچھ کہا تو یہ تصویر تمہیں جہنم میں پہنچادے گی۔"
لڑکی کا ساتھی حمید کے سر کو اپنی گرفت میں لیتا ہوا بولا۔ لڑکی نے پہلے ہی حملے میں آد
مونچھ صاف کر دی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں لڑکی کا ساتھی اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ فریدی دروازے میں کھ
انہیں گھور رہا تھا اور اس کا داہنا ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا۔

"کون ہو تم! بلا اجازت گھر میں گھسے۔" لڑکی پلٹ کر تیز لہجے میں بولی۔

"بس یونہی...!" فریدی مسکرایا۔ "میرے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ میں مونچھ نہیں رکھتا"
آدھی مونچھوں میں حمید کا چہرہ بڑا مضحکہ خیز لگ رہا تھا اور وہ دونوں سراسیمگی کا شکار ہو گئے تھے۔

"ادھر آؤ۔" فریدی نے لڑکی کے ساتھی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں تم یہاں کیسے آئے۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"چلو!" فریدی نے ریوالور نکال لیا تھا۔ وہ چپ چاپ اس کے قریب چلا آیا۔ فریدی نے
بائیں ہاتھ سے اُس کی گردن میں لٹکا ہوا کیمرہ اتارتے ہوئے کہا۔ "اسے کھول دو۔"

لڑکی اور اس کے ساتھی نے حمید کو کھول دیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں نے تعمیل کی۔ حمید اپنی آدھی مونچھ پر تاؤ دے رہا تھا۔

"یہ سب کیا لغویت ہے۔" فریدی نے انہیں کچھ دیر تیز نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد کہا۔

"اس نے میری.... بیوی....!" مرد جملہ پورا نہ کرپایا۔

"بکواس.... یہ پولیس کا آدمی ہے۔"

"تم جھوٹ بول کر مجھے رعب میں نہیں لے سکتے۔" لڑکی کا ساتھی بولا۔

"میں تمہاری ہڈیاں توڑ سکتا ہوں اور یہ بھی غلط ہے کہ یہ تمہاری بیوی ہے۔ کیا کل بھی تم نے ایک دوسرے آدمی کی حجامت نہیں بنائی تھی۔ کیا تم اسے اسی لئے پھانس کر یہاں نہیں لائی تھی۔ لڑکی اگلو۔ میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

لڑکی کی آنکھوں میں پریشانی کی بجائے غم جھانک رہا تھا۔

"آپ کون ہیں۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"پولیس....!"

"بہت بُرا ہوا، بہت بُرا۔" اس نے کہا اور اپنے ساتھی کو قہر آلود نظروں سے گھورنے لگی۔

"پچھلی رات جسے تمہارے کتے نے دوڑایا تھا وہ یہی تھا۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔ "اوہ وہ بہرہ بھی جسے تم نے کل ہوٹل ڈی فرانس دیکھا تھا۔ بہرحال تم دونوں چوہوں کی طرح جال میں پھنس گئے ہو۔"

لڑکی کبھی فریدی کیطرف دیکھتی تھی اور کبھی حمید کیطرف۔ دفعتاً وہ اپنے ساتھی پر گرجنے لگی۔

"میں تجھ سے پہلے ہی کہتی تھی کہ ہمیں انسپکٹر فریدی سے ملنا چاہئے۔ مگر تو نہ مانا اب بولو ساری عزت خاک میں مل گئی یا نہیں۔"

"کیا تم فریدی کو جانتی ہو۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"نہیں! لیکن یہ سنا ہے کہ وہ مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔" لڑکی روہانسی آواز میں بولی۔

"کون سی مصیبت ٹوٹی ہے تم پر....!" فریدی کی مسکراہٹ طنز آمیز تھی۔

لڑکی جواب دینے کی بجائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ کون تھی؟

اور یہ حقیقت ہے کہ فریدی اور حمید اسے اس طرح روتے دیکھ کر چند لمحوں کے لئے بھول گئے کہ وہ ایک عیار ترین عورت تھی۔ وہ کسی ایسی معصوم بچی کی طرح ہچکیاں لے رہی تھی جس کی کوئی ڈھکی چھپی غلطی اچانک پکڑلی گئی ہو۔ اس کے ساتھی کے چہرے پر خفت آثار تھے اور وہ اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر یک بیک اس کا موڈ بگڑ گیا۔

"سنو! لڑکی تمہارے آنسوؤں کا سیلاب مجھے اس گھر سے نہیں بہا سکتا۔" فریدی نے تلخی سے کہا۔

لڑکی نے سر اٹھا کر کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ہچکیوں نے الفاظ کا گلا گھونٹ دیا۔

سرجنٹ حمید سوچ رہا تھا کہ اس رونے میں بناوٹ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہچکیوں میں بڑی ساختگی تھی اور وہ قدرتی ہی معلوم ہو رہی تھی۔

حمید اس کے قریب بیٹھ کر اُس کا شانہ تھپکنے لگا اور دوسرے ہاتھ سے وہ اپنی آدھی مونچھ کبھی نیچے کر رہا تھا اور کبھی اوپر۔

"کیا بات ہے کچھ بولو۔" اُس نے نرم لہجے میں کہا۔

وہ بدستور روتی رہی، لیکن اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی ہچکیوں کو دبانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"تم اس وقت انسپکٹر فریدی ہی کے سامنے ہو۔" حمید نے پھر کہا۔

"جی!" وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اور فریدی حمید کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بیٹھو بیٹھو!" فریدی ہاتھ اٹھا کر خشک لہجے میں بولا اور حمید کو سچ مچ اس پر تاؤ آنے لگا۔ سوچ رہا تھا کہ اس پتھر پر عورت کے آنسو بھی اثر انداز نہیں ہوتے، خود اس کا خیال تھا کہ عورت کے آنسو پہاڑ کو رائی بنا سکتے ہیں۔

وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ اس کے آنسو تو رک گئے تھے لیکن ہچکیوں کا تار ابھی نہیں ٹوٹا تھا۔

"میری خ.... خشک.... قسمتی ہے کہ آپ....!" وہ اس سے آگے نہ کہہ سکی کیونکہ آنسو پھر امنڈنے لگے تھے۔ اس نے جھک کر اپنا چہرہ زانوؤں میں چھپا لیا۔ اس بار رونے کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی حمید اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا لیکن فریدی کی تیز نظروں کے مقابلہ میں اپنا یہ فعل دیر تک جاری نہ رکھ سکا! البتہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانا برحق تھا۔ اگر وہ اس وقت دو اجنبیوں کے درمیان میں نہ ہوتا تو فریدی سے ضرور لڑ پڑتا۔ نہ جانے کیوں اس کے ذہن پر فی الحال اس لڑکی کی مظلومیت چھا گئی تھی۔ اور وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ کچھ دیر قبل اس نے اور اس کے ساتھی نے اسے بڑی بے دردی سے پچھاڑ کر صوفے میں جکڑ دیا تھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو۔" فریدی زور سے گرجا۔ "کہو! ورنہ تضیع اوقات سے یہی بہتر سمجھوں گا کہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں۔"

وہ سہم کر چپ ہو گئی لیکن سر نہیں اٹھایا۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر آنکھیں بند کر لے تاکہ اسے نہ تو فریدی کا چہرہ دکھائی دے سکے اور نہ وہ کھردری آواز ہی سن سکے.... بہرحال تھوڑی دیر بعد وہ راہ پر آگئی۔

"میں دنیا کی انتہائی بدنصیب عورت ہوں۔" اس نے کہا۔

"خوب....!" فریدی اسے گھورنے لگا۔

"میں نے پہلے ہی چاہا تھا کہ آپ سے مدد لوں لیکن اس نے....!" وہ اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

"یہ جملہ تم پہلے بھی کہہ چکی ہو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن آپ کا رویہ کہہ رہا ہے کہ جو کچھ بھی میں کہوں گی آپ اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔"

"ضروری نہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ کیمرہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا لیکن ریوالور جیب میں رکھا جا چکا تھا۔

"یعنی....!" اس کے لہجے میں مسرت تھی۔ "تو پھر میں امید رکھوں کہ آپ میری مدد کریں گے۔"

"حالات پر منحصر ہے۔"

"اوہ!" اس کے چہرے پر پھر مایوسی کی تہیں جم گئیں۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "میں یہ نہیں کہتی کہ مجھ سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا نہ صرف اس لئے کہ میں اچھی خاصی شکلیں بگاڑتی رہی ہوں بلکہ میں نے قانون کی آنکھ میں دھول جھونکنے کی بھی کوشش کی ہے۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ لیکن فریدی نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی البتہ حمید سوچ رہا تھا کہ قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

"وہ کس طرح....!" حمید نے پوچھا۔

"ایک لمبی داستان ہے۔" وہ طویل سانس لے کر بولی۔ "لیکن مجھے توقع ہے کہ اسے سن کر آپ کو مجھ پر رحم ضرور آئے گا۔"

"سنے بغیر ہی میں آپ کے لئے ہمدردی محسوس کر رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"شکریہ....!" اس نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ یقین کریں گے کہ میں ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں! جو اب تک شریف آدمیوں کو پھانس پھانس کر ان کی شکلیں بگاڑتی رہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ دینا چاہتی ہوں۔ پھر آپ کو اختیار ہے۔"

"میرے خیال سے تمہیں تمہید کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں۔" فریدی اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کی بے اعتباری کسی طرح رفع نہ ہو سکے گی پھر بھی خیر.... میں دلاور نگر کے مشہور تاجر سیٹھ اکرام مرحوم کی لڑکی ہوں۔ مجھے اپنا خاندانی حوالہ دیتے ہوئے شرم آرہی ہے، لیکن میں سب کچھ کہہ دینا چاہتی ہوں، میرے علاوہ ان کے اور کوئی اولاد نہ تھی چونکہ بہت ہی بچپن میں ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ اس لئے میری معقول تعلیم و تربیت کے لئے مجھے ایک مشن اسکول کے بورڈنگ ہاؤز میں داخل کرا دیا گیا۔ یہ بات بھی قابل اظہار ہے کہ والدہ کی موت کے بعد والد صاحب نے دوسری شادی نہ کی....!"

ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ دفعتاً کسی کمرے سے گولی چلنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک چیخ بھی سنائی دی۔ وہ چاروں بے تحاشہ اچھل پڑے۔ چند لمحے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے پھر فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" اس نے حمید سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"یہ کیا تھا....؟" لڑکی خوفزدہ آواز میں بولی اور اس کا ساتھی صرف تھوک نگل کر رہ گیا۔

حمید ان دونوں کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس نے ان کے چہروں پر خوف اور حیرت کے ملے جلے آثار کے علاوہ اور کچھ نہ پایا۔

لڑکی صوفے سے اٹھ کر کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی اسی کے ساتھ ہی حمید بھی اٹھا۔ لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ لڑکی کا ساتھی بھی لوہے کی ایک موٹی سی سلاخ داہنے ہاتھ میں تولتا ہوا آہستہ آہستہ اس کے پیچھے بڑھ رہا ہے۔ دروازے کے قریب پہنچ کر لڑکی حمید کی طرف مڑی۔

اور پھر.... دوسرے ہی لمحے میں حمید کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ کہکشاں زمین پر اتر آئی۔ لڑکی کے ساتھی کا داہنا ہاتھ چل گیا تھا اور لوہے کی سلاخ حمید کے سر پر بیٹھی تھی۔ وہ چکرا کر دھڑام سے زمین پر آرہا۔

ادھر فریدی عمارت کے دوسرے حصوں میں دوڑتا پھر رہا تھا لیکن ابھی تک کوئی ایسی چیز نہ ملی تھی جو اس فائر اور چیخ پر روشنی ڈال سکتی۔ تھک ہار کر وہ پھر اسی کمرے کی طرف لوٹ رہا تھا کہ اس نے کسی کے گرنے کی آواز سنی لیکن اس کا اندازہ نہ لگا سکا کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔ پھر ایک اور چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ پائیں باغ میں ایک سے زیادہ آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

فریدی بھی جھپٹ کر باہر نکلا۔

"اُف.... فوہ.... ارے خبردار.... گولی مار دوں گا۔" فریدی کے منہ سے عجیب آواز میں الفاظ نکلے۔ پائیں باغ میں دوڑنے والے نامعلوم آدمی اس کی کار پر بیٹھ کر فرار ہو چکے تھے۔ فریدی پھاٹک کی طرف دوڑا لیکن وہ کتا آج بھی کافی خوش اخلاقی کے موڈ میں تھا جس نے پچھلی رات کو حمید کی آؤ بھگت کی تھی۔ اگر فریدی اسے فوراً ہی ریوالور کا نشانہ بنا دیتا تو اس نے اس کی بھی ٹانگ پکڑ لی ہوتی۔

اس کی کیڈی کی عقبی روشنی بہت دور اندھیرے میں چمک رہی تھی۔ بہر حال کار ریوالور کی رینج سے باہر ہو چکی تھی۔

دفعتاً ایک خیال تیزی سے اس کے ذہن میں ابھرا اور وہ بے تحاشہ اس کمرے کی طرف دوڑنے لگا جہاں اس نے ان لوگوں کو چھوڑا تھا۔

اور پھر وہاں پہنچ کر اُس نے فرش پر حمید کو اوندھا پڑا پایا۔ اس کے سر کی پشت سے خون بہ رہا تھا اور وہ خود کسی اور ہی دنیا میں تھا۔ لڑکی اور اس کا ساتھی غائب ہو چکے تھے۔ فریدی کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، جیسے ان میں محاورۃً نہیں حقیقتاً خون اتر آیا ہو۔

پھر حمید کو ہوش میں آنے کے لئے نہ جانے کتنے عالموں سے گزرنا پڑا۔ آنکھ کھلتے ہی اسے یہ محسوس کر کے حیرت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے ہی کمرے میں ہے۔ اپنی مسہری پر اپنے ہی تکیے پر سر رکھے لیٹا ہوا ہے اور اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے ایک ایک کر کے سارے واقعات اسے یاد آگئے۔ فریدی دوسرے کمرے میں کسی سے فون پر گفتگو کر رہا تھا اور گفتگو حمید کے قیاس کے مطابق اسی واقعے کے بارے میں تھی اور پھر اس نے اس کا اندازہ بھی لگا لیا کہ مجرم ہاتھ سے نکل گئے۔ حمید سوچنے لگا کہ فریدی کا موڈ بہت زیادہ خراب ہوگا۔ اسے اس کا بھی اعتراف تھا کہ جو کچھ بھی ہوا وہ اسی کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ اگر وہ اس کے آنسوؤں سے پگھل نہ گیا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔ اس وقت اسے اس بات کا اعتراف بھی کر لینا پڑا کہ فریدی عورت کی فطرت کے مطالعہ کے معاملے میں بھی اس پر فوقیت رکھتا ہے۔

بہرحال اب وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کا سامنا کس طرح کرے گا۔ اس کے نوکیلے طنز کے نشتر کس طرح برداشت کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت وہ سخت غصے کی حالت میں ہوگا۔ وقتی طور پر اسے کسی نہ کسی طرح موڈ میں لانا ہی پڑے گا ورنہ شامت آنے میں دیر نہ لگے گی۔ کیونکہ معاملہ ایک عورت کا ہے۔ عورت.... حمید کی سب سے بڑی کمزوری۔

فریدی کا آدھا بجھا ہوا سگار اور دیا سلائی کی ڈبیہ میز پر رکھی دیکھ کر حمید نے اندازہ لگایا کہ فریدی کچھ دیر قبل اسی کمرے میں تھا اور ان چیزوں کی موجودگی اس بات کی دلیل تھی کہ وہ پھر یہیں واپس آئے گا۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ خلاف توقع اسے زیادہ نقاہت نہیں محسوس ہو رہی تھی اور سر میں بھی اتنی تکلیف نہیں تھی جتنی کہ ایسی صورت میں بہرحال ہونی چاہئے تھی۔ شائد یہ فریدی ہی کے کسی انجکشن کا نتیجہ تھا.... ہاں تو.... حمید نے کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر ایک عامیانہ

رقص کا پوز بنایا۔ کچھ دیر اپنے جسم کو تولتا رہا پھر ناچ ناچ کر گانے لگا۔

دیورا بے ایمان.... ہو دیورا بے ایمان
مارے میاں سے چھپ چھپ کر انکھیاں.... کھینچے دل کی کمان
ہو دیورا بے ایمان۔

اچانک فریدی کمرے میں داخل ہوا لیکن حمید کی سنجیدگی بدستور قائم رہی۔ وہ بڑے لچکیلے انداز میں ناچ رہا تھا۔ بھنویں ایک خاص انداز میں تن تن کر گر رہی تھیں، چہرے پر ایسے شکایت آمیز آثار پائے جا رہے تھے، جیسے وہ سچ مچ بحیثیت بھابی کسی دیور کی خوش فعلیوں کا شکوہ کر رہا ہو۔

"حمید! حمید....!" فریدی تحیر آمیز انداز میں چیخا۔

"لوٹے والی عمریا کا مان.... ہو دیورا بے ایمان.... ہو دیور....!"

فریدی حقیقتاً بوکھلا گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ اس چوٹ کا اثر نہ ہو۔ بعض اوقات ایسی حالت میں ذہنی توازن بگڑ جانے کا بھی احتمال رہتا ہے۔

"حمید کیا ہو گیا ہے تمہیں۔"

"کھینچے دل کی کمان.... مارے اکھیوں کی جان....!" حمید نے سچ مچ فریدی کو بڑے شرمیلے انداز میں آنکھ ماری اور اس سے یہی سب سے بڑی غلطی سرزد ہوئی۔ اگر وہ تھوڑی دیر تک فریدی کی نظروں سے اپنی نظریں بچائے رکھتا تو یہ تماشہ کچھ دیر اور جاری رہ سکتا تھا۔ بہرحال فریدی سے نظر ملتے ہی دیوانگی کا پردہ فاش ہو گیا۔

"اوہ....!" فریدی معنی خیز انداز میں بولا۔ حمید ناچتا رہا۔ ایک بار آگے بڑھ کر اُس نے فریدی کی بلائیں بھی لیں۔ لیکن فریدی کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔ آخر اُس نے ایک نوکر کو آواز دی اور اس کے آجانے پر بولا۔

"حمید کی حالت خراب ہے، چوٹ کا ذہن پر بُرا اثر پڑا ہے۔ میں نے خون بند کر کے غلطی کی۔"

"جی سرکار۔"

"تھوڑا خون اور نکلنا چاہئے ورنہ یہ ہمیشہ کے لئے پاگل ہو جائے گا۔"

"ارے....!"

"ہاں! اسے پکڑ کر تجربہ گاہ تک لے چلنا ہے، وہاں میں اس کے بازو میں نشتر لگا کر اتنا خون

نکال لوں گا۔۔۔۔!"

فریدی کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔

"اور کسی کو بلاؤں۔۔۔۔!" نوکر نے پوچھا۔

"نہیں ہم دونوں ہی کافی ہوں گے۔"

حمید ناچتے ناچتے سہم کر رک گیا۔ فریدی اور نوکر آگے بڑھے۔

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ میرا سر شانوں پر موجود بھی ہے یا نہیں۔"

"تو اطمینان ہو گیا ہوگا۔" فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی ہاں موجود ہے۔"

"لیکن میں ابھی مطمئن نہیں ہوا۔" فریدی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کیوں؟"

"بس یونہی۔۔۔۔!" فریدی نوکر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "پکڑو۔۔۔۔!"

"مار ڈالوں گا بے۔" حمید اسے گھونسہ دکھا کر حلق کے بل چیخا۔ نوکر سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔

"جاؤ۔۔۔۔!" فریدی نوکر کی طرف مڑ کر بولا۔ وہ چپ چاپ کھسک گیا۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

"جھینپ مٹا رہا تھا۔" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

"جانتے ہو! وہ لوگ کیڈیلاک بھی لے گئے۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"ارے۔" حمید کے چہرے پر سچ مچ اضمحلال طاری ہو گیا۔ جس میں شرمندگی کے آثار بھی شامل تھے۔

"بڑے فطرت شناس بنے پھرتے ہیں عورتوں کے۔" فریدی کا منہ بگڑ گیا۔

"میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔"

"کدھر سجدہ کروں۔" فریدی ہنس پڑا۔ "کیڈی کے جانے کا اتنا غم نہیں جتنی اس بات کی خوشی ہے کہ زندگی میں پہلی بار تمہارے چہرے پر ندامت کے آثار دیکھ رہا تھا۔"

"میری ہی بدولت یہ سب کچھ ہوا۔" حمید نے کہا۔

"اب تو دعویٰ نہیں کرو گے۔ عورتوں کو سمجھنے کا۔"

"ضروری نہیں کہ ہمیشہ دھوکہ ہی کھاتا رہوں۔" حمید بولا۔

"دنیا جانتی ہے کہ عورتوں میں صرف ماں کے آنسو سچے ہوتے ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"لیکن کیڈی۔"

"مل جائے گی کہیں نہ کہیں۔ وہ اپنے ساتھ عذاب نہیں رکھیں گے۔ کیڈی کہیں نہیں جا سکتی۔"

"لیکن وہ لوگ تو نکل ہی گئے۔"

"مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میں اس عورت کی شخصیت سے واقف ہو گیا ہوں۔"

"کون ہے۔"

"جے سیکا۔"

"کیا؟" حمید تقریباً اچھل پڑا۔ "مگر جے سیکا کس طرح! اسکی تصویر میرے ذہن میں ہے۔"

"یہ نہ بھولو کہ وہ بھی بھیس بدلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی اور ایک بہترین اداکارہ بھی ہے اس کا اندازہ تو تمہیں اسی وقت ہو گیا ہوگا۔"

"تو کیا آپ نے اسے پہچان لیا تھا۔"

"نہیں! کاش ایسا ہوتا۔ وہ کئی بار مجھے دھوکہ دے کر نکل چکی ہے۔ لیکن اب کی ایسا نہیں ہوگا۔"

"پھر آپ نے اسے کس طرح پہچانا۔"

"جس استرے سے وہ مونچھیں صاف کیا کرتی تھی، اس کے دستے پر اس کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔ اس کی انگلیوں کے نشانات جنہیں میں ایک ہی نظر میں پہچان سکتا ہوں۔ حمید اس بار اسے سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ایک لاش

جے سیکا ایک ایسی عورت تھی جس کے کارناموں کو صحیح معنوں میں محیر العقول کہا جاسکتا تھا۔ نسلاً وہ ایک اینگلو انڈین تھی۔ کافی تعلیم یافتہ اور کئی زبانوں کی ماہر تھی۔ ماہریوں کہ اسے ان

زبانوں کے لہجوں پر بھی قدرت حاصل تھی۔ خصوصاً اردو تو اس طرح بولتی تھی جیسے وہ اس کی مادری زبان ہو۔ پولیس پچھلے تین برسوں سے اس کی گرفتاری کے لئے کوشاں تھی لیکن اسے ہمیشہ ناکام ہی رہنا پڑتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ میک اپ کی بھی ماہر تھی۔ اس کے خلاف ابھی تک صرف دھوکہ دہی اور بلیک میلنگ ہی کے الزامات تھے۔ قتل سے اس کے ہاتھ رنگین نہیں ہوئے تھے یا ہو سکتا ہے کہ وہ قاتلہ بھی رہی ہو لیکن پولیس کو اس کا علم نہ ہو۔ اکثر مجرم اس معاملے میں بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں۔

فریدی عرصہ سے اُس کے چکر میں تھا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ کبھی اس نے دل لگا کر اس کے لئے کوشش نہیں کی تھی۔ ہمیشہ یہی سوچ کر رہ جاتا تھا کہ عورت ہی تو ہے جب چاہوں گا گرفت میں لے لوں گا۔ بہرحال جے سیکا ہر طرف سے بے پرواہ اپنے مقاصد کے حصول میں لگی رہی تھی۔ اس نے ملک کے کئی بڑے بڑے دولت مندوں کو بلیک میل کر کے ان سے خاصی رقمیں اینٹھی تھیں۔ ویسے اس کا ایک کارنامہ خاص طور سے مشہور تھا جس میں اس نے ملک کے ایک مشہور کروڑ پتی کا دیوالہ نکال دیا تھا۔ اس بے چارے کو دراصل فلمی پریوں سے عشق لڑانے کا خبط تھا۔ جے سیکا اس سے ایک فلمی اسٹار کے بھیس میں ملی۔ ایک ایسی فلم سٹار کے بھیس میں جس کا شمار ملک کی بہترین ایکٹریسوں میں ہوتا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سیٹھ صاحب دیوالیہ ہو گئے اور جب یہ راز کھلا تو ان کے پاس دماغ کے علاوہ کوئی اور ایسی چیز نہ رہ گئی تھی جسے کھو دینے پر انہیں افسوس ہوتا۔ لہٰذا انہیں پاگل خانے کی راہ لینی پڑی، جہاں وہ اب بھی قیام پذیر ہیں۔

بہرحال وہ اب تک قانون کے شکنجوں سے بچی ہوئی تھی۔

فریدی کی زبانی جے سیکا کا نام سن کر حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شائد فریدی کو پہچانتی تھی تب ہی تو اُس نے فریدی کو اُلّو بنانے کے لئے خود اسی کا حوالہ دیا تھا.... لیکن پھر؟ اگر وہ فریدی کو پہچانتی تھی تو اسے بھی پہچانتی رہی ہوگی۔ مگر یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر وہ اس سے واقف ہوتی تو ہوٹل ڈی فرانس میں اس بہرا پن والی ایکٹنگ کے دھوکے میں نہ آتی.... پھر؟.... وہ سوچتا رہا۔ حتیٰ کہ اسے نیند آگئی.... اور رات بھر خواب میں اس کے سر پر ہتھوڑے چلتے رہے۔

دوسری صبح بیدار ہوتے ہی اُس نے فریدی کی زبانی یہ خوشخبری سنی کہ کیڈی لاک باٹم روڈ کے چوراہے پر کھڑی ہوئی مل گئی۔

"اور ذرا اسے دیکھو۔" فریدی کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ جس پر تحریر تھا۔ "فریدی صاحب! آپ بہت بڑے آدمی ہیں لہٰذا چھوٹے چھوٹے معاملات میں آپ کی دخل اندازی کسی طرح نہیں برداشت کی جاسکتی۔ پچھلی رات دھوکا کھا جانے کا شکریہ۔ اور میں عرصے تک اس بات پر فخر کر سکوں گی کہ مجھے آپ کی کیڈی پر سفر کرنے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ خط کے ساتھ ہی دس روپے کا ایک نوٹ بھی چھوڑے جا رہی ہوں تاکہ آپ کو مجھ پر غصہ نہ آئے۔ بہرحال کیڈی کے جائز استعمال کے سلسلے میں یہ حقیر معاوضہ قبول فرمایئے۔ اگر میں خوش قسمتی سے سرجنٹ حمید کو بھی پہچانتی ہوتی تو آپ کو تکلیف نہ اٹھانی پڑتی.... خیر.... بہت بہت شکریہ۔ شائد آپ کے فرشتے بھی نہ جان سکیں کہ میں کون ہوں اور کیا کر رہی ہوں۔ بہرحال بہت سی دعائیں اور لاتعداد پیار قبول فرمایئے۔"

"لاتعداد پیار۔ قبول فرمایئے۔" حمید اپنا داہنا گال رگڑتا ہوا بولا۔

"پھر بہکے۔" فریدی اسے گھورنے لگا۔

"اوہ.... لاحول ولا قوۃ.... خیر کوئی بات نہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ آپ پر جان دینے لگی ہے۔"

"بکومت۔"

"اوہ تو کیا آپ بھی.... خدا میری مغفرت کرے۔"

"چوٹ ہی پر ہاتھ رسید کر دوں گا۔ سیدھے ہو جاؤ۔"

"سیدھا ہو گیا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ وہ کیمرہ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔"

"کیوں؟ اس سے کیا ہوتا؟.... کیا وہ تصویر...."

"نہیں! تصویر تو فضول ہی ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ تم دونوں میک اپ میں تھے۔" فریدی نے کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ بناوٹ کے اعتبار سے وہ کیمرہ میرے لئے بالکل ہی نیا تھا۔"

"تو پھر.....؟"

"کچھ بھی نہیں؟" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"یہ بدحواسی۔" حمید ہنس پڑا۔ "غالباً یہ ان لاتعداد پیاروں کا اثر ہے۔ مگر دعائیں بھی تو کم ہیں ظالم نے..... بعض محبوباؤں میں بھی بڑی مامتا ہوتی ہے۔"

"جسے صرف تم ہی محسوس کر سکتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "پچھلی رات شائد تمہاری سعادت مندی ہی زور کر گئی تھی۔"

حمید جواب دینے کے بجائے ہلکی آواز میں سیٹی بجانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ناشتے کی میز پر پھر جے سیکا کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

"پتہ نہیں اس کے ساتھ اور کتنے تھے۔"

"کب.....؟"

"پچھلی رات کو۔"

"ان دونوں کے علاوہ اس عمارت میں اور کوئی نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔

"میرا خیال بھی یہی ہے۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ ہم دونوں بھی اس عمارت میں نہیں تھے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"کیوں؟ کیا میں نے کوئی غلط بات کہی تھی۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"قطعی نہیں! آپ تو بانسری بجا رہے تھے۔"

"اوہ! غالباً اس فائر اور اس چیخ نے تمہیں غلط راستے پر لگا دیا ہے۔"

"کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔" حمید اپنے سر پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"خیر ابھی ہم وہیں چلتے ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد انہوں نے لباس تبدیل کیا اور اسی عمارت کی طرف چل پڑے جہاں پچھلی رات حمید شہادت کے درجے پر فائز ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔

عمارت سنسان پڑی تھی۔ سب سے پہلے وہ اس کمرے میں پہنچے جہاں انہوں نے جے سیکا اور اس کے ساتھی سے گفتگو کی تھی۔ فریدی چند لمحے اس صوفے کو گھورتا رہا جس پر جے سیکا بیٹھی

روتی رہی تھی۔ پھر حمید کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کر کے کمرے سے چلا گیا۔ حمید کھڑا ہو کر اس کا انتظار کرتا رہا۔ تقریباً دس منٹ بعد فریدی لوٹ آیا۔ پھر حمید نے اس کو اسی صوفے پر بیٹھتے دیکھا، جس پر رات کو جے سیکا بیٹھی تھی۔

"حمید صاحب تیار ہو جایئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کس لئے؟"

"دوسری چوٹ نہ کھاؤ گے۔"

"بحمد للہ کہ قطعی بھوک نہیں۔" حمید پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں قریب ہی کہیں ایک فائر ہوا اور ساتھ ہی کسی کی چیخ بھی سنائی دی۔ حمید بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

فریدی ہنس رہا تھا۔

"دیکھا تم نے۔"

"آخر یہ ہے کیا بلا۔"

"جے سیکا کی ذہانت کا ایک حسین ثبوت۔ سچ مچ شیطان کی بھتیجی ہے۔"

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ آپ کی کوئی بھتیجی ہی نہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ٹھیک سنا ہے تم نے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آؤ اب میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔"

اس نے صوفے کے ہتھے کو ٹٹول کر ایک جگہ کا کپڑا پھاڑ دیا۔ پھر حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"ذرا دیکھنا یہاں اس بٹن کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

حمید نے جھک کر صوفے کے ہتھے پر لگے ہوئے سوئچ پر ہاتھ رکھ دیا۔ فائر اور چیخ کی آواز پھر سنائی دی۔ حمید معنی خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اب فریدی فرش پر بچھا ہوا قالین الٹ رہا تھا۔

"اور یہ دیکھو۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ان تاروں کا سلسلہ اس بٹن سے اس جگہ تک گیا ہے جہاں وہ مشین فٹ ہے۔"

"مشین.....!"

"ہاں ایک چھوٹی سی مشین ہے جسے میں اپنے عجائبات میں رکھنا پسند کروں گا..... آؤ۔"

وہ دونوں دو چھوٹے چھوٹے کمروں سے گزر کر ایک بڑے کمرے میں پہنچے، جہاں بارود کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی ایک میز کے قریب جا کر رک گیا جس پر ریڈیو رکھا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہے۔" فریدی نے ریڈیو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تربوز.....!"

"دلچسپی نہیں لے رہے ہو شائد تم۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ پھر اُس نے ریڈیو کے سامنے والا ڈھکن الگ کر دیا اور اندر کی مشین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس طرف وہ حصہ ہے جس سے فائر ہوتا ہے اور ادھر یہ دو چھوٹے پہیئے.... جب یہ تیزی سے گردش کرتے ہوئے ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو چیخ کی آواز پیدا ہوتی ہے کیوں ہے نا شاندار.... تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بہت ذہین عورت ہے۔"

"کاش آپ سے اس کا جوڑا لگ سکتا۔"

"کسی وقت تو اپنا ذہن ان لغویات سے خالی رکھا کرو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"اس کیس میں نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ کسی دوسرے موقعے پر مجھے نصیحت کر سکتے ہیں۔ مجھے ایک عورت نے چوٹ دی ہے، فریدی صاحب بہت ممکن ہے کہ دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے، جے سیکا میرا شکار ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میں اپنے شکار کو ذبح نہیں کرتا۔"

"دیکھو تمہارے سر کی پٹی ڈھیلی ہو رہی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"خیر دیکھئے گا۔" حمید نے کہا اور تن کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارے بس کی عورت نہیں حمید صاحب۔"

"اسی لئے میں آپ کے ساتھ جوڑا لگا رہا تھا۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"خیر اب اتنی بھی ذہین نہیں۔"

"تو کیا آپ مجھے اتنا گھٹیا سمجھتے ہیں کہ میں جے سیکا پر بھی ہاتھ نہ ڈال سکوں گا۔"

"نہیں تو! ضرور ڈالو! میں نے روکا تو نہیں۔ خیر ختم کرو یہ باتیں پچھلی رات میں اس عمارت کا اچھی طرح جائزہ نہیں لے سکا تھا۔"

وہ دونوں اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمروں کے چکر لگانے لگے۔ حمید کچھ بیزار بیزار سا نظر آ رہا تھا اور حرکات و سکنات سے جھنجھلاہٹ بھی مترشح تھی۔ فریدی آگے بڑھتا تھا تو وہ رک

جاتا اور جب فریدی کہیں رکتا تو حمید اس طرح اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتا جیسے اسے وہاں فریدی کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

دفعتاً اُس نے فریدی کی تحیر زدہ آواز سنی اور پلٹ کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی ایک کمرے کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ حمید رک گیا۔ اتنے میں فریدی نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دیکھے۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا اور پھر اسے سچ مچ جھرجھری آ گئی۔ کمرے کے فرش پر جے سیکا کے بدصورت ساتھی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ کسی نے اس کے پیٹ میں چھری مار کر آنتیں تک باہر نکال لی تھیں۔

فریدی خاموشی سے لاش پر جھکا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔

"اسے یہاں نہیں قتل کیا گیا۔ لاش کہیں باہر سے لائی گئی ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ خون کی ایک بوند بھی کہیں نہ ٹپکنے پائے۔ مگر پچھلی رات سے اب تک یہاں پہرہ لگا رہا ہے۔ آخر یہ لاش یہاں آئی کس طرح؟"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"کیوں؟ کیا آپ ابھی جے سیکا کی ذہانت کے قصیدے نہیں پڑھ رہے تھے۔"

"جے سیکا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ جے سیکا کی حرکت نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں....؟"

"ظاہر ہے کہ لاش کو یہاں لانے میں کافی دشواری پیش آئی ہو گی۔ بہر حال یہ کسی نہ کسی طرح یہاں لائی گئی۔ اگر وہ جے سیکا ہوتی تو یہاں سے خالی ہاتھ واپس نہ جاتی۔ کم از کم اپنی وہ حیرت انگیز مشین تو لے ہی گئی ہوتی۔ نہیں جے سیکا نہیں ہو سکتی۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں وہ اس طرح کے خطرات نہیں مول لیتی۔ یہاں اس لاش کی موجودگی کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ کسی نے یا تو پولیس کو چیلنج کیا ہے یا پھر وہ جے سیکا کو خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"شائد تم یہ بھول رہے ہو کہ جے سیکا بھی اب تک کچھ تو کرتی رہی ہے۔ آخر وہ بڑی مونچھ والوں کو تختہ مشق کیوں بنائے ہوئی تھی۔ میرے خیال سے تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اسے کسی خاص آدمی کی تلاش تھی، جس کی مونچھ مونڈ دینے کے بعد وہ اسے پہچان لینے کی بھی

توقع رکھتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی خطرناک آدمی ہو اور اس طرح اس نے جے سیکا کو خوفزدہ کر کے اس کی سرگرمیوں کو روکنے کی کوشش کی ہو..... بہرحال میں یہی سمجھنے پر مجبور ہوں کہ جے سیکا کی حرکت نہیں ہو سکتی۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"ذرا پہرے داروں کے انچارج کو بلاؤ۔"

حمید کے جانے کے بعد فریدی پھر لاش کی طرف ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔ حمید واپس آ گیا۔ پہرے داروں کے انچارج کی بدحواسی قابل دید تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے موت کا فرشتہ اس کی روح کی بنیادوں پر ضربیں لگا رہا ہو۔

"میں جانتا ہوں کہ تم اس سے لاعلم ہو۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔

"یقین کیجئے کہ ہم رات بھر ہوشیار رہے ہیں۔"

"لیکن اس سے غافل رہے کہ عمارت کا پچھواڑہ بھی ہوا کرتا ہے۔ خیر یہاں اس لاش کے پاس ٹھہرو۔"

فریدی اور حمید کمرے سے نکل آئے۔ وہ دونوں عمارت کے آخری کنارے کی طرف جا رہے تھے۔ بہرحال انہیں جلد ہی وہ جگہ مل گئی جہاں سے لاش اندر لائی گئی تھی۔

اس کے لئے مجرموں نے کوئی حیرت انگیز طریقہ نہیں اختیار کیا تھا۔ عمارت کی پشت سے نقب لگائی گئی تھی۔ فریدی نقب کے مہرے سے باہر نکل گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

"اتنی احتیاط کے باوجود بھی مجرم چوک ہی گئے۔" فریدی بولا۔

"کیوں....؟"

"یہ نشان! ادھر دیوار پر....!"

دیوار پر خون بھری ہوئی تین انگلیوں کے نشان تھے۔

"میرا تو یہی خیال ہے کہ یہ حرکت صرف جے سیکا ہی کی ہو سکتی ہے۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے اپنے ساتھی پر سے اس کا اعتماد اٹھ گیا ہو۔"

"لیکن حمید صاحب! آخر وہ اسے یہاں کیوں لائی۔"

"پولیس کو سراسیمگی میں مبتلا کرنے کے لئے۔"

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی بولا۔ "وہ صرف ایک ذہین اور چالاک عورت ہے۔ اس نے پولیس کو کبھی چیلنج نہیں کیا۔ وہ الجھاوؤں سے دور بھاگتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا.... اور پھر فریدی نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد محکمہ سراغرسانی کے فنگر پرنٹ سیکشن کے فوٹوگرافر بھی وہاں پہنچ گئے۔

فریدی نے پولیس کو ابھی تک ان معاملات کے متعلق اندھیرے ہی میں رکھا تھا لیکن اب اسے پوری روداد دہرانی پڑی۔

لاش اٹھ جانے کے بعد فریدی اور حمید کافی دیر تک اس عمارت میں ٹھہرے رہے۔ دونوں کے ذہن دو مختلف راستوں پر بھٹک رہے تھے۔ حمید کو یقین تھا کہ اس حرکت کی ذمہ دار جے سیکا ہی تھی۔

گونگی لڑکی

واپسی پر سرجنٹ حمید پھر چہکنے لگا تھا۔ لیکن اگر اسے اس کا علم ہوتا کہ گھر پر اس کی شامت اس کا انتظار کر رہی ہے تو شائد وہ فریدی کو اس طرح نہ چھیڑتا وہ جے سیکا ہی والے مسئلے پر اسے تنگ کر رہا تھا۔

"مائی ڈیئر فریدی صاحب۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ جے سیکا کی طرف جھک رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسے قاتل قرار دینے میں آپ کو تامل ہے۔"

"دماغ مت چاٹو۔"

"میں آپ کا دل چاٹ جاؤں گا کیونکہ اس میں فی الحال کسی تصویر....!"

"شٹ اپ....! مجھے سوچنے دو۔"

"عشق کو سوچ بچار سے کیا تعلق۔ عشق تو اندھا ہوتا ہے لہٰذا اندھوں کو سوچنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "جب کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوجھتی تو بے تکی ہانکنے لگتے ہو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ جے سیکا سے ایک بار پھر ٹکرانے کی خواہش اس کے ذہن میں جڑ پکڑ جا رہی تھی۔ اس سے قبل کبھی کسی مجرم سے اس نے اتنی پرخاش نہیں محسوس کی تھی۔ اس نے کئی بار جرائم پیشہ عورتوں سے دھوکا کھایا تھا لیکن یہ واقعہ نوعیت کے اعتبار سے ایسا نہیں تھا جسے سرسری طور پر ٹال دیتا جے سیکا کا خیال آتے ہی وہ جھنجھلاہٹ میں اس بات کا فیصلہ نہیں کر پاتا تھا کہ موقع ملنے پر اُس کے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا۔

"مجھے حیرت ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد سنجیدگی سے بولا۔ "کہ آپ اسے آج تک نظر انداز کیوں کرتے رہے۔"

"فرصت ہی نہیں ملی کہ اس کی طرف دھیان دیتا۔"

"ہم سے بڑی غلطی ہوئی۔" حمید نے کہا۔

"کیسی غلطی؟"

"ہمیں فی الحال اس کے ساتھی کی لاش دبا دینی چاہئے تھی۔"

"اس سے ہوتا کیا؟"

"ہوتا کیا؟ میں اس کا بھوت بن کر جے سیکا کو کھا جاتا۔" حمید نے کہا۔

"یعنی اس کا میک اپ۔ قطعی فضول تھا۔ اس طرح ہم اس کے قاتلوں کو کبھی نہ پا سکتے۔ وہ گئی جے سیکا۔ تو تم اسے اسی وقت پکڑ سکتے ہو لیکن میں اسے فضول ہی سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے بھی ہم قاتلوں تک نہ پہنچ سکیں گے۔"

"اونہہ.....!" حمید اکتا کر بولا۔ "چلئے میں اسے تسلیم کئے لیتا ہوں کہ جے سیکا اس کی قاتل نہیں ہے، لیکن اسے حراست میں لے لینے میں کیا حرج ہے۔ اس طرح کم از کم اس ہڑبونگ کا مقصد تو ظاہر ہو جائے گا۔"

"میں یہی بہتر سمجھوں گا کہ تم صرف اس کا تعاقب کرتے رہو۔ اس کی حرکات و سکنات پر کڑی نگرانی رکھو۔"

"اس کے خیال کا تعاقب کروں۔" حمید نے چڑھ کر کہا۔

"بتاؤں گا۔ زیادہ جلدی کی ضرورت نہیں۔"

گھر پہنچ کر انہیں ایک لفافہ ملا جس پر فریدی کا نام اور پتہ ٹائپ کیا ہوا تھا۔ نوکر نے بتایا کہ ان

کی عدم موجودگی میں ایک عورت ان سے ملنے کے لئے آئی تھی۔ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی پھر وہی لفافہ چھوڑ کر چلی گئی۔

لفافہ کھولتے ہی فریدی کے منہ سے تحیر زدہ سی آواز نکلی۔ حمید بھی جھک پڑا لیکن دوسرے ہی لمحے میں طرح طرح کے منہ بننے لگے۔ لفافے سے خط کے ساتھ ہی ایک تصویر بھی برآمد ہوئی تھی.... اور وہ تصویر.... ایسی تھی کہ فریدی حمید کی طرف گھورے بغیر نہ رہ سکا۔

"خدا کی قسم...!" حمید حلق پھاڑ کر بولا۔ "میں نے آج تک اس عورت کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

فریدی فی الحال اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر خط پڑھنے میں مشغول ہو گیا تھا۔

"مائی ڈیئر فریدی صاحب۔

میرا ساتھی رات سے غائب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کے ہاتھ پڑ گیا ہے۔ لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ اسے رہا کرا دیجئے ورنہ پھر آپ اس تصویر کا مطلب تو سمجھ ہی گئے ہوں گے۔ میں تین بجے تک اس کی رہائی کا انتظار کروں گی اگر کوئی بات میری توقع کے خلاف ہوئی تو میں اپنا کام کر گزروں گی۔"

"یہ تصویر جعلی نہیں معلوم ہوتی۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ کیمرہ ٹرک نہیں ہو سکتی۔"

"میں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں نے یہ صورت آج تک خواب میں بھی نہیں دیکھی۔" حمید بوکھلا کر بولا اور فریدی کے ہاتھ سے خط لے کر پڑھنے لگا۔ اس کے بعد کچھ دیر تک اس کی نظریں تصویر پر جمی رہیں.... اور پھر یکایک چونک کر کہنے لگا۔ "مگر یہ صوفہ.... کیا یہ وہی صوفہ نہیں ہے جس پر کل رات جے سیکا میرے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔"

"ہے تو وہی....!" فریدی پُر خیال انداز میں بولا۔

"اور اس عورت کی پوزیشن بھی وہی ہے، جو تصویر لیتے وقت جے سیکا کی تھی۔"

"میرے خیال سے یہ بھی درست ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن پھر اس کی صورت کس طرح بدل گئی۔" حمید بڑبڑایا۔

"اسی لئے میں پھر اسی کیمرے کی ساخت کے متعلق سوچنے لگا ہوں۔"

"تو کیا وہ کوئی میک اپ توڑ کیمرہ ہے۔"

"سو فیصدی یہی بات تھی۔ لیکن کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جے سیکا کی اصلی صورت ہے۔"

"کیوں؟" حمید چونک کر بولا۔ "ایسی صورت میں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"قطعی نہیں! حمید صاحب! تم بڑے جنجال میں پھنس گئے ہو۔"

"کیوں؟"

"کیا اس عورت کی تصویر بھی تم نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔"

"نہیں.... کبھی نہیں۔"

"دلاور نگر کے سیٹھ جگو مل کی گونگی بھانجی کے اغواء کے متعلق بھی کچھ جانتے ہو۔"

"بس اتنا ہی کہ آج سے ایک ماہ قبل وہ غائب ہو گئی تھی۔"

"اور ابھی تک غائب ہے۔" فریدی نے کہا "بیٹے حمید خاں تمہارے ساتھ یہ اسی کی تصویر ہے۔"

"کیا....؟ نہیں.... بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کیا کل رات والی عورت گونگی تھی۔"

"گونگی تو نہیں تھی لیکن اس نے دوہرا میک اپ ضرور کر رکھا تھا۔ اپنی اصلی صورت کلاوتی کا میک اپ کر رکھا تھا اور اس پر دوسرا جس میں وہ پروین کے نام سے یاد کی جاتی تھی۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"مگر وہ کیمرہ! مجھے حیرت ہے کہ وہ جے سیکا کے پاس کہاں سے آیا۔"

"کیوں؟"

"ایسے کیمرے صرف لندن کے اسکاٹ لینڈ یارڈ کے لئے مخصوص ہیں۔ اس ساخت کے کیمرے دنیا میں اور کہیں نہیں۔ سخت حیرت ہے۔ آخر جے سیکا.... اور پھر وہ اس کے استعمال سے بھی واقف معلوم ہوتی ہے۔"

"صحیح استعمال سے.... کیا مطلب....؟"

"ان کی ٹیکنیک ہے۔ یہ ہر ایک قسم کے میک اپ کی تہوں سے گزر کر اصلی صورت کی تصویر لیتے ہیں۔"

"لیکن یہ جے سیکا کی اصلی صورت تو نہیں۔" حمید نے کہا۔

"وہی بتانے جا رہا ہوں اگر میک اپ پر ریشم کے کپڑوں کا ایکسٹریکٹ لگا لیا جائے تو ما البنفشی کرنیں میک اپ سے گزر کر جلد کی اصلی سطح تک نہیں پہنچ پاتیں اس لئے اصلی شکل کی

تصویر بھی نہیں آتی۔ یہ کیمرے دراصل ایکسرے کی بنیادوں پر بنائے گئے ہیں۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ کہ اس نے اپنی صورت پر اُس گونگی لڑکی کلاوتی کا میک اپ کر کے اس پر ریشم کے کپڑوں کا ایکسٹریکٹ لگایا اور پھر اس پر سے پروین والا میک اپ....!"

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔ تھوڑی دیر تک اُس کی پیشانی پر شکنیں ابھری رہیں اور پھر آنکھوں میں وہی پہلی سی نیم غنودگی کے آثار نظر آنے لگے۔

"اب بتاؤ" اس نے سگار کو ایش ٹرے پر رکھتے ہوئے حمید کو مخاطب کیا۔ "آخر اس دوسرے میک اپ کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ لوگوں کو بلیک میل کرنے کے لئے یہ سب کچھ کرتی تھی تو دوہرے میک اپ کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اس صورت میں مونچھیں مونڈنے والی حرکت بھی تضیع اوقات اور پاگل پن سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔"

"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔ وہ حقیقتاً اس تصویر میں الجھا ہوا تھا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ معاملہ کچھ کچھ صاف ہو چلا ہے۔ اُس نے وہ دوہرا میک اپ صرف ایک آدمی کے لئے کیا تھا۔"

"کس کے لئے۔"

"اسی کے لئے جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ کسی مقصد کے تحت اس کو اور کلاوتی کو یکجا کرنا چاہتی تھی۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"اللہ میاں سے پوچھ کر بتاؤں گا۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "تم مجھے غیب دان کیوں سمجھتے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر فریدی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"بہر حال حمید صاحب ڈیڑھ بج رہا ہے۔ تین بجے تک اگر اُس نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا تو تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آئیں گی۔"

"کیوں کس لئے؟" حمید چونک پڑا۔

"کیا تم گونگی کلاوتی کے متعلق اتنا جانتے ہو کہ اسے اغوا کیا گیا ہے؟"

"پھر اور کیا جاننا چاہئے۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"یہی کہ اس سازش کی وجہ تین کروڑ روپیوں کا بنک بیلنس ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تو اب اچھی طرح سمجھ لو۔ کیونکہ ہتھ کڑیوں اور بیڑیوں کی جھنکاریں پائل کی جھنکاروں طرح سرور انگیز نہیں ہوتیں۔ گونگی کلاوتی متوفی سیٹھ جیجومل کی اکلوتی لڑکی ہے۔ جیجومل وقت مر گیا تھا جب وہ بچہ تھی۔ مرتے وقت اس نے تین کروڑ کا بینک بیلنس چھوڑا تھا۔ وصیت کے مطابق کلاوتی کا ماموں اس کا متولی قرار پایا۔ بالغ ہو جانے کے بعد وہ ان تین کروڑ روپیوں براہِ راست مالک ہو جائے گی۔ یعنی تین ماہ بعد وہ اس کی حق دار ہو جائے گی۔ کسی نے اس سے پہ ہی اُسے اڑا دیا۔ اب اگر وہ تین ماہ گزر جانے کے بعد شادی شدہ حیثیت میں منظر عام پر آتی ہے سیٹھ جگومل کا پتہ ہی کٹا۔ سمجھو..... غالباً اب بالکل ہی سمجھ گئے ہو گے۔"

"میں اس جے سیکا کی بچی کو ذبح کر ڈالوں گا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"کیا فائدہ ہوگا اس سے۔ اگر تمہیں گھنٹے کے لئے بھی حوالات نصیب ہوئی تو میں تمہ گولی مار دوں گا۔ کیا سمجھے۔"

"تو پھر بس کیا کروں۔"

"جے سیکا کا تعاقب۔"

"پھر آپ نے وہی کہا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "کیا ہوا کا تعاقب کروں۔"

"میں ابھی بتاؤں گا۔ اب اٹھو۔ تمہارے چہرے پر تھوڑا رندا چلا دیا جائے۔ ورنہ..... جانتے ہی ہو۔"

وہ اسے ساتھ لے کر تجربہ گاہ کی طرف جانے لگا۔ ایک نوکر کو ہدایت کر دی کہ اگر کوئی فو آئے تو اسے بلا لیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد حمید کے چہرے کی مرمت شروع ہو گئی۔

"کیا آپ جے سیکا کے ٹھکانے سے واقف ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"عرصے سے..... اس کے کئی ٹھکانے ہیں۔ فی الحال مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ملے گی۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" حمید بھنا کر بولا۔ "جب آپ اس کے ٹھکانوں سے واقف

تھے تو آپ نے اسے اب تک ٹھکانے کیوں نہیں لگا دیا تھا۔"

"ضرورت نہیں سمجھی تھی۔"

"کیوں! کیا وہ بہت بڑے بڑے جرائم کی مرتکب نہیں ہوئی۔"

"ہوئی ہو گی۔ لیکن وہ ایسے نہیں تھے جن سے دلچسپی لیتا۔ عام طور پر بلیک میلنگ اس کا ذریعہ معاش رہی ہے اور اس کے شکار عیاش قسم کے دولت مند لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اونچے طبقے کے عیاش لوگوں سے مجھے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں اور نہ مجھے ایسے قانون سے دلچسپی ہے جو ان کی عیاشیوں پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔"

"بہت اونچے اڑ رہے ہیں آج۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کب نہیں اڑتا۔ اچھا باتیں بند۔ تمہارا اوپری ہونٹ یونہی ہر وقت دست بدعا رہتا ہے اور جب بولنے لگتے ہو تو ناک سے جا ملتا ہے۔ ذرا بھینچو اسے..... ٹھیک..... لیکن یاد رہے کہ میک اپ کے باوجود بھی تمہاری آنکھوں پر تاریک عینک ہونی چاہئے۔ جے سیکا کی نظریں بہت تیز ہیں، جو اسکاٹ لینڈ یارڈ کا مخصوص کیمرہ غائب کر سکتی ہے نری ڈیوٹ ہی نہ ہو گی۔"

"بہر حال اس کے دن پورے ہو گئے۔"

"اوہو.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"کیا مطلب.....!"

"اگر اسکے دن پورے ہو گئے ہیں تو تم پر کسی دائی یا نرس ہی کا میک اپ زیادہ مناسب رہتا۔"

حمید جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"عجیب بات ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "محاورہ ایک ہی ہے لیکن استعمال کے معاملے میں جنس کی تبدیلی کے ساتھ ہی اس کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔"

"محاورے پر ایک یاد آئی۔" حمید نے کہا۔ "ایک صاحب کی سسرال سے خبر آئی کہ ان کی بیوی کا پاؤں بھاری ہو گیا ہے۔ محاوروں کے معاملے میں ذرا کچے تھے۔ سمجھے شائد Elenantisis (فیل پا) ہو گیا ہے۔ فوراً گھبرا کر تار دیا کہ روپے بھیج رہا ہوں۔ علاج شروع کر دو۔ جواب میں بذریعہ تار پوچھا گیا کہ کس بات کا علاج۔ اس پر آپ نے ایک لمبا چوڑا تار روانہ کیا۔ مرض خطرناک۔ ابھی شروعات۔ علاج کارگر ہو جائے گا۔ ورنہ پھر زندگی بھر اس سے پیچھا

چھڑانا محال ہو جائے گا۔ وہاں سے جواب آیا جو شائد ان کے سسر نے دیا تھا کہ بزرگوں سے مذ
کرتے شرم نہیں آتی۔ اس پر بڑا تاؤ آیا ان حضرت کو اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگوں کو غ
عموماً اردو ہی میں آتا ہے۔ لہٰذا اس بار انہوں نے اردو میں خط لکھا۔ پتہ نہیں آپ لوگ کیسے بز
علاج کیجئے ورنہ منہ کی کھانی پڑے گی۔ روپے بھیج چکا ہوں۔ ایک ایک پائی میری بیوی کے علاج
صرف ہونی چاہئے۔ ورنہ میں اپنے قریب کسی ایسی عورت کا وجود برداشت نہ کر سکوں گا جس
ایک پاؤں یا دونوں پاؤں بھاری ہوں۔ اللہ آپ لوگوں کو عقل سلیم عطا فرمائے ادھر ان
سسرال والے بھی غالباً شاہ مدار اور غازی میاں کے معتقدین میں سے تھے۔ بُری طرح تاؤ
گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طلاق تک کی نوبت آ گئی۔"

"بند کرو بکواس۔" فریدی جھنجھلاہٹ میں اس کا اوپری ہونٹ دبا کر بولا۔ "منع کر دیا کہ ب
مت۔"

"میک اپ کی ایسی تیسی۔" حمید جھلا کر الگ ہٹ گیا۔

"تمہاری مرضی! تین بجنے میں پچیس منٹ رہ گئے ہیں۔"

"میرے مرنے میں صرف پچیس منٹ رہ گئے ہیں۔" حمید حلق پھاڑ کر چلایا۔

فریدی نے پھر اسے کھینچ کھانچ کر سیدھا کیا اور اس کے چہرے کی مرمت پھر شروع ہو گئی۔

"کاش میں اپنی ماں کے پیدا ہونے سے پہلے ہی مر گیا ہوتا۔" حمید نے کچھ اس انداز میں
کہ فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ ساتھ ہی ایک نوکر نے تجربہ گاہ میں داخل ہو کر فون کی اطلا
دی۔ فریدی نیچے چلا گیا۔

میک اپ مکمل ہو چکا تھا اور حمید تحیر آمیز انداز میں بار بار آئینے کی طرف دیکھ رہا تھا۔
سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی اسے مچھلی کے شکار کے چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ پھ
خواہش اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگی کہ کاش وہ اتنا ہی حسین اور پر کشش ہوتا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔

"اچھا حمید صاحب اب آپ جا سکتے ہیں۔ جمشید منزل نمبر ۱۴ میں مس مالا جگدیش تمہا
شکار ہے۔"

"یعنی جے سیکا۔"

"ہاں ہاں اس کے کئی نام ہیں، اور بے شمار شکلیں۔ اب دفع ہو جاؤ۔"

"میرے مرنے کے بعد آپ کی جائیداد کا وارث کون ہو گا۔" حمید بڑبڑاتا ہوا زینے طے کر رہا تھا۔

اپنی اپنی گھات

رات اپنے سیاہ بازو پھیلائے کائنات پر جھپٹ رہی تھی۔

سرجنٹ حمید چار بجے سے مس مالا جگدیش کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہ اس وقت سے اب تک شہر کے مختلف حصوں کے چکر لگاتی رہی تھی۔ اس دوران میں حمید نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اپنے ساتھی کے قتل سے باخبر ہو گئی ہے۔ اس نے اسے پریس رپورٹروں سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کرتے سنا تھا۔

تقریباً سات بجے وہ کیفے کاسینو میں داخل ہوئی۔ یہ اطالوی طرز کا ایک صاف ستھرا کیفے تھا اور اتنا مہنگا بھی نہیں تھا کہ متوسط طبقے کے لوگ اس کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہ کر سکتے۔

مس مالا یا جے سیکا بھری ہوئی میزوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالتی ہوئی کاؤنٹر کے کلرک کی طرف چلی گئی، جو اسے دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہو گیا۔

حمید ایک خالی میز پر جم گیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُسے اس کا اندازہ لگا لینے میں دشواری نہ ہوئی کہ یہ کیفے جے سیکا ہی کی ملکیت تھا۔ پہلے اس نے کاؤنٹر کلرک کے رجسٹروں کی پڑتال کی۔ پھر ویٹروں کو بلا کر شاید کچھ ہدایات دینے لگی۔

حمید کے ذہن میں کچھ نئے کیڑے کلبلائے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس طرح کسی کا تعاقب کرنا کم از کم اسے زیب نہیں دیتا اور فریدی کو اسے اس گھٹیا قسم کے کام پر ہرگز نہ لگانا چاہئے تھا۔ وہ اپنے محکمے کے کئی انسپکٹروں سے زیادہ ذہین اور تجربہ کار تھا۔ لہٰذا اس کے لئے اتنا واہیات کام تجویز کرنا فریدی کی زیادتی تھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ فریدی کی انگلی پکڑ کر کب تک چلتا رہے گا۔ کچھ اپنی عقل بھی استعمال کرنی چاہئے۔ لہٰذا.... وہ اپنی عقل ٹٹولنے لگا۔

بات کچھ بھی نہ تھی۔ اس سے پہلے وہ کئی بار مجرموں کا تعاقب کر چکا تھا اور کچھ ایک دو دن

نہیں بلکہ ہفتوں لیکن یہ معاملہ ایک عورت کا تھا اور عورت بھی ایسی جس نے حمید کو بیوقوف
تھا۔ پھر وہ کافی حسین بھی تھی۔ حمید کی نظروں سے اس کا اصلی چہرہ آج تک نہ گزرا تھا مگر
نے اس کے حسن کے حیرت انگیز تذکرے ضرور سنے تھے۔ مس مالا کے میک اپ میں کچھ ز
دلکشی نہیں تھی۔ بس ایک معمولی سا چہرہ۔ ان ہزاروں میں سے ایک جو دن میں سینکڑوں
نظروں سے گزرتے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کی بھی تصویر ذہن میں محفوظ نہیں رہتی۔

بہر حال حمید سوچ رہا تھا کہ خود کو جے سیکا تک پہنچنے کا کون سا طریقہ اختیار کرے وہ یہ
محسوس کر رہا تھا کہ جے سیکا اسے بار بار گھور رہی ہے۔ پہلے تو وہ کچھ جھجکا تھا کہ کہیں اسے ا
شبہ نہ ہو گیا ہو لیکن بعد میں یہ خیال دل سے نکال دینا پڑا۔ وجہ یہ ہوئی کہ اسے اپنے وہ چند لمح
یاد آگئے جو اس نے میک اپ کے بعد آئینے کے سامنے گزارے تھے۔ حقیقت دراصل یہ تھ
اس کے نقلی خدوخال بڑے دلآویز تھے اور اسی تعاقب کے دوران میں راہ چلتی ہوئی ب
لڑکیوں نے اسے گھور گھور کر دیکھا تھا۔

حمید اپنے اگلے اقدام کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ ایک باوردی سب انسپکٹر پولیس کیف
داخل ہوا۔ ساتھ ہی حمید کے ذہن نے بھی جست لگائی۔ طریقہ کار بجلی کے کوندنے کی ط
شعور پر لپکا۔ سب انسپکٹر اسی کی طرف آرہا تھا۔ شاید اس کی پشت والی میز اس کی منزل مق
تھی۔ حمید نے میز پر دھات کا وزنی ایش ٹرے اٹھا کر مٹھی میں دبا لیا۔

جیسے ہی سب انسپکٹر نے اس کے قریب سے گزرنا چاہا اس کے پیر تیزی سے اس کی راہ
حائل ہو کر پھر اپنی جگہ پر واپس آگئے اور سب انسپکٹر بے خیالی میں پیٹ کے بل فرش پر
ہو گیا۔

"ارے.... اوہ!" حمید بے اختیارانہ انداز میں اس پر جھک پڑا۔ کچھ اور لوگ بھی اپنی جگ
سے اٹھے۔

سب انسپکٹر بھاری بھر کم جسم کا ایک معمر آدمی تھا۔ اس لئے خود نہ اٹھ سکا۔ حمید
طرح کھینچ کھانچ کر اُسے اٹھایا۔ بے چارے کی عجیب حالت تھی۔ غصہ جھنپ اور کھسیاہٹ
امتزاج نے اس کے چہرے کو بڑا مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔

"کون تھا وہ....!" سب انسپکٹر مجمع کو گھورتا ہوا بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ "جس نے م

پیروں میں ٹانگ اڑائی تھی۔"

"ٹانگ اڑائی تھی۔" کئی تحیر زدہ آوازیں سنائی دیں۔

"ہاں.... کون تھا وہ....!" وہ پھر مجمع کو گھورنے لگا لیکن کوئی کچھ بولا نہیں۔ پھر وہ تیزی
سے جے سیکا کی طرف مڑا۔

"آپ کا ہوٹل غنڈوں کا اکھاڑہ بنا ہے۔"

"ایسا نہ کہئے۔" جے سیکا لچکیلی آواز میں بولی۔ "آپ شریف آدمیوں کی توہین کر رہے ہیں۔"

"قطعی نامناسب بات ہے۔ آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے۔" ایک آدمی نے بڑھ کر کہا۔

"تو تمہیں تھے۔" سب انسپکٹر اسے گھورنے لگا۔

"تمیز سے بات کیجئے گا جناب۔"

"ارے داروغہ.... جی.... بیکار بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔" حمید نے کہا۔ "چلئے جانے
بھی دیجئے۔"

اور پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک خالی میز کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ "کمینوں کے منہ لگنے
سے کیا فائدہ۔"

جے سیکا حمید کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

حمید تھوڑی دیر تک سب انسپکٹر کو ہموار کرتا رہا۔ پھر وہ کچھ کھائے پئے بغیر ہی اٹھ کر
چلا گیا۔ حمید نے ویٹر کو بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔

جے سیکا کاؤنٹر سے اٹھ کر سیدھی اس طرف آئی۔

"کیا میں آپ کا تھوڑا سا وقت لے سکتی ہوں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"اوہ! تشریف رکھئے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"بیٹھئے بیٹھئے! میں اسی پولیس والے کے متعلق بات کروں گی۔"

"فرمائیے۔"

"کیا کہہ رہا ہے۔"

"وہی جو عموماً یہ لوگ کہا کرتے ہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"میرا پرانا دشمن ہے۔" جے سیکا مضطربانہ انداز میں بولی۔ "اب ضرور تنگ کرے گا۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"یہ کیفے میرا ہے نا۔"

"اوہ بڑی خوشی ہوئی۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے اس سے پہلے آپکو یہاں کبھی نہیں دیکھا۔" جے سیکا نے کہا

"میں اس شہر ہی میں اجنبی ہوں۔"

"خوب تب تو آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔" جے سیکا پر خیال انداز میں بولی۔

"فرمایئے میں حاضر ہوں۔"

"یہاں نہیں۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "میرے ساتھ آیئے۔ آپ کا کھانا وہیں آجائے گا۔"

وہ دونوں ایک طویل اور نیم تاریک راہداری سے گزر کر ایک کمرے میں آئے۔

"تشریف رکھئے۔" جے سیکا ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

پھر تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ حمید آرام کرسی پر نیم دراز جے سیکا کے گداز جسم کے لچکیلے خطوط کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً وہ اس کی طرف مڑی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک ننھا چمکدار پستول تھا۔

"اب بتاؤ" وہ مسکرا کر بولی۔ "تمہیں جنبش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

"اگر نہ اٹھاؤں تو۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "ویسے تم بھی اپنے قبیلے کی ہی معلوم ہوتی ہو۔"

"تم نے اس سب انسپکٹر کو گرا کر اُس کے ہولسٹر سے ریوالور کیوں نکالا تھا۔"

"اوہ تو تم یہ بھی دیکھ رہی تھیں۔" حمید حیرت سے بولا۔

جے سیکا ہنس پڑی۔

"اور پھر تم نے اس کے ہولسٹر میں میرا ایک وزنی ایش ٹرے ڈال دیا تھا۔"

"مجھے انکار تو نہیں۔" حمید مسکرایا۔ "یہ دیکھو..... یہ رہا۔"

"ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔" جے سیکا گرج کر بولی۔

"تمہاری آواز بڑی رسیلی ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کاش تم اتنی حسین نہ ہوتیں۔"

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

"چلو میں تمہارا دل نہیں توڑوں گا۔" حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

"تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔" جے سیکا نے پوچھا۔

"اگر تم بہت زیادہ حسین ہوتیں تو یہ بھی بتا دیتا۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"میں تمہیں اسی حالت میں پولیس کے حوالے کر سکتی ہوں۔"

"کیوں! میں نے کیا کیا ہے۔" حمید نے معصومیت سے پوچھا۔

"اوہو! اتنے بھولے۔" جے سیکا ہنس پڑی پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "مجھے اس کی وجہ بتاؤ ورنہ میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔"

"اور اس طرح تم میری جیب سے وہ ریوالور برآمد کرالو گی۔"

"ہاں....!"

"لیکن وہ اب میری جیب میں نہیں۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"تلاشی لے لو میری جان۔"

"بدتمیزی نہیں۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"کیوں کیا مری جان گالی ہے۔"

"بکومت! تم کون ہو؟"

"تین بٹا آٹھ۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "تمہارا پستول مجھے پسند آیا۔ اب اسے احتیاط سے رکھنا۔"

"میں پولیس انسپکٹر نہیں ہوں۔"

"لیکن وزن میں اس سے بہت زیادہ ہلکی ہو۔"

"اگر تم نہیں بتاتے تو میں پولیس کو فون کرتی ہوں۔" اس نے فون کے ڈائل پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور کردو! اور ہاں ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ آتے وقت تمباکو کا ایک ڈبہ بھی لیتے آئیں۔ میں نے بڑی دیر سے پائپ نہیں پیا۔ پرنس ہنری پیتا ہوں۔"

"میں کہتی ہوں ضد سے کیا فائدہ۔"

"میں کہتا ہوں کہ وہ ریوالور تمہارے ڈسک سے برآمد ہوگا۔"

"کیا....؟"

"ہاں...پیاری لڑکی...میرا نام اناڑی خاں نہیں...میں ہر وقت ہوشیار رہنے کا عادی ہوں۔"

"تم آخر ہو کون....؟"

"ایک بہت بُرا آدمی۔ لیکن تم کون ہو۔"

"ایک شریف عورت۔"

"بڑی خوشی ہوئی مل کر۔ میں عرصہ سے کسی شریف عورت کی تلاش میں تھا۔"

"تمہاری وجہ سے میرے ہوٹل کی بدنامی ہوئی۔"

"ابھی تو نہیں ہوئی....لیکن....!"

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

"کمال کرتی ہو۔ میں کہہ چکا ہوں کہ ریوالور میری جیب میں نہیں۔ میں نے بڑی دیر سے پائپ نہیں پیا۔"

جے سیکا کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک حمید کو گھورتی رہی پھر اس نے اپنا ننھا سا پستول بلاؤز کے گریبان میں رکھ لیا۔

"آج معلوم ہوا کہ عورتیں پستول کہاں رکھتی ہیں۔"

جے سیکا دوسری طرف دیکھنے لگی اور حمید اٹھ کر اُس کے قریب چلا گیا۔

"کہتا تو ہوں کہ تلاشی لے لو۔"

وہ اسے پھر کچھ دیر تک گھورنے کے بعد بولی۔

"خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"ابھی تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن شائد تم صبح کے اخبار میں اسی سب انسپکٹر کی خودکشی کا حال پڑھو اور یہ معلوم کر کے ضرور چونکو گی کہ اس کا سرکاری ریوالور اس کے ہاتھ میں دبا ہوا پایا گیا۔"

"اوہ....!" جے سیکا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی، پھر بولی۔ "لیکن تم مجھے یہ سب کچھ بتا رہے ہو؟"

"مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں ہم پیشہ ہیں۔"

"بکواس ہے۔"

"اوہ....تو کیا تم....مجھے اپنے پستول کا لائسنس دکھا سکو گی۔"

"کیوں نہیں؟"

"جھوٹ مت بولو۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "میری معلومات بہت وسیع ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس شہر میں صرف تین عورتوں کے پاس پستول لائسنس ہے اور مس مالا جگدیش ان میں سے نہیں۔"

"تم تو کہتے تھے کہ تم اس شہر میں اجنبی ہو۔"

"جس کی اصلیت سے کوئی واقف نہ ہو، اسے اجنبی ہی کہا جائے گا۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر تک پھر خاموشی رہی۔ پھر حمید خود بخود بڑبڑانے لگا۔ "جب جیب ہلکی ہو جائے تو قتل بھی کرنے پڑتے ہیں۔"

"تو تم قاتل بھی ہو۔" جے سیکا بولی۔

"ابھی تک تو نہیں تھا۔ لیکن آج رات....بیس ہزار روپے تھوڑے نہیں ہوتے۔"

"اور اس قتل کو خودکشی ثابت کرنے کے لئے مقتول ہی کا ریوالور استعمال کرو گے۔ آخر کیوں؟ قتل کی وجہ!....بیس ہزار روپے کون دے گا۔"

"جو قتل کرائے گا۔"

"کون؟"

"تم میری بیوی نہیں ہو کہ سب کچھ بتا دوں گا۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"ہونہہ! تم یہاں سے ہتھکڑیوں میں جاؤ گے۔" جے سیکا سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں جے سیکا میری جان۔"

"کیا....؟" جے سیکا اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ بلاؤز کے گریبان سے دوبارہ پستول نکالتی، حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"پستول کی ضرورت نہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "تمہاری ایک نظر ہی کافی ہے۔"

"چھوڑو مجھے۔" وہ زور لگانے لگی۔

"کھا تھوڑا ہی جاؤں گا۔" حمید شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں شور مچاتی ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "عورت چاہے جتنا بڑھ جائے۔ عورت ہی رہے گی۔ جے سیکا کو شور مچانے کی دھمکی دیتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔"

"تم کون ہو؟" وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ فریدی نے حمید کو تاریک شیشوں کی عینک لگانے کا مشورہ دیا تھا لیکن حمید نے اندھیرا ہوتے ہی اسے آنکھوں سے ہٹا دیا تھا۔

"مجھے یاد نہیں کہ والدین نے میرا کیا نام رکھا تھا۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ویسے نارنگ مجھے نمرود کہا کرتا تھا۔"

"ڈاکٹر نارنگ.... یعنی....!" جے سیکا ہکلائی۔ "مسٹر کیو[1].... وہ خوفناک آدمی۔"

"ہاں....!" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔ "اس نے مجھے بیٹے کی طرح پالا تھا اور صرف میں ہی یہ جانتا تھا کہ وہی مسٹر کیو ہے۔ افسوس کہ ہمارا قافلہ لٹ گیا۔ اس نے وقتی پاگل پن کے تحت اپنے ان ساتھیوں کو مار ڈالا تھا جن تک اس کا ہاتھ پہنچ سکتا تھا لیکن اس کے بقیہ ساتھیوں کے متعلق پولیس کچھ نہ معلوم کر سکی۔ اس نے مرتے دم تک ان کا پتہ نہیں دیا۔"

"ہاتھ تو چھوڑو میرے۔" جے سیکا آہستہ سے بولی۔

حمید نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور وہ ایک آرام کرسی پر گر گئی۔

"مسٹر کیو کی نظر تم پر بھی تھی لیکن اسے وقت ہی نہ مل سکا۔"

"تو اب تم نے مسٹر کیو کی جگہ سنبھالی ہے۔" جے سیکا نے کہا۔

"نہیں میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ مجھے چند ساتھیوں کی ضرورت ہے۔"

"ساتھیوں یا غلاموں کی۔" جے سیکا طنز آمیز لہجے میں بولی۔

"حسب حیثیت برتاؤ کرنے کا عادی ہوں۔ اب مثلاً تم ہو۔ اگر تم میری ساتھی ہو جاؤ تو میں تمہیں برابری کا درجہ دوں گا کیونکہ ہم دونوں برابر کی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔"

جے سیکا کسی سوچ میں پڑ گئی۔

[1] مسٹر کیو جیسے خوفناک آدمی کی داستان کیلئے جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "لاشوں کا آبشار" ملاحظہ فرمایئے۔

دو مکار

حمید تین دن تک جے سیکا کے ساتھ سر مارتا رہا۔ دونوں میں سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ ابھی تک یہ بات نہیں معلوم ہو سکی تھی کہ وہ اس سے کیا کام لینا چاہتی ہے۔ حمید نے اپنی کارگزاریوں کی اطلاع فریدی تک پہنچا دی تھی لیکن اس طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ حمید کا یہ اقدام غیر مناسب نہیں تھا۔

جے سیکا اس کے لئے بڑی دلچسپ ثابت ہوئی تھی۔ تین ہی دنوں میں دونوں اس طرح گھل مل گئے تھے جیسے برسوں سے ساتھ رہتے چلے آرہے تھے۔ وہ دن بھر کہیں غائب رہتی اور حمید گھر پر پڑا اونگھتا رہتا۔ اس سے آگے بڑھنا اس نے مناسب نہ سمجھا تھا۔ سرِ شام وہ واپس آتی اور پھر دونوں کافی رات گئے تک ہوٹلوں، رقص گاہوں اور باروں کے چکر لگاتے رہتے۔

حمید نے مونچھ مونڈنے والے مسئلے کو قصداً نہیں چھیڑا تھا۔ وہ اپنی ہمہ دانی سے اسے اتنا مرعوب نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اسے اس پر شبہ ہو جائے کیونکہ جے سیکا بہرحال ایک ذہین عورت تھی۔ عورتیں یوں بھی فطرتاً شکی ہوتی ہیں۔ اس پر اگر اسے تھوڑی بہت ذہانت بھی نصیب ہو جائے تو پھر کیا کہنا۔ وہ اپنے وجود پر شبہ کرنے لگتی ہے۔

آج رات بڑی خوشگوار تھی۔ حمید نے سوچا تھا کہ نکھری ہوئی چاندنی کا لطف شہر سے باہر کسی پر فضا مقام پر اٹھائے گا۔ لیکن جے سیکا شاید آج اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی جس کے لئے اسے تین دن تک سرگرداں رہنا پڑا تھا۔

"آج ہو گا تمہاری صلاحیتوں کا امتحان۔" اس نے حمید کو مخاطب کیا، جو آرام کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے پائپ پی رہا تھا۔

"کیانٹوں کی طرح رسے پر چلنا ہو گا، جے سیکا ڈارلنگ! تمہارے لئے میں سوئی کے ناک سے بھی گزر سکتا ہوں۔"

"ہاں ہاں! بس آج دیکھ لیا جائے گا۔ ویسے باتیں تو خاصی بنا لیتے ہو۔"

"ہونہہ! معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے آگ کے سمندر میں چھلانگ لگانے کا مشورہ دوگی۔"

"نہیں! ایک بہت معمولی سی بات۔"

"یعنی.....!"

"میں ایک آدمی کی گردن میں ہاتھ ڈالوں گی اور تمہیں ہم دونوں کی تصویر لینی پڑے گی۔"

"لاش کھینچنی پڑے گی اس کی۔" حمید بھنا کر بولا۔ "اُس اُلو کے پٹھے کی تصویر لوں گا میں!....اور تم اس کی گردن میں ہاتھ ڈالو گی۔ تمہارا وہ ہاتھ جڑ سے کاٹ ڈالوں گا سمجھیں۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔ یہ بزنس ہے اور پھر تم میرا ہاتھ کیوں کاٹو گے۔ تم ہو کون؟ مجھ سے صرف کاروباری معاملات میں سمجھوتہ ہوا ہے۔"

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم سے عشق بھی ہو جائے گا تو میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کرتا۔"

"نمرود! بکواس مت کرو۔ تم سے پہلے والا نمرود تمہاری طرح احمق نہیں تھا۔"

"نہ رہا ہوگا۔ ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے عشق ہو گیا ہے اور تمہیں بھی مجھ سے عشق کرنا پڑے گا۔ سمجھیں۔"

"تب پھر ہمارا معاہدہ ختم۔" جے سیکا منہ بنا کر بولی۔

"کیوں....؟"

"مجھے دولت کے علاوہ اور کسی چیز سے عشق نہیں۔"

"تمہیں مجھ سے عشق کرنا پڑے گا۔" حمید نے میز پر گھونسہ مار کر کہا۔ "ورنہ میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔"

"بھلا گردن توڑنے سے کیا ہوگا۔" جے سیکا مسکرا کر بولی۔

"مر جاؤ گی۔"

"پھر....!"

"مرنے کے بعد تم عشق سے انکار نہ کر سکو گی اور میں تمہیں چپ چاپ پوجتا رہوں گا۔ مجھے تو دراصل تمہاری روح سے عشق ہے۔ جسم میرے لئے قطعی بے کار ہے۔ اس لئے میں اس کا قیمہ کر کے کباب بناؤں گا۔"

"چلو اٹھو! فضول وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔

"جے سیکا ڈارلنگ اپنی اصل صورت دکھادو۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"اگر تم نے آج کامیابی حاصل کرلی تو تمہاری یہ خواہش بھی پوری کردی جائے گی۔" جے سیکا نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو کیا وہ اتنا ہی خطرناک کام ہے۔"

"قطعی! جس وقت ہمیں یہ کارنامہ سرانجام دینا ہوگا ہم کچھ خطرناک آدمیوں کے درمیان میں ہوں گے۔"

"لیکن.... یہ تصویر کیوں؟"

"بعد کو بتاؤں گی۔ اگر ہم کامیاب ہوگئے تو.... دونوں ہاتھ سے دولت سمیٹیں گے۔"

"صرف تم سمیٹو گی.... میری دولت تو تم ہی ہو۔"

"اوہو.... تو پھر....؟" جے سیکا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"سمیٹنا دونوں ہاتھوں سے۔" حمید نے جملہ پورا کردیا۔

"پھر بیکار باتوں پر آگئے ہو۔ چلو اٹھاؤ وہ کیمرہ۔ میں نے نیا بلب فٹ کردیا ہے۔ دو ایک فالتو بھی رکھ لئے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھے شہر کی سڑکیں ناپ رہے تھے۔ لیکن اس سے بے خبر تھے کہ ایک دوسری کار ان کا تعاقب کر رہی ہے۔

"سنو....!" حمید نے جے سیکا کو مخاطب کیا۔ "میرے خیال سے اگر تم مجھے پوری پچویشن سے پوری طرح باخبر کردیتیں تو بہتر تھا ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں کہیں چوک جاؤں۔"

"اس عمارت میں کل آٹھ ہوں گے۔" جے سیکا نے کہا۔ "ان میں سے ایک بڑا خطرناک ہے۔ بڑی مونچھ والا اور اسی کے ساتھ میری تصویر لی جائے گی۔"

"کام خطرناک ہے۔" حمید تذبذب میں پڑ گیا۔

"ڈر گئے۔"

"نہیں.... لیکن.... تم نے مجھے دن ہی سے بتا دیا ہوتا تو میں کوئی طریقہ کار متعین کرنے کی کوشش کرتا۔"

"سوچنے سمجھنے کے لئے صرف پندرہ منٹ درکار ہوتے ہیں۔" جے سیکا بولی۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی فریدی ہی کا خیال سچ تھا۔ کیا جے سیکا آدمی کو پا گئی ہے جس کی اسے تلاش تھی۔ اگر ایسا ہے تو اسے فریدی کو اس سے مطلع کرنے مہلت تو ملنی چاہئے۔

"کیوں نہ میں دو ایک آدمیوں کو طلب کر لوں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں میں زیادہ بھیڑ اکٹھا کرنا نہیں چاہتی۔" جے سیکا بولی۔ "میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے۔"

"تو بتاؤ نا.... تمہارے عشق میں۔"

"پھر شروع کر دی بکواس۔ کام کی بات کرو۔"

"جانتی ہو.... ہندی میں کام کسے کہتے ہیں۔"

"اب میں چانٹا مار دوں گی۔" جے سیکا جھنجھلا کر بولی۔

"ہاں تو وہ تدبیر کیا تھی۔" حمید نے پوچھا۔ جے سیکا تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

"اس عمارت کے سامنے پہنچ کر میں پاگل بن جاؤں گی۔ ظاہر ہے کہ وہاں بسنے والے با ضرور نکل آئیں گے۔ اگر ان میں وہ بڑی مونچھ والا بھی ہوا تو کام بن جائے گا۔"

"کس طرح.... پوری بات ختم کر کے رکا کرو۔" حمید بولا۔

"جیسے ہی میں اس سے لپٹوں.... تصویر لے لینا۔"

"میں اس اُلو کے پٹھے کو بھونسہ بنا دوں گا۔" حمید بگڑ کر بولا۔ "تم اس سے لپٹو گی۔ اس مونچھیں اور تمہاری گردن اکھاڑ دوں گا۔"

"تم ناکارہ ثابت ہوئے۔" جے سیکا اداسی سے گردن ہلا کر بولی۔

"یعنی تم میری محبوبہ! میرے سامنے اس سے لپٹو گی اور میں دیکھوں گا۔"

"میں تمہاری محبوبہ ہوں۔" جے سیکا دانت پیس کر بولی۔

"اور نہیں تو کیا لونڈی ہو۔ نوکرانی وغیرہ وغیرہ ہو۔"

"شکل دیکھی ہے کبھی آئینے میں۔" جے سیکا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"ایک حبشی نے سکندر سے بھی یہی پوچھا تھا۔ لہٰذا میں اتنے تاریخی سوال کو جواب نہیں دے سکتا۔ تاریخ اور جغرافیہ سے مجھے ازلی بیر ہے۔"

جے سیکا نے کار روکتے ہوئے کہا۔ "اتر جاؤ نیچے۔ اب کبھی دکھائی نہ دینا۔"

"ہائیں! تو کیا تم اندھی ہو جانے کا ارادہ رکھتی ہو۔" حمید اچھل کر بولا۔

"اترو! تم بہت زیادہ غیر سنجیدہ آدمی ثابت ہوئے۔ مجھے اپنی حماقت پر افسوس ہے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھ سے عشق کر کے حماقت کی۔" حمید نے معصومیت سے کہا۔

جے سیکا نے دانت پیس کر گیئرز پر ہاتھ رکھا اور کار پھر چل پڑی۔ حمید بڑبڑاتا رہا۔

"واہ یہ اچھی رہی۔ ہم رقیبوں کے فوٹو اتارتے پھریں.... اور وہ بھی کس حالت میں.... مر جانے کا مقام ہے۔ تم تو غالب کے زمانے کی محبوباؤں سے بھی زیادہ خطرناک نکلیں۔"

"خدا کے لئے تنگ مت کرو۔" جے سیکا اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔

"تو ایسا بولو ناں۔" حمید دانت پر دانت جما کر منمنایا۔

پھر راستہ خاموشی سے گزرتا رہا۔ ایک جگہ اچانک جے سیکا نے کار روک لی۔

"کوئی تعاقب کر رہا ہے۔" وہ پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوئی بولی۔ "میں بڑی دیر سے محسوس کر رہی ہوں۔"

حمید نے بھی مڑ کر دیکھا۔ دور کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دے رہی تھیں۔

سڑک سنسان تھی۔ آنے والی کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

"انجن بند کر دو۔" حمید آہستہ سے بولا۔ جے سیکا نے بے چون و چرا تعمیل کی۔

حمید تیزی سے نیچے اتر کر انجن پر اس طرح جھک گیا جیسے اس میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہو۔ جیسے ہی وہ کار ان کے قریب سے گزری ایک فائر ہوا اور ساتھ ہی جے سیکا کی چیخ سنائی دی۔

پھر دوسرا فائر ہوا لیکن حمید صاف بچ گیا۔ ویسے وہ زمین پر لڑھک ضرور گیا تھا۔ کار کی عقبی سرخ روشنی دور اندھیرے میں چمک رہی تھی۔

جے سیکا چیخ کر نیچے کود پڑی۔

"ارے تو کیا تم زندہ ہو۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"اور تم.... اور تم....!" جے سیکا کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"میں تو شائد مر گیا ہوں.... پتہ نہیں.... ٹھیک نہیں بتا سکتا۔"

"کہاں لگی....!"

"دل میں.... ہائے۔"

حمید نے پھرتی سے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ لیکن جے سیکا ابھی تک نیچے ہی کھڑی ہوئی اسے گھور رہی تھی۔

"کیا تم بھی مر گئیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "بیٹھو بھی۔"

جے سیکا اس کے برابر بیٹھ گئی۔ لیکن وہ خاموش تھی۔ حمید نے کار اسٹارٹ کر دی۔

"واپس چلو۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہونہہ.... میں نے اس نامعلوم آدمی کا چیلنج قبول کر لیا ہے۔"

"نہیں واپس۔"

"بکومت....!" حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور جے سیکا ایک گھٹی گھٹی سی سسکی کے ساتھ اس کے شانے سے لگ گئی۔

"کیا وہی بڑی مونچھ والا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"شائد۔" وہ آہستہ سے بولی۔ اگلی کار کی رفتار پہلے سے بہت زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ حمید اپنی کار کی رفتار ایک سی رکھی۔

"عورتیں ہمیشہ بڑے ٹیڑھے ترچھے راستے اختیار کرتی ہیں۔ تمہارا مقصد دوسری طرح پورا ہو سکتا ہے۔"

"میں میں سمجھی۔"

"اوہ... لیکن تم مجھے احمق کیوں سمجھتی ہو۔" حمید نے کھردرے لہجے میں کہا۔ "میں کچھ سمجھ گیا ہوں اور یہ بات ابھی میری سمجھ میں آئی ہے۔ میں نے فائر کرنیوالے کی جھلک دیکھی تھی۔ اسکی مونچھیں بڑی تھیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ایک گونگی لڑکی اسکے قبضے میں ہے۔"

"تم کس طرح جانتے ہو۔" جے سیکا اچھل پڑی۔

"جس طرح تم جانتی تھیں۔ اگر تم نے مجھے پہلے بتایا ہوتا تو گھر بیٹھے ہی سب کچھ ہو سکتا۔ اس طرح تم دوہرے میک اپ کی زحمت سے بھی بچ جاتیں۔"

"تم جانتے ہو۔"

"ہاں مری جان! تم صرف عورت ہو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ اسکارٹ لینڈ یارڈ کا ایجنٹ کیمرہ ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے دوہرا میک اپ کر رکھا ہے۔ گونگی کلاوتی کے

اب پر ریشم کے کپڑوں کا ایکسٹریکٹ لگا کر مس مالا کا میک اپ کیا گیا ہے۔ اگر تم پہلے سے بتاتیں تو میں اس بڑی مونچھ والے کا میک اپ کر لیتا اور پھر گھر بیٹھے وہ تصویر تیار ہو جاتی جس کے ذریعہ تمہیں دولت پیدا کرنی ہے۔"

جے سیکا کچھ نہ بولی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے کوئی سخت سی چیز اس کے بائیں پہلو میں چبھ رہی ہو۔

"کار پھیرو! ورنہ گولی مار دوں گی۔" جے سیکا کے لہجے میں سختی تھی۔ پھر حمید کو یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کہ پہلو میں چبھنے والی چیز پستول کی نال تھی۔

"جہنم میں جاؤ.... مجھے کیا کرنا۔" اس نے کار موڑ لی۔

"تم کون ہو....؟"

"اُلو کا پٹھا۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "ہٹاؤ یہ پستول وستول۔ مجھے شور مچانے والی چیزوں سے نفرت ہے۔ میں تو گلا گھونٹ کر مارتا ہوں۔"

"اور تم انسپکٹر فریدی یا سرجنٹ حمید ہو۔" جے سیکا کے لہجے میں زہریلا طنز تھا۔

حمید اس ریمارک پر بوکھلا گیا۔ لیکن اس نے کسی طرح کی پریشانی ظاہر نہ ہونے دی۔

"نہیں میں شرلاک ہومز ہوں۔ پیارے ڈاکٹر واٹسن.... اور ابھی میں تمہیں ہندوستانی حقہ پلاؤں گا۔" حمید نے یہ کہہ کر کار روک دی۔

"چلو! ورنہ فائر کر دوں گی۔"

"کر دو....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

جے سیکا شاید ہچکچا رہی تھی۔ دفعتاً حمید نے جھٹکا مارا اور دوسرے لمحے میں پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔ جے سیکا اس سے لپٹ پڑی۔ لیکن حمید نے پستول کو دور کہیں اندھیرے میں پھینک دیا۔

"اب میں تمہارے کباب تلوں گا۔" حمید بولا۔ "سرجنٹ حمید کے سر پر ہتھوڑا مار کر بچ نکلنا آسان کام نہیں۔ میرا زخم اس وقت بھی دکھ رہا ہے۔ شاید میک اپ کے نیچے سڑ بھی گیا ہو۔"

جے سیکا تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

"اگر تم سرجنٹ حمید ہو تو میں تمہیں بہت عرصے سے چاہتی ہوں۔ تم ہمیشہ میرے خوابوں میں رہے ہو.... میں نے تمہیں پوجا ہے۔"

"میں بھی تمہیں پوجوں گا.... گھبراؤ نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر تم بے درد اور ظالم ہو۔" جے سیکا کے لہجے میں شکایت تھی۔

"نہیں میں خواجہ میر درد ہوں۔" میرا ایک شعر سنو

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

"ہائے میرے ہاتھ ٹوٹے۔" جے سیکا منمنا کر کراہی۔

"فکر مت کرو۔ تمہارے ٹوٹے ہاتھ بطور یادگار اپنے البم میں رکھوں گا۔"

"ارے ظالم...."

"ظالم نہیں غالب تخلص کرتا ہوں۔ دوسرا شعر سنو

کعبہ جاؤ گے اسی منہ سے جناب غالب
وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

موت کا پھندہ

تھوڑی دیر بعد جے سیکا کی کار فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

حمید ،اسے بڑے بے دردی سے کھینچ کر باہر نکالا۔

"کیا اب میں عورت نہیں.... حسین.... کنول کی پنکھڑیوں کی طرح۔" جے سیکا سے بڑبڑائی

"نہیں تم اب بھی جمہوریۂ دل کی پریذیڈنٹ ہو مری جان۔" حمید اسے پورٹیکو کی طرف دھکا دیتا ہوا بولا۔

فریدی کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔ جے سیکا کو اس حال میں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ پھر سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"اسے کیوں لائے۔" وہ حمید کی طرف مڑا۔

"کیوں....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کھولو ہاتھ۔" فریدی کے لہجے میں سختی تھی۔

حمید نے گردن جھٹک کر جے سیکا کے ہاتھ کھولنے شروع کر دیئے۔

"بھاگ جاؤ۔" فریدی نے جے سیکا سے کہا۔

"ارے.... ارے یہ جے سیکا ہے۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"میں جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ کیا چاہتی ہے۔"

جے سیکا خاموش کھڑی رہی۔

"کیا چاہتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کلاوتی کا اغواء۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اس پر پولیس کا ہاتھ پڑنے سے پہلے ہی اسے ان لوگوں کے قبضے سے نکال لے جانا چاہتی ہے تاکہ اس کے عوض اس کے ماموں سے تین لاکھ روپے حاصل کر سکے۔"

"اور اسی لئے آپ اسے نکل جانے کا موقع دے رہے ہیں۔" حمید کے لہجے میں تلخی تھی۔

"جے سیکا جیسی ننھی منی مجرموں پر ہاتھ ڈالنا میری شان کے خلاف ہے۔" فریدی نے کہا۔

"خواہ وہ سر ہی کیوں نہ پھاڑ دیں۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"وہ میرے ساتھی کی حرکت تھی۔" جے سیکا آہستہ سے بولی۔

"تمہارے ساتھی کا قاتل شیر سنگھ ہے۔" فریدی نے جے سیکا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے معلوم ہو گیا ہے۔"

"کون شیر سنگھ....!" حمید نے پوچھا۔

"وہی جس کے لئے مونچھوں کی صفائی ہوا کرتی تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ پھر جے سیکا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کیا تم اسے پہچانتی نہیں تھیں۔"

"جی نہیں۔" جے سیکا بولی۔ "میں نے اس کے متعلق صرف یہ سن رکھا تھا کہ وہ اسی شہر میں مقیم ہے۔ اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں ہیں اور اوپری ہونٹ پر برابر کے دو تل ہیں جن میں ایک سیاہ ہے اور دوسرا سرخ۔"

"اور انہیں تلوں کے لئے تم مونچھیں صاف کیا کرتی تھیں۔"

جے سیکا نے گردن جھکالی۔

"میرا پھٹا ہوا سر انتقام انتقام چیخ رہا ہے۔" حمید نے ہانک لگائی۔

"میرا سر حاضر ہے۔" جے سیکا سنجیدگی سے بولی۔

فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

"جاؤ....!" فریدی اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "لیکن ان تین لاکھ روپیوں کا خیال دل نکال دو۔ تم مس مالا کی حیثیت سے باعزت زندگی بھی بسر کر سکتی ہو۔ فریدی سے الجھنا عو کے بس کا روگ نہیں۔"

"مجھے شرمندگی ہے۔" جے سیکا اٹھتی ہوئی بولی۔

اس کے چلے جانے کے بعد حمید دیر تک فریدی کو گھورتا رہا۔

"کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" حمید مایوسی سے سر ہلا کر بولا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ آپ جھکے بھی تو ایک کی طرف۔"

"ابھی بچے ہو۔"

"بڑھاپا آپ ہی کو مبارک ہو۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن کیا میں اس وقت کی مص کے متعلق کچھ معلوم کر سکتا ہوں۔"

"ہوں....اوں۔" فریدی اس کے گلے میں لٹکا ہوا کیمرہ اتارتا ہوا بولا۔ "خود ہی چھو سمجھدار عورت ہے۔"

وہ تھوڑی دیر تک کیمرے کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر اسے میز پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"چلو اٹھو....!"

"کہاں؟"

"شیر سنگھ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کے لئے۔"

"وہ ہیں کہاں؟"

"جہاں اس وقت تمہیں جے سیکا لے جا رہی تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"جو کام میں نے تم سے لینا تھا وہ پھر دوسروں سے لینا پڑا۔ آخر جے سیکا سے مل بیٹھ

ضرورت تھی۔"

"تو نقصان کیا ہوا۔"

"اگر تمہیں نقصان کا بھی احساس نہیں تو تم دو کوڑی کے آدمی ہو۔"

"آخر ہوا کیا؟"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ میں نے چاہا تھا کہ صرف جے سیکا کے پیچھے لگ کر اس کی مشغولیات کا جائزہ لو۔ ظاہر ہے کہ وہ شیر سنگھ کی تلاش میں تھی۔ لہٰذا ہم تھوڑے وقت میں اس کی جانفشانیوں سے فائدہ اٹھا سکتے تھے، لیکن تمہیں تو بس ایک عورت چاہئے خواہ وہ کوئی ہو۔"

"ارے تو میں نے کون سی غلطی کی۔"

"تضیع اوقات....!"

"اور آپ ہی نے کون سا بڑا تیر مارا۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "اس سے یہ بھی تو نہ پوچھ سکے کہ وہ کلاوتی کے ماموں سے تین لاکھ روپے کس طرح حاصل کرتی۔"

"غیر ضروری باتوں میں پڑنا میرا کام نہیں اور پھر یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس نے تین لاکھ روپیوں کے انعام کا اعلان کیا تھا۔ کوئی بھی کلاوتی کو اس تک پہنچا کر یہ انعام حاصل کر سکتا ہے۔"

"تو گویا اب آپ اس کے مستحق ہیں۔"

"جی نہیں! مجھے اس کا خیال بھی نہیں اور نہ کلاوتی والے کیسے سے دلچسپی ہے۔ مجھے تو ایک ایسے عادی مجرم کو پکڑنا ہے جو کئی خون کرنے کے باوجود بھی اب تک پولیس کی گرفت سے بچا رہا ہے۔"

"کون! وہی شیر سنگھ!"

"جناب....!"

"اور آپ اس کی قیام گاہ سے واقف ہو گئے ہیں۔"

"جے سیکا کی بدولت۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"بہرحال اس بار ہمیں کولمبس بننا پڑے گا۔" حمید بولا۔ "چلے تھے ہندوستان کی تلاش میں پہنچ گئے امریکہ۔"

"ایسا تو نہیں ہوا۔ شیر سنگھ کی شخصیت شروع ہی سے ہمارے سامنے رہی ہے یہ اور بات ہے

کہ ہم اس کا نام نہ جانتے رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ جے سیکا کو اسی کی تلاش تھی۔"

"لیکن یہ شیر سنگھ ہے کون؟ کوئی مشہور آدمی تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"مشہور تو نہیں لیکن خطرناک ہے اور اگر اس کے جرائم پر پردہ نہ پڑا ہوتا تو مشہور بھ ہوتا۔ باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔ چلو اٹھو۔"

"اسی حلیے میں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں اب میک اپ کی ضرورت نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ان لوگوں نے تمہیں جے کے ساتھ دیکھا ہو۔"

حمید نے تھوڑی دیر قبل کا واقعہ دہرا دیا۔

"تو تم اب تک کیوں خاموش رہے تھے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "سب چوپٹ کر دیا تم نے۔"

"کیوں....؟"

"میرا خیال ہے کہ مجرم پھر ہاتھ سے گیا۔ اب میں پولیس کی مدد لینا مناسب نہیں سمجھتا چلو اٹھو۔"

فریدی نے حمید کو لیبارٹری میں لے جا کر اس کا میک اپ بگاڑ دیا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی کیڈی لاک سنسان سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ بارہ بج رہے تھے اور کی ہنگامہ پرور فضا پر آہستہ آہستہ اضمحلال طاری ہوتا جا رہا تھا۔

"مجھے توقع نہیں کہ وہ لوگ اب اس عمارت میں موجود ہوں۔" فریدی کہہ رہا تھا۔ "انہیں شبہ ہو گیا ہے کہ جے سیکا ان کی قیام گاہ سے واقف ہو گئی ہے۔ ورنہ وہ خواہ مخواہ تم دونوں پر گولیاں نہ چلاتے۔"

"تو بتائیے اب میں کیا کروں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا دل بُری طرح ٹوٹ گیا اور اب میں سوچ رہا ہوں کہ خودکشی کے بجائے شادی کر لوں۔"

"اس کے علاوہ کچھ اور بھی رہتا ہے ذہن میں۔"

"کیوں نہیں بچوں کی ایک شاندار ٹیم، بچوں کی والدہ محترمہ کا پاندان اور اس کا خاندان.... کہتے ہیں کہ لیلیٰ کو مجنوں کے سسرال کا کتا بھی پیارا تھا۔"

"دماغ مت چاٹو۔"

"آپ نے میرا دل توڑا ہے، میں آپ کا دماغ چاٹوں گا۔"

"میں نے کیوں توڑا ہے۔"

"اتنے دنوں تک جھک مارتا رہا۔ اتنا بڑا خطرہ مول لے کر جے سیکا کو پھانسا انعام کیا ملا، وہی ٹائیں ٹائیں فش۔ ایک تعریفی جملہ بھی زبان سے نہ نکل سکا۔"

"تمہارے اس کمال کا عرصے سے معترف ہوں۔" فریدی بولا۔ "تم واقعی عورتوں کو پھانسنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ لیکن یہ کوئی ایسا باعزت مشغلہ نہیں کہ اس کی تعریف کی جائے۔"

فریدی نے کار روک دی اور دونوں اتر کر ایک طرف پیدل چلنے لگے۔ یہاں دور تک دورویہ مکانوں کی قطاریں تھیں۔ وہ دونوں تاریکی میں غائب ہو گئے۔

اور پھر ان کی کار کے عقب سے ایک تاریک سایہ ابھر کر آہستہ آہستہ اسی طرف رینگنے لگا جدھر وہ دونوں گئے تھے۔

فریدی اور حمید تعاقب کرنے والے سے بے خبر آگے بڑھتے رہے۔

ایک کافی طویل و عریض لیکن تاریک عمارت کے قریب پہنچ کر وہ دونوں رک گئے۔ سایہ ان کا تعاقب ختم کر کے دوسری طرف چلا گیا۔

پوری عمارت تاریک تھی۔ کسی روشندان یا کھڑکی میں رمق برابر بھی روشنی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

دونوں نے کھلے ہوئے پھاٹک سے گزر کر پائیں باغ طے کیا اور پورٹیکو کے قریب والی مہندی کی باڑھ کی اوٹ میں دب گئے۔ پھر فریدی نے ایک پتھر اٹھا کر ایک کھڑکی پر مارا۔ شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی اور پتھر سنگین فرش پر گرا۔ اس کے بعد پھر وہی لامتناہی سناٹا.... دس پندرہ منٹ گزرنے کے بعد فریدی نے پھر وہی حرکت دہرائی۔ لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ سوائے اس کے کہ شیشوں کی جھنکار اور پتھر کی آواز سے کسی درخت پر بیٹھا اُلو چونک کر چیخنے لگا۔

حمید نے بُرا سا منہ بنایا کیونکہ اُلو کی آواز بھی انہیں چند چیزوں میں سے تھی جس سے حمید کی روح عموماً فنا ہونے لگتی تھی۔

"چیل بول رہی ہے شائد۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"تمہارا بڑا بھائی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... جھوٹ.... آپ تو بڑی دیر سے خاموش ہیں۔"

"چھوڑو.... نہیں کوئی نہیں۔ میرا خیال ٹھیک تھا۔ یہ عمارت اب ویران ہے۔"

"مگر.... وہ کیا.... اوپر دیکھئے۔" یک بیک حمید بولا۔

اوپر کی منزل کی ایک کھڑکی سے کوئی آدھے دھڑ سے نیچے کی طرف جھانک رہا تھ
دھندلے آسمان کے پس منظر میں اس کا سر اور شانے صاف نظر آرہے تھے۔

"اوہ....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "چلو لیٹ جاؤ چپ چاپ۔"

وہ زمین پر لیٹ کر سینے کے بل پورٹیکو کی طرف رینگنے لگا۔

برآمدے میں پہنچ کر دونوں سانس لینے کے لئے رکے۔ اندر کسی قسم کی کوئی آہٹ نہ تھ
فریدی نے آگے بڑھ کر دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا جو بغیر کسی آواز کے کھل گیا۔

پھر وہ دبے پاؤں ایک تاریک راہداری سے گزر رہے تھے۔ اچانک فریدی رک گیا۔ ا
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

دفعتاً ایک تیز قسم کی نسوانی چیخ سنائی دی، جو بتدریج گھٹتی گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی
کسی عورت کا گلا گھونٹ دیا ہو۔ آواز کہیں قریب ہی سے آئی تھی، فریدی تیزی سے ایک طرف
جھپٹا۔ حمید نے ریوالور نکال لیا تھا اور اس کے بائیں ہاتھ میں ٹارچ تھی۔

حمید کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹارچ ضرور تھی لیکن وہ بوکھلاہٹ میں یہ
بھول گیا تھا کہ ٹارچ اندھیرے ہی کے لئے ہوتی ہے۔ وہ بھٹکتا رہا اچانک چند دروازوں کے شیشو
سے مدھم سی روشنی دکھائی دی۔ حمید تیزی سے جھپٹا۔ یہ روشنی فریدی کی ٹارچ کی تھی اور وہ ایک
عورت کو اپنے داہنے ہاتھ پر سنبھالے اس کی گردن سے رسی کا پھندا نکال رہا تھا۔

دوسرے لمحے میں حمید بھی کمرے کے اندر تھا۔

حمید نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا کہ وہ ایک قبول صورت اینگلو انڈین لڑکی تھی اور یا
بیہوش تھی یا مر چکی تھی۔

"ابھی زندہ ہے۔" فریدی نے مڑ کر آہستہ سے کہا۔ "باہر چلو اسے ہوا کی ضرورت ہے۔"

"لیکن....!" حمید ہکلایا۔

"جلدی کرو۔ ٹارچ بجھا دو۔ راستے کا مجھے اندازہ ہے۔" فریدی نے کہا اور بے ہوش لڑکی

اندھے پر لاد لیا۔

باہر پائیں باغ میں بدستور سناٹا تھا۔ فریدی نے اُسے لان پر ڈال کر آہستہ سے کہا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ یہ ابھی ہوش میں آجائے گی۔"

پھر وہ تیزی سے اٹھا اور برآمدے میں پھیلی ہوئی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ حمید کی سمجھ میں
نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے، جو چیخ اس نے سنی تھی اگر وہ اسی بے ہوش لڑکی کی تھی تو اس
کا مطلب ہوا کہ اس عمارت میں اس کے علاوہ بھی کوئی اور موجود ہے۔ یا کچھ دیر پہلے تھا اور وہ
پھندہ شائد اسی نے اس کی گردن میں ڈالا تھا۔ بہر حال اس کا اس طرح وہاں کھڑے رہنا خطرے
سے خالی نہیں دکھائی دیتا۔ حمید بھی اس لڑکی سے تھوڑے ہی فاصلے پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک
اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی لیکن پھر خیال آیا کہ اس لڑکی کو دیکھنا چاہئے کہیں ہوش آتے ہی
شور نہ مچانا شروع کر دے۔

وہ آہستہ آہستہ سینے کے بل کھسکتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔ اس کی سانسیں باقاعدگی کے
ساتھ چل رہی تھیں اور بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا۔

"آخر وہ کون تھی؟" حمید کے ذہن میں ایک بڑا سا سوالیہ نشان پیدا ہوا۔ اگر وہ انہیں لوگوں
میں سے نہیں تھی تو اس کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔ پھر ایک نیا خیال.... ایسا خیال جس نے حمید کو
بے اختیار چونکا دیا۔ کہیں وہ جے سیکا تو نہیں ہے؟ جے سیکا بھی اینگلو انڈین ہی تھی اور حمید اس کی
اصلی شکل سے نا آشنا تھا۔ وہ ایک بار پھر اس پر جھکا۔ خدوخال بڑے دلآویز تھے اور خصوصاً تاروں
کی دھندلی روشنی میں تو وہ ایسی لگ رہی تھی جیسے خواب کی کہر آلود فضا میں کوئی جانی پہچانی سی
صورت جس سے ماضی کی کچھ حسین یادیں وابستہ ہوں۔ حمید کا ذہن موجودہ سچویشن کو فراموش
کر کے شاعری کرنے لگا، لیکن حسین خیالوں کے تانے بانے جلد ہی ٹوٹ گئے۔ اندر کہیں ایک
فائر ہوا تھا اور پھر اس نے ایک چیخ بھی سنی تھی۔

اس کا ہاتھ بے اختیار ریوالور پر گیا لیکن وہ اٹھ نہ سکا کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں کوئی اس پر
سوار ہو کر اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے جن میں قوت تو معلوم
ہو رہی تھی لیکن نرمی اور نزاکت بھی رکھتے تھے۔ حمید کو زیادہ قوت نہ استعمال کرنی پڑی۔ اس نے
اس کے ہاتھ بہ آسانی ہٹا دیئے.... اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ اس کے سارے جسم سے پسینہ

چھوٹ پڑا۔ کیونکہ وہی بے ہوش لڑکی اس پر سوار تھی۔

"جے سیکا ڈارلنگ....!" حمید آہستہ سے منمنایا۔

وہ اچھل کر ہٹ گئی لیکن اس کے دونوں ہاتھ ابھی تک حمید ہی کی گرفت میں تھے۔

"کتنی حسین رات ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ اس نے ابھی
کی آواز سنی تھی۔

"سرجنٹ حمید....!" وہ بڑبڑائی۔

"وہی.... اور اس کے بعد جو کچھ بھی سمجھنا چاہو سمجھ لو۔"

"میری گردن میں کسی نے پھندا لگایا تھا۔"

"جواب بھی برقرار ہے۔" حمید نے کہا۔ "کیا تم فریدی صاحب کا مشورہ بھول
تھیں۔"

"میں مدد کرنا چاہتی تھی۔"

"کیا یہ ہوش میں آگئی۔" قریب ہی کہیں فریدی کی آواز سنائی دی۔ حمید نے اس کے
چھوڑ دیئے اور خود بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

بدلتے نقشے

"تم آخر مانی نہیں۔" فریدی جے سیکا سے کہہ رہا تھا۔

"میری نیت میں فتور نہیں تھا۔ میں آپ کی مدد کرنا چاہتی تھی۔"

"لومڑی والی گھاتیں مجھ پر نہیں چلیں گی۔" فریدی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"اب میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ بہرحال ابھی آپ یقین کرلیں گے۔"

"وہ کس طرح۔"

"میں جانتی ہوں کہ کلاوتی اس عمارت میں موجود ہے۔ وہ بھاگتے وقت اسے اپنے
نہیں لے جاسکے۔ میں آپ کے یہاں سے سیدھی یہیں آئی تھی۔"

"لیکن وہ آدمی جس نے تمہارے پھانسی لگانے کی کوشش کی تھی؟" فریدی بولا۔

"ٹھیک ہے! انہوں نے کلاوتی کی حفاظت کے لئے ایک آدمی ضرور چھوڑا ہوگا۔"

"خیر وہ تو ختم ہو چکا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن کلاوتی؟ وہ اس عمارت میں نہیں۔ پوری
ارت میں ایک لاش کے علاوہ اور کچھ نہ ملے گا۔"

"مگر وہ اتنے بیوقوف بھی نہیں ہوسکتے کہ کلاوتی کو ایسی جگہ چھوڑ جاتے جہاں اس پر بہ
سانی نظر پڑ سکتی۔"

"تم تو یہ کہنا چاہتی ہو کہ یہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہے۔"

"جی ہاں....!"

"ہوں.... اچھا تو آؤ۔"

"میں آپ کے احسان کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں۔" جے سیکا اٹھتی ہوئی بولی۔

"کیسا احسان....؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہی کہ آپ نے مجھ پر قابو پانے کے باوجود بھی پولیس کے حوالے نہیں کیا۔"

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔

اندر پہنچ کر جے سیکا سارے کمرے روشن کرتی گئی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم اس عمارت سے اچھی طرح واقف ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں اور اسی حماقت کے نتیجے میں مجھے پھانسی کا پھندا نصیب ہوا تھا۔ لیکن اگر میں اتنی
ھان بین نہ کرتی تو اس تہہ خانے تک پہنچ بھی نہ سکتی تھی۔"

ایک کمرے میں حمید نے ایک لاش دیکھی جسکے سینے سے خون ابل کر فرش پر پھیل گیا تھا۔

"یہ محض اپنی حماقت سے مرا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کس لئے۔"

"خواہ مخواہ لپٹ پڑا تھا اور یہی نہیں! یہ ریوالور بھی نکال لیا تھا لیکن اس کا علم نہیں تھا۔
ندھیرے میں جدوجہد ہو رہی تھی۔ دفعتاً ریوالور چل گیا جسکی نال اسی کے سینے کی طرف تھی۔"

"میں سمجھی تھی شائد....!"

"نہیں میں بلاوجہ اپنا ہاتھ رنگنا پسند نہیں کرتا۔" فریدی بولا۔

جے سیکا ایک جگہ رک گئی۔ کچھ دیر ادھر اُدھر دیکھتی رہی پھر جھک کر فرش پر بچھا ہوا قالین

اٹھانے لگی۔

چند لمحوں بعد فریدی اور حمید ایک چوکور پتھر کی سل ہٹانے کی کوشش کر رہے ۓ رقبہ سولہ مربع فٹ رہا ہوگا۔ بمشکل تمام وہ اسے فرش کی سطح سے ابھار سکے۔

تہہ خانے میں پہنچنے کے لئے انہیں چودہ سیڑھیاں طے کرنی پڑیں۔ فریدی کے ٹارچ تھی اور وہ جے سیکا کے پیچھے تھا اور پھر حمید۔

سامنے ایک بڑی سی مسہری تھی جس کے چاروں طرف پلنگ پوش اس طرح لٹک اس کے پائے بھی نہیں دکھائی دے رہے تھے، جے سیکا نے سوئچ دبا کر بلب روشن کر دیا۔

مسہری پر گونگی کلاوتی بیہوش پڑی تھی۔

"دیکھا آپ نے۔" جے سیکا فریدی کی طرف مڑی۔

"کچھ اور بھی دیکھ رہا ہوں۔" فریدی بھنویں تان کر بولا۔ اس کی نظریں مسہری ہوئے پلنگ پوش کے ایک کونے پر جمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً جے سیکا اچھل کر پیچھے ہٹ گئی ہی حمید کی نظر اس پستول پر پڑی جو جے سیکا نے نکال لیا تھا اور اس کا رخ انہیں دونوں کی طر

"اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔" اس نے فریدی اور حمید کو للکارا۔

پھر پلنگ پوش کے لٹکتے ہوئے گوشے ہٹے اور مسہری کے نیچے سے پانچ آدمی نکل آ ان میں ایک بڑی مونچھوں والا بھی تھا انہوں نے فریدی اور حمید کو گھیرے میں لے لیا۔

"انس.... پکٹر.... فریدی۔" جے سیکا نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا اور پھر یک بیک ہنس

"خوب....!" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔ البتہ حمید پر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑ چکا تھا۔ اس کی میں نہیں آ رہا تھا کہ یک بیک یہ کیا ہو گیا۔ وہ ابھی تک جے سیکا کو دوست سمجھ رہا تھا اور پیشتر اسی بڑی مونچھ والے نے ان دونوں پر کار میں گولیاں چلائی تھیں۔ جے سیکا اس کی تھی۔ لیکن اب یہ کیا ہو گیا۔

"اب یہ تہہ خانہ....!" جے سیکا نے کہا۔ "تم دونوں کا مقبرہ بنے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اور تم جیسے لوگ کبھی کبھی آکر یہاں قوالیاں کریں گے۔"

ایک پل کے لئے جے سیکا کے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا ہوئے لیکن پھر اسی طرح

گئے۔ جیسے بادل کے کسی ٹکڑے کی وجہ سے ایک لحظہ کے لئے دھوپ نکل کر غائب ہو جائے۔

"تم خود کو بہت چالاک سمجھتے تھے۔" جے سیکا بولی۔ "لیکن حقیقتاً تم احمق ہو۔"

"احمق نہیں بلکہ گاؤدی کہو۔" فریدی مسکرایا۔

"تم سوچتے ہو گے کہ یک بیک یہ کیا ہو گیا۔"

"یہ میں نے تھوڑی دیر قبل سوچا تھا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم شائد یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارے اور شیر سنگھ کے سمجھوتے سے واقف نہیں تھا۔ بھولی عورت فریدی کسی مجرم کو اس طرح نہیں چھوڑا کرتا جیسے اس نے چند گھنٹے پیشتر تمہیں چھوڑ دیا تھا۔ مجھ سے سنو پورا واقعہ۔ اپنے بدصورت ساتھی کو تمہیں نے قتل کیا تھا۔ وہ ذرا کمزور دل کا آدمی تھا۔ تم نے سوچا کہ کہیں وہ پولیس کے ہاتھوں میں پڑ کر سارا راز نہ کھول دے۔ تم اس رات اسے اس عمارت میں لے گئی تھی تمہیں اپنی کچھ چیزیں وہاں سے نکالنی تھیں۔ تمہارے ساتھی نے عمارت کی عقبی دیوار کی کچھ اینٹیں نکالیں اسی دوران میں اس کا انگوٹھا زخمی ہو گیا۔ اس دیوار میں مقتول ہی کے خون بھرے انگوٹھے کے نشانات تھے، جنہیں میں نے قاتل کے انگوٹھے کے نشانات کی حیثیت سے شہرت دی تھی، ننھی لڑکی ابھی تمہاری ذہانت اس سطح پر نہیں پہنچی جہاں وہ مردوں کو دھوکا دے سکے پھر تم نے وہ تصویر بھیج کر مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی۔ اسی دوران میں اچانک تمہیں وہ مل گیا جس کی تمہیں تلاش تھی یعنی شیر سنگھ۔ تم نے اس سے سمجھوتہ کر لیا۔ ادھر سرجنٹ حمید بھی اپنی حماقت سے تمہارے چکر میں پڑ گیا تھا۔ پہلے دن تم نے اسے نہیں پہچانا، لیکن دوسری رات کو تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ سرجنٹ حمید ہے۔"

جے سیکا خاموش کھڑی رہی۔ حمید فریدی کو گھورنے لگا تھا۔

"حمید کی یہ ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ وہ خواب میں بڑبڑایا کرتا ہے، بہر حال سوتے وقت اس نے اپنا راز غیر شعوری طور پر اگل دیا۔ اسکے بعد تم نے شیر سنگھ سے مل کر مشورہ کیا۔ اس نے رائے دی کہ فریدی اور حمید کو راستے سے ہٹا دیا جائے، ورنہ کلاوتی میعاد پوری ہونے سے پہلے ہی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ بہر حال اسی کے مشورے کے مطابق تم نے حمید کو تصویر والے معاملے پر آمادہ کیا۔ پھر شیر سنگھ نے سوچی سمجھی سکیم کے تحت تم دونوں پر فائر کئے۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

فریدی نے خاموش ہو کر مجرموں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔ وہ بے حس و حرکت کھڑے

ہوئے تھے۔

"تم نے دیدہ دانستہ۔" فریدی نے جے سیکا کو مخاطب کیا۔ "حمید کو اپنا پستول چھیننے دیا تھا۔ اور ہاں یہ تو بتانا ہی بھول گیا کہ تمہیں اس بات کا شبہ ہو گیا تھا کہ میرے اور آدمی بھی ا... تمہارے پیچھے لگے رہتے ہیں اور اس وقت.... اس وقت تم نے اپنے گلے میں رسی کا پھندا اسی لئے ڈالا تھا کہ مجھے ٹٹول سکو۔ یہ معلوم کر سکو کہ میں تنہا ہوں یا میرے ساتھ پولیس بھی ہے، اگر تمہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ میرے ساتھ پولیس بھی ہے تو تم مجھے اس تہہ خانے میں نہ لاتیں اور اب تم ہم دونوں کو مار ڈالو تاکہ کلاوتی کے بالغ ہونے کا وقفہ پورا ہو جائے، میری زندگی میں تو یہ ناممکن ہے کہ وہ بالغ ہونے سے پہلے ہی اپنے خاندان میں واپس نہ پہنچ جائے۔"

"تمہاری یہ آرزو ضرور پوری کی جائے گی۔" جے سیکا نے قہقہہ لگایا۔ ساتھ ہی اس نے پستول کا ٹریگر بھی دبا دیا۔ لیکن فائر کی بجائے صرف ایک ہلکی سی آواز ہوئی۔ فریدی پھرتی سے چند قدم پیچھے ہٹا.... اب اس کے ہاتھ میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور تھا اور وہ سب ہی اس کی زد میں تھے، جے سیکا بوکھلاہٹ میں ٹریگر دباتی ہی چلی گئی لیکن نتیجہ وہی صفر۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"ننھی لڑکی! میں تمہارے بس کا روگ نہیں۔ تمہارے پستول کی گولیاں اسی وقت نکل گئی تھیں، جب میں نے تمہیں رسی کے پھندے سے نکال کر کاندھے پر لادا تھا۔"

"جے سیکا ڈارلنگ۔" حمید نے نعرہ لگایا اور اچھل کر جے سیکا کو دبوچ لیا۔

فریدی کی نظر بہک گئی۔ وہ صرف آدھ سیکنڈ کے لئے حمید کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ شیر سنگھ اس سے لپٹ پڑا تھا۔ پھر اس کے چاروں ساتھیوں نے بھی یلغار کر دی۔ حمید کو بوکھلاہٹ میں کچھ نہ سوجھا تو جے سیکا کو دبوچے ہوئے مسہری کے نیچے گھس گیا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر اسے گالیاں دے رہی تھی۔

تھوڑی دیر تک وہ چیختی رہی پھر خاموش ہو گئی۔ ادھر فریدی ان پانچوں سے گتھا ہوا تھا۔ دفعتاً مسہری کے نیچے سے فائر ہوا اور شیر سنگھ کے ساتھیوں میں سے ایک اچھل کر دور جا پڑا اور پھر فائر ہوا دوسرا اپنی ران دبائے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔

"ابے او سور ذرا دیکھ بھال کر۔" فریدی چیخا۔

اب اس کے مقابلے میں صرف تین رہ گئے تھے۔ فریدی کبھی ان کی گرفت میں آ جاتا اور کبھی نکل جاتا۔ حمید نے مسہری کے نیچے سے پھر فائر کیا۔ تیسرے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

"کیا کر رہا ہے.... باہر نکل گدھے۔" فریدی پھر چیخا۔

اتنے میں اس کا گھونسہ شیر سنگھ کی کنپٹی پر پڑا اور وہ بھی ڈھیر ہو گیا۔

"خبردار....!" حمید نے باہر نکل کر للکارا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "اب دیواروں کو للکار رہے ہو سور۔"

فریدی نے باقی بچے ہوئے ایک آدمی کی ٹانگ پکڑلی، جو سیڑھیوں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اس کے گرتے ہی حمید نے سر پر ریوالور کا کندہ رسید کر دیا۔ وہ بھی بے ہوش ہو گیا۔

"تمہاری بدولت۔" فریدی حمید کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ "اتنی دھینگا مشتی کرنی پڑی۔"

"آپکی بدولت... میرا ارمان کرکرا ہو گیا۔ اگر میں اسے بیہوش نہ کر دیتا تو وہ پھر نکل بھاگتی۔"

"ہوں....!" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "جب تک یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ اس کا پستول خالی ہے جان نکلی ہوئی تھی۔"

"جی نہیں میں اس کا پستول چھین لینے کی فکر میں تھا۔" حمید تڑ سے بولا۔

"مسہری کے نیچے کیوں گھسے تھے۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ کیا لغویت تھی۔"

"میں نے سوچا کہ کہیں اس دھینگا مشتی میں دب کر ٹوٹ پھوٹ نہ ہو جائے۔ آخر کو عورت ہی ہے بیچاری۔"

حمید نے مسہری کے نیچے ہاتھ ڈال کر جے سیکا کو باہر گھسیٹ لیا وہ بے ہوش تھی اور اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔

"جنگلی....!" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"اب میں کیا کروں! لاکھ بچانے کے باوجود بھی پنکچر ہو گیا۔ جے سی ڈارلنگ یو۔ آر ونڈر فل بٹ آئی ایم اے فائٹنگ بل۔ فرام کابل۔ ناؤ بی کام اینڈ پیس فل....!"

"چپ رہو....!" فریدی نے ڈانٹا۔

"بالکل.... بالکل....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور پھر اچھل کر نعرہ لگایا۔

"اس جنگ کا ہیرو میں ہوں۔ سر جنٹ حمید.... زندہ.... باغ.... غ.... غ...!"

وہ اس زور سے چیخا کہ حلق چھل گیا اور کھانسی آنے لگی۔

فریدی نے اس کی پیٹھ پر ایک گھونسہ جڑ دیا۔

"جاؤ! اوپر بڑے کمرے میں ٹیلی فون ہے۔ پولیس کو اطلاع دے دو۔"

"ارے تو کیا.... واقعی آپ نے پولیس کا انتظام نہیں کیا تھا۔" حمید بولا۔

"نہیں بیٹے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ آج ہی کامیابی نصیب ہو جائے گی اور جو کچھ میں ابھی جے سیکا سے کہا تھا اس میں زیادہ تر بلف تھا جو کامیاب رہا۔"

"اور وہ خواب میں بڑبڑانے والی بات۔"

"میں بہت عرصے سے تمہیں خواب میں بڑبڑاتے سنتا آرہا ہوں اور قریب قریب روز یہ جملہ بڑے ڈرامائی انداز میں دہراتے ہو کہ میں سر جنٹ حمید ہوں۔ میں دنیا کا مشہور ترین ہوں۔ چلو جلدی کرو، پولیس کو فون کر دو۔ یہ بیچاری کلاوتی ابھی تک بے ہوش ہے۔ شائد کوئی خواب آور دوا دی گئی ہے۔"

"لیکن آپ یہ جانتے تھے کہ وہ شیر سنگھ سے ملی ہوئی ہے۔"

"ہاں یار جاؤ بھی! وقت مت برباد کرو۔ میں اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔"

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 31

گیتوں کے دھماکے

(مکمل ناول)

خونی آگ

ادھر کچھ دنوں سے سرجنٹ حمید پر موسیقی کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ دن ہے تو وائیلن اور رات ہے تو وائیلن۔ اس دن رات کی ریں ریں ٹیں ٹیں سے عاجز آکر فریدی نے ایک دن اُس کے دونوں کان پکڑ کر وائیلن سمیت گھر سے باہر نکال دیا۔ حمید بڑی دیر تک کھڑا دیہاگ کا خیال الاپتا رہا لیکن فریدی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

آخر حمید نے وائیلن تو وہیں چھوڑا اور خود چل پڑا۔ کچھ عرصہ قبل فلم لائین کے کچھ آدمیوں سے اُس کی دوستی ہو گئی تھی۔ انہیں میں فلم آرٹ پروڈکشن کا میوزک ڈائریکٹر رمیش بھی تھا۔ دوستی کا مقصد حقیقتاً کچھ اور تھا لیکن بھرم بنائے رکھنے کے لئے حمید کو موسیقی کا سہارا لینا پڑا اور اس نے ایک عدد وائیلن بھی خرید لیا۔ وائیلن کا سبق لینے کے بہانے وہ اُس سے تقریباً روزانہ ملتا۔ ملاقات کبھی گھر پر ہوتی اور کبھی اسٹوڈیو میں۔

گھر میں ملاقات زیادہ سود مند ثابت ہوتی تھی کیونکہ رمیش کی داشتہ کم سن بھی تھی اور حسین بھی۔ کسی اچھے گھرانے کی اغواء شدہ لڑکی تھی اور اغواء کا باعث شاید فلم لائین کا چکر ہی بنا تھا۔ بہر حال وہ نہ جانے کتنوں کا نشانہ بنتی ہوئی رمیش تک پہنچی تھی اور رمیش نے اُسے بطور داشتہ گھر میں ڈال لیا تھا۔

حمید نے گھر سے نکل کر رمیش ہی کے گھر کی راہ لی لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ رمیش

اسٹوڈیو میں ہے۔ اُس کی داشتہ شلی بھی گھر پر موجود نہیں تھی۔ مجبوراً اُسے اسٹوڈیو کا رخ کرنا پڑا۔

اسٹوڈیو کے ایک بڑے کمرے میں خاصہ ہنگامہ برپا تھا۔ تقریباً پندرہ بیس افراد کے بولنے اور ہنسنے کی آوازوں نے کچھ عجیب سی فضا پیدا کر رکھی تھی۔ کبھی کبھی کوئی پیانو یا کسی دوسرے ساز کو الٹے سیدھے سروں میں چھیڑ دیتا اور کانوں کے پرخچے اڑنے لگتے۔

فلم کی مہورت ہو چکی تھی اور اب میوزک ٹیک کرنے کے لئے ریہرسل پر ریہرسل ہو رہے تھے۔ حمید کو ان ریہرسلوں میں بڑا لطف آتا تھا۔ خصوصاً اُس وقت تو اُس کے پیٹ میں چوہے کودنے لگتے تھے جب فلم کا فائننسر سیٹھ جھٹکو مل نخریلی ہیروئن کی ناز برداریاں کرنے لگتا۔

یہ بڑی مشہور ہیروئن تھی۔ حمید اُسے سینکڑوں بار پردۂ سیمیں پر دیکھ چکا تھا اور ہر بار یہ خواہش اُس کے دل میں چٹکیاں لے چکی تھی کہ کاش کوئی ایسی ہی جذباتی، خوش سلیقہ اور حسین عورت اُس کی زندگی بھر کی ساتھی بن سکتی۔

لیکن جب پہلی مرتبہ اُس نے اُسے گوشت و پوست میں دیکھا تو بمشکل تمام اپنی اوبکائی روک سکا۔ ملاقات رمیش کے گھر ہی پر ہوئی تھی۔ وہ بھی ایسی حالت میں کہ وہ نشے میں دھت تھی۔ میک اپ اڑ چکا تھا۔ بال پریشان اور جب وہ آنکھیں بھینچ کر ہنستی تو ہونٹوں کے دونوں کنارے ٹھوڑی کی طرف جھک کر ایک بے ڈھنگی سی قوس بنالیتے۔ حمید پہلے تو یہی سمجھا کہ شاید وہ اسے منہ چڑھا رہی ہے لیکن پھر یقین آگیا کہ صورت ہی ایسی ہے پھر دوسری ملاقات اُس وقت ہوئی تھی جب وہ نشے میں نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ اُسے اتنی اچھی نہ لگی جتنی اچھی فلم میں معلوم ہوئی تھی۔

اسٹوڈیو میں قدم رکھتے ہی اُس پر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ کیونکہ ہیروئن سیٹھ جھٹکو مل کی گردن تھامے جھٹکے لگا رہی تھی اور سیٹھ کی بتیسی اس طرح نکلی پڑ رہی تھی جیسے اُس کی تاج پوشی ہو رہی ہو۔ اتنے میں ہوٹل کا لڑکا خالی گلاس سمیٹنے کے لئے آگیا۔ ہیروئن سیٹھ کو چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"سالا.... تم اندھا ہے۔ کولڈ ڈرنک میں مکھی تھا۔" وہ اُس کی پیٹھ پر دوہتڑ جھاڑ کر بولی۔

"مس صاب....!" لڑکا ہکلایا۔

"مس صاحب کا جنا.... پیسہ نائیں ملے گا۔"

"ایسا مت دیکھو۔" سیٹھ کے پھپھوند لگے ہوئے پیلے دانت باہر نکل پڑے۔ "مر جائے گا گریب۔"

لڑکا گلاس سمیٹ کر بھاگ گیا اور وہ پھر سیٹھ کی گردن پکڑ کر جھول گئی۔

رمیش پیانو پر تھا اور شلی اُس کے کاندھے پر ہاتھ ٹیکے کھڑی تھی۔ رمیش کو شاید رقاصہ کے تیار ہو جانے کا انتظار تھا لیکن وہ ڈائریکٹر سے کسی بات پر الجھی ہوئی تھی۔ یہ فلمی دنیا کی سب سے کامیاب اور مشہور رقاصہ تھی۔ اُس نے بہتیری مناسب اور نامناسب شرائط کے ساتھ کنٹریکٹ کیا تھا اس لئے ڈائریکٹر اور میوزک ڈائریکٹر دونوں ہی کو اُس کا تاؤ سنبھالنا پڑتا تھا۔ اُس کے خدوخال دلکش تھے خصوصاً نچلے ہونٹ کا درمیانی خم تو قیامت تھا۔

رمیش کی داشتہ شلی حمید کو دیکھ کر مسکرائی۔ اُس نے آہستہ سے کچھ کہا اور رمیش بھی مسکرانے لگا۔

"اتنے ریہرسل سمجھ میں نہیں آتے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کچھ نہیں.... یہ سالا سیٹھ زیادہ سے زیادہ دنوں تک عیاشی کرنا چاہتا ہے۔" رمیش آہستہ سے بولا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اُسے اپنی پشت پر ایک ہذیانی قسم کا قہقہہ سنائی دیا۔ وہ چونک کر مڑا۔ ایک لحیم شحیم آدمی آگے کی طرف جھکا ہوا بلیوں کی طرح رمیش کی آنکھوں میں گھور رہا تھا۔

"ہو ہو۔" اُس نے دونوں ہونٹ سکوڑ کر بڑا سا دائرہ بنایا۔

حمید نے محسوس کیا کہ وہ بُری طرح پئے ہوئے ہے۔

"یہ کیا بیہودگی ہے؟" رمیش جھنجھلا کر بولا۔

"توم.... بجاؤ.... ہم ناچے گا.... گلاوتی نائیں ناچے گا۔"

رمیش نے منہ پھیر لیا۔

"ہی.... ہی.... ہی۔" وہ شلی کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔ "توم بڑا سندر ہے.... امارہ دل کا رانی۔"

رمیش دانت پیستا ہوا اٹھا۔ دوسرے لمحے میں اُس کا ہاتھ شرابی کے گریبان پر تھا اور پھر ایک گھونسہ اُس کی ٹھوڑی کے نیچے پڑا تو ستارے ہی ناچ گئے ہوں گے اُس کی آنکھوں کے

سامنے۔ لوگ دوڑ پڑے۔

"کیا بابا.... میوجک ڈائریکٹر صاحب۔" سیٹھ ہانپتا ہوا بولا۔

"خون پیؤں گا....!" شرابی اٹھ کر رمیش کی طرف جھپٹا لیکن دو تین آدمی بیچ میں آ گئے۔

"کیا بات ہے؟" ڈائریکٹر آگے بڑھ کر بولا۔

"کوئی بات نہیں۔" رمیش چیخ کر بولا۔ "میں کام نہیں کروں گا۔"

"کیا مصیبت ہے۔" ڈائریکٹر نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "میں تو بڑے جنجال میں پھنس گیا۔"

"سب آپکی کمزوری کا نتیجہ ہے۔" رمیش بولا۔ "میں کہتا ہوں ایسے لوگ یہاں آئیں ہی کیوں؟"

"میوجک ڈائریکٹر صاحب تم ہمارے دوست کو جلیل کیا۔" سیٹھ بگڑ گیا۔

"میں سالے کا خون پی لوں گا۔"

"میوجک ڈائریکٹر صاحب۔"

"سیٹھ صاحب۔ اگر یہ کل سے یہاں آیا تو میں نہیں آؤں گا۔"

"آئے گا کیسے نہیں۔ کنٹریکٹ سائین کیا ہے۔ نہیں آئے گا تو ہم مکدمہ چلا دے گا۔"

"اور میں چھرا مار کر تمہاری توند برابر کر دوں گا۔"

"تم ہم کو بھی جلیل کیا۔" سیٹھ بھنا کر ناچ گیا۔

اس ہنگامے کے دوران میں کسی نے ہیروئن کا پیر کچل دیا۔ اُس نے ایک چیخ ماری اور اچھل کر صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔

سیٹھ بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑا۔

"کیا ہوا.... کیا ہوا....؟"

"تمہاری ماں کا خصم.... ہائے.... ارے.... رے۔" ہیروئن کراہی۔

"ارے رام.... کھون.... ڈاکٹر....!" سیٹھ حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ارے.... ارے.... ہائے۔"

شرابی کو لوگوں نے چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھی اب ہیروئن ہی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ حمید رمیش اور شلی الگ کھڑے تھے۔

"آؤ چلیں۔" رمیش آہستہ سے بولا۔ "اس کتا خصی کی توقع نہیں تھی۔ میں تو اب [...] آؤں گا۔ دیکھتا ہوں سالا کیا کرلیتا ہے۔" وہ تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

"یہ روز کا دھندا ہے حمید صاحب۔" رمیش کہہ رہا تھا۔ "جب تک انڈسٹری پر جاہل اور قسم کے لوگ چھائے رہیں گے یہی ہوتا رہے گا۔ جنہیں علم کی دولت ملی ہے جو ذہین ہیں اُن پاس پیسہ نہیں ہے۔"

"لیکن یہ تھا کون؟" حمید نے پوچھا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

"ضرور دیکھا ہوگا۔ اول درجے کا بدمعاش اور کمینہ ہے۔ سیٹھ کو لڑکیاں سپلائی کرتا ہے۔"

"نام کیا ہے؟"

"درجن....!" شلی نے کہا۔ "کیا اُسے اپنی لسٹ پر چڑھایئے گا۔"

"آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" حمید بولا۔

"کئی بار شلی کو چھیڑ چکا ہے۔" رمیش نے کہا۔ "اور اب شاید اُس کی موت ہی آگئی ہے۔"

"نہیں نہیں۔ جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب میں یہاں نہیں آؤں گی۔"

وہ ریستوران میں آکر بیٹھ گئے۔

شلی بڑی شوخ لڑکی تھی لیکن اس وقت اُس کے چہرے پر صحت آثار سرخی نہیں تھی۔ سرخی جو ہنستے وقت کچھ اور گہری ہو جاتی تھی۔ اُس کی عمر انیس بیس برس کے قریب رہی ہوگی لیکن چہرے پر پکا پن نہیں تھا۔ بچپن کے سارے نقوش معصومیت سمیت ابھی تک باقی تھے۔ اُسے دیکھ کر یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ اب کنوری نہیں رہی۔ جسم کہرا اور نازک تھا اور یہ نزاکت اُس وقت اور زیادہ واضح ہو جاتی جب وہ اپنی سبک سی لانبی گردن میں سفید ریشمی رومال لپیٹ لیتی تھی۔ پتہ نہیں یہ اُس کی اختراع تھی یا ضرورتاً ایسا کرتی تھی۔

"چھوڑو یار....!" حمید رمیش کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "کہاں کی بوریت لے بیٹھے۔ میں اُسے دیکھ لوں گا۔"

"اور میں کب پرواہ کرتا ہوں۔" رمیش نے چھوکرے کو آواز دی۔

"آپ کیوں چپ ہیں۔" حمید نے شلی سے پوچھا۔

"نہیں تو۔" اُس کے ہونٹوں پر ایک مضمحل سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "درجن اچھا آدمی نہیں ہے۔"

"اسی وقت بند کرادوں؟" حمید بولا۔

"کیا ضرورت ہے۔" رمیش نے کہا۔ "میں ایسوں کو سیدھا کرنا جانتا ہوں۔ میرے ہاتھ صرف پیانو ہی پر نہیں چلتے۔ گلا بھی گھونٹ سکتے ہیں۔"

"تمہارا گھونسہ بڑا شاندار تھا۔" حمید بولا۔

رمیش اپنے چوڑے چکلے سینے کا جائزہ لے رہا تھا۔

وہ ابھی کافی ختم نہیں کرپائے تھے کہ فلم کا ڈائریکٹر مسعود آگیا۔

"شکر ہے تم یہیں مل گئے۔" مسعود نے رمیش کو مخاطب کیا۔ رمیش کے ہونٹ پہلے سے بھی زیادہ تلخ انداز میں سکڑ گئے۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر مسعود ہی بولا۔

"آج کے واقعے پر مجھے افسوس ہے۔ شاید دوبارہ اس کی نوبت نہ آئے۔"

"ہوں....!" رمیش سگریٹ سلگانے لگا۔

"اب وہ اسٹوڈیو میں نہیں آئے گا۔" مسعود نے کہا۔

"آئے یا نہ آئے۔ میں اب نہیں آؤں گا۔"

"یار کہہ تو دیا.... میں اب وعدہ کرتا ہوں۔"

"مسعود صاحب۔ دوستی اپنی جگہ پر اور بزنس....!"

"چھوڑو یار۔ ختم کرو۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

دونوں میں بڑی دیر تک ردوقدح ہوتی رہی۔ آخر مسعود نے کسی نہ کسی طرح رمیش کو راضی ہی کرلیا۔

"شلی تم گھر جاؤ۔" رمیش نے کہا۔

"کیوں؟ میں نہیں جاتی۔ ساتھ چلیں گے۔"

"آج سبھی مجھے تنگ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔" رمیش جھنجھلا کر بولا۔

"اوہو! تو بات کیا ہے۔" شلی نے منہ پھلا لیا۔

رمیش اٹھ کر مسعود کے ساتھ چلا گیا۔ حمید اور شلی بیٹھے رہے۔ حمید اُس کی پیالی میں دوبارہ

کافی انڈیلنے لگا۔

"غصے کی حالت میں اور زیادہ حسین ہو جاتی ہو۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اور اگر اسی حالت میں ہاتھ اٹھ جائے تو ریٹا ہیورتھ معلوم ہونے لگتی ہوں۔"

"بڑے نازک ہیں تمہارے ہاتھ۔" حمید اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"اوہ.... سچ کہہ رہے ہیں آپ....؟" شلی خوشی ظاہر کرتی ہوئی بولی۔

"بالکل.... تم بڑی حسین ہو۔"

"بینک بیلنس کتنا ہوگا تمہارا؟" شلی نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"زیادہ نہیں.... یہی کوئی.... بیس بائیس ہزار۔"

"بس.... لیکن رمیش لکھ پتی ہے اور اب میں کسی کروڑ پتی کے خواب دیکھ رہی ہوں۔"

"مگر تم تو کہتی تھیں کہ تمہیں رمیش سے محبت ہے۔"

"محبت.... محبت تو مجھے تم سے بھی ہے۔" شلی نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "مجھے فضول آدمی سے محبت ہو جاتی ہے۔"

"تو کیا میں فضول ہوں؟"

"ہر وہ آدمی فضول ہے جو کسی مخصوص عورت کے پیچھے وقت اور پیسہ برباد کرتا ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ہر عورت.... عورت ہوتی ہے۔ چاہے وہ شلی ہو چاہے سڑک کے کنارے گھسٹنے والی کوئی مفلوج بھکارن۔"

"مگر وہ شلی کی طرح حسین نہیں ہو سکتی۔"

"حسن" شلی نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "حسن تمہارے کس کام آتا ہے۔ حسن سے تمہیں کیا ملتا ہے؟"

حمید بوکھلا گیا۔ اُسے اُس سے ایسی گفتگو کی توقع نہ تھی۔ وہ اُسے صرف ایک کھلنڈری اور بے پرواہ لڑکی سمجھتا تھا۔ اُسے خواب میں بھی گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اتنی کھردری قسم کی حقیقت پسند ثابت ہوگی۔

"شلی.... مجھے معاف کرنا۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ "میری شخصیت کا پس منظر بڑا

تاریک ہے۔ بچپن میں میں بھی میں پیار کی مٹھاس سے محروم رہا ہوں۔ باپ دن میں کم از کم چھ بار ضرور پیٹتا تھا اور ماں دن بھر کوستی رہتی تھی.... پھر تم سمجھ ہی سکتی ہو کہ ان حالات میں پروان چڑھا ہوا بچہ کیسا ہوگا۔"

"کیا میری باتوں سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے؟" شلی نے بڑے پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں.... تم نے ٹھیک ہی تو کہا تھا.... گدھ صرف لاش نوچا کرتے ہیں۔ چاہے وہ کتے کی ہو یا سور کی۔"

شلی ہنس پڑی۔ "جب کوئی ہنسوڑ آدمی سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتا ہے تو میں بے اختیار ہنس پڑتی ہوں۔"

"نہیں شلی مجھے افسوس ہے۔"

"مجھے بھی افسوس ہے۔ لیکن سنو۔ بُرے لوگ بھی بااصول ہوتے ہیں۔ میں آج کل صرف رمیش کی پابند ہوں۔"

"ویسے تمہیں حقیقتاً اُس سے محبت نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوہو۔ تم نے پھر وہی بات چھیڑ دی۔ میں نے کہا نا کہ مجھے اس کائنات کے ذرے ذرے سے محبت ہے۔ مجھے اُن سے بھی نفرت نہیں جو مجھے اس زندگی میں لائے تھے۔ مجھے اُس سے بھی نفرت نہیں جس نے دو ماہ تک میرے جسم کا بیوپار کیا تھا۔ میں نے اُن سب کو اس طرح نظر انداز کر دیا جیسے بچپن کے زمانے میں اپنے پیروں میں چبھ جانے والے کانٹوں کو نکال کر مطمئن ہو جایا کرتی تھی۔"

"اگر تم شاعری نہیں کر رہی ہو تو دنیا کی عجیب ترین عورت ہو۔" حمید بولا۔

"اچھا ہی ہوا کہ میں نے تمہیں ایک بات نہیں بتائی ورنہ تم اُسے ممتاز مفتی کی کہانی سمجھ بیٹھتے۔"

"اوہ تو تمہیں ادب سے بھی دلچسپی ہے؟"

"میں جاہل تو نہیں ہوں حمید صاحب۔" شلی نے بُرا مان کر کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ہاں.... وہ بات کیا تھی؟"

"مجھے ایک آدمی سے نفرت ہے حالانکہ اُس نے مجھے جسموں کے ایک بیوپاری کے پنجے سے

رہائی دلائی تھی پھر اپنے گھر میں پناہ بھی دی۔ میری کفالت کرتا رہا لیکن جانتے ہو مجھے اُس سے کیوں نفرت ہوگئی؟ مجھے خود بھی حیرت ہے۔ مجھے اُس سے اس لئے نفرت ہوگئی کہ اُس نے اُن مہربانیوں کا معاوضہ نہیں طلب کیا اور میں تمہیں یہ بھی بتاؤں کہ وہ فرشتہ نہیں ہے۔ اُس کی زندگی زیادہ تر طوائفوں ہی میں بسر ہوتی ہے۔"

"لیکن تم اُس سے متنفر کیوں ہوگئیں؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ واقعہ لاشعور کے کسی افسانے کا مرکزی خیال بن سکتا ہے۔"

"چھوڑو بھی ہم کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔" شلی اکتا کر بولی۔ "تم مجھے اپنے فریدی صاحب سے کب ملا رہے ہو۔ میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا صرف کارنامے سنے ہیں۔ بڑے خوفناک آدمی ہوں گے۔"

"اگر تم اس شہر میں رہتی ہو تو تم نے کہیں نہ کہیں ضرور دیکھا ہوگا۔ لیکن تمہارے دل میں بھولے سے بھی یہ خیال نہ آیا ہوگا کہ اس شخص کے ہاتھ سینکڑوں خوفناک آدمیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ یا یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی شہرت ساری دنیا میں ہے۔"

"تو کب ملا رہے ہو؟"

"کسی مناسب موقع پر۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "لیکن تمہارے سینے میں جو ننھا سا دل ہے اُسے گھر ہی پر چھوڑ دینا۔"

"کیوں....؟"

"خطرناک آدمی ہے۔ اس شہر کی بے شمار عورتیں اُس پر مرتی ہیں لیکن وہ کسی کو جوتے کی نوک پر بھی نہیں مارتا۔"

"بہت خوب صورت آدمی ہیں؟" شلی نے پوچھا۔

"خیر.... مجھ سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔"

"تمہاری شکل میں زنانہ پن ہے۔" شلی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا....؟" حمید منمنایا۔ "تمہارے چہرے پر خدا نے چاہا تو ڈاڑھی نکل آئے گی۔"

شلی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ باہر سے ایک آدمی بھاگتا ہوا آیا اور اُس نے کسی آدمی کو مخاطب

کر کے زور سے کہا۔ "اسٹوڈیو میں بم پھٹا ہے۔"

"کیا....؟" شلی حمید کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے بولی۔ "اسٹوڈیو میں بم پھٹا ہے؟"

حمید اٹھ کر اُس آدمی کے قریب آیا جس نے یہ اطلاع دی تھی۔

"کہاں بم پھٹا ہے؟" اُس نے اُس سے پوچھا۔

"اسٹوڈیو میں.... میوزک ڈائریکٹر....!"

"کیا؟" شلی تقریباً چیخ پڑی۔

"میوزک ڈائریکٹر کے چیتھڑے اڑ گئے۔"

شلی بے تحاشہ اسٹوڈیو کی طرف بھاگ رہی تھی۔ حمید نے اُسے آوازیں بھی دیں لیکن وہ بھاگتی ہی گئی.... پھر اُس نے اُن لوگوں کو دیکھا جو اسٹوڈیو سے نکل کر سڑک پر دوڑ رہے تھے۔ اندر ہنگامہ برپا تھا۔ فلم کی رقاصہ بے ہوش پڑی تھی۔ اُس کے داہنے بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ ڈائریکٹر مسعود کی پیشانی زخمی تھی۔ دو ایک اور بھی ایسے نظر آئے جو زخمی ہوگئے تھے لیکن رمیش کا کہیں پتہ نہ تھا۔

حمید اُس کمرے کی طرف بڑھا جس میں کچھ دیر قبل ریہرسل ہو رہا تھا۔

"ٹھہرو.... اندر مت جاؤ۔ کون ہو تم....؟" ایک آدمی چیخا۔

"کیوں؟"

"وہاں ایک لاش ہے۔"

"کس کی لاش....؟"

"رمیش کی.... پیانو میں بم تھا۔ شاید ٹائم بم.... لیکن آپ کون ہیں؟"

"پولیس.... میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

وہ آدمی گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا وہ پیانو بجا رہا تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں.... پیانو کے پرخچے اڑ گئے ہیں اور رمیش.... وہ پہچانا نہیں جا سکتا۔ چہرے کا گوشت قیمہ قیمہ ہو کر جھول گیا ہے۔"

"شلی کہاں ہے؟" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"پتہ نہیں....!" اُس آدمی نے کہا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر کی جستجو کے بعد حمید
یقین ہو گیا کہ شلی وہاں موجود نہیں ہے۔

دوسرا دھماکہ

"تم گدھے ہو۔" فریدی جھنجھلا کر حمید کی طرف پلٹا۔ وہ بڑی دیر سے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور حمید ایک کرسی پر بیٹھا مضطربانہ انداز میں اپنے پیر ہلا رہا تھا۔

"مجھے خوشی ہوتی۔ اگر تم بھی اُس وقت اس پیانو کے قریب موجود ہوتے۔" فریدی کہہ رہا۔ "عورت.... عورت.... عورت.... عاجز آگیا ہوں۔"

"یہ تو دیکھئے کتنا عمدہ کیس لایا ہوں آپ کے لئے۔" حمید نے کہا۔

"کیا خاص بات ہے اس کیس میں۔"

"کوئی خاص بات ہی نہیں۔"

"تو بتاؤ نا....؟"

"پیانو میں ٹائم بم....!"

"کوئی نئی بات نہیں۔"

"اور شلی اچانک غائب ہو گئی۔"

"ٹھیک ہے.... تو تم اس سے کیا سمجھے؟" فریدی بولا۔

"یہی کہ اُس کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"گدھوں جیسی باتیں نہ کرو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ اُسے زہر دے کر بھی غائب ہو سکتی تھی۔ اگر اُسے غائب ہی ہونا تھا تو ٹائم بم کبھی نہ استعمال کرتی۔ ٹائم بم اسی لئے استعمال ہوتے ہیں کہ مجرم کی شخصیت چھپی رہے۔"

"تو پھر....؟"

"بہت معمولی کیس ہے۔ اسے سول پولیس والوں ہی کے لئے رہنے دو۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "حادثے کی وجہ رقابت معلوم ہوتی ہے۔ کیا وہ بہت حسین تھی؟"

"بہت سے بھی کچھ زیادہ۔"

"اور تم نے اُسے اسٹوڈیو میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں....!"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "وہ درجن۔ کیا اس سے پہلے بھی کبھی رمیش سے اُس کی لڑائی ہوئی تھی....؟"

"پتہ نہیں....!" حمید نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ کسی نے اُس لڑکی کو غائب کر دیا۔"

"اور وہ بے چاری آپ سے ملنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھی۔" حمید نے کہا۔

"کیوں؟"

"میں نے آپ کے حسن کی تعریف کر دی تھی۔"

"شکریہ....!" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

اُس نے سگار سلگا کر پُر خیال انداز میں اپنی نظریں میز پر رکھے ہوئے گلدان پر جما دیں۔

"اگر میں خود ہی اس کیس کی تفتیش کروں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"کیا جانتے ہیں؟"

"ضروری نہیں سمجھتا کہ اس کا اظہار بھی کیا جائے۔ بہر حال تم جہنم میں بھی جا سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"وہاں تو آپ بھی چلیں گے میرے ساتھ۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔

"تو پھر میں کیڈی لے جاؤں؟" حمید نے پوچھا۔

"دفع ہو جاؤ۔"

حمید نے لباس تبدیل کر کے کیڈی لاک گیراج سے نکالی۔

رمیش والے حادثے کا آج تیسرا دن تھا۔ شلی بدستور غائب تھی۔ پولیس نہ تو اب تک اُس کا سراغ پا سکی تھی اور نہ یہی معلوم ہو سکا تھا کہ رمیش کی جان لینے کا مقصد کیا تھا۔ صرف یہی ایک

رائے قائم کی جاسکتی تھی کہ وہ ایک ٹائم بم تھا جس کے ذریعے اُس کی زندگی کا خاتمہ کیا گیا۔

حمید کا شبہہ درجن پر تھا۔ لیکن وہ بھی مستقل نہیں تھا۔ کئی دوسرے خیالات اسکی بھی کر دیتے تھے۔ ایک تو یہی کہ اگر اُس نے ہی پیانو میں بم رکھا ہوتا تو اُس موقعہ پر رمیش سے جھ کرتا اور یہ بات تقریباً ناممکن تھی کہ اُس نے جھگڑے کے بعد یہ حرکت کی ہو۔ کیونکہ جھ کے بعد سے بم پھٹنے تک کے درمیانی وقفے میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی وہ کمرہ خالی نہیں ہوا تھ

اگر حمید فریدی کے ظاہر کردہ خیال کی روشنی میں اس معاملے کو دیکھتا تب تو تقریباً پندرہ آدمی ایسے نکل آتے جن پر شبہہ کیا جاسکتا کیونکہ شلی پر دانت رکھنے والے بے شمار تھے۔

کیڈی لاک چکنی اور شفاف سڑکوں پر پھسلتی رہی۔ حمید یونہی بلا مقصد نہیں نکلا تھا۔ ان دنوں میں اُس نے کئی بار سوچا تھا کہ وہ دلکش خدوخال والی فلمی رقاصہ سے ضرور ملے گا جس اُس حادثے میں زخمی ہو گیا تھا۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور نارنجی شعاعیں شہر کی عظیم الشان عمارتوں کے بالائی حصو کپکپا رہی تھیں۔ حمید نے کیڈی لاک شہر کے اُس حصے کی طرف موڑ دی جہاں زیادہ تر دولت طبقہ آباد تھا۔ اسپرنگ کاٹج جہاں وہ رقاصہ کلاوتی رہتی تھی ایک خوبصورت بنگلہ تھا۔ حمید کیڈ پائیں باغ کے پھاٹک سے گذار کر اندر لیتا چلا گیا۔ کلاوتی لان پر ٹہل رہی تھی اور اُسکے ساتھ در بھی تھا اور وہ اس وقت بھی نشے ہی میں معلوم ہو رہا تھا۔ کیڈی لاک دیکھ کر وہ دونوں رک گئے۔

اور پھر جب کلاوتی نے حمید کو دیکھا تو بے اختیار چونک پڑی۔ کبھی وہ کیڈی کی طرف د تھی اور کبھی حمید کی طرف۔ البتہ درجن کے رویے میں ایسے شرابیوں کی سی بے نیازی تھی ج قوت برداشت سے زیادہ پی لیتے ہیں۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں مخل ہوا۔" حمید نے کلاوتی کے قریب پہنچ کر کہا۔

"اوہ! نہیں تو.... میرا خیال ہے کہ آپ بے چارے رمیش کے دوستوں میں سے ہیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" حمید نے اپنا ملاقاتی کارڈ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے

"لیکن میں اس وقت اُس حیثیت سے نہیں ہوں۔"

کارڈ دیکھ کر کلاوتی کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی۔

"تو کیا آپ....!" وہ ہکلائی۔ "آپ شائد حادثے کے وقت بھی تو وہاں موجود تھے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اُس کمرے میں نہیں تھا۔"

"ورنہ آپ اُسے بچا لیتے؟" درجن نے ایک بے ہنگم قہقہہ لگایا اور پتلون کی جیب سے شامپین کی بوتل نکال کر چسکیاں لینے لگا۔

"میں خاص طور سے تمہیں چیک کرنا چاہتا ہوں۔" حمید تلخ لہجے میں بولا۔

"تم کون ہوتے ہو مجھے چیک کرنے والے۔" درجن بگڑ گیا۔

"درجن.... پلیز ڈونٹ بی سلی۔" کلاوتی جلدی سے بولی۔ "آپ محکمہ سراغ رسانی کے سرجنٹ حمید ہیں۔"

"اوہو.... بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" درجن آگے بڑھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ "مجھے درجن خاں آرتھر سنگھ کہتے ہیں۔"

اس بار اُس نے بوتل میں بچی کھچی بھی حلق میں انڈیل کر بوتل ایک طرف لان پر ڈال دی اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"معاف کیجئے گا۔ میں کسی کو سگریٹ آفر نہیں کرتا۔" اُس نے بے ڈھنگے پن سے ہنس کر کہا۔

"تم حادثے کے وقت کہاں تھے؟" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے.... یاد.... نہیں۔" درجن نے ایک ایک لفظ کو گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "جہاں کہیں بھی رہا ہوں گا بوتل میرے ہاتھ میں رہی ہوگی۔ آپ کون سی پیتے ہیں۔"

"تم پر شبہ کیا جارہا ہے کہ وہ بم تم نے ہی رکھا تھا۔" حمید اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"اوہ تو آپ کب تک اس طرح کھڑے رہیں گے۔" کلاوتی نے حمید سے کہا۔

"جب تک مجھ پر شبہ رہے گا۔" درجن نے پھر قہقہہ لگایا اور حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"آپ کا زخم اب کیسا ہے؟" حمید نے کلاوتی سے پوچھا۔

"کوئی خاص تکلیف نہیں۔ معمولی خراشیں تھیں۔ عجیب بات ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔"

"میرے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" درجن نے قہقہہ لگایا۔

"اگر تم خاموش نہیں بیٹھ سکتے تو چلے جاؤ۔" کلاوتی بگڑ کر بولی اور اُس کے نچلے ہونٹ کا دلآویز خم کچھ اور زیادہ حسین ہو گیا۔ حمید نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ

درجن کسی طرح دفع ہی ہو جائے تو اچھا ہے۔

"کلاوتی تم میری توہین کر رہی ہو۔" درجن جھوم کر بولا۔ "توہین۔ درجن خان آرتھر کی توہین بہت گراں پڑے گی۔"

"تم مجھے ایک پولیس آفیسر کے سامنے دھمکا رہے ہو۔" کلاوتی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"پولیس آفیسر....!" درجن اپنی چھاتی ٹھونک کر بولا۔ "میں پولیس آفیسر کے باپ سے بھی آنکھیں ملا سکتا ہوں۔ میرا نام درجن خان آرتھر سس.... سس....!"

قبل اس کے کہ وہ جملہ پورا کرتا حمید نے گریبان پکڑ کر اُسے لان چیئر سے اٹھا دیا۔ درجن کا مکا اُس کے کان کے قریب سے نکل گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں حمید کا گھونسہ اُس کے جبڑے پر پڑا۔ درجن دونوں ہاتھوں سے اپنی ٹھوڑی تھام کر زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

کلاوتی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"ہاں تو میں پوچھنے کے لئے آیا تھا کہ کیا آپ کچھ ایسے لوگوں کے نام بتا سکیں گی جن سے رمیش کی دشمنی رہی ہو؟" حمید نے لان چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی.... ہاں.... جی.... نہیں.... بھلا میں کیا؟" کلاوتی کی نظریں زمین پر بیٹھے ہوئے درجن پر جمی ہوئی تھیں پھر وہ خوفزدہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"بیٹھ جایئے۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

کلاوتی بیٹھ گئی لیکن اُس کی نظریں اب بھی درجن پر جمی ہوئی تھیں۔ لیکن حمید اُس کی طرف سے اس طرح لاپرواہ نظر آ رہا تھا جیسے کسی دماغ چاٹنے والے بچے کو پیٹ کر بھول گیا ہو۔ درجن نے آہستہ آہستہ اپنے دونوں ہاتھ منہ پر سے ہٹائے اور خون تھوکنے لگا۔ پتہ نہیں دانتوں کے درمیان میں آکر زبان کٹ گئی تھی یا کوئی دانت ہی ہل گیا تھا۔

وہ پھر کھڑا ہو گیا اور حمید کو اس طرح گھورنے لگا جیسے کچا ہی کھا جائے گا۔ حمید بدستور کلاوتی ہی کی طرف متوجہ رہا۔ کلاوتی بوکھلا گئی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت اُسے درجن سے ہمدردی کرنی چاہئے یا بے رخی اختیار کرنی چاہئے۔

"رمیش سے آپ کے قریبی تعلقات تھے یا یونہی محض شناسائی تھی؟"

"جی....!" وہ چونک کر بولی۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" درجن بڑبڑایا۔

"جاتے ہو یا اب دوسرا طریقہ اختیار کروں؟" حمید اُس کی طرف مڑے بغیر بولا پھر کلاوتی سے کہا۔ "آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

"جی بات دراصل یہ ہے کہ اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" کلاوتی نے کھوکھلی آواز میں جواب دیا۔ وہ درجن کو پائیں باغ کے پھاٹک سے گذر کر جاتے دیکھ رہی تھی۔

درجن کے جاتے ہی حمید نے یک بیک محسوس کیا جیسے کلاوتی کے چہرے سے سراسیمگی کے آثار غائب ہو گئے ہوں۔

"تو آپ وہی سرجنٹ حمید ہیں انسپکٹر فریدی کے اسسٹنٹ....؟" کلاوتی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ لوگ یہی کہتے ہیں لیکن آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

"میں رمیش کو بہت عرصے سے جانتی ہوں۔ ہم دونوں کلاس فیلو بھی رہ چکے ہیں اور فلمی دنیا میں میری رسائی اُسی کے ذریعے ہوئی تھی۔" کلاوتی مسکرا کر بولی۔ "اب آپ پوچھیں گے کہ تمہیں رمیش سے محبت تو نہیں تھی۔"

"اس قسم کے سوالات عموماً کیمرے کے سامنے کیے جاتے ہیں۔" حمید بھی جواباً مسکرایا۔

"آپ غلط سمجھے۔" کلاوتی نے کہا۔ "میں نے یہ بات سنجیدگی سے کہی تھی۔ کیا آپ فلمی حلقوں میں گشت کرنے والی افواہوں سے واقف نہیں۔"

"جی نہیں....!"

"اوہ.... کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ شلی کے کسی عاشق کی حرکت تھی اور کچھ کہتے ہیں کہ کسی عورت نے جو رمیش کو چاہتی تھی جھنجھلا کر اُسی کو ختم کر دیا۔"

"لیکن شلی خود بھی غائب ہے؟" حمید نے کہا۔

"اُس کے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ خوف کی وجہ سے روپوش ہو گئی ہے۔ اس خیال سے فرار ہو گئی ہے کہ پولیس اُسے بھی تنگ کرے گی۔"

"اوہ....!" حمید پُرخیال انداز میں بولا۔ "یہ درجن کیسا آدمی ہے؟"

"درجن....!" کلاوتی کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔ "پتہ نہیں۔ میں اُس سے زیادہ واقف نہیں۔ ہماری ملاقات اسی فلم کے کنٹریکٹ کے دوران میں ہوئی تھی۔ البتہ اتنا جانتی ہوں کہ وہ

سیٹھ کے گہرے دوستوں میں سے ہے۔"

"کیا سیٹھ بھی شلی پر دانت لگائے ہوئے تھا۔"

"سیٹھ....!" کلاوتی ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "وہ ہر اُس عورت کے لئے تڑپتا رہتا ہے جو
کے دسترس سے باہر ہو۔"

"شلی کے متعلق بھی کچھ بتا سکیں گی؟" حمید نے پوچھا۔

"اس سے زیادہ نہیں کہ وہ رمیش کے پاس آنے سے پہلے باقاعدہ پیشہ کرتی تھی۔"

دفعتاً حمید کو ایک بات یاد آگئی۔

"کیا آپ اُس شخص سے بھی واقف ہیں جس نے پہلی بار شلی کو پیشہ ورانہ زندگی سے نج
دلائی تھی؟"

"نہیں۔ میں اُس کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔" کلاوتی نے بے توجہی سے کہا۔ وہ کچھ
خاموش رہی اور پھر بولی۔ "آج صبح سے سر میں بڑا شدید درد ہے۔"

"اچھا....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ ویسے مجھے توقع
آپ پولیس کا ہاتھ ضرور بٹائیں گی۔"

"میں....!" کلاوتی چونک کر بولی۔ "بھلا میں کیا ہاتھ بٹا سکتی ہوں۔"

"آپ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ رمیش کو آپ نے قریب سے دیکھا ہے۔"

"بہر حال ویسے مجھے خوشی ہوگی۔ اگر کسی کام آسکوں۔" کلاوتی نے کہا۔

وہاں سے نکل کر حمید سوچ رہا تھا کہ اب کہاں جائے۔ سوچا اسٹوڈیو ہی کی طرف چلنا
لیکن پھر خیال آیا کہ رمیش کی موت کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لئے کام بند رہے گا۔ حقیقت
ہے کہ کلاوتی سے وہ محض اس لئے ملا تھا کہ اُسے اپنے ساتھ کسی قسم کی تفریح کے لئے
کر سکے گا لیکن وہ ضرورت سے زیادہ بور ثابت ہوئی۔ اُس کے خیالات کی رو بھٹکتے بھٹکتے
رک گئی۔ پھر دفعتاً اُسے اُس لڑکی کا خیال آیا جو اُسے مسٹر کیو[1] والے کیس کے دوران میں
اور وہ اُس کے متعلق سوچنے لگا.... وہ تھی تو اسی شہر میں لیکن حمید کو اس کا پتہ نہیں معلو
البتہ یہ ضرور سنا تھا کہ اب اُس نے مجرمانہ زندگی سے توبہ کر لی ہے۔

حمید نے کیڈی لاک کا رخ کوتوالی کی طرف موڑ دیا۔ اُسے یقین تھا کہ انسپکٹر جگد

[1] مسٹر کیو کے کارناموں کیلئے جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "لاشوں کی آبشار" جلد نمبر 9 ملاحظہ فرما

لڑکی کنول کا پتہ ضرور جانتا ہوگا لیکن کوتوالی میں قدم رکھتے ہی اُس کے ذہن کو دوسری طرف جھکنا پڑا۔ کیونکہ کوتوالی میں انسپکٹر فریدی کی موجودگی کسی اہم ہی معاملے کی بناء پر ہو سکتی تھی....
فریدی اُسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"آپ یہاں.... کوئی خاص بات....؟" حمید نے پوچھا۔

"بات تو وہی ہے لیکن اب خاص ہو گئی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اُسی اسٹوڈیو میں دوسرا دھماکہ۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "پیانو کے پرخچے اڑ گئے اور رمیش کے اسسٹنٹ کا بھی وہی حشر ہوا جو اس کا ہوا تھا۔"

"لیکن آرٹ پروڈکشن والوں نے تو کام بند کر رکھا تھا۔"

"صرف شوٹنگ بند تھی۔" فریدی نے کہا۔ "آج یہ فیصلہ ہوا تھا کہ رمیش کا اسسٹنٹ اُس کی ترتیب دی ہوئی دھنوں کی مشق کرے۔ خصوصاً اُن دھنوں کی جو ناچوں کیلئے بنائی گئی تھیں۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچتا ہوا پھر بولا۔ "لیکن اب مجھے اپنا خیال بدل دینا پڑا ہے۔ وہ ٹائم بم نہیں تھے۔"

"پھر....؟"

"معمولی بم.... جو سیفٹی کیچ ہٹنے سے پھٹ سکتے ہیں۔"

اغواء

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ ٹائم بم نہیں تھے تو اُن کے سیفٹی کیچ ہٹے کس طرح.... خود بخود تو ہٹنے سے رہے۔

"تمہیں یہ بات مضحکہ خیز معلوم ہو رہی ہو گی۔" فریدی نے کہا۔

"قطعی.... یہ ناممکن ہے۔"

"لیکن تم اسے محض اتفاق نہیں سمجھ سکتے کہ دونوں بم ایک ہی گیت بجانے کے دوران میں پھٹے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"ایک ہی گیت....؟" حمید نے حیرت سے کہا۔ "لیکن آپ کو اس کا علم کس طرح
پہلے حادثے میں تو یہ بات سامنے نہیں آئی تھی؟"

"ہاں....آں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "دوسرے حادثے کے سلسلے میں یہ با
نوٹ کی گئی اور یہی وجہ ہے کہ میں اُسے ٹائم بم نہیں سمجھ سکتا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ دراصل پولیس کی پہلے حادثے
رپورٹ دیکھ رہا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ ٹائم بم بھی نہیں تھے تو خود بخود پھٹے کس طرح
پھر کیا یہ ضروری تھا کہ وہ ایک مخصوص گیت بجانے ہی کے دوران میں پھٹتے۔

"آپ اب تک تھے کہاں؟" دفعتاً فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"اوہ....میں ذرا کلاوتی کو ٹٹول رہا تھا۔"

"کلاوتی کون....؟"

"وہی رقاصہ جس کے رقص کے دوران میں پہلا واقعہ ہوا تھا۔ وہ بھی زخمی ہو گئی تھی۔"

"تو تم اُسے ٹٹول رہے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"او....ہم....یعنی کہ....محاورہ....!"

"ہوں....تو پھر....؟"

"وہاں ایک آدمی کی مرمت بھی کرنی پڑی۔"

"کس کی؟"

"درجن کی۔" حمید نے کہا اور واقعات دہرا دیئے۔

"وقت اور انرجی دونوں کی بربادی۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اگر یہ بات صحیح ہے
دونوں حادثے ایک ہی گیت پر پیش آئے تو ہمیں ایک ایسے آدمی کی تلاش جاری رکھنی پڑے
اُس گیت سے بخوبی واقف ہو۔"

"ایک ہی کیوں....؟" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ یہ حرکت دس آدمیوں نے نہ کی ہو گی۔"

حمید تھوڑی دیر تک سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا پھر جھنجھلا کر بولا۔

"فریدی صاحب....احمقوں کے تاجدار یعنی اس نابکار کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔"

"جلدی کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے
کہ ایکٹرسوں کو ٹٹولتے رہو۔"

حمید جھنجھلا کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو....میں بھی چلتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اُن کی کیڈی لاک ایک بار پھر اسپرنگ کاٹج کی طرف جا رہی تھی۔

"خدا کی قسم بڑی زوردار عورت ہے۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ "خصوصاً اُس کا نچلا
ہونٹ۔"

"تو تم نے اُسے اچھی طرح ٹٹول لیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے فلم کی ہیروئن ریکھا کے
متعلق کیا خیال ہے؟"

"وہ آپ کے لئے مناسب رہے گی۔"

"ابے میں اس کے لئے پوچھ رہا ہوں۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"پھر....؟" حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"اُس کے اور رمیش کے تعلقات کیسے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"تعلقات کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔ ویسے یہ ضرور سنا ہے کہ مسعود کو رمیش سے
کنٹریکٹ کرنے کی رائے اُسی نے دی تھی۔"

"مسعود کیسا آدمی ہے؟"

"خوبصورت آدمی ہے۔ لڑکیاں اُس پر مر سکتی ہیں۔"

"پھر بکواس شروع کی تم نے۔ چانٹا مار دوں گا۔"

"پھر کیا پوچھا تھا آپ نے؟"

"بکو نہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"آخر آپ شلی کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ رمیش محض اُسی کی وجہ
سے مارا گیا۔"

"لیکن یہ دوسرا آدمی۔ میں نے تھوڑی ہی دیر میں اُس کے متعلق چھان بین کر لی ہے۔ اُس

کا شلی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔

"بہت ممکن ہے کہ یہ ہمارے ناکام ترین کیسوں میں سے ایک ہو۔"

"کیوں....؟"

"مجرم نے وہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ مشکل ہی سے اُس پر ہاتھ پڑ سکے گا۔"

"اس میں تو شک نہیں۔" فریدی بولا۔

کیڈی لاک رک گئی۔ آٹھ بج گئے تھے اور اسپرنگ کاٹج کی کھڑکیوں میں لگے ہوئے رنگی
شیشے روشن نظر آرہے تھے۔ پائیں باغ میں اندھیرا تھا۔ وہ دونوں اُتر کر برآمدے میں آ
برآمدہ بھی تاریک ہی تھا۔ فریدی جیب سے ٹارچ نکال کر گھنٹی کا سوئچ تلاش کرنے لگا۔
اندر سے گھنٹی کی مدھم سی آواز آرہی تھی۔ دو منٹ گذر گئے لیکن اسپرنگ کاٹج کے مکی
نے گھنٹی کی طرف دھیان نہ دیا۔

"کیا معاملہ ہے؟" حمید نے آہستہ سے سرگوشی کی۔

فریدی نے دروازے کو دھکا دیا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ انہوں نے کھڑکیوں کی بھی آزما
کی لیکن یا تو وہ اندر سے بند تھیں یا اُن میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اندر جانے کا راس
تلاش کرتے ہوئے وہ بنگلے کے پشت پر آگئے اور پھر انہیں ایک دروازہ دکھائی دیا جس کا ایک
کھلا ہوا تھا۔

وہ دونوں اندر پہنچ چکے تھے۔ سناٹے کا یہ عالم تھا جیسے کبھی کوئی اس عمارت میں رہا ہی نہ
روشنی البتہ کئی کمروں میں تھی۔ دونوں نے پھر ایک دوسرے کیطرف معنی خیز نظروں سے دیکھ
ایک کمرے میں جو غالباً نشست کے لئے تھا انہیں غیر معمولی ابتری دکھائی دی۔ ایک صو
الٹا پڑا تھا۔ چھوٹی گول میز بھی فرش ہی پر نظر آرہی تھی۔ سوڈے کا سائیفن وہائٹ ہارس کی بو
جس کی شراب بہہ گئی تھی۔ ٹوٹے ہوئے گلاس۔ یہ سب بھی زمین پر تھے اور عمارت میں
دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

فریدی سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑے ہوئے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"اور یہ؟" حمید بے ساختہ بولا۔ جس نے ابھی ابھی الٹا ہوا صوفہ سیدھا کیا تھا۔ اُ
نظریں زنانہ سینڈل پر جمی ہوئی تھیں۔ اُسی کے قریب ایک رومال پڑا ہوا ملا جس پر تازہ خون

دھبے تھے۔

"یہ سینڈل کلاوتی ہی کا ہے۔" حمید تھوک نگل کر بولا۔ "آج شام اُس نے یہی پہن رکھا تھا۔"

"اور وہ تنہا تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... درجن....!"

"میں نوکروں کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"نوکر.... نہیں مجھے تو کوئی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔" حمید بولا۔ "ہم باہر لان پر تھے۔"

"نوکروں کی عدم موجودگی حیرت انگیز ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے خیال سے کلاوتی ایک مالدار ایکٹریس تھی۔"

"تھی.... کیا مطلب....؟" حمید چونک کر بولا۔ "کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ مار ڈالی گئی؟"

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے ڈرائنگ روم سے نکلتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں پھر اُسی دروازے میں کھڑے ہوئے تھے جدھر سے بنگلے میں داخل ہوئے تھے۔

فریدی جھک کر ٹارچ کی روشنی میں دروازے کے نیچے کی زمین کا جائزہ لینے لگا۔ پھر کچھ دیر اسی طرح چلتے رہنے کے بعد لوٹ آیا۔

"دو ٹوٹے ہوئے گلاس۔" فریدی پُرخیال انداز میں بڑبڑانے لگا۔ "لیکن نشانات ایک ہی آدمی کے پیروں کے ہیں.... خیر آؤ۔"

وہ پھر ڈرائنگ روم میں واپس آگئے۔

فریدی گلاس کے ٹکڑوں کو نہایت احتیاط سے اپنے رومال میں اکٹھا کر رہا تھا۔

"کسی تیسرے آدمی کا وجود نہیں ثابت ہوتا۔" اُس نے حمید سے کہا۔ "اس لئے خیال ہوتا ہے کہ کلاوتی کسی اجنبی کے ساتھ نہیں تھی۔ آنے والا کم از کم اُس سے اتنا بے تکلف ضرور تھا کہ دونوں نے ساتھ بیٹھ کر شراب پی اور پھر اُس کے بعد تھوڑی سی جدوجہد ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ اُن دونوں میں سے کسی کے چوٹ بھی آئی ہو۔ کیونکہ اس رومال پر خون کے دھبے...."

فریدی نے ابھی بات پوری نہیں کی تھی کہ مکان کے کسی حصے میں گھنٹی بجنے لگی۔

"کوئی ملاقاتی۔" فریدی بڑبڑایا۔

دونوں صدر دروازے کی طرف بڑھے۔

دوسرے لمحے میں ایک ادھیڑ عمر کا نحیف آدمی اپنی عرق آلود اور بے جان آنکھو
انہیں گھور رہا تھا۔

"اوہ.... آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔" وہ مسکرا کر بڑبڑایا۔ "کیا کلاوتی کسی کام میں
ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم سنیچر کی شام کو نوکروں کو چھٹی دے دیتے ہیں۔"

"کیا آپ یہیں رہتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی.... میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" بوڑھے کی حیرت بڑھ گئی۔

"بات دراصل یہ ہے کہ یہاں کوئی غیر معمولی واقعہ ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"براہِ کرم پہیلیاں نہ بجھایئے۔" اُس نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں ہارٹ ٹروبل کا مریض
ذرا سی الجھن بھی مجھے موت کے قریب پہنچا دیتی ہے۔"

"کلاوتی کا اغواء۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کیا؟ آپ کون ہیں؟"

"پولیس....!"

بوڑھا اجنبی جھپٹ کر اندر جانے لگا۔

"ٹھہریئے۔" فریدی اُسکے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "آپ کا کلاوتی سے کیا تعلق

"میں.... میں اُس کا چچا ہوں۔"

"یہیں رہتے ہیں آپ....؟"

"جی ہاں.... لیکن.... یہ اغواء.... میری طبیعت بگڑ رہی ہے۔"

حمید اُسے سہارا دے کر ایک دوسرے کمرے میں لے گیا۔

"لیکن.... اغواء....!" وہ ایک آرام کرسی پر گرتا ہوا بڑبڑایا۔

"آپ نے گھر کس وقت چھوڑا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"آج صبح۔ میں سینٹرل اسٹوڈیو میں ساؤنڈ انجینئر ہوں.... لیکن یہ اغواء۔"

"ہم لوگ اس مسئلے پر زیادہ روشنی نہ ڈال سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"ہم دراصل رمیش والے کیس کے سلسلے میں یہاں آئے تھے۔ لیکن....!"

"ابھی ابھی میں نے وہاں دوسرے حادثے کے متعلق سنا ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"ٹھیک.... ہمیں تھوڑی معلومات فراہم کرنی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے ہی کلاوتی غائب
کر دی گئی۔"

بوڑھے کے چہرے پر بے چینی کے آثار تھے اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"کیا آپ کسی ایسے آدمی کا نام بتا سکتے ہیں جسے اس سلسلہ میں مشتبہ سمجھا جا سکے؟" فریدی
نے پوچھا۔

"میں.... نہیں.... کلاوتی کے سارے ملنے والے شریف ہیں اور میں اپنے ملنے والوں میں
سے بھی کسی کو ایسا نہیں سمجھتا۔ لیکن ٹھہریئے۔ ایک آدمی۔ مجھے اُس کا یہاں آنا پسند نہیں تھا اور
کلاوتی بھی شاید اُسے اخلاقاً ہی برداشت کرتی تھی۔"

"درجن....؟" حمید نے پوچھا۔

"اوہ.... تو آپ جانتے ہیں اُسے.... آپ ٹھیک سمجھے.... درجن.... وہ ایک اوباش اور
پرلے سرے کا غنڈا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کلاوتی اُسے اخلاقاً ہی کیوں برداشت کرتی تھی۔"

"کیا وہ اکثر یہاں آتا رہتا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"تقریباً روز ہی....!" بوڑھے نے کہا۔ "میں کیا کروں....!"

"رمیش سے کلاوتی کے کیسے تعلقات تھے؟"

"دونوں کبھی کلاس فیلو تھے اور رمیش ایک حد تک اُس کا استاد بھی تھا اور وہ اُسی کے توسط
سے فلم لائن میں آئی تھی۔"

"کبھی اُن میں کسی بات پر جھگڑا بھی ہوا تھا؟"

"میری یادداشت میں تو نہیں۔"

"اچھا تو مسٹر.... آر....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"مجھے ستیش ورما کہتے ہیں۔" بوڑھا بے چینی سے بولا۔ "مگر کلاوتی کا کیا ہو گا؟"

"گھبرایئے نہیں۔ پوری کوشش کی جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

اُس نے گلاسوں کے ٹکڑے رومال میں لپیٹ کر جیب میں ڈال لئے۔ تھوڑی دیر بعد کیڈی
اپرنگ کالج سے لوٹ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ یہ درجن ہی کی حرکت ہے۔" حمید نے کہا۔ "آج شام اُس نے کلاوتی کو

دھمکی بھی دی تھی اور میں یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ کلاوتی نے اُس دھمکی سے اثر بھی لیا ہے۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر حمید نے کہا۔

"وہ اُس سے خائف بھی معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے جانے کے بعد اُس نے مجھ سے کچھ باتیں کی تھیں۔"

"ہوں.... میں یہ نہیں کہتا کہ اس اغواء میں درجن ہی کا ہاتھ ہے۔" فریدی بولا۔ "رمیش والے واقعے سے اُس کا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔ شلی غائب ہوئی۔ وہ رمیش کی تھی۔ رمیش کے اسسٹنٹ کا بھی وہی حشر ہوا جو خود اُس کا ہوا تھا پھر کلاوتی غائب کر دی گئی جو رمیش سے قریبی تعلقات رکھتی تھی۔"

"آخر آپ درجن کو اس طرح کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟" حمید بولا۔

"نظر انداز تو نہیں کر رہا ہوں۔ ہاں ابھی وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"حادثے سے پہلے وہ رمیش سے بھی لڑ گیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ اُس نے اُس وقت وہ بم پیانو میں نہیں چھپایا تھا کیونکہ لڑائی کے بعد سے مشق شروع ہونے تک وہ کمرہ ایک منٹ کے لئے بھی خالی نہیں رہا تھا۔"

"ہو گا۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "مجھے اب اس کیس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔"

"کیوں....؟"

"بس یونہی۔"

"یہ کہو بیٹے کہ اب دلچسپی کا سامان ہی نہیں رہ گیا۔ تم ہمیشہ ایسے ہی کیسوں میں دلچسپی لیتے ہو جن سے کوئی لڑکی بھی منسلک ہو۔"

"یہی سمجھ لیجئے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اپنا مقدر بھی شاید کھارے پانی کی روشنائی سے لکھا تھا.... آئی اور بس نکل گئی.... پھر سے اڑ گئی.... ہات تیری۔"

حمید باہر پھیلے ہوئے اندھیرے کو گھونسہ دکھا رہا تھا۔

"خدا کے لئے اب تم شادی کر ڈالو۔" فریدی بڑبڑایا۔

"مت بور کیجئے۔"

"پھر کیا چاہتے ہو؟"

"ایک ایسی لڑکی جو بیوی نہ ہو۔"

"چلو میں اُسے شوہر ہی بنا دوں گا۔" فریدی بولا۔

"آپ ہی کر ڈالئے اپنی شادی۔"

"میری شادی سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔"

"فائدہ مجھے ہی تو پہنچے گا۔" حمید اپنی ایک آنکھ دبا کر پھوہڑپن کے ساتھ ہنسا۔

"لونڈے ہو۔"

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"کیلاش ہوٹل....!"

"یہ کہاں ہے؟ میرے خیال سے کوئی اچھا ہوٹل نہ ہو گا۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ ایک گھٹیا سا ہوٹل ہے اور بار بھی ہے۔ درجن اس وقت وہیں مل سکے گا۔"

"تو کیا آپ درجن سے واقف ہیں؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"کیوں نہیں۔ میں اُسکی سات پشتوں سے واقف ہوں۔ کئی بار کا سزایافتہ ہے۔ اکثر اپنا نام بدلتا رہتا ہے۔ اب سے تین سال قبل جگدیش چترکار کے نام سے مشہور تھا۔ وہ بڑا اچھا مصور بھی ہے۔"

"مگر رمیش نے تو مجھے بتایا تھا کہ وہ سیٹھ جھکو مل کو لڑکیاں سپلائی کرتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"سبھی کچھ کرتا ہے۔"

کیڈی لاک ایک تنگ و تاریک گلی کے سامنے رک گئی۔

"تم یہیں بیٹھو۔" فریدی نے کہا۔ "درجن تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہے۔"

"میں یہاں جھک نہیں ماروں گا۔"

"بیٹھو بیٹے خاں۔" فریدی اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اس ہوٹل میں لڑکیاں نہیں ہیں۔"

حمید پائپ سلگا کر بھنبھنانے لگا۔

گلی بہت زیادہ تاریک تھی۔ اگر فریدی کے پاس ٹارچ نہ ہوتی تو ایک قدم بھی چلنا دشوار ہو جاتا۔ تقریباً سو گز چلنے کے بعد تھوڑی سی جگہ میں روشنی کا ایک دھبہ سا دکھائی دیا۔ شاید یہ روشنی کسی عمارت کے کھلے ہوئے دروازے سے آ رہی تھی۔

فریدی دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اندر مختلف قسم کے تمباکوؤں کے دھوئیں ا سستی شرابوں کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ کمرہ کافی کشادہ تھا۔ تقریباً ڈیڑھ درجن میزیں ضرور ر ہوں گی۔ داہنی طرف کاؤنٹر تھا۔ جس پر ایک پستہ قد اور مضبوط جسم والا بارٹنڈر کھڑا شیشے ک جگ میں بیئر انڈیل رہا تھا۔

فریدی پر نظر پڑتے ہی جگ والا ہاتھ کانپنے لگا۔ اُس نے مجمع پر ایک گھبرائی ہوئی سی نظ دوڑائی اور جگ ہاتھ سے رکھ کر بڑے سعادتمندانہ انداز میں فریدی کو سلام کیا۔

فریدی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور سیدھا اُس کے پاس چلا گیا۔

"میں یہاں ایک ضرورت سے آیا ہوں۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "اپنا کام جاری رکھو تمہارے لئے کوئی پریشانی کی بات نہیں۔"

بارٹنڈر معنی خیز انداز میں سر ہلا کر پھر جگ میں شراب انڈیلنے لگا۔

فریدی درجن کو پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ وہ ایک میز پر بیٹھا شطرنج کھیلنے میں مشغول تھا۔ میز پ شراب کی بوتل اور دو گلاس بھی تھے۔ فریدی اُس کی پشت والی ایک میز پر جم گیا۔

"لم ڈھگ ڈھگ....!" درجن نے اپنا کوئی مہرہ بڑھایا۔

"لم ڈھگ ڈھگ.... شہہ بچو.... تمہاری ماں کی آنکھ۔" درجن بڑبڑایا۔

"شہہ کی ماں کی آنکھ....!" اُس کا ساتھی چال چل کر بولا۔ "فرزیں بچاؤ۔ لم ڈھگ ڈھگ....!"

"لم ڈھگ ڈھگ کی ماں کی آنکھ۔ فرزیں بچا۔ بچایا ہے۔ یہ لے بیٹا.... بیٹا کی ماں کی آنکھ۔"

فریدی کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا پھر اٹھ کر کاؤنٹر پر چلا آیا۔

"یہ یہاں کس وقت سے بیٹھا ہوا ہے۔" اُس نے بارٹنڈر سے پوچھا۔

"کون....؟"

"درجن....!"

"درجن.... میں نہیں جانتا وہ کون ہے۔"

فریدی نے درجن کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ! جگدلیش چتر کار۔" بارٹنڈر نے کہا۔ "شاید ساڑھے چھ بجے سے۔"

"یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو؟"

"جی ہاں۔ میں اس پر خاص طور سے نظر رکھتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"ہلڑ بہت مچاتا ہے اور اکثر لوگوں سے لڑ بھی بیٹھتا ہے۔"

فریدی کچھ اور بھی پوچھنے والا تھا کہ ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ پہلے اُس نے اِدھر اُدھر ں دوڑائیں اور پھر سیدھا درجن کی طرف چلا گیا۔ اُس نے جھک کر درجن سے کچھ کہا اور ن اپنے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ لیے ہوئے کھڑا ہو گیا.... اچانک اُس کی نظر ری پر پڑی اور اُس کا موڈ یک لخت بگڑ گیا۔

وہ آنے والے پر بُری طرح گرجنے لگا تھا۔ "کس نے پوچھا تھا تم سے.... تم کون ہوتے ہو ل دینے والے۔ پتہ نہیں کیا مزہ آتا ہے سالوں کو۔ اب ہم دونوں کھیل رہے ہیں تم چال نے والے کون۔"

آنے والا گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اور درجن پھر بیٹھ کر کھیل میں مشغول ہو گیا۔

"دیکھ لیا آپ نے؟" بارٹنڈر نے فریدی سے کہا۔

"ہوں....!" فریدی کی نظریں نئے آنے والے پر جمی ہوئی تھیں جو اب بھی اُسی جگہ کھڑا جن کو گھور رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں ندامت یا غصے کی بجائے حیرت تھی۔

"تم اُس سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے۔" فریدی بارٹنڈر کی طرف مڑا۔

"نہیں صاحب.... ایسا ہو سکتا ہے۔"

نیا آنے والا باہر جا رہا تھا۔ اس کے بعد ہی فریدی نے بھی ہوٹل چھوڑ دیا۔ حمید کیڈی لاک ں پڑا اونگھ رہا تھا۔ فریدی کے جھنجھوڑنے پر سیدھا ہو گیا۔

"آ گئی....؟" وہ بوکھلا کر بولا۔

"کیا بکتے ہو۔"

"لاحول ولا قوۃ.... آپ ہیں۔"

"چلو اُترو جلدی.... تمہیں اُس آدمی کا تعاقب کرنا ہے۔"

"کہاں.... اوہ.... اچھا میں اُس کا قیمہ کر دوں گا تاکہ پھر کبھی تعاقب نہ کرنا پڑے۔ سالی

زندگی ہے یا مصیبت۔ ادھر بھاگو.... اُدھر جاؤ۔ تعاقب.... گولی.... مار دھاڑ.... اپنی
بھی ناڈیا کی کوئی فلم بن کر رہ گئی ہے۔ کاش آپ ہنٹر والی ہی ہوتے۔"

ایک حماقت

سرجنٹ حمید تھوڑی دیر تک تو اُس کا تعاقب بڑے ٹھنڈے دماغ سے کرتا رہا پھر اچانک کے اسکرو ڈھیلے ہونے لگے۔ جھنجھلاہٹ میں وہ ہمیشہ اپنی کھوپڑی کی حدود سے تجاوز کر کے شیخ چلی ہو جاتا تھا۔ پہلے اُس نے سمجھا تھا کہ اگر اس نامعلوم آدمی کو دور جانا ہوگا تو کم از کم ضرور کرے گا کیونکہ اُس کی ظاہری وضع یہی ثابت کر رہی تھی کہ وہ کوئی متمول آدمی بہر حال حمید کو مایوسی ہی ہوئی کیونکہ وہ تقریباً ایک میل پیدل چلنے کے بعد بھی پیدل ہی چلتا

"اچھا بیٹا میں تو پیدل نہیں چل سکتا۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اور تمہیں بھی ٹیکسی لے جاؤں گا۔"

کچھ دیر بعد وہ ایک ویران سڑک پر آ گئے جس کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے معمولی قسم کے مکانات تھے۔ حمید نے جھک کر پتھر کا ایک نوکیلا سا ٹکڑا اٹھایا۔

آگے چلنے والے کے سر پر ہیٹ نہیں تھی اس لئے پتھر کا وہ ٹکڑا غیر معمولی طور پر کار آ ثابت ہوا۔ اُس کے منہ سے صرف ایک بے ساختہ قسم کی چیخ نکل سکی اور بس۔

حمید شور مچاتا ہوا اُس کے پیچھے دوڑا اور قرب و جوار کے مکانات کی کھڑکیاں کھلنے لگیں۔ تھوڑے دیر میں خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔ چوٹ کھانے والا بے ہوش ہو گیا تھا۔ حمید کو پھر تا آ گیا۔ لیکن اس بار وہ اپنے مقدر کو کوس رہا تھا۔ اُس نے تو دراصل یہ سوچا تھا کہ وہ چوٹ کھا صرف اس حد تک بے کار ہو جائے گا کہ حمید کو اُسے سہارا دے کر دوسری سڑک پر لے جانا پڑ گا جہاں وہ ایک ٹیکسی کر کے اُسے اس کے ٹھکانے پر پہنچا دے گا۔ اس طرح اُسے پیدل چلنے نجات بھی ملے گی اور اُس کی جائے رہائش کا پتہ بھی معلوم ہو جائے گا۔

لوگ اُس سے حادثے کے متعلق پوچھنے لگے تھے۔

"میں ذرا فاصلے پر تھا۔" اُس نے بے دلی سے کہا۔ "دفعتاً میں نے اس کی چیخ سنی اور بھاگ کر

یہاں پہنچا تو یہ....!"

"ہسپتال لے چلو۔" کسی نے کہا۔

"لیکن یہ چوٹ کیسے آئی؟" دوسرا بولا۔ پھر اُس نے حمید سے پوچھا۔ "کوئی تیسرا آدمی بھی تھا؟"

"ممکن ہے رہا ہو۔ میں نے دیکھا نہیں۔" حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھ رہی تھی۔

دفعتاً کچھ دور پر کسی کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی دکھائی دی۔

"چلو یہ بھی اچھا ہوا۔" ایک بولا۔

دو تین آدمیوں نے ہاتھ اٹھا کر کار رکوائی لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید کو مجمعے میں چھپنا پڑا۔ کیونکہ کار سے اترنے والا درجن تھا۔ لوگ اُس سے زخمی کو کسی ہسپتال تک پہنچا دینے کی استدعا کر رہے تھے۔ درجن نے ٹارچ کی روشنی میں بے ہوش آدمی کا چہرہ دیکھا اور پھر حمید کو خود درجن کے چہرے پر ایسے آثار دکھائی دیئے جیسے وہ اُس آدمی کو پہچانتا ہو۔

اُس نے دو تین آدمیوں کی مدد سے اُسکو کار میں ڈالا اور کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ الٹ گیا ہو۔ سر نیچے اور ٹانگیں اوپر.... لیکن کرتا کیا۔ اُس سے یہ حرکت اُسی طرح سرزد ہوئی تھی جیسے کسی بچے کے ہاتھوں نادانستگی میں بندوق چل گئی ہو۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ مجمع آہستہ آہستہ صاف ہو رہا تھا۔ پھر ایک دوسری کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اُس کے قریب سے گذر گئی۔ حمید نے اندھیرا ہونے کے باوجود بھی اُسے پہچان لیا۔ یہ فریدی کی کیڈی لاک تھی۔

حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ شاید فریدی درجن کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور مدھم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا ایک گلی سے گذر کر دوسری سڑک پر نکل آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چلو جان بچی۔ فریدی سے کوئی خوب صورت سا جھوٹ بول دیا جائے گا۔ کئی گھنٹوں کی کوفت سے نجات ملی تھی۔ موسم ذرا خوشگوار تھا۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ تھوڑی سی بیئر ہی پی جائے۔ کم از کم ذہنی تھکن تو رفع ہی ہو جائے گی۔ کیفے ڈی کورسیکا سامنے ہی تھا۔ اُسے قائم ہوئے زیادہ دن نہیں گذرے تھے اور حمید اُس کی تعریف بھی سن چکا تھا۔ لیکن ابھی تک وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اُس نے یہ بھی سنا تھا کہ وہاں کی کاؤنٹر کلرک ایک خوبصورت سی لڑکی ہے۔

کیفے میں بہت زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ صرف چند خوش پوش جوڑے نظر آ رہے تھے۔ ... نے کاؤنٹر کی طرف دیکھا اور باچھیں کھل گئیں۔ کیونکہ وہ کاؤنٹر کلرک جس کی تعریفیں ... تھا اُس کے لئے اجنبی نہیں تھی۔ یہ وہی لڑکی کنول تھی جس سے مسٹر کیو والے کیس ... دوران میں ملاقات ہوئی تھی۔ حمید بڑی شان سے ٹہلتا ہوا کاؤنٹر تک گیا۔ کنول سر جھکائے ... لکھ رہی تھی۔

"اتنی مشغولیت.....!" حمید آہستہ سے بولا اور کنول چونک پڑی۔

"اوہو..... تم ہو۔" کنول ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ اُس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی تھی اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"بڑی بے مروت نکلیں۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ لئے۔

"ہوں! بتاتی ہوں ابھی۔" کنول نے کہا اور ایک ویٹر کو آواز دے کر کرسی لانے کو کہا۔

"بتاؤ گی کیا..... اگر مل نہیں سکتی تھیں تو کم از کم فون ہی پر اپنا پتہ تو بتا سکتی تھیں۔"

"بیٹھو.....!" کنول نے قلم ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "اِدھر کیسے نکل آئے۔"

"چلا جاؤں۔"

"ارر..... [illegible] مطلب یہ نہیں۔"

"آج کل [illegible] نکھری ہوئی ہو۔"

"شاید آج کوئی نہیں ملی۔" کنول نے مسکرا کر کہا۔

"لڑنے کا ارادہ ہے؟" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم مجھے اتنا آوارہ کیوں سمجھتی ہو۔"

"آوارہ نہیں بلکہ عورت خور۔"

"شکریہ۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر اٹھتا ہوا بولا۔ "دوبارہ ملنے کی جرأت نہ کروں گا۔"

"ارے ارے بیٹھو۔ تم آج کل اتنے چڑچڑے کیوں ہو رہے ہو۔"

"ہر بدنصیب آدمی چڑچڑا ہوتا ہے۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔ "میرا مقدر اُس وقت لکھا گیا تھا جب اُلوؤں، خچروں اور گدھوں کی تقدیر کا مسئلہ در پیش تھا۔"

"آخر بات کیا ہے؟" کنول نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"پھر شادی ہوتے ہوتے رہ گئی۔" حمید گلوگیر آواز میں بولا اور کنول کو ہنسی آ گئی۔

"میں سمجھی تھی شاید پھر بادشاہ بنتے بنتے رہ گئے۔" کنول نے کہا۔ "تمہارا وہ لطیفہ؎ بھی مجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔"

"میں کچھ پینا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"ٹھنڈا پانی.....؟" کنول نے مسکرا کر پوچھا۔

"کوئی تیز قسم کی شراب.....!"

"شراب؟ یہ تم کب سے پینے لگے۔"

"میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اب دیوداس ہی بن کر زندہ رہ سکتا ہوں۔" حمید آہ بھر کر بولا۔

"چلو فضول باتیں مت کرو۔ کافی پیؤ گے؟"

"کافی سے بھی زیادہ۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "تمہیں یہاں سے چھٹی کب ملتی ہے؟"

"اس وقت میری ڈیوٹی نہیں تھی لیکن دوسرا کلرک ایک گھنٹہ کی چھٹی لے کر گیا تھا اب تک واپس نہیں آیا۔"

حمید چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔ اُس کا ذہن پھر کچھ دیر پہلے کی حماقت کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ آخر فریدی کو کیا جواب دے گا۔ اور اب اپنی وہ حرکت اُسے بھی مضحکہ خیز معلوم ہو رہی تھی۔ حمید سوچتا رہا۔ کنول اُس کے چہرے پر تفکر کے آثار دیکھ کر بولی۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔ آج تم بہت بجھے بجھے سے نظر آ رہے ہو؟"

"اوں.....!" حمید چونک پڑا۔ "کوئی خاص بات نہیں۔"

پھر اُس نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر آہستہ سے کہا۔ "وہسکی اور سوڈا پٹیالہ پیگ۔"

"کیا واقعی؟" کنول حیرت سے بولی۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم ایک سوسائٹی گرل ہو کر اس قسم کے سوالات کرتی ہو۔"

"کیوں؟" کنول تنک کر بولی۔ "ضروری نہیں کہ میں بھی بُری چیزوں کو اچھی سمجھوں۔"

"ختم کرو۔" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "میں بھی عادی نہیں۔ کبھی کبھی غم غلط کرنے کے لئے پی لیتا ہوں۔"

"اور فریدی صاحب؟" کنول نے پوچھا۔

؎ جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "لاشوں کا آبشار" جلد نمبر 9 ملاحظہ فرمائیے۔

"میرے شیر کو کوئی غم ہی نہیں، غلط کیا کرے گا۔ پتھر ہے وہ شخص کسی ریگستان کی طرح۔"

"میں ایسے آدمیوں کی بہت عزت کرتی ہوں۔"

"وہ ہوتے ہی اسی لئے ہیں کہ اُن کی عزت کی جائے۔" حمید بولا۔

ویٹر نے گلاس لا کر رکھ دیا۔

"یہاں کاؤنٹر پر نہیں۔" کنول نے کہا۔ "وہیں جاؤ۔"

حمید گلاس لے کر ایک خالی میز پر چلا آیا۔ دو ہی تین گھونٹوں کے بعد کنپٹیاں گرم ہو گئیں پھر گلاس ختم ہونے سے قبل ہی اُس نے ویٹر کو بلا کر دوسرے پیگ کا آرڈر دے دیا۔

بہر حال اُسے تیسرا پیگ زمین سے اٹھا کر آسمان پر لے گیا اور وہ اچھل اچھل کر ستارے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے ہنسی آگئی۔ نشے کی لہر نے اُسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ بجلی کے قمقموں کو ستارے سمجھ بیٹھنا غیر شاعرانہ بات تو نہیں تھی لیکن ہال میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ ہنسنے لگے تھے اور کنول بھی جھنجھلا اٹھی تھی۔ حمید اپنی جگہ سے اٹھ کر کاؤنٹر پر آیا۔ شراب کی قیمت ادا کر دینے کے بعد آہستہ سے بولا۔

"اچھا.... میری جان! اب میں حج کرنے جا رہا ہوں۔"

"بڑے فضول آدمی ہو۔" کنول ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"ہاہا.... فاضل کی جمع فضول.... ہاہا....!"

"تم جب نشے میں اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتے تو پیتے ہی کیوں ہو؟"

"کیا؟ میری توہین کر رہی ہو.... ہمپ....!"

"کیا تم اس حالت میں گھر پہنچ جاؤ گے؟"

تھوڑی دیر تک دونوں میں تکرار ہوتی رہی۔ حمید کہہ رہا تھا کہ پیدل جاؤں گا لیکن کنول ٹیکسی کے لئے مصر تھی۔ آخر اُس نے دو ویٹروں کی مدد سے حمید کو ایک ٹیکسی میں لاد دیا۔

"کہاں چلوں؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"جہاں.... جی چاہے۔" حمید جھوم کر بولا۔

"سومرسٹ اسٹریٹ....!" کنول نے کہا۔

"نائیں.... سومرسٹ ماآم.... ریزرس ایج.... مجھے نروان کے راستے پر لے چلو۔

پاپلیاں.... فل فلوٹیاں۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ نشہ بھی گہرا ہوتا گیا اور پھر اُسے اپنی کچھ دیر قبل والی حماقت بھی یاد آنے لگی.... زخم.... پتہ نہیں کتنا گہرا ہو۔ ممکن ہے وہ کوئی شریف آدمی رہا ہو.... اُس کی بیوی.... اُس کے بچے.... بچوں کی نانی.... بوڑھی نانی.... بے چاری.... اُس پر حمید کو خود اپنی نانی یاد آگئی اور اُس کے منہ سے ایسی آواز نکلی جیسے وہ چیخ چیخ کر رونے کی خواہش کو دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"بھائی ڈرائیور....!" اُس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"جی صاحب....!"

"بھائی ڈرائیور! اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

"جی صاحب۔"

"بھائی ڈرائیور مجھے جہنم میں لے چلو.... میں بڑا گنہگار ہوں۔"

ڈرائیور کچھ نہ بولا۔ حمید نے اُسے پھر پکارا۔

"جی صاحب۔"

"تمہاری کتنی بیویاں ہیں؟"

"پانچ....!" ڈرائیور ہنس کر بولا۔

"اور تم ہنستے ہو.... ہائیں.... یعنی خوش ہو.... پانچ بیویاں.... میرے ایک بھی نہیں ہے اور میں خوش نہیں ہوں.... تم پانچ رکھ کر بھی خوش ہو۔"

"تو پھر لے چلوں صاحب۔" ڈرائیور نے پوچھا۔

"کہاں؟"

"جہاں بیویاں ملتی ہیں.... پانچ.... دس.... پندرہ....!"

"پندرہ....!" حمید پُر مسرت لہجے میں چیخا۔ "پیارے ڈرائیور بلکہ ڈرائیور صاحب بہادر.... تم پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں ضرور لے چلو۔"

ڈرائیور نے ٹیکسی شہر کے چکلے کی طرف موڑ دی۔

اور یہ بھی ایک دلچسپ اتفاق تھا کہ ٹھیک اُسی وقت فریدی کی کیڈی لاک بھی اُسی بالا خانے

کے نیچے پہنچ گئی جہاں حمید لے جایا جارہا تھا۔ فریدی خاموشی اور حیرت سے حمید کو ڈرائیو لیتے ہوئے اوپر جاتے دیکھتا رہا۔

کیا حمید واقعی اتنا ہی ذہین اور کار آمد ہو سکتا ہے؟ وہ سوچتا رہا جس بات کا سراغ اُ بعد ملا تھا کیا حمید نے اُسے اتنی جلدی معلوم کر لیا؟

اُس نے سوچا کہ اب اُس کا اوپر جانا فضول ہے۔ حمید بہتیری کام کی باتیں معلوم کر آئے گا۔ لیکن ایک سوال اُس کے ذہن میں پیدا ہوا.... اُس نے تو اُسے ایک آدمی کا تع کرنے کے لئے کہا تھا اور پھر اُس نے اُسی آدمی کو ورجن کی قیام گاہ پر زخمی حالت میں دیک فریدی چند لمحے اُس معاملے پر غور کرتا رہا۔ پھر سر کی ایک خفیف سی جنبش کے ساتھ اسٹارٹ کردی۔ وہ دراصل کئی دنوں سے رمیش والے معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن اُ یہ بات حمید پر ظاہر نہیں کی تھی اور پھر اُسی اسٹوڈیو میں رونما ہونے والے دوسرے حادثے اُس کی تمام تر توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی۔

اگر حمید کو ذرہ برابر بھی احساس ہو گیا ہوتا کہ فریدی نے اُسے کسی طوائف کے کو چڑھتے دیکھ لیا ہے تو اُس کا ہارٹ فیل ہو جانے میں کوئی کسر نہ رہ جاتی۔

ڈرائیور نے اُس سے دوگنے دام وصول کئے اور اپنی راہ لی۔

دوسرے لمحے میں چار عدد نوجوان طوائفیں حمید کو گھیرے ہوئے تھیں۔ حمید نے طرح اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ لیا جیسے اُسے کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو۔

"ایک.... دو.... تین.... چار....!" اُس نے اُن چاروں کو گن کر بلند آواز میں لگائی۔ "ہائیں پیارے ڈرائیور صاحب.... یہ تو چار ہی ہیں۔"

"تشریف رکھئے۔" ایک بولی۔

"نہیں رکھتے تشریف و شریف.... پندرہ.... پندرہ....!"

"ہائیں! تم پندرہ نہیں جانتیں.... پندرہ.... ففٹین! یعنی پندرہ عدد۔"

"آپ بیٹھئے تو.... اکیلے اکیلے پی آئے۔" ایک شوخ قسم کی طوائف نے حمید کا ہاتھ بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہاتھ چھوڑو میرا۔" حمید منمنایا۔ "میں بڑا مذہبی آدمی ہوں.... تم نامحرم ہو۔ استغفر

"اور پیو گے؟" ایک اُس کا سر سہلا کر بولی۔

"اب کیا پئیں گے۔" دوسری نے کہا۔ "بہت کمزور معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "ارے ہے کوئی۔" اُس نے شہنشاہوں کی طرح تالی بجائی۔ پھر جیب سے پرس نکال کر ایک ہرا نوٹ کھینچا اور اکڑ کر کہنے لگا۔ "منگاؤ.... جتنی دل چاہے منگاؤ.... جانتی ہو میں کون ہوں.... مگر نہیں یہ راز کی بات ہے.... ہرگز نہ بتاؤں گا کہ میں سرجنٹ حمید ہوں۔"

"نہیں پیارے تم راجہ اندر ہو۔" سر سہلانے والی نے سو کا نوٹ اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہاہا.... تم غلط سمجھیں.... میں ہندو نہیں.... برادرانِ اسلام ہوں.... ہاہا.... زندہ باد۔"

انہوں نے بمشکل تمام اُسے کھینچ کھانچ کر بٹھا دیا۔ ورنہ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ برادرانِ اسلام کو مخاطب کر کے ایک تقریر کر ڈالے۔

"کیا اس شہر میں نئے آئے ہو؟" ایک نے حمید سے پوچھا۔ یہ اب تک بالکل خاموش رہی تھی۔

حمید یک لخت اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نشے میں بھی اُسے اُس کی آواز کچھ جانی پہچانی سی محسوس ہوئی اور پھر جب اُس نے اُس کے خدوخال پر غور کیا تو ایک دوسرا چہرہ یاد آیا۔ شلی کا چہرہ.... لیکن وہ شلی نہیں تھی۔ ویسے اُس کے چہرے میں کوئی چیز ایسی ضرور تھی جو اُسے شلی کی یاد دلا رہی تھی اور آواز تو بالکل ویسی ہی تھی۔

"کیا پوچھا تھا تم نے؟" حمید نے اُسے چند لمحے غور سے دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔

"کیا تم اس شہر میں اجنبی ہو؟"

"اجنبی.... میں اس شہر کا راجہ ہوں.... ہی! ارے منگاؤ نا.... نشہ اکھڑ رہا ہے۔"

"آتی ہے پیارے۔" سر سہلانے والی نے اس بار اُس کے گال بھی سہلا دیئے.... پھر اُس نے ایک طوائف کو اشارہ کیا.... وہ اندر چلی گئی۔

"مجھ سے کہا گیا تھا کہ تم پندرہ ہو۔" حمید بولا۔

"ہم میں سے ہر ایک پندرہ ہے۔" سر سہلانے والی نے کہا۔

حمید کچھ دیر تک اُس کے جملے پر غور کرتا رہا۔ پھر یک بیک چیخ اٹھا۔ "ارے باپ! فلسفہ.... تم تو فلسفہ بولنے لگیں.... معلوم ہوتا ہے بور کرو گی.... ارے بابا۔ میں کوئی ادیب ودیب نہیں

ہوں.... اور نہ یہاں عبرت پکڑنے آیا ہوں۔"

اتنے میں شراب آگئی۔ وہ طوائف شاید اسی لئے اندر گئی تھی۔ واپسی پر اُس کے ہاتھ میں دیسی شراب کا ایک گلاس تھا۔ حمید نے بڑی بے صبری سے گلاس پر جھپٹا مارا۔ لیکن ہونٹوں کے قریب لے جاتے ہی اُس کا منہ بگڑ گیا۔

"یہ کون سی ہے بھئی؟"

"وہسکی ہے پیارے۔" سر سہلانے والی نے کہا۔

"کون سی وہسکی....؟"

"بلیک ڈنکی....!" اُس نے جواب دیا۔ "وہائٹ ہارس کے مقابلے کی چیز۔"

حمید نے قہقہہ لگایا۔ "مری گڑیا۔ تم بہت ذہین معلوم ہوتی ہو۔"

پھر اُس نے جلد ہی گلاس خالی کر کے اپنا سینہ پیٹنا اور حلق مسلنا شروع کر دیا۔

"کچھ کھاؤ گے؟" ایک نے پوچھا۔

"اب پوچھتی ہو۔ جب کلیجے کی دھجیاں.... اڑ.... ہچ.... گئیں.... ہچ....!"

"چڑھ گئی؟"

"پتہ نہیں.... ہچ.... ہچ.... کسی قاضی.... ہچ.... قاضی کو بلاؤ۔"

"قاضی! بھلا قاضی کو کیوں؟"

"میں تم.... ہچ.... آروں.... چاروں.... کو نک ہچ.... نکاح میں لانا.... ہچاہتا ہوں"

چاروں نے قہقہہ لگایا۔ حمید بھی ہنسنے لگا۔

"گانا سنو گے؟" ایک نے پوچھا۔

"ضرور سناؤں گا۔ کون سا سنو گی؟.... ہچ....!"

"جو دل چاہے۔" سر سہلانے والی اس بار اُس کے دونوں کان سہلا کر بولی۔

حمید نے فلٹ ہیٹ اس طرح چہرے پر جھکا لی جیسے گھونگھٹ نکالا ہو۔

"مارے نجریا..!" اُس نے لچک کر ہانک لگائی۔ "سنو ریا رے کاہے مارے بخاریا... مارے بجریا"

اور پھر اُس نے اس قدر ہلڑ مچایا کہ چاروں تنگ آگئیں۔

اسی دوران میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ایک نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور

حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔ سامنے فریدی کھڑا اُسے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ پہلے تو حمید کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا.... لیکن.... پھر یقین کرنا ہی پڑا۔

ایک خط

حمید آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔ فریدی اُن چاروں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"ہم خالی نہیں۔" اُن میں سے ایک نے فریدی سے کہا۔

"خالی نہیں۔" حمید بڑبڑایا۔ "سب حلق تک بھری ہوئی ہیں۔"

"تم میں سے شلی کی بہن کون ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں؟ آپ کون ہیں؟"

"پولیس....!"

"کیوں....؟ یہاں.... کوئی.... آپ کسے پوچھ رہے ہیں؟"

"شلی کی بہن۔" حمید نے ہانک لگائی۔ "ہا.... یہ ہے شلی کی بہن۔"

حمید نے اُس کی طرف اشارہ کیا جسے دیکھ کر اُسے شلی یاد آگئی تھی۔ چاروں حیرت سے اُسے دیکھنے لگیں۔

"شلی کہاں ہے؟" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"میں نہیں جانتی کہ آپ کس کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

"کیا تم میں سے کوئی اسے پہچان سکتی ہے؟" فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

وہ تصویر پر جھک پڑیں۔

"ہاں.... یہ تو اُسی کی بہن ہے۔" ایک نے کہا۔

"کیا نام ہے تمہارا....؟" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"کملا....!"

"اور اس کا....!" فریدی نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

"بملا....!"

"شلی نہیں؟"

"جی نہیں۔"

"یہ کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں....!"

"مجھ سے سنئے۔" وہ بولی جس نے حمید سے سو روپے کا نوٹ اینٹھا تھا۔ "بملا کو ایک گاہک سے عشق ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ اُس کے ساتھ چلی گئی.... دو ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"اُس گاہک سے واقف ہو....!"

"نہیں....!"

"نام تو جانتی ہی ہوگی؟"

"جی نہیں....!"

فریدی نے کچھ اور تصویریں نکالیں۔

"اسے پہچانتی ہو؟"

"نہیں....!"

اُس نے یکے بعد دیگرے کئی تصویریں دکھائیں لیکن اُن میں سے کوئی کسی کو بھی نہ پہچان سکی۔

حمید بھی قریب آگیا تھا۔ اُس کے منہ سے دیسی شراب کے بدبودار بھبکے نکل رہے تھے۔ فریدی نے اُسے پیچھے دھکیل دیا۔ اور وہ توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر دیوار سے جا ٹکرایا۔

چاروں طوائفیں کانپنے لگیں۔

"کیا تم دونوں کو کچھ آدمی کہیں سے اغواء کر لائے تھے؟" فریدی نے شلی کی بہن سے پوچھا۔

"نہیں تو....!"

"یعنی تم دونوں شروع سے یہی پیشہ کرتی رہی ہو؟"

"جی ہاں۔"

"تمہارے والدین....؟"

"ٹھہریئے جناب۔" حمید سے نوٹ اینٹھنے والی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "آپ شاید یہ بھول رہے

ہیں کہ ہم کسبیاں ہیں۔"

"مطلب....؟" فریدی اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"والدین صرف شریفوں میں پائے جاتے ہیں۔" وہ بڑے تلخ لہجے میں بولی۔

"ہائیں.... تم نے پھر فلسفہ شروع کر دیا۔" حمید زور سے بڑبڑایا جو دیوار سے اس طرح چپکا ہوا کھڑا تھا جیسے وہ اُسے فریدی کی باز پرس سے بچا لے گی۔

"اُس شخص کا حلیہ بتا سکتی ہو جو شلی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"حلیہ....!" شلی کی بہن اپنے ذہن پر زور دینے لگی۔ "اچھا خاصا.... آدمی تھا۔ سنجیدہ.... شریف.... حسین.... ماتھا چوڑا تھا.... ناک لمبی جس کی نوک اوپری ہونٹ پر جھکی ہوئی تھی۔ آنکھیں بڑی اور چمکیلی ہونٹ بہت پتلے اور سرخ تھے۔ ٹھوڑی نوکیلی تھی۔"

"اُس کے پیشے کے متعلق بھی کچھ نہیں بتا سکتیں؟"

"نہیں.... وہ ہمیشہ خاموش رہتا تھا۔ آتا.... چپ چاپ بیٹھا رہتا اور جیب میں جو کچھ بھی ہوتا نکال کر فرش پر ڈال جاتا تھا۔"

"بڑی رقمیں....؟" فریدی نے سوال کیا۔

"جی ہاں۔ دو ڈھائی سو سے کم کبھی نہیں ملا۔"

"اور صرف شلی ہی اُس پر عاشق ہوئی؟"

"آخر بات کیا ہے؟" وہی بولی جس نے حمید کے کان سہلائے تھے۔

"بڑی خاص بات جو بتائی نہیں جا سکتی۔" حمید نے ہانک لگائی۔

"تم خاموش رہو گے یا نیچے پھینک دوں۔" فریدی غرایا۔

حمید سہم کر دیوار سے چپک گیا۔

"بات یہ ہے کہ شلی ایک جرم کے سلسلے میں پولیس کی نظروں میں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جرم....!" شلی کی بہن کانپ گئی۔ "کیسا جرم....؟"

"یہ نہیں بتایا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "کیا تمہارے یہاں کبھی ایسے لوگ بھی آتے ہیں جن کا تعلق فلمی دنیا سے ہو؟"

"کتنے ہی آتے جاتے رہے ہیں۔"

"اُن میں کوئی خاص آدمی۔"

"اگر کوئی آیا بھی ہوگا تو اُس نے ہم پر یہ نہ ظاہر کیا ہوگا کہ وہ خاص ہے یا عام۔"

"ہوں... اچھا... ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوتوالی طلب کیا جائے۔ یہاں اس شہر میں اُس وقت تک تمہاری موجودگی ضروری ہے جب تک پولیس تم پر سے نقل و حرکت کی پابندی نہ ہٹالے۔"

وہ چاروں خوفزدہ نظر آنے لگی تھیں۔ اب فریدی نے حمید کی گردن پکڑی۔

"معاذ اللہ۔" حمید کانپ کر بولا۔ "گر گر گردن ٹوٹی۔"

فریدی نے اُسے دروازے کی طرف دھکا دیا۔

اُن چاروں کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی۔

"ذرا ٹھہریئے۔" سر سہلانے والی آہستہ سے بولی۔ فریدی حمید کی گردن تھامے ہوئے مڑا

"کیا یہ آپ کے ساتھ....؟"

"ہاں! یہ میرا ساتھی ہے۔"

طوائف نے بلاؤز کے گریبان سے نوٹ نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"کیوں؟"

"یہ ان کا ہے۔"

"اوہ سمجھا۔" فریدی نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کچھ سوچا پھر مسکرا کر بولا "رکھو.... اور یہی نہیں۔"

اُس کا ہاتھ حمید کے کوٹ کی اندرونی جیب کی طرف گیا۔

"یہ بھی لو۔" اُس نے حمید کا پرس بھی طوائف کی طرف بڑھا دیا اور یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ اس میں اور کتنے روپے ہیں۔ "رکھو.... رکھو.... یہ بڑا مالدار آدمی ہے۔"

"نہیں.... غلط.... غلط.... ظلم....!" حمید منہ اوپر اٹھا کر بڑبڑایا۔

"شٹ اپ....!"

طوائف ہچکچا رہی تھی۔ فریدی نے پرس زمین پر ڈال دیا۔ پھر اُس نے حمید کی کلائی سے گھڑی کھولی۔ ٹائی کا بیش قیمت پن نکالا۔ انگشتریاں اتاریں اور انہیں بھی فرش پر ڈال دیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ سردیوں کا زمانہ ہے۔ ورنہ میں اس کے کپڑے تک اتروا دیتا۔" فریدی

نے کہا اور انہیں حیرت زدہ چھوڑ کر حمید کو دھکے دیتا ہوا نیچے اترنے لگا۔

"لٹ گئی دنیا میری.... او دنیا بنانے والے۔"

"خاموش رہو ورنہ مار ہی ڈالوں گا۔" فریدی نے ڈانٹا۔

"نہیں گائیں گے جناب۔" حمید رو پڑا۔ "میرے ہاتھ میں پتھر نہیں.... ورنہ.... آپ کو بھی گھر پہنچا دیتا۔"

فریدی خاموش رہا۔ حمید تھوڑی دیر تک روتا رہا۔ پھر ہنسنے لگا۔

"ہاہا.... شلی کی بہن بلی.... انسپکٹر فریدی.... ہاہاہا.... کہاں سے خریدی....؟"

"خاموش رہو.... ورنہ منہ میں رومال ٹھونس دوں گا۔" فریدی بولا۔

"کیا رومال ٹھونسو گے؟ آؤ ٹھونسو.... گولی مار دوں گا۔ گردن مروڑ دوں گا۔"

"ضرور.... ضرور.... رات بھر ٹھنڈے پانی کے ٹب میں غوطے دوں گا۔"

"ہاہا....!" حمید نے پھر قہقہہ لگایا۔ "کون ہے جو مجھ سے ناکیں ملا سکے.... ہاہا.... انسپکٹر فریدی.... انسپکٹر خریدی.... انسپکٹر ندیدی.... انس....!"

گھر پہنچ کر فریدی نے اُسے تھوڑی سی سزا دینی چاہی لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔

دوسرے دن حمید شرمندگی کی وجہ سے اُس کے سامنے نہیں آیا۔

پچھلی رات کے دھندلے دھندلے واقعات اب بھی اُس کے ذہن میں تھے۔ اُسے یاد تھا کہ فریدی نے اُسے لوٹ کھسوٹ کر تقریباً ڈیڑھ ہزار کی مالیت کی چیزیں طوائفوں کے حوالے کر دی تھیں۔ پرس، انگشتریاں جن میں قیمتی پتھر تھے۔ گھڑی اور ٹائی کا پن.... اُسے سب کچھ یاد تھا لیکن اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ فریدی سے آنکھیں چار کر سکتا اور خود اُس کا ضمیر اُسے ملامت کر رہا تھا۔

وہ اُس وقت تک ناشتے کی میز پر نہیں گیا جب تک کہ فریدی نے بلوا نہیں بھیجا۔

آج ناشتے کی میز پر فریدی کا دوسرا اسسٹنٹ رمیش بھی موجود تھا۔ نہ جانے کیوں حمید کو اُس کی موجودگی بُری طرح کھل گئی۔ لیکن وہ بولا نہیں۔ اگر کوئی دوسرا موقع ہوتا تو وہ اُسے تنگ کر ڈالتا۔

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟" فریدی رمیش سے کہہ رہا تھا۔ "کل رات میں نے درجن کی

قیام گاہ بھی دیکھ لی اور یہی اندازہ لگایا کہ ہمارے پاس فی الحال اُس کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہو سکتا ہے کہ اُس کا ہاتھ کلاوتی کے اغواء میں ہو۔ لیکن ابھی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ کلاوتی کا اغواء بھی میوزک ڈائریکٹر ہی والے کیس سے تعلق رکھتا ہے۔ البتہ شلی کی شخصیت پُراسرار ہے۔ اُس نے اپنے متعلق یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ وہ کسی اعلیٰ خاندان کی فرد ہے اور فلم میں کام کرنے کا شوق اُس کی بربادی کا باعث بنا تھا لیکن تحقیقات کرنے پر یہ بات بھی غلط ثابت ہوئی۔ ایک خاندانی طوائف تھی اور نہ کسی نامعلوم آدمی نے اُس سے اُس کا پیشہ ترک کرایا تھا۔ بہر حال کیس میں شلی کی شخصیت کافی اہمیت رکھتی ہے۔ آخر وہ حادثے کے فوراً بعد ہی غائب کیوں ہو گئی۔

"لیکن یہ بموں والا معاملہ....؟" رمیش نے کہا۔ "آپ کہتے ہیں کہ وہ ٹائم بم نہیں تھے پھر خود وہ پھٹے کس طرح؟ اور آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دونوں ایک ہی گیت بجانے کے دوران میں پھٹے تھے۔"

"اوہ.... یہ....!" فریدی پُر خیال انداز میں بولا۔ "نہایت معمولی بات ہے لیکن اس میں محنت کافی صرف ہوئی ہو گی اور یہ پلان بنانے والا کافی ذہین رہا ہو گا۔ اُسے پیانو میں ایک اچھی خاصی مشین فٹ کرنی پڑی ہو گی اور اس کا تعلق اُن سُروں سے رہا ہو گا جن کے ذریعے وہ گت بجتی رہی ہو گی۔ اُن سُروں کے امتزاج سے اُس مشین میں حرکت پیدا ہوتی رہی ہو گی اور اس حرکت سے بموں کے سیفٹی کیچ ہٹ جاتے رہے ہوں گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" رمیش نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔

"چلو یوں سمجھو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ایک ٹائپ رائٹر کی مثال لے لو۔ فرض کرو تمہیں اے سے لے کر ایف تک کا سلسلہ وار ٹائپ کرنا ہے۔ مجھے اس پر یقین ہے کہ تم کم از کم ایک بار ضرور اس طرح ٹائپ کرو گے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اس کے علاوہ کچھ اور بھی ٹائپ کرو گے۔ میں نے اُس ٹائپ رائٹر میں ایک بم رکھ دیا اور اُس کے اندر کچھ ایسی کاروائی کر دی کہ جب تم اے سے لے کر ایف تک سلسلہ وار ٹائپ کرو تو اُس کا سیفٹی کیچ ہٹ جائے۔ تم نے ٹائپ کرنا شروع کر دیا۔ جب تک اے سے ایف تک سلسلہ وار ٹائپ نہیں کیا بچتے رہے۔ لیکن جیسے ہی تم اس ترتیب پر آئے سیفٹی کیچ ہٹ گیا اور ٹائپ رائٹر سمیت تمہارے چیتھڑے اڑ گئے۔"

"سمجھ گیا.... اوہ.... یہ بات کتنی واضح تھی۔" رمیش اپنا جوش دباتا ہوا بولا۔

"ایسے موقع پر ٹائم بم کا استعمال لایعنی ہے کیونکہ وہ وقت کا پابند ہوتا ہے۔ ایک مخصوص وقت پر اُس کا پھٹنا لازمی ہے۔"

اس گفتگو کے دوران میں فریدی حمید کو اس طرح نظر انداز کیے رہا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ حمید نے بھی مصلحتاً خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

"جرم کا مقصد ابھی پردہ راز ہی میں ہے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"اور مجرم کی شخصیت.... ہو سکتا ہے کہ وہ بھی سامنے آ جائے۔ لیکن شلی کا معاملہ صاف ہوئے بغیر یہ ناممکن ہے۔ شیشے کے گلاسوں کے وہ ٹکڑے جو کلاوتی کے گھر پر ملے تھے اُن میں سے کچھ پر صرف کلاوتی کی انگلیوں کے نشانات مل سکے ہیں۔"

رمیش کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر ایک ملاقاتی کارڈ لایا۔ فریدی نے کارڈ لے کر دیکھا اور اُس کی دونوں بھنویں مل گئیں۔

"ڈائریکٹر مسعود۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اُسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔"

نوکر چلا گیا۔ پھر ناشتے کے اختتام تک فریدی خاموش ہی رہا۔ ناشتہ ختم کرنے کے بعد وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا۔

"کیوں اُستاد؟" سرجنٹ رمیش نے حمید کو مخاطب کیا۔ "آج بہت چپ چپ سے ہو؟"

"بزرگوں کا قول ہے کہ ایک خاموشی ہزار بلائیں ٹالتی ہے۔" حمید بولا۔

"ارے۔ اسی کیس میں رہ گئے۔ کتنی ہی فلم ایکٹریسوں سے گٹھ جوڑ ہو سکتا ہے۔"

"مجھ سے بُری بُری باتیں مت کیا کرو۔" حمید نے کسی اللہ والے کا پوز بنایا۔

"اخاہ.... یہ کب سے حمید صاحب؟" رمیش طنزیہ لہجے میں بولا۔

"بھیجا مت چاٹو۔"

"معلوم ہوتا ہے کہیں پٹے ہو۔"

"چائے دانی پھوڑ دوں گا تمہارے سر پر۔" حمید بھنا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" رمیش کو بھی تاؤ آ گیا۔

حمید ٹال گیا۔ دل تو چاہا تھا کہ الجھ پڑے لیکن پھر کچھ سوچ کر رہ گیا۔ دونوں پندرہ بیس منٹ

تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر فریدی واپس آگیا۔

"لو بھئی رمیش ایک اور نئی بات۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ "مسعود ایک نیا شوشہ چھوڑ رہا ہے۔ یہ رہا وہ خط جو اُسے کسی نامعلوم آدمی کی طرف سے موصول ہوا ہے۔"

اُس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا میز پر رکھ دیا جس پر انگریزی ٹائپ میں تحریر تھا۔

"مسعود! اس فلم کی شوٹنگ فوراً بند کردو۔ کہانی، اسکرین پلے اور ڈائیلاگ سب کچھ پھاڑ کر پھینک دو۔ ورنہ تم سب کا وہی حشر ہوگا جو رمیش اور اُس کے اسسٹنٹ کا ہوا۔ تم میں سے کوئی کلاوتی کی طرح غائب ہوگا اور کوئی سر عام مارا جائے گا۔ اسے پہلی اور آخری وارننگ سمجھو۔"

رمیش خط پڑھ چکنے کے بعد سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں۔

کارگذاری

مطلع ابر آلود تھا۔ خنکی بڑھ گئی تھی۔ رات کو آٹھ ہی بجے تھے لیکن شہر کی بعض سڑکیں ویران ہو چکی تھیں۔

سرجنٹ حمید السٹر کے کالر کھڑے کیے فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکائے تیزی سے راہ طے کر رہا تھا۔ بیڈن روڈ پر پہنچ کر وہ ایک تاریک عمارت کے سامنے رک گیا۔ چند لمحے بے حس و حرکت دیوار سے کھڑا رہا۔ پھر السٹر کی جیب سے لکڑی کی ایک تختی نکالی جس پر تحریر تھا "کرایہ کے لئے خالی ہے۔" وہ آہستہ آہستہ اُس جگہ پہنچا جہاں کسی کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی اور پھر چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد اُس نے نام کی تختی کی جگہ اپنے ساتھ لائی ہوئی تختی لگا دی۔

بیڈن روڈ شہر کی اُن سڑکوں میں سے ہے جن پر زیادہ آمدورفت نہیں رہتی۔ ایک طرف چند عمارتیں ہیں اور دوسری طرف پولو گراؤنڈ ہے۔ پولو گراؤنڈ کے آگے دیہی علاقے شروع ہو جاتے ہیں۔

سرجنٹ حمید نے اس وقت پولو گراؤنڈ ہی والے حصے کی ایک عمارت کے سامنے یہ عجیب غریب حرکت کی تھی۔ اس کام سے فارغ ہو جانے کے بعد وہ چند لمحے ساکت و سامت کھڑا رہا

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر وہ عمارت کے عقبی حصے کی طرف چل پڑا۔ اُس کے جانے کے دس پندرہ منٹ بعد ہی تاریکی میں دو سائے اور دکھائی دیئے جو آہستہ آہستہ عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔

پھاٹک کے قریب پہنچ کر جہاں حمید نے تختی لگائی تھی وہ رک گئے۔ انہوں نے بھی لمبے کوٹ پہن رکھے تھے اور اُن کے فلٹ ہیٹ ان کے چہرے پر جھکے ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں روشنی کا ننھا سا دائرہ حمید کی لگائی ہوئی تختی پر پڑ رہا تھا۔

"عجیب آدمی ہو۔" پہلا دوسرے کی طرف جھنجھلا کر مڑا۔

"لیکن....!" دوسرا بولا۔ "آج دوپہر کو تو یہاں ڈاکٹر جیر اللہ کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔"

"عمارت بھی تاریک ہے۔" پہلا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ تمہاری نظروں کا دھوکا نہیں تھا۔"

"اب میں کیا عرض کروں۔ ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔" دوسرے کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"خیر! دیکھتا ہوں۔" پہلے نے آگے بڑھ کر سلاخوں دار پھاٹک کھولنے کی کوشش کی جو اندر سے بند تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ دوسرے کی طرف مڑ کر بولا۔

پھر وہ دونوں پھاٹک پر چڑھ کر دوسری طرف اُترتے ہوئے نظر آئے۔

پائیں باغ میں سناٹا تھا۔ پورٹیکو اور برآمدے میں بھی سناٹے اور تاریکی ہی کا راج تھا۔

"اندر کوئی ہے۔" پہلے نے دوسرے سے سرگوشی کی۔ "یہاں اس کھڑکی سے دیکھو۔ وہ روشنی کی پتلی سی لکیر۔ شاید وہ کسی دروازے کی جھری ہے۔"

برآمدے میں تین دروازے تھے۔ باری باری سے اُن پر زور آزمائی کی گئی لیکن وہ اندر سے بند تھے۔

"چلو....!" پہلا بولا۔ "دوسری طرف سے دیکھیں۔"

برآمدے سے پورٹیکو میں آتے ہوئے ایک لڑکھڑایا۔ اس سے پہلے کہ دوسرا سہارا دیتا وہ ایک گملے سمیت نیچے جا پڑا۔ سناٹے میں آواز دور تک پھیلی.... پھر وہ ابھی اٹھنے بھی نہیں پایا تھا

کہ کسی نے عمارت کا دروازہ کھول کر برآمدے کی بجلی جلادی۔

فریدی آنے والے کو گھور رہا تھا اور سرجنٹ رمیش اپنے کپڑے جھاڑ رہا تھا۔

"کیا مطلب....؟" برآمدے میں کھڑا ہوا آدمی بڑبڑایا۔ "آپ لوگ کون ہیں؟"

"پولیس....؟" فریدی کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"لیکن....اس طرح....میں نہیں سمجھا۔"

"میں بھی کچھ سمجھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "ایک ایسی عمارت پر جو خالی نہ ہو۔ خا[لی کا] بورڈ لگانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

"میں پھر نہیں سمجھا۔ یہ ڈاکٹر جیر اللہ کا بنگلہ ہے۔"

"میرے ساتھ آیئے۔" فریدی بولا۔

"کیوں....؟"

"میں آپ کو دکھادوں۔" فریدی نے پھاٹک کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

فریدی اُس آدمی کو اپنے ساتھ پھاٹک تک لایا اور پھر جیسے ہی اُس نے ٹارچ کی روشنی [نیم] پلیٹ پر ڈالی حواس باختہ ہو گئے۔ کیونکہ "کرائے کے لئے خالی ہے" والی تختی غائب تھی اور اُس [کی] جگہ ڈاکٹر جیر اللہ کی نیم پلیٹ لٹک رہی تھی۔

"مجھے شبہہ ...!" اُس آدمی نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم لوگ کون ہو؟"

فریدی نے ...او زیٹنگ کارڈ جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھادیا۔

"اوہ...لیکن میں...نہیں سمجھ سکتا۔" وہ ٹارچ کی روشنی میں وزیٹنگ کارڈ پڑھ کر بڑبڑایا۔

"میرے پاس یہاں کی تلاشی کا وارنٹ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تلاشی....یعنی....آخر کیوں۔ ٹھہریئے۔ میں ڈاکٹر صاحب کو جگادوں۔ وہ بیمار ہیں۔"

وہ آدمی تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا پائیں باغ طے کرنے لگا۔ فریدی اور رمیش بھی اُسکے پیچھے تھے۔

فریدی رمیش سے آہستہ آہستہ کہتا جارہا تھا۔ "تم بہت بے تکے گرے۔ سب چوپٹ ہو گیا۔"

"تشریف رکھیئے۔" اُس آدمی نے ایک بڑے کمرے میں روشنی کرتے ہوئے کہا۔ "میں ڈا[کٹر] صاحب کو اطلاع کرتا ہوں۔ جگانا پڑے گا۔"

وہ اُن دونوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔

سرجنٹ حمید بنگلے کی پشت پر دبکا ہوا تھا۔ نیچے ایک گہرا نالہ تھا جس میں پانی نہیں تھا اور نالے کے دوسرے کنارے پر گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں حمید کو رہ رہ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور پیش آئے گا۔ تختیوں والا لطیفہ بھی کامیاب رہا تھا۔ اُس نے دیوار کی اوٹ سے فریدی کی بوکھلاہٹ دیکھی تھی اور دل ہی دل میں بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔ اگر کہیں وہ ہنسی ہونٹوں پر آجاتی تو سارا کھیل ہی بگڑ گیا ہوتا۔

یہ دراصل فریدی کے خلاف ایک انتقامی کاروائی تھی۔ اس دوران میں فریدی نے اُسے لفٹ دینی چھوڑ دی تھی۔ اُس کی جگہ رمیش کا دور دورہ تھا۔ نہ وہ اُس سے کسی کام کے سلسلے میں مشورہ لیتا اور نہ کسی کام کے لئے کہتا۔ حتیٰ کہ اُس کے پاس میوزک ڈائریکٹر والے کیس کے جو کاغذات تھے وہ بھی اُس نے لے لئے تھے۔

حمید کو یہ ساری باتیں بہت گراں گذر رہی تھیں لیکن وہ خاموش ہی رہا اور پھر اُس نے تہیہ کرلیا کہ فریدی کو کوئی کام ڈھنگ سے کرنے کا موقع ہی نہ دے گا اور رمیش کی حجامت بنانے کے متعلق تو وہ کئی دنوں سے سوچ رہا تھا۔

آج شام کو رمیش نے فریدی کو اطلاع دی تھی کہ اُس نے بیڈن روڈ کے ایک بنگلے میں ایک ایسی عورت کو دیکھا ہے جو شلی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اُس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ بنگلہ رات کو عموماً تاریک ہی رہا کرتا ہے لیکن دن کو اُس میں آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ حمید دوسرے کمرے سے اُن کی گفتگو سن رہا تھا۔

بس پھر اُس نے بھی اپنی شرارت کی اسکیم مرتب کرلی۔ کچھ پتہ نہیں فریدی گھر میں اُس کی موجودگی سے واقف تھا یا نہیں۔ بہر حال بھول کر بھی وہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ حمید اُس سے بھی ٹکرا جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حمید کو یہ بھی معلوم تھا کہ فریدی یا تو تنہا آئے گا یا صرف رمیش اُس کے ساتھ ہو گا۔ ایسے معاملات میں وہ پہلے بذات خود اچھی طرح چھان بین کر لیتا تھا۔ پھر اُسے مقامی پولیس کے علم میں لاتا تھا۔ شلی والی بات چونکہ سنی سنائی تھی اس لئے اُس نے آج بھی اپنا اطمینان کئے بغیر پولیس کو مطلع کرنا مناسب نہ سمجھا۔

حمید بنگلے کی عقبی دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔ دفعتاً اُسے کچھ دور پر دیوار کے نیچے ہی ہلکی سی

روشنی دکھائی دی اور ایسا معلوم ہوا جیسے دو سائے دیوار سے نکل کر نالے میں اُتر گئے ہوں اور
مشاق آنکھوں سے اندھیرے میں بھی یہ بات پوشیدہ نہ رہ سکی کہ اُن میں ایک یقیناً عورت تھی
حمید کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ تو کیا واقعی رمیش کی اطلاع درست تھی؟
سینے کے بل رینگتا ہوا نالے میں اُتر گیا۔ پھر اُس نے دیکھا وہ دونوں بھی بالکل اُسی طرح زمین
رینگتے ہوئے نالے کے دوسرے کنارے کی طرف جا رہے ہیں۔

حمید اُن سے پہلے ہی دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اُس مقام کی طرف رینگتا رہا جہاں اُن دونوں کے پہنچنے کی توقع تھی اور شاید ایک ہی منٹ کے وقفے میں وہ اُن کے قریب کی جھاڑیوں میں چھپا ہوا اُن کی گفتگو سن رہا تھا۔

پھر بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ حمید اُس عورت کی آواز نہ پہچان لیتا جس کے چکر میں عرصہ تک رہ چکا تھا۔ وہ یقیناً شلی ہی تھی۔ لیکن مرد کی آواز حمید کے لئے نئی تھی۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" مرد اُس سے کہہ رہا تھا۔ "میں ذرا آس پاس دیکھ لوں۔ ممکن ہے انہوں نے محاصرہ کر رکھا ہو۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" شلی بولی۔

"بس یہیں چپ چاپ کھڑی رہو۔ جھاڑیاں تمہارے قد سے کافی اونچی ہیں۔ ڈرو نہیں۔ کوئی بات نہیں۔"

حمید کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اُس آدمی کے جانے کے بعد بھی وہ تھوڑی دیر تک بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر اچانک آگے بڑھ کر اُس نے اپنا ہاتھ شلی کے منہ پر رکھ دیا۔ تڑپی لیکن گرفت مضبوط تھی۔

"چپ... پولیس....!" حمید نے اس انداز میں سرگوشی کی کہ اُس کی آواز پہچانی نہ جا سکے۔ دوسرے لمحے میں وہ اُسے کمر پر لادے اُس طرف بھاگ رہا تھا جہاں اُس نے کار کھڑی کی تھی

"تو مجھے چلنے دو نا۔" شلی آہستہ سے بولی۔

"پکڑی جاؤ گی.... خطرہ ہے۔ چپ۔"

پھر شلی بے حس و حرکت ہو گئی۔

کار کی پچھلی سیٹ پر اُسے ڈال کر حمید نے اُس کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ بایاں ہاتھ اُس

منہ پر تھا۔ شلی جو ابھی تک شاید اُسے اپنے ہی آدمیوں میں سے سمجھتی رہی تھی بُری طرح مچلنے لگی تھی۔ لیکن اُسے بے ہوش ہی ہو جانا پڑا۔ لگی بھی تو تھی ایک ایسے جنونی کے ہاتھ جس پر شرارت اور حماقت کا بھوت سوار تھا۔

حمید نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیئے اور اُسے لے بھاگا۔

کار شہر میں پہنچ کر کیفے کاسینو کی طرف جا رہی تھی۔ وہیں جہاں کنول کاؤنٹر کلرک تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر کنول وہاں موجود نہ ہوئی تو کیا ہوگا۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں آ رہا تھا کہ اُس نے اُس رات کو کنول سے اُس کا پتہ بھی پوچھا تھا یا نہیں.... یہ بھی ضروری نہیں کہ کیفے کا کوئی آدمی اُس کی جائے رہائش سے بھی واقف ہو۔

حمید کی الجھن بڑھنے لگی۔ فی الحال اُس کی دانست میں کنول ہی ایسی تھی جو اُسے تھوڑی بہت مدد دے سکتی تھی۔

کیفے کاسینو پہنچ کر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ کنول موجود نہیں تھی۔ لیکن اُسے بھی حمید کی خوش قسمتی ہی کہنا چاہئے کہ دوسرا اکاؤنٹر کلرک کنول کی جائے رہائش سے واقف تھا۔

اُس وقت نہ جانے کیوں حمید کی نظر ہر بات کے تاریک ہی پہلو پر تھی۔ اب وہ سوچنے لگا تھا کہ اگر کنول گھر پر بھی نہ ملی تو کیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ کہیں اور چلی گئی ہو۔

پتہ سیدھا سادہ تھا۔ لہٰذا حمید کو کنول کا کوارٹر ڈھونڈ لینے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کنول گھر پر موجود تھی۔ حمید کے ساتھ ایک خوبصورت اور بے ہوش عورت کو دیکھ کر پہلے تو وہ یہی سمجھی کہ شاید وہ اس وقت بھی پیئے ہوئے ہے۔

"سنئے جناب حمید صاحب۔" وہ کھرے لہجے میں بولی۔ "میرا گھر عیاشی کا اڈا نہیں بن سکتا۔"

"تم غلط سمجھیں۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "یہ ایک بہت ضروری عورت ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ خوبصورت عورتیں ہر حال میں بہت ضروری ہوتی ہیں۔"

"میں ابھی سب کچھ تم کو سمجھا دوں گا۔" حمید نے کہا اور بے ہوش شلی کو کار سے نکال کر کوارٹر میں پہنچا دیا۔

"عجیب آدمی ہو۔ پاس پڑوس والے کیا کہیں گے؟"

"اُن سے کہہ دینا کہ میرا بہنوئی میری بہن کو بغرض علاج یہاں لایا ہے۔" حمید نے لاپروائی

سے کہا۔

"کیا بکتے ہو؟" کنول جھنجھلا گئی۔

"چلو بیٹھو... نہیں تو گردن مروڑ دوں گا۔" حمید نے اُسے ایک آرام کرسی میں دھکیل

کنول حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"خواہ مخواہ شبہات میں مبتلا ہو۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "یہ ایک عورت ہے جس کی تلاش میں پورے شہر کی پولیس سرگرداں ہے۔"

"کون....؟"

"شلی.... تم نے فلم آرٹ اسٹوڈیو کے حادثات کے متعلق سنا ہی ہوگا۔"

"اوہ.... تو یہ وہی عورت ہے.... میوزک ڈائریکٹر کی داشتہ....؟"

"خیر چلو.... سمجھ تو گئیں۔" حمید نے پائپ سلگا کر کہا۔

"لیکن اسے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔ اگر میری مدد کرنے کا وعدہ کرو تو پوری داستان دہرائی جاسکتی

"میں وعدہ نہیں کرسکتی۔ تم سے خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"اوہ.... یہ کنول بول رہی ہے۔" حمید بُرا سامنہ بنا کر بولا۔ "وہ کنول جس نے مر راستہ کاٹا تھا۔"

"شاید میں اس وقت مکھن کے سمندر میں غوطے لگا رہی ہوں۔" کنول نے سنجیدگی

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"میں فریدی سے ٹکرا گیا ہوں اور اُن حضرت کو سبق دیئے بغیر نہ مانوں گا۔"

پھر اُس نے پوری داستان دہرا دی۔ کنول ہنستی رہی۔

"میں کوئی مدد نہیں کرسکتی۔" آخر کو اُس نے کہا۔

"مجھے جانتی ہو۔ میں کون ہوں۔" حمید بھنویں تان کر بولا۔

"ہاں.... ہاں.... ایک ایسا آدمی جو تین پیگ وہسکی میں اُلو ہو جاتا ہے۔"

"خیر.... دیکھا جائے گا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ پھر اُس نے بے ہوش شلی کو اٹھ کوشش کی۔

"ٹھہرو.... یہ ایسے نہیں جاسکتی۔ میں فریدی صاحب کو فون کرتی ہوں۔"

"مار ڈالوں گا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ کنول نے ایک کھنکتا ہوا سا قہقہہ لگایا۔

"میں تمہیں اُلو سمجھتی ہوں۔" کنول بولی۔ "آخر کرنا کیا چاہتے ہو خواہ مخواہ ایک کیس بگاڑ کر رکھ دیا۔ اگر فریدی صاحب اسے اس مکان سے برآمد کرتے تو کئی اور گرفتاریاں بھی عمل میں آسکتی تھیں۔"

"میں فریدی صاحب کو تنگ کر ڈالوں گا۔" حمید نے کہا اور اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

شلی میں ہوش کے آثار پائے جانے لگے تھے۔ اُس کی پلکیں کپکپا رہی تھیں۔ نچلے ہونٹ میں خفیف سی جنبش تھی۔

"سنو....!" حمید نے سرگوشی کی۔ "یہ ہوش میں آرہی ہے۔ تم یہیں بیٹھو میں کمرے میں جا رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

"میں چھپ کر ردعمل کا مشاہدہ کروں گا۔ تم بالکل خاموش رہنا.... اس کی کسی بات کا جواب نہ دینا۔ سمجھیں۔"

ایک پاگل ایک لاش

فریدی اور رمیش، ڈاکٹر جیر اللہ کی خواب گاہ میں بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ آدمی واپس آگیا۔

"چلئے.... ڈاکٹر صاحب یاد فرما رہے ہیں۔ وہ بے چارے اٹھ بھی نہیں سکتے۔ اس وقت بھی ایک سو تین بخار ہے۔"

فریدی اور رمیش اُس کے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے میں آئے۔ یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ سامنے ایک پلنگ تھا جس پر ایک آدمی سر سے پیر تک چادر تانے پڑا تھا۔ اُن کی آہٹ پر اُس نے منہ کھول دیا۔ وہ اُسے کوئی غیر ملکی سمجھے ہوئے تھے لیکن اگر اُس کا نام جیر اللہ تھا تو وہ ایک دیسی عیسائی سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ چہرہ پلپلا، رنگت گندمی، شیو بڑھا ہوا جس میں زیادہ تر سفید ہی

بال تھے۔ آنکھوں سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی۔

"مجھے حیرت ہے جناب۔" وہ دبی دبی سی آواز میں بولا۔ "میں سالہا سال سے باعزت گذار رہا ہوں اور پھر مجھے حیرت ہے کہ آپ ایک ہسپتال کی تلاشی لینے آئے ہیں۔"

"ہسپتال....؟" فریدی نے دہرایا۔

"جی ہاں! میں پندرہ سال سے یہاں پریکٹس کر رہا ہوں۔ لوگ مجھے ذہنی امراض کا اسپیشلسٹ سمجھتے ہیں۔ دو تین کمرے میں نے ایسے مریضوں کے لئے مخصوص کر رکھے ہیں جو باقاعدہ یہاں قیام کر کے اپنا علاج کرا سکیں۔"

"لیکن آپ نے یہاں کوئی ایسا بورڈ نہیں لگایا ہے؟" فریدی نے کہا۔

"ضرورت نہیں سمجھی۔ پریکٹس شہر میں کرتا ہوں۔ بورڈ اس لئے نہیں لگایا کہ ہر کس و نا کس یہاں قیام کر بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ میرا طریقہ علاج بہت مہنگا پڑتا ہے۔ صرف ایک مخصوص طبقہ ہی اتنے مصارف برداشت کر سکتا ہے۔"

"آج کل آپ کے یہاں کتنے مریض ہیں؟"

"صرف ایک.... ایک عورت جس پر ہسٹریا کے دورے پڑتے ہیں۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے شلی اور کلاوتی کی تصاویر جیب سے نکالیں۔

"ان میں سے کوئی؟" اُس نے تصویریں اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس دوران میں ان میں سے تو کوئی آپ کی مریضہ نہیں رہی؟"

تصویروں پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر چونک پڑا۔ اور اب وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر اُس نے سے فریدی کی طرف دیکھا جو اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"جی ہاں.... یہی تو ہے.... اس پر ہسٹریا کے دورے پڑتے ہیں۔" اُس نے شلی کی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ یہاں کب سے ہے؟"

"تقریباً ایک ہفتہ سے۔"

"کس نے داخل کرایا تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"اُس کے شوہر نے.... وہ بھی اُسی کے ساتھ مقیم ہے۔"

"یہیں....؟"

"جی ہاں....!" ڈاکٹر نے کہا۔ پھر اُس آدمی کی طرف دیکھ کر بولا جو فریدی کو یہاں تک لایا تھا۔ "غالباً وہ دونوں سو رہے ہوں گے۔"

"پتہ نہیں.... ویسے میں نے آٹھ ہی بجے اُس کمرے کی روشنی گل کرا دی تھی۔" اُس نے جواب دیا۔

"مجھے اُس کمرے تک لے چلئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"آخر بات کیا ہے؟" ڈاکٹر نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"پولیس کو اُس عورت کی ضرورت ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"جاؤ.... کمرہ دکھا دو....!" ڈاکٹر نے اُس آدمی سے کہا۔

وہ تینوں راہداری سے گذر کر ایک کمرے کے قریب پہنچے جس کا دروازہ بند تھا اور کھڑکیوں میں روشنی نہیں تھی۔

"ساگر صاحب۔" ہمراہی نے دروازے پر دستک دی۔

متواتر کئی بار دستک دینے کے باوجود بھی اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ فریدی آگے بڑھا اُس نے ہینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا۔ شاید وہ اندر سے بند نہیں تھا۔ کمرے میں تاریکی تھی۔

"ساگر صاحب۔" ہمراہی نے پھر آواز دی۔ مگر جواب ندارد۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔

کمرہ خالی تھا۔ دو پلنگ تھے جن پر بستر لگے ہوئے تھے۔ ایک بستر شکن آلود تھا لیکن دوسرے پر شاید کوئی بیٹھا بھی نہیں تھا۔

ہمراہی حیرت سے کبھی فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی بستروں کی طرف۔

"آپ کو یقین ہے کہ وہ اس کمرے میں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں جناب! میں نے خود ہی انہیں بجلی بجھا دینے کی تاکید کی تھی۔"

"کیا وہ اُس وقت مکان کے کسی دوسرے حصے میں بھی ہو سکتے ہیں؟"

"کیا بتاؤں!" وہ پریشان لہجے میں بولا۔ "ہم تو یہی توقع رکھتے ہیں کہ مریض اپنے ہی کمروں میں ہوں گے۔"

"میں.... پورا مکان دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آیئے.... عجیب بات ہے.... حیرت انگیز۔" ہمراہی مضطربانہ انداز میں بڑبڑا رہا تھا۔

پوری عمارت پر سناٹا طاری تھا۔ ہمراہی جدھر سے گذرتا بجلی کا بلب روشن کر دیتا۔ وہ ایک گوشہ دیکھتے پھر رہے تھے۔ مکان کے آخری سرے پر پہنچ کر ہمراہی کے منہ سے ایک تیز سی آواز نکلی۔

"یہ دروازہ....!" وہ ایک کھلے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "شاید یہ اسی طرف سے نکل گئے۔"

فریدی نے باہر نظر دوڑائی۔ اندھیرے میں گھنی جھاڑیوں کے سلسلے کے علاوہ اور کچھ نہیں آرہا تھا۔ پھر وہ کافی دیر تک اُن جھاڑیوں میں جھک مارتے رہے لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔

البتہ یہ بات فریدی کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ اگر وہ ایک ہی آدمی تھا تو اُس نے وقت دو کام کیسے کیے۔ ظاہر ہے کہ نام کی تختی ہٹا کر "خالی ہے" کا بورڈ لگانے اور پھر انہیں دو بدلنے میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور صرف ہوا ہوگا۔ کیا مجرم پہلے ہی سے اُنکی آمد سے باخبر ہو گیا تھا

ڈاکٹر کے کمرے میں واپس آکر فریدی کچھ اور معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کرنے لگا ڈاکٹر نے اُسے بتایا کہ مریضہ کے شوہر نے کہا تھا کہ وہ اُس کی شہرت سن کر سعید آباد سے یہاں آیا تھا۔ پھر فریدی نے اُس آدمی کا حلیہ پوچھا۔ ڈاکٹر کے بیان کرنے پر وہ اس کے علاوہ اور کچھ اندازہ نہ لگا سکا کہ شلی کو طوائفانہ زندگی سے نکال کر یہاں اس ہسپتال تک لانے والا ایک ہی آدمی تھا۔ اُن طوائفوں نے بھی یہی حلیہ بتایا تھا۔

واپسی پر فریدی رمیش سے کہہ رہا تھا۔ "تمہارے اس طرح گرنے سے سارا کھیل بگڑ گیا۔"

کچھ دور چلنے کے بعد وہ کیڈی تک پہنچ گئے۔

فریدی کا موڈ بہت زیادہ خراب ہو گیا۔ اور رمیش دل ہی دل میں شرمندہ تھا۔ سوچ رہا تھا پہلی بار آگے بڑھنے کا موقع ملا تھا وہ اس طرح برباد ہو گیا۔ اُسے خود بھی احساس تھا کہ اگر وہ گر ہوتا تو مجرم کسی طرح بھی فرار نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن پھر وہ تختیاں کیسے بدلی گئیں۔ اس صورت میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ مجرم پہلے ہی سے ہوشیار تھے اور انہوں نے ہمارا وقت کرنے کے لئے تختیاں بدلیں۔ پھر اسی دوران میں نکل گئے۔

"آج کل آپ حمید صاحب سے کیوں ناراض ہیں۔" رمیش نے دفعتاً پوچھا۔

"اوہ.... کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ وہ آرام کرنا چاہتا ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

"میں کیا بتاؤں.... مجھے شرمندگی ہے۔ میری وجہ سے۔"

"اوہ.... کوئی بات نہیں.... اتفاق ہی تو ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "مگر وہ تختیوں والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر مجرموں کو ہمارے پروگرام کا علم کیونکر ہوا۔"

"تو کیا یہ ڈاکٹر مشتبہ نہیں ہے؟" رمیش نے پوچھا۔

"نہیں میرا خیال ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ اگر وہ اس سازش میں شریک ہوتا تو ہرگز اس کا اعتراف نہ کرتا۔ کیونکہ مجرم تو نکل ہی چکے تھے۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر رمیش بولا۔

"آخر کلاوتی کہاں گئی۔ شلی کا پتہ تو لگ ہی گیا۔"

"ضروری نہیں کہ کلاوتی کا تعلق اسی کیس سے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"فلمی دنیا میں اس اغواء سے خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا ہے۔ ڈائریکٹر رمیش کی موت سے لوگوں نے اتنا اثر نہیں لیا جتنا کہ اس اغواء سے۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ الجھن کے آثار اُس کے چہرے سے مترشح تھے۔

"کیوں نہ ہم اس وقت درجن کو بھی چیک کر لیں۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اُس کے حرکات و سکنات مشتبہ ضرور ہیں لیکن ابھی تک اُس کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں مل سکا۔"

"خطرناک آدمی ہے....!" رمیش بولا۔

فریدی نے کار گھمائی۔

درجن ایک پرانی وضع کی عمارت میں رہتا تھا۔ عمارت کافی بڑی تھی اور اُس میں دو منزلیں تھیں۔ نچلی منزل میں تین حصے تھے جن میں کرایہ دار رہتے تھے اور اوپری منزل پر درجن کا قبضہ تھا۔

نیچے ایک چوکیدار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اُن دونوں کی قدموں کی آہٹ پر چونک پڑا۔

"درجن صاحب ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

چوکیدار اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "کھڑکیوں میں روشنی تو ہے۔ ضرور ہوں گے۔"

"کیا ابھی یہاں کوئی آیا تھا....؟"

"پتہ نہیں صاحب درجنوں آیا جایا کرتے ہیں۔" چوکیدار جھنجھلا کر بولا۔

وہ کچھ چڑچڑے مزاج کا معلوم ہوتا تھا۔ فریدی نے ایک ہی نظر میں تاڑ لیا کہ وہ افیونی ہے

"اُف فوہ! بڑے میاں! تم ناراض ہوگئے۔" فریدی اُس کا شانہ تھپ تھپا کر بولا۔ "کیا بیگم سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

"اپنا کام کیجئے۔" بوڑھے نے جھلا کر کہا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر بیڑی اور دیا سلائی ٹٹولنے لگا۔ فریدی نے پرس نکال کر پانچ کا ایک نوٹ کھینچا۔ بوڑھا حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"جاؤ.... ابھی ٹھیکے کی دکان کھلی ہوگی۔" فریدی نے اُس کی طرف نوٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنے لئے افیون اور میرے لئے چرس لیتے آنا۔"

"چرس....!" وہ فریدی کو نیچے سے اوپر تک گھورتا ہوا بولا۔ "آپ چرس پیتے ہیں؟"

"ہاں ابھی حال ہی میں شروع کی ہے۔ اوپر بیٹھ کر پیوں گا۔" فریدی اپنی بائیں آنکھ دبا کر مسکراتا ہوا بولا۔ "اور وہ لونڈیا ہے یا چلی گئی؟"

"درجن بابو کی بہن....؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"ہاں! کیوں بڑے میاں۔ زوردار ہے کہ نہیں۔"

"پتہ نہیں صاحب۔" بوڑھا اُس کے ہاتھ سے نوٹ لے کر بولا۔ "کتنی پڑیاں لاؤں؟"

"چار.... تو وہ ہے یا چلی گئی؟"

"پتہ نہیں۔ میں نے دیکھا بھی نہیں۔ سنا تھا کہ وہ بیمار تھی اور بے ہوشی کی حالت میں یہاں لائی گئی تھی۔"

"کب کی بات ہے؟"

"شاید منگل کی رات کو۔"

"ہوں....!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ "نو بجے کے بعد سے اب تک یہاں کوئی آیا تھا؟"

"نہیں صاحب۔" وہ جلدی سے بولا۔ "کہیں دکان بند نہ ہو جائے۔ کوئی نہیں آیا۔ درجن بابو بھی آج شام سے نیچے نہیں اترے۔"

"ہاں اچھا.... جاؤ جاؤ۔"

بوڑھا تقریباً دوڑتا ہوا احاطے سے نکل گیا۔

"رمیش....!" فریدی بولا۔ "تم یہیں چوکیدار کی پلنگ پر لیٹ جاؤ۔ میں اوپر جاتا ہوں۔ ٹھیکے کی دکان یہاں سے دور ہے کچھ دیر لگے گی۔"

پھر فریدی دبے پاؤں زینے طے کرتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا اور اندر تاریکی تھی۔ شاید اُس دروازے کے بعد کوئی راہداری تھی۔ فریدی کو اس بات کا یقین تو ہو ہی گیا تھا کہ یہاں کوئی عورت بھی ہے۔ ورنہ اُس سے پہلے کی تفتیش کا ماحصل تو یہی تھا کہ درجن وہاں تنہا رہتا ہے مگر اب اُس کی ایک بیمار بہن بھی پیدا ہوگئی تھی۔ منگل کی رات.... اُسی رات کلاوتی کا بھی اغواء ہوا تھا اور اُسی رات سرجنٹ حمید نے درجن کے ایک ساتھی کا سر بھی پھاڑا تھا۔ جو غالباً کلاش ہوٹل میں درجن کے اغواء والی کامیابی کی خبر ہی دینے آیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نیچے اتر آیا۔ بوڑھا چوکیدار ابھی تک واپس نہیں آیا تھا اور اُس کی پلنگ پر لیٹا ہوا رمیش سیاہ لباس میں اندھیرے ہی کا ایک جزو معلوم ہو رہا تھا۔

"اوپر....!" فریدی اوپری منزل کی کھڑکیوں کی طرف دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "روشنی تو ہے لیکن زندگی کے آثار نہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ کوئی ہے ہی نہیں۔ ویسے دروازہ اندر سے بند ہے۔"

"پھر....؟" رمیش اٹھتا ہوا بولا۔

"تم یہیں رہو۔ بوڑھا اگر آجائے تو اُسے باتوں میں لگائے رکھنا۔ میں دوسری طرف سے دیکھتا ہوں۔"

رمیش چپ چاپ لیٹ گیا اور فریدی چکر کاٹ کر عمارت کی پشت پر پہنچا۔ دوسری طرف سے اوپری منزل پر پہنچنا آسان تو تھا مگر ساتھ ہی خطرناک بھی تھا۔ کیونکہ یہ عمارت ایک گنجان آباد حصے میں تھی۔ اگر وہ پائپ کے سہارے اوپر چڑھنے کی کوشش کرتا تو آس پاس کے لوگوں کی نظریں پڑ سکتی تھیں۔ لیکن چند ہی لمحوں کی چھان بین کی بناء پر یہ مشکل بھی آسان ہوگئی۔

دوسرے لمحے میں وہ ایک ایسے پائپ کے سہارے اوپر چڑھ رہا تھا جو ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کی اوٹ میں تھا اور اوپر سے اُسے نیم کی گھنی شاخوں نے چھپا لیا تھا۔ اوپر پہنچ کر البتہ اُسے پھر تھوڑی سی دشواری پیش آئی۔ ایک کھڑکی کھلی ہوئی ضرور تھی لیکن پائپ سے کافی فاصلے پر تھی۔ اُس تک

پہنچنا بظاہر آسان تو تھا لیکن خطرے سے خالی نہیں۔ کارنس پر پیر رکھنے کے بعد صرف تھوڑی پھرتی اُسے کھڑکی تک پہنچا سکتی تھی۔ لیکن عمارت بہت پرانی تھی اور اس میں لکھوری اینٹیں گئی تھیں جنہیں شورا چاٹنے لگا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ فریدی کارنس سمیت ہی نیچے آپڑتا شاخیں بھی دور تھیں۔ فریدی کی جھنجھلاہٹ عود کر آئی۔ وہ جھنجھلاہٹ جو اُسے خطرناک خطرناک کام کر ڈالنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

اُس نے کارنس پر داہنا پیر رکھ کر جست لگائی۔ کھڑکی کی چوکھٹ پر اُس کے ہاتھ پڑے لیکن ساتھ ہی آنکھوں کے سامنے تارے بھی ناچ گئے۔ کارنس کی اینٹیں اکھڑ کر بھرابھرا نیچے چلی گئیں اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ چوکھٹ میں جھول گیا۔ حاضر دماغی اور قوت ارادی تھی جس نے سہارا دیا ورنہ اُس کا جسم ہڈیوں اور لوتھڑوں کا ڈھیر نظر آتا۔ چوکھٹ پر زور دے وہ اچھلا اور پھر وہ دوسری طرف تھا۔ تاریکی اور تعفن اُس کی منتظر تھی۔ سیلن کی بساند ابابیلوں کے بیٹ کی بدبو سے اُس کا دم گھٹنے لگا۔

چاروں طرف سناٹا تھا۔ مکان کے عقبی حصے میں تاریکی تھی۔ لیکن اگلے کمروں میں روشنی نظر آرہی تھی۔ فریدی اندھیرے میں سمٹا سمٹاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ کمروں کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ دو تین منٹ گذر گئے لیکن کہیں کوئی ہلکی سی بھی آواز نہ آئی۔ بس ایک کلاک کسی کمرے میں "ٹک ٹک" کیے جارہا تھا۔

فریدی نے ایک کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ روشنی ضرور تھی لیکن کمرہ خالی تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ برابر کے دوسرے کمرے کی بھی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ لیکن اُس کھڑکی سے جھانکتے ہی اس کے منہ سے عجیب سی آواز آواز نکلی اور وہ بے دھڑک کمرے میں گھستا چلا گیا۔

سامنے درجن کی لاش لٹک رہی تھی اور رسی کا دوسرا سرا چھت کی ایک شہتیر کے گرد لپٹا تھا۔ خودکشی کے سارے آثار موجود تھے۔

فریدی اس لاش کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں اُس پر جم سی گئی تھیں اس کا پورا جسم بے حس و حرکت تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس کمرے میں دو لاشیں ہوں۔ ایک وہ جو رسی میں جھول رہی تھی اور دوسری وہ جو زمین پر کھڑی تھی۔

دفعتاً کسی منڈیر پر دو بلیاں رونے لگیں اور فریدی چونک کر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا

جیسے نیند سے چونکا ہو۔

وہ آہستہ آہستہ لاش کی طرف بڑھا۔ چند لمحے نیچے سے اوپر تک اُسے دیکھتا رہا پھر اُس کی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا جس میں ایک تہہ کیا ہوا کاغذ دکھائی دے رہا تھا۔

اُس نے بڑے پرسکون انداز میں کاغذ نکال لیا۔ اُس پر سرخ روشنائی سے کچھ تحریر تھا۔

پھر وہ شاید ایک ہی منٹ بعد دیوانہ وار ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں دوڑتا پھر رہا تھا۔

ایک کمرے کے دروازے میں اُس نے تالا پڑا دیکھا۔ تالے سے کنجی بھی لٹک رہی تھی۔

اور پھر جب دروازہ کھلا تو ایک نئی مصیبت.... کمرے کا بلب روشن تھا اور کلاوتی کمرے کے وسط میں مادر زاد برہنہ کھڑی فریدی کو گھور رہی تھی۔ نہ وہ ذرہ برابر جھجھکی اور نہ اُس کے چہرے پر کسی قسم کے تغیر کے آثار پیدا ہوئے۔

دفعتاً اُس کے منہ سے ایک باریک مگر تیز آواز نکلی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی ریلوے انجن نے سیٹی دی ہو.... پھر وہ فریدی پر ٹوٹ پڑی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا کلاوتی کے نوکیلے ناخن اُس کے چہرے کے گوشت میں پیوست ہو گئے۔

اُس نے اُسے دھکا دیا اور وہ فرش پر گر پڑی۔ لیکن پھر اٹھی۔ اس بار فریدی نے اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اُسے دوبارہ دھکا دے کر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کمرے سے نکلا اور دروازہ بند کر لیا۔ اندر کلاوتی ریلوے کے انجن کی طرح سیٹیاں بجاتی اور "چھک چھک" کرتی رہی۔

فریدی چپ چاپ کھڑا رہا۔ انتہائی سردی کے باوجود بھی اُس کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے اُس کا ذہن برف کی سل کے مانند ہو گیا۔

"ٹو.... او.... او....!" کلاوتی اندر چیخ رہی تھی۔ "چھک.... چھک.... چھک.... ہری جھنڈی.... لال جھنڈی.... ہری جھنڈی.... لال جھنڈی۔"

فریدی تیزی سے زینوں کی طرف جھپٹا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ یہاں بوڑھا چوکیدار افیون کی پینک میں رمیش کو داستان امیر حمزہ سنا رہا تھا۔

"وہاں توں.... جناب.... صاحب قراں کو فوج ظفر موج نے لقاں حرام زادیں کیں۔ لشکر پر چھاپاں ماراں.... بختیار رک دونوں ہاتھوں سے چوں تڑپیٹ رہاں تھاں۔"

"رمیش....!" فریدی نے اُسے جھنجھوڑا۔ "کوتوالی فون کرو یہاں ایک لاش ہے۔"

"جی کیا....؟" رمیش چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"جلدی کرو۔ سول ہسپتال یہاں سے نزدیک ہے۔ فون کر دو۔"

"آنپ کیں چرس....!" بوڑھے نے منہ اوپر اٹھا کر کہا۔

فریدی اُس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر پھر اوپر چڑھ گیا۔

موت کی سی خاموشی.... کلاوتی بھی چپ ہو گئی تھی۔

معصوم شکاری

شلی ہوش میں آگئی تھی لیکن پلکیں جھکائے بغیر چھت کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ دوسرے کمرے میں تھا اور کنول ایک آرام کرسی پر نیم دراز توجہ اور دلچسپی سے شلی کو دیکھ رہی تھی۔ شلی کی پلکیں پھر جھپکنے لگیں۔ ایک پل کے لئے اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر ہاتھوں سے ملنے لگی۔ چند لمحوں بعد وہ تحیر آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ کنول پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ساگر صاحب کہاں ہیں؟" اُس نے کنول سے پوچھا۔

"ساگر صاحب! اوہ وہ ابھی آجائیں گے!" کنول پر خلوص انداز میں مسکرائی۔

"تم کون ہو؟"

"ایک دوست....!"

"ساگر صاحب تمہارے کون ہیں؟"

"وہ.... اوہ.... وہ میرے بھائی ہیں۔"

شلی تھوڑی دیر تک سر تھامے اور آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی پھر آہستہ سے بڑبڑائی۔

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

کنول اُس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

"کیوں؟ کیا بات ہے؟" وہ اُس کی ٹھوڑی پکڑ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"ساگر صاحب نے میرا گلا کیوں گھونٹا تھا۔ اب تو مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ آخر یہ سب

ہو رہا ہے؟"

"اچھا.... تو وہ عورت تمہیں ہو۔" یک بیک کنول کی بھنویں تن گئیں۔ "تم میرے بھائی کو برباد کر رہی ہو۔"

"میں؟" شلی نے حیرت سے کہا۔ "نہیں.... نہیں.... وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ میرا اُن کا کوئی برا رشتہ نہیں۔ وہ میری مدد کرنا چاہتے تھے۔"

"اور تم انہیں اپنا سگا بھائی سمجھتی ہو؟" کنول کے لہجے میں تلخی تھی۔

"نہیں میں یہ بھی نہیں کہتی۔ کیا یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے آدمی کو جس سے کوئی تعلق نہ ہو بھائی ہی سمجھا جائے۔"

"پھر وہ کیوں تمہارے لئے دھکے کھاتے پھر رہے ہیں؟" کنول بولی۔

"بہن ناراض نہ ہو۔ میں بہت بدنصیب عورت ہوں۔"

"ہر آوارہ عورت پکڑ لئے جانے کے بعد یہی کہتی ہے۔"

"تو تم مجھے جانتی ہو۔" شلی نے کہا۔

"اچھی طرح! اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہارے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں۔"

"نہیں.... نہیں.... یہ جھوٹ ہے.... غلط ہے.... میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اور تمہاری بدولت....!" کنول کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ وہ غور سے شلی کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"میں نے ساگر صاحب کو بہت دفعہ سمجھایا ہے۔" شلی نے جلدی سے کہا۔ "کہ وہ کیوں میری بدولت تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا کہ پولیس سے چھپتی پھروں۔ میں اپنی بے گناہی ثابت کر دوں گی.... اور پھر یہ کوئی جرم تو تھا نہیں کہ میں رمیش کے ساتھ رہتی تھی۔ کیا یہ ضروری ہے کہ میں اس کی موت کی ذمہ دار قرار پاؤں۔"

"تو وہ تمہیں پولیس سے چھپا رہے ہیں....؟"

"ہاں.... اور میں اب اس زندگی سے تنگ آگئی ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔"

"مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں۔" کنول ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "تم نے میرے بھائی کو تباہ کر دیا۔"

دفعتاً شلی اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگی۔ اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور سانس پھول رہی تھی۔

"میں نے نہیں۔ انہوں نے مجھے تباہ کیا ہے۔" وہ چیخ پڑی۔ اس کے آگے بھی اُس نے کہنا چاہا لیکن شاید الفاظ نہیں ملے۔ البتہ وہ بھوکی شیرنی کی طرح کنول کو گھور رہی تھی۔

"مجھے معاف کرنا۔" اچانک وہ خود کو سنبھال کر دھیمے لہجے میں بولی۔ "وہ میرے لئے اب بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ لیکن مجھے سمجھاتے کیوں نہیں کہ اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ اس طرح وہ خود بھی خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ میرے اُس طرح غائب ہو جانے پر پولیس کا شبہ یقین میں تبدیل ہو گیا ہوگا۔ کیا اس طرح انہوں نے اپنی بھی پوزیشن خطرے میں نہیں ڈالی؟"

"ہوں....!" کنول کی ہنسی زہریلی تھی۔ "میں بھی عورت ہوں۔ عورتوں کو خوب سمجھ ہوں اور پھر طوائف۔"

"خاموش رہو۔" شلی اتنے زور سے چیخی کہ اُس کی آواز پھنس گئی اور پھر وہ تیزی سے اٹھی۔ دروازے کی طرف بڑھنا ہی چاہتی تھی کہ کنول نے اُس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"تم اسطرح نہیں جا سکتیں۔" اُس نے کہا۔ "کیا سچ مچ میرے بھائی کو پھنسانے کا ارادہ ہے؟"

شلی رک گئی اور وہ اس طرح کنول کو دیکھ رہی تھی جیسے ابھی ابھی ہوش میں آئی ہو۔

"بیٹھ جاؤ۔" کنول نے اُس کا گال تھپکتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

شلی بے جان سی ہو کر آرام کرسی میں گر گئی۔

"مجھے دو....!" اُس نے تھوڑی دیر بعد مردہ آواز میں کہا۔ کنول اٹھ کر پانی لائی.... اُسے بغور د تی رہی۔ شلی کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ کچھ نہیں کہے گی اور اب اُس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر دیا ہے۔

کنول اُس کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ اُس کا شانہ تھپکنے لگی۔

"سنو! شلی....!" وہ اپنی آواز میں نرمی پیدا کر کے بولی۔ "ساگر بے وقوف ہے۔ اُس نے بہت بڑی حماقت کی۔ تمہیں اس طرح نہ چھپانا چاہئے تھا۔ کیا تم جانتی ہو کہ رمیش کا اسسٹنٹ اُسی کا شکار ہو گیا۔"

"میں نہیں سمجھی۔" شلی اُسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"وہ رمیش کی ترتیب دی ہوئی دھنوں کی مشق کر رہا تھا کہ اچانک پیانو ایک دھماکے

ساتھ پھٹ گیا۔"

"اوہ....!" شلی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اور اب اسی لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ معاملات کو زیادہ نہ الجھایا جائے۔ ورنہ ساگر اپنے ساتھ پورے خاندان پر تباہی لائے گا۔ تم خود سوچو.... میں نے اتنی سی دیر میں اندازہ لگا لیا ہے کہ تم بہت سمجھ دار اور حساس ہو۔"

"تو بتاؤ میں کیا کروں؟" شلی سسکی لے کر بولی اور اُس کے طفلانہ خدوخال کی معصومیت کچھ اور بھی بڑھ گئی۔

"سب کچھ مجھے بتا دو۔ ساگر بے عقل ہے۔ شروع ہی سے ٹیڑھے ترچھے راستے اختیار کرنے کا عادی رہا ہے۔ سیدھی سادی باتوں کو الجھائے بغیر اُسے چین ہی نہیں آتا.... اور پھر وہ ایسی ایسی حماقتیں کرتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

"تم میرے متعلق کیا جانتی ہو؟" شلی نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر سوال کیا۔

"اتنا ہی جتنا اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ اور اس وقت ساگر تمہیں یہاں چھوڑ گیا ہے۔ تمہارا نام بتا کر کہہ گیا ہے کہ تمہیں چھپایا جائے۔"

"اخبارات میں میرے متعلق کیا شائع ہوا ہے؟" شلی نے پوچھا۔

"یہی کہ تم نے لوگوں کو اپنے متعلق دھوکے میں رکھا تھا۔ تم اپنے متعلق پروپیگنڈہ کرتی رہی تھیں کہ تم کسی اعلیٰ خاندان کی فرد ہو۔ لیکن محکمہ سراغ رسانی کی اطلاعات کے مطابق حقیقتاً ایک پیشہ ور طوائف تھیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شلی نے کہا۔ "یہ سب کچھ ساگر صاحب کی ایماء پر ہوا تھا۔"

"میں یہی پوچھنا چاہتی ہوں کہ یہ سب کیوں اور کس طرح ہوا؟"

"میں سچ مچ ایک پیشہ ور طوائف تھی۔ میری ایک بہن بھی ہے جو اب بھی پیشہ کرتی ہے۔ ہمارے ساتھ کئی اور بھی تھیں۔ اتفاقاً ساگر صاحب ہمارے یہاں آنے لگے لیکن وہ کبھی اس طرح نہ آئے جیسے دوسرے لوگ آتے تھے۔ آتے اور خاموش بیٹھے رہتے اور پھر جاتے وقت پرس میں جو کچھ بھی ہوتا وہیں نکال کر ڈال جایا کرتے تھے۔"

شلی نے خاموش ہو کر گلاس سے دو تین گھونٹ لئے چند لمحے میز پر رکھے ہوئے گلدان پر

نظریں جمائے رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"میں اُن کی طرف کھنچنے لگی۔ میں اپنے پیشے سے بیزار تھی اور یہ خواہش تو بچپن ہی سے رکھتی تھی کہ دنیا کے سامنے ایک فنکار کی حیثیت سے آؤں۔ میرے ساتھ کی دوسری لڑکیاں ساگر صاحب کو احمق سمجھتی تھیں۔ لیکن میں اُن کی بڑی عزت کرتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ساگر صاحب دوسری لڑکیوں کی عدم موجودگی میں آئے اور ہم گھنٹوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہتے۔ ساگر صاحب کو میں نے اپنے شوق کے متعلق بتایا۔ انہوں نے فلمی زندگی شروع کرنے کی رائے دی لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا کہ مجھے اپنی اصلیت چھپانی پڑے گی۔ کیونکہ آج کل پیشہ ور طوائفوں کی فلمی دنیا میں دال نہیں گلتی۔ انہوں نے کہا.... کہ فی الحال اس پیشے کو ترک کر کے فلمی سوسائٹی میں گھسنے کی کوشش کرو۔ لوگوں سے یہ بتاؤ کہ تم ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہو۔ فلم کے شوق میں چند بُرے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئیں اور انہوں نے تم سے کچھ دن پیشہ بھی کرایا۔ اس طرح تم کسی نہ کسی اچھے آدمی کی ہمدردیاں حاصل کر لو گی۔ اندازِ گفتگو کے معاملے میں ذرا رومانی بنتی رہنا۔"

شلی پھر خاموش ہوگئی۔ کنول توجہ اور دلچسپی سے سن رہی تھی۔ لیکن اُس کی خاموشی پر اُس نے اُسے ٹوکا نہیں شلی کچھ دیر بعد بولی۔

"اس طرح ساگر صاحب مجھے طوائف کے کوٹھے سے اُتار کر اپنے گھر لائے۔ مجھے اپنے ساتھ ہوٹلوں میں لے جاتے رہے۔ خصوصاً اُن ہوٹلوں میں جہاں فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والے آیا کرتے تھے ایک رات ایک رقص گاہ میں انہوں نے مجھے دور سے میوزک ڈائریکٹر رمیش کو دکھایا اور بولے" یہ ایک شریف آدمی ہے اور فلمی دنیا میں کافی وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے.... اگر یہ کسی طرح تم پر مہربان ہو جائے تو تم ترقی کے اعلیٰ مدارج آسانی سے طے کر سکو گی ساگر صاحب نے مجھے انگریزی اور فرانسیسی طرز کے ناچ بھی سکھائے تھے۔ میں نے وہیں رقص گاہ میں رمیش کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش شروع کر دی اور آخر کار میدان میرے ہاتھ رہا۔ رمیش نے مجھ سے رقص کی درخواست کی اور پھر ہم کئی راؤنڈ ناچے۔ رمیش مجھ سے بُری طرح متاثر نظر آرہا تھا۔ دوسرے دن اُس نے مجھے اپنے گھر پر مدعو کیا اور میں نے اُسے اپنے حالات بتائے جو ساگر صاحب نے سمجھائے تھے۔ رمیش اور زیادہ متاثر ہوا۔ کہنے لگا کہ تم بے

دھوکے میں بھی رکھ سکتی تھیں۔ اگر اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے متعلق مجھے نہ بتاتیں تو میں نہایت آسانی سے اندھیرے میں رہ سکتا تھا۔ تم سچ مچ شریف اور خاندانی معلوم ہوتی ہو اور اگر اب تم باعزت طور پر زندگی بسر کرنا چاہتی ہو تو میں ہر ممکن مدد دینے کے لئے تیار ہوں۔ کچھ دنوں بعد میں نے اُسے اپنی اور اُس آدمی کی فرضی لڑائی کی داستان سنائی جس نے مجھے طوائفانہ زندگی سے نکالا تھا اور پھر رمیش ہی کے ساتھ رہنے لگی۔ رمیش کا ارادہ تھا کہ وہ اب خود بھی فلمیں پروڈیوس کرے گا اور اُس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ اپنی پہلی فلم میں مجھے ہیروئن کا رول دے گا۔

دوسرے کمرے میں سرجنٹ حمید بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

شلی بولتی رہی۔ "میں اس کے بعد بھی ساگر صاحب سے ملتی رہی تھی۔ ساگر صاحب مجھ سے کہا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ رمیش تم سے مرعوب ہو جائے۔ وہ میوزک ڈائریکٹر ہے نا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اُسے موسیقی کا سبق دینے لگو۔ انہوں نے مجھے میوزک سکھانا شروع کر دیا۔ اسی دوران میں رمیش کا مسعود سے کنٹریکٹ ہو گیا۔ رمیش اس فلم کی میوزک کو سال رواں کا بہترین کارنامہ بنانا چاہتا تھا لہٰذا وہ دن رات دھنوں اور گیتوں کی تشکیل میں مصروف رہنے لگا۔ انہیں دنوں ساگر صاحب نے مجھے رقص کی ایک انوکھی گت سکھائی۔ مقصد یہ تھا کہ میں رمیش پر اپنے کمالات کا رعب ڈالوں۔ ساگر صاحب کا اندازہ بالکل درست تھا۔ جب میں نے رمیش کے سامنے وہ گت بجائی تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ میں نے کہا اگر یہ تمہیں پسند ہے تو اسے تم اپنے لئے استعمال کر سکتے ہو۔"

شلی پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ حمید کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔ اس دوران میں کئی بار اُس کا دل چاہا تھا کہ شلی کے سامنے چلا جائے۔ لیکن .... پھر .... نہ جانے کیوں رک گیا تھا.... وہ سوچ رہا تھا کہ کنول کی اداکاری نے یہ مسئلہ منٹوں میں حل کر دیا۔ ورنہ کتنے ہی پاپڑ بیلنے پڑتے۔

"تو پھر رمیش نے وہ گت اپنالی تھی؟" کنول نے پوچھا۔

"ہاں.... اور دوسروں نے بھی اسے بے حد پسند کیا۔" شلی نے کہا۔

"جس دن پیانو میں دھاکہ ہوا میں اسٹوڈیو کے ریستوران میں ایک پولیس آفیسر کے ساتھ چائے پی رہی تھی۔"

"پولیس آفیسر کے ساتھ؟" کنول نے حیرت سے کہا۔

"وہ ایک منچلا سا پولیس آفیسر ہے نا.... سرجنٹ حمید۔"

"وہ....!" کنول معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولی۔

"پھر اچانک کسی نے ریستوران میں آکر بم پھٹنے کی خبر سنائی اور رمیش کا نام بھی لیا میں کر بے تحاشہ اسٹوڈیو کی طرف بھاگی۔ راستے میں ساگر صاحب مل گئے۔ انہوں نے کہا کہ تم وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ اگر پولیس کو تمہارے صحیح حالات کا علم ہو گیا تو وہ تم پر شک کرے گی۔ مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور اس دن سے چھپاتے پھر رہے ہیں۔ میں بیڈن روڈ کے ایک پرائیو ہسپتال میں ہسٹیریا کی ایک مریض کی حیثیت سے قیام پذیر تھی۔ ساگر صاحب بھی میرے سا ہی رہتے تھے۔ اُس وقت اچانک کچھ پولیس والے وہاں کی تلاشی لینے کیلئے آپہنچے اور ہمیں بھاگنا پڑا۔"

"تم کبھی سچ مچ ہسٹیریا کی مریض رہی ہو؟" کنول نے پوچھا۔

"نہیں کبھی نہیں۔ لیکن اس دوران یہ ضرور محسوس کرتی رہی ہوں کہ مجھ پر کسی قسم دورے ضرور پڑیں گے۔ ویسے مجھے اُس ہسپتال میں کسی ہسٹیریا کے مریض کی ایکٹنگ ضرور کر پڑتی تھی۔"

"ساگر اس بات سے بھی واقف تھا کہ تم کسی پولیس آفیسر کی بھی دوست ہو؟" کنول نے پوچھ

"نہیں۔ میں نے اُن سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ کسی خاص مقصد کے تحت نہیں۔ میں نے اُس کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔"

کنول تھوڑی دیر خاموش رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "ٹھہرو۔ میں تمہیں ایک آدمی سے ہوں وہ تمہاری مدد کرے گا۔"

اُس نے حمید کو آواز دی اور جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا شلی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ کبھی وہ کنول کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی حمید کی طرف۔

"دھوکا....!" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"بہت بڑا دھوکا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اتنا بڑا کہ تم اب بھی ساگر کو اپنا ہمدرد سمجھ رہی؟"

شلی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے اُسی طرح بیٹھی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"تو وہ تم تھے.... اور یہ ساگر کی بہن۔"

"ساگر....!" حمید نے کہا۔ "نہیں یہ ساگر کی بہن نہیں ہے۔ اگر یہ طریقہ اختیار نہ کیا

تو تم یہ بات کبھی نہ بتاتیں اور تم شاید یہ بھی جانتی ہو کہ رمیش اور اُس کا اسسٹنٹ تمہاری ہی وجہ سے مرے۔"

"میری وجہ سے؟" شلی خوف زدہ آواز میں بولی۔ اُس کے پیر کانپ رہے تھے اور چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

حمید نے فاؤنٹین پن جیب سے نکالا اور کاغذ کے ایک ٹکڑے پر چار متوازی لکیریں کھینچیں اور اُن پر موسیقی کے مخصوص نشانات بنانے لگا۔ پھر وہ کاغذ شلی کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا یہی وہ گت تھی جو ساگر نے تمہیں سکھائی تھی؟" اُس نے پوچھا۔

"یہ.... میں یہ سب نہیں جانتی۔" شلی اُس پر نظریں جمائے ہوئے بولی۔ "ان لکیروں کو کوئی ماہر ہی سمجھ سکے گا۔ میں تو بس یونہی الٹے سیدھے دو ایک ساز بجا لیتی ہوں۔"

حمید نے ہونٹ سکوڑے اور سیٹیوں میں وہی گت دہرا دی۔ اُسے وہ گت اچھی طرح یاد ہو گئی تھی کیونکہ فریدی اس دوران میں اُسے کئی بار وائیلن پر بجا چکا تھا۔

"یہی تھی....!" شلی نے کہا۔

"تب تو وہ مارا....!" حمید اچھل کر بولا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" شلی آہستہ سے بڑبڑائی۔ "میں کچھ نہیں سمجھ سکتی۔"

اُس کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار تھے۔

"ایک بہت بڑی سازش۔" حمید نے کہا۔ "اور تم اس میں ایک بے جان مہرے کی طرح کام میں لائی جاتی رہی ہو۔ اسی گت کو بجانے کے دوران میں رمیش مرا تھا اور یہی تھی وہ گت جس نے اُس کے اسسٹنٹ کی جان لی۔"

"میں کچھ نہیں سمجھی۔" شلی بے بسی سے بولی۔

"تمہاری سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔" حمید نے کہا۔ "بہتری اسی میں ہے کہ اب تم ساگر کے ہاتھ لگنے کی کوشش نہ کرنا۔" پھر اُس نے سب کچھ شلی کو سمجھا دیا۔

شلی کے چہرے پر ذہنی کشمکش کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے حمید کی باتوں پر یقین نہ آیا ہو۔

"میں تمہیں یہاں اس لئے لایا ہوں کہ تم پولیس اور ساگر دونوں کی نظروں سے محفوظ

رہو۔" حمید پھر بولا۔

"پھر! یہ ایک اور الجھن.... تم مجھے دونوں سے کیوں بچانا چاہتے ہو؟" شلی نے کہا۔

"کیا بتاؤں!" حمید مسکرا کر بولا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ سول پولیس کے رنگروٹ ڈھولک بجا
کے ماہرین میں سے تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اگر تم ایک دن کے لئے بھی حوالات....!"

"کیا بکنے لگے۔" کنول جھنجھلا کر بولی اور اُس کی انگلیاں حمید کی گردن میں پیوست ہو گئیں۔

"معاف کرنا۔" حمید اپنی گردن چھڑا کر بولا۔ "میں یہ بھول گیا تھا کہ تم بھی عورت ہو۔"

"حمید صاحب۔ میں کیا کروں۔" شلی تھوک نگل کر بولی۔

"چپ چاپ یہیں چھپی رہو اور مجھے ساگر کی قیام گاہ کا پتہ بتاؤ۔ حالانکہ وہ اب وہاں نہ
سکے گا۔ مگر پھر بھی مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

خودکشی کیوں؟

آٹھ بجے صبح سرجنٹ حمید گھر پہنچا۔ لائبریری کے قریب سے گذرتے وقت اُس
محسوس کیا کہ فریدی اندر ٹہل رہا ہے۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ فریدی نے ا
آواز دی۔ حمید ایک لمحے کے لئے رکا۔ اپنی گردن اکڑائی اور سینہ تان کر انگلش لارڈوں کی ط
ہندوستانی پہاڑی کوؤں کی چال چلتا ہوا لائبریری میں داخل ہو گیا۔

فریدی آبی فلالین کی پتلون اور چمڑے کی جیکٹ پہنے لائبریری میں ٹہل رہا تھا۔ بال بے
اور آنکھیں سرخ تھیں۔ میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے سگار کے ٹکڑوں سے بھر گیا تھا۔

"کہاں تھے؟" فریدی نے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔ جس میں پیار کی بھی جھلک تھی۔

حمید کسی آئس کریم کے ڈھیر کی طرح پگھل گیا۔ لیکن دفعتاً اُس کی نظریں لکڑی کی
تختیوں پر پڑیں جن پر اُس نے پچھلی رات کو دستِ شفقت پھیرا تھا۔

"شہر ہی میں تھا۔" حمید نے لاپرواہی سے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"درجن کی خودکشی کے متعلق معلوم ہوا یا نہیں؟"

"درجن کی خودکشی؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں اُس نے خودکشی کرلی.... اور ساتھ ہی اپنے سارے جرائم کا اعتراف بھی کرلیا
یہ دیکھو....!"

زیدی نے میز پر رکھا ہوا کاغذ حمید کی طرف بڑھادیا جس پر تحریر تھا۔

"میں درجن خاں آرتھر سنگھ۔ بہوش و حواس اس بات کا اعتراف کر رہا ہوں کہ رمیش اور
کے اسسٹنٹ کی موت کا ذمہ دار میں ہی ہوں۔ لیکن اب مجھے افسوس ہے۔ کیونکہ اُن کی
سے مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ نہ تو فلم کی شوٹنگ ہی رکی اور نہ میں کلاوتی ہی کو حاصل
کا.... اوہ.... میں اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آدمی کو کسی دوسرے کے گوشت پوست یا
خال سے محبت نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ذہنی یا روحانی رشتہ ہے۔ کلاوتی پاگل ہو گئی ہے۔ یعنی
میری اور اُس کی ذہنی ہم آہنگی ناممکن ہے۔ اس لئے میں خودکشی کر رہا ہوں۔ میں نے یہ سب
اسی کے لئے کیا تھا۔ رمیش کو اسی لئے ختم کیا تھا کہ کلاوتی آزاد ہو جائے۔ کلاوتی جو رمیش سے
نفرت کرتی تھی لیکن وہ کلاوتی.... رمیش کی موت کے بعد پاگل ہو گئی۔ فلم کی شوٹنگ رکوانے میں
انتقامی جذبہ کام کر رہا تھا۔ اس فلم کی کہانی میری اپنی تھی جو میرے دوستوں کے ذریعہ
ڈائرکٹر مسعود تک پہنچی اور اُس نے اسے اپنا لیا۔ میں جانتا ہوں کہ کہانی بہت مقبول ہو گی۔ لہٰذا
یہ برداشت نہ کر سکا کہ وہ کسی اور کے نام سے منسوب کی جائے۔ میں نے پہلے ہی سے تہیہ
کیا تھا کہ اس فلم کی شوٹنگ نہ ہونے دوں گا۔ یہ بات بھی مجھے پہلے ہی سے معلوم تھی کہ اس بار
مسعود اپنی فلم کی میوزک رمیش سے دلوائے گا۔ میں نے سوچا کہ بس اب کیا ہے ایک تیر سے دو
شکار ہوں گے۔ پھر میں نے ایک پروگرام بنایا.... ایک مکمل ترین اسکیم۔ اپنے ایک گرگے کے
ذریعہ بملا نامی طوائف کو فلمی دنیا میں بلوایا۔ اُس کی ملاقات رمیش سے کروائی۔ آخر وہ بطور داشتہ
رمیش کے ساتھ رہنے لگی۔ لوگ اُسے شلی کے نام سے جانتے تھے۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں
ہے کہ زیادہ تفصیل میں جاؤں۔ شلی بیڈن روڈ کے ایک پرائیویٹ ہسپتال میں ہے۔ ڈاکٹر جیرالڈ کا
ہسپتال۔ وہ بے چاری بالکل بے قصور ہے۔ اُسے اس سازش کا علم نہیں۔ اُسے یہ نہیں معلوم کہ
اُسے جو گت سکھائی گئی وہی رمیش کی موت کا پیغام تھی۔ اُس نے وہ گت رمیش کو سکھائی اور اُدھر
میں نے اسٹوڈیو کے پیانو میں کاروائی کردی۔ اُسی گت کے سروں سے ایک بم کا سیفٹی کیچ اٹیچ
کردیا۔ کلاوتی کا اغواء محض اس لئے کرنا پڑا کہ وہ اُس موقع پر موجود تھی۔ جب شلی نے رمیش کو وہ

گت بتائی تھی۔ لہٰذا جس دن دوسرا حادثہ ہوا.... میں نے کلاوتی کو غائب کرا دیا لیکن اِز
کہ کلاوتی ذہنی طور پر مجھ سے دور ہو گئی۔ اور اب میں یہ سوچتا ہوں کہ میں نے اُس پر ظلو
ایک نہیں ایسے سینکڑوں جرائم میری ذات سے وابستہ ہیں اور اب میں زندگی میں اپنے
کشش نہیں محسوس کرتا۔ اس لئے خودکشی کر رہا ہوں اور پھر میں اتنا گیا گذرا بھی نہیں
دوسرے کو اپنے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈالنے کی اجازت دے دوں۔ شلی میرے ایک
ساگر کے ہمراہ ڈاکٹر جیرالڈ کے ہسپتال میں مقیم ہے۔ ساگر کو اُس سے محبت ہو گئی ہے
اُسے کہیں دور نکال لے جانا چاہتا ہے۔ ساگر کا بھی صرف اتنا ہی قصور ہے کہ وہ شلی کو بہا
تھا اور اُس نے میرے ہی ایماء پر اُسے وہ گت سکھائی تھی۔ ویسے اُن دونوں موتوں کا ذمہ
ہی ہوں۔"

حمید نے خط ختم کر کے ایک طویل سانس لی اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا جو نیا سگار
جا رہا تھا۔ ایک ہلکا سا کش لے کر اُس نے حمید کو تیکھی نظروں سے دیکھا پھر مسکرانے لگا۔

"اور تم....!" اُس نے کہا۔ "اس قابل ہو کہ سمجھ دار آدمیوں کی عبرت کے لئے
گھر کے کٹہرے میں بند کر دیئے جاؤ۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کا ذہن شلی کی بیان کی ہوئی داستان میں الجھا ہوا
سوچ رہا تھا کہ اس داستان میں ایک جگہ درجن کا نام نہیں آیا تھا اور خود درجن بھی اس کا
کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ شلی سچ مچ اس سازش سے بے خبر تھی لیکن اُس نے یہ نہیں بتایا تھا
وقت کلاوتی بھی موجود تھی جب اُس نے رمیش کو وہ گت سکھائی تھی۔

"اس قسم کی حرکتیں کرنے سے پہلے۔" فریدی لکڑی کی تختیوں کی طرف اشارہ کر کے
"ہاتھوں میں دستانے ضرور پہننا چاہئے۔ ورنہ انگلیوں کے نشانات جہنم میں پہنچا دیتے ہیں۔

حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن فریدی پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔ دفعتاً اُس نے سر اٹھا کر کہا
تم نے درجن کے ایک ساتھی پر پتھر چلایا تھا اور اب یہ دوسری حماقت کی اگر یہ حرکت
سے بھی سرزد ہوتی تو میں اسے زندگی بھر نہ معاف کرتا۔"

"میں نے غلطی نہیں کی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں جانتا تھا کہ آپ رمیش کو سا
جا رہے ہیں۔ کوئی نہ کوئی حماقت ضرور کریں گے.... لہٰذا.... میں....!"

نوکر کمرے میں ایک وزیٹنگ کارڈ لے کر داخل ہوا اور حمید جملہ نہ پورا کر سکا۔ فریدی وزیٹنگ کارڈ پڑھ کر ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا۔ اُس کے پیچھے حمید بھی پہنچا۔ یہاں ڈی۔ایس۔پی سٹی دو انسپکٹروں کے ساتھ فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔

"آپ خواہ مخواہ اس معاملے کو الجھا رہے ہیں!" ڈی ایس پی نے کہا۔

"خواہ مخواہ الجھا رہا ہوں۔" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اور کیا.... ایک سیدھی سی بات بھی آپ کے ذہن میں پیچیدگی اختیار کر لیتی ہے۔"

"تو آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اسے خودکشی ہی سمجھوں؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

اب تو حمید کو بھی چونکنا پڑا۔

"انسپکٹر صاحب ضروری نہیں کہ آپ کے ہاتھ میں آیا ہوا ہر کیس پیچیدہ ہو۔" ڈی ایس پی نے کہا۔

"میں کسی غیر پیچیدہ کیس میں ہاتھ ہی نہیں لگاتا۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"اچھا تو پھر یہی بتائیے ناکہ یہ خودکشی نہیں ہے؟" ڈی ایس پی کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"سنئے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ لاش کے جیب سے برآمد ہونے والی تحریر سرخ روشنائی میں ہے لیکن اُس گھر میں نہ کوئی ایسی دوات ملی جس میں سرخ روشنائی ہو اور نہ کوئی ایسا فاؤنٹین پن۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" ڈی ایس پی ہنس کر بولا۔ "ممکن ہے اُس نے وہ خط گھر کے باہر ہی کہیں لکھا ہو۔"

"ٹھیک ہے.... اچھا خیر.... ہمیں ایک بار پھر وہیں چلنا پڑے گا۔ یہاں آپ نہ سمجھ سکیں گے۔"

فریدی کھڑا ہو گیا اور حمید سے بولا۔ "گیراج سے گاڑی نکالو۔"

تھوڑی دیر بعد وہ سب درجن کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔

اُس عمارت کے گرد پولیس کا پہرہ تھا اور حادثے والے کمرے کی کوئی چیز اِدھر اُدھر نہیں کی گئی تھی۔ صرف لاش ہٹائی گئی تھی اور پاگل کلاوتی کو ہسپتال روانہ کر دیا گیا تھا۔

فریدی وغیرہ حادثے والے کمرے میں کھڑے تھے۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا۔" فریدی بولا۔ "یہ خط یہیں اسی عمارت میں لکھا گیا تھا۔ ذرا یہ دیکھئے۔"

فریدی نے فرش پر پڑے ہوئے سرخ رنگ کے ایک دھبے کی طرف اشارہ کیا۔
"یہ بات واضح ہو چکی۔" اُس نے پھر کہنا شروع کیا۔ "کہ اس گھر میں نہ سرخ روشنائی ہے
نہ کوئی ایسا فاؤنٹین پن جس میں سرخ روشنائی ہو۔ پھر یہ دھبہ کہاں سے آیا جو پرانا بھی نہ
معلوم ہوتا۔ غالباً اس پر ابھی تک کسی کا پیر بھی نہیں پڑا اور اس دھبے کی بناوٹ بھی آپ
رہے ہیں۔ ننھی ننھی چھینٹوں سے بنی ہوئی یہ لمبی سی لکیر کسی فاؤنٹین پن ہی کی روشنائی چھڑ
نتیجہ ہو سکتی ہے۔"

"چلئے مان لیا اسے۔" ڈی ایس پی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب اس تحریر کو دیکھئے۔" فریدی نے جیب سے درجن کا خط نکالتے ہوئے کہا۔ "آ
ان دھبوں کے متعلق کیا کہتے ہیں۔"

"اوہو! کیا یہ کوئی بڑا مشکل سوال ہے؟"

"آسان ہی سہی! لیکن میں اس کا جواب چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ یہ کاغذ تحریر کے خشک ہونے سے پہلے ہی تہہ کر دیا گیا تھا۔ اس لئے یہ د
پڑ گئے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ذرا غور سے دیکھئے۔" فریدی نے کہا۔ "پوری تحریر خشک ہو گئی تھی لیکن
اوپری لائن کے یہی دو تین الفاظ خشک ہونے سے رہ گئے تھے اور یہ قطعی ناممکن ہے کہ پوری تح
کے بعد کے الفاظ تو خشک ہو جائیں اور شروع کے الفاظ گیلے ہی رہیں۔"

"اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔" ڈی ایس پی بولا۔

"لیکن اُسی صورت میں جب روشنائی زیادہ ہو جائے لیکن یہاں اس کے آثار بھی نہیں ہیں
صریحاً ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پہلی لائن کے شروع کے یہ الفاظ "میں درجن خان آرتھر سنگھ
بعد میں لکھے گئے ہیں اور جلدی میں روشنائی خشک ہونے سے قبل ہی کاغذ تہہ کر دیا گیا ہو اور
"بہوش و حواس" سے پہلے کا ایک لفظ کاٹا گیا ہے۔ اس پر لگائے ہوئے نشان کی روشنائی بھی گیلی
تھی کیونکہ اس کا دھبہ بھی یہ رہا۔"

"پھر....؟" ڈی ایس پی کی آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔

"جہاں تک میرا خیال ہے یہ تحریر "میں بہوش و حواس" ہی سے شروع کی گئی تھی لیکن

تھا" کاٹ دیا گیا اور اس سے پہلے چھوٹی ہوئی جگہ پر "میں درجن خان آرتھر سنگھ" کا اضافہ کیا

"میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شروع کے الفاظ جو بعد کو لکھے گئے درجن نے نہیں لکھے تھے۔"
یدی نے لاپروائی سے کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ کیا فرق ہے ان میں؟" ڈی۔ ایس۔ پی جھنجھلا کر بولا۔

"شاید آپ کو طرزِ تحریر کے ماہرین کی رپورٹ پر یقین آجائے۔" فریدی نے خشک لہجے
ا کہا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ ڈی۔ ایس۔ پی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب کچھ
ں پوچھے گا۔ البتہ اُس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے۔

"آپ اس نتیجے پر کس طرح پہنچے؟" حمید نے پوچھا۔ "سرسری طور پر کیا غور سے بھی دیکھنے
مجھے اس تحریر میں انداز کا فرق نہیں نظر آیا۔"

"پہلے میں نے بھی فرق نہیں محسوس کیا تھا اور کوتوال صاحب کا یہ کہنا بھی درست ہو سکتا
ہ کہ ممکن ہے اُس نے پہلے چند الفاظ بعد ہی میں لکھے ہوں۔ مگر یہاں ایک نشان اور بھی
ہ.... یہ رہا ہلکا سا سرخ نشان جو باریک باریک متعدد لکیروں سے بنا ہے۔ یہ اُس آدمی کے انگلی
نشان ہے جس نے اس کاغذ کو تہہ کیا تھا۔ اُس کی انگلی میں سرخ روشنائی لگی ہوئی تھی اور وہ غالباً
ں وقت لگی تھی جب اُس نے فاؤنٹین پن کو جھٹکا دے کر روشنائی چھڑکی تھی۔ لیکن درجن کی
نگلیاں صاف تھیں اُن پر ذرہ برابر بھی سرخی نہیں ملی۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ پوری تحریر درجن کی نہیں ہے؟" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"نہیں۔ قطعی اُسی کی ہے۔ مجھے تو صرف چند الفاظ پر شبہ ہے۔ میں اس کی دوسری بعض
تحریروں سے بھی اُس کا مقابلہ کر چکا ہوں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ اس طرح قلم
پکڑتے ہیں کہ اُنکی بیچ کی انگلیوں میں ناخنوں کے قریب تھوڑی سی روشنائی ضرور لگ جاتی ہے اور
بعض لوگوں کے ہاتھ بالکل بے داغ رہتے ہیں۔ درجن دوسری ہی قسم کے لوگوں میں سے تھا۔"

"چلئے میں نے سب کچھ تسلیم کر لیا۔" ڈی۔ ایس۔ پی اکتا کر بولا۔ "آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہ خودکشی نہیں بلکہ قتل ہے۔" فریدی نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہ تحریر کسی نامع
آدمی نے ورجن سے لکھوائی تھی اور اُسے یہاں سے شروع کرایا تھا۔ "میں بہوش و حواس
بات کا اعتراف کرتا ہوں اور پھر اُس نے ورجن کا گلا گھونٹ دیا۔ اس کے بعد اُس نے اپنے
سے چھوٹی ہوئی جگہ میں ورجن خان آرتھر سنگھ کا اضافہ کردیا۔ اور یہ کوئی مشکل کام نہیں کہ
مردہ آدمی کی گردن رسی کے پھندے میں ڈال دی جائے۔"

"ہو تو سکتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ یہی ہوا ہو۔ ابھی تک آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ محض
قیاس ہے۔ ایسا قیاس جس پر حقیقت کا گمان ہو سکے۔ مگر گمان اور حقیقت میں فرق ہے۔ اگر یہ
بات ثابت ہو جائے کہ موت رسی کے پھندے سے نہیں واقع ہوئی تو اُسی صورت میں اسے قتل
سمجھا جا سکتا ہے۔"

فریدی ڈی۔ ایس۔ پی کی بات پر چند لمحے مسکراتا رہا پھر بولا۔

"کوتوال صاحب۔ واقعی آپ کا اعتراف کافی وزن دار ہے۔ ظاہر ہے کہ پوسٹ مارٹم کی
رپورٹ میں یہی ہوگا کہ ورجن کی موت دم گھٹنے کی وجہ سے واقع ہوئی اور دم دونوں ہی صورتوں
میں گھٹ جاتا ہے۔ چاہے ہاتھ سے گردن دبائی جائے چاہے رسی کا پھندا موت کا باعث ہو۔ لیکن
کوتوال صاحب مجھے افسوس ہے کہ آپ پچھلی رات کو یہاں موجود نہیں تھے اور نہ آپ نے
رپورٹ ہی اچھی طرح پڑھی ہے جو میں نے آپ کو ہیڈ محرر کو ڈکٹیٹ کرائی تھی؟"

"کیوں؟ کیا مطلب؟" ڈی۔ ایس۔ پی اُسے گھور کر بولا۔

"جلدی میں مجرم ایک بڑی فاش غلطی کر بیٹھا تھا۔ اگر وہ اپنا فاؤنٹین پن بھی یہاں ڈال جاتا
اور ایک دوسری غلطی نہ کرتا تو میرے فرشتے بھی اس نتیجے پر نہ پہنچ سکتے۔"

"کون سی غلطی؟" ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔

"دیکھئے بتاتا ہوں۔" فریدی نے چھت سے لٹکتی ہوئی رسی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہاں پر
ایک کرسی پڑی تھی اور لاش رسی میں جھول رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ورجن نے اُسی کرسی پر
کھڑے ہو کر رسی کا پھندا گلے میں ڈالا ہوگا اور پھر کرسی کو لات مار کر ہٹا دیا ہوگا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ہاں ہاں۔ میں سمجھ رہا ہوں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے بے چینی سے کہا۔

"اچھا... اچھا۔ اگر یہ بات تھی تو مرنے والے کے پیر کرسی کی سطح سے نیچے ہونے چاہئے
میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کہہ بھی چکئے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا اور فریدی
بے اختیار مسکرا پڑا۔

"لیکن کوتوال صاحب! جب میں نے لاش کے نیچے کرسی سیدھی کی تو ورجن کے پیر کرسی
کی سطح سے تقریباً نو انچ اونچے تھے۔"

"کیا؟" ڈی۔ ایس۔ پی چونک پڑا۔ "آپ کو یقین ہے؟"

"اپنے ہیڈ محرر سے پوچھ لیجئے گا۔ میں نے اُس کی توجہ اس چیز کی طرف مبذول کرائی تھی
لیکن شاید وہ سمجھ ہی نہ سکا تھا۔"

"اگر یہ بات تھی تب تو.... آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔" ڈی۔ ایس۔ پی مضطربانہ انداز میں بولا۔

"جی ہاں۔ مجرم جلدی میں تھا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اُس نے ورجن کا گلا گھونٹا اور
اسے لٹکا دیا۔ پھر فاصلے کا خیال رکھے بغیر ایک کرسی اُس کے نیچے الٹ دی۔"

ڈی۔ ایس۔ پی کچھ دیر خاموش رہ کر پھر بولا۔

"اور کلاوتی کا پاگل پن۔"

"اُس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر اُس کے پاگل پن کی
وجہ ورمیش کی موت تھی تو وہ اغواء سے پہلے ہی پاگل کیوں نہیں ہوئی۔ حالانکہ وہ خود اُسی حادثے
کے نتیجے میں تھوڑی بہت زخمی ہو گئی تھی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی سر ہلا کر بولا۔

"اور بے چارا ورجن.... وہ اس بساط پر ایک معمولی مہرے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا
تھا... پتہ نہیں اُس لڑکی شیلی کا کیا انجام ہوا؟"

"وہ میرے جیب میں رکھی ہوئی ہے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا؟" فریدی چونک کر اُس کی طرف مڑا۔

"کچھ نہیں۔" حمید نے بڑی معصومیت سے سر ہلا دیا۔

اجنبی دوست

واپسی پر فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ حمید بھی خاموش تھا اور سوچ کہ فریدی کو شلی کے متعلق کس طرح بتائے۔

"تو کیا کلاوتی بنی ہوئی پاگل ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"تم مت بولو مجھ سے۔ تمہاری بدولت کیس برباد ہو گیا۔"

"ضروری نہیں کہ آپ کی سوچی ہوئی ہر بات درست ہی ہو۔" حمید نے کہا۔ "آپ ہیں کہ میری وجہ سے کیس بگڑ گیا ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کو درجن کی خودکشی ثابت کرنے کے لئے جو آسانیاں بہم پہنچی ہیں اُن کا ذمہ دار میں ہی ہوں۔"

"یعنی تمہارا مطلب یہ ہے کہ یہ ساگر ہی کی حرکت ہے؟"

"سو فیصدی جناب والا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہسپتال سے بھاگ کر وہ سیدھا کے یہاں آیا اور جلدی میں اُس سے ایسی حماقتیں سرزد ہوئیں کہ قتل خودکشی نہ بن سکا۔ اگر نے کرسی سے لاش کے فاصلے کا تناسب ذہن میں رکھا ہوتا تو اپنا فاؤنٹین پن بھی وہیں چ ہوتا تو کیا آپ اس نتیجے پر پہنچ سکتے تھے؟"

"قیامت تک نہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "خط کے طرز تحریر کے مبہم سے طرف دھیان بھی نہ دیتا۔"

"بہر حال کہنے کا یہ مطلب کہ...." حمید بولا۔ "اگر اُس نے یہ کام اطمینان سے سر ہوتا تو پولیس رو پیٹ کر بیٹھ گئی ہوتی اور مجھے کہنے دیجئے کہ اُسے یہ بے اطمینانی میری ہی نصیب ہوئی۔"

"کیوں.... تمہاری وجہ سے کیوں؟"

"میری ہی وجہ سے جناب۔" حمید اکڑ کر اپنا سینہ پیٹتا ہوا بولا۔

"ابے تو کچھ کہے گا بھی.... یا یونہی....!"

"شلی میرے جیب میں رکھی ہوئی ہے۔"

"یعنی....؟"

"میں نے شلی کو پچھلی رات پکڑ لیا تھا۔"

"کیا....؟ کیوں بکتے ہو۔"

"خدا کی قسم....!"

"کہاں ہے وہ؟"

"کنول کے کوارٹر میں۔"

"کنول کون....؟"

"اوہو.... اتنی جلدی بھول گئے۔ وہی مسٹر کیو والی۔"

"اوہ! لیکن تم نے رات ہی مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی؟"

"اگر آپ سیدھے نہ ہو جاتے تو اس وقت بھی نہ بتاتا۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"تو یہ بات ہے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "شلی کے پکڑے جانے کی بناء پر ساگر نے بوکھلا کر یہ حرکت کر ڈالی۔ بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ ساگر معمولی ذہانت کا آدمی نہیں۔ وہ شروع ہی سے اس بات پر زور دیتا چلا آرہا ہے کہ اُس نے یہ جرائم محض فلم کی شوٹنگ رکوانے کے لئے کیے ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہیں معلوم ہوتی۔ درجن کے خط میں اُس نے درجن اور کلاوتی کے عشق کا قصہ چھیڑا ہے۔ یہ بھی بے سر وپا معلوم ہوتا ہے۔ کلاوتی پاگل ضرور ہو گئی ہے لیکن اس کی وجہ صدمہ نہیں معلوم ہوتا۔ اُسے کسی تدبیر سے پاگل بنایا گیا ہے۔"

"میں نے شلی سے ساگر کی مستقل قیام گاہ کا پتہ لے لیا ہے۔ کیوں نہ وہاں بھی دیکھ لیں۔" حمید نے کہا۔

"فضول ہے۔ اُس کا وہاں پایا جانا قطعی غیر فطری ہوگا۔ کیونکہ اُس نے درجن سے اس بات کا اعتراف کرادیا ہے کہ وہ خود بھی اس سازش میں شریک تھا۔ لیکن قتل کا الزام اپنے سر نہیں لیا۔ بہر حال وہ اسی جرم کو چھپانے کے لئے پولیس کی نظروں سے چھپنے کی کوشش ضرور کرے گا۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ درجن نے اُس سے لکھوایا کس طرح ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ ظاہر ہے کہ درجن بھی اس سازش میں شریک تھا اور تم یہ بھی

جانتے ہو کہ وہ ہر وقت نشے میں رہتا تھا۔ ساگر نے اُس سے کہا ہو گا کہ اب پولیس اُن کے پیچھے پڑنے والی ہے۔ لہٰذا کیوں نہ اُسے غلط راستے پر لگایا جائے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید بھی تھوڑی دیر تک چپ رہا پھر بے چینی سے بولا۔ "ہاں تو پھر....؟"

"فی الحال اس مسئلے کو الگ ہی رکھو۔" فریدی بولا۔ "ہاں.... شلی نے کیا بتایا تھا؟"

حمید نے مختصراً شلی کا بیان دہرا دیا۔ فریدی کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"بہتر یہی ہے کہ اُسے چپ چاپ وہاں سے نکال کر حوالات میں پہنچا دیا جائے اور اس معاملے کو شہرت نہ دی جائے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کنول کے گھر پر پہنچے۔ کنول نے چھٹی لے رکھی تھی۔ شلی اور وہ دونوں بے خبر سو رہی تھیں۔ اُن کے ننداسے چہرے دیکھ کر حمید کو بھی خیال آیا کہ وہ بھی پچھلی رات کو نہیں سویا تھا اور پھر اُس کی پلکیں بھی نیند کے دباؤ سے جھکنے لگیں۔

شلی متحیرانہ انداز میں فریدی کو دیکھ رہی تھی۔

اور پھر جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ حوالات کے لئے لے جائی جارہی ہے تو وہ کسی ننھی آ بچی کی طرح رونے اور سسکنے لگی۔

"کیوں... اسے یہیں رہنے دیا جائے۔" حمید نے فریدی کو الگ لے جا کر کہا۔

"نہیں... یہ ناممکن ہے۔ کیس بہت پیچیدہ ہو گیا ہے اور اب میں کوئی رسک لینے کیلئے تیار نہیں۔"

"اس کی معصومیت.... دیکھئے کس طرح رو رہی ہے۔"

"میں شاعر نہیں ہوں حمید صاحب۔"

"آخر حرج ہی کیا ہے؟"

"بہت بڑا حرج۔ اسے میں سمجھ سکتا ہوں۔"

سر جنٹ حمید راستے بھر شلی کو تسلیاں دیتا رہا۔ "تمہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا اور تمہیں سرکاری گواہ بنا کر چھوڑ دیا جائے گا۔"

پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے شلی سے پوچھا۔

"تم نے رمیش والے حادثے کے دن مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں ساگر سے نفرت تھی۔ مگ

لئے کہ اُس نے تم سے اپنے احسانات کا معاوضہ طلب نہیں کیا تھا۔"

شلی نے جواب نہیں دیا۔ اُس نے صرف ایک بار اُس کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔ حمید کے استفسار پر بولی۔

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کہا تھا۔"

"لیکن تم نے اس کا تذکرہ ہی کیوں کیا تھا۔" حمید نے کہا۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گیا۔ نکہ یہ ایک قطعی غیر ضروری سوال تھا اور اس کا ذمہ دار اُس کا نیند سے دبتا ہوا ذہن تھا۔

"حمید صاحب۔" شلی بولی۔ "اس زمانے کی باتیں چھوڑیئے۔ مجھ پر ہیروئن بننے کا بھوت رتھا اور میں ہر ایک سے رومانی اور ڈرامائی انداز میں گفتگو کیا کرتی تھی۔ وہ بھی ایک بکواس ... لیکن....!"

"لیکن.... کیا....؟"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ.... ساگر صاحب کی سازش سے یہ سب کچھ ہوا ہو.... وہ بہت ے آدمی ہیں۔"

فریدی اگلی سیٹ پر تھا۔ شلی کے اس جملے پر مسکرانے لگا۔

"درجن اور ساگر کے تعلقات کیسے تھے؟" اُس نے شلی کو مخاطب کیا۔

"وہ شاید درجن کو جانتے بھی نہ ہوں۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ درجن نے خودکشی کر لی؟"

"میں نہیں جانتی.... کب؟" شلی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کبھی اُس سے بھی تمہارے تعلقات رہے ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں کبھی نہیں۔"

"کچھ پڑھی لکھی ہو.... اردو آتی ہے تمہیں؟"

"جی ہاں....!"

فریدی نے جیب سے درجن کا خط نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ "درجن کی جیب سے یہ خط مد ہوا ہے۔"

شلی خط پڑھنے لگی۔ حمید اُس کے چہرے کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ شلی کی آنکھیں آہستہ

آہستہ پھیلتی رہیں اور خط ختم کرتے ہی اُس کا سر پیچھے کی طرف ڈھلک گیا۔

"شلی....!" حمید نے اُس کے ہاتھ سے خط لے کر اُس کا شانہ ہلایا۔

"جی" اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ چہرے کی نقاہت اور بڑھ گئی تھی وہ کچھ دیر خاموش پھر اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بڑبڑانے لگی۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیا ہو رہا ہے.... کیوں ہے.... ساگر صاحب۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ کلاوتی اُس وقت موجود تھی جب تم نے رمیش کو وہ گت سکھائی تھی" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ موجود تھی۔"

"کیا ساگر دن رات تمہارے ساتھ رہتا تھا؟"

"جی نہیں۔ صرف رات بسر کرتے تھے۔"

"کیا کام کرتے تھے؟"

"یہ کبھی نہیں بتایا۔"

شلی کو حوالات میں دے کر وہ پھر چل پڑے۔ حمید کچھ دل گرفتہ سا ہو گیا تھا۔ شلی اس بھی رونے لگی تھی جب اُسے لوہے کی سلاخوں دار دروازوں کے پیچھے لے جایا جا رہا تھا۔

"مجھے بھی افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ ضروری ہے لڑکی سازش سے باخبر معلوم ہوتی۔"

فریدی خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا اور سرجنٹ حمید کھڑکی سے سر ٹیکے ہوئے سوجا کی کوشش میں مصروف تھا۔ نیند سے بوجھل ذہن پر خوشی اور رنج کے ردعمل کا خیال ہی فضول۔

"ایک بات ابھی تک سمجھ میں نہ آئی۔" دفعتاً فریدی بولا اور حمید چونک کر اُس کی طر دیکھنے لگا۔ وہ اپنی نیند سے بوجھل آنکھوں کو زبردستی پھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آخر وہ درجن کے مکان کے اندر پہنچا کیسے؟" فریدی نے کہا۔

"اوپری منزل کافی اونچائی پر ہے۔ صدر دروازہ اندر سے بند تھا۔ اُس کے علاوہ بھی ہم کسی قسم کے امکانات کو نہیں چھوڑا۔ لیکن ابھی تک یہ بات نہ معلوم ہو سکی۔"

"ممکن ہے وہ باقاعدہ طور پر اندر گیا ہو۔" حمید نے کہا۔

"لیکن اُس کی واپسی پر صدر دروازہ اندر سے کس نے بند کیا۔ درجن مر چکا تھا اور کلاوتی اول پاگل تھی اور دوسرے وہ کمرہ مقفل تھا جس میں وہ پائی گئی تھی۔"

"ہیلی کوپٹر کے ذریعہ اُترا ہوگا۔" حمید نے کہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

فریدی تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "آؤ چلو۔ لگے ہاتھ ساگر کی وہ قیام گاہ بھی دیکھ لیں کا پتہ شلی نے بتایا ہے۔"

"ضرور.... شیکھ.... دیکھ لیجئے۔" حمید آنکھیں بند کیے ہوئے بڑبڑایا۔

کیڈی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔

"کیا سو گئے؟" فریدی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شوہر بڑا مظلوم جانور ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"کیا بکتے ہو۔" فریدی بھنا کر بولا۔

"جی...!" حمید نے آنکھیں کھول دیں اور گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"میں بھی رات بھر جاگا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"ضرور جاگے ہوں گے۔ آپ کا ٹائپ دنیا سے نرالا ہے۔" حمید نے کہا اور پھر اونگھنے لگا۔

پرنس اسکوائر آ گیا تھا۔ فریدی نے کیڈی روک دی۔ حمید آنکھیں ملتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

"کہاں پہنچے؟" اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"جہنم میں....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"کب تک قیام رہے گا؟"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

پرنس اسکوائر ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ اس میں درجنوں فلیٹ تھے۔ فریدی اور حمید ری منزل پر پہنچ کر داہنے ہاتھ کی طرف مڑ گئے۔ اس لائن کی تیسرے فلیٹ کے دروازے پر "ایل۔ باسو" کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی.... اور دروازہ باہر سے مقفل نہیں تھا۔ فریدی نے نٹی دی۔ اندر بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر دروازہ کھل گیا۔ ایک پستہ قد اور سیاہ آدمی کھلے ہوئے دروازے میں کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

"کیا ساگر صاحب تشریف رکھتے ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"ساگر صاحب۔ کون ساگر صاحب؟ یہاں کوئی ساگر واگر نہیں رہتا۔"

"آپ کا کیا نام ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں؟" وہ فریدی کو غصیلی نظروں سے گھورنے لگا۔

فریدی نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھادیا۔

"اوہ بابا.... پولیس....!" وہ آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "نہیں مسٹر! یہاں کوئی ساگر نہیں میں.... مسٹر.... ارے.... بی۔ایل باسو ہوں۔"

ایک آدمی جو اُدھر سے گذر رہا تھا پولیس کا نام سن کر رک گیا۔ بی۔ایل۔ باسو نے اُس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "باجو والے بھائی سے پوچھ لیجئے۔ یہاں کوئی ساگر نہیں رہتا۔"

"نہیں رہتا۔" وہ دانت پیس کر بولا۔ "سالا بھیجا چاٹ گیا۔ تم بولتا ہے نہیں رہتا.... صاحب.... ہم سے بولا تھا۔ ہم باسو صاحب کا دوست ہے۔ سالا رات بھر ستار بجاتا چھوکریاں رکھتا تھا۔ سونے نہیں دیتا تھا.... سالا طبلہ بھی بجاتا تھا۔"

فریدی باسو کو گھورنے لگا۔

"بائی گاڈ.... ایشور کسم.... میں نہیں جانتا۔ ایک مہینے بعد آج ہی آیا ہوں یہاں نے کہا۔

"تم تو نہیں تھا۔" پڑوسی نے کہا۔ "مگر اُس سالے کو یہاں ٹکا گیا تھا۔"

"میں نے کسی کو نہیں ٹکایا تھا۔ میں کسی ساگر کو نہیں جانتا۔"

"تم کہاں گئے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"پاور ہاؤس میں اسسٹنٹ انجینئر ہوں۔ ایک مہینے کی چھٹی لے کر مدراس گیا تھا۔"

"اور تم نے اپنے فلیٹ کی کنجی کسی کو نہیں دی تھی؟"

"نہیں صاحب بالکل نہیں۔"

"اور جب تم گھر میں داخل ہوئے تو تمہیں کوئی تبدیلی نہیں محسوس ہوئی؟"

"بالکل نہیں.... جیسے میں چھوڑ گیا تھا ویسا ہی پایا۔"

"ساگر کا حلیہ کیا تھا....؟" فریدی نے باسو کے پڑوسی سے پوچھا۔

اس پر اُس نے وہی حلیہ بتایا جو وہ لوگ اب تک سنتے آئے تھے۔ پھر فریدی نے شلی کر اُس کے متعلق سوالات کیے اور اُس کے جوابات سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ شلی بھی اُس کے ساتھ تھی۔

"اس حلئے کے کسی آدمی سے تمہاری جان پہچان ہے؟" فریدی نے باسو سے پوچھا۔

"نہیں صاحب، میں کسی آدمی کو نہیں جانتا جس کی ناک طوطے کی چونچ جیسی ہو۔"

"میں تمہارا گھر اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"شوق سے آیئے۔ چلے آیئے۔ میں تنہا ہی رہتا ہوں۔"

فریدی اور حمید کافی دیر تک فلیٹ کا گوشہ گوشہ دیکھتے رہے لیکن کہیں کوئی خاص بات نہ معلوم ہوئی۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ تھکے ہارے گھر کی طرف جارہے تھے۔ فریدی کا منہ لٹکا ہوا تھا.... اور حمید وہ ہر بات سے بے پروا بڑے آرٹسٹک انداز میں اونگھ رہا تھا۔ کبھی کبھی چونک کر ذرا سی آنکھیں کھولتا اور اُس کا سر پھر جھولے لینے لگتا۔

گھر پر رمیش فریدی کا انتظار کر رہا تھا اور اُس نے وہ خبر سنائی کہ فریدی اچھل پڑا اور اس کیس کی گمشدہ کڑیاں بڑی سرعت سے خالی جگہوں کو پُر کرنے لگیں لیکن حمید پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ وہ کھڑے کھڑے اونگھ رہا تھا۔

یہ کون؟

فریدی نے حمید کو غسل خانے میں دھکیل دیا۔ اُس کی طبیعت بُری طرح جھلائی ہوئی تھی۔ لیکن کرتا ہی کیا۔ بہر حال ٹھنڈے پانی سے غسل کر لینے کے بعد نیند اسی طرح غائب ہوگئی جیسے کبھی اُس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ سردیوں کے دنوں میں ٹھنڈا پانی کچھ ایسا ہی قاتل ہوتا ہے۔

اور پھر جب وہ دونوں گھر سے نکلے تو حمید کافی چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔

"اب کہاں؟" حمید نے پوچھا۔

"کیا تم واقعی اُس وقت سنجیدگی سے اونگھ رہے تھے جب رمیش نے ایک نئی اطلاع دی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"میں صدقِ دل سے اونگھ رہا تھا جناب۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"رمیش نے بتایا ہے کہ پچھلی رات کو درجن کے گھر کے قریب بجلی گھر کا ایک ٹرک آیا
اور وہاں کے تاروں کی شاید کوئی خرابی درست کی گئی تھی۔"

"تو پھر....؟"

"اوہ تم نہیں سمجھے۔ بجلی گھر کے ٹرکوں میں لکڑی کی سیڑھیاں فٹ ہوتی ہیں۔ کیا تم
خیال نہیں کیا کہ درجن کے گھر کی ایک دیوار میں بجلی کے تاروں کا ایک بریکٹ لگا ہوا ہے۔ اُس
عمارت کے بوڑھے چوکیدار نے بتایا ہے کہ وہ ٹرک وہاں تقریباً ایک یا ڈیڑھ گھنٹے تک رکا تھا
ایک آدمی سیڑھی سے دیوار پر چڑھ کر تار ٹھیک کرتا رہا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا۔

"ساگر بیڈن روڈ والے ہسپتال سے نو بجے فرار ہوا تھا اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ پاور ہاؤز پ
گراؤنڈ سے نزدیک ہی ہے۔ اگر وہ وہاں سے ایک ٹرک لے کر درجن کے گھر تک آہستہ آہ
بھی گیا ہوگا تو اُسے اس کام کیلئے کافی وقت مل گیا ہوگا۔ ہم لوگ وہاں تقریباً گیارہ بجے پہنچے تھے۔

"تو پاور ہاؤز میں پتہ لگانے سے کیا ہوگا؟" حمید نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ وہاں سے ٹرک چرا
بھاگا ہوگا۔ میرے خیال سے تو ناکامی ہی ہوگی۔"

"شاید تم بھول رہے ہو کہ مسٹر بی۔ ایل باسو بھی پاور ہاؤز میں اسسٹنٹ انجینئر ہیں۔ وہ م
باسو! جن کے فلیٹ پر ایک ماہ تک ایک ایسا آدمی قبضہ کئے رہا جو مسٹر باسو کیلئے بالکل اجنبی تھا۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا۔

"حمید صاحب اس کیس میں سچ مچ مزا آرہا ہے۔" فریدی پھر بولا۔

"مجھے بھی مزہ آرہا ہے۔ اگر نمونیہ ہو گیا تو اور مزہ آئے گا۔ اگر مر گیا تو پھر مزہ ہی مزہ
قیامت تک چین کروں گا۔ ویسے مجھے اس کا افسوس ہے کہ کلاوتی سے ملاقات نہ کر سکا۔"

"اچھا ہی ہوا کہ تم نہیں تھے۔ ورنہ اڑی ہوئی ہیٹ پکڑنے دوڑتے۔ لیڈی جہانگیر والا
یاد ہے نا....؟"

پاور ہاؤز پہنچ کر وہ سیدھے چیف انجینئر کے کمرے میں چلے گئے۔ فریدی کا ملاقاتی کارڈ دیکھ
وہ بہت تپاک سے ملا۔

"تشریف رکھئے۔" اُس نے قلم کو قلم دان میں رکھتے ہوئے کہا۔

"میں تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"فرمایئے۔"

"یہ معلوم کرنا ہے کہ کل رات کو نو بجے سے گیارہ بجے تک تاروں کی مرمت کرنے والے
ں کہاں کہاں گئے تھے۔"

"کوئی خاص بات....؟" چیف انجینئر نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ٹھہریئے۔ میں بتاتا ہوں۔" اُس نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر
ل ہوا۔

"ٹرکوں والا رجسٹر لاؤ۔" اُس نے چپراسی سے کہا اور فریدی کیطرف سگرٹوں کا ڈبہ بڑھا دیا۔

"شکریہ...!" فریدی نے ایک سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔ "آج صبح بڑی سردی تھی۔"

"جی ہاں.... تھی تو.... ہوا ہی کرتی ہے۔" چیف انجینئر ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد چپراسی رجسٹر لے کر واپس آگیا۔

چیف انجینئر نے رجسٹر دیکھ کر مایوسانہ انداز میں سر ہلا دیا۔

"نہیں جناب۔ کل رات کو اتفاق سے کہیں بھی کوئی ٹرک نہیں گیا۔"

"مگر مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ کل رات کو سیتا بازار کے علاقے میں کوئی ٹرک گیا تھا۔"
ریدی نے کہا۔

"مگر یہاں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔" چیف انجینئر بولا۔ "اکثر ڈرائیور اپنی ذاتی ضروریات کے
سلسلے میں بھی ٹرک لے جاتے ہیں۔ مگر کوئی اس کا اعتراف نہ کرے گا۔"

"میں اعتراف کرا لوں گا۔" فریدی مسکراتا ہوا بولا۔ "کیا آپ براہِ کرم رات والے ڈیوٹی
ڈرائیوروں کے نام لکھوا دیں گے؟ کیا میں یہ کاغذ لے سکتا ہوں؟ شکریہ....!"

فریدی نے پیپر ویٹ کے نیچے دبے ہوئے کاغذوں میں سے ایک سادہ کاغذ نکال لیا۔ چیف
انجینئر رجسٹر میں دیکھ دیکھ کر نام بولتا رہا اور فریدی لکھتا رہا۔ لیکن حمید فریدی میں ایک خاص قسم کی
تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آپے میں نہ ہو۔ اُس نے جلدی جلدی نام لکھے

اور کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"اس تکلیف دہی کا بہت بہت شکریہ۔" اُس نے چیف انجینئر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا

دونوں باہر نکل آئے۔ فریدی کی آنکھوں کی وہ خوفناک چمک بڑھتی جا رہی تھی جو ایسے موقعے پر دکھائی دیتی تھی جب اُس کے شکار تک اُس کا ہاتھ پہنچ چکا ہو۔

فریدی نے ڈرائیوروں سے سرسری طور پر پوچھ گچھ کی اور پھر وہ دونوں وہاں سے چل پڑے۔ کار کی رفتار بہت تیز تھی۔ تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد فریدی نے ایک ریستوران کے سامنے کار روک دی۔

اور پھر وہ ایک کیبن میں بیٹھے ہوئے حیرت سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ حمید کو تو حیرت ہی تھی لیکن فریدی کی آنکھوں میں کچھ اور بھی تھا۔

"کیا سمجھے؟" وہ آہستہ سے بولا۔

"یہ سمجھا کہ ابھی اور دھکے کھانے پڑیں گے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"نہیں پیارے مجرم ہاتھ آ گیا۔"

"کہاں....؟" حمید اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"کیا تم نے چیف انجینئر کو غور سے نہیں دیکھا؟" اُس نے جیب سے وہی کاغذ نکالتے ہوئے کہا جس پر اُس نے ڈرائیوروں کے نام لکھے تھے۔ اُس نے اُسے میز پر رکھ دیا۔ لیکن اُس کی ڈرائیوروں کے نام کے بجائے ایک ہلکے سے نیلے نشان پر تھیں۔ پھر اُس نے ورجن والا کاغذ نکالا اور اُس پر پڑے ہوئے سرخ نشان کو دوسرے کاغذ والے نیلے نشان سے ملانے لگا۔

"ٹھیک....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا چیف انجینئر ہی ہمارا شکار ہے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی بھلا کس طرح.... ساگر کا حلیہ!"

"ذرا تصور میں اُس کی ناک کی نوک ہونٹوں پر جھکا دو۔ کیا ساگر کا حلیہ سامنے نہیں آ کشادہ پیشانی اور پتلے پتلے ہونٹ۔"

"تو کیا میک اپ؟"

"ہاں.... اور صرف ناک کا.... پلاسٹک میک اپ۔ اُسے نوکیلا بنا کر ہونٹوں پر جھکا

اور پھر سب سے اہم بات تو یہ کہ دونوں نشانات مل گئے سر مو فرق نہیں۔"

"کیسے نشانات؟"

"یہ نشان.... ورجن کے خط والا۔ روشنائی بھری ہوئی انگلی کا نشان۔ ابھی جب ہم اُس کے کمرے میں پہنچے تھے تو وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ قلم پکڑنے کا وہی انداز تھا جس سے بیچ کی انگلی میں ناخن کے قریب سیاہی بھر جاتی ہے۔ جب اُس نے قلم رکھا.... تو میں نے دیکھا کہ اُس کی انگلی میں سیاہی بھری ہوئی تھی اور اُس نے بے خیالی میں وہی انگلی اس سادے کاغذ پر رکھ کر اُس کی سیاہی خشک کرنے کی کوشش کی تھی۔ لہٰذا میں نے جان بوجھ کر یہی کاغذ پیپر ویٹ کے نیچے سے نکال کر اُس پر نام لکھے۔"

"تب تو وہ مارا۔" حمید اپنی رانیں پیٹنے لگا۔

"بچپنا نہیں....!" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

انہوں نے جلدی جلدی چائے پی اور پھر پاور ہاؤز کی طرف چل پڑے اور اس بار وہ دروازے پر دستک دیئے بغیر چیف انجینئر کے کمرے میں گھس گئے۔

"فرمایئے۔" وہ انہیں گھورتا ہوا بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ویسے میں یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ ورجن کی لاش کرسی کی سطح سے نو انچ اونچی تھی۔ اس لئے اُسے خودکشی نہیں کہا جا سکتا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" چیف انجینئر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مطلب یہ کہ چالاک سے چالاک مجرم بھی ایک نہ ایک دن ضرور پکڑا جاتا ہے۔"

"اور جرم کی وجہ بھی معلوم کر لی جاتی ہے۔" چیف انجینئر مسکرا کر بولا۔

اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ دونوں اس کی زد پر تھے۔ "لیکن پیارے سراغ رساں۔ یہ تو سوچو کہ میں نے اتنے قتل کیوں کیے ہیں۔"

"وہ بعد کو سوچا جائے گا۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو۔ باہر پولیس ہے۔"

"ہونے دو۔ مجھے اب کسی کی پرواہ نہیں.... لیکن وجہ جرم زندگی بھر نہ معلوم کر سکو گے۔ اتنا بتا سکتا ہوں کہ اصل نشانہ رمیش ہی تھا۔"

"کیوں؟ آخر اس کی وجہ۔ رمیش بڑا پیارا آدمی تھا۔" فریدی نے کہا۔ وہ دراصل اُسے باتوں میں الجھا کر ریوالور چھین لینے کی فکر میں تھا۔

"پیارا آدمی تھا۔" چیف انجینئر نے دانت پیس کر دہرایا اور اُس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"لیکن اُس کے اسسٹنٹ کو کیوں مارا....؟"

"محض یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ فلم کی شوٹنگ رکوانا چاہتا تھا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میں نے اتنا ٹیڑھا راستہ اسی لئے اختیار کیا تھا کہ وجہ جرم کبھی منظر عام پر نہ آسکے۔"

"درجن سے وہ تحریر کس طرح لی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔ لیکن ریوالور اب بھی اُس کی نظر میں تھا اور ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ چیف انجینئر بھی اُس کی طرف سے غافل نہیں ہے۔ چیف انجینئر ہنسنے لگا۔

"میں نے اُسے دھوکا دیا تھا۔ شروع ہی سے وہ میرے لئے کام کر رہا تھا اور شروع ہی سے میری یہ اسکیم تھی کہ رمیش کے بعد اُسے اور شلی کو بھی ٹھکانے لگا دوں گا۔ لیکن بیچ میں کلاوتی آکودی۔ آخر اُسے بھی غائب کرنا پڑا۔ اور میں نے اُس پر اپنا ایک نسخہ آزما کر اُسے پاگل کر دیا۔ شلی پر بھی تجربہ کر رہا تھا۔ لیکن اُس پر اثر نہ ہوا بس اتنا ہی ہوتا تھا کہ جب اُسے ڈوز دیا جاتا تھا تو ایک ہسٹیریا قسم کا دورہ پڑ جاتا تھا اور وہ پھر ٹھیک ہو جاتی تھی۔"

"لیکن درجن کو دھوکا کس طرح دیا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔ حمید بھی اسی تاک میں تھا کہ موقع ملتے ہی ریوالور پر ہاتھ ڈال دے۔

"میں نے جب دیکھا کہ شلی غائب ہو گئی تو یہی مناسب سمجھا کہ اب اس کیس کو فوراً ہی دوسرا ٹرن دے دوں۔ میں نے درجن کو کل حالات بتائے اور اُس سے کہا کہ میں یہ جرم ڈائریکٹر مسعود کے سر تھوپنا چاہتا ہوں اور ڈائریکٹر مسعود کا طرز تحریر اُس کے طرز تحریر سے ملتا جلتا تھا۔ اس کے لئے میں نے اُسے مسعود کی تحریر کا نمونہ دکھایا جو دراصل میں نے ہی لکھا تھا۔ میں شروع ہی سے درجن کے طرز تحریر کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا رہا تھا کیونکہ میری اسکیم یہی تھی کہ اس سازش کے سارے مہروں کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ لیکن افسوس جلدی میں کچھ حماقتیں کر بیٹھا۔ مگر مجھے کوئی غم نہیں۔ میرا مشن کامیاب ہو گیا۔ آج سے سات سال پہلے جس بات کا بیڑا اٹھایا تھا اُسے پورا کر دکھایا۔"

"لیکن رمیش کو تم ریوالور کا نشانہ بھی بنا سکتے تھے؟" فریدی نے کہا۔

"احتیاط۔ یہ سب کچھ میں نے اسی لئے کیا کہ مجھ پر پولیس کا ہاتھ نہ پڑ سکے۔ مگر اس کا مطلب نہیں کہ میں اپنی زندگی محفوظ رکھنے کے لئے اتنی احتیاط برتنا چاہتا تھا۔ نہیں پیارے سراغ

رساں ایسی بات نہیں۔ میری نظروں میں موت و حیات میں کوئی وقعت نہیں.... میں پولیس کے ہاتھوں میں پڑنے سے اس لئے ڈرتا تھا کہ وجہ جرم ظاہر ہو جائے گی اور وجہ جرم ظاہر ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ.... ایک بہت بڑا اور معزز خاندان تباہ ہو جاتا۔"

"لیکن تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ تم اس وقت پولیس کی دسترس سے باہر ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جب تک میرے ہاتھ میں ریوالور ہے میں یہی سمجھوں گا۔ اچھا اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" چیف انجینئر نے کہا۔

حمید نے ہاتھ اٹھا دیئے لیکن فریدی بدستور کھڑا رہا۔

"تم بھی اٹھاؤ۔" اُس نے گرج کر کہا.... دفعتاً حمید نے بڑے زور سے چیخ ماری۔ انجینئر جھجک پڑا۔ بس ایک ہی پل کے لئے اُس کی نظریں اٹھیں تھیں کہ فریدی کا ہاتھ اُس کے ریوالور پر پڑ گیا۔ لیکن انجینئر کی گرفت بھی ڈھیلی نہیں تھی۔ وہ میز پر بایاں ہاتھ ٹیک کر اچھلا اور فریدی سمیت دوسری طرف فرش پر جا رہا۔

کمرے کے سامنے خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔ کچھ لوگوں نے اپنے چیف انجینئر کی مدد کے لئے کمرے میں گھسنا چاہا لیکن حمید نے انہیں روک دیا۔ انہیں روکنے کے لئے لفظ پولیس ہی کافی تھا۔ ادھر وہ دونوں فرش پر قلابازیاں کھا رہے تھے۔

دفعتاً ایک فائر ہوا اور فریدی اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ گولی انجینئر کے نچلے جبڑے کو توڑتی ہوئی سر سے نکل گئی۔ شاید آدھے منٹ تک اُس کا جسم اینٹھتا رہا۔ پھر ٹھنڈا پڑ گیا۔

اور پھر یہ داستان اس طرح ختم ہوئی کہ آج تک نامکمل ہے۔ فریدی عرصہ تک اسی ادھیڑ بن میں رہا کہ وجہ جرم کیا تھی؟ اُس نے انجینئر کے خاندان والوں کا بھی پتہ لگالیا۔ رمیش کے اعزہ سے بھی ملا جو ملک کے جنوبی حصے کے باشندے تھے۔ مگر وجہ جرم آج تک نہ ظاہر ہو سکی اور نہ یہ ثابت ہو سکا کہ اُسکے اور رمیش کے خاندانوں میں کبھی کوئی ایک دوسرے سے واقف رہا ہو۔

کلاوتی آج بھی پاگل خانے میں ہے اور شلی وہ اب پھر بملا ہو گئی ہے۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 32

سیاہ پوش لٹیرا

(مکمل ناول)

مسخرہ بھیڑیا

پلازا تھیٹر ہال میں رستم و سہراب کا ڈرامہ ہو رہا تھا۔ ملک کے شمالی حصے کی ایک مشہور تھیٹریکل کمپنی نے جو ملک کا دورہ کر رہی تھی پلازا تھیٹر کا ہال کچھ دنوں کے لئے کرائے پر حاصل کرلیا تھا اور کئی دنوں سے اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس دوران میں اس نے کئی ڈرامے اسٹیج کئے تھے جن میں رستم و سہراب بہت زیادہ مقبول ہوا تھا۔ لہٰذا آج جب کہ وہ اس شہر میں اپنا آخری پروگرام پیش کرنے جا رہی تھی پبلک کے اصرار پر اُسے "رستم و سہراب" ہی اسٹیج کرنا پڑا۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پبلک آخری ایکٹ کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ آخری ایکٹ جس میں رستم و سہراب کی جنگ تھی۔ باپ بیٹے کی لڑائی.... باپ بیٹے جو نادانستگی میں ایک دوسرے سے لڑ گئے تھے۔ وہ سہراب جو اپنے باپ کی تلاش میں نکلا تھا ایک سازش کا شکار ہو کر اپنے باپ سے لڑ پڑا تھا۔

آخری ایکٹ کے لئے پردہ اٹھا اور ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔

میدان جنگ کا منظر تھا۔ اسٹیج کے داہنے سرے سے نوجوان سہراب روشنی میں آیا اور اس کی چنگھاڑتی ہوئی آواز ہال کی محدود فضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگی۔

"ایرانیو! ہے کوئی تم میں ایسا جو افراسیاب کے ایک ادنیٰ غلام سے ٹکرا سکے۔ میں وہ ہوں جس نے اژدھوں کے کلّے چیر کر رکھ دیئے ہیں۔ میں طوفان سے لڑا ہوں۔ میں نے دیوؤں کی

کھوپڑیاں توڑی ہیں۔ میری ایک ضرب پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ آؤ میرے سامنے۔ میں کوندے کی لپک ہوں.... میں زلزلہ ہوں.... میں طوفان ہوں.... میری ہیبت سے شیر اپنے غاروں میں جا چھپتے ہیں۔"

سہراب چیختا رہا۔ پھر تماشائیوں کی نظریں رستم کے پر ہیبت چہرے کی طرف اٹھتی ہیں اسٹیج کے بائیں گوشے سے آہستہ آہستہ روشنی میں آ رہا تھا۔

اسٹیج پر زہر سے ڈوبا ہوا ایک قہقہہ لہرایا۔

"ننھے بچے....!" رستم کی گھن گرج سنائی دی! بھاگ جا! شاید تیری ماں مر گئی ہے اور تجھے ایرانیوں کے مقابلے پر آنے سے روک دیتی۔"

"تو کون ہے؟" سہراب نے حقارت سے پوچھا۔

"شہنشاہ کیکاؤس کا ایک ادنیٰ غلام.... ایران کا ایک معمولی سپاہی۔"

"جا کسی بڑے کو بھیج دے۔" سہراب نے حقارت سے کہا۔ "کسی معمولی آدمی کے بچوں کو یتیم کرنے سے مجھے کیا فائدہ ہو گا۔"

"بڑے ہمیشہ بڑوں ہی کے مقابلہ پر آتے ہیں۔" رستم نے کہا۔ "چل حربہ کر! معصوموں کی طرح شتر غمزے نہ دکھا۔"

"ہاتھی کو! مچھر کی بھنبھناہٹ پر غصہ نہیں آتا۔" سہراب مسکرا کر بولا۔ "جا میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ ایران سے کہہ دے کہ سہراب کے مقابلے کے لئے اپنے روئیں تنوں کو نکالے۔"

"چھوکرے! اجل تیرے سر پر ناچ رہی ہے۔"

"میں پھر سمجھاتا ہوں کہ میرے مقابلے کے لئے کسی بڑے کو بھیج!" سہراب بولا ورنہ خود ہی گھس پڑوں گا۔ شہنشاہ افراسیاب کے مور چھل کے لئے مجھے کیکاؤس کی ڈاڑھی اکھاڑنی ہے۔

"خاموش بے ادب" رستم نے تلوار کھینچ لی اور جھنجھلاہٹ میں وار کر بیٹھا.... سہراب اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا اور اس نے بھی تلوار کھینچ لی۔

"چھوکریوں کی طرح ناچنے والے سنبھل....!" رستم نے دوسرا وار کیا۔

سہراب نے پھر خالی دے کر ہاتھ مارا۔ رستم نے اُس کی تلوار اپنی تلوار پر روک لی سہراب کو ریلتا ہوا پیچھے کی طرف لے چلا۔ سہراب ایک جگہ رک کر زور کرنے لگا۔ پھر

اچھل دے کر ایک طرف ہٹا.... تو رستم منہ کے بل نیچے چلا آیا۔ تماشائیوں نے قہقہہ لگایا۔

رستم اٹھا تو لیکن سہراب پر دوبارہ جھپٹنے کے بجائے تماشائیوں کی طرف منہ کر کے پلتھی مار کر فرش پر بیٹھ گیا۔ لوگ ہنستے رہے۔ اچانک رستم نے بھی ہنسنا شروع کر دیا اور اس بُری طرح کہ کبھی پیٹ دباتا تھا اور کبھی پیٹھ۔ تماشائی حیران رہ گئے۔

اس سے پہلے جب یہ ڈرامہ اسٹیج ہوا تھا تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی۔ سہراب الگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا تھا.... پھر عجیب قسم کا ہنگامہ برپا ہو گیا.... تماشائیوں کے شور میں پرومیٹر کی آواز دب کر رہ گئی جو اسٹیج کے داہنے گوشے سے رستم کو ماں بہن کی گالیاں دے رہا تھا۔ مگر رستم کی ہنسی کسی طرح نہ رکی۔ پردہ کھینچوانے کی کوشش کی گئی اس وقت اس کمبخت کو بھی نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ اپنی جگہ سے کھسکا ہی نہیں منتظمین کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یک بیک یہ کیا ہو گیا اور وہ اب کیا کریں۔ رستم مجمع کو گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اس نے تلوار پھینک دی ایک ہاتھ سر پر رکھا اور دوسرا کمر پر رکھ کر ناچنے لگا۔ پھر اپنی بھاری اور بے سری آواز میں گانا بھی شروع کر دیا۔

"ارے بلم ہرجائی.... بلم موہے چھیڑو نا.... سجن موہے چھیڑو نا.... آ.... آ.... آں۔"

پھر کسی نہ کسی طرح پردہ کھینچا گیا۔ اسٹیج کا ہنگامہ تو فرو ہو گیا۔ لیکن تماشائی ابھی تک شور مچا رہے تھے۔ تقریباً دو منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ پھر ایک پستہ قد آدمی ایک ہاتھ میں مائیک لٹکائے ہوئے پردے سے باہر آیا۔

"خواتین و حضرات! ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے کسی دشمن نے رستم کو بھنگ پلا دی ہے۔"

قہقہوں سے پورا ہال گونج اٹھا۔ وہ کچھ اور بھی کہتا رہا۔ لیکن اس قدر شور ہو رہا تھا کہ مائیک کی آواز بھی دب گئی تھی۔ پھر اچانک کسی نے اُس کے منہ پر کیلے کے چھلکے کھینچ مارے۔

"کسی گوشے میں کوئی عورت چیخی۔ اور پورے ہال میں اندھیرا ہو گیا۔ کرسیاں ٹوٹنے لگیں۔ لوگ اندھیرے میں ایک دوسرے پر گر پڑے۔ عورتیں چیختی رہیں۔"

گھونسوں اور تھپڑوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ کئی منٹ تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔ پھر کچھ پولیس والے ٹارچیں روشن کئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

اسی کے ساتھ ہی ہال میں بھی روشنی ہو گئی۔ جو جہاں تھا وہیں تھم گیا نہ جانے کتنی کرسیاں چور ہو گئی تھیں۔ بہتیرے آدمیوں کے چہروں پر خون کی لکیریں تھیں۔ کئی عورتیں بیہوش پڑی ہوئی تھیں۔

دفعتاً باکس میں ایک عورت چیخنے لگی۔ "میرا ہار.... میرا ہار۔"

اور وہ عورتیں جو بیہوش پڑی تھیں انہوں نے بھی ہوش میں آتے ہی اپنے کسی نہ کسی زیور کا نام لے کر چیخنا شروع کیا۔

پولیس نے آناً فاناً سارے دروازے مقفل کرا دیئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آج اس بے جگر لٹیرے کو پکڑ ہی لے گی جس نے پچھلے ایک ماہ سے سارے شہر میں طوفان بد تمیزی برپا کر رکھا تھا۔ جہاں کوئی انوکھی ڈکیتی ہوتی پولیس کا خیال اُسی حیرت انگیز آدمی کی طرف جاتا۔ اب تک وہ شہر میں کئی بڑی وارداتیں کر چکا تھا۔ لیکن اسکا طریقہ کار ایسا تھا کہ سن کر بے اختیار ہنسی آجاتی تھی۔ شہر کے اخبارات اس کا تذکرہ مسخرے بھیڑیئے کے نام سے کرتے تھے۔ وہ انتہائی پھرتیلا اور چابک دست تھا۔ بات کی بات میں لوگوں کو الو بناتا اور اپنا اُلو سیدھا کر کے یہ جاوہ جا۔ نظروں سے غائب۔"

بعض لوگوں نے اس کی صرف جھلکیاں دیکھی تھیں! اُن کے بیان کے مطابق وہ سر سے لے کر پیر تک سیاہ تھا۔ سیاہ پتلون۔ سیاہ جیکٹ اور چہرہ بھی سیاہ۔ کچھ کا کہنا تھا کہ وہ اپنا چہرہ سیاہ نقاب سے چھپائے رہتا ہے اور کچھ کہتے تھے کہ اس کا چہرہ ہی سیاہ تھا اور چہرے کی سیاہی اس کے لباس کی سیاہی سے مختلف نہیں تھی۔

غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں.... اور بیچاری پولیس.... اُسے تو ایک بار بھی اس کا تعاقب ہی کرنے کا شرف نہیں حاصل ہو سکا تھا۔

اور پھر اُسے پولیس والوں کے لئے "ہوا" بننے میں دیر نہ لگی۔ پتہ کھڑکا اور بندہ بھڑکا والی مثل پولیس والوں پر صادق آگئی تھی۔ انہیں دن دہاڑے اس کے خواب آنے لگے تھے۔

اس وقت انہوں نے رستم کو بھنگ پلا دینے والا واقعہ سنا تو انہیں یہ یقین کر لینے میں دیر نہ لگی کہ یہ حرکت بھی اُس مسخرے بھیڑیئے کی ہے۔ آج سے چار دن قبل اُس نے اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز حرکت کی تھی۔

شہر کے ایک متمول تاجر کی لڑکی کی شادی تھی۔ بارات کی واپسی سے قبل ایک بڑے کمرے

میں جہیز کا سامان سجا دیا گیا تھا۔ رات کا وقت تھا کمرے میں بہت زیادہ پاور والے بلب روشن تھے۔ مہمانوں کا مجمع جہیز کا دیدار کر ہی رہا تھا کہ اچانک تیس چالیس فاختائیں پر پھڑ پھڑاتی ہوئی مہمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ بھلا بجلی کی روشنی میں چندھیائے ہوئے پرندے یہ کب دیکھتے ہیں کہ ان کا مقابل کوئی سیٹھ ہے یا ساہوکار، بیرسٹر ہے یا پروفیسر، کوئی شریف شہری ہے یا حاکم وقت۔ ہال میں بھگدڑ پڑ گئی بمشکل تمام اُن فاختاؤں کو باہر نکالا گیا اور پھر جب لوگوں کو ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ خلیل خاں اپنا کام کر گئے۔ یعنی زیورات کا ڈبہ غائب تھا۔

تفتیش کرنے پر اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ ایک آدمی جس نے بجلی گھر کے مستریوں جیسا لباس پہن رکھا تھا اپنے کاندھے پر ایک بہت بڑا تھیلا لادے ہوئے جہیز کے کمرے کی طرف گیا تھا چونکہ شادی کے سلسلے میں پورا گھر بجلی کے رنگین قمقموں سے سجایا گیا تھا اس لئے کسی کو اس پر شبہ نہیں ہوا تھا۔ دیکھنے والے یہی سمجھے کہ وہ الیکٹرک کمپنی کا مستری ہی ہوگا۔ لیکن یہ بات اُن کے فرشتوں کو بھی نہیں سوجھ سکتی تھی کہ اُس کی پیٹھ پر لدے ہوئے تھیلے میں بجلی کے تاروں کی بجائے فاختائیں ہوں گی۔

یہی نہیں.... کئی اور بھی ایسے ہی مضحکہ خیز واقعات شہر میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ ان دنوں ہر سوسائٹی میں وہ دیدہ دلیر مسخرہ موضوع گفتگو بنا رہا تھا۔ اخبارات اس کے متعلق نت نئی کہانیاں تراشتے تھے اور وہ صحیح معنوں میں پبلک کا ہیرو بن کر رہ گیا تھا۔ پبلک کی اُس سے ہمدردی کی ایک وجہ اور بھی تھی وہ یہ کہ اب تک اُس نے کوئی خون نہیں کیا تھا۔ وہ تو چھلاوا تھا چھلاوا ادھر آیا اُدھر گیا۔ لہٰذا لکیر پیٹنے والوں کو کیا ضرر؟

ہاں تو پلازا تھیٹر کے سارے دروازے مقفل کرا دیئے گئے۔ پولیس افسر نے اعلان کر دیا کہ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ منیجر نے اپنی بہتری اسی میں دیکھی کہ پولیس آفیسر ہی سے اس کا بھی اعلان کرادے کہ اب بقیہ ڈرامہ نہ پیش کیا جا سکے گا۔ یہ سب کچھ تو ہوا لیکن خود پولیس آفیسر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا دوسرا اقدم کیا ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنے بڑے مجمع میں کسے پکڑتا۔ اس حیرت انگیز لٹیرے کی شخصیت ابھی تک راز تھی۔ اگر وہ محض شہرت پائی ہوئی علامات کا سہارا لیتا تو اُسے کم از کم پچاس آدمیوں کو تو ضرور ہی حراست میں لینا پڑتا۔ کیونکہ سردیوں کا زمانہ تھا اس لئے بہتیرے فوجی سیاہ جیکٹوں سیاہ پتلونوں اور سفید دستانوں میں نظر آرہے تھے۔ رہ

گئی روسیاہیتو اُس کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ یوں تو ہال میں سینکڑوں ہی کلوٹے رہے ہوں گ
وہ خاص قسم کی روائتی سیاہی کسی کے چہرے پر نہیں تھی۔ ویسے اگر پولیس ان کلوٹوں کو
شروع کر دیتی تو نہ جانے کتنے مصنف شاعر افسانہ نگار اور آرٹسٹ قسم کے بے ضرر لوگ حوا
میں پہنچ جاتے۔

بڑی دیر بعد یہ بات پولیس آفیسر کی سمجھ میں آئی کہ ہال کا صرف ایک دروازہ کھولا ج
اور لوگ ایک ایک کر کے باہر نکلیں۔ باہر کھڑے ہوئے پولیس کانسٹیبل اُنکی تلاشیاں لیتے جائ
تماشائیوں نے یہ تجویز سنی تو الف ہو گئے۔ لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات۔ کان دبا
پڑے۔ اس طرح ہال خالی ہونے میں تقریباً تین گھنٹے گذر گئے۔ لیکن لوٹے ہوئے زیورات
کے پاس سے بر آمد نہ ہوئے۔

اس سے فرصت پا کر پولیس آفیسر تھیٹریکل کمپنی کے اداکاروں کی طرف متوجہ ہوا۔ ر
نشہ کم ہو گیا تھا اور وہ اپنی حرکت پر سخت شرمندہ تھا۔ لیکن قصور اس بیچارے کا نہیں تھا۔

"تم نے بھنگ کیوں پی تھی۔" پولیس آفیسر نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"جناب والا مجھے علم نہیں تھا کہ میں بھنگ پی رہا ہوں۔ میں تو اُسے کولڈ ڈرنک سمجھ کر پی گیا تھا

"کہاں سے، آیا تھا۔"

"منیجر صاحب نے بھجوایا تھا۔"

"میں۔ ..... نہیں تو۔" پستہ قد منیجر اچھل کر بولا۔ "میں کیا جانوں۔"

"کون لایا تھا۔"

"مس زرینہ.....!"

"مس زرینہ کون ہے؟" پولیس آفیسر نے اپنے گرد کھڑے ہوئے اداکاروں کو تیز نظ
سے دیکھ کر پوچھا۔

"جی میں ہوں۔" ایک خوبصورت سی لڑکی آہستہ سے بولی۔

"کیوں....؟"

"مجھ سے یہی کہا گیا تھا کہ وہ مسٹر اشرف کے لئے ہے۔"

"کس نے کہا تھا؟"

"میں اس کا نام نہیں جانتی۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بہر حال وہ منیجر صاحب کے کمرے ہی
رف سے آیا تھا۔"

"کیسا تھا.... اس کا حلیہ؟"

"گھنی ڈاڑھی تھی اور اس نے سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون پہن رکھی تھی۔ ہاتھوں میں سفید
انے تھے۔"

"اوہ....!" پولیس آفیسر پیر پٹخ کر بولا۔ "پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے۔"

"کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ میں سمجھی تھی کہ شاید مسٹر اشرف نے خود ہی کولڈ ڈرنک منگوایا تھا۔"

یہ گفتگو اسٹیج کے پیچھے گرین روم میں ہو رہی تھی۔ سارے ایکٹر اور پولیس والے وہیں اکٹھے
۔ دفعتاً ہال میں کسی کی چیخ سنائی دی۔ کوئی متواتر چیخے جا رہا تھا۔ پولیس والے دوڑ پڑے۔ انہیں
یں اپنی ہی برادری کا ایک آدمی دکھائی دیا۔ یعنی ایک کانسٹیبل جو ایک ستون سے چمٹا ہوا بُری
ح چیخ رہا تھا۔ اس کا منہ ستون ہی کی طرف تھا اور ایک لمبی سی چھڑی اس کی گردن میں چبھی
ئی تھی۔ جس کا دوسرا سرا دو کرسیوں کے درمیان میں پھنسا دیا گیا تھا۔

"یہ کیا حرکت....؟" پولیس آفیسر حلق پھاڑ کر چیخا اور ستون میں چمٹا ہوا کانسٹیبل گھبرا کر
ٹ پڑا۔

"ارے آپ.... وہ.... وہ....!" کانسٹیبل ہکلایا۔

"کیا بکتے ہو۔"

"جی ہاں.... وہ لے گیا۔ سارے زیورات یہاں تھے۔" اس نے کوڑے کرکٹ کے ڈبے کی
رف اشارہ کیا۔ میں نے چاہا کہ اُسے پکڑلوں لیکن اُس نے پستول نکال لیا۔ مجھ سے کہا کہ ستون سے
ٹ جاؤ۔ پھر میری گردن پر پستول کی نال رکھ دی اور کہا کہ اگر یہاں سے ہٹے تو گولی مار دوں گا۔"

"ابے یہ پستول ہے۔" پولیس آفیسر نے چھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مگر حضور! اُس نے پستول ہی....!"

"خاموش رہو۔ گدھے کہیں کے۔" پولیس آفیسر گرجا۔ "کدھر گیا وہ۔"

"حضور میری گردن پر تو....!"

"بکواس بند کرو۔" پولیس آفیسر آپے سے باہر ہو گیا۔ پھر اُس نے بقیہ کانسٹیبل کو للکارا۔

"تلاش کرو۔"

کانسٹیبل بے تحاشہ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔

"تم خود کو معطل سمجھو۔" پولیس آفیسر نے مظلوم کانسٹیبل سے کہا۔

"نہیں.... نہیں.... سرکار میں بے قصور ہوں۔"

"بے قصور کے بچے! وہ محض تیری وجہ سے نکل گیا۔"

"حضور میری پستول پر گردن....!"

"شٹ اپ....!" پولیس آفیسر کی آواز کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

نقلی ہیرے

سرجنٹ حمید صبح ہی سے انسپکٹر فریدی کی ناک میں دم کیے ہوئے تھا۔ اتوار کا دن تھا۔ فر نے ناشتہ کر کے لائبریری کی راہ لی تھی۔ سرجنٹ حمید جسے مطالعہ سے ازلی بیر تھا اس حرکت کو کسی طرح برداشت نہ کر سکا۔ اس نے سوچا کہ جھنجھلانا اور تاؤ کھانا بیکار ہے۔ کیوں نہ وہ بھی آ مطالعہ شروع کر دے۔ وہ اسی کے پیچھے ہی پیچھے لائبریری میں گھسا۔

فریدی نے اپنی مخصوص آرام کرسی پر لیٹ کر ایک کتاب کھول لی۔ حمید اُس الماری قریب آ کر رک گیا جس میں ریاضی کی کتابیں تھیں۔ اُس نے ارتھمیٹک کی ایک کتاب نکالی پر سے سادے کاغذ اٹھائے اور ایک جگہ جم گیا۔ یہ کتاب فریدی کے زمانہ طالب علمی سے رکھی تھی۔ فریدی نے اس زمانے کی ساری کتابیں بڑی احتیاط سے رکھ چھوڑی تھیں۔ ان "الف سے اُلو" والی کتاب سے لے کر اُس وقت تک کی کتابیں پائی جاتی تھیں جب وہ ایم کر لینے کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی میں جرائم پر ریسرچ کر رہا تھا۔

سرجنٹ حمید نے کتاب کھولی اور اس طرح سر ہلا ہلا کر کاغذ پر پنسل گھسنے لگا جیسے سچ مچ مشکل سوال حل کر رہا ہو۔ کبھی کبھی وہ ناک پر پنسل کی نوک رکھ کر کچھ سوچنے لگتا تھا۔ دفعتہً نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"ذرا یہ سوال تو بتائیے گا.... اگر باپ کی عمر بیٹے کی بیوی کی عمر کی چوگنی ہو تو بیٹے کی ع

جبکہ باپ اور بیٹے کی عمر کا تناسب بیوی اور بیٹے کی عمر کے تناسب کے برابر ہو لیکن حقیقتاً ایسا نہ ہو۔"

فریدی اسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ "نکل جاؤ یہاں سے۔"

حمید بدستور ناک پر پنسل کی نوک رکھے خلا میں نظریں جمائے رہا۔ اُس نے ایک بار بھی فریدی کی طرف دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے فریدی کا جملہ سنا ہی نہ ہو۔ فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔

حمید نے پنسل کی نوک ناک پر سے ہٹا کر کان میں ڈالی اور اسے آہستہ آہستہ گھمانے لگا۔ پھر اس نے رافیل کی پینٹنگ پر نظریں جمائے ہوئے پائپ کے تمباکو کے ڈبے سے ایک چٹکی تمباکو نکال کر منہ میں ڈال لی۔ فریدی ہنس پڑا۔ لیکن حمید چونکا تک نہیں۔ اس کی سنجیدگی بدستور قائم تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے تمباکو کی کڑواہٹ کی وجہ سے بُرا سا منہ بنایا اور فریدی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیا میں نے پچھلی رات کو کونین کھائی تھی۔"

"گھونسہ کھاؤ گے اب تم۔ نکل جاؤ یہاں سے۔"

"اچھا دوسرا سوال بتا دیجئے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "کسی چار ہزار مکعب گز کمرے کا پلاسٹر اکھاڑنے میں کتنا وقت صرف ہوگا جب کہ سترہ مکعب فٹ پلاسٹر اکھاڑنے میں کوئی وقت ہی نہیں صرف ہوتا۔"

"خدا کے لئے مت بور کرو۔"

"مکعب کسے کہتے ہیں۔"

"میں گردن دبا کر مار ڈالوں گا۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"ایک آدمی کی گردن سولہ انچ موٹی ہے اور ایک انچ دبانے میں دو پونڈ قوت صرف ہوتی ہے تو سولہ انچ دبانے میں کتنی قوت صرف ہوگی۔ جواب روپے آنے اور پائی میں نکالو۔"

"آخر چاہتے کیا ہو۔"

"میں چاہتا ہوں کہ آپ کتاب بند کر دیں۔ کتاب سے باہر کی دنیا بڑی حسین ہے۔"

"کیوں جھک مار رہے ہو۔ میں نے تمہیں کسی بات سے تو روکا نہیں۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"میرے لئے یہی کوفت کیا کم ہے کہ کتابیں آپ کو چاٹے ڈال رہی ہیں۔"

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"لغویت چھوڑو۔ ویسے کیا تمہیں اس وقت فرصت ہے۔"

"کیوں؟"

"میرا ایک کام کردو؟"

"ٹالنا چاہتے ہیں آپ مجھے! یقین رکھئے کہ میں نہیں پڑھنے دوں گا۔"

"خیر میں مجبور نہیں کروں گا۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور پھر پڑھنے لگا۔

حمید نے کتاب بند کر کے شیلف میں لگادی اور پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "کیا کام تھا۔"

"کچھ نہیں....!" فریدی نے کتاب پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"اچھا تو پھر.... آٹھ بارہ، سولہ اور بیس کا عادِ اعظم مشترک نکالئے.... جواب من یا چھٹانک میں چاہئے۔ فری پاس اور کنسیشن بالکل بند رہے گا۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ لیکن اُس کے چہرے سے جھنجھلاہٹ کے آثار بدستور قائم تھے۔

"تو نہیں بتائیں گے آپ کام....!" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"اچھا تو پھر ایک سوال ہی بتا دیجئے۔"

"بھاگ جاؤ سور!" فریدی جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

حمید جھک کر میزوں اور کرسیوں کے نیچے دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر مایوسانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ "شائد بھاگ گیا سور۔"

فریدی بڑبڑاتا ہوا لائبریری سے چلا گیا۔ اسی کے ساتھ حمید بھی باہر نکلا۔

فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا اور "ہیلو! ہاں! بھئی میں کیا بتاؤں سخت عد الفرصت ہوں.... لیکن ٹھہرو۔ میں کسی کو بھیجتا ہوں۔ پولیس میں تو رپورٹ ہو گی ہی... اچھا.... اچھا.... مجھے کل ہی معلوم ہوا تھا.... لیکن بتایا نا کہ آج کل بہت مشغول ہوں۔"

فریدی ریسیور رکھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لیکن حمید شائد آج پٹنا ہی چاہتا تھا۔ اس کی ناک بھی اُدھر ہی گھوم گئی۔ لیکن خلاف توقع فریدی کا موڈ بدل ہی گیا تھا۔ اُس نے حمید کو بڑے پیار سے مخاطب کر کے کہا۔

"حمید میاں سلمہ! ظاہر ہے کہ میرے بعد میری جائیداد کے وارث تم ہی ہو گے۔"

"بجا ارشاد ہوا قبلہ و کعبہ۔" حمید قدرے جھک کر بولا۔ "کہاں بھیجنے کا ارادہ ہے۔"

"بُری جگہ نہیں ہے۔ تم یقیناً پسند کرو گے۔"

"کام کی نوعیت! پیر و مرشد۔"

"رابعہ نکہت کو جانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہی نک چڑھی جو تمباکو کے دھوئیں سے نفرت کرتی ہے۔" حمید بولا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ میں تو اُس سے صرف ایک ہی بار ملا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"فرگوسن کے جنرل مینیجر کی لڑکی ہے۔"

"جی ہاں! میں جانتا ہوں فرمائیے۔"

"وہ کسی معاملے میں میرا مشورہ چاہتی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں وہ معاملہ بھی جانتا ہوں۔ آپ کو شاید یہ نہیں معلوم کہ آج کل پھر میں باقاعدہ اخبار ے لگا ہوں۔"

"ہوں! اچھا کیا سمجھے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"پلازا تھیٹر والے واقعے میں اُسے بھی چوٹ ہوئی تھی۔ اس کا ہار۔"

"ٹھیک.... وہ بُری طرح سر ہو گئی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ملنے کے لئے وقت مانگ رہی کل سے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اُس سے مل لو۔"

"مجھے نک چڑھی لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ آپ اُسے ٹال ہی کیوں نہیں دیتے۔"

"اف فوہ! یہ ٹالنا نہیں تو اور کیا ہے۔ میں ایک بار مل کر اس کی رام کہانی سن لوں۔ ظاہر ہے ہ اس معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالوں گا۔"

"کیوں....؟"

"بھئی مجھے اس لٹیرے کے معاملے میں کوئی الجھاوا نظر نہیں آتا۔ بس ذرا پھرتیلا ہے سول ل آپ سنبھال لے گی۔"

"مگر میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس کا کیس ہمارے یہاں آنے ہی والا ہے۔"

"ہو گا....! ایک میں ہی تو نہیں۔ اور بھی ہیں۔"

"بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ ہے بڑا شاطر۔"

"ہے تو۔"

"تو اس سے میں کیا کہوں گا۔" حمید نے پوچھا۔

"موقع پر جو سوجھ جائے۔"

حمید نے لباس تبدیل کیا۔ گیراج سے کیڈی نکالی اور چل پڑا۔ وہ رابعہ نکہت کی ٹھوڑی متعلق سوچ رہا تھا۔ جس کے درمیانی گڑھے میں بڑی سیکس اپیل تھی اور اُسے اس کے گداز بھی یاد آرہے تھے جس پر سنہرے رنگ کے ننھے ننھے روئیں تھے اور پیروں کے انگوٹھوں بناوٹ کا خیال تو اس کی ریڑھ کی ہڈی میں گدگداہٹ ہی پیدا کرنے لگا تھا۔

مگر وہ ذرا بد مزاج تھی۔ غصے کی حالت میں اُس کے ہونٹ کھل جاتے تھے اور وہ پہلے بھی زیادہ حسین نظر آنے لگتی تھی۔ حمید نے اُسے اکثر شہر کی مشہور تفریح گاہوں میں دیکھا اُس کے متعلق یہ رائے قائم کی تھی کہ وہ بہت مغرور ہے۔ اپنے ایک مخصوص حلقہ احباب آگے نہیں بڑھتی تھی اور شائد اُن سے بھی اتنی بے تکلف نہیں تھی کہ کوئی اسے "تم" مخاطب کر سکے۔ بہر حال آج وہ اُسے بہت زیادہ قریب سے دیکھنے جا رہا تھا۔

رابعہ نے اس کا استقبال بڑے مایوسانہ انداز میں کیا۔ حمید کو یہ بات بہت کھلی لیکن وہ موقع کا منتظر رہا۔

"کیا فریدی صاحب اتنے ہی مشغول ہیں کہ مجھے پندرہ منٹ بھی نہیں دے سکتے۔" نے کہا۔

"میرے خیال سے ضرور یہی بات ہے۔" حمید بولا۔

"لیکن معاملہ بہت پیچیدہ ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن میری آمد میں فریدی صاحب کا ا... شامل ہے۔"

"اوہو! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ جلدی سے بولی۔

"غالباً معاملہ اسی ہار کا ہے۔" حمید نے کہا۔ "پلازا تھیٹر والی ڈکیتی کا شکار آپ بھی ہوئی تھ..."

"جی ہاں۔ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہی ہوگا۔ پولیس نے میرا بیان بھی لکھ لیا ہے؟"

"اور میرا خیال ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی پیچیدگی نہیں۔"

"قطعی نہیں۔" رابعہ نے سر ہلا دیا۔

"پھر....!"

"ٹھہریئے! میں وہ ہار لاتی ہوں۔"

"جی....!" حمید چونک پڑا۔ "کیا مطلب۔"

"ابھی آئی۔"

رابعہ چلی گئی اور حمید سوچ میں پڑ گیا۔ کسی نے اس کا ہار اتار لیا تھا اور وہ ہار لینے گئی ہے۔ یہ کس قسم کی پیچیدگی ہو سکتی ہے۔ کیا واقعی کوئی پیچیدگی ہو گئی ہے۔ پہلے تو حمید سمجھا تھا کہ وہ اسی بہانے سے فریدی سے رومان لڑانا چاہتی ہے۔

رابعہ واپس آگئی اُس کے ہاتھ میں ایک ہار تھا۔ ہیروں کا ہار جس کی چمک آنکھوں میں خیرگی پیدا کر رہی تھی۔

"یہ ہار اس خط سمیت کل واپس آگیا ہے۔" اس نے ہار اور خط حمید کی طرف بڑھا دیئے۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

"محترمہ!

بُری بات ہے۔ مجھے تو اس میں کہیں بھی وہ ہیرا نظر نہ آیا جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ کیا اس میں ایک بھی ہیرا نہیں۔ پورا ہار امیٹیشن کا ہے۔ لیکن امیٹیشن اعلیٰ قسم کا ہے۔ کوئی ماہر ہی اسے پرکھ سکے گا۔ بہر حال آپ کا ہار شکریئے کے ساتھ واپس کیا جا رہا ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت کا پروپیگنڈہ کر کے دل بہلاتی رہیئے۔ آپ کا مخلص

سیاہ پوش"

حمید نے خط ختم کر کے جواب طلب نظروں سے رابعہ کی طرف دیکھا۔

"اگر یہ امیٹیشن ہے تو ضرور بدلا گیا ہے۔" رابعہ بولی۔ "اب سے تین ماہ قبل یہیں کا ایک مشہور جوہری اسے دیکھنے کے لئے آیا تھا اور اس نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ سارے ہیرے اعلیٰ قسم کے ہیں۔"

"آپ نے کل کے بعد بھی اسے کہیں پرکھوایا۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں! اسی جوہری نے اب یہ کہہ دیا ہے کہ یہ سچ مچ امیٹیشن کا ہے۔"

"کون لایا تھا اسے۔"

"ایک لڑکا جس نے اس مردود کی شکل اچھی طرح نہیں دیکھی تھی۔ ویسے اس کا بیان ہے کہ اُس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی۔"

"آپ نے پولیس کو اس واقعے کی بھی اطلاع دی یا نہیں۔"

"جی نہیں۔"

"کیوں؟"

"عجیب الجھن ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان والے اس ہار کے متعلق بہت بڑی بڑی باتیں کر چکے ہیں۔ اب اس طرح امیٹیشن ثابت ہو جانا بڑی سبکی کی بات ہوئی۔"

"ہوں! ٹھیک ہے!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ بھی تو سوچئے کہ اُس مردود نے اس قسم کی حرکت شائد پہلی بار کی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس نے بدل لیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہار تو وہ لے ہی گیا تھا۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ڈیڈی انگلینڈ میں ہیں۔ انہیں شائد ہار کے غائب ہو جانے کا اتنا ملال نہ ہوتا جتنا اس بات پر ہوگا کہ اُسے نقلی قرار دے کر واپس کر دیا گیا۔"

"ہوں.... اور.... ہو سکتا ہے کہ کسی نے یہیں اسے بدل دیا ہو۔"

"یہ بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ یا تو میری گردن میں رہتا ہے یا سیف میں.... کنجی میرے ڈیڈی کے پاس رہتی ہے۔"

"دنیا میں شائد ہی کوئی ایسا سیف ہے جسے کنجی کے بغیر نہ کھولا جا سکے۔"

"بہر حال یہی وہ الجھاوا ہے جس کے لئے میں فریدی صاحب کا تھوڑا وقت لینا چاہتی تھی۔"

"اگر میں ہی اس مسئلے کو حل کر دوں تو۔"

"اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔"

"اچھا تو اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔"

"بہتر ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ یہ بات مشہور ہو۔"

"مطمئن رہئے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "گھر کے نوکروں کو اس کا علم ہو ہی گیا ہوگا۔"

"جی نہیں۔ کسی کو نہیں معلوم۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔ میں شام کو آپ سے پھر ملوں گا۔"

"تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔"

"کوئی بات نہیں۔"

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ واپسی میں اُس نے کیڈی کو کوتوالی کی طرف موڑ دی۔ وہ اس بات کو چیک کرنا چاہتا تھا کہ پلازا تھیٹر میں لٹنے والی عورتوں میں سے کسی اور کو بھی تو انہیں حالات سے دوچار نہیں ہونا پڑا تھا۔ اس کا پتہ لگانا بہت ضروری تھا۔ اگر اس قسم کا کوئی دوسرا واقعہ بھی ہوا ہے تو اس لٹیرے کا طریقہ کار یہی رہا ہوگا۔

چڑچڑا شوہر

کوتوالی سے حمید نے اُن عورتوں کے پتے حاصل کئے جو پلازا تھیٹر والی ڈکیتی کا شکار ہوئی تھیں اور پھر یکے بعد دیگرے اُن سے ملتا پھرا لیکن ان میں سے کسی کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش نہ آیا تھا۔ جس سے رابعہ دوچار تھی۔ لسٹ پر صرف ایک نام اور باقی رہ گیا تھا۔ حمید نے سوچا دردِ سری فضول ہے۔ لیکن پھر کسی خیال کے تحت چل پڑا۔

نعمان منزل ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع تھی اور اُس علاقے کی اُن چند عمارتوں میں سے تھی جنہیں شاندار کہا جا سکتا تھا۔ حمید کیڈیلاک کو پائیں باغ کے اندر لیتا چلا گیا۔ لیکن اُسے پورٹیکو سے اِدھر ہی روک دینا پڑا کیونکہ پورٹیکو میں پہلے ہی سے ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ حمید اندر جانے سے قبل ہی سوچنے لگا کہ وہ کیسی ہوگی۔ نام تو بڑا چکیلا تھا۔ زہرہ جمال۔ پتہ نہیں کسی جمال کی زہرہ تھی یا زہرہ جیسا حسن رکھتی تھی۔ حمید نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اندر بھجوا دیا۔ پھر اُسے تھوڑی دیر ڈرائنگ روم میں انتظار کرنا پڑا۔ یہاں بڑے بڑے فریموں میں کئی دلکش چہرے نظر آ رہے تھے۔ انتظار کی اکتاہٹ سے پیچھا چھڑانے کے لئے حمید اندازہ لگانے لگا کہ ان میں سے زہرہ

جمال کون ہو سکتی ہے اور پھر ایک کھر کھراتی ہوئی سی آواز نے اُسے چونکا دیا۔

"فرمایئے۔"

حمید کھڑا ہو گیا۔ ایک دبلا پتلا سا بوڑھا آدمی اُسے گھور رہا تھا۔ ٹھوڑی پر گھنے بالوں والی کٹ ڈاڑھی تھی۔ ایک آنکھ پر شیشہ چڑھائے ہوئے تھا۔ جس کا سیاہ فیتہ اس کی گردن میں تھا واسکٹ۔ سیاہ پتلون اور سفید قمیض میں وہ ایک خاصا فیشن ایبل بوڑھا معلوم ہو رہا تھا۔

"میں پلازا تھیٹر والے۔"

"جی ہاں....!" اُس نے بڑے تلخ لہجے میں حمید کی بات کاٹ دی۔ "سب یہیں آتے ہیں میرا خیال ہے کہ اس حادثے کا شکار اکیلی بیگم ہی نہیں ہوئی تھیں۔"

لفظ "بیگم" سن کر حمید نے اپنے اوپر تقریباً سو بار لعنت بھیجی اور سوچنے لگا کہ اس بوڑھے بیگم کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ بڑھاپے میں بھی وہی نام استعمال کرے جو جوانی میں کرتی تھی۔ کھوسٹ کی بیگم.... زہرہ جمال.... لاحول ولا قوۃ.... اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس نے چار کچے کریلے چبا لئے ہوں۔ مگر اب چونکہ چلا ہی آیا تھا اس لئے تھوڑی دیر جھک مارنا حق تھا۔

"بات دراصل یہ ہے۔"

"ہر بات دراصل ہی ہوتی ہے۔" بوڑھے نے پھر اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔ "دراصل کوئی بات ہے۔"

حمید کو بڑا تاؤ آیا۔ لیکن صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"شاید آپ اس وقت غصے میں ہیں۔" حمید بولا۔

وہ چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔

"مسٹر! خدارا اب آپ لوگ پیچھا بھی چھوڑیئے۔ جو کچھ گیا واپس نہیں آسکتا۔ لیکن یہ کا انصاف ہے کہ مردے پر دو لاتیں اور... زندگی حرام ہو گئی۔ ایک ہی بات کو کہاں تک دہرایا جا

دفعتاً قریب ہی کے کسی کمرے میں ایک بڑی سریلی سی آواز گونج کر رہ گئی۔ حمید محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں کھٹ مٹھے شربت کی پچکاری مار دی ہو۔

"میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے اور یہ کیس ابھی تک سول پولیس کے پاس تھا۔" نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا۔ "آپ سرجنٹ ہیں۔ آپ کے بعد کوئی انسپکٹر صاحب یف لائیں گے۔ ان کے بعد کوئی سپرنٹنڈنٹ پھر ڈی۔ آئی۔ جی صاحب۔ آئی۔ جی صاحب تک نیمت ہے۔ لیکن اگر کہیں آنریبل ہوم منسٹر بھی اس کیس میں دلچسپی لے بیٹھے تو مجھے گھر کر بھاگنا پڑے گا۔"

"اُف فوہ! ڈارلنگ....!" سریلی آواز ڈرائینگ روم میں گونج کر رہ گئی۔ حمید چونک کر مڑا۔ دروازے میں ایک جوان العمر عورت کھڑی تھی۔ "کیوں خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔ ائدہ۔"

"بیگم! بھئی تم کہاں چلی آئیں۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں! آج ٹھنڈک بہت ہے۔" بوڑھا ملاہٹ میں آگے بڑھتا ہوا بولا۔

حمید نے محسوس کیا جیسے عورت نے اُس کا نوٹس ہی نہ لیا ہو۔ وہ دروازے سے صوفوں کے ب آگئی۔

"تشریف رکھئے۔" اُس نے حمید سے کہا۔ حمید بیٹھ گیا۔ سامنے والے صوفے پر وہ خود بھی گئی۔ بوڑھا منہ کھولے کھڑا رہا۔ حمید اُس عورت کے متعلق سوچنے لگا تھا کہ اتنی سریلی آواز کی ہونے کی بناء پر اُسے کوئل ہی سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے حالانکہ وہ خاصی کلوٹی تھی مگر تھی ک۔ سارا حسن اس کی آنکھوں میں تھا۔ عمر انیس بیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ حمید کو سیاہی مائل لذیذ رس گلے یاد آگئے۔ رسیلے! لیکن شیرینی کے ساتھ ہی ہلکا سا نمک بھی رکھنے والے۔

"محترمہ زہرہ جمال!" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں۔" زہرہ بولی۔ پھر بوڑھے کی طرف پلٹ کر بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "آپ کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"آں.... ہاں.... کافی!" بوڑھا جو شائد کچھ اور سوچ رہا تھا چونک پڑا۔ "لیکن تمہاری بعت ٹھیک نہیں ٹھنڈک....!"

"میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

بوڑھا حمید کو گھورتا ہوا چلا گیا۔

"ہاں تو فرمایئے۔" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

"یہ جمال صاحب بہت غصہ دار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کون جمال صاحب۔"

"یہ آپ کے....!"

"اوہو! آپ کو غلط فہمی ہوئی۔" وہ ہنس کر بولی۔ "میرا نام ہی زہرہ جمال ہے۔ جمال سے یہ نہیں کہ میرا نام شوہر کے نام سے مرکب ہے۔ اُن کا نام تو صغیر بابر ہے۔"

حمید دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر آپ کا نام زہرہ جمال ہے تو میں سارے ستاروں کو لتار کا پلاسٹر کرادوں گا۔ زہرہ کی مٹی کیوں پلید فرمائی۔ آپ کے والدین نے اگر آسمان ہی پر چھینکنے کا حوصلہ تھا ویسے پوری رات پڑی ہوئی تھی۔

"خیر بہر حال۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "بات یہ ہے کہ اب اس معاملے میں محکمہ ر رسانی بھی دلچسپی لے رہا ہے۔"

"ہاں.... تو پھر....!" وہ حمید کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولی۔

"شائد آپ کا نکلس تھا۔"

"جی ہاں.... اور وہ اُس وقت اتار اگیا تھا جب ہال میں روشنی ہوگئی تھی۔"

"روشنی میں۔"

"ہاں.... میں باکس میں تھی۔ پیچھے سے کسی نے مجھے دھکا دے کر نکلس اُتار لیا۔"

"آپ نے اُسے دیکھا نہیں۔"

"صرف ہلکی سی جھلک دیکھی تھی اور اسکے متعلق اتنا ہی بتا سکتی ہوں کہ وہ سیاہ لباس میں تھ

"چہرہ بھی سیاہ تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اتنا نہیں دیکھ سکی۔"

حمید جلد سے جلد پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اس کے آپ کچھ اور معلومات بھی فراہم کرسکیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

دفعتاً ایک خیال حمید کے ذہن کی سطح پر غیر متوقع طور پر ابھر آیا۔

اُس نے جیب میں رکھی ہوئی عورتوں کی فہرست نکالی۔ ان کے نام اور پتے بلند آوا

ہرانے کے بعد بولا۔ "ان میں سے کسی کو آپ جانتی ہیں۔"

"میں ان میں سے سبھی کو جانتی ہوں۔ ان میں سے تین تو میری عزیز ترین دوست ہیں۔"

"کون کون۔"

"رابعہ نکہت، سعیدہ سلطان اور صابرہ زیدی۔"

"رابعہ نکہت صاحبہ کا ہار بہت قیمتی تھا۔" حمید نے کہا۔

"جی ہاں مجھے اس کا افسوس اپنے نکلس سے زیادہ ہے۔"

"بھلا کیوں!" حمید نے بڑی آرٹسٹک قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ وہ میرے نکلس سے کہیں زیادہ قیمتی تھا اور رابعہ کو میں بہت عزیز رکھتی ہوں۔ اس ہار کا ایک ہیرا تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔"

"بقیہ دوسری عورتوں کو بھی آپ بخوبی جانتی ہوں گی۔"

"جی ہاں۔ بات یہ ہے کہ ہم سب ویمنز کلچر سنٹر کے ممبر ہیں۔"

"اوہ....؟" حمید کچھ سوچ کر رہ گیا۔

"معاف کیجئے گا۔" زہرہ مسکرا کر بولی۔ "میرا خیال ہے کہ شائد پولیس اُس لٹیرے کو پکڑنے میں ناکام رہے گی۔"

"کیوں؟"

"اتنے دن تو ہوگئے۔ ابھی تک پولیس نے کیا کرلیا۔"

"آپ اور رابعہ ساتھ ہی گئی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے تو دوسرے دن اخبارات سے معلوم ہوا تھا کہ وہ بھی شکاروں میں سے تھی۔"

"آپ تنہا ہی گئی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں تو۔ میرے ساتھ وہ ڈاکو بھی تھا۔" زہرہ ہنس کر بولی۔ حمید بھی ہنسنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شائد یہ گلاب جامن بے تکلف ہونا چاہتی ہے۔

"ارے بھئی بیگم....!" بوڑھے کی آواز پھر سنائی دی۔

"ڈیئر! میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔" زہرہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

بوڑھا آکر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ حمید نے بھی سوچا کہ اب بڑے میاں کو تنگ ہی کرنا چاہئے۔

"ہاں تو آپ کتنے دنوں سے ویمنز کلچر سنٹر کی ممبر ہیں۔" حمید نے زہرہ کو مخاطب کیا۔

"یہ سوال قطعی غیر ضروری ہے۔" بوڑھا اپنی کمسن بیوی کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

"بابا صاحب! بالکل ضروری ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب! بابا صاحب۔" بوڑھا اپنی آواز میں جوانی کی لہر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "آپ کو شریف آدمیوں سے تخاطب کا بھی سلیقہ نہیں۔"

"معاف کیجئے گا۔ مجھے ندامت ہے۔ عادت سے مجبور ہوں۔ بزرگوں کو اسی طرح مخاطب کرتا ہوں۔"

"تفتیش ختم ہوئی یا نہیں۔" بوڑھا ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"جی نہیں دو ایک سوالات اور کروں گا۔"

"ڈارلنگ.... پلیز....!" زہرہ اپنے شوہر کا بازو پکڑ کر اٹھاتی ہوئی منمنائی۔ سرکاری آدمیوں سے ایسی باتیں نہیں کی جاتیں۔"

"سرکاری آدمی.... ہونہہ.... سرجنٹ!" بوڑھا منہ بگاڑ کر بولا۔ "مسٹر! میں بھی سپرنٹنڈنٹ بس رہ چکا ہوں۔ میں نے ایسی تفتیش آج تک نہ دیکھی نہ سنی۔"

"زمانہ بدل چکا ہے۔ ڈارلنگ....!" زہرہ اُسے دروازے کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔ "تم زیادہ زور سے باتیں کرتے ہو تو میرا دل دھڑکنے لگتا ہے۔ ہٹو بھی ڈیئر اندر چلو....!"

حمید کو ہنسی آرہی تھی لیکن ضبط کئے رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اچھا تو یہی وہ حضرت ہیں.... صغیر بابر.... ریٹائرڈ ایس۔پی جنکے متعلق اُس نے سن رکھا تھا کہ وہ قبر میں بھی اپنے ساتھ ایک عورت لے جائیں گے۔ تب تو یہ بیچارہ حق بجانب ہے۔ عیاش لوگ عموماً اپنی بیویوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور پھر یہاں تو معاملہ ایک ایسے عیاش کا تھا جو بڑھاپے میں بھی ایک نوجوان بیوی رکھتا تھا۔

"اچھا تو میاں صغیر بابر صاحب۔" حمید نے دل میں کہا۔ "میں تمہاری زندگی تلخ کردوں گا۔ تم نے بھی تو آخر جوانی میں بہتوں کی زندگیاں تلخ کی تھیں۔"

حمید کو وہ کہانیاں یاد آنے لگیں جو اس نے صغیر بابر کے متعلق سن رکھی تھیں۔ صغیر بابر

میں جب وہ صرف ایک سب انسپکٹر تھا اپنے علاقے کے لئے عذاب ہوجایا کرتا تھا۔ لوگ اُس کے تبادلے کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اس کے علاقے کے لوگ اپنی جوان بہو بیٹیوں کو اُس وقت تک کے لئے کہیں باہر بھیج دیتے تھے جب تک اُس کا قیام وہاں رہتا تھا۔ اس نے نہ جانے کتنی باراتوں سے دلہنیں غائب کرادی تھیں۔ اُس کی رشوت میں عورت ضرور شامل ہوا کرتی تھی اور اب یہی صغیر بابر حمید کو ہنسی آگئی۔

"معاف کیجئے گا۔" زہرہ نے کہا جو اپنے شوہر کو اندر چھوڑ کر واپس آگئی تھی۔ "صغیر صاحب چڑچڑے ہوگئے ہیں۔ ویسے کیا آپ صرف سرجنٹ ہیں؟ آپ کی گاڑی تو بڑی شاندار ہے۔"

"جی ہاں کیڈی لاک ہے۔"

"کیڈی لاک!" اُس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"جی ہاں۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اوہ.... کچھ نہیں.... یونہی....!"

"میں یہ پوچھنا چاہتا تھا۔" حمید نے کہا۔ "ویمنز کلچر سینٹر کی ممبر آپ کب سے ہیں۔"

"شائد ڈیڑھ سال سے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ جن عورتوں کے زیورات غائب ہوئے ہیں وہ سب ہی ویمنز کلچر سینٹر کی ممبر تھیں۔"

"جی ہاں.... ہے تو عجیب بات۔" وہ سر ہلا کر بولی۔

"کیا مجھے تمام ممبران خواتین کے پتے مل سکیں گے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ سیکریٹری سے ملئے۔"

"لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ بات مشہور ہوجائے۔"

وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

"اچھا۔ میں کوشش کروں گی۔ لیکن آپ ملیں گے کہاں۔"

"جب بھی ملنا ہو چار دو چھ پر فون کردیجئے۔"

"بہت بہتر! لیکن ابھی تک آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔" زہرہ جمال مسکرا کر بولی۔

"مجھے حمید کہتے ہیں۔"

"سرجنٹ حمید.... اوہ....!" زہرہ جمال چہک کر بولی۔ "فریدی حمید اینڈ کمپنی کے لوگوں کے تو بڑے چرچے رہتے ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

حمید کی نظریں اُس کے سینڈلوں پر جمی ہوئی تھیں جن سے اُس کے پیروں کی سبک انگلیاں جھانک رہی تھیں۔ پیروں کی بناوٹ کی دلکش ہے۔ حمید نے سوچا۔

اس کے بعد زہرہ جمال کی زبان کی قینچی جو چلی ہے تو پیچھا چھڑانا ہی محال ہو گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اٹھ کر بھاگے۔ اگر کہیں بڑے میاں نے ایک چکر اور لگالیا تو ستم ہی ہو جائے گا۔ شائد وہ اُسے کوئی بہت بڑا دلاسہ دے کر آئی تھی۔

حمید بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا اور زہرہ جمال نے اُس کے مشہور کیسوں کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا۔

"ارے بھئی بیگم!" صغیر بابر پھر چڑھ دوڑا۔ "ختم ہوئی انکوائری۔"

حمید نے اطمینان کا سانس لے کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں! تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ ہی وہ مشہور زمانہ ایس۔ پی صغیر بابر ہیں اسے میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اچانک آج آپ سے پہلے ملاقات ہوگئی اور میں اپنی گستاخیوں کی معافی چاہتے ہوئے بار بار پھر عرض کرتا ہوں کہ آپ ہر معاملے میں میرے بزرگ ہیں۔"

بوڑھے نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ پھر مصافحہ کرتے وقت حمید نے زہرہ جمال کی طرف مڑ کر کہا۔ "شائد میں پھر آپ کو تکلیف دوں۔"

"کیوں؟ اب کیوں؟" بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ وہ بڑبڑاتا رہا اور حمید مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

لٹیرے کی زبردستی

واپسی پر شام ہوگئی!

نوکر نے اُسے بتایا کہ کوئی صاحبہ اُسے کئی بار فون کر چکی ہے۔ فریدی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس کے جانے کے بعد سے اب تک لائبریری ہی میں ہے۔ حمید کو پھر تاؤ آگیا۔

"بس اب میں آخری سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔" اُس نے لائبریری میں پہنچ کر زور سے کہا۔

"آگئے تم۔"

"ابھی نہیں آیا۔ سوال یہ ہے کہ ایک آدمی دن میں پچاس مرتبہ بور ہوتا ہے۔ اگر پچاس ایک وقت بور ہونا شروع کردیں تو پاس پڑوس والوں کا کیا حال ہوگا جب کہ ایک میل سترہ گز کا ہوتا ہے۔"

فریدی نے کتاب ایک طرف رکھ دی اور اٹھ کر حمید کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔ "بہت اچھے! یہ ہے کہ چلو تفریح کریں گے۔"

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔ "اب اس وقت تفریح جب بولنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی۔"

"تو کیا صبح سے اب تک صغیر بابر ہی کے یہاں رہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا۔

"یہ مشکل سوال کیا ہے تم نے۔" فریدی مسکراتا ہوا بولا۔ "مگر یہاں بھی فون ہے اور صغیر کے گھر پر بھی ہے۔"

"یعنی....!"

"لایعنی....! یعنی کہنے کی عادت ترک کردو۔ صغیر بابر نے فون پر تمہاری شکائت کی تھی۔"

"کیا شکائت کی تھی؟"

"یہی کہ تم اُس کا اور اُس کی بیوی کا بھیجا چاٹ رہے ہو؟"

"اب چاٹوں گا۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ وہ کچھ اور بھی کہنے جا رہا تھا کہ ایک نوکر نے فون کی اطلاع دی۔

حمید لائبریری سے فریدی کے کمرے میں آیا۔

"ہیلو....!"

"کون صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"سرجنٹ حمید۔ آپ کون ہیں۔"

"اوہ حمید صاحب۔ میں زہرہ جمال۔ کئی بار فون کر چکی ہوں۔ وہ دیکھئے ایک پتہ تو آپ اسی نوٹ کر لیجئے۔"

حمید بے اختیار مسکرا پڑا۔

"ذرا ٹھہریئے۔" وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا اور پھر اس طرح "ہاں ہاں" کرنے لگا جیسے پتہ نوٹ کر رہا ہو۔

"بہت بہت شکریہ۔" اس نے خالص بچکانے لہجے میں کہا۔ "آپ بہت اچھی ہیں۔ دوپہر سے آپ ہی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"کیا سوچ رہے ہیں۔"

"یہی کہ آپ بہت اچھی ہیں اور مجھے نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم بچپن میں ساتھ کھیلے ہوں۔ میں نے آپ کی گڑیا چھین کر پھاڑ دی ہو۔ آپ نے میرا منہ نوچا اور میں نے آپ کی چوٹی کھینچی ہو.. اوہ معاف کیجئے گا شائد میں پاگل پن کی باتیں کر رہا ہوں۔"

حمید نے دوسری طرف قہقہے کی آواز سنی۔

"آپ بڑی دلچسپ باتیں کرتے ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"معاف کیجئے گا۔ میں بعض اوقات باتوں کی رو میں یہ بھول جاتا ہوں کہ مخاطب کون حمید دردناک آواز میں بولا۔

"ارے.... کوئی بات نہیں۔"

"اچھا اب فی الحال اجازت چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ کر جانے کے لئے فریدی دروازے میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"کون تھی۔"

"زہرہ جمال.... کیپٹن بابر کی بیوی۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اور تم اُس سے ایسی باتیں کر رہے تھے۔"

"کیوں! کون سی ایسی بُری باتیں تھیں۔"

"وہ بُرا آدمی ہے۔" فریدی بولا۔

"اور میں ایک شریف آدمی ہوں۔ بہر حال آپ اس چکر میں نہ پڑیئے۔ میں ا بڑھاپے کو لالہ زار بنا دوں گا۔"

"دیکھو فرزند!" فریدی اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "اس میں خواہ مخواہ بد بدنامی ہوتی ہے اور پھر اُس بیچارے کا دل دکھا کر تمہیں کیا ملے گا۔"

"بیچارا کہہ رہے ہیں آپ اُسے۔ سرکار والا اُس نے بھی لاکھوں کا دل دکھایا ہے۔"

"اور مجھے افسوس ہے کہ تمہارے بڑھاپے پر بھی یہی داغ لگنے والا ہے۔"

"جناب مجھے غلط سمجھے ہیں۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "میں شریف عورتوں کی عزت کرتا ہوں۔ میں نے کبھی کسی شریف عورت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور خدا کی قسم میں نے کمینی عورتوں سے بھی اپنا دامن بچایا ہے.... اور.....!"

ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہلاؤ....!" وہ گنگنایا۔ "حمید اسپیکنگ۔"

"اوہ.... حمید صاحب.... دیکھئے ایک پتہ اور یاد آگیا ہے۔ لکھ ہی لیجئے تو بہتر ہے۔"

"اچھا ٹھہریئے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ہاں.... بولئے۔"

وہ سن کر "ہاں ہاں" کرتا رہا۔ پھر اُس نے جلدی سے "شکریہ" کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"دیکھا آپ نے۔" حمید نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔ "یہ تو میری ہی جان کو آگئی۔"

"تم نے بُرا کیا حمید صاحب۔" فریدی بولا۔

"نہیں ایسا بُرا بھی نہیں۔ آپکو شاید یہ نہیں معلوم کہ میں اس لٹیرے میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"ہوں.... اچھا پھر....!"

"بیٹھ جایئے۔" حمید نے کہا۔ "ایک لمبی داستان ہے۔ رابعہ نکہت والا معاملہ یقیناً الجھاوے والا ہے۔"

فریدی سگار سلگانے لگا۔

حمید اپنی اور رابعہ کی گفتگو دہرا رہا تھا۔ فریدی کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی تھی۔ پورے واقعات دہرانے کے بعد حمید نے رابعہ والا ہار فریدی کیطرف بڑھا دیا۔

فریدی چند لمحے ہار کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "واقعی حیرت انگیز نقل ہے۔ عمدہ قسم کا فیشن ایبل یعنی نقل ہونے کی صورت میں بھی اس کی قیمت ایک ہزار سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔"

"میں نے سوچا۔" حمید نے کہا۔ "کہ میں ان ساری عورتوں سے ملوں جو پلازا تھیٹر میں لوٹی گئی تھیں۔ بہر حال کسی نے ایسی کوئی رپورٹ نہیں دی جو رابعہ کو پیش آئے ہوئے واقعے سے مطابقت رکھتی۔ انہیں میں زہرہ جمال بھی تھی۔"

"ٹھیک.... لیکن اسی پر کیوں زیادہ زور دے رہے ہو۔"

"پہلی بات تو یہ کہ صغیر بابر کی ضد میں۔ دوسری بات ابھی نہیں بتاؤں گا۔"

"کیوں....!"

"مناسب نہیں سمجھتا۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"تمہاری مرضی۔"

"لیکن میں ایک مسئلے پر آپ سے ضرور بحث کرنا چاہتا ہوں۔" حمید بولا۔

"کس مسئلے پر۔"

"اسی ہار کے متعلق۔ ظاہر ہے کہ رابعہ نے نقلی ہار نہ پہنا ہوگا۔ لیکن اگر وہ اصلی تھا تو اس لٹیرے نے یہ حرکت کیوں کی۔ اور کسی کے ساتھ تو اس نے ایسا نہیں کیا۔"

"سوال زیادہ بحث طلب نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ رابعہ نے نقلی ہی ہار پہنا ہو۔"

"اور پھر خواہ مخواہ ہمیں تکلیف دی ہو۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"تم نہیں سمجھے۔ ضروری نہیں کہ رابعہ اس سے واقف ہی رہی ہو کہ وہ نقلی ہار پہنے ہوئے ہے۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہار گھر ہی میں کسی نے بدل دیا۔"

"سیدھی سی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم خود سوچو! اگر یہ حرکت اُسی لٹیرے کی ہے تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اس سے پہلے بھی اس قسم کی کوئی حرکت کر چکا ہوتا تو بھی سمجھا جا سکتا تھا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہار گھر ہی میں بدلا گیا اور رابعہ کو اس کی خبر نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ وہ اُسے استعمال بھی کرتی رہی۔"

"لیکن وہ تو کہتی ہے کہ گھر میں اس کا بدلا جانا ممکن ہی نہیں۔"

"کوئی بات ناممکن نہیں ہوتی۔" فریدی بولا۔ "ویسے تم اس ہار کے متعلق بعض اہم باتیں نہیں جانتے یہی وجہ ہے کہ....!"

ابھی جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو....!"

"کون صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے ایک گھٹی گھٹی سی نسوانی آواز آئی۔

"سرجنٹ حمید....!"

"اوہ۔ حمید صاحب خدا کے لئے جلدی آیئے۔ میں خطرے میں ہوں۔"

"آپ کون ہیں؟"

"رابعہ.... رابعہ نکہت.... جلد آیئے۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"کیوں! کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"رابعہ! کہتی ہے جلد آیئے۔ میں خطرے میں ہوں۔"

"خطرہ! کس قسم کا خطرہ۔"

"یہ نہیں بتلایا۔"

فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھا ساڑھے سات بجے تھے۔

"چلے جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اُس پر اس قدر مہربان کیوں ہو گئے ہیں۔"

"بھئی اس سے تو میں صرف ایک ہی بار ملا ہوں لیکن اس کے باپ سے میرے بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ چلے جاؤ۔ مگر ایک بات کا خیال رکھنا۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ میرے اور اُس کے باپ کے بڑے اچھے تعلقات ہیں۔"

"اور آپ میرے باپ ہیں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "کہیں آپ کو اس کے باپ سے کوئی استدعا کرنا پڑے۔ میرے خیال سے تو آپ ہی تشریف لے جایئے۔"

"چلو بچپنا چھوڑو۔ میں تمہیں کافی شریف سمجھتا ہوں۔"

"سرکار والا۔ وہ ایک الٹرا موڈرن لڑکی ہے۔ میں نہیں جا سکتا۔ اگر اُس نے زبردستی میری زندگی برباد کر دی تو کیا ہوگا۔"

"بکواس مت کرو۔ جاؤ۔"

"نہیں جاتا۔" حمید اکڑ کر بولا۔ "آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے۔ آپ مجھے اتنا بُرا کیوں سمجھتے

ہیں۔"

"چلو واپس لے لئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید کو بہت زور سے بھوک لگ رہی تھی۔ مگر چونکہ معاملہ ایک خوبصورت لڑکی کا تھا، ا اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اب رات کا کھانا نصیب بھی ہوگا یا نہیں۔ کوئی دوسرا معاملہ ہوتا ت ایسی صورت میں فریدی ہی کو کہا جاتا۔ لیکن اس وقت اس نے کھانے کا نام تک نہ لیا۔ رابعہ آواز سے سچ مچ گھبراہٹ مترشح تھی۔ حمید بھی سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کس قسم کا خطرہ ہو سکتا ہے پھر وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ رابعہ گھر پر تنہا نہیں تھی۔ تین نوکر بھی تھے لہٰذا وہ کوئی بڑا ہی خ ہو سکتا ہے۔ کیا وہ خطرہ اسی ہار سے متعلق تھا۔ حمید کو فریدی کا ادھورا جملہ بھی یاد آ گیا جو ٹیلی ف کی گھنٹی کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا تھا اس ہار سے کچھ بہت ہی خاص قسم کے واقعات وابستہ ہیں۔ ک بھی کسی جاسوسی ناول کے ہار ہی کی طرح کشت و خون کا باعث ہو سکتا ہے۔

کیڈی لاک کولتار کی چکنی سڑک پر پھسلتی رہی اور حمید سوچتا رہا۔ دسمبر کی خنک ترین را تھی۔ کچھ دن قبل قریب کے ایک دیہی علاقے میں ژالہ باری ہو چکی تھی اس لئے سردی پہلے کئی گناہ زیادہ بڑھ گئی تھی۔ حمید کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر ٹھٹھر رہے تھے۔ وہ جلدی میں دستانے بھی بھول گیا تھا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے اپنے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لئے۔

رابعہ کی کوٹھی کے پائیں باغ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔

پائیں باغ میں سناٹا تھا۔ حمید نے کیڈی پورٹیکو میں کھڑی کر دی اور گھنٹی پر ہاتھ رکھا متواتر تین بار بٹن دبانے پر اندر قدموں کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھلا سامنے رابعہ کھڑی تھ اس کے ہونٹ خشک تھے اور چہرہ زرد نظر آ رہا تھا۔ پرغرور انداز میں تنی رہنے والی بھنویں ڈ پڑ گئی تھیں۔

وہ دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ گئی اور سرجنٹ حمید نے السٹر اور فلٹ ہیٹ اُتار کر برآمد میں لگی ہوئی کھونٹیوں پر لٹکا دیئے۔

"مجھے افسوس ہے کہ نوکر لاپتہ ہیں۔" رابعہ آہستہ سے بولی۔

"لاپتہ ہیں۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں.... اندر آیئے۔" وہ تھوک نگل کر بولی۔

رابعہ نے حمید کے اندر ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں آتش دان میں کوئلے سلگ رہے تھے۔

"وہ آیا تھا۔" رابعہ آہستہ سے بولی۔

"کون؟" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"وہی لٹیرا۔"

"کیا....؟"

"جی ہاں! وہی لٹیرا۔ میں نوکروں کیلئے فکر مند ہوں۔ وہ کمبخت نہ جانے کہاں جائیں گے۔"

"لیکن وہ آیا کیسے۔ کیا بات تھی۔"

"اسی ہار کے چکر میں آیا تھا۔ اس نے مجھے ریوالور دکھا کر تجوری کھلوائی۔ اس میں رکھی ہوئی چیزیں الٹتا پلٹتا رہا۔ اس میں اور بھی زیورات تھے۔ لیکن اس نے کسی میں بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ پھر صندوق بھی کھلوائے۔ بہرحال وہ اچھی طرح تلاشی لے کر گیا ہے۔"

"نوکر کہاں تھے۔"

"جہاں انہیں اس وقت ہونا چاہئے تھا۔ ایک تو باورچی تھا اور دو نوکر رات کے کھانے کے لئے شائد اس وقت میز ٹھیک کر رہے ہوں۔ میں لائبریری میں تھی۔"

"آپ نے پولیس کو کیوں نہیں فون کیا۔" حمید نے شبہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں اس ہار کے معاملے کو پبلک اسکینڈل نہیں بنانا چاہتی۔"

"آپ نے نوکروں کو تلاش نہیں کیا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہمت ہی نہیں پڑی۔ تب سے آپ کے آنے تک اسی کمرے میں رہی ہوں جہاں وہ مجھے چھوڑ گیا تھا۔"

"تھا کیسا....؟"

"ویسا ہی جیسا اس کے متعلق مشہور ہے! سیاہ جیکٹ! سیاہ پتلون۔ سفید دستانے اور چہرہ۔ میں نے ایسی سیاہی آج تک کسی کے چہرے پر نہیں دیکھی۔ وہ سیاہی اس کے کپڑوں کی سیاہی سے مختلف نہیں تھی۔ میں نے افریقہ کے نیگرو لوگوں کو بھی دیکھا ہے مگر وہ بھی اتنے سیاہ نہیں ہوتے۔ ان

کی رنگت بھی جاندار ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کھال کے نیچے خون موجود ہے۔ مگر اس چہرے کی رنگت بے جان تھی۔

بندر کا بچہ

"حمید نے نوکروں کو ڈھونڈنے کی مہم شروع کر دی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ یہیں مکان کے کسی حصے ہی میں ہوں گے۔"

اُس کا خیال صحیح نکلا جیسے ہی اُس نے ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ کھولا اسے تینوں نوکر فرش پر پڑے ہوئے نظر آئے۔ لیکن وہ ایک میٹھی میٹھی سی بو کے احساس کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ کمرے میں قدم رکھتے رکھتے وہ یک بیک اس طرح پیچھے ہٹ گیا جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

"کیا بات ہے!" رابعہ چونک کر بولی۔

"فی الحال یہاں سے دور ہی رہیئے۔" حمید نے کہا اور وہ دونوں دور جا کر کھڑے ہو گئے۔ رابعہ حیرت سے کبھی فرش پر پڑے ہوئے نوکروں کو دیکھتی تھی اور کبھی حمید کو.... وہ بھی اس طرح جیسے حمید کوئی عجوبہ ہو۔

"کیا بات ہے۔" اس نے پوچھا۔

"کچھ محسوس کیا آپ نے۔"

"کیا؟ کس چیز کی طرف اشارہ ہے؟ میں نہیں سمجھی۔"

"میٹھی میٹھی سی بو۔"

"ہاں.... آں.... شاید ہے تو کچھ.... لیکن....!"

"ایک خواب آور گیس! جس کی زیادہ مقدار موت بھی لا سکتی ہے۔ سنتھیلک گیس ہے۔"

"اوہو! تو یہ نوکر....!" رابعہ چیخ پڑی۔

"خدا ہی جانے!" حمید مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "جب تک موجود ہے کمرے میں جا ٹھیک نہیں۔"

وہ تقریباً پندرہ منٹ تک وہاں کھڑے رہے۔ دونوں خاموش تھے اور ان کی نظریں نوکرو

جی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوکر نے کروٹ لی اور رابعہ اُسے آوازیں دینے لگی۔ دفعتاً وہ لا کر اٹھ بیٹھا۔ پہلے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر دروازے کی ن بھاگا۔

"نصیر....!" رابعہ نے اُسے پھر آواز دی۔

وہ تیر کی طرح ان کی طرف آیا اور اُن کے قریب کھڑا ہو کر ہانپنے لگا۔

"کیا بات تھی!" حمید نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"وہ.... وہ.... سرکار.... بندر کا بچہ....!"

"کیا بکتے ہو۔" رابعہ بولی۔

"حضور! کچھ نہیں معلوم۔ بندر کے بچے کے پیچھے یہاں تک آئے۔ پھر کچھ نہیں معلوم۔"

"بندر کا بچہ! کیا بک رہے ہو۔ صاف صاف بتاؤ۔" حمید نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں ڈرائنگ روم میں.... میز ٹھیک کر رہا تھا۔ کھڑکی میں ایک بندر کا بچہ نہ جانے کہاں سے آ گیا۔ صاحب کیا بتاؤں بس آدمی کا بچہ لگ رہا تھا۔ ہم نے اُسے روٹی دکھا کر اندر بلا لیا۔ پھر پکڑنے کی کوشش کرنے لگے اسے گھیر کر اس کمرے میں لے گئے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا۔"

حمید نے زیادہ تفصیل جاننا مناسب نہیں سمجھا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بھرے مجمعے میں فاختائیں اڑا کر زیورات کا ڈبہ لے سکتا ہو اس کے لئے تین آدمیوں کو بیوقوف بنا دینا بڑی بات نہیں ہو سکتی۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ دونوں بھی ہوش میں آ گئے۔ لیکن ان کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ چکر پر چکر آ رہے تھے۔ شائد ان دونوں پر گیس کافی اثر انداز ہوئی تھی۔

"کس مصیبت میں پڑ گئی۔" رابعہ بڑبڑا رہی تھی۔ "مجھے معلوم ہوتا تو وہ ہار پہن کر ہی نہ جاتی۔"

"اتفاقات ہی مصیبت لاتے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیا آپ مجھے وہ ساری چیزیں دکھا سکیں گی جن کی وہ تلاشی لے کر گیا ہے۔"

"چلئے۔"

"سب سے پہلے اُس نے تجوری دیکھی۔ انگلیوں کے نشانات کے لئے تو سر مارنا ہی فضول تھا۔ کیونکہ رابعہ کے بیان کے مطابق اُس نے دستانے پہن رکھے تھے۔ حمید کا خیال تھا ممکن ہے وہ کوئی اور چیز چھوڑ گیا ہو۔ کوئی ایسی چیز جس سے اُس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکے!

وہ زمین پر ایک گھٹنا ٹیکے تجوری کا نچلا خانہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کی نظر رابعہ کے پیروں پڑ گئی۔ وہ اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی اور اس نے دو پٹیوں والے سیاہ مخملی چپل پہن رکھے تھے۔ مرمر سے تراشے ہوئے سبک پیر جن کا فاصلہ حمید کے چہرے سے ایک فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا.... پیروں کے انگوٹھوں کا درمیانی ابھار.... حمید کا سر چکرانے لگا۔ اس کا ایک بہت پرانا کومپلیکس ذہن کے تاریک گوشے میں کلبلانے لگا تھا۔

"میرے خیال سے یہ فضول رہے گا۔" وہ اٹھتا ہوا بڑبڑایا۔ "سوچنے کے لئے بیس منٹ! کیا یہاں تنہائی مل سکے گی۔"

رابعہ اُسے ایک کمرے میں لے آئی۔

"آپ کو بہت تکلیف ہوئی... کیا بتاؤں۔" اس نے کہا۔ چند لمحے کھڑی رہی اور پھر چلی گئی۔

حمید ایک صوفے میں ڈھیر ہوگیا۔

کوئی یقین کرے یا نہ کرے۔ ایک مخصوص بناوٹ کے زنانے پیر اس کی بہت بڑی اور پرانی کمزوری تھے۔ اُس وقت اس کی سانسیں اس طرح چڑھی ہوئی تھیں وہ کسی پہاڑ کی چوٹی سر کرنے کے بعد تھک کر گر پڑا ہو۔ بہتوں کو یقین نہ آئے گا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ طالب علمی کے زمانے میں محض ایک لڑکی کے پیروں کی خاطر ڈیڑھ سو میل کا سفر کیا کرتا تھا۔ یہ اُس کے ایک قریبی عزیز کی لڑکی تھی اور بے حد حسین پیر رکھتی تھی۔ حمید کو ہر دوسرے تیسرے ماہ محض اُس کے پیروں کے دیدار کے لئے ایک لمبے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ خواہ حمید کے چاہنے والوں کو قے ہی کیوں نہ ہو جائے لیکن یہ بات بھی بتانی ہی پڑے گی کہ اس نے ایک بار اُس لڑکی کے پیر کا انگوٹھا چوسا بھی تھا اور عرصہ تک اس کے پیر کی بو کسی نفیس قسم کی شراب کے نشے کی طرح اس کے ذہن پر مسلط رہی تھی۔ وہ بس اُس کے پیر دیکھا کرتا تھا۔ انگوٹھوں کی بناوٹ تو اسے پاگل ہی کر دیتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ اُس کے پیر کا انگوٹھا چوس ڈالے۔ اور یہ خواہش ایک دن اچھے خاصے پاگل پن میں تبدیل ہوگئی۔ وہ بچپن ہی سے ذہین اور فتنہ پرداز تھا۔ آخر اُسے ایک تدبیر سوجھ ہی گئی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ گھر کے لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر مگرمچھوں کی طرح اونگھنے لگے تھے۔ انہیں میں وہ لڑکی بھی تھی حمید نے اُس کے پیر کے انگوٹھے میں ایک پن اس صفائی سے چبھائی کہ وہ چیخ مار کر جاگ تو پڑی لیکن یہ نہ سمجھ سکی کہ بات

ی۔ حمید "سانپ سانپ" کا غل مچاتا ہوا ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ پھر بدحواسی کی نہایت عمدہ کرتا ہوا واپس آیا۔ گھر میں کہرام پڑ گیا۔ دیہات کے سیدھے سادھے لوگ تھے۔ گھرانا داروں کا تھا۔ اگر معاملہ کسی کسان یا نچلے طبقے کے آدمی کا ہوتا تو لڑکی کے انگوٹھے پر خون کی ی بوند دیکھ کر فوراً بتا دیتا کہ وہ کم از کم سانپ کے دانت کا نشان تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔

بہرحال گھر میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ حمید نے لڑکی کا پیر پکڑ کر پنڈلی کو ایک پتلی سی ڈور سے یا اور پھر اُس کا انگوٹھا چوسنے لگا۔ کئی لوگوں نے اس پر حیرت ظاہر کی لیکن حمید نے کہا کہ وہ چوس رہا ہے اور اس نے انہیں تھوک کر بھی دکھایا۔ تھوک ہلکے نیلے رنگ کا تھا۔ لوگ چکرا کسی نے چیخ کر کہا کہ تم اپنی جان کیوں دے رہے ہو۔ اس پر اس نے انہیں بتایا کہ وہ کالج میں ناہے اور کالج میں سب کچھ سکھایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مردہ مینڈک میں جان بھی ڈال دی جاتی بہرحال وہ چوس چوس کر نیلے رنگ کا جھاگ تھوکتا رہا اور لڑکی بلبلا بلبلا کر روتی رہی۔ ایسا م ہو رہا تھا جیسے وہ بیہوش ہو جائے گی۔ جب حمید کا دل بھر گیا تو اس نے پُراطمینان انداز میں لا کر انگوٹھا چھوڑ دیا اور پھر باہر جا کر اُس نے اپنے منہ سے نیلی روشنائی کی ٹکیہ نکالی جو آدھی زیادہ گھل گئی تھی۔

اور پھر جب ایک گھنٹہ گذر جانے کے بعد بھی لڑکی نہ مری تو حمید کی شہرت جنگل کی آگ طرح سارے گاؤں میں پھیل گئی۔ گھر والے تو گویا اُسے سر پر بٹھائے پھر رہے تھے۔

حمید نے احتیاطاً اتنی زمین ہی کھود ڈالی جتنے حصے میں اس نے نیلی روشنائی تھوکی تھی۔ رات کھانے پر اُسے اپنا منہ پیٹنا پڑا۔ بھلا زہر کی تیزی کی وجہ سے اس کی زبان کیوں نہ کٹتی اور کٹی ئی زبان پر نمک اور مرچ کا مزہ وہی جانے جس پر بیتی ہو۔ لڑکی اب بھی زندہ ہے اور اب اُسے ئی لڑکی نہیں کہتا۔ البتہ کئی چھوٹے چھوٹے بچے اُسے "اماں" ضرور کہتے ہیں۔ وہ اب بھی حمید کی سان مند ہے لیکن اُس کے پیر بھدے ہو چکے ہیں۔

پندرہ منٹ گذر گئے۔ حمید چپ چاپ صوفے پر پڑا رہا۔ وہ رابعہ کے پیر بھول جانا چاہتا تھا۔ نہا سال کی دبی ہوئی خواہش ایک بار پھر جاگ اٹھی تھی۔ انگوٹھا.... اس کا ضدی ذہن انگوٹھا.... انگوٹھا" کی تکرار کئے جا رہا تھا۔ اُس نے جھنجھلا کر اپنے گال پر تھپڑ مار لیا۔ ٹھیک اُسی وقت بہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ٹھٹک گئی۔ شائد اس نے حمید کو اپنے گال پر تھپڑ مارتے دیکھ لیا تھا۔

"بڑے مچھر ہیں یہاں....!" حمید کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"نہیں.... تو.... ممکن ہے ایک آدھ بھولا بھٹکا کہیں رہ گیا ہو۔ ورنہ یہاں تو روز چھڑکا جاتا ہے۔"

"ممکن ہے! میرا خیال ہو!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا تو پھر اب اجازت ہے۔"

"جایئے۔" رابعہ بے چینی سے بولی۔

"ویسے میں جانے سے پہلے آپ کا تھوڑا سا وقت ضرور لوں گا۔" حمید نے کہا اور ذہن آواز دی۔ "انگوٹھا" لیکن حمید نے اس کے پیروں کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کی۔

"اگر آج رات یہیں ٹھہریں تو کیا حرج ہے۔" رابعہ نے دبی زبان سے کہا۔

"نوکروں کا حال تو آپ دیکھ ہی چکے۔"

"اوہ....!" حمید ہنس پڑا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ اب نہیں آئے گا۔"

"میں فریدی صاحب سے اجازت لئے لیتی ہوں۔" رابعہ نے کہا۔

"اوہو.... دیکھئے نا.... بات دراصل یہ ہے کہ.... میں.... اب کیا بتاؤں۔"

"میرا خیال ہے کہ میری بات فریدی صاحب نہیں ٹالیں گے۔ ڈیڈی کے گہرے دو میں سے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن شائد آپ کو مجھے گھر ہی سے نکال دینا پڑے۔" حمید نے معصومیت سے کہا۔

"کیوں....؟"

"مجھے اکثر سوتے سوتے فرنجک ہو جاتی ہے۔ ابھی پرسوں کی رات کی بات ہے کہ فرنجک ہو گئی اور جب مجھے ہوش آیا تو میں نے محسوس کیا کہ فریدی صاحب کے پیر کا انگوٹھا رہا ہوں اور وہ میرے سر پر طبلہ بجا رہے ہیں۔"

رابعہ ہنس پڑی۔

"حمید صاحب میں نے سنا ہے کہ آپ بڑے لطیفہ گو ہیں چلئے آج رات بھر لطیفے ہی

"اوہ.... لطیفے.... خیر.... مگر میں.... اچھا میں ابھی واپس آجاؤں گا۔"

"کوئی خاص کام....!"

"میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔"

"اور اس کے لئے آپ اتنی دور جائیں گے۔ میں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔" [illegible]

"بات دراصل یہ ہے...." حمید کی نظریں پھر اُس کے پیروں پر پڑ گئیں اور ذہن میں جھٹکا سا پیدا ہوا۔ [illegible] اور پھر کرسی میں گر گیا۔

"کیا بات ہے۔" رابعہ نے پوچھا۔ [illegible]

"اوہ! کوئی خاص بات نہیں۔"

حمید اُس کے ساتھ کھانے کی میز پر آیا اور پھر اُس ہار کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

"آپ زہرہ جمال صاحبہ کو جانتی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"زہرہ جمال۔ شاید آپ صغیر بابر کی بیوی کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔"

"جی ہاں.... وہی....!" [illegible] کہ آپ خود [illegible] نہ ہو جائیں۔"

"میں اُسے خود سے کبھی جاننے کی کوشش نہ کرتی۔ لیکن وہ خود ہی....!" رابعہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"اونچے طبقے کی عورتوں میں گھستی ہے۔" حمید نے جملہ پورا کر دیا۔

"آں.... ہاں.... اونچے طبقے کی بات تو نہیں۔ صغیر بابر خود بھی کافی دولت مند ہے۔ میں تعلیم یافتہ اور الٹرا موڈرن لوگوں کی بات کر رہی تھی۔"

"آپ بھی ویمنز سنٹر کی ممبر ہیں۔"

"جی ہاں.... یہ کباب لیجئے۔"

"شکریہ۔" کیا زہرہ جمال وہاں کی ممبروں میں کافی مقبول ہے۔"

"ہے تو لیکن....!" رابعہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔

حمید معنی خیز انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"لیکن آپ نے اس کا تذکرہ کیوں چھیڑا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد پوچھ بیٹھی۔

"بس یونہی.... آج اس سے بھی ملا تھا۔ اس کا بھی تو نکلس پلازا تھیٹر ہی میں اُتارا گیا تھا۔"

"فریدی صاحب میرے ہار کے متعلق کیا کہتے ہیں۔"

"اُن کا بھی یہی خیال ہے کہ وہ گھر ہی میں بدلا گیا ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ گھر میں ایسی حرکت کون کرے گا۔" رابعہ بولی۔ "کیا ان نوکرو
میں سے کوئی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ڈیڈی کو کیا جواب دوں گی۔"

کھانا ختم کر چکنے کے بعد وہ پھر ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔ حمید نے زہرہ جمال کا تذکرہ پھر چھیڑ دیا

"اس کی مقبولیت کی وجہ پوچھئے تو میں بتاؤں۔" رابعہ نے کہا۔ "وہ خطرناک حد تک چاپلوس واقع ہوئی ہے۔ ان حلقوں میں بھی درانہ گھستی ہے جہاں کوئی اُسے منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتا۔"

"خیر اُس کی مکاری اور چاپلوسی کی عادت کا اندازہ میں نے پہلے ہی لگا لیا تھا۔" حمید بولا۔

"کس طرح! کیا بات تھی۔"

"مجھے علم القیافہ میں بھی تھوڑا سا دخل ہے، جس عورت کے پیر کے انگوٹھے میں جڑ کے قریب اوپر کی طرف ایک گہری لکیر ہو۔ وہ عموماً مکار اور چاپلوس ہوتی ہے۔"

"اوہو! تو آپ لکیروں کے بھی ماہر ہیں۔ ذرا میرے انگوٹھے بھی تو دیکھئے گا۔" رابعہ ایک شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ اور حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

رابعہ اٹھ کر حمید کے قریب آگئی اور اس نے اپنا دایاں پیر چپل سے نکال کو صوفے کے باز پر رکھ دیا۔ حمید کی قمیض سردی کے باوجود بھی پسینے سے بھیگنے لگی۔ اس نے جھک کر انگوٹھے طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کی جڑ ٹٹولنے لگا۔

"جی نہیں.... نہیں ہے۔" وہ تھوک نگل کر بولا۔

"خیر شکر ہے۔" رابعہ پھر مسکرائی اور اپنی کرسی کی طرف لوٹ گئی۔

حمید کا حلق خشک ہو رہا تھا اور ذہن چیخ رہا تھا۔ "ابے چوس۔ ابے چوس۔" سانسیں تھیں آندھیاں۔ ہ سرخ ہو گیا تھا۔ رابعہ حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حمید کی نظریں اُ کے چہرے کی طرف اٹھیں اور وہ بوکھلا کر بولا۔

"مم.... میرا خیال ہے.... کہ وہ گیس میرے سسٹم پر بھی اثر انداز ہوئی ہے۔ پتہ نہیں کیوں سر چکرا رہا ہے۔ آپ موزے کیوں نہیں پہنتیں.... کتنی شدید سردی ہے۔"

"تو پھر آپ آرام کیجئے۔ میں فریدی صاحب کو فون کئے دیتی ہوں۔"

"شش.... شکریہ....!"

"ڈاکٹر کو فون کروں۔"

"اوہ نہیں.... اس کی ضرورت نہیں.... اور پھر آپ اس ہار والے معاملہ کو چھپانا بھی تو تی ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے۔"

"اوہو.... مجھے بار بار شرمندہ نہ کیجئے۔ میں تو اس وقت بھی آپ کے ہار ہی کے متعلق سوچ وں۔ ویسے عرض ہے کہ آپ اپنا کمرہ مقفل کر کے سوئیے گا۔"

"کیوں.... کیا بات ہے۔" رابعہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"وہ میری فرنجک....!" حمید بولا اور رابعہ ہنس پڑی۔

"مجھے ڈر ہے کہ آپ کو اپنا ہی انگوٹھا چوسنا پڑے گا۔" اس نے کہا اور حمید بھی ہنسنے لگا۔

بد اخلاق کتے

حمید کو کافی رات گئے تک نیند نہیں آئی۔ وہ اپنے اس کومپلکس سے عاجز آ گیا تھا۔ کئی بار کوانیلیس بھی کرانے کی کوشش کی تھی لیکن بیچارے عامل کو کومپلکس کی بنیادی وجہ ہی نہ مل ۔ بہر حال سوتے وقت بھی اس کے ذہن پر رابعہ کے پیر مسلط رہے۔ لیکن صبح جب آنکھ کھلی ب سے پہلے کلوٹی زہرہ جمال یاد آئی اور ذہن میں رابعہ کا یہ جملہ گونج رہا تھا کہ وہ حد درجہ پلوس واقع ہوئی ہے اور فیشن ایبل عورتوں میں زبردستی گھستی ہے۔

رابعہ بھی شائد رات کو دیر تک جاگتی رہی تھی اور ابھی تک سو رہی تھی کہ حمید بھاگ نکلا۔ نوکر سے کہتا گیا کہ ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے ورنہ جاگنے کا انتظار کرتا۔

گھر پہنچا تو پائیں باغ کے پھاٹک ہی پر فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"صبح بخیر....!" فریدی نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔

"نہ صرف بخیر بلکہ ہاتھ پیر بھی بخیر۔ خدا آپ پر صحرائے نجد کے اونٹ نازل کرے۔"

"خیریت! بڑے اداس نظر آ رہے ہو۔"

"خودکشی کا ارادہ ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"طریقہ کون سا اختیار کرو گے۔"

"کسی سے کہوں گا کہ گردن پر دونوں پیر رکھ کر کھڑی ہو جائے۔"

"کیا بات ہے پسر..... آخر صبح ہی صبح خودکشی کی کیسے سوجھی۔"

"میں اپنے اُس کومپلکس سے عاجز آگیا ہوں۔"

"کون سا کومپلکس۔ تمہارے ساتھ ایک ہی دو تو نہیں ہیں۔"

"وہی پیر والا۔" اب میں اس وقت تک رابعہ کے یہاں نہیں جاؤں گا جب کہ آپ فون پر پہلے ہی سے موزے پہن رکھنے کی ہدایت نہ دے دیں گے۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رابعہ کے پیر اسی قسم کے ہیں تب تو بڑی بات ہے۔"

"کیا اچھی بات ہے۔"

"یہی کہ اب میں تمہارا یہ مرض دور کرادوں گا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسے دور کرادیں گے۔ میں نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ اس کے لئے کچھ کیجئے۔"

"بھئی یہ لاشعوری گتھیاں ہیں اور ان کا علاج بھی ہے۔ بشرطیکہ اس گتھی یا مرض کا سبب دریافت ہو جائے..... مگر خیر میں سبب دریافت کئے بغیر ہی تمہارا معقول علاج کرادوں

"کیسے ... کس طرح..... میں سنجیدہ ہوں فریدی صاحب۔"

"میں بھی غیر سنجیدہ نہیں۔ طریقہ علاج کے لئے ایک واقعہ سن لو! پھر میں تمہارے کے طریقے پر روشنی ڈالوں گا۔ چلو اندر چلیں۔ میں آج بہت خوش ہوں۔"

"اس بہت خوشی کی وجہ۔"

"آج تم ہر بات کی وجہ ہی پوچھنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہو..... چلو.....!"

وہ دونوں برآمدے میں آکر بیٹھ گئے۔

"ہاں تو حمید صاحب!" فریدی بولا۔ "وہ واقعہ سنئے۔ ایک صاحب کے ساتھ عجیب تھی۔ جب بھی بیچارے خود کو اندھیرے میں محسوس کرتے چیخ مارتے اور بیہوش ہو جا انہیں بھی تمہاری ہی طرح تحلیل نفسی کی سوجھی۔ جس ماہر نفسیات کے پاس گئے وہ سچ تھا۔ اس نے کومپلکس کی وجہ دریافت کرلی۔ بات یہ تھی کہ وہ صاحب بچپن میں ایک

ایک سیاہ رنگ کے کتے سے ٹکرا گئے تھے۔ کتا کٹکھنا تھا اس نے انہیں بھنبھوڑ ڈالا اور یہ ہو گئے۔ اس وقت اتنے چھوٹے تھے کہ جوانی تک اس واقعے کو بھول ہی گئے۔ لیکن ذہن خاص قسم کی خوفناک سچویشن کی گرہ پڑی رہ گئی۔ لہٰذا وہ کتے والی بات تو بھول گئے تھے لیکن اب بھی اُن پر بیہوشی طاری کر دینے کے لئے کافی ہوا کرتا تھا۔ ماہر نفسیات نے ایک رات ہاتھ میں ریوالور دیا اور انہیں ایک ایسی جگہ لے گیا جہاں اندھیرا تھا اور اس نے وہیں ایک گ کا کتا پہلے ہی سے چھوڑ رکھا تھا۔ قصہ کوتاہ اس نے ان سے اس کتے کو اندھیرے ہی میں کرادیا۔ اور پھر اس دن سے اندھیرے کا خوف ان پر نہیں طاری ہوا۔"

"اتنا میں سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میرا کیس اس سے مختلف ہے۔"

"تمہارا کیس خوف کا نہیں پسند کا ہے۔ اس کے لئے صرف نفرت ہی سودمند ہو سکتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یوں سمجھو..... تمہارا مرض بھی ہسٹریا ہی کی طرح ایک ذہنی مرض ہے اور تم یہ بھی ئے ہو کہ ہسٹریا کے دورے اُس وقت پڑتے ہیں جب مریض ذہنی کشمکش کو شعوری طور پر کسی نتیجہ خیز حل کی طرف نہیں لے سکتا۔ دورے روکنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو مریض کو کا حل مل جائے یا پھر کشمکش کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دے۔ مثلاً نفرت کا جذبہ۔ اس لئے یہ تدبیر زیادہ مناسب رہتی ہے کہ مریض کے سامنے ایک دودھ دینے والی گدھی رکھی ئے اور اس سے کہا جائے کہ دراصل اس گدھی کا دودھ ہی اُس کا علاج ہے۔ دورے کا آثار ئے ہوتے ہی اُسے گدھی کا دودھ پلایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ مریض متنفر ہی نہیں بلکہ سخت بھی ہو جائے گا۔"

"آج آپ واقعی موڈ میں معلوم ہوتے ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "لیکن میرا علاج۔"

"تمہارا علاج گدھی کی لات ہے۔ ایک ایسی شاندار لات جسے کھا کر تم سنبھل نہ سکو اور ہارا دو پیسے والا معمہ حل ہو جائے۔ بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ مجھے اس خاص قسم کے پیر کا ل گیا جو تمہیں بدحواس کر دیتا ہے۔"

"یعنی.....!"

"رابعہ کا پیر۔ اب میں تمہارا علاج کرلوں گا۔ تمہیں کسی بلند مقام پر کھڑا کر کے رابعہ سے

استدعا کروں گا کہ ایک ایسی لات جھاڑے کہ تم اوندھے منہ نیچے چلے جاؤ۔ تمہارا سر پھٹ جائے اور منہ بھرتا ہو جائے۔ ہاتھ پیر ٹوٹ جائیں اور جب تم چھ ماہ بعد ہسپتال سے برآمد ہو تو اس کے پیروں کے خیال ہی سے تمہاری روح فنا ہونے لگے۔"

"ہیئر ہیئر۔" حمید تالی بجانے کی بجائے اپنا سر پیٹ کر چیخا۔ "واقعی آپ اس وقت بہ خوش معلوم ہوتے ہیں۔ کیا آپ کا بھی کوئی کومپلکس رفع ہو گیا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ویسے یہ خبر تمہارے لئے کافی دلچسپ ثابت ہوگی اس لٹیرے نے پچھلی رات مجھ پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔"

"کیا....؟" حمید اچھل پڑا۔ "کس طرح؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ رابعہ نے تمہیں کیوں بلایا تھا۔ اُس نے مجھ سے فون پر اتنا ہی کہا تھا کہ تمہیں رات بھر کے لئے روک رہی ہے اور مفصل حالات تم ہی سے معلوم ہوں گے۔"

حمید نے پچھلی رات کی داستان دہرا دی۔

"فریدی کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "تو شاید اس نے وہاں کے بعد ادھر ہی کا رخ کیا"

"بات کیا ہے۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"وہ رابعہ والا نقلی ہار لے گیا۔" فریدی نے جیب سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے کہا۔ "پڑھو۔"

حمید نے لفافہ لے کر خط نکالا۔

"فریدی صاحب۔

میں ایک بے ضرر آدمی ہوں۔ ایڈونچر کا شائق ہونے کی بناء پر میں نے یہ راستہ اختیا ہے۔ خطرات میں پڑنے اور نکل جانے میں مجھے جو لذت ملتی ہے وہ آج تک کسی دوسری چیز نہیں ملی۔ ڈاکے تفریحاً ڈالتا ہوں اور لوٹی ہوئی چیزیں پھر اُن کے مالکوں کو واپس کر دیتا ہوں۔ تک میں نے یہاں جتنی بھی وارداتیں کی ہیں ان کا مال غنیمت آہستہ آہستہ واپس کر رہا ہوں۔ اگر وہ لوگ پولیس کو اس کی اطلاع نہ دیں تو یہ ان کی نیت کا قصور ہے نہ کہ میرا۔ اگر آپ طریقوں کو کام میں لا کر تفتیش شروع کریں تو میرے قول کی سچائی آپ پر روشن ہو جائے رابعہ نکہت کا ہار واپس لے جا رہا ہوں۔ یہ ایک بڑا اچھا مشغلہ ہاتھ آیا ہے۔ میں اصلی ہار

دوں گا اور پھر اُسے رابعہ نکہت تک پہنچانا میرا فرض ہوگا۔ نقلی ہار اس لئے لے جا رہا ہوں کہ مجھے اس کی اصل تلاش کرنی ہے۔ یہ میری تفریح ہے۔ فریدی صاحب ان وارداتوں کا مقصد حقیقتاً کو لوٹنا نہیں ہے۔ آپ بہت بڑے آدمی ہیں لہٰذا اس چھوٹے اور سیدھے سادھے معاملے میں دینا آپ کے شایان شان نہیں۔ پولیس کو الجھنے دیجئے اور پھر میں تو حکومت کی ایک خدمت انجام دے رہا ہوں۔ یعنی میں نہیں چاہتا کہ قانون کے محافظ کاہل ہو جائیں میں نے انہیں چاق و چوبند کر دیا ہے۔ اتنا تو آپ بھی تسلیم کریں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت مجھے پ کے کتوں کا اخلاق خراب کرنا پڑا۔ اس کیلئے معافی کا خواستگار ہوں۔ معاف کر دیا نا آپ نے۔

آپ کا خادم سیاہ پوش"

حمید خط ختم کر کے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

اس وقت نہ جانے کیوں اسے فریدی کی مسکراہٹ بڑی دلکش معلوم ہو رہی تھی۔

"آپ گھر پر موجود تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"موجود تھا اور جاگ رہا تھا۔ مگر یار اس مسخرے کی حرکتوں پر غصے کی بجائے ہنسی آتی ہے۔"

"خط کا آخری مرحلہ۔" حمید نے کہا۔ "کتوں کے ساتھ کون سی بد اخلاقی کی تھی۔"

فریدی ہنس پڑا۔ "اس نے رکھوالی کرنیوالے ایشیئن کتوں کو شراب پلا دی تھی۔" فریدی بولا۔

"شراب پلا دی تھی۔" حمید بھی ہنس پڑا۔ "لیکن کس طرح۔"

"کسی جانور کے خون میں ملا کر.... وہ کنستر جس میں خون تھا کمپاؤنڈ میں ملا۔ اُس کے قریب ڈائی جن کی دو خالی بوتلیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔"

"کمال ہے۔ حقیقتاً غصے کی بجائے پیار آ رہا ہے۔ اُس پر۔" حمید نے کہا۔

"اب سنو کتوں کی حالت۔ پہلے تو کمبخت کمپاؤنڈ میں روتے اور اپنے ساتھ دوسرے کتوں کو رلاتے رہے پھر اندر گھس آئے۔ میں لائبریری میں تھا۔ چاروں وہاں پہنچے اور میرے گرد بیٹھ کر اس طرح رونا شروع کر دیا جیسے سرجنٹ حمید اللہ کو پیارے ہو گئے ہوں۔"

حمید پھر ہنس پڑا۔

"میں بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کم بختوں کو ہو کیا گیا۔ کئی بار انہیں بھگایا لیکن پھر موجود۔ اس طرح منہ اٹھا اٹھا کر روتے رہے

جیسے سچ مچ کسی کی تعزیت کر رہے ہوں۔ سارے نوکر بھی لائبریری ہی میں آگئے اور میں نے انہیں کسی طرح پکڑوا کر بند ہوا دیا۔ لیکن میاں حمید وہ اس وقت تک روتے رہے جب تک کہ ان کا نشہ نہیں اتر گیا۔ تقریباً دو بجے سونے کے لئے اپنے کمرے میں پہنچا تو ہار غائب تھا۔ تم اسے وہیں چھوڑ گئے تھے نا۔ اور پھر یہ خط ملا۔ بڑی دیر بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ اس نے کتوں کا اخلاق کس طرح خراب کیا ہوگا۔ باہر آیا کمپاؤنڈ میں کنستر اور شراب کی بوتلیں دیکھ کر قیاس کو حقیقت تسلیم کر لینا پڑا۔ کہو.... ہے نا جینیس۔"

"واقعی بے ضرر آدمی ہے.... ورنہ وہ کتوں کو شراب کی بجائے زہر بھی دے سکتا تھا۔"

"مگر وہ ابھی لونڈا ہے۔" فریدی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ وہ سمجھتا ہے کہ شائد میں بہرام ڈاکو اور آرسین لوپن کے قصے پڑھ پڑھ کر سراغ رساں بنا ہوں۔"

"کیوں....؟" حمید چونک پڑا۔

"وہ جو کچھ بھی خود کو ظاہر کر رہا ہے حقیقتاً ویسا نہیں ہے۔"

"بھلا آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے لوٹی ہوئی ساری چیزیں اُن کے مالکوں کو واپس ہی کرنی شروع کر دی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے! لیکن وہ اس حرکت سے بھی مجھے مطمئن نہیں کر سکتا۔ یہ مانتا ہوں کہ اس نے ابھی تک اپنی کسی واردات کے سلسلے میں قتل نہیں کیا۔ لیکن میں اُسے محض ایڈونچر سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ کسی بڑے جرم کے لئے زمین ہموار کر رہا ہے۔"

"آپ کسی معاملے کو سیدھی طرح سوچ ہی نہیں سکتے۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

فریدی صاحب آپ اپنے ہی کو کیوں نہیں دیکھتے۔ شائد ہمارے آئی۔ جی صاحب کے پاس بھی اتنی ڈگریاں نہ ہوں گی۔ جتنی آپ کے پاس ہیں۔ دولت کی بھی آپ کے پاس کمی نہیں۔ اس کے باوجود بھی انسپکٹری یا کتا خصی فرما رہے ہیں۔ اپنی ترقی بھی خود ہی رکوا دیتے ہیں آخر کیوں؟

"افتادِ طبع....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر آپ کو اس کی افتادِ طبع پر کیوں شبہ ہے۔"

"میں خطر پسند طبیعتوں کے وجود کا منکر نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ صرف زیورات پر کیوں اکتفا کرتا ہے۔ اس نے ابھی تک زیورات

علاوہ اور کسی چیز پر بھی ہاتھ صاف نہیں کیا اور وہ انہیں واپس بھی کر دیتا ہے۔ ایڈونچر تو میں سمجھوں گا کہ وہ کسی سفارت خانے میں گھس پڑے۔ سرکاری مال خانوں پر بھی حملہ کرے۔ وہاں سے کوئی اہم چیز نکال لے جائے اور پھر اُس کے نرغے سے نکل جانے کے دوسرے مواقع پیدا کئے جاسکتے ہیں۔"

حمید تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ یہ بات سچ مچ قابل غور ہے۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ خلاء میں نظریں جمائے ہوئے سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

حمید کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "تو کیا اب آپ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"بہت معمولی سی۔" فریدی بولا۔ "رابعہ کا ہار ایک اچھا خاصا کلیو ہے۔ مجھے ایسے کیسوں سے دلچسپی نہیں ہوتی جس میں کوئی کلیو نہ ہو۔ جسمانی ورزش کے ساتھ ہی ساتھ میرے لئے ذہنی جمناسٹک بھی ضروری ہے۔"

"تو ہار والے معاملے میں آپ کو کوئی الجھاوا نظر آ رہا ہے۔"

"ہاں کچھ معلوم تو ہوتا ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ویسے زہرہ جمال پر کڑی نظر رکھو۔"

"کیوں! کیا آپ بھی اس کے متعلق کچھ سوچ رہے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ سیاہ فام ہونے کے باوجود بھی بڑی دلکش ہے۔"

"ارے باپ رے باپ....!" حمید اپنا منہ پیٹنے لگا۔ "بیچارے بوڑھے کا چالیسواں ہو گیا۔"

"بکومت....! کیا ناشتہ کر کے آئے ہو۔"

"ناشتہ! ارے میں رات سے بھوکا ہوں۔"

"پھر بکواس۔ اگر رات سے بھوکے ہوتے تو مجھے کھا گئے ہوتے۔ چلو.... اٹھو۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ نے میرے مرض کے متعلق کچھ نہیں کہا۔"

"کہہ دیا! علاج کے لئے کم از کم چھ ماہ کی چھٹی لو۔ ابھی اچھا ہے۔ رابعہ تمہاری احسان مند ہے۔ بلا تکلف لات مار دے گی۔"

"میں بہت سنجیدہ ہوں فریدی صاحب۔"

"جہنم میں جاؤ۔"

حمید کی حیرت

اتفاق سے اُسی شام کو ویمنز کلچر سنٹر کی ممبروں کی ماہانہ میٹنگ تھی اور کچھ تفریحی پروگر
بھی تھے۔ حمید نے اپنا پروگرام پہلے ہی سے بنا رکھا تھا۔ اُس نے فریدی کی وہ کار نکالی جو عموماً گ
ہی میں بند رہا کرتی تھی اور اسے بہت ہی خاص قسم کے مواقع پر استعمال کیا جاتا تھا۔ حمید نے ا
میں ٹیکسیوں والا میٹر فٹ کر دیا۔

میک اپ پہلے ہی کر لیا تھا۔ گھنی مونچھیں اور فرنچ کٹ ڈاڑھی میں وہ بڑا عجیب لگ رہا تھا
ڈاڑھی اور مونچھوں کا رنگ بھورا تھا۔ نہ جانے کب کا سڑا بسا سوٹ نکال کر پہن لیا۔ بہر حال
کوئی ایسا سرحدی پٹھان معلوم ہو رہا تھا جس نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ مہذب دنیا میں گذارا ہو۔

فریدی نے اُسے دیکھا اور بے اختیار مسکرا پڑا۔

"بہت اچھے۔ لیکن تم آج کل اتنے مختنی کیوں نظر آ رہے ہو۔" اُس نے پوچھا۔

"رابعہ کا انگوٹھا۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"فریدی کا گھونسہ.....!" فریدی مکا تان کر بولا۔

"حمید کا بھوسہ.....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

اور پھر اب یہ بتانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ وہ صغیر بابر کی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا
پھاٹک کے قریب سے گذرتے وقت اُس نے رفتار بہت کم کر دی۔ یہ دیکھ کر اُسے اطمینان ہو
کہ صغیر بابر کی کار بھی پورٹیکو ہی میں کھڑی ہے۔

اس نے کچھ دور آگے جا کر کار روک دی۔ چند لمحے اندر بیٹھا ہلکے سروں میں سیٹی بجاتا ر
پھر نیچے اُتر کر انجن کھولا اور اس پر اس طرح جھک گیا جیسے اُس میں کوئی خرابی ہو گئی ہو۔

اسٹپنی کھول کر اُس نے چند اوزار نکالے اور خواہ مخواہ اچھے خاصے انجن سے الجھنے لگا۔ تھوڑ
دیر بعد صغیر بابر کی کار پھاٹک سے نکلی۔ حمید نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا کہ زہرہ جمال اکیلی ہ
بوڑھا ڈرائیور کار ڈرائیو کر رہا ہے۔

کار کافی دور نکل گئی تو حمید نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کر دی۔ وہ کافی فاصلے سے زہرہ جمال
ب کر رہا تھا۔

سنٹر کی عمارت کے سامنے پہنچ کر اگلی کار رک گئی اور حمید نے اپنی کار کی رفتار کم
اُس نے زہرہ جمال کو کار سے اُتر کر عمارت میں داخل ہوتے دیکھا۔ اُس کے ڈرائیور
ی دوسری گاڑیوں کی قطار کے ساتھ لگا دی۔

آگے نکل گیا۔ اس نے اپنی کار عمارت کی پشت پر روک دی اور اتر کر اُس جگہ چلا آیا
ری کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے کئی کے ڈرائیوروں کو وہ اچھی طرح پہچانتا
کے مشہور اور اعلیٰ طبقے کے لوگوں سے متعلق تھے۔ ویمنز کلچر سینٹر تھا ہی اعلیٰ طبقے کی
کے لئے۔ ویسے تو اس کی ممبر شپ کے لئے کوئی خاص قسم کی قیود نہیں تھیں۔ لیکن
کی عورتوں کا احساس کمتری انہیں یہاں لانے ہی کیوں لگا۔

سنٹر صرف عورتوں کے لئے تھا۔ مردوں کا داخلہ قطعی ممنوع تھا۔

بھی عمارت کے طویل برآمدے میں آ بیٹھا۔ جہاں دوسرے خدمت گار، چپراسی اور
ور بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے حمید کو گھور کر دیکھا لیکن کوئی کچھ بولا نہیں۔ حمید نے
پاسنگ شو کا پیکٹ نکالا ایک سگریٹ نکال کر اُس کا کونا ڈبیہ پر ٹھونکتا رہا پھر دیا سلائی کے
ٹٹول کر مایوسانہ انداز میں ہونٹ سکوڑتے ہوئے زہرہ جمال کے ڈرائیور کی طرف
یا۔

ہم اوگا بھائی؟" اُس نے ٹھیٹھ کابلی لہجے میں پوچھا۔

جمال کے ڈرائیور نے چپ چاپ دیا سلائی بڑھا دی۔

بھی پیو.....!" حمید اُس کی طرف پیکٹ بڑھاتا ہوا بولا۔

خان ہم بیڑی پیتا ہے۔" ڈرائیور نے بڑی خوش اخلاقی سے اس کی دعوت رد کر دی۔

ہو بالی.....!" حمید پیکٹ جیب میں رکھتا ہوا بولا۔

نے سگریٹ سلگا کر صحیح معنوں میں چرسیوں کی طرح دم لگایا اور کھانسیوں کے ٹھکوں
بولا۔ "تمہارا بیگم صاب اندر اوتا۔"

.....!" ڈرائیور نے اس طرح سر ہلا دیا جیسے وہ کسی بہرے آدمی سے مخاطب ہو۔

حمید کا ارادہ تھا کہ وہ اس سے زہرہ جمال کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچائے گا اور
رہا تھا کہ تصویر کے کسی رخ کو روشنی میں لائے۔ دفعتاً اُس نے پے در پے ہارن کی آواز
پہلے تو اُس نے دھیان نہ دیا۔ پھر جب یہ سلسلہ جاری ہی رہا تو اُس نے سوچا کہ کہیں وہ
کار کا ہارن نہ ہو۔ اسے خیال آیا کہ اُس نے جلدی میں کار بے قاعدہ طور پر کھڑی کر دی تھ
وہ ٹریفک کانسٹیبل کی نظر پر نہ چڑھ گئی ہو۔

وہ وہاں سے اٹھ کر عمارت کی پشت پر آیا۔ اس کا خیال صحیح تھا۔ اُسی کی کار کا ہارن تھا
آوازیں اب بھی جاری تھیں۔ شائد کوئی اندر بیٹھا ہوا ہارن بجا رہا تھا۔ حمید کو پہلے تو حیر
پھر فوراً ہی خیال آ گیا کہ اُس نے اس میں ٹیکسی کا میٹر فٹ کر رکھا ہے۔

اُس نے انتہائی ادب آمیز طریقے پر کار کی کھڑکی سے اندر جھانکا اور دوسرے ہی
اگر اُس نے خود کو سنبھال نہ لیا ہوتا تو شائد اُس کے منہ سے ایک حیرت زدہ سی آواز نکل
پچھلی سیٹ پر زہرہ جمال بیٹھی تھی۔

"ٹمپل روڈ....!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا میم ساب۔ وِلے میٹر خراب ہے۔" حمید نے مؤدبانہ کہا۔

"فکر مت کرو۔" زہرہ نے کہا اور حمید نے کار اسٹارٹ کر دی لیکن سوچ رہا تھا کہ
مطلب ہو سکتا ہے۔ وہ صدر دروازے سے عمارت میں داخل ہوئی تھی اور پھر پچھلے درواز
نکل کر اب ایک ٹیکسی میں سفر کر رہی تھی۔ جب کہ خود اسی کی کار عمارت کے سامنے م
اور ڈرائیور کو غالباً اس نے اسی دھوکے میں رکھا تھا کہ وہ عمارت کے اندر ہی موجود ہے۔

زہرہ جمال اس وقت سفید جارجٹ کی ساری اور سفید ہی بلاؤز میں کافی نکھری ہو
ہو رہی تھی۔ کالی رنگت کا سلونا پن کچھ اور ابھر آیا تھا۔

ٹمپل روڈ پر پہنچتے ہی اُس نے ہوٹل پام گرود کے سامنے کار رکوائی اور اتر گئی۔ دس
نوٹ حمید کے ہاتھ پر رکھ کر وہ پھاٹک کی طرف مڑی۔ چند لمحے کھڑی اِدھر اُدھر دیکھ
اندر چلی گئی۔ حمید نے بھی اِدھر اُدھر دیکھا اور میٹر کو نکال کر سیٹ پر ڈال دیا۔

اب وہ اپنی کار ہوٹل کے گیرج میں لے جا رہا تھا۔ چونکہ اس نے ٹیکسی والا میٹر نکا
اس لئے واچ مین نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

ج میں پہنچ کر اُس نے سب سے پہلے بند گلے کا کوٹ اُتار پھینکا جس کے نیچے اس نے
ں اور سفید سوئٹر پہن رکھی تھی۔ کار کے ڈیش بورڈ کے اوپر لگے ہوئے آئینے میں دیکھ
نے نہایت احتیاط سے اپنی ڈاڑھی الگ کی۔ پھر سیاہ رنگ کے خضاب کی شیشی نکال کر اپنی
ونچھیں رنگ ڈالیں۔ اب وہ سیاہ اور گھنی مونچھوں والا ایک خوبرو جوان نظر آ رہا تھا۔ اس
نے پر آخری نظر ڈالی اور انجن کو لاک کر کے نیچے اتر آیا۔

ردیا تین منٹ کے بعد وہ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں نظر آ رہا تھا۔ لیکن زہرہ جمال کا کہیں
ا۔ حمید ایک خالی میز پر بیٹھ کر پر تشویش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی
ایک ویٹر اس کے سر پر موجود تھا۔

ٹھہرو! ابھی مجھے ایک صاحب کا انتظار ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "ویسے کیا ابھی کوئی
سفید ساڑی اور سفید بلاؤز میں یہاں آئی تھیں۔ رنگ سلونا ہے۔"

یٹر بڑے ادب سے مسکرایا اور اپنی گردن کو مایوسانہ انداز میں ہلاتا ہوا چلا گیا۔

ز پھر وہ کہاں گئی۔ حمید سوچنے لگا۔ پھر اسے خیال آیا کہ ہوٹل کے داہنے اور بائیں
ں میں قیام کرنیوالوں کیلئے کمرے بھی ہیں ممکن ہے وہ انہیں میں سے کسی ایک میں گئی ہو۔

مید چند لمحے بیٹھا سوچتا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا آیا۔ دفعتاً اس کی نظریں بائیں بازو والے کمروں
ف اٹھ گئیں اور وہ بے اختیار چونک پڑا۔ زہرہ جمال ایک کمرے کا دروازہ مقفل کر کے مڑی
تا کہ اس کی اور حمید کی نظریں چار ہو گئیں۔ حمید کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اب وہ تھوڑی
ں کی بھولی بھالی زہرہ جمال نہیں تھی۔ اس کی سادگی رخصت ہو چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اب
کے متعلق شائد کوئی غیر شناسا آدمی یہ سوچ بھی نہ سکتا کہ وہ ایک باسلیقہ اور شستہ مذاق کی
ت ہے۔ اس نے گہرے سرخ رنگ کی ساری باندھ رکھی تھی البتہ بلاؤز غالباً پہلے ہی کا تھا۔
نے اُسے پہلے بھی دوبار قریب سے دیکھا تھا۔ لیکن اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ ان دونوں مواقع
ن کے ہونٹ لپ اسٹک سے رنگے رہے ہوں یا کالے کلوٹے گالوں پر گہرے قسم کا روج رہا
بہر حال وہ اس وقت ایک حد درجہ پھوہڑ اور گھناؤنی عورت نظر آ رہی تھی۔ اس نے اپنے
میں اس طرح کے گنگورے نکال رکھے تھے جیسے عموماً ہر گھٹیا قسم کی طوائف نکالے رہتی
برآمدے سے نیچے اترتے وقت اس نے منہ پر اس انداز سے رومال رکھ لیا کہ ناک کا کچھ

حصہ اور ہونٹ بالکل چھپ گئے۔

حمید کو زہرہ جمال پر شبہ ضرور تھا لیکن اسے خواب میں بھی اس کا گمان نہیں تھا کہ ایک پراسرار حقیقت بن کر اس کے سامنے آئے گا۔ اس کے شبے کی ابتداء زہرہ جمال کی کلب کی ممبری سے ہوئی تھی کیونکہ وہ ساری عورتیں جو پلازا تھیٹر میں لٹی تھیں سب ہی کلب کی ممبر تھیں اور زہرہ جمال ان سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس شبے کے باوجود بھی حمید کے خیال تک نہیں آیا تھا کہ وہ ان سازشوں میں دیدہ و دانستہ کوئی عملی حصہ بھی لے رہی ہے۔ اس کے ذہن میں صرف ایک امکانی وقوعہ تھا۔ یہی کہ کوئی زہرہ جمال کو دھوکے میں ڈال کر اعلیٰ طبقہ کی عورتوں اور ان کے قیمتی زیورات کے متعلق معلومات بہم پہنچایا کرتا ہے اور یہ بعید از قیاس بھی نہیں تھی کیونکہ حالات ہی ایسے تھے۔ زہرہ کے متعلق رابعہ سے ملی ہوئی اطلاعات کا ماحصل یہ تھا کہ زہرہ ایک غریب گھرانے کی لڑکی تھی اور اس کی شادی بوڑھے بابر سے محض دولت کے لالچ میں کردی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اونچے طبقے کی عورتوں میں مل بیٹھنے کے لئے نت نئے طریقے اختیار کرتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ رابعہ کی بہم پہنچائی ہوئی اطلاعات تھیں اور اس کے آگے کی خلاء خود حمید کے ذہن نے پر کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی شکل وصورت کے معاملے میں احساس کمتری کا شکار تھی۔ اس لئے یہ بات بعید از قیاس نہیں ہوسکتی کہ کوئی خوبصورت مرد اُسے آسانی سے اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہ ہوجاتا۔ حمید کو ذاتی طور پر بھی اس کا تجربہ ہوچکا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسا ہی آدمی باتوں ہی باتوں میں اُس سے اپنے کام کی باتیں معلوم کرلیتا رہا ہو۔ اور پھر اس نے اس پر بھی ہاتھ صاف کردیا ہو تاکہ پولیس اس کے امکانات پر غور کرنے کی زحمت ہی نہ گوارا کرسکے۔

بہر حال حمید کو اس پر اسی بات کا شبہ تھا کہ وہ نادانستگی میں کسی آدمی کو اُس کے کام کی باتیں بتادیا کرتی ہے اور آج اُس نے اس کا تعاقب بھی اسی لئے کیا تھا کہ وہ اُس کے مرد دوستوں سے واقفیت حاصل کرسکے۔ مگر اب اُسے یہ سوچنے پر مجبور ہوجانا پڑا کہ خود زہرہ بھی ان وارداتوں کے سلسلے میں کوئی بہت ہی اہم رول انجام دے رہی ہے.... ورنہ اس طرح چھپ کر میٹنگ سے بھاگنے کا کیا مطلب ہوسکتا تھا۔ آخر اس نے ہوٹل پام گروو میں کمرا کیوں لے رکھا تھا اور پھر وہاں سے ایک دہقانی قسم کی پھوہڑ طوائف کے روپ میں برآمد ہونے کا کیا مقصد تھا۔

حمید دوسری طرف منہ پھیر کر اُسے کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ وہ بدستور منہ پر رومال رکھے پھاٹک کی طرف جارہی تھی۔ اس کے گذر جانے کے بعد حمید خود بھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا پھاٹک کے قریب آیا۔

زہرہ جمال سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہی تھی۔ پھر حمید نے گاڑی کو دوسری سڑک کی طرف مڑتے دیکھا۔ وہ پھرتی سے ایک ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا ڈرائیور سے بولا۔

"اسی گاڑی کے پیچھے چلو! مگر ذرا فاصلے سے۔"

ڈرائیور اس کی طرف مڑ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا اور حمید نے بھی جوابی مسکراہٹ کے ساتھ بائیں آنکھ دبادی۔

"ذرا آہستہ۔" حمید بڑبڑایا۔ "اس کے قریب پہنچنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیا صاب آپ بھی.... ہی ہی ہی!" ٹیکسی ڈرائیور ہنسا۔ "اگر اس کا شوق ہے تو میں لے لوں۔"

"نہیں یار.... چیز ہے۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔

"واہ صاب!" ڈرائیور پھر ہنس پڑا۔ "اپن کو تو وہ اپنی ٹیکسی سے بھی زیادہ چلی ہوئی جان پڑتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

سورج غروب ہورہا تھا اور خنکی بڑھ رہی تھی۔ حمید کے جسم پر صرف ایک قمیض اور ایک ہلکی سی سویٹر تھی۔ کھلی ہوا میں آتے ہی کان منجمد ہونے لگے۔

"آپ کہو تو......!" ڈرائیور بڑبڑایا۔ "اگر طبیعت خوش نہ کردوں تو مونچھ اکھاڑ کر کتے کی دم میں باندھ دینا۔ شہر میں کسی سے پوچھ لینا جما خان کہاں ملے گا۔ توبہ توبہ بڑا بول نہیں بولتا۔"

"ضرور ضرور جما خان!" حمید نے کہا۔ "مگر ذرا آہستہ پیارے...... میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے دیکھ لے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ارے واہ صاحب! ڈر کا ہے کا۔ کہو تو بیچ سڑک پر کھینچ لوں سالی کو۔ اگر نہ کھینچ لوں تو جما خان کی ماں کا کونڈا کردینا۔"

"نہیں بھائی نہیں۔"

"خیر اپن کو کیا۔" وہ مایوسی سے گردن ہلا کر بولا اور رفتار کم ہو گئی۔

وہ کئی سڑکوں سے گذرتے ہوئے ارجن پورے کی طرف مڑ گئے۔ یہاں سڑک کے دونوں طرف اونچی اونچی عمارتیں تھیں لیکن نہایت ہی بھدی اور بدوضع۔ پلاسٹر ادھڑا ہوا۔ دیوار قلعی اور مرمت سے بے نیاز۔ بعض عمارتیں تو کائی جمتے جمتے پوری کی پوری سیاہ ہو گئی تھیں۔ حمید جانتا تھا کہ ان عمارتوں میں سے ہر ایک میں کم از کم پچاس ساٹھ کمرے ضرور ہیں اور کمرے میں دس دس آدمی رہتے ہیں۔ رہتے نہیں بلکہ ان کا سامان رہتا ہے۔ وہ بیچارے تو فٹ پاتھ پر راتیں گذارتے ہیں۔

دو عمارتوں کی درمیانی گلی کے سامنے زہرہ جمال کی گاڑی رک گئی۔ حمید کی گاڑی کافی فاصلے پر تھی۔ اس نے زہرہ جمال کو ٹیکسی سے اُتر کر گلی میں داخل ہوتے دیکھا۔ جب تک حمید کی گاڑی وہاں پہنچی وہ نظروں سے غائب ہو چکی تھی۔

وہ ٹیکسی والے کو فارغ کر کے گلی میں آیا جہاں تاریکی، گندگی اور بدبو کے علاوہ پوری گلی سنسان پڑی تھی۔

اس لمبی گلی میں دونوں طرف تین چار گلیاں اور بھی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اسے ہرگز اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ اس علاقے میں ملے گی جہاں مزدوروں اور نچلے طبقے کے لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا۔ وہ تھوڑی دیر تک ناک پر رومال رکھے گلیوں کے چکر کاٹتا رہا پھر اکتا کر سڑک پر آگیا۔

ایک تار

دوسری صبح سرجنٹ حمید بہت زیادہ اداس تھا۔ پچھلی رات وہ ارجن پورے سے ہوٹل ہا[illegible] گردو آکر بڑی دیر تک زہرہ جمال کا انتظار کرتا رہا تھا۔ لیکن پھر اکتاہٹ بڑھ جانے کی وجہ سے اُسے بھاگنا ہی پڑا۔ اس نے غیر قانونی طور پر زہرہ جمال کے کمرے کی تلاشی بھی لینی چاہی تھی۔ لیکن اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ ہوٹل کا رجسٹر دیکھنے پر معلوم ہوا تھا کہ زہرہ جمال وہاں مس [illegible] کے نام سے مستقل طور پر مقیم تھی اور ہوٹل کا کاؤنٹر کلرک اسے ایک پیشہ ور پرائیویٹ نرس کی حیثیت سے جانتا تھا۔ بہر حال زہرہ جمال بڑی پُراسرار حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

پچھلی رات کی ناکامی کا حمید کو اس قدر افسوس تھا کہ وہ اس وقت بھی پلنگ پر پڑے ہی پڑے ناشتہ کھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کسی نے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے بُرا سا منہ بنا کر دروازہ کھول دیا۔

"کیا وقت ہوا ہے؟" فریدی نے دروازہ کھلتے ہی پوچھا۔

"کیا آپ کی گھڑی بند ہو گئی۔"

"میں آج پھر کہتا ہوں کہ اگر میں نے سات بجے کے بعد تمہیں پلنگ پر دیکھا تو بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"میں نے آج پھر سن لیا۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"دماغ صحیح ہے یا نہیں۔"

حمید نے زبردستی ایک قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بسورنے لگا۔

فریدی کو ہنسی آگئی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ناشتے کی میز پر زہرہ جمال کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

"تم اس چکر میں نہ پڑو کہ وہ کہاں جاتی ہے یا کیا کرتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "صرف اس کے دوستوں کا پتہ لگاؤ۔"

"شاید آپ کی نیند بھی پوری نہیں ہوئی۔" حمید نے مضحکانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

"کیوں....؟"

"کمال کرتے ہیں۔ بھلا اس کے دوستوں کا پتہ پھر کس طرح چلے گا۔"

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ سیاہ پوش ان مزدوروں، نعلبندوں اور لوہاروں میں سے کوئی ہے جو ارجن پورے میں رہتے ہیں۔"

نہیں میں یہ تو نہیں سوچتا لیکن اس پر ضرور غور کر رہا ہوں کہ وہ ان عمارتوں میں سے کسی ایک کمرہ کو کرائے پر لے کر اُسے کس مقصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

"چلو یہی سہی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "تم کو اس بات پر یقین آچکا ہے کہ وہ باقاعدہ طور پر سیاہ پوش سے ملی ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اُس نے نہایت صفائی سے اس بات کا اعتراف کیوں

کرلیا تھا کہ وہ پلازا تھیٹر میں لٹ جانے والی عورتوں سے واقف ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ دانستہ طور پر اس کی مددگار ہوتی تو یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتی کہ وہ اُن عورتوں سے واقف تھی اور اب تو وہ بیچاری تمہارے لئے کلچر سنٹر کی ساری ممبروں کے نام اور پتے فراہم کر رہی ہے۔ صبح سے اب تک میں نے فون پر چھ عورتوں کے پتے ریسیو کئے ہیں اور وہ شائد تم سے ملنا بھی چاہتی ہے۔"

"لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی پچھلی رات والی عجیب حرکتوں سے کیا مطلب اخذ کروں۔ آخر اس نے ہوٹل پام گردو میں ایک پرائیویٹ نرس کی حیثیت سے کمرہ کیوں لے رکھا ہے۔ اپنا نام کیوں بدل دیا ہے۔"

"سنو بیٹے۔" فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔ "اس سیاہ پوش میں بھی محض رابعہ کے ہار کی وجہ سے دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"یعنی آپ کو اس سیاہ پوش سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی نہیں۔"

"آخر کیوں!"

"بس یونہی! میں اس میں اس وقت دلچسپی لوں گا جب وہ کوئی بھاری جرم کر بیٹھے۔ کیا تم نے.... مگر نہیں تم نے کہاں دیکھا ہو گا۔"

"کیا....؟"

"آج کا اخبار....!"

"کیا ہے آج کے اخبار میں۔" حمید اخبار کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ لیکن اسے اٹھا بھی نہ پایا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ذرا دیکھنا بھئی!" فریدی منہ بگاڑ کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ زہرہ جمال ہے۔"

حمید اخبار ہاتھ میں دبائے ہوئے فریدی کے کمرے میں چلا گیا۔ فریدی کا خیال صحیح نکلا۔ زہرہ جمال ہی تھی اور اپنی دانست میں اُس نے حمید کو ایک بڑی عجیب اطلاع بہم پہنچائی تھی۔ وہ یہ کہ نکلس اُسے واپس مل گیا تھا۔

"آپ کو یقین ہے کہ وہ آپ ہی کا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں! کیوں نہیں۔"

"کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کہیں وہ آپ کے نیکلس کی نقل تو نہیں....!"

"اوہ.... آپ نے تو مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ لیکن مجھے اصلی اور نقلی نگینوں کی تمیز نہیں۔"

"تو ایسا کیجئے نا کہ کسی جوہری سے پرکھوا کر اپنی پہلی فرصت میں مجھے مطلع کیجئے۔ نہ جانے کیوں آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔"

حمید نے اس کے جواب میں ایک کھنکتا ہوا سا قہقہہ سنا جس کی سیکس اپیل فون پر بھی برقرار تھی۔

"تو آپ ملتے کیوں نہیں۔ کس نے منع کیا ہے۔"

"ہاں.... آں.... لیکن صغیر صاحب سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ وہ کچھ شکی قسم کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو پھر کہیں اور ملئے۔"

"آج شام کو آرلکچو میں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... کیفے کاسینو کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"چلئے وہ بھی ٹھیک رہے گا۔" حمید نے کہا۔ "تو پھر کس وقت...."

"سات بجے! میں وہاں آپ کا انتظار کروں گی۔ اپنے ساتھ کچھ اور پتے بھی لاؤں گی۔"

"شکریہ....!" حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ کیفے کاسینو کے نام پر اسے کنول یاد آگئی تھی جو کیفے کاسینو میں کاؤنٹر کلرک تھی کنول جو ایک اچھی سراغ رساں بھی تھی۔

واپسی پر حمید نے فریدی کو زہرہ جمال کے نکلس کی واپسی کی خبر سنائی۔

"اخبار نہیں پڑھا تم نے۔" فریدی نے پوچھا۔ "ایڈیٹر کے خطوط کا کالم دیکھو۔"

حمید نے خطوط والا کالم نکالا۔

"ڈیئر ایڈیٹر....

مسخرہ بھیڑیا آپ کی وساطت سے یہ خبر اپنے چاہنے والوں کو پہنچانا چاہتا ہے کہ اس نے اس شہر میں اب تک جتنی بھی وارداتیں کی ہیں اُن کا مال غنیمت مالکوں کو واپس کر رہا ہے۔ مسخرہ بھیڑیا حقیقتاً لٹیرا نہیں۔ اُسے تو صرف قانون سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں لطف آتا ہے اور مسخرہ

بھیڑیا اپنے ، پاہنے والوں کو مطلع کرنا چاہتا ہے کہ وہ کچھ دنوں تک ان کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے گا۔ وہ ایک نئے اور دلچسپ مسئلے میں الجھ گیا ہے۔ پبلک کو معلوم ہوگا کہ مسخرے بھیڑیئے نے ترمذی خاندان کا تاریخی ہار بھی اڑا لیا تھا۔ لیکن پبلک کو یہ اطلاع دیتے وقت مسخرے بھیڑیئے کو افسوس ہو رہا ہے کہ وہ ہار نقلی تھا۔ اُس ہار کو بھی واپس کر دیا گیا لیکن رابعہ نکہت صاحبہ کو بھی یہ بات نہیں معلوم تھی کہ وہ ہار نقلی ہے۔ انہوں نے ۱۶ر جنوری کو صبح دس بجے وہ ہار سیٹھ نانو بھائی جوہری سے پرکھوایا۔ اس پر جوہری صاحب کو بھی حیرت ہوئی کیونکہ وہ تین ماہ قبل اسی ہار کو ایک انتہائی بیش قیمت چیز کی حیثیت سے پرکھ چکے تھے۔ محترمہ رابعہ حیران ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ مسخرے بھیڑیئے ہی نے یہ حرکت کی ہے۔ اسی نے اُن کا اصلی ہار دبا کر ان کی خدمت میں اُس کی نقل پیش کر دی ہے۔ محترمہ رابعہ یقین کریں کہ مسخرہ بھیڑیا لٹیرا ضرور ہے لیکن اپنے اصولوں کا خون نہیں کرتا۔ مسخرہ بھیڑیا اُن کا نقلی ہار دوبارہ واپس لایا ہے اور اب وہ اصلی ہار کی تلاش میں ہے لیکن وہ یہ کام مفت نہیں کرے گا۔ اصلی ہار مل جانے پر وہ اُسے ان تک پہنچا تو دے گا لیکن اس ہار کا بڑا اور تاریخی ہیرا حق المحنت کے طور پر اپنے پاس ہی رکھ لے گا۔

آپ کی بہترین دعاؤں کا متمنی

مسخرہ بھیڑیا۔"

"یہ تو بہ بُرا ہوا۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیوں۔ را کیوں ہوا۔"

"رابعہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ معاملہ پبلک میں آئے۔"

"ایک نہ ایک دن تو اُسے آنا ہی پڑتا۔"

"پتہ نہیں یہ بات کہاں تک سچ ہے کہ اس نے دوسرے لوگوں کو بھی چیزیں واپس دی ہیں۔"

"قطعی واپس کر دی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کل میں پتہ لگا چکا ہوں اور ان میں کوئی چیز بھی نقلی نہیں۔"

"پتہ نہیں اس کا مقصد کیا ہے۔"

"ظاہر ہو جائے گا۔" فریدی کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی اور حمید کو پھر فریدی کے کمرے تک جانا پڑا اور اسے پھر وہی سریلی آواز سنائی دی۔ زہرہ جمال اُسے بتا رہی تھی کہ نکلس کے نگینے نقلی نہیں تھے۔ آخر میں اُس نے کہا کہ وہ کیفے کاسینو والا پروگرام بھولے نہیں۔

واپسی پر حمید نے دیکھا کہ فریدی ایک براؤن رنگ کا کاغذ ہاتھ میں لئے اُس پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔ حمید نے ایک ہی نظر میں بھانپ لیا کہ وہ کہیں سے آیا ہوا تار ہے۔ فریدی نے کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ لفافہ میز ہی پر پڑا رہا۔ اس پر فریدی ہی کا پتہ تحریر تھا۔

"خیریت....!" حمید نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں فون پر کون تھا۔"

"جی کا جنجال یعنی محترمہ جمال۔"

"کوئی نیا پتہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"نہیں نکلس کے متعلق اطلاع کہ نگینے اصلی ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظریں حمید کے چہرے پر تھیں لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

"آپ تو سچ مچ شرلاک ہومز ہوتے جا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"آہ! واٹسن میرے عزیز....!" فریدی مضحکانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "خدا منشی تیرتھ رام فیروز پوری کی مغفرت کرے کہ انہوں نے مجھے اردو میں لا کر بات بات پر آہ بھرنے پر مجبور کر دیا اور میری مٹی اس طرح پلید کی کہ اردو والے مجھے مولوی شرلاک ہومز مدظلہ سمجھنے لگے۔ میں انگریزی کے بجائے لکھنؤ کا باشندہ ہو کر رہ گیا۔"

"چھوڑیئے! میں اس وقت بہت مغموم ہوں۔"

"غم کی وجہ پیارے ڈاکٹر واٹسن۔ بلکہ واٹس میرے عزیز رشتے دار.... وغیرہ وغیرہ۔"

"فریدی صاحب! میں سچ مچ اداس ہوں۔"

"تم اداس نہیں۔" "اگر تم لفظ اداس کی اصلیت سے واقف ہوتے تو کبھی ایسا نہ کہتے۔"

"کیوں....؟ اس کی اصلیت....؟" حمید بولا۔

"ہاں پیارے یہ حقیقتاً الو داس تھا جو کثرت استعمال سے بگڑتے بگڑتے اداس رہ گیا۔"

حمید صرف مسکرا کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد خاموشی رہی۔ پھر فریدی بولا۔

"اب تم زہرہ جمال کے پیچھے نہیں جاؤ گے۔"

"کیوں....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔"

"ارے! ابھی کچھ ہی دیر پہلے آپ نے کہا تھا کہ زہرہ جمال کے دوستوں کا پتہ لگاؤ۔"

"کافی دیر پہلے کی بات ہے۔ اب پوری بساط ہی مل گئی ہے۔"

"یعنی....!"

"پھر وہی۔ یعنی.... جو کہا جائے وہ کرو۔"

"نہیں کرتا۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"مت کرو۔ ویسے اگر کہیں باہر جانا ہو تو ایک تار دے دینا۔"

"آخر آپ نے اتنی جلدی اسکیم کیوں بدل دی۔ کیا زہرہ جمال مشتبہ نہیں ہے۔ کیا میں نے خود ہی اپنی آنکھوں سے عجیب قسم کی حرکتیں کرتے نہیں دیکھا ہے۔"

حمید اُسے عجیب نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کا دماغ تو نہیں چل گیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔

"تم نے کہا تھا کہ سیاہ پوش تمہارا شکار ہے۔"

"اب بھی یہی کہتا ہوں۔"

"لیکن تم اس پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن اگر میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ کچھ ایسا مشکل بھی نہیں۔"

"فرض کر لیجئے میں نے عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔"

"تو پھر میں بھی فرض کئے لیتا ہوں کہ تم رابعہ کے عاشقوں کی تعداد ضرور معلوم کرو گے۔"

"فرض کیجئے یہ بھی ہو گیا۔"

"اگر یہ بھی ہو جائے تو پھر تمہیں یہ معلوم کرنا ہو گا کہ وہ خود کس کیطرف زیادہ جھک رہی ہے۔"

"ہوں۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تو میں عاشقوں کی فہرست تیار کرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔"

"نہیں! احمقوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے.... تم جانو! میرا کام تو رکتا ہی نہیں۔"

"آپ مجھے چیلنج کر رہے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔ "اچھا دیکھ لوں گا۔"

"میں اس پر بھی قادر ہوں کہ تمہیں کوئی شرارت نہ کرنے دوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر رمیش والا کیس بھول گئے۔"

"اب دھوکا نہ کھا سکوں گا اور ہاں فرزند میں اس کا بھی ذمہ دار نہ ہوں گا۔ اگر میرے ریوالور گولی دھوکے میں تمہارا ہی سر کھول دے۔"

حمید کوئی جواب دینے کی بجائے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی سے اس لتے ہوئے نقشے کے بارے میں کچھ معلوم کر لینا آسان نہ ہو گا۔ پہلے اس نے زہرہ جمال کے پے لگایا تھا اور اب رابعہ کے پیچھے لگا رہا تھا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ رابعہ تو بالکل ہی بے ر معلوم ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف زہرہ جمال کی نقل و حرکت صریحی طور پر کسی خطرناک زش کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ آخر اُسے چھوڑ کر رابعہ کیوں؟

فریدی نے ایک نوکر کو آواز دے کر کہا۔ "لائبریری سے تار کا فارم لاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ تار کا ایک سادہ فارم سامنے رکھے فاؤنٹین پن ہاتھ میں لئے کچھ سوچ رہا ۔ حمید فی الحال ان معاملات کو اپنے ذہن سے دھکا دے کر صرف رابعہ کے حسین پیروں کے علق سوچ رہا تھا۔ پھر خیالات کی رو زہرہ جمال کے پیروں کی طرف بہک گئی۔ اُس کے پیر بھی ایسے بُرے نہیں تھے۔ لیکن سنگ موسی اور سنگ مرمر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

اس دوران میں فریدی نے تار کے فارم پر لکھنا شروع کر دیا۔

"زندی خاندان کے ہار کے متعلق سکوت اختیار کرو۔ اسے پبلک میں نہ آنا چاہئے۔ متعلقین ے خفیہ طور پر بات چیت کر سکتے ہو۔ ہر نئے واقعے سے مطلع کرنا۔"

تحریر کے نیچے فریدی نے اپنا پورا نام اور عہدہ لکھا۔ تار سعید آباد کے کسی آدمی کے لئے تھا ئے حمید نہیں جانتا تھا اور نہ اس سے پہلے اس نے کبھی اس کا نام ہی سنا تھا۔

لٹیرے کا لباس

حمید نے رابعہ کے مداحوں کی فہرست تو تیار کرلی تھی لیکن ابھی تک یہ نہ معلوم کر سکا تھا کہ وہ خود بھی کسی میں دلچسپی لے رہی ہے یا نہیں۔ اس نے اس دوران میں اکثر سوچا تھا کہ ضروری نہیں کہ فریدی کا ہر فیصلہ حقیقت کے مطابق ہو۔ دھوکا کھائے ہوئے ذہن کی منطق بھی غلط راستے پر جا پڑتی ہے۔ فریدی بھی انسان ہی تھا اور پھر سراغ رساں جو ہمیشہ واقعات کو اپنے قائم کردہ قیاسات کی روشنی میں دیکھتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر قیاس حقیقت ہی کی طرف لے جائے۔ حمید کئی دن تک زہرہ جمال اور رابعہ کے متعلق سوچتا رہا۔ زہرہ اس کی نظروں میں مشتبہ تھی۔ رابعہ کے خلاف اس کے پاس کسی قسم کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ آخر فریدی اس کے عاشقوں کی فہرست کیوں تیار کرا رہا تھا۔ اُس نے کئی بار اُسے اس مسئلے پر بولنے کے لئے اکسایا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ فریدی یہی کہہ کر ٹال دیتا کہ ابھی بعض معاملات خود اس کے ذہن میں بھی صاف نہیں ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ فی الحال اس مسئلے پر روشنی نہ ڈال سکے گا۔

اس نے اسے زہرہ جمال کا پیچھا چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن حمید نے اُسے قابل قبول نہیں سمجھا۔ وہ اب بھی فرصت کے اوقات میں زہرہ جمال کی تاک میں رہا کرتا تھا۔ کئی بار ملاقات کے بعد اس نے اس کا اندازہ تو لگا ہی لیا تھا کہ زہرہ جمال اپنی زندگی سے مطمئن نہیں۔ اور وہ ہر اس آدمی کی طرف جھک سکتی ہے جس سے اسے تھوڑی سی بھی لفٹ مل جائے۔

رابعہ اس دوران میں بہت زیادہ پریشان رہی تھی اور اسی پریشانی میں اُس نے اپنے باپ کو تار دے دیا تھا جو اسی کے بیان کے مطابق کسی تجارتی کام کی غرض سے ان دنوں لندن میں مقیم تھا۔ اب اس کی آمد کی منتظر تھی۔

سیاہ پوش لٹیرا خاموش تھا۔ اخبارات میں خط شائع کرانے کے بعد سے اب تک اس نے کوئی واردات نہیں کی تھی۔ حمید نے.... اس کے متعلق بھی بہت سوچا تھا ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ آخر اس لٹیرے نے رابعہ کا نقلی ہار واپس کرنے کے بعد ہی سے دوسری

ں بھی کیوں واپس کرنی شروع کر دی تھیں۔ اگر وہ اپنے ہی بیان کے مطابق حقیقتاً لٹیرا نہیں تو پہلے ہی سے دوسری چیزوں کی واپسی شروع کر دیتا۔

یہ بڑی عجیب گتھی تھی۔ ظاہر ہے کہ اُسے یقین کامل تھا کہ پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی اگر وہ اصلی ہار پر قابض ہو گیا تھا تو پھر اُسے اس بات کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی کہ وہ اس کی نقل پیش کر کے رابعہ کو دھوکے میں ڈالے اور پھر وہ اتنا احمق نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنی اس ...ائی کی بناء پر خود کو پولیس سے محفوظ سمجھ لیتا کیونکہ لوٹی ہوئی چیزیں واپس کر دینے سے وہ ...ی گرفت سے بچ تو سکتا نہیں تھا۔ پھر آخر اس ہڑبونگ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

حمید نے اس پر بہت غور کیا لیکن یہ گتھی نہ سلجھی۔ فریدی بھی اس پر روشنی ڈالنے کے لئے ...ر نظر نہیں آتا تھا۔ بہرحال حمید کو یقین کامل ہو گیا تھا کہ اس لٹیرے پر قابو پانے کا واحد ذریعہ زہرہ جمال ہو سکتی ہے۔ اُس نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا کئی بار اس کا تعاقب بھی کر چکا تھا۔ لیکن ہوٹل پام گرود میں اس دن کے بعد سے پھر نہیں دکھائی دی تھی اور نہ حمید کی دانست میں وہ پھر ...ن پورے ہی کی طرف گئی تھی۔ صغیر بابر سے بھی حمید کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی اور صغیر اس چھیڑ چھاڑ کی بناء پر کھٹکنا ہو جانے کی حد تک پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے حمید کے آفیسروں تک اس کی شکایت پہنچا دی تھی لیکن ان سے ایسا جواب ملا تھا جس نے اُسے اپنی ہی بوٹیاں نوچنے پر مجبور کر دیا ...۔ بات دراصل یہ تھی کہ پولیس کو سیاہ پوش کی بدولت بڑی شرمندگی اٹھانی پڑی تھی۔ اس لئے ...کسی کی کچھ نہیں سن رہی تھی۔ سیاہ پوش کو پکڑ لینے کے لئے ہر طرح کے طریقے اختیار کئے جا رہے تھے خواہ جائز ہوں خواہ ناجائز۔

آج بھی حمید زہرہ جمال کے گھر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں سوچ رہا تھا کہ آج صغیر بابر سے کس طرح نپٹے گا۔ صغیر بابر کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہونا آج کل اُس کی بہترین تفریح تھی۔ لیکن آج اُسے اس کے گھر پر پہنچ کر مایوسی ہوئی۔ صغیر بابر موجود نہیں تھا۔ زہرہ جمال حمید کو دیکھ کر کھل اٹھی۔ وہ اس دوران میں اس سے بہت زیادہ بے تکلف اور مانوس ہو گئی تھی۔

"چائے پئیں گے یا کافی۔" زہرہ نے پوچھا۔

"تاڑی....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"خیر مہمانوں کے لئے تو چرس بھی مہیا کی جا سکتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ مجھے بھی مہمان سمجھتی ہیں۔"

"چھوڑیئے! آج میں رمبا اور والز کے ریکارڈ خرید لائی ہوں۔" زہرہ جمال بولی۔

"والز بڑی مشکل چیز ہے۔ اگر آپ کو رمبا ہی آجائے تو بڑی بات سمجھوں گا۔" حمید
کہا۔ "لیکن سیکھئے گا کہاں۔"

"یہیں گھر میں ہمارے پاس گراموفون بھی ہے۔"

"گھر میں....؟" حمید تیزی سے اپنا سر سہلا کر بولا۔ "لیکن بابا صاحب کا کیا بنے گا۔"

"پھر آپ نے بابا صاحب کہا۔" زہرہ جمال تنک کر بولی۔ "انسانیت کے یہ معنی تو نہیں
آپ بڑھاپے کا مذاق اڑائیں۔"

"اوہو! آپ تو بگڑ گئیں۔ بھئی میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ نانا فرنویس کا نام سنا ہے آپ
لوگ انہیں بچپن میں بھی نانا صاحب کہتے تھے۔ انگریزوں کے بچے بھی بابا ہی کہلاتے ہیں۔"

"آپ اُن کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔" زہرہ بولی۔

"اونہہ ختم بھی کیجئے۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "اگر انہوں نے میرے ساتھ آپ کو رقص
کرتے دیکھ لیا تو وہ آپ کو رس ملائی نہیں کھلائیں گے۔"

"جی نہیں! وہ بہت آزاد خیال ہیں۔"

"پھر آخر مجھے کھانے کیوں دوڑتے ہیں۔"

"پولیس والے انہیں پسند نہیں کرتے۔"

"کیا؟" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی ہاں! اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" زہرہ جمال ہنس کر بولی۔ "کیوں شریف آد
پولیس والوں کو پسند نہیں کرتے۔"

"معاف کیجئے گا۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب صغیر صاحب
شمار بھی شریف آدمیوں میں ہونے لگا ہے۔"

"پھر آپ نے حملہ کیا۔"

"اوہو معلوم ہوتا ہے آج آپ لڑیں گی۔ میں نے تو صرف ان کی پچھلی زندگی کی طرف
سا اشارہ کیا تھا۔"

"چلئے بس رہنے دیجئے! کوئی مرد فرشتہ نہیں ہوتا۔ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالئے۔"

"ٹائی کھولنی پڑے گی۔" حمید نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر مغموم لہجے میں کہا اور زہرہ ہنس پڑی۔

"آپ کی باتیں بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔ دل بہل جاتا ہے۔ ورنہ میں کبھی آپ سے بات تک
تی۔"

"میں واقعی بہت بُرا آدمی ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اب دیکھئے خواہ مخواہ آپ ہی
پیچھے لگ گیا ہوں۔ آپ سوچتی ہوں گی شاید....!"

"میں کچھ نہیں سوچتی۔" زہرہ جلدی سے بولی۔ "سوچنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ عموماً بُرے
آدمی بُرے خیالات رکھتے ہیں۔"

حمید دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کلوٹی چوہیا تو مجھ پر اپنی پارسائی کا رعب ڈالنا
تی ہے۔ اس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر اس کے سلونے چہرے پر ڈالی اور دفعتاً اُسے ہوٹل پام
د کا واقعہ یاد آگیا۔ کتنا فرق تھا۔ وہ چہرہ اُسے اب تک نہیں بھولا تھا۔ جس پر روج اور لپ سٹک
ہری تہیں تھیں۔ سیاہ رنگت پر گہری لپ اسٹک! کتنا کریہہ چہرہ تھا۔ اگر حمید شروع ہی سے اس
پیچھے نہ لگ گیا ہوتا تو اُسے اس حال میں دیکھ کر شائد پہچاننے میں بھی دشواری ہوتی۔ وہ یہی
چ کر رہ جاتا کہ پھٹیچر طوائف صغیر بابر کی بیوی زہرہ جمال سے بڑی مشابہت رکھتی ہے۔

"کیا سوچنے لگے۔" دفعتاً زہرہ بولی۔ "کیا میری کوئی بات بُری لگی ہے۔"

"اوں.... ہوں.... نہیں تو....!" حمید چونک کر بولا۔ وہ بڑے خواب ناک انداز میں
ہرہ جمال کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"خیریت....!" زہرہ ایک شوخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"مجھے یاد آرہا ہے کہ شائد میں سرجنٹ حمید ہوں۔"

"بہت دیر میں یاد آیا۔" زہرہ ہنس پڑی۔

"اور مجھے وہ وعدہ بھی یاد آرہا ہے جو میں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔"

"کیا وعدہ کیا تھا۔"

"یہی کہ خود میں کبھی باپ بننے کی کوشش نہ کروں گا۔" حمید نے کہا اور بڑے ڈرامائی انداز
ں واپس جانے کے لئے مڑا.... سامنے صغیر بابر نظر آیا جو اپنی فرنچ کٹ ڈاڑھی کو مٹھی میں

جکڑے ہوئے حمید کو گھور رہا تھا۔ حمید نے جھک کر اُسے بڑے ادب سے سلام کیا۔

"میں کہتا ہوں آخر تم چاہتے کیا ہو۔" وہ چیخ کر بولا۔

"یہی کہ آپ مجھے اپنا بھتیجا سمجھیں۔" حمید نے نظریں نیچی کر کے شرماتے ہوئے نیم سعادت تمندانہ لہجے میں کہا۔

"کیا....؟ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔"

"چچا سے۔" حمید نے سر ہلا کر مغموم آواز میں کہا۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔" صغیر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ڈارلنگ! ڈارلنگ....!" زہرہ آگے بڑھ کر اُس کا شانہ تھپکتی ہوئی بولی۔

"آخر آپ مجھ سے خفا کیوں رہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ابے تو کیا میں تیرا باپ ہوں اچھی زبردستی ہے۔"

"مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں تو بھتیجا ہی بننا چاہتا تھا۔ لیکن اگر آپ بیٹا بنانے پر مصر ہیں تو چلئے یہی سہی۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"ارے ارے.... ڈارلنگ....!" زہرہ اُسے ایک طرف کھینچتی ہوئی بولی۔ "چلئے اپنے کمرے میں۔ حمید صاحب آپ جا سکتے ہیں۔"

حمید نے محسوس کیا کہ زہرہ کے لہجے میں جھلاہٹ تھی جو اس کے خیال کے مطابق قطعی مصنوعی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ زہرہ ایک عمدہ قسم کی اداکارہ بننے کی بھی صلاحیتیں رکھتی ہے۔ زہرہ صغیر کو شائد کسی دوسرے کمرے میں لے گئی تھی۔ حمید وہیں کھڑا رہا۔ کئی منٹ گذر گئے لیکن زہرہ واپس نہ آئی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے بھرے بازار میں اُس کے سر پر چپت مار دی ہو۔ اُسے زہرہ سے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ کسی ایسے موقع پر اس سے اتنی سرد مہری سے پیش آئے گی۔ کتنے خشک لہجے میں کہا تھا اُس نے۔ "حمید صاحب آپ جا سکتے ہیں۔"

چنانچہ حمید صاحب نے اپنے جبڑے ڈھیلے چھوڑ دیئے اور منہ لٹکائے ہوئے باہر کی طرف جانے لگے۔

صغیر بابر کسی کمرے میں غرا رہا تھا اور ساتھ ہی زہرہ کی کھنکتی ہوئی سی ہنسی کی آوازیں بھی

رہی تھیں۔ شائد وہ اُسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

دفعتاً حمید چلتے چلتے رک گیا۔ ایک کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے اُس کی نظریں اندر کی طرف رینگ رہی تھیں۔ فرش پر ایک سیاہ پتلون ایک سیاہ جیکٹ پڑی تھی۔ انہیں کے قریب سفید دستانے بھی تھے۔ حمید نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کمرے میں چلا گیا۔ دستانوں کے نیچے سے کاغذ کا ایک ٹکڑا جھانک رہا تھا۔ حمید نے اُسے چٹکی سے پکڑ کر کھینچ لیا اور دوسرے لمحے میں اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔

کاغذ پر تحریر تھا۔

"ان کپڑوں کو جلا دو۔"

"وہ مارا۔" اُس نے دل ہی دل میں نعرہ لگایا۔ فریدی کی منطق غلط ہو گئی۔ وہ سوچنے لگا اب کیا کہوں گا ایشیا کے عظیم سراغ رساں کو۔ اگر فریدی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میں نے زہرہ کا پیچھا چھوڑ دیا ہوتا تو یہ کیس اللہ کو پیارا ہو گیا ہوتا۔

چند ہی منٹوں میں حمید نے ساری کوٹھی سر پر اٹھالی۔

صغیر بابر کی حالت قابل دید تھی۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں۔ منہ سے جھاگ اڑ رہا تھا وہ تھوڑی دیر سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن شائد الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"یقین جانئے حمید صاحب۔" زہرہ تھوک نگل کر بولی۔ "ہم لوگ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے.... نہ جانے یہ کس کی حرکت ہے۔"

ٹھیک ہے۔ حمید خشک لہجے میں بولا۔ "بعض حالات میں یہ بھی ہوتا ہے۔"

"بیگم!" صغیر جھٹکے دار آواز میں بولا۔ "سب تمہارا قصور ہے۔ میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا یہ آدمی قابل اعتماد نہیں ہے... دوست... دوست... میں تنگ آگیا ہوں تمہاری حماقتوں سے۔"

"اس کا مطلب!" حمید اُسے گھور کر کڑے لہجے میں بولا۔

"مطلب! تم نے یہ سب کیا ہے۔ پھنسانا چاہتے ہو لیکن لونڈے ہو دیکھ لوں گا۔"

"زبان کو لگام دیجئے۔"

"میں گولی مار دوں گا۔" صغیر بابر کا جسم کانپنے لگا تھا۔

زہرہ جمال اُسے پھر کسی طرف گھسیٹ لے گئی۔ لیکن اس بار اُس نے واپسی میں دیر نہیں لگائی۔

"حمید صاحب خدا کے لئے پریشان مت کیجئے۔" زہرہ جمال کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"بہت خوب۔" حمید نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آپ بھی یہی کہنا چاہتی ہیں کہ م

نے ہی یہ کپڑے اس تحریر کے ساتھ یہاں ڈال دیئے ہیں.... ہاں ذرا یہ تو فرمائیے کہ میں آ

لوگوں کو پھنسانا کیوں چاہوں گا۔"

"اوہ.... آپ بھی ان کی بات لے بیٹھے۔ غصے میں اُن کی عقل خبط ہو جاتی ہے۔"

"فکر نہیں.... میں ابھی اسے سب کچھ سمجھائے دیتا ہوں۔" صغیر کی کھرکھراتی ہوئی آوا سنائی دی۔ وہ پھر واپس آگیا تھا۔ لیکن اب اُس کی آنکھوں میں غصے کی بجائے بے بسی کی جھلکیا نظر آرہی تھیں۔ وہ بڑبڑاتا رہا۔ "میرا نام صغیر بابر ہے.... سمجھے.... تم جیسے لونڈوں کو اب بھ سبق دے سکتا ہوں۔"

"آپ زبان بند کرتے ہیں یا نہیں۔"

"چلے جاؤ یہاں سے۔" صغیر بابر گرجا۔

"ہونہہ.... ابھی.... ابھی تو میں نے کوتوالی فون کیا ہے۔"

"میں نے بھی فون کیا ہے۔" صغیر بابر حلق کے بل چیخا اور اُسے کھانسی آنے لگی۔

"آپ سے خدا ہی سمجھے گا۔" زہرہ نے بڑے تلخ لہجے میں حمید سے کہا اور صغیر بابر کا ش تھپکنے لگی۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس کی فنکارانہ صلاحیتوں پر دل ہی دل میں عش عش کرتا سوچ رہا تھا کہ وہ کسی فلم میں ہر طرح کے رول بڑی آسانی سے انجام دے سکتی ہے۔ حمید نے ا کمرے کے دروازے پر ایک کرسی ڈال لی اور اس طرح جم گیا جیسے پتھر کا بت ہو اُس سے تھوڑ ہی فاصلے پر زہرہ جمال اور صغیر بابر منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔ کبھی کبھی وہ تیکھی نظروں سے حمید طرف دیکھتے اور پھر سر جھکا لیتے۔

باہر کوئی ملاقاتی گھنٹی بجا رہا تھا۔ ایک نوکر کارڈ لے کر آیا۔

"بلاؤ.... سیدھے یہیں لاؤ۔" صغیر بابر منہ پھاڑ کر بولا۔

آنے والا فریدی تھا۔ حمید نے دراصل اسی کو فون کیا تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ بابر نے بھی اسی سے حمید کی شکایت کی تھی۔

قبل اس کے حمید کچھ کہتا صغیر بابر خود ہی اپنی جھٹکے دار آواز میں پوری داستان دہرا چلا۔ حمید بھی کچھ کہنے کے لئے منہ کھولتا فریدی اُسے اس طرح گھورنے لگتا جیسے آواز نکلتے ہی چانٹا ے گا.... کسی نہ کسی طرح صغیر بابر کی بات ختم ہوئی اور فریدی اُسے وہاں سے ہٹا لے گیا۔

الجھن

حمید اور زہرہ تنہا رہ گئے۔

"میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔" زہرہ نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"اور میں کب آپ کو ایسا سمجھتا تھا۔"

"تو کیا آپ نے اس پر یقین کر لیا ہے۔ میں قسم کھانے کیلئے تیار ہوں کہ وہ کپڑے....!"

"نہ نہ.... اس کی کیا ضرورت ہے۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ "آپ تو اس کی بھی قسم کھا ئیں گی کہ آپ کو ہوٹل پام گرود کا پتہ بھی نہیں معلوم.... اور.... ارجن....!"

"خدا کے لئے آہستہ....!" زہرہ ادھر اُدھر دیکھ کر خوفزدہ آواز میں بولی۔ اس کے چہرے پر ائیاں اڑنے لگی تھیں سانس پھول رہی تھی۔

اتنے میں فریدی آگیا۔ لیکن اس نے زہرہ کیطرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔

"وہ تحریر کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے جیب سے کاغذ کا ٹکڑا نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی اسے چند لمحے دیکھتا رہا تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "چلو....!"

"کہاں؟" حمید حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگا۔

فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتا ہوا دروازے کی طرف لے جانے لگا۔ زہرہ دونوں کو ت سے دیکھ رہی تھی۔

"تو بتاتے کیوں نہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "انہیں اسی طرح چھوڑ جایئے گا۔"

"ہاں بکو مت....!" فریدی نے کہا اور حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھ گئی۔

اس کا دل چاہا کہ اچھل کر فریدی کے کاندھے پر چڑھ جائے۔ گلے سے ٹائی کھول کر اس کے

ہونٹوں میں لگام کی طرح پھنسا دے.... اور "ٹخ ٹخ" کرتا ہوا اس قدر دوڑائے کہ فریدی
گھوڑے کی طرح ہنہنانے لگے۔

باہر نکل کر فریدی اسے کیڈلاک میں دھکا دیتا ہوا بولا۔ "تشریف رکھئے۔"

کیڈیلاک چل پڑی۔ حمید آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ شاید اس وقت اس کی بھی وہی کیفیت
تھی جو اس سے کچھ دیر قبل صغیر بابر کی تھی۔ کہنے کے لئے ذہن میں بہت کچھ گونج رہا تھا لیکن
جھنجھلاہٹ گلا گھونٹ رہی تھی۔ زبان پکڑ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فریدی نے
ایسے معاملے کو اس طرح لاپرواہی سے کیوں نظر انداز کیا۔ وہ صغیر بابر سے اپنی توہین کا بدلہ بھی
نہیں لے سکا تھا۔ اپنی دانست میں وہ زہرہ جمال کو ایسے نقطے پر کھینچ لایا تھا جہاں وہ سب کچھ اگل
دیتی لیکن فریدی نے سب چوپٹ کر دیا۔ اسی جھنجھلاہٹ کے دوران میں حمید کے ذہن میں ایک
خیال ابھر آیا۔ کہیں فریدی نے حسد میں تو ایسا نہیں کیا؟ جب اُس نے دیکھا کہ حمید کامیابی
اس قدر قریب ہو گیا ہے تو اُس نے بھیڑ مار دی.... ضرور یہی بات ہو سکتی ہے۔ یہ نیا خیال اس
کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگا اور اُس نے بڑی کراہت سے فریدی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

فریدی اس وقت ضرورت سے زیادہ خوش مزاج نظر آ رہا تھا۔ اس نے دو ایک بار حمید پر
ہوئی نظریں ڈالیں اور جوش ملیح آبادی کے لہجے میں گنگنانے لگا۔ "اے جان من.... جانانِ من"

اس پر حمید کی سلگتی ہوئی ہڈیاں باقاعدہ لو دے اٹھیں۔ لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولا۔

"اس وقت تم نے وہ کام کیا ہے کہ تمہاری پیٹھ جوتے سے ٹھونکنے کو دل چاہتا ہے۔" فریدی
نے مسکرا کر کہا۔

"بس بس خاموش رہئے۔" حمید ابل پڑا۔

"موسم تو خاموش رہنے کا نہیں۔" فریدی کو ہنسی آ گئی۔

"فریدی صاحب میں لونڈا نہیں ہوں۔"

"اچھا چلو یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی۔"

"مجھے اتار دیجئے۔" حمید کا غصہ تیز ہو گیا۔

"بُری بات! ماں مارے گی۔" فریدی نے اس طرح کا منہ بنا کر کہا جیسے وہ کسی چھ ماہ کے
کو چمکار رہا ہو۔

"خدا کی قسم اچھا نہ ہوگا۔"

"شٹ اپ! تمہیں ابھی اس حرکت پر افسوس کرنا پڑے گا۔"

"ضرور ضرور....!" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کو اس بار سراغ
رسانی سے توبہ نہ کرنی پڑے۔"

"بہت اچھے۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"ضروری نہیں کہ آپ ہر معاملے میں عقلمند ہی ثابت ہوں۔"

"میں آج تک کسی معاملے میں عقل مند نہیں ثابت ہوا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر یکلخت برس پڑا۔

"میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ آپ اس کامیابی کا پورا پورا ذمہ دار مجھے ظاہر کریں۔ میں نے
کبھی اکیلے اپنے لئے کچھ نہیں کیا۔ اپنا الو سیدھا کرنے کا ایک یہی طریقہ تو نہیں ہو سکتا تھا۔ جو آپ
نے اس وقت اختیار کیا....؟"

"کیا بکتا ہے۔" فریدی ناک سکوڑ کر اور آنکھیں بھینچ کر بولا۔

"بک نہیں رہا بلکہ فرما رہا ہوں۔" حمید نے گردن اکڑا کر کہا۔

"اچھا فرما چکے۔"

"جناب۔"

"بہتر ہے ابھی تھوڑی ہی دیر میں آپ کی آنکھوں کا اپریشن ہو جائے گا۔"

"مجھے اب اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"چلو مجھے اس کا بھی افسوس نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم نے ابھی تک اس میں کام ہی
کون سا کیا ہے۔"

"کیا....!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "میں نے کچھ کام ہی نہیں کیا۔"

"قطعی نہیں! اب تک وقت برباد کرتے رہے ہو۔"

"میں ڈیش بورڈ سے اپنا سر ٹکرا دوں گا۔"

"خبردار! چانٹا مار دوں گا۔ ڈیش بورڈ میں شیشے ہی شیشے ہیں۔" فریدی نے اتنی سنجیدگی سے
کہا کہ حمید جھلاہٹ کے باوجود بھی مسکرا پڑا۔ بہر حال اب اُسے بھی یہ بات سوچنی ہی پڑی تھی کہ

آخر فریدی نے ایسا رویہ کیوں اختیار کیا ہے وہ اُن آدمیوں میں سے نہیں جو خواہ کسی قسم کی
شرمندگی مول لیتے ہیں۔ پھر اُسے زہرہ جمال کی سراسیمگی یاد آگئی۔ ہوٹل پام گرود اور ارجن
پورے کے حوالے پر وہ بُری طرح خائف نظر آنے لگی تھی۔

"کیا سوچنے لگے۔" فریدی نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"آپ سے مطلب....!" حمید پھر جھلا گیا۔

"اب میں ہی پھینک دوں گا تمہیں نیچے۔"

"خواہ مخواہ بور کر رہے ہیں۔" حمید بڑبڑانے لگا۔

"حمید اگر تم میری بیوی ہوتے تو ہنٹر دں سے کھال گرادیتا۔"

"اگر آپ ہنٹر والی ہوتے تو میں آپ سے شادی کر لیتا۔"

"اور پھر اگر میں ایک ٹانگ بھی رکھ دیتا تو تمہاری پسلیاں چور ہو جاتیں۔"

حمید کچھ نہ بولا وہ بات کرنے کے موڈ ہی میں نہ تھا۔

کیڈی کولتار کی چکنی سڑکوں پر پھسلتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ شہر کے باہر جارہے ہیں۔ اونچی اونچی عمارتیں بہت پیچھے رہ گئی تھیں اور حدِ نظر تک میدان یا کھیت نظر آرہے تھے۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی زرد کرنیں درختوں کی چوٹیوں پر کپکپا رہی تھیں۔ ہڈیوں میں اتر جانیوالی سرد ہوانے حمید کے کان سہلانے شروع کر دیئے تھے۔ اس نے کوٹ کا کالر کھڑا کر لیا۔

"تمہارا السٹر لیتا آیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "پچھلی سیٹ پر پڑا ہے۔"

"لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"سعید آباد....!"

"کیوں....؟"

"آج کل درد کی دوا وہیں ملتی ہے۔"

دفعتاً حمید کو وہ تار یاد آگیا جو فریدی نے کچھ دن پہلے سعید آباد ہی کے کسی آدمی کو دیا تھا اور اس میں ترمذی خاندان کے ہار کا تذکرہ تھا۔ حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اُسے ابھی کچھ نہ بتائے گا۔ وہ فریدی کی اس بُری عادت سے تنگ آگیا تھا۔ لوگوں کو اچانک حیرت زدہ کر دینے.... کی عادت۔ آج تک یہ بات اُس کی سمجھ ہی میں نہ آسکی تھی کہ یہ عادت

دی کے کردار کے کسی جزو کی پختگی تھی یا کوئی کمزوری۔ بہر حال یہ اُس کی بہت پرانی عادت
کسی کیس کے دوران میں وہ اُس کے متعلق کھل کر کبھی کوئی بات نہیں کہتا تھا۔ لوگوں کو
ے میں ڈال کر اچانک کسی راز سے پردہ اٹھانے میں شاید اُسے کسی قسم کی لذت ہی محسوس
ی تھی۔ اکثر اس کے آفیسر تک اس کی اس عادت پر بُری طرح جھنجھلا جاتے تھے۔ لیکن چونکہ
م کا آدمی تھا اس لئے زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ وہ اس کی افتادِ طبع سے بھی تو واقف تھے۔ ذرا
ی بات مرضی کے خلاف ہوئی استعفیٰ پیش۔

حمید بیٹھا دل ہی دل میں جھنجھلاتا رہا۔

"حمید صاحب توقع ہے کہ آج ہم اُس مسخرے بھیڑیئے سے ٹکرا ہی جائیں۔" فریدی نے کہا۔

"توقع کی وجہ....!"

"فی الحال بلاوجہ ہی سمجھو۔"

"تو پھر یہی بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ بس اب خاموش رہئے۔ میں بیس کا پہاڑا یاد کر رہا ہوں۔"

سردی بڑھتی جارہی تھی۔ حمید نے پچھلی سیٹ سے السٹر اٹھا کر کاندھے پر ڈال لیا۔ سورج
رب ہو چکا تھا اور اب افق پر بکھرے ہوئے شوخ رنگوں پر بھی سیاہی غالب آتی جارہی تھی۔
ر کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں پر کہرے کی چادر مسلط ہو گئی تھی۔ اب بھی پرندے شور مچار ہے
ے مگر ان کی آوازیں کہیں دور سے آتی معلوم ہو رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد کیڈی کی ہیڈ لائیٹس روشن ہو گئیں۔ اندھیرے کے ساتھ ہی ساتھ حمید کی
ھن بھی بڑھتی جارہی تھی۔

"وہ اُس دن آپ نے تار کسے دیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"گڈ! اب تم نے ایک کام کی بات پوچھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم وہیں چل رہے ہیں۔"

"میں اس کا نام بھول گیا۔"

"سعید الظفر....!" فریدی گیئر بدلتا ہوا بولا۔ کیڈی کی رفتار تیز ہو گئی۔ ڈیش بورڈ پر رفتار کی
ئی ساٹھ اور ستر کے درمیان حرکت کر رہی تھی۔

"اس سے اور رابعہ کے ہار سے کیا تعلق۔"

"گھبراؤ نہیں! توقع ہے کہ تعلق بھی جلد ہی ظاہر ہو جائے گا۔ بہر حال رابعہ بھی تمہیں

وہیں ملے گی۔"

"کہاں؟"

"سعید الظفر کے یہاں۔" فریدی نے کہا۔

اچانک حمید کو ایک بات یاد آگئی۔ فریدی نے اس سے رابعہ کے چاہنے والوں کی فہرست تیار کرنی تھی اور یہ بھی معلوم کرنا چاہا تھا کہ خود رابعہ کس طرف جھک رہی ہے۔ وہ خود تو دوسری بات معلوم کرنے سے قاصر رہا۔ لیکن اب سوچ رہا تھا کہ شاید سعید الظفر وہی ہے جس کی طرف رابعہ بھی مائل ہے۔ شائد فریدی نے خود ہی اس کا پتہ لگالیا لیکن آخر اس سے اور ہار والے معاملے سے کیا تعلق۔

"لیکن رابعہ وہاں کیوں ہو گی۔" حمید نے پوچھا۔

"اللہ کی مرضی۔" فریدی حلق کے بل بولا۔

"اُلو سال میں کتنے انڈے دیتا ہے۔" حمید بھنا گیا۔

"جتنے اللہ دلوا دیتا ہے۔"

"اللہ آپ کی روح کیوں نہیں قبض کر لیتا۔" حمید چیخ کر بولا۔

"اب ہمارا پلان یہ ہے۔" فریدی اُسکی بات پر دھیان نہ دیتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔ "ہمیں ایک عمارت میں غیر قانونی طور پر داخل ہونا پڑے گا۔ ہمارے چہروں پر گیس ماسک ہوں گے اور...!"

"دم پر مدا بندھا ہوا ہو گا۔" حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔ جملے کے بے ساختگی پر فریدی کو ہنسی آگئی۔

"آخر کھانے کیوں دوڑ رہے ہو۔" اُس نے کہا۔

"آپ مجھے اُلو کیوں بنا رہے ہیں۔"

"بیٹے خاں! قبل از وقت کچھ نہیں بتاؤں گا۔ کیونکہ اسی کیس میں ایک جگہ دھوکہ کھا کر شرمندگی مول لے چکا ہوں۔ یہ نہ بھولو کہ ہم بھی معمے کو حل کرنے کے لئے امکانی قیاسات سہارا لیتے ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں۔" فریدی نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔ "اس کیس میں میں نے کتنی قلابازیں کھائی ہیں۔ پہلے تمہیں زہرہ کے پیچھے لگایا پھر اس سے ہٹا کر رابعہ کی طرف نظر رکھنے کی ہدایت کی اور پھر تمہیں یہ بھی یاد ہو گا میں نے کہا تھا مجھے اس لٹیرے سے

دلچسپی نہیں لیکن اب میں بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

حمید خاموشی سے سنتا رہا۔ اتنی دیر میں اس کا دماغ کافی حد تک ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"کیا سعید الظفر وہی آدمی ہے جس کی طرف رابعہ خود مائل ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں! اگر میرا قیاس غلط نہیں تو تم بہت جلد ہی بات سے واقف ہو جاؤ گے۔"

"ابھی آپ گیس ماسک کا تذکرہ کر رہے تھے۔ کیا سنجیدگی سے؟"

"ہاں بھئی! ہمیں اس لٹیرے سے بھی تو بھڑنا ہے۔ کیا تم بھول گئے کہ اُس نے رابعہ کے ...وں کو سلانے کے لئے سنتھیلک گیس استعمال کی تھی۔ اگر ہم نے گیس ماسک نہ استعمال کئے تو ...نا ہے کہ ہمیں بھی گہری نیند کا لطف اٹھانا پڑے۔ کافی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ ...ہرتیلا ہے۔ اگر ہم ایک لحظہ کے لئے بھی چوک گئے تو اس کا ہاتھ لگنا محال ہو جائے گا۔"

"لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے وہ گیس استعمال کس طرح کی ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"نہایت آسانی سے۔" فریدی اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اُسے شیشے کی کھوکھلی ...وں میں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ اور شیشے کی گیندیں جیب میں ڈال کر بڑی آسانی سے ایک جگہ ...دوسری جگہ لے جائی جا سکتی ہیں۔"

"تو آپ کو یقین ہے کہ اس وقت اُس سے مڈبھیڑ ہو جائے گی۔"

"حالات تو ایسے ہی ہیں۔"

"آپ اُس کی قیام گاہ سے واقف ہو گئے ہیں۔"

"اچھی طرح! لیکن یہ اُس کی قیام گاہ نہیں ہے جس میں ہمیں اس وقت داخل ہونا ہے۔"

"پھر....!"

"سعید الظفر کے گھر میں ہمیں چوروں کی طرح داخل ہونا پڑے گا۔"

حمید اس پر پھر کوئی سوال کرنا چاہتا تھا لیکن، خاموش ہی رہا۔ فریدی اُس کے کسی ایسے سوال کا ...ہر گز نہ دیتا جس سے ان باتوں پر روشنی پڑتی جنہیں وہ فی الحال ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اور ...وہ ویسے بھی نہیں بولنا چاہتا تھا کیونکہ کھلے ہوئے منہ کے ذریعہ سردی کی ٹھنڈی لہر حلق ...نیچے بھی اُتر سکتی تھی اور چہرہ تو پہلے ہی سن ہو چکا تھا اس نے کنکھیوں سے فریدی کی طرف ...کھا جس میں کوئی ظاہری تبدیلی نظر نہیں آرہی تھی وہ اتنے سکون کے ساتھ سرد ہوا کے

تھپیڑوں کا مقابلہ کر رہا تھا جیسے وہ موسم بہار کے خوشگوار اور مہکتے ہوئے جھونکے ہوں اس کا اثر اب بھی پچھلی نشست پر پڑا ہوا تھا۔

ساڑھے سات بجے وہ سعید آباد میں داخل ہو گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے ایک ریستوران میں کافی کے کئی کپ پئے۔ حمید کھانے کیلئے بھی کہتا رہا۔ لیکن فریدی نے اس کی اجازت نہ دی۔ "اگر تم نے کھانے پر غصہ اتارا تو کسی کام کے نہ رہ جاؤ گے۔" اُس کا مختصر سا ریمارک تھا۔

ہار کا راز

فریدی نے کیڈی ایک پرائیویٹ گیرج میں کھڑی کر دی اور دونوں پیدل چل پڑے۔ فریدی کے ساتھ ایک سوٹ کیس تھا جس میں شائد گیس ماسک تھے۔ انہوں نے اپنے السٹروں کے کالر کھڑے کر رکھے تھے اور ہیٹ کے گوشے آگے کی طرف اس طرح جھکا رکھے تھے کہ چہرے نہیں نظر آ رہے تھے۔

"آپ کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ آپ کو کامیابی کا یقین ہے۔" حمید نے کہا۔

"یقین نہ ہوتا تو آتا ہی کیوں۔"

"لیکن لٹیرے کی شخصیت کے متعلق ابھی شبہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میں جانتا تھا کہ تم کھائے پئے بغیر عقلمندی کی بات ہرگز نہ کرو گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"رابعہ بھی وہاں ہو گی۔ خدا کرے اُس نے کھلے پنجوں والے سینڈل نہ پہن رکھے ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ آسانی سے ٹوٹ جانے والے جوتے پہن کر ہرگز نہ آئی ہو گی۔"

حمید نے پھر کچھ نہ کہا۔

وہ چلتے رہے۔ حمید کے ذہن میں ہیجان برپا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زہرہ جمال اور صغیر بابر کو فریدی نے جان بوجھ کر نظر انداز کیا تھا یا وہ حقیقتاً بے گناہ تھے اور کوئی شخص اُن کو اس معاملے میں خواہ مخواہ الجھا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا تھا۔ مگر زہرہ جمال کی مشتبہ نقل و حرکت اور ہوٹل پام گرود کے حوالے پر اس کی سراسیمگی۔ بہرحال اتنی بات تو اس کی سمجھ میں آ ہی گئی

معاملہ خواہ کچھ ہو صغیر بابر اس سے واقف نہیں تھا۔ کیونکہ زہرہ کی بوکھلاہٹ یہی ظاہر کر رہی تھی.... اگر فریدی عین موقعے پر دخل نہ دیتا تو اُس نے اس سے کچھ اگلوا ہی لیا تھا۔ وہ اس خوف سے کچھ بتا دیتی کہ کہیں اس کی اطلاع صغیر بابر کو نہ ہو جائے.... خیر دیکھنا ہے اب فریدی صاحب کون سا بڑا تیر مارتے ہیں۔

"تم پھر خاموش ہو گئے۔" فریدی نے کہا۔ "چہکتے چلو پیارے! جب اس کی ضرورت ہوتی ہے تو تم کڑک ہو جاتے ہو۔"

"میں مرغی ہوں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"نہیں بلکہ چوزے۔" فریدی نے کہا۔ "آخر تم پر جھلاہٹ کیوں سوار ہے۔ دماغ ٹھنڈا رکھو ورنہ کوئی حماقت کر بیٹھو گے۔"

"شائد اب ہم اپنے شہر کی طرف پیدل واپس جا رہے ہیں۔" حمید بولا۔

"آج کا اخبار پڑھا تھا تم نے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... جس دن دیر میں سو کر اٹھتا ہوں اخبار رہ ہی جاتا ہے۔"

بہرحال آج اس لٹیرے کے خط پر بڑا شاندار تبصرہ شائع ہوا ہے۔ مبصر نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس لٹیرے نے ترمذی خاندان کو دھوکا دیا ہے۔ اصلی ہار شروع ہی سے اس کے پاس رہا ہے اس نے اس کی نقل ترمذی خاندان والوں کو واپس کی تھی۔ دوسروں کی چیزیں ...ل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اسے جھوٹا نہ سمجھیں اور وہ اس ہار میں لگے ہوئے تاریخی ...ے کو آسانی سے ہضم کر جائے۔ مبصر نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ دو ہی چار دنوں میں وہ ...کسی اخبار کے ذریعے ہار کی جستجو کے سلسلے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر لے گا اور اس طرح معاملہ ختم ہو جائے گا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی خیال ہے لیکن میرے ذہن میں واقعے کی دوسری شکل ہے۔"

"یعنی....!"

"ابھی کچھ ہی دیر بعد وہ شکل میرے ذہن سے باہر آ جائے گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا ...ید پھر جھنجھلا گیا۔ لیکن وہ سوچنے لگا کہ جھنجھلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس معرکے سے پہلے

اگر ذہن کو ٹھنڈا ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔ مگر آخر معرکے کی نوعیت کیا ہوگی۔

"لیکن خدارا....!" حمید بولا۔ "کہیں جھونکنے سے پہلے یہ تو بتا دیجئے کہ مجھے کرنا کیا ہوگا۔"

"کچھ نہیں بس اتنا خیال رکھنا پڑے گا کہ وہ نکل کر جانے نہ پائے اور شاید تھوڑی سی جمناسٹک بھی کرنی پڑے۔ اگر کسی وجہ سے میری مرتب کردہ اسکیم فیل ہوگئی تو ہمیں ایک پائپ کے سہارے دیوار پر چڑھنا پڑے گا۔"

"پائپ.... میرے خدا" حمید آہستہ سے بولا۔ "اس وقت تو ہاتھوں میں چپک کر رہ جائے گا۔"

"کچھ بھی ہو! اگر لٹیرا زیادہ ہوشیار ثابت ہوا تو چڑھنا ہی پڑے گا۔"

"آخر آپ کی اسکیم کیا تھی۔"

"نہیں مانو گے۔ خیر سنو۔ آج وہ نو بجے سعید الظفر سے ملنے کے لئے آرہا ہے اور اسی نے رابعہ کو بھی بلوایا ہے۔ وہ ان سے ہار کے متعلق کوئی گفتگو کرے گا۔ سعید الظفر کو اس نے لکھا تھا کہ اگر اس معاملات کے متعلق پولیس کو معلوم ہوا یا اس نے پولیس سے ساز باز کرنے کی کوشش کی تو نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔ سعید الظفر نے مجھے مطلع کر دیا۔ لیکن رابعہ نے سانس تک نہ لی۔"

"پھر آپ کو رابعہ کی آمد کے متعلق کیسے معلوم ہوا" حمید نے پوچھا۔

"سعید الظفر ہی سے معلوم ہوا۔"

"آخر یہ سعید الظفر ہے کون؟ اس کا اس معاملے میں کیا تعلق؟"

"ابھی یہ نہ پوچھو۔ مجھے اب بھی کچھ شبہات ہیں۔"

"نہیں پوچھوں گا۔ اس واقعے کے بعد بھی نہ پوچھوں گا۔ چلئے اپنی اسکیم بیان کیجئے۔"

"سعید الظفر کے مکان میں ایک چور دروازہ ہے۔ لٹیرا اُسی کے ذریعے عمارت میں داخل ہو کر سعید الظفر کے مکان کے باہر نو بجے اس کا انتظار کرے گا۔ میں نے اسے تاکید کر دی ہے کہ وہ واپسی میں چور دروازہ اندر سے بند نہ کرے لیکن اگر اس لٹیرے نے خود ہی بند کر دیا تو مجبور ہمیں پائپ کا سہارا لینا پڑے گا.... فکر نہ کرو اندھیری رات ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔"

"فرزند من! وہ لٹیرا بڑا گھاگ ہے۔ اس نے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنا پورا پورا اطمینان کئے بغیر عمارت میں داخل نہ ہوگا۔"

"یعنی....!"

"اندر رابعہ اور سعید کے علاوہ کوئی اور تو موجود نہیں۔ باہر کے سارے دروازوں کے متعلق پہلے ہی اطمینان کرلے گا کہ وہ اندر سے مقفل ہیں یا نہیں۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر سعید نے پولیس کی مدد لی تو وہ پولیس کے ہاتھ تو لگنے سے رہا البتہ بعد کو سعید سے سمجھ لے گا۔"

"یہ ماننا پڑے گا جناب کہ ہے بڑا بے جگر آدمی۔" حمید نے کہا۔

وہ دونوں نیم تاریک گلیوں سے گذر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر کھلی جگہ میں نکل آئے۔ ان کے سامنے ایک سڑک تھی اور سڑک کے پار چند بڑی بڑی عمارتیں نظر آرہی تھیں جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھیں۔ وہ سڑک کے کنارے کنارے مشرق کی طرف چلنے لگے۔ چاروں طرف اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔ رات کہر آلود تھی۔ سڑک کے سامنے والی عمارتوں کی روشنیاں کہر کی وجہ سے دھندلی نظر آرہی تھیں۔ اچانک فریدی داہنی طرف مڑا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی.... اور پھر وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر انہیں عمارتوں کی پشت پر پہنچ گئے جو انہیں گلی سے نکلتے ہی دکھائی دی تھی۔

یہ جگہ ایسی نہیں تھی کہ کوئی بے احتیاطی سے چل سکتا۔ چاروں طرف جھاڑیوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ حمید نے ٹارچ نکالنی چاہی لیکن فریدی نے روک دیا۔

"چپ چاپ میرے پیچھے چلے آؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریدی نے حمید کا ہاتھ دبا دیا۔ ایک عمارت کے نیچے کسی آدمی کا دھندلا اور متحرک سایہ نظر آرہا تھا۔ دونوں جھاڑیوں میں بیٹھ گئے۔

"وہ غالباً سعید ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہاں بیٹھنا بھی ٹھیک نہیں۔ وہ ٹوٹی ہوئی دیوار دیکھ رہے ہو ہمیں وہاں تک پہنچنا ہے۔"

"سعید کی نظر ہم پر پڑ سکتی ہے۔" حمید بولا۔

"وہ جانتا ہے۔ لیکن ہمیں اُس لٹیرے سے چھپنا ہے۔ ہم سینے کے بل رینگتے ہوئے وہاں بہ آسانی پہنچ سکتے ہیں۔ چلو۔"

"یہاں سانپ بھی ہو سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ مت بھولو کہ تمہارے ساتھ ایک اژدھا بھی ہے۔" فریدی نے کہا اور سوٹ کیس کو

دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کہنیوں کے بل زمین پر کھسکنے لگا۔

چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد وہ ٹوٹی ہوئی دیوار کی اوٹ میں پہنچ گئے۔

سایہ عمارت کے نیچے ٹہلتا رہا۔ فریدی نے اپنی ریڈیم ڈائل والی گھڑی کی طرف دیکھا۔ نو بجنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ اس نے سوٹ کیس کھول کر گیس ماسک نکالے۔ ایک خود پہن لیا اور دوسرا حمید کے چہرے پر چڑھادیا۔ پھر انہوں نے لیٹے ہی لیٹے پٹیاں بھی کس لیں۔ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر کٹی ہوئی جھاڑیوں کا ایک خشک ڈھیر پڑا تھا۔ فریدی نے اُسے سمیٹ سمیٹ کر اپنے اور حمید کے اوپر پھیلا لیا۔

"ارے! ارے! یہ کیا کر رہے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"چپ چاپ پڑے رہو۔ وہ اپنا اطمینان کرنے ادھر ضرور آئے گا۔" فریدی بولا۔

اُن کے ایک طرف دیوار سے نکلی ہوئی اینٹوں کا ڈھیر تھا اور دوسری طرف سے وہ خشک گھاس کے ڈھیر میں چھپ گئے تھے۔ ان کے چہروں پر گیس ماسک پہلے ہی سے تھے۔ اس لئے سانس لینے میں کوئی دشواری نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ چند لمحوں بعد حمید نے محسوس کیا کہ گھاس کے ڈھیر پر ٹارچ کی روشنی پڑ رہی ہے پھر پہلے جیسا اندھیرا پھیل گیا۔

انہوں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

چند لمحے رک کر فریدی نے سر ابھارا اور دوسری طرف سے آواز آئی۔ "وہ کون۔"

پھر حمید نے اپنے سر پر ایک کتے کو بھونکتے سنا۔ اگر فریدی نے اس کا ہاتھ نہ دبا دیا ہوتا تو وہ اچھل ہی پڑا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ یہ کتا نہیں بلکہ خود فریدی ہی تھا۔ اب جو حمید پر ہنسی کا دورہ پڑا ہے تو مصیبت ہی آگئی۔ لیکن اُس نے آواز نہ نکلنے دی۔ فریدی برابر بھونکے جا رہا تھا۔ حمید کو اس کی اس صلاحیت کا علم آج ہی ہوا تھا۔ بالکل کتے کی آواز تھی۔ سر مو فرق نہیں تھا۔ وہ نزدیک و دور کے کچھ اور کتوں کی بھی آوازیں سن رہا تھا۔ جو جواباً بھونکنے لگے تھے۔ حمید نے پھر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

فریدی بھونکتا ہی رہا۔ چند لمحے گذر گئے۔ فریدی خاموش ہو کر حمید کی طرف پلٹا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔" حمید نے پوچھا۔

بھئی بڑا چالاک ہے۔ اُس نے باہر ہی کھڑے کھڑے آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا کہ اگر

کوئی قرب و جوار میں ہو تو یہ سمجھ کر باہر آئے کہ وہ اندر چلے گئے۔ لہٰذا میں نے جیسے ہی سر ابھارا نظر پڑ گئی۔ اگر میں کتے کی طرح بھونکنے نہ لگتا تو وہ فوراً ہی ٹارچ روشن کر لیتا۔

"تو کیا ہوتا۔" حمید نے کہا۔ "اگر باہر ہی اُسے پکڑ لیتے تو کون سا فرق پڑتا۔"

"وہ لذت نہ ملتی جو دوسری صورت میں نصیب ہو گی۔" فریدی نے کہا "آؤ.... ہوشیار وہ چھلاوہ ہے۔"

وہ دونوں دروازے کے قریب آئے۔

"دیکھا تم نے۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "دروازہ بھی اس نے بند کیا ہے اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ اس پائپ کے سہارے اوپر جائیں۔"

پائپ قریب ہی تھا۔ جو شائد چھت پر کا پانی نکالنے کے لئے لگایا گیا تھا۔ فریدی نے جوتے جیب میں ٹھونسے اور پائپ پر چڑھنے لگا۔ اُس کے نیچے حمید بھی تھا جو شائد اس موقعے پر تو اپنے مقدر کو گالیاں دے رہا ہوگا۔

اوپر پہنچ کر فریدی تو جوتے پہن رہا تھا اور حمید اپنے دونوں ہاتھ اس طرح رگڑ رہا تھا جیسے یقین ہی نہ ہو کہ وہ ہاتھ ہی ہیں۔ شائد ٹھنڈے لوہے کی رگڑ سے ہتھیلیوں کا خون تک منجمد ہو گیا تھا۔

"جوتے پہنو....!" فریدی نے کہا۔

"شاید فلیٹ نیچے ہی رہ گیا۔" حمید بولا۔

"جلدی کرو یار! یہ مذاق کا وقت نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دیوار کے طاق پر پیر رکھ کر نچلی چھت پر اُتر رہے تھے ان کے کرپ سول جوتوں سے ذرہ برابر بھی آواز نہیں ہو رہی تھی۔ فریدی نے شائد یہ عمارت پہلے ہی سے دیکھی تھی اس لئے گہرا اندھیرا ہونے کے باوجود بھی وہ نہایت آسانی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

نیچے پہنچ کر وہ ایک کمرے کے قریب سے گذر رہے تھے کہ انہیں رک جانا پڑا.... دروازہ بند تھا اور اندر کی روشنی باہر برآمدے کے ایک حصے پر پڑ رہی تھی۔ اندر سے کسی کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ انہوں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ رابعہ اور سعید الظفر کرسیوں پر بیٹھے تھے ان کے سامنے وہی سیاہ پوش لٹیرا ایک کرسی پر پیر رکھے کھڑا تھا۔

لٹیرا کہہ رہا تھا۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اُس ہار کی پوری ہسٹری مجھے معلوم ہے۔ یہ کہ
شائد وہ اپنے جملوں کا اثر اُن دونوں کے چہروں پر دیکھنے کے لئے رک گیا تھا۔

حمید نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ اور ابھی تک اُس کے متعلق جو کچھ بھی سنا تھا وہ غلط نہ ثابت ہوا تھا۔ وہ حقیقتاً سر سے پیر تک سیاہ تھا اور اُس کے چہرے کی سیاہی کپڑوں کی سیاہی سے مختلف نہیں تھی۔ چہرے پر نقاب بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ گفتگو کرتے وقت اس کے ہونٹ اس طرح ہلتے تھے جیسے سب کے ہلتے ہیں۔ آنکھوں کے قریب بھی کوئی ایسی بات نظر نہیں آرہی تھی جس کی بناء پر یہ سمجھ لیا جاتا کہ وہ اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپائے ہوئے ہے۔

کچھ دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولا۔ ”میرے پاس اس کا واضح ثبوت موجود ہے کہ اصلی محترمہ رابعہ کے والد ذکی ترمذی صاحب نے غائب کیا تھا۔“

”یہ غلط ہے۔“ رابعہ چلا کر بولی۔ ”ڈیڈی! ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ میں اُن کے متعلق یہ بھی نہیں سکتی۔“

”آپ یقین کریں یا نہ کریں۔ لیکن میں سعید الظفر کو یقین دلا دوں گا۔ ایسے حالات پیدا ہو تھے جنکے تحت ذکی صاحب کو ایسا کرنا پڑا۔ کیوں سعید الظفر صاحب آپ یقین کریں گے یا نہیں۔“

”ابھی میں کس طرح کہہ سکتا ہوں۔“ سعید بولا۔

”اچھا ایک بات تو آپ مانتے ہی ہیں کہ اس ہار کی ہسٹری کا علم ترمذی خاندان یا آپ خاندان کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔“

”یہ بات میں مان لوں گا۔“

”غلط میں بھی اس کی ہسٹری سے واقف ہو گیا ہوں اور یہ واقفیت اسی کی تلاش کے دو میں بہم پہنچی ہے۔ سنئے! اگر میں کہیں غلط کہوں تو ٹوک دیجئے گا کیا وہ ہار کئی پشتوں پہلے آپ خاندان کی ایک لڑکی کے ذریعے ترمذی خاندان میں نہیں پہنچا تھا۔ اُس لڑکی کی شادی تر خاندان کے ایک فرد کے ساتھ ہوئی تھی اور وہ ہار جہیز میں دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے متعلق ایک وصیت بھی تھی جو آج بھی قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ اب وصیت اگر غلط کہوں تو ٹوک دیجئے گا۔ وصیت میں یہ تھا کہ اگر ترمذی خاندان کی اُس شاخ میں جس خلیلی خاندان کی لڑکی بیاہی جا رہی ہے اگر کسی زمانے میں تنہا اولاد کوئی لڑکی ہو تو وہ اُسی صو

ہار کی مالک بن سکتی ہے جب وہ خلیلی خاندان میں واپس آجائیگی اور اگر خلیلی خاندان میں کانہ ہو تو ہار ترمذی ہی خاندان کی ملکیت رہے گا۔ ہاں تو سعید صاحب! اگر رابعہ ترمذی سعید الظفر خلیلی کو بیاہی جاتی ہیں تو یہ ہار ان کی ملکیت رہے گا ورنہ نہیں۔“

یہ کون

مید نے پلٹ کر فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ جس کا شاید یہ تھا کہ سیاہ پوش کا بیان درست ہے۔

رابعہ نے سر جھکا لیا تھا اور سعید الظفر سیاہ پوش کو آنکھیں پھاڑے گھور رہا تھا۔

”لیکن!“ سیاہ پوش ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ ”سعید الظفر خلیلی اور رابعہ ترمذی کی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیوں محترمہ رابعہ غلط کہہ رہا ہوں۔“

رابعہ کچھ نہ بولی۔

”ذکی ترمذی صاحب جانتے ہیں کہ یہ شادی نہیں ہو سکتی اسی لئے انہوں نے انتہائی پُر اسرار یقے سے وہ ہار غائب کر دیا۔ اصلی کی جگہ نقل رکھ دی اور نقل قانونی طور پر خلیلی خاندان کو کر دی جاتی۔ لیکن درمیان میں.... میں آکودا.... اور ہار کا راز ظاہر ہو گیا۔“

”غلط ہے بکواس ہے۔ رابعہ تیز لہجے میں بولی۔ ڈیڈی ایسی اوچھی حرکت ہرگز نہیں کر سکتے۔“

”یقین کیجئے محترمہ رابعہ یہی ہوا ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”اس کا تاریخی ہیرا بہت قیمتی شائد مغربی ممالک اس کے ڈیڑھ لاکھ پونڈ تک دے گذریں۔ ذکی صاحب آسانی سے اسے خاندان میں واپس نہیں جانے دیں گے۔ کیوں سعید صاحب کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔“

”ہو سکتا ہے کہ آپ صحیح کہہ رہے ہوں.... لیکن وہ ہار۔“ سعید بولا۔

”اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے۔“ سیاہ پوش ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ”میں نے الیا ہے۔ ضرورت پڑی تو میں وہ جگہ بتا دوں گا جہاں سے یہ مجھے ملا ہے اور میں ذکی ترمذی خلاف ثبوت بھی فراہم کروں گا۔ میں حقیقتاً ڈاکو نہیں ہوں۔ لیکن اُس ہیرے کے متعلق ئے اظہار خیال کر چکا ہوں کہ میں اُسے بطور حق المحنت رکھ لوں۔ ہار کے دوسرے ہیرے بھی

کم قیمت نہیں رکھتے۔ خلیلی خاندان کی مالی حالت مضبوط کرنے کیلئے وہ بھی کافی ہوں گے۔ آپ لوگ اطمینان سے بیٹھے رہیں۔ ابھی وہ ہیرا ہار سے الگ کر کے ہار آپ کو واپس کئے دیتا ہوں

سعید الظفر بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔ رابعہ زرد ہو گئی تھی۔

سیاہ پوش نے جیب سے ہار نکالا اور اُسے روشنی میں لہراتا ہوا بولا۔ "مجھے خوشی ہے کہ خاندان کے دن اب پھر جائیں گے۔ دوسرے ہیرے بھی کافی قیمتی ہیں۔"

پھر اُس نے ایک ننھا سا اوزار نکالا اور اُسے استعمال کرنے ہی جا رہا تھا کہ فریدی ہاتھ ریوالور لئے ہوئے اندر داخل ہوا۔

"زیادہ بے صبری اچھی نہیں۔" اُس نے بھاری آواز میں کہا۔

ہار اور اوزار سیاہ پوش کے ہاتھ سے چھوٹ پڑے سیاہ پوش اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ وہ بوکھ ہوئی نظروں سے ان دونوں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا جن کے چہرے گیس ماسک میں چھپے ہوئے تھے رابعہ اور سعید الظفر بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"پیارے مسخرے بھیڑیئے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو میں جانتا کہ تم نے اپنے لباس کے نیچے بلٹ پروف پہن رکھا ہے لیکن میں سینے پر کبھی گولی نہیں مارتا۔ میرے ہاتھوں تم لنگڑے ضرور ہو سکتے ہو۔"

"تم کون ہو۔" مسخرہ بھیڑیا اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تک چڑھا ریچھ....!" سرجنٹ حمید نے کہا۔ "اور میں ایک خوش طبع بجو ہوں۔"

سیاہ پوش خاموش رہا۔

"اس کے جیب سے۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ "سنتھیلک گیس کے گولے ریوالور نکال لو۔"

حمید آگے بڑھ کر اُس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ اُس نے شیشے کی دو گیندیں اور ایک ریوالور کر میز پر رکھ دیا اور پھر اُسے ٹٹولنے لگا اس نے حمید کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اس طرح کہ کو اپنی کلائی کی ہڈیاں کڑکڑاتی معلوم ہونے لگیں پھر اُس نے حمید کے دونوں ہاتھ موڑ کر اپنے سامنے کر لیا۔ حمید کا سینہ فریدی کے ریوالور کے سامنے تھا۔

"ریوالور زمین پر ڈال دو۔" سیاہ پوش گرج کر بولا۔ "ورنہ میں اسے مار ڈالوں گا۔"

خوش طبع بجو کی سانس پھولنے لگی تھی۔ خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ غصہ سے۔

فریدی نے ریوالور زمین پر ڈال دیا۔ لٹیرا حمید کی آڑ لئے الٹے پیروں پیچھے کی طرف کھسک ا۔ دفعتاً حمید نے اپنی ایک ٹانگ اُس کے پیروں میں اڑا دی اور وہ دونوں میز سے ٹکراتے ئے زمین پر آ رہے۔ میز الٹ گئی پھر شیشے کی گیندوں کے ٹوٹنے کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔

"سعید.... رابعہ....!" فریدی چیخا۔ "باہر جاؤ۔ بھاگو۔"

وہ دونوں جھپٹ کر کمرے سے نکل گئے۔ حمید لٹیرے سے گتھا ہوا تھا اور کمرہ دھوئیں سے رہا تھا۔ تیز قسم کی میٹھی بو پھیل رہی تھی۔

فریدی نے آگے بڑھ کر لٹیرے کے سر پر ٹھوکر ماری لیکن شائد اُس پر اثر تک نہ ہوا۔ دفعتاً ر دور سے کراہا۔

فریدی نے بدقت تمام دونوں کو الگ کیا۔

لٹیرا قریب قریب بے بس ہو گیا تھا۔ فریدی اُسے گردن سے پکڑے ہوئے باہر لایا اور پھر وں نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

"خدا کے لئے مجھے ذلیل نہ کرو۔" لٹیرا بڑبڑایا۔

"ذلیل ہی کرنا ہے اسی لئے تمہیں یہاں آ کر پکڑا ہے۔ ورنہ تم تو میری چٹکی میں تھے۔" یدی نے کہا۔

دھواں پوری عمارت میں پھیلتا جا رہا تھا۔ سعید اور رابعہ اپنی ناکوں پر رومال رکھے کھڑے انپ رہے تھے۔

"اوپر کھلی چھت پر چلو۔" فریدی نے انہیں اشارہ کیا۔ "جب تک دھواں زائل نہ ہو جائے نیچے مت آنا۔"

وہ سب زینے طے کرنے لگے۔ خوش طبع بجو مسخرے بھیڑیئے کو بڑی بے دردی سے دھکے ے رہا تھا۔

اوپر پہنچ کر فریدی اور حمید نے اپنے گیس ماسک الگ کر دیئے۔

"آپ لوگ۔" رابعہ حیرت سے چیخ پڑی۔ حمید لٹیرے کو ٹٹول رہا تھا۔ دفعتاً فریدی کی طرف کر بولا۔ "اُس نے نیچے سے اوپر تک اپنے لباس میں بلٹ پروف لگا رکھے ہیں۔ صرف پنڈلیاں

خالی ہیں۔ مگر بیٹا تم اتنے روسیاہ کیوں ہو۔"

"بلٹ پروف اور گیس کی گیندوں ہی کے بل بوتے پر تو یہ سب کچھ کرتا رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور یہ روسیاہی ایک جدید ترین ماسک کی ہے جو بیک وقت ایک مصنوعی چہرہ بھی ہے اور گیس ماسک بھی۔ اس کی جیکٹ کے نیچے آکسیجن کی تھلیاں بھی ہوں گی۔"

"مجھے کہیں اور لے چلو۔ میں استدعا کرتا ہوں۔" لٹیرا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"سنو دوست! میں تمہیں یہیں ذلیل کرنا چاہتا ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ایک مفلس اور بھوکا جیب کترا تو اپنے جرم کی پاداش میں جیل بھگتے اور تم اتنے بڑے مجرم محض اس لئے رعایت چاہتے ہو کہ تم فریدی کے دوست ہو۔"

"یہ آپ کا دوست ہے۔" رابعہ چیخ پڑی۔ حمید بھی حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"بدقسمتی سے۔" فریدی نے کہا اور اُس نے لٹیرے کے چہرے کی طرف اپنا ہاتھ بڑھادیا۔ لیکن وہ پھر فریدی سے لپٹ پڑا حالانکہ اُس کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں پھر بھی وہ کسی وحشی درندے کی طرح نکل بھاگنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ حمید نے پیچھے سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اس پر بھی جب وہ باز نہ آیا تو حمید اُسے گرا کر اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

فریدی نے مصنوعی چہرہ الگ کر دیا لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے کوئی اُسے دیکھ نہ سکا۔

"رابعہ ادھر آؤ۔" فریدی نے کہا اور جیب سے ٹارچ نکال کر لٹیرے کے چہرے پر روشنی ڈالی۔

"ڈیڈی....!" رابعہ کے منہ سے چیخ نکل آئی۔

"ذکی ماموں....!" سعید الظفر بھی چیخا۔

لٹیرا آنکھیں بند کئے چپ چاپ پڑا رہا۔ حمید بھی اس کی شکل دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ آپ نے کیا کیا ڈیڈی۔" رابعہ اس پر گر کر سسکیاں لینے لگی۔ "اوہ.... ڈیڈی آپ نے بہت بُرا کیا۔ ڈیڈی ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گئے۔ ڈیڈی آپ تو لندن میں تھے۔"

ڈیڈی زندہ تھا۔ ہوش میں تھا۔ لیکن شائد اسے آنکھیں کھولتے شرم آرہی تھی۔ دوسری طرف حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھور رہا تھا۔

"فریدی صاحب!" سعید آگے بڑھ کر بولا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس معاملے کو دبا دیا جائے۔"

"بھئی آخر کس طرح۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اگر آج والی اسکیم کی اطلاع آپ دونوں حضرات کے علاوہ اور کسی کو نہیں تو آسانی ہی سے جائے گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے ذکی ترمذی کو اٹھایا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا.... نہ تو وہ کچھ بول رہا تھا اور نہ سر ہی اٹھا رہا تھا۔

"اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔" سعید الظفر پھر بولا۔ "یہ بات مجھ تک ہی رہے گی۔"

"میں آپ کی شکر گذار ہوں سعید بھائی۔" رابعہ نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

وہ سب اوپری منزل کے ایک کمرے میں آئے۔ سعید نے سوئچ آن کر دیا۔ کمرے میں شنی ہو گئی۔

"حمید ہتھکڑیاں نکال دو۔" فریدی نے کہا اور حمید حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگا۔ فریدی نے سر کی جنبش سے اشارہ کیا۔ حمید نے آگے بڑھ کر ہتھکڑیاں نکال دیں۔

ذکی بدستور سر جھکائے رہا۔

"ذکی صاحب!" فریدی بولا "یہ مت سمجھئے گا کہ میں اپنے تعلقات کی بناء پر آپ کو چھوڑ رہا دں۔ رابعہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔ یہ میں اُس کی خاطر کر رہا ہوں وہ پھر بھی آپ سے بہتر ہے کہ ں نے اُسی قیمتی ہار کو ٹھکرا کر اپنی پسند کی شادی کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ میں اس لئے آپ کو چھوڑ ہا ہوں کہ رابعہ کی زندگی برباد نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ آپ کی گرفتاری کے بعد وہ حقیقتاً کسی کو منہ کھانے کے قابل نہ رہ جاتی۔"

فریدی نے حمید سے ہار لے کر میز پر ڈال دیا۔ پھر وہ سعید الظفر کی طرف مڑ کر بولا۔ "مجھے ید ہے کہ آپ اپنے وعدے کے مطابق اُسے راز ہی رکھیں گے۔"

"ہمیشہ ہمیشہ! میں بھی آپ کا شکر گذار ہوں۔"

فریدی نے حمید کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

سعید الظفر ان کے پیچھے تھا مگر ان دونوں باپ بیٹی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ سعید ظفر خاموش تھا جب وہ دونوں پچھلے دروازے سے نکل رہے تھے تب بھی وہ کچھ نہ بولا۔

دروازہ بند ہو گیا۔ فریدی نے جھاڑیوں سے سوٹ کیس نکال کر اُس میں گیس ماسک رکھ دیئے۔

حمید بولا۔ "اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں کتے کی طرح بھونکنے لگوں۔"

ایسا بھی ہوتا ہے فرزند! اگر اس نے اپنے کارناموں کے دوران میں کسی کو زخمی بھی کردیا ہوتا تو میں اُسے نہ چھوڑتا۔

"رابعہ حقیقت سے ناواقف تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی! وہ یہی سمجھے ہوئے تھی کہ ذکی لندن میں مقیم ہے۔ حالانکہ وہ محض ذکی کا پروپیگنڈہ تھا۔ وہ سرے سے انگلینڈ گیا ہی نہیں تھا میں نے انگریزی سفارت خانے میں چھان بین کی تھی۔ اس نام سے کوئی ویزا دیا ہی نہیں گیا تھا۔ البتہ اُس نے پاسپورٹ ضرور بنوالیا تھا۔"

وہ دونوں چل پڑے۔ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ہار کی ہسٹری تو تم اُسی کی زبانی سن چکے ہو۔ مجھے پوری ہسٹری نہیں معلوم تھی۔ بس اتنا جانتا تھا کہ وہ خلیلی خاندان سے ترمذی خاندان میں آیا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ خلیلی خاندان سعید آباد میں آباد ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ پُراسرار طریقے پر غائب ہوا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ خلیلی خاندان میں بھی اس کے متعلق پوچھ گچھ کرائی جائے۔ لہٰذا میں نے سعید آباد میں اپنے ایک ایجنٹ کو تار دے کر اُس ہار کے متعلق اہم باتیں معلوم کرائیں اور پھر میں نے سعید الظفر کو بھی تار ہی کے ذریعے تاکید کی کہ وہ ہار کے متعلق اپنی زبان بند کرے۔ یہیں سے میرا ذہن ذکی کی طرف منتقل ہوا تھا اور میں نے تمہارے ذریعہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ رابعہ کسی کو چاہتی تو نہیں۔ تم پتہ نہیں لگا سکے لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ سعید الظفر کی بجائے کسی اور سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ ذکی اُسے اس سے باز نہ رکھ سکا تو ہار کا سب سے قیمتی ہیرا دبا بیٹھنے پر تل گیا۔ اور پھر اُس نے نقاب پوش لٹیرے کی حیثیت سے، ہنگامہ برپا کرنا شروع کردیا۔ اس وقت اگر وہ ہیرا نکال کر یہاں سے نکل گیا ہوتا تو رابعہ اور سعید یہی سمجھتے کہ ہیرا سیاہ پوش ہی لے گیا ہے اور سیاہ پوش کا پھر نام بھی نہ سنائی دیتا۔"

"لیکن آخر اتنی اودھم مچانے کی کیا ضرورت تھی۔ خود ذکی ہی ہار کی چوری کی رپورٹ درج کرسکتا تھا۔ اپنے گھر میں مصنوعی چوری کرادیتا۔"

"پھر بھی ہار ہضم نہ ہوتا۔ جب پولیس کو اس کی ہسٹری معلوم ہوتی تو وہ کھلم کھلا خود اُسی پر شبہ کرتی اور اگر کہیں اُسے یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ رابعہ سعید کی بجائے کسی اور سے شادی کررہی ہے تو جانتے ہو کیا ہوتا۔"

"بالکل سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر وہ کالی گھٹا زہرہ جمال۔"

فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "تم تو عورت کے نبض شناس ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے اعتراف ہے۔" حمید نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

"لیکن زہرہ کو نہ پہچان سکے۔ حمید صاحب وہ بڑی عظیم عورت ہے۔ اگر اپنے سینڈل کا سایہ بھی تمہارے سر پر ڈال دے تو تم فرشتہ ہو جاؤ۔ جانتے ہو اُس نے وہ کمرہ ہوٹل پام گروو میں کیوں لے رکھا ہے۔"

"پتہ نہیں آپ کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اوٹ پٹانگ نہیں پیارے۔ وہ سچ مچ ایک بڑی تجربہ کار نرس ہے۔ اپنے شوہر سے چھپ کر غریبوں کی مدد کرتی ہے۔ ارجن پورے کے مزدور تو اُسے پوجتے ہیں وہ خود ہی اس بات کا پتہ لگائے رکھتی ہے کہ کسی کے یہاں بچہ ہونے والا ہے اور وہ اپنی خدمات نہ صرف بلامعاوضہ پیش کرتی ہے بلکہ اُن کے لئے دوائیں بھی اپنے ہی خرچ پر فراہم کرتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "ضروری نہیں کہ ہر بدصورت عورت کسی خوبصورت مرد سے لفٹ مل جانے پر اُس کے قدموں ہی میں آرہے۔ زہرہ جمال صرف ہنس مکھ اور خوش اخلاق ہے۔ اگر کوئی مرد اس کی خوش اخلاقی کو لگاوٹ سمجھ لے تو اس میں اس کا کیا قصور.... اور تم صغیر بابر کو بوڑھا بھی نہ سمجھو۔ اس کے اندر شائد شیطان حلول کرگیا ہے۔ وہ اب بھی دس عورتیں رکھ سکتا ہے۔ مگر بڑھاپے نے اُسے شکی ضرور کردیا ہے اور وہ زہرہ کے ہر ملنے والے کو مشتبہ نظروں سے دیکھتا ہے۔ بہرحال تم زہرہ کی وضع قطع سے دھوکا کھا گئے تھے۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہ اگر اس کے طبقے کا کوئی آدمی اُسے اُس پھوہڑ قسم کے میک اپ میں دیکھ لیتا تو کیا وہ اُسے زہرہ ہی سمجھتا۔ میرا خیال ہے کہ اُسے گمان تک نہ ہوتا وہ صرف اتنا ہی سوچ کر رہ جاتا کہ وہ زہرہ سے بڑی مشابہت رکھتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں گیرج تک پیدل ہی آئے۔ فریدی نے کیڈی نکالی۔ "سخت بھوک لگی ہے۔" حمید اپنے پیٹ پر ہاتھ مار کر بولا۔

"اوہو! میں تو بھول ہی گیا تھا۔ چلو کہیں کھالیں۔" فریدی نے کہا اور کیڈی اسٹارٹ کردی۔

"لیکن زہرہ کے یہاں اُن کپڑوں اور خط کی موجودگی کا کیا مطلب تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"مطلب صاف ہے....!" فریدی بولا۔ "ذکی کو شائد معلوم ہوگیا تھا کہ تم زہرہ پر کسی قسم

کا شبہ کر رہے ہو۔ اس لئے خود اس نے ہمیں اس طرف الجھائے رکھنے کے لئے یہ حرکت زہرہ اور بابر کی نادانستگی میں کی تھی۔ خیر میاں ختم کرو۔ اب مجھے اخبارات میں سیاہ پوش کی طرف سے ایک خط شائع کرانا پڑے گا کہ اس نے رابعہ کا ہار تلاش کر کے اُس تک پہنچادیا ہے اور اب شہر سے ہمیشہ کے لئے باہر جارہا ہے۔"

"ہائے وہ انگوٹھا۔" حمید سینہ پیٹ کر بولا۔ "اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو اُس کے باپ کو چھوڑ دینے کے سلسلے میں انگوٹھا چوسنے کی شرط ضرور پیش کرتا۔"

"چپ بے۔" فریدی نے اُس کی پیٹھ پر دھول جھاڑ دی۔

ختم شد

ابنِ صفی

لد نمبر
11

جاسوسی دنیا

33- برف کے بھوت

34- پرہول سناٹا

35- چیختے دریچے

پیشرس

جاسوسی دنیا کا تینتیسواں کارنامہ اور چھٹا خاص نمبر ہے۔ اس کی کہانی ٹیکم گڈھ اور سیتل گھاٹی کے خوفناک ماحول کے گرد گھومتی ہے۔ برفانی پہاڑیوں اور گپھاؤں میں ایک ایسی طلسماتی فضا ملتی ہے جہاں پہنچ کر آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے.... پہاڑیوں پر ڈیڑھ فٹ لمبے پنجوں کے نشانات اور برف کے بھوت، واہمہ نہ تھے۔ انہیں لوگوں نے دیکھا تھا پُر اسرار طور پر نوجوان عورتوں اور مردوں کا غائب ہونا ایک بھیانک سازش کا نتیجہ تھا۔ مگر سازشی اور مجرم کون تھا؟

یہ ایک عجیب و پُر اسرار کہانی تھی۔

فریدی اپنے انوکھے انداز سے اس راز سے پردہ اٹھاتا ہے۔ پہلی بار اُس کا مقابلہ ایسی شخصیت سے ہوتا ہے، جو صرف مجرم نہیں ہے بلکہ انسانیت کا دشمن ہے۔ اُس کے بھیانک ارادے ساری دنیا کے لئے تباہ کن ہیں۔ فریدی اپنی زندگی کی بازی لگا کر اُس سے مقابلہ کرتا ہے۔

فریدی کے ساتھیوں میں غزالہ، شہناز، میجر نصرت کے علاوہ آپ کو عجیب و غریب شخصیتیں اور بھی ملیں گی۔ ان میں ایک فرزانہ ہے جسے بڑے بڑے الفاظ بولنے کا خبط ہے۔ دوسرا قاسم ہے، جو اب طاقتور ہے، موٹا ہے، بھدا ہے۔ بیوقوف ہے مگر انتہائی مخلص ہے، جسے عشق کی تلاش ہے۔ مگر عشق جس سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔

گرومی کا کردار عجیب و غریب ہے۔ وہ ذہن پر ایک عجیب تاثر چھوڑ جاتا ہے اور ڈاکٹر سڈلر! میرا دعویٰ ہے کہ آپ اُسے کبھی نہ بھول سکیں گے۔

ابن صفی کے جادو نگار قلم نے اس بار تحیر و استعجاب کی آتشبازیوں میں رن و طلسمات کے قہقہہ آفرین پھول کھلائے ہیں۔ ایک بار پھر انہوں نے ثابت کر دیا کہ ان کے قلم کی انگڑائیوں میں لافانی دلچسپیوں اور انوکھے پن کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ ایک شہنشاہ کی طرح وہ جب اور جس طرح چاہتے ہیں اپنے قلم کو دلچسپ سمتوں میں موڑ دیتے ہیں۔ برف کے بھوت اُن کے خوشہ چینیوں کے لئے ایک بار پھر

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں؟ کے لئے

کا پیغام لاتا ہے۔

پبلشر

پُراسرار نشانات

موسم بہار کا آخری پرندہ بھی دردناک آوازوں میں کراہتا ہوا اڑ گیا۔

ٹیکم گڈھ کی پہاڑیوں میں برف گرنے لگی تھی۔ پہاڑی نالوں کی سطحیں جم گئیں تھیں لیکن اُن کے نیچے اب بھی پانی بہہ رہا تھا اور جہاں برف کی تہہ زیادہ موٹی نہیں تھی وہاں سے لہریں تک صاف دکھائی دیتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سورج نکل آتا اور چند ہی گھنٹوں میں برف کی تہہ پگھل جاتی اور نالے پھر اپنی پہلی سی طوفان خیزیوں کے ساتھ بہنے لگتے۔

درختوں کی شاخیں پتیوں سے محروم تھیں۔ البتہ سدابہار درخت اب بھی اپنی سبز قبا سمیت پُر غرور انداز میں سر اٹھائے کھڑے تھے۔

سردیوں میں ساری رونق ختم ہو جاتی ہے۔ درختوں کے تنوں سے لپٹی ہوئی خود رو بیلیں اپنے زرد نیلے اور سرخ پھولوں سمیت سیاہ رنگ کی پتلی ڈوریوں کی شکل میں تبدیل ہو کر جھولتی رہ جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے گوشت چھوڑ کر ہڈیاں پھینک دی ہوں۔

اس موسم میں میدانوں کے وہ سیاح بھی نہیں دکھائی دیتے جو رومان کی تلاش میں یہاں آتے ہیں۔ وہ تخیل پرست نوجوان بھی نہیں نظر آتے جو موسم بہار میں یہاں کے لکڑی کے مکانوں میں بیٹھ کر اسٹرونگ قسم کی کافی اور تلخ تمباکو والے سگاروں کے ساتھ خود کو سوئٹزرلینڈ کے کسی گاؤں میں محسوس کرتے ہیں۔

سردیوں کے موسم میں اگر ٹیکم گڈھ کی پہاڑیوں میں رائفلوں کی آوازیں نہ گونجتی رہیں تو اُسے مردوں کی بستی بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ بڑے بالوں والی لومڑیوں اور بھیڑیوں کے شکاری ہی

یہاں تھوڑی سی زندگی پیدا کردیتے ہیں۔ وہ بھی یہاں کے مقامی باشندے نہیں ہوتے، میدانی علاقوں سے آتے ہیں۔ علاقائی حکومت معقول معاوضے پر انہیں شکار کی اجازت دے دیتی ہے اور انہیں کی بدولت شونگلو قوم کے افراد سردیوں میں بھی تھوڑی بہت کمائی کرتے رہتے ہیں۔ وہ شکار کئے ہوئے جانوروں کی کھالیں اتارتے ہیں اور اُن میں نمک لگا کر اس طرح پیک کرتے ہیں کہ وہ کافی عرصے تک ٹینری کی شکل دیکھے بغیر بھی خراب نہیں ہوتیں۔ ان کے علاوہ یہاں سردیوں میں دوسرے مزدوروں کو عموماً ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہی بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔

شکاریوں کی بدولت یہاں کے کئی ہوٹل سردیوں میں بھی آباد رہتے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ اہمیت "فزارو" کو حاصل ہے۔ مقامی باشندے اسے "رشک ارم" بھی کہتے ہیں۔ موسم بہار میں تو یہ سچ مچ رشک ارم ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ اتنی بلندی پر واقع ہے کہ یہاں سے دور دراز کے پہاڑی سلسلوں کی برفانی چوٹیاں صاف دکھائی دیتی ہیں اور اسی بناء پر زیادہ تر شکاری یہیں قیام کرتے ہیں۔ یہاں سے انہیں اپنے شکار پر نظر رکھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

"فزارو" لکڑی کی ایک خوبصورت اور سادہ سی عمارت ہے۔ مسافروں کے قیام کے لئے اس میں بیس کمرے ہیں۔ اس کی بیرونی دیواریں، جو بڑے بڑے گول شہتیروں کو جوڑ کر بنائی گئی ہیں بھورے رنگ کے وارنش سے رنگی ہوئی ہیں۔ اندر کی طرف لگے ہوئے سپاٹ تختوں پر سفید کا پینٹ ہے اور اندر سے یہ دیواریں پہلی نظر میں لکڑی کی نہیں معلوم ہوتیں۔

آج مطلع صبح سے ابر آلود تھا اور برف گرنے کے سارے امکانات موجود تھے۔ لیکن فزارو کی چمنیاں سنسان پڑی تھیں، حتیٰ کہ باورچی خانے کی چمنی سے بھی دھواں نہیں اٹھ رہا تھا۔

ٹیکم گڈھ کا ایک پولیس آفیسر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ صبح ہی سے وہاں موجود تھا اور فزارو کے منیجر کا چہرہ اس طرح سفید پڑ گیا تھا جیسے اُس پر بھی برف کے ذرات کی تہہ جم گئی ہو۔ یہ ایک بھاری بھرکم مگر معصوم صورت آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ آنکھیں بڑی اور عمر کی مناسبت سے غیر معمولی طور پر چمکیلی تھیں۔ چہرا بھرا ہوا تھا لیکن اُس پر کرختگی کی بجائے نرماہٹ تھی۔ ایسی نرماہٹ جسے عام طور پر نرم دلی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس وقت وہ بہت زیادہ مضطرب نظر آرہا تھا۔ کبھی وہ ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے پولیس والوں کی طرف دیکھتا اور کبھی برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں پر نظریں جما دیتا تھا۔

"لڑکی کا کیریکٹر کیسا تھا۔" دفعتاً پولیس آفیسر نے اُسے مخاطب کیا۔

"کیریکٹر.....!" منیجر آہستہ سے بولا۔ "میری دانست میں تو وہ بُری لڑکی نہیں تھی۔"

"آپ اپنی دانست کو رہنے ہی دیجئے۔" پولیس آفیسر نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "میں دوسروں کی رائے پوچھتا ہوں۔"

"تب بھی آپ زیادتی کررہے ہیں۔" منیجر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کیساتھ بولا۔ "دوسروں کی رائے دوسروں سے پوچھئے۔"

پولیس آفیسر اس تلخ جواب کو اپنے ایک ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر ٹال گیا۔

منیجر مضطربانہ انداز میں اپنی انگلیاں کاؤنٹر پر کھٹکھٹاتا رہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ڈائننگ ہال میں چھ متنفس داخل ہوئے جن میں چار عورتیں اور دو مرد تھے۔ مردوں میں ایک بوڑھا مگر وجیہہ اور کافی تندرست تھا۔ دوسرا ایک قبول صورت اور قوی الجثہ نوجوان تھا۔ عورتوں نے اپنی کھال والی سرمائی ٹوپیاں اس طرح جھکا رکھی تھیں کہ خدوخال کا صحیح اندازہ لگانا دشوار تھا۔ ان سبھوں نے لمبی لمبی پوستینیں پہن رکھی تھیں۔

"فرمائیے۔" منیجر اُن کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پولیس والے بھی انہیں گھور رہے تھے۔

"مجھے رشید الزماں کہتے ہیں۔" معمر آدمی نے کہا۔ "کیا آپ کو ہمارا تار نہیں ملا۔"

"اوہو....جی ہاں....تار ملا تھا....مگر مجھے افسوس ہے کہ میں کوئی خدمت نہ کرسکوں گا۔"

"کیوں؟" نوجوان اُسے گھور کر بولا۔

"ساری لڑکیاں چلی گئیں۔ یہاں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔" منیجر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"لڑکیاں! حادثہ۔" معمر آدمی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جی ہاں لڑکیاں....وہی تو سب کچھ تھیں۔ نہ میں کھانا پکا سکتا ہوں اور نہ سرو کرسکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" معمر آدمی نے سر ہلا کر کہا۔ لیکن وہ اب بھی جواب طلب نظروں سے منیجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اور پھر آپ کے ساتھ لیڈیز بھی ہیں۔" منیجر نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ واقعہ معلوم ہونے کے بعد وہ خود بھی یہاں ٹھہرنا پسند نہ کریں گے۔"

"تو بتایئے نا واقعہ۔" نوجوان جھنجھلا کر بولا۔ "آخر اب ہم کہاں جائیں گے۔ آپ کو ایک ماہ

پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا۔“

”جناب والا! آپ کا غصہ بجا ہے۔“ منیجر نے غم انگیز انداز میں کہا۔ ”لیکن حادثات اچانک ہی ہوتے ہیں۔“

پولیس والے بدستور خاموش بیٹھے رہے۔ البتہ اُن کا آفیسر اُس مختصر سی ٹولی کو بڑی عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”کچھ بتایئے گا بھی....“ نوجوان بولا۔

منیجر پولیس والوں کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد اُس نے کہا۔

”ہماری ایک لڑکی کو کوئی پچھلی رات اٹھالے گا۔ برف پر ڈیڑھ فٹ لمبے....!“

اس کا جملہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ پولیس آفیسر میز پر ایک زوردار گھونسہ مار کر کھڑا ہو گیا۔

وہ سب چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ نوجوان نے اُسے نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا۔

”فضول باتیں نہیں۔“ پولیس آفیسر نے منیجر کو مخاطب کیا۔ ”اپنے بزنس کی باتیں کیجئے۔“

”جناب والا! وہی کہنے جا رہا تھا۔“ منیجر کی خوش اخلاقی میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا۔ پھر اُس نے اجنبیوں کی طرف مڑ کر کہا۔ ”ساری لڑکیاں خائف ہو کر شہر چلی گئی ہیں اور میں فی الحال دوسرے ملازمین کا انتظام نہیں کر سکتا، بلکہ ہو ہی نہیں سکتا۔ نئے آدمی آپ کی تکلیف کا باعث ہوں گے۔“

”اس کی فکر نہ کیجئے۔“ نوجوان مسکرا کر بولا۔ ”ہم اپنی خدمت آپ کر لیں گے۔ ہمیں صرف جگہ چاہئے۔“

”اوہ! اب تو.... تب تو کمرے ایک ماہ قبل ہی سے مخصوص کر دیئے گئے تھے.... مگر لیڈیز۔“

”لیڈیز کے لئے بھی آپ فکر مند نہ ہوں۔“ نوجوان نے کہا۔ ”ہمارے چار ساتھی سامان کے ساتھ آرہے ہیں۔ ہم لیڈیز کی بھی حفاظت کر لیں گے۔“

”آخر بات کیا ہے؟“ معمر آدمی نے پوچھا۔

اس اثناء میں پولیس آفیسر میز سے اٹھ کر اُن کے قریب آگیا تھا۔ اُس نے ان سے پوچھا۔

”آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔“

”مسافر ہیں کچھ دن شکار کھیلیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔“ نوجوان نے کہا اور پھر منیجر

کی طرف مڑ کر بولا۔ ”تو پھر ہمیں ہمارے کمرے دکھا دیجئے۔“

”مسافر....!“ پولیس آفیسر نے جھنجھلا کر کہا۔ ”میں آپ سے آپ کا نام اور پتہ پوچھ رہا ہوں۔“

”ابھی ہم سب ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام اور پتہ تحریر کریں گے۔“ اس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

عورتیں بے اختیار مسکرا پڑیں۔ منیجر اٹھ کر انہیں کمرے دکھانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پولیس آفیسر اُسے گھور کر بولا۔ ”ابھی ان کمروں کی طرف کوئی نہیں جا سکتا۔“

منیجر بے بسی سے مسافروں کی طرف دیکھنے لگا۔

”ظاہر ہے کہ ہم اس کمرے میں نہ جائیں گے۔“ نوجوان نے آفیسر سے کہا۔

”کس کمرے میں۔“ آفیسر کی آنکھوں سے شبہ جھانکنے لگا۔

”جہاں واردات ہوئی ہے۔“

”آپ کو کیا علم کہ واردات کسی کمرے میں ہوئی ہے۔“ آفیسر نے تیز لہجے میں پوچھا۔

”بالکل سامنے کی بات ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”ظاہر ہے کہ اُسے سوتے وقت ہی کوئی اٹھالے گیا ہو گا اور اس موسم میں وہ کسی کمرے ہی میں سوئی ہو گی۔“

آفیسر اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر منیجر سے بولا۔ ”کمرے کے دروازے کے سامنے والے فرش پر میں کسی قسم کے نئے نشانات دیکھنا پسند نہ کروں گا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مطلب یہ کہ میں فوٹوگرافروں کا انتظار کر رہا ہوں۔“ آفیسر نے کہا۔ ”اُن کے آنے سے قبل کسی کو اُس طرف سے نہ گذرنا چاہئے۔“

”بہت بہتر۔“ منیجر بولا۔ ”لیکن آپ لوگوں کے کمرے ادھر نہیں ہیں۔“

پولیس آفیسر کچھ کہے بغیر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔

منیجر نے سر کے اشارے سے آنے والے کو اندر چلنے کو کہا۔

ڈائننگ ہال سے نکلتے ہی معمر آدمی نے منیجر سے پوچھا۔ ”آخر بات کیا ہے؟“

”کیا بتاؤں جناب.... انہونی! پچھلی رات بھی کسی وقت برف باری ہوئی تھی اور اس کے

بعد ہی یہ واقعہ پیش آیا۔ یہاں کی لڑکیوں میں سے ایک جو اپنے کمرے میں سوئی تھی پُر اسرار طور پر غائب ہوگئی۔ باہر کھڑکی کے نیچے برف میں ڈیڑھ فٹ لمبے انسانی پیروں کے نشانات ملے ہیں۔"

"کیا....؟" نوجوان چلتے چلتے رک گیا۔ اُس کے ساتھ سب ٹھہر گئے۔ عورتوں نے اپنی بالدار ٹوپیاں اوپر کرلیں۔ اُن کے چہروں پر استعجاب اور خوف کے ملے جلے آثار تھے۔

"جی ہاں۔" منیجر سر ہلا کر بولا۔ "ڈیڑھ فٹ لمبے نشانات جواب بھی قائم ہیں اور کمرے کے اندر بھیگے ہوئے پیروں کے دھبے جو خشک ہوجانے کے بعد بھی موجود ہیں۔"

"اُس کے غائب ہوجانے کے متعلق صبح معلوم ہوا؟" نوجوان نے پوچھا۔

"جی ہاں.... اور پھر بقیہ لڑکیاں کسی طرح نہ رک سکیں۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں آپ کی خدمت سے محروم ہوگیا۔ فزارو اپنی سروس کے لئے پورے شہر میں مشہور ہے۔"

"تو اب یہ پولیس والے کیا کررہے ہیں؟" نوجوان نے کہا۔

"کریں گے کیا؟ مجھے پریشان کررہے ہیں۔ یہ لوگ میرے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے کیونکہ میں اپنی لڑکیوں پر کڑی نظریں رکھتا ہوں۔ انہیں غلط راستوں پر نہیں جانے دیتا۔"

وہ گفتگو کرتے ہوئے اُن کمروں کے سامنے آگئے۔

"آپ کے پاس کمرے تو کل بیس عدد ہیں۔" نوجوان بولا۔ "ایک ایک کمرہ اُن لڑکیوں کے قبضے میں ہوگا۔ ویسے ہی بر سبیل تذکرہ.... کتنی لڑکیاں یہاں تھیں۔"

"آٹھ.... لیکن اُن کے لئے صرف دو کمرے ہیں۔"

"تو وہ لڑکی اس کمرے میں تنہا نہیں تھی۔"

"تنہا تھی! وہ دراصل ہیڈ ویٹریس تھی۔ اس لئے الگ سوتی تھی۔ اُس کا چھوٹا کمرہ الگ ہے اُسی سے ملا ہوا دوسرا بڑا کمرہ ہے جس میں بقیہ سات سوتی تھیں۔"

"انہوں نے بھی پچھلی رات کو کوئی آواز نہیں سنی تھی۔" نوجوان نے پوچھا۔

"جی نہیں.... یہ دیکھئے یہی آپ کے کمرے ہیں۔ میں نے اس کا خاص خیال رکھا تھا کہ سب ایک ساتھ ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ میں اُن حضرات کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔"

"اوہ شکریہ.... آپ جاسکتے ہیں۔" نوجوان نے کہا۔

منیجر کے قدموں کی آوازیں دور ہوتی گئیں۔

"کیوں فریدی میاں۔" معمر آدمی نے مسکرا کر کہا۔ "اب بھلا تمہارا دل شکار میں کیوں لگنے لگا۔"

عورتیں ہنس پڑیں۔ لیکن ان کی آوازوں میں خوف تھا۔

"نہیں ضروری نہیں کہ یہ کیس مجھے اپنی طرف متوجہ ہی کرلے۔" فریدی بولا۔

کچھ دیر بعد وہ سب ایک ہی کمرے میں بیٹھے راستے کی تھکن اتار رہے تھے۔

کمرے کے آتشدان میں کچھ کچھ آگ باقی تھی اور انہیں کوئلوں کی ضرورت شدت سے محسوس ہورہی تھی۔

"میں کوئلوں کے لئے کہتا آؤں۔" نوجوان اٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ راہداری میں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

آنے والا وہی پولیس آفیسر تھا جس سے کچھ دیر قبل ان کی گفتگو ہوئی تھی۔

"کیا آپ حضرات اپنے نام اور پتے نوٹ کرادیں گے۔" اُس نے اپنی نوٹ بک کے اوراق الٹتے ہوئے کہا۔

نوجوان کے ماتھے پر بل پڑگئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر کہا۔

"ضرور ضرور مجھے احمد کمال کہتے ہیں اور آپ نواب رشید الزماں صاحب ہیں۔"

اس کے بعد اس نے پتے بھی لکھا دیئے۔

"آپ کے کچھ اور بھی ساتھی ہیں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں.... چار.... وہ بھی آہی رہے ہوں گے۔ ان میں سے ایک صاحب ساجد حمید ہیں دوسرے قاسم رضا۔ تیسرے کرنل شمشاد اور چوتھے.... زاہد کریم۔"

"آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔" پولیس آفیسر نے نام اور پتے لکھ لینے کے بعد کہا "یہاں قیام کرنے والے تمام مسافروں کے نام اور پتے ہمیں نوٹ کرنے پڑیں گے اور پھر آپ کے ساتھ تو خواتین بھی ہیں.... لیکن انہیں یہاں اس موسم میں تکلیف ضرور ہوگی۔"

وہ چند لمحوں کے لئے رکا پھر اس کی طنز میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ "مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہمارے ملک کی خواتین بھی سردیوں کے شکار میں دلچسپی لینے لگی ہیں اور یہ حقیقتاً ایک حیرت انگیز بات ہے۔"

قبل اس کے کہ نواب رشید الزماں جھلا کر کچھ کہتے وہ کمرے سے جاچکا تھا۔

"عجیب بدتمیز آدمی ہے۔" نواب صاحب کی لڑکی غزالہ بولی۔

"ڈر گئے ہیں۔" فریدی مسکرا پڑا۔

"یہ آپ نے اپنا پتہ اور پیشہ غلط کیوں لکھایا ہے۔" غزالہ نے اس سے کہا۔

"مصلحتاً.... یہاں لوگوں سے ملنے ملانے میں شکار کا مزا کرکرا نہیں کرانا چاہتا۔" فریدی بولا۔

اس نے یہ بات حقیقتاً بالکل ٹھیک کہی تھی۔ شکار کا مزہ واقعی کرکرا ہو جاتا، یہاں اس کے بہتیرے جان پہچان والے تھے اور ان کے علاوہ نئے بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت تو اُسے کسی طرح ہوٹل میں ٹھہرنے ہی نہ دیتا۔

"ہمیں حراساں کرنے کی سعی لاحاصل۔" ایک عورت بڑبڑائی اور فریدی بُرا سا منہ کر دروازے کے باہر دیکھنے لگا۔ یہ عورت راستہ بھر اس کے لئے باعث کوفت بنی رہی تھی اسے گفتگو کے دوران میں بڑے بڑے الفاظ بولنے کا خبط تھا۔ یہ نواب صاحب کے دوست کرنل شمشاد کی لڑکی فرزانہ تھی۔

شکار کا پروگرام فریدی ہی نے بنایا تھا لیکن اُسے گمان بھی نہ تھا کہ کچھ عورتیں بھی گلے لگ جائیں گی۔ سرجنٹ حمید کے لئے تو دلچسپی کا بہترین سامان ہو گیا تھا لیکن فریدی مستقل طور پر اکتاہٹ کا شکار تھا۔

"مجھے ڈائننگ ہال میں ٹھہرنا چاہئے۔" فریدی نے نواب رشید الزماں سے کہا "ورنہ کہیں حمید صاحب اُس آفیسر سے لڑ نہ پڑیں۔"

حمید کی پرانی دوست شہناز نے ناک سکوڑ کر غزالہ کی طرف دیکھا اور غزالہ مسکرا پڑی۔

"حمید صاحب غیر شعوری طور پر بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

فریدی کے لئے کمرے میں ٹھہرنا دشوار ہو گیا۔

فریدی کو فرزانہ سے سچ مچ ضد سی ہو گئی تھی کیونکہ عورتوں کو شکار کے لئے اسی نے اکسایا تھا۔ اُسی نے سب سے پہلے نواب رشید الزماں کی لڑکی غزالہ کو اس پر آمادہ کیا پھر زاہد کریم کی بیوی صوفیہ بھی تیار ہو گئی۔ یہ ایک نو گرفتار جوڑا تھا.... یعنی ان کی شادی حال ہی میں ہوئی تھی۔ زاہد کریم نواب رشید الزماں کے رشتہ داروں میں سے تھا۔

فریدی کمرے سے اٹھ کر ڈائننگ ہال میں چلا آیا۔ یہاں اب بھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔

کچھ اور آفیسر بھی آ گئے تھے۔ ان میں محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت بھی تھا۔ فریدی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ وہ شاید اس طرح بے دھڑک ڈائننگ ہال میں داخل نہ ہوتا۔

"ہیلو....!" میجر نصرت متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف مڑا۔ "ارے آپ۔"

مصافحہ کرتے وقت فریدی اُسے ایک خالی گوشے کی طرف کھینچ لے گیا۔

"تو کیا ان نئے آنے والوں میں سے آپ بھی ہیں۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"آپ نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔" بوڑھے میجر نصرت نے مسکرا کر بزرگانہ انداز میں کہا۔ "میری موجودگی میں ہوٹل کا قیام.... زیادتی ہے آپ کی۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ کو شکایت ہو گی لیکن میرے ساتھ اور بھی ہیں۔"

"ان کا بھی انتظام ہو سکتا تھا۔"

"دراصل ہم شکار کی غرض سے آئے ہیں اور یہ ہوٹل اس کے لئے بہت مناسب ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میجر نصرت ہنس کر بولا۔ "نہ یہاں آپ کے قدم آتے اور نہ یہاں ایک دلچسپ واردات ہوتی۔"

"اوہ.... تو کیا آپ کی نظروں میں ان نشانات کی کوئی اہمیت نہیں۔" فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آپ نے وہ نشانات دیکھے۔"

"نہیں! ابھی تو نہیں۔"

"آیئے میرے ساتھ۔ یہ ٹیکم گڈھ ہے یہاں آئے دن اس طرح کے شعبدے نظر آتے ہیں۔" میجر نصرت نے کہا۔

وہ دونوں باہر جانے لگے۔ وہ آفیسر جس نے فریدی وغیرہ کے نام اور پتے لکھے تھے انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"شعبدے! میں نہیں سمجھا۔" فریدی بولا۔

"اوہو....!" میجر نصرت نے کہا۔ "تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات کسی ذی روح کے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا.... وہ دونوں اُس کھڑکی کے نیچے آئے جہاں وہ عجیب و غریب نشانات اب بھی موجود تھی۔ اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر دو کانسٹیبل اُن کی حفاظت کر رہے تھے۔

فریدی نے اُن نشانات پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور زمین سے بارہ فٹ اونچی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں کچھ اخبارات کے رپورٹر آگئے۔ انہوں نے برف پر پڑے ہوئے نشانات کے فوٹو لینے چاہے لیکن کانسٹیبلوں نے روک دیا۔

"میں بھی آپ کو یہی مشورہ دوں گا۔" میجر نصرت فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "خواتین کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"کیا اس سے پہلے بھی کبھی یہاں اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"واقعہ! تو کوئی نہیں ہوا۔" میجر نصرت نے کہا۔ "لیکن پچھلے پندرہ دنوں سے اس قسم کے نشانات مختلف جگہوں پر دیکھے جا رہے ہیں۔"

"پندرہ دن سے۔" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی نظریں بڑی بے چینی سے گردوپیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

ٹھیک کھڑکی کے نیچے دو نشانات تھے۔ ان کے علاوہ اور کہیں اس قسم کا کوئی نشان موجود نہیں تھا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "گویا وہ دیو آسمان سے ٹپکا تھا۔"

"فریدی صاحب! میرا خیال ہے کہ جس وقت برف گر رہی تھی اُس وقت یہ واردات ہوئی اور بقیہ نشانات پُر ہوگئے اور وہ دونوں نشانات برف باری ختم ہو جانے کے بعد بنائے گئے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے.... مگر کیا! ان نشانات کے علاوہ صبح یہاں کچھ دوسرے ایسے نشانات بھی دیکھے گئے تھے، جو ان کی طرح غیر معمولی نہ رہے ہوں۔"

"جی نہیں.... برف کی سطح بے داغ تھی۔ کم از کم دو سو گز کے رقبے میں کوئی دوسرا نشان نہیں تھا۔"

"تب تو پھر میرے خیال سے یہ بات بھی درست نہیں کہ برف باری کے بعد یہ نشان بنائے گئے۔ ظاہر ہے کہ آنے والا اپنے ہی پیروں سے چل کر یہاں تک آیا ہوگا۔"

میجر نصرت کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظریں کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے سکوت

طاری ہوگیا۔ کھڑکی سے البتہ کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ اندر شائد محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر نشانات کے فوٹو لے رہے تھے۔

"اچھا اندر والے نشانات....!" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آیئے وہ بھی دکھاؤں۔" میجر نصرت نے کہا۔

"نہیں پھر دیکھ لوں گا۔" فریدی نے کہا۔ اُس کی نظریں اپنے بقیہ ساتھیوں پر جمی ہوئی تھیں۔

سرجنٹ حمید اور دوسرے لوگ بار بردار قلیوں کے ہمراہ ہوٹل کی طرف آ رہے تھے۔ سرجنٹ حمید نے اپنے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس لٹکا رکھا تھا۔ وہ سب لمبی لمبی پوستینیں اور بالدار ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔

کرنل شمشاد ادھیڑ عمر اور گٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔ اس کی فرنچ کٹ ڈاڑھی بھورے رنگ کی تھی جس میں کہیں کہیں سفید بال بھی نظر آ رہے تھے۔ لیکن چہرے کی جلد پر بڑھاپے کے آثار نہیں تھے۔ آنکھیں سخت گیر آدمیوں کی سی تھیں۔ خدوخال تیکھے تھے لیکن وہ اُسی وقت تک غصہ ور معلوم ہوتا تھا جب تک خاموش رہتا تھا اور جب گفتگو کرتا تو کم از کم کسی نئے آدمی کو تو اپنے قیاس پر سخت شرمندگی ہوتی تھی۔ شرمندگی کی بات بھی تھی کیونکہ کرنل کا لہجہ ہمیشہ محبت آمیز ہوا کرتا تھا۔ آواز میں بلا کی نرمی تھی۔ بہر حال سو فیصدی لوگ اس کی شکل سے اس کے کردار کا غلط ہی اندازہ لگاتے تھے۔

زاہد کریم چھریرے بدن کا نوجوان تھا۔ اس میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جو اسے عام آدمیوں سے مختلف ظاہر کرتی۔

البتہ تیسرا آدمی قاسم رضا ایسا تھا جو اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے پوری پارٹی میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔ بس وہ ایسا ہی تھا کہ اس کے ملنے والے ابھی تک یہی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ اُسے ایک مینار نما گنبد سمجھیں یا گنبد نما مینار۔ سرجنٹ حمید نے اس کے متعلق صرف ایک جملہ اپنی ڈائری میں نوٹ کیا تھا۔ وہ یہ کہ قاسم شاید عوج بن عنق کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

بہر حال قاسم کی انتہائی درجہ لمبائی اور چوڑائی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ بقول حمید چونکہ اس کی کھوپڑی سطح سمندر سے بہت اونچی تھی اس لئے وہاں سال بھر برف جمی رہتی تھی۔

فریدی اپنے ان چاروں ساتھیوں کو نشیب سے چڑھائی کی طرف آتے دیکھتا رہا۔ میجر نصرت کو کوئی خاص بات یاد آگئی تھی۔ اس لئے وہ اپنے ماتحتوں کو روشنی بخشنے کے لئے اندر چلا گیا تھا۔

فریدی کے ساتھی سڑک چھوڑ کر اُسی ٹیکرے پر چڑھ آئے جس سے ہوٹل کو راستہ جاتا تھا۔

حمید سب سے آگے تھا اور اس طرح جھوم جھوم کر چل رہا تھا جیسے بہت زیادہ تھک گیا ہو۔

فریدی کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔ ہوٹل کے سامنے اب بھی بھیڑ تھی اور پولیس والوں کی خاکی ٹوپیاں دور سے بھی پہچانی جاسکتی تھیں۔

دفعتاً سرجنٹ حمید چلتے چلتے رک گیا۔ اُس کے ساتھ والے اُس سے دو چار قدم آگے بڑھ گئے۔ لیکن پھر انہیں بھی رک کر حمید کی طرف پلٹنا پڑا۔ فریدی اُن کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"کیا یہ سب ہمارے استقبال کیلئے تشریف لائے ہیں۔" حمید نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایک دلچسپ کیس۔"

"کیس.....!" حمید کے ہاتھ سے سوٹ کیس چھوٹ پڑا۔ "تو یہ نامراد ہم سے پہلے ہی پہنچ گیا۔"

"یہ کیا بیہودگی۔" فریدی نے جھک کر سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

لیکن حمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اُس کی پھٹی پھٹی سی ویران آنکھیں خلاء میں کسی نامعلوم نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ یکایک وہ بھد سے برف پر بیٹھ گیا۔

"حمید.....!" فریدی نے جھنجھلا کر اُسے مخاطب کیا۔

لیکن حمید دوسرے لمحے میں چت ہو چکا تھا۔ کرنل شمشاد وغیرہ بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑے.... بار بردار قلیوں نے بھی شاید سامان رکھنا ہی چاہا تھا کہ فریدی نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس وقت اُسے سچ مچ حمید کی اس حرکت پر غصہ آگیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سور نہ موقع دیکھتا ہے اور نہ محل بس اپنی حرکتوں سے سروکار۔

قلی سامان اٹھائے ہوئے اس کے ساتھ کمروں تک آئے اور وہ سامان رکھوا ہی رہا تھا کہ قاسم حمید کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ حمید شاید اب تک بیہوش تھا۔ قاسم کے چہرے پر ایک غم آلود سی سنجیدگی طاری تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے ہاتھوں پر کوئی لاش اٹھائے ہوئے ہو۔

نواب رشید الزماں وغیرہ بوکھلا کر آگے بڑھے لیکن فریدی نے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔

پھر قاسم اُسے مسہری پر لٹانے ہی جا رہا تھا کہ حمید اس کے ہاتھوں سے پھسل گیا۔

"شکریہ۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ کر بڑے بے تعلقانہ انداز میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

قاسم نے احمقوں کی طرح منہ بنا کر ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور پھر اس طرح سنجیدہ ہو گیا جیسے اُن کے کان یا ناک سے چوہا نکل پڑا ہو۔

تین شکاری

سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے لیکن بات کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کرنل شمشاد اور زاہد کریم شاید نیچے رہ گئے تھے۔

"حمید صاحب! کوئی نیا شگوفہ۔" فرزانہ کی ٹھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

حمید نے فوراً ہی اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی کتاب نکالی اور اس کے ورق الٹتا رہا پھر اُسے دوبارہ جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "برف میں ننھے ننھے پودے سڑ جاتے ہیں لہٰذا آج کل نہ شگوفے ہوتے ہیں اور نہ پھول۔"

قاسم نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔

اتنے میں میجر نصرت کمرے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ حمید کی کرسی دروازے کے سامنے ہی تھی۔

"اوہو.... آپ.... کیا بات تھی۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"ارے میجر صاحب۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "آیئے.... آیئے۔"

"آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔" میجر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ پھر اجنبیوں کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

فریدی مسکراتا ہوا اُس کی طرف مڑا۔

"آیئے میں آپ کا تعارف اپنے ایک بزرگ سے کراؤں۔" اُس نے نواب رشید الزماں کی

طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور۔"

تھوڑی دیر بعد پھر اُس کیس کی گفتگو چھڑ گئی اور جب حمید کو واردات کے متعلق معلوم ہوا تو اس نے اُلوؤں کی طرح اپنے دیدے پھرانے شروع کر دیئے۔ پھر اُس نے قاسم کو اشارہ کیا اور وہ دونوں اٹھ کر کمرے کے باہر چلے آئے۔

"سنا! تم نے۔" حمید نے قاسم سے کہا۔ "ڈیڑھ فٹ لمبے نشانات... تمہارے پیر کا سائز کیا ہوگا۔"

"حمید بھائی.... میں اس وقت مغموم ہوں۔" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔ "اتنے لمبے چوڑے ہو کر بھی مغموم ہو۔"

"حمید بھائی میری زندگی میں ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ لیکن تم اتنی بلندی پر واقع ہوئے ہو کہ میں تمہیں دلاسہ دینے سے معذور ہوں۔"

یہ حقیقت تھی حمید اُس کے شانوں سے بھی نیچا تھا۔

"حمید بھائی! میں سچ مچ مغموم ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ زاہد کریم کی بیوی اُس کے ساتھ آئی ہے۔"

"ہاں.... آں لیکن تمہیں کیوں پریشانی ہے۔"

"بہت بڑی ٹریجڈی۔" قاسم بسور کر بولا۔

"مت بور کر دیار مرے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "چلو ہم بھی ان نشانات کی زیارت کر آئیں۔"

دونوں ڈائننگ ہال سے گزر کر باہر جانے لگے۔

"حمید بھائی۔ یہاں سے میری واپسی محال ہے۔ میں یہیں مر جاؤں گا۔ برف میں دفن ہو جاؤں گا اور جب برف پگھلے گی تو حمید بھائی.... میری لاش...." قاسم کی آواز پھر آ گئی۔

حمید نے سر اٹھا کر دیکھا۔ قاسم رومال سے اپنی آنکھیں خشک کر رہا تھا۔

"حمید بھائی! مجھے اُلو مت سمجھئے۔ میری زندگی بڑی دکھ بھری ہے۔" قاسم نے کہا۔

"عشق ہو گیا ہے کسی سے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی تو نہیں ہوا۔" قاسم نے حماقت آمیز سنجیدگی سے کہا۔

حمید نے ایک بار پھر اُسے گھور کر دیکھا۔

پولیس والے شائد اپنا کام ختم کر چکے تھے کیونکہ اُن نشانات کے گرداب کافی بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ جیسے ہی قاسم اور حمید وہاں پہنچے لوگوں کی دلچسپی اُن نشانات سے ختم ہو گئی۔ وہ سب قاسم کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھنے لگے تھے اور اُن میں سے بہتیروں کی نظریں اُسکے پیروں پر بھی تھیں۔

"ارے سچ مچ حمید بھائی۔" قاسم بڑبڑایا۔ "اتنے بڑے پیر!.... اُف فوہ۔"

ان نشانات کے متعلق یہ قاسم کا پہلا اور آخری جملہ تھا۔ اس کے بعد اُس نے پھر اپنے غموں کا تذکرہ شروع کر دیا۔ حمید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ نشانات کو دیکھتے ہی اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فریدی کے دل پر اس وقت کیا گزر رہی ہو گی۔ حمید کو اب شکار کی تفریح کی سلامتی خطرے میں نظر آ رہی تھی اور وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں عورتوں کو کسی دوسری جگہ منتقل نہ کر دیا جائے۔

"حمید بھائی.... میں مر جاؤں گا۔" قاسم نے پھر ہانک لگائی۔

"یہاں نہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ اُسے ڈائننگ ہال میں لایا۔

"بیٹھو.... اگر تم نے مجھے اپنی دکھ بھری داستان نہ سنائی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

اس جملے پر قاسم نے ایسا منہ بنایا جیسے بُرا مان گیا ہو۔

"میں واقعی بڑا بدنصیب ہوں۔" اُس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"شروع ہو جاؤ.... اب کسی تمہید کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور ہاں سنو منظر نگاری کی ضرورت نہیں۔"

"منظر نگاری۔" قاسم نے حیرت سے کہا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ جب دو دل آپس میں ملتے ہیں تو قریب ہی کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹی سی ندی ضرور ہوتی ہے یا تو سورج غروب ہوتا رہتا ہے یا غروب ہی نہیں ہوتا یعنی رات ہوتی ہے اور ستارے مسکرا اٹھتے ہیں۔ کہکشاں رمبا یا فوکس ٹروٹ شروع کر دیتی ہے۔"

"واہ.... حمید بھائی۔" قاسم ہنسنے لگا۔

حمید اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا اور وہ خود کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ تھوڑی دیر

تک خاموشی رہی پھر قاسم بولا۔ "اچھا حمید بھائی.... بھلا میری کیا عمر ہوگی۔"

"ساڑھے دس سال۔"

"نہیں آپ کو میری جان کی قسم۔"

"او بابا! میں کیا بتاؤں ڈیل ڈول سے چار ہزار برس قبل کے معلوم ہوتے ہو۔"

"حمید بھائی میں صرف اٹھائیس سال کا ہوں۔"

"چلو مان لیا.... پھر!"

"اچھا میری بیوی کی کیا عمر ہوگی۔"

"کیا! ارے تمہاری بیوی کی عمر۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... ہاں بیوی کی۔"

"تم واقعی چغد ہو گیا۔ میں کیا جانوں۔"

"پھر بھی اندازاً۔" قاسم نے اتنی سنجیدگی سے کہا جیسے حمید اس کی بیوی کو بھی دیکھ چکا ہو۔

"کیا میں نے تمہاری بیوی کو دیکھا ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"اوہ.... حمید بھائی.... وہ صرف چودہ برس کی ہے۔ میرے باپ نے زبردستی مجھے قتل کر دیا۔"

"فکر مت کرو۔ میں قاتل کا سراغ لگاؤں گا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"حمید بھائی جب میں کسی عورت اور مرد کو ہنس ہنس کر باتیں کرتا دیکھتا ہوں تو دل چاہتا ہے کہ دھاڑیں مار مار کر روؤں۔"

"کیوں....!" حمید نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"حمید بھائی میری زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی۔"

"پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لو کہ تم یہی جملہ کتنی بار دہراؤ گے۔"

"میرا دنیا میں کوئی ہمدرد نہیں۔" قاسم سچ مچ بسورنے لگا۔

"مت بور کرو۔"

"میں خودکشی کر لوں گا۔"

"گھر پہنچ کر۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "ورنہ تمہاری نومن کی لاش ہم سے تو نہ

اٹھے گی۔"

"ہائے اپنا کوئی نہیں۔" قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

حمید اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔ قاسم اُس کی دلچسپیوں کا بہترین سامان تھا لیکن بعض اوقات وہ بڑی شدت سے بور کرنے لگتا تھا۔ دونوں کی دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی مگر قاسم تھوڑے ہی عرصے میں حمید کا گرویدہ ہو گیا تھا۔

"حمید بھائی میں رونا چاہتا ہوں۔" قاسم تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیوں بابا! کیوں بکو بھی۔" حمید نے دانت پیس کر کہا۔

"حمید بھائی! میں نہیں جانتا کہ میاں بیوی کی محبت کس چڑیا کا نام ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی اسی ہوٹل میں قیام پر مصر رہا تو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ظاہر تھا کہ لڑکیوں کی موجودگی کے بغیر سروس ناممکن تھی اور پھر اگر کسی ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد ذاتی کام بھی خود ہی انجام دینے پڑے تو گھر کی یادوں سے کس طرح نکل سکے گی۔ تفریح دراصل ماحول سے فرار کا نام ہے اگر تفریح کے دوران میں پچھلے ماحول کی یاد دل میں کچوکے لگاتی رہے تو پھر وہ تفریح ہی کہاں رہ گئی۔

حمید پائپ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"حمید بھائی۔" قاسم نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

"تمہیں گانا آتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کیوں.... ہاہاہا۔" وہ احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔ قاسم کی ہنسی کا انداز عجیب تھا۔ بس وہ ہنستا تھا بات بات پر ہنس دیتا تھا۔ مگر اس کا چہرہ ہر قسم کے اثرات سے عاری ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس ہنسی کا اُس کے دل سے ذرہ برابر بھی تعلق نہ ہو۔

"اٹھو یہاں سے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم اٹھ ہی رہا تھا کہ فریدی اور میجر نصرت بھی وہیں آ گئے۔ دونوں میں اُسی کیس کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ بھی اُسی میز پر آ گئے اور حمید نے نہ جانے کیوں کھسک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"مگر وہ کھڑکی۔" فریدی کہہ رہا تھا۔ "ظاہر ہے کہ وہ اُسے اندر سے بند کر کے سوئی ہوگی۔"

"بھئی وہ بھوت تھا نا۔" میجر نصرت مسکرا کر بولا۔ "پولیس نے اسے باور کرلیا ہے وہ غیر معمولی نشانات عرصہ سے یہاں شہرت پا رہے ہیں۔"

فریدی سگار سلگانے لگا۔

"لیکن غنیمت یہی ہے کہ وہ بھوت ابھی تک کسی کو نظر نہیں آیا ورنہ ٹیکم گڈھ بڑی دلچسپ جگہ ہے۔" میجر نصرت پھر بولا۔

"پولیس والوں کا برتاؤ یہاں کے منیجر کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یہاں اُس کے متعلق کوئی بھی اچھی رائے نہیں رکھتا۔" میجر نصرت بولا۔

"کیوں؟"

"بھئی بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے یہاں ہر معاملے میں مشرقیت برقرار ہے لہٰذا کسی ایسی جگہ منیجر قسم کے آدمی کے لئے لوگ بُرے ہی خیالات رکھیں گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"فزارو کے علاوہ اور کسی ہوٹل میں لڑکیاں نہیں ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن وہ بُرا آدمی تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"ہاں.... آں.... اس کے چہرے پر بڑھاپے میں بھی بڑا بھولا پن موجود ہے لیکن میں اپنے پچپن سالہ تجربات کی بناء پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ بعض حالات میں چہرہ دل کی غمازی نہیں کرتا۔"

تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ قاسم اس طرح پہلو بدل رہا تھا جیسے وہ زبردستی وہاں بٹھایا گیا ہو اور اخلاقاً خود پر جبر کر رہا ہو۔

"بہرحال۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "آپ اس واقعے کو کوئی غیر معمولی حادثہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"قطعی۔" میجر نصرت نے کہا۔ "میں بھوتوں اور شیطانوں پر یقین نہیں رکھتا۔"

"یہ اچھی بات ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

قاسم نے بھاڑ سا منہ پھاڑ کر انگڑائی لی اور اس طرح ہونٹ سکوڑ کر کھڑکی سے نظر آنے والی

پہاڑیوں کو دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو خیر اگلی انگڑائی پر تمہارا صفایا ہو جائے گا۔

"آپ نے عورتوں کے لئے کیا سوچا۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... وہ ساتھ ہی قیام کرنے پر مصر ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں تو اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ ویسے آپ لوگوں کو اختیار ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ انہیں سے کوئی عورت ایسی نہیں ہے جس پر میں کسی قسم کا دباؤ ڈال سکوں۔"

"خوب یاد آیا۔" میجر نصرت نے مسکرا کر کہا۔ "آخر اب آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"شادی۔" سرجنٹ حمید نے دفعتاً چونک کر کہا۔ پھر میجر نصرت کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اُس نے فریدی کو گلے میں ایک عدد ٹائم پیس لٹکائے رکھنے کا مشورہ دیا ہو۔

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے میجر نصرت سے کہا۔

"بھئی میجر صاحب! شادی دراصل والدین کے شوق کی چیز ہے اور میں اتفاقاً والدین سے محروم ہو چکا ہوں۔"

"ہو.... اُو۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میں آپ کے لئے والدین کا پورا سیٹ مہیا کر سکتا ہوں۔"

"جی....!" میجر نصرت نے حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"جی ہاں! فریدی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں اگر والدین نہ ہوئے تو بیوی خود ہی والدین بن بیٹھتی ہے۔"

میجر نصرت ہنس پڑا۔ قاسم خاموش بیٹھا رہا اور جب بات اس کی سمجھ میں بھی آگئی تو اُس نے ایک اتنا زوردار قہقہہ لگایا کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔

میجر نصرت حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ شائد قاسم نے بھی موقع کی مضحکہ خیز صورت حال کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس لئے اُس نے اچانک اپنا قہقہہ روک دیا اور بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی تیز رفتار موٹر کے چاروں پہیوں میں پورے بریک لگ گئے ہوں۔

"غالباً یہاں کی انکوائری ختم ہوگئی۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں.. ارے.... مجھ سے سنئے۔ یہ اُسی منیجر کی حرکت ہے۔" میجر نصرت آہستہ سے بولا۔

"منیجر کی۔"

"جناب! شائد وہ راہ پر نہیں آئی تھی۔"

"ہوں۔" فریدی نے دوسرا سگار سلگا لیا۔

حمید نے قاسم کو آنکھ ماری اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بڑی تھکن ہے۔" حمید بھی انگڑائی لیتا ہوا اٹھ گیا۔

پھر وہ دونوں اپنے کمروں کی طرف جا رہے تھے۔ راہداری میں انہیں تین آدمی ملے جو انہیں کی طرح پوستینیں اور بالدار ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے کاندھوں پر رائفلیں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہ تینوں انہیں دیکھ کر حقارت آمیز انداز میں مسکرائے۔

"کیا آپ لوگ بھی شکاری ہیں۔" ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کیا۔

یہ بھاری چہرے اور موٹی گردن والا ایک قد آور آدمی تھا۔ لمبائی میں قاسم سے تھوڑا ہی کم رہا ہوگا۔ لیکن ٹھوڑی اور جبڑوں کی بناوٹ کہہ رہی تھی کہ وہ قاسم کی طرح بیوقوف نہیں ہے۔ آنکھوں سے سخت گیری، کمینگی اور کینہ توزی مترشح تھی۔

"شکاری ہیں! لیکن پیشہ ور نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے۔ پیشہ وروں کے ساتھ عورتیں نہیں ہوا کرتیں۔" بھاری چہرے والا ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولا۔

"جی....!" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر آگے بڑھ گیا۔

وہ تینوں بے ڈھنگے پن سے ہنستے ہوئے ڈائننگ ہال کی طرف چلے گئے۔

"ماروں سالوں کو۔" قاسم پوستین کی آستین چڑھانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ چپ چاپ اُس کے پیچھے چلنے لگا۔

حمید جانتا تھا کہ قاسم لڑنے بھڑنے میں سب سے آگے ہی رہتا ہے۔ وہ اپنے ڈیل ڈول کی مناسبت سے اتنا ہی طاقت ور بھی تھا اور یہ بات محض سنی سنائی نہیں تھی۔ خود حمید کو بھی ایک بار اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ قاسم نے اس کی موجودگی میں ایک آدمی کو اُس کی موٹر سائیکل سمیت سڑک کے داہنے کنارے سے اٹھا کر بائیں کنارے پر رکھ دیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک بار حمید اور قاسم کسی سڑک سے پیدل گذر رہے تھے۔ اچانک سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے ایک موٹر سائیکل سوار نے سہواً قاسم کی پینٹ پر تھوک دیا۔ قاسم کو بڑا تاؤ آیا۔ بات زیادہ بڑھی تو موٹر

سائیکل والا شائد قاسم کو گالی دے بیٹھا۔ قاسم جواب میں گالی تو نہ دے سکا لیکن احتجاجاً اُس نے اُسے موٹر سائیکل سمیت اٹھا کر دوسرے کنارے پر رکھ دیا۔

پتہ نہیں کیوں وہ حمید کا اتنا گرویدہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ اُسے غصہ بڑی جلدی آجاتا تھا لیکن وہ حمید کی تلخ سے تلخ بات کا بھی بُرا نہیں مانتا تھا۔ ویسے وہ اگر حمید پر اپنی ایک ٹانگ بھی رکھ دیتا تو اُس کی ہڈیاں پسلیاں برابر ہو جاتیں۔

وہ دونوں اُسی کمرے میں آئے جہاں سے اٹھ کر گئے تھے۔ اب وہاں کرنل شمشاد اور زاہد کریم کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

"کہئے حمید صاحب کیا بات تھی۔" کرنل شمشاد نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! وہی پیروں کے عجیب و غریب نشانات کا چرچہ چل رہا ہے۔"

"میں آپ کی بیہوشی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"اوہ.... وہ۔" قاسم ہنسنے لگا۔

"پتہ نہیں کیوں چکر سا آ گیا تھا۔" حمید جلدی سے بول پڑا۔ غزالہ صوفیہ اور شہناز مسکرا رہی تھیں۔

"عالم گرسنگی میں عموماً یہی ہوتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"جی ہاں! جی ہاں۔" قاسم احمقانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔

"حیوانات، نباتات، حتیٰ کہ جمادات پر بھی گرسنگی کا رد عمل ہوتا ہے۔" فرزانہ پھر بولی۔

"میرے خیال سے یہ ایک عقدۃ لائی خل ہے۔" قاسم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہائیں۔" حمید اُسے گھور کر بولا۔ "یہ عقدۃ لائی خل کیا بلا ہے۔"

"میں بھی شائد یہ لفظ پہلی بار سن رہی ہوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اوہو! آپ لوگ لائی خل نہیں جانتے.... چچ.... چچ.... مجھے افسوس ہے۔" قاسم نے اپنے بڑے بڑے دانتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ شاید آپ نے لانیخل کی مٹی پلید کی ہے۔" نواب صاحب ہنس کر بولی۔

"نہیں صاحب لائی خل! میں جاہل نہیں ہوں۔" قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

"لانیخل۔" حمید نے بھنا کر کہا۔ "لا.... ین.... حل۔"

"تو پھر ہوگا۔" قاسم نے اتنی معصومیت سے کہا کہ سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

"میں نے سنا ہے کہ ویسے ہی نشانات مختلف جگہوں پر کئی دنوں سے دیکھے جا رہے ہیں۔" کرنل شمشاد نے کہا۔

"حیرت انگیز بات ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"یقیناً اُس پُر اسرار ہستی کا قد کم از کم پندرہ فٹ ضرور ہوگا۔" حمید بولا۔

"اور سنیئے۔" حمید نے نواب صاحب کو مخاطب کیا۔ "میں خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ نشانات میرے ہی پیروں کے ہیں۔"

"بھئی میری تجویز تو یہی ہے کہ لڑکیاں یہاں نہ ٹھہریں۔" نواب صاحب نے کہا۔

"واہ چچا جان۔" فرزانہ بولی۔ "آخر ہم میں بھی تو خود اعتمادی ہونی چاہئے۔"

"بھئی تم کرنل کی بیٹی ہو۔" نواب صاحب ہنس کر رہ گئے۔

"یہاں ٹھہرنے میں کیا حرج ہے ابا جانی۔" غزالہ بولی۔ "ہم کہیں رہیں اور آپ کہیں۔"

حمید کچھ بولنے ہی والا تھا کہ ہوٹل کا منیجر خود ہی اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سا ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"مجھے سخت افسوس ہے۔" اُس نے ناشتے کا ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا ہے، حاضر کر رہا ہوں۔"

"اوہو! آپ نے ناحق تکلف کی۔" نواب صاحب نے کہا۔ "ہم نے تو کہا تھا کہ یہ سب کچھ خود ہی کرلیں گے۔"

"ایک صاحب ڈائننگ ہال میں ہیں انہیں بھیج دیجئے گا۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"بس اتنا ہی سا ناشتہ۔" قاسم نے بڑی اداسی سے کہا۔

"تمہارے لئے اونٹ مسلم آئے گا۔" حمید بولا۔

"قاسم صاحب آپ ہلکی غذائیں استعمال کیا کیجئے۔" فرزانہ نے کہا۔

"جیسے ریشم، روئی اور ٹریسنگ پیپر وغیرہ۔" حمید بولا۔

"حمید بھائی مجھے بھوک پر غصہ آجاتا ہے۔" قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

شائد فرزانہ کچھ کہنے والی تھی کہ فریدی آگیا۔ انہوں نے اپنی کرسیاں میز کے قریب کھسکا لیں۔ غزالہ چائے بنانے لگی۔

ناشتے کے دوران میں پھر اُس کیس کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

"ان لوگوں نے کمرے کی چھت کی طرف دھیان نہیں دیا۔" فریدی بولا۔

"کیوں چھت سے کیا مطلب۔" حمید نے کہا۔

"اگر چھت سے کوئی مطلب نہیں تو پھر ہمیں یہ بات باور ہی کرلینی پڑے گی کہ وہ کسی مافوق الفطرت ہستی کے پیروں کے نشانات ہیں۔"

"آخر باور کرلینے میں کیا حرج ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"اوہ! تو آپ بھی اس پر یقین رکھتی ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا آپ کو اپنی حویلی[1] کے پُر اسرار واقعات یاد نہیں۔"

غزالہ کچھ نہ بولی۔

"ویسے میں نے اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ انہیں اس کی طرف توجہ دلاتا۔" فریدی نے کہا۔

ناشتہ ختم کر چکنے کے بعد فریدی رائفلوں کا جائزہ لینے لگا اور حمید کی جان میں جان آئی۔ اگر وہ رائفلوں میں دلچسپی لینے کے بعد ہوٹل کی چھت پر چڑھ دوڑنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو حمید کی تفریح کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگتی۔

اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ فضا دھندلا گئی تھی اور برف گرنے کے آثار نظر آرہے تھے۔

ایک فائر

انہوں نے دن بھر آرام کیا۔ شکار کا پروگرام دوسرے دن سے تھا۔

فریدی بہت شدت سے بور نظر آرہا تھا۔ عورتوں کی موجودگی اُسے بُری طرح کھل رہی تھی۔ صبح سے کئی آدمی عورتوں کی موسم سرما کے شکار میں شرکت پر تضحیک آمیز باتیں کہہ چکے تھے۔ قاسم، حمید اور فریدی ایک ہی کمرے میں تھے۔ زاہد کریم اور اس کی بیوی صوفیہ کے لئے ایک کمرہ مخصوص کردیا گیا تھا۔ شہناز اور غزالہ نواب صاحب کے ساتھ تھیں۔ کرنل شمشاد اور

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "پُر اسرار کنواں" ملاحظہ فرمائیے۔

اس کی لڑکی فرزانہ چوتھے کمرے میں بند تھے۔

شام کو فریدی اٹھ کر نواب صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی قاسم نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

"ہائیں! ہائیں۔" حمید بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

قاسم پلنگ پر اوندھا پڑا پھول پچک رہا تھا۔

"ارے کیا ہوا تمہیں.... ڈانگر کہیں کے۔"

"حمید.... بھائی.... بس رو لینے دیجئے۔"

"شرم نہیں آتی تمہیں.... اتنا بڑا ڈیل ڈول....!"

"ڈیل ڈول کی ایسی تیسی۔" قاسم جھنجھلا کر بیٹھ گیا۔ "لعنت ہے اس ڈیل ڈول پر۔"

"آخر غصے کی وجہ پیارے۔" حمید نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہوئے کہا۔

"غصے کی وجہ۔" قاسم رومال سے آنسو پونچھتا ہوا بولا۔ "میری شادی کو چھ ماہ گزرے لیکن میں اب بھی کنوارا ہوں۔"

"کیا مطلب۔" حمید آنکھیں کھول کر بولا۔

"سالی مجھے دیکھ کر غل غپاڑہ مچاتی ہے۔ چیخ کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔"

"واقعی۔"

"حمید بھائی میں جھوٹ نہیں بولتا۔" قاسم کی آواز پھر گلوگیر ہو گئی۔ "میں اسی غم میں گھل رہا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے پیارے قاسم۔"

"میری شادی میرے باپ نے زبردستی کر دی۔ وہ سرمایہ دار ضرور ہیں۔ مگر بنیا ٹائپ کے علم کے روشنی سے محروم! وہ صرف دولت سمیٹنا جانتے ہیں آدمی کی ان کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں۔"

حمید خاموشی سے سنتا رہا پھر انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

"حمیدہ بانو سے کشتی لڑو گے۔"

"میں نے سوچا تھا۔" قاسم نے اتنی ہی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "لیکن والد صاحب...."

"تم نے سوچا تھا۔" حمید تحیر آمیز انداز میں چیخا۔

"ہاں۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "وہ یہی تو کہتی ہے نا کہ جو مجھے زیر کرلے گا اُسی سے شادی کرلوں گی۔"

حمید سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "کرنل صاحب کی لڑکی سے عشق کرو گے۔"

"کیا....؟" قاسم نے آگے جھک کر سرگوشی کی۔

"فرزانہ سے عشق۔"

قاسم تھوک نگل کر منہ چلانے لگا۔

"کرنل صاحب تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"کئی بار کہہ چکے ہیں کہ یہ جوان تو جنرل بننے کے لائق ہے۔"

"اچھا....!" قاسم احمقانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"ہاں اور لڑکی بھی کافی تندرست ہے۔"

"ہے تو!.... مگر.... عشق....!"

"کیوں؟ کیا بات ہے؟"

"عشق کیسے کروں گا مجھے آتا ہی نہیں۔ میں نے کبھی نہیں کیا۔"

"بگھی میں جوتے گئے ہو کبھی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

قاسم ہنس پڑا۔

دروازے پر قدموں کی آواز سنائی دی اور قاسم بوکھلا گیا کیونکہ آنے والی فرزانہ ہی تھی۔ اس کے ساتھ شہناز بھی تھی۔

"کیوں حمید صاحب! کیا آپ بھی مریضانہ ذہنیت کے حامل ہو گئے۔" فرزانہ نے کہا۔

"نہیں تو.... ذرا قاسم کو ایک صحت مند مشورہ دے رہا تھا۔"

قاسم نے بوکھلا کر کچھ کہنا چاہا اور اس کے منہ سے بیک وقت کئی طرح کی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ فرزانہ اور شہناز ہنسنے لگیں۔

"میں بھی تو سنوں کہ کیا مشورہ تھا۔" فرزانہ نے کہا۔

"یہی کہ یہ حضرت کرنل سے قریب ہو جائیں تو بہتر ہے۔"

اس جملے پر قاسم کا حلیہ بُری طرح بگڑ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے حمید کو گھور رہا تھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اوہ مطلب صاف ہے۔"

"کچھ نہیں.... ہاہا....!" قاسم اپنی دانست میں بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر شور مچانے والے انداز میں ہنسنے لگا۔

"میں انہیں یہ مشورہ دے رہا تھا کہ یہ فوج میں ملازمت کر لیں۔" حمید نے کہا۔

"خیر وہ سب ٹھیک ہے لیکن اس وقت کمرے میں پڑے رہنا کہاں کی دانشمندی ہے، ذرا باہر نکل کر دیکھئے۔ مغربی گوشے سے بادل سرک گئے ہیں اور شفق کا رنگ برف پوش پہاڑیوں میں بکھر گیا ہے۔"

حمید نے مسکرا کر شہناز کو آنکھ ماردی اور وہ بُرا سا منہ بنا کر کھا جانے والے انداز میں اُسے گھورنے لگی۔

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"چھت پر۔"

"چھت پر....!" حمید اچھل پڑا۔

"اور آپ کو یاد فرمارہے ہیں۔" شہناز لچک کر بولی۔

"شفق کی بہار دیکھ رہے ہیں یا....!"

"جی نہیں کچھ نشانات۔" شہناز نے اس کی بات کاٹ دی۔

"باقی رہے گا کب تک نام و نشان ہمارا۔" حمید دردناک انداز میں گنگنانے لگا۔

شہناز اور فرزانہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

"بدِ آفرینش ہی سے آدمی تن آسانی کا جویا رہا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔ "میں نے آپ تک اُن کا پیغام پہنچا دیا اب آپ جانیں۔"

وہ دونوں چلی گئیں۔

"دیکھا تم نے۔" حمید نے اٹھ کر جوتا پہنتے ہوئے قاسم سے کہا۔ "وہ خود ہی تم سے عشق کرنا

اہتی ہے۔"

"خود ہی.... مجھ سے ہی ہی ہی۔" قاسم ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

"ابے تم دیکھتے نہیں کہ تمہارے ہی ڈیل ڈول کے الفاظ استعمال کرتی ہے۔ بدِ فرنیش.... ہونہہ۔"

"تو حمید بھائی سچ مچ.... پھر میں.... مگر کیسے؟"

"میں بتاؤں گا۔"

"تو پھر بتائیے نا۔"

"ذرا ایک ٹھنڈی سانس تو بھرو۔" حمید نے کہا۔

قاسم ٹھنڈی سانس لینے کے لئے اپنے پھیپھڑوں میں ہوا کھینچنے لگا۔ لیکن درمیان ہی میں سے ہنسی آگئی۔

"تم نہیں کر سکو گے عشق۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

فریدی گم شدہ ہیڈ کوارٹرس کے کمرے کی چھت پر کھڑا نیچے کی طرف دیکھ رہا تھا وہ تنہا تھا اور ڑی کی سیڑھیوں کے ذریعے اوپر تک پہنچا تھا۔ آخری منزل یا دوسری منزل کی سپاٹ چھتوں پر انے کے لئے باقاعدہ زینے نہیں تھے۔ فریدی اس طرح خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اُسے حمید کے نے تک کی خبر نہ ہوئی۔ حمید بھی تنہا ہی تھا اس نے تو کوشش کی تھی کہ قاسم کو بھی اوپر جائے لیکن قاسم نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ لکڑی کی معمولی سی سیڑھی ا کا بوجھ نہ سنبھال سکے گی۔

"ہے ہے۔" حمید سسکی لے کر بولا۔ "آج شفق کتنی حسین لگ رہی ہے۔"

"اُوں۔" فریدی چونک کر مڑا۔ چند لمحے تفکر آمیز انداز میں حمید کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ میں نے تمہیں شاعری کرنے کے لئے نہیں بلایا۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے اپنا مرثیہ لکھوائیں گے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"ان لڑکیوں کو کسی طرح سمجھاؤ کہ یہاں ان کا ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"اوہ تو کیا یہ بات ایسی ہی تھی کہ تیسری منزل پر کہی جائے۔"

"اونہہ! ارے بابا میں اُس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔ میں نے تمہیں شکار کے لئے

جگہ تجویز کرنے کے لئے بلایا ہے۔"

"رہائشی کمروں سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"بکنے لگے۔"

"سنئے جناب! میں پتھر کا نہیں ہوں مجھے سردی لگ رہی ہے اور میں زیادہ دیر تک کسی کھلی جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔"

"تم آئے ہی کیوں تھے۔" فریدی نے جیب سے دوربین نکال کر لگاتے ہوئے کہا۔

"آدمی کا احمق پن دیکھئے۔" حمید بولا۔ "ظاہر ہے کہ لومڑیاں کھائی نہیں جاتیں اور محض ان کی کھالیں حاصل کرنے کے لئے اتنے دھکے کھانا عقل مندی نہیں۔ کیا بتاؤں یہ بات مجھے پہلے نہ سوجھی ورنہ میں وہیں آپ کو لومڑیوں کی کھالیں خرید دیتا۔ ایک دو نہیں بلکہ درجنوں۔"

"بکو مت۔"

"بہت بہتر۔" حمید واپسی کے لئے مڑتا ہوا بولا۔ "نیچے ہی ملاقات ہوگی۔ یہ جگہ چونکہ خط استوا سے بہت دور ہے لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا جغرافیہ خطرے میں نہ پڑ جائے۔"

حمید نے چند ہی زینے طے کئے تھے کہ دفعتاً اس نے فائر کی آواز سنی اور ساتھ ہی کوئی چھت پر دھم سے گر پڑا۔

"کیا ہوا؟" حمید چیخ کر مڑا اور پھر تیزی سے اوپر جانے لگا۔ اس کا سر چھت کی سطح سے تقریباً ایک ہی بالشت ابھرا تھا کہ اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"نیچے جاؤ۔"

فریدی چھت پر اوندھا پڑا سیڑھیوں کی طرف رینگ رہا تھا۔

حمید دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے تین چار سیڑھیاں نیچے اُتر گیا۔

"اتر جاؤ۔" فریدی کی آواز پھر سنائی دی۔ حمید نے وہیں سے چھلانگ لگا دی اور نیچے پہنچ کر فریدی کو سیڑھی سے اترتے دیکھتا رہا۔

"کیا ہوا.... کیا بات ہے۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں! صرف ٹوپی بدلنی پڑے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا اور اپنے سر سے بالدار ٹوپی اتار کر حمید کے چہرے کے قریب کر دی۔

ٹوپی کے اوپری حصے میں ایک بڑا سا سوراخ تھا اور اس کی نوعیت کہہ رہی تھی کہ وہ کسی رائفل کی گولی کا نتیجہ ہے۔

"یہ کیا ہوا۔"

"سوراخ....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ سوراخ کسے کہتے ہیں۔"

"لیکن یہ ہوا کیسے۔"

"اس طرح ہوا کہ اگر کچھ اور نیچے ہوتا تو میں تمہارے احمقانہ سوالات سے ہمیشہ کیلئے بچ جاتا۔"

"گولی۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "لیکن آئی کدھر سے۔ آئیے باہر دیکھیں۔"

"سنو بیٹے۔" فریدی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "دوسرے سوراخ والے جسم کو لاش کہیں گے۔ ویسے تم اس کا تذکرہ ساتھیوں سے مت کرنا۔"

"لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہئے۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"صرف اتنا ہی کہ چل کر ہوٹل کے منیجر کو اپنی لطیفہ گوئی سے محظوظ کرو۔ لیکن ٹھہرو! جاؤ پہلے میرے صندوق سے دوسری ٹوپی نکال لاؤ۔ اُسے رکھتے آنا۔"

حمید قریب قریب دوڑتا ہوا اپنے کمرے تک آیا۔ فریدی کے صندوق سے ٹوپی نکالی اور قاسم کی گھوں گھوں پر دھیان دیئے بغیر باہر نکل گیا۔

دونوں ڈائننگ ہال میں پہنچے۔

منیجر کاؤنٹر پر کہنیاں ٹیکے خلاء میں گھور رہا تھا۔ ان کے قدموں کی آہٹ پر چونک کر مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ بڑھاپے میں بھی بڑی دلآویز تھی۔

"مجھے بڑا افسوس ہے آپ لوگوں کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"قطعی نہیں.... ویسے میں نے سنا ہے کہ آپ کو دو ایک آدمی مل گئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں! ایک باورچی اور دو خادم۔"

"چلئے یہ بھی غنیمت ہے۔" فریدی نے کہا اور ایک اچٹتی سی نظر ڈائننگ ہال پر ڈالی۔ دو آدمیوں کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے انہیں پہلی نظر میں پہچان لیا۔ یہ انہیں تینوں شکاریوں میں سے تھے۔ جن سے وہ صبح ہی الجھتے الجھتے رہ گیا تھا۔ اس وقت بھاری چہرے والا ان میں نہیں تھا۔

فریدی اور حمید کاؤنٹر کے قریب جاکر کھڑے ہوگئے۔

"کیوں جناب۔" فریدی نے منیجر کو آہستہ سے مخاطب کیا۔ "کبھی آپ کے ہوٹل میں کوئی قتل بھی ہوا ہے۔"

"قتل.....!" منیجر یک بیک چونک پڑا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اب میں آپ کو قتل کا مطلب کس طرح سمجھاؤں۔"

"نہیں صاحب! یہاں کبھی قتل وتل نہیں ہوا۔"

"میں نے یونہی پوچھا تھا۔" فریدی نے جیب سے سگار کیس نکالتے ہوئے کہا۔ "لیجئے۔"

"جی شکریہ! مجھے تمباکو سے رغبت نہیں۔"

فریدی نے ایک سگار سلگالیا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟" منیجر آہستہ سے بڑبڑایا۔ جیسے اُس نے خود سے کہا ہو۔

"اوہو! آپ الجھن میں نہ مبتلا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ پھر ہال میں بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔ "شکاری۔"

"جی ہاں! اور آپ ہی لوگوں کی طرح میرے لئے اجنبی ہیں۔"

"یعنی۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ اس سیزن کے علاوہ اور کبھی یہاں نہیں ٹھہرے۔"

"کب سے مقیم ہیں۔"

"تقریباً ایک ماہ سے۔"

"تب تو انہوں نے کافی شکار کرلیا ہوگا۔"

"مجھے اس کے متعلق علم نہیں لیکن میں آپ لوگوں کو ایک مشورہ ضرور دوں گا۔ وہ بھی محض اس لئے کہ آپ کے ساتھ لیڈیز بھی ہیں۔ یہاں کسی شکاری سے دشمنی مت مول لیجئے گا۔ خصوصاً پیشہ ور شکاریوں سے۔ کیونکہ سیزن ختم ہونے پر جب برف پگھلتی ہے تو دو چار لاشیں ضرور نکلتی ہیں۔ آج تک کوئی سیزن خالی نہیں گیا۔"

"اوہ.....!" فریدی نہ صرف سنجیدہ ہوگیا بلکہ اس کی آنکھوں سے حیرت بھی جھانکنے لگی تھی

س کے متعلق حمید نے اندازہ لگایا کہ وہ سو فیصدی مصنوعی تھی۔

"جی ہاں! پچھلے سال تین لاشیں ملی تھیں اور وہ تینوں شکاری تھے۔ ان میں سے ایک کا قیام یہاں فزارو میں تھا۔"

"پولیس نے کچھ نہیں کیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"پولیس.....!" منیجر تمسخر آمیز لہجے میں بولا۔ "پولیس نے ان لاشوں کو اٹھوا کر ان کا پوسٹ مارٹم کرادیا تھا۔"

"اگر ہم یہیں کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے کافی پئیں تو کیا حرج ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی حرج نہیں جناب۔ ابھی لیجئے اسٹرونگ یا لائٹ۔"

"اسٹرونگ وِد کریم۔"

منیجر چلا گیا۔ وہ دونوں وہیں کاؤنٹر پر کھڑے رہے۔

"یہ شکاری۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "ان کے ساتھ ایک اور بھی تھا۔"

"میں جانتا ہوں.... میں نے صبح دیکھا تھا۔"

"اور وہ تیسرا صورت سے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

"صورتیں اکثر دھوکا بھی دیتی ہیں۔"

منیجر واپس آگیا۔ شائد وہ کچن میں کافی کے لئے کہنے گیا تھا۔

"آخر یہ شکاری آپس میں لڑ کیوں جاتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس کی بھی ایک وجہ ہے۔" منیجر بولا۔ "شکار کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ سرکاری اجازت ناموں کے ساتھ مختلف پارٹیوں کے لئے جگہ کا تعین بھی کردیا جائے کیونکہ کئی مقامی اخبارات نے حکام کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کی ہے لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔"

"یہ تو واقعی بُری بات ہے۔" فریدی نے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر کافی آگئی۔

"آپ کی وہ لڑکی۔" فریدی کافی کے کپ میں شکر ڈالتا ہوا بولا۔ "کیا یہاں کسی سے اُس کی دشمنی تھی۔"

"نہیں جناب وہ بڑی نیک لڑکی تھی۔"

"اوہ! لیکن نیک آدمیوں کے بھی تو دشمن ہوتے ہیں۔ ان کی نیکی ہی دوسروں کی دشمنی کی وجہ بن جاتی ہے۔"

"ہوتے ہوں گے مگر.... اُس کا کوئی دشمن نہیں تھا کیونکہ وہ کسی سے زیادہ ملتی ہی نہیں تھی۔"

"اغواء کی وارداتیں یہاں عام ہوں گی۔"

"نہیں جناب میرے ہوٹل میں یہ پہلا واقعہ ہے۔"

"آپ غلط سمجھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہاں سے مراد ٹیکم گڈھ تھی۔"

"ٹیکم گڈھ کیلئے اغواء کی وارداتیں نئی نہیں اور ایسی وارداتیں عموماً سردیوں میں ہی ہوتی ہیں۔"

"سردیوں میں۔" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن وہ پُر اسرار نشانات! ٹیکم گڈھ کے لئے نئے ہیں۔" منیجر نے کہا۔

"نئے ہیں.... مگر میں نے سنا ہے کہ وہ اس سے قبل بھی مختلف مقامات پر دیکھے گئے ہیں۔"

"جی ہاں! یہ اسی سیزن کی بات ہے شاید پندرہ بیس دنوں سے اُنکے متعلق سنائی دینے لگا ہے۔"

ہال کے چوبی فرش سے جوتے کی آوازیں پھیل رہی تھیں۔

فریدی اور حمید نے مڑ کر دیکھا۔ بھاری چہرے والا شکاری ہال میں داخل ہو چکا تھا۔

حماقتیں

"گڈ ایوننگ منیجر۔" اس نے منیجر کو مخاطب کیا۔

"ایوننگ جنٹلمین۔"

"میں بھی گرم کافی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

"ضرور ضرور!" منیجر نے کاؤنٹر پر رکھی ہوئی گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔ "اسٹرونگ۔"

"اسٹرونگسٹ پوسیبل۔"

وہ بائیں کہنی کاؤنٹر پر ٹیک کر داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی رائفل کا کندہ کھٹکھٹانے لگا، جو اس کے کاندھے سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس وقت حمید کو اس کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ خوفناک معلوم

ہو رہا تھا۔ فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر کافی پینے لگا۔

"آپ لوگوں کو بھی تکلیف ہو رہی ہے۔" منیجر نے اس سے کہا۔

"ہمیں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔" شکاری مسکرا کر بولا۔

"شکار کیسا ہو رہا ہے۔"

"انتہائی خراب نہ ہونے کے برابر۔ اس بار گرومی کی پارٹی بڑی زبردستیوں پر اُتر آئی ہے۔ کیا کروں میرے پاس زیادہ آدمی نہیں ہیں ورنہ ایک ایک کو سیدھا کر دیتا۔ ایسے میں تو دبنا ہی پڑتا ہے۔"

"آپ لوگ کدھر جا رہے ہیں۔"

سیتل گھاٹی کی طرف! شکار بچ ادھر ہی ہے۔ مگر گرومی کے کتے بھی اُدھر ہی جا رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں اس بار گرومی صاحب، فزارو میں کیوں نہیں ٹھہرے۔"

"اُسے شاید معلوم تھا کہ میں اس بار فزارو میں قیام کروں گا۔"

"تو آپ پہلے بھی یہاں آتے رہے ہیں۔" منیجر نے پوچھا۔

"برابر.... میں تقریباً دس سال سے یہاں آ رہا ہوں۔" شکاری نے ویٹر کے ہاتھ سے کافی کی ٹرے لیتے ہوئے کہا۔ اسکے دونوں ساتھی ڈائننگ ہال کے ایک گوشے میں شطرنج کھیل رہے تھے۔

"گرومی صاحب اس بار کہاں ٹھہرے ہیں۔" منیجر نے پوچھا۔

"شہر میں.... لیکن ہوٹل میں نہیں۔ انہوں نے کوئی بلڈنگ کرائے پر لی ہے؟"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بھاری چہرے والا فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ "خصوصاً آپ لوگوں کو بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ آپ بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں۔"

"مقصد تفریح ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر شکار نہ بھی ملے گا تو ہمیں افسوس نہ ہوگا۔"

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" شکاری ہنس پڑا۔ "ویسے یہ بطخوں اور ہرنوں کا شکار نہیں ہے۔"

"میں تو ہاتھیوں اور شیروں کے شکار کو بھی اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔" فریدی نے کہا۔

"بہت خوب۔ جناب کا اسم شریف۔"

"ایکس، وائی، زید کچھ بھی سمجھ لیجئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "نام شکار نہیں کھیلا کرتے۔"

"یہاں تو گرومی کا نام ہی شکار کھیلا کرتا ہے۔" شکاری نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ تو وہ اتنا خوفناک ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اگر آپ کی پارٹی نے بھی سیتل گھاٹی کا رخ کیا تو اُس سے کسی رسمی تعارف کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔"

"سیتل گھاٹی۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہم وہیں شکار کھیلیں گے۔"

شکاری نے کچھ اس قسم کا قہقہہ لگایا جیسے اُس نے کسی بچے کی زبان سے کوئی حماقت انگیز بات سنی ہو۔

پھر اُس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ "دوستو! آخر کار ہمیں ایک آدمی تو ایسا ملا تو سیتل گھاٹی میں علانیہ شکار کھیلے گا۔"

وہ دونوں پہلے وہیں بیٹھے اُسے دیکھتے رہے پھر شطرنج کی بازی چھوڑ کر اٹھ آئے۔

"یہ جیالے۔" اس نے فریدی اور حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "سیتل گھاٹی...."

"میرا خیال ہے۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "آپ تہذیب کی حدود سے آگے بڑھ رہے ہیں۔"

"اوہ! مجھے افسوس ہے۔" شکاری یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"آپ کی تعریف۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔

"تعریف میں بھی نہیں جانتا۔" بھاری چہرے والے نے کہا۔ "لیکن صورت سے مستقل مزاج آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ٹھوڑی اور ناک کی بناوٹ کہہ رہی ہے کہ سفاکی اور نرم دلی دونوں موجود ہیں۔"

"قیافے کی داد دینی پڑے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ میں مرد کتنے ہیں۔" بھاری چہرے والے نے پوچھا۔

"چھ.... اور....!"

"کیا آپ ہم سے تھوڑی دیر تک گفتگو کرنا پسند کریں گے۔" شکاری نے فریدی کی بات کاٹ کر پوچھا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"ضرور! بڑی خوشی سے۔"

"تو آیئے؟" شکاری ڈائننگ ہال کی میزوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے! کچھ

ہی دیر قبل اُس پر حملہ ہو چکا تھا اگر گولی ایک انچ نیچے لگی ہوتی تو اس وقت اس کی تجہیز و تکفین کا مسئلہ درپیش ہوتا۔ اس کے باوجود بھی وہ اتنا پُرسکون نظر آرہا تھا جیسے وہ سب محض مذاق ہو۔ شکاریوں کی آپس کی خلش کے متعلق وہ منیجر سے سن چکا تھا اور اب یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اسی بھاری چہرے والے کی حرکت نہ رہی ہو۔

وہ پانچوں ایک گوشے میں آبیٹھے۔

"ہاں تو میرے دوست....!" بھاری چہرے والے نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "گرومی بڑا خطرناک آدمی ہے۔ وہ اپنے کسی بھی حریف کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ دس سال کے عرصے میں میں نے اپنے تیرہ ساتھی ضائع کیے ہیں۔"

"کیا وہ گرومی ہی کا شکار ہوئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی! اس کی پارٹی ہمیشہ طاقت ور رہتی ہے اور وہ ہمیشہ مکاری سے مارتا ہے۔"

"پولیس کچھ نہیں کرتی۔"

"پولیس آج تک اس کے خلاف ثبوت نہیں بہم پہنچا سکی۔"

"کوئی اور بھی پارٹی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہتیری تھیں لیکن اب میری پارٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گئی۔ اب کوئی ٹیکم گڈھ کی طرف رخ بھی نہیں کرتا۔ اس بار بھی میرے ساتھ چودہ آدمی آئے تھے لیکن اب یہی دو مرد رہ گئے ان کے علاوہ اور سب نے پیٹھ دکھائی۔"

فریدی نے سگار کیس نکال کر میز پر رکھ دی۔ بھاری چہرے والے نے ایک سگار نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں دس سال سے اس کے مقابلے پر جا رہا ہوں۔ اب یا تو میں اُس کے ہاتھ سے مارا جاؤں گا یا وہ خود میرے ہاتھوں جہنم رسید ہوگا۔"

"تو پھر وہ بھی آپ کی تاک میں رہتا ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی! وہ کئی بار مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔"

"یعنی اگر اس کا بس چلے تو وہ آپ کو گولی مار دینے سے بھی دریغ نہ کرے۔"

"جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا.... کچھ دیر خاموشی رہ کر اس نے بھاری چہرے والے سے پوچھا۔

"ہوٹل کی واردات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"واردات.....! میں اسے حیرت انگیز کہتا۔ لیکن ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات مجھے شبہ میں ڈال رہے ہیں۔"

"کیوں؟ شبہ کس بات کا؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہ نشانات یہاں قریباً ایک ماہ سے دیکھے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے وہ سیتل گھاٹی میں دیکھے گئے تھے اور اب بھی زیادہ تر وہیں دکھائی دیتے ہیں۔"

"لیکن یہ شبہ کیوں!" فریدی نے کہا۔

"میں انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی گرومی کی کوئی شرارت ہو۔"

"ہو سکتا ہے لیکن اس کا مقصد بھی ہو گا۔ آخر مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"دوسری پارٹی کو خوف زدہ کرنا۔" بھاری چہرے والے نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ کمزور دل کے آدمی ایسی صورت میں سیتل گھاٹی کا رخ نہ کریں گے۔"

فریدی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

"گرومی آپ لوگوں کا بھی دشمن ہو جائے گا۔" بھاری چہرے والا پھر بولا۔

"مگر ہماری دشمنی شائد اُسے بہت مہنگی پڑے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آپ ناواقفیت کی بناء پر ایسا کہہ رہے ہیں۔ گرومی سچ مچ شیطان کا نطفہ ہے۔"

"ہم لوگوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "وہ شروع ہی سے خاموش تھا لیکن اب اس کی زبان میں کھجلی ہونے لگی تھی۔"

"اُس سے بھڑنا آسان نہیں۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "شکار تو ہم بہرحال کھیلیں گے۔"

"کب سے ارادہ ہے۔"

"کل سے۔"

"اور سیتل گھاٹی میں ہی۔"

"جی ہاں وہیں۔"

"خیر میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔" شکاری بولا۔

"ہم اس پر غور کریں گے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ویسے اگر کبھی ہمارے تعاون کی ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف کہہ دیجئے گا۔"

"شکریہ۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

"ان نشانات کے متعلق آپ نے کوئی واضح خیال نہیں ظاہر کیا۔" حمید نے کہا۔

"میں نے اپنا شبہ ظاہر کر دیا۔ وہ بھی اس بناء پر کہ وہ زیادہ تر سیتل گھاٹی میں دیکھے گئے ہیں اور اگر اس لڑکی کے اغواء میں گرومی ہی کا ہاتھ ہے تو اس سے بڑا چھچھورا شائد ہی روئے زمین پر دوسرا ہو۔"

"گرومی ہے کون؟" فریدی نے پوچھا۔

"ایک پیشہ ور شکاری۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا۔"

سلسلہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ نواب صاحب نے فریدی کو بلوا بھیجا تھا۔ دوسری منزل پر جاتے وقت فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیا خیال ہے۔"

"شائد وہ ہم سے تعاون کرنا چاہتا ہے۔"

"اگر واقعی گرومی اُسی کے بیان کے مطابق نکلا تو۔" فریدی نے کہا۔

"ہڈیاں توڑ دیں گے اُس کی۔ میرا پٹھا اس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دے گا۔"

"کون! قاسم..... بھئی بڑا بے وقوف آدمی ہے۔"

"بہترین تفریح ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "میں اُسے عشق پر آمادہ کر رہا ہوں۔"

"یعنی.....!"

"وہ فرزانہ سے عشق کرے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ..... یار اس لڑکی کے گفتگو کے انداز سے میں بُری طرح اُکتا گیا ہوں۔"

فریدی نواب صاحب کے کمرے میں چلا گیا اور حمید نے اپنے کمرے کی راہ لی۔ یہاں قاسم کی "گھوں گھوں" کے ساتھ چند سریلے قہقہے بھی گونج رہے تھے۔ اندر پہنچ کر اس نے عجیب ہنگامہ دیکھا۔ غزالہ، شہناز، فرزانہ اور صوفیہ چاروں موجود تھیں۔ کمرے کی ایک چھوٹی میز ٹوٹی پڑی تھی۔ حمید نے اپنی رائفل فرش پر پڑی دیکھی جس کی نال بیچ سے ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ آتش دان کو

اشتعال دینے والی لوہے کی موٹی سلاخ اس طرح مڑی ہوئی تھی کہ اس کے دونوں سرے ایک دوسرے سے مل گئے تھے۔

اور پھر اس نے قاسم کو دیکھا، جو سامنے کھڑا ٹوٹے ہوئے گلاس کے ٹکڑے چبا چبا کر تھوک رہا تھا۔

"ابے یہ کیا کیا؟" حمید اپنی رائفل اٹھاتا ہوا چیخا۔

"سیدھی کردوں گا حمید بھائی۔" قاسم نے شیشے کا ٹکڑا چباتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔

حمید آنکھیں پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔

"اب میں یہ دونوں کرسیاں۔" قاسم نے لڑکیوں کو مخاطب کیا۔ "اپنی بغلوں میں دبا کر توڑ دوں گا۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔" حمید پھر چیخا۔

"حمید بھائی صرف یہی دونوں کرسیاں۔" قاسم نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور وہ چاروں ہنس پڑیں۔

"شامت آئی ہے۔ کیا یہ میرے تمہارے باپ کی کرسیاں ہیں۔"

"اور قاسم بھائی وہ سوٹ کیسوں والا کھیل۔" شہناز اٹھلا کر بولی۔

"ابے مار ہی ڈالوں گا۔" حمید مکا تان کر بولا۔

قاسم کھسیانی ہنسی کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گیا۔

"حمید صاحب۔" فرزانہ بولی۔ "آپ نے ہمیں اتنے شان دار کمالات سے محروم کردیا۔"

"آپ بھی کچھ فرمائیے۔" حمید نے جل کر شہناز کو مخاطب کیا۔

"وہ سوٹ کیسوں والا کھیل۔" شہناز نے قاسم سے کہا۔

"سنو....!" حمید جھلا کر بولا "ایک کھیل مجھے بھی آتا ہے۔"

"وہ کیا ہے حمید صاحب۔" غزالہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"کمرے کا سارا سامان ایک جگہ اکٹھا کردیجیے۔ پھر اُس پر پٹرول چھڑک دیجیے۔"

"میں پٹرول بھی پی سکتا ہوں۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"میں تمہیں پٹرول پلاؤں گا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"حمید صاحب آج آپ کچھ محرور المزاج سے نظر آرہے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"آؤ چلیں۔" غزالہ نے شہناز سے کہا۔

"نہیں بھئی! اب حمید صاحب بھی کمالات دکھائیں گے۔" صوفیہ مسکرا کر بولی۔

"ضرور! ضرور۔" حمید نے اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "قاسم چت لیٹ جاؤ۔"

"کیوں؟ ہاہاہا۔"

"میں بھی کچھ دکھاؤں گا۔" حمید نے اپنے سوٹ کیس میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"چلیے لیٹ گیا۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ساتھ ہی کڑکڑاہٹ سنائی دی۔ حمید نے ایک بڑا سا شکاری چاقو کھول لیا تھا۔

قاسم بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"میں اس کی گردن کاٹ کر پھر جوڑ دوں گا۔" حمید نے لڑکیوں سے کہا۔

اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ وہ سب ہنس پڑیں لیکن حمید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔

"ڈرو نہیں قاسم۔" حمید نرم لہجے میں بولا۔ "تمہیں ذرا بھی تکلیف نہ ہوگی۔"

"ہم.... مگر۔"

"کچھ نہیں.... گردن الگ کر کے پھر جوڑ دوں گا۔"

"نہیں.... نن.... نہیں۔"

"ڈرو مت۔" حمید چیخ کر بولا۔

لڑکیاں سنجیدہ ہوگئیں۔

"لیٹ جاؤ قاسم۔" حمید پھر گرجا۔

فرزانہ نے پھر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنیکی کوشش کی۔ حمید نے اسکی طرف دیکھا تک نہیں۔

"قاسم....!"

قاسم حیرت سے منہ پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

لڑکیوں نے آپس میں کچھ اشارے کئے اور وہاں سے چلی گئیں۔

"کیوں بے ڈفر۔" حمید چاقو ایک طرف ڈال کر بولا۔ "یہ کیا حرکت تھی۔"

"حمید بھائی خفا ہوگئے۔"

"خفا کے بچے! ان پر اپنی طاقت کا رعب ڈال رہے تھے۔"

"آپ ہی نے تو کہا تھا۔" قاسم جھلا کر بولا۔

"کیا کہا تھا میں نے۔"

قاسم نے شرما کر سر جھکا لیا۔ اُس کے ہونٹ ذرا سے کھلے۔ پھر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں جھکائے ہوئے اس نے کہا۔ "آپ نے نہیں کہا تھا کہ فرزانہ سے عشق کر لو۔"

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔ "تو یہ تم عشق کر رہے تھے۔"

"مطلب یہ کہ....!"

"اب میں سمجھا! حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "اسی طرح تم بیوی سے بھی عشق جتاتے ہو گے۔"

قاسم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

"اور تم نے ڈیڑھ ہزار کی رائفل برباد کر دی۔"

قاسم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"اب ہنستے ہو بے شرم۔"

"حمید بھائی۔" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ "رائفل کی نال یہ رہی۔"

اس نے صندوق کے پیچھے سے رائفل کی نال نکال کر پلنگ پر ڈال دی۔

"پھر یہ کیا ہے۔"

"کچے لوہے کی نلکی.... دیکھئے کتنی خوبصورتی سے فٹ کی ہے۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔

حمید کو سچ مچ اپنی عقل پر رونا آگیا۔ کیونکہ رائفل کی نال ٹوٹ سکتی تھی ٹیڑھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے جھینپ مٹانے کے لئے کہا۔

"تمہیں دوسری نالی ملی کہاں سے۔"

"میں اس قسم کی چیزیں اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ اس وقت کئی کھیل رہ گئے۔ اچھا آپ ہی دیکھئے۔"

"حمید اُسے گھورنے لگا۔ قاسم نے ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔"

"یوہا.... ہپ.... انگا۔" اس کا منہ کھل گیا۔ دانتوں کے درمیان ایک بڑا سا لوہے کا گولا

پھنسا ہوا تھا۔

"ہپ....!" گولا منہ سے نکل کر فرش پر گر پڑا۔

"یوما.... ہپ.... انگا.... ہپ....!" دوسرا گولا نکالا۔

اس نے پے در پے سات آٹھ گولے منہ سے نکالے۔

"گلاس کتنے توڑے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"چار گلاس اور ایک میز جو سڑی ہوئی لکڑی کی تھی۔ اُسے توڑنے میں چوتھائی قوت بھی کام نہیں آئی۔ ان سب کی قیمت میں ادا کر دوں گا۔"

"تم نے خود بخود کرتب دکھانے شروع کر دیئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... فرزانہ نے استدعا کی تھی۔"

"خواہ مخواہ استدعا کی تھی۔ اُسے کیسے معلوم ہوا کہ جگر بھی ہو۔"

"وہ تو میں نے ہی بتایا تھا۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"ارے آؤ بھینسے....! یہ لونڈیوں کی طرح لچکتا کیوں ہے۔"

"حمید بھائی! ایک گھونسے میں برابر کر دوں گا۔" قاسم کو غصہ آگیا۔

"ہمیشہ جاہل رہو گے۔" حمید سٹپٹا کر بولا۔ "فردوسی کا شاہنامہ پڑھا ہے۔"

"نہیں پڑھا۔" قاسم نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

"تب ہی تمہیں تاؤ آگیا۔ اے شہ زور وقت! شہنشاہ کیکاؤس رستم کو پیار سے بھینسا کہا کرتا تھا۔"

"مجھے بھینسے پر اعتراض نہیں۔ لونڈیوں کی طرح کیوں کہا۔"

حمید کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ فریدی آگیا۔ اُس نے تحیر آمیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر اُن دونوں کو گھورنے لگا۔

"یہ سب کیا ہے۔"

قاسم کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

حمید مسکرا کر بولا۔ "ہم لوگ ایک نیا تجربہ کر رہے ہیں۔"

"میز کیسے ٹوٹی... اوہ... شائد یہ گلاس کے ٹکڑے ہیں... ارے یہ رائفل کی نال کو کیا ہوا۔"

"قاسم صاحب بڑے امن پسند ہیں۔" حمید نے کہا۔ "انہوں نے تہیہ کیا ہے کہ دنیا بھر کی

رائفلیں توڑ دیں گے اور توپ کے گولے یہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ پچھلے سال اپنے یہاں کے عجائب خانے سے جو توپ غائب ہوئی تھی قاسم کے ہپ میں موجود ہے۔"

"مجھے لغویات پسند نہیں ہیں۔" فریدی جھنجھلا کر بولا اور قاسم چپکے سے کھسک گیا۔

"کیا بات تھی۔" قاسم کے جاتے ہی فریدی نے پوچھا۔

"غزالہ وغیرہ پر اپنی طاقت کا رعب ڈال رہا تھا۔ وہ مڑی ہوئی سلاخ دیکھئے ایک گھونسہ مار کر میز توڑ دی اور یہ رائفل.... خیر اس میں تو اس نے فراڈ کیا تھا۔ نال دوسری فٹ کر دی تھی، جو کچے لوہے کی تھی اور یہ گولے... اول درجہ کا شعبدہ باز ہے۔ اس کی یہ خصوصیت آج ہی معلوم ہوئی۔"

"ہوں.... تم نے مجھے اس سے پہلے کبھی کیوں نہیں ملایا۔"

"کیوں؟"

"کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"فی الحال میں اس سے ایک بہت بڑا کام لینے والا ہوں۔" حمید نے کہا۔

فریدی کسی سوچ میں تھا۔ پتہ نہیں اُس نے حمید کی بات پر دھیان دیا تھا یا نہیں، بہر حال اُس نے حمید کے اس جملے پر کچھ نہیں پوچھا۔

"سیتل گھاٹی تمہاری دیکھی ہوئی ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں.... بہت عرصے کی بات ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر.... آج رات کو ہمیں سیتل گھاٹی چلنا ہے۔"

"کیوں....!"

"مجھے گرومی اور اس کے ساتھیوں سے ملنا ہے اور پھر لومڑیوں کا شکار تو عموماً رات ہی کو ہوتا ہے۔ قاسم سے کہو کہ وہ بھی تیار رہے۔"

"اور لوگ بھی جائیں گے۔"

"نہیں.... صرف ہم تینوں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اگر میری ٹوپی میں آج سوراخ نہ ہوتا تو میں سیتل گھاٹی کا رخ نہ کرتا۔ ضرورت ہی کیا تھی۔ ہمارا مقصد تو محض تفریح تھا۔" حمید سوچ میں پڑ گیا۔

خوفناک وادی

رات اندھیری نہیں تھی۔ ٹیکم گڈھ کی پہاڑیاں برف کی سفید چادر اوڑھے اونگھ رہی تھیں۔ آسمان سفید بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چاند اگر ایک پل کے لئے بھی بادلوں کے کسی رخنے سے جھانکنے لگتا تو اونگھتی ہوئی پہاڑیاں گویا چونک سی پڑتیں۔ لامتناہی سناٹا بڑا پُر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی حمید اور قاسم سیتل گھاٹی کی طرف جا رہے تھے۔ اُن کی رائفلیں ان کے شانوں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ قاسم نے اپنی پیٹھ پر کچھ سامان بھی لاد رکھا تھا۔ اس میں ایک پوری چھولداری بھی تھی۔ کافی کا ایک بہت بڑا تھرموس تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں جنہیں پیٹھ پر لاد کر قاسم نے رسی سے بندھوالیا تھا اور وہ اب اتنی آسانی سے برف پر چل رہا تھا جیسے وہ سارا بوجھ اُسی کے جسم کا ایک حصہ رہا ہو۔

سیتل گھاٹی کے قریب پہنچ کر انہوں نے فائروں کی آوازیں سنیں۔ وہ چلتے چلتے رک گئے۔

قاسم نے اپنے کاندھے سے رائفل اتار لی۔

"ابھی نہیں۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

پھر وہ چٹانوں کے ایک سلسلے کی اوٹ میں چلنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی لمبی چھڑیاں تھیں جن سے وہ زمین پر پڑی ہوئی برف میں سطح کا اندازہ لگاتے چل رہے تھے۔ فریدی کی نظریں خاص طور سے قاسم پر تھیں اور وہ اسے بار بار ہدایات دے رہا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ کئی جگہ گرتے گرتے بچا تھا۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد فائروں کی آوازیں اب بھی سنائی دیئے جاتی تھیں۔ وہ چلتے رہے سردی کے مارے بُرا حال تھا۔ لیکن اُس کے منہ سے شکایت کا ایک جملہ بھی نہیں نکلا تھا۔ کیونکہ شکار کی تجویز پر اس نے بڑے زور و شور سے فریدی کی تائید کی تھی۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ کچھ لڑکیاں بھی ان کے ساتھ ہوں گی اُس کا جوش و خروش اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ لہٰذا اب اسے سردی کی شکایت کرتے ہوئے شرم آرہی تھی۔

وہ پھر رک گیا۔ کیونکہ اس بار فائر اُن کے قریب ہی کہیں ہوا تھا۔ چٹانوں کا سلسلہ عبور

کر کے وہ گھاٹی میں اتر گئے۔

"بڑی حیرت کی بات ہے۔" حمید نے کہا "شکار کہیں نظر نہیں آتا لیکن فائر برابر ہو رہے ہیں۔"

"شکار کو بلا رہے ہیں۔" قاسم بڑبڑایا۔

"کیا.... کیا بک رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"اوہ کیا۔" دفعتاً فریدی چونک کر بولا۔

ان دونوں کی نظریں بھی اُدھر ہی اٹھ گئیں جدھر فریدی دیکھ رہا تھا۔ قریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر برف کا ایک ننھا ٹیلا متحرک نظر آ رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" حمید خوفزدہ آواز میں بولا۔

"پتہ نہیں۔"

برف کا تودہ رینگتا ہوا ایک چٹان پر چڑھ رہا تھا۔

"بھھ.... بھوت....!" قاسم کانپنے لگا۔

"چپ....!" فریدی نے قاسم کا شانہ دبا دیا۔

چٹان پر چڑھ کر وہ تودہ دو چٹانوں کی درمیانی دراڑ میں اُتر گیا۔ پھر انہیں ایسا معلوم ہوا کہ جیسے تودہ یک بیک سمٹ کا اونچا ہو گیا ہو۔ ایک پل کے لئے چاند نے بادلوں سے جھانکا اور پوری وادی چمک اٹھی۔ چٹانوں کی دراڑ میں کوئی نہیں تھا۔

"ہائیں! غائب۔" قاسم بڑبڑایا۔

"آؤ۔" فریدی نے کہا اور وہ اسی دراڑ کی طرف بڑھنے لگے۔

"میرے خیال سے وہ کوئی سفید ریچھ تھا۔" حمید نے کہا۔

"ہشت....!" فریدی بولا۔ "سفید ریچھ صرف ٹنڈرا میں پائے جاتے ہیں۔"

وہ پھر خاموشی سے چلتے رہے۔ فائروں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں۔

وہ اُسی دراڑ کے قریب پہنچے۔ جہاں وہ سفید متحرک شے غائب ہو گئی تھی۔

"ارے....!" حمید یک لخت اچھل پڑا۔

برف پر ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔

فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی اور دراڑ میں گھستا چلا گیا۔ نشانات کچھ ہی دور بعد ختم ہو گئے

تھے۔ آگے دوسری طرف جانے کا راستہ تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اپنی چھڑی برف میں گاڑ دی، جو دھنستی ہی چلی گئی۔ آخر کار وہ چھڑی نکال کر پیچھے ہٹ آیا۔

"شاید گڑھا زیادہ گہرا ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس کی ٹارچ کی روشنی دور تک پھیل گئی۔ سامنے برف کی سطح بے داغ نظر آ رہی تھی۔

"آخر وہ گیا کدھر۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"بڑی سردی ہے۔" قاسم بڑبڑایا۔

"چلو باہر نکلیں۔" فریدی نے کہا۔ "صبح دیکھیں گے۔"

وہ دراڑ سے نکل آئے۔ پہلے ہی جیسا پُر اسرار سناٹا فضا پر مسلط تھا۔

"شکار کہاں ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔

"واقعی یہ بات حیرت انگیز ہے۔ پھر یہ گولیاں کیسی چل رہی تھیں۔ آوازیں اُدھر سے آئی تھیں۔" فریدی نے دور تک پھیلے ہوئے چٹانوں کے سلسلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"پھر وہی....!" حمید اچھل پڑا۔ جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ اُدھر ہی پھر اُسے برف کا ایک متحرک تودہ دکھائی دے رہا تھا۔

"ہے تو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

قاسم ان کے پیچھے تھا۔ وہ دونوں یہ نہ دیکھ سکے کہ قاسم اپنی رائفل سیدھی کر رہا ہے وہ اس وقت چونکے جب انہوں نے فائر کی آواز سنی۔

قاسم شاید اب دوسرے فائر کے لئے بھی تیار تھا۔ یہ بات انہوں نے محسوس کی تھی کہ وہ تو گولی لگنے کے باوجود بھی رینگ رہا تھا۔ فریدی قاسم کو روک بھی نہ پایا تھا کہ اس نے دوسرا فائر کر دیا۔ گولی لگی لیکن وہ شے برابر رینگتی رہی۔

"کیا کر رہے ہو؟" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"کیا زندہ پکڑیئے گا۔" قاسم نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

"ہاں.... آگے بڑھو۔ اُسے تم ہی پکڑ سکو گے۔" فریدی بولا۔

قاسم نے بڑے اطمینان سے رائفل کاندھے پر لٹکائی اور پھر شاید دوڑ لگانے کا ارادہ کر رہا تھا

کہ فریدی نے اُسے پکڑ لیا۔

"برف میں دفن ہو جاؤ گے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اودھر سے آؤ۔"

فریدی آگے تھا قاسم اور حمید اسکے پیچھے چل رہے تھے۔ اس سفید شے کے رینگنے میں تیز رفتاری نہیں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے چند لمحے پیشتر لگی ہوئی گولیوں کا احساس تک نہ ہو۔

فریدی نے اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اس کے باوجود بھی اس کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی اندھی اور بہری شے ہو۔

"قاسم! فائر کرو۔" فریدی نے پلٹ کر کہا۔ مگر اب نہ جانے کیوں قاسم کی گھگھی بندھ گئی تھی۔

"فف... فر... فردی لگ رائی اے۔" قاسم کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔

"کیا ہوا؟" فریدی نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ حیرت کی بات بھی تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے قاسم نے اُس پر نہ صرف فائر کئے تھے بلکہ دوڑ کر اُسے پکڑ لینے کا بھی ارادہ رکھتا تھا۔

"سردی ہے.... جج.... جناب۔" قاسم نے کانپتے ہوئے کاندھے سے رائفل اتار دی۔

لیکن وہ اس کے ہاتھ ہی میں جھولتی رہ گئی۔

"قاسم....!" حمید نے اُسے جھنجھوڑا۔

فریدی نے اپنی رائفل اتار دی اور فائر کر دیا.... لیکن لاحاصل۔ اس کا نشانہ ٹھیک تھا لیکن اس شے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پھر فریدی دوسرا فائر کرنے جا رہا تھا کہ اچانک اُس سفید شے کا رخ ان کی طرف پھر گیا اور وہ اوپر جانے کی بجائے نیچے اترنے لگی۔ فریدی نے پھر ٹارچ روشن کی اور اس بار انہوں نے اُسے بالکل صاف دیکھ لیا۔ برف کا ایک ڈھیر تھا جس نے آدمی کے جسم کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی آدمی گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل رینگ رہا ہو۔

قاسم کے منہ سے نکلنے والی آوازیں تیز ہو گئیں اور اب تو حمید بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

"شٹ اپ۔" فریدی نے چیخ کر کہا لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔

فریدی نے پھر فائر کیا اس بار وہ گھٹنوں کے بل چلنے والی شے اچھل کر آدمیوں کی طرح دونوں پیروں پر کھڑی ہو گئی۔ یہ ایک قد آور برف کا آدمی تھا۔ اس کے علاوہ اور کہا بھی کیا جا سکتا تھا۔ اگر سفید ریچھ کہا جاتا تو اس کے کھڑے ہونے کا انداز اس خیال کو جھٹلا دیتا۔ سفید بن مانس کا بھی خیال فضول تھا کیونکہ بن مانس بھی آدمیوں کی طرح سیدھا نہیں کھڑا ہو سکتا۔

فریدی نے پھر فائر کیا۔ اس بار اس نے سینے کا نشانہ لیا تھا۔ لیکن اس کی رفتار میں لڑکھڑاہٹ تک نہ پیدا ہوئی۔ وہ نہایت اطمینان سے آہستہ آہستہ چٹان سے اتر رہا تھا۔

"ارے.... بھھ.... بھاگئے۔" حمید ہکلایا۔

اب تو فریدی بھی کچھ چکرا سا گیا تھا۔ لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ حمید کے مشورے پر عمل کر بیٹھتا۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے بلندی سے اترتے دیکھتا رہا۔

قاسم بوکھلا کر برف پر بیٹھ گیا اور حمید کی حالت سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے کاندھوں پر سوار ہو جائے گا۔

فریدی نے اب فائر کرنا بے کار سمجھا۔ ویسے اس کی رائفل کی میگزین میں ابھی سات کارتوس باقی تھے۔

"اگر بھاگے تو موت کو دعوت دو گے۔" فریدی نے پلٹ کر حمید اور قاسم سے کہا۔

"مم.... موت....!" قاسم روہانسی آواز میں بولا۔

"ہاں! ہم نہیں جانتے کہ برف کے نیچے کہاں کیا ہے؟"

"ارے باپ رے باپ۔" قاسم نے گھگھیا کر کلمہ پڑھا اور حمید کو سچ مچ موت یاد آ گئی۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ پتہ نہیں وہ اپنی خود اعتمادی کو تقویت دے رہا تھا یا اس نے ان دونوں کا دل بڑھانے کے لئے قہقہہ لگایا تھا۔

برف کا بھوت چٹان سے اُتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ وہ ان سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر رہا ہو گا۔

فریدی نے پھر رائفل سیدھی کی.... فائر ہوا.... لیکن وہ بدستور کھڑا رہا۔ یہ بات سوچی بھی نہیں جاسکتی تھی کہ فریدی کا نشانہ خطا کر رہا ہو گا۔

فریدی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ برف کا بھوت اپنی جگہ پر جم سا گیا تھا۔ اچانک کسی عورت کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ آواز عقب سے آئی تھی۔ فریدی بے ساختہ پلٹا۔ حمید اور قاسم بھی اُدھر ہی دیکھنے لگے۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ فریدی پھر اُس عجیب و غریب شے کی طرف مڑا اور اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز آواز نکلی۔ برف کا بھوت غائب ہو چکا تھا۔

"کیا تماشہ ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اُن دونوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "قاسم تم بڑے

بزدل نکلے۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔"

"مگر... وہ... تو...!" قاسم ہکلا کر رہ گیا۔

"چلو آگے بڑھو۔"

وہ تینوں لوٹ رہے تھے۔

"مگر وہ آواز کیسی تھی۔ کسی عورت کی چیخ۔" حمید نے کہا۔

"رہی ہوگی۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "تم تو اس قابل ہو کہ تمہیں گولی ماردی جائے"

"جی ہاں! اور اگر میں بھوتوں سے کشتی لڑنے لگوں تو زندہ رہنے دیا جاؤں گا۔"

"پھر تم نے بھوت کا نام لیا۔" فریدی بھنا کر بولا۔

"توبہ توبہ۔" حمید اپنا منہ پیٹنے لگا۔ "لاحول ولا قوۃ! وہ تو میرے دادا جان تھے۔"

"اچھا بکو نہیں۔"

"ارے تو آپ ہی نے کیوں نہیں لپک کر اُس سے مصافحہ کیا۔ میں تو پیدائشی ڈرپوک بزدل ہوں۔"

"اگر وہ بھوت تھا تو قریب کیوں نہیں آیا۔" فریدی بولا۔

"فریدی صاحب! خدا کے لئے چپ رہئے۔" قاسم گھگھیا کر بولا۔

"ورنہ تم دونوں بیوہ ہو جاؤ گے۔ ارے تم نے پہلے کیا سمجھ کر فائر کیا تھا۔"

"پتہ نہیں! مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں شائد اس وقت اونگھ رہا تھا۔" فریدی ہنس پڑا۔

اُس نے ایک چٹان پر سے تھوڑی سی جگہ کی برف ہٹائی اور بیٹھ گیا۔

"کیا رات یہیں گذرے گی۔" حمید نے پوچھا۔

"خیال تو یہی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ تو ٹھیک نہیں!" قاسم بڑبڑایا۔

"چلو تھرموس مجھے دو۔" فریدی نے کہا۔

قاسم نے کافی کا تھرموس کاندھے سے اُتار کر فریدی کو دے دیا۔

"برف ہٹا کر بیٹھ جاؤ۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ہوا ساکن ہے ورنہ ٹھہرنا محال ہو جاتا۔"

"یہاں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔" قاسم نے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ ہم یہاں شکار کھیلنے آئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"حج کرنے تو آئے نہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "اگر ہم شکار نہ کھیلیں...!"

"بکومت۔" فریدی نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ "میں تمہیں زبردستی نہیں لایا ہوں۔"

"لیکن میں آپ کو زبردستی لے جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"فضول باتوں سے پرہیز کرو۔"

"مجھے ڈاکٹر نے برف سے پرہیز بتایا تھا۔" قاسم بولا۔ "میں گرمیوں میں بھی برف سے پرہیز تا ہوں۔"

"تو پھر چلے کیوں آئے۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ برف اس طرح گرتی ہے۔" قاسم گڑگڑا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ نس لینے میں برف کے ذرات پھیپھڑوں میں بھی داخل ہو جاتے ہوں گے۔"

"کھوپڑی میں بھی جاتے ہیں۔" فریدی نے تھرموس سے کافی انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اور عقل منجمد ہو جاتی ہے۔ سنا ہے تم فرزانہ سے عشق کر رہے ہو۔"

"حمید بھائی! اللہ قسم تم بہت بُرے آدمی ہو۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"مگر وہ بہت دلیر لڑکی معلوم ہوتی ہے۔" فریدی بولا۔

"تو میں کب بزدل ہوں۔" قاسم نے کہا اور پھر سنبھل کر بولا۔ "ارے ہش! لاحول.... ،سے کیا مطلب۔"

حمید کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کے دماغ نے قلابازیاں کھانی شروع کر دی تھیں۔ اس کی سمجھ میں بس آرہا تھا کہ فریدی کو کس طرح یہاں سے لے جائے۔ دفعتاً ایک بات اُسے سوجھ گئی اور وہ فزدہ آواز میں بولا۔

"لڑکیوں نے بہت بُرا کیا۔ انہیں وہاں سے ہٹ جانے والی تجویز منظور کر لینی چاہئے تھی۔ یہ ہم ابھی دیکھ ہی چکے ہیں کہ اس بھوت پر گولیاں بھی نہیں اثر کرتیں۔"

"میرا کیا بگڑتا ہے۔ آپ بھگتیں گی۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔" قاسم مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بھی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ حمید کی تدبیر کامیاب رہی۔ فریدی کو اٹھنا

ہی پڑا۔

دوسری صبح وہ دن چڑھے تک سوتے رہے لیکن سب سے پہلے فریدی ہی کی آنکھ کھلی۔ بری طرح دروازہ پیٹ رہا تھا۔ فریدی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ نواب رشید الزماں تھے بُری طرح گھبرائے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"تم نے فرزانہ کو تو نہیں دیکھا۔" انہوں نے پوچھا۔

"کیوں، کیا بات ہے۔ ہم تو سو رہے تھے۔"

"پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔ صبح پانچ بجے اٹھ کر باہر نکلی تھی۔ ہم سمجھے شائد صوفیہ کے کمرے میں گئی ہوگی۔ لیکن وہ وہاں بھی نہیں ہے۔"

"پانچ بجے کے بعد سے اب خبر لی ہے آپ نے۔"

"زاہد بھی ابھی ہی بیدار ہوا ہے۔ اُس کا کمرہ کھلنے پر معلوم ہوا کہ فرزانہ وہاں نہیں ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ صوفیہ کے ساتھ سو رہی ہوگی۔"

"نیچے دیکھا آپ نے۔"

"نہیں.... ابھی نہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ڈائننگ ہال میں ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کرنل صاحب کہاں ہیں۔"

"سو رہے ہیں۔ میں نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔"

قاسم اور حمید بھی بیدار ہو چکے تھے۔ قاسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نواب رشید الزماں کو گھور رہا تھا۔

"چلئے نیچے دیکھیں۔" فریدی نے اوور کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بھی تیار ہو گئے۔

وہ چاروں زینے طے کرتے ہوئے ڈائننگ ہال میں آئے۔

ڈائننگ ہال میں فرزانہ اور منیجر کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ فرزانہ ایک کرسی پر اکڑی بیٹھی تھی اور منیجر اُس کے سامنے بڑے مودبانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

"میرا نام چنگیز خاں ہے۔" فرزانہ گرج کر بولی۔

"جی ہاں۔" منیجر نے جھک کر کہا۔

"ارے....!" نواب رشید الزماں حیرت سے منہ پھاڑے ہوئے فریدی کی طرف مڑے۔ فریدی مسکرا رہا تھا۔

منیجر نے اُن لوگوں کو دیکھ کر وہاں سے ہٹنا چاہا لیکن فرزانہ نے ڈانٹ کر کہا۔

"باادب.... سر قلم کر دیا جائے گا۔"

منیجر ان کی طرف دیکھ کر بڑی بے بسی سے مسکرایا۔ نواب رشید الزماں کو شائد غصہ آ گیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بولے۔

"فرزانہ یہ کیا ہو رہا ہے۔"

فرزانہ پہلے انہیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اُس نے چیخ کر کہا۔

"کون ہو تم! اس طرح بے ادبی سے ہمارے دربار میں چلے آئے۔ ہمارے پیروں کو بوسہ دو۔"

"کیا بک رہی ہو لڑکی۔" نواب صاحب غصے سے کانپنے لگے۔

"اس گستاخ کا سر قلم کر دیا جائے۔" فرزانہ دونوں ہاتھوں سے میز پیٹتی ہوئی بولی۔

فریدی کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی اور اب وہ اُسے بڑی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی متحیر تھا اور قاسم کی حالت تو عجیب تھی۔ کبھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہنس پڑے گا اور کبھی رو دینے والے انداز میں منہ بنانے لگتا تھا۔

وہ کیا تھا

کرنل شمشاد کو جگایا گیا اور وہ کسی نہ کسی طرح سے فرزانہ کو اوپر لے گیا۔ اُن کے ساتھ نواب صاحب، حمید اور قاسم بھی چلے گئے لیکن فریدی نیچے رہا۔

"کیا بات تھی۔" اُس نے منیجر کو مخاطب کیا۔

"جناب والا میں خود بھی نہ سمجھ سکا۔ آپ لوگوں کے آنے سے قبل میں یہی سمجھ رہا تھا کہ صاحبزادی شائد مذاق فرما رہی ہیں۔"

"یہاں کتنی دیر سے تھی۔"

"آپ کے آنے سے شائد دس منٹ قبل تشریف لائی تھیں۔"

"اوپر ہی سے آئی تھی۔"

"اس پر میں نے غور نہیں کیا۔" منیجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا ان پر کسی قسم کے دورے پڑتے ہیں۔"

"شائد۔" فریدی آہستہ سے بولا اور کچھ سوچنے لگا۔

"ڈاکٹر کو بلاؤں۔" منیجر نے کہا۔

"ذرا ٹھہریئے۔" فریدی نے کہا اور اوپری منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

سب لوگ کرنل شمشاد کے کمرے میں اکٹھا تھے۔ فرزانہ اب بھی ایک کرسی پر اکڑی بیٹھی اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں کو گھور رہی تھی۔

"تم کون ہو۔" اُس نے قاسم سے گرج کر پوچھا۔

"مم.... میں.... قاسم ہوں.... جی ہاں۔"

"ہم تمہیں اپنا میرلشکر بنائیں گے۔" فرزانہ بولی۔ "ان سب کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔"

"فرزانہ کیا بک رہی ہو۔" کرنل شمشاد چیخا۔

"اس بوڑھے کی گردن توڑ دی جائے۔" فرزانہ دانت پیس کر بولی۔ "تعمیل ہو۔"

اُس نے یہ بات قاسم کو مخاطب کر کے کہی تھی۔ قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں کرنل شمشاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ لوگ باہر چلئے۔" حمید نے غزالہ، شہناز اور صوفیہ کو مخاطب کر کے کہا۔

وہ تینوں باہر نکل آئیں، حمید بھی اُن کے پیچھے تھا۔

"آخر یہ اسے ہوا کیا۔" غزالہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کسی قسم کا دورہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"دورہ! مگر میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں پڑا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتی ہیں۔"

"ہم دونوں بہت عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" غزالہ نے کہا۔

"اچھا آپ لوگ اپنے کمروں میں جایئے! حمید نے کہا اور انہیں وہیں کھڑا چھوڑ کر پھر کرنل کے کمرے میں چلا گیا۔"

کرنل فرزانہ کے ہاتھ اور پیر باندھ رہا تھا اور وہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔

فریدی نے منیجر کو ڈاکٹر کے لئے فون کیا۔

"مجھے چھوڑ دو۔" فرزانہ چیخ رہی تھی۔ "سالار اعظم کیا دیکھتے ہو۔ تمہارے سامنے ماہدولت کی توہین ہو رہی ہے۔"

سالار اعظم بے چارہ دم بخود کھڑا طرح طرح کے منہ بنا رہا تھا۔

"میرے خیال سے انہیں یہاں تنہا رہنے دیا جائے۔" فریدی نے کرنل شمشاد سے کہا۔

"جیسا بہتر سمجھئے!" کرنل شمشاد بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔"

وہ سب کمرے سے نکل آئے اور اُسے باہر سے مقفل کر دیا گیا۔

"کیا اس قسم کے دورے بہت دنوں سے پڑتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں! کبھی نہیں۔ میں کیا کروں۔" کرنل شمشاد مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تعجب ہے۔" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

فرزانہ اندر چیخ رہی تھی۔

قاسم حمید کو اپنے کمرے کی طرف کھینچ رہا تھا۔ حمید سمجھا شائد وہ اس سلسلے میں اُسے کوئی بہت ہی اہم بات بتانا چاہتا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر حمید اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"حمید بھائی بہت بُرا ہوا۔" قاسم نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔"

"مجھے اُس پر گولی نہ چلانی چاہئے تھی۔"

"کیوں؟"

"اوہو.... اب کیا بتاؤں.... بس نہ چلانی چاہئے تھی۔"

"آخر کیوں.... کوئی وجہ۔"

"اُس بھوت نے اب فرزانہ کو جکڑ لیا ہے۔"

"فرزانہ ہی کو کیوں جکڑا ہے۔"

"اب کیا بتاؤں۔" قاسم فکر مند لہجے میں بولا۔ "ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ایک بار ایک صاحب نے ایک بھوت کو چھیڑ دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اُن کی بیوی پر آ گیا۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کیوں خفا کیوں ہوتے ہو حمید بھائی۔"

"کیا فرزانہ تمہاری بیوی ہے۔"

"نن.... نہیں.... مگر.... وہ عشق۔"

"اَخاہ! تو یہ کہئے چونکہ آپ اس سے عشق کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے وہ اس پر آ گیا۔"

"یہی.... یہی بات ہے حمید بھائی۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔

"اچھی بات ہے.... میں ذرا کرنل صاحب کو مطلع کر دوں۔"

"ارے.... ارے.... یعنی کہ....!"

"میں اُن سے صرف یہ کہوں گا کہ فرزانہ کی موجودہ حالت کا ذمہ دار قاسم ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بقیہ تم خود کہہ سن لینا۔"

حمید دروازے کی طرف بڑھا لیکن قاسم نے لپک کر اس کی کمر پکڑ لی۔

"یہ کیا؟"

"ارے تو کیا سچ مچ۔" قاسم جھنجھلا گیا۔

قاسم نے حمید کو چھوڑ دیا کیونکہ فریدی اُسے آواز دے رہا تھا۔ لیکن حمید کے ساتھ وہ بھی باہر نکل آیا۔

"شکاریوں کو چیک کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیوں؟"

"پھر پوچھنا۔" فریدی نے کہا اور کرنل شمشاد کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"کیا معاملہ ہے۔" قاسم نے حمید سے پوچھا۔

"کچھ نہیں! جاؤ اندر بیٹھو۔" حمید نے کہا اور ڈائننگ ہال میں جانے کے لئے سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

تینوں شکاری ڈائننگ ہال میں ناشتہ کر رہے تھے۔ رائفلیں اس وقت بھی اُن کے کاندھوں سے لٹک رہی تھیں۔ بھاری چہرے والے نے حمید کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے سر کو خفیف سا جنبش دی۔

"آیئے!" اُن میں سے ایک نے حمید کو دعوت دی۔

"اوہ.... !شکریہ۔" حمید بڑے بے تکلفی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بعض اوقات اپنی غیر دانش مندانہ حرکتیں وبال جان ہو جاتی ہیں۔"

"کیوں! خیریت۔" بھاری چہرے والے نے پوچھا۔

"ہمارے ساتھ کی ایک خاتون پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہے۔"

"اب کیا حال ہے۔ ابھی مجھے منیجر سے معلوم ہوا تھا۔"

"کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔"

شکاری چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"میرے خیال سے سردی.... آپ لوگوں نے واقعی غلطی کی خواتین کو ہرگز نہ لانا چاہئے تھا۔"

"کہئے کل رات کا شکار کیسا رہا۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں ملا۔ کل ہم نے دوسری طرف قسمت آزمائی تھی۔ اگر میرے ساتھ چار آدمی بھی اور ہوتے تو میں سیتل گھاٹی کو کبھی نہ چھوڑتا۔"

"اگر ہم اور آپ تعاون کر لیں تو....!" حمید نے کہا۔

"اوہ.... تب تو.... تب تو گرومی کو اپنی ولادت کا صحیح وقت بھی یاد آ سکتا ہے، مگر اس میں ایک دشواری ہے۔"

"وہ کیا؟"

"آپ لوگ یہاں اجنبی ہیں۔ پتہ نہیں وہ کب اور کہاں آپ کو گھیر لیں۔"

دفعتاً حمید کو محسوس ہوا کہ اس نے ایک بہت ہی لایعنی سی بات چھیڑ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ فریدی نے ایسے موقعے پر انہیں چیک کرنے کے لئے کہا تھا جس کا تعلق شکار سے قطعی نہیں تھا لیکن اب اُسے الجھن ہونے لگی تھی کہ آخر وہ انہیں کس طرح چیک کر لے۔ پتہ نہیں فریدی کے ذہن میں کیا تھا۔

حمید نے ایک آدمی کو ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا، جو وضع قطع سے ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں ایک ہینڈ بیگ لٹکا رکھا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب آ گئے۔" منیجر نے کاؤنٹر سے حمید کو مخاطب کیا۔

"اچھا تو اجازت دیجئے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

ڈاکٹر کرنل شمشاد کے کمرے کی طرف چلا گیا اور حمید فریدی کو تلاش کرنے لگا جو اُن چاروں کمروں میں سے کسی میں بھی نہیں تھا۔ اُس نے اس کے متعلق سب پوچھا لیکن کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ باہر جاتا تو اُسے ڈائیننگ ہال سے ضرور گزرنا پڑتا۔ پھر آخر وہ کہاں گیا۔ کیا فرزانہ کے سلسلے میں اُس نے کوئی اہم بات دریافت کی ہے۔

آخر کار تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ اُسے ایک غسل خانے میں مل گیا۔

"ڈاکٹر آ گیا ہے۔" حمید نے اُسے اطلاع دی۔

"ہوں....!" فریدی مڑ کر بولا۔ "تم نے شکاریوں کو چیک کیا۔"

"وہ تینوں ڈائیننگ ہال میں موجود ہیں۔" حمید نے کہا۔

"رات کہاں تھے؟"

"باہر.... لیکن سیتل گھاٹی کے علاوہ کہیں اور تھے۔"

"یہاں کس وقت آئے۔"

"پتہ نہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ آپ نے کیا چک کیا ہے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "فرزانہ یہاں اسی غسل خانے میں آئی تھی۔"

"ضرور آئی ہو گی۔" حمید بے دلی سے بولا۔

"اور اُسے جو کچھ بھی ہوا یہیں ہوا۔"

"حمید کچھ نہ بولا اُس کی طبیعت اکتا گئی تھی۔ یہاں آیا تھا تفریح کی غرض سے مگر ایک کیس سر پر سوار ہو گیا۔

وہ غسل خانے سے نکل آئے۔ کرنل شمشاد کے کمرے کے سامنے نواب رشید الزماں وغیرہ کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ شائد ڈاکٹر اور کرنل شمشاد اندر تھے۔ فرزانہ کی چیخیں بھی اب نہیں سنائی دیتی تھیں۔

"بیہوش ہو گئی ہے۔" نواب صاحب فریدی کو دیکھ کر بڑبڑائے۔

"ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ابھی تو کچھ نہیں معلوم ہوا.... دیکھ رہا ہے۔"

"میں میجر نصرت کو فون کرنے جا رہا ہوں۔ عورتوں کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیوں.... کیا بات ہے۔" نواب رشید الزماں گھبرا کر بولے۔

"کوئی بات نہیں۔ ویسے ہی کہہ رہا ہوں ان سے کہئے کہ ضد اچھی نہیں ہوتی۔"

غزالہ قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ خود نہیں کہہ سکتے۔" اُس نے کہا۔

"نہیں! اگر میرا کہنا نہ مانا گیا تو مجھے غصہ آجائے گا۔"

غزالہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ نواب رشید الزماں کمرے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے کیونکہ ڈاکٹر باہر آ رہا تھا۔

ڈاکٹری رپورٹ تو دوسروں کے لئے بڑی مبہم تھی۔ لیکن فریدی اس پر اس طرح چونکا تھا جیسے وہ انہیں امکانات پر غور کرتا رہا ہو۔ ڈاکٹر نے دورے کی وجہ اعصابی نظام میں خلل بتائی تھی۔ لیکن خلل کی وجہ خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آسکی تھی۔ اُس نے بیہوشی کے تدارک کے لئے انجکشن دیا تھا لیکن اس کی ذمہ داری نہیں لی تھی کہ ہوش میں آنے کے بعد اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر آجائے گی۔

فریدی ایک نئی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہوٹل ہی میں ٹھہرے یا سیتل گھاٹی کی طرف جائے۔ اُس نے پچھلی رات ہی کو تہیہ کر لیا تھا کہ دن کو وہاں کے اُن مقامات کا جائزہ ضرور لے گا جہاں وہ پُر اسرار شے نظر آئی تھی۔

اُس نے میجر نصرت کو فون کیا لیکن اُس وقت وہ نہ تو آفس میں موجود تھا اور نہ گھر پر۔ بہر حال وہ شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ عورتوں کو شہر پہنچا دیا جائے۔

کرنل شمشاد کی گھبراہٹ لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ابھی تک فرزانہ کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر جا چکا تھا۔ لیکن اُس نے تاکید کر دی تھی کہ ہوش آنے پر اُسے فوراً مطلع کیا جائے۔

قاسم کی پارٹی کے سارے افراد کرنل کے کمرے میں موجود تھے۔ دفعتاً حمید کو قاسم کا خیال آیا اور اُس کی عدم موجودگی اُسے بڑی عجیب لگی۔ اُس نے فریدی سے اُس کے متعلق پوچھا بھی لیکن اُس نے لاعلمی ظاہر کی۔

حمید اپنے کمرے کی طرف آیا۔ قاسم وہاں بھی نہیں تھا۔ البتہ حمید نے یہ بات ضرور محسوس

کی کہ قاسم کی پوستین اور رائفل بھی موجود نہیں ہے۔

وہاں سے وہ سیدھا ڈائننگ ہال میں آیا اور پھر منیجر سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ قاسم کچھ دیر قبل اُدھر سے گذر کر باہر گیا تھا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اُس کے پاس رائفل بھی تھی۔ حمید نے اُن تینوں شکاریوں کے متعلق پوچھا۔

"وہ اپنے کمروں میں ہوں گے۔" منیجر نے کہا۔

اور پھر اُس کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ تینوں شکاری اپنے کمروں میں موجود تھے۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر قاسم کہاں گیا۔

اُس نے اس کی اطلاع فریدی کو دی۔

"کیا وہ اس سے پہلے بھی ٹیکم گڈھ آ چکا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کبھی نہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"عجیب احمق آدمی ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کہیں وہ سیتل گھاٹی کی طرف نہ چلا گیا ہو۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ فرزانہ کو ہوش آ گیا ہے اور وہ اب بالکل ٹھیک ہے۔ اُسے قطعی نہیں یاد کہ اُس پر دورہ بھی پڑا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہی ہے کہ ابھی سو کر اٹھی ہے۔"

"کوئی ذہنی مرض۔"

"پتہ نہیں.... چلو جلدی کرو۔ کہیں وہ تمہارا اڈیوٹ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے ویسے یہاں کوئی بہت خطرناک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔"

قاسم کی چیخ

حمید اور فریدی سیتل گھاٹی کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستوں کی برف پگھل گئی تھی البتہ کہیں کہیں گڑھوں اور چٹانوں کی دراڑوں میں اب بھی نظر آ رہی تھی۔

راستہ صاف ہونے کی وجہ سے وہ خاصی تیز رفتاری سے چل رہے تھے۔ اُن کے خیال کے مطابق قاسم اگر سیتل گھاٹی کی ہی طرف گیا تھا تو انہیں توقع تھی کہ وہ اسے کہیں نہ کہیں راستے ہی میں پا لیں گے۔

"تو پھر آپ نے عورتوں کے متعلق کیا سوچا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میجر نصرت کو فون تو کیا تھا۔ لیکن وہ تھا ہی نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"یہ بھوتوں والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر اُن شکاریوں کے بیان کے مطابق وہ اُن کی مخالف پارٹی ہی کا کوئی شعبدہ ہے تو پھر وہ اسی سیزن میں کیوں نظر آیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ پچھلے سیزن میں انہوں نے کوئی اور حرکت کی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن ہوٹل کی لڑکی کے اغواء کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔"

"یہی دیکھنا ہے۔"

"دوسری بات یہ کہ آپ فرزانہ والے معاملے میں مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں اس دورے کو مرض نہیں سمجھتا۔"

"آخر کیوں؟"

"اس کی بھی وجہ ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس قسم کے دورے فی نفسہٖ مرض نہیں ہوتے بلکہ کوئی مرض رفتہ رفتہ بڑھ کر دورے کی وجہ بنتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ قطعی مختلف ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اعصابی نظام میں اچانک کوئی خلل واقع ہوا ہے اور پھر وہ ہوش آنے پر قطعی صحیح الدماغ ثابت ہوئی ہے۔ اب سنو! یہ اچانک قسم کے خلل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خود اعصابی نظام ہی کے کسی ردعمل کی بناء پر واقع ہوتا ہے مثلاً کسی صدمے کی وجہ سے اعصابی نظام میں اچانک کوئی تبدیلی پیدا ہو کر خلل بن جائے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی دوا یا زہر اس کا باعث ہو۔ پہلی صورت عموماً مستقل ہوتی ہے یعنی وہ خلل مستقل طور پر قائم رہ سکتا ہے۔ لیکن دوسری صورت میں خلل دیرپا نہیں ہوتا مثال کے طور پر شراب کے استعمال کو لے لو۔ جب تک شراب کا اثر اعصاب پر رہتا ہے آدمی حواس میں نہیں رہتا لیکن اثر زائل ہوتے ہی اس کی ذہنی حالت اعتدال پر آ جاتی ہے۔ فرزانہ کا دوبارہ ہوش میں آ جانا ثابت کرتا ہے کہ اُس نے کوئی ایسی چیز استعمال کی تھی جس نے تھوڑی دیر کے لئے اس کا دماغ الٹ دیا۔"

"استعمال کی تھی۔" حمید چونک کر بولا۔ "یعنی.... آپ کا مطلب ہے...."

"میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ کوئی دماغ الٹ دینے والی چیز تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے

نادانستگی میں اُسے استعمال کیا ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کی بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ لیکن مقصد سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ فرزانہ بچہ تو تھی نہیں کہ سوچے سمجھے بغیر ایسی کوئی چیز استعمال کر بیٹھتی۔

وہ دونوں خاموشی سے راستہ طے کر رہے تھے۔

سیتل گھاٹی سنسان پڑی تھی، چونکہ پچھلی رات کو مزید برف باری نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے صرف نشیب ہی کی زمین میں تھوڑی بہت برف نظر آرہی تھی یا پھر چٹانوں کے رخنے برف سے پُر تھے۔ وہ دونوں چٹانوں کا سلسلہ پار کر کے دوسری طرف پہنچے اور پھر انہوں نے قاسم کی آواز سنی، جو عربی میں کچھ پڑھ رہا تھا۔

اس کی پشت ان کی طرف تھی اور وہ ایک چٹان پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا۔ فریدی ہنس پڑا۔ لیکن قاسم اتنا محو تھا کہ شاید اس نے اس کی آواز نہیں سنی۔

"یہ کیا پڑھ رہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"درود تاج۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بھوتوں کو بھگانے کے لئے۔"

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اُس کے پیچھے پہنچ گئے۔ قاسم کو خبر تک نہ ہوئی۔ شاید اس نے آنکھیں بھی بند کر رکھی تھیں اور جھوم جھوم کر درود تاج پڑھ رہا تھا۔

حمید نے اس کے کاندھے پر ہاتھ مارا.... اور پھر.... دفعتاً قاسم درود تاج بھول گیا اور اس کے منہ سے خوف زدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ سر شانوں میں گھسا جا رہا تھا۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ کی۔

فریدی اور حمید ہنس پڑے۔

"ارے....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے بھی احمقوں کی طرح ہنسنا شروع کر دیا۔

"یہ کیا ہو رہا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہو گیا۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "میں نے یہ سرزمین بھوتوں سے صاف کر دی۔"

"خوف....!" فریدی مسکرا کر بولا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"حمید بھائی! ان کا کیا حال ہے۔" قاسم نے سر جھکا کر شرماتے ہوئے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے۔ اب وہ تمہیں سالار اعظم بنانے کی بجائے متبنّی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

قاسم کچھ نہ بولا۔

"حمید....!" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ "وہ دراڑ کیا ہو گئی جہاں وہ پچھلی رات کو غائب ہوا تھا۔"

"اوہ.... واقعی.... ادھر ہی تو تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے.... اور گول چٹان.... لیکن دراڑ کیا ہو گئی۔"

"میں نے سب کچھ غائب کر دیا۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔ "مجھے سفلی عمل بھی آتے ہیں۔ لیکن میں نے صرف علوی سے کام لیا ہے۔ میں نے ان بھوتوں کو جلا دیا۔"

"آؤ ذرا دیکھیں تو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"ذرا آسمان کی طرف بھی دیکھتے رہئے گا۔ میرا خیال ہے کہ برف باری ضرور ہو گی۔"

"اوہ چلو!" فریدی نے کہا۔ "میں یہاں کے بہتیرے اچھے قسم کے غاروں سے واقف ہوں۔ جہاں ہم پناہ لے سکیں گے۔ کرنل ڈکسن[1] والے کیس نے مجھے ٹیکم گڈھ کے چپے چپے سے واقف کرا دیا تھا۔"

"سب بے کار ہے۔" قاسم نے بڑی خود اعتمادی سے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ چلو آگے بڑھو۔" فریدی نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

کافی دیر تک چھان بین کرتے رہنے کے باوجود بھی اس دراڑ کا پتہ نہ چلا جہاں وہ پہلا بھوت غائب ہوا تھا۔ پھر وہ اس چٹان پر آئے جہاں پر انہوں نے دوسرا بھوت دیکھا تھا لیکن یہاں بھی انہیں کوئی بات نہ معلوم ہو سکی۔

"حمید صاحب! اب میں بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمیں ہوٹل میں روکے رکھنے کے لئے فرزانہ پر کوئی دوا آزمائی گئی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"میں نے غسل خانے میں انجکشن لگانے کی ایک باریک سی سوئی پائی تھی۔"

"تو کیا.... انجکشن....!"

"میرا خیال یہی ہے۔ ورنہ غسل خانے میں انجکشن کی سوئی کا کیا کام اور پھر اگر وہ کچھ دن

[1] کرنل ڈکسن کے لئے "نیلی روشنی" جلد نمبر 6 ملاحظہ فرمائیے۔

پہلے کی ہوتی تو پیروں کے نیچے دب دب کر اُس کی رنگت بگڑ گئی ہوتی۔"

"کیا فرزانہ نے ہوش میں آنے کے بعد انجکشن کا تذکرہ کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میں اتنی دیر تک ٹھہرا ہی نہیں کہ اسے معلوم کرتا۔"

"فریدی صاحب۔" قاسم بڑے سعادت مندانہ لہجے میں بولا۔ "یقین کیجئے کہ میں نے سب ٹھیک کر دیا ہے۔ اگر پھر کوئی گڑبڑ ہوئی تو آپ پر ایک جلالی عمل کروں گا۔"

"اچھا.... اچھا....!" فریدی ہنس کر بولا۔

حمید نے آسمان کی طرف دیکھا اور اس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ پورا آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔

"اب نکل ہی چلئے تو بہتر ہے۔" اس نے کہا۔ "برف باری ہونے ہی والی ہے۔"

فریدی جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ فضا میں باریک باریک سفید ذرات اڑنے لگے۔

"اُوہ.... یہ تو آ ہی گئی۔" فریدی بڑبڑایا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ فریدی ان کے آگے تھا۔

"قاسم سنبھل کر۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... چلتے رہئے۔"

وہ دو چٹانوں کی ایک درمیانی دراڑ میں گھسے۔ برف تیزی سے گرنے لگی تھی اور خلاء میں سفیدی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

"چلو اندر چلو۔" فریدی نے ایک غار کے دہانے کی طرف اشارہ کیا۔

لیکن پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔ اس کی وجہ حمید کی بھی سمجھ میں آ گئی تھی۔ غار کے دہانے سے کچھ ایسی خوشبو آ رہی تھی جیسے اندر گوشت بھونا جا رہا ہو۔

حالانکہ دراڑ کا دہانہ اوپر سے تنگ تھا۔ لیکن پھر بھی برف کے ذرات اُن پر گر رہے تھے۔

"کوئی اندر ہے؟" حمید نے سرگوشی کی۔

"چلو! ممکن ہے شکاریوں میں سے کوئی ہو۔" فریدی نے کہا اور غار کے دہانے میں اتر گیا۔ قاسم اور حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

اندر دھندلی سی روشنی تھی۔ ایک جگہ آگ جل رہی تھی۔ جس کے قریب دو آدمی

بیٹھے کوئی پرندہ بھون رہے تھے۔ ان کے غار میں داخل ہونے پر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ ان کے لئے کوئی غیر متوقع بات نہ رہی ہو۔ ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کر کے کچھ کہا لیکن جواب نہ پا کر اس نے انہیں غور سے دیکھا اور پھر اچانک اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اسپرنگ پر بیٹھا رہا ہو۔ اس کا ساتھی بھی کھڑا ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "برف باری کی وجہ سے ہمیں یہاں پناہ لینی پڑی۔"

ان لوگوں کے چہروں پر روشنی صاف نہیں پڑ رہی تھی اس لئے وہ انہیں گھورتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔ فریدی اور حمید پر سے نظریں ہٹا کر اُس نے قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔

پھر اس نے اپنے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم تو کہتے تھے کہ وہ صرف تین ہیں۔ اس کا ساتھی بھی آگ کے پاس سے ہٹ کر اُن کے قریب آ گیا۔"

"لیکن یہ لوگ....!" دوسرا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہم لوگ یہاں اجنبی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی نظریں ایک آدمی پر جمی ہوئی تھیں جو کافی قوی الجثہ اور لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔ پھر اس کی نظریں ان دو رائفلوں پر پڑیں جو ایک پتھر سے ٹکی ہوئی تھیں۔"

"شکاری....؟" پہلے نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" فریدی بولا۔

"کس ٹولی سے تعلق ہے۔"

"ہم پیشہ ور شکاری نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تفریحاً چلے آئے ہیں۔"

"اوہ! قیام کہاں ہے؟"

"فزارو میں....!"

پہلے نے دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اس کے بعد وہ پھر قاسم کو گھورنے لگا۔

"کیا.... آپ لوگ وہی تو نہیں جنہوں نے پچھلی رات ان خبیثوں پر گولیاں چلائی تھیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے اپنے چہرے پر استعجاب پیدا کر کے کہا۔

"کل رات آپ لوگ یہاں آئے تھے۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔"

"آپ کو کس نے بتایا کہ شکار یہاں ملے گا۔"

"اوہ.... " فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا "کل فزارو میں تین شکاریوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ شکار صرف سیتل گھاٹی میں ملتا ہے۔"

"تین شکاری۔" پہلا دانت پیس کر بڑبڑایا۔

"کیوں؟ کیا انہوں نے ہمیں غلط مشورہ دیا تھا۔" فریدی نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"اوہ.... نہیں تو.... یہاں واقعی بہت شکار ہے۔"

"تب تو بہت اچھا ہے۔" فریدی ایک پتھر کے ٹکڑے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے حمید اور قاسم کو بھی بیٹھنے کو کہا۔

دونوں اجنبی بھی بڑے بے تعلقانہ انداز میں آگ کے قریب جا بیٹھے۔

"اگر سردی زیادہ لگ رہی ہو تو یہاں آجایئے۔" ان میں سے ایک نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"جی شکریہ! ہم بالکل ٹھیک ہیں۔" فریدی بولا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شائد وہ دونوں گرومی کی پارٹی کے آدمی ہیں۔ وہ تجسس آمیز نظروں سے غار کا جائزہ لیتا رہا۔

"آپ لوگوں کا شکار کیسا رہا۔" دفعتاً فریدی نے پوچھا۔

"یہ سیزن ابھی تک بڑا خراب رہا ہے۔" ان میں سے ایک بولا۔ "شائد برف تیزی سے گر رہی ہے۔ دیکھنا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ غار کا دہانہ ہی بند ہو جائے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"ٹھہریئے! ہم دیکھتے ہیں۔" ایک نے کہا اور اسی کے ساتھ دوسرا بھی اٹھ گیا۔

"ہم بھی چلتے ہیں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"ان کے اٹھتے اٹھتے ہی وہ دونوں غار کے دہانے سے نکل گئے لیکن حمید نے محسوس کیا کہ و غار کے دہانے کے قریب گری ہوئی برف کو دوسری طرف سرکانے کی بجائے دراڑ کے دہانے کی طرف کھسکا رہے تھے۔ وہ دوبارہ غار کے دہانے کی طرف لوٹے اور بہت سی برف اپنے بیلچوں کے ذریعے گھسیٹ لے گئے۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور وہ تینوں مطمئن ہو کر اندر بیٹھے رہے۔ پھر بیلچوں کی رگڑ سے پیدا ہونے والی آواز جاری تھی۔

فریدی وغیرہ نے اٹھ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ بس بیلچے چلنے کی آوازیں سنتے رہے اور پھر شکار کی باتیں چھڑ گئیں۔ دفعتاً فریدی تھوڑی دیر بعد چونکا۔

"اوہ.... ہمیں بھی ان کی مدد کرنی چاہئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

دہانے کے باہر چٹانوں پر بیلچے چلتے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ باہر نکل آئے اور قاسم بے ساختہ ہنس پڑا۔ ہنسی حمید کو بھی آئی۔ لیکن بیساختہ قسم کی نہیں تھی۔ فریدی نے البتہ بہت بُرا منہ بنایا تھا۔

کچھ دور پر ان کے سامنے ہی ایک خارش زدہ لومڑی پڑی تھی اور ایک بیلچہ اس کے پیروں سے بندھا ہوا تھا۔ وہ آزاد ہونے کے لئے اپنے جسم کو جنبش دے رہی تھی اور بیلچہ ایک پتھر سے رگڑ کھا کر آوازیں پیدا کر رہا تھا۔

"دیکھا تم نے۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ "کم بخت اس طرح ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے۔"

"مگر جائیں گے کہاں؟" حمید بولا۔ "برف کتنی گہری گر رہی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا۔"

فریدی دوڑتا ہوا دراڑ کے دہانے تک گیا اور چند لمحے رک کر پھر پلٹ آیا۔

"کسی طرف نکل گئے۔" خیر قاسم تم یہیں ٹھہرو۔ ہوشیار رہنا اور حمید تم میرے ساتھ آؤ۔"

قاسم کو دراڑ کے دہانے پر چھوڑ کر فریدی اور حمید دوبارہ غار میں داخل ہوئے۔

"اپنا سارا سامان بھی چھوڑ گئے۔" فریدی نے ان کی رائفلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اور پھر اچانک ایک دوسری چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ یہ کسی عورت کا شب خوابی کا لبادہ تھا۔ اس نے لپک کر اُسے اٹھالیا اور پھر اسے اس پر کئی جگہ خون کے دھبے بھی دکھائی دیئے۔

دفعتاً قاسم کی خوفناک چیخ سے پوری دراڑ گونج اٹھی۔

آنکھ کھلی تو

حمید اچھل کر باہر بھاگا۔ قاسم دراڑ کے دہانے کے قریب زمین پر اکڑوں بیٹھا گھٹنوں میں منہ دیئے ہوئے درود تاج پڑھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ہپ.... حمید.... بھائی.... بھھ....!"

"کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

قاسم نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کمر دبائی اور بوڑھوں کی طرح کراہ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"کوئی کسر رہ گئی۔ اب میں سفلی عمل کروں گا۔" قاسم بولا۔

"کیا بک رہے ہو۔"

"اللہ قسم ابھی ابھی ادھر سے گزرا ہے۔" قاسم نے دراڑ کے دہانے کی طرف اشارہ کر کے ک

"کون....؟"

"وہی رات والا بھوت۔"

فریدی دراڑ کے باہر دیکھنے لگا لیکن برف باری کی زیادتی کی وجہ سے دراڑ کے دہانے پر سفید رنگ ایک پردہ سا لہلتا نظر آرہا تھا اور اس پار کی کسی چیز کی دھندلی سی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

"کہاں دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہاں.... بالکل دراڑ سے لگ کر نکلا تھا۔" قاسم نے کہا۔

"تمہیں دھوکا ہوا ہو گا۔"

"دھوکا.... نہیں اللہ قسم۔"

"تو اس بُری طرح چیخنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید نے کہا۔

"حمید بھائی.... بھوت تھا۔"

"ختم کرو بے کار باتیں۔" فریدی نے کہا۔ "حمید تم اس سرے پر ٹھہرو اور قاسم تم اپنی جگ رہو گے۔"

"اور آپ....!" قاسم بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر غار میں اتر گیا۔ حمید اور قاسم دراڑ کے دو دہانوں میں کھڑے رہے۔

برف باری تھمنے کے آثار نہیں تھے۔ کبھی فضا میں چھائی ہوئی سفید دھندلاہٹ ہلکی ہو اور کبھی گہری۔ دراڑ کے دہانے پر برف کے دو دو فٹ اونچے ڈھیر ہو گئے تھے اور ان کی اونچائی

اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا۔

"یار اس بیچے کو لومڑی کے پنجے سے رہائی دلوانی چاہئے۔" حمید نے قاسم کو مخاطب کیا۔

"کیوں.... پڑا رہنے دو۔" قاسم بڑبڑایا۔

حمید کچھ کہنے والا تھا کہ فریدی غار سے باہر آگیا۔ اس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے۔

حمید اُسے چند لمحے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کیا بات ہے؟"

"ان برخوردار کی بدولت۔" فریدی قاسم کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔" قاسم گڑبڑا کر بولا۔

"کچھ نہیں تم یہیں ٹھہرو اور اپنے وظیفے بلند آواز میں پڑھتے رہنا۔" فریدی نے کہا۔ پھر اس نے حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

غار میں پہنچ کر اس نے اس پتھر کی طرف اشارہ کیا جس پر حمید نے غائب ہو جانے والوں کی رائفلیں دیکھی تھیں۔ اب رائفلیں وہاں نہیں تھیں۔

"ہم بمشکل تمام دو یا تین منٹ دراڑ میں ٹھہرے ہوں گے۔" فریدی نے کہا "اور اتنی ہی دیر میں نہ صرف رائفلیں بلکہ وہ شب خوابی کا لبادہ بھی غائب ہو گیا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ دراصل اس وقت اس کا ذہن کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ انتہائی گرم کپڑوں اور قیمتی پوستین کے باوجود بھی سردی کے مارے اس کا بُرا حال تھا۔ اس پر اس اطلاع کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ اس کے ذہن میں غار کی نیم تاریک فضا اور الاؤ میں جلنے والے پرندے کی چراندھ کا ایک نیم خوابیدہ سا احساس موجود تھا اور بس۔

"کیا تم بھی بھوتوں کے متعلق سوچنے لگے۔" فریدی اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

"اوں.... ہاں.... میں کچھ نہیں سوچ رہا ہوں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے جھک کر الاؤ سے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور آہستہ سے بولا۔ "مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ غار کے دوسرے دہانے کا مجھے خیال نہیں رہ گیا تھا۔ اب سے ڈیڑھ سال قبل میں نے اپنی تین راتیں اسی غار میں گزاری تھیں۔"

وہ جلتی لکڑی اٹھائے کشادہ غار میں ایک طرف بڑھ رہا تھا۔ حمید کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ

لیکن وہ مجبوراً ساتھ دیتا رہا۔ آگے چل کر ایک تنگ سا موڑ تھا اور پھر اس کے آگے راستہ تھا۔ حمید جھنجھلا کر اٹھا۔ بھلا وہ دوسرا دہانہ کہاں ہے۔

فریدی اس کی طرف مڑا۔

"ضروری نہیں کہ آپ کی یادداشت ہمیشہ اچھی ثابت ہوتی رہے۔" حمید نے جلے بھنے میں کہا۔

"کیوں.... کیا ہوا؟"

"سنئے! میرا موڈ بہت خراب ہے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ میں ہو کر گرتی ہوئی برف میں ناچنے لگوں۔"

"آخر کچھ کہو بھی تو۔"

"کیا وہ دوسرا دہانہ صرف آپ ہی کو دکھائی دے رہا ہے۔" حمید جھنجھلاہٹ میں چیخ پڑا۔

"اوہ.... یہ بات ہے۔ اچھا ادھر آؤ۔"

فریدی غار کے انتہائی سرے سے پیٹھ لگا کر اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

دفعتاً حمید کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ قاسم نے بھی ابھی وہ بھوت دیکھا تھا تو کیا فرید بھی کسی بھوت کا سایہ ہو گیا ہے یا اس بھوت ہی نے فریدی کی شکل اختیار کر لی ہے۔

حمید بڑی تیزی سے یہ سب کچھ سوچتا چلا گیا۔ سردی کی شدت سے مضمحل ہوتا ہوا سب کچھ سوچ سکتا ہے۔ ایسی حالت میں حمید خود پر بھی بھوت سوار ہو جانے کا شبہ کر سکتا پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن کی پراگندگی نے دھندلی میں فریدی کے سر پر سینگ بھی اگا دیئے۔

جلتی ہوئی لکڑی بجھنے لگی تھی۔ حمید کو فریدی کا چہرہ حد درجہ بھیانک نظر آنے لگا اور پھ وہ چیخ مار کر بھاگا۔

فریدی اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالت کو بغور دیکھتا رہا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے قاسم نے حمید کو اس طرح غار سے نکلتے دیکھا تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"بھاگو....!" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔

قاسم نے بھی چیخ مار کر دراڑ کے باہر چھلانگ لگا دی اور پھر فریدی نے ان دونوں کو

کے ذرات کی دھند میں غائب ہوتے دیکھا۔

پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ حمید پر شائد شرارت کا بھوت سوار ہے لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ برف اتنی تیزی سے گر رہی تھی کہ دس قدم دور کی بھی کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے ان دونوں کے نام لے لے کر چیخنا شروع کر دیا.... مگر جواب ندارد۔

"کیا حماقت ہے۔" وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔ برف باری کی رفتار لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جارہی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دراڑ کا دہانہ تھوڑی ہی دیر بعد برف سے ڈھک جائے گا۔ فریدی نے کسی نہ کسی طرح خارش زدہ لومڑی کے پیروں سے بیلچہ کھولا اور وہ خوں خوں کرتی ہوئی غار میں گھس گئی۔

پھر وہ بیلچے کی مدد سے دراڑ کے دہانے پر اکٹھا ہوتی ہوئی برف ہٹانے لگا۔ حمید اور قاسم کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر حمید کا وہ فعل محض مذاق تھا تو اسے زیادہ دیر تک برقرار نہ رہنا چاہئے تھا۔ آخر وہ کیا سمجھ کر اس طرح بھاگا وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حمید یک بیک اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا۔

وہ بیلچے سے برف ہٹاتا رہا.... رہ رہ کر وہ حمید اور قاسم کو آوازیں بھی دیتا جارہا تھا۔ پھر اچانک خاموش ہو گیا۔ اس طرح چیختے رہنا بھی حماقت ہی تھی۔ برف ہٹاتے ہٹاتے تھک گیا تو بیلچہ ایک طرف ڈال کر بیٹھ گیا لیکن اس طرح کہ دراڑ کے دونوں طرف نظریں رہ سکیں۔ وہ مطمئن نہیں تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ کچھ پُر اسرار نامعلوم آدمی اس کے قریب ہی کہیں موجود ہیں اور کسی وقت بھی اس پر حملہ کر سکتے ہیں۔ غار میں پائے جانے والے اجنبیوں کا اس طرح بھاگنا ان کی نیت کے فتور کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔ لیکن ان کا مقصد کیا تھا۔ اگر وہ گرومی ہی کی پارٹی کے آدمی تھے تو انہوں نے خود کو مشتبہ بنانے کی کوشش کیوں کی۔ اگر وہ سکون اور اطمینان سے غار ہی میں بیٹھے رہتے تو فریدی ان کا کیا لیتا اور پھر یہ بات قانوناً جرم بھی نہیں تھی۔ بہر حال ان کے اس طرح بھاگ جانے پر وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ شب خوابی کا لبادہ اسی لڑکی کا نہ رہا ہو جسے فرار و سے اٹھایا گیا تھا اور پھر وہ لوگ اپنی جان پر کھیل کر اس لبادے کو وہاں سے اٹھا بھی تو لے گئے تھے۔

پھر ایک خیال اور بھی آیا.... وہ یہ کہ کہیں وہ لوگ اسے پہچانتے نہ ہوں۔ اگر یہ بات تھی تو

وہ خود بھی خطرے میں تھا۔ اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ حقیقتاً وہ بڑے خطرے میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ان کی تعداد دو سے زیادہ ہوئی تو جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ اسے اس وقت بڑ آسانی سے گھیر کر مارا جا سکتا تھا اس کے لئے صرف تین ہی آدمی کافی ہوتے۔ دو تو غار کے در کے دونوں دہانے سنبھال لیتے اور ایک دوسری طرف سے غار کے دہانے پر آ جاتا۔

غار کے دوسرے دہانے کے متعلق حمید کو دراصل غلط فہمی ہوئی تھی اگر وہ فریدی کے بلانے پر اس کے قریب چلا جاتا تو اس دوسرے دہانے کو بہ آسانی دیکھ لیتا۔ وہ دراصل اوپر کی طرف تھا۔ ایک تنگ راستہ جو ایک ڈھلان کی شکل میں دس گیارہ فٹ اوپر کی طرف چلا گیا تھا۔

قصور اس کا نہیں بلکہ اس کے تھکے ہوئے ذہن کا تھا۔ پچھلی رات شائد تین بجے سونا نصیب ہوا تھا اور پھر سردی کی شدت! اونگھتے ہوئے ذہن نے واہمے کو تقویت دی اور وہ فریدی ہی کو بھوت سمجھ بیٹھا۔ پھر اس طرح بے تحاشا بھاگا کہ برف باری کی پرواہ کئے بغیر دراڑ سے نکل گیا۔ اس نے قاسم کو بھی بھاگتے دیکھا تھا۔ لیکن آگے چل کر گرد و پیش کے اڑتے ہوئے سفید ذرات نے اُسے قریب قریب اندھا کر دیا۔ اب نہ وہ اس دراڑ ہی کی طرف جا سکتا تھا اور نہ آگے ہی بڑھ سکتا تھا کیونکہ اب اس کے ذہن کی وہ نیم غنودہ سی کیفیت ختم ہو گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں سچ مچ کسی گڑھے ہی میں نہ گر پڑے۔ اس نے بوکھلا کر تھوڑی سی جگہ میں چکر کاٹنے شروع کر دیئے۔ اسے کسی آدمی کی پے در پے چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چیخنے والا کون ہے۔ اگر ایک بار بھی وہ چیخیں اس کے کان پڑ جاتیں تو وہ آواز کی طرف چل پڑ اور پھر اسی دراڑ تک پہنچ جاتا کیونکہ وہ درحقیقت فریدی تھا جس کی آواز اس کے کانوں تک ہذیا قسم کی چیخ بن کر پہنچ رہی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت نہ اسے فریدی کا خیال تھا اور نہ قا کا.... بس وہ ایک محدود سی جگہ میں چکر لگا رہا تھا۔

اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے برف کا ایک بہت بڑا ڈھیر اس پر آ رہا ہو۔ وہ زمین پر گر پڑا لیکن برف کا وہ ڈھیر جو اس پر مسلط ہو گیا تھا۔ انتہائی قوت صرف کرنے کے باوجود بھی اس پر مسلط ہی رہا۔ یہ عجیب بات تھی کہ نیچے دبا ہوا برف کا بستر بڑا ملائم تھا۔ لیکن اوپر کا ڈھیر جمی ہوئی برف کی طرح سخت تھا۔ پھر اس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ اوپر کی طرف اٹھ رہا ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خود اس ڈھیر پر مسلط ہو گیا۔ لیکن اس جدوجہد میں اس کے قویٰ جواب دے چکے تھے

رفتہ رفتہ اس پر غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک سفیدی پر تاریکی کے غلاف چڑھ گئے۔

پتہ نہیں اُسے کس وقت ہوش آیا۔ چاروں طرف تاریکی تھی۔ ایسا گھنا اندھیرا جس میں روشنی کا ہلکا سا دھبہ بھی نہیں تھا۔ ہوش آتے ہی سب سے پہلے اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اس کا جسم ہموار زمین پر نہیں ہے۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن جسم کو جنبش نہ دے سکا۔ آہستہ آہستہ اس کا ذہن صاف ہوتا جا رہا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے کسی آدمی کی آواز سنی جو شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہا تھا۔ آواز قریب ہی سے آ رہی تھی۔ حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ لیکن بے سود.... آواز لحظہ بہ لحظہ بلند ہوتی جا رہی تھی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آواز کسی پھوٹ پھوٹ کر رونے والے کی آواز میں تبدیل ہو جائے گی۔

"ہائیں.... قاسم....!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

"غغ.... غغ.... غوں.... غمید بھائی۔"

"میں اس وقت سفلی کر رہا ہوں۔ بھوت نے مجھے بوتل میں بند کر دیا ہے۔" قاسم نے کہا اور بلند آواز میں بڑبڑانے لگا۔ "لونگ لوٹا.... جھونک جھوٹا.... ہلدی کی گانٹھ.... کٹاری کی آنکھ.... اتار بندھوں کٹار باندھوں.... باندھو چپکل چشک بھیروں.... بھیروں.... بھیروں۔"

"چپ رہو۔" حمید نے اسے ڈانٹا۔

"ارے ارے.... گڑبڑ نہ کرو۔" قاسم نے ہانک لگائی۔

"بکواس بند کرو۔ فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"پتہ نہیں.... لونگ لوٹا.... جھونک جھوٹا.... ہلدی کی.... گگ.... گانٹھ....!"

قاسم بڑبڑا رہا تھا اور حمید اپنی پوستین کے نیچے ریوالور کا ہولسٹر تلاش کرنے لگا۔ لیکن وہ کارتوس کی پیٹی سمیت غائب تھا۔ رائفل کے متعلق تو خیر اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ چلتے وقت اس نے گھڑی بھی نہیں لگائی تھی کہ اس کے اندھیرے میں چمکنے والے ہندسوں سے وقت ہی کا اندازہ لگا سکتا۔

دفعتاً اسے سگار لائٹر یاد آیا۔ لیکن اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں اُسے بھی نہ نکال لیا گیا ہو۔ اس اندھیرے میں وہ امید کی آخری کرن تھی۔ آخر جی کڑا

کر کے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سگار لائٹر موجود تھا۔

جیسے ہی اس نے سگار لائٹر جلایا قاسم کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ لیکن وہ کہاں؟ حمید آنکھیں پھاڑے چاروں طرف گھورتا رہا۔ لیکن قاسم کہیں نہ دکھائی دیا۔ البتہ اس آواز وہ صاف سن رہا تھا۔

شائد اب قاسم نے سفلی اور علوی دونوں قسم کے عمل ایک ساتھ شروع کر دیئے تھے۔

یہ ایک کافی کشادہ غار تھا لیکن چاروں طرف سے بند۔ کہیں بھی کوئی رخنہ نظر نہیں آتا تھا۔ حمید کا دم گھٹنے لگا۔

"ارے! ہو ہو ہو۔" قاسم کی آواز غار میں گونج رہی تھی۔

دشمن شکاری

برف باری ختم ہو جانے کے بعد فریدی، قاسم اور حمید کو بڑی دیر تک تلاش کرتا رہا لیکن نہ ملے۔ تشویش لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ دونوں کسی گڑھے میں گر کر برف میں دفن نہ ہو گئے ہوں۔

وہ کب تک انہیں تلاش کرتا.... آخر تھک ہار کر فرازو کی طرف لوٹنا پڑتا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا ممکن ہے وہ دونوں فرازو ہی پہنچ گئے ہوں لیکن یہ خیال محض ایک دل بہلانے والا خیال رہا۔ اسی خیال کے ساتھ اُسے یہ بھی سوچنا پڑتا تھا کہ اگر حمید فرازو پہنچ گیا ہوتا تو کچھ آدمیوں اپنے ساتھ لے کر اُس کی تلاش میں واپسی ضرور آتا۔

بہر حال فرازو پہنچ کر فریدی کو یقین آ گیا کہ وہ دونوں یقیناً برف ہی میں کہیں دب کر رہ گئے ہیں۔ اُس نے میجر نصرت کو فون کیا وہ آفس ہی میں موجود تھا۔ فریدی فون پر اُسے وضاحت کے ساتھ کچھ نہ بتا سکا۔ ویسے اُس نے اُس سے جلد سے جلد فرازو پہنچ جانے کی استدعا کی تھی۔

فریدی نے اپنے پچھلی رات کے کارناموں کے متعلق نواب رشید الزماں وغیرہ کو کچھ نہ بتایا تھا لیکن اب بتانا ہی پڑا۔ حمید اور قاسم کا انجام سن کر وہ سب سناٹے میں آ گئے۔ شہناز کے چہرے سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے گی۔

"میاں تم نے بڑی غلطی کی۔" نواب رشید الزماں بولے۔ "آخر ایسی صورت میں وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ بھوت نہیں تھے۔" فریدی نے کہا۔

"چلو یہی سہی لیکن ہم سے بھی تو تذکرہ کرنا چاہئے تھا۔"

غزالہ نے بھی کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گئی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔" فریدی بولا۔

"چلو انہیں تلاش کریں۔" کرنل شمشاد نے کہا۔

"میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔" اُس کی لڑکی فرزانہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے میجر نصرت کا انتظار ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میرا ذہن اس وقت کام نہیں کر رہا ہے پتہ نہیں حمید کو کیا ہو گیا تھا اور وہ اس طرح کیوں بھاگا تھا۔"

"فریدی صاحب۔" کرنل شمشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "آپ لوگ یقیناً کسی شیطانی چکر میں پڑ گئے ہیں۔ آپ کا جوانی کا خون ہے اور ابھی آپ پہاڑ سے بھی ٹکرا سکتے ہیں۔ میں بھی آپ ہی کی طرح بدارواح کا قائل نہیں تھا۔ لیکن 1944ء میں لیبیا کے محاذ پر مجھے قائل ہی ہو جانا پڑا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ بہت زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا اس کے لئے یہ خیال انتہائی تکلیف دہ تھا کہ وہ اب حمید کو کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ لیکن پھر بھی رہ رہ کر دروازے کی طرف اس انداز سے دیکھ لیتا تھا، جیسے اُسے توقع ہو کہ ابھی حمید اپنے مخصوص لہجے میں کوئی نیا شوشہ چھوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہو گا وہ تھوڑے دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"اب آپ لوگ براہِ کرم یہاں سے کہیں اور چلنے کی تیاری کیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"کہاں چلیں۔" نواب رشید الزماں نے پوچھا۔

"میجر نصرت کہیں نہ کہیں انتظام کریں گے۔" فریدی نے کہا اور پھر یک بیک اس طرح چونک پڑا جیسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔ اُس کی نظریں فرزانہ کے چہرے پر جم گئیں اور فرزانہ آنکھیں چرانے لگی۔

"آپ صبح غسل خانے گئی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں؟ جی ہاں.....!"

"وہاں اندھیرا رہا ہوگا۔"

"تھا تو..... لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"پانچ بجے سے سات بجے تک آپ کہاں تھیں۔"

"شائد غسل خانے سے واپس آکر میں پھر سو گئی تھی۔"

"یہ آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ آپ غسلخانے گئی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"اس سلسلے میں کوئی خاص بات بھی آپ کو یاد ہے۔"

"خاص بات۔" فرزانہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر دفعتاً اُس نے اپنے دائیں بازو کو ہاتھ سے دبا کر سا منہ بنایا۔

"کوئی تکلیف.....!" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کس چیز نے کاٹ لیا ہے۔" فرزانہ نے آستین سمیٹ لی۔

بازو پر ایک اُبھرا ہوا چھوٹا سا نشان تھا۔ فرزانہ نے اُسے ہولے سے دبایا اور "سی" کرنے لگی۔

فریدی نے اٹھ کر اُسے دیکھا اور پھر اپنی کرسی پر آبیٹھا۔

"انجکشن کا نشان۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا؟" کرنل شمشاد نے چونک کر کہا۔

"انجکشن کا نشان۔" فریدی نے دوہرایا۔ پھر کرنل کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "ڈاکٹر نے انجکشن دیا تھا۔"

"پنڈلی میں۔"

"آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

اب فرزانہ اپنی پنڈلیاں بھی ٹٹولنے لگی تھی۔

"جی ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"تو پھر ان کی وہ کیفیت اسی انجکشن کا نتیجہ تھی، جو بازو پر لگایا گیا ہے۔"

"لیکن کس نے لگایا۔"

"یہ تو محترمہ فرزانہ ہی بتا سکیں گی۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" فرزانہ بولی۔

"تب یہ انجکشن غسل خانے ہی میں دیا گیا تھا۔"

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" نواب رشید الزماں بڑبڑائے۔

"کسی کو ہماری آمد گراں گذری ہے۔" فریدی بولا۔

"کسے.....!" زاہد کریم چونک کر بولا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ لوگ واپس ہی جائیے۔"

"یہ ناممکن ہے۔" فرزانہ نے کہا۔ "جب تک حمید صاحب وغیرہ نہیں مل جاتے سب یہیں قیام کریں گے۔"

"مجھے توقع نہیں کہ وہ دونوں زندہ ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ معمولی برف باری نہیں تھی بلکہ برف کا طوفان تھا.....اچھا.....!"

فریدی کھڑا ہو گیا۔ "معاف کیجئے گا۔ میں اس وقت زیادہ گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

وہ لوگ خاموشی سے اُس کی شکل دیکھتے رہے کوئی کچھ بولا نہیں۔

فریدی ڈائننگ ہال میں چلا آیا۔ وہ بے چینی سے میجر نصرت کا انتظار کر رہا تھا۔ تین بج گئے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ رات ہونے سے قبل ایک بار اور سیتل گھاٹی کھنگال ڈالی جائے۔

اس نے ان تینوں شکاریوں کو بھی دیکھا، جو ایک میز پر کافی پی رہے تھے۔

بھاری چہرے والے نے فریدی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے آہستہ سے سر ہلایا۔

"معاف کیجئے گا۔ میں مخل ہوا۔" فریدی نے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔ "کیا آپ ہمیں ہمارے ساتھیوں کو ڈھونڈھنے میں مدد دے سکتے ہیں۔"

"آپ کے ساتھیوں کو کیا ہوا۔" بھاری چہرے والے نے حیرت سے کہا۔

"وہ دونوں غائب ہو گئے..... سیتل گھاٹی میں....." فریدی نے کہا اور پچھلی رات سے اب تک کے سارے واقعات دہرا دیئے۔ لیکن اس نے شب خوابی کے اس لبادہ کا تذکرہ نہیں کیا جو اُسے غار میں ملا تھا۔

"وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔" بھاری چہرے والا آہستہ سے بڑبڑایا۔

"یعنی....!"

"کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ وہ دونوں گرومی کے ساتھی تھے۔" شکا
نے کہا۔

"لیکن وہ بھوت۔" فریدی بولا۔

"میں نے آج تک نہیں دیکھے۔" شکاری کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "حالانکہ میں نے شکار زیا
رات ہی کو کھیلا ہے۔ البتہ پیروں کے نشانات اکثر دیکھے ہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر شکاری ہی بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کے دو سا
ضائع ہوگئے۔ میرے سینے پر تو ایک دو نہیں اٹھارہ داغ ہیں۔"

"لیکن وہ دونوں آدمی تو ہمیں دیکھ کر بہت زیادہ سہم گئے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... آپ اُن کے بل میں گھس تو گئے تھے۔" شکاری بولا۔ "میں دس سال سے جھک
رہا ہوں لیکن مجھے حسرت ہی رہ گئی کہ ان کی کوئی کمین گاہ مجھے مل سکتی۔"

"برف باری کے اوقات میں آپ لوگ کہاں پناہ لیتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہمیں ایک اچھا سا غار مل گیا ہے۔" بھاری چہرے والے نے کہا اور پھر قاسم اور حمی
موت پر اظہار افسوس کرنے لگا اور اس کے انداز گفتگو سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اُن کی م
کا سو فیصدی یقین ہو۔

ساڑھے تین بجے کے قریب میجر نصرت آگیا۔ فریدی نے اُسے بھی سارے واقعات بتاد

میجر نصرت متحیرانہ انداز میں سب کچھ سنتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "سیتل گھاٹی مخدوش جگہ ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے پہلے ہی آپ کو اُسکے متعلق کیوں نہیں بتا دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔" فریدی بولا۔ "اور میں نے شکار کا ارادہ تو قطعی ترک کر دیا تھا لیکن
بھوتوں کے مسئلے نے مجھے الجھا لیا۔"

"چھوڑیئے! آپ بھی کہاں کی بات لے بیٹھے۔ یہ بھی شکاریوں ہی کی حرکت ہے۔ غا
کوئی ایسی پارٹی ہے جو دوسری پارٹیوں کو سیتل گھاٹی میں شکار کھیلنے سے باز رکھنا چاہتی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم نے اُن پر لاتعداد فائر کیئے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "بہر حال رات ہونے سے قبل ہمیں ایک بار اور وہاں دیکھ لینا چاہئے۔"

پھر ایک گھنٹے کے اندر اندر سیتل گھاٹی میں ٹیکم گڈھ پولیس فورس کے نوجوان پھیل گئے ایک ایک چپہ چھان مارا گیا۔ شونگلو قوم کے مزدوروں نے برف سے بھرے ہوئے گڑھے کھنگال ڈالے۔ مگر قاسم اور حمید کا سراغ نہ ملا۔ اس پر میجر نصرت تو کافی اداس ہو گیا تھا لیکن فریدی کے ذہن کے تاریک گوشوں میں امید کی کرنیں دوبارہ رینگ آئی تھیں۔

رات ہوتے ہوتے وہ سیتل گھاٹی سے لوٹ آئے۔

اب فریدی نے گرومی کے متعلق معلومات بہم پہنچانی شروع کیں۔ میجر نصرت نے بتایا کہ وہ مشتبہ ضرور ہے لیکن پولیس کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میجر نصرت ہی سے اُسے گرومی کی جائے قیام بھی معلوم ہو گئی۔ اُسکے معمولات کے متعلق بھی کچھ باتیں معلوم ہوئیں۔

فریدی نے یہی چاہا تھا کہ اسی وقت اپنے ساتھیوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دے لیکن میجر نصرت نے معذوری ظاہر کی اور یہ معاملہ دوسرے دن پر ٹل گیا۔

میجر نصرت کی روانگی کے بعد فریدی اپنے کمرے میں آیا اور پھر جب آدھ گھنٹہ بعد وہ کمرے سے نکل رہا تھا تو غزالہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ غزالہ فریدی کے کمرے میں ایک اجنبی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ فریدی کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی اور چڑھی ہوئی مونچھیں تھیں۔ وضع قطع سے وہ اب بھی شکاری ہی معلوم ہو رہا تھا۔ رائفل اُس کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔

"ڈر گئیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ارے آپ.... یہ کیا؟"

"میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔"

"جی آپ نہیں! آپ نہیں جا سکتے۔" غزالہ نے کہا۔ "جو ہوا سو ہوا۔ اب ہم واپس جائیں گے کل ہی۔"

"صرف آپ لوگ۔" فریدی نے کہا۔ "جب تک اُن کی لاشیں نہ مل جائیں میں انہیں مردہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تو اس طرح کہاں جا رہے ہیں۔ شکل کیوں تبدیل کی ہے۔"

"تو بتا کر جائیے.... کہاں جا رہے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"آخر آپ اتنے ضدی کیوں ہیں۔" غزالہ جھنجھلا گئی۔

"میں خود بھی اکثر یہی سوچتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اچھا آپ کمرہ بند کر دیجئے گا۔"

فریدی تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا دوسری راہداری میں مڑ گیا۔ سامنے سے شہناز آ رہی تھی اور اس نے شاید فریدی کو دیکھ لیا تھا۔ غزالہ کے قریب آ کر اس نے پوچھا۔ "یہ کون تھا۔"

"ایک پاگل تھا.... خبطی تھا.... آدمی نہیں تھا۔" غزالہ پیر پٹخ کر بولی۔ اس بیچاری نے سینکڑوں بار اپنے ہوائی قلعوں میں فریدی کو دلیپ کمار بنا کر دیکھا تھا مگر یہ اپنے گوشت و پوست میں ہمیشہ شیخ مختار ثابت ہوا تھا۔ اس وقت بھی اسے توقع تھی کہ وہ اپنے لہجے میں بے اختیاری اور پیار کا انداز پیدا کر کے اس کی جامد حسیات کو متحرک کر سکے گی۔

"میں نہیں سمجھی۔" شہناز نے کہا۔

"اس کمرے میں کون رہتا ہے۔"

"فریدی صاحب۔" شہناز نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"حمید صاحب نے کوئی شرارت فرمائی ہے۔" غزالہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "خواہ مخواہ سب کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیا۔"

شہناز کو غزالہ کا جملہ اتنا گراں نہیں گزرا جتنا کہ لہجہ ناگوار معلوم ہوا۔ اُسے بہر حال حمید سے انسیت تھی اور یہ انسیت نئی نہیں تھی۔ سالہا سال سے وہ دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف تھے لیکن چونکہ دونوں تعلیم یافتہ اور سمجھدار تھے اس لئے انہیں عشق کا روگ نہیں لگا تھا۔

شہناز صرف ہونٹ چبا کر رہ گئی۔ وہ غزالہ کی جھلاہٹ کی وجہ بھی جانتی تھی اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو وہ اس پر طنز کئے بغیر نہ مانتی لیکن آج وہ خود بہت زیادہ پریشان تھی۔

غزالہ نے فریدی کا کمرہ مقفل کیا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

فریدی نے ڈائننگ ہال سے گذرتے وقت محسوس کیا کہ منیجر اُسے تحیر آمیز انداز میں گھور رہا ہے اور اب حقیقتاً اُسے اپنی جلد بازی پر افسوس ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ ہوٹل میں واردات ہونے کے بعد سے منیجر ہر ایک پر کڑی نظریں رکھنے لگا تھا۔ ہوٹل کے کمروں سے کسی ایسے

آدمی کا برآمد ہونا جسے اُس نے داخل ہوتے نہ دیکھا ہو یقیناً ایک حیرت انگیز بات تھی۔

فریدی نے ہوٹل سے نکل کر شہر کی راہ لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ منیجر اُس کے متعلق ہر ایک سے پوچھتا پھر رہا ہوگا۔ وہ دراصل اس وقت گرومی کی تلاش میں نکلا تھا۔ میجر نصرت سے اس کا حلیہ بھی اُسے معلوم ہو گیا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ گرومی اس وقت شہر کے ایک ایسے ہوٹل میں ملے گا جس میں بار بھی ہے وہ اب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اُسے وہاں شکاریوں کی وضع میں نہ جانا چاہئے۔ راستے برف سے ڈھکے ہوئے تھے کہیں کہیں تو گھٹنوں تک پیر برف میں دھنس جاتے تھے۔

سردی شباب پر تھی۔ اون کے استر والے لانگ بوٹ ٹھنڈے لوہے کی طرح پنڈلیوں سے چپکے معلوم ہو رہے تھے۔ مگر فریدی کے ذہن میں صرف ایک بات تھی۔ حمید کی بازیابی.... اُسے موسم کی اذیت کا احساس نہیں تھا۔

اس نے شہر پہنچ کر رائفل میجر نصرت کے یہاں رکھوا دی۔ میجر نصرت گھر پر موجود تھا۔ وہ کافی دیر تک آنکھیں پھاڑے فریدی کو گھورتا رہا تھا اور پھر جب خود فریدی ہی نے اپنا تعارف کرایا تو وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ فریدی کو اُس نے ایک نئی اطلاع دی۔ وہ یہ کہ سینٹل گھاٹی میں پولیس کا ایک دستہ تعینات کر دیا گیا ہے۔

وہاں سے فریدی اُس ہوٹل میں آیا جہاں پر گرومی سے ملاقات ہو جانے کی توقع تھی اور پھر اُسے گرومی کو پہچان لینے میں دشواری نہ ہوئی۔ گرومی ان آدمیوں میں سے نہیں تھا جو اپنی شخصیت کے اعتبار سے کسی بھیڑ میں صفر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ میجر نصرت نے اس کی خاص نشانی اس کی پیشانی پر پڑی ہوئی ایک ترچھی اور گہری لکیر بتائی تھی، جو بائیں آنکھ کے اوپری حصے سے داہنی کنپٹی تک پھیلی ہوتی تھی۔ یہ غالباً کسی زخم کا نشان تھا۔ عمر ساٹھ سال کے قریب رہی ہوگی لیکن جسم کی بناوٹ کے اعتبار سے وہ اب بھی کافی مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر گھنی سپید مونچھیں تھیں۔ جنہوں نے نچلے ہونٹ کو بھی ڈھک لیا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں پتہ نہیں یہ شراب کا عارضی اثر تھا یا صفراوی مزاج رکھنے والوں کی آنکھوں کی طرح وہ رات کو عموماً سرخ ہی رہا کرتی تھیں۔

وہ اس وقت میز پر تنہا تھا اور اس کے سامنے شامپین کی دو خالی بوتلیں پڑی تھیں اور تیسری آدھی ہو چکی تھی۔ اس کی نظریں خلاء میں نہ جانے کس چیز پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا بایاں شانہ رد

ره کر ایک خاص انداز میں جنبش کرنے لگتا تھا اور اسی کے ساتھ ہی اس کی مونچھیں سمٹنے اور
لگتی تھیں۔

فریدی قریب ہی ایک میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور چندھیائی ہوئی آنکھوں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی دہقان پہلی بار شہر آیا ہو۔

ایک ویٹر لپک کر اُس کے قریب آیا۔

"میں برف ہو گیا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "مجھے کافی چاہئے.... گرم کھولتی ہوئی

ویٹر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا چلا گیا۔ فریدی کو بیٹھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دفعتاً گر
نے اس کی طرف دیکھا اور ٹھیک اُسی وقت فریدی کی میز کے قریب سے گزرنے والے کچھ لو
میں سے ایک نے اس کی مصنوعی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچ لی۔ فریدی یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ وہ کون تھ
پھر پانچ یا چھ آدمیوں کی وہ پارٹی قہقہے لگاتی ہوئی ایک دروازے میں داخل ہو گئی۔ گرومی
ہونٹ تحیر آمیز انداز میں ذرا سے کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ اُس نے اتنی سختی سے دانت پر د
جمائے کہ جبڑوں کے مسلس اُبھر آئے۔

فریدی کے ہونٹوں پر صرف مونچھیں رہ گئی تھیں۔

گرومی اپنی جگہ سے اٹھ کر فریدی کے قریب آیا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تف
آمیز انداز میں آہستہ سے بولا۔ "کیوں دوست.... کون ہو تم۔"

"فرشتہ....!" فریدی بڑے معصومانہ انداز میں مسکرایا۔

"نقلی ڈاڑھی میں۔" گرومی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ ڈاڑھی نہیں گالوں کی پوستین تھی.... آج بڑی ٹھنڈک ہے۔" فریدی اپنی ہتھ
ایک دوسری سے رگڑتا ہوا بولا۔

بُرے پھنسے

غار کے بہت تھوڑے حصے میں روشنی تھی۔ سگار لائیٹر کی روشنی ہی کتنی۔

حمید حیران حیران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر قاسم کہاں تھا۔ آ

قریب ہی کہیں سے آ رہی تھی لیکن حمید کا ذہن کچھ اس طرح چکرایا ہوا تھا کہ وہ کئی منٹ تک آواز کی سمت کا اندازہ نہ لگا سکا۔ اس دوران میں وہ لائیٹر کو جلاتا اور بجھاتا رہا۔

وہ جب بھی لائیٹر جلاتا تا قاسم کی آواز اچانک تیز ہو جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے لائیٹر کا شعلہ اس کے جسم کے کسی حصے سے جا لگا اور تکلیف کی وجہ سے اس کی چیخ نکل جاتی ہو۔

بڑی دیر کے بعد یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ آواز نیچے سے آ رہی ہے۔ اس بار جیسے ہی اُس نے لائیٹر جلایا اور قاسم کی چیخ نکلی وہ آواز کی سمت چل پڑا اور پھر اس کی نظر ذرا سا بھی چوک جاتی تو وہ ایک گڑھے میں ہوتا۔ اُس نے لائیٹر نیچے کیا۔ گڑھا کیا تھا اچھا خاصا کنواں تھا لیکن گہرائی پانچ یا چھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے خاص طور پر پتھر تراش کر بنایا گیا ہو۔ دہانے کا دائرہ اپنی باقاعدگی کے اعتبار سے کسی پرکار کا رہین منت معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے قاسم کو دیکھا جو اُسی گڑھے کی تہہ میں اکڑوں بیٹھا سر گھٹنوں میں دیئے اپنا سفلی عمل دہرا رہا تھا۔ حمید کو ہنسی آ گئی۔

"اولمڈھک....!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"ہائیں.... حمید بھائی۔" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے شانے گڑھے کے باہر نکلے ہوئے تھے۔ پھر اُس نے لائٹر کی روشنی میں اُس گڑھے کا جائزہ لیا اور ہنسنے لگا۔

"لاحول ولا قوۃ.... میں سمجھا تھا شاید بوتل میں بند ہوں۔" قاسم نے کہا اور گڑھے کے اوپر دونوں ہاتھ جما کر باہر آ گیا۔

"مگر.... حمید بھائی.... ہم کہاں ہیں۔"

"فریدی صاحب کی سسرال میں۔ مگر خدارا مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ اُن کی شادی کب اور کہاں ہوئی تھی۔"

"کیا رات ہو گئی۔" قاسم نے جماہی لے کر کہا۔

"رات کے بچے ہم کسی غار میں بند کر دیئے گئے ہیں۔"

"تب تو رات مزے میں کٹے گی۔" قاسم دوسری جماہی لیتا ہوا بولا۔ "مگر یہاں مچھر بکثرت معلوم ہوتے ہیں۔"

حمید نے لائیٹر بجھا دیا وہی تو اس اندھیرے میں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا اگر اُس کی بھی

اسپرٹ ختم ہو جاتی تو کیا ہوتا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "قاسم اگر ہم اسی غار میں مر گئے تو کیا ہوگا۔"

"حمید بھائی.... مرنے کی بات نہ کرو مجھے رونا آجاتا ہے۔"

"تو پھر یہاں سے کس طرح نکلیں گے مجھے تو کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آتا۔"

"لیکن ہم یہاں پہنچے کس طرح۔" قاسم نے کہا۔ "میں گر پڑا تھا مجھے اچھی طرح یا حمید بھائی تم بھاگے کیوں تھے۔"

"ختم کرو یہ قصہ.... کچھ سوچو۔" حمید جلدی سے بولا۔

"میں بہت دیر سے سوچ رہا ہوں کہ کچھ سوچوں.... مگر....!"

حمید کچھ سوچتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "ہم یہاں پہنچے کس طرح۔"

"حمید بھائی مجھے عمل پڑھنے دیجئے ورنہ کوئی مصیبت آجائے گی۔"

حمید نے پھر لائٹر جلایا اور وہ کنارے کنارے آگے بڑھنے لگے۔ غار کافی کشادہ تھا۔

حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس سے پہلے بھی آدمیوں کی قیام گاہ بنتا رہا ہے۔ اُسے ایک کچھ پھٹے پرانے کپڑے دکھائی دیئے۔ حمید نے انہیں پیر سے پھیلا دیا۔ اُن کے نیچے اُسے آدھ جلی موم بتیاں ملیں۔ اُس نے انہیں اٹھایا اور نہایت احتیاط سے جیب میں ڈال لیا۔ اُسے ایک روشن کرلی اور سگار لائٹر بجھا دیا۔ موم بتیوں کا ملنا ایک بہت بڑا سہارا تھا۔

"حمید بھائی۔" قاسم نے سرگوشی کی۔ "بھوت بھی موم بتیاں جلاتے ہیں۔"

"قاسم! تم زندہ رہنا چاہتے ہو یا مرنا۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کک.... کیوں....!" قاسم اُس کی سنجیدگی پر بوکھلا گیا۔

"اگر مرنا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے.... ورنہ فی الحال بھوت کا خیال دل سے نکا اس وقت ہم آدمیوں کی قید میں ہیں۔"

"آدمیوں کی قید میں؟"

"ہاں.... بھوت مومی شمعیں نہیں جلاتے ہیں۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔" قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ "تب تو حمید بھائی بیٹھو۔"

قاسم بڑے اطمینان سے پالتھی مار کر بیٹھ گیا۔

"کیوں؟"

"ارے جب آدمیوں نے ہمیں بند کیا ہے تو کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ہوگا۔ جب وہ دوبارہ واپس آئیں گے دیکھ لیا جائے گا۔"

"ہم نپٹتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"چھوڑو بھی حمید بھائی.... دیکھا جائے گا۔ ویسے بھوک بہت زور سے لگ رہی ہے۔" قاسم نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ "نیند بھی آرہی ہے۔"

"تو تم صرف بھوتوں سے ڈر رہے تھے۔"

"اور کیا....!" قاسم نے کہا۔ "میں تو دراصل بھوت کے خیال سے پریشان تھا اور آدمیوں میں اپنے باپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "آؤ اٹھو باہر نکلنے کا راستہ تلاش کریں۔"

"چلو....!" قاسم کھڑا ہو گیا۔

"دفعتاً حمید نے پھونک مار کر موم بتی بجھادی۔"

"کیا ہوا۔" قاسم نے سرگوشی کی۔

"کوئی آرہا ہے.... چلو ادھر اس طرف آجاؤ۔"

کئی قدموں کی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں لیکن وہ دور ہی ہوتی گئیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

"یہ کیا تھا۔" قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

"کوئی آرہا ہے.... چلو ادھر اس طرف آجاؤ۔"

کئی قدموں کی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں لیکن وہ دور ہی ہوتی گئیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

"یہ کیا تھا۔" قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

"پتہ نہیں.... چپ چاپ بیٹھے رہو۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ وہ آوازیں غار کے باہر کی نہیں ہوسکتی تھیں کیونکہ باہر اب بھی کافی برف ہوگی۔ لیکن اگر غار کے اندر ہی کی آوازیں تھیں تو غار کتنا لمبا چوڑا ہے۔

وہ دوبارہ اٹھ ہی رہا تھا کہ اُسے پھر کچھ آوازیں سنائی دیں۔

"یہ کیا ہے۔" قاسم نے پوچھا۔

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آوازیں دور کی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لکڑی کے صندوق میں کیلیں جڑی جا رہی ہیں اور یہ سلسلہ دیر تک قائم رہا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ اچانک اُسے غار کی ایک اندرونی چٹان پر سرخ سی روشنی دکھائی دی جو رفتہ رفتہ تیز ہو کر پھیلتی جا رہی تھی۔

اب انہوں نے قدموں کی آوازیں سنیں۔ حمید سمجھ گیا کہ کوئی روشنی لے کر آ رہا ہے چٹان پر روشنی پڑ رہی تھی غالباً اسی کے سامنے کوئی راستہ تھا۔

قدموں کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ پھر چٹان کی اوٹ سے ایک بڑا سا شعلہ با طرف لپکا۔ قاسم اور حمید اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

دوسرے لمحے چار آدمی اُن کے سامنے کھڑے تھے۔ دو کے ہاتھوں میں مشعلیں تھ انہوں نے اپنے چہرے سیاہ نقابوں سے چھپا رکھے تھے اور اُن کے جسموں پر لمبی لمبی پوستینیں تھیں وہ چاروں مؤدبانہ انداز میں قاسم اور حمید کے سامنے جھکے۔ قاسم بوکھلا کر حمید کی ط دیکھنے لگا۔

"معزز مہمانوں سے استدعا کی جاتی ہے کہ طعام تناول فرمالیں۔" اُن میں سے ایک نے حمید بھی سناٹے میں آ گیا۔ اُسے اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ آنے انہیں یا تو مار ڈالیں گے یا کسی اذیت میں مبتلا کریں گے۔

"آپ کون ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"فرشتے۔" چاروں نے ایک ساتھ کہا۔

"کبھی بھوت۔" قاسم بڑبڑانے لگا۔ "اور کبھی فرشتے۔ کہیں ہمارا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"سنئے جناب۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اس طرح کسی آدمی کو قید کر دینا بہت بڑا جرم ہے۔"

"قید.... قید سے کیا مطلب۔" اُس نے تحیر آمیز آواز میں کہا۔

"مطلب پولیس بتائے گی۔"

"پولیس.... یہ کیا چیز ہے۔" اس بار بھی اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

اچانک اُن میں سے ایک دوسرا آدمی بولا۔ "کہیں یہ لوگ خود کو دنیا میں تو نہیں سمجھ رہے ہیں"

"ضرور یہی بات ہے۔" پہلے نے سر ہلا کر کہا اور قاسم کے منہ سے ایک لمبی سی "ہائیں" نکل رہ گئی۔

"سنو....!" حمید جھلا کر بولا۔ "ہماری رائفلیں اور ریوالور ہمیں واپس دے دو۔ پھر ہمارا ٹھکہ اڑاؤ۔ نہتوں کے منہ پر تھوکنا بہادری نہیں ہے۔"

"ارے یہ سچ مچ خود کو دنیا میں محسوس کر رہے ہیں۔" ایک مشعل بردار بولا۔

وہ چاروں بھی بظاہر نہتے ہی تھے۔ حمید نے قاسم کو اشارہ کیا۔

"دیکھئے.... یہ سب بیکار ہے۔" ایک بولا۔ "یہ دنیا نہیں ہے۔ لباڑگی سے کام نہیں چلے گا۔ شرافت سے چلئے اور کھانا کھا لیجئے کیونکہ ابھی آپ دونوں کے تابوت بھی تیار کرنے ہیں۔"

"تابوت.... یعنی.... کک....!" قاسم تھوک نگل کر بولا۔

"دفعتاً حمید کے چہرے پر نرماہٹ دوڑ گئی اور اس نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔ "چلئے۔"

قاسم لاکھ احمق سہی لیکن اسے حمید کے رویئے میں بے ساختہ قسم کی تبدیلی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔

پھر وہ ایک سرنگ نما راستے سے گزر رہے تھے۔ دونوں مشعل بردار حمید اور قاسم کے آگے تھے اور دو آدمی اُن کے پیچھے چل رہے تھے۔ سرنگ زیادہ کشادہ نہیں تھی اس لئے قاسم کو جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔

مشعلوں میں جلنے والا ایندھن شائد کسی چیز کی چربی میں ڈبویا گیا تھا۔ جس کی چراندھ سے کم از کم حمید کا دم الٹنے لگا تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک کافی کشادہ غار میں پہنچ گئے۔ یہ غار سو فیصدی انسانی کارنامہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا فرش مسطح تھا اور چاروں طرف کی چٹانوں کو اتنی خوش سلیقگی سے تراشا گیا تھا کہ وہ کسی عمارت کی دیواریں معلوم ہو رہی تھیں۔ چھت میں اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی۔ جابجا مومی شمعیں جل رہی تھیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ فرعون کی قبر میں گھس آیا ہو۔

یہاں بظاہر کسی طرف سے بھی ہوا آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی شمعوں کی لویں تھرتھرا رہی تھیں اور گھٹن کا احساس بھی نہیں تھا۔

قاسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر وہ ڈری ڈری سی آواز میں بڑبڑایا۔

"حمید بھائی۔"

حمید بھائی کچھ نہ بولے کیونکہ انہیں بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں چا طرف کفن میں لگائے جانے والے عطر اور کافور کی ملی جلی خوشبو پھیلی ہوئی ہو۔

"آپ لوگوں کے تابوت....." ہمراہیوں میں سے ایک نے کہا۔ "ایسے فرسٹ کلاس کہ دیکھ کر طبیعت خوش ہو جائے گی۔ ان کے اندر اسپرنگ دار گدے لگائے گئے ہیں۔"

"تو ہماری روحیں ابھی قبض نہیں کی گئیں۔" حمید نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

"کیا مطلب.....!" قاسم اچھل پڑا۔

چاروں ہنس پڑے۔

دفعتاً قاسم کی نظر دستر خوان پر پڑی، جو ایک کونے میں بچھا ہوا تھا اور جس پر قابیں اور چنی ہوئی تھیں۔ وہ اس قبرستانی ماحول کو بھلا کر کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگا۔

"آیئے! کھانا حاضر ہے۔" ایک نے کہا۔ "فضول باتوں میں وقت برباد کرنے سے کیا فائد

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا قاسم دستر خوان پر جم گیا۔ پھر اس نے ہانک لگائی۔

"آؤ..... آؤ حمید بھائی۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" حمید برا سا منہ بنا کر بولا۔

"چلو بیٹھ جاؤ۔" ایک آدمی نے حمید کی گردن میں ہاتھ دے کر دستر خوان کی طرف دیا۔ حمید پلٹ پڑا ایسے مواقع پر اس کا ہاتھ کبھی غلط نہیں پڑتا تھا۔ دھکا دینے والا دوسری طرف دیوار سے جا ٹکرایا۔ حمید دوسرے پر ٹوٹ پڑا۔

بات اب قاسم کی سمجھ میں آئی وہ شور مچاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ چاروں حمید پر پل پڑے قاسم نے ایک کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ ایک ٹانگ پر اچھلنے لگا۔ اب اس نے اس کو بازوؤں سے پکڑ سے بلند کیا اور اس کے ایک ساتھی پر پٹخ دیا۔ دونوں بیک وقت ڈھیر ہو گئے۔

بقیہ دو آدمی حمید کو چھوڑ کر قاسم سے لپٹ پڑے اور پھر تھوڑی ہی دیر کی جدوجہد کے ان کی گردنیں بھی اس کے بازوؤں میں آگئیں۔

"حمید بھائی۔" قاسم چیخا۔ "تم جلدی سے کھا لو۔ پھر انہیں پکڑو تو میں بھی کھا لوں۔"

"ارے! خدا تمہیں غارت کرے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "کھانے کے بچے نکلو یہاں سے جلد

"بھوک میں چلا نہ جائے گا۔" قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔

اس کے دونوں شکار اس کے بازوؤں میں پھنسے ہوئے بری طرح مچل رہے تھے اور قاسم ان کی طرف سے اس طرح بے پرواہ نظر آ رہا تھا جیسے اس نے دو شریر بچوں کو قابو میں کر لیا ہو۔

"ان دونوں کے سر لڑاؤ اور نکل چلو۔ شاباش۔" حمید نے گھگھیائے ہوئے لہجے میں کہا۔

قاسم نے ایک کے سر پر اپنا سر دے مارا اور وہ چیخ مار کر کسی چھپکلی کی طرح پٹ سے فرش پر گر پڑا۔ پھر وہ دوسرے کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کرنے جا رہا تھا کہ خود اس کے منہ سے ڈری ڈری سی چیخیں نکلنے لگیں۔

دروازے میں برف کا بھوت کھڑا تھا۔ موی شمعوں کی روشنی میں اس کا سفید جسم بڑا خوف ناک لگ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا ایک ہاتھ ان دونوں کی طرف بڑھایا اور اس عمارت نما غار میں برف کے ذرات اڑنے لگے۔ قاسم کی آخری چیخ دل ہلا دینے والی تھی۔ وہ ایک بہت بڑے شہتیر کی طرح دھم سے زمین پر آ رہا۔ حمید دیوار سے لگا سہما کھڑا تھا۔ موی شمعیں گل ہو گئیں اور برف کے مہین ذرات حمید کے چہرے سے ٹکراتے رہے۔ آخر اس کا بھی وہی حشر ہوا جو قاسم کا ہوا تھا۔

گرومی

گرومی فریدی کو گھورتا رہا اور فریدی سوچ رہا تھا کہ شائد یہ ہوٹل اس کا مستقل اڈہ ہے اور یہاں کا سارا عملہ اس کے ہاتھ میں ہے ورنہ کسی دوسرے آدمی کو اس کی مصنوعی ڈاڑھی نوچنے کی جرأت کیسے ہوتی۔

فریدی نے بڑی بے پروائی سے چاروں طرف دیکھا اور اپنے گالوں کے بچے کھچے بال صاف کر کے بڑبڑانے لگا۔ "یہ لڑکا کہاں مر گیا۔ کتنی سردی ہے۔"

اس کی مونچھیں اب بھی برقرار تھیں۔

گرومی کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کون ہو تم؟" اس بار اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ تمہیں اس سے کیا سروکار۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "اپنا کا

"تم بچ کرنہیں جاسکو گے۔" گرومی کی سرخ سرخ آنکھوں سے لویں سی نکلتی معلوم ہونے لگیں

"کیوں؟" فریدی اپنی داہنی بھنوئیں تیکھے انداز میں تان کر بولا۔

گرومی جواب دینے کی بجائے اُسے گھورنے لگا۔

"سنو دوست۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ "اگر ڈاڑھی اکھاڑنے والا تمہارا ہی آدمی ہے تو میں تمہیں حشر تک معاف نہ کروں گا۔"

"ہونہہ.....!" پہلے گرومی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر یہ مسکر بتدریج ہنسی اور ہنسی قہقہے میں تبدیل ہوتی گئی۔

فریدی خاموشی سے گھورتا رہا۔ لیکن انداز میں خوف کی بجائے شوخی تھی۔

ویٹر کافی کی ٹرے لایا لیکن میز پر ڈاڑھی والے کو نہ پاکر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟" گرومی نے اُسے مخاطب کیا۔

"وہ ڈاڑھی والا کدھر ہوتا! سالا ہڑم ہوگیا۔" ویٹر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"چلو ایک ہی بات ہے۔" گرومی نے کہا۔ "اسے یہاں رکھ دو اور میری بوتلیں بھی یہیں اٹھ

گرومی کے اس رویہ پر فریدی کو اپنا پہلا خیال ترک کر دینا پڑا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ گر حیثیت یہاں ایک معزز گاہک سے زیادہ نہیں۔

"اس شرافت کا شکریہ۔" فریدی کافی انڈیلتا ہوا مسکرا کر بولا۔

گرومی کچھ نہ بولا۔ اس کی بوتلیں بھی اسی میز پر آگئیں۔ اس نے خالی بوتلوں کو بڑ سے اپنے سامنے رکھ لیا اور چوتھی بوتل سے گلاس میں انڈیلنے لگا۔

"تم یہ نہ سمجھنا کہ میرے فولادی پنجوں سے بچ کر نکل جاؤ گے۔" گرومی شامپین ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے رک کر بڑبڑایا۔

"اپنی خیر مناؤ۔" فریدی نے اسی انداز میں کہا۔ "تمہارے آدمی نے میری ڈاڑھی اچھا نہیں کیا۔"

"وہ میرا آدمی نہیں تھا۔" گرومی جھنجھلا کر بولا۔ "میں اُسے نہیں جانتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" فریدی نے بڑے توہین آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا؟" گرومی غرایا۔ وہ اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر اس نے اپنے گلاس ک

ریدی کے چہرے پر الٹ دی۔

فریدی اچھل کر کھڑا ہوگیا اور قبل اس کے کہ گرومی بھی اپنی کرسی چھوڑتا اس نے میز الٹ ی۔ وہ کرسی اور میز سمیت فرش پر جا رہا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے لیکن ان کی توجہ ریدی سے زیادہ گرومی کی طرف تھی۔

فریدی کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ وہ لوگوں کو بھیڑ میں ملتا ہوا دروازے سے باہر نکل یا۔ لیکن اس نے وہاں سے چلا جانا مناسب نہ سمجھا۔

یہ ہوٹل شہر کے ایک بھرے پُرے حصے میں تھا لیکن اس وقت وہاں قبرستان کا سا سناٹا تھا۔ ڑکوں پر آمد و رفت زیادہ نہیں تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ آدمی برف میں لڑکھڑاتے نظر آجاتے تھے۔ مکانات کی کھڑکیوں کے شیشوں تک پر دبیز پردے کھینچ دیئے گئے تھے۔ چاروں طرف تاریکی کا راج تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے زندگی بھی ٹھٹھر کر ساکت ہوگئی ہو۔

فریدی تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا ایک مکان کی پشت پر آیا اور اپنی مصنوعی مونچھیں الگ لردیں۔ سر سے بال دار ٹوپی اتار کر اُسے الٹ لیا۔ بال پیشانی پر بکھر کر الٹی ٹوپی سر پر منڈھ لی۔ رہ ٹی پوستین۔ تو وہ ایک عام وضع کی تھی۔ ٹیکم گڈھ کے سینکڑوں افراد کے پاس ویسی ہی پوستین رہی ہوگی۔

اور پھر جب وہ روشنی میں آیا تو گرومی بھی اُسے نہ پہچان سکا۔ فریدی کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پی گیا ہو۔ ہوٹل کے باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے اُسے دیکھا اور ہنسنے لگے۔ کیونکہ اس نے اپنی ٹوپی کا استر اوپر کر رکھا تھا۔

گرومی کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔ فریدی نے محسوس کیا کہ وہ اب تنہا نہیں ہے۔ اس کے دو آدمی اور تھے۔ فریدی بھی ان کے قریب کھڑے ہوئے لوگوں میں مل گیا۔

"گیا کدھر.....؟" گرومی کا ایک ساتھی کہہ رہا تھا۔

"میں نے نہیں دیکھا۔ آؤ چلیں۔" گرومی نے کہا اور تینوں ایک طرف چلنے لگے۔ بقیہ لوگ پھر ہوٹل میں چلے گئے۔ فریدی وہیں دیوار سے لگا کھڑا انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ جب وہ کافی دور نکل گئے تو وہ بھی ان کے پیچھے روانہ ہوگیا۔

اسے زیادہ دیر تک نہیں چلنا پڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد اس نے انہیں ایک بڑے مکان میں داخل ہوتے دیکھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد فریدی اس مکان کی چھت پر تھا۔ لیکن اسے جلد ہی اپنی حماقت پر تا
آنے لگا۔ مکان میں کوئی صحن نہیں تھا اس لئے اندر داخل ہونے کے امکانات کا سوال ہی نہیں
تھا۔ البتہ فریدی نے آتش دان کی چمنیوں کی تعداد سے ان کے کمروں کی تعداد کا اندازہ ضرو
لگالیا۔ جب وہ ایک چمنی کے قریب سے گزر رہا تھا تو اسے کچھ آوازیں سنائی دیں جن میں سے اس
نے گرومی کی آواز صاف پہچان لی۔

اس نے رک کر اپنے کان چمنی سے لگا دیئے۔

"تم میں سے کون تھا جس نے اُس کی ڈاڑھی اکھاڑی تھی؟" گرومی کی غراہٹ سنائی دی۔

کئی سیکنڈ تک دوسری آواز نہ آئی۔

"بولو.... کیا تم بہرے ہو۔" گرومی ہی بولا۔

"کوئی نہیں.... ہم میں سے کوئی نہیں تھا۔" کئی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔

"کوئی باہر تو نہیں۔"

"کوئی بھی نہیں.... سب موجود ہیں۔"

"لیکن کیوں موجود ہیں۔" گرومی حلق پھاڑ کر چیخا۔ "تمہارا اس وقت یہاں کیا کام۔"

چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر ایک آواز سنائی دی۔ "سیتل گھاٹی میں پولیس کا پہرہ ہے۔"

"ہم نے سوچا.... سیتل گھاٹی۔"

"کچھ نہیں۔" گرومی نے چیخ کر بولنے والے کی بات کاٹ دی۔ "کام نہ رکنا چاہئے۔ میں کچھ
نہیں جانتا.... چلے جاؤ.... نکلو.... دنیا کے سارے گدھے میرے ہی پلے پڑے ہیں۔"

چند لمحوں کے بعد فریدی نے بہت سے قدموں کی آوازیں سنیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

وہ چمنی کے قریب سے ہٹ کر چھت کے کنارے آ گیا۔

نیچے کچھ لوگ مکان سے نکل رہے تھے۔ یہ تعداد میں گیارہ تھے۔ فریدی انہیں اس وقت
تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نشیب میں نہیں اتر گئے۔

پھر وہ بھی چپکے سے اترا اور اُن کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ تعاقب کا مقصد محض یہ دیکھنا تھا کہ
لوگ کدھر جاتے ہیں۔

لیکن وہ سیتل گھاٹی کی طرف نہیں جا رہے تھے۔ فریدی کافی دیر تک ان کے پیچھے پھرتا

متوقع واقعہ پیش نہیں آیا۔ بس وہ بستی کے باہر اکا دکا لومڑیوں کو شکار کرتے رہے۔ فریدی کو
تھی کہ وہ ان کے ذریعہ حمید اور قاسم کا سراغ پا سکے گا۔ وہ ان کی شکلیں بھی دیکھنا چاہتا تھا
اندھیرے میں یہ بات ناممکن تھی۔ اس کے ذہن میں ان دونوں شکاریوں کی صورتیں محفوظ
جن سے سیتل گھاٹی کے ایک غار میں مڈبھیڑ ہوئی تھی اور جو آخر کار انہیں جل دے کر
نکل گئے تھے۔ اگر وہ دونوں واقعی گرومی ہی کی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے تو پھر حمید اور قاسم
نا مشکل نہ ہوگا۔ فریدی کو یقین تھا کہ اس غار میں پیش آنے والے واقعات کے ذمہ دار وہی
شکاری تھے۔

فریدی انہیں شکار میں مشغول چھوڑ کر پھر مکان کی طرف پلٹا جہاں گرومی تھا۔ بارہ بج چکے
در سناٹے میں لومڑیوں کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ کبھی کبھی ایک
فائر کی آواز بھی فضا میں لہرا کر رہ جاتی۔

گرومی کے مکان کی کھڑکیوں میں اب بھی روشنی نظر آرہی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ
تنہا ہے۔ وہ اب بھی ایک کمرے میں بیٹھا شراب پی رہا تھا اور خالی بوتلیں اس نے بڑے
ے اپنے سامنے سجا رکھی تھیں۔

فریدی سوچنے لگا کہ کہیں قاسم اور حمید اسی مکان میں نہ ہوں۔ اس نے مکان کے آخری
کی ایک کھڑکی کا شیشہ توڑا۔ اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی گرائی اور پھر دوسرے لمحے میں وہ اندر تھا۔

یہاں سات چھوٹے چھوٹے کمرے تھے، جو ایک کے علاوہ سارے خالی نظر آ رہے تھے اور
کمرے میں گرومی اپنی خالی اور بھری بوتلوں کے ساتھ تنہا تھا۔

فریدی پورے مکان کا چکر کاٹ کر گرومی کے کمرے کے سامنے رک گیا۔ مکان میں اُسے
ایسی چیز نہ مل سکی جو قانوناً قابل گرفت ہوتی۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بڑی بے باکی
گرومی کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ گرومی کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ قبل اس کے کہ اس
جیب کی طرف جاتا، فریدی نے ریوالور نکال لیا۔

"اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ لو۔" فریدی نے کہا۔

گرومی نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔ فریدی کو اس بات پر سخت حیرت تھی کہ گرومی ہوٹل
بھی پیتا رہا تھا اور اب بھی پی رہا تھا لیکن اس کی ظاہری حالت سے ہرگز ایسا نہیں معلوم ہوتا

تھا کہ وہ بہت زیادہ پی گیا ہے۔ فریدی کے داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر تحیر کے آثار ظ پیدا ہوئے تھے لیکن اب وہ بالکل پرسکون نظر آرہا تھا۔

"تم کون ہو؟" اُس نے بڑے ملائم لہجے میں پوچھا۔

"وہی جس کے منہ پر تم نے شراب پھینکی تھی۔" فریدی نے کہا۔

گرومی نے میز پر زور دے کر اٹھنا چاہا۔

"تکلیف نہ کرو۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میں بہت پُر امن آدمی ہوں۔ لیکن چھ دیئے جانے پر خونخوار بھی ہو جاتا ہوں۔ تمہیں میرے دونوں ساتھیوں کا پتہ بتانا پڑے گا۔"

"ساتھیوں کا پتہ.... کیسے ساتھی۔"

"گرومی میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"آدمی نہیں.... بچے ہو۔" گرومی مسکرا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس شامپین کی پیٹیاں ہیں.... کچھ ملاؤ گے یا سادی پیو گے۔ میں تو ہمیشہ سادی پیتا ہوں۔"

"میرے دونوں ساتھی کہاں ہیں۔"

"سنو....!" گرومی اپنا نچلا ہونٹ چبا کر بولا۔ "گرومی کا بڑھاپا بھی خطرناک ہے۔ تم اپنا مطلب بیان کر جاؤ۔ تم شائد مجھے تنہا سمجھ رہے ہو۔"

"مجھے کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "اور نہ میری تمہاری پہلے کی لڑائی ہے۔ میں تو صرف اپنے ساتھیوں کی واپسی چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گھاٹی پر تمہارا اجارہ نہیں ہے۔"

"بیٹھ جاؤ نوجوان۔" گرومی کا لہجہ پھر نرم ہو گیا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو۔ گرومی بچپن سے ان کھلونوں کا شائق رہا ہے۔ کیا تم غرتاش کے ساتھی نہیں ہو۔"

"غرتاش!" فریدی نے بھنویں سکوڑ کر کہا۔ "میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔"

"تب پھر میرا تمہارا کیا واسطہ۔"

"اگر واسطہ نہیں تھا تو تمہارے کسی ساتھی نے میری ڈاڑھی کیوں اکھاڑی۔"

"غلط ہے وہ میرا ساتھی نہیں تھا۔"

"اگر نہیں تھا تو تم خواہ مخواہ مجھ سے کیوں آبھڑے تھے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے

"میرے بچے! بیٹھ جاؤ۔" گرومی نے بوتل سے شراب انڈیلتے ہوئے کہا۔ "اب میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ تم شائد ان شکاریوں میں سے ہو جو فزارو میں ٹھہرے ہوئے ہیں جن کے ساتھ عورتیں بھی ہیں۔"

"ٹھیک سمجھ رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن مجھ پر کوئی فقرہ نہ چل سکے گا۔ میں اپنے ساتھیوں کو لے کر ہی جاؤں گا۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تمہارے ساتھیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن غرتاش....!" گرومی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ چند لمحے اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی سلوٹیں پڑی رہیں پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "تم صرف دو ساتھیوں کے لئے پھر رہے ہو۔ میں نے دس سال میں ساٹھ ستر کھوئے ہیں اور اس طرح کہ صرف آٹھ یا دس لاشیں مل سکی تھیں۔"

فریدی اُسے تیز نظروں سے گھورتا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "تو کیا وہ دونوں تمہارے ساتھیوں میں سے نہیں تھے، جو ہمیں سیتل گھاٹی کے ایک غار میں ملے تھے۔"

"مجھے علم ہے! وہ میرے ہی آدمی تھے۔ انہوں نے تمہیں غرتاش کی پارٹی کا آدمی سمجھا تھا۔"

"اسی لئے وہ ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے تھے۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور اسی لئے انہوں نے میرے دو ساتھیوں کو کسی طرح پکڑ لیا۔"

"میں نہیں جانتا کہ تمہاری غلط فہمی کس طرح رفع ہو گی۔" گرومی آہستہ سے بڑبڑایا اور گلاس سے منہ لگا لیا۔

"اور وہ سفید بھوت۔" فریدی کے لہجے میں طنز تھی۔ "ان کے متعلق کیا کہو گے۔"

"مجھے ان کی ذرہ برابر پرواہ نہیں سمجھے۔" گرومی میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

"بہت خوب۔" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "گرومی صاحب! کسی پیشہ ور شکاری سے تمہاری گفتگو نہیں ہو رہی ہے۔"

"تم بڑی دیر سے میری توہین کر رہے ہو۔" گرومی چیخ کر بولا۔ "چلے جاؤ یہاں سے۔"

"میں اپنے ساتھیوں کو لے کر جاؤں گا۔" فریدی نے آہستہ سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتا۔" گرومی نے اپنے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا اور میز پر رکھی ہوئی خالی بوتلیں

فرش پر گر کر ٹوٹ گئیں۔ فریدی کی حالت میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔

"اور وہ شب خوابی کا لبادہ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا وہ فزارو سے اغواء کی ہوئی ل
نہیں تھا۔"

"بند کرو یہ بکواس ورنہ منہ توڑ دوں گا۔" گرومی چیخ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں فری
گویا انگارے برسا رہی تھیں۔

"بیٹھے رہو! ورنہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔" فریدی نے کہا۔ "اگر یقین نہ ہو تو دیکھ
ساتھ ہی اس نے کمرے میں روشن موی شمعوں میں سے ایک پر فائر کیا۔ گولی اس کی
پڑی اور وہ بجھ گئی لیکن اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

"بہت اچھے۔" گرومی نے متحیرانہ لہجے میں تعریف کی۔ "واقعی تم بے مثال نشانہ باز
.... اچھے لڑکے میں تمہارے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور وہ شب خوابی کا لبادہ

دفعتاً گرومی کی آواز گلوگیر ہو گئی اس کے ہونٹ کانپنے لگے اور آنکھیں بھر آئیں۔

"وہ میری لڑکی کا ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں اسے تین سال سے اپنے سینے
لگائے ہوئے ہوں۔ ٹھہرو میں اسے لاتا ہوں۔"

"میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آؤ" گرومی نے لاپروائی سے کہا۔

فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

ایک کمرے میں آکر گرومی نے ایک صندوق کھولا اور پھر شب خوابی کا ایک لبادہ نکا
فریدی کے سامنے کر دیا۔ نظر پڑتے ہی فریدی نے اُسے پہچان لیا۔ حقیقتاً یہ وہی لبادہ تھا، جو اس
سیتل گھاٹی کے ایک غار میں دیکھا تھا۔

"اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ یہ لبادہ فزارو والی لڑکی کا ہے تو میں خودکشی کر لوں گا۔"
غم ناک لہجے میں بولا۔

"خیر اس کی بھی شناخت ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے صرف اپنے ساتھ
واپسی سے غرض ہے۔"

"ہونہہ۔" گرومی بڑے کھردرے لہجے میں بولا۔ "اگر لاشوں کی صورت میں واپسی

تب بھی غنیمت ہے ورنہ سیتل گھاٹی میں لاپتہ ہو جانے والے شائد قیامت ہی میں مل سکیں۔"

دفعتاً ایک نئے خیال نے فریدی کے ذہن میں سر اُبھارا۔

"یہ غرتاش کون ہے۔" اس نے پوچھا۔

"غرتاش! تم غرتاش کو نہیں جانتے۔ کیوں کیا وہ فزارو میں مقیم نہیں ہے۔"

"فزارو میں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ بھاری چہرے والا تو نہیں۔"

"وہی ہے وہی ہے۔" گرومی سر ہلا کر بولا "اور مجھے یقین ہے کہ اسی نے تمہیں میرا پتہ بتایا ہوگا۔ اب میں بالکل سمجھ گیا۔ وہ ہمیں لڑا کر خود اطمینان سے سیتل گھاٹی میں شکار کھیلنا چاہتا ہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ تمہارے آدمیوں کو غائب کر دینے میں اسی کا ہاتھ ہو۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "کیا تم نے اس کے کئی آدمیوں کو نہیں مار ڈالا۔"

"وہ جھوٹا ہے.... مکار ہے۔ ہم قاتل نہیں ہیں۔ لیکن غرتاش جب بھی میرے ہتھے چڑھ گیا میں اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"کیوں؟"

"پوچھتے ہو کیوں! میں تین سال سے اپنی لڑکی کا ماتم کر رہا ہوں۔ مجھے اس کی لاش بھی نہیں ملی۔ یہ لبادہ سیتل گھاٹی کے ایک غار میں ملا تھا۔"

"کیا اسے اغواء کیا گیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... اور میں...." گرومی اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ فریدی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا اور اسے سہارا دے کر اسی کمرے میں لایا جہاں وہ اس سے پہلے تھے۔

پھر اس نے ایک گلاس لبریز کر کے گرومی کی طرف سرکا دیا۔

"گرومی! مجھے افسوس ہے۔" وہ اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اب میں سب کچھ سمجھ گیا۔ خیر دیکھ لیا جائے گا۔"

گرومی خاموشی سے شراب پیتا رہا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں دس سال سے یہاں شکار کھیل رہا ہوں۔ لیکن یہ بھوت پہلی بار دکھائی دیئے ہیں۔"

میرے ایک دلیر ساتھی نے اس پر فائر بھی کئے تھے لیکن وہ خود دوسرے دن تیز قسم کے بخار میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اب ہم ادھر جاتے ہی نہیں جدھر وہ دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے بھی ان پر فائر کئے تھے۔"

حیرت انگیز سفر

حمید کی آنکھ کھلی تو پھر اُسی اندھیرے سے واسطہ پڑا۔ لیکن اس بار وہ خود اس اندھیرے کے ساتھ ہی ساتھ حرکت کر رہا تھا۔ کافی دیر تک آنکھیں پھاڑنے کے بعد یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ سچ مچ قبر میں لیٹا ہوا ہے اور وہ قبر حرکت کر رہی ہے اور اس کی اونچائی اتنی بھی نہیں کہ وہ اٹھ کر بیٹھ سکے۔

اُس نے گھبرا کر دو تین بار کلمہ پڑھا اور اپنے دنیاوی اعمال یاد کر کے رو دینے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک تیسری بات اس کی سمجھ میں آئی یعنی وہ قبر کمبل کی تھی اور اسے کچھ کچھ روشنی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے قبر کی چھت کو انگلی سے چھو کر دیکھا۔ وہ حقیقتاً کمبل ہی تھا، جو اس پر منڈھا ہوا تھا۔

اب جو اس نے غور کیا تو اُسے بہت سے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔

تو کیا وہ اس کا جنازہ تھا؟ اس خیال سے پھر حمید کی گھگھی بندھ گئی۔

مگر جنازے پر کمبل؟ وہ پھر سوچنے لگا۔ شائد سردیوں میں یہی ہوتا ہو۔

"میں زندہ ہوں.... بھائی۔" اس نے ہانک لگائی۔ "ارے.... بھا.... آ.... آ.... ئی۔"

"چپ چاپ لیٹے رہو۔" کسی نے گرج کر کہا۔ "تم مر گئے ہو۔"

"ارے حمید بھائی۔" حمید نے قاسم کی آواز سنی جو باقاعدہ رو رہا تھا۔ "ہم مر گئے ہیں۔ ہائے اب کیا ہوگا۔ مرنے کے بعد.... بھوک بھی تو خوب کھل جاتی ہے۔ مگر مرنے کے بعد پھر موت نہیں آتی۔"

حمید نے خوب اچھی طرح اپنی آنکھیں ملیں اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر احتیاطاً خود اپنے ہی اتنے زور سے چٹکی لی کہ آنکھیں نکل پڑیں۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا

نہیں دیکھ رہا ہے تو اُس نے کروٹ لی اور اس سے اُسے یہ سمجھنے میں مدد ملی کہ وہ کینوس کے ایک اسٹریچر پر لیٹا ہوا ہے جس پر بانس کی قمچیاں لگا کر کمبل ڈال دیا گیا ہے۔ اُس نے کمبل کا کونا ذرا سا اٹھا کر باہر کی طرف دیکھا۔ اسے کئی مسلح آدمی نظر آئے جو اس کے اسٹریچر سے کچھ دور ہٹ کر چل رہے تھے اور خود اس کا اسٹریچر شائد چار آدمیوں کے کاندھوں پر تھا۔

"ارے کینو! مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔" حمید نے ایک سریلی قسم کی نسوانی آواز سنی۔

"ہائیں.... ارے.... ہو۔" اس نے قاسم کی آواز سنی۔

"آپ لوگ جنت میں جا رہے ہیں۔" کسی نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

"وہاں باورچی خانہ بھی ہے یا نہیں۔" قاسم نے غالباً اپنے پیٹ پر ہاتھ مار کر پوچھا۔

"اوہ تو کیا آپ بھوکے ہیں۔" کسی نے پوچھا۔

"اب مرنے کے بعد کیا جھوٹ بولوں گا۔" قاسم بگڑ گیا۔

"چلو بھئی تابوت زمین پر رکھ دو۔" آواز آئی۔

حمید کا تابوت بھی زمین پر رکھ دیا گیا۔ کمبل ہٹایا گیا.... قمچیاں نکالی گئیں حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پندرہ بیس مسلح آدمیوں کے ساتھ تین تابوت تھے۔

تیسرے تابوت پر نظر پڑتے ہی حمید کی عاقبت روشن ہو گئی۔ اس میں ایک بڑی خوبصورت لڑکی تھی جو شائد خوف کی وجہ سے اور زیادہ خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ قاسم بھی اپنے تابوت پر پالتھی مارے بیٹھا اُسی کو گھور رہا تھا اور اس کا تابوت اٹھانے والے آٹھ آدمی اس طرح ہانپ رہے تھے جیسے اُن کا دم نکلنے والا ہو۔

یہ بھی کوئی پہاڑی ہی علاقہ تھا لیکن یہاں کہیں برف نہیں نظر آ رہی تھی۔ دور تک بھورے ...ئی رنگ کی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سورج شائد سر پر تھا۔

قاسم کے سامنے کھانا چن دیا گیا۔ حمید کو بھی محروم نہ رکھا گیا۔ لیکن وہ لڑکی کھانے پر رضامند نہیں معلوم ہوتی تھی۔ قاسم نے بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔ اُس کے سامنے ایک مسلم بھیڑ کا بچہ بھنا رکھا تھا۔

"حمید بھائی۔" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "مجھے تو موت اور زندگی میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔"

"فرق اور فتور تو دراصل تمہاری کھوپڑی میں ہے۔" حمید بھنا کر بولا۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کا رویہ اُن کے ساتھ بُرا نہیں تھا۔ آخر وہ کون تھے اور کیا چاہتے تھے۔ غار میں بھی انہوں نے ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی تھی حالانکہ وہ چاہتے تو انہیں بڑی آسانی سے مار ڈالتے۔ حمید نے کنکھیوں سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کھانا اُس کے سامنے بھی تھا۔ لیکن اُس نے اُسے ابھی تک ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

حمید سوچنے لگا کہ آخر وہ کون ہو سکتی ہے۔ دفعتاً اُسے فزارو کی اغواء والی بات یاد آگئی۔ ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات.... کہیں یہ وہی لڑکی تو نہیں ہے فزارو سے بھگایا گیا تھا۔ سیتل گھاٹی میں بھوتوں کی موجودگی۔

یہ بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ رات کو اُس بھوت کی آمد پر چاروں طرف سے غار میں برف کے ذرات کہاں سے آگئے تھے۔ حمید کو اچھی طرح یاد تھا کہ وہ ذرات اُس بھوت کے جسم میں سے نکلے تھے اور رفتہ رفتہ اُن کی مقدار اتنی بڑھ گئی تھی کہ حمید کا دم گھٹنے لگا تھا۔

اگر وہ بھوت دراصل آدمی ہی تھا تو اُس کے ہاتھ اٹھاتے ہی برف کے ذرات کس طرح اڑنے لگے تھے اور اگر وہ واقعی کوئی مافوق الفطرت ہستی ہی تھا تو ان آدمیوں سے اُس کا کیا تعلق۔

حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس کے ہمراہی کافی مہذب اور مہمان نواز تھے۔ حمید نے ایک بات اور محسوس کی۔ ان میں سے صرف چار آدمی گفتگو کر رہے تھے بقیہ خاموش تھے اور وہ لوگ جو زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ اکثر آپس میں کسی ایسی زبان میں گفتگو کرنے لگتے تھے جو حمید کے لئے نئی تھی۔ حمید نے اندازہ لگایا تھا کہ چاروں اردو بولنے والے تو وہی تھے جنہوں نے ان دونوں کو ایک غار سے نکال کر دوسرے تک پہنچایا تھا۔

اُس نے کنکھیوں سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ خوفزدہ تھی۔ چاروں آدمی بڑے مہذب طریقے پر اُس سے کھانا کھالینے کی استدعا کر رہے تھے۔

قاسم بھیڑ کا گوشت نوچنے میں منہمک ہو گیا تھا۔

"ذرا ہاتھ روک کر۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

"پتہ نہیں پھر کب ملے۔" قاسم مایوسی سے بولا۔

"گھبرائیے نہیں۔" چاروں میں سے ایک نے کہا۔ "ہمارے پاس کافی ذخیرہ ہے۔"

"تو کیا ہم سچ مچ مر گئے ہیں۔" قاسم نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن آپ کو کچھ دور پیدل چلنا پڑے گا۔ ہمارے آدمیوں میں اتنی سکت نہیں۔"

"تب تو پھر بڑی جلدی بھوک لگ جائے گی۔" قاسم نے اداس لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کیجئے۔ کھانے کا سامان بہت ہے۔"

"یہ کیا مذاق ہے۔" دفعتاً لڑکی چیخی۔ "میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"کیا یہ بھی مر گئی ہے۔" قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" ساتھی نے جواب دیا۔

"تو کیا مرنے کے بعد بھی آدمی پاگل ہو سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں۔" ہمراہی نے کہا اور پھر حمید سے پوچھا۔ "کچھ اور چاہئے۔"

"جی ہاں! تھوڑی سی افیون تاکہ میں اپنی موت سے اچھی طرح محظوظ ہو سکوں۔ ویسے کیا آپ بتا سکیں گے کہ ہنالولو کس عرض البلد پر ہے اور نیو فاؤنڈ لینڈ پر سال بھر کہر کیوں پڑتی رہتی ہے۔"

"میں بتا سکتا ہوں۔" قاسم اپنی چھاتی ٹھونکتا ہوا بولا۔ "نیو فاؤنڈ لینڈ پر کہر نہیں بلکہ باورچی خانوں کا دھواں چھایا رہتا ہے۔ وہاں کے لوگ کھانے پکانے کے بہت شائق ہیں۔"

لڑکی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ بھی کھا لیجئے نا۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"آپ کون ہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں بھی آپ ہی کی طرح آدمی ہوں اور میری موت سیتل گھاٹی میں واقع ہوئی تھی شائد آپ کا انتقال فزارو میں ہوا تھا۔"

"جی ہاں! میں فزارو ہی میں تھی۔ لیکن یہ سب بکواس ہے۔ یہ لوگ نہ جانے کون ہیں اور ہمیں نہ معلوم کہاں لے جا رہے ہیں۔"

"ہم جنت میں جا رہے ہیں حمید بھائی۔" قاسم نے کہا۔

"چپ رہو۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

"ہائیں! مجھے ڈانٹتے ہو۔ اٹھا کر پٹخ دوں گا۔" قاسم کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے جانتے ہو یا نہیں۔" حمید کی بھنویں تن گئیں۔

"تو تم ڈانٹتے کیوں ہو۔"

"چلو کام کرو اپنا۔" حمید نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میرے خیال سے کھانا چھوڑ دینا عقل مندی نہیں۔"

"اور کیا.... بالکل حماقت ہے۔" قاسم پھر بول پڑا۔ "اب موت تو آئے گی نہیں تکلیف ضرور ہو گی۔"

لڑکی نے تھوڑا بہت کھالیا۔ ہمراہیوں نے بھی کھانا کھایا اور وہ لوگ پھر چل پڑے۔ اب اور حمید دونوں پیدل چل رہے تھے لیکن لڑکی اسٹریچر ہی پر تھی۔

حمید اُن چاروں کے برابر چل رہا تھا اُس نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ "آپ لوگ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اب یہ مذاق ختم ہی کر دیجئے تو اچھا ہے۔"

"کیسا مذاق! ہم نہیں سمجھے۔"

"ہم آخر کہاں جا رہے ہیں۔"

"جنت میں۔ بڑی پُر فضا وادی ہے۔ کھانے پینے کا سامان وافر۔ درختوں پر انگوروں کی چھائی ہوئی.... رسیلی خوبانیاں۔ شہد میں ڈوبے ہوئے سیب.... اور خوبصورت عورتیں.... کے علاوہ اور کیا ہو گا۔"

"لیکن ہم زبردستی وہاں کیوں لے جائے جا رہے ہیں۔"

"اچھے آدمیوں کی جگہ جنت ہی ہے۔"

"اور کیا حمید بھائی۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "میں اپنے ابا جان کو تو وہاں ہرگز نہ آنے دوں اور وہ سالی.... میں اُسے طلاق دیتا ہوں.... طلاق.... طلاق.... طلاق.... کسی مرگھلے کلرک سے شادی کر لے گی۔"

قاسم چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے پوچھا۔ "جنت میں تو خاصی تگڑی عورتیں ہوں گی کوئی میری طرح بھی ہے۔"

"بہت جناب.... بہت۔" ایک نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کئی تو بالکل آپ ہی کے قد کی ہیں۔"

"اوہ.... لیکن ہم کب تک وہاں پہنچیں گے۔" قاسم ہونٹ چباتا ہوا بولا۔

"صرف دو دن لگیں گے جناب۔"

قاسم اپنی بھونڈی اور بے ڈھنگی آواز میں گنگنانے لگا۔

"کچھ زور سے سنائیے تو ہم بھی لطف اندوز ہوں۔" ایک نے کہا۔

"اجی! مجھے گانا وانا نہیں آتا۔" قاسم نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"نہیں نہیں تم بہت اچھا گاتے ہو۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

قاسم تھوڑی دیر تک جھینپے جھینپے سے قہقہے لگاتا رہا پھر کان پر ہاتھ رکھ کر تان ماری۔

اُن کے آجانے سے جو آجاتی ہے گھر میں رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ سسرال کا حال اچھا ہے

اُس کی گونجیلی اور بھاری آواز دور تک چٹانوں میں پھیلتی چلی گئی۔ اچانک قاسم بالکل ہی بے سُرا ہو گیا اور پھر شرما کر کہنے لگا۔ "یہ نہیں دوسرا۔"

اُس نے پھر کان پر ہاتھ رکھا اور قوالی کے طرز میں حلق پھاڑنے لگا۔

"آہے.... اُمم کیا ہے.... اَہے دا.... شمشیر و سناں.... آں.... آں.... آں.... دل.... اَہے اول.... اول.... اول.... طاؤس و رباب.... آخر شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر۔"

"ارے او کم بخت۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "کیا قوالی کر رہا ہے۔"

"میں کیا جانوں! میں نے ریڈیو ٹمبکٹو سے سنا تھا۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا اور پھر شروع ہو گیا۔

ہمراہی بہت زیادہ سنجیدہ تھے اور ان کی اس سنجیدگی سے نہ جانے کیوں حمید کو خوف معلوم ہو رہا تھا۔ حالانکہ ابھی تک وہ ان کے ساتھ نرمی ہی کا برتاؤ کرتے رہے تھے لیکن پھر بھی حمید اُن کی طرف سے مطمئن نہیں تھا اور ہوتا بھی کیسے جبکہ اُسے ان ساری باتوں کی غرض و غایت نہیں معلوم تھی۔ نہ جانے کون تھے اور کیا ارادہ رکھتے تھے۔

قاسم قوالی ختم کر کے تھکے ہوئے گدھوں کی طرح ہانپنے لگا۔

"حمید بھائی! ہنستی ہے۔" قاسم اُس کے قریب آکر بڑے رازدارانہ انداز میں بولا۔

"کون! کیا بک رہے ہو۔"

"ارے وہی جو اب بھی اپنے جنازے پر سوار ہے۔"

"قاسم۔ کیا تم واقعی یہی سمجھ رہے ہو کہ تم مر چکے ہو۔"

"اور کیا.... مگر مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہے۔ بھلا تکلیف ہی کون سی ہے۔ جنت میں تگڑی تگڑی عورتیں.... وہ دیکھو حمید بھائی پھر ہنس رہی ہے۔"

"تم زندہ ہو قاسم! اگر ذرا سی بھی ہمت کرو تو ہم آزاد ہو سکتے ہیں۔"

"نہ.... نہ.... بس معاف کرو۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔ رات دیکھ چکے ہو۔ رات تم ہی نے مجھے ورغلایا تھا۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"پاگل ہی سہی.... وہ پھر ہنسی۔"

وہ چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ سورج افق میں جھکنے لگا۔ ننگی چٹانوں پر شام کی سرخ سرخ دھوپ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ خنکی بھی پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید اب سب میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ پہاڑی راستوں کی تھکن سے وہ نڈھال ہو چکا تھا۔ قاسم کا بھی بُرا حال تھا مگر شائد جنت کی تگڑی تگڑی عورتوں کے خیال نے اُس کا حوصلہ ٹوٹنے نہیں دیا۔

سورج غروب ہونے کے بعد بھی وہ چلتے رہے شائد انہیں کسی خاص جگہ پر پہنچنا تھا۔ ہمراہیوں نے تیز چلنا شروع کر دیا تھا۔ حمید اور قاسم بھی ان کے ساتھ گھسٹ رہے تھے۔

پھر اندھیرا پھیل گیا اور ہمراہیوں نے ٹارچیں نکال لیں۔

تقریباً آدھ گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ قلیوں نے سامان اُتارا اور پھر وہ سب ایک غار میں اُتر گئے۔ یہاں مومی شمعیں روشن کر دی گئیں۔ یہ غار بھی اندر سے فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ تھا۔ دیواروں پر اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی اور ایک جگہ سنگی مسند پر مہاتما بدھ کی مورتی نصب تھی۔ غالباً یہ ہزاروں سال قبل بدھ درویشوں کا مٹھ رہا ہوگا۔

اچانک حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی ساری تھکن رفع ہو گئی ہو۔ مومی شمعوں کی ٹھنڈی روشنی، مہاتما بدھ کی پُر سکون مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی روح کی گہرائیوں میں اتری جا رہی تھی۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ کسی کا قیدی ہے۔ کچھ اجنبی اُسے کسی نامعلوم منزل کی طرف لے

جا رہے ہیں۔ معلوم نہیں وہ کون ہیں اور اس سے کیا چاہتے ہیں۔ اُسے اپنے انجام کا بھی اندیشہ نہیں تھا اس کی روح اب سے ہزاروں سال پہلے کی دنیا میں بھٹکنے لگی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس غار میں تنہا ہو جیسے وہ بھی مومی شمعوں کی طرح پگھلا جا رہا ہو.... تنہائی.... ہلکی سرخ روشنی بدھ کا ملکوتی تبسم.... ان کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا پھر حمید کو محسوس ہوا جیسے وہ قہقہے لگا رہا ہو۔ مگر بے آواز جیسے وہ رقص کر رہا ہو مگر اعضا بے حس و حرکت.... وہ چیخ رہا تھا۔ وہ رقص کر رہا تھا۔ لیکن اُس کی زبان کے قریب گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔ حمید چونک پڑا۔ اس کی ہم سفر اس کے پہلو میں کھڑی مورتی کو بڑی عقیدت سے دیکھ رہی تھی۔

حمید نے سر ہلا دیا۔ اس کی روح اب بھی پرانی دنیا میں بھٹک رہی تھی۔ اُس کی ہم سفر کا چہرہ ہلکی سرخ روشنی میں چمک رہا تھا۔ حمید کے ذہن میں قدیم مندروں کی مٹھوں کی دیوداسیوں کا تصور اُبھرا.... اور وہ اُسے اس تقدس آمیز روشنی میں کوئی مقدس کنواری معلوم ہونے لگے۔

"آپ کون ہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

لڑکی اُسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ لوگ اتنے مطمئن کیوں ہیں۔"

"اوہ.... جی ہاں۔" بیک وقت حمید کو ہوش آ گیا۔ اُس نے چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ "مصلحت۔"

غار میں قافلے کے سارے افراد موجود تھے لیکن وہ شب بسری کے انتظام میں اس طرح مصروف تھے کہ انہوں نے ان دونوں کی طرف دھیان نہیں دیا یا پھر وہ دینا ہی نہیں چاہتے تھے۔

"نہ جانے ہم کہاں اور کیوں لے جائے جا رہے ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"آپ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کس طرح پڑی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں ایک رات اپنے کمرے میں سوئی تھی۔ آنکھ کھلی تو میں وہاں ہونے کی بجائے ایک غار میں تھی۔"

"فزارو میں تین شکاری مقیم تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں.... تھے تو۔"

"اُن کے متعلق آپ کا خیال ہے۔"

"اوہ.... وہ بہت شریف تھے۔"

"پچھلے سال گرومی نام کا کوئی شکاری فزارو میں ٹھہرا تھا۔"

"جی ہاں.... اور وہ یقیناً اچھا آدمی نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں اس سیزن میں ہمارے یہاں نہیں ٹھہرا۔"

"کیوں وہ اچھا آدمی کیوں نہیں تھا۔"

"ہر وقت شراب پیتا رہتا تھا۔ جھگڑالو اور غصہ ور تھا۔"

"ہوں....!" حمید کچھ سوچنے لگا۔

"حمید بھائی.... کھانا کھالو۔" قاسم نے اُسے آواز دی۔

"بہر حال۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "بہتری اسی میں ہے کہ ہم لوگ چپ چاپ چلتے رہیں اور آپ کھانا نہ چھوڑیئے۔ میرے ساتھی کو دیکھئے کتنا مست ہے۔"

"احمق معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی مسکرائی۔

پھر وہی غار

گرومی کی فراہم کردہ معلومات میں اصلیت رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ فریدی نے جو کچھ بھی کہا اس سے ملنے کے بعد ہی کہا۔ ٹیکم گڈھ پولیس کے گذشتہ ریکارڈ میں اُسے بعض حیرت انگیز باتیں ملیں۔ متواتر کئی سال سے سردیوں کے موسم میں بہتیرے آدمی غائب ہوجاتے تھے۔ بوڑھوں اور بچوں کے غائب ہونے کی کوئی رپورٹ کبھی نہیں درج کرائی گئی تھی۔

فریدی نے اپنے ساتھیوں کو فزارو سے ہٹادیا اور خود وہیں مقیم رہا۔ اُس کی تجویز تو یہ تھی کہ سب لوگ واپس چلے جائیں لیکن کسی نے بھی اُسے منظور نہ کیا۔ پھر اُس نے صرف عورتوں کی واپسی پر زور دیا لیکن یہ بات بھی رد کردی گئی۔

فزارو میں غرتاش اور اس کے ساتھی اب بھی مقیم تھے۔ حالانکہ گرومی نے ان کے خلاف کافی زہر اگلا تھا لیکن فریدی کے پاس ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا۔ لیکن وہ اُن سے

ہوشیار ضرور رہتا تھا۔

وہ اس بات کے امکانات پر بھی غور کرتا رہا تھا کہ وہ حرکت تیسری پارٹی کی بھی ہوسکتی ہے۔ یہ بات تو اُس پر واضح ہوگئی تھی کہ اس دن اُس کی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے والا گرومی کی پارٹی کا آدمی نہیں تھا کیونکہ وہ اُس کے ساتھیوں کی اور اُس کی گفتگو چھپ کر بھی سن چکا تھا۔

سینل گھاٹی سے پولیس کا پہرہ ہٹالیا گیا تھا اور یہ فریدی ہی کی ایماء پر ہوا تھا۔ آج دوپہر کو بھی کافی برف باری ہوئی تھی اور شام تک آسمان بادلوں سے ڈھکا رہا تھا۔ لیکن رات ہوتے ہی بادل پھٹ گئے تھے اور برف کی سفید چادر پر کبھی کبھی چاندنی کی خشمگین نظر آنے لگتی تھی۔

فریدی شام ہی سے ایک غار میں جا گھسا تھا۔ آج اُس کے ارادے حقیقتاً خطرناک نظر آرہے تھے۔ اُس کے پاس آج رائفل کی بجائے ٹامی گن تھی اور کاندھے پر ایک بہت بڑا جال تہہ کیا ہوا تھا۔

غار میں اندھیرا تھا اور فریدی ایک کونے میں دبکا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اُسے غار میں کسی دوسرے آدمی کے داخلے کی توقع تھی۔ اُس کی آنکھیں دراصل ایک سوراخ سے لگی ہوئی تھیں، جو ٹھیک اُس جگہ کے سامنے تھا جہاں اُسے بھوت دکھائی دیئے تھے۔ فریدی تنہا تھا اُس کے ساتھیوں نے اس مہم میں حصہ لینا چاہا تھا لیکن فریدی نے انکار کردیا تھا۔ غزالہ تو اب تک اُس کی مخالفت کرتی رہی تھی۔

جس غار میں فریدی اس وقت بیٹھا تھا یہ بھی اُس کی ایک پرانی دریافت تھی۔ لیکن وہ اس بات پر مطمئن نہیں تھا کیونکہ دوسرے لوگ بھی اس سے واقف ہوسکتے تھے۔

ٹھیک دس بجے اس غار کے دہانے پر قدموں کی آواز سنائی دی۔ یقیناً کوئی اُسی غار میں گھسا جا رہا تھا۔ فریدی سوراخ چھوڑ کر ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہوگیا، جو غار کے آخری سرے سے تھوڑا ہی ہٹا ہوا تھا۔

آنے والے نے ٹارچ روشن کی اور غار کا جائزہ لیتا رہا۔ فریدی پتھر کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے روشنی کی زد سے باہر تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ آنے والا بھی اُسی پتھر پر بیٹھ گیا ہے جس پر تھوڑی دیر قبل وہ خود بیٹھا ہوا تھا اور غالباً وہ اسی سوراخ سے جھانک بھی رہا تھا۔

فریدی چپ چاپ پڑا رہا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد خود اُسے اپنی ناکارگی کھلنے لگی وہ سوچ رہا تھا کہ

آخر یہ کون ہو سکتا ہے اُس نے کچھ دیر اور انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ وہ ابھی تک اُسی طرح پڑا ہوا تھا تو اُس نے پتھر کی اوٹ میں دبکے رہنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ چپکے سے اٹھا اور ٹامی گن کی نال اُس کی پیٹھ پر رکھ دی۔

"خاموش" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ"

اس نے بے چوں وچرا تعمیل کی۔ فریدی نے ٹارچ نکالی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے حیرت زدہ سی آواز نکل گئی۔

یہ فزارو کا منیجر تھا اور اس کے چہرے پر اب بھی وہی معصوم مسکراہٹ تھی۔

"آپ یہاں کیسے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں۔" منیجر نے مسکرا کر کہا۔

فریدی کو اطمینان تھا کہ وہ اُسے پہچان نہ سکے گا کیونکہ اُس نے میک اپ کر رکھا تھا اور یہ میک اپ معمولی نہیں بلکہ اُس کا مخصوص ترین میک اپ تھا جو ایمونیا کے بغیر بگڑ ہی نہیں سکتا تھا۔

"آپ شائد فزارو کے منیجر ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور میرے خیال سے یہ کوئی بُری بات نہیں۔"

"میں پوچھتا ہوں تمہارا یہاں کیا کام۔" فریدی نے گرج کر پوچھا۔

"اوہ.... آپ کون ہیں۔"

"میری بات کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

"اول تو آپ کی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آئی۔" منیجر سنجیدگی سے بولا۔ "دوسری بات یہ کہ آپ اس قسم کے سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ ویسے اخلاقاً میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں والے بھوت دیکھنے کی خواہش مجھے یہاں لائی ہے۔"

"آپ کون ہیں جناب والا۔" اُس نے بڑی خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"اور تمہیں یقین ہے کہ وہ یہیں سے دکھائی دیں گے۔"

منیجر نے کوئی جواب نہ دیا اور فریدی یہ بھی نہ محسوس کر سکا کہ دوسرے لمحے میں یقیناً اُس کا ہاتھ اُس کے ٹارچ والے ہاتھ پر پڑے گا۔

ساتھ ہی ایک بھرپور گھونسہ بھی فریدی کے جبڑے پر پڑا۔ ٹامی گن بھی اُس کے ہاتھ سے

نکل گئی اور پھر وہ بھوتوں پر جال ڈالنے کی حسرت دل ہی میں لئے ہوئے چند لمحوں کے لئے بے حس و حرکت ہو گیا کیونکہ گرتے وقت اُس کا سر پتھر سے ٹکرا گیا تھا۔

جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے دیکھا کہ پانچ چھ مسلح آدمی اپنے ہاتھوں میں مشعلیں اٹھائے اُس کے گرد کھڑے ہیں لیکن اُن میں فزارو کا منیجر نہیں تھا۔ فریدی نے چپ چاپ پڑے ہی رہنا مناسب سمجھا کیونکہ وہ بالکل تنہا ہو چکا تھا۔

وہ کچھ دیر تک کھڑے سرگوشیاں کرتے رہے۔ پھر چار آدمیوں نے مل کر فریدی کو اٹھایا مشعلیں بجھا دی گئیں۔ بالکل اندھیرا چھا گیا اور اب فریدی کے لئے باقاعدہ طور پر آنکھیں کھلی رکھنا قطعی آسان ہو گیا تھا۔

غار سے نکل کر وہ لوگ چٹانوں کے سلسلے کے نیچے ہی نیچے پچھم کی طرف بڑھنے لگے۔ کئی بار فریدی کا دل چاہا کہ اُن سے الجھ پڑے اور اب حقیقتاً وہ اس پوزیشن میں تھا کہ اُن سے اکیلے ہی نپٹ سکتا تھا کیونکہ اس کا ہاتھ ایک اٹھانے والے کے ہولسٹر میں جھول رہا تھا اگر وہ چاہتا تو بہ آسانی اُس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیتا۔ لیکن وہ اپنی طبیعت پر جبر کرتا رہا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک غار میں گھسے اور انہوں نے پھر مشعلیں روشن کر لیں۔ فریدی کو آنکھیں بند کر لینی پڑیں لیکن اس کی پلکیں اب بھی ذرا سی کھلی ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ ایک سرنگ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اُسے سرنگ ہی کہا جا سکتا تھا کیونکہ یہ راستہ کسی طرح سے بھی غیر مسطح نہیں تھا۔ یقیناً یہ ایک انسانی کارنامہ تھا۔

سرنگ سے گذر کر وہ ایک مٹھ میں پہنچے۔ فریدی کو فرش پر ڈال دیا گیا اور ایک آدمی کے علاوہ اور سب وہاں سے چلے گئے۔ ایک بار پھر فریدی کے دل میں آئی کہ کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے لیکن اس نے اس خواہش کو زیادہ نہ ابھرنے دیا۔ بس وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ وہاں رک جانے والا آدمی اس کے پیروں کے پاس کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر انہیں اسے مارڈالنا ہی مقصود ہوتا تو وہ ہی ختم کر دیتے۔ آخر وہ اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہیں۔ دفعتاً اُسے ٹیکم گڈھ پولیس آفس کے پرانے فائل یاد آگئے جن میں اس نے مردوں اور عورتوں کے اغواء کی رپورٹیں دیکھی تھیں۔ گرومی کے غائب ہو جانے والے ساتھی یاد آئے جن کی لاشیں نہیں مل

سکی تھیں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ ابھی حال ہی میں قاسم اور حمید بھی اسی سیٹل
میں غائب ہو گئے تھے۔

"میں کہاں ہوں۔" اس نے اپنے قریب ہی ایک نسوانی آواز سنی۔

یہ بھی گویا معجزہ ہی تھا کہ آواز کی طرف فریدی کی گردن نہیں گھومی۔ ورنہ ایسے موقعو
سرزد ہونے والے افعال سو فیصدی اضطراری ہوتے ہیں اور ان میں ارادے کو قطعی دخل نہ
ہوتا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے آہستہ سے کچھ کہا جسے فریدی نہ سن سکا۔

"تم کون ہو..... میں کہاں ہوں۔" آواز پھر آئی۔ لیکن فریدی کو اپنے کانوں پر یقین نہ
کیونکہ وہ آواز فرزانہ کی تھی۔ فریدی اس آواز کو ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ کیونکہ اسے اس آ
سے نفرت تھی۔

اب بھی اس نے اپنی حالت میں کوئی تغیر نہ پیدا ہونے دیا۔ فرزانہ شائد کھڑی ہو گئی تھی۔

"تشریف رکھئے۔" اس آدمی نے کہا۔ "آپ محفوظ ہیں۔ تشویش کی بات نہیں۔"

فرزانہ ہلڑ مچانے لگی لیکن وہ آدمی خاموش رہا۔ لیکن جب فرزانہ باہر نکل جانے کے
دریچے کی طرف جھپٹی تو اُس نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔

"اُدھر موت ہے۔"

فرزانہ یک بیک رک گئی۔ فریدی اب بھی چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ اس ڈرامے کے دوسر
سین کا منتظر تھا۔

تھوڑی دیر بعد بقیہ لوگ پھر واپس آگئے۔ ان کے ساتھ دو عدد اسٹریچر تھے۔ ان میں
آدمیوں نے فرزانہ کو پکڑ لیا اور ایک نے اس کے بازو میں کسی چیز کا انجکشن دے دیا۔ فرزانہ چی
رہی وہ اب بھی کافی مغلق الفاظ میں ان لوگوں کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ نہ جانے کس طرح فرید
اپنی ہنسی ضبط کئے رہا لیکن اس وقت اس پر یہ بات روشن ہو گئی کہ فرزانہ عادتاً بڑے بڑے الفا
بولتی ہے اس کا مقصد خود نمائی ہرگز نہیں۔

آہستہ آہستہ فرزانہ کی آواز دبتی گئی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔

فریدی اور فرزانہ کو اسٹریچروں پر ڈال کر وہ لوگ پھر چل پڑے۔

اس بار وہ جس سرنگ میں داخل ہوئے تھے کافی طویل معلوم ہوتی تھی۔ چار آدمیوں نے

یں سنبھال رکھی تھیں۔

فریدی اب بھی خاموش تھا لیکن اسٹریچروں کے استعمال ہی سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ
با معلوم ہوتا ہے۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ سرنگ سے باہر نکلے۔ فریدی نے گردن گھما کر دیکھا دو آدمی سرنگ
دہانے کو بند کر رہے تھے۔ یہاں فریدی پر دو تین کمبل ڈال دیئے گئے لیکن جیسے ہی وہ لوگ
ہوئے فریدی نے منہ کھول دیا۔

بادل بالکل ہی پھٹ گئے اور نکھری ہوئی چاندنی میں پہاڑیاں نہا گئی تھیں۔ سناٹے میں صرف
وں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس سے فریدی نے اندازہ لگایا کہ شاید اس طرف برف
نہیں ہوئی ورنہ قدموں کی آوازوں میں اتنی گونج نہ ہوتی۔

فریدی کا دل دھڑک رہا تھا۔ خوف سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ وہ عنقریب کسی بہت ہی
ے راز سے دوچار ہونے والا ہے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ لوگ اسے کہاں لے جائیں گے اور اس سے کیسا برتاؤ
یں گے۔ فرزانہ کے ساتھ بھی ان لوگوں نے کسی قسم کی سختی نہیں کی تھی اور شائد انجکشن
اس لئے دیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو جائے اور اسے ان راستوں کا علم نہ ہو سکے جن سے وہ کہیں
لے جائی جانے والی تھی۔

اسے بھی فطرت کی ستم ظریفی ہی کہنا چاہئے کہ سردی کی شدت کے باوجود بھی فریدی کی
ں نیند سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے نیند کے خلاف ذہنی جنگ شروع کر دی۔ وہ
ت بھر چلتے رہے اور فریدی جاگتا رہا۔ وہ اپنے ذہن میں سمتوں کے نقشے مرتب کرتا جا رہا تھا۔

صبح ہوتے ہوتے فرزانہ کو ہوش آگیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہی۔
یدی کا اسٹریچر اس کے اسٹریچر کے برابر ہی تھا۔ اس نے اس کی سہمی ہوئی شکل دیکھی اور
چنے لگا کہ آخر وہ کس طرح پھنس گئی کیا اسے نصرت کے مکان سے نکال کر لایا گیا ہے۔ اگر ایسا
ہے تو دوسری عورتیں بھی محفوظ نہیں۔

صبح کے ناشتے کے لئے وہ لوگ رک گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اس کے مسلح ہمراہی
نہائی اطاعت شعار قسم کے غلاموں کی طرح پیش آرہے تھے۔ فرزانہ انہیں بُرا بھلا کہہ رہی تھی

لیکن ان میں سے کسی کی پیشانی پر شکن تک نہیں تھی۔

"آپ ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگیں۔" فریدی نے فرزانہ سے کہا۔ "میرا خیا کہ میں نے آپ کو فزارو میں دیکھا تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی.... میں ایک پولیس آفیسر کے یہاں تھی.... اور ایک دو، پولیس آفیسر کی تلاش میں فزارو آئی تھی۔ فزارو سے واپسی پر بلائے آسمانی کی طرح کوئی الجھ والی چیز مجھ پر گری اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فرزانہ نے پوچھا۔ "آخر یہ کون ہیں اور ہمیں کہاں جارہے ہیں۔"

"پتہ نہیں۔" فریدی نے سر ہلا دیا۔

"آپ کون ہیں۔"

"میں.... ایک شکاری ہوں۔ مگر یہ لوگ بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔"

اس سفر میں کئی بار ہمراہیوں نے فریدی سے پیدل چلنے کی استدعا کی لیکن اس نے منظور نہ کیا۔ اس نے اپنے گھٹنوں میں تکلیف کا بہانہ کر کے اسٹریچر ہی پر پڑے رہنا مناسب البتہ کسی جگہ قیام ہونے کی صورت میں وہ لنگڑا لنگڑا کو تھوڑا بہت ٹہل ضرور لیتا تھا۔

فرزانہ نے اپنی فصیح اور بلیغ تقریروں سے اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ لیکن کبھی کبھی ا رونے کا دورہ بھی پڑ جاتا تھا۔ فریدی نے اسے اب تک نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ ویسے وہ تسلیاں ہی دیتا رہتا تھا۔

تیسرے دن وہ اسی وادی میں پہنچ گئے جہاں قاسم نے ایک فیصلہ کن جنگ کی تھی۔

فریدی کے ہمراہی بہت زیادہ سراسیمہ نظر آنے لگے تھے کیونکہ وادی کے نشیب میں بسا ہوا ویران نظر آرہا تھا اور وہاں انہوں نے کچھ لاشیں بھی دیکھیں پھر جب وہ اس سنگی عمارت داخل ہوگئے تو ان میں سے کئی کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ حالانکہ وہ کافی تھکے ہوئے تھے انہوں نے قیام نہ کیا۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ وہ جلد سے جلد اس وادی سے نکل جا۔ کوشش کر رہے ہیں، انہیں عمارت میں بھی پندرہ بیس لاشیں نظر آئی تھیں اور ان کی بدبو کی سے پوری عمارت میں کہیں بھی ناک نہیں دی جارہی تھی۔

فرزانہ کے تو حواس غائب تھے۔ اس نے جو چپ چاپ سادھی تو پھر فریدی کے متوجہ کرنے پر بھی اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ نہ اب وہ ہمراہیوں کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور نہ اپنے ڈیڈی کو یاد کر کے روتی تھی۔

قاسم کی درندگی

تیسرے دن قافلہ ایک سرسبز وادی میں داخل ہو رہا تھا اور یہاں سے شائد پیدل چلنے والوں کی صعوبتوں کا خاتمہ ہو جانے کو تھا وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرے۔

یہ گاؤں تیس چالیس چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں پر مشتمل تھا۔ وسط میں پتھر کی عمارت تھی۔
قاسم، حمید اور وہ لڑکی عمارت کے اندر لے جائے گئے اور یہاں بھی ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی گئی۔

دوپہر کا کھانا ان کے سامنے لگایا گیا۔ تو ایک بہت چھوٹے سے قد کا مسخرہ آکر اچھلنے کودنے لگا۔ غالباً وہ ان کا دل بہلا رہا تھا۔

قاسم بے تحاشہ قہقہے لگا رہا تھا۔ حمید کو مسکرانے کی بھی فرصت نہیں تھی اس کا ذہن اس عجیب و غریب سفر کی نوعیت میں الجھ کر رہ گیا تھا اور ہر لحظہ اسے کسی اچانک حادثے کا اندیشہ پریشان کئے رہتا تھا۔

اس عمارت میں پہلے سے بھی کچھ آدمی موجود تھے اور ان کا رویہ بھی انتہائی خادمانہ تھا۔ ان میں سے کسی نے ایک بار بھی ہمراہی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ لڑکی کا خوف بالکل رفع ہو گیا تھا لیکن اب خوف کی جگہ گہرے قسم کے تحیر نے لے لی تھی۔ دستر خوان پر وہی تینوں اکیلے تھے۔ سامنے دو خادم دست بستہ کھڑے تھے۔ دستر خوان اور خادموں کے درمیان میں بونا مسخرہ اچھل کود رہا تھا۔

"حمید بھائی.... ذرا اس چوزے کو دیکھنا۔" قاسم نے بونے کی طرف دیکھ کر کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک بونی کمرے میں داخل ہوئی اور وہ بھی بونے ہی کی طرح اچھلنے کودنے لگی۔

"ارے....!" قاسم حیرت سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "بونی بھی۔"

وہ چند لمحے منہ پھاڑے انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اے قربان جاؤں پاک پروردگار تیر قدرت کے۔ بونے کے لئے بونی بھی پیدا کر دی۔ کیوں حمید بھائی۔ ہی ہی ہی۔"

"اس عمارت کے لوگ بھی بڑے شائستہ معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے لڑکی سے کہا۔

"میں تو اب سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"وہم کا کوئی علاج ہی نہیں۔" قاسم نے کسی فلسفی کی طرح خود اعتمادی کے لہجے میں کہا۔

"وہم! کیا وہم۔" حمید اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"یہی وہم کہ ہم لوگ دوسری دنیا میں نہیں ہیں۔" قاسم نے کہا۔ "آپ لوگوں کو زندگی مبارک رہے۔ میں تو سو فیصدی مر چکا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے بونے کے لئے بونی پیدا کی ہے میرا کچھ نہ کچھ انتظام ضرور کر دیا ہوگا۔"

لڑکی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور حمید قاسم کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں.... حمید بھائی۔"

"بکواس بند کرو۔"

"ہائیں.... پھر توہین کی۔" قاسم بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔ حمید اس کا شانہ تھپکنے لگا۔

دوپہر کا کھانا ختم کر چکنے کے بعد بھی وہ وہیں بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں ایک خادم اپنے ساتھ ایک بڑے کمرے میں لے گیا جہاں بستر پہلے ہی سے موجود تھے۔ دو دن کی تھکن کے بعد انہیں پہلی بار گہری نیند آئی تھی۔ وہ چار بجے تک مردوں کی طرح پڑے رہے پھر ایک ہیجان انگیز شور نے حمید کو جگا دیا۔ پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھا اسے صرف شور کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر جیسے جیسے ذہن نیند کے اثرات سے چھٹکارا پاتا گیا شور کی نوعیت سمجھ میں آتی گئی۔

یہ پے در پے فائروں کی آوازیں تھیں اور اُن میں آدمیوں کی چیخیں بھی شامل تھیں۔ حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی بھی اٹھ بیٹھی تھی لیکن قاسم اس طرح مچل مچل کر کروٹیں بدل رہا تھا جیسے مچھروں کی زیادتی اس کی نیند میں خلل انداز ہو رہی ہو۔

"قاسم....!" حمید نے اُسے جھنجھوڑا۔

"اوں ہوں.... ڈاب.... ڈاب.... کباب....!" وہ منہ چلاتا ہوا دوسری کروٹ ہو گیا۔

پھر حمید نے اُسے اس طرح جھنجھوڑا کہ اٹھنا ہی پڑا۔ وہ چند لمحے آنکھیں مل مل کر طرح طرح کے منہ بناتا رہا پھر جماہی لے کر اچانک اچھل پڑا۔ شائد شور کی آواز اب اُس کے ذہن میں صاف ہوئی تھی۔

"ہائیں! حمید بھائی یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ آنکھیں پھاڑ کر آہستہ سے بولا۔

"پتہ نہیں! لیکن یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ اب موت نہ آئے گی۔" حمید نے کہا۔

دوسرا لمحہ اُن کے لئے انتہائی تشویش ناک تھا کیونکہ ایک گولی سنسناتی ہوئی سیدھی دروازے کے سامنے سے گذری تھی۔ اب شور و غل عمارت کے نچلے حصے میں ہو رہا تھا اور کچھ اس قسم کی وحشت ناک چیخیں سنائی دینے لگی تھیں جیسے لوگ گولیاں کھا کھا کر ڈھیر ہو رہے ہوں۔

دفعتاً دو آدمی رائفلیں سیدھی کئے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔ دونوں نے بیک وقت چیخ کر کچھ کہا اور رائفلوں کی نالیں اُن کی طرف تان لیں۔ اُن دونوں کے چہرے بڑے خوف ناک تھے۔ انہوں نے بھیڑ کی کھال کا لباس پہن رکھا تھا اور اُن کے سروں پر سیاہ ٹوپیاں تھیں جن کے بال اتنے لمبے تھے کہ اُن کی آنکھوں تک لٹک آئے تھے۔

"قاسم! ہاتھ اٹھا دو۔" حمید نے اپنے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں اٹھاتا۔" قاسم نے جھنجھلا کر کہا وہ بھی طرح طرح کی غصیلی شکلیں بنا کر انہیں گھور رہا تھا۔

لڑکی ڈر کر حمید سے لپٹ گئی تھی۔

ان میں سے ایک نے پھر چیخ کر کچھ کہا۔ الفاظ حمید کی سمجھ میں نہیں آئے۔

پھر اُسی وضع قطع کے کئی اور آدمی کمرے میں گھس آئے۔ ان میں سے ایک نے لڑکی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اُس کی چیخ دل ہلا دینے والی تھی۔

"قاسم خدا کے لئے۔" حمید بڑبڑایا۔ "کوئی حماقت نہ کرنا۔"

"حمید بھائی دیکھتے نہیں سالوں کو۔"

"دیکھ رہا ہوں۔ لیکن ہم نہتے ہیں۔ چپ چاپ دیکھو لیکن خائف نہ ہونا۔ یہ بھوت نہیں ہیں۔ بھوت رائفل نہیں رکھتے۔"

"اچھا.... میں نہیں ڈروں گا۔" قاسم نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلایا۔

وہ لوگ انہیں رائفلوں کے کندھے سے دھکیلتے ہوئے باہر نکال لائے۔

حمید نے صحن میں اپنے ہم سفروں میں کئی کی لاشیں دیکھیں۔ اُن میں کچھ زخمی بھی تھے، جو بیہوشی کی حالت میں بھی کراہ رہے تھے۔ برآمدے میں تخت پر ایک گرانڈیل آدمی کھڑا مرنے والوں کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ شائد ان وحشیوں کا سردار تھا۔ حمید نے کچھ ہم سفروں کو رسیوں سے جکڑا بھی دیکھا۔ اُن میں وہ چاروں بھی تھے جو اردو بولتے تھے۔ انہوں نے بڑی ندامت آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

"یہ جانور ہمارے دشمن ہیں۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔

لڑکی کو دیکھ کر وحشیوں کا سردار ہونٹ چاٹنے لگا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا جس کے جواب میں انہوں نے قہقہے لگائے اور لاشوں کو روندتے ہوئے تخت کے قریب آگئے۔

پھر سردار حمید اور قاسم کو گھورنے لگا۔

اتنے میں دو آدمی بونی عورت کو پکڑ لائے۔ اس کا قد تین فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا۔ اُس نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر اچھال دیا۔ پھر اُسے ہاتھوں پر روک کر اپنے ایک ساتھی کی طرف اچھال دیا۔ اُس نے بھی ہاتھوں پر روک کر تیسرے کی طرف اچھال دیا۔ بونی کے منہ سے ڈری ڈری چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ لوگ بے تحاشہ قہقہے لگا رہے تھے۔

"یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے ایک ہمراہی سے پوچھا۔

"یہ ہمارے دشمن، یہ ہمیں قیدی بنا کر اپنے علاقے میں لے جائیں گے۔"

"تمہارے اور آدمی کہاں ہیں۔"

"یہاں سے بیس میل کے فاصلے پر دوسری چوکی ہے۔"

دفعتاً حمید نے لڑکی کی چیخ سنی۔

وحشیوں کا سردار اُس کے گال چٹکیوں میں دبائے کچھ کہہ کہہ کر ہنس رہا تھا۔ بونی بدستور اچھالی جا رہی تھی اور اس کی چیخیں بھی گونج رہی تھیں۔

پھر سردار لڑکی کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے دلچسپ مشغلے میں شریک ہوگیا۔ اُس نے بونی کی ایک ٹانگ پکڑ لی اور اسے گردش دینے لگا لیکن اب وہ چیخ نہیں رہی تھی۔

چکر دیتے ہوئے اُس نے اُسے ایک بار چھوڑ دیا اور وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر سامنے والی

دیوار سے جا ٹکرائی۔

اور پھر وہ منظر کم از کم حمید سے تو نہ دیکھا گیا۔ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہوگئی تھی۔

"خدا کی قسم۔" قاسم رسیوں میں زور کرنے لگا۔ "میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس شیطان کے بچے کو بھی اسی طرح ماروں گا۔ چاہے میرے پرخچے اڑ جائیں۔"

"قاسم احمق نہ بنو.... صبر کرو۔" حمید نے کہا۔

وحشیوں نے اب بونے کی لاش اچھالنی شروع کر دی تھی۔ وہ اس مشغلے میں اس طرح منہمک تھے کہ اپنے قیدیوں کی طرف دیکھنا بھی بھول گئے۔ قاسم رسیوں سے زور آزمائی کر رہا تھا۔ یکایک رسیاں ٹوٹ گئیں۔ اُس نے قریب ہی پڑی ہوئی ایک رائفل اٹھائی اور اس کی نال پکڑے ہوئے وحشیوں کے مجمع میں گھس گیا۔ سب سے پہلے اُس نے رائفل کا ایک کندہ اُن کے سردار ہی کے سر پر جھاڑ دیا۔ قاسم کی قوت تو بہرحال اظہر من الشمس تھی اُس پر طرہ یہ کہ وہ غصے میں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سردار پہلی ہی چوٹ میں ڈھیر ہوگیا۔ قبل اسکے کہ وحشیوں کو کچھ سمجھنے کا موقع ملتا قاسم نے تین آدمیوں کو گرا دیا۔ اُس نے رائفل کو ڈنڈے کی طرح پکڑ رکھا تھا اور اُسے کسی مشاق لٹھ باز کی طرح گردش دے رہا تھا۔ وحشیوں کے سر میں نہ جانے کیا سمائی کہ انہوں نے بھی وہی حرکت کرنا شروع کر دی ورنہ شائد قاسم کی پیشانی پر پڑی ہوئی ایک ہی گولی اس کا کام تمام کر دیتی۔

وحشی حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔

"لڑکی کیا دیکھ رہی ہو۔" حمید نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہمیں کھول دو۔"

لڑکی نے گھبرائی ہوئی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھا اور ایک مردے کی کمر سے خنجر کھینچ کر اُن کی رسیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ وحشی چاروں طرف سے قاسم پر ٹوٹ پڑے تھے اور انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہ گیا تھا۔ قیدیوں میں آٹھ آدمی تھے اور ان کی رائفلیں وہیں لان میں پڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے چھوٹتے ہی اپنے دشمنوں کو نشانہ پر رکھ لیا۔ جب تک وحشی سنبھلتے اُن کے چار آدمی کام آچکے تھے۔ انہوں نے دوسری باڑھ ماری تین اور گرے۔ قاسم نے یہ ماجرہ دیکھا تو دھڑ سے زمین پر گر گیا۔

دونوں طرف سے پھر گولیاں چلنے لگیں۔ حمید کے ہمراہیوں نے ستونوں کی آڑ لے لی تھی اور اُن کے دشمن کھلے میں تھے۔ تیسری باڑھ نے اُن کے قدم اکھاڑ دیئے لیکن بھاگ نکلنے کے

سارے راستے خود انہوں نے ہی مسدود کر دیئے تھے۔

اب وہ تعداد میں صرف پانچ رہ گئے تھے۔

گولیاں چلتی رہیں ایک اور گرا۔ پھر باقی چار نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر اپنی ر پھینک دیں اور زمین پر اوندھے گر گئے۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ چاروں اسی جگہ بندھے کھڑے تھے۔

قاسم نے بیہوش سردار کو اٹھا کر تخت پر ڈال دیا اور دونوں ہاتھوں سے رائفل کی نال اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے وہ اس کے اٹھنے کے انتظار میں ہو۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"اپنی قسم پوری کروں گا۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ "جیسے ہی اٹھے گا بس ایک ہی ہاتھ میں کھوپڑی کے چار ٹکڑے کر دوں گا۔"

"یہ نہ کیجئے تو بہتر ہے۔" ایک ہمراہی نے کہا۔ "اُسے قیدی بنا کر لے چلنا ہی زیادہ بہتر ہو

"ہر گز نہیں۔" قاسم نے کہا اور جھک کر سردار کے سر سے ٹوپی اتار لی۔

"انہیں سمجھایئے۔" ہمراہی نے حمید سے کہا۔ "اسے زندہ لے جانا ہمارے لئے زیادہ مفید ہو

حمید نے قاسم کو سمجھانا چاہا لیکن وہ پھیل گیا۔

"کیا آپ انہیں کسی تدبیر سے باز رکھ سکتی ہیں۔" ہمراہی نے لڑکی سے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے۔" لڑکی نے بڑی بے رخی سے کہا۔ "لیکن اُس صورت میں جب ہمیں اِ کا مقصد بتا دیا جائے۔"

"محترمہ! ہم فی الحال اس سے معذور ہیں۔"

"تب ادھر بھی مجبوری ہی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"ہر گز نہ مانوں گا۔" قاسم غصیلی آواز میں بولا۔ "مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ غضب ان درندوں نے اسی ننھی سی جان کو تماشا بنا کر مار ڈالا۔ ہر گز نہیں۔ ہر گز نہیں.... میں اس سر کا گودا ناک کے راستے بہاؤں گا۔"

قاسم نے اب اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھ کر ایک گرزہ اُس کے پر جھاڑ دیا اور وہ ایک ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپنے لگا۔ پھر اٹھ کر بھاگا لیکن اس کی آنکھ

ند تھیں قاسم نے پھر ایک ہاتھ مار دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی لاش کو پہچاننا بھی ناممکنات میں سے ہو گیا۔ نہ ناک کا پتہ تھا اور نہ ہانے کا صرف اس کے دہانے کے بڑے بڑے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔

اس کے چاروں ساتھی اس طرح کانپ رہے تھے جیسے انہیں سردی لگ کر بخار آ گیا ہو۔

ڑکی نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا۔

"قاسم تم نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے کہا۔

"چلو چلو! نہیں تو ابھی ایک ہاتھ جھاڑ دوں گا پراٹھا ہو کر رہ جاؤ گے۔" قاسم بولا۔

اُس پر سچ مچ خون سوار ہو گیا تھا۔ اُس نے ہمراہیوں سے پوچھا۔ "ان چاروں کے لئے کیا کہتے و۔ جلدی کرو۔ بھوک کے مارے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔"

"جناب والا۔" ایک نے کہا۔ "ہم یہی درخواست کریں گے کہ انہیں قیدی بنا کر لے جایا جائے۔"

"تم لوگ واقعی بڑے بے حیا معلوم ہوتے ہو۔" قاسم مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"آپ بہت تھک گئے ہیں.... اب تھوڑا آرام کر لیجئے۔"

"آرام کر لوں.... اور کھانا.... الاقسم پیارے دم نکلا جا رہا ہے۔"

"آپ چلئے تو اپنے کمرے میں۔" ہمراہی نے گڑگڑا کر کہا۔ "کھانا بھی آ جائے گا۔"

پھر حمید اُسے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر کمرے کی طرف لے گیا۔

قاسم بڑی دیر میں ٹھنڈا ہوا۔

"اب کیا خیال ہے تمہارا۔" حمید نے پوچھا۔ "مر گئے ہو یا زندہ ہو۔"

"یہ سب سالے بھی چار سو بیس معلوم ہوتے ہیں۔" قاسم نے کہا۔ "آج رات کو انہیں بھی ٹھنڈا کر دو اور نکل چلو۔"

"کہاں نکل چلیں.... کہاں.... بھٹکتے پھریں گے۔" حمید بولا۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے یہ ہماری زندگی کا آخری سفر ہے۔"

"تو کیا ہم واقعی مر جائیں گے۔" قاسم نے غمناک لہجے میں پوچھا۔

"دیکھو! کیا ہوتا ہے۔ ویسے اب کچھ گڑبڑ نہ کرنا۔ چپ چاپ دیکھتے جاؤ۔"

قاسم اس انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے حمید کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

مل گئے

فریدی کے ہمراہی بڑی تیزی سے راستہ طے کر رہے تھے۔ شائد انہیں اپنی تھکن کا احساس نہیں تھا۔

"آخر آپ لوگ اتنے خوفزدہ کیوں ہیں۔" فریدی نے اُن میں سے اس آدمی سے پوچھ اردو بول اور سمجھ لیتا تھا۔

"ہمارے دشمن ہماری گھات میں ہیں۔"

فریدی نے اب اسٹریچر پر لدے رہنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ کچھ دیر قبل دیکھی ہوئی لاش اب بھی اس کے ذہن میں چکر لگا رہی تھیں۔ ہمراہیوں سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ خطرے میں ہیں

"ٹیکم گڈھ میں آپ لوگوں کا کہاں قیام تھا۔" فریدی نے ہمراہی سے پوچھا۔

"پورے ٹیکم گڈھ میں۔" ہمراہی نے مسکرا کر کہا لیکن اس کی مسکراہٹ میں زندگی نہیں تھ

چاروں طرف ہری بھری پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ یہ حصہ گڈھ سے کم بلند ہے ورنہ یہاں اس موسم میں سبزی کا نام بھی نہ ہونا چاہئے تھا۔ سردی ضرور لیکن اتنی زیادہ نہیں جتنی ٹیکم گڈھ میں ہوتی تھی۔

دن ڈھلتے ڈھلتے وہ لوگ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یہ ایک گاؤں تھا اور یہاں ایک بڑی سی کی عمارت تھی جس کے سامنے مسلح آدمیوں کا ایک دستہ پہرہ دے رہا تھا۔

فریدی کے ہمسفروں میں سے ایک نے اپنی جیب سے پیلے رنگ کی ایک جھنڈی نکال اُسے اپنی رائفل کی نال پر لگا کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا مسلح محافظ دستے کے قریب پہنچ گیا۔

پھر فرزانہ کا اسٹریچر بڑے ادب واحترام کے ساتھ عمارت کے اندر پہنچا دیا گیا۔ فریدی۔ ساتھ بھی کوئی بدسلوکی نہ کی گئی۔

انہیں ایک کمرے میں پہنچایا گیا۔

فرزانہ کے لئے یہ لمحہ حیرتوں کا لمحہ تھا۔ فریدی البتہ بہت پُرسکون تھا۔ کمرے میں قاسم حمید ایک لڑکی کے ساتھ موجود تھے۔ قاسم سورہا تھا حمید اور وہ لڑکی بیدار تھے۔

"ارے آپ....!" حمید فرزانہ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ یہاں۔" فرزانہ تقریباً چیخ پڑی۔

ر حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اور اسے اجنبیوں میں سے سمجھ کر پھر فرزانہ کی طرف و گیا۔

"آپ یہاں کیسے پہنچیں۔"

"گردش تقدیر۔" فرزانہ نے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "میری ہی طرح آپ بھی ں۔"

"اوہ....!" حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

عتاً قاسم نے سوتے سوتے چیخ ماری اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ہ اپنی سرخ سرخ آنکھیں پھاڑے بڑبڑا رہا تھا۔ "وہ بھاگا.... سر کچل دو.... بونا.... بونی.... اور بچاؤ.... گردن نکل گئی.... ہاتھ نکل گئے.... سر کچل دو۔"

حمید اس پر ٹوٹ پڑا اور بڑی جدوجہد کے بعد اُسے دوبارہ لٹانے میں کامیاب ہو سکا۔

"انہیں کیا ہوا۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"بڑا تیز بخار ہو گیا ہے۔ کسی کو پہچانتا نہیں۔" حمید بولا۔

"کیا ان لوگوں مین کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... لیکن وہ لوگ اسے کوئی دوا دے رہے ہیں۔"

"مسموم انجرات دماغ کی طرف مائل پرواز ہیں۔" فرزانہ نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

"بلکہ معدے میں دماغ کی طرف ان کا انتقال زمانی و مکانی ہو رہا ہے۔" حمید جل کر بولا اور اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکا۔

فرزانہ اس طرف مڑ کر بولی۔ "یہ دونوں حضرات ہمارے ساتھ کے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی لیکن...." فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ ہمراہیوں میں سے ایک کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

"آپ لوگوں کا کھانا بھی یہیں بھیج دیا جائے یا الگ کھائیں گے۔" اُس نے پوچھا۔

"کھانا....!" قاسم نعرہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ "کہاں ہے کھانا۔"

حمید وغیرہ بھونچکے رہ گئے۔ کیونکہ وہ تو یہی جانتے تھے کہ قاسم بیہوش پڑا ہے۔

"کہاں ہے کھانا۔" اُس نے ڈپٹ کر پوچھا۔ پھر اُس نے دروازے کی طرف بھاگ
اسکی کمر سے لپٹ گیا۔ لیکن وہ بھلا حمید کے بس کا تھا۔ کھانے کے متعلق پوچھنے والا بھی ہو

"آپ ہٹ جائیے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

اُس نے قاسم کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے قاسم حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ لیکن پھر وہ ا
جنبش نہ کر سکا۔ حمید حیرت سے اُس اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔

"آیئے۔" فریدی نے حمید کو اشارہ کیا۔

اُن دونوں نے اُسے پھر پلنگ پر ڈال دیا۔

"ارے غضب خدا کا.... یہ کیا ستم ہے۔ بھوکوں مار ڈالا۔" قاسم چیختا رہا۔

"ارے قاسم صاحب۔" فرزانہ بولی۔ "آپ کے لئے مقاطعہ جوئی ہی مناسب ہے

"ارے.... ہائیں۔" قاسم آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر دونوں ہاتھوں
مل کر دوبارہ اُس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"حمید بھائی۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "میں کہاں ہوں۔"

"وہیں جہاں پہلے تھے۔"

"لیکن آپ۔" وہ فرزانہ کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"آپ بھی آ پھنسی ہیں۔"

وہاں انہیں قیام کئے ہوئے تین دن گذر چکے تھے اور ان تین دنوں میں قاسم نے
بند کر دیا تھا اور اب اسی مسئلے پر حمید قاسم کو بور کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ شکاری نے فرزانہ سے عشق شروع کر دیا ہے۔" حمید بڑی سنجیدگی

"اگر ایسا ہے تو میں شکاری کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، جو فرزانہ کے ساتھ آیا
پُرجوش لہجے میں بولا۔

"سنو قاسم! وہ شکاری تم سے زیادہ طاقتور معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھ سے زیادہ.... ہونہہ.... ابھی میں اس کی گردن توڑ سکتا ہوں۔" قاسم نے ا
مٹھیاں بھینچ لیں۔

"اوہو.... تو کیا آپ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔" دروازے کے قریب سے

قاسم دونوں پلٹ پڑے۔ شکاری دروازے میں کھڑا تھا۔

ارے! ہی ہی ہی۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔" قاسم ہنسنے لگا۔

ور یہ حقیقت تھی کہ قاسم اُس دن والے واقعے کے بعد سے مار پیٹ کے مواقع سے
لگا تھا۔ اس نے وحشیوں کے سردار کو بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا۔ لیکن وہ رات کو
وتے چیخنے لگتا۔ کبھی نیند ہی میں اٹھ کر بھاگتا اور اس طرح گر پڑتا جیسے اس نے وحشیوں
دار کو دیکھا ہو۔

آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "یہ بڑے پُرمذاق آدمی ہیں۔"

اوہ.... کوئی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر اُس نے گفتگو کا رخ بدل
بڑی دیر تک اس عجیب و غریب سفر کے متعلق باتیں کرتے رہے۔

میرا خیال ہے کہ ہم لوگ پاگلوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔"

کیوں؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

اس طرح تشدد سے لائے تھے اور اب اتنے اخلاق سے پیش آرہے ہیں کہ ہر وقت کئی
گار ہمارے پاس موجود رہتے ہیں۔ جیسے ہم کسی ریاست کے شاہی مہمان ہوں۔ آخر اس کا
د ہو سکتا ہے۔"

بس دیکھتے جایئے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

تنے میں وہ دونوں ہمسفر بھی وہاں آگئے۔

اب تو بتا دیجئے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

اوہو! اتنی جلدی کیا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "خوب گھومئے پھریئے تھکن
ہے۔ ایسی عظیم الشان جگہ آپ کو روئے زمین پر نہ ملے گی۔"

کیا ہم بغیر پابندی کے باہر نکل سکتے ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

کیوں نہیں! بڑی خوشی سے۔ یہاں ہر گلی کوچے میں آپ کا شاندار استقبال ہوگا۔ یہ لیجئے۔"

اس نے جیب سے چاندی کے تین بیج نکالے، جو عقاب کی شکل کے تھے اور اُن پر کسی
م زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

"یہ بیج آپ کو کہیں بھٹکنے نہ دیں گے۔ آپ جب بھی محسوس کریں کہ آپ راستہ بھول

رہے ہیں تو کسی کو بھی بیچ دکھا دیجئے گا۔ وہ آپ کو یہیں پہنچا دے گا۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" قاسم قہقہہ لگا کر بولا۔ "لیکن وہ تگڑی تگڑی عورتیں کہ

"ایک دو نہیں! درجنوں حاضر کر دی جائیں گی۔"

"درجنوں! ہاہا۔" قاسم نے پھر قہقہہ لگایا۔ "یعنی بہت سی.... یعنی عورتیں... خوف نہ کھائیں گی.... ہاہاہا۔"

"جی ہاں.... وہ آپ سے محبت کریں گی۔"

"محبت.... ہی ہی۔" قاسم دانتوں میں انگلی دبا کر شرما گیا۔

حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ جوتا لے کر پل پڑے۔

"وہ لڑکی کہاں ہے، جو میرے ساتھ آئی تھی؟" فریدی نے دریافت کیا۔

"وہ بھی آرام سے ہیں۔"

"میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"دیکھا حمید بھائی.... میں نہ کہتا تھا۔" قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

"بہت بہتر جناب۔" ہمسفر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "وہ یہیں پہنچا دی جا
لاتا ہوں۔"

وہ چلا گیا.... اور قاسم فریدی سے الجھ پڑا۔

"تم کون ہو۔ اُسے اپنے ساتھ رکھنے والے۔"

"آپ بعض اوقات بہت زیادہ بدتمیز ہو جاتے ہیں۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"دیکھو میاں شکاری میں! میں گردن توڑ دیا کرتا ہوں۔" قاسم غرا کر بولا۔

"قاسم کیا بک رہے ہو؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

"چپ رہو حمید بھائی۔ میرا غصہ بڑا خراب ہے۔"

"انہیں اپنا غصہ اور زیادہ خراب کرنے دیجئے آپ خواہ مخواہ دخل دے رہے ہیں؟" مسکرا کر بولا۔

"ہائیں....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تم مجھ سے لڑو گے مجھ سے۔" قا
کا رنگ یک بیک اتر گیا اور وہ آہستہ سے پھر کرسی پر ڈھیر ہو کر فریدی کو گھورنے لگا۔

"ابھی بچے ہو بچے۔" فریدی مسکرایا۔ قاسم کچھ کہنے جا رہا تھا کہ بیچ سے حمید نے اس کی بات
دی۔

"مجھے اس احمق کی زیادتیوں پر ندامت ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بے وقوف آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا کہا؟" قاسم پھر غرایا۔ لیکن حمید نے اس کا شانہ تھپک کر اُسے خاموش کر دیا۔

فریدی کو اس بات کی خوشی تھی کہ حمید اُسے اتنے قریب سے دیکھنے پر بھی نہ پہچان سکا اور یہ
حال اس کے میک اپ کی خوبی تھی اور اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ اب آنکھوں کی بناوٹ بھی
بل کرنے پر قادر ہو گیا تھا۔

فریدی جب باہر جانے کے لئے تیار ہونے لگا تو حمید اور قاسم بھی اس کا ساتھ دینے پر مصر
گئے لیکن فریدی نے ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر روک دیا۔

فریدی تھوڑی دیر تک پہاڑیوں کے پُر پیچ راستوں پر ادھر اُدھر بے مقصد گھومتا رہا اس کے
ر وہ وہاں سے نکل کر آبادی کی طرف چل پڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریدی اپنے سامنے ایک
می کو آتا ہوا دیکھ کر یک بیک چونک پڑا۔ اور وہ جان بوجھ کر اُس آدمی سے ٹکرا گیا۔

"تم کیسا آدمی ہے۔ دیکھ کر نہیں چلتا۔" وہ ناخوشگوار لہجہ میں بولا۔

"جب تم اچھی طرح اردو بول سکتے ہو تو کیوں اپنی زبان خراب کر رہے ہو؟" فریدی نے
کرا کر کہا۔

"ایں.... کیا مطلب۔" وہ آدمی فریدی کو گھورنے لگا۔

"مطلب وطلب کچھ نہیں جانتا۔ یہ بتاؤ کہ تم فزارو ہوٹل سے کب یہاں آئے۔"

"کیا....؟" وہ آدمی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا۔

"آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟" فریدی مسکرایا۔

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"اس کی کوشش نہ کرو۔ یہ بتاؤ تم رہتے کہاں ہو۔"

"جی.... جی میں....!"

"گھبراؤ نہیں میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔"

"میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔" اُس آدمی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

"یہاں سے واپس جانا چاہتے ہو؟" فریدی نے سوال کیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"سب کچھ ہو سکتا ہے کل مجھ سے یہیں پر ملنا۔"

فریدی یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ آدمی اپنی جگہ پر کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد فریدی کو پھر ایک جانی پہچانی صورت نظر پڑی۔ وہ غوث تھا' کوکین فروش اور کئی دفعہ کا سزا یافتہ۔ وہ ایک قبائلی کے ساتھ بڑے رازدارانہ طریقے سے کر رہا تھا۔ فریدی اُسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ "یہ غوث بھی یہاں آگیا۔" وہ اپنے دل میں بڑبڑ ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پیچھے چھپ کر اس کی گفتگو سننے لگا۔

جب وہ اپنی بات ختم کر کے جانے کے لئے مڑے اور غوث تنہا رہ گیا تب فریدی نے سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کون؟" غوث یک دم اچھل پڑا۔

"آپ کا پرانا دوست.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کو نہیں جانتا۔" غوث اپنا نچلا ہونٹ سکوڑ کر بڑی بے اعتنائی سے بولا۔

"ٹھیک ہے۔ کوکین کی زیادتی دماغ پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ خاص کر اس وقت جب وہ کرنے کے لئے اپنے کو بالکل آزاد پاتا ہے۔"

"آخر تم کون ہو اور اس بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔" غوث کے لہجہ میں استعجاب

"ہاں اب تم مجھے کیوں پہچاننے لگے۔ یار کوکین کی آمدنی میں اب میں تم سے حصہ نہ مانگ اطمینان رکھو۔"

"تم پاگل ہو۔" غوث بگڑ گیا۔

"دیکھو بلا وجہ غصہ دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں یہ بتاؤ کہ کیسی کٹ رہی ہے۔ جگہ بہت اچھی تجویز کی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"اس لئے کہ تم میرے پرانے ساتھی ہو۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" غوث پھر چلایا۔

"بھئی دیکھو اب مذاق نہ کرو کیا تم دو سال تک جھریالی جیل میں میرے ساتھ نہیں رہے کیا اس سے قبل تین بار جیل نہیں جا چکے ہو کیا تمہارا نام غوث نہیں ہے۔"

"اچھا بس کرو میرے بھائی اب یہ بتادو کہ تم کون ہو؟" غوث گڑگڑا کر بولا۔

"میں تمہارا ساتھی قامت خاں ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"غلط میرا کوئی ساتھی اس نام کا نہیں ہے۔" غوث کے لہجہ میں پھر جھلاہٹ تھی۔

"تو پھر نہ ہوگا۔' فریدی بڑی سادگی سے بولا اور پھر جانے کے لئے مڑ گیا۔

"ارے بھائی۔" غوث بڑے خوشامدانہ لہجہ میں بولا۔ "میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں مجھے صرف یہ بتادو کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح سے آئے۔"

"جس طرح سے تم لائے گئے ہو۔"

"لیکن تم مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب تم پرانی کوٹھی والی گلی میں کچی شراب بنایا کرتے تھے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" غوث نے اپنے بال کھینچ لئے۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "میں تمہیں صرف اس شرط پر سب کچھ بتا سکتا ہوں کہ تم مجھ سے دوستی کرلو۔"

"منظور.....!" غوث نے اپنا ہاتھ بڑھادیا۔

"اچھا اب میرے ساتھ آؤ۔" فریدی غوث کو لئے ہوئے پہاڑی کے ایک غیر آباد حصہ کی طرف چلا گیا۔

کافی دیر بعد جب فریدی وہاں سے لوٹا تو وہ بالکل تنہا تھا اور اس کی سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا اپنی قیام گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

اس طرح سے فریدی کئی آدمیوں سے ملا لیکن اس کی خبر حمید وغیرہ کو نہیں ہوئی۔ وہ روزانہ شام کو گھومنے کے بہانے نکل جاتا اور کئی گھنٹے کے بعد واپس لوٹتا اور پھر ایک دن فریدی اچانک غائب ہوگیا

فریدی کی واپسی

چھ دن بعد ایک شام کو جب فریدی واپس آیا تو اُس کے چہرے پر بڑی تازگی نظر آرہی ت

"بھئی حمید صاحب۔" اُس نے ہنس کر کہا۔ "واقعی یہ جگہ عجوبہ روزگار ہے۔"

"کیوں کیا دیکھا آپ نے اور آپ تھے کہاں؟"

"یوں ہی ذرا شکار۔ ہاں میرے مشاہدات تو سنئے۔" فریدی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یہاں کے باشندے حد درجہ کاہل ہیں۔ اُن کی کاہلی کا یہ عالم ہے کہ ہر کام کا اختصار وریا کر کے اُس پر عمل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ تفریحات بھی اس سے نہیں بچتیں۔"

"وہ کس طرح۔"

"مثال کے طور پر انہوں نے شکار کی جگہ ٹیبل ہنٹنگ[1] کو دی ہے۔" فریدی ہنس کر ب "میز پر بیٹھی ہوئی مکھیوں کو ایئر گن سے شکار کرتے ہیں۔"

حمید ہنس پڑا۔ فرزانہ بھی ہنسنے لگی۔ البتہ قاسم منہ پھلائے رہا۔

"یہاں کے باشندے ایک دوسرے کو دیکھ کر اس طرح بسورتے ہیں جیسے رو پڑیں گے اُن کا سلام ہے۔ سڑکوں پر چلنے والے چار چھ قدم چلتے ہیں اور پھر رک کر سوچنے لگتے ہیں عورتیں آپس میں گفتگو کرتی ہیں تو ایسا جان پڑتا ہے جیسے بین کر رہی ہوں۔ ہر شخص بیزار بیزا نظر آتا ہے۔ ہر عورت اپنے ساتھ ایک بکرا رکھتی ہے اور کبھی کبھی یہ بکرے مردوں سے پڑتے ہیں۔ تندرست ترین بکرا رکھنے والی عورت کو خطاب ملتا ہے اور حمید صاحب ہم لو قربانی کے بکرے ہیں۔"

"اور اس کا مقصد....!" حمید نے پوچھا۔

"مقصد بے حد خطرناک ہے۔" میں نے ساری معلومات فراہم کر لی ہیں۔ ساری دنیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹیکم گڈھ کے آگے بنجر اور غیر آباد علاقے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ جیہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ کسی نے کبھی اس طرف آنے کی زحمت ہی نہیں گوارا کی۔ یہاں تک کہ ادھر سے ہوائی جہاز بھی نہیں گذرتے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ٹیکم گڈھ کا اتری پہاڑی[2]

---

[1] میز کا شکار

عبور ہے اور ہماری طرف کے لوگ اُن پہاڑی گپھاؤں کو نہیں دیکھ سکتے، جو شائد اشوک زمانے کی ہیں۔ پہاڑوں کے اندر ہی اندر ایک میل لمبی سرنگ ہے، جو ان گپھاؤں سے مغرب رف چلی آئی ہے۔ اُسی کے ذریعے ان لوگوں نے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ اور وہ برف کے ت.... وہ شائد اسی سال کی ایجاد ہیں۔"

"برف کے بھوت....!" قاسم اچھل پڑا۔

حمید بڑی تیکھی نظروں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"اور آپ جانتے ہیں کہ میں سرجنٹ حمید ہوں ڈیوٹ نہیں ہوں۔"

"جی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی سٹپٹا گیا۔

"مطلب؟" حمید جھلا کر بولا۔ "آخر اس میں کون سی مصلحت تھی۔"

"ہاں حمید بھائی.... ذرا بڑھ کے.... زندہ نہ جانے پائے۔" قاسم کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو....!" حمید اُس کو گھور کر بولا۔ پھر فریدی سے کہنے لگا۔ "آپ شکل تبدیل کر سکتے لیکن آپ اس وقت کم از کم حمید کی نظروں سے نہیں چھپ سکتے۔ جب آپ اپنا کارنامہ بیان رہے ہوں۔ سمجھے جناب! آواز بدل دینے سے گفتگو کا مخصوص انداز نہیں بدلا کرتا۔"

قاسم اور فرزانہ حیرت سے حمید کی طرف تکنے لگے۔

"فریدی صاحب سے ملئے۔" حمید نے فرزانہ سے کہا۔

"کیا....؟" فرزانہ چیخی۔

"ہائیں....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"معجزہ! فرق عادات۔" فرزانہ سینے پر ہاتھ رکھے اور آنکھیں پھاڑے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "اقصائے عالم میں فریدی صاحب جیسے عجوبہ کی مثال ملنی دشوار ہے.... بوالعجب.... بوالعجب۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"آخر یہ لوگ ہمیں کیوں پکڑ لائے۔"

"میں نے کہا نا کہ ہم قربانی کے بکرے ہیں۔ بہر حال کل صبح تک کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ میں نے سوچا تھا کہ آج تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا لیکن...." فریدی سوچنے لگا۔

"اچھا ٹھہرو.... میں تمہیں تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔" فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

موت کے ہرکارے

رات تاریک تھی۔

فریدی پتھریلی زمین کے ناہموار راستوں سے گذرتا ہوا ایک سنگی عمارت کے قریب ٹھہر گیا۔

اُس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ ایک بھیانک سناٹا ماحول پر طاری تھا۔ اُس نے ا طرف دیکھا۔ شیشے کی کھڑکیاں بند تھیں۔ لیکن ان پر روشنی کی چھوٹ پڑ رہی تھی۔ اس دا علاقے میں ایک ایسی عمارت کا وجود فریدی کے لئے تعجب خیز تھا۔ اچانک اسے ہلکی ہلکی س کی آواز سنائی دی اور پھر ایک عجیب قسم کی زہریلی بدبو پھیل گئی۔

فریدی نے ناک پر رومال رکھ لیا۔ کسی نے اوپر کی کھڑکی کھول دی اور گہرے رنگ ا دھواں پھیلنے لگا۔ فریدی اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ کھڑکی سے کوئی شخص جھانک رہا تھا۔

وہ جب تک کھڑا رہا فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی۔ مگر جب دوبارہ اُ کھڑکی بند کر دی تب وہ آہستہ آہستہ دیوار کی طرف بڑھا۔ پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو کا بنائی گئی اس پرانی عمارت کی دیواروں پر جابجا شگاف پڑ گئے تھے اور پتھروں کی نوکیں باہر نکل تھیں۔ صرف انہیں کے سہارے فریدی اوپر تک پہنچ سکتا تھا۔ صدر دروازے کی طرف سے اتنا سخت تھا کہ ادھر سے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

فریدی نے اپنے پنجے گڑا دیئے اور پتھروں کے سہارے اوپر چڑھنے لگا۔ سسکیوں کی آوا نزدیک آتی جا رہی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی تکلیف کی شدت سے کراہ رہا ہو۔

فریدی کھڑکی کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ اچک کر وہ کمرے کے بغل والی کھلی چھت پر آ اتنے میں کھڑکی پھر کھلی۔

"کون ہے؟" ایک بھاری بھرکم آواز فضا کے سناٹے کو چیرتی ہوئی گونجی۔

کھڑکی کھول کر اپنا آدھا دھڑ باہر نکالے ایک آدمی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی دیوار سے اس طرح چپک گیا کہ اس پر نگاہ نہ پڑ سکے اور تھوڑی دیر بعد جب کھڑکی ہو گئی تو وہ پھر چھت سے کمروں کی طرف بڑھا۔

ہت کی طرف ایک محراب تھی اور اندر کئی کمرے تھے۔ راہداری سے گذرتے ہوئے اس کمرے کے سامنے رک گیا جہاں سے روشنی نکل رہی تھی۔

روازہ اندر سے بھڑا ہوا تھا۔ فریدی نے ہلکے سے دھکا دیا اور اندر داخل ہو گیا۔

یک بڑا وسیع کمرہ تھا جسے لیبارٹری کی شکل دی گئی تھی۔ فاسفورس کی تیز بو سے کمرہ بسا ہوا میں آرام کرسی پر ایک آدمی پڑا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ ایک ٹک چھت کی دیکھ رہا تھا۔

ریدی کے اندر داخل ہونے پر بھی اُس کے اندر کوئی حرکت نہ ہوئی۔ اُسی طرح اس کی چھت کی طرف ٹنگی رہی۔

فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر ہاتھوں کو جھنجھوڑا۔

"یہ کیا کرتے ہو.... ارے...." پیچھے سے ایک آوازِ سنائی دی۔

فریدی نے گھوم کر دیکھا۔

"اوہ.... تم ہو۔" آنے والے نے کہا۔ "کیسے آئے۔"

فریدی کے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ پھیل گئی جیسے وہ بہت ڈر گیا ہو۔ آدمی اُسے اب تک ہا تھا۔

"کیا یہ مر گیا۔" فریدی کے منہ سے نکلا۔

"ہاں.... مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا بھی حشر ایسا ہی نہ ہو۔"

اس نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔

"بیٹھ جاؤ....!" اُس نے فریدی سے کہا۔

فریدی بیٹھ گیا۔

"دراصل میں تمہاری جرأت اور بہادری سے بہت خوش ہوں۔ ورنہ حشر تو تمہارا بھی یہی سکتا تھا۔ اب دیکھو.... تم ادھر سے دیوار کے سہارے چڑھ کر آئے.... پھر چھت پر کھڑے ے۔ تم سمجھ رہے تھے کہ تمہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔ مگر بات ایسی نہیں تھی اور اگر میں چاہتا تو یں اُسی وقت ختم کر دیتا مگر اس کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔"

"آخراس طرح لوگوں کے لائے جانے کا مقصد کیا ہے؟ ہم واپس جانا چاہتے ہیں۔"

"کیا تمہیں کوئی تکلیف ہے۔" اُس آدمی کے لہجے میں نرمی آگئی۔

"نہیں تکلیف تو کوئی ایسی خاص نہیں.... لیکن....!"

"تم شائد بھول رہے ہو کہ یہاں سے جانے کے بعد تمہارا پھانسی پا جانا یقینی ہے
گڈھ میں فزارو میں ٹھہرے تھے؟"

"ہاں....!"

"تم نے فزارو کے منیجر کو اپنی ٹامی گن سے دھمکایا۔ جانتے ہو اس سے قتل عمد کا جرم بز

"ہاں....!"

"پھر.... تم پر مقدمہ چلے گا اور تمہیں پھانسی ہو جائے گی۔"

"ہوں....!" فریدی نے کہا۔

"کچھ پڑھے لکھے ہو۔"

"ہاں....!"

"کیا ہاں، ہوں کئے جارہے ہو۔ کیا اسی لئے میرے پاس آئے تھے۔"

"ڈاکٹر سڈلر....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ان
بھیانک سرخی جھلک اٹھی۔ "یہ آدمی کون تھا۔"

ڈاکٹر ایک لمحہ کے لئے بھونچکارہ گیا.... وہ فریدی کو بڑی حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تم.... تم کون ہو.... یہ نام تمہیں کس نے بتایا۔"

فریدی بے اختیار ہنسنے لگا۔ وہ اٹھ کر میز کے قریب آگیا۔

"تم ابھی تو مجھے بچوں کی طرح پڑھا رہے تھے اور اب یکایک صرف اپنا نام سن کر گھبرا

"کون ہو تم؟" ڈاکٹر سڈلر گرجا۔ وہ فریدی کی طرف جھپٹا۔

"اوہ! ڈاکٹر! ذرا صبر سے کام لو۔ تمہیں کم از کم آج کی رات خون سے پرہیز کرنا
کی بو تمہارے تجربے اور سالہا سال کی محنت کو غارت کردے گی۔"

ڈاکٹر سڈلر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تم جانتے ہو! تم یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے۔" ڈاکٹر نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

"اب اگر بتا رہے ہو تو یہ میری معلومات میں ایک اضافہ ہوگا۔"

ڈاکٹر سڈلر بے بسی کے عالم میں کھڑا تھا۔ فریدی کے ہاتھ میں نہ تو پستول تھا اور نہ رائفل۔ مگر پھر بھی وہ اتنا مطمئن تھا جیسے ڈاکٹر بالکل بے بس ہو۔

باہر شور و غل کی آواز آرہی تھی۔ ڈاکٹر یک بیک چونکا۔

"پیارے! اس طرح نہ گھبراؤ.... باہر کوئی بھوت نہیں ہے۔" فریدی کے لہجے میں طنز جھلک رہا تھا۔ "میرے کچھ ساتھی ہیں۔ انہیں میں ہدایت دے آیا ہوں۔ وہ آرہے ہوں گے۔"

"تم.... کمینے.... وحشی۔" ڈاکٹر نے دانت پیستے ہوئے آگے بڑھنا چاہا۔

"دیکھو یہ بُری بات ہے۔ میں بالکل نہتا ہوں۔ تمہیں اس طرح آگے نہ بڑھنا چاہئے۔" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر سڈلر غصہ سے بے قابو ہو رہا تھا۔ اُس نے شیشے کی ایک نلکی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"چچ چچ! یہ کیا کرتے ہو۔ کھڑے رہو۔ یہ تو تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو کہ میرے پاس کیا ہے؟ اس چھوٹی سی شیشی میں بھرے ہوئے مادے کے یہ ذرات جنہیں تم نے اتنی محنت سے بنایا ہے میری انگلیوں کی ذرا سی جنبش سے بکھر جائیں گے پھر اس کی تیاری میں تمہیں ایک مدت لگ جائے گی۔ تم مر کر بھی اسے تیار نہ کر پاؤ گے! اس لئے! میرے پیارے ڈاکٹر سڈلر! جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔ ورنہ میں اس شیشی کو توڑ ڈالوں گا۔"

فریدی پُر سکون لہجے میں کہتا رہا۔ باہر شور کی آوازیں تیز ہوتی جارہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ لوگ دروازہ توڑ رہے ہوں۔

"دیکھو! میرے ساتھی آگئے۔ ان میں ایک تو وہ ہے جس نے تمہارے دشمن قیطاری قبیلہ کے سردار کا سر توڑ ڈالا تھا۔ دوسرا میرا ساتھی ہے لیکن تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ تمہارے اکثر وہ ساتھی بھی جو میرے ساتھ ہیں جنہیں تم اغواء کر لائے تھے اور پھر جن کو ذرا دھمکا کر پولیس کے خوف سے تم نے اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔"

"آخر تم کون ہو؟ اور اس سب بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"میں کون ہوں؟ تم نہیں جانتے؟ ڈاکٹر میرا نام سن کر تمہیں بخار آجائے گا۔ تم کانپنے لگو گے۔"

باہر شور بڑھتا ہی جارہا تھا۔ حمید اور قاسم اور ان کے ساتھی پھاٹک توڑ کر شائد اندر داخل

ہو چکے تھے۔

اچانک ڈاکٹر سڈلر نے ایک زور کی چیخ ماری اور چکرا کر گر پڑا۔

فریدی اس وقت بہت کچھ سنبھالا لینے کے بعد بھی اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اسے ہوا کہ شائد ڈاکٹر نے آخری وقت قریب دیکھ کر خود کشی کرلی ہے۔ فریدی اس کے ہا سرنج دیکھ چکا تھا۔ اُس نے شیشی پر سے اپنے ہاتھ ہٹائے اور ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔

ڈاکٹر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

فریدی اُس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

قاسم کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ باہر گولیاں اب تک چل رہی تھیں۔ ات فریدی کو اپنے پیر میں کوئی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بے خیالی میں وہ اچھلا اور دوسرے ڈاکٹر سڈلر کی مکمل گرفت میں تھا۔ ڈاکٹر نے اُسے کرسی سے باندھ دیا تھا درد کے مارے فر سارا جسم پھٹا جارہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سارے جسم میں سوئیاں تیر رہی ہوں۔

ڈاکٹر سڈلر اُس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کہو صاحب زادے۔" اُس نے قہقہہ لگایا۔ "اب خیریت کا خط لکھتے رہنا۔ ڈاکٹر سڈلر لڑنا آسان کام نہیں ہے۔"

"تم بھی نہ بچ سکو گے۔" فریدی پُر سکون لہجے میں بولا۔

"ابے جا مسخرے! تو نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟" ڈاکٹر سڈلر حقارت سے بولا۔ اچانک و اور میز پر ہاتھ رکھ کر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے کوئی پروفیسر کلاس روم میں لڑکوں کے سا لیکچر دیتا ہے۔

"مسٹر! تم کیا کرنے آئے تھے یہاں۔ پتہ نہیں تمہاری ہمت کیسے پڑی۔ خیر! تم معمولی آ ہو۔ حماقت کر بیٹھے۔ اب نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بلاوجہ تم نے اپنی موت کو دعوت ورنہ میرا تمہارا کیا مقابلہ؟" وہ پُر جوش لہجے میں بولا۔ "میری ایجاد پر دنیا کانپ اٹھے گی۔ دنیا ملک مجھے خریدنا چاہے گا اور جانتے ہو اس وقت میری قیمت کیا ہوگی؟ پانچ ملین ڈالر! کبھی ا ڈالروں کا نام خواب میں بھی سنا ہے؟ نہیں سنا ہوگا مجھے یقین ہے۔" وہ آپ ہی آپ پھر بڑبڑا لگا۔ "باہر یہ لوگ اتنا شور کیوں کر رہے ہیں یہ کمبخت راحیل بلاوجہ ساری میگزین خالی کئے جا

ہے۔ ارے آنے دو! دو منٹ سے زیادہ ان کو مرنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

ایک چیخ فضا میں اُبھری۔

"اوہ! غضب ہو گیا۔ راحیل شائد زخمی ہو گیا۔ اُسی کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اے مسٹر! تھومت! مجھ سے سن لو تاکہ تمہیں حسرت نہ رہ جائے کہ مرنے سے پہلے کسی باوقار آدمی سے سابقہ نہیں پڑا۔ مگر ٹھہرو..... مجھے راحیل کے مرنے کا افسوس کرنے دو۔ بڑا وفادار آدمی تھا۔ مگر تھا بڑا ظالم.... میں نے اپنی آنکھوں سے اُسے گلا گھونٹتے دیکھا ہے۔ مجھے خون بہانے میں ذرا بھی مزہ نہیں آتا۔ مگر اس سور کو پتہ نہیں کون سی لت تھی۔ اب یہی دیکھو! میں اگر چاہوں تو مچھر کی طرح تمہیں مسل کر رکھ دوں.... مگر نہ..... مجھے جان لیتے ہوئے رحم آتا ہے۔ ایک یا دو کو مارنے سے کیا۔ گلا گھونٹ دیا۔ گولی مار دی! چھرا بھونک دیا۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ میری ایجاد دیکھو! لوگوں نے بم بنائے جن کے پھٹنے سے درجہ حرارت بڑھ جائے گا اور میں جو ایجاد کر رہا ہوں اُس سے درجہ حرارت نقطہ انجماد پر پہنچ جائے گا۔ ہر چیز جم جائے گی۔ چلتے ہوئے آدمیوں کا خون بند ہو جائے گا۔ ان کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ مرنے میں صرف چند سیکنڈ لگیں گے۔

بس آج کی رات اور! میرا تجربہ قریب قریب مکمل ہو چکا ہے۔ میں دو روز بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ پھر یہ حسین وادی وحشی قبائلیوں کے قبضہ میں آجائے گی۔ اس کا حسن بگڑ جائے گا۔ اُسے بڑی محنت سے میں نے تیار کیا تھا۔ مگر افسوس.....!"

ڈاکٹر سڈلر نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور فریدی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو! مسٹر.... مگر بھئی مکاری کی حد نہیں ہوتی۔ تم تو ایسا منہ بنا رہے ہو جیسے مرنے کا ارادہ کر رہے ہو؟ یہ کیا بدتمیزی ہے! میں نے تمہیں صرف نیم بیہوشی کا ہلکا سا انجکشن دیا تھا۔" ڈاکٹر سڈلر ہنستے ہوئے بولا۔

نیچے اب بھی شور ہو رہا تھا۔ وہ لوگ شائد ڈاکٹر کے آدمیوں کو ختم کر کے سیڑھیاں طے کر رہے تھے۔

اتنے میں وسل کی آواز سنائی دی۔

"پولیس....!" ڈاکٹر سڈلر بڑبڑایا۔ "یہ کتے کہاں سے آ گئے۔ انہیں راستے کا پتہ کیسے چلا۔ ضرور کسی نے غداری کی.... مگر....!" وہ آپ ہی آپ رک گیا۔

"کیا ان کے دل سے بھوت کا خوف نکل گیا۔ یہ تو بہت بُرا ہوا.... خیر دوستو آؤ! اب اس کمرے میں دو لاشیں ملیں گی۔ ایک اُس نوجوان کی اور دوسرے میرے تجربے کے ڈاکٹر سڈلر تو جاتا ہے۔ تم اب اُس کی گرد بھی نہ پاسکو گے۔" وہ مسکراتے ہوئے ایک کر طرف بڑھا۔

"ماسٹر! دنیا کا ہر آدمی ہائیر سکسول یا شدید قسم کی جنسی خواہشات کا شکار ہوتا ہے۔ یہ میرے ساتھ بھی ہے۔ اب دیکھ لو کہ ایسے وقت میں بھی بغیر عورت کے نہیں بھاگ سکتا

ڈاکٹر سڈلر نے کہا۔ اُس نے دراز سے کچھ کاغذات نکالے اور انہیں جلانے لگا۔

"اب یہ فارمولا کسی کو نہ معلوم ہو سکے گا۔" اس نے پھر کہا اور شیشی اٹھا کر جیب میں ر

"کتنی عورتیں! اور کتنے مرد لایا! افسوس کہ اب سب مر جائیں گے۔ مریں مجھے کیا؟ ایک دن تو مرتے ہی! آج ہی مر جائیں۔ کیا فائدہ ان کے بچنے سے، انہیں تو میں نے اکٹھ لئے کیا تھا۔ میں نہ مارتا تو قیطاری مار ڈالتے۔ پولیس پکڑ لیتی۔"

ڈاکٹر سڈلر بڑبڑاتے ہوئے دوسرے کمرے میں گیا اور ذرا ہی دیر بعد نکل آیا۔

فریدی خاموش کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔ رہ رہ کر آنکھیں چمک اٹھتیں۔ وہ اس طرح ڈاکٹر سڈلر کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی بات کا منتظر ہو

نیچے کا شور بھیانک ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈلر نے اپنے خونخوار کتے چھوڑ دیئے تھے۔ یہ لوگ فریدی کے اکسانے پر اس جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے آخری جدوجہد تھے۔ وہاں کتوں کو دیکھ کر گھبرا اٹھے۔ اُن کے قدم اُکھڑ رہے تھے۔ مگر ڈاکٹر کے ساتھی تھوڑے رہ گئے تھے۔

ڈاکٹر سڈلر بہت جھلایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی کی جگہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو شا پہچان بھی نہ پاتا! سیتل گھاٹی میں جو بھوت دیکھے گئے تھے ان میں اور ڈاکٹر میں کوئی فرق فریدی کو دیکھ کر اُس نے ایک قہقہہ لگایا۔

"تمہارے ساتھی بڑے بدتمیز معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں اتنا بھی خیال نہیں کہ ایک دان سفر کی تیاری کر رہا ہے...." وہ ہنسا اور اچانک اُس کی آواز میں سختی پیدا ہو گئی۔ "دیکھو گ بھی کچھ گڑبڑ ہے۔ ابھی میں نے وائرلیس سے فزارو میں منیجر اور غرتاش سے بات کرنی

کوئی جواب نہیں آیا۔ شاید پولیس کے ہتھے چڑھ گئے۔"

نیچے ہنگامہ اور تیز ہو گیا تھا۔ لوہے کے جنگلے دار دروازوں پر پولیس زور آزمائی کر رہی تھی۔ چاروں طرف بوٹوں کی کھڑکھڑاہٹ اور سیٹیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"تم سمجھ رہے ہو گے کہ میں پاگل ہوں، جو اتنا وقت خراب کر رہا ہوں۔ مجھے انتظار ہے اور انتظار کا وقت باتوں ہی میں کٹتا ہے۔"

بے چینی سے ٹہلتے ہوئے اُس نے گھڑی دیکھی۔

چھن کی آواز ہوئی اور کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹ کر گر پڑا۔

"ارے غضب ہو گیا۔ یہ لوگ چھت پر آ گئے۔"

ڈاکٹر سڈلر کے منہ سے نکلا۔ اُس نے شیشے کی ایک پتلی سی نلکی اٹھائی اور اسے اسپرٹ لیمپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"لو میاں! اب یہ بظاہر بیکار سی چیز کار آمد ہو جائے۔ پانچ منٹ بعد یہ پھٹے گی اور اس میں سے ایک باریک دھوئیں کی دھار نکلے گی اور وہ تم سب لوگوں کے لئے کافی ہو گی۔"

لو تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ ڈاکٹر سڈلر اُسے اسپرٹ لیمپ کے قریب لے گیا۔

"سب تیار ہے۔" پیچھے سے کسی نے کہا۔

ڈاکٹر سڈلر نے گھوم کر دیکھا۔

"اچھا....!" ڈاکٹر کے لہجے میں خوشی جھلک رہی تھی۔

آنے والا جیسے ہی مڑا ویسے ہی ڈاکٹر کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

تابڑ توڑ کئی گولیاں کھڑکیوں کے شیشے توڑتی ہوئی گذر گئیں۔

ہوا یہ کہ فریدی اب تک بڑی خاموشی سے ڈاکٹر سڈلر کی بات سن رہا تھا۔ اس سے پہلے جب ڈاکٹر کی نظر بچی تھی وہ اپنی کرسی کھسکا کر میز کے قریب ہوتا گیا تھا۔ دوبارہ جب ڈاکٹر واپس آیا تو وہ اس کے بالکل قریب تھا۔ جیسے ہی ڈاکٹر مڑا، فریدی کرسی سمیت اس پر گر پڑا۔

ڈاکٹر اس غیر متوقع حملہ کے لئے تیار نہیں تھا۔ سنبھلتے سنبھلتے وہ گر پڑا۔ اُس کے ہاتھ سے شیشے کی نلکی گر پڑی تھی۔ اُس نے اٹھنا چاہا مگر اُس کے اٹھنے سے قبل ہی فریدی نے اپنے جسم سے پھر اُس کو دھکا دیا۔

ڈاکٹر کا ساتھی، جو اُسے اطلاع دینے آیا تھا۔ یہ دیکھتے ہی پلٹ پڑا۔ بے تحاشہ اُس نے فریدی پر کرسی کھینچ ماری۔ فریدی غالباً اس کے لئے تیار تھا ذرا سا جیسے وہ ہٹا پوری کرسی ڈاکٹر سڈلر کے اوپر پڑی۔

جھنجھلا کر اُس نے لوہے کا ایک موٹا سا رول اٹھایا۔

اتنے میں دو آدمی کھڑکیوں کے راستے سے اندر کود آئے۔

"حمید بھائی.... دیکھتے ہو سالے کو۔" کہتے ہوئے قاسم ڈاکٹر کے ساتھی پر ٹوٹ پڑا۔

حمید نے جلدی جلدی فریدی کی رسیاں کھول دیں۔ اُس کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔

ڈاکٹر سڈلر خاموش پڑا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ بازی ہار گیا ہے لیکن اب بھی امید تھی۔ حمید کو فریدی کی طرف متوجہ پا کر اور قاسم کو اپنے ساتھی سے لڑتا ہوا دیکھ کر ڈاکٹر سڈلر نے موقع کو غنیمت جانا۔ چپکے چپکے وہ سرکتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور پھر جلدی سے اٹھ کر بھاگا۔

حمید نے دیکھ لیا بے اختیار اُس نے کئی گولیاں خالی کر دیں۔

اور پھر یکایک دہشت کے مارے اُس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گر پڑا۔ سینگ گھاٹی والا بھوت اُس کے سامنے تھا۔ وہ گولیاں برسا رہا تھا اور گولیاں اس پر اثر نہیں کر رہی تھیں۔

فریدی چھوٹتے ہی ڈاکٹر کی سمت میں دوڑا۔ پہلے کمرے کو پار کرتے ہی اُسے شعلے دکھائی دیئے۔ ڈاکٹر نے بھاگتے ہوئے آگ لگا دی تھی۔

"حمید.... نیچے اتر جاؤ" فریدی وہیں سے چلایا۔

آگ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ لکڑی کے تختے ٹوٹ رہے تھے اور بڑے بڑے پتھروں کے ٹکڑے ہوا میں اڑ رہے تھے۔

حمید اور قاسم پولیس کے ہمراہ عمارت خالی کر چکے تھے۔ ڈاکٹر سڈلر کے سب ہی ساتھی یا تو مارے گئے یا گرفتار کئے جا چکے تھے۔ آگ بجھانے کا کام تیزی سے جاری تھا۔ مگر ایسا لگتا تھا جیسے ساری عمارت جلا کر ہی آگ دم لے گی۔

مگر اس ہنگامے میں فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید چاروں طرف اُسے ڈھونڈ رہا تھا۔ گھبرا گھبرا کر وہ میجر نصرت سے پوچھتا اور پھر ڈھونڈنے لگتا۔

اچانک آگ کے شعلوں میں فریدی اُسے دکھائی دیا۔ وہ جلتی ہوئی ایک شہتیر کے سہارے

آگے بڑھ رہا تھا۔

"فریدی صاحب! خدا کے لئے۔" حمید چلایا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑا۔

"دیکھ رہے ہو.... خدا کی قسم.... یہ آدمی کا کام نہیں ہے.... فریدی صاحب۔" حمید پھر چلایا۔ "لوٹ آیئے...." وہ دوڑنے لگا۔

مگر فریدی نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ تیزی سے ایک طرف کود گیا۔ ڈاکٹر سڈلر بھاگ رہا تھا۔ اُس نے اپنے فرار کے راستے خود ہی مسدود کر دیئے تھے۔

فریدی اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ ایک کنگورے کے پاس آکر وہ رکا۔ چاروں طرف شعلے بھڑک رہے تھے۔ فریدی کو نہ پا کر اُس نے اطمینان کی سانس لی۔ پنجوں کے بل اُس نے اترنا چاہا۔

ایک آہنی ہاتھ اس کی گردن پر پڑا۔ ڈاکٹر تلملا کر مڑا۔

سامنے فریدی کھڑا تھا۔

"تمہیں اب بھی شبہہ ہے کہ تم زندہ بچ سکو گے؟" دانت پیستے ہوئے وہ فریدی کی طرف بڑھا۔

"ڈاکٹر.... فریدی اپنے شکار کو زندہ پکڑنا بھی جانتا ہے۔"

"فریدی.... تم.... تم ہندوستانی کتے۔" ڈاکٹر پھٹی پھٹی نگاہوں سے گھورتا ہوا بولا اور پھر بے تحاشہ وہ فریدی پر ٹوٹ پڑا۔

فریدی ذرا سا ہٹا۔ پھر اُس نے تان کر ایک گھونسہ ڈاکٹر کی ناک پر جما دیا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا، پھر چوتھا۔

ڈاکٹر سڈلر لڑکھڑایا اور پھر تیورا کر گر پڑا۔ اُس کا سارا منہ خون سے تر تھا۔

فریدی کئی جگہ سے بُری طرح جل گیا تھا۔ جا بجا خراشیں آگئی تھیں۔ کنگورے پر کھڑے ہو کر وہ چلایا۔

نیچے لوگ آگ بجھانے کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ فریدی کی آواز سن کر وہ ٹھہر گئے۔ منٹوں میں رسیوں کے ذریعہ ڈاکٹر سڈلر اور فریدی نیچے اتار لئے گئے۔

فریدی کو دیکھ کر حمید کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ مگر وہ منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔

"شکار کھیلنے تشریف لائے تھے! بڑے بالوں والی لومڑیوں کا شکار! ہونہہ!" حمید بڑبڑانے لگا۔

امن کا دشمن

دوسرے ہی دن سب لوگ ٹیکم گڈھ لوٹ آئے۔

غر تاش اور اُس کے دو ساتھی اور فزاروکا منیجر پہلے ہی حراست میں لے لیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈ
تو پولیس کی حراست میں تھا ہی۔

تمام واقعات اس طرح اچانک اور ڈرامائی طور پر پیش آئے تھے کہ ہر شخص حیران تھ
خصوصاً ڈاکٹر سڈلر کی شخصیت اور اُس کے بھوت کا راز بھی لوگوں کیلئے ایک معمہ سے کم نہ تھا۔

میجر نصرت کے یہاں فریدی کی دعوت تھی۔ حمید اُس روز بہت چہک رہا تھا۔ بغل م
قاسم دانتوں میں انگلیاں دبا کر شرمار ہا تھا۔

"حمید بھائی.... وہ مجھے گھور رہی ہے۔"

"تم بھی گھورنا شروع کردو۔"

"سچ....!" قاسم نے کہا اور باقاعدہ طور پر آنکھیں نکال کر فرزانہ کو گھورنے لگا۔

"اُن کا وہ سامان تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہوگا جس کے ذریعہ وہ بھوتوں کا بہروپ بھرتے تھ
سفید فرکا وہ لباس، جو رات کو برف کی طرح سفید نظر آتا تھا۔ ڈیڑھ فٹ لمبے مصنوعی پنجے جسے
جوتوں کی طرح پہنتے تھے اور لباس کے نیچے پہننے کے بلٹ پروف[1] اور سب سے زیادہ حیرت ا
وہ مشین جس سے وہ برف کے ذرات منتشر کرتے تھے۔ اس کا ایک ربڑ کا پائپ برف میں ڈال
جاتا تھا اور دوسرا سرا مصنوعی بھوت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ مشین چلتے ہی برف کے ذرات پا
میں کھنچنے لگتے تھے اور ہاتھ والا سرا انہیں بڑے فورس کے ساتھ منتشر کرتا رہتا تھا۔"

فریدی میجر نصرت کو سمجھا رہا تھا۔ حمید بھی آکر بیٹھ گیا تھا۔

"لیکن مقصد.... آخر اس سے انہیں فائدہ کیا ہوا۔"

"حمید صاحب! یہی تو اصل کہانی ہے۔ ڈاکٹر سڈلر پر جنگ کے بعد اس کی حکومت
غداری، بغاوت اور سازش کے الزام میں مقدمہ چلایا تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح وہ نکل بھاگنے
کامیاب ہوا۔ اس کے دو سال بعد اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ٹیکم گڈھ کے نزدیک ایک

---

[1] ... فولادی لباس جس پر گولی اثر نہیں کرتی

دیکھا گیا تھا۔ میرے حافظہ میں یہ چیز محفوظ تھی۔ اسی زمانہ میں اغواء کی وارداتیں ہونے
جسے بدقسمتی سے یہ سمجھا گیا کہ لوگ دراصل برف باری اور شکار کی وجہ سے مر رہے ہیں
ں نے اپنی سمجھ کے مطابق تاویل کی اور ڈاکٹر سڈلر کا مقصد بھی یہی تھا۔ اُس نے خوب فائدہ
اشوک اعظم کے زمانے کی گپھاؤں اور سرنگوں کے ذریعہ وہ پہاڑیوں کے اس پار پہنچ گیا
پر اُس نے اپنی لیبارٹری قائم کی۔ لیکن جلد ہی ایک خطرہ اُس کے سامنے آگیا۔ وہاں پر بسنے
لے قیطاری قبیلہ کے لوگ اُس کے دشمن ہوگئے اور اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ڈاکٹر نے اُس
قبیلہ کی عورتوں کو پکڑوالیا تھا۔ اُسے اپنے زہریلے، مہلک اور تباہ کن آلات کے تجربے کے
مردوں کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان کی طرف سے خطرہ دیکھ کر اُس نے بلیک میلنگ
ع کی.... اُس نے ایسے لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کرنا شروع کیا، جو جرائم پیشہ تھے اور پھر انہیں
ذریعہ اُس نے اغواء کی وارداتیں شروع کردیں، جو مرد یہاں سے جاتے تھے اُن میں سے اکثر
کے تجربے کا شکار ہو جاتے تھے اور بیشتر قیطاریوں سے لڑنے کے لئے رکھے جاتے تھے۔

گروی کی لڑکی غائب ہونے کے بعد لوگوں کا دھیان جب سینٹل گھاٹی کی طرف گیا اور خود
دی بھی اس شکست پر جھنجھلا کر منتقمانہ کاروائیوں پر اتر آیا تو ڈاکٹر سڈلر نے بھوت کا ناٹک رچا
لوگوں کو توہمات میں پھنسا کر خوف زدہ کرنا چاہا۔

میں جب یہاں آیا ہوں اور میرے سامنے فرزانہ کی بیہوشی اور پاگل پن کا واقعہ گذرا ہے،
ب ہی سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس کے پیچھے کوئی بہت زبردست دماغ ہے وہ انجکشن اس قسم کا
کہ اس کے بارے میں اپنے یورپ کے قیام کے درمیان میں نے سنا تھا۔ معاً میرا ذہن ڈاکٹر
ڈلر کی طرف گیا۔ میں نے واقعات کی کڑیاں ملانی شروع کردیں۔ پرانے ریکارڈ دیکھے۔ واقعات
نوعیت پر غور کیا اور میرا شک یقین میں بدل گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات مجھے بھی ایک عام
کاری سمجھ کر پکڑا گیا۔ غر تاش اور فزارو کا منیجر ڈاکٹر سڈلر کے خفیہ ایجنٹ کا کام کر رہے تھے۔
نہیں کے آدمیوں کے ذریعہ میں اور مجھ سے پہلے حمید اور قاسم ڈاکٹر سڈلر کی لیبارٹری تک پہنچے
مانے ایک چھوٹی موٹی سی ریاست قائم کر رکھی تھی۔ اگرچہ سرنگ کے ذریعہ مجھے لے جایا
تھا اور اس بات کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ رازداری سے کام لیا جاسکے پھر بھی میں اپنے
ذہن میں سمتوں کے ذریعے رستوں کے نقشے مرتب کرتا گیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد مجھے کئی مجرم

ایسے دکھائی دیئے جنہیں میں جانتا تھا۔ خفیہ طور پر میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ ڈا ساتھیوں میں سے کئی ایسے تھے جو وہاں سے نکل بھاگنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سارا راز ا غوث نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ مدد دی۔ اسی نے مجھے بتایا کہ سات دن بعد ڈاک یہاں سے چلا جائے گا۔ وقت کم تھا۔ میں اُسی شام کو وہاں سے روانہ ہو گیا۔ قیطاریوں کے یقین دلانے کے بعد کہ انہیں ڈاکٹر سڈلر کی چیرہ دستیوں سے نجات مل جائے گی۔ مجھے ا بھی بڑی مدد ملی اور جو راستہ چھ دن میں طے ہونا تھا وہ صرف ڈھائی دن میں طے ہو گیا۔ ٹیا پہنچ کر سب سے پہلے غرتاش اور فزارو کے منیجر کو حراست میں لیا گیا۔ پھر میجر نصرت کو دے کر میں واپس لوٹ آیا۔ میں نے ایک ایک گھڑی کا حساب لگایا تھا۔ میجر نصرت گو کہ ا چلے اور اُسی رات کو پہنچے جب انہیں پہنچنا چاہئے تھا۔ مگر پھر بھی انہیں ایک گھنٹہ کی دیر ہو اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔" فریدی رک گیا اور اس نے ایک گہرا کش لیا۔

"مگر آپ نہتے کیوں گئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"اُس کے کمرے میں پستول لے کر جانا بے کار تھا۔ پھر میرا مقصد اُسے زندہ گرفتار اس لئے کہ وہ کوئی معمولی مجرم نہیں ہے۔ اس نے ساری دنیا کو تباہی کے غار میں دھکیلنے بنایا تھا اور اگر وہ اپنی ایجاد میں کامیاب ہو گیا ہوتا تو کسی جنگ باز ملک کے ہاتھ اُسے فر کر کے امن کے لئے ایک مستقل خطرہ بن جاتا۔" فریدی نے کہا۔

"فریدی صاحب! پھر وہ تگڑی تگڑی عورتوں کا لالچ اور اتنی خاطر کیوں کرتے تھے؟" نے معصومیت سے کہا۔

"یہ نہیں جانتے کہ قربانی کے بکروں کی قربانی سے پہلے خوب خاطر کی جاتی ہے۔" نے کہا۔ سب لوگ ہنسنے لگے۔ قاسم پہلے تو پاگلوں کی طرح سب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آ آپ ہنسنے لگا۔

واپسی پر قاسم راستے بھر چہکتا رہا۔

"آپ تو جانتے ہی ہیں فریدی صاحب۔" ایک دن اُس نے شرما کر کہا۔

"کیا جانتا ہوں۔"

"وہی.... یعنی کہ.... حمید بھائی نے جو ایک بار مجھ سے کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا۔"

"یہی کہ تم وہ کر لو۔"

"کیا کر لو۔"

"یہی تو کہا تھا کہ اُن سے وہ کر لو.... تو وہ ہو گیا.... انہیں بھی اور مجھے بھی۔"

"کیا ہو گیا؟ کچھ تو بتاؤ۔" فریدی بھی تفریح کے موڈ میں تھا۔

"اجی وہی.... ہی ہی ہی۔" قاسم دانتوں تلے انگلی دباتے ہوئے نظریں جھکا کر آہستہ سے "عشق۔"

"عشق....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "اتنا بڑا ڈیل ڈول لے کر عشق کرتے ہوئے ں شرم نہ آئے گی۔"

"شرم تو آتی ہے۔" قاسم نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"اور میں نے سنا ہے کہ تمہاری شادی بھی ہو چکی ہے۔"

"ہو تو چکی ہے.... مگر....!"

"مگر کیا؟"

"وہ مجھ سے ڈرتی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی چیخ مار کر بیہوش ہو جاتی ہے۔ ارے لاحول.... چیخ مار کر۔"

"تم نے یقیناً کسی موقع پر اُسے ڈرا دیا ہو گا۔"

"اجی نہیں.... لاحول ولا.... میں تو اُس سے شروع ہی سے ہنسی مذاق کرتا رہا ہوں۔"

"اچھا.... ذرا بتانا تو.... میں بھی دیکھوں کہ تمہارے ہنسی مذاق کا کیا معیار ہے۔"

"میں کبھی کسی سے ہنسی مذاق نہیں کرتا۔ بہت سنجیدہ آدمی ہوں۔" قاسم نے کہا۔ "مگر ے دوستوں نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ پہلے ہنسی مذاق کرنا۔ تو جناب میں نے جاتے ہی مذاق ہی ق میں مسہری کے دونوں پائے پکڑ کر.... اُسے مسہری سمیت سر سے اونچا اٹھا لیا۔ بس حب وہ نہ جانے کیا سمجھی کہ چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ الاقسم میں ہنس رہا تھا کوئی غصے میں تھوڑا ہی ا کیا تھا۔"

فریدی ہنسنے لگا اور قاسم پھر بولا "میں نے اُسے تین طلاقیں زبانی دے دی ہیں اگر زیادہ تاؤ لایا گیا تو لکھ کر بھی دے دوں گا۔ تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔"

"کس کے لئے۔"

"یہی کہ اگر وہ ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"

"کیا ہو جائے....!"

"ہی ہی ہی.... شش.... شادی۔"

"فرزانہ سے۔" فریدی نے بگڑ کر پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیوں بکتے ہو.... اس کے بڑے بڑے الفاظ ہضم کرسکو گے۔"

"میں لغات کا مطالعہ شروع کردوں گا۔ آپ وہ کرادیجئے۔"

"وہ کرنل کی بیٹی ہے۔"

"تو میں کسی بھٹیارے کی اولاد نہیں ہوں۔" قاسم بگڑ کر بولا۔ "اگر کرنل صاحب ا کردیں گے تو میں سوبار انکار کردوں گا۔ کیا سمجھتے ہیں وہ اپنے کو۔ میں کسی اور سے وہ کرلو ہاں.... ایسے ایسے کرنل میری جیب میں رکھے رہتے ہیں.... ہاں۔"

قاسم بڑبڑاتا رہا اور سورج غروب ہو گیا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 34

پرہول سناٹا

(مکمل ناول)

پیش رس

"پر ہول سناٹا" میں ابن صفی نے ایک نیا تجربہ کیا ہے۔

مجرم ذہن کس طرح اپنے حالات پر پردہ ڈالتا ہے؟ وقت آنے پر ا کتنا بے رحم، سفاک اور درندہ صفت ثابت ہو سکتا ہے؟ اس کا اندازہ اس کہا کے دو بھیانک کرداروں سے ہو سکے گا۔ اس کہانی کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگ جو سوسائٹی کے ایک اہم رکن سمجھے جاتے ہیں، جن کے عزت و وقار کی داستانیں زبان زد ہوتی ہیں وہ اگر جرائم پر اتر آئیں تو کتنے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔

"پر ہول سناٹا" ہمیں ابن صفی کے ان گذشتہ کارناموں کی بیساختہ یا دلاتا ہے جن میں "فریدی اور لیونارڈ"، "مصنوعی ناک"، "موت کی آندھی" اور "نیلی روشنی" خاصی شہرت رکھتے ہیں۔

"پر ہول سناٹا" پڑھ کر آپ یہ محسوس کریں گے کہ ابن صفی کا یہ شاہکار اپنے ان سابقہ کارناموں کو کہیں پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ اب تک انہوں نے جتنے بھی کارنامے پیش کیےہیں "پر ہول سناٹا" تحیر و استعجاب، اسرار، سراغرسانی رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات کے اعتبار سے سب سے بازی لے گیا ہے۔ فریدی نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ اپنی جگہ پر اٹل ہیں لیکن حمید بھی اس بار بہت آگے رہا ہے۔

پبلشر

خبطی اجنبی

سرجنٹ حمید حقہ پی رہا تھا۔ عادتاً یا ضرورتاً نہیں بلکہ شرارتاً۔ مقصد فریدی کو تاؤ دلا کر بند رے سے باہر نکالنا تھا۔ حقہ ایک نوکر کا تھا جسے حمید نے فریدی کے بند دروازے کے قریب رکھ کش لگانے شروع کر دیئے تھے۔

فریدی کے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس نے اس کے دونوں کان پکڑ لئے، حمید ں کے باوجود بھی نہایت پُر سکون انداز میں حقہ پیتا رہا۔

بہرحال حقے کے نے اس وقت اس کے منہ سے نکلی جب فریدی نے فرشی پر ٹھوکر رسید ردی۔ حقہ پھسلتا ہوا صحن میں جا گرا۔

حمید ذرہ برابر پرواہ کئے بغیر فریدی کے کمرے میں جا گھسا اور پھر اس نے بچوں کی طرح لقاری لگا کر اپنا انگوٹھا چوسنا شروع کر دیا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں گھسا تھا۔

"آپ بھی چوسیئے نا۔" حمید نے اپنے منہ سے انگوٹھا نکال کر کہا اور پھر چوسنے لگا اور ساتھ ی وہ شرارت آمیز نظروں سے سینما کی اس چھوٹی مشین کو دیکھ رہا تھا جو فریدی نے ایک اونچے اسٹول پر فٹ کر رکھی تھی۔

"ہم بھی چھینما دیکھیں گے۔" حمید نے بچوں کی طرح تتلا کر کہا۔ "پھلیدی چھاحب.... ہم بھی چھینما دیکھیں گے۔"

"اچھا تو تم شائد یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے یہ اپنی دلچسپی کے لئے نکالی ہے۔" فریدی ایک خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"نہیں حضور! میں سمجھتا ہوں کہ ابھی آپ بوڑھے نہیں ہوئے۔" حمید نے منہ سے انگوٹھا نکال کر کہا۔ "ویسے اس کام کے لئے کمرہ بند کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"بکومت۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تم حقہ کیوں پی رہے تھے؟"

"ہاتھی کی دم تو نہیں چوس رہا تھا۔" حمید نے بھی اُسی انداز میں کہا۔

"ہزار بار سمجھا دیا کہ موقع محل دیکھا کرو۔"

"اوہو! تو کیا حقہ آپ کے موقع محل میں حارج ہو رہا تھا۔" حمید ہاتھ نچا کر بولا۔ "خوب! اب ہم حقہ بھی نہ پئیں۔ کبھی کبھار تھوڑی سی منہ کا مزہ بدلنے کے لئے پی لو تو مصیبت اور حقہ بھی نہ پینے دیا جائے گا۔ سنا آپ نے! کان کھول کر سنئے! حقہ پیا جائے گا۔ میرے باپ سب حقہ پیتے آئے ہیں۔ آپ شخصی آزادی پر حملہ کر رہے ہیں۔"

"گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔"

"فکر نہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "قاتل کا سراغ مجھے آسانی سے مل جائے گا۔"

"نکل جاؤ۔" فریدی نے اُسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"ایک ریل دیکھ کر جاؤں گا۔" حمید بولا۔ "کہئے تو پاس پڑوس کے بچوں کو پھسلا کر لے آ ان سے کم از کم دو دو پیسے تو وصول ہی ہو جائیں گے۔"

فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے مشین پر فلم کی ریل چڑھانے لگا۔ پھر سامنے والی دیوا اس نے عکس ڈال کر دیکھا اور مشین بند کر دی۔

حمید اوٹ پٹانگ باتیں کرتا رہا لیکن شائد فریدی نے کان نہ دھرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس اسے دھکے دے کر کمرے سے نکالا اور کمرے کو مقفل کرنے کے بعد اس کی گردن پکڑے ہو لائبریری میں آیا۔

"سنو....!" وہ اُسے جھنجھوڑ کر بولا۔ "ابھی یہاں ایک نیم پاگل آدمی آئے گا اور تم اپنی زبا کو قابو میں رکھو گے! سمجھے۔"

"تو گردن چھوڑیئے نا۔" حمید جھنجھلا کر اس کی گرفت سے نکل گیا۔ چند لمحے بُرا سا منہ بنا اُسے گھورتا رہا پھر جھلا کر بولا۔ "کیا میں گدھا ہوں۔"

اس کے بعد وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن فریدی نے بڑے پُر خلوص انداز میں سر ہلا اُس کے ادھورے جملے کی تائید کر دی۔

"آپ ریچھ نچائیے۔" حمید چنچنا رہا۔ "ڈگڈگی بجائیے! مجھے کیا.... اور اگر آپ یہاں ک

ن یا خبطی کو مدعو کر رہے ہیں تو مجھ سے مطلب! میری زبان فالتو نہیں ہے، جو آپ کے گھٹیا ان کے سلسلے میں تکلیف اٹھائے۔ آخر آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔"

"الو....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے جملہ پورا کرنے دیجئے۔" حمید گردن جھٹک کر بولا۔

بات کچھ اور بڑھتی لیکن ایک نوکر نے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ اسکے ہاتھ میں ایک ملاقاتی کارڈ تھا۔

"اوہ ٹھیک ہے۔" فریدی کارڈ پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر بولا۔ "انہیں بٹھاؤ۔"

فریدی اپنے کمرے میں چلا گیا اور حمید نے ڈرائنگ روم کی راہ لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ملاقاتی ان ہو سکتا ہے۔ وہ وزیٹنگ کارڈ پر اس کا نام بھی نہیں پڑھ پایا تھا۔

ڈرائنگ روم میں ایک پستہ قد لیکن بھاری بھر کم آدمی نظر آیا جس کی پشت دروازے کی ان تھی اور وہ شائد دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔ حمید کی آہٹ سن کر اچانک ا۔ آدمی معمر تھا لیکن خدوخال بچکانہ تھے۔ چہرہ بھرا ہوا اور ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ رخساروں کی جلد کی ہلکی سی نیلاہٹ کہہ رہی تھی کہ وہ روزانہ شیو کرنے کا عادی ہے۔ آنکھوں میں طفلانہ شوخی کی ہلکی سی جھلک تھی جو اس کی کشادہ پیشانی کے پُر وقار نشیب و فراز کی موجودگی میں کسی شعر کی شتر گربگی کی طرح کھٹکتی تھی۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان میں رہی ہو گی۔ وہ جاپانی سلک کی پتلون اور ہلکی نارنجی رنگ کی ریشمی قمیض میں ملبوس تھا۔

حمید کو دیکھ کر اس طرح چونک کر خوش آمدید کہنے والے انداز میں مسکرایا جیسے حمید اس کا پرانا شناسا ہو۔ لیکن پھر سنبھل گیا اور اس کے چہرے پر فوری خجالت کے آثار نظر آنے لگے۔

"میرے ساتھ ایک صاحب اور تھے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "وہ چند لمحے کیلئے باہر گئے ہیں۔"

"تشریف رکھئے۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"میں یہ پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔" اس نے خواب ناک آواز میں کہا۔ حمید وہ تصویر دیکھنے لگا جس کی طرف اجنبی کا اشارہ تھا۔ یہ کسی استوائی خطے کی تصویر تھی جس میں ربر کے اونچے اونچے درخت تھے اور پیش منظر میں کچھ سیاہ فام آدمی اپنے کاندھوں پر ربر اکٹھا کرنے کے برتن اٹھائے چلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"پتہ نہیں۔" اجنبی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے ان آدمیوں

اور درختوں کو قریب سے دیکھا ہو۔ ٹھہریئے! مجھے سوچنے دیجئے۔"

دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کی طفلانہ شوخی یک بیک غائب ہوگئی ہو کی جگہ ایک ایسی سنجیدگی نے لے لی ہو جو عموماً ساٹھ یا ستر سال کے تجربات کا نتیجہ ہوتی کشادہ پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور چہرے پر بے چینی کے آثار پیدا ہوگئے۔ یہ کیفیت شائ منٹ تک رہی پھر وہ گردن جھٹک کر بولا۔ "اونہہ! ہوگا کچھ! آخر میں کچھ یاد کرنے کی کو کیوں کررہا ہوں۔"

اس نے یہ جملہ اس انداز میں کہا تھا جیسے خود کو مخاطب کرکے کہہ رہا ہو۔ پھر اس نے سے کہا۔ "ایسا بھی تو ہوتا ہے۔ کم از کم میرے ساتھ اکثر ایسا ہوا ہے۔ میں جو خواب بھی ہوں اس کے متعلق خواب ہی میں سوچنے لگتا ہوں کہ یہ خواب تو میں پہلے بھی کبھی دیکھ ہوں۔ غالباً آپ بھی....!" اس کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ فریدی آگیا۔

"اوہو.... انسپکٹر صاحب۔" اجنبی مصافحہ کرنے کے لئے فریدی کی طرف بڑھتا ہوا "آپ یہاں کہاں۔"

"میں یہیں رہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن ناصر میاں نے تو مجھ سے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ آپ کے یہاں آرہے ہیں۔ وہ گئے ہیں ابھی آجائیں گے۔"

"نہ بتایا ہوگا۔ ناصر میرے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں۔" اجنبی نے کہا اور پھر اس تصویر کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اجنبی پر اچانک اتنی محویت طاری ہ تھی جیسے اُسے وہاں اپنے علاوہ دوسرے آدمیوں کی موجودگی کا احساس نہ ہو۔

"کیا آپ کو کچھ یاد آرہا ہے۔" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

وہ چونک کر فریدی کی طرف مڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"مجھے کیا یاد آرہا ہے؟" اُس نے آہستہ سے کہا پھر اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں نہیں سکتا کہ مجھے کیا یاد آرہا ہے.... لیکن یہ درخت.... اور یہ سیاہ فام آدمی.... میں شائد انہیں؟ ہوں۔ نہ جانے کیوں.... نہ جانے کیوں.... کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ کہاں کا منظر ہے۔"

"جنوبی امریکہ.... آمیزن بیسن۔" فریدی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

حمید ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اجنبی نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر اپنی جیبیں ں اور سگریٹ کا پیکٹ نکال کر بولا۔ "کبھی نہیں.... میں جنوبی امریکہ کبھی نہیں گیا.... پھر مجھے یہ سب کیوں محسوس ہوتا ہے؟"

"اکثر ہوتا ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ بھی محسوس کرتے ہیں۔" اجنبی نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں سبھی محسوس کرتے ہیں۔ آیئے آپ کو اپنا گھر دکھاؤں۔"

"ضرور.... ضرور۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

پھر فریدی اُسے پوری عمارت میں گھما کر اس کمرے میں لایا جہاں اُس نے سینما کی مشین کر رکھی تھی۔

"ناصر تو کہتے تھے کہ آپ انسپکٹر ہیں۔" اجنبی نے کہا۔ "لیکن آپ تو لارڈوں کی طرح رہتے ں۔ انگلینڈ میں میرا ایک دوست لارڈ جیروم ہے۔ اس کا مکان بھی اتنا شاندار نہیں ہے۔ میرا ال ہے کہ آپ کا عجائب خانہ ہی کم از کم چالیس ہزار پاؤنڈ کا ہوگا۔"

"ہوسکتا ہے.... یہ سرمایہ دراصل خاندانی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور اس کے باوجود بھی آپ انسپکٹری کرتے ہیں۔" اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اب میں آپ کو کچھ دلچسپ فلمیں دکھاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ! ضرور ضرور.... کیا خود آپ کی فوٹو گرافی ہے۔"

"نہیں! لیکن میری پسندیدہ ریلیں ہیں۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کون ہے؟ کیا فریدی نے وہ مشین اسی کے لئے فٹ کی تھی۔ ناصر کا حوالہ اجنبی نے دیا تھا فریدی کے دوستوں میں سے تھا اور حمید بھی اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔ لیکن ناصر اس وقت تھا کہاں؟ اجنبی کے بیان کے مطابق وہی اُسے یہاں تک لایا تھا۔ فریدی سے تو اُس کی توقع مضحکہ خیز تھی کہ وہ اپنے کسی مہمان کو اچھل کود والی فلمیں دکھا کر محظوظ کرے گا۔

"ذرا دروازہ بند کردینا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

پھر کمرے میں اندھیرا ہوجانے کے بعد فریدی نے مشین کا سوئچ آن کر دیا سامنے والی دیوار

پر تصویروں کا عکس پڑنے لگا۔

حمید کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ مناظر ربر کے جنگلوں کے سیاہ فام آدمی درختوں کے تنوں سے ربر اکٹھا کرنے کے برتن لٹکا رہے تھے۔ کہیں تنوں میں سوراخ کئے جا رہے تھے کہیں بھرے ہوئے برتن اتارے جا رہے تھے۔ ریل چلتی رہی.... اجنبی چیخنے لگا۔

"یورو کاشی.... سومسٹ اِٹ راوٹ.... زیمبو.... گیٹالی.... اِٹ رال بون۔"

وہ پھر خاموش ہو گیا۔ یہ زبان حمید کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ البتہ وہ دھندلی روشنی میں اجنبی کا تمتماتا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی قسم کا جوش دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔ فریدی چپ چاپ مشین چلاتا رہا۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کا داہنا ہاتھ تو مشین سے الجھا ہوا تھا لیکن آنکھیں اجنبی کے چہرے پر تھیں۔

ریل ختم ہو گئی اور حمید نے کمرے میں روشنی کر دی۔ اجنبی چونک کر اس طرح اپنی آنکھیں ملنے لگا جیسے سوتے سوتے جاگا ہو۔ پھر اس نے چند ھیائی ہوئی آنکھوں سے فریدی اور حمید کو دیکھنا شروع کر دیا۔

"انسپکٹر صاحب۔" اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "یہ ریل بہت اچھی ہے۔ اتنی اچھی ہے.... مگر شاید میں پاگل ہو گیا ہوں۔"

"کیوں کیا بات ہے۔" فریدی نے اپنے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"میں آخر کیوں محسوس کرتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں.... دیکھئے میں پھر بھول گیا۔" وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"آپ کہتے ہیں کہ آپ جنوبی امریکہ نہیں گئے لیکن ابھی آپ آمیزن کے باشندوں کی زبان بول رہے تھے۔"

"میں....!" اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "نہیں تو.... میں کیا جانوں آمیزن کی زبان۔"

"اوہ.... مجھے پورا جملہ یاد ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یورو کاشی.... سومسٹ اِٹ راوٹ....

گیٹالی اٹ رال بون.... جس کا مطلب یہ ہے کہ الگ ہٹو.... برتن ہٹاؤ.... یہ بالکل بیہودہ ہے.... اور غالباً زیمبو اور گیٹالی آدمیوں کے نام ہیں۔"

اجنبی متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر یک بیک اس کی طفلانہ شوخی لوٹ آئی وہ مسکرا کر بولا۔ "آپ مذاق کر رہے ہیں۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم۔ نہ میں نے آج تک یہ زبان سنی ہے اور نہ جنوبی امریکہ میں رہا ہوں.... آپ یقین کیجئے۔"

حمید کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ اس نے بھی اسے کسی غیر ملکی زبان میں کچھ بڑبڑاتے صاف صاف سنا تھا اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ اس پُراسرار آدمی کی شخصیت سے بُری طرح متاثر ہو رہا تھا۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا تھا اور اب فریدی مشین پر کوئی دوسری ریل چڑھا رہا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اس اجنبی سے یہ بات منوانے کی کوشش کیوں نہیں کی کہ ابھی ابھی اس کے منہ سے کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ نکلے تھے۔ اس کے برعکس فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اس مسئلے سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔

کمرے میں پھر اندھیرا ہو گیا اور دوسری ریل چلنے لگی۔ اس کا موضوع شکار تھا۔ فریدی نے یکے بعد دیگرے چار ریلیں اور دکھائیں، جو مختلف موضوعات پر تھیں۔

اس دوران میں کوئی خاص بات رونما نہیں ہوئی۔ اجنبی پُرسکون انداز میں بیٹھا دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی اس کے منہ سے تحسین یا حیرت کے جملے نکل جاتے تھے اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ اس کی جگہ کسی دوسرے کا بھی یہی رویہ ہو سکتا تھا۔ حمید کی اکتاہٹ بڑھنے لگی۔

فریدی نے آخری ریل چڑھائی تو حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ ریل میکسیکو کے چرواہوں کی زندگی سے متعلق تھا۔ ایک جگہ اچانک اجنبی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جس منظر پر اس کی یہ کیفیت ہوئی وہ بھی کسی غیر معمولی بات کا حامل نہیں تھا۔

دو چرواہے آپس میں لڑ رہے تھے۔ لڑتے لڑتے وہ ایک چٹان پر پہنچ گئے جو زمین سے بہت زیادہ اونچی تھی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو چٹان سے دھکیل دیا اور وہ توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر اچھل کر نیچے چلا آیا۔

"راشد....!" اجنبی کی چیخ سے کمرہ جھنجھنا اٹھا۔ "راشد.... راشد!"

پھر اس نے دو تین جھکولے لئے اور منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔

حمید نے بوکھلا کر کمرے میں روشنی کر دی اور اُسے اٹھانے کے لئے لپکا۔

"صوفے پر ڈال دو۔" فریدی نے اس طرح کہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

اجنبی بیہوش ہو چکا تھا۔ سرجنٹ حمید نے اُسے بدقت تمام اٹھایا اور صوفے پر ڈال دیا۔ چونکہ آدمی وزن دار تھا اس لئے حمید کو دانتوں پسینہ آگیا۔

اب وہ فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے خود اُسی کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو۔

"کیا بھٹیار خانہ پھیلا رکھا ہے آپ نے۔" حمید نے کہا۔

"تم نے سنا ہوگا۔" فریدی نے درویشانہ انداز میں انگلی اٹھا کر کہا۔ "کہ یاجوج ماجوج کا قرب قیامت کی دلیل ہوگا۔"

"کوئی کیس....!"

"ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو جائے۔"

"بہر حال آپ مجھے زندہ نہ رہنے دیں گے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "اور اس یاجوج ماجوج۔

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ایک نوکر نے کسی دوسرے ملاقاتی کی اطلاع دی۔

"یہیں بلالو۔" فریدی نے نوکر سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ایسا آدمی کمرے میں داخل ہوا جسے حمید اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ فریدی کا دوست میجر ناصر تھا۔ حمید کو یاد آگیا کہ بیہوش ہو جانے والے نے بھی ناصر کا حوالہ دیا تھا۔

میجر ناصر نے متفکرانہ انداز میں بیہوش اجنبی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے سر ہلایا اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ان پر بیہوشی کے بھی دورے پڑتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا؟"

"بہرحال یہ بیہوش ہو گئے ہیں۔" فریدی نے کہا.... پھر وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "راشد کون ہے۔"

"اوہ.... تو کیا انہوں نے راشد کا نام لیا تھا۔" میجر ناصر نے حیرت سے کہا۔

فریدی اقرار میں سر ہلا کر جواب طلب نظروں سے ناصر کی طرف دیکھنے لگا۔

"راشد ان کا اکلوتا لڑکا ہے۔ وہ بھی انہیں کے ساتھ جنوبی امریکہ میں تھا لیکن اب انہیں اس کے متعلق بھی کچھ یاد نہیں۔"

"تم نے یہ نہیں بتایا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"خیال نہیں رہا تھا۔"

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کی یاد داشت واپس لائی جا سکتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ ی تک جن ماہرین نے ان کا علاج کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے کوئی مناسب طریقہ ر نہیں کیا۔"

"تو یہ ہوش میں کس طرح آئیں گے۔" ناصر نے کہا۔

"اگر تمہارا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ اس سے قبل کبھی اس طرح بیہوش نہیں ہوئے تو ہوش میں پر ان کی یاد داشت واپس بھی آسکتی ہے۔ ویسے ان کا خود بخود ہوش میں آنا ہی بہتر ہوگا۔"

"ہم سب ان کے لئے پریشان ہیں۔" ناصر نے کہا۔

حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن اُس نے تہیہ کر لیا کہ فریدی سے اس کے متعلق ہ پوچھے گا ظاہر ہے کہ وہ اس اجنبی سے پہلے ہی سے واقف رہا ہوگا۔ اگر واقف تھا تو اس نے ی اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔

حمید چپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس اجنبی کے متعلق کہاں سے مات فراہم کر سکے گا۔ ناصر کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ اجنبی سے اس کے قریبی تعلقات ۔ لہٰذا ایسے موقع پر میجر ناصر کی خوبصورت سالی زرینہ کا خیال آنا ضروری تھا اور ملاقات" یہ ایک اچھی خاصی "تقریب" ہاتھ آئی تھی۔

حمید نے کپڑے پہنے اور گھر سے نکل بھاگا۔ زرینہ ایک گورنمنٹ ہائی سکول میں مسٹرس تھی۔

حمید نے کار اسی راستے پر لگا دی۔ دونوں ایک دوسرے سے واقف ضرور تھے لیکن یہ واقفیت تکلفی کی حد تک نہیں تھی۔ حالانکہ حمید نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ زرینہ اس سے بے تکلف چاہتی ہے لیکن بعض وجوہات کی بناء پر خود اس نے ہی اسے مناسب نہیں سمجھا۔ ان میں سے ے خاص وجہ یہ تھی کہ وہ فریدی کے ایک دوست کی سالی تھی۔ ویسے خود اس کا ایمان اس پر تھا کہ اگر دوستی کی چودھویں پشت میں بھی کسی سالی کا وجود ہو تو وہ سو فیصدی حلال ہے۔

ایک زخمی ایک لاش

حمید نے اسکول کے پھاٹک کے سامنے سڑک کے دوسرے کنارے پر کیڈیلاک ر دی۔ غالباً اسکول میں چھٹی ہو گئی تھی اور طالبات باہر نکل رہی تھیں۔ وہ زرینہ کے انتظار کیڈی ہی میں بیٹھا رہا۔

تقریباً بیس منٹ بعد زرینہ پھاٹک میں دکھائی دی۔ وہ تنہا تھی۔ شائد وہ سب کے بعد ہوئی تھی۔ حمید کار اسٹارٹ کر کے اسے موڑنے ہی جا رہا تھا کہ اس نے قریب ہی کے ایک اسٹال سے ایک آدمی کو نکل کر زرینہ کی طرف بڑھتے دیکھا یہ بات کچھ ایسی اہم نہ تھی لیکن دوسرے واقعے نے حمید کو کار موڑنے سے روک دیا۔ بک اسٹال کے برابر والے چائے خانے ایک چھوٹے قد کا چینی جھانک رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ اس کی توجہ کا مرکز وہ آدمی بک اسٹال سے نکل کر زرینہ سے گفتگو کر رہا ہے۔ حمید نے کیڈی کا انجن بند کر کے اپنے فلٹ کا گوشہ چہرے کی طرف جھکا لیا۔

وہ آدمی چند لمحے زرینہ سے کچھ کہتا رہا۔ حمید زرینہ کے چہرے پر تحیر کے آثار دیکھ ر پھر اس نے انہیں ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف جاتے دیکھا۔ پستہ قد چینی ان کا تعاقب کر رہا تھ زرینہ اور اس کا ساتھی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی گھوم کر حمید کے قریب ہی سے گئی۔ پھر اس نے ایک دوسری ٹیکسی میں تعاقب کرنے والے چینی کو بھی دیکھا۔ اس کی آگے والی ٹیکسی کا تعاقب کر رہی تھی۔

جب دوسری ٹیکسی تقریباً چار سو گز کے فاصلے پر نکل گئی تو حمید نے بھی اپنی گاڑی طرف موڑ دی۔ تینوں کاریں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے چل رہی تھیں۔ چونکہ سڑک پر ٹر کا طومار تھا۔ اس لئے اس قسم کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا کہ کوئی کسی کا تعاقب کر رہا ہ زرینہ اور اس کا ساتھی ہوٹل ڈی فرانس میں اتر گئے۔ چینی کی ٹیکسی بھی رک گئی تھی لیکن اندر ہی بیٹھا رہا۔ شائد اسے ان کے داخلے کا انتظار تھا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے اس کے بعد چینی بھی اپنی ٹیکسی سے اترا۔

حمید نے چینی کی ٹیکسی کے قریب سے گذرتے وقت محسوس کیا کہ وہ حقیقتاً ٹیکسی نہیں

ٹیکسیوں کے اڈے پر کھڑی ہونے والی ایک پرائیویٹ کار تھی۔ اس کا ڈرائیور بھی چینی ہی تھا۔

حمید نے کار کا نمبر نوٹ کر لیا۔

ہوٹل ڈی فرانس کے ڈائننگ ہال میں ابھی زیادہ بھیڑ نہیں ہوئی تھی۔

ہال کے وسط میں چھوٹی چھوٹی میزیں تھیں اور دونوں بازوؤں میں آمنے سامنے کیبنوں کے لے تھے۔

حمید نے ایک کیبن میں زرینہ اور اس کے ساتھی کو دیکھا۔ دونوں بیٹھ چکے تھے اور اب اس کا تھی دوبارہ اٹھ کر پردہ کھینچ رہا تھا۔ برابر والے کیبن میں چینی موجود تھا۔ بظاہر اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ یونہی بلا مقصد اس کیبن میں بیٹھ گیا ہو۔

حمید ان دونوں کیبنوں کے سامنے والے کیبن میں بیٹھ گیا۔ وہ قریب ہی بیٹھنے کی کوشش تا لیکن خدشہ یہ تھا کہ کہیں زرینہ کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔

زرینہ کا اس اجنبی کے ساتھ ہونا اتنا تحیر آمیز نہیں تھا جتنا کہ ایک غیر ملکی کا ان دونوں کا اقب کرنا۔ اگر حمید اس چینی کو نہ دیکھتا تو شائد یہ سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ان دونوں عاقب کیا جائے۔

ویٹر نے چینی کی میز پر چائے کی کشتی رکھ دی اور شائد اسی کی ہدایت کے مطابق اُس نے بن کا پردہ بھی کھینچ دیا۔

حمید کی میز پر بھی کافی آگئی تھی اور وہ ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا ہوا سوچ رہا تھا کہ آخر اس تعاقب کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اگر وہ رومان بازی کا سلسلہ تھا۔ تب بھی اس میں کسی چینی کا دلچسپی لینا تحیر گیز نہیں تو جاذب توجہ ضرور ہو سکتا تھا۔

اور پھر یہ بات بھی ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ دونوں اُس چینی سے واقف نہیں تھے کیونکہ حمید کے قیاس کے مطابق اس دوران میں انہوں نے اس چینی کو کئی بار دیکھا تھا اور اس سے اسی طرح بے تعلق معلوم ہوئے تھے جیسے وہ ان کے لئے اجنبی ہو۔

حمید کی نظریں کیبنوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

تقریباً پانچ یا چھ منٹ بعد چینی اپنے کیبن سے نکلا اور سیدھا باہر چلا گیا۔

حمید شش و پنج میں پڑ گیا کہ اب کیا کرے۔ وہیں ٹھہرے یا اس کا تعاقب دوبارہ شروع

کردے۔ بہر حال اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہیں ٹھہرے گا۔ اسے گھر پہنچنے سے قبل ہی اس
اجنبی کے متعلق معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اس کا مقصد محض اتنا تھا کہ وہ بھی فریدی پر اپنی
دانی کا رعب ڈال سکے۔ چند لمحے کے بعد اس کا ذہن اصل موضوع سے بہک گیا اور وہ زرینہ
حسن کے متعلق سوچنے لگا۔ پھر شائد وہ چاہِ زنخداں پر کسی استاد کا شعر یاد کرنے کی کوشش
رہا تھا کہ اچانک ہال میں ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ حمید نے ایک تیز قسم کی روشنی کا جھماکا مو
کیا۔ ساتھ ہی دو چیخیں سنائی دیں اور زرینہ والے کیبن کے پردے میں آگ لگ گئی۔ کسی
نکلنا چاہا لیکن جلتا ہوا پردہ اس سے الجھ گیا۔ اور وہ پردہ سمیت باہر فرش پر گرا۔ اس بار چیخ
تھی۔ کئی کرسیاں الٹ گئیں۔ کچھ میزیں گریں اور پورا ہال آگ آگ کے شور سے گونج اٹھا
زرینہ کی طرف جھپٹا۔ زرینہ ہوش میں تھی اور خود کو آگ سے بچانے کی کوشش کر رہی
حمید نے جلتا ہوا پردہ کھینچ کر الگ کردیا۔ ساری کے آنچل میں آگ لگ گئی تھی۔

"باہر نکلو.... باہر نکلو" کوئی چیخ رہا تھا۔ داہنے بازو کے سارے کیبنوں کو آگ نے
لپیٹ میں لے لیا تھا۔ حمید نے بدقت تمام ہاتھوں سے پیٹ پیٹ کر زرینہ کے آنچل کی آگ
اور اسے کھینچتا ہوا ہجوم سے باہر نکال لے گیا۔ پورے ہوٹل میں ابتری پھیل گئی تھی۔ لوگ
کمپاؤنڈ میں کھڑے شور مچا رہے تھے۔ اس میں سے کسی کو شائد اس کا بھی ہوش نہیں تھا کہ
کیبن میں دھماکہ ہوا وہاں سے ایک عورت نکلی تھی جس کے کپڑے میں آگ لگی ہوئی تھی۔

حمید اُسے باہر کمپاؤنڈ میں نکال لایا۔

"میں چل نہیں سکتی۔" زرینہ لڑکھڑا کر کراہی۔ "میرے پیر میں جلتی ہوئی چھریاں گھس گئی ہیں"

کچھ لوگ دوڑتے ہوئے ان کے پاس سے گذر گئے۔

حمید اُسے پارک میں لے آیا۔

"مجھے زمین پر ڈال دیجئے۔" زرینہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔

شور بڑھتا جا رہا تھا۔ شائد آگ پھیل رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہوٹل کا کمپاؤنڈ آدمیوں
بھر گیا۔ ان میں کچھ باوردی کانسٹیبل بھی تھے۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ زرینہ پر غشی طاری ہو رہی ہے اور وہ اب اپنے پیروں پر کھڑی
ہو سکتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

"آپ کا ساتھی کہاں ہے۔" حمید نے زرینہ سے پوچھا۔

"اوہ.... میں گری.... سنبھالیئے.... ساتھی؟.... میں نہیں جانتی۔"

حمید نے اُسے گھاس پر لٹا دیا۔

اب پارک میں بھی آدمی اکٹھا ہوتے جا رہے تھے اور انہوں نے حمید اور زرینہ کے گرد بھیڑ
تھی۔ اگر زرینہ زمین پر نہ پڑی ہوئی ہوتی تو کوئی اس کی طرف دھیان بھی نہ دیتا۔
دفعتاً حمید کی نظر ایک ایسے کانسٹیبل پر پڑ گئی، جو اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔ حمید نے اسے بلا کر
، تو ان لوگوں کو وہاں سے ہٹوایا جو اس کے گرد اکٹھا ہو رہے تھے پھر اسی کی مدد سے وہ زرینہ کو
تک لایا۔

تھوڑی دیر بعد زرینہ پچھلی سیٹ پر بیہوش پڑی تھی اور کار سول ہسپتال کی طرف جا رہی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد زرینہ کو ہوش آیا۔ وہ سول ہسپتال کے ایک بستر پر پڑی کراہ رہی
اور ڈاکٹر اس کی زخمی پنڈلیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں پنڈلیوں سے جا بجا خون رس رہا تھا۔

"اندر شیشے کی کرچیں معلوم ہوتی ہیں۔" ڈاکٹر نے حمید سے کہا۔ "آپریشن کے بغیر ان کا
نا مشکل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بم تھا۔"

حمید نے فریدی کو فون کیا اور اُسے جلد از جلد سول ہسپتال پہنچ جانے کی تاکید کی۔ زرینہ
ش میں ضرور تھی لیکن اس پر ایک ہذیانی کیفیت سی طاری تھی۔ درد سے کراہتے وقت وہ بے
بط سے جملے دہرانے لگتی تھی۔

فریدی نے ہسپتال پہنچنے میں دیر نہ کی.... وہ سمجھا تھا کہ شائد حمید ہی کو کوئی حادثہ پیش آیا
ہے۔ لیکن زرینہ کو اس حال میں دیکھ کر بھی اسے کچھ کم حیرت نہ ہوئی، استفسار پر حمید نے
تعات دہرا دیئے۔

"ٹھیک ہے تو پھر وہ اس کا ساتھی ہی رہا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"کون؟"

"تمہارے فون سے پہلے مجھے اطلاع ملی تھی کہ ہوٹل ڈی فرانس میں آگ لگ جانے سے
یک آدمی جل کر مر گیا۔ آگ کی وجہ ایک پُر اسرار دھماکہ تھا۔" فریدی نے کہا۔ کچھ دیر خاموشی
ہی پھر فریدی ہی بولا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ دھماکہ اسی کیبن میں ہوا تھا جسمیں یہ دونوں تھے۔"

حمید نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس دوران میں زرینہ پر غنودگی طاری ہوگئی تھی۔ اچانک اُسے پھر ہوش آگیا اور فر
دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹی رہو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"فریدی.... بھائی۔" زرینہ رو پڑی۔

فریدی اور حمید خاموش رہے، جب زرینہ چپ ہوئی تو فریدی نے پوچھا۔

"وہ کون تھا....؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"تو پھر تم اس کے ساتھ کیوں چلی گئی تھیں۔"

"وہ سلمان چچا کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا۔"

"کیا....؟" فریدی چونک کر بولا۔

"وہ.... اُن کے پاگل پن کی وجہ بتانا چاہتا تھا۔"

"کیا بتایا....؟" فریدی کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"وہ صرف اتنا بتا پایا تھا کہ وہ بھی سلمان چچا کے ساتھ جنوبی امریکہ میں تھا۔ بس وہ
میرے پیروں میں چھریاں سی لگیں.... اور پھر مجھے کچھ ٹھیک یاد نہیں۔"

"کیا وہ تمہیں پہلی بار ملا تھا۔"

"جی ہاں.... اور جب اس نے اچانک یہ کہا کہ وہ مجھے سلمان چچا کے متعلق کچھ بتانا چا
تو میں اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگئی۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اکیلا ان کے پاگ
کے راز سے واقف ہے اور اس نے استدعا کی تھی کہ وہ جو کچھ بتائے اس کے سلسلے میں اس کا
کہیں نہ دیا جائے اور فریدی بھائی.... وہ کچھ ڈرا ڈرا سا تھا۔"

"تو وہ ان کے متعلق کچھ نہیں بتا پایا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... کچھ بھی نہیں۔"

"اچھا اب تم آرام کرو۔" فریدی نے کہا۔ "پولیس کو بیان دیتے وقت اس بات کا خیال
کہ کوئی بات غلط نہ کہہ جاؤ۔ پورا واقعہ من وعن بیان کر دینا۔ میں ناصر کو فون کرتا ہوں۔"

فریدی اور حمید باہر آئے۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی کسی خیال میں الجھا ہوا ہے۔

"میں نے اس چینی کی کار کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ اس کے دہانے کے بائیں گوشے پر ایک ابھرا ہوا سرخ رنگ
ہے۔"

"تو کیا آپ اُسے جانتے ہیں۔"

"اچھی طرح.... اس کا نام وانگ لی ہے اور وہ دوسرا جو کار چلا رہا تھا غالباً تیہ چن رہا ہوگا۔"

"تو آپ دونوں سے واقف ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"وانگ کرنل داراب کا پرائیویٹ سیکریٹری ہے اور تیہ چن موٹر ڈرائیور۔"

"کرنل داراب....!" حمید چونک کر بولا۔ "وہی.... جو ہر ماہ شہر کے اعلیٰ حکام کی دعوتیں
ہے۔"

"تم ٹھیک سمجھے.... آؤ....!" فریدی نے کہا اور برآمدے سے اتر کر کیڈی کی طرف روانہ
یا۔

"کہاں....؟" حمید نے پوچھا۔

"چلو.... آج تفریح کا موڈ ہے۔"

کیڈی روانہ ہوگئی۔ حمید زرینہ کے سلمان چچا میں الجھا ہوا تھا اور غالباً یہ بات تو اس کے ذہن
صاف ہی ہوگئی تھی کہ زرینہ کا "سلمان چچا" اس اجنبی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا جسے
فریدی نے فلمیں دکھائی تھیں۔

"یہ سلمان کا کیا واقعہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بہت دلچسپ.... اور اب تو اور زیادہ دلچسپ ہو گیا ہے۔"

"اور دنیا کی ساری دلچسپیاں آپ نے اپنے لئے وقف کرا لی ہیں" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"غالباً تم اسی کے متعلق معلوم کرنے کے لئے زرینہ کے پیچھے لگے تھے۔" فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ فریدی سے اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھے گا۔ لیکن
اس وقت شائد فریدی ہی زیادہ باتیں کرنے کے موڈ میں تھا۔

"ڈاکٹر سلمان اپنی یاد داشت کھو بیٹھا ہے۔ لیکن اس کا کیس اس حیثیت سے عجیب ہے کہ وہ

"صرف اپنی جنوبی امریکہ کی رہائش کے متعلق سب کچھ بھول گیا ہے اور دوسرے معاملات
قطعی صحیح الدماغ ہے۔ حتیٰ کہ اُسے اپنے بچپن کی باتیں تک یاد ہیں۔"

"وہ یہاں کب سے مقیم ہے۔"

"پچھلے ایک ماہ سے۔ ناصر اس کا سگا بھتیجا ہے۔ سلمان کا ایک بیٹا راشد بھی تھا۔ وہ اُ
بھول گیا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ آج فلم دیکھتے وقت اس نے راشد کا نام لیا تھا۔ ویسے ناصر
ہے کہ راشد کے متعلق پوچھنے پر اس نے حیرت ظاہر کی تھی۔ پھر اس سے یہ کہا گیا کہ راشد
کے بیٹے کا بھی تو نام تھا اس پر اس نے ناصر اور اُس کے گھر والوں کا مضحکہ اڑایا اور پھر سنجید
یہ بات کہی کہ اگر وہ لاولد نہ ہوتا تو لوگ اس کا مذاق کیوں اڑاتے۔"

"وہ وہاں کرتا کیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ربر اکٹھا کرنے والی ایک فرم کا منیجر تھا۔"

"تب تو اس کے متعلق وہیں سے معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں۔"

"جتنی معلومات اب تک فراہم ہوچکی ہیں ان کے علاوہ امکان نہیں۔" فریدی نے
"فرم کے کارکنوں کا بیان ہے کہ ڈاکٹر سلمان تین سال تک ماناؤز کے پاگل خانے میں رہ
اور پھر جب اس کے بعد اس کی حالت کچھ سنبھل گئی تو اُسے واپس بھیج دیا گیا۔ اس کے
راشد کی اچانک گمشدگی کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔ تین سال قبل وہ ڈاکٹر سلمان کے
ساتھ رہتا تھا....!"

اچانک حمید کو کچھ یاد آگیا اور اس نے فریدی کو جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

"آپ نے کہا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد ٹھیک بھی ہوسکتا تھا۔"

"ہاں لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی اس میں کوئی ذہنی تغیر نہیں
ہوا۔ بہرحال مجھے توقع ہے کہ میں اس کی یادداشت واپس لانے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔"

"لیکن یہ نیا معاملہ....!" حمید بولا۔

"ٹھیک ہے اور اب اسی لئے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوگیا ہوں کہ وہ یادداشت کھو بیٹھنا ک
معمولی حادثے کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ آخر وہ جل کر مرنے والا اس کے متعلق کیا بتانا چاہتا تھا۔"

"آپ کہتے ہیں کہ وہ دونوں چینی! کرنل داراب کے آدمی ہیں؟ میں کس طرح

وں۔"

"یقین نہ کرنے کی وجہ۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"ارے کرنل داراب.... اتنا معزز آدمی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے نوکروں کے کردار پر
حرف آنا پسند نہ کرے گا اور پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہاں نیچے سے اوپر تک سارے
م کسی نہ کسی طرح اس کے احسان مند ضرور ہیں۔"

"اوہ.... فریدی کو اس کی پرواہ نہیں۔ میں تو عرصہ سے اس کے خلاف کسی بہانے کی تلاش
تھا۔"

"آخر کیوں؟"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس نے اتنی دولت جائز وسائل سے پیدا کی ہے۔"

"اوہ! اس طرح تو آپ کو شہر کے سارے سرمایہ داروں کی گردنیں اتارنی پڑیں گی۔"

"وہ صورت دوسری ہے.... داراب تو قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے۔"

"آخر کیا کرتا ہے!"

"سن کر ہنسو گے۔"

"پھر بھی۔"

"وہ یورپ اور امریکہ کے باشندوں کو چرسی بنا رہا ہے۔"

"چرسی! میں نہیں سمجھا۔"

"تم چرسی نہیں سمجھتے۔"

"تو کیا وہ یورپ اور امریکہ کے لئے چرس برآمد کرتا ہے۔"

"جناب....!" فریدی نے کہا۔

"میں پہلی بار سن رہا ہوں۔ تو آپ اب تک کیوں سوتے رہے۔"

"میرے پاس اس کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا اور نہ اب ہے۔ ویسے اس پر یقین ضرور ہے
کہ اس گروہ کا تعلق صرف داراب سے ہے جس کے ذریعے یہ کام ہوتا ہے۔ بہرحال مجھے یہ سن
کر حیرت ہورہی ہے کہ انگریز یا امریکن چرسی بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی مجھے
خود آپ پر بھی شبہہ ہونے لگے۔ آپ اونگھ تو نہیں رہے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

پھر ان کی کار پولیس ہسپتال کے سامنے رک گئی۔

یہاں انہوں نے اس آدمی کی لاش دیکھی جو ہوٹل ڈی فرانس کی آگ کا شکار ہو گیا تھا
کا چہرہ اس طرح بگڑ گیا تھا کہ شناخت مشکل تھی۔ انسپکٹر جگدیش نے فریدی کو یہ اطلاع
مرنے والے کے ساتھ کوئی عورت بھی لاپتہ ہے۔

"وہ عورت....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں سول ہسپتال میں مل جائے گی۔"

"تو کیا وہ.... وہی عورت ہے۔" جگدیش کے لہجے میں حیرت تھی۔ "وہاں کے انچا
فون ہوٹل ڈی فرانس کی زخمی عورت کے لئے آیا تھا۔"

"ہاں وہ وہی عورت ہے اور اس کا بیان خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا بیان من و ع
جائے۔ معاملات کو دوسری شکل دینے کی کوشش نہ کی جائے۔"

"مگر.... کوتوال صاحب۔" انسپکٹر جگدیش کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"اگر اس کے خلاف ہوا تو سمجھ لو کہ زلزلہ آ جائے گا۔" فریدی نے کہا اور حمید کو باہر
اشارہ کر کے خود بھی نکل آیا۔

نئی بات

کار کے قریب پہنچ کر حمید شائد پائپ سلگانے کے لئے رک گیا۔

"چلو جلدی کرو۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔

"کیوں کیا آفت آ گئی۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"زرینہ خطرے میں ہے۔" فریدی نے کیڈی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی باتیں....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"بھلا بتاؤ کہ اس وقت یہاں تیہ چن کا کیا کام۔"

"کہاں....؟"

"یہیں ہسپتال میں۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے اُسے ڈاکٹر کے کمرے میں داخل

یکھا تھا۔ غالباً وہ اپنے شکار کا انجام دیکھنے آیا ہے۔ زرینہ زندہ ہے ممکن ہے وہ یہ سمجھیں کہ ڈاکٹر
لمان کا راز معلوم ہو گیا ہے جو لوگ ہوٹل میں ٹائم بم رکھ سکتے ہیں ان کے لئے کسی ہسپتال میں
ئی واردات کر بیٹھنا مشکل نہ ہو گا۔"

حمید ہنسنے لگا.... فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

"بعض اوقات آپ کی حالت کسی ایسی بیوہ کی سی ہو جاتی ہے جو اپنے اکلوتے لڑکے کے لئے
یشان ہو۔ آخر آپ جگدیش سے کیوں الجھ پڑے تھے۔ آخر وہ زرینہ کا بیان غلط کیوں لکھنے لگا۔"

"تمہیں شائد اس کا علم نہیں کہ آج کل نیا ڈی۔ ایس۔ پی سٹی ریکارڈ اچھا رکھنے کے لئے
ے گھپلے کر رہا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔

"آپ یہاں کیوں آئے تھے۔"

"جس لئے آیا تھا وہ نہ ہو سکا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لاش کی شناخت مشکل ہے لیکن
چینی تیہ چن۔"

"دوسرے کا کیا نام بتایا تھا۔"

"وانگ لی.... سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ڈاکٹر سلمان سے ان لوگوں کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا اور وہ سول ہسپتال پہنچ گئے۔ یہاں
بھی تک پولیس نہیں آئی تھی۔ حالانکہ ہسپتال کے انچارج نے زرینہ کے متعلق کوتوالی فون
کر دیا تھا۔

ناصر اور اس کے گھر والے ڈاکٹر سلمان سمیت ہسپتال میں موجود تھے۔ فریدی کو دیکھ کر ناصر
اس کی طرف بڑھا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "غالباً آپ لوگ زرینہ سے مل چکے ہوں گے۔"

"ہاں ہم سب بُری طرح پریشان ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ آدمی چچا صاحب کے متعلق
ہم لوگوں کو کیا بتانا چاہتا تھا۔"

"مناسب تو یہی ہو گا کہ اب تم اپنے چچا کو کڑی نگرانی میں رکھو۔ میں یہاں پر ان کی موجودگی

پسند نہیں کرتا۔ انہیں گھر لے جاؤ۔ زرینہ کی دیکھ بھال ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا کوئی خاص بات۔" ناصر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ وہ جو سلمان صاحب کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا جل بھ
زرینہ اس حال میں پڑی ہے۔ میں تم سے پھر باتیں کروں گا۔ بس سلمان صاحب اکیلے گھ
نکلنے پائیں.... سمجھے۔"

"ابھی زرینہ کا بیان نہیں ہوا۔"

"اوہ.... ہو جائیگا.... اگر تم یہیں ٹھہرنا چاہتے ہو تو.... ان لوگوں کو گھر پہنچا کر واپس آ

"کیا زرینہ کے لئے پرائیویٹ وارڈ میں انتظام نہیں ہو سکتا۔"

"ہو سکتا ہے.... لیکن میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔"

ناصر اپنے گھر والوں کو لے کر واپس گیا۔

فریدی اور حمید جنرل وارڈ میں آئے۔ زرینہ جاگ رہی تھی اور ہوش میں تھی۔ ڈا
انہیں بتایا کہ "جب تک پولیس بیان نہ لکھ لے گی آپریشن نہیں ہوگا۔"

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھایا اور جب وہ کوتوالی فون کرنے لگا تو حمید نے اس کے
جھلاہٹ محسوس کی۔

"ہیلو.... یس انسپکٹر فریدی اسپیکنگ.... کون ڈی۔ ایس۔ پی صاحب.... جی ہاں م
ہسپتال سے بول رہا ہوں۔ ہوٹل ڈی فرانس کے حادثے میں مرنے والے کی ساتھی یہاں
ہے۔ اس کے پیروں میں زخم ہیں۔ ابھی تک اس کا بیان قلمبند نہیں ہوا۔ اس سے پہلے
آپریشن کے لئے تیار نہیں۔"

پھر حمید نے فریدی کو دانت پیستے دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

شائد دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تھا جس کے جواب میں فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... میرے اس مخصوص اختیار کا تعلق وزارت داخلہ سے براہِ راست ہے۔
معاملے میں مناسب سمجھوں ہر وقت دخل انداز ہو سکتا ہوں۔"

پھر فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں شائد اس کا ستارہ بھی گردش میں ہے۔ کہتا ہے کہ تم مداخلت کرنے والے کون
ہو! شائد وہ اب خود ہی بیان لینے کے لئے آئے۔"

"کون؟ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی سگار سلگانے لگا۔ اس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار ابھی تک باقی تھے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر ڈی۔ ایس۔ پی سٹی! دو انسپکٹروں اور ایک محرر کے ساتھ سول
ہسپتال پہنچ گیا۔

فریدی اور حمید قطعی بے تعلقانہ انداز میں کھڑے رہے اور فریدی کے رویئے سے تو ایسا
ظاہر ہو رہا تھا جیسے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اس کا ماتحت ہو۔

"آپ ہمیشہ غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں۔" اس نے فریدی سے کہا۔

"اتنا غلط بھی نہیں کہ قتل کے کیسوں کو خودکشی میں تبدیل کر کے ریکارڈ بناؤں۔" فریدی
بڑی خوش اخلاقی سے بولا۔

لیکن ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پتہ نہیں یہ غصہ تھا یا خجالت تھی۔

اگر سول ہسپتال کا انچارج وہاں نہ آجاتا تو شائد بات بڑھ جاتی۔

ڈی۔ ایس۔ پی سٹی بڑا تلخ مزاج آدمی تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں ہاتھا پائی کی نوبت نہ
آجائے۔ شہر کی کوتوالی کی تاریخ میں وہ پہلا بد تمیز کوتوال تھا جو اپنے ماتحتوں کو ماں بہن کی گالیاں
دینے سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔ چند ہی روز قبل وہ ایک سب انسپکٹر پر ہنٹر لے کر جھپٹا تھا۔

بہر حال ہسپتال کے انچارج کے آجانے پر معاملہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔

کوتوال اپنے آدمیوں سمیت ڈاکٹر کے ساتھ جنرل وارڈ کی طرف چلا گیا۔

"کیوں آپ نہ چلئے گا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سگار کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
وہ اپنے کسی سرکش جذبے کو دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

یہ دونوں برآمدے میں کھڑے تھے۔

"کہیں بیان میں گڑبڑ نہ پیدا کر دی جائے۔" حمید پھر بولا۔

"دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر یہاں کھڑے رہ کر جھک مارنے سے کیا فائدہ۔"

"میں وانگ لی کو دیکھ رہا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"وانگ لی....!" حمید نے چونک کر کہا۔ "کہاں ہے؟"

"میری جیب میں۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

حمید اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"حمید خدا کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"میں کیوں ہو جاؤں رنجیدہ! ابھی میں یتیم نہیں ہوا۔"

"بکو مت! آؤ.... اب ہم جنرل وارڈ میں مسٹر وانگ لی سے ملاقات کریں گے۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی کیا بک رہا ہے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اُر حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ وانگ لی (وہی چینی جس کا اس نے تعاقب کیا زرینہ کے بستر کے قریب موجود ہے۔ وہ ڈی۔ایس۔پی سٹی سے کچھ کہہ رہا تھا اور ڈی۔ایس سٹی کے ہونٹوں پر ایک بڑی انکسار آمیز قسم کی مسکراہٹ تھی۔ محرر زرینہ کا بیان قلم بند کر رہا تھ

فریدی حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "غالباً وہ کرنل داراب کی طر سے کسی نئی دعوت کی خوشخبری لایا ہے۔"

فریدی اور حمید اُن سے کافی فاصلے پر کھڑے تھے۔ فریدی کی آنکھوں سے ایسا ظاہر ہو ر جیسے وہ سچ مچ اونگھ رہا ہو۔ لیکن حمید جانتا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

اس پر ایسی کیفیت اُسی وقت طاری ہوتی تھی جب وہ اپنا کوئی ارادہ تبدیل کر رہا ہوتا تھا۔ لیک اس موقع پر اُس میں یہ تغیر دیکھ کر حمید کو حیرت ضرور ہوئی۔

بیان ختم ہو جانے کے بعد زرینہ کے بستر کے قریب ٹرالی لائی گئی اور اُسے اس پر ڈال آپریشن تھیٹر کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

ڈی۔ایس۔پی واپس جانے کے لئے مڑا تو اس کی نظر ان دونوں پر پڑی۔

"کسے یقین آئے گا اس پر۔" اس نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔

"کس بات پر۔" فریدی نے انگریزی میں پوچھا اور حمید کو پھر حیرت ہوئی۔ فریدی بلاو کبھی کسی غیر ملکی زبان میں گفتگو نہیں کرتا تھا۔

"اس لڑکی کے بیان پر۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"وہ تو واقعی مضحکہ خیز ہے۔" فریدی نے پھر انگریزی ہی میں کہا۔ "لیکن مجھے اس سے بحث ہیں۔ میں تو یہ جانتا تھا کہ اس کے آپریشن میں جلدی کی جائے۔"

"اس دلچسپی کی وجہ۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بہت معمولی سی۔ زرینہ میرے ایک دوست کی عزیز ہے! سرجنٹ حمید کو زخمی حالت میں ہوٹل ڈی فرانس میں ملی اور وہ اُسے یہاں لے آئے۔"

"وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کے بیان سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

اس گفتگو کے دوران میں حمید وانگ لی کو گھور رہا تھا۔

"کیا آپ یہیں ٹھہریں گے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"آپریشن ہو جانے تک۔" فریدی بولا۔

ڈی۔ایس۔پی چلا گیا۔ وانگ لی اس کے ساتھ تھا۔

حمید تھوڑی دیر تک فریدی کو طنز آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر جلے بھنے لہجے میں بولا۔

"ظاہر ہے کہ وہ ڈی۔ایس۔پی ہے آپ کو ہر حال میں دبنا پڑے گا۔"

"ہوں.... تو تم یہ چاہتے تھے کہ میں اُس سے کشتی لڑتا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن اتنا دبنا بھی نہ چاہئے تھا۔"

"سنو برخوردار.... میں سراغ رساں ہوں تارزن نہیں۔"

"لیکن کچھ دیر قبل تو آپ اس طرح تاؤ کھا رہے تھے جیسے اس سے کشتی لڑیں گے۔"

"میں تو بڑی دیر سے بے تکی باتیں کر رہا ہوں۔" فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر کیڈی کی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔ "چلو معاملہ صاف ہو گیا۔ اب وہ لوگ شائد زرینہ کے پیچھے نہ پڑیں۔ وانگ لی پر یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ مرنے والے نے زرینہ کو کوئی خاص بات نہیں بتائی ہے اور پولیس کو اس کے بیان پر یقین نہیں ہے۔ انہیں مطمئن کر دینے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔"

"اوہ تو کیا اسی لئے آپ اچانک بھیڑ بن گئے تھے۔"

"بس سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔ ویسے ابھی تمہارے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔"

"میں نے شام کو آئس کریم کھائی تھی۔" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

کیڈی پھر چل پڑی۔

"اب تو نیند آرہی ہے۔" حمید جماہی لے کر گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں۔"

"آج تو رات بھر تفریح کی ٹھہری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"رات بھر تفریح۔" حمید اچھل کر بولا۔ "ہائیں.... یہ آپ فرما رہے ہیں قبلہ پھر صاد

"شور مت مچاؤ۔" فریدی نے کہا۔ "تم نے کبھی کرنل داراب کی لڑکی کو بھی دیکھا ہے

"اتفاق نہیں ہوا.... میں نے تو خود کرنل داراب کو بھی آج تک نہیں دیکھا۔ صرف ہے اور اس کا نام مجھے قطعی پسند نہیں۔ بعض والدین نام کے معاملے میں بڑے پھوہڑ ثابت ہیں۔ بھلا بتائیے داراب.... دھر داب.... لاحول ولا قوۃ۔"

"اس کی لڑکی بڑی حسین ہے۔"

"آپ کے اسٹینڈرڈ کے مطابق ہوگی اور آپ جانتے ہیں کہ مجھے تیس سے اوپر کی ع سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"کیا خیال ہے.... اس بار اس کی دعوت قبول کرلی جائے۔"

"کیوں کیا.... وہ آپ کو بھی مدعو کرتا ہے۔"

"نہ صرف مجھے بلکہ تمہیں بھی۔ لیکن میں نے اس کا دعوت نامہ تم تک کبھی پہنچنے ہی نہیں

"کیوں؟"

"میں جانتا تھا کہ ایک دن مجھے اُس سے الجھنا ہی پڑے گا۔"

"آپ خواہ مخواہ لٹھ لے کر اُس کے پیچھے پڑگئے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ داراب بھ سیکریٹری کی حرکتوں سے تعلق رکھتا ہو۔"

"ضروری تو نہیں لیکن امکانات ہیں۔"

"امکانات کی وجہ۔"

"وجہ نہیں بتائی جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں شائد یہ نہیں معلوم کہ بہت دنو ایک گہری نیند سے چونکا ہوں۔"

"اوہ....!" حمید نے بہت زیادہ سنجیدگی سے کہا۔ "کیا افیون سے شوق فرمانے لگے تھے۔"

"نہیں! میری دو شخصیتیں ہیں۔ ایک معمولی فریدی ہے اور دوسرا غیر معمولی فریدی۔"

"میری تین شخصیتیں ہیں۔" حمید نے اتنی ہی سنجیدگی سے جواباً کہا۔ "ایک اُلو حمید.... دسرا اُلو کا پٹھا حمید تیسرا اُلو کے پٹھے کا پٹھا حمید۔"

"اور ہمیشہ یہی رہو گے۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ لئے اور دفعتاً اُس نے کیڈی روک دی۔

مید نے چاروں طرف دیکھا وہ شہر کے ایک پُر رونق حصے میں تھے اور فریدی بائیں طرف کی مارتوں کے سلسلے میں ایک سائن بورڈ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

یہ ایک چھوٹا سا چینی ریستوران تھا جس کے متعلق حمید نے سن رکھا تھا کہ یہاں مینڈکوں کا ورمہ نہایت نفاست کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور ٹوسٹ کے مکھن پر گندی نالیوں کے زندہ دمدار کیڑے چپکائے جاتے ہیں۔

فریدی انجن بند کر کے نیچے اُترا اور حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے ریستوران میں گھس گیا۔

سامنے کاؤنٹر پر ایک فربہ اندام چینی کھڑا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی بے اختیار چونک کر مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

"آج رات خوشگوار ہے مسٹر چیانگ۔" فریدی نے اپنا فلٹ ہیٹ اتار کر کہا۔

"یس یور آنر۔" چینی نے اس قدر جھک کر کہا کہ اس کی پیشانی کاؤنٹر سے لگ گئی۔

حمید متحیر رہ گیا۔ اُسے خواب میں بھی گمان نہیں تھا کہ فریدی کے مراسم چینیوں سے بھی ہوسکتے ہیں۔

"تم کافی موٹے ہوگئے ہو۔" فریدی نے کہا اور چینی نے دانت نکال دیئے لیکن اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

"حضور والا تشریف رکھیں۔" چینی جھک کر اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "اور میں جلد سے جلد اس عزت افزائی کی وجہ جاننا چاہوں گا ویسے میں آج کل باعزت طور پر زندگی بسر کر رہا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "ضروری نہیں کہ میری آمد ہمیشہ تمہارے لئے پریشانی ہی کا باعث ہو۔"

چینی کچھ نہ بولا۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "کچھ پیش کروں۔"

"نہیں شکریہ۔ ادھر سے گذر رہا تھا سوچا تم سے بھی ملتا چلوں اور میرا یہ سوچنا بلاوجہ نہیں

چینی کے چہرے پر پھر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔ فریدی نے تھوڑی توقف کے بعد کہا۔ "تم جنوبی امریکہ میں رہ چکے ہونا۔"

"جی ہاں.... جی ہاں جناب۔"

"میں نے سوچا تم سے وہاں کے متعلق معلومات بہم پہنچاؤں۔ میں عنقریب جنوبی ا جانے والا ہوں۔"

"ضرور ضرور.... میرے لائق جو خدمت ہو.... فرمایئے۔"

"ماناأوز ہی میں تھے تم شائد۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں وہیں تھا جناب۔"

"بھئی! چلو مجھے وہیں کے متعلق کچھ بتاؤ۔ ویسے میں ایک دوسرے آدمی سے بھی پوچ تھا مگر اتفاق سے وہ پاگل ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر سلمان.... وہ ماناأوز کی جیفرسن ربر سپلائی کمپنی کا منیج بڑا اچھا آدمی ہے، بیچارا پاگل ہو گیا۔"

"ڈاکٹر سلمان.... جیفرسن ربر سپلائی کمپنی....!" چینی اس طرح بڑبڑایا جیسے حافظے دے رہا ہو۔

"ہاں بیچارا ڈاکٹر سلمان! جو پچھلے تین سال تک ماناأوز کے پاگل خانے میں رہا۔ بڑے آدمی تھا۔ وہاں اس کی موجودگی میں مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ لیکن وہ تین سال سے پاگل ہے۔"

"ڈاکٹر سلمان! وہی بچوں کی سی شکل والا پستہ قد بوڑھا تو نہیں؟" چینی نے پوچھا۔

"وہی وہی.... کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

"جی ہاں جناب۔ لیکن مجھے یہ سن کر حیرت ہو رہی ہے کہ وہ پچھلے تین سال پاگل خانے رہا۔"

"کیوں؟"

"میری یادداشت بھی بُری نہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک سال قبل ہم دونوں ما کی ایک دعوت میں شریک ہوئے تھے اور وہ بالکل صحیح الدماغ تھا۔ اس کے بعد بھی ہم دونو ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔"

"ہوگا.... مجھے یہی اطلاع ملی تھی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہاں تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ ے ماناأوز کے کس حصے میں زیادہ آرام ملے گا۔"

چینی نے اُسے ماناأوز کے جغرافیائی حالات بتانے شروع کر دیئے۔ بہرحال حمید کا تحیر لحظہ بہ ڈ بڑھتا ہی گیا کیونکہ ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک نئی بات معلوم ہو جانے کے بعد بھی فریدی نے اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا۔

میزبان غائب

سرجنٹ حمید تین دن سے اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ فریدی کسی طرح اُسے کچھ بتادے، یکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ویسے اُسے یقین تھا کہ فریدی بہت کچھ جانتا ہے.... صوصاً ڈاکٹر سلمان کی شخصیت تو اُس کے لئے ایک قسم کا عذاب بن کر رہ گئی تھی۔ وہ ہر وقت اسی کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ ڈاکٹر سلمان ایک معمہ تھا جو اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ناصر غیرہ کا بیان تھا کہ وہ تین سال تک پاگل خانے میں رہ چکا ہے لیکن اس چینی نے اس کی تردید ردی تھی اور فریدی کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا تھا جیسے اُسے چینی کے بیان پر یقین آگیا ہو۔

ادھر ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے بعد سے ڈاکٹر سلمان پولیس اور مقامی اخبارات کی طبع آزمائی کے لئے ایک اچھا خاصا موضوع بن کر رہ گیا تھا۔ پولیس حقیقتاً چکر میں پڑ گئی تھی۔ ڈاکٹر سلمان کا پاسپورٹ کہتا تھا کہ وہ جنوبی امریکہ سے آیا ہے اور ڈاکٹر سلمان کا یہ عالم تھا کہ وہ جنوبی امریکہ کے نام پر لوگوں کو مارنے دوڑتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ لوگوں نے اُس کی چڑھ نکال لی ہے۔

اسے پولیس کے لئے ایک مستقل دردسر ہی کہنا چاہئے۔ اگر ہوٹل ڈی فرانس والا حادثہ نہ ہوتا تو خیر کوئی بات نہ تھی! کیونکہ آمیزن کے خطے سے اُسے سرکاری طور پر واپس کیا گیا تھا۔ وہاں کی حکومت نے یہاں کی حکومت کو صاف طور پر مطلع کر دیا تھا کہ وہ ڈاکٹر سلمان کو اپنے یہاں کے شہری حقوق عطا کرنے سے معذور ہے۔ ڈاکٹر سلمان نے شائد پاگل ہونے سے قبل وہاں کی حکومت سے اس کے شہری حقوق حاصل کرنے کی درخواست کی تھی۔ وہاں کے کاغذات کے مطابق ڈاکٹر وہاں دس سال سے مقیم تھا اور وہاں کا قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ کسی

غیر ملکی پاگل کو وہاں رکھا جائے۔ کاغذات سے یہ بھی ثابت ہوتا تھا کہ اُس نے پاگل خانے
تین سال گذارے تھے۔

یہ ساری باتیں حمید کے پیش نظر تھیں اور اس چینی کا بیان بھی اُسے نہ جانے کیوں غلط نہ
معلوم ہوتا تھا.... ہوسکتا ہے کہ اس پر یقین کرلینے کی خواہش غیر شعوری طور پر اس کے متعا
فریدی کے رویئے کی پابند رہی ہو۔

دوسری طرف ڈاکٹر سلمان بھی بنا ہوا پاگل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اگر اُسے پاگل ہی
تھا تو وہ مکمل طور پر پاگل بنا ہوتا۔ دوسروں کو مستقل طور پر شبہے میں نہ رکھتا اور پھر سب سے بڑ
بات تو یہ کہ اگر وہ پاگل بنا ہی تھا تو اُس کا مقصد کیا ہوسکتا تھا۔

ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے متعلق پولیس تفتیش کررہی تھی لیکن ابھی تک مجر
مجرموں کا سراغ نہیں ملا تھا۔ فریدی نے حمید کو سختی سے تاکید کردی تھی کہ وہ اس کیس
متعلق کسی سے کوئی گفتگو نہ کرے۔

حمید کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ فریدی نے ناصر سے اپنی اور ریستوران والے چینی
گفتگو کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ ناصر کے گھر والے تو خاص طور پر اس مسئلے میں الجھے ہوئے تھے
آخر وہ پُر اسرار آدمی ڈاکٹر سلمان کے متعلق زرینہ کو کیا بتانا چاہتا تھا اور اُس نے اس کے
زرینہ ہی کا انتخاب کیوں کیا تھا؟

بہر حال حمید کو اس کیس میں ہر ہر قدم پر الجھاوے ہی الجھاوے نظر آرہے تھے۔ اُسے
فیصدی یقین تھا کہ ہوٹل ڈی فرانس کے حادثے کا ذمہ دار وانگ لی ہی تھا اور یہ بات فریدی
بھی تسلیم کرلی تھی لیکن اُس کے باوجود بھی ابھی تک اس کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا
تھا۔ حمید کی دانست میں فریدی نہ تو خود ہی کچھ کررہا تھا اور نہ پولیس ہی کو اس بات سے آ
کردینے پر آمادہ نظر آتا تھا۔

لیکن وہ اس کیس سے بے تعلق بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس نے اس بار کرنل داراب
کی دعوت قبول کرلی تھی اور اپنے ساتھ حمید کو بھی لے جارہا تھا۔

بلاوا ساڑھے تین بجے شام کے لئے تھا اور پروگرام میں شام کی چائے اور رات کا کھانا
شامل تھا۔

11

وہ دونوں ٹھیک ساڑھے تین بجے گلزار پیلس کے سامنے پہنچ گئے۔ یہی داراب کی رہائش گاہ
عمارت بڑی شاندار تھی اور اس کا نام "گلزار محل" قطعی نامناسب نہیں تھا۔

وہ ایک عظیم الشان پھاٹک سے گذر کر خاص عمارت میں داخل ہوئے۔ ایک ویٹر ان کی
ئی کررہا تھا۔ پھر وہ ایک کافی وسیع کمرے کے سامنے پہنچے۔

یہاں ایک دوسرے ویٹر نے ان کے وزیٹنگ کارڈ پڑھ کر ان کے ناموں کا اعلان کیا۔ کمرے
درہ بیس افراد موجود تھے لیکن نشستوں کی زیادتی کہہ رہی تھی کہ ابھی بہت سے مہمان باقی ہیں۔

حمید نے ایک قوی ہیکل بوڑھے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس کا قد سات فٹ سے کسی
کم نہ رہا ہوگا۔ جسم گٹھا ہوا اور مضبوط تھا۔ چہرے پر گھنی سفید مونچھیں تھیں۔ شائد ان میں
ایک بھی سیاہ بال نہیں تھا۔ سر کے بال بھی برف کی طرح سفید تھے اور ان کی سفیدی کہہ
تھی کہ وہ اسی سال سے کم نہیں۔ لیکن جسم کی بناوٹ کا تقاضا تھا کہ اُسے چالیس سال سے
سمجھنا مبالغہ آرائی ہوگی۔

"زہے قسمت....!" وہ فریدی سے ہاتھ ملاتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ شائد
لوگ مجھے پسند نہیں کرتے۔"

اس نے حمید سے ہاتھ ملاتے وقت بھی اسی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ پھر وہ انہیں ایک میز پر
جہاں ایک خوبصورت عورت پہلے ہی سے بیٹھی تھی۔

"نادرہ ان سے ملو۔ آپ انسپکٹر فریدی ہیں اور آپ سرجنٹ حمید اور یہ میری لڑکی نادرہ ہے۔"

"آپ انسپکٹر فریدی۔" نادرہ نے حیرت سے کہا اور ان دونوں سے مصافحہ کرکے بیٹھتی ہوئی
"اگر آپ ہی انسپکٹر فریدی ہیں تو.... آپ کے سارے کارنامے یقیناً معجزے تھے۔"

کرنل داراب بھی اُسی میز کے قریب بیٹھ گیا۔

فریدی نے عورت کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں اکثر افسوس کرتا تھا کہ آپ مجھے اس لائق نہیں سمجھتے تھے۔" کرنل داراب نے کہا۔

"مجھے شرمندگی ہے۔" فریدی بولا۔ "اب میں آپ سے کیا عرض کروں کہ کتنا مشغول رہتا ہوں۔"

"مشغولیت میں تو سبھی مبتلا رہتے ہیں۔" عورت نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن آدمی کا آدمی پر
بھی تو کچھ حق ہوتا ہے۔"

"بہر حال آپ میری نیت پر شبہ نہیں کرسکتیں۔" فریدی کی مسکراہٹ بڑی لچکیا
"آج مجھے فرصت تھی اس لئے حاضر ہو گیا۔"

سچ مچ فریدی کی مسکراہٹ اتنی دلآویز تھی کہ حمید ہزار جان سے عاشق ہوتے ہو
دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ فریدی بالکل ہی بنجر نہیں ہے اور حسین چیزیں اثر
اثر انداز ہو سکتی ہیں۔

کرنل داراب کی لڑکی نادرہ بڑی حسین تھی۔ حمید نے اس کی عمر کا اندازہ چوبیس پچ
لگ بھگ لگایا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی نکھری ہوئی رنگت کو برسات کی چاندنی سے
دے یا جاڑوں کی چاندنی سے۔

"مجھے معاف کیجئے گا.... میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔" کرنل داراب اٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ.... کوئی بات نہیں.... اکیلے ہم ہی تو نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

حمید کنکھیوں سے اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ کرنل داراب ایک ایسی میز کے قریب جا بیٹھا
ضلع کا کلکٹر کچھ دوسرے افسروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ ہی انسپکٹر فریدی ہیں۔" نادرہ نے کہا۔

"کیوں؟" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"میں سمجھتی تھی کہ آپ کم از کم ڈیڈی ہی کی طرح معمر ہوں گے.... اور انتہائی خوفناک
ہر وقت تیوریوں پر بل پڑے رہتے ہوں گے.... لیکن نہ آپ معمر ہیں اور نہ خوفناک۔
چڑے بھی نہیں معلوم ہوتے۔"

پھر وہ حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل دھڑک رہا تھا اور اس کی سمجھ
نہیں آرہا تھا کہ وہ اتنی پرکشش کیوں ہے؟ لیکن پھر خود اُسے ہی اپنے اس حماقت انگیز خیال
آگئی۔ وہ کوئی فلسفی یا سائنٹسٹ تو تھا نہیں کہ کشش کے اسباب و علل پر غور کرتا۔ وہ تو
مداح تھا! آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکنے کا ماہر تھا اور یہ جانے بغیر اُن گہرائیوں میں اترتا
کہ آنکھ کے پہلے پردے کو "اسکلے روٹک" دوسرے کو "کورائیڈ" اور تیسرے کو "رے ٹینا" کہتے

"اور آپ کو بھی میں کافی بھاری بھرکم سمجھتی تھی۔" اُس نے حمید سے کہا۔

"ارے نہیں صاحب! میں بھی یونہی ہوں۔" حمید نے شرما کر کہا۔

"میں آپ لوگوں سے ملنے کے لئے بُری طرح بیتاب تھی۔ لیکن میرے ذہن میں آپ
نوں کی جو تصویریں تھیں، ان سے میں خائف بھی رہتی تھی۔"

"خدا کرے اب آپ کا خوف رفع ہو گیا ہو۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"میں اب بالکل خائف نہیں.... آپ دونوں.... بہت.... اچھے ہیں۔"

"شکریہ۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ویٹر چائے سرو کرنے لگے۔ نادرہ اُسی میز پر بیٹھی رہی۔

دروازے کے قریب کھڑے ہوئے ویٹر نے پھر دو ناموں کا اعلان کیا اور حمید بے اختیار
وم پڑا۔ یہ نام میجر ناصر اور ڈاکٹر سلمان کے تھے۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا لیکن اس کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا۔

"ڈاکٹر سلمان" نادرہ آہستہ سے بڑبڑائی اور ان دونوں نئے آنے والوں کو گھورنے لگی۔ پھر
س نے معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

"یہ وہی ڈاکٹر سلمان تو نہیں ہے جس کے متعلق اخبارات میں آرہا ہے۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں.... وہی ہے۔" فریدی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"تو کیا ڈیڈی اسے جانتے ہیں۔" وہ اس طرح بڑبڑائی گویا خود سے مخاطب ہو۔

فریدی اور حمید خاموش رہے۔

کرنل داراب نے ناصر اور سلمان کا خیر مقدم بھی پُر جوش انداز میں کیا۔

"ان کا کیس تو بڑا دلچسپ ہے۔" نادرہ بولی۔

"لیکن مجھے اس میں کہیں بھی دلچسپی نظر نہیں آتی۔" فریدی نے کہا۔

کیوں....؟ کیا آپ ہوٹل ڈی فرانس کا حادثہ بھول گئے۔"

"یاد ہے لیکن میری نظروں میں اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ ایسے عشق و رقابت کے کھیل
ئے دن ہوتے رہتے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لڑکی نے صحیح بیان نہیں دیا۔ حالانکہ وہ میرے ایک عزیز دوست
کی عزیزہ ہے لیکن حقیقت ہر حال میں حقیقت ہی رہتی ہے۔"

"حقیقت....!"

"جی ہاں.... حقیقت یہ ہے کہ ہوٹل ڈی فرانس میں جل مرنے والا اس کا کوئی عاشق نہ
وہ دراصل اس کے کسی دوسرے عاشق کی حرکت تھی۔ لڑکی نے بدنامی کے خیال سے ڈاکٹر سلمان
والا افسانہ تراش لیا۔"

"نہیں....!" نادرہ نے حیرت سے کہا۔

"یقین کیجئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر مرنے والا زندہ ہوتا تو حقیقت سامنے آجاتی۔"

"تو پھر پولیس کیوں جھک مار رہی ہے۔"

"اس کی مرضی.... میں نے اپنے خیال سے سب کو آگاہ کر دیا ہے۔"

"عجیب بات ہے۔"

"قطعی نہیں! حالات نے اسے عجیب بنا دیا ہے۔"

"کیسے حالات۔"

"ڈاکٹر سلمان کا پاگل پن اور اس نامعلوم آدمی کی موت۔"

"میں پھر نہیں سمجھی۔"

"چھوڑیئے بھی" حمید اکتا کر بولا۔ "خوش مذاق عورتوں کو ایسی فضول باتوں میں نہ پڑنا چاہئے"

"اگر آپ کہتے ہیں تو میں چھوڑے دیتی ہوں۔" نادرہ نے مسکرا کر کہا۔

فریدی بھی ہنسنے لگا۔ حمید کو پھر حیرت ہوئی کہ فریدی کو ہنسی کیسے آئی۔ کیونکہ نادرہ نے جملہ بڑے بھونڈے پن سے کہا تھا۔ لہجے میں بھی مزاح کا انداز نہیں تھا۔

"سلمان صاحب آپ کے دوست ہیں۔" نادرہ نے فریدی سے پوچھا۔

"جی نہیں.... میجر ناصر ہیں اور زرینہ ان کی بیوی کی بہن ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "سلمان یہاں پہلی بار آیا ہے۔"

"جی ہاں.... میں نے تو پہلی ہی بار دیکھا ہے۔"

"اور ناصر....!"

"وہ اکثر آئے ہیں.... ڈیڈی انہیں جانتے ہیں۔"

"اس کیس کے متعلق آپ کے ڈیڈی کا کیا خیال ہے۔"

"نہیں ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ تو صرف شطرنج کے ماہر ہیں۔ دن رات کسی نہ کسی کو پکڑے بساط بچھائے رہتے ہیں۔ ابھی دیکھئے گا چائے کے بعد وہ شطرنج ضرور نکالیں گے اور پھر کھانے کے وقت تک کھیلتے رہیں گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اور اسی دوران میں وانگ لی بھی کمرے میں دکھائی دیا۔

"آپ کے ڈیڈی کی چینیوں سے بھی دوستی ہے۔" فریدی نے نادرہ سے پوچھا۔

"نہیں تو.... اوہ.... وہ.... وہ تو اپنا وانگ ہے۔ ڈیڈی کا پرائیویٹ سیکریٹری۔"

"اوہ...اچھا...." فریدی مسکرا کر بولا۔ "کرنل صاحب بڑے باذوق آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیوں!"

"چینی لوگ بڑے اچھے پرائیویٹ سیکریٹری ثابت ہوتے ہیں۔"

"مگر وانگ لی تو پکا حرامزادہ ہے۔" نادرہ ہنسنے لگی۔

"کیوں؟"

"وہ مجھ میں اور ڈیڈی میں اکثر لڑائی کرا دیتا ہے۔"

"وہ کس طرح۔"

"بہتیرے طریقے ہیں۔"

"آپ نے کبھی دو چینیوں کو آپس میں گفتگو کرتے سنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"روز ہی سنتی ہوں۔ ہمارا ڈرائیور بھی چینی ہے۔ تیہ چن....!" وہ ہنس کر بولی۔ "بتایئے تیہ چن کے کیا معنی ہوتے ہیں۔"

"دوسرا پکا حرامزادہ۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور نادرہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

"کبھی چار پانچ چینیوں کو اکٹھا دیکھئے۔" فریدی نے کہا۔ "اس طرح چیاؤں چیاؤں کرتے ہیں کہ کتے کے پلے یاد آجاتے ہیں۔ ان دونوں کے دوست تو آئے ہی رہتے ہوں گے۔"

"جی نہیں! یہاں تو کوئی نہیں آتا۔" نادرہ نے کہا۔

"کبھی انہیں ایک جگہ دیکھئے۔ بڑا لطف آئے گا۔"

حمید نے کرنل داراب کو پھر اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ خالی کرسی پر بیٹھ کر ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھتا ہوا فریدی سے بولا۔

"یہ حضرت مجھے پاگل تو نہیں معلوم ہوتے۔"

"نہیں! بالکل پاگل نہیں ہے۔ صرف یادداشت کھو بیٹھا ہے۔"

"مگر وہ تو ابھی انگلینڈ اور فرانس کی باتیں کر رہا تھا۔" کرنل داراب نے کہا۔ "اگر یادد کھو بیٹھا ہوتا تو اسے اپنی پچھلی زندگی کے متعلق کچھ بھی نہ یاد ہوتا۔"

"ایسا بھی ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ صرف اپنی جنوبی امریکہ کی رہائش کے بھول گیا ہے۔"

"ممکن ہے! اس قسم کے کیس بھی ذہنی امراض کے سلسلے میں ملتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کسی ایسے حادثے کا شکار ہوا ہو جو بھلا ہی دینے کے قابل رہا ہو۔ جس حادثے کے بعد اس۔ سوچا ہو کہ کاش وہ جنوبی امریکہ میں نہ ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حادثہ اس کے اکلوتے بیٹے کی گمۂ ہو۔ ناصر میرا دوست ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔ لیکن خود سلمان اس انکار کرتا ہے۔ مگر اسکے لڑکے کی پیدائش یہیں ہوئی تھی اور دوسروں کو وہ اچھی طرح یاد ہے۔

"اگر یہ بات ہے تو واقعی بیچارہ قابل رحم ہے۔"

چائے ختم ہو گئی اور مہمان مختلف قسم کے تفریحات میں مشغول ہو گئے۔ کچھ بلیرڈ روم بلیرڈ کھیل رہے تھے۔ بعض برج کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔ کچھ صرف باتیں کر رہے تھے۔ ا گوشے میں ایک شاعر اپنا کلام سنا رہا تھا اور ایک صاحب نے لڑکیوں کے ہاتھ دیکھ کر ان کی قسمۃ کا حال بتانا شروع کر دیا تھا۔

کرنل داراب فریدی وغیرہ کے پاس سے اٹھ کر کہیں اور چلا گیا تھا لیکن نادرہ اب تک کے ساتھ تھی۔ اکثر لوگوں نے اُسے اپنے کھیلوں میں شریک کرنا چاہا لیکن اسے ان کھیلوں۔ زیادہ حمید کے چٹکلوں میں مزہ آ رہا تھا اور حمید نے بھی نہ جانے کیوں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ آج اپنے لطیفوں کا ذخیرہ ختم کر دے گا۔

انہیں تفریحات میں آٹھ بج گئے اور پھر کھانے کا گانگ بجا۔

ڈائننگ روم میں بھی بڑا اچھا انتظام تھا۔ جب لوگ اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تو انہیں خیال کہ ایک کرسی خالی ہے اور یہ خالی کرسی خود صاحب خانہ یعنی کرنل داراب کی تھی۔

تین چار منٹ انتظار کرنے کے بعد پھر گانگ بجایا گیا۔ لیکن کرنل داراب نہ آیا۔

نادرہ وانگ لی کے ساتھ اٹھ گئی۔ دو ایک ایسے لوگ بھی اٹھ گئے جو شائد گھر والوں سے بہت یادہ بے تکلف تھے۔

دو منٹ گذر گئے۔ لیکن وہ لوگ واپس نہ آئے۔ مہمانوں میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ دفعتاً ک آدمی چیختا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"کسی نے کرنل کو چھری مار دی۔" اس نے چیخ کر کہا اور پھر الٹے پاؤں کمرے سے نکل گیا۔

ل اٹھ اٹھ کر اُس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ فریدی اور حمید بھی اٹھے۔

کرنل داراب ایک کمرے میں اوندھا پڑا تھا اور اُس کے داہنے کاندھے میں ایک خنجر پیوست ۔ اسی کے قریب نادرہ بھی پڑی ہوئی تھی۔ شاید وہ اُسے اس حال میں دیکھ کر بیہوش ہو گئی تھی۔

فریدی آگے بڑھ کر کرنل پر جھک گیا۔

عجیب لڑکی

وانگ لی بھوکے شیر کی طرح غرا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی زبان سے کچھ کہتا بھی جا رہا ا اور آخر کار اس نے انگریزی میں ایک بہت بڑی قسم کھائی وہ اپنے مالک پر حملہ کرنے والے کو ندہ نہ چھوڑے گا۔

پھر اس نے بیہوش نادرہ کو اٹھا کر ایک صوفے پر ڈال دیا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔ "زخم گہرا نہیں ہے۔"

پولیس ہسپتال کا ڈاکٹر آگے بڑھا اور فریدی ایک طرف ہٹ گیا۔

ڈاکٹر نے جیسے ہی خنجر اُس کے شانے سے نکالا۔ کرنل داراب کو ہوش آ گیا۔ اس کے منہ ے ایک ہلکی سی کراہ نکلی اور اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

"کوٹ اتار لیجئے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

کرنل داراب نے کوٹ اتار کر اپنا بایاں شانہ کھول دیا۔ خون بہہ رہا تھا۔

"فرسٹ ایڈ کا بکس۔" کرنل داراب نے وانگ لی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کون تھا.... یہ کیا ہوا۔" کلکٹر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ارے!" کرنل داراب کی نظریں بیہوش نادرہ کی طرف اٹھ گئیں۔ "اسے کیا ہوا؟" تابانہ انداز میں اٹھ کر اُس کی طرف جھپٹا۔

"اوہو....!" کچھ نہیں ڈاکٹر اسے پکڑتا ہوا بولا۔ "بیہوش ہو گئی ہیں۔ ٹھیک ہو جا آپ بیٹھیے۔ حرکت کرنے سے خون زیادہ نکل جائے گا۔"

"پہلے اُسے ہوش میں لائیے.... میں ٹھیک ہوں۔"

وانگ فرسٹ ایڈ کا بکس لے آیا۔ پولیس ہسپتال کا ڈاکٹر مرہم پٹی کرنے لگا۔

"کون تھا؟" کلکٹر نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" کرنل بولا۔ "میں اسے دیکھ نہیں سکا۔ اس نے پیچھے سے حملہ کیا تھا۔"

"آپ اس کمرے میں کس وقت آئے تھے۔"

کرنل اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھنے لگا۔

"شائد بیس منٹ پہلے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کسی پر شبہ ہے۔"

"نہیں میرے نوکروں میں سے کوئی ایسا نہیں ہو سکتا۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھا، جس کے ہونٹوں پر ایک خ مسکراہٹ تھی۔ وہ سامنے والی میز کے نیچے کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی نظریں د ہٹالیں۔ حمید نے بھی ادھر دیکھا لیکن اُسے میز کے نیچے کوئی خاص چیز دکھائی نہ دی۔

"خنجر کے دستے پر نشانات ہوں گے۔" ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب کی انگلیوں کے۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"جی....!" ڈاکٹر چونک کر اُس کی طرف مڑا۔

"اوہو! میرا مطلب یہ نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگ نشانات رہے بھی ہوں گے تو اب انہیں آپ کی انگلیوں نے ناقابل شناخت بنادیا ہوگا۔"

"تو آپ ہاتھ لگانے سے قبل خاموش کیوں رہے تھے۔" ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے بگڑ کر

"بھلا میں آپ کے سامنے کیا زبان کھولتا۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"آپ اپنا لہجہ ٹھیک کیجئے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اس وقت وردی میں نہیں ہیں اور نہ میں ڈیوٹی پر ہوں۔"

"بیکار کی بحث....!" کلکٹر نے دخل اندازی کی۔

دونوں خاموش ہو گئے۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اسے کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا اور ریدی کے ہونٹوں پر وہی جھنجھلاہٹ پیدا کر دینے والی مسکراہٹ تھی جس کی موجودگی میں اس ے بعض آفیسروں کو احساس کمتری ہونے لگتا تھا۔

"فریدی صاحب۔" کرنل نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ "یہ دوسرا حملہ ہے۔ آج سے ندرہ دن قبل کسی نے مجھ پر پائیں باغ میں گولی چلائی تھی۔"

"اوہ....!" فریدی حیرت سے بولا۔ "اور آپ نے پولیس کو مطلع نہیں کیا۔"

"جی نہیں.... میں خود اس بات کا پتہ لگانا چاہتا تھا کہ حملہ آور کون تھا اور اس نے ایسی حرکت کیوں کی تھی۔"

"اس رازداری کی کوئی خاص وجہ تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... اگر میں رپورٹ بھی کرتا تو آپ لوگ یہی پوچھتے کہ کسی پر شبہ تو نہیں۔ میں کیا بتاتا۔ نادرہ.... نادرہ کہاں ہے۔"

"وانگ انہیں ان کے بیڈ روم میں لے گیا ہے۔" ایک نوکر نے کہا۔

"ہوش آیا۔"

"جی ہاں.... اب وانگ نے انہیں سلا دیا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" کرنل نے ڈریسنگ ہو جانے کے بعد کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ "چلئے اب کھانے میں دیر نہ ہونی چاہیئے۔"

"میرے خیال سے آپ آرام کیجئے۔" کسی نے کہا۔

"مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہے۔" کرنل نے لاپروائی سے کہا۔

اس دوران میں ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کمرے میں رکھی ہوئی چیزوں کا اس طرح جائزہ لیتا پھر رہا تھا جیسے اُسے ان میں سے کسی پر شبہ ہو۔

حمید کو اس بات پر حیرت تھی کہ آخر فریدی کیوں خاموش ہے۔

"یہاں سوائے کشت و خون کے اور کچھ نہیں۔" ڈاکٹر سلمان بڑبڑا رہا تھا۔ "ہمارے یہاں

سے انسانیت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ اب بھی اگر لوگ ہوش میں آجائیں تو بہتر ہے۔ یہ ناممکن تو پھر خون پانی کی طرح بہتا رہے گا۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "دنیا سرائے فانی ہے۔ چار دن کی زند میں ہٹ دھرمیاں اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹتی ہیں۔"

"اونہہ سب چلتا ہے۔" کرنل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں

"ایک مصور شیطان کو بناتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "دوسرے اُسے دیکھ کر ڈرتے ہ لیکن! مصور نہیں ڈرتا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" کرنل نے اُسے گھور کر کہا۔

"اگر باتیں سمجھ میں آجائیں تو پھر وہ باتیں نہیں رہتیں۔" ڈاکٹر سلمان نے احمقوں کی طر ہنس کر کہا اور پھر وہ کسی شریر بچے کی طرح اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مسکرانے لگا۔

مقامی حکام اسے گھور رہے تھے۔

سب لوگ ڈائننگ روم کی طرف چل پڑے۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے کرنل کو روک لی فریدی اور حمید ان کے پیچھے تھے۔

"آپ نے اس پاگل کو کیوں مدعو کیا ہے۔" اس نے کرنل سے پوچھا۔

"یونہی تفریحاً! میں اُسے دیکھنا چاہتا تھا۔ میجر ناصر سے میری جان پہچان ہے۔"

"لوگ کہتے ہیں کہ وہ صرف جنوبی امریکہ کے معاملے میں پاگل ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی۔ کہا۔ "لیکن وہ ابھی ہوشمندی کی باتیں کر رہا تھا۔"

فریدی اور حمید کچھ بولے بغیر کمرے سے باہر نکل آئے۔ انکے بعد کرنل اور ڈی۔ ایس۔ بھی نکلے۔

کھانے کی میز پر لوگ ان کا انتظار کر رہے تھے۔

کھانے کی ٹرالی آئی۔ لوگ اپنی پلیٹیں سیدھی کرنے لگے۔ دفعتاً ڈاکٹر سلمان کی پلیٹ پر ایک بلی کودی اور پلیٹ کے کئی ٹکڑے ہوگئے۔

لوگ پہلے چونکے پھر ہنسنے لگے۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی ایک روشندان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ پھر اس کی نظریں ٹوٹی ہوئی پلیٹ سے گذرتی ہوئی سلمان کے چہرے پر جم گئیں۔

بلی جو شائد پالتو تھی اس کے بعد میز پر بیٹھی "میاؤں میاؤں" کرتی رہی۔

"مردود کم بخت۔" کرنل نے گردن سے پکڑ کر بلی کو ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر ب کے لئے دوسری پلیٹ لگاؤ۔"

"آپ کے چوٹ تو نہیں آئی۔" فریدی نے میز پر ہاتھ ٹیک کر سلمان کی طرف جھکتے ے کہا۔

"جی نہیں.... شکریہ۔"

فریدی پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ایک نوکر نے ڈاکٹر سلمان کے سامنے سے ٹوٹی ہوئی پلیٹ کڑے ہٹا دیئے۔

ڈاکٹر سلمان نے مسکرا کر کرنل داراب کی طرف دیکھا۔

"اس بلی نے کس کا راستہ کاٹا۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"اوہ چچا جان۔" میجر ناصر نے جلدی سے اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ "کرنل صاحب ی کے بہت شائق ہیں۔"

"مجھے بھی بلیوں سے دلچسپی ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔

پھر لوگ کھانے میں مشغول ہوگئے۔ حمید کے سامنے ایک لڑکی تھی جس نے سنہری فریم کی ی عینک لگا رکھی تھی اور جب وہ عینک سے اُسے دیکھتی تو اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس ل کی بینائی بڑھ رہی ہو۔ لیکن وہ ڈاکٹر سلمان اور کرنل داراب کی بے تکی گفتگو کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کیا وہ گفتگو بامعنی تھی۔ آخر کرنل داراب پر حملہ کس نے کیا تھا.... کیا؟ ڈاکٹر نا؟ مگر وہ تو اُن ہی لوگوں کے پاس موجود تھا۔

حمید نے کرنل داراب کی طرف دیکھا۔ وہ اتنے اطمینان سے کھانا کھا رہا تھا جیسے کچھ دیر قبل بات ہی نہ ہوئی ہو۔

حمید اس لڑکی کے متعلق بھی سوچ رہا تھا جسے وانگ نے سلا دیا تھا اور اس کا اس طرح چپ ء سو جانا حمید کو بڑا غیر فطری سا معلوم ہو رہا تھا۔ اُسے نوکر کی بات اچھی طرح یاد تھی۔ اس کہا تو کہا تھا کہ نادرہ ہوش میں آگئی تھی لیکن وانگ نے اُسے سلا دیا ہے۔

حمید فریدی کی آواز سن کر چونکا۔ وہ کرنل داراب سے کہہ رہا تھا۔

"نادرہ صاحبہ نہیں آئیں۔"

"اوہ....!" کرنل داراب نے وانگ کی طرف گھور کر دیکھا۔

"میں نے انہیں سلادیا۔" وانگ نے کہا۔ "میں جانتا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد پھر روتی رہیں گی۔ اس لئے میں نے اسے مارفیا کا انجکشن دے دیا۔"

"تم نے اچھا کیا؟" کرنل داراب اپنی پلیٹ کیطرف متوجہ ہوتا ہوا بولا۔ "نادرہ بہت روتی

"مگر مارفیا تو ان کے سسٹم پر بہت بُرا اثر ڈالے گا۔" فریدی نے کہا۔

"جانتا ہوں! مگر کیا کروں۔ وہ رونا شروع کرتی ہے تو کسی چھ ماہ کے بچے کی طرح روتی جاتی ہے۔" کرنل نے کہا۔

"اور نتیجہ غشی ہوتا ہے۔" وانگ نے ٹکڑا لگایا۔

فریدی بھی کھانے میں مشغول ہو گیا۔

حمید کو حیرت تھی کہ کرنل اس دوران میں نہ تو ایک بار بھی کراہا اور نہ اس کے چہ سے تکلیف کے آثار ظاہر ہوئے۔ شائد دوسرے لوگ بھی اس پر متحیر تھے، لہٰذا کسی نے کہ

"کرنل صاحب کی مضبوطی کی داد دینی پڑتی ہے۔ میں تو کم از کم چار دن پلنگ سے نہ اٹھ

"میرا پورا جسم گولیوں سے چھلنی ہے۔" کرنل نے مسکرا کر کہا۔

اس پر ڈاکٹر سلمان نے جھوم کر شعر پڑھا۔

"سنگ و آہن بے نیاز غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار"

لوگ اسے گھورنے لگے۔ ناصر نے کچھ کہنا چاہا لیکن ڈاکٹر سلمان نے اُسے ہاتھ کے سے روک کر سنجیدگی سے کہا۔ "کیا لوگوں کو یہ شعر پسند نہیں آیا۔"

"لیکن یہ کون سا موقع تھا۔" ڈی۔ ایس۔ پی جھنجھلا کر بولا۔

"ہر اچھا شعر موقع محل سے بے نیاز ہوتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

پتہ نہیں کدھر سے آواز آئی، حمید محسوس نہ کر سکا کیونکہ اس آواز کا فوری ردِ دینے والا تھا۔ اس لئے اس کا ذہن اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ہوا یہ کہ کسی نے دبی زبان سے جنوبی امریکہ کا نام لے لیا۔ اچانک ڈاکٹر سلمان نے ماری اور اپنی پلیٹ میز پر پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

"جاہل ہو، کمینے ہو۔" وہ مجمع کو گھورتا ہوا پھر چیخا۔ "تم نے میری چڑھ نکال لی ہے۔"

پھر وہ اس طرح پیچھے ہٹا کہ اس کی کرسی الٹ گئی، لیکن وہ خود نہیں گرا۔

حیرت زدہ مہمان اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھ رہے تھے۔ شائد پندرہ بیس منٹ تک خاموشی رہی پھر ناصر گلا صاف کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ "میں انہیں.... نہیں لانا چاہتا تھا.... مگر کرنل صاحب نے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" کرنل نے آہستہ سے کہا۔ "جنوبی امریکہ کا نام ناحق لیا گیا۔"

ناصر بھی کھانا چھوڑ کر ڈاکٹر سلمان کے پیچھے چلا گیا۔

ناصر کے جانے کے بعد کمرے میں مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ کرنل کے چہرے پر گہرے تفکر اور خجالت کے آثار تھے۔ جوں توں کھانا ختم ہوا اور وہ لوگ کافی پینے کے لئے برآمدے میں آبیٹھے۔

"بڑے افسوس کی بات ہے۔" کلکٹر نے ڈی۔ ایس۔ پی سے کہا۔ "ہماری موجودگی میں اس قسم کی کوئی واردات ہو جائے۔"

"اوہ.... جانے بھی دیجئے۔" کرنل نے کہا۔ "مجھے آج کی دعوت برباد ہونے کا افسوس ہے۔ ڈاکٹر سلمان ناراض ہو کر چلے گئے۔"

"یہ شخص میرے لئے کم از کم معمہ بن کر رہ گیا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"اسے پاگل کون کہے گا۔" کلکٹر نے کہا۔

"کیا ممکن نہیں کہ ہم میں ہی سے کسی نے کرنل صاحب پر حملہ کیا ہو۔" فریدی کی آواز سنائی دی اور یک بیک سناٹا چھا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے سب کو کوئی گندی سی گالی دے دی ہو۔

"غالباً آپ نے یہ جملہ کہنے سے پہلے یہ بھی سوچ لیا ہوگا کہ یہاں کون کون موجود ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے جھنجھلا کر کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

یہ آفیسر بُری طرح بھنا گیا۔ یہ اسسٹنٹ اکسائز کمشنر تھا۔ اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"کیا میں محکمہ سراغ رسانی کے لائق انسپکٹر سے یہ پوچھ سکوں گا کہ ہم میں سے کوئی کرنل پر کیوں حملہ کرے گا۔"

"اوہو! آپ لوگ خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں۔ میں نے تو محض ایک امکانی با
تھی۔" فریدی بولا۔

"مسٹر فریدی۔" کرنل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ ایک بیکار بحث ہے۔ کمشنر صاحب ٹھ
رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بات کو یہیں ختم کر دیا جائے۔"

"کیا آپ حملہ آور سے واقف ہیں۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"تب تو پھر واقعی آپ کی انسانیت اس قابل ہے کہ پوجی جائے۔ آپ یہ بھی نہیں چا
حملہ آور کا پتہ لگا کر اسے سزا دی جائے۔"

حمید کے کان کھڑے ہوگئے اور ساتھ ہی کان کھڑے ہو جانے کا محاورہ بھی اُس کے
میں گونجا۔ لیکن بات ایسی چھڑ گئی تھی کہ وہ اس مضحکہ خیز محاورے کے کمزور پہلوؤں
جمناسٹک نہ کرسکا۔ کرنل خاموش ہو گیا اور فریدی کہہ رہا تھا۔ "یا پھر یہ بات ہے کہ آپ حم
سے واقف ہیں اور اسے بچانا چاہتے ہیں۔ انداز سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ اس واقعے کی
رپورٹ بھی نہ درج کرائیں گے۔"

"رپورٹ.... اوہ.... ہاں۔" کرنل اس طرح بولا جیسے یک بیک نیند سے چو
"رپورٹ ضرور درج کرائی جائے گی.... میں تو یہ کہہ رہا تھا۔ فی الحال اس مسئلے کو بھو
چاہئے۔ آج کی ساری تفریح ویسے ہی برباد ہو چکی ہے۔"

"یہ دوسری صورت ہے۔" کرنل فریدی نے کہا۔ "اچھا اب میں اجازت چاہوں گا۔"

"ارے! ابھی سے۔" کرنل نے کہا۔

"جی ہاں.... پھر کبھی حاضر ہوں گا۔"

"ضرور ضرور.... میں عرصہ سے آپ کی صحبت کا متمنی ہوں۔"

سرجنٹ حمید بھی کھڑا ہو گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ابھی اٹھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ عینک
لڑکی بڑے دلآویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

وہ دونوں پھاٹک کے قریب آئے لیکن فریدی باہر نکلنے کی بجائے داہنی طرف م
مہندی کی قد آدم باڑھ ان کے لئے ایک اچھی خاصی دیوار تھی۔ وہ برآمدے میں بیٹھے ہو

مہمانوں کے قہقہے صاف سن رہے تھے لیکن اس طرف اندھیرا ہونے کی وجہ سے فریدی دیکھ لئے جانے کے خوف سے بے پرواہ ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ جلد ہی عمارت کے داہنے بازو کی پشت پر پہنچ گئے۔ حمید خاموشی سے فریدی کا ساتھ دے رہا تھا لیکن اسے الجھن ہو رہی تھی کہ اچانک ایک بے نام سا خوف اس کے ذہن پر مسلط ہو گیا تھا۔

اب فریدی دیوار سے لگ کر چل رہا تھا اور حمید سوچ رہا تھا کہ اگر کسی خوش اخلاق کتے سے ملاقات ہوگئی تو مزا ہی آجائے گا۔ وہ ایک ایسی کھڑکی کے قریب رک گیا جس کے شیشوں میں روشنی نظر آرہی تھی۔ یہاں حمید نے کسی عورت کے دبے دبے سے قہقہے کی آواز سنی۔

فریدی کھڑکی کے قریب سے ہٹ آیا۔ غالباً یہ حمید کے لئے اشارہ تھا۔ حمید نے جھانک کر دیکھا۔

نادرہ ایک مسہری پر بیٹھی بُری طرح ہنس رہی تھی اور کرنل داراب کا ڈرائیور تیہ چن آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

فریدی واپس جانے کے لئے مڑا۔ مڑنے کے انداز میں ایسی بیساختگی تھی کہ حمید کو ہنسی آگئی اسے ایسا معلوم ہوا جیسے فریدی نے اپنی بیوی کو کسی غیر سے محو اختلاط دیکھ لیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی سومرسٹ اسٹریٹ کی طرف واپس ہو رہی تھی۔

"آخر آپ بُرا کیوں مان گئے۔" حمید نے کہا۔

"اسے وانگ نے مورفیا کا انجکشن دے کر سلا دیا تھا نا۔" فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"آخر معاملہ کیا تھا۔ کرنل داراب نے اس حملے کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دی۔"

"مائی ڈیئر حمید! بلکہ حمید میرے عزیز! کیا تم نادرہ سے عشق نہ کرو گے۔"

"آپ کے کہنے سے تو کبھی نہ کروں گا! کیا معاملہ ہے؟"

"معاملہ نہیں بلکہ معاملات ہیں۔ ان میں ایک معاملہ گھر پہنچ کر پیش کروں گا اور تم چونی والے تماشائیوں کی طرح تالیاں بجاؤ گے۔"

"کیا....؟ کوئی خاص بات۔"

"تم خود ہی اندازہ لگا لو گے۔ بہت ممکن ہے کہ میرے کیبل کا بھی جواب آگیا ہو۔"

"کیبل! کیوں.... کیا کوئی خاص بات۔"

"تم شائد اونگھ رہے ہو!اگر اب تم نے تیسری بار کسی خاص بات کا مطالبہ کیا تو چانٹا ماردوں گا
"جہنم میں گئی خاص بات۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ نادرہ مورفیا
انجکشن کے باوجود بھی کیوں جاگ رہی تھی۔اس کے باپ کو کسی نے چھرا مار دیا تھا اور وہ ا
اطمینان سے قہقہے لگا رہی تھی جیسے وہ محض مذاق رہا ہو۔وہ اُسے دیکھنے کے لئے بھی نہیں آئی تم
اور آپ کے کیبل کا جواب....!وہ گیا جہنم میں۔کیونکہ اس کے متعلق مجھے حشر تک کچھ نہ معلو
ہو سکے گا اور میں نے نادرہ سے عشق کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

حیرت انگیز انکشاف

حمید راستے بھر اوٹ پٹانگ باتیں بکتا رہا۔فریدی خاموش رہا۔گھر پہنچ کر فریدی نے کہا
"ریفریجریٹر سے دودھ کی ایک باٹل نکال لاؤ۔"

"ہائیں دودھ پئیں گے آپ۔"

فریدی نے نوکر کو آواز دی، جو غالباً خواب گاہ میں اس کا بستر درست کر رہا تھا۔

"دیکھو!دو پیالے!ایک دودھ کی بوتل لاؤ اور شکور سے کہو کہ کتے خانے سے دو پلے اٹھا لائے۔

حمید نے آنکھیں پھاڑ کر فریدی کو دیکھا اور اپنی گدی سہلانے لگا۔نوکر چلا گیا اور فریدی
کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"اب آپ مجھ سے شتر مرغ کی بولی بولنے کے لئے تو نہ کہیں گے۔" حمید نے بڑ
معصومیت سے پوچھا۔

"تمہیں ابھی گدھے کی طرح چیخنا پڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بہتر ہے!شب بخیر۔" حمید اپنے کمرے کی جانب مڑ کر بولا۔"مجھے کتے کے پلوں سے کو
دلچسپی نہیں۔"

"ٹھہرو فرزند!ابھی شائد ہمیں پھر ایک معمولی سا سفر کرنا پڑے۔"

"میں جھک مارنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ابھی مجھے نقشہ عشق ترتیب دینا ہے۔"

"نقشہ عشق!میں نہیں سمجھا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"فضول ہے۔" حمید فریدی کے لہجے کی نقل اتارتا ہوا بولا۔"میں وقت سے پہلے کچھ نہیں
تا۔"

"خوب....!" فریدی جواباً مسکرایا۔

حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ نوکر مطلوبہ چیزیں لے کر آ گیا۔

"اندر رکھو۔" فریدی نے خواب گاہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔پھر حمید سے بولا۔"ہاں تو
صاحب پلوں کے آتے ہی کھیل شروع ہو جائے گا۔"

"اور اس کے بعد آپ کتوں کو کاٹنے دوڑیں گے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

راہداری میں پلوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔فریدی کمرے میں چلا گیا۔حمید باہر ہی کھڑا رہا۔
ی سمجھ میں نہیں آیا کہ فریدی کیا کرنے جا رہا ہے۔وہ اس سے قبل بھی فریدی کو جانوروں پر
قسم کے تجربات کرتے دیکھ چکا تھا۔مگر اس وقت کی بات ہی الگ تھی۔آخر اچانک اس
اُسے کسی قسم کے تجربات کا خیال کیوں آیا۔

کتے کے پلے فریدی کے پاس پہنچا دیئے گئے۔تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

حمید نے اندر پہنچ کر پلوں کو دودھ پیتے دیکھا۔دونوں الگ الگ اپنے سامنے رکھے ہوئے
ل پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اور فریدی بڑے انہماک سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ کسی آنجہانی قسم کے کتے کی یادیں ہیں۔"

حمید جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ ایک پلا خود بخود اچھل کر دور جا گرا اور پھر کسی ذبح کئے ہوئے
غ کی طرح تڑپنے لگا۔دوسرا پلا بدستور دودھ پیتا رہا۔

گر کر تڑپنے والا پلا اپنے پیالے کا آدھا دودھ بھی نہیں پی سکا تھا۔وہ شائد آدھے منٹ تک
ا رہا پھر ساکت ہو گیا۔

فریدی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔پھر اس نے اُسے دو تین بار جھنجھوڑا لیکن اس
جنبش بھی نہ کی۔

"ختم ہو گیا۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔

"سرا پلا پہلے ہی جیسے انہماک کے ساتھ دودھ پی رہا تھا۔

حمید کو حیرت ضرور ہوئی لیکن وہ اس وقت نہ جانے کیوں فریدی کو غصہ دلانا چاہتا تھا۔

"اب آپ دوسرے پلے کو اس کی موت پر رونے کے لئے مجبور کریں گے۔" اس
"نہیں تمہاری عقل پر۔" فریدی کا لہجہ خشک تھا۔

اُس نے ختم ہو جانے والے پلے کے پیالے سے کوئی سفید سی چیز نکال کر فرش پر ڈا

"یہ کیا؟" حمید چونک کر بولا۔

"اس پلیٹ کا ٹکڑا جس پر بلی کودی تھی۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں فرزند....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اسی پلیٹ کا ٹکڑا جو ڈاکٹر سلمان کے آ
ہوئی تھی۔"

"مگر وہ تو خالی تھی۔"

"تو اس سے کیا ہوا۔ بعض زہر ایسے بھی ہیں جن کا محلول خشک ہو جانے کے بعد بھی
رہتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اس پلیٹ میں کسی زہر کا محلول لگا کر خشک کر لیا گیا تھا۔ اگر ڈاکٹر سلمان اس پلیٹ میں
تو ہمیں اس تجربے کا موقع نہ ملتا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ کوئی کرنل اور ڈاکٹر دونوں کا خاتمہ کر دینے کی کوشش میں لگا ہوا

"چلو! تم نے بھی یہی سوچا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جب تمہارا بھی یہی خیال ہے
عام آدمی تو نہایت آسانی سے دھوکا کھا سکتا تھا۔ اب ذرا یہ سوچو کہ ڈاکٹر سلمان کھانا کھا
مر جاتا تو کیا ہوتا۔"

"ہمیں اور زیادہ تیز رفتاری سے جھک مارنا پڑتی۔" حمید نے جل کر کہا۔ وہ دراصل یہ
کہ فریدی اسے سب کچھ بتا دے۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہاری جھک سچ مچ ماری جاتی کیونکہ تم ڈاکٹر سلما
قریب بیٹھے تھے۔"

"کیوں؟ اس سے کیا ہوا؟"

"بہت کچھ ہوا حمید صاحب۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔ "جب وہ اس طر

ے مر جاتا تو اس کی پلیٹ میں پڑے ہوئے کھانے کا تجزیہ کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ پلیٹ خالی تھی
لئے پورے کھانے کا زہر آلود ہونا ثابت ہوتا۔ لیکن وہی کھانا تو دوسرے بھی کھا رہے
ے۔ اس لئے یہ بات ثابت ہو جاتی کہ زہر صرف اسی کی پلیٹ میں ملایا گیا تھا۔ پھر اس کی دو
رتیں ہوتیں یا تو وہ زہر خود ڈاکٹر سلمان ہی نے ملایا ہوتا یا پھر اس کے قریب کے کسی دوسرے
ی نے۔

حمید حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ فریدی چند لمحے سگار کے کش لیتا رہا پھر بولا۔

"ہاں تو جناب! اگر ڈاکٹر سلمان اس طرح مر جاتا تو لوگ اس وقت ہرگز یہ نہ سمجھتے کہ وہ زہر
ر سلمان ہی کے لئے تھا۔"

"کیوں؟ یہ کیوں نہ سمجھتے۔" حمید نے بے چینی سے پوچھا۔ وہ اب بھی بار بار مردہ پلے کی
ف دیکھنے لگتا تھا۔

"سیدھی سی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کھانے سے قبل کرنل داراب پر حملہ ہو چکا تھا۔
ل یہی سمجھتے کہ وہ زہر کرنل ہی کے لئے تھا لیکن دھوکے میں ڈاکٹر سلمان پر تان ٹوٹ گئی۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی، پھر حمید نے پوچھا۔ "پلیٹ کا ٹکڑا آپ کے ہاتھ کیسے لگا۔ میرا
ال ہے کہ سارے ٹکڑے ایک نوکر سمیٹ لے گیا تھا۔"

"لیکن تمہیں یہ یاد نہیں کہ میں اس سے قبل ہی ڈاکٹر کی خیریت دریافت کرنے کے لئے
ں کی طرف جھکا تھا۔"

"اوہ.... تو آپ کو پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا۔"

"جناب۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"شبہے کی وجہ۔"

"وہ! خیر وجہ بھی سن لو۔ وہ بلی خود نہیں کودی تھی بلکہ روشندان سے پھینکی گئی تھی۔ میں
یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ میں نے دو ہاتھوں کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی جنہوں نے بلی کو
سنبھال رکھا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ زہر آلود پلیٹ رکھنے والے کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ جب
اس نے یہ دیکھا کہ کوئی دوسرا آدمی اس کا شکار ہونے جا رہا ہے تو اس نے خود ہی پلیٹ توڑ دی۔"

"ابھی ہم مطلب نہیں اخذ کر رہے ہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تو پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"یہی دیکھنا ہے! ویسے اب تم ڈاکٹر سلمان کا وہ بے تکا جواب یاد کرو، جو اس نے پلیٹ کے بعد کرنل کو مخاطب کر کے کہا تھا۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"اس نے کہا تھا کہ اس بلی نے کس کا راستہ کاٹا۔"

"ہاں! کہا تو تھا۔" حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہوٹل ڈی۔ فرانس والے معاملے میں وانگ کا ہاتھ تھا اور یہ بھی یاد ہو گا کہ اس حادثے کا شکار ہونے والا زرینہ کو ڈاکٹر سلمان کے متعلق کچھ بتانا چاہتا

حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چند لمحے بعد کہا۔

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر سلمان ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے متعلق کچھ جانتا ہے۔"

"ابھی میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔" فریدی نے کہا اور دوسرا سگار سلگانے لگا۔

پھر اس نے نوکر کو آواز دی اور اس سے کمرے سے ساری چیزیں ہٹانے کو کہا۔

نوکر کو کتے کے پلے کی لاش دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ آئے دن اس قسم کے تجربات سے دوچار ہوتا تھا۔ تجربوں ہی کے لئے فریدی نے سانپ تک پال رکھے تھے۔ دوسرے حیوانات کا ذخیرہ بھی قریب قریب اسی مقصد کے لئے تھا۔

"اب تو مجھے کرنل سے زیادہ ڈاکٹر سلمان میں دلچسپی لینی پڑے گی۔" فریدی نے تھوڑا بعد کہا۔ "تمہیں چیانگ کا بیان تو یاد ہی ہو گا۔"

"یاد ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وانگ اور کرنل ساتھیوں میں سے ہو۔"

"نہیں۔" فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ "چیانگ کا تعلق ان لوگوں سے نہیں بھی منشیات کی ناجائز تجارت کرتا ہے لیکن کسی گروہ سے منسلک نہیں۔ اس معاملے میں وہ سے چالاک رہا ہے۔ وہ مجرم جو کسی پر کبھی بھروسہ نہیں کرتا بڑی مشکل سے قانون کی گرفت

ہے۔ چیانگ بھی اسی قسم کا ایک مجرم ہے۔ وہ خود ہی چانڈو بناتا ہے اور اُسے اپنے مخصوص کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اس کی تجارت کا کوئی حصہ دار نہیں! حتیٰ کہ اس کے ملازموں اس بات کا علم نہیں کہ وہ منشیات کی ناجائز تجارت کرتا ہے۔"

"پھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"میں کہنا چاہتا ہوں کہ چیانگ کے بیان پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔"

"اور آپ مانااُوز کے حکام کے بیان پر بھی یقین کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"جب تک میرے کیبل کا جواب نہ آ جائے یقین کرنا ہی پڑے گا۔"

"کہاں سے جواب آئے گا۔"

"مانااُوز سے۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال اس تذکرے کو یہیں چھوڑو۔"

"میں ہر تذکرے کو یہیں چھوڑ دینے پر تیار ہوں لیکن خواہ مخواہ بور نہ کیجئے۔"

"آپ جا سکتے ہیں۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"سلمان اور کرنل میں کیا تعلق ہے۔"

"جو تم میں اور ایک گدھے میں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اچھا۔ زاویۂ منفرجہ اور صنعتِ حسن تعلیل میں کیا ہے۔"

"چانٹا ماردوں گا۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"چانٹے کو فنی اصطلاح میں کیا کہتے ہیں۔"

"تمہارا سر! بھاگ جاؤ.... ورنہ....!"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فریدی نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ریسیور اٹھا لیا۔

حمید نے محسوس کیا کہ فون پر گفتگو کرتے وقت فریدی کے چہرے پر کبھی تحیر کے آثار پیدا ہو جاتے اور کبھی تفکر کے! گفتگو طویل تھی۔ آخر کار فریدی نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور اب اس کے چہرے سے شدید قسم کی بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔

"چیانگ کو کسی نے قتل کر دیا۔" اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"چیانگ کو۔" حمید حیرت سے بولا۔ "کب۔"

"کچھ دیر قبل! رمیش کا فون ہے۔ اُسے میں نے چیانگ کی نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد حمید اور فریدی پھر باہر آ رہے تھے۔ راستے بھر دونوں خاموش رہے۔ سڑکوں کی رونق قریب قریب ختم ہوگئی تھی۔ کیونکہ ساڑھے بارہ کا عمل ہو چکا تھا۔ لیکن چ... کے چینی ریستوران کے سامنے اب بھی کافی بھیڑ تھی اور اس بھیڑ میں سرخ پگڑیاں بھی آ رہی تھیں۔

فریدی اور حمید کو ریستوران میں داخل ہونے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کوتوالی انچ... انسپکٹر جگدیش اندر تھا۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے اور حمید پر بھی کچھ کم بدحوا... طاری ہوئی۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ چیانگ کے برابر ہی ایک پولیس کانسٹیبل کی بھی لاش... ہوئی ہے۔ جگدیش اور اس کے ساتھیوں کی ہیئت کذائی بھی قابل دید تھی۔ انہوں نے کرسیاں... میزیں الٹ کر انکی آڑ لے رکھی تھی اور ان کے ریوالور ایک بند دروازے کی طرف اٹھے ہوئے...

"ادھر آجایئے۔" جگدیش فریدی کو دیکھ کر چیخا۔ "وہ اندر موجود ہے۔ ہمارا ایک آدمی ا... شکار ہوگیا۔"

فریدی نہایت اطمینان سے چلتا ہوا اس الٹی ہوئی میز کے قریب پہنچا جس کے پیچھے جگد... اور اس کے دو ساتھی تھے۔

"اِدھر آجایئے۔" جگدیش مضطربانہ انداز میں بولا۔

"وہ دوسری طرف سے نکل گیا ہوگا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ادھر کوئی راستہ نہیں۔" جگدیش نے کہا۔ "ادھر آجایئے۔"

"اونہہ!" فریدی ہونٹ سکوڑ کر میز کی اوٹ پر بیٹھ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

"وہ چیانگ کا پرائیویٹ کمرہ ہے۔" جگدیش نے کہا اور پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "ادھ... خیال رکھنا ایک راؤنڈ اور چلاؤ۔"

بیک وقت پانچ چھ فائر ہوئے اور شیشے کے کچھ برتن ٹوٹ کر فرش پر آ رہے۔

"وہاں چیانگ کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا تھا۔" جگدیش بولا۔ "یہ اس کے نوکروں نے ... ہے۔ ایک گھنٹہ قبل کی بات ہے کہ چیانگ نے اندر جانے کے لئے دروازہ کھولا! بس ایک فائر... اور گولی اس کی پیشانی پر پڑی اور وہ الٹ کر ادھر آ گرا۔ اس کی اطلاع ہمیں آپ ہی کے ایک آد...

...لی تھی، بہرحال ہم جب یہاں پہنچے تو اندر سناٹا تھا اور باہر بھیڑ تھی۔ پھر جیسے ہی ہمارے ایک ...نے دروازہ کھولا اس کے بھی گولی لگی۔ اس بیچارے کی لاش بھی چیانگ کے برابر ہی پڑی ...ہے۔ پھر کسی نے دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں کی۔

پھر کچھ دیر خاموشی کے بعد فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ طریقہ تو فضول ہے کب تک اس ...جھک مارتے رہو گے۔"

"تو پھر آپ ہی بتایئے۔" ایک سب انسپکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بتاؤ بھئی۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ "تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ مرحوم ...بل اور چیانگ کے قد ایک سے ہیں۔ شائد ایک آدھ انچ کا فرق ہو تو ہو.... اور حمید صاحب ...بھی دیکھ رہے ہو کہ دونوں کی پیشانیوں ہی پر گولیاں لگی ہیں۔ میرے خیال سے تو ورزش ...بیالیس ہی مناسب رہے گی۔"

"ورزش نمبر بیالیس۔" حمید نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اوہ ٹھیک ہے.... اچھا.... ...ئی صاحب اپنا ریوالور عنایت کریں گے۔"

"میرے خیال سے اس کی ضرورت ہی نہ پیش آئے گی۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

حمید نے ایک میز الٹ دی اور جگدیش کا ریوالور ہاتھ میں لے کر میز کو آگے کی طرف بڑھاتا ہوا دروازے کی سمت بڑھنے لگا۔

"بے فکری سے بڑھتے رہو۔" فریدی نے کہا۔ "دروازہ اندر سے بند نہیں ہوگا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

"بس دیکھتے رہو۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور سگار سلگانے لگا۔ ریستوران کے باہر لوگوں ...تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن دروازے پر کھڑے ہوئے کانسٹیبل کسی کو اندر نہیں آنے دیتے ...البتہ سامنے کی بھیڑ ہٹانے سے وہ قاصر رہے تھے۔

حمید کھسکتا ہوا بند دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے میز کے پائے دروازے سے اڑا دیئے۔ دروازہ کھلا اور ایک فائر ہوا۔

گولی سامنے کی دیوار سے ٹکرائی اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ اسپرنگ دار دروازہ پھر بند ہوگیا۔

"ڈرو نہیں۔" فریدی نے آواز دی۔ "ذرا یہ دروازہ پھر کھولنا۔"

حمید نے میز آگے کی طرف کھسکائی۔ دروازہ پھر کھل گیا۔ پھر فائر ہوا اور گولی دیوار اسی جگہ لگی جہاں پہلے لگی تھی۔

"بس ٹھیک ہے ہٹ آؤ۔" فریدی نے کہا۔

حمید لوٹ آیا۔ لیکن وہ ٹٹولنے والی نظروں سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو جگدیش صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں مایوسی تو نہیں ہوئی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" جگدیش نے بے بسی سے کہا۔

"خیر مطلب بھی سمجھائے دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر دروازے کے قری اس نے آڑ کے لئے کسی میز یا کسی چیز کا سہارا نہیں لیا تھا۔ دروازے کے سامنے کھڑے جگدیش کی طرف مڑا۔

"جگدیش صاحب۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "اندر والا گونگا تو نہیں لیکن بہرا ضرور نے اب بھی دروازہ اندر سے بند نہیں کیا ہے۔"

جگدیش نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اور اس کے ساتھی حیرت سے منہ کھولے فرید رہے تھے۔ فریدی نے جھک کر دروازہ کھولا۔ تیسرا فائر ہوا اور گولی اس کے سر سے تق فٹ کی اونچائی سے گذر گئی اور ٹھیک اسی جگہ لگی جہاں پچھلی دو گولیاں لگی تھیں۔ فریدی دروازہ بند ہو گیا۔

بھیانک رات

دوسرا لمحہ حد درجہ سنسنی خیز تھا۔ فریدی کے عقب میں دروازہ بند ہو چکا تھا اور اندر قسم کی آواز نہیں آرہی تھی۔ ادھر جگدیش اور اس کے ساتھیوں کو سکتہ سا ہو گیا۔ ان کی دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور پھر گولی چلی لیکن کوئی سامنے دکھائی نہ دیا۔

"جگدیش اور حمید اندر آجاؤ۔" فریدی کی آواز سنائی دی لیکن لہجہ قطعی پر سکون تھا۔

جگدیش نے حمید کی طرف دیکھا۔

"آؤ....!" حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اندر داخل ہو گئے لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ دونوں بوکھلا کر دروازہ کی طرف پلٹے۔ دروازہ بند ہو چکا تھا اور فریدی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تمہارا مجرم!" اس نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ پھر دھوئیں کے مرغولے چھوڑتا ہوا بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم اسے کوئی سزا نہ دے سکو گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اپنے ہی منہ پر تھپڑ مارنے پڑیں۔"

"مجھے الجھن میں نہ ڈالئے۔" جگدیش نے بے بسی سے کہا۔

"چلو ادھر دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے دونوں سے کہا۔

پھر وہ تینوں دروازے کے قریب دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔

"اب اُدھر بائیں طرف والی دیوار پر دیکھو جہاں تین کھونٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ بیچ والی کھونٹی پر نظر رکھنا۔"

فریدی کے دروازہ کھولتے ہی فائر ہوا۔ بیچ والی کھونٹی سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر بل کھا رہی تھی۔

"میرے خدا۔" جگدیش تھوک نگل کر منہ چلانے لگا۔

اس بار فریدی نے دروازے میں اسٹاپر لگا دیا اور وہ کھلا ہی رہا۔

"آؤ....!" فریدی مسکرا کر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "یہی وقت کارگزاری کا ہے۔"

"وافر مقدار میں ناجائز منشیات ملیں گی۔ چانڈو۔ افیون۔ کوکین اور چرس وغیرہ۔"

"کیا چیانگ اس سے ناواقف تھا۔" جگدیش نے کھونٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ تو کسی طرح ممکن ہی نہیں۔" فریدی بولا۔ "یہ کوئی ایک دو گھنٹے یا ایک دو دن کا کام تو ہو نہیں سکتا کہ چیانگ کی لاعلمی میں ہو گیا ہو۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ اس نے خودکشی کی۔" حمید بولا۔

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "اس کمرے میں تقریباً ایک پاؤنڈ اسٹرا ایچپن[1] بھی موجود ہے۔ اگر اسے خودکشی ہی کرنا ہوتی تو وہ اسے استعمال کرتا۔ چینی فطرتاً سکون پسند ہوتے ہیں۔ خودکشی کے لئے شاذ و نادر ہی آتشگیر اسلحے استعمال کرتے ہیں۔"

[1] ایک مہلک ز

"تو پھر اسے کیا کہا جائے۔" حمید اکتا کر بولا۔

"اتنی جلدی کیوں ہے۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ دونوں بھی باہ
آگئے۔ باہر مجمع شور مچا رہا تھا۔

"اس بھیڑ کو یہاں سے ہٹاؤ۔" فریدی نے جگدیش سے کہا۔

کانسٹیبل کی موت کی وجہ سے بڑی سنسنی پھیل گئی تھی۔ لیکن جب بقیہ لوگوں کو خود بخو
چلنے والی گولیوں کا حال معلوم ہوا تو ان کے چہرے لٹک گئے۔

ریستوران کے سامنے سے بھیڑ ہٹادی گئی تھی۔ لیکن لوگ منتشر نہیں ہوئے تھے۔ تھوڑی
دور ہٹ کر وہ پھر ایک جگہ اکٹھا ہو گئے تھے۔

اس وقت فریدی اور حمید تنہا ایک گوشے میں کھڑے تھے اور جگدیش چیانگ اور مقتول
کانسٹیبل کی لاش اٹھوانے میں مشغول تھا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھری
ہوئی تھیں۔ اچانک وہ حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

"یہ انتظام بہت پرانا معلوم ہوتا ہے۔ شاید چیانگ ہی نے اسے بنایا ہو.... لیکن آج ہی اُسے
کسی دوسرے نے چیانگ کی ناواقفیت میں استعمال کیا ہے۔"

"لیکن مقصد کیا ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اگر ڈاکٹر سلمان والے واقعے کو اس سے منسلک کردو تو مطلب صاف ہے۔" فریدی نے
کہا۔ "اس نے ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک ایسی اطلاع بہم پہنچائی تھی جو عام اطلاعات سے مختلف
تھی.... اور وہ آدمی جو ہوٹل ڈی فرانس میں جل مرا تھا وہ بھی ڈاکٹر سلمان ہی کے متعلق کوئی
خاص بات بتانا چاہتا تھا۔"

"آخر اتنا اودھم مچانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ لوگ ڈاکٹر سلمان کا بھی خاتمہ کر سکتے ہیں۔"
حمید نے کہا۔

"ابھی کچھ دیر قبل اسی کی کوشش کی گئی تھی۔" فریدی بولا۔ "لیکن اس بلی نے.... خیر
ٹھہرو! ہمیں چیانگ کے ملازموں سے ضرور گفتگو کرنی چاہئے۔"

ریستوران میں کام کرنے والے پانچ آدمی باہر موجود تھے اور یہ سب مقامی باشندے تھے۔
فریدی نے کافی دیر تک ان سے گفتگو کی اور نتیجے کے طور پر اُسے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ پہلی تو

ہ کہ چیانگ اس کمرے کو خواب گاہ کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ چیانگ کے
لادہ اس کمرے میں کوئی نہیں جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ان نوکروں میں سے بھی کسی نے آج تک اس
رے کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ چیانگ اپنے ملاقاتیوں کو بھی وہاں نہیں لے جاتا تھا۔ آخری بات
ب سے زیادہ اہم تھی۔ انہوں نے بتایا کہ آج دوپہر کو ایک لمبا اور دبلا پتلا انگریز چیانگ کے پاس
یا تھا اور انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چیانگ اُسے اپنے سونے کے کمرے میں لے گیا حالانکہ وہ
پنے ملاقاتی کو وہاں نہیں لے جاتا تھا۔ اور وہ انگریز نوکروں کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ انہوں نے
ے وہاں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

جگدیش نے ایک ایک کر کے ملازموں کے بیانات قلمبند کرنے شروع کر دیئے تھے۔ واپسی
ے قبل ایک بار پھر فریدی نے چیانگ کے کمرے کا گہرا جائزہ لیا۔ لیکن وہ حمید یا جگدیش کے کسی
ال کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ ان دونوں نے بھی تھک ہار کر خاموشی اختیار کر لی۔

بہر حال حمید کے لئے یہ ایک ناکام ترین سفر تھا۔ واپسی پر اس نے فریدی سے کچھ نہیں
چھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا ذہن نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔

سڑکیں بالکل سنسان ہو گئی تھیں اور ابھی ابھی اطراف کے کسی کلاک ٹاور نے دو بجائے
ھے۔ فریدی کی کیڈی لاک کرنل واراب کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ حمید اونگھ رہا تھا اور
یدی کے ماتھے پر گہری سلوٹیں تھیں۔

"کیا سو گئے ہو۔" فریدی نے اُسے ایک ہاتھ سے جھنجھوڑا۔

"نہیں مر گیا۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "بیٹھے بیٹھے بھی نہیں سونے دیتے۔"

"بیٹھے بیٹھے تمہیں دفن کر دوں گا۔"

"دھمکی دیتے ہیں!" حمید پھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔"

"یہاں تو اپنی شرافت بھی بیہودگی ہو جاتی ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں آپ سے ہرگز
ہ پوچھوں گا کہ آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔"

"میں ہرگز نہ بتاؤں گا کہ فی الحال ہم ایک بار پھر کرنل کی کوٹھی کی طرف جائیں گے۔"
یدی کہا۔ "ویسے یہ بات بھی تم پر ظاہر کر دوں کہ تم حقیقتاً مر گئے ہو اور اب تم باتیں بنانے

کی بھی سکت نہیں رہ گئی۔ یہ اور بات ہے کہ اب بھی عادتاً دوسروں کو ہنسانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ایک اکتائے ہوئے بھانڈ کی طرح۔"

"اور میں بھی آپ سے عرض کروں فریدی صاحب کہ آپ بالکل بجھ کر رہ گئے ہیں۔ اب اگر آپ اردو میں عشقیہ شاعری شروع کردیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"تم کام چور اور نکمے ہوگئے ہو میرے محکمے کو اب تمہاری ضرورت نہیں اگر تم خود ہی شرافت سے استعفا نہیں دے دو گے تو میں تمہیں نکلوادوں گا۔"

فریدی نے یہ بات سنجیدگی سے غصیلے لہجے میں کہی تھی۔ حمید نے ایک بار اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور اس کی نیند رفع ہوگئی۔ اُسے فریدی کے اس جملے پر سچ مچ غصہ آگیا تھا۔

"جہنم میں گیا آپکا محکمہ! سو بار لعنت ہے ایسی زندگی پر میں ابھی اور اسی وقت استعفے دوں گا۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"میں بھی جھک نہیں مار رہا ہوں۔" حمید نے بھی اسی لہجے میں کہا۔

"گاڑی سے اُتر جاؤ۔"

"ہزار بار لعنت ہے اس گاڑی پر۔" حمید غصے کی وجہ سے آگے نہ کہہ سکا۔

اچانک فریدی نے قہقہہ لگایا اور اس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ "نیند کہاں گئی فرزند۔"

حمید بُری طرح جھینپ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے منہ پر تھپڑ لگائے۔ اب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ فریدی نے اس کی غنودگی ختم کرنے کے لئے اُسے غصہ دلایا تھا۔

"میں خواب میں بڑبڑا رہا تھا۔" اُس نے بڑی ڈھٹائی سے کہا اور فریدی ہنسنے لگا۔

وہ کرنل داراب کی کوٹھی کے قریب پہنچ رہے تھے۔ فریدی نے کیڈی روک دی اور دونوں اُتر کر پیدل کوٹھی کی طرف چل پڑے۔

"یہ بھی بڑی اچھی بات ہے کہ کرنل کو کتے پالنے کا شوق نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ایسا کبھی مت سوچنا۔" فریدی بولا۔ "اس کے پاس چار خونخوار کتے ہیں۔"

"لیکن ادھر آنے کا مقصد کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کوٹھی میں گھسیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"اور آپ چار عدد خونخوار کتوں کے وجود کے بھی قائل ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

کوٹھی کا پھاٹک تقریباً سو گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ اچانک ایک کار ان کے قریب سے گزری اور ٹھیک پھاٹک کے سامنے رک گئی۔ فریدی اور حمید جہاں تھے وہیں ٹھہر گئے۔

کار سے ایک طویل القامت آدمی اترا۔ تاروں کی چھاؤں میں وہ صاف نظر آرہا تھا لیکن اتنی روشنی نہیں تھی کہ اس کا چہرہ دیکھا جاسکتا۔ پھاٹک کے قریب جاکر اس نے کوئی چیز کمپاؤنڈ کے اندر پھینکی اور کتے بھونکنے لگے۔ پھر وہ تیز رفتاری سے کار کی طرف واپس آیا اور پائیدان پر ایک پیر رکھ سگریٹ سلگانے کے لئے جھکا۔ جیسے ہی اس کے چہرے پر دیا سلائی کی روشنی پڑی۔ حمید چونک پڑا۔ یہ کوئی انگریز تھا لیکن اس کا چہرہ کسی زندہ آدمی کا چہرہ نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ گالوں کی ہڈیاں بد نما ہونے کی حد تک ابھری ہوئی تھیں اور گال بیٹھے ہوئے تھے۔

سگریٹ سلگا کر وہ کار میں بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔ اب فریدی اور حمید اپنی کار کی طرف بھاگ رہے تھے۔ انہوں نے کرپ سول جوتے پہن رکھے تھے ورنہ ان کے قدموں کی آوازیں دور دور تک پھیلتیں۔

انہوں نے اپنی گاڑی کے قریب پہنچنے میں دیر نہ کی۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا آگے جانے والی کار کی ٹیل لائٹ کسی ڈوبتے ہوئے ستارے کی طرح دھندلی ہوتی جارہی تھی۔ فریدی کی کیڈی لاک اس کے تعاقب میں تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگی۔

"اس کا حلیہ۔" حمید بولا۔ "چیانگ کے نوکروں کے بتائے ہوئے حلیے سے مختلف نہیں معلوم ہوتا۔"

"ہوں!" فریدی کا مختصر ترین جواب تھا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"یہ بات نوکر بھی نہیں بتا سکے کہ چیانگ اس اجنبی کے چلے جانے کے بعد بھی ایک آدھ بار اس کمرے میں گیا تھا یا نہیں۔"

"کیوں! اس سے کیا۔"

"عقل کے ناخن لو صاحبزادے۔ یہ ایک اہم ترین نکتہ ہے۔ ظاہر ہے کہ چیانگ نے اس کمرے میں وہ سب کچھ اپنی موت کے لئے نہیں بنایا تھا۔ اس کا مقصد دراصل یہ تھا کہ اگر کوئی اس کی نادانستگی میں وہاں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اس کا خاتمہ ہوجائے لہٰذا وہ جب چاہتا رہا ہوگا اس میکنزم کو کارآمد بنالیتا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی دھوکے میں اس کا شکار ہوگیا ہو۔ اس

انگریز کے متعلق یہی تو سوچا جاسکتا ہے کہ اس نے چیانگ کی نادانستگی میں اُس کی مشین کا سوئچ کردیا ہوگا لیکن اگر چیانگ اس کے چلے جانے کے بعد بھی رات سے قبل ایک آدھ مرتبہ کمرے میں گیا ہوگا تو یہ خیال غلط ہو جاتا ہے۔"

آگے والی کار تار جام کی سڑک پر مڑ گئی۔ فریدی نے کیڈی کی ہیڈ لائیٹس بجھادی تھیں آگے والی کار کی ٹیل لائٹ کے سہارے چل رہا تھا۔ سڑک ویسے ہی سنسان پڑی تھی اس لئے لائیٹس بجھا دینے کے بعد کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

حمید اونگھتا رہا اور کیڈی رینگتی رہی۔ بات یہ تھی کہ تار جام والی سڑک پر مڑتے ہی اگلی کا رفتار کم ہوگئی تھی لہٰذا فریدی کو بھی کیڈی کی رفتار کم کردینی پڑی۔ پچھلے پہر کی ملگجے اندھیر میں دونوں کاریں آگے بڑھ رہی تھیں اور چاروں طرف اتھاہ سناٹا تھا۔ اچانک اگلی کار کی رفتار زیادہ تیز ہوگئی۔ فریدی بھی گیئر بدلنے ہی جارہا تھا کہ اس نے قریب ہی ایک نسوانی چیخ سنی۔ عورت متواتر چیخ رہی تھی۔ "بچاؤ.... بچاؤ.... بچاؤ۔"

حمید بھی بوکھلا کر سیدھا ہوگیا۔

"روکئے نا۔" حمید نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ ڈال دیا۔ چیخیں بدستور جاری تھیں۔

فریدی نے کیڈی روک دی۔ آگے والی کار کی ٹیل لائٹ اندھیرے میں غائب ہوچکی تھی وہ دونوں کیڈی سے اُتر گئے۔ سامنے کمتالی کا طویل و عریض میدان اندھیرے میں ڈوبا ہوا پڑا تھا کچھ دور پر کسی عورت کی دھندلی پرچھائیں اچھل کود رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ چیخیں بھی ہو رہی تھیں۔

فریدی نے ٹارچ نکالی۔ دوسرا لمحہ انتہائی متحیر کن تھا۔ روشنی کے دائرے کی زد میں ا جوان العمر عورت اچھل اچھل کر اس طرح چیخ رہی تھی جیسے اسے ذبح کیا جارہا ہو۔ آس پاس دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ چاروں طرف تاریکی اور سناٹے کا راج تھا اور چیخیں بھی تاریکی سناٹے کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھیں۔

حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سناٹے ہی کی چیخیں ہوں۔ نہ جانے کیوں! اس وقت کم کے میدان کا سناٹا اُسے بڑا پُر ہول معلوم ہو رہا تھا۔

"کیا معاملہ ہے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر زور سے چیخا۔ "ارے تو چیختی کیوں ہو بھاگ آ۔"

"خاموش رہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی پتہ نہیں کس مصیبت میں بیچاری مبتلا ہے۔" حمید نے کہا اور کچھ بوجھے بغیر عورت کی طرف دوڑ پڑا۔ فریدی اسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔

لیکن حمید!.... جیسے ہی وہ عورت کے قریب پہنچا پہلے تو وہ زمین سے تین فٹ کی بلندی پر ن ہوگیا پھر دھم سے زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد وہ بھی اسی عورت کی طرح اچھل کود رہا تھا اس کے منہ سے چیخیں تو نہیں نکل رہی تھیں لیکن وہ بڑے سہمے ہوئے لہجے میں "ارے ے!" کر رہا تھا۔

"حمید....!" فریدی نے اُسے آواز دی۔

"اِدھر.... ارے.... اَبے.... ہش.... ہش.... ادھر مت آیئے۔" حمید اچھلتا ہوا چیخا۔

فریدی خود بھی کچھ بوکھلا سا گیا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے آواز دی۔

"بات.... ارے تیری کی.... ارے ارے.... پتہ نہیں.... ہونہہ.... ہونہہ۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے اپنی فلٹ ہیٹ اتار کر اس طرف اچھال دی۔ وہ اُن دونوں کے قریب جاکر گری.... اور اس وقت تو فریدی کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب نے یہ دیکھا کہ اس کی ہیٹ بھی ان ہی دونوں کی طرح اچھلنے لگی ہے۔

عورت اب صرف اچھل رہی تھی اور اس کی چیخیں بند ہوگئی تھیں۔ حمید تو "ارے ارے" کرتا رہ گیا تھا۔ ویسے فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اب وہ بھی سست پڑتا جارہا ہے۔

اگر فریدی کی ہیٹ نہ اچھل رہی ہوتی تو شاید وہ اُسے مذاق سے زیادہ اہمیت نہ دیتا اور اس عالم کمتالی کے میدان کا پُر ہول سناٹا۔ خود فریدی کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔ اس وقت اس کے ذہن میں لاتعداد ایک دوسرے سے الجھ کر رہ گئی تھیں، دفعتاً پیچھے سے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز گری۔

"چھائیں.... چھائیں۔" گرنے سے قبل ہی دوسری چوٹ.... اور پھر کمتالی کے میدان کا اندھیرا قبر کی تاریکی میں تبدیل ہوگیا۔

فریدی نہ جانے کب تک بیہوش رہا اور پھر جب اُسے ہوش آیا تو اُجالا پھیل چکا تھا اور وہ اپنی

کار کی پچھلی سیٹ پر پڑا تھا۔ حمید اگلی سیٹ پر نہ جانے بیہوش پڑا تھا یا سو رہا تھا۔ فریدی اس پر جھ ہی رہا تھا کہ اسکی نظر ڈیش بورڈ کے آئینے پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔ اسکے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی

"حمید.....!" اس نے حمید کو جھنجھوڑا..... اور حمید "ارے ارے" کرتا ہوا بوکھلا کر اٹھ بیٹھا

"ہائیں.....!" اس نے چاروں طرف دیکھا اور آنکھیں ملنے لگا۔

"چلو ادھر ہٹو۔" فریدی نے اُسے اسٹیئرنگ کے سامنے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ اس کی نظر اس کاغذ کے ٹکڑے پر جمی ہوئی تھیں، جو اسٹیئرنگ سے چپکا ہوا تھا۔

"میرے بچو۔" اس نے کاغذ کی تحریر بلند آواز میں پڑھی۔ "کچھ راز ایسے بھی ہیں جن کا ر ہی رہنا بہتر ہے۔"

حمید بھی جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے احمقوں کی طرح فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔

"بڑی سچی بات ہے..... خدا کی قسم مجھے حیرت ہے کہ میں زندہ کیسے ہوں۔"

"بکومت.....!" فریدی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

وہ کیڈی سے باہر آگیا۔ اب غالباً وہ اس جگہ کا اندازہ لگا رہا تھا جہاں اس نے حمید اور ا نامعلوم عورت کی اچھل کود دیکھی تھی۔

اور وہ خط

حمید فریدی کے سر پر بندھی ہوئی پٹی کو دیکھ رہا تھا۔ یکایک پچھلی رات کی یادوں کے دھ کے نقوش اس کے ذہن کی سطح پر اُبھرنے لگے۔ اُسے یاد آرہا تھا کہ اس نے اس وقت فریدی کی عصیلی آواز سنی تھی۔ جب خود اس کا ذہن آہستہ آہستہ بیہوشی کی دلدل میں ڈوبتا جارہا تھا۔ اُسے فریدی کے ساتھ رہتے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے اور وہ اس کے عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے اس کی مخصوص قسم کی عصیلی آواز سنتے ہی اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ شائد فریدی پر کسی نے حملہ کیا ہے۔

"دیکھئے! اُدھر کہاں جارہے ہیں۔" حمید چیخا۔ فریدی اسی مقام کی طرف جارہا تھا جہاں پچھلی رات اُسے ایک حیرت انگیز تجربہ ہوا تھا۔

فریدی رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابھی سر نیچے ہوگا اور ٹانگیں اوپر.....!" حمید اُسے روکنے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"وہ طلسم سامری غالباً اب ختم ہو چکا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

اور حمید نے دیکھا کہ فریدی ٹھیک اسی جگہ پر کھڑا ہے جہاں وہ "اچھل کود" میں مبتلا ہو گیا تھا۔ حمید نے بھی ڈرتے ڈرتے قدم بڑھائے اور فریدی کے پاس پہنچ گیا۔

"اب تو معاملہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔" حمید بولا۔

فریدی جھک کر زمین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر سیدھا ہو گیا۔ اس کی متجسس نگاہیں گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دفعتاً کسی خاص چیز نے اس کی توجہ اپنی جانب سے مبذول کرالی۔ وہ تین چار قدم آگے بڑھ کر جھکا۔ حمید نے اُسے کچھ اٹھاتے دیکھا۔

یہ ایک طلائی ہیئر کلپ تھا جس کے درمیان میں پھول کی شکل میں تین ہیرے جگمگا رہے تھے۔ فریدی اُسے اپنے چہرے کے قریب لے کر بغور دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکلی اور وہ معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا وہ! کرنل کی لڑکی نادرہ تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"کون..... اوہ..... وہ۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "کیوں؟"

"جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"اتنا سمجھنے بوجھنے کا ہوش کسے تھا۔"

"ہوں تو گویا قیامت آگئی تھی۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"جی کیا فرمایا آپ نے! حضرت اگر میری جگہ ہوتے تو پتہ چلتا۔"

"مجھے تم سے ایسی غیر سنجیدگی کی توقع نہیں تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا؟" حمید منہ پھاڑ کر بولا۔ "خدا کی قسم سر پھوڑ لوں گا اپنا۔ کیا آپ نے اپنی ہیٹ کا انجام نہیں دیکھا تھا۔"

"کیا تمہیں کچھ دکھائی دیا تھا۔"

"چودہ طبق روشن ہو گئے تھے..... سبحان اللہ۔"

"ارے تو کچھ بکو گے بھی۔"

"اپنی فلٹ ہیٹ سے پوچھ لیجئے۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے کہا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"کیا یہ نادرہ کا ہے۔" حمید نے ہیئر کلپ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ختم کرو یہ قصہ۔" فریدی کیڈی لاک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"یہ آپ کے سر پر پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر کیڈی اسٹارٹ کر دی۔ وہ شہر کی طرف واپس جا رہے تھے حمید نے سوچا کہ اب فریدی کسی بات کا جواب نہ دے گا۔ لہٰذا وہ خود ہی بڑبڑانے لگا۔

"میری زندگی میں یہ پہلا تجربہ تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی پُر اسرار قوت مجھے اچھا اچھال کر زمین پر پٹخ رہی ہو۔ اگر میں ہوش بجا نہ رکھتا تو ہڈیاں چور ہو جاتیں۔ آپ فوق الفطر چیزوں پر یقین نہیں رکھتے لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اگر آپ پھنسے ہوتے تو کفر ٹوٹ جاتا۔"

"فوق الفطرت۔" فریدی ہونٹ بھینچ کر مسکرایا۔ "جو چیز ہماری سمجھ میں نہیں آتی اُسے فوق الفطرت کہتے ہیں، حالانکہ حقیقتاً وہ بالکل معمولی ہوتی ہیں۔"

"ذرا فرمایئے گا.... وہ کون سی معمولی چیز تھی، جو مجھے اوپر کی طرف اچھال رہی تھی۔"

"تمہیں کسی قسم کی مشینی قوت اچھال رہی تھی۔"

"آپ کو تو مشینوں کے خواب آنے لگے ہیں۔" حمید ہنس پڑا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم پچھلی رات کو تاروں کے ایک جال پر اچھل کود رہے تھے اور اس جال کا تعلق کسی مشین سے تھا۔"

"جال....!" حمید حیرت سے بولا۔ "کیا وہ پچھلی رات آپ کو دکھائی دیا تھا۔"

"نہیں میں نے اس وقت اس کے نشانات دیکھے ہیں۔ کمٹالی کی زمین ملائم ہے۔"

"اور وہ عورت۔"

"میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون تھی۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ویسے یہ ہیئر کلپ فیصدی نادرہ ہی کا ہے۔ کل رات اس نے اُسے اپنے بالوں میں لگا رکھا تھا۔ اس کی پشت پر اس کا نا بھی موجود ہے.... یہ دیکھو! نادرہ داراب....!"

حمید ہیئر کلپ کو ہاتھ میں لے کر تھوڑی دیر تک الٹتا پلٹتا رہا پھر بولا۔ "مجھے بھی یاد پڑتا ہے

کل نادرہ کے بالوں میں تھا.... اگر یہ بات ہے تو آخر آپ نے کرنل کو ڈھیل کیوں دے رکھی ہے۔"

"میں ابھی کچھ سمجھنا چاہتا ہوں۔ اس معاملے میں اکیلا کرنل ہی نہیں معلوم ہوتا۔" حمید تھوڑی دیر تک ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ہلکے سروں میں سیٹی بجانی شروع کر دی۔ فریدی کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی شدید الجھن میں مبتلا ہے۔ وہ آہستہ سے بولا۔ "دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس آدمی نے ہمیں دھوکا دے کر تار جام سڑک پر لگا دیا تھا یا پھر اس کی کار میں ٹرانسمیٹر فٹ تھا جس کے ذریعہ اس نے اپنے ساتھیوں ے متعلق مطلع کر دیا تھا لیکن سوال تو یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں زندہ کیوں چھوڑ دیا۔ یہی بلکہ میرے سر کی مرہم پٹی بھی کر گئے۔ صرف یہی ایک چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ال ہمارے ہی لئے بچھایا گیا تھا اور وہ عورت فراڈ تھی.... لیکن نادرہ کا ہیر کلپ۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ نادرہ ہی رہی ہو۔" حمید بولا۔ "کیا آپ نے اسے پچھلی رات کو مشکوک ت میں نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کرنل داراب کی دھمکی ہو۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

گھر پہنچ کر فریدی کو وہ کیبل ملا جس کا اُسے کئی دن سے انتظار تھا۔ فریدی بغور اُسے پڑھتا پہلے تو اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہوئی لیکن پھر جلد ہی وہ معمول پر آ گیا۔

"تم نے دیکھا۔" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ "ڈاکٹر سلمان کی یاد داشت پر بُرا اثر کیوں پڑا۔ ا کا جوان بیٹا راشد.... دراصل ایک چٹان سے گر کر مر گیا تھا اور میرا خیال ہے کہ اسی حادثے بناء پر وہ اپنی یاد داشت ہی کھو بیٹھا.... تمہیں یاد ہو گا.... جب میں اسے اُسے فلم دکھا رہا .... بتا سکو گے کہ اس نے کس سین پر راشد کا نام لیا تھا۔"

"غالباً وہ دو چرواہوں کی لڑائی کا سین تھا اور ان میں سے ایک چٹان سے گر کر مر گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے.... اس سین پر اس کی یاد داشت لوٹتے لوٹتے رہ گئی تھی۔ خیر وہ ایک الگ بحث ہے لیکن حمید صاحب یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس نے راشد کا نام چرواہے کے گر جانے کے د نہیں لیا تھا بلکہ اسی وقت راشد راشد چیخنے لگا تھا، جب وہ دونوں چٹان پر لڑ رہے تھے۔"

"تو پھر....؟"

"تو پھر یہ کہ.... راشد کی موت کسی اچانک حادثے کی بناء پر واقع نہ ہوئی ہو گی۔ ہو سک کہ کسی سے اس کی لڑائی ہوئی اور ڈاکٹر سلمان وہاں موجود رہا ہو.... ورنہ پھر کیا وجہ ہے ک نامعلوم آدمی یہ نہیں چاہتے کہ سلمان کی صحیح حالت سے کوئی واقف ہو سکے۔"

"آپ کرنل داراب کا نام صاف صاف کیوں نہیں لیتے۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نظریں پھر کیبل پر جم گئی تھیں۔

"اور دوسری بات۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر سلمان نے خانے کی شکل تک نہیں دیکھی۔ چیانگ کا بیان صحیح تھا اور ماناوز کے حکام جھوٹے ہیں۔ وہ سر کاغذات جو وہاں سے بھیجے گئے ہیں ڈاکٹر سلمان کو وہاں کے حقوق شہریت مل گئے تھے یادداشت کھو بیٹھنے کی بناء پر اُسے پھر یہاں دھکیل دیا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ اسے ابھی شہریت ملے ہی نہیں تھے۔"

"کیوں....؟ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ آخر انہوں نے اُسے تین سال تک پاگل خانے رکھنے کی افواہ کیوں اڑائی ہے۔"

"بہانہ....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تاکہ اسے واپس بھیجا جاسکے اور اس میں ا فرم کا بھی ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے اسے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔"

"لیکن یہ اطلاعات کس نے بہم پہنچائی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ایک پرائیویٹ خبر رساں ایجنسی نے جس کا تعلق ماناوز کی ایک پرائیویٹ سراغ ر ایجنسی سے ہے۔"

"تو کیا یہ ماناوز سے نہیں آیا!" حمید نے کیبل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"نہیں.... یہ برٹش گی آنا سے آیا ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ دیر تک خاموش رہنے بعد پھر بولا۔ "حمید صاحب یہ کیس بڑا پیچیدہ ہے۔ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ کرنل داراب ایسے گروہ کو کنٹرول کرتا ہے جس کا پیشہ منشیات کی ناجائز درآمد اور برآمد کرنا ہے! لیکن سلمان.... ڈاکٹر سلمان کا اس معاملے سے کیا تعلق؟ یہ بات بھی مجھے معلوم ہے کہ کرنل دار کا کچھ نہ کچھ تعلق جنوبی امریکہ خصوصاً برازیل کے ایک حصے سے بھی ہے کیونکہ اس کی ڈاک سے آتی ہے۔"

"تب تو معاملہ صاف ہے۔" حمید نے کہا "اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ ڈاکٹر سلمان کا لڑکا کسی ئی کے نتیجے میں مارا گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس میں کرنل داراب کا ہاتھ رہا ہو اور اسی لئے وانگ اس آدمی کو ختم کر دیا، جو زرینہ کو ڈاکٹر کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا.... چیانگ بھی مارا گیا، جو لڑکے متعلق کوئی اہم بات جانتا تھا۔ کرنل کے یہاں سلمان کو زہر دینے کی بھی کوشش کی گئی۔"

"اور اس سے پہلے کرنل پر بھی حملہ ہو چکا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "چیانگ نے اتنا ہی بتایا کہ سلمان پچھلے سال پاگل خانے میں نہیں تھا.... اور یہ بات دوسرے ذرائع سے بھی معلوم کتی تھی۔"

ایک نوکر نے کمرے میں داخل ہو کر ایک ملاقاتی کا کارڈ پیش کیا۔

"ناصر ہے۔" فریدی نے کارڈ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اسے یہیں بلا لاؤ۔"

ناصر کے آنے تک خاموشی رہی۔ حمید کچھ بیزار سا نظر آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر تھوڑی مہلت مل جاتی تو کرنل کی خیریت پوچھنے کے بہانے نادرہ سے مل آتا۔

"یہ تمہارے سر میں کیا ہوا۔" ناصر نے پوچھا۔

"یونہی ایک معمولی سی چوٹ آ گئی ہے۔"

"کیسے؟"

"ارے چھوڑو یار.... کل رات تمہارے چچا کی وجہ سے دعوت میں بڑی بے لطفی رہی۔"

"بھئی میں تو لے جانا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن خود کرنل ہی نے خواہش کی تھی۔" ناصر نے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ جہاں جنوبی امریکہ کا نام آیا وہ وحشیوں کی طرح لپٹ پڑنے کے لئے جھپٹتے ہیں.... اور یہ لو.... یہ ان کی کمپنی کے ایک ڈائریکٹر کا خط ہے۔"

ناصر نے ٹائپ کیا ہوا ایک خط فریدی کی طرف بڑھا دیا اور جب فریدی اُسے پڑھنے کے لئے میز پر پھیلا رہا تھا تو ناصر نے کہا۔ "میں کچھ دنوں سے چچا صاحب کے متعلق ان کی فرم سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ آخر یہ جواب آیا ہے۔"

تحریر یہ تھی

"مائی ڈیئر ناصر!

آپ کے خطوط ملے اور میں یہ خط آپ کو اس لئے لکھ رہا ہوں کہ صرف آپ مطمئن

ہو جائیں۔ اس کی پبلسٹی نہ کیجئے گا کیونکہ اس میں میری فرم اور مقامی حکومت کی بدنامی ہوگی
حقیقت ہے کہ یہاں ڈاکٹر سلمان کو حقوق شہریت مل چکے تھے۔ اچانک ان کا لڑکا ایک حاد
شکار ہو گیا۔ سلمان صاحب شائد جائے وقوع پر موجود تھے۔ وہاں سے انہیں بیہوشی کی حالت
اٹھا کر لایا گیا۔ وہ تین دن تک بیہوش پڑے رہے اور جب انہیں ہوش آیا تو وہ اپنی یاد داشت
بیٹھے تھے۔ میں آپ کو پوشیدہ طور پر مطلع کر رہا ہوں کہ وہ پاگل خانے نہیں رکھے گئے تھے بلکہ
لوگ انہیں اپنی نگرانی میں رکھتے تھے۔ ان کی عجیب کیفیت تھی۔ کبھی وہ بالکل پاگل ہو جاتے
اور کبھی ٹھیک ہو جاتے تھے۔ البتہ انہیں بیٹے اور حادثے کے متعلق کبھی کچھ نہ یاد آیا۔ تین
تک ہم انہیں سنبھالتے رہے پھر ہم نے سوچا کہ انہیں ان کے وطن بھجوا دیا جائے۔ ڈاکٹر س
نے کمپنی کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور ہم اس کے لئے ان کے مشکور تھے، لہٰذا ہم
غیر قانونی طور پر بھاری رشوت دے کر حکام کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ ان کے حقوق شہری
ختم کر کے آپ کی حکومت سے ان کی واپسی کے لئے کہیں اور اس پر یہ ظاہر کریں کہ ڈاکٹر س
کو حقوق شہریت دیئے ہی نہیں گئے تھے اور ان کی درخواست زیر غور تھی۔ اسی کے لئے
سلمان کے پاگل پن کی آڑ لی گئی اور یہ ظاہر کیا گیا کہ انہیں پاگل خانے میں بھی رکھا جا چکا ہے۔

بہر حال! ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں اور ہمیں خوشی ہے کہ وہ اپنے وطن اپنے آد
میں پہنچ گئے ہیں۔ ہم ان کا ڈیڑھ لاکھ روپیہ جس میں ان کا ذاتی اندوختہ اور کمپنی کا فنڈ شامل
عنقریب منتقل کرادیں گے۔

تاکید ہے کہ اس خط کو پڑھنے کے بعد ضائع کر دیا جائے۔

آپ کا مخلص

آرتھر ڈی بیسکومب"

فریدی نے خط پڑھ کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ چند لمحے وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"وہ لفافہ کہاں ہے جس میں خط آیا ہے۔"

"لفافہ.... میرا خیال ہے کہ وہ ضائع ہو گیا۔ تلاش کے باوجود نہیں ملا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ خط مانا اُوز سے ہی آیا ہے۔"

"ہاں بھئی! لفافے پر وہاں کا ٹکٹ تھا۔"

"اور مہر کہاں کی تھی۔"

"او نہہ! یار تم تو جان کو آجاتے ہو! مہر پر میں نے غور نہیں کیا تھا۔"

"اور لفافہ بھی ضائع ہو گیا.... خیر.... تم نے چینی ریستوران کے مالک چیانگ کی حیرت
موت کے متعلق پڑھا ہوگا۔"

"ہاں ہاں.... کیوں؟"

"وہ بھی تمہارے چچا کے متعلق کوئی اہم بات جانتا تھا۔"

"یار یہ معاملہ کیا ہے.... کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔ آخر چچا صاحب کی شخصیت اتنی
رار کیوں بنتی جا رہی ہے۔"

"یہ تو تمہارے چچا ہی بتا سکیں گے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید چونک کر اُسے
نے لگا۔

"کاش چچا کچھ بتا سکتے۔" ناصر بولا۔

"کل رات وہ گھر کتنے بجے پہنچے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں۔"

"تو تم ان کی طرف سے اتنے لاپرواہ رہتے ہو۔"

"ارے بھئی وہ بچے تو ہیں نہیں.... اور نہ پاگل ہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ جنوبی
یکہ کے حوالے کے علاوہ اور کوئی چیز ذہنی طور پر انہیں اتنا متاثر نہیں کرتی کہ وہ آپے سے باہر
جائیں۔ اکثر وہ تنہا سینما بھی جاتے ہیں اور ان کی نارمل حالت کو دیکھتے ہوئے کسی کو کوئی تشویش
ہوتی۔"

"ان کے ملنے والے بھی آتے رہے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اکثر....!"

"ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو تمہارے لئے اجنبی ہوں۔"

"ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔"

"اچھا اب خط کو پھاڑ کر جلا دو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس لئے کہ یہ قطعی فضول اور بچکانہ
ہے۔ ویسے کیا تم نے اس کا تذکرہ اپنے چچا سے کیا تھا۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ یہ فضول اور بچکانہ کیوں ہے۔"

"کمپنیوں کے ڈائریکٹر گدھے ہانکنے والے نہیں ہوتے۔ ممکن ہے اپنے یہاں ہو
دوسرے ممالک میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس ڈائریکٹر نے اپنے ایک بہت بڑے جرم کا اع
ہے۔ میرے بھولے بچے اس قسم کی تحریریں باپ کو بھی نہیں دی جاتیں ذرا یہ تو بتاؤ! ک
اس خط کو بے احتیاطی سے کہیں ڈال دیا تھا۔"

"نہیں تو.... یہ میری ڈائری میں تھا۔"

"لفافے سمیت۔"

"مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ خود میں نے ہی لفافہ اس طرح کھولا
دوبارہ استعمال کے قابل نہ رہ گیا ہو اور میں نے ہی اُسے پھینک دیا ہو۔ آخر تم لفافے کو ا
کیوں دے رہے ہو۔"

"کچھ نہیں.... پھر غور کریں گے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے سر میں تکلیف بڑھ گئی

حمید سمجھ گیا کہ فریدی اب اس مسئلے پر ناصر سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔

ناصر دو چار منٹ بیٹھ کر چلا گیا اور فریدی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"آخر آپ لفافے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"وہ خط مانا اُوز سے نہیں آیا۔"

"محض اس بناء پر کہ لفافہ کھو گیا ہے۔" حمید بولا۔

"میں کبھی کوئی بات کمزور بنیادوں پر نہیں کہتا فرزند!" فریدی نے ایک آرام کر
دراز ہو کر کہا۔ "اس میں شک نہیں کہ ربر سپلائی کمپنی کے ایک ڈائریکٹر آرتھر ڈی ب
نام اس پر چھپا ہوا تھا لیکن وہ کاغذ ہمارے ہی ملک کے ایک مل کا بنا ہوا تھا۔ اس پر ایک غیر م
کا لیٹر پیڈ چھپوانے والے احمق نے یہ نہیں سوچا کہ بعض کاغذوں پر کارخانوں کا واٹر مار
ہوتا ہے۔"

"کرنل داراب کی حرکت۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "سو فیصدی اسی کی حرکت
نے یہ خط محض اس لئے بھجوایا ہے کہ ڈاکٹر سلمان کے متعلق گہری تفتیش نہ کی جائے۔"

"لیکن....!" فریدی چھت کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اس خط کی تحریر غلط نہیں

بعدی حقیقت ہے۔"

دو خوفناک آدمی

فریدی کئی دن تک زیادہ مشغول رہا۔ حمید کے ہر استفسار کا جواب اس کے پاس یہی ہوتا تھا کہ وہ ابھی کسی مسئلے پر روشنی نہیں ڈال سکتا کیونکہ ابھی وہ خود ہی یقین اور شبہات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس دوران میں حمید نے اسے شکل تبدیل کر کے بھی کئی بار گھر سے باہر جاتے دیکھا تھا لیکن وہ حمید کی مشغولیت میں مخل نہیں ہوا۔ اس نے اس سے ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا کہ وہ آج کل کرنل داراب کی لڑکی نادرہ کے ساتھ مختلف ریستوران اور تفریح گاہوں میں کیوں دکھائی دیتا ہے۔ نادرہ حمید سے بہت زیادہ بے تکلف ہوگئی تھی اور کرنل داراب بھی شائد ان دونوں کی دوستی کو پسند کرتا تھا۔

ایک رات حمید کو داراب کی کوٹھی میں بارہ بج گئے اور وہ اٹھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ کرنل داراب نے اُسے رات وہیں بسر کرنے کو کہا۔ حمید کو حیرت ہوئی اور کچھ خوف بھی محسوس ہوا۔ وہ ہچکچا ہی رہا تھا کہ کرنل نے کہا۔

"میں فریدی صاحب کو فون کئے دیتا ہوں۔ میرے خیال سے انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ آج میں باتیں کرنے کے موڈ میں ہوں اور اس معاملے میں آپ جیسا رفیق ملنا مشکل ہے۔ نادرہ آپ کی بہت تعریف کرتی ہے۔"

اپنے متعلق ایک خوبصورت لڑکی کے باپ سے اس قسم کا جملہ سن کر حمید سر تابقدم مکھن ہو کر رہ گیا اور اس کی سعادتمندی نے جوش مارا تو وہ یہ بھی بھول گیا کہ کرنل داراب سے ربط و ضبط بڑھانے کا مقصد کیا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ فریدی کرنل داراب کے متعلق ثبوت مہیا کرنے کی فکر میں ہے۔ اس وقت اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کرنل نے اسے اپنی فرزندی میں لے لینے کا تہیہ کر لیا ہو۔

یہ گفتگو ڈرائنگ روم میں ہوئی تھی۔ کھانا کھا چکنے کے بعد سے اب تک وہ وہیں بیٹھے حمید کے لطیفوں سے محظوظ ہوتے رہے تھے۔ کرنل اور نادرہ کے ساتھ وانگ بھی تھا۔ حمید نے رات

وہیں بسر کرنے کا وعدہ کرلیا۔

"تو کیا رات بھر باتیں ہوں گی۔" نادرہ نے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ آج میرا موڈ باتیں کرنے کا ہے۔" کرنل بولا۔

"تب تو میں چلی۔" نادرہ نے انگڑائی لے کر کہا۔ "مجھے نیند آرہی ہے۔"

"ہاں ہاں تم جاؤ۔" کرنل بولا۔ "تمہیں زیادہ نہ جاگنا چاہئے۔"

نادرہ نے بڑے دلآویز انداز میں مسکرا کر حمید کو "شب بخیر" کہا اور لچکتی ہوئی چلی گئی۔

حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ حلوہ سمجھ کر صابن کا ٹکڑا کھا گیا ہو۔ اگر اُسے یہ معلوم ہوتا کہ نادرہ اس گفتگو میں حصہ نہ لے گی تو وہ کبھی وہاں قیام کرنے کا وعدہ نہ کرتا۔

"حمید صاحب! اگر آپ کو چینی رقص و موسیقی سے دلچسپی ہو تو تیہ چن کو بلواؤں۔"

"جی ہاں بہت۔" حمید اُسے دل ہی دل میں گالیاں دیتا ہوا بولا۔ "میرے والد صاحب کو ب چینی رقص و موسیقی سے بہت زیادہ دلچسپی تھی اور دادا کا تو خیر انتقال ہی چین میں ہوا تھا۔"

"کیا واقعی۔" کرنل داراب نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں! اور میرے باپ کو چین اور چینیوں سے اتنی محبت تھی کہ انہوں نے میرا نام بھی چینی زبان میں رکھا تھا۔"

"کیا نام تھا!" کرنل نے پوچھا۔

"چیاؤں میاؤں!" حمید نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ کرنل داراب بیساختہ ہنس پڑا۔

وانگ اردو نہیں سمجھتا تھا اس لئے وہ بت بنا بیٹھا رہا۔ آخر کرنل نے اس سے تیہ چن کو بلا۔ کو کہا۔

وانگ چلا گیا۔ حمید شام ہی سے ایک بات بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا وہ یہ کہ کرنل داراب کچھ پریشان پریشان سا نظر آرہا تھا۔ اکثر وہ اس کے جملوں پر بے ساختہ ہنس تو پڑتا تھا لیکن پھر فوراً ہی وہ ہنسی اس طرح کسی قسم کی تشویش کے آثار میں بدل جاتی جیسے اچانک سورج کے سامنے بادل آجائیں۔

تیہ چن کے آجانے کے بعد کمرے میں خاصا ہلڑ مچ گیا تھا۔ وہ اور وانگ حلق پھاڑ پھاڑ کر گا رہے تھے اور تیہ چن ناچ بھی رہا تھا۔

ہر تیہ چن نے نقلیں شروع کردیں۔ اس نے کبھی کسی انگریز عورت کو بچہ جنتے دیکھا تھا اس ۔ کراہنے اور گناہوں کو یاد کر کے توبہ کرنے کی نقل پر تو حمید کو بھی اُچھو ہو گیا۔

اید دو بج رہے تھے، جب حمید پر یکایک حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ تیہ چن سیامی طوائفوں کی رہا تھا اور وانگ اس کا گاہک بنا تھا۔

چانک حمید کی نظریں عقبی دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور وہ "ارے" کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

بھی متوجہ ہو گیا۔ اچانک حمید نے ایسا محسوس کیا جیسے کرنل کا چہرہ سفید پڑ گیا ہو! وانگ اور اس طرح سہم کر کھڑے ہو گئے تھے، جیسے انہوں نے اپنی موت سامنے دیکھ لی ہو۔

اکٹر سلمان دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

فعتاً کرنل نے چیخ کر کہا۔ "وانگ تیہ چن یہ بچ کر جانے نہ پائے۔"

سلمان نے قہقہہ لگایا اور مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "تیہ چن اور وانگ تمہاری نمک حرام نہیں ہیں۔"

"وانگ! میں کیا کہہ رہا ہوں۔" کرنل جھلا کر بولا۔ مگر ان دونوں چینیوں نے اپنی جگہ سے بھی نہ کی۔

"ہونہہ! بس۔" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا "تم صرف ایک ننھے منھے سے سراغ رساں کو رکے یہ سمجھے تھے کہ شائد آج کی رات بھی ٹل جائے گی۔ آج کی رات تو اس صورت میں ٹلتی اگر تم شہر کے سارے حکام کو جمع کر لیتے۔"

اب تو حمید کے کان کھڑے ہوئے اور وہ بُری طرح بوکھلا گیا۔

"وانگ اور تیہ چن.... تم نے دھوکا دیا۔" کرنل بڑبڑایا۔

"نمک حرامی اچھی چیز نہیں.... تمہیں پہلے ہی سوچنا چاہئے تھا کہ دوسرے بھی تمہیں ے سکتے ہیں۔"

"تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔" کرنل غرایا۔

"ابھی اور اسی وقت۔" سلمان نے ہنس کر کہا۔ "آج مجھے اپنے ہاتھ خون سے بھرنے پڑیں یہ بیچارہ جاسوس تو مفت میں مارا جائے گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"مطلب یہ کہ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔"

حمید کو ہنسی آ گئی! اُسے یقین ہو گیا تھا کہ شائد اس پر پھر پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔

اس نے سوچا کہ اسے چھیڑنا چاہئے۔ اُسے اس بات کا بھی دھیان نہ رہا کہ ابھی ابھی سا کو دیکھ کر کرنل کے چہرے پر موت کی سی سفیدی چھا گئی تھی۔

"آپ کبھی جنوبی امریکہ گئے ہیں۔" حمید نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میری عمر ہی جنوبی امریکہ میں گذری ہے۔" سلمان نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور یقین کہ میرے اس اعتراف کا تذکرہ کرنے کے لئے تم زندہ نہیں رہو گے۔"

پھر اس نے وانگ اور تیہ چن کو مخاطب کر کے کہا۔ "اس کے ہاتھ اور پیر اپنی ٹائیوں سے جکڑ دونوں نے اپنی ٹائیاں کھولیں اور حمید مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن دوسرے ہی میں ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور نظر آ رہا تھا۔

"لڑکے!" اس نے کہا۔ "موت کسی کنواری دوشیزہ کا نام نہیں اور کرنل داراب تم بھی جگہ سے جنبش نہیں کرو گے۔"

حمید کے ہاتھ اس کی پشت پر جکڑ دیئے گئے۔ پھر ان دونوں چینیوں نے اُسے فرش پر گ اس کے پیر بھی باندھ دیئے۔

"ہاں تو اب تم کیا کہتے ہو۔" سلمان نے کرنل کو مخاطب کیا۔ "ان آخری دو آدمیوں کا بھی تم نے دیکھ لیا جن پر تمہیں اعتماد تھا۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پچھلے واقعات ایک ایک کر اس کی نظروں میں پھرنے لگے۔ لیکن موجودہ حالت ان سے بالکل مختلف تھی۔ سلمان کو وہ بے ضرر آدمی سمجھتا تھا اور بڑی حد تک قابل رحم بھی۔ لیکن یہاں تو بساط ہی الٹ گئی تھی۔

کرنل داراب خاموش تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پھانسی کے تختے کے قریب پہنچا دیا گیا

"تم خاموش کیوں ہو۔" سلمان پھر بولا۔ "تم نے اپنے سارے حربے آزما لئے۔ ڈاکٹر سا کو پولیس کی نظروں میں پُر اسرار بنانے کی کوشش کی۔ تم نے ڈاکٹر سلمان کو پولیس آفیسروں سامنے مار ڈالنے کی اسکیم بنائی۔ لیکن تمہاری ہی بلی نے تمہارا راستہ کاٹ دیا۔ تمہیں اپنے آد پر اعتماد تھا انہوں نے بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب تمہاری خاموشی فضول ہے۔"

کرنل داراب تھوک نگل کر رہ گیا۔

"بولو۔" ڈاکٹر سلمان جھنجھلا کر بولا۔ "ورنہ آخری مرحلہ تمہاری موت پر ختم ہو گا۔"

"بکواس ہے۔" کرنل نے چیخ کر کہا۔ "میری ہڈیوں میں بھی پانی نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ اُن میں اناس کا شربت ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا اس لئے قبر کا ریفریجریٹر تمہارے لئے زیادہ موزوں رہے گا۔"

"میں تم تینوں کی گردنیں توڑ سکتا ہوں۔" کرنل اٹھتا ہوا بولا۔

"اس ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا ہے۔" سلمان نے مسکرا کر کہا۔ "قطعی آواز نہیں ہو گی اور تمہارا دم اتنی ہی آسانی سے نکل جائے گا جتنی آسانی سے ٹوسٹ پر مکھن لگایا جا سکتا ہے۔"

"سلمان مجھے غصہ نہ دلاؤ۔" دفعتاً کرنل کے نتھنے پھول گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم غصے میں بلیوں کی طرح خرخر کرنے لگتے ہو۔"

"تم چیانگ کے قاتل ہو۔" کرنل نے کہا۔ "میں تمہیں گرفتار کرا سکتا ہوں۔"

"تو تم اس سے کب پاک ہو۔" ڈاکٹر سلمان ہنس کر بولا۔ "تمہارا ہاتھ ہوٹل ڈی فرانس الے حادثے میں تھا لیکن میں نے کبھی اُسے کوئی اہمیت نہیں دی۔"

حمید ان کی اس عجیب و غریب گفتگو کو اتنی دلچسپی سے سن رہا تھا کہ اسے اپنی موجودہ حالت کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔ وانگ اور تیہ چن سر جھکائے کھڑے تھے۔

"سلمان میں سچ کہتا ہوں کہ تم یہاں سے زندہ بچ کر نہ جا سکو گے۔" کرنل بولا۔

"کیا ابھی تمہاری بساط پر کوئی مہرہ باقی رہ گیا ہے۔" سلمان نے کہا۔

"اس گھر کا ہر ستون ایک آدمی ہے۔" کرنل بولا۔

"اوہ.....!" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔ "میں جانتا ہوں کہ یہاں مختلف جگہوں پر ڈائنامائٹ لگے ہوئے ہیں اور تم جب چاہو اس عمارت کے پرخچے اڑا سکتے ہو۔ شائد تمہاری اس میز میں بھی ان کا سوئچ ہو گا مگر میرے بیٹے تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ ڈاکٹر سلمان نے ان کی مین لائن پہلے ی کاٹ دی ہے۔"

"او ڈاکٹر کے بچے۔" حمید نے پڑے پڑے ہانک لگائی۔ "میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"خاموش رہو۔" کرنل اس پر الٹ پڑا۔

حمید پھر بوکھلا گیا۔

"تو میں تمہیں خاموش ہی کر دوں۔" ڈاکٹر سلمان بڑبڑایا۔ پھر اس نے وانگ سے کہا۔ "
اس کا گلا گھونٹ دو۔"

حمید نے بے بسوں کی طرح مچلنا شروع کر دیا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے اس غلط ر
گالیاں دینے لگا جس کی بدولت اُسے یہاں رکنا پڑا تھا۔ حالانکہ اس کی دانست میں حالات
خیز تھے لیکن پھر بھی وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک نہیں دو پاگلوں کے چنگل میں پڑ گیا ہے۔

وانگ اس پر جھک پڑا تھا اور گلا دبانے کے لئے اُسے چت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کرنل تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "بہتر ہے کہ راہ پر آ جاؤ۔"

"میں تم تینوں کے لئے تنہا کافی ہوں۔" کرنل غرایا۔

"تیہ چن۔" ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے کہا۔ "کرنل داراب کو سمجھا دو۔"

"ابے او سلمان کے بچے! تیری شامت آئی ہے۔" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔ ا
گردن وانگ کی گرفت میں آ گئی تھی۔ قریب تھا کہ اس کا دم گھٹ جائے کہ اچانک ایک
روشندان سے ڈاکٹر سلمان پر کود پڑا۔ دونوں ایک زوردار دھماکے کے ساتھ فرش پر گر
وانگ اچھل کر الگ ہٹ گیا۔

ڈاکٹر سلمان کا ریوالور حمید کے قریب آ گرا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ اس کی پشت پر بند
ہوئے تھے۔ حمید دونوں پیر میز کے پائے پر ٹیک کر آگے کھسک آیا۔

اس طرح ریوالور اس کے نیچے دب گیا۔

کمرے کے دوسرے لوگ ڈاکٹر سلمان سمیت روشندان سے کودنے والے کی طرف
ہو گئے تھے۔

"تم....!" ڈاکٹر سلمان غرایا۔ "یہ کیا حرکت۔"

"جناب والا کسی نے مجھے اوپر سے پھینک دیا۔" کودنے والے نے کہا۔

"کیا....؟" ڈاکٹر سلمان نے چونک کر کہا۔

کرنل داراب نے قہقہہ لگایا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اب سلمان کے ہاتھ میں ریوالور نہیں۔

"تم نے کون سی مین لائن کاٹی تھی ڈاکٹر۔" اس نے مضحکانہ انداز میں کہا۔ "مین لائن ت

ری ہے ورنہ اُسے یہ نہ معلوم ہوتا کہ کسی نے اُسے نیچے پھینک دیا جس رات تم پر بلی کودی تھی
ی کے بعد سے میں نے عمارت کے سارے روشندانوں کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ ان کے سامنے
ملے ہوئے تاروں میں ہر وقت کرنٹ رہتا ہے۔"

"کرنٹ....!" کودنے والے نے کہا۔ "یہ غلط ہے۔ مجھے الیکٹرک شاک نہیں لگا تھا۔ کسی
نے نیچے پھینکا تھا۔"

ڈاکٹر سلمان روشندان کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک کرنل داراب اس پر ٹوٹ پڑا اور وہ سب آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔ اسی دوران میں کسی
رح حمید کے ہاتھ کھل گئے۔ کرنل داراب پر وانگ اور اس کے دوسرے ساتھی نے یورش
ری تھی اور ڈاکٹر سلمان الگ کھڑا آہستہ آہستہ تیہ چن کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ حمید سوچنے لگا
دو دشمنوں کی لڑائی کے دوران میں اُسے دخل نہ دینا چاہئے بلکہ ان میں سے ایک کے خاتمہ کا
ظار کرنا ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ ریوالور تو اس کے ہاتھ آ ہی چکا تھا۔ وہ دیوار کی طرف کھسک
یا اور اپنے دونوں ہاتھ پشت پر لے جا کر وہ بالکل ویسا ہی بن گیا جیسے پہلے تھا لیکن اس کے دونوں
ھ اب آزاد تھے اور ان میں سے ایک میں ریوالور تھا اور چہرہ میز کے نیچے تھا۔

اس نے تیہ چن کو باہر جاتے دیکھا اس دوران میں وانگ اور سلمان کے ساتھی نے کرنل
اراب کو بے قابو کر لیا تھا۔

"اسے کرسی سے باندھ دو۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"دیکھتے ہی دیکھتے کرنل کو ایک کرسی سے باندھ دیا گیا۔ اتنے میں تیہ چن بھی واپس آ گیا۔"

"سب ٹھیک ہے۔" اس نے ڈاکٹر سلمان کو مخاطب کر کے کہا۔ "لوگ اپنی اپنی جگہوں پر
موجود ہیں۔ ساتھیوں نے اس جاسوس کو پکڑ لیا ہے جس نے گومس کو روشندان سے پھینکا تھا۔"

حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ فریدی نہ رہا ہو۔

بہر حال وہ اپنے موقعے کا انتظار کرنے لگا اور یہ بھی تو دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر ڈاکٹر سلمان اور
کرنل داراب کا معاملہ کیا ہے۔

"کیا وہ تنہا ہی تھا۔" سلمان نے تیہ چن سے پوچھا۔

"ہاں وہ اکیلا ہی تھا۔"

"اچھا ان سے کہو کہ وہ اسے ٹھکانے لگادیں۔" ڈاکٹر سلمان نے اس قدر آہستگی سے
حمید نہ سن سکا ورنہ شائد وہ اسی وقت ہنگامہ برپا کردیتا۔ تیہ چن پھر باہر چلا گیا۔

ڈاکٹر سلمان نے کچھ کاغذات اپنی جیب سے نکالے اور فاؤنٹین پن نکالتا ہوا بولا۔

"چلو ان پر اپنے دستخط کردو۔"

"کیا ہے؟" کرنل اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"تمہاری زندگی کا ضمانت نامہ۔ اس پر دستخط کرنے کے بعد تمہاری زندگی محفوظ ہو
گی۔ ورنہ موت ہر حال میں لازمی ہے۔ ان میں سے ایک میں تم اس بات کا اعتراف کرو گے
نے آج سے تین سال قبل ماناأوز میں ڈاکٹر سلمان کے لڑکے راشد کو قتل کرادیا تھا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ صریحاً جھوٹ ہے۔" کرنل چیخا۔

"کچھ بھی ہو تمہیں اس پر دستخط کرنے پڑیں گے۔"

"میں فضول بکواس سننا پسند نہیں کرتا۔" کرنل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں صرف
خاص مطالبہ پورا کرسکتا ہوں۔"

"اور اس کے بعد پولیس کو بھی مطلع کرسکتے ہو۔" سلمان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یاد رکھو اب ہمارا خاص مطالبہ تو ہر حال میں پورا ہوگا۔ لیکن ان تین کاغذات پر د
کرنے کی صورت میں تم مار دیئے جاؤ گے۔"

"تین کاغذات۔"

"ہاں ایک کے متعلق تو تم ابھی سن ہی چکے ہو۔ دوسرا اعتراف.... تم نے ایک ایسے
کو ہوٹل ڈی فرانس میں قتل کرادیا تھا جو زرینہ کو ڈاکٹر سلمان کے پاگل پن کا راز بتانے جا رہا
کرنل داراب کچھ نہ بولا۔

"تیسرا اعتراف۔" ڈاکٹر سلمان کاغذات پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ "تمہیں معلوم تھا کہ
ریستوران کا مالک چیانگ بھی راشد کے قتل کے راز سے واقف تھا۔ اس لئے تم نے اس کے
کمرے میں لگے ہوئے آٹومیٹک الیکٹرک ریوالور کا سوئچ آن کرادیا تھا۔ نتیجے کے طور پر نہ
چیانگ بلکہ ایک کانسٹیبل کا بھی خاتمہ ہو گیا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" کرنل تھوک نگل کر ہکلایا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ جھوٹ ہے۔" سلمان نے کہا۔ "لیکن تمہاری زندگی کی ضمانت! تم اس
ان کی بناء پر پولیس کو ہمارے خلاف اکسا نہ سکو گے اور نتیجے کے طور پر تمہیں زندہ رہنا پڑے
تمہیں زندہ رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ معاملات زیادہ آگے نہ بڑھیں گے ہاں شاباش چلو
ی سے دستخط کردو! تم کافی سمجھدار آدمی ہو۔"

ڈاکٹر سلمان نے کاغذات اور قلم اس کی طرف بڑھا دیئے۔ کرنل داراب چند لمحے کچھ سوچتا
ہر اس نے دستخط کردیئے۔

"شکریہ۔" ڈاکٹر سلمان کاغذات کو تہہ کرکے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "اب تم قطعی آزاد
ہمارے جانے کے بعد تمہارے گھر ہی کا کوئی فرد تمہیں کھول دے گا۔ فی الحال وہ سب بیہوش
ہیں۔ میں آئندہ بھی تم سے اچھے تعلقات رکھوں گا۔ لیکن ہاں۔"

ڈاکٹر سلمان رک کر ہنسنے لگا پھر بولا۔ "جنوبی افریقہ کا نام کبھی نہ لینا ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں
ہیں پتھر مار دوں۔"

کچھ دیر تک سناٹا رہا پھر ڈاکٹر سلمان بولا۔ "وانگ اس جاسوس کی لاش کو ٹھکانے لگاتا ہے۔"
اشارہ حمید کی طرف تھا۔ وانگ اس وقت اس کا گلا چھوڑ کر ہٹا تھا جب ڈاکٹر سلمان کا ایک
نمی اچانک روشندان سے کود پڑا تھا۔ اس وقت سے اب تک وانگ بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ حمید
کام تمام کرچکا ہے۔

وانگ حمید کی طرف بڑھا اور حمید نے لیٹے ہی لیٹے میز کے نیچے سے اس کے پیر پر فائر
ردیا۔ ریوالور میں سچ مچ سائیلنسر لگا ہوا تھا اس لئے آواز نہ ہوئی اور وانگ چیخ مار کر الٹ گیا۔ سب
گ اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اتنی دیر میں حمید نے اپنے پیر سمیٹ کر انہیں کھول لیا۔

"اس شہر میں آج تک کوئی بڑا مجرم کامیاب نہیں ہوا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔ یہ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید کی مملکت ہے! کیا سمجھے!
جنوبی امریکہ۔"

ڈاکٹر سلمان حیرت سے منہ پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔ وانگ زمین پر پڑا کراہتے کراہتے رک
گیا تھا۔ تیہ چن سلمان کا ساتھی اور کرنل داراب سکوت میں تھے۔

"جنوبی امریکہ۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "بیٹا سلمان جنوبی امریکہ! تم سب قاتل ہو۔ اب میں

اپنی حفاظت کے خیال سے تم سب کو یہیں مار ڈالوں گا۔"

آخری بازی

وانگ زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔ تیہ چن اور سلمان اور اس کا ساتھی دم بخود تھے۔ مگر کرنل کے چہرے پر اچانک زندگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"لیکن تمہیں مار ڈالنے سے پہلے۔" حمید نے کہا۔ "میں یہ جاننا چاہوں گا کہ یک بیک تمہاری یادداشت کیسے واپس آگئی۔"

"چلو خیر تمہیں یہ تو یاد آیا۔" ڈاکٹر سلمان بچوں کی طرح چہک کر بولا۔ "میں اس سوچ میں پڑ گیا تھا کہ تمہیں اس حالت میں یقین کس طرح دلاؤں گا اور یہ سب تو مجھے مجبوراً کرنا پڑا ہے۔ اگر یہ نہ کرتا تو کرنل کبھی اپنے جرائم کا اعتراف نہ کرتا۔ اس نے میرے بیٹے کا خون چھپانے کے لئے دو قتل اور کئے ہیں۔"

"یہ جھوٹ ہے! سفید جھوٹ ہے۔" کرنل چیخا۔

"خاموش رہو کرنل۔" حمید نے اُسے ڈانٹ دیا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان سے پوچھا۔ "ہا وہ مطالبہ.... اُن تین اعترافات کے علاوہ تم نے اور کس چیز پر دستخط لئے ہیں۔"

"میں اپنا پلان اطمینان سے بتاؤں گا۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "اگر میں یہ طریقے اختیار کرتا تو کرنل کبھی میری تین کروڑ روپے کی رقم میرے نام دوبارہ منتقل نہ کرتا۔ میں انسپکٹر فریدی کے سامنے تفصیل سے یہ سارے واقعات رکھوں گا اور میرا دعویٰ ہے کہ وہ اچھل پڑیں گے۔ آپ جانتے ہیں! اُس دعوت والی رات کو میرے مار ڈالنے کی سازش کی گئی تھی۔ میرے سامنے رکھی ہوئی پلیٹ زہر میں ڈبوئی گئی تھی۔ لیکن میرے ایک ہمدرد نے بروقت امداد کی۔ اگر میں جاتا تو یہی کہا جاتا کہ وہ زہر دراصل کرنل ہی کے لئے تھا کیونکہ نامعلوم قاتل کا پہلا حملہ ناکام تھا اور وہ حملہ خود کرنل ہی نے اپنے اوپر کیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ ہی سے اپنے شانے میں چھرا اتار دی تھی۔ بہرحال مجھے زہر دلوا دینے کے بعد بھی وہ محفوظ رہتا۔ بھلا شہر کے حکام جن میں اتنا ہر دلعزیز ہے کیسے اس بات پر یقین کر لیتے کہ کرنل جیسا شریف آدمی کسی کو زہر بھی دے

قصہ کوتاہ.... میری خواہش ہے کہ آپ ابھی اسی وقت یہ کاغذات دیکھ لیجئے۔ ممکن ہے قانونی خامی رہ گئی ہو۔"

ڈاکٹر سلمان نے آگے بڑھ کر کاغذات حمید کی طرف بڑھا دیئے۔ حمید نے بائیں ہاتھ سے ت پکڑے ہی تھے کہ داہنے ہاتھ سے ریوالور نکل گیا۔ پہلے تو اس کے نچلے جبڑے پر قیامت ہر اس کا سر پشت کی دیوار سے ٹکرا گیا۔

"شاباش....!" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔ "یہ فریدی اور حمید کی مملکت ہے۔"

ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور حمید چاروں خانے چت پڑا اُسے گھور رہا تھا۔

"تیہ چن۔" ڈاکٹر سلمان کسی درندے کی طرح غرایا۔ "اس کا گلا گھونٹ دو۔"

"گلا گھونٹنے کی کیا ضرورت ہے۔" تیہ چن آگے بڑھ کر انگریزی میں ہکلایا۔ "لایئے ریوالور دیجئے۔" اس نے سلمان کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ پھر اُس نے زمین پر پڑے ہوئے ات اٹھا کر سلمان کے حوالے کئے اور ریوالور جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "نہیں گلا ہی گھونٹنا زیادہ رہے گا۔"

اس نے اپنی دونوں آستینیں چڑھائیں اور پھر اچانک پلٹ کر سلمان کی گردن پکڑ لی۔

"ارے! ارے۔" ڈاکٹر سلمان حیرت زدہ آواز میں بولا۔

"ہائیں یہ کیا۔" سلمان کا ساتھی چیخا۔ وانگ نے حرکت بھی نہ کی کیونکہ وہ بیہوش پڑا تھا۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

سلمان تیہ چن کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن گرفت مضبوط تھی۔

"زندہ باد تیہ چن۔" کرنل داراب چیخا۔ "شاباش! تم میرے بیٹے ہو۔ اس موذی کو ختم کر دو۔"

"کھڑا کیا دیکھتا ہے گومس کے بچے۔" سلمان نے اپنے ساتھی کو للکارا۔

وہ جھپٹا لیکن تیہ چن غافل نہیں تھا۔ گومس اس کے قریب پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ اس کی لت چل گئی اور گومس منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

"شاباش....!" کرنل چیخا۔ وہ رسی کے بلوں سے آزاد ہونے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا لیکن ابی نہیں ہو رہی تھی۔

"سرجنٹ۔" کرنل داراب نے حمید کو مخاطب کیا۔ "تم بھی تیہ چن کی مدد کرو۔ اسی میں ہم

سب کی نجات ہے۔ میں تمہاری غلط فہمیاں دور کردوں گا۔ تم نہیں جانتے کہ ڈاکٹر سلمان کون ہے
اس پر بھی حمید کی کھوپڑی پر برف جمی رہی۔ بات خاک بھی سمجھ میں نہ آئی اور وہ احمقو
طرح سلمان کے ساتھی پر ٹوٹ پڑا۔ جو قریب قریب فرش سے اٹھ ہی چکا تھا۔

"ٹھیک ہے! بالکل ٹھیک ہے۔" کرنل بڑبڑایا۔ "تم بھی تیہ چن کی طرح سمجھدار ہو۔ ...
تمہاری بڑی تعریفیں کرتی ہے۔ کاش اس وقت وہ تمہیں جنگ کرتے دیکھتی۔"

حمید اس وقت سو فیصدی اُلو ہو رہا تھا۔ ویسے ہی اس کے سر میں یہ بات سما گئی تھی کہ اس
اس وقت پالا مار لیا تو فریدی عرصے تک شرمندہ رہے گا اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے
ایک حسین لڑکی کا باپ اس حسین لڑکی کا حوالہ دے کر اس کا دل بڑھا رہا تھا۔ بہر حال حمید
جوش میں آکر گومس کی اچھی خاصی مرمت کر دی اور اسی دوران میں اس کا سر کئی بار دیوار
ٹکرا دیا اور پھر وہ بھی وانگ کے برابر ہی لمبا لمبا لیٹ گیا۔ اس سے فرصت پاکر حمید تیہ چن ا
سلمان کی کشتی دیکھنے لگا۔ پستہ قد ڈاکٹر سلمان بڑا پھرتیلا تھا۔ وہ بار بار کسی لیسدار مچھلی کی طرح
چن کی گرفت سے پھسل جاتا تھا۔

"اب سرجنٹ تم مجھے کھول دو۔" کرنل نے حمید سے کہا۔

حمید جھومتا ہوا اس کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ تیہ چن نے انگریزی میں کہا۔

"سرجنٹ وہ دونوں ٹائیاں اٹھا کر سلمان کے ہاتھ باندھ دو۔"

تیہ چن سلمان کو اوندھا گرا کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا اور اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر
دیئے تھے۔ اچانک سلمان کسی غیر ملکی زبان میں زور سے چیخا۔ جس پر تیہ چن نے ہنس کر کہا
"میں اُن سب کو پہلے ہی ٹھکانے لگا چکا ہوں۔"

"واہ.... وا.... شاباش....!" کرنل نے قہقہہ لگایا۔ "تیہ چن میں تمہیں بہت بڑا آد
بنا دوں گا۔"

"جناب کا شکریہ۔" تیہ چن نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

اس دوران میں حمید نے ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ باندھ دیئے تھے اور اب پیر باندھ رہا تھا۔

پھر تیہ چن نے ڈاکٹر سلمان کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک کرسی پر ڈال دیا۔

"تیہ چن زندہ باد۔" کرنل نے نعرہ لگایا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "تیہ چن! سرجنٹ نے بہ

رکی ہے اور یہ ہمارے پیشے سے بھی واقف ہو گئے ہیں لہٰذا انہیں بھی سنبھال لو۔"

حمید بوکھلا گیا۔ تیہ چن نے آگے بڑھ کر اُس کا گریبان پکڑ لیا۔ حمید کے لئے اب لپٹ جانے
ے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن اُسے بڑی حیرت ہوئی جب تیہ چن نے اس کے
ونوں گال چوم کر اُس کا گریبان چھوڑ دیا۔

"ہم چینیوں میں رسم ہے۔" اس نے حمید سے کہا۔ "کہ مار ڈالنے سے پہلے ہم اپنے دشمن کا
یہ ضرور چومتے ہیں تاکہ وہ ہماری طرف سے کدورت لے کر قبر میں نہ جائے۔"

"تم بڑے پُر مذاق ہو تیہ چن!" کرنل ہنس پڑا۔

"اور سنو میرے دوست۔" تیہ چن نے حمید سے اردو میں کہا۔ "اس شہر میں صرف دو
وقوف رہتے ہیں، ایک انسپکٹر فریدی اور دوسرا سرجنٹ حمید۔"

"ارے تم اردو بھی بول سکتے ہو تیہ چن۔" کرنل نے حیرت سے کہا۔

"ہاں کرنل۔" تیہ چن نے اردو ہی میں کہا۔ "میں دنیا کی پچیس زبانوں پر قدرت رکھتا ہوں۔"

"تم کسی اہل زبان کی طرح اردو بول لیتے ہو۔"

"ہاں کرنل۔"

حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے تیہ چن کو دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اب یہ تیہ چن کی آواز نہیں تھی۔

"اور تم اردو بولنے میں ہکلاتے بھی نہیں ہو۔" کرنل نے کہا۔ "حالانکہ اپنی مادری زبان
ولنے میں بھی ہکلاتے ہو۔"

"کرنل....!" حمید تیزی سے کرنل کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہ تیہ چن نہیں بلکہ تمہاری اور
سلمان کی موت ہے۔"

"کیا....؟" کرنل اور سلمان کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"ہاں کرنل سرجنٹ حمید ٹھیک کہہ رہا ہے۔" تیہ چن نے اردو ہی میں کہا۔ "اس نے پہلے
بھی ایک سچی بات کہی تھی کہ یہ انسپکٹر فریدی اور حمید کی مملکت ہے۔"

"تم.... تم....!" ڈاکٹر سلمان ہکلا کر رہ گیا۔

"ہاں میں انسپکٹر فریدی ہوں۔ تیہ چن بیچارا تو کل رات سے میری قید میں ہے لیکن کبھی
ایسا میک اپ دیکھا تھا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور کمرہ قبرستان معلوم ہونے لگا۔

"یہ کیا لغویت ہے۔" تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر سلمان غصیلی آواز میں بولا۔ "تم نے ا
دونوں کو کیوں باندھ رکھا ہے۔ میں تم پر مقدمہ قائم کر دوں گا۔"

"دھیرج! میرے عقلمند ترین انسان۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس وقت تمہارا ایک
بھی آزاد نہ ہوگا۔ تمہارے وہ پندرہ آدمی بھی حوالات میں ہوں گے، جنہیں تم نے اس عا
کے گرد پھیلا دیا تھا اور تمہارے ساتھی گومس کو میرے ہی ایک آدمی نے تم پر پھینکا تھا۔
شاید یہ نہیں معلوم کہ میں چھ دن سے تمہارے پیچھے لگا رہا ہوں۔"

"بکواس ہے! مجھے کھول دو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ تم اگر فریدی ہو تو نہ جانے کیوں میرے
پڑ گئے ہو۔ تم نے میری چڑھ نکالی۔ لوگ جنوبی امریکہ کا نام لے کر مجھے چڑھاتے ہیں۔"

"اُف فوہ۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "تو کیا اتنے اعترافات کے بعد بھی تم اپنے پاگل پن کی آڑ لو گے

"بالکل....!" سلمان ہنس کر بولا۔ "تم دونوں کے علاوہ اور کون جانتا ہے.... عدالت
بھی جانبدار شہادت کو قابل اعتماد نہیں سمجھتی اور کرنل بھی شائد میرا ہی ساتھ دیں۔"

"بالکل! ہم دونوں ایک ہی ناؤ پر سوار ہیں۔" کرنل نے کہا۔

"مگر وہ اعترافات جو تمہاری جیب میں موجود ہیں۔" فریدی بولا۔

"اوہ....!" سلمان ہنس پڑا۔ "کرنل بڑی صفائی سے کہہ سکتے ہیں کہ انسپکٹر فریدی نے میری
پر پستول کی نال رکھ کر ان اعترافات پر دستخط کرائے تھے تاکہ مجھ سے اپنی پرانی دشمنی نکال سکیں۔"

"ڈاکٹر سلمان۔" فریدی بگڑ کر بولا۔ "کیا چیانگ کے قتل میں تمہارا ہاتھ نہیں تھا۔
نے اسے اس لئے نہیں مروا ڈالا کہ وہ تم سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ تم بھی نش
کے ناجائز لین دین کرنے والے ایک گروہ کے سرگرم کارکن ہو۔ وہ گروہ جو بین الاقوامی گروہ
جا سکتا ہے۔ مانا اُوز کی برٹش ربر سپلائی کمپنی جس کا ہیڈ آفس مانا اُوز ہے۔ کیا کرنل داراب بھی
کی ایک شاخ کا انچارج نہیں ہے۔ وہ شاخ جو یہاں کام کر رہی ہے۔ کیا تم نے اپنے بیٹے کی مو
اپنی یاد داشت کھو بیٹھنے کا بہانہ نہیں بنایا تھا۔"

"تم بہت کچھ جانتے ہو۔" ڈاکٹر سلمان مسکرا کر بولا۔ "لیکن سب بیکار ہے تم کسی با
ثبوت بہم نہ پہنچا سکو گے۔ کیا فائدہ.... مجھ سے ایک کروڑ روپیہ لو اور مزے کرو۔ تم ایک لا

ڑکے ہو لہٰذا تمہیں نوابوں ہی کی شان سے رہنا چاہئے۔"

"میں رشوت لئے بغیر بھی نوابوں کی طرح رہ سکتا ہوں .... شکریہ۔" فریدی نے خشک
یں کہا۔ "اور کرنل داراب تم! تم پر بھی خون ہے۔ ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے میں مارا
نے والا تمہارا منتظر ہے۔"

داراب کچھ نہ بولا لیکن ڈاکٹر سلمان نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا۔ "تم میرے متعلق اور کیا
نتے ہو۔"

"سب کچھ جانتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کرنل یہاں کی شاخ کا انچارج تھا۔ اس نے
ناجائز تجارت کا تین کروڑ روپیہ مار کر اپنے نام سے بینک میں جمع کرا دیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ
نے یہاں کی شاخ کو بالکل ہی الگ کر لیا اور خود ہی پورے کاروبار کا مالک بن بیٹھا گروہ والوں
جھے بڑھا دیئے اس لئے وہ بھی اس کی مٹھی میں آ گئے۔ اب ضرورت اس بات کی ہوئی کہ ہیڈ
ں کسی کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجے۔ اس کی نظر انتخاب تم پر ہی پڑی، مگر دشواری یہ تھی کہ
ہاں کے حقوق شہریت لے چکے تھے اس لئے اگر تم یہاں آتے بھی تو ایک معینہ مدت تک کے
، اور یہ ضروری نہیں تھا کہ تم اس معینہ مدت میں کامیابی حاصل ہی کر لیتے۔ لہٰذا دوسری چال
گئی۔ تمہارے ہیڈ آفس نے وہاں کے حکام کو بھاری رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ
ارے شہری حقوق سلب کر لئے جائیں اور تمہیں پاگل قرار دے کر پھر تمہیں تمہارے شہر میں
بکوا دیا جائے، چنانچہ یہی ہوا لیکن تم پورے پاگل نہیں بنے۔ اگر پورے پاگل بنتے تو تمہیں ہماری
مت پاگل خانے میں بھجوا دیتی اور ظاہر ہے کہ پھر وہ کام نہ ہو سکتا جس کے لئے تم یہاں بھیجے
ے تھے۔ لہٰذا تم اپنی یاد داشت کھو بیٹھے اور وہ بھی محض جنوبی امریکہ کے سلسلے میں۔ پلان ذہانت
ے بھرپور تھا۔ تم نے وہ طریقے اختیار کئے جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ تمہارے بیٹے کی اچانک
ات کی وجہ سے یہ ذہنی تبدیلی ہوئی ہے۔ اس طرح تم ماہر نفسیات کے لئے ایک کلاسیکل قسم
ے کیس بن گئے۔ ایک طرف ماہر نفسیات تم میں دلچسپی لیتے رہے اور دوسری طرف تم اپنا کام
رتے رہے۔ کرنل داراب تمہاری آمد کے مقصد سے واقف تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم اچھے
امے ہو۔ بیٹے کی موت نے تم پر کبھی کوئی بُرا اثر نہیں ڈالا تھا، لہٰذا اس نے کوشش کی کہ تمہیں
لیس کی نظروں میں اور زیادہ پُر اسرار بنا دے اور پولیس تمہارے پیچھے لگ جائے اور نتیجے کے طور

پر تمہیں یہاں سے بھاگنا پڑے۔ اس مقصد کے لئے وانگ نے ایک بیروزگار آدمی کو پھانسا
زرینہ دکھائی گئی۔ وانگ نے اُسے ایک پیکٹ دیا اور سمجھا دیا کہ وہ زرینہ سے ملے اور اس
کہ وہ اُسے ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک راز کی بات بتانا چاہتا تھا۔ ہوٹل ڈی فرانس اس کا
لئے تجویز کیا گیا۔ اس پیکٹ میں ایک ٹائم بم تھا لیکن اس آدمی سے کہا گیا کہ اس میں گھڑی
وہ گھڑی آٹھ بج کر پانچ منٹ پر زرینہ کو دی جائے گی، لیکن اس بم کے پھٹنے کا وقت ساڑھے
بجے تھا۔ وہ غریب آٹھ بج کر پانچ منٹ ہونے کے انتظار میں اسے جیب ہی میں ڈالے
بہر حال وہ ساڑھے سات بجے اس کی جیب میں پھٹ گیا۔ اس غریب کو جتنا بتایا گیا وہ اتنا ہ
سکا۔ ٹائم بم اس کی جیب میں تھا۔ اس لئے زرینہ صرف زخمی ہوگئی۔ مقصد بھی یہی تھا کہ
زندہ رہے اور اس کے متعلق پولیس کو بیان دے۔ یہ تو ہوئی کرنل داراب کی حرکت اور ا
اپنی حرکتیں سنو۔ تم بھی اس فکر میں تھے کہ پولیس کو کرنل پر کسی قسم کا شبہ ہو جائے اور ا
لئے تم نے مجھے اور حمید کو منتخب کیا۔ اپنے لمبے بیوقوف کے ذریعہ ہم دونوں کو کمتالی کے
میں پھانسا اور اپنی ایک مشین کے ذریعے خاصے کرتب دکھائے۔ وہ مشین اس وقت
آدمیوں کے قبضے میں ہوگی، حالانکہ تم نے اُسے بہت چھپا کر رکھا۔ بہر حال صبح ہوش میں
کے بعد جب ہم لوگ جائے وقوع پر پہنچے تو ہمیں وہاں نادرہ کا ایک ہیئر کلپ ملا جس کا مطا
تھا کہ اچھل کود مچانے والی نادرہ ہی تھی اور وہ جال کرنل نے پھیلایا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا
لوگ کرنل کے پیچھے لگ جائیں اور کرنل بوکھلا کر کاروبار ان تین کروڑ روپیوں سمیت تم
حوالے کردے۔ ویسے حقیقتاً تو دونوں کی کوشش یہی تھی کہ اصل معاملے کی خبر پولیس
ہونے پائے اور تم میں سے کسی ایک کا کام بن جائے۔ کیوں کرنل تم خاموش کیوں ہو گیا؟
کہہ رہا ہوں۔ ویسے تمہیں اس لئے شکست ہوئی کہ سلمان نے تمہارے آدمیوں کو توڑ لیا۔"
کرنل کچھ نہ بولا لیکن سلمان نے کہا۔ "میں آج تمہاری ذہانت کا قائل ہوں مگر میر۔
تم ہمارے خلاف کوئی ثبوت بہم نہ پہنچا سکو گے۔ میرے آدمی لوہے کے بنے ہیں وہ مرجائیں
لیکن اقبال نہ کریں گے۔"
"محض تمہارا ہی اعتراف کافی ہے ڈاکٹر۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔
اس دوران میں حمید نے گومس اور وانگ کو بھی باندھ لیا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی

سلمان نے کہا۔ "میں تمہیں دو کروڑ دے سکتا ہوں۔"
"دو سو کروڑ پر بھی فریدی پیشاب کرتا ہوا نظر آئے گا اس لئے کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا
ن ہے! کیوں حمید۔"
"سچ ہے پیرومرشد۔" حمید نے کہا پھر سلمان سے بولا۔ "ارے میاں تم مجھے صرف ایک
ٹی خرید دینے کا وعدہ کرو تو میں تمہارا بیڑا پار کر سکتا ہوں۔"
"میرا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔" سلمان نے ایک ہذیانی قسم کا قہقہہ لگایا۔ "تم دونوں ابھی
ے ہو۔ تمہیں قانون کے سبق دے سکتا ہوں۔ تم میرے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ کرسکو گے۔"
"وہ تو بڑی دیر سے مہیا ہو رہا ہے۔" فریدی بولا۔ "یہ فریدی اور حمید کی مملکت ہے اس لئے
ں کبھی کوئی کام کچا نہیں ہوتا.... ادھر دیکھو۔"
فریدی نے میز پر رکھے ہوئے ریڈیو سیٹ پر سے کور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک بڑا طاقتور
انسمیٹر ہے۔ اس کے ذریعہ میرے محکمے کے آپریشن روم میں ہماری گفتگو ریکارڈ کی جارہی
گی۔ کرنل کو حیرت ہوگی کہ اس کا ریڈیو ٹرانسمیٹر میں کیسے تبدیل ہو گیا۔ بالکل اسی طرح جیسے
یدی تیہ چن میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ میں چھ دن سے تمہارے ساتھ ہوں۔ ڈاکٹر سلمان! کبھی
نگ کی شکل میں رہا ہوں اور کبھی تیہ چن کی شکل میں، اس سے تم اندازہ لگا ہی سکتے ہو کہ میں کتنا
جانتا ہوں اور یہ بھی بتادوں کہ تم میری نظروں پر اس وقت چڑھے تھے جب ناصر نے تمہارے
یک ڈائریکٹر کا خط مجھے دکھایا تھا۔ وہ تمہاری ایک زبردست غلطی تھی.... دوسری دنیا میں ایسی
رکت نہ کرنا ورنہ وہاں بھی تمہیں پھانسی ہو جائے گی.... کیا سمجھے۔"
کرنل اور ڈاکٹر سلمان نے گردنیں ڈال دی تھیں۔ حمید انہیں چھیڑ رہا تھا۔ لیکن وہ خاموش
تھے۔ اندھیرا اچھٹ گیا تھا اور پو پھوٹ رہی تھی۔ لیکن ایسے وقت میں بھی کرنل کے کمرے کا سناٹا
مرگھٹ کے سناٹے کی طرح پر ہول تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 35

چیختے دریچے

(مکمل ناول)

پیش رس

”چیختے دریچے“ ان شاہکار ناولوں میں سے ایک ہے جس کی مقبولیت کا راز اس کے عجیب و غریب کردار اور ان کی مضحکہ خیز خصوصیات ہیں۔ ڈاکٹر زیٹو، پروفیسر چنگھاڑنی اور پروفیسر ٹی۔ اے جھوس کے نام ہی ایسے ہیں، جو قہقہہ انگیز ہیں ان کی خصوصیات اور بھی حیرت انگیز ہیں۔ مثلاً ٹی۔ اے جھوس کو ایک اصیل مرغ کی تلاش ہے اور پروفیسر چنگھاڑنی ایک انڈے سے تین زردیاں پیدا کر چکا ہے۔ اسی طرح ایک ایسی لڑکی بھی ہے جو ٹماٹر سے چڑھتی ہے، جس کے لئے ایک انوکھا لفظ ”بوں ٹر“ ایک مصیبت بن گیا ہے۔

یہ تمام واقعات، جو بظاہر محض تفریحی نظر آتے ہیں، دراصل ایک دلکش اور سنسنی خیز کہانی کی کڑیاں ہیں اور جرائم کے ایسے پہلو سامنے آتے ہیں، جو چونکا دینے والے بھی ہیں اور قابل غور بھی! اس کہانی کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا تحیر اور اس کا مجرم ہے! مجرم کے سامنے آتے ہی قاری کے ذہن کو جھٹکا لگتا ہے اور پھر وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے اور ابتدا کی تفریحات کی نوعیت بالکل ہی سنجیدگی میں بدل جاتی ہے۔

پبلشر

لنگڑی کوٹھی

سرجنٹ حمید بہت زیادہ اداس تھا۔ اُداسی کی بات بھی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ قیام کسی ہوٹل میں ہوگا جہاں دلچسپیاں ہوں گی، لیکن جلال آباد پہنچ کر فریدی نے ایک ایسے ہوٹل قیام کیا جہاں دلچسپی تو الگ رہی کوئی چیز سلیقے کی نہیں تھی۔

فریدی کو اچانک جلال آباد آنے کی سوجھی تھی اور اس نے اپنے بینک سے کافی روپیہ آباد کے ایک بینک میں منتقل کرادیا تھا۔ اُس نے حمید کو اپنے اس سفر کی وجہ نہیں بتائی حقیقت تو یہ ہے کہ حمید نے پوچھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی! وجہ بھی صاف تھی۔ تجربات کی بناء پر حمید کو یقین تھا کہ وہ پوچھنے پر بھی نہ بتائے گا لہٰذا خواہ مخواہ اپنی زبان کو تھکانا بہتر نہ معلوم ہوا۔

حمید اپنی زندگی کی یکسانیت سے عاجز آچکا تھا اس لئے اس نے سوچا کہ تھوڑی سی تبد غنیمت ہے! یہی کیا کم تھا کہ وہ اپنے شہر سے دور ایک دوسرے شہر کی فضا میں سانس لے ایسے شہر میں جہاں نہ اس کا آفس تھا اور نہ وہ میز تھی جس پر وہ دن بھر بیٹھ کر فائلوں میں سر کرتا تھا۔

پچھلی شام کو وہ جلال آباد پہنچے تھے اور آج صبح سے فریدی کسی کا منتظر تھا۔ اس بار حمید مچ تہیہ کرلیا تھا کہ وہ کسی بات میں بھی دخل نہ دے گا۔ اس کا اندازہ تو اُسے پہلے ہی ہوگیا فریدی کسی بہت ہی اہم کام کے سلسلے میں آیا ہے۔ حمید خود کو ہر بات سے قطعی بے تعلق کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

ٹھیک نو بجے کسی نے ان کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ۔" فریدی نے کہا، جو ایک آرام کرسی پر پڑا آج کا اخبار دیکھ رہا تھا۔

"ایک خاتون....!" ویٹر نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"آنے دو....!" فریدی نے اخبار رکھ کر سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا۔

دوسرے لمحے میں حمید کے مرجھائے ہوئے چہرے پر تازگی دوڑ گئی کیونکہ اندر آنے والی ت نہ صرف جوان تھی بلکہ حسین بھی تھی۔

فریدی اُسے دیکھ کر کھڑا ہوگیا اور حمید کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

"اوہ آپ ہیں۔" عورت کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ لہجے میں ہلکی سی خوشی بھی شامل تھی۔

"بیٹھئے۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید کو اس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا تھا لیکن یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ اُس نے اُسے اں اور کب دیکھا تھا۔

"مجھے توقع تھی کہ ڈیڈی آپ ہی کو بھیجیں گے۔" عورت نے فریدی سے کہا اور پھر وہ حمید طرف دیکھنے لگی۔

"یہ سرجنٹ حمید ہیں۔" فریدی بولا۔

"اوہ.... اچھا.... مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ لوگ تشریف لائے۔ اب میں کافی مطمئن وگئی ہوں۔"

حمید نے فریدی کی طرف گھور کر دیکھا اور پھر ہونٹ سکوڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ چ رہا تھا کہ یہ کس قسم کا ڈیڈی ہو سکتا ہے جس نے فریدی جیسے سنگ خار کو اپنی بے بی کے پاس جدیا اور فریدی صاحب دوڑتے چلے آئے۔

"جاوید صاحب کی ضمانت ہوگئی؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! پرسوں رہا ہوئے ہیں اور ایک عجیب بات ہے۔ پرسوں وہ ذرہ برابر بھی فکرمند ہیں نظر آتے تھے، لیکن کل رات سے ان کی حالت ابتر ہے۔"

اس پر حمید نے عورت کو گھور کر دیکھا اور اُسے سو فیصدی یقین ہوگیا کہ جلال آباد بھی اس شامت ہی لے آئی ہے۔ حمید فطرتاً کام چور یا کاہل نہیں تھا لیکن فریدی کی طرح ہر وقت اپنے پر کام کا بھوت سوار کئے رکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

"حالت ابتر ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یعنی ایک طرف وہ یہی کہے جا رہے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں اور دوسری طرف انہیر جانے کیوں اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ انہیں پھانسی ہو جائے گی۔ کل رات سے بہت ز پریشان ہیں۔ پچھلی رات ان کی وجہ سے گھر کا کوئی فرد نہیں سو سکا۔"

"کیا بات تھی؟"

"بس بار بار اٹھ کر ٹہلتے تھے اور پھر اُن پر غشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا انہوں نے اس کا اعتراف کر لیا ہے کہ وہ رو انہیں کا تھا۔"

"جی ہاں انہوں نے بے دھڑک اپنا بیان دیا تھا اور یہ بات پولیس کو جتا بھی دی گئی کہ کسی اُن کو پھنسانے کے لئے سازش کی ہے اور گرفتار ہونے سے قبل بھی وہ ہنس ہنس کر کہا کرتے کہ ان کا بال بھی کوئی بیکا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ بے گناہ ہیں۔ مگر کل رات سے انہیں نہ جانے ہو گیا ہے۔"

"پولیس نے انہیں شبہے کی بناء پر گرفتار کیا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"شبہ کہاں! پولیس کو تو یقین ہو گیا ہے۔ انہوں نے جاوید کو سخت اذیتیں دی ہیں، لیٰ اعتراف جرم نہ کرا سکے اور فریدی بھائی کل رات سے خود جاوید ہی نے کہنا شروع کر دیا ہے انہیں اب کوئی پھانسی سے نہیں بچا سکتا۔"

"عجیب بات ہے۔" فریدی بولا۔ "انہوں نے اقرار جرم نہیں کیا.... اور یہ بھی کہتے ہیں پھانسی....!"

"اسی پر تو حیرت ہے۔" عورت نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا معا ہے اور وہ کچھ بتاتے بھی نہیں۔"

فریدی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا وہ کل شام کو کہیں باہر گئے تھے۔"

"جی ہاں گئے تو تھے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

فریدی اُس کی طرف مڑ کر بولا۔ "بڑا دلچسپ کیس ہے۔"

"اچھا....!" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ لہجے میں ہلکا سا طنز بھی شامل تھا اور طنز کی تہہ میں جھلاہٹ تھی۔

فریدی پھر اُس عورت سے مخاطب ہو گیا۔ "آخر انہوں نے اس بات کا اعتراف کیوں کر لیا ہ وہ رومال انہیں کا تھا، اُسے وہ بڑی آسانی سے نظر انداز کر سکتے تھے۔"

"وہ ایک بہت بڑی مجبوری تھی۔" عورت نے مغموم لہجے میں کہا۔ "گھر کے تقریباً سارے ر اور اس کے بہتیرے احباب اُس رومال کو پہچانتے تھے۔"

"کیا اس میں کوئی خاص بات تھی۔"

"اسے بد قسمتی ہی کہنا چاہئے۔ وہ رومال دراصل فرانس سے اُن کے ایک دوست نے بھیجا۔ اُس میں یہ خصوصیت تھی کہ اس پر بنی ہوئی تصویریں اندھیرے میں چمکنے لگتی تھیں اور چمکنے والے حروف میں اس پر اُن کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ چیز انوکھی تھی اس لئے جاوید ہ اُسے قریب قریب اپنے سارے دوستوں کو دکھایا تھا اور گھر والے تو خیر واقف ہی تھے۔"

"اُس عمارت میں کوئی نہیں رہتا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... وہ شکستہ حالت میں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو وہاں تک ے لے چلوں۔"

"میں خود ہی دیکھ لوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن آپ جاوید سے بھی ہ بات کا تذکرہ نہ کیجئے گا کہ آپ کسی سے مدد لے رہی ہیں۔ دوسری بات کیا اس عورت کے علق آپ مجھے کچھ بتا سکیں گی۔"

"اتنا ہی کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی۔"

"کیا وہ آپ کے گھر کے قریب ہی کہیں رہتی تھی۔"

"تھوڑے ہی فاصلے پر.... اور ایک بات اور بھی سننے میں آ رہی ہے۔ وہ یہ کہ اُس کی زندگی بیمہ شدہ تھی۔ پچاس ہزار کا بیمہ تھا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس کے شوہر ہی کی حرکت ہو سکتی ہے۔ اس نے بیمے کا روپیہ حاصل کرنے کے لئے اُسے قتل کرا دیا۔"

"خیال بُرا نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آپ نے ابھی کہا ہے کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی۔"

"میں کیا بہتیرے یہی کہتے ہیں۔ وہ پرلے سرے کی اوباش تھی۔"

"جاوید صاحب سے اُس کے تعلقات تو نہیں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بظاہر تو ایسا نہیں معلوم ہوتا لیکن پولیس نے اپنی رپورٹ میں یہی لکھا ہے۔"

"آپ کو یقین نہیں ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"میں جاوید کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتی۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"ہوں.....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے پوچھا۔ "کیا یہ بات مقتولہ کے شوہر نے پولیس کو بتائی تھی۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"شوہر بوڑھا آدمی ہے۔"

"جی نہیں۔"

"اس کی مالی حالت کیسی ہے۔"

"وہ ایک دولت مند تاجر ہے۔"

"کیا مقتولہ کا آپ کے یہاں آنا جانا تھا۔"

"نہیں! وہ ہمارے یہاں کبھی نہیں آئی۔"

"اور جاوید صاحب! کیا اس کے شوہر سے ان کے تعلقات تھے۔"

"غالباً کاروباری حد تک۔"

"کیا جاوید صاحب کا بھی کوئی کاروبار ہے۔"

"جی نہیں.... وہ داداجان کے تجارتی نمائندے ہیں۔"

تھوڑی دیر کے لئے پھر سکوت ہو گیا.... اب حمید بُری طرح الجھنے لگا تھا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ بیمہ کس کمپنی کا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"یوریشین انشورنش کمپنی کا۔"

"اوہ....!" فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

حمید بھی کچھ بولنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھا۔

"اُس عورت کی کوئی چھوٹی بہن بھی ہے۔" حمید نے پوچھا اور فریدی نے جلدی سے کہا۔ "حمید

م نے انہیں پہچانا نہیں۔ یہ ہمارے ڈی۔ آئی۔ جی کی بڑی صاحبزادی محترمہ سعیدہ ہیں۔"

حمید سناٹے میں آگیا۔ بہرحال اُسے خوشی ہوئی کہ فریدی نے اُسے بیچ ہی میں ٹوک دیا۔ ؤ دہ نہ جانے کیا بک گیا ہوتا۔

"اوہو! بڑی خوشی ہوئی۔" حمید نے پائپ سلگانے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اُس کی ایک چھوٹی بہن ہے اور اس کے شوہر کے ہی پاس رہتی ہے۔" یدہ نے کہا اور فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" اس نے کہا۔ "ہمیں اس سے بہت مدد ملے گی۔ ہاں ایک بات، ید صاحب سے ملاقات کب ہو سکتی ہے۔"

فریدی کے اس سوال پر حمید کو حیرت ہوئی۔ ظاہر ہے کہ فریدی کسی خاص کام کے لئے آئی۔ جی ہی کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور اس کام سے اس جاوید کا بھی تعلق تھا۔ پھر آخر یدی اُس سے ملاقات کے سلسلے میں اس طرح کیوں پوچھ رہا تھا۔

"ہاں یہ سوال غور طلب ہے۔" سعیدہ کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہو گئے، وہ چند لمحے ہ سوچتی رہی پھر بولی۔

"پرویز صاحب کو تو آپ نے دیکھا ہی ہے اور شائد وہ بھی آپ کو پہچانتے ہیں۔ آج شام کو ں انہیں پرویز صاحب ہی کیساتھ برادر ہوڈ کلب بھجواؤں گی۔ برادر ہوڈ کلب کی عمارت.....!"

"مجھے معلوم ہے! جلال آباد میرا دیکھا ہوا ہے۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے ین ہے کہ پرویز صاحب مجھے پہچان جائیں گے۔ خیر فکر نہیں۔ میں انتظام کرلوں گا۔"

اس کے بعد فریدی نے کسی نامعلوم کیس کے سلسلے میں اور بھی بہت سی معلومات بہم پہنچائیں۔ حمید کی اکتاہٹ بڑھتی رہی، چونکہ اُسے کسی بات کا علم نہیں تھا اس لئے وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا اور اسے اپنی یہی بیکاری کھل رہی تھی، ورنہ کسی خوبصورت عورت کا قرب ہی اُسے چہکانے کے لئے کافی ہوتا تھا۔

لیکن اُسے جلد ہی بولنے کا موقع مل گیا کیونکہ اب وہ دونوں ذاتیات پر گفتگو کر رہے تھے۔

"اور آج کل کیا مشغلہ ہے۔" سعیدہ کہہ رہی تھی۔ "کہئے آپ اب بھی سانپ پالتے ہیں۔"

"جی ہاں! اب تھوڑے سے رہ گئے ہیں! صرف ڈیڑھ سو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تھوڑے سے۔" سعیدہ حیرت سے بولی۔ "ڈیڑھ سو کم ہیں۔"

"پہلے میرے پاس پانچ سو سانپ تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں۔" حمید بولا۔ "اس محکمے میں آنے سے قبل ہم لوگ بین بھی بجایا کرتے تھے۔"

سعیدہ بے اختیار مسکرا پڑی اور فریدی ہنس کر بولا۔ "حمید صاحب بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔"

"میں نے سنا ہے۔" سعیدہ نے کہا اور اپنے داہنے ہاتھ کے ناخن دیکھنے لگی۔

اور پھر جب سعیدہ چلی گئی تو حمید سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ لیکن فریدی۔ وہ پھر اخبار دیکھنے تھا۔ حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اس کی اس حرکت کی طرف توجہ ہی نہیں دی تو وہ اپنی ا حالت پر آ گیا۔

"آپ شائد یہ سوچ رہے ہوں گے میں آپ سے کچھ پوچھوں گا؟" حمید نے چیخ کر پوچھا۔

"پوچھو! کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مردنگ کسے کہتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "میں آپ سے ہرگز یہ نہ پوچھوں گا کہ آپ یہاں کس لئے تشریف لائے ہیں۔"

"مجھے خوشی ہو گی۔" فریدی نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسرے لمحے میں وہ کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔

"نمبر پلیز! اوہ شکریہ۔ دیکھئے ذرا رفعت صاحب کو کنکٹ کر دیجئے۔ شکریہ! ہیلو! کیا رفع صاحب ہیں.... اوہ.... اچھا.... روئی کا بازار کیسا ہے.... کیا.... دو پیسے گر گئے.... میرے خ کل بازار پھر چڑھے گا۔ اُسے لکھ لیجئے۔ اگر آج شام کو برادر ہوڈ کلب میں میرا سات بجے تک انتظار کیجئے گا تو بہتر ہو گا.... مجھ سے تعاون کیجئے۔ اگلے مہینے تک ہم یہاں کے کاٹن کنگ ہو گے.... برادر ہوڈ کلب.... جی ہاں.... میز نمبر پندرہ میرے لئے مخصوص ہے.... اسی پ انتظار کیجئے.... بس سات بجے آ جائیے.... شکریہ۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا.... اور پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو برادر ہوڈ کلب.... سکریٹری صاحب.... اوہ.... دیکھئے میں لکی ایکسچینج سے بول رہا ہوں.... رفعت نعیم کے نام سے آج شام کے لئے میز نمبر پندرہ بک کر لیجئے.... اوہ شکریہ....

ہے شکریہ.... میں رفعت نعیم ہی بول رہا ہوں۔"

یدی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا اور بڑے دلآویز انداز میں مسکرانے لگا۔

"یہ آپ نے روئی کا کاروبار کب سے شروع کر دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آج ہی سے.... کیا یہ تمہیں پسند نہیں۔"

"مجھے صرف یہ پسند ہے کہ روئی کی کاشت کرنے والے سراغ رساں نہیں ہوتے۔ کیا آج شیو نہیں کریں گے۔"

"جب کوئی اچھا جملہ نہ سوجھا کرے تو خاموش ہی رہا کرو۔"

"میں تو صبح ہی سے خاموش ہوں۔" حمید نے کہا اور پھر کچھ نہ بولا۔

اس کا اندازہ تو کوئی موٹی عقل رکھنے والا بھی لگا سکتا تھا کہ وہ کوئی قتل کا کیس تھا جس کا قتل عورت تھی اور جاوید غالباً شبہے میں دھر لیا گیا تھا اور اب اس نے فریدی کی زبان سے ایک را نام سنا تھا۔ رفعت نعیم! آخر یہ کون تھا؟ فریدی نے اُسے فون پر دھوکا کیوں دیا۔ اس سے کہا اُس نے پندرہ نمبر کی میز بک کرائی ہے، لیکن بعد میں بکنگ بھی رفعت ہی کے نام سے کرا ڈالی۔

فریدی اخبار میں ڈوب گیا تھا اور حمید کا ذہن ان معاملات میں الجھ رہا تھا۔ آخر سعیدہ کا اس لے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اتنا تو اُسے پہلے سے بھی معلوم تھا کہ ڈی۔ آئی۔ جی کی لڑکی ل آباد میں بیاہی گئی تھی۔ تو کیا یہ جاوید اس کا شوہر تھا؟ مگر پھر یہ رازداری کیسی؟

اس نے سر اٹھا کر فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی بھی اس دوران اسی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"کیوں....؟" فریدی مسکرا دیا۔

"کچھ نہیں....!" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"چلو کہیں گھوم آئیں۔" فریدی بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں صرف اپنے محور پر گھومتا ہوں۔" حمید نے بڑی بے تعلقی سے کہا۔

"یہ جملہ کہا ہے تم نے بڑی دیر بعد۔ چلو پہنو کپڑے۔ میں یہاں تمہاری دلچسپیوں میں حارج نکا ہوں گا۔ تمہارے نقطہ نظر سے جلال آباد بڑی اچھی جگہ ہے۔"

"سنئے جناب۔" حمید بھنا کر بولا۔ "میں آج کل سراغ رسانی کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ! حمید صاحب آپ اور سراغ رسانی! آپ میں سراغ رسانی کی صلاحیت بھی

ہے! میں تو آپ کو صرف مسخرہ سمجھتا ہوں۔"

"چلئے یہی سہی! آپ مجھے تاؤ نہیں دلا سکتے۔"

"تاؤ تو صرف شاہی نسلوں کے لوگوں کو آتا ہے۔" فریدی نے فخریہ انداز میں سینہ تان ک

"میں جانتا ہوں کہ آپ کا سلسلہ براہِ راست محمد تغلق سے ملتا ہے۔" حمید ہونٹ
بولا۔ "لیکن ضروری نہیں کہ آپ ذرا ذرا سی بات پر اس کا حوالہ دیتے پھریں۔"

"جب کوئی تمہاری تعریف کرتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ اس کا گلا گھونٹ دوں۔"

"میں جانتا ہوں کہ خودکشی آپ کیلئے مقدر ہو چکی ہے۔" حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے کہ

"بہرحال مجھے افسوس ہے کہ مفت میں تمہیں اتنی شہرت نصیب ہو گئی۔" فرید
ہوا بولا۔ "تو تم نہیں چلو گے۔"

"جی نہیں.... میں اپنی پچھلی نیند پوری کروں گا۔"

فریدی نے پھر کچھ نہیں کہا۔ حمید اُسے باہر جانے کے لئے لباس تبدیل کرتے دیکھتا رہا

"اچھا تو پھر چھ بجے شام کو برادر ہوڈ کلب کے قریب ملنا۔" فریدی نے کہا اور آ
آخری نظر ڈالتا ہوا ایک چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔

حمید سچ مچ سونا چاہتا تھا۔ پچھلی رات اُسے اچھی طرح نیند نہیں آئی تھی۔ اُس نے دیر
کر دوپہر کا کھانا منگوایا۔

اور جب وہ کھانا ختم کرنے کے بعد لیٹنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔
نے جھلا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "کون! فریدی بھائی۔"

"جی نہیں سرجنٹ حمید۔"

"اوہ دیکھئے میں سعیدہ بول رہی ہوں۔" لہجے میں گھبراہٹ تھی۔ "فریدی بھائی سے
دیجئے کہ پچھلی رات کو بھی لنگڑی کوٹھی میں وہ عجیب و غریب روشنیاں دکھائی دیں تھیں۔ ا
پڑوسی نے اطلاع دی ہے۔"

گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید اور ٹماٹر

سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد بھی حمید بوکھلاہٹ میں کئی سیکنڈ تک "ہیلو ہیلو" کرتا رہا اور
ب اُسے کوئی جواب نہ ملا تو ریسیور کو اس طرح گھورنے لگا جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔

اگر اُسے یہ معلوم ہوتا کہ سعیدہ کہاں سے بولی تھی تو وہ اُسے دوبارہ فون کر کے یہ ضرور
ا کہ یہ لنگڑی کوٹھی کس چڑیا کا نام ہے۔ اب کوٹھیاں بھی لولی لنگڑی ہونے لگیں۔ بہر حال
ہ صرف ایک بات کے متعلق بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ یہی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے،
ے سے نکل بھاگے۔ ورنہ یہ کم بخت ٹیلی فون زندگی تلخ کر دے گا۔ اسے اس نامعقول ایجاد
بڑی نفرت تھی۔ اگر اس کا موجد ایک بار بھی اُسے دستیاب ہو جاتا تو وہ اُسے پھٹے پرانے
ں کا ہار پہنائے بغیر نہ مانتا۔

ٹیلی فون کا استعمال وہ طوعاً و کرہاً کرتا تھا اور گفتگو کرتے وقت اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ
کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح بیجان نظر آئے۔ ایسے مواقع پر اُسے اپنے سیکشن کا ہیڈ
ب ضرور یاد آتا تھا، جو فون پر اپنے آفیسروں سے گفتگو کرتے وقت بڑی عاجزی سے دانت
ا دیا کرتا تھا۔ وہ لڑکیاں یاد آتیں، جنہیں حمید نے فون پر گفتگو کرتے وقت مسکراتے لجاتے اور
اتے دیکھا تھا۔

وہ سب اُسے اُلو کے پٹھے اور احمق معلوم ہوتے تھے اسی لئے فون پر گفتگو کرتے وقت وہ
پنے چہرے کو بیجان بنائے رکھنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

اس نے بڑی کراہت کے ساتھ ریسیور رکھ دیا اور بکس سے کپڑے نکالنے لگا۔ وہ اپنے ذہن
اس بے سروپا کیس میں نہیں الجھانا چاہتا تھا.... جاوید.... رفعت نعیم.... سعیدہ....
ذلہ.... اندھیرے میں چمکنے والا رومال.... اور لنگڑی کوٹھی.... لاحول ولا قوۃ! اندھا
الن.... کانی عمارت! گونگا بنگلہ! اس نے جھلا کر سوٹ کیس پٹخ دیا۔

لباس تبدیل کر کے وہ فارغ ہی ہوا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے دانت پیس کر ریسیور اٹھا لیا۔
دوسری طرف سے شائد سعیدہ ہی کہہ رہی تھی۔ "فریدی صاحب! کیا فریدی صاحب ہیں۔"

"جی نہیں میں سرجنٹ حمید ہوں۔ فریدی صاحب کہیں باہر گئے ہیں۔"

"اوہ.... جاوید پر بیہوشی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ خیر جانے دیجئے۔ میں پھر ملوں گی۔ میں پریشان ہوں۔"

"جی....!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حمید ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ کر دروا کی طرف مڑ گیا۔

ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر وہ سوچ رہا تھا کہ کہاں جائے۔ اس سے قبل کئی بار جلال آباد آ چکا تھا۔ اس لئے اُسے زیادہ الجھن نہیں ہوئی۔ بہر حال اُس نے فٹ پا کھڑے ہی کھڑے تہیہ کر لیا کہ اس ہوٹل میں تو ان کا قیام نہیں رہے گا۔

بس وہ یونہی بے مقصد ایک طرف چلنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک آوارہ گردی کرنے کے بعد وہ ایک ایسی عمارت کے سامنے کھ جس کے ایک حصے پر اُسے "کرایہ کے لئے خالی ہے" کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔

عمارت کافی طویل و عریض تھی جس کے سامنے ایک خوبصورت پائیں باغ کی چہار دیا پر مختلف قسم کی پھولدار بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔

حمید سوچنے لگا کہ کیوں نہ اس مکان کے لئے بات چیت کی جائے۔ یہ بات تو اس پر ظا ہو چکی تھی کہ یہاں اُن کی مدت قیام طویل بھی ہو سکتی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو فریدی ا روپیہ جلال آباد کے بینکوں میں کیوں ٹرانسفر کراتا۔

حمید نے دیکھا۔ پائیں باغ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ اس نے اپنی ٹائی کی گرہ درست کی اور چ پر رومال پھیرتا ہوا پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ سامنے ایک لمبی سی روش تھی، جو عمارت برآمدے کی سیڑھیوں تک چلی گئی تھی۔ روش پر دورویہ مہندی کی باڑھیں تھیں۔ حمید۔ سب ایک ہی نظر میں دیکھ لیا، ورنہ شاید اس کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ جیسے ہی اس نے پھاٹک قدم رکھا تھا ایک بھاگتا ہوا نوجوان اس سے آ ٹکرایا تھا۔ پھر جونہی وہ جھپٹ کر اس کے سامنے ہٹا کوئی چیز بڑی قوت سے اس کی پیشانی پر پڑ کر پھٹ گئی اور اس کا چہرہ بھیگ گیا۔ اگر آنکھیں ہی بند نہ ہو جاتیں تو شائد وہ چپچپی اور پھسلنے والی سیال چیز اُس کی آنکھوں میں بھی چلی گئی ہوتی۔

حمید نے بوکھلا کر نیچے دیکھا۔ یہ ایک ٹماٹر تھا اور سامنے برآمدے میں ایک لڑکی اپنے ہا

ں دوسرا ٹماٹر لئے ہوئے اُسے گھور رہی تھی۔ حمید نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا۔ ماٹر کے کچھ بیج اس کے کوٹ کے کالر پر بھی پڑے تھے۔ انہیں انگلیوں سے جھٹکتا ہوا وہ آگے بڑھا ی تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کی کمر پکڑلی۔ یہ وہی نوجوان تھا جس سے وہ ٹکرایا تھا۔ اس نے گھگھیائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بس خدا کے لئے! چپ چاپ یونہی کھڑے رہئے۔"

"کیوں! یہ کیا بدتمیزی ہے۔" حمید جھلا کر پلٹا۔

"میں معافی چاہتا ہوں، لیکن خدا کے لئے بس یونہی کھڑے رہئے۔ وہ چلی جائے۔"

"براہِ کرم آپ سامنے سے ہٹ جائیے۔" برآمدے سے آواز آئی۔ حمید اُس لڑکی کو دیکھنے لگا۔ آواز بڑی سریلی اور ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ پیدا کر دینے والی تھی۔

"مسٹر! خدا کے لئے۔" نوجوان حمید کی کمر پکڑے ہوئے آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اگر آپ نہیں ہٹیں گے۔" لڑکی نے چیخ کر کہا۔ "تو چوبیس ٹماٹر آپ کو برداشت کرنے پڑیں گے۔"

حمید بُری طرح بوکھلا گیا۔

"دھمکی! محض دھمکی۔" نوجوان آہستہ سے بولا۔ "آپ ہرگز نہ ہٹئے گا۔"

"اسلم! سامنے آؤ۔" لڑکی نے پھر للکارا۔ "ورنہ اڑتالیس ٹماٹر۔"

"آپ بھاگتے کیوں نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ناممکن.... بالکل ناممکن.... بھاگنے کی صورت میں مجھے اڑتالیس ٹماٹر برداشت کرنے پڑیں گے۔"

"سنئے جناب....!" لڑکی نے چیخ کر حمید کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "آپ نہیں جانتے تو یہ لیجئے۔"

ساتھ ہی اس کے چہرے پر دوسرا ٹماٹر پڑا۔

حمید کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ پلٹ کر اس نوجوان سے لپٹ پڑا۔

"شکریہ! شکریہ!" برآمدے سے آواز آئی۔ "آپ ہٹ جائیے۔"

دفعتاً حمید کی رگ شرارت بھی پھڑک اٹھی۔ اس نے اُس نوجوان کو دبوچ کر اپنے سامنے کر لیا۔

"شکریہ۔" لڑکی برآمدے سے چیخی اور ایک ٹماٹر اُس نوجوان کے چہرے پر پڑا۔

"چھوڑیئے....!" نوجوان مچلنے لگا۔

"خدا کے لئے.... مسٹر!" حمید نے اُسی کے لہجے میں التجا کی۔

ٹماٹر لگتے رہے۔ حمید اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ نوجوان پہلے تو اس کی گرفت سے جانے کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ لیکن پھر اُس نے بھی بے بسی سے ہنسنا شروع کر دیا۔

"ٹماٹر ختم ہوگئے۔" برآمدے سے آواز آئی۔ "بقیہ پھر کبھی۔"

حمید نے اُسے چھوڑ دیا لیکن وہ اس کے حملے کے لئے تیار تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ چھو ہی ہاتھا پائی پر آمادہ ہو جائے گا۔ مگر وہ کچھ کہنے کی بجائے دوڑتا ہوا برآمدے کی طرف چلا گیا۔ لڑ اُسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

حمید جب برآمدے میں پہنچا تو وہ شائد اندر جا چکا تھا۔ لڑکی البتہ اب تک وہیں تھی اور حمی متحیرانہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا ڈیڈی سے ملنا ہے۔" لڑکی نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں دراصل اس خالی حصے کے لئے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

لڑکی حسین تھی لیکن اس کی آنکھیں بہت کمزور معلوم ہوتی تھیں کیونکہ اُس نے بڑ موٹے شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی۔

"خالی حصے کے لئے گفتگو کرنے سے کیا فائدہ۔" لڑکی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید اُ گھورنے لگا.... اس کا یہ جواب قطعی بے تکا تھا۔

"میں اُسے کرائے پر لینا چاہتا ہوں۔"

"کرائے پر لینا چاہتے ہیں۔" لڑکی آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ "بھلا اتنا بڑا مکان آپ سے اٹھے گا۔"

حمید جھنجھلا گیا۔

"آپ کے ڈیڈی کہاں تشریف رکھتے ہیں۔"

"آپ غیر ضروری الفاظ استعمال کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "خیر مجھے کیا؟ ویسے آپ پوچھ سکتے تھے کہ ڈیڈی کہاں ہیں.... اونہہ.... تشریف.... اور پھر رکھتے ہیں! غیر ضروری الفاظ....!"

"کیا شریف آدمیوں پر ٹماٹر پھینکنا کوئی ضروری حرکت ہے۔" حمید جل کر بولا۔

"اوہ.... وہ اسلم! بہت بور کرتا ہے۔ صبح سے ٹماٹر کی خصوصیات پر لیکچر دے رہا تھا۔ مجھ

مل وٹامنز سے چڑھ ہے۔ میں اے سے زیڈ تک سارے وٹامنز پر لعنت بھیجتی ہوں۔"

"آپ کے ڈیڈی۔"

"میرے ڈیڈی۔" اُس نے جلدی سے بات کاٹ دی۔ "بہت بڑے سائنٹسٹ ہیں۔ وہ آج مرغی کے ایک انڈے میں تین زردیاں پیدا کرنے کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔"

"اوہ کیا سچ؟" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی ہاں! کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔"

"تب تو آپ مجھے فوراً اُن کے پاس لے چلئے! انہیں میری ضرورت ہے۔"

"ضرورت تو انہیں صرف ایک عدد اصیل مرغے کی ہے۔" لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"میں ایک اصیل مرغے کے فرائض بھی انجام دے سکتا ہوں۔" حمید نے بڑی سعادت ری سے کہا۔

"اوہ.... اچھا تو آیئے۔" لڑکی نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک کمرے میں گھسیٹ لے۔ لیکن پھر اچانک اُس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور رک کر اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"کیا کہا تھا آپ نے۔"

"میں نے یہ عرض کیا تھا کہ میں اصیل مرغا مہیا کر سکتا ہوں۔"

"تو آیئے.... ڈیڈی آپ کی بہت عزت کریں گے۔ میں آپ کو ان کی تجربہ گاہ میں لئے تی ہوں۔"

تجربہ گاہ میں پہنچ کر حمید کو ہنسی ضبط کرنا دشوار ہوگیا۔ کیونکہ ایک انتہائی سنجیدہ صورت اور ر آدمی ایک مرغے کو گھیر گھیر کر ایک گوشے میں اونگھتی ہوئی مرغی کی طرف ہانک رہا تھا۔ س کے ایک ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سیرنج تھی۔

حمید اور اُس لڑکی کو دیکھ کر اُس نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور آہستہ سے بولا۔ "پلیز.... پلیز ھری ٹھہریئے۔"

تقریباً پانچ چھ منٹ تک وہ مرغ کے ساتھ اچھلتا کودتا رہا پھر رک کر مایوسی سے سر ہلاتا ہوا لا۔ "موڈ میں نہیں ہے۔"

اسی دوران میں وہ شائد اُن دونوں کی موجودگی بھی بھول گیا تھا۔

"اوہو! سلیمہ!" وہ ان کی طرف مڑتے ہی چونک پڑا۔ پھر اپنی ناک پر عینک جماتا ہوا بولا۔ "آپ کی تعریف۔"

"آپ اصیل مرغ مہیا کر سکتے ہیں۔" سلیمہ نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ کو کرائے پر مکان بھی چاہئے۔"

"تشریف رکھئے! تشریف رکھئے۔" اُس نے جھک کر ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹی سلیمہ آپ کے لئے چائے کو کہو۔"

سلیمہ چلی گئی۔

"اصیل مرغ....!" سلیمہ کا ڈیڈی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں عرصے سے تلاش میں ہوں مگر یہاں سب دوغلے ملتے ہیں۔ آپ کو مکان بھی چاہئے۔"

"اب تو ہر قیمت پر چاہئے۔"

"کیوں؟" بوڑھا اسے گھورنے لگا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میرے ساتھی پروفیسر چنگھاڑنی بھی اسی چکر میں ہیں۔"

"کس چکر میں ہیں؟"

"اب وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ایک انڈے میں کم از کم پانچ زردیاں پیدا کی جائیں۔"

"کیا....؟" بوڑھا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں.... چار زردیوں تک انہیں کامیابی ہوئی ہے۔"

"افسوس" بوڑھا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر آرام کرسی پر گر گیا.... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا.... حمید کچھ نہ بولا۔

"چار زردیوں تک کامیابی اور میں دو بھی نہیں پیدا کر سکا۔" بوڑھا بڑبڑا رہا تھا۔ "نہیں نہیں مسٹر میں یقین نہیں کر سکتا۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے۔"

"پروفیسر چنگھاڑنی۔" حمید بولا۔

"میرے خدا.... چار زردیاں.... میری زندگی برباد ہو گئی.... میں تباہ ہو گیا۔"

"پروفیسر چنگھاڑنی نے مرغی کے انڈے سے کچھوے کے بچے نکالے تھے۔" حمید نے کہا۔

"میرے پیارے لڑکے۔" بوڑھا حالت جوش میں کھڑا ہو گیا۔ "کہاں ہے وہ قابل قدر

ہتی۔ کچھوے کے بچے میں سے مرغی کے انڈے.... دنیائے سائینس میں ایک عظیم کارنامہ۔"

"میں دنیا کے دو عظیم سائنسدانوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "کیا آپ ان کرائے پر....!"

"مفت میرے پیارے لڑکے۔" بوڑھے نے اُس کی بات کاٹ دی.... "بالکل مفت.... فیسر چرگاڑنی۔"

"چنگھاڑنی۔" حمید نے تصحیح کی۔

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "پروفیسر چنگھاڑنی کے لئے میں پوری عمارت ی کر سکتا ہوں۔ لیکن میں بہت اداس ہو گیا ہوں.... پانچ زردیاں.... میرے خدا۔"

"انہوں نے زردیوں کی رنگت تک تبدیل کر دی ہے۔ ایک ہی انڈے میں چار مختلف رنگوں زردیاں تھیں! سبز، سرخ، نیلی اور پیلی۔"

"بس کیجئے.... بس کیجئے۔" بوڑھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔ اف رے خدا.... چار زردیاں.... انقلاب دنیائے سائنس میں عظیم انقلاب اوہ پیارے پروفیسر ھاڑنی۔ تم انسانیت کے بہت بڑے محسن ہو.... چار زردیاں۔"

"تو پھر آپ مکان کے لئے کیا کہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جب دل چاہے آجایئے.... ضرور آیئے۔"

"کرایہ کیا ہو گا۔"

"کچھ نہیں.... بالکل نہیں.... پروفیسر چنگھاڑنی سے کرایہ نہیں لیا جائے گا۔"

"یہ تو مناسب نہیں۔" حمید بولا۔

"قطعی مناسب ہے مسٹر....!"

"لوگ مجھے ڈاکٹر زیٹو کہتے ہیں...." حمید نے شرما کر کہا۔

"مائی ڈیئر.... ڈاکٹر زیٹو.... چشم ما روشن دل ما شاد ماں۔ شوق سے آپ لوگ تشریف لایئے۔ آپ میرے مہمان رہیں گے، لیکن وہ اصیل مرغ نہ بھولئے گا۔"

"میں کل ہی اُ ... لکھ دوں گا۔ پروفیسر چنگھاڑنی کے گھر پر پانچ درجن اصیل مرغ ہیں۔"

"پانچ درجن اصیل۔" بوڑھا حیرت سے بولا۔ "مائی ڈیئر ڈاکٹر زیٹو.... پروفیسر چنگھاڑنی

پرستش کے قابل ہیں۔"

"آپ پروفیسر سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"قطعی ڈاکٹر زیٹو.... قطعی۔" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "ڈاکٹر زیٹو.... آپ ڈاکٹر ہیں۔ جگر خراب ہے۔ خون خراب ہے۔ کیا آپ میرا طبی معائنہ کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔"

"میں دراصل آئس کریم کا ڈاکٹر ہوں۔" حمید نے شرما کر کہا۔

"آئس کریم کا ڈاکٹر۔" بوڑھے نے منہ چلا کر آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں.... ایک نئی قسم کی آئس کریم ایجاد کرنے کے سلسلے میں نبراسکا یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ دی تھی۔"

"اوہو! آپ بھی موجد ہیں۔" بوڑھا اس کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر زیٹو آپ بھی انسا کے بہت بڑے محسن ہیں۔"

سلیمہ چائے کی ٹرے لئے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"سلیمہ! پروفیسر چنگھاڑنی آرہے ہیں۔" بوڑھے نے اُسے مخاطب کیا۔

"پروفیسر چنگھاڑنی۔" سلیمہ نے حیرت سے کہا۔

"تم پروفیسر چنگھاڑنی کو نہیں جانتیں۔ ارے وہ انسانیت کا محسن۔ قابل قدر پروفیسر چنگھا جو اب تک چار زردیوں والے انڈے پیدا کرچکا ہے۔ جس نے کچھوے کے بچے سے مرغی انڈے نکالے ہیں۔"

"ڈونٹ ٹاک اِٹ ڈیڈی۔" وہ منہ سکوڑ کر بولی۔

"ڈاکٹر زیٹو سے پوچھ لو۔"

"ڈاکٹر زیٹو....!" لڑکی حمید کو گھورنے لگی۔

"آپ ٹماٹر کھایا کیجئے۔" حمید نے اُس سے کہا۔ "وہ ایک صحت مند غذا ہے۔"

"کیا....؟" سلیمہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ "آپ مجھے بور کریں گے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ ٹماٹر کے فوائد سے واقف نہیں۔"

"بکواس بند کیجئے۔" سلیمہ چیخ کر بولی۔ اس کا چہرہ غصے سے ٹماٹر ہوگیا۔ "آپ احمق ہیں۔" اُس نے پیر پٹخ کر کہا اور کچھ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

"اوہ مائی ڈیئر ڈاکٹر زیٹو....!" بوڑھے نے انکسار آمیز لہجے میں کہا۔

"بے بی کو ٹماٹر کے تذکرے پر غصہ آجاتا ہے۔ وہ اسلم ہے نا! اس سے بڑی جنگ ہو جاتی ہے۔ ٹماٹر اُس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"اسلم صاحب کون ہیں؟"

"صاحب نہیں.... وہ میرا بھتیجا ہے۔" بوڑھے نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "میرا ارادہ ہے کہ میں بے بی سے اُس کی شادی کردوں.... مگر ٹماٹر....!"

"کیوں.... ٹماٹر کیوں؟"

"اوہ اُسے ٹماٹر بہت پسند ہیں.... وہ دن رات ٹماٹروں کے قصیدے پڑھا کرتا ہے، لیکن بے بی.... اُسے ٹماٹروں سے نفرت ہے۔ میں نے کہا نا کہ ٹماٹر اُسکی سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"لیکن میں اُسے ٹماٹر کھلا سکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"ناممکن! مائی ڈیئر زیٹو.... بالکل ناممکن ہے۔"

"ٹماٹر کی آئس کریم.... کیا خیال ہے؟"

"گڈ! ایکسیلنٹ! ڈاکٹر زیٹو ونڈر فل!" بوڑھے نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر تیز قسم کی سرگوشی کی۔

"میں پروفیسر چنگھاڑنی کا دست راست ہوں۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب اجازت دیجئے۔"

"ارے میں کس قابل ہوں کہ اجازت دوں۔" بوڑھے نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "ارے چائے تو رکھی ہی رہ گئی۔ لیجئے ڈاکٹر زیٹو۔"

ڈاکٹر زیٹو پھر بیٹھ گیا۔ دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ بوڑھا کبھی کبھی کونے میں کُڑکی اونگھتی ہوئی مرغی کو پر تشویش نظروں سے دیکھنے لگتا تھا۔

"اسے ٹماٹر کی آئس کریم کھلائیے۔ یہ کچھ مغموم سی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹماٹر کی آئس کریم۔" بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

"یہ بہت ضروری ہے۔ پروفیسر چنگھاڑنی ہمیشہ یہی کرتی ہیں۔ ورنہ چار زردیاں مشکل کام ہے۔ ٹماٹر کا رس کسی کنواری لڑکی کے ہاتھوں نکلوایا جائے۔ کیا سمجھے اور مرغ کو بھی کھلائیے وہ کچھ دنوں کے لئے نامرغ ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ اُسے شیری پورٹ اور وہسکی کی کاک ٹیل

پلا کر دوبارہ اصلی حالت پر لا سکتے ہیں۔ کیا سمجھے، تین زردیوں کا ذمہ میں لیتا ہوں۔"

فریدی کی عجیب حرکت

تقریباً نو بجے رات کو حمید ہوٹل میں واپس آیا۔ فریدی کمرے میں موجود تھا اور اُس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا، لیکن کچھ بولا نہیں۔

مگر جب حمید کپڑے اتارنے لگا تو اس نے کہا۔

"ٹھہرو! ہم اسی وقت یہ ہوٹل چھوڑ رہے ہیں۔"

"کیوں! خیریت.... اب کہاں جھک مارنے کا ارادہ ہے۔"

"میں یہاں کا حساب صاف کر چکا ہوں۔ تم ٹیکسی لے آؤ۔"

"کہاں چلئے گا۔"

"کسی دوسرے ہوٹل میں؟"

"ہوٹل بیکار ہے۔" حمید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"آپ گھورتے کیوں ہیں؟"

"چلو! جلدی جاؤ! ورنہ کسی الجھن میں پڑ جائیں گے۔"

"میں نے ایک مکان کا انتظام کیا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"آپ مکان کا مطلب نہیں سمجھتے۔ آج جانے کیا بات ہے کہ ہر آدمی پروفیسر ٹی۔اے جھوس بنا جا رہا ہے۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"میں نے ایک مکان کا انتظام کر لیا ہے۔ بڑی آرام دہ جگہ ہے۔ آپ کو صرف تھوڑی سی مرغ بازی کرنی پڑے گی۔ اپنا نام پروفیسر چنگھاڑنی بتانا پڑے گا۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔"

"اور آپ کو یہ ظاہر کرنا پڑے گا کہ آپ ایک بہت بڑے سائنسدان ہیں۔ ایک انڈے سے ...ٹ چار زردیاں پیدا کر چکے ہیں اور اب پانچویں کے امکانات زیرِ غور ہیں۔"

"بیہودہ بکواس پھر کسی وقت پر اٹھا رکھو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

اس پر حمید نے دن بھر کی کارگذاریوں کی رپورٹ پیش کر دی۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا ...لا۔

"اس کا نام کیا ہے؟"

"پروفیسر ٹی۔اے جھوس۔"

"ٹی۔اے جھوس۔" فریدی یاد داشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہی تو نہیں جس کی ایک آنکھ ...ئی ہے۔"

"ہائیں! تو کیا آپ اُسے جانتے ہیں۔" حمید اچھل پڑا۔

"اس کی سات پشتوں سے واقف ہوں۔ وہ ایک بہت بڑا احمق ہے۔ اُسے تجربات کا خبط ہے، تمہیں یہ معلوم کر کے حیرت ہو گی کہ وہ ایک بہت ہی معمولی پڑھا لکھا آدمی ہے۔ ویسے ...ر کافی ہے اور خود کو سائنسدان ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جرمن سائنسدانوں کی سی ...بنائے رکھتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے فرزند کہ وہ مجھے پہچانتا ہے۔"

"میک اپ....!" حمید بولا۔ "آپ ایک معمر آدمی کا میک اپ کر لیجئے۔"

"تو ضرورت ہی کیا ہے.... کہیں اور ٹھہریں گے۔"

"میں تو وہیں ٹھہروں گا.... میرا نام ڈاکٹر زیٹو ہے اور میں آئس کریم کا ماہر ہوں۔ کیا سمجھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"تم برادر ہوڈ کلب میں کیوں نہیں ملے۔"

"بتایا تو کہ میں مکان تلاش کر رہا تھا۔"

"رفعت نعیم بھی قتل کر دیا گیا۔"

"رفعت نعیم.... اوہ.... وہی جسے آپ نے فون کیا تھا۔"

"ہاں وہی.... وہ بیچارہ کلب آیا تھا۔ بڑی دیر تک پندرہ نمبر کی میز پر میرا انتظار کرتا رہا لیکن ...نے تو دراصل اُسے دیکھنے کے لئے بلایا تھا۔ اُس سے ملنے کا ارادہ قطعی نہیں تھا۔ جب وہ انتظار

کرتے کرتے تھک گیا تو اس نے میز مخصوص کرانے والے کے متعلق سیکریٹری سے پوچھا، ا
سیکریٹری ہنس پڑا۔ کیونکہ میں نے وہ میز خود رفعت نعیم ہی کے نام سے مخصوص کرائی تھ
بہر حال وہ بڑی دیر تک سیکریٹری سے الجھتا رہا اور پھر وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اب مجھے جاوید اور پر
انتظار تھا، لیکن وہ دونوں سرے سے آئے ہی نہیں...... ہاں تو...... رفعت نعیم کے جانے کے
لمحوں کے بعد باہر شور سنائی دیا۔ پھر برآمدے میں میں نے رفعت نعیم کی لاش دیکھی۔ اُس
بائیں پسلی میں ٹھیک دل کے مقام پر ایک خنجر پیوست تھا لیکن قاتل کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

"لیکن یہ رفعت نعیم تھا کون؟"

"مقتولہ کا شوہر۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے مقتولہ میری منکوحہ رہی ہو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں بھی نہیں جانتا کہ وہ دوسرا جاوید کون اُلو کا پٹھا ہے۔"

"جاوید.... سعیدہ کے شوہر کا چھوٹا بھائی ہے اور اس پر رفعت نعیم کی بیوی کے قتل کا الزام ہے

"تو آپ جاوید سے اُسکے گھر پر کیوں نہیں ملے۔ آخر اتنی رازداری کی کیا ضرورت تھی۔

"بتاتا ہوں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "مقتولہ کی لاش ایک اجاڑ سی ٹوٹی پھوٹی عما
میں پائی گئی اور وہ عمارت دراصل سعیدہ کے سسرال والوں کی ملکیت ہے۔ لاش کے قریب ج
کا رومال پایا گیا ہے۔"

"اور اس عمارت کا نام لنگڑی کوٹھی ہے۔" حمید اپنے دیدے نچا کر بولا۔

"تو تم تفصیل سے واقف ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"پچھلی رات کو پھر لنگڑی کوٹھی میں روشنی دیکھی گئی تھی۔"

"کیا....؟" فریدی یک بیک کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں.... سعیدہ کے بعض پڑوسیوں نے کچھ عجیب و غریب قسم کی روشنیاں دیکھی تھیں۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"آپ کے جانے کے بعد سعیدہ نے فون پر کہا تھا۔"

"اوہ....!" فریدی اٹھ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اس واردات کے بعد پولیس نے نہ صرف جاوید کو گرفتار کر لیا بلکہ اُس کے خاندان والوں کو بھی پریشان کرتی رہی۔ سعیدہ نے

ں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ کیوں نہ اپنے باپ کو پورے واقعات لکھ کر اُن سے
طلب کرے لیکن جاوید کے دادا میاں نے اُسے اپنی شان کے خلاف سمجھ کر اُس کی تجویز
ردی۔ سعیدہ بہت پریشان تھی۔ اُس نے خفیہ طور پر ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کو خط لکھا۔ اس
ہے کہ خاندان کی عزت خاک میں ملنے والی ہے اور دادا صاحب اپنی جھوٹی خودداری لئے
ں۔"

کیوں! آخر وہ بوڑھا مخالفت کیوں کر رہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

جھکی ہے.... بہو کے میکے والوں سے مدد لینا کسر شان سمجھتا ہے، بہر حال ڈی۔ آئی۔ جی کی
کے مطابق چھپ کر اس کیس کی تفتیش کرنی ہے۔"

"کیا وہ خاندان لنگڑی کوٹھی میں مقیم ہے۔"

"نہیں لنگڑی کوٹھی تو ایک قدیم طرز کی عمارت کے کھنڈروں کا نام ہے، لیکن وہ ان کی
عمارت سے ملحق ہے۔"

"اور ان روشنیوں کا کیا قصہ ہے؟"

"لوگوں کا خیال ہے کہ لنگڑی کوٹھی بدارواح کا مسکن ہے۔ وہاں اکثر راتوں کو ڈراؤنی چیخیں
نی گئی ہیں۔ بسا اوقات لوگوں کو روشنی بھی دکھائی دی ہے۔"

"آ گئی شامت۔" حمید اپنا داہنا گال رگڑتا ہوا بولا۔

"رفعت نعیم کے اچانک قتل کے بعد یہ کیس بڑا دلچسپ ہو گیا ہے۔ پہلے تو یہ سوچا جا سکتا
کہ رفعت نعیم نے بیمے کے پچاس ہزار روپے حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو قتل کر دیا،
اب ہم اُسے کیا کہیں گے۔"

"رفعت نعیم کا کوئی وارث جو اُس کی موت کے بعد فائدہ اٹھا سکے۔" حمید بولا۔

"رفعت نعیم کا کوئی ایسا وارث نظر نہیں آتا۔ میں نے آج دوپہر کو چھان بین کی تھی۔ البتہ
ا کی ایک سالی ہے، جس کا قیام اسی کے ساتھ تھا مگر وہ غیر شادی شدہ ہے۔"

"کیا غیر شادی شدہ عورتیں قتل نہیں کر سکتیں۔"

"کر سکتی ہیں، لیکن وہ لڑکی پیدائشی اپاہج ہے۔ اُس کی دونوں ٹانگیں بیکار ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ "جاوید کا رویہ بڑا مشکوک ہے۔ پرسوں تک وہ خوش رہا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کی بے گناہی ثابت ہو جائے گی۔ لیکن کل سے اُس پر دورے پڑنے لگے ہیں اور اُسے بار بار پھانسی کا پھندا اپنے سامنے لٹکتا دکھائی دیتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ کل سے اس کی یہ حالت ہے اور آج رفعت قتل کر دیا گیا۔"

"یہ چیز غور طلب ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"اب دوسری بات.... رفعت کے قتل کے بعد میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ ہم اس ہوٹل میں ٹھہریں۔ ظاہر ہے کہ وہ میز میں نے ہی مخصوص کرائی تھی اور اس کے لئے فون پر بھی گفتگو کی تھی، جسے ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر نے ضرور سنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ کل کے اخبارات میں رفعت نعیم کے قتل کی کہانی شائع ہو اور اُس میز کا بھی تذکرہ آئے۔"

"بات تو ٹھیک ہے" حمید سر ہلا کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ ٹیلی فون آپریٹر کو آپ کی کال یاد آجائے۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

"اچھا ٹھہرو....!" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دوسرے لمحے میں وہ اپنے ایک چھوٹے سوٹ کیس سمیت غسل خانے میں تھا۔

اور پھر جب آدھ گھنٹے کے بعد غسلخانے کا دروازہ کھلا تو حمید کے سامنے مغربی وضع کا ایک بوڑھا کھڑا تھا اُس کے چہرے پر فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی اور گالوں پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ حمید اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"ڈاکٹر زیٹو۔" فریدی نے اُسے کپکپاتی ہوئی آواز میں مخاطب کیا۔ "تمہیں یہ سن کر خوشی نہ ہوگی کہ پروفیسر ٹی۔ اے جھوس جاوید کے رشتہ داروں میں سے ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ تم اُسی سے جا ٹکرائے۔ اُس کے یہاں رہ کر ہم بہتیری معلومات حاصل کر سکیں گے۔"

"شامت....!" حمید دانت پیس کر بولا۔ "کہیں چین نہیں ہے۔ لعنت ہے اس زندگی پر، مقدر ہی واہیات ہے۔ لیکن یہ جھوس کیا بلا ہے۔ میں نے آج تک اس قسم کی کنیت نہیں سنی۔"

"چنگھاڑنی اور زیٹو کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"وہ تو میں نے اُسی وقت گڑھ لئے تھے جب میں نے پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر اس کا نام دیکھا تھا۔"

"وہ خود کو ٹی۔ اے جھوس لکھتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پہلے وہ شاعری کرتا تھا اور اپنا تخلص سمیت طیب علی موج لکھتا تھا۔ اچانک اس پر علم الحیوانات کا بھوت سوار ہوا اور اُس نے سائنسدانوں کی وضع اختیار کر لی۔ موج کو جھوس کر دیا اور خود کو ٹی۔ اے جھوس لکھنے لگا۔"

"آپ کہتے ہیں کہ وہ جاوید کا رشتہ دار ہے۔ لیکن ان وارداتوں میں اسی کا ہاتھ نہ ہو۔ اُس سے پہلے بھی تو ہمیں اس قسم کے کئی خبطی پروفیسروں سے واسطہ پڑ چکا ہے۔"

"پتہ نہیں۔ ویسے تم کئی بار اس سے پہلے بھی نادانستگی میں صحیح مجرموں سے ٹکرا چکے ہو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر وہ پھر کہنے لگا۔ "میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تم بھی اصلی صورت میں منظر عام پر آؤ۔ کل کا اخبار ہمارے لئے خطرناک ہوگا۔"

"مگر میں تو پروفیسر جھوس سے اپنی اصلی صورت میں مل چکا ہوں۔"

"اسی لئے میں نہیں چاہتا کہ ابھی ہم وہاں جائیں۔ کل کا اخبار اور دیکھ لیا جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر نے اخبار دیکھ کر کوئی رپورٹ تو نہیں دی۔"

"پھر آپ ہی کچھ فرمایئے۔ میں تو اس وقت اُس ٹماٹر بیزار لڑکی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ وہ بھی اپنے باپ ہی کی طرح سنکی ہے۔"

"لڑکیوں کے علاوہ اور تم سوچ ہی کیا سکتے ہو۔" فریدی نے بیزاری سے کہا۔

"لڑکیوں کے علاوہ میں اُن کے منگیتروں کے متعلق بھی سوچتا ہوں، اور یہ بھی سوچتا ہوں کہ بیچارے منگیتر کیوں کہلاتے ہیں۔ اگر چھچھوندر کہلاتے ہوتے تو ہمیں بھی یہی کہنا پڑتا۔"

وہ ابھی اپنی بکواس جاری ہی رکھنا چاہتا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اُس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک باوردی سب انسپکٹر پولیس کھڑا تھا اور اس کے پیچھے ہوٹل کا ویٹر تھا۔ سب انسپکٹر نے تیز نظروں سے کمرے کے اندر دیکھا اور پھر مڑ کر ویٹر کو واپس جانے کا اشارہ کرکے کمرے میں داخل ہو گیا۔ پہلے وہ باری باری سے فریدی اور حمید کو گھورتا رہا پھر اس نے کہا۔ "آپ دونوں حضرات کے نام شائد احمد کمال اور ساجد حمید ہیں۔"

"دونوں میرے لڑکے ہیں۔" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ حمید نے دیکھا کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

سب انسپکٹر اُسے متحیرانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ ساجد حمید ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔ "اپنے بڑے بھائی احمد کمال ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا ہے کیونکہ احمد کمال کچھ مخبوط الحواس سا تھا۔ کئی دن ہوئے وہ گھر نکل بھاگا۔ ساجد اس کے ساتھ ہی رہا۔ کمال نے یہاں اس ہوٹل میں قیام کیا۔ ساجد بھی بیم پڑا۔ اس نے مجھے یہاں سے تار دیا۔ ہم لوگ دولت آباد کے رہنے والے ہیں۔ میرا نام والا تعلقی ہے۔ ہائے میں بہت دیر میں پہنچا.... میرا بچہ.... میرا احمد کمال....!"

فریدی اس طرح خاموش ہو گیا جیسے اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔ حمید دیکھا معاملہ نازک سا ہے لہٰذا اس نے بھی نتھنے پھلا پھلا کر دو چار آنسو نکال لئے تھے اور ناک بل شوں شوں کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے!" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ساجد کا بیان ہے کہ اس نے آج....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ خاموش کیوں ہو گئے کہئے۔" سب انسپکٹر نے ٹوکا۔

"آج اس نے شائد سینما یا تھیٹر میں اپنے لئے ایک نشست مخصوص کرائی تھی اور اس اپنا نام رفعت نعیم بتایا تھا۔"

"جی....!" سب انسپکٹر چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"آپ بھول گئے۔" حمید نے ہچکی لے کر ٹکڑا لگایا۔ "کسی کلب میں شائد ایک سو بارہ نمبر میز مخصوص کرائی تھی۔"

"پندرہ نمبر کی میز۔" سب انسپکٹر جلدی سے بولا۔ "برادر، ہوڈ کلب۔"

"ہدہد کلب۔" فریدی اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ بہرہ ہو۔

"جی نہیں! برادر ہوڈ کلب! میز نمبر پندرہ۔" سب انسپکٹر نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔

"ممکن ہے یہی رہا ہو۔" حمید بولا۔

"پھر دوپہر کو ساجد غسلخانے میں تھا کہ کمال کہیں غائب ہو گیا، اور ساجد اس کی تلاش نکل گیا۔ شام کو میں ہوٹل پہنچا تو ان کا کمرہ بند تھا۔ میں نیچے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ ساجد واپس آیا۔ ہم دونوں کمرے میں آئے.... اور ہائے.... میرا کمال۔" فریدی منہ ڈھانپ رونے لگا۔

"ابا جان۔" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا اور پھر اُس کے منہ سے "بھوں بھوں" ایسی نکلنے لگیں، جیسی عموماً ضبط کرنے کی کوشش کے سلسلے میں بے اختیارانہ نکلتی ہیں۔

"آخر بات کیا ہے؟" سب انسپکٹر جھلا کر بولا۔

"میرے بیٹے کی لاش....!" فریدی گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

"لاش....!" سب انسپکٹر پھر اچھل پڑا۔ "کہاں ہے لاش۔"

"غسلخانے میں۔" فریدی لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ "آئیے.... ہائے کیا اُس کے مرنے کے دن تھے۔"

فریدی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اس کے پیچھے سب انسپکٹر بھی گھسا۔ ساتھ ہی حمید نے ے گرنے کی آواز سنی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔ شائد ایک منٹ بعد فریدی اپنے جھاڑتا ہوا باہر نکلا۔

"اور تم کھڑے منہ دیکھ رہے ہو۔" اس نے غسلخانے کا دروازہ بند کرتے ہوئے پُر اطمینان یں کہا۔ "نکلو یہاں سے مغربی سرے پر، جو زینہ ہے وہ تمہیں باورچی خانے میں پہنچا دے گا، کا بیرونی دروازہ گلی میں ہے۔ ٹیکسی اسٹینڈ پر میرا انتظار کرنا۔"

حمید نے کچھ کہنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ فریدی بولا۔ "چلو جاؤ.... کسی قسم کی بکواس نہیں۔"

حمید چپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔ مغربی گوشے والے زینوں نے اُسے باورچی خانے میں دیا... پھر وہاں سے ٹیکسی اسٹینڈ تک راہ سیدھی تھی۔

حمید ٹیکسی اسٹینڈ پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ آخر اس حماقت کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ فریدی نے ب انسپکٹر کو یقیناً بیہوش کیا ہے۔ اس بار اُسے اس کا طریق کار کچھ عجیب سا معلوم ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے فریدی کو دیکھا، جو ایک ہاتھ میں سوٹ کیس لٹکائے ہوئے بڑے نان سے اس کی طرف چلا آرہا تھا۔ اُس کے قریب پہنچ کر اُس سے مخاطب ہونے کی بجائے وہ ٹیکسی ڈرائیور سے گفتگو کرنے لگا۔

حمید کا ذہن کچھ اس بُری طرح الجھا ہوا تھا کہ اُس نے ان کی گفتگو پر دھیان تک نہ دیا۔ اس ظریں بار بار ہوٹل کیطرف اٹھ جاتی تھیں جس کا فاصلہ ٹیکسیوں کے اڈے سے زیادہ نہیں تھا۔

"چلو بیٹھو۔" فریدی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ چونک کر اُس کی طرف ا۔ ڈرائیور ان کے لئے ٹیکسی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ٹیکسی شہر کے ویرانے کی طرف جا رہی تھی۔ حمید کچھ پوچھنے کے لیے بیتاب تھا۔ کئی بار بولنا بھی چاہا، لیکن فریدی نے اس کا شانہ دبا دیا۔ ٹیکسی پختہ سڑک سے اُتر کر پر ہولی تھی۔ دھچکے لگ رہے تھے اور ہر دھچکے پر ڈرائیور بڑبڑاتا جا رہا تھا۔

"ڈرائیور گاڑی روک دو۔" دفعتاً فریدی نے کہا۔

ڈرائیور ٹیکسی روک کر اُس کی طرف مڑا۔

"ہم آگے نہیں جائیں گے۔" فریدی نے کہا۔ ڈرائیور آنکھیں پھاڑ کر اُسے گھورنے لگا۔

"یہ لو....!" اُس نے جیب سے دس دس کے پانچ نوٹ نکالے، ڈرائیور کی حیرت بڑھ گئی معاملہ صرف بیس روپیوں پر طے ہوا تھا اور انہیں شہر سے دس میل کے فاصلے پر جے رام پور کے ڈاک بنگلے تک جانا تھا، لیکن ابھی آدھا فاصلہ بھی نہیں طے ہوا تھا۔

"دیکھتے کیا ہو! رکھو ان روپیوں کو ورنہ گولی مار دوں گا۔" فریدی نے گرج کر کہا اور ساتھ ہی اس کے جیب سے ریوالور بھی نکل آیا۔ حمید کی بوکھلاہٹ پھر بڑھ گئی، لیکن وہ کچھ بولا نہیں... ادھر ڈرائیور نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے نوٹ پکڑ لئے۔ اس کی نظریں اب بھی فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہمارے سوٹ کیس میں کوتوال شہر کے لڑکے کی لاش ہے! کیا سمجھے۔" فریدی اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔

ڈرائیور کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

"جی صاحب۔" اُس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

فریدی سوٹ کیس لئے ہوئے نیچے اتر گیا۔ حمید بھی اُترا۔ لیکن اُسے اختلاج ہونے لگا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر فریدی کرنا کیا چاہتا ہے۔

"چلو جاؤ۔ گاڑی پھیرو! اگر پلٹ کر دیکھا تو گولی مار دوں گا۔" فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔ "اس واقعے کی رپورٹ پولیس میں ضرور کرنا تمہیں وہاں سے بھی انعام ملے گا۔ اس سوٹ کیس میں کوتوال شہر کے لڑکے کی لاش ہے۔ چلو بھاگ جاؤ۔"

کار فرّاٹے بھرتی ہوئی چلی گئی۔ فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ابھی واپس چلتے ہیں۔ دولت آباد والی بس آ رہی ہوگی، لیکن اس سے پہلے ہمیں دوسرا میک اپ کرنا پڑے گا۔ کہو کیسی رہی۔"

"کیا بوریت پھیلائی ہے آپ نے۔"

"بس دیکھتے جاؤ۔ اس کیس میں ذہنی جمناسٹک نہیں کرنا چاہتا اس بار تم مجھے ایک بالکل ہی نئے طریقے کا موجد پاؤ گے۔"

سوٹ کیس میں موت

دوسری صبح جلال پور کے اخبار بیچنے والوں کے لئے بڑی منفعت بخش تھی۔ شائد ٹیکسی ڈرائیور نے بھی رات کو رپورٹ داغ دی تھی اور وہ حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اخبارات نے بڑی حاشیہ آرائیاں کی تھیں۔ فریدی اور حمید ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں بیٹھے ایک اخبار اپنے سامنے پھیلائے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

"میں آپ کو بالکل ہی نئے روپ میں دیکھ رہا ہوں۔" بالآخر حمید بولا۔

"کیا تمہیں میرا یہ روپ پسند نہیں آیا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"معاف کیجئے گا مجھے ایسی حرکتوں سے دلچسپی نہیں۔ اگر پکڑے گئے تو پہلے تو عزت اتر ہی جائے گی۔"

"کون! یہ موٹی عقل والے ہمیں پکڑیں گے۔ کیا تم وہ تجوری[1] والا کیس بھول گئے جس میں ہم نے اپنے ہی شہر میں کیا کچھ نہیں کر ڈالا تھا۔"

"مگر مجھے یہ طریقہ بالکل پسند نہیں۔"

"تم خود کو دھوکا دے رہے ہو۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ مجھے پسند ہے وہی تم بھی پسند کرتے ہو۔"

"غلط فہمی ہے آپ کی۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اور میں یہ جتا دینا چاہتا ہوں کہ اب مجھے شادی کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔"

"ایک نہیں چار فرزند.... مگر ابھی مجھے بور مت کرو۔"

"میں تو چلا ڈاکٹر جھوس کے یہاں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

---

1 اس ہنگامہ خیز داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "تجوری کا راز" جلد نمبر 1 پڑھیے۔

"اس شکل میں۔" فریدی اس کی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"کسی خوبصورت سے میک اپ میں۔" حمید بڑبڑایا۔ "خدا کی قسم میں اس کی عینک... ہائے ہائے

"شٹ اپ فضول باتیں چھوڑو۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جاوید پریشان کیوں ہے۔"

"اور مجھے یہ دیکھنا ہے کہ ملک الموت آج کل کیا تخلص کر رہے ہیں۔"

"ہشت....!"

"اب میں سمجھا۔" حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔

"کیا سمجھے؟"

"یہی کہ اگر ایٹمی قوت کو مکھیاں اور مچھر مارنے میں صرف کیا جائے تو انسانیت کی بہت بڑ خدمت ہو سکتی ہے۔"

"پھر بکواس کرنے لگے۔"

"ارے سرکار میں تو ازلی خبطی ہوں لیکن کیا میں ایشیاء کے عظیم ترین سراغ رساں سے پوچھنے کی زحمت گوارا کر سکتا ہوں کہ اس نے ایک معمولی سے قتل کے کیس میں اتنا پیچیدہ راہ کیوں اختیار کیا ہے۔"

"ایشیا کا عظیم ترین سراغ رساں کبھی کبھی تفریح کے موڈ میں آتا ہے۔"

"اور یہ تفریح۔" حمید ہونٹ بھینچ کر ہنسا۔ "کچھ اس قسم کی ہے کہ بال بچے دار س انسپکٹروں کو غسلخانہ دکھا دیا جاتا ہے۔ مانتا ہوں فریدی صاحب پچھلی رات آپ سے غلطی ہو ٹیکسی ڈرائیور سے دراصل یہ کہنا چاہئے تھا کہ میرے سوٹ کیس میں کوتوال شہر کی بیوی کے پرانے سینڈل ہیں اور ان سینڈلوں سے میں اپنی محبوبہ کے ابا کا مقبرہ تعمیر کروں گا۔"

"یہ تو دیکھو کہ وہ اخبارات، جو جاوید کو ایک کھلا ہوا مجرم گردان رہے تھے وہی اب اُس بیگناہی ثابت کرنے پر تل گئے ہیں۔"

"تو آپ نے یہ سب کچھ اسی لئے کیا تھا۔"

"ارادہ تو نہیں تھا، مگر یہ سب کچھ اچانک ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔

"ایک بات کی خوشی ہے کہ یہاں کی پولیس سست نہیں ہے۔ برادر ہوڈ کلب میں حاد ہوتے ہی وہ پہلی ہاتھ آئی ہوئی کڑی پر دوڑ گئے اگر وہ سب انسپکٹر اچانک نہ پہنچ جاتا تو واقعات کی

نہ ہوتی۔"

"لیکن وہ بیچارہ ٹیکسی ڈرائیور مفت میں پکڑا گیا۔"

"وہ چھوڑ دیا جائے گا.... اُسے فی الحال شبہے میں روکا گیا ہو گا۔"

"لیکن آپ جاوید کو نہ دیکھ سکے۔"

"جاوید۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "جاوید کی پوزیشن میرے ذہن میں صاف نہیں ہے۔"

"آپ اُس کی طرف سے مشکوک ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مشکوک نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کا رومال لاش کے قریب ہی پایا گیا ہے۔"

"تو پھر آپ نے خواہ مخواہ اتنی اچھل کود کیوں کی۔"

"سانپ کو اس کے بل سے نکالنے کے لئے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ ارے صاحب اب تو صحیح مجرم مطمئن ہو گیا ہو گا۔"

"سانپ اس وقت تک بل سے نہیں نکلتا جب تک اپنی سلامتی کیطرف سے مطمئن نہیں ہو جاتا۔ م یا مجرموں کو اس بات کی فکر ہو گی کہ ان کا جرم اپنے سر منڈھنے والے کون ہو سکتے ہیں۔"

"اگر فرض کیجئے جاوید ہی ہوا تو۔"

"ہم اُسے سعیدہ کی رپورٹ کے خلاف ہشاش بشاش پائیں گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "مقتولہ رفعت نعیم کی بیوی تھی۔ اس کی پالیسی پاس ہزار کی تھی۔ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد رفعت نعیم بھی مارا گیا.... ورنہ شبہہ ا پر بھی ہو سکتا تھا۔"

"اور کیا تم نے اخبار میں یہ نہیں دیکھا کہ رفعت کی زندگی بھی بیمہ شدہ تھی، اس کی پالیسی ی پچاس ہزار کی تھی۔"

"تب تو معاملہ صاف ہے۔ یہ کسی ایسے آدمی کی حرکت ہے جسے ان دونوں کی موتوں سے ائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"اُس اپاہج لڑکی کے علاوہ اور کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"اگر میں اس اپاہج لڑکی کو ایک نظر دیکھ لوں تو کیا حرج ہے۔" حمید نے کہا۔

"ختم کرو! یہ قصہ! ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے۔"

"جب تک کہ کسی ٹرین سے کوئی خوبصورت لڑکی نہ اترے۔ آپ نہیں جانتے! حسین چہ
ایک اچھا شگون ہے۔"

"چلو اٹھو.....!"

"بہتر ہے! اب غالباً میر کلو کی سرائے میں قیام ہوگا۔"

"اگر وہیں پناہ مل جائے تب بھی غنیمت ہے۔" فریدی بولا۔

"کیوں؟"

"آج سے جلال آباد میں دو آدمی ایک ساتھ مشتبہ نظروں سے دیکھے جائیں گے، خصوص
ہوٹلوں میں۔"

"تب تو پھر پروفیسر جھوس۔"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"لیکن میں میلاد خوانوں جیسی ڈاڑھی لگا کر ہرگز نہ جاؤں گا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "آپ
کی ڈاڑھی آرٹسٹک ہے۔"

فریدی نے دھکے دے کر اُسے ویٹنگ روم سے باہر نکالا۔

"لیکن اُس سامان کا کیا ہوگا، جو ہوٹل میں رہ گیا۔" حمید نے کہا۔

"وہ اس وقت کوتوالی میں ہوگا اور مٹی کے شیر اُسے اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہوں
گے۔ بہرحال اب بہتیرا سامان دوبارہ خریدنا پڑے گا۔ میرے خیال سے تجویز یہ بہتر رہے گی کہ ت
ضروری سامان خرید کر پروفیسر جھوس کے یہاں چلے جاؤ۔ اُس سے کہنا کہ تم پروفیسر چنگھاڑنی کے
اسسٹنٹ ہو۔ ڈاکٹر زیٹو کے متعلق پوچھے تو کہہ دینا کہ پروفیسر نے اُسے اصیل مرغوں کے لئے
کہیں بھیجا ہے۔"

"مگر میری ڈاڑھی۔"

"بغیر ڈاڑھی کے بھی تم پہچانے نہ جاسکو گے۔"

"مگر مجھے یہ صورت پسند نہیں۔"

"ارے او کم بخت کیا تم یہاں عشق لڑانے آئے ہو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"نہ لڑانے کی قسم تو کھا کر نہیں آیا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ حمید اس کے پیچھے لپکا۔ اس کے ہاتھ میں
ٹ کیس تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سوٹ کیس کی بدولت وہ دھرا نہ جائے۔

فریدی اسٹیشن سے باہر نکلتے ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر کسی طرف چل دیا تھا۔ حمید کبھی سوٹ
پر قہر بھری نظریں ڈالتا تھا اور کبھی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگتا تھا۔

چند لمحے وہ اپنی گدی سہلاتا رہا پھر اسٹیشن کے اندر چلا گیا۔ ویٹنگ روم میں پہنچ کر اس نے
اُدھر نظریں دوڑائیں اور میدان صاف دیکھ کر سوٹ کیس سمیت ایک غسلخانے میں گھس گیا۔

یہاں اس نے آئینے کے سامنے اپنی ڈاڑھی الگ کی۔ پھر سوٹ کیس کھول کر دو تین شیشوں
تھوڑا تھوڑا سیال لے کر اپنے چہرے پر ملتا رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پہلا میک اپ بالکل ختم ہو گیا
اس کی اصل صورت ظاہر ہو گئی۔ اس اثناء میں اس نے اندر لگا ہوا پائپ پوری دھار سے کھول
تا کہ باہر والے غسلخانہ خالی نہ سمجھ کر دروازے کو دھکا دینے کی زحمت گوارا نہ کریں۔

پندرہ بیس منٹ کی محنت سے اُس نے اپنے خدوخال بدل دیئے اور انہیں ایک حد تک
توجہ بھی بنالیا۔ معاملہ چونکہ ایک خوبصورت لڑکی کا تھا اس لئے اس نے فریدی کی گذشتہ
تیں بالکل ہی فراموش کر دی تھیں۔ فریدی کا قول تھا کہ سراغ رساں کا میک اپ ایسا ہونا
ہئے کہ وہ عام آدمیوں کی بھیڑ میں کسی نمایاں خصوصیت کا حامل نہ ہو، سوائے ایسے حالات میں
ب کہ وہ خود ہی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہو۔

یہ موقع بھی کچھ اسی قسم کا تھا کہ حمید کو اُس کے قول پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ مقامی
۔آئی۔ڈی کے آدمی شہر کے چپے چپے پر پھیل گئے تھے اور وہ کسی مشتبہ آدمی کو چیک کئے بغیر
قدم بھی آگے نہیں بڑھنے دے رہے تھے۔

حمید سوٹ کیس لٹکائے ہوئے غسلخانے سے برآمد ہوا۔ وہ ایک شدید قسم کی الجھن میں مبتلا
اور الجھن کی وجہ وہ سوٹ کیس تھا جس میں فریدی نے وہ سب اہم چیزیں رکھ لی تھیں جنہیں
نے اپنے سامان کے ساتھ ہوٹل میں چھوڑنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اُسے الجھن بالکل نہ ہوتی مگر
نے غسلخانے سے نکلتے ہی ویٹنگ روم کے دروازے سے کچھ پولیس کانسٹیبلوں کو دیکھ لیا تھا جو
کے نیچے پڑے ہوئے مسافروں کے سامان کی تلاشیاں لے رہے تھے۔

حمید نے چاہا کہ چپ چاپ نظریں بچا کر نکل جائے، لیکن ان کانسٹیبلوں کے انچارج نے

اُسے دیکھ لیا۔

"اے ہے مسٹر۔" اُس نے اُسے آواز دی۔

حمید رک گیا۔ سب انسپکٹر اُسے گھورتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس کی نظریں اُس کے چہرے پر اس طرح جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ اپنی نوٹ بک کھول کر اُس کے صفحے پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "اونچی پیشانی.... رنگت گوری.. ڈاڑھی مونچھیں صاف.... پیلا سوٹ کیس۔"

اُس نے نوٹ بک بند کر کے چٹکی بجائی اور حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "ہمیں تمہاری تلاش تھی۔"

"کیوں! کس لئے؟" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اوہ! اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔" اُس نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر اُس اپنے ساتھیوں نے چیخ کر کہا اور وہ حمید کے گرد اکٹھا ہوگئے۔

"آخر بات کیا ہے!" حمید تیز لہجے میں بولا۔

"سوٹ کیس میں کیا ہے۔"

"ڈاڑھیاں.... مونچھیں.... پاؤڈر! کریم! عطر! لیونڈر.... اور میک اپ کا دوسرا سامان۔"

"اور کوکین....!" سب انسپکٹر زہر خند کے ساتھ بولا۔

"کیا....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "ایک فلم ایکٹر کے پاس کوکین کا کیا کام۔"

"فلم ایکٹر....!"

"جی ہاں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ملک کے مشہور فلم ڈائریکٹر مسٹر سلمان اپنی تاریخی فلم 'محمد شاہ رنگیلے' جلال آباد کی تاریخی عمارت میں فلمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہماری پوری ٹیم دوسری ٹرین سے یہاں پہنچے گی۔"

"مگر ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ کے سوٹ کیس میں افیون اور کوکین ہیں۔"

"جو چیزیں میں نے آپ کو بتائی ہیں ان کے علاوہ آپ کو اور کچھ نہیں ملے گا۔" حمید نے جھنجھلا کر سوٹ کیس سب انسپکٹر کے سامنے پٹخ دیا۔

"اُسے کھولئے۔"

"آپ ہی کھولئے۔" حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ "اس میں تالا نہیں ہے۔"

سب انسپکٹر نے سوٹ کیس کھول ڈالا اور حمید دم سادھے کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں اخبار کا جملہ گونج رہا تھا۔ اخبارات نے پچھلی رات کے مجرموں کے متعلق یہ بھی لکھا تھا کہ شائد ان سے ایک نے بوڑھے کا میک اپ کر رکھا تھا۔

سب انسپکٹر پانچ چھ منٹ تک سوٹ کیس کو الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر سیدھے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ اڑتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "مجھے افسوس ہے لیکن کیا کیا جائے ہمیں تو شبے میں تلاشی لینی ہی پڑتی مجھے امید ہے کہ ڈائریکٹر سلمان صاحب کو ہمارا شہر ہر لحاظ سے پسند آئے گا۔"

"اگر اُن کے سوٹ کیس میں بھی افیون نہ ہوتی۔" حمید بولا۔

"اوہ کیا کیا جائے۔" سب انسپکٹر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "پھر اُس نے پلٹ کر اپنے ماتحتوں کو ایات دینی شروع کر دیں۔"

حمید نے سوٹ کیس بند کیا اور اطمینان سے ٹہلتا ہوا ٹیکسیوں کے اڈے تک آیا۔ اُسے فریدی بُری طرح غصہ آ رہا تھا۔

بہر حال سوٹ کیس اس کے لئے وبال جان ہو رہا تھا اور وہ کسی نہ کسی طرح اُس سے پیچھا ڑانا چاہتا تھا۔ اس نے ایک ریسٹوران کے ایک کیبن میں گھس کر چائے کا آرڈر دیا، لیکن اب ے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ کیبن میں پردہ تو تھا ہی نہیں، ورنہ اس نے سوچا تھا کہ ناشتے کے ران میں سوٹ کیس سے اشد ضروری چیزیں نکال کر اُسے وہیں چھوڑ دے گا۔

اتنے میں ناشتہ آ گیا اور وہ طوعاً و کرہاً نوالے ٹھونستا رہا۔ اُس نے سوٹ کیس ایک کونے میں وڑ دیا تھا۔ بات تو کچھ بھی نہیں تھی، لیکن یہاں پھر فریدی کے اصول اس کا بھیجا چاٹ رہے ے۔ فریدی کا کہنا تھا کہ کسی کیس کی تفتیش کے دوران میں ایسے پولیس والوں کے ہتھے چڑھ جاؤ نہیں تم جانتے نہ ہو تو اُن پر اپنی حقیقت ہرگز نہ ظاہر ہونے دو۔

جھلاہٹ میں اس کا دل چاہا کہ اپنے ہی منہ پر تھپڑ مارنا شروع کر دے۔ چائے کی ایک پیالی تم کر کے اُس نے دوسری لبریز کی اور اُسے اپنے ہونٹوں کی طرف لے ہی جا رہا تھا کہ ایک زور ار دھماکہ ہوا۔ پیالی اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور وہ خود اچھل کر میز پر چڑھ گیا.... سرے لمحے میں اس نے میز پر سے چھلانگ لگائی کیونکہ دھوئیں میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا، لیکن لا کی حاضر دماغی کی داد دینی پڑتی ہے کیونکہ کیبن سے باہر نکلتے ہی اُس نے چاروں طرف زور

سے کہا۔

"یہ کیا ہوا....؟ یہ دھماکہ کہاں ہوا۔"

وہ لوگ، جو اس کے کیبن کی طرف بے تحاشہ بڑھ رہے تھے رک گئے۔ "ارے آگ" اُن میں سے کسی نے چیخ کر کہا۔ کیبن جل رہا تھا۔ سارے لوگ آگ آگ کا شور مچاتے ہوئے سڑک پر آگئے۔ حمید بھی انہیں میں تھا اور وہ چپکے سے کھسک گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا اپنے چہرے کا پسینہ خشک کر رہا تھا اور اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اُس سوٹ کیس کے چیتھڑے اڑتے دیکھے تھے، جس سے وہ پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اُسے اچھی طرح یقین تھا کہ فریدی اس قسم کا جان لیوا مذاق نہیں کر سکتا اور پھر اس وقت بھی اُسے سوٹ کیس میں کوئی ایسی خطرناک چیز نہیں نظر آئی تھی جب وہ ویٹنگ روم کے غسلخانے میں میک اپ کر رہا تھا۔ پھر آخر وہ ٹائم بم کہاں سے ٹپکا تھا۔ اچانک اُسے وہ سب انسپکٹر یاد آیا جس نے اس سوٹ کیس کی تلاشی لی تھی۔ مگر وہ اس قسم کی کوئی حرکت کیوں کرتا۔ حمید خیالات میں الجھا رہا اور ٹیکسی پروفیسر جھوس کی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔

اتفاق سے سلیمہ برآمدے ہی میں کھڑی ہوئی تھی۔ حمید بڑے ادب سے اپنی فلٹ ہیٹ اتار کر تھوڑا سا جھکا اور پھر سیدھا ہو گیا۔

"کیا پروفیسر جھوس تشریف رکھتے ہیں۔"

"جی ہاں.... فرمائیے۔" سلیمہ رک رک کر بولی۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

"کیا پروفیسر چنگھاڑنی آگئے۔"

"جی نہیں!" سلیمہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ان کا فون آیا تھا کہ ان کا سیکریٹری سامان لے کر آئے گا۔"

"میں اُن کا سیکریٹری ہوں۔"

"ہوں گے۔" اُس نے لاپروائی سے کہا اور جانے کے لئے مڑی۔

"اوہ.... سنئے تو سہی۔"

"محض سنئے کافی تھا۔ اس میں تو سہی کے اضافے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"شوق سے لے جائیے۔"

"کہنے کا مطلب یہ ہے۔" حمید ہکلایا۔

"تو آپ کہیں گے بھی اور مطلب بھی بتائیں گے۔ گویا بور کریں گے۔"

"مجھے پروفیسر جھوس کے پاس لے چلئے۔"

"چلئے! پہلے ہی کہہ دیا ہوتا اتنا وقت کیوں برباد کیا؟"

وہ اسے کمرے میں لے آئی جہاں پچھلے روز حمید نے پروفیسر جھوس سے ملاقات کی تھی۔ ہی سلیمہ نے پروفیسر کو یہ بتایا کہ وہ پروفیسر چنگھاڑنی کا سیکریٹری ہے پروفیسر بے اختیار اچھل ر مضطربانہ انداز میں اپنا داہنا ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اوہو! مائی ڈیئر سر! فوراً شرما روڈ کے کیفے ڈی رس میں پہنچئے۔ پروفیسر چنگھاڑنی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہاں ایک ایسے مرغ کو ذبح نے سے بچانا چاہتے ہیں جس میں پانچ زردیاں پیدا کرنے کی صلاحیتوں کے امکانات پائے جاتے ۔ پروفیسر نے پندرہ منٹ قبل مجھے فون کیا ہے۔ جلدی کیجئے ڈیئر مسٹر سیکریٹری۔

حمید الٹے پاؤں واپس ہوا۔ سلیمہ بھی اسکے ساتھ تھی۔ برآمدے میں اُس نے اُسے روک لیا۔

"آخر یہ کیا مذاق ہے۔" اُس نے حمید کو گھور کر کہا۔

"میں نہیں سمجھا! محترمہ۔"

"یہ چنگھاڑنی کیا بلا ہے۔"

"جھوس کسے کہتے ہیں۔" حمید نے اُسی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"اوہ یہ تو انگریزوں کی حرکت ہے۔" سلیمہ تڑ سے بولی۔ "کم بختوں نے موج کو جھوس یا۔ بالکل اُسی طرح جیسے ٹھاکر کو ٹیگور کر دیا۔"

"اور اُدھر چند دراوڑ نسل کے جرمنوں نے پروفیسر چکارنی کو بگاڑ کر چنگھاڑنی بنا دیا۔"

"جرمن دراوڑ نہیں آریائی نسل سے ہیں۔" سلیمہ جھنجھلا کر بولی۔

"ضروری نہیں کچھ دراوڑ بھی ہیں بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ قوالی بھی سنتے ہ۔"

”فضول! آپ مسخرے ہیں۔“

”جی نہیں میں سائنٹسٹ ہوں۔ میں شلجم کے بیج سے ٹماٹر اگا سکتا ہوں۔“

”کیا؟“ سلیمہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر چیخی۔

”جی ہاں اور اس میں اتنے ہی وٹامن پائے جاسکتے ہیں جتنے کہ انڈے میں ہوتے ہیں۔“

”جتنی جلد ہو سکے یہاں سے چل دیجئے ورنہ میرا غصہ بڑا خراب ہے۔“

”کیوں محترمہ....!“ حمید نے سہم جانے کی ایکٹنگ کی۔ ”کیا مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی؟“

”آپ جاتے ہیں یا میں اپنے کتوں کو آواز دوں۔“

حمید نے بڑے ادب سے فلٹ ہیٹ اتاری اور قدرے جھک کر ایک معزز مہمان کی طرح رخصت ہو گیا۔

تیسری لاش

فریدی کیفے ڈی سائپر لیس میں حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید راستے پھر سوچتا آیا تھا کہ شاید فریدی اُسے نئے میک اپ کی وجہ سے نہ پہچان سکے۔

کیفے ڈی سائپر لیس ایک چھوٹا سا لیکن سلیقے کا کیفے تھا۔ وہاں بمشکل تمام پندرہ یا بیس میزیں رہی ہوں گی، لیکن اس کے باوجود بھی وہ کم از کم متوسط طبقے کے لوگوں کے لئے بہت مہنگا پڑتا تھا۔

فریدی دروازے کے قریب ہی والی میز پر بیٹھا تھا۔ جیسے ہی حمید اندر داخل ہوا فریدی نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری۔

”واقعی آپ انتہائی خطرناک ہیں۔“

”کیوں! کیا اسلئے کہ تمہیں ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ذرا آہستہ بولا۔“

”آہستہ واہستہ کی ایسی تیسی۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”اگر آپ میری جان لینا چاہتے ہیں تو ویسے ہی گولی مار دیجئے۔“

”خیریت۔“ فریدی اُسے گھور کر بولا۔ ”کیا بات ہے۔ سچ مچ تم کچھ جھلائے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔“

ہیں صاحب میں تو فلمی مسخرے گوپ کی طرح خوش ہوں۔ لیکن اس کا افسوس ضرور
ں بڑا سخت جان ہوں۔“

بھ بکو گے بھی۔“

ں آپ کی اسکیم کے مطابق مر نہیں سکا۔“ حمید نے اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا اور پھر
ہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ فریدی نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔

س وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

خاہ! تو میں مذاق کر رہا ہوں۔ آخر سوٹ کیس میں بم رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔“

بم....!“ فریدی چونک کر بولا۔ ”کیا بکتے ہو۔“

لیا؟ آپ نے اس میں بم نہیں رکھا تھا۔“

یدی کوئی جواب دینے کے بجائے پُر خیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ چند
اُس نے کہا۔

تم نے وہ سوٹ کیس کہاں چھوڑا تھا۔“

چھاتی سے تو چپکائے رہا تھا آپ پوچھتے ہیں کہاں چھوڑا تھا۔“

آخر بات کیا ہوئی؟“

ید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر اُس نے شروع سے آخر تک پورا واقعہ دہرا دیا۔

صرف اُسی سب انسپکٹر نے تلاشی لی تھی۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

نہیں اس کے سسرال والے بھی آئے تھے۔“

حمید خدا کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔“

اگر میں سنجیدہ نہ ہوتا تو خودکشی کر لیتا جناب۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر سلوٹیں اُبھر آئی تھیں اور ہر وقت نیم غنودگی کی سی
میں رہنے والی آنکھوں میں ہلکی سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”تو
مطلب یہ ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ موجودہ حالت میں بھی ہماری اصلیت سے واقف ہیں۔“

”کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ بم اسی سب انسپکٹر نے رکھا تھا۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ تلاشی کے دوران میں کسی

دوسرے نے یہ حرکت کی ہو۔"

"ناممکن ہے۔" حمید نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ "میری نظریں ایک پل کے لِ
سوٹ کیس سے نہیں ہٹی تھیں۔"

"تمہاری نظریں بہک بھی سکتی ہیں۔" فریدی بولا۔ "مثال کے طور پر میں تمہیں ا
کر کے تمہاری جیبوں سے اس کیفے کے چمچے چھریاں اور کانٹے برآمد کر سکتا ہوں۔"

"اچھا تو پچھلی رات آپ ہی نے میری جیب کاٹی تھی۔"

"حمید فضول بکواس نہیں.... یہ کام کا وقت ہے۔"

"اگر یہی حالت رہی تو انشاء اللہ جلد ہی کام تمام ہو جائے گا۔"

"وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں۔" فریدی پُر خیال انداز میں زیرِ لب بڑبڑایا۔

"میرے داماد کے ساڑھو کے سالے کے بھتیجے کے دادا زاد بھائی۔"

فریدی اُسے محض گھور کر رہ گیا۔ انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ بولنے پر اُ
خیالات کی کڑیاں ٹوٹ کر بکھر جائیں گی۔

"میں کہتا ہوں اگر وہ سوٹ کیس میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں کہاں ہوتا۔" حمید میز پ
مار کر بولا۔

"جہنم میں۔" فریدی جیب سے سگار کیس نکالتا ہوا بڑبڑایا۔ اس نے خالی الذہنی کے س
میں ایک سگار منتخب کیا اور اُسے ہونٹوں میں دبا کر پھر کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیا وہ ریلوے پولیس کا عملہ تھا۔"

"جی ہاں! ریلوے پولیس ہمیشہ حاملہ رہتی ہیں۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"اس دھماکے کے بعد سے میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں اور اب مجھے ایسا محسوس ہو ت
جیسے میری کھوپڑی پر ربڑ کی کاشت ہوتی ہو۔ آج اتوار ہے اور کل جمعرات ہو گی۔ سات د
میں صرف ایک یہی محترمہ مونث ہیں! یہی وجہ ہے کہ روز جمعرات رہتی ہے۔"

فریدی اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا اور حمید کی بڑبڑاہٹ جاری رہی۔ "ذرا دیکھ
آپ کے فاؤنٹین پن میں کیا وقت ہوا ہے۔ میرا فاؤنٹین پن تو ساڑھے بارہ بجا رہا ہے۔ ویسے

ہیں ایک گیت گانا چاہتا ہوں! جس کے بول ہیں، نندی رے نندی تیری گھوڑی چنے کے
ہیں۔"

"میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" فریدی غرایا۔

"ربر کی کاشت برباد ہو جائے گی اور نتیجے کے طور پر چیونگم سے محروم ہو جائیں گے۔"

"حمید کیوں شامت آئی ہے۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اب اس کی توجہ کا مرکز دو لڑکیاں بن گئی تھیں جو ابھی ابھی
آکر اُن کے قریب ہی کی میز پر بیٹھی تھی۔

وہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر فریدی کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ "دونوں نکچڑھی
م ہوتی ہیں۔"

فریدی سچ مچ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ حمید نے سوچا کہ اب اُسے زیادہ تاؤ دلانا مناسب
اس لئے وہ سنجیدہ ہو جانے کی کوشش کرنے لگا۔

"اور اس جاوید کا کیا رہا۔" اس نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے ایک
دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا کرو گے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ ساری چیزیں تم جیسے غیر سنجیدہ آدمی کی
ا کی نہیں۔"

"سنئے جناب۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "کیا آپ سچ مچ یہ چاہتے ہیں کہ میں
ما ہو جاؤں۔ اگر اس حادثے کے بعد بھی آپ کو میری خوش طبعی گراں گذر رہی ہے تو میں باز
اں محکمے سے! چنا جور گرم بیچ کر زندگی بسر کر لوں گا۔"

"بس اتنے ہی میں پاگل ہو جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا۔" فریدی نے زہر خندہ کے ساتھ کہا۔
لانے کئی کئی دن سنسناتی ہوئی گولیوں کے درمیان گذارے ہیں۔"

"خیر آپ کی بات الگ ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "نہ میں بارود پھانکتا ہوں اور نہ پٹرول
اہوں۔"

"تمہیں صرف ندیدے کتے کی طرح عورتوں کے پیچھے بھاگنا آتا ہے۔"

حمید پائپ سلگانے لگا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ حمید پائپ سلگانے کے بعد پھر لڑکیوں کی

طرف متوجہ ہو گیا تھا اور وہ لڑکیاں صرف اپنے سامنے رکھی ہوئی پلیٹوں کی طرف دھیان رہی تھیں۔

حمید کچھ کہنے کے لئے فریدی کی طرف مڑا۔ لیکن فریدی کی کرسی خالی تھی۔ وہ بو کھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میز پر وہ سگار جوں کا توں پڑا تھا جسے فریدی نے گفتگو کے دوران میں کے لئے نکالا تھا۔

حمید اس کا انتظار کرتا رہا۔ پندرہ منٹ گذر گئے اور پھر حمید کی اکتاہٹ بڑھنے لگی۔ وہ ا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک چھوٹا سا لڑکا اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے جیب میں ڈال کر ایک مڑا تڑا سا کاغذ نکالا اور حمید کے ہاتھ میں پکڑا کر کھڑا ہو گیا۔ کاغذ پر تحریر تھا۔ لڑکے کو ایک چونی دے دو اور تم فوراً جی روڈ کے کراسنگ پر آ جاؤ۔" نیچے فریدی کے دستخط

حمید نے لڑکے کو چونی دی۔ جی روڈ کا چوراہا زیادہ دور نہیں تھا۔

حمید نے فریدی کو دیکھا، جو ایک ٹیکسی کے پائیدان پر پیر رکھے شائد اسی کا انتظار کر قریب پہنچنے پر اس نے اُسے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ ٹیکسی چل پڑی۔

"اس طرح کیوں غائب ہوئے تھے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"جاوید۔" فریدی زیرِ لب بڑبڑا کر رہ گیا۔

"کیا یہ ٹیکسی ڈرائیور۔"

"نہیں وہ اگلی ٹیکسی میں ہے۔"

"کہاں تھا۔"

"وہیں جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ میں وہاں وقت گذاری نہیں کر رہا تھا۔"

"وہاں تھا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"وہاں وہ کسی کا انتظار کر رہا تھا اور جب تم اُن لڑکیوں کو سونگھنے میں مشغول تھے تو ایک نے فٹ پاتھ سے اُسے کسی قسم کا اشارہ کیا تھا۔ جس کے جواب میں وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اب دونوں اگلی ٹیکسی میں جا رہے ہیں۔"

"دوسرا آدمی کون ہے؟"

"کوئی بھی ہو..... لیکن وہ اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔"

"آپ نے مجھے وہیں کیوں نہیں بتایا۔"

"تم سنجیدہ نہیں تھے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بعض اوقات تم شدت سے کھلنے لگتے ہو۔"

حمید خاموش رہا۔

فریدی کی ٹیکسی آگے جانے والی ٹیکسی سے کافی فاصلے پر تھی۔

"کیا آپ محض اس بناء پر اس کا تعاقب کر رہے ہیں کہ اس کا ساتھی صورت سے اچھا آدمی معلوم ہوتا۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"میں صبح ہی سے اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔" فریدی بولا۔

"لیکن آپ تو اسے پہچانتے ہی نہیں تھے۔"

"میں صبح اُس کے گھر گیا تھا۔"

"گھر گئے تھے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں دہرایا۔

فریدی خاموش رہا۔ اس کی نظریں آگے والی ٹیکسی پر جمی ہوئی تھیں۔

حمید تنگ آ کر پروفیسر جھوس کی لڑکی کے متعلق سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اگلی ٹیکسی میونسپل گارڈن کے پھاٹک پر رک گئی۔

"آگے بڑھ چلو۔" فریدی نے ڈرائیور سے کہا اور پچھلے شیشے سے باہر کی طرف دیکھنے حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ ان کی ٹیکسی آگے نکل آئی تھی۔ رکی ہوئی ٹیکسی سے دو آدمی اتر کر میونسپل گارڈن میں داخل ہو گئے۔ فریدی نے مڑ کر ڈرائیور سے ٹیکسی روکنے کو کہا۔

میونسپل گارڈن کا شمار شہر کی بہترین تفریح گاہوں میں ہوتا تھا۔ باغ کے مشرقی سرے پر ایک جانب ایک طویل و عریض دارالمطالعہ تھا جس کی بالائی منزل بعض پبلک تقریبات کے موقعوں پر نشست گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔

فریدی نے باغ میں داخل ہو کر ان دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا، جو دارالمطالعہ کی طرف جا رہے تھے۔ پھر انہوں نے ان دونوں کو اوپری منزل کے زینوں پر چڑھتے دیکھا۔

جاوید کے متعلق اندازہ لگانے میں حمید کو بھی کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھوں میں عجیب طرح کی وحشت پائی جاتی تھی۔ ویسے چند روز پیشتر وہ یقیناً ایک قبول صورت اور ہنس مکھ نوجوان رہا ہو گا۔

فریدی اور حمید بھی اوپری منزل پر پہنچ گئے اور انہیں اُن دونوں کی نظروں سے پوش
رہنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ ہال کے ایک گوشے میں فرنیچر کا انبار لگا ہوا تھا۔ وہ دونو
اس گیلری سے گذرتے ہوئے اُس دریچے میں داخل ہوگئے جس کے سامنے فرنیچر کا انبار تھا۔

جاوید کا ساتھی ایک گیم شیم آدمی تھا جس نے صرف ایک پتلون اور قمیض پہن رکھی تھ
کمر میں فولادی کیلیں جڑی ہوئی چمڑے کی پیٹی تھی اور اس کا بھاری جبڑہ اس کی اذیت پسند طبیعت
غمازی کر رہا تھا۔

"میں سمجھتا تھا کہ تم سمجھدار آدمی ہو۔" وہ جاوید سے کہہ رہا تھا۔

"میں مجبور ہوں.... بالکل مجبور ہوں۔" جاوید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کوئی یقین نہیں کر سکتا۔" دوسرا آدمی لاپروائی سے شانے ہلا کر بولا۔

"تم لوگ کروڑ پتی ہو۔"

"میں کیسے بتاؤں کہ دادا جان....!"

"دادا جان۔" دوسرا آدمی طنزیہ لہجے میں بات کاٹ کر بولا۔ "میں کس طرح یقین کرلوں
انہیں تمہاری زندگی عزیز نہیں۔"

"میں نے انہیں یہ نہیں بتایا۔"

"تو بتادو نا۔"

"وہ پولیس کو اطلاع دے دیں گے۔"

"جس کا نتیجہ تمہاری پھانسی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔" دوسرا آدمی مسکرا کر بولا۔

"میں جانتا ہوں، وہ ضدی آدمی ہیں۔ انہیں سمجھانا بیکار ہوگا۔"

"تو پھر تم انتظار کرو۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"میں قیامت تک نہیں کر سکتا۔ میرے ہاتھ میں کچھ نہیں۔"

"یہ غلط ہے! جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ بزنس تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

"لیکن میں صرف منیجر ہوں۔ حسابات دادا جان رکھتے ہیں۔ بینک میں بھی انہیں کا نام چلتا ہے۔"

"تم جانو۔" دوسری آدمی نے پھر لاپروائی سے اپنے شانوں کو حرکت دی۔

"میں تھوڑا.... تھوڑا کر کے۔"

فضول ہے۔" اس نے جاوید کی بات کاٹ دی۔ "میں سمجھا تھا کہ تم آج معاملات صاف
گے۔ مگر تم بڑے ناسمجھ ثابت ہوئے۔ خیر پولیس خود ہی سمجھ لے گی۔"

دوسرا آدمی جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو تو سہی۔" جاوید اُسے روک کر بولا۔ "میں اس وقت پندرہ ہزار دے سکتا ہوں۔"

"پچاس ہزار یکمشت۔ اگر ایک ہفتہ کی بھی دیر ہوئی تو ایک لاکھ.... اس کے بعد تو پھر تم
ہی ہو۔"

"بقیہ میں جلد ہی دے دوں گا۔"

"بیکار ہے! ہمیں یکمشت چاہئے۔ ایک مالدار آدمی کی زندگی کیلئے یہ رقم بہت زیادہ نہیں ہے۔"

"تب تو مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔"

"بہت مناسب ہے۔" دوسرا آدمی بے دردی سے بولا۔ "ہم ایک جھنجھٹ سے بچ جائیں
تمہاری وجہ سے ہمارا بہت وقت برباد ہوتا ہے۔"

جاوید اُسے ایک لمحہ گھورتا رہا۔ اُس کے سُتے ہوئے ہیجان چہرے پر دفعتاً سرخی جھلکنے لگی اور
نے اُس کی آنکھوں میں ایک خوفناک چمک دیکھی۔

"تم ایک ہفتے کی بھی مہلت نہیں دے سکتے۔" اُس نے دوسرے آدمی سے کہا۔ "میں صرف
ہلت کے لئے تمہیں پندرہ ہزار دے سکتا ہوں۔ اور پچاس ہزار کا انتظام میں ایک ہفتے میں
لوں گا۔"

"میں کیا کروں دوسرے نہیں مانتے۔" اس بار دوسرے آدمی کا لہجہ نرم تھا۔

"کیا مہلت کے لئے پندرہ ہزار ایسے کم ہیں۔"

"بولو... جلدی کرو.... یہ لو۔" جاوید کا ہاتھ جیب میں گیا اور پھر باہر نکل آیا۔ اُس کی گرفت
اعشاریہ دو پانچ کا ننھا سا پستول چمک رہا تھا۔ دوسرا آدمی چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"نکالو....!" جاوید کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ "وہ بنڈل میرے حوالے کردو۔ ورنہ یہیں
ر کردوں گا۔"

دوسرا آدمی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

"نکالو....!" جاوید دانت پیس کر بولا۔

حمید کچھ کہنے کے لئے فریدی کی طرف پلٹا، لیکن وہ پھر غائب ہو چکا تھا۔ اُسے حیرت تو لیکن وہ اس مسئلے کو ایک لمحے سے زیادہ کے لئے اپنے ذہن میں نہ رکھ سکا کیونکہ ہال کا منظر اُ کہیں زیادہ تحیر انگیز تھا۔

"اچھا! تو اب تم اس طرح دھمکاؤ گے۔" دوسرا آدمی جاوید سے کہہ رہا تھا۔

"پیکٹ نکالو۔" جاوید غرایا۔ اس کے جواب میں دوسرا آدمی جس نے اپنی حالت پر قا تھا، ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ وہ پیکٹ اپنے ساتھ لاتا اور تم یہ سمجھو کہ میں تنہا ہوں۔"

دفعتاً حمید نے اپنے داہنے شانے پر بوجھ سا محسوس کیا۔ وہ چونک کر مڑا۔ دوسرے ہی میں ایک ریوالور کا ٹھنڈا لوہا اس کی کنپٹی سے چپک گیا۔

"چلو آواز نہ نکلے۔" بھاری بھرکم آدمی نے دریچے کی طرف اشارہ کیا۔ حمید چپ چاپ لگا۔ وہ اُسے ہال میں لے آیا۔ اتنی دیر میں نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اب وہاں کئی آدمی تھے اور فرش پر چت پڑا گہرے سانس لے رہا تھا۔ شاید اُسے بیہوش کر دیا گیا تھا۔ ایک آدمی جھک کر کی تلاشی لینے لگا۔

"واقعی پندرہ ہزار لایا تھا۔" وہ نوٹوں کی ایک گڈی سنبھالتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

"ارے۔" وہ آدمی جو جاوید کے ساتھ آیا تھا، گھبرائے ہوئے انداز میں اپنی جیبیں ٹٹولتا بولا۔ "وہ پیکٹ کہاں گیا۔"

"کیا....!" بھاری بھرکم آدمی غرایا۔

"جی ہاں.... وہ پیکٹ میری اس جیب میں تھا۔"

"گدھے! اُلو کے پٹھے۔" بھاری بھرکم آدمی دانت پیس کر بولا۔ "اس کا گلا گھونٹ دو۔"

تین آدمی اُس پر ٹوٹ پڑے۔ اُس نے چیخنا چاہا، لیکن اس کا منہ دبا دیا گیا اور پھر حمید نے منظر دیکھا کہ اُسے اپنی آنکھیں بند کر لینی پڑیں۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے سر پر بھی کوئی وزنی چیز ماری گئی اور وہ تکلیف کی شد سے بوکھلا کر ایک آدمی پر جھپٹ پڑا۔ پھر دوسرا وار بیہوش ہی کر دینے والا ثابت ہوا۔ وہ لہرا فرش پر آ گرا تھا۔

خطرناک گروہ

حمید ایک تاریک کوٹھری کے فرش پر چت پڑا اپنے دکھتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا، جس پچھلے حصے کا ورم ایک دوسرا سر معلوم ہونے لگا۔ حمید نے دل ہی دل میں اپنے سر پر "ایک ایک بٹا چار" کی پھبتی کہی اور پھر اپنے مقدر کو کوسنے لگا۔ اس کی زندگی میں اس قسم کا پہلا واقعہ تھا۔ وہ متعدد بار کئی خطرناک آدمیوں کے ہتھے چڑھ چکا تھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شاید فریدی نے پہلے ہی سے خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ اسی لئے وہ ک گیا تھا۔

حمید پر پھر جھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ اُسے فریدی کا یہ طریقہ انتہائی ناپسند تھا کہ وہ اُسے بھاڑ میں ونک کر خود الگ ہو جاتا تھا۔ اپنا مطلب نکالنے کے لئے دیدہ دانستہ اُسے خطرات کے حوالے دیتا تھا۔ لیکن ان خیالات کے باوجود بھی حمید کو یقین کامل تھا کہ فریدی اس کی طرف سے فل نہ ہوگا۔

دفعتاً کوٹھری کا دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا اور کسی نے اندر داخل ہو کر برقی روشنی دی۔ حمید کو دو ایسے آدمی نظر آئے جنہیں اُس نے میونسپل گارڈن کے دارالمطالعہ میں نہیں یکھا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان کی گھنی ڈاڑھیاں مصنوعی ہیں۔ انہوں نے اپنی آنکھوں تاریک شیشوں کے چشمے چڑھا رکھے تھے۔

"پیارے بزرگو۔" حمید نہایت ادب سے بولا۔ "میں اپنے پیروں سے چل سکتا ہوں، لیکن پ نے میری ربر کی کاشت برباد کر دی۔ آج اتوار ہے یا جمعرات۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔ اُن میں سے ایک حمید کا بازو مضبوطی سے تھامے ہوئے اُسے ٹھری سے نکال رہا تھا۔ پھر وہ کئی راہداریوں سے گذرتے ہوئے ایک وسیع کمرے میں داخل ہوئے جہاں تقریباً پندرہ بیس آدمی اکٹھا تھے، لیکن ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جس نے اپنا چہرہ قاب میں چھپا رکھا تھا۔ وہ اٹھ کر حمید کی طرف بڑھا جیسے وہ ایک معزز مہمان کی حیثیت سے اس کا ستقبال کرنا چاہتا ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے حمید کی طرف بڑھایا.... حمید نے بھی الی گرمجوشی کا اظہار کیا۔ ایک خالی کرسی پیش کی گئی۔ حمید دل ہی دل میں خود کو نڈر بنانے کی

کوشش کر رہا تھا۔

"اس وقت آپ کو اپنے درمیان پاکر ہم خوشی محسوس کر رہے ہیں۔" نقاب پوش نے کہا۔

"میں بھی باغ باغ ہو رہا ہوں۔" حمید اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"آپ شاید ناراض ہیں۔"

"نہیں تو! خوشی کے مارے میرا پیشاب خطا ہوا جا رہا ہے۔" حمید نے پھر اُسی لہجے میں کہا۔

"ہم مجبور تھے۔" نقاب پوش ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "اُس وقت اس کے علاوہ ہمیں او کوئی تدبیر نہیں سوجھی۔ ویسے ہم آپ کی دل سے قدر کرتے ہیں۔"

"آخر اس عزت افزائی کی وجہ۔"

"دیکھئے! جناب!" نقاب پوش ہنس کر بولا۔ "آپ کا یہ شریفانہ لہجہ مجھے [illegible] نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ بھی وہی ہیں، جو ہم ہیں۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "میں قلندر علی ہوں اور آپ دلدار خاں بھی ہو سکتے ہیں۔ تفضل حسین بھی آپ کا نام ہو سکتا ہے....اور....!"

"آپ کی باتیں دلچسپ ہیں۔" نقاب پوش ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کاش ہم پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوتے۔"

"اگر جانتے بھی ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ "کیونکہ شائد میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں۔"

"کیوں....کس طرح۔" نقاب پوش نے حیرت کا اظہار کیا۔

"بھلا بتلائیے۔ اگر یہی یاد ہوتا تو میں یہ کیوں کہتا کہ میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں۔ میاں مجھے تو اپنا نام بھی نہیں یاد رہ گیا۔"

"رفعت نعیم کا قتل تو یاد ہی ہوگا۔"

اس جملے پر حمید سناٹے میں آگیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا وہ لوگ اُسے پہچان گئے ہیں۔ وہ پھر آہستہ سے بڑبڑایا اور چند لمحے پُر خیال انداز میں نقاب پوش کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

"اس نام سے کان تو کچھ کچھ آشنا معلوم ہوتے ہیں، لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے یہ نام کہاں سنا تھا۔"

"آپ کا سر تو بُری طرح دکھ رہا ہوگا۔"

"ہائیں....!" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میرا سر دکھ ...؟"

نقاب پوش کچھ نہ بولا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر حمید کی دیکھنے لگا۔

"بتائیے نا۔" حمید پھر بولا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ایک بار بھی سے یہ نہیں کہا کہ میرا سر دکھ رہا ہے۔ کیا آپ روشن ضمیر ہیں۔"

"آپ کے سر میں کچھ دیر قبل چوٹ لگی تھی۔" نقاب پوش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

حمید بوکھلا کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا....پھر اس کا ہاتھ سر کے اُس حصے پر رک گیا ورم ہو گیا تھا۔

"چوٹ....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ہے تو سہی....مگر یہ کیسے لگی۔ مجھے کچھ یاد نہیں، آخر یہ کیا بات ہے۔"

دفعتاً نقاب پوش ہنس پڑا۔

"بھئی چوٹ لگی ہے اور آپ ہنس رہے ہیں....واہ....وا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"میرے دوست مجھے اُلو بنانے کی کوشش نہ کرو۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں ں کا وہ سب انسپکٹر نہیں ہوں جسے تمہارے ساتھی نے غسلخانے میں بیہوش کر دیا تھا۔"

"شاید آپ بہت زیادہ پی گئے ہیں۔" حمید ہنس پڑا۔

"ختم کرو یہ ڈھونگ" نقاب پوش نے کہا۔ "کام کی باتیں کرو۔ میں بزنس کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور کیجئے۔ بہت اچھی چیز ہے۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر میں ہوں کہاں آپ کون لوگ ہیں۔ میری بدتمیزی معاف کیجئے گا۔ میں نے ابھی تک آپ لوگوں سے آپ متعلق کچھ نہ پوچھا۔"

"کیا میونسپل گارڈن کے دارالمطالعہ میں آپ ہمارے متعلق کوئی اندازہ نہیں لگا سکے۔"

"نہ جانے آپ کیسی بے سروپا باتیں کر رہے ہیں۔" حمید جھنجھلا کر چیخا۔

"میں نے اس سے پہلے آپ لوگوں کو کہیں نہیں دیکھا اور پھر آپ اپنی بات کر رہے ہیں۔"

آپ کی آواز میں تو زنانہ پن تھا، لیکن آپ مجھے کوئی پردہ نشین خاتون معلوم ہوتے ہیں۔"

کمرے کے بہتیرے آدمی ہنس پڑے، لیکن نقاب پوش کی گھورتی ہوئی آنکھوں نے انہیں اس طرح خاموش کردیا جیسے قہقہوں میں اچانک بریک لگ گئے ہوں۔

"دیکھئے جناب۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "آپ ہمیں بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کریں تو بہتر ہے۔"

"اچھا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب بیوقوف نہ بناؤں گا۔" حمید نے بڑے سعادتمندانہ لہجے میں کہا

"آپ نہیں باز آئیں گے۔" نقاب پوش گرج کر بولا اور حمید بوکھلا کر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ نقاب پوش کا مخاطب کون ہے۔

"اے۔" نقاب پوش نے اپنے ایک آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔ "اسے دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔ ان گدھوں کے بغیر بھی ہمارا کام چل سکتا ہے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ شرافت سے کوئی معاہدہ ہو جائے۔"

"دیکھتا ہوں۔ کون دھکے دے کر نکالتا ہے۔" حمید بپھر گیا۔ "تم کون ہو نکالنے والے یہ میرا مکان ہے، تم بغیر اجازت اندر کیوں گھس آئے۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں ابھی تک میں مذاق سمجھ رہا تھا۔"

ایک آدمی حمید کی طرف بڑھا۔ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے دو آدمیوں نے اُسے پکڑ لیا اور ایک تیسرے آدمی نے اس کی آنکھوں پر چمڑے کا توبڑا چڑھا دیا۔

"ارے مرا۔" حمید چیخا۔ "دوڑو بچاؤ۔"

"برخوردار ابھی تمہارے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔" نقاب پوش مسکرا کر بولا۔

"دہی کی ہوگی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "آج صبح میں نے لسی پی تھی۔"

"باہر پھینک دو اسے۔" نقاب پوش دوبارہ چیخ کر بولا۔

شاید چار آدمیوں نے حمید کو ٹانگ لیا۔ اُس کی آنکھیں تو بڑے کی وجہ سے بند ہو چکی تھیں لیکن اتنا اُسے اچھی طرح یاد رہا کہ وہ لوگ اُسے اٹھائے ہوئے دس پندرہ منٹ تک چلتے رہے تھے۔

پھر کسی جگہ اس کے پیر زمین سے لگے اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں پر چمڑے کا تسمہ اب بھی چڑھا ہوا تھا۔ وہ کسی کے بولنے کا انتظار کرتا رہا مگر اُسے کسی قسم کی بھی آواز سنائی نہ دی۔

"میرے پیارے دوستو۔" حمید آہستہ سے بولا۔

لیکن جواب ندارد۔ قریب یا دور کسی قسم کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔

حمید نے اپنی آنکھوں پر سے چمڑے کا تسمہ ہٹا دیا، لیکن اس کے علاوہ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ وہ ں آدمی غائب ہو چکے تھے۔ دور تک سنسان جنگل کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور رات اندھیری بیکراں نیلگوں وسعتوں میں تارے چمک رہے تھے۔

حمید دو یا تین بار زور زور سے کھانسا لیکن اس پر بھی اُسے کوئی آواز نہ سنائی دی۔ اس کے ے تازہ ہوا پا کر زور زور سے پھولنے اور پچکنے لگے۔ رات اندھیری ہونے کے باوجود ار تھی۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کدھر جائے۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ شہر کس سمت میں ۔ پورا شہر ہی اس کا دیکھا ہوا نہیں تھا، چہ جائیکہ اُن اطراف کے جنگل۔ وہ تن بتقدیر ایک ے چل پڑا۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ آخر انہوں نے اسے اس طرح کیوں دیا، حالانکہ اس نے انہیں ایک قتل کا مرتکب ہوتے دیکھ لیا تھا۔ آخر وہ لوگ کون تھے ں سے کیا چاہتے تھے۔

حمید چلتا رہا اور سوچتا رہا۔ اچانک اس کے پیر سخت قسم کی زمین سے ٹکرا کر گونج پیدا کرنے ۔ اُس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔

اب وہ ایک پختہ سڑک پر چل رہا تھا، جس کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں تھیں۔ دفعتاً کسی ے سے ایک آدمی اُس پر ٹوٹ پڑا۔ حمید خود کو سنبھالتے سنبھالتے ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے لمحے وہ دوسرا آدمی اُس کے سینے پر سوار تھا۔

"اب تم مجھے گرا کر سیدھے بھاگتے چلے جاؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تمہارے جیب میں ایک خط ہے۔ زور کر کے اٹھو اور مجھے گرا کر بھاگو۔ شہر کا سیدھا راستہ۔"

حمید کو زور لگانے کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی۔ وہ آدمی خود ہی اچھل کر دور جا گرا اور کر بھاگا۔ دوسرے آدمی نے زمین سے اٹھتے اٹھتے اس پر دو تین فائر کر دیئے اور پھر حمید کے ے دوڑنے لگا۔ اس نے پے در پے دو تین فائر اور کیئے۔

حمید اپنے پیچھے کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہی رہا۔ یکا یک اس

نے ایک ساتھ کئی فائروں کی آوازیں سنیں، لیکن اب تعاقب کرنے والوں کے قدموں کی
آوازیں نہیں آرہی تھیں۔ متواتر آدھ گھنٹے تک وہ دوڑتا رہا۔ دس پانچ منٹ دم لینے کے بعد وہ
چل پڑتا۔ کچھ دور پر بہت سی روشنیوں کے چھوٹے چھوٹے دھبے دکھائی دینے لگے تھے۔ شائد شہر
نزدیک تھا۔

شہر پہنچ کر وہ سب سے پہلے ایک کیفے میں گھس گیا۔ ایک کیبن میں اطمینان سے بیٹھنے کے
بعد اس نے وہ کاغذ کا ٹکڑا نکالا جس پر پنسل سے شکستہ حروف میں تحریر تھا۔

"شہر پہنچ کر ایک اصیل مرغ خرید لینا اور اُسے لئے ہوئے سیدھے پروفیسر جھوس کے یہاں
چلے جانا۔ وہ بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا ہوگا اور بس۔ اب تمہیں کئی دن کے لئے چھٹی ہے
آرام کرو اور باتیں بناؤ۔"

تحریر فریدی ہی کی تھی۔ حمید اس کا طرز تحریر اچھی طرح پہچانتا تھا اور پھر اگر وہ فریدی نہ
ہوتا تو اُسے خود کو گرانے کے لئے کیوں کہتا۔ اس نے اس کی آواز بھی صاف پہچان لی تھی۔

حمید نے دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھا۔ آٹھ بج رہے تھے۔ اُس پر پھر
جھنجھلاہٹ کا دورہ پڑا۔ آخر اس وقت اصیل مرغ کہاں تلاش کرتا پھرے گا۔

اُس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ ابھی تک گوشت کا مارکٹ کھلا ہوا تھا۔ بہر حال وہ ایک اصیل
مرغ خریدنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اور یہ بھی سچی بات تھی کہ ڈاکٹر جھوس اس کا منتظر تھا۔ اُس نے اُسے برآمدے میں ٹہلتے
دیکھا۔

"ہلو مائی ڈیئر۔" وہ حمید کی بغل میں مرغ دبا ہوا دیکھ کر چیخا۔ "میں آپ کا منتظر تھا۔ مگر
پروفیسر کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ اور وہ دونوں ساتھ ہی تشریف لائیں گے اوہ وہ
نہیں آئے..... میں مغموم ہوں۔"

"کیا پروفیسر آئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں! سامان لے کر آئے تھے۔ میں نے آپ دونوں کے کمرے ٹھیک کرا دیئے ہیں۔
اوہو! کیا آپ کہیں گر پڑے تھے۔"

پروفیسر حمید کی پشت سے مٹی جھاڑنے لگا۔

"جی اس مرغ نے راستے میں تھوڑا پریشان کیا تھا۔"

"اوہو دیکھوں تو۔" پروفیسر اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر تولتے ہوئے بولا "ہے زوردار۔"

"فی الحال ڈاکٹر زیٹو نے اُسے نامرغ کر دیا ہے۔"

"او پلیز مائی ڈیئر! ذرا آہستہ۔ بے بی برابر والے کمرے میں ہے۔" پروفیسر آہستہ سے بولا۔

"میں نے ڈاکٹر زیٹو سے سنا ہے کہ وہ ٹماٹر سے نفرت کرتی ہیں۔"

"چہ چہ! خبردار ٹماٹر کا تذکرہ اس کے سامنے نہ آنے پائے۔ ورنہ ہر بات کے آپ ہی ذمہ دار
ہوں گے۔ ویسے بے بی بڑی اچھی لڑکی ہے۔ دوسروں کی عزت کرنا جانتی ہے۔ تھوڑی غصہ ور
ہے۔ بس ذرا اس کی ہاں میں ہاں ملانی پڑتی ہے۔ چلئے میں آپ کا کمرہ دکھا دوں۔ اسے اپنا ہی گھر
سمجھئے اور ہاں بے بی سے کبھی بحث نہ کیجئے گا۔ خیال رہے ٹماٹر کا۔"

ایک نئی دریافت

دوسری صبح خوشگوار ضرور تھی مگر حمید کے جوڑ جوڑ میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے
طلوع آفتاب کا حسین منظر دیکھتے ہوئے انگڑائی لی، اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اُس کی نظریں
ان تین سوٹ کیسوں پر جمی ہوئی تھیں، جو فریدی ہی نے پروفیسر کے یہاں پہنچائے تھے۔ اس نے
ابھی تک انہیں کھولا بھی نہیں تھا۔

پائپ ختم کر چکنے کے بعد وہ اٹھا۔ سوٹ کیس کھولے۔ ان میں ریڈی میڈ کپڑے موجود تھے۔
اس کے بعد اس نے اپنے لئے ایک عمدہ سا سوٹ منتخب کیا اور قمیض کے ساتھ ٹائی کا میچ تلاش کرنے لگا۔
تھوڑی دیر بعد جب وہ لباس تبدیل کر کے برآمدے میں آیا تو اس کی شخصیت ہی بدل چکی تھی۔
سلیمہ نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور اپنے بڑے بالوں والے کتے کے سر پر ہاتھ پھیرنے
لگی۔ سلیمہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر پام کے گملے کی اوٹ میں اسلم بیٹھا شیو کر رہا تھا۔

"صبح بخیر محترمہ۔" حمید نے قدرے جھک کر کہا۔

"یہ صبح بخیر کیا چیز ہوتی ہے۔" سلیمہ اُسے گھور کر بولی۔ "السلام علیکم نہیں کہہ سکتے تھے
آپ۔ آپ کا نام شائد ساجد ہے۔ مسلمان ہی ہوں گے۔"

"مجھے افسوس ہے مجھ سے غلطی ہوئی۔" حمید نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ سلیمہ کے چہرے کی سختی نرماہٹ میں تبدیل ہو گئی۔

"رات آپ کو تکلیف تو نہیں ہوئی۔" اس نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا۔

"بہت آرام سے سویا۔ اپنے گھر پر بھی اتنا آرام نہ ملتا۔ آپ کی کوٹھی شائد اس شہر میں سب سے بہتر ہے۔"

"آپ بہت معاملہ فہم آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" اسلم نے ہنس کر حمید کو مخاطب کیا۔ "ہم لوگ آپ کی تشریف آوری سے بے حد خوش ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ٹماٹر کی تعریف نہیں کریں گے۔"

"اسلم تم سور ہو۔" سلیمہ جھنجھلا کر کھڑی ہو گئی۔ "بالکل بد تمیز ہو..... تم میرے سامنے مت آیا کرو۔ ورنہ کسی دن.....!"

"آج میں ہمیشہ کیلئے جا رہا ہوں۔" اسلم نے فلم کے ہیرو کی طرح ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"بکواس ہے۔ تم ہمیشہ میرے لئے باعث کوفت بنے رہو گے۔"

"اوہ تو کیا تمہیں منظور ہے۔" اسلم خوش ہو کر بولا۔

"شٹ اپ۔" سلیمہ حلق کے بل چیخی اور پیر پٹختی ہوئے اندر چلی گئی۔

"بیٹھئے نا آپ کھڑے کیوں ہیں۔" اسلم نے حمید سے کہا۔

"آپ نے محترمہ کو ناخوش کر دیا۔" حمید بیٹھتا ہوا غمناک لہجے میں بولا۔

"کریک ہے۔" اسلم نے اپنی کنپٹی کے قریب انگلی نچاتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا تم نے۔" سلیمہ جھپٹ کر کمرے سے نکلی اور اسلم کے ہاتھ سے سیفٹی ریزر چھوٹ پڑا۔

"کک کچھ بھی تو نہیں۔" اسلم ہکلایا۔

"میں کریک ہوں؟" سلیمہ گرجی۔

"ارے بھئی یہ کیا صبح ہی صبح....." پروفیسر جھوس ایک کمرے سے نکلتا ہوا بولا۔

"یہ ڈفر مجھے کریک کہتا ہے۔" سلیمہ نے چیخ کر کہا۔

"کیوں اسلم میاں خواہ مخواہ ہنگامہ برپا کر رہے ہو۔" پروفیسر بولا۔

"آپ بھی مجھے ہی کہنے لگے۔ سلیمہ نے مجھے اُلو کا پٹھا کہا تھا۔"

11

"ارے شرم نہیں آتی تمہیں جھوٹ بولتے ہوئے۔" سلیمہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

"اب آپ خود سوچئے۔" اسلم رونی صورت بنا کر بولا۔ "کیا آپ کے بڑے بھائی اُلو تھے۔"

"نہیں یہ غلط ہے۔" پروفیسر جلدی سے بولا۔ "بے بی تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

"میں نے نہیں کہا۔ یہ جھوٹا ہے۔" سلیمہ جھلاہٹ میں اپنے بال نوچنے لگی۔

"ارے ارے!" پروفیسر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اس پر سلیمہ جو چیخ مار کر روتی ہے تو کوٹھی سر پر اٹھالی۔

پروفیسر اُسے لے کر اندر چلا گیا۔

"آپ نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے اسلم سے کہا۔ اسلم اس انداز سے ڈاڑھی بنانے میں ہو گیا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

"چھوڑیئے بھی۔" اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "یہ تو روز کی تفریح ہے۔"

"ان کا مضمون فلسفہ تو نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں یہ فلسفے میں ایم۔ اے کر رہی ہیں۔" اسلم بولا۔ "مگر میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ شادی ے کروں گا خواہ یہ فلسفے کے ساتھ ہی ساتھ چینی زبان بھی سیکھ لے۔"

"نبھ جائے گی؟" حمید نے پوچھا۔

"خوب نبھے گی جناب۔ مجھے لڑنے جھگڑنے والی عورتیں بہت پسند ہیں۔ سیدھی سادی ں مجھے شلجم یا مونگ کی دال معلوم ہوتی ہیں۔"

"بہت خوب۔" حمید مسکرایا۔ "آپ تو مجھے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔"

"بس مقدر خراب تھا کہ پہلی اور آخری غزل میں نے چودہ سال کی عمر میں کہی تھی۔"

"تو اب ایک ٹماٹر نامہ لکھ ڈالئے۔"

"اوہو! تو کیا آپ جانتے ہیں۔" اسلم نے حیرت سے کہا۔

"دوران گفتگو میں پروفیسر نے بتایا تھا۔ آخر آپ بیچاری کو کیوں چھیڑتے ہیں۔"

کمپاؤنڈ میں ایک کار کے داخلے نے سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا۔ کار میں دو عدد باوردی اور مسلح ا کانسٹیبل تھے۔ تیسرا آدمی سفید قمیض اور سفید پتلون میں ملبوس تھا۔ اس کی شخصیت صحیح ل میں جاذب توجہ تھی۔ عمر تو چالیس اور پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی، لیکن اعضاء

چوڑے چکلے اور مضبوط تھے۔ پیشانی کشادہ اور محراب دار تھی۔

"کیا پروفیسر موجود ہیں۔" اس نے آگے بڑھ کر حمید سے پوچھا۔

"جی ہاں.... فرمایئے۔" اسلم سیفٹی ریزر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کوتوال صاحب کی آمد کی اطلاع کر دیجئے۔" ایک سب انسپکٹر بولا۔ اتنے میں پروفیسر خ ہی باہر آ گیا۔ وہ پولیس والوں کو اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھتا ہوا بولا۔ "او ہو! ڈی۔ایس۔ صاحب! تشریف لایئے! تشریف لایئے۔"

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ حمید نے اس موقع پر پیچھے رہنا مناسب سمجھا۔ ان کے ساتھ ہی وہ بھی ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

"آپ پبلک لائبریری کے ممبر ہیں۔" کوتوال نے پروفیسر کو مخاطب کیا۔

"جی ہاں.... جی ہاں۔ میں یہاں کی کئی لائبریریوں کا ممبر ہوں بلکہ دو ایک تو میر سرپرستی ہی میں چل رہی ہیں.... فرمایئے۔"

"میں آپ کا پبلک لائبریری والا کارڈ دیکھنا چاہتا ہوں۔" کوتوال نے کہا اور اپنی باریک تر ہوئی نوکدار مونچھوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ٹھہریئے.... میں دیکھتا ہوں۔" پروفیسر نے گھنٹی بجائی۔ دوسرے لمحے میں ایک نو کمرے میں داخل ہوا۔

"دیکھو.... ذرا.... وہ سیاہ ٹرے لیبارٹری سے اٹھا لاؤ۔"

"آخر....!" وہ چند لمحے بعد بولا۔ "پولیس کو میرے لائبریری کے کارڈ سے کیا دلچ ہو سکتی ہے۔"

"ابھی عرض کرتا ہوں۔"

نوکر سیاہ رنگ کی ٹرے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس نے چھوٹی میز پر ٹر رکھ کر اُسے پروفیسر کے سامنے کھسکا دیا۔ پروفیسر اس میں رکھے ہوئے کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگا۔ بڑے انہماک کے ساتھ پبلک لائبریری کا کارڈ تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مایوسی سر ہلاتے ہوئے کوتوال کی طرف دیکھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ صرف وہی کارڈ اس میں موجود نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"آپ نے کسی کو دیا تو نہیں۔"

"ٹھہریئے میں بتاتا ہوں۔" پروفیسر نے کہا پھر نوکر سے بولا۔ "ذرا اسلم کو بھیج دو۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پروفیسر کچھ مضطرب سا نظر آ رہا تھا لیکن اس نے اس معاملے کے لق پھر کچھ نہیں پوچھا۔

"اسلم میاں۔" وہ اسلم کو دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا پبلک لائبریری والا کارڈ ارے پاس ہے۔"

"پبلک لائبریری والا کارڈ۔" اسلم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا وہ ابھی واپس نہیں آیا۔"

"کہاں سے واپس نہیں آیا۔" پروفیسر اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"بہت عرصہ ہوا جاوید بھائی لے گئے تھے۔ انہیں شاید کسی کتاب کی ضرورت تھی۔"

"لیکن جانتے ہو۔" پروفیسر بگڑ کر بولا۔ "یہ اصول کے خلاف ہے۔ تم نے اُسے کارڈ کیوں لے جانے دیا تھا۔"

"سلیمہ نے دیا تھا۔"

"کسی نے بھی دیا ہو۔" پروفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "جو چیز اصول کے خلاف ہے وہ ہر حال میں صول کے خلاف رہے گی۔ کیوں جناب۔" وہ حمید کی طرف مخاطب ہو گیا۔

"جی ہاں جناب.... قطعی۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"بہر حال آپ کا کارڈ ایک لاش کے قریب پایا گیا ہے۔" کوتوال بولا۔

"جی کیا مطلب۔" پروفیسر بے اختیار اچھل پڑا۔

"جی ہاں۔" کوتوال سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "پبلک لائبریری کے اوپر ہال میں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔ ذرا جلدی سے وضاحت کیجئے ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"جاوید آپ کا عزیز ہے۔"

"جی ہاں ہے تو۔"

"آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ رفعت نعیم کی بیوی کا قاتل ہے۔"

"یہ ابھی کس طرح کہا جا سکتا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "ابھی تو مقدمے کی سماعت بھی نہیں شروع ہوئی۔"

"مقتولہ کے پاس اس کا رومال پایا گیا تھا اور اس نے اس کی شناخت کی تھی۔"

"تو پھر جس لاش کے پاس میرا کارڈ پایا گیا اس کا قاتل میں ہوں گا۔" پروفیسر تلخ لہجے میں بولا۔

"آپ پوری بات تو سن لیجئے۔" کوتوال مسکرا کر بولا۔

"سنائیے! ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"لاش کے قریب ہی جاوید بیہوش حالت میں پایا گیا ہے اور آپ کا کارڈ دراصل جاوید ہی کی جیب میں تھا۔ جاوید کے جیب سے اعشاریہ دو پانچ کا ایک پستول بھی برآمد ہوا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ پستول کا لائسنس جاوید بھائی کے پاس تھا۔" اسلم بول پڑا۔

"آپ کا خیال درست ہے، لیکن آخر پستول جیب میں لئے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"کیا مقتول اُسی پستول کی گولی سے ہلاک ہوا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ سب تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہوگا۔" کوتوال نے کہا۔ "میں تو اتنا جانتا ہوں کہ وہ گولی جاوید کے پستول سے چلائی گئی تھی، اور اس پر جاوید کے انگلیوں کے نشانات بھی پائے گئے ہیں۔"

"اور خود جاوید بیہوش پایا گیا ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "گویا جاوید گولی مارنے کے بعد بیہوش ہو گیا تھا۔ اگر وہ ایسے ہی کمزور دل کا تھا تو اس نے گولی ہی کیوں چلائی۔ آپ کے بیان کے مطابق وہ اس سے پہلے بھی ایک قتل کا مرتکب ہو چکا ہے، لہٰذا تجربہ کار ہے اُسے قتل کے بعد بیہوش تو نہ ہونا چاہئے۔"

"آپ واقعی بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" کوتوال طنزیہ لہجے میں بولا۔ "لیکن اس کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی۔"

"جاوید پھر گرفتار کر لیا گیا؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"لازمی امر ہے۔" کوتوال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کی ضمانت بھی ضبط ہو گئی ہے۔"

"مجھے اس لڑکے کے لئے افسوس ہے۔" پروفیسر بولا۔ "یقیناً کوئی اُسے پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" کوتوال نے کہا۔ "کیا وہ کل آپ کے یہاں آیا تھا۔"

"جی نہیں.... میں نے اُسے مہینوں سے نہیں دیکھا۔"

"پھر وہ آپ کا کارڈ کب لے گیا تھا۔"

"مجھے یہ بھی نہیں معلوم.... کیوں اسلم؟"

"میرا خیال ہے کہ یہ رفعت کی بیوی کے قتل سے پہلے کا واقعہ ہے۔" اسلم نے کہا۔

"آپ جاوید کے دوستوں میں سے ہیں۔" کوتوال نے اسلم سے پوچھا۔

"نہیں ہم میں بے تکلفی نہیں کیونکہ وہ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔"

"بہر حال آپ اس کے عادات و اطوار اور ملنے جلنے والوں سے تو واقف ہی ہوں گے۔"

"قطعی نہیں.... میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک خوش اخلاق اور علم دوست آدمی ہیں۔ ملنے جلنے والوں سے میری واقفیت نہیں۔"

"اس شخص کو آپ نے کبھی دیکھا ہے۔" کوتوال نے جیب سے ایک تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے وہ تصویر اسلم کی طرف بڑھا دی۔

اسلم اُسے بغور دیکھنے لگا۔ پروفیسر اور حمید بھی اُسے دیکھنے کے لئے آگے کی طرف جھک آئے۔ حمید ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ یہ اسی آدمی کی تصویر تھی جو جاوید کو پبلک لائبریری میں لے گیا تھا۔ پروفیسر اسلم کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے خیال پڑتا ہے کہ میں نے اُسے کہیں دیکھا ہے۔" اسلم آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کبھی جاوید کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ روزانہ سینکڑوں صورتیں نظر سے گذرتی ہیں اور اُن میں سے کچھ ایسی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں، جو عرصے تک یاد رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی اچھی شخصیت کا حامل ہے۔ اس نے کبھی نہ کبھی میری توجہ اپنی جانب منعطف کرائی ہوگی۔"

"یہ اُسی آدمی کی تصویر ہے۔" کوتوال نے کہا۔ "جس کی لاش پبلک لائبریری میں پائی گئی۔"

کچھ دیر کے لئے خاموشی ہوگئی۔ پھر پروفیسر اسلم سے بولا۔

"ارے بھئی! کوتوال صاحب کے لئے چائے.... تم بڑے بداخلاق بچے ہو۔"

"نہیں پروفیسر شکریہ۔" کوتوال اٹھتا ہوا بولا۔ "ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔ ویسے میں آپ کو یہ اطلاع دینے کیلئے آیا تھا کہ اس کارڈ کی وجہ سے ممکن ہے کہ آپ بھی عدالت میں طلب کئے جائیں۔"

"فکر نہیں۔" پروفیسر لاپروائی سے بولا۔ "کسی زمانے میں مجھے شاعری اور مقدمے بازی

سے بڑی دلچسپی تھی اور میں دوسروں کے مقدمات کی پیروی مفت کرتا تھا۔"

"اچھا اب اجازت دیجئے۔" کوتوال نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے خو بھی اس لڑکے سے ہمدردی ہے مگر کیا کروں۔ حالات سراسر اس کے خلاف ہوتے جارہے ہیں۔ میں بھی اسے ایک اچھے لڑکے کی حیثیت سے جانتا تھا۔"

کوتوال کے چلے جانے کے بعد پروفیسر اسلم پر چنگھاڑنے لگا۔

"کیا مصیبت ہے تم لوگ اتنے گدھے کیوں ہوگئے ہو۔ تم نے اسے میرا کارڈ کیوں لے جانے دیا تھا۔ عدالت میں یہ معاملہ پیش ہوگا۔ سراسر اصول کے خلاف ہے۔ سنا تم نے پروفیسر ٹی۔ اے جھوس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" اسلم بولا۔

"بس بس! اکو نہیں، ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہوجائے گا۔ کوئی بات ہی نہیں انگلستان میں لوگ دوسروں کے کارڈ پر کتابیں نہیں ایشو کراتے۔ تم لوگوں نے پروفیسر ٹی۔ اے جھوس کو ساری دنیا میں بدنام کردیا۔ اف فوہ! اُس کے متعلق اخبارات چہ میگوئیاں کریں گے اور یہ اخبارات انگلینڈ جائیں گے، امریکہ جائیں گے روس جائیں گے، فرانس اور جرمنی جائیں گے .... اور پروفیسر ٹی۔ اے جھوس۔"

پروفیسر کی آواز بھرا گئی۔ اس کا چہرہ مغموم نظر آنے لگا تھا۔ آخر اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے بلڈ پریشر ہوجائے گا۔"

بون ٹر

پروفیسر جھوس کے یہاں رہتے ہوئے حمید کو تین دن ہوگئے تھے اور اس دوران میں ایک بار بھی فریدی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ پروفیسر اکثر اس کے متعلق پوچھتا رہتا تھا لیکن حمید کو بار کوئی نہ کوئی بہانہ تراشنا پڑتا تھا۔

اس دوران میں اسے لنگڑی کوٹھی بھی دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ کئی دنوں سے اخبار نویسوں کی زیارت گاہ بنی ہوئی تھی۔ یہ ایک بوسیدہ سی عمارت تھی جس کا بیشتر حصہ کھنڈر ہوچکا تھا لیکن

سڑک کی طرف کے حصے کو دیکھنے والا یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس مستحکم دیوار کے پیچھے ویرانی کھنڈر ہوں گے۔ ملبے کے ڈھیر میں دبی ہوئی کرم خوردہ چوکھٹیں ہوں گی۔ شکستہ دیواریں ہوں گی جن پر پتلی اور لمبی پتیوں والی گھاس اُگ آتی ہوگی۔

سڑک کی طرف کے حصے میں بالائی منزل پر تین کھلے ہوئے دریچے تھے جن کا پلاسٹر سالہا سال سے کائی جمے رہنے کی وجہ سے سیاہ ہوگیا تھا اور دراڑوں میں گھاس اُگ آئی تھی۔ انہیں دریچوں کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اکثر راتوں میں چیختے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں اور ان میں رنگ برنگوں کی روشنیاں دکھائی دیتی ہیں اور یہ بھی حقیقت تھی کہ انہیں دریچوں کے پیچھے نعیم کی بیوی کی لاش پائی گئی تھی اس عمارت کے مقابل سڑک کی دوسری جانب جدید طرز کی ایک کوٹھی تھی جس میں جاوید کا خاندان آباد تھا۔ اسی لائن میں اور بھی کئی اچھی عمارتیں تھیں لیکن لنگڑی کوٹھی کی طرف کا حصہ بالکل ویران تھا۔ البتہ فصلوں پر یہاں چاروں طرف ہرے ہرے لہلہاتے ہوئے کھیت نظر آتے تھے۔ جاوید کے آباؤاجداد کے زمانہ میں دراصل یہ ایک دیہی علاقہ تھا اور یہاں صرف لنگڑی کوٹھی ہی ایک بڑی عمارت تھی جس کے مکین یہاں کے جاگیردار کہلاتے تھے۔

وقت کے ساتھ ہی ساتھ جلال آباد بھی آگے بڑھتا رہا، حتیٰ کہ وہ اس علاقے سے آملا جہاں لنگڑی کوٹھی واقع تھی اور اب اس دیہی علاقے کا شمار بھی جلال آباد ہی کی بستیوں میں ہونے لگا تھا۔

بہرحال آج کل لنگڑی کوٹھی جلال آباد والوں کے لئے ایک دلچسپ موضوع گفتگو بنی ہوئی تھی۔ دن بھر یہاں لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی لیکن شام ہوتے ہی پھر یہاں قبرستان کا سا سناٹا چھا جاتا تھا۔ خصوصاً رات کو تو کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ لنگڑی کوٹھی کے قریب سے گذر ہی جائے۔ اس سلسلے میں ایک بات اور بھی مشہور تھی وہ یہ کہ یہاں وہ چیخیں صرف جمعرات کی شام کو سُنی جاتی ہیں ورنہ ویسے سناٹا ہی رہتا ہے۔

ایک رات ایک اخبار کے منچلے رپورٹر نے لنگڑی کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی، لیکن اس کی حدود میں قدم رکھتے ہی نہ جانے کدھر سے اس پر چنگھاریاں برس پڑی تھیں وہ بھی دو چار نہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں لیکن وہ جلا نہیں تھا۔ اس کی خبر مشہور ہوتے ہی قرب وجوار کے لوگ اور زیادہ محتاط ہوگئے تھے۔

حمید کے لئے پروفیسر جھوس کا گھر کافی آرام دہ تھا۔ تفریح کے لئے اسلم اور سلیمہ مو
تھے اور سر مارنے کے لئے خود پروفیسر تھا۔ وہ پروفیسر سے بے تکی بحثیں چھیڑ کر اسے دیر
پریشان کیا کرتا تھا لیکن فریدی کا یہ بیان کہ پروفیسر معمولی پڑھا لکھا آدمی تھا کسی طرح اس کے
حلق سے نہیں اترا تھا۔ اس نے کئی بار خالص علمی قسم کے مباحث چھیڑ کر پروفیسر کو آزمایا تھا
نے محسوس کیا تھا کہ پروفیسر کی معلومات وسیع ہیں اور وہ کئی علوم پر گہری نظر رکھتا ہے۔

آج صبح ہی سے سلیمہ کچھ کھوئی کھوئی سی نظر آرہی تھی اور اسلم بھی صبح ہی سے غائب ہو گیا تھا
ناشتے کی میز پر بھی وہ کچھ نہیں بولی تھی اور پروفیسر بھی خاموشی ہی سے ناشتہ کرتا رہا تھا
کی آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے رات بھر جاگتا رہا ہو۔

"آپ کچھ خاموش ہیں۔" حمید نے سلیمہ سے کہا۔

"کچھ کیا میں بالکل خاموش ہوں۔" سلیمہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔

"کیا طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کو لفظ "کچھ" سے اتنی انسیت کیوں ہے۔ ہر بات میں "کچھ" ضرور استعمال کرتے ہیں۔"

"شاید مجھے کچھ ہو گیا ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ اس پر پروفیسر سر جھکا کر اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چشمہ اتار کر شیشے صاف کئے اور اس دوران میں حمید کو الوؤں کی طرح دیکھتا رہا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو۔" سلیمہ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"معدے کی خرابی۔" پروفیسر بڑبڑایا۔

"ڈیڈی پلیز!" سلیمہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔ "دو آدمیوں کی گفتگو میں دخل نہیں دیا کرتے

"مجھے افسوس ہے۔" پروفیسر بڑبڑاتا ہوا میز سے اٹھ گیا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔"

"اِٹس آل رائٹ۔" سلیمہ نے سنجیدگی سے کہا۔

پروفیسر شاید اپنی لیبارٹری کی طرف جا رہا تھا۔

"اسلم صاحب کہاں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جہنم میں۔" سلیمہ نے حمید کو گھور کر کہا۔ "مجھے اسلم کا تذکرہ کرنے والوں سے بھی نفرت ہو جاتی ہے۔ سمجھے آپ۔"

"آپ بھی غیر ضروری الفاظ بولنے لگی ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بھلا یہاں 'سمجھے آپ' کا ٹکڑا لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ ظاہر ہے کہ میں نا سمجھ نہیں اور آپ نے یہ جملہ نہ تو لاطینی میں کہا تھا اور نہ سنسکرت میں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"اب افسوس کرنے سے کیا فائدہ میری توہین تو ہو ہی چکی۔ آپ نے مجھے ذلیل کردیا۔"

حمید کی آواز کچھ تیز ہو گئی اور پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

سلیمہ بے بسی سے اُسے دیکھ رہی تھی اور وہ اس طرح ہکلا گئی تھی جیسے نادانستگی میں اس کے ہاتھ سے بندوق چل گئی ہو۔

حمید کے گالوں پر دو آنسو ڈھلک آئے۔

"ارے ارے۔" سلیمہ پاگلوں کی طرح بولی۔ "میں معافی چاہتی ہوں۔ آپ عجیب آدمی ہیں۔"

"اب دوسری توہین۔" حمید نے آنسوؤں کے دوسرے ریلے کے ساتھ کہا۔ "عجیب آدمی تو پاگل کو کہتے ہیں۔"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔"

"لیکن دل کا وہ زخم تو واپس نہیں لے سکتیں۔" حمید کے آنسو تیزی سے چلنے لگے۔

"ارے ارے.... آپ بڑے کمزور دل کے آدمی ہیں۔"

"میں کیا کروں! میری ماں میری پیدائش سے پہلے ہی مر گئی تھی۔"

سلیمہ اُسے حیرت سے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔"

"وہ میرے باپ کی پہلی بیوی تھی۔" حمید آنسو خشک کرتا ہوا بولا۔ "میں دوسری بیوی سے ہوں۔"

"ہائیں! یہ کیا بات ہوئی۔ اس سے آپ پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"آپ نے پھر غیر ضروری الفاظ استعمال کئے۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "ہائیں اور یہ کیا بات ہوئی کے بغیر بھی آپ اپنا مدعا ظاہر کر سکتی تھیں۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" سلیمہ بے بسی سے بولی۔

"اُف فوہ! پھر آپ نے میری توہین کی۔" حمید پھر رو پڑا۔

"ارے ارے۔" وہ بوکھلا کر بولی پھر یک بیک چیخنے لگی۔ "ڈیڈی۔ ڈیڈی۔"

پروفیسر شائد ادھر ہی آرہا تھا.... اُسے اس طرح چیختے سن کر اُس نے اپنی رفتار تیز کردی۔

"کیا بات ہے.... کیوں چیخ رہی ہو۔" اس نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا پھر اس کی نظر حمید پر پڑی، جو اپنی آنکھوں پر رومال رکھے ہوئے سسک رہا تھا۔

"کیا بات ہے.... کیوں چیخی تھیں۔" پروفیسر نے سلیمہ سے پوچھا۔

سلیمہ نے حمید کیطرف اشارہ کردیا لیکن کچھ بولی نہیں، وہ بہت زیادہ پریشان نظر آرہی تھی۔

"ارے آپ کیوں رو رہے ہیں۔" پروفیسر حمید کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"مجھے دکھ پہنچایا گیا ہے۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کس نے دکھ پہنچایا.... کیا بات ہے۔" پروفیسر سلیمہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں کیا بتاؤں۔"

"کوئی نہیں بتائے گا۔" پروفیسر بڑبڑایا۔ "مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"محترمہ سلیمہ نے میرا دل دکھایا ہے۔" حمید ہچکی لے کر بولا۔

"ہائیں.... سلیمہ.... یہ کیا۔" پروفیسر اس کی طرف مڑا۔

"میں کیا جانوں، میں نے کب دکھایا ہے۔"

"محترمہ سلیمہ نے....!" حمید نے رک رک کر کہا۔ "میرے باپ کی پہلی بیوی کو میری ماں تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔"

"اور آپ رونے لگے۔" پروفیسر نے حیرت سے کہا۔

حمید نے سر ہلا دیا۔

"کمال کردیا آپ نے۔ کیا آپ پر بھی بے بی کی صحبت کا اثر ہوا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں! ڈیڈی آپ۔" سلیمہ چیخ کر بولی۔ "آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

"ب.... مم....!" پروفیسر اپنا سر کھجلاتا ہوا ہکلایا۔ "مم.... میرا.... یہ مطلب نہیں۔"

"کچھ نہیں مطلب صاف ہے۔" سلیمہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔ "آپ مجھے اتنا بُرا سمجھتے ہیں۔"

"میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جارہا ہے۔" حمید روتی آواز میں بولا۔

"جی....!" پروفیسر بوکھلا کر اس کی طرف مڑا۔

"آپ نے ایک مہمان کے سامنے میری توہین کی ہے۔" سلیمہ گرجی۔

"اور آپ نے ایک مہمان کی توہین کی ہے۔" حمید نے کہا۔

"خدا کے لئے۔" پروفیسر گھگھیا کر بولا۔ "اور آپ دونوں مجھے معاف کردیجئے ورنہ بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"میں نے معاف کردیا۔" حمید آنسو خشک کر کے بولا۔

"ڈیڈی کبھی کبھی آپ خود ہی اپنے اصولوں کا خون کردیتے ہیں۔" سلیمہ تلخی سے بولی۔

"میں تم سے نہیں جیت سکتا بے بی۔ مجھے معاف کردو۔" پروفیسر نے کہا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔ سلیمہ دور کی ایک کرسی پر بیٹھ کر حمید کو گھورنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ "میں نے آپ کو بھی معاف کردیا۔"

"مجھ سے مت بولئے۔" سلیمہ جھنجھلا کر بولی۔ "آپ بالکل بیوقوف آدمی ہیں۔"

"کوئی نئی بات نہیں۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک بار ایک سرکس کے منیجر نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ وہ اُسے گھورتی رہی۔

"بات یہ تھی کہ میں نے اس کے ایک ہاتھی کو گدھا کہہ دیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"آپ مجھے ہنسانے کی کوشش نہ کریں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے کیا پڑی ہے کہ آپ کو پھنسانے کی کوشش کروں۔"

"پھنسانے کی نہیں ہنسانے۔" سلیمہ جھلا کر بولی۔

"چلئے ایک ہی بات ہے۔"

"آپ مجھ سے مت بولئے۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں خود سے کہہ رہا تھا۔"

سلیمہ اُسے گھورتی ہوئی اٹھی اور باہر چلی گئی۔ حمید کب پیچھا چھوڑنے والا تھا وہ بھی اسی کے ساتھ اٹھ گیا۔ دونوں برآمدے میں نکل آئے۔ سلیمہ لیموں کے درخت کے نیچے لان پر

جا بیٹھی۔ اچانک وہ کچھ بدحواس سی نظر آنے لگی تھی۔ حمید بھی اس کے قریب ہی جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے اس کی طرف دیکھا لیکن اس کی آنکھوں میں نہ تو جھنجھلاہٹ تھی اور نہ تلخی، البتہ الجھن کے آثار ضرور تھے اور انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ الجھن کسی غیر متعلق چیز سے تعلق رکھتی ہو۔

"کیا آپ ناراض ہو گئیں۔" حمید نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"نہیں تو.... لیکن۔" وہ آہستہ سے بولی اور کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا بات ہے۔"

"بون ژرر!"

"جی! کیا مطلب۔" حمید چونک کر بولا۔

"بون ژر۔" سلیمہ نے پھر تیز قسم کی سرگوشی میں دہرایا۔ "بون ژر کسے کہتے ہیں۔"

حمید حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ وہ قطعی سنجیدہ نظر آ رہی تھی اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ کسی اندرونی تکلیف کا عکس اس کے چہرے پر صاف پڑ رہا تھا۔

"میں نے یہ لفظ کبھی نہیں سنا۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔"

"اگر لفظ ہی نہیں ہے تو پھر یہ میرے ذہن میں کس طرح آیا۔" سلیمہ تشویشناک لہجے میں بولی۔ "اور آج یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بچپن ہی سے یہ لفظ میرے ذہن میں گونج رہا ہے خصوصاً غصے کی حالت میں میرا ذہن بڑی تیزی سے بون ژر بون ژر رٹنے لگتا ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"آپ بدتمیز ہیں۔"

"آپ بون ژر ہیں۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

یک بیک سلیمہ سنجیدہ ہو گئی۔ اب وہ حمید کو دلچسپی کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تو گویا آپ اس لفظ کی حقیقت سے واقف ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں.... میں جانتا ہوں۔"

"مجھے بتائیے۔"

"ہرگز نہیں بتاؤں گا.... ایسی باتیں عورتوں سے نہیں بتائی جاتیں۔"

"آپ کو بتانا پڑے گا۔" سلیمہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے وحشت برسنے لگی

یک بیک وہ حمید کی طرف جھپٹی اور اس نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ حمید ابھی تک تو مذاق ہی ہ رہا تھا لیکن اب اُسے بھی سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ سلیمہ پر کسی قسم کا دورہ یا تھا وہ اس کے چہرے پر اپنے ناخن مار رہی تھی۔ بدقت تمام حمید اپنا گریبان چھڑا سکا۔ وہ اچھل الگ ہٹ گیا۔ لیکن سلیمہ پھر جھپٹی۔ اس بار اس کے تیور کچھ اور تھے۔ حمید بوکھلا کر پھاٹک کی ف بھاگا۔

"لیمو! ڈاربی۔" سلیمہ نے اپنے کتوں کو آواز دی۔

اور قبل اس کے کہ حمید پھاٹک کے باہر ہوتا دونوں کتوں نے اُسے جا لیا۔ حمید انہیں ہٹانے یکن وہ دونوں اس کے کوٹ کا دامن تھام کر جھول گئے تھے۔

اتنے میں سلیمہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے پھر حمید کا گریبان پکڑ لیا۔

یہ بھی حمید کی خوش نصیبی ہی تھی کہ عین اس وقت جب کہ وہ اس کا گریبان پکڑ کر کھینچ رہی اسلم آ گیا۔ اسلم پر گویا بجلی سی گر پڑی۔ وہ حیرت سے منہ پھاڑے چند لمحے کھڑا رہا پھر "ارے ے" کہتا ہوا آگے بڑھا۔

سلیمہ نے اس کے بھی کئی جگہ ناخن مارے، لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اسے اندر گھسیٹ ہی گیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید اپنے کمرے میں لباس تبدیل کر رہا تھا۔ اس نے آئینے میں شکل دیکھی ان خراشوں پر "سی سی" کر کے انگلی پھیرنے لگا، جو سلیمہ کے ناخنوں کا نتیجہ تھیں۔ اُس نے ل رومال سے خشک کر کے چہرے پر کولڈ کریم لگائی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ سلیمہ سو فیصدی ل ہے۔

پھر کچھ دیر بعد اسے اسلم سے معلوم ہوا کہ سلیمہ پر واقعی کسی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا۔

"یہ اس کی پرانی عادت ہے۔" اسلم نے کہا۔ "غصہ اتر جانے کے بعد وہ عموماً ہر ایک سے ہتی ہے کہ بون ژر کسے کہتے ہیں۔ ایک بار میں نے مذاقاً کہہ دیا تھا کہ نہ بتاؤں گا۔ نتیجے میں اُس میری بھی یہی درگت بنائی تھی۔"

حمید اس مسئلے پر غور کرتا رہا لیکن وہ اُسے زیادہ اہمیت نہ دے سکا کیونکہ وہ پہلے بھی اس قسم کئی ذہنی مریضوں سے دوچار ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ فریدی کے متعلق سوچنے لگا۔ آخر وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ کیا ان

لوگوں نے اس کا پیچھا مستقل طور سے چھوڑ دیا تھا۔ جنہوں نے اُسے پبلک لائبریری میں بہو
کر دیا تھا۔ شروع میں وہ ان کی پالیسی نہ سمجھ سکا تھا لیکن بعد کو غور کرنے پر اس نتیجے پر پہنچا تھا
انہوں نے شاید فریدی پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اُسے چھوڑ دیا تھا اور فریدی کے اس رات وا
رویے سے بھی یہی ظاہر ہوا تھا کہ وہ ان لوگوں سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس نے اس
محض اسی لئے فائر کئے تھے کہ وہ لوگ غلط راستے پر جا پڑیں۔ حمید گھنٹوں غور کرتا رہا لیکن ک
خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

مگر وہ رات.... وہ رات ایسی تھی کہ حمید کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ خود کو موت کے
جبڑے میں محسوس کرنے لگا تھا۔ ویسے اسے سو فیصدی یقین تھا کہ فریدی اس کی طرف سے غاف
نہ ہوگا۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اُسے پروفیسر جھوس کے یہاں قیام کرنے کا مشورہ دیا ہوگا
مگر پروفیسر جھوس.... جسے وہ ایک مسخرے سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا اس رات کو اس کے ل
انتہائی پُراسرار اور خطرناک بن گیا۔

اسے قطعی شبہ نہ ہوتا.... وہ تو نیند نہ آنے کی بناء پر کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ اچا
اس نے کسی کو چوروں کی طرح پھاٹک کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ کتے خاموش تھے۔ اس
حمید نے اندازہ لگا لیا کہ وہ گھر ہی کا کوئی فرد ہو سکتا ہے، لیکن اتنی رات گئے۔ چوروں کی طر
کیوں؟ پھر اُسے یاد آیا کہ کتے تو مکان کے اندر بند کئے جاتے ہیں۔ یہ خیال آتے ہی وہ دروازہ کھو
کر باہر نکل آیا۔

اندھیرے میں پھاٹک سے گذرنے والے نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی اور پھر یک بیک
نے اُسے پہچان لیا۔ چلنے کا انداز پروفیسر جھوس کا سا تھا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے رہے اور اس دوران میں ایک بار بھی پروفیسر نے پیچھے پلٹ کر
دیکھا اور جب وہ لنگڑی کوٹھی کے کھنڈرات کی طرف مڑا تو حمید کو جھرجھری سی آگئی اور اس
بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔

ایک گری ہوئی دیوار کے ملبے کی اوٹ سے حمید اُسے کھنڈرات میں غائب ہوتے دیکھ رہا
پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس نے نیم شکستہ بالائی منزل میں کئی رنگوں کی روشنیوں کے جھماکوں
ساتھ عجیب طرح کی خوفناک چیخیں سنیں۔ اندر جانے کی ہمت تو نہ پڑی، لیکن وہ وہاں سے
کی طرف بھاگا۔

پُراسرار پروفیسر

سڑک پر سے دکھائی دینے والے دریچے سنسان پڑے تھے۔ دفعتاً حمید کو احساس ہوا کہ وہ یہاں تک ننگے پیر دوڑتا چلا آیا ہے اور اس کے جسم پر سلیپنگ سوٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یہاں سے پروفیسر کی کوٹھی کا فاصلہ پانچ یا چھ فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ حمید سوچنے لگا کہ اگر کسی نے اُسے یہاں اس حال میں دیکھ لیا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ اگر پولیس کے گشتی دستے ہی سے مڈبھیڑ ہوگئی تو۔

حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کوئی سراغ لگائے بغیر وہاں سے رخصت ہو جائے، لیکن مجبوراً اُسے واپس ہی ہونا پڑا۔ دوبارہ کوٹھی میں داخل ہونے میں اُسے کوئی دشواری نہیں پیش آئی کیونکہ پھاٹک تو کھلا ہی ہوا تھا اور آج کتے بھی اندر ہی بند کئے گئے تھے ورنہ ہر رات کمپاؤنڈ ہی میں کھلے چھوڑ دیئے جایا کرتے تھے۔

حمید کھڑکی کے قریب بیٹھ کر پروفیسر کی واپسی کا انتظار کرنے لگا تھا لیکن تین بجے تک تو اس کی واپسی ہوئی نہیں، اس کے بعد نیند کا مقابلہ نہ کر سکا۔

دوسری صبح وہ دیر سے اٹھا۔ اُسے ناشتے کے لئے بھی نہیں اٹھایا گیا تھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر وہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو پروفیسر وغیرہ ناشتہ کر چکے تھے۔ لیکن ابھی وہ تینوں وہیں تھے۔ پروفیسر اخبار پڑھ رہا تھا اور اسلم سفید میز پوش پر پنسل سے ٹماٹر کی تصویر بنا رہا تھا۔ بار بار وہ اس انداز میں کھانستا کہ سلیمہ اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو جاتی لیکن وہ خاموش تھی۔ اس نے ایک بار بھی جھنجھلاہٹ کا اظہار نہیں کیا۔

"اُف فوہ! آپ بہت سونے لگے ہیں۔" اسلم نے حیرت سے کہا اور میز پوش پر پنسل سے بنے ہوئے ٹماٹر کی طرف اشارہ کر کے مسکرانے لگا۔

لیکن حمید اس وقت ان لغویات میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کی نظریں حقیقتاً پروفیسر کے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں۔

"اوہو.... مائی ڈیئر ساجد۔" پروفیسر نے اخبار رکھ کر کہا۔ "کیا طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"اوہ.... نہیں.... شکریہ.... میں بالکل ٹھیک ہوں.... رات ذرا دیر میں نیند آئی تھی۔"

پروفیسر کے چہرے سے حماقت برس رہی تھی اور اسی بناء پر حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ

اس بات پر یقین کرلے کہ پچھلی رات کا پُراسرار آدمی پروفیسر ہی تھا۔

پروفیسر کو وہ کوئی معمولی بیوقوف نہیں بلکہ احمق اعظم تصور کرتا تھا۔ لیکن پچھلی رات کی بات اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اگر پروفیسر کا ذوق تجسس ہی اُسے لنگڑی کوٹھی تک لے گیا تھا تو اس کے داخلے کے فوراً بعد ہی اُن آوازوں اور روشنیوں کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ عام طور پر یہ بات مشہور تھی کہ وہ آوازیں صرف جمعرات ہی کو سنی جاتی ہیں، لیکن کل تو اتوار تھا۔ چونکہ معمول میں فرق تھا اس لئے حمید یہ سمجھنے پر بھی مجبور تھا کہ وہ پروفیسر ہی کی حرکت تھی لیکن پروفیسر؟ وہ پھر پروفیسر کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں ناشتے کی ٹرالی آگئی۔ سلیمہ آج بہت خوش اخلاق نظر آرہی تھی۔ اس نے خود حمید کے لئے چائے بنائی۔ اس دوران میں اسلم میز پوش پر کئی ٹماٹر بنا چکا تھا لیکن اس نے اسے بھی کچھ نہیں کہا۔

پروفیسر اُسے ناشتہ کرتا چھوڑ کر چلا گیا۔

ناشتہ کر کے حمید اٹھ گیا۔ وہ پچھلی رات کے معاملے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اپنے کمرے میں واپس آگیا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ پروفیسر کے متعلق فریدی کو کس طرح مطلع کرے۔ نہ جانے وہ کہاں ہو۔ اطلاع اُس کے لئے یقیناً خاصی دلچسپ ثابت ہوتی۔

حمید سگار سلگا کر تمباکو کی پاؤچ میز پر رکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ دفعتاً اس کی نظر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پڑی، جس کا ایک کونا قلمدان کے نیچے دبا ہوا تھا۔ حمید متحیرانہ انداز میں جھک کر اس کی تحریر پڑھنے لگا۔

"حمید! اب تمہاری چھٹی ہے۔ آرام کرو۔ جب تک میں تمہیں اطلاع نہ دوں باہر مت نکلنا۔ پروفیسر اور اس کے اصیل مرغوں سے دل بہلاؤ۔ امید کہ تمہارا وقت اچھی طرح کٹ ہوگا۔ ہم بہت جلد واپس چلیں گے۔"

فریدی نے نیچے اپنے دستخط نہیں کئے تھے، لیکن تحریر اُسی کی تھی۔ حمید چند لمحے اس کاغذ کے ٹکڑے کو گھورتا رہا پھر اُس نے اس میں آگ لگادی۔

اس کی بے چینی بڑھ گئی تھی اور ساتھ ہی اُسے فریدی پر بھی غصہ آرہا تھا۔ آخر وہ اسے اپنی جائے قیام کیوں نہیں بتانا چاہتا۔ کیا وہ ابھی پروفیسر کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا؟ روز روشن میں

طرح یہاں آیا ہوگا یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آسکی۔

بعض اوقات سچ مچ اُسے فریدی پر بھوت ہونے کا شبہ ہونے لگتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر وہ اب سے دو ڈھائی سو سال پہلے پیدا ہوا ہوتا تو اس کے تذکرہ نگار اُسے جادوگر بنا دیتے۔ اس کے پاس کسی ایسے تعویذ کا وجود ثابت کرتے جس کے ذریعے وہ محیر العقول کارناموں پر قادر ہوتا۔

حمید ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اس کا ذہن نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ تقریباً نو بجے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے حمید کو اپنی سلامتی اور بھی زیادہ خطرے میں نظر آنے لگی۔

آج ڈی۔ایس۔پی پھر پروفیسر جھوس سے ملنے کے لئے آیا تھا اور اس کے پاس پروفیسر کا ملاقاتی کارڈ تھا، جو اُسے لنگڑی کوٹھی میں ملا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ میرا ملاقاتی کارڈ وہاں کس طرح پہنچا۔" پروفیسر نے کہا۔

"جس طرح آپ کا لائبریری کا کارڈ جاوید کے جیب میں پہنچا تھا۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"وہ دوسری صورت تھی۔" پروفیسر نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔

"آہاہا آیا! ممکن ہے یہ مجھ سے ہی گرا ہو۔ پرسوں دوپہر کو میں بھی وہاں گیا تھا۔ خاصی بھیڑ تھی۔"

"کیا آپ اوپر بھی گئے تھے۔"

"اوپر سے کیا مراد ہے آپ کی۔"

"اس چھت پر جہاں آوازیں سنائی دیتی ہیں۔"

"نہیں تو! وہاں تک جانے کی کسی نے شائد ہمت نہیں کی تھی۔"

"لیکن آپ کا کارڈ اوپر ہی ملا تھا۔"

"مجھے حیرت ہے۔" پروفیسر کچھ سوچنے لگا۔

بہرحال حمید کو اندازہ لگانے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ نہ صرف پروفیسر پر شبہے کی نظر رکھتا ہے بلکہ اس کی طرف سے مطمئن بھی نہیں ہے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں ڈی۔ایس۔پی اس کے متعلق مزید استفسار نہ کر بیٹھے۔ ایسی صورت میں واقعی اس کے لئے بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں اگر پروفیسر ڈی۔ایس۔پی کے سامنے پروفیسر چنگھاڑنی اور ڈاکٹر زیٹو کے نام دہرا دیتا تو مصیبت آجاتی۔ ظاہر ہے کہ چنگھاڑنی اور زیٹو، پروفیسر جھوس ہی کی طرح بے سروپا نام تھے۔

ڈی۔ایس۔پی کے جاتے ہی حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ پروفیسر بُرا سا منہ بنا کر کچھ بڑبڑانے لگا۔ حمید سن نہیں سکا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

اسی دوران حمید ایک دوسرے واقعے سے دوچار ہوا اور اس نے آنکھیں اچھی طرح کھول دیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی کی دوبارہ آمد کے سلسلے میں اسلم اور سلیمہ بہت زیادہ بور ہو گئے تھے۔ اس لئے وہ دونوں تفریح کے لئے چلے گئے۔ انہوں نے حمید کو بھی ساتھ لے جانا چاہا تھا مگر اُسے فریدی کی ہدایت کے مطابق گھر ہی پر رکنا تھا اور سچ مچ اُسے اس وقت فریدی پر بڑا تاؤ آیا تھا۔ نہ جانے اس میں کون سی مصلحت تھی۔

بہر حال وہ اپنے کمرے میں پڑا اونگھ رہا تھا۔ اچانک کسی قسم کے شور سے اُس کی نیند اچٹ گئی۔ کہیں شور ضرور ہو رہا تھا لیکن اس کی نوعیت حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ بہر حال وہ اٹھ بیٹھا۔ پوری کوٹھی سنسان پڑی تھی اور اب وہ مدہم سا شور بھی ختم ہو گیا تھا۔ حمید متعدد کمروں میں گھومتا پھرا لیکن کسی نوکر سے بھی ملاقات نہ ہوئی۔ پھر وہ باورچی خانے کی طرف گیا۔ وہاں بھی تالا پڑا تھا۔ پوری عمارت میں اُسے صرف وہ بہری خادمہ دکھائی دی جو باورچی کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ اُس نے حمید کو بتایا کہ صاحب نے سب نوکروں کو میٹنی شو دیکھنے کی چھٹی دی ہے۔

حمید اپنے کمرے کی طرف چل پڑا، لیکن اس بار اس نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ پروفیسر کی تجربہ گاہ کی طرف سے گذرتا تھا۔ تجربہ گاہ کے دروازے بند تھے لیکن نہ جانے کیوں حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اندر کوئی موجود ہے۔

حمید نے رک کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن دو ہی قدم چلنے کے بعد اُسے رک جانا پڑا کیونکہ پھر وہی ہلکا اور گھٹا گھٹا سا شور اُسے سنائی دینے لگا، جو اس نے اپنے کمرے میں سنا تھا اب اسے احساس ہوا کہ وہ عجیب قسم کی آوازیں زمین سے نکل رہی تھیں۔ ویسی ہی آوازیں جیسی ریل کے پہیوں سے نکلتی ہیں۔ اس کے پیروں کا فرش جھنجھنا رہا تھا۔ دفعتاً پھر سناٹا چھا گیا۔ حمید چند لمحے مبہوت کھڑا رہا۔ پھر وہ تجربہ گاہ کے بند دروازے کی طرف بڑھا۔ کنجی کے سوراخ سے آنکھ لگاتے ہی اُسے اندر ایک عجیب نظارہ دکھائی دیا تجربہ گاہ کے فرش پر پروفیسر کی گردن کٹی ہوئی تھی اور دھڑ غائب تھا لیکن اس کی پلکیں جھپک رہی تھیں اور آنکھیں بھی متحرک تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔

حمید کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا دم گھٹا جا رہا ہو۔ دوسرے لمحے میں وہ کٹی ہوئی گردن بھی متحرک نظر آنے لگی۔ پھر وہ کچھ اونچی ہوئی... اونچی ہی ہوتی گئی اور پھر اگر حمید ضبط نہ کرتا تو اُسے اپنی حماقت پر دل کھول کر ہنسنا پڑتا۔

پروفیسر تو حقیقتاً ایک تہہ خانے سے اوپر آرہا تھا۔ کمرے میں کافی اُجالا نہ ہونے کی بناء پر حمید کو تہہ خانے کا دہانہ نہیں دکھائی دیا تھا۔ چونکہ وہ فرش ہی کی سطح پر تھا اس لئے اُس سے پروفیسر کی ابھری ہوئی گردن ہی پہلے حمید کو نظر آئی تھی اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے پروفیسر کا سر کاٹ کر فرش پر رکھ دیا ہو۔

پروفیسر تہہ خانے سے نکل آیا تھا اور اس کے ہاتھوں پر لکڑی کا ایک چھوٹا سا بکس دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے اُسے فرش پر رکھ دیا۔ پھر دیوار کے قریب جا کر پتھر کے ایک مجسمے کا سر گھمانے لگا، جو لکڑی کے ایک اونچے اسٹول پر رکھا ہوا تھا۔

حمید کو پھر اپنے پیروں کے نیچے اسی قسم کے شور کا احساس ہوا اور ساتھ ہی وہ کمرے کے فرش کو برابر ہوتے دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تہہ خانہ کا نشان تک مٹ گیا اور وہ شور بھی تھم گیا، جو حمید کو اپنے پیروں کے نیچے محسوس ہو رہا تھا۔

اب پروفیسر نے لکڑی کا صندوق کھول کر اُسے فرش پر الٹ دیا۔ پندرہ یا بیس عدد ریوالور فرش پر بکھر گئے۔

حمید کے رہے سہے شبہات بھی یقین میں تبدیل ہو چکے تھے۔ پروفیسر نے شائد اپنے نوکروں کو اسی لئے چھٹی دی تھی کہ وہ اپنے تہہ خانے کو استعمال کرنا چاہتا تھا چونکہ اس کا نظام کسی قسم کی مشین پر قائم تھا اس لئے گھر والوں کو کھٹکا ہی دینا پڑتا تھا۔

پروفیسر ریوالوروں کو صاف کرنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ وہ دبے پاؤں اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ اس نئی دریافت پر اس کے اندر ایک عجیب قسم کا جوش پیدا ہو گیا تھا، جسے دبانے کے لئے اُسے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش وہ کسی طرح فریدی کو اطلاع دے سکتا۔ وہ دل ہی دل میں قہقہے لگا رہا تھا۔ اپنی کامیابی پر ہنس رہا تھا لیکن پھر اُسے خیال آیا کہ سب بے سود۔ وہ بالکل بے بس تھا۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مجرم اس کے سامنے تھا لیکن خود اس کی پوزیشن چوروں کی سی تھی۔ پھر بھی اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ فریدی کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھ پیر باندھ کر نہیں بیٹھے گا۔

شام تک اُس کی بُری حالت ہو گئی۔ بار بار اس کا دل چاہتا تھا کہ جھپٹ کر پروفیسر جھوس کو دبوچ لے۔ لیکن فریدی! اس کا خیال آتے ہی اس کی روح فنا ہو جاتی اور اُسے سوچنا پڑتا کہ فریدی نے بغیر سوچے سمجھے اُسے خاموش رہنے کی ہدایت نہ کی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اس دوران

میں پروفیسر کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے اس کے معاملے کو کسی اور وقت کے لئے اٹھار کھا تھا۔

انہیں الجھنوں میں شام سے رات ہو گئی۔ کھانے کی میز پر حمید زیادہ تر خاموش ہی رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ سلیمہ بھی اُسے چھیڑ چھیڑ کر گفتگو پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے مگر حمید کی زندہ دلی رخصت ہو چکی تھی، وہ بار بار پروفیسر کو گھورنے لگتا، جو کھانے میں اس طرح مشغول تھا جیسے اُسے دوسری صبح کے ناشتے کی توقع نہ ہو۔ اُس کے چہرے پر اس وقت بھی حماقت برس رہی تھی۔ نوالہ چباتے وقت اس کی فرنچ کٹ ڈاڑھی کسی جگالی کرتے ہوئے بوڑھے بکرے کی ڈاڑھی کی طرح بڑے سنجیدہ انداز میں ہلنے لگتی تھی۔

پروفیسر نے بھی دو ایک بار حمید کی خاموشی کی وجہ پوچھی، لیکن "ہوں ہاں" کر کے ٹال گیا مگر پروفیسر کے استفسار میں خلوص کی جھلک تھی اور حمید نے اسے محسوس بھی کیا تھا، لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب اتنے زبردست مجرم سے اس کا سابقہ نہ پڑے۔ کھانا ختم کرنے کے بعد بھی وہ بڑی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے کافی اور تمباکو سے شغل کرتے رہے۔ پروفیسر، اسلم، سلیمہ تینوں باتیں کرنے کے موڈ میں تھے، لیکن حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رات خطرات سے پُر ہو۔

کلاک نے بارہ بجائے۔ حمید ابھی تک بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ گھنٹے کی آواز اُسے بہت بُری لگ رہی تھی۔ وہ جھنجھلا کر اٹھا کہ کلاک کا پنڈولم نکال کر میز پر ڈال دے، اچانک اس کی نظریں کھڑکی کے باہر رینگ گئیں۔ پھاٹک کے قریب دو تین انسانی سائے نظر آ رہے تھے اور پھر اس نے چہار دیواری کے اندر مہندی کی باڑھ کے نیچے کسی سیاہ سی چیز کو حرکت کرتے دیکھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ کتا ہو گا۔ مگر کوٹھی میں کوئی اتنا قد آور کتا نہیں تھا۔ پھاٹک کے قریب چہار دیواری کے نیچے پہنچ کر وہ چیز اوپر اٹھی اور یہ بھی کوئی آدمی ہی تھا۔

حمید پھرتی سے میز کی طرف بڑھا۔ جہاں اس نے اپنا سیاہ کوٹ رکھا تھا۔ اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر اُس نے لباس تبدیل کیا لیکن اس کی نظر ایک بار بھی کھڑکی سے نہیں ہٹی۔

جوش میں اُسے فریدی کی ہدایت بھی نہ یاد رہی۔ اُس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ تنہا ہے اور دشمن نہ جانے کتنے ہوں۔

پائیں باغ میں سناٹا تھا۔ حمید بھی مہندی کی باڑھ کی اوٹ میں پھاٹک کی طرف بڑھنے لگا۔ چند

لمحوں بعد اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے قریب چہار دیواری کے نیچے کھڑے ہوئے آدمی نے پھاٹک کھولا اور باہر نکل گیا۔

آج بھی حمید اس کے تعاقب میں خود کو لنگڑی کوٹھی کے قرب وجوار میں پا رہا تھا۔ پروفیسر جنوبی کھنڈرات کی طرف مڑ گیا۔ حمید بھی تیزی سے آگے بڑھا لیکن پھر وہ پروفیسر کو نہ دیکھ سکا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ یہاں اکیلا نہیں ہے۔

بے شمار تاریک سائے پیٹ کے بل ان کھنڈرات میں رینگ رہے تھے اور ان سب کا رخ بالائی منزل ہی کی طرف تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اُسے فریدی پر غصہ آنے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس سے بڑی غلطی ہوئی اسے پولیس کو فون کر دینا چاہئے تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی سے مل کر اسے بتانا چاہئے تھا کہ پروفیسر کا ملاقاتی کارڈ لنگڑی کوٹھی میں کیوں پایا گیا تھا۔

حمید نے بڑھنے کی کوشش کی لیکن پھر رک گیا۔ وہ دو نیم شکستہ دیواروں کے درمیان میں تھا جن کا درمیانی فاصلہ چھ فٹ سے زیادہ نہ رہا ہو گا اور اس کے آگے دیواروں کے گرے ہوئے حصوں کا ملبہ تھا۔ بہر حال وہ خود کو بالکل محفوظ سمجھ رہا تھا لیکن اس طرح بے بسی سے ایک کونے میں پڑے رہنے سے فائدہ ہی کیا تھا۔ کاش اس کے پاس ریوالور ہی ہوتا۔

دو تین آدمی اور رینگتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر گئے۔ ان کا رخ بھی اسی طرف تھا جدھر سے آوازیں آیا کرتی تھیں۔

دفعتاً حمید کو اپنی پیٹھ پر سرسراہٹ سی محسوس ہوئی اور وہ ایک طرف اینٹوں کے درمیان دبک گیا۔ اس سے چند ہی قدموں کے فاصلے پر ایک آدمی کھڑا تھا وہ آہستہ آہستہ اینٹوں کے ڈھیر کے قریب آیا اور ٹھیک اُسی جگہ اکڑوں بیٹھ گیا جہاں چند لمحے پیشتر حمید بیٹھا ہوا تھا اور اب وہ حمید سے بمشکل تین یا چار فٹ کے فاصلے پر رہا ہو گا۔

حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ خوف سے نہیں بلکہ اس تدبیر کی بناء پر جو اُسے اچانک سوجھی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی مسلح ہو۔

حمید اپنا داہنا ہاتھ آگے پھیلائے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس کا داہنا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا اس کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا اور حمید نے اس کا منہ دباتے ہوئے اس کا سر کئی بار دیوار سے ٹکرا دیا اور اُس کے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس

جدوجہد میں جو تھوڑی بہت آواز ہوئی بھی تو حمید نے شدت جوش میں اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ وہ بڑی تیزی سے بیہوش ہو جانے والے کی جیبوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ آخر پتلون کی جیب میں سے اُسے ایک ریوالور ملا جو بھرا ہوا تھا۔ کمر میں کارتوسوں کی پیٹی تھی۔ حمید نے بڑی سرعت سے کھول لیا۔

دفعتاً اینٹوں کے ڈھیر کے پیچھے پھر سرسراہٹ سنائی دی۔ کوئی پیٹ کے بل رینگتا ہوا اُ طرف آرہا تھا۔ حمید پھر اُسی پرانی جگہ میں دب گیا۔

تاریکی اور سناٹے کا امتزاج بڑا ہیبت ناک تھا اور جب جھینگروں کی جھائیں جھائیں اچانک رک جاتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وقت کی سانس رک گئی ہو۔

حمید کو اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھنے والے کے ہاتھ دکھائی دیئے لیکن پھر اُسے ایسا معلوم ہو جیسے کوئی اس پر کود پڑا ہو اور یہ حقیقت تھی اس پر دو طرف سے حملہ ہوا تھا۔ آدمی تین تھے۔ دفعتاً دریچوں سے چیخیں بلند ہوئیں۔

مجرم کون تھا

حمید نے اپنے اوپر چھائے ہوئے آدمی کو دوسری طرف اچھال دیا۔ اتنے میں نہ جانے کس طرف سے فائر ہوا اور حمید کے حملہ آور ایک طرف سمٹ گئے۔ گولی ان کے سروں پر سے گز گئی۔ پھر وہ دونوں اچھل کر تاریکی میں غائب ہو گئے۔ اب باقاعدہ طور پر گولیاں چلنے لگی تھیں۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو فریقوں میں جنگ ہو رہی ہو۔ لیکن وہ دو فریق کون تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد فائرنگ رک جاتی اور بستی والوں کا شور سنائی دینے لگتا، جو شاید سڑک کے اس پار جمع ہو رہے ہوں گے۔ فائر ہوتے اور پھر بعض اوقات چیخیں اور کراہیں بھی سنائی دیتیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا پھر سڑک کی طرف سے بھی فائر ہونے لگے۔ شاید پولیس آگئی تھی۔ اچانک اندر سے فائر ہو۔ بند ہو گئے۔

حمید کے لئے یہ ایک خطرناک سچویشن تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں وہ پولیس والوں کے ہتھے چڑھ گیا تو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور تو کچھ نہیں فریدی بُری طرح اس کی جان

جائے گا۔ اس نے کارتوسوں کی پیٹی کمر سے کھول کر وہیں ڈال دی اور پیٹ کے بل رینگتا ہوا ہتوں میں اُتر گیا اور پھر جب اچھی طرح یقین ہو گیا کہ وہ لنگڑی کوٹھی سے کافی فاصلے پر نکل آیا تو اس نے ریوالور بھی وہیں کھیت میں ڈال دیا اور خود اٹھ کر سڑک پر آگیا۔ تقریباً ایک رلانگ کے فاصلے پر لنگڑی کوٹھی کے سامنے شور سنائی دے رہا تھا اور ملگجے اندھیرے میں بہت ے سائے لنگڑی کوٹھی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شائد پولیس محاصرہ کر رہی تھی۔ حمید تیز تیز ذموں سے چلتا ہوا بھیڑ میں جا ملا۔ پولیس کی کئی لاریاں وہاں موجود تھیں۔ پانچ چھ کاریں بھی تھیں اور شہر کے کئی بڑے حاکموں کی وحشت زدہ صورتیں نظر آرہی تھیں۔

لنگڑی کوٹھی کا محاصرہ کر لیا گیا تھا اور پولیس کی گشتی لاری سے مائیکروفون پر کوٹھی کے اندر ولی چلانے والوں کو تنبیہہ کی جارہی تھی۔

اچانک لنگڑی کوٹھی کے دریچے سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "فائر نہ کیئے جائیں۔ مجرموں کے ہتھکڑیاں لگائی جاچکی ہیں۔"

"تم کون ہو۔" پولیس کی گشتی لاری سے مائیکروفون پر پوچھا گیا۔

"مرکزی سراغ رسانی کا انسپکٹر فریدی۔" دریچوں سے آواز آئی۔

"اوہ یہ کہاں۔" پولیس کمشنر نے اپنے ایک ماتحت آفیسر کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔ "کیا ہمیں اسی نے فون کیا تھا۔"

"کہیں دھوکا نہ ہو۔" ماتحت آفیسر بڑبڑایا۔ پھر وہ تیزی سے گشتی لاری کی طرف بڑھ گیا۔

"گشتی لاری سے کہا گیا۔ ہم نہیں جانتے تم کون ہو۔"

"میں گرفتار شدگان کو لے کر آتا ہوں۔" دریچوں سے آواز آئی۔

فریدی کی آواز پہچاننے والا یہاں حمید کے علاوہ اور کون تھا اور حمید کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ وہ سو فیصدی فریدی ہی کی آواز تھی۔

پھر حمید نے کئی آدمیوں کو کھنڈروں سے باہر آتے دیکھا۔ ان کے چہرے نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور حمید نے ان کے ساتھ کچھ جانی پہچانی صورتیں بھی دیکھیں۔ رمیش، وحید، اکبر شیر سنگھ جیکب وغیرہ۔ یہ سب اسی کے محکمے سے تعلق رکھتے تھے اور فریدی نے خاص طور پر تربیت دے کر انہیں اپنی ماتحتی میں رکھا تھا۔

گرفتار شدگان کی ٹولیاں نکلتی رہیں اور پھر حمید نے انہیں گنا۔ ان کی تعداد ستائیس تھی۔

سب سے آخر میں دو نقاب پوش اور نکلے۔ اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھ دوسرا یونہی چل رہا تھا۔ پولیس والوں نے اس کے بھی ہتھکڑی لگانی چاہی لیکن اس نے ڈانٹ دیا۔ آواز فریدی کی تھی۔

وہ نقاب پوش جس کے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی ہنستا ہوا چل رہا تھا اور پولیس والے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔

وہ دونوں چلتے ہوئے حکام بالا کے قریب پہنچ گئے۔ ہتھکڑی والا نقاب پوش برابر ہنسے جا اور حکام اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

فریدی نے ایک قدم آگے بڑھ کر نقاب اتارتے ہوئے کہا۔ "رفعت نعیم! اس کی بیو ایک نامعلوم آدمی کا قاتل حاضر ہے۔"

اس پر نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور پولیس کمشنر آگے بڑھ کر فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔

"بے شک تم فریدی ہو! لیکن تم یہاں کیسے۔"

"بہت ہی اہم معاملات میں سارا ملک میری ضرورت محسوس کرتا ہے۔" فریدی مسکرا کر

اس پر نقاب پوش پھر ہنس پڑا۔ حمید کو اس کی آواز بھی جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھی دفعتاً اس نے اپنا نقاب ہتھکڑی لگے ہوئے ہاتھوں سے نوچ ڈالا۔

"ارے...!" قریب کھڑے ہوئے لوگوں کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ قہقہہ لگاتا ہوا

"یہ بھی ایک لطیفہ رہا۔"

لوگ حیران و ششدر کھڑے تھے۔ حمید نے بھی اُسے ایک ہی نظر میں پہچان ل ڈی۔ ایس۔ پی سٹی تھا، جسے آج بھی وہ پروفیسر جھوس کے یہاں دیکھ چکا تھا۔

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "ہم دونوں نے مجرموں کو پکڑنے کا ا طریقہ اختیار کیا۔ میں مسٹر فریدی کو مجرم سمجھتا رہا اور وہ مجھے۔ جب انہوں نے اپنے نام کا کیا تو مجھے ہنسی آگئی۔ ہتھکڑی تو لگ ہی چکی تھی۔ میں نے کہا چلو تفریح ہی رہے گی۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" پولیس کمشنر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "لایئے ہتھکڑی کی چابی لایئے۔"

"ہتھکڑی تو وہی کھول سکتا ہے جناب جو اپنی ملازمت سے بیزار ہو گیا ہو۔" فرید لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب۔" کمشنر کے لہجے میں تیزی تھی۔

"یہ وارنٹ۔" فریدی نے جیب سے تہہ کیا ہوا کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "ناقابل ضمانت ہے اور براہِ راست وزارت داخلہ کی وساطت سے حاصل کیا گیا ہے۔"

کمشنر نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ کیا معاملہ ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"معاملات تو کوتوالی ہی چل کر صاف ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بات ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا وارنٹ۔" پولیس کمشنر نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں.... کیا واقعی.... یہ کیا لغویت ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی فریدی کو گھورنے لگا۔

"میرا خیال ہے۔" فریدی نے پولیس کمشنر سے کہا۔ "یہاں زیادہ ٹھہرنا پورے شہر کو اکٹھا کرنے کے مترادف ہوگا۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" کمشنر چونک کر بولا۔

"میری ہتھکڑیاں کھولی جائیں۔" ڈی۔ ایس۔ پی جھلا کر بولا۔

"مجبوری ہے.... ناممکن۔" کمشنر بڑبڑایا۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" ڈی۔ ایس۔ پی فریدی کی طرف پلٹ پڑا۔

"اُس وقت میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

دفعتاً حمید نے اُس کے قریب پہنچ کر شانہ مارا۔ فریدی چونک کر مڑا۔

"اوہ! تو آپ بھی تشریف لے آئے ہیں۔"

"پروفیسر جھوس بھی تھا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

لیکن فریدی نے دھیان نہ دیا۔ اس نے اسکا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "چلو بیٹھ جاؤ لاری میں۔"

وہ کوتوالی پہنچے۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کے تیور بتا رہے تھے کہ اس نے شکست تسلیم نہیں کی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی نے ٹھوکر ہی نہ کھائی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو بڑی بدنامی ہوگی۔ وہ پروفیسر جھوس کے متعلق بھی سوچ رہا تھا۔

"ہاں تو تم نے کس بناء پر میرے لئے وارنٹ حاصل کیا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے غصیلی آواز میں فریدی کو مخاطب کیا۔

"بدمعاشوں کے ایک گروہ کی سرپرستی کرنے کے سلسلے میں۔" فریدی بولا۔ "کیا یہ سب

تمہارے آدمی نہیں ہیں۔" فریدی کا اشارہ ستائیس گرفتار شدہ آدمیوں کی طرف تھا۔

"سب میرے آدمی نہیں ہیں۔" ڈی۔ایس۔پی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ پھر انہیں مخاطب کر کے بولا۔ "راجن، دلاور، اختر، ستیل، ناگر اپنے نقاب اتار دو۔"

پانچ آدمیوں نے اپنے نقاب نوچ ڈالے۔ پھر ڈی۔ایس۔پی فریدی کو قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ ہیں میرے جوان! جنہیں میں اپنے ساتھ اس مہم پر لے گیا تھا۔ ان میں سے دو سب انسپکٹر ہیں اور تین کانسٹیبل۔"

"لیکن انہوں نے گرفتاری کے بعد تمہاری طرح قہقہے لگائے تھے اور یہ دلاور تو شاید ریلوے پولیس کا سب انسپکٹر ہے۔ اس بیچارے کو ایسی مہموں سے کیا سروکار۔ کیوں دلاور کیا تمہیں وہ ٹائم بم نہیں یاد جو تم نے ایک مسافر کے سوٹ کیس کی تلاشی لیتے وقت اس میں رکھ دیا تھا۔"

دلاور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے گھورتا رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "اتفاق سے وہ بم نہیں پھٹ سکا۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔"

اچانک دلاور چکرا کر گر پڑا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔ فریدی طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کمشنر کی طرف مڑا۔

"جناب والا.... پہلا ثبوت۔" اس نے کہا۔ کمشنر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے ڈی۔ایس۔پی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا تم بلیک میلروں کے سرغنہ نہیں ہو۔ کیا اعلیٰ پیمانے پر کوکین کی تجارت نہیں کرتے۔"

"نہیں بہرام ڈاکو بھی میں ہی ہوں اور چین کا فومانچو بھی۔" ڈی۔ایس۔پی نے قہقہہ لگایا۔

"تم نے دونوں کو مات کر دیا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور سنو! میں نے تمہیں چاروں طرف سے باندھ کر یہ اقدام کیا ہے۔ تمہیں وہ خطوط تو یاد ہی ہوں گے جن کے ذریعہ جاوید کو بلیک میل کر رہے تھے۔"

"بکے جاؤ.... مجھے یقین ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

"اور اُس دن۔" فریدی اس کی بات پر دھیان نہ دیتا ہوا بولا۔ "وہ خطوط میں نے ہی اس آدمی کی جیب سے اڑائے تھے جس کو بعد میں تمہارے ایک آدمی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا اور جا ہوا ان خطوط پر مجھے تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔"

"میری انگلیوں کے نشانات۔" ڈی۔ایس۔پی چونک کر بولا۔

"جناب.... اور مجھے تم پر اس وقت شبہہ ہوا تھا جب تمہارے آدمیوں نے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر اس بات کا پتہ لگایا تھا کہ رفعت نعیم کے لئے برادر ہوڈ کلب میں میں نے ہی میز مخصوص کرائی تھی۔ پولیس کی یہ کارگذاری معجزے سے کم نہیں تھی۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ تم کو کسی طرح سے میری آمد کی خبر مل گئی تھی اور تم نے ہم دونوں پر شروع ہی سے نظر رکھی تھی۔ تمہارا پلہ بھاری پڑ رہا تھا کیونکہ ایک طرف تم پولیس سے کام لے رہے تھے اور دوسری طرف تم نے اپنے بدمعاشوں کو بھی میرے پیچھے لگا رکھا تھا۔ تمہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ میں کسی وجہ سے اس کیس میں کھل کر سامنے نہ آسکوں گا۔ لہٰذا تم نے ہم دونوں کو ختم کر دینے کی اسکیم بنائی جیسے ہی تمہیں معلوم ہوا کہ میں نے برادر ہوڈ کلب میں رفعت نعیم کے نام سے میز مخصوص کرائی ہے تم نے ہمیں بدحواس کرنے کے لئے رفعت نعیم کو قتل کر دیا۔ تمہاری اسکیم یہ تھی کہ بھاگ دوڑ میں ہمیں اپنے آدمیوں کی گولی کا نشانہ بنوا دیتے اور دنیا سمجھتی کہ حالات کی بناء پر غلط فہمی میں مبتلا ہو کر تم سے یہ حرکت سرزد ہو گئی۔ بہرحال تم قانون کی گرفت سے محفوظ رہتے جب ہم اس طرح بھی قابو میں نہ آئے تو تم نے سرجنٹ حمید کے سوٹ کیس میں بم رکھوا دیا، جو اتفاق سے پھٹ گیا۔"

"پھٹ گیا۔" ڈی۔ایس۔پی بے اختیار بولا۔ "مگر تم نے تو ابھی کہا تھا....!"

وہ یک بیک رک گیا جیسے اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔ فریدی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کمشنر کی طرف دیکھا۔

"دیکھا آپ نے۔" اس نے کہا۔ "یہ دوسرا ثبوت ہے۔ خیر بہرحال میرے پاس درجنوں ثبوت ہیں۔ رفعت کی بیوی سے تمہارے ناجائز تعلقات تھے۔ دوسری طرف وہ جاوید سے بھی تعلقات رکھتی تھی۔ تمہاری باتیں اُس سے بتاتی تھی اور اُس کی تم سے۔ جاوید نے کبھی اُسے محبت بھرے خطوط بھی لکھے تھے جو اس کے پاس موجود تھے اور تم اس سے واقف تھے جاوید نے اپنا وہ رومال جو اس کی لاش کے پاس پایا گیا تھا اسے تحفتاً دیا تھا۔ ایک بار جاوید نے کسی بات پر خفا ہو کر اُسے کچھ سخت وسست لکھا اور پیار ہی پیار میں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی۔ تم تو بلیک میلر تھے ہی۔ تم نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ جاوید بھی خاصی موٹی مرغی تھا۔ رفعت کی بیوی نے تمہیں شاید اس کا وہ خط دکھا دیا۔ بس تم نے اسے مار ڈالا اور اس کی لاش لنگڑی کوٹھی میں ڈال دی

جو جاوید کے خاندان والوں کی ملکیت تھی۔ رومال کی وجہ سے جاوید پکڑا گیا۔ اس کے خطوط تم نے پہلے ہی اڑا لئے تھے۔ آخری خط اس کے خلاف عدالت میں بہ آسانی استعمال کیا جا سکتا تھا لہٰذا جب وہ ضمانت پر رہا ہوا تو تمہارے ایک آدمی نے اُسے بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس سے پچاس ہزار روپے طلب کر رہا تھا وہ شائد دے بھی نکلتا اگر میں بیچ میں ٹانگ نہ اڑا دیتا۔ یہ تو ہوئی قتل کی بات، اب لنگڑی کوٹھی کے چیختے دریچے کا حال سنو۔"

"میں کچھ نہیں سنتا۔" ڈی۔ ایس۔ پی مسکرا کر بولا۔ "اب یہ مذاق ختم کرو۔ آج تم نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے۔"

فریدی اس کی بات سنی ان سنی کر کے ریلوے کا سب انسپکٹر پولیس دلاور کی طرف دیکھنے لگا جو زمین پر پڑا اپنی آنکھیں مل رہا تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھایا اور گھسیٹتا ہوا ایک دوسرے کمرے میں لیتا چلا گیا۔ پھر اس نے کمشنر اور مجسٹریٹ سے بھی استدعا کی کہ وہ بھی اس کمرے میں آ جائیں۔

دلاور مرزا بُری طرح کانپ رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس کی حالت دوبارہ غیر ہونی شروع ہو گئی تھی۔

"سنو دلاور۔" فریدی نے اُسے مخاطب کر کے کہا۔ "ڈی۔ ایس۔ پی ابھی تو اقرار جرم کر رہا ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ عدالت میں مکر جائے لہٰذا میں تم پانچوں کو سرکاری گواہ بنانا چاہتا ہوں لیکن اسی صورت میں جب تم مجھے اس کا یقین دلا دو کہ تمہارے ہاتھ بھی خون میں رنگے ہوئے نہیں ہیں۔"

"مجھے بچائیے۔" دلاور مرزا گڑگڑایا۔ "میرے بچے، میرے بعد ان کا کوئی نہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک خون نہیں کیا.... اگر وہ بم پھٹ جاتا تب تو میرے لئے بھی پھانسی تھی.... مجھے بچائیے۔"

"لنگڑی کوٹھی میں کوکین تقسیم ہوتی تھی نا۔" فریدی نے پوچھا۔ "ہر جمعرات کو۔"

"جی ہاں۔"

"اور وہ چیخیں جو مائیکروفون کے ذریعہ پیدا کی جاتی تھیں.... ایک قسم کا اشارہ تھیں.... کیوں؟"

"جی ہاں جناب! اس اشارے پر وہ لوگ وہاں پہنچ جاتے تھے، جو شہر میں کوکین تقسیم کرتے تھے۔"

"اور کوکین کا ذخیرہ لنگڑی کوٹھی کے اس تہہ خانے میں ہے جس کا علم جاوید کے خاندان لوں کو بھی نہیں، اب بھی موجود ہے۔"

"جی ہاں! وہ تہہ خانہ کوتوال صاحب ہی نے دریافت کیا تھا۔"

"رفعت کی بیوی کا گلا بھی انہیں نے گھونٹا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"جاوید کو بلیک میل کرنے کے لئے۔"

"جی ہاں.... خدا کے لئے مجھے بچائیے۔"

"تم بچ جاؤ گے.... اب اپنا تحریری بیان دے دو۔"

تھوڑی دیر بعد کوتوالی کا ہیڈ محرر اس کا بیان قلم بند کر رہا تھا۔ اسی طرح فریدی نے دو اور گواہ لئے۔ بقیہ دو شائد بہت زیادہ مضبوط دل کے مالک تھے۔ انہوں نے اقبال جرم نہیں کیا۔ وہ اسی ت پر اڑے رہے کہ وہ لوگ بدمعاشوں کے بھیس میں بدمعاشوں کو پکڑنے گئے تھے اور جب اُن ے بقیہ بائیس آدمیوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ وہی بدمعاش ں جن کے لئے وہ وہاں گئے تھے۔ دلاور مرزا اور دوسرے آدمیوں نے ان کے متعلق بتایا کہ وہ ہ۔ ایس۔ پی ہی کے لوگ تھے۔ آج وہ سب اس بات کا پتہ لگانے گئے تھے کہ پچھلی رات کو کس نے کوکین تقسیم کرنے کے اشارات نشر کئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اشارات صرف جمعرات کو نشر کئے جاتے تھے اور یہ کام خود ڈی۔ ایس۔ پی کرتا تھا.... لہٰذا اتوار کی رات کو ان کو سنا جانا ن لوگوں کیلئے حیرت انگیز تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی کو سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ کہیں لانے تہہ خانے کا راستہ نہ پالیا ہو کیونکہ مائیکروفون کا سٹ اسی تہہ خانے ہی میں رکھا جاتا تھا۔

سارے مجرم حوالات میں ڈال دیئے گئے۔

پھر فریدی کو حکام کے سامنے پوری روئیداد بیان کرنی پڑی۔

"وہ حمید سے اچھی طرح واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ پروفیسر جھوس کے یہاں ئم ہے انہوں نے اسے محض اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ پوشیدہ طور پر اس کی نقل و حرکت پر نظر کھ کر میرا سراغ پا سکیں اور پھر اکٹھے ہم دونوں کو ٹھکانے لگا دیں۔ لیکن خود میں نے ہی حمید کو اپنا ننہ دیا اور میں اسی وقت سے ان لوگوں کے پیچھے لگ گیا تھا جب وہ حمید کو پبلک لائبریری سے ماکر سید پور والی عمارت میں لے گئے تھے.... لہٰذا واپسی پر میں نے اچانک حمید پر اس لئے حملہ

کیا کہ اس تک اپنا پیغام بھی پہنچا دوں اور ان آدمیوں کو بھی غلط راستے پر لگاؤں جو اس کا پیچھا کر رہے تھے۔"

"آپ احمد کمال نہیں بلکہ باکمال فریدی ہیں۔" کمشنر ہنس کر بولا۔ "جب یہ کم بخت ہی ان ساری سازشوں کا سرغنہ تھا تو بھلا یہاں کی پولیس کیا کر سکتی تھی۔"

"اب سنئے! اس کے بعد مجھے لنگڑی کوٹھی کی فکر پڑ گئی۔ میں نے وہاں اپنی ایک پوری رات برباد کی تب اس تہہ خانے کا پتہ چلا۔ وہ بھی اتفاقاً..... نہ میں ٹھوکر کھا کر گرتا اور نہ مجھے اس کی جگہ کی زمین پولی ہونے کا اندازہ ہوتا۔ بہر حال میں نے کل رات کو انہیں کی چھری سے ان کو ذبح کرنے کی کوشش کی۔ ان کا مائیکروفون استعمال کر کے ویسی ہی چیخیں نکالیں اور تین رنگوں والی ٹارچ لائٹ کے کرتب دکھائے۔ نتیجے کے طور پر آج یہ بیچارے دوڑے ہی چلے آئے اور میں نے اپنے آدمی تو اس کے دوسرے ہی دن بلوا لئے تھے، جب سرجنٹ حمید پر حملہ ہوا تھا۔"

"لیکن رفعت کی بیوی کے قتل کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا۔" مجسٹریٹ نے پوچھا۔

"ان خطوط سے جن کے ذریعے جاوید کو بلیک میل کیا جا رہا تھا، یقین کیجئے کہ اس میں سے زیادہ تر قیاس تھا جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے ڈی۔ ایس۔ پی صاحب اسی طرح اوروں کو بھی بلیک میل کر چکے ہوں گے۔ طریقہ بھی خاصا دلچسپ ہے۔ پھانسی سے بچنے کے لئے مالدار آدمیوں کے لئے لاکھ دو لاکھ کوئی بڑی بات نہیں اور ڈی۔ ایس۔ پی صاحب قتل کے ماہر۔ پولیس کے راجہ بھلا ان پر کون ہاتھ ڈال سکتا تھا۔"

"کیا تم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی ہی تھا۔" کمشنر نے پوچھا۔

"پہلے صرف یہ خیال تھا کہ پولیس کا کوئی آدمی ان سازشوں میں شریک ہے۔ لیکن ڈی ایس پی کے وجود کا علم اس دن ہوا جب وہ لوگ سرجنٹ حمید کو پکڑ لے گئے۔ میں نے ان کے درمیان میں ایک نقاب پوش کو دیکھا اور ایک ہی نظر میں پہچان گیا کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ وہ بدمعاش اُسے ایک پُر اسرار آدمی سمجھتے تھے۔ وہ اس کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔ شائد انہیں یقین تھا کہ وہ کبھی پکڑے ہی نہیں جا سکتے۔ اس کا رعب اتنا تھا کہ اس کے بدمعاشوں نے کبھی یہ جاننے کی ہمت ہی نہیں کی کہ اس سیاہ نقاب کے پیچھے کس کا چہرہ ہے۔ اگر میں اس وقت ذرا سا بھی چوکتا تو یہ صاف بچ گیا تھا۔ بڑی آسانی سے ہتھکڑیاں کھلوا کر مجھے ایک نئی الجھن میں مبتلا کر دیتا۔ اچھا ہی ہوا تھا کہ میں نے وزارتِ داخلہ

ساطت سے وارنٹ حاصل کیا تھا..... ورنہ ہوتا یہ کہ وہ مجھے قہقہوں میں اڑا کر صرف اپنے بائیس بدمعاشوں کو جیل میں ٹھونسوا دیتا اور وہ بیچارے یہی سمجھتے رہتے کہ کوتوال صاحب نے بدمعاش کا بھیس بدل کر ہمارا بیڑا غرق کیا ہے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" کمشنر نے کہا۔ "وہ یہ کہ تم ابھی تک انسپکٹر ہی کیوں ہو۔"

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ میں ترقیوں کے لئے اس محکمے میں نہیں آیا۔ مجھے اس کام سے لگاؤ ہے۔ اور میں اپنی ذاتی دولت اس کے شوق میں پھونکتا ہوں۔ ورنہ میرا محکمہ اتنا مالدار نہیں کہ میرے مصارف برداشت کر سکے۔ اب اسی کیس میں میں نے اپنے چھ سات ہزار روپے پھونک دیئے ہیں۔ ظاہر ہے محکمہ مجھے اتنا بھتہ نہیں دے سکے گا۔"

"کچھ نہ کچھ تو ملے ہی گا۔" مجسٹریٹ ہنس کر بولا۔

"اوہ..... آپ کو حیرت ہو گی کہ میں نے آج تک اس قسم کا کوئی بل پیش ہی نہیں کیا ہے۔"

"تب تو معاف کیجئے گا۔ مجھے آپ کی ذہنی حالت پر شبہ ہے۔" کمشنر نے مسکرا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی بھی جواباً مسکرا دیا۔

❋

پو پھوٹ رہی تھی۔ حمید نے فریدی کے پہلو میں کہنی مار کر کہا۔

"اور پروفیسر جھوس۔"

"مارو گولی..... میں نے ابھی اُسے فون کرا دیا ہے کہ ہمارا سامان کوتوالی میں بھجوا دے۔"

"اور اگر میں آپ کی آنکھیں کھول دوں تو۔"

"مجھے بڑا لطف آئے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید بڑے ڈرامائی انداز میں اپنا کارنامہ بیان کرنے لگا۔ فریدی ہونٹ سکوڑے سنتا رہا۔ پھر خشک لہجے میں بولا۔ "میرے منع کرنے کے باوجود بھی تم آوارہ گردی کرتے رہے ہو۔"

"کمال کر دیا آپ نے! آپ کی نظروں میں اس کارنامے کی کوئی وقعت ہی نہیں۔"

"جب وہ کارنامہ ہو تب نا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "برخوردار..... پروفیسر جھوس سیکرٹ سروس کا آدمی ہے اور اس سے مجھے کافی مدد ملی ہے۔ اس نے وہ ریوالور میرے ہی لئے مہیا کئے تھے۔ رمیش وغیرہ مسلح نہیں تھے۔ اس وقت پروفیسر جھوس کی اصلیت سے اس شہر میں صرف ہم ہی دونوں واقف ہیں۔ تیسرا کوئی نہیں۔"

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"اب بھی نہ بتاتا اگر تم اُس پر شک نہ کرنے لگتے۔ شائد اس کی بیٹی اور بھتیجا بھی نہ جانتے ہوں کہ وہ سیکرٹ سروس کا آدمی ہے۔ کیا سمجھے اور تم بھی اس بات کو اپنے ہی تک رکھنا حتیٰ کہ پروفیسر جھوس پر بھی یہ ظاہر نہ ہو کہ تم اس کے راز سے واقف ہو۔"

"بوں ژر کسے کہتے ہیں۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا اور فریدی بیساختہ ہنس پڑا۔

"میں یہ لطیفہ سن چکا ہوں۔" اس نے کہا۔ "سلیمہ ہسٹریا کی مریض ہے اور یہ بے تکا لفظ اس بُری طرح اس کے ذہن سے چپک گیا ہے کہ یہی بعض اوقات دورے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کی اَنا یو۔ پی کے مشرقی حصے کے کسی دیہات کی تھی۔ غالباً اس نے بچپن میں یہ لفظ اُسی کی زبان سے سنا ہوگا۔ پورب کے بعض دیہاتوں میں دیہاتی بوندر کو بگاڑ کر بوں ژر کہتے ہیں۔"

"ہائے ہائے۔" حمید اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ "اس کے پیارے پیارے منہ سے مجھے بوں ژر بہت اچھا لگتا ہے۔ بوں ژر..... بوں ژر..... بوں ژر۔"

پھر اس نے عورتوں کی طرح اپنی آواز باریک کر کے "بوں ژر" کہا اور فریدی نے اس کی پیٹھ پر ایک دھول جما دی۔

تمام شد

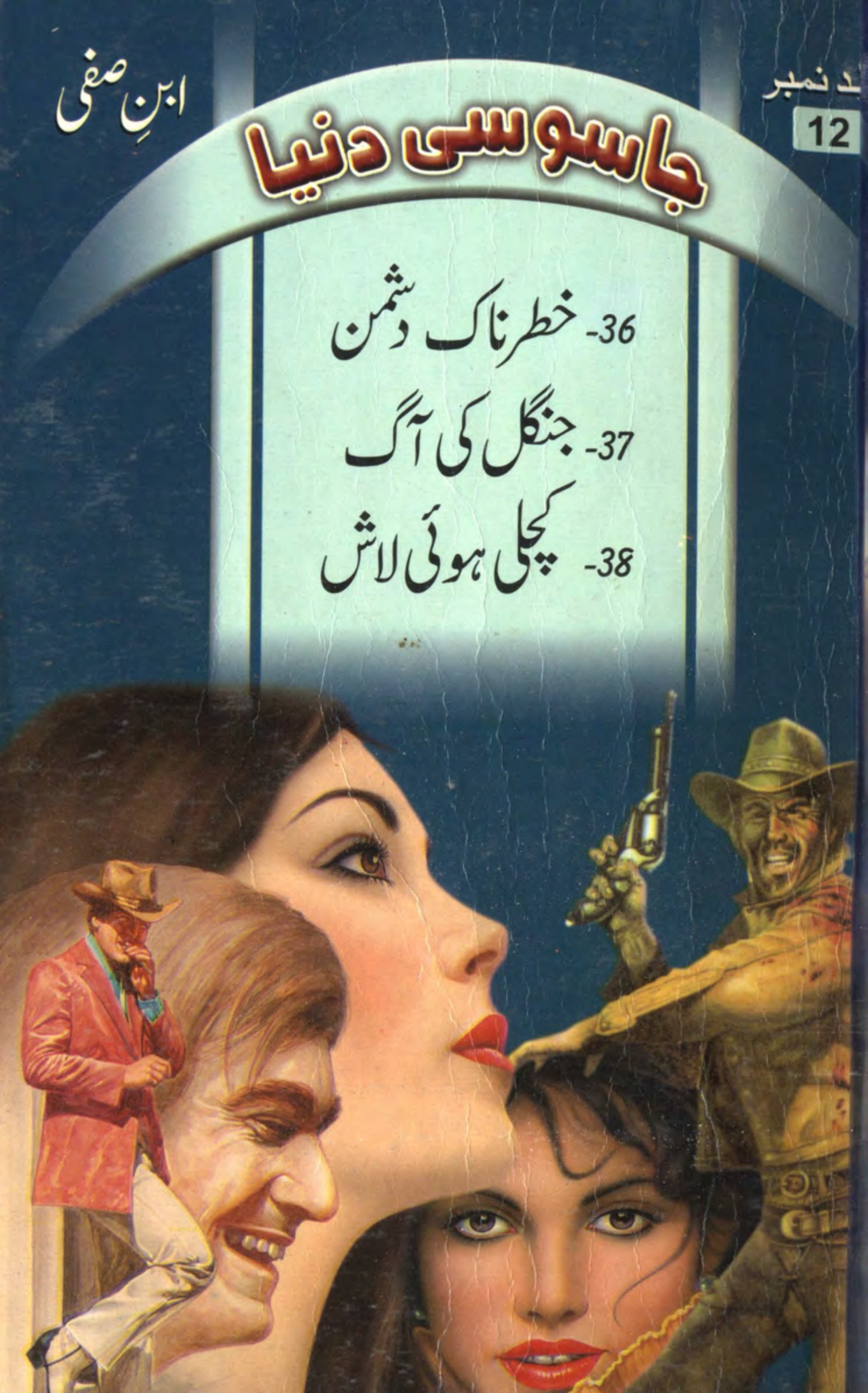
ابنِ صفی
د نمبر
12
جاسوسی دنیا
36- خطرناک دشمن
37- جنگل کی آگ
38- کچلی ہوئی لاش

مفرور قیدی

وہ ایک تاریک گلی میں گھستا چلا گیا۔ پولیس والے اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں دبی ہوئی ٹارچوں کی روشنیاں اندھیرے میں آڑی ترچھی لکیریں ڈالتیں اور پھر غائب ہو جاتیں۔ یہاں کئی گلیاں تھیں اور وہ یہ نہیں دیکھ پائے تھے کہ مفرور کس گلی میں گھسا ہے۔ کئی کئی منزلوں کی سربفلک عمارتیں تاریک اور سنسان پڑی تھیں۔ البتہ کہیں کہیں آدھ کھلی کھڑکیوں میں گہرے نیلے رنگ کی روشنی دکھائی دے جاتی تھی۔

رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی اور بستی پر اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ سناٹے میں پولیس والوں کے وزنی جوتوں کی آوازیں ڈراؤنی قسم کی گونج پیدا کر رہی تھیں مگر مفرور خود کو محفوظ سمجھ رہا تھا۔ شاید اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ شہر کے کسی حصے میں وہ تھوڑی دیر کے لئے خود کو محفوظ سمجھ سکے گا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ اس حصے کی گلیاں اس کا تعاقب کرنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہیں۔

مفرور کے جسم پر جیل خانے کے قیدیوں کا سا لباس تھا اور چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی۔ سر کے بال بھی بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان میں شعلوں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں بڑی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔

پولیس والوں نے سیٹیاں بجانی شروع کر دی تھیں۔ خطرے کی سیٹیاں شائد وہ اپنے قرب و جوار کے دوسرے ڈیوٹی والوں کو اپنی مدد کے لئے بلانا چاہتے تھے۔

مفرور ان سب سے بے پرواہ.... گندے پائپ کے سہارے عمارت کی اس منزل تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جہاں اسے ایک کھڑکی میں نیلے رنگ کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ اتنی آسانی سے اس کھڑکی تک پہنچ گیا جیسے دن رات یہی کرتا رہا ہو۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ کمرے میں سناٹا تھا۔ شاید یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ ایک طرف ایک بڑی سی مسہری تھی جس پر ایک نوجوان عورت سو رہی تھی۔ مفرور بہ آہستگی کمرے میں اتر گیا اور پھر اس نے کھڑکی سے جھانک کر نیچے کی طرف دیکھا۔ اب اس گلی میں بھی پولیس والوں کی ٹارچوں کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ اس نے کھڑکی بند کر دی اور پھر دوسری طرف مڑا ہی تھا کہ اس کا پیر ایک چھوٹی سی میز سے ٹکرا گیا۔ میز الٹ گئی۔ ساتھ ہی سونے والی عورت بھی جاگ پڑی۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں اور شاید وہ چیخنے ہی والی تھی کہ مفرور نے جھپٹ کر اُس کا منہ دبا دیا۔ اس کا ایک ہاتھ اس کی گردن پر تھا۔

"اگر چیخیں تو گلا گھونٹ دوں گا۔" اس نے اس کی گردن پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے سرگوشی کی۔

عورت نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ اس کی خوفزدہ آنکھیں مفرور کے ڈراؤنے چہرے پر جم گئی تھیں۔ وہ پلکیں تک نہیں جھپکا رہی تھی۔

"میں چوری کرنے نہیں آیا۔" مفرور نے آہستہ سے کہا۔ "جیل خانے سے بھاگا ہوں۔ ایک بہت بڑا آدمی ہوں۔ پولیس میرے تعاقب میں ہے۔ اگر تم خاموش رہیں تو میں تمہارا شکر گذار ہوں گا۔"

عورت بے حس و حرکت اس کے بازوؤں میں پڑی رہی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔

"بولو! کیا کہتی ہو! خاموش رہو گی۔" مفرور نے پوچھا۔

عورت نے اثبات میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔ مفرور نے اُسے چھوڑ دیا اور وہ ایک بے جان لاش کی طرح مسہری میں گر گئی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں اب بھی دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ باز کے پنجوں میں دبی ہوئی کسی ننھی منی سی چڑیا کی طرح ہانپ رہی تھی۔

"یہاں اور کون ہے؟" مفرور نے پوچھا۔

عورت نے پھر نفی میں گردن ہلا دی۔ منہ سے کچھ نہیں بولی۔

"تم اکیلی ہو؟"

اس بار اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلو ٹھیک ہے۔" مفرور نے اطمینان کا سانس لیا اور گھنی مونچھوں کے نیچے اس کے ہونٹ ذرا سے پھیل گئے۔ شاید وہ مسکرا رہا تھا۔

اب عورت نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے تھے اور اس کی پلکیں جھپکنے لگی تھیں۔ دوسرے اعضاء بے حس و حرکت تھے۔

"اٹھو! مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔" مفرور نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

عورت چپ چاپ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"تمہارے یہاں کوئی مرد نہیں ہے؟" مفرور نے پوچھا۔

لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس دوران میں ایک لمحے کے لئے بھی اس کی آنکھیں مفرور کے چہرے سے نہیں ہٹیں۔

"کہاں ہے؟" مفرور نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

یہ لوگ تیسری منزل پر تھے۔ لیکن نیچے کا شور انہیں صاف سنائی دے رہا تھا۔

پولیس والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور اب اُن میں اس بستی کے باشندوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

"لڑکی تم بولتی کیوں نہیں ہو۔" مفرور نے جھنجھلا کر کہا۔

"جی....!" عورت کے حلق سے مری مری سی آواز نکلی۔

"تمہارا آدمی کہاں ہے؟"

"ڈیوٹی پر ہے۔"

"کیا کرتا ہے؟"

"ڈاکٹر....!"

"اوہ اچھا....! غسل خانہ کدھر ہے؟"

عورت نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو....!" وہ اُسے شانے سے پکڑ کر آگے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

وہ دونوں غسل خانے میں پہنچے۔ مفرور نے روشنی کر کے دروازہ بند کر دیا۔ عورت بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"ڈرو نہیں۔" مفرور قیدی مسکرا کر بولا۔ "میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ اگر میں صحیح سلامت نکل گیا تو ہمیشہ تمہارا احسان یاد رکھوں گا۔ بُرے آدمی بھی کبھی نہ کبھی کام آجاتے ہیں۔ پس تم یہیں میرے پاس کھڑی رہو۔"

اُس نے شیلف پر رکھا ہوا ڈاڑھی بنانے کا سامان اٹھایا.... اور پھر چند ہی منٹوں بعد وہ عورت اسے تحیر آمیز نظروں سے گھور رہی تھی۔ بے ترتیب بالوں کے جھنکاڑ صاف ہوتے ہی ایک دلکش خط و خال والا صحت مند چہرہ نمایاں ہو گیا تھا۔ مفرور نے اپنے سر کے بال بھی درست کئے اور ایک دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ عورت کی طرف مڑا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ! مگر میں ابھی تھوڑی تکلیف اور دوں گا۔ میرے کپڑے....!"

اُس نے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔ "انہیں بھی ٹھکانے لگانا ہے۔ یقین رکھو میں تمہارے شوہر کے کپڑے واپس کر دوں گا۔"

عورت نے آہستہ سے غسل خانے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلا۔ وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں لے آئی۔

"روشنی سے پہلے کھڑکیوں پر پردے کھینچ دو۔ وہ سور رات بھر یہیں سر ٹکراتے رہیں گے۔"

عورت نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر کمرے میں روشنی کر دی۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ یہاں ایک طرف چھوٹے بڑے کئی سوٹ کیس چنے ہوئے تھے اور سامنے ملبوسات کی الماری تھی جس میں قد آدم آئینہ لگا ہوا تھا۔ اس کے نیچے کئی عدد نئے پرانے جوتوں کی قطار تھی۔ مفرور نے آگے بڑھ کر ایک جوتے میں پیر ڈال دیا۔

"واہ.... واہ" وہ آہستہ سے بولا۔ "بالکل ٹھیک۔ شاید میرے ستارے ٹھیک ہو گئے ہیں۔ کاش کپڑے بھی مناسب ہوں۔"

"آپ کون ہیں۔" عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوہ.... خیر شکر ہے کہ تم کچھ بولیں تو۔" اجنبی مسکرا پڑا۔ "میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ کیونکہ تم ایک نیک دل عورت ہو۔ تم نے کبھی راہل کا نام سنا ہے۔"

"راہل....!" عورت کے ہونٹ ہلے اور پھر اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"ڈرو نہیں! راہل اپنے محسنوں کو پوجتا ہے۔" مفرور قیدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر راہل

کے ہاتھ میں ایک ریوالور بھی ہوتا تو وہ تمہیں اتنی رات گئے تکلیف نہ دیتا۔"

اس نے ملبوسات کی الماری کھول لی اور کچھ کپڑے نکال کر دیکھے۔

"چلو غنیمت ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اپنا منہ پھیر کر کھڑی ہو جاؤ۔"

"اوں.... ہوں۔" مفرور سر ہلا کر بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔ چلو یہی ٹھیک ہے۔ میں انہیں کپڑوں پر دوسرا لباس پہنوں گا۔"

لباس تبدیل کرنے میں اُسے بمشکل تمام پانچ یا چھ منٹ لگے۔

"مقدر ساتھ دے رہا ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "کپڑے گویا میری ہی ناپ کے ہیں۔ یہ کل شام تک تمہیں واپس مل جائیں گے۔"

اس نے فلٹ ہیٹ اتار کر اپنے سر پر جمائی اور قد آدم آئینے میں دیکھنے لگا۔

"بالکل ٹھیک۔" اس نے عورت کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "کیا میں کوئی مفرور قیدی معلوم ہوتا ہوں۔"

"جی نہیں۔" عورت نے اُسے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ پھر خواب گاہ میں آ گئے۔

"اچھا تو رخصت....!" مفرور اپنی پیشانی پر ہاتھ لے جا کر بولا۔ "میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

"ٹھہریئے....!" عورت گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

مفرور دروازے کے قریب پہنچ کر رکا۔

"یہ ڈاکٹر کا پسندیدہ سوٹ ہے۔ شاید وہ پوچھیں۔"

"اوہ....!" مفرور سوچ میں پڑ گیا۔ "تو پھر کیا تم میری تجویز پر عمل کرو گی۔"

"تجویز...." عورت تھوک نگل کر رہ گئی۔

"دیکھو! اس بستی کا ایک ایک فلیٹ دیکھا جائے گا۔ اگر میں تمہیں کسی کرسی میں باندھ دوں تو...."

"جی....!" عورت گھبرا گئی۔

"اوہو! ڈرنے کی بات نہیں۔ جب پولیس یہاں آئے تو تم بلا خوف اسے بتا سکتی ہو کہ ایک

آدمی جس نے قیدیوں کا لباس پہن رکھا تھا یہاں آیا تھا.... اور اس نے تمہیں بے قابو کر کے شیو کیا۔ تمہارے شوہر کے کپڑے پہنے اور رفوچکر ہو گیا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

عورت کچھ نہ بولی۔ اُس کے چہرے پر خوف اور الجھن کے ملے جلے آثار تھے۔

"بولو.... جلدی کرو.... سنو کتے کس قدر شور مچا رہے ہیں۔"

"آپ بحفاظت.... نکل.... جائیں گے۔" عورت کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اب مجھے کوئی نہیں پا سکتا۔" مفرور کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔

"تو پھر....!"

"تمہیں منظور ہے۔" مفرور چہک کر بولا۔

عورت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر مفرور نے اسے ایک کرسی میں جکڑ دیا۔

"ہاں سنو! تمہارے منہ میں رومال بھی ہونا چاہئے ورنہ قانون تم سے پوچھے گا کہ تم چیخیں کیوں نہیں۔"

عورت نے منہ کھول دیا۔ دو تین منٹ بعد وہ ہلکے سروں میں سیٹی بجاتا ہوا نیچے جانے کے لئے آہستہ آہستہ زینے طے کر رہا تھا۔

اندھیری گلیوں میں بھیڑ تھی اور کئی طرح کا شور رات کے سناٹے کو مجروح کر رہا تھا۔ وہ بڑی آسانی سے پولیس والوں اور بستی کے باشندوں کی بھیڑ میں مل گیا کسی نے اس کی طرف دھیان تک نہ دیا۔ وہ لوگ تو دراصل ایک ایسے آدمی کی تلاش میں تھے جس کے جسم پر جیل خانے کے کپڑے تھے۔

مفرور بڑے اطمینان سے ایک ایک گلی میں گھستا پھر رہا تھا.... لیکن اب فرار کی ساری راہیں مسدود ہو چکی تھیں کیونکہ ہر گلی کے اختتام پر دو تین مسلح کانسٹیبل ضرور موجود تھے اور وہ لوگوں کو گلیوں سے نکل کر سڑک پر جانے سے روک رہے تھے۔

ایک گلی کے نکڑ پر اُسے صرف دو کانسٹیبل نظر آئے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا۔

"کیا یہاں صرف دو ہی ہیں۔" اُس نے پُر رعب آواز میں پوچھا۔

وہ دونوں چونک کر اٹینشن ہو گئے۔

"ہماری کار کدھر گئی۔"

"ادھر تو کوئی گاڑی نہیں صاحب۔"

"اوہ تو ادھر ہوگی۔" وہ ایک کانسٹیبل کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ذرا جوان لپک کر ڈرائیور کو بولو ادھر لائے۔"

"کدھر ہے صاحب۔" اُس نے پوچھا۔

"وہ.... اُدھر.... جیمس اینڈ جعفری کمپنی کے سامنے۔"

پھر وہ کنکھیوں سے اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ جیسے ہی وہ چوراہے سے دوسری طرف مڑا اس نے پاس کھڑے ہوئے کانسٹیبل کی گردن پکڑلی۔ ایک ہاتھ سے اس نے اس کا منہ دبایا اور دوسرے سے اس وقت تک اس کا گلا گھونٹتا رہا جب تک کہ اس کا دم نہیں نکل گیا۔ بستی کے دوسرے حصوں میں اب بھی شور ہو رہا تھا۔

اس نے آہستگی سے مردہ کانسٹیبل کو زمین پر ڈال دیا اور پھر سیدھا ہو کر اتنی لاپروائی سے ہاتھ جھاڑنے لگا جیسے اس نے اپنے ڈرائنگ روم کی کوئی کرسی ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھی ہو۔ پھر اس نے تیز قدموں سے چلتے ہوئے سڑک پار کی اور دوسرے کنارے کی عمارتوں کے سلسلے میں گم ہو گیا۔

ایک گھنٹے بعد وہ ایک ایسے ریستوران کے سامنے کھڑا تھا جسے شاید بند کیا جارہا تھا لیکن ویٹر جو پردہ کھینچ کر دروازہ بند کرنے جارہا تھا اُسے دیکھ کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسکے پیر کانپنے لگے تھے۔

"کیا کوئی گاہک....!" کاؤنٹر کے پیچھے سے ایک گرجدار آواز آئی۔ "ریستوران بند ہو رہا ہے۔"

"ریستوران کے بچے اپنی شکل دکھاؤ۔" مفرور اندر پہنچ کر غرایا۔

کاؤنٹر کے پیچھے سے ایک چہرہ ابھرا جس کے قریب شراب کا گلاس تھا۔ لیکن مفرور کی صورت دیکھتے ہی گلاس فرش پر آرہا۔ سناٹے میں شیشے کے ٹکڑوں کی کھنکناہٹ گونج کر رہ گئی۔

"آپ....؟" کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی کے منہ سے چیخ سی نکلی۔

"ہاں میں.... اور تم حرام زادو! یہاں گلچھڑے اڑا رہے ہو۔"

"میں بتاؤں۔" وہ کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر کانپتا ہوا بولا۔ "سارا قصور اس نک چپٹے کا ہے۔ سب یہی کہتے ہیں.... ویسے آپ کی مرضی۔ آج بھی میری جان آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

یہ ایک تنومند اور خوفناک چہرے کا آدمی تھا لیکن مفرور کے سامنے اس طرح کانپ رہا تھا

جیسے اُسے موت نظر آگئی ہو۔

"اور سب کہاں ہیں۔" مفرور نے پوچھا۔

"اوپر.... سب پریشان ہیں سردار۔" اس نے آہستہ سے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن وہ نک چپٹا! وہ بڑا سور کا بچہ ہے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ آپ کے دشمنوں کو کچھ ہو جائے۔ سردار بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"ہشت! بکومت.... چلو....!"

وہ اُسے ایک دوسرے کمرے میں لایا جس کے داہنے سرے پر پہنچ کر اُس نے دیوار سے لگی ہوئی ایک کھونٹی اپنی طرف کھینچی کڑکڑاہٹ کی آواز کے ساتھ سامنے والی دیوار میں ایک چوکور سا شگاف نمودار ہو گیا.... اور پھر مفرور کے اُس میں داخل ہوتے ہی دیوار برابر ہو گئی۔

اسے ایک چھوٹی سی لفٹ اوپر کی طرف لے جارہی تھی۔ لفٹ آخری منزل کے ایک وسیع کمرے میں پہنچ کر رک گئی۔ یہاں پہلے ہی سے دس بارہ آدمی مختلف قسم کے تفریحات میں مشغول تھے۔ کچھ شراب پی رہے تھے۔ کچھ تاش کھیل رہے تھے اور ان کے درمیان ایک مسخرا اچھل کود رہا تھا۔ لفٹ کے رکنے کی آواز نے ان پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا۔ ان میں سے ہر ایک نے غلط انداز میں نگاہیں لفٹ پر ڈالیں اور پھر مشغول ہو گئے.... لیکن جیسے ہی لفٹ کا دروازہ کھلا.... کئی ایک کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکل گئیں۔

مفرور دونوں ہاتھ کمر پر رکھے سینہ نکالے انہیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

جو جہاں تھا وہیں رک گیا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آدمی نہیں پتھر کے بت ہوں۔ صرف ان کی پلکیں جھپک رہی تھیں۔

"یہ سب کس خوشی میں!" مفرور کی طنز آمیز آواز سناٹے میں لہرائی اور گونج کر رہ گئی۔ جواب میں کسی قسم کی آواز نہ سنائی دی گئی۔

"نمک حرام! تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔" مفرور پھر گرجا۔

"سس.... سردار....!" ایک نے کچھ کہنے کی ہمت کی۔

"شٹ اپ.... کارلے کر کون گیا تھا۔"

"میں....!" مجمعے سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ یہ بھی خاصا لحیم شحیم آدمی تھا اور اس

کے چہرے پر سب سے زیادہ بدنما چیز اس کی چپٹی ناک تھی۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

"تم کہاں مر گئے تھے۔" مفرور نے گرج کر کہا۔

"میں اشارے تو دے رہا تھا آپ کو۔" چپٹی ناک والے نے بھی اُسی لہجے میں کہا۔

مفرور نے ایک بار پھر اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

پاس کھڑے ہوئے دوسرے آدمی لرز گئے۔ وہ جانتے تھے کہ اس کا کیا مطلب تھا۔ وہ سمجھے تھے کہ دوسرے لمحے میں وہ اپنے اٹھے ہوئے ہاتھ خود سے نہ گرا سکے گا۔

"راہل....!" چپٹی ناک والے نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "میں چوہا نہیں ہوں۔ میری ہڈیاں بھی چوڑی ہیں۔"

"میں تمہیں چوہے کی موت ماروں گا۔" راہل کا جملہ اس وقت پورا ہوا جب چپٹی ناک والا اس کی گرفت میں آکر اس کے سر سے بلند ہو چکا تھا۔ پھر سامنے کی دیوار دھماکے سے جھنجھنا اٹھی.... چپٹی ناک والے کی طویل چیخ اس وقت تک کمرے میں گونجتی رہی جب تک کہ اس کا دم نہیں نکل گیا۔ اُس نے ایک مرتے ہوئے کتے کی طرح اپنے ہاتھ پیر پھیلائے اور ٹھنڈا ہو گیا۔

"رحم! رحم....!" سب بیک وقت چیخے۔

"بیٹھ جاؤ۔" راہل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر ایک آدمی کو مخاطب کر کے بولا۔ "شہباز! ایک لارج وہسکی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ان سے کافی فاصلے پر بیٹھا وہسکی کی چسکیاں لے رہا تھا۔

اس دوران میں اس نے ایک بار بھی لاش کی طرف نہیں دیکھا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اندر یہ دوسرا قتل تھا لیکن راہل کا چہرہ پر سکون تھا۔

چھوٹی سی ولائتی چوہیا کے پچھلے پیروں میں ننھے ننھے گھونگھرو بندھے ہوئے تھے۔ پھدک رہی تھی۔ حمید اسے کافی عرصے سے تربیت دے رہا تھا۔ اور اب وہ باقاعدہ تھرکنے لگی تھی۔ اس کے اس کارنامے پر فریدی کو بھی حیرت ہوئی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ چوہوں کو ٹرینڈ کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد وائیلن ایک طرف رکھ دیا۔ لیکن چوہیا اپنے پچھلے پیروں پر کھڑی تھوتھنی اوپر کو اٹھائے سر ہلاتی رہی۔ حمید میز پر ہاتھ ٹیک کر جھکا اور اس کے منہ کے قریب اپنا چہرہ لے جا کر بڑبڑانے لگا۔ "بس کر میری جان تیرے ننھے ننھے پیر دکھ جائیں گے۔ تو رقاصہ بہار ہے۔ تو کوکو کی طرح پوہڑپن سے کولہے تو نہیں مٹکاتی اور.... سنہرے پانی میں چاندی سے پاؤں لٹکائے شفق نے تجھ کو سرے جوئبار دیکھا ہے وغیرہ وغیرہ.... اور میری جان میں شاعر نہیں ورنہ تم سے پوچھتا۔ کون سا گیت سنو گی انجم.... اور میں ناول نویس نہیں ورنہ تم کو امراؤ جان ادا بنا دیتا.... مگر آہ.... مجھے آج تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ تم نر ہو یا مادہ۔"

پھر خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھتے رہنے کے بعد بلند آواز میں بولا۔ "سنتی ہو میری جان! اب ہم تم بہت دور چلے جائیں گے۔ افق کے پار.... کیونکہ پچھلی رات راہل جیل خانے سے نکل بھاگا ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو کر اس دروازے کی طرف دیکھنے لگا، جو فریدی کے کمرے میں کھلتا تھا۔

اتنے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور چوہیا حمید کے کوٹ میں کود گئی۔

"صاحب! آپ ہی چل کر سمجھا دیئے۔" نوکر نے حمید سے کہا۔

"کیا مطلب....!"

"صاحب اُن سے ملنا نہیں چاہتے اس لئے کہلوا دیا ہے کہ گھر پر نہیں ہیں۔ لیکن وہ کہتی ہیں میں انتظار کروں گی۔"

"ہائیں....!" حمید چونک کر بولا۔ "میں انتظار کروں گی۔"

"جی ہاں وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئی ہیں اور صاحب اوپر ہیں۔"

"انہوں نے کیا کہا ہے۔"

"کہہ دو گھر پر موجود نہیں ہیں۔"

"اوپر کیا کر رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں دروازے بند ہیں۔"

"حمید سمجھ گیا کہ فریدی اپنی تجربہ گاہ میں ہے اور وہ کسی عورت سے نہیں ملنا چاہتا لیکن وہ ملاقات ہی کر کے جانے پر اڑ گئی۔"

حمید نے سوچا کہ فریدی پر غصہ کرنے سے پہلے ذرا ایک نظر اس عورت کو بھی دیکھ لے۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی اس عورت سے نہ ملنے میں حق بجانب ہو۔

اور پھر جب اس نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو اس کی عاقبت روشن ہو گئی۔ لڑکی بہت حسین تھی اور کچھ خوفزدہ سی نظر آ رہی تھی۔ حمید کی دانست میں فریدی سچ مچ حق بجانب تھا۔ کیونکہ وہ جوان اور حسین لڑکیوں سے ملنے سے کتراتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر وہ کبھی کسی رقص گاہ میں اتفاقاً پھنس جاتا تو اُسے اپنے لئے ہم رقص منتخب کرنے کے سلسلے میں بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے تھے۔ بہر حال وہ کسی بدصورت عورت ہی کا انتخاب کرتا تھا اور اگر کوئی ادھیڑ عمر کی مل گئی تو پھر کیا کہنا۔

حمید کو دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی۔

"فریدی صاحب تشریف نہیں رکھتے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ....!" لڑکی کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ "میں سمجھی تھی.... شائد۔"

"میں ان کا اسسٹنٹ ہوں۔"

"اوہ.... میں فریدی صاحب سے ملنا چاہتی ہوں.... کیا میں یہیں ان کا انتظار کر سکتی ہوں۔"

حمید نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"میرے لائق کوئی خدمت۔"

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ صرف فریدی صاحب ہی میری مدد کر سکتے ہیں۔" لڑکی ہچکچا کر بولی۔

"تشریف رکھئے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ کھڑی کیوں ہیں۔"

"اوہ.... شکریہ۔"

"لیکن فریدی صاحب کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب واپس آئیں۔" حمید نے کہا۔ "آفس ٹائم بھی ہو گیا ہے اگر انہیں آنا ہوتا تو اب تک آ گئے ہوتے۔"

"اوہ.... تب تو.... تب تو ڈیڈی گئے۔" دفعتاً لڑکی کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ اس نے

تھوڑے تامل کے بعد کہا۔ "میں چاہتی تھی کہ جلد کچھ کیا جائے۔"

"بات کیا ہے؟" حمید اس کے سامنے کے صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"ڈیڈی کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"تو آپ پولیس کو اطلاع دیجئے.... مگر انہیں کون سا خطرہ لاحق ہے۔"

"اوہ.... بڑے پُراسرار حالات ہیں...." وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ "میری بدقسمتی کہ فریدی صاحب موجود نہیں ہیں۔ میں جا رہی ہوں لیکن جیسے ہی وہ آئیں براہِ کرم! تھری نائین تھری پر فون کر دیجئے گا۔ میرا نام لوسی ہے۔ اُف میرے خدا میں کیا کروں۔"

"آپ مجھے بتائیے۔" حمید نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

"مجبوری ہے.... میں صرف ایک بار بتانا چاہتی ہوں۔ بہتیری تفصیلات ایسی ہیں جن کا رہ جانا ٹھیک نہ ہو گا.... آپ مجھے فون کر دیجئے گا۔ شکریہ۔"

پھر اس نے حمید کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ کمپاؤنڈ میں اس کی چھوٹی سی آسٹن کھڑی تھی جسے وہ خود ہی ڈرائیو کرتی ہوئی پھاٹک سے نکال لے گئی۔ حمید چند لمحے برآمدے میں کھڑا پھاٹک کی طرف گھورتا رہا پھر جیب سے چوہیا کو نکالا اور اسے اپنے چہرے کے قریب لے جا کر بولا۔ "سنا ڈارلنگ ان کا ڈیڈی خطرے میں ہے۔ تمہیں تو شاید اپنے ڈیڈی کا پتہ بھی یاد نہ ہو کہو تو تھری ناٹ تھری پر اُسے فون کر دوں کہ اگر فریدی صاحب سے گفتگو کرنی ہے تو اس کے لئے تمہاری والدہ محترمہ ہی زیادہ مناسب ہوں گی۔"

پھر اس نے چوہیا کو جیب میں ڈال کر اندر کی راہ لی۔ فریدی اب بھی تجربہ گاہ ہی میں تھا۔ وہ سیدھا اوپر چلا گیا۔ تجربہ گاہ کے سارے دروازے بند تھے اس نے ایک پر دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے آواز آئی۔

"وہی جانثار جس نے پچھلے سال آپ کو آئس کریم کھلائی تھی" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

اندر قدموں کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔ فریدی ایک ہاتھ میں شیشے کا ٹسٹ ٹیوب لئے کھڑا تھا۔

"کیا ہے؟" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"اطلاع ملی ہے کہ میدان صاف ہو گیا۔ وہ شیرنی دھاڑتی ہوئی واپس چلی گئی۔ جس کا ارادہ تھا

کہ آپ کو چیر پھاڑ کر ڈکاریں لیتی ہوئی اللہ کا شکر ادا کرے۔"

فریدی کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ پیدا ہوئی اور وہ حمید کی پھولتی پچکتی ہوئی جیب کی طرف دیکھنے لگا پھر آہستہ سے اس نے پوچھا۔ "کوئی فون تو نہیں آیا تھا۔"

حمید جھنجھلا کر رہ گیا۔ اُسے توقع تھی کہ فریدی اس لڑکی کے متعلق پوچھے گا۔

"جی نہیں کوئی فون نہیں آیا لیکن میں پوچھتا ہوں کہ آپ آئندہ نسلوں پر کون سا احسان کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"یہ....." فریدی ٹسٹ ٹیوب کو حمید کی آنکھوں کے قریب گردش دیتا ہوا بولا۔ "کواری ہے۔"

"یعنی غیر شادی شدہ۔" حمید پلکیں جھپکا کر بولا۔

"تم ان لغویات کے علاوہ اور سوچ بھی کیا سکتے ہو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اچھا تو پھر کنواری اونٹ کی مینگنی کو کہتے ہیں۔"

"ابے کنواری نہیں کواری۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"کیا بات ہوئی؟ کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"او گدھے! وہ زہر ہے جس کی شناخت ناممکن ہے۔ اسے استعمال کرنے والے کی موت قدرتی سمجھی جاتی ہے۔"

"مجھے زہروں سے دلچسپی نہیں۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "میں تو لوسی کے ڈیڈی کے متعلق سوچ رہا ہوں جس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"خوب.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تو اس نے اپنا نام لوسی بتایا ہے۔"

"پھر کیا بتاتی۔"

"خیر آگے کہو۔" فریدی ٹسٹ ٹیوب کو ایک طرف رکھتا ہوا بولا۔

"آپ اس سے ملے کیوں نہیں۔"

"ضرورت نہیں سمجھی۔" فریدی نے اپنے داہنے شانے کو جنبش دے کر پوچھا۔

"کوئی پیغام چھوڑ گئی ہے۔"

"جب آپ گھر پر موجود ہوں تو اُسے تھری ناٹ تھری پر فون کر دیا جائے۔"

"خوب.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آدھے گھنٹے بعد اسی نمبر پر فون کر دینا۔ لوسی سے

کہنا کہ فریدی آج صبح سے بہت خائف ہے وہ راہل کے ڈر سے باہر نہیں نکل سکتا۔"

"کیا مطلب.....!" حمید چونک کر بولا۔ جواباً فریدی کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ پھر ٹسٹ ٹیوب پر جھک گیا۔ حمید اسے گھور رہا تھا۔

"اور ہاں.....!" فریدی پھر سر اٹھا کر بولا۔ "لوسی سے یہ بھی کہنا کہ راہل ایک ہفتے سے زیادہ جیل کے باہر نہیں رہ سکتا۔ دل چاہے تو یہ ضرور کہہ دینا کہ راہل سے کہو..... یہ چالیں اتنی پرانی ہو گئی ہیں کہ ان سے بدبو آنے لگی ہے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو بخار تو نہیں ہے۔" حمید اپنی گدی سہلاتا ہوا بولا۔

"شکریہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "تم سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ کرو۔"

تھری ناٹ تھری کے فون کی گھنٹی بج رہی تھی، جس میز پر فون رکھا ہوا تھا وہ خالی تھی اور کمرے میں بھی کوئی نہیں تھا..... البتہ باہر کے بڑے کمرے میں آٹھ دس کلرک بیٹھے فائیلوں سے سر مار رہے تھے اور اسی کمرے کے دکھنی سرے پر لگے ہوئے پارٹیشن کے پیچھے ٹائپ رائٹروں کی کھڑ کھڑاہٹ گونج رہی تھی۔ اندرونی کمرے کے ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہی لیکن باہر بیٹھے ہوئے کلرکوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آخر ایک آدمی مغربی دروازے سے اندر داخل ہو کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا فون والے کمرے میں چلا گیا۔

"ہیلو.....!" اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ "اوہ..... اچھا..... ذرا رکئے! میں بلواتا ہوں۔"

اس نے ریسیور کو میز پر ڈال دیا اور اطمینان سے کرسی پر بیٹھ کر میز کی دراز کھولی اور اس میں سے کسی وزنی دھات کی دو گولیاں نکال کر منہ میں ڈال لیں۔ کئی سیکنڈ تک منہ چلا چلا کر انہیں کسی مناسب جگہ پر بٹھانے کی کوشش کرتا رہا پھر دوبارہ ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.....!" اس بار اس کی آواز عورتوں کی طرح سریلی تھی۔ "ہیلو! میں لوسی بول رہی ہوں..... اوہ بہت پریشان ہوں..... نہیں آئے۔ ارے..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں..... جی..... میں پھر نہیں سمجھی۔ دیکھئے مذاق نہ کیجئے..... میری یہ حالت ہے کہ شاید جلد ہی ہارٹ فیل ہو جائے۔ اُف میرے ڈیڈی..... جی..... آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔ شٹ اپ احمق ہیں۔

نہ جانے کیا بک رہے ہیں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا اور منہ سے گولیاں نکال کر جیب میں ڈالتا ہوا دروازے کی طرف جھپٹا۔ وہ کئی کمروں سے گذرتا ہوا بالکنی میں نکل آیا۔ اب وہ بڑی تیزی سے طویل بالکنی کے آخری سرے والی لفٹ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوسرے لمحے میں لفٹ اُوپر کی طرف لے جا رہی تھی، چوتھی اور آخری منزل پر پہنچ کر اُس نے لفٹ رکوائی اور اس طرح کود کر باہر آیا جیسے لفٹ کے اندر اسے اپنی جان کا خطرہ رہا ہو۔

اس منزل پر صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ اس نے جیب سے ایک کنجی نکالی اور مقفل دروازے کو کھول کر اندر داخل ہوا۔

یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ اس میں کسی قسم کا کوئی سامان نہیں تھا۔ دیوار اور فرش سب ننگے تھے اس نے دروازہ بند کر کے اسے اندر سے مقفل کر دیا۔ پھر ایک گوشے میں اکڑوں بیٹھ کر دیوار سے ملے ہوئے ایک ٹائیل کو دونوں ہاتھوں سے دبانے لگا۔ دفعتاً کھٹاکے کی آواز آئی اور اس کے پشت کی دیوار کی سطح پر ایک عجیب وضع قطع کی مشین اُبھر آئی وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

"سرجنٹ حمید کا فون۔" اس نے بظاہر اس مشین کو مخاطب کر کے کہا۔

"کیا خبر ہے۔" مشین سے آواز آئی۔

"لوسی موجود نہیں تھی اس لئے میں نے ہی اس کا رول ادا کیا۔"

"ٹھہرو....!" مشین سے آواز آئی۔ "بھلا لوسی کا اس معاملے میں کیا تعلق۔"

"آپ کے حکم کے مطابق اسی کو بھیجا گیا تھا۔"

"بکواس! تم بالکل گدھے ہوتے جا رہے ہو۔ تمہیں روشی کے لئے کہا گیا تھا۔ لوسی کا بھی کوئی ڈیڈی نہیں تھا اور شاید فریدی جانتا ہے کہ لوسی کا تعلق کن لوگوں سے رہ چکا ہے۔"

"تب تو.... تب تو میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" اُس نے کانپتے ہوئے کہا۔

"بکواس بند کرو۔" مشین سے غراتی ہوئی آواز آئی۔ "پیغام کیا تھا۔"

"یہی کہ وہ راہل کے خوف کی وجہ سے باہر نہیں نکلنا چاہتا اور راہل ایک ہفتے سے زیادہ جیل سے باہر نہ رہ سکے گا۔"

"راہل کون ہے؟" مشین سے آواز آئی۔

"غالباً وہ ڈاکو جو پچھلی رات جیل سے فرار ہوا ہے۔"

"اس کا اس معاملے سے کیا تعلق۔" مشین سے آواز آئی۔

"مجھے علم نہیں۔"

"مسٹر پارکر۔" مشین سے آواز آئی۔

"یس باس....!" پارکر مشین کے سامنے اور زیادہ مؤدب ہو گیا۔

"تم فرم کے منیجر ہو۔"

"یس باس....!"

"لیکن تم گدھے ہو۔ آخر اس لڑکی نے فرم کا فون نمبر کیوں دیا۔"

"میں اس سے جواب طلب کروں گا۔" پارکر نے کہا۔

"بیکار ہے۔ اس لڑکی کو نمبر چار میں بھیج دو اور نمبر چار سے روشی کو بلا لو۔ میرا خیال ہے کہ تمہارے سارے آدمی قابل اعتماد ہوں گے۔"

"جی ہاں.... سب وفادار ہیں۔"

"اچھا تو پھر....!" مشین سے آواز آئی۔ "تمہاری فرم میں لوسی نام کی کوئی لڑکی کبھی تھی ہی نہیں۔"

"بہت بہتر جناب۔" پارکر نے مسکین صورت بنا کر کہا۔ "میں سمجھ گیا۔"

"جلدی کرو۔" مشین سے آواز آئی.... اور پھر اس بار دیوار خود بخود برابر ہو گئی۔ مشین غائب ہو چکی تھی اور دیوار کی چکنی اور سفید سطح کی طرح چمک رہی تھی۔

❁

سرجنٹ حمید نے ٹیلی فون ڈائریکٹری بند کر کے ایک طرف ڈال دی اور اب وہ پھر فریدی کی تجربہ گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

"سنا آپ نے۔" حمید فریدی کو مخاطب کر کے بولا، جو غالباً اپنا مشغلہ ختم کر چکا تھا اور اب سگار جلانے کے لئے جیب میں لائٹر ٹٹول رہا تھا۔ وہ معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"تھری ناٹ تھری، رگبی امپورٹرز کا نمبر ہے۔"

"رگبی امپورٹرز....!" فریدی ذہن پر زور دینے لگا۔

"اوہ وہی! کھیل کود کا سامان سپلائی کرنے والی فرم جس کے ذمے ہمارے ساڑھے سات سو روپے واجب الادا ہیں۔"

"اچھا....!" فریدی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے سگار سلگایا اور اپنے داہنے ہاتھ کے ناخنوں کو گھورنے لگا۔"

"تم شاید کچھ اور کہنا چاہتے ہو۔" اس نے ناخنوں پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ راہل سے بُری طرح خائف ہوگئے ہیں اور اب خواہ مخواہ آپ کو ایک ایک قدم پر سازشوں کے جال دکھائی دیں گے۔ ضروری نہیں کہ آپ سے اندازے کی غلطی کبھی نہ ہو۔ آپ نے اس لڑکی کو مایوس کر کے بُرا کیا۔"

"کوشش کر دیکھو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم اس فرم میں اس نام کی کوئی لڑکی نہ پاؤ گے۔"

"جناب میں اس سے گفتگو کر کے آرہا ہوں۔"

"ہوں.... ہو سکتا ہے۔" فریدی نے بے تعلقانہ انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"آخر کس بناء پر آپ نے اسے راہل کی ساتھی تصور کر لیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نے اس کی ایک جھلک دیکھی تھی۔" فریدی نے سگار کی راکھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر یک بیک سر اٹھا کر بولا۔ "پھر یہ یاد آجانا معجزہ تو نہیں کہ میں ایک بار اُسے راہل کے ساتھ بھی دیکھ چکا ہوں۔"

"بہر حال آپ راہل سے بھی بُری طرح خائف ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی اس طرح مسکرایا جیسے وہ کسی ناسمجھ بچے سے گفتگو کر رہا ہو۔ وہ ایک لمحے کے لئے رک کر بولا۔ "ویسے اگر تم راہل کو گرفتار کرنا چاہو تو وہ جاوید بلڈنگ کی چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ میں اس وقت بھی مل جائے گا۔ لیکن اگر تم سامنے کے دروازے سے گئے تو تمہیں مایوسی ہوگی کیونکہ اس میں ہمیشہ ایک بڑا سا گرد آلود قفل لٹکتا رہتا ہے۔"

"پھر....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تمہیں اس تک پہنچنے کے لئے سب سے پہلے اسی عمارت کی نچلی منزل کے ایک ریستوران میں گھسنا پڑے گا اور اس کے عقبی کمرے سے ایک لفٹ تمہیں ٹھیک اس کمرے میں لے جائے گی

جہاں راہل کے سارے ساتھی اکٹھا ہوتے ہیں۔"

"اور اتنی معلومات رکھنے کے باوجود بھی آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔"

"ظاہر ہے۔" فریدی بجھے ہوئے سگار کو دوبارہ سلگاتا ہوا بولا۔

"آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"کچھ نہیں، بہت کچھ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "یہ باتوں کا نہیں کام کا وقت ہے۔ میں تمہیں جلد ہی سب کچھ بتاؤں گا۔ ویسے فی الحال ایک ہلکا اشارہ دے سکتا ہوں.... راہل کو میں نے ہی جیل سے نکلوایا ہے۔"

"کیوں؟" حمید چونک کر بولا۔

"یہی تو میں تمہیں پھر کسی وقت بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "راہل یہ سمجھتا ہے کہ اس نے جیلر کو پھانس کر اپنا کام بنالیا۔ معاملہ تیس ہزار روپیوں پر طے ہوا تھا۔ اب راہل کو اس کی ادائیگی کی فکر ہوگی.... فی الحال ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ روپیہ کیونکر مہیا کرتا ہے۔"

"مجھے آپ پاگل بنا دیں گے۔" حمید بڑبڑایا۔

"کیوں....؟"

"ارے آپ نے محض روپیہ مہیا کرنے کا طریقہ دیکھنے کے لئے راہل کو جیل سے نکلوادیا۔"

"نہیں فرزند! ابھی میں جوان ہوں مجھ پر بڑھاپے نے حملہ نہیں کیا۔"

"پھر بھی.... میں اسے سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"اوہو! فی الحال اس تذکرے کو رہنے دو۔" فریدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

"کیا تم رنگی امپورٹرز کے دفتر جا کر لوسی کی خبر نہ لو گے۔"

"ٹھیک یاد آیا۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "وہ لڑکی.... ہائے۔"

"عشق نہیں فرمائیں گے آپ؟" فریدی اسے گھور کر بولا۔

بے بسی کی موت

جاوید بلڈنگ کی چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ سے ایک آدمی برآمد ہوا۔ جس کی ظاہری

شان و شوکت متموّل آدمیوں جیسی تھی۔ اس نے دروازے کو مقفل کیا اور آہستہ آہستہ گنگناتا ہوا زینے طے کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نیچے فٹ پاتھ پر تھا۔

رات سرد اور تاریک تھی اس نے پر رونق سڑک پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر سامنے کی دوکان کے شوکیس کی طرف دیکھنے لگا جس میں ایک عورت کا ایک آدھا مجسمہ ریشم کے بلاؤز کا پرچار کر رہا تھا۔۔۔ اس نے بڑے پُر اطمینان انداز میں جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور سگریٹ منتخب کر کے ہونٹوں میں دبایا ہی تھا کہ اسے ہاتھ اٹھا کر ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی رکوانی پڑی۔

"راجرس اسٹریٹ" اس نے ٹیکسی میں بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ پھر جھک کر سگریٹ سلگانے لگا۔۔۔ ٹیکسی چل پڑی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد راجرس اسٹریٹ کی ایک عالیشان عمارت کے سامنے کھڑا تھا لیکن شاید اس سے بے خبر تھا کہ ایک دوسری کار بھی اس کی ٹیکسی کے تعاقب میں یہاں تک آئی ہے۔

عمارت کے پھاٹک کے داہنے ستون پر ایک تختی آویزاں تھی جس پر تحریر تھا۔ "سر جگدیش ورما" وہ بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔

جس سے وہ ملاقات کا متمنی تھا شاید وہ عمارت کے اندر موجود تھا کیونکہ اس کا ملاقاتی کارڈ لے جانے والے نوکر نے بڑے مؤدبانہ انداز میں ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

کمرہ خالی تھا۔ وہ چپ چاپ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر جب ایک سگریٹ سلگانے جا رہا تھا داہنے ہاتھ کے دروازے سے ایک ادھیڑ عمر مگر وجیہہ آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"میرا خیال ہے" اس نے مسکرا کر کہا۔ "میں پہلی بار آپ سے شرف ملاقات حاصل کر رہا ہوں۔ فرمائیے میرے لائق کوئی خدمت۔"

"اوہو! سر جگدیش۔" ملاقاتی نے بے تکلفی سے ہنس کر کہا۔ "مجھے اتنی جلدی بھول گئے۔"

سر جگدیش کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں۔ وہ ملاقاتی کو گھور رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر ایسے آثار تھے جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اس جملے پر بداخلاق ہو جائے گا۔

"مجھے یقین ہے کہ میں نے اس سے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔" سر جگدیش نے نرم لہجے میں کہا۔

"اس صورت میں نہ دیکھا ہو گا۔" ملاقاتی پھر ہنسا۔ "جیل سے بھاگے ہوئے جیالوں کو اپنی

شکل بگاڑنی ہی پڑتی ہے۔"

"اوہ۔۔۔ مائی گارڈ۔" سر جگدیش نے تھکی تھکی سی آواز میں کہا۔ "راہل۔" اور پھر وہ اس طرح ایک صوفے میں گر گیا جیسے اس کے پیروں میں کھڑے رہنے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔

"ہاں۔۔۔ آں!" راہل نے لاپروائی سے کہا۔ "میں جیل میں رہ کر پھانسی کا انتظار تو کر نہیں سکتا تھا۔"

"لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔!" سر جگدیش ہکلایا۔

"مجھے تیس لاکھ روپیوں کی سخت ضرورت ہے۔" راہل اس کی بدلتی ہوئی حالت کو نظر انداز کر کے بولا۔

"تیس لاکھ۔۔۔!" سر جگدیش نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "یہ بہت زیادہ ہے۔۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میری حیثیت سے زیادہ۔"

"شرم! سر جگدیش! ایک شریف آدمی کو جھوٹ نہ بولنا چاہئے۔ تیس لاکھ تمہارے لئے بڑی بات نہیں۔"

"راہل یہ بہت زیادہ ہے۔۔۔ میں مجبور ہوں۔"

"چلو اچھا اسے قرض ہی سمجھ لو۔" راہل مسکرا کر بولا۔ "تم مجھے جتنا ہر ماہ ادا کرتے ہو اس وقت تک کے لئے بند کر دینا جب تک کہ تیس ہزار کا حساب نہ صاف ہو جائے۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں! میں یکمشت اتنی رقم مہیا نہیں کر سکتا۔"

"سوچ لو سر جگدیش! تمہارا آنے والا بڑھاپا بڑا داغدار ہو گا۔"

"اوہ۔۔۔ راہل تم سمجھتے کیوں نہیں۔۔۔ یہ رقم بہت زیادہ ہے۔"

"لیکن وہ گناہ۔" راہل بے دردی سے ہنسا۔

"ٹھہرو! مجھے سوچنے دو۔"

"مجھے روپیہ اسی وقت چاہئے۔" راہل نے کہا۔

"کل۔۔۔ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں۔" سر جگدیش نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"کس وقت۔۔۔!"

"شام کو۔"

"اچھا تو منٹو پارک میں میرا آدمی موجود رہے گا.... شب بخیر۔" راہل کمرے سے نکل گیا لیکن اسے رخصت ہوتے ہوئے دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ سر جگدیش کو ایک دوسرے ملاقاتی کے کارڈ سے دوچار ہونا پڑا جس پر تحریر تھا "اے۔ کے فریدی انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی۔"

سر جگدیش کے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا ہوگئے۔ لیکن اس نے فریدی کو بلوانے میں دیر نہیں کی۔ دوسرے لمحے میں اس کے سامنے ایک مناسب قد و قامت کا خوشرو نوجوان کھڑا تھا۔ سر جگدیش اُسے ستائشی نظروں سے دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔

"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن جب آپ یہ محسوس کریں گے کہ قانون آپ کی مدد کا محتاج ہے تو آپ کو یقیناً خوشی ہوگی۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"کیا ابھی یہاں راہل آیا تھا۔" فریدی نے بے ساختہ پوچھا۔

"بھلا راہل یہاں کیوں آنے لگا۔"

"دیکھئے سر جگدیش آپ ایک معزز آدمی ہیں اور ساتھ ہی قانون دان بھی۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ کسی مفرور قیدی کو پناہ دینا کس حد تک خطرناک ہے۔"

"مگر.... میں نے.... میں نے کسی مفرور قیدی کو پناہ نہیں دی۔"

فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ سر جگدیش کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے اور وہ کسی خوفزدہ بچے کی طرح بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"میرے محکمے کے آدمیوں نے کچھ دیر قبل راہل کو آپ کی کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی یہیں ہے۔ یقین کیجئے مجھے صرف اس کی گرفتاری سے غرض ہے اس سے دلچسپی نہیں کہ وہ کہاں سے برآمد ہوا۔"

سر جگدیش کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔

"دیکھئے سر جگدیش....!" فریدی نرمی سے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ جیسے معزز آدمی نے اسے خوشی سے پناہ نہ دی ہوگی۔"

"میں نے اُسے پناہ نہیں دی۔" سر جگدیش بے ساختہ بولا۔

"کیا وہ آپ کو بلیک میل کر رہا ہے۔"

"جی.... ج....!" سر جگدیش کانپنے لگا۔

"بہر حال میرا خیال ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب بتائیے کہ وہ کہاں ہے؟"

"وہ یہاں کچھ دیر قبل آیا تھا اور آپ کے آنے سے دس منٹ پہلے چلا گیا۔"

"چلا گیا۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "لیکن کسی نے اُسے یہاں سے نکلتے نہیں دیکھا۔"

"یقین کیجئے وہ چلا گیا۔ ویسے آپ تلاشی لے سکتے ہیں۔"

فریدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "سر جگدیش آپ ایک اچھے اور نیک نام آدمی ہیں.... اس لئے میں آپ کو یہ بتانے پر مجبور نہ کروں گا کہ راہل آپ کو کیوں بلیک میل کر رہا ہے لیکن آپ کو قانون کا ہاتھ بٹانا ہی پڑے گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" جگدیش نے آہستہ سے کہا۔

"اگر آپ راہل کے ٹھکانے سے واقف ہوں تو مجھے مطلع کیجئے۔"

"آفیسر! یقین کیجئے کہ میں نہیں جانتا۔ لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ کل شام کو اس کا کوئی آدمی منٹو پارک میں مجھ سے تیس لاکھ روپے وصول کرے گا۔"

"تیس لاکھ...!" فریدی چونک کر بولا۔ "بہت بڑی رقم ہے۔"

"مجبوری۔" سر جگدیش مضمحل آواز میں بولا۔

"خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کی اطلاعات کا شکریہ۔"

انسپکٹر فریدی سر جگدیش کو حیران و ششدر چھوڑ کر رخصت ہوگیا۔ حیرت کی بات بھی تھی کیونکہ اس نے اسے بلیک میلنگ کی وجہ بتانے پر مجبور نہیں کیا تھا۔

❁

سرجنٹ حمید ہائی سرکل نائٹ کلب میں ایک خوشگوار رات گزار رہا تھا۔ اس کی میز پر ایک دوسرا آدمی بھی تھا.... یہ رگبی اسپورٹرز کا اینگلو انڈین منیجر مسٹر پارکر تھا۔ دونوں وہسکی پی رہے تھے۔

"مسٹر پارکر....!" حمید لہک کر بولا۔ "میں تو مر گیا.... ہائے۔"

"میں بھی مر گیا.... میرے پیارے.... ہائے۔" پارکر نے اس کی نقل اتاری۔

"کبھی تمہیں کسی سے عشق بھی ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں! وہ میری بیوی کی خالہ تھی۔" پارکر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تمہاری فرم میں تو بڑی زوردار لڑکیاں ہوں گی۔"

"ہاں ہیں تو.....!"

"ان میں سے کسی کو چاہتے ہو۔"

"نہیں کسی کو نہیں.....وہ سب عاشق دار ہیں۔"

"عاشق دار.....کیا۔"

"سب عاشق رکھتی ہیں۔"

"کوئی اینگلو انڈین بھی ہے۔" حمید نے پوچھا۔ "اینگلو انڈین لڑکیاں بڑی دلکش ہوتی ہیں۔"

"اوں ہوں.....مجھے تو کالی لڑکیاں پسند ہیں۔ بالکل کالی۔"

"تم بہت ڈر ڈر کر پیتے ہو۔" حمید اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

"ہشت.....!" پارکر اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ "مجھ سے بڑا پیکڑ اس شہر میں نہ ہوگا۔"

حمید نے اس کے خالی گلاس میں چوتھائی بوتل ڈال دی۔

"پیکڑ تو خالص پیتے ہیں۔" حمید رک رک کر بولا۔ "مجھے نشہ ہو رہا ہے اور جب مجھے بھی نشہ ہوتا ہے تو ہر چیز گڈمڈ دکھائی دیتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے تمہارے پیر سر پر رکھے ہوں۔ اف فوہ آج تم بڑی عمدہ یلایلیاں دکھائی دے رہی ہیں۔"

پارکر ادھر ہی دیکھنے لگا جدھر حمید نے اشارہ کیا تھا۔ اس دوران میں حمید کے داہنے ہاتھ نے ایک دوسری حرکت کی۔ پارکر کو پتہ بھی نہ چلا ایک سفید رنگ کے سفوف نے اس کی شراب کو کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔

"مگر ان میں ایک بھی کالی نہیں۔" پارکر نے حمید کی طرف مڑ کر کہا اور پھر اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہو گیا.....ابھی گلاس ہونٹوں تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک آدمی نے ٹھوکر کھائی اور اس پر آ رہا۔ گلاس ہاتھ سے گر کر چور چور ہو گیا۔

"معاف کیجئے گا۔" وہ آدمی گڑگڑا کر بولا۔ "مجھے دراصل چکر آ گیا تھا۔"

پارکر اسے چند لمحے حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "کوئی بات نہیں۔"

اجنبی ایک بار پھر معافی مانگ کر آگے بڑھ گیا..... لیکن سرجنٹ حمید کی نظریں عجیب انداز میں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

"اچھا دوست.....اب مجھے اجازت دو۔" پارکر اٹھتا ہوا بولا۔ "میرے آفس میں لوسی نام کی کوئی لڑکی کبھی نہیں تھی۔ آج کل کی لڑکیاں بڑی سور ہوتی ہیں۔ وہ ہمیشہ تمہاری جیب کاٹیں گی اور کسی مویشی خانے کا پتہ بتا دیں گی۔ تمہارے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ اب کبھی کسی اینگلو انڈین سے عشق نہ کرنا.....کیا سمجھے.....ہمیشہ کالی لڑکیاں.....کالی لڑکیاں.....کالی لڑکی ایک کالی لڑکی وہ.....اور کالی لڑکی تین.....ناؤ گڈ بائی۔"

پارکر بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ حمید نے اسے کلب کی عمارت سے باہر جاتے دیکھا لیکن وہ اجنبی ابھی ہال ہی میں موجود تھا جس نے پارکر پہ گر کر اس کی ساری اسکیم خاک میں ملا دی تھی۔

اسے یقین تھا کہ اس نے دیدہ دانستہ ٹھوکر کھائی تھی شاید وہ خاص طور سے اس کی حرکتوں کو دیکھتا رہا تھا.....اور پھر اسے پارکر کا رویہ بھی یاد آ گیا۔ اس نے اس واقعے کے بعد اجنبی کو ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے وہ نہ صرف اُسے پہچانتا رہا ہو بلکہ اس سے بے تکلف بھی رہا ہو۔ لیکن پھر اجنبی کا رویہ دیکھ کر وہ اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔

حمید نے اجنبی کو باہر جاتے دیکھا اس نے فوراً ہی فیصلہ کیا کہ اُسے اس کا تعاقب کرنا چاہئے۔ لیکن وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ اس نے اپنے داہنے شانے پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا۔ وہ چونک کر مڑا۔ فریدی کی ملامت آمیز نظریں اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔ حمید بیٹھ گیا۔

دیکھئے میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔" حمید نے کہا۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "مجھے آپ کی مصروفیات کا علم ہے۔"

دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو تیز نظروں سے گھورتے رہے پھر فریدی بولا۔ "تمہاری جلد بازی کی عادت سے میں تنگ آ گیا ہوں۔ آخر اس کی شراب میں خواب آور دوا ملانے کی کیا ضرورت تھی اس نے تمہیں بتا دیا تھا کہ اس کے آفس میں لوسی نام کی کوئی لڑکی نہیں تھی۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔"

"مجھے اس کے بیان پر شبہ تھا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"خوب! اور تم اسے بیہوش کر کے اپنا شبہ دور کرنا چاہتے تھے۔ کیا اسی پر لوسی ہونے کا شبہ تھا۔"

"جہنم میں گئی لوسی۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے مت بور کیجئے۔"

"اور دوسری بات یہ کہ آج پھر تم نے شراب پی ہے۔" فریدی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"زہر تو نہیں پیا۔ میں کسی دن پیتے پیتے مر جاؤں گا۔ مگر نہیں میں جینا چاہتا ہوں اپنی محبوبہ کی خاطر۔"

اس نے جیب سے سفید رنگ کی چوہیا نکال کر ہتھیلی پر رکھ لی۔ پھر اُسے مخاطب کر کے بولا

"تم بہت اچھی ہو میری جان۔ میں تمہارے لئے جیوں گا بس....!"

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"یہ صرف ایک چوہیا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے سینکڑوں سانپ کیوں پال رکھے ہیں۔ آپ کے پاس درجنوں کتے ہیں۔ آپ بھانت بھانت کے پرندے کیوں اکٹھا کرتے ہیں۔"

"بکو مت! احمق کہیں کے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ پھر وہ حمید کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ حمید کے ہونٹوں پر بڑی نشیلی سی مسکراہٹ تھی۔

رنگی امپورٹرز کے دفتر کے اوپر والے کمرے میں جہاں ایک پُر اسرار مشین فٹ تھی۔ وہی اجنبی کھڑا ہوا تھا جس نے ہائی سرکل نائٹ کلب میں پارکر کو حمید کی شراب پینے سے باز رکھا تھا۔ سامنے والی دیوار پر مشین ابھری ہوئی تھی۔

"ہاں تو مسٹر ضرغام....!" مشین سے آواز آئی۔ "یہ پارکر پرلے سرے کا گدھا ہے۔"

"جی ہاں! اگر میں دفعتاً دخل انداز نہ ہوتا تو اس نے وہ شراب پی ہی لی ہوتی۔" ضرغام نے کہا۔

"دیکھو اب اس فریدی کو ٹھکانے ہی لگا دینا چاہئے کیونکہ یہ آہستہ آہستہ ہماری راہ کو لگ رہا ہے۔"

"جب کہئے۔ اسے مار ڈالنا مشکل نہیں۔ میں تو آج ہی اس کا خاتمہ کر سکتا تھا۔"

"نہیں مسٹر ضرغام۔ ایسا نہ کہو۔ اس کا داہنا ہاتھ بڑا خطرناک ہے چاہے وہ خالی ہو چاہے اس میں ریوالور دبا ہوا ہو۔"

"آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔" ضرغام بولا۔

"میں جانتا ہوں! تم بہت مناسب آدمی ہو۔" مشین سے آواز آئی۔

"شاید یہ آفس تمہیں کو سنبھالنا پڑے۔"

"کیا میں وجہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔" ضرغام نے کہا۔

"کیوں نہیں۔" مشین سے آواز آئی۔ "میں ہوشیار آدمیوں کی بدتمیزی بھی برداشت کر لیتا ہوں۔ پارکر بیوقوف ہے۔ تم جانتے ہو کہ بیوقوف آدمی کتنا مخدوش ہوتا ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" ضرغام نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

"تم بہت دانشمند آدمی ہو۔ میں ایسے آدمیوں کی قدر کرتا ہوں.... اچھا خیر۔ رائفلوں کی سپلائی کب شروع کرو گے۔"

"آپ سن کر خوش ہوں گے۔" ضرغام فخر سے سینہ تان کر بولا۔ "میں نے ایک دوسرا راستہ دریافت کر لیا ہے۔ اور میرا دعویٰ ہے کہ اس تک کسی کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ میں نے اپنے آدمی کام پر لگا دیئے ہیں۔ کیا آپ کے سامنے نقشہ موجود ہے۔"

"ہاں.... ہاں! میں دیکھ چکا ہوں تم بتاؤ۔" مشین سے آواز آئی۔

"تالا چاری کے جنگل کے اوپر دیکھئے۔ اوپر کی طرف رتن لام سے چار میل مشرقی جانب ایک پہاڑی نالا ہے۔ اس سے مغربی جانب کی دشوار گزار چٹانوں میں ایک رخنہ بنا لیا ہے لوگوں کا خیال ہے وہ نالا چٹانوں کی دوسری طرف تک اسی دراڑ میں بہتا ہے۔ لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ وہ نالا تھوڑی دور چل کر ایک گہری کھڈ میں گر جاتا ہے اور بقیہ دراڑ بالکل خشک ہے۔ جو تنگانہ کے مقام پر پہنچ کر گھنی جھاڑیوں میں چھپ گئی ہے۔ کہئے یہ راستہ کیسا ہے۔"

"بہت اچھے! بہت اچھے۔" مشین سے آواز آئی۔ "تم بہت جلد ایک بڑا رتبہ حاصل کرنے والے ہو۔ اس سے زیادہ فی الحال اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اچھا پارکر کو یہاں لے آؤ۔ اور پھر دروازہ باہر سے مقفل کر دو۔ اور ہاں ایک بڑا صندوق بھی تیار رکھنا۔"

تھوڑی دیر بعد پارکر اس کمرے میں نظر آ رہا تھا۔ وہ اس وقت بہت خوفزدہ انداز میں چونک کر پیچھے کی طرف مڑا جب اس نے باہر قفل میں چابی گھومنے کی آواز سنی۔

"مسٹر پارکر....!" مشین سے آواز آئی۔

"یس باس! یس باس...." وہ گھبراہٹ میں فرش کی طرف جھکتا چلا گیا۔

"تم بہت نیک آدمی ہو۔"

"او.... ہو.... ہو! لیس باس۔"

"اور نیک آدمی کی جگہ جنت ہے۔" مشین سے آواز آئی۔

"ہائیں۔" پارکر لرزتا ہوا بولا۔ "میرا قصور۔"

"کچھ نہیں! میں تم سے بہت خوش ہوں اسلئے تمہیں پنشن دی جاتی ہے۔ آج سے آرام کرو۔" پارکر چیخ مار کر دروازے کی طرف بھاگا اور بدحواسی میں دروازے پر گھونسے مارنے لگا۔

"ٹھہرو! ڈرو نہیں۔" مشین سے آواز آئی لہجہ نرم تھا۔ "تم بہت آرام سے مرو گے۔ ہر شخص پرسکون موت کی تمنا کرتا ہے۔ خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہت آرام سے دم نکلے گا۔"

دفعتاً مشین کے ایک سوراخ سے دھواں نکلنے لگا۔ پارکر چیخ مار کر مشین کی طرف جھپٹا لیکن اسی سوراخ سے لاتعداد چنگاریاں نکل کر اس کے منہ پر پڑیں۔ وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا۔

کمرہ دھوئیں سے بھرتا جارہا تھا اور پارکر کھانس کھانس کر پچھاڑیں کھا رہا تھا۔ پھر اس کے گرد دھوئیں کی تہہ اتنی گہری ہوگئی کہ وہ اس میں چھپ گیا۔ اب اُسے کھانسی بھی نہیں آرہی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے خود ہی اپنا گلا گھونٹ رہا تھا اور اس کی آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔

کمرے کا دھواں پھر مشین کے اُسی سوراخ کی طرف واپس جارہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کمرے کی اُجلی دیواریں پہلے کی طرح چمکنے لگیں۔ پارکر چاروں خانے چت فرش پر پڑا تھا۔

خوفناک سازش

فریدی مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا اور وہ پچھلی رات ہی سے حمید سے ناراض تھا۔ رک کر حمید کی طرف مڑا جو نہایت انہماک سے اپنی پالتو چوہیا کے سر پر انگلی پھیر رہا تھا۔

"تم نے اپنی حرکت سے انہیں ہوشیار کردیا۔"

"دیکھئے جناب۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ نے اس سلسلے میں مجھے کوئی خاص ہدایت نہیں دی تھی۔"

"کیا میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں تھا کہ راہل میرے ہی ایماء پر جیل سے نکالا گیا ہے! راہل کوئی معمولی مجرم نہیں تھا اس نے درجنوں قتل کئے تھے اور فرار کے بعد بھی اس نے

کانسٹیبل کی جان لے لی اور وہ نہ جانے کتنے خون اور کرے گا۔"

"اور وہ سارے خون آپ کی گردن پر ہوں گے۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "بہرحال میں آپ کے سر میں تو بیٹھا نہیں رہتا۔ مجھے کیا معلوم کہ آپ کی کیا اسکیم ہے اور سنئے! میں آج صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جب تک مجھے پورے حالات سے باخبر نہ رکھا جائے گا میں کسی کام میں ہاتھ نہ لگاؤں گا۔"

فریدی پھر ٹہلنے لگا۔ چوہیا حمید کی جیب میں کود گئی تھی اور اب وہ اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی رک کر آہستہ سے بولا۔ "میں تمہیں سب کچھ بتانا چاہتا تھا لیکن اس کا موقع ہی نہ مل سکا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے دانتوں میں پائپ دبایا اور اُسے سلگانے لگا۔

"کیا تم بھول گئے کہ راہل کن حالات میں گرفتار ہوا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے، وہ ایسے ٹرک پر بیٹھا ہوا پایا گیا تھا جس میں رائفلیں بھری ہوئی تھیں۔"

"ٹھیک! اور گرفتار ہوجانے کے بعد انتہائی تشدد کے باوجود بھی اس کے متعلق کوئی تسلی بخش بیان نہیں دیا تھا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ شمالی مشرقی علاقے کے کچھ قبائل نے مسلح بغاوت کردی ہے اور دشوار گزار پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے ان پر ابھی تک قابو نہیں پایا جاسکا۔"

"تو وہ رائفلیں....!" حمید بول پڑا۔

"سنتے جاؤ۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "راہل اس ٹرک سمیت گرفتار کرلیا گیا تھا چونکہ وہ بہت بڑے بدمعاشوں میں سے تھا اس لئے یہی سوچا گیا کہ وہ شاید کسی بڑے ڈاکے کا اہتمام کررہا تھا۔ لیکن کچھ دن بعد کم از کم مجھے اپنا خیال تبدیل کردینا پڑا۔ آج سے ایک ماہ قبل میں ملٹری ہیڈ کوارٹر میں کرنل رگھوبیر کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آفیسر باغی قبائیلیوں کے کچھ اسلحے لایا جن میں ایک رائفل بھی تھی اور وہ ہو بہو اسی ساخت کی تھی جس ساخت کی رائفلیں راہل کے ٹرک میں پائی گئی تھیں۔"

"اوہ....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ راہل ہی قبائیلیوں کو اسلحہ سپلائی کررہا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ کسی کے لئے کام کر رہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے پہلے میں نے بھی یہی سمجھا تھا لیکن اب یہ خیال قطعی بدل دیا ہے۔ اگر وہ اس کا ذاتی کام ہوتا تو اسے سر جگدیش کو بلیک میل نہ کرنا پڑتا۔"

"سر جگدیش تو بڑا نیک آدمی ہے۔ آخر اسے کس معاملے میں بلیک میل کیا جاسکتا ہے۔"

"ایک قطعی غیر اہم معاملہ۔" فریدی نے کہا۔ "سر جگدیش کو اپنی بیوی کی بہن سے عشق ہو گیا تھا۔ ویسا عشق جس کے تم قائل ہو۔ بہر حال راہل کے پاس ان دونوں کی ایک تصویر ہے جس سے سر جگدیش کی نیک نامی پر دھبہ لگ سکتا ہے۔ راہل اسے سالہا سال سے بلیک میل کر رہا ہے۔ سر جگدیش اس کا منہ بند رکھنے کے لئے اُسے ہر ماہ ایک اچھی خاصی رقم دیتا ہے۔"

"کیا سر جگدیش نے آپ کو بتایا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں اس تذکرے کو یہیں چھوڑو۔ کیونکہ یہ قطعی غیر اہم ہے۔ میں تو اُن رائفلوں کی بات کر رہا تھا.... ہاں تو مجھے یقین ہے کہ راہل کسی دوسرے آدمی کے لئے یہ کام کر رہا تھا اور اب ہمیں اس آدمی کی تلاش ہے۔ راہل ایک چھوٹی مچھلی ہے، جو اس بڑی مچھلی کو پھنسانے کے لئے چارے کے طور پر پھینکی گئی ہے۔"

"آپ کو یہ ساری باتیں پہلے ہی بتانی چاہئے تھیں۔" حمید نے کہا۔ "کیا یہ معاملہ ہمارے محکمے کے علم میں ہے۔"

"صرف تین آدمی جانتے ہیں۔ میں، ڈی آئی جی اور آئی جی! چوتھے تم ہو۔ ان دونوں آفیسروں کے علم میں لائے بغیر راہل کا فرار ناممکن ہو جاتا۔"

"ہوں.... اور ابھی تک اس بڑی مچھلی پر آپ کی نظر نہیں پڑی۔"

"نہیں!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "وہ بڑی مچھلی فی الحال ٹیڑھی کھیر ہے۔ راہل بھی بہت زیادہ احتیاط برت رہا ہے۔ اس نے ابھی تک اس بڑی مچھلی کی طرف رخ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اب وہ بڑی مچھلی ہی محتاط ہو گئی ہو۔"

"اگر یہ بات ہے تب تو راہل کو جیل سے نکالنا ہی بیکار ثابت ہوا۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اب مجھے بھی یہی سوچنا پڑ رہا ہے۔" فریدی بولا۔ "خیر دو چار دن اور دیکھتا ہوں۔ اُس کے

بعد راہل کو پھر اس کی جگہ پہنچا دیا جائے گا۔"

"لیکن ان دو چار دنوں میں وہ دو چار کیا درجنوں خون کر ڈالے گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر ٹہلنے لگا۔ حمید نے پچھلے کئی ماہ سے اُسے اتنا متفکر نہیں دیکھا تھا جتنا وہ ان دنوں تھا۔

رنگی امپورٹرز کے دفتر میں دو کلرک گفتگو کر رہے تھے۔

"سنا ہے مسٹر پارکر ایک طویل رخصت پر اچانک انگلینڈ چلے گئے ہیں۔"

"اوہو! یہ کب۔"

"غالباً یہ پچھلی رات کی بات ہے اور اب مسٹر ضرغام نمبر چار والے اس آفس کی دیکھ بھال کریں گے۔"

"ضرغام! خدا محفوظ رکھے۔ وہ تو بڑا سخت آدمی ہے۔"

اچانک گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا کیونکہ ضرغام آفس میں داخل ہو کر منیجر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ یہ ایک گٹھیلے جسم کا پست قد آدمی تھا اور اس کے خدوخال اس کی سفاک طبیعت کی غمازی کر رہے تھے۔

وہ چند منٹ تک بے حس و حرکت پارکر کی کرسی پر بیٹھا رہا پھر اس نے گھنٹی بجائی دوسرے لمحے میں چپراسی اندر آیا۔

"ان دونوں آدمیوں کو بھیج دو جو ابھی دروازے کے پاس کھڑے تھے۔" اس نے چپراسی سے کہا۔

چپراسی چلا گیا اور ضرغام پارکر کی تصویر کی طرف دیکھنے لگا جو سامنے ہی لگی ہوئی تھی۔ ضرغام نے خود پچھلی رات کو پارکر کی لاش ٹھکانے لگائی تھی۔ لیکن اس وقت اس کی تصویر پر نظر پڑتے ہی اس نے جھرجھری لی۔ مطلوبہ آدمی کمرے میں پہنچ گئے تھے۔ ضرغام نے ان پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے کچھ لکھنے میں مشغول ہو گیا۔

ان میں سے ایک کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور دوسرا کچھ حوصلہ مند نظر آ رہا تھا۔ ضرغام قلم رکھ کر اُن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے باری باری سے دونوں کے چہروں کو

دیکھ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"تم دونوں یہاں کب سے ہو؟" ضرغام نے پوچھا۔

"میں تین سال سے اور یہ دو سال سے۔" ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہارے نام۔"

"میں ارجن ہوں اور یہ جمیل۔" اسی نے پھر جواب دیا۔

"تعلیم....!"

"ہم دونوں گریجویٹ ہیں۔"

"تجربہ۔" ضرغام نے انہیں گھور کر کہا۔ "سوچ سمجھ کر جواب دینا۔"

"میں نے ایک قتل کیا تھا۔" ارجن لاپروائی سے بولا۔

"خوب اور تم....!"

"میں نے۔" جمیل ہچکچایا۔ "میں نے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ میں نے ایک حرامی نوزائیدہ بچے کا گلا گھونٹ دیا تھا۔"

"ہوں.... اچھا.... آج رات تمہیں سفر کرنا ہوگا۔ شمال مشرقی علاقے کا۔ گونگال کے اسٹیشن پر ایک سیاہ رنگ کی وین جس پر سور کا سر بنا ہوگا تمہیں کام پر لے جائے گی۔ کیشئر سے دو دو ہزار روپے لے لو۔ یہ سفر خرچ ہے۔ معزز آدمیوں کی طرح سفر کرنا۔"

ضرغام نے دو کاغذ ان کی طرف بڑھا دیئے اور وہ انہیں لے کر ضرغام کو سلام کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔

ضرغام تھوڑی دیر تک خاموشی سے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے فون کا ریسیور اٹھایا دوسرے لمحے میں وہ کسی کو ڈائیل کر رہا تھا۔ "ہیلو.... کون.... بھیڑیئے کو فون پر بلاؤ.... ہیلو.... کون بھیڑیئے! اچھا.... میں سور بول رہا ہوں۔ آر.... آتی.... ہاں میں اب میں یہیں ہوں.... دیکھو دو آدمی بھیج دو.... اپنی ہی طرح کے.... سمجھے! بہت خوب۔"

❋

سرجنٹ حمید جاوید بلڈنگ سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا اسٹ ریستوران کی نگرانی کر رہا تھا۔ اُسے دراصل فریدی کے قول کی تصدیق کرنی تھی۔ وہ ایک مرتبہ اسے اندر سے بھی دیکھ چکا

تھا۔ اس ریستوران میں صرف دو کمرے تھے۔ ایک باہر کا بڑا کمرہ جہاں گاہک بیٹھتے تھے اور دوسرا اندرونی کمرہ جسے دو حصوں میں بانٹ کر ایک حصے میں باورچی خانہ بنا دیا گیا تھا اور دوسرے میں.... دوسرے تک حمید کی نظروں کی بھی رسائی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کا دروازہ بند تھا۔

حمید اس وقت ایسی جگہ پر کھڑا تھا جہاں سے نہ صرف باہری کمرہ بلکہ اندرونی کمرہ کا دروازہ بھی صاف نظر آرہا تھا۔ گاہکوں کے بیٹھنے کا کمرہ بالکل خالی تھا اور حقیقتاً یہ ایک ایسا ہی موقع تھا جب حالات سازگار ہی رہنے کی بناء پر فریدی کے قول کی تصدیق کی جا سکتی تھی۔

اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اندرونی کمرے کا دروازہ کھلا اور دو خوش پوش آدمی برآمد ہوئے۔ حمید الیکٹرک پول پر پیر رکھ کر اس طرح جھکا جیسے وہ اپنے جوتے کے فیتے باندھ رہا ہو۔ حالانکہ وہ اس وقت میک اپ میں تھا لیکن پھر بھی وہ کسی احتیاطی تدبیر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ دونوں ریستوران سے نکل کر فٹ پاتھ پر آئے۔ حمید فیتے باندھ کر چل پڑا۔ قریب ہی ایک بک ڈپو تھا جس کے سامنے اس نے اپنی موٹر سائیکل کھڑی کی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر ایک شوکیس پر جھک گیا جس میں کتابیں لگی ہوئی تھیں۔ اس شوکیس کے مقابل ایک الماری تھی جس میں ایک بڑا سا آئینہ نصب تھا۔ حمید نے اطمینان کا سانس لیا وہ دونوں اس آئینے میں صاف نظر آرہے تھے۔

انہوں نے ایک ٹیکسی رکوائی.... اور پھر جب ٹیکسی کافی دور نکل گئی تو حمید نے اپنی موٹر سائیکل سنبھالی۔ بہر حال اس دوڑ دھوپ کا یہ نتیجہ نکلا کہ حمید کو مایوسی نہیں ہوئی۔ ان دونوں کی منزل رنگی امپورٹرز کا آفس تھا.... اور رنگی امپورٹرز کا آفس ایسا نہ تھا جسے حمید آسانی سے نظر انداز کر دیتا۔ اُسے رکنا پڑا کیونکہ خالی ٹیکسی دفتر کے سامنے اب بھی کھڑی ہوئی تھی۔ حمید ان کا منتظر رہا۔ وہ جلد ہی واپس آگئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس تھا جس کے اٹھانے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کافی وزنی ہو۔

ٹیکسی پھر چل پڑی.... حمید بدستور اس کے تعاقب میں رہا۔ اب یہ ٹیکسی ماڈرن الیکٹرک سپلائی کے سامنے رک گئی۔ وہ دونوں اترے، کرایہ ادا کیا اور اندر چلے گئے۔ حمید سوچ میں پڑ گیا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ لوگ یہاں کسی کام سے آئے ہیں یا اس الیکٹرک

سپلائی کمپنی کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہے۔

مختلف قسم کی الجھنوں میں پندرہ بیس منٹ گذر گئے اور حمید اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ الجھن اس کے لئے بڑی سود مند ثابت ہوئی اگر وہ وہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیتا تو خدا ہی جانے کیا ہوتا۔

بہر حال شاید بیس منٹ بعد اُس نے ان دونوں کو پھر دیکھا اور اس بار سچ مچ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ دونوں ذی حیثیت آدمی معمولی قلیوں کی نیلی وردی میں ملبوس الیکٹرک کمپنی سے بر آمد ہوئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں وہی سوٹ کیس اب بھی تھا جسے لے کر وہ رنگی امپورٹرز کے دفتر سے چلے تھے۔ باہر سڑک پر الیکٹرک سپلائی کمپنی کی سیاہ رنگ کی وین کھڑی تھی۔ سوٹ کیس اس میں رکھ دیا گیا اور وہ دونوں اگلی نشست پر جا بیٹھے۔ انہیں میں سے ایک وین کو ڈرائیو کر رہا تھا۔

حمید کی موٹر سائیکل پھر ان کے پیچھے لگ گئی۔

تھوڑی دیر بعد الیکٹرک سپلائی کمپنی کی وین، ہائی سرکل نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

ساری بات حمید سمجھ میں آگئی۔ آج ہائی سرکل نائٹ کلب میں ایک عظیم الشان دعوت تھی جو شہر کے ایک بڑے سرمایہ دار کی طرف سے ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ کے اعزاز میں دی گئی تھی۔ شہر کی مقتدر ہستیاں مدعو تھیں۔ کلب کی عمارت سجائی جارہی تھی۔ غالباً الیکٹرک سپلائی کمپنی کو روشنی کے انتظام کا ٹھیکہ دیا گیا تھا۔ لیکن راہل کے آدمی؟.... اس کا سر چکرا گیا.... دوسرے لمحے میں وہ ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کی طرف بھاگ رہا تھا۔

رات بڑی خوشگوار تھی اور ہائی سرکل نائٹ کلب کی عمارت، نیلی پیلی، سبز اور سرخ روشنیوں میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔ عمارت کے اندر ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ تشریف رکھتے تھے۔ ان کے گرد شہر کی مقتدر ہستیوں کا ہجوم تھا اور کمپاؤنڈ کے چپے چپے پر پولیس تھی لیکن الیکٹرک سپلائی کمپنی کے دونوں مستریوں پر کسی کی نظر نہیں تھی.... لیکن نہیں....! ان میں ایک آدمی ایسا تھا جس نے شروع ہی سے ان پر نظر رکھی تھی۔ یہ سرجنٹ حمید تھا۔

وہ دونوں اس بات سے قطعی بے خبر تھے.... اور انہوں نے بھی وہ کام نہیں شروع کیا تھا جس کے لئے وہ بھیجے گئے تھے۔ جب سارے مہمان آچکے اور انہیں اطمینان ہو گیا کہ اب کمپاؤنڈ میں کسی کا داخلہ نہیں ہوگا تو انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا.... اور یہی وہ وقفہ تھا جس میں وہ سرجنٹ حمید کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ چونکہ اُس نے صبح ہی سے ان پر نظر رکھی تھی لہٰذا ان کے غائب ہوتے ہی وہ گہری تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ وہ اکیلا کیا کرتا۔ اس نے تو دوپہر ہی کو فریدی سے فون پر سارا حال کہہ دیا تھا۔ لیکن فریدی نے اس کے جواب میں اسے ہدایت دی تھی کہ وہ خاموشی سے ان پر نظر رکھے۔ محکمے کے کسی دوسرے آدمی سے ان کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں.... اور اب اس وقت جب وہ تھوڑی دیر کے لئے اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئے تو اُسے فریدی پر بُری طرح تاؤ آنے لگا۔ تاؤ آنے کی ایک دوسری وجہ اور بھی تھی۔ فریدی بھی اس دعوت میں مدعو کیا گیا تھا۔ اور اس وقت حمید کے خیال کے مطابق اندر گلچھڑے اڑا رہا تھا۔ اندر بڑی بڑی حسین لڑکیاں تھیں اور دنیا کی ہر حسین لڑکی کا حقدار حمید باہر جھک مار رہا تھا۔

اس جھک مارنے کے دوران میں اُسے دونوں آدمیوں کا سوٹ کیس یاد آیا جسے انہوں نے کمپاؤنڈ میں ایک کونے میں اُگی ہوئی مالتی کی بے ترتیب جھاڑیوں میں چھپا دیا تھا۔ حمید نے سوچا کیوں نہ چل کر اس سوٹ کیس کی تلاشی لی جائے۔ آخر وہ اس میں کیا لئے پھر رہے ہیں۔

یہ جھاڑیاں کچھ ایسی جگہ پر تھیں جہاں بالکل اندھیرا تھا اور یہ جگہ عمارت سے کافی دور تھی۔

حمید چہار دیواری سے چپکا ہوا ان کی طرف بڑھنے لگا لیکن وہ ان کے قریب پہنچ کر بھی اندر نہ گھس سکا کیونکہ وہ دونوں جھاڑیوں میں موجود تھے ان میں سے ایک کہہ رہا تھا "تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا.... کار اسی کی تھی نا۔"

"یار تم مجھے بچہ کیوں سمجھتے ہو۔" دوسرا بولا۔ "اتنی کاروں میں ایک کے علاوہ دوسری کیڈیلاک نہیں ہے۔"

حمید کے کان کھڑے ہوگئے۔

"خیر! اچھا تو دیکھو۔" پہلے نے کہا۔ "جیسے ہی میں ٹاور کے پاس والے درخت سے سرخ روشنی دکھاؤں تم پھرتی سے سوئچ دبا کر نکل بھاگنا۔"

"اور تمہارا کیا بنے گا؟" دوسرا بولا۔

"اس کی فکر نہ کرو! دھماکے کے بعد کسی کے بھی ہوش بجا نہ رہیں گے۔ میں نکل آؤں گا۔"

"اچھا تو فتح....!" دوسرے نے کہا۔

"فتح....!" پہلا بولا اور جھاڑیوں سے رینگ کر دوسری طرف چلا گیا۔

دفعتاً ایک خیال بجلی کی طرح حمید کے ذہن میں کوندگیا اور اس کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ وہ بڑی تیزی سے اپنی جگہ سے ہٹا۔ یہ حقیقت تھی کہ سینکڑوں کاروں میں ایک کے علاوہ دوسری کیڈیلاک نہیں تھی.... اور یہ کیڈی لاک فریدی کی تھی۔

کچھ کاریں اندر کمپاؤنڈ میں تھیں اور کچھ باہر سڑک پر تھیں۔ فریدی کی کیڈی اندر ہی تھی اور ایسی جگہ کھڑی تھی جہاں دوسری کاریں بھی تھیں لیکن کیڈی اندھیرے میں تھی۔ پائیں باغ کی دیوار سے بالکل ملی ہوئی۔

حمید کو ایک مستری دکھائی دیا جو ٹاور کے قریب والے درخت کی طرف جا رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کے لئے وقت کم تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اس وقت تک اس مستری کو دیکھتا رہا جب تک کہ وہ کافی دور نہیں نکل گیا۔ پھر وہ اس طرف چل پڑا جدھر کیڈی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے پہلے تو کیڈی کے اندر اچھی طرح دیکھ بھال کی۔ لیکن جب کوئی چیز نہ ملی تو وہ بے تحاشہ زمین پر لیٹ کر اس کے نیچے رینگ گیا۔ اس کی چھوٹی سی ٹارچ اس کے ہاتھ میں تھی۔

اور پھر اسے جو کچھ نظر آیا اس نے اس کی رگوں کا خون منجمد کر دیا۔ کیڈی کے نیچے ڈائنا میٹ رکھا ہوا تھا اور اس سے لگے ہوئے تار کا سلسلہ شاید اس جھاڑی تک چلا گیا تھا جہاں اس نے کچھ دیر قبل ان دو خطرناک آدمیوں کی گفتگو سنی تھی۔

کافی ٹھنڈک ہونے کے باوجود بھی اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرات ٹپک رہے تھے اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ڈائنا میٹ کا تار الگ کر دیا اور پھر سوچنے لگا کہ اُسے ہٹا کر کہاں لے جائے۔ دفعتاً اسے یاد آیا کہ کیڈی کی سٹپنی کی کنجی اسی کے پاس ہے۔ وہ ڈائنا میٹ کو احتیاط سے اپنے ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے باہر رینگ آیا۔ اسٹپنی کھولی اور اُسے بہ آہستگی ایک طرف رکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔

"کیا وہ اُن دونوں کو پکڑ لے؟" یہ سوال بڑی شدت سے اس کے ذہن میں گونج رہا تھا لیکن وہ فریدی سے مشورہ لئے بغیر کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس نے بڑی سختی سے اُسے کسی ایسے اقدام

سے روک دیا تھا جو اُس کے مشورے کے بغیر کیا جائے۔

دعوت ختم ہوئی۔ کاریں ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگیں۔ جب فریدی اپنی کیڈی پر بیٹھا تو ٹاور کے قریب والے درخت پر ایک سرخ رنگ کا بلب بار بار جلنے اور بجھنے لگا۔ حمید یہ تماشا دیکھنے کے لئے رک گیا تھا۔ بلب جلتا اور بجھتا ہی رہا۔ لیکن فریدی کی کیڈی فراٹے بھرتی ہوئی پھاٹک سے باہر نکل گئی۔

حمید کا دل چاہا کہ چونی والے فلم بینوں کی طرح تالیاں پیٹنا شروع کر دے۔ اس نے خود اپنی پیٹھ ٹھوکنے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ دفعتاً کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور ٹاور کے قریب والے درخت سے ایک لاش زمین پر آگری۔ یہ الیکٹرک سپلائی کمپنی والے مستری کی لاش تھی۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔

حمید بے تحاشہ اس جھاڑی کی طرف بھاگ رہا تھا جہاں دوسرا مستری تھا.... اور وہاں پہنچ کر اُسے دوسری لاش نظر آئی۔ دوسرے مستری کو کسی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا نہ تو وہاں ڈائنا میٹ کا تار تھا اور نہ وہ بیٹری تھی جس کے ذریعہ ڈائنا میٹ سے فریدی کی کار اڑائی جانے والی تھی۔

گلا گھونٹنے والی

دوسری صبح بڑی خوشگوار تھی۔ سرجنٹ حمید بے چینی سے فریدی کے کمرے کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ فریدی بیدار ہو گیا ہوگا۔ وہ دراصل اس لئے بے چین تھا کہ جلد از جلد فریدی کو اپنی کارگزاریوں کی اطلاع دے سکے۔ پچھلی رات جب وہ واپس آیا تھا تو فریدی موجود نہیں تھا اس نے اس کا انتظار بھی کیا تھا لیکن وہ دیر تک اپنی نیند پر قابو نہیں پا سکا تھا۔

اب صبح صبح وہ چاہتا تھا کہ فریدی کے منہ سے اپنے لئے تعریفی جملے سن سکے۔ آخر جب معاملہ برداشت کی حد سے تجاوز کر گیا تو اس نے فریدی کی خواب گاہ کے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ اندر سے مقفل نہیں تھا اس لئے بڑی آہستگی سے دروازے کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا.... لیکن.... فریدی اندر موجود نہیں تھا.... بستر بے شکن تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے فریدی پچھلی رات اس پر لیٹا ہی نہیں۔

تکیے پر ایک لفافہ پڑا تھا۔ حمید نے جھک کر اُسے اٹھایا اور اس پر اپنا نام دیکھ کر اُسے چاک کرنے لگا۔

تحریر فریدی ہی کی تھی۔ اُس نے لکھا تھا۔

"حمید ڈیئر!

تمہارا بہت بہت شکریہ! تم نے پچھلی رات میری جان بچائی اور میں اس بات سے بھی خوش ہوں کہ تم نے یہ کام بڑی راز داری اور ہوشیاری سے انجام دیا۔ میں فی الحال کچھ دنوں کے لئے باہر جارہا ہوں اور پوچھو تو تمہارا اہم رول اسی نقطے سے شروع ہورہا ہے۔ غالباً تم سمجھ گئے ہوگے۔ وہ مجھ تک پہنچنے کے لئے تمہارا تعاقب کریں گے، لیکن تم قطعی ہراساں نہ ہونا۔ تمہارے لئے میک اپ وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں۔

کل واقعی تم نے کمال کردیا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد تم ہی میری جگہ لوگے۔

امید ہے کہ تمہاری چوہیا بعافیت ہوگی اس کے لئے ایک بوسہ اڑا رہا ہوں۔"

حمید نے خط پڑھ کر بڑے ڈرامائی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور یک بیک اس کے چہرے پر اس قسم کی سنجیدگی برسنے لگی جیسے وہ یک بیک بوڑھا ہوگیا ہو۔ اس نے معنی خیز انداز میں دوبارہ اپنے سر کو جنبش دی اور ایک پر وقار بوڑھے کی طرح آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے حقیقتاً ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور وہ سچ مچ فریدی کے بعد دنیا کا دوسرا سب سے بڑا سراغ رساں ہے۔

اس پر یہ حماقت آمیز سنجیدگی کافی دیر تک طاری رہی اور وہ ہر لحظہ کسی جاسوسی ناول کے آئیڈیل سراغ رساں کی طرح عجیب عجیب حرکتیں کرتا رہا۔

پھر اس نے صبح کا اخبار اٹھایا۔ پچھلی رات کے عجیب و غریب حادثہ کی خبر سر ورق پر ہی موجود تھی۔ اخبار کے رپورٹر کی خیال آرائیاں بڑی دلچسپ تھیں۔ لیکن وہ کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچا تھا۔ ماڈرن الیکٹرک سپلائی کمپنی کے کارکنوں کو بھی اس حادثے پر حیرت تھی۔ انہوں نے تسلیم کیا تھا کہ وہ دونوں مستری انہیں کی کمپنی کے متعلق تھے۔

اچانک حمید ایک نئی الجھن میں مبتلا ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کو پورے واقعات کا علم کیونکر ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ مستریوں کے قتل کی واردات کا علم اُسے رات ہی کے کسی حصے میں بعد

کو ہوگیا ہو۔ لیکن اُسے ڈائنامیٹ کا حال کیونکر معلوم ہوا۔ وہ تو اس وقت عمارت کے اندر تھا۔

حمید اٹھ کر گیراج کی طرف بھاگا۔ کیڈی کھڑی تھی۔ اس نے اسٹپنی کھولی۔ ڈائنامیٹ ٹھیک اسی جگہ پر موجود تھا جہاں اس نے اُسے پچھلی رات کو رکھا تھا۔

"عجیب بات ہے۔" حمید گردن جھٹک کر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اس نے اسٹپنی کو پھر مقفل کردیا۔"

کنگسن لین کی ایک عمارت میں جہاں زیادہ تر شہر کے متمول لوگ آباد تھے لوسی حیران و ششدر کھڑی تھی اور اس کے سامنے ایک سجیلا اینگلو انڈین کھڑا اُسے احمقوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔

"مادام لوسی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں پھر کہتا ہوں کہ آپ خطرے میں ہیں۔"

"میں سمجھتی ہوں۔" لوسی مضطربانہ انداز میں بولی۔ "میں جانتی ہوں! مسٹر پارکر کی طویل رخصت۔ مجھے یقین ہے کہ اُن سے ضرور کوئی غلطی ہوئی اور جس سے کوئی غلط سرزد ہوتی ہے وہ ایک طویل رخصت پر روانہ کردیا جاتا ہے.... مگر میں....!"

"کیا آپ سے غلطی نہیں ہوئی۔" اُس نے پوچھا۔

"نہیں مسٹر لوتھر! میری دانست میں تو نہیں۔" لوسی نے کہا۔

"پھر آپ پر پابندی کیوں لگائی گئی ہے۔" لوتھر بولا۔ "مجھ سے سنئے! آپ نے اس سراغ رساں کو آفس کا فون نمبر دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی۔"

"اوہ.... میں نے.... میں نے مسٹر پارکر کی ہدایت پر عمل کیا۔"

"لیکن مسٹر پارکر اس کا ثبوت پیش کرنے کیلئے طویل رخصت پر سے واپس نہیں آئیں گے۔"

"پھر میں کیا کروں۔" لوسی مایوسی سے بولی۔

"میں نہیں جانتا کہ اب آپ پر کوئی افتاد پڑے۔" لوتھر متوحش لہجے میں بولا۔ "لیکن مادام لوسی آپ مجھے اپنے خادموں میں سے پائیں گی۔ حالانکہ آپ مجھے ہمیشہ بدگوشت سمجھتی رہی ہیں۔"

"اوہ.... نہیں مسٹر لوتھر.... میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں۔"

"بس عزت ہی۔" لوتھر مایوسی سے بولا۔

"میں سمجھی۔" لوسی ذرا سا مسکرائی۔ "ٹھیک ہے! میں طویل رخصت پر پہنچنے کے بعد آپ کو شادی کی دعوت دوں گی۔"

"میری زندگی میں کوئی آپ کو آنکھ بھی نہیں دکھا سکتا مادام۔" لوتھر اکڑ کر بولا۔ "میں شام تک آپ کو یہاں سے نکال دوں گا۔ مطمئن رہئے۔ عمارت کی نگرانی کے لئے کوئی نہ کوئی باہر ضرور ہوگا۔ ضرغام خطرناک آدمی ہے اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے جنگلی سور یاد آجاتے ہیں۔"

"میں نے سنا ہے کہ وہ مسٹر پارکر کی جگہ کام کر رہا ہے۔" لوسی نے کہا۔

"یہ سچ ہے۔" لوتھر نے کہا۔ "اچھا مادام! اب میں چلا۔ شام کو یاد رکھئے گا۔ میں کسی کے قدموں کی آہٹ بھی سن رہا ہوں۔"

لوتھر دروازے سے گذر کر کمروں میں گم ہوگیا۔

لوسی بھی قدموں کی آہٹ سن رہی تھی۔ آہٹیں نزدیک ہوتی گئیں۔ پھر سامنے والے دروازے میں ایک صحت مند اور نوجوان لڑکی دکھائی دی۔ یہ بھی اینگلو انڈین ہی تھی اور لوسی سے کہیں زیادہ حسین تھی۔

"روشی....!" لوسی نے حیرت سے کہا۔ "تم یہاں کہاں؟"

"لوسی ڈیئر۔" روشی پُر جوش لہجے میں چیخی۔ "تم بھی یہیں ہو.... میں دراصل فی الحال تمہاری جگہ پر کام کر رہی ہوں۔ حالات ٹھیک ہو جانے پر میں پھر واپس چلی جاؤں گی۔ لیکن مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ تم بھی اس عمارت میں ہو۔ چلو اچھا ہے۔ مجھے یہیں قیام کرنے کو کہا گیا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے۔" لوسی ہنس پڑی۔ "تنہائی تو رفع ہوئی۔"

"اوہ.... مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔" روشی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں نے بھی ناشتہ نہیں کیا۔" لوسی بولی۔

ناشتہ کر چکنے کے بعد وہ دونوں پھر اُسی کمرے میں آبیٹھیں جس میں ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

"یہ شہر مجھے بہت پسند ہے۔" روشی کہہ رہی تھی۔

لوسی کچھ مضمحل سی نظر آرہی تھی۔ روشی نے دلچسپ باتیں چھیڑ دی تھیں۔ لوسی کبھی کبھی ہنس دیتی تھی لیکن اس کی یہ ہنسی بالکل بے جان ہوتی تھی۔

"تم کچھ مغموم نظر آرہی ہو۔" روشی نے کہا۔

"نہیں تو....!" لوسی زبردستی ہنس پڑی۔

"چھوڑو بھی۔" روشی نے ایک کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا۔ "جوانی کے لئے اداسی زہر ہے۔ تم تو

بہت ہنس مکھ لڑکی تھیں۔"

"میں اب بھی ہوں۔" لوسی بولی۔

روشی نے اپنے بیگ سے سگریٹ کیس نکال کر لوسی کی طرف بڑھایا۔

"اوہ شکریہ!" لوسی ایک سگریٹ لیتی ہوئی بولی۔ "تم ہمیشہ اچھے سگریٹ پیتی ہو۔"

روشی ذرا سی مسکرائی وہ بیگ سے آئینہ نکال کر اپنے بھنوؤں کے زائد بال چننے لگی تھی۔

"واقعی عمدہ سگریٹ ہیں۔" لوسی دو تین گہرے گہرے کش لے کر بولی۔ "بازار میں تو یہ انڈ نہیں ملتا۔"

"میرا ایک دوست وی آنا سے لایا ہے۔" روشی نے لاپروائی سے کہا۔ کچھ دیر تک خاموشی ہی پھر روشی نے آئینہ سامنے کئے ہوئے لوسی کو کن آنکھوں سے دیکھا لوسی اونگھ رہی تھی۔ اس نے اپنی بوجھل پلکیں اٹھاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شائد مجھے نیند آرہی ہے۔"

"تمباکو ذرا سخت ہے۔" روشی مسکرا کر بولی۔ "تم پورا مت پیو ورنہ چکر آجائے گا۔"

"اوہ تو کیا تم مجھے کمزور سمجھتی ہو۔" لوسی نے سوئی سوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "میں پورا پیوؤں گی۔"

اس نے پھر ایک گہرا کش لیا۔ پھر وہ پے در پے گہرے گہرے کش لیتی گئی چند لمحوں بعد اس کی گردن ڈھلک گئی اور دونوں ہاتھ کرسی کے نیچے جھول گئے گہری سانسوں کے ساتھ اس کا سینہ اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

روشی نے اپنا سامان سمیٹ کر بیگ میں رکھا اور پھر پوری عمارت کا چکر لگا آئی۔

اس کا چہرہ بڑا پُر سکون نظر آرہا تھا۔ دوبارہ بیگ کھول کر اس نے ایک بڑا سا ریشمی رومال نکالا.... اور پھر بے ہوش لوسی کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔

دوسرے لمحے میں وہ اُسی رومال سے لوسی کا گلا گھونٹ رہی تھی۔

لوسی ایک بار تڑپی۔ اس کا منہ کھل گیا اور آنکھیں اُبل پڑیں۔ لیکن چہرہ بے جان تھا۔ وہ ربڑ کی اس گڑیا سے بہت مشابہ تھی جس کا پیٹ دباتے ہی منہ کھل جاتا ہے اور آنکھیں پھیل جاتی ہیں۔ روشی ایک جھٹکے کے ساتھ الگ ہٹ گئی۔

لوسی کے سینے کا تموج ختم ہو گیا تھا اور اس کی گردن اب بھی ڈھلکی ہوئی تھی۔ روشی نے

نہایت اطمینان سے اسی رومال سے اپنے لباس کی شکنیں درست کیں اور اسے بیگ میں رکھ لیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ دوسرے کمرے میں کسی کو فون کر رہی تھی۔

آرلکچو کی رقص گاہ قہقہوں اور سیٹیوں جیسی سریلی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ ابھی رقص شروع ہونے میں دیر تھی۔ موسم آج پچھلے دنوں کی نسبت زیادہ بہتر تھا۔ سردی زیادہ نہیں تھی۔

سرجنٹ حمید نے محسوس کیا کہ اس پر ایک دو نہیں درجنوں نگاہیں پڑ رہی ہیں آج وہ پچ پیرس کا کوئی دبوئیر معلوم ہو رہا تھا۔ بہترین پریس کئے ہوئے سوٹ بے داغ اور چمکیلی سفید شر اور شیشے کی طرح جھلکتے ہوئے کالر میں اس کی شخصیت اچھی طرح ابھر آئی تھی۔

لیکن وہ اپنی میز پر تنہا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ اس کے علاوہ پوری رقص گاہ م اور کوئی تنہا نہیں تھا۔ حمید کی معدے سے آہ نکلی یعنی اسے ڈکار آئی۔ دل سے آہ نکلنے کا وہ قا نہیں تھا۔ وہ کبھی سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ آخیر تک تنہا رہے گا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کے مق کی لڑکی اُڑ کر اس تک پہنچے گی۔ لڑکیوں کے معاملے میں مایوسی اس کی شریعت میں حرام تھی۔

اسے زیادہ دیر تک راہ نہیں دیکھنی پڑی۔ اسے اپنی پشت پر ہلکی سی بڑبڑاہٹ سنائی دے ر تھی اس نے گردن ترچھی کر کے کنکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ ایک اینگلو انڈین لڑکی تھی۔ اسکرٹ میں بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

ادھر ادھر دیکھ کر پھر آہستہ سے بڑبڑائی۔ "اس شہر میں کسی تنہائی پسند کا گزر نہیں۔"

"کیا آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔" حمید پیچھے مڑ کر بڑے مؤدبانہ انداز میں بولا۔

"جی نہیں۔" لڑکی بولی۔ "میں یہ کہہ رہی تھی کہ کوئی ایسی میز نہیں جہاں میں تنہا بیٹھ سکوں۔"

"ہے کیوں نہیں!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "لیجئے! میں باہر جا رہا ہوں۔"

"ارر.... میرا یہ مطلب نہیں!" لڑکی بوکھلا گئی۔ "بات یہ ہے کہ میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔"

"تو بیٹھئے نا۔" حمید بے تکلفی سے بولا۔ "لاکھ اجنبی سہی لیکن یہ ٹھگوں کا زمانہ تو ہے نہیں۔"

لڑکی بیٹھ گئی۔ لیکن اس کے انداز میں اب بھی ہچکچاہٹ تھی۔ حمید نے ایک بار پھر ا تعریفی نظروں سے دیکھا اور وہ گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"میں خود بھی بڑا تنہائی پسند ہوں۔" حمید نے کہا۔

"تب تو میں معافی چاہتی ہوں۔" لڑکی نے اٹھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

"ارر.... نہیں میں یہ نہیں چاہتا۔" حمید جلدی سے بولا۔ "فضول ہے آپ کے جانے کے بعد بھی مجھے تنہائی نصیب نہ ہوگی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"یہ....!" حمید نے جیب سے چوہیا نکال کر میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔"

لڑکی یک بیک چونک کر پیچھے ہٹی پھر حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"جی ہاں۔" حمید مغموم لہجے میں بولا۔ "مجھے تنہائی کبھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہ میری بد نصیبی ہے۔"

چوہیا نے میز کا چکر لگایا اور پھر حمید کے سامنے رک کر پچھلی ٹانگوں پر کھڑی ہو گئی۔

"اب دیکھئے یہ میرا مذاق اڑا رہی ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "مگر نہیں مجھے اس کی جنس کے متعلق شبہ ہے۔ مجھے آج تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ نر ہے یا مادہ۔"

"بڑی پیاری ہے۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا اور اب وہ اُسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے غلط اندازہ لگایا۔ میری دانست میں یہ بڑا پیارا ہے۔"

"کچھ بھی ہو! مجھے پسند ہے۔" لڑکی نے اُسے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور وہ حمید کی جیب میں کود گئی۔ لڑکی ہنس پڑی اور پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "کمال کر دیا آپ نے خوب ٹرین کیا ہے۔"

"جی نہیں۔ یہ مجھے ٹرین کر رہی ہے۔"

"آپ کی باتیں دلچسپ ہیں۔" لڑکی مسکرا پڑی۔

"نہیں تو! میرے ساتھی مجھ کو قنوطی کہتے ہیں۔"

"وہ قنوطی کا مفہوم ہی نہ سمجھتے ہوں گے۔" لڑکی نے کہا۔

"اونہہ ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ "نہ جانے کیوں مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آپ کا نام یلا یلی ہے۔"

"یلا یلی.... نہیں تو میرا نام روشی ہے۔"

"روشی....!" حمید آنکھیں بند کر کے بڑبڑایا۔ "اس نام سے تو نرگس کی کلیوں کا تصور پیدا ہوتا ہے۔"

"آپ شاعر بھی ہیں۔"

حمید نے کچھ کہا۔ لیکن موسیقی کی تیز آواز میں وہ سن نہ سکی۔ رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی تھی۔

"کیا میں درخواست کر سکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"نہایت شوق سے لیکن میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"اوہ....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تب تو.... کائنات تھک گئی ہے.... یا مئی کی کلیاں نڈھال ہو گئی ہیں۔"

"میں واقعی تھک گئی ہوں۔" اس نے کہا۔ "میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ میں گھر جاؤں گی"

"مجھے افسوس ہے۔ کیا میں کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔"

"شکریہ! آپ بہت اچھے ہیں۔ ہم پھر کبھی ملیں گے۔ کل شام کو یہیں۔"

"میرا نام ہمائیڈ ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ وہ اسے رخصت کرنے دروازے تک گیا۔ روشی اخلاقاً مسکرائی۔ حمید اس کے اسکرٹ کی لہروں کو دیکھ رہا تھا جب وہ دروازے سے نکل گئی تو وہ مایوسی سے اپنی میز کی طرف واپس آیا۔ اس کی طبیعت مکدر ہو گئی تھی اور اب وہ یہاں نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے دستانے اٹھائے اور کلوک روم میں آیا۔ پھر جب خادم اسے السٹر پہنانے میں مدد دے رہا تھا اس نے ایک اینگلو انڈین جوان کو دیکھا جو اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

حمید نے فلٹ ہیٹ اٹھائی اور دروازے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد کیڈی آرلکچو کی کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔

کچھ ہی دور جانے کے بعد اس نے محسوس کر لیا کہ ایک موٹر سائیکل اس کی کار کے تعاقب میں ہے۔ حمید نے اپنے کوٹ کی جیب ٹٹولی۔ ریوالور موجود تھا۔ حمید نے سوچا چلو یہ بھی سہی۔ عرصے سے اس کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس نے دیدہ دانستہ کیڈی کا رخ ویران راستوں کی طرف پھیر دیا اور پھر ایک ایسی سڑک پر اچانک اس نے اسے روک دیا، جو بالکل سنسان تھی۔ موٹر سائیکل فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اب حمید اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ساتھ ہی وہ مڑ مڑ کر دیکھتا بھی جا رہا تھا کہ کہیں اس کے پیچھے کوئی اور بھی تو نہیں ہے۔ اس کے پیچھے سڑک سنسان تھی۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ آگے جانے والی موٹر سائیکل کی رفتار دھیمی ہو گئی ہے اور وہ

وہ اس کی طرف مڑی۔ حمید نے کیڈی کی رفتار دھیمی کر دی۔ اس کا بایاں ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا اور داہنے ہاتھ میں اس نے ریوالور کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ جیسے ہی موٹر سائیکل قریب آئی اس نے کیڈی روک دی اور موٹر سائیکل کیڈی کے فٹ بورڈ سے آ لگی۔

"میں تیار ہوں۔" حمید نے ریوالور کی نال موٹر سائیکل سوار کی پیشانی پر رکھ دی۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے آفیسر!" موٹر سائیکل سوار نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور ساتھ ہی اس نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ بھی نکال لی۔ ٹارچ کی روشنی اسی اینگلو انڈین نوجوان پر پڑ رہی تھی جسے اس نے کچھ دیر قبل آرلکچو کے کلوک روم میں دیکھا تھا۔

"آفیسر! تمہیں لوسی کی تلاش تھی۔" اینگلو انڈین نے کہا۔

"ہاں.... آں.... تم کون ہو؟"

"وہ بھی۔" اینگلو انڈین بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مسٹر پارکر کی طرح طویل رخصت پر روانہ کر دی گئی۔"

"پارکر.... کون پارکر....؟"

"آفیسر.... میرا نام لوتھر ہے۔ میرا تعلق بھی رنگی امپورٹرز سے ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... تو پھر....!"

"تو پھر یہ کہ آپ اور آپ کا چیف دونوں خطرے میں ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"آفیسر میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گا۔ میرے سینے میں جہنم سلگ رہا ہے۔ انہوں نے لوسی پر بھی رحم نہ کیا۔ لوسی.... جسے میں پوجتا تھا مجھے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے بھی طویل رخصت پر روانہ کر دیا جائے گا۔ مگر مجھے پرواہ نہیں۔"

"طویل رخصت.... میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"طویل رخصت....!" لوتھر کی ہنسی بھیانک تھی۔ "رنگی امپورٹرز میں طویل رخصت عالم بالا کے سفر کو کہتے ہیں۔"

"تمہارا باس کون ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ضرغام.... پہلے پارکر تھا.... اس کے علاوہ اور کوئی کچھ نہیں جانتا۔"

"تم کام کے آدمی ہو۔" حمید نے اس کی پیشانی سے ریوالور ہٹالیا۔

"میں پھر ملوں گا۔" لو تھر نے کہا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کردی۔ پھر حمید کے چہرے کے قریب اپنا چہرہ لے جاکر بولا۔ "روشی سے ہوشیار رہنا آفیسر۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ موٹر سائیکل کی آواز آہستہ آہستہ دور ہوتی جارہی تھی۔

ایک عجیب حادثہ

رنگی امپورٹرز کے دفتر کے بالائی کمرے میں ضرغام اسی مشین کے سامنے کھڑا تھا۔ جس کے ذریعہ اس کے پُراسرار باس کے احکامات اس تک پہنچتے تھے۔

"تو تمہیں یقین ہے کہ فریدی غائب ہوگیا۔" مشین سے آواز آئی۔

"جی ہاں.... میں تحقیق کرچکا ہوں۔ وہ گھر پر نہیں ہے اور نہ آفس جاتا ہے۔" ضرغام نے کہا۔

"بہت بُری علامت ہے ضرغام۔" مشین سے آواز آئی۔ "جب وہ اچانک لاپتہ ہوجائے تو یہی سمجھو کہ وہ تمہارے سر پر سوار ہے۔"

"میں اس کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔" ضرغام ہنس کر بولا۔ "لیکن میں بھی غافل نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے تم پر اعتماد ہے۔" مشین سے آواز آئی۔ "پارکر قابل اعتماد نہیں تھا کیونکہ بیوقوف تھا اور تم مسٹر ضرغام ایک تراشے ہوئے ہیرے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی دوسرے اسی مشین پر تمہاری آواز سنیں۔"

"قدردانی کا شکریہ۔ آپ ہی نے مجھے روشنی بخشی ہے۔" ضرغام نے کہا۔

"راہل اپنے ساتھیوں کی موت پر رنجیدہ ہے۔"

"میں مجبور تھا.... باس.... اگر وہ پکڑ لئے جاتے....!"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔ میں اس لئے تمہیں تراشا ہوا ہیرا کہتا ہوں۔ مگر دیکھو ضرغام فریدی کتنا ہوشیار تھا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ تم سے بہت قریب ہے۔ اخبارات میں اس کے

متعلق کچھ نہیں تھا.... اور سنو! مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری راہ پر لگ گیا ہے۔ مجھے راہل کے فرار پر بھی شبہ ہے وہ خود ہی نہیں نکل بھاگا.... بلکہ بھگایا گیا ہے.... تمہیں یاد ہوگا کہ وہ رائفلوں کے ساتھ پکڑا گیا تھا۔"

"اوہ.... باس.... میں بھی اکثر یہی سوچتا ہوں کہ پولیس اس کی وساطت سے ہمیں پکڑنا چاہتی ہے۔" ضرغام بولا۔

"لیکن....!" مشین سے آواز آئی۔ "تمہارا باس احمق نہیں ہے۔ وہ راہل کو پہلے ہی اطلاع دے چکا ہے کہ وہ گوشہ نشینی اختیار کرلے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر مشین سے آواز آئی۔ "دوسری بات! فریدی کا اسسٹنٹ یہیں موجود ہے اور وہ علانیہ گھومتا پھرتا ہے۔ تم اس سے کیا نتیجہ اخذ کرسکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے۔" ضرغام بولا۔ "یہ بھی فریدی کی ایک چال ہے جیسے ہی ہم اس کے اسسٹنٹ پر ہاتھ ڈالیں گے وہ ہمیں آلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ابھی تک اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ ویسے روشی اس کی دیکھ بھال کررہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی صورت سے ہمارا ہاتھ فریدی تک پہنچ جائے۔"

"تمہارے پہلے خیال سے میں متفق ہوں۔" مشین سے آواز آئی۔ "لیکن دوسرے میں غلطی کا امکان ہے۔ فریدی نے اپنے اسسٹنٹ کو اس لئے بیباکانہ گھومنے کو نہیں چھوڑا ہے کہ وہ خود ہی اس کے لئے پھندہ بن جائے۔ ضرغام بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔" ضرغام نے نہایت ادب سے کہا۔ "لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ راہل ہی سے یہ کام کیوں نہ لیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ بھی فریدی کے خون کا پیاسا ہے۔ لیکن میں ابھی اس کے متعلق غور کررہا ہوں۔ فرض کرو اگر پولیس راہل کے ذریعہ ہم تک نہ پہنچ سکی تو.... کیا ہوگا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" ضرغام بولا۔

"فریدی کے الفاظ یاد کرو.... اس نے یہی کہا تھا کہ راہل ایک ہفتے سے زیادہ آزاد نہیں رہ سکتا۔ ممکن ہے کہ اس نے ٹھیک ہی کہا ہو۔ اگر وہ راہل کے ذریعہ ہمارا پتہ نہ لگا سکا تو اسے پھر گرفتار کرلے گا اور ہوسکتا ہے کہ وہ کسی طرح اس سے رائفلوں کا راز اگلوانے میں کامیاب

ہو جائے۔"

"راہل پتھر ہے باس۔" ضرغام نے کہا۔ "وہ کبھی نہ اُگلے گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تم فریدی سے واقف نہیں.... ارے اس کم بخت کے طریقے بڑے سائنٹیفک ہیں۔ وہ ایسی اذیتیں دیتا ہے جو قانوناً اذیتیں نہیں ہوتیں لیکن مجرم چیخ پڑتا ہے۔ وہ اسے جذباتی ہیجان میں مبتلا کر کے اس کے ذہن کو اس نقطے پر لے آتا ہے جہاں سے پاگل پن کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں۔"

"آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔"

"اچھا تو سنو....!" مشین سے آواز آئی۔ "راہل کو مردہ یا زندہ پیش کرنے والے کے لئے حکومت کی طرف سے دس ہزار کے انعام کا اعلان کیا گیا ہے یہ عزت رگبی امپورٹرز کا منیجر کیوں نہ حاصل کرے۔"

ضرغام سناٹے میں آ گیا۔ اس کے جبڑے ڈھیلے پڑ گئے اور وہ عجیب نظروں سے مشین کی طرف دیکھنے لگا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر مشین سے آواز آئی۔ "کیا سوچنے لگے۔"

"جی.... کچھ نہیں! بہت مناسب ہے۔"

"اونہہ! تم شاید ہچکچا رہے ہو۔"

"نہیں باس.... ایک ہفتہ پورا ہونے سے قبل ہی میں اسے ٹھکانے لگا دوں گا۔"

"مگر سنو! احتیاط سے.... وہ بھی کم نہیں ہے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا باس۔" ضرغام نے ہنس کر کہا لیکن اس کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں تھیں۔

تین دن سے حمید روشی کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ اس پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا ہے۔ اس وقت بھی وہ دونوں کیفے ڈی سائپرس میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔

"روشی ڈیئرسٹ! میں بڑا خوش نصیب ہوں کہ تم مجھے مل گئیں.... ورنہ.... جانتی ہو کیا ہوتا۔"

"کیا ہوتا....!"

"کچھ بھی نہ ہوتا۔"

روشی ہنس پڑی۔ "تم خطرناک آدمی ہو۔"

"ہاں ڈارلنگ.... میں محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر ہوں۔"

"ارے....!" روشی کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ "تم نے پہلے کبھی کیوں نہیں بتایا۔"

"تم نے پوچھا ہی کب تھا۔"

"تب تو تم واقعی خطرناک ہو گے۔"

"ہاں ڈارلنگ.... میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"مجھے خفیہ پولیس کے آدمی ذرا بھی اچھے نہیں لگتے۔"

"کیوں ڈارلنگ....!"

"بس یوں ہی! وہ کبھی کسی سے پُر خلوص برتاؤ نہیں کرتے۔"

"صرف مجرموں سے۔" حمید نے کہا۔

"تمہیں کیا پتہ کہ میں بھی مجرم نہیں ہوں۔" روشی اٹھلائی۔

"ہائے.... میں جانتا ہوں! تم نے لاکھوں کا سکون لوٹا ہوگا۔ ہزاروں کے دل چرائے ہوں گے۔"

"بے تکی باتیں مت کرو۔" روشی نے بگڑ کر کہا۔

"بے تکی باتوں کے لئے میں خاص طور سے مشہور ہوں۔"

"تمہارا عہدہ یقیناً بہت بڑا ہوگا۔"

"نہیں، بہت معمولی سا ہے۔ میں سارجنٹ ہوں۔"

"واقعی بے تکی باتیں کرتے ہو۔" روشی نے ہنس کر کہا۔

"کیوں....!"

"سارجنٹ بیچارے تو موٹر سائیکل بھی نہیں خرید سکتے اور تم کیڈی لاک رکھتے ہو۔"

"اوہ.... یہ تو ملکہ الزبتھ نے تحفتاً دی تھی۔"

"کیوں فضول بکتے ہو۔" روشی ہنسنے لگی۔

"یقین کرو.... میں اپنی بیوی کو یہی کہتا ہوں۔"

"بیوی....!" روشی نے حیرت سے کہا۔ "تم کہتے تھے کہ تم کنوارے ہو۔"

"میں اب بھی یہی کہتا ہوں۔"

"تم مجھے پریشان مت کرو۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس لڑکی سے کس طرح پیش آئے۔ لوتھر اس سے اس دوران میں برابر ملتا رہا تھا اور اس سے اسے بہتیری کام کی باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ لیکن روشی کے متعلق اتنا ہی بتا سکا تھا کہ وہ خاص طور پر اس کے پیچھے لگائی گئی ہے....؟ اس کا مقصد حمید کی نظروں میں یہی تھا کہ رنگی امپورٹرز والے فریدی کا سراغ چاہتے ہیں اور اب اس وقت جب اس نے کیڈی لاک کی بات چھیڑی تو اُسے بالکل یقین ہو گیا۔ وہ چند لمحے تمسخر آمیز انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میں دنیا کا بد قسمت ترین آدمی ہوں۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" روشی نے کہا۔

"یہی تو مصیبت ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میری باتیں ہی میری ناکامی کا باعث ہیں اور اسی بناء پر آج تک میری شادی نہ ہو سکی۔"

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے....!"

"سنو تو! وہی بتانے جا رہا ہوں۔ ایک صاحب نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ خود کو ہمیشہ شادی شدہ ظاہر کرو۔ ان کا خیال ہے کہ شادی شدہ آدمیوں سے لڑکیاں بہت جلد دوستی کر لیتی ہیں.... اور محض یہ سمجھ کر اس کے قریب آجاتی ہیں کہ وہ دوسری بار حماقت نہیں کرے گا۔"

"بکواس ہے۔" روشی بولی۔

"ہائیں.... تو گویا ان صاحب نے مجھے بیوقوف بنایا تھا۔" حمید نے کہا اور روشی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اچھا اب میں انہیں بیوقوف بناؤں گا۔"

"تمہارا گھر بھی بڑا شاندار ہوگا۔" روشی نے کہا۔

"ہاں.... کیوں نہیں.... دیکھو گی۔"

"ضرور.... بزرگوں کا قول ہے کہ جھوٹے کو جھوٹے کے گھر تک پہنچا دو۔"

"کیا مطلب....!"

"میں تمہیں سمجھا دوں گی کہ تم ایک معمولی سارجنٹ نہیں ہو۔"

دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک دلچسپ خیال سر ابھارنے لگا۔ اس نے سوچا کہ اسے ضرور گھر مانا چاہئے۔ وہ دونوں چل پڑے لیکن راستے میں اچانک شائد روشی نے اپنا ارادہ بدل دیا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔" اُس نے منمنا کر کہا۔

"کیوں؟"

"تم اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔"

"اوہ تو کیا تم صرف اچھے آدمیوں کے گھر جاتی ہو۔" حمید کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔ مت پریشان کرو۔"

"پھر کیا کروں۔" حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

"مجھے اگلے بس اسٹینڈ پر اتار دو۔ میں گھر جاؤں گی۔"

"اوہو.... میں پہنچائے دیتا ہوں۔ تم بس پر جاؤ گی۔ چھی چھی۔"

"نہیں میں تمہیں اپنا گھر دکھانا نہیں چاہتی۔"

"شوہر خفا ہوگا۔"

"کیا بکتے ہو! میری شادی نہیں ہوئی۔"

"معاف کرنا! مجھے پہلے سے معلوم نہیں تھا.... ورنہ.... میں....!"

"ورنہ.... تم.... کیا؟" روشی اسے گھورنے لگی۔

"بات یہ ہے کہ میں غیر شادی شدہ عورتوں سے عشق نہیں کرتا۔"

"بد تمیز ہو تم۔" روشی بگڑ گئی۔

"اس لئے نہیں کرتا۔" حمید اس کا جملہ نظر انداز کر کے بولا۔ "کہ وہ شادی پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔"

"شٹ اپ....!"

"اب اگر تم مجھ سے نہ ملو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ویسے تم نے مجھے دھوکا دیا۔"

"کیا مطلب....؟" روشی یک بیک چونک کر بولی۔

"یہی کہ تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کنواری ہو۔"

"میں چانٹا مار دوں گی۔"

"یہی عیب ہوتا ہے، کنواری عورتوں میں۔"

"گاڑی روک دو۔"

"میں تمہیں تمہارے گھر لے جارہا ہوں۔"

"دیکھو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گی۔"

"پہلے کب اچھی طرح پیش آئی تھیں۔"

روشی بے بسی سے ہنس پڑی اور پھر نرم لہجے میں بولی۔ "دیکھو! مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔ ہم کل پھر آرلکچو میں ملیں گے۔"

"نہیں! نہیں!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مجھ سے شریفانہ لہجے میں گفتگو نہ کرو۔ کنواری ہونے کے باوجود بھی تم غصے میں بڑی بھلی لگتی ہو۔"

"کیا فائدہ کہ میں تمہیں کسی مصیبت میں پھنسا دوں۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"تم زیادہ سے زیادہ یہ کرو گی کہ شور مچانا شروع کردو گی۔ میں ریڈیو کھول دوں گا۔"

"خدا کے لئے تنگ مت کرو۔"

"خدا کے لئے کسی کو تنگ نہیں کرتا۔" حمید نے سنجیدہ صورت بنا کر کہا۔ "خدا کے لئے لوگ عبادت خانے بنواتے ہیں۔ یتیم خانے قائم کرتے ہیں اور دوسرے نیک کام کرتے ہیں۔"

"دیکھو! میں پھر کہتی ہوں۔"

"میں پھر سنتا ہوں۔"

روشی نے ایک بار پھر اسے قہر آلود نظروں سے دیکھا مگر خاموش رہی۔ حمید کا ذہن قلابازیاں کھا رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے کیسا برتاؤ کرے۔

"تو کیا سچ مچ تم جانا چاہتی ہو۔" اس نے پھر اسے چھیڑا۔

"مجھ سے بات نہ کرو۔"

"اچھا اب نہ بولوں گا۔"

"روکو گاڑی۔" دفعتاً وہ ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

حمید نے کیڈی روک دی اور وہ اسے قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی اتر گئی۔ حمید اُسے ایک پتلی سی گلی میں مڑتے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور دوبارہ چل پڑا۔

اس دوران میں حمید کی عادت سی ہو گئی کہ وہ روزانہ کم از کم ایک بار جاوید بلڈنگ کی طرف سے ضرور گزرتا تھا۔ جاوید بلڈنگ جہاں راہل کی کمین گاہ تھی۔ اس کا مقصد دراصل یہ تھا کہ کسی طرح اسے فریدی پر سبقت حاصل کرنے کا موقع مل جائے۔

آج بھی اس نے حسب عادت کیڈی کا رخ جاوید بلڈنگ کی طرف موڑ دیا۔

رات معمول سے زیادہ سرد تھی۔

رنگی امپورٹرز کے منیجر ضرغام کی کار ٹھیک اسی وقت جاوید بلڈنگ کے پاس پہنچی جب حمید اس کے سامنے والی تاریک گلی میں اپنی کیڈی بیک کر رہا تھا۔ گلی بالکل سنسان تھی۔ اس نے کیڈی کھڑی کردی۔ کچھ دیر اگلی ہی سیٹ پر بیٹھا رہا اور جاوید بلڈنگ کے بار کی طرف دیکھتا رہا جہاں دو تین آدمی اپنے سامنے بوتلیں اور گلاس رکھے ہوئے اونگھ رہے تھے.... پھر وہ بہ آہستگی پچھلی نشست پر چلا گیا۔ کیڈی کے اگلے حصے پر سڑک کی روشنی کا عکس پڑ رہا تھا اور بقیہ حصہ تاریکی میں تھا۔ حمید پر راہگیروں کی نظر پڑنا محال تھا۔

حمید کی نظریں ضرغام پر جمی رہی۔ وہ بار میں نہیں داخل ہوا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھا شائد کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بار سے نکلا۔ اس نے السٹر پہن رکھا تھا اور اس کی فلٹ ہیٹ کا کونہ پیشانی پر جھکا ہوا تھا.... اچانک ضرغام کی کار سے ایک شعلہ سا لپکا اور ساتھ ہی بار سے برآمد ہونے والا آدمی چیخ کر پیچھے ہٹ گیا وہ اپنا بایاں بازو داہنے ہاتھ سے دبائے ہوئے تھا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا ضرغام کی کار فرّاٹے بھرتی ہوئی ایک طرف نکل گئی۔ چیخ سن کر بار کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ باہر کی طرف بھاگے۔

اور وہ آدمی بھاگتا ہوا اس تاریک گلی کی طرف آرہا تھا۔ جہاں حمید نے کیڈی کھڑی کر رکھی تھی۔ ایک لمحے کے لئے وہ ٹھٹکا پھر اس نے کیڈی کا.... اگلا دروازہ کھول کر چھلانگ لگائی۔ دوسرے لمحے میں وہ اگلی سیٹ پر تھا اور کیڈی گلی سے نکل رہی تھی۔

حمید چپ چاپ دونوں سیٹوں کے درمیان دبکا رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ اتنی جلدی میں اور اتنے غیر متوقع طور پر ہوا تھا کہ حمید کو کچھ سوچنے یا عمل کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اور

اب دبکے رہنے کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا.... اس نے ضرغام کو صاف پہچانا تھا.... اور اس نے شعلہ بھی دیکھا تھا۔ شاید ضرغام نے سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے گولی چلائی تھی۔ اس لئے قرب وجوار کے لوگ صرف زخمی ہونے والے کی چیخ سن سکے تھے۔

اور وہ زخمی آدمی اس وقت بھی آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا اور اس کی آواز کسی زخمی بھیڑیئے کی غراہٹ سے بہت مشابہ تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس نے یہ آواز پہلے بھی کبھی سنی ہے۔ اچانک اس کا ہاتھ جیب کی طرف گیا کیونکہ یہ آواز یقیناً راہل کی تھی.... ریوالور کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط تھی لیکن وہ کچھ اور بھی سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آخر ضرغام نے راہل پر گولی کیوں چلائی۔ بظاہر تو وہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے معلوم ہوتے تھے۔ حمید نے ریوالور کو جیب ہی میں پڑا رہنے دیا.... راہل بڑی تیزی سے کیڈی کو آگے بڑھا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے ضرغام کی کار کو جالیا۔ پھر وہ اس سے آگے نکل گیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ ضرغام کی کار زیادہ پیچھے نہیں ہے۔ اچانک راہل نے کیڈی کو داہنی طرف موڑ کے پورے بریک لگا دیئے۔ دوسری طرف بھی چرچراہٹ کی آواز سنائی دی اور ضرغام کی کار پھسلتی ہوئی شائد کیڈی سے ایک فٹ کے فاصلے پر رک گئی.... یہ سب اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ شائد ضرغام کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا.... راہل کا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکلا.... فائر ہوا.... اور گولی ضرغام کی کار کی ونڈ اسکرین کو توڑتی ہوئی اس کی پیشانی پر لگی.... ضرغام چیخ مار کر الٹ گیا۔ راہل کو اپنی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ اس نے نیچے اتر کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ اس نے نہایت اطمینان سے کیڈی موڑی اور شہر کی طرف چل پڑا۔ اب حمید کی باری تھی۔ اس نے جیب سے ریوالور نکالا اور راہل کی گردن پر رکھ دیا۔

"بس چپ چاپ چلتے رہو۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارا کی تو پھر خود سے گردن نہ موڑ سکو گے.... جہاں میں کہوں میری گاڑی چھوڑ کر اُتر جانا۔"

"تم کون ہو؟" راہل نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ایک ایسا آدمی جس نے ابھی تمہیں آئس کریم کھاتے دیکھا ہے۔"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ میرے بھائی۔" راہل کی آواز میں نرمی تھی۔

"میں ایک بلیک میلر ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اور اس قتل کے سلسلے میں تمہیں میرا منہ بند رکھنے کے لئے کافی رقم خرچ کرنی پڑے گی۔"

راہل نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کچھ بولے بغیر کار ڈرائیو کرتا رہا۔ ایک جگہ حمید نے اُسے کار روکنے کو کہا۔

"بس ٹھیک۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "اب چپ چاپ اُترو اور پانچ گز کے فاصلے پر منہ پھیر کر کھڑے ہو جاؤ۔ میں نے تمہارا ریوالور جیب سے نکال لیا ہے۔ اس لئے کوئی حرکت بے کار ہوگی۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔" راہل اُتر گیا۔ وہ ہدایت کے مطابق منہ پھیرے کھڑا رہا اور کیڈی فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

خونی کمرہ

دوسری صبح سارجنٹ حمید نہ صرف بہت زیادہ چاق وچوبند دکھائی دے رہا تھا بلکہ خود کو ایک ذمہ دار آدمی بھی سمجھ رہا تھا۔ اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے چہرے پر سنجیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ پھر پائپ سلگا کر اس آرام کرسی میں گر گیا جس پر فریدی عموماً بیٹھا کرتا تھا۔ اس نے فریدی ہی کی طرح ہونٹ سکوڑے اور پیشانی پر شکنیں ڈال کر کچھ سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور اس کی ورق گردانی کرتا رہا۔ اُسے دراصل سن سٹ ریستوران کے فون کی تلاش تھی جو اُسے جلد ہی مل گیا۔

دوسرے لمحے میں ریسیور اس کے ہاتھ میں تھا۔

"ہیلو! سن سٹ ریستوران....!"

"جی ہاں.... آپ کون ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں اوپر والے سے کنکشن چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جلدی کرو۔" حمید بولا۔ "جلدی سے کنکٹ کردو۔ بہت ضروری ہے۔"

"آپ کون ہیں؟"

"پھر وہی بکواس۔" حمید گرج کر بولا۔ "جلدی کرو گدھے کہیں کے۔"

"ٹھہریئے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ تھوڑے عرصے کے بعد حمید نے پھر ریسیور

میں آواز سنی اور اسے آواز پہچاننے میں دشواری نہ ہوئی۔ یہ راہل تھا۔

"غالباً تم بول رہے ہو۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "پچھلی رات کی تفریح یاد ہے نا۔"

جواب میں حمید کو ہلکی سی غراہٹ سنائی دی۔ پھر راہل بولا۔ "تم ہو۔"

"ہاں میں ہوں! اور صرف ایک لاکھ میں معاملہ طے ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ضرور ضرور.....!" راہل نے قہقہہ لگایا۔ "میں تمہیں کچھ پہچان رہا ہوں۔"

جواب میں حمید نے بھی قہقہہ لگا کر کہا۔ "قیامت تک نہیں پہچان سکتے۔"

"میں تمہیں اچھی طرح پہچان چکا ہوں۔" راہل غرایا۔ "پتہ نہیں اب تو کیا کرنا چاہتا ہے۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ تو جس کو اپنی راہ کا کانٹا سمجھنے لگتا ہے اُسے یا تو اپنے الفاظ میں طویل رخصت پر پہنچا دیتا ہے یا وہ طریقہ اختیار کرتا ہے، جو تو نے پچھلی رات کو اختیار کیا تھا۔ کیا تو مجھے اتنا ہی بودا سمجھتا تھا کہ ایک جھینگر کے ہاتھوں مار لیا جاتا..... دیکھ گیدڑ میں شیر ہوں۔ بلیک میل کرنے کے بہانے تو مجھ سے وہ رقمیں وصول کرنا چاہتا ہے جو اب تک مجھے دے چکا ہے۔ شائد تو ضرغام سے بھی پیچھا چھڑانا چاہتا تھا تب ہی اس کے پیچھے گیا تھا اگر میں مارا جاتا تو تو اُسے بھی ٹھکانے لگا دیتا..... اچھا تو اے گیدڑ سن! تیرے خاص آدمی تیری شخصیت سے واقف نہیں..... لیکن میں تجھے پہچان گیا ہوں اور اب تو میری مٹھی میں ہے۔"

"بکواس بند کر! ذلیل کیڑے۔" حمید بڑے ڈرامائی انداز میں چیخا۔ "تیرے فرشتے بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔"

"میں پہنچ گیا ہوں۔" راہل نے قہقہہ لگایا۔ "میں کل رات جس میک اپ میں تھا اس میں مجھے صرف ایک آدمی پہچانتا ہے اور وہ آدمی ضرغام نہیں تھا۔"

"بکواس ہے۔" حمید نے بھی قہقہہ لگا کر کہا۔ "اچھا بتا ہی دے میں کون ہوں۔" اسے پھر راہل کا قہقہہ سنائی دیا اور ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید کو بڑی مایوسی ہوئی لیکن اس کا دل دھڑک رہا تھا..... یہ اس کی بڑی کامیابیوں میں سے ایک تھی۔

تھوڑی دیر بعد سرجنٹ رمیش نے اُسے فون پر اطلاع دی کہ پولو گراؤنڈ کے آگے ایک کار میں رنگی امپورٹرز کے نئے منیجر کی لاش پائی گئی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ گولی سامنے سے چلائی گئی

تھی، جو ونڈ اسکرین کو توڑ کر اس کے سر پر لگی۔

حمید بہت زیادہ مضطرب تھا وہ سوچ رہا تھا کہ راہل بتاتے بتاتے رہ گیا اور وہ شائد اس طرح فون پر کبھی نہ بتائے گا۔ اسے بڑی شدت سے فریدی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک پلان تھا لیکن دشواری یہ تھی کہ وہ فریدی کی مرضی کے بغیر اسے عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ راہل کو گرفتار کر لیا جائے چونکہ اُسے اس آدمی کی طرف سے چوٹ ہو چکی ہے جس کے لئے وہ کام کر رہا تھا لہٰذا وہ جھلاہٹ میں نہ صرف اس کا نام اگل دے گا بلکہ یہ بھی بتا دے گا کہ وہ اب تک اس سے کیا کام لیتا رہا ہے۔

اسے اب فریدی پر غصہ آنے لگا۔ اسے اس کی یہ بات ہمیشہ گراں گذرتی تھی کہ وہ ایسے کیسوں کے سلسلے میں روپوشی کے بعد اس سے رابطہ قائم نہیں رکھتا تھا۔

تھوڑی دیر تک غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جاوید بلڈنگ پر ضرور چھاپا مارنا چاہئے۔ اُسے خود بھی تو اپنے پیروں پر کھڑے ہونا ہے۔ کب تک انگلی پکڑ کر چلتا رہے گا۔ راہل پر جلد قابو پانا اشد ضروری ہے۔ ورنہ اگر ان دونوں میں سے ایک بھی مارا گیا تو ساری محنتوں پر پانی پھر جائے گا۔

اس نے بڑی خود اعتمادی کے ساتھ ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ دوسرے لمحے میں اپنے محکمے کے مختلف لوگوں سے گفتگو کر رہا تھا۔

❋

رنگی امپورٹرز کا عملہ متحیر رہ گیا جب ضرغام کے قتل کی خبر پھیلنے کے تین گھنٹے کے بعد ہی اس کی جگہ پر کام کرنے کے لئے ایک اجنبی نے دفتر میں قدم رکھا۔

یہ چوڑے چکلے جسم کا ایک معمر آدمی تھا لیکن اس کی تندرستی عمر کی زیادتی سے متاثر نہیں معلوم ہوتی تھی اس نے اس طرح ضرغام کے کمرے کا رخ کیا جیسے وہ اسے پہلے ہی دیکھ چکا ہو۔ لیکن دفتر والوں کے لئے وہ بالکل اجنبی تھا۔ ان میں شاید کسی نے اس سے پہلے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔

اس نے تھوڑی دیر تک ضرغام کے کمرے میں بیٹھ کر کچھ کاغذات دیکھے۔ پھر وہاں سے نکل کر بالکنی کی طرف چل پڑا جہاں چوتھی منزل پر جانے کے لئے لفٹ لگی ہوئی تھی۔ اس لفٹ کی

چابی ہمیشہ منیجر ہی کے پاس رہتی تھی اور آفس والوں کا خیال تھا کہ چوتھی منزل پر شاید منیجر کے آرام کرنے کا کمرہ ہے۔ ویسے وہ کمرہ ان کے لئے پُر اسرار ضرور تھا کیونکہ ان میں سے کسی کو بھی آج تک اُسے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ لفٹ ہمیشہ مقفل رہتی تھی اور اُسے منیجر کے علاوہ اور کوئی استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد نیا منیجر اسی مشین کے سامنے مؤدب کھڑا تھا۔

"کیا تم ہو مسٹر شیام....!" مشین سے آواز آئی۔

"جی ہاں....!"

"تمہیں نمبر چار میں ہدایات ملیں ہوں گی۔"

"جی ہاں....!" شیام نے کہا۔

"تم ضرغام کی جگہ پر کام کرو گے۔ کافی ذہین آدمی تھا۔ لیکن ذرا جلد باز تھا۔ بہر حال مجھے اس کی موت پر صدمہ ہے۔"

نیا منیجر خاموش کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد مشین سے پھر آواز آئی۔ "ضرغام نے اپنے کاغذات اور نقشے بڑی ذہانت سے مرتب کئے تھے۔ تم انہیں دیکھ کر ہی سب کچھ سمجھ لو گے۔ ویسے مجھے تمہارے متعلق اطلاع ملی ہے کہ تم بھی بہت تجربہ کار آدمی ہو۔"

"قدر دانی ہے جناب کی۔" شیام نے کہا اور سوٹ کیس فرش پر رکھ دیا جسے اس نے ابھی تک ہاتھ میں ہی لٹکا رکھا تھا۔

"اچھا سنو! سب سے پہلے تم راہل کو ٹھکانے لگا دینے پر زور دو گے۔ یہ بہت بُرا ہوا کہ اسے اپنے حملہ آوروں کی شخصیت کا علم ہو گیا.... وہ جاوید بلڈنگ کی چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ میں مقیم ہے.... اوہ کیا.... ذرا ٹھہرو.... ایک منٹ۔"

مشین سے آواز بند ہو گئی۔ شیام بدستور کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔

"مسٹر شیام کیا تم نے دروازہ بند کر دیا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ شیام اپنے غسل خانے میں بیہوش پڑا دیکھا گیا ہے اور اُسے کسی طرح ہوش ہی نہیں آرہا تھا۔"

"شاید آپ مذاق فرما رہے ہیں۔" شیام نے جلدی سے کہا۔

"نہیں مسٹر شیام میرا مذاق تو موت سے شروع ہوتا ہے اور موت ہی پر ختم ہو جاتا ہے۔"

"پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" شیام دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا اس نے جھپٹ کر ہینڈ گھمانے کی کوشش کی لیکن اس میں جنبش تک نہ ہوئی۔

"بھاگو نہیں مسٹر شیام۔" مشین سے طنز میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔ "یہ پورا کمرہ کل پرزوں پر ہے۔ بٹن دباتے ہی دروازے پر تالا لگ گیا ہے، جو اب باہر ہی سے کھل سکتا ہے اور لفٹ جو تمہیں اوپر لائی تھی نیچے چلی گئی۔"

"آپ پتہ نہیں کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔" شیام نے کہا۔

"نہیں مسٹر فریدی۔" مشین سے آواز آئی۔ "اس کمرے میں میرے منیجروں کے علاوہ اور کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ دوسرے کی سزا ہر حال میں موت ہے۔"

شیام نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے تیزی سے اپنا سوٹ کیس کھولا اور اس کی ساری چیزیں الٹ پلٹ ڈالیں۔

"سناؤ میرے بیٹے۔" فریدی نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ اس نے نہایت اطمینان سے اپنے ہونٹوں میں سگار دبا لیا تھا اور اب اسے سلگانے جا رہا تھا۔

"تمہاری بدولت میرا بڑا نقصان ہوا ہے۔"

"اور اب آخری اور سب سے بڑے نقصان کے لئے تیار ہو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"بہت اچھے۔" مشین سے قہقہہ بلند ہوا۔ "نادان لڑکے تمہیں کوئی وصیت تو نہیں کرنی ہے۔"

"وصیت تو نہیں بلکہ ایک پیشین گوئی کرنی ہے۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔ "وہ یہ کہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے ہتھکڑیاں لگاؤں گا۔"

"کیا تم اس بل بوتے پر کہہ رہے ہو کہ تمہیں میرے آرگنائزیشن کا علم ہو گیا ہے۔ سنو بھولے لڑکے.... آرگنائزیشن تو بنتے بگڑتے رہتے ہیں لیکن اس کا خالق یعنی میں تمہاری دسترس سے بہت دور ہوں۔ مجھے پانے کی خواہش چاند کیلئے ہمکنے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔"

"تم میری جیب میں رکھے ہوئے ہو۔" فریدی نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

مشین سے پھر قہقہہ بلند ہوا۔ "تمہاری باتیں دلچسپ ہیں۔"

"لیکن میرے دوست....!" فریدی نے کہا۔ "میں وہاں نہیں جاسکتا جہاں پار کر اور ضر
گئے ہیں اور غالباً وہ لڑکی لوسی بھی۔ میں تم جیسے ذلیل وطن دشمنوں اور قوم فروشوں کے لئے ز
رہوں گا۔"

"تم مجھے قوم فروش کہہ رہے ہو۔" مشین سے آواز آئی۔ "حالانکہ میں ایک نہ مٹنے والی
کی تعمیر کا پروگرام لے کر میدان میں آیا ہوں۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو ذلیل کیڑے۔ تم ایک جنگ باز ملک کے ایجنٹوں کے ہاتھ بک گئے ہو
جو بھولے بھالے قبائلیوں کو بغاوت پر اکسا کر انہیں اسلحہ سپلائی کر رہے ہو۔ کیا تمہیں یقین
کہ تم میرے ہی ہاتھوں کتوں کی موت نہ مرو گے۔"

"خاموش رہو بدتمیز....!"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"چپ رہو۔" مشین سے آواز آئی۔ "مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ میرے پاس وقت کم ہے۔"

"میں نے بھی وقت کی کمی ہی کی بناء پر یہاں تک پہنچنے میں جلدی کی ہے۔" فریدی لاپرو
سے بولا اور سگار کو فرش پر پھینک کر اُسے جوتے سے مسل دیا۔

دفعتاً مشین کے ایک سوراخ سے دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر نکل کر بل کھانے لگی۔ فرید
نے جھپٹ کر سوٹ کیس سے گیس ماسک (گیسوں سے محفوظ رہنے والا نقاب) نکال لیا۔

"اب دیکھو تم ایک کتے کی طرح مر جاؤ گے۔" مشین سے قہقہے کے ساتھ آواز آئی۔

دوسرے لمحے میں فریدی گیس ماسک کو اپنے چہرے پر چڑھا چکا تھا۔ کمرے میں دھوا
بھرنے لگا تھا۔ فریدی نے خواہ مخواہ کھانسنا اور کراہنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ زمین پر
بھی پٹخ رہا تھا۔

"اب بتاؤ کون مر رہا ہے۔" مشین سے آواز آئی۔

"ارے بچاؤ!" فریدی گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔ "میں مرا....!"

وہ برابر کھانستا رہا۔ کمرے میں دھواں اچھی طرح بھر گیا تھا۔ مشین سے قہقہے بلند ہور
تھے۔ کھانستے کھانستے فریدی کی آواز مضمحل ہوتی گئی۔ اور پھر اس نے اس طرح فرش پر پیر مار
جیسے وہ گر گیا ہو.... اور پھر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد دھواں پھر مشین کے اسی سوراخ میں داخل ہو رہا تھا جس سے نکلا تھا۔ دو منٹ کے اندر کمرے کی فضا صاف ہو گئی.... اور پھر کھٹاکے کی آواز کے ساتھ دیوار برابر ہو گئی۔

فریدی نے گیس ماسک اُتار کر سوٹ کیس میں بند کر دیا۔ اس کے ہونٹوں پر تمسخر آمیز مسکراہٹ تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔ لیکن ایک گھنٹے تک سر مارنے کے باوجود بھی وہ نہ کھل سکا۔

آخر فریدی نے اس کا خیال ہی ترک کر دیا.... اس نے سگار سلگایا اور دیوار سے ٹیک لگا کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اُسے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے لئے ضرور آئے گا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ یہ کام رات کو سرانجام دیا جائے۔

✿

سرجنٹ حمید نے جاوید بلڈنگ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ کچھ لوگ سامنے سے چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ کے سامنے پہنچ گئے تھے اور کچھ لوگ جن کی رہنمائی سرجنٹ حمید کر رہا تھا سن سٹ ریستوران میں گھس پڑے تھے۔ ریستوران کا مالک چیختا پیٹتا ہی رہ گیا لیکن سرجنٹ حمید ٹھیک اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے ایک پوشیدہ لفٹ چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ تک پہنچنے کا ذریعہ تھی۔

لیکن چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ پر پہنچ کر انہیں بڑی مایوسی ہوئی۔ کیونکہ وہاں پندرہ بیس بکریاں بڑے پُرسکون انداز میں کھڑی جگالی کر رہی تھیں اور فرش پر مینگنیوں کے ڈھیر تھے.... راہل یا اس کے ساتھیوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

پھر پوری بلڈنگ چھان ڈالی گئی مگر نتیجہ مایوسی۔

حمید کو بڑا تاؤ آیا.... وہ ریستوران کے منیجر پر برس پڑا۔

"آخر اس پوشیدہ لفٹ کا کیا مطلب ہے۔" اس نے اس سے پوچھا۔

"جناب والا.... یہ کوئی جرم تو نہیں۔" اُس نے نہایت ادب سے کہا۔ "میری بکریوں کو زینے طے کرنے میں دشواری ہوتی تھی لہٰذا میں نے لفٹ کا انتظام کر لیا۔"

"قطعی بیکار بات۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "بکریوں کیلئے لفٹ کے مصارف.... لغو.... فضول۔"

"اب جناب شوق ہی تو ہے۔" منیجر نے کہا۔ "اگر میری بکریاں کہیں تو میں اپنا کلیجہ بھی نکال کر انہیں کھلا سکتا ہوں۔ میں تو اب ان کے سینگوں کے لئے سونے کے خول بنوا رہا ہوں۔ یہ بات

آپ کے لئے اور مضحکہ خیز ثابت ہوگی۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو ان کے گرم سوٹ بھی دے سکتا ہوں۔"

"بند کرو یہ بکواس.....!" حمید نے کہا۔ "تم پولیس کی بلیک لسٹ پر بہر حال ہو گئے.... اور کبھی نہ کبھی۔"

"ذرا ٹھہریئے۔" منیجر نہایت سعادت مندی سے بولا۔ "کیا پولیس کو میری بکریوں کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچی ہے۔"

"راحل کل تک یہیں تھا۔" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"رہا ہوگا۔" منیجر نے لاپروائی سے کہا۔ "میں اسے پہچانتا نہیں۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے کہ یہاں دن بھر سینکڑوں آیا جایا کرتے ہیں۔ لیکن میرے لئے اس کا خیال رکھنا مشکل ہے کہ آنے والا راحل تھا یا کوئی پولیس آفیسر۔ ویسے اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور فرمایئے میں ہر ایک کا خادم ہوں۔"

بہر حال حمید کو بڑی خفت کا سامنا کرنا پڑا۔ درجنوں آنکھیں اسے طنزیہ انداز میں گھور رہی تھیں.... اور وہ دل ہی دل میں اپنا سر پیٹ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی اُسے نہ جانے کس حال میں پہنچادے۔

فریدی نے سگار سلگایا۔ وہ بڑی دیر سے کمرے کا چکر لگا رہا تھا اور اُسے یہاں مقید ہوئے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ اس نے دوبارہ اس مشین کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔

ٹھیک ساڑھے تین بجے اُس نے دروازے کے تالے میں کنجی گھمانے کی آواز سنی۔ وہ پہلے ہی سے اس کے لئے تیار تھا۔ اس نے پھرتی سے فرش پر لیٹ کر سانس روک لی۔ آنے والے نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

چند لمحے چپ چاپ دروازے کے قریب کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا فریدی کے پاس آیا اور پھر جیسے ہی وہ اسے دیکھنے کے لئے نیچے جھکا فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی۔ دوسرے لمحے میں وہ فرش پر تھا۔ فریدی نے اس کا منہ دبا رکھا تھا اور وہ اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں خوف کی بجائے حیرت تھی۔

فریدی نے اس کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن جنبش نہیں کر سکا۔ بہر حال وہ جلد ہی بیہوش ہو گیا.... فریدی اُسے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے اس کی جیبیں ٹٹول کر دروازے کی کنجی نکالی اور اپنا سوٹ کیس سنبھالتا ہوا باہر نکل گیا۔ آفس میں قدم رکھتے ہی فریدی نے اپنا چہرہ ایسا بنالیا جیسے وہ ابھی ابھی سو کر اٹھا ہو۔ کلرکوں نے اُسے حیرت سے دیکھا لیکن کسی نے کچھ کہا نہیں۔

ضرغام کے کمرے میں پہنچ کر اُس نے وہ الماری کھولی جس میں ضرغام کے مرتب کئے ہوئے نقشے اور کاغذات تھے۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ ہونٹوں میں سگار دبائے اپنا سوٹ کیس سنبھالے رخصت ہوتے ہوئے کلرکوں کے سلام کا جواب سر کے اشارے سے دیتا ہوا سڑک پر آ گیا۔

فریدی کی واپسی

حمید بُری طرح اکتایا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ پچھلے روز اسے راحل کے معاملے میں بڑی خفت ہوئی ہوتی اگر ڈی۔ ایس۔ پی بھی اس کا ہم خیال نہ ہو گیا ہوتا۔ ریستوران میں پوشیدہ لفٹ کی موجودگی مشتبہ تھی۔ ریستوران کا منیجر شبہ کی بناء پر حراست میں لے لیا گیا تھا۔

حمید ٹہلتا رہا.... اچانک ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"ایک ملاقاتی ہیں آپ کی۔" نوکر نے شرارت سے مسکرا کر کہا۔

"بٹھاؤ۔" حمید نے اُسے قہر آلود نظروں سے گھور کر کہا.... نوکر منہ بنا کر ہنستا ہوا چلا گیا۔

حمید نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ٹائی کی گرہ درست کی.... سر پر ہاتھ پھیرا اور ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑا اور پھر وہاں روشی کو دیکھ کر اس کی جھنجھلاہٹ اور بڑھ گئی۔

"دیکھو.... میں نے تمہارا گھر ڈھونڈ لیا نا؟" روشی اٹھلا کر بولی۔

"کمال کر دیا تم نے تو.... بھلا کیسے ڈھونڈا....؟"

"بس پتہ لگالیا.... پتہ لگانے کے لئے تمہاری کیڈی ہی کا حوالہ دینا کافی ثابت ہوا تھا۔"

"اوہ....!" حمید ہنسنے لگا۔

"واقعی تمہارا مکان بڑا شاندار ہے۔"

"ہاں.... آں....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "دیکھو گی۔"

"ضرور.... ضرور....!"

"تو آؤ....!"

حمید نے اُسے پورا گھر دکھایا صرف ایک کمرہ باقی رہنے دیا جس میں فریدی کے پالتو سا تھے۔ اس دوران میں حمید نے باتوں ہی باتوں میں روشی کا ہینڈ بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اب وہ حمید کے ہاتھ میں تھا۔

"واقعی! تم لارڈوں کی طرح رہتے ہو۔"

"لیکن خدارا! مجھ سے شادی کی درخواست نہ کرنا۔" حمید نے کہا۔ "ورنہ میرا باپ مار ما میری کھال گرادے گا۔"

"تم بہت بدتمیز ہو۔" روشی پیشانی پر شکنیں ڈال کر بولی۔

"اوہ.... معاف کرنا میں بھول گیا تھا.... کہ تم کنواری ہو۔"

"میں جا رہی ہوں۔" روشی بھنائی۔

"اچھا چھوڑو! اب مذاق نہیں کروں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "آؤ اب تمہیں ا عجائبات کا مجموعہ دکھاؤں۔"

دوسرے لمحے میں حمید اُسے سانپوں کے کمرے میں لے جا رہا تھا۔

"چلو اندر چلو۔" حمید نے دروازہ کھول کر اُسے دھکا دے دیا۔ دروازہ روشی کے پیچھے ہو چکا تھا۔ حمید اُسے مقفل کر کے کھڑکی کے پاس آ گیا۔ روشی اندر سے بگڑ رہی تھی۔

"یہ کیا حرکت ہے۔"

"ذرا پیچھے دیکھو۔"

روشی نے پلٹ کر دیکھا اور چیخ مار کر کھڑکی کی طرف بھاگی۔ درجنوں سانپ جالی کے خانو سے رینگ کر باہر آ رہے تھے۔ حمید نے اس کا ہینڈ بیگ کھول کر ایک چھوٹا سا پستول نکالا۔

"روشی ڈارلنگ کیا تمہارے پاس اس پستول کا لائسنس ہے۔"

"خدا کے لئے۔" روشی ہسٹریائی انداز میں چیخی۔ "مجھے باہر نکالو۔"

وہ سلاخیں پکڑ کر کھڑکی میں چڑھ آئی تھی اور پلٹ پلٹ کر ان سانپوں کی طرف دیکھ رہی تھی، جو فرش پر رینگ رہے تھے۔

"پارکر کہاں گیا؟" حمید نے کہا۔ "لوسی کہاں گئی.... ضرغام کا کیا حشر ہوا۔ کیا تم ان سے ملنے نہیں جاؤ گی۔"

"خدا کے لئے مجھے نکالو۔"

"تمہارا باس کون ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"خیر تو میں چلا.... جب یہ سانپ ناشتہ کر چکیں تو مجھے مطلع کر دینا۔"

"ٹھہرو....!" روشی چیخی۔ "میں سب کچھ بتا دوں گی۔ مجھے نکالو.... خدا کے لئے۔"

دو چار سانپ کھڑکی کے نیچے بھی رینگ آئے تھے اور روشی عنقریب بیہوش ہو جانے والی تھی۔

"تو تم بتاؤ گی.... ویسے تمہارا اطمینان کر دوں کہ تم اس عمارت سے باہر نہ جا سکو گی۔"

"جو کچھ مجھے معلوم ہے بتا دوں گی۔"

حمید نے دروازہ کھول دیا اور وہ جھپٹ کر باہر نکلی۔ حمید دروازہ دوبارہ مقفل کر کے جیسے ہی مڑا.... روشی نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے دوسرا پستول نکال لیا۔

"میرا ہینڈ بیگ میری طرف پھینک دو، ورنہ گولی مار دوں گی۔"

حمید نے اس کا ہینڈ بیگ اس کی طرف اچھال دیا۔ جیسے ہی وہ اُسے سنبھالنے کے لئے ایک طرف جھکی اس کی نظریں بہک گئیں اور دوسرے لمحے میں حمید اس کے اوپر تھا۔

"ہٹو چھوڑو.... میں شور مچاتی ہوں۔" روشی ہانپتی ہوئی چیخی۔

نوکر دور کھڑے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے روشی کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ لیا تھا۔

"دروازے بند کر دو....!" حمید نے ان سے کہا اور وہ چپ چاپ کھسک گئے۔

حمید روشی کا پستول بھی چھین چکا تھا اور وہ نڈھال ہو گئی تھی۔

"اب بتاؤ" وہ اُسے بازوؤں میں اٹھا کر کرسی پر ڈالتا ہوا بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تمہارا باس کون ہے؟"

"نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔ میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتی۔"

"اور مجھے یہ بہت اچھا لگتا ہے کہ تم ایک پستول گریبان میں رکھتی ہو اور دوسرا بیگ میں۔"

"میری مرضی۔"

"میں لائسنس دیکھنے کا مجاز ہوں۔"

"وہ گھر پر ہے۔"

"دو پستولوں کا لائسنس۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

دفعتاً روشی کے چہرے کی حالت بدل گئی۔ وہ پہلے سے کچھ زیادہ دلیر نظر آنے لگی تھی۔

"کیسے.... پستول تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ تم انہیں خواہ مخواہ میرے سر تھوپنا چاہتے ہو۔ پہلے مجھے گھر دکھانے کے بہانے یہاں لائے۔ پھر زبردستی کرنی چاہی۔ میں نے انکار کیا تو اب مجھے قانونی گرفت میں لینے کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں رگی امپورٹرز سے متعلق ہوں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لڑکی۔" برآمدے سے آواز آئی اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا.... یہ فریدی کی آواز تھی.... دوسرے لمحے میں فریدی کمرے کے اندر تھا۔

پھر وہ حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اب یہ کھیل ختم کرو، ورنہ میں تمہیں جان سے ماردوں گا۔"

"آپ اسے نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔

"نہ میں جاننا چاہتا ہوں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"یہ میری زندگی برباد کرنا چاہتا تھا۔" روشی آنکھوں پر رومال رکھ کر سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ "دو پستول زبردستی میرے گلے لگانا چاہتا تھا۔ مگر دنیا میں انصاف بھی ہے سب اندھے نہیں ہوتے۔"

"میں جانتا ہوں لڑکی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم واقعی بہت نیک ہو۔ ضرغام کے چارج میں آنے سے پہلے تم نمبر چار کے مسٹر شیام کے لئے جلال آباد میں کام کر رہی تھیں اور تمہارا پورا نام ریشل اینتھلو ہے۔ اب سے پانچ سال قبل تم پر زہر خوانی کا الزام لگایا گیا تھا.... اور تم مسٹر شیام کی جھوٹی شہادت کی بناء پر بری کردی گئی تھیں۔ اس وقت سے تم اس کی مٹھی میں ہو.... بولو.... اور کچھ بتاؤں۔"

روشی سہمی ہوئی نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"مگر....!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں ابھی پولیس کے رنگروٹوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ فی الحال تم میری نجی قید میں رہو گی اور وہ سرکاری حوالات سے بہتر ہے۔"

"میں تم لوگوں پر حبس بے جا کا مقدمہ چلادوں گی۔" وہ پھر بپھر گئی۔

"خیال بُرا نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے لیکن تم عاشق کے فرائض نہیں انجام دو گے۔"

اور پھر روشی کو اُسی تاریخی تہہ خانے میں منتقل کر دیا گیا جہاں کبھی سر نتھال[1] جیسی معزز ہستیاں آرام کر چکی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ "تمہارا پرسوں رات والا کارنامہ قابل ستائش ہے لیکن کل تم نے راہل کی قیام گاہ پر چھاپہ مار کر حماقت کا ثبوت دیا ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"میں تم سے پہلے سے وہاں موجود تھا اور اسی گلی میں جہاں تم نے کیڈی کھڑی کی تھی اور جب راہل کیڈی کو ضرغام کے تعاقب میں لے جارہا تھا تو میں کیڈی ہی میں موجود تھا۔"

"کہاں....؟"

"میں نے اسٹپنی کھول لی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن واپسی کے حالات مجھے نہیں معلوم کیونکہ میں ضرغام کی خیریت دریافت کرنے کے لئے اُتر گیا تھا۔"

حمید نے واپسی کا واقعہ سنایا۔ فریدی بڑی دلچسپی سے سنتا رہا۔ بہرحال وہ حمید کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اور پھر میں نے۔" حمید بولا۔ "کل صبح راہل کو سن سٹ ریستوران کی وساطت سے فون کیا اور اس سے کہا کہ میں اُسے بلیک میل کروں گا۔ وہ سمجھا کہ شاید میں وہی شخص ہوں جو اُس سے ابھی تک کام لیتا رہا ہے اور اس کی باتوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی اس پُراسرار آدمی کی اصلی شخصیت سے واقف نہیں ہے۔"

"یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے خاص آدمی بھی نہیں جانتے کہ وہ کون ہے وہ ایک عجیب وغریب مشین کے ذریعہ ان تک اپنے پیغامات پہنچاتا ہے۔"

---

[1] سر نتھال کی خوفناک داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا پہلا خاص نمبر "موت کی آندھی" ملاحظہ فرمائیے۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ راہل کو شاید مشین کا حال بھی نہیں معلوم تھا۔" حمید نے کہا۔

"میں ضرغام کی لاش دیکھنے کے لئے رک گیا تھا۔ حقیقتاً وہ اس وقت زندہ تھا۔ گولی اس کے سر کے اوپری حصے کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ بھیجا محفوظ تھا۔ اس نے تقریباً آدھے گھنٹے تک مجھ سے گفتگو کی تھی۔ وہ اپنے آقا کے انتہائی ظالمانہ رجحانات پر جھلایا ہوا تھا اس لئے اس نے سب کچھ اگل دیا خود اس کی مرضی یہی تھی کہ راہل سے بگاڑ نہ پیدا کیا جائے لیکن وہ حکم کی تعمیل پر مجبور تھا۔ اس نے پارکر کی موت کے متعلق بھی بتایا جو کبھی اطمینان سے بتاؤں گا۔ مشین کا راز بھی اسی سے معلوم ہوا۔ نمبر چار کی حقیقت بھی اسی نے کھولی۔ وہ ماڈرن الیکٹرک سپلائی کمپنی ہے۔ رگبی امپورٹرز والے اُسے نمبر چار کہتے ہیں۔ ضرغام پہلے اسی کا منیجر تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کی موت کے بعد رگبی امپورٹرز کے دفتر میں اس کی جگہ کون سنبھالے گا.... ہاں تو میں نے اس کی موت کے بعد ہی اپنا لائحہ عمل تیار کر لیا۔ مختصر یہ کہ میں نے تھوڑی دیر تک رگبی امپورٹرز کے منیجر کے فرائض انجام دیئے۔"

اس کے بعد فریدی نے اس خونی کمرے کی داستان چھیڑتے ہوئے کہا۔ "بس ذرا سی چوک یہ ہو گئی کہ جلدی میں میں مسٹر شیام کا کوئی معقول انتظام نہ کر سکا وہ بیہوشی کی حالت میں کسی کو مل گیا اور اس نے اپنے پُر اسرار مالک تک اس کی اطلاع پہنچادی۔"

"مجھے بھی اس کمرے کو دیکھنا چاہیئے۔" حمید بولا۔

"جلد ہی دیکھ لو گے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اب وہ مشین وہاں نہ ہو گی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اچانک حمید کو کچھ یاد آگیا اور اس نے کہا۔ "آپ کو ڈائنامیٹ کا حال کیسے معلوم ہو گیا تھا۔ بظاہر تو آپ وہاں سے چلے گئے تھے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"بیٹے حمید....!" اس نے کہا۔ "تم اگر ڈائنامیٹ میری کار کے نیچے سے نہ ہٹاتے تب بھی میں زندہ رہتا۔"

"اب خواہ مخواہ بات نہ جتایئے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"اچھا بیٹے! ذرا اس ڈائنامیٹ کو کھول کر تو دیکھو۔ کیا اس کا انفجاری[1] خانہ خالی نہیں ہے۔ تم نے مجھے اُن دو آدمیوں کے متعلق فون کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ میں بھی ان کی طرف سے غافل نہیں

[1] Explosive Chamber

رہ سکتا تھا۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں چیف مدعو تھے۔ ان دونوں نے اپنا سوٹ کیس مالتی کی جھاڑیوں میں چھپا دیا تھا میں نے اس کی تلاشی لی۔ اس میں وہی ڈائنامیٹ موجود تھا۔ میں نے اس کا آتش گیر مادہ رکھنے والا خانہ خالی کر دیا لیکن اس صورت میں بھی تمہاری کارگزاریوں کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب تم پر کاہلی مسلط نہ ہو تو تم بہترین کارنامے انجام دیتے ہو۔"

"شاباش....!" حمید منہ بنا کر اپنی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا.... دفعتاً اُسے لوتھر یاد آگیا اور اس نے اس کے متعلق بھی فریدی کو بتایا۔

"اس سے کہہ دو کہ وہ اب تم سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔ وہ ایک بہترین گواہ ثابت ہوگا۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "خوب یاد آیا۔ راہل نے کہا تھا کہ وہ اُسے اچھی طرح پہچان گیا ہے اور اس سلسلے میں اس نے ایک بات اور کہی تھی کہ پچھلی رات والے میک اپ میں مجھے صرف ایک ہی آدمی پہچان سکتا تھا لیکن وہ ضرغام نہیں تھا۔"

"کیا؟" یک بیک فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

وہ عجیب آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم اسی بات کو راہل ہی کے الفاظ میں نہیں دُہرا سکتے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"ٹھہریئے! میں یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس نے کہا تھا.... اچھا تو اے گیڈرسن۔ تیرے خاص آدمی بھی تیری شخصیت سے واقف نہیں لہٰذا میں پہچان گیا ہوں اور اب تو میری مٹھی میں ہے۔ میں کل رات جس میک اپ میں تھا اس میں مجھے صرف ایک ہی آدمی جانتا ہے.... لیکن وہ آدمی ضرغام نہیں تھا۔"

"خوب....!" فریدی بڑبڑایا.... وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ "ٹیلی فون ڈائریکٹری۔"

حمید ٹیلی فون ڈائریکٹری لینے چلا گیا.... فریدی ٹہلتا رہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں میں وہی پُر اسرار چمک جاگ اٹھی تھی۔ جو شکار کے قریب ہونے پر عموماً دکھائی دیتی تھی۔

حمید ٹیلی فون ڈائریکٹری لے کر واپس آگیا۔ فریدی اس کی ورق گردانی کرتا رہا۔ پھر اپنی

خواب گاہ میں چلا گیا جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

حمید بھی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گیا۔ لیکن فریدی شائد آخری جملے کہہ رہا تھا

"بہر حال چوکنے رہیے۔ میں انتہائی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھ سے رابطہ قائم رکھیے گا۔"

پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور بھاگتا ہوا گیراج کی طرف جانے لگا تھا۔ چلتے چلتے حمید سے کہہ گیا.... نو بجے رات کو ہائی سرکل نائٹ کلب میں ملنا۔

آگ اسی حصے میں شروع ہوئی تھی جس میں رنگی امپورٹرز کا دفتر تھا اور پھر وہ اتنی تیزی سے پوری عمارت میں پھیل گئی تھی جیسے اس کی دیواروں میں گارے کی جگہ آتش گیر مادے بھرے رہے ہوں۔

فائر بریگیڈ کا ایک پورا دستہ بڑی دیر سے آگ پر قابو پانے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی اور اب احتیاط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قرب و جوار کی دوسری عمارتوں کو بھی خالی کرایا جانے لگا تھا۔

سرجنٹ حمید کو دو فرلانگ ادھر ہی اپنی موٹر سائیکل روک دینی پڑی کیونکہ سڑک بند ہو چکی تھی۔ اس حصے میں صرف آگ بجھانے والی سرخ سرخ گاڑیاں ادھر سے اُدھر دوڑتی پھر رہی تھیں۔

حمید کو یہ معلوم کرنے میں دیر نہ لگی کہ آگ کہاں لگی ہے۔ اسے اس پر تعجب نہیں ہوا۔ ویسے اسے اس بات پر حیرت ضرور تھی کہ یہ حادثہ اتنی دیر میں کیوں ہوا۔ اسے تو ایک دن قبل ہی ہو جانا چاہیئے تھا۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے آٹھ ہو چکے تھے اور اُسے ٹھیک نو بجے ہائی سرکل نائٹ کلب پہنچنا تھا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل ایک گلی میں موڑ لی۔

وہ اس وقت ہائی سرکل نائٹ کلب پہنچا جب نو بجنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ وہ موٹر سائیکل کھڑی کر کے اندر جانے ہی والا تھا کہ فریدی نے اُسے آہستہ سے آواز دی۔

"آؤ! موٹر سائیکل یہیں چھوڑ دو۔"

"آگ کے متعلق آپ کو معلوم ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"کیسی آگ۔"

"رنگی امپورٹرز کے دفتر والی عمارت جل رہی ہے۔"

"مجھے حیرت نہیں ہوئی۔" فریدی نے کہا۔ "اُسے پہلے ہی جلنا چاہیئے تھا۔ مگر اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ آگ انہی لوگوں نے لگائی ہے۔"

"کیا اس میں بھی کوئی شبہ ہے۔"

"نہیں فرزند۔ اگر انہیں لگانی ہوتی تو کل ہی لگاتے جب میں وہاں سے نکل بھاگا تھا۔ یقین رکھو کہ ابھی تک ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جرم ثابت کرنے کے لئے دانتوں پسینہ آئے گا۔ وہ بڑے دیدہ دلیر ہیں۔ ضرغام کے ترتیب دیئے ہوئے جو کاغذات میں نے حاصل کئے ہیں وہ بھی ایسے نہیں، جو انہیں جکڑ سکیں اور پھر اس کا سرغنہ....!"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ دونوں کمپاؤنڈ کے باہر آئے۔ فریدی نے ایک ٹیکسی رکوائی اس نے آہستہ سے ڈرائیور سے کچھ کہا جسے حمید نہ سن سکا۔ ٹیکسی چل پڑی۔

"لیکن پھر آگ کس نے لگائی۔" حمید نے کہا۔

"غالباً یہ راہل کا انتقامی جذبہ ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"ایک آدمی کو چیک کرنا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے ذہن میں بیک وقت کئی سوال گونج رہے تھے۔ لیکن خاموش ہی رہا۔ فریدی نے ایک سنسان سڑک پر ٹیکسی رکوائی۔ اور پھر وہ ایک طرف پیدل چل رہے تھے۔ رات بہت سرد تھی لیکن مطلع ابر آلود نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ تاریکی نہیں تھی۔ سڑک چھوڑ کر وہ پگڈنڈی پر ہو لئے جو کھیتوں کے درمیان سے گذرتی تھی۔

"آخر ہمیں جانا کہاں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بس چلتے رہو۔ مجھے صرف ایک ذرا سی تصدیق کرنی ہے۔ کسی خاص حادثے کی توقع نہیں۔"

انہیں زیادہ دور نہ جانا پڑا!۔ کھیتوں کے دوسری طرف ریلوے لائن کے قریب پہنچ کر فریدی رک گیا۔ اس نے جیب سے ٹارچ نکالی اور ادھر اُدھر روشنی ڈالنے لگا۔ پھر روشنی کا دائرہ ریلوے لائن کی دوسری طرف ایک چھوٹی سی پختہ عمارت پر رک گیا۔ قرب و جوار میں کوئی دوسری عمارت نہ تھی۔ البتہ اس سے تھوڑے فاصلے پر ننھے ننھے چراغ نظر آ رہے تھے۔ شاید وہ کوئی چھوٹا

سا گاؤں تھا۔

دونوں ریلوے لائن عبور کر کے عمارت کے قریب آئے۔ اندر کی روشنی کھڑکیوں سے دکھائی دے رہی تھی۔ فریدی نے صدر دروازے کو دھکا دیا۔ وہ کھلا ہوا تھا۔ دونوں اندر پہنچے۔ لیکن ٹھٹک گئے۔ ان کے سامنے تین آدمی کھڑے تھے اور ان کا رخ دروازے ہی کی طرف تھا۔ لیکن انہوں نے ان دو آدمیوں کو نہیں دیکھا جو دروازے کے دونوں طرف کھڑے تھے۔ دوسرے ہی لمحے میں ان کے سروں پر لوہے کی دو موٹی موٹی سلاخیں پڑیں اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔

"آئے تھے کس لئے اور ملا کون۔" ایک آدمی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "خیر یہ بھی راہل کے لئے تحفہ ہی ہے۔"

"آج رات ہماری ہے۔" دوسرے نے نعرہ لگایا۔

"کاش وہ بھی مل جاتا۔" تیسرا بڑبڑایا۔ "سردار نہ جانے کہاں رہ گئے۔"

ارے!

انہیں ہوش میں آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن ان کے ہاتھ پیر جکڑے ہوئے تھے اور کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ ان کے ہاتھ چونکہ پشت پر بندھے ہوئے تھے لہٰذا وہ وقت کا بھی اندازہ نہ لگا سکے۔ ویسے دوسرے کمرے سے اب بھی قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"اب فرمائیے۔" حمید نے سرگوشی کی۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہ مجھ سے پہلے ہی پہنچ گئے۔" فریدی نے کہا۔

"شاید انہیں راہل کی واپسی کا انتظار ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"آپ کسے دیکھنا چاہتے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"باغیوں کو اسلحہ سپلائی کرنے والے کو۔"

"اوہ.... تو کیا آپ اس کی شخصیت سے واقف ہو گئے ہیں۔"

"قطعی....!"

"کون ہے؟"

فریدی نے جواب نہ دیا۔ حمید بھی خاموش ہی رہا۔ اس کے چہرے پر عجیب طرح کی مسکراہٹ تھی۔ فریدی نے بھی اسے گھور کر دیکھا۔ لیکن وہ بدستور مسکراتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بات کا منتظر ہو۔

"آج تم بڑے دلیر نظر آ رہے ہو۔" فریدی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے خوشی ہے کہ آج میری ساری مصیبتوں کا خاتمہ ہونے جا رہا ہے۔" حمید بولا۔ "راہل یقیناً ہمیں زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"اوہ تو تم زندگی اور موت کے متعلق سوچ رہے ہو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر راہل نے اس آدمی کو مار ڈالا تو مجھے بڑا افسوس ہو گا۔ کیونکہ وہ میرا شکار ہے۔"

"خیر منائیے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "ابھی ذرا سی دیر میں راہل گردن توڑ کر رکھ دے گا۔ خیر آپ کو اسی طرح مرنا ہی تھا۔ مجھے دیکھئے بن کھلے مرجھا رہا ہوں۔ والد صاحب کا سہرا بھی نہ دیکھ سکا۔"

"بہت چہک رہے ہو حمید! آخر معاملہ کیا ہے۔"

اور پھر وہ سارا معاملہ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کو نظر آ گیا۔ حمید کے دونوں ہاتھ پیروں کی رسیاں کھولنے کے لئے آزاد تھے۔ اس نے بڑی لاپرواہی سے رسیاں ایک طرف ڈال دیں اور داہنا گال کھجانے لگا۔ فریدی اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

پھر حمید نے فریدی کی رسیاں کھول دیں۔

"تم واقعی آج کل بڑے باکمال ہو رہے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ.... یہ اس محبوبہ دلنواز کا کارنامہ ہے۔" حمید اپنی ولایتی چوہیا کو ہتھیلی پر رکھ کر پیار سے اس کی پیٹھ پر انگلی پھیرتا ہوا بولا۔

"تم میں سچ مچ شیطان حلول کر گیا ہے۔" فریدی ہنس پڑا۔

لیکن انہیں دوسرے ہی لمحہ سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ فریدی اپنی جیبیں ٹٹول رہا تھا۔ لیکن ان کے ریوالور تو پہلے ہی نکالے جا چکے تھے۔ فریدی نے جھپٹ کر لیمپ بجھا دیا۔ کمرہ تاریک ہو گیا۔

"انہیں بھی ختم کر دو۔" باہر کسی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ فریدی اور حمید دروازے کے قریب آ گئے۔

"اوہ! یہاں تو اندھیرا ہے۔" دروازہ کھولنے والے نے کہا۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے اور حمید نے دفعتاً ایک کو سنبھال لیا۔ قبل اس کے کہ وہ آواز بھی نکالتا اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ حمید نے دوسرے لمحے میں اس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ فریدی نے بھی شائد یہی کیا تھا کیونکہ دروازے کے دوسرے گوشے سے بھی کسی قسم کی آواز نہیں آئی تھی۔

وہ دونوں آہستگی سے دوسرے کمرے میں آئے یہاں سناٹا تھا۔ بقیہ تین آدمی غائب تھے۔

انہوں نے دوسرے کمرے کے کواڑ کھولے۔ مکان میں چار کمرے تھے۔ اور ان میں بہت ہی معمولی قسم کا فرنیچر تھا۔ ایک کمرے میں انہیں کچھ ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں ملیں۔ ایک طرف ایزل رکھا ہوا تھا جس پر چڑھے ہوئے کینوس پر ایک ادھوری تصویر تھی۔ قریب ہی سٹول پر رنگ کے ڈبے اور برش رکھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں پھر اسی کمرے میں چل پڑے جہاں پہلی بار انہوں نے پانچ آدمیوں کو دیکھا تھا۔ لیکن انہیں رک جانا پڑا کیونکہ اس کمرے میں کئی آدمیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ ان دونوں نے ریوالور کے دستے مضبوطی سے پکڑ لئے۔ فریدی نے آہستہ آہستہ دروازہ کھولا اور دوسرے کمرے میں کسی نے چیخ کر کہا۔ "وہ دیکھئے"

پھر فریدی اور حمید نے کچھ ایسی آوازیں سنیں جیسے حملے کے لئے رائفلیں تیار کی جارہی ہیں۔

"بیکار ہے! چپ چاپ باہر نکل آؤ۔" کمرے سے آواز آئی۔ "مکان چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔"

فریدی اور حمید نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ یہ آواز ان کی جانی پہچانی تھی لیکن وہ راہل کی نہیں ہوسکتی تھی۔

"اپنا اسلحہ باہر پھینک دو۔" آواز پھر آئی۔

فریدی نے مسکرا کر حمید کو آنکھ ماری اور انہوں نے اپنے ریوالور کھلے ہوئے دروازے سے دوسرے میں پھینک دیئے۔

"ہاتھ اٹھائے ہوئے باہر آجاؤ"

فریدی اور حمید ہاتھ اٹھائے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

"ارے آپ!" کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش بے اختیار اچھل پڑا اور اس کے ساتھیوں نے رائفلیں نیچی کرلیں۔

"تم کیسے آئے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس کمرے میں دو لاشیں ہیں۔" جگدیش نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں.... وہ راہل کے آدمی ہیں۔" فریدی بولا۔

"راہل کے آدمی۔" ایک آدمی چیخ پڑا۔ یہ جگدیش ہی کے ساتھ تھا اور فریدی اور حمید نے اُسے نظر انداز کردیا تھا۔

"یہی صاحب! مجھے یہاں لائے ہیں۔ انہوں نے ریلوے کیبن سے مجھے فون کیا تھا۔" انسپکٹر جگدیش نے کہا۔

"آپ کی تعریف....!" فریدی نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"یہ سر.... اوہ! ایک بہت بڑا سانحہ ہوگیا ہے فریدی صاحب۔"

"کیا....؟" فریدی چونک کر بولا۔

"ریلوے کیبن کے نیچے سر جگدیش کی لاش پڑی ہے۔" انسپکٹر جگدیش نے کہا۔

"کیا....؟" فریدی بے اختیار چیخ پڑا۔

"جی ہاں! جگدیش کی لاش.... سر جگدیش یہاں اس مکان میں اپنے کسی دشمن کے خوف سے روپوش تھے۔ یہ مکان مسٹر آکاش کا ہے۔" کوتوالی انچارج نے اس اجنبی کی طرف اشارہ کیا۔ "آپ آرٹسٹ ہیں۔"

فریدی پھر اُسے گھورنے لگا۔

"پھر....!" وہ کوتوالی انچارج کی طرف مڑا۔

"سر جگدیش یہاں آج بھی آئے تھے۔" کوتوالی انچارج نے بیان جاری رکھا۔

"تقریباً نو بجے چھ آدمیوں نے مکان پر حملہ کیا۔ سر جگدیش اور مسٹر آکاش پچھلے دروازوں سے نکل کر بھاگے۔ کچھ دور ہی پہنچے تھے کہ پیچھے سے گولیاں برسنے لگیں۔ مسٹر آکاش بھاگتے ہی گئے۔ انہیں اس کا ہوش نہیں تھا کہ سر جگدیش بھی ان کے ساتھ ہیں یا نہیں۔"

"پھر کیا ہوا۔" فریدی نے آکاش آرٹسٹ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں ایک جگہ ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔" آرٹسٹ نے سراسیمگی سے کہنا شروع کیا۔ "پھر میں نے بڑی دیر تک اٹھنے کی ہمت نہیں کی۔ فائر ہونے بند ہوگئے تھے۔ میں نے سر جگدیش کو آہستہ سے

پکارا۔ لیکن جواب نہ ملا.... اور پھر جب میں ڈرتے ڈرتے واپس آرہا تھا تو میں نے ریلوے کے پاس ایک لاش دیکھی وہ سر جگدلیش تھے۔ تب میں نے اوپر کیبن میں جا کر پولیس کو فون کیا۔

"کیبن مین موجود تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں وہ موجود تھا۔"

"تو اس نے بھی فائروں کی آوازیں سنی ہوں گے۔"

"ضرور سنی ہوں گی۔"

"ہوں....!" فریدی کوتوالی انچارج کی طرف مڑا۔ "اب لاش کہاں ہے؟"

"وہیں!" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"سر جگدلیش سے آپ کا کیا تعلق تھا۔" فریدی نے آکاش سے پوچھا۔

"وہ میرے بہت پُرانے گاہک تھے۔" آکاش بولا۔ "اکثر مجھ سے تصویریں بنواتے رہتے تھے اور آج دوپہر کو وہ یہاں آئے۔ انہوں نے چند روز میرے ساتھ قیام کرنے کی کوشش کی۔ انہیں کسی دشمن کا خوف تھا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اچھا تو یہ تینوں لاشیں اب اٹھنی چاہئیں اور مسٹر آکاش کیا آپ بھی کوتوالی تک چلنے کی زحمت گوارا کریں گے۔ ایک بہت بڑا آدمی مار ڈالا گیا ہے۔"

کوتوالی کے ایک بڑے کمرے میں اعلیٰ حکام اکٹھا تھے۔ ایک طرف پلنگ پر سر جگدلیش کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ہر ایک کی نظر فریدی کے چہرے پر تھی، جو اپنے سینے پر دونوں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اس نے آکاش آرٹسٹ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں نے ہی سر جگدلیش کو اس بات کی اطلاع دی تھی کہ راہل ان کی تاک میں ہے۔ اس پر انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا تھا اور مجھے بتایا تھا کہ کہاں پناہ لینے جارہے ہیں۔ میں نے ان کے گھر کا فون نمبر استعمال کیا تھا.... اور انہوں نے اسی نمبر پر مجھ سے گفتگو کی تھی۔ لیکن جب میں ان کے گھر پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ پچھلے دو دن سے گھر سے باہر تھے.... کیا یہ ایک غیر ممکن بات نہیں تھی۔ سر جگدلیش نے گھر سے باہر کہ میری ٹیلی فون کال ریسیو کی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ٹیلی فون کے محکمے نے ایک نمبر دو مختلف جگہوں کو دیئے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں نہ ملے گا۔"

"مسٹر فریدی۔" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فریدی کو متنبہ کیا۔ "جو کچھ کہئے سوچ سمجھ کر کہئے۔ آپ ایک نیک نام اور معزز شہری پر الزام لگا رہے ہیں۔ اگر آپ کے پاس مستحکم ثبوت نہ ہو تو زبان بند ہی رکھنا مناسب ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ راہل نے جلد بازی سے کام لیا۔" فریدی نے کہا۔ "بہرحال میں جو کچھ بھی کہنا چاہتا ہوں اُسے سن لیجئے۔ پچھلی مرتبہ راہل ایک ایسے ٹرک کے ساتھ گرفتار ہوا تھا جس میں رائفلیں بھری ہوئی تھیں۔ راہل نے اُن کے متعلق کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔ اسی دوران میں مجھے کسی ذریعہ سے پتہ چلا کہ شمالی مشرقی علاقے کے باغی قبائل ویسی ہی رائفلیں استعمال کر رہے ہیں جیسی راہل کے قبضے سے برآمد ہوئی تھیں۔"

"آپ کو کن ذرائع سے معلوم ہوا تھا؟" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سوال کیا۔

"افسوس یہ ہے کہ یہ میرے محکمے کا راز ہے اور عدالتی کاروائی سے قبل میں اسے ظاہر نہیں کر سکتا۔"

فریدی کے ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے مسکرا کر دیکھا اور فریدی بولتا رہا۔ اس نے رنگی امپورٹرز والے واقعات دہرانے شروع کئے اور پھر بولا۔ "میں نے خود اپنی آنکھوں سے وہ مشین دیکھی ہے۔ افسوس کہ راہل نے اس عمارت میں آگ لگا کر سب کچھ برباد کر دیا۔"

"لیکن یہ کس طرح ثابت کیجئے گا کہ وہ پُر اسرار آدمی سر جگدلیش ہی تھا۔" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کہا۔

"میں واقعی مشکل میں پڑ گیا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ لیکن حمید نے محسوس کیا کہ فریدی محض ایکٹنگ کر رہا ہے اور وہ حسب عادت اچانک کوئی ایسی بات کہہ دے گا کہ سب کے منہ حیرت سے کھلے رہ جائیں گے۔

"میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ کہئے سوچ سمجھ کر کہئے۔" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے پھر کہا۔

"اوہ.... دیکھئے میں کوشش کرتا ہوں۔" فریدی ہکلایا۔ "ثابت کرنے میں تھوڑی دشواری ہوگی۔ ویسے! میں آپ کو بتاؤں۔ ضرغام کے تیار کئے ہوئے نقشے.... یہ رہے دیکھئے.... میں نے اس جگہ کا بھی پتہ لگا لیا ہے جہاں سے اسلحہ بھیجا جاتا ہے۔ آج بذریعہ تار مجھے اطلاع ملی ہے کہ چار سو رائفلیں اس وقت پکڑی گئیں جب انہیں قبائلیوں کے علاقے میں پہنچایا جا رہا تھا۔ اُن کے

ساتھ جمیل اور ارجن نامی دو آدمی بھی گرفتار کئے گئے ہیں اور یہ دونوں کچھ دن قبل یہاں رنگی امپورٹرز کے دفتر میں تھے۔"

"چلئے! میں نے یہ بھی مان لیا۔" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کہا۔ "لیکن آپ رنگی امپورٹرز سے سر جگدیش کا تعلق کس طرح ثابت کیجئے گا۔"

"دیکھئے! میں آپ کو بتاتا ہوں۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "دشواریاں ضرور ہیں لیکن میں ثابت کرنے کی کوشش کروں گا.... راہل جگدیش کو ایک معاملے میں بلیک میل کر رہا تھا۔ وہ ان سے ایک مخصوص میک اپ میں ملتا تھا۔ اچھا فی الحال اس تذکرے کو جانے دیجئے.... رنگی امپورٹرز کے پُراسرار سربراہ نے کسی بناء پر راہل کو بھی ختم کر دینے کی اسکیم بنائی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات کو سمجھ گیا ہو کہ راہل کا فرار محض اس کو پھانسنے کے لئے عمل میں لایا گیا ہے۔ بہر حال اس نے ضرغام کو اس کام کے لئے مقرر کیا۔ ضرغام نے اس پر اس وقت گولی چلائی جب وہ سن سٹ ریستوران سے باہر نکل رہا تھا۔ واضح رہے کہ راہل اُس وقت اپنی اصلی شکل میں نہیں تھا۔ لیکن ضرغام نے اس پر گولی چلادی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ضرغام اُسے میک اپ میں بھی پہچانتا تھا۔"

فریدی نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ حمید کا واقعہ بتایا کہ کس طرح اس نے راہل کو ضرغام کو قتل کرتے دیکھا تھا اور کس طرح حمید نے دوسرے دن ایک بلیک میلر کی حیثیت سے راہل کو فون کیا تھا۔

"اب آپ ہی خیال فرمائیے۔" فریدی کچھ دیر رُک کر بولا۔ "راہل کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ جس میک اپ میں اس وقت تھا اس میں سوائے ایک آدمی کے اُسے اور کوئی نہیں پہچانتا تھا کہ وہ آدمی ضرغام نہیں تھا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ ضرغام کو اس کی اطلاع اور صحیح نشانی دینے والا صرف ایک ہی شخص ہو سکتا تھا۔ وہ جو راہل کو اس میک اپ میں پہچان سکتا تھا اور وہ شخص جگدیش کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ راہل اس سے اسی میک اپ میں ملتا تھا لیکن راہل غلطی پر تھا۔ یہ بات بھی جانتا تھا کہ میں کئی بار اس کا تعاقب کر چکا تھا۔"

"معاف کیجئے گا فریدی صاحب۔" مجسٹریٹ نے کہا۔ "اس دلیل میں بھی جان نہیں ہے۔ اگر اس پُراسرار آدمی کو راہل پر اعتماد نہیں تھا تو اس نے بھی شروع ہی سے اپنے آدمی اس کے

پیچھے لگا دیئے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ہی کی طرح وہ بھی اس کے اس مخصوص میک اپ سے واقف رہے ہوں۔"

"میرے پاس کم از کم دو گواہ ایسے ہیں.... جو مسٹر پارکر اور لوسی کے قتل سے...."

"اوہ چھوڑیئے۔" مجسٹریٹ نے فریدی کی بات کاٹ دی۔ "آپ پھر رنگی امپورٹرز کے قصے کو لے بیٹھے۔ یہاں صرف سر جگدیش کا سوال ہے۔"

"میں وہی بتانے جا رہا ہوں۔" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ کیونکہ سرجنٹ حمید اور سرجنٹ رمیش، روشی، لوتھر اور موڈرن الیکٹرک سپلائی کمپنی کے منیجر شیام کے ساتھ کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

"کیا خبر ہے! مسٹر شیام....!" فریدی نے کہا "نمبر چار کی مشین آخر خاموش ہو گئی نا۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔ آپ کیا فرما رہے ہیں۔" شیام نے حیرت کا اظہار کیا مگر اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"بیکار ہے مسٹر شیام.... وہ مشین اب کبھی نہ بولے گی۔ کیونکہ تمہارا پُراسرار باس حوالات میں ہے۔"

شیام تھوک نگل کر رہ گیا۔

"اچھا لوتھر! تم بولو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہارا ضمیر ابھی مردہ نہیں ہوا۔ تم ایک سچے عیسائی ہو۔ پارکر کیسے مرا۔"

"میں نہیں جانتا لیکن اس کی لاش صندوق میں، میں نے ہی رکھی تھی۔" لوتھر بولا۔

"مسٹر شیام کا رنگی امپورٹرز سے کیا تعلق ہے۔"

"سب ایک ہی ہیں! مطلب یہ کہ ہمارا باس ایک ہی ہے۔"

"ٹھیک مسٹر لوتھر! کیا کبھی تم نے باس کو دیکھا ہے۔"

"نہیں اس کے پیغام ہم تک منیجر کے ذریعے پہنچتے تھے۔"

"رنگی امپورٹرز کی ملازمت حاصل کرنے کے لئے کس قسم کی قابلیت کی ضرورت تھی۔"

"امیدوار کا مجرم ہونا ضروری تھا۔"

"تم کس قسم کے مجرم تھے۔"

”جعلی سکے بناتا تھا۔ ایک بار قانون کی گرفت میں آجاتا لیکن ایک نامعلوم آدمی نے مجھے بچالیا اور اسی کی وساطت سے میں رنگی امپورٹرز میں پہنچا۔“

”نامعلوم آدمی.... کیا تم نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔“

”جی نہیں۔“

”یہ بھلا کیسے ممکن....!“

”میرے لئے اس سب انسپکٹر کو رشوت دی گئی تھی جس نے مجھے پکڑا تھا۔ پھر مجھے ایک خط ملا جس میں مجھے ہدایت دی گئی تھی کہ رنگی امپورٹرز سے منسلک ہو جاؤں۔“

”کیا اس سب انسپکٹر کو پہچان سکتے ہو۔“

”افسوس کہ نہیں۔ نہ اب مجھے اس کی شکل یاد ہے اور نہ نام۔ پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ پتہ نہیں اب وہ کہاں ہو۔“

لوتھر کے بعد فریدی نے شیام پر سوالات کی بوچھاڑ کی۔ وہ ذرا کمزور دل کا آدمی تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد سب کچھ اگل دیا۔ اس نے اعتراف کیا کہ روشی کو اسی نے رنگی امپورٹرز کے لئے بھیجا تھا اور روشی ہی لوسی کی قاتل تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ قبائیلیوں کے لئے اسلحہ فراہم کرتے تھے۔

”دیکھا آپ نے۔“ فریدی نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے کہا۔ لیکن مجسٹریٹ کو بھی آج شاید کچھ ضد سی ہو گئی تھی۔

”سر جگدیش کا معاملہ پھر بھی رہا جاتا ہے۔“ مجسٹریٹ نے کہا۔

”سر جگدیش بڑا عجیب آدمی تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ایک طرف وہ راہل سے بلیک میل بھی ہو رہا تھا اور دوسری طرف اس سے ایک کام بھی لے رہا تھا۔“

”ثبوت مسٹر فریدی۔“ مجسٹریٹ جھنجھلا گیا۔

”اوہ....!“ فریدی کے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ ”میرے خیال سے یہ معاملہ اس وقت کے لئے ملتوی کر دیا جائے جب تک کہ راہل گرفتار نہ کر لیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی ٹھوس ثبوت پیش کر سکے۔“

”مسٹر فریدی۔“ مجسٹریٹ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”پچھلی کامیابیاں اکثر بہت زیادہ خود اعتادی

پیدا کر دیتی ہیں لیکن.... وہ خود اعتادی حقیقتاً خود فریبی ہوتی ہے۔“

”معاف کیجئے گا۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ”فریدی کبھی کوئی بے بنیاد بات نہیں کہتا۔“

”تو پھر دیجئے نا ثبوت۔“

”اس کا ثبوت خود سر جگدیش دے گا۔“

”کیا!“ بیک وقت کئی آدمیوں کے منہ سے نکلا اور سب ہی فریدی کو ایسی نظروں سے گھورنے لگے جیسے وہ یا تو پاگل ہو گیا ہو یا نشے میں ہو۔“

”فریدی ختم کرو! بیکار باتیں۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

”ارے تو کیا آپ کو فریدی پر اعتماد نہیں رہا۔“ فریدی نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

”حمید!“ فریدی نے گرجدار آواز میں کہا۔ ”سب سامان ٹھیک ہے نا۔“

”جی ہاں۔“ حمید نے جواب دیا۔

”اچھا تو مسٹر آکاش کے ہتھکڑیاں لگا دو.... اور مسٹر آکاش اگر تم نے جنبش کی تو گولی ماردوں گا۔ چپ چاپ کھڑے رہو۔“ فریدی نے ریوالور نکال لیا۔

حمید نے جھپٹ کر آکاش آرٹسٹ کے ہتھکڑیاں لگا دیں۔

”مسٹر آکاش۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”کیبن مین نے فائروں کی آواز نہیں سنی تھی۔ لیکن لاش کے زخم کی حالت بتاتی ہے کہ گولی قریب ہی سے ماری گئی تھی اور لاش کیبن کے نیچے ملی تھی۔ آخر اس نے اسی ایک فائر کی آواز کیوں نہیں سنی۔ کیا تم نے اسے ایک سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے نہیں قتل کیا تھا۔“

”یہ بکواس ہے۔“ آکاش چیخا۔ ”تم مجھے پھنسانا چاہتے ہو۔“

”حمید سامان لاؤ۔“ فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ حمید جھپٹ کر باہر نکلا اور دوسرے کمرے سے ایک سوٹ کیس اٹھا لایا۔ فریدی نے اسے کھولا۔ اس میں متعدد بوتلیں اور شیشیاں تھیں۔ آکاش نے بھاگنا چاہا لیکن حمید اور رمیش نے اُسے پکڑ لیا۔

فریدی نے چند بوتلوں اور شیشیوں سے سیال لے کر ایک بیکر میں ملائے اور بیکر کو ہاتھ میں لئے ہوئے آکاش کی طرف بڑھا۔ حمید اور رمیش اسے پکڑے ہوئے تھے۔ فریدی نے بیکر کا سیال

آکاش کے چہرے پر پھینک دیا۔

"یہ کیا لغویت ہے۔" آکاش چیخا۔ دوسرے لوگ دم بخود تھے۔

"ٹھہرو! مسٹر آکاش! میرے کسی بھی کیس میں یہی لمحہ میری دلچسپیوں کی جان ہوتا ہے۔" فریدی نے ایک رومال سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

اور دوسرے لمحے حاضرین کے منہ سے عجیب عجیب طرح کی آوازیں نکلیں۔ کیونکہ ان کے سامنے ایک سر جگدیش کی لاش پڑی ہوئی تھی اور دوسرا سر جگدیش حمید اور رمیش کی گرفت میں تھا۔

"مجسٹریٹ صاحب۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اب سر جگدیش سے پوچھئے کہ آخر پولیس کو اس طرح دھوکہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اور یہ کون ہے؟" مجسٹریٹ نے لاش کی طرف دیکھ کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"راہل....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اس نے پانچ آدمیوں کے ساتھ اس مکان پر حملہ کیا تھا جس میں سر جگدیش آکاش کے بھیس میں مقیم تھا۔ سر جگدیش صاف نکل گیا۔ راہل اکیلے ہی اس کی تلاش میں نکل گیا اور سر جگدیش نے بہت ہی قریب سے سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے اس کی پشت پر فائر کر دیا کیوں سر جگدیش۔"

سر جگدیش اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں تلے اندھیرا آرہا ہو۔

"اور پھر....!" فریدی نے کہا۔ "اس نے راہل پر اپنا میک اپ کر دیا۔ حمید ذرا راہل کی اصلی شکل بھی دکھادو۔"

تھوڑی دیر بعد راہل بھی اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو گیا۔

"واقعی.... مم.... مسٹر فریدی۔" مجسٹریٹ نے تھوک نگل کر کہا اور پھر کھسیانے انداز میں ہنسنے لگا۔

"میرا فریدی ایک شاندار ایکٹر ہے اور شریر بھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہنس پڑا۔

"اور میں.... میں تو ناکارہ اُلو کا پٹھا ہوں۔" حمید ہونٹوں میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 37

جنگل کی آگ

(مکمل ناول)

پُراسرار قتل

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو....!"

"فریدی.... میں عرفانی بول رہا ہوں.... بوڑھا عرفانی.... میں خطرے میں ہوں۔"

"کیا بات ہے!" فریدی نے پوچھا۔

لیکن جواب ندارد.... سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا۔ فریدی نے ریسیور کان سے لگائے رکھا۔

"ہیلو.... ہیلو.... عرفانی صاحب.... فریدی بول رہا ہے۔" فریدی نے دوبارہ کہا۔

لیکن پھر بھی کوئی جواب نہ ملا.... اور پھر فریدی نے ایک ہلکی سی آواز سنی۔ اسی کے ساتھ ہی کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔

"فائر....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"حمید....!" اُس نے حمید کو آواز دی جو برابر ہی کے کمرے میں اپنی پالتو چوہیا کو اختر شیرانی کی کوئی نظم سنا رہا تھا۔

"فرمایئے۔" اس نے اس دخل اندازی پر بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اٹھو....! ہمیں جلدی ہے۔" فریدی نے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر کہا۔

"عرفانی صاحب خطرے میں ہیں۔"

"ہوں گے۔" حمید نے بے پروائی سے کہا۔

"اٹھو....!" فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

فریدی چونکہ صورت سے پریشان نظر آرہا تھا اس لئے حمید نے زیادہ پھیلنا مناسب نہ سمجھا۔

فریدی کو اتنی جلدی تھی کہ اس نے اُسے سلیپنگ سوٹ بھی نہ اتارنے دیا۔

کیڈی پھاٹک سے نکل کر ایک طرف کو ہولی۔

"کوئی خطرناک مہم....؟" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً خطرناک ہی ہوسکتی ہے۔ عرفانی صاحب خطرے میں ہیں۔"

"کون عرفانی صاحب؟"

"ایک طرح سے تم انہیں میرا استاد بھی سمجھ سکتے ہو۔"

"آپ نے پہلے کبھی اس قسم کے کسی آدمی کا تذکرہ نہیں کیا۔" حمید نے کہا۔

"اوہو.... تم نے محکمے کے آدمیوں میں کبھی نہ کبھی ان کا تذکرہ ضرور سنا ہوگا۔ ہمارے پیش روؤں میں وہ کافی مشہور تھے۔"

"اوہ سمجھا.... وہی بوڑھا تو نہیں جسے نیلے رنگ کا خبط ہے۔"

"ٹھیک سمجھے۔"

"لیکن وہ آپ کے استاد کس طرح ہوئے۔"

"شروع میں انہوں نے اکثر میری رہنمائی کی ہے۔ والد مرحوم کے دوستوں میں سے ہیں۔ پہلی عالمگیر جنگ کے دوران میں وہ ملٹری سیکرٹ سروس سے متعلق تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد سے الگ تھلگ زندگی گذار رہے ہیں۔ لیکن سوچتا ہوں.... ایسا شخص! سمجھ میں نہیں آتا کیا معاملہ ہے انہوں نے فون پر مجھ سے اتنا ہی کہا کہ میں خطرے میں ہوں.... میں نے خطرے کی نوعیت پوچھنی چاہی لیکن جواب نہیں ملا۔ فون ڈس کنکٹ نہیں کیا گیا تھا۔ پھر میں نے فائر کی آواز سنی اور ایک ہلکی سی چیخ....!"

"کیا وہ گھر پر اکیلے ہی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"قریب.... قریب۔" فریدی نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ "ایک نوکر ہے وہ اتنا بہرہ ہے کہ جب تک اس کے کان میں منہ لگا کر چیخا نہ جائے نہیں سن سکتا۔"

"عرفانی صاحب مالدار آدمی ہیں!"

"ہاں! کافی۔" فریدی پھر خاموش ہوگیا۔

ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ سڑکیں سنسان ہوتی جارہی تھیں۔ رات کہر آلود ہونے کی
سے تاریکی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

کیڈی کیلاش برج کو پار کر کے شہر کے ایک ایسے حصے میں داخل ہو رہی تھی جہاں
آبادی نہیں تھی۔ خال خال ایک آدھ عمارتیں نظر آجاتی تھیں جن کی کھڑکیوں میں کہر میں
ہوئی دھندلی روشنی ادھورے خوابوں کی یاد کی طرح اونگھ رہی تھی۔

فریدی نے ایک عمارت کے سامنے کیڈی روک دی۔ وہ دونوں نیچے اترے۔ پائیں باغ
اندھیرا تھا عمارت کی کسی کھڑکی میں بھی روشنی نہیں تھی۔

"گاڑی سے ٹارچ نکال لو۔" فریدی نے کہا۔

حمید واپس چلا گیا۔ اتنے میں فریدی برآمدے تک پہنچ گیا تھا۔ اُسے کہیں بھی کسی قسم
آواز نہ سنائی دی۔ وہ چند لمحے ساکت و سامت کھڑا رہا۔

حمید ٹارچ لے کر واپس آگیا۔

برآمدے میں چار دروازے تھے۔ ان میں سے ایک کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ ٹار
کی روشنی ایک طویل راہداری میں پڑی اور جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے انہیں خراٹوں کی آواز سنا
دی۔ روشنی کا دائرہ آواز کی سمت گھوم گیا بائیں طرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا
اندر ایک ضعیف العمر آدمی کے خراٹے گونج رہے تھے۔

"نوکر....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

اور وہ پھر آگے بڑھ گئے اس کے کمرے کے علاوہ انہیں ہر کمرے میں انتشار اور بدنظمی نظ
آئی۔ صندوق کھلے ہوئے سامان بکھرا ہوا۔ حتیٰ کہ فرش پر بچھی ہوئی قالین تک الٹی پڑی تھ
فریدی ہر کمرے کا بلب روشن کرتا جارہا تھا۔

آخری کمرے میں حمید کو ٹیلی فون کے علاوہ ہر چیز نیلے رنگ کی نظر آئی نیلے پردے
فرنیچر دروازوں پر نہ صرف نیلا پینٹ تھا بلکہ اُن کے شیشے میں بھی نیلے ہی رنگ کے تھ
دیواروں پر نیلے رنگ کا پالش تھا۔ اس نیلگوں طوفان میں اس چیز کو نظر انداز ہی کر گئے جس پر ا
کی نظر پہلے ہی پڑنی چاہئے تھی کرسیوں کے پھٹے ہوئے گدوں یا بکھری ہوئی چیزوں کی اُن
سامنے کوئی اہمیت نہیں تھی یہ تازہ خون کا ایک بہت بڑا دھبہ تھا جو لکھنے کی بڑی میز کے نیچے فر

پر نظر آرہا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولے نہیں۔

پھر فریدی کی نظریں فون کے ریسیور پر جم گئیں جو میز کے سامنے والے کنارے پر جھول گیا تھا۔

"اسے توپ کی گرج بھی نہیں جگا سکتی۔" فریدی نے کہا اور جھک کر خون کے دھبے کو دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار تھے اور آنکھیں مضطربانہ انداز میں گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"عرفانی صاحب کی زندگی میں تو یہ ناممکن تھا۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "دس آدمی بھی گھر کی حالت اس طرح نہیں بگاڑ سکتے تھے۔"

"تو کیا....." حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"آخر لاش کیا ہو گئی۔" فریدی پر تشویش لہجے میں بولا۔

"لاش....!" حمید چونک کر بولا۔

"یہ خون....!" فریدی نے خون کے دھبے کی طرف اشارہ کیا۔ "اور یہ ریسیور جو میز سے لٹکا ہوا ہے عرفانی صاحب مجھے فون کر رہے تھے۔ فائر کی آواز.... چیخ.... ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے پھر حملہ آوروں نے گھر کا سامان الٹ پلٹ ڈالا۔ کرسیوں کے گدے تک پھاڑ ڈالے گئے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظریں کھلی ہوئی تجوری پر جمی ہوئی تھیں۔

"لیکن....!" حمید بولا۔ "حملہ آور نے انہیں نظر انداز کر دیا۔"

ان نے تجوری کے سامنے فرش پر بکھرے ہوئے نوٹوں کی طرف اشارہ کیا ان کے قریب کچھ زیورات بھی تھے جن میں قیمتی پتھر جگمگا رہے تھے۔

"ہم اسے ڈاکہ نہیں کہہ سکتے۔" فریدی نے کہا۔ "دوسرے کمروں میں بھی بہتیرا قیمتی سامان بکھرا ہوا دیکھتے آئے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ صاف ظاہر تھا کہ حملہ آوروں کو کسی خاص چیز کی تلاش تھی۔ ایسی چیز جسے کرسی کے گدوں میں بھی چھپایا جا سکتا تھا۔

"نوکر کو جگانا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ سوچتا ہوا اس کی طرف مڑا۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔

دونوں نوکر کے کمرے میں آئے وہ اب بھی اسی طرح خراٹے لے رہا تھا۔ فریدی نے بلب روشن کر دیا۔ حمید اُسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"کیا ہوا.... کیا بات ہے۔" بوڑھا گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ "آپ کون ہیں۔"

پھر انہیں اُسے سب کچھ سمجھانے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ چیختے چیختے حمید کا گلا بیٹھ گیا۔ وہ اُسے اس کمرے میں لے آئے جہاں انہوں نے خون دیکھا تھا۔

بوڑھے کی گھگھی بندھ گئی۔

"صاحب.... کک.... کہاں ہیں۔" اس نے ہکلا کر پوچھا۔

فریدی نے اُسے اپنے فون والا واقعہ بتایا۔

"تو یہ.... صاحب کا.... خون!" بوڑھا کربناک انداز میں چیخا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ چکرا کر گر پڑے گا۔ حمید نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھال لیا۔

تقریباً پندرہ بیس منٹ تک اس کی حالت غیر رہی۔ کبھی وہ چپ چاپ آنسو بہاتا اور کبھی چیخنے لگتا۔ بڑی مشکلوں سے فریدی اُسے گفتگو کرنے پر آمادہ کر سکا۔ اُس نے بتایا کہ آج کوئی ملاقاتی بھی نہیں آیا تھا اور وہ حسب معمول کاموں سے فراغت پانے کے بعد نو بجے سونے کے لئے چلا گیا تھا۔

فریدی نے دو چار سوالات اور کئے اور جوابات سے اُس نے اندازہ لگالیا کہ نوکر عرفانی کے ذاتی معاملات میں دخیل نہیں تھا۔

"بہتر تو یہی ہے کہ اس کو اس کے کمرے میں پہنچا دو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کے جانے کے بعد وہ پھر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے دروازوں کے پردے ہٹائے، دیواروں کو دیکھتا رہا اور پھر اُسی میز کے قریب پلٹ آیا۔ جس کے نیچے خون کا دھبہ تھا۔

حمید کی واپسی پر اس نے آہستہ سے کہا۔

"فائر کرنے کے فوراً بعد ہی کمرے کی روشنی گل کر دی گئی تھی۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بولے یہ واقعہ اُس پر اچانک نازل ہوا تھا ورنہ وہ اس وقت آرام سے اپنے بستر پر خراٹے لے رہا ہوتا۔

"اور حملہ آوروں کو اپنے شکار سے زیادہ اُس چیز کی تلاش کی فکر تھی جس کے لئے انہوں نے گھر میں ابتری پھیلائی ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" حمید نے یونہی کچھ سوچے سمجھے بغیر زبان ہلادی۔

"کیونکہ اُن کے اسی رجحان نے عرفانی صاحب کو فرار ہونے میں مدد دی۔"

"کیا مطلب!" حمید چونک پڑا۔ "ابھی تو آپ کسی لاش کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"پہلا خیال غلط تھا۔" فریدی چاروں طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"مگر ہو سکتا ہے کہ حملہ آور لاش بھی اپنے ہمراہ لے گئے ہوں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں کچھ نشانات اس بات کی تردید کرتے ہیں۔" فریدی بولا۔ "مثلاً.... ادھر آؤ.... اُس دروازے کا پردہ ہٹاؤ۔"

حمید پردہ ہٹا کر کھڑا ہو گیا اور واقعی وہ نشان کسی اندھے آدمی کے لئے بھی واضح تھا۔ دروازے کے ایک پٹ پر فرش سے تقریباً ڈیڑھ فٹ کی اونچائی پر خون کا ایک بڑا سا دھبہ تھا جس سے پتلی پتلی کئی لکیریں نیچے تک بہہ آئی تھیں۔

"گولی شاید پشت پر لگی تھی۔" فریدی بڑبڑایا۔ "وہ میز کے نیچے سے گھسٹتے ہوئے یہاں تک آئے۔ کچھ دیر دروازے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے رہے.... پھر....!"

فریدی دروازے کی چٹخنی کی طرف دیکھنے لگا جو گری ہوئی تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ پھر اسی دروازے سے نکل گئے ہوں۔ ذرا ٹارچ مجھے اٹھا دینا.... اوہو.... یہ پھر آگیا۔"

فریدی کی نظریں بہرے نوکر پر جم گئیں جو دروازے میں کھڑا انہیں سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

حمید آگے بڑھ کر اُس کے کان میں چیخنے لگا۔ بدقت تمام وہ اُسے سمجھا پایا کہ اس کا مالک مرا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نکل گیا ہو اور اسے اپنے کمرے میں اس وقت تک خاموش بیٹھنا چاہئے جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔

فریدی دروازہ کھول کر دوسری طرف نکل گیا تھا۔ نوکر کو واپس بھیج کر حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

فریدی کی ٹارچ کی روشنی کمرے کے فرش پر پڑ رہی تھی۔

"بلاشبہ وہ اس کمرے سے گذرے تھے.... یہ رہا خون۔"

روشنی کا دائرہ دور تک فرش پر رینگتا ہوا چلا گیا اور پھر وہ سامنے والی دیوار پر رک گیا۔ فرش سے تقریباً چار یا پانچ فٹ کی بلندی پر ایک اور بڑا سا دھبہ تھا۔

"یہ دروازہ....!" فریدی نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا۔

دوسرے لمحے میں دونوں پائیں باغ کے داہنے بازو میں تھے۔ روشنی کا دائرہ بڑی تیزی سے تاریکی میں ادھر اُدھر گردش کر رہا تھا۔

پائیں باغ کی حالت ابتر تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت عرصے سے اُس کی خبر نہیں لی گئی کیاریوں میں خشک پودے کھڑے تھے اور مہندی کی باڑھیں بڑی بے ترتیبی سے ادھر اُدھر پھیل گئی تھیں۔ یہاں صرف خودرو جھاڑیاں سرسبز دکھائی دے رہی تھیں، ورنہ ہر طرف خزاں کا راج تھا۔

"زمین سخت ہے۔" فریدی بڑبڑایا.... وہ جھکا ہوا قدموں کے نشانات تلاش کر رہا تھا۔

"وہ کیا....؟" دفعتاً حمید چیخا۔

مالتی کی خودرو جھاڑیاں عجیب انداز میں ہل رہی تھیں۔ فریدی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب روشنی کا دائرہ ہلتی ہوئی جھاڑیوں پر پڑ رہا تھا۔ دفعتاً جھاڑیوں سے کسی آدمی کا ایک پیر باہر نکل آیا اور جھاڑیاں بدستور ہلتی رہیں۔

فریدی جھاڑیوں کے قریب پہنچ چکا تھا.... اور پھر انہوں نے ایک دردناک منظر دیکھا۔ بوڑھا عرفانی جھاڑیوں کو اپنی مٹھیوں میں جکڑے ہوئے بے چینی اور کرب میں ہاتھ پیر پٹخ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

"عرفانی صاحب۔" فریدی بے اختیار اُس پر جھک پڑا۔

عرفانی کی آنکھیں کچھ اور کشادہ ہو گئیں۔

"میں فریدی ہوں عرفانی صاحب۔" فریدی پھر چیخا۔

دفعتاً ایسا معلوم ہوا جیسے عرفانی ہوش میں آگیا ہو اس کے چہرے پر نرماہٹ دوڑ گئی اور

آنکھیں خواب ناک انداز میں بوجھل ہو گئیں۔

"دیر.... ہو گئی۔" عرفانی آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا۔ "فف.... ری.... دی.... دیر ہو گئی.... نن.... اُف.... نیشنل.... بنک.... نن.... نیشنل بنک۔"

پھر اس کا سارا جسم تھرتھرانے لگا.... اور.... گردن ایک جھٹکے کے ساتھ دوسری طرف گھوم گئی۔

"عرفانی صاحب۔" فریدی نے اُسے جھنجھوڑا۔ "عرفانی صاحب۔"

لیکن عرفانی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو چکا تھا۔

شاید پندرہ یا بیس منٹ تک وہ وہیں بت بنے کھڑے رہے۔

"پولیس کے آنے تک لاش یہیں پڑی رہے گی۔" بالآخر فریدی بولا۔

"کیا.... معاملہ ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "نیشنل بنک.... آخر اس کا کیا مطلب ہے؟"

"اس پر پھر غور کریں گے۔" فریدی نے دوبارہ کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔ لیکن اب اسے نیند نہیں ستا رہی تھی۔

واردات والے کمرے میں پہنچ کر فریدی چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ پھر بولا۔

"انہیں کسی چیز کی تلاش تھی اور وہ چیز دولت نہیں ہو سکتی ورنہ وہ ان نوٹوں اور زیورات کو ضرور لے جاتے۔"

"کیا چیز ہو سکتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر کمرے کی چیزوں کو الٹنے پلٹنے لگا تھا۔ دفعتاً اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔ حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"سنو....!" فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ "ذرا دیکھو تو! کیا عرفانی صاحب کی قمیض کی جیب محفوظ ہے۔"

"کیا مطلب....؟" حمید حیرت سے بولا۔

"چلو جلدی کرو۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔ جیب محفوظ ہونے سے آپ کا کیا مطلب ہے۔"

"اوہ.... دیکھو قمیض میں جیب موجود ہے یا نہیں۔" وہ حمید کی طرف ٹارچ بڑھاتا ہوا بولا۔

حمید چلا گیا۔ فریدی بڑی میز کی درازیں کھول کھول کر دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی بوڑھے نوکر کے

رونے کی آواز عمارت میں گونج اٹھتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد حمید واپس آ گیا۔

"شاید انہوں نے عرفانی صاحب کو بھی پالیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ان کی ساری جیبیں الٹی ہوئی ہیں انہیں اچھی طرح دیکھا گیا ہے۔"

"میں نے تمہیں قمیض کی جیب دیکھنے کو بھیجا تھا۔" فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

"قمیض کی جیب اپنی جگہ پر ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"تب تو....!" فریدی حمید کے لہجے کو نظر انداز کر کے بولا۔ "یہ ٹکڑا کسی قمیض کا جیب معلوم ہوتا ہے.... اور یہ وزیٹنگ کارڈ....!"

فریدی میز پر رکھے ہوئے کپڑے کے ٹکڑے اور ملاقاتی کارڈ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ "دونوں فرش پر ملے ہیں ملاقاتی کارڈ کپڑے کے نیچے تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ خاصی جدوجہد بھی ہوئی ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"یقیناً! اس کارڈ پر ہاتھ کی مضبوط گرفت کے نشانات ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور یہ کارڈ کسی جوزف پیٹر کا ہے جو سولہ کنگس لین میں رہتا ہے۔"

"سراغ....!" دفعتاً حمید کا چہرہ چمک اٹھا۔

"اب تم کوتوالی فون کر سکتے ہو۔" فریدی بڑبڑایا۔

حمید ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"نہیں....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اسے یونہی رہنے دو۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ا[یک] دوسری عمارت ہے وہاں فون ضرور ہوگا۔"

حمید کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"اوہ سمجھا! تم شب خوابی کے لباس میں کسی شریف آدمی کا دروازہ نہیں کھٹکھٹانا چا[ہتے]"

فریدی مسکرا کر بولا۔ "خیر تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں۔"

حمید فریدی کے قدموں کی آواز سنتا رہا۔

گرانڈیل احمق

دوسری صبح کے اخبارات نے عرفانی کے پُر اسرار قتل کے متعلق بڑی موٹی موٹی سرخیاں جمائی تھیں۔ لیکن ایک بات حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ آخر لاش کی دریافت کے سلسلے میں اس کا اور فریدی کا نام کیوں نہیں لیا گیا تھا۔ اس کے برعکس خبر کے مطابق لاش عرفانی کے نوکر نے دیکھی تھی اور اسی نے پولیس کو بھی مطلع کیا تھا۔

کچھ بھی ہو یہ چیز کم از کم اس کے لئے پریشان کن تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ فریدی اس کیس کو باقاعدہ طور پر اپنے ہاتھ میں لے چکا ہے۔

اُس نے جھنجھلاہٹ میں اپنے منہ پر دو چار تھپڑ لگائے اور اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

آج اتوار تھا اور اس نے پروگرام بنایا تھا کہ اپنے گرانڈیل احمق دوست قاسم کے ساتھ مچھلیوں کا شکار کھیلنے جائے گا۔ حالانکہ فریدی نے ابھی تک اُسے کسی کام میں نہیں گھسیٹا تھا پھر بھی اسے اپنے موڈ کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ آج کل اس کا موڈ بڑا اچھا تھا اور وہ دن رات نئی نئی شرارتوں کی ایجاد کے چکر میں رہتا تھا۔

اُس نے بڑی تیزی سے شیو کیا۔ کپڑے تبدیل کئے اور ناشتے کی پروا کئے بغیر گھر سے نکل گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ناشتے کی میز پر فریدی کوئی نہ کوئی کام ضرور اُس کے سپرد کر دے گا۔

اس کا موٹر سائیکل بڑی تیزی سے قاسم کی اقامت گاہ خان ولا کی طرف جا رہی تھی۔ قاسم کا باپ خان بہادر عاصم شہر کے بہت بڑے سرمایہ داروں میں سے تھا اور قاسم اس کا اکلوتا لڑکا تھا۔ خان ولا میں صرف قاسم اور اس کی بیوی رہتے تھے اور ان کی ازدواجی زندگی بڑی تلخ گذر رہی تھی.... اور اس کی تلخی کی بنیاد پہلے ہی دن سے پڑی تھی۔ وہ بھی قاسم کی حماقت[1] کی بناء پر۔ وہ اپنے دوستوں میں گرانڈیل احمق کے نام سے مشہور تھا۔ لوگوں کا خیال تھا اس کے جسم کی نشو و نما کے سلسلے میں بیچاری عقل غذا بنتی رہی تھی اور آخر میں جسم ہی جسم رہ گیا عقل صاف ہو گئی۔

بہر حال قاسم شادی ہو جانے کے بعد بھی اکثر اپنا سر پیٹ پیٹ کر کہا کرتا تھا کہ میں اب بھی کنوارا ہوں۔ یہ مسئلہ اس کے دوستوں کے لئے خاصی دلچسپی کا موضوع تھا۔

---

[1] اس دلچسپ داستان کے لئے بھی "برف کے بھوت" جلد نمبر 11 پڑھیے۔

قاسم نے حمید کو دیکھ کر ایک گھن گرج قسم کا قہقہہ لگایا وہ صبح کا اخبار دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اُسے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"اتنے سویرے! ابھی تو مچھلیاں ناشتے سے بھی فارغ نہ ہوئی ہوں گی۔"

"لیکن میں نے ابھی ناشتہ نہیں کیا۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" قاسم ہنس کر بولا۔ "تو پھر تو میرے ساتھ ناشتہ کرو۔"

قاسم کسی نوکر کا نام لے کر چیخنے لگا۔

"ارے تم! گدھوں کی طرح چیختے ہوئے شرم بھی نہیں آتی۔"

"پھر کیا کروں! اب اٹھے کون۔"

"گھنٹی کیوں نہیں رکھتے۔"

"گھنٹی!" قاسم جھینپ کر بولا۔ "مجھے گھنٹی بجاتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

حمید ہنسنے لگا۔ قاسم اپنے عادات واطوار کے لحاظ سے عجیب ہی نہیں بلکہ عجیب ترین تھا۔ نوکر چلا گیا۔

"کیا صلح ہوگئی بیوی سے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس تذکرے کو نہ چھیڑو حمید بھائی۔" قاسم غمگین آواز میں بولا۔ پھر اخبار حمید کے سامنے رکھ کر ہنسنے لگا۔ حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"مجھے سراغ رسانی سے دلچسپی ہو چلی ہے۔" قاسم نے کہا۔ "اس قتل کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"اچھا تو آپ بھی مجھے بور کریں گے۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "ابے اسی وجہ سے تو میں گھر سے بھاگا ہوں۔"

"نہیں اللہ قسم حمید بھائی! اگر تم تھوڑی سی مدد کرو تو میں سراغ رساں بن سکتا ہوں۔"

"شٹ اپ....!"

"اچھا سنو! میں نے کیا رائے قائم کی ہے۔"

"بکو....!" حمید بیزاری سے بولا۔ اُس کی بھوک چمک اٹھی تھی۔

"اخبار والوں نے لکھا ہے کہ قاتلوں کو کسی چیز کی تلاش تھی۔" قاسم مفکرانہ انداز میں اپنے

گول گول دیدے پھرا کر بولا۔ "انہوں نے کرسیوں کے گدے تک پھاڑ ڈالے کیا چیز ہو سکتی ہے؟"

وہ سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اصلی سلاجیت۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ پھر بگڑ کر کہنے لگا۔ "ناشتے میں کتنی دیر لگے گی۔"

"یار یہ سلاجیت کیا چیز ہے؟" قاسم نے موضوع گفتگو بدل دیا۔ اُس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا بلکہ یہ اُس کی عادت تھی۔ کوئی ایک بات شروع کر کے وہ ہمیشہ ضمنیات میں الجھ جایا کرتا تھا۔

"میں ناشتے کی بات کر رہا تھا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں پہلے سلاجیت! میں بچپن ہی سے اس کے اشتہارات اکثر رسائل میں دیکھتا آرہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ہے کیا چیز!"

"بیوی سے پوچھنا۔"

"کاش میں پوچھ سکتا۔" قاسم گہری سانس لے کر بولا۔ "چھوڑو حمید بھائی اس تذکرے کو۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ.... عرفانی کے پاس کوئی ہیرا تھا۔ بہت بڑا.... شاید مرغی کے انڈے کے برابر۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ تربوز کے برابر رہا ہو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "لیکن میں نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ اب میں جا رہا ہوں۔"

"ارے نہیں.... ہی ہی ہی۔" پہلے تو قاسم ہنسا پھر یک بیک اُسے غصہ آگیا۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ بیوی سالی اس قابل ہے کہ اسے برف کے پانی میں غرق کر دیا جائے۔ ارے بھوک کے مارے میری جان بھی نکلی جا رہی ہے۔ ہر معاملے میں ٹانگ اڑاتی ہے۔ اب وہ باورچی سے الجھ رہی ہوگی.... آؤ چلو....!"

وہ دونوں کھانے کے کمرے میں آئے۔ میز خالی پڑی تھی۔ قاسم اُسے دونوں ہاتھوں سے پیٹتا ہوا چیخنے لگا۔ "کہاں مر گئے سب۔ ابھی تک ناشتہ....!"

دفعتاً ایک نوکر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔

"ابے اُو بتاشے کی اولاد.... ناشتہ۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

"وہ.... بیگم صاحب۔" نوکر ہکلایا۔

"بیگم صاحب کو فرائی پان میں ڈالو۔ میں کہتا ہوں ناشتہ۔"

"سرکاری.... وہ خود حلوہ تیار کر رہی ہیں۔"

"ہائیں.... خود تیار کر رہی ہیں۔" قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "ابے میں حلوہ کب سے کھانے لگا ہوں۔"

"میرے لئے تیار کر رہی ہوں گی۔" حمید مسکرا کر بولا۔ اور قاسم اُسے قہر آلود نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

"ابے تو جو کچھ تیار ہو وہی لاؤ۔" قاسم گرجا۔

نوکر چلا گیا۔

"اسی لئے تو وہ تم سے گھبراتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیا اس کا باپ بھی مجھ سے گھبراتا ہے۔" قاسم اکڑ کر بولا۔ "میں نے تو چاہا تھا کہ وہ اپنے باپ کے پاس چلی جائے لیکن وہ اسے بھی نہیں منظور کرتی۔"

دفعتاً قاسم کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ "حمید بھائی۔ میں کنوارا ہی مر جاؤں گا۔"

"شہادت کا درجہ ملے گا تمہیں۔" حمید لاپرواہی سے بولا۔

"میں ہرگز کنوارا نہیں مر سکتا۔" قاسم پھر بپھر گیا۔ "میں ایک آدھ کا خ.... خون....!"

وہ اچانک خاموش ہو گیا کیونکہ اس کی بیوی کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے پیچھے ناشتے کی ٹرالی تھی۔ وہ حمید کو دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔ وہ حقیقتاً ایک پیاری سی گڑیا تھی۔ دبلی پتلی نازک اندام! اور کافی خوبصورت بھی۔ قاسم اور اس کا جوڑ دراصل پہاڑ اور گلہری کا پیوند تھا۔

"معاف کیجئے گا۔ آپ لوگوں کو انتظار کرنا پڑا!" اس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں ظاہر ہے کہ آئیٹم بڑھ گئے ہوں گے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "قاسم آپ کی بڑی تعریف کر رہے تھے۔"

"اگر ایسا ہے تو مجھے خودکشی کر لینی چاہئے۔" قاسم کی بیوی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا....؟" قاسم اس طرح اُچھلا جیسے بچھو نے ڈنگ مار دیا ہو۔

"میں نے آپ سے تو کہا نہیں۔"

"آئی ایم ساری....!" قاسم مسمسی صورت بنا کر رہ گیا۔

میز پر ناشتہ چن دیا گیا۔ قاسم کے سامنے بکرے کی ایک مسلم ران اور ایک پورا مرغ تھا۔ حمید کو اس پر حیرت نہ ہوئی کیونکہ وہ اس کی خوراک سے بخوبی واقف تھا۔

"آپ کے لئے تو پھر دردسری کا سامان مہیا ہو گیا۔" قاسم کی بیوی نے حمید سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"کیا آپ نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔"

"اوہ.... مجھے اُس قتل سے کوئی سروکار نہیں۔ محکمے میں اکیلے ہم ہی تو نہیں ہیں۔"

"ہاں تو حمید بھائی۔" قاسم بکرے کی ران ادھیڑتا ہوا بولا۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ.... قاتلوں کو اُسی ہیرے کی تلاش تھی اور وہ اُسے لے گئے.... دو چار قتل ابھی اور ہوں گے۔"

"کیا آج کل تم منشی تیرتھ رام کے ترجمے پڑھ رہے ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"ہائیں! تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "اللہ قسم تم سو فیصدی سراغ رساں ہو۔ کیا نام تھا اس کا... اماں... وہی ہملاک شومز.... تم تو اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔"

"شرلاک ہومز....!" قاسم کی بیوی نے تصحیح کی۔

"ہملاک شومز....!" وہ گوشت ادھیڑتے ادھیڑتے رک کر اپنی بیوی کو گھورنے لگا۔

"آپ سمجھائیے۔" اس کی بیوی نے حمید سے کہا۔

"میں کوئی بچہ ہوں۔" قاسم دھاڑنے لگا۔ "مجھے کون سمجھائے گا۔"

"آپ کی یادداشت اس قابل نہیں ہے کہ اس پر بھروسا کیا جائے۔" بیوی نے اسے چڑھایا۔

"کیا...؟" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ "ابے اُو.... شکورا.... کل سے ہمارا ناشتہ الگ لگے گا۔"

"جلدی کرو یار.... ورنہ پھر شکار۔"

"شکار....!" قاسم کی بیوی نے حمید کی بات کاٹ دی۔

"جی ہاں! ہم لوگ آج مچھلیوں کا شکار کھیلیں گے۔"

"میں بھی چلوں گی۔"

"ضرور.... ضرور....!" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "آپ کے بغیر بھلا خاک شکار ہو گا۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔"

"کیا حرج ہے! ضرور چلئے۔" حمید نے کہا۔

"میں نہیں جاتا۔" قاسم جھنجلا کر بولا۔

"تو پھر پروگرام کیوں بنایا تھا۔" حمید بھی بگڑ گیا۔

"کیا پروگرام بنایا تھا۔" قاسم اُسے گھور کر بولا۔ "یہی کہ ایک بوریت بھی ساتھ لے چلیں گے۔"

"میں بوریت ہوں۔" قاسم کی بیوی نے اُسے للکارا۔

"جی ہاں! آپ بوریت ہیں۔"

"آپ کو شرم آنی چاہئے۔" اُس کی بیوی کا لہجہ کچھ اور تیز ہو گیا۔

"نہیں آنی چاہئے.... آپ بوریت ہیں۔"

"میں ابھی چچا جان کو فون کرتی ہوں۔" قاسم کی بیوی نے روہانسی آواز میں کہا۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے قاسم کی روح فنا ہو گئی ہو۔ قاسم کی بیوی اُس کے باپ کو چچا جان کہتی تھی اور قاسم دنیا میں اپنے باپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔

قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ وہ ناشتہ کر چکے تھے اور نوکر برتن اٹھا کر ٹرالی میں رکھ رہا تھا۔

"آپ کو اپنے الفاظ واپس لینے پڑیں گے۔" اس کی بیوی بڑبڑائی۔

قاسم کچھ نہ بولا۔ وہ چھت کی طرف دیکھ رہا تھا اور حمید کو اُس کی بگڑی ہوئی حالت پر ہنسی آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قاسم کوئی مشین ہو اور اچانک اُس کا کوئی پرزہ ٹوٹ گیا ہو۔

"آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے۔" قاسم کی بیوی اُسے گھور کر بولی۔

"حمید بھائی۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم ذرا دوسرے کمرے میں چلے جاؤ۔"

"کیوں.... خیریت۔" حمید نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مم.... میں.... اپنے الفاظ واپس لوں گا۔"

"نہیں! حمید بھائی کے سامنے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتی ہوئی بولی۔ "آپ نے اُن کے سامنے میری توہین کی ہے۔"

"میں واپس لے لوں گا۔" قاسم غرایا۔ "ابھی نہیں مجھے جلدی ہے۔"

"نہیں ابھی! ورنہ میں چچا جان۔"

"کر دو فون۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ "میں کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ اُسے دھمکاتی ہوئی بولی اور کمرے سے چلی گئی۔ قاسم بدحواسی میں طرح طرح کے منہ بنا کر اُسے جاتے دیکھتا رہا۔

"لے چلو نا....! آخر کیا حرج ہے۔" حمید اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"یار حمید بھائی! مجھے تو موت بھی نہیں آتی ہے۔" قاسم نے بے بسی سے کہا۔

"او قاسم! لمڈھگ! خدا تجھے سچ مچ غارت کرے۔ ارے تم اس قسم کی باتیں کرتے ہو۔"

"کیوں....؟" قاسم کو پھر غصہ آ گیا۔

"اتنے کیم شیم اور طاقت ور آدمی ہو کر عورتوں کی طرح خود کو کوستے ہو۔"

"عورتوں کی طرح؟" قاسم جھینپ کر بولا۔

"چلو جلدی کرو! ساری تفریح برباد ہو گئی۔"

"ہاں اور کیا۔" قاسم جلدی سے بولا۔ پھر آہستہ سے کہنے لگا۔ "ابا جان سے ضرور شکایت کر دے گی۔"

"تو کیا ہو گا۔"

"گڑبڑ ہو گی۔ بڑی گڑبڑ ہو گی حمید بھائی۔"

"ابے چل! میں تجھے کسی سرکس میں نوکری دلوا دوں گا۔"

قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد قاسم گیرج سے اپنی کار نکال رہا تھا پھر جب کار کمپاؤنڈ سے باہر جانے لگی تو قاسم کی بیوی نے نہایت اطمینان سے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ قاسم اور حمید اگلی سیٹ پر تھے۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" قاسم کار روک کر مچل گیا.... اور حمید نے قہقہہ لگایا۔

"جانا پڑے گا۔" بیوی بولی۔ "اور بوریت ساتھ جائے گی۔"

"ارے میں اپنا الفاظ واپس لیتا ہوں بابا۔" قاسم نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں بوریت نہیں ہوں۔" اُس کی بیوی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں! نہیں! نہیں!"

"تو پھر مجھے لے چلنے میں کیا قباحت ہے۔"

"ارے.... مار ڈالو.... مجھے مار ڈالو۔" قاسم اپنی ٹائی سے اپنا گلا گھونٹنے لگا حمید نے بدقت تمام اُس کے ہاتھوں سے ٹائی کے دونوں سرے چھڑائے۔

"تو آپ نہیں لے جانا چاہتے مجھے۔"

"نہیں! ہرگز نہیں۔"

"میں خوب سمجھتی ہوں۔" وہ چڑ کر بولی۔ "مچھلی کے شکار کا بہانہ ہے اور میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ شکار سی شور بیدنگ کلب کے قریب کھیلا جائے گا جہاں اینگلو انڈین لڑکیاں لنگوٹی باندھ کر نہاتی ہیں۔"

"لنگوٹی.... ارے لاحول ولا.... توبہ۔" قاسم ہکلایا۔ "لنگوٹی نہیں سوئمنگ ڈریس۔"

"اُردو میں اُسے لنگوٹی ہی کہیں گے۔" اس کی بیوی بولی۔

"ہرگز نہیں! لنگوٹی بالکل الگ چیز ہے اس میں اوپر کا حصہ کہاں ہوتا ہے۔"

"ہوتا ہو! یا نہ ہوتا ہو! بہرحال شکار کا بہانہ ہے۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے صفائی پیش کی۔

"معاف کیجئے گا حمید بھائی۔ آپ ہی انہیں برباد کر رہے ہیں۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"اے.... اے.... اغ.... الاقسم۔" قاسم ہکلایا۔ "حمید بھائی تو مجھ سے کہتے ہیں کہ نماز پڑھا کرو۔"

"میں انہیں آپ سے زیادہ جانتی ہوں۔"

"ہائیں! کیا مطلب!" قاسم حمید کو گھورنے لگا۔ کبھی وہ اپنی بیوی کو گھورتا تھا اور کبھی حمید کو۔ بالآخر اُس نے کہا۔ "کیوں حمید بھائی میں کیا سن رہا ہوں۔"

حمید کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔ "قاسم کی ذہنی رو کو بھٹکتے دیر نہیں لگتی تھی وہ اپنی بیوی کے اس جملے کو نہ جانے کیا سمجھ بیٹھا ہو۔"

"بولتے کیوں نہیں۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ "یہ تمہیں کس طرح جانتی ہے۔"

"اپنی زبان سنبھالئے۔" قاسم کی بیوی بھی چیخی۔

قاسم کار سے اُتر گیا۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہوش کی ایسی تیسی۔ تم بتاؤ مجھے یہ تمہیں کس طرح جانتی ہے۔"

"میں کیا بتاؤں۔ انہیں سے پوچھ لو۔" حمید کو ہنسی آرہی تھی۔

"ٹھیک ہے....!وہ اپنی بیوی کی طرف مڑا۔ "تم کس طرح جانتی ہو انہیں۔"

"دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔" اس کی بیوی گرج کر بولی۔ "آپ کیا سمجھتے ہیں؟"

"میں تو کچھ نہیں سمجھتا۔ تم بتاؤ کیسے جانتی ہو۔"

"چھوڑیار۔" حمید نے پھر دخل اندازی کی۔ "مچھلیاں....!"

"مچھلیاں گئیں جہنم میں.... میں بڑا خراب آدمی ہوں۔"

"اچھا تو پھر....!" حمید سنجیدہ بن کر بولا۔

"تو پھر....؟" قاسم اُسے گھورنے لگا۔ "اگر مجھے ثبوت مل گیا تو تمہیں زندہ دفن کر دوں گا۔"

"کیا بک رہے ہیں آپ اپنی زبان سنبھالئے۔" قاسم کی بیوی چیخ پڑی اور پھر وہ نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتی کار سے اُتر کر اندر چلی گئی۔ حمید کو اب بُری طرح غصہ آگیا تھا۔ لیکن قاسم پر قابو پانا آسان نہیں تھا۔ وہ اب بھی نیچے کھڑا حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

دفعتاً حمید کو اس کی دکھتی ہوئی رگ یاد آگئی۔

"تم بالکل عورتوں کی طرح شکی ہو۔ لاحول ولا قوۃ۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"عورتوں کی طرح۔" قاسم بل کھا کر رہ گیا۔

"عورتوں سے بھی بدتر! تمہیں شرم آنی چاہئے ٹھیک ہے تم اسی قابل ہو کہ وہ تم سے نفرت کرے تم نے اس وقت سچ مچ اُس کی توہین کی ہے۔"

قاسم اُسے احمقوں کی طرح دیکھتا رہا پھر ایک جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بہانہ تراشنا چاہتا ہو۔ اور حقیقتاً یہی ہوا بھی تھا۔

"تو پھر بتاؤ۔" وہ ہنستا ہوا بولا۔ "کس طرح پیچھا چھڑاتا۔ ساری تفریح برباد ہو کر رہ جاتی۔"

"نہیں جاؤ معافی مانگو اُس سے۔"

"معافی! ہرگز نہیں.... قیامت تک نہیں۔"

"اگر اس نے تمہارے باپ سے شکایت کر دی تو۔"

"یار تم کیوں! میری تفریح برباد کرنا چاہتے ہو۔" قاسم بڑبڑاتا ہوا کار میں بیٹھ گیا۔ "آج پتہ

نہیں کس کا منہ دیکھا تھا۔ ٹھیک یاد آیا.... بیگم پارا کی تصویر تھی.... یار ہے بڑی کراری عورت۔"

سوئیمنگ کلب

سی شور سوئیمنگ کلب کا گھاٹ صرف ممبروں کے لئے تھا اور دونوں اُس کے باقاعدہ ممبر تھے آج چونکہ اتوار تھا اس لئے یہاں خاصی بھیڑ تھی اور خاص طور سے غیر ملکی لوگ زیادہ نظر آرہے تھے۔

قاسم گھاٹ پر پہنچتے ہی ہاتھ سے نکل گیا۔

"حمید بھائی! الا قسم بڑی تگڑی ہے۔" وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بڑبڑایا۔ اشارہ ایک ایسی عورت کی طرف تھا جو سوئیمنگ ڈریس میں کسی پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہوئے مینڈک کی طرح لگ رہی تھی۔

اس بھیڑ میں شاید قاسم ہی کا سب سے زیادہ قد آور جسم تھا اس لئے سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ حمید کو بڑا لطف آرہا تھا لیکن اس کی یہ تفریح زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی کیونکہ اچانک اس بھیڑ میں اُسے ایک ایسا چہرہ دکھائی دیا جس سے بھاگ کر وہ یہاں آیا تھا۔ یہ فریدی کا چہرہ تھا حمید اس کی نظروں سے بچنے کی کوشش کرنے لگا وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کا یہاں کیا کام؟ کیونکہ وہ اس قسم کی تفریحات میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا تھا حالانکہ وہ ایک ماہر تیراک تھا لیکن غسل کے لئے کبھی غسل خانے سے باہر قدم نہیں نکالتا تھا اُسے اپنے جسم کی نمائش سے دلچسپی نہیں تھی پھر آخر وہ یہاں کیوں آیا تھا؟

حمید بچتا رہا لیکن آخر فریدی کی نظر اس پر پڑ ہی گئی اور خلاف توقع حمید نے اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار کے بجائے مسکراہٹ دیکھی.... ایک معنی خیز مسکراہٹ پھر فریدی نے اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے توقع نہیں تھی کہ تم یہاں مل جاؤ گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"چلئے میں بھول جاؤں گا کہ آپ مجھے یہاں ملے تھے۔" حمید نے اسے آنکھ مار کر کہا۔

"کہئے کس لڑکی کی ٹانگیں پسند آئیں۔"

"ابے تو کیا میں....!"

"صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں...." حمید نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آپ بھی آخر آدمی ہی ہیں.... لیکن یوں چھپ چھپ کر.... میرے خیال سے اس کی ضرورت نہیں۔"

"سنو! فرزند میں یہاں ٹانگیں دیکھنے کے لئے نہیں آیا۔ میں گوشت خور ضرور ہوں۔ مگر آدم خور نہیں بکواس بند کرو اور کام کی باتیں کرو۔ اُس بھوری مونچھ والے انگریز کو دیکھ رہے ہو نا اور وہ عورت جس نے پٹیوں دار سوئیمنگ ڈریس پہن رکھا ہے۔"

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وہ جوزف پیٹر تو نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک سمجھے اور وہ عورت اُس کی بیوی ہے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیا آپ جانتے ہیں کہ میں بھوکا پیاسا گھر سے کیوں بھاگا تھا۔"

"اچھی طرح۔" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "لیکن یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ کام تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتا اگر تم اس وقت جہنم کا بھی رخ کرتے تو میں تمہیں وہیں ملتا۔"

"مجھے یقین ہے.... اور میں جان بوجھ کر اُدھر کا رخ نہ کرتا۔"

"خیر چھوڑو.... تمہیں کم از کم دو گھنٹے تک ان دونوں کو یہیں روکنا ہے۔" فریدی جیب سے سگار کیس نکالتا ہوا بولا۔

"کیوں....؟"

"میں ان کے مکان کی بے ضابطہ تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ کل رات کو عرفانی کے مکان میں تنہا تھا۔"

"نہیں وہ کئی تھے لیکن تم نے یہ سوال کیوں کیا....؟"

"غالباً آپ اسی چیز کے لئے تلاشی لینا چاہتے ہیں جو وہ عرفانی کے مکان سے لے گئے اگر وہ کئی تھے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز جوزف ہی کے مکان پر مل جائے۔"

"اسے مجھ پر چھوڑو.... اچھا تو میں چلا۔ خیال رکھنا۔ دو گھنٹوں سے قبل وہ سولہ کنگس لین میں داخل نہ ہونے پائیں۔"

فریدی نے سگار سلگایا چند لمحے زمین پر نظریں جمائے کچھ سوچتا رہا پھر دفعتاً واپس جانے کے لئے مڑ گیا۔ حمید کے لئے یہ مسئلہ تشویش ناک تھا وہ کس طرح انہیں روکے رکھتا۔ اُس نے قاسم کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جو اس دوران میں کہیں چلا گیا تھا۔ حمید نے سوچا ممکن ہے وہ کلب کی عمارت کے اندر چلا گیا ہو وہ وہیں ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اُس کی نظریں جوزف پیٹر اور اس کی بیوی کے تعاقب میں تھیں جوزف پیٹر چالیس پینتالیس سال کا ایک دبلا پتلا آدمی تھا لیکن چال ڈھال سے کمزور جسم والا نہیں معلوم ہوتا تھا اور اس کی بیوی؟ اس کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ محض اس کی وجہ سے حمید نے اتنے ٹھنڈے دل سے ان دونوں پر نگاہ رکھنے کا وعدہ کر لیا تھا ورنہ وہ آج کسی سرکاری کام کے موڈ میں بالکل نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد قاسم کلب کی عمارت سے نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ اُس نے پیراکی کا لباس پہن لیا تھا حالانکہ اسے تیرنا بالکل نہیں آتا تھا اور نہ اُس نے کبھی پانی میں قدم رکھنے کی ہمت ہی کی تھی۔ ویسے وہ اس کلب کا باقاعدہ ممبر تھا اور یہاں کے سارے ممبر اُس سے بخوبی واقف تھے اور وہ بھی سب کو جانتا تھا۔ کلب کے دوسرے ممبروں کے متعلق حمید کی معلومات واجبی ہی سی تھیں بہتیروں کو وہ بالکل ہی نہیں جانتا تھا۔

"قاسم....!" حمید جوزف پیٹر کی بیوی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "وہ کون ہے؟"

"کیوں؟ ہے نا.... زوردار.... کتنی تگڑی ہے۔" قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

"کیوں نہیں.... اس کا نام پیملیا ہے اور میں اسے پیار سے پمو کہتا ہوں۔"

"پمو کہتے ہو۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیا وہ تم سے بے تکلف ہے۔"

"نہیں تو.... آج تک گفتگو بھی نہیں ہوئی میں.... یونہی بس دل ہی دل میں پمو کہتا ہوں۔"

"ہوں.... اور وہ اس کے ساتھ بھوری مونچھوں والا کون ہے۔"

"وہ اس کا شوہر جوزف ہے کاش میں بھی شوہر ہوتا۔"

"کسی فیل زادی کے۔"

قاسم نے کوئی جواب نہ دیا وہ بڑی توجہ اور لگاوٹ سے پیملیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پیملیا اور جوزف ریت پر چٹائی کی چھتری کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ پیملیا کافی حسین تھی اور تیراکی کے

لباس میں تو وہ بالکل چینی کی گڑیا معلوم ہو رہی تھی جوزف کی توجہ اس کی طرف نہیں تھی وہ پانی میں چمچماتی ہوئی کرنوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ پیملیا قاسم کے پہاڑ جیسے جسم کو گھور رہی تھی۔ اکیلی وہی نہیں گھاٹ کی درجنوں نگاہوں کا مرکز قاسم ہی تھا۔

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا سوچ رہا تھا کہ کاش قاسم بیوقوف اور ڈرپوک نہ ہوتا.... کاش اس میں عورتوں سے گفتگو کرنے کی صلاحیت ہوتی.... عورتوں کے معاملہ میں تو وہ ضرورت سے زیادہ ڈرپوک واقع ہوا تھا وہ کبھی کسی عورت سے گفتگو کرنے میں پہل نہیں کر سکتا تھا اور نئی جان پہچان والی عورتوں سے گفتگو کرتے وقت تو اُس بُری طرح اس کی سانس پھولنے لگتی تھی جیسے وہ کسی پہاڑی پر چڑھ رہا ہو الفاظ زبان سے ادا ہونے کے بجائے حلق سے نکلنے لگتے تھے اور اُسے بار بار تھوک نگلنا پڑتا تھا۔

حمید یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے دفعتاً ایک عجیب وضع کا انگریز دکھائی دیا اُس نے اپنے سر پر بنارس کے پنڈتوں کی سی زرد رنگ کی پگڑی باندھ رکھی تھی لیکن بقیہ لباس انگریزوں ہی کا سا تھا اس نے اپنے ماتھے پر تلک بھی لگا رکھا تھا اور چہرے پر ویسی ہی معصومیت تھی جیسی گوتم بدھ کے مجسموں میں پائی جاتی ہے.... وہ بڑے شاہانہ انداز میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُسی چھتری کی طرف جا رہا تھا جس کے نیچے جوزف اور پیملیا بیٹھے ہوئے تھے۔

"قاسم....!" حمید یک بیک بولا۔ "کیا تم اسے بھی جانتے ہو۔ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

قاسم اسے دیکھ کر بے تحاشہ ہنسنے لگا پھر بولا۔ "پنڈتوں کی نقل کرتا ہے سالا مگر حمید بھائی بڑا خوش قسمت ہے.... ایسی حسین حسین لونڈیوں کے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں آتے ہیں کہ بس۔" قاسم اپنے ہونٹ چاٹنے لگا۔

"وہ کس طرح؟" حمید نے پوچھا۔

"ہاتھ دیکھ کر قسمت کا حال بتاتا ہے۔"

"کیا تم نے اسے یہاں اکثر دیکھا ہے۔"

"کبھی کبھی دکھائی دیتا ہے...." قاسم بولا۔ "وہ دیکھو لونڈیوں کے پرے کے پرے اس کے پیچھے کھسکنے لگے ہائے ہائے الاقسم کیا مقدر ہے اور اپنی قسمت تو شائد مسور کی دال سے لکھی ہوئی ہے۔ آج میں بھی اس سالے کو اپنا ہاتھ دکھاؤں گا۔"

پنڈت نما انگریز جوزف کی چھتری کے نیچے پہنچ کر رک گیا اور اس کی بیوی نے اُسے دیکھ کر عجیب طرح کی آواز نکالی جوزف بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کے اس رویئے کا محرک احترام کا جذبہ نہیں بلکہ خوف تھا۔

پنڈت نما انگریز نے اس کی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کچھ بڑبڑانا شروع کیا۔ اس کی نظریں ہتھیلی پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ ساتھ ہی جوزف کے چہرے پر خوف کے آثار اور زیادہ گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

دوسری لڑکیاں اس انگریز جوتشی کے گرد اکٹھا ہونے لگیں۔

حمید نے دیکھا کہ جوزف بڑی تیزی سے اپنا سامان سمیٹ رہا ہے۔

"دیکھ رہے ہو حمید بھائی۔"

"قاسم...!" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "کیا یہ اپنی کار پر آئے ہیں۔"

"ہاں....!"

"کار پہچانتے ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ سرخ رنگ کی اسپورٹس کار ہے اور جب وہ سرخ رنگ کے اسکرٹ میں اُس پر بیٹھتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بیر بہوٹی پر بیر بہوٹی سوار ہو۔"

"چلو! مجھے اس کی کار دکھاؤ۔" حمید قاسم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔

دونوں تیزی سے اُس شیڈ کی طرف بڑھے جس کے نیچے کاریں کھڑی کی جاتی تھیں۔

"کیا معاملہ ہے؟" قاسم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بس مجھے دور سے تم اس کی کار دکھا کر وہیں واپس چلے جانا جہاں تھے۔"

"شیڈ کے نیچے ایک سرخ رنگ کی اسپورٹس کار کے علاوہ دوسری نہیں تھی۔

"وہی سرخ رنگ والی۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں! لیکن کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں! بس اب تم واپس جاؤ۔"

"نہیں جاتا۔" قاسم پھیل گیا۔

حمید تیزی سے کار کی طرف بڑھا۔ آس پاس قاسم کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ پھر

بھی اس نے احتیاطاً چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر کار کے انجن پر جھک پڑا۔

قاسم آنکھیں پھاڑے اُسے گھور رہا تھا۔

حمید کی واپسی پر وہ تھوک نگل کر بولا۔ "کیوں؟.... بیڑا غرق کر دیا تم نے۔"

"بکو مت! آؤ چلیں۔" حمید نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"آخر اس کا کیا مطلب ہے۔"

"اُس عورت سے تمہارا تعارف کراؤں گا۔"

"نہیں کچھ گڑبڑ ہے۔"

"ہو گی! تمہیں اس سے سروکار۔ اس معاملے میں زبان بند رکھنا۔"

"واہ.... یہ اچھی رہی۔" قاسم چلتے چلتے رک گیا۔ چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم نے اس کی کار میں کچھ گھٹالا کیا ہے۔"

"تم جانتے ہو! میں کون ہوں۔" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"خوب جانتا ہوں.... ہاں اب ذرا بتانا تو.... کہ تم میری بیوی کو کس طرح پہچانتے ہو۔"

"میں نہیں بلکہ وہ مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔"

"یہی سہی۔"

"تو اسی سے پوچھنا۔"

"پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔" قاسم مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "میں پیملیا سے اسی طرح تعارف حاصل کروں گا کہ اُسے تمہاری حرکت بتا دوں۔"

"اس سے پہلے ہی تم جیل میں ہو گے۔" حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ "اور تمہارے باپ تمہاری ضمانت بھی نہ دے سکیں گے۔"

"کیوں....؟"

"بس یونہی! یقین نہ ہو تو اس کا ارادہ کر کے دیکھ لو۔ اسی جگہ ہتھکڑیاں لگ جائیں گی۔ کسٹم کا تھانہ دور نہیں ہے۔"

حمید آگے بڑھ گیا۔ قاسم چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بھی اُس کے پیچھے چل پڑا۔ دونوں گھاٹ کی طرف جا رہے تھے۔

یہاں انگریز جوتشی اب بھی لڑکیوں کے نرغے میں تھا جوزف اور اُس کی بیوی کپڑے بدل چکے تھے اور اب وہ موٹر والے سائبان کی طرف جانے ہی والے تھے حمید نے کنکھیوں سے قاسم کی طرف دیکھا جو بہت زیادہ بے چین نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جوزف سے بتائے بغیر نہ رہے گا۔ اگر حمید اُسے معاملے کی نوعیت سمجھا دیتا تو شاید اُس بیچارے کو اس قسم کی جذباتی الجھن میں نہ مبتلا ہونا پڑتا۔

حمید نے سوچا کسی طرح اس کی توجہ جوزف اور اُس کی بیوی سے ہٹانی چاہئے۔

"قاسم....!"

"ہوں....!" قاسم ہونٹ سکوڑ کر غرایا۔

"تو کیا تم سچ مچ سراغ رساں بننا چاہتے ہو۔"

"نہیں....!" اس کی غراہٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

"جیل جاؤ گے۔"

"سنو! حمید بھائی.... مجھے میرے ضمیر کی آواز پریشان کر رہی ہے وہ بیچارے.... ک اسٹارٹ نہ ہو گی۔"

"اب تم اس واقعے کو بھول جاؤ.... دیکھو.... وہ لڑکی.... جس کے بال اخروٹ کی رنگت کے ہیں وہ تمہیں کس بُری طرح گھور رہی ہے تگڑی بھی ہے۔"

"ہائیں....؟ کہاں؟" قاسم بے ساختہ مڑا۔ "اوہ.... مگر اخروٹ کی رنگت کہاں ہے۔ مٹی کی رنگت۔ نہیں یہ بھی نہیں۔ مگر آنکھیں تو چلغوزہ جیسی ہیں۔ ہائے اس نے تو منہ پھیر لیا۔ حمید بھائی پھر دیکھے گی۔ ذرا میری طرف دیکھو۔" حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "ایسے موقع پر اپنی آنکھیں تھوڑی نشیلی بنا لیا کرو۔"

"اس سے کیا ہو گا۔" قاسم نے بڑے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ نہ پوچھو.... لڑکیاں اسی پر تو جان دیتی ہیں۔"

"مگر مجھ سے تو بنتا نہیں۔" قاسم بے بسی سے بولا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر یک بیک اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اور وہ جھینپی جھینپی سی ہنسی کے ساتھ کہنے لگا۔ "اگر دو تین پگ رم پی لوں تو کیسی رہے گی۔"

"بس مزہ ہی آجائے گا۔" حمید اس کی پیٹھ پر ٹھوکتا ہوا بولا۔ "تم واقعی بڑے عقل مند ہو۔ مجھے اس وقت ان لوگوں پر غصہ آرہا ہے جو تمہیں بیوقوف کہتے ہیں۔"

"میرا تو دل چاہتا ہے کہ سالوں کے سر توڑ دوں۔" قاسم دانت کچکچا کر بولا۔

"اچھا تو جاؤ۔ مگر زیادہ نہ پینا۔ پھر میں تمہیں عشق کرنے کیلئے کئی بالکل نئے گر بتاؤں گا۔"

"تم نہ پیو گے۔" قاسم نے کہا اور منہ چلانے لگا۔

"نہیں.... میں ڈیوٹی پر ہوں۔"

"ہائیں.... اتوار کو بھی ڈیوٹی۔"

"جاؤ بھی یار.... ورنہ وہ چلی جائے گی۔ میں نے اُسے تمہارے لئے منتخب کر لیا ہے۔"

قاسم احمقوں کی طرح ہنستا ہوا کلب کی عمارت کی طرف چلا گیا۔

اب حمید جوزف اور اس کی بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔ دونوں سائبان کے نیچے موجود تھے اور جوزف کار کے انجن پر جھکا ہوا تھا۔ حمید نے اطمینان کا سانس لیا لیکن وہ پانچ چھ منٹ سے زیادہ مطمئن نہیں رہ سکا کیونکہ اب جوزف انجن بند کر کے سڑک کی طرف تنہا جا رہا تھا اور اس کی بیوی پھر گھاٹ کی طرف واپس آرہی تھی۔

"ٹیکسی....!" حمید نے سوچا۔ "یقیناً وہ ٹیکسی کرے گا۔ اگر ٹیکسی مل گئی تو۔"

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ آخر اچانک اُسے یہاں سے رخصت ہو جانے کا خیال کیسے پیدا ہوا۔ کیا وہ جوتشی؟ کیا اُس نے اسے کوئی بُری خبر سنائی تھی؟ وہ جوتشی کون ہے؟

دوسرے لمحے میں حمید بڑی تیزی سے کلب کی عمارت کی طرف جا رہا تھا۔ اندر داخل ہو کر اُس نے قاسم کی طرف بھی نہیں دیکھا جو ایک کیبن سے سر نکالے طرح طرح کے منہ بنا کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا وہ سیدھا ٹیلی فون آپریٹر کے کمرے میں چلا گیا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں اسے جوزف پیٹر کا فون نمبر تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی کیونکہ کنکس لین کوئی چھوٹی موٹی جگہ نہیں تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے نمبر ڈائیل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ لہجہ انگریزوں کا سا تھا۔

"کون بول رہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"جوزف پیٹر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں ڈاکٹر زیٹو بول رہا ہوں.... سمجھے۔" حمید نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"اوہ.... اچھا.... حمید.... کیا بات ہے۔" اس بار بولنے والا اردو میں بولا۔

"گڑبڑ.... میں نے بہت کوشش کی.... لیکن وہ چل پڑا.... تنہا۔"

"کوئی بات نہیں.... آنے دو.... میں بھی اب جا رہا ہوں۔ تمہاری سعادت مندی شکریہ.... مگر یہ طریقہ جو تم نے اس وقت اختیار کیا ہے مخدوش بھی ہے ہو سکتا ہے کہ میں یہاں موجود نہ ہوتا۔"

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور ریسیور رکھ کر باہر نکل گیا۔ اس کے سر پر سے ایک بوجھ سا اُتر تھا اور اب اُسے زندگی پہلے ہی کی طرح حسین نظر آنے لگی تھی۔

ہال میں پہنچ کر وہ قاسم کو تلاش کرنے لگا۔

"آؤ.... آؤ.... میری جان.... حمید بھائی۔" قاسم ایک کیبن سے منہ نکال کر بولا اس کی آنکھیں خطرناک حد تک نشیلی ہو گئی تھیں۔ حمید نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کئی پگ جھاڑ گیا ہے اور یہی بھی جانتا تھا کہ قاسم اس معاملے میں بالکل اناڑی ہے۔

"کیوں؟" قاسم انگلی نچا کر جھومتا ہوا بولا۔ "ہو گئیں نا.... نا شیلی۔"

"بالکل بالکل....!" حمید نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم خاموش رہو گے۔ عشق صرف آنکھوں سے کیا جاتا ہے۔ ہونٹ بند۔ آنکھیں ہی سب کچھ کہہ دیتی ہیں۔"

"تو پھر میں.... اوتھوں۔" قاسم ہچکولے لیتا ہوا بولا۔ "لیکن.... مائیں کا سے اوتھوں۔ میرا سر.... ہائیں.... میرا سر۔"

قاسم گھبرائے ہوئے انداز میں اپنا سر ٹٹولنے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں اب وہ عذاب نہ بن جائے۔ اس نے اُسے اس حال کو محض اس لئے پہنچایا تھا کہ کہیں وہ سچ مچ مسز جوزف جان پہچان نہ پیدا کر لے۔ قاسم کے ذہن میں بیٹھی ہوئی کسی بات کا نکال دینا بڑا مشکل کام اسی لئے حمید نے اسے اس راہ پر لگا دیا تھا لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اُسے خرمستیوں سے طرح روکے گا۔

"میر اسار.... غمید بھاغی۔" قاسم نے ہانک لگائی۔

عجیب سانحہ

حمید نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا تھا۔ مگر اب اس کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے۔ نشے کی حالت میں پہاڑ جیسے آدمی کو سنبھالنا آسان کام نہیں تھا اور پھر معاملہ قاسم کا تھا جس کا ذہنی توازن کبھی کبھی پیے بغیر ہی بگڑ جاتا تھا۔

بہر حال اب اس نے بڑی شدومد سے اٹھنے کا تقاضہ شروع کر دیا تھا اور حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ گھاٹ پر پہنچ کر اُودھم نہ مچائے۔ جب اُس نے اس طرح شور مچانا شروع کر دیا کہ کاؤنٹر کلرک کو شکایت کرنی پڑی تو مجبوراً حمید اٹھا۔ اُس کی آج کی شرارت خود اسی کے لئے وبال جان ہو گئی تھی۔

قاسم نے باہر نکل کر حمید کو لپٹا کر رونا شروع کر دیا۔

"تم نے بہت بورا.... کیا غمید بھائی.... کار میں گھٹالا کر دیا.... ہائے پمو.... میری جان۔"

بہتیرے لوگ چونک کر انہیں گھورنے لگے۔

"قاسم! یہ کیا بیہودگی ہے۔" حمید اُس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

"مجھے.... رو لینے دو.... ہائے پمو.... میری جان۔"

کسی نہ کسی طرح حمید خود کو چھڑا کر الگ ہٹ گیا۔ قاسم پھر لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

"غمید بھائی.... میرے پیارے بھائی.... پمو ڈارلنگ کے بھائی.... کار میں گڑبڑ بھائی.... میری آنکھیں بھی نا شیلی.... آخروٹ.... اے آخروٹ۔"

بہت سے لوگ ان کے گرد اکٹھا ہو گئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں حمید سوچ رہا تھا کہ کاش زمین ہی پھٹ جاتی۔

"پمو.... آآ...." قاسم نے ٹارزن کی طرح منہ پر ہاتھ رکھ کر نعرہ لگایا۔ پھر چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ "لیڈیز اینڈ جنٹلمین آدم کو جنت سے کس نے نکلوایا.... حمید بھائی نے۔"

اس نے رک کر اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

"ارے یہ تو قاسم ہے۔" کسی نے مجمع سے کہا۔ "خان بہادر عاصم کا لڑکا۔"

"ہاں.... ہے تو پھر۔" قاسم سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر حقارت سے

ہنس کر بولا۔ "مستوں پے.... انگلیاں.... نہ اٹھاؤ.... بہار میں.... اور اے پیارے بھائیو.... حمیدو.... بھائیو.... پمو ڈارلنگ کا بیڑہ .... غرق ہو گیا.... کار میں گھٹالا.... ہو گیا.... آخروٹ ہو گیا.... کسی کے بال آخروٹ کی طرح سخت ہیں.... کسی کے گال رس گلے.... اللہ قسم مجھے رَس گلے بہت پسند ہیں.... میری بیوی.... حمید بھائی کو اچھی طرح پہچانتی ہے کہاں ہو پیارے بھائی۔"

وہ آنکھیں بند کر کے حمید کو خلا میں ٹٹولنے لگا ساتھ ہی ساتھ وہ بڑبڑاتا بھی جارہا تھا۔

"پیارے حمید بھائی.... تم شوق سے میری بیوی کو پہچانو.... مگر تم نے پمو.... کا بیڑا.... کیوں غرق کر دیا۔"

حمید نے سوچا کہ اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ قاسم نشہ اُترنے کے بعد اس کی جان کو آجائے گا۔

سڑک پر اُسے کافی دور پیدل چلنا پڑا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ ایک خالی ٹیکسی مل گئی ورنہ اس طرف تو عموماً واپسی ہی کی ٹیکسیاں آتی تھیں۔

سب سے پہلے وہ خان ولا گیا کیونکہ وہاں اس کی موٹر سائیکل تھی۔ بہر حال وہاں سے گھر کی طرف واپسی میں وہ سوچ رہا تھا کہ اُس نے اُس انگریز جوتشی کو نظر انداز کر کے عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا۔ اس کی ظاہری حالت ایسی ہی تھی کہ عام آدمی بھی اس کی شخصیت میں دلچسپی لے سکتے تھے۔

حمید کو یقین تھا کہ جوزف اس جوتشی ہی کے کسی جملے پر بوکھلا کر وہاں سے بھاگا تھا۔ جوتشی کی شخصیت اس کی نظروں میں پُر اسرار ہوتی جارہی تھی۔ لیکن اس نے اسے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا حتیٰ کہ سی شور بیڈنگ کلب میں بھی نہیں۔ قاسم کے بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اکثر وہاں آتا رہتا تھا۔ قاسم! حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھ گئی۔ یہ سب کچھ اُسی کی بدولت ہوا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ فریدی سے اُس جوتشی کا تذکرہ کرے گا یا نہیں۔ حالات ایسے تھے جن کی بناء پر فریدی اُس سے پوچھ سکتا تھا کہ اس نے جوتشی کا تعاقب کیوں نہیں کیا۔

فریدی گھر میں موجود نہیں تھا۔ اُس نے سوچا چلو غنیمت ہے۔ ابھی وہ کپڑے بھی نہیں اُتار پایا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے جھنجھلا کر اس نامعقول ایجاد کی طرف دیکھا۔ لیکن ریسیور تو

ہر حال میں اٹھانا ہی تھا ہو سکتا تھا کہ دوسری طرف فریدی ہی ہو۔

"کیا فریدی صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"نہیں....!" حمید گردن جھٹک کر بولا۔

"میں انور بول رہا ہوں۔"

"بولے جاؤ! میں منع نہیں کرتا۔"

"کیا حمید ہو!"

"تمہیں اس سے کیا غرض۔"

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"کوٹ کی جیب میں تو نہیں ہیں ہو سکتا ہے میز پر ہوں۔ یا پھر بھولے سے تمباکو کی تھیلی میں چلے گئے ہوں۔"

"تم سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے.... بیہودے۔"

"اچھا جی۔" حمید سرخ ہو کر بولا۔ "یہ تم بول رہے ہو۔ ہڈیاں دکھتی ہوں گی۔"

"میں پوچھ رہا ہوں فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"ابے کیا میں فریدی صاحب کی دم میں بندھا رہتا ہوں۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"میں بھلا کیوں ہوش میں رہنے لگا۔ ایک عورت کی کمائی کھاتا ہوں۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

حمید کو اپنے آخری جملے پر بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ رشیدہ کے سلسلے میں انور پر چوٹ کر کے وہ ہمیشہ خوش ہوتا تھا۔ ویسے حقیقت تو یہ ہے کہ حمید کو ان دونوں کے تعلقات پر رشک آتا تھا۔ رشیدہ تو سچ مچ خود اس کے خوابوں کی تعبیر تھی۔ جسے حالات نے انور کے حصے میں لا ڈالا تھا۔

حمید کپڑے اُتار کر غسل خانے کی طرف جارہا تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔

اور اس بار کال ریسیو کرتے وقت وہ بُری طرح دانت پیس رہا تھا۔ لیکن اب کی دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی تھی۔ حمید نے دانت پیسنا بند کر کے سامنے والی دیوار کو آنکھ ماری۔

"ہیلو.... کیا حمید صاحب بول رہے ہیں۔"

"فرمایئے.... آپ کون ہیں۔" حمید کے لہجے میں شہد کی نہریں بہہ رہی تھیں۔

"رشیدہ....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ....!" حمید طویل سانس لے کر بولا۔ "تو اب تم بور کرو گی۔"

"تمہیں بہت دنوں سے نہیں دیکھا سخت بے چین ہوں۔"

حمید بُرا سامنہ بنا کر رہ گیا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ انور اپنے اخبار کے لئے کوئی ایسی خبر چاہتا ہے جو کسی دوسرے اخبار میں نہ ہو۔

"اوہ تم! خاموش کیوں ہوگئے۔" رشیدہ نے پھر پوچھا۔

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ امریکہ نے ایک ایسا ٹیلی فون ایجاد کیا ہے جس پر بولنے والوں کی شکل بھی دکھائی دیا کرے لہٰذا قبل اس کے کہ وہ نامراد ایجاد ہمارے یہاں تک پہنچے میں مر جانا چاہتا ہوں۔"

"اوہو! تو کیا واقعی بور ہو رہے ہو۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"نہیں تو اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہاری سالگرہ پر تمہیں کیا تحفہ دوں۔"

"شکریہ! تمہیں میرا اتنا خیال ہے۔"

"ہاں رشیدہ۔" حمید اس طرح بولا جیسے اُسے کچھ یاد آگیا ہو۔ "میں خود تمہیں فون کرتا۔ تمہیں یاد ہے وہ کون سا سانپ تھا جسے فریدی صاحب نے بیرن آئی لینڈ میں رائفل کا نشانہ بنایا تھا۔"

"جاراکاکا۔"

"جاراکاکا.... ٹھیک.... شکریہ۔" حمید بولا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں.... کوئی خاص بات نہیں۔"

"ضرور کچھ چھپا رہے ہو۔"

"بتا تو دوں مگر پھر سوچتا ہوں کہ تم پیٹ کی ہلکی ہو۔ انور سے ضرور بتا دو گی۔ مگر نہیں۔ میں نہیں بتاؤں گا.... انور کسی نئی چیز کے چکر میں ہے اُس نے ابھی مجھے فون کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ تم دونوں کی سازش ہو۔"

"حمید ڈیئر.... پلیز....!"

"نہیں مجبوری ہے.... میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"تم بڑے سنگدل آدمی ہو۔"

"جو دل چاہے کہو۔ میں فریدی صاحب کی اجازت کے بغیر نہیں بتا سکتا۔"

"تو اُن سے پوچھ لو نا۔"

"اچھا.... میں اُن سے پوچھ کر تمہیں مطلع کر دوں گا۔ بر سبیل تذکرہ۔ کیا تم کسی ایسے انگریز جوتشی سے واقف ہو جو بنارس کے پنڈتوں کی سی پگڑی سر پر باندھتا ہو.... زرد پگڑی۔"

"بلاشبہ واقف ہوں۔ شاید تمہارا اشارہ جیر اللہ شاستری کی طرف ہے۔"

"اوہو....! جیر اللہ شاستری۔" حمید بڑبڑایا۔ "تو یہ وہی حضرت تھے۔"

"کیا کہا.... میں نہیں سمجھی۔"

"اچھا رشیدہ میں بہت مشغول ہوں۔" حمید نے کہا اور ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید سوچ میں پڑ گیا کہ اگر وہ حقیقتاً جیر اللہ شاستری ہی تھا تو اس پر کسی قسم کا شبہ کرنا کہاں تک درست ہوگا۔ حمید نے اب تک صرف اس کا نام ہی سنا تھا۔ شہر کے تعلیم یافتہ طبقوں میں شاید ہی کوئی ایسا رہا ہو جس نے اس مشرق پرست انگریز کے متعلق کچھ نہ سنا ہو۔ وہ سنسکرت کا بہت بڑا عالم اور جوتش کا ماہر تھا۔ ہندو فلسفے پر اُس کی گہری نظر تھی۔ سنسکرت اور ہندو فلسفے میں ریسرچ کرنے والے طلباء اُس سے مدد لیا کرتے تھے۔

اس پر شبہ کرتے ہوئے ہچکچاہٹ کی وجہ اور بھی تھی.... اور وہ وجہ یہ تھی کہ وزیراعظم اُس کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ حمید بڑی الجھن میں پڑ گیا تھا۔ مگر واقعات.... آخر جوزف اچانک وہاں سے کیوں بھاگا۔ ظاہری حالات تو ایسے نہیں تھے جن کی بناء پر اُس کی وہاں سے اچانک روانگی کو قرین قیاس سمجھا جا سکتا۔ وہ اور اُس کی بیوی تو بڑے اطمینان سے موسم کا لطف اٹھا رہے تھے اور اس وقت تک شاید انہوں نے پانی میں ایک غوطہ بھی نہیں لگایا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اس بار بھی رشیدہ ہی تھی۔

"تم نے جیر اللہ کے متعلق کیوں پوچھا تھا۔" وہ پوچھ رہی تھی حمید چند لمحے ماؤتھ پیس میں گھورتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "تم بڑی ذہین ہو رشیدہ.... تم مجھ سے پوری بات پوچھ کر ہی رہو گی۔"

خیر سنو! لیکن انور سے ہر گز نہ بتانا۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔"

حمید پھر مسکرایا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ انور اور رشیدہ کو دو مختلف شخصیتیں سمجھنا حماقت ہے اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس وقت بھی فون پر گفتگو کرنے والا انور ہی رہا ہو۔ کیونکہ وہ آواز بدلنے پر پوری طرح قادر تھا۔

"اچھا رشیدہ....!" حمید لمبی سانس لے کر بولا۔ "مجھے تم پر اعتماد ہے۔ یہ تو تم جانتی ہو کہ عرفانی کے قاتلوں کو کسی چیز کی تلاش تھی.... لیکن وہ انہیں نہیں مل سکی۔ حقیقتاً وہ ہمارے قبضے میں ہے۔"

"کیا چیز ہے؟" رشیدہ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"جاراکا کا سانپ کی شکل کا ایک پیتل کا سانپ جس کے پھن پر جیراللہ شاستری کا فوٹو نصب ہے۔"

"مذاق نہ کرو۔"

"تم میرا وقت برباد کر رہی ہو رشیدہ۔" حمید بگڑ کر بولا اور فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ ریسیور رکھ کر ہٹا ہی تھا کہ پھر گھنٹی بجی۔ اس بار مکا تان کر وہ ٹیلی فون کی طرف جھپٹا۔

"کیوں خواہ مخواہ بھیجا چاٹ رہی ہو۔" حمید ماؤتھ پیس میں حلق پھاڑ کر چیخا۔

"کیا بکواس ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی لیکن یہ کسی مرد کی تھی۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"سولہ کنکس لین میں فوراً پہنچو.... میں فریدی بول رہا ہوں۔"

حمید "ہیلو ہیلو" ہی کرتا رہ گیا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید کی جھلاہٹ شباب پر تھی۔ مگر وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ کنکس لین تک پہنچنے میں پندرہ منٹ صرف ہوئے اور یہ پندرہ منٹ کس طرح گزرے حمید کو اس کی خبر نہیں کیونکہ اُس کا ذہن اس کی کھوپڑی سے ایک فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا.... سولہ نمبر کی عمارت کے سامنے اس نے موٹر سائیکل روک دی۔

فریدی اندر موجود تھا اُس نے بڑی سرد مہری سے اس کا "استقبال" کیا پھر وہ دونوں ایک کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

حمید کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ حالانکہ زمین پر چت پڑے ہوئے آدمی کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن پہلی ہی نظر میں حمید کو ایسا محسوس ہو گیا تھا کہ وہ لاش ہے۔ یہ جوزف پیٹر کی لاش تھی۔ اُس کے ہونٹ سکڑ گئے تھے اور آنکھیں چھت کی طرف گھور رہی تھیں۔ چہرے پر خوف وہراس کے آثار منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔

"یہ کیسے ہوا....؟" دفعتاً حمید نے فریدی کی طرف مڑ کر تیز قسم کی سرگوشی کی۔

"تمہارا فون ملتے ہی میں یہاں سے چلا گیا تھا۔ لیکن مکان کی نگرانی کے لئے دو آدمی چھوڑ دیئے تھے ان کا بیان ہے کہ جوزف بڑی سراسیمگی کے عالم میں یہاں آیا تھا اور پھر شاید دو یا تین منٹ بعد انہوں نے عمارت میں ایک خوفناک چیخ سنی اور جب وہ یہاں آئے تو انہوں نے اس کو اسی حالت میں پایا۔

"موت کا سبب....!"

"نامعلوم! جسم پر کوئی زخم نہیں ہے۔ البتہ گردن پر ایسے نشانات ملے ہیں جنہیں میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا.... البتہ یہ دیکھو۔"

فریدی نے فرش کی طرف اشارہ کیا جہاں بھورے رنگ کے بے شمار بال بکھرے ہوئے تھے۔ فریدی نے ایک بال چٹکی میں لے کر حمید کے چہرے کے سامنے کر دیا۔ یہ بال تقریباً چھ یا سات انچ لمبا رہا ہو گا۔

"کوئی عورت....!" حمید ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"اگر یہ بال کسی عورت کے ہیں تو وہ یقیناً ریچھ کی اولاد ہو گی۔"

"پھر....!"

"کسی عورت یا مرد کے بال اتنے سخت نہیں ہو سکتے اور دوسری بات یہ کہ کیا وہ عورت پوری عمارت میں اپنا سر کھجاتی پھری ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اس قسم کے بال کئی جگہ ملے ہیں لیکن اس کمرے میں سب سے زیادہ ہیں۔"

"پھر آپ نے کیا سمجھا ہے؟"

"کچھ نہیں.... ابھی میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔"

"اُس کی بیوی واپس آئی۔"

"ہاں.... وہ اوپری منزل پر ہے اور اس نے ابھی تک کوئی کام کی بات نہیں بتائی۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ اُن معاملات سے لاعلم ہے۔"

"کن معاملات سے۔"

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے یہاں کی تلاشی کیوں لی تھی۔"

"میں غیب داں تو نہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"احمق ضرور ہو۔ کیا تمہیں کسی قمیض کا وہ جیب یاد نہیں جو ہمیں عرفانی صاحب کے یہاں ملا تھا۔"

"اوہ.... تو کیا....!"

"مجھے وہ قمیض یہاں مل گئی ہے جس کا جیب غائب ہے۔ غالباً جدوجہد کے دوران میں عرفانی صاحب کا ہاتھ جیب پر پڑ گیا تھا۔ جوزف بیوقوف تھا جو اس نے اس قمیض کو ضائع نہیں کر دیا۔" فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر یکایک چونک کر بولا۔ "وہ یک بیک وہاں سے بھاگا کیوں تھا۔"

حمید نے مختصراً جیرالڈ شاستری والا واقعہ دہرا لیا۔ اس دوران میں فریدی کی نظریں لاش پر جم رہی تھیں اور اس کی پیشانی پر بار بار سلوٹیں پڑ جاتی تھیں۔

"جیرالڈ کے متعلق آپ کیسی رائے رکھتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"وہ ہمیشہ میرے لئے پُراسرار رہا ہے مگر اتنا نہیں کہ میں اسے کسی قسم کے جرائم سے متعلق سمجھوں۔"

"وہ ہے کیا بلا۔"

"اسے مشرقی علوم خصوصاً سنسکرت اور فلسفے سے عشق ہے۔ انگلستان کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتا ہے محض اکتساب علم کے شوق میں اُس نے اپنا خاندانی اعزاز اپنے چھوٹے بھائی کو سونپ کر مشرق کی راہ لی۔ ورنہ وہ اس وقت لارڈ آرتھر جیرالڈ ہوتا۔"

"اوہو....! تو کیا وہ لارڈ نکسن جیرالڈ کا بھائی ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی.... چلو اب ہمیں ایک بار پھر جوزف کی بیوی سے ملنا پڑے گا۔"

اوپری منزل پر پہنچ کر وہ اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں پیملیا تکیوں میں سر ڈالے پڑی تھی۔ ان کی آہٹ پر چونک کر اس نے سر اٹھایا۔ اُس کے چہرے پر غم کے بجائے خوف کے آثار

تھے۔ آنکھیں سرخ ضرور تھیں لیکن یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ رونے ہی کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھیں۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں پھر تکلیف دے رہا ہوں۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"کہئے.... میں اس وقت ہوش میں نہیں ہوں۔"

"بیدنگ کلب میں جیرالڈ سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" پیملیا یک بیک اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ خود بخود بڑبڑانے لگی۔

"انہوں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ وہی ہوا.... وہی ہوا۔"

"کیا کہا تھا۔" فریدی بولا۔

پیملیا چند لمحے اپنی ویران آنکھیں پُرخیال انداز میں فریدی کے داہنے شانے پر جمائے رہی پھر بولی۔ "انہوں نے کہا تھا.... کہ آج تم دونوں کو گھر سے نہ نکلنا چاہئے تھا۔ آج کا دن تمہارے لئے انتہائی خطرناک ہے۔"

"اس سے اس کا کیا مطلب تھا۔"

"اوہ.... مطلب کیا اب بھی مطلب پوچھنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔" پیملیا نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"پچھلی رات.... میں نہیں جانتی۔ شاید وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں تھا۔ تین بجے واپس آیا تھا۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس نے پچھلی رات ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔"

"کیا....؟" پیملیا اچھل کر کھڑی ہو گئی اس کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

یک بیک وہ چیخ پڑی۔ "تم جھوٹے ہو.... جوٹی مہاتما بدھ کا سچا پیرو تھا.... یہ بکواس ہے.... نکل جاؤ یہاں سے۔" پھر وہ پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگی۔ "یہ وحشیوں کی سرزمین ہے.... یہ جنگلیوں کی بستی ہے.... یہ غلط ہے.... مہاتما بدھ یہاں نہیں پیدا ہوئے تھے۔"

پُراسرار جوتشی

دوسری صبح سرجنٹ حمید اور انسپکٹر فریدی، جیرالڈ شاستری کی قیام گاہ کی طرف جا رہے تھے۔

فریدی نے اتنی سختی سے دانتوں پر دانت جمار کھے تھے کہ اُس کے جبڑوں کے مسلسل اُبھر آ رہے تھے اور اس کی آنکھیں سامنے سڑک پر گھور رہی تھیں۔ حمید نے اُسے کنکھیوں سے دیکھا اور نتھنے پھلا کر "شوں شوں" کرنے لگا۔ پھر اچانک چونک کر بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سارے اگر بڈھسٹ کیوں ہوئے جا رہے ہیں۔"

"ہوں....!" فریدی بڑبڑایا۔ "کل تم نے قاسم کے ساتھ شرارت کی تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا....؟"

"اُس نے آج صبح فون پر تمہاری شکایت کی تھی۔"

حمید ہنسنے لگا.... اور پھر اُسے قاسم والا واقعہ دہرانا بھی پڑا۔

"تمہیں سینکڑوں بار سمجھا چکا ہوں کہ دوسروں کو ایسے معاملات میں شریک نہ کیا کرو" فریدی بولا۔

"مجبوری تھی۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

کیڈی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بڑبڑانے لگا۔

"عرفانی کا پُر اسرار قتل.... کسی چیز کی تلاش.... مرنے والے نے نیشنل بنک کا نام لیا تو کیا وہ چیز قاتلوں کو نہیں مل سکی۔ کہیں عرفانی نے اُسے نیشنل بنک میں نہ رکھا ہو۔"

"میرا خیال ہے" حمید بولا۔ "جوزف کی موت عرفانی کی موت سے بھی زیادہ پُر اسرار ہے۔ آخر وہ بال کیسے تھے۔"

"پتہ نہیں.... لیکن یہ تو صاف ہے کہ جوزف محض راز داری کے لئے مارا گیا۔ سازشیو کو یقین تھا کہ وہ ضرور پکڑا جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ انہیں اس بات کی اطلاع ہو گئی ہو کہ آپ اس کے مکان کی تلاشی لے رہے ہیں"

"ہوں.... یہ تو بعد کی باتیں ہیں آخر وہ کیا چیز تھی جس کے لئے اتنا ہنگامہ ہوا۔ قاتل ا تلاش کرنے میں اتنے منہمک ہو گئے تھے کہ وہ عرفانی کو بالکل ہی بھول گئے حتیٰ کہ ان کو خبر ہوئی کہ کب ان کا شکار رینگتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔"

"جوزف کی موت....!" حمید بڑبڑایا۔

"اونہہ اسے فی الحال بھول جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا قاتل اُس کے لئے نہ صرف ڈراؤنا لہ حیرت انگیز بھی تھا اور اس کی موت اتنی جلد واقع ہوئی کہ خوف و تحیر کے آثار مرنے سے بل اس کے چہرے سے رفع نہ ہو سکے اور اپنے نشانات مرنے کے بعد بھی چھوڑ گئے۔ اسے بھی ہ لو۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ عام نظریئے سے مختلف ہو گی۔"

"یعنی....!" حمید فریدی کو گھور کر بولا۔

"عام نظریہ یہ ہے کہ جوزف کو گلا گھونٹ کر مارا گیا لیکن پوسٹ مارٹم کی رپورٹ دم گھٹ کر رنے کی کہانی سنائے گی۔"

"کیا آپ نے اس قسم کی کوئی ہدایت دی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... وہ رپورٹ قطعی درست ہو گی۔ ابھی تک میں معاملات کی نوعیت کو نہیں سمجھ کا۔ اس لئے طریق کار متعین کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"آخر رپورٹ میں ہو گا کیا۔"

"موت کی وجہ، دم گھٹنے کے بجائے حرکت قلب کا اچانک بند ہو جانا ظاہر کرے گی۔"

"اور یہ رپورٹ سچی ہو گی۔" حمید بڑبڑایا۔ "لیکن وہ نشانات جو اسکی گردن پر پائے گئے ہیں۔"

"ہاں نشانات بھی تھے۔ لیکن موت خوف کی شدت سے واقع ہوئی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی.... پھر فریدی نے پوچھا۔

"اس کی بیوی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"ہے ہے! چاند کا ٹکڑا ہے ظالم۔"

"ہوں....!" فریدی نے ہونٹ بھینچ لئے۔

"آپ نے تو دیکھا تھا اُسے۔" حمید لہک کر بولا۔ "غسل کے لباس میں... کتنا سڈول جسم ہے۔"

"ابے تو کیا میں اُس کے حسن کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"آپ پوچھیں یا نہ پوچھیں۔ مجھے سچی بات کہنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔" حمید بھی اُسی لہجے میں بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "مجھے اس بدنصیب عورت سے ہمدردی ہے۔"

"مجھے تو اسی میں شبہ ہے کہ جوزف حقیقتاً اُس کا شوہر تھا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"رہا ہو! یا نہ رہا ہو۔ لیکن میں یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ جوزف کے

جرم سے واقف نہیں تھی۔"

"کس بناء پر کہہ رہے ہو۔"

"اس بناء پر کہ وہ اب تک زندہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ دوسرے لوگ بھی زندہ ہی ہوں گے جو .... جوزف کے ساتھ تھے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

حمید نے چند لمحے خاموش رہ کر کہا۔ "جوزف کی موت اس لئے واقع ہوئی کہ کہیں پولیس اس سے کچھ معلوم نہ کرلے۔ یہی چیز پیملیا کے لئے بھی ہوسکتی ہے ظاہر ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کا پتہ نہیں لگا سکے۔"

"پیملیا سے پولیس کچھ نہ معلوم کر سکے گی۔ اسی لئے وہ اب تک زندہ ہے۔" فریدی نے کہا "جوزف بیوقوف اور لاپرواہ آدمی تھا اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو اُس قمیض کو ضائع کردیتا وہ ذہنی طور حقیقتاً ایسا ہی رہا ہوگا کہ پولیس کو اس سے کافی مدد ملتی۔"

"باتوں میں آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا۔" حمید نے اکتا کر بات ختم کرنے کے لئے کہا۔

"ویسے تم کشتی میں مجھ سے جیت سکتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اوہ! خوب یاد آیا۔" حمید نے کہا۔ "آپ فری اسٹائل کشتی کے داؤں پیچ سے تو واقف ہوں گے۔"

"ہاں .... کیوں .... ؟"

"عنقریب فری اسٹائل کا ایک دنگل شروع ہونے والا ہے۔ مغربی ممالک کے پہلوان آرہے ہیں۔"

"پھر .... !"

"میں قاسم کو کسی سے لڑانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ اس میدان میں ایک معروف آدمی ہے اس لئے میں کافی پیسے پیدا کرلوں گا۔"

"اچھا .... یہ پیشہ کب سے اختیار کیا ہے۔"

"کیا حرج ہے اس میں .... کچھ احمق رئیسوں سے کچھ روپے وصول کرلوں۔"

"کس طرح وصول کروگے۔"

"قاسم کی جوڑ پر شرط بد کر۔"

"خیال بُرا نہیں۔ لیکن مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"آپ قاسم کو فری اسٹائل کے طریقے بتایئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ جیرالڈ کی قیام گاہ کے قریب پہنچ گئے تھے فریدی نے کیڈلاک کو کمپاؤنڈ کے اندر لے جانے کے بجائے پھاٹک ہی پر روک دیا اور وہ دونوں اُتر کر اندر چلے گئے برآمدے میں کوئی نہیں تھا فریدی نے آگے بڑھ کر گھنٹی بجائی۔

تھوڑی دیر بعد اندر قدموں کی آواز سنائی دی دروازہ ذرا سا کھلا اور ایک دبلا پتلا انگریز جس کے گالوں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں۔ سر نکال کر برآمدے میں دیکھنے لگا۔

فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر اسکی طرف بڑھایا جسے وہ لے کر کچھ بڑبڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔

"اس کے نوکر بھی انگریز ہی ہیں۔" حمید نے کہا۔

قبل اس کے کہ فریدی کچھ کہتا دروازہ پھر کھلا اور وہ دبلا پتلا قبر رسیدہ انگریز برآمدے میں نکل آیا۔ اُس نے فریدی کا کارڈ اُسے واپس کردیا۔

"کیوں .... ؟" فریدی نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں خادم نہیں ہوں۔ سمجھے تم .... ؟" اس نے نتھنے پھلا کر منمناتے ہوئے کہا۔ "میں اس حرامی کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں .... سمجھے تم .... ؟"

"سمجھا! میں لیکن میرا ملاقاتی کارڈ اس تک کون پہنچائے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"میں ہی حرامی پہنچاؤں گا۔ لیکن میں خادم نہیں ہوں۔"

"نہیں پیارے تم تو راجہ اندر ہو۔" حمید بولا۔

"کیا .... ؟" انگریز نے پھر نتھنے پھلائے۔

"کچھ نہیں .... !" فریدی جلدی سے بولا۔ "تو پھر میرا وزیٹنگ کارڈ اندر پہنچادو۔"

"تم اپنی قسمت کا حال دریافت کرنے آئے ہونا۔" انگریز نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"ہاں .... ہاں .... !"

"تو میں بتائے دیتا ہوں .... تمہاری پوری قوم کی قسمت کا حال۔ تم ہمیشہ مغرب کے غلام رہو گے۔ تم جو ہاتھ کی لایعنی لکیروں میں یقین رکھتے ہو .... سمجھے تم۔"

"سمجھا میں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا یہاں تمہارے اور جیر اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا۔"

"ایک بوڑھی خادمہ بھی ہے اور مجھے بھی.... اس حرامی کی بدولت بعض اوقات خادمی فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ وہ کتیا کا فرزند نروان کی تلاش میں ہے اس لئے زیادہ اخراجات نہیں بڑھاتا۔ کبھی کبھی مجھے جھوٹے برتن بھی صاف کرنے پڑتے ہیں۔"

"تو پھر تم یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو۔" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"میں مجبور ہوں.... وہ ولدالحرام میرا باپ ہے۔ میرا نام.... لیمی ہے.... لیمی آرتھر۔"

"اوہو! لیمی ڈیر.... تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" حمید مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا بولا۔ "کیا تم بھی شاستری ہو۔"

"مجھے غصہ نہ دلاؤ۔" لیمی خلاء میں مکا لہرا کر چیخا۔ "مجھے مشرق کی ہر چیز سے نفرت ہے۔"

"تب تو ہم گہرے دوست ثابت ہوں گے۔" حمید نے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا۔ " مغرب کی یلالیاں بہت پسند ہیں کیا تمہارے ولدالحرام نے کوئی یلالی نہیں پیدا کی۔"

"یلالی کیا....؟"

"اوہ مسٹر آرتھر.... براہِ کرم میرا کارڈ پہنچا دو۔" فریدی جلدی سے بولا۔

لیمی نے کارڈ لے لیا اور اُس کے چلے جانے کے بعد فریدی نے حمید سے کہا۔

"واقعی تم بڑے سور ہو۔"

"نہیں آپ میرے بزرگ ہیں۔" حمید سعادت مندانہ انداز میں شرما کر بولا۔ "مجھے سور کہا کیجئے۔"

فریدی مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ اندرونی راہداری میں پھر قدموں کی آواز سنائی دے تھی۔ لیکن اس بار ایک ایسا آدمی اندر سے نکلا کہ یہ دونوں چونک پڑے۔ آنے والا بھی تھو ٹھٹکا لیکن پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "ہیلو آفیسرز.... ادھر کہاں۔"

"اوہو مسٹر برنارڈ....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "ذرا میری ہتھیلی میں آج کل ایک نئ پیدا ہو گئی ہے۔"

"کہیں وہ موت کی نہ ہو۔" برنارڈ نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

"نہیں مسٹر برنارڈ میں نے تم پر چوٹ نہیں کی۔ تم تو بڑے معزز آدمی ہو۔"

"مجھ سے بھی زیادہ معزز....!" حمید اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"چیریو....!" برنارڈ ہنستا اور ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا۔

"یہ یہاں کیسے تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ممکن ہے یہ بھی بدھسٹ ہو گیا ہو۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اوہ مسٹر لیمی تشریف لا رہے ہیں۔"

لیمی نے دروازے سے سر نکال کر کہا۔ "چلو....!" اور پھر تیزی سے واپسی کے لئے مڑ گیا۔

حمید اور فریدی اس کے پیچھے جا رہے تھے ایک کمرے کے سامنے وہ رک گیا اور چہرے پر بیزاری کے آثار پیدا کر کے بولا۔ "یہاں بیٹھو۔"

وہ دونوں کمرے کے اندر چلے گئے۔ یہ غالباً ڈرائنگ روم تھا لیکن یہاں فرنیچر نہیں تھا۔ انہیں قالینوں کے فرش پر بیٹھنا پڑا۔ جہاں دو چار گاؤ تکیے بھی پڑے ہوئے تھے۔ دیواروں پر مہاتما بدھ، تلسی داس، کبیر داس، میرا، گاندھی جی وغیرہ کی بڑی بڑی تصویریں آویزاں تھیں ایک طرف بخور دان میں وہ خوشبویات سلگ رہی تھیں جو ہون میں استعمال کی جاتی ہیں۔ بہر حال ماحول کچھ عجیب سا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جیر اللہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے جسم پر سفید سوٹ تھا اور سر پر وہی بناری وضع کی پیلی پگڑی تھی اور ماتھے پر تلک بھی موجود تھا جیر اللہ کا چہرہ عجیب تھا۔ حمید کانپ اٹھا.... اس کے چہرے کے خدوخال اور آنکھوں میں ہم آہنگی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں چہرے سے بالکل ہی بے تعلق نظر آتی تھیں۔ خدوخال میں تیکھے پن کے بجائے نرماہٹ تھی لیکن آنکھیں.... ان میں تو کچھ نہیں تھا خالی خالی سی.... ویران آنکھیں.... جن میں چمک نہیں تھی لیکن پھر بھی یہ گمان ہوتا تھا کہ وہ شیشے کی ہیں اور اُن کے آرپار دیکھا جا سکتا ہے ایک لمحے کے لئے وہ آنکھیں اُن کے چہروں پر رکیں اور پھر ہٹ کر بخور دان پر جم گئیں۔

حمید سوچنے لگا کہ کیا وہ اندھا ہے۔ جیر اللہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن اس کی آنکھیں بدستور بخور دان پر جمی رہیں۔

فریدی اور حمید کھڑے ہو گئے۔

"اوہو تشریف رکھیے۔" جیرالڈ بڑی صاف شفاف اردو میں بولا۔ "آرام سے جوتے اُتار کر تشریف رکھیے۔ مجھے اپنے مشرقی بھائیوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ایک بہت ہی اہم معاملے میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہو.... ضرور.... ضرور.... میں نے آپ کے کارڈ میں آپ کا عہدہ دیکھا ہے۔"

وہ تینوں گاؤ تکیے سے لگ کر بیٹھ گئے حمید کی آنکھیں بدستور جیرالڈ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جو ان دونوں میں سے کسی کی بھی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اب اس کی نظریں بخوردان سے ہٹ کر میرا کی تصویر پر جم گئیں تھیں۔

"کل ایک آدمی کی موت بڑے پُر اسرار طریقے پر واقع ہو گئی۔ پولیس اس کے لئے پریشان ہے۔" فریدی بولا۔

"پُر اسرار طریقہ پر۔" جیرالڈ آہستہ سے بولا۔ "اگر مجھے اس کی پیدائش کا صحیح وقت دن اور تاریخ معلوم ہو جائیں تو میں اس پُر اسرار طریقے پر روشنی ڈال سکوں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اُسے جانتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" جیرالڈ نے سوالیہ انداز میں دہرایا۔ اب اُس کی نظریں میرا کی تصویر سے ہٹ کر پھر بخوردان پر جم گئی تھیں۔

"جی ہاں! جوزف پیٹر جسے آپ نے کل اُس کے مستقبل کے متعلق کچھ بتایا تھا۔"

"ٹھہریئے۔" جیرالڈ بے صبری سے ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے کہنے دیجئے۔ میں سمجھ گیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک عجیب و غریب ہاتھ تھا کل میں نے ایک نوجوان جوڑے کے ہاتھ دیکھے تھے اور انہیں بتایا تھا کہ آج کا دن ان کے لئے خطرناک ہے اور میں آپ کو بتاؤں مرد کے ہاتھ کی ایک لکیر بتاتی تھی کہ وہ کسی عجیب و غریب درندے کا شکار ہوگا۔ اور ستارے کہہ رہے تھے وہ منحوس دن یہی ہے۔"

"اور اس کی بیوی وہیں رہ گئی تھی۔" فریدی بولا۔

"میں نے دونوں سے کہا تھا کہ وہ گھر چلے جائیں۔"

"کیا ستاروں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی موت گھر ہی پر واقع ہو گی۔"

"جناب من! وہ کہیں نہیں بچ سکتا تھا مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔" جیرالڈ نے مسکرا کر کہا۔

حمید کی نظریں اب بھی جیرالد کے چہرے پر تھیں اور اس نے اس کے چہرے پر اب تک کسی قسم کا جذباتی تغیر نہیں محسوس کیا تھا۔ حتیٰ کہ مسکراتے وقت بھی اُس کی آنکھیں پہلے کی طرح سپاٹ رہی تھیں۔

"اور دوسری بات۔" جیرالڈ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ آدمی خود بھی قاتل تھا۔ اس کے ہاتھ کی ایک لکیر یہ بھی بتاتی تھی۔"

"مجھے اسی کا تو افسوس ہے...." فریدی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ قاتل ہے.... تو وہ خود قتل کر دیا گیا۔"

"کیا ثبوت مہیا ہو گیا تھا۔" جیرالڈ نے پوچھا۔

"قطعی! اُ ایک منٹ کی بھی مہلت نہ ملتی۔"

"عجیب بات ہے آج کل کشت و خون کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔" جیرالڈ بولا۔ "دنیا تباہی کی طرف جا رہی ہے پچھتر فیصدی ہاتھوں میں مجھے اذیت پسندانہ رجحانات کی لکیریں نظر آتی ہیں۔ مہاتما بدھ کی تعلیمات عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔"

"مجھے خو ہے کہ انگریزوں میں بدھ ازم بڑی تیزی پھیل رہا ہے۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ "کیا یہ برنارڈ بھی بدھ ازم بتاثر ہے۔"

"وہ آہستہ آہستہ راہ راست پر آرہا ہے کیا آپ اُ جانتے ہیں؟"

"جی ہاں! اچھی طرح۔"

"وہ اب ایک اچھا آدمی بننے کی کو کر رہا ہے۔" جیرالڈ نے کہا۔ "حالانکہ اس کے ہاتھ میں بھی ایسی لکیریں ہیں جو اس کو قاتل ثابت کرتی ہیں۔"

"مگر افسوس ہے کہ پولیس ہاتھ کی لکیروں والے علم بے بہرہ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن برنارڈ جلد ہی اپنی راہ تلاش کر لے گا.... وہ راہ جو پھانسی کے تختے تک جاتی ہے۔"

"اس کے ہاتھ میں اس قسم کی کوئی لکیر نہیں۔" جیرالڈ بولا۔

"میں نے عرض کیا نا کہ پولیس اس علم بے بہرہ ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ جوزف کو کب جانتے تھے۔"

"یہ آپ کیوں پوچھنا چاہتے ہیں۔" جیراللہ نے ہنس کر کہا۔ "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ہی وہ درندہ تھا۔"

"معاف کیجئے گا۔ میں آپ کی بہت قدر کرتا ہوں۔"

"شکریہ.....! جوزف کو میں زیادہ نہیں جانتا تھا لیکن مجھے اس کا علم ہے کہ وہ بھی بڈھسٹ تھا۔"

"اور اس کے باوجود بھی اس نے عرفانی کے قتل میں حصہ لیا۔" فریدی کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"عرفانی.... وہ تو شاید ابھی حال ہی کا واقعہ ہے۔"

"جی ہاں! غالباً آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا۔ کیا آپ کا علم یہ بتا سکتا ہے کہ عرفانی کے قاتلوں کو کس چیز کی تلاش تھی۔"

"افسوس کہ یہ بات میرے علم کے احاطے سے باہر ہے۔" جیراللہ نے کہا۔ "لیکن میں آپ کا ہاتھ دیکھ کر یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ آپ اس کیس میں کامیاب ہوں گے یا نہیں۔"

"شکریہ! مجھے اس سے دلچسپی نہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میں خود ہی اپنے ہاتھ کی لکیریں بناتا اور بگاڑتا رہتا ہوں۔ میرا ہاتھ میری قوت ارادی کا پابند ہے۔"

"تب تو آپ واقعی باکمال آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" جیراللہ سنجیدگی سے بولا۔ "اصل حقیقت تو یہی ہے کہ لکیروں کا بننا بگڑنا آدمی کے خیالات پر منحصر ہے باحوصلہ آدمیوں کے ہاتھوں میں مایوسی کی لکیریں نہیں ہوتیں۔"

"اچھا! اب اجازت چاہوں گا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"اوہ کوئی بات نہیں۔" جیراللہ اٹھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔ "پھر بھی ملتے رہئے گا۔"

"آپ کی شخصیت اتنی پرکشش ہے کہ ملنا ہی پڑے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

لیکن حمید اس زہریلی مسکراہٹ سے اچھی طرح واقف تھا۔

عرفانی کا راز

سرجنٹ حمید آفس میں زیادہ تر عشقیہ ناول پڑھا کرتا تھا اس کی میز فریدی کی میز کے سامنے ہی تھی۔ اس وقت بھی وہ اردو کے ایک چٹپٹے مسالے دار بلکہ خستہ کرارے عشقیہ ناول میں گم تھا

اور فریدی ایک ایسے چھوٹے سے پیکٹ کو ادھیڑنے میں مشغول تھا جو ابھی رجسٹرڈ پوسٹ سے اس کے نام آیا تھا۔

دفعتاً حمید نے اس ناول کو بیچ سے پھاڑ دیا۔ جھراٹا جو ہوا تو فریدی چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"بیہودگی میری نہیں بلکہ ان پیسوں کی ہے جو اس ناول کے لئے میری جیب سے نکلے تھے۔"

"میں نے تمہیں ہزار بار منع کر دیا کہ آفس میں ناول نہ پڑھا کرو۔"

"مجبوراً پڑھنا پڑتا ہے۔" حمید بسور کر بولا۔ "فقط خون گرم رکھنے کا بہانہ۔ خدا کی قسم ان ناولوں کو پڑھ کر خون گرم ہوتا ہے۔ غصہ آتا ہے اور مرنے مارنے کو دل چاہنے لگتا ہے۔ اب اسی ناول کا آخری منظر ملاحظہ فرمائیے۔ سورج پہاڑی کے پیچھے چھپ گیا۔ دھند پھیل گئی۔ دو دھندلے سائے ایک دوسرے سے چپکے ہوئے پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ وہ دور ہوتے گئے اور سرجنٹ حمید اُلو کا پٹھا چیختا ہی رہ گیا کہ ابے میرے ساڑھے تین روپئے تو دیتے جاؤ۔"

فریدی جھلاہٹ کے باوجود بھی مسکرا پڑا اور حمید بکتا رہا۔ "کیا میں ساڑھے تین روپئے اس کے لئے خرچ کرتا ہوں کہ ہیرو اور ہیروئن پہاڑی پر چڑھ جائیں۔ اس ناول میں ہیروئن کا باپ دھوکے سے ہیرو کی ماں سے شادی کر لیتا ہے جب یہ راز کھلتا ہے تو اس کا دل ٹوٹ ٹاٹ کر برابر ہو جاتا ہے اور وہ مارے غم کے ایک اور شادی کر لیتا ہے۔ لیکن اتفاق سے وہ بھی ہیرو کی ماں نکلتی ہے اب یہاں سے سسپنس شروع ہوتا ہے آخر ہیرو کی اصلی ماں کون تھی۔ ہیرو دونوں کو اماں کہتا تھا اور آخر میں جب یہ راز کھلتا ہے ساری دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے ان میں سے ایک ہی اصل.....!"

"بکواس بند کرو۔"

"دل کا بخار نکال لینے دیجئے ورنہ مجھے برانکائیٹس ہو جائے گا۔"

"خاموش رہو۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔ وہ پیکٹ کھول چکا تھا اور اس میں سے برآمد ہونے والے کاغذ کے دو ٹکڑے اس کے سامنے پھیلے ہوئے تھے اور وہ تحیر آمیز نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا اس پیکٹ سے کوئی غمزدہ بکری برآمد ہوئی ہے۔" حمید نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

"نہیں مانو گے تو میں دھکے دے کر باہر نکال دوں گا۔" فریدی نے کاغذات پیکٹ سر جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

پھر حمید نے اُسے مضطربانہ انداز میں ٹہلتے دیکھا۔ کئی بار رک کر اُس نے فون کرنے لئے ریسیور بھی اٹھایا لیکن پھر رکھ دیا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"گھر چلیں گے۔" فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ابھی تین ہی بجے تھے اور آ ختم ہونے کا وقت ساڑھے چار تھا مگر یہ بات حمید کے لئے غیر معمولی نہ تھی کیونکہ فریدی آ میں بہت ہی کم بیٹھتا تھا۔

"نہیں گھر نہیں۔" فریدی برآمدے میں پہنچ کر بولا۔ "نیشنل بنک وقت بہت کم ہے۔ تیز چلنا پڑے گا۔"

نیشنل بنک کے نام پر حمید چونکا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اب نیشنل بنک جانے کی ضرو کیوں پیش آئی جب کہ فریدی پہلے ہی وہاں تحقیقات کر چکا تھا نہ صرف تحقیقات کر چکا تھا مایوس بھی ہو چکا تھا۔

مرنے سے قبل عرفانی نے نیشنل بنک کا نام لیا تھا اس لئے خیال پیدا ہوا تھا کہ ممکن عرفانی نے وہ پُر اسرار چیز جس کی قاتلوں کو تلاش تھی نیشنل بنک میں رکھوادی ہو۔ لیکن تحقیقات کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہاں عرفانی کے روپے ضرور جمع تھے لیکن اُس نے کوئی چیز کسٹڈی میں نہیں رکھوائی تھی۔

فریدی کی کیڈی لاک سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی اور اس وقت سچ مچ اس کا دل چاہ رہا تھا ٹریفک پولیس کے ایک آدھ کانسٹیبل کو جان ہی سے مار ڈالے۔ چوراہوں سے گذرتے وقت کانسٹیبل ہاتھ دے کر ایک طرف کے ٹریفک رکوادیتے فریدی کا کلیجہ خون ہو جاتا۔۔۔۔ وہ سو تھا کہ کہیں بنک بند نہ ہو جائے۔

"کیا مصیبت آگئی۔" دفعتاً حمید بڑبڑایا۔ "کہیں ایکسیڈنٹ نہ فرما دیجئے گا۔ آخر اب یک نیشنل بنک کی کیوں سوجھی۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ عرفانی چند ہزار روپیوں کے لئے قتل گیا ہے اور قاتل کو دراصل وصیت نامے کی تلاش تھی۔"

"نہیں۔۔۔۔ جس چیز کی تلاش تھی وہ نیشنل بنک ہی میں ہے۔"

"کیا الہام ہوا ہے۔۔۔۔!" حمید بھنا کر بولا۔

"مت بور کرو۔" فریدی نے بیزاری سے کہا "عرفانی صاحب مرنے کے بعد بھی اپنی زندگی ثبوت دے رہے ہیں۔"

"ہائیں! تو کیا وہ بہرام کی لاش تھی۔" حمید اچھل کر بولا۔

"بکواس بند کرو۔ یہ دیکھو۔" فریدی نے جیب ٹٹول کر ایک کاغذ نکالا اور حمید کی طرف بڑھا دیا۔

کاغذ پر تحریر تھا۔

"فریدی! اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آجائے تو اُسے نیشنل بنک کی سیف سے نکال لینا۔ کنجی اور یف کسٹڈی کی رسید روانہ کر رہا ہوں۔ اگر میری گمشدگی کی خبر سنو تو کم از کم ایک ہفتے تک انتظار رو۔ اگر میری طرف سے تمہیں کوئی اطلاع ملے تو اُسے وہیں رہنے دینا۔۔۔۔ اگر ہفتے کے بعد بھی برے متعلق کچھ نہ سنو تو پھر تمہیں اختیار ہے اُسے ضرور بالضرور نکال لینا۔ لیکن رازداری شرط ہے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو ورنہ میری ہی طرح تمہیں بھی وصیت کرنے پڑے گی۔"

نیچے عرفانی کا نام تحریر تھا اور اس کے نیچے تاریخ درج تھی۔

"یہ تاریخ اُسی دن کی ہے جس رات عرفانی کو حادثہ پیش آیا۔" فریدی بولا۔

"یعنی اُسے پہلے ہی سے خطرے کا احساس تھا۔" حمید نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"اگر نہ ہوتا تو مجھے یہ سب کچھ بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

"اچھا۔۔۔۔ دوسری بات!" حمید فریدی کو کاغذ واپس کرتا ہوا بولا۔ "یہ خط بتاتا ہے کہ وہ چیز یف کسٹڈی میں ہے اور آپ کی پچھلی تحقیقات کا ماحصل یہ تھا کہ عرفانی نے نیشنل بنک کی یف کسٹڈی میں کوئی چیز رکھوائی ہی نہیں تھی۔"

"ٹھیک ہے فرزند! اسی لئے تو کہا تھا کہ عرفانی صاحب مرنے کے بعد بھی اپنی زندگی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ نیشنل بنک کی محفوظ تجوری انسپکٹر احمد کمال فریدی کے نام سے کرائے پر لی گئی تھی۔"

"یہ کیسے معلوم ہوا آپ کو۔"

"تم ڈیوٹ ہو کیا؟" فریدی بگڑ کر بولا۔ "کیا رسید پر تجوری حاصل کرنے والے کا نام نہیں

لکھا جاتا۔"

"رسید پر آپ کا نام ہے۔" حمید نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

"ہاں.... ہاں.... ہاں۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "اب یہ بھی پوچھو کہ نام کے ہجے کیا ہیں۔"

"اب دیکھئے.... تجوری سے خونی ہیرا برآمد ہوتا ہے یا لنگڑا جاسوس۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "فومانچو کی بندریا نکلتی ہے یا پی کے چیونگم۔"

"یا تمہارا جنازہ۔"

"ہائے ہائے آپ تو کسی نوعروس بیوہ کی طرح کلکلا رہے ہیں۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

فریدی دانت پیس کر رہ گیا اور حمید نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ اب خاموش ہی رہے کیونکہ ابھی ابھی کیڈی ایک خچر گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ بنک بند ہونے میں صرف آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا اور اس وقت سیف کسٹڈی کا معاملہ کھٹائی ہی میں پڑجاتا اگر فریدی نے منیجر کو اپنے کام کی سرکاری اہمیت نہ سمجھانی شروع کردی ہوتی۔

رسید پر پڑے ہوئے نمبر والی تجوری کھولی گئی۔ ایک بڑا سا لفافہ برآمد ہوا جس پر فریدی کا نام تحریر تھا۔ حمید نے اسے ہاتھ پر رکھ کر اس کے وزن کا اندازہ لگایا اور مایوسانہ انداز میں ہونٹ سکوڑ کر فریدی کی طرف بڑھادیا۔

واپسی پر منیجر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ مسٹر عرفانی کے اکاؤنٹ کے متعلق تفتیش کرنے کے لئے آپ ہی تشریف لائے تھے۔"

"جی ہاں...." فریدی نے کہا۔

"تو براہِ کرم یہ بتائیے کہ یہ چرخہ کب تک چلتا رہے گا۔"

"کیوں....!"

"میں عاجز آگیا ہوں۔ لیکن پوچھنے والے صرف یہی پوچھتے ہیں کہ عرفانی نے سیف کسٹڈی میں تو کوئی چیز نہیں رکھوائی تھی۔"

"کیا میرے علاوہ بھی کسی نے پوچھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کتنے آئے اور مغز چاٹ کر چلے گئے۔"

"اوہ....!" فریدی سگار کیس نکالتا ہوا بولا۔ "کیا پولیس والے تھے۔"

"جی نہیں! عرفانی کے بھائی بھتیجے! بھانجے داماد نواسے اور نہ جانے کیا کیا اَلا بَلا۔ میرا اردلی تو پریشان ہوگیا ہے کہ اب میرے پاس آنے والے ہر آدمی سے پوچھ بیٹھتا ہے کہ وہ عرفانی کا رشتے دار تو نہیں۔"

"اوہ....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اچھا اب یہ کیجئے اگر اب اس قسم کا کوئی آدمی آئے تو اُسے ل کر مجھے فون کر دیجئے گا۔"

"آخر معاملہ کیا ہے! عرفانی کے اکاؤنٹ کے متعلق کوئی کچھ نہیں پوچھتا۔"

"آپ نے اخبارات میں تو عرفانی کے متعلق پڑھا ہی ہوگا۔" فریدی بولا۔ "دراصل اُن کے لوں کو چند نادر و نایاب ہیروں کی تلاش تھی لیکن وہ انہیں نہیں مل سکے۔ اب غالباً وہی لوگ ف بنکوں میں پتہ لگاتے پھر رہے ہیں۔ اُن کی دانست میں عرفانی نے اُن ہیروں کو کسی بنک ہی ار کھ چھوڑا تھا۔"

"اوہ یہ بات ہے۔ میں آپ کو ضرور اطلاع دوں گا۔ آپ کا فون نمبر۔"

حمید نے فون کے نمبر لکھوا دیئے۔ واپسی پر حمید کی بوکھلاہٹیں قابلِ دید تھیں۔

"ارے تو کھولئے نا اس لفافے کو۔" اُس نے کہا۔

"گھر پہنچ کر....!" فریدی بڑبڑایا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔" حمید مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "اگر عرفانی خود کو خطرے میں ہ رہا تھا تو اُس نے پہلے ہی آپ کو یا پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی اور وہ یہ لفافہ آپ تک اپنی رگی میں بھی پہنچا سکتا تھا۔"

"اُن کے خط کو دوبارہ پڑھو۔ اُن کے اس طریقے کار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ئے اس راز میں مجھے بدرجہ مجبوری شریک کیا ہے۔ اگر وہ اس ناگزیر خطرے میں نہ پڑتے تو مجھے سا کی کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی صاف لکھا ہے کہ نیشنل بنک سے وہ چیز اُسی وقت نکلوائی جاسکتی ہے جب انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے.... ورنہ نہیں۔"

"ارے تو وہ کیا چیز ہے! کھولئے لفافہ ورنہ میرا دم الٹ جائے گا۔"

"بے صبری نہیں.... اس میں ہیرے نہیں ہیں۔"

"کچھ بھی ہو لیکن اس سے دو خون وابستہ ہیں۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ایک بات سمجھ

میں نہیں آتی کہ وہ عجیب و غریب درندہ جوزف کے مکان میں کس طرح داخل ہوا۔ ظاہر ہے
کنکس لین کافی گنجان آباد ہے اور اس کی پشت پر بھی عمارتوں کا سلسلہ ہے۔ تعجب ہے کہ کسی
اُسے دیکھا نہیں۔"

"اوہ کیا تمہیں وہ بن مانس یاد نہیں جو لاطینی[1] بولتا ہے۔"

"تو آپ کا یہ مطلب ہے کہ کوئی آدمی کسی درندے کی کھال پہن کر جوزف کے سامنے پہ
تھا جسے دیکھ کر وہ خوف کے مارے مر گیا۔"

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔"

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو پھر آپ کی نظروں میں جیراللہ سو فیصدی مشتبہ ہوگا کیوں کہ اُ
نے تو جوزف کو گھر بھیجا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال صحیح ہو۔"

"اگر یہ ہو سکتا ہے تب تو میرا بیڑہ باقاعدہ طور پر غرق ہو گیا میں دوبارہ اُس خوفناک آدمی
قریب سے دیکھنے کی ہمت نہ کر سکوں گا۔"

"کیوں! کیا خاص بات ہے اس میں۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"اُس کی آنکھیں.... خدا کی پناہ.... اس کا چہرہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے۔ آنکھوں ہی کی
بناوٹ پر دوسرے خدوخال کی نرمی یا تندی کا دارومدار ہوتا ہے۔ مگر وہاں دونوں میں بے ربطی
آنکھیں خوفناک اور چہرے کے خدوخال معصومیت کے حامل ہیں۔"

"ہاں ہے تو کچھ ایسا ہی۔" فریدی بڑبڑایا۔

گھر پہنچ کر فریدی نے جیب سے لفافہ نکالا۔ سیل توڑی اور لفافہ کھول کر اس کے اندر کی
اشیاء میز پر الٹ دیں۔ یہ تعلیمی تاش کے دو پتے تھے اور ایک چرمی جلد کی پاکٹ ڈائری۔

"ہات تیرے کی۔" حمید اپنا سر پیٹ کر چیخا۔ "یہ کس جاسوسی ناول کا پلاٹ ہے۔ ان
بختوں نے اب چڑیا کی تکی اینٹ کی بیگم اور چڑی کا غلام چھوڑ کر تعلیمی تاش استعمال کرنے شر
کر دیئے۔"

فریدی نے دھیان تک نہ دیا۔ وہ بڑی تیزی سے ڈائری کے اوراق الٹ رہا تھا لیکن وہ
کے سب سادہ تھے۔ کسی صفحے پر بھی کوئی تحریر نہیں تھی۔

[1] جاسوسی دنیا کا تحیر انگیز ناول "پہاڑوں کی ملکہ" جلد نمبر 3 دیکھئے۔

حمید تعلیمی تاش کے پتوں کو الٹنے پلٹنے لگا۔ ان کے ایک طرف حروف تھے اور دوسری طرف تصویریں۔ تصویروں میں سے ایک پر دو مختلف فوجوں کی لڑائی کا منظر تھا اور دوسرے پتے کی پشت پر صرف ایک نوخیز لڑکے کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں تعلیمی تاشوں کا پیکٹ تھا۔

حروف ایک ہی تھا اور یہ حرف تھا "ل"۔

فریدی نے ڈائری رکھ کر پتے حمید کے ہاتھ سے لے لئے وہ بھی چند لمحوں تک انہیں الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر عجیب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں سوچتا ہوں کیا عرفانی مجھ سے بھی زیادہ مسخرہ تھا۔" حمید نے کہا۔

"عرفانی بہت ذہین آدمی تھے۔"

"تو پھر.... اس حرکت سے کیا نتیجہ اخذ کروں۔" حمید دوبارہ سر پیٹ کر بولا۔

"کیا تمہیں اور کوئی کام نہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میں تمہیں نتیجہ اخذ کرنے کی تکلیف نہ دوں گا۔"

حمید پر اُس کے لہجے کی خشکی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ تعلیمی تاش کے پتوں کو دیکھتے ہی اُس کی سنجیدگی رخصت ہو گئی تھی اور وہ اس بُری طرح مضحکہ اڑانے کے موڈ میں آ گیا تھا کہ اگر اس وقت اس کا باپ بھی ہوتا تو وہ اُسے چٹکیوں میں اڑا دیتا۔

"دونوں پتوں پر لام ہیں۔" وہ نہایت مفکرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "ایک پر لڑکے کی تصویر ہے اور دوسرے پر لڑائی کی۔ فریدی صاحب معمہ حل ہو گیا آپ نے اردو کی ابتدائی کتاب تو پڑھی ہی ہوگی۔ بس اس کا پہلا تصویری سبق یاد کیجئے۔ اب دیکھئے ان پتوں کی طرف.... لام سے لڑکا اور لام سے لڑائی۔ یعنی یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر۔ اُف فوہ زندگی کا فلسفہ حل ہو گیا؟ عرفانی صاحب میں تمہاری عظیم روح کو سلام کرتا ہوں۔ کیا بات پیدا کر دی ہے تم نے یعنی لڑکے جوان ہو کر فوج میں بھرتی ہو جاتے ہیں۔"

"بکے جاؤ فرزند....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہاری بکواس بھی کبھی کبھی کارآمد ثابت ہوتی ہے۔"

"لام سے لتا منگیشکر بھی ہو سکتا ہے لیکن میں فی الحال لام سے لگ گئی چوٹ کریجو! میں ہائے رلا کو ترجیح دوں گا۔ ہمارے سامنے دو لام ہیں۔ اس لئے ایک شعر سنئے دونوں لاموں کی تشریح

ہو جائے گی۔"

مس زلف دکھاتی ہیں کہ اس لام کو دیکھو
ہم ریش دکھاتے ہیں کہ اسلام کو دیکھو

"اور یہ ساری ڈائری۔" فریدی نے ڈائری کی طرف اشارہ کیا۔

"بطور نمونہ آئی ہے۔ اگر آپ سول ایجنسی لیں گے تو چالیس فیصدی کمیشن ملے گا۔ اور دوسری بات یہ کہ مجھے کچھ کچھ یاد آرہا ہے کہ ابھی ہم نے شام کی چائے نہیں پی۔"

"چائے تو دم کے ساتھ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ تو بتاؤ.... بچوں کے اس کھیل کے پیچھے دو خون ہو گئے۔"

"بہرام کی خالہ سے پوچھ کر جواب دوں گا۔ ورنہ پھر اس سلسلے میں فیروز پور کے ایک دوسرے منشی جی سے خط و کتابت کیجئے جو ابھی زندہ ہیں میں ایک موڈرن سراغ رساں اتنی اونچی باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی ہو گئی۔ فریدی نے ڈائری اور تاش کے دونوں پتے تجوری میں رکھ دیئے۔

چائے پر حمید نے پھر وہی تذکرہ چھیڑ دیا۔

"فی الحال عرفانی کو بھول جاؤ۔" فریدی بولا۔ "اگر ہم اس کیس کو جوزف کی موت سے شروع کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"کیوں؟ عرفانی کو کیوں بھول جاؤں۔"

"اس لئے کہ ابھی تک ہم قتل کی وجہ نہیں معلوم کر سکے لیکن جوزف کے قتل کی وجہ صاف ہے اُسے صرف اس لئے ختم کر دیا گیا کہ کہیں وہ پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔"

"اچھا چلئے یہی سہی.... تو کیا آپ جیر اللہ کے خلاف کوئی کاروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"میں فی الحال صرف اپنے خلاف ایک کاروائی کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا....؟" حمید نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ تمہیں جان سے مار دوں۔"

"میری خطا.... جہاں پناہ۔"

"تمہیں اس دن قاسم کا چکر چھوڑ کر جیر اللہ کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ کسی نہ کسی موقع پر یہ سوال ضرور اٹھائیے گا۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "لیکن آپ یہ نہ سمجھئے کہ اس پر اسرار درندے کا رول جیر اللہ ہی نے ادا کیا ہوگا۔"

"میں یہ نہیں سمجھتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور فی الحال اُسے چھیڑنا ٹھیک بھی نہیں۔ تم پمیلا پر نظر رکھو۔"

"شکریہ.... میں جیتے جی اُسے کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔ مگر خدارا کچھ تو بتائیے یہ تاش کے پتے۔ سادی ڈائری.... آخر ہے کیا بلا....!"

عینک اور بھوت

فریدی جواب دینے کی بجائے حمید کی آنکھوں میں دیکھتا رہا آخر حمید کو الجھن ہونے لگی اور وہ جھنجھلا کر بولا۔

"دیکھئے میں اتنا گاؤدی نہیں ہوں! جتنا آپ سمجھتے ہیں۔ کیا میں یہ نہیں سوچ سکتا کہ اس ڈائری پر پیاز کے عرق سے کچھ لکھا گیا ہوگا جو آگ دکھاتے ہی واضح ہو جائے گا۔"

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "عرفانی جیسے ذہین آدمی سے اس کی توقع رکھتے ہو۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" حمید نے اپنے داہنے گال پر تھپڑ مار کر کہا۔

"کچھ نہیں.... میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے ڈائری سادی ہی ہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ عرفانی صاحب نے کسی سیدھے سادے طریقے پر اس میں کوئی خفیہ تحریر چھوڑی ہو۔ پیاز کا عرق، نمک کا پانی یا سنگترے کے چھلکے کا عرق تو بچوں کے کھیل ہیں۔"

وہ چائے ختم کر چکے تھے اور حمید نے بات بھی جہاں کی تہاں ختم کر دی تھی وہ اس سلسلے میں زیادہ سر مغزی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اب اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اگر نیشنل بنک کی تجوری خالی بھی ملتی تو اُسے اتنی کوفت نہ ہوتی جتنی تعلیمی تاش کے پتے اور سادی ڈائری سے ہوئی تھی وہ اس چیز کو نہ جانے کیا سمجھے بیٹھا تھا جس کے لئے اتنا ہنگامہ ہوا تھا۔

فریدی اٹھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ذرا دیکھنا تو....!" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"آپ کا فون ہے۔" وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "آئی جی۔"

فریدی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"ہیلو.... جی ہاں.... میں ہی بول رہا ہوں.... تسلیمات.... میں نہیں سمجھا.... اوہ.... لیکن.... کیوں.... ایسا کیوں ہوا؟.... جی ہاں.... میں اس سے ملا تھا.... جوزف کے سلسلے میں.... لیکن عجیب بات ہے.... مجھے شبہ ہے.... ٹھیک ہے.... میں نے وہاں دو آدمی مقرر کئے ہیں.... اوہ بہت بہتر.... بہتر.... مجھے کوئی اعتراض نہیں.... جی بڑی مہربانی.... تسلیمات۔"

فریدی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات ہے؟" حمید اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر دیا گیا۔"

"کیوں....؟"

"غالباً جیر اللہ نے شکایت کی...."

"اوہ.... لیکن ہماری ملاقات تو بڑے شریفانہ طور پر ہوئی تھی۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اُس نے کہا۔

"اجازت نامہ منسوخ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم اس کیس میں دخل اندازی نہ کریں.... اور اگر جیر اللہ مجرم ہے تو میرے علاوہ اور کوئی اُس پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔"

"میں تو کہتا ہوں ماریئے گولی۔ آپ بھگتیں گے یار لوگ۔"

"اگر عرفانی صاحب قتل نہ ہوئے تو شاید میں خود ہی الگ رہتا۔ لیکن ایسی صورت میں ناممکن ہے۔"

"فرض کیجئے کیس کسی اور کو سونپ دیا جائے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری راہ کون روک سکے گا۔ کیا پورے محکمے میں کوئی ایسا؟ اگر ہو تو بتاؤ۔"

حمید نے ایک بار فریدی کو گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"چلو اٹھو....!" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کہاں....!"

"عرفانی صاحب کے گھر....!"

"وہاں کیا کریں گے۔"

"اوہ.... ان کا بھتیجا وہاں آگیا ہے۔"

"آنے دیجئے! وہ بھی کوئی نہ کوئی تحفہ ہمارے لئے کسی بنک میں محفوظ کر جائے گا۔ مثلاً انڈوں کے چھلکے! اور پھر ہم سر جوڑ کر یہ ثابت کر دیں گے یہ کسی جرمن نسل کی عورت کے انڈے ہیں۔"

"اٹھو....!" فریدی اس کا کان پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ "مجھے زیادہ غصہ نہ دلاؤ۔"

فریدی ایک بار پھر عرفانی کے گھر کی تلاشی لینا چاہتا تھا اُسے توقع تو یہ تھی کہ وہ اس طرح کسی خاص راستے پر چل سکے گا لیکن پھر بھی اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس کے امکانات بھی نہ چھوڑے جائیں۔ ممکن ہے کہ اس کے قتل پر کچھ روشنی پڑنے کے اسباب پیدا ہو ہی جائیں۔

فریدی سے عرفانی کے بھتیجے کی کچھ یونہی رسمی سی جان پہچان تھی وہ جلال آباد کی ایک پرائیویٹ فرم کا اسسٹنٹ منیجر تھا اور عرفانی کی موت کی خبر سن کر کچھ دنوں کے لئے یہیں آگیا تھا چونکہ صرف وہی اکیلا اُس کے وارثوں میں سے تھا اس لئے اُس کے قیام کی مدت طویل بھی ہو سکتی تھی۔ وجہ یہی تھی کہ عرفانی کا تھوڑا تھوڑا اکاؤنٹ شہر کے بہتیرے بنکوں میں تھا۔ عرفانی کی یہ ایک بہت بڑی کمزوری تھی اس نے محض اس لئے بہت سے بنکوں میں حساب کھول لیا تھا تاکہ دوسروں پر اس کی امارت کا رعب پڑے وہ کسی کو چیک دیتے وقت آٹھ دس چیک بکیں اپنے سامنے رکھ کر اُس سے بڑے پُر وقار انداز میں پوچھا کرتا تھا کہ اُسے کس بنک کا چیک چاہئے۔ بہر حال عرفانی کی یہ کمزوری اب اس کے بھتیجے کے لئے سوہان روح ہو گئی تھی۔ اگر کوئی وصیت نامہ بھی چھوڑ جاتا تو اُسے کوئی دشواری پیش نہ آتی لہٰذا فریدی نے جب اس سے ایک نجی کاروائی کیلئے درخواست کی تو اس نے کوئی اعتراض نہ کیا غالباً وہ یہ سوچ کر خوش ہی ہوا ہو گا کہ شہر کا کم از کم ایک معزز آدمی تو اُسے جانتا ہی ہے۔ جو عرفانی کا ترکہ حاصل کرنے میں اُسے مدد دے سکے گا۔

فریدی نے سب سے پہلے عرفانی کی لائبریری کا رخ کیا۔ لکھنے کی میز پر جتنے بھی کاغذات موجود تھے انہیں دیکھتا رہا۔ بہتیری کتابیں الٹیں پلٹیں.... لیکن کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس سے عرفانی کے قتل پر روشنی پڑے.... کئی گھنٹے گذر گئے عرفانی کا بھتیجا بھی اکتا گیا اور آخر اُسے معذرت کر کے اُن کا ساتھ چھوڑ دینا پڑا۔ گھر فریدی کا دیکھا ہوا تھا اس لئے اُسے اُس کی رہنمائی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ دوسرے کمروں کو دیکھتے بھالتے ہوئے وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچے جسے عرفانی نے فوٹوگرافی کا ڈارک روم بنا رکھا تھا فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں سوئچ تلاش کر کے بجلی جلادی۔ نیلے رنگ کا بلب روشن ہو گیا ساتھ ہی فریدی کے منہ سے تحیر آمیز آواز نکلی.... حمید اُسے گھورنے لگا۔

"حمید ڈیئر۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "یہ فوٹوگرافی کا ڈارک روم ہے۔ آخر یہاں نیلے بلب کا کیا کام۔ یہاں تو سرخ بلب ہونا چاہئے۔"

"خدا محفوظ رکھے سراغ رسانی سے۔" حمید بڑبڑایا۔ "کل صبح آپ پوچھیں گے ہائیں یہ آج سورج ٹیڑھا کیوں نکل رہا ہے۔"

فریدی نے اُس کی بکواس کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑے انہماک سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر اُسے میز پر ایک سرخ بلب بھی مل گیا۔

"نیلا بلب....!" وہ اس طرح بڑبڑایا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

حمید کو الجھن ہونے لگی۔ آخر اس مسئلے پر اتنے غور و خوض کی کیا ضرورت ہے ہو گی کوئی بات بھلا نیلے یا سرخ رنگ کے بلب سے عرفانی کے قتل کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اور پھر عرفانی کو تو نیلے رنگ کا جنون تھا اُس کے رہائش کے کمرے کی ہر چیز نیلی تھی حتیٰ کہ شب خوابی کا لباس بھی نیلا ہوا کرتا تھا اگر اُسکے ڈارک روم میں نیلے رنگ کا بلب نظر آجائے تو اس کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔

اس نے فریدی کی طرف دیکھا جو اپنے ہونٹ اس طرح سکوڑے ہوئے تھا جیسے سیٹی بجانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ دفعتاً خفیف مسکراہٹ اس کے چہرے پر نمودار ہوئی اور وہ کہنے لگا۔

"حمید اب ہمیں اس مکان میں ایک ایسی عینک تلاش کرنی چاہئے جس کے شیشے زرد رنگ کے ہوں۔"

"اور اگر نہ ملے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تو بازار سے خرید کر یہاں رکھ دینی چاہئے تاکہ

عرفانی کی روح کو سکون مل سکے۔ بیچارہ جو ساری زندگی عینک کو ترستا رہا۔"

فریدی ڈارک روم میں رکھی ہوئی چیزوں کو الٹنے پلٹنے لگا۔ حمید چپ چاپ کھڑا اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔ فریدی کی باتیں اکثر بڑی بے ربط ہوا کرتی تھیں اور اُن کی چولیں ملانے کے سلسلے میں حمید کو باقاعدہ طور پر اختلاج ہونے لگتا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کا بھیجا کھوپڑی سے نکل آیا ہو۔ اس وقت وہ بڑے ضبط و تحمل سے کام لے رہا تھا ورنہ خود اس کی زبان سے اتنی بے ربط باتیں نکلتیں کہ فریدی بوکھلا جاتا۔

فریدی نے میز کی دراز کھولی۔

"گڈ....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "عینک تو ہے.... خوب.... زرد رنگ....!"

وہ حمید کی طرف مڑا اور عینک اُس کے چہرے کے قریب لے جاتا ہوا بولا۔ "یہ وہی زرد رنگ کی عینک.... اب ہم کسی قابل ہو سکیں گے۔"

"ہمیشہ جوتیاں چٹخاتے رہیں گے۔" حمید جل کر بولا۔ "اگر آپ اتنا وقت برباد کرنے کی بجائے مجھ سے کہتے تو میں آپ کو ایک درجن ایسی عینکیں خرید دیتا۔"

"ہم! شٹ اپ! آؤ اب چلیں۔" وہ عینک جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔

"ارے ارے یہ کیا؟ عینک چرائیں گے آپ۔"

"اوہ....!" فریدی چونک کر بولا۔ "ٹھیک ہے اس کی ضرورت نہیں۔"

اُس نے عینک جیب سے نکال کر پھر میز کی دراز میں ڈال دی اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

بازار میں پہنچ کر فریدی نے کیڈیلاک ایک عینک ساز کمپنی کے سامنے روک دی۔

"یا خدا....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

فریدی اُسے لئے ہوئے دکان کے اندر آیا اور یہاں اس نے زرد شیشوں والی دو عینکیں طلب کیں۔

"بس آپ ہی شوق فرمائیے قبلہ۔" حمید بڑبڑایا۔ "خدا وہ دن نہ لائے کہ آپ کو سلیمانی سُرمے کی تلاش ہو اُس سے پہلے ہی مر جانے کی تمنا کروں گا۔"

زرد شیشے کی عینک کا استعمال عام نہیں۔ اس لئے وہ انہیں اس دوکان میں تیار نہ مل سکی۔ فریدی کو جلدی تھی۔ اس لئے اس نے باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ کبھی اس دکان میں اور کبھی اُس

دکان میں لیکن اسے مایوسی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔

"ہم اب تک خواہ مخواہ وقت برباد کرتے رہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "کھلونوں کی دکان ضرور مل جائے گی۔ بچوں کے لئے کئی رنگوں کی عینکیں بنتی ہیں۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔

"ایک ایسی عینک جس کے شیشے زرد ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"بعد کو بتاؤں گا۔"

"بہت بہتر....!" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور اگر میں اس دوران میں مرجاؤ تو راز میرے باپ کو بتا دیجئے گا۔"

"حمید بکو نہیں.... آؤ۔"

وہ سڑک پار کر کے فٹ پاتھ پر چڑھ ہی رہے تھے کہ کسی نے پیچھے سے حمید کو آواز دی۔ دونوں مڑے قاسم اپنی کار روک کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اُتر رہا تھا وہ دونوں رک گئے فرید ناگواری کے ساتھ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

قاسم آیا اور احمقوں کی طرح منہ کھول کر اُن کے قریب کھڑا ہو گیا۔ وہ کبھی حمید کو دیکھتا اور کبھی فریدی کو۔

"کیا بات ہے؟" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"میں تم سے خوش نہیں ہوں حمید بھائی۔" قاسم تھوک نگل کر بولا۔ "لیکن میں اس د پرانے جھگڑے نہیں چھیڑوں گا۔ کیونکہ میں نے ایک بھوت دیکھا ہے۔"

"بھوت....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "برف کا تو نہیں تھا۔"

"نہیں.... فریدی صاحب میں مذاق نہیں کر رہا ہوں میں نے انگریز جوتشی کے یہ عرفانی کا بھوت دیکھا ہے۔"

"کیا....؟" فریدی اسے گھور کر رہ گیا۔ پھر جلدی سے اس کا شانہ تھپتھپا کر بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

وہ قریب کے ایک ریستوران میں چلے گئے۔

"ہاں کیا بات تھی۔" فریدی نے اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد قاسم کی آنکھوں میں دیکھتے ئے کہا۔

"جوتشی کے یہاں.... عرفانی....!"

"ٹھہرو.... کیا جیراللہ سے تمہاری جان پہچان ہے۔"

"نہیں تو....!"

"پھر تم وہاں کیسے گئے تھے۔"

"اوہ.... وہ....!" قاسم شرما کر بولا۔ "یہی ذرا قسمت کا حال وال....!"

"خیر ہاں.... عرفانی کی کیا بات تھی۔"

"واپسی پر میں نے ایک کمرے میں عرفانی کی شکل کا ایک آدمی دیکھا تھا جو آرام کرسی پر لیٹا ار پی رہا تھا۔"

"عرفانی کو تم کیسے جانتے ہو۔"

"اوہ.... میں نے اخبار میں تصویر دیکھی تھی۔"

"تب پھر تمہیں دھوکا ہی ہوا ہوگا.... صرف تصویر دیکھ کر۔"

"مجھے یقین واشق ہے۔"

"واشق نہیں.... واثق.... بوندو....!" حمید بیچ میں بول پڑا۔

"واشق....!" قاسم اُسے گھور کر غرایا۔ "میرے والد صاحب یہی بولتے ہیں۔"

"کیا تمہارے والد صاحب بابائے اردو ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تم خود ہو گے بابائے اردو.... ذرا زبان سنبھال کر ہاں۔" قاسم ڈپٹ کر بولا۔

"بیکار باتیں نہیں.... حمید خاموش بیٹھو۔" فریدی نے کہا پھر قاسم سے بولا۔

"تمہیں دھوکا ہوا ہوگا۔"

"ہوا ہوگا سالا کچھ....!" قاسم کا موڈ بگڑ گیا تھا۔ "اپنی ایسی کی تیسی میں گیا عرفانی اور اس کا بھوت! ہاں حمید صاحب تم نے اس دن مجھے شراب کیوں پلائی تھی۔"

"کیا میں نے اپنے ہاتھ سے پلائی تھی۔"

"کہا تو تھا تم نے.... تم نے بہکایا تھا مجھے۔"

"میرے کہنے سے تم زہر پی لو گے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ذرا کہہ کر تو دیکھو.... کیسی گت بناتا ہوں۔"

"اوں.... ہونہہ.... چھوڑو بھئی یہ جھگڑے۔" فریدی کافی کے لئے آرڈر دے کر بولا

"ہاں جیر اللہ نے کیا بتایا تھا تمہارا ہاتھ دیکھ کر۔"

قاسم نے جواب دینے کے بجائے شرما کر سر جھکا لیا۔ کچھ دیر ناخن سے دانت کریدتا رہا! کنکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "اس نے بتایا ہے! بیوی یہی رہے گی"

"تب تو تمہیں ضرور زہر پی لینا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم چپ رہو حمید بھائی.... الا قسم تمہاری طرف سے دل میں میل آ گیا ہے اگر پلائی تھی تو.... وہاں چھوڑ کر چلے کیوں آئے تھے.... اگر میں بھی شرارت کروں تو۔"

"بھلا تم کیا شرارت کرو گے؟" حمید نے پوچھا۔

"میں کسی اخباری رپورٹر سے بتا سکتا ہوں کہ تم نے اس دن جوزف کی کار میں گھٹالا کر دیا اور اسی دن وہ مر گیا۔"

"لیکن تم ایسا ہرگز نہیں کرو گے۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"نہیں کروں گا.... میں نے تو مثال کے طور پر کہا ہے۔ لیکن آپ حمید بھائی کو سمجھا دیجئے میری پیٹھ کی کھال اُدھڑ گئی ہے۔"

"کیوں....؟" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"والد صاحب نے بندھوا کر ہنٹر سے خبر لی تھی۔"

"چہ چہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "حمید تم بڑے سور ہو۔ خبردار اب جو کبھی قاسم پریشان کیا۔"

"بیوی کے سامنے۔" حمید نے پوچھا۔

"بس زیادہ جان نہ جلاؤ۔ اگر بیوی کے سامنے پٹا ہوتا تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔ ویسے وہ سالی میری کچھ حقیقت نہیں سمجھتی۔"

"واقعی نہ سمجھتی ہو گی اور نہ اس وقت تک سمجھے گی جب تک کہ تم کوئی بڑا کارنامہ انجام دو۔" حمید بولا۔

"کیسا کارنامہ....!" قاسم نے پوچھا۔

"ایسا جس سے تمہاری شہرت ہو۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "مثلاً عنقریب فری اسٹائل کا دنگل شروع ہونے والا ہے تم کسی نامی پہلوان کو للکار دو۔"

"مجھے داؤں پیچ نہیں آتے۔"

"فری اسٹائل میں زیادہ داؤں پیچ نہیں ہوتے۔"

"مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔"

"اگر سکھا دیا جائے تو۔"

"میں لڑ سکتا ہوں۔"

"ٹھیک تو.... فریدی صاحب تمہیں سکھا دیں گے۔"

"کیوں؟ آپ سکھا دیں گے۔" قاسم چہک کر بولا۔

"ہاں کسی وقت اطمینان سے آنا۔" فریدی نے کہا۔

"ویسے میں دھوبی پاٹ بڑی اچھی مارتا ہوں۔" قاسم بولا۔

"ہوں خیر.... دیکھا جائے گا۔ لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ اُس آدمی اور عرفانی میں کوئی مشابہت تھی۔"

"مشابہت کیا.... وہ ہو بہو عرفانی تھا۔ مجھے یقین ہے میں وہاں سے نکل کر سیدھا آپ کے یہاں گیا تھا۔ مگر آپ نہیں ملے تھے۔"

"تم نے کس وقت دیکھا تھا۔"

"تقریباً چار بجے۔"

"کسی اور سے تو اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"نہیں.... کسی سے نہیں۔"

"اچھا تو اب کسی سے اس کا تذکرہ مت کرنا۔"

حمید کو الجھن ہونے لگی تھی وہ زرد رنگ کی عینک کے متعلق سوچ رہا تھا اور قاسم کی اس کہانی کی اُس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں تھی۔

رنگ جاگتے ہیں

فریدی اور حمید آفس پہنچے ہی تھے کہ فریدی کو سپرنٹنڈنٹ کا پیغام ملا جو اپنے آفس میں اُس کا منتظر تھا۔

"سوپر کو شاید آپ سے پھر عشق ہو گیا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

سپرنٹنڈنٹ نے بڑی خوش اخلاقی سے فریدی کا استقبال کیا۔

"فریدی صاحب۔" اُس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ عرفانی والا کیس آپ کو نہ مل سکا۔ حالانکہ میں نے بہت کوشش کی۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں اور پھر اکیلے میں ہی تو نہیں ہوں اور بھی ہیں۔ میں دراصل اس وجہ سے دلچسپی لے رہا تھا کہ عرفانی سے میرے خاص قسم کے تعلقات تھے۔"

"آپ جیر اللہ سے خواہ مخواہ جا بھڑے۔" سپرنٹنڈنٹ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں! سوپر میں تو صرف جوزف کے سلسلے میں اُس سے ملا تھا اور ہماری گفتگو دائرہ اخلاق ہی میں رہی تھی۔"

"اُسے شاید کسی طرح علم ہو گیا تھا کہ آپ کے کچھ آدمی اسکے مکان کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"ہو گا....!" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "میں اب اس میں دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔"

"کیس مسٹر آصف اور مسٹر سنگھ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"پتہ نہیں کیا چیز تھی جسے قاتل تلاش کر رہے تھے۔ معلوم نہیں وہ انہیں ملی یا نہیں۔"

"مل ہی گئی ہو گی۔"

سپرنٹنڈنٹ تیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا پھر ذرا سا مسکرا کر بولا۔ "کیا آپ اس سلسلے میں کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یعنی....!"

"میں یہ چھپا رہا ہوں کہ قاتلوں کو وہ چیز نہیں ملی۔"

"آپ کو کیسے علم ہوا۔"

"اس طرح کہ کچھ لوگ ان بنکوں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں جن میں عرفانی کا اکاؤنٹ تھا۔ وہ خود کو عرفانی کا رشتہ دار ظاہر کر کے یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عرفانی نے کوئی چیز سیف کسٹڈی میں تو نہیں رکھوائی تھی۔"

"ممکن ہے وہ اس کے رشتہ دار ہی ہوں۔"

"جی نہیں ان کا صرف ایک بھتیجا ہے اور وہ بے چارہ ابھی تک خاموش ہی بیٹھا ہوا ہے۔"

"ہوں....!" سپرنٹنڈنٹ کی طویل "ہوں" خاموشی میں بدل گئی اور پھر اُس نے کچھ دیر بعد کہا "آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"جوزف کی موت کے بعد سے معاملہ سنگین ہو گیا ہے۔" سپرنٹنڈنٹ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ قاتلوں کا شریک کار تھا۔ آخر ایک انگریز کا عرفانی سے کیا تعلق۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "بہتیری باتیں قابل غور ہیں.... مثال کے طور پر ایک یہی کہ برنارڈ جیسے بدنام آدمی کو جیر اللہ کے یہاں کیا کام ہو سکتا ہے۔"

"کیا برنارڈ.... وہ.... اینگلو انڈین۔"

"جی ہاں وہی.... جیر اللہ کے بیان کے مطابق وہ بھی آج کل بدھ ازم سے بہت متاثر نظر آ رہا ہے۔"

"مسٹر فریدی سچی بات تو یہ ہے کہ میں بھی....!" سپرنٹنڈنٹ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

فریدی نے پہلے تو اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر یک بیک اس طرح بے تعلق نظر آنے لگا جیسے اُسے اس کی ادھوری بات سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"بہرحال میں نے آپکو اس لئے تکلیف دی تھی کہ آپ آصف وغیرہ کی مدد کرتے رہیں۔"

"بھلا یہ کیونکر ممکن ہے.... جب کہ میں باضابطہ طور پر بے تعلق کر دیا گیا ہوں۔"

"بھئی اب کیا کیا جائے.... اوپر کے یہی احکام ہیں۔"

"جی ہاں اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ جب اوپر والوں کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا تو میں کیوں خواہ مخواہ دخل دوں۔"

"میں خود بھی.... جیر اللہ کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" سپرنٹنڈنٹ آہستہ سے بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا.... کچھ دیر سکوت رہا.... پھر فریدی نے کہا "مجھے دوماہ کی رخصت چاہئے۔"

"اوہ.... تو اس کا مطلب یہ ہے کہ....!"

"نہیں میں اس کیس میں دلچسپی لینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔"

"لیکن چھٹی لینے سے تو افسران بالا یہی سمجھیں گے۔"

"سمجھا کریں مجھے آرام کی سخت ضرورت ہے اگر چھٹی نہ ملی تو میں استعفا دے دوں گا۔"

"اوہو.... استعفا....!" سپرنٹنڈنٹ ہنسنے لگا۔ "تب تو ضرور کوئی خاص بات ہے۔"

"نہیں.... قطعی نہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میرے مخصوص اجازت نامے کی منسوخی میری سب سے بڑی توہین ہے۔ میرے جذبات شدت سے مجروح ہوئے ہیں۔"

"اوہ....!" سپرنٹنڈنٹ اُسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس کی بات کے وزن کا اندازہ لگا رہا ہو۔ فریدی کا چہرہ پتھر کی طرح بے جان تھا۔

"آپ....!" سپرنٹنڈنٹ تھوڑے تامل کے بعد بولا۔ "درخواست لکھئے میں کوشش کروں گا۔"

فریدی کے استعفا کا معاملہ ہی ایسا تھا اُس کے محکمے کے لوگ تو دل سے چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح محکمے سے الگ ہو جائے اس کی موجودگی میں افسران بالا تک احساس کمتری میں مبتلا رہتے تھے اور اُس کے ہم رتبہ لوگوں کا تو یہ عالم تھا کہ اُسے اپنی ترقی کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔

فریدی اچھی طرح جانتا تھا کہ اُسے رخصت نہ مل سکے گی اور ایسی صورت میں خاص طور پر اس میں رکاوٹیں ڈالی جائیں گی جب کہ اُس نے سبک دوش ہو جانے کی دھمکی دی ہو۔

فریدی اپنے کمرے میں واپس آگیا یہاں سرجنٹ حمید ایک نئی ٹائپسٹ لڑکی کو ٹافیاں کھلا رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اُس نے کہنا شروع کر دیا۔ "ہاں دیکھئے اس کی تین کاپیاں نکال لیجئے۔ فائل نمبر تین میں نیچے سے چوتھا ڈرافٹ.... بس جائیے۔"

لڑکی خود ہی فریدی کو دیکھ کر سراسیمہ ہو گئی تھی۔ حمید کا اشارہ پاتے ہی کھسک گئی۔ فریدی کو دیکھتے ہی آفس کی سبھی لڑکیاں حواس باختہ ہو جاتی تھیں اور اُس کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھیں۔ اُس نے آج تک کسی ٹائپسٹ لڑکی کو براہِ راست کوئی کام نہیں دیا تھا۔ اور نہ اُن سے کبھی گفتگو کرتا تھا اگر انہیں اس کا کوئی ڈرافٹ ٹائپ کرنے میں دشواری ہوتی تو وہ حمید کی وساطت سے کام بنا لیا کرتی تھیں۔

"حمید! دوماہ کی چھٹی کی درخواست لکھو۔" فریدی نے آفس میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"اُف فوہ.... آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔ ابھی پرسوں ہی تو اُس سے جان پہچان ہوئی ہے۔"

"بکو نہیں!.... میں نے سینکڑوں بار سمجھایا کہ آفس کی لڑکیوں سے فلرٹ نہ کیا کرو۔"

"تو پھر آپ ہی مجھے کوئی ایسی لڑکی تلاش کر دیجئے جس سے میں فلرٹ کر سکوں۔"

"ارے تو اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"خوب رہی! گویا یونہی بیکار بیٹھے مکھی مارا کریں۔"

"میں کہتا ہوں درخواست لکھو۔"

"لکھتا ہوں۔" حمید پیڈ اٹھا کر سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "بولئے کیا لکھ دوں۔"

"دوماہ کی رخصت کی درخواست۔"

"ارے تو لکھوں کیا....؟" حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "لکھ دوں کہ کسی عزیز کو بیمار ڈال کر مارنا چاہتا ہوں یا میں خود ہی بیمار ہو کر مر جانا چاہتا ہوں۔"

"جو دل چاہے لکھ دو! ظاہر ہے کہ منظور تو ہوگی نہیں۔"

"ہائیں۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "پھر کاغذ خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"کیونکہ اس کے بعد پھر کاغذ خراب کریں گے استعفاء کے لئے۔"

"اوہ تو یہ بات ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا پھر ایک اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں آج رات کی گاڑی سے اللہ میاں کے یہاں جا رہا ہوں۔"

"تم بھی میرا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"نہیں میں رخصت کی درخواست دے کر ملک الموت کو دعوت دے رہا ہوں۔" حمید بڑبڑاتا رہا اور اس کا قلم کاغذ پر چلتا رہا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ.... آپ رخصت کی درخواست محض اس لئے دے رہے ہیں کہ کھلونوں کی دکان پر زرد رنگ کی عینک تلاش کر سکیں۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ آپ اُن کے ساتھ جھن جھنے اور غبارے ضرور خریدیں گے۔"

درخواست لکھ کر اُس نے فریدی کی طرف بڑھا دی۔

"ہم دونوں کی طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اس لئے ہم واپس جائیں گے۔"

حمید گھبرا کر اپنی نبض ٹٹولنے لگا۔

"اور ہم میں سے مرے گا کون پہلے۔" اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

فریدی اپنی میز پر بیٹھ کر درخواست لکھنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ جب لکھ چکا تو اس نے ح ی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "عینکیں بن کر آگئی ہوں گی۔"

"اُس قسم کی تو نہیں ہیں جیسی ہنٹر والی لگاتی تھی۔"

فریدی اس کی بات کا جواب دیئے بغیر سپرنٹنڈنٹ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

دو گھنٹے بعد وہ دونوں گھر میں تھے۔

حمید اپنے کمرے میں اوندھا پڑا.... شبلی کی ایک نظم انگریزی لے میں گنگنا رہا تھا۔ ا سرہانے کی گول میز پر اُس کی پالتو چوہیا پچھلی ٹانگوں پر پھدک رہی تھی۔

اچانک فریدی کمرے میں داخل ہوا وہ اپنی اوپری منزل والی تجربہ گاہ سے آیا تھا۔ حمید نے اٹھا کر اس کی طرف دیکھا.... فریدی کا چہرہ سرخ تھا اور اس کی آنکھوں میں وہی پرانی وحشا چمک تھی جو اُس کی کسی کامیابی پر دلالت کرتی تھی۔

"اٹھو! فرزند....!" وہ مخصوص فاتحانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "ورنہ تمہیں افسوس ہوگا۔"

"کوئی خاص بات۔"

"وہی زرد عینک....!"

"اوہ....!"

"آؤ.... اٹھو۔"

فریدی اُسے تجربہ گاہ میں لے آیا پھر وہ اُس مخصوص حصے میں آئے جہاں فریدی نے فلم دھونے کے لئے ڈارک روم بنا رکھا تھا۔ ڈارک روم میں نیلے رنگ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

"آپ کے ڈارک روم میں بھی نیلا بلب....!" حمید بڑبڑایا۔

فریدی نے میز پر سے دوسری زرد عینک اٹھا کر حمید کی آنکھوں پر لگادی۔

"واہ.... واہ....!" حمید بچوں کی طرح تالیاں بجا کر بولا۔ "اے سبحان اللہ فریدی صا

ارے یہ روشنی تو سبز ہو گئی.... کمال ہے۔"

"بکو مت....! فرزند ابھی تمہاری آنکھیں نکل پڑیں گی۔" فریدی نے کہا "اُدھر دیکھو.... یہ کیا ہے۔"

"وہی نامراد ڈائری۔"

"اب دیکھو....!"

دفعتاً حمید کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔ ڈائری کے پہلے ہی صفحہ پر تحریر نظر آرہی تھی۔ کتھئی رنگ کی تحریر۔ حروف کے کناروں پر پیلا رنگ جھلکیاں مار رہا تھا۔ حمید نے چشمہ اُتار دیا۔ اب وہی صفحہ بالکل سپاٹ پڑا تھا۔ تحریر کیا کوئی ہلکا سا نقش بھی نہیں نظر آرہا تھا۔ کاغذ کی سطح نیلی روشنی کی وجہ سے نیلی دکھائی دے رہی تھی۔ حمید نے پھر چشمہ لگا لیا۔ کاغذ کی سطح کی نیلی رنگت سبزی میں تبدیل ہو گئی اور کتھئی رنگ کی تحریر.... حمید کا دماغ چکرا گیا.... فریدی صفحات الٹتا رہا۔ تحریر قریب قریب ڈائری کے آدھے صفحات میں پھیلی ہوئی تھی۔

"اب بتاؤ....!" فریدی ڈائری بند کر کے بولا۔ "کیا میں پاگل تھا.... بولو۔"

"لیکن جناب! لیکن آپ ہر معاملے کی شروعات پاگل پن ہی سے کرتے ہیں۔ اگر پہلے ہی یہ بتا دیا ہوتا.... تو کیوں....؟"

"پہلے مجھے بھی یقین نہیں تھا۔ بچپن کی ایک بھولی بسری یاد کے سہارے یہ سب کچھ کرتا چلا گیا۔"

"بھولی بسری یاد سے کیا مطلب۔"

"اسے پڑھو! خود ہی معلوم ہو جائے گا۔" فریدی نے ڈائری اُس کی طرف بڑھا دی۔

حمید پڑھنے لگا۔ "کمال میاں! تمہیں تاش کے پتے اور سادی ڈائری دیکھ کر حیرت تو ضرور ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اس کی تہہ تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔ خفیہ تحریر کا یہ طریقہ میں نے اور تمہارے والد مرحوم نے ایجاد کیا تھا۔ تم اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ لیکن مجھے توقع ہے کہ تمہارے والد نے تم سے اس کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا۔ تعلیمی تاش کے یہ پتے پُر اسرار ہیں۔ میں ان کی وجہ سے بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں کچھ لوگ انہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ میرے پاس کیا ہے ان تاشوں سے دراصل ان کا کوئی راز وابستہ ہے۔ اس دوران میں کئی بار مجھ پر حملے بھی ہو چکے ہیں لیکن میں بچتا ہی رہا۔ اج نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ

یہ میری زندگی کا آخری دن ہے لہٰذا میں اس طریقے سے ان چیزوں کو تم تک پہنچانے کی کوشش کررہا ہوں۔ میری داستان طویل ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کہاں سے شروع کروں.... بہرحال تمہیں یاد ہوگا۔ دو تین ماہ قبل کی بات ہے پولیس کو ایک عجیب و غریب کیس سے واسطہ پڑا تھا۔ بات یوں تھی کہ واکر اسٹریٹ میں ایک آدمی پیدل جارہا تھا۔ اچانک ایک کار اُس کے قریب سے گذری اور کار سے اس پر کسی نے گولی چلائی۔ پیدل چلنے والا سڑک کے کنارے گر گیا۔ راہ گیر سمجھے کہ اُسے گولی لگی ہے جب کار واکر اسٹریٹ سے دوسری سڑک پر مڑ گئی تو گرنے والا اٹھ بیٹھا۔ اُس کے گرد بھیڑ لگ گئی لوگوں نے پوچھ گچھ شروع کی۔ لیکن وہ سرے ہی سے اس بات کا منکر تھا کہ اُس پر گولی چلائی گئی تھی۔ اُس نے گرنے کا سبب ایک قسم کا دورہ بتایا جس کا وہ عرصے سے شکار تھا ہر کس و ناکس نے گولی چلانے کی آواز سنی تھی اور کار کی کھڑکی کے آگے دھواں بھی لہراتا دیکھا تھا۔ ڈیوٹی کانسٹیبل بھی گواہ تھا لیکن گرنے والا فائر کرنے والے خیال کا مضحکہ اڑاتا رہا اُس نے یہ بات کسی طرح نہ تسلیم کی کہ اس پر گولی چلائی گئی تھی۔ اتفاق سے میں بھی جائے واردات پر موجود تھا مجھے بڑی حیرت ہوئی بہرحال میں نے اُس آدمی کو نظر پر چڑھا لیا میں نے نہ صرف اُس کی جائے قیام کا پتہ لگالیا بلکہ اُس سے جان پہچان بھی پیدا کرلی۔ وہ ہر طرح سے ایک پُراسرار آدمی تھا اُس کے متعلق اُس کے پڑوسیوں کو بھی کچھ نہیں معلوم تھا۔ حتیٰ کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اُس کا ذریعہ معاش کیا تھا۔ رفتہ رفتہ مجھے اُس کے بعض حالات کا علم ہوتا گیا۔ وہ ایک ریٹائرڈ فوجی آفیسر تھا اور اُس نے دوسری جنگ عظیم میں بہتیرے نمایاں کارنامے انجام دیئے تھے اور پھر میں نے اس کے ملنے جلنے والوں میں کئی مشتبہ آدمی دیکھے ایسے آدمی جن کے متعلق جنگ کے دوران میں شبہہ کیا جارہا تھا کہ وہ دشمنوں کے ہاتھ اہم ترین فوجی راز بھیجا کرتے تھے۔ پولیس کا خیال بھی یہی تھا لیکن ان لوگوں کے خلاف ٹھوس قسم کے ثبوت نہیں حاصل کرپائی تھی۔ بہرحال یہ دیکھ کر میرا ذوق تجسس پوری طرح بیدار ہوگیا۔ اس پراسرار آدمی سے میری گہری دوستی ہوگئی تھی اور میں نے اس سے اپنے بارے میں بھی سب کچھ صحیح صحیح بتادیا لیکن اس کو اس بات کی ہوا بھی نہ لگنے دی کہ میں نے اس سے کیوں راہ و رسم پیدا کی ہے۔

داستان طویل ہے میں اسے مختصر کرنے کی کوشش کررہا ہوں ہوسکتا ہے کہ اس کوشش

میں کوئی ضروری تفصیل رہ جائے.... میں نے تمہیں اس کا نام تو بتایا ہی نہیں۔ اس کا نام شیکھر تھا اور وہ زینت محل کی نچلی منزل کے تیسرے فلیٹ میں تنہا رہتا تھا۔ ایک رات میں اُس سے ملنے کے لئے گیا۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا میں بے دھڑک اندر چلا گیا۔ اچانک وہ مجھے فرش پر اوندھا پڑا ہوا دکھائی دیا۔ اُس کی پیٹھ سے خون ابل رہا تھا اور اُس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہونٹ ہل رہے تھے اس نے نحیف آواز میں مجھ سے کہا کہ اُسے اٹھا کر پلنگ پر ڈال دوں۔ اُس نے نہ تو مجھے پولیس کو مطلع کرنے دیا اور نہ طبی امداد ہی کے لئے تیار ہوا۔ پھر اُس نے اٹک اٹک کر مجھے ایک طویل داستان سنائی وہ ایک خطرناک گروہ سے تعلق رکھتا تھا اور اُسی کے بیان کے مطابق اُس گروہ کے عزائم بہت ہی بھیانک تھے لیکن اس نے ان عزائم کا تذکرہ نہیں کیا۔ دل تو چاہتا تھا کہ میں اس کی داستان اسی کے الفاظ میں لکھوں اور اسی ترتیب کے ساتھ۔ لیکن خود میری زندگی کی گھڑیاں گھٹتی نظر آرہی ہیں۔ بہرحال اس نے جو کچھ بتایا اُس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ گروہ بہت بڑا اور انتہائی طاقتور ہے۔ گروہ کے لوگوں کی آپس میں دشمنیاں بھی ہوجاتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو مار بھی ڈالتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی تنظیم سے غداری نہیں کرتا۔ کبھی کسی نے پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دی۔ اُس نے بتایا کہ وہ بھی اسی قسم کے ایک حادثے سے دوچار ہوا ہے۔ لیکن وہ بڑا وضعدار اور بردباد آدمی تھا۔ اُس نے کہا کہ وہ صاف صاف تو اُس گروہ کا پتہ نشان نہیں دے سکتا کیونکہ اس نے وفاداری کی قسم کھائی تھی لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ گروہ دنیا پر تباہی لائے۔ اُس نے مجھ سے فلمی تاش کا پیکٹ اٹھانے کو کہا جو سامنے ہی میز پر پڑا ہوا تھا۔ پھر اُس نے سارے پتوں میں سے دو پتے نکال کر مجھے دیئے اور کہا کہ انہیں پتوں کے ذریعے میری رسائی اُس گروہ تک ہوسکتی ہے۔ ان پتوں میں سب کچھ ہے اُس کی ہدایت تھی کہ میں انہیں سمجھنے کی کوشش کروں۔ ابھی یہ گفتگو ہورہی تھی کہ ایک آدمی آگیا اور شیکھر اُسے دیکھتے ہی جوش میں بھر گیا اُس کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں پھر اُس نے چیخ کر مجھ سے چلے جانے کو کہا اور کہا کہ میں اُس چیز کو حفاظت سے رکھوں ایک دن انصاف ہوجائے گا۔ میں چلا آیا.... دوسرے دن کے اخبارات میں زینت محل سے برآمد ہونے والی ایک لاش کی خبر تھی.... اُسی دن سے مجھ پر حملے ہونے شروع ہوگئے۔ انہیں اُس چیز کی تلاش ہے جو اُس مرتے ہوئے آدمی نے مجھے دی تھی۔ خدا کرے یہ دونوں چیزیں تم تک بحفاظت پہنچ جائیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔"

حمید نے ڈائری بند کر دی۔ اور تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

"کئی باتیں رہ گئیں۔" بالآخر فریدی بولا۔ "نہ تو اُن مشتبہ آدمیوں کے نام ہیں جو شیکھر سے ملتے رہتے تھے اور نہ اُس شخص کے متعلق وضاحت ہے جو آخیر وقت میں شیکھر کے فلیٹ میں آیا تھا۔"

"شیکھر کی لاش پندرہ دن قبل ملی تھی شاید۔" حمید نے کہا۔

"ہاں لیکن اُس کے فلیٹ سے کوئی ایسی چیز نہیں بر آمد ہوئی تھی جو پُر اسرار ہوتی۔"

"آخر یہ کس قسم کا گروہ ہے....اور وہ خوفناک عزائم کیا ہیں۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ اُس کی آنکھیں خلاء میں گھور رہی تھیں۔

دوسرا حصہ

کڑکڑاتی ہڈیاں

انور اور رشیدہ کیفے کاسینو میں شام کی چائے پی رہے تھے۔ انسپکٹر آصف بھی تھا....اور آج وہ کچھ بجھا بجھا سا نظر آرہا تھا۔ غالباً اس کی وجہ وہ ناکامی تھی جو دن بھر کی دوڑ دھوپ کے باوجود اُس کے حصے میں آئی تھی۔

"مجھے یقین ہے۔" آصف گلا صاف کر کے بولا۔ "فریدی کوئی خاص بات جانتا ہے جس تذکرہ اُس نے سرکاری رپورٹ میں نہیں کیا۔"

"کرتے بھی کیا۔" انور کیک کا ایک بڑا سا ٹکڑا نگلتا ہوا بولا۔ "سرکاری رپورٹیں تو ردی بھاؤ بکا کرتی ہیں۔"

"انور تمہاری مدد کے بغیر میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔"

"مائی ڈیئر اولڈ آصف....!" انور آہستہ سے بولا۔ "وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں اپنا قرض طرح ادا کروں۔"

"پھر اڑے تم....!"

"میں سچ کہہ رہا ہوں....اس ماہ میں تین سو کا مقروض ہو گیا ہوں۔"

"میں بھی آج کل تنگ دست ہو رہا ہوں۔" آصف بڑبڑایا۔

"پھر بھلا بتاؤ میں تمہاری مدد کس طرح کر سکتا ہوں۔ اگر تمہاری مدد کرتا ہوا کام آگیا تو میرے قرض خواہ روز قیامت مجھے خون اور پیپ کی کاک ٹیل پلوادیں گے۔"

"تو تم صاف انکار کرتے ہو۔"

"نہیں پیارے! میں تو دل و جان سے تمہاری خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ مگر میرا قرض۔"

"رشیدہ تم سمجھاؤ۔" آصف گھگھیایا۔

"بھلا میری کون سنے گا۔" رشیدہ بولی۔

"خدا سنے گا تمہاری۔ تم کچھ سناؤ بھی تو۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا سنو!" آصف نے انور کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر مدد نہیں کر سکتے تو یہی کرو کہ فریدی کے لئے اس کیس میں کوئی کام نہ کرنا۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ یہ کیس انہیں نہیں دیا گیا۔"

"یہی نہیں بلکہ" آصف مخصوص اجازت نامہ بھی کینسل کر دیا گیا ہے۔"

"تب پھر....!"

"نہیں وہ اپنی ٹانگ ضرور اڑائے گا۔"

"تو پھر آصف صاحب مجھ میں تو اتنا دم نہیں کہ میں اُن کی ٹانگ ہٹادوں۔"

"تم اس کے لئے کام نہیں کرو گے۔"

"لیکن انہوں نے اگر میرا قرض ادا کر دیا تو میں مجبور ہو جاؤں گا۔"

"قرض....!" آصف اُسے گھور کر رہ گیا۔

"صرف تین سو ہیں زیادہ نہیں۔"

"تو تم باز نہیں آؤ گے اچھا دیکھ لوں گا....کبھی مجھ سے بھی کوئی کام پڑے گا۔"

"یار آصف بور مت کرو۔ میں ویسے ہی پریشان ہوں۔"

پھر انور نے رشیدہ کو اشارہ کیا کہ وہ اٹھ کر چلی جائے۔ رشیدہ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتی رہی پھر اٹھ کر چلی گئی انور چائے ختم کر چکا تھا وہ ایک سگریٹ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ آصف اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم جوزف کی بیوی سے ملے تھے۔" انور نے آصف سے پوچھا۔

"ملا تھا.... لیکن اس عورت سے کچھ معلوم کر لینا انتہائی دشوار ہے۔"

"اگر میں اس سے کچھ معلوم کرلوں تو تم مجھے کتنا معاوضہ دو گے۔"

"مگر میں اُس سے کچھ نہیں معلوم کرنا چاہتا۔" آصف جلدی سے بول پڑا۔

"پھر تم مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتے ہو۔"

"بات یہ ہے کہ۔" آصف قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔ "فریدی سے تمہارے تعلقات اچھے ہیں تم اُس سے کسی طرح وہ بات معلوم کرلو جو اُس نے سرکاری رپورٹ میں نہیں لکھی۔"

"مجھے معلوم ہے وہ بات۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا....؟" آصف ہمہ تن اشتیاق بن گیا۔

"سرکاری رپورٹ میں انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ وہ تمام عمر کنوارے رہنے کی قسم کھا چکے ہیں۔"

"انور بچپنا مت کرو.... میں آج بہت پریشان ہوں۔"

"اگر تم واقعی پریشان ہو تو میں تمہیں یہ مشورہ دوں گا.... مگر میں بغیر معاوضہ لئے کوئی مشورہ نہیں دیتا.... آصف صاحب مجھے افسوس ہے۔" انور نے کہا۔

"اوہ.... یہ رشیدہ کہاں چلی گئی۔" دفعتاً وہ چونک کر بولا۔ "مسٹر آصف ایک منٹ.... ذرا دیکھ لوں رشیدہ کہاں چلی گئی۔"

انور کے جانے کے بعد آصف اونگھتا رہا۔ اس دوران میں بیرا بل رکھ کر چلا گیا اور آصف کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چونکا۔ گھڑی پر نظر ڈالی۔ انور کو گئے ہوئے پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ پہلے تو آصف نے اُسے کوئی اہمیت نہ دی لیکن پھر بُری طرح چونکا اور ساتھ ہی اس کی نظر بل پر پڑ گئی پھر یہ حقیقت اس پر روشن ہو گئی کہ بل کے دام اسی کو ادا کرنے پڑیں گے اور رشیدہ چکمہ دے کر نکل گئے حالانکہ خود انور ہی نے آصف کو چائے کی دعوت دی تھی۔

آصف نے طوعاً و کرہاً بل کے دام چکائے اور ایک مفلوج آدمی کی طرف بدن ڈھیلا چھوڑ کر کرسی کے ایک طرف جھک گیا۔ اُسے آج کے منحوس دن پر غصہ آ رہا تھا۔ کیونکہ آج صبح ہی سے اُسے برابر ہر جگہ چوٹ ہو رہی تھی.... اور انور نے تو تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی تھی۔ اب وہ تنہا بیٹھ کر مکھیاں تو مار نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ کیفے کاسینو ایک صاف ستھری جگہ تھی۔ لہٰذا آصف کو چھاتی پر صبر کی سل رکھنی ہی پڑی۔

انور کی موٹر سائیکل کی رفتار لنکس لین میں داخل ہوتے ہی کم ہو گئی سولہ نمبر کی کوٹھی کے سامنے وہ رک گیا چند لمحوں کے بعد وہ برآمدے میں لگی ہوئی گھنٹی بجا رہا تھا۔ دروازہ خود پمیلا نے کھولا۔ انور اُسے پہچانتا نہیں تھا اُس نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے مسز پیٹر سے ملنا ہے۔"

"اوہ....!" پمیلا کارڈ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "کرائم رپورٹر....!"

پھر وہ خالی خالی نظروں سے اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"کیا چاہتے ہو۔" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"تمہیں اس سے کیا سروکار....!" انور خشک لہجے میں بولا۔

پمیلا اس وقت خانگی لباس میں تھی اور انور یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مکان کی مالکہ خود ہی گھنٹی کے جواب میں دروازے تک آئی ہو گی بہرحال وہ اسے خادمہ نہیں تو پمیلا کی سیکریٹری ضرور سمجھا تھا۔

"میں ہی مسز پیٹر ہوں۔" پمیلا آہستہ سے بڑبڑائی۔

"اوہ معاف کیجئے گا۔" انور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ "مسٹر جوزف بڑے اچھے آدمی تھے میں ان کی سوانح حیات شائع کرنا چاہتا ہوں۔"

"مگر اُن پر بھی تو ایک قتل کا الزام تھا۔" پمیلا نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"مجھے اس کہانی پر یقین نہیں۔" انور نے کہا۔ "یہاں کی پولیس ناکارہ اور کام چور ہے۔ سو میں پچھتر کیس ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ یا تو دھوکا کھاتی ہے یا اپنی آسانی کے لئے جان بوجھ کر فرضی کہانیاں گھڑ لیتی ہے۔ مجھے پیٹر سے ہمدردی ہے کیونکہ وہ میرا دوست تھا۔"

"اوہ.... اندر آجایئے۔" پمیلا کی آواز بڑی رسیلی تھی۔

انور اندر چلا گیا۔ وہ نشست کے کمرے میں آئے۔

"میں یہ بھی سمجھتا ہوں۔" انور کہہ رہا تھا۔ "پیٹر قتل کیا گیا ہے.... اور اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔ درندے کی داستان بھی فرضی ہی معلوم ہوتی ہے۔"

"مگر مسٹر انور وہ بال میں نے بھی دیکھے تھے۔"

"ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے ایسے نشانات بڑی آسانی سے مہیا کئے جاسکتے ہیں۔"

پیملیا کچھ نہ بولی۔ وہ انور کے صحت مند جسم کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کی آنکھیں بار بار اس کے خوبصورت چہرے پر جم جاتی تھیں.... انور کہہ رہا تھا۔ "مسز پیٹر.... اگر آپ میری تھوڑی بہت مدد کریں تو.... قاتل کا سراغ مل سکتا ہے.... اور آپ کو کرنا چاہئے۔"

"لیکن ہم کبھی نہیں ملے۔" پیملیا حیرت سے بولی۔

"یہ ایک افسوس ناک اتفاق ہے۔ میں نے اس کے لئے بہتیری تعلیمات کا ترجمہ کیا تھا۔ پیٹر آپ سے بہت محبت کرتا تھا اکثر کہا کرتا تھا کہ بدھ ازم ترک کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن میں پیملیا کے علاوہ سب کچھ ترک کرسکتا ہوں۔"

"اوہ....!" پیملیا کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

"آپ خود کو سنبھالئے ہمیں پیٹر کے قاتل سے انتقام لینا ہے۔" انور بولا۔ "میں اسی لئے آیا ہوں کہ آپ کو باہر لے جاؤں۔ اگر آپ سوگ میں پڑیں تو یہ پیٹر کی روح سے دشمنی ہوگی ہمیں اُس کے قاتل کو ڈھونڈنا ہے۔"

"مگر مسٹر.... آر.... ؟" وہ اُس کے ملاقاتی کارڈ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "مسٹر انور.... میں کسی پر اعتماد نہیں کرسکتی۔ میں اس دیس میں آکر لٹ گئی.... تباہ ہوگئی۔"

"ٹھیک ہے۔" انور نے کہا۔ "اتنی جلدی کسی پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہئے لیکن میں آپ اپنی اور پیٹر کی ایک یادگار تصویر دکھاؤں۔"

انور نے اپنے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور اس میں سے ایک تصویر نکال کر پیملیا کی طرف بڑھادی۔

اس میں جوزف پیٹر اور انور ایک ہی میز پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ پیٹر انور کی طرف پیسٹریوں کی پلیٹ بڑھا رہا تھا اُس کے ہونٹوں پر بے تکلفانہ انداز کی مسکراہٹ تھی انور نے اس تصویر پر بڑی محنت کی تھی اسے اس نے ایک فوٹوگرافر کی دکان سے حاصل کیا تھا۔ حقیقتاً تصویر میں پیٹر کے ساتھ انور کی بجائے کوئی اور تھا انور نے بڑے فنکارانہ انداز میں اس کی تصویر اُڑا کر کے اپنی فٹ کی تھی۔ بہرحال یہ سب کچھ اتنے سلیقے سے کیا گیا تھا کہ کوئی بڑے سے بڑا

بھی اسے کیمرہ ٹرک نہیں کہہ سکتا تھا۔

"یہ کب کی تصویر ہے۔" پیملیا نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"اوہ یہ ہماری.... آخری ملاقات ہے۔" انور مغموم لہجے میں بولا۔ "پیٹر میرے دفتر میں آیا تھا.... اور اسٹاف فوٹوگرافر نے وہیں ہماری تصویر لی تھی افسوس.... وہ کام نہ ہوسکا۔ ہم دونوں نے کرائسٹ اور مہاتما بدھ کی ملتی جلتی تعلیمات کا ذخیرہ اکٹھا کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

"اوہ....!" پیملیا کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

اُسی رات کو انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید نے.... انور اور پیملیا کو آرلکچو میں رمبا ناچتے دیکھا۔ پیملیا کے گداز جسم کی بوٹی بوٹی تھرک رہی تھی۔

"ہائیں....!" حمید آنکھیں نکال کر سر کھجاتا ہوا بولا۔ "اس کا کیا مطلب۔"

"اسکا یہ مطلب ہے کہ انور واقعی بڑا ذہین ہے وہ بھی اُسی نتیجے پر پہنچا ہے جس پر میں پہنچا تھا۔"

"آپ دونوں غلط ہیں۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن ٹھہریئے۔ میں ابھی اس کی ساری ذہانت خاک میں ملا دیتا ہوں کیا آپ نے اُسے شریک کرلیا ہے۔"

"ابھی تک تو نہیں.... جب ضرورت سمجھوں گا دیکھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اب ہم محکمے کے آدمیوں سے کوئی مدد نہ لے سکیں گے۔"

"شکریہ.... میں ابھی آیا۔"

حمید کو یاد آگیا کہ اُس نے رشیدہ کو کیفے ڈی سائپریس میں دیکھا تھا۔ جو آرلکچو سے زیادہ دور نہیں تھا۔

وہ فریدی کو وہیں چھوڑ کر اُس کی تلاش میں نکل گیا۔

پھر اُسے رشیدہ کو آرلکچو تک لانے میں دشواری نہیں ہوئی اس نے دوبارہ ٹکٹ خریدے اور رشیدہ سمیت رنگ ہاؤز میں داخل ہوگیا۔

رقص شباب پر تھا۔ حمید نے انور اور پیملیا کی طرف اشارہ کیا۔ رشیدہ اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

"اُف فوہ....!" وہ بڑبڑائی۔ "آخر یہ انور مجھ پر ہی یہ کیوں ظاہر کرتا ہے کہ اُسے عورتوں سے نفرت ہے۔"

"اب تم ہی سمجھو۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "اس کے برخلاف میں تم سے اتنی....!"

"آپ اپنی بات تو رہنے ہی دیجئے۔" رشیدہ چڑ کر بولی۔

"کاش تم میرے دل کے درد کو سمجھ سکتیں....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"زیادہ رومانی بننے کی کوشش نہ کرو۔" رشیدہ کی نظریں بدستور انور اور اس کی ہم رقص پر جمی رہیں۔

"کیا میں تم سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن وہ ہے کون۔" رشیدہ حمید کی طرف مڑی۔

"پتہ نہیں.... تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"میں رقص کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"رشو ڈیئر۔"

"اے.... دیکھو تم مجھے اس طرح مخاطب نہ کیا کرو۔"

"آچ.... اچھا....!" حمید نے دفعتاً اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور وہ دونوں رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ رشیدہ جھنجھلا کر حمید کے شانے پر چٹکیاں لے رہی تھی۔

"رشو! تم چاندنی ہو۔" حمید آہستہ سے اُس کے کان میں بولا۔

"میں تمہیں یہیں گرا کر ماروں گی۔"

وہ انور اور اس کی ہم رقص کے قریب سے گذر رہے تھے۔

"دوسروں پر ڈاکہ ڈالنے سے پہلے ہی آدمی لٹ جاتا ہے۔" حمید اتنے زور سے بولا کہ موسیقی کے شور کے باوجود بھی انور نے سن لیا۔ وہ مڑ مڑ کر انہیں گھور رہا تھا۔

"یہ رقابت کا معاملہ تو نہیں۔" رشیدہ بولی۔

"لاحول.... میں تو اُسے جانتا بھی نہیں۔" حمید نے کہا۔ "لیکن ذرا انور کو دیکھو تمہیں دیکھ لینے کے باوجود بھی اس طرح نظر انداز کر رہا ہے جیسے تمہیں جانتا ہی نہیں۔"

"تو اس سے کیا ہوا۔"

حمید چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اب انور اور اس کی ہم رقص نظر نہیں آ رہے تھے۔ غالباً وہ آگے بھیڑ میں تھے۔

"کاش....!"

"میں اب کچھ نہیں سنوں گی۔" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔ "مجھے الو نہ بناؤ۔"

"اوہو! اتنی حسین عورت اُلو کیسے بن سکتی ہے.... ویسے میں تم پر اُلو کا میک اپ ضرور کر سکتا ہوں۔"

"ہاں بس تم ایسی ہی باتیں کیا کرو۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "رومانی بننے کی کوشش کرتے ہو تو گدھے نظر آنے لگتے ہو۔"

"مگر مجھے اپنا گدھا پن ہی اچھا لگتا ہے۔ گدھے بھی پسند ہیں.... کیونکہ نہ تو وہ شعر کہتے ہیں اور نہ وقت بے وقت بور کرتے ہیں۔ گدھا تو بڑی عظیم تخلیق ہے۔ رشو ڈیئر! اگر تم کسی گدھے سے شادی کر لو تو۔"

"بکو نہیں....!" رشیدہ بگڑ گئی۔

"گدھے بڑے سعادت مند شوہر ثابت ہو سکتے ہیں۔ بلکہ میں تو بعض اوقات یہ سوچنے لگتا ہوں گدھے کو شوہر ہی کیوں نہیں کہا جاتا۔"

"حمید.... مجھے جانے دو۔" رشیدہ نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ مگر حمید کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

"کیوں.... اپنا مذاق اڑاؤ گی۔ میں تو بہت ہی بے حیا قسم کا آدمی ہوں۔ اگر تم مجھے مار بھی بیٹھو گی تو.... جانتی ہو کیا ہو گا۔"

"کیا ہو گا....؟"

"لوگ مجھے تمہارا شوہر سمجھیں گے۔ گدھے چوں بھی نہیں کرتے۔"

رشیدہ کچھ نہ بولی۔ وہ چپ چاپ حمید کے ساتھ رینگتی اور تھرکتی رہی۔ اُس کے پیر غلط پڑ رہے تھے لہٰذا اسے رینگنا اور تھرکنا ہی کہا جا سکتا ہے۔

"رشو ڈیئر۔" حمید نے پھر چھیڑا۔ "یقیناً تمہیں دکھ ہوا ہو گا۔ مجھے افسوس ہے۔"

"کیا بک رہے ہو تم۔ مجھے کیوں ہو گا افسوس....! کیا میں انور کی بیوی ہوں۔"

"مگر.... وہ.... مم....!"

"بس زبان بند! ہم صرف دوست ہیں۔"

"اُس کی Un Womanly Woman بننے کی کوشش نہ کرو۔ وہ سب بکواس ہے۔"

"اوہو! تو اب تم مجھ پر اپنے مطالعہ کا رعب ڈال رہے ہو۔" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"لیکن تم اُلو ہو.....!"

"افسوس اے حور روش او پری تمثال وائے عشوہ گرو آگیا بیتال.... میں، تم سے مم....!"

"شٹ اپ.... میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔"

دفعتاً کچھ دور پر بھیڑ میں ایک تیز قسم کی نسوانی چیخ سنائی دی۔ رقاصوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ چھوڑ دیئے وہ سب ایک طرف جھپٹ رہے تھے۔

حمید بھی رشیدہ کو وہیں چھوڑ کر اُس طرف لپکا۔ کئی طرح کی ملی جلی آوازیں ہال میں گونج رہی تھیں۔

اُس نے دیکھا.... پیملیا فرش پر پڑی مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی اور انور آنکھیں پھاڑے اُسے گھور رہا تھا۔ سب کی توجہ کا مرکز پیملیا بنی ہوئی تھی۔ انور کی طرف کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

کسی نے انور کے شانے پر پیچھے سے ہاتھ رکھ دیا۔ انور مڑا اور حمید نے اُسے بھیڑ سے نکلتے دیکھا.... حمید اُس ہاتھ کو پہچانتا تھا۔ وہ فریدی کے علاوہ اور کسی کا نہیں تھا۔

کچھ عورتوں نے پیملیا کو فرش سے اٹھانا چاہا لیکن انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کئی من وزنی لوہا اٹھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اچانک پیملیا نے اپنے ہاتھ پیر تان دیئے اور اُس کی ہڈیوں کی کڑکڑاہٹ سینکڑوں آدمیوں نے سنیں۔ بس ایسا معلوم ہوا جیسے اس کا جوڑ جوڑ الگ ہو گیا ہو... دوسرے لمحے میں فرش پر ایک لاش نظر آرہی تھی حمید نے کچھ دیر پہلے بھی وہ چہرہ دیکھا تھا لیکن اب وہ اُسے پہچان نہیں سکتا تھا ناک ٹیڑھی ہو گئی تھی اوپر کا ہونٹ مڑ کر ناک سے جا ملا تھا.... اور دانت.... بڑے خوفناک معلوم ہو رہے تھے وہ کسی انسان کی لاش نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"کوئی.... کمرے سے باہر نہیں جائے گا۔" دفعتاً ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ "پولیس۔"

ادھر اُدھر ہال کے دروازے بند ہو گئے۔ ہر ایک اپنی جگہ پر جم گیا تھا۔ حمید نے فریدی کو دیکھا.... وہ آرکسٹرا کے قریب کھڑا مجمعے کو گھور رہا تھا۔

خوفناک درندہ

پولیس کی آمد میں دیر نہیں لگی۔ اتفاق سے کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش ہی ڈیوٹی پر تھا

فریدی نے اُسی کو فون کیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ مرنے والی جوزف پیٹر کی بیوی پیملیا تھی۔ انسپکٹر جگدیش آصف کو اطلاع دے کر یہاں آیا تھا اُسے معلوم تھا کہ جوزف پیٹر اور عرفانی والا کیس اسی کے سپرد کیا گیا ہے۔

فریدی نے خاص طور پر حمید کی توجہ ایک چیز کی طرف مبذول کرائی۔ بھورے رنگ کے بڑے بڑے بال لاش کے گرد بکھرے ہوئے تھے پھر وہ دونوں لاش کے پاس سے ہٹ آئے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ کوتوالی انچارج کیا کر رہا ہے کوتوالی انچارج کو اب دراصل انسپکٹر آصف کا انتظار تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شاید فریدی اپنے آفیسروں سے لڑ گیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ کیس اُسے نہیں سونپا گیا۔ ورنہ اس قسم کے پیچیدہ کیسوں کے لئے محکمے میں فریدی کے علاوہ اور کون تھا۔

رشیدہ بھی اُن دونوں کے پاس ہی آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

"انور کہاں ہے۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"گھر گیا۔" فریدی نے جواب دیا۔ "کسی سے اس کا تذکرہ نہ آنے پائے کہ انور اُس کے ساتھ ناچ رہا تھا۔"

رشیدہ کچھ نہ بولی۔ مجمع باہر نکلنے کے لئے بے چین تھا لیکن.... اُسے رکنا ہی پڑا۔ انچارج آصف کے آنے سے پہلے دروازہ نہیں کھلوانا چاہتا تھا۔

"اور وہ بال۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا تم نے کوئی درندہ دیکھا تھا۔" فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"نہیں تو.... غالباً کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔"

"پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس بار وہ درندہ کھال میں نہیں تھا بلکہ صرف تھوڑے سے بال اپنے ہمراہ لایا تھا.... کیا سمجھے؟"

"غالباً آصف اور سنگھ کا انتظار ہے۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

انسپکٹر آصف آگیا تھا.... وہ سیدھا لاش کی طرف گیا۔ دو ہی تین منٹ بعد اس کا رخ فریدی اور حمید کی طرف تھا۔

"تم یہاں کیسے۔" آصف نے پوچھا۔

"اوہ! تو اب کیا میری بھی نگرانی ہونے لگی ہے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" آصف گڑبڑا کر بولا۔ "کیا تم پہلے سے یہاں موجود تھے۔"

"ظاہر ہے۔ اگر موجود نہ ہوتا تو جگدیش کو فون کیسے کرتا اور تمہیں کیوں کر اطلاع ہوتی۔ لیکن خدارا.... مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ میں یہاں کیوں آیا تھا۔"

"فرض کرو اگر میں پوچھوں تو۔"

"تب مجبوری ہے۔" فریدی اپنے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "مجھے صاف صاف بتا دینا پڑے گا کہ میں یہاں اپنے محکمے کے بعض آفیسروں کی عقلوں کے کفن کیلئے چندہ اکٹھا کرنے آیا تھا۔"

"تم آئی جی صاحب پر چوٹ کر رہے ہو۔"

"تمہارا ظرف نظر ہے.... جسے چاہو سمجھ لو۔"

آصف کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے لاش کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اس کا ہم رقص کون تھا؟"

"میں پھر تمہیں اپنا مشغلہ یاد دلاؤں گا۔" فریدی خفیف سا مسکرا دیا۔

"تم جانتے ہو کہ اس قسم کی معلومات چھپانا جرم ہے۔"

"اوہ.... ایسا ہے۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب میں ضرور قانون کا مطالعہ کروں گا۔"

"آؤ حمید چلیں.... ہمیں اسی وقت سے یہ نیک کام شروع کر دینا چاہئے۔"

"دروازے بند ہیں۔" آصف بھنا کر بولا۔ "اور میری اجازت کے بغیر نہیں کھل سکتے۔"

"میں دروازوں سے استدعا کروں گا کہ وہ تم سے اجازت طلب کریں۔"

"لونڈے ہو۔" آصف اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "خیر دیکھ لوں گا۔"

"مجھے تمہارے بڑھاپے پر رحم آتا ہے۔" فریدی کی ہنسی بڑی زہریلی تھی۔

آصف نہ جانے کیا کیا بکتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ پھر وہ دونوں اسے لاش پر جھکا ہوا دیکھ رہے تھے۔

"لوگ بُرے پھنسے۔ مجھے دروازے نہ بند کرانا چاہئے تھا۔" فریدی بولا۔ "اب پتہ نہیں کب تک یہ حضرت جھک مارتے رہیں۔"

دفعتاً آصف پھر تیر کی طرح ان کی طرف آیا۔ اس بار وہ رشیدہ کو گھور رہا تھا۔

"تم یہاں کیسے ہو۔" اُس نے سوال کیا۔

"شکریہ.... میں بالکل ٹھیک ہوں۔" رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا اور حمید کو ہنسی آ گئی۔

"یہ کیا بدتمیزی۔" آصف حمید کی طرف گھوم پڑا۔

"آصف صاحب! ذرا ہوش میں۔ میں مارتا پہلے ہوں۔ اس کے بعد چاہے زندگی بھر سہلاتا رہوں۔ آپ اپنی انسپکٹری کا رعب مجھ پر نہ جھاڑیئے گا۔ اگر ہم خود ہی اپنی ترقیوں کو نہ ٹھکراتے رہتے تو اس وقت تم مجھے سلیوٹ کرتے.... اب زبان سے کچھ نہ نکلے ورنہ خدا کی قسم یہیں پٹخ کر ماروں گا.... اور ملازمت پر تو اب ہم خود ہی لعنت بھیجنے والے ہیں۔"

"ارے.... ارے.... خاموش.... خاموش۔" فریدی اسے دوسری طرف گھسیٹ لے گیا۔

آصف اُن دونوں کو گھورتا رہا۔ پھر وہ جھینپ مٹانے کے لئے رشیدہ سے باتیں کرنے لگا۔

"میں ماروں گا۔" حمید مچل رہا تھا۔

"کیا گدھا پن ہے چین سے رہو۔ تمہیں اس کی توہین نہ کرنی چاہئے تھی۔ بوڑھا آدمی ہے۔"

"آپ ہمیشہ مجھے ہی دباتے رہتے ہیں کیا لغویت ہے کیا میں اس کے باپ کا نوکر ہوں۔"

"اوہ جانے دو بھئی.... کسی طرح دروازے کھلنے چاہئیں.... ورنہ یہ الو زندگی تلخ کر دے گا۔"

شائد آصف کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے پیملیا کے ہم رقص کے متعلق لوگوں سے پوچھ گچھ کی.... لیکن کسی نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ آخر تھک ہار کر اُسے دروازے کھلوانے ہی پڑے۔

❁

دوسرے دن کے اخبار میں پھر سنسنی خیز سرخیاں نظر آئیں۔ پیملیا کی پُر اسرار موت پر کئی زاویوں سے روشنی ڈالی گئی تھی اُن پر اسرار بالوں کا تذکرہ بھی تھا جو اُس کے شوہر کی لاش کے قریب پائے گئے تھے یہ خیال تو سبھی نے ظاہر کیا تھا کہ اُس کی موت بھی حرکت قلب ہی کے بند ہو جانے پر واقع ہوئی تھی.... لیکن دوپہر کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے ایک دوسری ہی کہانی سنائی۔

اس کے مطابق پیملیا کسی خطرناک قسم کے زہر کا شکار ہوئی تھی۔ پوسٹ مارٹم کے دوران میں اس کی بائیں ران پر ایک ایسا نشان پایا گیا تھا جو کانٹا یا سوئی چبھنے کا نتیجہ ہو سکتا تھا۔ انجکشن کے خیال کی تردید کی تھی۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ وہ کانٹا یا سوئی بجائے خود زہریلی تھی.... معدے

میں زہر کے اثرات نہیں پائے گئے یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل تھی کہ زہر کسی خارجی طریقے سے اُس کے نظام عصبی پر اثر انداز ہوا۔

انسپکٹر آصف اور انسپکٹر سنگھ کو چکر آنے لگے تھے۔

اُسی شام کو محکمہ سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی اور حمید کو اپنی کوٹھی پر آنے کی دعوت دی پورے محکمہ میں یہی ایک آفیسر تھا جسے ان دونوں سے ضد نہیں تھی اور صرف یہی ایک ایسا آفیسر تھا جس کا فریدی صحیح معنوں میں احترام کرتا تھا۔

"آصف نے تم دونوں کی شکایت کی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی مسکرا کر بولا۔

فریدی اس پر سارے واقعات دہراتا ہوا بولا۔ "اب آپ خود ہی سوچ سکتے ہیں کہ زیادتی کس کی ہے.... وہ حضرت خواہ مخواہ حمید کے منہ لگا کرتے ہیں۔ حمید میرا اسسٹنٹ ہے اس لئے کسی دوسرے کو اس سے سروکار نہ رکھنا چاہئے۔ میرا اس پر کیا برتاؤ ہے یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ میں اسے اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔"

"میرے خیال سے بات کچھ اور ہے آصف کا خیال ہے کہ تم ان وارداتوں کے متعلق کوئی خاص بات جانتے ہو جسے چھپا رہے ہو۔"

"اس کا خیال بالکل درست ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ایک نہیں درجنوں باتیں جانتا ہوں اور یہ بات صرف آپ کی اطلاع کے لئے عرض کرتا ہوں کہ میں نجی طور پر اس کیس سے دستبردار نہیں ہوا کیونکہ عرفانی سے میرے قریبی تعلقات تھے اور میں اس سازش کے سرغنہ کی کھوپڑی توڑے بغیر نہ رہوں گا۔"

"لیکن سنو....!" ڈی۔ آئی۔ جی مشفقانہ انداز میں بولا۔ "فی الحال نہ جانے کیوں آئی۔ جی صاحب تم سے خوش نہیں ہیں۔"

"میں جانتا ہوں انہیں انگریزوں سے عشق ہے۔" فریدی نے تنفر سے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر دیا گیا ہے.... یہ میری کھلی ہوئی توہین ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی کوئی مجھے مجبور نہ سمجھے۔ مجھے خدا کے بعد اپنے بازوؤں پر بھروسہ ہے۔"

"کیا تم.... اس عورت کے ہمرقص سے واقف ہو۔"

"جی ہاں.... لیکن وہ میرا آدمی تھا۔ میں شروع ہی سے یہ سمجھتا تھا کہ پمیلیا بہت کچھ جانتی ہے؟

لیکن اس کے ساتھیوں کو اس پر اعتماد تھا اسی لئے وہ اب تک بچی رہی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ میں جال اس کے گرد مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تو انہوں نے اُسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔"

"ہم رقص کون تھا۔"

"کرائم رپورٹر انور۔"

"اوہ....!"

"لیکن یہ اطلاع صرف آپ کے لئے ہے۔ میں نے آپ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔"

"تم مطمئن رہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی سگار کا ڈبہ اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "لو پیئو۔ تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم بے تحاشہ سگار پیتے ہو۔"

فریدی نے سگار لے لیا۔

"تم....!" ڈی۔ آئی۔ جی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں نہیں پیتا۔" حمید نے شرما کر کہا۔

"میں نے سنا ہے تم بہت شیطان ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہنسنے لگا.... اور حمید کسی کنواری لڑکی کی طرح سچ مچ اور زیادہ شرما گیا۔

"میں آپ سے کیا عرض کروں کہ یہ کتنا عظیم آدمی ہے۔" فریدی بولا۔

"میں جانتا ہوں.... لیکن تم دونوں کو نصیحت کروں گا کہ جو کام کرو احتیاط سے کرو۔ اس وقت حالات تمہارے ناموافق ہیں۔"

"ہم پورا پورا خیال رکھیں گے۔"

"اور حالات سے مجھے باخبر رکھنا۔"

"میں نے ہر موقع پر یہی کیا ہے۔"

"اور ہاں کسی دن.... بچے تمہارے عجائبات کا ذخیرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور.... بڑے شوق سے۔ جب دل چاہے۔ مجھے صرف ایک گھنٹہ قبل اطلاع کرا دیجئے گا۔"

"تم کہو گے آج میں نے فرمائشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ میرے بڑے لڑکے کو تو جانتے ہی ہو گے۔"

"جی ہاں.... وہ جو تار جام میں اسسٹنٹ کمشنر ہیں۔"

"ہاں.... اُسے بلڈ ہاؤنڈ کا ایک جوڑا چاہئے۔ مجھ سے کہا تھا کہ تم سے سفارش کروں۔"

"اوہو.... اس میں سفارش کی کیا بات۔ میرے پاس اس وقت چار جوڑے ہیں۔ جو پسند ہو لے لیں۔"

"کل کتنے کتے ہیں تمہارے پاس۔"

"چھیالیس....!"

"اوہ.... اور سانپ.... آخر سانپوں سے تمہیں کیوں اتنی دلچسپی ہے۔"

"میں خود بھی نہیں جانتا۔ لیکن سانپ مجھے بہت پیارے لگتے ہیں۔"

"تمہارے شوق.... انتہائی عجیب و غریب ہیں۔ لیکن خطرناک بھی ہیں۔ تم شادی کیوں نہیں کرتے۔"

"ابھی دل نہیں چاہتا۔" فریدی نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"کوئی ٹریجڈی....!" ڈی۔ آئی۔ جی مسکرایا۔

"نہیں صاحب! مجھے کبھی ادنیٰ قسم کا جانور بننے سے دلچسپی نہیں رہی۔ میں جنسیت کو ایک سیدھا سادا مسئلہ سمجھتا ہوں جسے آدمی جیسے سمجھدار جانور کے لئے اتنا پیچیدہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ شاعری کرنے لگے۔"

"بڑے خشک آدمی ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہنسنے لگا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پیملیا کی موت کا ذمہ دار کون ہے۔ مگر میں ابھی اُس کے پیچھے لگنا نہیں چاہتا۔ ورنہ وہ اس کا بھی خاتمہ کر دیں گے۔"

"کون ہے؟"

"برنارڈ.... یہاں کے مشہور لوگوں میں سے ہے۔ لیکن ہمارے پاس ابھی تک اُس کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔"

رات تاریک اور خنک تھی۔ فریدی اور حمید دن بھر کی تھکن کے بعد آرام کرنے جا رہے تھے کہ انور آ گیا۔ شاید وہ بھی دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے چہرے پر کسلمندی کے آثار تھے۔

"آپ نے ٹھیک کہا تھا۔" وہ فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ "آصف سچ مچ میرے پیچھے لگ

گیا ہے۔"

"لیکن! یہ نہ سمجھو کہ اُسے تم پر شبہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اُس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں ہے کہ تم ہی پچھلی رات کو پیملیا کے ہمرقص تھے۔"

"پھر.... وہ کیوں آج سارا دن میرا تعاقب کرتا رہا۔"

"اوہ سیدھی سی بات ہے اُسے یقین ہے کہ میں اس کیس سے دستبردار نہیں ہوا۔ اور تم میرے لئے کام کر رہے ہو۔ لہٰذا وہ تمہاری نگرانی کر کے جرم کے متعلق میرے نقطہ نظر کو معلوم کرنا چاہتا ہے۔"

انور ہنس کر بولا۔ "لیکن وہ بھی کیا یاد کرے گا۔ آج میں نے اُسے اتنا دوڑایا ہے کہ کل شاید میری طرف رخ کرنے کی بھی ہمت نہ کر سکے۔"

"خیر اُس کام کا کیا رہا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"برنارڈ کے چھ ملاقاتیوں کے نام اور پتے میں نے نوٹ کئے ہیں۔" انور نے جیب سے ڈائری نکالتے ہوئے کہا.... پھر حمید سے بولا۔ "لکھ لو۔"

حمید نے جیب سے اپنی ڈائری نکال کر پتے نوٹ کئے۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

"ان میں ایک نام قابل غور ہے۔ لیمبرٹ آرتھر.... اسے تم نے کہاں دیکھا تھا۔"

"برنارڈ کے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اپنی بغل میں ایک بڑا سا پیکٹ دبائے ہوئے تھا۔"

"ہوں! اور آصف تم سے کتنے فاصلے پر تھا۔"

"آصف اُس وقت مجھے کھو چکا تھا۔" انور ہنس کر بولا۔ "میں اُسے ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔"

پھر کچھ دیر کے لئے خاموشی ہو گئی۔

"لیکن...." انور سگریٹ سلگا کر بولا۔ "آصف اُس وقت موجود تھا جب میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا تھا کیا آپ یقین کریں گے کہ میں نے جوزف پیٹر اور پیملیا کو زندہ دیکھا ہوگا۔"

"ہاں ہاں یار....!" حمید جماہی لے کر بولا۔ "نیند آ رہی ہے اس لئے یقین کر لیں گے۔"

"زندہ دیکھا....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے ان دونوں کو ایک کار میں سوار ہوتے دیکھا تھا.... اور کار کی روانگی کے بعد میں

نے آصف کی بدحواسی بھی دیکھی تھی۔ وہ کافی دور تک اس کے پیچھے دوڑتا چلا گیا تھا۔ میں بھی پیدل ہی تھا اور وہ جگہ ایسی تھی کہ دور دور تک ٹریفک کا پتہ نہیں تھا۔"

"کہاں دیکھا تھا۔"

"پولو گراؤنڈ کے قریب۔"

"اوہ....!" فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"قاسم نے بھی عرفانی کا بھوت دیکھا تھا۔"

"انور.... یہ غپ تو نہیں ہے۔" حمید نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"آصف سے تصدیق ہو جائے گی۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"مجرم جاگ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کم از کم وہ میری اور میرے ساتھیوں کی نقل و حرکت سے تو ہر وقت باخبر رہتے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"قاسم حمید کا دوست ہے اس لئے اس نے عرفانی کا بھوت دیکھا۔ تم میرے لئے کام کرتے ہو اس لئے تمہیں بھی دو مردے نظر آئے.... وہی کھیل جو پرانا بھی ہے اور گندہ بھی پہیلیا لاش کے قریب ویسے ہی بال پائے گئے تھے جیسے اُس کے شوہر کی لاش کے قریب ملے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ درندہ رنگ ہاؤز کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا ہوتا تو سینکڑوں کی نظریں اُس پر پڑتیں لیکن بالوں کی موجودگی اُسی درندے کی کہانی سناتی ہے۔ وہی پرانا اور گندہ کھیل.... بھوت پریت۔ مجرم چالیں ضرور چل رہے ہیں مگر ان چالوں میں کچا پن ہے۔ ان باتوں کی اہمیت اُس وقت ختم ہو جاتی ہے جب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ زہر کا افسانہ سناتی ہے۔"

"لیکن یہ تو دیکھئے کہ قاسم نے عرفانی کا بھوت جیر اللہ کے یہاں دیکھا تھا۔" حمید نے کہا

"اگر آپ کی بات مان بھی لی جائے تو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا جیر اللہ احمق ہے۔ اگر اس نے دیدہ دانستہ اپنے یہاں قاسم کو عرفانی کا بھوت دکھایا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود ہی پولیس کو اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے۔"

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دفعتاً کمپاؤنڈ میں کتے بھونکنے لگے۔ بیک وقت چھیالیس کتوں کا شور تھا۔

"کیا ان کم بختوں کو فرنجک ہو گئی ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

پھر انہوں نے نوکروں کی بھی چیخیں سنیں۔ وہ جھپٹ کر برآمدے میں آئے۔ ایک نوکر کرسی میں اٹک کر فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا اور بقیہ اندر کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ابھی باہر کی روشنی گل نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے کمپاؤنڈ میں اندھیرا نہیں تھا۔ انہوں نے پھاٹک کے قریب ایک طویل القامت اور خوفناک بن مانس دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی لکڑی تھی.... اور وہ اُسی لکڑی سے رکھوالی کرنے والے السیشین کتوں پر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا۔

"حمید.... رائفل۔" فریدی چیخا۔ حمید بھاگتا ہوا اندر چلا گیا.... چاروں السیشین بن مانس پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ اتنے میں رائفل آ گئی۔ حمید ٹارچ بھی لیتا آیا تھا.... فریدی نے دو فائر کئے۔ پہلے فائر پر بن مانس نے قلابازی کھائی۔ پھر اٹھا لیکن دوسرے فائر نے اُسے ٹھنڈا کر دیا۔

وہ تینوں گم سم برآمدے میں کھڑے رہے پھر آگے بڑھے۔ السیشین بڑے جوش و خروش کے ساتھ مردہ بن مانس کو جھنجھوڑ رہے تھے۔ فریدی نے انہیں الگ کیا۔

بن مانس کا قد کسی انتہائی لمبے آدمی کے قد سے کم نہیں تھا۔ اس لئے حمید کو توقع تھی کہ بھورے رنگ کے بالوں والی کھال کے نیچے کوئی آدمی ہی برآمد ہوگا۔

لیکن اُسے نہ صرف مایوسی ہوئی بلکہ حیرت بھی ہوئی جب کہ وہ سو فیصدی بن مانس ہی ثابت ہوا۔ لیکن ایک عجیب و غریب بن مانس جس کے بال بھورے تھے اور قد ایسا کہ شائد اس سے قبل اتنا طویل القامت بن مانس دنیا کے کسی حصے میں نہ دیکھا گیا ہو۔

"درندہ....!" فریدی بڑبڑایا۔ "اس کے بال ویسے ہی ہیں جیسے ان دونوں لاشوں کے قریب ملے تھے۔ حمید سارے کتے کمپاؤنڈ میں آزاد چھوڑ دو اور انور اب تم اس وقت واپس نہیں جاؤ گے۔"

حمید اور وہ لڑکی

پچھلی رات کے واقعے پر پھر فریدی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ لیکن سرجنٹ حمید کے ذہن میں کئی گتھیاں تھیں۔ اس درندے کو دیکھنے سے قبل اس کا خیال تھا کہ مجرم معاملات کو پُر اسرار بنانے کے لئے اپنے شکاروں کے بھوتوں کی نمائش کر رہے ہیں اور اس کا سلسلہ انہوں نے جوزف

کی موت کے بعد ہی سے شروع کردیا تھا اس کی لاش کے قریب بالوں کی موجودگی کسی درند ہی کی طرف اشارہ کرتی تھی لیکن اُس درندے کو کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ اس پر فریدی نے ظ ظاہر کیا تھا کہ شاید اس کا قاتل کسی درندے کی کھال میں آیا ہو۔ بات قابل قبول تھی.... پیملیا بھرے مجمعے میں ختم ہوگئی۔ اس کی لاش کے قریب بھی ویسے ہی بال پائے گئے لیکن در دکھائی نہ دیا۔ اس سے فریدی کے قائم کردہ نظریئے کو تقویت پہنچتی تھی۔ یعنی اس درندے ک میں کوئی آدمی ہی کام کر رہا تھا.... مگر پچھلی رات.... جب انہوں نے اُس درندے کو دیکھا اس نظریئے کا قریب قریب خاتمہ ہی ہوگیا اور اس بات میں بھی کوئی وزن نہ رہ گیا کہ وہ د کوئی مافوق الفطرت ہستی تھا اگر یہ بات ہوتی تو وہ معمولی جانداروں کی طرح رائفل کی گولی سے نہ ہوجاتا۔ اب تو یہ بھی سوچنا پڑ رہا تھا کہ اس معاملے میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے بھی یا نہیں.... اول تو اس سائز کا بن مانس ہی آج تک دریافت نہیں ہوا تھا۔ دوسری بات یہ کہ ا بھرے پُرے شہر میں آیا کہاں سے۔ اگر وہ کسی کا پالتو تھا تب بھی اس کی شہرت کم از کم ا کانوں تک ضرور پہنچ جاتی کیونکہ یہ بن مانس ایک عجوبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے پالنے وا اسے صندوق میں بند کرکے تو رکھا نہ ہوگا....

ناشتے کی میز پر مکمل خاموشی تھی۔ فریدی، حمید اور انور اپنے اپنے خیالات میں الجھے تھے۔ دفعتاً انور بولا۔ "آپ اس کی لاش کو کیا کریں گے۔"

"مشتہر کروں گا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "کیا تم چار گھنٹوں کے اندر اندر اپنے اخ ورق والا مخصوص ضمیمہ چھاپنے کا انتظام کرسکو گے۔"

"ضرور.... یہ تو بڑا اچھا خیال ہے۔ خصوصاً میں اپنی رپورٹ سے بڑے اچھے پیسے بنا لیکن کیا آپ یہ ظاہر کریں گے کہ آپ نے اس کا شکار اپنے گھر پر کیا ہے۔"

"نہیں.... لڑکال جنگل میں۔" فریدی بولا۔

دفعتاً حمید چونک کر فریدی کو گھورنے لگا اُس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"کیا کہا آپ نے۔" حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"صبر.... فرزند.... صبر....!" فریدی مسکرا کر ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

حمید بیٹھ گیا۔ لیکن وہ شدت جذبات سے پھٹا پڑ رہا تھا۔ انور نے حیرت سے اس ک

دیکھا لیکن فریدی نے اسے باتوں میں الجھا دیا۔ "ہاں دیکھو.... رپورٹ میں اس درندے کے بالوں کا تذکرہ ضرور آئے اور ان بالوں سے متعلق بھی کوئی کانٹے کی بات ہو جو ان دونوں لاشوں کے قریب پائے گئے تھے۔"

انور ناشتہ چھوڑ کر لکھنے کی میز پر جا بیٹھا.... فریدی نے حمید سے کہا۔

"حمید تم ذرا کیمرہ وغیرہ ٹھیک کرو۔ اخبار میں تصویریں بھی ہوں گی مختلف زاویوں سے۔"

سارے مراحل طے ہوجانے کے بعد انور چلا گیا۔

"اب بتائیے۔" حمید فریدی کو جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "آپ نے مجھے اتنے دنوں تک تاریکی میں کیوں رکھا۔"

"تو تم سمجھ گئے۔"

"اب اتنا گاؤدی بھی نہیں ہوں لیکن یہ بتائیے! لڑکال جنگل کا نام اچانک آپ کے منہ سے نکلا تھا یا آپ پہلے سے سوچ چکے تھے۔"

"نام تو اچانک ہی نکلا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جنگل کا نام لوں۔ اچانک یہ نام ذہن میں گونجا ور ساتھ ہی تعلیمی تاش کے وہ پتے بھی یاد آگئے لڑکے کی تصویر اور لڑائی کا نقشہ.... لڑائی کو نگ کردو۔ لڑکا کے ساتھ وہ لام ملالو کارڈ کا حرف ہے۔ اس طرح لڑکال بنتا ہے اور جنگ کے اتھ لام ملانے سے جنگل۔ عرفانی کے ساتھ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تو وہ بھی اس معاملے کی ہ تک پہنچ جاتے۔ ظاہر ہے کہ بن مانس جنگلوں ہی میں رہتے ہیں۔ گھنے جنگلوں میں.... توائی خطوں کے جنگل کہہ لو لیکن ہم خط استوا پر نہیں رہتے۔ لہٰذا قدرتی بات ہے کہ ہمارا ذہن نا جنگل ضرور ڈھونڈے گا اور اس علاقے میں صرف ایک ہی گھنا جنگل ہے جو دس میل کے رقبہ ں پھیلا ہوا ہے اور یہ ہے لڑکال جنگل.... لیکن.... اس بیچارے جنگل میں معمولی بندر بھی ایدہی ہوں۔"

"تو پھر اگر اس گروہ کا تعلق لڑکال جنگل سے ہے تو اس خبر پر اس کے افراد بُری طرح چونکیں گے۔"

"یقیناً....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن اب ہمیں ہر وقت ہوشیار رہنا پڑے گا۔ اوہ ح ابھی تک اخبار بھی نہیں دیکھا.... ذرا سرخیاں پڑھ جاؤ۔"

حمید نے میز پر سے اخبار اٹھایا اور بلند آواز سے سرخیاں پڑھنے لگا۔ ایک جگہ وہ رکا اور اس کی

نظریں تیزی سے پوری خبر پر دوڑتی چلی گئیں۔

"کیا بات ہے.... رک کیوں گئے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ آنکھیں بند کئے آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔

"سنئے....!" حمید جلدی جلدی پڑھنے لگا۔ "مسٹر اور مسز جوزف پیٹر کے بھوت انگلش سفارتخانے میں.... ۱۴ر ستمبر گیارہ بجے شب کو انگلش سفارتخانے میں بھگدڑ مچ گئی۔ انگلستان کے سفیر کل گیارہ بجے شب کو ایک اہم دستاویز ترتیب دے رہے تھے کہ اچانک ان کے کمرے میں ان کے دو ایسے شناسا داخل ہوئے جن کی موت حال ہی میں واقع ہوئی تھی یہ پُر اسرار طریقے پر مرنے والے مسٹر اور مسز جوزف پیٹر تھے وہ دونوں حسب دستور اپنے قدیم مخصوص تکلفانہ انداز میں ہز ایکسیلنسی کی طرف بڑھے.... اور ہز ایکسیلنسی اپنے ہوش و حواس پر قابو رکھ سکے۔ جب انہیں ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ وہ دستاویز اور کئی دوسرے اہم کاغذات جو حکومت برطانیہ کے بعض اہم رازوں سے تعلق رکھتے تھے غائب ہوگئے۔ اس حیرت انگیز واقعے کی بنا پر سفارتخانے میں سنسنی پھیل گئی ہے۔ پولیس کو اطلاع دے دی گئی ہے لیکن سفارتخانہ نجی طور پر بھی کچھ کر رہا ہے۔"

حمید خبر پڑھ چکا تھا.... اور کمرے میں قبرستان کی سی خاموشی تھی۔

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ.... وہ بھوت خاص طور پر ہمیں دکھانے کے لئے بنائے گئے تھے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی خاموشی سے چھت کی طرف دیکھتا رہا۔

❁

شام ہوتے ہوتے فریدی کی کمپاؤنڈ میں خاصی بھیڑ ہوگئی۔ اسٹار کا ضمیمہ شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکا ہے۔

محکمہ پولیس اور سراغ رسانی کے قریب قریب سارے ہی حکام وہاں جمع تھے۔ فریدی ایک دلچسپ فرضی داستان سنا رہا تھا کہ کس طرح اس نے پچھلی شام کو لڑکال جنگل میں وہ عجیب غریب درندہ شکار کیا تھا.... سرجنٹ حمید اپنے آفس کی ٹائپسٹ لڑکیوں میں گھر کر رہ گیا تھا۔ وہ ان کے نرغے سے کبھی کا نکل گیا ہوتا۔ مگر حقیقت تو یہ تھی کہ وہ خود ہی ان میں گھرا رہنا چاہتا

تھا۔ آفس کی لڑکیوں میں اُس کے لئے کوئی خاص دلکشی نہ تھی۔ مگر وہ.... لڑکی! شاید وہ ان میں سے کسی کی دوست تھی۔ وہ نسلاً اینگلو انڈین لیکن اُس کے انداز خالص مشرقی تھے۔ کئی بار وہ سرجنٹ حمید کی گھورتی ہوئی نگاہوں کے مقابلے میں لجائی بھی تھی۔

آخر ایک لڑکی نے دونوں کا تعارف کرادیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حمید وقت کی نزاکت کا لحاظ کئے بغیر انہیں آرلکچنو میں چائے پلانے پر راضی ہوگیا۔ فریدی کی نظروں سے بچ کر نکل جانا اس وقت ناممکن نہیں تھا۔ آرلکچنو میں وہ کافی دیر تک بیٹھے۔ نئی لڑکی روزا حمید کو بڑی شاندار نظر آئی۔ وہ بیوقوف ہونے کی حد تک سیدھی تھی۔ دوسری لڑکیاں بور ہو رہی تھیں۔ کیونکہ سرجنٹ حمید کی شخصیت ان کے لئے نئی نہ تھی وہ اُسے اچھی طرح جانتی تھیں یا دوسرے الفاظ میں اُس کی رگ رگ سے واقف تھیں۔ حمید کی نہ ختم ہونے والی دلچسپ باتوں نے روزا کو الجھا لیا تھا۔ دوسری لڑکیاں اب اٹھنا چاہتی تھیں ہوا یہ کہ تھوڑی دیر بعد روزا تنہا رہ گئی۔

"مجھے اینگلو انڈین بڑے اچھے لگتے ہیں۔" حمید بولا۔

"کاش میں صرف انڈین ہوتی۔ مجھے دوغلا پن اچھا نہیں لگتا۔ نہ ہمیں انگریز پسند کرتے ہیں اور نہ دیسی۔"

"نہیں پسند کرتے تو جہنم میں جائیں۔ میں تو اپنی بات کر رہا تھا۔"

"آپ بھی دل سے نہیں پسند کرتے۔" روزا اٹھلائی اور حمید کو اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ کیونکہ وہ ان لڑکیوں کی موجودگی میں جتنی بیوقوف نظر آئی تھی اب اس کے برعکس ہوتی جا رہی تھی۔

"صرف دل ہی نہیں بلکہ جگر، گردے اور پھیپھڑے سے بھی پسند کرتا ہوں۔" حمید بولا.... وہ ہنسنے لگی۔

"آپ بڑے اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔" وہ بڑے پیار سے بولی۔

"اوہ! آپ کا لہجہ۔" حمید خواب ناک آواز میں بولا۔ "آپ کا لہجہ میری روح کو اُن دھندلاہٹوں میں گھسیٹ لے جاتا ہے جہاں پراسرار رنگوں کے لہریئے تلملایا کرتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"آہ.... میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ خدا کرے آپ آنکھوں کی زبان سمجھنے لگیں۔"

"آپ اظہار محبت تو نہ کریں گے۔" روزا اکھڑ گئی۔

"نہیں....!" حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ "میں اپنے باپ سے پوچھے بغیر اظہار محبت نہ کروں گا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا۔"

روزا پھر ہنس دی۔ وہ یونہی بار بار اپنے خوبصورت دانتوں کی نمائش کر رہی تھی۔ "میرا دل چاہتا ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کہ میں اس رات کا کچھ حصہ کسی ویرانے میں بسر کروں۔"

"اوہو.... تو آؤ چلیں.... اُس وقت منٹو پارک بالکل ویران ہوگا۔" روزا نے ہنس کر کہا اور حمید کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

دونوں اٹھ گئے۔ کلوک روم میں پہنچ کر روزا نے حمید سے کہا۔ "ذرا ٹھہریئے میں گھر پر فون کرنا تو بھول ہی گئی۔ وہ پھر واپس چلی گئی۔ حمید کلوک روم میں اس کا انتظار کرتا رہا۔ وہ خود کو دنیا کا بہت بڑا آدمی تصور کرنے لگا۔ اتنی جلدی لڑکیاں اس پر اعتماد کر لیتی ہیں۔ اُس کے علاوہ اور شاید ہی کوئی ایسا ہو.... روزا واپس آ گئی۔ باہر نکل کر انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور منٹو پارک کی طرف روانہ ہو گئے۔

"بات یہ ہے۔" روزا بولی۔ "میں زیادہ رات گئے تک بغیر اطلاع گھر سے باہر نہیں رہ سکتی۔"

"یہی شریفوں کی پہچان ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرے ڈیڈی بہت سخت آدمی ہیں۔ ان کی تاکید ہے کہ میں کسی انگریز سے دوستی نہ کروں۔ دیسیوں کے ساتھ مجھے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔"

"تمہارے ڈیڈی کیا کرتے ہیں۔"

"جیمز اینڈ مورگن کے منیجر ہیں۔"

"نام کیا ہے؟"

"مکلارنس برنارڈ.... عموماً لوگ انہیں مکی برنارڈ کہتے ہیں۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔ ٹیکسی منٹو پارک کی طرف چل پڑی تھی اور نئے نئے شبہات اس کے ذہن میں سر ابھارنے لگے تھے۔ روزا نے اسی برنارڈ کا حوالہ دیا تھا جو پولیس کی نظروں میں عرصہ سے کھٹک رہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ کیا وہ خطرے میں ہے؟ کیا روزا نے منٹو پارک کی تجویز کسی خاص مقصد کے تحت پیش کی تھی.... اور پھر وہ اُسے کلوک روم میں چھوڑ کر فون بھی کرنے گئی تھی۔ لیکن حمید کے ذہن نے پھر سنبھالا لیا۔ اگر وہ کسی قسم کی

سازش کر رہی تھی تو اُس نے اپنے باپ کا نام کیوں بتا دیا۔ ظاہر ہے کہ برنارڈ بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ پولیس اُس کی طرف سے اچھے خیالات نہیں رکھتی۔ نہیں فی الحال کسی سازش کا امکان نہیں.... دفعتاً پھر ایک دوسرا سوال اُس کے ذہن میں اُبھرا.... وہ تنہا ہے۔ اگر چند نامعلوم آدمیوں نے اُسے ٹھکانے لگا دیا تو پولیس کو کیا پتہ چل سکے گا۔ مجرموں کے نام پردہ راز ہی میں رہیں گے۔

"کیا سوچنے لگے۔" روزا نے اُسے ٹہوکا دیا۔

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم نے اپنے ڈیڈی سے کیا بہانہ کیا ہوگا۔"

"کچھ بھی نہیں.... میں نے صاف صاف بتا دیا کہ میں اس وقت ایک آفیسر سارجنٹ حمید کے ساتھ ہوں اور کچھ دیر بعد واپس آؤں گی۔"

"انہوں نے کچھ کہا نہیں۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"اگر ہم منٹو پارک کے بجائے کہیں اور چلیں تو۔" حمید نے پوچھا۔

"شہر کے اندر ہی مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تمہیں ویرانہ چاہئے نا۔ وہ تو تمہیں میرے مکان پر بھی مل جائے گا.... آؤ میرے گھر چلو.... ڈرائیور.... گاڑی موڑ لو۔"

اس نئی تجویز پر حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر سازش نہیں ہے تب بھی اس کا برنارڈ کے گھر پر جانا ٹھیک نہیں کیونکہ فریدی اُسے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا۔

"کتنی عجیب و غریب باتیں ہونے لگی ہیں۔" روزا ٹیکسی موڑتے ہی بڑبڑانے لگی۔ "سفارت خانے کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے لیکن میں تمہارے گھر بھی نہیں جانا چاہتا۔"

"کیوں....؟ آخر کیوں؟"

"بات یہ ہے کہ تمہارے ڈیڈی کے تعلقات پولیس سے اچھے نہیں ہیں۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں ان کی ٹوہ میں آیا ہوں۔"

"لیکن میں تو سمجھتی ہوں.... میں خود آپ کو لے جا رہی ہوں۔ ڈیڈی کی بعض باتیں مجھے بھی پسند نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ انہیں ترک کر دیں۔"

"کون سی باتیں۔"

"وہ بلیک مارکیٹنگ کرتے ہیں۔"

"یہ تو بُری بات.... شاید اسی بناء پر پولیس اُن سے برگشتہ ہو۔ مگر میں نے تو سنا ہے کہ وہ آج کل بدھ ازم سے بہت زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں.... تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"ایک دن گفتگو ہوئی تھی۔"

"کیا وہ تمہیں جانتے ہیں۔"

"اچھی طرح....!"

ٹیکسی برنارڈ کے بنگلے کے سامنے رک گئی۔ حمید باتوں میں الجھا رہا تھا۔ اس لئے اُسے کوئی دوسری تجویز پیش کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

"اوہو! تم چلو تو....!" وہ حمید کو پھاٹک میں دھکیلتی ہوئی بولی۔ "میں ڈیڈی سے کہوں گی کہ سارجنٹ یہاں آتے ہوئے کیوں ہچکچا رہے تھے۔"

طوعاً و کرہاً حمید آگے بڑھا۔ لیکن کم از کم اسے اتنی تقویت تو ضرور تھی کہ آج صبح ہی سے اُس کے جیب میں ریوالور پڑا ہوا تھا۔

باغ میں اندھیرا تھا۔

"اوہ کم بختوں نے برآمدے کی لائٹ بھی نہیں جلائی۔" روزا بڑبڑائی۔

وہ حمید کا ہاتھ پکڑے اُسے عمارت کی طرف لے جا رہی تھی۔

"کیا معاملہ ہے۔" حمید نے رکتے ہوئے کہا۔ "مجھے کہیں بھی روشنی نہیں دکھائی دیتی۔"

"مجھے خود حیرت ہے.... پتہ نہیں کیا بات ہے.... آؤ.... بیرونی روشنی کا سوئچ برآمدے ہی میں ہے۔"

"میں دیا سلائی جلاؤں۔" حمید نے کہا۔

"اونہہ اس کی ضرورت نہیں.... راستہ صاف ہے۔" وہ اُسے گھسیٹتی ہوئی بولی۔

اس بار اس کی رفتار تیز تھی۔ پورٹیکو میں پہنچ کر یکایک حمید کی چھٹی حس جاگ پڑی۔ اُسے بڑی شدت سے کسی خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کا ہاتھ جیب کو ٹٹول ہی رہا تھا کہ سر کے پچھلے

حصے پر کوئی ٹھوس چیز کافی قوت سے پڑی اور وہ ایک بے جان شہتیر کی طرح ڈھیر ہو گیا۔

دو حملے

کرائم رپورٹر انور نے گھڑی دیکھی۔ پندرہ منٹ گذر چکے تھے لیکن نہ تو برنارڈ کے بنگلے میں کہیں روشنی دکھائی دی اور نہ حمید ہی واپس آیا۔

وہ حمید اور روزا کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ انہیں آرلکچو سے نکل کر ٹیکسی پر بیٹھتے دیکھ کر اس کی موٹر سائیکل ان کے پیچھے لگ گئی تھی۔ وہ کافی فاصلے سے ان کا تعاقب کرتا رہا تھا اس تعاقب کی وجہ یہ تھی کہ انور برنارڈ کی لڑکی کو بخوبی پہچانتا تھا اگر اسے یہ نہ معلوم ہوتا کہ فریدی دیدہ و دانستہ برنارڈ کو نظر انداز کر رہا ہے تو اُسے حمید کی اس حرکت پر حیرت نہ ہوتی۔ ایسی حالت میں اُسے یہی سوچنا پڑا کہ شائد حمید اُس لڑکی سے واقف نہیں ہے۔

بہر حال اُس نے موٹر سائیکل ان کے پیچھے لگا دی تھی۔ جس ٹیکسی پر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے اتفاق سے اُس کا انجن بہت خراب تھا اس لئے حمید اُس کے شور کی بناء پر موٹر سائیکل کی آواز نہ سن سکا ورنہ اس کا یہ شبہ یقین کی حد تک پہنچ جاتا کہ وہ کسی سازش کا شکار ہونے والا ہے۔

تھوڑی دور جا کر ٹیکسی جب پھر پیچھے کی طرف مڑنے لگی تھی تو انور کا شبہ اور زیادہ پختہ ہو گیا تھا اور اس نے تعاقب جاری رکھا تھا۔

پانچ منٹ اور گذر گئے لیکن عمارت بدستور تاریک رہی۔ انور کو یقین ہو گیا کہ حمید ضرور کی مصیبت میں یا تو پھنس گیا ہے یا پھنسنے والا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عورت حمید کی سب سے بڑی کمزوری ہے وہ مکار ترین مردوں سے نپٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن ایک احمق ترین عورت بھی اُسے اچھی طرح اُلو بنا سکتی ہے۔

اُس نے موٹر سائیکل وہیں اندھیرے میں سڑک کے کنارے چھوڑ دی اور خود قریب قریب دوڑتا ہوا دوسری سڑک پر نکل آیا۔ یہاں پاس ہی ایک دوا فروش کی دوکان تھی۔ انور نے وہاں پہنچ کر فریدی کو فون کیا۔ خوش قسمتی سے فریدی گھر ہی پر موجود تھا۔ انور نے مختصراً پوری روداد سنا دی۔

فون کر کے وہ پھر برنارڈ کے بنگلے کے سامنے آگیا۔ اب بھی عمارت تاریک پڑی تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ بالکل خالی ہو۔ پائیں باغ میں بھی کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

پندرہ منٹ بعد فریدی بھی پہنچ گیا شاید وہ اپنی کار بڑی تیز رفتاری سے لایا تھا۔

"حالات بدستور ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جتنی دیر میں فون کرتا رہا.... اس دوران میں اگر کوئی تبدیلی ہوئی ہو تو اُس سے واقف نہیں۔"

"ریوالور ہے تمہارے پاس۔"

"میرے پاس کہاں سے آیا ریوالور۔"

"یہ لو....!" فریدی نے جیب سے ایک ریوالور نکال کر اُسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آؤ....!"

اس نے آگے بڑھ کر پھاٹک کھولا چند لمحے کھڑا ہو کر آہٹ لیتا رہا۔ پھر آگے بڑھا.... وہ پورٹیکو میں آئے لیکن یہاں بھی کوئی آواز سنائی نہ دی۔

فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ اُس نے یکے بعد دیگرے تینوں دروازے آزمائے لیکن ان میں سے کسی نے بھی جنبش بھی نہ کی۔

آخر اس نے جیب سے ٹارچ نکال کر گھنٹی تلاش کی اور اس کے بٹن پر انگوٹھا رکھ دیا۔

اندر کسی دور افتادہ مقام پر گھنٹی بجنے لگی۔

کچھ دیر بعد اندر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کسی نے کمرے میں روشنی کر دی۔ دروازہ کھلا۔ ایک آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ جو ظاہری حالت سے نوکر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے ان دونوں کو گھور کر پوچھا۔

"برنارڈ سے ملنا ہے۔" فریدی بولا۔

"برنارڈ.... کون برنارڈ.... یہاں کوئی برنارڈ نہیں رہتا۔ کیا آپ نے پھاٹک پر نیم پلیٹ نہیں دیکھی۔"

"نہیں! لیکن جانتا ہوں کہ مکی برنارڈ یہیں رہتا ہے۔"

"رہتا ہوگا.... اب نہیں ہے۔" یہ کہہ کر جیسے ہی اُس نے پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کرنا چاہا فریدی نے اس کی گردن پکڑلی اور انور نے منہ دبا دیا۔

دوسرے لمحے میں وہ بے حس و حرکت اُس کے قدموں میں ڈھیر تھا۔ وہ آگے بڑھے انو

نے پلٹ کر شکار کی طرف دیکھا۔

"فکر نہ کرو.... آدھ گھنٹے سے پیشتر ہوش میں نہیں آئے گا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کمرے کی روشنی گل کر دی۔ پھر وہ ایک تاریک راہداری سے گذر رہے تھے۔

آگے چل کر داہنی طرف کے ایک کمرے میں انہیں روشنی دکھائی دی۔ کھڑکی کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ شیشوں کے ذریعے وہ اندر دیکھ سکتے تھے۔

سرجنٹ حمید ایک آرام کرسی پر پڑا اپنے سامنے کھڑے ہوئے چار آدمیوں کو گھور رہا تھا۔ اس کے قریب ہی برنارڈ کی لڑکی روزا ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان چاروں آدمیوں میں برنارڈ بھی تھا۔

"تم نہیں بتاؤ گے۔" برنارڈ حمید سے کہہ رہا تھا۔

"اپنی لڑکی سے میری شادی کر دینے کا وعدہ کرو تو بتادوں۔" حمید نہایت سنجیدگی سے بولا۔

"بکواس بند کرو۔" برنارڈ گرجا۔ پھر اپنی لڑکی سے مخاطب ہو کر بولا۔ "روزا جاؤ تم آرام کرو۔"

قبل اس کے کہ وہ کرسی سے اٹھتی۔ فریدی اور انور دروازے میں تھے۔ دونوں نے ریوالور نکال لئے تھے۔

"مجھ سے پوچھو! پیارے برنارڈ....!" فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔ "شاید تم لڑکال جنگل والا لطیفہ سننا چاہتے ہو۔"

چاروں بوکھلائے ہوئے انداز میں انہیں گھور رہے تھے۔

"لیکن اس سے پہلے میں اس بن مانس کی کہانی سننا پسند کروں گا۔" فریدی نے پھر کہا۔

"اوہو! کیا آپ واقعی بن مانس کو نہیں جانتے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "وہ مکی برنارڈ کا داماد ہے۔ اور یونیورسٹی میں اقتصادیات کا درس دیتا ہے۔"

"آپ تو بولئے ہی مت۔" فریدی چڑ کر بولا۔ "آپ کی عشق بازی کسی دن آپ کو جہنم میں پہنچادے گی۔"

"فریدی بکواس بند کرو۔" برنارڈ بگڑ گیا۔ "تمہارے اسسٹنٹ نے زبردستی میرے مکان میں گھس کر میری لڑکی پر حملہ کیا تھا۔"

"ضرور کیا ہوگا.... لیکن تم اس سے پوچھنا کیا چاہتے ہو۔"

"چٹ....!" ایک ہلکی سی آواز کمرے میں گونجی اور اندھیرا ہو گیا فریدی اور انور نے روزا کو دیوار کی طرف کھسکتے نہیں دیکھا تھا۔

دفعتاً ان کے ہاتھوں سے ریوالور نکل گئے۔ شاید وہ چاروں بیک وقت اُن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ دونوں ان پر مکوں کی بارش کر رہے تھے.... اور انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ چاروں مدافعتی جدوجہد کر رہے ہوں۔ شاید اس طرح وہ نکل جانے کی کوشش میں تھے۔

پرنسٹن کے چوراہے پر کھڑے ہوئے ٹریفک کانسٹیبل کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور اس کے دونوں اٹھے ہوئے ہاتھ نیچے کی طرف جھول کر رہ گئے اور وہ تیز رفتار ٹرک چوراہے سے گذر گیا جسے دیکھ کر اُس کی یہ حالت ہوئی تھی۔

آگے چل کر ایک راہ گیر بھی اپنی بے ساختہ چیخ نہ روک سکا ٹرک کی رفتار بہت تیز تھی اور وہ زیادہ تر ایسی ہی سڑکوں پر مڑ رہا تھا جن پر زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں رہتی تھی۔

زوروِلین میں ایک پھل فروش کی نظر ڈرائیور کی سیٹ پر پڑی اور وہ چیخ کر اپنے ٹھیلے پر آ رہا۔ ٹھیلا الٹ گیا۔ وہ خود اسی ٹرک کی زد میں آگیا ہوتا۔ لیکن ٹرک بڑی صفائی سے کترا کر آگے نکل گیا۔

چیتھم روڈ پر ایک آدمی ٹیلی فون کے تار کے کھمبے پر چڑھا لائن کی خرابی دور کر رہا تھا جیسے ہی ٹرک اس کے قریب سے گذرا.... اور وہ اوندھے منہ نیچے چلا آیا۔

آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر سارے شہر میں اُس ٹرک کے متعلق سنسنی پھیل گئی اور پولیس کی کئی کاریں اس کی تلاش میں مختلف سڑکوں پر چکر لگانے لگیں۔

اور وہ ٹرک پولو گراؤنڈ والی سنسان سڑک پر ہو لیا تھا اور اب وہ ایک ایسے کچے راستے پر مڑ رہا تھا جو ہوائی اڈے کی طرف جاتا تھا۔ کچے راستے کے اختتام پر پھر ایک پختہ سڑک ملی جو ہوائی اڈے کے پھاٹک پر ختم ہو گئی تھی۔ دفعتاً ٹرک ٹھیک اُسی جگہ پر رک گیا جہاں وہ کچا راستہ سڑک سے آملا تھا۔

ٹرک اس طرح رکا تھا کہ پختہ سڑک بالکل بند ہو گئی تھی ٹرک کا انجن نہیں بند کیا گیا تھا۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ گرد و پیش کے مناظر تاریکی میں ڈوبتے جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہوائی اڈے کی مخالف سمت میں کسی کار کی ہیڈ لائیٹس نظر آئیں۔ ان کی روشنی پھسلتی ہوئی دو چار بار ٹرک پر بھی پڑی۔ کار کا ڈرائیور دور ہی سے اُس ٹرک کو راہ میں حائل

پے در پے ہارن دینے لگا تھا۔ لیکن ٹرک میں جنبش تک نہ ہوئی۔ البتہ اُس کا انجن بدستور آنے والی کار ایک بڑی سیاہ رنگ کی لیماؤسین تھی۔ اس کی رفتار بتدریج کم ہوتی گئی اور پھر ے شاید پانچ یا چھ گز کے فاصلے پر رک گئی۔ ڈرائیور نے چیخ کر کچھ کہا لیکن ٹرک سے کوئی ملا آخر وہ کار سے اُتر کر آگے بڑھا۔

ٹا ٹرک کی ڈرائیور کی سیٹ سے ایک عجیب الخلقت چیز اتری سات فٹ اونچا بن مانس۔ اپنے منہ سے ایک عجیب طرح کی آواز نکالی اور ٹرک کے پچھلے حصے سے دھما دھم کئی بن ٹرک پر کود آئے۔ کار کا ڈرائیور تو پہلے ہی چاروں خانے چت گر چکا تھا لیکن کار کے اندر ئے کسی آدمی نے ٹارچ کی روشنی باہر ڈالی.... پھر کار میں کئی چیخیں گونجیں۔

ریوالور.... ریوالور....!" اندر کسی نے چیخ کر کہا۔ آواز خوفزدہ سی تھی۔ پھر دوسرے ہی ں کار کے اندر سے فائر ہونے شروع ہو گئے۔

ڈرائیور کی سیٹ سے اترا ہوا بن مانس گولیوں کی پرواہ نہ کر کے برابر کار کی طرف بڑھتا جا رہا ار میں تین آدمی تھے اُن میں سے ایک اُچھل کر ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لیکن ابھی وہ اسٹارٹ بھی نہ کر پایا تھا کہ دو گنجان بالوں والے سخت ہاتھ اس کی گردن پر پڑے اور پھر بڑی بے دردی سے کار سے باہر کھینچ کر ایک طرف ڈال دیا گیا۔ اندر سے فائر اب بھی ہے تھے اور بقیہ بن مانسوں نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اُن میں سے کئی ریوالور کی ں کا نشانہ بن کر زمین پر پڑے چیخ بھی رہے تھے۔ ان کی چیخوں سے دوسرے بن مانسوں کا ں وخروش بڑھ گیا تھا اور وہ چاروں طرف سے کار پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ کار میں بیٹھے ہوئے وں آدمی خوفزدہ ضرور تھے لیکن انہوں نے اپنے اوسان خطا نہیں ہونے دیئے تھے۔ دو رناک ہاتھ کار کی پچھلی سیٹ پر بڑھے پھر فائر ہوا۔ گولی اس بن مانس کے سینے پر پڑی جو کار کے ر رہا تھ ڈال رہا تھا وہ اپنی جگہ سے ایک گز پیچھے اچھل کر لڑکھڑایا لیکن زمین پر نہیں گرا۔ کار سے / فائر ہوا۔ اس بار گولی اس کے داہنے شانے سے نکل گئی۔

اُس نے ایک بھیانک چیخ ماری اور پھر کار کی طرف جھپٹا.... دوسرے لمحے میں اُس نے ایک آدمی کو کار سے باہر کھینچ کر سڑک کے کنارے اچھال دیا۔ دوسرا آدمی اب بھی اندر سے فائر کر رہا تھا۔ ہوائی اڈہ قریب ہی تھا۔ شور کے ساتھ فائروں کی آوازیں بھی وہاں تک پہنچیں اور بہت

سے لوگ اسی طرف چل پڑے۔ انہیں دور سے بڑے بڑے تاریک سائے دکھائی دے رہے تھے اور کبھی کبھی ریوالور کے شعلوں کی چمک بھی نظر آجاتی تھی شور کچھ عجیب قسم کا تھا۔ ایسا شور شاید انہوں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ اسی شور میں انہیں کبھی کبھی کسی آدمی کی چیخیں بھی سنائی دے جاتی تھیں۔ وہ تیزی سے اُس طرف بڑھتے رہے اُن کے ساتھ مسلح محافظوں کی ایک ٹولی بھی تھی۔

ادھر اُس بن مانس نے آخری آدمی کو بھی کھینچ کر سڑک پر پٹخ دیا.... اس کے بعد اس نے کار سے کوئی وزنی چیز اٹھائی اور جھپٹتا ہوا ٹرک کے پاس آیا.... دوسرے لمحے میں ٹرک بڑی تیزی سے کچے راستے پر مڑ رہا تھا۔

ہوائی اڈہ کے عملہ نے ٹارچیں روشن کرلی تھیں اور وہ تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے انہوں نے دور سے دیکھا کہ عجیب الخلقت جانور ایک سیاہ رنگ کی کار پر چاروں طرف سے ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ فائر بند ہوگئے تھے۔ پہلے تو وہ کچھ خوفزدہ ہوگئے پھر مسلح محافظوں نے رائفل کی باڑھ ماری تین درندے چیختے ہوئے ڈھیر ہوگئے۔ ایک جو باقی بچ رہا تھا چیختا ہوا روشنیوں کی طرف جھپٹا دوسری باڑھ ماری گئی.... اور وہ بھی لڑکھڑاتا ہوا گرا۔

گیارہ ایسے بن مانسوں کی لاشیں ان کے سامنے تھیں جن میں سے ایک کی تصویر وہ آج دوپہر کو اسٹار کے مخصوص ضمیمے میں دیکھ چکے تھے۔

پھر انہوں نے چار زخمی آدمیوں کو زمین سے اٹھایا جو بیہوش تھے۔

"ارے.... یہ تو.... سفارت خانے کے لوگ ہیں۔" کسی نے چیخ کر کہا۔

"کون.... یوگوسلاوی سفیر کے اتاشی۔" کوئی دوسرا بولا۔

❁

فریدی دروازے پر جم گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُن میں سے کوئی نکل کر جاسکے لیکن چند لمحوں کے بعد اُسے حیرت ہونے لگی کیونکہ دروازے کی طرف کوئی بھی نہیں بڑھ رہا تھا البتہ دھینگا مشتی کی آوازیں برابر جاری تھیں۔ اس نے سوچا کہ شاید حمید بھی شریک ہوگیا اور دونوں نے مل کر انہیں الجھالیا ہے۔

فریدی آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا اور روشنی کر دی۔

انور اور حمید آپس میں گتھے ہوئے تھے اور برنارڈ ساتھیوں سمیت غائب تھا۔ وہ دونوں

جھلاہٹ میں ایک دوسرے پر دانت پیس کر الگ ہوگئے۔

داہنی سمت کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ فریدی اس طرف جھپٹا.... پھر انہوں نے سارا مکان چھان ڈالا لیکن کہیں بھی کسی آدمی کا سراغ نہ مل سکا۔ حتیٰ کہ وہ بھی نہ ملا جسے وہ بیہوش کر کے بیرونی کمرے میں ڈال آئے تھے۔

"سنو....!" فریدی نے حمید اور انور کو مخاطب کیا۔ "اب ہمیں چپ چاپ یہاں سے چل دینا چاہئے۔ برنارڈ پہلے ہی الزام لگا چکا ہے کہ حمید زبردستی اس کے گھر میں گھس آیا تھا۔"

"اس کے الزام لگانے سے کیا ہوتا ہے۔" حمید بولا۔

"شاید تم یہ بھول چکے ہو کہ ہمارا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہوچکا ہے۔" فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔

وہ باہر نکل آئے۔ فریدی نے اپنی کار برنارڈ کے بنگلے سے کافی فاصلے پر کھڑی کی تھی انور نے اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنی چاہی لیکن وہ اسٹارٹ نہ ہوئی۔

"ذرا ٹارچ تو دیجئے گا۔" انور نے فریدی سے کہا۔

"احمق ہوئے ہو۔" فریدی بولا۔ "اسے دھکیل کر میری کار تک لے چلو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ زیادہ دیر تک روکے رکھنے کے لئے اُسے بگاڑ گئے ہوں۔"

انور موٹر سائیکل کو دھکیل کر کیڈی تک لایا۔ پھر وہ کسی نہ کسی طرح اٹھا کر اس کی اسٹپنی میں ٹھونس دی گئی۔

"مجھے یقین ہے۔" فریدی کیڈی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ "برنارڈ پولیس کو اس کی اطلاع ضرور دے گا اور اگر نہیں رپورٹ کرتا تو یہ سمجھ لو کہ وہ ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔ دوسری صورت مجھے ناممکن نظر آتی ہے اگر واقعی اس کا تعلق اسی گروہ سے ہے تو وہ ہرگز روپوش نہ ہوگا۔"

"سو فیصدی....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "وہ اُسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ مجھ سے لڑکال جنگل والے اسسٹنٹ کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"کیا پوچھ رہا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہی کہ تم لوگوں نے بن مانس کے سلسلے میں لڑکال جنگل کا نام کیوں لیا۔"

"ہوں! تب تو تم بڑے خوش قسمت تھے کہ انور کی نظر تم پر پڑگئی ورنہ تم اس وقت دوسری

دنیا میں ہوتے۔ برنارڈ اس واقعے کے بعد تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔"

"مجھے خوشی ہوتی۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "کھوپڑی کا پچھلا حصہ پلپلا ہو گیا ہے۔" اس کے بعد اُس نے بغیر پوچھے پوری داستان دہرا دی۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے آفس کی کوئی لڑکی بھی ان سے ملی ہوئی ہے۔" فریدی بولا۔

"میرا یہ خیال نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "نسرین نے اُسے تعارف کراتے ہوئے اس کا پورا نام مس روزا برنارڈ بتایا تھا۔ لیکن میں نے اس وقت لفظ برنارڈ پر غور نہیں کیا۔"

"غور کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔" انور چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ملائم اور نمکین گوشت کا کوئی نام نہ ہو تب بھی وہ لذیذ ہی رہتا ہے۔"

"میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔" حمید بگڑ گیا۔

"مجھ سے بات کرنے کی تم میں اہلیت ہی نہیں۔"

"فضول باتیں کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھو۔" فریدی نے دخل اندازی کی۔ "حمید میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم اس وقت چپ چاپ کسی ہوٹل میں جا ٹھہرو۔ اگر تمہارے سر چوٹ نہ ہوتی تو پھر تشویش کی بات نہیں تھی۔"

"کیسی تشویش میں کسی ہوٹل میں کیوں ٹھہروں۔"

"فرزند! برنارڈ تمہاری رپورٹ ضرور کرے گا اور شاید یہ بھی لکھوائے کہ اس نے غصے میں تمہیں زخمی کر دیا ہے تمہارے سر کا زخم شہادت دے گا اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ڈی۔ ایس۔ سٹی سے ہمارے تعلقات اچھے نہیں۔"

"مگر میرے پاس کوئی سامان نہیں۔ کیا ہوٹل والوں کو شبہ نہ ہو گا اور ایسی صورت میں؟ کہ میرے کوٹ پر خون کے دھبے بھی ہیں۔"

"کوٹ انور سے بدل لو۔ فی الحال میں تمہیں ریلوے اسٹیشن پر چھوڑے دیتا ہوں تم وہاں ہسپتال میں جا کر اپنے زخم کی ڈریسنگ کراؤ۔ اس کے بعد ویٹنگ روم میں انور کا انتظار کرنا تمہارا سامان لے کر آئے گا اگر میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ نہ ہوا ہوتا تو اس کی ضرورت نہ پیش آتی۔ خیر تم کیپٹل میں قیام کرنا۔ بقیہ سب کچھ میں دیکھ لوں گا۔"

حمید کو اسٹیشن چھوڑنے کے بعد فریدی گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے جلدی تھی۔

یوں وہ جن حالات سے گذر رہا تھا ان کا تقاضا یہی تھا کہ احتیاط کا کوئی پہلو نظر انداز نہ ہونے پائے۔ گھر پہنچ کر وہ حمید کے لئے ضروری سامان ٹھیک کرانے لگا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی انور کو برآمدے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تین چار منٹ تک فون پر کسی سے گفتگو کرتے رہنے کے بعد پھر انور کے پاس واپس آ گیا۔

"دیکھا تم نے۔" اُس نے انور کو مخاطب کیا۔ "برنارڈ نے رپورٹ کر دی ہے۔ جگدیش کا فون تھا۔ برنارڈ نے وہی سب کچھ لکھوایا ہے جو میں تھوڑی دیر قبل کہہ رہا تھا۔ حمید نے اس کی لڑکی پر مجرمانہ حملہ کیا۔ اچانک وہ آ گیا اور اس نے حمید کے سر پر گلدان کھینچ مارا۔"

"دیدہ دلیری پر حیرت ہے۔" انور بولا۔

"برنارڈ جانتا ہے کہ میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو چکا ہے لیکن اس نے رپورٹ میں ہم دونوں کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ بھی اس کی ایک چال ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔"

انور فریدی کے چہرے پر فکر مندی کے آثار دیکھ رہا تھا۔

مہم

شہر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ اخبارات نے پچھلی رات والے بن مانسوں کے حملے کا حال بالتشریح شائع کیا تھا۔ یوگوسلاوی سفیر کا اتاشی چند اہم کاغذات لے کر اپنے ملک تک پہنچنے کے لئے ہوائی اڈے کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اُسے چند بن مانسوں نے گھیر لیا۔ اتاشی اور اُس کے دو ساتھی ڈرائیور سمیت اپنی مدافعت کرتے رہے۔ انہوں نے اُن میں سے کئی بن مانس مار بھی گرائے۔ اُن کے ہوش میں تو کاغذات کا چرمی تھیلا محفوظ رہا تھا۔ لیکن اس جدوجہد کے دوران میں وہ کچھ دیر کے لئے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے.... اور پھر ہوش میں آنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ تھیلا غائب ہے۔ اخبارات کی اطلاع کے مطابق سب سے پہلے پرنسٹن کے ٹریفک کانسٹیبل نے ایک بن مانس کو ایک ٹرک ڈرائیو کرتے دیکھ کر اس کی اطلاع پرنسٹن کے تھانے میں دی گئی۔ اس کے بعد متعدد جگہوں سے رپورٹیں موصول ہونے پر پولیس کی کئی پٹرول کاریں اس ٹرک کی تلاش میں نکل گئی تھیں۔ اخبارات نے گیارہ بن مانسوں کی لاشوں کا بھی تذکرہ کیا تھا جن

میں سے چار پر کسی قسم کے زخم نہیں پائے گئے۔ بقیہ سات کے جسموں پر کہیں گولی ضرور لگی تھی۔ چار بن مانسوں کی موت کے اسباب تک نہیں معلوم ہو سکے۔ اخبارات نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ بن مانس ویسے ہی تھے جیسا کہ گذشتہ دن انسپکٹر فریدی نے لڑکال جنگل میں شکار کیا تھا۔

فریدی کو اس حیرت انگیز واقع کی اطلاع پچھلی رات ہی کو مل گئی تھی جب وہ حمید اور برنارڈ والی خبر کی اشاعت رکوانے کے لئے اخبارات کے دفتروں کے چکر لگاتا پھر رہا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ کسی اخبار میں بھی حمید کے خلاف لگائے گئے برنارڈ کے الزامات کے متعلق کچھ نہیں آیا تھا اور یہ سب کچھ فریدی کے ذاتی اثر ورسوخ کی بناء پر ہوا تھا۔

صبح ہی صبح محکمہ سراغ رسانی کا ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ رات بھی اس نے بہ نفس نفیس کئی چکر لگائے تھے لیکن فریدی سے ملاقات نہ ہو سکی۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی کہہ رہا تھا۔ "اوپر والے ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہیں اور پھر جب کوئی اس قسم کی واردات ہو جاتی ہے تب بھی ہم ہی سے جواب طلب کیا جاتا ہے.... پھر کہا جاتا ہے کہ ہمارا محکمہ سوتا رہتا ہے۔"

"پھر بھلا بتایئے ان آسمانی بلاؤں کو ہمارا محکمہ کس طرح روک سکتا ہے۔" فریدی بولا۔

"بھلا.... بن مانس....!"

"لاحول ولا قوۃ.... تم بھی ویسی ہی باتیں کرنے لگے۔" ڈی۔ آئی۔ جی جھنجھلا گیا۔ "تم چھپا رہے ہو۔ کیا کل تم نے ویسا ہی ایک بن مانس نہیں شکار کیا تھا۔"

"کیا تو تھا.... لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس قسم کے بن مانس یوگوسلاوی سفارتخانے سے بھی کچھ تعلق رکھ سکتے ہیں۔"

"مجھے بتاؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "جوزف اور اُس کی بیوی کی لاشوں کے قریب انہیں بن مانسوں کے بال پائے گئے تھے۔ پھر ان دونوں کے بھوتوں نے انگریزی سفارت خانے سے کچھ اہم کاغذات اڑائے.... اور اب خود ان بن مانسوں نے یوگوسلاوی سفارت خانے کی ڈاک پر ڈاکہ ڈالا۔"

"آپ نے حمید کی بابت کچھ سنا....؟" فریدی نے سوال کیا۔

"سنا ہے لیکن اس بناء پر اُسے کوئی اہمیت نہیں دی کہ رپورٹ برنارڈ نے لکھوائی ہے۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" فریدی بولا۔ "واقعہ یوں ہے کہ برنارڈ حمید کو دھوکا دے کر اپنے گھر بلواتا ہے اور زخمی کر دیتا ہے وہ اس سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہم لوگوں نے بن مانس کے سلسلے میں لڑکال جنگل کا نام کیوں لیا۔"

"کیوں....؟ ظاہر ہے کہ تم نے اُسے لڑکال جنگل ہی میں شکار کیا تھا۔"

"قطعی نہیں...." فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اُس نے خود ہی غریب خانے میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔"

"کیا....؟" ڈی۔ آئی۔ جی چونک پڑا۔

"جی ہاں.... اس کا شکار میں نے اپنی کمپاؤنڈ ہی میں کیا تھا۔"

اس کے بعد فریدی نے پورا واقعہ دہراتے ہوئے کہا۔ "اب وقت آگیا ہے کہ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں۔ آصف اور سنگھ بیچارے تو جھک مارتے ہی رہ جائیں گے۔ مجھے وہ چیز مل گئی ہے جس کی تلاش عرفانی کے قاتلوں کو تھی۔"

"اوہ.... تم نے مجھے پہلے نہیں بتایا۔" ڈی۔ آئی۔ جی شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

فریدی اُسے اپنی تجربہ گاہ میں لایا۔ اور پھر اُس نے عرفانی کی ڈائری اور تعلیمی تاش کے دونوں پتے نکالے۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد جب وہ دونوں تجربہ گاہ سے نکل رہے تھے ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"فریدی سچ کہتا ہوں اگر تم جاگتے نہ رہو تو ہم سب نالائق بنا دیئے جائیں۔ بھئی مجھے اس کا اعتراف ہے کہ اگر یہ ڈائری اور تاش کے پتے مجھے ملتے تو میں انہیں ردی کی ٹوکری میں ڈال کر مطمئن ہو جاتا۔ خیر ہاں تم نے حمید کو کیوں چھپا دیا۔"

"اگر وہ ایک گھنٹے کے لئے بھی حوالات میں گیا تو میرے لئے مر جانے کا مقام ہو گا۔ مصیبت یہ ہے کہ اس کے سر پر زخم بھی موجود ہے اور دوسری مصیبت یہ کہ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی عرصہ سے اس تاک میں ہے کہ اُسے ہمارے خلاف مواد مل جائے اور بنیادی مصیبت یہ ہے کہ میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو چکا ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ آئی جی صاحب خود بھی پشیمان ہیں۔ میں کوتوال کو ایک حکم نامہ بھیجے دیتا ہوں کہ سرجنٹ حمید کا کیس محکمے کو ریفر کر دیا جائے۔ براہِ راست کوئی کاروائی نہ ہو.... اور کیوں نہ برنارڈ کو پکڑ ہی لیا جائے۔"

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ مجرموں میں وہی ایک ایسا ہے جو اس وقت ہمارے سا
ہے اور شاید ہم اسی کے ذریعے وہاں تک پہنچ سکیں جہاں سے وہ بن مانس بر آمد ہوتے ہیں۔"

"بن مانسوں کا مقابلہ بھی عجیب ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "پچھلی رات سات تو گولیا
سے مرے ہیں اور چار کی موت پُر اسرار ہے۔ کیونکہ انہیں گولیاں لگی ہی نہیں اور ایک کے متعلق
اتاشی کا بیان ہے کہ اس پر گولیوں کا اثر ہی نہیں ہوا اور غالباً وہی ٹرک بھی ڈرائیور کر رہا تھا۔"

"اور وہی ایک بن مانس نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں.... کیا مطلب....؟"

"اس لئے کہ وہ گولیوں سے نہیں مرا۔ اور وہی ڈاک کا تھیلا لے گیا۔"

"اور اُن کے متعلق کیا کہو گے جو گولیوں کے بغیر ہی مر گئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

سرجنٹ حمید کیپٹیل ہوٹل سے گھر واپس آ گیا تھا لیکن اُسے اپنی زندگی تلخ محسوس ہو ر
تھی۔ کیونکہ برنارڈ اب بھی بے خوف و خطر آزادانہ پھر رہا تھا۔ وہ بڑی شدت سے اندر ہی اند
جھلس رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اُسے مار ہی ڈالتا۔ لیکن اُس نے کم از کم روزا برنارڈ سے انتق
لینے کی ٹھان ہی لی تھی۔ اس سلسلے میں اس کی نظر انتخاب قاسم پر پڑی لیکن وہ کوئی فیصلہ نہ کر
کیونکہ قاسم پرلے سرے کا بیوقوف تھا اور اُسے وقتی طور پر بھی عقلمند بنا دینا کم از کم اُس کے بس
روگ نہیں تھا۔

وہ دن بھر نئی نئی اسکیمیں سوچتا رہا اور شام ہوتے ہی قاسم کی طرف چل پڑا۔ لیکن قاسم گ
پر موجود نہیں تھا۔ اس کی بیوی نے بتایا کہ وہ دو دن سے غائب ہے شاید یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ گ
والوں کو اطلاع دیئے بغیر اس طرح غائب ہو گیا تھا۔

حمید ناکام واپس لوٹا۔ گھر پہنچ کر وہ نئے نئے منصوبے بنانے لگا۔ آخر اُس نے سوچا کیوں
کسی میک اپ میں قسمت آزمائی کی جائے لیکن معاملات چونکہ بہت زیادہ الجھ گئے تھے اس لئے ا
نے یہی مناسب سمجھا کہ فریدی کی رائے بھی معلوم کر لی جائے۔ ورنہ ممکن ہے بعد کو وہ اپنی ک
ناکامی کا الزام اُسی کے سر منڈھ دے۔

فریدی اس کی لاعلمی میں کئی گھنٹے سے گیراج میں کچھ ٹھوک پیٹ رہا تھا۔ حمید نے اُسے پہلے
گھر میں تلاش کیا۔ پھر سوچا ممکن ہے باہر گیا ہو۔ وہ اُسے دیکھتا ہوا گیراج تک گیا جس کا دروازہ اندر
سے بند تھا۔ حمید نے دستک دی۔ فریدی نے دروازہ کھولا۔ وہ پسینے میں نہایا ہوا تھا اور اُس کے ہاتھ
میلے تھے۔ کپڑوں پر بھی ایک آدھ جگہ تیل کے تاریک دھبے نظر آ رہے تھے۔

"تمہاری ضرورت بھی تھی۔" فریدی نے اُسے اندر کھینچتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے.... میرے کپڑے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"صرف کفن نہ میلا ہونا چاہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بقیہ سب چلتا ہے۔"

فریدی کی جیپ کار پر نظر پڑتے ہی حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ جیپ کار کی پچھلی نشست
کے دونوں اطراف میں مشین گنیں فٹ تھیں اور اب فریدی ان کے دہانوں کو چھوڑ کر بقیہ حصے
بڑے بڑے گدوں کے نیچے چھپا رہا تھا۔

"یہ کیا مصیبت ہے؟"

"تمہارے دردِ سر کا علاج! لڑکال جنگل میں خوبصورت لڑکیاں نہیں ملتیں۔"

"لڑکال جنگل۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیوں وقت برباد کر رہے ہیں۔ یہ تاش کے
پتے...."

"کیا سر کی چوٹ بھول گئے۔ بھلا یہ کس سلسلے میں آئی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی تھوڑی دیر تک مختلف پہلوؤں سے جیپ کار کا جائزہ لیتا رہا پھر وہ
دونوں گیراج سے باہر نکل آئے۔

"آج تو موسم بھی بڑا دلکش ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خاصی تفریح رہے گی۔"

"تو کیا اسی جیپ پر چلنے کا ارادہ ہے.... آخر مشین گن کیوں؟"

"بطخوں کا شکار کریں گے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"اللہ ہماری مغفرت فرما۔" حمید نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ "ہم بہت جلد تیری ہی
طرف آنے والے ہیں۔"

ایک گھنٹے بعد ان کی جیپ شہر کی سنسان راہوں سے گذرتی ہوئی مضافات کی طرف جا رہی
تھی۔ فریدی نے دن بھر کی محنت سے اُسے ایک اچھی خاصی اسلحہ بند گاڑی بنا لیا تھا۔ اور اس کی ہُڈ

میں چاروں طرف چھوٹی چھوٹی سرچ لائٹیں فٹ کر دی تھیں۔ جو فی الحال روشن نہیں تھیں۔

"آپ جنگل میں تو گھس نہ سکیں گے۔" حمید بولا۔

"کیوں کیا تم اُس دس میل لمبی سڑک سے کبھی نہیں گذرے جو بالی کیمپ سے تار جام کی طرف گئی ہے۔"

"اوہ.... ٹھیک ہے جس پر وہ کولتار والی فیکٹری ہے۔"

"ٹھیک وہی.... بس آج ہم اُس سڑک کی پیائش کریں گے اگر کہیں تمہیں بطخیں دکھائی دیں تو مشین گنوں کے سوئچ آن کر دینا۔"

"اوہو.... کیا آپ کو توقع ہے کہ وہ بن مانس وہیں رہتے ہوں گے۔"

"پتہ نہیں.... یہ تو میں نے احتیاطاً۔"

"ذرا یہ تو سوچیے۔" حمید نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اگر اُس جنگل میں ایک بھی ویسا خوفناک بن مانس ہوتا تو کم از کم کولتار فیکٹری والے ضرور ہلڑ مچاتے۔"

"تو فرزند یہ بھی ناممکن ہے کہ اتنی تعداد میں وہ درندے شہر ہی کے کسی حصے میں مقیم ہوں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ بن مانس بہت زیادہ غل غپاڑہ مچاتے ہیں۔ اگر وہ اس جنگل ہی کے کسی حصے میں ہوتے تو کم از کم بالی کیمپ والی سڑک سے گذرنے والے یا کولتار فیکٹری کے لوگ کبھی تو اُن کی آواز سنتے۔"

"بھئی سچ پوچھو تو یہ معاملہ ابھی تک میری سمجھ میں آیا ہی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یوگوسلاوی سفیر کے اتاشی کو جو واقعہ پیش آیا ہے اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے ایک بن مانس کا شہر کی سڑکوں پر ٹرک ڈرائیو کرنا وہ بھی اس چابکدستی سے کہ کہیں کوئی حادثہ نہیں پیش آیا۔ پھر حملہ کر کے ڈاک کا تھیلا لے بھاگنا۔ آخر دوسرے بن مانس اتنے احمق کیوں تھے کہ وہ نہیں بھاگے۔"

"اور کچھ اُن سے بھی زیادہ احمق تھے جو خود بخود مر گئے۔"

"ٹرک ڈرائیو کرنے والا تو سو فیصدی آدمی تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اور اُس نے بن مانس کی کھال کے نیچے بلٹ پروف لگا رکھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس پر گولیوں نے اثر نہیں کیا۔"

"آج کل آپ جیرالڈ شاستری کو بُری طرح نظر انداز کر رہے ہیں۔" حمید نے اکتا کر

موضوع بدل دیا۔

"جیرالڈ....!" فریدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس ڈرامے میں اس کا کیا رول ہے۔"

"وہ کسی پُر اسرار قوت کا مالک ہے۔" حمید نے کہا۔ "مجھے آج تک اس کے علاوہ اور کسی آدمی سے خوف نہیں محسوس ہوا۔"

"مجھے وہ ملاقات اچھی طرح یاد ہے۔" فریدی بولا۔ "لیکن مجھ پر اُس کی شخصیت کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔"

"آپ خود ہی اپنا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔" حمید نے جل کر کہا۔

"غلط نہیں کرتا۔"

"آدمی کو کبھی کبھی کسر نفسی سے بھی کام لینا چاہئے۔"

"بنفشہ بھی پینا چاہئے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میری کسر نفسی سے مجھے یا دوسروں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ میری کسر نفسی کے متمنی لوگوں کے غرور کی تھوڑی سی تسکین ہو جائے۔"

"آپ مغرور ہو گئے ہیں۔"

"وہی دو ٹکے والی بات۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "جب میرے غرور سے تمہارے غرور کو ٹھیس لگتی ہے تو تم مجھے مغرور کہہ دیتے ہو۔"

"میں تو فی الحال آپ کو لاچار اور مجبور سمجھتا ہوں۔" حمید نے چڑھانے والے انداز میں قہقہہ لگایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ جیپ کار شہر سے بالی کیمپ جانے والی سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ آسمان ابر آلود ہونے کی وجہ سے تاریکی بڑھ گئی تھی۔ حمید بہت کچھ بکنا چاہتا تھا لیکن اُس نے اندازہ لگالیا تھا کہ فریدی زیادہ گفتگو کے موڈ میں نہیں ہے۔

لڑکال جنگل کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور مختلف قسم کی آوازیں جیپ کے شور کے باوجود بھی اُن کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

"فریدی صاحب۔" حمید بولا۔ "اگر وہ ہوں گے بھی تو جنگل کے کسی دشوار گذار حصے میں۔"

"مجھے کب اس سے انکار ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم تو صرف سڑک ناپنے جا رہے ہیں۔ وہ بن مانس جو ہماری کمپاؤنڈ میں گھسا تھا کیا ہمارا پتہ پوچھتا ہوا آیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اُسے کوئی آدمی وہاں تک لایا ہوگا۔ اگر وہ بن مانس ٹرک استعمال کرتے ہیں تب تو انہیں یقیناً اسی سڑک سے گذرنا پڑتا ہوگا۔"

"اونہہ ماریئے گولی! میں تو شدت سے بور ہو چکا ہوں۔ ذرا رفتار کم کیجئے۔ پائپ سلگاؤں گا۔"

فریدی نے رفتار کم کر دی اور حمید پائپ سلگانے لگا۔

اُن کے سامنے بہت دور سے کسی موٹر کی ہیڈ لائیٹس نظر آ رہی تھیں۔

فریدی نے جیپ کی رفتار پھر تیز کر دی۔ سامنے سے آنے والی موٹر قریب ہوتی جا رہی تھی۔ ایک جگہ جیپ کار کچھ اونچائی پر آ گئی تھی کہ اُس کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی سامنے سے آنے والی موٹر کے ونڈ اسکرین پر پڑی اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ ڈرائیور کی سیٹ پر وہی عجیب الخلقت درندہ بیٹھا ہوا تھا۔

"خاموش....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

ٹرک تیزی سے جیپ کے قریب سے نکل گیا۔ فریدی نے اپنی گاڑی روک دی اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ ٹرک کی پچھلی سرخ روشنی دور ہوتی جا رہی تھی۔ جب فاصلہ کافی زیادہ ہو گیا تو فریدی نے بھی جیپ اُسی طرف موڑ لی۔ اس کی ہیڈ لائیٹس بجھا دی تھیں اور اب اندھیرے میں آگے جانے والے ٹرک کا تعاقب شروع ہو گیا تھا۔

"کیا بطخوں کے شکار کا وقت قریب آ گیا ہے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"ذرا صبر کرو۔"

حقیقتاً وہ لمحات حمید کے لئے بڑے صبر آزما تھے۔ اگر اس وقت اسٹیئرنگ اُس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اتنے فاصلے سے تعاقب کرنے کی بجائے ٹرک کے پہلو میں ہوتا اور جیپ کے ایک طرف کی مشین گن گولیاں اگل رہی ہوتی۔

اُدھر فریدی سوچ رہا تھا کہ کاش اس وقت جیپ کی بجائے کیڈی لاک ہوتی۔ اُسے خدشہ تھا کہ جیپ کے انجن کی آواز ٹرک والوں کو ہوشیار نہ کر دے۔ اس بات کا تو اُسے یقین تھا کہ ٹرک ڈرائیو کرنے والا درندے کے بھیس میں کوئی آدمی ہی ہے۔ جیپ کار اندھیرے میں فراٹے بھرتی رہی۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" حمید اُکتا کر بولا۔

"یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آج ان کے ارادے کیا ہیں۔"

"اگر نکل گئے تو۔"

"مجھے یقین ہے کہ یہ کسی صورت سے نہیں بچ سکتے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے ان کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے مجھ سے جنگل کی خاک نہیں چھنوائی۔"

"اگر آپ نے انہیں مار لیا تو ان کے ٹھکانے کا پتہ کس طرح چلے گا۔"

"بس ایک کو زندہ چھوڑنا ہے اُسے جو ٹرک ڈرائیو کر رہا ہے۔"

"آپ کا خیال ہے کہ وہ بن مانس کی کھال میں کوئی آدمی ہے اور اُس نے کھال کے نیچے بلٹ پروف لگا رکھے ہیں۔ اگر صورت حال یہی ہے تو وہ لامحالا بچ جائے گا۔"

"خیر یہ تو کوئی بات نہیں۔ مشین گن کی گولیاں ایک مخصوص فاصلے سے بلٹ پروف کے باپ کے بھی پرخچے اڑا دیتی ہیں۔"

"مشین گنیں تو میرے خیال سے بالکل ہی بیکار ثابت ہوں گی۔" حمید نے کہا۔ "کیونکہ آپ نے انہیں اِدھر اُدھر فٹ کر رکھا ہے۔ اگر انہوں نے سامنے سے ہم پر حملہ کر دیا تو۔"

"ہمارے پاس دو عدد برین گن بھی ہیں فرزند۔" فریدی پُر سکون لہجے میں بولا اور حمید خاموش ہو گیا۔

اس کا ذہن پراگندگی کا شکار ہو گیا تھا۔ خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ کہیں وہ ٹرک انہیں دھوکے میں رکھ کر کسی اور طرف نہ نکل جائے۔

اگلا ٹرک شہر کی طرف مڑ گیا۔

"پچھلے حصے میں بھی بن مانس ہی ہوں گے۔" حمید بولا۔

"کثیر تعداد میں....!" فریدی نے کہا۔ "کیا تم نے دیکھا نہیں تھا۔"

"نہیں.... میں نہیں دیکھ سکا۔"

پھر خاموشی ہو گئی۔ تعاقب برابر جاری رہا۔ فریدی نے شہر جانے والی سڑک پر بھی جیپ کار کی ہیڈ لائیٹس نہ روشن کیں۔ سڑک یوں بھی سنسان تھی اس لئے اس میں بھی کوئی خاص دشواری نہیں ہو رہی تھی.... اچانک فریدی نے محسوس کیا کہ وہ ٹرک خود بھی ایسی سڑکوں کو

نظر انداز کر رہا ہے جن پر اتنی رات گئے بھی ٹریفک کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد جب وہ ٹرک ایک عمارت کے سامنے رک گیا تو حمید کو اپنا دل کھوپڑی میں دھمکتا ہوا محسوس ہونے لگا.... یہ جیرالڈ شاستری کی کوٹھی تھی۔

فریدی نے کافی فاصلے پر اپنی جیپ کار روک دی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں برین گنیں لئے ہوئے جیپ سے اُترے اور دوسری عمارتوں کی چہار دیواریوں سے لگ کر رینگتے ہوئے جیرالڈ کی کوٹھی کی طرف بڑھنے لگے۔

ٹرک سے طویل القامت اور مہیب سائے اُترنے شروع ہوگئے تھے پھر وہ سب سلاخوں دار پھاٹک پر چڑھ چڑھ کر جیرالڈ کی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہونے لگے۔

پھنس گئے

کچھ دیر تک بالکل خاموشی رہی۔ حمید کو پھر الجھن ہونے لگی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی آگے کیوں نہیں بڑھتا۔

تھوڑی دیر بعد جیرالڈ کی کوٹھی سے شور بلند ہونے لگا۔ دو ایک فائروں کی بھی آوازیں آئیں۔ فریدی ابھی تک وہیں جما رہا۔ ابھی تک حمید یہ سمجھ رہا تھا کہ بن مانسوں کا کچھ نہ کچھ تعلق جیرالڈ سے ضرور ہے لیکن اب ایسی حالت میں اگلا نظریہ کیونکر قائم رہ سکتا تھا۔

شور بڑھتا گیا۔ فائروں کی آوازیں بھی بدستور آ رہی تھیں۔ قرب و جوار کی عمارتوں کی کھڑکیوں میں رفتہ رفتہ روشنی نظر آنے لگی تھی۔

"تم جیپ پر واپس جاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا اور حمید شاید انکار ہی کرنے والا تھا کہ فریدی پھر بولا۔

"جو میں کہوں وہ کرو.... اگر وہ ٹرک چل پڑے تو ہرگز تعاقب نہ کرنا۔ جاؤ۔"

حمید نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔ حالانکہ اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔

فریدی آہستہ آہستہ ٹرک کی طرف رینگنے لگا۔

قرب و جوار کے لوگ بھی بیدار ہو کر گھروں سے نکلنے لگے تھے۔ فریدی ٹرک کے قریب

پہنچ کر سیدھا ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ اس کے پچھلے حصے میں تھا۔

سڑک پر کھڑے ہوئے لوگ پہلے تو سمجھ ہی نہ سکے کہ شور کہاں ہو رہا ہے۔ ان میں سے بیشتر جیرالڈ کے لڑکے لیمی آرتھر کی آواز بخوبی پہچانتے تھے۔ انہوں نے اس کی چیخیں سنیں اور صاف پہچانیں۔ پھر وہ پھاٹک کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ انہیں اچانک رک جانا پڑا۔ وہ نہ صرف رکے بلکہ بہتوں کی چیخیں بھی نکل گئیں.... ایک طویل القامت بن مانس جس نے اپنے ہاتھ میں کوئی وزنی چیز لٹکا رکھی تھی پھاٹک سے نکل کر نہایت اطمینان سے ٹرک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

ٹرک چل پڑا اور کسی میں بھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ کسی قسم کی مزاحمت کرتا۔

حمید نے ٹرک کو دیکھا لیکن کوئی اقدام نہ کر سکا۔ بعض اوقات فریدی کے اس طرح کے احکامات اُسے شدت سے کھل جاتے تھے۔ اس نے ٹرک کا تعاقب نہ کیا۔ لیکن کم از کم وہاں سے چلا جانا اُس کی متجسس طبیعت کے برعکس تھا۔ وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بُری طرح بے چین تھا کہ جیرالڈ پر کیا گزری۔ فریدی نے اُسے صرف ٹرک کا تعاقب کرنے سے منع کیا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ وہاں سے چلا ہی جائے۔ بہرحال حمید نے وہاں ٹھہر جانے کا جواز پیدا کر کے جیپ اسٹارٹ کر دی اور ٹھیک اسی مجمع کے قریب آ کر رکا لوگوں کی دانست میں شاید وہ بن مانس ایک ہی تھا جو ٹرک پر جا چکا تھا۔ حمید اپنے ہاتھ میں برین گن لئے ہوئے جیپ سے اُتر آیا۔

دفعتاً پھاٹک پر پھر دو مہیب سائے دکھائی دیئے جو بند پھاٹک پر چڑھ کر باہر آنے کی کوشش کر رہے تھے لوگ چیخیں مار کر بھاگنے لگے۔

حمید کی برین گن گولیاں اگل رہی تھی۔ دونوں چیختے ہوئے ڈھیر ہو گئے۔ برن گن خاموش ہو گئی اور حمید اُسے دوبارہ لوڈ کرنے لگا۔

بھاگتے ہوئے لوگ ٹھہر گئے لیکن وہ دور کھڑے ہوئے تھے۔ حمید ان کی طرف مڑا۔

"مجھے ایک دلیر آدمی چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"آپ کون ہیں۔" مجمع میں سے کسی نے پوچھا۔

"پولیس....!"

سناٹا چھا گیا.... تھوڑی دیر بعد ایک آدمی مجمع سے نکل کر حمید کی طرف بڑھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں۔" اُس نے حمید سے پوچھا۔

"ہم اندر چلیں گے۔" حمید بولا۔

"خطرناک ہے۔" اُس آدمی نے کہا۔ "میں نہتا ہوں۔"

"فکر نہ کیجئے۔" حمید نے جیب کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اُس نے اس میں سے اپنا ریوالو نکالا اور برین گن اُس آدمی کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔ "خطرے کے وقت اس ٹریگر کو دباتے جایئے گا۔"

"میں جانتا ہوں.... فوج میں رہ چکا ہوں۔" اُس آدمی نے کہا۔

"تب تو اور بھی اچھا ہے.... آیئے۔"

حمید آگے بڑھ کر پھاٹک پر چڑھ گیا۔ اس کے پیچھے وہ فوجی تھا۔ برآمدے میں پہنچتے انہوں نے پھر ایک فائر کی آواز سنی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اندر سے بھاگتا ہوا برآمدے طرف آرہا ہو۔

دروازہ کھلا اور کوئی دھڑام سے فرش پر آرہا۔ برآمدے میں اندھیرا تھا۔ حمید نے ٹار روشنی کی یہ جیر اللہ شاستری تھا۔ حمید اُسے اٹھانے کے لئے بڑھ ہی رہا تھا کہ فوجی کے ہاتھ میں ہوئی برین گن کا رخ دروازے کی طرف مڑ گیا ساتھ ہی دو شعلے نکلے اور ایک درندہ چیختا ہوا جیر شاستری پر ڈھیر ہو گیا۔ اگر حمید آگے بڑھ کر جیر اللہ کو اُس کے نیچے سے کھینچ نہ لیتا تو شاید اُس توڑتے ہوئے وحشی نے اُس کے پرخچے اڑا دیئے ہوتے۔

ایک لامتناہی سناٹا۔

سڑک پر کھڑے ہوئے آدمیوں کی آوازیں آنی بند ہو گئیں تھیں۔

تھوڑی دیر بعد جیر اللہ کو ہوش آگیا۔ اُس وقت حمید نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر خوفزدہ بچے کے چہرے کی سی کیفیتیں طاری تھیں اس کی آنکھوں اور چہرے کے خدوخال میں ربط اور کافی ہم آہنگی تھی۔

"لے گئے۔" وہ بچوں کی طرح چیخا۔ "میری زندگی لے گئے.... میں لٹ گیا۔"

"کیا لے گئے؟" حمید نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"تم کون ہو....؟"

"پولیس....!"

"اب آئی ہے پولیس.... کسی کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں۔ کیا ہو رہا ہے اس شہر میں؟ پولیس سو رہی ہے۔ میں برباد ہو گیا۔"

"کیا لے گئے کچھ بتایئے بھی تو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"میری بدھ کی مورتی.... ٹھوس سونے کی تھی۔ دس سیر وزن....!"

"اوہ....!"

"اس پر میں نے سیاہ پینٹ کرا دیا تھا تاکہ وہ محفوظ رہ سکے۔"

"کوئی جانتا تھا! اُس کے متعلق۔"

"کوئی بھی نہیں.... حتیٰ کہ میرے لڑکے کو بھی اس کا علم نہیں۔"

"آپ کا لڑکا اس وقت کہاں ہے۔"

"آہ لیمی.... میرا لیمی۔" جیر اللہ بے تحاشا چیخا۔ "لیمی بیٹے تم کہاں ہو۔"

وہ پاگلوں کی طرح اندر بھاگ گیا۔

حمید نے فوجی کو اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

اندر انہیں بن مانس کی آٹھ لاشیں ملیں۔ لیمی ایک کمرے میں بیہوش پایا گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی رائفل دبی ہوئی تھی اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔

جیر اللہ نے اُسے اٹھا کر ایک صوفے پر ڈال دیا۔

حمید درندوں کی لاشوں کو ٹٹولتا پھر رہا تھا۔ فوجی بھی اس کے ساتھ تھا۔ اچانک حمید کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور فوجی چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

حمید ایک درندے کے تلاؤں کو ٹٹول رہا تھا۔ جن میں چمڑے کے تسمے کسے ہوئے تھے۔ حمید نے تسمے کھول ڈالے کھال ڈھیلی پڑ گئی اس نے اسے اوپر کی طرف کھینچا۔ کسی آدمی کا پنجہ باہر نکل آیا۔

"ارے....!" فوجی اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ڈرو نہیں دوست! اس کی کھال اتارنے میں میری مدد کرو۔" حمید بولا۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ اس آدمی پر سے بن مانس کی کھال اُتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ایک ایسے شخص کی لاش تھی جسے ہر آدمی اچھی طرح پہچانتا تھا۔ برنارڈان کے سامنے

ننگا پڑا تھا۔

"تو یہ سب بھی....!" فوجی ہکلا کر رہ گیا۔

"دیکھتے ہیں.... ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا اور پھر اُس نے جیر اللہ کو آواز دی۔ وہ دوسرے کمرے میں تھا۔ آواز سنتے ہی باہر نکل آیا۔

"اسے پہچانتے ہیں آپ۔" حمید نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں.... ارے۔" جیر اللہ بوکھلا کر بولا۔ "یہ تو برنارڈ ہے.... اسے کیا ہوا؟"

"یہ بھی انہیں درندوں میں تھا.... یہ رہی اس کی کھال اور شاید آپ ہی کی گولی کا نشانہ بنا ہے۔"

"مگر.... میں نے دھوکے میں مارا.... یہ جرم نہیں ہے.... میں نہیں جانتا تھا۔" جیر اللہ کے لہجے میں بدحواسی تھی۔

وہ پھر بولا۔ "کیا یہ سب آدمی ہی ہیں۔ اُف! برنارڈ گھر کا بھیدی۔ شاید وہ مورتی کا راز جانتا تھا۔"

حمید کوئی جواب دینے کے بجائے پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس نے اندر کی ساری لاشیں دیکھیں۔ باہر کی تینوں لاشوں کا بھی جائزہ لیا۔ وہ سب بن مانس ہی تھے۔ اُن میں سے ا ایسے بھی تھے جن کے گولی نہیں لگی تھی۔ لیکن وہ بے جان تھے۔

دوسرے دن شہر کے گلی کوچوں میں فوج کے مسلح دستے گشت کر رہے تھے اخبارات نے بہت شور مچایا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ جیر اللہ اپنے علمی تجربے کی بناء پر ہر طبقے میں احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ اُس کا اس بے دردی سے لٹ جانا لوگوں کی نظروں میں کافی اہمیت رکھتا تھا۔ اخبارات نے حکام سے پرزور اپیل کی تھی کہ اس پُر اسرار دہشت انگیزی کا سدباب کرنے کے لئے کوئی مناسب قدم اٹھایا جائے۔

محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں آفیسروں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ حمید ابھی ابھی پچھلی رات کے واقعات دہرا کر بیٹھا تھا کہ آئی۔ جی نے اس سے سوال کیا۔

"اور فریدی کہاں ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ ٹرک کے تعاقب میں تھے۔"

"اس وقت کہاں ہے۔"

"ابھی تک واپسی نہیں ہوئی۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ برنارڈ نے تم پر ناجائز دباؤ ڈال کر کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"جی ہاں.... درست ہے.... وہ مجھ سے لڑکال جنگل کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"لڑکال جنگل کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتا تھا۔" آئی۔ جی نے جھنجھلا کر کہا۔ "جو کچھ تمہیں معلوم ہے بیان کر جاؤ۔"

"فریدی صاحب نے وہ بن مانس گھر پر ہی شکار کیا تھا۔"

"کیا....؟" آئی جی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! گھر پر ہی! لیکن وہ ایک ہی تھا اور اُسے ہمارے کتوں نے گھیر لیا تھا۔ پھر فریدی صاحب نے اُسے گولی مار دی۔ اسٹار کا ضمیمہ ان کی خواہش کے مطابق شائع ہوا تھا اور لڑکال جنگل کی کہانی ان کی ہی اُپج تھی۔"

"آخر کیوں! لڑکال جنگل کا نام کیوں لیا گیا تھا۔" آئی جی نے بھنویں سکوڑ کر پوچھا۔

"برنارڈ بھی مجھ سے یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے اس کا علم ہی نہیں تھا۔ میں اُسے کیا بتاتا۔"

"تمہیں اس کا علم نہیں۔" آئی۔جی نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں.... وہ بہتیری باتیں مجھے بھی نہیں بتاتے۔"

تم نے اس سے پہلے بھی کبھی برنارڈ کو جیر اللہ کے مکان پر دیکھا تھا۔

"جی ہاں.... ایک بار جب ہم جوزف پیٹر کے معاملے میں پوچھ گچھ کرنے گئے تھے۔"

تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر آئی جی نے سوال کیا۔

"تمہیں فریدی کی طرف سے کچھ ہدایات تو ملی ہی ہوں گی۔"

"جی نہیں! وہ مجھے اپنی اسکیموں سے بس تھوڑی ہی دیر پہلے آگاہ کرتے ہیں۔ پچھلی رات جب ہم الگ ہو رہے تھے تو انہوں نے مجھ سے اتنا ہی کہا تھا کہ میں نہ ٹھہروں۔"

آئی۔جی جھلاہٹ میں ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑ کر بولا۔ "بس اسی بناء پر میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ کیس اُسے سونپا جائے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اُسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے آہستہ سے کہا۔

"اگر آیا بھی ہو تو کیا ہو سکتا ہے جب کہ ہمیں علم ہی نہیں کہ وہ کدھر جا رہا ہے اور کیا کرنا

چاہتا ہے میں مانتا ہوں کہ وہ محکمے میں ذہین ترین آدمی ہے۔ لیکن بے قاعدگی تو نہیں برداشت جاسکتی۔"

"اُس کا کہنا ہے کہ اُس کی بے قاعدگی ہی اُسے مجرم تک بہت جلد پہنچا دیتی ہے" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"تو آپ اس رویئے کو درست سمجھتے ہیں۔" آئی۔ جی اُسے گھور کر بولا۔

"میرا یہ مطلب نہیں میں تو یہ عرض کر رہا تھا....!"

"کچھ نہیں....!" آئی۔ جی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "اُسے مجبور کیجئے کہ وہ اب تک باقاعدہ رپورٹ پیش کرے وہ اکیلے اس کام کو کسی طرح انجام نہیں دے سکتا۔ میں دیر چاہتا.... سمجھے آپ۔"

"بہت بہتر....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"میں برنارڈ کو اس سازش کا سرغنہ نہیں سمجھتا۔" آئی۔ جی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "م ہے کہ وہ اُس گروہ کا ایک معمولی آدمی رہا ہو۔"

"لیکن بن مانس کا مسئلہ۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ "جیر اللہ کا بھی یہی بیان ہے کہ اُس درندے پر تین فائر کئے تھے جو مور اٹھا کر بھاگا تھا۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔"

"میں سمجھتا ہوں وہ بھی کو آدمی ہی تھا۔" آئی۔ جی نے کہا۔ "اور کھال کے نیچے بلٹ پروف لگائے رہا ہوگا۔"

"لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ برنارڈ کی کھال کے نیچے سے بلٹ پروف کیوں نہیں نکلا ظاہر ہے کہ اُس کا مقصد خودکشی نہ رہا ہوگا۔"

"سوال غور طلب ہے۔" آئی۔ جی مدبرانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "خیر یہ تو بعد کی بات ہے۔ خود ان بن مانسوں کا وجود ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ آج میں اُن سے متعلق ایک ماہر الحیات کا بیان دیکھ رہا تھا۔ اُس کا کہنا ہے کہ اس رنگ اور قد کے بن مانس ابھی تک دنیا کے حصے میں نہیں دریافت ہو سکے اور ان کی اندرونی ساخت میں بھی اُسے کوئی عجیب بات نظر ہے جسے وہ سمجھ ہی نہیں سکا.... پھر اُس نے ان درندوں کے متعلق جنہیں سرے سے گولیاں ہی نہیں تھیں لکھتے ہوئے اظہار خیال کیا ہے کہ ان کی موتیں ہارٹ فیل ہونے کی بناء پر واقع

تھیں۔ یہ توان بن مانسوں کا تذکرہ تھا جنہوں نے یوگوسلاوی سفیر کے اتاشی پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ ادھر جیر اللہ کے یہاں پائے جانے والے درندوں میں بھی دو ایسی لاشیں ملی ہیں جن کے گولیاں نہیں لگی تھیں۔ آخر یہ کیسے بن مانس ہیں جن میں سے کچھ کا ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ آئی۔ جی حمید کی طرف اس انداز سے دیکھنے لگا جیسے وہ اس سے جواب چاہتا ہو۔ پھر اُس نے حمید سے کہا۔

"جاؤ.... فریدی کو تلاش کرو۔"

"بہت بہتر۔" حمید نے کہا اور سر جھکا کر باہر چلا آیا۔

"کہاں چلے خان۔" اُس کے ساتھی رمیش نے اُسے چھیڑا۔

"بٹیروں کے انڈے جمع کرنے۔" حمید آنکھ مار کر بولا۔ "اگر کسی ٹائپسٹ گرل کو ساتھ لے چلو تو تم بھی چل سکتے ہو۔"

رمیش پاگلوں کی طرح ہنسنے لگا۔

حمید نے موٹر سائیکل نکالی اور برنارڈ کے بنگلے کی طرف چل پڑا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ روزا موجود ہے یا نہیں۔ بنگلہ مقفل تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں جائے وہ سارا دن ادھر ادھر، ایک چکر قاسم کے گھر کی طرف لگایا تھا اور اُسے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی تھی کہ قاسم بھی تک لاپتہ ہے۔

شام کو آرلکچنو میں رشیدہ سے ملاقات ہوگئی وہ انسپکٹر آصف کو گھس رہی تھی۔ انور موجود نہیں تھا۔ آصف حمید کو دیکھتے ہی اٹھ گیا۔

"رات تو تم نے بڑا کمال کیا۔" رشیدہ نے حمید سے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ اس قسم کے کمالات میری زندگی میں عام ہیں۔"

"اونچے اڑ رہے ہو۔"

"کیا آصف نے بل نہیں ادا کیا۔"

"اوہ.... اب وہ بہت کم پسیجتا ہے۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "اور خیر اب تو تم آ ہی گئے ہو۔"

"اُس نے کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے اور چائے کا بل ادا کر دیا۔" حمید نے اس طرح کہا جیسے کسی کو ناول پڑھ کر سنا رہا ہو۔

"تمہیں اس کے علاوہ اور آتا ہی کیا ہے۔" رشیدہ سرد لہجے میں بولی۔

"کیوں نہیں! مجھے بیوقوف بننا بھی آتا ہے۔"

"برنارڈ کی موت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"اچھا خیال ہے۔ خدا تمہیں بھی ایسی ہی موت نصیب کرے۔"

"مت بکو۔"

"میرا مطلب یہ تھا کہ اُس نے کھال کے نیچے کپڑے نہیں پہن رکھے تھے۔"

"حمید بدتمیزی نہیں۔ ورنہ تمہارے کان اکھاڑ دوں گی۔"

"کانوں کے بغیر بھی اچھا لگوں گا شاید اُس کے بعد تم مجھ سے شادی کر سکو۔"

"تم بہت بیہودے ہوگئے ہو میں فریدی صاحب سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

"فریدی صاحب کو بن مانسوں نے مار ڈالا۔ وہ انہیں اپنی قوم کی ایک لڑکی پیش کر کے فرزندی میں لینا چاہتے تھے لیکن فریدی صاحب نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں کالی نوش منجن استعمال کرتا ہوں۔"

"بکے جاؤ پاگلوں کی طرح....!" رشیدہ چڑھ کر بولی۔

حمید تھوڑی دیر تک اُسے چھیڑتا رہا پھر وہاں سے بھی اٹھ کر چلا آیا۔ اُس کی اکتاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ فریدی نے اُسے بڑی شدت سے بور کیا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب وہ کئی دن کے لئے غائب ہو گیا۔

پھر سوچا ممکن ہے اب واپس ہی آ گیا ہو۔ وہ گھر کی طرف چل پڑا۔ رات ہو گئی تھی۔ خلاف معمول کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا اُس نے موٹر سائیکل کی رفتار کم کر دی۔ پھاٹک سے گذر کر سیدھا گیراج کی طرف آیا۔ اُسے حیرت تھی کہ آج رکھوالی کرنے والے السیشن بھی نہ بھونکے۔ پھر اُسے ایک عجیب قسم کی بو کا احساس ہوا اور اس کے نتھنوں میں جلن ہونے لگی۔ اُس نے چونک کر برآمدے کی طرف دیکھا اور اُسے نوکروں پر تاؤ آنے لگا کہ کم بختوں نے برآمدے میں اندھیرا کیوں کر رکھا ہے۔ اُس نے موٹر سائیکل وہیں چھوڑی اور نوکروں کے نام لے لے کر دھاڑتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھا۔

"کیا ہو گیا ہے ان کم بختوں کو کوئی بولتا ہی نہیں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا برآمدے میں داخل ہوا

پھر دروازے کے قریب سوئچ ٹٹول رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اُس کی گردن پکڑ لی۔ حمید نے پلٹنا چاہا لیکن گرفت مضبوط ہو گئی اُس نے کوشش کی کہ حملہ آور کو پیٹھ پر لاد کر پٹخ دے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ حملہ آور کے ہاتھ بڑے اور گھنے بالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ برآمدے میں پھیلی ہوئی تاریکی اور زیادہ گہری ہو گئی۔

خوفناک تجربے

حمید کو ہوش آیا تو اُس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ ڈوب رہا ہو۔ اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ چاروں طرف پیلاہٹ نظر آ رہی تھی۔ کسی آبی جانور کا تاریک سایہ اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُس کے حلق سے پھر ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔

اُس نے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے۔ دفعتاً آبی جانور اُس پر جھکا۔ حمید نے پھر چیخ ماری اور اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ تاریک سائے نے اُسے پکڑ کر پھر تہہ میں گرا دیا۔

حمید کو پوری طرح ہوش آ گیا.... کوئی آدمی اُسے دبوچے ہوئے تڑپنے پھڑکنے سے روک رہا تھا۔

"کون ہو تم....؟" حمید حلق کے بل چیخا۔

"میں ہوں پیارے.... تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے۔" اُس نے جواب دیا اور حمید ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"آپ....!" وہ آنکھیں مل کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کتنی بار پوچھو گے۔" فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"آخر اس مذاق کا کیا مطلب۔"

"میں نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کس قسم کا مذاق کیا گیا ہے۔"

حمید بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ اپنے گھر کے کسی کمرے میں نہیں تھے اور یہ کمرہ بھی عجیب ہی تھا جس میں نہ کوئی دروازہ تھا اور نہ کھڑکی اور گھٹن کا احساس قطعی نہیں تھا۔ ہوا کے ساتھ ہی ایک عجیب قسم کی خنکی بھی موجود تھی۔

"ہم کہاں ہیں....؟" حمید فریدی کو گھور کر بولا۔

"قبر میں....!" فریدی سگار سلگا کر بولا۔

حمید اپنا سر پیٹنے لگا۔ جب اچھی طرح پیٹ چکا تو گلوگیر آواز میں کہنے لگا۔ "مجھے خدا سے ہے کہ اُس نے ہمیں قبر میں بھی اکٹھا کر دیا۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" فریدی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ اب تم سو جاؤ ابھی رات ہے

"آخر ہم ہیں کہاں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"مجھے خود بھی نہیں معلوم اور نہ میں اُن لوگوں کو پہچانتا ہوں جن سے سابقہ ہے۔"

"آپ یہاں پہنچے کس طرح۔"

"یہ ایک دکھ بھری داستان ہے۔" فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔ "شاید میں زندگی میں بار اس طرح بیوقوف بنا ہوں۔ میں تمہیں روانہ کر کے اُس ٹرک کے پچھلے حصے میں چھپ تھا۔ مجھے توقع تھی کہ یہ ٹرک پھر لڑکال جنگل کی طرف واپس جائے گا۔ میں اپنی دانست میں بڑا کارنامہ انجام دینے جا رہا تھا لیکن وقت مجھ پر قہقہے لگا رہا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ ڈرائیور کی پر بیٹھا ہوا درندہ میری موجودگی سے واقف تھا یا نہیں۔ لیکن اچانک میں نے اشک آور گیس محسوس کی۔ ٹرک بڑی تیز رفتاری سے جا رہا تھا اس لئے کود پڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھوڑی دیر بعد میں بُری طرح کھانسنے لگا۔ اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں.... آنکھ کھلی تو یہاں ابھی تک مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔ سب لوگ نہایت با اخلاق اور شریف ہیں۔"

"شاید ہم کسی بہت بڑے ریفریجریٹر میں بند ہیں۔" حمید بولا۔

اُس کے بعد اُس نے بھی وہ سب کچھ دہرا دیا جو اُس پر گذری تھی۔ جیرالڈ کے لٹ جا واقعہ بھی بتایا۔ برنارڈ کی موت کے متعلق معلوم کر کے فریدی کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئیں۔

"تو اس کا یہ مطلب کہ جیرالڈ سچ مچ اُن معاملات سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔" فریدی نے

"میرا تو یہی خیال ہے برنارڈ شاید اُسے لوٹنے ہی کی فکر میں تھا۔ بعض اوقات ہم ظا اتفاقات کی بناء پر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اب پروفیسر جھوس[1] ہی والے معاملے کو لے لیجئے۔ اُسے سو فیصدی سازش سمجھا تھا۔"

"ہاں.... آں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن....!"

اُس نے آگے کچھ نہیں کہا۔ حمید اُسے جواب طلب نظروں سے گھور رہا تھا۔ تھوڑی د

[1] حالات کے لئے دیکھئے جاسوسی دنیا کا ناول "چیختے دریچے" جلد نمبر 11 ملاحظہ فرمائیے۔

فریدی بولا۔

"ایک چیز مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔ آخر برنارڈ کی کھال کے نیچے بلٹ پروف کیوں نہیں ملے۔"

"یہ بات ضرور قابلِ غور ہے۔" آفس کی میٹنگ میں بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا تھا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "غالباً ہم کسی زمین دوز عمارت میں ہیں۔"

"اس جگہ کی ساخت تو یہی بتاتی ہے۔"

"تعجب ہے کہ کسی طرف کوئی راستہ نہیں ہے۔" حمید بولا۔

"راستہ تو ہے لیکن افسوس ہے کہ اندر سے راستہ بنانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ جب چاہتے ہیں سامنے والی دیوار ہٹ جاتی ہے۔"

حمید اُس طرف دیکھنے لگا۔ جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔

دفعتاً ایک عجیب آواز کے ساتھ دیوار ایک طرف کھسک گئی۔ سامنے اسی قسم کا ایک دوسرا کمرہ دکھائی دیا۔

"کمال ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک دیوار کو دوسری دیوار نگل گئی ہو وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ دفعتاً اُس کی زبان بند ہو گئی۔

سامنے جیرالڈ شاستری کھڑا اپنے پُرسکون انداز میں مسکرا رہا تھا۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اُس کے ہونٹوں پر بھی ایک شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

"میرا ساتھی ابھی تمہاری صفائی پیش کر رہا تھا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"لیکن تمہیں یقین نہیں آیا تھا۔" جیرالڈ نے کہا۔

"قطعی نہیں۔"

"میں عرصہ سے تمہاری ذہانت کا معترف ہوں۔"

فریدی نے بڑی لاپرواہی سے بجھا ہوا سگار دوبارہ سلگایا اور حمید کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر جیرالڈ نے کہا۔

"تمہیں لڑکال جنگل کا علم کیونکر ہوا تھا.... کیا عرفانی نے بتایا تھا۔"

"نہیں.... لیکن تم لوگ عرفانی کے یہاں کیا چیز تلاش کر رہے تھے۔"

"ایک ایسی چیز جو ایک غدار کے ذریعے عرفانی تک پہنچی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ کوئی چیز ہو سکتی ہے جو ہم سے متعلق ہو۔"

"لیکن تم اس چیز کی نوعیت سے واقف نہیں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"لیکن میں واقف تھا۔" فریدی نے کہا۔

"تمہیں عرفانی نے بتایا ہوگا۔"

"نہیں.... عرفانی خود بھی اُس معمے کو حل نہیں کر سکے تھے اور انہوں نے جس دا لئے بہت زیادہ خطرہ محسوس کیا میرے لئے اُسے محفوظ کرایا۔"

"کیا چیز تھی۔"

"کیا تم یقین کرو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بتاؤ میں غور سے سن رہا ہوں۔"

"تعلیمی تاش کے دو پتے جن پر حروف "ل" تھے۔ ایک کی پشت پر ایک لڑکے کی تصویر اور دوسرے کی پشت پر دو فوجوں کی لڑائی کا منظر تھا۔"

"بس....!" جیرالڈ حیرت سے بولا۔

"اور ان دونوں تاشوں سے بنا لڑکال جنگل۔"

"بنا ہوگا۔" جیرالڈ لاپرواہی سے بولا۔ "میں کچھ اور سمجھا تھا۔ محض لڑکال جنگل کا نام معل کر لینے کی بناء پر تم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

"شاید میں یہیں موجود ہوں۔" فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔

"لیکن تم یہاں لائے گئے ہو۔"

"اگر تمہارا وہ بن مانس ہوشیار نہ ہوتا تو میں خود ہی پہنچ گیا تھا۔"

"ہم نے شروع ہی سے تم پر گہری نظر رکھی تھی۔" شاستری مسکرایا۔

"میں بھی یہی کچھ محسوس کرنے لگا تھا اگر اچانک اس طرح نہ پھنستا تو میرے ذہن دوسری ہی تدبیریں تھیں۔"

"ہوں.... اور اب تم نے کیا سوچا ہے۔" جیرالڈ نے تضحیک آمیز لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ اس گروہ کا خاتمہ کرنا پڑے گا۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"میں تمہاری دلیری کی بھی قدر کرتا ہوں۔" جیرالڈ نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں نے شجاعت اور ذہانت کو ایک ساتھ بہت کم دیکھا ہے۔"

"شکریہ! میں اس تعریف کے صلے میں تمہاری قبر پر پھول ضرور چڑھاؤں گا۔"

جیرالڈ ہنسنے لگا۔

حمید کو اب پھر اس کا چہرہ پہلے ہی کی طرح خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔

"اوہ....!" جیرالڈ نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ "تمہارے کندھے پر چوہیا چل رہی ہے۔"

"ظاہر ہے کہ اگر وہ ہاتھی ہوتا تو میں کچل گیا ہوتا۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "لیکن آپ نے آخر میری عزت افزائی کیوں فرمائی۔ میں تو دنیا کا ڈیوٹ ترین آدمی ہوں۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔ میں تمہاری بھی قدر کرتا ہوں۔"

"اچھا ذرا یہ تو بتائیے کہ میری موت کب آئے گی۔" حمید نے اُس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں کی زندگی مشروط ہے۔"

"اوہ.... یہ بات بھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ وہ اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری بے حیائی پر مجھے حیرت ہے۔" جیرالڈ بولا۔ "تم جسے میں عظیم ترین فریدی کہتا ہوں۔ تم ان لوگوں کے لئے جان دیتے ہو جو تم پر اعتماد نہیں کرتے۔ میری ایک ذرا سی شکایت پر تمہارا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو گیا بلکہ ایک طرح سے تم بیکار بھی کر دیئے گئے۔"

"ہوں....! تو پھر....!"

"عزت، شہرت، دولت! تمہیں میرے ہی دکھائے ہوئے راستے پر ملے گی۔ ہم اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں صرف انہیں زندہ رہنے کا حق ہے جو ہر لحاظ سے طاقتور ہوں۔"

"خیال بُرا نہیں ہے.... پھر!"

"پھر یہ کہ.... تم عقل مند ہو.... تمہیں ہمارے ساتھ سب کچھ ملے گا۔ میں نے دنیا کے بہترین دماغ اکٹھا کئے ہیں اور وہ دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بس ایک اشارے کی

ضرورت ہے اُس کے بعد ساری دنیا پر ہماری حکومت ہو جائے گی۔"

"شیخ چلی کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں۔" حمید نے فریدی کی طرف مڑ کر بڑی سنجیدگی پوچھا۔ "تم جھوٹ سمجھتے ہو۔" جیرالڈ یک بیک بگڑ گیا۔ "کیا یہ بن مانس تمہاری اوندھی کھو کے لئے حیرت انگیز نہیں۔ لاؤ.... دنیا کے کسی گوشے سے ایک ہی لاؤ.... لا سکو گے۔"

"نہیں شاستری! وہ یقیناً حیرت انگیز ہے.... حمید احمق ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر تم ان کی پیداوار کا طریقہ دیکھو تو عش عش کر اٹھو گے۔" جیرالڈ نے کہا۔ "وہ ع ارتقاء کے ذریعے صدہا برس میں ہوتا ہے اسے ہم چند ہی گھنٹوں میں کر لیتے ہیں۔ چند گھنٹو صدہا سال آگے جست۔"

"وہ کس طرح....!"

"سب دیکھ لو گے۔" جیرالڈ مسکرا کر بولا۔ "اور یہ بھی یاد رکھو کہ تم یہاں سے خود تا قیا نہیں نکل سکو گے جب تک کہ میں نہ چاہوں۔ انسانی زندگی کی میری نظروں میں کوئی وق نہیں۔ تم نے دیکھا جوزف، اس کی بیوی اور برنارڈ کتنی آسانی سے مر گئے۔"

"میں نے سب کچھ دیکھا اور سمجھا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "برنارڈ کی مو حالانکہ میرے سامنے نہیں واقع ہوئی۔ لیکن میں اس کا طریقہ بھی سمجھ گیا ہوں۔"

"کیا....؟"

"برنارڈ بن مانس کی اُس ٹولی میں نہیں تھا جو لڑکال جنگل سے روانہ ہوئی تھی۔" فریدی کا کش لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم اُسے اس لئے ختم کرنا چاہتے تھے کہ اس سے حمید کے معا میں ایک حماقت سرزد ہوئی تھی۔ لیکن اگر وہ نہ بھی سرزد ہوئی ہوتی تو برنارڈ کے خلاف میر پاس کافی مواد موجود تھا۔ پیملیا کی موت اُسی کے ہاتھوں واقع ہوئی تھی۔ میں نے اُسے اس کی را میں زہریلی سوئی چبھاتے دیکھا تھا۔ بہرحال تم نے کل رات برنارڈ کو پہلے ہی سے اپنے پاس روک رکھا تھا اور کسی بہانے سے اُسے بن مانس کی کھال پہنا دی تھی۔ جیسے ہی تمہاری اسکیم کے مطا دوسرے بن مانس تمہارے مکان میں داخل ہوئے تم نے برنارڈ کو گولی مار دی۔ اس طرح اس قصہ بھی پاک ہو گیا اور دوسری طرف تم نے پولیس کی نظروں میں اپنی پوزیشن بھی صاف کر دی۔ لیکن تم ذرا سا چوک گئے۔ اگر اُسے بھی کھال کے نیچے بلٹ پروف اس طرح پہنا دیتے کہ

جسم پر کوئی جگہ خالی رہ جاتی تو جرم پر بھی پردہ پڑ سکتا تھا۔"

"خوب!" جیرالڈ مسکرا کر بولا۔ میں ایک بار پھر تمہاری ذہانت کی تعریف کرتا ہوں۔

"لیکن میں ایک بات ابھی تک نہیں سمجھ سکا ہوں کہ تمہارے کچھ بن مانس خود بخود کیوں رہ جاتے ہیں۔"

"یہ بات اس وقت تک تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک کہ عملی نمونہ پیش نہ کیا جائے۔" جیرالڈ بولا۔ "فریدی ہم لوگ ایجادات اور اختراعات کے معاملے میں موجودہ دور سے صدیوں آگے نکل گئے۔ ہمارے پاس ایسے آلات ہیں جنہیں صحیح معنی میں نیا کہا جا سکتا ہے۔ ایٹمی توانائی کی دریافت اور اس کے استعمال کو دنیا کا سب سے بڑا کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن کیا تم اسے جدید کہہ سکتے ہو۔ کیا یہ خیال نیا ہے میرے دوست! اس خیال نے حضرت عیسیٰ سے پہلے بھی جنم لیا تھا۔ کیا اپنے ڈوکلس کے ذراتی نظریہ کائنات میں موجودہ ایٹمی دریافت کی جڑیں نہیں ملتیں۔ لیکن ہم اپنے معاملے میں جدید ترین ہیں۔ ہم نے قوتِ حیات و نمو پر قابو پا لیا ہے۔ مسٹر حمید کے کاندھوں پر رینگتی ہوئی چوہیا منٹوں میں خرگوش کے برابر ہو سکتی ہے۔"

"اوہ....!" فریدی حیرت سے اپنے ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

"ہمارے پاس ایک نہیں درجنوں ایسی ایجادات ہیں۔" جیرالڈ نے کہا۔ "دور کیوں جاؤ۔ اسی کمرے کو لے لو جس میں تم مقیم ہو۔ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تم کسی زمین دوز کمرے میں بیٹھے ہو۔ یہاں نہ کوئی کھڑکی ہے اور نہ کوئی روشندان پھر بھی تمہیں گھٹن نہیں محسوس ہوتی۔ ان زمین دوز عمارتوں کا سلسلہ دو میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہاں کیا نہیں ہے۔"

"تمہارا گروہ ہمارے ملک میں کب سے کام کر رہا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"آج کی بات نہیں ہے ہم نے پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی سے اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا تھا۔"

"اور مقصد کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ساری دنیا پر حکومت۔ کمزوروں کو قوی ترین آدمیوں کے زیرِ نگین لانا۔ جمہوریت کو ہم رینگتے ہوئے کیڑوں کا نظام سمجھتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک سمجھتے ہیں آپ۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔"

"جب تم بھی یہی سمجھتے ہو تو ہماری تحریک سے تمہیں پوری پوری ہمدردی ہونی چاہئے۔"

"میں نہایت سنجیدگی سے آپ کی تحریک کی حمایت کرتا ہوں۔"

"کیا بکتے ہو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"تمیز سے فریدی صاحب! ورنہ سر توڑ دوں گا۔" حمید اپنی آستین چڑھاتا ہوا بولا۔

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" فریدی کو اچانک غصہ آگیا۔

"میں پوری طرح ہوش میں ہوں! تم اپنی خبر لو۔" حمید نے کہا۔ "آج پہلی بار مجھے ایک آدمی ملا ہے۔ تم نے مجھے کیا دیا ہے۔ ہمیشہ میری ترقیاں رکواتے رہے۔ آج تک میری شادی ہونے دی وغیرہ وغیرہ۔"

"اوہو! لڑنے کی ضرورت نہیں۔" جیرالڈ اُن کے درمیان میں آگیا۔ پھر وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "سارجنٹ تمہیں آرام کی ضرورت ہے میرے ساتھ چلو.... اور فریدی میں تمہیں سوچنے کا موقع دیتا ہوں۔ شروع ہی سے تم میری نظروں میں تھے اور میں کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ اگر میں تمہیں ختم کرنا چاہتا تو شہر ہی کی سڑک پر یہ نیک کام انجام پا جاتا۔"

"میرے خیال سے اسے ختم ہی کر دیجئے۔" حمید بولا۔ "اس سے زیادہ ہٹ دھرم آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔"

جیرالڈ کچھ کہے بغیر حمید کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ کمرے کی حدود سے نکلتے ہی پھر دیوار کھڑکھڑاتی ہوئی اپنی جگہ پر آگئی۔

آج شاید زندگی میں پہلی بار حمید فریدی کے ساتھ اتنی گستاخی سے پیش آیا تھا۔ مزاحاً بھی کبھی اس نے اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ فریدی کو چھیڑتا بھی رہتا تھا مگر اسی انداز میں جیسے اکثر شریر بچے اپنے بزرگوں سے خوش فعلیاں کرتے ہیں.... مگر آج اُس کا انداز کچھ اور تھا... وہ ضرورت سے زیادہ گستاخ نظر آرہا تھا۔

بہرحال آج فریدی حمید کے اس رویئے پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ اس سے قبل اس نے اس کی حرکتوں کو کسی شریر بچے کی حرکتوں سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی اور نہ اُسے آج کوئی ایسا موقع ہی یاد آرہا تھا جب حمید نے اس سے اتنی سرد مہری اور بے وفائی کا برتاؤ کیا ہو۔ اُس کے

رویئے سے ہمیشہ یہی معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اُس سے چمٹا ہوا اُس کی قبر تک میں کود جائے گا۔ کیا وہ سچ مچ جیرالڈ سے اتنا ہی مرعوب ہو گیا تھا کہ اُس کی مختصر سی چکنی چپڑی گفتگو نے اسے پھسلا لیا۔ حمید نے انتہائی خطرناک مواقع پر بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا اور اکثر خود کو موت کے منہ میں ڈال کر اُس کی جان بچائی تھی۔ پھر یک بیک اُسے کیا ہو گیا۔

فریدی نے ایک سگار سلگایا اور بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ آج شاید زندگی میں پہلی بار وہ رنجیدہ نظر آرہا تھا۔

سرجنٹ حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ یہ کمرہ بھی ویسا ہی تھا لیکن اس کا سازو سامان ذرا شاہانہ قسم کا تھا۔

"میں پہلی ہی ملاقات میں آپ سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔" حمید نے جیرالڈ سے کہا۔ جو ایک گلاس میں شراب انڈیل رہا تھا۔

"تم مجھے بیوقوف تو نہیں بنا رہے ہو میرے دوست....!" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"دیکھئے جناب۔" حمید تیز لہجے میں بولا۔ "میں ایسے آدمیوں پر لعنت بھیجتا ہوں جو میری نیک نیتی پر شبہ کریں۔ فریدی سے میں عرصہ سے نفرت کرتا تھا اور مجھے کسی مناسب موقع کی تلاش تھی، اتفاق سے آج وہ میرے ہاتھ آگیا۔"

"تم فریدی سے نفرت کیوں کرتے تھے۔"

"محض اس لئے کہ وہ مجھ پر اعتماد نہیں کرتا تھا۔ پہلے سے کبھی اپنی کوئی اسکیم نہیں بتاتا تھا۔ اس کا کیا مطلب ہوا۔ یہی نا کہ اُسے مجھ پر اعتماد نہیں تھا۔ اب کل رات ہی کا معاملہ لے لیجئے۔ ہم دونوں ساتھ ہی چلے تھے لیکن وہ بن مانسوں کو آپ کے مکان میں داخل ہوتے دیکھ کر کچھ کہے سنے بغیر مجھ سے الگ ہو گیا۔"

"اچھا دوست میں تمہیں آزما لوں گا۔" جیرالڈ ہنس کر بولا۔

"جس وقت دل چاہے۔"

"کیا تم فریدی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر سکو گے۔"

"جب کہئے تب.... میں اس کی بوٹیاں نوچنا چاہتا ہوں۔ اُسی کی بدولت میں اب تک موچی

کا موچی رہا۔"

"خیر.... شراب پیئو گے۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔"

"کیا تم فریدی کو سمجھا کر راہِ راست پر نہیں لا سکتے۔"

"ناممکن ہے جناب.... وہ مر جائے گا لیکن آپ کی بات نہیں مانے گا۔"

"اور اگر میں منوالوں تو۔"

"میں اسے دنیا کا عظیم ترین کارنامہ سمجھوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا تو تم اس معاملے میں بھی میری قوت کا اندازہ لگا سکو گے۔" جیرالڈ نے ہنس کر کہا۔

دوسری صبح فریدی کو ایک بہت بڑے کمرے میں لے جایا گیا۔ اُسے کمرے کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا تھا۔ اُس کی ساخت بھی ویسی ہی تھی۔ جیسی اس کمرے کی تھی جس میں فریدی دو راتیں بسر کر چکا تھا۔ بہر حال اُسے کمرہ ہی کہا جا سکتا تھا خواہ اُس کی لمبائی اور چوڑائی ایک فرلانگ ہی کیوں نہ رہی ہو۔ یہاں بڑی بڑی دیو پیکر مشینیں نصب تھیں اور یہاں کی دیواریں دروازوں سے محروم نہیں تھیں۔ جیرالڈ نے بڑے تپاک کے ساتھ فریدی کا خیر مقدم کیا۔

اچانک فریدی کی نظر ایک ایسے آدمی پر پڑی جسے وہاں دیکھ کر اُسے بڑی حیرت ہوئی.... گرانڈیل احمق قاسم تھا۔ شاید قاسم خود بھی فریدی کو دیکھ کر متحیر تھا۔

وہ جھپٹتا ہوا فریدی کے پاس پہنچا۔ جیرالڈ شاید اپنے آدمی کو کسی قسم کی ہدایات دینے میں مشغول ہو گیا تھا۔

"فف.... ری.... ری.... ری.... صاحب۔" قاسم ہکلایا۔

"تم یہاں کیسے؟"

"جوتشی صاحب مجھے یہاں لائے ہیں بہت اچھے آدمی ہیں۔ میرے بہت بڑے ہمدرد۔"

"ہمدرد! وہ کسی طرح؟"

"جی....!" قاسم اپنی انگلی مڑورتا ہوا شرما کر بولا۔ "انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میرے لئے ایک بہت تگڑی سی عورت بنا دیں گے۔ میرے ہی ڈیل ڈول والی۔"

"بنا دے گا؟"

"جی ہاں! اور کیا! وہ ڈیڑھ فٹ اونچے معمولی سے بندر کو بن مانس بنا دیتے ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"یہاں بہت سی لڑکیاں ہیں۔" قاسم رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"تمہیں یہاں تک پہنچنے کا راستہ یاد ہے۔"

"نہیں تو.... میں نے انہیں اپنی دکھ بھری داستان سنائی تھی اس پر انہوں نے اپنی روحانی طاقت سے مجھے یہاں بلا لیا۔"

"روحانی طاقت سے۔"

"جی ہاں! میں اپنے ایک ملنے والے مسٹر برنارڈ کے یہاں چائے پی رہا تھا.... جب آنکھ کھلی تو میں نے خود کو یہاں دیکھا۔ جوتشی صاحب نے مسٹر برنارڈ کی لڑکی روزا کو بھی یہیں بلا لیا ہے اور.... اُسے میرے لئے تگڑی بنا دیں گے۔"

"حمید سے ملاقات ہوئی۔"

"ہائیں! کیا وہ بھی آئے ہیں۔"

"ہاں....!"

"اچھا تو ٹھیک ہے.... مزہ رہے گا۔"

جیرالڈ ان کی طرف آ رہا تھا۔

"کیا آپ لوگ ایک دوسرے سے واقف ہیں۔" اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"ہاں.... میں انہیں جانتا ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"ہائیں.... حمید بھائی۔" قاسم لپک کر حمید کی طرف دوڑا جو ایک دروازے سے داخل ہو رہا تھا۔

"میں اس کی قوت سے متاثر ہوا ہوں۔" جیرالڈ فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "یہ میرے بن مانسوں کی رہنمائی کرنے کے قابل ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حمید کو گھور رہا تھا اور حمید اُسے گھور رہا تھا۔

اتنے میں جیرالڈ کے آدمی دو لنگڑے آدمیوں کو وہاں لے آئے ان دونوں کی ظاہری حالت کہہ رہی تھی کہ وہ شہر کے فٹ پاتھ پر بھیک مانگتے رہے ہوں گے۔

پھر انہیں ایک مشین کے ایک بہت رولر میں ڈال دیا گیا جو اندر سے کھوکھلا تھا اور جب اس کا دروازہ بند کیا جا رہا تھا تو فریدی بے اختیار چیخ پڑا۔ "یہ کیا کرنے جا رہے ہو تم۔"

"کچھ نہیں بس دیکھتے جاؤ۔" جیرالڈ مسکرایا۔ "یہ صحت مند ہو کر نکلیں گے۔" پھر ایک دوسری مشین کا رولر کھولا گیا۔ یہ رولر آڑا لگا ہونے کے بجائے سیدھا کھڑا ہوا تھا اور اس کا قطر چالیس فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ اس کے اندر متعدد خانے نظر آ رہے تھے۔

پھر ایک معمولی سا بندر لایا گیا جسے خود جیرالڈ نے اسی رولر کے ایک خانے میں بند کر دیا۔

اس کے بعد دونوں مشینیں چل پڑیں۔ دونوں کے رولر تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ مشینوں کے شور کے باوجود جیرالڈ کی تیز آواز یہ کہتے سنائی دے رہی تھی۔ "دو اپاہج آدمیوں سے ایک طاقتور جانور بہتر ہے۔ وہ دونوں اپاہج ایک طاقتور بن مانس کی تخلیق کر رہے ہیں۔ ان کی ہڈیاں اور اُن کا گوشت ایک حیرت انگیز جانور کی شکل میں تبدیل ہو رہا ہے۔"

"کیا کر رہے ہو تم....!" فریدی چیخ کر جیرالڈ کی طرف جھپٹا۔

دوسری طرف سے حمید نے ایک موٹی سی لوہے کی سلاخ اٹھائی اور اُسے گردش دیتا اور چیختا ہوا فریدی کی طرف بڑھا۔ "اگر تم نے شاستری کی شان میں گستاخی کی تو میں تمہارا سر پھاڑ دوں گا۔"

قریب تھا کہ حمید فریدی پر حملہ کر بیٹھے کئی لوگ درمیان میں آ گئے۔ جیرالڈ کا قہقہہ مشینوں کے شور پر لہرا رہا تھا۔ اُس نے بلند آواز میں کہا۔ "طاقت پر ایمان لاؤ فریدی تمہارا اسسٹنٹ تم سے بہتر ہے۔"

فریدی اپنی جگہ پر کھڑا خون کے گھونٹ پی رہا تھا وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ اُسے باہر نکلنے کا راستہ بھی تو نہیں معلوم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسی حالت میں غصے کو قابو میں رکھنا زیادہ بہتر ہوگا۔ جیرالڈ ساری دنیا کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہی ہو جائے۔ پھر کیا ہوگا۔ تباہی، بربادی، وہ اُن جنگ بازوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے جو آئے دن ایک دوسرے کو ایٹمی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ فریدی طرح طرح کے خیالات میں الجھتا رہا پھر تھوڑی دیر بعد وہ مشینیں رک گئیں اور فضا میں کان پھاڑ دینے والا سناٹا محیط ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین کی گردش رک گئی ہو اور کوئی دوسرا سیارہ اُس سے ٹکرانے کے لئے تیزی سے بڑھتا آ رہا ہو۔

"یہ دیکھو فریدی۔" جیرالڈ نے اسے مخاطب کیا۔ "یہ اُن آدمیوں کا فضلہ ہے۔"

فریدی نے مشین کے نیچے ایک ٹب میں سیاہ رنگ کا گاڑھا سیال دیکھا جو کولتار سے مشابہ تھا۔

"ایک سستا ترین کولتار۔" جیرالڈ نے قہقہہ لگایا۔ "جو تمہاری سڑکوں پر ڈالا جاتا ہے اپاہج آدمیوں کا فضلہ۔ ان کے جسموں کا بہترین حصہ میرے بن مانسوں کا جزو بدن ہو جاتا ہے۔"

"ہیر ہیر....!" حمید خوشی سے تالیاں پیٹنے لگا۔ "اکیلے قاسم کے جسم سے چار بن مانس تیار ہو سکتے ہیں۔"

"تمہارے چھ ہو سکتے ہیں.... میں سر پھاڑ دوں گا تمہارا۔" قاسم بھنا کر بولا۔

جیرالڈ نے خانے دار رولر کا دروازہ کھولا۔ اس کے اندر سامنے ہی والے خانے میں ایک طویل القامت بن مانس اونگھ رہا تھا۔ دو آدمیوں نے اُسے پکڑ کر اندر سے نکالا اور ایک اسٹریچر پر ڈال دیا۔ پھر چار آدمی اسٹریچر کو اٹھائے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

"اب اسے دو مختلف قسم کے انجکشن دیئے جائیں گے" جیرالڈ نے کہا۔ "اور وہ بالکل فٹ ہو جائے گا اور ہاں تم نے ان درندوں کے متعلق سوال کیا تھا جو خود بخود مر جاتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان کی تکمیل میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی ہے۔ جس کی بناء پر وہ زیادہ دیر تک نہیں چلتے۔"

"واقعی یہ ایک شاندار دریافت ہے۔ انہیں آدمیوں سے بخوبی لڑایا جا سکتا ہے۔" فریدی بولا۔

"قطعی.... ان کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے۔" جیرالڈ بولا۔ "میں ہمیشہ صاف بات کہتا ہوں۔ یہ ایٹمی قوت نہیں ہے کہ جسے پُر امن طریقے پر تعمیری کاموں میں صرف کیا جا سکے۔ میں دنیا کو دھوکے میں ہرگز نہیں رکھوں گا۔ میں کبھی نہ کہوں گا کہ ان بن مانسوں سے کھیتی باڑی کا کام لیا جائے گا۔ میں ایسی امن کی فاختہ نہیں اڑاتا جس کے پیٹ میں بم بھرے ہوئے ہوں۔ میں علانیہ کمزوری کی تباہی ہوں۔"

"مجھے تمہاری صفائی پسندی پر خوشی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"سنبھلو شاستری۔" حمید چیخا۔ "کہیں اس کے مکر میں نہ آ جانا۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔"

فریدی دانت پیس کر رہ گیا وہ سوچ رہا تھا کہ کیا حمید کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

"نہیں فریدی صاحب نے سچی بات کہی ہے۔" قاسم تھوک نگل کر بڑبڑایا اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔

"اب میں قاسم کے ڈیل ڈول کی ایک عورت تیار کروں گا۔" جیرالڈ نے ہنس کر کہا۔

"جی ہاں! جی.....!" قاسم جلدی سے بولا۔ "وہی روزا.... روزا....!"

"کیا....؟" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "کون روزا برنارڈ.... تم کتے۔ میری محبوبہ پر دانت لگائے بیٹھے ہو۔"

"تمہارے باپ کی محبوبہ ہے۔" قاسم جھلا کر بولا۔

"نہیں میری ہے.... شاستری میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اُس لڑکی پر رحم کرو.... ورنہ میں خود کشی کر لوں گا۔ غضب خدا کا.... وہ پھول سا جسم.... قاسم تجھے خدا غارت کرے۔"

"تم کو خود غارت کرے۔" قاسم نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"میں قاسم سے وعدہ کر چکا ہوں۔" جیرالڈ بولا۔

"تو پہلے مجھے زہر کا انجکشن دے دینا۔"

"خیر اس پر پھر کبھی غور کریں گے۔" جیرالڈ نے اکتا کر کہا۔

"کردی نا تم نے گڑبڑ۔" قاسم حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ "خدا تمہیں فنا کر دے۔"

"فریدی.... پھر سوچو۔" جیرالڈ نے فریدی سے کہا۔

"ہاں میں سنجیدگی سے اس پر غور کروں گا۔"

"اور اپنے ہی مطلب کی سوچو گے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جیرالڈ! اس نمک حرام کو میرے سامنے سے ہٹا دو۔" فریدی کو پھر غصہ آ گیا۔

"میں تمہارے جنازے کے ساتھ ہی رہوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

فریدی کو زندہ در گور ہوئے چھ راتیں گزر چکی تھیں۔ ابھی تک اُسے کوئی ایسی تدبیر نہیں سوجھی تھی۔ جس پر عمل کر کے وہ کم از کم اس قید سے تو رہائی پا سکتا۔ صرف ایک چال تھی لیکن اُسے بھی حمید ناکام بنا دینے پر تلا ہوا تھا۔ فریدی جب بھی جیرالڈ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتا

حمید اُسے ہتھے سے اکھاڑ دیتا اور اب حمید کے خلاف اُس کا غصہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ موقع ملنے پر وہ اُسے مار ڈالنے سے بھی گریز نہ کرتا۔

دوسری طرف حمید صحیح معنوں میں عیش کر رہا تھا۔ اُس جدید ترین سائنٹیفک غار میں پندرہ سولہ خوش شکل لڑکیاں تھیں۔ جن کے متعلق جیرالڈ نے اُسے بتایا تھا کہ وہ سب بھی ایک تعمیری خدمت انجام دیتی ہیں۔ وہ دراصل شہر سے نوجوانوں کو پھانس کر یہاں لاتی تھیں اور وہ بیچارے مختلف قسم کی تجربات کے نذر ہو جاتے تھے اور اُن کے جسموں کا بچا کھچا حصہ سستے ترین کولتار میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔

فریدی کو یہاں ایسی ایسی ایجادات نظر آئیں کہ وہ متحیر رہ گیا یقیناً وہ لوگ اپنی ایجادات کے معاملے میں جدید ترین تھے۔ جیرالڈ کا دعویٰ غلط نہیں تھا.... دو میل لمبی چوڑی زمین دوز دنیا ہر لحاظ سے عجیب تھی۔ انہوں نے ننھے ننھے مصنوعی سورج بنائے تھے اور جیرالڈ کا دعویٰ تھا کہ ان کی روشنی اور حرارت میں وہ سارے نیچرل اوصاف موجود ہیں جو قوت حیات و نمو کے لئے ضروری ہیں اور خود فریدی کو بھی اس کا تجربہ ہو گیا تھا.... ان چھ دنوں کے دوران میں ایک لمحہ کے لئے بھی اُسے گھٹن کا احساس نہیں ہوا تھا اور اس کی صحت بھی برقرار رہی تھی۔ اپنی قوتوں میں اُسے کسی قسم کا انحطاط نہیں محسوس ہوا تھا۔

فریدی نے جیرالڈ سے پوچھا کہ آخر اُسے قبل از وقت اپنے بن مانسوں کی نمائش کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔ جو کام اُس نے ان سے لئے تھے وہی آدمیوں سے بھی لے سکتا تھا۔

اس پر اس نے ہنس کر کہا تھا۔ "تم ہمارا ایک دوسرا ابڑا راز جاننے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر خیر.... میں تمہیں بتاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ راز اس زیر زمین دنیا سے باہر نہیں جا سکتا.... سنو.... وہ ایک طرح کا اشارہ تھا ہمارے عالمی اداروں کے لئے ظاہر ہے کہ تمہارے یہاں کی خبر رساں ایجنسیوں نے ان عجیب و غریب بن مانسوں کی خبر ساری دنیا میں پھیلا دی ہوگی اور میری تحریک کے جیالے اس اشارے کا مطلب سمجھ کر اپنے کام میں لگ گئے ہوں گے اور یہ کام ہے مختلف ممالک کی جتھے بندی ختم کرنا۔ ہم ان میں غلط فہمی پھیلا کر پھوٹ ڈلوا دیں گے۔ اُس کے بعد انہیں ایک ایک کر کے پیٹ لینا مشکل نہ ہوگا۔"

فریدی اس مسئلے پر بھی غور کرتا رہا تھا یہ ایک خوفناک سازش تھی اگر ایسا ہوا تو ساری دنیا جہنم

بن جائے گی۔ اُسے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں تھی۔ لیکن وہ اُسے جذباتی بن کر ضائع بھی نہ کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ وہ جس وقت بھی چاہتا۔ جیرالڈ سے بھڑ سکتا تھا مگر اُس کا یہ فعل غیر افادی ہوتا۔

وہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے گھڑی کی طرف دیکھا گیارہ بج رہے تھے۔

دفعتاً سامنے والی دیوار اپنے داہنے جوڑ کے پاس سے کھسکنے لگی اور دوسرے ہی لمحے میں حمید اندر گھس آیا۔ دیوار پھر اپنی اصلی جگہ پر آ گئی۔ حمید نے اس طرح اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی جیسے فریدی کو چپ کرانا چاہتا ہو۔ پھر اُس نے اُسے آنکھ مار کر بلند آواز میں کہا۔ "غالباً آپ نے شاستری صاحب کی باتوں پر غور کیا ہوگا۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

دوسرے لمحے میں حمید نے اپنی جیب سے سادہ کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا اور پنسل سے اس پر کچھ لکھنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑبڑاتا بھی جارہا تھا۔ "آپ غلطی پر ہیں۔ میری سنئے یہ لوگ بہت طاقتور ہیں۔ دنیا میں ہمیشہ طاقت کا ساتھ دینا چاہئے۔"

اسی طرح وہ اور بھی باتیں کہتا رہا۔ فریدی کی نظریں اُس کاغذ پر جمی ہوئی تھیں۔ جس پر حمید لکھ رہا تھا۔ "استاد! اس بار میں نے آپ کو شکست دے دی۔ خاموش.... خاموش۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں کی دیواریں بھی بولتی ہیں۔ کسی کمرے کی سرگوشی بھی ایک مخصوص کمرے میں لاؤڈ سپیکر کی طرح چیختی ہے۔ جیرالڈ یہاں کی چیونٹی کی بھی گنگناہٹ سن سکتا ہے۔ لیکن میں نے آپ سے بگاڑ کر کے اُس کا تھوڑا بہت اعتماد حاصل کر لیا ہے اور یہ صرف میرا حصہ ہے اگر آپ اکیلے ہوتے تو کبھی کے اُس سے ٹکرا کر ختم ہو جاتے۔ اس کی شخصیت واقعی حیرت انگیز ہے خدا کرے میں اُسے چونا لگانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں نے آپ کی شان میں گستاخیاں کی ہیں اُن کے لئے معافی چاہتا ہوں.... اب راویان شیریں بیان یوں فرماتے ہیں کہ میں نے روزا کو توڑ لیا ہے وہ میری ممنون ہے کہ میں نے اُسے اس مشینی تجربے سے بچالیا۔ میں نے اُسے اُس کے باپ کی موت کی اطلاع بھی دے دی ہے جس کا اُسے کوئی علم نہیں تھا اب وہ ایک بھوکی شیرنی کی طرح انتقام کے لئے بے چین ہے اور میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپ سے پوچھے بغیر اُس کا ایک بوسہ لے لیا۔ بوسہ یوں لینا پڑا کہ وہ باہر نکلنے کے راستے سے واقف

ہے۔ راستہ دراصل اس کولتار فیکٹری میں نکلتا ہے جو لڑکال جنگل والی سڑک کے سرے پر واقع ہے اور وہ فیکٹری بھی جیرالڈ ہی سی تعلق رکھتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہاں سے نکلیں کیونکر۔ اول تو دروازے تک پہنچنا ہی مشکل ہوگا۔ اگر پہنچ بھی گئے تو وہاں اوپر فیکٹری میں دن رات آدمیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود رہتی ہے۔"

اس دوران میں حمید ساتھ ہی ساتھ بڑبڑاتا بھی رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جیرالڈ کی تعریف میں باقاعدہ لیکچر جھاڑ رہا ہو۔ جب وہ خاموش ہوا تو فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں غور کر رہا ہوں۔ جیرالڈ کی شخصیت مجھے پسند ہے۔ لیکن اسکا طریقہ کار بہت ہی بہیمانہ ہے۔"

"سنئے جناب۔" حمید اکڑ کر بولا۔ "شاستری صاحب مجبور نہیں ہیں۔ وہ سائنٹیفک طور پر بھی آپ کے خیالات بدل سکتے ہیں۔ صرف ایک گھنٹے تک ایک مشین میں آپ کی مرمت ہوگی۔ اُس کے بعد آپ محسوس کرنے لگیں گے جیسے ابھی ابھی پیدا ہوئے ہوں۔ میں نے وہ مشین دیکھی ہے۔"

"میں عجیب کشمکش میں پڑ گیا ہوں۔" فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں ابھی اور سوچوں گا۔ پھر فیصلہ کروں گا۔"

"وہ بھی اپنی بڑبڑاہٹ جاری رکھے ہوئے کاغذ پر لکھنے لگا۔" شاباش بیٹے حمید۔ "اب میں تجھے اپنا ولی عہد بنادوں گا میرے ذہن میں فی الحال ایک تجویز ہے یہاں اور بھی بن مانسوں کی کھالیں موجود ہوں گی اُنہیں کسی طرح مہیا کرو اوپر فیکٹری والوں سے ہم انہیں پہن کر محفوظ رہ سکیں گے.... اور یہاں رات کو تو سب سوتے ہی ہوں گے انہیں یقین ہے کہ اُن کے علاوہ اور کوئی نہ تو یہاں داخل ہو سکتا ہے اور نہ یہاں سے نکل سکتا ہے۔ اس سلسلے میں روزا سے گفتگو کرو۔ میرا خیال ہے کہ وہ ٹرک بھی فیکٹری ہی میں رہتا ہوگا۔ جس میں بن مانس سفر کیا کرتے ہیں۔"

فریدی کی زبانی نصیحتوں پر حمید بگڑ کر بولا۔ "تو اب میرا فیصلہ سنئے۔ میں محکمہ سراغ رسانی میں بھی کام کروں گا اور اس عظیم تحریک سے بھی تعلق رکھوں گا۔"

"میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔" فریدی اس کی طرف جھپٹا۔ حمید نے وہ کاغذ تہہ کر کے فریدی کی جیب میں رکھ دیا اور خود مدد کے لئے چیختا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ فریدی اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور حمید اس طرح کی آوازیں نکالنے لگا جیسے اس کا گلا گھونٹا جا رہا ہو۔

دوسرے ہی لمحے میں دیوار اپنی جگہ سے سرکی اور دو تین آدمی فریدی پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے فریدی کو پکڑ لیا اور حمید اُس کے نیچے سے نکل کر بھاگ نکلا۔

دوسری رات چار بن مانس آہستہ آہستہ ایک طویل اور نیم تاریک گلیارے میں رینگ رہے تھے۔ مدھم سی پیلے رنگ کی روشنی پورے گلیارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اندھیرے میں پیلاہٹ کا امتزاج کچھ عجیب سی پُر اسرار کیفیت اور فضا پیدا کر رہا تھا۔

سب سے آگے والا بن مانس بقیہ تین کے مقابلے میں پستہ قد تھا اور سب سے پیچھے والا اتنا طویل القامت تھا کہ دیکھ کر ہنسی آسکتی تھی۔

ایک فرلانگ لمبے گلیارے کے اختتام پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ پستہ قد بن مانس دیوار میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔ دفعتاً ایک عجیب قسم کا شور سنائی دیا اور یک بیک پستہ قد بن مانس بُری طرح کانپنے لگا۔

"غضب ہو گیا۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "خطرے کی گھنٹی۔ شاید انہیں پتہ چل گیا۔"

"ارے باپ رے باپ۔" سب سے لمبا بن مانس لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔

"سنبھل ڈیوٹ۔" ایک دوسرا بن مانس بولا جو سرجنٹ حمید کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"چلئے! آپ باہر نکل جایئے۔" روزا بولی۔ "میں کچھ دیر اُن سے نپٹوں گی۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "چلو تم راستہ دکھاؤ۔ یا سب نکلیں گے یا سب مریں گے۔"

"میرے پاس.... ریوالور ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"بیکار ہے۔" روزا جلدی سے بولی۔ "ایک بھی گولی اُن پر نہ پڑے گی.... یہاں مار ڈالنے کے طریقے دوسرے ہیں۔"

کہیں دو تین قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ دفعتاً انہیں اپنے سروں پر ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ انہوں نے چونک کر اوپر دیکھا۔ سامنے سے ایک زینہ نمودار ہو گیا تھا اور ان کے سرے پر ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ شاید روزا راستہ پانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

انہوں نے بڑی سرعت سے زینے طے کئے۔ روزا سب کے پیچھے تھی جیسے ہی وہ اوپر پہنچے انہوں نے روزا کی چیخ سنی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا اور وہ اوپری والی فیکٹری کے گیرج میں کھڑے ہوئے تھے۔

"بیکار ہے چلو جلدی کرو۔" فریدی ایک چھوٹی اسٹیشن ویگن میں بیٹھتا ہوا بولا۔

وہاں ایک ٹرک بھی موجود تھا۔ گیراج کھلا ہوا تھا اور سامنے پختہ راستہ تھا۔ وہ دونوں اسٹیشن ویگن پر لد گئے۔ دروازہ پھر کھلا اور کئی شکلیں دکھائی دیں۔ اتنی دیر میں فریدی انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ کار جیسے ہی آگے بڑھی حمید نے کھڑے ہوئے ٹرک کے پہیوں پر تین چار فائر کر دیئے۔ شاید ایک ریوالور کہیں سے اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

"کیا کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"شاید میں نے ٹرک کے ٹائر پھاڑ دیئے ہیں۔"

"جیتے رہو۔"

دوسرے لمحے میں کار سنسان سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی لیکن یہ سمجھنا ان کی حماقت تھی کہ وہاں صرف وہ اکیلا ٹرک رہ گیا تھا جس پر حمید نے گولیاں چلائی تھیں وہ بمشکل تمام ایک ہی میل آئے ہوں گے کہ ساری سڑک ایک تیز قسم کی روشنی میں نہا گئی۔ اتنی تیز روشنی تھی کہ خس و خاشاک میں گری ہوئی ایک سوئی بھی ڈھونڈی جاسکتی تھی۔

حمید نے پلٹ کر دیکھا اور اُس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ روشنی بہت تیزی سے ان کی طرف بڑھی آرہی تھی۔ شاید وہ کوئی کار تھی جس کے سرے پر ایک بہت زیادہ طاقت والی سرچ لائٹ نصب تھی۔

"حمید....!" فریدی نے پُر سکون لہجے میں کہا۔ "یہ وقت آزمائش کا ہے میں رفتار کم کرتا ہوں کود کود کر جنگل میں گھسو۔"

"ارے باپ....!" قاسم گڑگڑایا۔

سب سے پہلے حمید کودا۔ قاسم گرتے گرتے سنبھل گیا۔ اس کے بعد فریدی نے بھی چھلانگ لگا دی اور تینوں مخالف سمت کے گھنے جنگل میں گھستے چلے گئے۔

خوش قسمتی ہی تھی کہ انہیں آگے چل کر ایک پگڈنڈی مل گئی اور وہ سیدھے اُس پر بھاگتے چلے گئے۔ فریدی کو خدشہ تھا کہ کہیں لڑکال جنگل میں ملٹری نہ لگا دی گئی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو بھی اُن کی خیر نہیں کیونکہ وہ بن مانسوں کی کھال میں تھے۔ اور اتفاق سے انہیں نیچے لگانے کے لئے بلٹ پروف نہیں مل سکے تھے اور دوسری طرف اُن کھالوں کو جسموں سے الگ کرنے کے لئے رکنا

بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جنگل کی تاریکی میں گولیاں سنسنانے لگیں۔

"کیوں نہ کسی درخت پر جا چڑھیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"ہائے مجھے درخت پر چڑھنا نہیں آتا۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

"بس بھاگتے چلو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ ایک اندھی چال ہے خود کو تقدیر پر چھوڑ دو۔ اُن تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے کہ پورے جنگل پر چھا جائیں۔"

"ہائے.... اب نہیں چلا جاتا۔ میں گرا۔" قاسم کراہ کر بولا۔

"مرد.... کاش تم چوہے ہوتے۔" حمید نے کہا۔ "ارے.... افسوس میری چوہیا وہیں رہ گئی"

انہیں بڑی شدت سے گرمی لگ رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے سر پر سے کھال اُتار اور بازوؤں تک اُن کے جسم کھل گئے۔

صبح ہوتے ہوتے انہوں نے جنگل پار کر لیا.... اور پھر وہ اپنے جسموں پر سے کھالیں اُتار رہے تھے کہ انہوں نے ایک خوفناک گھڑ گھڑاہٹ سنی۔ زمین ہلنے لگی اور وہ منہ کے بل گر پڑے۔ گھڑ گھڑاہٹ کی گونج کافی دیر تک قائم رہی۔ وہ اس طرح بے سدھ زمین پر پڑے ہوئے تھے جیسے ان کے جسموں کی طاقت سلب ہو گئی ہو۔ دفعتاً حمید کے منہ سے چیخ نکلی۔ وہ آنکھیں پھاڑے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں کافی بلندی پر بڑے بڑے درخت گرد و غبار کے مرغولوں میں چکراتے نظر آرہے تھے۔ سورج کی پہلی شعاعیں غبار کے اس طوفان میں چھپ کر رہ گئی تھیں۔ یہ غبار پھیلتا ہی جا رہا تھا۔

وہ پھر اٹھ کر بھاگے اب وہ کھلے میدان میں تھے۔ لیکن اُن کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ کیا ہوا۔

❋

لڑکال جنگل ایک ماہ تک جلتا رہا۔ دس پندرہ میل کے رقبے میں ہر وقت دھوئیں کے بادل منڈلاتے رہتے تھے۔ میلوں تک بستیاں سنسان ہو گئیں۔ اتنے بڑے جنگل کی آگ پر قابو آسان نہیں تھا پھر بھی ہر طرح کی تدبیریں اختیار کی جاتی رہیں۔

اگر یہ تباہی نہ آئی ہوتی تو فریدی کے بیان پر کسی کو یقین نہ آتا۔ سرجنٹ حمید کا کہنا تھا کہ تباہی اُس کی چوہیا ہی لائی ہو گی۔ ورنہ وہ لوگ اتنے احمق نہیں تھے کہ اپنی ان عظیم الشان ایجادات کو اس طرح تباہ کر دیتے۔

شہر، لڑکال جنگل سے بیس میل کے فاصلے پر واقع تھا لیکن وہاں بھی زلزلے کے جھٹکے محسوس کئے گئے تھے حالانکہ گھر گھراہٹ کی آواز زیادہ تیز نہیں معلوم ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی لوگوں کا بیان ہے کہ وہ حد درجہ خوفناک تھی اور زمین کے نیچے سے آتی محسوس ہوتی تھی۔

جیرالڈ پھر کبھی اپنی کوٹھی میں نہیں دکھائی دیا۔ اس کا لڑکا لیمی البتہ حراست میں لے لیا گیا تھا لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ ان معاملات کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔

فریدی کے بیانات نے ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیا اور سارے ممالک کی حکومتیں اپنے یہاں اُس تباہ کن تحریک کے حامیوں کو کھود کر اُن کے بلوں سے نکالنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

لڑکال جنگل کی آگ اب سرد ہو چکی ہے اور اب وہاں ایک ایسی جھیل دیکھی جا سکتی ہے جو تین چار میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے اس کی گہرائی ناپنے کی بے حد کوشش کی جا رہی ہے لیکن ابھی تک تو کامیابی نہیں ہو سکی۔

کہتے ہیں کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں جیرالڈ اور اس کے ساتھیوں نے حیرت انگیز ایجادات کا تجربہ کیا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 38

کچلی ہوئی لاش

(مکمل ناول)

عبرت ناک منظر

انسپکٹر فریدی نے پہلے تو سرجنٹ حمید کو آوازیں دیں لیکن جب اُس نے جنبش بھی نہ کی تو فریدی نے جھلا کر کمبل کھینچ لیا اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے کئی ناروا الفاظ نکل گئے۔ کیونکہ چارپائی خالی تھی۔ البتہ کمبل کے نیچے لحاف اور تکئے اس ترتیب سے رکھے ہوئے تھے کہ اُن پر کمبل تان دینے سے کسی سوتے ہوئے آدمی کا گمان ہو سکتا تھا۔

یہ چیز فریدی کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ کیا حمید اُسے بچہ سمجھتا تھا، اس طرح دھوکا دے کر راتوں کو غائب رہنا.... فریدی نے جھلاہٹ میں سگار زمین پر گرا کر پیر سے کچل دیا۔

دن نکل آیا تھا اور دھوپ پھیل گئی تھی۔ ہلکی سردیوں کے دن تھے اور صبح ہی صبح فریدی کو فون پر ایک ایسی اطلاع ملی تھی کہ وہ ناشتہ کرنا بھی بھول گیا تھا۔ اُسے اُس وقت حمید کی ضرورت تھی۔

فریدی ابھی کمرے کے دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ سرجنٹ حمید نے چارپائی کے نیچے سے سر نکال کر کہا۔ "گڈ مارننگ یور ہارڈنس۔"

فریدی چونک کر مڑا اور پھر اُسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ پلنگ کی چادر حمید کے شانوں پر لہرا رہی تھی اور وہ اپنی آنکھیں مل رہا تھا۔ پھر وہ پلنگ کے نیچے سے رینگ کر باہر نکل آیا۔ فریدی نے دیکھا پلنگ کے نیچے باقاعدہ بستر لگا ہوا تھا جسے پلنگ کی چادر کے لٹکتے ہوئے گوشے چاروں طرف سے چھپائے ہوئے تھے۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" فریدی نے دوسرے لمحے میں سنجیدہ ہو کر کہا۔

"پلنگ پر ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔" حمید انگڑائی لے کر بولا۔ "اس کے لئے میں طالب علمی کے زمانے میں بھی یہی نسخہ استعمال کرتا تھا۔ ورنہ تین ہی بجے سے مجھے ایسے خواب آنے لگتے تھے جیسے والد صاحب کہہ رہے ہوں.... ابے اٹھ یہی تو پڑھنے کا وقت ہے.... وغیرہ وغیرہ.... آہم۔"

اُس نے پھر انگڑائی لی اور مسکرا کر فریدی کو آنکھ ماری۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں اور شاید یہ خبر سن کر تم بھی نہ رہ جاؤ۔" فریدی بولا۔

"کیا بات ہے؟"

"اشرف ہلاک ہو گیا۔"

"کیا....؟" حمید چونک کر بولا۔ "کون اشرف؟"

"میرا خیال ہے کہ ہمارے دوستوں میں صرف ایک ہی اشرف تھا۔"

"اوہ کون! اپنا اشرف؟" حمید کے ہاتھ سے ٹوتھ برش چھوٹ پڑا۔

"ابھی فون پر اطلاع ملی ہے۔ اُسکی لاش ایک بھاری تجوری کے نیچے کچلی ہوئی پائی گئی ہے۔"

"کہاں، کس جگہ؟"

"گھر ہی پر۔" فریدی نے کہا۔ "جگدیش وہیں ہے۔ اُسے ہمارے تعلقات کا علم تھا۔"

"تو پھر چلئے....!" حمید ہینگر سے پتلون کھینچتا ہوا بولا۔ "اُس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور غسل خانے کا ارادہ ملتوی کر کے تیار ہو گیا۔ راستے میں فریدی نے کہا۔

"کل ہی اُس کی منگنی کا اعلان ہوا تھا۔ غالباً ہم نے نیو اسٹار میں اُن دونوں کی تصویریں نہ دیکھی ہوں گی۔ آج صبح ہی آئی ہیں اور وہ ایک حادثہ کا شکار ہو گیا۔"

"کاش اُنکی منگنی کا اعلان نہ ہوا ہوتا۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "یہ قتل ہی ہو سکتا ہے۔"

"کیوں....؟" فریدی چونک کر بولا۔

"اُس کے ایک دو نہیں بلکہ پانچ عدد رقیب تھے۔"

"میں نہیں سمجھا....؟"

"آپ نہیں سمجھ سکتے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "کبھی آپ کو روحی سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے؟"

"نہیں کبھی نہیں۔ البتہ اشرف ہی کی زبانی اُس کا تذکرہ ضرور سنا تھا۔"

"اُس سے زیادہ پرکشش لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری۔" حمید بولا۔

"حمید یہ موقع ایسا نہیں ہے کہ تم اپنی حسن پرستی کا اظہار کرو۔"

"میں مغموم بھی ہوں اور سنجیدہ بھی۔ آپ اُس لڑکی سے واقف نہیں۔ شاید منگنی کے اعلان کے وقت بھی اُسے اپنے فیصلے پر تردد رہا ہو۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"جی ہاں۔ وہ اُن پانچوں کو بھی ناپسند نہیں کرتی۔" حمید نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپکو اُس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ ویسے بھی اشرف سے اُسکا کیا رشتہ تھا....؟"

"غالباً خالہ زاد بہن تھی۔"

"اور یہ پانچوں بھی.... اُن میں کوئی ماموں زاد ہے، کوئی چچازاد اور کوئی خالہ زاد، سبھی اچھی حیثیت والے تعلیم یافتہ اور نوجوان ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ روحی اشرف کے علاوہ اُن پانچوں میں ہی دل چسپی لیتی تھی۔"

"خیر چھوڑو! اس قسم کے اندازے قبل از وقت ہوں گے۔"

جاوید بلڈنگ کے سامنے کیڈی لاک پہنچ کر رک گئی۔ جاوید بلڈنگ ایک تین منزلہ عمارت ی نچلی منزل میں صرف ایک بہت بڑا فلیٹ تھا جس میں اشرف رہتا تھا اور اوپری منزل میں دس ہ چھوٹے چھوٹے فلیٹ تھے جن میں مختلف کرایہ دار رہتے تھے۔ یہ عمارت اشرف ہی کی تھی۔ ں نہیں شہر میں اُس کی ایسی کئی عمارتیں تھیں جن کے کرائے کی شکل میں ہر ماہ ایک کثیر رقم ول ہوتی تھی۔

اشرف کا شمار متمول آدمیوں میں ہوتا تھا اور اپنی حیثیت کے حلقوں میں وہ کافی عزت کی لروں سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ ایک خوش طبع اور قبول صورت نوجوان تھا۔ شکار کے شوق نے اُسے یدی سے بھی متعارف کرا دیا تھا۔

جاوید بلڈنگ کے نیچے پولیس کار پہلے سے ہی موجود تھی جس سے فریدی نے اندازہ لگایا کہ بالا ڈی ایس پی سٹی بھی موجود ہے۔ شائد جگدیش نے اس کے پہنچنے سے پہلے ہی فریدی کو فون کیا ہ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش دونوں کی درمیان کشیدگی سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے وہ خود یسے مواقع کو بچا جانے کی کوشش کرتا تھا جہاں اُن دونوں کے ٹکراؤ کا امکان ہو۔

"غالباً کوتوال صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔" حمید نے پولیس کار کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہوگا....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور کیڈی سے اُتر گیا۔

وہ دونوں عمارت میں داخل ہوئے۔ دروازے پر کھڑا ہوا کانسٹیبل شاید اُن سے واقف تھا اس لئے اُس نے بڑے ادب سے انہیں راستہ دے دیا۔

بڑے کمرے میں ایک سب انسپکٹر اور دو ہیڈ کانسٹیبلوں کے ساتھ انسپکٹر جگدیش موجود تھا۔ یدی کو دیکھ کر وہ آگے بڑھا۔

"اچانک کوتوال صاحب بھی پہنچ گئے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"لاش کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"خواب گاہ میں۔ کوتوال صاحب وہیں ہیں۔" جگدیش مشوش لہجے میں بولا۔ "ابھی لاش

تجوری کے نیچے ہی ہے۔ فوٹوگرافروں کا انتظار ہے۔ میرا خیال ہے کہ اشرف صاحب سوتے سے اٹھے تھے۔ اُن کے جسم پر سلیپنگ سوٹ ہے۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا میں لاش دیکھ سکتا ہوں؟"

"میں نے آپ کو اسی لئے فون کیا تھا مگر وہ....!"

"ڈی۔ ایس۔ پی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"جی ہاں.... میں ڈرتا ہوں کہ کہیں جھڑپ نہ ہو جائے۔"

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ڈی ایس پی کچھ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ فریدی پر نظر پڑتے ہی وہ رکا پھر طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اُس کے قریب آگیا۔

"آپ کیسے....؟"

"آپ ہر موقع پر یہی سوال کرتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن آج میں آپ کو جواب نہیں دوں گا۔ ممکن ہے بات بڑھ جائے۔ ویسے میں مغموم ہوں۔ مرنے والا میرا دوست تھا۔"

"مسٹر فریدی! مجھے حیرت ہے۔ نہ جانے کیوں آپ کے سارے دوست احباب کسی نہ کسی حادثے ہی کے شکار ہوتے ہیں۔"

"اتفاق ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی سنجیدگی سے بولا۔ "میرے احباب بڑے سخت جان ہیں۔ ورنہ میں بھی سراغ رساں ہو جاتا۔"

"مشکل تو نہیں۔" فریدی بولا۔ "آپ خود ہی کیس کیجئے اور خود ہی سراغ لگائیے۔ ابتدائی مشقوں کے لئے یہ نسخہ بڑا مجرب ہے۔ ویسے اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی لاش کو دیکھ لوں؟"

"کیا آپ نے کوئی خیال قائم کیا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"بالکل سیدھا سادا کیس ہے۔" اچانک تجوری گرنے سے موت واقع ہو گئی۔"

"ہو سکتا ہے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے خیالات کا اظہار کر کے آپ کو پریشان نہ کروں گا۔"

"آپ کو اس کی اطلاع کس طرح ہوئی؟" ڈی۔ ایس۔ پی نے پوچھا۔

"جگدیش صاحب جانتے تھے کہ وہ میرا دوست تھا۔"

"اوہ....!" ڈی۔ ایس۔ پی نے گھورتی ہوئی نظروں سے جگدیش کی طرف دیکھا پھر فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ "آئیے۔"

وہ واردات والے کمرے میں آئے اور حمید کو اپنا خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اُس کے دوست اشرف کی لاش ایک وزنی اور بھاری بھرکم تجوری کے نیچے آدھی سے زیادہ دبی پڑی تھی۔ سر اور سینے کی حالت کا اندازہ دل ہی دل میں لگا کر وہ کانپ اٹھا۔ یقیناً سر جو نظر نہیں آرہا تھا بری طرح کچل گیا ہوگا۔ جگدیش کے بیان کے مطابق اشرف کے جسم پر سلیپنگ سوٹ ہی تھا اور پیر ننگے تھے۔ سونے کی پلنگ اُس کی لاش سے چار یا پانچ فٹ کے فاصلے پر رہی ہوگی۔ آدھا کمبل فرش پر تھا اور آدھا پلنگ پر سرہانے کی کرسی کے دونوں پائے اٹھے ہوئے تھے اور پشت دیوار سے ٹک گئی تھی۔

فریدی کی نظریں لاش پر جمی رہیں۔ پھر اُس نے چاروں طرف دیکھ کر لاش کی جانب دیکھا۔

"یہ غالباً سو رہا تھا۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے سکوت توڑا۔ "سوتے سے اٹھا اور کسی طرح تجوری گر پڑی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے اعتراف میں سر ہلایا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ شاید وہ کچھ اور بھی کہے گا لیکن فریدی پھر خاموشی سے لاش کا جائزہ لینے میں مشغول ہو گیا تھا۔ وہ لاش پر جھکا ہوا قرب و جوار کی زمین بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا پھر بولا۔ "آپ کا خیال درست ہو سکتا ہے۔ میں بھی فی الحال یہی فرض کئے لیتا ہوں کہ یہ محض ایک اتفاقی حادثہ ہے۔"

"ٹھہریئے۔" ڈی۔ ایس۔ پی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "فرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی تھیوری ہو تو پیش کیجئے۔"

"بغیر کلیو کے تھیوری۔" فریدی خفیف سا مسکرایا۔ "ابھی تو میں معاملات کو سمجھ بھی نہیں سکا لیکن معلوم ہے کہ آپ کوئی تھیوری رکھتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے لیکن میں پہلے آپ کا خیال معلوم کرنا بہتر سمجھوں گا۔"

"بہتر ہے مگر پھر شکایت نہ کیجئے گا ہو سکتا ہے کہ میں معاملات کو الجھا دوں۔"

"کوشش کیجئے۔" ڈی۔ ایس۔ پی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ "ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس نے سچ مچ معاملات کے متعلق کوئی خاص نظریہ قائم کر لیا ہو۔"

فریدی پھر فرش پر جھک کر کچھ دیکھنے لگا۔ اُس کی نظریں پلنگ کا جائزہ لیتی ہوئیں سرہانے والی کرسی کے اٹھے ہوئے اگلے پایوں پر جم گئیں۔ اُس نے سیٹی بجانے والے انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑے اور اب تجوری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ جگہ دیکھی جہاں تجوری رکھی رہی

ہو گی۔ یہاں فرش پر گرد و غبار میں اُس کے پیندے کا نشان صاف ظاہر تھا۔

شاید دس منٹ تک، وہ کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھتا بھالتا رہا۔ اس دوران میں کئی بار اُس نے محدب شیشے کی مدد سے کئی چیزوں کا جائزہ لیا۔

"اب میں یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ اس حادثے کی اطلاع کس نے دی تھی؟"

فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"ایک نوکر نے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"اشرف کے پاس دو نوکر تھے۔ خیر اطلاع کس وقت دی؟"

"صبح چھ بجے۔"

"حالانکہ اگر یہ حادثہ رات ہی کو ہوا تھا تو انہیں اُسی وقت اس کی اطلاع ہو گئی ہو گی۔"

"کیوں....؟"

"تجوری کے گرنے سے کافی تیز آواز ہوئی ہو گی۔"

"انہوں نے کوئی آواز نہیں سنی۔ وہ دونوں دو بجے رات تک گھر سے باہر رہے تھے۔"

"اوہ! تب میں اُن سے کچھ سوالات کرنا ضروری سمجھوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ اُن سے کچھ بھی نہ معلوم کر سکیں گے کیونکہ وہ رات آٹھ بجے سے دو بجے تک یہاں تھے ہی نہیں۔ جن لوگوں کے ساتھ تھے انہوں نے تصدیق کر دی ہے۔"

"کہاں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"سرکس دیکھنے گئے تھے۔ اوپری منزل کے دو کرایہ دار کے خاندان بھی اُن کے ہمراہ تھے۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی میں کچھ سوالات کرنا پسند کروں گا۔" فریدی بولا۔

دونوں نوکر بلائے گئے جو صدمے اور خوف سے زرد ہو رہے تھے۔ انہوں نے اپنی غیر حاضری کا سبب وہی بتایا جو اس سے پہلے ڈی۔ ایس۔ پی بتا چکا تھا۔ اُن کی موجودگی میں رات میں کوئی اشرف سے ملنے بھی نہیں آیا تھا۔

"کیا یہ تجوری پہلے بھی کبھی گر چکی ہے؟" فریدی نے سوال کیا۔

اس کا جواب دونوں نوکروں نے نفی میں دیا۔

"ظاہر ہے کہ گھر میں اشرف کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ پھر تم اندر کس طرح داخل ہوئے؟"

"ہم پچھلے دروازے میں باہر سے تالا لگا کر گئے تھے۔" ایک نوکر نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"تم جب واپس آئے تو تالا اُسی طرح بند تھا....؟"

"جی ہاں۔"

"اچھا! تمہارے اس معمول سے دوسرے لوگ تو واقف نہ ہوں گے؟"

"جی نہیں.... سب جانتے ہیں۔ یہاں کے سب کرایہ دار۔"

"اشرف کے دوست احباب بھی؟"

"اس کے متعلق علم نہیں۔" نوکر بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" فریدی نے دوسرے نوکر سے پوچھا۔

"ممکن ہے کہ جانتے ہوں۔" اُس نے تھوک نگل کر جواب دیا۔

"تم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے....؟"

"جی نہیں۔"

اس کے بعد بھی فریدی نے اُن سے بہتیرے سوالات کیے اور ڈی۔ ایس۔ پی اکتائے ہوئے انداز میں طرح طرح کے منہ بناتا رہا۔ آخر فریدی نے نوکروں کو رخصت کر دیا۔

"ہاں جناب! اب فرمائیے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے پھر چٹکی لی۔

"میں اسے اتفاقی حادثہ نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس وزنی تجوری کا اپنی جگہ سے جنبش کرنا بھی قریب قریب ناممکن سا ہے۔ جب تک کہ کئی ہاتھ نہ لگیں۔ دوسری صورت میں یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اُسے پیچھے سے دھکیلا جائے۔ نشان بتاتا ہے کہ وہ دیوار سے تقریباً ڈیڑھ فٹ کے فاصلہ پر رکھی ہوئی تھی۔ اتنی جگہ میں ایک آدمی بہ آسانی کھڑا ہو سکتا ہے۔"

"اس حقیقت سے کس کافر کو انکار ہو سکتا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی مسکرا کر بولا۔

"میں اسے قتل عمد سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "میرے ذہن میں کوئی چور اُچکا نہیں ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔

"مطلب یہ کہ اشرف کی جان تجوری کی وجہ سے نہیں گئی بلکہ تجوری کو جان بوجھ کر اُس کی زندگی ختم کر دینے کا ذریعہ بنایا گیا۔"

"وہ کس طرح....؟"

"بس فی الحال میں اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اب میں آپ کے نظریئے کے لئے بے چین ہوں۔"

"لیکن فی الحال آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اُس کے لئے آپ کے پاس کوئی دلیل بھی ہے؟"

"میں دلیل کے بغیر کبھی کوئی بات نہیں کہتا۔"

"میں وہ دلیل سننا چاہتا ہوں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"تجوری خود سے نہیں گر سکتی اور نہ اشرف اتنا احمق تھا کہ خود سے اُسے اپنے اوپر گرا لیتا۔"

"اس کا اعتراف میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔"

"سنتے جائیے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں سارے امکانات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ فرض کیجئے وہ کوئی چور تھا۔ اُس نے چوری کی نیت سے تجوری کھولنی چاہی۔ اتنے میں اشرف کی آنکھ کھل گئی لیکن قبل اس کے کہ وہ چور کو دیکھتا چور تجوری کے پیچھے چھپ گیا۔ اشرف نے اُسے دیکھ ہی لیا جیسے ہی وہ تجوری کی طرف جھپٹا، چور نے تجوری اُس پر دھکیل دی۔ اشرف اُس کے نیچے دب گیا۔ لیکن آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اُس کا سر تجوری کی طرف ہے اور وہ اوندھا پڑا ہے۔ حالانکہ تجوری کا دھکا لگتے ہی اُسے چت گرنا چاہئے تھا۔ اس صورت میں اُس کا سر پلنگ کی سمت ہوتا اور شاید اُس کی ٹانگیں تجوری کے نیچے دبی ہوتیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ پلنگ سے اٹھتے اٹھتے ہی اوندھے منہ گر پڑا ہو۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"تو چلئے بات بھی ختم ہو گئی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "قتل عمد ثابت ہو گیا۔"

"کیوں....؟" ڈی۔ ایس۔ پی بوکھلا گیا۔

"سیدھی سی بات ہے اُس کے گر پڑنے کے بعد چور فرار بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ پہلے اُس نے تجوری گرا کر اُسے کچل دیا پھر نکل بھاگا۔ اتفاقیہ حادثہ ہم اسے اُس وقت کہہ سکتے تھے جب ان دونوں کی جدوجہد کے دوران میں تجوری دھکا لگنے کی بناء پر اُس پر آ گرتی اور اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب وہ تجوری کے پیچھے والی ڈیڑھ فٹ چوڑی جگہ میں ہوتی اور یہ بالکل ناممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ پیچھے ہوتے تو آگے کی طرف گری ہوئی تجوری کے نیچے وہ کس طرح دبتا۔"

ڈی۔ ایس۔ پی کچھ نہ بولا۔ اُس نے شروع ہی سے اپنے خیالات کا اظہار نہ کر کے عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔

"لیکن....!" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میں چور والی تھیوری کا قائل نہیں ہوں۔"

"اچھا تو اب آپ الجھائیں گے اس معاملے کو۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"الجھانے کا سوال ہی نہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت

بہت ہی اطمینان کے ساتھ کیا گیا ہے۔"

"کس طرح....؟"

"ٹھہرئیے میں ایک بار پھر اُن نوکروں سے گفتگو کروں گا۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ حمید بھی اُس کے پیچھے تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی اُسی کمرے میں آ گیا جہاں انسپکٹر جگدیش وغیرہ تھے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی پھر نوکروں سے استفسار کر رہا تھا۔

"خواب گاہ کی صفائی کون کرتا ہے؟"

"میں....!" ایک نوکر بولا۔

"روزانہ....؟"

"جی ہاں۔"

"کیا تم نے کبھی خواب گاہ میں شیشے کی گولیاں دیکھی ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

کوٹ اور گولیاں

اس سوال پر نہ صرف حمید چونکا بلکہ دوسرے بھی فریدی کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ نوکر چند لمحے خاموش رہا۔ شاید وہ بھی اس غیر متوقع اور بظاہر اہم سوال کے متعلق غور کرنے لگا تھا۔

"شیشے کی گولیاں؟" نوکر ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ "میں نہیں سمجھا کہ شیشے کی گولیوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"شیشے کی گولیوں سے مراد صرف شیشے کی گولیاں ہیں۔ ایسی گولیاں جو سوڈا واٹر کی بوتلوں میں ہوتی ہیں۔"

"جی نہیں اس قسم کی گولیاں گھر میں کبھی نہیں تھیں۔"

"خواب گاہ کی صفائی کرتے وقت بھی کبھی تمہاری نظروں سے نہیں گذریں؟"

"جی نہیں.... کبھی نہیں۔"

"کل تم نے صفائی کی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"تب پھر شاید تم نے ملبوسات کی الماری کے نیچے سے گرد نہیں نکالی تھی۔"

"صاحب ایک ایک کونہ صاف کراتے تھے اور الماری کے نیچے تو خاص طور سے روز ہی ہا لگانے پڑتے ہیں کیونکہ ایک بار اس کے پیندے میں دیمک لگ چکی ہے۔"

"اوہ.... لیکن تمہیں شیشے کی تین گولیاں نہیں دکھائی دی تھیں؟"

"قطعی نہیں حضور.... اگر دکھائی دیتیں تو مجھے حیرت بھی ہوتی۔ کیونکہ نہ تو ہمارے یہا کبھی بچے آتے ہیں اور نہ ایسے سوڈے کی بوتلیں جن میں گولیاں ہوتی ہیں۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ آج کل شہر میں کوئی ایسی فیکٹری نہیں جو کراؤن کارک والی بوتلوں علاوہ کسی اور قسم کی بوتلوں میں سوڈا بھرتی ہو۔ اچھا تم جاسکتے ہو۔"

نوکر چلے گئے۔ فریدی فاتحانہ نظروں سے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے فوٹوگرافر بھی آگئے اور انہوں نے اپنا کام شروع کردیا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے پھر کوئی سوال نہ کیا۔ حالانکہ حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ آخر ان گولیوں کا مطلب، فریدی کس نتیجے پر پہنچا ہے واردات کے متعلق حقیقتاً اس کا نظریہ کیا ہے۔

جب فوٹوگرافر اپنا کام ختم کرچکے تو ڈی۔ ایس۔ پی بھی لاش اٹھوانے کا حکم دیتا ہوا چلا گ فوٹوگرافروں کے ساتھ ڈاکٹر بھی آیا تھا۔ بہرحال حمید اس کے بعد کمرے میں جانے کی ہ نہیں کرسکا۔ تجوری اٹھنے کے بعد وہ اُس لاش کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اپنے اتنے دنوں کے تجر دور میں شاید ہی اُس نے کبھی اتنی کمزوری کا احساس کیا ہو۔

لاش اٹھ جانے کے بعد ہی وہ اس کمرے میں جاسکا۔ اب کمرے میں صرف فریدی اور ا جگدیش رہ گئے تھے۔ فریدی اب بھی کمرے کی بعض چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بع جگدیش کی طرف مڑ کر بولا۔

"کیا تمہارے کوتوال صاحب نے کوئی نظریہ قائم کیا تھا....؟"

"جی ہاں.... وہی چور والی بات۔ اُن کا خیال ہے کہ اشرف نے جاگ کر چور پکڑ لیا دونوں میں جدوجہد ہوئی اور نتیجے کے طور پر تجوری اُس پر آرہی۔"

"لغو....!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ حمید کو فریدی کے سکون اور اطمینان پر حیر ہورہی تھی۔ کیا اُس کی نظروں میں لاشوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی۔ خواہ وہ اپنے آدمیوں ہوں خواہ غیروں کی وہ اُن سے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہوتا تھا۔

فریدی چند لمحے تجوری کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تجوری مقفل ہے۔ اگر یہ کھلی ہوئی

ملتی تو میں اس نظریئے کو تسلیم کرلیتا۔ اگر چور اتنا ہی دیدہ دلیر تھا کہ بھاگ نکلنے کی بجائے اشرف کو کچل دینے کا منتظر رہا ہو تو وہ بعد کو تجوری سیدھی کرکے اسے کھول بھی سکتا تھا۔ نہیں جگدیش صاحب۔ وہ تجوری کے لئے یہاں ہرگز نہیں آیا تھا۔"

"آپ کہتے ہیں کہ یہ کام اطمینان سے کیا گیا۔" جگدیش نے کہا۔ "تو آخر تجوری استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ گلا بھی گھونٹا جاسکتا تھا۔ ایک تیز دھار والا خنجر۔"

"ٹھہرو....!" فریدی اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ "اس سٹ اپ کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ چور والا نظریہ ذہن نشین کرانا چاہتا تھا۔ لیکن اُس نے تھوڑی سی غلطی کی۔ خیر ہاں تو یہ گولیاں۔"

فریدی نے جیب سے تین گولیاں نکالیں اور گفتگو جاری رکھی۔ "پچھلی رات یہاں ایسی بہتیری گولیاں رہی ہوں گی جنہیں اشرف کو گرانے کے لئے استعمال کیا ہوگا۔"

فریدی نے گولیاں زمین پر ڈال دیں پھر ٹہلتا ہوا کمرے کے آخری سرے تک گیا۔ واپسی پر اُس کی رفتار تیز تھی۔ اُس کا ایک پیر انہیں گولیوں پر پڑکر پھسلتا چلا گیا۔ اگر اُس نے توازن برقرار نہ رکھا ہوتا تو گر ہی پڑا تھا۔

"تم نے دیکھا۔" فریدی سنبھل کر جگدیش سے بولا۔ "بہتیری گولیاں پلنگ کے قریب پڑی رہی ہوں گی۔ اُسے کسی تدبیر سے جگایا گیا اور جیسے ہی وہ جھپٹ کر اٹھا اس کا پیر گولیوں پر پھسل گیا اور اس کے گرتے ہی اُس پر تجوری دھکیل دی گئی۔ پھر بڑی احتیاط سے سارے نشانات مٹائے گئے لیکن یہ گولیاں اتفاق سے الماری کے نیچے لڑھک گئی تھیں۔ ورنہ یہ بھی یہاں موجود نہ ہوتیں۔"

"میں پھر عرض کروں گا کہ اتنی سی بات کے لئے اتنا جھنجھٹ کیوں؟" جگدیش نے کہا۔

"اگر قاتل تجوری ہی کے نیچے اُسے کچلنا چاہتا تھا تو اُس نے گولیوں والا طریقہ کیوں اختیار کیا۔ کیونکہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اُس کا پیر نہ پھسلتا۔ اس سے زیادہ سیدھی سادی چیز تو کلوروفارم تھی۔ اطمینان سے اُسے بے ہوش کرتا پھر اُسے فرش پر ڈال کر تجوری گرادیتا۔"

"اور پھر....!" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کلوروفارم کی کہانی سنا دیتی اور قتل عمد ثابت ہوجاتا کیوں؟ اگر اُسے یہی کرنا ہوتا تو وہ اس سے بھی زیادہ سیدھی سادی چیز چھری استعمال کرتا۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" جگدیش سر ہلا کر بولا۔

"بہرحال اس سارے سٹ اپ کا مطلب یہی ہے کہ قاتل خود بھی جانتا تھا کہ اُس پر شبہہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے اُس نے چور والا نظریہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔"

"چلئے اب آئی مصیبت....!" جگدیش مسکرا کر بولا۔ "اب ہمیں کسی ایسے آدمی کو ڈھونڈ پڑے گا جس سے اشرف کی دشمنی رہی ہو اور وہ یقیناً ایسا ہی آدمی ہو گا جس سے کچھ دوسرے لوگ بھی اشرف کے دشمن کی حیثیت سے واقف ہوں گے۔ ورنہ پھر اُسے پہچان لیے جانے کا خد ہو ہی نہیں سکتا۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس میں بھی ایک دوسری صورت ہو سکتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ سب کچھ قتل کا مقصد چھپانے کے لئے کیا گیا ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم نے شاید آج کا نیو اسٹار نہیں دیکھا۔" فریدی نے کہا۔ "اس میں اشرف اور روحی کی منگنی کی خبر آئی ہے اور اُن کی تصویریں بھی شائع ہوئی ہیں۔ منگنی کا اعلان کل شام کو ہوا تھا۔"

"اوہ....!" جگدیش یک بیک اچھلتا ہوا بولا۔ "رقابت! یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ؟"

"اس کے بھی امکانات ہو سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال آپ اس کیس میں دلچسپی لیں گے۔" جگدیش بولا۔

"مجھے لینی ہی پڑے گی۔ تم جانتے ہو کہ وہ میرے کتنے قریبی دوستوں میں سے تھا۔"

"تو اب میرے خیال سے اس مکان کو مقفل کرنا پڑے گا۔" جگدیش نے کہا۔

"اشرف کا کوئی.... وارث....؟"

"میرا خیال ہے روحی کی ماں کے علاوہ اور اُس کا کوئی قریبی عزیز نہیں ہے۔"

"وہی اشرف کی منگیتر....؟"

"ہاں.... وہی....!" فریدی ایک طویل سانس لے کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"آپ بالکل خاموش ہیں۔" جگدیش نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے صدمہ ہے۔ گہرا صدمہ... اور حقیقت تو یہ ہے کہ ابھی میں اس محکمے کے قابل نہیں ہوا"

اس جملے پر فریدی نے حمید پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اُس کا بالکل سپاٹ تھا۔ نہ اُس پر غم کے آثار تھے اور نہ تشویش کے۔ تھوڑی دیر بعد وہ حمید کی طرف کر بولا۔ "ذرا اُن نوکروں کو پھر بلاؤ۔ میں کچھ اور پوچھوں گا۔"

حمید چلا گیا۔ وہ چونکہ یہاں سینکڑوں بار پہلے بھی آ چکا تھا اس لئے وہ جانتا تھا کہ نوکر کمرے میں ملیں گے۔ کمرے کے دروازے پر وہ ٹھٹکا۔

"دیکھو! چلے جاؤ۔" ایک نوکر غالباً دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ "پتہ نہیں یہ کس کا ہے۔"

"تم کیوں نہیں جاتے۔ مجھے خاکی وردیوں سے ہول آتا ہے۔"

"ڈرنے کی کیا بات ہے چلے جاؤ۔ میں دراصل اب اُس کمرے میں نہیں جانا چاہتا۔ میرا دم الٹنے لگتا ہے۔"

دوسرے لمحے میں حمید کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔ حمید سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔

"تم کیا کہنا چاہتے تھے؟" حمید نے پوچھا۔

"صاحب! یہ کوٹ۔" ایک نوکر نے اپنے سامنے پڑے ہوئے کوٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہمیں راہداری میں پڑا ملا ہے۔ پتہ نہیں کس کا ہے۔ گھر میں تو اس قسم کا کوئی کوٹ کبھی نہیں تھا۔"

حمید نے کوٹ ہاتھ میں اٹھایا۔ معمولی گرم کپڑے کا پرانا کوٹ تھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" حمید بولا۔

فریدی نے بھی اس کوٹ کو حیرت کی نظروں سے دیکھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ یہ پہلے گھر میں نہیں تھا....؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... صاحب کبھی گھٹیا کپڑے نہیں پہنتے تھے۔" نوکر نے جواب دیا۔

فریدی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ دوسرے لمحے میں اُس کے ہاتھ میں ایک نیلے رنگ کا شناختی کارڈ تھا اور جیسے ہی اُس نے اُس کی تہہ کھولی۔ اُس کی آنکھوں سے حیرت ظاہر ہونے لگی۔

"یہ تو یونیورسٹی کا کوئی طالب علم ہے۔" اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا ان لوگوں میں سے بھی کوئی زیرِ تعلیم ہے؟ اِدھر آؤ یہ دیکھو۔"

حمید اور جگدیش دونوں اُس کی طرف بڑھے۔ فریدی نے کارڈ پر چپکی ہوئی تصویر اُن کے سامنے کر دی۔ یہ ایک نوعمر آدمی کی نصف تصویر تھی۔ جس کے نیچے تحریر تھا۔ "شاہد جمیل فورتھ ایئر آرٹس۔" حمید کے لئے یہ چہرہ بالکل نیا تھا۔ وہ اُن پانچ آدمیوں میں سے نہیں تھا۔

فریدی حمید سے نفی میں جواب پا کر نوکروں کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا یہ آدمی تمہارے صاحب کے دوستوں میں سے تھا....؟"

"پتہ نہیں۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" ایک نوکر نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دوسرے نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

"تم نے اس کوٹ میں سے کوئی اور چیز تو نہیں نکالی....؟"

"نہیں صاحب.... ہم نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر جگدیش کی طرف دیکھ کر بولا۔ "سوال یہ ہے کہ اگر مجرم ہی کا ہے تو وہ اُسے یہاں اتنی لاپرواہی سے کیوں چھوڑ گیا اور اس میں ایک ایسی چیز بھی دی جو اُس تک پولیس کو نہایت آسانی سے پہنچا سکتی ہے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "آخر یہ کوٹ آیا کہاں اگر یہ قاتل ہی کا ہے تو مجھے حیرت ہے۔ وہ جس نے اتنی احتیاط سے سارے نشانات مٹانے کوشش کی.... ایسی فاش غلطی کس طرح کر سکتا ہے۔ جگدیش صاحب تمہارے آفیسر کا خیا صحیح تھا کہ میرا ہاتھ لگتے ہی معاملات پیچیدہ شکل اختیار کر لیں گے۔"

"مجھے بڑی گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔" دفعتاً حمید نے کہا۔ "میں یہاں زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکتا۔"

"تم جا سکتے ہو۔ تمہارے لئے ایک کام نکل آیا ہے۔ یہ شناختی کارڈ لے کر یونیورسٹی جا حالانکہ آج اتوار ہے لیکن تم پراکٹر سے مل کر اس لڑکے کے متعلق تفصیلات حاصل کر سکو گے ممکن ہے آفس بھی کھلا ہو۔ اگر لڑکا ڈے اسکالر ہو تب بھی تم اُس کے داخلے کے فارم سے اُ پتہ معلوم کر لو گے۔"

حمید شناختی کارڈ لے کر چلا گیا۔

"ہمیں نشانات کیلئے اس کمرے تک محدود نہیں رہنا چاہئے۔" فریدی نے جگدیش سے کہا۔

وہ اس کمرے سے نکل کر نشست کے کمرے میں آئے۔ یہ کمرہ بیرونی دروازے راہداری کے بالکل سرے پر تھا۔

"کیا اس کمرے کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا تھا....؟" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"جی نہیں.... ہم میں سے کسی نے بھی دوسرے کمروں کی طرف دھیان نہیں دیا۔"

"کوٹ تمہیں کہاں ملا تھا....؟" فریدی نے پلٹ کر نوکر سے پوچھا۔

"یہاں... اس جگہ۔" نوکر نے کمرے کے دروازے کے سامنے کی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ....!" فریدی نے جگدیش کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں بھی ادھر ہی سے گذر کر اندر تھا لیکن میری نظر اُس پر نہیں پڑی۔ ظاہر ہے کہ تم لوگوں نے بھی اُسے نظر انداز کر دیا تھا۔"

"واقعی! مجھے حیرت ہے۔" جگدیش بولا۔

"کیا وہ کوٹ ہمارے آنے کے بعد ملا تھا....؟" فریدی پھر نوکروں کی طرف مڑا۔

"جی ہاں....!" ایک نوکر نے کہا۔ فریدی نے دوسرے کی طرف دیکھا جو اُس کی نظروں

تاب نہ لا کر کانپ گیا۔ اُس کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔

"کیا تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو....؟" فریدی نے نرم لہجے میں اُس سے کہا۔

"جج.... جی.... مم.... مجھے صبح ہی ملا تھا۔"

"تو تم نے اُسے چھپایا کیوں؟" فریدی کی تیز نظریں پہلے نوکر کے چہرے پر جم گئیں۔

"میں کچھ نہیں جانتا صاحب۔ اُس نے مجھ سے جو کچھ بتایا میں نے آپ سے کہہ دیا مجھے تو پتہ نہیں تھا۔"

"کیوں....؟" فریدی نے دوسرے سے کہا۔ "تم نے پہلے ہی سچی بات کیوں نہیں بتائی؟"

"میں بھول گیا تھا سرکار.... میں نے اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں ڈال دیا تھا۔ آج ہوش تو ٹھکانے نہیں۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر نوکروں سے بولا۔ "اب جاؤ لیکن گھر سے باہر نہیں.... ہو سکتا ہے کہ پھر تمہاری ضرورت پڑے۔"

وہ کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔ فریدی نے چاروں طرف اچٹتی سی نظر ڈالی اور جگدیش سے بولا۔ "اُس کوٹ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

پھر وہ اُس کے جواب کا انتظار کیے بغیر صوفوں کے درمیان رکھی ہوئی چھوٹی میز کے پایوں کی طرف جھک گیا۔

"اس کوٹ نے مجھے بھی چکر میں ڈال رکھا ہے۔" جگدیش نے کہا اور اس کے بعد بھی کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ اُس نے فریدی کو فرش سے کوئی چیز اٹھاتے دیکھ لیا تھا۔ یہ ایک رومال تھا جسے فریدی غور سے دیکھ رہا تھا۔

"آہم....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "لپ اسٹک کے دھبے۔ ایک کونے پر حرف آر "R" کڑھا ہوا ہے۔"

جگدیش تیزی سے فریدی کی طرف بڑھا۔ فریدی نے رومال میز پر ڈال دیا تھا اور اب پھر فرش پر جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔ جگدیش نے رومال اٹھا لیا جس سے ایوننگ ان پیرس کی بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی اور اس پر واقعی کئی جگہ لپ اسٹک کے دھبے تھے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اُس نے جگدیش سے کہا۔ "ذرا نوکروں کو پھر آواز دینا۔"

کوٹ والے واقعے کے بعد سے دوسرا نوکر بھی بہت زیادہ سراسیمہ نظر آنے لگا تھا۔ پہلے کی

حالت تو خیر شروع ہی سے ابتر تھی۔

"کیوں بھئی.... اس کمرے کی صفائی کب سے نہیں ہوئی؟" فریدی نے اُن سے پوچھا۔

"کل شام ہی کو میں نے صاف کیا تھا۔" ایک نے کہا۔

"اچھی طرح یاد ہے۔ سوچ سمجھ کر جواب دینا.... یہ بہت اہم ہے۔"

"جی ہاں.... ہمارے معمول میں کبھی فرق نہیں آتا۔"

"اور کل شام سے رات تک تمہاری موجودگی میں کوئی اشرف سے ملنے نہیں آیا۔"

"جی نہیں.... مجھے اچھی طرح یاد ہے اور صاحب کا بھی کہیں جانے کا ارادہ نہیں تھا کیونکہ انہوں نے ہماری موجودگی ہی میں سونے کے کپڑے پہن لیے تھے۔"

"جگدیش یہ بات اہم ہے۔ اسے نوٹ کرلو۔" فریدی نے کہا اور پھر نوکروں سے مخاطب ہوگیا۔

"خاتون روحی یہاں کبھی آتی ہیں؟"

"جی ہاں اکثر....!"

"اکثر خلاف توقع رات میں بھی آئی ہوں گی؟"

"جی نہیں ایسا اتفاق تو کبھی نہیں ہوا۔"

"ہوں.... کوئی اور.... میرا مطلب ہے جان پہچان کی دوسری عورتیں....؟"

"کبھی نہیں....!" نوکر کا لہجہ ناخوشگوار ہوگیا۔ "صاحب ایسے آدمی نہیں تھے۔"

"ہوں اچھا....!" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "جاؤ۔"

نوکروں کے چلے جانے کے بعد فریدی جگدیش سے بولا۔ "اگر نوکر کا بیان صحیح ہے کہ کل شام کو اُس نے اس کمرے کی صفائی کی تھی تو بھی یہاں کوئی آیا تھا۔ شاید کوئی عورت.... ایک مرد کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے لیکن وہ اشرف نہیں ہوسکتا۔"

"کیسے.... کس طرح؟"

"یہ سگار کی راکھ.... یہ رہی.... ادھر دیکھو.... اشرف سگار نہیں پیتا تھا۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اشرف ان دونوں کی موجودگی میں اس کمرے میں آیا ہی نہیں۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"ایک ذاتی تجربے کی بناء پر.... دیکھو میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے بالکل خالی ہے اور اشرف چین اسموکر تھا۔ ایک سگریٹ سے دوسری سلگانے والا۔ اگر وہ یہاں آکر ان دونوں کے ساتھ

بیٹھا ہوتا تو کم از کم ایک سگریٹ کا ٹکڑا تو ضرور ہی ایش ٹرے میں ہوتا اور یہاں فرش پر بھی کہیں سگریٹ کی راکھ نہیں دکھائی دیتی۔"

"اچھا وہ عورت....؟" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا آپ اس رومال کی وجہ سے عورت کے متعلق سوچ رہے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔ وہ رومال کسی مرد کا بھی ہوسکتا ہے اس بناء پر اُسے کسی عورت کا نہیں سمجھا جاسکتا کہ اس پر لپ اسٹک کے دھبے ہیں۔"

"پھر عورت کا وجود کس طرح ثابت ہوتا ہے؟"

"ذرا ٹھہرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "عورت کے متعلق محض قیاس ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے یہ ہیئر پن مجھے میز کے پائے کے نیچے دبا ہوا ملا ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ اس کا تعلق کل رات ہی کو آنے والوں سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ پہلے کبھی کا ہو۔ نوکر صفائی کرتے وقت اسے نظرانداز کرتے رہے ہوں۔"

جگدیش ہیئر پن کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا۔ سیاہ رنگ کا معمولی سا ہیئر پن تھا۔ پھر اُس نے اُسے بھی رومال کے قریب ہی میز پر ڈال دیا۔

فریدی نے شروع سے آخر تک سارے کمروں کا جائزہ لینے کی مہم شروع کردی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسی دوران میں ڈی۔ ایس۔ پی سٹی ایک مجسٹریٹ کے ساتھ دوبارہ وہاں پہنچ گیا تھا اور اب شاید مکان کو سرکاری طور پر مقفل کردیئے جانے کے سلسلے میں کاروائی شروع ہونے والی تھی۔ فریدی نے ڈی۔ ایس۔ پی سے کوئی گفتگو نہیں کی اور اُس نے جگدیش کو بھی اپنی چھان بین کے متعلق کچھ بتانے سے منع کردیا۔ اپنی تحقیقات مکمل کرلینے کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہوگیا۔ حمید گھر پر اُس کا منتظر تھا۔

"لڑکا ہوسٹلر نہیں ہے۔" حمید نے اپنی تفتیش کے متعلق بتانا شروع کیا۔ "شرما اسٹریٹ کی ایک عمارت شنکر لاج کے چودھویں فلیٹ میں رہتا ہے۔ میں وہاں بھی گیا تھا لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ پڑوسیوں سے میں نے فی الحال پوچھ گچھ نہیں کی۔"

"خیر پھر دیکھیں گے۔" فریدی بولا۔ "مجھے اُس کا کوٹ الجھن میں ڈال رہا ہے۔ اگر صرف شناختی کارڈ کہیں پڑا ہوا ملتا تو کوئی بات نہ تھی۔ تم خود سوچو جس نے اتنے اطمینان سے واردات کی ہو وہ اپنا کوٹ وہاں کس طرح چھوڑ سکتا ہے۔ نہ صرف کوٹ بلکہ شناختی کارڈ بھی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ اشرف کی کچلی ہوئی لاش اُس کی آنکھوں

کے سامنے آجاتی تھی۔

نئی کہانی

شام خوشگوار ضرور تھی لیکن حمید کا دل کچھ بجھا ہوا تھا۔ فریدی نے کئی بار اُسے موڈ میں لانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ناکام رہا۔

ہر وقت قہقہے لگانے والوں پر حالانکہ کسی غم کا اثر دیرپا نہیں ہوتا لیکن پھر بھی وہ تھوڑا سا غم انگیز واقعہ اُن کے لئے جاں گسل ہوتا ہے۔ کہ کچھ دیر کے لئے اُن کی رجائیت کی بنیادیں تک ہل جاتی ہیں۔

وہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ یکایک وہ برآمدے میں نکل آیا جہاں فریدی آرام کرسی پر لیٹا آنکھیں بند کیے سوچ رہا تھا۔ بجھا ہوا سگار اُس کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔

"کیا آپ سو رہے ہیں....؟" حمید نے اُسے مخاطب کیا۔ فریدی چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا اور پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر کبھی مجھے اسی قسم کا کوئی حادثہ پیش آیا تو شاید تم بھی میرے ساتھ جاؤ گے۔"

"میرے بات چھوڑیئے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "آخر آپ اس ردمال کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟"

"نہیں میں اسے نظر انداز میں کر رہا ہوں۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔ "ویسے کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ روحی کا ہو سکتا ہے؟"

"روحی؟" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس کیس میں کہیں نہ کہیں روحی کا قدم ضرور ہے اور میں ریاض اور رشید کو بھی نظر انداز کرنا نہیں چاہتا۔"

"ریاض اور رشید سے میں واقف ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن وہ بقیہ تین کون ہیں؟"

"صابر، مسعود اور فیض لیکن ان تینوں کے اشرف سے بھی تعلقات تھے۔ ریاض اور رشید سے اُس کا کئی بار جھگڑا ہو چکا ہے۔"

"خوب....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور ان دونوں ہی کے ناموں کے پہلے حروف "آر" ہیں۔ روحی کو بھی شامل کرلو۔ اب ترکے کے طور پر اشرف کا سارا اثاثہ روحی کے خاندان

میں جائے گا۔ روحی اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہے۔ لہٰذا جس کے ساتھ روحی کی شادی ہوگی وہی اشرف کی دولت کا بھی مالک ہوگا۔ کیوں؟ یہی سوچ رہے تھے نا....؟"

"کیا میں غلط سوچ رہا تھا....؟" حمید جھلا کر بولا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ایک احمق سے احمق آدمی بھی یہی سوچے گا۔ خیر چھوڑو اسے ہمیں تعزیت کیلئے روحی کے یہاں چلنا ہے۔ وہ تو تمہیں اچھی طرح پہچانتی ہوگی؟"

"اچھی طرح! لیکن میں اُس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"آخر کیوں؟" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"بس یونہی۔ پتہ نہیں کیوں۔ اگر میں کوئی سیدھی سادی وجہ بیان کروں گا تو آپ نفسیاتی نکتہ نظر سے روحی کے ذہن کی جڑیں ٹٹولنے لگیں گے۔"

"میں سمجھا۔ تمہیں اُس کے پانچ عدد عاشقوں پر اعتراض ہے۔"

"مجھے پانچ سو سے بھی غرض نہیں لیکن روحی۔ وہ کیوں بیک وقت چھ آدمیوں میں دلچسپی لے رہی تھی؟"

"اُوں ہوں....!" فریدی نفی میں سر ہلا کر بولا۔ "چھ آدمی نہ کہو بلکہ اُس کی چھ پسندیدہ مختلف قسم کی خصوصیات کہو جو اُن میں سے ہر ایک میں موجود تھیں۔ خیر اس کی بحث فضول ہے۔ کیا تم روحی کے یہاں چلنے کے لئے تیار ہو۔"

حمید راستے میں بھی روحی کے یہاں جانے کے خلاف احتجاج کرتا رہا۔ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ اُسے دراصل کہیں رسمی تعزیت کے سلسلے میں جانے میں ہمیشہ کوفت ہوتی تھی۔ مرنے والے کے متعلق اظہار غم کرتے وقت نجانے کیوں وہ خود کو احمق محسوس کرنے لگتا تھا۔

"خیر اگر تم نہیں چاہتے۔" فریدی آخر کار بولا۔ "تو ہم فی الحال شاہد جمیل کو دیکھیں گے اور اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو وہی اس سلسلے کی سب سے اہم کڑی بھی ہو سکتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔ "تم جس شدت سے ہنستے ہو اُسی شدت سے تم پر غم کا بھی حملہ ہوتا ہے۔ میں اسے کسی فرد کی شخصیت کی ایک بہت بڑی کمزوری سمجھتا ہوں۔"

"میں آپ کی طرح پتھر نہیں ہوں۔"

"نہیں ہو تو بننے کی کوشش کرو اور تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میں ایسے حادثات سے متاثر نہیں ہوتا لیکن میں نے بڑی محنت سے اپنے اعصاب کو فولاد بنایا ہے۔"

"مجھے اس قسم کی محنت مزدوری قطعی پسند نہیں۔" حمید نے جل کر کہا۔ "ویسے میں نے

ساتھیوں کی موت پر مغموم ہونے کا عنصر کتوں کی زندگی میں بھی پایا ہے۔"

"اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ کتے کسی طرح آدمی نہیں بن سکتے۔"

"خیر چھوڑیئے.... میں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا۔"

"بس اتنے ہی میں تمہارے صحت مند نظریات نے دم توڑ دیا۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔ "ساری زندہ دلی ایک ہی جھٹکے میں رخصت ہو گئی۔ حمید صاحب قہقہہ دراصل وہی ہے جو آنسوؤں کے سمندر میں تیرتا ہوا ہونٹوں تک آتا ہے۔"

حمید خاموش رہا۔ اس کے بعد فریدی بھی اسی وقت بولا جب وہ شرما اسٹریٹ کی شنکر لاج کے سامنے پہنچ گئے۔

"غالباً چودھواں فلیٹ اوپری منزل پر ہوگا؟"

"ہاں....!" حمید نے سر ہلا دیا۔ فریدی نے کیڈی فٹ پاتھ سے لگادی اور وہ دونوں اتر کر اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگے۔

"یہی ہے۔" حمید نے ایک جگہ رک کر دروازے سے لگی ہوئی نیم پلیٹ کی طرف اشارہ کیا جس پر "شاہد جمیل" تحریر تھا۔ فریدی نے بند دروازے پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی جو باہر سے مقفل نہیں تھا۔ کھڑکیوں کی درزوں سے اندر کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

حمید نے دروازے پر دستک دی۔ دوسرے لمحے میں اندر قدموں کی چاپ گونجی اور دروازہ کھل گیا۔

"شاہد جمیل صاحب۔" فریدی نے آگے بڑھ کر آہستہ سے پوچھا۔

"جی ہاں.... فرمائیے۔" دروازے میں کھڑے ہوئے نوجوان نے کہا۔

"ہم نے آپ ہی کے لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔ غالباً آپ کا شناختی کارڈ کھو گیا تھا۔"

"اوہ....!" وہ چونک کر بولا۔ "جی ہاں.... جی ہاں۔"

"یہ لیجئے۔" فریدی نے جیب سے کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہمیں واقعی اس کے سلسلے میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔ یونیورسٹی گئے۔ وہاں سے آپ کا پتہ حاصل کیا اور اب یہاں پہنچے ہیں۔"

"اوہ! اندر تشریف لائیے جناب۔ واقعی آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔" وہ انہیں راستہ دینے کے لئے پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ وہ دونوں اندر چلے گئے۔ کمرے کے رکھ رکھاؤ سے فلیٹ کا مالک متوسط طبقے کا فرد معلوم ہوتا تھا۔

"آپ نے ناحق اتنی تکلیف اٹھائی۔" شاہد بیٹھتا ہوا بولا۔ "اسے یونیورسٹی کے آفس میں جمع کرادیا ہوتا۔ مجھے مل جاتا۔ بہر حال میں شکر گذار ہوں۔"

"آپ کا یہ کارڈ کب کھویا تھا....؟" فریدی نے اُس کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

"کئی دن ہوئے۔ غالباً تین چار دن لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ہوں....!" فریدی نے اپنی بغل میں دبا ہوا بنڈل نکال کر زانوؤں پر رکھ لیا پھر اخبار کی وہ تہہ کھولنے لگا جو اُس پر لپٹی ہوئی تھی۔

"اور یہ کوٹ کب کھویا تھا مسٹر شاہد....؟" اُس نے کہا۔

شاہد یکلخت اُچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن وہ دوسرے ہی لمحے میں پھر کرسی میں گر گیا۔

اُس کی سانس پھول رہی تھی اور آنکھیں فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں لیکن جس تیزی سے اُس نے اپنی حالت پر قابو پایا وہ کم از کم حمید کی نظروں میں تو قابل تعریف ہی تھی۔

"میں سمجھا۔" وہ فریدی کو گھورتا ہوا بڑبڑایا۔ "تم مجھے دھمکی دینے آئے ہو لیکن سن لو۔ میں آج تک کسی سے مرعوب نہیں ہوا.... سمجھے۔"

"یہ صفت قابل تعریف ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اور جو کچھ تم سے کرتے بن پڑے کرلو.... میں تم سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔"

حمید سناٹے میں آگیا۔ اُسے اس قسم کی گفتگو سننے کی ہرگز توقع نہیں تھی۔

"تو یہ کوٹ تمہارا ہی ہے۔" فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں! میرا ہی ہے۔" شاید اٹھتا ہوا بولا۔ حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔ لیکن فریدی بدستور کرسی کے ہتھے پر جھکا ہوا اُسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا رہا۔

شاہد نے دیوار سے لگے ہوئے ہینگر پر سے ایک دوسرا کوٹ اُتارا اور اُسے فریدی کی طرف اُچھالتا ہوا بولا۔ "اسے لے جاؤ اور اس سے زیادہ کا مطالبہ تو مجھ سے نہیں کر سکتے۔ میرے ساتھ تم اتنا ہی کر سکتے ہو کہ مجھے بھلانے کے لئے آج کچھ زیادہ پی جاؤ۔"

"مسٹر! تمہارے حواس قابو میں ہیں یا نہیں؟" حمید تیز لہجے میں بولا۔ "یا تم اب وہی پرانی اور گندی تدبیر اختیار کرنے والے ہو۔ پاگل بننے سے کام نہیں چلا کرتا۔ تم جیسے لوگوں کا باقاعدہ طور پر طبی معائنہ کیا جاتا ہے۔"

"طبی معائنہ تم اپنا کراؤ۔" شاہد نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ "تم جو پوری سوسائٹی کے لئے ناسور کی حیثیت رکھتے ہو۔"

"مسٹر شاہد ہم یہاں فلمی قسم کے مکالموں کی مشق کرنے نہیں آئے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "کیا تم کل رات کوراجرس اسٹریٹ کی جاوید بلڈنگ میں تھے؟"

"قطعی تھا پھر....؟" شاہد نے تیزی سے کہا۔ "بس کسی چیز کی چوری کا الزام لگا کر مجھے جیل میں بھجوادو۔ میرے خیال سے اس کے لئے یہ کوٹ ہی کافی ہوگا۔"

شاہد نے اُس کوٹ کی طرف اشارہ کیا جو اُس نے ہینگر سے اُتار کر فریدی کی طرف پھینکا تھا۔

"چوری نہیں پیارے لڑکے۔" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "تم پر قتل کا الزام عائد ہوسکتا ہے۔"

"کیا....؟" شاہد کے منہ سے چیخ سی نکلی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کیطرف دیکھنے لگا۔

"قتل....!" فریدی نے پھر اُسی انداز میں دہرایا۔

شاہد پہلے ہی کی طرح اس بار بھی کرسی میں ڈھیر ہوگیا تھا۔ لیکن حمید نے پھر اُسے سنبھالا لیتے ہوئے دیکھا۔ اُس کی مسکراہٹ شروع میں تو بے جان ضرور تھی لیکن رفتہ رفتہ پھر اُس کے چہرے کی تازگی لوٹ آئی اور آنکھیں چمکنے لگیں۔

"خوب....!" وہ مسکرا کر بولا۔ "اور کچھ کہنا ہے؟"

"اشرف خلیلی سے تم سے واقف تھے....؟" فریدی نے پوچھا۔

"میرے خیال سے یہ سب [illegible]ل ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں ہتھکڑیاں لگاتا ہوں۔"

"ٹھہرو....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر مسکرایا پھر شاہد سے بولا۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟"

"آپ کون ہیں؟" شاہد نے کہا۔ غالباً ہتھکڑیوں کے نام پر پھر وہ اعصابی خلل کا شکار ہوگیا تھا۔

"پولیس....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "تم ابھی اقرار کرچکے ہو کہ یہ کوٹ تمہارا ہے اور تمہیں اس کا بھی اعتراف ہے کہ تم پچھلی رات کو جاوید بلڈنگ میں تھے۔"

شاہد کچھ نہ بولا۔ وہ سہمی ہوئی نظروں سے ہتھکڑیوں کے اس جوڑے کو دیکھ رہا تھا جسے حمید نے اپنی جیب سے نکال کر زانوؤں پر ڈال دیا تھا۔

"تم وہاں کیوں گئے تھے؟" فریدی نے سوال کیا۔

"مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔" شاہد اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "اکثر پرانی ہتھکڑیاں کباڑیوں کے یہاں بھی سستے داموں میں مل جاتی ہیں۔"

"اگر تم سیدھی طرح میرے سوالات کا جواب نہیں دو گے تو دوسرا طریقہ اختیار کروں

گا۔" فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" شاہد نے بے پروائی کے انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"اس میں شک نہیں کہ تم ایک دلیر لڑکے ہو لیکن کبھی کبھی دلیری دراصل حماقت ثابت ہوتی ہے۔"

شاہد کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے سے ذہنی کشمکش صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"ختم کیجئے یہ قصہ....!" حمید ہتھکڑی پر ہاتھ مار کر بولا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "صاحبزادے شاید کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔"

"آپ کون ہیں؟" شاہد نے پھر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اُس کی عجیب حالت تھی۔ کبھی وہ خوفزدہ نظر آتا تھا اور کبھی نڈر اور بے باک۔

فریدی نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"میرے خدا....!" وہ پھر یک بیک اچھل پڑا۔ کارڈ اُس کے ہاتھ سے گر گیا تھا اور خوفزدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"پچھلی رات اشرف کو کسی نے بے دردی سے قتل کردیا۔" فریدی نے کہا۔

"مم....میں....کچھ نہیں جانتا۔"

"تم رات اشرف سے ملے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں....میں اُس سے کبھی نہیں ملا تھا۔ میں اُسے پہچانتا تک نہیں۔"

"لیکن تم وہاں پچھلی رات کو تھے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم وہاں کیوں گئے تھے جب کہ اشرف سے تمہارے جان پہچان بھی نہیں تھی۔"

"رضیہ میری دوست ہے....رضیہ اشرف۔"

"کیا بکتے ہو....؟" دفعتاً حمید چیخا۔

"چیخو مت....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"رضیہ اشرف کو تم کب سے جانتے ہو؟" فریدی نے شاہد سے پوچھا اور حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"دو ڈھائی ماہ قبل ہماری ملاقات ہوئی تھی۔" شاہد نے کہا۔

"اور تم برابر اُس سے ملتے رہتے تھے؟"

"جی ہاں....وہ ایک مخلص مگر ستم رسیدہ دوست ہے۔"

"ستم رسیدہ کیوں؟" فریدی اپنی جیبیں ٹٹولتا ہوا بولا۔

"یہ رضیہ کا راز ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں کسی قیمت پر نہ بتا سکوں گا۔"

فریدی اُس کی بات پر دھیان دیئے بغیر حمید سے بولا۔ "دیکھو.... میں اپنا سگار کیس ہی بھول آیا۔"

پھر وہ شاہد کی طرف مڑا۔ "کیا آپ مجھے ایک سگار دے سکیں گے؟"

"سگار....!" شاہد نے کہا۔ "میں سگریٹ پیش کر سکتا ہوں۔ سگار نہیں پیتا۔"

"اوہو! سگریٹ کی بجائے سگار ہی پیا کیجئے۔ خالص تمباکو ہوتا ہے اور وہ اتنا مضر بھی نہیں جتنا کہ سگریٹ کا کاغذ ہوتا ہے۔"

"میں نے آج تک نہیں پیا۔" شاہد بولا۔ "اُس کے دھوئیں کی بو ہی میرا سر چکرا دیتی ہے۔"

"کل رات آپ کس وقت وہاں گئے تھے؟"

"گیارہ بجے۔"

"اور کس وقت تک ٹھہرے؟"

"پون گھنٹہ.... ٹھیک پونے بارہ پر چلا آیا تھا۔"

"لیکن آپ اپنا کوٹ کیوں چھوڑ آئے تھے؟"

"رات سردی زیادہ تھی اور میرا کوٹ....!" شاہد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں آپ کا کوٹ....؟"

"میں دوسرا کوٹ پہن کر چلا آیا تھا.... یہ جو میں نے آپ کو دیا ہے۔"

"غالباً یہ اشرف کا کوٹ ہے۔" فریدی بولا۔

"ہو سکتا ہے....!" شاہد نے کہا۔

"تو رضیہ سے آپ کے ناجائز تعلقات تھے؟" فریدی نے کہا۔

"بکواس ہے.... میں آپ کو ایک شریف عورت پر تہمت لگانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"پتہ نہیں آپ کس شریف عورت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ لوگ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ.... ابھی تک تو دنیا میں کسی رضیہ اشرف کا وجود نہیں۔" فریدی نے آہ سے کہا۔

"کیا مطلب....؟"

"مطلب یہ کہ اشرف کنوارا تھا اور اُس کے گھر میں کوئی عورت نہیں تھی۔"

"آپ مجھے پاگل نہیں بنا سکتے۔" شاہد پاگلوں کی طرح چیخا۔

غفلت کا نتیجہ

فریدی نے اخبار کا وہ ٹکڑا اٹھایا جس میں شاہد کا کوٹ لپیٹ کر لایا تھا۔

"ہم آپ کو پاگل نہیں بنا رہے ہیں۔" فریدی نے شاہد سے کہا۔ "لیکن اگر آپ نے کسی دوسرے کے سامنے کسی رضیہ اشرف کا تذکرہ کیا تو وہ آپ کو ضرور پاگل سمجھے گا۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"تم کئی بار یہ سوال کر چکے ہو اور میں کئی بار یہ جواب دے چکا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم صحیح واقعہ بھی مجھے بتا دو۔" فریدی کے لہجے میں سختی تھی۔

"میں نے ابھی تک کوئی بات جھوٹ نہیں کہی۔"

"تو پھر یہ اخبار جھوٹا ہوگا۔" فریدی نے اخبار کا صفحہ اُس کی طرف بڑھا دیا جس میں روحی اور شرف کی تصویر تھی۔

"مگر ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ "تم کہتے ہو کہ تم اشرف کو نہیں پہچانتے.... خیر یہ رف اور اُس کی منگیتر کی تصویر ہے اور اشرف غیر شادی شدہ تھا۔"

"تب پھر یہ کوئی دوسرا اشرف ہوگا۔" شاہد نے کہا۔

"اس کے ساتھ والی عورت کو پہچانتے ہو؟"

"نہیں....!"

"تب پھر واقعی وہ کوئی دوسرا اشرف ہوگا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن یہی اشرف جاوید نگ کا مالک تھا اور یہی اشرف قتل کیا گیا ہے اور اسی اشرف کے مکان میں تمہارا کوٹ ملا تھا اور ارے کوٹ کی جیب میں تمہارا شناختی کارڈ تھا۔"

"شناختی کارڈ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" شاہد تھوک نگل کر بولا۔ "وہ کئی دن قبل گم ہو گیا تھا۔"

"رضیہ تم سے روز ملتی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"خیر حمید.....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ہتھکڑیاں لگادو۔"

"یہ ظلم ہے.... سراسر ظلم ہے۔" شاہد بھی کھڑا ہو کر چیخنے لگا۔ "اس میں دھوکا ہے۔ میں اس عمارت میں کل پہلی بار گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسری عمارت ہو۔"

"ہم اس سلسلے میں بھی اپنا اطمینان کرلیں گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں بے گناہ ہوں۔ نہیں نہیں۔" شاہد بُری طرح کانپ رہا تھا۔ حمید نے ہتھکڑیاں لگادیں۔

"یہاں سے مجھے اس طرح نہ لے جایئے۔ میں التجا کرتا ہوں۔ راستے میں کہیں... ہتھکڑیاں لگادیجئے گا۔"

فریدی نے اُس کی طرف دیکھا۔ چند لمحے اُس کے چہرے پر نظریں جمی رہیں۔ پھر وہ حمی سے بولا۔ "ہتھکڑیاں نکال دو۔"

حمید نے ہتھکڑیاں نکال دیں۔ تینوں باہر نکلے۔ شاہد نے فلیٹ مقفل کیا اور پھر وہ سڑک پر آگئے۔

"چلو آؤ.....!" فریدی کیڈی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے اُس عمارت کی طرف لے چلو جہا تم پچھلی رات کو تھے۔"

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ اگر میں نے قتل کیا ہوتا تو اپنا کوٹ کیوں چھوڑ آتا۔ میں آپ سے کچھ بتاتا ہی نہیں۔" شاہد کپکپاتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"رضیہ تمہارے فلیٹ میں آتی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں کبھی نہیں۔" شاہد نے کہا۔

فریدی نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی اُس سے کام کی با کیوں نہیں پوچھ رہا ہے۔ فریدی شاہد کے بتائے ہوئے راستے پر کیڈی ڈرائیو کر رہا تھا۔ آخر نے ٹھیک جاوید بلڈنگ کے سامنے رک جانے کو کہا۔ فریدی نے کیڈی روک دی۔

"یہی عمارت تھی۔" شاہد جاوید بلڈنگ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"اسی دروازے سے اندر گئے تھے؟"

"جی ہاں۔" شاہد نے کہا پھر کانپتا ہوا بولا۔ "کیا قتل..... یہیں.....!"

"ہاں.... لاش یہیں تھی۔"

"لیکن آپ رضیہ سے پوچھ لیجئے۔"

"پیارے لڑکے! یہاں کبھی کوئی رضیہ نہیں تھی۔"

"تب تو.... مم.... میں.... ڈوب گیا۔" شاہد نے گلوگیر آواز میں کہا اور اُس کے ہا

ڈھیلے پڑ گئے۔

"کیا یہ دروازہ باہر سے مقفل تھا....؟"

"جی ہاں....!"

"رضیہ نے ہی اسے کھولا تھا....؟"

"جی ہاں....!"

"اندر رضیہ کے علاوہ بھی کوئی اور تھا....؟"

"جی نہیں.... اُس نے بتایا تھا کہ اُس کے نوکر سرکس دیکھنے گئے تھے اور اشرف کے متعلق بتایا تھا کہ وہ رات کو بہت کم گھر پر رہتا تھا۔"

"تیسرا آدمی کون تھا....؟" فریدی نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں.... میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔"

"کوٹ کے متعلق کیا کہتے ہو....؟"

"رضیہ نے میرا کوٹ اُتروا لیا تھا اور شاید اپنے شوہر کا کوٹ مجھے دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ ممکن ہے باہر واپسی میں کسی سے مڈبھیڑ ہو جائے۔ تمہیں ردی قسم کے کوٹ میں دیکھ کر اُسے شبہ ہوگا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ شناختی کارڈ میرے کوٹ کی جیب میں موجود نہیں تھا۔"

"خیر....!" فریدی کیڈی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ "اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو بُری طرح پھنس گئے۔ رضیہ سے تمہاری ملاقات کہاں اور کس طرح ہوئی تھی؟"

"یونیورسٹی کے ریستوران میں۔"

"یونیورسٹی کے ریستوران میں کیوں؟ کیا وہ بھی طالبہ تھی؟"

"جی نہیں.... اے۔جی آفس میں ٹائپسٹ تھی۔ اُس نے مجھے بھی بتایا تھا اور وہ کئی بار مجھے اُفس کے برآمدے میں بھی مل چکی تھی۔ اے۔جی آفس یونیورسٹی کے قریب ہی ہے اور کبھی ی وہاں کے لوگ یونیورسٹی کے ریستوران میں آجاتے ہیں۔"

"خوب.... تم نے اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ ایک دولت مند آدمی کی بیوی کلرکی کیوں رنے لگی؟"

"افسوس.... کاش میں اُس کے بیان پر یقین نہ کرتا۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ اشرف شرابی ہے اور اُس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ اُسے اپنا پیٹ پالنے کے لئے کلرکی کرنی پڑتی ہے۔ اُس نے اس طرح رو رو کر اپنی کہانی سنائی تھی کہ مجھے یقین آگیا تھا مجھے اُس سے ہمدردی

ہو گئی تھی اور میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جس طرح ہوگا اُسے اشرف کے پنجے سے رہائی دلاؤں گا۔"

"کیا اب ہتھکڑی لگا دی جائے؟" حمید نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"نہیں.... ہم گھر چل رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ شوق سے گھر جائیے۔ میں اسے کوتوالی پہنچا دوں گا میں نے اس طرح کی دلچسپ کہانیاں پہلے بھی بہت سنی ہیں۔ اعتراف جرم کرانا تو پولیس کے رنگروٹوں کا کام ہے۔"

"میں بے گناہ ہوں۔" شاہد گڑگڑایا۔

"سارے مجرم پہلے یہی کہتے ہیں۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ اُس عورت نے مجھے بُری طرح پھانس دیا ہے۔"

"پہلے خود تم اُسے پھانسنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"یہ غلط ہے۔ ہمارے ناجائز تعلقات نہیں تھے۔"

"ٹھیک ہے.... اس لئے ہم تمہیں جنت میں پہنچانے کا انتظام کر رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ذرا اُس عورت کا حلیہ تو بتانا....؟" فریدی بولا۔

"بہت خوبصورت تھی۔" شاہد بولا۔ "بیضاوی چہرہ.... آنکھیں بڑی.... قد متوسط، ناک پتلی اور لمبی اور ہونٹ....!"

"اسی لئے تمہیں اُس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔" حمید بول پڑا۔

"کوئی ایسا نشان جس سے وہ پہچانی جا سکے؟" فریدی نے شاہد سے پوچھا۔

"ایسا نشان.... ٹھہرئیے! مجھے یاد پڑتا ہے کہ اُس کے داہنے کان کی لو کے نچلے حصے میں ایک شگاف سا تھا.... ایسا کہ لو دوہری معلوم ہوتی تھی۔"

"بہت قریب سے دیکھا تھا؟" حمید نے چٹکی لی۔

"حمید خاموش رہو۔" فریدی نے کہا.... پھر شاہد سے بولا۔ "کیا تمہارے پاس اُس کی کوئی تصویر تھی؟"

"نہیں.... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اُس سے ایسے تعلقات نہیں رکھتا تھا کہ تصویروں کا تبادلہ ہوتا۔"

"لیکن وہ تمہیں گھر کیوں لے گئی تھی؟"

"یونہی اُس نے کہا تھا کہ چلو تمہیں آج اپنا گھر بھی دکھا دوں۔"

"تم نے وہاں اپنے دوران قیام میں کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز سنی تھی؟"

"نہیں.... یا ممکن ہے مجھے سنائی نہ دی ہو۔"

"اس رومال کے متعلق مجھے کچھ بتا سکو گے؟" فریدی نے جیب سے وہ رومال نکالتے ہوئے ا جو اُسے جاوید بلڈنگ میں ملا تھا۔ شاہد نے اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"یہ تو مجھے رضیہ ہی کا معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا اس لئے کہ اس پر حرف "آر" کڑھا ہوا ہے؟" فریدی بولا۔

"جی نہیں.... یہ لپ اسٹک کے دھبے.... اُس نے کل رات میری موجودگی میں اپنے نٹ یہ کہہ کر صاف کیے تھے کہ وہ لپ اسٹک کبھی نہ استعمال کرے گی کیونکہ شریف عورتوں کو زیب نہیں دیتا۔"

"خوب....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے شاہد سے پوچھا۔ نہارا سرپرست کون ہے؟"

"یہ نہیں بتاؤں گا خواہ پھانسی ہو جائے۔" شاہد نے دلیرانہ انداز میں کہا۔

"لڑکے تمہاری بچت اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم میرے سوالات کے ٹھیک اب دو۔"

"میں مجبور ہوں.... ہرگز نہیں۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تمہاری حرکات لم تمہارے سرپرست کو ہر حال میں ہو جائے گا۔ جب تم اس قتل کے سلسلے میں گرفتار کیے جاؤ، تو لامحالہ تمہارے متعلق اخبارات میں کچھ نہ کچھ ضرور آئے گا۔"

شاہد فوراً ہی کچھ نہ بولا۔ البتہ اُس کی حالت میں پھر تبدیلی ہونے لگی تھی اور خوف نے اُس ، ذہن پر دوبارہ قبضہ جما لیا تھا۔

"میں کیا کروں؟" وہ بے بسی سے بڑبڑایا۔

"دوسری صورت میں۔" فریدی بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری مدد کر سکوں۔"

"کاش مجھے خودکشی کا موقع مل سکتا۔"

"تمہاری مرضی..!" فریدی بڑبڑایا۔ "مجھے بلاشبہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دینا چاہئے۔"

"میری والدہ میری سرپرست ہیں۔" وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ "جب انہیں اس کا علم گا.... میں کیا کروں۔"

"کیا وہ کہیں اور رہتی ہیں؟"

"جلال آباد میں.... بڑے ہسپتال میں میٹرن ہیں۔ خاتون سعیدہ۔"

"اور تمہارے والد؟"

"مجھے اُن کی صورت بھی یاد نہیں۔ میں بہت چھوٹا تھا تب ہی اُن کا انتقال ہو گیا تھا۔"

فریدی اور حمید دونوں ہی اس بات سے بے خبر تھے کہ دوران گفتگو میں شاہد کے ہاتھ کر کرتے رہے ہیں اور پھر فریدی اس وقت چونکا جب شاہد کی جگہ خالی ہو چکی تھی۔ حمید اپنی چیخ کر طرح نہ روک سکا۔ کیڈی جہاں تھی وہیں ایک دھچکے کے ساتھ رک گئی.... اور فریدی نے اپ سیٹ سے چھلانگ لگائی۔ شاہد کچھ دور پیچھے سڑک پر اوندھا پڑا ہاتھ پیر پھینک رہا تھا۔

"یہ تم نے کیا کیا.... پاگل....!" فریدی بے اختیار اُس پر جھک پڑا۔ شاہد کی پیشانی سے خون کی دھار بہہ کر چہرے پر پھیل رہی تھی اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

فریدی نے اُسے ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

پھر وہ اُسے کیڈی کی پچھلی نشست پر ڈالتا ہوا بولا۔ "چلو.... جلدی... سول ہسپتال بیٹھو... اگر یہ لڑکا مر گیا تو میں ہر اُس شخص کو قتل کر دوں گا جس پر مجھے اشرف کے قتل کرنے کا شبہ ہو گا۔"

"میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ ہتھکڑی ڈال دیجئے۔" حمید کیڈی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

فریدی پچھلی سیٹ پر جھکا شاہد کے زخم کو اپنے رومال سے دبائے ہوئے تھا۔

"اوہ.... خدا کی قسم یہ بالکل معصوم ہے.... اگر ایسا نہ ہو تو میں اپنا پیشہ ترک کرنے کو تیا ہوں۔" اُس نے کہا۔

سول ہسپتال کے ڈاکٹر نے شاہد کے زخموں کا معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ چوٹیں گہری آ ہیں۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ اندرونی چوٹیں بھی ہو سکتی ہیں۔ کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی تھی فریدی نے اُسے پرائیویٹ وارڈ میں داخل کرا دیا اور اُس وقت تک وہ دونوں وہاں ٹھہرے رہے جب تک کہ ڈاکٹر نے اطمینان نہ دلا دیا۔

واپسی میں فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

"لڑکا بلاشبہ معصوم ہے۔"

"محض اس بناء پر کہ اس نے خودکشی کی کوشش کی۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "حالانکہ بیشتر بوکھلائے ہوئے مجرم اکثر اس قسم کی حرکت کر بیٹھتے ہیں۔"

"اوہو! تم وہ سارا سٹ اپ بھول گئے جو اس قتل کے سلسلے میں بروئے کار لایا گیا تھا۔ اول تو اناڑی قسم کے مجرم اتنے اطمینان سے کوئی واردات کر ہی نہیں سکتے اور اگر بفرض محال کریں بھی

تو مقتول کے کوٹ سے اپنا کوٹ بدلنے کی حماقت نہیں کریں گے۔"

"چلئے میں نے مان لیا کہ کسی نے شاہد کو پھانسنے کی کوشش کی ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن یہ ضرور کہوں گا وہ بھی احمق ہی تھا۔ آخر کوٹوں کے تبادلے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا صرف شناختی کارڈ کے ذریعہ شاہد تک رہنمائی نہیں ہو سکتی تھی۔ کوٹوں سے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کو پھانسنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ اگر اس نکتے کو ذہن میں رکھو تو مجرم اناڑی ہی معلوم ہوتا ہے لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

"آپ...." حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر بولا۔ "اگر شاہد کا بیان صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ عورت کون ہو سکتی ہے کیا روحی؟ مگر ہم نے شاہد کو روحی کی تصویر دکھائی تھی۔ وہ روحی نہیں ہو سکتی؟ پھر....؟"

"کوئی عورت....!" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"لیکن اشرف بہت محتاط آدمی تھا۔ میرا خیال ہے کہ کسی دوسری عورت سے اُس کے اس قسم کے تعلقات نہیں تھے کہ وہ اس کو منگنی کے اعلان کی بناء پر قتل کر دیتی۔"

"اور دوسری طرف وہ وزنی تجوری کسی عورت کے بس کا روگ نہیں معلوم ہوتی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"میری ایسی کی تیسی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"کیوں تمہیں کیا ہوا....؟"

"آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے؟" حمید نے اُسی لہجے میں کہا۔ "آپ شاہد کو معصوم بھی سمجھتے ہیں اور دوسری طرف کسی عورت کے وجود میں بھی آپ کو شبہ ہے۔"

"عورت تو تھی ہی۔ لیکن میں یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ وہ تجوری کسی عورت نے نہیں گرائی تھی۔"

"تب پھر یا تو میں پاگل ہو گیا ہوں.... یا....!"

"یا پھر فریدی....!" فریدی نے مسکرا کر بات پوری کر دی۔

"آپ شاہد کو معصوم قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا اُس کی سنائی ہوئی کہانی سچی ٹھہری۔ مکان میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ خود اُس کا بیان ہے۔ اب اگر عورت نہیں گرا سکتی تو پھر آپ کسے مجرم قرار دیں گے؟"

"اور شاید نوکروں کا بیان تمہیں یاد نہیں رہا۔" فریدی بولا۔ "ساتھ ہی تم وہ سب کچھ بھول گئے جو ابھی ابھی شاہد نے بتایا تھا۔ نوکروں کے بیان کے مطابق سامنے کا دروازہ اندر سے تھا اور وہ پچھلے دروازے میں قفل ڈال کر سرکس گئے تھے۔ شاہد کہتا ہے کہ رضیہ نے سامنے دروازے سے قفل کھولا تھا.... کیا سمجھے؟"

"میں یہی سمجھا کہ اب آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ آپ کی قوت فیصلہ جواب دے رہی ہے شاہد مکار ہے۔ اُس نے اپنی کہانی میں جان ڈالنے کے لئے کیڈی سے کود کر اُسے فشنگ ٹچ دیا بس.... کیڈی کی رفتار بہت کم تھی۔ ایک بچہ بھی اگر کودتا تو اُسے معمولی چوٹیں آتیں۔ سمجھے؟ فریدی صاحب۔"

پُر اسرار لڑکی

دوسری صبح تک حمید کا موڈ ٹھیک ہو گیا تھا۔ پچھلی رات وہ فریدی کی مخالفت میں شاہد مجرم ضرور گردانتا رہا تھا لیکن حقیقتاً وہ بھی ایک عجیب قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اُسے خود بھ یقین تھا کہ شاہد کا تعلق واردات سے نہیں ہو سکتا۔

وہ اب سوچ رہا تھا کہ پچھلی رات کو انہیں روحی کے یہاں ضرور جانا چاہئے تھا۔ وہ روحی سے قریب قریب متنفر تھا۔ حالانکہ اُن دونوں کی ملاقاتیں شاذو نادر ہی ہوتی تھیں لیکن حمید نے قربت کے تھوڑے ہی وقت میں اُسکے متعلق کچھ رائیں قائم کر لی تھیں جنہیں وہ اٹل سمجھتا تھا۔

اُس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کی ورق گردانی کے بعد اُس کا فون نمبر معلوم کیا۔ پھر نمبر ڈائیل کئے اور ریسیور کو کان سے لگائے جواب کا منتظر رہا۔

"ہیلو.... اوہ.... میں روحی صاحبہ کو چاہتا ہوں۔"

"کیا بکواس ہے.... تم کون ہو؟" دوسری طرف سے ایک بھاری مگر نسوانی آواز آئی۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا میرا مطلب یہ نہیں۔ میں روحی صاحبہ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

چند لمحے انتظار کرنے کے بعد اُس نے دوسری طرف سے ایک باریک اور مترنم آواز سنی۔ یہ شاید روحی تھی۔

"ہیلو! میں سارجنٹ حمید بول رہا ہوں۔"

"اوہ.... اچھا.... لیکن اگر آپ کو غم انگیز باتیں کرنی ہوں تو.... والدہ صاحبہ سے رجوع کیجئے۔"

حمید نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے لیکن پھر دوسرے ہی لمحے میں غیر متوقع طور پر اپنی از میں شوخی پیدا کر کے بولا۔ "آپ بھی کیا بات کرتی ہیں۔ میں تو یہ کہنے جا رہا تھا کہ کیا آج میرے ساتھ رات کا کھانا آرلکچو میں کھا سکیں گی؟"

"بہت خوشی سے۔" آواز آئی۔ "میں آپ کو بے حد پسند کرتی ہوں اور اب تو میری نظروں آپ کی وقعت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔"

"کیوں؟" حمید کے کان کھڑے ہو گئے۔

"اس لئے کہ آپ اشرف کی تعزیت کے سلسلے میں ہمارے یہاں نہیں آئے۔ اس قدر بور ہے لوگوں نے کہ خدا کی پناہ۔ میں کہتی ہوں کہ کیا وہ رسمی طور پر اظہارِ افسوس کرنے سے ں آجائے گا۔"

حمید دانت پیس کر ماؤتھ پیس میں گھورنے لگا۔ پھر بولا۔

"اوہ معاف کیجئے گا.... میں آپ کو مبارک باد دینا بھول ہی گیا تھا.... آپ کی منگنی پر....
....!"

"آپ عظیم ترین آدمی ہیں۔" روحی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید ریسیور پٹخ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے برآمدے سے آواز دی۔ وہ ناشتے کی میز پر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"سنا تم نے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بے چارے جگدیش کی شامت آ گئی۔"

"کیوں....؟ کیا ہوا؟"

"ڈی۔ ایس۔ پی کو شاہد کے متعلق علم ہو گیا ہے۔ ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم نے اشرف کے وں کو کوٹ والی بات کے تذکرے سے نہیں روکا۔ شاہد حراست میں ہے۔ ہسپتال سے اُسے لات میں منتقل کر دیا جائے گا۔"

"تو پھر اب جگدیش کیا کیا ہو گا؟"

"ابھی تک تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ لیکن مجھے اطلاع ملی ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی خود ہی اس کیس تحقیقات کرے گا۔"

"بہر حال اُس غریب کے خلاف اگر کوئی کاروائی ہوئی تو اس کی تمام تر ذمہ داری آپ پر گی۔" حمید نے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

حمید نے اُسے اپنی اور روحی کی گفتگو کے متعلق بتایا۔

"لڑکی دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں اُسے قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے توقع ہے کہ آج شام آرلکچو میں ضرور آئے گی۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے وہ دن دوڑ دھوپ میں گذار دیا لیکن ڈی۔ ایس۔ پی نے سارے راستے پہلے مسدود کر دیئے تھے۔ وہ روحی کے دوسرے پانچ امیدواروں سے بھی ملا۔ لیکن انہوں نے اُس سوالات کے جواب دینے سے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ ڈی۔ ایس۔ پی کی طرف سے انہیں ہدایت ملی تھی کہ اس مسئلے پر وہ اُس کے علاوہ اور کسی سے گفتگو نہ کریں۔

حمید کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس نے دل کھول کر قہقہے لگائے۔

"اس بار تو وہ بڑی چوٹیں دے رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن اُسے زندگی بھر افسوس رہے گا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔

"کیا کریں گے آپ؟" حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"بس دیکھنا۔"

شام کو فریدی بھی حمید کے ساتھ تھا لیکن الگ تھلگ۔ رقص کے مخصوص پروگرام کی سے آرلکچو میں کافی بھیڑ تھی۔ حمید میز پر تنہا روحی کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی دوسری میز پر ٹھیک سات بجے روحی وہاں پہنچی۔ وہ تنہا تھی۔ حمید اُسے کاؤنٹر کے قریب کھڑا دیکھ کر آ بڑھا۔ پھر دوسرے لمحے میں فریدی بڑی توجہ سے روحی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ روحی ایک خو شکل لڑکی تھی۔ آنکھیں نیم غنودہ سی تھیں۔ جیسے ابھی ابھی سو کر اٹھی ہو۔ چلتے وقت پُر غ انداز میں اپنا سر تھوڑا پیچھے کی طرف جھکائے رکھتی تھی اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے لئے صر آنکھوں کے کناروں سے کام لیتی تھی۔ سر میں خفیف سی بھی جنبش نہیں ہونے پاتی تھی۔ دو گفتگو میں مخصوص انداز میں ابروؤں کو جنبش دینا شاید اُس کی عادت ہی تھی۔

"آج سردی کچھ بڑھ گئی ہے۔" وہ بیٹھتی ہوئی بولی۔

"یقیناً.... کیا میں آپ کے لئے شیری منگواؤں....؟"

"جی نہیں شکریہ.... میں شراب نہیں پیتی اور نہ میں دعوت کے خیال سے آئی ہوں۔ بس ذرا سی تبدیلی چاہتی ہوں۔"

"واقعی آپ بہت بور ہوئی ہوں گی۔"

"مر جانے کی حد تک۔" وہ خلاء میں گھورتی ہوئی بولی۔ "مجھے غم انگیز باتوں سے نفرت۔

ہر وقت قہقہے چاہتی ہوں۔ اشرف واپس نہیں آسکتا اور نہ ہم میں کوئی اُس کیلئے مر سکتا ہے۔"

"مگر پرسوں ہی آپ کی منگنی ہوئی تھی۔"

"پھر ہو جائے گی۔" وہ بیزاری سے بولی۔ "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ٹوٹی ہوئی شاخ کی ہمیشہ دوسری کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ گوشت اور ہڈیوں کا کوئی دوسرا جاندار ڈھیر.... زندگی کا سرا مظہر۔"

"آپ فلسفی ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ہر ایک کو ہونا چاہیئے۔" روحی بولی۔

"آپ سچ مچ روحی ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ویسے آپ کو کسی نہ کسی پر شبہہ تو ضرور ہوگا۔"

"کیا آپ نے یہی معلوم کرنے کے لئے مدعو کیا ہے؟"

"قدرتی بات ہے۔"

"تب مجھے افسوس ہے کہ میں اس مسئلے پر گفتگو نہ کر سکوں گی۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی طرف یہی کہا گیا ہے۔"

"خیر میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"شکریہ....!" روحی مسکرا کر بولی۔ "میں جانتی ہوں کہ آپ سراغ رساں ہیں اور اشرف کے دوست بھی۔"

"آپ کا اتنا ہی جاننا میری تسکین کا باعث ہے میرا خیال ہے کہ اشرف آپ کو بہت زیادہ د نہیں تھا۔"

"مجھے کوئی بھی بہت زیادہ پسند نہیں۔ اشرف تو خاص طور پر.... چھینکنے سے پہلے اور چھینکنے کے بعد بہت بُرا منہ بناتا تھا۔"

"اوہ....!" حمید دل ہی دل میں اُسے گالیاں دیتا ہوا بولا۔ "میں آپ سے متفق ہوں۔ ویسے را خیال ہے کہ آپ کے دوستوں میں صرف ریاض ہی ایک ایسا ہے جو چھینکتا ہی نہیں۔"

"لیکن آپ نے خصوصیت سے ریاض ہی کا ذکر کیوں چھیڑا....؟"

"وہ ایک ماہر نشانہ باز ہے۔" حمید بولا۔

"لیکن اشرف شاید گولی کا شکار نہیں ہوا۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" حمید جلدی سے بولا۔

"اور یہ مطلب بھی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"گویا آپ کو بھی اس پر شبہ ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"دیکھئے ہم پھر بہک گئے۔" روحی ہنس کر بولی۔ "مجھے کسی پر بھی شبہ نہیں اور اگر ہو بھی تو میں اس کا اظہار نہیں کروں گی۔ یہاں ہر آدمی اپنی راہ کا کانٹا ہٹا دیتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔ کبھی اس فعل کی حیثیت انفرادی ہوتی ہے اور کبھی اجتماعی.... اجتماعی حیثیت کو ہم قانون کہتے ہیں.... کیا آپ کے ہاتھ خون سے رنگین نہیں، میرا خیال ہے کہ خود آپ نے اب تک دو تین درجن خون ضرور کئے ہوں گے۔"

"شاید اس سے زیادہ۔" حمید نے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"پھر....!" وہ حمید کو سوالیہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "میں کیوں اپنے شبہے کا اظہار کروں۔ جس طرح آپ آزادی کا سانس لے رہے ہیں اسی طرح اُسے بھی لینے دیجئے۔ ممکن ہے اُسے بھی اشرف سے کوئی ایسی ہی شکایت رہی ہو۔ بہتیرے جرائم ایسے بھی ہیں جن کے معاملے میں قانون بے بس نظر آتا ہے۔"

"تو کیا ریاض کو اُس سے کوئی ایسی ہی تکلیف پہنچی تھی؟"

"آپ نے پھر ریاض کا نام لیا۔ میرا اشارہ خاص طور سے کسی کی طرف نہیں لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ اشرف بھی کسی نہ کسی ایسے جرم کا مرتکب ضرور ہوا ہوگا جس کی سزا قانون کے پاس نہ ہو۔"

"بہرحال آپ کو اشرف سے محبت نہیں تھی؟"

"یہ ایک الگ سوال ہے اور پھر یہ ضروری نہیں کہ منگنی کی محرک محبت رہی ہو۔ اشرف کافی مالدار بھی تو تھا۔"

حمید کا دل چاہا اُس کا گلا گھونٹ دے۔ اُس نے کنکھیوں سے فریدی کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

حمید نے ویٹر کو بلا کر مینو منگوایا۔ کھانے کے دوران میں بہت کم باتیں ہوئیں۔ کم اس لئے ہوئیں کہ روحی کام کی باتوں کے جواب غیر واضح دے رہی تھی۔ کھانے کے بعد کافی آئی۔ حمید نے پھر اشرف کا تذکرہ چھیڑا۔ وہ دراصل روحی کو غصہ دلانا چاہتا تھا۔

"تو یہ منگنی محض دولت کے لئے ہوئی تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"دولت تو اب بھی بہرحال ہمارے ہی گھر آئے گی۔" روحی نے کہا۔

"اور آپ کی دوسری منگنی....؟"

"آپ مجھے چڑھا رہے ہیں۔" روحی کافی کی پیالی رکھ کر حمید کو گھورنے لگی۔

"قطعی نہیں.... میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپکے دل میں میرے لئے کتنی جگہ ہے۔"

"آپ کے لئے....!" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا اشرف نے کبھی آپ سے رضیہ نامی کسی عورت کا تذکرہ کیا تھا....؟"

"رضیہ.... نہیں تو.... کیوں؟"

"ہمارا خیال ہے کہ اشرف کے قتل میں کسی عورت کا ہاتھ ہے۔"

"ہوگا۔" روحی نے بے پروائی سے کہا۔ تھوڑی دیر خاموش رہی پھر روحی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی عورت ہی ہو لیکن وہ اشرف کی سوتیلی ماں ہوگی۔"

"اشرف کی سوتیلی ماں....؟" حمید چونک کر بولا۔ "لیکن اشرف نے کبھی کسی سوتیلی ماں کا ذکرہ نہیں کیا۔"

"نہ کیا ہوگا.... وہ ایک مظلوم عورت تھی۔ اُس پر سچ مچ ظلم ہوا تھا۔"

"حیرت ہے.... اشرف نے کبھی کچھ نہیں بتایا۔"

"تو پھر میں جھوٹ کہہ رہی ہوں گی۔" روحی ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"یہ مطلب نہیں۔ ظاہر ہے کہ اشرف سے ہمارے بڑے قریبی تعلقات تھے لیکن اُس نے بھی کسی سوتیلی ماں کا تذکرہ نہیں کیا۔ کیا آپ مجھے اس سلسلے میں کچھ اور بھی بتائیں گی؟"

"مجھے اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں معلوم۔ میں نہیں جانتی کہ وہ زندہ بھی ہوگی، یا مر گئی ہوگی۔ والدہ صاحبہ اس کے متعلق کچھ جانتی ہیں اور شاید انہوں نے آج ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو کچھ بتایا بھی ہے۔"

"ہوں....!" حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ساتھ ہی اُس نے کنکھیوں سے فریدی کی طرف دیکھا جو روحی کو بغور دیکھ رہا تھا اور اُس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ اُس نے حمید کو اشارہ کیا کہ اب روحی کو رخصت کر دینا چاہیئے۔

وہ کافی بھی ختم کر چکے تھے اور روحی کچھ اکتائی اکتائی سی نظر آ رہی تھی۔

"کیا میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں؟" حمید نے کہا۔

"جی نہیں شکریہ.... میں کار لائی ہوں۔ ہم پھر بھی ملتے رہیں گے.... کیوں؟"

"اوہ.... ضرور ضرور۔ میں فلسفیانہ انداز میں سوچنے والی لڑکیوں کی پرستش کرتا ہوں۔"

"حالانکہ آپ مجھ سے شدید نفرت کرتے ہیں۔" روحی سنجیدگی سے بولی اور حمید سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ بُری طرح ہکلا رہا تھا۔

روحی کھڑی ہوگئی۔ دفعتاً حمید نے اُس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار محسوس کئے۔ اُس کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا۔ حمید نے مڑ کر کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ وہاں روحی کا پرستار ریاض موجود تھا۔ حمید پھر روحی کی طرف مڑا لیکن وہ اُس کے قریب نہیں تھی۔ لاؤنج کے دروازے پر اُس کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی اور دوسرے لمحے میں وہ لاؤنج کے اندر تھی۔

وہ بھی ویٹر کو اشارہ کرتا ہوا لاؤنج میں چلا گیا۔ فریدی اس نئے وقوعے سے ناواقف نہیں تھا۔ وہ ریاض کی طرف متوجہ ہوگیا۔

روحی حمید کو اپنے پیچھے آتے دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔

"میں نہیں چاہتی کہ ریاض مجھے یہاں دیکھے۔"

"کیوں....؟"

"بور کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اشرف کا سوگ مناؤں۔ ویسے بھی وہ میرا خالہ زاد بھائی تھا۔"

"تو کیا آپ ریاض سے خائف ہیں؟"

"نہیں.... لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ وہ مجھے اور زیادہ بور کرے۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اُسے اٹھا کر باہر پھینک دوں؟"

"آپ....!" روحی ہنسنے لگی۔ "آپ اُس سے زیادہ طاقتور نہیں معلوم ہوتے۔"

لاؤنج میں اُن دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دفعتاً کسی نے پشت سے روحی کو آواز دی۔ وہ دونوں چونک کر مڑے دروازے میں ریاض کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

"اوہ.... ریاض.... یہ سارجنٹ حمید ہیں۔" روحی اُس کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"میں جانتا ہوں۔" ریاض خشک لہجے میں بولا۔ "لیکن تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"کیوں؟ تم سے مطلب....؟" روحی تیز لہجے میں بولی۔

"تمہیں آج یہاں نہ ہونا چاہئے۔"

"بکواس ہے تم اپنا کام دیکھو۔"

"دنیا کا خون سفید ہوگیا ہے۔" ریاض ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ اُس کے چہرے پر غم کے بادل چھاگئے۔

"تم لوگ مجھے مار ڈالو گے۔ کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔" روحی نے جھنجلا کر کہا۔ "دنیا کا خون سفید ہو یا سیاہ.... میرا خون کافی گاڑھا ہے.... تم مطمئن رہو۔"

"میں تمہارے اس رویہ کی شکایت پھوپھی صاحبہ سے کروں گا۔"

"آہا.... تو کیا آپ کی پھوپھی صاحبہ مجھے کھا جائیں گی۔"

"تم اپنے بزرگوں کی توہین کرتی ہو۔"

"ریاض مجھے بور نہ کرو.... تم جا سکتے ہو۔"

"بہتر ہے.... کاش تم آدمی بن سکتیں۔" ریاض نے کہا اور واپس جانے کے لئے مڑا۔

"اوہو ٹھہرو۔" روحی آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ "کیا گھر جا رہے ہو۔ میں بھی چلتی ہوں۔ میں نے ع کیا تھا تم سے کہ آج رات باہر نہ جانا۔ کتنی سردی ہے۔ تمہیں پہلے ہی نزلے کی شکایت تھی۔"

حمید حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہ گیا۔ اُسے توقع تھی کہ روحی ریاض کو چلا جانے دے گی۔ ن وہ خود اس طرح اُسکے ساتھ جا رہی تھی جیسے ابھی اُنکے درمیان بڑی خوشگوار گفتگو ہوتی رہی ہو۔

فریدی لاؤنج کے دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

وہ کون تھی

حمید اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"دیکھا آپ نے....؟"

"ہاں آؤ....!" فریدی باہر نکلتا ہوا بولا۔ حمید نے کھانے کے دام چکائے اور پھر وہ دونوں ہر آگئے۔

"آپ نے ہماری گفتگو بھی سنی تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"ایک ایک لفظ۔" فریدی کیڈی میں بیٹھتا ہوا بولا۔

"اب آپ کو یقین آیا....؟"

"کس بات پر....؟" فریدی نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔

"اس بات پر کہ شہتوت کے درخت میں مرغی کے انڈے لٹکتے ہیں۔" حمید جھنجلا کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔ کیڈی پھر سڑک پر نکل آئی تھی۔

"لڑکی اپنے ماحول سے اکتائی ہوئی معلوم ہوتی ہے.... اور بس۔"

"بہتر ہوگا کہ آپ ایک پرائیویٹ پاگل خانہ کھول لیں۔"

"اسی فکر میں ہوں۔ سب سے پہلے تمہارا نام رجسٹر کروں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ڈفر! یہ تو سوچو اگر واقعی اُس کا ہاتھ اس واردات میں ہوتا تو وہ اتنی بے باکی سے اپنے

خیالات کا اظہار نہ کرتی۔"

"مجھے اُس سے نفرت ہے۔"

"محض اس لئے کہ اُس کے اندر تم سے بھی زیادہ آدم خوری کے جراثیم موجود ہیں۔ تم ساتھ ہی ساتھ حساس ہو اور اُس نے اپنی حس مردہ کرڈالنے کی کوشش کی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کے سامنے کیڈی روک دی اور اُتر کر بوتھ کے اندر چلا گیا۔

حمید سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے پائپ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے آج تھکن سی محسوس ہونے لگی تھی حالانکہ آج وہ آفس بھی نہیں گیا تھا۔ وہ اب بھی روحی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں یہ بات اُس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ اس قتل میں روحی کا ہاتھ ضرور ہے۔ وہ قاتل کو اچھی طرح جانتی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ ریاض ہی ہو۔ اُس نے کسی عورت کے ذریعہ شاہد کو پھانس کر سازش میں لپیٹ لیا ہو۔ کیا وہ عورت روحی ہوسکتی ہے؟ لیکن نہیں! روحی کافی ذہین اور چالاک ہے۔ وہ کسی اپنے معاملے میں اس طرح نہیں الجھ سکتی جس میں اُس کے پہچان لیے جانے کا امکان ہو.... پھر....؟ بہر حال آگے بڑھنے کے لئے اُس کا پتہ لگانا ضروری تھا۔ روحی نے اشرف کی کسی سوتیلی ماں کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ مگر اشرف کی سوتیلی ماں بہر حال اتنی کمسن نہیں ہوسکتی کہ اُس کا جادو شاہد پر چل سکے۔

دوسری طرف واردات کی نوعیت بھی اُس کے ذہن میں تھی۔ فریدی کے خیال کے مطابق کوئی تیسرا شخص بھی اشرف کے مکان میں موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ اُسی تیسرے آدمی نے دروازے کا تالا کھول کر دوسرا تالا اگلے دروازے میں لگایا ہوگا اور شاید وہ اُس وقت بھی مکان ہی میں موجود رہا ہو۔ جب شاہد اور وہ عورت باہر کے کمرے میں تھے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ نامعلوم آدمی اچھی طرح جانتا تھا کہ اشرف کے نوکر دو بجے سے پہلے واپس نہیں آسکتے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کہتی ہے کہ اشرف کی موت گیارہ اور ایک کے درمیان میں واقع ہوئی تھی۔ گیارہ بجے شاہد اُس عورت کے ساتھ وہاں پہنچا تھا اور پونے بارہ تک وہاں ٹھہرا تھا۔ لیکن اس دوران میں اُس نے دھماکے کی آواز نہیں سنی تھی۔ تو پھر اشرف اُس وقت تک زندہ تھا لیکن اس بات سے بے خبر کہ اُس کے مکان میں اُس کے لئے کیا ہو رہا ہے۔ شاہد وہاں سے تنہا واپس ہوا تھا اور وہ عورت وہیں رہ گئی تھی لیکن کوئی عورت بھی اس وزنی تجوری کو نہیں دھکیل سکتی تھی۔ لہٰذا تیسرے آدمی کا وجود ثابت ہو جاتا ہے اور پھر باہر کے کمرے میں سگار کی راکھ بھی تو ملی تھی جس

کے متعلق فریدی نے اُسی وقت رائے قائم کرلی تھی۔ رہ گیا شاہد تو وہ سگار پیتا ہی نہیں۔ عورتیں بھی سگار نہیں پسند کرتیں۔

فریدی ٹیلی فون بوتھ سے واپس آگیا تھا اور کیڈی پھر چل پڑی تھی۔ حمید کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

"میں نے جگدیش کو فون کیا تھا۔ وہ مجھے کوئی نئی اور دلچسپ اطلاع دینا چاہتا ہے۔"

"تو اب ہم کہاں جارہے ہیں؟"

"ہوٹل ڈی فرانس.... جگدیش وہیں آئے گا۔ کوتوالی میں نہیں ملنا چاہتا۔ اس بار اُس کا صاحب سرپٹ دوڑ رہا ہے اور اُس نے تہیہ کرلیا ہے کہ اس کیس کو محکمہ سراغ رسانی تک ہرگز نہ پہنچنے دے گا۔"

"مجھے تو یہ کیس سلجھتا نظر نہیں آتا۔" حمید بڑبڑایا۔

"بظاہر حالات ایسے ہی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "شاہد والی عورت بہت ضروری ہے۔"

"اور اگر وہ سرے سے غپ ہی نکلی تو....؟"

"ممکن ہے لیکن فی الحال ہمیں یہی سوچنا چاہئے ہم اپنی معلومات کے دائرے سے باہر تو عمل کر نہیں سکتے۔"

"اگر کسی عورت کا وجود ہے بھی تو وہ خود ہی اشرف کی زندگی کی خواہاں رہی ہوگی۔" حمید نے کہا۔ "ہوسکتا ہے اشرف سے اُس کے تعلقات رہے ہوں اور وہ اُس کی منگنی کی خبر پاکر بھڑک اٹھی ہو۔"

"خیر اسی لائن پر سوچو۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ رضیہ نے شاہد پر دو ڈھائی ماہ قبل ہی سے ڈورے ڈالنے شروع کردیئے تھے اور قتل اُس رات کو ہوا جس رات منگنی کا اعلان کیا گیا تھا۔ دوسری طرف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمیں اشرف کی زندگی میں کسی ایسی عورت کے وجود کا علم نہیں ہوسکا جس سے اُس کے جنسی تعلقات ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اشرف بڑا محتاط آدمی تھا۔ اگر وہ واقعی ایسا ہی محتاط تھا تو اُس عورت کے لئے دو ماہ قبل ہی منگنی کے امکان کا اندیشہ کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ اشرف نے محتاط ہونے کی بناء پر ہرگز اُس پر یہ بات ظاہر نہ ہونے دی ہوگی۔ یہ بات یہاں ختم ہوگئی۔ اب اس کے لئے صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے وہ یہ کہ عورت نہ صرف اُسی کے طبقے کی رہی ہو بلکہ اُس سے قریبی تعلقات رکھنے والوں سے بھی متعارف رہی ہو جن کے ذریعہ اُسے منگنی کا علم دو ماہ قبل ہی ہوگیا لیکن حمید

صاحب اس نظریئے میں ایک بہت بڑی کمزوری ہے اگر وہ جانی پہچانی ہوئی عورت ہوتی تو وہ کسی دوسرے کے کاندھے پر رکھ کر بندوق نہ چلاتی۔ کیونکہ اس میں پہچان لیے جانے کا خطرہ ہے۔ ظاہر ہے کہ شاہد اُسے شناخت کرنے کے لئے زندہ ہے!"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ وہ عورت بھی اس بساط پر صرف ایک معمولی سا مہرہ تھی۔ شاطر تو کوئی اور ہی ہے میرا خیال ہے کہ وہ عورت روزانہ نظر آنے والی کوئی سوسائٹی گرل بھی نہ ہوگی۔"

"اشرف کی سوتیلی ماں۔" حمید بڑبڑایا۔

"یہ ایک نئی اطلاع ہے سوال یہ ہے کہ اگر اشرف کی کوئی سوتیلی ماں بھی تھی تو اُس نے کبھی اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ پھر بھی یہ اطلاع تمہیں روحی سے ملی ہے جسے تم قریب قریب پاگل سمجھتے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ پھر اپنے خیالات میں اُلجھ گیا تھا۔

ہوٹل ڈی فرانس میں پہنچ کر انہیں زیادہ دیر تک جگدیش کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ جگدیش کچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ آکر اُن کے قریب بیٹھ گیا۔

حمید اور فریدی سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھ رہے تھے لیکن اُس نے خود ہی سلسلہ گفتگو نہیں شروع کیا۔

"کیا خبر ہے؟" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"پہلی خبر تو یہ کہ کوتوال صاحب مجھ سے بہت زیادہ ناراض ہوگئے ہیں۔"

"خیر یہ خبر میرے لئے کافی پرانی ہو چکی ہے اور وہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔ تم مطمئن رہو۔ اچھا دوسری خبر....؟"

"بیگم ارشاد نے معاملے کو الجھا دیا ہے۔"

"کیوں....؟" فریدی چونک کر بولا۔ حمید بھی جگدیش کو گھور رہا تھا کیونکہ اُس نے روحی کی ماں کا حوالہ دیا تھا۔

"انہوں نے۔" جگدیش سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "ایک نئی کہانی سنائی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اشرف کے والد کی ایک داشتہ تھی اور اُن کی موت کے بعد اُس نے جائیداد میں حصہ لینا چاہا تھا لیکن اُس کی کوششیں ناکام رہی تھیں۔ اُس کے ایک بچہ بھی تھا۔"

"ہوگا....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اس میں کون سا الجھاوا پیدا ہوتا ہے۔"

"سنئے تو.... وہ عورت دراصل شاہد کی ماں ہے سعیدہ.... جلال آباد کے سرکاری ہسپتال میں میٹرن ہے۔"

"کیا....؟" حمید اچھل پڑا۔

"جی ہاں.... آج کوتوال صاحب جلال آباد گئے تھے لیکن وہ عورت کہتی ہے کہ وہ اشرف کے والد سے واقف ہی نہیں۔"

"آہم....!" فریدی بڑبڑایا۔ "حالات تیزی سے روشنی میں آرہے ہیں لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ وہ شاہد کی ماں ہی ہے۔"

"شاہد نے اُس کا پتہ بتایا تھا دوسری طرف بیگم ارشاد نے بھی وہی نام اور پتہ بتایا۔"

"بہت خوب اور سعیدہ اس سے انکار کرتی ہے۔ اُس نے شاہد کو تو اپنا بیٹا تسلیم کر لیا ہے نا۔"

"جی ہاں اسے وہ تسلیم کرتی ہے۔"

"ہوں.... اچھا.... تو اب تمہارے صاحب کیا فرماتے ہیں؟"

"فرمائیں گے کیا.... جھک مار رہے ہیں۔ شاہد جوں کا توں اپنے پچھلے بیان پر قائم ہے۔"

"میں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔" حمید بڑبڑا کر رہ گیا۔

"تم بھی یہی کہہ رہے تھے کہ شاہد کا بیان غلط تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"قطعی! بے سر وپا.... بے بنیاد۔"

"خیر تمہیں ان خیالات پر افسوس کرنے کا موقع دیا جائے گا۔" فریدی خشک لہجے میں بولا اور کرسی سے اٹھ گیا۔

"کہاں چلے؟" حمید نے پوچھا۔

"تم میرا انتظار نہ کرنا۔"

وہ اُن دونوں کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ کیڈی اسٹارٹ کی اور پھر کچھ دور پر اُسے ایک پٹرول پمپ کے سامنے روک دیا۔ ٹنکی بھرائی اور پھر چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد کیڈی پرنسٹن روڈ پر جا رہی تھی۔ جلال آباد کا فاصلہ ساٹھ میل تھا۔ پولو گراؤنڈ والی سنسان سڑک پر پہنچتے ہی کیڈی کی رفتار بہت تیز ہوگئی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ جلال آباد کے سرکاری ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ فریدی نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ سعیدہ ڈیوٹی ہی پر تھی۔ اس لئے اُس تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ یہ ادھیڑ عمر کی ایک باوقار اور متین عورت تھی۔ فریدی کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اُس کے چہرے پر تشویش یا پریشانی کے آثار

قطعی نہیں تھے۔ حالانکہ اُسے اپنے لڑکے کے لئے پریشان ہونا چاہئے تھا۔ فریدی نے جب اُ اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا تو وہ کچھ اکتائی ہوئی سی نظر آنے لگی۔ پھر بولی۔

”دیکھئے! آپ کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے اور مجھے آپ کے یہاں کے ڈی۔ ایس۔ پ سے ہدایت ملی ہے کہ میں محکمہ سراغ رسانی کے کسی فرد سے کوئی بات نہ کروں۔“

”اور یہ محض اس لئے کہ میں شاہد کو بے گناہ سمجھتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ بیچارا ایک بہت بڑی سازش کا شکار ہو گیا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں اُسے بچانے کی کوشش کروں۔ شا آپ میرے نام سے واقف نہ ہوں گی۔“

وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ”تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“

”کیا بیگم ارشاد نے جو اطلاع دی ہے صحیح ہے؟“

”کون بیگم ارشاد؟ میں انہیں نہیں جانتی۔“

”دیکھئے! یہ شاہد کے حق میں درست نہیں۔“

”شاہد....!“ اُس نے ہونٹ بھینچ لئے۔ پھر بولی۔ ”میں ایسے ناخلف کو پھانسی ہی پر دیک پسند کروں گی جس نے میری تربیت پر بٹہ لگایا۔“

”میں آپ کے اس جذبہ کی قدر کرتا ہوں۔ مگر وہ بے چارا بے گناہ ہے۔ اگر آپ نے میر مدد نہ بھی کی تو میں اُسکی بے گناہی ثابت کروں گا۔ ہاں اس طرح ذرا دشواریاں بڑھ جائیں گی۔“

”میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟“

”یہی کہ مجھ سے کچھ چھپایئے نہیں۔“

”مم.... میں کچھ نہیں چھپا رہی ہوں۔“

”دیکھئے! آپ ایک بڑی حقیقت چھپا رہی ہیں۔ اشرف کے والد سے آپ کی باقاعدہ شاد ہوئی تھی۔“

”کک.... نن.... نہیں.... نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں.... میں کسی اشرف یا اُس والد کو نہیں جانتی۔“

”آپ کی مرضی۔“ فریدی خشک لہجے میں بولا۔ ”آپ نے صرف پھانسی کا نام سنا ہے۔ ک کو پھانسی ہوتی دیکھی نہیں۔ گردن ربر کی طرح کھینچتی ہے اور جسم جھولتا رہ جاتا ہے۔ پھر جا ٹانگیں پکڑ کر اُس طرح جھٹکا دیتا ہے شاہد جوان آدمی ہے۔ گردن کی ہڈی ٹوٹنے کے بعد بھی اُس جسم پھڑکتا رہے گا۔“

”خاموش....!“ سعیدہ سینے کے بل چیخ کر دیوار سے ٹک گئی۔ اُس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں اور وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

”کسی کی موت کی خبر سے متاثر نہ ہونا اور بات ہے اور کسی کو مرتے دیکھنا اور....!“

”مم.... میں اپنے کوارٹر میں جانا چاہتی ہوں۔“ اُس نے مردہ سی آواز میں کہا۔

فریدی نے سہارے کے لئے اپنا داہنا بازو پیش کیا اور وہ دونوں باہر آئے۔ کوارٹر ہسپتال کے کپاؤنڈ میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ فریدی کے سامنے بیٹھی مضمحل آواز میں کہہ رہی تھی۔

”عرفان سے میری سول میرج ہوئی تھی۔ شادی کا سرٹیفکیٹ میرے پاس موجود ہے اور شاہد عرفان ہی کا لڑکا ہے یعنی اشرف مرحوم کا سوتیلا بھائی ہے۔ یہ چند آدمیوں کے کمینہ پن کی ایک لمبی داستان ہے لیکن میں مختصراً بتاؤں گی۔ شاہد چھ ماہ کا تھا کہ عرفان چل بسے۔ اشرف پانچ سال کا تھا اور اُس کی ماں زندہ تھی۔ بیگم ارشاد کی بہن.... میں نے جائیداد میں بٹوارہ چاہا لیکن اشرف کی ماں کے عزیزوں نے طوفان برپا کر دیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ عدالتی چارہ جوئی ہونے پر وہ شاہد کو ناجائز اولاد ثابت کرا دیں گے۔ حالانکہ سرٹیفکیٹ کی موجودگی میں وہ اسے کسی طرح نہ ثابت کر سکتے۔ لیکن میں نے اسے گوارا نہ کیا کہ میرے بچے کی حیثیت اتنے گندے انداز میں موضوع بحث بنے۔ یہ میری شرافت کی توہین تھی۔ میں نے وہ شہر ہی چھوڑ دیا اور گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ شادی سے قبل بھی میں نرس تھی۔ اس واقعے کے بعد میں دوبارہ اس زندگی میں آگئی۔“

سعیدہ اٹھ کر ایک کمرے میں آگئی۔ واپسی پر اُس کے ہاتھ میں شادی کا سرٹیفکیٹ تھا۔ فریدی اُسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”کیا شاہد کو ان واقعات کا علم ہے؟“

”ہرگز نہیں۔ میں نے اُسے کبھی کچھ نہیں بتایا.... اور نہ پھر اس کے بعد سے کبھی عرفان کے اعزا سے میرا سامنا ہوا۔ میں یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بیگم ارشاد کو میری موجودگی کا بھی علم ہوگا.... آہ! بے شک کسی نے میرے بچے کو بُری طرح پھنسا دیا ہے۔ میں کیا کروں؟“

اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

”اگر آپ میری ہدایت پر عمل کریں گی تو سب ٹھیک ہی ہوگا۔ دیکھئے فی الحال آپ اس سرٹیفکیٹ کو بھول جائیے اور اپنے اسی بیان پر اڑی رہئے کہ آپ عرفان سے واقف تک نہیں تھیں۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں یہ سرٹیفکیٹ اپنے ہی پاس رکھوں۔ ہو سکتا ہے کہ بیگم ارشاد کے دوسرے اشارے پر آپ کے گھر کی تلاشی لی جائے۔ اگر یہ سرٹیفکیٹ پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو پھر شاہد کی گلو خلاصی محال ہو جائے گی اور ہاں صرف یہی نہیں بلکہ ہر ایسی چیز ضائع

کردی جائے جس سے آپ کا اور عرفان کا تعلق ظاہر ہو سکے۔ مثلاً پرانے خطوط وغیرہ۔ فوٹو گراف تحائف، جن پر آپ کے اور عرفان کے نام موجود ہوں۔"

"لیکن اگر عرفان کے دوسرے اعزا نے میرے خلاف شہادت دی تو؟" سعیدہ نے کہا۔

"فکر نہ کیجئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس صورت میں جلال آباد کے کم از کم ڈیڑھ سو معززین اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ ہمیشہ سے جلال آباد ہی میں رہتی آئی ہیں اور یہیں کے ایک خاندان میں آپ کی شادی ہوئی تھی۔"

فریدی کی چال

دوسری صبح سرجنٹ حمید اور انسپکٹر فریدی میں پھر تکرار ہوگئی۔ فریدی نے اُسے پچھلی رات کے واقعات بتا دیئے تھے۔ وہ اس وقت ناشتے کی میز پر تھے۔

"اور اس کے باوجود بھی آپ اپنے پچھلے نظریئے پر قائم ہیں۔" حمید نے کہا۔ "سعیدہ نے آخر اتنی بڑی حقیقت کو چھپانے کی کوشش کیوں کی؟"

"اس حقیقت کو تو وہ بیس بائیس برس سے چھپائے رہی ہے۔"

"میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا کہ شاہد کو اس کا علم نہ رہا ہو۔" حمید نے کہا۔ "اوہ وہ ایک چالاک ترین قاتل ہے۔"

"اتنا چالاک کہ پھنس جانے کے لئے اپنا کوٹ چھوڑ گیا تھا۔" فریدی طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نئے انکشاف پر وہ چکرا گیا تھا۔ بات حقیقتاً سوچنے کی تھی۔ اگر شاہد واقعی قاتل تھا تو اُس نے مقتول سے کوٹ بدلنے کی حماقت کیوں کی۔ اگر معاملہ صرف شناختی کارڈ کا ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ اُس کی بے احتیاطی سے شناختی کارڈ جائے واردات پر گر گیا ہوگا۔

"کچھ نہیں بیٹے۔" فریدی اُس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولا۔ "ہم ایک قدم بڑھے ہیں۔ اب ہمیں بیگم ارشاد کے متعلق سوچنا ہے۔ اُس نے پولیس کو غلط اطلاع کیوں دی۔ صاف صاف کیوں نہیں بتایا کہ سعیدہ سے عرفان کی سول میرج ہوئی تھی اور یہ کہ اُسے سعیدہ کی موجودہ حالات کا علم کب ہوا۔ وہ اس کے جلال آباد کے قیام کے متعلق کب سے جانتی ہے اور اُسے اس کا علم کیونکر ہوا۔ تم نے ابھی تک مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ اُن پانچوں میں سے ریاض اور

نیفی کے علاوہ اور کون سگار پیتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں پیتا۔" حمید نے کہا۔

"اچھا تو اب ہم اپنا طریقہ کار بدل دیں گے۔ اُن لوگوں سے تو کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکتا۔ کیونکہ ڈی۔ ایس۔ پی نے اُن کے ہونٹ سی دیئے ہیں۔"

"پھر ہم کہاں ٹکریں ماریں گے؟" حمید بیزاری سے بولا۔ "ان تین دنوں میں میری روح بُری طرح کچلی گئی ہے۔"

"گھبراؤ نہیں.... جلد ہی تمہیں تمہارے معیار کی تفریحات نصیب ہوں گی۔ ناشتہ ختم کر چکے ہو تو اٹھو۔"

لباس تبدیل کر کے وہ باہر نکلے۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی آج اُن گلیوں کے چکر کیوں لگا رہا ہے جن کے متعلق سوچنا بھی کم از کم اُس کے طبقے کے لوگوں کے لئے باعث ننگ ہو سکتا ہے۔ ان گلیوں میں جا بجا غلاظت اور گندگی کے ڈھیر تھے ہر نئے موڑ پر ایک نئی قسم کی بدبو کا احساس ہوتا تھا۔ دن کے وقت بھی وہاں قریب قریب تاریکی ہی تھی۔

فریدی نے ایک بھدی سی عمارت کے بد وضع صدر دروازے پر دستک دی۔ حمید ناک پر رومال رکھے کھڑا تھا۔ اُس نے کراہت سے اُس اونچی عمارت پر نظر ڈالی اور فریدی کو گھورنے لگا۔

دو تین بار دستک دینے پر دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔ پٹوں کے درمیان سے نکلنے والا سر کسی سال خوردہ بڑھیا کا تھا۔ اُس نے حیرت سے ان دونوں کو دیکھا اور منہ کھول کر کھڑی ہوگئی۔ فریدی جیب سے فاؤنٹین پن نکال کر کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر کچھ لکھنے لگا۔ پھر اُس نے وہ ٹکڑا بڑھیا کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اُسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ بڑھیا ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

"بہری ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"انتخاب کی داد دیتا ہوں۔ اگر لنگڑی بھی ہو تو مجھے ذرہ برابر افسوس نہ ہوگا۔ آپ اسی لائق ہیں۔ البتہ بدبو سے میرا دم گھٹ رہا ہے۔"

"بس اتنے ہی میں گھبرا گئے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس نے جیب سے دوسرا رومال نکال لیا جو "ایسنس آف روز" کی خوشبو سے بسا ہوا تھا۔ تین چار منٹ گذر گئے۔ فریدی شاید کسی کا منتظر تھا۔

دروازہ پھر کھلا۔ اب اُن کے سامنے ایک بھاری بھر کم آدمی کھڑا تھا جس کے جسم پر خاکی

گابرڈین کی پتلون اور چمڑے کی جیکٹ تھی۔ چہرہ بڑی حد تک بدنما اور بھدا تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" وہ بڑبڑا کر رہ گیا۔

"باہر آؤ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تھوڑی سی گفتگو اور تھوڑی سی تفریح۔"

وہ باہر آ گیا۔ دروازہ کسی نے اندر سے پھر بند کر لیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" فریدی نے کہا۔

سڑک پر پہنچ کر انہوں نے ایک ٹیکسی رکوائی۔

"مجھے ایک لڑکی کی تلاش ہے۔" فریدی ٹیکسی میں بیٹھتے ہی بولا۔

"اوہ.... تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" گرانڈیل آدمی نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"تم سمجھ ہی گئے ہو گے کہ وہ کس قسم کی لڑکی ہو سکتی ہے۔"

"لیکن میں اب دوسرا دھندا کر رہا ہوں۔ یہ دھندا تو اب شریفوں میں چلا گیا ہے۔"

"سگار....!" فریدی سگار کیس اُس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"شکریہ....!" اُس نے سگار لے کر ہونٹوں میں دبا لیا اور عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا کوئی نئی مصیبت۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج کل میں محنت مزدوری کر رہا ہوں۔"

"تم جو کچھ بھی کر رہے ہو۔" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔ "مجھے اس سے غرض نہیں۔ میں چھوٹے موٹے معاملات میں ہاتھ نہیں لگاتا۔"

"پھر.... لیکن کسی بڑے معاملے سے میرا کیا تعلق۔"

"تم غلط سمجھے.... میں تمہیں کوتوالی نہیں لے جا رہا ہوں۔"

"دوسری صورت میں بھی مجھے جہنم ہی کی توقع رکھنی چاہئے۔" اُس نے کہا۔

"نہیں.... میں تمہاری مدد چاہتا ہوں۔ مجھے اس لڑکی کی تلاش کے سلسلے میں تمہاری ضرورت ہے۔"

"اب میرے پاس لڑکیاں نہیں ہیں.... آپ یقین کیجئے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم اُسے جانتے ہو۔"

"نام کیا ہے؟"

"نام.... مجھے نام میں شبہ ہے۔ ویسے وہ بعض اوقات خود کو رضیہ کہتی ہے۔ کچھ اس قسم کی ہے کہ لوگ اُسے کافی تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں۔ عمر بیس اور پچیس کے درمیان۔ ایک خاص پہچان یہ

ہے کہ اُس کے داہنے کان کی لو دوہری معلوم ہوتی ہے۔"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر مایوسی سے سر ہلا کر بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں ایسی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ایسی لڑکی آپ کو مادام کے ہوسٹل میں ضرور مل جائے گی۔"

"کیا بکواس ہے۔" حمید نے کہا۔ "وہ تو کالج گرلز کا ایک پرائیویٹ ہوسٹل ہے۔ مادام روانو ایک معزز عورت ہے۔"

"حضور والا۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "یہی تو میں عرض کر رہا تھا کہ ان معزز ہستیوں نے ہماری روٹیوں پر لات ماری ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "مجھے اس کا علم نہیں تھا۔"

"ان کا کاروبار صرف اونچے طبقے تک محدود ہے۔" اُس نے کہا۔ "اسی لئے کسی کو ان کا علم نہیں۔ روانو کے ہوسٹل کی ساری لڑکیاں دھندا کرتی ہیں۔ لیکن کسی کے منہ میں دانت ہیں کہ انہیں طوائفیں کہہ کر پکارے گا۔ انہیں آپ سوسائٹی گرلز بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ عام طور پر بہت کم دکھائی دیتی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ آپ قانونی طور پر مادام روانو کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر سکتے۔"

"کیوں....؟"

"آپ کو کہیں سے کوئی ثبوت ہی نہ ملے گا۔"

"آخر لوگ ان لڑکیوں تک کیونکر پہنچتے ہوں گے؟"

"چیٹر لیز ہوٹل کے منیجر کے ذریعہ۔"

"کیا....؟" حمید یک بیک چونک پڑا۔

فریدی نے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا اور پھر اجنبی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ پھر اُن دونوں کے درمیان اور کیا گفتگو ہوئی۔ اُس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں تھیں۔ اُس کی آنکھیں خود بخود کبھی پھیلتی اور کبھی سکڑ جاتیں۔ ذہن بار بار "چیٹر لیز ہوٹل" دہرا رہا تھا۔

پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد ان دونوں کو ٹیکسی سے اُترتے دیکھا۔ وہ بھی اُتر گیا۔ لیکن وہ اندر ہی اندر بُری طرح کھول رہا تھا اور اُس کی زبان کچھ اُگل دینے کے لئے بے قرار تھی۔ اجنبی نے فریدی سے مصافحہ کیا اور ایک طرف چلا گیا۔ وہ دونوں فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے تھے۔

"کس ہوٹل کا نام لیا تھا اس نے؟" حمید نے پوچھا۔

"اوہ ٹھیک یاد آیا" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "تم چیٹر لیز ہوٹل کے نام پر چونکے کیوں تھے؟"

"کیا آپ جانتے ہیں چیٹر لیز ہوٹل کا مالک کون ہے؟"

"ہاں.... آں.... شاید.... جہانگیر بہرام جی۔"

"جی نہیں.... وہ کئی ماہ پیشتر کی بات ہے۔ اب اُس کا مالک فیض ہے۔"

"گڈ لارڈ....!" فریدی چونک پڑا۔

"فیض....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ سگار بھی پیتا ہے اور ہے بھی کمینہ خصلت۔"

"ہوں.... اچھا تو اب کھیل شروع ہونے جا رہا ہے۔" فریدی نے ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی کیلئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا اور حمید سے بولا۔ "اس ڈی۔ ایس۔ پی کے بچے سے بھی سمجھ لوں گا۔"

وہ دونوں گھر واپس آگئے اور فریدی حمید کو نیچے چھوڑ کر اوپری منزل پر چلا گیا جہاں اُس کی تجربہ گاہ تھی۔ کچھ دیر بعد اُس نے حمید کو اوپر سے آواز دی اور پھر جب حمید اوپر پہنچا تو اُسے فریدی کی بجائے تجربہ گاہ میں ایک بوڑھا نظر آیا جس کی سفید مونچھیں نچلے ہونٹ کو بھی ڈھکے ہوئے تھیں اور ڈاڑھی صاف تھی۔ نہ صرف ڈاڑھی بلکہ چندیا تک صاف تھی۔

"لعنت ہے! ایسے میک اپ پر کہ سر تک منڈ جائے۔" حمید بڑبڑایا۔

"بیٹے تب تو میک اپ مکمل ہے اور میں اس سے مطمئن ہوں۔ گھبراؤ نہیں بال محفوظ ہیں۔ سر پر پلاسٹک کا خول ہے اور یہ سو فیصدی میری ایجاد ہے تم بھی جلدی سے کوئی الٹا سیدھا میک اپ کر ڈالو۔ اگر ڈی۔ ایس۔ پی کے بچے نے راستہ نہ بند کر دیا ہوتا تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔"

"کیا میں بوڑھا بن جاؤں۔" حمید نے بڑی سعادت مندی سے پوچھا۔

"بکو مت.... چلو ادھر آؤ۔"

حمید میک اپ کے دوران میں طرح طرح کے منہ بناتا رہا۔

"وہ آدمی کون تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"گر جن.... تم اُس سے واقف نہیں۔ یہاں کے مشہور بدمعاشوں میں سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب اُس نے لڑکیوں کا کاروبار ترک کر دیا ہو لیکن وہ ایک قمار خانے تو اب بھی چلا رہا ہے۔"

"لیکن اگر ہمیں وہ لڑکی روڈانو کے ہوسٹل میں بھی نہ ملی تو....؟"

"فکر نہ کرو.... الجھی ہوئی ڈور کا سرا دریافت کرنے کیلئے ہر گانٹھ پر انگلی رکھنی پڑتی ہے۔"

"اب آپ کیا کرنے جا رہے ہیں؟"

"میں وکیل ہوں اور تم میرے محرر.... کیا سمجھے۔ بس فی الحال اتنا ہی۔"

میک اپ کرنے کے بعد انہوں نے لباس تبدیل کیے اور فریدی نے گیراج سے اپنی وہ چھوٹی کار نکالی جس کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ حمید خاموش تھا۔ اُس نے سوچا کچھ پوچھنا بیکار ہے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ بعض اوقات وہ بھی فریدی کی اس حرکت سے کافی محظوظ ہوتا تھا۔ وہ کچھ بتائے بغیر اُسے ایسی جگہوں پر لے جاتا جہاں پہنچ کر اُسے تحیر خیز اختتام رکھنے والی کہانیوں کا سامنا آجاتا تھا۔

اور پھر روحی کے مکان کے سامنے کار رکتے دیکھ کر اُسے سچ مچ حیرت ہوئی۔ وہ دونوں کار سے اترے اور پورٹیکو سے گذر کر برآمدے میں آئے۔ فریدی نے جیب سے وزیٹنگ کارڈ نکالا جس پر "ایس کے ناگر سیٹر" تحریر تھا۔

"بیگم صاحبہ سے ملنا ہے۔" اُس نے نوکر کو وزیٹنگ کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

دو تین منٹ بعد وہ اندر بلا لئے گئے۔ ڈرائینگ روم میں بیگم ارشاد تنہا تھیں اور کچھ مضطرب سی نظر آ رہی تھیں۔

"میں خاتون سعیدہ کا وکیل ہوں۔" فریدی نے اپنا تعارف کرایا۔

"کون خاتون سعیدہ....؟" بیگم ارشاد نے پیشانی پر شکنیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"وہی جس کی آپ نے توہین کی ہے اور اب وہ میری وساطت سے آپ پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کرنے جا رہی ہیں۔"

"وہ جھوٹی ہے۔ اُس نے پولیس کو غلط بیان دیا ہے۔"

"جی ہاں.... انہوں نے پولیس کو بتایا ہے کہ وہ کسی ایسے عرفان کو نہیں جانتیں جس سے اُن کے ناجائز تعلقات رہے ہوں۔"

"لیکن آپ اُس کے بیان کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟"

"میں مجبور ہوں۔ میرے پاس ٹھوس دلائل ہیں۔ ثبوت ہے، شہادتیں ہیں.... گواہ ہیں۔"

"میں ایسے گواہ پیش کر سکتی ہوں جو....!"

"جی ہاں۔" فریدی اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ "جو شہادتیں دیں گے کہ عرفان سے اُن کی سول میرج ہوئی تھی۔"

"یہ غلط ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں.... اگر ثبوت تھا تو وہ یہاں سے بھاگ کیوں گئی تھی؟"

"وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اُن کے بچے کی شخصیت ناجائز اولاد کی حیثیت سے زیر بحث آئے۔"

اسی لئے انہوں نے جائیداد پر لات مار دی تھی۔ لیکن اب جب کہ اُن کے بچے کو ایک سازش کا شکار بنایا گیا ہے وہ کس طرح خاموش رہ سکتی ہیں۔"

"سازش! کیسی سازش....؟" بیگم ارشاد چونک پڑیں۔

"کھلی ہوئی سازش ہے.... اشرف کے اعزا نے خاتون سعیدہ کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا۔ انہیں معلوم تھا کہ شاہد قانونی طور پر عرفان کے ترکے کا حصہ دار ہے۔ لہٰذا انہوں نے پولیس کو غلط راستے پر ڈال دیا تاکہ پولیس چھان بین کر کے اصل حقیقت معلوم کرلے اور شاہد کو قاتل ٹھہرائے۔ آخر آپ نے ناجائز تعلقات والی کہانی پولیس سے کیوں دہرائی۔ خیر اب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ میرے لئے یہ ثابت کر دینا مشکل نہ ہوگا کہ اشرف کو اُن لوگوں نے قتل کیا ہے جو شاہد کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد اُس کے وارث ہو سکتے ہیں۔"

"کیا....؟" بیگم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر وہ سنبھل کر بولیں۔ "یہ شاہد کون ہے؟"

"خاتون سعیدہ کا لڑکا۔ جسے پولیس نے شبہے میں گرفتار کیا ہے۔ اُس کا کوٹ مع اُس کے شناختی کارڈ کے جائے واردات پر پایا گیا تھا۔ آپ لوگوں نے اُسے پھنسانے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ کون ایسا احمق ہے کہ واردات کرنے کے بعد نہ صرف اپنا کوٹ چھوڑ جائے گا بلکہ اس میں شناختی کارڈ بھی پڑا رہنے دے گا۔"

"غضب خدا....!" بیگم ارشاد کانپتی ہوئی بولیں۔ "میں اپنے بھانجے کے قتل کی سازش کروں گی؟"

"سب کچھ ہو سکتا ہے محترمہ! کون جانے کہ آپ نے اپنا دامن پاک ظاہر کرنے ہی کے لئے ایک دن قبل اُس سے اپنی بیٹی کی منگنی کا اعلان کرا دیا ہو۔ اتنا یاد رکھئے کہ میں عدالت میں سارے تانے بانے کی دھجیاں اڑا دوں گا۔ ناگر کو وہی لوگ جانتے ہیں جن سے اُس کا سابقہ پڑ چکا ہے۔ آپ کو اس کا علم کس طرح ہوا تھا کہ سعیدہ جلال آباد کے ہسپتال میں میٹرن ہے؟"

"اشرف کی موت کے بعد کسی نے کہا تھا۔" بیگم اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولیں۔

"کس نے کہا تھا....؟"

"مجھے یاد نہیں.... بہتیرے لوگ تھے۔ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ سعیدہ زندہ ہے یا مر گئی۔"

"زندہ ہیں اور اُن کی شادی کا سرٹیفکیٹ بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ آپ براہِ کرم یاد کر کے بتائیے کہ سعیدہ کے متعلق کس نے اطلاع دی تھی؟"

"مجھے افسوس ہے کہ یہ قطعی یاد نہیں۔ میرے حواس ٹھکانے نہیں تھے۔"

"کیا اشرف کو مسٹر ارشاد پسند کرتے تھے۔ حالانکہ اشرف ایک آوارہ لڑکا تھا؟"

"براہِ کرم خاموش رہئے۔" بیگم ارشاد نے طیش میں آ کر کہا۔ "آپ اشرف کو کیا جانیں۔"

"وہ میرا مستقل مؤکل تھا۔ اُس کی جلال آباد کی جائیداد کے مقدمے میں ہی کرتا تھا۔ عیاشیوں کے لئے وہ وہیں آتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ارشاد صاحب اُسے پسند نہ کرتے رہے ہوں گے۔ کیونکہ وہ اُس کی حرکتوں سے واقف تھے۔"

"ارشاد صاحب۔" بیگم بُرا سا منہ بنا کر بولیں۔ "انہیں اتنا سلیقہ ہوتا تو وہ اپنے بھانجے کے لئے ضد نہ کرتے جس کی حالت اظہر من الشمس ہے۔"

"اچھا تو وہ فیض صاحب کو پسند کرتے ہیں؟" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔

"ان باتوں سے آپ کو کیا سروکار....؟" بیگم اچانک اُسے گھورنے لگیں۔

"کچھ نہیں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "بہتر ہے کہ آپ خاتون سعیدہ سے اپنی غلط بیانی کی معافی مانگ لیں۔ ورنہ میں دعویٰ دائر کر دوں گا۔"

حمید کا کارنامہ

سرجنٹ حمید شدت سے بور ہو رہا تھا اور فریدی روانو کے گرلز ہوسٹل کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس دوران میں وہ زیادہ تر تنہا ہی باہر نکلتا تھا۔ بہر حال حمید خوش تھا کہ چلو پیچھا چھوٹا۔ ایسے کیسوں میں اُس کا دل بالکل نہیں لگتا تھا جس میں دھول دھپے کے مواقع نہ نصیب ہوں۔ منطقی استدلال کے ذریعہ مجرم تک پہنچنا اُس کے خیال کے مطابق مکھیاں مارنے کے مترادف تھا۔ اُس نے کئی بار فریدی کو سمجھایا کہ یہ کیس سول پولیس ہی کے لئے زیادہ مناسب رہے گا۔

فریدی کے منطقی استدلال کی بناء پر اُس نے یہ بھی تسلیم کر لیا تھا کہ قاتل فیض ہی ہو سکتا ہے لیکن ثبوت.... ثبوت کوئی بھی نہیں تھا۔ حالات اور امکانات سراسر فیض ہی کی گردن کی طرف اشارہ کرتے تھے لیکن محض حالات ہی تو سب کچھ نہیں ہوتے۔ عدالت کیلئے ثبوت چاہئے۔

حمید کو اب تک کسی ایسی لڑکی کے وجود پر یقین نہیں تھا جس کے داہنے کان کی لو دوہری ہو۔ اُس کی دانست میں اگر شاہد کی کہانی صحیح بھی تھی تو اسے اس سازش میں پھانسنے والی روحی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ مرد تو عورت کے معاملے میں بالکل اُلو ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شاہد کو ان حالات میں بھی اُس کی رسوائی منظور نہ ہو۔

اسی خیال کے تحت حمید ابھی تک روحی سے ملتا رہا تھا اور اس دوران میں اُس نے اُس کی فطرت کا اچھی طرح مطالعہ کیا تھا۔ وہ جلد اُکتا جانے والی لڑکیوں میں سے تھی۔ ہر لحظہ زندگی میں نئے پن کی طلب گار۔ کھردری اور صاف بات کہنے والی.... رومان اُس کی زندگی کا جزو لازم تھا۔ مگر اُس معنی میں نہیں جو اردو میں مستعمل ہے اُسے عشقیہ قسم کی گفتگو سے اُلجھن ہونے لگی تھی۔

سرجنٹ حمید نے آج اُسے آرلکچو میں مدعو کیا تھا اور وہیں اُس کا منتظر تھا۔ روحی نے آتے ہی بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آج مجھے دن میں کئی بار ایک ناخوشگوار منظر دیکھنا پڑا۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ناقابل برداشت حد تک ناخوشگوار نہ رہا ہوگا۔"

"قطعی تھا.... لیکن مجبوری تھی۔ مجھے گھر ہی پر رہنا پڑا۔"

"کیا مصیبت تھی؟"

"میری ایک کزن آج کل میرے یہاں آئی ہوئی ہیں۔ اُن کی گود میں بچہ بھی ہے۔"

"ماشاءاللہ....!" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا اور وہ اُسے بُرا سا منہ بنا کر گھورنے لگی۔

"آپ کے لہجے میں بڑا بوڑھیا پن ہے۔" اُس نے کہا۔ "خیر ہوگا.... میری کزن بار بار بچے کو دودھ پلانے لگتی تھیں۔"

"واقعی بڑا حسین منظر ہوگا۔" حمید بولا۔

"وہ دودھ پلاتے وقت ایسا بُرا منہ بنا کر بیٹھ جاتی ہیں جیسے کتے کے پلے کو دودھ پلا رہی ہوں۔"

"سبحان اللہ....!" حمید شرارت سے مسکرایا۔

"خدا تمہیں غارت کرے۔" روحی نے جھنجھلا کر حمید کے ہاتھ پر جھپٹا مارا اور اتنے زور سے چٹکی لی کہ اُس نے بلبلا کر اٹھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ کیونکہ وہ بہرحال مجمع میں تھا۔

"مجھے غصہ آتا ہے تو میں پاگل ہو جاتی ہوں۔" وہ اُسے گھورتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"تم مجھے ٹیز کرتے ہو۔"

"ایک میں ہی نہیں.... میں نے سنا ہے کہ فیض بھی کرتا ہے۔"

"تم نے فیض کا نام کیوں لیا....؟" وہ اُسے گھورنے لگی۔ "کیا اب فیض پر شبہ ہے؟ اُس دن ریاض کے متعلق....؟"

"میں کسی پر شبہ نہیں کر رہا ہوں۔" حمید نے اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔ "میں نے سنا تھا کہ آج کل آپ فیض سے کچھ کھنچی کھنچی سی ہیں۔"

"یہ کھنچی کھنچی سی ہونا کیا بلا ہے؟"

"پتہ نہیں۔" حمید مایوسی سے سر ہلا کر بولا۔ "ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ چلی میں حلوے کے ت بکثرت پائے جاتے ہیں۔ وہاں کے باشندے چائے کی پیالیاں لے کر درختوں پر چڑھ تے ہیں اور ناشتہ کر کے پھر اُتر آتے ہیں۔ بظاہر تو یہ ایک بہت ہی معمولی سا معاملہ ہے لیکن اس ہنولولو کی خارجی پالیسی پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ ویسے ہمارے یہاں خارجیوں کیلئے کوئی جگہ نہیں۔"

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔" روحی اٹھتی ہوئی بولی۔

"اررر.... بیٹھئے۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ چلتی ہیں.... ورنہ.... یہاں تک پہنچتیں؟"

"کیا مطلب....؟" وہ پھر بیٹھ کر اُسے گھورنے لگی۔

"کہہ دوں دل کی بات....؟" حمید بڑے رومینٹک انداز میں بولا۔

"کہہ بھی چکئے۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"جب میں پانچ برس کا تھا....!" حمید کہتے کہتے رک گیا اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل یں۔ اُس نے فریدی کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا جس کے ساتھ ایک بڑی حسین لڑکی تھی اور یدی اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے چل رہا تھا۔ روحی بھی اُسی طرف مڑ کر دیکھنے لگی۔ پھر وہ ید کی طرف مڑی۔

"کیوں.... وہ کون ہیں؟"

"آہ.... ہہ.... ہا....! کوئی نہیں۔" حمید ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"بڑا شاندار آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"خونی اور قاتل ہے۔"

"آپ لوگوں کو تو ہر ایک خونی اور قاتل معلوم ہوتا ہے۔" روحی جھنجھلا کر بولی۔

وہ دونوں ایک خالی کیبن میں چلے گئے اور فریدی نے پردہ کھینچ دیا۔ حمید کرسی پر بے چینی سے ہلو بدلنے لگا۔

"شاید آپ اُس لڑکی کو جانتے ہیں؟" روحی نے کہا۔

"نہیں میں نہیں جانتا۔"

"تو پھر آپ.... اُس کے حسن سے متاثر ہوئے ہیں۔"

"نہیں! وہ آپ سے زیادہ حسین نہیں ہے۔"

"پھر کیوں اُسے اس طرح گھور رہے تھے؟"

"میں اُس آدمی کو پہچانتا ہوں۔ وہ خود کو بڑا خشک بنا کر پیش کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

جیسے اُسے عورتوں کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو..... لیکن....!"

"ایسے آدمی بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔"

"بے حد۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ اور پھر اُس نے ویٹر کو بلا کر کھانے کے لئے کہا۔ اُ
کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ روحی اس وقت کسی طرح جلدی سے ٹل جائے تا کہ وہ فریدی
اُس کی پارٹنر کی طرف متوجہ ہو سکے۔ کھانے کے دوران میں وہ قطعی خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا
اگر باتیں چھڑ گئیں تو پھر روحی کا اٹھنا قیامت پر منحصر ہوگا۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ وہ بور ہو کر چ
جائے۔ حمید اُس کی باتوں کے جواب میں "ہوں ہاں" کرتا رہا۔

لیکن جب وہ کھانا ختم ہو جانے کے بعد بھی نہ اٹھی تو حمید کو تاؤ آ گیا.... اور اُس کے ذہ
میں ایک دوسری تدبیر کلبلانے لگی۔ اُس نے دو تین ٹھنڈی آہیں بھریں اور آنکھوں سے دو آ
گالوں پر ڈھلک آئے۔ روحی حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

"مجھے اس وقت اشرف کی یاد ستا رہی ہے۔" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔

"تو یہاں بیٹھ کر رونا....!" روحی چاروں طرف جھینپی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی

"یہ کیا بیہودگی ہے۔ لوگ دیکھ رہے ہیں۔"

"میں آپ کی طرح بے درد تو نہیں۔" حمید نے جیب سے رومال نکال لیا اور پھر بولا

"آپ کو اشرف سے بالکل محبت نہیں تھی۔"

"بکواس ہے.... مجھے اشرف کے کتے سے بھی محبت تھی لیکن میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"اسی لئے آپ نے اُسے قتل کرا دیا۔" حمید نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"اُسے تو نہیں کیا۔ لیکن تمہیں ضرور کر دوں گی۔" وہ اپنی مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

"اب آپ کی منگنی ریاض سے ہوگی یا فیض سے؟"

"تم عجیب آدمی ہو.... بور نہ کرو۔"

"کیا میں اپنا نام پیش کر سکتا ہوں؟" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"تم سے تو وہی شادی کرے جو اپنی زندگی سے بیزار ہو۔"

"کیا آپ نہیں ہیں؟"

"میں کیوں ہوتی۔"

"میں بہت اُداس ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں چیخ چیخ کر نہ رونے لگوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" روحی اٹھتی ہوئی بولی۔

"وہاں بھی کبھی کبھی ملتی رہئے گا۔"

"تم مجھے ٹیز کر رہے ہو۔"

"دیکھئے میں اس وقت بہت مغموم ہوں۔ لہٰذا مجھے ہنسنے پر مجبور نہ کیجئے۔"

روحی نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن صرف منہ بنا کر رہ گئی۔ حمید نے اُسی وقت سر اٹھایا جب وہ
ں سے چلی گئی۔ اب وہ شرارت آمیز نظروں سے فریدی والے کیبن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس
ذہن پر بہت زور دیا کہ کوئی نئی شرارت سوجھ جائے مگر ناکام رہا پھر اُس نے کیبن کا پردہ سرکتے
ھا اور جلدی سے اپنا منہ دوسری طرف موڑ لیا۔ فریدی اور اُس کی ساتھی کیبن سے نکلے۔ پتہ
ں فریدی نے حمید کو دیکھا نہیں تھا یا جان بوجھ کر نظرانداز کر رہا تھا وہ دونوں رقص گاہ کی
ف چلے گئے۔

حمید نے جلدی جلدی بل ادا کیا اور اُس نے بھی رقص گاہ کی راہ لی۔ ہال میں ہلکی ہلکی موسیقی
ج رہی تھی۔ حمید نے انہیں داہنے بازو کی ایک میز پر بیٹھے دیکھا۔

فریدی کی پشت حمید کی طرف تھی اور وہ آگے جھکا ہوا اپنی ساتھی سے کچھ کہہ رہا تھا اور وہ
ر مسکرائے جا رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں نشیلی تھیں اور اُس کے اوپری ہونٹ کے کونے بار بار
کنے لگتے تھے۔ لڑکی واقعی بڑی دلکش تھی۔ دفعتاً حمید سوچنے لگا کہ کہیں وہ پُراسرار لڑکی رضیہ نہ
۔ لیکن کیا وہ اتنی آزادی سے باہر نکل سکتی تھی۔ ساتھ ہی حمید کی نظریں ایک دوسرے آدمی پر
ڑیں جو فریدی کی میز سے کچھ فاصلے پر کھڑا ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے سوچا
ن ہے کہ وہ بھی فریدی کے شناساؤں میں سے ہو۔ لیکن اُس کے دیکھنے کا انداز اس قسم کا نہیں
۔ اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار ضرور تھے لیکن اُن میں خوف کی بھی آمیزش تھی۔ دفعتاً وہ
کی سے مڑا.... اور دروازے سے نکل گیا۔ حمید کے پیر بھی غیر ارادی طور پر اٹھ گئے۔

اُس آدمی نے باہر نکل کر گیرج سے کار نکالی اس دوران میں حمید تیزی سے کمپاؤنڈ کے باہر
چا باہر دو تین ٹیکسیاں موجود تھیں۔

جیسے ہی اس کی کار باہر نکلی۔ ایک ٹیکسی اُس کے تعاقب میں لگ گئی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ
ہیں اس بھاگ دوڑ کا انجام مایوسی کی شکل میں نہ ظاہر ہو۔ مگر وہ ان دونوں کو ایسی نظروں سے
ں دیکھ رہا تھا اور پھر وہاں سے اس طرح چلا کیوں آیا۔

اگلی کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ حمید ٹیکسی ڈرائیور کو برابر ہدایت دیتا جا رہا تھا۔ اگلی کار مختلف
کوں سے گذرتی ہوئی مادام روانو کے گرلز ہاسٹل کے سامنے رک گئی اور حمید کا دل شدت سے

دھڑکنے لگا۔ اُس نے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر ٹیکسی رکوائی۔

مادام رووانو کا ہاسٹل کسی ویران جگہ پر نہیں تھا۔ خاصی پُر رونق سڑک تھی جس پر دورویہ عمارتیں تھیں۔

حمید نے اُسے کار سے اُتر کر ہاسٹل کی عمارت میں داخل ہوتے دیکھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو اُس نے پہلے ہی بتادیا تھا کہ اس کا تعلق پولیس سے ہے لہٰذا وہ بھی خاموشی سے بیٹھا رہا۔ اُس آدمی نے اپنی کار سڑک ہی پر چھوڑ دی تھی۔ اس لئے حمید کو توقع تھی کہ وہ پھر واپس آئے گا۔ لیکن واپسی کا انتظار بہت طویل ہو گیا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ گذر گیا پھر وہ دوبارہ عمارت سے برآمد ہوا۔ اس بار تنہا نہیں تھا۔ کوئی دوسرا بھی آہستہ آہستہ اُس کے سہارے چل رہا تھا۔ اُس نے اُسے کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھادیا اور خود اگلی پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔

حمید کی ٹیکسی پھر تعاقب کرنے لگی تھی لیکن اس بار زیادہ دیر نہیں لگی۔ شاید دس منٹ بعد اگلی کار پھر ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔ حمید ٹیکسی والے کو رکے رہنے کی ہدایت دے کر ٹیکسی سے اُتر گیا۔ اگلی کار سے وہ دونوں بھی اُترے۔

اس بار پھر ایک دوسرے کو سہارا دے رہا تھا اور وہ رینگتی ہوئی رفتار سے عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اندھیرا ہونے کی وجہ سے حمید کے لئے کوئی خاص خطرہ نہیں تھا۔ وہ اُن کے پیچھے لگا رہا۔ جب وہ اوپری منزل پر جانے کے لئے زینے طے کر رہے تھے تو حمید نے کسی عورت کی کراہ سنی اور اُس کے کان کھڑے ہو گئے۔ تو وہ کوئی عورت تھی؟.... زینے پر بھی اندھیرا تھا۔ اوپر پہنچ کر وہ ایک طویل کاریڈور میں چلنے لگے۔ کاریڈور بھی نیم تاریک ہی سا تھا۔ اکثر دروازوں کے شیشوں سے کمروں کے اندر سے روشنی کاریڈور میں آرہی تھی لیکن یہ اتنی نہیں تھی کہ کسی کا چہرہ نظر آسکے۔ حمید کو بس دو دھندلے سے سائے نظر آرہے تھے۔ ایک دروازے کے سامنے وہ رکے اور حمید دیوار سے چپک گیا۔ اُسے قفل کی کنجی گھمانے کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور پھر دونوں سائے تاریکی میں ڈوب گئے۔ لیکن پھر ذرا سی ہی دیر میں کاریڈور کے دروازوں میں سے ایک اور کے بھی شیشے روشن ہو گئے۔ نیچے کار ایک ایسی جگہ پر چھوڑی گئی تھی کہ حمید کو پھر اُس آدمی کی واپسی کی توقع تھی۔ وہ تیسری منزل کے زینوں کے نیچے کھسک گیا۔ اب وہ بالکل تاریکی میں تھا اور یہاں سے اُس کمرے کا دروازہ صاف نظر آرہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور آدمی باہر نکل آیا۔ اُس کی پشت پر دروازہ بند ہو گیا اور اب وہ نیچے جانے والے راستے کی طرف جا رہا تھا۔ حمید

آہستہ آہستہ زینوں کی طرف گیا اور اُسے نیچے جاتے دیکھتا رہا اور جب اُس نے کسی کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تو اطمینان کا سانس لیا۔ اب وہ اُسی کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ جو کوئی بھی اندر ہے وہ تنہا ہی ہوگا کیونکہ وہ اُن کی آمد پر دروازے کے قفل میں کنجی گھمانے کی آواز سن چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ خالی کمرے ہی مقفل رکھے جاتے ہیں۔ اُس نے دروازے پر رک کر آہٹ لی۔ اندر کی روشنی ابھی گل نہیں کی گئی تھی۔ حمید نے انگلی سے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے....؟" اندر سے ایک نحیف سی آواز آئی۔

"ذرا کھولنا تو....!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں اس طرح کہا جیسے جلدی میں کوئی بات رہ گئی ہو۔

"تم بھی زندگی کے تلخ کیے دے رہے ہو۔" حمید نے بڑبڑاہٹ سنی اور ساتھ ہی قدموں کی چاپ بھی سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور حمید دوسرے ہی لمحے میں اندر تھا۔ اُس نے سامنے کھڑی ہوئی عورت کو ہٹا کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک خوبصورت اور نوجوان عورت تھی۔ چہرے سے اضمحلال اور نقاہت کے آثار ظاہر تھے جیسے وہ بیمار ہو۔

"تم کون ہو....؟" اُس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"شش....!" حمید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سرگوشی کی۔ "خطرہ قریب ہے۔ گدھے نے غلطی کی کہ تمہیں یہاں لے آیا۔"

"تم کون ہو....؟" اُس نے پھر دوہرادیا۔ اسی دوران میں حمید کی نظر اُس کے داہنے کان پر پڑی اور وہ خوشی کے مارے بے ہوش ہو جانے سے بال بال بچا۔ کان کی لو دوہری تھی۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" وہ مضطربانہ انداز میں اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"اگر پانچ منٹ خیریت سے گذر گئے تو پھر ہم خطرے سے باہر ہوں گے۔"

عورت تھوک نگل کر رہ گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔" حمید نے زبردستی اُسے پلنگ پر بٹھادیا۔ پھر تیزی سے دروازے کے قریب آیا اور ذرا سا دروازہ کر کے باہر جھانکنے کے بعد پھر پلنگ کی طرف پلٹ آیا۔

"جاسوسوں کا جال.... ایک جاسوس ہوسٹل کی لڑکی کو لئے آر لکچنو میں بیٹھا ہے۔ ہاسٹل کی تلاشی.... یہ گدھا بھی اندھا ہو گیا تھا.... احمق کہیں کا۔"

"آخر تم ہو کون....؟"

"چلو اٹھو....!" حمید گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا میری بھی گردن تڑواؤ گی۔ چپ

چاپ نکل چلو.... ورنہ ابھی یہاں بھی پولیس دھری ہوگی۔"

منہ کی کھائی

تقریباً گیارہ بجے ٹیکسی فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور حمید نے سہارا دے کر اُس عورت کو ٹیکسی سے اُتارا.... اُس کا جسم بخار سے پھنک رہا تھا۔ حمید نے دس دس کے تین نوٹ ٹیکسی والے کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ حیرت سے اُن نوٹوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے جھک کر اُسے ایک لمبا سا سلام کیا اور نوٹ جیب میں رکھ کر ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔

"مجھ سے اب نہیں چلا جا رہا ہے۔" عورت کراہی۔

"بس بس.... اب آرام ہی آرام ہے۔" حمید نے کہا اور اُسے سہارا دے کر اندر لے جانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کمرے میں آرام دہ بستر پر بیٹھی ہوئی حمید کو گھور رہی تھی۔

"تم کون ہو.... اور مجھے کہاں لے آئے ہو....؟" اُس نے پھر پوچھا۔

"میں آدمی ہوں اور تمہیں یہاں لے آیا ہوں۔" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"میں مر رہی ہوں اور تمہیں اپنے کام سے کام ہے۔" وہ تھکی تھکی سی آواز میں بولی اور کراہ کر لیٹ گئی۔ پھر وہ بڑبڑانے لگی۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا تو کبھی اس چکر میں نہ پڑتی۔ زندگی حرام ہوگئی۔ تم جانتے ہو میں کئی راتوں سے نہیں سوئی۔"

وہ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی اور اُس کی بڑبڑاہٹ برابر جاری رہی۔ اُس کی نظریں تو حمید کے چہرے پر تھیں مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود سے باتیں کر رہی ہو۔ "یا تو مجھے گولی ماردی جائے یا پھر پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ میں اس حالت میں کب تک رہوں گی۔ میں برباد ہوگئی۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم لیٹو تو۔" حمید چہک کر بولا.... وہ دل ہی دل میں اپنی عقل مندی پر نازاں تھا۔

"مجھے نیند نہیں آتی۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"ٹھہرو.... میں تمہیں ایک ہلکی سی خواب آور دوا دیتا ہوں۔" حمید نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ فریدی کے کمرے سے اُس نے خواب آور دوا کی شیشی اٹھائی اور پھر اُسی کمرے میں واپس آگیا۔

دوا پینے سے قبل گلاس ہاتھ میں لے کر عورت نے کہا۔ "خدا کرے یہ زہر ہو۔"

پھر اُس نے دوا اپنے حلق میں انڈیل لی اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے لیٹ گئی۔ دونوکر ابھی تک

جاگ رہے تھے۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ برآمدے میں منڈلا رہے ہیں۔ اُس نے انہیں ڈانٹ کر بھگا دیا اور وہ ہنستے ہوئے بھاگ گئے۔ شاید وہ اپنے دلوں میں سوچ رہے ہوں کہ فریدی صاحب کے آنے پر خاصی تفریح رہے گی۔ سارے ہی نوکر اس بات سے واقف تھے کہ فریدی عورتوں کے معاملے میں اکثر حمید کو جھاڑتا رہتا تھا۔ حمید کچھ دیر تک کمرے میں ٹھہرا رہا جب اُس نے دیکھا کہ عورت اونگھ رہی ہے تو چپ چاپ باہر نکل کر کمرہ مقفل کر دیا۔

اب وہ بڑی بے چینی سے فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس طرح اُس کے کمرے کے سامنے آرام کرسی ڈال کر بیٹھ گیا جیسے اُس کی واپسی پر بڑی گہری باز پرس کرے گا۔ اُس کا دل خوشی سے ناچ رہا تھا اور ذہن میں نئی نئی شرارتیں جنم لے رہی تھیں.... وہ اس ڈرامائی انداز کے متعلق سوچنے لگا جس میں وہ رضیہ کو فریدی کے سامنے پیش کرے گا۔

ساڑھے بارہ بجے کے قریب اُس نے فریدی کے قدموں کی آہٹ سنی اور پھر جیسے ہی وہ اندرونی برآمدے میں داخل ہوا حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ فریدی کے چہرے پر تھکن اور گہرے تفکرات کے آثار تھے۔

"کہاں تھے اب تک....؟" حمید نے گرج کر فریدی کے لہجے کی نقل اتاری اور فریدی کے ہونٹوں پر مضمحل سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں آوارگی نہیں برداشت کر سکتا۔" حمید نے پھر اُسی لہجے میں کہا۔

"مت بکو۔" فریدی آرام کرسی میں گرتا ہوا بولا۔ "میں مرجانے کی حد تک بور ہو چکا ہوں۔"

"اچھا تو سنئے لطیفہ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "اُس کی بڑھیا ماں شام سے کئی چکر لگا چکی ہے۔ جناب اُس لڑکی کو کہاں چھوڑا....؟"

"کیسی لڑکی....؟"

"جسے آر لکچو میں کھانا کھلا رہے تھے۔"

"اوہ.... تو تم نے دیکھا تھا۔ وہی تو ساری مصیبت کی جڑ ہے۔"

"اناڑی ہیں نا.... آپ.... لڑکیوں کے معاملے میں ہمیشہ مجھ سے مشورہ لیا کیجئے۔"

"جانتے ہو وہ کون تھی....؟"

"رووانو کے ہوسٹل کی ایک لڑکی۔"

"تب تو....!" فریدی سنبھل کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "آج تم بہت کچھ جانتے ہو۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ نے اُس سے کن کٹی لڑکی رضیہ کے متعلق معلومات بہم

پہنچائی ہوں گی۔"

"اچھا پھر....؟" فریدی اُسے گھور رہا تھا۔

"پھر حضور نے رووانو کے ہوسٹل پر چھاپہ مار کر اُسے چھاپہ خانہ بنادیا ہوگا۔"

"اوہ....!"

"اور پھر.... چڑیا پھر سے اُڑ گئی.... ففف.... ففف.... فریدی صاحب۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"شاید تم.... لیکن تم سامنے کیوں نہیں آئے؟"

"یہ صرف قیاسات تھے! سرکار۔" حمید فخریہ انداز میں گردن اکڑا کر بولا۔ "میں آپ کے پیچھے نہیں لگا رہا۔"

"میرے ہی فرزند ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا پھر چونک کر بولا۔ "دیکھو شاید کوئی پھاٹک ہلا رہا ہے۔"

حمید اٹھ کر باہر آیا۔ پھاٹک کے باہر کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دے رہی تھیں اور کوئی پھاٹک ہلا رہا تھا۔ حمید نے قریب جا کر دیکھا یہ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی تھا اور اس کے ہمراہ انسپکٹر میش کے علاوہ دو سب انسپکٹر بھی تھے۔

حمید انہیں اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے آیا اور پھر وہ فریدی کو اطلاع دینے کے لئے اندر چلا گیا۔ واپسی پر وہ بھی فریدی کے ساتھ ہی تھا۔

فریدی کو دیکھ کر کوتوال کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اب بتایئے!" ڈی۔ ایس۔ پی چہک کر بولا۔ "وہ لڑکی بھی اپنے بیان سے پھر گئی۔"

"میں نہیں سمجھا۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"وہی جس نے آپ کو....!"

"لڑکی کے متعلق میں سمجھ گیا ہوں۔" فریدی نے بات کاٹ کر کہا۔ "اُس نے بیان کیا بدلا ہے؟"

"اب وہ کہتی ہے کہ آپ اُسے آرلکچو میں اتفاقاً مل گئے تھے اور اُس نے آپ سے ہرگز یہ نہیں کہا کہ ہاسٹل میں کوئی ایسی لڑکی تھی جس کے داہنے کان کی لو دوہری رہی ہو۔"

"اگر اُس نے بیان بدل دیا ہے تو اس پر حیرت نہ ہونی چاہئے۔ اُس نے مجھے یہ سب کچھ یہ سمجھ کر نہیں بتایا تھا کہ میں سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی ہوں اور پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کے کسی آدمی نے اُسے ناکام تلاشی کی داستان سنادی ہو۔"

"اُونہہ ہوگا....!" ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔ "لیکن مادام رووانو نے آپ پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کرنے کی دھمکی دی ہے۔"

"خوب....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اُسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

"کیا دیکھ لیا جائے گا....؟"

"رووانو کے ہاسٹل میں لڑکیوں کا بیوپار ہوتا ہے۔"

"چلئے یہ دوسری رہی۔" ڈی۔ ایس۔ پی طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "ارے صاحب زادے میں آپ سے عمر میں کافی بڑا ہوں اور تجربہ کار بھی۔ آپ ہٹ دھرم ہیں۔ جو کچھ آپ کی زبان سے نکل جاتا ہے اُسے ثابت کرنے کے لئے آپ ایڑی چوٹی کا زور لگادیتے ہیں۔ خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ آپ نے ایک بار کہہ دیا کہ شاہد مجرم نہیں ہے لہٰذا.... میں پھر سمجھتا ہوں کہ خود پر دوسروں کو ہنسنے کا موقع نہ دیجئے۔"

"اوہ....!" حمید بھنا کر بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ رضیہ کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔"

"رضیہ نہیں ریکھا کہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "رضیہ تو فرضی نام تھا۔ جو شاہد کو بتایا گیا تھا۔"

"چلئے ریکھا ہی سہی۔" حمید نے اُسی تیز لہجے میں کہا۔ "کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ ہاسٹل میں ریکھا نام کی کوئی لڑکی نہیں تھی؟"

"نہیں تھی۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے حمید کے لہجے پر جز بز ہو کر کہا۔

"دیکھئے.... اتنے وثوق سے نہ کہئے۔" حمید نے دھیمے پڑتے ہوئے کہا۔ "فریدی اور حمید ایک ہی شخصیت کے دو پہلو ہیں۔ ان میں سے اگر ایک دھوکا کھاتا ہے تو دوسرا اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں عظیم ہستیوں کے نام ہمیشہ ایک ہی ساتھ لیے جاتے ہیں۔"

فریدی اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو....؟" ڈی۔ ایس۔ پی پھر اکھڑ گیا۔ اُسے حمید کا لہجہ بہت گراں گذر رہا تھا۔ اگر وہ براہِ راست اُس کا ماتحت ہوتا تو نہ جانے اب تک کیا ہو رہتا۔

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فریدی صاحب کے متعلق آپ کی رائے درست نہیں۔ ان سے غلطیوں کا امکان بہت کم ہے اور اگر کوئی غلطی ہو بھی جاتی ہے تو شہر کا ماحول اتنا پُرسکون نہیں ہوتا۔ بعض عمارتیں بدروئیں کی آگ اگلنے لگتی ہیں[1] اور شہر جہنم بن جاتا ہے۔"

"میں بیکار باتوں میں وقت ضائع کرنے نہیں آیا ہوں۔" ڈی۔ ایس۔ پی جھنجھلا کر بولا۔

---

1 حوالے کے لئے "لاشوں کا آبشار" جلد نمبر 9 ملاحظہ فرمایئے۔

"اگر آپ لوگ اپنی موجودہ روش ترک نہیں کرنا چاہتے تو آپ بھگتیں گے۔"

"ہمیں بھگتنے ہی کی تنخواہ ملتی ہے۔" حمید مسکرایا۔

"تم حد سے بڑھ رہے ہو.... مجھے بدتمیزی پسند نہیں۔"

"حمید....!" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"ہم دونوں کئی مہینوں سے بھگت رہے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔ پھر ڈی۔ایس۔پی سے بولا۔ "آپ میرے بزرگ ہیں۔ اگر میں نے ریکھا کا وجود ثابت کر دیا تو....!"

"حمید بکواس مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "میں ردوانو کے دعویٰ کا بے چینی سے منتظر رہوں گا۔"

"شاید میں اس سے پہلے ہی کھیل ختم کر دوں۔" حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "صرف دس منٹ میرا انتظار کیجئے۔"

فریدی نے پھر اُسے عجیب نظروں سے دیکھا۔ حمید کمرے سے جا چکا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں وہ سب خاموشی سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے۔ ڈی۔ایس۔پی کے چہرے سے اکتاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ فریدی نے سگار سلگا لیا تھا۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ تھوڑی دیر تک قدموں کی آواز سنائی دی اور حمید ریکھا کو سہارا دیتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ پولیس والوں کو دیکھ کر ریکھا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ریکھا سے ملئے۔" حمید کی آواز سناٹے میں گونجی اور ڈی۔ایس۔پی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ مسکرانے لگا۔ "اس کا داہناں کان بھی ملاحظہ فرمایئے۔" حمید نے ڈی۔ایس۔پی سے کہا۔

اُس نے آگے بڑھ کر دیکھا اور کچھ بڑبڑاتا ہوا پھر سیدھا ہو گیا۔

"تمہارا کیا نام ہے؟" اُس نے عورت سے پوچھا۔

"ریکھا۔"

"یہ تمہیں کہاں سے لائے ہیں۔"

"میں عمارت کا نام نہیں جانتی۔"

ڈی۔ایس۔پی نے گھور کر حمید کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک کہتی ہے۔" حمید نے کہا۔ "اسے بہت جلدی میں ہوسٹل سے نکالا گیا تھا یہ بیمار ہے۔"

"تم ردوانو کے ہوسٹل میں تھیں....؟" ڈی۔ایس۔پی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"تمہیں وہاں سے کون لے گیا تھا....؟"

"رمیش....!"

"رمیش کون ہے؟"

"میرا ایک دوست....!"

"وہ کہاں رہتا ہے....؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"پچھلی سنیچر کی رات کو تم کہاں تھیں۔ گیارہ اور دو کے درمیان میں۔"

جواب فوراً ہی نہیں دیا گیا۔ ریکھا اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی تھی۔ پھر تھوک نگل کر بولی۔

"میں جاوید بلڈنگ میں تھی لیکن قتل سے میرا کوئی سروکار نہیں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ رمیش کیا کرنا چاہتا ہے۔"

"تمہارے ساتھ صرف رمیش تھا....؟"

"نہیں.... رمیش نہیں تھا.... شاہد تھا۔"

"شاہد کون ہے؟"

"یونیورسٹی کا ایک طالب علم۔ رمیش نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ شاہد کو بیوقوف بنانا چاہتا ہے۔ اسی کے کہنے سے میں نے شاہد سے دوستی کی تھی اور اُسے بتایا تھا کہ میں اشرف کی بیوی ہوں۔"

"جاوید بلڈنگ کا مالک کون ہے؟"

"میں پہلے نہیں جانتی تھی۔ رمیش نے مجھے بتایا تھا کہ شاہد اُس کا دوست ہے اور خود کو عورتوں سے دور رکھتا ہے۔ اُس نے مجھے اشرف کے متعلق بتایا تھا کہ وہ ایک فرضی نام ہے۔ اُس نے سنیچر کی رات کو دس بجے مجھے جاوید بلڈنگ کی کنجی دی اور کہا کہ میں شاہد کو وہاں لے آؤں۔ میں اور شاہد کیفے کاسینو میں بیٹھے ہوئے تھے اور رمیش نے مجھے الگ بلا کر کنجی دی تھی۔ مجھے بُری طرح پھانسا گیا ہے اور وہ شاہد تو بالکل ہی بے گناہ ہے۔ میں نے اُس واقعے سے تین دن پیشتر رمیش کے کہنے سے اُس کا شناختی کارڈ بھی اڑا لیا تھا۔"

"تم نے یہ سب کچھ کیا.... لیکن رمیش سے اس کی وجہ نہیں پوچھی۔"

"وہ شاہد کو بے وقوف بنانا چاہتا تھا اور اس کی شکست کی کوئی ایسی نشانی اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا جسے دکھا کر وہ اُسے چھیڑ سکے۔ اس لئے اُس نے اس کا کوٹ بدلوا لیا تھا۔ میں وہی کہہ رہی ہوں جو

رمیش نے مجھ سے کہا تھا اور سازش کا علم تو مجھے دوسرے دن کے ایک شام کے اخبار سے ہوا تھا اور پھر میں رمیش کے اشاروں پر ناچتی رہی۔"

"تم شاہد کے ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہو گئی تھیں یا شاہد وہاں رکا رہا تھا....؟"

"وہ پہلے چلا گیا تھا۔"

"رمیش اس وقت کہاں تھا اور تم وہاں کیوں رک گئیں تھیں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ میں دروازہ باہر سے مقفل کر کے واپس چلی گئی تھی۔"

"مگر شاہد تو کہتا ہے کہ وہ تنہا واپس گیا تھا۔"

"ٹھیک کہتا ہے۔ میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔ مجھ سے رمیش نے کہا تھا کہ میں اُس وقت تک مکان میں ٹھہری رہوں جب تک وہ اس سڑک سے گذر نہ جائے۔"

"تم نے اس دوران میں تجوری گرنے کا دھماکہ سنا تھا....؟"

"میں نے قطعی کچھ نہیں سنا۔"

"رمیش کو تم کب سے جانتی ہو....؟"

"چھ ماہ سے۔"

"تم بھی قتل میں شریک سمجھی جاؤ گی۔"

"مجھے پرواہ نہیں.... میں اس دوران میں اپنی زندگی سے عاجز آ گئی ہوں۔ مگر وہ لڑکا بالکل معصوم ہے۔"

"جو کچھ کہو.... سوچ سمجھ کر کہو۔ تمہارا بیان تمہارے خلاف عدالت میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔"

"میں ہوش میں ہوں۔" ریکھا نے کہا۔ "میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ سزا سے بچ سکوں۔"

"تمہیں سزا سے بچانا میرا کام ہے۔" فریدی پُر سکون لہجے میں بولا۔

"اسی اطمینان پر تو وہ آپ کے اشاروں پر ناچ رہی ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی تلخ لہجے میں بولا۔

"میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" ریکھا نے کہا۔

"رمیش کہاں رہتا ہے؟" ڈی۔ ایس۔ پی نے ریکھا سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔ پہلے میں سمجھی تھی کہ وہ جاوید بلڈنگ ہی میں رہتا ہے۔"

"تم اُس سے کس طرح ملی تھیں؟"

"مادام روو انو نے تعارف کرایا تھا۔"

"تم کس کالج میں پڑھتی ہو....؟"

"کسی میں بھی نہیں۔" اُس نے تلخ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اسے ہوسٹل سمجھنے والے گدھے ہیں۔ وہاں لڑکیوں کا بیوپار ہوتا ہے۔"

"خوب پڑھایا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"شکریہ....!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"تم اسے کہاں سے لائے تھے؟" ڈی۔ ایس۔ پی نے حمید سے پوچھا۔

"اسے آپ تک پہنچا دینے کے بعد ہمارا کام ختم ہو جاتا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"کیا مطلب....؟" ڈی۔ ایس۔ پی کی پیشانی پر پھر بل پڑ گئے۔

"ہمارا کہنا صرف یہ تھا کہ شاہد بے گناہ ہے اور وہ نادانستگی میں اس سازش کا شکار ہوا ہے۔ ہم نے سازش کرنے والوں میں سے ایک آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ اب ہم آپ کے کسی معاملے میں دخل نہ دیں گے۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔"

"یہ تمہیں کہاں سے لائے ہیں....؟" ڈی۔ ایس۔ پی نے ریکھا سے گرج کر پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ مجھے ہوش نہیں تھا۔ رمیش مجھے ہوسٹل سے ایک عمارت میں لے گیا تھا۔ میں اس وقت بھی بخار میں پھنک رہی ہوں۔"

"اچھا میں اسے کوتوالی لے جا رہا ہوں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے فریدی سے کہا۔

"شوق سے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن میں بھی چلوں گا۔ اگر اس نے بھی اپنا بیان بدل دیا تو کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اسی وقت میرے سامنے اس کا بیان روزنامچے میں درج کیا جائے گا۔"

"کیا مطلب....؟"

"اوہو! چونکہ آپ تک ہماری وساطت سے پہنچی ہے۔ اسی لئے میں یہی مناسب سمجھوں گا کہ بیان میرے سامنے ہی لکھا جائے۔"

ڈی۔ ایس۔ پی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے اُسکے ہمراہ جانے سے قبل حمید کو الگ لے جا کر بولا۔

"فرزند.... میں تم پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔ اب تم اُس عمارت پر نظر رکھو.... رمیش پھر وہاں واپس آئے گا.... بس تم چلے ہی جاؤ۔"

"ہات تیری کی۔" حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "کاش میں اس عورت کو کسی کنوئیں میں پھینک دیتا۔"

آخری مرحلہ

حمید رات بھر اُس عمارت کے قریب جھک مارتا رہا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس طرح جھک مارنے کا سلسلہ کب اور کس طرح ختم ہوگا۔ کیونکہ اُس نے فریدی کو اُس جگہ کا پتہ یا نشان بتایا ہی نہیں تھا۔ اُس نے فریدی کی چھوٹی کار عمارت سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی کردی تھی اور خود اس کے اندر بیٹھا رہا تھا۔

صبح ہوتے ہوتے اُس کی جان پر بن گئی۔ پائپ کا تمباکو بھی ختم ہو چکا تھا اور ساری دکانیں بند تھیں۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اُس عمارت کے سامنے والی عمارت میں ایک ڈیری تھی۔ سورج طلوع ہونے سے قبل ہی ڈیری کے دروازے کھل گئے اور حمید کو سامنے ہی میز پر ٹیلی فون رکھا ہوا دکھائی دیا۔ اُس کی جان میں جان آئی اور وہ کار سے اُتر کر ڈیری کی طرف جھپٹا۔

اور پھر وہ فریدی کو فون کر رہا تھا۔ فریدی گھر ہی پر موجود تھا۔ حمید نے اُسے بتایا کہ اب وہ اور زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ ابھی تک ریمش نہیں دکھائی دیا۔ فریدی نے جگہ سے متعلق پوچھ کر حمید کو وہیں انتظار کرنے کے لئے کہا۔ وہ خود آرہا تھا۔

حمید ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف مڑا اور ساتھ ہی اُس نے سامنے والی عمارت کے سامنے ایک کار رکتی دیکھی۔ اُس پر سے اُتر کر عمارت میں داخل ہونے والا ریمش ہی تھا۔ حمید پھر تیزی سے فون کی طرف جھپٹا۔ ڈیری والا اُسے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"معاف کیجئے گا۔" حمید منکسرانہ انداز میں بولا۔ "ایک ضروری بات رہ گئی۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ اپنی پیشانی کی شکنیں مٹا کر زبردستی مسکرایا۔

حمید پھر فریدی کو فون کرنے لگا۔ اُس نے اُسے ریمش کی اطلاع مبہم الفاظ میں دی اور یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ شاید اُسے اُس کا تعاقب کرنا پڑے۔ لہٰذا وہ فی الحال وہیں ٹھہرے۔ فریدی نے اُس کے خیال کی تائید کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ حمید سڑک پر نکل آیا۔ اب وہ اپنی کار بیک کر کے پٹرول پمپ کی طرف لے جارہا تھا جو وہاں سے قریب ہی تھا۔ اُس کی نظریں اب بھی عمارت کے زینوں کی طرف تھیں۔ اُس نے کار کی ٹنکی بھروائی۔ پھر انجن اسٹارٹ کر کے نیچے اُتر آیا اور انجن کھول کر اس طرح اُس پر جھک پڑا جیسے اُس میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہو۔ دس منٹ گزر گئے لیکن ریمش واپس نہ آیا۔ اُس کی کار بدستور اُسی جگہ کھڑی تھی جہاں وہ اُسے چھوڑ گیا تھا۔

بیس منٹ گزر گئے۔ حمید کو تشویش ہوئی۔ اُس نے کار وہیں چھوڑ دی اور تیزی سے عمارت کی طرف آیا۔ چند لمحے زینوں کے قریب کھڑے رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر اُس پر چڑھنے لگا۔ اس وقت اوپر راہداری سنسان نہیں تھی دن نکل آیا تھا اور وہاں دو چار بچے نظر آرہے تھے۔ دروازے بھی کھل گئے تھے۔

حمید نے مطلوبہ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر کواڑوں کو دھکا دیا جو کھل گئے۔ کمرہ خالی تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے جلدی میں کمرے کی ساری چیزیں الٹ پلٹ کر رکھ دی ہوں۔ اُس نے بڑی تیزی سے کمرے کی ساری چیزوں کا جائزہ لیا اور پھر وہ باہر نکل آیا۔

وہ راہداری کے آخری سرے تک بڑھتا چلا گیا اور پھر ساری حقیقت اُس پر ظاہر ہوگئی۔ راہداری کے اختتام پر بائیں طرف ایک راہداری تھی۔ جس کا سلسلہ دوسری طرف نیچے جانے والے زینوں کے سرے پر ختم ہو گیا تھا۔ اُس نے جھنجھلا کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مار لیا۔ کاش اُسے معلوم ہوتا کہ عمارت میں دوسری طرف بھی زینے ہیں۔

وہ پندرہ بیس منٹ تک وہاں ریمش کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا۔ لیکن کسی نے بھی تسلی بخش جواب نہ دیئے۔ ریمش کو کمرے میں داخل ہوتے یا نکلتے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ خود کو بُرا بھلا کہتا ہوا نیچے اُتر آیا اور نیچے آتے ہی ایک بار پھر اُس کی کھوپڑی گردن سے اکھڑ کر ہوا میں معلق ہوگئی۔ ریمش کی کار غائب تھی اس کا مطلب تھا کہ اس دوران میں خود ریمش کی نظر حمید پر رہی تھی۔ جیسے ہی وہ اوپر پہنچا ریمش کار بھی لے اڑا۔ اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہوسکتی تھی کہ حمید نے کار کے نمبروں پر بھی دھیان دینے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔

اب وہ وہاں رک کر کرتا ہی کیا۔ پچھلی رات کی کامیابی کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ وہ گھر کی طرف چل پڑا اور گھر پہنچ کر اگر وہ فریدی پر نہ برس پڑتا تو اُسے خود اپنی ذات سے شکایت ہوتی۔

واقعات بتانے کے بعد وہ بڑے زور سے گرجا۔ جب ایک عمارت میں دو طرفہ زینے ہوں تو دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سمجھے جناب۔"

"سمجھا فرزند....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "لیکن ریکھا والے معاملے میں تم تنہا تھے۔"

"نہیں.... ہم دو تھے۔ اگر ریمش آپ کو خوفزدہ نظروں سے نہ دیکھتا تو میں کبھی اُس کا تعاقب نہ کرتا۔ اُس کے اس طرح دیکھنے ہی سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ آپ کے ساتھ والی عورت رود انو ہوسٹل ہی کی ہوسکتی ہے وہ آپ کے ہتھے کس طرح چڑھ گئی تھی؟"

"بہت آسانی سے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بس دو تین گھنٹے وہاں ٹھہر کر اُن کا طریقہ کار

سمجھنا پڑا تھا۔ عمارت کے سامنے کسی نہ کسی کی کار پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ پھر ایک لڑکی عمارت سے نکل کر ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف جاتی ہے۔ جب وہ ٹیکسی میں بیٹھ لیتی ہے تو عمارت کے سامنے کھڑی ہوئی کار بھی اُس کے پیچھے لگ جاتی ہے اور پھر یہاں عمارت کے سامنے ایک دوسری کار آ کھڑی ہوتی ہے۔ ٹھیک اُسی جگہ پر جہاں پہلی کار کھڑی تھی۔ پھر ایک دوسری لڑکی عمارت سے باہر آتی ہے اور وہ کار بھی وہاں سے کھسک جاتی ہے۔ بہر حال میری کار پانچویں نمبر پر تھی۔ پانچویں لڑکی ٹیکسی میں بیٹھ کر روانہ ہوتی ہے اور میری کار اُس کا تعاقب کرتی ہے پھر وہ ایک جگہ اُتر کر ٹیکسی کے دام چکاتی ہوئی آر لکچو میں داخل ہو جاتی ہے اور میں بھی اُس کی تقلید کرتا ہوں۔ وہ پلٹ کر دیکھتی ہے اور میں مسکراتا ہوں۔"

"اور میں مر جاتا ہوں۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر چیخا۔

"ہم دونوں مل بیٹھتے ہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد ایک ایسی لڑکی کا تذکرہ چھیڑتا ہوں جس کا داہنا کان خاص قسم کا ہے۔ وہ مجھے اُس لڑکی کا نام بتاتی ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید میں بہت پرانا گاہک ہوں۔"

"بہر حال کل رات آپ نے مزے کیے۔"

"کیا کہنے ہیں۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"نیند سے میرا بُرا حال ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس لئے اب میں سونا چاہتا ہوں۔"

"بہتر ہے.... اب تم سو ہی جاؤ۔" فریدی بولا۔ "اس سلسلے کی دوسری اطلاع یہ ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی نے صلح کر لی ہے اور وہ فی الحال ہمارے کہنے پر کنوئیں میں بھی چھلانگ لگا دینے سے گریز نہ کرے گا۔"

"آپ اُسے یہی مشورہ دیجئے۔" حمید نے کہا اور خواب گاہ کی راہ لی۔ نیند نے اُس پر اس بُری طرح حملہ کیا تھا کہ اُس نے ناشتے کی بھی پرواہ نہیں کی۔

شام کو شاید تین بجے تھے جب اُس کی آنکھ کھلی وہ خود سے نہیں جاگا تھا۔ بلکہ فریدی اُسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید کروٹ لے کر منمنایا۔

"اول تو تم عورت نہیں ہو۔" فریدی نے اُسے دوبارہ جھنجھوڑا۔ "اور اگر ہو بھی تو یہ تمہارے مصیبت کے دن نہیں۔"

حمید حلق پھاڑ کر چیختا ہوا پلنگ پر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اُس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔

"قبر میں بھی نہ سونے پاؤں گا۔"

"ذرا آنکھیں کھولو پیارے! یہ قبر نہیں پلنگ ہے۔"

حمید نے پلنگ سے چھلانگ لگائی اور گرتے گرتے بچا۔

"میں پتہ نہیں کب اپنے کیکر فردار کو پہنچوں گا۔" اُس نے آنکھیں کھول کر کہا جو انگارہ ہو رہی تھیں۔

"یہ کیکر فردار کیا بلا ہے؟"

"مجھے صاف نہیں دکھائی دیا تھا۔ کیفر کردار....!"

"چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"کیا....؟ میں اب کہیں نہ جاؤں گا۔"

"میں ناشتے کی میز کا تذکرہ کر رہا تھا۔ تم صبح سے بھوکے ہو۔"

حمید مر بھکوں کی طرح ناشتے پر ٹوٹا تھا۔ ناشتہ ختم کر کے پائپ کے تین چار کش لینے کے بعد اُس کا ذہن کچھ صاف ہوا تو اُس نے رمیش کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق بھی چیٹر لیز ہوٹل ہی سے ہے۔" فریدی نے کہا۔ "آج ہم وہاں بھی چھاپہ ماریں گے۔ اُس آدمی پر قابو پائے بغیر ہم اس سازش کے سرغنہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ فیض ہی ہو سکتا ہے؟"

"قطعی! وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ اشرف کو روحی کی ماں پسند کرتی تھی اور روحی کا باپ فیض کے حق میں تھا۔ کیونکہ فیض اشرف سے زیادہ مالدار ہے۔ ظاہر ہے کہ اشرف ختم ہو گیا۔ اب روحی کے باپ ہی کی پسند کو ترجیح دی جائے گی.... اپنی دانست میں فیض شاہد کو بھی پھنسا چکا ہے۔ لہٰذا اشرف کی جائیداد بھی روحی ہی کی طرف آئے گی۔ اس کے علاوہ روحی کم دولت مند نہیں۔ کیا سمجھے۔ دو بڑی جائیدادوں کا مسئلہ ہے۔"

"لیکن پھر بھی فیض کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن اب وہ بچ نہیں سکتا۔ پہلے تو میں اُسے رووانو والے معاملے میں ماخوذ کروں جس کے لئے کافی سے زیادہ ثبوت بہم پہنچا چکا ہوں۔ رووانو نے اقبال جرم کر لیا ہے کہ چیٹر لیز ہوٹل اس کی ناجائز تجارت میں برابر کا شریک تھا۔"

"تب تو معاملہ ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن فیض اس سے بھی اپنی لاعلمی ظاہر کر سکتا

ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی ساری ذمہ داری منیجر پر ڈال دے۔"

"یہ بھی ممکن ہے، فکر نہ کرو۔ ہمیں نئے حالات کا منتظر رہنا چاہئے۔"

آٹھ بجے کے قریب چیٹر لیز ہوٹل کا محاصرہ کر لیا گیا۔ منیجر بوکھلا کر اپنے آفس سے نکل آیا۔

"میں آپ کو حراست میں لیتا ہوں۔" فریدی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کیوں! کس لئے؟"

"آپ مادام رووانو کی لڑکیوں کی تجارت میں شریک رہے ہیں۔"

"یہ غلط ہے۔"

"یہ مادام رووانو کا بیان ہے اور آپ کے تین گاہکوں نے بھی شہادت دی ہے۔"

منیجر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

حمید دوسری ہی دھن میں تھا۔ وہ مسافروں کے رہائش کے کمرے کھنگالتا پھر رہا تھا۔ اچانک ایک کمرے کی کھڑکی میں اُسے میش کا چہرہ نظر آگیا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حمید ایک ہی جست میں کمرے کے اندر پہنچ گیا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" اُس نے ریوالور نکال کر کہا لیکن شاید میش اُس سے بھی زیادہ پھرتیلا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آرہے۔ اس کش مکش میں ریوالور چل گیا لیکن گولی دروازے کے شیشے کو توڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ حمید نے محسوس کر لیا کہ میش کافی طاقتور ہے۔ اگر اُس نے ریوالور کی نال کا رخ اُس کی طرف کر دیا تو کھیل ختم ہو جائے گا۔ اب حمید اپنی تمام تر قوت ریوالور سے چھٹکارا پانے کے لئے صرف کرنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ ریوالور اُن دونوں ہی کے ہاتھ سے نکل جائے۔

"بیکار ہے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "تم نکل نہیں سکتے۔ ہوٹل گھرا ہوا ہے۔" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

پھر حمید نے اپنے داہنے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور ریوالور دور جا پڑا۔ ساتھ ہی میش نے حمید کی ناک اتنے زور سے دبائی کہ اُس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور پھر وہ تڑپ کر نکل گیا۔ قبل اس کے کہ حمید اٹھتا اُس کی پیشانی پر ایک ٹھوکر پڑی اور وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ میش کمرے سے نکل چکا تھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا بھیجا نکل آیا ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس نے کاریڈور میں بہت سے قدموں کی آوازیں سنیں۔

"ارے.... تم....!" اُس نے فریدی کی آواز سن کر آنکھیں کھول دیں۔

"نکل گیا.... وہ نکل گیا۔" حمید چیخا۔

"کون....؟"

"میش....!"

"باہر نہیں جا سکتا.... ہائیں۔" اچانک فریدی چونک پڑا۔ نہ صرف فریدی بلکہ اُس کے ساتھی بھی چوکنے ہوگئے۔ کہیں قریب ہی سے فائر کی آواز آئی تھی۔ حمید تو جلدی سے نہ اٹھ سکا لیکن وہ سب باہر نکل گئے.... وہ کاریڈور میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ فریدی بارود کی بو محسوس کر رہا تھا۔ کاریڈور تاریک تھا۔ فریدی نے ٹارچ کی روشن کی روشنی کا دائرہ ایک ایسے آدمی پر پڑا جو فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ اُسکے داہنے شانے سے خون ابل رہا تھا۔ اتنے میں حمید بھی وہاں پہنچ گیا۔

"ارے.... یہ تو میش ہے۔" اُس نے بے ساختہ کہا۔

میش ابھی زندہ تھا اور اُس کی سانس رک رک کر چل رہی تھی۔

تین چار آدمیوں نے اُسے اٹھالیا اور نیچے لے جانے لگے۔

"دیکھو.... یہاں کہیں سوئچ ہوگا۔" فریدی بولا۔ "روشنی کر دو۔"

ڈھونڈنے والوں کو سوئچ ملے تو.... لیکن کاریڈور کا ایک بھی بلب روشن نہ ہو سکا۔ فریدی کاریڈور کے کمروں کے بند دروازوں پر ٹارچ کی روشنی ڈالنے لگا۔ یہ سارے کمرے غالباً خالی تھے ورنہ فائر کی آواز پر اُن میں رہنے والے ضرور باہر نکل آتے۔

"ہو سکتا ہے کہ اُس نے خود ہی گولی مار لی ہو۔" حمید بڑبڑایا۔

"گولی پشت سے چلائی گئی ہے۔ سامنے سے نہیں۔" فریدی نے کہا پھر اُس نے بند دروازوں کو دھکے دینے شروع کئے۔ کچھ تو کھل گئے اور کچھ مقفل تھے۔ آخر کار ایک کمرے میں انہیں ایک ریوالور پڑا ہوا مل گیا۔ یہ کمرہ خالی تھا۔ فریدی نے ریوالور کے دستے کو رومال سے پکڑ کر اٹھایا۔

اتنے میں ڈی۔ ایس۔ پی بھی وہاں آگیا۔

"غالباً گولی اسی ریوالور سے چلائی گئی ہے۔" فریدی ریوالور کی نال ناک کے قریب کئے ہوئے کہہ رہا تھا۔ نال سے بارود کی بو آرہی ہے اور اسمیں پانچ گولیاں ہیں۔ ایک چیمبر خالی ہے۔"

تھک ہار کر وہ پھر نیچے ہال میں آگئے جہاں تقریباً ساٹھ ستر آدمی موجود تھے۔ اُن میں سے کچھ ہوٹل میں قیام کرنیوالے اور کچھ روزانہ کے گاہک تھے۔ اُنکے چہرے اُترے ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے دو فائروں کی آوازیں سنی تھیں اور ایک زخمی کو پولیس کی گاڑی پر بار ہوتے دیکھا تھا۔

فریدی کی عقابی نظریں مجمعے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور

پیشانی پر رگیں اُبھر آئی تھیں۔ اچانک اُس کی نظریں ایک طویل القامت سکھ پر رک گئیں۔ سکھ نے بھی شاید اسے محسوس کرلیا اور وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔ فریدی نے اشارے سے اُسے اپنے قریب بلالیا۔

"آپ لوگوں کو ذرہ برابر بھی تمیز نہیں۔" سکھ نے پنجابی لہجے میں کہا۔ "میں کوئی کتا ہوں.... جو اس طرح انگلی کے اشارے سے بلاتے ہو۔"

"سردار جی.... میں کتوں کا بڑا شوقین ہوں.... اگر انگلی کے اشارے پر آنے والا کوئی کتا تمہاری نظر میں ہو تو مجھے بتاؤ.... ہر قیمت پر خرید لوں گا۔"

"کیا سمجھتے ہو مسٹر! زبان کو لگام دو۔ میں بھی کرنل ہوں۔" سکھ بگڑ کر بولا۔

"معاف کیجئے گا کرنل صاحب۔ شاید آپ یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"نہیں بتاتا.... تم سے مطلب....؟"

دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا گھونسہ اُس کے جبڑے پر پڑا۔ اگر اُس کے پیچھے کھڑے ہوئے لوگ اُسے سنبھال نہ لیتے تو وہ کافی فاصلے پر گرا ہوتا۔ اُس نے سنبھلتے ہی کرپان نکال لی۔

"تمہیں اس کرپان کے لئے بھی جواب دہ ہونا پڑے گا دوست....!" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "میں بڑا خوش قسمت ہوں کہ تم نے اپنا کھیل خود ہی ختم کردیا۔ ورنہ ثبوت کے لئے اب بھی مجھے سر مارنا پڑتا۔"

قبل اس کے کہ دوسرے لوگ کچھ سوچ سمجھ سکتے سکھ نے فریدی پر حملہ کردیا۔ اُس کا یہ فعل اضطراری معلوم ہورہا تھا۔ فریدی نے کرپان والے ہاتھ پر تھپکی دے کر پھر اُس کے منہ پر ایک گھونسہ جڑدیا۔ اتنی دیر میں مجمع تتر بتر ہوچکا تھا۔ اس بار وہ فرش پر چت گرا اور اُس کی پگڑی اُتر کر دور جاگری۔ کرپان اُس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ وہ بڑی پھرتی سے اٹھا اور ایک کرسی فریدی پر کھینچ ماری۔ فریدی جھکائی دے کر اُسے بھی بچا گیا۔ سکھ نے دوسری کرسی اٹھائی لیکن اب وہ سکھ نہیں معلوم ہورہا تھا کیونکہ اُس کے ننگے سر پر انگریزی وضع کے بال نظر آرہے تھے۔ کرسی اٹھنے سے پہلے ہی فریدی نے اُس کی گردن دبوچ لی۔

"فیض....!" اُس نے اُسے زمین پر گراتے ہوئے کہا۔ "اب یہ ڈاڑھی اور مونچھیں بھی فضول ہیں۔"

دوسرے لمحے میں اُس نے مصنوعی ڈاڑھی نوچ کر الگ کردی۔

فیض پر جیسے دیوانگی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ کسی پاگل کتے کی طرح فریدی کو نوچ رہا تھا۔ لیکن تین

چار ہی گھونسوں نے اُسے ٹھنڈا کردیا۔

اُس کے ہتھکڑیاں لگادی گئیں۔ پہلے ہوٹل کے منیجر کو یونہی لے جانے کا خیال تھا مگر اس واقعے کے بعد اُسے بھی ہتھکڑیاں پہننی پڑیں۔

دوسری صبح ممکن ہے کہ فریدی کے لئے خوشگوار رہی ہو لیکن حمید اپنی زندگی سے بیزار نظر آرہا تھا۔ پچھلی رات کی چوٹ بُری طرح دکھ رہی تھی۔ سر پھٹا تو نہیں تھا لیکن حمید کے بیان کے مطابق بھیجا ضرور ہل گیا تھا اور اُس ہلتے ہوئے بھیجے میں یہ بات نہیں سما رہی تھی کہ آخر فیض وہاں سکھ کے بھیس میں کیا کررہا تھا۔

فریدی رات سے اب تک نہیں آیا تھا۔ حمید سر کی تکلیف کی وجہ سے کوتوالی نہیں گیا تھا۔

تقریباً دس بجے فریدی واپس آیا۔

"بڑے بڑے انکشافات ہوئے ہیں۔" فریدی نے اُسے بتایا۔ "فیض ایک خاصے بڑے گروہ کا سرغنہ ہے اور مادام رووانو تو دراصل اُس کی تنخواہ دار نوکر تھی۔ ریمش اُس کے بدمعاشوں میں سے ہے۔ فیض براہ راست رووانو کے ہوسٹل سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ یہ کام اُس نے منیجر سے لیا تھا اور رووانو یہی سمجھتی تھی کہ ہوٹل کے مالک سے ان معاملات کا کوئی تعلق نہیں۔ اُس نے ریمش کے ذریعہ ریکھا سے بھی کام لیا اور اُس رات کو خود فیض ہی اشرف کے گھر میں موجود تھا۔ ریکھا اور شاہد کے رخصت ہوجانے کے بعد اُس نے اپنا کام شروع کردیا تھا۔ میں نے گولیوں کے متعلق غلط نہیں کہا تھا.... اور ہاں.... روحی کی ماں کو سعیدہ کے متعلق فیض ہی نے بتایا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ سعیدہ کا راز ظاہر ہونے کے بعد کوئی بھی شاہد کے بیان کو صحیح تسلیم نہ کرے گا۔"

"لیکن....!" حمید بولا۔ "آخر وہ سکھ کے بھیس میں ہوٹل میں کیا کررہا تھا؟"

"کیا تم نہیں سمجھے؟ ریمش پر اُسی نے گولی چلائی تھی۔ وہ ایسے آدمی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا جو کبھی اُس کے خلاف گواہی دے سکے۔ اگر حالات نہ بگڑتے تو شاید وہ اُس کی ضرورت نہ محسوس کرتا۔ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ریکھا پولیس کے ہتھے چڑھ گئی ہے اور کوئی ریمش کی بھی نگرانی کررہا ہے تو اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ ریمش ہی کو ٹھکانے لگادے کیونکہ ریمش کے بعد اُس کی طرف اشارہ کرنے والا کوئی نہ رہ جاتا۔ اسی مقصد کے تحت وہ کل دوپہر کو ایک سکھ کے بھیس میں مسافر کی حیثیت سے ہوٹل میں داخل ہوا۔ ریمش ہوٹل ہی میں تھا۔ لیکن شاید شام تک اُسے اس پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہ مل سکا۔ اتنے میں ہم نے ہوٹل کا محاصرہ کرلیا اور شاید ریمش تمہارے ہاتھ لگ گیا۔ اس کے بعد اُس کے لئے موقع ہی موقع تھا۔ میرا خیال ہے کہ فیض محاصرے کے بعد

سے رمیش ہی کے کمرے کے آس پاس منڈلاتا رہا ہوگا۔"

"لیکن جب اُس کے پاس کرپان بھی موجود تھی تو اُس نے گولی چلانے کی حماقت کیوں کی؟"
حمید نے کہا۔

"ہم اُسے بدحواسی کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ واقعی اگر وہ گولی نہ چلاتا تو ایک حد تک محفوظ رہ سکتا تھا۔ مگر حمید صاحب یہ تو سوچو کہ ہمارے لئے کتنی پریشانیاں بڑھ جاتیں۔ اسے میں حقیقتاً ایک خوشگوار اتفاق ہی کہوں گا کہ وہ ہمیں ایک سکھ کے بھیس میں مل گیا۔ ورنہ رمیش کی موت کے بعد یہ ثابت کرنا بڑا دشوار ہو جاتا کہ فیض ہی اس سازش کا روح رواں تھا۔"

"کیا رمیش مر گیا؟"

"نہیں زندہ ہے اور اُس نے اپنا بیان دے دیا ہے۔ اسی کے بعد تو فیض کو بھی سب کچھ اگلنا پڑا۔ ورنہ وہ بڑا مستقل مزاج آدمی ہے۔"

"اب بے چاری روحی کا کیا ہوگا؟" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں.... میرا خیال ہے کہ اُس کا ٹائپ عام عورتوں سے بہت مختلف ہے۔ شاید وہ ساری عمر شادی نہ کرے۔"

"اور آپ بھی اسی ٹائپ کے مرد ہیں۔" حمید دردناک آواز میں بولا۔ "کاش آپ دونوں کی شادی ہو سکے۔ یقین مانئے.... وہ آپ کے لئے آپ سے بھی زیادہ خبط الحواس بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔"

"شٹ اپ....!"

"خیر گھبرایئے نہیں.... میں چپڑی اوٹی کا.... ارر.... ایڑی چوٹی کا زور لگا دوں گا۔ غلط سلط بولنے لگا ہوں۔ شاید میرا لاشعور کھوپڑی کے اوپر آ گیا ہے۔"

فریدی اُسے بڑبڑاتا چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا.... اور حمید نے پھر چادر سے منہ ڈھک لیا۔

ختم شد

ابنِ صفی

نمبر
13

جاسوسی دنیا

39- اندھیرے کا شہنشاہ

40- پُراسرار وصیت

41- موت کی چٹان

جاسوسی دنیا نمبر 39

اندھیرے کا شہنشاہ

(مکمل ناول)

پیش رس

''اندھیرے کا شہنشاہ'' سنسنی، تحیر اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی لڑائیوں کا طوفان لے کر ابھرتا ہے، اس میں ایک بہت بڑا مجرم ہے، ایک قبیلے کا مذہبی پیشوا اور وہ بھی ایک غیر ملکی سرزمین سے تعلق رکھنے والا.... اور سونے پر سہاگہ یہ کہ وہ اندھا ہے مگر چار آنکھوں والوں کے کان کترتا ہے۔ اس کی بے پناہ طاقتیں فریدی کو بھی مبہوت کر دیتی ہیں۔ اسی کہانی میں حمید کا نیا شغل بھی دیکھئے۔

لوگ کتے پالتے ہیں، کبوتر اور طوطے پالتے ہیں، حمید بکرا پالتا ہے اور آپ یقین کیجئے یہ ''برخوردار بغرا خاں'' حمید کی سابقہ محبوبہ ''چوہیا'' سے کم قیامت خیز نہیں ہیں۔ قاسم بھی ہے مگر اس کی حماقتیں ذرا دبی ہوئی ہیں۔ وہ دراصل آئندہ خاص نمبر کا منتظر ہے۔ جہاں طوفان اس کے منتظر ہیں اور طوفان کا اسے مذاق اڑانا ہے۔

ابنِ صفی

دو لاشیں

اگر یہ واقعہ روز روشن میں پیش آیا ہوتا تو لوگ نہ صرف حیرت سے چیختے بلکہ کئی تو رولس
یس کار کے پیچھے دوڑنے بھی لگتے۔

لیکن اس وقت رات بھی تھی اور شاید دو بجے ہوں گے۔ شہر کی سب سے بارونق سڑک
کل ویران تھی اور ایک اندھا فقیر فٹ پاتھ پر ایک عمارت کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا اونگھ
تھا۔ دفعتاً ایک رولس رائس کار اس کے قریب ہی آ کر رک گئی۔ اندھا چونک پڑا۔ چار آدمی
ہستگی کار سے اترے۔ وہ دبے قدموں اندھے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لیکن اندھا بھی
بیٹھا نہیں رہا تھا۔ اس حال میں دیکھنے والے اسے اندھا نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وہ نہ صرف
ڑا ہو گیا تھا بلکہ اس پوزیشن میں تھا جیسے اسے کسی کے حملے کا انتظار ہو۔ چار آدمیوں میں سے
نے لوہے کی موٹی سی سلاخ نکالی۔ جیسے ہی وہ چاروں اس کے قریب پہنچے اندھا جھکائی
کر ان کے نرغے سے نکل گیا۔ لیکن پھر! اس کے سر پر لوہے کی سلاخ پڑی اور وہ سنبھلنے کی
ش کرتا ہوا اوندھے منہ فرش پر گر پڑا۔ چاروں عقاب کی طرح اس پر جھپٹے۔ اندھے نے چیخنا
مگر اس کا منہ دبا دیا گیا۔

پھر وہ کار سنسان سڑکوں پر تیزی سے دوڑنے لگی۔ کار کے اندر اب بھی جدوجہد جاری

تھی۔ انہوں نے اندھے کو کسی نہ کسی طرح کار میں ٹھونس تو دیا تھا لیکن اب وہ ان کے باہر ہوا جا رہا تھا۔

اندھے کا چہرہ سر سے بہے ہوئے خون کی وجہ سے حد درجہ خوفناک نظر آنے لگا زخمی درندے کی طرح انہیں جھکولے دے رہا تھا۔ ساتھ ہی اس پر گھونسوں اور تھپڑوں بھی ہو رہی تھی۔

ان میں سے ایک جو کار ڈرائیو کر رہا تھا شاید اچھی حالت میں تھا ورنہ بقیہ تین تو بھوت بن گئے تھے۔ ان کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ کسی کا کان زخمی تھا اور کسی کے خون کی لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ ایک آدمی کی ناک سے متواتر خون بہہ رہا تھا۔

"کاش میں اس کا گلا گھونٹ سکتا۔" ایک آدمی ہانپتا ہوا بولا۔

"شش.... شا....!" انہوں نے جواب میں ایک ہذیانی قہقہہ سنا۔ اندھا بے تحاشہ ہنس

"تم .... مجھے ختم نہیں کر سکتے۔ مجھے مارنے کے لئے فولاد کا جگر چاہئے۔" اند جواب میں اس کے منہ پر ایک گھونسہ پڑا۔

چاروں کو حیرت تھی کہ اندھا ابھی تک ہوش میں ہے۔ نہ صرف ہوش میں ہے اس میں مقابلے کی قوت بھی باقی ہے۔ جب وہ اس مہم پر روانہ کئے گئے تھے تو ان کو بھی اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ اندھا دس آنکھ والوں پر بھی بھاری ہوگا۔ وہ سمجھتے اسے ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لائیں گے۔ اس کام کے لئے انہیں ایک بھاری رقم ملی تھی۔ لیکن وہ سوچ رہے تھے کہ اس کام کے لئے وہ بھاری رقم بھی کم تھی۔

آدھا گھنٹہ گذر گیا۔ اب کار شہر کی گھنی آبادی سے نکل کر چیتھم روڈ پر آ گئی تھی سڑک کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی بڑی عمارتوں کے سلسلے تھے۔ آ کر کار مشرق کی سمت ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ پھر وہ ایک فرلانگ تک آہستہ آہستہ رینگ بالآخر رک گئی۔ اس اجاڑ میدان میں صرف ایک ہی عمارت تھی اور اندھیرے میں اس کی کسی قدر خوف انگیز بھی معلوم ہو رہا تھا۔

چاروں نے اندھے کو بڑی بے دردی سے کھینچ کر نیچے اتارا۔ وہ اب بھی ہوش میں تھا لیکن اس نے گلو خلاصی کے لئے جدوجہد نہیں کی۔ ویسے ان میں سے ایک نے احتیاطاً اب بھی اس کا منہ دبا رکھا تھا۔

وہ اسے عمارت کے اندر لائے۔ ان کے داخل ہوتے ہی پے در پے کئی کمروں میں روشنی ہوتی گئی۔ آخر وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں ایک آدمی شاید ان کا منتظر تھا۔ اندھے کو ان کے ساتھ دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک تسکین آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بدنمائی کی حد تک چوڑے شانے اور کوتاہ گردن رکھتا تھا۔ سر بڑا اور اسی کی مناسبت سے چہرہ بھرا ہوا تھا۔ ناک طوطے کی چونچ سے بہت مشابہ تھی۔

چاروں اندھے کے گرد کھڑے تھے اور ان کے سامنے پانچواں آدمی خاموش کھڑا اندھے کو گھور رہا تھا۔

"مسٹر.... عدنان....!" ان میں سے ایک نے کھنکار کر کچھ کہنا چاہا لیکن سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

"آں...." اچانک اندھا چونک کر بڑبڑایا۔ "مسٹر عدنان....!"

کوئی کچھ نہ بولا۔ عدنان اس آدمی کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ جس نے اس کا نام لیا تھا۔

"کیا تم لوگوں کو موت کے فرشتے نے سونگھ لیا ہے۔" اندھا گرج کر بولا۔ "اگر یہ واقعی عدنان ہے تو مجھے اس ملاقات پر افسوس نہ ہوگا۔"

"شاید تم.... خوش ہونے کیلئے زندہ نہ رہو۔" عدنان ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"اپنے ذہن کی آنکھیں کھولو....!" اندھا ہنس کر بولا۔ "اور تصور کرو کہ تمہاری لاش ایک چٹیل میدان میں پڑی ہے اور اس پر گدھ منڈلا رہے ہیں۔"

"اندھے بکواس مت کرو.... مجھے نور جہاں کی ضرورت ہے۔" عدنان نے سرد لہجے میں کہا۔

"تم جانتے ہو کہ میں افریقہ میں اندھیرے کے شہنشاہ کے نام سے مشہور تھا۔" اندھے

نے کہا۔

"تمہارے دن پورے ہو گئے۔" عدنان نے کہا اور میز سے چمڑے کا ہنٹر اٹھالیا۔ چند لمحے اندھے کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "مجھے تمہارے بڑھاپے پر رحم آتا ہے۔"

جواب میں اندھے نے قہقہہ لگایا اور پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "تمہارے آدمی پہلے ہی مجھ پر کافی رحم کر چکے ہیں اور اب تم بھی کچھ کر کے دیکھ لو۔ لیکن اتنا ضرور سوچ لینا کہ آخر مجھے بھکاریوں کی طرح فٹ پاتھ پر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔"

عدنان کا اٹھا ہوا ہاتھ جھک گیا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"کیوں....!" اندھے نے چڑھانے والے انداز میں کہا۔ "سوچنے لگے.... تم ضرور سوچو گے.... اتنا عظیم آدمی معمولی بھکاری کے روپ میں.... ہاہاہا.... سوچو.... جتنی دیر سوچو گے وہی وقفہ دراصل تمہاری زندگی کے آخری لمحات کا حامل ہوگا۔"

عدنان نے پھر ہنٹر والا ہاتھ اٹھایا اور چاروں آدمی اندھے کے پاس سے ہٹ گئے۔ شاید صرف انہیں ہٹانے ہی کیلئے ایک قسم کا اشارہ تھا کیونکہ اس کے بعد ہی پھر اس کا ہاتھ ہنٹر سمیت جھول گیا.... اسکے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہو گیا ہے۔

"سوچ چکے تم....!" اندھے کی آواز سناٹے میں گونجی۔

"دیکھو میں کہتا ہوں....!"

"کچھ کہنے کی مہلت نہیں ملے گی۔" اندھے نے عدنان کو جملہ پورا نہ کرنے دیا۔ "مجھے معلوم ہوا تھا کہ جنوبی افریقہ سے کوئی میری تلاش میں آیا ہے۔ میری تلاش کسی کو کیوں ہو سکتی ہے۔ یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ بہرحال یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میری تلاش میں آنے والا کون ہو سکتا ہے میں کھل کر سامنے آ گیا۔ میرا طریقہ کار سو فیصدی کامیاب ثابت ہوا اور اب تم نتیجے کے طور پر میرے سامنے ہو.... ایک ایسے چوہے دان میں جس سے تم کسی طرح نہیں نکل سکتے۔"

"کیا....؟" عدنان سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف

دیکھنے لگا تھا۔ اندھے نے قہقہہ لگایا۔ اس کا چہرہ سر سے بہے ہوئے خون کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ جب وہ قہقہہ لگاتا تو اس کے سفید اور نوکیلے دانت سچ مچ کسی درندے ہی کے دانت معلوم ہوتے۔ ایسے درندے کے دانت جو ابھی ابھی کسی کی لاش ادھیڑ کر اٹھا ہو۔

"ڈرو نہیں عدنان....!" اندھے کی تیز سرگوشی کمرے کے سناٹے کو چیرتی چلی گئی۔

"میں صرف گلا گھونٹ کر مارتا ہوں۔"

"خاموش رہو۔" عدنان خوفزدہ آواز میں چیخا اور ساتھ ہی اس کا ہنٹر والا ہاتھ حرکت میں آ گیا... شائیں.... شائیں.... شائیں.... چوتھی بار اندھے نے ہنٹر پکڑ لیا۔ عدنان نے جھٹکا دیا لیکن اندھے نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ اس کے برعکس خود عدنان ہی کچھ آگے کی طرف کھسک آیا۔ دوسرے لمحے میں اندھا ہنٹر کو اپنی کلائی میں لپیٹ رہا تھا اور ہر بل کے ساتھ عدنان کو آگے کی طرف کھسکنا پڑتا تھا۔ چاروں آدمیوں نے جب یہ دیکھا تو وہ خاموشی سے کھڑے نہ رہ سکے۔ ان میں سے ایک بڑی تیزی سے بوڑھے کی طرف بڑھا لیکن ابھی اس کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ سامنے والے روشن دان سے ایک فائر ہوا۔ گولی ٹھیک اس کی پیشانی پر بیٹھی اور وہ کسی قسم کی آواز نکالے بغیر پیچھے کی طرف الٹ گیا۔

"عدنان.... دیکھا تم نے۔" اندھے نے قہقہہ لگایا۔ عدنان کے ہاتھ سے ہنٹر چھوٹ گیا۔ بقیہ تین آدمی بدحواس ہو کر دروازے کی طرف بھاگے لیکن انہیں باہر جانے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ ہر دروازے پر ایک ایک آدمی ریوالور لئے ہوئے کھڑا نظر آیا۔

عدنان کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔

"عدنان....!" اندھے کی تیز سرگوشی پھر گونجی۔ "میرے قریب آؤ۔"

عدنان بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ وہ تین آدمی بھی کھسک کر اس کے قریب آ گئے تھے۔

"عدنان کے ساتھیو۔" اندھے نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کرائے پر مہیا کئے گئے ہو۔ شاید تمہارا ایک ساتھی تم سے بچھڑ گیا۔ اب تم عدنان کو پکڑ کر میرے قریب لاؤ.... ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔"

"نہیں.... کبھی نہیں۔" عدنان بے بسی سے چیخا۔

"لڑکو! تم نے سنا نہیں۔ میں کیا کہہ رہا ہوں.... عدنان کو ادھر لاؤ۔ میں تمہیں معا
کردوں گا۔"

وہ تینوں اپنے کام کی اجرت پہلے ہی وصول کر چکے تھے اور پھر انہوں نے ابھی اپنے ا
ساتھی کا انجام بھی دیکھ لیا تھا۔ کسی طرح بھی بچ نکلنے کے امکانات نہیں تھے۔ ہر درواز
ایک مسلح آدمی نظر آ رہا تھا اور کسی لمحے بھی ان کی طرف اٹھے ہوئے ریوالور آگ اگل
تھے۔ وہ بوکھلائے ہوئے کتوں کی طرح عدنان پر ٹوٹ پڑے اور عدنان ایک ڈوبتے ہو
آدمی کی مانند دیوانہ وار ہاتھ پیر مارنے لگا۔ اس کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔

آخر کار کسی نہ کسی طرح اندھے کے ہاتھ عدنان کی گردن تک پہنچ ہی گئے۔ عدنان
حلق سے نکلتی ہوئی آوازیں بند ہوگئیں۔ کمرے میں گہری گہری سانسوں کے سوا اور کسی قسم
آواز نہیں تھی۔ ان تینوں کو اپنے سر چکراتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ پھر عدنان کے مردہ
کے گرنے سے آواز پیدا ہوئی۔ تینوں کے منہ سے سہمی سہمی سی چیخیں نکلیں اور پھر کمرے میں
چھا گیا۔

ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے میں ایک لڑکی مضطربانہ انداز میں ٹہل رہی تھی۔ اس
رک کر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ڈھائی بج چکے تھے۔ اُس کے چہرے
الجھن کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے ٹہلتی رہی پھر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ راہدا
سنسان پڑی تھی۔ آگے بڑھ کر اس نے ایک کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

"اوہ.... آپ....!" دروازے میں کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

"ہاں.... میں.... ابھی تک ڈیڈی واپس نہیں آئے۔"

"شاید صبح تک آجائیں۔" آدمی بولا۔

"نہیں.... میں بہت پریشان ہوں۔ تم سب میرے کمرے میں آؤ۔"

"بہت بہتر۔"

لڑکی پھر اپنے کمرے میں واپس آگئی۔ تھوڑی دیر بعد وہاں پانچ آدمی اور آگئے ان میں دو انگریز تھے اور ایک نیگرو۔ بقیہ دو صورت سے دیسی ہی معلوم ہوتے تھے۔

"مجھے خدشہ ہے۔" لڑکی نے انگریزی میں کہا۔

"ڈرومت.... بے بی۔" ایک انگریز بولا۔ "باس فولاد کا بنا ہوا ہے۔"

"کہیں وہ دھوکا نہ کھائیں۔ میں انہیں کرائے کے آدمیوں سے کام لینے سے روک رہی تھی۔"

"کوئی ہرج نہیں بے بی.... تم سو جاؤ.... ڈرومت۔"

"نہیں مسٹر ڈیگال.... ہم سب وہاں چلیں گے۔"

"تمہاری مرضی....!" ڈیگال نے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

"تم گیراج سے کار نکالو۔" لڑکی نے ایک آدمی کی طرف مڑ کر کہا۔

"پتہ نہیں یہاں کا کیا قاعدہ ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "اتنی رات گئے گیراج کھل سکے گا یا نہیں۔"

"اوہ جاؤ....!" لڑکی پیر پٹخ کر بولی۔ وہ چلا گیا اور لڑکی مضطربانہ انداز میں بڑبڑاتی رہی۔

"ڈیڈی نے غلط طریقہ اختیار کیا۔ آخر وہ اندھا فٹ پاتھ پر بھیک کیوں مانگتا تھا۔"

"بے بی۔" ڈیگال بولا۔ "وہ عجیب عجیب حرکتیں کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی چکر میں ہو۔"

"اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تنہا نہ ہو۔" لڑکی نے کہا۔

"ابھی تک ہمیں اس کے کسی ساتھی کا علم نہیں ہوسکا۔"

"علم نہ ہونا اور بات ہے۔ ضروری نہیں معاملات تمہارے علم ہی سے مطابقت رکھتے ہوں۔ اس قسم کا کوئی آدمی کبھی تنہا نہیں رہ سکتا کیا وہ اندھا نہیں ہے۔"

"ہے تو.... لیکن آنکھ والوں سے بہتر۔ وہ اپنی جانی بوجھی جگہوں پر کار تک ڈرائیو کرسکتا ہے۔ اس نے ایک بار لندن جیسے بھیڑ بھاڑ والے شہر میں چیرنگ کراس سے پکاڈلی تک کار کی

ڈرائیو کی تھی۔"

"میں سن چکی ہوں.... لیکن مجھے یقین نہیں اور اگر یقین کر بھی لوں تو اسے ماننے پر ہرگز تیار نہ ہوں گی کہ وہ اندھا ہے۔"

"بے بی! وہ سو فیصدی اندھا ہے۔ لیکن اس کی کھال سانپ کی کھال سے بھی زیادہ حساس ہے۔ تم دبے قدموں اس سے تیس گز کے فاصلے پر جاؤ.... اُسے تمہاری موجودگی کا صرف احساس ہوگا بلکہ وہ تمہاری جنس تک سے واقف ہوگا.... وہ آواز پر نشانہ لگاتا ہے۔"

"تب میں اسے آدمی کے بجائے خبیث روح کہوں گی.... اور تمہیں کیا کہوں کہ تم نے ڈیڈی کو تنہا جانے دیا۔"

"ہم مجبور تھے۔" انگریز بولا۔ "باس کی اسکیم یہی تھی اور تم جانتی ہو کہ وہ بعض اوقات کسی کا مشورہ نہیں قبول کرتے۔"

دیسی آدمی نے واپس آکر تیاری کی اطلاع دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار ہوٹل ڈی فرانس کی کمپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر مڑ رہی تھی۔ پھر وہ چیتھم روڈ پر چل پڑی۔

"مسٹر ڈیگال....!" اندر بیٹھی ہوئی لڑکی نے انگریز کو مخاطب کیا۔

"ہاں.... بے بی.... واقعی تم بہت پریشان ہو۔"

"اگر ڈیڈی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو۔"

"ہم ابھی زندہ ہیں۔" ڈیگال بولا۔

کچھ دیر بعد کار اُسی عمارت کے سامنے رک گئی جہاں تھوڑی دیر قبل ایک خونی ڈرامہ کھیلا گیا تھا۔

"بے بی.... تم بقیہ آدمیوں کے ساتھ یہیں ٹھہرو.... میں اندر جاتا ہوں۔" ڈیگال نے کہا اور انہیں باہر چھوڑ کر عمارت کے اندر چلا گیا۔ لڑکی کیلئے وہ صبر آزما لمحات تھے۔ واپسی پر ڈیگال کی رفتار بہت تیز تھی۔ لیکن اس نے پرسکون لہجہ میں کہا۔ "عمارت ویران ہے۔ وہاں کوئی بھی نہیں۔"

ڈیگال

یہ آٹھواں ہوٹل تھا اور اب سرجنٹ حمید پاگل ہوجانے کی حد تک بور ہو چکا تھا۔ اس کا بس چلتا تو قاسم کی بوٹیاں اڑا دیتا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ وہ سرشام ہی ایک ہوٹل میں کھانا کھانے بیٹھے تھے۔ قاسم کی خوراک معلوم.... ظاہر ہے کہ وہ بکرے کی ایک پوری ران اور ایک مرغ مسلم کا ناشتہ کرنے والا آدمی تھا۔ جب اس نے ہوٹل میں بھی گھر ہی کی سی بے تکلفی کا مظاہرہ شروع کیا تو حمید کو اختلاج ہونے لگا۔

"قاسم.... اب بس کرو۔"

"واہ.... تو کیا بھوکا مروں۔"

"دیکھو یہاں کے سارے ویٹر مجھے پہچانتے ہیں۔"

"مجھے بھی پہچان جائیں گے۔ فکر نہ کرو۔" قاسم سنجیدگی سے بولا۔ "میں ٹی بی کا مریض تو ہوں نہیں کہ دس پانچ چپاتیوں پر قناعت کرلوں۔"

"اچھا.... تو.... یہاں بس کرو۔ کسی دوسرے ہوٹل میں....!"

"واہ.... کیا میں اُلو ہوں.... مذاق مت کرو۔"

"میں تمہارے سر پر پلیٹ توڑ دوں گا۔"

"مگر خالی پلیٹ.... میرا سر کافی مضبوط ہے۔"

"اچھا تو میں جارہا ہوں....!" حمید نے کہا۔

"نہیں ہوسکتا.... زبردستی کرو گے تو دبوچ لوں گا۔"

حمید کی روح فنا ہوگئی۔ بہرحال اس نے کسی نہ کسی طرح قاسم کو اپنی تجویز پر عمل کرنے پر آمادہ کرلیا۔

یہ آٹھواں ہوٹل.... ہوٹل ڈی فرانس تھا۔ قاسم اب تک بتیس روٹیاں کھا چکا تھا۔ ممکن ہے حمید کو پریشان کرنے کے لئے وہ معمول سے زیادہ کھا گیا ہو۔ بتیس روٹیاں بہت ہوتی ہیں

قاسم کھانے میں مشغول تھا اور حمید شام کا اخبار دیکھ رہا تھا۔ اس کی توجہ دراصل ایک ایسی خبر نے اپنی طرف مبذول کرالی تھی جو اس کے لئے بھی عملی طور پر پریشانی کا باعث ہوسکتی تھی۔ پرنسٹن کے علاقے کی ایک عمارت میں دو لاشیں پائی گئی تھیں۔ ان میں اس آدمی کی بھی لاش تھی جس نے تین دن قبل وہ عمارت کرائے پر حاصل کی تھی۔ آگے چل کر ان دونوں کا حلیہ تھا۔

حمید نے بھنا کر اخبار میز پر پٹخ دیا اور قاسم کو اس طرح گھورنے لگا جیسے یہ قتل اسی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔

"اب کس ہوٹل میں چلو گے حمید بھائی۔" قاسم نے مسکرا کر پوچھا۔

"اب میں تمہیں دفن کردوں گا۔"

"بس دو اسٹیک اور کھاؤں گا۔" قاسم منہ چلاتا ہوا بولا۔ "تم کیوں خواہ مخواہ بور ہورہے ہو۔ کتنی.... فل فلوٹیاں ہیں.... آج یہاں۔"

"ارے او.... آدم خور.... میری تو ساری تفریح برباد ہوگئی۔"

"کیوں....؟"

"دو لاشیں....!"

"ہائیں.... کہاں۔" قاسم کرسی سے تھوڑا سا اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ منہ کا نوالہ نکل پڑنے کے قریب تھا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "بیٹھو....!"

"ارے تو کھانے کیوں دوڑ رہے ہو۔ میرے ٹھینگے پر ہیں۔ تمہاری لاشیں واشیں سالیاں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اخبار کی خبر اسکے ذہن میں کچوکے لگا رہی تھی۔ دو لاشیں.... نتیجہ معلوم۔ آج کل ڈی۔ ایس۔ پی سٹی سے بھی گاڑھی چھن رہی ہے۔ اس نے فریدی کو جائے واردات پر ضرور بلایا ہوگا.... پھر بس شامت۔

حمید آج آفس نہیں گیا تھا۔ صبح ہی سے قاسم کے ساتھ حماقتوں کا پروگرام جاری تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ واپسی پر اسے واردات سے متعلق فریدی کا لیکچر ہضم کرنا پڑے گا۔ ان دنوں

حمید پر بُری طرح کاہلی مسلط تھی۔ تفتیش کے نام ہی سے اس کی جان نکلنے لگتی تھی۔

قاسم کھانا ختم کر کے میز پر طبلہ بجانے لگا۔ پھر اپنا بھاڑ سا منہ کھول کر ایک لمبی سی جماہی لی۔

"حمید بھائی۔" اس نے آگے جھک کر آہستہ سے کہا۔ "کیا سچ مچ آدمی کی روح سے محبت ہوتی ہے۔"

"اپنے والد صاحب سے پوچھنا۔"

"اوہ.... وہ بیچارے کیا بتائیں گے.... مولوی ٹائپ کے آدمی ہیں۔" قاسم نے منہ بنا کر کہا۔

حمید جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر انسپکٹر جگدیش پر پڑی جو دو کانسٹیبلوں کیساتھ ل میں داخل ہو رہا تھا۔ جگدیش نے بھی حمید کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سیدھا اُسی کی میز کی طرف آیا۔

"اوہ.... تو آپ پہلے ہی سے موجود ہیں۔" جگدیش حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

"کیا....؟ کیا بات ہے۔"

"بات یہ ہے کہ وہ یہیں مقیم تھا۔"

"کون! کس کی بات کررہے ہو....؟"

"عدنان.... جس کی لاش....!"

"بس بس سمجھ گیا۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نے ابھی اخبار میں دیکھا ہے۔ مگر یہ نام نامی نہیں معلوم ہوتا۔"

"وہ ترک تھا۔ جنوبی افریقہ کا ایک بہت بڑا تاجر۔ اس کی لڑکی اور کچھ دوسرے لوگ ہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

لڑکی کے نام پر حمید اپنا داہنا گال کھجانے لگا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے کہا۔ "اخبار میں تو کسی گم نام آدمی کی لاش کے متعلق تھا، جس نے وہ رت کرائے پر لی تھی۔ مالک مکان نے اپنا شبہ ظاہر کیا ہے کہ اس نے اپنا صحیح نام نہیں بتایا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" جگدیش بیٹھتا ہوا بولا۔ "اس کی جیب میں کچھ ایسے کاغذات ملے جنہوں نے ہمیں فارن آفس سے رجوع کرنے پر مجبور کیا۔ وہاں اس کی اصلیت معلوم ہوئی۔ وہ کسی

تجارتی سلسلے میں یہاں آیا تھا۔ لیکن اسکے ساتھ ایک مقامی آدمی کی بھی لاش پائی گئی ہے۔ ا
ایک مشہور بدمعاش پٹھو تھا۔ پٹھو کی پیشانی پر گولی لگی ہے اور عدنان کو شائد گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔

"ہز ہائی نس ہارڈ اسٹون بھی موقعے پر موجود تھے یا نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"کون....؟"

"ارے تم ہارڈ اسٹون کو نہیں جانتے۔ یہ مسٹر احمد کمال فریدی کا انگریزی ترجمہ ہے۔"

جگدیش ہنسنے لگا۔ "ڈی۔ ایس۔ پی صاحب نے انہیں خاص طور سے بلایا تھا۔"

"یہ بہت بُرا ہوا کہ ان دونوں میں صلح ہوگئی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کچھ بھی ہو حمید صاحب۔ یہ معاملہ پیچیدہ معلوم ہوتا ہے۔" جگدیش بولا۔

"عدنان جب یہاں ٹھہرا تو ایک دوسری عمارت کرائے پر حاصل کرنے کی کیا ضر
تھی اور اگر اس نے ایسا کیا تھا تو اس کی اطلاع فارن آفس کو کیوں نہیں دی۔ سب سے
بات تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک مقامی بدمعاش کی لاش کا کیا مطلب ہوسکتا ہے اور پھ
نے وہ عمارت اپنا صحیح نام ظاہر کر کے کیوں نہیں حاصل کی تھی۔"

"ہے تو کچھ ایسا ہی....!" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "کیا تمہیں یقین ۔
اس کے دوسرے ساتھی اب بھی یہیں مقیم ہیں۔"

"قطعی! وہ یہیں ہوں گے۔ ابھی تک کسی نے لاش کا مطالبہ نہیں کیا۔"

جگدیش جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کچھ صفحات الٹنے کے بعد

"ایک تو عدنان کی لڑکی فوزیہ ہے۔"

"فوزیہ....!" قاسم بڑبڑایا۔ "نہیں فوجیہ ہوگا.... فوج سے فوجیہ.... ترک عورتیں
دھاکڑ ہوتی ہیں۔"

"نہیں جناب فوزیہ۔" جگدیش نے کہا پھر حمید سے مخاطب ہوگیا۔ "دوسرا اس کا سیکر
ڈیگال ہے یہ انگریز ہے۔ دو باڈی گارڈ ہیں۔ ایک لیوکاس اور دوسرا نیگرو ہے۔ لیوکا
انگریز ہے۔ دو دیسی ہیں۔ لیکن افریقہ کے باشندے...... امر سنگھ اور دولت رام....!"

"پھر تم اب.... تم کیا کرو گے۔"

"سوال بڑا ٹیڑھا ہے۔" جگدیش مسکرا کر بولا۔ "خیر اٹھئے۔ ہوسکتا ہے کہ لڑکی آپ کے
میسٹ کی ہو۔"

قاسم نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

"آؤ....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"میں بھی۔" قاسم نے دانت نکال کر کہا۔

"نہیں.... تم میرا انتظار کرو۔"

اس جواب پر قاسم کا حلیہ قابل دید تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے سر بازار چپت
رسید کردی ہو۔ وہ ہنسا تو ضرور مگر یہ ہنسی شرمندگی کا ردعمل تھی۔

حمید نے کاؤنٹر کلرک سے عدنان کے کمروں کے نمبر معلوم کئے اور پھر وہ لوگ آگے بڑھ
گئے۔ کمرے اوپری منزل پر تھے۔

انہوں نے پہلے جس کمرے کے دروازے پر دستک دی وہ اندر سے بند تھا۔ تھوڑی دیر
عد کسی نے دروازہ کھولا۔ اندر گہرے نیلے رنگ کی روشنی تھی۔ اس لئے اس کی صورت صاف
نہیں نظر آئی۔

"کیا مس فوزیہ موجود ہیں۔" حمید نے انگریزی میں پوچھا۔

"کیوں....؟" لہجہ کسی انگریز کا تھا۔

"پولیس.... ہمیں ان سے یا مسٹر عدنان کے سیکریٹری سے گفتگو کرنی ہے۔"

"کیا بات ہے؟" مخاطب نے کہا اور کمرے کا دوسرا بلب روشن کردیا۔ ایک انگریز شب
خوابی کے لبادے میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"مسٹر ڈیگال کہاں ہیں؟"

"میں ہی ہوں.... کیا بات ہے۔ اندر آجایئے۔"

کمرے میں ڈیگال کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے اندر داخل ہو کر چاروں طرف

متجسسانہ نظریں ڈالیں اور پھر ڈیگال سے مخاطب ہو گیا۔

''مسٹر عدنان پچھلی رات کو کہاں تھے۔''

''کیوں....؟''

''مسٹر ڈیگال مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ہم صرف سوال ہی کرنا پسند کریں گے۔
نے خشک لہجے میں کہا۔

ڈیگال چند لمحے اسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''وہ اپنے کسی مقامی دوست کے ساتھ تھے اور آج رات بھی اسی کے ساتھ بسر کریں

''دوست کا نام اور پتہ۔''

''یہ انہوں نے نہیں بتایا تھا.... لیکن! آپ کل دس بجے دن کو ان سے یہیں ا
ہیں۔'' ڈیگال نے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ شاید کبھی اس کی نوبت نہ آئے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''انہیں کسی نے.... گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔''

''کیا....!'' ڈیگال چیخ پڑا، اور یہ چیخ بے ساختہ قسم کی تھی۔ اس پر کوئی یہ نہیں کہ
کہ ڈیگال پچھلی رات کو خود اپنی آنکھوں سے عدنان کی لاش دیکھ چکا ہوگا۔

''جی ہاں.... مس فوزیہ کہاں ہیں۔''

''نہیں.... نہیں۔'' ڈیگال مضطربانہ انداز میں بولا۔ ''آپ بے بی کو اتنی بُری خبر اس طر
سنا سکتے۔ لاش کہاں ہے.... کہاں ملی تھی.... مجھے بتائیے.... اوہ.... میرے خدا.... ناممکن.... ناممکن

''آپ کے بقیہ ساتھی پچھلی رات سے اب تک کہاں رہے ہیں۔'' حمید نے پوچھا

''یہیں.... میرے ساتھ۔''

''کل رات آپ لوگ کہیں نہیں گئے۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''نہیں....!''

''لیکن.... چوکیدار....!''

''ٹھہریئے....!'' ڈیگال بات کاٹ کر بولا۔ ''یاد آ گیا۔ ہم تقریباً دو بجے کچھ دیر کے لئے
باہر گئے تھے۔''

''خوب۔ کیا کسی خاص ضرورت کے تحت....؟'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''اوہ.... بات یہ ہے کہ بے بی بہت ضدی لڑکی ہے۔ اچانک رات کو اس پر تفریح کا
دورہ پڑا۔''

''کیا قرطبیہ نے آپ لوگوں کے ٹیکے نہیں لگائے تھے۔ ہمارے یہاں یہ مرض نہیں پایا
جاتا۔''

''بس وہ ضدی ہے۔ کیا کہا جائے.... لیکن یہ قتل۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ یہاں ان کا کون
دشمن ہو سکتا ہے۔''

''کوئی بھی نہیں۔'' حمید نے سر ہلا کر کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ اپنے کسی دشمن کو اپنے
ساتھ ہی لائے تھے۔''

''ناممکن جناب۔'' ڈیگال کے لہجے میں غصہ تھا۔ ''ہمارے سب آدمی معتبر ہیں۔''

''تو آپ پچھلی رات کہاں کہاں گئے تھے۔''

''ہمیں یہاں کی جگہوں کے نام تو ابھی معلوم نہیں۔ ادھر اُدھر چکر لگانے کے بعد ہم پھر
واپس آ گئے تھے۔ شاید آدھ گھنٹہ باہر رہے ہوں۔''

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق دونوں کی موتیں دو اور چار کے درمیان میں ہوئی
ہیں۔'' جگدیش نے حمید سے اردو میں کہا۔ ''اور یہ ایک ضدی لڑکی کی تفریح کا افسانہ سنا رہا
ہے۔ دو بجے رات کی تفریح.... چوکیدار کا بیان ہے کہ یہ سب لڑکی سمیت باہر گئے تھے۔''

''یار مجھے تو یہ لڑکی بھی نابالغ ہی معلوم ہوتی ہے۔'' حمید نے کہا۔ پھر انگریزی میں ڈیگال
سے پوچھا۔ ''مس فوزیہ اس وقت کہاں مل سکیں گی۔''

''میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔'' ڈیگال نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ ''بے بی کو فی الحال

اس معاملے سے دور ہی رکھئے۔ ویسے میں ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں۔"

"آپ کو ہمارے ساتھ کوتوالی تک چلنا ہوگا۔" جگدیش نے کہا۔ "تاکہ آپ لاش شناخت کرسکیں۔"

"میں تیار ہوں۔" ڈیگال بولا۔ "میں بے بی کو رفتہ رفتہ بتاؤں گا۔ ورنہ ممکن ہے کہ صدمے ہی سے مرجائے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے اردو میں کہا۔ "تم اسے کوتوالی لے جاؤ۔ بقیہ میں دیکھ لوں گا پھر جیسے ہی حمید دروازے کی طرف مڑا اس نے محسوس کیا کہ کوئی تیزی سے درواز کے قریب سے ہٹا ہے کیونکہ راہداری میں اُسے ایک لمبا سا سایہ دکھائی دیا تھا۔ وہ تیزی آگے بڑھا۔ ایک آدمی راہداری کے آخری سرے پر دوسری طرف مڑتا ہوا نظر آیا۔ حمید سو لگا۔ ممکن ہے اسے دھوکا ہوا ہو۔ ویسے پہلے اسے خیال ہوا تھا کہ شاید کسی نے باہر سے ان گفتگو سننے کی کوشش کی تھی۔

ڈیگال جلد ہی تیار ہوگیا اور وہ سب نیچے چلے آئے۔ قاسم اسی میز پر بیٹھا رہا تھا۔ حمید وہیں آ بیٹھا۔ جگدیش اور اس کے ساتھی ڈیگال سمیت باہر چلے گئے۔ قاسم حمید کی آہٹ چونک پڑا تھا۔ اس نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔ "حمید بھائی۔ کیسی ہے.... اللہ قسم نے آج تک کوئی ترک لونڈیا نہیں دیکھی۔ ویسے سنتا ہوں کہ بڑی تگڑی ہوتی ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ دوبارہ اوپر جانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ان لوگوں نے بہا کمرے لے رکھے تھے۔ فوزیہ انہیں میں سے کسی ایک میں ہوگی۔

"قاسم....!" اس نے کہا۔ "اب تم گھر جاؤ۔ میرے لئے ایک سرکاری کام نکل آیا شائد مجھے رات بھر یہاں بیٹھنا پڑے۔"

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اُلو بناتے ہو۔ خود چھلگرے.... ار.... گلچھرے اڑاؤ گے ضرور لونڈیا.... زوردار ہے۔"

"ابے کوئی لونڈیا.... وونڈیا نہیں۔ آٹھ سال کی بے بی ہے ہر کس و ناکس سے ٹافیو

کے لئے ضد کرتی ہے۔ نہ دو تو نوچتی کھسوٹتی ہے وغیرہ وغیرہ۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تب یہ جگدیش سالا چغد ہے کیا۔"

"نہیں چغد کا سالا ہے۔ اب تم جاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں رکنے پر تمہیں میرے ساتھ شراب بھی پینی پڑے۔"

"بس بس! معاف کرو میں چلا۔ ابھی میری پیٹھ پر سیاہ[1] نشان موجود ہیں۔"

خوفناک اندھا

فریدی نے اپنے مخاطب کو گھور کر دیکھا۔ وہ بھدے خدوخال کا ایک مضبوط جسم والا جوان تھا۔

"تم کچھ چھپا رہے ہو۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"یقین کیجئے! میں کچھ نہیں جانتا۔ جو کچھ معلوم تھا میں نے پولیس کو بتا دیا۔"

"مجھ میں اور پولیس میں فرق ہے۔ اس لئے تم مجھے کچھ اور بھی بتاؤ گے۔"

"میں اب کیا بتاؤں۔ بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ آخر آپ کیا جاننا چاہتے ہیں۔"

"تم لوگوں کی رسائی عدنان تک کیسے ہوئی تھی۔"

"میں کسی عدنان کو نہیں جانتا۔ پنٹو سے میری دوستی ضرور تھی لیکن میں اس کے کسی کام میں حصہ نہیں لیتا تھا۔"

"سفید جھوٹ....!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "کل رات تم پنٹو کے ساتھ تھے۔ تم چاروں نے سن سٹ بار میں شراب پی۔ بیوقوف آدمی یہ نہ بھولو کہ کل تم لوگ ایک رولس رائس کار میں تھے۔ تم جیسے لوگوں کا کسی رولس رائس کار میں بیٹھنا بجائے خود ایک بہت بڑا

---

[1] سیاہ نشان کیسے تھے؟ جاسوسی دنیا کے خاص نمبر "جنگل کی آگ" جلد نمبر 12 میں ملاحظہ فرمایئے۔

اشتہار ہے اور پھر یہاں کے بدمعاشوں کی نقل وحرکت مجھ سے چھپی نہیں رہتی۔ چلو اگلی دو میں بقیہ دو آدمیوں سے زیادہ تمہیں معتبر سمجھتا ہوں۔ وہ کار کس کی تھی۔“

مخاطب کا چہرہ اُتر گیا۔

”ہاں ہاں....کہو....“ فریدی نرم لہجے میں بولا۔

”مجھے نہیں معلوم....دیکھئے ایک وجہ سے میں نے پولیس سے جھوٹ بولا تھا۔ کیا آ میری گردن پھنسوا دیں گے۔“

”حالات پر منحصر ہے۔“

”آپ جانتے ہیں کہ پنٹو ہی ہمارا سرغنہ تھا۔“

”میں جانتا ہوں....آگے کہو۔“ فریدی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”پنٹو ہی نے عدنان سے معاملہ طے کیا تھا۔ بات اتنی تھی کہ ہمیں ایک اندھے فقیر کو فٹ پاتھ سے اٹھا کر اس عمارت میں پہنچانا تھا۔ اس کے لئے ہمیں چار ہزار ملے تھے۔“

”کیا....؟“ فریدی تحیر آمیز انداز میں آگے کی طرف جھک گیا۔

”کسی کو یقین نہیں آئے گا۔“ مخاطب نے کہا۔ ”اسی لئے میں نے پولیس کو کچھ نہیں بتا تھا۔ لیکن آپ سے پار پانا مشکل ہے۔ شاید آپ بھی یقین نہ کریں۔ بہرحال میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔“

اور پھر اُس نے اندھے پر قابو پانے اور پنٹو کے قتل تک کے واقعات دہرا دیئے۔ وہ کچھ دیر کے لئے رکا۔ شاید وہ عدنان کا انجام بتاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ کیونکہ خود اُس نے اور ا کے دو ساتھیوں نے عدنان کو گھسیٹ کر اندھے تک پہنچایا تھا۔

”ہوں....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اور عدنان کا۔“

”اندھے نے گلا گھونٹ دیا۔“

”اور اُس نے تم تینوں سے کوئی تعرض نہیں کیا....کیوں....؟“

”کچھ نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں عمارت سے نکال دیا۔“

”اور اس رولس رائس کا کیا ہوا۔ وہ کس کی تھی؟“

”ہمیں نہیں معلوم۔ عدنان نے کہیں سے مہیا کی تھی۔ ہم تو اس کے بعد سر پر پیر رکھ کر گے تھے۔“

”تم اب بھی کچھ چھپا رہے ہو۔“ فریدی خشک لہجے میں بولا۔

”اوہ! ٹھیک یاد آیا....میں بھول ہی گیا تھا۔ عدنان نے اندھے سے کہا تھا کہ مجھے نور ں کی ضرورت ہے۔“

”نور جہاں....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”کوئی اور بات۔“

”نہیں....اس کے بعد پھر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔“

کچھ دیر خاموشی رہی۔ فریدی اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اس نے ما۔ ”کچھ اور....!“

”اور کچھ نہیں....بس یہی غنیمت ہے کہ اپنی جانیں بچ گئیں۔ کیا آپ مجھے پولیس کے لے کر دیں گے۔“

”نہیں....لیکن اس وعدے پر کہ تم شہر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔“

”آپ یقین کیجئے کہ میں آپ کے حکم کا پابند رہوں گا۔ لیکن دوسروں کی ذمہ داری نہیں سکتا۔“

”انہیں کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔ انہیں یقین دلاتے رہو کہ پولیس کو کچھ نہیں م ہو سکا۔“

”میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

”میں جانتا ہوں....“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم اب بھی جھوٹ بول ے ہو۔“

”یقین کیجئے....اور....!“

”نہیں....ٹھہرو....تمہاری داہنی کلائی پر چاندی کا ایک تعویز ہوا کرتا تھا۔“

''جی ہاں.... جی ہاں.... میرا خیال ہے کہ وہ پچھلی رات اندھے کو اٹھانے کے وق
کہیں گر گیا۔''

''فریدی نے جیب سے چاندی کا ایک تعویذ نکالا جس کے دونوں سروں پر چا
زنجیریں لٹک رہی تھیں۔

''جی ہاں.... یہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''لیکن یہ مجھے کسی فٹ پاتھ پر نہیں ملا۔''

''تو پھر.... اُسی عمارت میں ملا ہوگا۔''

''یہ عدنان کے گریبان میں الجھا ہوا تھا.... کیوں؟.... میں اس کا جواب چاہتا ہوں
ایک بار پھر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔

''وہ.... دیکھئے.... آپ خود بتایئے.... ہم پر چاروں طرف سے پستول اٹھے ہوئے
پنٹو کا انجام ہم دیکھ ہی چکے تھے.... پھر....!''

وہ خاموش ہوگیا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ البتہ اب بھی اس کی نظریں استفہامیہ اندا
اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''اندھے نے کہا۔'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ''اگر ہم عدنان کو پکڑ کر اس کے قریب
گئے تو ہم بھی پنٹو کے پیچھے روانہ کر دیئے جائیں گے۔ مجبوراً ہمیں عدنان کو کھینچ کر اس کے
لے جانا پڑا۔ زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے۔''

''خیر.... دوسری بات۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اندھے نے تمہاری آزاد
لئے کوئی شرط نہیں پیش کی تھی۔''

''جی نہیں.... قطعی نہیں.... انہوں نے دھکے دے کر ہمیں عمارت سے باہر نکال دیا تھا

''اگر تم اُسے اب کہیں دیکھو تو پہچان جاؤ گے۔''

''کہہ نہیں سکتا.... ہمیں اس کی شکل دیکھنے کا ہوش ہی نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ پہچان
لوں لیکن یقین نہیں ہے۔ مجھے اس کی شکل یاد نہیں۔''

''خیر.... ہم دیکھیں گے کہ تمہاری داستان کا کتنا حصہ درست ہے۔ اب تم جاسکتے ہو۔
لیکن اپنے وعدے پر قائم رہنا۔ ورنہ پھر میں کچھ نہ کرسکوں گا۔''

سرجنٹ حمید نے یکے بعد دیگرے عدنان کے سارے کمرے کھلوائے لیکن کسی میں بھی کوئی لڑکی نہ ملی۔ انگریز نیگرو اور دونوں ہندوستانی موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ چند منٹ قبل وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔ ان لوگوں نے بھی اس کی عدم موجودگی پر تشویش ظاہر کی کیونکہ ان کے بیان کے مطابق فوزیہ ان میں سے کسی کو ساتھ لئے بغیر ڈائننگ ہال تک بھی نہیں جاتی تھی.... حمید نے ان کے ساتھ ہوٹل کا کونا کونا چھان ڈالا لیکن فوزیہ نہ ملی۔ پھر وہ گیراج میں آئے۔ لیکن ان کی کار بھی موجود تھی۔

''کیا مصیبت ہے۔'' لیوکاس بڑبڑایا۔ ''مسٹر عدنان کا حکم تھا کہ بے بی تنہا باہر نہ جائے۔ اب وہ اگر مجھ سے جواب طلب کریں گے۔''

''کون....!'' حمید نے پوچھا۔

''مسٹر عدنان۔''

''کیا واقعی تمہیں امید ہے کہ وہ واپس آئیں گے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''مسٹر ڈیگال اُن کی لاش شناخت کرنے کے لئے گئے ہیں۔''

''لاش....؟'' سبھوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

''ہاں.... پچھلی رات کسی نے انہیں مار ڈالا۔''

''کیا بکواس ہے؟'' لیوکاس بھنویں چڑھا کر بولا۔

''کیا تمہیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔'' حمید نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تم ایک ذمہ دار افسر سے گفتگو کر رہے ہو۔''

لیوکاس کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ڈیگال واپس آ گیا۔

''کیوں....؟'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

''اوہ.... سچ مچ....!'' وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ''وہ مسٹر عدنان ہی کی لاش ۔''

اس کے دوسرے ساتھیوں نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ البتہ نہ جانے کیوں حمید کو لیوکاس کا رویہ کچھ غیر فطری سا معلوم ہو رہا تھا.... اس نے بڑے بھونڈے اور تصنّ آمیز لہجے میں ڈیگال کو فوزیہ کی گمشدگی کے متعلق بتایا۔

حمید کو شروع ہی سے اس معاملے میں کوئی چیز کھٹک رہی تھی اور پھر اُس کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ وہ پچھلی رات کو دو بجے.... کہیں باہر گئے تھے اور اُس کے لئے انہوں نے ایک عذر لنگ پیش کیا تھا۔ اس عذر لنگ کا تعلق فوزیہ کی ذات سے تھا اور اب فوزیہ اچانک پراسرا طریقے پر غائب ہو گئی تھی۔ اس سے کیا سمجھا جائے۔

حمید نے سوچا کہ کیوں نہ فریدی کو فون کر دیا جائے۔ لیکن وہ ہال سے ہٹنا بھی نہیں چاہ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فوزیہ کی گمشدگی میں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہے تو وہ ابھی اُسے ہوٹل سے باہر نہ لے جا پائے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ اسکی عدم موجودگی میں انہیں اس کا موقع مل جائے

ڈیگال اپنے ساتھیوں پر بُری طرح برس رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے انہیں نمک حرام تک کہ دیا۔ جس پر نیگرو کو غصہ آ گیا اور اسے مارنے کیلئے جھپٹا۔ دوسرے لوگ فوراً درمیان میں آ گئے۔

اسی دوران میں حمید کو کاریڈر کے سرے پر فریدی دکھائی دیا جو ایک ویٹر کے ساتھ اُ طرف آ رہا تھا۔

''اوہو.... تو تم یہاں ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں صبح ہی سے اسی چکر میں ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''بکواس مت کرو.... مجھے معلوم ہے کہ تم بہت سچے ہو.... خیر.... یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

حمید نے مختصراً ماجرا بیان کر دیا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''میر

یال ہے کہ وہ ابھی ہوٹل ہی میں مل جائے گی۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اگر اُس کی گمشدگی میں ان لوگوں کا ہاتھ ہے تو یہ ابھی اسے ہر نہ لے جا پائے ہوں گے۔''

ڈیگال اب بھی اپنے ساتھیوں سے الجھا ہوا تھا۔ حمید نے فریدی کو بتایا کہ وہ عدنان کا یکریٹری ہے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اُن سے اپنا تعارف کرایا اور پھر ڈیگال کو مخاطب کر کے کہا ''مجھے بھی معلوم ہوا ہے کہ لڑکی غائب ہو گئی۔''

''جی ہاں.... مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے چند نالائقوں پر اعتماد کر لیا۔ میں لاش کی شناخت کے لئے پولیس اسٹیشن چلا گیا تھا۔''

''کیا وہ اپنے کمرے ہی میں تھی۔'' فریدی نے ایک ایک کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے جملہ پورا کیا.... جواب اثبات میں ملا.... لیکن انہوں نے اُسے اُس کے کمرے سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

''میں اس کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''آئیے....!'' ڈیگال ان کے آگے ہولیا۔ کمرے میں پہنچ کر فریدی نے سرسری طور پر قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ یہاں ایک طرف ایک بڑی سی مسہری پڑی ہوئی تھی جس کے سرہانے ایک میز تھی جس پر لکھنے پڑھنے کا سامان تھا۔ دو کرسیاں.... ملبوسات کی الماری.... اس نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔ پھر وہ دوسرے آدمیوں کی طرف مڑا۔

''کیا مس فوزیہ ایک ہی جوتا پہن کر باہر گئی ہیں۔'' اس نے ڈیگال سے کہا۔

''کیا مطلب.... میں نہیں سمجھا۔''

فریدی اُسے کوئی جواب دینے کی بجائے حمید سے بولا۔ ''تم برابر والے کمرے کے دروازے پر ٹھہرو۔''

حمید باہر چلا گیا۔ اُسی کے پیچھے لیوکاس بھی نکلا اور اپنے کمرے میں جانے لگا۔

''نہیں جناب۔'' حمید اُسے روک کر بولا۔ ''ابھی آپ کمرے میں نہیں جا سکتے۔''

''کیوں....؟'' اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

''ہم مس فوزیہ کو تلاش کر رہے ہیں۔''

''پاگل تو نہیں ہو.... ہم پہلے بھی ان سارے کمروں میں تلاش کر چکے ہیں۔''

''فکر نہ کرو۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ ''میرا چیف سگر کیس سے ہاتھی برآمد کر لیتا ہے۔''

''جہنم میں گیا تمہارا چیف.... مجھے اندر جانے دو۔''

''نہیں اُسی کو جانے دو.... تم مت جاؤ۔'' حمید سنجیدگی سے بولا۔

ادھر فریدی نے فوزیہ کے کمرے کا غسل خانہ کھولا۔ پھر اس نے ڈیگال کو آواز دی۔ فوز فرش پر اوندھی پڑی تھی۔

''ارے....!'' ڈیگال تحیر آمیز انداز میں چیخا۔

وہ اسے اٹھا کر کمرے میں لائے اور مسہری پر ڈال دیا۔ وہ بے ہوش تھی اور سانس رُ رک کر آ رہی تھی۔

''آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' ڈیگال بڑبڑایا۔ ''کس نے یہ حرکت کی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے بیہوش لڑکی کی طرف دیکھتا رہا پھر حمید کو آواز دی۔ ح کے ساتھ ہی لیوکاس بھی اندر چلا آیا۔ فوزیہ کو مسہری پر دیکھ کر لیوکاس پہلے تو جھجکا لیکن پھر ا نے بھی تحیر اور افسوس کے ملے جلے خیالات کا اظہار شروع کر دیا۔

''کسی قریبی ڈاکٹر کو فون کر دو۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔ جو توجہ اور دلچسپی سے بیہو لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لڑکی.... جس کے خدوخال میں بہت کم نسوانیت تھی۔ اعضاء مضبو اور ہڈیاں چوڑی تھیں۔ حمید ان کی عقلوں پر ماتم کرنے لگا جو اُسے بے بی کہتے تھے۔

اس نے نیچے جا کر کاؤنٹر سے ڈاکٹر کے لئے فون کیا اور پھر واپس آ گیا۔ فریدی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا اور وہ سب وہیں کھڑے تھے۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔'' ڈیگال فریدی سے اس انداز میں کہہ رہا تھا جیسے اب وہاں فریدی یا اس کے ساتھی کی موجودگی کی ضرورت نہیں۔

''مجھے لڑکی سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔'' فریدی بولا۔

''کیا ابھی.... اسی وقت....'' ڈیگال کے لہجے میں حیرت تھی۔ لیکن کہنے کے انداز میں چھپی ہوئی بناوٹ کا اظہار بخوبی ہو گیا تھا۔ حمید نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فریدی کی طرف دیکھا۔

''میں ہوش میں آنے کا انتظار کر لوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''لیکن.... پھر بھی یہ ظلم ہوگا۔ ایسے حالات میں.... آپ اُسے اس کے باپ کے قتل کی خبر سنائیں گے۔''

''یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں اس کے باپ کے قتل کی خبر سنانے آیا ہوں۔''

''پھر....؟''

''کچھ نہیں....!'' فریدی نے لاپرواہی سے کہا اور لڑکی کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

لیوکاس اور ڈیگال کی نظریں ملیں۔ لیوکاس پہلے باہر گیا پھر ڈیگال نے بھی اس کی تقلید کی۔ حمید استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب خاموش تھے کچھ دیر بعد کسی کے قدموں کی آہٹ سے سکوت ٹوٹا۔ لیوکاس اور ڈیگال واپس آ گئے تھے اور ان کے ساتھ ڈاکٹر بھی تھا۔

معائنے کے دوران میں لیوکاس اور ڈیگال گھور گھور کر فریدی کو دیکھتے رہے۔ ڈاکٹر نے لات سمیٹ کر بیگ میں رکھے اور بیگ کا تسمہ چڑھاتا ہوا بولا۔ ''کوئی نشہ آور چیز.... یا تو ائی گئی ہے.... یا انجکٹ کی گئی ہے۔ میں ایک انجکشن دے کر بیس منٹ تک انتظار کروں گا۔ ر ہوش نہ آیا تو پھر یہ خود ہی سے بیدار ہوں گی۔''

کوئی کچھ نہ بولا اور کمرے پر پھر سکوت مسلط ہو گیا۔

گمشدگی کا راز

فوزیہ ہوش میں آچکی تھی۔ اب کمرے میں اس کے علاوہ صرف تین آدمی تھے۔ فریدی حمید اور ڈیگال۔ لیکن اب ڈیگال مضطرب نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے شاید اس نے اپنے دانت بھی پوری قوت سے بھینچ رکھے تھے کیونکہ جبڑوں کے مسلسل ابھرے ہوئے نظر آرہے تھے اور آنکھیں اس طرح فوزیہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جیسے وہ کسی طریقے پر اپنی قوت ارادی کے ذریعے اس کے ذہن پر کوئی خاص اثر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"آپ غسل خانے میں بیہوش پائی گئی تھیں۔" فریدی نے فوزیہ سے کہا۔

"کیا....!" وہ اس طرح چونک پڑی جیسے خواب دیکھ رہی ہو۔ اس کی حیرت سے ہوئی آنکھیں ایک لمحے کے لئے فریدی کے چہرے کی طرف اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔

"کیا آپ اس معاملے پر روشنی ڈالنے کی تکلیف کریں گی۔" فریدی نے پھر کہا۔

"میں نے اسے دیکھا نہیں کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کپڑا ڈال کر گلا گھونٹ دیا تھا۔" وہ اپنی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

دفعتاً ڈیگال نے ایک طویل سانس لی اور اس کے جبڑے ڈھیلے پڑ گئے۔ حمید نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر فوزیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ کے والد کہاں ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی....!" وہ پھر چونک پڑی۔ "مجھے نہیں معلوم۔"

"کل رات.... دو بجے آپ لوگ کہاں گئے تھے۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یونہی تفریحاً....!" ڈیگال بولا۔

"آپ باہر جائیے۔" فریدی نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا جائے گا۔" ڈیگال بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔ "آپ صرف ہمارے ملک کے ہائی کمیشن آفس کی وساطت سے ہم تک پہنچ سکتے ہیں.... ورنہ نہیں۔"

"یہ کس نے کہہ دیا تم سے۔" فریدی کی مسکراہٹ پرسکون تھی۔ "باہر سے آنے والوں کا میزبان محکمہ سراغ رسانی ہی ہوتا ہے.... ورنہ.... نور جہاں....!"

"کیا مطلب....؟" ڈیگال ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا اور فوزیہ مسہری سے اچھل کر فرش پر کھڑی ہو گئی۔

"مطلب.... یہ کہ.... عدنان کے.... ساتھ ہی.... ایک مقامی آدمی کا.... بھی خون.... ہوا ہے۔" فریدی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

"کیا....!" فوزیہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

"مسٹر عدنان کا قتل.... کیا تمہیں اب اطلاع ہوئی ہے۔"

فوزیہ سر پکڑ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس طرح جھکولے لے رہی تھی جیسے اب گری اور تب گری۔

ڈیگال نے جھپٹ کر اسے اٹھایا اور مسہری پر ڈال دیا۔ وہ پھر بیہوش ہو گئی تھی۔

"تم لوگ درندے ہو۔" ڈیگال فریدی کی طرف دیکھ کر دانت پیستا ہوا بولا۔

"لیکن تمہاری طرح سرکس کے درندے نہیں۔" فریدی نے سر ہلا کر سنجیدگی سے کہا۔

کچھ دیر سکوت رہا پھر فریدی بولا۔ "آخر اس ناٹک کی کیا ضرورت تھی مسٹر ڈیگال....!"

"کیسا ناٹک....!" ڈیگال جھنجھلا کر بولا۔ "تم مجھے خواہ مخواہ غصہ دلا رہے ہو۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا.... اور حمید.... اُس نے تو شاید اس دوران کی گفتگو بھی نہیں سنی تھی.... اُس کا ذہن "نور جہاں" میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ آخر فریدی نے یہ بے تکا نام کیوں لیا؟ اور اس نام کا جو ردعمل ڈیگال اور فوزیہ پر ہوا تھا وہ بھی حمید کے ذہن میں محفوظ تھا۔

دفعتاً فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ''حمید! ذرا لیوکاس کو یہاں لاؤ۔''

حمید باہر چلا گیا۔ فریدی نے یہ بات اردو میں کہی تھی۔ لیکن اس نے لیوکاس کے نام پر ڈیگال کو چونکتے دیکھا۔ ڈیگال کے چہرے پر زردی پھیل گئی اور وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

لیوکاس کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ لیکن وہ بہت زیادہ جھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ فریدی چند لمحے اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''مسٹر لیوکاس! یہ کیا حرکت تھی۔''

''کیا مطلب....!''

''تم نے لڑکی کو بیہوش کیا تھا۔''

''مسٹر سراغ رساں تم بہک رہے ہو۔'' ڈیگال بولا۔

''نہیں مسٹر ڈیگال میں سچ کہہ رہا ہوں۔ غسل خانے میں مجھے مسٹر لیوکاس کی ڈائری ملی ہے۔''

''اوہو! یہ کیا بات ہے۔'' لیوکاس جلدی سے بولا۔ ''دونوں کمروں کا غسل خانہ مشترک ہے۔ اس کا ایک دروازہ میرے کمرے میں ہے۔ ممکن ہے کسی وقت مجھ سے گر گئی ہو۔ مجھے اس کی تلاش تھی کہاں ہے۔''

''میرے پاس!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''لیکن بہت ہی محترم مسٹر لیوکاس! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہاری قمیض کی پلیٹ پر پڑا ہوا سرخ دھبہ کیسا ہے؟''

لیوکاس کا سر بے اختیار سینے کی طرف جھک گیا.... اور پھر وہ ہکلانے لگا۔

''بیکار ہے! تم نے ہی اسے بیہوش کر کے باتھ روم میں ڈالا تھا۔''

''ٹھہرو لیوکاس....!'' دفعتاً ڈیگال ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اب کچھ چھپانا فضول ہے۔''

فریدی نے جیب سے سگار کیس نکال کر ڈیگال کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں پولیس انسپکٹر سے پہلے ہی کہا تھا کہ کوئی مجھ جیسے شریف آدمی کو دھوکا دینا پسند نہیں کرتا.... سگار!

ڈیگال نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے ایک سگار نکال لیا۔

''لیوکاس تھوڑا بیوقوف ضرور ہے۔'' اس نے کھانس کر کہا۔ ''لیکن بدخواہ نہیں۔ وہ نہ

ہتا تھا کہ بے بی کو اچانک یہ منحوس خبر سنائی جائے۔ اس نے مجھے پولیس والوں سے گفتگو کرتے دیکھا اور جلدی میں اُسے یہی تدبیر سوجھ گئی۔''

''لیکن مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ آپ اپنے کسی ساتھی کو اس خبر سے مطلع کئے بغیر ہی پولیس اسٹیشن چلے گئے تھے۔'' فریدی نے کہا۔

''میں اور لیوکاس پہلے ہی سے جانتے تھے۔''

''ہوں.... کس طرح۔''

''میں نے وہ لاشیں کل رات ہی دیکھ لی تھیں۔ پولیس آفیسر کو میں نے غلط بیان دیا تھا۔ بے بی.... مسٹر عدنان کے لئے بہت پریشان تھی۔ لہٰذا ہم دو بجے ان کی تلاش میں اس عمارت تک گئے۔ میں بقیہ لوگوں کو باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ وہاں میں نے دونوں لاشیں دیکھیں اور چپ چاپ واپس آ گئے۔''

''مگر پولیس سے غلط بیانی کیوں کی گئی۔''

''محض.... اس بچی کی خاطر.... میں نہیں چاہتا تھا......!''

''یہ جملہ ہم کئی بار سن چکے ہیں۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''میں صحیح واقعہ سننا چاہتا ہوں۔''

''یہ قطعی صحیح واقعہ ہے۔''

''عدنان نے وہ عمارت کرائے پر کیوں حاصل کی تھی۔''

''ہمیں یہ ضرور معلوم تھا کہ انہوں نے ایک عمارت حاصل کی تھی لیکن انہوں نے اس کی غرض و غایت کسی کو نہیں بتائی۔''

''ہوں.... تو پھر یہ لڑکی پریشان کیوں تھی۔''

''ظاہر ہے کہ مسٹر عدنان نے یہ نہیں بتایا تھا کہ انہوں نے وہ عمارت کیوں حاصل کی ہے اور یہ سب کو معلوم تھا کہ وہ گذشتہ رات وہیں بسر کرنے والے تھے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بچوں میں والدین کے لئے اور والدین میں بچوں کے لئے ایک چھٹی حس ہوتی ہے۔''

''نہ میں والدین ہوں اور نہ مجھے اپنا بچپن ہی یاد ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''لیکن میں

دوبارہ مس فوزیہ کے ہوش میں آنے کا انتظام کروں گا۔"

"آپ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔" ڈیگال پھر اکھڑ گیا۔ "بے بی کو آرام کی ضرورت ہے"

"سب کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور سگار سلگانے لگا

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔"

"سچی بات....!"

"اس سے زیادہ ہم میں سے کوئی بھی کچھ نہیں جانتا۔"

"کچھ دیر پہلے تم یہ بھی نہیں جانتے تھے جو ابھی بتا چکے ہو۔"

"میرے خیال سے اسے ہسپتال پہنچا دیا جائے۔" حمید نے فوزیہ کی طرف اشارہ کرکے

"ہرگز نہیں....کبھی نہیں۔" ڈیگال تن کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ....!" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم مجھے نہیں جانتے۔"

"مجھے تشدد پر آمادہ نہ کرو۔" ڈیگال غرایا۔

"چلو بیٹھ جاؤ سیدھی طرح....ورنہ...." فریدی اور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نظ
لیوکاس پر تھیں جس نے ریوالور نکال لیا تھا۔

"بہت اچھے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کمرے سے نکل جاؤ۔" لیوکاس نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

"بہتر ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آؤ حمید...."

وہ دروازے تک آئے۔ لیوکاس ان کے پیچھے تھا۔ فریدی نے دروازہ کھولنے کے ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر دوسرے ہی لمحہ وہ بڑی تیزی سے پلٹا۔ اس کا بایاں ریوالور پر پڑا اور داہنا ہاتھ لیوکاس کے جبڑے پر.... لیوکاس اچھل کر کئی فٹ دور جا پڑا ریوالور فریدی کے ہاتھ میں تھا۔

"لیوکاس.... یہ کیا بیہودگی ہے۔" ڈیگال چیخا۔

لیوکاس کھڑا ہو کر اپنا جبڑا سہلا رہا تھا۔ پھر خون کی ایک دھار اس کے ہونٹوں سے نکل

ڑی پر پھیل گئی۔

"آفیسر.... مجھے افسوس ہے۔" ڈیگال معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ پھر لیوکاس پر برس پڑا۔

"میں لیوکاس کو آتش گیر اسلحہ رکھنے کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "تم ہاں بغیر اجازت ریوالور نہیں رکھ سکتے۔"

"آفیسر! میں معافی چاہتا ہوں۔" ڈیگال گڑگڑایا۔ "ہم بڑی زحمت میں پڑ جائیں گے۔"

"اس کی صرف ایک ہی صورت ہے حقیقت کہہ دو۔"

ڈیگال کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آرہے تھے اور وہ بار بار وکاس کو قہر آلود نظروں سے گھورنے لگتا تھا۔

"ایک ذرا سی بات نے اتنا طول کھینچا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔ "بہت معمولی سی ت تھی.....لیکن مسٹر عدنان نے میرا کہنا نہ مانا۔ خود جان سے ہاتھ دھوئے اور ہمیں مصیبت یں پھنسا دیا۔"

فریدی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ لیوکاس رومال سے اپنے چہرے کا خون صاف کر رہا تھا۔

ڈیگال خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے ذہنی کشمکش عیاں تھی۔ فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"انہیں جو کچھ بھی کرنا تھا.... اس کے لئے ہم ہی کافی تھے۔" ڈیگال کچھ دیر بعد بولا۔ "انہوں نے مقامی آدمیوں کی مدد حاصل کرکے غلطی کی۔"

"لیکن عدنان کیا کرنا چاہتا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیا آپ کو اپنے شہر میں کسی ایسے اندھے آدمی کے وجود کا علم ہے جو سینکڑوں آنکھ والوں پر بھاری ہو۔"

حمید نے ڈیگال کے اس جملے پر قہقہہ لگایا لیکن فریدی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

"کہتے جاؤ.... میں سن رہا ہوں۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"لوزانا.... چند ماہ پیشتر کیپ ٹاؤن میں تھا۔"

''لوزاٹا کون؟''

''لوزاٹا.... وہ اندھا جنوبی افریقہ میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ حقیقتاً کہا
باشندہ ہے یہ کسی کو نہیں معلوم۔ لیکن افریقہ کے ڈاے گاگا قبیلے کا ایک دیوتا لوزاٹا کہلاتا ہے
کے معنی ہیں اندھیرے کا مالک۔''

حمید عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُسے فریدی کی سنجیدگی پر
آ گئی۔ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور حمید کہنے لگا۔ ''میں اُس اندھے کو جانتا ہوں اس
لوزاٹا نہیں بلکہ ڈھمپ کٹل چرخ پٹاخ پوں ہے۔ کس حماقت میں پھنسے ہیں آپ..... یہ
فورٹونٹی ہیں۔''

پھر ڈیگال کی طرف دیکھ کر اردو میں بولا۔ ''تم لوگوں سے مجھے نفرت ہوگئی ہے۔ آ
اتنی دور سے اور اپنے ہمراہ ایک ہیجڑوں کی شکل کی لڑکی لائے ہو جس سے میں ذرہ برا
دلچسپی نہیں لے سکتا۔''

''کیا کہہ رہے ہیں۔'' ڈیگال نے فریدی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں تم اپنا بیان جاری رکھو۔''

''اُس نے مسٹر عدنان کو دھوکہ دے کر ایک بہت بڑی رقم وصول کی.... اور یہاں چلا آ
ہم اُس کے تعاقب میں یہاں آئے تھے۔''

''لیکن.... مسٹر عدنان نے خود ہی زحمت کرنے کی ضرورت محسوس کیوں کی۔ وہ اپنے
کمیشن کے ذریعہ سرکاری طور پر اس کے خلاف چارہ جوئی کر سکتے تھے۔''

''یہی مشورہ میں نے بھی دیا تھا۔'' ڈیگال جلدی سے بولا۔

''لیکن مسٹر عدنان نہیں مانے.... آخر کیوں!''

''میں کیا بتا سکتا ہوں....!''

''لڑکی ضرور بتا سکے گی۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''میں نور جہاں کا قصہ سننا چاہتا ہوں

''وہ شہنشاہ جہانگیر کی بیوی تھی۔'' حمید بولا۔ ''اس کی پہلی شادی علی قلی خاں.... با

قلی سے ہوئی تھی۔''

''تم خاموش رہو.... یا یہاں سے چلے جاؤ۔'' فریدی اس پر الٹ پڑا۔

''اب میں کہاں جا سکتا ہوں.... قصہ نور جہاں کا ہے۔''

''آپ نے ایک بار پہلے بھی یہ نام لیا تھا لیکن میں اسکے متعلق کچھ نہیں جانتا۔'' ڈیگال بولا۔

''شاید لڑکی جانتی ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''پتہ نہیں....!'' ڈیگال بیزاری سے بولا اور بیہوش لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

''اندھا کہاں رہتا ہے؟''

''معلوم نہیں.... مسٹر عدنان نے اُسے یہاں کے کسی فٹ پاتھ پر بھیک مانگتے دیکھا
ا۔'' حمید نے پھر قہقہہ لگایا اور فریدی کا شانہ جھنجھوڑ کر بولا۔ ''سنئے اگر وقت ہی برباد کرنا ہے تو
یے کرکٹ کھیلیں۔ بڑی سہانی رات ہے۔''

''تم نہیں جانتے.... خاموش رہو۔''

''مائی ڈیئر مسٹر ہارڈ اسٹون! مجھے اس سے بھی زیادہ دلچسپ کہانیاں یاد ہیں۔ رانی سرنگا
ی کہانی۔ سوتے جاگتے کا قصہ۔ ببر بادشاہزادی کی داستان۔ موڈرن کہانیوں میں علی بابا اور
ل ٹم ٹم کا قصہ۔''

فریدی اسکی بکواس پر دھیان نہ دے کر ڈیگال سے بولا۔ ''کیا اندھے کا کوئی گروہ بھی ہے۔''

''آپ گروہ کہتے ہیں۔'' ڈیگال نے کہا۔ ''وہ جہاں بھی رہتا ہے شاہانہ شان سے۔''

''اور فٹ پاتھ پر بھیک بھی مانگتا ہے۔'' حمید اردو میں بڑبڑایا۔ ''فریدی صاحب اس
سے تو یہی بہتر تھا کہ آپ چانڈو سے شوق فرما لیتے۔''

ڈیگال خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نظر فریدی کی طرف اٹھی۔

''میرے دوست کو کسی ایسے اندھے آدمی کے وجود پر یقین نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''انہیں یقین آ جائے گا۔'' ڈیگال نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کیا آپ نے اب سے تین
سال قبل اخبارات میں ایک حیرت انگیز خبر نہیں پڑھی تھی کہ لندن میں ایک اندھے نے حیرتنگ

کراس سے پکاڈلی تک کار ڈرائیو کر کے پورے شہر میں سنسنی پھیلادی۔''

''اوہ....!'' فریدی چونک کر بولا۔ ''تو یہ وہی اندھا ہے۔''

''جی ہاں.... وہی۔''

''تب تو.... نور جہاں....!'' فریدی کچھ سوچنے لگا۔

''کیا....؟'' ڈیگال کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ لیکن وہ اچانک خاموش ہوگیا۔ فرید عقابی آنکھیں ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر پڑیں پھر وہ مسکراتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

''اچھا مسٹر ڈیگال.... ہم دیکھیں گے۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن تم لوگ پولیس کو ا دیئے بغیر ہوٹل کے باہر قدم نہیں نکالو گے۔''

بکرے سے اندھے تک

دوسری صبح حمید فریدی سے الجھ پڑا۔ اُسے سب سے زیادہ تاؤ خود اپنی حماقت پر آ کہ اُس نے پچھلی رات کا زیادہ تر حصہ لغویات میں گزار دیا۔ وہ محض اس توقع پر ہوٹل فرانس میں سر مارتا رہا تھا کہ فوزیہ کو دیکھ کر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہو سکے گا وہ ایک بالکل ہی معمولی شکل وصورت کی لڑکی ثابت ہوئی۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ لڑکی بھی باپ کی سازش میں شریک ہے۔ اندھے والی کہانی پر اُسے یقین نہیں آیا تھا.... اس کے کے مطابق عدنان کا خاتمہ کرنے کے لئے چار مقامی بدمعاشوں کو کرائے پر حاصل کیا گ اُن میں سے ایک عدنان کے ہاتھوں مارا گیا اور بقیہ تین آدمیوں نے اُس کے بعد عد خاتمہ کر دیا.... اور مقصد.... مقصد فی الحال تاریکی میں تھا۔

''میں کہتا ہوں'' وہ فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ''آخر اس اندھے نے اُن تینوں کیوں دیا۔ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو انہیں کبھی اس دن کے لئے زندہ نہ چھوڑتا کہ وہ پ

نا دے سکیں۔''

''تمہیں اندھے کے وجود میں شبہ ہے۔''

''بنڈل سرے سے بنڈل....!''

''لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا.... وہ کار ڈرائیو کرنے والا واقعہ۔ کیا تمہیں یاد نہیں۔ ایک انے میں اس کی بڑی شہرت تھی۔''

''رہی ہوگی.... لیکن اس معاملے میں اس کا کیا تعلق۔ آخر آپ کس بناء پر اُسے اس سے لق سمجھتے ہوں گے۔''

''نور جہاں.... اگر یہ نام نہ لیا گیا ہوتا تو میں بھی اسے کوئی اہمیت نہ دیتا۔''

''اوہ.... تو حقیقتاً کوئی لڑکی اور بھی ہے۔ یقیناً وہ بہت زوردار ہوگی.... ورنہ عدنان مرتا کیوں۔''

''لڑکی....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اچھا ہے تم اسے لڑکی ہی سمجھتے رہو۔''

''ہائیں تو کیا بڑھیا ہے۔''

''ختم کرو یہ قصہ....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میرے پاس تمہاری ایک شکایت آئی ہے۔''

''وہ تو آیا ہی کرتی ہیں۔''

''آخر تمہارا بچپنا کب رخصت ہوگا.... خود مذاق بنتے ہو اور مجھے بھی بدنامی نصیب ہوتی ہے۔''

''بات کیا ہے۔''

''ہائی سرکل نائٹ کلب میں بکرا کیوں لے گئے تھے۔''

حمید یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔ اتنا سنجیدہ جیسے فریدی نے اُس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس ئی ہو۔

''کیوں نہ لے جاتا'' حمید بگڑ کر بولا۔ ''وہاں بعض عورتیں کتے کیوں لاتی ہیں۔''

''مضحکہ خیز بننے کی کوشش نہ کیا کرو۔ میں نے سنا ہے کہ تم اور انور نائٹ کلب کے منیجر کو ت پریشان کرتے ہو۔''

''لیکن وہ کمبخت اس کے باوجود بھی اشعار سنانے سے باز نہیں آتا۔''

"اس قسم کی حرکتوں سے فائدہ کیا ہوتا ہے۔"

"میں کہتا ہوں کتوں کو ساتھ لئے پھرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے اور خصوصاً یہ عور
بچوں کو تو گھر پر چھوڑ دیتی ہیں اور کتوں کو گود میں لئے پھرتی ہیں۔ ان کی نفسیات آ
میری سمجھ میں نہ آسکی۔"

"بچے کتوں سے زیادہ شور مچاتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"نہیں بتایئے! آپ تو ماہر نفسیات بھی ہیں۔"

"دوسروں کو مستقل طور پر غلام بنائے رکھنے کی لاشعوری خواہش۔ آدمی سے اس ک
فضول ہے لہٰذا توجہ جانوروں کی طرف مبذول ہوتی ہے اور جانوروں میں کتے سے
سعادت مند جانور اور کوئی نہیں ہوتا.... ہروقت دم ہلاتا رہتا ہے۔ عورتوں میں غلام بنا
خواہش مردوں سے زیادہ ہوتی ہے۔"

"کیا میں آپ کو بھی عورت سمجھوں۔"

"کیوں....؟"

"آپ نے درجنوں کتے پال رکھے ہیں اور میں نے ایک بکرا پال لیا تو اُس پر اتنا غ

ہائی سرکل نائٹ کلب کا منیجر برآمدے میں کھڑا تھا۔ یہ چھوٹے قد، دبلے جسم او
ہوئے چہرے کا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور
سلگانے ہی جا رہا تھا کہ کمپاؤنڈ میں ایک کار داخل ہوئی جس کی کھڑکی سے ایک بکرا سر
بڑے دلآویز انداز میں جگالی کر رہا تھا۔ منیجر نے سگریٹ جیب میں ڈال لیا اور دانت پ
خلاء میں مکا مارنے کے سے انداز میں ہاتھ کو جنبش دی۔

کار سے حمید اترا اور پھر اس نے بکرے کو بھی کھینچ کھانچ کر باہر نکال لیا۔

"مسٹر حمید! خدا کے لئے۔" منیجر ہاتھ پھیلا کر گھگھیاتا ہوا آگے بڑھا۔

"میری جیب میں کھلے ہوئے پیسے نہیں ہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ وہ اُس جغادری بکرے کا پٹہ پکڑے اسے مہندی کی باڑھ پر منہ مارنے سے روک رہا تھا۔

"آپ میرا بیڑا غرق کردیں گے۔"

"آپ نے فریدی صاحب سے شکایت کیوں کی؟"

"شکایت.... نہیں تو.... وہ میں نے کہا تھا کہ ایسی جگہوں پر لانے سے بکرے کے اخلاق پر بُرا اثر پڑ سکتا ہے۔"

"بکواس ہے.... میرا بکرا نہایت سلیم الطبع اور برخوردار قسم کا ہے۔ وہ بُروں سے اچھائیاں سیکھتا ہے۔ ایسا بکرا شیخ سعدی کو بھی نہ نصیب ہوا ہوگا۔ اچھا کوئی عمدہ سا شعر سنایئے۔"

"دیکھئے.... میں بہت پریشان ہوں۔ آپ بکرے کو اندر نہیں لے جاسکتے۔ پچھلی بار سے کئی معزز آدمیوں نے یہاں آنا چھوڑ دیا ہے۔"

"پھر کتے کیوں آتے ہیں۔ اگر کتے آئیں گے تو بکرا بھی جائے گا۔"

"بکرے کو دیکھ کر کتے بھونکنے لگتے ہیں۔" منیجر نے کہا۔ "میرے حال پر رحم کیجئے اور آپ ایسی حرکتیں کرتے ہوئے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ آپ بھی کافی معزز آدمی ہیں۔"

"جی نہیں میں چمار ہوں.... بکرا مجھ سے جدا نہیں ہوسکتا۔"

"آپ نہیں لے جاسکتے۔" منیجر بے بسی سے چیخا۔

"اچھی بات ہے۔ اب دیکھوں گا تمہاری شراب کی ناجائز تجارت۔"

"مسٹر حمید....!" منیجر کا لہجہ نرم ہوگیا۔

"تو پھر میں اس بکرے کو کہاں چھوڑوں۔"

"میں انتظام کردوں گا۔"

"نہیں آپ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے کا وعدہ کریں تو.... میرا مطلب ہے کہ اپنے آفس میں۔"

"مجھے منظور ہے۔" منیجر نے اطمینان کا سانس لیا۔

منیجر نے اپنے دفتر کا کمرہ کھولا اور حمید نے بکرے کو دھکیل کر اندر کر دیا۔

"اُسے تنہائی نہ محسوس ہونے پائے.... سمجھے.... ہاں...." حمید نے کہا اور ہال میں چلا گیا۔ منیجر برآمدے ہی میں کھڑا طرح طرح کے منہ بناتا رہا۔ وہ فطرتاً کچھ اس قسم کے بوڑھوں میں سے تھا جنہیں بچے بھی چٹکیوں میں اڑا دیتے ہیں۔ حمید اُسے خاص طور سے چھیڑتا رہتا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ منیجر اس کے خلاف کوئی قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ حمید اس کی تجارت کے بعض ناجائز پہلوؤں سے اچھی طرح واقف تھا۔ دفعتاً اسے پھر ہال کے ایک قریبی دروازے میں حمید کی شکل دکھائی دی جو اُسے گھور رہا تھا۔

"ہائیں.... آپ نے اُسے تنہا چھوڑ دیا ہے۔" حمید نے غصیلی آواز میں کہا اور منیجر جلدی سے اپنے دفتر چلا گیا۔ یہاں بکرا بڑی سعادت مندی سے جگالی کرتا ہوا اس کی میز کا جائزہ لے رہا تھا۔ منیجر کے داخل ہوتے ہی وہ اسے نیم باز آنکھوں سے دیکھ کر اس طرح ممیایا جیسے دیر سے غیر حاضری کی وجہ پوچھ رہا ہو۔

"ارے تجھے خدا غارت کرے.... ہٹ میز کے پاس سے۔" منیجر اسے میز کے قریب سے دھکیلتا ہوا بڑبڑایا۔ لیکن بکرا سرجنٹ حمید کا تھا۔ اس نے اس کی پرواہ کئے بغیر اپنی جگالی جاری رکھی۔

دفعتاً اس کی نظر اس الماری پر پڑی جس میں ایک بڑا سا آئینہ لگا ہوا تھا۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر اس نے گردن اکڑائی۔ دو قدم پیچھے ہٹا پھر پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر آئینے پر ٹکر مارنے ہی جا رہا تھا کہ منیجر چیختا ہوا درمیان میں آ گیا۔ اس طرح وہ ٹکر تو نہ مار سکا لیکن اس کی اگلی ٹانگوں کے ساتھ ہی ساتھ منیجر بھی زمین پر آ رہا۔ بکرا دوسری ٹکر کی تیاری کرنے لگا تھا۔ منیجر بے اختیار اٹھ کر اس سے لپٹ پڑا۔ اس دھینگا مشتی میں ایک کرسی الٹ گئی۔ بکرے کو بھی شاید تاؤ آ گیا تھا۔ وہ بار بار آئینے ہی کا رخ کرتا تھا۔ منیجر بُری طرح ہانپ رہا تھا اور اس کے منہ سے گھٹی گھٹی آوازیں اور گالیاں نکل رہی تھیں۔ ایک بار بکرے نے.... میز سے سینگیں اڑائیں اور زور کرنے لگا۔ منیجر نے لاکھ چاہا کہ اسے ہٹا دے مگر کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار میز بھی الٹ

گئی۔ منیجر حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔ بدحواسی میں وہ میز کی طرف جھک پڑا تھا۔ اتنے میں بکرے کو موقع مل گیا اور اس نے آئینے پر ایک ٹکر ہی رسید کر دی۔ کئی ٹکڑے کھنکھناتے ہوئے فرش پر آ گرے۔

"ابے او.... حرامی کے پلے۔" منیجر اپنا سر پیٹ کر چیخا۔

"نوکر کمرے میں گھس آئے۔ بکرا نہ جانے کیا سمجھا۔ اس نے چیختے ہوئے منیجر کے سینے پر ایک ٹکر رسید کی اور پھر نوکروں کی طرف پلٹ پڑا۔ نوکر معاملے کی نوعیت بھی نہیں سمجھ پائے تھے کہ ان میں سے ایک کو بڑی زوردار ٹکر نصیب ہوئی۔ وہ پیچھے گرا اور بکرے نے اس کے اوپر سے جست لگائی۔ دوسرے لمحے میں وہ برآمدے میں تھا۔ شامت اعمال، کمپاؤنڈ میں کسی صاحب کے دو کتے خوش فعلیوں میں مشغول تھے۔ انہوں نے بکرے کو دیکھا تو بھونکتے ہوئے اس کی طرف لپکے۔ بکرا ہال میں گھس گیا۔ شام کا وقت تھا اس لئے ہال قریب قریب بھرا ہوا تھا۔ سرجنٹ حمید اور اُس کے ایک شناسا میں شطرنج ٹھن گئی تھی۔ جیسے ہی بکرا ہال میں گھسا کئی طرح کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اُس کے تعاقب میں کتے بھی گھس آئے تھے۔ حمید بدقت تمام اپنی ہنسی روک سکا۔ لیکن وہ بکرے کو پکڑنے کے لئے اٹھا نہیں۔

قریب ہی کی میز پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔"

"عجیب....!" اس کا ساتھی بولا۔ "ایک بکرا گھس آیا ہے۔"

"بکرا....!" آدمی حیرت سے بولا۔ "بکرے کا یہاں کیا کام....!"

اور دفعتاً حمید بکرے کو بالکل ہی بھول گیا۔ وہ بڑی توجہ سے اس آدمی کو دیکھنے لگا تھا جس نے اپنے ساتھی سے غل غپاڑے کی وجہ دریافت کی تھی۔ یہ ایک طویل القامت اور قوی الجثہ آدمی تھا۔ آنکھوں پر گہرے نیلے رنگ کے شیشوں کی عینک تھی اور وہ ایک نہایت نفیس سوٹ میں ملبوس تھا۔

"کیا....؟" حمید کے ذہن میں ایک سوال گونجا۔ "اُس نے بکرے کو نہیں دیکھا۔"

بکرا ٹھیک اس کی میز کے قریب سے گذرا تھا۔ حمید کے ذہن میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔

کیا وہ اندھا تھا....اندھا....؟ لیکن بادی النظر میں وہ اندھا نہیں معلوم ہوتا تھا۔حمید ذہنی ہیجان میں مبتلا ہوگیا....کیا....ڈیگال کا بیان صحیح تھا۔حمید نے فوراً ہی ایک دوسری بات بھی محسوس کی۔ وہ آدمی اپنے ساتھی کے ساتھ شطرنج بھی کھیل رہا تھا....وہ شطرنج تو کھیل رہا تھا۔لیکن بکرا اُسے نہیں دکھائی دیا تھا۔عجیب بات....پھر حمید کی متجسس نگاہوں میں ایک بات اور بھی آئی....ہال کے سارے لوگوں کی نظریں بکرے پر تھیں لیکن وہ نیلی عینک والا بدستور بساط پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار بھی بکرے کی طرف رخ نہیں کیا۔حالانکہ اس کا ساتھی کھڑا ہوکر بکرے کی دم چوکڑی سے لطف اندوز ہورہا تھا۔

تو وہ اندھا تھا....سو فیصدی اندھا....ورنہ اسے بھی فطرتاً بکرے میں دلچسپی لینی چاہئے تھی۔انہونی باتیں ہر ایک کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالیتی ہیں....اور وہ بھی ایک انہونی تو تھی۔نائٹ کلب میں بکرا۔

حمید نے منیجر کی طرف دھیان نہ دیا جو اُسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔

"کیا ہے بھئی....چلو چھوڑو....بازی ختم کرو۔" نیلی عینک والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"بکرا کسی طرح قابو میں نہیں آتا۔" اس کا ساتھی بولا۔

"جہنم میں گیا بکرا....بازی ختم کرو۔"

"کیا ہے بھئی!" دفعتاً حمید منیجر کی طرف پلٹا۔

"میں برباد ہوگیا....لیکن خدا کی قسم تمہیں نقصان بھرنا پڑے گا۔" منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

"تم اُس سے غافل ہوگئے ہوگے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔پھر وہ منیجر کو باہر برآمدے میں کھینچ لے گیا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہال میں اس سے کسی قسم کی تکرار ہو۔

"تم بیکار جھک مار رہے ہو۔" حمید نے کہا۔"کیوں آمادہ ہوگئے تھے اُسے سنبھالنے پر۔ اگر انکار کرتے تو میں واپس چلا گیا ہوتا۔"

"اب الٹی دھونس جماؤ گے۔" منیجر بھنا کر بولا۔

"بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔اپنے نوکروں سے کہو کہ اسے میری کار میں ٹھونس دیں۔"

"اور یہ نقصان کون بھرے گا۔" منیجر آفس کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔

"تم ضرور اس سے بداخلاقی سے پیش آئے ہوگے۔" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔

اتنے میں نوکر بکرے کو برآمدے میں گھسیٹ لائے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں معاملہ طوالت نہ اختیار کرجائے۔اگر ایسا ہوا تو ممکن ہے کہ وہ اندھے کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ اس طرح اس سے مڈبھیڑ ہوگئی تھی۔ ورنہ وہ زندگی بھر اُس کے متعلق یہ اندازہ نہ لگا پاتا کہ وہ اندھا ہے۔

دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ اس کی چیک بک جیب ہی میں موجود ہے۔

"سنو پیارے۔" حمید منیجر کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔"تمہارے نقصان کی تلافی ہوجائے گی۔ تم فی الحال اس سعادت اطوار بکرے کو کسی نوکر کے کوارٹر میں بندھوا دو۔"

"ہرگز نہیں....کبھی نہیں۔" منیجر پیر پٹخ کر بولا۔

حمید نے جیب سے چیک بک نکالی اور سادے چیک پر دستخط کر کے منیجر کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔"اپنے نقصان کا تخمینہ لگا کر رقم لکھ لینا....چلو شاباش....ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔"

منیجر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر اس نے چیک لے کر اپنی جیب میں ٹھونس لیا۔

"میزالٹ دی" وہ بڑبڑایا۔"آئینہ چور چور کردیا اور وہ میرا جسم ریزہ ریزہ ہوگیا۔"

"یار ختم بھی کرو قصہ....میری شطرنج کی بازی برباد ہورہی ہے۔"

منیجر نے ایک نوکر سے بکرے کو لے جانے کو کہا۔

حمید پھر ہال میں لوٹ آیا۔حمید کا ساتھی بساط بچھائے بیٹھا اُس کا انتظار کررہا تھا اور دوسری میز پر نیلی عینک والا بھی اپنے ساتھی کے ساتھ بازی میں مشغول تھا۔حمید پھر جم گیا۔ لیکن اس بار اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔اس نے کئی بے سروپا چالیں چلیں اور اس کے مہرے دھڑا دھڑ پٹتے گئے۔اس کا ذہن اُس اندھے میں الجھا ہوا تھا۔اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس کا شبہہ سرے سے غلط ہی نہ ہو۔ضروری نہیں کہ یہ وہی اندھا ہو جس کی تلاش فریدی کو تھی۔یہ خیال آتے ہی اس کا دل ڈوبنے لگا۔اگر ایسا ہی ہوا تو اسے وہ چیک قیامت تک یاد رہے گا۔

جو اُس نے جھگڑا ختم کرنے کے لئے منیجر کو دیا تھا۔ اس کی نظریں ایک بار پھر اندھے کھلاڑ جم گئیں۔ وہ بڑی دانش مندی سے چالیں چل رہا تھا۔ کیا یہ ایک اندھے کے لئے حیرت بات نہیں تھی۔ اس نے آج تک کسی اندھے کو شطرنج کھیلتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ اندھا ڈرائیو کر سکتا ہو وہ بھی لندن جیسے مشغول شہر میں اُس کے لئے شطرنج کیا وقعت رکھتا ہے۔

اندھے کا ساتھی اسے اپنی چال کے متعلق بتاتا جاتا تھا۔ لیکن خود اندھا ابھی تک ایک با چال چلتے وقت نہیں ہچکچایا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پوری بساط اس کے ذہن میں محفوظ ہو۔

حمید یوں ہی اندھا دھند چالیں چل رہا تھا۔ آخر کار اُسے جلدی مات ہو گئی اور وہ کر پشت سے ٹیک لگا کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"دوسری بازی....!" اس کے ساتھی نے پوچھا۔

"ٹھہرو.... میں ایک منٹ میں آیا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ وہاں سے وہ سیدھا منیجر آفس میں آیا.... اور یہاں کی ابتری پر دھیان دیئے بغیر فریدی کو فون کرنے لگا۔

دھوکا

حمید پھر ہال میں واپس آ گیا۔ اندھے کی بازی ختم ہو گئی تھی اور اب وہ کرسی کی سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا۔ اس کا ساتھی شاید کہیں چلا گیا تھا۔

حمید کے ساتھی نے دوبارہ مہرے جمانے شروع کئے۔

"اب بس....!" حمید نے کہا۔ "کچھ پیئو گے۔"

"نہیں سورج غروب ہونے سے پہلے میں کچھ نہیں پیتا۔" اُس کے ساتھی نے کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ ہال میں کافی رونق تھی.... اور کئی عورتیں حمید کو گھور رہی تھیں۔ شا میں سے ایک آدھ ایسی بھی رہی ہو گی جنہوں نے اسے پچھلے موقع پر بکرے کے ساتھ دیکھا

حمید نے دیدہ و دانستہ ان کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔ پھر برآمدے میں اُسے ایک بڑی خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ وہ ہال میں داخل ہوئی چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتی رہی پھر تیر کی طرح اُس کی میز کی طرف آئی جس پر اندھا بیٹھا ہوا تھا۔

اندھے کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور پھر وہ مسکرانے لگا۔ لڑکی میز پر ہاتھ ٹیک کر جھکی اور آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگی۔ اُس کے اوپری ہونٹ کی جنبش بڑی ترغیب انگیز تھی۔

نہ جانے کیوں اُسے دیکھ کر حمید کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں گدگدی کی سی کیفیت کا احساس ہونے لگا۔ اندھے کے ہونٹ سکڑے ہوئے تھے اور شاید وہ غیر معمولی توجہ سے لڑکی کی بات سن رہا تھا۔ اچانک وہ اٹھا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ہال سے نکل گیا۔ اس کے اس رویئے پر حمید ایک بار پھر الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ کوئی اندھا کسی سہارے کے بغیر اس طرح نہیں چل سکتا۔ لیکن جلد ہی اسے کار ڈرائیو کرنے والی روایت یاد آ گئی۔ لڑکی بھی اس آدمی کے پیچھے چلی جا رہی تھی۔ وہ کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی ایک کار میں بیٹھ گئے۔ اندھا پچھلی سیٹ پر تھا اور لڑکی نے انجن اسٹارٹ کر دیا تھا۔

"دوست مجھے ذرا ایک کام یاد آ گیا ہے۔" حمید اٹھتا ہوا اپنے ساتھی سے بولا۔

وہ ہنسنے لگا۔ اس نے کہا۔ "لونڈیا کے پیچھے؟"

"ارے نہیں.... لاحول.... ولا....!"

اندھے کی کار پھاٹک کے باہر پہنچ چکی تھی۔ حمید نے اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی وہاں ضرور آئے گا۔ لیکن وہ انہیں چھوڑ کس طرح سکتا تھا۔ اس کی کار باہر نکلی.... اندھے کی کار کافی فاصلے پر تھی.... تعاقب شروع ہو گیا۔

اگلی کار چونکہ بھری پُری سڑکوں سے گذر رہی تھی اس لئے حمید کو زیادہ احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔ دونوں کا فاصلہ بہت کم تھا۔ اچانک اگلی کار ایک جگہ سڑک سے اُتر کر ایک گلی میں مڑ گئی۔ حمید کو اس کی توقع نہیں تھی۔ حمید نے اپنی کار بھی سڑک سے اتاری۔ اگلی کار نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی اور حمید گلی میں مڑنے ہی جا رہا تھا کہ ایک ٹھیلا جو داہنی طرف سے آ رہا تھا گلی کے

دہانے پر رک گیا۔ حمید نے ہارن دیا جتنی دیر میں ٹھیلا ہٹا اگلی کار وہ گلی پار کر کے دوسری سڑک پر مڑ گئی تھی۔

راستہ ملتے ہی حمید تیز رفتاری کے ساتھ گلی سے گزر گیا۔ اگلی کار ٹریفک کی زیادتی کی وجہ سے زیادہ دور نہیں جا سکی تھی۔

تعاقب جاری رہا۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور اب دھندلکے کی ملگجی چادر کائنات پر محیط ہوتی جا رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس بھاگ دوڑ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اگلی کار اس طر مختلف سڑکوں کے چکر لگا رہی تھی جیسے ڈرائیو کرنے والی کا مقصد محض تفریح ہو۔

اور پھر جب کار آرلکچو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے لگی تو حمید نے اطمینان کا سانس لیا اس کے بعد ہی حمید بھی اپنی کار کمپاؤنڈ میں لے گیا۔

لیکن.... تحیر اور استعجاب کا وہ لمحہ.... شائد وہ حمید کو زندگی بھر یاد رہے۔ اس کار سے نہ لڑکی اتری اور نہ اندھا.... ڈرائیور کی سیٹ سے ایک ملٹری آفیسر اُتر رہا تھا۔ وہ اپنی پوری ور میں تھا۔ حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ سو فیصدی وہی کار تھی۔ اگر حمید اس کے نمبر یاد نہ ہوتے تو وہ سمجھتا کہ دھوکا کھا گیا ہوگا۔ نمبر اس کے ذہن میں محفوظ تھے۔ پھ ہوا؟ وہ اندھا اور لڑکی کیا ہوئے؟

اس نے فوجی آفیسر کو آرلکچو کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔

وہ تیزی سے اس کار کے قریب آیا۔ دونوں سیٹیں خالی تھیں۔ چند لمحوں کیلئے وہ بالکل خالی الذہن ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دفعتاً وہ چونکا اور پھر جھپٹ ڈائننگ ہال میں داخل ہو گیا۔

وہ کئی منٹ تک سرگرداں رہا لیکن وہ فوجی افسر نہ دکھائی دیا۔ پھر اس نے ویٹروں پوچھ گچھ شروع کی۔ نتیجہ مایوس کن برآمد ہوا۔ ایک ویٹر نے اُسے بتایا کہ ایک فوجی ابھی ضرور تھا لیکن پھر وہ عقبی دروازے سے باہر چلا گیا۔ حمید نے اس منحوس عقبی دروازے کے د

اور دل ہی دل میں گالیاں بکتا ہوا واپس آیا اور پھر جیسے ہی وہ باہر نکلا اس کے پیروں تلے زمین نکل کر کسی طرف کھسک گئی۔ کیونکہ اب وہ کار بھی غائب تھی اور جب وہ اپنی کار کی ـ متوجہ ہوا تو سر پر سے آسمان بھی نکل گیا۔ کار کے ایک اگلے پہیے کا ٹائر کسی نے چاقو سے ے دیا تھا۔ حمید پھر واپس جا رہا تھا۔

فوجی عقبی دروازے سے نکلا اور چکر لگا کر پھر کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر آ کھڑا ہوا۔ جیسے ہی ڈائننگ ہال میں داخل ہوا فوجی نے مہندی کی باڑھ کی اوٹ لے کر اس کی کار کی طرف نا شروع کیا جہاں حمید نے اپنی کار کھڑی کی تھی۔ اُدھر زیادہ روشنی نہیں تھی اور کار کا ایک پہیہ ی کی باڑھ سے لگا ہوا تھا۔ فوجی نے جیب سے بڑا سا چاقو نکالا اور ٹائر کو ریتنے لگا۔ نتیجہ مد ہونے میں دیر نہیں لگی۔ پھر اس نے اپنا کوٹ اتارا اور اسے بغل میں دبا کر سیدھا اپنی کار طرف آیا۔ چند لمحوں کے بعد کار کمپاؤنڈ کے باہر تھی۔

تھوڑی دور چل کر اس نے کار ایک سنسان گلی میں موڑ کر روک دی۔ پھر اُس نے سیٹ نیچے سے ایک نمبر پلیٹ نکالی اور اسے پہلی والی نمبر پلیٹ پر فٹ کر دیا۔

کار دوبارہ چل پڑی۔

وہ ابھی مختلف سڑکوں سے گذر رہی تھی کہ پولیس کی پٹرول کاریں جن میں ریڈیو ٹرانسمیٹر تھے چاروں طرف دوڑنے لگیں۔ شائد سرجنٹ حمید نے آرلکچو سے گمشدہ کار کے متعلق ل ہیڈ کوارٹر کو مطلع کر دیا تھا۔ نمبر تو اُسے یاد ہی تھے۔ لیکن کار کا ڈرائیور بڑی لاپروائی سے ڈرائیو کرتا ہوا اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے آسکر اسٹریٹ کی ایک شاندار عمارت کے سامنے کار روک دی۔ رت کے اندر پہنچ کر وہ ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک میز کے علاوہ اور کچھ نہیں اور میز پر صرف ایک فون رکھا ہوا تھا۔ اُس نے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

''لوزاٹا... لوزاٹا....!'' وہ ایک لحظہ کے لئے رکا۔ پھر بولا۔ ''تیرا غلام گازالی بولتا ہے.... سب ٹھیک ہوگیا.... میں اُسے چکر دیتا ہوا آرلکچو میں لے گیا۔''

پھر اس نے اپنے فرار کی داستان دہرادی۔

''گازالی... لوزاٹا تجھ سے خوش ہوا'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کیا مانگتا ہے''

''عظیم لوزاٹا.... تیرے غلام کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ گازالی اس لڑکی کو چاہتا ہے باپ تیرے مقدس ہاتھوں سے دوسری دنیا میں پہنچ گیا۔''

''گازالی....!'' دوسری طرف سے تنبیہہ آمیز لہجے میں کہا گیا۔

''عظیم لوزاٹا....!'' گازالی کانپ گیا۔

''تو لوزاٹا کے غلاموں کے مسلک سے واقف ہے۔''

''عظیم لوزاٹا.... میں رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔''

''آئندہ جنسی پیوند کی بات نہ آئے۔''

''ایسا ہی ہوگا.... لوزاٹا....!''

گازالی نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

سرجنٹ حمید آرلکچو میں فریدی کا انتظار کررہا تھا۔ پہلے اس نے ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کو فون کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ فریدی کچھ دیر تک وہاں اس کا انتظار کرتا رہا تھا پھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ حمید نے منیجر کے بتائے ہوئے پتہ پر فون کیا۔ فریدی وہاں موجود تھا۔ اس نے اسے آرلکچو ہی میں انتظار کرنے کو کہا۔

حمید اس وقت کی شکست پر بُری طرح جھنجلایا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب ہوا کیسے! وہ دونوں کہاں اور کیسے غائب ہوگئے تھے.... کیا اسی گلی میں چند لمحوں کے لئے کار اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

حمید کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ شاید بیس منٹ بعد فریدی آرلکچو کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

''سب چوپٹ ہوگیا۔'' حمید نے کہا

''پہلے تم یہ بتاؤ کہ میرے منع کرنے کے باوجود بھی آج تم نے وہی حرکت کیوں کی۔'' فریدی نے جھنجلا کر کہا۔

''اوہ.... تو اس چمگادڑ کے بچے نے پھر شکایت کردی۔ اُس نے آپ کو وہ سادہ چیک نہیں دکھایا۔ وہ اچھا خاصا سؤر ہے.... اس نے برخوردار بغرا خاں کو چھیڑا ہی کیوں تھا۔''

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تم نے مجھے وہاں کیوں بلایا تھا۔''

''برخوردار بغرا خاں کے ایک کارنامے کی داد خواہی کے لئے۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن افسوس کہ میں اس عظیم بکرے کو وہاں سے اپنے ساتھ نہ لاسکا تھا ورنہ یہ دن نہ دیکھتا۔''

حمید نے سارے واقعات دہرادیئے۔ اس نے اُسے بتایا کہ کس طرح وہ محض اسی بکرے کی وجہ سے اس پراسرار اندھے کو پہچان سکا اور کس طرح بکرے کی عدم موجودگی میں اُس سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ فریدی غور سے سنتا رہا۔ درمیان میں دو ایک بار اس نے بولنا چاہا لیکن پھر خاموش ہوگیا۔

جب حمید سب کچھ کہہ چکا تو فریدی بولا۔ ''یہ بہت بُرا ہوا۔ یقیناً وہ لوزاٹا ہی تھا۔ آج میں نے اس کی گذشتہ زندگی کے متعلق اور بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ وہ حقیقتاً افریقہ کے ڈاے گاگا قبیلے کا ایک مذہبی پیشوا بھی ہے۔ تمہیں کافی احتیاط برتنی چاہئے تھی۔''

''تو بتایئے نا.... مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے۔'' حمید جھنجلا کر بولا۔

''یہی کہ تم نے یہاں ٹھہر کر بیکار وقت ضائع کیا۔ جیسے ہی تم نے اس فوجی کو یہاں دیکھا تھا تمہیں پھر اسی گلی میں واپس جانا چاہئے تھا۔ جہاں ایک ٹھیلے نے تمہاری راہ روک لی تھی۔ یا اُس سے بھی زیادہ آسان طریقہ یہ تھا کہ تم یہاں باہر ہی ٹھہر کر اس فوجی کا انتظار کرتے۔''

''مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اُس طرح نکل جائے گا۔''

''بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ آخر ان دونوں کے بجائے کار میں اُس فوجی کی موجودگی کا

کیا مطلب تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ہوشیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے تمہیں دھوکا دیا تھا۔ ان کی فوجی نے اس لئے نہیں لی تھی کہ وہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر آئس کریم کا لطف اٹھانا چاہتا تھا۔''

''چلئے میں گدھا....!'' حمید جھلا کر بولا۔ ''اب آپ ہی تیر ماریئے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

''تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ ''مجھے کار کا نمبر یاد تھا۔'' میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر کو اسے مطلع کر دیا۔''

''اور تم سمجھتے ہو کہ وہ کار پکڑی گئی ہوگی۔''

''نہ بھی پکڑی گئی ہوگی تو کیا میں کنوارا مر جاؤں گا.... یہ سالے دنیا بھر کے اندھے لولے لنگڑے اسی شہر میں آمرتے ہیں۔''

''میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم اس کیس میں دلچسپی لو۔'' فریدی تلخ لہجے میں بولا

''بہتر ہے! میں نے ابھی تک آپ کیلئے جتنی معلومات فراہم کی ہیں انہیں واپس لیتا ہوں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے میں فوزیہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ کسی نے باہر دروازے پر دستک دی۔

''آجاؤ....!'' فوزیہ نے ٹہلتے ٹہلتے رک کر کہا۔

دروازہ کھلا اور ڈیگال اندر داخل ہوا۔

''کیا بات....؟'' فوزیہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''لیوکاس بہت شرمندہ ہے بے بی۔ اُس سے حماقت ہوئی۔ اُسے وہ طریقہ نہ اختیار کرنا چاہئے تھا۔ یقین مانو.... اس کی قسمت بخیر تھی۔ اُس شخص اس لئے تمہیں بیہوش کیا تھا کہ کہیں پولیس تم سے اصل بات نہ معلوم کرلے۔ مسٹر عدنان زندہ نہیں ہیں لیکن ان کا نام بڑا تھا

ور ہمیشہ رہے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان کے نام پر دھبہ لگے۔ اگر نور جہاں والی بات ظاہر ہو جائے تو....تم خود سوچو۔''

''لیکن تم نے ڈیڈی کی موت کے متعلق مجھ سے کیوں چھپایا۔''

''میں کس طرح بتاتا بے بی۔ میں نے سوچا تھا کہ آہستہ آہستہ تمہیں بتاؤں گا۔''

''خیر....!'' فوزیہ کچھ سوچنے لگی۔

''اور.... یہ دیکھو....!'' ڈیگال نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر فوزیہ کی طرف بڑھا دیا۔

''کیا ہے؟''

''اسے پڑھو....!''

فوزیہ نے لفافے سے کاغذ نکال لیا۔ جس پر تحریر تھا....

''اندھیرے کا مالک تمہیں حکم دیتا ہے کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ تم سب تاریکی کی مملکت میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔ جہاں عدنان اس وقت اندھیرے میں سر ٹکراتا پھر رہا ہے.... اگر تم نے پولیس کو میرے متعلق بتایا تو تمہارا خون تمہاری ہی گردن پر ہوگا۔ میں بے وجہ کشت و خون پسند نہیں کرتا۔ لیکن اپنی راہ میں آئے ہوئے روڑوں کو ہٹانا ہی پڑتا ہے۔''

فوزیہ نے کاغذ کو موڑ توڑ کر پیروں تلے مسل ڈالا۔

''بے بی.... ہمیں جلد از جلد یہاں سے چلا جانا چاہئے۔''

''ہرگز نہیں۔'' فوزیہ نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

''میں ڈرتا نہیں ہوں۔'' ڈیگال نے کہا۔ ''محض تمہاری وجہ سے۔''

''میری پرواہ مت کرو۔'' فوزیہ بولی۔ ''میں اُس اندھے کا خون اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''یہ بہت مشکل ہے بے بی۔ بہت مشکل۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوزاٹا کے ساتھ گازالی بھی ہے اور تم اسے اچھی طرح جانتی ہو۔ وہ کتنے عرصہ تک تمہیں تنگ کرتا رہا تھا۔''

''کچھ بھی ہو.... میں ڈیڈی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گی۔''

''بچپنا مت کرو بے بی۔ وہ بہت خوفناک آدمی ہے۔''

''ڈیگال.... اگر تم لوگ اس سے ڈرتے ہو تو مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر واپس جا سکتے ہو
میری رگوں میں ایک جنگجو قوم کا خون ہے۔''

''میں پھر کہوں گا کہ تم غلط سمجھی ہو۔ اگر میں ڈرتا ہوتا تو مسٹر عدنان کے ساتھ اس مہم پر
آتا۔ مجھ پر تمہاری حفاظت فرض ہے۔''

''اچھا جاؤ.... بیکار مجھے پریشان نہ کرو۔ میرا جو دل چاہے گا کروں گی۔۔۔ بارہ
تکلیف نہ دینا۔ میں تنہائی چاہتی ہوں۔''

ڈیگال چپ چاپ چلا گیا۔

فوزیہ ٹہلتی رہی۔ اس طرح پندرہ منٹ گذر گئے۔ پھر اُس نے انگڑائی لی اور شاید درو
مقفل کرنے کی نیت سے آگے بڑھی ہی تھی کہ کسی نے باہر سے دروازے کا ہینڈل گھما
دروازہ کھلا اور ایک آدمی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا۔ فوزیہ
کر پیچھے ہٹ گئی۔ آنے والے نے دروازہ بند کر کے پیشانی سے ہیٹ کا گوشہ اٹھایا اور کو
کے کالر گرا دیئے۔ فوزیہ کے سامنے گازالی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ایک شکار

پھر گازالی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔ فوزیہ اُسے گھور رہی تھی اور گازالی اُ
طرح دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بلی کسی چوہے کو قابو میں کر لینے کے بعد دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھ
سے جنسی درندگی جھانک رہی تھی۔

''تم بغیر اجازت میرے کمرے میں کیوں داخل ہوئے۔'' فوزیہ غرائی۔

گازالی کچھ نہ بولا اور نہ اس کے چہرے پر کسی قسم کا تغیر ہی دکھائی دیا۔ وہ پلک جھپکائے
فوزیہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

فوزیہ فون کی طرف بڑھی۔ وہ جھپٹ کر اس کے سامنے آ گیا لیکن اب بھی اُس کی پلکیں
ں جھپکیں۔ وہ برابر فوزیہ کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ فوزیہ کے ہاتھ اُسے دھکیلنے کے لئے
ے لیکن آگے نہ بڑھ سکے۔ پتہ نہیں وہ مسحور ہو گئی تھی یا پھر اُسے یہ خدشہ تھا کہ اگر اُس کی پلکیں
بلیں یا نظر ذرا سی بھی چوک گئی تو وہ اُس پر حملہ کر بیٹھے گا۔ بالکل سانپ اور نیولے کی سی جنگ
نقشہ تھا۔ فوزیہ چیخ سکتی تھی لیکن اس کے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکلی۔

اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ گازالی چونک پڑا اور پھر وہ دو ہی جستوں میں
ازے کے قریب تھا۔ اُس نے پھر ریوالور نکال کر اس کا رخ فوزیہ کی طرف کر دیا جو کمرے
، دوسرے سرے پر میز کے قریب کھڑی تھی۔

فریدی آرلکچو سے اٹھنے کے بعد ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اُسے ڈیگال
راس کے ساتھیوں سے لوزاٹا کے متعلق کچھ اور بھی پوچھنا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ حمید نے ایک
ترین موقع کھو دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اندھے تک پہنچنا آسان نہ رہا ہوگا تب ہی اس نے عدنان
لے کرائے پر مہیا کئے ہوئے آدمیوں میں سے تین کو زندہ نکل جانے دیا تھا ورنہ وہ انہیں بھی ختم
ردیتا۔ اس لاپرواہی کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے اور یہ تو اُسے معلوم ہی
چکا تھا کہ لوزاٹا تنہا نہیں ہے جیسے ہی فریدی ہوٹل ڈی فرانس میں داخل ہوا اُس کا متعین کیا
اایک آدمی اس کی طرف تیزی سے آیا۔

''لڑکی کے کمرے میں ابھی ایک اجنبی داخل ہوا ہے۔'' اس نے کہا۔

فریدی سر ہلاتا ہوا اوپری منزل کی طرف چلا گیا۔ راہداری سنسان تھی۔ وہ فوزیہ کے

کمرے کے سامنے پہنچ کر رکا۔

پھر اُس نے آہستہ آہستہ دستک دی۔ شاید ایک منٹ بعد اندر سے فوزیہ کی آواز آ

"آجاؤ....!"

فریدی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ فوزیہ غسل خانے کے دروازے سے لگی کھڑی تھ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اس کی پیٹھ میں کوئی چیز چبھ رہی ہو۔ غسل کے دروازے سے خفیف سا درہ تھا۔

"کیا بات ہے؟" فوزیہ نے پوچھا۔ فریدی کو اُسکے لہجے میں کچھ بناوٹ سی محسوس ہو

"میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ موجود ہیں یا نہیں۔" فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے

"مم.... میں.... مم.... موجود ہوں۔"

"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "کیا آپ م ساتھ ڈائننگ ہال تک چلیں گی۔"

فوزیہ گھبرا گئی اور یہ اچانک قسم کی گھبراہٹ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہورہی تھ

"جج.... جی نہیں.... آپ جاسکتے ہیں۔ میں اس وقت کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔"

"اچھا پھر سہی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "شب بخیر۔"

اس نے تیزی سے باہر نکل کر دروازہ بند کردیا۔ داہنی طرف کیل سے کمرے کی دو لٹک رہی تھیں۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر کنجیاں اتاریں اور دروازے کو باہر سے مقفل کر پھر تیزی سے برابر والے کمرے میں بڑھا جو غالباً لیوکاس کا تھا۔ اس نے دستک دیئے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور پھر دوسرے لمحے میں وہ اندر تھا۔ لیوکاس اچھل کر کھڑا ہوگیا اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کردیا۔

لیوکاس اُسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے بڑھ کر غسل خانے کے دروا کو دھکا دیا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

"کیا بات ہے۔" لیوکاس نے فریدی کے قریب آکر آہستہ سے پوچھا۔

"لڑکی کے کمرے میں کوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ڈیگال ہوگا۔"

"نہیں.... کوئی اور.... تم میں سے کوئی نہیں ہے۔ تم اپنے ساتھیوں کو بلاؤ۔ جلدی کرو۔"

بات اب بھی لیوکاس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔

"جلدی کرو۔" فریدی اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

لیوکاس چلا گیا۔ اُس کے ساتھیوں کے آنے میں دیر نہیں لگی۔

"اوہ.... آفیسر.... کیا بات ہے۔" ڈیگال آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"کمرے میں لڑکی کے ساتھ کوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم لوگ یہیں ٹھہرو.... غسل خانے کے دروازے کا خیال رکھنا اور تم میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی نے نگرو کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ پھر راہداری میں آگیا۔

اس نے فوزیہ کے دروازے کے قفل میں کنجی لگائی ہی تھی کہ اندر سے کسی نے غرا کر کہا۔

"گولی ماردوں گا.... لڑکی کو.... اگر کوئی اندر آیا۔"

"ارے...." سیاہ فام افریقی اچھل پڑا۔

فریدی نے اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

"گازالی....!" نیگرو نے سرگوشی کی۔ "لوزاٹا کا داہنا ہاتھ.... نہیں گورنر۔ وہ خطرناک ہے۔ وہ مسی کو ضرور مار ڈالے گا۔"

فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔

"شائیں....!" کوئی چیز اُس کے داہنے کان کے قریب سے گذر کر پچھلی دیوار سے ٹکرائی۔ وہ پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ فوزیہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔ لیکن پھر شائد اس کا منہ دبا دیا گیا۔

"ریوالور پھینک دو....!" فریدی نے باہر سے کہا۔ "ورنہ تمہارا جسم چھلنی ہوجائے گا۔"

فوزیہ کی پشت گازالی کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ میں ہاتھ سے اس نے اُس کی گرد
دبوچ رکھی تھی اور داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس طرح فوزیہ اس کی ڈھال بن کر رہ گئی تھی۔

فائر کی آواز پر بہت سے لوگ راہداری پر اکٹھا ہو گئے تھے۔ فریدی انہیں دروازے ک
سامنے آنے سے روک رہا تھا۔

اب گازالی نے ریوالور کی نال فوزیہ کی کمر سے لگا دی اور اُسے دھکیلتا ہوا آگے بڑھ
لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چیختا بھی جا رہا تھا۔ "اگر کسی نے مجھے چھوا بھی تو..... میں اس لڑکی کو جہ
میں پہنچا دوں گا۔"

وہ دروازے تک آ گیا تھا۔

فریدی نے بے بسی سے مجمع کی طرف دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اسے اپنی اس وق
کی بے بسی تمام عمر یاد رہے۔ پستول کی نال فوزیہ کی کمر پر تھی۔ گازالی کی انگلی کی ایک خفیف
جنبش پر اُس کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ مجمع متحیر تھا کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ لوگ ایک خونخوار آ
کی گرفت میں ایک بے بس لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن شاید وہ اُس لڑکی سے بھی زیادہ بے
تھے کیونکہ گازالی کی غراہٹ برابر جاری تھی۔ وہ بڑی خوفناک آواز میں کہہ رہا تھا۔ "قریب
آنا..... ورنہ لڑکی کو گولی مار دوں گا۔"

مجمع کائی کی طرح پھٹنے لگا۔ گازالی فوزیہ کو آگے کی طرف دھکیلتا ہوا راہداری میں آ گ
اور اب نیچے جانے کے لئے زینوں کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اتنی دیر میں ڈائننگ ہال کے سار
آدمی اوپر پہنچنے کے لئے جدوجہد کا آغاز کر چکے تھے۔ عجیب مضحکہ خیز منظر تھا۔ فریدی
دونوں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا خود کو اسٹیج کا مسخرہ تصور کرنے لگا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس
منہ سے نکل رہا تھا۔ "ہٹو..... راستہ دو..... ہٹو..... راستہ دو۔"

کتنی عجیب سچویشن تھی۔ قانون کا ایک محافظ ایک مجرم کے لئے راستہ بنا رہا تھا۔ وہ
تھا کہ اگر کسی سے گازالی کے معمولی سا دھکا بھی لگ گیا تو ریوالور کا ٹریگر کھنچ جائے گا۔ وہ
نفسیاتی لمحہ تھا۔ بچاؤ کی صورت نہ دیکھ کر ایک بلی بھی کسی شیر کی طرح جھپٹتی ہے۔

گازالی نے زینے طے کئے۔ ہال کے وسط میں پہنچ کر وہ فوزیہ سمیت مجمع کی طرف مڑا۔

"پیچھے ہٹو.....!" وہ زور سے چیخا۔ فریدی اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس کی آنکھوں سے اس کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"اور پیچھے ہٹو.....!" گازالی پھر چیخا۔ "ہٹتے جاؤ۔"

مجمع پیچھے ہٹا..... اور دفعتاً فریدی نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے دو آدمیوں کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اس کا داہنا ہاتھ جیب میں تھا اور عقابی آنکھیں گازالی کے چہرے پر گڑھی ہوئی تھیں۔

اچانک گازالی کا ریوالور والا ہاتھ بڑی پھرتی سے اوپر اٹھا۔ شاید وہ بجلی کے کسی بلب پر نشانہ لگا کر ہال میں اندھیرا کرنے جا رہا تھا لیکن اسے مہلت نہ ملی۔ مجمع نے فائر کی آواز سنی..... اور گازالی کا ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔ گازالی فوزیہ کو دھکا دے کر اچھلا لیکن قبل اس کے کہ پیر زمین سے لگتے فریدی کے ریوالور سے دوسرا شعلہ نکلا اور گازالی کولہوں کے بل دھب سے فرش پر آ گرا۔ اس نے پھر اٹھنا چاہا لیکن فریدی نے جھپٹ کر اس کی ٹھوڑی پر ایک ٹھوکر رسید کر دی۔

فوزیہ کا حبشی باڈی گارڈ چیخ چیخ کر گانے لگا۔

"پلومالا..... پلومالا..... پے گوری..... ٹاگال۔" (مارلیا..... مارلیا..... آخری نیزہ زہریلا تھا۔)
پھر اس نے اچھل اچھل کر جنگلی ناچ بھی شروع کر دیا۔

فریدی زخمی گازالی کی ٹانگ پکڑ کر کھینچتا ہوا دروازے کے قریب سے ہٹا رہا تھا۔ گازالی بیہوش نہیں ہوا تھا۔ نہ وہ چیخ رہا تھا اور نہ کراہ رہا تھا۔ اس کی خاموشی کسی ایسے سانپ کی بے بسی سے بہت مشابہ تھی جس کی کمر ٹوٹ گئی ہو اور وہ ایک ہی جگہ پر پڑا لہریں لے رہا ہو۔ اس کی چمکیلی آنکھیں فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"کھیل ختم ہو گیا۔" فریدی مسکرا کر بولا اور پھر اُس نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے ایک کرسی میں ڈال دیا۔

حبشی ابھی تک ناچ رہا تھا۔ ڈیگال وغیرہ بڑی مشکل سے اس پر قابو پا سکے۔

فریدی مجمع کی طرف مڑا۔

"خواتین و حضرات۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔ "آپ لوگ براہِ کرم اپنی جگہوں
تشریف رکھئے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ ایک مجرم۔ جس کی پولیس کو تلاش تھی۔"

مجمع میں کئی ایک فریدی کے ملاقاتی بھی تھے لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ وقت فریدی کی قریب بھی آتے۔ فریدی گازالی کو اُنکے چارج میں دے کر فون کی طرف بڑھ پرسٹن کا تھانہ قریب ہی تھا۔ فون کرنے کے ٹھیک سات منٹ بعد تھانے کا انچارج و پہنچ گیا۔ گازالی کو اُس کے سپرد کر کے فریدی ڈیگال کے ساتھ پھر اوپری منزل پر چلا گیا۔ فو کی حالت ابتر تھی۔ ابھی تک اس کے جسم کی تھرتھری نہیں مٹی تھی۔

"وہ کس لئے آیا تھا۔" فریدی نے فوزیہ سے پوچھا۔

فوزیہ کچھ نہ بولی۔ وہ بدستور سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"آفیسر....!" ڈیگال کنکھار کر بولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ گازالی پہلے بھی بے پریشان کرتا رہا ہے۔ لیکن مسٹر عدنان کی زندگی میں اُسے کبھی اتنی جرأت نہیں ہوئی۔"

"لوزاٹا اور عدنان کے تعلقات کس قسم کے تھے۔"

"کسی قسم کے بھی نہیں۔" ڈیگال جلدی سے بولا۔ "اس نے مسٹر عدنان کو دھوکہ د اسی ہزار انگلش پونڈ اینٹھ لئے تھے۔"

"شاید چھ ماہ پیشتر کی بات ہے۔" لیوکاس نے ٹکڑا لگایا۔

فریدی نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اُسے اُس کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"ہُم....!" فریدی سگار کا کونا توڑتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے یہ تین سال پہلے کی بات۔

"کیوں؟" ڈیگال چونک پڑا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"لیکن میں سمجھ گیا ہوں۔"

"آخر بات کیا ہے؟" ڈیگال بے چینی سے پہلو بدلتا ہوا بولا۔

فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر سگار سلگانے کے لئے جھکا۔ کمرے کا سناٹا کچھ ا بوجھل ہو گیا۔ ان میں کم از کم ایک آدمی ایسا ضرور تھا جس کی چڑھتی ہوئی سانسیں کمر

ود فضا میں گونج رہی تھیں۔

"میں اب تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"ہم نے سب کچھ بتا دیا ہے آفیسر....!" ڈیگال بھی اٹھتا ہوا بولا۔

اور پھر اُن سب کی تحیر آمیز نظریں فریدی کا تعاقب کرتی رہیں.... وہ کمرے سے جاچکا ا۔ ڈیگال چند لمحے بے چینی سے ٹہلتا رہا پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "تم لوگ آرام کرو۔"

لیوکاس کے علاوہ اور سب چلے گئے اور انکے جانے کے بعد ڈیگال لیوکاس کو گھورنے لگا۔

"تم نے....!" وہ دانت پیس کر بولا۔ "سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔"

"میری وجہ سے کیوں؟" لیوکاس نتھنے پھلا کر بولا۔

"تم نے بے بی کو بیہوش کر کے اُسے ہماری طرف سے مشکوک کر دیا ہے۔"

"میں کیا کرتا.... کیا یہ تمہاری ہدایت نہیں تھی کہ....!"

"کچھ نہیں۔" ڈیگال ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "فضول بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔"

لیوکاس جھلاہٹ میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فوزیہ بول پڑی۔ "پچھلی باتوں میں الجھنے ے کیا فائدہ۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یہ آدمی بہت زیادہ چالاک معلوم ہوتا ہے۔"

"بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے۔ بے بی۔" ڈیگال نے کہا۔ "یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ایک ایسی آدمی سے ٹکرائے.... میرا خیال ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے ورنہ تین سال قبل کا الہ نہ دیتا۔"

"لیکن اس وقت اس کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔" فوزیہ بولی۔

"ہوا کیا تھا....؟" ڈیگال نے پوچھا۔

"تمہارے جانے کے شاید دو منٹ بعد گازالی کمرے میں گھس آیا۔ لیکن ابھی تک نہیں کی کہ وہ چاہتا کیا تھا.... اوہ مگر اُسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ جلد ہی کسی نے دروازے تک دی۔ گازالی نے ریوالور نکال لیا۔ پھر وہ مجھے غسل خانے کے دروازے پر لایا۔ خود اندر گیا اور مجھے دروازے کے قریب کھڑا کر دیا۔ ریوالور کی نال میری کمر سے لگی رہی۔ میں نے

آفیسر کو اندر آنے کی اجازت دی۔ گازالی نے یہی کہا تھا۔ مگر وہ آفیسر انتہائی چالاک ہے۔ کچھ سمجھ گیا۔ جب میں نے گازالی ہی کے کہنے پر اُسے کمرے سے چلے جانے کو کہا تو وہ چاپ نکل گیا اور پھر یہ سب کچھ ہو گیا۔ میرے خدا! کتنی خطرناک سچویشن تھی اور اُس نے آسانی سے گازالی کو سیدھا کر دیا۔ مجھے تو وہ لوزاٹا سے بھی زیادہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔“

ڈیگال کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”اسے لکھ لو بے بی کہ لوزاٹا کو یہاں اس کی مو لائی ہے۔ فریدی حقیقتاً بڑا خطرناک آدمی ہے۔“

کتا جھپٹتا ہے

دوسری صبح حمید کے لئے زیادہ خوشگوار نہیں تھی۔ اُسے رہ رہ کر وہ چیک یاد آ رہا تھ نے ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کو دیا تھا اور منیجر نے بعد کو اسی کے سامنے بڑی بے در اس پر ایک بڑی رقم لکھ لی تھی۔ اگر اسے اندھے کا تعاقب نہ کرنا ہوتا تو اس کی جیب پائی بھی نہ نکلتی۔

فریدی رات سے اب تک واپس نہیں آیا تھا اور حمید کو ہوٹل ڈی فرانس میں پیش والے حادثے کا بھی علم نہیں تھا۔

ناشتے کی میز پر اس نے صبح کا اخبار اٹھایا۔ پہلے ہی صفحے پر ہوٹل ڈی فرانس وا کی خبر تھی۔ حمید نے چائے کی پیالی رکھ دی۔

خبر کے اختتام پر نوٹ تھا۔ ”بعد کی اطلاعات مظہر ہیں کہ پولیس کی ذرا سی غفلہ پر انسپکٹر فریدی کی محنتوں پر پانی پھر گیا۔ مجرم سے بعض حیرت انگیز انکشافات کی تو بیان دینے سے قبل ہی اُس نے خودکشی کر لی۔ اس کی ڈھکن دار انگوٹھی میں کوئی بہت الاثر قسم کا زہر تھا۔ پرنسٹن کے تھانے کے انچارج کی آنکھوں کے سامنے مجرم اُسے چا

حمید نے اخبار رکھ کر ایک گہری سانس لی اور پھر چائے پینے لگا۔

اُس کی نظروں میں یہ سارا معاملہ قطعی بے سروپا تھا۔ آخر نور جہاں کون تھی۔ جس کے لئے یہ سب کچھ ہوا۔ اگر وہ عدنان کی کوئی تھی تو اُس نے براہِ راست سرکاری طور پر کوئی کاروائی کیوں نہیں کرائی۔ فریدی اس کے متعلق کچھ جانتا تھا۔ ابھی تک مشاہدات کی بناء پر یونہی ثابت ہوا تھا کہ فریدی اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔ اس کے منہ سے نور جہاں کا نام سن کر ڈیگال اور فوزیہ بُری طرح بدحواس ہو گئے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہو جانے کے بعد حمید سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ تنہائی اسے اکتاہٹ کی طرف لے جا رہی تھی۔ دل بہلانے کے لئے بکرا قطعی ناکارہ تھا۔ ایسے مواقع پر اُسے اپنی چوہیا* بُری طرح یاد آنے لگتی تھی۔ وہ کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ اسے پھر ایک چوہیا پال کر اسے تربیت دینی چاہئے۔

بکرا اس نے محض اس لئے پالا تھا کہ اپنی بعض شناسا عورتوں کو چڑھا سکے جو کتے پالتی تھیں اور تھوڑا بہت فریدی کو بھی تنگ کرنا مقصود تھا۔

حمید لباس تبدیل کرنے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ ایک نوکر نے قاسم کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ ڈرائینگ روم میں ایک صوفے پر جوتوں سمیت پڑا حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

اس کا موڈ کچھ خراب معلوم ہو رہا تھا۔ حمید نے سوچا چلو غنیمت ہے تنہائی سے تو نجات ملی۔ قاسم بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ حمید نے پوچھا۔ ”بیوی سے لڑ کر آ رہے ہو۔“

”ہاں....!“ قاسم اس طرح جھلا کر بولا جیسے اُس کی بیوی کا سگا بھائی ہو۔ ”سالی اب بالکل ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے۔“

”سالی سے کیا مطلب.... تم بیوی کی بات کر رہے تھے۔“

”یار تاؤ نہ دلاؤ.... ورنہ تمہیں مار بیٹھوں گا۔“

* ”خطرناک دشمن“ اور ”جنگل کی آگ“ جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

"آخر بات کیا ہے؟"

"ہماری کوٹھی کے سامنے وہ داور صاحب رہتے ہیں نا.... آج ان کی لڑکی ثمینہ میری تو پر مکے مار رہی تھی.... بس سالی ہتھے سے اکھڑ گئی.... کہنے لگی میں سب سمجھتی ہوں.... آخر کیا سمجھ ہے اُلو کی پٹھی۔"

پھر قاسم خاموش ہو کر اس طرح حمید کو گھورنے لگا جیسے اس کا جواب اسی سے چاہتا ہو۔

"لڑکی کی عمر کیا ہے....؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کیا سمجھتی ہے۔"

"ابے میں کیا بتاؤں۔"

"نہیں اندازاً.... کچھ....!"

"پہلے اس کی عمر بتاؤ پھر میں اندازہ لگاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"تیرہ یا چودہ سال....!" قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تب تو وہ ٹھیک ہی سمجھتی ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "وہ تمہاری توند پر مکے کیوں مار رہی تھی؟"

"یونہی.... مذاقاً....!"

"تم اسے پسند کرتے ہو کہ وہ تمہاری توند پر مکے بازی کیا کرے۔"

"کیا حرج ہے.... زور سے تو مارتی نہیں....!"

"اگر تمہاری بیوی بھی یونہی کسی کی توند پر شوق فرمانا شروع کر دے تو۔"

"زندہ دفن کر دوں سالی کو....!" قاسم گرج کر بولا۔

"آخر کیوں؟"

"بحث مت کرو.... مجھ سے۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا اور کمپاؤنڈ میں کتے بھونکنے لگے۔

"تمہارے کنوارے پن کا کیا حال ہے۔"

قاسم جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ حمید نے فون کی گھنٹی سنی۔ وہ ڈرائنگ روم سے اٹھ کر فریدی کے کمرے میں آیا.... ریسیور اٹھایا.... اور پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"تم کیا کر رہے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"برخوردار بغرا خاں کی شادی کی فکر کر رہا ہوں۔"

"ایک بلڈ ہاؤنڈ لے کر پرسٹن کے تھانہ پر آ جاؤ۔"

"کیوں....؟"

"ضرورت ہے۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "جلدی آؤ۔"

"برخوردار بغرا خاں بھی ضد کر رہا ہے۔ وہ بھی آئے گا۔"

حمید بکتا رہا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

طویل القامت اندھا لوزاٹا اپنی عجیب و غریب تفریح میں مشغول تھا۔ میز پر بہت سے بکھرے ہوئے تھے اور کمرے کے ایک گوشے میں ایک آدمی بڑا سا تھیلا اٹھائے کھڑا تھا۔

"چلو....!" اندھے نے کہا۔

گوشے میں کھڑے ہوئے آدمی نے تھیلے سے ایک موٹا سا چوہا نکال کر فرش پر ڈال دیا۔ ہے کے ایک پیر میں ننھا سا گھنگرو بندھا ہوا تھا۔ لوزاٹا نے میز سے چاقو اٹھایا اور چوہے نے عا کمرہ بھی نہیں طے کیا تھا کہ چاقو اس کا جسم چھیدتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ چوہا چاقو بت اچھلنے لگا۔

"کیوں....؟" لوزاٹا اس آدمی کی طرف مڑ کر بولا۔

"لوزاٹا.... سورج ہے۔ عظیم لوزاٹا....!" آدمی کانپتا ہوا بولا۔

"دوسرا....!" لوزاٹا نے کہا۔

اس نے دوسرا چوہا چھوڑا.... لوزاٹا نے پھر چاقو پھینکا.... اور اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ وہ ھروؤں کی آواز پر نشانہ لگاتا تھا۔ یکے بعد دیگرے چھ چوہے ختم کرنے کے بعد وہ اُس ل سے بولا۔ "بیلا کو بھیج دو۔"

وہ تعظیماً جھکا اور کمرے سے چلا گیا۔ اس نے مردہ چوہے بھی نہیں اٹھائے اور نہ ا
جسموں سے چاقو ہی نکالے۔

تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت سی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔

''بیلا....!''

''ہاں....لوزاٹا''

''کیا خبر ہے؟''

''گازالی کے متعلق صحیح خبر تھی۔''

''اُس کتے کو میں نے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔'' لوزاٹا سرد لہجے میں بولا۔ ''ا
حکم نہ ماننا موت کو دعوت دینا ہے۔ موت ان کا پیچھا کرتی ہے دن رات ان کے
منڈلاتی رہتی ہے....اور پھر وہ اس کا لقمہ بن جاتے ہیں۔''

''میں نے لاڈن کو وہاں بھیجا ہے۔ جہاں اس کی لاش ہے۔'' بیلا نے کہا۔

''اس احمق زولو کو تو نے ناحق بھیجا۔'' لوزاٹا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''لیکن بھیجا ہی کیو

''ممکن ہے گازالی کے پاس کوئی ایسی چیز رہی ہو جس سے انہیں ہمارا سراغ مل

''خیال ٹھیک ہے۔'' لوزاٹا بڑبڑایا۔ ''لیکن لاڈن اس کیلئے موزوں نہیں تھا....خیر

''عظیم لوزاٹا....'' بیلا تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ ''میری مجال نہیں کہ تجھے کو
دے سکوں لیکن کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم یہ جگہ چھوڑ دیں۔''

''کیا تو....لوزاٹا کی پراسرار قوتوں سے واقف نہیں۔''

''میں واقف ہوں لوزاٹا....تجھ پر ساری دنیا کا حال روشن ہے لیکن میں نے
ایک آدمی کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔''

''تیرا اشارہ اُس جاسوس کی طرف جس نے گازالی کو پکڑا تھا۔''

''ہاں....لوزاٹا....اُس دن نائٹ کلب میں تجھے پہچاننے ہی کیلئے بکرا چھوڑا گیا

لوزاٹا ہنسنے لگا۔

''واقعی یہاں کے سراغ رساں بڑے چالاک ہیں۔ مجھ سے دراصل اس رات کو غلطی
ئی۔ مجھے اُن تینوں آدمیوں کو زندہ نہ چھوڑنا چاہئے تھا۔ بلاشبہ اُن ہی تینوں کی بناء پر پولیس کو
م سے آگاہی ہوئی۔ عدنان کے ساتھی تو خاموش ہی رہتے.....خیر فکر نہ کرو۔ میں اس وقت
ک یہاں ٹھہروں گا جب تک کہ جواہرات کی نمائش نہ شروع ہو جائے۔''

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر بیلا نے کہا۔

''گازالی کی جگہ اب کون کام کرے گا۔''

''تیرے علاوہ اب کون کرسکتا ہے۔'' لوزاٹا مسکرا کر بولا ''میں نے تجھے سب سے زیادہ روشنی
شی ہے۔ کیا یہ اسی روشنی کا فیض نہیں تھا کہ تو نائٹ کلب والے واقعے سے واقف ہوگئی تھی۔''

''لوزاٹا.... مالک ہے۔'' بیلا تعظیماً جھک کر بولی۔

''اب میری بات سن! تو ابھی جس جاسوس کا تذکرہ کررہی تھی وہ سچ مچ خطرناک ہے۔
س کا کام تمام کردے۔ آخر وہ کیچوے کس دن کام آئیں گے۔''

''اوہ....کیچوے۔''

''ہاں....اس کی کار میں.... یہ کام آملیگاس کرے گا۔ آملیگاس کو میں تیرے چارج
یں دیتا ہوں۔ سارے کام اسی سے لے۔ لاڈن جیسے چھوٹے یہ سب نہیں کرسکتے۔''

کمرے میں پھر خاموشی مسلط ہوگئی....دفعتاً ایک زخمی چوہا چاقو سمیت پھڑکنے لگا۔

سرجنٹ حمید بلڈ ہاؤنڈ لے کر پرنسٹن کے تھانے پر پہنچ گیا۔ قاسم بھی اُس کے ساتھ تھا....
راستے بھر وہ فوزیہ کے مسئلے پر حمید کو بور کرتا آیا تھا۔ اُس نے آج تک کوئی ترک لڑکی نہیں
دیکھی تھی۔ اس لئے وہ حمید پر زور ڈال رہا تھا کہ اگر تعارف نہیں تو کم از کم درشن ہی کرادے۔

فریدی تھانے میں موجود تھا۔ حمید بلڈ ہاؤنڈ اس کے سپرد کرکے گازالی کی لاش دیکھنے چلا
گیا۔ واپسی پر اس نے فریدی کو بتایا کہ آرلکچو میں اُسی نے اُس کی کار کا ٹائر پھاڑا تھا۔

فریدی بلڈ ہاؤنڈ کی زنجیر تھامے انچارج سے گفتگو کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باہر حمید اور قاسم بھی ساتھ تھے۔

"کتے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔" حمید نے پوچھا۔

ابھی کچھ دیر قبل ایک غیر ملکی یہاں آیا تھا۔ یہاں اس کی موجودگی کی وجہ پوچھی گئ کانسٹیبلوں کو چرکہ دے کر نکل گیا۔

"آپ موجود تھے۔"

"نہیں....!" فریدی نے کہا اور جیب سے ایک رومال نکال کر کتے کے آگے ڈال پھر حمید سے بولا۔ "یہ رومال اس کی جیب سے گر گیا تھا.... کیا خیال ہے؟ ممکن ہے کتا ہمار کر سکے۔ ورنہ ان تک پہنچنا مشکل ہی ہوگا۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "ایک بار ہمکلاک شومز نے بھ ہی کیا تھا۔"

"ہمکلاک شومز....!" فریدی مسکرایا۔

"ابے شرلاک ہومز....!" حمید بولا۔

"وہی ہوگا سالا۔ تم میرے بیچ میں مت بولا کرو۔" قاسم بُرا مان گیا۔

کتے نے رومال کو سونگھ کر ہلکی سی آواز نکالی اور سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ا تھانے کی عمارت کی ایک کھڑکی کی طرف بڑھا۔ جس کا تعلق مردہ خانے سے تھا۔

کھڑکی کے نیچے پہنچ کر اس نے پھر زمین سونگھی اور بھونکنے لگا۔ پھر وہ زمین سونگھ پھاٹک کی طرف دوڑا.... چند لمحے پھاٹک پر رک کر چاروں طرف دیکھتا رہا اور پھر بھونک فریدی وغیرہ کی طرف پلٹ آیا۔

"اچھا بھئی قاسم....!" فریدی بولا۔ "اب شاید ہم تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔"

"ہو....ہو....اچھا....اچھا.... مجھے بھی ذرا کام ہے۔"

فریدی اور حمید کتے کے پیچھے چل پڑے۔ وہ پھاٹک سے گذر کر سڑک پر آئے او

یک طرف آہستہ آہستہ دوڑنے لگا۔

"کاش یہ لیلیٰ کا کتا ہوتا۔" حمید ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

فریدی کتے کے تعاقب میں تھا۔ وہ گلی میں گھسا یہاں بھی اس نے دو تین جگہ زمین سونگھی اور پھر دوڑنے لگا۔

کئی گلیوں سے گزر کر وہ ایک دوسری سڑک پر آ گئے۔

"کیا حماقت ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "اگر وہ آگے چل کر اپنے پیروں سے نہ گیا ہو تو....!"

"فکر نہ کرو.... میں کوئی امکانی بات نہیں چھوڑتا۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ ہم اس تک پہنچ ہی جائیں گے۔"

"پھر اس طرح جھک مارنے سے کیا فائدہ۔"

"اوہ.... تم.... شاید....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کسی جاسوسی ناول کے سراغ رساں کی طرح آرام کرسی کے جاسوس بننا چاہتے ہو۔"

"میں اب صرف شوہر بننا چاہتا ہوں.... باپ بننا چاہتا ہوں.... اور کچھ نہیں۔"

"میں نے تمہیں منع کب کیا ہے۔"

"تنہا نہیں....!" حمید نے کہا۔ "آپ کو بھی بننا پڑے گا۔"

"کیا مضائقہ ہے.... تم شوہر بنو اور میں باپ بن جاؤں گا۔ امداد باہمی کے لئے سائنٹیفک طریقے پر....!"

دفعتاً بلڈ ہاؤنڈ قریب ہی کے ایک ریستوران میں گھسنے لگا۔ فریدی نے جھپٹ کر اس کا پٹہ پکڑ لیا۔ کتا بھونکنے لگا تھا۔

"اسے دور لے جاؤ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں ابھی آیا۔"

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور کتے کو کھینچتے ہوئے دوسری طرف لے جانے لگا۔ فریدی ریستوران میں چلا گیا۔ حمید کچھ دور چلنے کے بعد کتے کے پٹے میں زنجیر ڈالنے کی لئے رکا۔

فریدی تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔

"حمید اسے واپس لے جاؤ۔ وہ ریستوران میں موجود ہے۔"

"لے آؤ.... لے جاؤ....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "کتا خصی کیلئے میں ہی رہ گیا ہوں!"

فریدی کچھ کہے بغیر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ریستوران میں داخل ہوگیا۔

کتا بھی اسی طرف جانے کے لئے زور کرنے لگا تھا۔

اچانک سڑک کے دوسرے کنارے پر حمید کو ایک لڑکی دکھائی دی صورت کچھ جانی سی معلوم ہورہی تھی.... "کیا....؟" اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا.... یہ وہی تو نہیں.... جو ا اندھے کے ساتھ تھی....لڑکی بھی سڑک پار کرکے اسی ریستوران میں چلی گئی۔

لڑکی اور سانپ

فریدی نے اخبار اٹھالیا تھا۔ لیکن اس کی نظر سامنے والے کیبن پر تھی۔ جہاں ایک بیٹھا کولڈ ڈرنک کی چسکیاں لے رہا تھا۔ فریدی اس کے چہرے کی بناوٹ کے متعلق غور لگا۔ یقیناً وہ افریقہ ہی کا باشندہ ہوسکتا ہے۔ غالباً زولو قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ کھلتا ہوا رنگ یہی کہتا ہے اور پھر جبڑوں کی بناوٹ .... کاسہ سر کی ابھری ہوئی پچھلی ہڈیاں.... وہ ز ہوسکتا ہے۔

ایک لڑکی فریدی کے قریب سے گزر کر اس کے شکار کے کیبن کے ملحقہ کیبن جا بیٹھی۔ لیکن فریدی اسے اس غیر ملکی کو کسی قسم کا اشارہ کرتے نہ دیکھ سکا تھا۔

غیر ملکی نے اطمینان سے کولڈ ڈرنک کا گلاس ختم کرکے کرسی کی پشت ٹیک لگالی اور پھر اس طرح آنکھیں بند کرلیں جیسے بقیہ وقت اسی کیبن میں بیٹھا بیٹھا گزا گا۔ فریدی نے کافی کا آرڈر دے کر سگار سلگالیا۔

لڑکی والے کیبن میں ایک ویٹر چائے کی کشتی لئے ہوئے داخل ہوا۔ کشتی میز پر ر

ہی تھا کہ لڑکی بڑے زور سے چیخی۔ ہال میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ چونک پڑے۔ ویٹر ر آچکا تھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر ایک چائے کی پیالی آ کر لگی۔ ابھی وہ نبھلا بھی نہیں تھا کہ ملک پاٹ اس کے شانے سے ٹکرایا اور پھر جب انتہائی گرم پانی والا ٹی ٹ اس کے سینے پر پڑا...تو وہ چیخ مار کر ایک بیرونی میز پر الٹ گیا۔

کسی بڑے ہنگامے کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ ایک میز کے الٹتے ہی بہتیری الٹ گئیں۔ کی ہال کے درمیان میں کھڑی بُری طرح چیخ رہی تھی۔ کوئی کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔ معمولی آدمیوں ی اس بھیڑ میں فریدی جیسا ذہن آدمی بھی موجود تھا لیکن اس کی حالت دوسروں سے مختلف نہ ی۔ وہ اپنے شکار کے متعلق بھی بھول چکا تھا۔

کچھ لوگ نہ جانے کیا سمجھے کہ انہوں نے اس ویٹر کو پکڑ کر پیٹنا شروع کردیا۔ فریدی ہرحال قانون کا محافظ تھا۔ وہ ویٹر کو چھڑانے کے لئے دوڑا۔

پھر ساری بھیڑ ویٹر کے گرد جمع ہوگئی۔

اچانک فریدی چونکا اور ویٹر تک پہنچنے کا خیال چھوڑ کر وہ پھر اپنی جگہ آیا لیکن غیر ملکی والا کیبن خالی تھا۔ وہ اسے بھیڑ میں تلاش کرنے لگا لیکن وہ وہاں بھی نہ ملا.... اور وہ لڑکی۔ وہ ائب تھی۔ لیکن ویٹر کے گرد بھیڑ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ فریدی بیرونی دروازے کی طرف لپکا۔

سارجنٹ حمید جہاں تھا وہیں اس کے قدم جم گئے تھے۔ اس نے لڑکی کو اچھی طرح پہچان یا تھا، اور اب اُسے الجھن ہونے لگی تھی۔ نہ وہ کتے کو چھوڑ سکتا تھا اور نہ اسے لے کر ریستوران کے اندر جاسکتا تھا۔ اگر وہ آدمی جس کی فریدی کو تلاش تھی ریستوران ہی میں موجود تھا تو کتے کو وہاں لے جانا دانش مندی نہیں ہوسکتی تھی۔ کیوں کہ وہ اس کی بو محسوس کرتے ہی جھپٹ پڑتا۔

دوسری طرف یہ خیال کہ فریدی اس لڑکی سے واقف نہیں تھا۔ ہوسکتا تھا وہ اُسے چوٹ دے جاتی۔ یعنی اُس کے شکار کو اس بات سے آگاہ کردیتی کہ اس کا تعاقب کیا جارہا ہے۔ اس

کا اندازہ تو حمید نے پہلے ہی لگالیا تھا کہ فریدی اُسے پکڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ورنہ وہ ر سے واپس آ کر اس سے کتے کو واپس لے جانے کیلئے نہ کہتا۔ شاید وہ صرف اسکا تعاقب کرنا

حمید ریستوران سے کافی فاصلے پر تھا۔ اُسے فریدی کی ہدایت کے مطابق اب چلا جانا چاہئے تھا.... لیکن .... وہ لڑکی.... اس نے اُسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اس نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اگر اُسے کوئی ڈیوٹی کانسٹیبل بھی نظر آ جاتا تو وہ کتے کو اس کر کے خود بھی فریدی کے پاس پہنچ گیا ہوتا۔

اچانک بلڈ ہاؤنڈ قریب سے گزرنے والے ایک آدمی پر جھپٹا۔ زنجیر پر حمید مضبوط نہیں تھی۔ آدمی اچھل کر بھاگا اور اس کی ٹانگ کتے کے جبڑوں کے درمیان بال بال بچی۔ حمید نے جھپٹ کر کتے کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ وہ آدمی بھاگتا میں گھس گیا۔ حمید کی جان میں جان آئی۔ اس نے سوچا چلو اچھا ہی ہوا۔ اگر وہ آدمی بجائے اُس پر الٹ پڑتا تو معاملے کو برابر کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی۔

کتا آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ لوگ حمید کے گرد اکٹھا ہونے لگے اور وہ ایک تماشہ بن کر رہ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کتے کی ٹانگیں چیر ڈالے۔ کتا بار بار اسی گلی جھپٹ رہا تھا جدھر وہ آدمی گیا تھا۔ حمید اتنا بدحواس ہو گیا تھا کہ کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔

دفعتاً فریدی اس کی گرد لگی ہوئی بھیڑ کو چیرتا ہوا قریب پہنچ گیا۔

"چلو....! تم اب تک یہاں ہو" وہ اُسے کھینچتا ہوا آگے بڑھا۔ کتے کے آ ہی بھیڑ پھٹ گئی۔

ان دونوں نے سڑک پار کی۔

"یہ دھکا زندگی بھر یاد رہے گا" فریدی بڑبڑایا۔

"کیوں....؟" حمید احمقوں کی طرح بولا۔

"وہ نکل گیا۔"

"ہائیں....!" حمید اچھل کر بولا۔ "اُف فوہ.... تب تو پھر وہی رہا ہوگا۔"

"کون....؟"

"ابھی ابھی یہ ایک آدمی پر جھپٹا تھا۔"

"اور تم نے اُسے نکل جانے دیا۔"

"میں کیا جانتا تھا۔"

"ارے او احمق.... اس سے پہلے کبھی وہ کسی پر جھپٹا تھا....؟ بولو.... کیا ہم اُسے زنجیر کے بغیر یہاں تک نہیں لائے تھے۔"

"اوہ.... تب تو وہ اس گلی میں گیا تھا۔" حمید نے گلی کی طرف اشارہ کیا۔

کتا اب بھی اُسی طرف جانے کے لئے زور کر رہا تھا۔ حمید نے زنجیر ڈھیلی چھوڑ دی اور کتے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ اسی گلی میں گھسا.... اور زمین سونگھ کر آگے بڑھنے لگا۔ گلی کا اختتام ایک دوسری چوڑی سڑک پر ہوا تھا یہاں کتا دائیں طرف کچھ دور چل کر رک گیا۔ وہ بار بار زمین سونگھتا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگتا۔ ایک بار اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر رونے کی سی آواز نکالی اور پچھلی ٹانگوں پر وہیں بیٹھ گیا۔

فریدی ایک طویل سانس لے کر حمید کی طرف مڑا۔

"بیکار ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "یہاں سے وہ کسی سواری پر گیا ہے آؤ واپس چلیں۔ خدا کی قسم یہ لوگ انتہائی چالاک ہیں۔"

"لیکن وہ نکل کیسے گیا۔" حمید نے پوچھا۔ اس پر فریدی نے پورا واقعہ دہرا دیا۔

حمید اپنی گدی سہلانے لگا۔ اس نے سوچا اگر فریدی کو وہ یہ بتائے دیتا ہے کہ وہ اس لڑکی کو پہچان گیا تھا تو شامت ہی آ جاتی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی سے باتوں میں جیتنا بھی آسان نہیں.... بہرحال اُس نے اس لڑکی کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا۔

اسی شام کی بات ہے فریدی اور حمید ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہے تھے۔ فریدی کو

ہوٹلوں کی تفریح سے دلچسپی نہیں تھی لیکن جب سے عدنان والا کیس ہوا تھا وہ کم از کم دن م
ایک چکر ہوٹل ڈی فرانس کا ضرور لگا لیتا تھا۔ اُسے عدنان کے پرائیویٹ سیکریٹری ڈیگال پر
شبہ تھا اور اُس نے اس موضوع پر حمید سے تھوڑی بحث بھی کی تھی۔ وہ کھلم کھلا یہ تو نہیں کہ
کہ عدنان کے قتل میں ڈیگال کا ہاتھ ہے لیکن بہر حال.... اس کی شخصیت بھی پراسرار معلوم
تھی اور وہ ابھی تک اس کا فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ ڈیگال کے جرم کی کیا نوعیت ہو سکتی ہے۔

''میں تو اب تنگ آ گیا ہوں۔'' حمید بڑبڑایا۔

''تم تنگ کب نہیں آتے۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''جہاں ذرا سا کام کرن
تمہاری جان نکلنے لگی۔''

''ہیہات.... ہیہات....!'' حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''ایک لونڈیا.... ایشیا کے ای
عظیم سراغ رساں کو چوٹ دے گی۔ پتہ نہیں اُس قتالۂ عالم کا کیا نام ہے.... اگر افریقی ہی
تو گازالی ہی کی طرح اس کا بھی نام ہوگا.... ٹنکیانا.... چیں چرر.... یا پھر.... پوں ٹل.... لاحول ولا

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حمید کی بکواس پر مسکرایا تک نہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

''تم فوزیہ سے دوستی بڑھاؤ۔''

''کسی ہیجڑے سے پریم نہ کر لوں۔'' حمید جل کر بولا۔

''تم سمجھے نہیں۔''

''میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں ویسے اگر آپ کہیں تو میں برخوردار بغرا خاں کے لئے پیغ
دے سکتا ہوں۔''

''تم اس بکرے کو ہٹاؤ گھر سے ورنہ میں گولی مار دوں گا۔''

''ہرن تصور کر کے ماریئے گا۔ اس طرح شکار کا بھی شوق پورا ہو جائے گا۔ مگر کمال ہے
کیسا چونا لگایا لونڈیا نے.... ہاہا....!''

''بکومت....!'' فریدی جھنجھلا گیا۔

''بڑی ذہین لڑکی ہے۔ اگر آپ اپنی نسل میں ذہانت کے جراثیم برقرار رکھنا چاہتے ہیں

اس سے شادی کی کوشش کیجئے۔ افریقہ اور ہندوستان کا پیوند.... بچوں کے نام ہوں گے.... ٹخ ٹخ
فریدی.... کھٹ کھٹ فریدی.... چرغل فریدی وغیرہ وغیرہ....!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید پر بھی سنجیدگی طاری ہو گئی۔ اس نے پوچھا۔ ''آخر
یہ نور جہاں کا قصہ کیا ہے۔''

''ہوگا کچھ.... مجھے اس سے دلچسپی نہیں۔ مجھے دو آدمیوں کے قاتل یا قاتلوں کی تلاش ہے۔''

''لیکن آپ نور جہاں والے معاملے میں کچھ جانتے ضرور ہیں۔''

''ہو سکتا ہے۔'' فریدی نے کہا اور آگے کی طرف جھک کر سگار سلگانے لگا۔

بیرونی دروازے سے فوزیہ کا حبشی ملازم اندر داخل ہوا اور انہیں گھورتا ہوا اوپری منزل
کے زینوں پر چڑھنے لگا۔

''اوہ.... یہ باہر سے آ رہا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں.... میں نے ان پر سے پابندی ہٹا لی۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''آؤ....!''

''آؤ اور جاؤ....!'' حمید نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اس کے علاوہ اور رہ کیا گیا ہے۔
لونڈیاں الگ الو بناتی ہیں۔''

''کیا بک رہے ہو.... اب اگر تم نے اس واقعے کا نام لیا تو گلا گھونٹ دوں گا۔''

''چلئے یہی سہی.... یہیں نام لوں یا گھر چل کر۔''

وہ دونوں کمپاؤنڈ میں نکل آئے۔ رات بڑی خوشگوار تھی۔ فریدی چند لمحے کھڑا ادھر اُدھر
دیکھتا رہا پھر کیڈلاک کی طرف بڑھا۔

وہ اگلی کھڑکی کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اُسے گھمانے ہی جا رہا تھا کہ حمید نے اُسے اچھل کر
پیچھے ہٹتے دیکھا۔

''ٹارچ ہے۔'' اس نے مڑ کر حمید سے پوچھا۔

''کیا بات ہے۔'' حمید آگے بڑھ کر بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے جیب سے سگار لائٹر نکال کر جلایا اور کار کے
دیکھنے لگا۔

"بہت اچھے۔" حمید نے سگار لائٹر کی مدہم روشنی میں فریدی کے چہرے پر عجیب ق
روشنی دیکھی اور پھر جب اس کی نظر اگلی سیٹ پر پڑی تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک ب
سانپ اگلی سیٹ پر رینگ رہا تھا۔ پھر اچانک پچھلی سیٹ پر بھی اُسے کوئی سیاہ سی چیز حرکت کر
ہوئے نظر آئی۔

"غل مچانے کی ضرورت نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اب ہمارے پاس کل
سانپ ہوئے۔"

حمید کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہیں اس آدمی کا دماغ تو نہیں خ
ہوگیا۔ اگر ابھی بیٹھ گئے ہوتے تو کیا حشر ہوتا۔ فریدی سگار لائٹر جلائے ہوئے بڑی دلچسپ
سانپوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"مائی ڈیئر.... بلیک مومبا....!"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"اس قسم کا سانپ صرف افریقہ میں پایا جاتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بلیک مومبا
ہے۔ سانپوں کی نسل میں اس سے شریر سانپ اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہ جان بوجھ کر صرف آد
حملہ کرتا ہے۔"

"تو آپ اس کی نسل پر لیکچر دیں گے۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"فرزند ایک شاندار اضافہ.... میرے پاس اس نسل کا کوئی سانپ نہیں تھا۔"

"لیکن یہ ایک ہندوستانی کار میں کہاں سے آ ٹپکا۔" حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر ک

"اوہو.... اس پر پھر غور کریں گے۔ فی الحال انہیں پکڑنے کا مسئلہ ہے۔"

"کیا....!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ایک کو تم پکڑو اور دوسرے کو میں۔"

"سنیئے جناب میرے باپ دادا سپیرے نہیں تھے.... اور....!"

"چپ چپ.... شور نہیں.... تم سگار لائیٹر پکڑو۔"

حمید حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ کیا یہ وہی فریدی تھا۔ سنجیدہ اور باوقار فریدی....
ز نہیں.... اس وقت تو وہ شوخ اور کھلنڈرا بچہ معلوم ہو رہا تھا۔ ایک ایسا بچہ جو گھاس پر بیٹھی ہوئی
سی ٹڈی کو پکڑنے جا رہا ہو۔

حمید نے سگار لائٹر پکڑ لیا۔ سانپ اب سیٹ سے نیچے اتر گیا تھا۔ فریدی نے ہینڈل گھما
ر کھڑکی میں ذرا سی دراز کی.... سانپ باہر کا راستہ دیکھ کر اس کی طرف لپکا لیکن صرف اس کا
ہی باہر نکل سکا.... کیونکہ فریدی نے کھڑکی کا پاٹ تھوڑا سا دبا دیا تھا۔ اب اس نے چٹکی سے
کا نیچے کا حصہ پکڑ لیا۔ سانپ کا منہ پھیل گیا۔

"ارے کیا کر رہے ہیں آپ....!" حمید دانت پیس کر بولا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر سانپ کو آہستہ آہستہ باہر کی طرف کھینچ رہا تھا۔

"ہاتھ میں لپٹ جائے گا۔" حمید بے چینی سے بولا۔

"بس دیکھتے رہو۔ اس میں اتنی سکت ہی نہ رہ جائے گی۔ یہ بھی ایک آرٹ ہے فرزند....
رگ دبائی ہے کہ کیچوے کی طرح جھولتا رہ جائے گا۔"

فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ سانپ کا بقیہ حصہ باہر کھینچ لیا اور اُسے حمید کے چہرے
برابر اٹھاتا ہوا بولا۔ "دیکھو.... ہے نا کیچوا.... یہ نہ سمجھنا کہ مر گیا ہے ابھی زمین پر چھوڑ دوں
مجھے تحت الثریٰ میں بھی نہ چھوڑے.... شاباش.... اب تم اسی طرح دوسرے کو پکڑ لو۔"

"کیا....؟ آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔"

"افسوس کہ میں سانپ دیکھ لینے کے بعد ہوش میں نہیں رہتا۔" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ
ر کہا۔ "اچھا اٹیچی کھولو۔"

حمید نے اٹیچی کھولی اور فریدی نے سانپ کو اس میں ڈال دیا۔ اٹیچی بند کرکے وہ پچھلی
ٹ کی طرف آئے۔

”اچھا اب میں اسے پکڑتا ہوں....“ فریدی نے انگریزی میں کہا اور زمین پر بیٹھ
آہستہ سے بولا۔ ”تم سگار لائٹر کو اسی طرح اٹھائے رہو۔ اب میں تمہیں ایک دوسرا کرتب
دکھاؤں گا.... میری واپسی تک اسی طرح لائٹر اٹھائے ہوئے کچھ اوٹ پٹانگ بڑبڑاتے رہنا
اچھا.... شب بخیر فرزند۔“

وہ حمید کو متحیر چھوڑ کر ایک طرف تاریکی میں رینگ گیا۔

کمپاؤنڈ کا یہ حصہ ہوٹل کی عمارت سے کافی دور تھا اور یہاں قرب و جوار میں تاریکی تھی

دشمنوں میں

حمید کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔ اول تو کسی سانپ کا اس طرح پکڑنا ہی پاگل پن
کچھ کم نہیں تھا۔ دوسرا یونہی بلاوجہ کچھ بے تکی باتیں کر کے سینے کے بل رینگتے ہوئے اندھیرے
میں غائب ہو جانا بھی صحیح الدماغی کی علامت نہیں تھی۔

لیکن یہ حرکتیں فریدی سے سرزد ہوئی تھیں۔ اس لئے حمید اُسے محض مذاق سمجھنے کے لئے
بھی تیار نہیں تھا۔

حمید انتظار کرتا رہا۔ اور اس اثناء میں سگار لائٹر کی اسپرٹ بھی ختم ہوگئی۔ اندھیرا ہونے
کے بعد حمید دیا سلائیاں جلاتا رہا۔ ایک سانپ ابھی تک آزاد تھا.... اور وہ اس نسل کے
کی خصوصیات تھوڑی دیر قبل ہی سن چکا تھا۔ پتہ نہیں فریدی کب تک واپس آئے اور وہ
کے پاس سے ہٹنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہ سانپ جواب بھی پچھلی نشست کے نیچے رہا
تھا حمید نے سوچا کہ کیوں نہ اسے اسی طرح مار ہی ڈالے جس طرح فریدی نے اگلے
سانپ پکڑا تھا۔ مگر یہ کام اس اکیلے کے بس کا روگ نہیں تھا اور وہ ہوٹل سے بھی کسی کو
سکتا تھا کیونکہ اگر فریدی اسے پسند کرتا تو پہلے ہی اس نے کسی اور کو بھی مدد کے لئے بلا لیا

پھر اس نے سوچا کہ کھڑکی کھول کر اُسے اندر ہی سے نکال دے لیکن اسے اس کی
خصوصیات یاد آ گئیں۔ فریدی نے کہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر آدمیوں پر حملہ کرتا ہے۔

دفعتاً نہ جانے کدھر سے ایوننگ ان پیرس کی خوشبو کی ایک لپٹ آئی اور حمید نتھنے سکوڑ کر
اندھیرے میں گھورنے لگا۔

”آرتھر ڈارلنگ....!“ کسی عورت کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑا۔ اس سے شاید
تین فٹ کے فاصلے پر کوئی عورت کھڑی تھی۔

حمید سب کچھ بھول گیا۔ آواز میں بڑی دلکش کھنک تھی بڑی سکس اپیل تھی۔

”ڈیرسٹ.... میں تیار ہوں۔“ عورت نے آہستہ سے کہا۔

”اچھا....!“ حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں تھوک نگل کر بولا۔

عورت اور قریب آ گئی۔ اتنی قریب کہ اس کے اور حمید کے چہرے میں شاید ایک بالشت
کا فاصلہ رہ گیا.... اور پھر حمید نے ایک بہت ہی تیز قسم کی بو محسوس کی جو ایوننگ ان پیرس کی
خوشبو پر بھی غالب آ گئی تھی۔ اس کے نتھنوں میں جلن ہونے لگی۔ وہ لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے
ہٹا.... اور پھر اُسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ عورت اسے اپنے بازوؤں میں لے کر آسمان کی
طرف پرواز کر رہی ہو۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔

اور جب تاریکی دور ہوئی تو حمید نے خود کو ایک کمرے میں پایا۔ شاید وہ دو گھنٹے تک
بیہوش رہا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کمرے کی روشنی اس کے سر کے اندر سنسنی پیدا
کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اس کے
ذہن میں پھر ایوننگ ان پیرس کی خوشبو جاگ اٹھی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کے سامنے وہی لڑکی کھڑی تھی جسے اس نے لوزانا کے ساتھ دیکھا تھا۔ حمید اچھل کر
بیٹھ گیا۔ لڑکی بڑے دلآویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

”تم شاید مجھے پہچانتے ہو۔“ لڑکی تھوڑی دیر بعد انگریزی میں بولی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے اپنی آنکھیں کچھ نشیلی سی بنالیں۔ لڑکی اُسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''شاید....!'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''میں نے تمہیں مصر میں دیکھا تھا.... اب سے ایک ہزار سال پہلے۔''

''اور تم تب بکروں کے بجائے گدھے پالتے تھے۔''

''میں اس مذاق کو نہیں سمجھا....'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کی آواز خوابناک اور بھرائی ہوئی تھی۔ پھر دفعتاً وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔ ''میں کہاں ہوں۔''

اور وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پھر اس نے ڈری ڈری سی چیخ ماری اور لڑکی سے لپٹ گیا۔

''ارے.... ارے....!'' وہ اُسے دھکیل کر پیچھے ہٹ گئی۔

''بچاؤ....!'' حمید پھر جھپٹا.... لڑکی بوکھلا گئی تھی۔ اُس نے اسے روکنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ آگے کی طرف پھیلا دیئے۔

''سانپ.... سانپ....!'' حمید کمرے میں چاروں طرف ناچنے لگا۔ وہ ڈری ڈری آواز میں ''سانپ سانپ'' کہتا ہوا پھر لڑکی کی طرف بڑھا۔

''خاموش رہو۔'' دفعتاً لڑکی نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے ایک چھوٹا سا آٹومیٹک پستول نکالتے ہوئے کہا۔ حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں مل مل کر چاروں طرف دیکھنا شروع کردیا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر سوتے سوتے جاگا ہو۔

''تم کون ہو....!'' اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''تم مکار ہو....!'' لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

''افسوس تم بھی یہی کہہ رہی ہو۔ آج تک کسی نے میری روح میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔''

''بکواس بند کرو۔'' لڑکی جھنجھلا کر بولی۔ ''تم یہاں فلرٹ کرنے کیلئے نہیں لائے گئے۔''

''پھر....!'' حمید یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔

''نور جہاں کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔''

''میں ساری دنیا کے متعلق صرف ایک بات جانتا ہوں۔''

لڑکی کچھ نہ بولی۔ لیکن اس کی نظریں سوالیہ انداز میں حمید کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور حمید جیسے تہیہ کرلیا تھا کہ آگے کچھ نہ کہے گا۔ لڑکی چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر تحکمانہ لہجے میں بولی۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

''مگر میں ٹہلنا چاہتا ہوں۔'' حمید لاپروائی سے بولا۔ ''پستول رکھ لو اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے پسند آئی ہو۔ اس لئے میرے بھاگنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

وہ چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔ ''میں اور میرا چیف مداری ہیں۔ تمہارے بلیک مومبا کا حشر ہوا؟ شاید تم نے دیکھا ہو۔''

''لیکن وہ کہاں غائب ہوگیا....؟''

''ڈر کر بھاگ گیا ہوگا.... وہ خوبصورت لڑکیوں سے بہت ڈرتا ہے۔''

''ڈیگال نے تمہیں عدنان کی موت کے متعلق کیا بتایا ہے۔''

''ہائیں تو کیا عدنان مرگیا.... مجھے تو ڈیگال نے بتایا تھا کہ وہ احرامِ مصر کی زیارت کرنے گیا ہے۔''

لڑکی اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے حمید کو گھور رہی تھی۔

''تم نہیں بتاؤ گے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

''سنو.... ہنی.... کبھی تم نے کسی سے محبت بھی کی ہے۔''

وہ مکا تان کر حمید کی طرف جھپٹی۔

''بیلا....!'' عقبی دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ حمید چونک پڑا۔ لڑکی بھی جہاں تھی وہیں رک گئی۔ دروازے میں وہی طویل القامت اندھا کھڑا تھا' جسے حمید نے نائٹ کلب میں دیکھا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

''بیلا....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''کتنا پیارا نام ہے۔''

"آں....!" اندھا چونک پڑا۔ "یہاں اور کون ہے؟"

"جاسوس....!" بیلا نے کہا۔ "ان میں سے ایک ہمارے ہاتھ آ گیا ہے۔"

"خوب....لیکن کیوں....؟"

"یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ نور جہاں کے متعلق کیا جانتے ہیں۔"

"کیا تمہیں ڈیگال کی بات پر یقین آ گیا تھا" اندھے نے مسکرا کر پوچھا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ ضرور کچھ جانتے ہیں۔"

"دوسرا کہاں ہے۔"

"وہ نکل گیا۔"

"ہوں....!" اندھا جھنجھلا گیا۔ "لیکن میرے کہنے پر عمل کیوں نہیں کیا گیا۔"

"عظیم لوزاٹا" بیلا لرزتی ہوئی بولی۔ "تیرے حکم سے سرتابی ناممکن ہے۔ ہم نے کہنے پر عمل کیا تھا لیکن انہوں نے ان کو بچوں کا کھیل بنا ڈالا۔"

"اوہو....!"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اندھے نے کہا۔ "کیا یہ فریدی ہے؟"

"نہیں....وہ نکل گیا۔" بیلا نے کہا۔

"اوہ....!" اندھے کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ "کیا سب لوگ یہاں موجود ہیں"

"املیگاس کے علاوہ اور سب ہیں۔" بیلا نے کہا۔

"وہ کہاں ہے!"

"دوسرے کو تلاش کر رہا ہوگا۔"

"ہوں....!" لوزاٹا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم نے اس سے کیا معلوم کیا۔"

"کچھ نہیں....! یہ تو باتوں میں ٹال رہا ہے۔"

"تمہیں بولنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔" لوزاٹا نے حمید سے کہا۔

"میں بڑی دیر سے بول رہا ہوں۔" حمید نے کہا اور بیلا کو آنکھ مار کر مسکرانے

بوکھلا کر لوزاٹا کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

"نور جہاں کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

"اگر تم ایک بار مجھے اس کی شکل دکھا دو تو اس کے باپ دادا کا نام بتا دوں گا۔"

"بیلا مجھے یقین ہے کہ یہ کچھ نہیں جانتا" لوزاٹا نے کہا۔ "تو نے اسے یہاں لا کر غلطی یہاں لاشوں کو ٹھکانے لگانے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔"

حمید سناٹے میں آ گیا....اور سناٹے میں آنے کے بعد وہ ہمیشہ ہنگامہ پسند کرتا تھا۔ وہ کر بیٹھنے کے امکانات پر غور کر ہی رہا تھا کہ ایک آدمی بوکھلایا ہوا کمرے میں گھسا۔ اس کے پر پٹی بندھی ہوئی تھی، چہرے پر کئی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر جم گیا تھا۔

بیلا حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

"کون ہے....؟" لوزاٹا یک بیک چونک کر بولا۔

"املیگاس....!" بیلا آہستہ سے بڑبڑائی۔

"املیگاس....!" لوزاٹا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور پھر اس نے اس طرح نتھنے وڑے جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے کسی غیر ملکی زبان میں بیلا سے کچھ کہا اور وہ کمرے سے چلی گئی۔

"املیگاس....!" اس نے نووارد سے انگریزی میں کہا۔ "کیا خبر ہے۔"

"بہت سخت لڑائی ہوئی۔" املیگاس کراہ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ اس سے اقف تھا کہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔"

"پھر کیا ہوا....املیگاس....!"

"پھر اس خیال سے مجھے جان بچا کر بھاگنا پڑا کہ کہیں گرفتار نہ ہو جاؤں۔"

"تم نے اچھا کیا املیگاس....!"

بیلا پھر واپس آ گئی۔

"بیلا....!" لوزاٹا نے اُسے مخاطب کیا۔ "کیا املیگاس بہت زیادہ زخمی ہے۔"

"شاید....!" بیلا املیگاس کو گھورتی ہوئی بولی۔

"لیکن املیگاس ایک بات نہیں جانتا۔" لوزاٹا نے زہرخند کے ساتھ کہا۔ "وہ نہ کہ لوزاٹا سر سے پیر تک آنکھ ہی آنکھ ہے' اور اس کی ناک کتے کی ناک سے بہت ز ہے۔ املیگاس کی شکل آنکھ والوں کو دھوکا دے سکتی ہے اندھیرے کے شہنشاہ کو نہیں۔" اُس نے چیخ کر کہا۔ "اس جاسوس کو پکڑلو۔"

املیگاس اچھل کر دروازے کے قریب چلا گیا۔ لیکن پھر اُسے ایک قدم آگے پڑا۔ کیونکہ ایک ریوالور کی نال اس کی پیٹھ میں چبھ رہی تھی۔

"اسے میرے قریب لاؤ۔"

ریوالور کی نال اور شدت سے املیگاس کی پیٹھ میں چبھنے لگی۔ وہ ایک قدم اور آ اور پھر رک گیا۔ حمید اور وہ ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ آخر املیگاس نے مسکرا کر کہا۔ "بُرے پھنسے فرزند....!"

"ہائیں....!" حمید اچھل پڑا۔ آواز فریدی کی تھی۔

لوزاٹا نے قہقہہ لگایا۔ حمید گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کمرے میں تین درواز اور ہر دروازے میں ایک آدمی ریوالور لئے کھڑا تھا۔

"لاڈن....!" لوزاٹا چیخا۔ "اُسے میرے قریب لاؤ۔"

"ٹھہرو....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کیا تم مجھے عدنان سمجھتے ہو۔"

"اس سے بھی کمتر....!" لوزاٹا نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا تو چلو کوشش کرو۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "شاید ایسی گردن تمہیں پہلے میں بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔"

فریدی خود ہی اس کی طرف بڑھنے لگا۔ حمید نے سوچا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کر ہی ر اس نے جھپٹ کر بیلا کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور انہیں اپنی گردن کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

"چلو تم میرا گلا گھونٹ دو.... میں تو اس بدصورت اندھے کے ہاتھوں مرنا پسند نہیں کروں گا

بیلا ہاتھ چھڑانے لگی اور پھر اچانک حمید نے اس کی گردن دبوچ لی اور چیخ کر بولا۔

"لوزاٹا.... میں اس لڑکی کا گلا گھونٹنے جا رہا ہوں۔"

"چھوڑ دو.... چھوڑ دو....!" تینوں مسلح آدمی بیک وقت چیخے۔

فریدی کی طرف بڑھتے ہوئے لوزاٹا کے ہاتھ نیچے جھول گئے۔ بیلا بُری طرح مچل رہی تھی اور اس کے منہ سے گالیوں کا فوارہ جاری تھا۔

"میں بھی مرجاؤں گا۔ تم بھی مرجاؤ گی۔" حمید ناک کے بل گنگنایا۔ "پھر میں عالم رواح میں تم سے کہوں گا آمری جان مرے پاس دریچے کی قریب۔"

دفعتاً فریدی نے اچھل کر لوزاٹا کے پیٹ میں لات ماری اور وہ چیخ کر ڈھیر ہو گیا۔ بیک قت تین فائر ہوئے لیکن شاید فریدی اس سے قبل ہی لوزاٹا کے برابر لیٹ گیا تھا۔

حمید سمجھا شاید فریدی رخصت ہو گیا۔ اس لئے اس نے مچلتی ہوئی لڑکی کا الوداعی بوسہ لے کر اُسے ایک ریوالور والے کی طرف اچھال دیا۔ وہ دونوں فرش پر آ رہے۔ بیلا بڑے زور سے چیخی پھر دو فائر ہوئے۔

فرش پر فریدی اور لوزاٹا گتھے ہوئے تھے۔ حمید گرنے والے کے ریوالور پر قبضہ کر چکا تھا۔ یکن جب اس نے ایک آدمی کا نشانہ لے کر ٹریگر دبایا تو ریوالور پھٹ کر کے رہ گیا۔ وہ خالی ما۔ گرا ہوا آدمی حمید پر ٹوٹ پڑا۔

بیلا بیہوش پڑی تھی.... اور اب حمید مطمئن تھا۔ اس نے فریدی کو لوزاٹا سے لپٹے ہوئے کھ لیا تھا۔ بقیہ دو آدمی بے بسی سے انہیں گھور رہے تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ریں۔ اگر وہ فریدی اور حمید پر گولی چلاتے تو لوزاٹا اور ان کے ایک ساتھی کے زخمی ہو جانے کا ی احتمال تھا۔

اچانک ان میں سے ایک نے پیتل کا ایک وزنی گلدان اٹھا کر فریدی کے سر پر ضربیں ائی شروع کر دیں۔ حمید اس آدمی کو چھوڑ کر فریدی کی مدد کو لپکا۔ پھر ایک فائر ہوا۔ اگر حمید رتی سے بیٹھ نہ گیا ہوتا تو گولی اس کے سر سے گذر گئی ہوتی۔

فریدی تو گلدان کی ضربوں سے بیہوش ہو ہی چکا تھا.... اس کے بعد حمید کی خاص
ہوگئی۔

"اتنا ہی کافی ہے۔" لوزاٹا نے ہانپتے ہوئے کہا۔ جان سے مت مارو۔ ابھی ہم
ہے کہیں عمارت کے گرد پولیس کا گھیراؤ نہ ہو۔ انہیں کہیں بند کردو۔ ان کے ساتھ تین لا
ہوں گی۔

فریدی کو ہوش آیا تو اس نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے ہ
تاریک نہیں تھا۔ اسے اپنے قریب ہی ڈیگال، لیوکاس اور فوزیہ بھی نظر آئے۔ ان ک
بھی اسی طرح بندھے ہوئے تھے۔ حمید ذرا فاصلے پر تھا اور اُسے بھی ہوش آ چکا تھا۔

"ڈیگال.... ! یہ سب محض تمہاری وجہ سے ہوا۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"املیگاس.... تم اس حال میں کیوں نظر آ رہے ہو۔" ڈیگال نے حیرت سے پو

"میں فریدی ہوں۔"

ڈیگال اور اس کے ساتھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھورنے لگے۔

"میں کہہ رہا تھا۔" فریدی بولا۔ "کہ یہ سب کچھ محض تمہاری وجہ سے ہوا۔ اگ
پہلے ہی لوزاٹا کی قیام گاہ کا پتہ بتا دیتے تو یہ کبھی نہ ہوتا۔"

"میں نہیں جانتا تھا۔"

"تم بکتے ہو.... تم نور جہاں کے لئے لوزاٹا سے سودا کر رہے تھے تم نے لوزاٹا کو
تھی کہ اگر اس نے تمہیں ایک بھاری رقم نہ دی تو تم پولیس کو نور جہاں کے متعلق بتا دو
اپنی حفاظت کے لئے تم نے یہ شوشہ بھی چھوڑا تھا کہ دو سراغ رساں بھی نور جہاں کے م
ہی سے کچھ جانتے ہیں کیوں...... کیا خیال ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" ڈیگال بڑبڑایا۔

"اگر یہ جھوٹ ہے تو پھر تم تینوں آج ہی یہاں کیوں نظر آ رہے ہو۔ پہلے ہی اس حال کو
یوں نہیں پہنچے۔ لوزاٹا کی دانست میں صرف ہم پانچ ہی نور جہاں کے راز سے واقف ہیں۔
لئے شاید تھوڑی دیر بعد موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔"

"ڈیگال.... تم.... !" فوزیہ بڑبڑائی۔

"بے بی.... یہ جھوٹ ہے۔"

"فریدی کبھی لایعنی گفتگو نہیں کرتا۔" فریدی نے کہا۔

"آپ یہاں پہنچے کس طرح تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"لمبی کہانی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "سب سے پہلے ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ ہم چ
چوہوں کی سی موت کا انتظار کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے تھے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرہ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ کمرے
کے بجائے اُسے کوٹھڑی ہی کہنا مناسب ہوگا۔ اس میں صرف ایک دروازہ تھا اور کھڑکیاں نہیں
یں۔ چھت سے ایک چالیس پاور کا بلب لٹکا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ لوزاٹا کو املیگاس کی بھی فکر ہوگی۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "شاید
مجھ سے پوچھے.... بس یہی ایک موقعہ میرے ہاتھ آ سکتا ہے.... ورنہ۔"

"املیگاس کہاں ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"میری قید میں۔"

فوزیہ ڈیگال کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور ڈیگال خاموش تھا۔

"آخر وہ اندھا آپ کو پہچان کیسے گیا۔ مجھے سخت حیرت ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں اس کی غیر معمولی قوتوں کا معترف ہوں۔ وہ کسی شکاری کتے ہی کی طرح اپنے
دمیوں کی بو پہچانتا ہے۔ آنکھوں سے محروم ہو جانے پر بعض لوگوں میں بے پناہ قوتیں عود
ر آتی ہیں۔"

"کسی کو آپ کے یہاں آنے کا علم ہے کہ نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"کسی کو بھی نہیں.... اس آدمی املیگاس سے مجھے یہاں کا پتہ معلوم ہوا تھا۔ مجھے
یقین نہیں تھا اس لئے میں نے پہلے تنہا ہی اطمینان کر لینا مناسب سمجھا۔"

"اب زندگی بھر اطمینان کرتے رہئے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "آئی۔جی
بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ آپ کریک ہیں.... یہ ضروری نہیں کہ ہر بار ہم بال بال بچ جائیں"

"نہ بھی بچیں تو کیا فرق پڑے گا۔"

"آپ کے کتے یتیم ہو جائیں گے۔"

اچانک دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ چند لمحے اپنے قیدیوں کو
رہے پھر وہ فریدی کے قریب آئے اور اُسے اٹھانا چاہا۔

"دو آدمی اور لاؤ۔" فریدی ہنس کر بولا۔

دونوں نے اپنا انتہائی زور صرف کر دیا لیکن فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی
جھلا کر ایک نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ فریدی نے جھلاہٹ میں کہنیاں ٹیک کر
کوشش کی اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسی کا
ڈھیلا ہو گیا ہو۔ وہ اٹھنے کی کوشش ترک کرکے چت لیٹ گیا۔ پاس کھڑے ہوئے آ
اسے ٹھوکر ماری جسے اس نے اپنے جوتوں کے تلوؤں پر روک لیا۔ وہ ٹھوکریں مارتا رہا
کا شغل بھی جاری رہا۔ اس کی ایک ٹھوکر بھی اس کے جسم پر نہیں پڑی اس دوران میں
دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے تھے۔ پھر جیسے ہی وہ ٹھوکر مارنے کے لئے آگے بڑھا فریدی
کی ٹانگ پکڑ لی۔ جھٹکا لگتے ہی وہ اپنے پیچھے کھڑے ہوئے ساتھی پر گرا.... اور وہ دونوں
وقت زمین پر آ رہے۔

دوسرے لمحے میں فریدی ان کے اوپر تھا۔ اس کے پیر اب بھی بندھے ہوئے تھے
وہ تو زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اگر اس کے ہاتھ بھی بندھے ہوتے تب بھی آخری
خاتمہ کشت و خون ہی پر ہوتا۔ فریدی کے گھٹنے ایک کی گردن پر تھے اور دوسرے کی گردن
کے ہاتھ تھے اور وہ اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دوسرے قیدیوں نے فریدی کو الگ ہٹتے دیکھا۔ وہ بڑی تیزی
سے اپنے پیروں کی رسی کھول رہا تھا۔ دونوں آدمی بے حس و حرکت فرش پر چت پڑے تھے۔
کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلی خود حمید بھی فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی
آنکھوں پر یقین نہ ہو۔

فریدی نے حمید کی رسیاں بھی کھول دیں۔ اب وہ دونوں کی جانب متوجہ ہوا۔ ان کے
پاس سے ریوالور برآمد ہوئے۔ ایک اس نے حمید کی طرف اچھال دیا۔

"کیا.... یہ...." حمید فرش پر پڑے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھ کر ہکلایا۔

"ہاں.... یہ گازالی کے پاس پہنچ گئے۔"

"کیا ہمیں نہیں کھولو گے۔" ڈیگال مردہ سی آواز میں بولا۔

"تم مجرم ہو.... تم سے مراد تم اور لیوکاس۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر حمید سے
بولا۔ "لڑکی کو کھول دو۔"

حمید اس کی طرف چلا ہی تھا کہ بیلا کمرے میں داخل ہوئی۔ فریدی نے ریوالور کا رخ
اس کی طرف کرکے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ بس ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی نے بیلا کی روح قبض
کر لی ہو۔ وہ پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

"اسے باندھ لو....!" فریدی نے حمید سے کہا۔

"ارے ہائے.... ہائے.... اسے تو میں اپنی البم میں چپکاؤں گا۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"بدتمیزی نہیں جلدی کرو....!"

حمید نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے بھی ڈیگال کے پاس ہی ڈال دیا۔

پھر وہ فوزیہ کی رسیاں کھولنے کے لئے آگے بڑھا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ "ابھی رہنے دو.... آؤ میرے ساتھ۔"

انہوں نے کوٹھڑی سے نکل کر دروازہ مقفل کر دیا۔

"اب وہ بالکل تنہا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....؟"

"جب میں یہاں آیا تھا لوزاٹا کے علاوہ صرف تین ہی مرد تھے دو کا خاتمہ ہو چکا ہے تیسرا غالباً باہر کمپاؤنڈ میں رکھوالی کر رہا ہوگا۔"

"ہوسکتا ہے کہ اس وقت کچھ باہر رہے ہوں۔"

"اہلیگاس کی دی ہوئی اطلاعات ابھی تک تو ٹھیک ثابت ہوئی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ"

وہ ایک ایک کمرہ دیکھتے پھر رہے تھے۔ آخر ایک کمرے میں لوزاٹا تنہا مل گیا۔ حالانکہ یہ دونوں دبے پاؤں وہاں تک پہنچے تھے لیکن لوزاٹا ٹہلتے ٹہلتے اچانک اس طرح رک گیا جیسے اُسے ان کی آہٹ مل گئی ہو۔ وہ دونوں دروازے سے ہٹ کر کھڑکی کے سامنے آ گئے۔ اب انہوں نے لوزاٹا کو بھی ادھر مڑتے دیکھا۔

"کمال ہے....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تم دروازے پر ہی ٹھہرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "تیسرے آدمی کا خیال رکھنا۔"

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا اس نے لوزاٹا کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

"اہلیگاس کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"فضول ہے.... تھوڑی دیر بعد تم بھی اسی کے پاس ہوگے۔" فریدی نے کہا۔

"میں....!" لوزاٹا نے قہقہہ لگایا۔ "تم مجھے اتنا مجبور سمجھتے ہو۔"

"میں تمہیں عدنان اور ایک مقامی آدمی کے قتل کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی پیشانی پر ایک ایسا زوردار گھونسا پڑا چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ لوزاٹا نے ریوالور لئے جست لگائی اور فریدی اس خطرناک موقعے پر بھی اس کے بچے تلے انداز پر عش عش بغیر نہ رہ سکا۔ وہ سچ مچ اندھیرے کا شہنشاہ تھا۔ لوزاٹا کے ساتھ ہی فریدی بھی ریوالور کے جھپٹا تھا لیکن ریوالور اس کے ہاتھ نہ آ سکا۔ ان دونوں میں پھر زور آزمائی ہونے لگی۔ ریوا

لوزاٹا کو بھی نہ مل سکا۔ فریدی نے ٹھوکر مار کر اسے دور پھینک دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ لوزاٹا کو اس طرح بھی زیر کرنا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ لوزاٹا گتھے رہنے یا اُسے زیر کر لینے سے زیادہ بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔ حمید بڑی دلچسپی سے انکی کشتی کا منظر دیکھ رہا تھا۔

اچانک لوزاٹا نے فریدی کے سر پر ایک زوردار ٹکر ماری اور فریدی کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔ لوزاٹا اچھل کر دروازے کی طرف بھاگا۔ فریدی کا سر چکرا گیا۔ لیکن اب اسے بھی سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ اس نے جھپٹ کر لوزاٹا کی ٹانگ پکڑلی اور وہ منہ کے بل اتنے زور سے فرش پر گرا کہ سارا کمرہ جھنجھنا اٹھا اُس نے اٹھنا چاہا لیکن فریدی اس کی ٹانگ مروڑنے لگا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو چیخ چیخ پڑتا.... کبھی وہ زمین پر ہاتھ ٹیک دیتا اور کبھی اس کے سر کا پچھلا حصہ بھڑ سے زمین پر گرتا۔

"اندھیرے کے شہنشاہ...... تمہیں تارے نظر آئے یا ابھی نہیں۔" فریدی نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

لوزاٹا کچھ نہ بولا۔ اس کے ہونٹوں اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔

"کیا تمہیں عدنان کی موت نہیں یاد آ رہی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر عدنان ہی کیوں تم نے اب تک سینکڑوں قتل کئے ہیں بتاؤ نور جہاں کہاں ہے.... بتاؤ ورنہ میں تمہارے پیٹ پر پوری قوت سے کھڑا ہو جاؤں گا۔"

"میرے پاس.... میرے سینے پر" لوزاٹا گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا اور اس کے بعد اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی ایسا معلوم ہوا کہ مرتا ہوا بھینسا ڈکرار ہا ہو۔ ساتھ ہی اُسے ایک بڑی سی خون کی قے ہوئی اور اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ فریدی نے ٹانگ چھوڑ دی۔ لوزاٹا بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

فریدی اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ آخر سینے پر اُسے کوئی سخت سی چیز محسوس ہوئی۔ اس نے اس کا گریبان پھاڑ ڈالا۔ سینے پر چمڑے کی چوڑی سی پٹی کسی ہوئی تھی۔ جس میں کئی جیب تھے۔

پھر حمید نے فریدی کی ہتھیلی پر ایک بڑا سا جگمگاتا ہوا ہیرا دیکھا۔

"یہ کیا...؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

"نور جہاں...!"

"کیا...؟ ارے... یہ...!"

"ہاں فرزند! میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کسی خوبصورت سی لڑکی کی تو
رکھو۔"

دوسری شام... فریدی، حمید اور فوزیہ ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہے تھے۔

"آپ کو نور جہاں کے متعلق کیسے معلوم ہوا کہ۔" فوزیہ نے فریدی سے پوچھا۔

"محض اپنی یاد داشت کی بناء پر۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ڈیگال نے لوزاٹا کا ت
کرتے وقت جب لندن میں کار ڈرائیو کرنے والا واقعہ بیان کیا تو میں نے فوراً ہی اندازہ
کہ نور جہاں کوئی عورت نہیں ہوسکتی کیوں کہ اسی نام کا ایک ہیرا بھی تھا اور وہ لندن میں
رات کو چرایا گیا تھا جس کی صبح لوزاٹا نے موٹر ڈرائیوری کی مہارت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس
میں اس چوری کی بھی خبر تھی اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ لوزاٹا اسی خاندان کا مہا
جس کی ملکیت میں وہ ہیرا تھا۔ چسٹر فیلڈ خاندان، لہٰذا مجھے نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہ لگی۔ ا
بتاؤ کہ عدنان کا اس سے کیا تعلق تھا۔"

"میں پہلے ہی بتا دیتی۔" فوزیہ طویل سانس لے کر بولی۔ "لیکن ڈیگال نے مجھے
دیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس سے والد مرحوم کی نیک نامی پر دھبہ لگے گا۔ اسی لئے اس
لیوکاس نے مجھے بیہوش کر دیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ کم بختوں کا اصل مقصد کیا ہے۔ خیر
یہ ایک شرمناک بات ہے۔ لیکن مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ وہ ہیرا والد مرحوم کے کہنے پر چ
گیا تھا۔ لوزاٹا کا کام ہی یہی تھا۔ معاملہ اسی ہزار پونڈ پر طے ہوگیا۔ والد مرحوم اس ہیر

لئے اتنے بے تاب تھے کہ انہوں نے رقم پیشگی ہی دے دی۔ بعد کو کمبخت معاہدے سے پھر
یا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے ہیرا خود رکھ لیا بلکہ اسی ہزار پونڈ بھی واپس نہیں کئے۔ آپ جانتے
ں کہ یہ رقم تھوڑی نہیں تھی۔ خیر والد نے تو صبر کر ہی لیا تھا لیکن اس حرام زادے ڈیگال نے
ں بہکایا... کسی طرح اسے معلوم ہوگیا تھا کہ لوزاٹا انڈیا میں ہے... وہ انہیں یہاں لایا۔"

"لیکن آخر لوزاٹا یہاں کیوں جھک مارنے آیا تھا...؟" حمید نے کہا۔

"اوہ... تم نہیں سمجھے۔" فریدی بولا۔ "ہیروں کی چوری اس کا خاص پیشہ تھا اور تم یہ بھی
نتے ہو کہ یہاں عنقریب جواہرات کی بین الاقوامی نمائش ہونے والی ہے۔"

"وہ پورے افریقہ کے لئے مصیبت تھا۔" فوزیہ نے کہا۔ "ایک طاقتور قبیلے کا مذہبی پیشوا
نے کی بناء پر کوئی اس کی طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ حالانکہ اس کے سیاہ کارناموں سے
ی واقف تھے۔ کیا وہ ابھی زندہ ہے۔"

"نہیں آج صبح ہسپتال میں مرگیا۔ اس کے پھیپھڑے پھٹ گئے تھے۔"

"آپ ہی کا کام ہے۔" فوزیہ اُسے عجیب نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "آپ جیسا بے
ر آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

"اللہ آپکو یہ ہجڑی مبارک کرے۔" حمید نے اردو میں کہا اور اپنا داہنا گال سہلانے

ہوٹل سے واپسی پر حمید نے فریدی سے پوچھا۔ "آپ نے املیگاس والا واقعہ نہیں
"

"اوہ... وہ بھی دلچسپ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جب ہم سانپوں کو پکڑنے کی تدبیر
رہے تھے تو میں نے مالتی کی جھاڑیوں میں ایک سیاہ سا متحرک سایہ دیکھا اور یہ میں پہلے ہی
نتا تھا کہ ہمارا انجام دیکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہوگا۔ میں تمہیں وہیں چھوڑ کر مالتی
جھاڑیوں کی طرف رینگ گیا۔ وہاں املیگاس موجود تھا۔ میں نے اس پر جلد ہی قابو پالیا
ے لے کر میں کار کی طرف آیا تو تم غائب تھے۔ مجبوراً مجھے دوسرے سانپ کو مارنا ہی پڑا۔

ہملیگا س کو گھر لا کر میں نے اس کی خاصی مرمت کی تب کہیں اس نے لوزانا کی قیام گاہ
بتایا۔ پہلے میں سمجھا تھا کہ شاید تم مجھے تنگ کرنے کے لئے کھسک گئے ہو۔ سمجھ میں نہیں آ
بیلا تمہیں وہاں سے کیونکر لے گئی۔''

''کلوروفارم....!'' حمید بڑبڑایا۔ ''مگر ہائے.... میں اس لڑکی کے لئے رنجیدہ ہوں
میں نزاکت بھی ہے اور درندگی بھی.... کاش....!''

''اوہو.... اگر شادی کا ارادہ ہو تو اسے سرکاری گواہ بنا کر بچالیا جائے گا۔''

''شادی....!'' حمید سر کھجاتا ہوا بولا۔ ''جہاں تک شادی کا سوال ہے مجھے اپنے با
شادی میں بھی شبہ ہے۔''

اس پر فریدی نے وہ شاندار جھاپڑ رسید کیا کہ نتیجے کے طور پر اُسے خود اپنے ہی ہا
مالش کرنی پڑی کیونکہ وہ جھاپڑ حمید کی گال کی بجائے دیوار پر پڑا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 40

پُراسرار وصیت

(مکمل ناول)

جونکوں کا سرپرست

''شام خوشگوار ہے اور پورچ کی محرابوں میں جھولتی ہوئی بیلیں......!''

سرجنٹ حمید اس کے آگے نہ سوچ سکا۔ وہ پورچ کی محرابوں میں جھولتی ہوئی بیلوں سلسلے میں کسی نادر تشبیہ کے لئے دیر سے سر مار رہا تھا۔ جب کوئی کام نہ ہو تو مینڈک کا ذہ شاعری کرنے لگتا ہے۔ پھر حمید تو کافی ذہین تھا اور عرصے سے اُسے کوئی خوبصورت لڑکی نظ آئی تھی۔ حسن پرستوں کی عام نفسیات یہ ہے کہ وہ کالی کلوٹی لڑکیوں سے شروعات کرتے اور پھر آہستہ آہستہ مشکل پسند ہوتے جاتے ہیں۔ یعنی پھر مشکل ہی سے کوئی چہرہ ان کے پر پورا اترتا ہے......اور پھر ایک خطرناک دور کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ دریچوں میں جھولتی بیلوں میں حسن تلاش کرنے لگتے ہیں پھر کتوں کی طرح بھونکنے میں ایک ہی آدھ ڈگری کا رہ جاتا ہے۔

سرجنٹ حمید نے بڑی اداسی سے جھولتی ہوئی بیلوں پر الوداعی نظر ڈالی اور ایک انگڑائی لے کر کھڑا ہو گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت اسے کہاں جانا چاہئے۔ فریدی بھی گھر پر موجود نہیں چند لمحے خاموش کھڑا رہا تھا پھر گیراج کی طرف بڑھا۔

دفعتاً ایک چھوٹی سی ٹو سیٹر کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور اسٹیئرنگ کے پیچھے بیٹھی ہوئی ی پر نظر پڑتے ہی حمید کی عاقبت روشن ہوگئی۔ لڑکی بڑی خوبصورت اور اسمارٹ معلوم ہوتی ی۔ کار روک کر وہ نیچے اتری۔ وہ سفید سلک کی قمیض اور ہلکے سبز رنگ کی پتلون میں ملبوس ی۔ سنہرے رنگ اور گھونگھریالے بال پشت پر لہریں لے رہے تھے۔ کانوں میں پڑے ہوئے ۔نے کے رنگ گالوں کے سلگتے ہوئے ابھاروں کو ہولے ہولے چھو رہے تھے۔ حمید جہاں تھا ہیں رک گیا۔ لڑکی تیزی سے اس کی طرف آئی۔

''انسپکٹر فریدی......!'' وہ حمید کو نیچے سے اوپر تک گھورتی ہوئی بولی۔

حمید نے بوکھلاہٹ میں سر ہلا دیا۔

''میں آپ سے صاف صاف گفتگو کرنے آئی ہوں......سمجھے۔'' اُس نے سخت لہجے میں کہا۔

''کہئے......!'' حمید نے بڑی سادگی سے کہا۔

''میں......لیکن نہیں۔'' وہ اس طرح بولی جیسے بلند آواز میں سوچ رہی ہو۔ پھر اس نے بڑی بڑی پلکیں اوپر اٹھائیں اب اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔ اس نے پھر سر جھکا لیا اور سینڈل کی نوک سے زمین کریدنے لگی۔

''نہیں......میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔'' وہ یک بیک اپنی کار کی طرف مڑی۔

حمید متحیرانہ انداز میں گردن جھٹک کر اسے گھورنے لگا۔ وہ کار کے قریب پہنچ کر پھر پلٹی۔ ل گھما کر دروازہ کھولا۔ ایک پیر اندر تھا اور دوسرا باہر......

''یہ سازش ہے۔ کھلی ہوئی سازش......!'' وہ حمید کو گھونسہ دکھا کر بولی اور سیٹ پر دھم سے ۔کر دروازہ اتنے زور سے بند کیا کہ ساری کمپاؤنڈ میں اس کی آواز پھیل گئی۔ پھر وہ کار ارٹ کرنے ہی جا رہی تھی کہ حمید اس کی طرف لپکا۔

''سنئے تو سہی......بات کیا ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' وہ چیخ کر بولی۔ ''مجھے ذرہ برابر پرواہ نہ کرنی چاہئے لیکن تمہیں ندگی بھر سکون نہیں نصیب ہوگا۔''

اس نے کار اسٹارٹ کی...... اور حمید کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا۔ جب کار پھاٹک سے
وہ چونکا۔ دوسرے لمحے میں وہ تیزی سے گیراج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس نے کار نکالی...... لیکن وہ سرخ رنگ کی ٹوسیٹر سڑک پر نظر نہیں آئی۔ مختلف
بڑی دیر تک اسے تلاش کرتا رہا۔ وہ چاہتا تو چوراہوں کے ٹریفک کانسٹیبلوں سے اس
پوچھ سکتا تھا مگر چونکہ اسے ایک لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی اس لئے حمید نے مناسب نہ سمجھا۔

وہ عجیب قسم کی الجھن محسوس کر رہا تھا۔ آخر وہ کون تھی؟ اُس نے گفتگو اس انداز
تھی جیسے فریدی سے اس کا براہِ راست کوئی تعلق ہو لیکن وہ فریدی کو پہچانتی بھی نہ تھی۔

وہ کافی دیر تک خیالات میں الجھا ہوا ایک سڑک سے دوسری سڑک پر کار دوڑاتا ر
بڑی خوبصورت تھی اور اس میں وہ بات ضرور تھی جس سے حمید کے ذہن کے کسی گوشے
عجیب سا احساس کلبلانے لگتا تھا۔ وہ خود بھی آج تک اس کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکا
تھی کوئی چیز جس کا تجزیہ عام نہیں تھا۔ شاذ و نادر ہی کوئی لڑکی ذہن کے اس ڈھکے چھ
میں ہلچل مچانے میں کامیاب ہوتی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کے ذہن پر ایک عجیب سی ادا
ہوگئی۔ اداسی جس میں اکتاہٹ کی بجائے ایک ہلکی سی لذت تھی۔

وہ گھر واپس آ گیا۔

اندھیرا پھیل گیا تھا۔ کار گیراج میں کھڑی کر کے حمید بڑی دیر تک لان پر کھڑا ر
کی رانی کی مہک ملگجے اندھیرے سے ہم آہنگ ہو کر اسے اپنی روح کی گہرائیوں م
محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ آہستہ برآمدے سے کی
بڑھا۔

فریدی کی آواز ڈرائنگ روم میں سنائی دی۔ وہ تنہا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔ اس کے داخل ہوتے ہی دوسرا آدمی خاموش ہ

''کوئی بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''یہ میرے ساتھی ہیں۔''

اور پھر اس نے سر کی جنبش سے حمید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کچھ لمحے خاموشی سے گذرے۔ اس کے بعد فریدی نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے بھاری
کم آدمی سے کہا۔

''اگر یہ مذاق نہیں تو مجھے ان کے صحیح الدماغ ہونے میں شبہ ہے۔''

''پہلے مجھے بھی شبہ ہوا تھا۔'' اجنبی نے کہا۔ ''لیکن...... میں ان کے صحیح الدماغ ہونے کی
د بھی پیش کر سکتا ہوں...... اور یہ عجیب بات ہے۔ خود انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس
لیے میں اپنا اطمینان کر لوں۔''

اس نے چمڑے کے بیگ سے ایک بڑا سا لفافہ نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی نے لفافے سے ایک کاغذ نکالا اور تھوڑی دیر تک اس پر نظریں جمائے رہنے کے
د بولا۔

''اسے میں غلط نہیں کہہ سکتا۔'' اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

''لیکن...... ٹھہریئے۔''

''میں خود بھی الجھن میں ہوں۔'' اجنبی نے کہا۔ ''ان کے اعزہ......!''

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں وہی پرانی پراسرار چمک تھی جو اکثر
ت و خون کی پیش خیمہ بن جایا کرتی تھی۔

''کیس دلچسپ ہے۔'' فریدی نے اجنبی کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی کہا۔

''اچھا میں دیکھوں گا۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' اجنبی بولا۔

''آپ میرے پیشے سے واقف نہیں۔'' فریدی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''کیا
پ کو یہ سب کچھ حیرت انگیز نہیں معلوم ہوتا۔ میڈیکل بورڈ کی رپورٹ میرے سامنے ہے اور
ں ایسے لوگوں کے نام دیکھ رہا ہوں جو غیر ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔''

''بہرحال......!'' اجنبی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کیا
روں...... یہ سب کتنا مضحکہ خیز ہے۔ میں نے ان کی موجودگی ہی میں ہر پہلو پر غور کرنے کی

کوشش کی تھی اور میں نے کئی بار چاہا تھا کہ آپ سے اس سلسلے میں ملوں...... لیکن
پابندی...... جو مجھ پر عائد کی گئی ہے مجھے روکتی رہی۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "اچھا جناب...... میں تیار ہوں لیکن آپ
متعلق کسی سے گفتگو نہیں کریں گے۔ خصوصاً اخباری رپورٹروں سے۔"

"میں خیال رکھوں گا۔" اجنبی نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب اجازت د

وہ فریدی اور حمید سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

حمید فریدی کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا کیونکہ اس کے ہونٹوں پر شرار
مسکراہٹ تھی۔

"کوئی نئی مصیبت......!" حمید نے پوچھا۔

"ایک دلچسپ کیس حمید صاحب۔" فریدی سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے بو

حمید کی سانس رک گئی۔ موسم بہار میں کسی کیس کی اطلاع اس کے لئے ایسی ہ
کسی شاعر کے ہاتھ میں ارتھمیٹک کا پرچہ پکڑا دیا جائے۔

"مرنے سے پہلے تم کس قسم کی وصیت کرنا پسند کرو گے۔" فریدی نے حمید کو
میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا یہ کوئی ایسا ہی کیس ہے۔" حمید نے بھی سنجیدگی ہی اختیار کر لی۔

"کیا تم یہ وصیت کرو گے کہ تمہاری دولت چند جونکوں پر صرف کر دی جائے۔"

"مذاق کچھ اچھا نہیں۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بلکہ یہ مذاق ہی نہیں۔"

"مذاق نہیں! میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔" فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔
ایک متمول آدمی نے یہ وصیت کی ہے کہ اس کی دولت چند جونکوں پر صرف کی جائے۔"

"اوہ......!" حمید فریدی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "تو یہ ابھی اسی وصیت کے مت
ہو رہی تھی۔"

"ہاں...... کیا تم اسے نہیں جانتے۔"

"نہیں...... لیکن کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ اُسے کہیں دیکھا ضرور ہے۔"

"اوہو...... تم اسے نہیں جانتے۔ یہاں کا مشہور وکیل جعفری ہے اور وصیت کرنے والے
قانونی مشیر بھی۔"

"لیکن وصیت کس نے کی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کس احمق نے۔"

"سرمخدوم سے واقف ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"سرمخدوم...... اوہ...... وہی تو نہیں جو چند روز پہلے جل کر مرا تھا۔"

"ٹھیک سمجھے...... وہی......!" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"تب تو معاملہ صاف ہے۔ اس نے خود ہی اپنے مکان میں آگ لگائی ہوگی۔"

"کیوں......؟"

"کیوں کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔" حمید نے کہا۔ "اس قسم کی وصیت کی موجودگی میں یہ
ئلہ بالکل ہی صاف ہو جاتا ہے۔ ایک بچہ بھی یہی کہے گا کہ اس کا دماغ خراب تھا۔"

"بچہ سو فیصدی یہی کہہ رہا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن فرزند ابھی میں شہر کے
ربرآوردہ ڈاکٹروں کا سرٹیفکیٹ دیکھ رہا تھا جس میں سب نے بیک قلم یہ رائے ظاہر کی ہے کہ
مخدوم قطعی صحیح الدماغ ہیں۔"

"ڈاکٹروں کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اوہ تم تو اب واقعی بچوں ہی کی سی باتیں کرنے لگے ہو۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔
اگر تمہارے پاس کوئی آدمی اس قسم کی وصیت محفوظ کرانے کے لئے آئے تو کیا تم اسے صحیح
دماغ سمجھو گے۔"

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک یہی واقعہ جعفری کے ساتھ پیش آیا۔ جب سر مخدوم نے اس سے اس قسم کی
ئیت کا تذکرہ کیا تو اسے اس کی ذہنی حالت مشتبہ معلوم ہوئی لیکن خود سر مخدوم ہی نے یہ
شواری بھی رفع کر دی۔ قبل اسکے کہ جعفری کچھ کہتا سرمخدوم نے اپنے ڈاکٹری معائنے کی تجویز

پیش کردی۔ تاکہ بعد کو اسکی ذہنی حالت پر شبہ کر کے وصیت غیر قانونی نہ قرار دے دی جا

''تب تو میں اسے پاگل نہیں کہتا...... کیا اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔''

''کیوں نہیں...... پورا خاندان تھا...... جو اسی کے ٹکڑوں پر اب بھی پل رہا ہے البتہ اولاد نہیں تھی...... بھائی بھتیجے کئی عدد ہیں۔''

''واقعی کیس دلچسپ ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''پورے واقعات سننے کے بعد تمہاری دلچسپی اور زیادہ بڑھ جائے گی۔'' فریدی کر کہا۔

''غالباً پورے واقعات آپ اسی ہفتے کے اندر ہی اندر سنا دیں گے۔''

''ابھی......!'' فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ ''اور اسی سرمخدوم وصیت نامہ مرتب کرنے کے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد جل کر مر گئے۔ اُن کی ہدایہ کہ اس وصیت کے متعلق ان کی موت کے بعد ہی کچھ بتایا جائے۔''

''ہمپ......!'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''معاملہ پیچیدہ ہے۔''

''اب اس لطیفے کا دوسرا ٹکڑا سنو...... وصیت کے مطابق جونکوں کی خبر گیری کے ل ایک آدمی ہونا چاہئے۔ یعنی ان جونکوں کا سرپرست۔ یا دوسرے لفظوں میں ایک ایسا آد حقیقتاً سرمخدوم کی دولت کا مالک ہو۔''

''قطعی......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''آپ بیان جاری رکھئے۔ مجھے کافی مزہ آ رہا ہے''

''ابھی اور آئے گا۔'' فریدی ہنس پڑا۔

''مگر یہ تو کوئی لطیفہ نہ ہوا۔'' حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

''اور ان جونکوں کا سرپرست کسے بنایا گیا؟'' فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا

''کیا تم سننا پسند کرو گے۔''

''سنایئے صاحب۔'' حمید نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''تو سنو! اُن جونکوں کا سرپرست...... یہ ناچیز...... یعنی احمد کمال فریدی ہے۔''

''کیا......؟'' حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''ہاں...... یہ وصیت نامہ کے الفاظ ہیں۔ پندرہ جونکیں پالی جائیں اور دولت کا حسب اُن رف کر دیا جائے۔ جائیداد کا منتظم احمد کمال فریدی...... انسپکٹر آف سنٹرل سی آئی ڈی ہوگا اور انتظامی اُمور کے سلسلے میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوگا۔ یعنی مختار کل سیاہ کرے یا سفید۔''

''کیا سرمخدوم آپ کے کوئی عزیز تھے۔'' حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

''قطعی نہیں...... شاید ایک یا دو بار ملاقات ہوئی تھی۔ وہ محض رسمی طور پر۔''

''ابھی آپ نے سرمخدوم کے دوسرے اعزہ کا تذکرہ کیا تھا۔''

''ہاں وہ کئی ہیں اور ان کے متعلق بھی وصیت میں کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن وہ صرف میری ی پر منحصر ہے اگر میں چاہوں گا تو انہیں وہ رقم جو سرمخدوم کی زندگی میں ملتی تھی ملتی رہے گی نہیں۔''

''ذرا ٹھہریئے......!'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''ان لوگوں میں کوئی لڑکی بھی ہے۔''

''ہاں شاید تین لڑکیاں۔'' فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''تب وہ انہیں میں سے ایک رہی ہوگی۔'' حمید بڑبڑایا۔

''کون......!''

حمید نے فریدی کو اس لڑکی کے متعلق بتایا جو سرخ رنگ کی ٹوسیٹر پر آئی تھی۔

''ہوں......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ انہیں میں سے ہو۔ ظاہر ہے وہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں۔''

''لیکن آخر یہ ہوا کس طرح۔ اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔''

''مطلب...... صاف ظاہر ہے کہ کوئی غیر معمولی حادثہ...... سرمخدوم کی موت اتفاقیہ نہیں ہوسکتی۔''

''کمال کرتے ہیں آپ بھی۔'' حمید نے کہا۔ ''شاید ہمارا محکمہ بھی اس بات پر متفق ہے وہ اتفاقیہ ہی حادثہ تھا۔''

''اس وصیت سے دو چار ہونے سے قبل میرا بھی یہی خیال تھا مگر اب تم خود سوچو۔''

"میں سوچ رہا ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر اس میں ایک دشواری ہے۔ اِ
وصیت مرتب کرنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ سرمخدوم کو خدشہ تھا کہ اس طرح کا کوئی حاد
پیش آئے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"لیکن پھر......! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرمخدوم نے پولیس کی مدد حاصل کر
بجائے وصیت کیوں مرتب کی۔"

"کیا میرا تعلق پولیس سے نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بہت خوب! اب وہ مرجانے کے بعد آپ سے مدد لے رہا ہے۔ مگر نہیں......
ہے کہ مرنے کے بعد اس کا دماغ بالکل ہی خراب ہوگیا ہو۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "وصیت کی رو سے مجھے اب سرمخدوم
میں ہی قیام کرنا پڑے گا۔ جائیداد کے منتظم کے لئے ضروری ہے۔"

وہ لوگ

سرمخدوم کی کوٹھی شہر کے ایک ایسے حصے میں واقع تھی جہاں گھنی آبادی نہیں تھی۔
قریب و جوار میں صرف چند کوٹھیاں اور تھیں اس کے باوجود بھی اس حصے کا شمار ش
آبادی میں ہوتا تھا اور مونسپل کارپوریشن کے اجلاسوں میں خاص طور سے اس کا نام لیا جا
صرف پانچ یا چھ کوٹھیوں کے لئے میونسپل کارپوریشن کے کلرکوں کو کافی مغز ماری کرنی پڑتی
سرمخدوم کی کوٹھی ان میں سب سے زیادہ شاندار تھی اور اس کے گرد تقریباً چار فرلانگ
چوڑی چہار دیواری تھی جس میں پائیں باغ اور عقبی پارک سبھی کچھ تھے۔ شمالی مغربی گو
گیراج تھا جس میں کئی کاریں کھڑی رہتی تھیں۔ ایک اصطبل بھی تھا جس میں ریس کے گھ

رکھے جاتے تھے۔ اصطبل سے ہی متصل نوکروں کی رہائش کے کوارٹر تھے۔ جنوبی مشرقی کونے پر وہ چھوٹی سی عمارت تھی جو کبھی آؤٹ ہاؤز کے نام سے یاد کی جاتی رہی ہوگی۔ مگر اب تو وہ جلی ہوئی سیاہ اینٹوں اور آدھ جلے دروازوں کا ڈھیر تھا۔ سرمخدوم اسی عمارت میں جل کر مرے تھے۔ وہ وہاں تنہا ہی تھے۔ آگ لگی۔ لیکن انہیں باہر نکلنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس سلسلے میں کئی طرح کی روایتیں مشہور تھیں۔ لیکن اخبارات میں صرف اتنا ہی آیا تھا۔

سرمخدوم عادات و اطوار سے عجیب تھے۔ اس لئے ان کے اس طرح جل مرنے پر کم از کم ان کے حلقے کے لوگوں کی طرف سے اظہار حیرت نہیں کیا گیا۔ وہ بہت زیادہ موڈی آدمی تھے......اور اسی حد تک جذباتی بھی۔ ان کے شناساؤں کا عام طور پر یہ خیال تھا کہ شاید انہوں نے آؤٹ ہاؤز میں آتش بازی سے شوق کیا ہو اور اس طرح آگ لگ گئی ہو۔ سرمخدوم کو آتش بازی سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ شب برات کے زمانے میں وہ اپنے ہاتھوں سے مختلف قسم کی آتش بازیاں بناتے تھے۔ بات یہ تھی کہ سرمخدوم خاندانی رئیس نہ تھے۔ انہوں نے خود اپنے قوت بازو سے یہ پوزیشن حاصل کی تھی۔ کسی زمانے میں وہ عام آدمیوں کی طرح سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر مسالے کی چاٹ بھی کھایا کرتے تھے لہٰذا دولت مند اور خطاب یافتہ ہوجانے کے بعد بھی ان میں یہ عام آدمی......تھوڑا بہت باقی رہ گیا تھا اور اسی بناء پر وہ اپنے طبقے میں عادات و اطوار کے لحاظ سے عجیب سمجھے جانے لگے تھے۔ بہرحال وہ خطاب یافتہ ہوجانے کے بعد سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر بارہ مسالہ کی چاٹ تو نہیں کھاتے تھے مگر شب برات کا چاند دیکھ کر شاید شہر میں سب سے پہلے ہوائی وہی داغتے تھے۔ اس کے بعد شب برات تک کے لئے آؤٹ ہاؤز اچھا خاصا بارود خانہ بن کر رہ جاتا تھا۔ وہ شب و روز وہیں رہ کر مختلف قسم کی آتش بازیاں بنایا کرتے تھے۔ غالباً اسی لئے ان کے بعض حاسدوں نے یہ افواہ اڑا دی تھی کہ ان کے باپ دادا آتش باز تھے۔

جب ایک رات آؤٹ ہاؤز میں آگ لگی تو لوگ اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچ سکے کہ آتش بازی کا شوق رنگ لایا۔

سرمخدوم کا کنبہ کافی تھا۔ خود انہوں نے تو سرے سے شادی ہی نہیں کی تھی لیکن بھائی کئی عدد تھے اور پورا کنبہ کم وبیش بارہ نفوس پر مشتمل تھا۔ ان میں چھوٹے بچے بھی شامل تھ

جس وقت فریدی کی کیڈیلاک کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی کنبے کے بیشتر افراد ناشتے سے فارغ ہو کر برآمدے میں آ بیٹھے تھے۔

فریدی کے ساتھ سولیسٹر جعفری بھی تھا اور سرجنٹ حمید اپنے داہنے ہاتھ میں ایک شی مرتبان اٹھائے ہوئے تھا جس میں پندرہ عدد جونکیں تھیں اور اس کا دل خوشی سے ناچ رہا کیونکہ برآمدے میں اسے وہ لڑکی بھی نظر آئی تھی جس کے متعلق اس نے صحیح اندازہ لگایا تھا مخدوم کے خاندان والوں نے انہیں تنفر آمیز نظروں سے دیکھا۔ معاملات کو سمجھنے کے لئ دو اجنبیوں کے ساتھ جعفری کی موجودگی ہی کافی تھی۔ اگر وہ بھی نہ ہوتا تو وہ جونکوں والا م ہی انہیں سب کچھ سمجھا دیتا۔

وہ برآمدے کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن سرمخدوم کے خاندان والوں میں سے کسی نے جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ فریدی پورچ میں رک کر بڑے بے تعلقانہ انداز میں ادھر اُدھر رہا پھر بولا۔ "یہ عمارت تبدیلی کے لئے خاصی خوشگوار ثابت ہوگی مجھے پسند آئی۔"

فریدی نے یہ جملہ اتنی اونچی آواز میں کہا تھا کہ برآمدے میں بیٹھے ہوئے لوگ بہ آ سن سکیں۔ حمید نے دیکھا کہ وہی لڑکی جھپٹ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور برآمدہ طے کر کے فریدی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کے ہونٹ پھڑک رہے تھے سانس پھول رہی تھی او کی لویں سرخ ہو گئی تھیں۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ پھاٹک کی طرف ہاتھ تان کر حلق کے بل چیخی۔

فریدی بڑی سنجیدہ اور ترحم آمیز نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بھی تیز قدموں سے چلتا ہوا پورچ میں آ گیا اور اس لڑکی کا بازو پکڑ کر کہا۔ "صوفیہ...... بدتمیزی ہے...... بداخلاقی ہے......" پھر وہ فریدی بولا۔ "معاف کیجئے گا...... یہ ابھی ناسمجھ ہے۔"

"اوہ...... کوئی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے محض مرحوم کی وصیت کا پاس ہے رنہ میں بہت مشغول آدمی ہوں اور مجھے سب سے زیادہ آرام اپنے گھر ہی پر ملتا ہے۔"

"تو پھر یہاں تمہیں تکلیف ہی تکلیف ہوگی۔" صوفیہ جلدی سے بولی۔ "ایک رات بھی ین سے نہ سو سکو گے۔"

"میں مرحوم کے لئے سب کچھ برداشت کر لوں گا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"صوفیہ اندر جاؤ۔" معمر آدمی نے لڑکی کو ڈانٹا اور وہ جھلاہٹ میں پیر پٹختی ہوئی اندر چلی ئی۔ حمید کو بڑا افسوس ہوا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ جونکوں والا مرتبان اس آدمی کے سر پر پٹخ ے۔ برآمدے میں دو لڑکیاں اور تھیں لیکن وہ صورت ہی سے احمق معلوم ہوتی تھیں۔ حمید کا یال تھا کہ غیر ذہین لڑکیاں Reshonsive نہیں ہوتیں۔ اس لئے وہ ان کی طرف دھیان بھی ہیں دیتا تھا، خواہ وہ کتنی ہی حسین کیوں نہ ہوں۔ اس کے برخلاف بعض کلوٹیاں محض اپنی ہانت کی بناء پر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھیں چاہے ان کے پیرٹ کتنے ہی بھدے کیوں نہ وں۔ وہ ذہانت کا پجاری تھا۔ ذہانت جو چہرے ہی سے ظاہر ہو جائے۔

"کیا آپ مجھے تھوڑا وقت دیں گے۔" معمر آدمی نے فریدی سے کہا۔

"ضرور...... بڑی خوشی سے۔" فریدی بولا۔

وہ انہیں ایک کمرے میں لایا۔ حمید نے جونکوں کا مرتبان میز پر رکھ دیا اور خود فریدی کے رابر بیٹھ گیا۔ جعفری کی نظریں معمر آدمی کے چہرے پر تھیں۔

"کیا آپ کو یہ سب کچھ مضحکہ خیز نہیں معلوم ہوتا۔" معمر آدمی نے فریدی سے کہا۔

"معلوم تو ہوتا ہے...... مگر مجبور ہوں۔ مرحوم کی وصیت...... میں انکی بہت عزت کرتا تھا۔"

"اور آپ کو یقین ہے کہ وہ کسی صحیح الدماغ آدمی کی وصیت ہے۔"

"ایک موڈی آدمی کی وصیت۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جو مرنے کے بعد بھی لوگوں کو حیرت میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے۔ کیا سرمخدوم اپنی زندگی میں تحیر پسند نہیں تھے۔"

"تھے...... مجھے اس سے انکار نہیں۔ لیکن آپ جیسا آدمی اس قسم کے چکر میں پڑ جائے۔"

٭ پیرون کی دلچسپ داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "سیاہ پوش لٹیرہ" جلد نمبر 10 ملاحظہ کیجئے۔

یہ البتہ میرے لئے تحیر انگیز ہے۔"

"ہے نا تحیر انگیز......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں یہی کہہ رہا تھا کہ سر مخدوم نے ہ
کو تحیر میں چھوڑا ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر معمر آدمی نے آہستہ سے کہا۔

"اگر اس وصیت نامے کی قانونی حیثیت کو عدالت میں چیلنج کیا گیا تو آپ کی کیا پوز
ہوگی۔"

"مجھے بڑی خوشی ہوگی اور آپ اس کے مصارف مجھ سے لے سکتے ہیں۔" فریدی
کہا۔ "مجھ پر تو ایک قسم کا فرض عائد ہو کر رہ گیا ہے جس کی تکمیل ضروری ہے۔"

"تو کیا آپ یہاں قیام کریں گے؟"

"یقیناً......!" فریدی بولا۔ "وصیت کے مطابق یہ ضروری ہے۔"

"جہنم میں گئی وصیت......" معمر آدمی نے کرسی کے ہتھے پر گھونسہ مار کر کہا۔ "میں
بکواس سمجھتا ہوں...... بھائی صاحب کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔"

"خوب......!" فریدی چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اور اس کے باوجود بھی آپ لو
نے انہیں مہمان خانہ میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ نہ صرف تنہا بلکہ آتشبازی کے ذخیرے کے ساتھ......

معمر آدمی خاموشی سے فریدی کو گھورنے لگا۔ پھر اس کی نظریں جونکوں کے مرتبا
طرف اٹھ گئیں جسے وہ کراہیت سے ہونٹ سکوڑے ہوئے دیکھتا رہا۔ اچانک وہ جعفر
طرف دیکھ کر بولا۔

"میں ساری چالیں سمجھتا ہوں...... اپنے بال دھوپ میں نہیں سفید کئے۔"

"چالیں......!" جعفری حیرت سے بولا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں...... میں نے سینکڑوں داستانیں پڑھی ہیں۔ وکیلوں
ہتھکنڈے۔ وہ کس طرح اپنے موکلوں کی طرف سے جعلی وصیتیں بناتے ہیں۔"

"غالباً آپ جاسوسی ناولوں کی باتیں کر رہے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن

وصیت جعلی نہیں۔ اس پر گواہوں کی حیثیت سے چند معززین نے اپنے دستخط کئے ہیں۔"

"سب کچھ ہو سکتا ہے...... کیا نہیں ہو سکتا۔" معمر آدمی سر ہلا کر بولا۔

"دیکھئے مسٹر ناصر......" جعفری نے جھلا کر کہا۔ "آپ مجھ پر نہ صرف اتہام لگا رہے
ہیں بلکہ میری توہین بھی کر رہے ہیں۔"

"یہ معاملہ عدالت میں ضرور جائے گا۔" معمر آدمی نے کہا، پھر فریدی سے بولا۔

"میں اس وصیت کے سلسلے میں عذر داری کروں گا...... اس لئے آپ اس عمارت میں
قیام نہیں کر سکتے۔"

قیام تو میں یہیں کروں گا۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "آپ نے پہلے ہی وصیت کے
خلاف درخواست دے کر امتناعی حکم کیوں نہیں لے لیا۔ اب تو جب تک سرکاری طور پر مجھے
یہاں سے ہٹنے پر مجبور نہ کیا جائے میں نہیں ہٹ سکتا۔ اس لئے میری ایک بات اور سن
لیجئے...... اگر آپ نے عدالتی کاروائی کر کے مجھے یہاں سے ہٹانے کی کوشش کی تو آپ سب
ایک بہت بڑی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔"

"کیا مطلب......!" معمر آدمی اُسے گھورنے لگا۔

"مطلب صاف ظاہر ہے...... ڈاکٹروں کا سرٹیفکیٹ میں پھاڑ دوں گا...... اس کے بعد
اس وصیت کو ایک پاگل آدمی کی وصیت ثابت کر دینے میں دیر نہیں لگے گی۔"

"یہ تو آپ اپنے ہی خلاف کریں گے۔" جعفری بوکھلا کر بولا۔

"سنتے جائیے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس کے بعد پولیس اس عمارت کے گرد شکاری
کتوں کی طرح منڈلانے لگے گی۔ آخر ایک پاگل آدمی کو آتش بازی کے ذخیرے کے ساتھ
مہمان خانے میں تنہا کیوں چھوڑا گیا۔ یقیناً ان کے اعزہ اس کی موت کے خواہاں تھے۔ کیوں؟
دولت کے لئے؟"

معمر آدمی کے چہرے کی سرخی غائب ہوگئی...... تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

”اس وقت تک قیام کرنا جب تک کہ یہ ساری جونکیں مرنہ جائیں۔“ فریدی نے انہ سنجیدگی سے کہا۔

”آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔“ معمر آدمی بگڑ گیا۔

”سنئے تو سہی...... آپ سمجھے نہیں۔ وصیت میں یہی ہے نا کہ دولت کا حبہ حبہ ان جونکوں پر صرف کردیا جائے لیکن ان کے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں وہ کچھ نہیں کہتی۔ غالباً جونکوں کے بعد آپ ہی لوگ جائیداد کے وارث ہوں گے اور جونکو سرپرست یعنی یہ خاکسار اپنے اعزازی عہدے سے سبکدوش ہوجائے گا۔“

”شاید آپ کے دماغ میں بھی خلل ہے۔“ معمر آدمی نے کہا۔

”چلئے یہی سہی......!“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”میں سرمخدوم کی وصیت کا احترام کروں گا...... خواہ وہ پاگل پن ہو یا اس سے بھی بری کوئی چیز......!“

”لیکن آپ ان گندے کیڑوں کو یہاں نہیں رکھ سکیں گے۔“ وہ جونکوں کے مرتبا طرف اشارہ کرکے جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

”دیکھئے جناب!“ حمید نے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔ ”آپ ان معزز جونکو توہین نہیں کرسکتے۔ ان میں سے ایک تو یقیناً لیڈی کہلانے کی مستحق ہوگی۔ ایک نائٹ کی ہونے کی بناء پر۔“

معمر آدمی دانت پیس کر رہ گیا۔

”آپ کو ہماری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“ فریدی نے بڑے نرم لہجے میں کہ

”میں سب سمجھتا ہوں......!“ معمر آدمی سر ہلا کر بولا۔ ”آپ کو شبہ ہے آپ کچ کہ ہم میں سے ہی کسی نے مہمان خانے میں آگ لگائی تھی۔“

”اگر آپ سرمخدوم کو پاگل تصور کرتے ہیں تو یقیناً مجھے یہی سوچنا چاہیے۔“

”نہیں وہ پاگل نہیں تھے۔“ معمر آدمی نے جھلا کر کہا۔

”تب پھر یہ وصیت سوفیصدی جائز ہے۔“

”قانون اسے ناجائز قرار دے گا۔“ وہ کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

”اوہو! مجھے اس کی فکر نہیں جب تک قانون فیصلہ کرے گا مجھے یہیں رہنا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلے ہی جونکیں مرجائیں۔ پھر سب کچھ آپ ہی کا ہے۔“

”یہ ابھی مرجائیں گی۔“ دروازے کے قریب سے ایک غصیلی آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑے۔ صوفیہ اپنے ہاتھ میں ایک وزنی سا ہتھوڑا لئے کھڑی تھی۔

”ناممکن...... ناممکن......“ حمید نے جھپٹ کر مرتبان میز سے اٹھالیا۔ ”انہیں زندہ رہنا ہے...... یہ غیرفانی معزز جونکیں...... ان میں یقیناً ایک لیڈی ہے۔“

”صوفیہ......!“ معمر آدمی کی تیز آواز کمرے میں گونجی۔

”آپ نہیں سمجھتے۔“ صوفیہ نے کہا۔ ”یہ لوگ ہمیں پریشان کرنا چاہتے ہیں۔“

”میں سمجھتا ہوں...... تم اندر جاؤ۔“

”خیر پھر سہی“ صوفیہ حمید کو گھورتی ہوئی چلی گئی...... اس بار پھر حمید کو اس آدمی پر تاؤ آیا۔

”یہ سب بچے بہت شیطان ہیں۔“ معمر آدمی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”مجھے شریر بچے پسند ہیں۔“ فریدی کی جوابی مسکراہٹ اس سے بھی زیادہ معنی خیز تھی۔

فریدی اور حمید سچ مچ یہاں قیام کرنے کے لئے آئے تھے لہٰذا انہیں دنیا کی کوئی طاقت ا سے نہیں روک سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے قیام کے لئے وہی کمرے منتخب کئے جن کا تعلق ف سرمخدوم سے تھا۔ گھر والوں نے نہ انہیں دوپہر کے کھانے کے لئے پوچھا اور نہ شام کی ئے کے لئے۔ نوکر بھی کافی چھٹے چھٹے نظر آرہے تھے۔ حکم ماننا تو الگ رہا وہ ان کا نوٹس ہی ں لیتے تھے۔ مجبوراً فریدی کو اپنے دو نوکر بلوانے پڑے۔ یہ رنگ دیکھ کر حمید بور ہونے لگا لے وہ سمجھا تھا کہ شاید سرمخدوم کے خاندان والے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

”اے جونکوں کے مربی۔“ اس نے فریدی سے کہا۔ ”میں خود کو اچھوت محسوس کرنے لگا ں اگر اجازت ہو تو میں دل بہلانے کے لئے برخوردار بغرا خاں کو یہاں لاؤں۔“

”نہیں بہت زیادہ مضحکہ خیز بننے کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں تمہیں گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔“

"میں انتہائی درجہ شکر گذار ہوں گا۔"

"تم غلط سمجھے! تمہیں چھٹی نہیں دے رہا ہوں۔ تجربہ گاہ سے ایم سی فورٹین کی بوتل اور گوشت کے دو تین ٹکڑے بھی۔ ورنہ ہم رات کو باہر نہیں نکل سکیں گے۔"

"کیوں......؟"

"ان کے رکھوالی کرنے والے کتے کٹکھنے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ رات کو کمپاؤنڈ چھوڑے گئے تو باہر نکلنا دشوار ہوگا۔"

"باہر نکلنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"بکومت...... کیا تم سمجھتے ہو کہ میں سچ مچ یہاں جونکوں کی پرورش کرنے آیا ہوں۔"

"مگر...... وہ لڑکی...... صوفیہ۔" حمید گردن کھجاتا ہوا بڑبڑایا۔

"وہ ہمیں پریشان کرسکتی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر میں تمہاری صلاحیتوں طرف سے کبھی مایوس نہیں ہوسکتا۔"

"کلیجہ گز بھر کا ہوگیا۔" حمید نے خود ہی اپنی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"اچھا بس...... اب جلدی سے جاؤ۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی ہمیں تیاریاں مکمل کر لینی ہیں۔"

حمید چند لمحے فریدی کو عجیب نظروں سے دیکھتا رہا پھر باہر چلا گیا۔

اندھیرے میں کون؟

کمپاؤنڈ میں گہری تاریکی مسلط تھی۔ فریدی اور حمید دروازہ کھول کر دبے پاؤں باہر چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ کتوں کا انتظام وہ پہلے ہی کر چکے تھے اور شاید وہ کمپاؤنڈ کہیں بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ فریدی کا خیال تھا کہ صبح سے قبل اگر وہ ہوش میں آ بھی

اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں گے۔ ان میں بھونکنے کی بھی سکت نہ ہوگی۔ شاید صرف اونگھ اونگھ کر اتے رہیں گے۔ گھر والوں کو ان رکھوالی کرنے والے السیشن کتوں پر اتنا بھروسہ تھا کہ انہوں نے چوکیدار بھی نہیں رکھے تھے۔ چہار دیواری کے پھاٹک پر صرف ایک آدمی رہتا تھا لیکن ارت سے پھاٹک کا فاصلہ دو فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا اس لئے انہیں اس کی چنداں رنہیں تھی۔

وہ دبے پاؤں مگر تیزی سے چلتے ہوئے مہمان خانے کے ملبے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یب پہنچ کر فریدی رک گیا۔ اس نے مڑ کر عمارت پر نظر ڈالی۔ جو بدستور تاریکی میں نہائی ہوئی ڑی تھی۔ پھر اس نے جیب سے ٹارچ نکالی اور ملبے کے ایک ڈھیر پر جھک پڑا۔ ٹارچ کی ئی کی ایک باریک سی لکیر آہستہ آہستہ اِدھر اُدھر رینگ رہی تھی۔

حمید چپ چاپ فریدی کے ساتھ ادھر سے ادھر حرکت کر رہا تھا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ یدی نے یہ سب کیوں کیا ہے اور نہ ہی اس نے پوچھنے کی زحمت گوارا کی تھی۔

قریب قریب آدھے گھنٹے تک فریدی ان ڈھیروں کو کریدتا رہا۔ پھر اس نے حمید کی مدد ے ایک دبے ہوئے ادھ جلے دروازے کو ڈھیر سے نکالا۔ چند لمحے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر رچ کی روشنی بند کر کے سیدھا کھڑا ہوگیا۔

"یہ کون ہے۔" اچانک اس نے آہستہ سے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

"کدھر......؟" حمید نے چونک کر پوچھا۔

فریدی نے ایک طرف اندھیرے میں اشارہ کیا اور پھر حمید وہاں تنہا رہ گیا...... فریدی کی طرف اندھیرے میں رینگ گیا تھا۔

دفعتاً حمید کے داہنے شانے سے کوئی چیز زور سے ٹکرائی۔ ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ داہنے ال پر آنچ سی محسوس ہوئی اور حمید لڑکھڑا گیا۔ پھر اس کی پیٹھ پر بھی ویسا ہی ایک دھماکہ ہوا اور واوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔

"گولی لگی......!" اس کے ذہن نے تیزی سے دہرایا اور پھر اس کا سر گھومنے لگا۔

پسلی میں گولی...... پھیپھڑے میں گھس گئی ہوگی...... پھر موت......اس کا دم گھ
لیکن پھر اس نے محسوس کیا کہ تکلیف کا احساس نہ تو شانے میں ہے اور نہ پسلی ہی میں۔
اس نے زمین پر پڑے پڑے اپنے شانے پر ہاتھ پھیرا...... پسلی ٹٹولی...... کہیں کچھ بھی
نہ تو گرم گرم خون کی نمی اور نہ کوئی سوراخ...... وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر ایک تیسرا دھا
اُسے اپنے پیروں کے پاس چمک دکھائی دی۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"لاحول ولاقوۃ...... پٹاخے......!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

پھر قریب ہی اسے اس قسم کی آوازیں سنائی دیں جیسے دو آدمی ایک دوسرے
پڑے ہوں۔

"حمید تم زندہ ہو یا مر گئے۔" اس نے فریدی کا ہلکا سا قہقہہ سنا۔ حمید آواز کی طرف
فریدی کسی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھا۔

"یہ شریر لڑکی......!" فریدی ہنستا ہوا بولا۔

"چھوڑو مجھے۔" حمید نے ایک نسوانی آواز سنی جو صوفیہ کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سک
پھر وہ بے بسی سے ہنسنے لگی۔

"تمہیں شاید سر مخدوم کے قاتل سے ہمدردی ہے۔" فریدی بولا۔

"میں نہیں جانتی! تم لوگ یہی سمجھتے ہو کہ چچا جان کو ہم لوگوں نے مار ڈالا ہے اس
لئے یہاں آئے ہو...... مگر یہ بکواس ہے...... ہم سب انہیں بے حد چاہتے تھے۔"

"تم صرف اپنے متعلق اتنے وثوق سے کہہ سکتی ہو۔" فریدی بولا۔

"میں سب کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ ان میں پلی بڑھی ہوں۔ کوئی اتنا کمینہ نہیں"

"میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ خاندان ہی کا کوئی فرد ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پھر اس طرح چوری چھپے تحقیقات کا کیا مطلب......!" صوفیہ بال کی کھال نکا
تل گئی تھی۔

"محض اس لئے کہ میں سرکاری طور پر کام نہیں کر رہا۔" فریدی نے کہا۔ "پولیس

کرا دیا گیا ہے کہ یہ ایک اتفاقیہ حادثہ ہے۔ ممکن ہے سر مخدوم نے کسی نئی قسم کی آتشبازی کا
یہ کیا ہو اور بارود کے ذخیرے تک اس کی چنگاریاں پہنچ گئی ہوں۔"

"اور یہ قطعی درست نظریہ ہے۔" صوفیہ اپنی پتلون کی جیبیں ٹٹولتی ہوئی بولی۔ "اس کے
وہ اور کچھ نہیں ہوا......!"

"یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو۔"

"اس طرح......!" صوفیہ نے جیب سے کوئی چیز نکال کر حمید کے پیر کے پاس پٹخ دی۔
کہ ہوا اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ صوفیہ ہنسنے لگی۔

"شرارت بند کرو...... جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے کیا پوچھا تھا۔"

"تمہارا شبہ کسی پر ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کسی پر بھی نہیں۔"

"میں گھر والوں کے متعلق نہیں پوچھ رہا ہوں۔"

"تو کوئی باہری بھی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ ہمارے کتے بہت
رناک ہیں۔"

"اس وقت وہ کہاں ہیں۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اوہ......!" صوفیہ چونک پڑی۔ "کہاں ہیں...... واقعی وہ کہاں ہیں؟" اس نے خود
سوال کیا۔ پھر جلدی سے بولی۔ "کیا تم نے انہیں مار ڈالا۔"

"قطعی نہیں...... لیکن وہ صبح تک گہری نیند سوتے رہیں گے۔"

"بیہوش کر دیا......!" صوفیہ اچھل کر بولی۔

"ہاں...... اور اسی طرح کوئی دوسرا بھی کمپاؤنڈ میں داخل ہو سکتا ہے۔"

صوفیہ سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔ "تم صاف صاف کیوں نہیں
ہتے کہ تمہیں خاندان ہی کے کسی آدمی پر شبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی باہری یہ حرکت کیوں کرنے لگا۔"

"تم کافی سمجھ دار ہو...... ہاں میں یہی سمجھتا ہوں۔"

"تو پھر...... وہ تو میں بھی ہو سکتی ہوں۔ کیونکہ چچا جان مجھے سب سے زیادہ تھے......اور اکثر کہا کرتے تھے کہ جائیداد کا سب سے بڑا حصہ مجھے ہی دیں گے۔"

"تم......!" فریدی انتہائی سنجیدگی سے بولا۔ "ہرگز نہیں......تم سر مخدوم کی قاتل ہوسکتیں۔ اگر تم کسی کو قتل کر سکتی تو پھر فرشتوں پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیوں......کوئی پیشانی پر تو کچھ لکھا نہیں ہے۔"

"تمہاری پیشانی پر لکھا ہے......صرف ایک لفظ......وفادار......تم سر مخدوم کیلئے اپنی بھی دے سکتی تھیں اور میں نے یہ لفظ پورے خاندان میں صرف تمہاری ہی پیشانی پر دیکھا۔"

فریدی کا تیر پیشانی پر بیٹھا تھا۔ صوفیہ کے ہونٹوں کے گوشے کانپ رہے تھے اور وہ آ پھاڑ پھاڑ کر ان آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی جو پھوٹ بہنے کیلئے اکٹھا ہو رہے تھے

"تم سر مخدوم سے بے انتہا محبت کرتی تھیں۔" فریدی نے تپتے ہوئے لوہے پر ضرب لگائی اور صوفیہ سچ مچ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ بہت زیادہ جذباتی معلوم ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ خود آگاہ بھی۔ کیونکہ اس نے فوراً ہی اپنی حالت پر قابو پالیا اور ا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی اس حرکت پر بہت زیادہ شرمندہ ہو۔

"پہلے مجھے صرف شبہ تھا......لیکن اب۔" فریدی قدرے توقف کے ساتھ بولا۔ ب یقین ہو گیا ہے کہ سر مخدوم کا جل کر مرنا اتفاقیہ نہیں تھا۔ اگر وہ آگ کے نرغے سے چاہتے تو نہیں نکل سکتے تھے۔"

"کیوں......؟" صوفیہ چونک پڑی۔

"سارے دروازے باہر کی طرف سے بولٹ کر دیئے گئے تھے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

فریدی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد پو

"باہر کے سارے دروازے سرخ رنگ کے تھے نا......!"

"ہاں......آں......!"

"تو آؤ......میں تمہیں دکھاؤں۔"

وہ پھر ملبے کے ڈھیروں کے قریب آگئے۔ فریدی نے اُسے سرخ رنگ کے تین دروازے دکھائے، جو دونوں طرف سے بولٹ تھے۔ حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے بھی اُسے ان دروازوں کو الٹتے پلٹتے دیکھا تھا لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اس کا مقصد کیا تھا۔

"کسی نے بھی اسکی طرف دھیان نہیں دیا۔" صوفیہ فریدی کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولی۔

"بہر حال تم اُسے کیا کہو گی۔"

"ہوسکتا ہے کہ بعد کو کسی نے بولٹ کر دیا ہو۔"

"ناممکن......میں نے انہیں ملبے کے نیچے سے نکالا ہے۔"

صوفیہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کچھ بھی ہو......میں یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کہ گھر والوں میں سے کسی نے یہ حرکت کی ہے۔"

"میں تمہیں منوانا بھی نہیں چاہتا اور نہ فی الحال خود ہی اس پر یقین کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی تو میں صرف اتفاقیہ حادثہ یا سازش پر غور کر رہا ہوں۔"

"اور اس کے لئے آپ نے چوروں کا سا طریقہ اختیار کیا ہے۔" صوفیہ نے طنزاً کہا۔

"مجبوری ہے......میں اس سلسلے میں شور و شر نہیں چاہتا۔"

"کیوں......!"

"تم لوگوں کی پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ سر مخدوم کی وصیت پبلک میں آ جائے گی۔ اخبارات نت نئی حاشیہ آرائیاں کریں گے۔"

"وہ تو ہو کر رہے گا۔ ناصر چچا عدالت کا دروازہ ضرور کھٹکھٹائیں گے۔"

"ناممکن......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ اس طرح وہ سر مخدوم کو پاگل ثابت کریں گے، جو پورے خاندان کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔"

"تو آپ نے چاروں طرف سے پھانس لیا ہے۔"

"میں نے۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "نہیں تو..... یہ کام تو سرمخدوم ہی نے کیا۔"

اچانک فریدی خاموش ہوگیا اور اس کے منہ سے تحیر آمیز آواز نکلی۔

"کون ہے؟" اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

پھر ملبے کے ڈھیروں کی دوسری طرف سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کوئی پھسلا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک تاریک سایہ تیزی سے دوڑتا ہوا مہندی کی باڑھ پھلانگ گیا

"ٹھہرو..... ورنہ گولی ماردوں گا۔" فریدی نے گرج کر کہا۔

بھاگنے والا رکا نہیں۔ وہ عقبی پارک کی طرف دوڑ رہا تھا۔ فریدی بھی مہندی کی با پھلانگ چکا تھا۔ اس کی پیچھے حمید بھی لپکا اور شاید صوفیہ بھی اس کے ساتھ ہی دوڑ رہی تھی۔

اصطبل کے قریب اُگی ہوئی مالتی کی بے ترتیب جھاڑیوں نے کئی بار فریدی کی راہ اور اس دوران میں بھاگنے والا احاطے کی دیوار تک پہنچ گیا جس کی اونچائی پانچ یا چھ فٹ زیادہ نہیں تھی۔ فریدی اب بھی شائد آدھے فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بھا والا دیوار پر چڑھنے لگا۔

فریدی نے گولی مارنے کی دھمکی دی تھی۔ حقیقتاً اس کی جیب میں ریوالور موجود نہیں ت بھاگنے والا دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا۔

فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب تعاقب فضول ہے۔ کیونکہ احاطے دیوار کے نیچے چھیول کا گھنا جنگل شروع ہوگیا تھا..... جو میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔

حمید اور صوفیہ اس کے قریب کھڑے ہانپ رہے تھے۔

"ک..... کو..... ن..... تھا.....!" صوفیہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"پتہ نہیں۔" فریدی تیزی سے اس کی طرف مڑا۔ "میں گھر والوں کو چیک کروں گا۔ تم یہیں ٹھہرو..... ادھر کا خیال رکھنا۔"

"سب..... سو رہے..... ہوں گے....." صوفیہ نے کہا۔

"فکر نہ کرو..... میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ حمید تنہا رہ گیا۔ اس نے نوکروں کے کوارٹر میں روشنی دیکھی۔ کچھ دروازے چرچرا کر کھلے اور تین لالٹینیں اندھیرے میں جھولنے لگیں۔

"کون ہے!" کسی نے چیخ کر کہا۔

حمید کچھ نہ بولا!..... اور نہ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی..... تین آدمی ہاتھوں میں لٹینیں لئے دور کھڑے بھنبھنا رہے تھے۔

"کون ہے؟" کسی نے پھر ہانک لگائی اور پھر وہ تینوں حمید کی طرف بڑھے۔ حمید پھر بھی کچھ نہ بولا۔ وہ تینوں قریب پہنچ گئے۔ ایک نے لالٹین حمید کے چہرے کے برابر اٹھائی اور پھر راہی اس کا ہاتھ جھک گیا۔

"اندر جاؤ.....!" حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "میں تفریح کررہا ہوں۔"

وہ لالٹین جھلاتے ہوئے چپ چاپ واپس چلے گئے۔

حمید احاطے کی دیوار کی نگرانی کررہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ بھاگنے والا گھر ہی والوں ں سے کوئی رہا ہوگا۔ سرمخدوم کے خاندان میں اس وقت بھی چار مرد تھے ایک تو ناصر..... سر ندوم کا بھائی جس نے آج صبح فریدی سے وصیت کے متعلق گفتگو کی تھی..... دوسرا شمشاد..... رمخدوم کی بہن کا لڑکا..... فضائیہ میں پائیلٹ تھا..... تیسرا فرحان..... ناصر کا لڑکا..... وتھا..... ارشاد..... یہ شمشاد کا چھوٹا بھائی اور ایم ایس سی کا طالب علم تھا۔

حمید کے ذہن میں ان چاروں کی شکلیں تھیں..... اور وہ سوچ رہا تھا کہ ان میں سے کون تا پھرتیلا ہوسکتا ہے۔ وہ کئی منٹ تک انہیں اپنے ذہن میں رکھتا اور تولتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر گھر والوں میں سے کوئی غائب ہوا تو وہ شمشاد ہی ہوگا۔

کچھ دیر بعد اس نے قدموں کی آہٹ سنی جو عمارت کی طرف سے اسی کی جانب بڑھتی آرہی تھی۔ یہ فریدی تھا۔ حمید کے قریب پہنچ کر اس نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"خاندان کے سارے لوگ موجود ہیں..... وہ سب سو رہے تھے۔ آؤ واپس چلیں۔"

برآمدے میں گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں
کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نہ رہے ہوں۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر ان میں سے
مٹھیاں کس گئیں اور ناصر کے چہرے سے تو ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کچا کھا جائے گا۔

''آخر یہ سب کیا لغویت ہے۔'' شمشاد نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''میں پوچھتا ہوں آپ چوروں کی طرح......!'' ناصر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''ٹھہریئے......!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے پورا یقین ہے کہ سرمخدوم کو جان
کر ہلاک کیا گیا تھا۔''

''آپ اس طرح دھمکا کر......نہ جانے کیا کرنا چاہتے ہیں۔'' ناصر کی آواز تیز ہو

''سرمخدوم کو مہمان خانے میں قید کیا گیا تھا۔'' فریدی ان کے چہروں کو گھورتا ہوا
سے بولا۔

''کیا بکواس ہے۔'' شمشاد بڑبڑایا۔

''بکواس نہیں حقیقت...... باہر سے سارے دروازے بولٹ کردیئے گئے تاکہ وہ
بھاگ نہ سکیں۔''

''کیا......؟'' ناصر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اور پھر چند لمحوں کے لئے اس قسم کا سناٹا طاری ہوگیا جیسے وہ سب اس کی لاش کے
کھڑے ہوں۔

فریدی اور حمید انہیں اسی حال میں چھوڑ کر اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔

ایک مشتبہ آدمی

دوسری صبح نہ جانے کیوں حمید بڑی تھکن محسوس کررہا تھا۔ ایک عجیب سی الجھن تھی۔ جسے تنہائی کے احساس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ فریدی صبح ہی سے غائب تھا۔ لیکن حمید کے لئے یہ تاکید تھی کہ وہ ایک منٹ کے لئے بھی سرمخدوم کی کوٹھی نہ چھوڑے۔

حمید تنگ آگیا تھا وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلد یہاں سے گلوخلاصی ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ تین خوبصورت اور جوان لڑکیوں کی موجودگی میں بھی وہ اس کوٹھی کے ماحول سے اکتا گیا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ وہ ہر کس و ناکس کی تنفر آمیز نظروں سے تنگ آگیا تھا۔

حتیٰ کہ نوکر چاکر بھی انہیں گویا اچھوت سمجھتے تھے۔

حمید نے مسہری سے اٹھ کر ایک طویل انگڑائی لی اور غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ سرمخدوم کے خاندان والوں نے اس کا نوٹس بھی نہ لیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی نے اپنے نوکر نہ بلوائے ہوتے تو یہاں بھوکے بھی مرنا پڑتا۔

منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے وقت اُسے صوفیہ کا خیال آیا۔ اس کا قرب حقیقتاً ٹھنڈے پانی کی طرح تازگی بخشتا تھا اور وہ خود اوس میں بھیگی ہوئی ٹھنڈی ہوا معلوم ہوتی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ صوفیہ کو یقین آگیا ہے شاید اب وہ ان سے بیگانگی کا برتاؤ نہ کرے۔ خوبصورت لڑکیوں کی سردمہری اُسے بہت گراں گزرتی تھی اور کچھ غیر فطری سی بھی معلوم ہوتی تھی۔ کچھ ایسی ہی غیر فطری جیسے گلاب کا پھول بھنڈیوں کی سی شکل اختیار کرے۔

ناشتے کے بعد وہ برآمدے میں نکل آیا۔ صبح بڑی خوشگوار تھی۔ دھوپ میں ابھی گرمی نہیں آئی تھی۔ حمید نے چاروں طرف دیکھا۔ برآمدے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک

آرام کرسی پر بیٹھ کر اس کی پشت سے ٹک گیا۔

نہ جانے کیوں اس کی الجھن اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ایسا عجیب وغریب اور بے سروپا کیس اسے آج تک نہ ملا تھا۔ کبھی کبھی تو اسے ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے وہ کسی ڈرامے کے ریہرسل میں حصہ لے رہا ہو۔ فریدی کا خیال تھا کہ سرمخدوم نے اپنے لئے پہلے ہی خطرے کی بو سونگھ لی تھی اسی لئے اس نے ایک ایسی بے تکی وصیت مرتب کی جس کی بناء پر اس کی موت کو اتفاقیہ نہ سمجھا جاسکے۔ حمید کو فریدی کی اس رائے سے اتفاق تھا مگر کیا سرمخدوم کو یہ بھی معلوم تھا کہ اُن کے خاندان ہی کا کوئی آدمی ان کی موت کا خواہاں ہے...... کیا یہ ممکن ہے۔

حمید اس کے آگے نہ سوچ سکا کیونکہ اس کی توجہ کا مرکز ایک بھاری بھرکم آدمی بن گیا تھا جو طویل روش سے گزرتا ہوا برآمدے ہی کی طرف آرہا تھا۔ اس کے سر پر فلٹ ہیٹ تھی اور جسم پر ایک بہترین طور پر پریس کیا ہوا سوٹ۔ قمیض کے کالر کی بے داغ سفیدی دور ہی سے چمک رہی تھی۔ پورچ میں پہنچ کر وہ اچانک رک گیا۔ وہ حمید کو تحیر آمیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ حمید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ حمید اسے ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔

''ہیلو آفیسر......!'' آنے والے نے کسی قسم کے جذبے کا اظہار کئے بغیر کہا۔

برآمدے میں پہنچ کر ایک بار پھر اس نے حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

''ادھر کیسے......!'' حمید نے پوچھا۔

اجنبی جواب دینے کی بجائے اُسے تفکر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

''کیا تم مجھے یہاں دیکھ کر متحیر ہو۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔

اجنبی نے لاپروائی کے اظہار کے لئے اپنے شانوں کو جنبش دی اور آہستہ سے بولا۔

''میں سمجھا......لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں۔''

''تم کیا سمجھے اور تمہیں کس کی پرواہ نہیں۔''

''دیکھئے یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ آپ ٹانگ اڑائیں۔''

''میں بالکل نہیں سمجھا۔'' حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کیا میں یہاں آپ کی موجودگی کا مقصد پوچھ سکتا ہوں۔'' اجنبی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''مہمان ہوں۔''

''بہت خوب......!'' اجنبی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''لیکن میں نے پہلے ہی اچھی طرح مضبوطی کر لی تھی۔''

حمید کو ایک جھرجھری سی آئی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

پھر نہ جانے کدھر سے سرمخدوم کا بھائی ناصر آنکلا......اور حمید نے محسوس کیا جیسے اس کو دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا ہو۔

''اوہ......ہو......آپ......!'' ناصر آہستہ سے بولا۔

''جی ہاں......میں......!'' اجنبی نے گرج کر کہا اور کھڑا ہو گیا۔

''اندر چلئے......میرے ساتھ آیئے۔'' ناصر مضطربانہ انداز میں دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

اجنبی حمید پر قہر آلود نظر ڈالتا ہوا ناصر کے پیچھے چلا گیا۔

حمید کی حیرت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ اجنبی کوئی معزز آدمی نہیں تھا۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ شہر کا مشہور بدمعاش صفدر خاں جس کے کئی جوئے خانے چلتے تھے اور وہ پولیس والوں کو کافی رقم کھلاتا تھا۔

ایسی صورت میں حمید کا برآمدے میں رُکے رہنا ناممکنات میں سے تھا۔ وہ بھی اندر چلا گیا لیکن ناصر تک پہنچنا مشکل تھا......فریدی کی بھی ہدایت تھی کہ ان کے نجی معاملات میں دخل اندازی نہ کی جائے......مگر......صفدر سے جس قسم کی گفتگو ہوئی تھی اس کا تقاضا تھا کہ ایسے موقع پر چوکنا رہنا چاہئے۔ پھر صفدر کو دیکھ کر ناصر کی گھبراہٹ آخر اس کا کیا مطلب تھا۔ وہ تیزی سے کاریڈر طے کرنے لگا۔ لیکن جیسے ہی وہ سرے پر مڑا اُسے اس طرح رک جانا پڑا جیسے پوری بریکیں لگ گئی ہوں۔

صوفیہ اس کے کمرے کے دروازے پر جھکی ہوئی تھی اور اس کا انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ

اسے حمید کے آنے تک کی خبر نہ ہوئی۔ وہ ایک مڑے ہوئے تار کی مدد سے دروازے کا قفل کھولنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس کی پتلون کی جیب میں پڑے ہوئے ہتھوڑے کا دستہ ابھرا صاف نظر آرہا تھا۔

''لاؤ...... مجھے دو...... میں کھول دوں۔'' حمید آگے کی طرف جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔

صوفیہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ پہلے تو اس کی آنکھیں خوفزدہ سی ہوگئیں پھر اس نے ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا۔

لیکن حمید کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا تھا۔ اس نے اس طرح اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی جیسے خود بھی اس چوری میں شریک ہو۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر تار صوفیہ سے لیا اور قفل پر جھک پڑا۔ تھوڑی ہی جدوجہد کے بعد قفل کھل گیا۔ اب حمید نے دروازے کو دھکا دے کر کھولتے ہوئے اسے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

نہ جانے کیوں صوفیہ بھی سنجیدہ نظر آنے لگی، لیکن اسکی سنجیدگی میں حیرت بھی شامل تھی۔

''ایڈونچر......!'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

صوفیہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اس کی نظریں جونکوں والے مرتبان کی طرف رینگ گئیں جو میز پر رکھا ہوا تھا۔

''پارٹنر......!'' حمید ایک گہری سانس لے کر شانے جھٹکتا ہوا بولا۔ ''ہم دونوں مل کر ایک رات میں سارے شہر کو لوٹ سکتے ہیں۔''

صوفیہ پھر ہنسنے لگی اور پھر اُس نے حمید کو باتوں میں الجھا کر جیب سے ہتھوڑا نکال لیا اور اسے اپنی پشت پر چھپائے ہوئے آہستہ آہستہ میز کی طرف کھسکنے لگی۔

''اوں ہوں ...... دوست......'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''ٹھہرو......!''

اس نے نہایت آہستگی سے ہتھوڑا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور توقع کے خلاف صوفیہ نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

''یہ جونکیں......! حمید نے خوابناک انداز میں کہا۔ ''میرے لئے معزز ترین ہیں......

ادھر آؤ...... میں تمہیں ان سے ملاؤں۔''

حمید نے جیب سے ایک چھوٹی سی چمکدار چمٹی نکالی اور اس کی مدد سے ایک جونک نکال کر بولا۔ ''لیڈی چیٹرلی......!''

پھر وہ ایک ایک جونک نکال کر میز پر ڈالتا اور کہتا گیا۔ ''مادام بواری، سی لوزٹیا، کلوپٹرا...... مادموزئیل دیراں......!''

''ہٹو...... تم کتنے گندے آدمی ہو۔'' صوفیہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

''میں گندے کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہوں۔'' حمید کراہ کر بولا۔ ''اور اس کی آواز بڑی دردناک ہوگئی۔ وہ اسے چند لمحے مغموم نظروں سے دیکھتا رہا پھر ایک سرد آہ کھینچ کر بولا۔ ''ان لوگوں نے مجھے پاگل بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ تم سارجنٹ حمید ہو آہ...... کیسا بدنصیب ہوں میں...... حالانکہ میری رعایا مجھے شہزادہ کم بخت عرف جادو کی بنسری کے نام سے پکارتی تھی۔ بُرا ہوا اس دن کا کہ براؤن پری مجھ پر عاشق ہوکر کوہ کاف اٹھا لے گئی۔''

''کیا واقعی دماغ چل گیا ہے۔'' صوفیہ حمید کو گھور کر بولی۔

لیکن حمید اس کی پرواہ کئے بغیر بکتا رہا۔ ''کوہ کاف پہنچ کر اصل حقیقت کھلی۔ معلوم ہوا کہ براؤن پری عاشق واشق کچھ بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے مجھے جھانسہ دیا تھا۔ واقعہ یوں تھا کہ جب بھی براؤن پری انڈے دیتی تو بچے نکلنے سے پہلے ہی بلیو بلیک دیو ان کا آملیٹ یا مالیٹ بنا کر چٹ کر جاتا۔''

''براؤن پری...... انڈے...... بلیو بلیک دیو۔'' صوفیہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

''براؤن پری۔'' حمید نے بکواس جاری رکھی۔ ''براؤن پری اس قدر تنگ آگئی تھی کہ اس کی ساری فراکیں ڈھیلی ہوکر رہ گئی تھیں۔ آخر اس کی ملاقات ایک تھیٹریکل کمپنی کے منیجر سے ہوگئی۔ اس نامراد نے براؤن پری کو میرا پتہ بتا دیا اور کہا کہ میرے علاوہ اور کوئی بلیو بلیک دیو کو نہ مار سکے گا...... پس وہ Murderess of the World یعنی قتالہ عالم مجھے کوہ کاف اٹھا لے گئی۔ قصہ کوتاہ مجھے بلیو بلیک دیو سے ایک خونریز جنگ کرنی پڑی اور میں نے اس کے

پیٹ میں اپنا فاؤنٹین پین گھونپ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ جب براؤن پری کے انڈے م ہو گئے تو اس حیلہ جو بہانہ ساز نے مجھے اپنے اوپر عاشق کرانے سے صاف انکار کر دیا۔ کہنے کہ تجھے مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی تھی۔ میں تو تمہارے والد پر عاشق ہوئی تھی۔ دھوکے ب تمہیں اٹھالائی، سن کر بڑا تاؤ آیا...... میں نے کہا تو اچھا اپنی صاحبزادی بلیک اینڈ وائٹ پ عاشق ہونے کا موقع دو۔ وہ اس پر بھی رضامند نہ ہوئی اور میرا تعارف ایک تحصیلدار کی لڑ سے کرادیا۔''

صوفیہ ہنستی ہوئی ایک آرام کرسی میں ڈھیر ہو گئی۔

''ہیہات ہیہات......!'' حمید نے اپنا سر پیٹتے ہوئے اپنا بیان جاری رکھا۔ ''تحصیلد کی لڑکی پہلے ہی سے براؤن پری کے بھتیجے سفید پرے پر عاشق تھی۔ سفید پرا جو دور سے امریکن اور قریب سے قلعی کیا ہوا مراد آبادی اگالدان معلوم ہوتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر تحصیلدار کی لڑکی پر عاشق ہوا تو وہائٹ پرا مجھے اس قدر بور کرے گا کہ میں مر جاؤں گا...... کم بخت جس کا بھی دشمن ہوتا اسے اپنے فرضی معاشقوں کی اتنی داستانیں سناتا کہ وہ بیچارہ ہو کر یا تو خودکشی کر لیتا یا پھر شادیاں کرنا شروع کر دیتا۔ بہرحال تحصیلدار کی لڑکی نے تعارف اپنے سیاں سے کرادیا۔''

''اب تم مجھے بور کر رہے ہو۔'' صوفیہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''یہ ابھی چچا ناصر کے ساتھ کون تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''کیوں...... تم سے مطلب۔ خیر چھوڑو اسے...... میں تم سے ایک سوال کرنا چاہوں گی۔''

''مگر وہ ارتھمیٹک کا نہ ہو۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''پچھلی رات بھاگنے والا کون تھا......؟''

''پتہ نہیں۔''

''گھر کے سب لوگ موجود تھے۔'' صوفیہ آہستہ سے بولی۔ ''کیا تم اب بھی گھر والوں میں سے کسی پر شبہ کرو گے۔''

''ہرگز نہیں...... لیکن یہ صفدر یہاں کیوں آیا ہے۔''

''کون صفدر......!''

''وہی جو اس وقت ناصر صاحب کے ساتھ ہے۔''

''میں نہیں جانتی...... انہیں سے پوچھو۔''

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''ناصر صاحب تمہارے والد ہیں۔''

''کیوں؟...... نہیں تو...... میرے چچا ہیں۔ میرے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔''

''ان کا برتاؤ تمہارے ساتھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔''

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ اُس نے خاموشی سے ہتھوڑا اٹھایا اور باہر چلی گئی۔

حمید بڑی دیر تک اس لڑکی کے متعلق سوچتا رہا۔

غالباً صفدر جا چکا تھا...... حمید کمرہ مقفل کر کے پھر برآمدے میں آ گیا۔ فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا...... حمید کی گھٹن بڑھتی گئی۔ وہ پچھلی شام کو بھی کہیں باہر نہیں جا سکا تھا اور آج بھی نکل بھاگنے کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔

وہ بڑی بے دلی سے پائپ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ کچھ دیر بعد ناصر شائد اسے تلاش ہی کرتا ہوا برآمدے کی طرف آ نکلا۔

''سنئے جناب۔'' وہ چند لمحے حمید کو گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ ''آپ کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ آپ میرے ملاقاتیوں کو روک کر ان سے گفتگو کریں۔''

''اتفاق سے وہ معزز آدمی میرا بھی ملاقاتی تھا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگ کس چکر میں ہیں۔''

''یہ اور زیادہ خوشی کی بات ہے۔''

''ہماری سخت بے عزتی ہو رہی ہے۔'' ناصر جھنجھلا کر بولا۔

''یہ آپ اپنے بھائی صاحب سے کہئے جنہوں نے خواہ مخواہ اپنی دولت نہ صرف ہمارے

گلے لگادی بلکہ ہم پر چند جونکوں کی پرورش کا بھی بار ڈال دیا۔ ویسے ناصر صاحب کیا آپ سکتے ہیں کہ مرحوم نے وصیت نامے میں جونکوں کو کیوں شامل کیا۔"

"میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے کہ میں ان لغویات میں سر کھپاؤں۔"

ناصر نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"کہیں یہ جونکیں ایک قسم کا استعارہ تو نہیں۔"

"کیا مطلب......!" ناصر اُسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں...... ذرا اس وقت خیالات کچھ شاعرانہ ہو رہے ہیں۔"

ناصر اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھتا رہا پھر گرج کر بولا۔ "میں اب معاملے کو آ بڑھاؤں گا۔"

"ضرور بڑھایئے...... مجھے وہ گندے کیڑے ذرہ برابر بھی پسند نہیں۔"

ناصر کچھ کہے بغیر پھر واپس چلا گیا۔ حمید نے بجھا ہوا پائپ سلگایا اور پھر ذہنی طور پر ٹکر مارنے لگا۔ ایسے اکتا دینے والے کیس سے پہلے کبھی اس کا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ کچھ دیر بع اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پورچ میں ایک کار آ کر رکی اور اس پر سے ادھیڑ عمر کا ایک مہا قسم کا کھدر پوش اترا اور حمید کو یہ سوچ کر تعظیماً کھڑا ہو جانا پڑا کہ ممکن ہے کہ وہ کوئی بڑا لی پارلیمنٹ کا ممبر ہو۔

"دانش صاحب ہیں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"دانش صاحب۔" حمید ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی د صاحب نہیں رہتے۔"

"کیا......!" نووارد گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ "کیا کہا آپ نے کوئی دانش نہیں

"جی نہیں...... یہاں اس نام کا کوئی نہیں۔"

"دانش...... ناصر صاحب کے لڑکے...... سر مکھدوم کے بھتیجے۔"

"جی نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ناصر صاحب کے لڑکے کا نام دانش نہیں فرحا

"ارے...... ہی ہی...... وہ تو چھوٹا لڑکا ہے...... آپ ناصر صاحب سے کہلوا دیں کہ ہڈاہل آیا ہے۔"

"تشریف رکھیے...... میں اطلاع کیے دیتا ہوں۔" حمید نے کہا اور راہداری میں ہولیا۔

اُس کا ذہن "دانش دانش" کی گردان کر رہا تھا۔ آخر یہ کون تھا اور کہاں تھا۔ ابھی تک کیوں نہ معلوم ہو سکا تھا کہ ناصر کا ایک لڑکا اور بھی ہے۔

وہ کہاں ہے؟

"دانش......!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور سگار سلگا کر جلتے ہوئے سرے پر نظریں یں۔

"آخر اس کا نام ابھی تک ہمیں کیوں نہیں معلوم تھا۔" حمید بولا۔ وہ فریدی سے صفدر والا بھی بیان کر چکا تھا فریدی چند لمحے سگار کے جلتے ہوئے سرے کو گھورتا رہا پھر بولا۔

"میں صبح سے اب تک دانش ہی کے متعلق چھان بین کر رہا تھا۔"

"اور آپ نے مجھے پہلے نہیں بتایا۔"

"پہلے مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا۔" فریدی بولا۔ "یہ تو تحقیقات کے دوران میں معلوم ہوا ناصر کے کوئی لڑکا اور بھی ہے، جو واردات کی شام تک گھر میں دیکھا گیا تھا۔"

"اوہ...... اور اس کے بعد سے......" حمید آنکھیں نکال کر رہ گیا۔

"اتنی جلدی نتائج اخذ کرنے کی کوشش نہ کرو۔"

"کیوں نہ ناصر کو ٹٹولا جائے۔"

"نہیں...... فی الحال اس کی ضرورت نہیں...... دانش کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک ُل قسم کا آدمی ہے۔"

''لیکن آپ نے یہ ساری معلومات کہاں سے بہم پہنچائیں۔''

''پڑوسیوں سے۔''

''اور کچھ......!''

''اور ابھی کچھ بھی نہیں۔'' فریدی بجھا ہوا سگار ایک طرف اچھالتا ہوا بولا۔ ''اٹھو
صفدر کو دیکھیں گے۔''

''کیا میں بھی چلوں......!'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں......اب تم چل سکتے ہو۔''

''کیوں اب کیا خاص بات ہوگئی۔''

''فکر نہ کرو......جو کہوں وہ کرتے چلو۔''

''صوفیہ ان جونکوں کو ختم کردے گی۔''

''کیا تم انہیں بہت زیادہ اہمیت دیتے ہو۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا

''کیوں......کیا وصیت نامہ۔''

''چھوڑو......'' فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''جونکیں اس کیس میں کسی اہم
طرف اشارہ نہیں کرتیں۔''

''پھر آخر ان کا مصرف کیا ہے۔''

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ باہر آئے......فریدی نے گیراج سے کیڈی نکالی
وہ سڑک پر آ گئے۔ کیڈی کا رخ شہر کی طرف تھا۔

''میں ان جونکوں کے متعلق پوچھ رہا تھا۔'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

''محض مذاق...... یا پھر مخدوم کے اعزہ کے لئے ایک استعارہ۔ ہوسکتا ہے کہ
قاتل حقیقتاً اس کا کوئی عزیز ہی ہو۔''

''آپ نے کہا تھا کہ جونکوں کے مرجانے کے بعد وصیت نامہ ساقط ہو جائے گا۔''

''مجھے اب وصیت نامے سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی کیونکہ اب اس کا مطل

و چکا ہے۔ اس وصیت نامے کی عدم موجودگی میں سر مخدوم کی موت اتفاقیہ سمجھی جاتی مگر اب
میں ایک قاتل کی تلاش ہے۔''

''اس کیس کا پیچیدہ ترین مسئلہ۔'' حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''سر مخدوم کا رویہ......خطرہ پہلے سے لاحق ہونے کے باوجود بھی اس شخص نے چوہوں
ی طرح جان دے دی۔''

''اوہ......تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ مرا ہی نہیں۔''

''لاش......ایک جلی ہوئی لاش......آؤٹ ہاؤز میں سر مخدوم کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا تھا۔''

''بہر حال یہ کیس مجھے ضرور پاگل بنا دے گا۔'' حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔

''کیوں......؟''

''میں ان لوگوں کی تنفر آمیز نظریں نہیں برداشت کرسکتا۔''

فریدی کچھ نہ بولا......اور پھر راستے بھر اس کیس کے متعلق کوئی گفتگو نہ ہوئی۔

شہر پہنچ کر فریدی نے کیڈی صفدر کے ہوٹل کے سامنے روک دی۔ یہ ہوٹل کچھ اس قسم کا
ھا کہ اگر اس کے ساتھ بار بھی نہ ہوتی تو لوگ اسے قابل اعتنا بھی نہ سمجھتے اور ویسے تو اس کی
گہرائیوں کے واقف کار شہر کے بہت بڑے بڑے لوگ تھے، در پردہ یہاں ایک بہت بڑا قمار
خانہ تھا......اور شہر کے بہتیرے دولت مند یہاں جوا کھیلتے تھے۔

صفدر انہیں کاؤنٹر ہی پر مل گیا......اور اس نے انہیں دیکھ کر بہت بُرا منہ بنایا۔ صفدر
پولیس یا محکمہ سراغ رسانی کے آفیسروں سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس کے
روپوں کی پہنچ دور دور تک تھی۔ حمید کو صفدر کے اس رویے پر بڑا تاؤ آیا لیکن فریدی نے اپنی
ظاہری حالت میں بالکل فرق نہ آنے دیا۔

''کیا تم دانش سے واقف ہو۔'' فریدی نے صفدر سے پوچھا۔

''میں کسی دانش وانش کو نہیں جانتا اور نہ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ آپ جیسے بزرگ
لوگ یہاں آنے کی تکلیف اٹھائیں۔''

"آج غلطی ہوئی آئندہ بلوائیں گے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیا آپ نے مجھے بھی کسی بنئے ونئے کا لونڈا سمجھا ہے۔"

"کیا تم سرمخدوم کے بھتیجے دانش کو نہیں جانتے۔" فریدی نے پھر پوچھا۔

"نہیں......!"

"اور نہ اس سے کبھی تمہارا لین دین رہا ہے۔"

"کیوں...... نہیں...... میں اسے جانتا ہی نہیں۔"

"کیا تم دو گواہوں کے سامنے یہی جملہ دہرا سکو گے یا اسے بھی چھوڑو! مجھے لکھ کر د
کہ دانش سے تمہارا کبھی کوئی لین دین نہیں رہا۔"

"میں کیوں لکھ کر دے دوں۔"

"حرج ہی کیا ہے...... جب تم اسے نہیں جانتے۔"

"دیکھئے جناب میرے پاس بیکار وقت نہیں ہے۔"

"خیر......!" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "لیکن تمہیں دانش سے حبہ بھی وصول ہو جا
توقع نہ رکھنی چاہئے۔"

"نہ جانے آپ کیا......!"

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر واپس جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرئیے......!" صفدر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"فریدی رک گیا...... لیکن اس کی طرف مڑا نہیں۔"

"آپ لین دین کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"یونہی تفریحاً......!" فریدی اس طرف مڑ کر مسکرایا۔

"میں سمجھ گیا......!" صفدر آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر یک بیک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا
اس نے دانت پیس کر کہا۔ "ناصر دورخی چل رہا ہے۔"

"نہیں اتفاق سے اس بیچارے کا کوئی رخ ہی نہیں رہ گیا۔" فریدی نے سرد لہجے

کہا۔ "سارجنٹ حمید سے ٹکرانے کے بعد اُس نے یقیناً تمہیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن اصل حقیقت سے دور ہی رکھا ہوا۔ تم سمجھتے ہوگے شائد ناصر نے ہم لوگوں کو محض تمہاری وجہ سے مدعو کیا ہے۔"

صفدر اُسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"پھر کیا بات تھی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم نے سرجنٹ حمید سے کہا تھا کہ تم نے اپنی مضبوطی پہلے ہی کر لی تھی۔ یعنی غالباً تم نے دانش سے پرونوٹ لکھوا لیا تھا...... مگر اب پرونوٹ بھی تمہیں تمہاری رقم واپس نہ دلا سکے گا۔"

"کیوں......؟" صفدر غرا کر بولا۔

"کیونکہ سرمخدوم کی جائیداد کا مالک میں ہوں...... اس کے اعزہ نہیں...... وہ بھی اب میرے ہی رحم وکرم پر ہیں۔"

"نہ جانے آپ کہاں کی ہانک رہے ہیں۔" صفدر بیساختہ ہنس پڑا۔

"ناصر سے پوچھ لو۔" فریدی نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ گیا جہنم میں...... میں اُسے دیکھ لوں گا۔"

"ضرور دیکھ لینا...... لیکن رقم وصول نہ ہو سکے گی...... کتنے روپے تھے۔"

"پندرہ ہزار...... میں نے پرونوٹ لکھوا لیا تھا۔ ایک ماہ گذرا اس کی مدت پوری ہو چکی ہے اور اب میں دعویٰ دائر کر سکتا ہوں۔"

"کیا فائدہ...... دانش کی طرف سے مفلسی کی عذر داری ہو جائے اور پھر اگر وہ جیل بھی گیا تو اس کے اخراجات تمہارے ذمہ......!"

"آخر کیوں...... کیا اب سرمخدوم کی جائیداد کا مالک ناصر نہیں۔"

"ہرگز نہیں...... کہہ تو دیا کہ میں جب چاہوں اسے کوٹھی سے بھی نکال سکتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"سرمخدوم کی وصیت...... جس کی رو سے میں ان کی جائیداد کا مالک ہوں۔"

''سرمخدوم آپ کے کون تھے۔''

''کوئی بھی نہیں۔''

صفدر نے جھلا کر فون کا ریسیور اٹھایا اور شاید ناصر کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ پھر اس ماؤتھ پیس میں ناصر ہی کو مخاطب کیا۔ وہ اُس سے فریدی کی کہی ہوئی بات کے متعلق پو تھا...... پھر وہ ماؤتھ پیس کو ہتھیلی سے بند کر کے فریدی کی طرف مڑا۔

''ناصر تو اس سے انکار کرتا ہے۔'' اس نے کہا۔

''اوہ...... اب اس سے کہو کہ تمہیں یہ اطلاع بیرسٹر جعفری سے ملی ہے۔'' فریدی نے

صفدر نے ماؤتھ پیس میں فریدی کا جملہ دہرایا...... اور پھر وہ اس کے بعد ''ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔ آخر اس نے جھلا کر ریسیور کو اسٹینڈ پر پٹخ دیا......

''کیوں کیا ہوا......؟'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

''سالے نے ایک گندی سی گالی دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔'' صفدر ہانپتا ہوا بولا۔

''مجھے یا تمہیں......!'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' صفدر بیزاری سے بولا۔ ''خیر میں سالے سے سمجھ لوں گا۔''

''سالے سے سمجھنا بہت مشکل ہے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''تو آپ بتائیے نا کہ آپ کس طرح سرمخدوم کی جائیداد کے مالک ہو سکتے ہیں۔'' ص جھنجھلا کر بولا۔

''سرمخدوم کی وصیت کے مطابق۔''

''اوہ...... جب آپ سرمخدوم کے کوئی نہیں تو سرمخدوم کو پاگل بھی ثابت کیا جا سکتا ہے؟

''کون کرے گا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ناصر......!''

''ہرگز نہیں کر سکتا...... اگر اس نے ایسا کیا تو اس کے ہتھکڑیاں لگ جائیں گی۔''

''کیوں......؟''

''جب سرمخدوم پاگل تھے تو انہیں آتش بازی کے ذخیرے کے ساتھ مہمان خانے میں کیوں چھوڑا گیا۔''

صفدر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''تو پھر میرا روپیہ ڈوب گیا۔'' صفدر آہستہ سے بولا۔

''نہیں یہ بھی ضروری نہیں...... بعض حالات میں تمہارا روپیہ واپس بھی ہو سکتا ہے۔''

''وہ حالات کیا ہوں گے۔''

''دانش کے متعلق میرے لئے صحیح معلومات بہم پہنچاؤ''

''کس قسم کی معلومات......!''

''یہی کہ دانش اس وقت کہاں ہے۔''

''بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں...... وہ تو مجھے اسی شام کو دکھائی دیا جس رات کو کوٹھی کے ٹ ہاؤز میں آگ لگی تھی۔''

''اوہ...... تو وہ اس شام کو دکھائی دیا تھا۔''

''جی ہاں...... اور اس کے بعد سے آج تک میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔ ٹھیک یاد ...... اب تو میں ان سالوں کو پھانسی کے تختے پر ہی دیکھنا پسند کروں گا۔ ناصر سے آج میں دانش کے متعلق پوچھا تھا جس پر اس نے بتایا کہ وہ ایک ماہ قبل کہیں باہر گیا تھا اور اب تک ا نہیں آیا حالانکہ یہ بکواس ہے۔ میں نے حادثے کی شام کو اُسے دیکھا تھا۔ اس نے یہیں ب پی تھی۔''

''تو تم نے ناصر سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔''

''کیا تھا...... لیکن اس نے جواب دیا کہ دانش ایک ماہ سے گھر نہیں آیا۔''

''ہوں......!'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''صفدر نے اب سچ بولنا شروع کیا ہے۔''

''پندرہ ہزار کم نہیں ہوتے۔'' صفدر فریدی کو گھور کر بولا۔ ''میرے پاس پرونوٹ......!''

''ٹھیک ہے! اور وقت آنے پر تمہاری پائی پائی ادا ہو جائے گی۔ ویسے کیا تم مجھے وہ

جگہیں بتا سکتے ہو جہاں دانش کے ملنے کے امکانات ہوں۔"

"کیوں......!" صفدر چونک کر بولا۔ "آخر آپ کو دانش کی تلاش کیوں ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ سرمخدوم کی موت اتفاقیہ نہیں تھی۔"

"ہام......!" صفدر اپنی بائیں آنکھ بند کر کے داہنا گال کھجانے لگا۔

"تب تو پھر یہ حرکت دانش ہی نے کی ہوگی۔" وہ کچھ دیر بعد بولا۔

"کیوں......؟"

"ٹھہریئے بتاتا ہوں......" صفدر نے کہا اور گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بھاگتا ہوا کاؤنٹر کی طرف آیا۔

"جگلدل کو بھیجو......!" صفدر نے اس سے کہا اور وہ آدمی الٹے پاؤں واپس چلا گیا

تین منٹ بعد ایک نوجوان اور گرانڈیل آدمی کاؤنٹر کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

ظاہری حالت ہی سے خاصا بدمعاش معلوم ہوتا تھا۔

"پچھلی بار تم سے اور دانش سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔" صفدر نے اس سے پوچھا۔

آنے والے نے متجسس نظروں سے فریدی اور حمید کی طرف دیکھا اور اپنی داہنی کھجانے لگا۔

"بتاؤ......کیا باتیں ہوئی تھیں۔" صفدر نے دوبارہ پوچھا۔

"ارے ژناب دانس صاحب مسکھری کرتا تھا۔"

"بتاؤ نا......!" صفدر نے تیز لہجے میں کہا۔

وہ کچھ دیر چپ رہا پھر بولا۔ "دانس صاحب بولا تھا......ہمارے چاچا کو ٹخ کرو تو ہجار روپیہ دوں گا۔"

"ٹخ......!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"ہاں ہاں......ٹخ......!" اس نے اپنی گردن پر انگلی پھیر کر کہا۔

"مراد قتل ہے۔" صفدر مسکرا کر بولا۔

"پھر تم نے کیا کیا......!" فریدی نے پوچھا۔

"ہم کیا بولتا صاحب......دانس صاحب نسے میں تھا......!"

"تم نے کچھ کہا ہی نہیں۔"

"صاحب ہم بھی مسکھری کیا۔ ہم بولا پہلے دس ہزار دلواؤ......پھر دانس صاحب ہم کو ے چھرا دکھایا۔ بولا وہ کھد اپنے چاچا کو ٹخ کرے گا۔ ہم بولا......چھرا مارنے کو جور ہئے......تاکت چاہئے......دانس صاحب بولا وہ اپنے چاچا کے گھر آگ لگا دے گا۔"

"تم جانتے ہو آج کل دانش کہاں ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں ژناب......!"

کھڑکی سے زمین تک

صفدر کے ہوٹل سے نکل کر وہ سیٹھ ٹڈامل کے یہاں پہنچے۔ لیکن دانش کا سراغ وہاں بھی ل سکا۔ البتہ اتنا ضرور ہو گیا کہ دانش نے پرونوٹ پر آٹھ ہزار روپے اس سے بھی لئے تھے۔

واپسی پر حمید نے کہا۔ "آخر یہ لوگ کتنے گدھے ہیں کہ انہوں نے کسی ضمانت کے بغیر ے روپے دے دیئے تھے۔"

"ضمانت کے لئے محض اتنا ہی کافی تھا کہ وہ سرمخدوم کا بھتیجا ہے اور سرمخدوم کے کوئی لاد نہیں۔" فریدی بولا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ سرمخدوم نے پہلے بھی کبھی ان لوگوں کے قرض ادا کئے ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"لیکن دانش غائب ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ پولیس اسے اتفاقیہ حادثہ قرار دے چکی تھی۔"

"جگلدل کا بیان یاد کرو......" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس نے اس سے اپنے چچا کی

متعلق جو خیال ظاہر کیا تھا کیا وہ اس کے پھنسا دینے کے لئے کافی نہیں۔''

''تو پھر......پچھلی رات والا پراسرار آدمی دانش ہی تھا۔''

''ممکن ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ جنگل ہی میں چھپا ہو۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر سر مخدوم کی کوٹھی واپس آ گئے۔ لیکن فریدی کیڈی اندر نہیں لے گیا۔

''پھاٹک کے چوکیدار کو یہاں بلاؤ۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

اس نے کیڈی باہر ہی چہار دیواری کے نیچے روک دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد حمید چوکیدار ساتھ لئے ہوئے واپس آ گیا۔

فریدی چند لمحے چوکیدار کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تم جانتے ہو کہ ہم لوگ پولیس کے آدمی ہیں۔''

''جی......ہجور......!''

''جس رات آگ لگی تھی تم کہاں تھے؟''

''یہیں پھاٹک پر......!''

''تم نے آگ لگتے تو دیکھا ہی ہوگا۔''

''نہیں سرکار......میں سو رہا تھا۔''

''تو تمہیں پھاٹک پر سونے کی تنخواہ ملتی ہے۔''

''رات کو جاگ کر میں نے کبھی پہرا نہیں دیا۔ بڑے صاحب کہتے تھے اس کے لئے ہی کاپھی ہیں۔''

''تم کس وقت سوئے تھے۔''

''سائت ایک بجے۔''

''اس سے پہلے کوئی باہر سے آیا تھا۔''

''جج......جی......نہیں۔''

''گھر کا کوئی آدمی۔''

''نہیں سرکار۔''

''جھوٹ بولتے ہو۔''

''مم......نہیں ہجور......!''

''اسے لے جا کر بند کر دو۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

دربان گڑگڑانے لگا۔

''اگر تم میری باتوں کا صحیح جواب دو گے تو کئی مصیبتوں سے بچ جاؤ گے۔ پولیس والے بہت مارتے ہیں۔'' فریدی بولا۔

دربان تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''دانس میاں آئے تھے۔''

''لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے تم چھپاؤ......!'' فریدی اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے منع کر دیا گیا تھا۔''

''کس نے منع کیا تھا۔''

''ناصر میاں نے۔''

''کیا کہا تھا......!''

''یہی کہ میں دانس میاں کے رات گئے آنے کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔''

''یہ انہوں نے تم سے کب کہا تھا۔''

''آگ لگنے کے دوسرے دن۔''

''دانش موجود تھا۔''

''نہیں وہ نہیں تھا۔''

''جب آگ بجھانے کی کوشش کی جا رہی تھی اس وقت دانش موجود تھا۔''

''پتہ نہیں! میں نے نہیں دیکھا۔''

''اس کے بعد سے کبھی دانش دکھائی دیا تھا۔''

''نہیں حجور......!''

''دانش اس رات نشے میں تھا۔''

''جی ہاں...... بری تراں......!'' دربان بولا۔ ''میں نے ان سے کہا پہنچادوں...... انہوں نے مجھے گالیاں دیں اور چھرا دکھایا۔''

''چھرا دکھایا......؟'' فریدی نے دہرایا۔

''جی ہاں سرکار...... میں چپ چاپ لیٹ گیا۔''

''کیا اس سے پہلے بھی کبھی چھرا دکھایا تھا۔''

''کبھی نہیں۔''

''اچھا جاؤ......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''لیکن اس کا تذکرہ ناصر یا کسی اور سے ہرگز نہ کرنا۔''

''اچھا صاحب۔'' دربان سلام کر کے چلا گیا۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ فریدی کیڈی کو اسٹارٹ کر کے کمپاؤنڈ میں لایا۔

''سنو حمید......!'' اس نے کہا۔ ''اب صرف اسی لڑکی سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔''

''صوفیہ سے۔''

''ہاں...... کیا تم ایسا کرسکو گے۔''

''بہت چالاک ہے۔''

''تم تو عورتوں کی نبض شناسی کے ماہر ہو۔''

''لیکن وہ خود کو عورت سمجھتی ہی نہیں۔ میں نے اب تک اسے غرارے یا ساڑی میں نہیں دیکھا۔ ہر بات میں مردوں کی نقل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔''

''آج شام کو اُسے کہیں باہر لے جاؤ۔''

''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں...... یور ہارڈنس......!''

''میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ آپ اس سے عشق لڑائیں۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ میرے ساتھ چلی ہی جائے۔''

''کوشش کرو...... یہاں تو میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ناصر ہر وقت اس کے سر پر سوار رہتا ہے۔''

''میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ ناصر کا برتاؤ اس کے ساتھ اچھا نہیں۔''

پھر وہ دونوں اپنے کمروں میں چلے گئے۔ لیکن حمید زیادہ دیر تک کمرے میں نہ رہ سکا۔ اس نے صوفیہ کی تلاش شروع کر دی۔ بڑی دیر تک کئی راہداریوں کی خاک چھانتا رہا لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ ایک جگہ ناصر کی دونوں لڑکیوں سعیدہ اور نکہت سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ دونوں نے عجیب انداز میں اس کی مزاج پرسی کی۔ اس سے پہلے حمید نے ان کی آنکھوں میں صرف نفرت ہی دیکھی تھی۔ مگر اس وقت وہ دونوں ہی اس سے گفتگو کرنے پر آمادہ نظر آ رہی تھیں۔

''کیا پہلے آپ فلموں میں کام کرتے تھے۔'' سعیدہ نے پوچھا۔

''فلموں میں......!'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں تو۔''

''واہ...... ہم نے تو آپ کو بیجو باورا میں دیکھا تھا۔'' نکہت لچک کر بولی۔

''بیجو باورا......!'' حمید نے احمقوں کی طرح پلکیں جھپکائیں۔

''آپ اپنا تانپورہ کیوں نہیں لائے۔'' سعیدہ نے کہا۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے......!'' حمید بوکھلا کر بولا۔

''ہم سمجھتے ہیں......!'' دونوں بیک وقت ہنسنے لگیں۔

حمید اور زیادہ بوکھلا گیا۔ وہ دراصل اب تک دونوں کو احمق سمجھ کر نظرانداز کرتا رہا تھا۔ مگر وہ دونوں اچانک اُسے گھیرنے پر آمادہ ہوگئی تھیں اور حملہ کچھ اس بے ساختگی کے ساتھ ہوا تھا کہ حمید کو پگڑی سنبھالنی دشوار ہوگئی۔ حالانکہ اگر اس کے سر پر سچ مچ پگڑی ہوتی تو وہ اُسے قابل اعتنا نہ سمجھتیں۔

''گانا تو آپ کو سنانا ہی پڑے گا۔'' نکہت بولی۔

اور پھر حمید کو سچ مچ ایسا ہی محسوس ہونے لگا جیسے اس کی شکل پکا گانا گاتے وقت بگڑ گئی

ہو۔قریب تھا کہ وہ بوکھلا کر ہکلانا شروع کر دے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''کیا سنئے گا......!'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جئے جئے ونتی۔'' نکہت بولی۔

''نہیں......گوجری ٹوری۔'' سعیدہ نے کہا۔

''فی الحال جھاپ کا خیال سنئے۔'' حمید داہنے کان پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔''صوفیہ صاح
بھی بلا لیجئے۔''

''صوفی صاحب کہئے۔'' سعیدہ نے تنفر آمیز لہجے میں کہا۔''وہ کسی درخت پر
گلہریاں پکڑ رہی ہوگی۔''

''تو چلئے اسی درخت کے نیچے سہی۔''

''یہیں سنیں گے۔'' نکہت نے کہا۔

''پاگل ہوئی ہے۔'' سعیدہ بولی۔''ڈیڈی دھر پت الاپنا شروع کر دیں گے۔''

وہ عقبی پارک کے ایک درخت کے سائے میں آبیٹھے۔ دن ڈھل رہا تھا اور دھوپ
اب زیادہ تمازت نہیں رہ گئی تھی۔

حمید نے چاروں طرف متجسس نظروں سے دیکھا مگر صوفیہ یہاں بھی کہیں نہ دکھائی د

''چلئے دیپک سنائیے۔'' نکہت نے کہا۔

''دیپک......!'' حمید مسکرا کر بولا۔''آپ میں سے کسی کو میگھ ملہار آتی ہے۔''

''کیا واقعی دیپک راگ سے چراغ جل اٹھتے تھے۔'' سعیدہ نے پوچھا۔

''بالکل......'' حمید سنجیدگی سے سرہلا کر بولا۔''محض اسی لئے ایک بار تان سین کو
ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت کرنی پڑی تھی۔''

''کیوں......دہلی ریڈیو......!'' سعیدہ ہنسنے لگی۔

''جی ہاں......ہوا یہ کہ ایک بار بیربل کی حماقت سے دیا سلائیوں کی امپورٹ بند ہو
سارے ملک میں اندھیرا چھا گیا۔ تب اکبر بادشاہ نے تان سین کو ریڈیو اسٹیشن میں ملاز

دلوادی۔ سانجھ بھئے وہ دیپک براڈ کاسٹ کرتا تھا اور ملک کے چراغ روشن ہو جاتے تھے۔''

''تو وہ غریب بھی روز ہی جل بھن جاتا رہا ہوگا۔''

''قطعی نہیں! وہ ایک ریفریجریٹر میں بیٹھ کر گایا کرتا تھا۔''

دونوں نے قہقہہ لگایا۔ پھر نکہت بولی۔''آج کل کسی کو دیپک اور ملہار کیوں نہیں آتے۔''

''بجلی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی بناء پر۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''تان سین زندہ ہوتا تو اسے کسی پاور ہاؤز میں قلی گیری کرنی پڑتی۔ رہا ملہار کا قصہ تو وہ صرف مینڈکوں کو پسند آیا تھا۔ مینڈک ہی آج بھی ملہار گاتے ہیں اور جب گاتے ہیں تو پانی ضرور برستا ہے۔ اس زمانے میں تان سین کو محکمہ موسمیات میں ضرور نوکری مل جاتی۔''

''آپ باتوں میں ٹالیں گے سنائیں گے نہیں۔'' سعیدہ نے کہا۔

''آؤٹ ہاؤز میں آگ لگی ہوگی تو بڑا زوردار دھماکہ ہوا ہوگا۔'' حمید بولا۔

''پتہ نہیں......!'' سعیدہ دفعتاً مغموم ہو کر بولی۔''ہم سو رہے تھے۔''

نکہت بھی اداس نظر آنے لگی۔

''بڑا عبرت ناک منظر ہوگا۔''

وہ دونوں خاموش رہیں۔ پھر نکہت اٹھتی ہوئی بولی۔

''ہم نے ابھی چائے نہیں پی۔''

اس کے اٹھتے ہی سعیدہ بھی کھڑی ہو گئی۔

''ہائیں......تو کیا اب میں ان درختوں کو سناؤں گا۔ بھائی دانش میرے بڑے قدرداں
ل۔ مگر افسوس کہ وہ موجود نہیں۔''

''کک......کیا آپ انہیں جانتے ہیں۔'' سعیدہ حمید کو گھور کر بولی۔

''جاننے کی ایک ہی کہی......ارے ہم دونوں گہرے دوست ہیں۔''

''تب تو آپ بھی انہیں کی طرح آوارہ ہوں گے۔'' نکہت ناک پر شکنیں ڈال کر بولی۔

''آوارہ......!'' حمید حیرت سے بولا۔

"جی نہیں بہت شریف۔" نکہت نے طنزاً کہا۔ "اتنے شریف کہ ایک ماہ سے گھر والوں کو ان کی شکل نہیں دکھائی دی۔"

"حیرت ہے۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ شہر ہی میں ہیں۔ شائد چودہ پندرہ دن قبل ملاقات بھی ہوئی تھی۔"

"شہر ہی میں ہیں۔" سعیدہ نے حیرت سے کہا۔

"میں پندرہ دن قبل کی بات کر رہا ہوں۔"

"وہ ایک ماہ سے گھر نہیں آئے۔" نکہت بولی۔ "سنا ہے اب شراب بھی پینے لگے ہیں۔"

"اب کیا...... وہ پہلے بھی پیتے تھے۔" حمید نے کہا۔

"ہم لوگوں کو نہیں معلوم تھا۔"

"لیکن میں انہیں راہ راست پر لا سکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"وہ کس طرح۔"

"آپ مجھے بتائیے کہ وہ کہاں مل سکیں گے۔ میں آج ہی انہیں پکڑ لاؤں۔"

"یہی معلوم ہوتا تو ڈیڈی ہی نہ پکڑ لاتے۔" نکہت بولی۔ "آپ تو ان کے دوست ہیں۔ آپ سے کیا پردہ۔ وہ بیس بائیس ہزار روپے کے مقروض ہو گئے ہیں اور قرض بھی بڑے آدمیوں کا ہے۔ آج ہی شہر کا ایک مشہور بدمعاش صفدر تقاضے کے لئے آیا تھا...... میرا خیال ہے کہ وہ قرض خواہوں کی وجہ سے کہیں چھپ گئے ہیں۔"

"اوہ...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ قرض دار بھی ہیں۔" حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ یہ حقیقت ہے یا یہ دونوں لڑکیاں جان بوجھ کر اُسے گمراہ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ حمید سوچتا رہا اور وہ دونوں چلی گئیں۔

دھوپ عمارت کی دیواروں پر چڑھنے لگی تھی۔

حمید اٹھ کر آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا عمارت کے داہنے بازو کی طرف آیا۔ وہ یونہی بغیر مقصد ادھر نکل آیا تھا اور بالکل دیوار کے نیچے چل رہا تھا۔ دفعتاً کوئی چیز اس کے سر پر گری اور پھسل

ہوئی نیچے چلی آئی۔ حمید کا سر بیساختہ اوپر کی طرف اٹھ گیا۔ رسی اوپری منزل کی ایک کھڑکی سے پھینکی گئی تھی۔ کھڑکی میں ایک چہرہ دکھائی دیا۔ وہ صوفیہ تھی جیسے ہی اس کی نظر حمید پر پڑی اس نے رسی کو اوپر کھینچ کر کھڑکی بند کر لی۔

حمید پہلے تو یہ سمجھا کہ شائد صوفیہ بھی اسے چھیڑ رہی ہے لیکن پھر اسے اپنا خیال تبدیل کر دینا پڑا۔ کیونکہ اوپر سے پھینکی گئی رسی حقیقتاً رسی نہیں تھی بلکہ نواڑ کو بٹ کر اسے رسی کی شکل دی گئی تھی اور پھر ایک دوسرے ہی خیال نے اس کے ذہن میں سر ابھارا...... وہ تیزی سے چلتا ہوا عمارت کے سرے تک آیا اور پھر وہیں سے مہندی کی باڑھ کی اوٹ پکڑ کر دوبارہ اسی کھڑکی کی طرف چلنے لگا۔ اس طرف مہندی کی باڑھ شائد عرصہ سے بے مرمت پڑی ہوئی تھی اس لئے حمید کو دیکھ لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کھڑکی پھر کھلی۔ صوفیہ نے آدھے دھڑ سے باہر لٹک کر چاروں طرف دیکھا اور پھر اس نے رسی نیچے پھینک دی۔

پھر حمید نے جو دیکھا وہ اس کے لئے حیرت انگیز بھی تھا اور وحشت ناک بھی۔ کھڑکی زمین سے پچیس یا تیس فٹ بلند تھی اور صوفیہ اس رسی کے سہارے در دیوار سے دونوں پیر لگائے اتنی بے خوفی سے نیچے اتر رہی تھی جیسے وہ اس کے لئے محض ایک معمولی سی تفریح ہو۔ اُسے زمین تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

فرار

حمید نے ایک بار پھر کھڑکی کی بلندی کا جائزہ لیا اور سناٹے میں آ گیا۔ صوفیہ نے اپنے سینڈل پتلون کی جیب میں ٹھونس رکھے تھے اور انہیں جلدی سے پیروں میں ڈالا اور قریب قریب دوڑتی ہوئی گیراج کی طرف چلی گئی۔ حمید چپ چاپ مہندی کی باڑھ کی اوٹ سے نکلا۔ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر وہ بھی گیراج ہی کی طرف چلنے لگا۔

صوفیہ گیراج سے سرخ رنگ کی ٹوسیٹر نکال چکی تھی وہ اسے کافی تیز رفتاری سے ہوئی پھاٹک سے گذر گئی۔

فریدی کی کیڈی دوپہر سے اب تک پورچ ہی میں کھڑی رہی تھی۔ حمید کو اُس تک کے لئے کافی تیز دوڑنا پڑا...... اتفاق سے وہاں اور کوئی موجود نہیں تھا...... ورنہ وہ اس حرکت کو پاگل پن پر محمول کرتا۔

سڑک پر آ کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ لیکن سرخ رنگ کی ٹوسیٹر کا نہ ملا۔ جس رفتار سے صوفیہ اسے باہر لائی تھی اگر وہی رفتار سڑک پر بھی برقرار رکھی ہوگی تب نہ جانے کہاں پہنچی ہوگی۔

حمید نے گیئر بدلے اور کیڈی فراٹے بھرنے لگی۔ دھندلکا پھیلنے لگا تھا لیکن ابھی اتـ باقی تھی کہ وہ سرخ رنگ کی ٹوسیٹر کو دور ہی سے دیکھ سکتا تھا۔ وہ برابر رفتار تیز کرتا رہا۔

آخر شہر پہنچتے پہنچتے اس نے سرخ رنگ کی ٹوسیٹر کو جا ہی لیا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔

ایک جگہ صوفیہ کی گاڑی رک گئی۔ حمید نے صوفیہ کو اتر کر ملبوسات کی ایک بڑی دکا گھستے دیکھا۔ وہ اپنی کیڈی کو بیک کر کے ایک گلی میں لایا اور انجن بند کر کے اس نے اسے چھوڑ دیا۔

ٹوسیٹر اب بھی وہیں کھڑی تھی جہاں چھوڑی گئی تھی۔ حمید سڑک کے دوسرے کـ سے ملبوسات کی دوکان کی نگرانی کرتا رہا۔ شائد بیس منٹ بعد صوفیہ برآمد ہوئی اور آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ اس کے جسم پر اب قمیض اور پتلون کی بجائے ایک نفیس قسم کی ساری تھی اور اس نے اپنی داہنی بغل میں ایک چھوٹا سا بنڈل دبا رکھا تھا۔ وہ سے نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔ حمید کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ کچھ دور صوفیہ پھر ایک دوکان میں گھس گئی جہاں چمڑے کا سامان فروخت ہوتا تھا۔ حمید کو بھی رکـ پڑا لیکن اس بار بھی وہ دوکان کے اندر نہیں گیا۔

صوفیہ تھوڑی دیر بعد ہاتھ میں چمڑے کا ایک سوٹ کیس لٹکائے ہوئے باہر نکلی۔

ت اتنی حیرت انگیز نہیں تھی جتنی کہ اس کی دوسری حرکت ہو سکتی تھی۔ اس نے ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔

پھر حمید نے بڑی تیزی سے سڑک پار کی اور اس گلی میں پہنچا جہاں اس نے کیڈی کھڑی کی تھی۔ دوسرے لمحے کیڈی بھی سڑک پر تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس نے اپنی کار کی موجودگی میں ٹیکسی کیوں کی؟ کیا وہ سچ مچ ار ہو رہی ہے۔ آخر کیوں؟ کیا اس کا بھی اس کیس سے تعلق ہے...... کوئی ایسا تعلق جس کی پر اُسے فرار ہونا پڑے۔ پھر اس کے خیالات کی رو فرار کے طریقے کی طرف بہک گئی۔ آخر طرح فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک پچیس فٹ بلند کھڑکی سے بٹی ہوئی نواڑ کے یعہ چوروں کی طرح اترنا...... اور پھر گیراج میں داخل ہو کر علی الاعلان کار نکالنا جیسے اس کے را سے دیکھ لئے جانے کی پرواہ نہیں تھی...... اور اب وہ اس کار کو بھی سڑک کے کنارے اس رح چھوڑ کر فرار ہو رہی تھی جیسے وہ کار چوری کی رہی ہو۔

صوفیہ کی ٹیکسی شیبان کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ یہ متوسط درجے کا ایک اقامتی ل تھا۔ پورچ میں کھڑے ہوئے ایک پورٹر نے صوفیہ کا سوٹ کیس اٹھایا اور اندر جانے کے لئے اس کی رہنمائی کرنے لگا۔

حمید نے بھی کمپاؤنڈ ہی میں کیڈی روک دی تھی۔ لیکن اندر ہی بیٹھا اسے پورٹر کے ساتھ تے دیکھتا رہا۔

یقیناً وہ یہاں قیام ہی کرنے کے لئے آئی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید ہوٹل کے منیجر کے کمرے میں تھا۔ اس نے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر منیجر سامنے رکھ دیا۔

''اوہ...... فرمائیے۔'' منیجر کچھ مضطرب سا نظر آنے لگا۔

''تھوڑی سی تکلیف دوں گا۔'' حمید بولا۔ ''پرسوں سے کل تک کے قیام کرنے والوں دستخط دیکھنا چاہتا ہوں۔''

"کوئی خاص بات۔"

"جی ہاں...... ہمیں ایک مشتبہ آدمی کی تلاش ہے جو شہر کے کسی ہوٹل میں مقیم ہے"

منیجر نے رجسٹر اس کی طرف بڑھا دیا۔ رجسٹر کھلا ہوا تھا۔ شاید وہ صوفیہ کے دستخ کے بعد سے اب تک بند نہیں کیا گیا تھا۔ حمید کی نظر سب سے پہلے آج کے آخری نام جو صوفیہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اس کی بعد سے اب تک اور کوئی آ والا آیا ہی نہیں تھا۔

صوفیہ نے اپنا نام مسز آشا ورما لکھا تھا اور دستخط بھی اس نام کے کئے تھے۔ جلدی سے وہ صفحہ الٹ کر دو دن قبل کی آمد و رفت کا صفحہ کھولا۔ اس کا مقصد تو حل ہو اب اُسے صرف منیجر کو دکھانے کے لئے پچھلے ناموں پر نظر ڈالنی پڑی تھی۔

"شکریہ......!" حمید نے تھوڑی دیر بعد رجسٹر بند کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مل گیا......!" منیجر نے پوچھا۔

"نہیں...... یہاں نہیں ہے۔"

پھر منیجر کے چہرے سے فکر کے بادل چھٹ گئے اور اس نے بڑی خوش دلی اسے رخصت کیا۔

حمید نے باہر آ کر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کا رخ کیا۔ اسے توقع تھی کہ فریدی کی کوٹھی ہی میں ہوگا۔ کیونکہ کیڈی لے کر تو وہ چلا آیا تھا اور اس طرف ٹیکسیاں بھی شاذ جاتی تھیں۔ اس نے نمبر ڈائیل کئے...... کسی نے دوسری طرف سے کال ریسیور کی۔ فریدی کا نام لیا...... پھر اسے کچھ دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

"ہیلو...... کون ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں حمید بول رہا ہوں۔ لیکن میں فریدی صاحب سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ معاف کیجئے گا......" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "نوکر کو غلط فہمی ہوئی تھ ٹھہرئیے۔"

حمید کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اگر وہ جلدی میں ہوتا اور اس نے واز کے فرق کو نہ محسوس کیا ہوتا تو اس کی گفتگو فریدی کے بجائے کسی اور نے سنی ہوتی۔

جلد ہی اسے دوسری طرف سے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"کہاں ہو تم......!" فریدی نے پوچھا۔

"پبلک ٹیلی فون بوتھ نمبر ستائیس میں...... آپ کے لئے ایک دلچسپ اطلاع ہے۔"

"میں فون پر کوئی اطلاع سننا پسند نہیں کروں گا...... سمجھے...... تم کب واپس آؤ گے۔"

"خیر نہ سنئے......!" حمید نے کہا۔ "لیکن میں اپنے محکمے کے کسی آدمی سے کوئی مدد لے سکتا ں یا نہیں۔"

"کیا موجودہ معاملات کے متعلق۔"

"جی ہاں۔"

"کس سلسلے میں۔"

"محض نگرانی کے لئے۔"

"اجازت ہے...... جلد واپس آنے کی کوشش کرنا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوجانے کے بعد حمید نے بھی ریسیور ہک سے لگا دیا لیکن بوتھ سے باہر نہیں نکلا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے دوبارہ کسی نمبر کے ڈائیل کئے اب وہ شاید اپنے محکمے کے کسی آدمی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے اُسے شیبان ہوٹل میں ری ہوئی ایک عورت مسز آشا ورما کی نگرانی کرنے کو کہا تھا۔

بوتھ سے نکل کر وہ کیڈی میں آ بیٹھا۔ اب وہ صوفیہ کی طرف سے مطمئن ہوچکا تھا۔ اس اپسی بڑی پرسکون تھی اور وہ راستے میں سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے فون پر گفتگو کیوں ں کی۔ اچانک اُسے یاد آیا کہ سرمخدوم کی کوٹھی میں دو فون تھے ایک سرمخدوم کے آفس میں اور دوسرا لائبریری میں۔ ان میں سے کسی ایک پر دونوں کی گفتگو صاف سنی جاسکتی تھی۔ ہوسکتا فریدی نے اسی خیال کے تحت فون پر بات کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

کوٹھی میں فریدی اس کا منتظر تھا۔ حمید نے جاتے ہی اپنا کارنامہ شروع کر دیا۔ فر
لاپرواہی سے سن رہا تھا جیسے حمید یونہی تضیع اوقات کرتا رہا ہو۔ گفتگو کے اختتام پر اس
کر کہا۔ ''میں سمجھا تھا شائد تم نے اس سے کوئی کام کی بات معلوم کی ہے۔''

''کیا یہ واقعہ ہی بجائے خود ایک کام کی بات نہیں۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''خدا جانے۔'' فریدی نے لاپرواہی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ کچھ دیر خاموش
بولا۔ ''یہاں اس سلسلے میں کافی شور وغل ہو چکا ہے۔ ناصر اس لڑکی کی حرکت پر بڑ
چراغ پا ہو رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ وہ آئے دن اسی طرح کی حرکتیں کیا کرتی ہے۔''

''تو پھر شاید اس کا بھی دماغ خراب ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں......؟''

''ارے اس نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے چھوڑ دی ہے۔ شاید اُسے اب
پولیس کے کسی آدمی نے کوتوالی بھی پہنچا دیا ہو۔ لیکن کیا ہم اسے بھی پاگل پن سمجھیں کہ
ہوٹل میں مسز آشا ورما کے نام سے مقیم ہے...... آخر کیوں؟''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

''بعض لوگ خود نمائی کے لئے اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔ دوسروں کو حیر
ڈالنے کے لئے اگر صوفیہ کا بھی یہی مقصد ہوتا تو پہلی بار مجھے دیکھ کر کھڑکی کیوں بند کر لی
جب اس نے اطمینان کر لیا کہ میں جا چکا ہوں تو وہ چوروں کی طرح نیچے اتری...... کیا
جواب ہے آپ کے پاس۔''

''جواب......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا مسکرایا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''
جواب یہ ہے کہ وہ کمرہ باہر سے مقفل تھا۔''

''کون سا کمرہ......!''

''وہی، جس کی کھڑکی سے وہ زمین تک پہنچی تھی۔''

''آپ کو کیسے علم ہوا۔''

''جب وہ لوگ کھڑکی کے نیچے کھڑے شور کر رہے تھے میں اوپری منزل پر چلا گیا۔ ناصر
چاہئے تھا کہ غل مچانے سے پہلے کمرے کا تالا کھول لیتا۔''

''تو کیا اُس نے اُسے قید کر رکھا تھا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔'' فریدی سگار کیس نکالتا ہوا بولا۔

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ صوفیہ کوئی اہم بات جانتی ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''آخر آپ خلاف معمول اتنے غیر یقینی انداز میں کیوں گفتگو کر رہے ہیں۔'' حمید جھنجھلا
بولا۔

''بہتیرے معاملات خود میرے ذہن میں ابھی تک صاف نہیں ہیں...... اور پھر میں غیب
ں تو ہوں نہیں کہ پیشین گوئیاں شروع کر دوں۔''

''کون سے معاملات آپ کے ذہن میں صاف نہیں۔''

''جتنے بھی ہیں۔''

''شاید پہلی بار آپ کی زبان سے اس قسم کی گفتگو سن رہا ہوں۔''

''کیا پہلے کبھی اس قسم کے کیس سے سابقہ پڑا تھا۔'' فریدی نے اسے تیکھی نظروں
دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک اُس نے کہا۔

''رات والے آدمی کے لئے آپ نے کیا کیا۔''

''وہی تو مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔''

''الجھن میں کیوں؟''

''شاید اس وقت تمہارا ذہن سوچنے کیلئے موزوں نہیں ہے۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

''وہ کبھی نہیں ہوتا...... علاوہ اُن مواقع کے جب معدہ ٹھیک نہ ہو۔''

''تم اس لڑکی سے ملے کیوں نہیں۔'' فریدی نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

"میں فون پر آپ سے اسی کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا۔"

"کب تک انگلی پکڑ کر چلتے رہو گے۔"

"جب تک جوان نہ ہو جاؤں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"جس دن میرا ہاتھ اٹھ گیا...... جوان بھی ہو جاؤ گے۔"

"اور یہ شعر پڑھتا ہوا جوان ہوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

انگڑائی لینے بھی نہ پائے تھے وہ اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیئے مسکرا کے ہاتھ

"مت بکواس کرو۔" فریدی دانت پیس کر اُسے مکا دکھاتا ہوا بولا۔

حمید پائپ کو دانتوں میں دبا کر جیب میں دیا سلائی ٹٹولنے لگا۔

"تم ابھی جاؤ......!" فریدی نے کہا۔ "صوفیہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ اُسے کس نے اور کیوں قید کیا تھا۔"

"لیکن واپسی کا ذمہ دار میں نہ ہوں گا۔"

"کیا مطلب......!"

"معاف کیجئے گا...... میں بار برداری کا خچر نہیں ہوں۔"

"پھر کیا ہو......؟"

"بار برداری کا خچر......!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"چلو وقت نہ ضائع کرو۔"

"لیکن میں اس وقت واپس نہ آسکوں گا۔"

"ضروری نہیں...... تم صبح آسکتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں دراصل فی الحال یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتا...... ورنہ خود ہی دیکھتا۔"

"اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"لڑکی کی نگرانی اور حفاظت کے لئے کسی کو مقرر کر کے گھر چلے جانا۔"

"آپ کو اطلاع کس طرح دی جائے۔"

"واپسی پر...... اس کی جلدی نہیں۔ فون پر کسی قسم کی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں دو سیٹ ہیں۔ ایک پر دوسرے کی گفتگو بہ آسانی سنی جاسکتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کسی نے اس کی کوشش کی تھی۔" حمید بولا۔ "میں آپ کی آواز فون پر بھی پہچان سکتا ہوں۔ ورنہ پوری رپورٹ کسی اور تک پہنچ چکی ہوتی۔"

"آواز کس کی تھی۔"

"اندازہ نہیں لگا سکا۔"

تھوڑی دیر بعد حمید واپسی کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے کیڈی نکالی اور شہر کے راستے پر ہولیا۔ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے تاریکی گہری ہو گئی تھی۔

حمید آئندہ کے لئے پروگرام سوچ رہا تھا۔ صوفیہ ایڈونچر کی شائق تھی اس لئے اس کے ساتھ بہترین وقت گذر سکتا تھا۔

دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ ایک کار کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ تعاقب کا خیال اس وقت اور زیادہ پختہ ہو گیا جب حمید نے بھی کیڈی کی رفتار کم کر دی اور اس کے باوجود دونوں کاروں کے فاصلے میں کوئی فرق نہ آیا۔ دوسری طرف بھی شائد رفتار کم کر دی گئی تھی۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد بھی حمید کا تعاقب جاری رہا۔

اور پھر حمید نے ہوٹل شیبان کی بجائے کیڈی کا رخ فریدی کی کوٹھی کی طرف کر دیا۔

دوسری شہادت

صوفیہ ہوٹل شیبان کے ایک کمرے میں آرام کرسی پر پڑی کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً کسی نے باہر سے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ صوفیہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور دستک دینے والے کو ہوٹل کا کوئی ملازم سمجھ کر بولی۔ "آجاؤ۔"

ہینڈل گھوما اور دروازہ کھل گیا۔ لیکن دستک دینے والا اندر آنے کی بجائے دروازے پر کھڑا رہا۔ صوفیہ نے آرام کرسی کے ہتھے پر جھک کر دروازے کی طرف جھانکا اور پھر بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔ آنے والا نہ تو ہوٹل کا کوئی ویٹر معلوم ہوتا تھا اور نہ اس کا شناسا۔ ہوٹل کا ویٹر اس لئے نہیں ہوسکتا تھا۔ اس نے ایک نہایت نفیس قسم کا سوٹ پہن رکھا تھا اور شناسا اس لئے نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ایک کافی عمر آدمی تھا اور اس کے چہرے پر جی۔ بی۔ ایس ٹائپ کی سفید ڈاڑھی تھی۔

''ایک مسز آشا ورما میری شناسا تھیں۔'' بوڑھا آدمی بڑبڑایا۔ ''میں سمجھا تھا شائد وہ ہوں۔''

''شائد میں بھی آپ کو نہیں جانتی۔'' صوفیہ نے کہا۔

''قطعی......!'' بوڑھے نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن میری موجودگی آپ کے لئے تکلیف دہ نہیں ہوسکتی۔ اگر اجازت ہو تو میں دو منٹ بیٹھ کر دم لے لوں۔ مجھ جیسے لوگوں کے لئے تیسری منزل پر پہنچنا آسان کام نہیں۔''

''اوہو......!'' صوفیہ جلدی سے بولی اور بڑے تکلف سے آرام کرسی کے سرے پر ٹک گئی۔ بوڑھا بیٹھ کر تھوڑی دیر ہانپتا رہا پھر صوفیہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''اگر آپ میری شناسا ہوتیں تو میری تھکن کے باوجود مجھے پریشان کر ڈالتیں۔''

''اوہ......'' صوفیہ بھی جواباً مسکرائی پھر سنبھل کر بولی۔ ''میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں''

''میں پامسٹ ہوں۔'' بوڑھے نے کہا۔

''لیکن مجھے پامسٹری سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' صوفیہ نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔ وہ سوچنے لگی تو یہ حضرت اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے اس طرح تعارف حاصل کر رہے ہیں۔ اس نے اکثر سنا تھا کہ شہر کے بعض ہوٹلوں میں اس قسم کے لوگ قیام کرنے والوں کو مستقبل کے حالات بتانے کے بہانے ٹھگ لیا کرتے ہیں۔

''راجہ صاحب...... چندر نگر کا بھی یہی خیال تھا۔'' بوڑھے نے سنجیدگی سے سر ہلا کر کہا۔ ''لیکن پھر انہیں ماننا ہی پڑا۔ بہت دلچسپ قصہ ہے...... یہ تو آپ جانتی ہی ہوں گی

راجہ صاحب ریس کے بڑے شوقین ہیں اور ان کے کئی گھوڑے ریس میں حصہ لیتے ہیں۔ ان میں میچ لیس بڑا مشہور تھا۔ پچھلے دنوں میں نے انہیں بتایا کہ اگلی ریس میں میچ لیس کو گولی مار دی جائے گی۔ انہوں نے میرا مضحکہ اڑا دیا۔ میں خاموش رہا۔ لیکن کیا ہوا...... میچ لیس دوڑا...... سو فیصدی توقع تھی کہ اول آئے گا اور وہ تھا بھی سب سے آگے لیکن اچانک ٹھوکر کھائی اور جاکی سمیت منہ کے بل زمین پر آ رہا...... اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ظاہر ہے اس کے بعد اسے گولی ماردی گئی۔ اگر راجہ صاحب میرے کہنے پر عمل کرتے اور اسے اس دن ریس میں شامل نہ کرتے میچ لیس محفوظ ہوتا......''

''لیکن میرے پاس کوئی گھوڑا نہیں ہے۔'' صوفیہ ہنس پڑی۔

''لڑکی تم اس طرح میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتیں۔'' بوڑھا بگڑ گیا۔ ''میں اپنے وقت کی عظیم ترین ہستی ہوں۔ میں تمہاری پیشانی پر بربادیوں کے سائے دیکھ رہا ہوں۔ کیا آج تم ایک مصیبت میں نہیں پھنسی تھیں۔ کیا اپنی جان پر کھیل کر تم اس سے نہیں نکلیں۔''

صوفیہ چونک کر بوڑھے کو گھورنے لگی۔

''اچھا اب میں چلا۔'' بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔

''ٹھہریئے......!'' صوفیہ نے کہا۔ ''تشریف رکھئے۔''

بوڑھا بیٹھ گیا۔

''لیکن......!'' صوفیہ بولی۔ ''آپ نے جو کچھ کہا ہے اس کا پامسٹری سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ پامسٹری تو ہاتھ کی لکیروں پر منحصر ہے۔''

''میں صرف پامسٹ ہی نہیں ہوں۔'' بوڑھے نے فخریہ انداز میں گردن اونچی کر کے کہا۔ ''مجھ میں روحانی قوتیں بھی ہیں۔ میں ایک بے سہارا لڑکی کو مصائب میں گھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ ایک لڑکی جو صرف مس ہے۔ مسز کسی طرح نہیں ہوسکتی۔''

''آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔'' صوفیہ نے پرسکون انداز میں کہا۔

''لوگ مجھے شاہ بلوط کہتے ہیں۔'' بوڑھے نے فخریہ کہا۔

"شاہ بلوط۔" صوفیہ ہنسنے لگی۔ "یہ تو ایک درخت کا نام ہے۔"

"اونچا اور تناور درخت......!" بوڑھے نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرے خیال سے اب آپ کی سانس درست ہوگئی ہوگی۔" صوفیہ سرد لہجے میں بولی

"آں...... ہاں......" بوڑھا ہچکچا کر بولا۔ "کیا آپ اپنے مستقبل کے بارے میں نہیں جاننا چاہتیں۔"

"مجھے افسوس ہے مستقبل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ ویسے آپ کی فیس کیا ہے۔"

"فیس......!" بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "کچھ بھی نہیں۔ فیس میں اس وقت لیتا ہوں ج کوئی خود سے خواہش کرتا ہے اور جن کے ہاتھ میں اپنی مرضی سے دیکھتا ہوں ان سے کوئی فی نہیں لیتا۔"

"تو آپ یونہی تفریحاً ہاتھ دیکھا کرتے ہیں۔"

"محض تجربات میں اضافہ کرنے کے لئے۔"

صوفیہ نے تمسخر آمیز انداز میں مسکرا کر اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کردی۔

"ہاتھ تو بڑا اچھا ہے۔" بوڑھے نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "ا میں ماضی سے شروع کرتا ہوں، تمہارے والدین بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے...... کیوں؟"

"ٹھیک ہے......!" صوفیہ سر ہلا کر بولی۔

"لیکن پھر بھی تم نے اپنے دن اچھے گزارے۔ اب حال کی طرف آتا ہوں۔ تم آج کل کئی قسم کی الجھنوں کا شکار ہو۔ تمہارے دل پر کسی بات کا بوجھ ہے تم اُسے کہہ ڈالنا چاہتی ہو لیکن کوئی ایسا ہمدرد نہیں ملتا...... کیوں؟"

"ٹھیک ہے......! میں ایک بات اگل دینے کے لئے بُری طرح بے تاب ہوں۔"

"لیکن کس سے کہوں۔"

"مجھ سے کہو...... ممکن ہے میں تمہاری مدد کرسکوں۔" بوڑھے نے کہا۔

"کہہ دوں......!" صوفیہ بولی۔

"کہہ دو......!"

"تم مجھے اسٹیج کے مسخرے معلوم ہوتے ہو...... کیوں؟" صوفیہ نے بوڑھے کے لہجے کی نقل اتاری۔ تم فی الحال ایک بہت بڑی مصیبت میں پڑ گئے ہو اور ایک لڑکی تمہاری ڈاڑھی نوچنے کے امکانات پر غور کررہی ہے لیکن تم بُرا نہیں مانو گے۔ یہی تمہارا مستقبل ہے۔"

پھر صوفیہ نے جھپٹ کر بوڑھے کی ڈاڑھی پکڑلی جو روئی کے گالے کی طرح اکھڑتی چلی آئی۔

بوڑھا اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ لیکن اس کا گریبان صوفیہ کی گرفت میں آچکا تھا۔ صوفیہ نے اُسے آرام کرسی میں دھکیل دیا۔

"تم لوگ مجھے کہیں بھی چین سے نہیں رہنے دو گے۔" صوفیہ ہانپتی ہوئی بولی پھر ہنسنے لگی۔

حمید نے بچے کھچے بال بھی اپنے گالوں سے نوچ لئے اور شریر نظروں سے صوفیہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہاری ہی وجہ سے وہاں سے بھاگی ہوں۔" صوفیہ نے کہا۔

"اب زیادہ اڑنے کی کوشش نہ کرو...... بہت زیادہ چالاک نہیں ہو۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کیا مطلب......!"

"مطلب صاف ہے۔ تم نے پلنگ کی نواڑ کھولی اسے رسی کی طرح بٹ کر کھڑکی سے نیچے اتریں۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ دروازے سے نہیں فرار ہوسکتی تھیں۔ اور پھر تم ہماری ہ سے بھاگی کیوں...... کیا آؤٹ ہاؤز میں تم نے ہی آگ لگائی تھی۔"

صوفیہ کے چہرے پر زردی چھا گئی اس نے جلدی سے کہا۔ "ہرگز نہیں! یہ تو میں نے تم وں کو پریشان کرنے کے لئے کیا تھا تا کہ تم لوگ کچھ دیر بھاگ دوڑ کرو۔ میں نے تمہیں ڑکی کے نیچے دیکھ کر ہی یہ حرکت کی تھی۔ میں یہ بھی جانتی تھی کہ تم میرا تعاقب کررہے ہو...... کہو کیسی رہی۔"

صوفیہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ لیکن حمید بیک بیک سنجیدہ ہوگیا۔

اس نے کہا۔ "ناصر صاحب کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ تمہارا ایڈونچر تھا۔"

"گھر والے مجھے بچپن ہی سے جانتے ہیں۔"

"میں بھی تم سے اچھی طرح واقف ہوں۔" حمید بولا۔ "تم ان لوگوں میں سے
اپنے دشمنوں کو بھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"اچھی طرح سمجھتی ہو۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "کیا اُن لوگوں نے تمہیں کمرے میں قید
کر دیا تھا۔"

ایک بار پھر صوفیہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لیے

"وہ لوگ نہیں چاہتے کہ تم ہم سے ملو۔" حمید کہتا رہا۔ "بات حقیقتاً یہ ہے کہ تم دانش
متعلق کوئی اہم بات جانتی ہو۔"

"میرے خدا......!" صوفیہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"ہم دانش کے متعلق بہت سی معلومات فراہم کر چکے ہیں اور ان کی روشنی میں ہم یہ
پر مجبور ہیں کہ یہ فعل دانش کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں......نہیں یہ غلط ہے۔" صوفیہ نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"بالکل درست ہے۔" حمید بولا۔ "دانش پچیس تیس ہزار کا قرض دار تھا اور ظاہر ہے
اتنی رقم نہ دانش کے بس کا روگ تھی اور نہ ناصر کے۔ البتہ سر مخدوم کی موت ناصر کو دولت
بنا سکتی تھی۔ پھر ناصر سے یہ کیسے ہوتا کہ دانش کو قرض خواہوں میں گھرا ہوا دیکھتا۔"

صوفیہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر تھوک نگل گئی۔

"ہو سکتا ہے کہ تم دانش کی موجودہ قیام گاہ سے واقف ہو۔"

"نہیں......خدا کی قسم میں نہیں جانتی۔"

"پھر انہوں نے تمہیں کیوں قید کر دیا تھا۔"

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ وہ فرش کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم سر مخدوم کے قاتل کو بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔" حمید نے کہا۔

"نہیں یہ غلط ہے۔" صوفیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"پھر......؟"

"دانش بھی میرا چچا زاد بھائی ہے اور ناصر چچا ہیں ان سے بھی وہی رشتہ ہے جو سر مخدوم
سے تھا۔"

"تو تم قانون کی مدد نہیں کرو گی۔"

"مم......میں!"

"سر مخدوم تمہارے محسن تھے۔"

"تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ انہوں نے تمہیں قید کیوں کر دیا تھا۔"

"میں نے دانش بھائی کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا اسی رات کو جب آگ لگی تھی۔"

"کیا وقت رہا ہوگا۔"

"شاید ایک بجا تھا۔"

"تم اس وقت کمپاؤنڈ میں کیا کر رہی تھیں۔"

"میں کمپاؤنڈ میں نہیں تھی۔ میری خواب گاہ اوپری منزل پر ہے اور اس کی ایک کھڑکی
نڈ کی طرف ہے۔ مجھے نیند نہیں آئی تھی۔ میں کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ کمپاؤنڈ میں اندھیرا
......لیکن تاروں کی چھاؤں میں مجھے ایک دھندلا سا انسانی سایہ دکھائی دیا۔ میں نے ٹارچ
اس کی روشنی میں مجھے دانش بھائی دکھائی دیئے جو آؤٹ ہاؤز کی طرف جا رہے تھے۔"

"آگ جب لگی تم جاگ رہی تھیں۔"

"نہیں سو چکی تھی۔"

"آگ لگنے پر آنکھ کھل گئی ہوگی۔"

"سب ہی جاگ پڑے تھے۔"

"تو تمہارا خیال دانش کی طرف گیا ہوگا۔ قدرتی بات ہے۔"

"نہیں ...... میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"پھر گھر والوں کو کیسے معلوم ہوا کہ تم نے دانش کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا۔"

"یہ بات دوسرے دن سب سے پہلے دربان نے بتائی تھی جس پر ناصر چچا بگڑ تھے۔ کہنے لگے کہ دربان نے خواب دیکھا ہوگا۔ پھر جب میں نے بھی انہیں رات کا واقعہ خاموش ہو گئے۔ آخر انہوں نے دربان کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اس کا تذکرہ کسی کرے گا۔ پھر انہوں نے مجھے سمجھایا کہ اس بیان پر پولیس خواہ مخواہ شبہ کرے گی او خاندان مصیبت میں پھنس جائے گا۔"

"تم نے پوچھا نہیں کہ ایسا کن بناء پر ہوسکتا ہے۔"

"وجہ میں خود ہی جانتی تھی۔ دانش بھائی شرابی اور جواری ہیں وہ کئی بار چچا جان مرحو اس بناء پر لڑ چکے تھے کہ وہ ان کا قرض کیوں نہیں ادا کر دیتے اور اس کی عدم موجودگی میں ہمارے سامنے وہ یہ بات کہہ چکے تھے کہ وہ چچا جان کو مار ڈالیں گے۔ لیکن ایسے موقعو ہمیشہ نشے میں ہوتے تھے۔ ناصر چچا کا خیال ہے کہ ممکن ہے دانش بھائی نے یہی جملہ باہ دوستوں میں بھی دہرا دیا ہو۔ اگر پولیس کو ذرا شبہ بھی ہو گیا تو پھر دانش بھائی پھنس جائیں گے۔"

"اچھا تو پھر وہ اس طرح غائب کیوں ہو گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" صوفیہ بولی۔ "یہی تو میں سوچتی ہوں۔ وہ اکثر گھر سے کئی کئی دنو لئے غائب ہو جاتے ہیں لیکن وہ آج کل جہاں بھی ہوں گے انہیں اس حادثے کے متعلق معلوم ہوا ہوگا۔ کئی دن تک اخبارات میں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ آتا ہی رہا ہے۔ انہیں ضرور آنا چاہئے تھا۔"

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"تم اب کیا کرو گی۔"

"میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی۔"

"گھر کا کوئی آدمی تمہاری تلاش میں ہے اس نے میرا تعاقب کیا تھا لیکن میں اُ

ر گھر چلا گیا...... اور وہاں سے بوڑھے کے میک اپ میں تم تک پہنچا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے ایسا کیا ورنہ شائد زندگی بھر تم سے ایسی مفید معلومات نہ حاصل ہا سکتیں۔"

"تو آپ نے کیا نتیجہ نکالا ہے۔"

"نتیجہ...... ظاہر ہے کہ آگ لگانے والا دانش ہی ہے اور ناصر صاحب اُس کی موجودہ گاہ سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"خدا جانے......!" صوفیہ نے کہا۔ "دانش بھائی اتنے بُرے بھی نہیں تھے کہ سچ مچ چچا کو ختم کر دیتے۔"

"پھر غائب کیوں ہو گیا۔ اسی بناء پر نا کہ وہ بہتیرے لوگوں کے سامنے سر مخدوم کو قتل ینے کا خیال ظاہر کر چکا تھا۔ اگر اس نے یہ حرکت نہ کی ہوتی تو ضرور سامنے آجاتا اور اپنے ف شہادت رفع کرانے کی کوشش کرتا۔"

"ممکن ہے...... وہ قرض خواہوں کے ڈر سے روپوش ہو گئے ہوں۔"

"تو پھر ناصر صاحب اس بُری طرح پردہ پوشی پر کیوں تلے ہوئے ہیں ورنہ یہ بات ں بھی سوچتا ہوں کہ بظاہر دانش کے لئے اب کوئی خطرہ نہیں کیونکہ پولیس اسے اتفاقیہ حادثہ ر دے چکی ہے اور ہم لوگ تو نجی طور پر تحقیقات کر رہے ہیں۔"

"ناصر چچا کی گھبراہٹ کے لئے یہی کیا کم ہے۔" صوفیہ بولی۔

"مجھے تو سر مخدوم کی عقل پر رونا آتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "جب وہ حضرت یہ بات نتے تھے کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے تو انہوں نے پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔"

اٹیچی میں جوتا

حمید نے وہ رات بے چینی سے گذاری۔ اُسے اس کیس کا کوئی پہلو نہیں پریشا
تھا۔ بات ساری ہونٹوں کی تھی۔صوفیہ کے ہونٹوں کی۔ دوران گفتگو میں جن کی جنبش
دلآویز معلوم ہوتی تھی۔ حمید اس سے رخصت ہوتے وقت بہت اداس ہو گیا تھا۔

دوسری صبح وہ سرمخدوم کی کوٹھی کی طرف جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ نوکر نے ایک
لا کر اُسے دیا۔ کارڈ کے نام پر نظر پڑتے ہی حمید چونک پڑا۔

"یہ یہاں کیسے؟" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "پھر نوکر سے پوچھا تنہا ہے۔"

"جی ہاں......!"

"اچھا میں آ رہا ہوں۔"

نوکر چلا گیا۔ حمید چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر وہ ڈرائینگ روم کی طرف چل پڑا۔ یہا
مخدوم کا بھانجا شمشاد اس کا انتظار کر رہا تھا۔

شمشاد مضبوط جسم کا ایک لمبا تڑنگا جوان تھا اور کچھ اس قسم کی مونچھیں رکھتا جیسے دنیا
صرف اسی کو مونچھیں رکھنے کا حق ہو۔ حمید اس کے متعلق پہلے بھی کئی بار سوچ چکا تھا اور جو کچھ
نے سوچا تھا اگر اس کا اظہار کر دیتا تو کشت وخون تک کی نوبت آ جاتی۔ نہ جانے کیوں اُن
مونچھیں دیکھ کر اس کا خون کھولنے لگتا تھا اس کا خیال تھا کہ اول تو مونچھ رکھنے کی چیز ہی نہیں
اگر رکھی بھی جائے تو اس کی نوکیں اوپر کی طرف اٹھا کر مسخروں کی سی شکل کیوں بنائی جائے

"صوفیہ کہاں ہے۔" شمشاد نے حمید کو دیکھتے ہی سوال کیا۔

حمید کی مسکراہٹ ہونٹوں کے تنفر آمیز کھنچاؤ میں تبدیل ہوگئی۔ وہ چند لمحے شمشاد

ہا پھر بولا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے اسے اغواء کیا ہے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھتا۔ مجھے اس کا پتہ چاہئے۔"

"اس کے لئے ایک بہترین طریقہ ہے۔" حمید نے نرم لہجے میں سنجیدگی سے کہا۔

"کیا......؟"

"اخبارات میں مشتہر کرادو...... جہاں ہوگی آ جائے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم جانتے ہو۔"

"لیکن اس خیال کی وجہ......!" حمید پھر اُسے گھورنے لگا۔

"اوہو......بس یونہی۔" شمشاد نے کہا اور چڑھی ہوئی مونچھوں کے باوجود بھی اس کے
ہرے پر نرمی کے آثار نظر آنے لگے۔ حمید اس تغیر کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

شمشاد چند لمحے خاموش رہا پھر بولا "میں نے سوچا ممکن ہے آپ کو علم ہو۔"

"میں پھر آپ سے ایسا سوچنے کی وجہ دریافت کروں گا۔" حمید نے کہا۔

"قدرتی بات ہے۔" شمشاد نے کھنکار کر کہا۔ "آپ لوگ تو ہمارے خاندان والوں پر
کڑی نظریں رکھتے ہوں گے۔"

"ابھی تک تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔" حمید بولا۔

"میں اسے قطعی فضول سمجھتا ہوں کہ یہ بات بار بار دہرائی جائے۔ ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ
موں جان کی وصیت پاگل پن کا نتیجہ نہیں تھی، انہیں گھر ہی کے کسی فرد پر شبہ تھا۔"

"اوہ......تو آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں۔" حمید اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

"دیکھئے! باتوں کا ڈھکا چھپا انداز مجھے پسند نہیں۔" شمشاد نے حمید کی آنکھوں میں
یکھتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"آپ لوگ دانش کے پیچھے ہیں۔"

"اور شاید آپ مجھے اس کا موجودہ پتہ ضرور بتائیں گے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مجھے معلوم ہوتا تو میں اتنی دیر خاموش نہ رہتا۔" شمشاد نے کچھ سوچتے ہو

"ناصر ماموں بہرحال باپ ہیں اور ان کی پریشانی یا احتیاط قدرتی چیز ہے لیکن مجرم کو کے حوالے کردینا ہر ایک کا فرض ہونا چاہئے۔"

"میں آپ کے خیالات کی قدر کرتا ہوں۔"

"صوفیہ محض ناصر ماموں کی ناعاقبت اندیشی کی بناء پر کہیں فرار ہوگئی۔ میں اس بہت پریشان ہوں...... بیچاری یتیم بچی۔"

"تو کیا ناصر ہی نے اُسے قید کیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اوہ......!" شمشاد ہنسنے لگا۔ "تو آپ اس کا پتہ جانتے ہیں۔"

"ضروری نہیں...... اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ میں نے یہ بات صوفیہ سے معلوم کی

"پھر......؟"

"قیاس...... جس کمرے کی کھڑکی سے وہ فرار ہوئی تھی اس کا دروازہ باہر سے مقفل

شمشاد کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے سر جھکائے بیٹھا رہا پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

"اگر آپ ناصر ماموں کی جگہ ہوتے۔"

"کیا صوفیہ کو دانش کا پتہ معلوم ہے۔" حمید نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں...... شائد اس نے واردات کی رات دانش کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا او پراسرار طریقے پر غائب ہوگیا اور محض اس طرح غائب ہوجانے ہی کی بناء پر ناصر مامو چاہتے کہ اس کا تذکرہ کیا جائے۔"

"ہوں......!" حمید نے کرسی کا ہتھا انگلیوں سے ٹھکھٹاتے ہوئے سر ہلایا۔

"کیا ناصر ماموں کی یہ حرکت قدرتی امر نہیں۔"

"قطعی ہے...... لیکن آپ تو دانش کے باپ نہیں تھے۔" حمید نے تلخ لہجے "آپ کو قانون کی مدد کرنی چاہئے تھی۔"

"مجھے اس کا علم نہیں تھا۔" شمشاد نے کہا۔ "مجھے تو کل رات معلوم ہوا۔ صوفیہ کے

وجانے کے بعد ناصر ماموں کو اپنی اس حرکت پر بڑا افسوس ہے۔ انہوں نے سارا واقعہ مجھے ایا۔ وہ کل رات سے لڑکی کے لئے رو رہے ہیں۔"

حمید سوچ میں پڑگیا۔ حقیقتاً ناصر کی حرکت بالکل قدرتی تھی۔ دنیا کا ہر باپ اپنی اولاد کے عیوب کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے اور پھر دانش پر تو قتل کا شبہ کیا جارہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا شمشاد کو صوفیہ کا پتہ بتا ہی دے۔

"سچ پوچھئے تو مجھے دانش کی ذرہ برابر بھی فکر نہیں۔" شمشاد نے کہا۔ "مگر صوفیہ! وہ مفت میں مصائب برداشت کررہی ہے اور دانش اپنی سزا کو پہنچے ہی گا۔"

"تو کیا آپ کو یقین ہے کہ دانش ہی نے آگ لگائی ہوگی۔" حمید نے پوچھا۔

"اگر حالات ایسے نہ ہوتے تو ناصر ماموں کے لئے پریشانی کی کوئی بات نہ تھی۔" شمشاد نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"کیا ناصر صاحب کو بھی اس کا یقین ہے۔"

"نہیں بظاہر تو نہیں...... وہ اس کی بے گناہی کے سلسلے میں سینکڑوں دلائل پیش کرتے ہیں۔"

"دلائل...... بھلا کس قسم کے؟" حمید نے اپنی پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے پوچھا۔

"سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ دانش نیم فاتر العقل قسم کا آدمی ہے۔ حد سے بڑھی ہوئی شراب نوشی نے اس کے دماغ کی چولیں ہلادی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ نشے کی لہر اُسے اس رات کوٹھی تک لائی ہو اور پھر وہ تھوڑی دیر ٹہل کر واپس چلا گیا ہو۔ اگر اس نے آگ لگائی بھی ہوتی تو اس طرح غائب نہ ہوجاتا۔ دوسرے یا تیسرے دن ضرور واپس آتا۔ کیونکہ پولیس اسے اتفاقی حادثہ قرار ہی دے چکی تھی۔"

"لیکن اب کیا وجہ ہے کہ آپ اسے اتفاقی حادثہ نہیں سمجھتے۔" حمید نے سوال کیا۔

صوفیہ نے ہمیں آؤٹ ہاؤز کے بیرونی دروازوں کے متعلق بتایا تھا۔ ہم نے بھی انہیں دیکھا۔ حقیقتاً وہ باہر کی طرف سے بھی بولٹ کردیئے گئے تھے اور پھر کوٹھی میں اس پراسرار آدمی کی موجودگی۔ آخر وہ کون تھا...... اور وہاں کیا کررہا تھا

"کیا دانش بہت تیز دوڑ سکتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔ "اور اتنا پھرتیلا بھی ہے کہ د
دوڑتے دیواروں پر چڑھ سکے۔"

"ممکن ہے۔" شمشاد کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "دانش کبھی ایک اچھا اسپورٹس مین تھا۔ شراب نے اُسے برباد کر دیا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔ "اچھا وہ حالات کون سے ہو سکتے ہیں جن پر دانش ہی پر شبہ کیا جا سکے۔"

شمشاد نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ اس کے انداز سے ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ اُس نے کھنکھار کر کہا۔ "دانش قریب قریب تیس ہزار کا قرض دار ہے غالباً جوئے میں ہارا ہوگا۔ جوئے کی بھی لت ہے۔"

"سر مخدوم نے قرض ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"جی ہاں...... لیکن شاید وہ ادا ہی کر دیتے۔ دانش نے جلد بازی سی کام لیا۔"

"کیا اس سے پہلے بھی وہ اس کا قرض ادا کر چکے تھے۔"

"کئی بار......!"

"اچھا جناب......!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اب کہاں جائیں گے۔ میں تو آپ ہی کی طرف جا رہا ہوں۔"

"میں بھی گھر ہی جاؤں گا لیکن آپ نے صوفیہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"

"یہ حقیقت ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیا پچھلی رات آپ ہی نے میرا تعاقب کیا تھا۔"

شمشاد ہنسنے لگا۔

"میں ہی تھا۔"

وہ دونوں باہر آئے۔ شمشاد کی کار کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی تھی۔ حمید نے گیراج سے کیڈی نکالی۔ سر مخدوم کی کوٹھی میں فریدی حمید کا منتظر تھا۔ دونوں عقبی پارک کی ایک کنج میں آ بیٹھے۔

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی آج پہلے سے بھی زیادہ محتاط نظر آ رہا ہے۔

حمید نے پچھلی رات کی رپورٹ پیش کی۔ پھر اپنی اور شمشاد کی گفتگو کے متعلق بتا کر اونگھنے لگا۔

"تم نے بقیہ رات کہاں گذاری تھی۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"گھر پر......!" حمید نے چونک کر کہا۔

"تنہا تھے۔"

"کیوں...... نہیں برخوردار بغرا خاں سرہانے موجود تھا۔"

"اونگھ کیوں رہے ہو۔"

"رات بھر اس کیس کی کڑیاں ملاتا رہا...... آخر اس نتیجے پر پہنچا......!"

"کس نتیجے پر......!"

"یہی کہ کیسوں سے قبر ہی میں نجات ملے گی۔ ویسے صوفیہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔"

"کیا کہوں......!" فریدی اسے تیز نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"یہی کہ وہ کب تک وہاں اس ہوٹل میں رہے گی۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں...... جب تک اس کا دل چاہے گا۔"

"میں نے رمیش کو اس کی نگرانی کے لئے کہہ دیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میرے خیال میں اب اس کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں......؟"

"یونہی...... اب اس کیس نے دوسری شکل اختیار کر لی ہے۔"

"کچھ دیر بعد تیسری اختیار کر لے گا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "پھر چوتھی...... معاملہ اسی طرح آگے بڑھتا جائے گا...... اور ہو سکتا ہے کہ پھر کوئی ہماری ہی شکلیں نہ پہچان سکے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید پھر اونگھنے لگا۔ اس کے نیم غنودہ ذہن میں ٹھنڈے اور چمکیلے بادل پھسل رہے تھے اور وہ اوس سے بھیگی ہوئی گھاس پر گال رکھ کر سو جانا

چاہتا تھا......اس وقت اس کے ذہن میں نہ تو اس کیس کی کوئی گتھی تھی اور نہ صوفیہ
کی دلآویز جنبشوں کا تصور۔"

"پچھلی رات آپ کیا کرتے رہے۔" اس نے آگے پیچھے جھولتے ہوئے فریدی سے

"میں......قبر کھودتا رہا۔"

"کیا......؟" حمید چونک کر بولا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کو گھور رہا تھا
کی نیند غائب ہوگئی تھی۔

"کیا سرمخدوم کی......!" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"نہیں......لاش اس میں بند ہے۔" فریدی نے مسکرا کر ایک چھوٹے سے اٹیچی
طرف اشارہ کر کے کہا جسے وہ آج صبح ہی سے ساتھ لئے پھر رہا تھا۔

"مرغی کے بچے کی لاش......!" حمید نے تمسخر آمیز انداز میں ایک ٹھنڈی سانس

فریدی نے ادھر اُدھر دیکھ کر اٹیچی کیس کھولا......اور حمید نے اتنے زور سے قہقہہ
بعد میں اسے کھانسی آنے لگی۔

اٹیچی کیس میں ایک اُدھ جلا جوتا رکھا ہوا تھا۔

حمید کھانسیوں کے باوجود بھی ہنستا رہا لیکن فریدی کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ
نے اٹیچی کیس کو بند کر کے دوبارہ مقفل کرتے ہوئے کہا۔ "کیا میں پاگل ہوں۔"

حمید کی ہنسی رک گئی۔ فریدی کے تیور مار بیٹھنے والے تھے۔ حمید نے سنجیدگی اختیا
کرنے میں عاقبت سمجھی اور وہ معاملے کو برابر کرنے لگا۔

"بھئی آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہوگئے......ہر ایک کو ہنسی آئے گی اس بات پر
آپ نے اسے سرمخدوم کی قبر سے نکالا ہے۔"

"نہیں......!"

حمید سمجھا تھا کہ فریدی کچھ اور بھی کہے گا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

"آخر یہ ہے کیا بلا......!" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"میں خود بھی اس پر غور کر رہا ہوں۔"

حمید کے ذہن میں پھر ایک چبھتا ہوا جملہ کلبلایا۔ لیکن فریدی کا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر بک
دینے کی ہمت نہیں پڑی۔ آج نہ جانے کیوں فریدی بہت زیادہ چڑچڑا نظر آ رہا تھا۔

"کیا آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے۔"

"نہیں......!" فریدی اُسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔

"تو کیا میں چلا جاؤں۔" حمید نے پوچھا۔

"چلے جاؤ......میں اس وقت خاموش رہنا چاہتا ہوں۔"

حمید کھڑا ہوگیا۔

"ٹھہرو......!" فریدی بولا۔ "بیکار نہیں بیٹھو گے۔"

"ہرگز نہیں......میں جاتے ہی سو جاؤں گا......" حمید نے بڑے خلوص سے کہا، اور فریدی
بے اختیار مسکرا پڑا۔

"لیکن تم آج نہیں سو سکو گے۔" اس نے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ ہم آج ہی کامیاب
ہوجائیں۔ اس کے بعد پھر تمہیں کم از کم ایک ہفتے تک سوتے رہنے کی اجازت ہوگی۔"

"اچھا جناب......!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کام بتائیے۔"

"بہت معمولی سا ہے......تمہیں یہاں کے ایک نوکر کی نگرانی کرنی ہے۔"

"کس نوکر کی......!"

"سردار......!"

"اوہ......وہ بوڑھا جو ہر وقت کچھ نہ کچھ بڑبڑاتا ہی رہتا ہے۔"

"وہی......بس یہ سمجھ لو کہ اگر وہ جہنم میں بھی جائے تو اس کا پیچھا نہ چھوڑنا۔"

"بہتر ہے......لیکن اگر وہاں قلوپطرہ سے ملاقات ہوگئی تو میری واپسی ناممکن ہوجائے گی۔"

"بس چلے جاؤ......!" فریدی اُسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

حمید کو اس نوکر کو تلاش کر لینے میں دشواری نہ ہوئی۔ وہ اصطبل کے قریب زمین پر بیٹھا

بڑبڑا رہا تھا۔ بڑبڑاہٹ کے دوران میں وہ کبھی کبھی گھوڑوں کو گھونسہ دکھانے لگتا تھا۔ حمید پر ہنسی آئی اور فریدی پر غصہ۔ آخر اس خبطی کے پیچھے لگانے کی کیا ضرورت تھی۔

مکے اور فائر

بوڑھا ملازم پاگل نہیں تھا۔ عادات واطوار بالکل صحیح الدماغ آدمیوں کے سے تھے۔ ا کسی سے گفتگو کرتے وقت بہکتا بھی نہیں تھا۔ لیکن تنہائی میں اس کی ذہنی رو بہک جاتی تھی وہ درودیوار سے باتیں کرنے لگتا تھا...... اور اگر ایسے میں کوئی اسے چھیڑ دیتا تو وہ چونک کر جھ جھینپی ہنسی کے ساتھ یا تو ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیتا یا وہاں سے کھسک جاتا تھا۔

حمید اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا اسے گھورتا رہا۔ نوکر کی پشت حمید کی طرف تھی وہ اس طرح اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ اُسے حمید کی موجودگی کا علم ہی نہ ہوا۔ وہ بڑ بڑبڑاتا رہا۔

"سالو...... تھان پر بندھے بندھے جگالی کرتے رہو۔" وہ غالباً گھوڑوں سے کہہ رہا تھا آدمی ہوتے تو پتہ چلتا...... شادی کرنی پڑتی۔ بچے ہوتے...... اور وہ سالی دن بھر بچے کو گو میں لئے چلایا کرتی...... منی کے ابا آجا...... ابا کے ڈبا آجا...... ڈبا کے ڈبا آجا...... دھت تمہاری کی......!"

اس نے پھر گھوڑوں کو گھونسہ دکھایا اور زمین سے گھاس کے بہت سے تنکے اکھاڑ ک چبانے لگا۔ حمید کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ کیا فریدی نے اسے سزا دی تھی۔ آخر اس ب دال کے بودم کی نگرانی کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات...... شام تک اسے اس کے پیچھے لگا رہنا پڑا...... اس دوران میں اُس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی جو معمول کے خلاف ہوتی۔ اگر اسے کوئی کام کرنے کو کہا جاتا تو وہ بے چوں وچرا تعمیل کرتا اور اُسے خو

اسلوبی سے انجام دیتا۔ کسی سے گفتگو کرتا تو پاگل پن کا شبہ تک نہ ہوتا لیکن تنہائی نصیب ہوتے ہی پھر بے تکی بڑبڑاہٹ کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔ حمید بُری طرح تنگ آ گیا تھا۔ مگر فریدی کا موڈ دیکھتے ہوئے حکم سے سرتابی کی ہمت نہیں پڑی۔ اگر وہ فریدی کو ایک بار بھی مسکراتے دیکھ لیتا تو پھر کسی نہ کسی طرح اس بور کرنے والی ڈیوٹی سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتا۔

رات کا کھانا دونوں نے الگ الگ کھایا۔ جب حمید کھانے کے لئے گیا تو فریدی اس نوکر کی نگرانی کرتا رہا۔ حمید کی الجھن بڑھتی گئی۔ آخر فریدی گھر کے دوسرے افراد کو چھوڑ کر اس نوکر سے کیوں چمٹ گیا ہے۔ اُسے وہ ادھ جلا جوتا بھی یاد آ رہا تھا۔ آخر وہ کس قسم کا کلیو تھا۔

وہ کھانا ختم کر کے فریدی کی تلاش میں نکلا ہی تھا کہ سعیدہ اور نکہت سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

"بڑی خوشگوار رات ہے۔" سعیدہ بولی۔

"ہائے کتنی ٹھنڈک ہے۔" نکہت نے ٹکڑا لگایا۔ "آج تو آپ گانا سنائیں گے۔"

"اور اگر آپ کے ڈیڈی نے بھی ایک آدھ بول سن لئے تو۔" حمید نے کہا۔

"ہم پارک میں چل کر بیٹھیں گے...... ڈیڈی ذرا سی دیر میں سو جائیں گے۔"

"اپنے آفیسر کو بھی بلا لوں۔"

"اررر...... نہیں...... وہ تو بہت زیادہ نک چڑھے معلوم ہوتے ہیں۔"

"بہترین گاتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"جھوٹ......!" نکہت ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"نائیں...... الاقسم......!" حمید جھنجھلاہٹ میں لیک کر بولا اور دونوں ہنسنے لگیں۔

اس وقت حمید سچ مچ ان سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا...... وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی بُری طرح جھلا رہا ہوگا۔ اس نے حمید کو جلد سے جلد کھانا ختم کر لینے کی تاکید کی تھی۔

"ارے تو آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔" سعیدہ بولی۔

"آپ لوگ عجیب ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟" دونوں بیک وقت بولیں۔

"آپکے بھائی پر قتل کا الزام ہے اور اس پر بھی آپ زندہ دلی کا ثبوت دے رہی

"کیا......؟" سعیدہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ "کس پر۔"

"دانش پر......!"

"بکواس ہے۔" نکہت گرم ہوگئی۔ "تم لوگوں کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ دانش بھا

قرض خواہوں سے بچنے کے لئے چھپ گئے ہیں۔"

"کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"ہم کیا جانیں......لیکن یہ بکواس ہے۔"

"ہم بہت جلد اسے قانون کے حوالے کردیں گے۔" حمید نے کہا۔

دونوں حمید پر بُری طرح برس پڑیں اور اسے جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔ پھر اس
اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ حمید انہیں اور زیادہ غصہ دلائے وہ جلتی پر تیل چھڑکتا رہا اور
بھڑکتی رہیں۔ آخر جب وہ رو دینے کے قریب پہنچ گئیں تو حمید یکلخت وہاں سے بھاگ

وہ پوری عمارت کا چکر لگا کر اصطبل کی طرف پہنچا۔ لیکن فریدی وہاں بھی نہ ملا
نوکروں کے کوارٹروں کی سن گن لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اسے اچانک رک جانا پڑا۔ لیکن تھوڑے ہی فاصلے سے شاید
اُسے مخاطب کیا تھا۔

"ہالٹ......ہوکمس دیئر......!" آواز پھر آئی۔

حمید کو ہنسی آگئی۔ کوئی فوجی پہرہ داروں کی نقل کر رہا تھا۔ وہ تیزی سے آواز کی جا
اور پھر اس نے ایسا منظر دیکھا جس کی اسے توقع نہ تھی۔ شمشاد شراب کے نشے میں کھڑا
تھا۔ وہ شمشاد جو آج ہی صبح دانش کی شراب نوشی کا تذکرہ بہت بُرے لہجے میں کر چکا تھا۔

"توم کاؤن ہو......!" وہ حمید کے سینے پر انگلی مار کر بولا۔

"مائیں اولو کا پاٹھا ہوں......!" حمید اس کی طرح الفاظ کو کھینچ کر بولا۔

شمشاد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"توم خود الگ ہاٹو......!" شمشاد اس سے لپٹ پڑا۔

حمید نے اس کے منہ پر گھونسہ جڑ دیا۔ شمشاد نے گندی سی گالی دی اور کسی پاگل کتے کی
رح حمید کا بازو بھنبھوڑ ڈالا۔ حمید نے بائیں ہاتھ سے اس کی ناک مروڑ دی اور وہ چیخ کر پیچھے
ٹ گیا۔

"سالے......پٹرول چھڑک کر آگ لگا دوں گا......" شمشاد پھر اس کی طرف جھپٹا۔

اب اسے کچھ ہوش آ گیا تھا۔ اس بار حمید کا مکا اس کی ٹھوڑی کے نیچے بیٹھا۔ شمشاد پہلے
لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا پھر اچانک اچھل کر حمید کی گردن دبوچ لی۔ حملہ قطعی غیر متوقع تھا۔ حمید
ھل نہ سکا اور وہ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آ گرے۔

"مار ڈالوں گا......!" شمشاد ہانپتا ہوا بولا۔ "بتا صوفیہ کہاں ہے؟"

حمید کو اب سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ اس نے پھر اس کی ناک دبا کر ایک جھٹکے کے ساتھ اس
ی گردن دوسری طرف موڑ دی اور اسے موڑتا ہی رہا حتیٰ کہ شمشاد دھم سے دوسری طرف الٹ
یا۔ حمید اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

"لے صوفیہ......!" اس نے اس کے منہ پر مکے مارتے ہوئے کہا۔ "لے صوفیہ......
لے صوفیہ......لے۔"

"کون ہے......کون ہے......" چاروں طرف سے کئی لوگ دوڑ پڑے۔

حمید بڑی بے دردی سے شمشاد کے منہ پر مکے جھاڑ رہا تھا۔ پھر اچانک اسے اس کی
خمی ہوئی مونچھیں یاد آ گئیں اور اس نے انہیں مٹھیوں میں جکڑ لیا۔

شمشاد کسی زخمی بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا۔

اچانک حمید کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"خواہ مخواہ لپٹ پڑا بیہودہ۔" حمید شمشاد کو چھوڑ کر ہٹتا ہوا بولا۔ "نشے میں ہے۔"

نوکروں نے شمشاد کو پکڑ کر اٹھایا۔ خاندان کا کوئی آدمی وہاں موجود نہیں تھا۔ اس لئے

بات آگے نہ بڑھ سکی۔ شمشاد بالکل خاموش ہوگیا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور کپڑے جھاڑے بغیر تیر کی طرح عمارت کی طرف چلا گیا۔

"جاؤ اپنا کام کرو۔" فریدی نے نوکروں سے کہا اور وہ چپ چاپ وہاں سے کھسک گئے۔

"کیا بات تھی۔" وہ حمید کی طرف مڑا۔

"کچھ بھی نہیں...... میں ادھر آ رہا تھا...... خواہ مخواہ سر ہوگیا۔"

"تمہیں بات بڑھانی ہی نہیں چاہئے تھی۔" فریدی بولا۔

"خوب...... تو میں اس کے مکے کھاتا۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"صبر کرنا سیکھو......!"

"میں یتیم نہیں ہوں۔"

"اچھا بکواس بند کرو...... وہ فی الحال دربان کے پاس بیٹھا ہے۔"

"بیٹھا ہوگا...... میں گھر جا رہا ہوں۔"

"اے نخریلی دوشیزہ بس کر...... ورنہ اب میں مرمت شروع کردوں گا۔"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید جھنجھنایا۔

"جب تم شراب پی لیتے ہو تو تمہاری حالت اس سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ سمجھے بدھو۔"

حمید کچھ نہ بولا...... پھر فریدی اسے چمکارنے لگا۔

"آخر اس خبطی میں کون سی خاص بات ہے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ میں کامیابی سے قریب ہوں۔"

حمید نے اپنا داہنا بازو سہلا کر سسکی لی اور منہ بنا کر بولا۔ "کس زور سے کاٹا ہے سالے نے۔"

"سالے کا کاٹا لہر نہیں لیتا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "تم بہرحال خوش قسمت ہو۔ اچھا مذاق ختم کرو...... مجھے دوسرا کام سنبھالنا ہے۔"

پھر فریدی کچھ دور چل کر تاریکی میں غائب ہوگیا۔

حمید اپنا بازو سہلاتا ہوا پھاٹک کی طرف بڑھا۔

بوڑھا خبطی دربان سے کسی مسئلے پر الجھا ہوا تھا۔

"ابے ہاں ہاں......" وہ دربان سے کہہ رہا تھا۔ "ہمارے حضور نے انگلی کے ایک اشارے سے چاند کے ٹکڑے کر دیئے تھے...... اور چاند کا دھبہ ان ٹکڑوں کا جوڑ ہے۔"

دربان نے آہستہ سے کچھ کہا جسے حمید نہ سن سکا۔ وہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور حمید دیوار سے چپکا کھڑا اونگھتا رہا۔ پھر دور کے کسی گھڑیال نے گیارہ بجائے...... چاروں طرف سناٹا تھا۔ صرف ان دونوں کی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔ کمپاؤنڈ میں کتے بھی نہیں بھونک رہے تھے۔ شاید فریدی نے آج پھر ان کے لئے کوئی انتظام کر لیا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے اور عمارت کی کھڑکیوں میں نظر آنے والی روشنیاں بھی غائب ہوگئیں۔

"ابے تو الو ہے۔" بوڑھے خبطی نے اونچی آواز میں دربان سے کہا۔ "بیٹا عشق ہے...... دل لگی نہیں...... مرد ہونا چاہئے...... آگ میں کود پڑنے کی ہمت ہونی چاہئے۔"

حمید اپنا سر سہلانے لگا۔ اب اسے فریدی پر بڑے خلوص نیت سے غصہ آنے لگا تھا۔ لیکن وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ بوڑھے نے اپنی جوانی کی داستان چھیڑ دی تھی۔

"مجھے دیکھ...... ایک لونڈیا تھی شکریا...... بھگا لے گیا اُسے۔ کچھ دن رکھا...... پھر ڈھائی سو میں اُسے بیچ کر اس کی چچی کو بھگا لے گیا جو اسی کی عمر کی تھی۔ پھر وہ سالی کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی۔ پھر میں نے شکریا کی چھوٹی بہن پر ڈورے ڈالے لیکن اس سے پہلے ہی اس کا بیاہ ہوگیا۔"

حمید کا دل چاہا کہ بوڑھے کو پکڑ کر اس کی خاصی مرمت کر دے لیکن پھر خاموش رہا۔ ادھر گھڑیال نے بارہ بجائے اور ادھر دربان کی چارپائی چڑ چڑائی۔ بوڑھا شائد جانے کے لئے کھڑا ہوگیا تھا۔

حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن اُسے یہ سوچ کر اختلاج ہونے لگا کہ اب اگر اس شیطان کے خالو نے کسی جھولدار پلنگڑی میں لیٹ کر خراٹے لینے شروع کر دیئے تو وہ کیا کرے

گا۔ کیا اس حالت میں بھی اسے اس کی نگرانی کرنا پڑے گی۔ ایک بار پھر اسے فریدی پر غ آ گیا..... اگر وہ اسے اس نگرانی کا مقصد بتا دیتا تو وہ مختلف حالات میں کوئی مناسب طریقہ اختیار کرسکتا تھا۔ اس طرح جھک مارنے سے کیا فائدہ۔

بوڑھا اصطبل کی طرف جا رہا تھا۔ وہ کچھ اونچا بھی سنتا تھا اس لئے حمید کو تعاقب جا رکھنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی ورنہ اس کے جوتوں کے نیچے بجریاں کڑکڑا رہی تھیں۔ بو اصطبل کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اگر حمید فوراً ہی دیوار کی اوٹ میں نہ ہو جاتا تو اس نے ا دیکھ ہی لیا تھا۔ کیونکہ اصطبل کے دروازے پر پہنچ کر وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگا تھا۔

پھر وہ اصطبل کے اندر چلا گیا۔ حمید نے دو تین منٹ تک انتظار کیا۔ پھر وہ بھی اصط کے دروازے کی طرف بڑھا۔ گھوڑوں کی لید کی بدبو سے اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ اصطبل اندھیرا ہونے کی وجہ سے اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ بالکل دروازے کے سامنے کھڑے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

کیا مصیبت ہے..... وہ جھلاہٹ میں سوچنے لگا۔ کیا جہنم کا راستہ اصطبل ہی سے گذرتا ہے۔ آخر یہ الو کا پٹھا اصطبل میں کیوں گھسا ہے۔ اس طرح کب تک یہاں کھڑا پڑے گا۔ حمید نے ٹارچ روشن کرلی۔ گھوڑوں نے چونک کر اپنے پیر زمین پر مارے اور پلٹ روشنی کی طرف دیکھنے لگے۔ لیکن بوڑھا اصطبل میں نہیں تھا۔ حمید بوکھلا گیا۔ روشنی کا دائرہ جلد جلدی ایک جگہ سے دوسری جگہ رینگتا رہا تھا۔ اصطبل میں گھس کر اس نے اونچی اونچی آخو میں بھی روشنی ڈالی۔

بات سمجھ میں آ گئی۔ لیکن ذرا دیر میں..... حمید نے ابھی تک اس چھوٹے درواز طرف دھیان نہیں دیا تھا جو چھپول کے جنگل کی طرف کھلتا تھا۔

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں تھا۔ صرف اس کے پاٹ بھیڑ دیئے گئے تھے۔

دوسری طرف نکل گیا۔

چھپول کی گھنی جھاڑیوں میں جھینگر ''جھائیں جھائیں'' کر رہے تھے اور جب ان کی آوازیں اچانک بند ہو جاتیں تو ایسا معلوم ہوتا جیسے سناٹے میں ایک نظر نہ آنے والی لکیر دوڑتی چلی گئی ہو۔ پھر یک بیک کہیں ایک جھینگر ''تچکا'' دیتا اور نہ ختم ہونے والی جھائیں جھائیں کا سلسلہ پھر شروع ہو جاتا۔

حمید ٹارچ روشن کر کے آگے بڑھا..... اس نے قدموں کے نشانات کے لئے زمین پر روشنی ڈالنی شروع کی لیکن اسے کامیاب نہیں ہوئی کیونکہ زمین سخت تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طویل و عریض جنگل میں کہاں سر مارتا پھرے قریب تھا کہ اسے پھر فریدی پر غصہ آ جاتا..... ٹارچ اس کے ہاتھ میں کانپ کر بجھ گئی اور خود وہ لڑکھڑا کر ایک طرف لڑھک گیا۔ نشانہ باز اچھا نہیں تھا ورنہ اس کا وہ ہاتھ تو ضرور ہی زخمی ہو جاتا جس میں اس نے ٹارچ پکڑ رکھی تھی۔ گولی پشت کی دیوار سے ٹکرائی۔

ایک فائر پھر ہوا..... لیکن حمید نے اٹھنے کی ہمت نہ کی کیونکہ وہ نہتا تھا۔ قریب ہی کہیں زور سے جھاڑیاں کھڑکھڑائیں..... پھر فائر ہوا..... حمید دروازے کے قریب سے ہٹ کر دیوار سے لگا ہوا رینگنے لگا۔

اب کی فائر کے ساتھ کسی کی چیخ بھی سنائی دی۔ آواز جانی پہچانی سی معلوم ہوئی لیکن حمید اس کا فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ کس کی ہو سکتی تھی۔

کوئی بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا اس کے قریب سے گذر گیا۔ حمید نے اس پر جھپٹنا چاہا لیکن ایک دہکتا ہوا انگارہ ''شائیں'' سے اس کے سر پر سے گذر گیا۔ اسے پھر اوندھے منہ گر جانا پڑا..... اس بار بھی وہ بال بال بچا تھا..... اس نے اصطبل کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

ارے یہ کیا

حمید دو منٹ تک دم سادھے پڑا رہا۔ اب پھر پہلے ہی کی طرح سناٹا تھا..... وہ اٹھنے کا

ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کسی بھاگتے ہوئے آدمی کے قدموں کی آواز سنائی دی جو آہستہ آہستہ ہوتی چلی گئی۔ کوئی دیوار کے دوسرے سرے کی طرف بھاگتا ہوا چلا گیا تھا۔

حمید مڑ کر دروازے کی طرف رینگنے لگا۔ اُسے اگر اس قسم کے واقعات کی توقع ہوتی وہ خالی ہاتھ بالکل نہ آتا۔ اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ چپ چاپ واپس جا کر فریدی تلاش کرے۔

تھوڑی دیر قبل کا ہنگامہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب وغریب تھا۔ حمید نے محسو کیا تھا کہ اس میں ایک سے زیادہ آدمیوں کا ہاتھ تھا۔ مگر وہ کون تھے! نوکر کہاں غائب ہو تھا...... وہ بھاگتا ہوا آدمی کون تھا، جو اس کے قریب سے گذر کر اصطبل میں جا گھسا تھا... غالباً اسی پر کسی نے فائر کیا تھا۔ کیا وہ بوڑھا نوکر تھا......؟ مگر نہیں...... وہ اتنی تیزی سے نہ دوڑ سکتا تھا...... پھر؟ کیا وہ دانش تھا......؟ اگر وہ دانش تھا تو فائر کرنے والا فریدی ہی ہو تھا......؟ مگر وہ چیخ؟ وہ تو صریحاً کسی زخمی ہی کی چیخ ہو سکتی تھی۔''

حمید بڑی احتیاط سے دروازے کی طرف رینگتا رہا۔ نیند کے خمار سے اس کا ذہن بوجھ ہو رہا تھا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جواب دے چکی تھیں۔

اس وقت محض اتفاقات ہی نے اس کا ساتھ دیا تھا ورنہ دو میں سے ایک گولی ضرور ا دوسری دنیا کی سیر کرا دیتی۔

وہ دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا...... اور پھر جیسے ہی اس نے زمین سے اٹھنے کی کوشش کی کسی نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا۔

''ارے خدا تمہیں غارت کرے۔'' حمید دانت کچکچا کر پلٹا۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' حملہ آور بڑبڑا کر الگ ہٹ گیا۔

''نہیں...... مار ڈالئے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ اس نے فریدی کی آواز پہچان لی۔

''خاموش رہو۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا ادھر سے کوئی گذرا تھا۔''

''اصطبل میں گھس گیا۔'' حمید ہانپتا ہوا بولا۔

فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ دوسری طرف سے بند تھا۔ وہ تین چار قدم پیچھے ہٹا اچھل کر بائیں شانے سے دروازے میں ٹکر ماری۔ اندر گھوڑے بدک کر ہنہنانے لگے۔ اب پاؤنڈ سے بھی متعدد آدمیوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

تیسری ٹکر لگتے ہی دروازہ چڑچڑا کر دوسری طرف گر گیا۔

''سڑی ہوئی لکڑی کا تھا......!'' حمید نے کہا۔

''کام چور...... پھسڈی......!'' فریدی غرا کر حمید کی طرف پلٹا۔

''شیشم...... شیشم...... دیوار کی لکڑی......!'' حمید بوکھلا کر ہکلانے لگا۔

فریدی نے اس کی گردن دبوچی اور دروازے میں دھکا دے دیا۔

وہ دونوں کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ گیراج کے سامنے کئی آدمی کھڑے تھے۔ حمید کی چ کی روشنی دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔

وہ دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔ یہ کوارٹروں میں رہنے لے ملازمین تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر اُن میں سے ایک نے کہا۔

''صاحب...... یہاں گیراج میں کوئی گھسا ہوا ہے۔''

فریدی نے آگے بڑھ کر گیراج کے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ فریدی ان کی طرف مڑا۔

''کیا بات ہے؟'' کسی نے عمارت کی طرف سے پکار کر کہا۔ آواز ناصر کی تھی۔

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مسکرانے لگا۔ نوکروں کی لالٹینوں کی مدھم روشنی اس چہرے پر پڑ رہی تھی۔

حمید کو اس کی مسکراہٹ بڑی بھیانک معلوم ہوئی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ نوں کی زرد زرد روشنی میں گوشت پوست کی بجائے تانبے کا ایک طویل القامت مجسمہ لوم ہو رہا تھا۔

''کون ہے......!'' ناصر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"وہی جسے ہونا چاہئے۔" فریدی کی آواز سناٹے میں گونجی۔

"دانش......!" شمشاد نے آگے بڑھ کر کہا۔

"دانش......!" فریدی تمسخر آمیز انداز میں ہنسا۔

"اگر دانش ہی ہے تو میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔" ناصر عمارت کی طرف جانے مڑا۔

"ٹھہرو......!" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ "پہلے اس لاش کو اٹھواؤ جو وہاں جنگل پڑی ہے۔"

فریدی نے ریوالور نکال لیا تھا اور اس کا رخ ناصر کی طرف تھا۔

"کس کی لاش......!" شمشاد چیخا۔

"بوڑھے نوکر سردار کی...... ناصر چپ چاپ کھڑے رہو ورنہ ایسی جگہ گولی ماروں بقیہ زندگی جہنم بن جائے گی۔"

"کیا بیہودگی ہے۔" ناصر سہمی ہوئی آواز میں چیخا۔

"حمید......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میری جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر ناصر کے لگا

"کیا بکواس ہے۔" شمشاد حلق کے بل چیخا۔

"اگر کسی نے مداخلت کی تو بے دریغ گولی ماردوں گا۔ مجھے سب جانتے ہیں۔"

حمید نے فریدی کی جیب سے ہتھکڑیاں نکالیں اور ناصر کی طرف بڑھا۔ ناصر اچھ بھاگا لیکن شب خوابی کے لبادے نے اُسے زیادہ دور نہیں جانے دیا۔ جیسے ہی وہ اس سے گرا حمید نے اُسے دبوچ لیا۔

ناصر کے ہتھکڑیاں لگادی گئیں۔ وہ کسی تھکے ہوئے خچر کی طرح ہانپ رہا تھا۔

"باہر آؤ......!" فریدی نے گیراج کے دروازے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "تم نے مجھے پریشان کیا ہے سرمخدوم۔"

"سرمخدوم......!" حمید تحیر آمیز آواز میں چیخا۔

"سرمخدوم......!" فریدی کے ہونٹ بھینچ گئے۔ "سرمخدوم جنہوں نے قانون سے مذاق اڑایا ہے۔"

گیراج کا دروازہ کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ کھلا۔ لالٹینیں اوپر اٹھیں ان کے سامنے ایک دبلا پتلا مگر مضبوط جسم کا بوڑھا کھڑا تھا۔

"ماموں جان......!" شمشاد چیخا۔

"بڑے سرکار......!" نوکر چلائے۔

اور حمید اپنی کھوپڑی اس طرح سہلانے لگا جیسے گرمی چڑھ گئی ہو۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہال میں بیٹھے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ ان میں ناصر بھی تھا لیکن اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور اس نے اپنا سر میز پر اوندھا رکھا تھا۔

"میں چھپ کر تم لوگوں کی گفتگو سنا کرتا تھا۔" سرمخدوم نے فریدی سے کہا۔ "تم دونوں ہمیشہ دانش ہی کے بارے میں باتیں کرتے تھے۔"

"کل رات سے میں نے اپنا پچھلا نظریہ ترک کردیا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کل رات گئے میں نے ناصر کو کوئی چیز عقبی پارک میں دفن کرتے دیکھا اور جب یہ حضرت وہاں سے چلے گئے تو میں نے اسے دوبارہ کھول کر نکال لیا۔ وہ ایک ادھ جلا جوتا تھا یہیں سے میرے خیالات نے پلٹا کھایا۔ پھر کل ہی رات کو میں نے بوڑھے نوکر کو جنگل میں گھستے دیکھا تھا۔ وہ اپنے بغل میں ایک پوٹلی دبائے ہوئے تھا۔ کیا اس میں تمہارے لئے کھانا نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے......وہ بیچارہ اس راز سے واقف تھا......اور اسی کی بدولت میں اب بھی زندہ ہوں ورنہ......" سرمخدوم نے ناصر پر قہر آلود نظر ڈالی اور خاموش ہوگیا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "یہ میرا ظرف تھا کہ میں نے اس مردود کو خود ہی پولیس کے حوالے نہیں کیا۔ یہ پہلے بھی کئی بار میری جان لینے کی کوشش کرچکا تھا...... جب...... میں نے دیکھا کہ یہ کسی طرح باز نہ آئے گا تو میں نے وصیت مرتب کی۔ میں نے سوچا کہ اگر کبھی غفلت

میں مارا ہی جاؤں تو کم از کم میری موت کو اتفاقیہ نہ سمجھا جائے۔ اس کے لئے میں
منتخب کیا۔ اس لئے کہ تم اس صدی کا بہترین دماغ ہو۔ جونکوں والا معاملہ دراصل
بختوں کے لئے ایک قسم کا استعارہ تھا۔ یہ جو جونکوں کی طرح مجھے چوستے رہتے ہیں
آخر انہوں نے میرا خاتمہ ہی کر دینے کی اسکیم بنائی۔''

''آپ سب کو نہ کہیئے۔'' شمشاد دبی ہوئی آواز میں بولا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تمہیں کتنا رنج تھا میری موت پر۔'' سرمخدوم نے طنز آمیز
کہا۔ پھر فریدی سے بولا۔ ''میں آؤٹ ہاؤز میں محض اس لئے سوتا تھا کہ اپنی حفاظت
اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اسی رات کو میرے دل میں آگ کا خیال پیدا ہوا۔ میں
کہیں یہ کم بخت آگ نہ لگا دے اور میں سوتا ہی رہ جاؤں۔ اس قدر الجھن ہوئی
گیراج میں جا کر سو گیا۔ پھر شائد ڈھائی یا تین بجے شور وغل کی وجہ سے آنکھ کھل گئی۔
سچ مچ آؤٹ ہاؤز جل رہا تھا۔ پھر میں غائب ہو گیا۔ میں نے سوچا وصیت محفوظ ہے تم
پتہ لگاؤ گے۔ ہاں اس وقت تک مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہاں سے ایک جلی بھنی لاش
ہو گی۔''

''بیچارہ دانش......!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''دانش کا معاملہ پہلے ہی میری
نہیں آ رہا تھا۔ دربان کے خیال کے مطابق دانش حادثے والی رات کو آیا تھا......اگر وہ
کرنے کی نیت سے آتا تو نہ تو وہ اتنے زیادہ نشے میں ہوتا کہ خود سے چل نہ سکتا اور نہ
چھرا دکھاتا۔ ظاہر ہے کہ اسے چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ اسی لئے دربان اسے سہارا دے کر
پہنچانا چاہتا تھا......لیکن اس پر دانش نے بگڑ کر چھرا نکال لیا۔ پھر صوفیہ نے اسے آؤٹ
طرف جاتے دیکھا۔''

''صوفیہ کہاں ہے۔'' سرمخدوم نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ محفوظ ہے......آپ مطمئن رہئے۔'' فریدی نے بیان جاری رکھتے ہوئے

''میرا خیال ہے کہ دانش آپ کے جانے کے بعد آؤٹ ہاؤز کی طرف گیا۔ دروازہ کھلا

تھا۔ وہ بے دھڑک اندر چلا گیا اور وہیں پڑ کر سو رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی موت ہی اسے
اس طرف لے گئی تھی ورنہ وہ کوٹھی میں جا سکتا تھا۔ یہ ساری باتیں پچھلی رات کو میری سمجھ میں
آئیں......اور مجھے آپ کی موت میں تو شروع ہی سے شبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی وصیت
کرنے والا جان بوجھ کر تو موت کے منہ میں نہیں کود سکتا اور آؤٹ ہاؤز کے ملبے سے جو لاش
برآمد ہوئی تھی وہ ناقابل شناخت حد تک جل چکی تھی۔ محض اس بنیاد پر اسے آپ کی لاش قرار
دیا جا سکتا تھا کہ آپ آؤٹ ہاؤز میں سوئے ہوئے تھے......ہاں تو جب میں نے پچھلی رات
کو وہ دفن کیا ہوا جوتا نکالا تو حقیقت مجھ پر روشن ہوگئی۔ آخر ناصر نے وہ جوتا چھپانے کی کوشش
کیوں کی......اور ایک ہی کیوں۔ دوسرا جوتا کہاں تھا؟ ظاہر ہے کہ اسے لاش ہی کے پیر سے
اتارا گیا ہوگا......اگر وہ سرمخدوم کا جوتا تھا تو اسے چھپانے کی کیا ضرورت تھی......کیا سرمخدوم
جوتے پہن کر سوئے تھے......یہ چیز ناممکن تھی۔ سرمخدوم نشے میں تو تھے نہیں کہ جوتوں سمیت
سو جاتے۔ جب لاش نکالی گئی تو اس کے پیر میں یا تو ایک ہی جوتا تھا یا ان میں ایک بالکل جل
گیا تھا۔ ادھ جلے جوتے کو ناصر پہچان گیا اور اس نے اسے چپ چاپ اتار لیا اور پھر
دوسرے دن اس نے دانش کے متعلق تحقیقات شروع کیں۔ اسے دربان اور صوفیہ سے دانش
کی آمد کا علم ہوا۔ یہیں سے ناصر نے دوسرا کھیل شروع کر دیا۔ لاش تو آپ کی ثابت ہو چکی
تھی اب ناصر نے ڈھکے چھپے انداز میں یہ بات ظاہر کرنی شروع کی کہ دانش ہی نے آگ
لگائی ہوگی۔ کیونکہ آگ لگنے کے دوسرے ہی دن جعفری کے ذریعہ اسے وصیت کا علم ہو چکا
تھا۔ جب تین چار دن تک آپ واپس نہ ہوئے تو اس نے اس معاملے میں بالکل ہی خاموشی
اختیار کر لی......ہمارے پہنچنے پر اس نے کچھ اس قسم کی حرکتیں شروع کیں جیسے وہ دانش کو اس
الزام سے بچانا چاہتا ہو۔ اس نے صوفیہ کو قید کر دیا اور پھر اُسے نکل بھی جانے دیا تاکہ ہم اس
سے دانش کے متعلق معلومات حاصل کر لیں اور یہ سمجھیں کہ ناصر ایک باپ کی حیثیت سے
اپنے بیٹے کو قانون کی زد سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے ہمیں غلط راستے پر ڈالنے کے لئے
بہت بڑی بڑی چالیں چلیں......لیکن ایک حماقت کی بناء پر پکڑا گیا۔ اگر وہ اُس جوتے کو پہلے

ہی تلف کر دیتا یا میری نادانستگی میں اسے دفن کرتا تو شاید یہ اس وقت بھی چین کی نیند سو رہا ہوتا...... ہاں تو اسے بہر حال آپ کی فکر لگی ہوئی تھی۔ جس رات اُسے یہ معلوم ہوا کہ کوئی آدمی ملبے کے ڈھیر کے قریب ہماری گفتگو سننے کی کوشش کر رہا تھا اور پھر وہ جنگل کی طرف بھاگ گیا تھا تو اسے یقین ہوگیا کہ آپ جنگل ہی میں کہیں پوشیدہ ہیں۔ اس نے کل سے جنگل کی خاک چھاننی شروع کردی تا کہ آپ کو ٹھکانے لگا کر کہیں دفن کر دے اور پھر دانش کی تلاش میں سر مارا کرے۔ کل رات شاید اس نے بھی بوڑھے ملازم کو جنگل میں دیکھ لیا تھا...... اور آج یہ بھی محسوس کرلیا تھا کہ میں بھی نوکر کی نگرانی کر رہا ہوں۔ لہٰذا نوکر کے جانے سے قبل ہی جنگل میں جا کر چھپ رہا۔ لیکن اس سے بے خبر تھا کہ میں تعاقب کر رہا ہوں۔ بیچارہ نوکر محض میری غفلت کی وجہ سے مارا گیا۔ میں یہ سمجھا تھا کہ وہ نوکر کے ذریعے آپ تک پہنچنا چاہتا ہے لیکن اس نے نوکر کو دیکھتے ہی اس پر فائر کر دیا۔ نوکر گرا۔ میں نے ناصر پر فائر کیا۔ مگر وہ بچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر ایک فائر کیا۔ اس نے یہ فائر آپ پر کیا تھا۔''

سرمخدوم اثبات میں سر ہلا کر ناصر کی لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا...... جو ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی بُری طرح رو رہی تھیں۔

''لیکن سرمخدوم...... آپ اپنے لئے کیا کیجئے گا۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں......!''

''آپ نے پولیس کو اب تک دھوکے میں رکھا ہے...... اور یہ قانوناً جرم ہے۔ آپ کو حادثے کے بعد ہی ظاہر ہو کر غلط فہمی رفع کرنی چاہئے تھی۔ آپ پر فریب دہی کا مقدمہ تو ہی چلے گا۔''

''دیکھا جائے گا...... مجھے اس حال میں بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ میں خود اپنے ہاتھوں اسے قانون کے حوالے کرتا اور اس وقت بھی میرا دل دکھ رہا ہے۔''

''حرام خوری آدمی کو سنگ دل بنا دیتی ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اگر ناصر اپنی روزی

کا محتاج نہ ہوتا تو اس سے یہ حرکت کبھی سرزد نہ ہوتی۔ قصور سراسر آپ کا ہے۔ آپ کو اسے اپاہج نہ بنانا چاہئے تھا۔ اگر یہ ایک ایماندار آدمی کی طرح اپنی روزی خود کماتا ہوتا تو اس کے بچے شرابی جواری نہ ہوسکتے تھے۔ بے مشقت ہاتھ آئے ہوئے پیسے آدمی کو شیطنت کی طرف لے جاتے ہیں۔ ناصر محض اس لئے آپ کی جان لینا چاہتا تھا کہ وہ جائیداد کا مالک بننے کے بعد ان کا قرض ادا کرسکے۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔'' سرمخدوم نے طویل سانس لے کر کہا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ''صوفیہ کا کیا قصہ ہے...... وہ کہاں ہے۔ پورے خاندان میں صرف وہی ایک ہے جسے میری دولت سے نہیں بلکہ مجھ سے محبت ہے۔''

فریدی نے اسے صوفیہ کے متعلق بتاتے ہوئے اطمینان دلایا کہ وہ محفوظ ہے۔

دوسری شام حمید اور صوفیہ آرلکچو میں چائے پی رہے تھے۔

''تم بڑے اچھے دوست ثابت ہوسکتے ہو۔'' صوفیہ نے حمید سے کہا۔

''تم بہت ذہین اور اسمارٹ لڑکی ہو...... میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔''

صوفیہ قہقہہ لگا کر بولی۔ ''میں بتاؤں تم کیا سوچ رہے تھے۔''

''بتاؤ......!'' حمید بڑے رومانٹک انداز میں بولا۔

''تم سوچ رہے تھے کہ اگر میں تم پر عاشق ہوگئی ہوتی تو تم شادی کی تجویز پیش کرتے۔''

حمید احمقوں کی طرح اُسے گھورنے لگا۔ صوفیہ پھر ہنس پڑی۔

''ذہین سے ذہین مرد بھی جنسیت کے معاملے میں معمولی آدمیوں سے مختلف نہیں ہوتا۔'' صوفیہ نے کہا۔

اور حمید نے اُسی وقت اُس سے عشق کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 41

موت کی چٹان

(مکمل ناول)

پیش رس

"موت کی چٹان" ملاحظہ فرمائیے۔ یہ بتانا دشوار ہے کہ یہ اس کتاب کا کونسا ایڈیشن ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کئی بار چوری چھپے دوسروں نے بھی اسے غیر قانونی طور پر چھاپا ہے۔

جیرالڈ شاستری کی پہلی کہانی "جنگل کی آگ" بہت زیادہ پسند کی گئی تھی اور نئے پڑھنے والے آج بھی اس کی تلاش میں رہتے ہیں۔

ادھر پڑھنے والوں کا اصرار کہ پیشرس بھی "لذیذ" ہونا چاہئے۔ مگر پیشرس میں تو میں خود ہی "مرغا" بن کر دکھاؤں تو آپ کو ہنسی آئے گی۔ کیونکہ پیشرس میں میرے علاوہ اور کون ہوتا ہے!

تو اب میری سنئے...... آج کل اس دشواری سے دوچار ہوں کہ "تصویر" سے تو ان کی شکل نہیں ملتی۔"

گزارش ہے کہ تصویر سفید کاغذ پر چھپتی ہے اور جب میں اس کے برعکس نظر آتا ہوں تو آپ کو میری شکل ہی نہیں سجھائی

دیتی۔"

ایک صاحب نے مشورہ دیا تھا ریوالور لٹکا کر نکلا کیجئے۔ اس طرح آپ کم از کم جاسوسی ادیب تو معلوم ہوسکیں گے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس مشورے کی روشنی میں غیر جاسوسی ادیبوں کو کان پر قلم رکھ کر گھر سے باہر نکلنا چاہئے۔

بھائی کیا یہ ضروری ہے کہ روزانہ زندگی میں بھی آدمی ادیب معلوم ہو۔ یقین کیجئے ایسے لوگ سب کچھ ہوجاتے ہیں لیکن آدمی بالکل نہیں رہتے۔ للہٰذا مجھے اس مشورے سے معاف رکھئے میں تو عام حالات میں عام آدمیوں جیسی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

مجھے میری کتابوں میں تلاش کرنے کی عادت ڈالئے...... وہیں ملوں گا...... بالمشافہ قسم کی ملاقات پر آپ یقیناً مایوس ہوں گے۔

والسلام

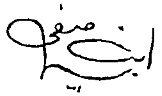

ایک سازش

ہائی سرکل نائٹ کلب میں حسب معمول کافی رونق تھی۔ یہ شہر کے اونچے طبقے کے لوگوں کا نائٹ کلب تھا۔ لیکن کرائم رپورٹر انور جیسے لوگوں پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ شہر کے سارے اخباروں کے رپورٹروں کی وہاں تک رسائی تھی۔ انور کا معاملہ دوسرا تھا۔ نائٹ کلب کا منیجر اس سے اس درجہ خائف رہتا تھا کہ اس نے آج تک اس کی ممبر شپ کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ اور خوف کی وجہ یہ تھی کہ انور کے ہاتھ میں اس کی بعض دکھتی رگیں تھیں جنہیں وہ اکثر چھیڑتا رہتا تھا۔ مگر اس حد تک بھی نہیں کہ معاملہ پولیس کے ہاتھوں جا پہنچتا۔

انور روزمرہ کے آنے والوں میں سے نہیں تھا لیکن جب بھی وہ کلب میں دکھائی دیتا منیجر کے اوسان خطا ہوجاتے تھے۔ وہ بھی کم از کم انور کے عادات و اطوار سے تو واقف ہی تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ انور کو نائٹ کلب کی تفریحات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ للہٰذا آج جب اس نے انور اور رشیدہ کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کے ہاتھ پیر پھول گئے اور وہ چپکے سے اس کمرے میں گھس گیا جہاں ناجائز طور پر نہایت اعلیٰ پیمانے پر جوا ہوتا تھا۔ اس نے وہاں کے منتظم کو ضروری ہدایات دیں اور پھر ہال میں آ گیا۔ انور اور رشیدہ ایک خالی میز پر بیٹھ چکے

تھے۔ وہ ان کی طرف بڑھا۔

''جاؤ...... جاؤ......!'' انور ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''ہم تھک کر یہاں آ بیٹھے ہیں...... تم کا
مشغول ہو گئے۔''

''پھر بھی! میرے لائق کوئی خدمت...... بقول شاعر......!''

لیکن انور نے اُسے شعر نہیں پڑھنے دیا۔

''آج کل شعر سنتے ہی مجھے غصہ آ جاتا ہے۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''آپ کی مرضی......!'' منیجر مسکرا کر انکھیوں سے رشیدہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر جھینپ
ہوئی ہنسی کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف واپس چلا گیا۔

''تم کیوں آئے ہو یہاں؟'' رشیدہ نے انور سے پوچھا۔

''بزنس......!'' انور مسکرا کر بولا۔ ''مجھے نائٹ کلبوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''کس قسم کا بزنس......!''

''کان نہ کھاؤ......!'' انور جھنجھلا کر بولا۔ ''آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔''

''لیکن میں تمہیں کوئی ایسی حرکت نہ کرنے دوں گی۔''

''کیسی حرکت......!'' انور اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولا۔

''دیکھو!'' مجھے اس طرح آنکھیں نکال کر نہ دیکھا کرو...... سمجھے۔'' رشیدہ بھی گرم ہو گئی۔

خلاف توقع انور نے بات نہیں بڑھائی۔ وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

''میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اب اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کروں گا۔''

''بہت خوب...... لیکن کیوں؟''

''اس لئے کہ میں تم سے قرض لے کر واپس نہیں کرتا...... اور یہ بہت بُری بات
ہے......'' انور نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

''لیکن یہاں تم کیا کرو گے۔'' اس نے پوچھا۔

''اس آدمی کو پہچانتی ہو۔'' انور نے ایک بوڑھے اور نحیف الجثہ آدمی کی طرف اشارہ کیا

ا میز پر تنہا بیٹھا ہوا شامپین کی چسکیاں لے رہا تھا۔

''شاید......!'' رشیدہ سر ہلا کر بولی۔ ''یہ مشہور کروڑ پتی صمدانی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ''پچھلے سال میں نے اس کے لئے
ام کیا تھا اور اس سے مجھے ایک بھاری رقم معاوضے میں ملی تھی۔''

وہ چند لمحے کے لئے خاموش ہو گیا پھر مسکرا کر بولا۔ ''آخر اب مجھ سے کوئی کام کیوں
یتا۔''

''انتہائی احمقانہ سوال ہے؟'' رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ اسے ہمیشہ
ی ضرورتیں پیش آتی رہیں۔''

''آنی پڑیں گی۔'' انور میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ ''اسے مجھ سے کام لینا ہی پڑے گا۔ اگر
لے گا تو کیا پھر میں فاقے کروں گا؟''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''نہیں وہ آج کل ایورسٹ کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ تم بکواس بند کرو۔ جو کچھ میں کہہ
ا اُسے سنو۔ پچھلے سال مجھے اس سے اتنی رقم ملی تھی کہ میں نے چھ ماہ تک عیش کئے تھے۔''

''مجھے یاد ہے......'' رشیدہ نے کہا۔ ''لیکن تم کرو گے کیا؟''

''درمیان میں بولو مت...... سنتی جاؤ...... صمدانی بڑا ڈرپوک آدمی ہے۔ اگر ہم تھوڑی سی
یں تو بہت کچھ پیدا کر سکتے ہیں۔''

''بلیک میلنگ......!'' رشیدہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''ہرگز نہیں...... میں شریف آدمی ہوں۔ بس اسے تھوڑا سا خائف کرنے کی ضرورت
یدھا میرے پاس دوڑا چلا آئے گا۔''

''آخر کس طرح......!''

''بہت آسانی سے......'' انور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگا کر بولا۔
وئی خوفناک چہرہ دکھایا جائے۔''

"شاید تم نشے میں ہو۔" رشیدہ ہنسنے لگی۔

"تم باز نہیں آؤ گی۔" انور جھلا کر بولا۔ "میں کہتا ہوں چپ چاپ سنو۔"

"سناؤ......!" رشیدہ نے شانوں کو جھٹکا دے کر کہا۔

"کوئی آدمی مستقل طور سے اس کا تعاقب شروع کر دے۔ بس وہ بوکھلا کر کچھ کرے گا۔"

"تم نے کوئی بہت ہی گھٹیا قسم کا نشہ پیا ہے۔" رشیدہ پھر ہنسنے لگی۔ "بھنگ یا چرس پی گئے۔"

"تمہارا خون پیوں گا۔" انور دانت پیس کر بولا۔

"ایک اُلو اور تم میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔" رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "ایسی میں وہ پولیس کی مدد حاصل کرے گا یا تمہارے پاس دوڑا آئے گا۔"

"تم اسے نہیں سمجھ سکتیں......وہ پولیس سے دور ہی رہے گا۔"

"آخر کیوں؟ کوئی وجہ؟"

"پچھلے سال والا معاملہ سو فیصدی پولیس کیس تھا۔ لیکن اس نے پولیس کو اس کی نہ لگنے دی۔ اس کی بجائے میری خدمات حاصل کی تھیں۔"

"میں وجہ پوچھ رہی ہوں اور تم واقعہ دہرا رہے ہو۔"

"اس کے آدمی سونے کی اسمگلنگ کرتے ہیں۔ اس لئے وہ پولیس سے دور ہے۔ اسی اسمگلنگ کے سلسلے میں اس کے کئی حریف ہیں جو اسے زک دینے کی کوشش رہتے ہیں۔ اگر کسی پراسرار آدمی نے اس کا تعاقب کیا تو وہ اسے اپنے کسی حریف ہی کا سمجھے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتا۔"

"لیکن یہ تو سراسر اُسے دھوکا دے کر لوٹنا ہوگا۔" رشیدہ نے کہا۔

"پھر تمہیں اخلاقیات کا ہیضہ ہوا۔" انور چڑھ کر بولا۔ "یہ بتاؤ کہ اب تک اس کو لوٹا ہوگا۔ یہی نہیں اسمگلنگ کا مطلب تو حکومت کو دھوکہ دینا ہے۔"

"تو پھر تم میں اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہئے کہ تم حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کراؤ۔"

"یعنی میں خود اپنے ہتھکڑیاں لگواؤں۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیا تمہیں اس رنگروٹ سب انسپکٹر کا واقعہ یاد نہیں جس نے سیٹھ رنگول کو دواؤں کی بلیک مارکیٹنگ پکڑا تھا۔ کیا نتیجہ ہوا......اس بے چارے پر رشوت ستانی کا مقدمہ چل گیا۔ حالانکہ وہ اندار آدمی تھا۔ ویسے اس نے ایک بہت بڑا جرم کیا تھا کہ یہاں کے ایک حاکم کے منظور رنگول کو بلیک مارکیٹنگ کرتے پکڑ لیا۔"

"کچھ بھی ہو......میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔"

"تم میں رائے دینے کی صلاحیت ہی نہیں۔ میں تو تم سے صرف ایک کام لینا چاہتا ہوں۔"

"مجھ سے......؟" رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

"میں تمہیں اس کا تعاقب کرنے کو نہیں کہوں گا۔"

"پھر......؟"

"قاسم کو پھانسو......!"

"تعاقب کے لئے......کہیں سچ مچ تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ صمدانی پہچانتا ہوگا۔ وہ بھی تو شہر کے ایک بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔"

"میں جانتا ہوں......لیکن صمدانی اُسے پہچان نہیں سکے گا۔"

"کیسے......؟"

"میک اپ......اگر وہ اسے پہچان جائے تو میں ڈاڑھی رکھ لوں گا۔"

"قاسم اس کے لئے ہرگز تیار نہ ہوگا۔"

"ہو جائے گا۔" انور خود اعتمادانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "تم اس سے کہہ کر بھی تو دیکھو تمہیں ذرا سا اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنا پڑے گا۔"

"نہیں میں یہ نہیں کر سکتی۔"

"تم کرو گی۔" انور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ساڑھے سات

بجے ہیں۔ صمدانی یہاں عموماً گیارہ بجے تک بیٹھتا ہے۔ قاسم تمہیں آرلکچو میں مل جائے
وہ تیار ہو جائے تو مجھے فون کر دینا...... اور پھر اسے ساتھ لے کر گھر چلی جانا۔ میں ا
جاؤں گا۔ لیکن ہاں اس کا خیال رکھنا کہ اس کی بھنک بھی حمید کے کان میں نہ پڑنے
مطلب یہ کہ اگر اس کے ساتھ حمید بھی ہو تو تم چپ چاپ واپس چلی آنا۔''

''دیکھو...... مجھے پریشان مت کرو۔'' رشیدہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں اس چکر میں پڑنا پسند نہ کروں گی۔ لیکن تم نے اس کام کے لئے قاسم ہی
منتخب کیا ہے۔''

''قاسم کے علاوہ اور کون تیار ہوگا۔''

''تمہیں یقین ہے کہ وہ تیار ہو جائے گا۔''

''ضرور......!'' انور نے مسکرا کر ایک آنکھ دبالی۔ ''محض اس لئے تیار ہو جائے
اس سے کہو گی۔''

''میں سمجھی...... تمہیں شرم نہیں آتی۔''

''نہ تم میری بیوی ہو اور نہ محبوبہ! ہم صرف دوست ہیں۔ پھر شرم کس بات کی۔ میر
مرد سمجھتا ہوں...... سمجھیں۔''

''ہزار بار دہرا چکے ہو......'' رشیدہ بیزاری سے بولی۔ ''میں یہ نہیں کر سکتی۔''

انور اور رشیدہ میں بحث چھڑ گئی۔ دونوں ساتھ رہتے تھے اور انور اس پر پوری طرح
تھا لیکن دونوں کے تعلقات ایسے نہیں تھے جن پر جنسی تعلقات کا اطلاق ہو سکتا۔ رشیدہ جا
کہ انور جس بات پر اڑ جاتا ہے اسے کر ہی کے چھوڑتا ہے۔ وہ ایک الگ فلسفہ زندگی ر
جس میں اخلاقیات کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ اپنے کسی فعل کو توڑ مروڑ کر اخلاقیات کے ڈھ
میں ڈھالنے کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا۔''

دس پندرہ منٹ تک دونوں ایک دوسرے سے الجھے رہے پھر رشیدہ کچھ نرم پڑ گئی۔ لک
بہر حال اسی کی ہونی تھی۔

''لیکن قاسم حمید سے اس کا تذکرہ ضرور کرے گا۔ دونوں گہرے دوست ہیں۔'' رشیدہ
ہا۔

''ہرگز نہیں...... اگر تم اسے منع کر دو گی تو ملک الموت بھی اُسے اس کے تذکرے پر آمادہ
سکے گا۔ اُس کے ٹائپ سے بخوبی واقف ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد رشیدہ باہر نکلی، اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور آرلکچو کی طرف روانہ ہو گئی۔

اس دوران میں قاسم نے بڑی شدت سے ہوٹل بازی شروع کر رکھی تھی اور خاص طور
آرلکچو میں بیٹھا کرتا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ ایک دن آرلکچو کی کاؤنٹر کلرک اس کی کسی
پر بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ وہ ایک صحت مند اور قبول صورت اینگلو انڈین لڑکی تھی۔ چونکہ
کا تعلق ایک ہوٹل سے تھا اس لئے اس کا انداز ہر ایک سے فلرٹ کا سا رہتا تھا۔ بہر حال
کو غلط فہمی ہو گئی تھی اور وہ آرلکچو میں بلا ناغہ آنے لگا تھا۔ روز ہی اس لڑکی سے دو چار باتیں
تی تھیں...... حقیقت تو یہ ہے کہ قاسم میں اظہار عشق کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ وہ تو بس
پر زندہ تھا کہ کسی دن کوئی لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے گی۔

''پیارے مجھے تم سے پریم ہو گیا ہے۔''

لیکن آج وہ بہت اداس تھا...... کیونکہ کاؤنٹر کلرک غیر حاضر تھی۔ وہ ایک میز پر تنہا بیٹھا غم
میں ایک مرغ مسلم کی مرمت کر رہا تھا۔ وہ اس کی مخصوص میز تھی۔ ہوٹل کے سارے
ے اسے اچھی طرح پہچان گئے تھے۔ کیونکہ وہ بے تحاشہ کھاتا تھا اور رخصت ہوتے وقت
کرنے والے ویٹر کو بھاری ٹپ دیتا تھا۔

قاسم نے رشیدہ کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ لیکن اُسے بھول کر بھی یہ خیال نہیں آ سکتا
کہ وہ اس کی طرف آئے گی۔ کیونکہ اُن دونوں میں محض رسمی سا تعارف تھا۔ لہٰذا جب اس
نے اسے اپنی میز کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس کا دل ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے
کنے لگا۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور حلق میں پھندا سا پڑ گیا۔

رشیدہ اس کی میز کے قریب پہنچ کر مسکرائی۔ قاسم بھی جواباً مسکرایا لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے

کسی نے اس کے دہانے کے گوشوں میں انگلیاں ڈال کر کھینچ دیا ہو۔

''ترر...... ترشیف...... تشریف رکھئے۔'' قاسم نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹھئے...... بیٹھئے۔'' رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے کہا اور قاسم بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ اس نے مرغ مسلم کو اب بھی دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا اور اس کے ہونٹوں اور ٹھوڑی میں مسالہ لگا ہوا تھا۔ ہاتھ بھی ملوث تھے اس ہیئت کذائی میں۔ دیکھ کر رشیدہ نے بدقت اپنی ہنسی ضبط کی۔

''اے......!'' قاسم نے بوکھلا کر ویٹر سے کہا۔ ''ایک مرغ مسلم اور لاؤ۔''

''کیا میرے لئے......!'' رشیدہ جلدی سے بولی۔

''جی ہاں...... جی ہاں......!''

''میرے فرشتے بھی پورا مرغ ہضم نہ کرسکیں گے۔''

''کرلیں گے...... سب چلتا ہے۔'' قاسم نے لاپرواہی سے کہا۔ اس کی دانست میں رشیدہ تکلف کررہی تھی۔

''ارے...... نہیں نہیں۔'' رشیدہ ویٹر کو روکتی ہوئی بولی۔ ''میرے لئے صرف کافی لاؤ۔''

''پھر کیا کھائیے گا۔'' قاسم نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔''

''ارے واہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' قاسم نے ویٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''گرلڈ چکن لے آؤ...... چار......!''

''قاسم صاحب! مجھے مرنا نہیں ہے۔'' رشیدہ نے کہا اور پھر ویٹر سے بولی۔ ''صرف کافی لاؤ!''

''آپ کی مرضی......!'' قاسم مضمحل ہوگیا۔

''میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ آپ سے ملوں۔'' رشیدہ نے کہا۔

''اوہ...... ہی ہی ہی۔''

''آپ کی شخصیت بڑی پرکشش ہے۔'' رشیدہ اس کی حماقت انگیز ہنسی کو نظر انداز کرکے بولی اور قاسم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ سانس تیز ہوگئی اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''میں اکثر آپ کے متعلق سوچتی ہوں۔''

قاسم کے حلق میں کوئی چیز اٹک گئی۔ اس نے کوشش کی کہ وہ بھی کچھ کہے لیکن ہونٹ تک نہ ہل سکے۔

''آج جب کہ میں اور انور ایک دلچسپ کھیل کا پروگرام بنا رہے تھے تو معاً میرا ذہن آپ کی طرف گیا۔ قدرتی بات تھی۔'' رشیدہ پھر خاموش ہوکر قاسم کی طرف دیکھنے لگی۔ قاسم بوکھلا کر پلکیں جھپکانے لگا تھا۔ بہت تیزی سے۔

''بڑا دلچسپ کھیل ہے۔'' رشیدہ پھر بولی۔ ''صرف تین آدمی اس میں حصہ لیں گے...... میں...... انور اور آپ۔''

''خیا...... خیل ہے۔'' قاسم اپنا حلق صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوا بدقت بولا۔

''بہت دلچسپ۔'' رشیدہ مسکرا کر بولی۔ ''ایک آدمی کو ڈرانا ہے۔''

قاسم ہنسنے لگا۔ دل کھول کر ہنسا...... اس طرح اس کے حلق میں پڑا ہوا پھندا کھل گیا۔

''کون ڈرائے گا۔'' اس نے پوچھا۔

''آپ......!''

قاسم نے پھر قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''ڈرا ڈرا کر مار ڈالوں گا سالے کو...... کون ہے۔''

''سیٹھ صمدانی......!'' رشیدہ آہستہ سے بولی۔

''ارے باپ رے۔'' قاسم نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''کیوں...... کیا بات ہے۔''

''ارے وہ تو والد صاحب کا دوست ہے۔'' قاسم نے آگے کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ''میری شامت آجائے گی۔''

''وہ آپ کو پہچان نہیں سکے گا۔''

''نہیں...... وہ مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے۔''

''کہتی تو ہوں کہ نہیں پہچان سکے گا۔''

"آخر کیسے۔"

"آپ کا بھیس بدلوا دیا جائے گا۔"

"میک اپ......!" قاسم خوش ہو کر بولا۔ "اللّٰہ قسم میں تیار ہوں۔ حمید کو اپنے م کرنے پر بڑا ناز ہے۔"

"مگر ٹھہریئے......آپ کبھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ حمید سے بھی ن"

"کیوں......!"

"بس یونہی......وعدہ کیجئے کہ آپ تذکرہ نہیں کریں گے۔"

"نہیں کروں گا......بالکل نہیں۔"

پھر قاسم نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اس کھیل کا مقصد کیا تھا۔ رشیدہ اسے د کے لئے تنہا چھوڑ کر انور کو فون کرنے چلی گئی اور قاسم بیٹھا احمقوں کی طرح خود بخود مسکراتا رہا۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کر رشیدہ کے دو جملے گونج رہے تھے جو اس نے تعریف میں کہے تھے۔

رشیدہ کی واپسی پر وہ حد درجہ سنجیدہ اور سلیم الطبع نظر آنے کی کوشش کرنے لگا۔

"آیئے اب چلیں۔" رشیدہ نے اُس سے کہا۔

قاسم نے بل کے دام ادا کئے اور وہ باہر آ گئے۔ قاسم نے ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی اور وہ انور کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ پچھلی سیٹ پر برابر بیٹھے ہوئے تھے اور ا سانس پھول رہی تھی۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ کوئی غیر عورت اس سے اتنی قریب تھی۔

رشیدہ اُسے آہستہ آہستہ بتاتی جارہی تھی کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ لیکن شاید ہی قا پوری بات سمجھی ہو۔ وہ کبھی تو دل ہی دل میں اپنی دبلی پتلی اور کمسن بیوی کو گالیاں دینے اور کبھی اس بات پر خوش ہونے لگتا تھا کہ رشیدہ نے اس کے لئے چند تعریفی جملے کہے ت اس پر اتنا اعتماد کیا تھا کہ اُسے اپنے ایک کھیل میں شریک کرنے جارہی تھی۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" رشیدہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"ج......جی......!" قاسم چونک پڑا۔ "کچھ تو نہیں......ہی ہی ہی......ارے میں سوچ ہا تھا کہ کسی کو کچھ نہ بتاؤں گا۔"

"آپ بہت اچھے ہیں۔"

قاسم پھر بوکھلا گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی رشیدہ کے بازو آہستہ آہستہ اس گردن کی طرف آئیں گے اور وہ ہکلا ہکلا کر دم توڑ دے گا۔ اسے اپنی اس کمزوری پر غصہ نے لگا۔ شدید غصہ۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے جبڑوں پر خود ہی مکوں کی بارش کر دے۔ بان کھینچ لے جو ایسے موقعوں پر لڑکھڑانے لگتی تھی۔

وہ ہانپتا رہا اور ٹیکسی فراٹے بھرتی رہی۔

قاسم کی بدحواسی

ساڑھے نو بج چکے تھے......انور ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہوا جو ہائی سرکل نائٹ لب سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ اس نے کلب کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

"ہیلو......منیجر کیا صمدانی صاحب موجود ہیں۔"

"جی ہاں......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ذرا انہیں فون پر بلا دیجئے۔" انور نے کہا۔

"ٹھہریئے......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آواز آئی۔

"ہیلو......صمدانی اسپیکنگ......!"

جواب میں انور نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور فون کا سلسلہ منقطع کر کے بوتھ سے باہر نکل آیا۔

دوسری طرف صمدانی نے اس قہقہے کو حیرت سے سنا اور پھر وہ شائد تیس سیکنڈ تک "ہیلو ہیلو" کرتا رہا لیکن جواب ندارد......

"پتہ نہیں کون گدھا تھا...... ہنس کر ڈس کنکٹ کر دیا۔" صمدانی نے منیجر کی طرف کہا اور ریسیور اسٹینڈ پر رکھ کر کچھ سوچنے لگا۔

وہ کمزور اعصاب کا دبلا پتلا بوڑھا تھا۔ اکثر معمولی معمولی باتیں بھی اسے اختلاج کر دیتی تھیں لہٰذا اس وقت بھی یہی ہوا۔ میز کی طرف واپس آتے وقت اس کے پیر کانپ تھے۔ اس نے گلاس میں شراب انڈیلی اور پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

اچانک اس کی نظریں ایک انتہائی گرانڈیل آدمی کی طرف اٹھ گئیں جو قریب ہی میز پر بیٹھا اُسے گھور رہا تھا۔ وہ انتہائی طویل القامت اور اسی حد تک موٹا آدمی تھا۔ چہ گھنی ڈاڑھی اور مونچھیں اتنی گنجان تھیں کہ ہونٹ بھی چھپ کر رہ گئے تھے۔ جسم پر انگریز کا بیش قیمت لباس تھا۔ اس کا چہرہ یوں بھی خوفناک تھا اور پھر غصہ سے گھورتی ہوئی آنکھیں

صمدانی کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ ہاتھ کانپنے لگا جس میں اس نے شراب کا سنبھال رکھا تھا۔ اس نے گلاس میز پر رکھ دیا اور اس خوفناک آدمی کے چہرے سے اپنی ہٹا لیں۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک اسے دیکھے بغیر رہ بھی نہ سکا اس نے کنکھیوں سے اُسے دیکھا۔ خوفناک آدمی اب بھی اُسے گھور رہا تھا۔

صمدانی کی بدحواسی بڑھ گئی۔ شہر میں اس کے کئی حریف اور دشمن تھے۔ یوں بھی جب اس پر اختلاج کا دورہ پڑتا تھا تو اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے یک بیک اس پر مکا چھت آ گرے گی یا کوئی دوسرا اچانک حادثہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ بہر حال بدحواسی اتنی بڑھ گئی کہ وہ گلاس کی بقیہ شراب ختم کئے بغیر ہی اٹھ گیا۔

قاسم اپنی گھنی مونچھوں پر ہولے ہولے انگلی پھیرتا رہا۔ جب صمدانی باہر نکل گیا تو اٹھا۔ صمدانی کی کار کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ قاسم نے انور کی موٹر سائیکل سنبھالی جو پر کے مطابق نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ ہی میں موجود تھی۔

اب قاسم باقاعدہ طور پر صمدانی کا تعاقب کر رہا تھا اور دل ہی دل میں پھولا نہیں سما کہ اب وہ بھی کم از کم سرجنٹ حمید سے ٹکر لے ہی سکتا تھا۔ ایک ایک کر کے اسے وہ سار

جاسوسی ناول یاد آنے لگے جنہیں وہ اب تک پڑھ چکا تھا...... اور وہ خود کو انہیں میں سے ایک کا پراسرار جاسوس سمجھ رہا تھا۔

صمدانی کی کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی اور قاسم اس کا تعاقب کرتا رہا۔ انور نے اسے سمجھا دیا تھا اور جو کچھ اس نے کہا تھا اسی کے مطابق اسے عمل کرنا تھا۔ انور نے کہا تھا کہ جب تک وہ کہیں رک کر اتر نہ پڑے اس کا تعاقب جاری رکھنا چاہئے...... غالباً اس کا مطلب یہ تھا کہ صمدانی بھی اس تعاقب سے آگاہ ہو جائے۔

تھوڑی دیر بعد کار اس سڑک پر ہو لی جو پولو گراؤنڈ کی طرف جاتی تھی۔ سڑک سنسان تھی اور قاسم کی موٹر سائیکل کا شور سناٹے میں انتشار برپا کئے ہوئے تھا۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی اور قاسم نے رفتار کا تناسب اتنا رکھا تھا کہ موٹر سائیکل اس سے کافی فاصلے پر رہے۔

اچانک کار کی پچھلی سرخ روشنی اس کی نظروں سے غائب ہو گئی۔ اس نے اس خیال سے موٹر سائیکل کی رفتار تیز کر دی کہ کہیں اگلی کار کسی طرف گھوم نہ گئی ہو۔

کار کے قریب پہنچ کر قاسم نے موٹر سائیکل روک دی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ صمدانی کو ایک بار پھر ڈرایا جائے۔ اسے یقین تھا کہ صمدانی کار کے اندر ہی ہوگا کیونکہ قرب و جوار میں کوئی عمارت بھی نہ تھی۔

ابھی تک وہ خود کو ایک فلمی ہیرو تصور کر کے صمدانی کا تعاقب کر رہا تھا اور اس نے اسے ڈرا بھی دیا تھا۔ اس لئے اس کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ موٹر سائیکل کا انجن بند کر کے کار کی طرف یہ سوچتا ہوا بڑھا کہ صمدانی ایک خوفزدہ چوہے کی طرح کار میں دبکا ہوا ہوگا۔ کار میں اندھیرا تھا۔ قاسم نے جیب سے ٹارچ نکالی۔

روشنی کا دائرہ صمدانی پر پڑا۔ جو پچھلی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا لیکن چہرے پر روشنی پڑنے کے باوجود بھی اس نے اپنا چہرہ قاسم کی طرف نہیں گھمایا۔

"اتنا خوفزدہ ہے۔" قاسم نے آہستہ سے بڑبڑا کر کھڑکی کے اندر سر ڈال دیا۔

اور پھر جب اس نے قریب سے دیکھا تو اسے صمدانی کی بائیں آنکھ کی جگہ ایک بڑا سا

سوراخ نظر آیا جس سے وافر مقدار میں خون نکل کر اس کے بائیں گال پر پھیل گیا تھا۔

وہ چند لمحے چپ چاپ کھڑا رہا...... پھر دوبارہ "ارے باپ رے" کا نعرہ مار کر نے اپنی پوری قوت سے شہر کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ بدحواسی میں وہ یہ بھی بھول گ یہاں تک وہ ایک موٹر سائیکل پر آیا تھا اور اسی پر واپس بھی جا سکتا تھا۔ دیو جیسے ڈیل ڈول باوجود بھی وہ کافی تیز دوڑ رہا تھا۔

لیکن پولو گراؤنڈ کے قریب پہنچتے پہنچتے اس کی طاقت جواب دے گئی اور وہ بجلی کے سے لپٹ کر ہانپنے لگا۔ اس کے ذہن میں صرف صمدانی کا خوفناک چہرہ تھا اور اب اسے یا رہا تھا کہ وہ یہاں کس لئے آیا تھا۔

کچھ ذرا سانس ٹھہری تو اس نے پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ لیکن اب اس میں دوڑ سکت نہیں رہ گئی تھی۔ شاید آدھے ہی منٹ بعد وہ لڑھکنے والی چال سے چلنے لگا اور پھر اس منہ سے منمناتی ہوئی سی آواز نکلنے لگی۔ وہ دراصل انور اور رشیدہ کو گالیاں دے رہا تھا۔ پھر ا یک بیک اپنی مصنوعی ڈاڑھی کا خیال آ گیا اور وہ اسے بوکھلاہٹ میں نوچنے لگا...... ایک بال چن لیا۔

پھر یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ پاور ہاؤز کے قریب اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ ا انور کے فلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اسے کچھ پتہ ہی نہ چلا کہ اس نے بقیہ راستہ کس طرح کیا۔ وہ ایک بھرے ہوئے بورے کی طرح ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔

اور ٹیکسی ڈرائیور ہی نے اسے جھنجھوڑ کر بتایا کہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ چکا ہے۔ پتہ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کتنے کا نوٹ دیا اور عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ بہرحال ٹیکسی ڈرا کے تحیر آمیز انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کرائے سے بہت زیادہ دے دیا ہو۔ چند لمحے کھڑا قاسم کو جاتے دیکھتا رہا پھر بڑبڑاتا ہوا ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ "ایسے ہی روز کریں...... تو......!"

قاسم نے انور کے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور وہ دھم سے منہ بل اندر فرش پر جا گرا۔

"کیا ہوا......؟" انور کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا۔ رشیدہ بھی بڑھی...... دروازہ اسی نے کھولا تھا۔ قاسم کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح فرش پر پڑا ہانپ رہا تھا...... وہ اب چپ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں چھت پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا......!" انور اسے جھنجھوڑنے لگا۔ لیکن قاسم کی آنکھیں چھت پر جمی رہیں اور وہ کچھ بولنے کی بجائے صرف ہانپتا رہا۔

انور نے رشیدہ کی طرف دیکھ کر برا سا منہ بنایا۔

یک بیک قاسم اچھل کر بیٹھ گیا۔

"تم نے میرا بیڑا غرق کر دیا۔" وہ دہاڑ کر بولا۔

"ہوا کیا......؟"

"اب مجھے پھانسی...... ارے باپ رے۔" قاسم خوفزدہ آواز میں بولا اور اس طرح اپنی گردن ٹٹولنے لگا جیسے سچ مچ پھانسی کا پھندا پڑ گیا ہو۔

"کیا......؟" انور حیرت سے بولا۔ "کیا تم نے اسے مار ڈالا۔"

"میں نے......!" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ذرا آہستہ پیارے...... شور نہ مچاؤ۔" انور نے اس کا شانہ سہلا کر کہا۔

قاسم نے کسی کنواری لڑکی کے سے انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور بولا۔

"تم نے مجھے پھانس کر اسے ختم کر دیا۔"

"کیا کہہ رہے ہو۔" انور بوکھلا گیا۔

"ہاں اب اسی طرح بنو گے...... میں جا رہا ہوں پولیس کو اطلاع دینے۔ نہیں تو کیا میں پھانسی پر چڑھوں گا۔"

قاسم نہ جانے اور کیا اول فول بکتا رہا۔ بدقت تمام انور نے اس سے پوری بات معلوم کی۔

"میری موٹر سائیکل کہاں ہے؟" انور نے پوچھا۔

"ہوگی سالی کہیں...... میں کیا جانوں......؟"

"کیوں......؟ کیا تم موٹر سائیکل پر نہیں گئے تھے۔"

"گیا تھا......!" قاسم جھلا کر بولا۔ "شاید وہ وہیں رہ گئی۔"

"کہاں......!"

"کار کے پاس۔"

انور بوکھلا کر اپنا سر سہلانے لگا اور رشیدہ کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگیں۔ چند لمحے خاموش رہا پھر ہنس کر بولا۔ "اچھا الو بنایا تمہیں صمدانی نے۔"

"کیوں......؟" قاسم چونک پڑا۔

"تم اُسے ڈرانے چلے تھے...... الٹا اسی نے تمہیں ڈرا دیا۔ وہ بھی اپنا چہرہ بنا بگاڑنے پر قادر ہے۔"

"تو کیا وہ سب بناوٹی تھا......!" قاسم نے حیرت سے پوچھا۔

"یقیناً...... ورنہ اس طرح اچانک...... مرجانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ خوب...... بھئی واہ۔"

"تب تو میں اس [illegible] مار ہی ڈالوں گا۔ یہی میں بھی سوچ رہا تھا کہ آخر اتنی جلد کیسے مر گیا۔"

"تم بہت تھک [illegible] دیکھیر ہے......" انور نے کہا اور پھر رشیدہ بولا۔ "ذرا تم ان کے لئے طاقت کی دوا بنالاؤ...... وہ نیلی شیشی والی...... ورنہ ہفتوں ان جسم میں درد ہوگا۔"

"ضرور ضرور......!" قاسم سر سہلا کر بولا۔ "اللہ قسم میں تھک کر چور [illegible]"

رشیدہ انور کو گھورتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس دوران [illegible] باتیں کرنے لگا جس سے قاسم کو یقین آجائے کہ صمدانی نے اسے [illegible]

رشیدہ گلاس میں دودھیا رنگ کا کوئی سیال لے کر واپس آئی۔

"اسے پی لو۔" انور نے قاسم سے کہا۔ "پانچ منٹ میں جوڑ جوڑ کا درد نکل جائے گا۔"

قاسم نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ وہ پھر باتیں کرنے لگے قاسم کی آنکھیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ آخر اس نے مسکرا کر کہا۔ "میں تو...... بلی کا بچہ ہوں ننھا منا انور بھائی۔"

اور پھر کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے وہ گہری نیند سو گیا۔

"یہ کیا...... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" رشیدہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"اگر میں اسے بے ہوش نہ کرتا تو...... اسی وقت یہ کسی مصیبت میں پھنس جاتا۔" انور نے کہا۔

"مجھے سچ سچ بتاؤ...... تم کیا کر رہے ہو۔"

"وہی جو پہلے بتا چکا ہوں...... صمدانی کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں...... شاید کوئی پہلے سے اس کی گھات میں تھا۔"

"لیکن اب تمہارا کیا بنے گا۔ موٹر سائیکل بھی وہیں رہ گئی۔"

"دیکھا جائے گا...... میں تو جواری ہوں...... ہاں موٹر سائیکل کا معاملہ ضرور تشویش ہے۔ لیکن میں اس کا بھی انتظام کئے لیتا ہوں۔"

"کیا انتظام کرو گے۔"

"موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے جا رہا ہوں۔ میں موٹر سائیکل سڑک کے ے چھوڑ کر ایک دوکان میں چلا گیا تھا۔ واپسی پر موٹر سائیکل غائب تھی۔ نائٹ کلب کے جا کر کوئی دوکان لکھوا دوں گا۔"

لاش کہاں تھی

دوسری صبح......

پولو گراؤنڈ والی سڑک پر ایک راہ گیر نے ایک کار کھڑی دیکھی جس کے اندر نظر پڑتے ہی

وہ اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکا۔ پھر اس نے اچھی طرح کار کے اندر کا جائزہ لیا۔ اس دوران میں وہ برابر ہنستا رہا۔ کار کے پیچھے ایک موٹر سائیکل بھی کھڑی تھی۔

راہ گیر نے اپنی راہ لی۔ شاید اسے جلدی تھی ورنہ وہ وہاں رک کر دوسرے راہگیروں کا بھی ردعمل دیکھتا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں خاصی بھیڑ ہوگئی۔ لوگ بے تحاشہ قہقہے لگا رہے تھے اور انہیں فکر تھی کہ آخر کار کا مالک کہاں گیا۔

پھر ایک پولیس مین بھی ادھر آنکلا۔ قہقہہ تو اس نے بھی لگایا لیکن پھر لوگوں سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ کار کا مالک اب بھی غائب تھا۔

آخر پولیس مین نے پاور ہاؤز سے کوتوالی کے لئے فون کیا۔ تشویش کی بات ایک کار اور ایک موٹر سائیکل جن کا کوئی مالک نہ تھا۔

اسی شام کو اخبارات میں ایک دلچسپ خبر دکھائی دی جس پر سب نے ایک سرخی جمائی اور وہ سرخی تھی۔ ''کار میں گدھا۔''

خبر یہ تھی

آج صبح پولو گراؤنڈ کے قریب ایک کار پائی گئی جس پر ایک گدھا سوار تھا...... کار کی کھڑکیاں بند تھیں اور گدھا باہر نکلنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ جنہوں نے یہ منظر دیکھا ہے ان کا خیال ہے کہ آئندہ شائد کبھی انہیں اتنا دلچسپ منظر نہ دکھائی دے۔ کار کے ساتھ ایک موٹر سائیکل بھی تھی۔ بعد کی اطلاعات اور زیادہ دلچسپ ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ کار شہر کے مشہور کروڑ پتی مسٹر صمدانی کی تھی اور موٹر سائیکل روزنامہ اسٹار کے کرائم رپورٹر مسٹر انور کی...... مسٹر انور نے پچھلی رات کوتوالی میں اپنی موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی...... رپورٹ کے مطابق مسٹر انور اپنی موٹر سائیکل سڑک کے کنارے کھڑی کر کے ایک دوکان میں گئے اور واپسی پر انہیں معلوم ہوا کہ اسے کوئی چرا لے گیا۔ پولیس ابھی تک مسٹر صمدانی سے ملاقات کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ورنہ کار کے متعلق بھی یقیناً کوئی سنسنی خیز انکشاف ہوتا۔

مسٹر صمدانی کے موٹر ڈرائیور نے آج صبح ایک حیرت انگیز رپورٹ درج کرائی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ پچھلی رات مسٹر صمدانی کو لے کر ہائی سرکل نائٹ کلب گیا تھا...... مسٹر صمدانی اندر چلے گئے اور وہ باہر کمپاؤنڈ میں ان کا انتظار کرتا رہا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک آدمی اسے باتوں میں لگا کر کمپاؤنڈ کے ایک سنسان حصے میں لے گیا جہاں کسی نے پیچھے سے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ پھر اس نے آج صبح خود کو کلب کے گیراج میں پایا۔ اس کے سر میں گہرا زخم آیا ہے...... مسٹر صمدانی کے متعلق نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں ہیں۔''

انور خود بھی دن بھر خبروں کی فراہمی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کرتا رہا تھا۔ اس نے صمدانی کی کوٹھی کے بھی کئی چکر لگائے لیکن کوئی اہم بات نہ معلوم ہو سکی۔ جب شام کا اخبار نکل چکا تو اس نے قاسم کے گھر کی راہ لی۔

جس وقت قاسم کے پاس انور کا ملاقاتی کارڈ پہنچا تو وہ اپنی بیوی پر تاؤ کھا رہا تھا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ قاسم کے منہ میں پان تھا اور وہ صوفے پر چت پڑا ہوا اپنے منہ میں پیک اکٹھا کر رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہا تھا بلکہ بڑی دیر سے سوچ رہا تھا کہ اُسے اٹھ کر اگالدان میں تھوکنا چاہئے۔ وہ اٹھنے کا ارادہ کرتا رہا اور پیک کی زیادتی کی وجہ سے اس کے گال پھولتے رہے۔ اتنے میں اس کی بیوی نے آکر کوئی ایسی بات کہی جس پر قاسم کو غصہ آگیا اور برجستہ جواب دینے کے سلسلے میں اسے خیال نہ رہا کہ اس کا منہ پیک سے بھرا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری پیک اچھل کر اس کے سینے پر پڑی۔

''خدا تمہیں غارت کرے۔'' قاسم اسے مکا دکھا کر بولا۔

''میں نے کیا کیا ہے۔'' اس کی بیوی ہنس پڑی۔

''تم نے کیوں مخاطب کیا مجھے...... جب جانتی تھیں کہ میرے منہ میں پیک ہے۔''

''تم تھوک کر بولے ہوتے۔''

''کیوں تھوک کر بولا ہوتا۔ تم مجھ سے بولی ہی کیوں۔''

''واہ یہ اچھی رہی...... گندے کہیں کے۔''

”کیا کہا...... میں گندہ ہوں۔“ قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

”نہیں بڑے صفائی پسند ہو...... قمیض برباد کرلی۔“

”تم سے مطلب...... میری قمیض ہے یا تم اپنے باوا کے گھر سے لائی تھیں۔“

”دیکھئے...... باپ دادا تک نہ چڑھئے گا...... ورنہ اچھا نہ ہوگا۔“ وہ بھی تیز ہوگئی۔

”کیا نہ اچھا ہوگا...... چڑھوں گا باپ دادا...... تمہارے باپ تمہارے دادا تمہارے باپ دادا بلکہ ان کے بھی دادا کے دادا۔“

”دیکھتی ہوں اب کیسے گھر میں پان آتا ہے۔“

”دیکھتا ہوں کون روکے گا...... پان ہی نہیں...... اب برانڈی کی بوتلیں بھی آئیں گی“

”چچا جان کا ہنٹر شائد بھول گئے۔“

”نکل جاؤ......!“ قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ اتنے میں نوکر انور کا کارڈ لے آیا۔

”تم بھی دفان ہو جاؤ“ قاسم نے کارڈ دیکھے بغیر نوکر سے کہا۔ ”میں کسی سے نہیں ملوں گا“

”مگر سرکار میں تو کہہ چکا ہوں کہ آپ گھر پر موجود ہیں۔“

”جاؤ کہہ دو...... صاحب مر گئے...... جاؤ......!“

”نہیں کہہ دو...... صاحب اپنی قمیض پر تھوک کر بیٹھے ہیں۔“ قاسم کی بیوی نے کہا۔

نوکر جانے لگا۔

”رک جابے......!“ قاسم نے اس کی گردن پکڑ لی۔ ”کیا کہے گا۔“

”صاحب...... قمیض......!“

”گلا گھونٹ دوں گا۔“ قاسم دانت پیس کر بولا۔ ”اس گھر پر میرا حکم چلتا ہے...... سمجھے۔“

”جی صاحب......!“

”جا کر کہہ دے کہ صاحب مر گئے۔“

نوکر چلا گیا...... قاسم قمیض بدلنے کی فکر کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آگیا۔

”صاحب وہ انور صاحب ہیں...... ضروری کام ہے۔“ اس نے کہا۔

قاسم سوچ میں پڑ گیا۔ وہ تھوڑی دیر قبل شام کا اخبار دیکھ کر کافی قہقہے لگا چکا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں انور اس کا منتظر تھا۔

”تم نے اخبار دیکھا۔“

”ہاں دیکھا...... واقعی سالا بڑا مسخرہ معلوم ہوتا ہے۔“

”ہوسکتا ہے۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن میں تمہیں ایک خاص بات بتانے آیا ہوں۔“

”کیا......!“

”صدانی نے مذاق ضرور کیا ہے لیکن خطرناک قسم کا۔ اگر اپنی گردن سلامت رکھنا چاہتے پچھلی رات کے سارے واقعات کے متعلق کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔“

”کیوں...... کیا بات ہے...... صاف صاف بتاؤ۔“

”تمہیں کئی آدمیوں نے نائٹ کلب میں دیکھا تھا...... انہوں نے پولیس کو بتایا ہے کہ تم اس کو گھور رہے تھے اور شائد وہ تم سے ڈر کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے تم نائٹ کلب سے نکلے تھے۔“

”تو اس سے کیا ہوا...... وہ مذاق تھا...... اور اس نے بھی مذاق کیا تھا۔ کار میں گدھا۔“ منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

”کیا تم نے اس کے ڈرائیور کا بیان نہیں پڑھا“ انور نے اسے گھور کر کہا۔

”وہ تمہاری حرکت تھی۔“ قاسم سنجیدگی سے بولا۔ ”خواہ مخواہ بیچارے کا سر پھاڑ دیا۔“

”چلو میری ہی حرکت سہی...... لیکن تم بھی اس میں شریک تھے۔ اگر کسی سے تذکرہ کیا تو طرح پھنس جاؤ گے۔“

”میں کیوں کرنے لگا تذکرہ، ہرگز نہیں کروں گا لیکن سالے صدانی کی تاک میں ضرور رہوں گا۔“

”نہیں اب تم اس واقعے کو بالکل ہی بھول جاؤ۔“

"بھول گیا۔" قاسم نے سرہلا کر کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "کیا رشیدہ تمہاری بیوی ہے۔"

"کیوں.....؟" انور مسکرا کر بولا۔ "یار اس کے چکر میں نہ پڑنا۔ بڑی خطرناک عورت ہے"

"اوہ.....اسی لئے تو میں ان سے.....اُن کو.....بہت اچھا سمجھتا ہوں۔"

"خیر اچھا تو میں اب چلوں گا.....خیال رہے کہ.....!"

"میں سب سمجھتا ہوں.....فکر نہ کرو۔ کل شام کو میں تمہارے گھر آؤں گا۔" قاسم نے

"شائد ہم لوگ نہ ملیں۔" انور نے کہا اور وہاں سے چل پڑا۔ اس کا ذہن اب تک واقعے میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق قاسم نے سچ مچ صمدانی کی لاش ہی تھی۔ ورنہ اتنی بدحواسی میں کبھی نہ بھاگتا۔ اس نے یہاں تک تو بتایا تھا کہ اس کی بائیں آ جگہ ایک بڑا سا سوراخ تھا جس سے خون بہہ رہا تھا پھر آخر لاش کی بجائے ایک زندہ کیوں؟ قاتل ظریف ہی نہیں بلکہ ستم ظریف تھے اور انہوں نے اس کی موٹر سائیکل بھی جوں کی توں رہنے دی تھی۔

نوعیت کے اعتبار سے واقعات عجیب تھے.....انور سوچ رہا تھا کہ کہیں آگے چل معاملات اور زیادہ پیچیدہ نہ ہو جائیں۔ پولیس والے موٹر سائیکل کی چوری کے متعلق اسے کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ انور کو اپنی موٹر سائیکل کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی اور وہ ابھی پولیس ہی کے قبضے میں تھی۔ انور نے سوچا کہ اسے ایسے موقع پر انسپکٹر فریدی سے ضرور چاہیئے۔ دوسروں کی بات تو الگ رہی خود رشیدہ بھی اس کی طرف سے مشکوک تھی۔ رشیدہ خیال تھا کہ گدھے والی حرکت انور ہی کی تھی اُس نے لاش غائب کر کے کار میں ایک عدد گدھا ٹھونس دیا تھا۔

لیکن انور کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔ قاسم کو بیہوش کرنے کے بعد وہ سیدھا کوتوالی گیا تھا اور موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا کے پھر گھر واپس آ گیا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہوتے انور فریدی کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ فریدی ابھی کہیں سے آیا تھا اور کیڈی کو گیرج میں ڈال کر باہر نکلا ہی تھا کہ انور سے سامنا ہو گیا۔ فریدی اپنے انداز میں مسکرا کر رک گیا۔

"خوب.....!" اس نے کہا۔ "تو تم آ گئے۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بغور فریدی کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ جس پر تھوڑی تھکاوٹ کے آثار نظر آ رہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی لمبی مسافت طے کر کے آیا ہو۔

"آؤ.....اندر چلو.....!" فریدی نے کہا۔ "کار والے گدھے نے میرے گدھے حمید کو طرف متوجہ کر لیا ہے اور وہ اس وقت غالباً مسٹر صمدانی کی سیکریٹری مس لورین سے غپ لڑا رہا ہوگا۔"

دونوں اندر آئے اور فریدی ایک صوفے پر گرتا ہوا بولا۔ "شاید تم صحیح واقعہ بتانے آئے ہو۔"

"کیسا صحیح واقعہ.....!" انور گڑبڑا کر بولا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"فرزند.....میں آصف نہیں ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "موٹر سائیکل کی سچی کہانی درکار ہے کیونکہ اب معاملہ بہت زیادہ الجھ گیا ہے۔"

"موٹر سائیکل.....وہ تو چوری۔"

"نہیں.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وقت نہ برباد کرو.....موٹر سائیکل نائٹ کلب سے کافی فاصلے پر تھی۔ تم نے جس دوکان کا حوالہ رپورٹ میں دیا ہے وہ اول تو کلب سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ آٹھ بجے ہی بند ہو چکی تھی اور تم نے رپورٹ میں ساڑھے نو کا وقت لکھوایا ہے۔ قبل اس کے کہ پولیس دوکاندار سے پوچھ گچھ کرتی وہاں پہنچ گیا۔ لہٰذا اب وہ کسی دوسرے کو دوکان بند ہونے کا وقت آٹھ کی بجائے گیارہ بتائے گا۔"

انور کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ فریدی مسکرا رہا تھا۔

"اگر معاملہ تمہاری موٹر سائیکل کا نہ ہوتا تو میں اتنی زحمت مول نہ لیتا۔" اس نے کہ

"پھر میں کسی دوسری دوکان میں گیا ہوں گا" انور ڈھٹائی سے بولا۔

"انور بکواس بند کرو۔ میں ابھی ابھی صمدانی کی لاش دیکھ کر آرہا ہوں۔"

"کیا......؟" انور اچھل پڑا۔

"لاش آج صبح اس کے سرہاؤز میں پائی گئی ہے جو جھریالی کے مضافات میں ہے نے اس کی بائیں آنکھ میں گولی ماری ہے۔ ڈاکٹر کی رپورٹ ہے یہ قتل پچھلی رات کو دو کے بعد کسی وقت ہوا تھا۔"

انور سناٹے میں آگیا۔

فریدی چند لمحے انور کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "لیکن یہ قتل سرہاؤز میں ہوا۔ صمدانی کے جسم پر پورا لباس تھا اور اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ پھر بھی ا لاش بستر پر پائی گئی۔ لیکن بستر پر خون کا ایک دھبہ بھی نہیں ملا...... ریوالور کی نال آنکھ پر گولی چلائی گئی تھی کیونکہ حلقے کے گرد بارود کی کھرنڈ پائی گئی ہے...... میرا خیال ہے کہ کار میں ہی قتل کیا گیا تھا...... اور اسی جگہ جہاں کار ملی ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو کر انور کو گھورنے لگا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کہنا چا

"لیکن تمہاری ہی موٹر سائیکل کیوں۔" فریدی پھر بولا۔ "ظاہر ہے کہ صمدانی کے ڈ کو بیہوش کر کے وہاں اسی لئے ڈال دیا گیا تھا کہ اس کی جگہ کوئی اور سنبھالے۔ خیر تو پراسرار آدمی نے اس کے ڈرائیور کی جگہ لی اور صمدانی اسے نہیں پہچان سکا۔ راستے میں اس کار روک دی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے صمدانی نے کار روکنے کی وجہ پوچھی اور وہ پراسرا نہایت اطمینان سے مڑا اور اس کی بائیں آنکھ پر ریوالور رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ یہ سب تو ہوا تمہاری موٹر سائیکل کا وہاں کیا کام...... ایسی حالت میں جب کہ وہ چرائی بھی نہیں گئی تھی۔"

"آپ کہہ رہے ہیں کہ قتل کار میں ہوا...... تو پھر لاش کو وہاں اتنی دور سرہاؤز میں جانے کی کیا ضرورت تھی۔" انور نے کہا۔

"ہم...... اور تم نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ کار میں گدھا ٹھونسنے کی کیا ضرورت تھی۔ سنو اس موٹر سائیکل پر کوئی ایسا آدمی تھا جو قاتلوں میں سے نہیں تھا...... اور وہ صمدانی کی کار کا ب کر رہا تھا۔ محض اسی کی وجہ سے قاتلوں کو یہ دونوں حرکتیں کرنی پڑیں۔ غالباً وہ کسی بناء پر دیر کے لئے یہ نہیں ظاہر ہونے دینا چاہتے تھے کہ صمدانی قتل کر دیا گیا۔ کیا اس گدھے نے س کو آج دن بھر پریشان نہیں رکھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ قاتلوں کا مقصد رات ہی کو حاصل یا ہوگا۔ شائد وہ رات بھر کے لئے اس قتل کو چھپانا چاہتے تھے۔ ورنہ وہ اس لاش کو سرہاؤز لے جانے کے بجائے کہیں اور لے جاتے۔"

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موٹر سائیکل پر میں تھا۔" انور نے کہا۔

"نہیں...... مجھے تم سے اس کی توقع نہیں کہ تم کسی ایسی جگہ اپنی موٹر سائیکل چھوڑ جاؤ ے...... لیکن اس پر جو کوئی تھا تم اس سے واقف ہو اور تم قتل کی واردات سے بھی واقف ہو گئے ے...... اسی لئے تم نے چوری والی کہانی گڑھی۔"

"آپ سے کوئی کچھ چھپا نہیں سکتا۔" انور مری ہوئی آواز میں بولا اور پھر اسے پوری داد دہرانی پڑی۔ فریدی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ضبط رنے کی انتہائی کوشش کر رہا ہے۔ انور خاموش ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت فریدی ے نظر ملانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

"یہ ایک قطعی غیر قانونی حرکت تھی۔" اسے فریدی کی سپاٹ اور سرد آواز سنائی دی۔ اب میں اس دوکان دار کو مجبور کروں گا کہ وہ صحیح بیان دے۔"

"میں پھنس جاؤں گا......!" انور بوکھلا گیا۔

"جہنم میں جاؤ...... میں بے ایمانی کسی کی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے تمہیں سینکڑوں بار سمجھایا ہے کہ قانون سے کھیلنے کی کوشش نہ کیا کرو...... نہیں نہیں...... میں مجبور ہوں۔ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا اور پھر تم نے اس گدھے قاسم کو اس میں شریک کیا تھا...... تم احمق بھی ہو۔"

فریدی کے دلائل

انور خاموش بیٹھا رہا۔

فریدی بھی خاموش ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ اس نے سلگایا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ انور نے ایک غیر قانونی حرکت ضرور کی تھی لیکن قتل میں ہاتھ نہیں تھا۔ اگر وہ یہ حرکت نہ کرتا تب بھی صمدانی قتل کر دیا جاتا کیونکہ واقعات کے اعتبا وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم معلوم ہوتی تھی۔

"تو کیا پھر واقعی میرا غرور ٹوٹ جائے گا۔" انور بڑبڑایا اور فریدی رک کر اُسے گھورنے انور کہتا رہا۔ "دیکھئے...... یہ تو قریب قریب ناممکن ہے کہ میں حوالات کی شکل د لیکن میرے راستے میں جو بھی آیا اس کی خیر نہیں۔"

"کیا یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو۔"

"نہیں...... مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کو چیلنج کرسکوں۔ لیکن پولیس کی دشو ضرور بڑھ جائیں گی۔ آسانی سے کوئی مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔"

"لونڈے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم اگر اتنے ہی ذہین ہوتے تو قاسم جیسے اس کام میں نہ شریک کرتے۔"

"جو دل چاہے کہئے...... اب تو جو ہونا تھا ہو ہی گیا۔ اگر صمدانی قتل نہ کر دیا گیا ہوتا وقت ایک سونے کی چڑیا میری مٹھی میں ہوتی۔"

"تمہیں اب بھی اپنے فعل پر ندامت نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"قطعی نہیں...... آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میری پوری زندگی سے واقف کیا لوگوں نے قانون ہی کی مدد سے مجھے نہیں کچلا ہے۔ کیا اخلاقیات کے مقدس ہاتھ گردن تک نہیں پہنچے۔ میری نظروں میں ان دونوں کے لئے کوئی احترام نہیں۔ میں خود ا

ل قانون ہوں۔"

"تمہیں فی الحال ایک گلاس ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے۔" اچانک برآمدے سے آواز آئی۔

یہ سرجنٹ حمید تھا اور اس کے ساتھ ایک بکرا بھی تھا جس کے سر پر ایک پرانی فلٹ ہیٹ اور گلے میں ٹائی لٹک رہی تھی۔

"تم اس وقت بالکل سہراب مودی کی طرح ڈائیلاگ بول رہے تھے۔" حمید نے سنجیدگی کہا پھر بکرے کی طرف دیکھ کر بولا۔ "برخوردار بغرا خاں پہلے بھی تمہاری تعریف سن چکا ہے۔"

"کوئی خبر......!" فریدی اس کی بکواس کو نظر انداز کر کے بولا۔

"لورین بڑی پیاری لڑکی ہے۔"

"کیوں......؟" فریدی انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ حمید ئی بہت اہم خبر لے کر آئے گا۔"

"لیکن یہ کیا فرماتے ہیں درباب اپنی موٹر سائیکل کے۔" حمید نے چہک کر کہا۔

"ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کچھ اور سوچ رہے ہیں۔"

"کیا سوچ رہے ہیں؟"

"لاش ملنے کے بعد سے نئی دوڑ دھوپ شروع ہو گئی ہے اور اب انہیں اس دیوہیکل آدمی کی تلاش ہے جو کلب میں صمدانی کو گھور رہا تھا۔ منیجر سے ایک نئی بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ ساڑھے نو بجے صمدانی کے لئے کسی کی فون کال آئی تھی اور صمدانی نے کال ریسیو کرنے کے بعد منیجر سے کہا تھا کہ ایک قہقہہ لگا کر کسی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔"

فریدی نے سوالیہ انداز میں انور کی طرف دیکھا اور انور اثبات میں سر ہلا کر اپنی جیب میں سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

"کیا مطلب......!" حمید باری باری سے دونوں کو گھورتا ہوا بولا۔

"میں اب چلوں گا۔" انور اٹھتے ہوئے بولا۔ فریدی نے اسے روکا نہیں۔ حمید بھی چپ چاپ اسے جاتے دیکھتا رہا۔

"یہ کس لئے آیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"بیٹھ جاؤ......اس گدھے نے ایک حماقت کی ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر اس ر
واقعات دہرا دیئے جو انور سے سنے تھے۔

"قاسم......!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مجھے حیرت ہے......مگر نہیں چونکہ انور نے ر
رشیدہ کے ذریعہ بھجوایا تھا اس لئے اس کا پھنس جانا ناممکنات میں سے بھی نہیں۔"

"اب سوال یہ ہے کہ قاسم اپنی زبان بند بھی رکھے گا یا نہیں۔"

"اگر رکھتا بھی ہے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔" حمید نے کہا۔ "وہ دوکاندار......!

"اس کا انتظام میں پہلے ہی کر چکا ہوں......وہ ہرگز یہ نہ کہے گا کہ اس کی دوکان آ
بجے بند ہوگئی تھی۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ انور کا ہاتھ اس قتل میں بھی ہے تو میں اس کی ضر
نہ سمجھتا۔"

"بہر حال وہ صمدانی کو دھوکہ دینے جا رہا تھا۔"

"لیکن اس کی اتنی زیادہ سزا بھی نہ ہونی چاہئے کہ اس پر قتل کا الزام عائد کر دیا جا
اصل مجرم تو پولیس کے ہاتھ لگنے سے رہے۔ وہ مجرم جس میں مزاح کی حس بھی ہو انتہائی ذہ
خطرناک ہوتے ہیں۔ مقتول کی کار میں گدھا ٹھونسنا ان کے اطمینان اور دیدہ دلیری کی دلیل ہے

"پھر آپ کیا کریں گے؟"

"قاسم کے سلسلے میں کچھ کرنا چاہئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ احمق بھی مفت ہی ما
جائے گا۔"

"اسے ٹھیک کر لوں گا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن انور کو بھی کچھ نہ کچھ سزا ملنی ہی چاہئے

"اس پر پھر غور کریں گے۔"

"اچھا تو میں چلا......قاسم کو سیدھا کرنے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"کیا کرو گے؟"

"کچھ نہ کچھ کر ہی لوں گا...... ہاں...... وہ لڑکی لورین...... صمدانی کی پرائ

سکریٹری......مجھے اس پر شبہ ہے۔"

"کس بات کا۔"

"قتل میں اس کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔ یا پھر وہ اس کے متعلق کچھ جانتی ہے۔"

"وہ کس طرح......بیٹھ جاؤ۔"

"گفتگو کے دوران میں اس نے کئی غلط بیانیاں کیں۔ ظاہر ہے کہ وہ صمدانی کی پرائیویٹ سکریٹری تھی لہٰذا اسے جتنا دخل صمدانی کے مزاج میں رہا ہوگا کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا اس دوران میں صمدانی کچھ پریشان نظر آتا تھا۔ اس نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ حالانکہ کئی نوکروں کی زبانی میں یہ سن چکا تھا کہ صمدانی دو تین دن سے بہت زیادہ پریشان تھا۔ اکثر راتوں کو اٹھ کر ٹہلتا تھا۔ کچھ خوفزدہ بھی تھا۔ سوتے وقت اپنے کمروں کی کھڑکیاں خود ہی بند کرتا تھا......اگر وہ بند ہوتی تھیں تو سونے سے قبل ایک بار اُن کے بولٹ ضرور ٹٹول لیتا تھا۔"

"تو تم اس لڑکی کے پیچھے پڑنے کے لئے زبردستی کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈ رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ہاں وہ انڈے دیتی ہے نا......!" حمید جھنجھلا گیا۔

"اس کے ورثاء کے متعلق کیا معلومات حاصل کیں۔"

"لاوارث......یعنی کوئی اولاد نہیں...... پتہ نہیں یہ سالے زیادہ تر لاولد کیوں ہوتے ہیں۔ بیوی عرصہ ہوا مر چکی۔ ایک بھتیجا ہے......وہ خود بھی بڑا سرمایہ دار ہے۔"

"کون......؟"

"سجاد صمدانی......اور وہ تین سال سے یورپ میں ہے۔ یہاں اس کی کافی بڑی تجارت ہے جسے اس کے منیجر کنٹرول کرتے ہیں۔"

"تو بس وہی ایک بھتیجا ہے۔"

"جی ہاں......لیکن میرا خیال ہے کہ وہ قاتل نہ ہوگا۔"

"میں فی الحال تمہارا خیال نہیں دریافت کر رہا ہوں......اور کوئی خبر۔"

"برخوردار بغرا خاں آج کچھ سست ہے۔" حمید نے بکرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اسے یہاں سے ہٹا لے جاؤ ورنہ میں تمہیں پیٹوں گا۔"

"چلا جائے گا جناب......کیا آپ نے اسے یتیم سمجھ لیا ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ و
سے جلد قاسم کے پاس پہنچ کر اس کی مرمت کرنا چاہتا تھا۔

لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ اس وقت نوکر نے ڈی۔ایس۔پی سٹی
کی اطلاع دی اور اس کی آمد دلچسپی سے خالی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے حمید نے فی الحا
جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ آج کل اس سے فریدی کے
تعلقات ہیں۔ کبھی ان دونوں میں کھٹک جاتی تھی اور وہ ایک دوسرے کی راہ میں رو
اٹکانے لگتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ دونوں شانہ بشانہ کام کرتے نظر آتے تھے۔

فریدی نے ڈرائنگ روم میں ڈی۔ایس۔پی کا استقبال کیا۔

ڈی۔ایس۔پی کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور وہ تنہا ہی تھا۔

"اس کیس نے تو چکرا کر رکھ دیا ہے۔" وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

"بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور آپ خلاف معمول بہت زیادہ خاموش نظر آ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اا
میں کبھی نہیں دیکھا۔"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے......بعض سیدھے سادے معاملات کی تہہ تک پہنچ
دشوار معلوم ہونے لگتا ہے۔"

"گھما پھرا کر سوچنے کی عادت ہی بری ہوتی ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

حمید مسکرانے لگا۔ وہ اس کی گفتگو کا مقصد اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس طرح ڈی۔ایس
فریدی سے معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی نے اس جملے کا کوئی جواب نہ دیا۔

"سگار......!" وہ ڈی۔ایس۔پی کی طرف سگار بڑھاتا ہوا بولا۔

ڈی۔ایس۔پی نے سگار لے کر سلگایا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔

"لیکن اس کرائم رپورٹر کی موٹر سائیکل مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ وہ کوئی نیک
ام آدمی نہیں۔"

"الجھن میں ڈالنے کے لئے صرف موٹر سائیکل ہی نہیں ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔
"اس گدھے کے متعلق آپ کیا کہیں گے اور وہ لاش جو سمر ہاؤز میں پائی گئی۔ میں یہ پہلے ہی
ثابت کر چکا ہوں کہ قتل سمر ہاؤز میں نہیں ہوا تھا۔"

"ٹھیک ہے پورا کیس ہی الجھا ہوا ہے۔ صمدانی کی کار میں بھی دو ایک جگہ خون کے دھبے
ملے ہیں جن پر شاید مجرموں کی نظر نہیں پڑی تھی...... حالانکہ انہوں نے حتی الامکان صفائی
کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن موٹر سائیکل کا معاملہ...... بھئی وہ دوکان جہاں اس نے موٹر
سائیکل کھڑی کی تھی نہ صرف کلب سے دور ہے بلکہ ایک دوسری سڑک کے موڑ پر واقع ہے۔"

"میں آپ کا مطلب سمجھتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سی کہا۔ "لیکن آپ کو یہ تسلیم ہے
کہ مجرموں نے کیس کو پیچیدہ بنانے کی کوشش کی ہے۔"

"قطعی......!"

"تو پھر وہ موٹر سائیکل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔ انور کوئی گمنام آدمی
نہیں، اور بہتیرے آدمیوں کو یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ وہ اکثر پولیس سے الجھتا رہتا ہے ہو سکتا
ہے کہ مجرموں نے اسی سے فائدہ اٹھا کر اسے پھنسانے کی کوشش کی ہو۔ ورنہ موٹر سائیکل لے
بھاگنے کا کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا۔ جبکہ مجرموں کے پاس ایک کار اور بھی تھی۔ کار نہیں بلکہ
ٹرک کہئے۔"

"کیوں......ٹرک کیوں......؟"

"اوہو......تو کیا آپ نے سمر ہاؤز کے سامنے دوہرے پہیوں کے نشانات نہیں دیکھے۔
ہرے پہیئے صرف ٹرک یا بس میں لگائے جاتے ہیں۔ کار میں نہیں......وہ غالباً اسی ٹرک پر
لاش وہاں لے گئے تھے۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجرم گاڑیوں کی چوری اسی وقت کرتے

ہیں جب ان کے پاس کوئی گاڑی نہ ہو۔ ورنہ وہ اس قسم کا خطرہ نہیں مول لیتے۔ خصوصاً معاملہ قتل کا ہو۔ میرا خیال ہے کہ یہ حرکت انور کو پھنسانے ہی کے لئے کی گئی تھی۔"

"اچھا اگر میں صاف صاف یہ کہوں کہ انور بھی اس جرم میں شریک ہے تو۔" ڈی۔ایس بولا۔

"میں اسے ہرگز نہ تسلیم کروں گا۔"

"انور آپ کا دوست ہے نا...... اور شائد وہ خود کو آپ کا شاگرد بھی کہتا ہے۔"

"دلیل! ڈی۔ایس۔پی صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں کوئی بات بغیر دلیل کہتا۔ کیا آپ انور کو احمق سمجھتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں...... وہ شیطان کا بھی چچا ہے۔"

"یعنی کافی ذہین ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "کیا کوئی ذہین آدمی...... آدمی نہیں صاف صاف مجرم کہئے...... کیا کوئی ذہین مجرم کسی ایسی جگہ کوئی اس قسم کا سراغ چھوڑ سکتا جس سے اس کی گردن پھنس جائے۔"

"جلد بازی اور گھبراہٹ میں ایسا ممکن ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "کیا اسے آپ جلد بازی کہیں گے۔ صمدانی کو میں قتل کیا گیا پھر سیٹ پر سے خون کے دھبے مٹائے گئے۔ لاش ایک ٹرک میں لادی گئی۔ کار میں گدھا ٹھونسا گیا۔ کون اسے جلدی اور گھبراہٹ کا کام کہے گا۔ پھر پولیس کو اطلاع ہے دوسرے دن صبح۔ کیا رات بھر میں موٹر سائیکل وہاں سے ہٹائی نہیں جا سکتی تھی۔"

ڈی۔ایس۔پی ایک گہری سانس لے کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس کے چہرے تھکن کے آثار اور زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔

حمید فریدی کی ذہانت پر عش عش کر رہا تھا کہ اس نے کتنی صفائی سے انور کو اس معا- سے الگ کر دیا۔

"میں تو محض......" ڈی۔ایس۔پی تھوڑی دیر بعد پھیکی مسکراہٹ کیساتھ بولا۔ "اس معا

آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ انور اتنا احمق نہیں ہو سکتا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ فرش پر نظریں جمائے سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

"میں صمدانی کے ورثاء کے متعلق چھان بین کر رہا ہوں۔" ڈی۔ایس۔پی نے کچھ دیر د کہا۔

"شائد اس کے ایک بھتیجا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں سجاد صمدانی...... اس کا بھی کافی بڑا کاروبار ہے۔ لیکن وہ تین سال سے نہیں ...... اور نہ اس کے کسی آدمی سے اس کی ملاقات ہوئی۔"

"ملاقات سے کیا مراد ہے۔" فریدی نے فرش سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"پچھلے سال اس کا جنرل منیجر انگلینڈ گیا تھا۔ اسے ایک ضروری مشورہ لینا تھا۔ جب وہ گلینڈ پہنچا تو اسے سجاد صمدانی کا ایک تار ملا جو فرانس سے آیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ بعض غولیات کی بناء پر انگلینڈ نہیں پہنچ سکتا۔ جنرل منیجر پیرس پہنچا لیکن وہاں بھی اسے ایک تار ملا جرمنی سے بھیجا گیا تھا اور اس میں تحریر تھا کہ سجاد ایک ضروری کام کے سلسلے میں جرمنی چلا گیا ہے۔ اس طرح ان دونوں کی ملاقات نہ ہو سکی اور وہ معاملہ خط و کتابت ہی کے ذریعہ طے ہو گیا تھا اس نے جنرل منیجر کو مختار کل بنا رکھا ہے اور وہی اس کی طرف سے سارے کام انجام دیتا ہے۔"

"یہ اطلاع دلچسپ ہے۔" فریدی ڈی۔ایس۔پی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"کیوں......؟"

"کیا آپ کو یہ بات دلچسپ نہیں معلوم ہوتی کہ اس کے کسی آدمی نے اسے تین سال نہیں دیکھا۔"

"ہے تو...... لیکن اس کیس سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"ابھی اتنی جلدی تعلق کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ئے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "صمدانی کی مالی پوزیشن کیا تھی۔"

"کروڑوں کا بینک بیلنس...... کروڑوں تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور وہ جنوبی حصے کی

ایک سونے کی کان کا مالک تھا۔"

"خوب.....تو اب یہ سجاد صمدانی کا سب کچھ ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "دیکھنا یہ کہ کیا یہ سب معاملات بھی جنرل منیجر ہی کے ذریعہ طے ہوتے ہیں یا وہ خود آتا ہے۔"

"لیکن اس سے ہماری تفتیش پر کیا اثر پڑے گا۔"

"یہ بھی بعد کی چیز ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے اس قتل کا مقصد کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔"

"کیا آپ سجاد پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

"لیکن وہ تو تین سال سے انگلینڈ میں ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ویسے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا..... لیکن آپ کو ماننا پڑے گا کہ قتل کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔"

"مگر یہ تو سیدھی سی بات ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔ "اور میں آپ سے گھماؤ پھر کی توقع رکھتا ہوں۔"

"کون جانتا ہے کہ اس میں گھماؤ پھراؤ نہ ہوگا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

پراسرار مسٹر براؤن

دوسرے دن سہ پہر کو صمدانی کی پرائیویٹ سیکریٹری لورین آفس سے باہر نکلی۔ چند لمحے کھڑی ادھر اُدھر دیکھتی رہی پھر اس نے دروازہ بند کر کے اسے باہر سے مقفل کیا۔ ایک بار پھر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور جب یہ اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی موجود نہیں ہے تو اس نے دوسرے دروازے کو دھکا دیا اور پھر آفس کے اندر داخل ہوئی اور دروازہ مقفل کر کے چند لمحے کھڑی رہی۔

آفس میں اس کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ ایک کافی کشادہ کمرہ تھا اور یہاں کئی بڑی بڑی میزیں تھیں جن پر فائیلوں کے ڈھیر تھے۔ عمارت میں یہی ایک ایسا کمرہ تھا جسے پولیس نے مقفل نہیں کیا تھا۔ اسے اس لئے مقفل نہیں کیا تھا کہ پولیس صمدانی کے کاغذات کی چھان بین کر رہی تھی اور کچھ ہی دیر قبل کچھ آفیسر یہاں سے رخصت ہوئے تھے۔ ابھی کاغذات کی بہتیری الماریاں ایسی باقی تھیں جنہیں کھولا بھی نہیں گیا تھا۔ یہ صمدانی کا نجی آفس تھا اور یہاں پرانے ریکارڈ بھی رکھے جاتے تھے۔

لورین نے دروازے پر سیاہ پردے کھینچ دیئے۔ پھر وہ ایک گوشے کی طرف بڑھی جہاں ایک چھوٹی سی گول میز رکھی تھی۔ شائد ہی آج تک کسی کو اس گول میز کی اصل حقیقت معلوم کرنے کا خیال آیا ہو۔ اور آتا بھی کیسے..... کیونکہ وہ بظاہر اخروٹ کی لکڑی کی ایک معمولی سی گول میز تھی۔ کسی کو کیا معلوم کہ اس کا اوپری تختہ اتنا موٹا کیوں ہے اور وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتی۔

لورین نے زمین پر بیٹھ کر اوپری تختے کو نیچے سے ٹٹولا۔ ایک ہلکی سی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک پتلی سی تختی باہر نکل پڑی۔ پھر لورین نے تختی کی چھوڑی ہوئی جگہ میں ہاتھ ڈال کر بجلی کا ایک پلگ نکالا جس کے سرے سے تار منسلک تھا۔ دوسرے لمحے میں وہ اس پلگ کو دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ میں لگا رہی تھی۔ پلگ لگتے ہی کھٹاکے کے ساتھ قریب ہی کی بڑی میز کے نیچے کا فرش ایک طرف کھسک گیا۔

لورین نے اپنے بیگ سے ٹارچ نکالی اور تہہ خانے میں اتر گئی۔ نیچے تک پہنچنے کے لئے اسے دس سیڑھیاں طے کرنی پڑیں۔

یہ جگہ بھی اوپری کمرے ہی کی طرح کشادہ تھی اور یہاں صرف ایک بڑی آہنی الماری لگی ہوئی تھی۔ لورین بے تابی سے آگے بڑھی۔ الماری میں کوئی قفل نہیں نظر آ رہا تھا۔ پھر بھی وہ بند تھی۔ لورین نے ہینڈل پر اپنی قوت صرف کر دی لیکن اس کا دروازہ ہلا تک نہیں۔ پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک چاروں طرف سے الماری کا جائزہ لیتی رہی۔ لیکن اسے کہیں کوئی ایسی

چیز نہ دکھائی دی جسے وہ الماری کھولنے اور بند کرنے کا ذریعہ سمجھ سکتی۔ آخر وہ تھک ہار کر واپس آ گئی۔

سوئچ بورڈ سے پلگ ہٹاتے ہی فرش پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

چھ سات منٹ بعد وہ آفس سے نکلی...... باہر اب بھی سناٹا تھا۔ قرب و جوار ایک متنفس بھی دکھائی نہیں دیا۔

پھر اس نے گیراج سے ایک چھوٹی سی کار نکالی۔

تار گھر کے قریب اس نے کار روک دی۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے ایک فارم طلب کیا اور پھر اس پر جلدی جلدی کچھ لکھنے لگی۔ بیگ سے ٹکٹ نکال کر فارم پر چسپاں کئے اور اسے کلرک کے حوالے کر کے رسید کا انتظار کرتی رہی۔

پھر جیسے ہی وہ کمرے سے باہر نکلی...... دوسرے دروازے سے فریدی اندر آیا...... اس نے رک کر اس کھڑکی کی طرف دیکھا جس پر لورین نے تار دیا تھا...... پھر وہ پوسٹ ماسٹر کے کمرے کی طرف گیا۔

اس نے اپنا کارڈ پوسٹ ماسٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تھوڑی تکلیف دوں گا۔''

''فرمایئے......!'' پوسٹ ماسٹر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

''کھڑکی نمبر تین پر ابھی ایک لڑکی نے تار دیا ہے...... میں ذرا وہ فارم دیکھنا چاہتا ہوں۔''

پوسٹ ماسٹر نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر چپڑاسی کے لئے گھنٹی بجائی۔

تھوڑی دیر بعد لورین کا لکھا ہوا فارم فریدی کے سامنے تھا۔

تار کا مضمون تھا۔

''میں وہاں تک پہنچ گئی...... لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی...... کسی ایکسپرٹ مکینک کو بھیجو......!
کرچیانا۔''

تار بھیجنے والے کا پتہ بھی خلاف توقع ہی نکلا۔ لورین صمدانی کی کوٹھی کے ایک حصے میں رہتی تھی لیکن فارم پر تار بھیجنے والے کا پتہ وہاں کا نہیں تھا۔

نمبر 13

فریدی نے اپنی نوٹ بک نکال کر دونوں پتے تحریر کئے۔

تار رام گڑھ میں کسی مسٹر براؤن کو بھیجا گیا تھا جو شیزان ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۸ میں مقیم تھا۔

''اس تار کو کم از کم چھ گھنٹے کے لئے روک لیا جائے۔'' فریدی نے پوسٹ ماسٹر سے کہا۔

''مجھے افسوس ہے مسٹر فریدی...... یہ صرف پوسٹ ماسٹر جنرل کے حکم سے ہی ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر مجھے فون کرنے کی اجازت دی جائے۔''

''شوق سے......!''

فریدی نے ریسیور اٹھا کر اپنے آئی۔ جی کے نمبر ڈائیل کئے اور اس سے تار رکوانے سے متعلق گفتگو کرتا رہا...... پھر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

''میں پوسٹ ماسٹر جنرل کو اپروچ کر رہا ہوں۔'' فریدی نے پوسٹ ماسٹر سے کہا۔

''بہتر ہے۔'' پوسٹ ماسٹر نے کہا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

شاید دس منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ پوسٹ ماسٹر ریسیور اٹھا کر سنتا رہا۔ پھر اس نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور فریدی سے بولا۔ ''بہت اچھا جناب...... لیکن آپ مجھے اس کی ایک تحریر دے دیجئے کہ آپ اسے چھ گھنٹے کے لئے رکوا رہے ہیں۔''

فریدی تحریر دے کر باہر آ گیا۔ برآمدے میں اس نے پبلک فون کا ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو...... آپریٹر...... لانگ ڈسٹنس پلیز...... رام گڑھ......!''

وہ کچھ دیر انتظار کرتا رہا پھر بولا۔ ''رام گڑھ...... انٹیلی جنس بیورو پلیز...... اوہ پلیز میجر نصرت...... ہیلو میجر نصرت...... میں احمد کمال فریدی بول رہا ہوں۔ تھوڑی سی تکلیف دوں گا...... ایک آدمی کے متعلق معلومات درکار ہیں...... نام مسٹر براؤن...... سکونت کمرہ نمبر اٹھائیس شیزان ہوٹل...... میں اس کی نگرانی بھی چاہتا ہوں...... مجھے گھر ہی پر فون کرنا...... مگر نہیں آفس کے نمبر پر۔''

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''تاکہ آپ کال کے پیسے محکمے سے وصول کر سکیں۔ اچھا بہت بہت شکریہ۔''

اس نے ریسیور رکھ کر کال کی قیمت ادا کی۔

سرجنٹ حمید تار گھر کے باہر کھڑا تھا۔ جیسے ہی اس نے لورین کو باہر آتے دیکھا طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ لورین نے کار اسٹارٹ کرنی چاہی لیکن انجن بھر بھرا کر حمید وہاں اس کی پریشانی دیکھنے کے لئے ٹھہر نہ سکا۔ یہ حرکت اسی کی تھی۔ فریدی نے کہا تھا کہ وہ اس کا انتظار کرے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ لورین سے بھی انتظار کرایا جب تک وہ کار سنبھالے گی فریدی خود بھی باہر آ جائے گا۔ وہ اسے کار کے انجن میں الجھا چھوڑ کر تار گھر میں چلا گیا۔

حمید پچھلی رات سے شرارتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے قاسم کی تو وہ گت بنائی تھی کہ پناہ۔ اس نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے قتل کی سازش میں پھنسوا دے گا۔ قاسم کے ہاتھ پھول گئے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ حمید نے اُسے مرغا بنا دیا اور جب وہ مرغا بنا ہوا مرغے کی بولی بول رہا تھا تو حمید نے چپکے سے اس کی بیوی کو بلا لیا...... پھر جو اس کی بیوی پر نظر پڑا ہے تو قاسم اسی وقت پھانسی پا جانے پر آمادہ نظر آنے لگا اور بدقت تمام حمید اسے اس سے باز رکھ سکا۔

فریدی باہر جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس کی نظر حمید پر پڑی جو برآمدے میں ایک جگہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

"تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"میں اتنا بے درد نہیں ہوں کہ کسی عورت کو پریشان دیکھ سکوں۔"

"کیا فضول بکواس ہے۔"

"آپ خود چل کر دیکھ لیجئے...... اس کی کار میں کچھ گھٹالا ہو گیا ہے۔"

"خیر میں دیکھ لوں گا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "تم آفس کے آپریشن روم میں جا کر میری ایک کال کا انتظار کرنا۔"

"دیکھئے...... مجھ سے اس قسم کے مکھی مار کام نہ لیا کیجئے۔"

"جاؤ بکواس نہیں۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا...... پھر بُرا سا منہ بنائے ہوئے چلا گیا۔

فریدی باہر آیا...... لورین ابھی تک انجن پر جھکی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی وہ سر اٹھا کر بے بسی سے ادھر اُدھر دیکھنے لگتی تھی۔ فریدی چپ چاپ جا کر اپنی کیڈی لاک میں بیٹھ گیا۔ اُسے شاید لورین کی روانگی کا انتظار تھا۔

آخر کار کچھ دیر بعد ایک ٹیکسی ڈرائیور نے لورین کی مدد کی۔ انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

لورین کی کار تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ فریدی نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فریدی نے محسوس کیا کہ لورین یونہی ادھر اُدھر چکر لگا رہی ہے۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے اپنی کار ہوٹل ڈی فرانس کے سامنے روک دی۔

جب وہ اندر چلی گئی تو فریدی بھی کیڈی لاک سے اُترا۔

لورین ایک کیبن میں بیٹھ چکی تھی۔ فریدی اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھلے ہال میں بیٹھ گیا۔

لورین نے کھانا منگوایا اور فریدی کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔

لورین ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ ویٹر نے اسے ایک لفافہ لا کر دیا اس نے جلدی سے لفافہ چاک کیا اور خط نکال کر پڑھنے لگی۔ فریدی نے محسوس کیا جیسے کھانے میں اب وہ دلچسپی نہیں لے رہی ہے۔ اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کئے اور لفافے کو اپنے بیگ میں ٹھونستے ہوئے ویٹر سے بل کا تقاضہ کیا۔ پھر شائد پانچ منٹ کے اندر ہی اندر وہ وہاں سے روانہ ہو گئی۔

فریدی پھر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد لورین کی کار ایک اونچی سی بلڈنگ کے سامنے رک گئی۔

فریدی کو فوراً یاد آ گیا کہ اس نے تار کے فارم پر اپنے پتہ میں اسی بلڈنگ کا نام لکھا تھا۔

لورین کار سے اُتر کر اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگی۔ فریدی اطمینان سے کیڈی میں بیٹھا رہا۔ تار والے پتے کے فلیٹ کا نمبر اس کی نوٹ بک میں موجود تھا اور پھر اسے

اطمینان تھا کہ لورین ابھی پھر واپس آئے گی کیونکہ جہاں اس نے اپنی کار چھوڑی
درحقیقت کار پارک کرنے کی جگہ نہیں تھی اور کسی وقت بھی ٹریفک پولیس کا آدمی کار کے
سے باز پرس کرسکتا تھا۔

فریدی انتظار کرتا رہا۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ اس دوران میں ایک کانسٹیبل نے لور
کار کا ہارن بجایا۔ پھر وہ فریدی کی کار کی طرف پلٹا۔

"آپ جانتے ہیں کہ یہاں کار پارک کرنا منع ہے۔" اس نے فریدی سے کہا۔ جو
میں تھا۔

"جانتا ہوں دوست......!" فریدی باہر نکلتا ہوا بولا۔ کانسٹیبل چونک کر پیچھے ہٹ گ
اس نے گڑبڑا کر فریدی کو سلیوٹ کیا۔ شاید وہ اسے پہچانتا تھا۔

"میں اوپر جارہا ہوں......" فریدی نے عمارت کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "اگر
پانچ منٹ سے زیادہ لگیں تو تم فلیٹ نمبر چھیالیس میں آسکتے ہو...... دونوں گاڑیوں کو
رہنے دینا...... سمجھے۔"

پھر وہ اسے متحیر چھوڑ کر زینوں کی طرف بڑھا۔

تیسری منزل کی راہداری تاریک تھی۔ حالانکہ ابھی صرف نو ہی بجے تھے لیکن کسی فل
کے دروازے یا کھڑکی میں روشنی نہیں آرہی تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ پھر وہ چھیالیسو
فلیٹ کے دروازے پر رک گیا۔ دروازے کے شیشوں میں روشنی نہیں نظر آرہی تھی۔

فریدی نے آہستہ سے دستک دی۔ جواب ندارد...... تین بار دستک دینے کے بعد
نے آخر کار ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا...... لیکن فوراً ہی ٹارچ نہیں روشن کی...... کمرے
اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔

اس نے ٹارچ روشن کی اور جہاں تھا وہیں جم گیا۔ روشنی کا دائرہ فرش پر پڑی ہوئی لورین
لاش پر تھم گیا...... فرش پر تازہ خون پھیلا ہوا تھا اور لڑکی کی آنتیں پیٹ کے باہر نکل آئی تھیں۔

فریدی نے سوئچ بورڈ تلاش کرکے روشنی کی۔

لیٹ میں تین کمرے تھے لیکن کہیں بھی اسے اس قسم کے کوئی نشانات نہ ملے جن سے
سی دوسرے آدمی کی موجودگی ثابت ہوتی۔

اتنے میں پولیس مین بھی فریدی کی ہدایت کے مطابق وہاں پہنچ گیا۔ اگر فریدی اسے
ہارا نہ دیتا تو وہ چکرا کر گر ہی پڑتا۔

"جاؤ...... جلدی......!" فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "کوتوالی فون کردو...... کہہ دینا
یہاں موجود ہوں۔"

کانسٹیبل لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے واپس گیا۔

اب پھر فریدی لاش کی طرف متوجہ ہوا۔ قریب ہی لورین کا بیگ کھلا ہوا پڑا تھا اور ایک
مال جس پر خون کا دھبہ تھا فریدی نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ رومال لورین ہی کا تھا کیونکہ
یدی نے اسے ہوٹل میں اس سے پسینہ خشک کرتے دیکھا تھا اور شاید قاتل نے اس سے چھرا
اف کیا تھا۔

فریدی نے قاتل کے لئے بھاگ دوڑ بے کار سمجھی کیونکہ یہاں آتے وقت ہی اس نے
وس کیا تھا کہ دوسری طرف بھی زینے موجود ہیں جو عمارت کی پشت کی طرف جاتے ہیں۔
اس کے لئے قاتل کو کافی وقت ملا ہوگا...... اور اس نے پچھلے ہی زینے استعمال کئے ہوں گے۔

فریدی نے اس کا ہینڈ بیگ فرش پر الٹ دیا۔ اس میں صرف آرائشی مصنوعات تھیں......
اور ایک لفافہ۔ غالباً یہ وہی لفافہ تھا جو ہوٹل ڈی فرانس کے ایک ویٹر نے لورین کو دیا تھا۔

فریدی نے مضطربانہ انداز میں اس کے اندر رکھا ہوا خط کھینچ لیا جس پر تحریر تھا۔

"ایک جاسوس تمہارا پیچھا کر رہا تھا...... تم فوراً تھارن ہل بلڈنگ پہنچو۔"

ساری حقیقت فریدی پر روشن ہوگئی۔ مجرم انتہائی ہوشیار ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کا کوئی
مشتبہ آدمی زندہ رہے۔ انہوں نے اس بہانے سے لڑکی کو یہاں بلا کر ختم کردیا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آگئی اور پوری عمارت کا محاصرہ کرلیا گیا۔ حالانکہ یہ فضول سی
کارروائی تھی۔ لیکن روزنامچے کی خانہ پری کے لئے نہایت ہی اہم۔

واپسی میں فریدی نے پچھلے زینے استعمال کیے۔ اس کی ٹارچ روشن تھی اور وہ خیالا میں ڈوبا ہوا آہستہ آہستہ زینے طے کر رہا تھا۔ اچانک وہ رک گیا۔ ٹارچ کی روشنی ایک م تڑے کاغذ پر پڑ رہی تھی جس پر خون کے دھبے تھے۔ فریدی نے جھک کر اسے اٹھالیا۔ خون دھبوں کے علاوہ اس پر کچھ نشانات تھے جو پنسل سے بنائے گئے تھے۔ ایک گول نشان پر لکھا تھا۔ ''گول میز'' اور اس پر تھوڑے فاصلے پر ''سوئچ بورڈ'' تحریر تھا۔ پھر ایک چوکور نشان پر '' میز'' لکھا ہوا تھا۔ فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا جیب میں ڈال لیا اس پر خون میں ڈوبی ہوئی انگلی کے نشانات بالکل صاف تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہوٹل ڈی فرانس پہنچ گیا۔ اس ویٹر کو تلاش کرنے میں دشواری ن ہوئی جس نے لورین کو خط دیا تھا۔ لیکن فریدی کو اس سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ ز کارآمد نہیں تھیں۔ اس نے بتایا کہ وہ خط اسے ایک انگریز نے دیا تھا اور اتنے سے کام اجرت میں اس نے پانچ روپے وصول کیے تھے۔ ویٹر انگریز کا حلیہ نہیں بتا سکا اور اس نے یہ بتایا تھا کہ وہ انگریز کم از کم روزانہ کے گاہکوں میں سے تو نہیں ہو سکتا تھا۔

آج شاید ناکامیوں کا دن تھا۔ گھر پہنچ کر فریدی نے حمید کو اپنا منتظر پایا اور اس نے اطلاع دی وہ حیرت انگیز بھی تھی اور مایوس کن بھی۔

''میجر نصرت کا پیغام ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''تیزان ہوٹل کا کمرہ نمبر اٹھائیس پچھلے ؟ سے خالی ہے اور مسٹر براؤن نام کا کوئی آدمی وہاں کبھی تھا ہی نہیں۔''

گول میز

دوسرے دن فریدی اور حمید چند دوسرے آفیسروں کے ساتھ صمدانی کے نجی دفتر کاغذات کا جائزہ لے رہے تھے اور پچھلی رات والا قتل موضوع گفتگو بنا ہوا تھا۔

''اس بیچاری نے ہماری بڑی مدد کی تھی۔'' ایک آفیسر نے کہا اور پھر وہ اس بیچاری کی اس بیچاری کے حسن پر اتر آئے۔

''اس قتل کا تصور ہی بڑا بھیانک ہے۔'' دوسرے نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''آنتیں باہر نکل پڑی تھیں..... آپ کے رونگٹے تو کھڑے ہو گئے ہوں گے فریدی صاحب۔''

''اگر میرے جسم پر کھڑے ہو جانے والے رونگٹے ہوتے تو میں کسی یونیورسٹی میں لٹریچر کا ہوتا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میر و غالب یا کیٹس اور ورڈز ورتھ میں سر مارتا۔''

پھر فریدی کے کارناموں کے متعلق باتیں چھڑ گئیں۔

''بھئی وہ جیرالڈ شاستری[1] والے بن مانس آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکے۔'' ایک دوران گفتگو میں بولا۔

''وہ کسی کی سمجھ میں بھی نہیں آئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''بہتیرے تو ان کی پیدائش کے کو ہی غیب سمجھتے ہیں۔ کئی اخبارات نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ یہ فریدی کا نیا شگوفہ ہے۔ کے ذریعے وہ سائنسدانوں میں سنسنی پھیلانا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک بہت ہی معمولی سی ت۔''

''میں مانتا ہوں کہ مشینوں کے ذریعے معجزے عمل میں آتے ہیں۔'' آفیسر بولا۔ ''لیکن چھوٹے سے بندر کا منٹوں میں ایک گرانڈیل بن مانس کی شکل میں تبدیل ہو جانا سمجھ میں والی بات نہیں۔

''معجزے سمجھ میں آ جائیں تو انہیں معجزے کون کہے گا۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''میں تو غیب ہی سمجھوں گا..... آدمی کے ننھے سے بچے کو بڑھنے کے لئے بیس سال درکار تے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''پانی کو جمنے کے لئے سطح سمندر سے ایک مخصوص کی درکار ہوتی ہے۔ خط استواء سے ایک مخصوص فاصلہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن آپ یہاں مئی ناک شدید گرمی میں برف استعمال کرتے ہیں۔ کیا وہ برف ہمالیہ کی چوٹی سے حاصل کی جاتی

[1] ''جنگل کی آگ'' جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

ہے یا ٹنڈرا کے میدانوں سے؟ کیا برف جمانے والی مشین منٹوں میں پانی کو نقطۂ انجماد پر پہنچا دیتی۔''

''لیکن کوئی مشین پانی کے بغیر برف نہیں مہیا کرسکتی۔'' آفیسر بولا۔

''ٹھیک ہے...... لیکن شاید آپ یہ بھول گئے کہ جیرالڈ کی مشینوں کے ذریعے دوآ کے جسم اس بندر کے جزو بدن ہوتے تھے تب وہ ایک بن مانس کی شکل اختیار کرتا تھا۔''

''تب تو اس طرح آدمی کا بچہ بھی منٹوں میں جوان ہوسکتا ہے۔''

''قطعی ہوسکتا ہے لیکن ذہنی حالت بچوں کی سی ہوگی۔ کیونکہ ذہنی نشو ونما کا تعلق تج سے ہے۔ اس کے لئے کم از کم بیس ہی سال درکار ہوں گے۔ خیر اسے چھوڑیئے یہ ایک ا بحث ہے۔ آپ کو بندروں کے بڑھنے پر اعتراض ہے۔ اچھا یہ بتایئے کہ آدمی کا بچہ بیس میں کیسے بڑھتا ہے۔''

''اللہ کی مرضی! ہم کون ہوتے ہیں دخل دینے والے۔'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ اس ایک زوردار قہقہہ پڑا، لیکن جلد ہی ماحول نے پھر سنجیدگی اختیار کرلی۔

''اس میں قوت نما ہوتی ہے۔'' اس آفیسر نے کہا جس نے بحث چھیڑی تھی۔

''قوت نما کیا چیز ہوتی ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''بھئی میں نے زیادہ سائینس نہیں پڑھی۔'' آفیسر بولا۔

''قوت نما دراصل حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کی صلاحیت کو کہتے ہیں اور یہ صلا انہیں غذا اور بعض دوسرے خارجی اسباب سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن غذا کو بھی ان پر اثر ا ہونے کے لئے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور اس میں عرصہ لگ جاتا ہے۔ بہرحال ریشے بیس سال تک بڑھتے رہتے ہیں اور اپنی حد کو پہنچ کر بڑھنے کی صلاحیت کھو دیتے ہیں بیس سال میں آدمی کا قد قریب قریب پورا ہوجاتا ہے اس کے بعد پھر بڑھنے کے امکانات نہ رہتے۔ بہرحال کہنے کا مطلب یہ کہ حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کا دارومدار غذا پر ہے۔ اب آیئے بندر کی طرف۔ اس کے حیاتیاتی ریشوں کو آدمیوں کے جسم سے مشین کے ذریعہ تیار شد

ذا ملتی ہے اور وہ سالہا سال کی نشو ونما کے عمل کو ایک جست میں طے کرلیتا ہے۔''

''دیکھئے آپ نے بھی یہاں سے جست لگائی۔'' آفیسر ہنس کر بولا۔ ''بندر اور آدمی کی نوعیت میں فرق ہے۔ بھلا بندر کا جسمانی نظام آدمی کے جسم سے حاصل کی ہوئی غذا کیسے قبول کرلے گا۔''

''بالکل اسی طرح جناب جیسے آپ کا جسمانی نظام بندر کے غدود کا آپریشن قبول کرلیتا ہے۔''

''ہیئر ہیئر......!'' ایک دوسرے آفیسر نے تالی بجا کر قہقہہ لگایا۔ ''ختم کرو یار...... تم فریدی سے باتوں میں جیت نہیں سکتے۔ ہم جیسے مشغول آدمیوں کو اتنی فرصت کہاں کہ دنیا بھر کے مضامین چاٹتے پھریں۔''

''فرصت پیدا کی جاتی ہے۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''آپ لوگوں کے تو صرف چند عدد بیوی بچے ہوں گے۔ میرے پاس ساٹھ کتے ہیں۔ ساڑھے تین سو کے قریب سانپ ہیں درجنوں پرندے ہیں۔''

''لیکن افسوس ایک بیوی نہیں پالی جاتی۔'' حمید آہستہ سے بولا...... اور پھر سب ہنسنے لگے۔ فریدی کا قہقہہ سب پر حاوی تھا۔

''اچھا بس بس......!'' ایک بوڑھا آفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہاں کئی کنوارے بھی ہیں...... انہیں بدظن نہ کرو۔''

''میں تو برباد ہو ہی چکا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

پھر سب ہنسنے لگے۔

''یار کام نپٹاؤ......!'' بوڑھے نے کہا۔ ''میں تو اس مکھی مار کام سے عاجز ہوچکا ہوں۔''

فریدی ایک دوسری الماری کھولنے کے لئے اٹھا اور جلدی میں اس کا پیر اس گول میز سے ٹکرایا جو ایک گوشے میں رکھی ہوئی تھی۔ فریدی نے الماری میں کنجی لگائی اور اسے گھماتے گھماتے چونک کر رہ گیا۔ وہ حیرت سے اس گول میز کو دیکھ رہا تھا جو ٹھوکر لگنے کے باوجود بھی نہیں ہٹی تھی۔ اس نے اسے پھر ٹھوکر ماری لیکن اس میں جنبش بھی نہ ہوئی اور جب اس نے

اسے اٹھانا چاہا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے پائے زمین میں دفن ہیں۔

اب اس نے غور سے میز کو دیکھا۔ اس کا اوپری تختہ تناسب سے کہیں زیادہ موٹا تھا۔ اس نے تختے کے نیچے ہاتھ ڈالا...... اور اس کا ہاتھ کسی ابھری ہوئی چیز سے ٹکرایا ہی تھا کہ ایک ہلکی سی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک تار لگا ہوا پلگ فرش پر گر پڑا۔

''گول میز......!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ اُسے وہ کاغذ کا ٹکڑا یاد آ گیا جو اسے تھارن ہل بلڈنگ کے زینے پر ملا تھا۔ وہ تیزی سے اپنے ہینڈ بیگ کی طرف جھپٹا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کاغذ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے لوگ اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ انہوں نے دھیان نہ دیا۔

فریدی کی نظریں کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ اور نشانات پر جم گئی تھیں۔ ''گول میز'' ''سوئچ بورڈ'' ''چوتھی میز'' اس نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہ وہ اس آفس کا نقشہ تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ پر نظریں جما دیں جو گول میز کے اوپر ہی دیوار سے لگا ہوا تھا۔

وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور میز کے نیچے سے پلگ اٹھا کر سوئچ بورڈ میں لگا دیا۔ فوراً ہی ہلکی سی گھر گھراہٹ سنائی دی اور ایک قریبی میز پر بیٹھا ہوا آفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس میز کے نیچے ایک تاریک خلاء تھی۔

''یہ کیا ہوا......؟'' سب لوگ بیک وقت چیخے اور ان کی نظریں فریدی کی طرف اٹھ گئیں جو سوئچ بورڈ پر ہاتھ رکھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے ساتھ نہ لیجئے ورنہ کام بڑھ جائے گا''

''آخر یہ ہے کیا......؟'' بوڑھے آفیسر نے پوچھا۔

فریدی نے جواب دینے کی بجائے سوئچ بورڈ سے پلگ نکال لیا اور میز کے نیچے کا فرش پھر برابر ہو گیا۔

''یہ غالباً کوئی میکانکی تہہ خانہ ہے۔'' فریدی نے کہا اور پھر پلگ لگا دیا...... تہہ خانے کا دہانہ دوبارہ ظاہر ہو گیا۔

پھر جس بے تابی سے وہ سب اس تہہ خانے میں اترے اس کا بیان محال ہے۔ انہیں صرف ایک آہنی الماری نظر آئی جس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن فریدی کی پیشانی پر گہرے تفکر کی لکیریں تھیں۔

''ارے یہ کیا......!'' ان میں سے ایک آفیسر الماری کی طرف جھپٹا اور پھر انہوں نے اسے الماری اور دیوار کے درمیانی رخنے سے کوئی چیز اٹھاتے دیکھا۔

''میرے خدا......!'' اٹھانے والے کے منہ سے ایک تحیر آمیز چیخ نکلی۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی ایک اینٹ تھی جس کا وزن ایک پونڈ سے کسی طرح کم نہ تھا۔

فریدی نے ایک گہری سانس لی...... دوسرے لوگ اینٹ پانے والے آفیسر کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ لیکن فریدی خالی الماری کا جائزہ لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہوئے واپس آئے تو فریدی حمید کو لے کر باہر نکل گیا۔

''چوٹ ہو گئی بیٹے حمید۔'' وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

''کیوں......؟''

''وہ یہاں سے کافی دولت نکال لے گئے۔ اس الماری میں نہ جانے کتنی اینٹیں رہی ہوں گی۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''مجھے یقین ہے! لورین کے تار کا مضمون یاد کرو...... یہی تو تھا...... میں وہاں پہنچ گئی ہوں لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی کسی ایکسپرٹ کو بھیجو۔''

''تو اس سے کیا......؟''

''الماری کا میکنزم بڑا پیچیدہ ہے۔ وہ اُسے کھول نہ سکی ہوگی۔ لیکن بیچاری کو اس کا علم نہ

رہا ہوگا کہ خود اس کی حیثیت کیا ہے۔"

"لیکن آپ نے یک بیک تہہ خانہ کیسے دریافت کرلیا۔"

فریدی نے گول میز سے ٹھوکر لگنے کا واقعہ دہراتے ہوئے کہا۔"وہ خون آلود کاغذ کا ٹکڑا جو مجھے تھارن ہل بلڈنگ سے ملا تھا......اس پر دراصل اسی تہہ خانے کا نقشہ تھا ہوسکتا ہے کہ یہ نقشہ خود لورین نے ہی تیار کیا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ لورین ہی نے قاتل کو اس کے متعلق سمجھایا بھی ہو......لیکن وہ اس معاملے میں صرف مسٹر براؤن ہی کو جوابدہ تھی......جسے اس نے تار دیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ قاتل براؤن ہی رہا ہو......ورنہ وہ آسانی سے اسے نقشہ نہ دیتی۔"

"نہ دیتی......کمال کرتے ہیں آپ بھی......ارے اس نے اسے قتل کرنے کے بعد نقشہ حاصل کیا ہوگا۔"

"ناممکن......!" فریدی سر ہلا کر بولا۔"نقشہ پہلے ہی اس کے ہاتھ میں تھا۔ قتل کرنے سے قبل۔ اور وہ اسے ہاتھ میں دبائے ہوئے زینے تک آیا اور پھر اُسے نقشہ یاد آگیا اس نے اسے جیب میں رکھنا چاہا لیکن وہ بے خیالی میں گر گیا۔ وہ جلدی میں یہ سمجھا کہ نقشہ جیب میں جا گیا ہے۔ اگر قتل کرنے کے بعد نقشہ اس کے ہاتھ لگتا تو وہ اُسے ہاتھ میں لئے ہوئے زینے تک نہ آتا......شاید نقشہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہوتا۔ وہ نقشے کو پہلے ہی سمجھ چکا تھا اسی لئے اُس نے اُسے اتنی لاپرواہی سے جیب میں ڈالا کہ اس کے گر جانے کی خبر تک نہ ہوئی......نہیں فرزند......وہ یقیناً براؤن ہی تھا......اور چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ جس سے کام لیتا ہے اس کے پیچھے دو آدمی اس طرح لگائے رکھتا ہے کہ انہیں اس کی خبر نہیں ہوتی۔"

"تو کیا صمدانی کا قتل محض اس سونے کی وجہ سے ہوا۔" حمید نے کہا۔

"یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ سونا تو اس کی زندگی ہی میں اڑایا جاسکتا تھا۔ لورین بہرحال اس کی معتمد خاص تھی۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ لورین صمدانی کے پاس کب اور کن حالات میں آئی۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔"مگر وہ براؤن......شیزان ہوٹل میں تو اس نام کا کوئی

ئی بھی تھا ہی نہیں۔"

"اور اسی بناء پر میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ شیزان ہوٹل اس کا مستقل اڈہ ہے۔"

"چلئے کچھ تو سراغ ملا......!" حمید طویل سانس لے کر بولا۔

"ہم ان واقعات کا فی الحال کسی سے تذکرہ نہیں کریں گے۔"

"لیکن تہہ خانہ......وہ اینٹ......اُسے تو سب نے دیکھا ہے۔"

"فکر نہ کرو......انہیں ان کے متعلق خیال آرائیاں کرنے دو۔ اخبارات میں دلچسپ ہانیاں نظر آئیں گی۔"

فریدی کا خیال درست نکلا۔ اُسی شام کے اخبارات میں صمدانی کے پرائیویٹ خفیہ تہہ نے کے متعلق نت نئی کہانیاں نظر آئیں لیکن خالی الماری اور سونے کی اینٹ کے بارے میں یب قریب سب نے ایک ہی خیال ظاہر کیا تھا اور یہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ایک ولی ذہانت کا آدمی بھی اُس کے متعلق یہی کہہ سکتا تھا کہ وہ الماری خالی نہ رہی ہوگی اور ے صمدانی کے بجائے کسی دوسرے ہی آدمی نے خالی کیا ہوگا۔ ورنہ ایک اینٹ اس طرح سے رہ جاتی۔

اُسی دن پولیس آفیسروں پر ایک حیرت انگیز انکشاف ہوا۔ لیکن اُسے حالات کے اعتبار ے غیر متوقع بھی کہا جاسکتا تھا۔ لورین کے اچانک قتل سے یہ بات سامنے آگئی۔ ایک مجسٹریٹ نے پولیس کو اطلاع دی کہ اس نے دو ماہ قبل لورین اور صمدانی کے سول میرج کے سرٹیفکیٹ پر تخط کئے تھے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ صمدانی اس شادی کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتا تھا۔ اس نئی ریافت پر کیس اور بھی الجھ گیا۔

فریدی اس نئی سچویشن پر بڑی دیر سے غور کر رہا تھا......اور سرجنٹ حمید نے اپنے ذہن کو الکل چھٹی دے رکھی تھی۔ وہ شاید آدھے گھنٹے سے کوشش کر رہا تھا کہ اس کا بکرا منہ میں تمباکو ئی کا پائپ دبانا سیکھ جائے۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ دو بار اُس نے جھلا کر کرے کے منہ پر تھپڑ بھی مارے اور جب بالکل ہی تنگ آ گیا تو اسے ایک لات رسید کر کے

بولا۔ ''سالے تم بکرے ہو اور ہمیشہ بکرے ہی رہو گے۔ میں تمہیں کسی طرح بھی ریاضی پروفیسر نہیں بنا سکوں گا۔''

فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اور اس نے ان دونوں کو دھکے دے کر کمرے سے با نکال دیا۔

لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ وہ اس کیس کے بعض پہلوؤں پر بحث کرنا چاہتا تھا۔ حمید لاکھ غیر سنجیدہ سہی لیکن بارہا کے تجربات شاہد تھے کہ اس کی بے تکی باتوں ہی میں فریدی کو اکثر گتھیوں حل مل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی کمرے سے باہر نکلا۔ حمید بیرونی برآمدے میں تھا اور شاید اب پہ کی طرح غیر سنجیدہ بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ اس نے خود ہی لورین کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

''اس نئی دریافت کی بناء پر کیس اور زیادہ الجھ گیا ہے۔'' فریدی بولا۔ ''ظاہر ہے کہ لور مجرموں کی آلہ کار تھی لیکن اس صورت میں اس کا قتل صمدانی کے قتل کے مقصد کو اور زیادہ تار میں پھینک دیتا ہے۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ ان دونوں کی شادی کا مقصد لورین کے لئے حصو دولت تھا تو پھر انہوں نے اسے بھی کیوں قتل کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مجرم اس کے ذری صرف اس الماری تک پہنچنا چاہتے تھے تو پھر آخر صمدانی کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کا اس کے بغیر بھی ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کی بیوی ہی تھی کبھی نہ کبھی تہہ خانے کے راز واقف ہو جاتی۔''

''واقعی صمدانی کے قتل کا مقصد اس انکشاف سے بالکل ہی تاریکی میں جا پڑتا ہے۔'' حم نے کہا۔ ''اور لورین کو زندہ رکھ کر نہ صرف وہ الماری کی دولت ہی سمیٹ سکتے تھے بلکہ صمد کے پورے کاروبار پر بھی قابض ہو سکتے تھے۔''

''اسی بناء پر میں فی الحال سجاد صمدانی کا خیال ذہن سے نکال دینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔''

''اس کی رائے میں نہیں دوں گا۔'' حمید بولا۔

''میں نے لفظ فی الحال استعمال کیا ہے۔ ویسے وہ میری لسٹ پر موجود ہے۔''

فریدی شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن اس دوران میں شام کی ڈاک آ گئی۔ فریدی یکے بعد دیگرے لفافے کھولتا رہا اور پھر اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ ایک لفافہ حمید کی طرف بڑھایا۔

سفید کاغذ پر ایک مختصر سی تحریر ٹائپ کی ہوئی تھی۔

''اگر موت ہی کی خواہش ہے تو میرے معاملات میں ضرور ٹانگ اڑاؤ میں کسی وقت بھی تم سے بہت زیادہ دور نہیں۔

براؤن۔''

حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا جس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔

انور اور آصف

کرائم رپورٹر انور نے انگڑائی لی اور چادر کو پیروں سے اچھال کر اٹھ بیٹھا۔ آٹھ بج چکے تھے لیکن ابھی تک اس کی سرخ سرخ آنکھیں نیند کے بوجھ سے دبی جا رہی تھیں۔ اس نے سرہانے والی ٹی پائی سے سگریٹ کا ڈبہ اٹھایا اور سگریٹ کو ہونٹوں میں دبا کر جلانے ہی والا تھا کہ رشیدہ آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔

''تم نے بُری طرح اپنی گردن پھنسالی ہے...... سمجھے۔'' اس نے دھیمی آواز میں غصہ سے کہا۔

''کوئی نئی بات کرو...... یہ اطلاع بہت پرانی ہے۔'' انور نے سگریٹ سلگا کر دیا سلائی میز پر اچھال دی۔

''آصف انتظار کر رہا ہے۔''

''جھک مارنے دو اُسے۔''

"اس کی جیب میں ہتھکڑیاں ہیں۔"

"اوہ......!" انور مسکرا کر چڑھانے والے انداز میں بولا۔ "تو مجھے پھانسی ہو جائے گی۔"

"دیکھو بکواس مت کرو......ایسے موقع پر اُس سے جھگڑا نہ مول لینا۔"

"فکر نہ کرو۔" انور نے پلنگ چھوڑ دیا۔ اس نے میز سے ٹوتھ پیسٹ اور برش اٹھا۔ ہوئے کہا۔

"میری جیب بالکل خالی ہے اور اس وقت آصف ہی ہمارے ناشتے کا انتظام کرے گا......سمجھیں۔"

دوسرے کمرے میں انسپکٹر آصف انور کا منتظر تھا۔ غسل خانے تک پہنچنے کیلئے اس کمرے سے گزرنا ضروری تھا۔ انور نے بڑے دوستانہ انداز میں آصف سے مصافحہ کیا۔ لیکن آصف نے اپنے چہرے پر سختی کے آثار پیدا کر رکھے تھے۔ وہ کلف دیئے ہوئے کالر کی طرح اکڑا رہا۔

"میں ایک منٹ میں آیا۔" انور نے کہا اور غسل خانے کی راہ لی۔ رشیدہ آصف کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسے توقع تھی کہ آصف انور کی غیر حاضری کے دوران کچھ نہ کچھ بولے گا۔ لیکن وہ بدستور خاموش بیٹھا رہا۔ رشیدہ نے بھی اسے چھیڑا نہیں۔

انور غسل خانے سے آنے کے بعد آئینے کے سامنے بال درست کرنے لگا۔ چند لمحے بعد اس نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔ "آج کل میں کچھ حسین ہوتا جا رہا ہوں......کیوں؟"

"جیل میں کبھی حجام سے ملاقات نہیں ہوتی۔" آصف اسے گھور کر بولا۔

"یہ بہت بُری عادت ہے......میں عنقریب جیل سدھارنے کے متعلق ایک مضمون لکھنے والا ہوں۔"

"شاید وہ جیل ہی میں مکمل ہو۔"

"کیوں؟ کیا مجھے جیلوں کا دورہ کرنے کا موقع دیا جائے گا۔"

"ہمیں فضول باتوں میں نہ پڑنا چاہئے۔" آصف بولا۔ "اس بار تمہیں کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تم ہی مجھے چھوڑ دو گے تو پھر پوچھے کون۔" انور نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے

"ہم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔"

"میرے پاس ہتھکڑیاں ہیں......سمجھے۔"

"تمہارے پاس ہتھکڑیاں ہیں......سمجھا......!"

"مجھے موٹر سائیکل کی چوری کی داستان پر یقین نہیں ہے۔" آصف غرایا۔

"اچھے آدمی بری باتوں پر کبھی یقین نہیں کرتے۔ شیخ سعدی نے فرمایا ہے......"

"میں یہاں وقت برباد کرنے نہیں آیا ہوں۔" آصف نے جھلا کر بات کاٹ دی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم ہمیں چائے پلواؤ گے۔"

"تم نے صمدانی کا تعاقب کیوں کیا تھا......؟"

"اوہو......" انور سنجیدگی سے بولا۔ "تو تم اس لئے آئے ہو۔"

آصف جواب دینے کی بجائے انور کو گھورتا رہا۔

"میں خود تمہاری تلاش میں تھا......!" انور پھر بولا۔ "میرے پاس چند قیمتی معلومات ہیں۔"

"کیا......؟" آصف کے چہرے کی سختی یک بہ یک دور ہو گئی۔ لیکن یہ قطعی غیر ارادی طور داتھا کیونکہ آصف نے احساس ہوتے ہی پھر سے خود کو سنبھالنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

"نیچے چلتے ہیں......وہیں باتیں ہوں گی۔" انور نے کہا اور رشیدہ کو آنکھ مار کر دروازے طرف دیکھنے لگا۔

رشیدہ کھڑی ہو گئی اور اسی کے ساتھ آصف بھی اٹھا۔ لیکن یہ بھی غیر ارادی طور پر ہوا تھا رنے آصف کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار صاف پڑھ لئے تھے۔ اس لئے اس کی رفتار ماتیزی آ گئی تھی۔

باہر نکل کر رشیدہ نے دروازہ مقفل کیا اور وہ نیچے آئے۔ انور قریب ہی کے ایک ٹوران میں گھس گیا۔ اب آصف کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں رہ گیا تھا کہ الن کا ساتھ دے۔

انور نے ایک لمبے ناشتے کا آرڈر دیا۔ اس کا رویہ آصف کے ساتھ بڑا دوستانہ تھا۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا چچا آصف۔" انور نے کہا۔ "کہ اس کیس میں تمہارے لئے ترقی کے بڑے امکانات ہیں۔"

"بڑی مہربانی۔" آصف طنزیہ لہجے میں بولا۔ "لیکن تمہیں اس کیلئے نہ پریشان ہونا چاہئے۔"

"تمہیں میرے خلوص پر کبھی یقین نہ آئے گا۔"

"کام کی باتیں کرو......!" آصف اپنی پیالی میں شکر گھولتا ہوا بولا۔

"پہلے تو جتادوں کہ موٹر سائیکل والے معاملے میں مجھے ذرا برابر بھی پریشانی نہیں۔ اگر یہاں کسی پولیس والے نے مجھے پھانسنے کی کوشش کی تو اس کی زندگی تلخ ہوجائے گی۔"

"چلو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں......تم ہمیشہ یہی بکتے رہتے ہو۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ میں نے صرف زبان ہی سے نہیں کہا۔"

"خیر......خیر......وہ اطلاعات کیا تھیں۔"

"پہلی تو یہ کہ آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔"

"اڑنے لگے۔" آصف بھنا کر رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"دوسری اطلاع یہ کہ فریدی صاحب سجاد صمدانی کی تلاش میں یورپ کا دورہ کرنے والے ہیں۔"

"اُسے تو بس بہانہ چاہئے۔" آصف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اسی بہانے مفت کی تفریح ہاتھ آئے گی۔"

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اخراجات تمہارا محکمہ برداشت کرے گا۔" انور نے کہا۔

"جہنم میں ڈالو......تم مجھے کیا بتانے والے تھے۔"

"یہی کہ اس کا تعلق سجاد صمدانی سے ہوسکتا ہے۔"

"اور لورین کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" آصف نے کہا۔

"وہ سجاد ہی نے کرایا ہوگا۔ اب تو یہ بات اچھی طرح مشہور ہوچکی ہے کہ وہ صمدانی کی

تھی۔"

"لیکن تھارن ہل بلڈنگ سے اس کا کیا تعلق......!"

"ارے تعلق تم معلوم کرلو......یہ پولیس کا کام ہے۔"

"لیکن تمہارا اس معاملے میں کیا تعلق ہے۔" آصف نے کہا۔

"تھارن ہل بلڈنگ کا کرایہ میں ہی وصول کرتا ہوں۔" انور نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔ وہ ناشتہ ختم کرچکے تھے۔

"تو تم سیدھی طرح نہیں بتاؤ گے۔"

"اور کیا بتاؤں۔"

"دیکھو میں سچ مچ تمہیں بند کرادوں گا۔"

"ابھی تک تو کوئی ایسا نہیں پیدا ہوا۔"

میں نے ایسے گواہ مہیا کرلئے ہیں جنہوں نے تمہیں صمدانی کی کار کا تعاقب کرتے دیکھا تھا۔

"میری طرف سے مبارکباد قبول کرو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "غالباً اس خبر سے لیڈی ارجی کو بھی خوشی ہوگی۔"

رشیدہ کو اس نئے نام کے حوالے سے حیرت ہوئی اور وہ آصف کی طرف دیکھنے لگی جس کا دفعتاً پھیکا پڑ گیا تھا۔ سگریٹ کا ڈبہ کھولتے وقت اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔

پھر آصف نے ایک اعصاب زدہ قہقہہ لگا کر کہا۔ "تم دھمکیوں میں نہیں آؤ گے۔"

"ظاہر ہے کہ میری معلومات بہت وسیع ہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ......کیا فریدی سچ مچ یورپ جائے گا۔" آصف نے پوچھا۔

"کیا تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔ یہ خبر کل شام ہی پریس میں پہنچ گئی تھی۔"

"مجھے یقین نہیں ہے۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"اگر تم فریدی کے متعلق معلومات حاصل کرنے آئے ہو تو میں بالکل مجبور ہوں۔" انور لہجے میں بولا۔

"مجھے اس سے کیا سروکار...... میں دراصل یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم اپنی ٹانگ کیا
اڑاتے پھر رہے ہو۔"

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ موٹر سائیکل کے چور کو پکڑ سکوں۔"

"مجھے قیامت تک یقین نہ آئے گا کہ وہ چرائی گئی ہے۔"

"اچھی بات ہے تو پھر قیامت ہی کے دن اس کے متعلق مزید گفتگو کروں گا۔ ہوسکتا
کہ اس وقت تک تم اپنی رائے بدل دو۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر آصف مسکرا کر بولا۔ "تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نے مجھے پھانس
چائے پی ہے۔ میں پہلے ارادہ کر چکا تھا۔ تمہیں دھمکانے میں مجھے لطف آتا ہے۔"

"روز صبح آکر دھمکا جایا کرو پیارے۔" انور نے بڑی لجاجت سے کہا اور رشیدہ ہ
پڑی۔ آصف بھی کھسیانی ہنسی ہنس رہا تھا۔

اس کے بعد اس نے ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ رشیدہ کو سخت حیرت تھی کہ یک ب
وہ سیدھا کیوں ہوگیا۔ کیا یہ سب لیڈی فرامرز جی کے نام کی وجہ سے ہوا تھا۔

آصف نے بل کے دام چکائے اور عدیم الفرصتی کا رونا روتا ہوا اٹھ گیا۔

انور، رشیدہ اس کے جانے کے بعد بھی بیٹھے رہے۔

"کیا تم نہیں سمجھیں کہ لیڈی فرامرز جی کے حوالے پر اس کی روح فنا ہوگئی تھی۔"

"لیکن کیوں......!"

"لیڈی فرامرز جی کو جانتی ہو۔"

"نہیں......!"

"ایک مالدار بیوہ ہے۔ آصف نے پچھلے ماہ اپنی نگرانی میں اس کا حمل ساقط کرایا تھا۔

"ارے...... یہ آصف......!"

"تم غلط سمجھیں...... حمل آصف کا نہیں تھا۔ وہ تو صرف لیڈی فرامرز جی کا دوست ہے۔"

"خدا غارت کرے۔"

"اور اسی لئے وہ سیدھا ہوگیا۔" انور نے کہا۔ "اگر ضرورت پڑے تو میں اس ڈاکٹر کو بھی
ن میں کھینچ سکتا ہوں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر انور بولا۔ "میں تو ایک ماہ کی چھٹی لے رہا ہوں۔"

"کیوں......؟"

"مجھے کام مل گیا ہے......اور اجرت توقعات سے زیادہ ملنے کی امید ہے۔"

"کیا کام......؟"

"سجاد صمدانی کا جنرل منیجر چاہتا ہے کہ میں اس کے لئے اس کیس کی تفتیش کروں۔"

"آخر وہ کیوں چاہتا ہے۔"

"کیوں؟ کیا سجاد کی حیثیت مشتبہ نہیں ہے اور پھر صمدانی کا سارا کاروبار اس کی طرف
ل ہونے والا ہے۔ اس لئے جنرل منیجر کی تشویش بالکل قدرتی ہے۔"

"لیکن میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔ اس طرح تمہیں فریدی صاحب سے ٹکرانا
ے گا۔"

"اس کا سوال ہی پیدا نہ ہونے پائے گا۔ اگر میں نے یہ دیکھا کہ اس معاملے میں سجاد یا
ا کے آدمیوں ہی کا ہاتھ ہے تو میں الگ ہو جاؤں گا۔"

"تو کیا فریدی صاحب سچ مچ یورپ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں......!"

"تم نے فریدی صاحب کو اس سے مطلع کیا یا نہیں۔"

"ضروری نہیں سمجھتا۔"

"ارے یہ کمبخت کہاں سے آمرا۔" رشیدہ نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

قاسم سڑک پار کر کے ریستوران کی طرف آرہا تھا۔ اس نے انور اور رشیدہ کو یہاں بیٹھے
یکھ لیا تھا۔ وہ شاید انور کے فلیٹ میں گیا تھا اور اُسے مقفل دیکھ کر جا رہا تھا کہ اس کی نظر ان
نوں پر پڑ گئی۔

"یہ کیا مصیبت آ گئی۔" انور بڑبڑایا۔

"اخاہ...... آپ لوگ یہاں ہیں۔" قاسم نے دروازہ ہی سے ہانک لگائی اور دور

لوگ چونک کر اسے گھورنے لگے۔

جب وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تو انور نے آہستہ سے کہا۔ "یار تم کچھ دنوں کے لئے

سے علیحدہ ہی رہو۔"

"کیوں......؟"

"ابھی تک پولیس کو اُس گرانڈیل آدمی کی تلاش ہے۔"

"تو میرے چہرے پر ڈاڑھی کہاں ہے۔"

"ڈاڑھی صاف بھی تو کی جاسکتی ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا...... تم ہی نے مجھے اس مصیبت میں پھنسایا ہے۔"

"ذرا آہستہ......!" انور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"قاسم صاحب! بہت اچھے آدمی ہیں۔" رشیدہ نے جلدی سے کہا۔ "اگر تم کہو تو وہ

سے نکلنا بھی چھوڑ دیں گے۔"

"ابھی ابھی ایک سی۔آئی۔ڈی انسپکٹر یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔" انور بولا۔

"تو کیا پھر میں چلا جاؤں۔" قاسم نے بڑی مغموم آواز میں پوچھا اور رشیدہ کی طرف

دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔

"عقل مندی کا تقاضا یہی ہے۔"

"حمید کو معلوم ہوگیا ہے۔" قاسم آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔

"فکر نہ کرو...... وہ خاموش ہی رہے گا۔ اب تم جاؤ۔"

قاسم بادل ناخواستہ اٹھا تھا اور لڑکھڑاتا ہوا ریستوران سے نکل گیا۔

انور اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔ "واقعی میں بہت بڑا احمق

ہوں۔ مفت کی بلا گلے لگالی۔ لیکن وہ محض تمہاری وجہ سے آتا ہے۔"

"تم گدھے ہو۔" رشیدہ جھینپ کر بولی۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر انور نے کہا۔ "میں آج رام گڑھ کے لئے روانہ ہوجاؤں گا۔"

"کیوں...... رام گڑھ کیوں؟"

"میرا خیال ہے کہ وہیں بدمعاشوں کا ہیڈکوارٹر ہے...... لورین نے قتل ہونے سے چند

پیشتر رام گڑھ میں شیزان ہوٹل کے پتہ پر ایک تار روانہ کیا تھا۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

بس معلوم ہوگیا۔ تار گھر میں میرے کئی دوست ہیں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ فریدی

ب نے کوئی تار چھ گھنٹوں کے لئے رکوایا ہے۔ اس تار کے فارم کو میں نے بھی جاکر دیکھا۔

ا کرسچیانا نے تھارن ہل بلڈنگ سے روانہ کیا تھا اور جب تھارن ہل بلڈنگ کے اسی فلیٹ

لورین کی لاش ملی جو تار کے پتے میں موجود تھا تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ "کرسچیانا" لورین

ہوسکتی تھی...... تار کسی مسٹر براؤن کے نام پر بھیجا گیا تھا۔ مضمون یہ تھا...... میں وہاں پہنچ گئی

لیکن کچھ سمجھ نہیں سکتی...... کسی ایکسپرٹ مکینک کو بھیجو۔"

"پھر تم نے اخبارات میں صدانی کے پوشیدہ تہہ خانے اور الماری کے متعلق بھی پڑھا

...... اور وہ سونے کی اینٹ...... خبر میں یہ بھی تھا کہ الماری کا میکنزم بڑا پیچیدہ خیال کیا

رہا ہے۔ لہٰذا اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ ہوسکتا ہے لورین نے اسی الماری کو کھولنے

لئے کسی ایکسپرٹ مکینک کو طلب کیا ہو۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سب کچھ ہوجانے کے بعد بھی براؤن اسی ہوٹل میں مقیم ہوگا۔"

یدہ نے کہا۔

"یہ مسئلہ غور طلب ہے۔"

"خیر...... میں بھی چلوں گی...... اس طرح میں اس حیرت انگیز عجوبے کو بھی دیکھ سکوں گی۔"

"کس حیرت انگیز عجوبے کو۔"

"اوہو...... یہ خبر تو ریڈیو پر بھی آئی تھی۔"

"کون سی خبر......!"

"رام گڑھ ہی کے متعلق تھی۔ وہاں ایک حیرت انگیز آدمی دیکھا گیا ہے جس کی ریڑھ کی ہڈی پر کمر سے گردن تک گھوڑے کی ایال کے سے بال ہیں۔ اور وہ گھوڑوں ہی کی طرح گھاس کھاتا ہے اور خود کو سلیمان پیغمبر کا گھوڑا کہتا ہے اتنا تیز دوڑتا ہے کہ ابھی تک اسے کوئی پکڑ نہیں سکا۔"

"بنڈل......!" انور منہ بنا کر بولا۔ "سرے سے بکواس...... ایک اخبار سے منسلک ہونے کے باوجود ابھی تک ان لغویات پر یقین رکھتی ہو۔ کیا ہم خالی جگہوں کو ایسی ہی حیرت انگیز خبروں سے نہیں بھرتے...... چار پیروں والا چوزہ...... ہاتھی نے انڈے دیئے...... لاطینی بولنے والا گدھا...... وغیرہ وغیرہ۔"

خوفناک چہرہ

حمید بالکنی میں کھڑا دور کی پہاڑیوں میں غروب ہوتے ہوئے سورج کا منظر دیکھ رہا تھا۔ آج صبح وہ رام گڑھ پہنچا تھا اور شیزان ہوٹل ہی میں مقیم تھا۔ اُسے خوشی تھی کہ فریدی سے دور رہ کر تفریح کا ایک موقع ہاتھ آیا۔ فریدی نے اُسے تنہا ہی اس مہم پر روانہ کیا تھا۔ حالانکہ حمید اسے تضیع اوقات ہی سمجھتا تھا لیکن اس نے فریدی کی مخالفت نہیں کی۔ ورنہ وہ اس بات پر اڑ سکتا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ یورپ جانا پسند کرے گا۔

یورپ والی بات اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سجاد کی تلاش...... اور وہ بھی کسی شہر یا ملک میں نہیں بلکہ ایک براعظم میں۔ بڑا احمقانہ خیال تھا اور پھر آخر سجاد کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اُسے تو صرف اُس پراسرار انگریز براؤن کی تلاش ہونی چاہئے تھی جو سازش کا سرغنہ تھا۔ اگر بفرض محال فریدی سجاد تک پہنچ بھی جاتا تو وہ اسے مجرم کس طرح ثابت کرے گا جب تک کہ براؤن نہ ہاتھ آجائے اور پھر یہ بھی ضروری ہی نہیں تھا کہ براؤن سجاد ہی کا آدمی رہا ہو۔

بہرحال بات حمید کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

حمید یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ہوسکتا ہے فریدی کم سے کم وقت میں اس کیس کو نپٹانا چاہتا ہو اسی لئے خود سجاد کی تلاش میں جا رہا ہو اور اسے براؤن کے لئے رام گڑھ بھیج دیا ہو۔ مگر سوال تو یہ تھا کہ کیا سجاد ہی قتل کی سازش کا محرک ہوسکتا ہے؟ امکانات موجود تھے مگر پیش آئے ہوئے واقعات کی بناء پر ایک بہت ہی اہم نکتہ اس کی تردید کردیتا تھا۔ اگر ان حادثات میں سجاد کا ہاتھ تھا تو لورین کا وجود اس سارے سٹ اپ میں بھرتی کی چیز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔ فضول اور بے مصرف...... ظاہر ہے کہ سجاد صمدانی کے ترکے کیلئے لورین کیوں آلہ کار بنائی گئی اور پھر چوری کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قاتلوں کو صرف اس الماری کی ضرورت تھی اسی لئے انہوں نے لورین کو بھی ختم کردیا۔ لورین صمدانی کی بیوی تھی اور قانوناً صمدانی کے ترکے کے کچھ حصے کی مالک بھی ہوسکتی تھی۔ بہرحال ان حالات کی بناء پر سجاد کو مشتبہ سمجھنا صحیح الدماغی کی دلیل نہیں تھی۔ حمید کی دانست میں صمدانی کا قتل صرف سونے کی اینٹوں کیلئے ہوا تھا۔

سورج پہاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا اور افق میں شوخ رنگوں کے لہریئے نظر آنے لگے۔ حمید بارجے پر کہنیاں ٹیکے خیالات میں غرق رہا۔ صبح سے اب تک اسے ہوٹل میں کوئی ایسی بات نہیں نظر آئی تھی جو اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالیتی۔ البتہ وہ دن بھر اس عجیب الخلقت آدمی کے تذکرے سنتا رہا تھا جو ارجن گھاٹی میں اکثر دکھائی دیتا ہے۔ جس کی پشت پر گھوڑے کی ایال کے سے بال ہیں اور جو خود کو حضرت سلیمان کا گھوڑا کہتا ہے اور زیادہ تر بگڑی ہوئی فرانسیسی زبان بولتا ہے۔

حمید نے کچھ دن پہلے بھی اخبارات میں اس کے متعلق پڑھا تھا لیکن اسے غپ سے زیادہ وقعت نہ دی تھی اور اب بھی اُسے غپ ہی سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ اس نے کئی آدمیوں کو "چشم دید" واقعات دہراتے سنا تھا۔ لیکن وہ ایسے آدمیوں کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف تھا۔ ایسے لوگ جب اپنی داستان گوئی کے فن میں ناکامی کی صورت دیکھ لیتے ہیں تو انہیں اس پر "چشم دید" کا لیبل چپکاتے دیر نہیں لگتی۔

بہر حال حمید سوچ رہا تھا کہ یہاں وقت اچھا گزرے گا شیزان ہوٹل اعلیٰ قسم کے ہوٹلوں میں سے تھا اور اونچے ہی طبقے کے لوگ یہاں قیام کرتے تھے۔ اس نے کئی خوبصورت لڑکیاں آتے ہی دیکھ لی تھیں۔ اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ افق میں رنگوں کے لہریئے گہرے ہوتے جا رہے تھے اور ڈھلوانوں میں رینگنے لگے تھے۔

دفعتاً حمید چونک پڑا۔ ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے والی ایک کار سے انور اور رشید اتر رہے تھے۔

ان دونوں کی آمد نہ صرف غیر متوقع بلکہ حیرت انگیز بھی تھی۔ حمید تیزی سے نیچے آیا۔ ہال میں اس نے ایک پورٹر کو ان کا سامان اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے پیچھے وہ دونوں تھے۔ دونوں حمید کے قریب سے گزر کر کاؤنٹر کلرک کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے اُسے نہیں پہچانا کیونکہ وہ اپنی اصلی شکل میں تھا ہی نہیں۔ فریدی ہی نے اس کا میک اپ کیا تھا اور اس نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام کیپٹن پرکاش لکھا تھا۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ آخر یہ دونوں یہاں کیسے پہنچے۔ انہیں شیزان ہوٹل کے متعلق کیسے معلوم ہوا۔ کیا فریدی نے انور کو براؤن کے متعلق بتا دیا تھا اگر یہ بات تھی تو اس نے اس سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔

انور نے ہوٹل کی رجسٹر میں دستخط کئے اور پورٹر انہیں ان کا کمرہ دکھانے کیلئے ساتھ لے گیا

اتنے میں دو لڑکیاں ہال میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے اپنے کاندھوں سے ناشتے تھیلے اور تھرماس لٹکا رکھے تھے۔ ان کے چہروں پر تھکن کے آثار تھے۔ حمید نے انہیں صبح ہی دیکھا تھا۔ وہ شیزان ہی میں مقیم تھیں۔ انہیں دیکھ کر ایک بوڑھی عورت ان کی طرف بڑھی۔

''اوہ ممی......!'' ان میں سے ایک بولی۔ ''بالکل سچ ہے! ہم نے اسے دیکھا...... گھاس چرتے دیکھا...... وہ بے تکان چھلانگیں مارتا ہوا اونچی اونچی چٹانوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔''

وہ قریب ہی کی میز پر بیٹھ گئیں۔

''کیا وہ کپڑے نہیں پہنتا۔'' بوڑھی نے پوچھا۔

''صرف ایک پتلون۔'' لڑکی کاندھے سے تھیلا اور تھرماس اتارتی ہوئی بولی۔ ''کتھئی رنگ کی پتلون۔ پیٹھ ننگی، جس پر بڑے بڑے بالوں کی لکیر کمر سے گردن تک پھیلی ہوئی ہے۔ اوہ ممی...... دیو ہے دیو...... ایسے ابھرے ہوئے مسلس میں نے آج تک نہیں دیکھے۔''

''گھاس چرتا ہے۔'' بوڑھی نے پوچھا۔

''ہاں ممی...... بہت تیزی سے۔ آدمی تو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کتنا تیز دوڑتا ہے اُف نوہ......کئی آدمی اس کے پیچھے دوڑے تھے۔ مگر اسے نہ پا سکے۔ وہ پہاڑیوں پر اس طرح دوڑتا ہے جیسے سپاٹ میدان میں دوڑ رہا ہو۔''

''کیا وہ پائپ بھی پیتا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

لڑکیاں ہنس پڑیں۔ لیکن بوڑھی حمید کو گھورنے لگی۔ حمید گڑبڑا گیا۔

''دخل دہی کی معافی چاہتا ہوں......'' حمید نے مودبانہ کہا۔ ''بات یہ ہے کہ میں نے ابھی اسے نہیں دیکھا۔''

''ضرور دیکھئے۔'' وہی لڑکی بولی جو بہت زیادہ بول رہی تھی اور بولتے وقت اس کی آنکھیں جوش سے چمکنے لگتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے پورے وجود سے بے پرواہ ہو۔ علاوہ ملتے ہوئے ہونٹوں کے۔

''میں ضرور دیکھوں گا......'' حمید نے کہا اور وہاں سے ہٹ ہی جانے میں عافیت سمجھی کیونکہ بوڑھی عورت اُسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہی تھی۔

حمید کو بے ساختہ اپنا بکرا یاد آ گیا۔ اگر برخوردار بغرا خاں ہوتا تو یہ بوڑھیا بھی اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتی۔

رات کو رقص گاہ میں حمید رشیدہ سے ٹکرا گیا۔ لیکن اسے اپنی آواز پر قابو نہیں تھا اس لئے وہ منمنائی ہوئی آواز میں شروع سے آخیر تک انگریزی میں گفتگو کرتا رہا۔

اس نے اس سے رقص کے لئے درخواست کی...... جو بلا حیل و حجت منظور کر لی گئی۔ حمید نے رقص کے فرش پر ہلکورے لیتے ہوئے رشیدہ سے پوچھا۔

"کیا آپ وہ گھوڑا دیکھنے آئی ہیں۔"

"کیا آپ نے دیکھا ہے۔" رشیدہ نے سوال کیا۔

"جی ہاں مجھے بہت ہی قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔"

"کیا وہ باتیں بھی کرتا ہے۔"

"جی ہاں...... بالکل اخبار کے رپورٹروں کی طرح بڑنگ کرتا ہے۔"

اس بات پر رشیدہ بُری طرح چونکی اور کچھ مضطرب سی بھی نظر آنے لگی۔ پھر اس نے سوال نہیں کیا۔ حمید کی بکواس پر صرف "ہاں...... ہوں" کرتی رہی اور پھر راؤنڈ ختم ہوتے ہی تیر کی طرح اس میز کی طرف گئی جہاں انور بیٹھا تھا۔

پھر حمید نے کنکھیوں سے دیکھا کہ انور اُسے بُری طرح گھور رہا تھا۔ وہ شراب کے کاؤ کی طرف گھوم گیا۔ یہاں اسے وہی دونوں لڑکیاں نظر آئیں جو شام کو حضرت سلیمان کے گھوڑے کی "زیارت" کر کے آئی تھیں۔

ان میں سے ایک دوسری کو کہہ رہی تھی۔ "اگر آنٹی آ گئی تو۔"

"نہیں وہ نہیں آئیں گی۔" دوسری نے کہا۔ "میں انہیں دوا دے کر آئی ہوں۔ دوا پی وہ سو جاتی ہیں۔ بس ڈارلنگ تھوڑی سی...... اتنی کہ سرور آ جائے۔"

"نہیں...... نہیں......!"

"بڑی ڈرپوک ہو تم......!" دوسری بولی۔ "شیری میں تو بالکل نشہ نہیں ہوتا...... بس سا سرور۔"

"شیری بڑی عمدہ چیز ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

دونوں چونک کر مڑیں اور پھر جھینپی ہوئی ہنسی ہنسنے لگیں۔

"میں تو طالب علمی کے زمانے میں اپنے باپ کے سامنے پیتا تھا...... اور انہیں آج تک نہ معلوم ہو سکا۔"

"کیسے......!" اس نے پوچھا جس نے شراب پینے کی تجویز پیش کی تھی۔

"کہیں اطمینان سے بیٹھیں تو بتاؤں۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ وہ ایک خالی چلے گئے۔

"بڑی عمدہ ترکیب تھی۔" حمید نے کہا۔ "میں ڈرائی جن کی آدھی بوتل میں اتنا ہی عرق زی ملا کر بوتل پہ عرق مصفّی کا لیبل چپکا دیا کرتا تھا اور بوتل اعلانیہ میرے کمرے میں رکھی تھی اور والد صاحب خوش ہوتے تھے کہ مجھے اپنی صحت کا اتنا خیال ہے۔"

لڑکیاں ہنسنے لگیں...... اور حمید نے قریب کھڑے ہوئے ویٹر سے کہا۔

"ایک بوتل شیری...... اور ایک لارج وہسکی...... اسکاچ لانا۔"

"نہیں...... نہیں......!" ایک لڑکی نے پھر مخالفت کی۔

"آپ بڑی دقیانوسی معلوم ہوتی ہیں۔" حمید نے کہا اور وہ لڑکی کچھ نہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد تینوں شغل کر رہے تھے۔

حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ساری دنیا کی حسین لڑکیوں کا ٹھیکیدار ہو۔

بہت زیادہ بولنے والی لڑکی کی زبان اب قینچی کی طرح چلنے لگی تھی۔ اس کے برخلاف دوسری لڑکی جس نے شراب کی مخالفت کی تھی بالکل خاموش تھی۔ وہ حلق سے گھونٹ اتارتے وقت ایسا منہ بناتی تھی جیسے کوئی مار مار کر اسے پلا رہا ہو۔

"کیا آپ پہلی بار پی رہی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں...... دوسری بار...... مجھے بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"واہ ڈیئر سٹ......!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "آپ الیکشن تو لڑ نہیں رہی ہیں کہ کسی سے ڈریں۔"

حمید کبھی کبھی انور کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا جو بظاہر تو رشیدہ سے گفتگو میں مشغول تھا لیکن حقیقت میں اس کی نظریں بھی حمید ہی پر تھیں۔

حمید نے سوچا کہ شاید انور کو اس پر شبہ ہو گیا ہے اور وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہے تو اسے کم از کم فریدی نے یہاں نہ بھیجا ہوگا۔ پھر آخر اس کی موجودگی کا مطلب؟ کیا حقیقتاً اس نے موٹر سائیکل کی چوری کی داستان گڑھی تھی۔ لیکن پھر دوسری طرف

اسے قاسم کا خیال آیا۔ قاسم میں سازش کی صلاحیت نہیں اور وہ اتنے فنکارانہ انداز میں جھوٹ نہیں بول سکتا پھر آخر یہ سب کیا تھا۔ اس نئی الجھن نے تفریح کا سارا مزہ کرکرا کر دیا اور یہ حقیقت اس کے ذہن میں کچوکے لگانے لگی کہ وہ یہاں محض تفریح کے لئے نہیں آیا ہے۔

دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہو گئی تھی اور لوگ آہستہ آہستہ اٹھ کر فرش کی طرف جا رہے تھے۔ حمید نے سب سے زیادہ بولنے والی لڑکی سے رقص کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ دوسرے لمحے میں حمید نے انور کو اٹھ کر اپنے ساتھ کی دوسری لڑکی کی طرف آتے دیکھا۔ حمید کی ہم رقص نے اس کے کان کھانے شروع کر دیئے۔ وہ بڑی رومان انگیز گفتگو کر رہی تھی شیری کے ایک گلاس نے اسے بہت زیادہ باتونی بنا دیا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''کورنیلیا.....!''

''میں تمہیں نیلی کہوں..... بُرا تو نہ مانو گی۔''

''ہائے..... نیلی.....!'' لڑکی نے سسکی سی لی۔ ''نہیں کبھی نہیں۔''

''اور ان کا کیا نام ہے.....'' حمید نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو انور کے ساتھ ناچ رہی تھی۔

''سونیا..... وہ میری کزن ہے۔''

''تم بہت اچھی ہو..... ستمبر کی راتوں کی طرح خوشگوار۔''

''تم دسمبر کی دوپہر کی طرح.....!'' پھر وہ ہنس پڑی۔

حمید کو شرارت سوجھی۔ انور کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے اس کی ہم رقص کو مخاطب کیا۔ ''سونیا..... ذرا ہوشیاری سے..... تم زیادہ باتیں نہیں کرو گی۔''

سونیا نے نشیلی آنکھوں سے دیکھا اور مسکرا دی۔ شاید شیری کے ایک ہی گلاس نے اس کے بھی چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔

حمید انور کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں

رہا تھا۔

اس راؤنڈ کے اختتام پر اس نے انور اور رشیدہ کو رقص گاہ سے جاتے دیکھا۔

بہر حال اس سے حمید نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ضرور کسی چکر میں ہیں۔ کیا یہاں ان کی موجودگی کا بھی وہی سبب ہے جو اس کی موجودگی کا تھا۔ لیکن آخر کس طرح۔ انور اتنا مال دار تھا کہ محض سراغ رسانی کے شوق میں شیزان ہوٹل جیسی جگہ قیام کرتا۔ اگر فریدی کی ایماء پر آیا ہوتا تو کم از کم اس کے حال سے ضرور واقف ہوتا اور اس طرح بھاگنے کی بجائے اس سے الجھ پڑتا۔ تو کیا وہ مجرموں کے لئے کام کر رہا تھا.....؟ اس سوال کا جواب اس کا ذہن فوری طور پر نہ دے سکا۔ وہ جانتا تھا کہ انور کم از کم فریدی کا راستہ کاٹنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

سچ مچ اس کی ساری تفریح غارت ہو چکی تھی اور وہ اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے ان لڑکیوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن شیری کے دوسرے گلاسوں نے انہیں آسمان پر پہنچا دیا اور اب تو خاموش طبع سونیا بھی چہکنے کے موڈ میں آ گئی تھی۔

''ڈیرسٹ ہی.....'' وہ حمید کی گردن میں ہاتھ ڈالے کہہ رہی تھی۔ ''میں چاندنی ہوں..... اور تم سائبان.....!''

''نہیں میں چار دیواری ہوں۔'' حمید نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا اور وہ آنکھیں بند کر کے ہنسنے لگی۔

حمید کو الجھن ہونے لگی۔ نشے میں بہکی ہوئی عورتیں اسے بور لگتی تھیں۔

''اب تم اسے قتل بھی کر دو تو اسے کوئی اعتراض نہیں.....!'' کورنیلیا اپنا منہ دبا کر ہنسی۔

حمید ان سے کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑا کر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ اس نے اس سے قبل انور اور رشیدہ کو تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ نہیں ملے تھے۔

حمید نے لباس تبدیل کیا اور پلنگ پر گر گیا۔ اس نے دو بڑے پیگ وہسکی کے پئے تھے اس لئے اس کا ذہن نیند سے بوجھل ہوا جا رہا تھا..... حالانکہ وہ ابھی سونا نہیں چاہتا تھا..... انور کے متعلق..... لیکن اسے پلنگ سے اٹھ کر روشنی بجھانے کی بھی مہلت نہ ملی..... اور وہ گہری نیند سو گیا۔

اور پھر رات گئے شاید وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جس نے اُسے جگا دیا۔ بستر پر لیٹے ہی لیٹے اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں...... اور پھر بڑھتی ہوئی خنکی نے اُسے کمبل تان لینے پر مجبور کر دیا۔ آواز پھر آئی اور اس نے منہ کھول دیا...... کھٹ...... کھٹ...... کھٹ...... چرر......!''
کوئی دوسری طرف شائد کھڑکی پر زور لگا رہا تھا۔ مگر کھڑکی......؟ حمید ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا...... وہ کھڑکی تو ہوٹل کی عمارت کی پشت پر کھلتی تھی، اور یہ کمرہ تیسری منزل پر تھا...... نیچے تک بالکل سپاٹ دیوار چلی گئی تھی۔ حمید پلنگ سے اتر ہی رہا تھا کہ دونوں پٹ زور دار کھٹاکے کے ساتھ کھل گئے اور حمید کو کھڑکی میں ایک بڑا خوفناک چہرہ دکھائی دیا۔ اس کا دہانہ نصف رخساروں تک پھٹا ہوا تھا...... ناک لمبی لیکن پھولی ہوئی تھی۔ آنکھیں کافی بڑی اور وحشت ناک تھیں۔

''تو ہے سوئی ہارس دے سالومن[1]'' پھٹے ہوئے ہونٹوں سے غرائی ہوئی سی آواز نکلی۔

حمید کا ہاتھ بے اختیار تکیے کے نیچے گیا جہاں ریوالور رکھا ہوا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ چہرہ غائب ہو چکا تھا۔ حمید تیزی سے کھڑکی کی طرف جھپٹا لیکن باہر اندھیرا تھا...... اس نے پلٹ کر ٹارچ اٹھائی۔ پھر اس نے دیکھا پائپ کے سہارے ایک طویل القامت آدمی بڑی تیزی سے نیچے کی طرف پھسل رہا تھا۔ اس نے پھر شاید دس گیارہ فٹ کی بلندی ہی سے زمین پر چھلانگ لگا دی اور تیزی سے بھاگتے ہوئے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اس کی ننگی پیٹھ پر گھوڑے کی ایال کے سے بال تھے۔

خونی چٹان

وہ حمید کی ٹارچ کی روشنی کی پہنچ سے دور ہو چکا تھا۔ حمید کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ بات یہ تھی کہ ابھی تک اس کا ذہن نیند کے اثر سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا اور اس کی کیفیت کچھ اُسی قسم

[1] میں سلیمان کا گھوڑا ہوں۔

13 جیسے کان کے قریب اچانک کسی دھماکے سے آنکھ کھل جائے۔

''شائیں......!'' کوئی جلتی ہوئی چیز اُس کے الجھے ہوئے بالوں سے گزرتی ہوئی پچھلی ے ٹکرائی...... اور حمید نے پلاسٹر ادھڑنے کی آواز صاف سنی اور پھر اسے اچھی طرح ہوش وہ کھڑے ہی کھڑے دھڑام سے فرش کی طرف گرا۔ اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا ر گولی ایک انچ اور نیچے کی طرف جھکی ہوتی تو اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔
اس کے جسم کے مسامات نے بیک وقت بہت سا ٹھنڈا پسینہ اگل دیا اور شاید ایک منٹ ں کا ذہن بالکل ہی مفلوج رہا۔

پھر حمید نے کھڑکی کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت نہیں کی۔ وہ رینگتا ہوا اُس میز کے پہنچا جس پر فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر بزر پر انگلی رکھ دی اور اسے متواتر ا چلا گیا۔ شاید دو منٹ تک یہی کرتا رہا۔ پھر اسے راہ داری میں قدموں کی آہٹ سنائی ی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ ڈیوٹی کلرک تھا اور حرکت پر جھلایا ہوا خود ہی دوڑ آیا تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرت اور غصہ کے ملے جلے تھے۔

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا حمید نے جلدی جلدی پورا واقعہ دہراتے ہوئے اپنے جھلسے بال اور دیوار کا ادھڑا ہوا پلاسٹر دکھایا۔

''حیرت...... سخت حیرت......!'' کلرک پاگلوں کی طرح بڑبڑایا۔ پھر سنبھل کر کہنے لگا۔ ئے کپتان صاحب میرا خیال ہے کہ ہم خاموشی سے اس کی چھان بین کریں ورنہ دوسرے دل پر بُرا اثر پڑے گا۔ میں ابھی خانگی سراغ رساں کو لاتا ہوں۔''

''کچھ بھی کرو......!'' حمید غضیلی آواز میں بولا۔ ''لیکن مجھے اسی وقت ایک ایسا کمرہ جس کی کھڑکیاں باہر کی طرف نہ کھلتی ہوں۔''

''ٹھہریئے...... مجھے سوچنے دیجئے...... ہاں بے شک میں آپ کو ایسا کمرہ اسی وقت سکتا ہوں۔''

پھر تھوڑی دیر بعد خانگی سراغ رساں کی موجودگی میں اس کا سامان دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ حمید نے بقیہ رات جاگ کر ہی گزار دی اور ہوٹل کے ذمہ دار لوگ تفتیش میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے حمید سے استدعا کی تھی کہ وہ اس کا تذکرہ مسافروں سے نہ کرے ویسے وہ پولیس کو اطلاع دے سکتا ہے۔ دوسری صبح حمید نے فیصلہ کیا کہ وہ فریدی کی ہدایا کے سلسلے میں لکیر کا فقیر نہ بنا رہے گا۔ ورنہ ممکن ہے کہ اُسے اپنی زندگی ہی سے ہاتھ دھو پڑیں۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ میجر نصرت سے مل کر اُس سے اس مسئلے پر گفتگو کی جا میجر نصرت محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ تھا اور حال ہی میں ٹیکم گڑھ سے تبدیل ہو کر یہا آیا تھا۔ فریدی کے گہرے دوستوں میں سے تھا اور حمید کا بڑا خیال کرتا تھا۔

میجر نصرت حمید کو کیپٹن پرکاش کے بھیس میں پہچان نہیں سکا...... اور پھر جب حمید بتایا تو اُسے حیرت بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فریدی میک اپ کا ماہر ہے اور رسانی کے اُس پرانے طریقے پر صرف وہی اب تک کاربند ہے لیکن اس میں بھی اس نے جدتیں کی ہیں۔

اور پھر جب حمید نے سارے واقعات دہراتے ہوئے اپنی ملاقات کا مقصد بیان کیا میجر نصرت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''وہ آدمی......!'' اس نے کہا۔ ''ہاں میں نے بھی اسے ارجن گھاٹی میں دیکھا ہے۔ لیکن...... یہ خبر بڑی حیرت انگیز ہے کہ وہ اب آبادی میں داخل ہونے لگا ہے۔ لیکن تمہار ہی کمرے میں کیوں؟''

''آپ کو مسٹر براؤن والی بات تو یاد ہوگی۔''

''ہاں...... اور میں نے اس کے متعلق اطلاع بھی دی تھی۔ بعد کو فریدی نے نار بارے میں پوچھا تھا لیکن وہ بھی واپس کر دیا گیا تھا۔''

''سیٹھ صمدانی اور اس کی سیکریٹری کے قتل میں اسی مسٹر براؤن کا ہاتھ ہے۔'' حمید نے اور اُس کے واقعات بھی فریدی کے دلائل سمیت دہرائے۔

''مائی گڈنس......!'' میجر نصرت انگلی سے اپنا داہنا گال کھجاتا ہوا بولا۔ ''تب تو ان ہوں کو اہمیت دینی ہی پڑے گی۔''

''کن افواہوں کو......!''

''بھئی بات یہ ہے وہ آدمی عجیب الخلقت ہے۔ اس لئے لوگ اس کے پیچھے دوڑتے ں۔ لہٰذا سننے میں آیا ہے کہ اُس کے پیچھے جانے والوں میں سے اکثر واپس نہیں آتے اور ب تک تقریباً تیس یا چالیس آدمیوں کی گمشدگی کی رپورٹ درج ہو چکی ہے۔''

''آپ نے اُسے پکڑنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔''

''ارے یار...... وہ تو چھلاوہ ہے چھلاوہ...... جس حیرت انگیز تیزی سے وہ چٹانوں پر ھتا ہے کسی آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ لیکن اب ہم اُس پر فائر کریں گے۔''

''کیوں نہ آج ہم اس کی تلاش میں چلیں۔'' حمید نے تجویز پیش کی۔

''قطعی...... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں...... ویسے میرا خیال ہے کہ اب تم اس ہوٹل کی ونت کو ترک کر دو۔''

''میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔'' حمید نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ مسٹر براؤن کا کچھ نہ کچھ تعلق اس ہوٹل سے ضرور ہے۔''

''اور وہ تمہیں اس بھیس میں بھی پہچانتا ہے۔''

''حملے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے۔'' حمید بولا۔

''اور پھر ایسی صورت میں بھی تم وہاں قیام کرو گے۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

دو گھنٹے کے اندر اندر روانگی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ پولیس کی ایک لاری میں دس مسلح کانسٹیبلوں سمیت وہ ارجن گھاٹی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب گھاٹی کا فاصلہ دو میل رہ گیا تو انہیں لاری چھوڑ دینی پڑی کیونکہ آگے چل کر دشوار گزار راستہ شروع ہو گیا تھا۔ یہاں کوئی سڑک نہیں تھی۔ چاروں طرف بے ترتیب چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔

راہ میں انہیں اور لوگ بھی ملے جو اس حیرت انگیز آدمی کی تلاش میں نکلے تھے۔ میجر نصرت نے حمید کو بتایا کہ وہاں کافی بھیڑ ہو جاتی ہے۔ لیکن بہت کم آدمی گھاٹی میں اترنے کی ہمت کرتے ہیں۔ ایک تو وہ ہے کافی نشیب میں اور پھر راستہ بھی دشوار گزار ہے۔ دراصل کبھی وہ بہت بڑی جھیل رہی ہو گی لیکن کسی وجہ سے اس کا پانی خشک ہو جانے کی بناء پر اب وہاں سبزہ زار نظر آتا تھا...... اور ارجن گھاٹی کو بس چپکے چپکے بونے ہی سے تشبیہ دی جا سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ وہاں پہنچ گئے جہاں وہ کھڑے تھے۔ وہاں سے گھاٹی کی گہرائی تین سو فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ نیچے کی زمین قریب قریب برابر تھی اور اس پر سبزہ لہلہاتا نظر آ رہا تھا۔ چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور چٹانوں کے درمیان میں وہ وادی شاید ایک میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔

"دیکھو......!" میجر نصرت نے اپنے آدمیوں کو مخاطب کیا۔ "تم سب چٹانوں کی اوٹ لے کر نکلنے کی کوشش کرو۔ خیال رہے کہ اس کی نظر تم پر نہ پڑنے پائے۔ پہلے اُسے گھیر کر زندہ پکڑنے کی کوشش کرنا۔ جب ہاتھ سے نکلنے لگے تو پھر فائر کرنا۔"

مسلح سپاہی ایک ایک کر کے دور تک پھیل گئے اور پھر انہوں نے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ میجر نصرت نے تماشائیوں سے کہا۔ "آپ لوگ براہِ کرم پیچھے ہٹ جائیے اور کوئی صاحب نیچے جانے کی کوشش نہ کریں ورنہ اگر کسی کی جان گئی تو پولیس ذمہ دار نہ ہو گی۔"

لوگوں نے حیرت سے اس کی بات سنی۔ کچھ لوگ وجہ بھی پوچھنے لگے لیکن میجر نصرت نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب اس نے حمید سے کہا۔

"آؤ...... اب ہم نیچے چلیں...... تمہارے پاس ریوالور تو ہو گا ہی...... ہمیں دراصل یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ رہتا کہاں ہے؟"

دونوں ایک دراڑ میں اتر گئے۔ لیکن تیس یا چالیس فٹ سے زیادہ دور نہیں جا سکے کیونکہ آگے چل کر راستہ خطِ مستقیم کی طرح سیدھا ہو گیا تھا۔ وہ پھر اوپر آ گئے اور اب انہیں دوسرے راستے کی تلاش ہوئی۔

"بس راستوں ہی کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔ "ورنہ یہ گھاٹی اب تک نا نہ رہتی۔"

انہیں جلد ہی دوسرا راستہ مل گیا۔ لیکن یہ بھی اتنا دشوار گزار تھا کہ وہ آدھی مسافت تقریباً گھنٹے میں طے کر پائے۔

"وہ دیکھو...... وہ رہا۔" دفعتاً میجر نصرت نے کہا۔ حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ فاصلہ کافی ر بھی اسے سامنے کی چٹانوں میں ایک آدمی نظر آیا جو اچھلتا کودتا ہوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔

"یعنی یہ اس کا معمول ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"قطعی...... وہ روزانہ اسی وقت گھاس چرنے آتا ہے۔" میجر نصرت نے ہنس کر کہا۔ پھر گی سے بولا۔ "اگر اس کے جسم پر پتلون نہ ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ وہ شاید کسی قدیم ترین کا آدمی ہے جو کسی غار میں پڑا رہتا ہو گا لیکن اب حالات کی بناء پر میں یہ بھی باور کر لینے یار ہوں کہ وہ کسی شاطر ترین آدمی کا آلہ کار ہے۔ آخر ان آدمیوں کے غائب ہو جانے کیا مطلب لیا جائے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی بڑی چٹانیں پھلانگتا ہوا ل سے دوڑتا ہوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ وادی میں اتر آیا۔ حمید نے اہٹ کی آواز سنی جو ہو بہو کسی گھوڑے کی آواز تھی۔ پھر وہ عجیب الخلقت آدمی گھٹنوں کے بل ل ہاتھوں پر رینگ رینگ کر گھاس چرنے لگا۔

کبھی کبھی وہ رک رک کر گھوڑوں کی طرح منہ اٹھاتے ہوئے ہنہنانے لگتا تھا۔

"یہ بھی عجیب بات ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔ "آدھی انگریزی آدھی فرانسیسی بولتا ہے۔"

"حالانکہ اس کو دونوں زبانوں کا عالم ہونا چاہئے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ میجر نصرت نے اسے حیرت سے دیکھا اور پھر ہنسنے لگا۔

"یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم سارجنٹ حمید ہو...... مسخرے۔" اُس نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ فریدی کا تو ناطقہ بند رہتا ہو گا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ تم میری سفید

موچھوں کا خیال رکھو گے۔''

حمید نے ایک سعادت مند برخوردار کی طرح مسکرا کر سر جھکا لیا۔

''پتہ نہیں...... ہمارے آدمی نیچے پہنچے بھی یا......'' میجر نصرت کچھ اور کہتے کہتے رک گیا...... حمید کی نظر بھی اٹھ گئی...... نیچے وادی میں کھڑا وہ ہاتھ ہلا کر چیخ رہا تھا۔ غالباً وہ اوپر کھڑے ہوئے آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر شاید ان دونوں کو نیچے آتا دیکھ کر اُس نے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور دوبارہ گھاس پر منہ مارنے لگا۔

انہوں نے اپنی رفتار تیز کر دی...... ابھی تک شاید دوسرے سپاہی نیچے نہیں پہنچ سکے تھے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر سپاہی اُسے گھیرے میں کیسے لیں گے۔ چاروں طرف سے گھیرنا تو بالکل ہی ناممکن تھا۔ کیونکہ راستے دشوار گزار تھے۔ اگر سپاہی کسی نہ کسی طرح نیچے پہنچ گئے تو ان میں اتنا دم نہیں ہوگا کہ وہ دوڑ کر وادی کا پورا چکر لگا سکیں۔ حمید صرف سوچتا رہا۔ اُس نے یہ بات میجر نصرت سے نہیں کی۔ فی الحال تو اس کا مقصد صرف اس انسان نما حیوان کو قریب سے دیکھنا تھا۔

ان کے ساتھ ہی سپاہی بھی ایک ایک کر کے نیچے پہنچ گئے اور وہ سب ایک ہی جگہ اکٹھے ہو گئے تھے۔ اب شاید میجر نصرت کو بھی اپنی حماقت کا احساس ہوا دوسری طرف وہ حیوان انسان جو اُن سے ڈیڑھ فرلانگ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ چوکنا نظر آنے لگا تھا۔ اُس۔ گھاس چرتے چرتے منہ اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا اور ہونٹوں سے فرفراہٹ کی آوازیں نکالتا ہوا دولتیاں جھاڑنے لگا۔

''فائر کرو۔'' میجر نصرت نے جلدی سے کہا۔

دس رائفلیں اٹھیں لیکن باڑھ مارنے سے پہلے ہی وہ اچھل کر بھاگا...... باڑھ ماری گئی...... وہ لڑکھڑا کر گرا لیکن پھر بھاگنے لگا۔ اس بار اس کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ چٹانوں تک پہنچ گیا۔ حمید اور اس کے ساتھیوں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا۔ لیکن ابھی انہوں نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ وہ سامنے والی چٹانوں پر

کودتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔

''یہ تو ناممکن ہے۔'' میجر نصرت ہانپتا ہوا بولا ''کہ اسے ایک بھی گولی نہ لگی ہو۔''

پھر اس نے سپاہیوں سے کہا: ''بھاگتے چلو...... آج ہم اُسے تلاش کر کے ہی دم لیں گے۔''

چٹانوں کے سلسلے تک پہنچتے پہنچتے وہ گدھوں کی طرح ہانپنے لگا اور حمید نے جب ان کو قریب سے دیکھا تو اُس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ انہیں چٹانوں پر وں کی طرح اچھل کود کر رہا تھا۔ یہ چٹانیں تو ایسی تھیں کہ ان پر چلنا بھی دشوار تھا۔

وہ نیچے ہی ٹھہر کر دم لینے لگے۔

''وہ دیکھئے وہ رہا۔'' اچانک ایک سپاہی چلایا اور سب کی نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ وہ اپنے بڑے بڑے دانت نکالے کافی بلندی پر چٹانوں سے جھانک رہا تھا۔

''آ ؤ...... شیطان کے...... گدھے کے بچو۔'' اس نے انگریزی اور فرانسیسی ملی جلی انوں میں چیخ کر کہا اور پھر جلدی سے اپنا سر پیچھے کھینچ لیا کیونکہ ادھر رائفلیں سیدھی ہو گئی تھیں۔

''کیا اسے گولیاں نہیں لگیں۔'' میجر نصرت نے حیرت سے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ تماشائیوں کو بھی وادی میں اترتے دیکھ رہا تھا۔

''میں آج اس کے ٹھکانے کا پتہ لگا کر ہی دم لوں گا۔'' میجر نصرت نے پھر کہا۔

سپاہیوں نے چٹانوں پر چڑھنا شروع کر دیا۔ حمید اور میجر نصرت بھی آگے بڑھے۔

''میرے خیال سے آپ یہیں نیچے انتظار کیجئے۔'' حمید نے میجر نصرت سے کہا۔

''اوہو...... برخوردار...... اب میں اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوں۔'' میجر نصرت ہنس کر بولا۔

ایک چٹان سے دوسری چٹان پر پہنچنا بڑا دشوار تھا۔ سپاہیوں نے اپنی رائفلیں کاندھے سے لٹکا لی تھیں اور بڑی عرق ریزیوں کے ساتھ اوپر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید سب سے آگے تھا اور اس کے ساتھ دو پھرتیلے سپاہی تھے جو بلیوں کی طرح چستی دکھا رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو بہت ہی پُرجوش معلوم ہو رہا تھا اور وہ حمید پر بھی سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اوپر پہنچنے کے لئے آخری چٹان بڑی ٹیڑھی کھیر ثابت ہوئی تھی۔ وہ کافی طویل و

عریض تھی۔ دس فٹ کی بلندی پر ایک بڑے سائبان کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس سلسلے کی دوسری چٹانیں دیوار کی طرح سیدھی کھڑی ہوئی تھ اور کہیں سے بھی ان کی اونچائی پچاس فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ حمید کے ساتھ وا پرجوش سپاہی نے نیچے کی ایک چھوٹی چٹان پر کھڑے ہو کر چھلانگ لگائی اور اوپر نکلی سائبان نما چٹان کا کنارہ پکڑ کر جھول گیا۔ پھر اس نے بندروں کی طرح اپنی ٹانگیں اوپر اٹھا اور دوسرے لمحے میں چٹان پر تھا...... لیکن وہ چیخ...... شاید حمید اُسے کبھی نہ بھلا سکے۔

چیخ ہی کے ساتھ حمید نے اس سپاہی کو ہوا میں اڑتے دیکھا اور اب وہ بلندی سے پ ہوئی ایک کنکری کی طرح نیچے وادی میں جا رہا تھا۔ ایک چیخ اور سنائی دی...... اور پھر چھا گیا۔

پوری وادی شور سے گونج رہی تھی اور وہ سب بے تحاشہ نیچے کی طرف بھاگ ر تھے...... گرتے پڑتے...... حمید بھی وہاں نہ ٹھہر سکا۔ حالانکہ اوپر بالکل سناٹا تھا۔

نیچے پہنچ کر انہیں ہڈیوں اور گوشت کے لوتھڑوں کا ایک ڈھیر نظر آیا جس کے قرب و ج کی زمین سرخ ہو رہی تھی۔ تماشائی چیخ رہے تھے۔ میجر نصرت پر بدحواسی طاری تھی اور سپاہ اس طرح کانپ رہے تھے جیسے کچھ دیر بعد ان کا بھی یہی حشر ہوگا۔

''یہ ہوا کیسے......'' میجر نصرت نے حمید سے پوچھا۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔'' حمید نے چٹان کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''وہ اوپر چلا گیا تھا...... پھر میں نے اسے اچھل کر نیچے جاتے دیکھا۔''

''کیا اس نے پھینک دیا۔'' میجر نصرت بولا۔

''نہیں......!'' تماشائیوں کے مجمعے سے ایک بوڑھے مگر قوی الجثہ انگریز نے آگے بڑ کر کہا۔ ''چٹان پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔''

مشتبہ انگریز

حمید چونک کر اسے گھورنے لگا۔

''ہم نیچے سے صاف دیکھ رہے تھے۔'' انگریز پھر بولا۔ ''وہ چٹان پر تنہا تھا...... اور اس خود ہی چھلانگ لگائی تھی۔''

دوسرے تماشائیوں نے بھی اس کی تائید کی۔ ان سب نے بھی وہی دیکھا تھا۔ چٹان پر ی کے علاوہ انہیں کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔

''عجیب بات ہے۔'' میجر نصرت مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

حمید کی نظریں اب بھی انگریز پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا ذہن نہ جانے کیوں براؤن ؤن کی گردان کر رہا تھا۔

اس نے تماشائیوں کی بھیڑ میں انور اور رشیدہ کو بھی دیکھا جو اس کو مشتبہ نظروں سے دیکھ ہے تھے۔

''آخر وہ خود ہی فائرنگ کیوں کرنے لگا۔'' حمید نے میجر نصرت کی آواز سنی جو منہ اوپر ے اس خطرناک چٹان کو گھور رہا تھا۔

''اسے یقیناً دھکیلا گیا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ہرگز نہیں۔'' انگریز بولا۔ ''اس کے قریب کوئی بھی نہیں تھا۔''

''آخر آپ لوگ نیچے کیوں آئے جب منع کر دیا گیا تھا۔'' حمید الٹ پڑا کسی نے کوئی اب نہیں دیا۔

''چھوڑو بھئی...... بحث رہنے دو۔'' میجر نصرت نے مضطرانہ انداز میں کہا۔

''اب ہمیں کو کیا کرنا چاہئے۔''

پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک سپاہی کی مڑی تڑی لاش اٹھانے کے مسئلے پر گفتگو کرتے

رہے لیکن کوئی اسے ہاتھ لگانے پر بھی رضامند نہیں نظر آتا تھا۔ کافی دیر بعد فیصلہ ہوا کہ لاری کی ایک سیٹ نکالی جائے اور لاش کو اسی پر ڈال کر اوپر لے جایا جائے۔

ان کی واپسی بڑی اندوہناک تھی۔ راستے بھر کوئی کچھ نہ بولا۔ ان کے ذہن بوجھل سے ہو رہے تھے اور دل کی دھڑکنیں سروں میں دھمک پیدا کر رہی تھیں۔

شہر پہنچ کر حمید نے اس واقعے کے بارے میں میجر نصرت سے گفتگو کرنا چاہی لیکن وہ بہت زیادہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔ اس لئے پھر حمید ٹال ہی گیا۔

ہوٹل آیا تو یہاں اور ہی شگوفہ کھلا ہوا دیکھا۔ ہال میں انور اور رشیدہ کے ساتھ قاسم بھی موجود تھا۔ حمید کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔ انور نے مسکرا کر اُسے اشارہ کیا اور اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی۔ حمید بے چوں و چرا بیٹھ گیا۔

"آپ بھی تو تھے شاید ارجن گھاٹی میں۔" انور نے کہا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔"

"میرا تعلق تمہارے باپ کے جنازے سے ہے۔" حمید ناک کے بل بولا۔

"کیا مطلب......!" انور کی بھنوئیں تن گئیں۔

"کیا تم کرائمز رپورٹر انور نہیں ہو۔"

"ہوں تو پھر......!"

"کیا صمدانی والے معاملے میں تمہارا نام نہیں لیا جاتا۔" حمید نے کہا۔

لیکن اس بار بے خیالی میں اپنی آواز پر قابو نہ رکھ سکا۔ انور اسے گھورنے لگا پھر منہ بنا کر بولا۔

"تو یہ تم ہو۔"

"ہاں میں ہوں......اور وہ شخص یہاں موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے تم اب تک بچ رہے ہو۔ میں اب دیکھوں گا تمہیں۔"

"کیا کرو گے؟"

"بند کروں گا تم دونوں کو۔" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ قاسم ابھی تک کچھ نہیں سمجھا تھا۔ وہ بوکھلا گیا۔

"جھک مارتے ہو۔" انور بولا۔

"کیوں بے! تم کیوں دکھائی دیئے یہاں۔" حمید نے قاسم سے پوچھا۔

"بے......کیا مطلب!" قاسم بگڑ کر بولا۔ "میں آپ سے واقف نہیں ہوں اور آپ مجھ اس طرح مخاطب کرتے ہیں۔"

"صمدانی کا تعاقب تم نے کیا تھا تم نے۔"

"ارے......ار......نن نہیں تو......آپ کو حساب فہمی ہوئی ہے۔" قاسم بوکھلا کر اپنی کھوپڑی سے نکل گیا۔

"حساب فہمی نہیں غلط فہمی۔" حمید دانت پیس کر بولا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

قاسم بُری طرح گڑبڑانے لگا۔

حمید نے انور سے پوچھا۔ "تم یہاں کیوں آئے ہو۔"

"تم سے مطلب......!"

"تم براؤن کے آلہ کار ہو۔ میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اور ابھی ہیڈ کوارٹر کو فون کرتا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"حمید بھائی خدا کے لئے......" رشیدہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"حمید بھائی......!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"تم دخل نہ دو......!" حمید نے رشیدہ سے کہا۔ "مجھے تم سے بہت محبت ہے۔"

"کیا......!" قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔

"بیٹھ......نہیں تو ابھی چھرا مار کر تیری توند برابر کر دوں گا......لم ڈھنگ......!" حمید نے قاسم سے کہا۔

"تم محبت کرتے ہو ان سے۔" قاسم تھوک نگل کر بولا۔

"چلو اٹھو...... یہاں سے۔" انور نے رشیدہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"جاؤ......لیکن رات حوالات میں ہی گزرے گی۔" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

انور اور رشیدہ اٹھ کر چلے گئے۔ قاسم نے بھی جانا چاہا لیکن حمید نے اسے روک لیا۔

"اب بتاؤ بیٹا تم یہاں کیوں آئے ہو۔"

"میں گارت ہو گیا......حمید بھائی۔" قاسم روہانسی آواز میں بولا۔

"عشق کا چکر ہے۔"

"یہ سالا انور نہیں چاہتا کہ میں اس سے ملوں...... چپ چاپ اسے لے کر یہاں آیا۔ میں نے بڑی مشکل سے پتہ لگایا کہ وہ مجھے بے حد پسند کرتی ہے۔"

"کون رشیدہ......!"

قاسم نے جواب میں سر ہلا دیا۔

"ابے کیوں شامت آئی ہے؟"

"نہیں حمید بھائی......اللہ قسم وہ بھی مجھ سے موحبت کرتی ہے۔ مگر یہ سالا انور۔"

"تو تم اسے اپنا سالا بناؤ گے۔ ابے وہ تیرے پرخچے اڑا دے گا۔ رشیدہ نے تمہیں ا بنایا ہے۔"

"نہیں......وہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔" قاسم نے کہا۔

"خیریت اسی میں ہے کہ تم واپس جاؤ۔"

"نہیں جاؤں گا......چاہے جان چلی جائے۔ میں سب سمجھتا ہوں۔"

"کیا سمجھتے ہو......؟"

"تم نے کہا تھا کہ تمہیں اس سے موحبت ہے۔"

"اچھا ہے تو پھر......!"

"تو پھر......!" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "دیکھ لینا۔"

حمید نے رشیدہ کو دیکھا جو تنہا اسی کی طرف آرہی تھی۔

"ذرا......ادھر آؤ۔" اس نے حمید کو الگ بلایا اور قاسم اندر ہی اندر کھولنے لگا۔

حمید اٹھ کر رشیدہ کے قریب چلا گیا۔

"میں نے انور کو منع کیا تھا مگر وہ نہیں مانا۔" رشیدہ نے کہا۔ "وہ دراصل سجاد کے جنرل کے لئے کام کر رہا ہے۔"

"گویا فریدی صاحب سے ٹکرانے کی کوشش کر رہا ہے۔" حمید غصیلی آواز میں بولا۔ "کیا ہیں معلوم کہ وہ سجاد کی تلاش میں ہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم لوگ اسی ہوٹل میں کیوں ٹھہرے۔"

اس پر رشیدہ نے تار والا واقعہ بتاتے ہوئے کہا۔ "اسی سے انور نے اندازہ لگایا کہ ں کا کچھ نہ کچھ تعلق شیزان ہوٹل سے ضرور ہو سکتا ہے۔"

"لیکن انور کی یہ حرکت اسے بڑی مہنگی پڑے گی۔ فریدی صاحب اُسے ہرگز نہ پسند ں گے۔"

"میں نے بھی یہی کہا تھا......لیکن اس نے کہا کہ ایسا موقعہ آیا تو وہ الگ ہو جائے گا۔"

"لیکن انور نے مجرموں کو ہوشیار کر دیا ہے۔ تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ پچھلی رات مجھ پر ہو چکا ہے۔" حمید نے رات والے واقعات دہرائے۔

"یہ تو خطرناک بات ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"اسی لئے اب میں میک اپ کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتا۔ ویسے میں اسے برقرار ں گا اس لئے کہ ہز ہارڈنس کا یہی حکم تھا۔"

وہ بھی اسی میز پر آ گئے جہاں قاسم بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

"لیکن وہ چٹان والا حادثہ میری سمجھ میں نہ آ سکا۔" رشیدہ بولی۔

"اس پر گولیاں بھی چلائی گئی تھیں۔" حمید نے کہا۔

"ہم اس وقت وہیں تھے......آخر یہ آدمی ہے کیا بلا۔"

"قاسم کا چچا......!" حمید نے کہا۔

"میں بھی اس سالے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" قاسم بولا۔

''اب آ ہی گئے ہو تو میں تمہاری اور اس کی کشتی کراؤں گا۔''

''مروڑ کر رکھ دوں سالے کو......'' قاسم نے سینہ تان کر کہا۔

اچانک حمید کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور اس نے اسی انگریز کو ہال میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا جس نے ارجن گھاٹی میں سپاہی کے گرنے کے متعلق ایک حیرت انگیز بات بتائی تھی۔ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

حمید کی نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ انگریز نے کاؤنٹر پر رک کر ادھر اُدھر دیکھے بغیر کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہا جس کے جواب میں کلرک نے ایک طویل سانس لی اور رجسٹروں کے ڈھیر سے ایک رجسٹر نکال کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس دوران میں انگریز نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور سگریٹ رول کرتا رہا۔

اس کی عمر پچاس ساٹھ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ چہرہ بھاری اور کھوپڑی انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھی۔ جبڑوں کی مخصوص بناوٹ اس کی سخت گیری کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ قویٰ مضبوط تھے اور حرکات و سکنات سے پھرتیلا پن ظاہر ہوتا تھا۔ اس نے حمید وغیرہ پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور رول کئے ہوئے سگریٹ کے سرے کو ہونٹوں میں گھما کر نم کرنے لگا۔ اس کی انگلیاں کثرت تمباکو نوشی سے بھوری نظر آ رہی تھیں۔

کلرک نے رجسٹر بند کر کے کچھ کہا اور انگریز اسے گھورنے لگا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ہال سے نکل گیا۔

حمید اٹھ کر کاؤنٹر کلرک کے پاس آیا۔

''کیپٹن پرکاش کی کوئی فون کال تو نہیں تھی۔'' اس نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔

''جی نہیں...... لیکن ٹھہریئے...... کیا نام بتایا تھا آپ نے...... کیپٹن پرکاش...... آپ کے لئے ایک ایروگرام ہے۔''

''اوہو...... ٹھیک...... میں اس کا منتظر ہی تھا۔''

کاؤنٹر کلرک نے ڈرائر سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی کا ایروگرام

ہیڈ کوارٹر سے روانہ کیا گیا تھا۔ پیغام تھا کہ حمید وہیں مقیم رہے۔ فریدی بہت جلد واپس آئے گا۔ حمید نے لفافے کو توڑ مروڑ کر جیب میں ٹھونس لیا۔ پھر وہ کاؤنٹر کلرک سے بولا۔

''یہ صاحب جو ابھی یہاں تھے، میرا خیال ہے کہ میں انہیں جانتا ہوں...... یہ مسٹر پارکر تھے۔''

''جی نہیں...... مسٹر مورگن......!'' کلرک نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ پارکر ان کا پہلا نام ہے۔ میں انہیں بچپن میں انکل پارکر کہا کرتا تھا۔ میرے والد کے بڑے گہرے دوستوں میں سے تھے اور اس وقت ان کے سر پر گھونگھریالے بال ہوا کرتے تھے۔ مجھے صدمہ ہے کہ انہوں نے مجھے پہچانا نہیں۔ کس نمبر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''اڑتالیس میں۔'' کلرک نے جان چھڑانے کے سے انداز میں کہا اور اپنے رجسٹروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''کب سے ٹھہرے ہوئے ہیں؟''

''یہ بتانا مشکل ہے۔'' کلرک نے رجسٹر پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ ''آپ انہیں سے دریافت کر لیں تو بہتر ہے۔''

پھر شاید اچانک اسے یاد آ گیا کہ قیام کرنے والوں کی اوٹ پٹانگ گفتگو میں دلچسپی لینا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ اس نے خوش اخلاقی کے مظاہرے کے طور پر دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''کپتان صاحب! بات یہ ہے کہ یہ بات وہی کلرک بتا سکتا ہے جس نے اندراج کیا تھا۔ قدرتی بات ہے کہ مسٹر مورگن سے آپ ضرور ملاقات کریں گے...... وہ آپ کے پرانے شناسا ہیں۔''

''ضرور ضرور...... میں ان سے ضرور ملوں گا۔'' حمید نے ہنس کر کہا اور وہاں سے ہٹ آیا۔

یہاں قاسم رشیدہ سے کہہ رہا تھا۔ ''اجاڑ راتوں میں...... میرا دم نکل جاتا ہے۔ ہائے یہاں کی سرسبز پہاڑیاں...... آسمان میں چاند تارے ہوائیں سسکیاں بھرتی ہیں۔''

حمید کو دیکھ کر وہ خاموش ہوگیا۔

"ہوائیں سسکیاں بھرتی ہیں۔" حمید اسے گھور کر بولا۔ "بیمار ہیں ہوائیں۔ ہواؤں کا معدہ خراب ہوگیا ہے۔ کہیں تیرا دماغ نہ خراب ہوجائے۔"

رشیدہ ہنس پڑی اور قاسم تاؤ کھا کر رہ گیا۔ رشیدہ کچھ دیر اور بیٹھی پھر اٹھ کر چلی گئی۔

"تم بہت واہیات آدمی ہو۔" قاسم نے حمید سے کہا۔

"سچ مچ تمہاری بربادی کے دن قریب آگئے ہیں۔"

"تم کیوں میرے معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہو۔"

"میں تمہیں آدمی بنانا چاہتا ہوں...... تم نے آج تک رشیدہ کو کوئی تحفہ دیا۔"

"نہیں کوئی نہیں۔"

"بس خالی خولی...... زبانی خرچ...... محبوباؤں کی خدمت میں کم از کم پھول ہی پیش کردیتے ہیں۔"

"پھول...... صرف پھول...... یہ تو......!"

"ہاں...... پھول...... رشیدہ گوبھی کے پھولوں پر جان دیتی ہے۔"

"گوبھی کے پھول......!" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"ہاں...... پسند ہے اپنی اپنی۔"

"نہیں تم مذاق کررہے ہو۔"

"اچھا جی...... میں آپ سے مذاق کروں گا۔" حمید غصیلی آواز میں بولا۔

مذاق سمجھنے کا سلیقہ بھی ہے تم میں۔

"نہیں حمید بھائی...... ٹھیک ٹھیک بتاؤ...... الاقسم میں مغموم ہوں۔"

"فریدی صاحب کو تم جانتے ہو...... آخر انہیں سانپوں سے کیوں عشق ہے کوئی بھی اچھا بھلا آدمی مداری بننا پسند کرے گا۔ مگر شوق کی وجہ سے مجبوری ہے۔ اسی طرح رشیدہ بھی...... گوبھی کا پھول پسند کرتی ہے جتنا بڑا پھول ہوگا اتنا ہی خوش ہوگی۔"

ایک پھول کافی ہوگا۔" قاسم نے پوچھا۔

ایک میں کیا ہوگا...... کم از کم پانچ عدد کافی وزنی پھول۔ ایک کشتی میں ریشمی رومال کر پیش کردینا۔"

مجھے افسوس ہے......" قاسم غمزدہ آواز میں بولا۔ "میں تو اس کی خدمت میں ایک جڑاؤ رنا چاہتا تھا۔"

وہ تم مجھے پیش کردو...... مجھے زیورات کا شوق ہے۔ میں اکثر تنہائی میں انہیں پہن کر آئینے کے سامنے کھڑا رہتا ہوں۔"

اسم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا...... اس دوران میں حمید نے مورگن کو دوبارہ ہال میں تے اور اوپری منزل کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔ اس لئے اب وہ قاسم سے پیچھا چھڑانا ...... اور وہ اس میں جلد ہی کامیاب بھی ہوگیا۔

ڑتالیس نمبر کا کمرہ دوسری منزل پر راہداری کے سرے پر واقع تھا۔

راہداری سنسان پڑی تھی اور سارے کمرے بند تھے۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی حماقت ن پھر بھی حمید مورگن کے کمرے میں جھانکنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ اس نے کے بل فرش پر بیٹھ کر کنجی کے سوراخ سے آنکھ لگادی۔

مورگن کمرے کے فرش پر بیٹھا ایک چھوٹی سی سیمی مشین گن میں میگزین چڑھا رہا تھا۔ فارغ ہونے کے بعد اس نے اسے ایک چمڑے کے سوٹ کیس میں رکھ دیا۔

اور پھر حمید نے اسے لباس تبدیل کرتے دیکھا۔ شائد وہ باہر جانے کی تیاری کررہا تھا۔ ٹھ گیا۔

شاید پندرہ منٹ بعد وہ پھر ہال میں دکھائی دیا اور اس کے ہاتھ میں وہی سوٹ کیس تھا ں اس نے مشین گن رکھی تھی۔

چوہیا اور جہاں پناہ

دوسری صبح سرجنٹ حمید، میجر نصرت اور تین دوسرے مقامی آفیسروں کے ساتھ ایک ہیلی کوپٹر میں ارجن گھاٹی پر پرواز کررہا تھا۔ حمید نے اپنی پچھلی رات بڑی بے چینی سے گز تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ اس نے مورگن کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن وہ اسے دھوکا دے کر صا غائب ہوگیا۔ ایسے موقع پر حمید بڑی شدت سے فریدی کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔

اس نے مورگن کے متعلق میجر نصرت کو کچھ نہیں بتایا تھا اس نے سوچا ممکن ہے فر اس کو پسند نہ کرے۔

ہیلی کاپٹر وادی سے گزر کر انہیں چٹانوں کی طرف جارہا تھا جہاں وہ عجیب الخلقت آ غائب ہوگیا تھا۔ وہ اس چٹان سے گزر گئے جو ایک سپاہی کی ہلاکت کا باعث بنی تھی۔

دوسری طرف میلوں تک خشک اور بھورے رنگ کی چٹانوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ کہ بھی کسی ذی روح کا کوئی نشان نہیں تھا۔ آفیسروں نے دو تین چھوٹے چھوٹے دستی بم چٹانو میں پھینکے اور ہیلی کاپٹر نے آدھے میل کے رقبے میں ایک چکر لگایا لیکن اس حیوان نما انسا کوئی نشان نہ ملا۔ دو چار بم ادھر اُدھر پھر پھینکے گئے لیکن نتیجہ وہی صفر۔ آخر ایک آفیسر نے نصرت سے کہا۔

"کیا ہیلی کاپٹر کو اتارا جائے۔"

"میں اس کی ہرگز رائے نہ دوں گا" حمید بولا۔

"کیوں......؟"

"مجھے وہ آدمی تنہا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی پشت پر کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"ارے جناب! اگر گولی ذرا کچھ اور نیچے آتی تو میرے سر کے ٹکڑے اڑ گئے ہوتے۔"

"ہوسکتا ہے کہ آپ پر گولی بھی اسی نے چلائی ہو" آفیسر نے کہا۔

"ہرگز نہیں......وہ خالی ہاتھ تھا اور میں اُسے بھاگتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔"

"تب تو پھر اس طرح اس کا ملنا محال ہے۔"

"نہیں......آپ کے ساتھ زیادہ تعداد میں مسلح آدمی ہوں تو آپ نیچے بھی اتر سکتے

"حمید بولا۔

"زیادہ آدمی...... یہ بھی محال ہی ہے۔ ہیلی کاپٹر صرف ایک ہے۔" ویسے اس کے علاوہ ان چٹانوں کو پار کرنے کا کوئی اور دوسرا طریقہ بھی نہیں ہے۔ اگر تھوڑے آدمی پہنچائے جائیں تب بھی آپ کا بیان کردہ خطرہ تو باقی ہی رہتا ہے جب آدمیوں کی دوسری کھیپ آئے گی وہ پہلی کھیپ کا صفایا کرچکے ہوں گے۔

"بھئی میں کہتا ہوں...... جلدی کی ضرورت ہی نہیں۔" میجر نصرت نے کہا۔

"ہاں لیکن ہم اس چٹان کو ضرور دیکھیں گے۔"

ہیلی کاپٹر پھر گھاٹی کی طرف موڑ دیا گیا۔

"فریدی کے متعلق کچھ معلوم ہوا۔" میجر نصرت نے حمید سے پوچھا۔

"ہاں کل میڈرڈ سے ان کا ایروگرام آیا ہے۔ وہ جلدی ہی واپس آئیں گے۔"

"میں تو کہتا ہوں کہ سجاد کی تلاش فضول ہے۔ قاتل یہاں موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی آجاتا تو سجاد کی بھی گرفت ممکن ہوجاتی۔ لیکن فریدی کے طریقے حیرت انگیز ہیں۔ ہاں اچھا خصوص اجازت نامے کے متعلق کیا ہوا جو ایک زمانے میں منسوخ کردیا گیا تھا۔"

"وہ تو کبھی کا بحال کردیا گیا ہے۔ جیراللہ کے خلاف جرم ثابت ہوتے ہی...... ورنہ اب تک مستعفی ہوچکے ہوتے۔"

ہیلی کاپٹر اس چٹان کے اوپر فضا میں پہنچ کر معلق ہوگیا اور انہوں نے کھڑکیوں سے سر کر نیچے جھانکا۔ چٹان اوپر سے بالکل سپاٹ تھی اور اتنی بڑی تھی کہ اس پر بیک وقت کئی ہیلی اتر سکتے تھے۔ پائلٹ نے رسیوں کی سیڑھی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا ارادہ ہے۔" حمید چونک کر بولا۔ "کیا کوئی صاحب اس پر اتریں گے۔"

ایک آفیسر نے کوئی جواب دیئے بغیر سیڑھی نیچے لٹکادی۔

"دیکھئے میں ہرگز مشورہ نہ دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"آپ تو کسی بات کا مشورہ نہیں دیتے۔" آفیسر ہنس کر بولا۔

"یہ چٹان خطرناک ہے۔"

"اب اتنی بھی نہ ہوگی کہ مجھے دھکیل دے۔ میں یہی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ پائلٹ توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر گرا ہوگا۔"

"نہیں وہ اچھی طرح سنبھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"تب وہ ایکروفوبیا کا شکار رہا ہوگا۔" آفیسر مسکرا کر بولا۔

"یہ کیا بلا ہوتی ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔

"بلندی سے خوف کا مرض...... بعض لوگ بہت زیادہ بلندی سے نیچے کی طرف نہیں دیکھ سکتے اور اگر انہیں دیکھنا ہی پڑے تو وہ محسوس کرتے ہیں جیسے نیچے گرے جا رہے ہوں اور بعض اوقات ایک قسم کی اضطراری کیفیت کے تحت چھلانگ بھی لگا دیتے ہیں۔"

"اتنی نفسیات میں نے بھی پڑھی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن کبھی کبھی بہت ہی ٹھوس قسم کے سائنسی حقائق سے بھی دوچار ہوا ہوں۔"

پھر حمید نے اپنی ایک حیرت انگیز اچھل کود کا سابقہ تجربہ بیان کیا۔[1]

"اجی چھوڑیئے کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔" آفیسر نے کہا اور لٹکی ہوئی سیڑھی سے اترنے لگا جس کا نچلا سرا چٹان سے ایک فٹ اوپر جھول رہا تھا۔

"خدا مغفرت کرے۔" حمید بڑبڑایا۔

وہ سب بڑی توجہ اور دلچسپی سے آفیسر کو نیچے اترتے دیکھ رہے تھے۔ اس کا ایک پیر سیڑھی پر تھا اور دوسرا اس نے چٹان پر رکھا تھا کہ ہیلی کاپٹر کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ پائلٹ اگر اسے فوراً ہی حرکت میں نہ لے آتا تو وہ بھی تباہ ہوگیا تھا۔ پھر انہوں نے آفیسر کی چیخیں سنیں اور چٹان خالی پڑی تھی۔

[1] اس داستان کے لئے حیرت انگیز ناول "پرہول سناٹا" جلد نمبر 11 ملاحظہ فرمائیے۔

بقیہ لوگ بدحواس ہوکر چیخنے لگے۔ اینگلو انڈین پائلٹ گالیاں بک رہا تھا۔

"اتارو...... اتارو...... جلدی کرو۔" میجر نصرت چیخا۔

ہیلی کاپٹر آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا اور پھر وہ زمین پر ٹک گیا۔

وہ سب نیچے کود کود کر آفیسر کی لاش کی طرف دوڑے لیکن وہاں اب تھا ہی کیا...... پچکا ہوا جس سے خون آلود مغز بہہ رہا تھا۔ گوشت کے لوتھڑے اور شکستہ ہڈیاں۔

حمید کو چکر سا آ گیا۔ پتہ نہیں اس کے دوسرے ساتھیوں پر کیا گزری۔

پھر سہ پہر تک اس کے حواس درست نہیں ہوئے۔ وہ اپنے پیشے سے بُری طرح بیزار رہا تھا۔ گھاٹی سے لوٹنے کے بعد وہ شام تک شیزان ہوٹل کے کمرے میں پڑا رہا۔

چار بجے وہ کمرے سے باہر نکلا اور اسے اپنے اعصاب کو آرڈر میں لانے کے لئے ایک پ وہسکی پینی پڑی۔ وہ اس کچلی ہوئی کھوپڑی، گوشت کے لوتھڑوں اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو بھی بھول جانا چاہتا تھا۔ دل بہلانے کے لئے اس نے قاسم کی تلاش شروع کی لیکن وہ غائب تھا۔ زارا اور رشیدہ کے کمرے بھی مقفل تھے۔ شاید وہ دونوں بھی باہر گئے ہوئے تھے۔

حمید ہوٹل سے باہر آ گیا۔ اس نے ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور شہر کے چکر لگانے لگا۔ ے دو ایک بار اُس پراسرار انگریز مورگن کا بھی خیال آیا لیکن اُس نے اسے اس طرح اپنے ان سے جھاڑ دیا جیسے جسم پر رینگتی ہوئی چیونٹی بے خیالی میں جھاڑ دی جاتی ہے۔ اس وقت رف یہ چاہتا تھا کہ اس کے دو ایک احباب ہوں اور وہ ان میں بیٹھ کر خوب قہقہے لگائے۔

راستے میں اُسے ایک کافی ہاؤز نظر آیا اور وہ ٹیکسی میں سے اتر کر اس کی طرف بڑھا۔ ر دروازے پر ایک مجہول سا آدمی ایک کنارے اسٹول ڈالے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ حمید کی آہٹ پر چونک کر خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔ "نمونہ کا پرچہ مفت نہیں بھیجا جاتا سمجھے۔"

پھر اس نے ہوا میں مکا لہرا کر کسی کو خیالی دھمکی دی۔ حمید رک کر اسے گھورنے لگا۔ وہ مید کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔ وہ پھر بڑبڑایا۔

"مضامین خوشخط اور صاف لکھئے...... جواب طلب اُمور کے لئے جوابی لفافہ یا پوسٹ

کارڈ آنا ضروری ہے سمجھے۔"

پھر حمید نے اپنے پیچھے قہقہے کی آواز سنی۔ وہ چونک کر مڑا۔ ایک دبلا پتلا نوجوان کھڑا ہنس رہا تھا۔

"یہ بیچارا......!" اس نے کہا۔ "ایک رسالے کا ایڈیٹر تھا......اور دن رات کافی ہاؤز میں بیٹھا مضامین لکھا کرتا تھا۔ آخر کار یہ اپنے سارے سرمائے کی کافی پی کر قلاش ہوگیا۔ لیکن کافی ہاؤز اس سے پھر بھی نہ چھوٹا۔ اس نے یہاں کی دربانی کر لی۔ دیکھئے کس پیار سے اندرونی میزوں کا جائزہ لے رہا ہے۔"

حمید ہنستا ہوا آگے بڑھا اور جب وہ دربان کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس نے اسے کہتے سنا۔ "سالے یہ کتابت ہے یا چیونٹیاں سیاہی میں ڈوب کر چلی ہیں۔"

کافی ہاؤز کافی آباد نظر آرہا تھا۔ حمید ایک خالی میز پر بیٹھ کر ویٹر کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں کی فضا کھنکتے ہوئے سریلے قہقہوں اور سینٹ کی خوشبو کی لپٹوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گداز شانوں سے ریشمی ساڑیوں کے آنچل سرک رہے تھے۔

حمید نے ویٹر کو کافی کا آرڈر دے کر کہا۔ "ایک کافی ان کے لئے بھی۔ وہ ایڈیٹر صاحب جو وہاں اسٹول پر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

ویٹر ہنستا ہوا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کی میز پر کافی کی ٹرے رکھ دی۔ حمید نے ایک پیالی اس ایڈیٹر کے لئے بنائی اور ویٹر اسے لے کر دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس نے حمید کو بتایا کہ اکثر گاہک ایڈیٹر کو کافی پلاتے رہتے ہیں۔

ویٹر نے ایڈیٹر کو کافی دیتے وقت حمید کی طرف اشارہ کیا۔ حمید اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایڈیٹر نے مسکرا کر اسے بڑے "انٹلکچوئیل انداز" میں سلام کیا اور کان پر رکھی ہوئی پنسل اتار کر کافی کے کپ پر کچھ لکھنے لگا۔

حمید پائپ سلگا کر کافی کی چسکیاں لینے لگا تھا اور اس کی نظریں مختلف میزوں پر گردش

نہیں۔

ایک اینگلو انڈین جوڑا اس کے قریب کی میز پر آکر "آباد" ہوگیا۔ لڑکی بڑی خوش شکل تھی۔ حمید نے اس پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور مخصوص انداز میں گردن ٹیڑھی کر کے پائپ پھر وہ دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ لیکن جلد ہی اسے پھر اس جوڑے میں دلچسپی لینی ڑکی نے جیسے ہی اپنا بیگ کھولا اس میں ایک چھوٹی سی چوہیا پھدک کر میز پر آگئی۔ اس ٹانگوں میں ننھے ننھے گھونگرو پڑے ہوئے تھے۔

حمید بری طرح چونکا......اسے اپنی پالتو چوہیا یاد آگئی۔ گھونگروں کی طرف غور کیا تو اس ے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ مخصوص وضع کے گھونگرو تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس نے یا کے لئے خاص طور پر چاندی کے بنوائے تھے۔

کیا یہ وہی چوہیا تھی۔ حمید کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ لیکن وہ ...وہ چوہیا تو جیراللہ شاستری کی زمین دوز دنیا میں رہ گئی تھی اور وہ زمین دوز دنیا......وہ زبردست دھماکے کے ساتھ تباہ ہوگئی تھی......لوگوں کا خیال تھا کہ جیراللہ اور اس کے ی کے ساتھ فنا ہوگئے ہوں گے۔

حمید نے اینگلو انڈین جوڑے کو گھور کر دیکھا۔ کیا جیراللہ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ اگر ا زندہ ہوسکتی ہے تو پھر ان کے مرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حمید غیر ارادی یٹی میں وہی دھن بجانے لگا جس پر اس کی چوہیا ناچا کرتی تھی......اور پھر اس کی حیرت انتہا نہ رہی جب اس نے چوہیا کو سیٹی کی دھن پر تھرکتے دیکھا۔

اینگلو انڈین جوڑا ہنسنے لگا۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی حمید کی طرف دیکھا تک نہیں۔ ا روک کر کافی کی طرف متوجہ ہوگیا جواب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ پھر اسے یاد نہیں کہ اس نے رح کپ خالی کیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور دل کی دھڑکن خدا کی پناہ......ایسا معلوم ہوتا زندگی کی بقیہ دھڑکنیں اسی وقت پوری ہو جائیں گی۔

کیا جیراللہ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ وہ خوفناک چٹان وہ عجیب الخلقت آدمی۔ اُسے

وہ خوفناک بن مانس یاد آ گئے جن کا تجربہ اسے چھ ماہ پیشتر ہو چکا تھا۔ وہ سوچنے لگا جو لوگ ا
معمولی سے بندر کو بن مانس کی شکل میں تبدیل کر سکتے ہوں ان کے لئے ایک حیوان نما ا
کی تخلیق کیا مشکل ہو سکتی ہے اور وہ چٹان...... ہو سکتا ہے کہ اس پر بجلی کے باریک بار
تاروں کا جال بچھا دیا گیا ہو اور ان میں کرنٹ رہتا ہو تو کیا وہ پراسرار انگریز براؤن دراص
جیرالڈ ہی ہے۔ یقیناً وہ جیرالڈ ہی ہوگا۔ ایسا سوچنا قدرتی امر تھا۔ اگر اس حیوان نما انسان
سلسلے میں حمید پر فائر نہ کیا گیا ہوتا تو شاید وہ ان دونوں معاملات کو الگ ہی تصور کرتا مگر
صورت دوسری تھی۔ اُسے یقین آ گیا تھا کہ میز پر تھرکتی ہوئی چوہیا اسی کی تھی۔

لیکن اب وہ کیا کرے؟ سوال بڑا ٹیڑھا ہے...... اور وہ دل ہی دل میں فریدی کو برا
کہنے لگا۔

حمید نے دوسری کافی کا آرڈر دیا۔ وہ اس اینگلو انڈین جوڑے کے اٹھنے سے پہلے
طرح اٹھ سکتا تھا۔

اندھیرا پھیل گیا۔ پھر تقریباً سات بجے وہ دونوں اٹھے۔ حمید بھی ان کے پیچھے باہر نکلا
وہ اپنی کار میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

حمید ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ شاید آدھے گھنٹے تک تعاقب جاری ر
پھر اگلی کار ایک عمارت کے سامنے رک گئی جو ایک چھوٹی سی شاداب پہاڑی کے دامن میں وا
تھی۔ یہاں اور بھی عمارتیں تھیں مگر دور دور پر۔

حمید نے ٹیکسی رکوائی اور کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا...... اور اس وقت تک کھڑا رہا جب
تک ٹیکسی واپس نہیں چلی گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ عمارت کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے نیچے پہنچ
کی کوشش کرے گا۔ اس طرح وہ عمارت کی پشت پر ہوگا اور پھر ہو سکتا ہے کہ وہاں سے عمارت
کے مکینوں کا جائزہ لینے کی کوئی صورت نکل آئے۔

وہ آہستہ آہستہ پہاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ چاروں طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی اور
فضا پہاڑی جھینگروں کی ’’جھائیں جھائیں‘‘ سے مکدر ہو رہی تھی۔ درختوں اور پودوں کی شاخوں

بے شمار جگنو جھلملا رہے تھے۔ اگر حمید کو یہ مہم درپیش نہ ہوتی تو وہ بچوں کی طرح دو چار جگنو
نے کی کوشش ضرور کرتا۔ اندھیرے کی وجہ سے اس کی رفتار بہت سست تھی لیکن وہ ٹارچ
ن کرنے کی بھی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

ایک جگہ وہ ٹھوکر کھا کر سنبھل ہی رہا تھا کہ اچانک اس پہ کئی آدمی ٹوٹ پڑے۔ حمید نے
جہد کرنا چاہی مگر فضول۔ وہ بُری طرح جکڑا جا چکا تھا اور کسی کا ہاتھ اس کے منہ پر بھی تھا اور
ی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ سانس لینے میں بھی دشواری محسوس کر رہا تھا۔

پھر اسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کب؟ کس طرح اور کہاں لے جایا گیا؟

پھر تیز قسم کی روشنی کے احساس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اُسے فرش پر کھڑا
ر دیا گیا اور اس کے گرد تین قوی الجثہ آدمی کھڑے تھے اور سامنے اینگلو انڈین جوڑا تھا۔

’’خوش آمدید......!‘‘ مرد مسکرا کر بولا۔ ’’تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔‘‘

’’قطعی نہیں۔‘‘ حمید لاپروائی سے شانے جھٹک کر بولا۔ ’’اس نے دلیر بننے کی کوشش
روع کر دی تھی۔‘‘

’’ایک خاص تقریب کے سلسلے میں تمہیں تکلیف دی گئی ہے۔‘‘ لڑکی نے کہا۔ ’’بات یہ
ہے کہ آج ہمارے شہنشاہ کی سالگرہ کا دن ہے۔ اس تقریب میں کئی طرح کے تماشے ہوں
گے۔ ہمارے شہنشاہ کو وہ چوہیا بہت پسند ہے جسے تم نے کافی ہاؤز میں اپنی سیٹی پر نچایا تھا۔ وہ
سے ناچتے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔‘‘

’’میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس مبارک موقع پر یاد کیا گیا۔ میں تم سب کا دل اچھی
طرح خوش کر دوں گا۔‘‘ حمید نے اسے آنکھ ماری۔

’’جہاں پناہ کیا کر رہے ہیں۔‘‘ مرد نے ایک آدمی سے پوچھا۔

’’اپنے جوتے گانٹھ رہے ہیں۔‘‘ اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور کے ہونٹوں پر خفیف
ی مسکراہٹ بھی نہ دکھائی دی۔

’’میں اس مداری کو اسی وقت ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔‘‘ اس نے کہا۔

پیچھے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے حمید کو دھکا دیا اور وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ حمید کو یقین تھا کہ اب اس کی ملاقات جیرالڈ سے ہوگی۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں ایک آدمی سچ مچ ایک صوفے پر بیٹھا جوتا گانٹھ رہا تھا۔ لیکن یہ جیرالڈ تو کسی طرح بھی نہ ہوسکتا تھا۔ اس کے چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی اور حمید نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا تھا کہ وہ نقلی نہیں تھی۔ اسکے سر پر بال نہیں تھے۔ آنکھیں بھوری تھیں اور اس طرح چندھیائی سی لگ رہی تھی جیسے وہ زیادہ تر تاریکی ہی کی عادی ہوں۔

"تم آگئے گدھو......!" اس نے جوتا ایک طرف رکھ کر کہا۔

"جہاں پناہ......!" سب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بیک وقت جھکتے ہوئے کہا۔

دوسرا آدمی

حمید بڑی حیرت زدہ نظروں سے اس "جہاں پناہ" کو دیکھ رہا تھا جو صورت ہی سے خاصا خبطی معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے جسم پر لباس تو بڑا ٹھاٹھ دار تھا لیکن جوتے گانٹھنا...... کیا وہ صحیح الدماغ تھا۔

"یہ کون ہے۔" اس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔

"مداری ہے...... یور میجسٹی......!" لڑکی کے ساتھی نے کہا۔

"اس نے ہمیں سلام نہیں کیا۔"

حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا پھر سیدھا ہو کر بولا۔ "خدا حضور کی ڈاڑھی دراز کرے۔"

"ہاہا......!" وہ ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔ "ہم خوش ہوئے...... تمہارا نام کیا ہے۔"

"خادم کو ڈمباسٹر کہتے ہیں۔"

"بکواس......!" اس نے پھر ران پر ہاتھ مار کر کہا۔ "تمہارا نام نل نل فلوس ہے۔"

"ہاں ہاں! نل نل فلوس ہے۔" اس کے "درباریوں" نے بیک وقت ہانک لگائی۔

"تم سب گدھے ہو۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"ہاں ہم سب گدھے ہیں۔" انہوں نے یک زبان ہو کر دہرایا۔

"تو پھر آدمیوں کی طرح کیوں بول رہے ہو۔" وہ ران پر ہاتھ مار کر بولا۔

اس کے جواب میں وہ سب گدھوں کی طرح رینکنے لگے۔

حمید بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب پاگل ہیں۔ اصل بات اس کے ذہن ...ل گئی تھی۔ اب نہ اُسے جیرالڈ یاد تھا اور نہ براؤن۔

"خاموش......!" خبطی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور وہ سب خاموش ہو گئے۔

"نل نل فلوس اپنے کرتب دکھاؤ۔" اس نے حمید سے کہا۔

لڑکی نے بیگ سے چوہیا نکالی اور اسے میز پر چھوڑ دیا۔

"اوہو! یہ تو ریٹا ہیورتھ ہے۔" خبطی بولا۔

پھر حمید نے میز کے قریب آ کر سیٹی بجانی شروع کر دی۔ چوہیا تھرکنے لگی۔

"ہاہا......!" خبطی بچوں کی طرح تالی بجا کر ہنسا۔ "واقعی تم سچے مداری ہو۔"

جب تک حمید نے سیٹی بند نہیں کی چوہیا تھرکتی رہی۔

"آؤ ادھر آؤ...... نل نل فلوس میرے پاس بیٹھو۔" خبطی اپنی رانیں پیٹتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں اپنا ولی عہد بناتا ہوں۔"

حمید اس کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔

"بول کیا مانگتا ہے۔"

"مجھے وہ لڑکی پسند ہے۔" حمید نے اینگلو انڈین لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا اور اس ...بار اس کے ساتھی کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار دیکھے وہ اسے قہر آلود نظروں سے ...نے لگا تھا۔

''ہم نے تمہیں لڑکی بخش دی...... جولی ادھر آؤ۔''

''مگر...... یور میجسٹی......'' لڑکی کے ساتھی نے احتجاج کیا۔

''بکواس بند کرو...... یہ ہمارا حکم ہے...... جولی ادھر آؤ۔''

لڑکی بھی شاید الجھن میں پڑ گئی تھی۔

''نہیں سنا تم نے۔'' خبطی ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔

جولی بادل نخواستہ صوفے کی طرف بڑھی...... لیکن دوسرے ہی لمحے میں کمرے کی روشنی گل ہوگئی۔ خبطی حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ کسی نے حمید کی گردن پکڑ لی اور اسے دھکیلتا ہوا دروازے تک لایا۔ پھر حمید نے دروازہ بند ہونے اور کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

وہ سب اس کمرے کے باہر تھے۔ اندر خبطی چیخ رہا تھا۔ لیکن اب وہ اس کی طرف سے قطعی لاپرواہ نظر آ رہے تھے۔

''تم آرام کرو۔'' لڑکی کے ساتھی نے لڑکی سے کہا۔ لڑکی چلی گئی اور وہ حمید سے مخاطب ہوا۔

''تفریح تو بہت ہوئی میرے دوست! اب تم میرے ساتھ آؤ۔ لیکن اس بات کی وضاحت کردوں کہ اگر تم نے کوئی حرکت کی تو دوسرے لمحے میں زندہ نہیں رہو گے۔''

''کیا واقعی تم سب پاگل ہو۔'' حمید نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''یہی سمجھ لو۔''

وہ ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

''بیٹھ جاؤ۔'' لڑکی کے ساتھی نے کہا۔'' حمید بے چوں و چرا بیٹھ گیا۔ ڈرامے کے ان بدلتے ہوئے سین نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

''تم یہ مت سمجھو کہ ہم تمہیں پہچانتے نہیں۔'' لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ''اور شاید اب ہمیں بھی پہچان گئے ہو گے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا۔'' حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔

''وقت برباد نہ کرو...... ہمیں صرف فریدی کی تلاش ہے۔ اگر تم اس کا پتہ بتادو تو

چھوڑ دیں گے۔''

حمید نے اب جھوٹ بولنا فضول سمجھا اور یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آگئی کہ یہ لوگ اسی کے ذریعے اس کو پھانس کر یہاں لائے تھے۔ اس نے انہیں دھوکا نہیں دیا تھا بلکہ خود دھوکا کھایا تھا۔

''فریدی یورپ کے دورے پر ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''بکواس ہے...... ہمیں اس پر یقین نہیں۔''

''کل ہی میڈرڈ سے ان کا ایک ایروگرام موصول ہوا تھا۔''

''ہمیں معلوم ہے۔'' لڑکی کے ساتھی نے سر ہلا کر کہا۔ ''لیکن یہ چیز فریدی جیسے آدمی کے لئے مشکل نہیں۔ وہ یہیں بیٹھے بیٹھے یورپ کے کسی مقام سے بھی تمہارے نام ایروگرام منگوا ہے۔''

''لیکن آخر تم فریدی کا کیا کرو گے۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہم اس کا قیمہ بنائیں گے۔''

''تو تم اتنے دنوں تک کیا کرتے رہے۔ پہلے ہی کیوں نہیں ٹھکانے لگادیا۔'' حمید نے کہا۔

''اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہے ہم کئی بار کوشش کر چکے ہیں لیکن وہ لومڑی کی اولاد معلوم ہے۔''

''جیرالڈ کہاں ہے؟''

''فضول بکواس مت کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔''

''ہوسکتا ہے کہ فریدی صاحب کے متعلق تمہارا خیال صحیح ہو لیکن اگر وہ یہیں موجود ہیں تو ان کا پتہ نہیں جانتا۔''

''تم جھوٹے ہو۔''

''بے اعتباری کا تو علاج ہی نہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا ان کا پتہ تو اپنی گردن نہ پھنسواتا۔''

''تم مکار ہو۔''

"اگر یہ جملہ کسی لڑکی نے کہا ہوتا تو میں اس کا منہ چوم لیتا۔" حمید نے غضب ناک ہوکر کہا۔

"تم نہیں باز آؤ گے۔"

"شیزان میں مجھ پر گولی کیوں چلائی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"تم تو اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے ہمیں تمہاری پوجا کرنی چاہئے تھی۔"

"اچھا یہ مسخرہ کون ہے۔"

"ہمارا بادشاہ......!" لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ "تم اس کی حالت دیکھ ہی چکے ہو۔ اگر اس نے تمہاری موت کا حکم دے دیا تو ہم مجبور ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ جو کچھ ہم پوچھتے ہیں بتا کر جلد سے جلد جان چھڑا لو۔"

"سنو دوست......!" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "میں اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم لوگ مجھے ٹھکانے لگا دو اور رہا فریدی کا معاملہ تو جو کچھ میں نے ابھی بتا ہے اس کے علاوہ اور مجھے کسی بات کا علم نہیں۔ تمہارا یہ خیال بھی ٹھیک ہو سکتا ہے کہ وہ سر سے یورپ گئے ہی نہیں۔"

"ہاں ہم یہی سمجھتے ہیں۔"

"لیکن میں یہاں تنہا آیا تھا۔" حمید بولا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ "خیر تمہیں اس وقت تک یہاں رہنا جب تک کہ فریدی ہمارے ہاتھ نہ آجائے اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ اب وہ شاستری تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

"آہ......شاستری۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "بڑی پیاری شخصیت ہے۔"

"تمہاری پچھلی مکاریاں ہمیں یاد ہیں......مگر ہم عموماً معاف کر دیتے ہیں......ہمار لئے دنیا کی کوئی بات ناممکن نہیں۔ خیر اب تم ہماری قید میں ہو اور یہ بھی بتا دوں کہ یہاں تمہاری رہائی ناممکن ہے۔ اگر تم نے شور و غل بھی مچایا تو قرب و جوار کے لوگ کان نہ دھر گے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اس عمارت میں ایک پاگل آدمی رہتا ہے۔"

پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "اسے لے جاؤ۔"

"ٹھہرو......کیا مجھے تنہا رہنا پڑے گا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں دو چار خادم بھی ملیں گے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"کیا مجھے میری چوہیا واپس مل سکتی ہے۔ صرف اس وقت تک کے لئے جب تک کہ میں یں ہوں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر جولی کا ساتھی ہنس کر بولا۔ "تم نے ہماری قوت دیکھ لی ہم نے پچوہیا کو بھی مرنے نہیں دیا وہ جولی کو پسند تھی۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ بچے کس طرح۔" حمید نے کہا۔ "اس دھماکے نے تین چار ل کا رقبہ تباہ کر دیا تھا۔"

"اپنی جدید ترین سائنسی ایجادات کی بناء پر ہمارے پاس ایسے راکٹ موجود ہیں جو آواز رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے اوپر جاتے ہیں۔ جس وقت دھماکہ ہوا ہم تین میل کی دی پر تھے۔"

"اور اب تم ارجن گھاٹی کو اپنا اڈہ بنا رہے ہو۔"

"تم بہت کچھ جانتے ہو......" وہ حمید کو گھور کر بولا۔ "اور یہ بہت بُرا ہے۔ بہت بُرا صرف ہارے لئے......ویسے ہمیں یقین ہے کہ وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ ایک چٹان کا کرشمہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ ہم چاہیں تو ساری چٹانوں کو وہی خصوصیت بخش سکتے ہیں......کیا سمجھے۔"

"اور وہ گھوڑا......!"

"فریدی کی ٹانگیں وہی چیرے گا۔"

"تم نے صدانی اور اس کے پرائیویٹ سیکریٹری کو کیوں قتل کیا۔"

"تم تو اس طرح سوالات کر رہے ہو جیسے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال چکے ہو۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اچھا یہی بتا دو کہ اس بادشاہ کا کیا مطلب ہے؟"

"یہ بادشاہ ساری دنیا پر حکومت کرے گا اور اگر یہ اس وقت تک زندہ نہ رہا تو پھر ہم کسی پاگل کتے کو ساری دنیا کا بادشاہ بنا دیں گے۔" جولی کے ساتھی نے ہنس کر کہا۔ "کیا تمہیں قدیم یونانی تاریخ میں ایک ایسے گھوڑے کا تذکرہ نہیں ملتا جو ایک صوبے کا گورنر تھا۔"

تھوڑی دیر بعد حمید کو اس کی چوہیا واپس مل گئی اور وہ ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کمرہ کیا اسے کوٹھری کہنا مناسب ہوگا۔ صرف ایک دروازہ تھا۔ فرش کی حالت بتاتی تھی کہ اسے بھی گودام کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا ہوگا۔"

ایک بستر ایک چھوٹی سی میز اور کرسی...... یہی کل یہاں کا سامان تھا۔ چھت سے ایک بلب لٹک رہا تھا جس کا سوئچ بھی شاید باہر ہی تھا۔

حمید نے کوٹ اتار کر میز پر ڈال دیا اور چوہیا کو ہتھیلی پر رکھ کر اس کی پیٹھ سہلانے لگا۔

"مری جان! آخر تم مل ہی گئیں۔ میں تو تمہاری یاد میں بالکل دیوداس ہو رہا تھا۔ مگر شاید یہ ہمارا آخری سفر ہو۔"

پھر حمید نے اسے بھی میز پر ڈال دیا۔ وہ چوہے کی موت تو نہیں مر سکتا تھا۔ اسے بہرحال رہائی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا تھا لیکن ایک گھنٹے کی جانفشانیوں کے باوجود بھی وہ یہاں سے نکل جانے کی کوئی صورت نہ پیدا کر سکا۔

سردی کافی تھی اور بستر بھی ایسا نہیں تھا کہ جسے ناکافی کہا جا سکتا۔ لیکن پھر بھی حمید کو نیند نہ آئی۔ تلوار اس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ لیکن اس میں حقیقت کتنی تھی کیا وہ سچ مچ اسے چھوڑ دیں گے۔ ناممکن کیونکہ جیرالڈ شاستری کو سب سے زیادہ نقصان اسی کی ذات سے پہنچا تھا۔ محض اس کی مکاری کی بناء پر اس کی وہ زمین دوز دنیا تباہ ہوگئی تھی۔

حمید نے گھڑی دیکھی۔ دو بج چکے تھے۔ دیا سلائی جلا کر وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ کسی نے گیارہ ہی بجے کمرے کی روشنی بجھا دی۔

اچانک اس نے باہر دروازے پر ایک ہلکی سی آواز سنی۔ دروازہ کھلا اور کسی نے اندر داخل ہو کر دوبارہ پٹ بھیڑ دیئے۔ حمید نے جلدی سے دیا سلائی جلائی۔ آنے والے نے اپنے

...پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حمید نے دوسری دیا سلائی روشن کی۔ اس کے سامنے ایک سیاہ فام ننگ دھڑنگ آدمی تھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک پتلی سی لنگوٹی تھی جس میں ایک تھیلا اڑسا ہوا اس کی ٹانگوں درمیان جھول رہا تھا۔

"آپ سارجنٹ حمید ہیں۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں...... لیکن تم......!"

"کچھ نہیں خاموش رہئے۔" اس نے کہا اور کمر سے لٹکے ہوئے تھیلے سے ٹارچ نکال کر ...دان والی دیوار کا جائزہ لینے لگا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اتنی سردی میں لباس کے بغیر زندہ ہے؟ اور وہ ہے کون؟

پھر اس نے کمر سے تھیلا نکال کر اسے فرش پر رکھ دیا۔ تھیلے سے ایک بوتل نکالی جس میں سیال چیز تھی۔ پھر وہ اس سیال کے چھینٹے دیوار پر مارنے لگا اور فرش کے قریب دیوار کا ...ا حصہ اس سے اچھی طرح بھگو دیا۔ چند لمحے انتظار کرتا رہا پھر تھیلے سے ایک اوزار نکالا ...وقت ہتھوڑی اور کلہاڑی کا کام دے سکتا تھا۔ اس نے وہ اوزار دیوار کے بھیگے ہوئے ...رکھا اور وہ اس میں دھنستا چلا گیا۔ دیوار کا پلاسٹر گیلی مٹی کی طرح بے حقیقت ہو گیا تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ پھر شاید بیس منٹ کے بعد حمید نے دیوار میں ایک اتنا بڑا ...دیکھا جس سے ایک آدمی لیٹ کر بآسانی نکل سکتا تھا۔

اس نے حمید کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ حمید کوٹ پہننے لگا اور اس عجیب و غریب آدمی نے ...ے شراب کی بوتل نکالی اور غٹ غٹ کئی گھونٹ چڑھا گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ جیرالڈ کی کوئی دوسری چال تو نہیں۔

وہ دونوں باہر نکل کر ایک طرف چلنے لگے۔ اندھیرا کافی گہرا تھا اور اب جھینگر بھی نہیں چیخ ...تھے اور درختوں میں جگنوؤں کی جھلملاہٹ ایسی لگ رہی تھی جیسے وہی سناٹے کی آواز ہو۔ ...ہٹ بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید کا ننگ دھڑنگ ساتھی بے تکان راستہ طے کر رہا تھا۔

دفعتاً وہ ایک جگہ رک گیا۔ اس نے اپنے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور قریب ہ سے کسی نے اُس کا جواب دیا دوسرے لمحے میں ایک دوسرا آدمی حمید کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے حمید کا ہاتھ پکڑا اور وہ حمید کا ساتھی نقب زن ہنستا ہوا چٹانوں میں غائب ہوگیا۔ اب حمید اس دوسرے آدمی کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ اس تبدیلی پر کچھ نہ بولا۔ بس چپ چاپ چلتا رہا۔ اس کا ساتھی اس کا ہاتھ پکڑے اونچی اونچی چٹانیں پھلانگتا ہوا تیزی سے چل رہا تھا۔ حالانکہ حمید ک سانس پھولنے لگی تھی لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولا۔ فی الحال اس نے خود کو حالات کے رحم وکرم چھوڑ دیا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اب جیرالڈ کون سی چال چلنے والا ہے۔ شاید اب وہ وہ اُ اپنے اعتماد میں لے کر فریدی کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔

حمید کے ساتھی نے اس کی حالت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی رفتار کم کر لیکن وہ اسے ایک اجاڑ حصے کی طرف لے جا رہا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں حمید کو دور تک بکھر ہوئی چٹانیں صاف نظر آرہی تھیں۔

"بھئی میں تھک کر چور ہوگیا ہوں۔" حمید بالآخر بولا۔ "اگر ہم تھوڑی دیر سستا لیں تو ک حرج ہے۔"

اس کا ساتھی جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا۔ حمید نے اس سے ذرا ہٹ کر ایک بڑے سے پتھ سے ٹیک لگائی۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ یہ بھی جیرالڈ ہی کا کوئی آدمی ہے۔ اس نے سوچا ک کیوں نہ اس سے نپٹ لے۔

اس نے دوسرے ہی لمحے میں اس پر چھلانگ لگا دی۔

"ابے پاگل ہوا ہے کیا؟" اس کے ساتھی نے اسے دبوچتے ہوئے کہا اور حمید کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

آواز فریدی کی تھی۔

ترغیب

حمید نے تحیر آمیز نظروں سے اس چھوٹے سے غار کا جائزہ لیا۔ یہاں وہ ساری چیزیں تھیں جو ایک آدمی کی معمولی ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ مٹی کے تیل کا ایک روشنی دینے والا لیمپ روشن تھا اور اسٹوو کی مسلسل سنسناہٹ غار میں گونج رہی تھی اور اس ساتھ ہی کافی کے برتن سے اٹھنے والی خوشبودار بھاپ، حمید کی بھوک چمک اٹھی اور اس نے ی کی طرف دیکھا جو ہونٹوں میں سگار دبائے کھڑا کافی کے برتن کو گھور رہا تھا۔

"کیا آپ میڈرڈ ہی سے واپس آ گئے۔" حمید نے پوچھا۔

"میں گیا ہی نہیں...... جیرالڈ کے ساتھی نے تم سے ٹھیک کہا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ہی کے لئے روانہ ہوا تھا۔"

"آپ ہمیشہ مجھے موت کے منہ میں جھونک دیتے ہیں۔"

"اور اتنی ہی آسانی سے پھر نکال بھی لیتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"وہ آدمی کون تھا......؟"

"یہاں کا ایک ماہر نقب زن......!" فریدی نے کہا۔ "میں نے جب یہ دیکھا کہ وہ لوگ ا اس بھیس میں پہچان گئے ہیں تو میں نے اپنی جدوجہد اور تیز کر دی۔ میں جانتا تھا کہ وہ میرے لئے پکڑیں گے ضرور...... مگر افسوس میں ان پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔"

"کیوں؟ اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔ آپ انہیں اسی وقت پکڑ سکتے تھے۔"

"بیکار...... جیرالڈ ان میں نہیں تھا...... اور وہی میرا شکار ہے۔"

"ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے بھیس میں رہا ہو۔"

"نہیں میں اُسے ہر بھیس میں پہچان سکتا ہوں۔ وہ اپنی آنکھیں نہیں بدل سکتا اور اس کی یں لاکھوں میں پہچانی جا سکتی ہیں۔"

"مگر وہ پاگل آدمی...... آخر وہ کون ہے اور اس کا کیا مقصد ہے۔"

"فی الحال میں نہیں بتا سکتا۔ میں سمجھ ہی نہیں سکا۔ لیکن اتنی بات جانتا ہوں کہ وہ کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ورنہ یہ لوگ ایسے نہیں کہ اس قسم کی تفریحات میں وقت ضائع کریں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔

"تو پھر اب تو یہ بات صاف ہوگئی کہ صمدانی اور اس کی سیکریٹری کا قتل اسی الماری کی وجہ سے ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس میں کروڑوں کا مال رہا ہوگا۔"

"مگر صمدانی کا قتل کیوں!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ان کا یہ مقصد اُس قتل کے بغیر بھی حل ہوسکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ صمدانی اس دفتر میں سوتا نہیں تھا اور اس کی سیکریٹری کسی وقت بھی دفتر میں داخل ہوسکتی تھی۔ اس کی عدم موجودگی میں اپنے ساتھ آدمی بھی لے جاسکتی تھی۔ کسی کو ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوتا۔"

"ہوسکتا ہے صمدانی کچھ بھانپ گیا ہو" حمید نے کہا۔

"ہاں یہ ممکن ہے۔" فریدی نے کہا اور اسٹوو پر سے کافی کے برتن اتارنے لگا۔

پھر وہ خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ اچانک حمید کو انور یاد آگیا۔

"انور سجاد کے جنرل منیجر کے لئے کام کررہا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے...... اور وہ جو کچھ بھی کررہا ہے اُسے کرنے دو۔"

"قاسم بھی یہیں آگیا ہے اور اُسے رشیدہ سے عشق ہوگیا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

"میجر نصرت وغیرہ بیکار وقت اور جانیں ضائع کررہے ہیں۔ وہ اس نیم وحشی آدمی کا ٹھکانہ نہیں معلوم کرسکیں گے۔"

"اوہ...... اُسے تو میں بھول ہی گیا تھا" حمید نے کہا۔ "آخر یہ حیرت انگیز آدمی؟ اس کا مقصد بھی میں نہیں سمجھ سکتا۔ آخر اس کی پیٹھ پر لمبے لمبے بال کیسے اُگ آئے۔"

"کیا تم اُن بن مانسوں کو بھول گئے۔"

"لیکن اس گھوڑے کا کیا مقصد ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ اتنی معمولی سی بات تمہاری سمجھ میں نہ آسکی۔" فریدی سگار سلگا کر "وہ محض لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے ہے۔ ایک عجوبہ! لوگ اس کا ب کرتے ہیں اور تعاقب کرنے والے لاپتہ ہوجاتے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جیرالڈ کی وہ روز دنیا چند آدمیوں کی محنت کا نتیجہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ جیرالڈ ارجن گھاٹی میں دوسری روز رہائش گاہیں تعمیر کررہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے بہت سے کام کرنے والوں کی رت پیش آئے گی اور اس کے لئے روپیہ حاصل کرنے کا طریقہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ ی کی الماری۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ نیم وحشی تعاقب کرنے والوں کو کس راستے سے چٹانوں کی ی کی طرف لے جاتا ہے۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "ظاہر ہے کہ وہ آسان ہی ہوگا ورنہ لوگ کیوں اس کے پیچھے سر مارتے پھیریں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور میں اُسی راستے کی تلاش میں ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ راستہ بھی انتہائی خطرناک ہوگا۔" حمید نے کہا۔ "اُس خونی چٹان طرح...... اور وہ کہہ بھی رہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ وہاں کی ساری چٹانوں کو اتنا ہی بنا سکتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ انہوں نے کافی ختم کی اور حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ تھوڑی دیر ں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب اُن چٹانوں پر بمباری کی جائے گی۔"

"ان کے لئے ایٹم بم چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر خیر...... یہ فضول کاروائی بھی ے لئے مفید ثابت ہوگی۔"

"بہتیری باتیں ہیں...... مگر میرا خیال ہے کہ اب تم تھوڑا سا سولو۔"

"ناممکن...... شائد ہی نیند آئے۔ جولی بڑی حسین لڑکی تھی...... ان کم بختوں نے

گڑبڑ کردی ورنہ میں اُسی وقت اس سے شادی کر لیتا۔''

''اونہہ......!'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''کام کی باتیں کرو......اب تمہارے یہ پروگرام ہے کہ تم دو دن تک شیزان ہوٹل میں نہیں جاؤ گے......اور اب یہ کیپٹن پرکاش وا حیثیت ختم کرو۔ تم دوسرے میک اپ میں شہر جاؤ۔ اپنے لئے دوسرا سامان خریدو......دو تک کسی دوسرے ہوٹل میں قیام کرو۔ پھر وہاں سے شیزان منتقل ہوجاؤ۔ انور رشیدہ اور قا سے ملنے کی ضرورت نہیں......ان سے الگ ہی رہو۔''

''اور مجھے کرنا کیا ہوگا۔''

''مکھی مارنا......جب ضرورت ہوگی طلب کرلوں گا۔''

اچانک حمید کو وہ پُراسرار انگریز مورگن یاد آ گیا جو سوٹ کیس میں ایک سیمی مشین گ لئے پھرتا تھا۔ اُس نے فریدی سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر ہے چالاک......م ایک بار بھی اس کا تعاقب کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔''

فریدی کچھ سوچنے لگا......پھر اس نے کہا۔ ''کام بڑھتا ہی جارہا ہے......مورگن کے متعلق تم میجر نصرت کو مطلع کردو۔ اُس سے کہو کہ وہ اس کی نگرانی کرائے۔ لیکن فی الحال پکڑنے کی ضرورت نہیں۔''

''کیا میں یہ کام نہیں کرسکتا۔'' حمید بولا۔

''نہیں......میں نہیں چاہتا کہ اب کی وہ لوگ تمہیں ختم ہی کردیں۔''

''پھر میں کیا کروں گا۔''

''تفریح......ویسے تم مورگن پر نظر رکھ سکتے ہو۔ لیکن کسی کے تعاقب کے چکر میں نہ پڑنا سمجھے۔''

''کیا آپ مستقل طور پر اسی غار میں رہیں گے۔''

''ہاں......یہ ارجن گھاٹی سے نزدیک ہے لیکن تم کبھی خود سے یہاں آنے کی حماقت نہ کرنا......مجھے جب ضرورت ہوگی کسی نہ کسی ذریعے سے بلوالوں گا یا خود ہی تم تک پہنچ جاؤں گا۔''

''اچھا یہ بتایئے کہ آپ کو اس معاملے میں جیراللہ کا خیال کب اور کیسے ہوا۔''

بعض طریقہ کار کی بناء پر۔ اس نیم وحشی آدمی کی شخصیت اور تعاقب کرنے والوں کی ی۔ تم پر اس وحشی کا حملہ......وہ عجیب وغریب چٹان......اس صدی میں جیراللہ کے علاوہ ایسا پیدا ہوا ہے جو اتنے سائنسی طریقے اختیار کرسکے۔''

حمید اونگھنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے اُسے جھنجھوڑ کر کہا۔ ''اچھا اب میں تمہیں کسی ہ چھوڑ آؤں جہاں سے تم بآسانی شہر تک پہنچ سکو۔ لیکن اس سے پہلے میک اپ ......بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور میں ایسے موقع پر تمہیں رومان لڑانے کی اجازت ہرگز گا۔''

میک اپ میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ شاید فریدی نے سامان پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ چلتے وقت اس نے حمید سے کہا۔ ''جناب اپنی اس چہیتی چوہیا کو یہیں چھوڑ جائیں تو بہتر نہ ساری محنت برباد ہوجائے گی۔ یہ کمبخت بھی بڑی سخت جان نکلی۔''

حمید بدقت تمام اس پر راضی ہوا۔ ''لیکن دیکھئے۔'' اس نے کہا۔ ''اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ی زندگی کا بیمہ کرانے والا ہوں اور پھر برخوردار بغرا خاں سے اس کی شادی کروں گا۔''

''بعض اوقات تمہاری بکواس بڑی غیر دلچسپ ہوتی ہے۔ ہنسانے کے چکر میں احمق جارہے ہو۔''

اس ریمارک پر حمید کچھ جھینپ سا گیا اس لئے اُس نے یک بیک سنجیدہ بننے کی کوشش تے ہوئے کہا۔ ''کیا میں میجر نصرت کو یہاں آپ کی موجودگی سے مطلع کرسکتا ہوں۔''

''نہیں......اس کی ضرورت نہیں۔''

''پھر میں مورگن کی نگرانی کے لئے کس حوالے سے کہوں گا۔''

''مارو گولی......میں چاہتا ہی نہیں کہ اب تم میجر نصرت سے ملو۔ مورگن کو بھی جہنم میں ......مجھے تو جیراللہ کی تلاش ہے۔''

''ہوسکتا ہے مورگن ہی جیراللہ ہو۔''

''کیا وہ تاریک چشمہ لگاتا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

"نہیں......!"

"تب تو وہ جیرالڈ نہیں ہو سکتا......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"لیکن کیپٹن پرکاش کے سامان کا کیا ہوگا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ میں نے نقدی اپنے پا
ہی رکھی تھی۔"

"اب تم کھسکو......!" فریدی دانت پیس کر اُسے گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔

حمید کو شہر پہنچتے پہنچتے صبح ہو گئی۔ اس نے سب سے پہلے احتیاطاً ایک تاریک شیشوں والی عی
خریدی پھر روزانہ کی ضرورت سے متعلق سامان خرید کر ایک متوسط درجہ کے ہوٹل میں مقیم ہو گیا۔

اسی دوپہر اس نے خبر سنی کہ ارجن گھاٹی میں ایک سرکاری طیارے سے بمباری کی گئ
لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ پھر شام ہوتے ہوتے اس عجیب و غریب چٹان کے متع
طرح طرح کی خبریں گشت کرنے لگیں۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ خبر تھی کہ جیسے ہی طیا
اس چٹان پر سے گزرنے لگا۔ اس میں خود بخود آگ لگ گئی اور وہ گر کر تباہ ہو گیا۔

لیکن دوسرے دن کے اخبارات نے اس کی تردید کر دی۔ وہ سو فیصدی افواہ تھی۔ لیک
اس سلسلے میں صحیح خبر بھی کم حیرت انگیز نہ تھی۔ اس چٹان پر دس پونڈ وزنی کئی بم گرائے گئے لیک
اس سے ایک معمولی سا ٹکڑا بھی الگ نہیں ہوا۔ وہ جوں کی توں قائم رہی اس کے برعکس دوسر
بہتیری چٹانوں کے کافی حصے تباہ ہو گئے۔ آگے چل کر لکھا کہ اس بمباری کے نتیجے میں ٹو
پھوٹ کے باوجود بھی چٹانوں کو پار کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں بن سکا۔ اسی کے ساتھ یہ
خبر بھی تھی کہ پچھلے دو دنوں سے وہ نیم وحشی آدمی نظر نہیں آیا۔

اسی دن کے اخبار میں حمید کو ایک دوسری حیرت انگیز چیز نظر آئی۔ یہ کسی مسٹر فیلڈ کے
بنگلے میں نقب زنی سے متعلق تھی۔ خبر کے مطابق مسٹر اور مسز فیلڈ جو اپنے ایک نیم دیوانے بچے
کے علاج کے سلسلے میں رام گڑھ میں مقیم ہیں۔ اپنا بہت سا سرمایہ کھو بیٹھے۔ چوری نقب کے
ذریعے ہوئی۔ مسروقہ چیزوں میں مسز فیلڈ کی پالتو چوہیا بھی تھی جسے موصوفہ نے بڑی محنت سے
ٹرین کیا تھا اور وہ کئی طرح کے کرتب دکھاتی تھی۔

پولیس میں رپورٹ درج کرا دی گئی ہے۔

حمید کو ان لوگوں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہونے لگی۔

حمید اور فریدی کے لئے یہ ایک کھلا ہوا چیلنج تھا یعنی وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ رہی
یا تو حمید اُسے کسی عدالت میں بھی اپنے دعوے کے ثبوت میں نہیں پیش کر سکتا تھا۔ بہر حال
ان لوگوں پر یہی ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ فریدی یا حمید اُن کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہیں
سکیں گے۔

حمید ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کے فرار ہو جانے کے بعد وہ لوگ اس عمارت میں نہ
سکیں گے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا۔

دو دن گزرنے کے بعد حمید نے پھر شیزان ہوٹل کی راہ لی اور اُسے ایک خالی کمرہ مل ہی
یا۔ سب سے پہلے اس نے مورگن کی خبر لی۔ وہ بدستور وہاں مقیم تھا...... انور، رشیدہ اور قاسم
ں تھے۔ لیکن حمید کو انور کی مصروفیت کے متعلق کچھ نہ معلوم ہو سکا۔

البتہ اسی شام کو وہ قاسم کی ایک حماقت سے کافی محظوظ ہوا۔

ہوا یہ کہ رشیدہ ایک خالی کیبن میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ حمید کھلے ہال میں کیبن کے
امنے والی میز پر بیٹھا شام کا اخبار دیکھ رہا تھا کہ قاسم اپنے ہاتھ میں گٹھری سی لٹکائے ہوئے
اس کے قریب سے گزرا اور رشیدہ والے کیبن میں چلا گیا۔ اُس نے وہ گٹھری میز پر رکھ دی۔

"یہ کیا ہے؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"گوبھی کے تازہ ترین پھول۔" قاسم نے سعادت مندی سے کہا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔" رشیدہ جھنجھلا گئی۔ "کل بھی تم نے یہی حرکت کی تھی۔ مگر میں
ل کر ٹال گئی تھی۔"

"تو کیا وہ پھول باسی تھے۔" قاسم نے پوچھا۔

"آخر یہ ہے کیا بدتمیزی...... اور آج تم انہیں یہاں سب کے سامنے اٹھا لائے۔"

"کمرے میں پہنچا دوں......!" قاسم نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"میں کہیں تمہارے سر پر چائے دانی نہ توڑ دوں۔" رشیدہ آپے سے باہر ہوگئی۔

"مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ تمہیں گوبھی کے پھول پسند ہیں۔" قاسم رونی شکل بنا کر بولا۔

"کس گدھے نے کہا۔"

"حمید بھائی نے......!"

"اوہ......!" رشیدہ خاموش ہوگئی پھر ہنسنے لگی اور اس نے کہا۔ "تم آخر اتنے بیوقوف کیوں ہو۔"

"اس میں بیوقوفی کی کیا بات ہے۔" قاسم بُرا مان گیا۔ "تم بھی کچھ کہتی ہو کبھی کچھ۔ ایک بار تم نے کہا تھا کہ میں بالکل بے وقوف نہیں ہوں اور اب بیوقوف ہوں۔"

رشیدہ کی ہنسی تیز ہوگئی۔ آخر بدقت تمام وہ سنجیدگی اختیار کرنے میں کامیاب ہوئی اور اس نے پوچھا۔

"دو دن سے حمید صاحب نہیں دکھائی دیئے۔"

"دکھائی تو دے سالا......!" قاسم دانت پیس کر بولا۔ "میں اسے کچا چبا جاؤں گا۔"

حمید کو ہنسی ضبط کرنا دشوار معلوم ہو رہا تھا اس لئے وہ وہاں سے اٹھ گیا۔

قاسم بھی طرح طرح کے منہ بناتا ہوا کیبن سے نکل آیا۔ اگر اسے واقعی حمید مل جاتا تو وہ اُسے مار بیٹھنے سے بھی نہ چوکتا۔ وہ حمید کو دل ہی دل میں گالیاں دیتا ہوا ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔

شام کافی خوشگوار تھی اور ہال میں لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ لڑکیوں کی بہتات تھی۔ قاسم اپنے ہونٹ چاٹتا ہوا ایک ایک کو گھورنے لگا۔ پھر اس کی نظریں ایک اینگلو انڈین عورت پر جم گئیں جو کافی لحیم شحیم تھی اور عمر اٹھائیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اس نے بھی قاسم کی طرف دیکھا اور پھر بڑی ادا سے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

قاسم کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اس عورت کو گھورے جا رہا تھا۔ اب کی بار اس نے قاسم کو آنکھ ماردی۔ بس پھر کیا تھا...... قاسم کی روح اس کے جسم کے اندر سر کے بل کھڑی ہوگئی۔ اس

دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اس کو آنکھ مار دے۔ لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ اُسے آنکھ مارنا آتا ہی ہیں تھا۔ وہ اکثر آئینہ سامنے رکھ کر آنکھ مارنے کی مشق کیا کرتا تھا۔ مگر اس کی دونوں آنکھیں ہو جاتی تھیں اور اوپری ہونٹ سکڑ کر ناک سے جا ملتا تھا۔

عورت بار بار اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ قاسم نے سوچا کہ اسے بھی کم از کم اب میں مسکرانا تو ضرور چاہئے ورنہ وہ جانے کیا خیال کرے۔ قاسم کو اپنی مسکراہٹ پر بھی قابو ہیں تھا۔ اس کے بتیسوں دانت نکل آئے پھر اس نے عورت کو باہر جاتے دیکھا اور تعاقب کا ت اس کے سر پر سوار ہوگیا۔

جب آنکھ کھلی

باہر نکل کر وہ عورت ایک کار میں بیٹھی اور ایک طرف روانہ ہوگئی۔ وہ خود ہی کار ڈرائیو ر رہی تھی۔

قاسم نے بھی ایک ٹیکسی لی اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ اگلی کار شہر سے نکل کر ایک ویران ک پر ہولی۔ قاسم نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔ تعاقب برابر جاری رہا۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا اور چٹانوں پر نارنجی رنگ کی دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ انک ایک جگہ اگلی کار رک گئی۔ قاسم کی ٹیکسی کافی فاصلے پر تھی۔ عورت کار سے نکل کر سڑک کنارے کھڑی ہوگئی اور اس طرح ہاتھ ہلانے لگی جیسے ٹیکسی کو رکوانا چاہتی ہو۔ ڈرائیور نے ٹ کر قاسم کی طرف دیکھا۔

"روک دو پیارے۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ اسے توقع نہ تھی اس کی۔

ٹیکسی رک گئی اور عورت اس کی طرف بڑھی۔ قاسم کے سارے جسم پر پسینہ چھوٹ پڑا۔ لوم نہیں وہ اس سے کس طرح پیش آئے۔

"اوہ......تم آ ہی گئے ڈارلنگ۔" عورت نے سریلی آواز میں کہا اور قاسم اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

"جاؤ تم جاؤ۔" قاسم ڈرائیور کے ہاتھ میں دس دس کے دو نوٹ ٹھونستا ہوا بولا اور اناج سے بھرے ہوئے بورے کی طرح ٹیکسی سے نیچے لڑھک گیا۔

ٹیکسی واپس چلی گئی اور قاسم وہیں کھڑا ہانپتا رہا۔ عورت اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔

"تم بڑے پیارے ہو ڈارلنگ......!" اس نے مسکرا کر کہا۔

"مم......میں...... ہاں میں بڑا پیارا ہوں۔" قاسم نے جلدی سے کہا اور پھر غلطی کا احساس ہونے پر اپنے ہونٹ مسلنے لگا۔

"میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" عورت نے کہا۔

اور نہ جانے کیوں قاسم نے جھینپ کر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔

اس کی آنکھیں بھی جھک گئیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔

"بڑی خوشگوار شام ہے۔" عورت بولی۔ "آؤ ہم تھوڑی دیر کسی چٹان پر بیٹھ کر دنیا کے غم بھول جائیں۔"

"بھول جائیں گے۔" قاسم ہکلایا۔

"آؤ تم میری مدد کرو۔" عورت نے کہا اور اپنی کار سے ایک ٹوکری نکالی جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ تھرماس اٹھایا...... قاسم نے ٹوکری اور تھرماس لے لئے۔ پھر وہ دونوں ایک طرف چلنے لگے۔

وہ دو چٹانوں کی ایک درمیانی دراڑ میں آ بیٹھے۔

"میں تمہیں خواب میں دیکھا کرتی تھی۔" عورت بولی۔

"میں بھی دیکھتا تھا۔" قاسم نے کہا۔ اب اس کی بدحواسی کچھ دور ہو گئی تھی۔

"تم بڑے اچھے ہو۔" عورت اٹھلائی اور اس نے ناشتے کی ٹوکری سے دو گلاس نکالے۔

"ہم ایک دوسرے کا جام صحت پئیں گے۔" اس نے کہا۔

"ضرور پئیں گے۔" قاسم بولا اور وہ ناشتے کی ٹوکری خالی کرنے میں اس کا ہاتھ بھی نے لگا۔ پائیاں، چاپیں، تلے ہوئے چوزے دستر خوان پر رکھ دیئے گئے۔ قاسم کو اور چاہئے کیا تھا۔ عورت......اور کھانے پینے کا سامان، تلے ہوئے چوزے دیکھ کر پہلے ہی اس کی ٹپکنے لگی تھی۔

تھرماس سے گلاسوں میں شراب انڈیلی گئی۔ دونوں نے گلاس ٹکرائے اور قاسم ایک ہی ں میں اپنا گلاس خالی کر گیا۔ اس نے آج زندگی میں دوسری بار شراب پی تھی اور اُسے اپنا تجربہ بھی یاد آنے لگا تھا۔ اچانک اسے اپنے باپ کا ہنٹر بھی یاد آ گیا لیکن اس کے کان پر تک نہ رینگی کیونکہ آج پہلی بار اُس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوئی تھی یعنی ایک ڑی" سی عورت کا قرب نصیب ہوا تھا۔

حالانکہ صرف اس نے ایک ہی گلاس پیا تھا اور ظاہر ہے کہ کمزور اعصاب کا آدمی بھی تھا۔ مگر پھر بھی اُس کا دماغ الٹ گیا۔

"جان من......!" وہ عورت کی گردن دبوچ کر بولا۔ "میں دنیا کا سب سے زیادہ طاقت دمی ہوں...... میں لوہے کی بڑی بڑی بلائیں...... بلائیں...... نہیں سلاخیں موڑ سکتا ہوں۔ سے گوہے کے لولے نکال سکتا ہوں۔"

"گوہے کے لولے کیا چیز۔" عورت نے ہنس کر گردن سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

"گوہے کے لولے نہیں، لوہے کے گولے۔" قاسم نے کہا۔

"تم واقعی ایسے معلوم ہوتے ہو......لو اور پیو۔" اس نے تھرماس سے اس کے گلاس میں نڈیل دی۔

قاسم دوسرا گلاس خالی کر کے اٹھا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھانے لگا۔ اتنا بڑا کہ تین آدمی بھی ے اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتے۔ اس نے اسے اٹھا کر چار پانچ گز کے فاصلے پر اچھال دیا۔ ت حیرت سے منہ پھاڑے اُسے گھور رہی تھی۔ لیکن اب شراب اپنا کام کر چکی تھی۔ قاسم کو ے ہی کھڑے بڑے زور کا چکر آیا اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

عورت کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا تھا۔ اس نے اپنا گلاس جس سے ابھی تک ایک گھونٹ بھی نہیں پیا گیا تھا اٹھایا اور زمین پر الٹ دیا۔

قاسم کئی گھنٹے تک بے ہوش رہا اور جب اُسے ہوش آیا تو وہ یہی سمجھا کہ شاید وہ اپنے کمرے میں سو رہا ہے۔ اس نے کروٹ بدلی اور اس کے نیچے خشک گھاس کرکرا کر رہ گئی۔ وہ اونگھ رہا تھا اور اسی اونگھنے کے دوران میں اسے وہ تنگڑی سی سورت یاد آئی اور اس کی آنکھیں کھل گئیں اور پھر وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے نیچے سوکھی ہوئی گھاس کا ڈھیر تھا اور وہ جہاں بھی تھا وہاں سے اُسے آسمان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے آنکھیں ملیں اور چندھیایا ہوا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ کسی غار میں تھا اور وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ اس غار میں بجلی کا بلب روشن دیکھ کر بوکھلا نہ جاتا۔

آہستہ آہستہ اس کے حواس خمسہ بیدار ہوتے جا رہے تھے اور اب اُسے اس شور کا احساس ہوا جو اُسے پہلے بھی مسلسل سنائی دیتا رہا تھا۔ مگر اس نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پتھر توڑے جا رہے ہوں۔

وہ گھبرا کر غار کے دہانے سے نکل آیا۔ پہلے تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وہ اندھیرے سے دھوپ میں آ گیا ہو لیکن پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ بجلی کی بہت ہی تیز قسم کی روشنی تھی اور اس کے سامنے بے شمار آدمی چھینیوں اور ہتھوڑیوں سے پتھر کی دیواریں تراش رہے تھے۔

ایک پستہ قد اور موٹا سا انگریز اس کی طرف جھپٹا۔

"تم جاگ پڑے...... بدمعاش...... سور...... کمینے۔" وہ قاسم کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

"زبان سنبھال کے ذرا......!" قاسم کو غصہ آ گیا۔

"تم میری عورت کو خراب کرنا چاہتے تھے۔" انگریز نے چیخ کر کہا اور قاسم اردو میں ہکلانے لگا۔

"ارے توبہ...... ارے پیارے...... نہیں تو الاقسم......!"

"میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گا۔"

قاسم کانپنے لگا۔ اب اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ آخر اُس نے بہت سوچ کر کہا۔ "نہیں میں تو تمہاری بیوی کو اپنی طاقت کا نمونہ دکھا رہا تھا۔"

"بکتے ہو......!" انگریز چیخا۔

"اس سے پوچھو کیا میں نے اُسے ایک بڑا وزنی پتھر اٹھا کر نہیں دکھایا تھا۔ کوئی دس بارہ من رہا ہوگا۔"

"دس بارہ من......!" انگریز بگڑ کر بولا۔ "اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہوگا۔"

"نہیں الاقسم...... یعنی کہ بائی گاڈ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔"

"ابھی امتحان ہو جاتا ہے۔" انگریز نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اُسے ایک ایسی جگہ لایا جہاں پتھر کی بہت بڑی بڑی سلیں رکھی ہوئی تھیں۔ "ان میں کوئی ایک اٹھا سکتے ہو۔" انگریز نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں......؟"

"اچھا تو جہاں میں کہوں ایک اٹھا کر لے چلو۔"

قاسم نے جھک کر ایک سل اٹھائی اور انگریز کے ساتھ چلنے لگا۔ اُسے زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔

"یہیں ساری سلیں اٹھا لاؤ۔" انگریز بولا۔

"کیوں اٹھا لاؤں...... تمہارے باپ کا نوکر ہوں۔"

"گردن توڑ دی جائے گی۔" انگریز اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ "یہی کیا کم ہے کہ میں نے تمہیں زندہ رہنے دیا...... تم میری بیوی کو پھانس رہے تھے۔"

"وہ خود مجھے پھانس کر لائی تھی۔"

"بکواس ہے...... جو کام کہا جائے چپ چاپ کرو...... ورنہ مار ڈالے جاؤ گے۔"

"واہ اچھی زبردستی ہے۔"

"چلو...... ورنہ تمہارا قیمہ کر دیا جائے گا۔"

قاسم نے سوچا بُرے پھنسے...... نہ جانے یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ اس نے

چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔لوگ بڑے انہاک سے اپنا کام کررہے تھے لیکن سب انگر
نہیں تھے۔انکی حالت تباہ تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان سے بھی زبردستی کام لیا جارہا تھا۔

قاسم چپ چاپ سلیں ڈھونے لگا۔وہ سوچ رہا تھا کہیں سچ مچ اسے پولیس کے حوالے نہ کردیا جائے اور اگر اس عورت نے بھی اسی کے خلاف شہادت دی تو پھر مصیبت ہی آجائے گی۔سلیں ڈھو چکنے کے بعد وہ چپ چاپ کھڑا ہوگیا۔

یہاں اس پستہ قد کے علاوہ دو انگریز اور بھی تھے مگر وہ کام نہیں کررہے تھے۔

''اے ٹم ایڈھر سنو......!'' انگریز نے ایک مزدور کو مخاطب کرکے کہا۔''اس موٹے آدمی کو کام بتاؤ۔''

مزدور نے قاسم کو اشارہ کرکے پاس بلایا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' قاسم نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' مزدور نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔''آپ آج ہی پھنسے ہیں کیا۔''

''پھنسا ہوں......کیا مطلب۔''

''کیا آپ اس حرامزادے کا پیچھا کرتے نہیں آئے تھے۔''

''کس حرامزادے کا۔''

''وہی......حضرت سلیمان کا گھوڑا۔''

''ارے......!'' قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔''کیا وہی تمہیں لایا تھا۔تو کیا تم لوگ وہی ہو جو اس کے پیچھے دوڑے تھے۔''

''جی ہاں......اور اب ہم قیدی ہیں۔ہم سے زبردستی یہ کام لیا جارہا ہے۔اگر ہم میں سے کوئی انکار کرتا ہے تو وہ ظالم اسے مارتے مارتے ادھ موا کردیتا ہے۔''

''کون مارتا ہے؟''

''وہی جانور......گھوڑا۔''

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ قاسم نے گھوڑے کی ہنہناہٹ کی آواز سنی اور پھر اُسے دہ

انسان دکھائی دیا۔جس کی پیٹھ پر گھوڑے کی ایال کے سے بال تھے۔وہ اس وقت بھی
کے بل چل رہا تھا۔اسے دیکھتے ہی کام کرنے والوں کے ہاتھ پیر تیزی سے چلنے
گھٹنوں کے بل چلتا ہوا گویا کام کی نگرانی کررہا تھا۔اس کے آتے ہی وہاں سے
لوگ چلے گئے۔کام بڑی تیزی سے ہو رہا تھا۔دفعتاً اس حیوان نما انسان نے گھٹنوں
چلتے ہوئے ایک مزدور کو دولتی جھاڑ دی وہ بے چارہ سامنے والی دیوار سے جاٹکرایا اور
زمین پر ڈھیر ہوگیا۔اس کا سر پھٹ گیا تھا لیکن کام بدستور جاری رہا۔کسی نے مڑ کر اس
دیکھا تک نہیں۔کام کرنے والوں کی نظریں سامنے تھیں اور ان کے ہاتھ مشینوں کی
رہے تھے لیکن چہرے تو مشین تھے نہیں کہ ان پر خوف کے آثار نظر نہ آتے۔

قاسم گرے ہوئے ہوئے مزدور کو اٹھانے دوڑا۔

''ٹم کام نہیں کرتا سالا......!'' وحشی نے دہاڑ کر کہا۔

قاسم اس کی پرواہ کئے بغیر اُسے اٹھانے کے لئے جھکا۔دوسرے ہی لمحے میں اس کے
ی دولتی پڑی۔اگر قاسم نے اپنے ہاتھ زمین پر نہ ٹیک دیئے ہوتے تو اس کے چہرے کا
بن گیا ہوتا۔

قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔غصے کی آگ اس کے سارے جسم میں بھڑک اٹھی۔

''ہم سالومن کا گھوڑا......مالم......!'' وحشی نے ہنہنا کر کہا۔

''تیری دم میں نمدا باندھوں سالے......میں ہاتھی ہوں۔'' قاسم اس پر ٹوٹ پڑا۔

وحشی بڑی پھرتی سے اس کی گرفت سے نکل گیا۔اب وہ بھی سیدھا کھڑا ہوگیا تھا۔اس کا
بہت زیادہ خوفناک نظر آنے لگا۔ہونٹ کانوں کی لوؤں تک پھٹے معلوم ہو رہے تھے۔قاسم
سے دیوانہ ہو رہا تھا اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ اُسے اس کی شکل نظر نہیں آرہی تھی۔وہ پھر اس
لپٹ پڑا۔لیکن قاسم نے دوسرے ہی لمحے محسوس کیا کہ اس کا سارا جسم لوہے کی طرح سخت
دونوں زور کرنے لگے۔

اچانک کام رک گیا اور کام کرنے والے چیخ چیخ کر قاسم کا دل بڑھانے لگے اور پھر تین

چار انگریز بھی آ گئے۔ انہوں نے تحیر آمیز نظروں سے ان دونوں کو دیکھا اور کشتی ختم کرانے کے لئے زور زور سے چیخنے لگے۔

لیکن وہ کسی طرح بھی الگ نہیں ہوئے۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ وہ دوسرے کو زمین پر گرادے لیکن ابھی تک کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔ ''سانوٹے ہٹ جا...... ورنہ بہت مار کھائے گا۔''

اس آدمی میں نہ جانے کیا تھا کہ وحشی کے ہاتھ پیر کانپنے لگے اور وہ یکلخت اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ قاسم اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اسی آواز نے کہا۔

''ٹھہرو......!''

قاسم نے رک کر آواز کی طرف دیکھا۔

ایک دراز قد انگریز سامنے کھڑا تھا جس کے چہرے کے دوسرے خدوخال اور آنکھوں میں ہم آہنگی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آنکھیں اس کے چہرے سے بالکل ہی الگ ہوں

قاسم اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان گیا۔ یہ جیرالڈ شاستری تھا۔

''ارے آپ شاستری صاحب۔'' قاسم چیخ کر اس کی طرف بڑھا۔

''ہاں میں ہوں۔'' جیرالڈ نرم لہجے میں بولا۔ ''تم تو پہلے بھی ہمارے دوست تھے۔''

''اب بھی دوست ہی ہوں۔'' قاسم بولا۔

کام پھر شروع ہو گیا تھا۔ جیرالڈ وحشی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''سانوٹے اپنے غار میں جاؤ۔''

وہ چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' جیرالڈ نے قاسم سے کہا۔

وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں لایا جو مکمل ہو چکا تھا۔ یہ کمرہ قاسم کو ویسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے اس نے جیرالڈ کی پچھلی زمین دوز دنیا میں دیکھے تھے۔

جیرالڈ اُس سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اور اس سے اس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ اس کی شادی کسی تگڑی سی عورت سے کردے گا۔ پھر اس نے پوچھا۔

''فریدی اور حمید کہاں ہیں!''

''فریدی کا پتہ نہیں......!'' قاسم نے کہا۔ ''لیکن حمید شیزان ہوٹل میں ہے۔ اس نے اپ کررکھا ہے اور وہ خود کو کیپٹن پرکاش کہتا ہے۔ لیکن دو دن سے دکھائی نہیں دیا۔ اُسے پکڑوایئے...... میں اس کی مرمت کرنا چاہتا ہوں...... لاحول ولاقوۃ گوبھی کے پھول...... ہی۔''

قاسم کی گھڑی

شیزان کے منیجر کے کمرے میں ایک پولیس انسپکٹر منیجر کا بیان درج کر رہا تھا۔ انور اور بھی موجود تھے۔ بیان ختم ہو جانے کے بعد پولیس انسپکٹر کاغذ پر نظر ثانی کرتا ہوا فاؤنٹین جیب میں رکھنے لگا۔

''شیزان میں ایسے واقعات پہلی بار ہوئے ہیں۔'' منیجر بولا۔ ''پہلے کیپٹن پرکاش غائب اور یہ قاسم صاحب......!''

''اس دوسرے آدمی کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پیسے ختم ہو جانے کی وجہ سے سامان کر بھاگ گیا۔ اس کے سوٹ کیس میں تیس ہزار کے نوٹ موجود ہیں۔'' پولیس انسپکٹر نے کہا۔

''وہ کوئی مفلس آدمی تو نہیں ہے۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ''

''اوہ ٹھیک ہے۔'' پولیس انسپکٹر جیب سے دوبارہ فاؤنٹین پن نکالتا ہوا بولا۔ ''آپ نے کا پتہ تو لکھوایا ہی نہیں۔''

رشیدہ نے قاسم کا پتہ لکھوادیا کچھ دیر بعد انور اور رشیدہ منیجر کے آفس سے نکل آئے۔ وہ کافی دیر خاموش رہے پھر رشیدہ بولی۔

"انور......اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہئے۔"

"کیوں......!"

"بس یونہی......اب میں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہتی۔"

"تم شوق سے جاسکتی ہو۔"

"ہم آج ہی شام کی گاڑی سے واپس جائیں گے۔" رشیدہ نے کہا۔

"تم جاؤ......! مجھے مجبور نہ کرو......کہ......!"

"خواہ مخواہ بات نہ بڑھاؤ۔ تم اب تک یہاں جھک ہی تو مارتے رہے ہو۔ تم نے کیا معلوم کیا اب تک......کیا کیا......!"

"کچھ بھی نہیں......لیکن ارجن گھاٹی والا واقعہ مجھے روکے رکھنے کے لئے کافی نہیں۔"

"میں تمہیں اس معاملے میں ٹانگ نہیں اڑانے دوں گی۔ سمجھے۔" رشیدہ بولی۔

"تب تمہیں آج ہی یہاں سے سفر کرنا ہوگا......معلوم ہوتا ہے کہ قاسم کے بغیر دل نہیں لگ رہا ہے۔"

"میں تمہارا منہ نوچ لوں گی......سؤر......!"

"ارر......تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ وہ ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔"

"تم کتے ہو۔" رشیدہ بپھر گئی۔ "کیا اس کی دولت اس حکومت کا عشر عشیر بھی ہے جو میرے ہاتھ آرہی تھی۔"

انور نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس کی نظریں مورگن کا تعاقب کر رہی تھیں جو اوپری منزل سے نیچے آکر صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

"اس آدمی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" اس نے رشیدہ سے پوچھا۔

رشیدہ بدستور جھلائی بیٹھی رہی۔ انور نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ حمید بھی اس کے چکر میں تھا۔ نہ جانے کیوں یہ پچھلے تین دنوں سے تاریک شیشوں کی عینک لگانے لگا ہے۔ پہلے نہیں لگاتا تھا۔"

"تو میں کیا کروں......؟" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

"اس کے حرکات وسکنات مشتبہ ہیں۔" انور نے اس کی جھلاہٹ پہ دھیان نہ دے کر
یہ روز شام کو ایک سوٹ کیس لے کر باہر جاتا ہے اور شاید رات بھر واپس نہیں آتا۔"

"تو کیا یہی......وہ مسٹر براؤن ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

پراسرار خبطی آدمی جسے اس کے ساتھی، بادشاہ کہتے تھے، دریچے کے قریب کھڑا خواب ا آنکھوں سے افق میں گھور رہا تھا۔ اس کے جسم پر بڑے بڑے پھولوں والا ریشمی لبادہ تھا اور ں میں مخمل کے کامدار جوتے تھے۔

دفعتاً وہ کسی کی آہٹ پر دروازے کی طرف مڑا۔

دروازے میں فیلڈ کھڑا تھا۔ وہ نہایت ادب سے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور پھر سیدھا ڑا ہوگیا۔

"کیا ہے۔" دیوانے نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"یور میجسٹی......اس حکم نامے پر دستخط کریں گے۔"

"نہیں بھاگ جاؤ......نکلو یہاں سے۔ ہم بہت مشغول ہیں۔"

"عالم پناہ......یہ بہت ضروری ہے۔"

"اچھا تو جولی......کو یہاں بھیج دو۔"

فیلڈ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا لیکن وہ جھک کر بولا۔ "اچھا جیسی جہاں پناہ کی مرضی۔"
پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

دیوانہ بدستور وہیں کھڑا رہا اور تاریکی پھیل گئی۔ ایک آدمی نے کمرے میں آکر روشنی کی اور دیوانہ چونک کر مڑا......آدمی باہر جانے لگا۔

"ٹھہرو......!" دیوانہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ وہ آدمی رک گیا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ میرا نام کیا ہے۔" دیوانے نے کہا۔

"شہنشاہ عالم......!" وہ آدمی تعظیماً جھک کر بولا۔ "آپ ساری دنیا کے بادشاہ ہیں
مختلف ملکوں میں آپ کے مختلف نام ہیں۔ ہم آپ کو عالم پناہ کہتے ہیں۔"

"لیکن میرا نام کیا ہے۔" دیوانہ جھنجھلا کر بولا۔

"جس کا جو دل چاہتا ہے کہتا ہے۔"

"تم گدھے ہو۔" دیوانے نے چیخ کر کہا۔ "نکل جاؤ یہاں سے۔"

وہ آدمی ایک بار پھر تعظیماً جھکا اور کمرے سے نکل گیا۔

دیوانہ بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ ... ہاتھ سے اپنی پیشا
رگڑنے لگتا اور پھر اچانک وہ چیخ کر ایک صوفے پر گر گیا۔ اس کی خوفزدہ آنکھیں اس وحشی پر
ہوئی تھیں جو گھٹنوں کے بل چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ صوفے کے قریب پہنچ کر
رک گیا۔ اس کی بڑی بڑی اور خوفناک آنکھیں دیوانے کو گھور رہی تھیں۔ اچانک وہ تیزی
پلٹا اور اتنی ہی پھرتی سے صوفے پر دولتی جھاڑ دی۔ صوفہ الٹ گیا۔ دیوانہ دوسری طرف گرا لیکہ
اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔ وحشی نے اچھل کر اُسے دبوچ لیا...... دوسرے لمحے مٰ
وہ اپنے خونخوار دانتوں سے دیوانے کا لبادہ پھاڑ رہا تھا اور دیوانہ اس طرح سہا ہوا ہانپ رہا
جیسے وہ کوئی ننھی منی سی چڑیا ہو اور ایک بڑا سا شکرا اسے نوچ رہا ہو۔ وحشی نے اس کے با
بھنبھوڑ ڈالے تب بھی دیوانے کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ اس نے اس کے بازو اس طرح چبا
کہ خون بہنے لگا۔ لبادہ پہلے ہی تار تار ہو رہا تھا۔ وحشی ایک ہلکی سی ہنہناہٹ کے ساتھ پیچھے
اور اپنی براؤن رنگ کی میلی پتلون کے جیب سے کاغذات کا ایک پلندہ اور فاؤنٹین پن نکالے
پھر اس نے زخمی دیوانے کو گود میں اٹھا کر لکھنے کی میز پر بٹھا دیا۔

اور پھر دیوانے کے ہاتھ میں دبا ہوا فاؤنٹین پن تیزی سے کاغذات پر چلنے لگا۔

وحشی ایک ایک کاغذ الگ کرتا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے سارے کاغذات سمیٹ کر اپنی جیب میں ٹھونسے اور فرانسیسی
دریچے سے باہر چھلانگ لگا کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

یوانہ کرسی پر بیٹھا جھومتا رہا۔ پھر دھڑام سے نیچے چلا آیا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔
س کے گرتے ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور فیلڈ اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ایک آدمی

ڈاکٹر...... اسٹیڈی میں بیٹھا ہے۔" فیلڈ نے مڑ کر دوسرے آدمی سے کہا۔

اسے بلا لاؤ......!"

وسرا آدمی چلا گیا...... فیلڈ نے دیوانے کو فرش سے اٹھا کر صوفے پر ڈال دیا۔

ھوڑی دیر بعد ڈاکٹر ہاتھ میں بیگ لٹکائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

اوہ ڈاکٹر...... دیکھئے...... دیکھئے......" فیلڈ غمناک لہجے میں بولا۔ "چچا آرتھر کو آج پھر
گیا اور انہوں نے اپنی یہ گت بنا ڈالی۔"

ڈاکٹر نے بیگ کو میز پر رکھتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "دیکھئے میں عرصے
رہا ہوں کہ یا تو انہیں پاگل خانے داخل کرا دیجئے یا پھر انہیں تنہا نہ چھوڑا جائے۔"

"میں کیا بتاؤں۔" فیلڈ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "کبھی کبھی غفلت ہو ہی جاتی ہے۔"

"دیکھئے......!" ڈاکٹر نے کہا جو دیوانے کے زخمی بازوؤں پر سے لبادے کی دھجیاں ہٹا
۔ "یہ زخم کبھی نہ کبھی زہرباد میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ یا تو انہیں آپ ہر وقت نگرانی
ئیے یا پھر کوئی اور معالج ڈھونڈ لیجئے۔ مجھے ان پر ترس آتا ہے۔"

"اب کیا بتاؤں...... سب کم بخت نوکروں کی غفلت سے ہوتا ہے۔"

"تو پھر انہیں پاگل خانے ہی میں داخل کرا دیجئے۔"

"نہیں یہ مجھ سے نہیں ہوگا...... پاگل خانہ۔ میرے خدا۔" فیلڈ نے کسی خوفزدہ بچے کی
کہا۔

"تو پھر ان کی حفاظت کیجئے۔" ڈاکٹر نے بیگ سے سرنج نکال کر سوئی اس میں فٹ
ے ہوئے کہا۔ اتنے میں جولی کمرے میں داخل ہوئی اس نے دیوانے کی طرف دیکھا اور
منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔

"چچا آرتھر......!"

اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگی۔ فیلڈ جلدی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

ڈاکٹر انجکشن دے چکنے کے بعد بولا۔ "مسٹر فیلڈ! ایسے دیوانے جو دوسروں کے لئے بے ضرر اور اپنی ہی بوٹیاں نوچنے والے ہوں کسی وقت بھی مر سکتے ہیں۔"

جولی نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

ارجن گھاٹی پر گہری تاریکی مسلط تھی۔ آسمان میں سیاہ بادل رینگ رہے تھے۔ ایسا ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں بارش شروع ہو جائے گی۔"

گھاٹی سنسان نہیں تھی۔ وہاں کئی دن سے ملٹری کا ایک دستہ متعین تھا اور اس فوجیوں کے خیموں میں کہیں کہیں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ نیچے گھاٹی میں تھا اور اوپر چٹانیں بدستور ویران پڑی تھیں۔ اچانک ایک تاریک سائے نے نیچے گھاٹی میں جھانکا اور آہستہ سے دوسری طرف رینگ گیا۔

یہ فریدی تھا اور اسے اس راستے کی تلاش تھی جس کے ذریعے وہ وحشی آدمی کا تعاقب کرنے والوں کو اپنے ساتھ لے جایا کرتا تھا۔

کئی راتوں سے وہ ان چٹانوں میں بھٹک رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ایک بار اس نے کچھ مبہم سے نشانات کے ذریعے بھی آگے بڑھنا چاہا تھا لیکن جہاں چٹانوں پر گرد کی تہہ نہیں تھی وہاں سے پھر راستہ مسدود ہو گیا تھا۔

اس دوران میں اس نے میجر نصرت سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ محسوس کی تھی۔ حمید والے واقعے کے بعد سے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اس ہنگامے کے پس منظر میں جیرالڈ ہی کی شخصیت ہے اور یہ تو حقیقت ہے کہ جیرالڈ کے انجام کے متعلق اس کی رائے شروع

سے دوسروں سے مختلف تھی۔ وہ اس بات پر کسی طرح یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ جیرالڈ جیسی شخصیت خودکشی کی مرتکب ہوگی۔

اس کی دانست میں صمدانی کا قتل محض ایک ضمنی قسم کا جرم تھا جو حصول دولت کے لئے کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جیرالڈ کے پاس اس کی ذاتی دولت تو تھی نہیں جس کے بل بوتے پر وہ ساری دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کے آدمیوں کو معمولی چوروں اور ڈاکوؤں کی سی حرکتیں کرنی پڑتی ہوں گی۔ فریدی کے ذہن میں کئی بڑی بڑی ڈکیتیوں کے کیس بھی تھے جن کا ابھی تک کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔ یہ ساری ڈکیتیاں بڑے بڑے بینکوں میں ہوئی تھیں اور اتنے پراسرار طریقے پر ملک کے مختلف حصوں میں عمل میں لائی گئیں تھیں کہ ابھی تک سراغ رساں واردات کرنے والوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے تھے لیکن طریقہ کار کی یکسانیت کی بناء پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ کسی ایک ہی گروہ کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔

جیرالڈ شاستری کی پہلی زمین دوز دنیا کی تباہی کے بعد سے اب تک کئی بار فریدی پر حملے بھی ہو چکے تھے اور وہ ہر بار صاف بچ گیا تھا۔ لیکن موجودہ واقعات کے رونما ہونے سے قبل اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ جیرالڈ ہی کی طرف سے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے پیشے کی بناء پر شہر کے سارے ہی جرائم پیشہ آدمیوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ اس لئے اس کا دھیان کسی ایک طرف نہیں جا سکا تھا اور اب جیرالڈ ہی اس کا شکار تھا۔ اس نے اپنے شب و روز اس کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ لیکن ابھی تک اس سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ کئی بار اس مکان کی نگرانی بھی کر چکا تھا جس میں حمید نے اپنے چند گھنٹے ایک قیدی کی حیثیت سے گزارے تھے اور کئی بار اس دیوانے آدمی کو دیکھ چکا تھا اس کی غرض و غایت کیا تھی یہ اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے بھی جیرالڈ شاستری کو سنسکرت کے ایک بڑے عالم کے روپ میں دیکھ چکا تھا مگر یہ حیثیت۔ وہ اس دیوانے کو جیرالڈ سمجھ لینے پر قطعی تیار نہیں تھا اور اگر وہ جیرالڈ ہی تھا تو اس بھیس کا مقصد سچ مچ کی دیوانگی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

لیکن اسے جیرالڈ جیسے آدمی سے اس کی توقع نہیں تھی اور پھر اس کی آنکھیں اس دیوانے سے بالکل ہی مختلف تھیں۔ فریدی چٹانوں میں رینگتا رہا۔ اس کی نظریں بار بار آسمان کی طرف بھی اٹھ جاتی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ شاید بارش کی وجہ سے اُسے یہ رات بیکاری ہی میں گزارنی پڑے گی۔

وہ واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کا ہاتھ کسی چھوٹی سی گول چیز پر پڑا اور وہ بھ... سی معلوم ہوئی۔ اس نے اسے گرفت میں لے لیا۔ جیب سے ننھی سی ٹارچ نکالی جس کی لمبائی درمیانی انگلی سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ ایک خوبصورت سی کلائی کی گھڑی تھی جس کی ٹوٹی ہوئی چین اس کے دونوں گوشوں سے جھول رہی تھی۔ فریدی اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور پھر وہ بے اختیار چونک پڑا۔ گھڑی کی پشت پر قاسم کا پورا نام کندہ تھا... نے اُسے پہچان لیا۔ وہ حقیقتاً قاسم ہی کی گھڑی تھی۔ پھر اُسے قریب ہی ریشمی کپڑے کی ایک بڑی سی دھجی بھی ملی جس پر پھول بنے ہوئے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک قرب و جوار کی چٹانوں کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے اس جگہ جہاں گھڑی ملی تھی ایک نشان بنایا اور واپسی کے لئے رینگنے لگا۔

بوندا باندی شروع ہوگئی تھی۔

چٹانوں میں

قاسم کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس کے کام کی رفتار میں سستی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ صبح سے اب تک اس نے درجنوں بہت بڑے بڑے پتھر ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پہنچائے تھے۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ یہ مفت کی محنت گراں بھی نہیں گزر رہی تھی۔ بات صرف یہ تھی کہ پاس ہی کہیں چند خوبصورت لڑکیاں اس کا دل بڑھا رہی تھیں۔ شاید جیرالڈ اس کی اس کمزوری سے واقف ہوگیا تھا... سے بیوقوف ہی بنا کر کام

لیا جاسکتا تھا۔ دوسرے لوگ بھی کام میں مصروف تھے اور وہ انسان نما گھوڑا ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ آج بھی اس نے دو تین آدمیوں کی لاتوں سے مرمت کی تھی مگر قاسم کے کانوں پر جوں نہ رینگی۔ وہ تنگڑی تنگڑی لڑکیوں کے خیال میں مگن تھا اور جیرالڈ کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اچانک اس نے گھوڑے کو مخاطب کر کے کہا۔

"اَبے اُو...... وہ میری گھڑی کہاں ہے۔"

"کیسا گھری......!"

"کیا......!" قاسم جھلا کر بولا۔ "تو نے کل شام کو مجھ سے لی نہیں تھی۔"

"ہم نہیں جانتا گھری وری...... سالا ٹم اپنا کام کرو۔"

"ابے تم خود سالا" قاسم غصیلی آواز میں بولا۔ "میرے سالے کا سالا...... تمیز سے بات کیا کرو۔"

اس کے جواب میں وہ قاسم کو چونچ دکھا کر ہنسنے لگا۔

قاسم کا پارہ چڑھ گیا اور وہ ایک لڑکی سے بولا۔

"دیکھا...... اسے شرم نہیں آتی...... گھوڑا ہو کر چونچ دکھاتا ہے۔"

لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"تمہیں میری گھڑی واپس کرنی ہوگی۔" وہ اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

"ارے تم اپنا کام کرو۔" ایک لڑکی نے کہا۔ "اس جنگلی سے مت الجھو۔"

"تو گھڑی اسے ہضم کرجانے دوں۔" قاسم نے جھلا کر کہا۔ "جانتی ہو کتنی قیمتی گھڑی ہے۔ آل پلاٹینم اور ڈائیل پر ہندسوں کی جگہ جواہرات ہیں۔"

"اوہ...... مگر تم نے اسے دی ہی کیوں تھی۔" لڑکی بولی۔

"اس نے کہا میں ابھی واپس کردوں گا۔"

"تب تو مل چکی۔" لڑکی ہنس پڑی۔ "وہ کہیں پھینک آیا ہوگا۔"

"میں اس کے باپ سے بھی وصول کرلوں گا۔" قاسم گردن جھٹک کر بولا۔ پھر وحشی سے

کہا۔ ”لا بے دیتا ہے یا میں شاستری صاحب سے کہوں۔“

وحشی گھٹنوں کے بل دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور خوشامدانہ انداز میں اس کے پیر دبانے لگا۔ ”نا ئیں......سالا ٹم اس سے نا ئیں بولے گا۔“ اس نے کہا۔

”ہا ئیں پھر وہی سالا۔ ابے شامت آئی ہے کیا۔“

”سانو ٹے! بھاگو یہاں سے۔“ ایک لڑکی نے اُسے للکارا۔

اور وہ چپ چاپ واپس چلا گیا۔

گھڑی بہت قیمتی تھی۔ قاسم سوچ رہا تھا کہ وہ آج رات کو وحشی کی غار کی تلاشی ضرور لے گا۔ وہ شاستری سے بھی شکایت کر سکتا تھا مگر سوال تھا ملاقات کا۔ وہ اس سے صرف ایک ہی بار ملا تھا اور یہاں کوئی اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتا تھا۔ وہ لوگ شاستری سے متعلق کسی سوال کا جواب ہی نہیں دیتے تھے۔

حمید کو قاسم کی گمشدگی پر بڑی حیرت تھی اس نے اسے اینگلو انڈین لڑکی کا تعاقب کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر قاسم سامان چھوڑ کر کیوں کہیں غائب ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں انور نے اسے ٹھکانے تو نہیں لگا دیا۔ مگر یہ خیال بھی احمقانہ تھا۔ انور اس کی جرأت کر ہی نہیں سکتا تھا اور پھر وہ رشیدہ کے معاملے میں کبھی اتنا زیادہ سنجیدہ نہیں رہا تھا کہ اس کے کسی عاشق کو اپنا رقیب سمجھ بیٹھتا۔

فریدی نے اب تک اس سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ کئی بار اس کا دل چاہا کہ مورگن کا تعاقب کرے جو اب شیزان ہی میں مقیم تھا۔ مورگن عموماً رات کو باہر ہی رہتا تھا اور اب تاریک شیشوں کی عینک بھی استعمال کرنے لگا تھا۔ اس نئے اضافے کی بناء پر حمید فریدی سے رابطہ قائم کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر فریدی کی اسکیم کیا ہے۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ طریقہ کار کیا ہے؟

حمید کی دانست میں تو یہی مناسب تھا کہ وہ فیلڈ کو پکڑ کر اس سے جیرالڈ کا پتہ پوچھتا۔ وا اپنا قیدی بناتا۔ پولیس کو ہوا ہی نہ لگنے دیتا۔ اس سے پہلے بھی تو وہ کئی بار یہ طریقہ اختیار کا تھا۔

ادھر اس دوران میں ایک دوسری بات کا انکشاف ہوا تھا جو شیزان ہوٹل میں مسٹر براؤن ام آنے والی تاروں کے متعلق تھی۔ میجر نصرت نے اپنی تحقیقات برابر جاری رکھی تھیں اور ی رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ شیزان ہوٹل کے منیجر کا بیان تھا کہ مسٹر براؤن ام کے تار بار بار آتے رہے تھے لیکن وہ انہیں واپس کر دیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب وہاں مسٹر براؤن تھا ہی نہیں تو انہیں وصول کون کرتا تھا۔ میجر نصرت نے تار گھر سے رجوع کیا اپس کئے ہوئے تاروں کے فارم نکلوانا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں سے جو جواب ملا وہ حیرت انگیز پوسٹ ماسٹر نے بتایا کہ مسٹر براؤن کا کوئی تار کبھی واپس ہی نہیں آیا۔ سب وصول کئے گئے اس بار تار بانٹنے والوں کی پیئون بکیں نکلوائی گئیں۔ ان پر براؤن کے دستخط موجود تھے۔ ایک کا بھی طرز تحریر دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ مختلف آدمیوں نے مختلف ت میں براؤن کے دستخط کئے ہیں...... اور دو ایک دستخط تو ایسے تھے جیسے کسی آدمی نے یزی کے حروف کی نقل کر دی ہو۔ جو انگریزی سے قطعی نابلد ہو۔ یہ چیز حیرت انگیز تھی۔ اس لئے تار بانٹنے والوں سے باز پرس کی گئی اور ان سب نے یہی بتایا کہ وہ تار شیزان ہوٹل ہی وصول کئے گئے تھے۔ میجر نصرت کی الجھن کیلئے اتنا ہی کافی تھا۔ ہوٹل کے منیجر کا بیان کہ واپس کئے گئے اور محکمہ تار اس بات پر مصر کہ تار واپس ہی نہیں آئے اور انہیں شیزان ہی میں ل کیا گیا۔ لیکن اس کا کسی کے پاس بھی جواب نہیں تھا کہ دستخطوں میں اختلاف کیوں ہے۔

بہر حال اخبار میں یہ سب کچھ دیکھ کر حمید بھی الجھن میں پڑ گیا تھا اور اس بات سے وہ نس تھا کہ شیزان کے منیجر نے اپنی گردن بچالی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے تو سارے تار س کر دیئے تھے۔ اب اگر اس کے باوجود بھی تار بانٹنے والے کسی غلط آدمی کو تار دیئے جائیں ں میں اس کا کیا قصور؟ بات تھی بھی قاعدے کی خواہ سچ رہی ہو خواہ جھوٹ۔

حمید بڑی دیر سے ڈائننگ ہال میں بیٹھا انور اور رشیدہ کو کسی بحث میں مشغول دیکھ رہا تھا اور اسے اس بات پر صحیح معنوں میں خوشی تھی کہ جتنا وہ جانتا ہے اس کا عشر عشیر بھی انور کو نہیں معلوم۔

رات کے آٹھ بج چکے تھے اور حمید کھانے سے فارغ ہوکر اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک ویٹر نے اسے فون کال کی اطلاع دی۔ حمید کی موجودہ حیثیت میں یہ پہلی فون کال تھی اور اس کی اس حیثیت کا علم فریدی کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ اس لئے یہی نتیجہ نکالا جاسکتا تھا کہ وہ کال فریدی ہی کی تھی۔

وہ حقیقتاً فریدی ہی کی فون کال تھی اور فریدی نے اسے دس بجے رات کو رانی باغ کی اترائی کے قریب بلایا تھا۔

حمید کو یاد آیا کہ فریدی کا اقامتی غار رانی باغ کی اترائی سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ حمید نو بجے روانہ ہوکر ٹھیک دس بجے رانی باغ کی اترائی کے قریب پہنچ گیا۔

آج بھی مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔ حمید کو انتظار نہیں کرنا پڑا۔ فریدی اسے اپنی اقامتی غار میں لے گیا۔ حمید کو اس بات پر حیرت تھی کہ فریدی اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی کسی دن شیو کرنا نہیں بھولتا اور اس کے کپڑے بھی گندے نہیں تھے۔

فریدی نے وہ گھڑی حمید کو دکھائی جو پچھلی رات ارجن گھاٹی کی ایک چٹان پر ملی تھی۔

''اوہ...... یہ تو سو فیصد قاسم ہی کی ہے۔'' حمید بولا۔ ''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ قاسم جیراللہ ہی کے پھندے میں پھنس گیا ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پھر کہا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر جیراللہ کو قاسم سے اتنی دلچسپی۔ پچھلی بار بھی اس نے اسے اغوا کیا تھا۔''

''قاسم کام کا آدمی ہے۔ خصوصاً ایسے موقع پر۔'' فریدی چند لمحے رک کر بولا۔ ''جیراللہ اپنے لئے نئی زمین دوز دنیا تعمیر کررہا ہے کیا قاسم ایک اچھا مزدور نہ ثابت ہوگا۔ وہ غیر معمولی طور پر طاقتور ہے۔''

''تو اب قاسم کے غائب ہونے کا مسئلہ بھی صاف ہوگیا۔'' حمید نے کہا۔

''قطعی ...... لیکن یہ۔'' فریدی رنگین کپڑے کی دھجی حمید کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ''یہ بھی اس گھڑی کے قریب ملی تھی۔''

''اس کا کیا مطلب......!'' حمید چونک پڑا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''ظاہر ہے اس کپڑے کا لباس کسی عورت ہی کا ہوسکتا ہے۔''

''نہیں ...... اس کپڑے کے پردے بھی بنائے جاسکتے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔''

''میں کل رات اُس چٹان پر نشان بنا آیا تھا ہوسکتا ہے کہ راستہ وہیں کہیں قریب ہی ہو۔ ل رات بارش کی وجہ سے مجھے وہاں سے چلا آنا پڑا تھا۔ آج ہم اسے دیکھیں گے۔''

''آپ کے لئے ایک دوسری اطلاع بھی ہے۔'' حمید نے کہا اور براؤن کے تار کا واقعہ ہرادیا۔

''میری لئے یہ اطلاع بہت پرانی ہوچکی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''فرزند! یہ بات ں وقت کی ہے جب میں یہاں آیا تھا۔ میں نے اس تار کے متعلق چھان بین کی تھی اور مجھے لوم ہوا تھا کہ وہ شیزان میں براؤن کے نام پر پہلا تار نہیں تھا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ روں کا کیا حشر ہوا تھا۔ غالباً یہ بات اخبار میں نہیں آئی ...... کیوں؟''

''تار بانٹنے والوں کا بیان ہے کہ وہ وصول کئے گئے۔ حالانکہ وصول کرنے والے کے تخط مختلف کاپیوں پر مختلف ہیں۔ لیکن انہیں وصول ضرور کیا گیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ارے ہی تار بانٹنے والے براؤن کے آدمی ہوسکتے ہیں۔''

''ان میں سے ایک بھی براؤن کا آدمی نہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''پھر آخر تار کا کیا حشر ہوا۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''بتاتا ہوں۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''فرض کرو کہ تم ایک تار بانٹنے والے ہو۔ ہارے پاس کئی تار ہیں ان میں سے ایک ایسا بھی ہے جسے کسی نے لیا نہیں۔ بہرحال تم اسے پس لئے جارہے ہو۔ تمہیں اس تار کو دفتر میں واپس کرنا ہے۔ جب تم دفتر پہنچے اور تم نے اپنے

کاغذات جمع کرانے کے لئے نکالے تو وہ تار غائب تھا جسے تم نے واپس کرنا تھا اب بتاؤ تم ایسی صورت میں کیا کرو گے۔ اپنی جان بچانے کے لئے یہی کرو گے نا کہ وصول یابی کے اس خانے میں اس آدمی کے دستخط کردو جسے وہ تار پہنچنا چاہئے تھا۔ اب اگر پوچھ گچھ ہو تو تم یہ کہہ کر کسی حد تک پیچھا چھڑا سکتے ہو کہ وصول کنندہ کی پیشانی پر اس کا نام تو تحریر تھا نہیں۔ اس نے کہا وہ براؤن ہے اور تم نے اُسے تار دے دیا۔''

''تو کیا وہ سارے دستخط تار بانٹنے والوں کے ہیں۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''سو فیصدی یہی بات ہے۔ میں نے ان سب سے اقبال کرالیا ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ ان غریبوں کی مٹی پلید ہو۔ آخر ان کا کیا قصور۔ لیکن تاروں کو ان کی جیبوں سے غائب کرنے والا کوئی ایسا ہی آدمی ہوسکتا ہے جو شیزان میں ہر وقت موجود رہتا ہو۔''

''کمال ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''لیکن تار بانٹنے والوں نے یہ بات میجر نصرت کو نہیں بتائی۔''

''میں نے انہیں منع کردیا تھا۔ سمجھا دیا تھا کہ وہ اپنے اسی بیان پر اڑے رہیں کہ انہوں نے تار تقسیم کئے تھے۔''

''آخر اس میں کیا مصلحت تھی۔''

''محض ان غریبوں کی ملازمت بچانے کے لئے۔ وہ یہ بات مجھے بھی نہ بتاتے لیکن طریقہ کار نے اگلوا ہی لیا۔''

''آخر وہ کون آدمی ہوسکتا ہے جس نے تار اڑائے۔'' حمید خود سے بولا۔ ''کیا مورگن'' پھر اس نے چونک کر کہا۔ ''خوب یاد آیا...... مورگن اب تاریک شیشوں کی عینک بھی لگانے لگا ہے۔''

''خوب......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اچھا اب ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔ ہمیں بالکل سیاہ لباس میں چلنا ہوگا۔ تمہارے کپڑے وہ ادھر رکھے ہوئے ہیں۔''

''وہ جلد ہی تیار ہوگئے۔''

''بادل تو آج بھی ہیں۔'' فریدی بولا۔ ''لیکن بارش کے امکانات نہیں۔''

''اگر ہوں بھی تو آپ کا کیا بگڑتا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

نہیں بارش کی صورت میں وہ جگہ مخدوش ہوجاتی ہے۔''

وہ خاموشی سے راستہ طے کرنے لگے۔ حمید قدم قدم پر لڑکھڑا رہا تھا۔ اونچے نیچے ڑھے...... دراڑیں...... اور کانٹے دار جھاڑیاں۔

اس پاگل شہنشاہ کے متعلق بھی کچھ معلوم کیا آپ نے۔'' حمید نے پوچھا۔

کل رات کی اطلاع ہے کہ اس نے خود کو لہولہان کرلیا تھا۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔''

سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہے کیا بلا......؟''

اتنا میں جانتا ہوں کہ وہ محض مذاق نہیں ہے۔ اُس کے پس منظر میں کوئی اہم بات ہے۔''

اگر آپ چاہتے تو فیلڈ کو پکڑ کر اپنے طور پر بہت کچھ اگلوا سکتے تھے۔'' حمید نے کہا۔

ناممکن...... کیا تمہیں عرفانی صاحب[1] والی ڈائری کی تحریر یاد نہیں۔ جیرالڈ کے گروہ راز بتانے پر مرجانے کو ترجیح دیتے ہیں۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔

کیا آپ انور کو شریک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔''

نہیں...... میں اُسے ایک ہلکا سا سبق دینا چاہتا ہوں۔ وہ اپنی کارگزاریوں پر کچھ مغرور ہے۔''

مغرور تو آپ بھی ہیں۔'' حمید نے کہا۔

لیکن مجھے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں۔ جہاں میں بے بس ہوتا ہوں وہاں بے بسی کا بھی کرلیتا ہوں۔''

وہ ارجن گھاٹی کے قریب پہنچ گئے...... اب فریدی حمید کو جس راستے پر لے جارہا تھا وہ دشوار گزار تھا اور ذرا ہی دیر میں حمید کی سانس پھولنے لگی تھی۔ یہاں وہ کھڑے ہوکر چلنے ئے سینے کے بل رینگ رہے تھے۔

غالباً یہی وہ جگہ تھی۔'' فریدی نے چھوٹی سی ٹارچ نکال کر اُسے روشن کرتے ہوئے یہ رہا...... دیکھو یہ نشان......!'' اس نے پھر ٹارچ بجھا دی۔ وہ ٹھہر گیا تھا۔ حمید نے سوچا

---

[1] ے لئے ''جنگل کی آگ'' جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

چلو غنیمت ہے۔ اس طرح سانس بھی اعتدال پر آ جائے گا۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ فریدی پھر رینگنے لگا تھا۔ طوعاً و کرہاً وہ بھی بڑھا۔ فریدی نے اُبھری ہوئی چٹان کے گرد ایک چکر لگایا باریک سی شعاع والی ٹارچ روشن تھی اور وہ اس کی روشنی چٹان کی جڑ میں ڈال رہا تھا۔ دفعتاً ح کو ایک جگہ ایک دراڑ سی نظر آئی۔ اتنی لمبی اور چوڑی کہ ایک آدمی لیٹ کر باآسانی اس میں سما سک تھا۔ فریدی نے دراڑ میں ٹارچ ڈال کر دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اپنا سر پیچھے کھینچ لیا۔

"اندر سے کافی کشادہ غار ہے۔" اس نے سرگوشی کی۔

وہ گھاٹی کی سطح سے صرف دس یا بارہ فٹ کی اونچائی پر تھے اور ان سے فوج کا پڑاؤ بھ کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔

وہ غار

قاسم دن بھر کی محنت کے بعد کافی دل برداشتہ ہو رہا تھا اور یہ بات کچھ کچھ اس کی سمجھ میں بھی آنے لگی تھی کہ اسے بے وقوف بنایا جا رہا ہے اور آج تو اس سے بالکل ہی معمولی قیدیوں سا برتاؤ کیا گیا تھا۔ گھڑی کے معاملے میں وہ سانوٹے سے الجھ پڑا تھا اور نوبت پھر کشتی کی آ گئی تھی کہ تین چار انگریز اس پر ٹوٹ پڑے۔ کسی طرح وہ ایک پتھر سے اٹک کر گر گیا او انہوں نے اس کی خاصی مرمت کر دی۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے ریوالور نکال لیا او قاسم کو انتہائی غصے کے باوجود بھی کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

رہ گیا جیر اللہ کا معاملہ تو وہ پہلی ملاقات کے بعد سے پھر ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔ اگر کبھی قاسم سہواً بھی اس کا نام لے لیتا تو چاروں طرف سے اس پر یورش ہو جاتی تھی ساتھ وا لڑکیاں تک اُسے ڈانٹنے لگتی تھیں۔

قاسم پیال کے بستر پر پڑا غصے میں بل کھاتا رہا۔ اُسے پھر اپنی گھڑی کی یاد ستانے لگی

نے سوچا کہ اس وقت سانوٹے اپنے غار میں تنہا ہی ہوگا۔ تین چار گھنٹوں کے لئے کام رک ا اور اس زمین دوز دنیا کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ بجلی پیدا کرنے والے جنریٹر کو وہاں وں نے ایک ایسے غار میں فٹ کیا تھا جہاں سے اس کا شور پھیلنے نہیں پاتا تھا۔ یا پھر وہ ہی کسی خاص قسم کا رہا ہوگا...... بے آواز۔"

قاسم اٹھ بیٹھا۔ غصے سے اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ وہ اپنے غار سے نکل کر اس زیر غار میں آیا جہاں دن بھر کام کرتا رہا تھا۔ یہاں ایک بھی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا اور صرف بلب روشن تھا وہ بھی زیادہ سے زیادہ ساٹھ پاور کا رہا ہوگا۔ اتنے بڑے غار کے لئے اس کی نا کافی تھی۔

قاسم کو سانوٹے کا ٹھکانہ معلوم تھا۔ وہ سانوٹے کے غار میں داخل ہوا۔ لیکن سانوٹے ود نہیں تھا۔ کچھ دیر قبل شاید وہ یہیں رہا ہوگا۔ کیونکہ کھانے کے برتن جھوٹے پڑے ہوئے ۔ قاسم نے سوچا موقع اچھا ہے کیوں نہ اس کے سامان کی تلاشی لی جائے۔ شاید اس نے ی یہیں کہیں چھپا رکھی ہو۔ قاسم کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سانوٹے تھا تو وحشی لیکن اس استعمال کی ساری چیزیں اعلیٰ قسم کی اور پُر تکلف تھیں۔ وہ نہایت نفیس قسم کا تمباکو پیتا تھا۔ ا بستر بھی پُر تکلف تھا۔ سامان میں قاسم کو عمدہ قسم کے سینٹ کی شیشیاں بھی ملیں۔ ایک البم ائی دیا جس میں زیادہ تر ننگی تصویریں تھیں۔ کچھ خطوط بھی ملے جو لڑکیوں کی طرف سے لکھے ے تھے اور یورپ کے مختلف حصوں سے آئے تھے۔

اسے سب کچھ ملا لیکن وہ گھڑی نہ ملی جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ ساری چیزیں جوں کی ں رکھ کر مڑا ہی تھا کہ اُسے غار میں ایک دوسرے غار کا دہانہ نظر آیا۔ قاسم نے وہاں جھانک کر دیکھا لیکن تاریکی کی وجہ سے کچھ سجھائی نہیں دیا۔ اُس نے پلٹ کر سانوٹے کی ٹارچوں میں سے ایک اٹھائی اور غار میں اتر گیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر ایک مشین گن پر پڑی جس میں میگزین چڑھا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کسی حملے کے لئے پہلے ہی سے تیار کیا گیا ہو۔ قاسم اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد یہ بات اس کی سمجھ میں

آ گئی کہ وہ غار نہیں بلکہ ایک سرنگ ہے اور اس کی دیواروں کو باقاعدگی کے ساتھ تراشا گیا ہے۔سرنگ کافی کشادہ اور اونچی تھی۔اتنی اونچی کہ قاسم انتہائی طویل قامت ہونے کے باوجود بھی اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کے اوپری حصے کو نہیں چھو سکتا تھا۔وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ باہر نکلنے کا راستہ تو نہیں ہے۔وہ چلتے چلتے رک گیا اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا۔قاسم پلٹ کر اس سے لپٹ پڑا۔ٹارچ اس کے ہاتھ سے گر کر بجھ چکی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے محسوس کر لیا کہ وہ حملہ آور کون ہے۔اس کا ہاتھ حملہ آور کی پیٹھ پر پڑ گیا تھا جس پر لمبے لمبے بالوں کی ایک پتلی سی لکیر تھی اور اس کا جسم لوہے کی طرح سخت تھا۔

فریدی نے پھر دراڑ میں ہاتھ ڈال کر ٹارچ روشن کی۔حمید بھی رینگتا ہوا اُس کے قریب پہنچ گیا تھا۔اس نے بھی دراڑ میں جھانکا......وہ واقعی ایک بڑا سا غار تھا۔

''کیا خیال ہے۔'' حمید نے سرگوشی کی۔

''ہو تو سکتا ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔''بڑی مناسب جگہ ہے۔سامنے والی بڑی چٹان اس دراڑ میں گھاٹی کے درمیان دیوار کی طرح حائل ہے اگر ہم یہاں کھڑے بھی ہو جائیں تو اس طرف کے فوجی ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔اور پھر یہ دیکھو......!''

فریدی ایک گڑھے میں رینگ گیا جس میں کانٹے دار جھاڑیوں کی بہت سی کٹی ہوئی شاخیں پڑی تھیں۔

''آخر یہاں ان کٹی ہوئی جھاڑیوں کا کیا کام۔انہیں یہاں کسی نے اور کس مصلحت سے کاٹ کر ڈالا ہے......مائی ڈیئر سوچو......!'' فریدی کی آواز جوش میں کپکپانے لگی۔

''کیوں......ان جھاڑیوں میں کون سی خاص بات ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ......اگر انہیں اس دراڑ کے دہانے میں پھنسا دیا جائے تو کوئی اس دراڑ کی طرف دھیان ہی نہیں دے گا۔بلکہ شاید کوئی یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ ان جھاڑیوں کے پیچھے کوئی دراڑ بھی

ہے۔اب ان جھاڑیوں کی نوعیت پر غور کرو۔خشک ہو جانے کے بعد بھی ان کی رنگت تو برقرار رہتی ہے۔لہٰذا یہ کاٹی ہوئی بھی نہ معلوم ہوں گی۔پھر اس کے علاوہ ان کا مقصد ہو ہی کیا سکتا ہے۔آخر یہ یہاں کیوں ڈالی گئی ہیں۔''

''آپ تو ذرا ذرا سی باتوں پر......!''

''اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔'' فریدی بولا۔

اور دوسرے لمحے میں وہ لیٹ کر اس غار میں اتر رہا تھا۔پھر وہ حمید کی نظروں سے غائب ۔حمید دل ہی دل میں تاؤ کھا رہا تھا۔وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ سچ مچ جیرالڈ کی پناہ گاہ ہے بھی فریدی کو اس میں تنہا داخل ہونے کی حماقت نہ کرنی چاہئے تھی۔وہ اپنی جیب میں ور ٹٹولنے لگا۔وہ اب بھی غار کے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

پھر اُسے اندر مدھم سی روشنی دکھائی دی جو غالباً فریدی کی ٹارچ کی تھی۔تھوڑی دیر بعد ٹارچ خ دراڑ کی طرف ہو گیا۔فریدی اسے ہلا رہا تھا۔یہ حمید کے لئے بھی اترنے کا اشارہ تھا۔

حمید کو نیچے پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔غار کافی بڑا اور غیر مسطح تھا۔اس غار میں چھوٹے چھوٹے غار اور بھی نظر آ رہے تھے اور فریدی ان کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔حمید نے اُسے اچھی طرح دیکھا بھالا......ایک جگہ انہیں جوتا پڑا ملا جو پرانا نہیں تھا کئی جگہ سگریٹ جلے ہوئے ٹکڑے شراب کی بوتلوں کے کاگ بھی دکھائی دیئے۔

''دیکھو یہاں بھی ویسی ہی جھاڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔'' فریدی نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اور یہ سگریٹ کے ٹکڑے اور بوتلوں کے کاگ۔''

''یہ غار جیرالڈ کی پناہ گاہ نہیں ہو سکتا۔'' حمید نے کہا۔''کیا یہ ممکن نہیں کہ یہاں رام گڑھ لوگ عیاشیوں کے لئے آتے ہوں۔''

''وہ عیاشی کس قسم کی ہو سکتی ہے فرزند۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔''ایک تنہا آدمی کی عیاشی میں نہیں آتی۔''

"تو کیا وہ سب ایک ایک جوتا چھوڑ جانے کی اسکیم بنا کر آئے ہوں گے۔" حمید ہنس پڑا۔

"تو اس کا مطلب یہ کہ وہ لوگ صرف ایک کے علاوہ پہلے ہی سے بھاگنے کیلئے تیار تھے اور پھر یہاں سے تو بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگر تم باہر دراڑ کے سامنے جم جاؤ۔"

"او بابا.....تو پھر کیا ہے۔" حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اپنے مقدر میں تو بر ہمیشہ جوتے ہی آتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ انہیں آدمیوں میں سے کسی ایک کا ہوسکتا ہے جو اس وحشی کے پیچھے بھاگتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں بڑی بے دردی سے پکڑ کر اوپر والی دراڑ میں ٹھونس کر پہاڑ گرایا جاتا رہا ہوگا۔ اوپر پہلے ہی سے کچھ آدمی ان کے منتظر رہے ہوں گے۔ دراڑ کے سامنے کی چٹان، دراڑ والی چٹان پر اس طرح جھکی ہوئی ہے کہ وادی کے اوپر کھڑے ہوئے لوگ بھی دونوں کے درمیان فاصلہ کو نہیں دیکھ سکتے۔ اسلئے وہاں بیس آدمی با آسانی چھپ سکتے ہیں۔"

"اب میں اپنا سر کسی پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش کردوں گا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"کیوں؟"

"آخر وہ سب سالے ہیں کہاں؟" حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "مجھے تو آگے جانے کا بھی کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔"

"معاملہ جبر اللہ سے الجھا ہے، بیٹے خاں.....کسی نتھو بدھو خیراتی سے نہیں۔"

فریدی پھر ٹارچ کی مدھم سی روشنی میں غار کا جائزہ لینے لگا۔

"ارے.....!" وہ چونک کر بولا پھر کچھ سننے لگا۔

"کیا مصیبت ہے۔" اس نے کہا۔ "پھر بارش شروع ہوگئی۔ چلو نکلو جلدی۔"

وہ غار کے باہر آ گئے۔ بادل جم گئے تھے اور ہلکا سا ترشح شروع ہوگیا تھا۔ وہ وادی سے دور نکل جانے کی جدوجہد کرنے لگے۔

وحشی نے قاسم کے بازو پر منہ مارا اور قاسم کی چیخ نکل گئی۔ دوسرے لمحے میں اس کا وحشی کے چہرے پر پڑا اور وہ اندھیرے میں نہ جانے کدھر لڑھک گیا۔

"سالے.....!" قاسم نے ہانپتے ہوئے ایک گندی سی گالی دی۔

اچانک اندھیرا دور ہوگیا اور پوری سرنگ میں کئی بلب روشن ہوگئے تھے، اور سانوٹے میں ریوالور لئے کھڑا تھا۔ قاسم نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"تم سالا بھاگنا مانگتا۔" اُس نے ریوالور کی نال سے قاسم کو چلنے کو کہا۔

"اچھا چلو.....!" قاسم گردن جھٹک کر بولا۔ "مگر اتنا یاد رکھو کہ تمہاری جان میرے ہی سے جائے گی۔"

"چالو.....!" سانوٹے چنگھاڑ کر بولا۔ اس وقت وہ سیدھا کھڑا ہو کر چل رہا تھا۔

چلتے چلتے قاسم کے ذہن کی رو بہک گئی اسے وہ البم یاد آیا جو اس نے سانوٹے کے امان میں دیکھا تھا۔

"سالے تم آوارہ ہو۔" قاسم رکا اور پلٹ کر بولا۔ "گندی گندی تصویریں رکھتے ہو شرم ہیں آتی۔"

"تم کیا جانے۔" سانوٹے اُسے گھورنے لگا۔

"میں نے تمہارا البم دیکھا ہے۔"

"تم سالا چور.....!"

"نہیں پیارے.....!" قاسم مسکرا کر بولا۔ "وہ تو بڑی اچھی ہیں۔"

"تم دیکھا کیوں؟" سانوٹے نے گرج کر کہا۔

"میں اپنی گھڑی تلاش کررہا تھا۔"

"گھڑی گیا.....سالا جہنم میں۔"

"تم اگر وہ البم مجھے دے دو تو میں گھڑی نہیں مانگوں گا۔" قاسم نے کہا۔

"نہیں ڈے گا.....تم چالو.....نہیں گولی مارتا۔"

قاسم پھر چلنے لگا اور سانوٹے کے غار میں پہنچ کر اُس نے کہا۔ "اچھا ایک بار دکھا ہی دو"

سانوٹے ہنسنے لگا۔

"الاقسم میں بھاگ تھوڑا ہی رہا تھا۔" قاسم نے کہا۔ "یہاں آیا اور اس راستے سے ا چلا گیا۔"

"بیٹھ جاؤ.....!" سانوٹے نے ریوالور پتلون کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

اس نے البم نکالا اور وہ دونوں اس طرح تصویریں دیکھنے لگے جیسے کچھ دیر قبل کوئی با ہی نہ ہوئی ہو۔ شاید سانوٹے بھی قاسم کی طرح خبطی تھا۔ پھر اُن دونوں میں راز و نیاز شر ہو گئے۔

"اس کا آنکھ دیکھو.....!" سانوٹے نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"قاتل ہے۔" قاسم ہونٹ چاٹ کر بولا۔

"کاٹل کیا ہوتا۔"

"مرڈر.....!" قاسم نے قاتل کا انگریزی ترجمہ کیا۔

"تم الو ہو.....یہ کاٹل کیسے ہوتا.....اتنا اچھا ہے۔نہیں کاٹل نہیں ہوتا۔"

پھر وہ دونوں اپنی محبوباؤں کی باتیں کرنے لگے۔

"ہمارا چار بی لَوڈ ہے۔" سانوٹے بولا۔ "تم بی لَوڈ کو کیا بولتا ہے؟"

"معشوق.....!" قاسم نے کہا۔

"ماشوک.....!" سانوٹے ہنہنانے لگا۔

"ابے سالے تو اچھا خاصا آدمی ہے پھر کیوں گھوڑا بنتا ہے۔" قاسم نے کہا۔

"ہمارا ماشوک نے ہم کو گھوڑا بنا ڈالا" وہ پھر ہنہنایا۔

"اگر تم گھوڑا ہے تو میں تجھ پر سواری کروں گا۔" قاسم نے کہا۔

"آؤ.....!" وہ گھوڑا بن گیا اور قاسم اس پر سوار ہو گیا۔ اس نے غار کے دو تین چکر لگائے اور پھر یک بیک ہنہنا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ قاسم ہنسی میں مگن تھا کہ اس کا سر پچھلی دیوار سے ٹکرایا اور وہ ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ سر تو نہیں پھٹا تھا لیکن اچانک چوٹ لگنے کی وجہ سے بے ہوش ضرور ہو گیا تھا۔ سانوٹے اسے اس حال میں دیکھ کر ہنسنے لگا۔ وہ کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر اس نے قاسم کے کپڑے اتارنے شروع کر دیئے۔ جسم پر ایک دھجی بھی نہیں چھوڑی۔ اس نے اس کے سارے کپڑے اپنے صندوق میں رکھ دیئے پھر دوات اٹھائی اور اس میں انگلی ڈبو ڈبو کر قاسم کے ڈاڑھی اور مونچھیں بنانے لگا۔

پھر اچانک جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے دوات میز پر رکھ دی اور سرنگ میں دوبارہ داخل ہو گیا۔ یہاں کے بلب اب بھی روشن تھے۔ وہ چلتا رہا۔ پھر اس جگہ پر پہنچا جہاں پر سرنگ ختم ہو گئی تھی۔ یہاں ایک طرف لوہے کا ایک بے ڈھنگا سا ڈھانچہ رکھا ہوا تھا جس میں کل پرزے بھی نظر آ رہے تھے۔ اس نے اس میں لگے ہوئے ایک چھوٹے سے پہیے کو حرکت دی۔ دوسرے ہی لمحے میں سرنگ کے سرے پر ایک چھوٹا سا دروازہ نمودار ہو گیا اور اب سانوٹے اسی غار میں تھا جس میں تھوڑی دیر قبل فریدی اور حمید سر مارتے پھر رہے تھے۔ سانوٹے نے جھاڑیوں کی شاخیں اٹھا اٹھا کر غار کے دہانے میں پھنسانی شروع کر دیں۔

پہاڑ سے مقابلہ

فریدی اور حمید ابھی چڑھائی پر ہی تھے کہ بوندیں رک گئیں۔ فریدی پھر پلٹ پڑا اور حمید کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔

"اس غار کے متعلق آپ نے جو کچھ کہا انہیں میں دلائل نہیں بلکہ مفروضات سمجھتا ہوں۔"

"اور میں تمہارے اس خیال کی قدر کرتا ہوں۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"جب تک زندہ حقائق سامنے نہ آ جائیں کسی بات پر یقین نہ کرنا چاہئے۔"

"تو پھر اس دردسری سے کیا فائدہ۔"

"کسی چیز کا خیال اس کی پیدائش کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ میں ایک بار پھر اُس غار کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ میں نے وہاں کوئی غیر فطری چیز دیکھی تھی۔ اس کا کچا سا شعور اب بھی میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔"

"چلئے جناب......اب پکایئے اس شعور کو اور مجھے بھی کھلایئے۔" حمید عاجز آ کر بولا۔

غار اور ان میں پائی جانے والی اشیاء کے متعلق اُس نے جو خیال قائم کیا تھا اُس پر اب بھی جما ہوا تھا اور اب وہ دوبارہ وہاں جانے کو تضیع اوقات ہی سمجھتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی جگہ پہنچ گئے۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی اور پھر وہ حمید کی طرف مڑا جس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"کیا یہ جھاڑیاں دراڑ میں پھنسا کر گئے تھے۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا اور حمید۔ اندھیرے میں بھی اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک محسوس کرلی۔ جو کشت وخون کے موقعوں ضرور نظر آتی تھی۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے جھاڑیوں کی شاخیں دراڑ سے ہٹا شروع کردیں۔ راستہ صاف ہوجانے کے بعد اس نے دراڑ میں ٹارچ ڈال کر اندر کا جائزہ لی غار پہلے ہی کی طرح ویران نظر آرہا تھا۔ وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ انہیں غار میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ فریدی کی ٹارچ کی روشنی کی ننھی سی لکیر تیزی سے ادھر اُدھر گردش کررہی تھی۔ آخر ایک ابھرے ہوئے پتھر کے سامنے رک گیا۔

"ذرا اسے دیکھو......!" فریدی نے کہا۔ "کیا یہ پتھر تمہیں غیر قدرتی نہیں معلوم ہوتا۔"

"قطعی نہیں۔" حمید بولا۔ "مجھے تو ایسی خاص بات نظر نہیں آتی۔"

"اوہ......اس کی جڑ میں دیکھو...... یہ چاروں طرف لکیر کیسی ہے۔ شاید یہ چیز میر ذہن میں چبھ رہی تھی۔ میں نے اُسے پہلے بھی دیکھا تھا لیکن اس پر غور نہیں کیا تھا۔"

حمید نے جھک کر بڑے غور سے دیکھا۔ واقعی ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اسے وہاں خ طور سے فٹ کیا گیا ہو۔ اُسی جگہ کئی دوسرے پتھر بھی تھے مگر ان میں یہ بات نہیں تھی اور

ر میں وہ پتھر بھی دوسروں ہی کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ اسے فریدی کی باریک بین نظروں کا
ں ہوجانا پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پتھر پر زور آزمائی کررہا تھا۔ لیکن اس نے
جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ آخر وہ تھک کر پیچھے ہٹ آیا اور خود ہی بڑبڑانے لگا۔ "کیا حماقت
۔ بھلا یہ زور آزمائی کے لئے یہاں لگایا گیا ہوگا۔" وہ پھر ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ یہاں غار
دو تین چھوٹے چھوٹے گڑھے تھے۔ دوسرے لمحے میں روشنی کی پتلی سی لکیر ان گڑھوں میں
نے لگی۔ حمید کو بھی اچانک یاد آ گیا کہ جیرالڈ کی پچھلی زمین دوز دنیا کا نظام بھی مشینوں ہی پر
م تھا۔ اس کے ذہن میں طوفان سے اٹھ رہے تھے وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی وہ کامیابی سے
نے قریب ہیں۔ دفعتاً اس نے فریدی کی آواز سنی جو ایک گڑھے پر جھکا ہوا اس میں کچھ ٹٹول
تھا۔ حمید اس کی طرف لپکا پھر اُس نے فریدی کو اس گڑھے میں سے پتھروں کے چھوٹے
ٹے ٹکڑے نکالتے دیکھا۔

"چلو......جلدی کرو......میرا ہاتھ بٹاؤ۔" فریدی کی آواز کانپ رہی تھی۔ حمید نے جھک
ر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ پتھروں کے ڈھیر سے
ے کی ایک موٹی سی سلاخ جھانک رہی تھی اور پتھروں کو ہٹانے پر وہ ایک بڑے سے پہیے
ے کنارے پر لگا ہوا ہینڈل ثابت ہوئی۔ فریدی نے ہینڈل پکڑ کر پہیے کو گردش دی اور ساتھ
چ کا رخ اس پتھر کی طرف ہوگیا جو ایک طرف سے اس طرح اٹھ رہا تھا جیسے کسی صندوق کا
کن کھل رہا ہو۔ فریدی نے ہاتھ روک کر آسودگی کی ایک گہری سانس لی اور حمید سے بولا۔

"اب تمہارا کام شروع ہوتا ہے......تمہاری جیب میں ٹارچ ہے نا......!"

"ہے......!" حمید اپنی جیب میں پڑی ہوئی ٹارچ کو ٹٹولتا ہوا بولا۔

"اچھا تو تم......گھاٹی میں جاؤ......فوجی دستے کے انچارج کیپٹن شہاب سے کہنا کہ تم
رے آدمی ہو اور میں کامیاب ہوگیا۔ انہیں ساتھ لاؤ۔ لیکن گھاٹی میں اترتے ہی ٹارچ کا رخ
ہوں کی طرف کرکے اسے تین بار جلانا نہ بھولنا۔ ورنہ پہرے داروں کی گولیاں تمہارے جسم کو
لنی کردیں گی۔ سمجھے اور ہاں دوسری بات بھی......کیپٹن شہاب سے کہنا کہ فوراً ہی میجر نصرت

کو اس کی اطلاع بھجوادے کہ فریدی پہنچ گیا اور پھر وہ اپنا کام کرنے لگے گا۔"

"کیسا کام......؟"

"فیلڈ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری...... خاص طور سے وہ پاگل...... وہ بہت اہم ہے۔ اب میں کچھ کچھ اس کی اصلیت کو پہنچ رہا ہوں۔"

"کیا بات ہے؟"

"پھر...... ابھی نہیں۔" فریدی اُسے دھکیلتا ہوا بولا۔ "جاؤ...... جلدی کرو۔"

سانوٹے اپنے غار میں واپس پہنچا تو قاسم کو ہوش آچکا تھا اور وہ اس کے بستر کی چادر لپیٹے بیٹھا بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

"ارے ستیاناس۔" قاسم اُسے دیکھ کر للکارا۔ "یہ کیا کیا تو نے سُوّر کے بچے۔"

"بھاگ جاؤ سالا...... ہمارا چادر چھوڑو۔" وہ چادر کھینچنے لگا۔

"ابے...... ابے...... دھت تیری...... سس...... سالے...... ہماری...... حرامی۔"

دونوں میں چادر کے لئے جدوجہد ہونے لگی۔ سانوٹے کبھی قہقہے لگاتا اور کبھی ہنہنا لگتا۔ آخر اس نے چادر چھین ہی لی اور قاسم بدحواسی میں اس غار سے نکل کر بھاگا۔ قریب ہ ایک دوسرا دروازہ نظر آیا اور وہ اس میں گھس گیا۔ دو نسوانی چیخیں بلند ہوئیں۔ اندر سے لڑکیاں چیختی ہوئی باہر نکلیں اور بدحواسی میں بھاگتی چلی گئیں۔ سانوٹے نے یہ سب کچھ سنا لیکن باہر نکل کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ سب حرکتیں کسی مشین سے سرزد ہوئی ہوں۔ اس نے بستر کے نیچے سے شراب کی بوتل نکالی اور اسے ہونٹوں سے لگا ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ پھر اس نے اسے ایک طرف اچھالتے ہوئے چادر تان لی بوتل زمین پر گر کر چور چور ہوگئی۔ اچانک اس کے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی زور زور سے بجی اور اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پھر اس نے دوسرے لمحے میں سرنگ کے دہانے میں چھلانگ لگادی

ندھیرا تھا اس نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ کو دبا کر سرنگ کے بلب روشن کردیئے اور سے دوڑتا ہوا آخری سرے تک آیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ والی دیوار کو گھور رہا تھا جس کی سطح پر ایک طرف تھوڑی ناہموار ہوگئی تھی۔ پھر اس نے رتی سے جھک کر مشین کا پہیہ گھمایا۔

فریدی بے اختیار چونک پڑا۔ کیونکہ غار روشن ہوگیا تھا اور وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر ایک صندوق کے ڈھکن کی طرح ایک طرف ہوگیا تھا۔

دوسرے لمحے میں کوئی جھپٹ کر اس راستے سے باہر آیا۔

"خبردار......!" فریدی نے ریوالور نکال لیا۔ لیکن سانوٹے ریوالور کی پرواہ کئے بغیر اُس پڑا۔ فریدی نے پے در پے تین فائر کئے لیکن سانوٹے پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا جیسا جسم فریدی کو دبا رہا تھا فریدی ریوالور پھینک کر اس سے لپٹ پڑا۔ اس نے اسے طرح دیکھ لیا تھا۔ وہ اسی روایتی گھوڑے سے الجھا ہوا تھا جس کا شہرہ رام گڑھ میں عام تھا۔ الپٹ تو پڑا لیکن اب اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اسے کبھی زیر نہ کرسکے گا۔ اس میں بلا اقت تھی اور فریدی کو یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے سچ مچ کسی گھوڑے ہی سے کشتی لڑ رہا ہو۔ کو افسوس تھا کہ اس نے ریوالور کیوں پھینک دیا۔ وہ اس کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ چکا وہ جانتا تھا کہ گولی کہاں کارآمد ثابت ہوسکتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو ریل رہے ایک بار فریدی کا پیر ریوالور پر پڑ کر پھسل گیا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھٹنوں کے مین پر چلا آیا لیکن ریوالور اب اس کے ہاتھ میں تھا۔ دفعتاً فریدی نے سرنگ میں کئی ل کے قدموں کی آوازیں سنیں اور سانوٹے چیخنے لگا۔ بڑا خوفناک لمحہ تھا۔ فریدی اپنا وہ آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگا جس میں ریوالور تھا۔ مقدر یاور تھا کہ وہ اس میں کامیاب ۔ دوسرے لمحے میں ریوالور کی نال سانوٹے کے چہرے سے جا لگی اور فریدی نے یہ

سوچے بغیر پے درپے کئی فائر کردیئے کہ اگر اس کا ہاتھ ذرا سا بھی ہل گیا تو خود اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ ہر فائر کے ساتھ اس نے سانوٹے کی بھیانک چیخیں سنیں اور پھر اس کا جسم اس کے اوپر سے پھسل کر ایک طرف لڑھک گیا۔ پانچ چھ انگریز سرنگ کے دہانے پر پہنچ چکے تھے۔

"خبردار......!" فریدی ریوالور کا رخ ان کی طرف کرکے سیدھا کھڑا ہوگیا۔ لیکن اس کا سر چکرا رہا تھا۔ ابھی تک وہ سچ مچ ایک پہاڑ سے لڑتا رہا تھا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ اپنے ذہن پر قابو رکھ سکے مگر ناکام رہا اور ریوالور سمیت زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ انگریز اس پر ٹوٹ پڑا۔

حمید فریدی سے رخصت ہوکر گھاٹی میں اترا اور اس نے ٹارچ کا رخ کیمپ کی طرف کرکے اسے تین بار روشن کیا اور پھر خیموں کی جانب چل پڑا۔ ابھی وہ آدھے ہی راستے میں تھا کہ اس نے بھاری قدموں کی آواز سنی۔ پھر جلد ہی اس کا سابقہ پانچ عدد اٹھی ہوئی رائفلوں سے پڑا۔

"تم کون ہو......؟" ایک فوجی نے کہا۔

"دوست...... مجھے کیپٹن شہاب کے پاس لے چلو۔"

"تم نے کتنی بار ٹارچ جلائی تھی؟"

"تین بار......!" حمید نے گہری سانس لی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد شہاب کے پاس پہنچ جائے کیونکہ وہ فریدی کو غار میں تنہا چھوڑ آیا تھا اور وہ فریدی کی اس عادت سے بخوبی واقف تھا کہ شکار کے قریب پہنچ جانے پر پھر اس سے صبر نہیں ہوسکتا۔

فوجی اسے کیپٹن شہاب کے پاس لے گئے۔ حمید نے فریدی کا پیغام دہرا دیا۔

"آپ کون ہیں......؟" کیپٹن شہاب نے پوچھا۔

"سارجنٹ حمید...... میرے خیال سے جلدی کیجئے۔"

"لیکن مسٹر فریدی ہیں کہاں......"

حمید نے واقعات بتاتے ہوئے کہا۔ "اب وہ اس غار میں ہمارے منتظر ہوں گے۔"

"انہیں کا کام تھا۔ اچھا ٹھہریئے۔" کیپٹن شہاب نے کہا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔

حمید بری طرح بے تاب تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی تنہا ہی غار میں نہ داخل ہوگیا ہو۔ ہرلحظہ اس کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ تیاری میں پندرہ بیس منٹ لگ گئے اور حمید خون کے گھونٹ پیتا رہا۔ پھر تیس آدمیوں کا دستہ شہاب کی قیادت میں چٹانوں کی طرف بڑھنے لگا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" شہاب نے کہا۔ "میں مسٹر فریدی کا پیغام میجر نصرت کے پاس ٹرانسمیٹر کے ذریعہ بھی پہنچا سکتا تھا لیکن مسٹر فریدی نے مجھے پہلے ہی ہدایت کردی تھی کہ میں میجر نصرت کے پاس کوئی خاص آدمی بھیجوں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔"

"پتہ نہیں۔" حمید تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا بولا۔ "وہ ہمیشہ ہر بات کی وجہ بعد ہی میں بتاتے ہیں۔"

وہ تھوڑی ہی دیر بعد چٹان کے قریب پہنچ گئے۔

سب سے پہلے حمید غار میں اترا...... پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ چیخ رہا تھا۔

"کیپٹن جلدی آؤ...... یہاں اس گھوڑے کی لاش پڑی ہے۔"

کیپٹن غار میں اتر گیا اور اس کے بعد بقیہ فوجی بھی ایک ایک کرکے اترے۔ سانوٹے کی لاش بڑی خوفناک لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔

"لیکن......!" حمید تقریباً چیخ پڑا۔ "فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

غار میں کئی ٹارچیں روشن تھیں۔ حمید اس پتھر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بدستور اپنی جگہ پر تھا۔

"غضب ہوگیا۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "شاید فریدی صاحب پکڑ لئے گئے۔"

"کیوں...... یہ کیسے۔" شہاب اسے گھور کر بولا۔

"اگر وہ خود سے گئے ہوتے تو راستہ کھلا ہوتا۔"

"ہوسکتا ہے خود انہوں نے اندر سے بند کرلیا ہو۔ آخر ادھر بھی تو کچھ ہوگا۔"

حمید اس گڑھے کی طرف جھپٹا جس میں پہیہ تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ

سے چیخ نکلی۔ اگر ایک فوجی اسے سہارا نہ دیتا تو وہ چکرا کر گر ہی پڑتا۔

''کیا ہوا.....؟'' کیپٹن شہاب اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''پہیہ بھی غائب ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''پہیہ غائب تھا..... جس جگہ وہ نصب تھا وہاں صرف ایک سوراخ نظر آرہا تھا۔''

''وہ انہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔'' حمید ہذیانی انداز میں چیخا۔ ''کچھ کیجئے..... کچھ کیجئے۔''

''میں کیا کروں..... کیا کرسکتا ہوں۔''

''اوہ..... میں کیا بتاؤں۔'' حمید سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بچوں کی طرح چیخ چیخ کر روئے۔ کیپٹن شہاب پہیے کی جگہ والے سوراخ کا جائزہ لے رہا تھا۔

''اس کے اندر کچھ ہے تو.....!'' اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''لیکن کیا کیا جاسکتا ہے..... اور اچھا ہم اس پتھر کو توڑنے کی کوشش کریں..... مگر یہ بھی محال ..... مگر ٹھہریئے میں کیمپ سے کدالیں منگواتا ہوں۔''

بساط الٹتی ہے

فریدی کو جلد ہی ہوش آگیا۔ ہوش میں آتے ہی اُسے اپنی کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ شاید زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اسے اس قسم کی زک اٹھانی پڑی تھی۔ اگر وہ لڑکھڑا کر ان کے قابو میں نہ آیا ہوتا تو اُسے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ سب غیر متوقع طور پر خوفزدہ ہوچکے تھے کہ اس کا سر چکرا گیا اور انہوں نے اُسے ایک بے بس چوہے کی طرح دبوچ لیا۔ ان انگریزوں کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ بیرونی غار میں کیا ہورہا ہے۔ مگر قاسم والے ہنگامے نے انہیں ہوشیار کردیا تھا۔ خوفزدہ لڑکیوں نے انہیں قاسم کے متعلق بتایا اور پھر وہ سب قاسم کو گھیر کر ڈنڈوں سے پیٹنے لگے۔ بہرحال اس نے کسی نہ کسی طرح چیخ چیخ کر انہیں سانوٹے کی حرکت سے متعلق بتایا اور وہ قاسم کو چھوڑ کر سانوٹے کے غار کی طرف جھپٹے۔ یہاں انہوں نے سانوٹے کے بستر کے سرہانے لگے ہوئے الارم پر خطرے کا سرخ بلب جلتا ہوا دیکھ اور سرنگ بھی روشن نظر آئی۔ اس طرح ان کی رسائی بیرونی غار تک ہوئی تھی۔ فریدی پر قا

13

کے بعد انہوں نے بیرونی غار والا پہیہ نکال لیا تھا اور مطمئن ہوگئے تھے کہ اب دنیا کی کوئی سرنگ کے راستے والے پتھر کو اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتی۔ وہ کچھ دیر بیرونی غار میں بھی رہے تھے لیکن انہیں کسی طرف سے کوئی آہٹ نہ ملی اور وہ مطمئن ہوگئے کہ ان کا شکار تھا۔ وہ تعداد میں سات تھے اور فریدی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ فریدی ہوچکا تھا..... لیکن اس غیر متوقع شکست پر اس طرح بپھرا ہوا تھا کہ موقع کی نزاکت کا ں بھی جاتا رہا۔

''ارے.....!'' دفعتاً ایک انگریز چیخا۔ ''یہ تو فریدی ہے۔''

''فریدی.....!'' وہ سب بیک وقت بولے۔

''ہاں..... ٹھہرو..... میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔''

''وہ عورت کہاں ہے؟'' دفعتاً فریدی چیخا۔

''کون عورت.....؟'' پستہ قد انگریز نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ جسے میں غار میں تھوڑی دیر قبل چھوڑ گیا تھا۔''

''کیا بکتے ہو۔'' پستہ قد انگریز غرایا۔ ''اگر تم فریدی ہو تو اب ہم دھوکہ نہیں کھا سکتے۔''

''کیسا فریدی۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ ''تم لوگ کون ہو..... اور یہ سب کیا ہے۔ یہ سب نہیں تھا۔ میں ہمیشہ اس غار کو استعمال کرتا رہا ہوں۔''

فریدی نے کسی عیاش آدمی کی طرح مسکرا کر اپنی بائیں آنکھ دبائی۔ پھر وہ دفعتاً غصہ کے سے بولا۔ ''وہ عورت کہاں ہے..... اُسے واپس کردو..... ورنہ میں بہت بُرا آدمی ہوں۔''

''یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تم بہت بُرے آدمی ہو..... ورنہ لوگ عیاشی کے لئے عورت ساتھ ریوالور نہیں لاتے۔'' ایک انگریز نے کہا۔ پھر وہ پستہ قد انگریز سے بولا۔ ''اگر یہ ہی ہے تو اس کے لئے ایک بہترین تحفہ ثابت ہوگا۔ کیوں.....؟''

''یہ فریدی ہی ہے۔'' پستہ قد انگریز نے کہا۔ ''اس کی تصویریں باس کے کمرے میں بند رنہ میں تمہیں یقین دلا دیتا۔''

ان کی گفتگو سے فریدی نے اندازہ لگالیا کہ وہ باس جیرالڈ ہی ہوسکتا ہے۔ اور وہ ا
وقت یہاں موجود نہیں ہے۔ اس بے بسی کے عالم میں بھی اُسے افسوس ہورہا تھا۔ افسوس
بات ہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس بار پھر جیرالڈ بچ نکلے گا۔

"ارے وہ موٹا تو ہے۔" دفعتاً ایک بولا۔ "وہ تو اُسے پہچانتا ہی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" پستہ قد انگریز نے کہا۔ "میں اُسے لاتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ بقیہ چھ انگریز فریدی کے سر پر مسلط رہے۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ شاید ا
وقت یہاں جیرالڈ کے آدمیوں میں سے صرف اتنے ہی ہیں اگر ان کے علاوہ بھی کچھ اور ہو۔
تو وہ بھی اب تک یہاں پہنچ چکے ہوتے۔

قاسم جیسے ہی کمرے کے سامنے پہنچا باہر کھڑی ہوئی لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ اُس کا حلیہ
اس قسم کا تھا کہ دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی۔ روشنائی سے بنائی ہوئی ڈاڑھی اور مونچھیں ا
تک برقرار تھیں۔ شاید قاسم کو ان کا علم ہی نہیں تھا۔ اس نے لڑکی کا پھولدار پیٹی کوٹ اپنی
کے گرد منڈھ رکھا تھا اور جسم کا اوپری حصہ بالکل ننگا تھا۔ فریدی نے اُسے اس حالت میں د
تو اُسے ہنسی آگئی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں قاسم اُسے شناخت ہی نہ کرلے۔

قاسم دروازے کے سامنے رک گیا تھا۔ ایک بار اس کے ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کھ
لیکن پھر بند ہوگئے۔ وہ بالکل ساکت و صامت فریدی کو گھور رہا تھا۔ وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں
کہ سچویشن کو نہ سمجھتا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ تھوڑی دیر قبل اس پر ڈنڈوں کی بار
ہوچکی تھی۔ وہ چپ کھڑا رہا۔

"اسے پہچانتے ہو۔" پستہ قد انگریز نے فریدی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"میں نہیں جانتا۔" قاسم غرا کر بولا۔ "تم لوگ مجھے سونے کیوں نہیں دیتے۔"

"تم جھوٹے ہو۔" پستہ قد انگریز نے کہا۔

"تم جھوٹے۔۔۔۔۔ تمہارا باپ جھوٹا۔۔۔۔۔ سالو کیوں میرے پیچھے پڑگئے ہو۔ میں شاستر
صاحب کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا ورنہ اب تک تم میں سے ایک آدھ کو مروڑ کر رکھ دیتا۔" قا

ر واپس جانے کے لئے مڑا۔

"سنو تو۔۔۔۔۔!" پستہ قد انگریز نے اُسے روکنے کی کوشش کی۔

"نہیں سنتا۔۔۔۔۔!" قاسم مڑے بغیر دھاڑا اور اپنے غار کی طرف چل پڑا۔ لیکن اس کی
زدہ کھوپڑی حرکت میں آگئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ فریدی کو ضرور مار ڈالیں گے
۔ وہ کئی بار اس کے متعلق ان لوگوں کی گفتگو سن چکا تھا اور اگر فریدی مرگیا تو دنیا کی کوئی
ں اُسے اس قید سے رہائی نہ دلا سکے گی۔ تھوڑی برف اور پگھلی۔ دفعتاً اُسے ان ساٹھ ستر
ں کا خیال آیا جو سانوٹے کے ڈر سے دن رات گدھوں کی طرح محنت کرتے تھے۔ اس
وچا کہ کیوں نہ انہیں اکسایا جائے۔ اگر وہ سب ایک ساتھ پل پڑیں تو آٹھ دس انگریزوں
ئی بہ آسانی بن جائے گی۔ لیکن وہ لڑکیاں۔ وہ انہیں [illegible] گے۔ اس کا دل
ں کے لئے بُری طرح کڑھنے لگا۔۔۔۔۔ جیسے ہی وہ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں مزدور
وں کی طرح رہتے تھے ہر طرف قہقہے بلند ہونے لگے۔ وہ سب لوگ جاگ رہے تھے اور
ئے بھی تھے وہ قاسم اور سانوٹے کے ہنگامے کی وجہ سے جاگ پڑے تھے۔ لیکن کسی میں
مت نہیں تھی کہ کمرے سے باہر قدم نکالتا۔

"ابے سنو۔۔۔۔۔ ہنسو نہیں۔" قاسم دونوں ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

پھر بھی کچھ لوگ ہنستے رہے۔

"اچھا۔۔۔۔۔ تو میں بلاتا ہوں سانوٹے کو۔" قاسم نے دھمکی دی اور یک بیک اس طرح
ئی چھا گئی جیسے قہقہوں میں بریکیں لگ گئی ہوں۔

"دیکھو۔۔۔۔۔!" قاسم نے انہیں مخاطب کیا۔ "آج ان حرامزادوں نے ایک ایسے آدمی کو
یا ہے کہ کیا بتاؤں۔ اگر انہوں نے اسے مار ڈالا تو کیا بتاؤں؟ ہم زندگی بھر یہاں سے نہ
لیں گے۔ وہ ہماری رہائی کے لئے یہاں آیا تھا لیکن پکڑلیا گیا۔ وہ اُسے مار ڈالیں گے۔"

"تو پھر ہم کیا کریں۔" ایک آدمی نے کہا۔

"ارے تم سب کچھ کرسکتے ہو میرے پیارے۔" قاسم نے کہا اور اُسے یک بیک توم

لیڈروں کی تقریریں یاد... بلیں۔ اس نے مٹھی باندھ کر کہا۔ ''تم سپوت کے وطن ہو! ہم لڑائی کے لئے آزادی کریں گے... لڑیں گے آزادی کے لئے۔ وہ صرف سات ہیں اگر تم لپٹ پڑ تو سب کی چٹنی ... جائے... ڈرتے ہو وہ سالا گھوڑا ابھی اس وقت موجود نہیں۔''

''مگر ہم...... باہر تو نہ نکل سکیں گے۔'' ایک نے کہا۔ ''ہم راستہ نہیں جانتے۔ دوسرے آ کر ہماری چٹنی نہ بنادیں گے۔''

''ارے میرے پیارے بھائیو۔'' قاسم بولا۔ ''وہ آدمی جسے پکڑا گیا ہے، ایک بڑا آفیسر ہے اور وہ راستہ جانتا ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔''

''نہیں وہ گھوڑا......!''

''ابے چلو......! اُس سے میں نپٹ لوں گا وہ مجھے نہیں پچھاڑ سکتا۔''

''... غل مچاتا'' دفعتاً ایک انگریز دروازے کے قریب آ کر چیخا اور وہ سب ... سے انگریز کی طرف بڑھا اور اس نے اس کی گردن پکڑ لی اور اسے اتنی مہلت ... بھی نکال سکتا۔ پھر اس نے ... سے اونچا اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اُس ... چیخ نکلی سکی۔

''آؤ...... بڑھو......'' ... نے انہیں پھر للکارا۔ لیکن انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کی۔

''اچھا......!'' قاسم پھر ... گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔ ''میں جاتا ہوں اور ان سے کہہ دوں گا کہ تم نے اس انگریز کو مار ڈالا۔ تم جانتے ہو کہ وہ میرا کچھ خیال بھی کرتے ہیں۔''

''نہیں...... نہیں۔'' بہت سی آوازیں آئیں اور پھر ان میں کھسر پھسر ہونے لگی۔

''ہم تیار ہیں۔'' آخر دو تین آدمیوں نے کہا۔

''تو آؤ...... اور کچھ دیکھے سنے بغیر ان پر ٹوٹ پڑو۔''

ادھر دو تین انگریز فریدی کو اس کمرے سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسے کسی محفوظ جگہ میں بند کر دیں۔ وہ اپنی انتہائی قوت صرف کر رہے تھے لیکن فریدی اپنی

...ے ملنے کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ اچانک اس کا ہاتھ ایک انگریز کی جیب سے ٹکرایا جس میں ریوالور کی موجودگی کا شبہہ ہوا۔

''دیکھو...... اٹھو...... ورنہ گولی مار دوں گا۔'' دروازے کے قریب کھڑے ہوئے انگریز ...کہا جس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اچانک فریدی نے ان انگریزوں سے ایک لو دھکا دیا جو ...ے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ وہی انگریز تھا جس کی جیب میں فریدی نے ریوالور محسوس ...ا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ اس کی جیب میں تھا اور باہر نکلتے ہوئے ریوالور کی ...ے ایک شعلہ نکلا۔ دروازے کے قریب کھڑا ہوا انگریز چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ بقیہ اچھل کر ...ے ہٹ گئے۔

''خبردار......!'' فریدی انہیں ریوالور کی زد میں لیتا ہوا بولا۔

پانچ مرد اور پانچ عورتیں بے بس کھڑی تھیں۔

پھر باہر شور سنائی دیا۔ قاسم درانہ اندر گھستا چلا گیا۔ اس کے پیچھے دوسرے آدمی بھی تھے۔ ...ن یہاں کی سچویشن دیکھ کر وہ سب سناٹے میں آ گئے۔

لڑکیوں کے منہ سے خوفزدہ سی چیخیں نکلیں۔

''قاسم...... تم واقعی عقلمند ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''بس اب انہیں باندھ لو...... کوئی مرنے پائے۔''

''واہ......! ان سالوں کی تو چٹنی بنے گی۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''نہیں جو میں کہتا ہوں وہ کرو...... کل اخبارات میں تمہارا نام بڑی شان سے شائع ہوگا۔''

''اچھی بات ہے......'' قاسم لڑکیوں کو گھورتا ہوا بولا۔ ''آپ کہتے ہیں تو میں مانے لیتا ...ں۔''

''وہ سب اس طرح پکڑ لئے گئے جیسے مرغیاں پکڑی جاتی ہیں۔''

''لیکن...... وہ سالا گھوڑا نہیں ہے۔'' قاسم نے فریدی سے کہا۔

''اسے میں نے پہلے ہی مار ڈالا۔'' فریدی بولا

''سنا تم نے۔'' قاسم مزدوروں کو مخاطب کر کے بولا۔ ''فریدی صاحب نے سانوڑے کے بچے کو پہلے ہی مار ڈالا۔''

مزدور خوش ہو کر چیخنے لگے۔

''فریدی صاحب۔'' قاسم بڑے زور سے چیخا۔ پھر دانت نکال کر مزدوروں سے کہنے لگا۔ ''ابے زندہ باد کہو۔''

مزدوروں نے زندہ باد کی ہانک لگائی۔

''کیا بیہودگی ہے۔'' فریدی کو ہنسی آ گئی۔

قاسم نے فریدی کو سرنگ کے متعلق بتایا۔ فریدی قاسم کو وہیں چھوڑ کر سرنگ میں داخل ہوا۔ سرنگ کے بلب اب بھی روشن تھے۔ فریدی کو یقین تھا کہ ان لوگوں نے بیرونی غار والے میکنزم کو ضرور تباہ کر دیا ہوگا۔ ورنہ اب تک حمید وغیرہ ضرور داخل ہو جاتے۔ وہ سوچ رہا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ بیرونی غار میں سر مار رہے ہوں۔

وہ سرنگ کے آخری سرے پر آ کر رک گیا اور یہاں وہ مشین کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی جس سے سرنگ کا دہانہ کھولا جاتا۔ فریدی سرنگ کے دہانے پر پے در پے دھمک محسوس کر رہا تھا۔ کہیں وہ لوگ اس پتھر کو توڑنے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہیں۔ اس نے مشین کے پہیے کو تھوڑا سا گھمایا۔ ایک پتلی سی دراڑ دیوار میں پیدا ہو گئی۔ دوسری طرف کا شور سنائی دینے لگا اور کئی کدالوں کے پھل دراڑ میں داخل ہو گئے۔ فریدی نے تھوڑا درہ اور کیا اور پھر چیخ کر بولا۔

''کیپٹن کہیں گولی نہ مار دینا...... میں ہوں فریدی۔''

''فریدی صاحب......!'' اُسے حمید کی چیخ سنائی دی۔

''ہاں میں ہوں۔'' فریدی نے کہا اور پورا دہانہ کھول دیا۔ سب سے پہلے حمید گرتا پڑتا اس تک پہنچا۔ پھر کیپٹن۔

''افسوس......!'' فریدی بولا۔ ''جیرالڈ یہاں موجود نہیں تھا۔''

جہنم میں گیا جیرالڈ......!'' حمید جھلا کر بولا۔ ''آپ اکیلے ہی کیوں گھس پڑے تھے۔''

فریدی نے مختصراً پوری روداد دہرائی پھر بولا۔ ''میں ذرا اس گھوڑے کی لاش دیکھوں میرا خیال ہے کہ وہ کوئی سائنسی کارنامہ نہیں تھا۔''

''ٹھیک خیال ہے آپ کا......!'' کیپٹن نے کہا۔ ''اس میں تو بھس بھرا ہوا تھا۔ اس کے م کی کھال پلاسٹک کی ہے اور اُس میں بال لگے ہوئے ہیں اور اس کھال کے نیچے اس نے ٹ پروف پہن رکھے تھے، لیکن کمال کی کھال بنائی تھی۔ بالکل اصلی معلوم ہوتی تھی۔''

''میں نے بلٹ پروف محسوس کر لئے تھے۔'' فریدی بولا۔ ''اسی لئے میں نے اس کے رے پر فائر کئے تھے مگر تھا کسی گھوڑے ہی کی طرح طاقتور...... خدا کی پناہ۔''

پھر وہ سب اندر آئے۔ قاسم کی حالت دیکھ کر حمید ہنسی کے مارے گر پڑا۔ قاسم سارے اروں میں اسے دوڑاتا پھر رہا تھا۔ ایک ایک کر کے قیدی باہر نکالے جانے لگے۔ پھر حمید ریدی، قاسم اور کیپٹن ان غاروں میں تنہا رہ گئے۔ فریدی وہاں پہنچا جہاں بجلی پیدا کرنے والا نریٹر چل رہا تھا۔ اس نے اس کو بند کر دیا۔ وہ سب باہر آئے۔ دہانے پر تین فوجیوں کو تعینات کر دینے کے بعد وہ گھاٹی میں اتر کر اس خوفناک چٹان کی طرف بڑھنے لگے جو اب تک دو آدمیوں کی جانیں لے چکی تھی۔ چٹان کے نیچے پہنچ کر فریدی حمید اور شہاب کے احتجاج کے اوجود وہ اوپر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا۔

وہ بندروں کی طرح جھولتا ہوا چٹان کے اوپر پہنچ گیا۔ حمید کا دل دھڑک رہا تھا۔ لیکن اس نے کوئی خوفناک چیخ نہیں سنی۔ فریدی تھوڑی دیر بعد پھر نیچے آ گیا۔ اس نے کہا۔ ''وہی بات...... جو میں نے پہلے کہی تھی۔ چٹان پر باریک باریک تاروں کا جال بچھا رکھا تھا جن میں وقت کرنٹ رہتا تھا اور یہ جگہ انہوں نے ایسے موقعوں کے لئے بنائی تھی جب پولیس اس گھوڑے کا تعاقب کرے۔''

آخری معرکہ

دوسرے دن کے اخبارات کے ضمیمے بہت جلد بازار میں آ گئے پھر اسی جیرالڈ کی داستان تھی جس کے ذکر سے چھ ماہ پیشتر دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا تھا...... غاروں کی داستان تھی جن

سے بے اندازہ دولت برآمد ہوئی تھی۔ تین عجوبہ روزگار راکٹ دستیاب ہوئے تھے جن کے متعلق خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ آواز سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اوپر جاتے ہیں۔ فریدی اور حمید کے نام جلی حروف سے شائع کئے گئے تھے۔ قاسم کا بھی تذکرہ تھا جس نے ا حکمت عملی سے فریدی کی جان بچانی چاہی تھی۔ لیکن خود جیرالڈ...... وہ اس بار بھی فرار ہو میں کامیاب ہوگیا تھا اور دنیا کے لئے ایک عظیم خطرہ بدستور باقی تھا۔ اس پاگل آدمی کا تذ تھا جسے جیرالڈ کے گروہ والے اپنا بادشاہ کہتے تھے لیکن اس کی اصلیت کیا تھی۔ یہ کسی کو بھی نہ معلوم۔ فیلڈ اور اس کے ساتھی بھی اُس بادشاہ سمیت گرفتار کر لئے گئے تھے۔ مگر سب بیکار۔ ا کا دماغ تو فرار ہی ہو چکا تھا۔ وہ خطرناک انسان جو تیسری بار بھی اپنے خوفناک عزائم کو عم جامہ پہنانے کے لئے کوئی نئی حرکت کر سکتا تھا۔

اخبارات نے اُس خوفناک چٹان کو ''موت کی چٹان'' کا نام دیا تھا۔ حضرت سلیمان کے گھوڑے کا راز بھی تھا اور اس کے مقصد پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔ آخر میں وہ بات بھی جس سے فریدی کی جیرالڈ تک رسائی ہوئی تھی۔ یعنی صمدانی کا قتل...... صمدانی کا قتل جیرالڈ ہی کے آدمیوں نے اس کی پوشیدہ دولت کے لئے کیا تھا۔ جو کئی سو سونے کی اینٹوں پر مشتمل تھی۔

انور اور رشیدہ کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے۔ انہیں کچھ پتہ ہی نہ چل سکا تھا کہ کب کیا ہوگیا۔ قاسم نے پھر شیزان میں ڈیرہ جمایا تھا اور وہ بات بات پر انور کو چھیڑ رہا تھا۔ رشیدہ کو اپنی دلیری کی جھوٹی سچی داستانیں سنا کر کہتا ''وہ تو فریدی صاحب نے روک د تھا...... ورنہ میں ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔''

حمید میجر نصرت کے ساتھ تھا...... لیکن فریدی...... اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید اس کے اقامتی غار میں بھی گیا تھا لیکن وہ خالی تھا۔ فریدی کا سامان بھی موجود نہیں تھا۔

''تو اب یہ حضرت جیرالڈ کے چکر میں ہیں۔'' حمید نے میجر نصرت سے کہا۔ ''مگر فضول۔ اب کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے گا۔''

''مجھے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔'' میجر نصرت نے کہا۔ ''مگر یہ فیلڈ وغیرہ کا معاملہ

سمجھ میں نہیں آتا...... دوسرے لوگوں کو تو ہم محض اس وجہ سے روک سکتے ہیں کہ وہ ان غاروں سے پکڑے گئے تھے مگر فیلڈ قانونی کاروائیوں کی دھمکی دیتا ہے اور یہ ہے بھی سچی بات۔ اس کے خلاف ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ وہ اپنے پاگل چچا کے علاج کے لئے یہاں آیا تھا۔ ایئر فورس کا ایک آفیسر بھی ہے۔''

''لیکن میں ان لوگوں کی قید میں رہ چکا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''کیا اسے عدالت میں ثابت کر سکو گے۔'' میجر نصرت بولا۔

''نہیں...... فی الحال تو نہیں...... لیکن فریدی صاحب ثبوت ضرور پیش کریں گے۔''

''میرا خیال ہے کہ انہیں فی الحال چھوڑ کر نگرانی میں رکھا جائے۔'' آپریشن روم کے بوڑھے انچارج نے کہا۔

''میں اس کی ہرگز اجازت نہ دوں گا......'' حمید نے آپریشن روم کے انچارج کو گھورتے ہوئے کہا۔ یہ ایک بوڑھا اینگلو انڈین تھا اور اپنے کام کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔

''کسی شریف آدمی کو محض شبہے میں روکے رکھنا اچھی بات نہیں۔'' انچارج نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جی ہاں...... وہ شریف اس لئے ہیں کہ آپ کے ہم قوم ہیں۔'' حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

''براہِ کرم ذاتیات پر حملہ نہ کیجئے۔'' آپریشن روم کا انچارج بھی بگڑ گیا۔

بات بڑھ جاتی لیکن میجر نصرت نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے آپریشن روم میں خاموشی چھا گئی۔ انچارج ٹرانسمیٹروں کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ میجر نصرت اور حمید نے پائپ سلگا لئے تھے۔ کہرے کا گہرا سناٹا بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ دفعتاً حمید چونک کر سیدھا ہوگیا تھا اور میجر نصرت اس اچانک تبدیلی پر اُسے گھورنے لگا۔

''میں کہتا ہوں...... فریدی صاحب غلطی کر رہے ہیں۔''

''کیوں......؟''

''میں جانتا ہوں کہ جیرالڈ کہاں ہے اور کون ہے''

مشینوں پر بیٹھے ہوئے آپریٹر حمید کی طرف دیکھنے لگے۔

"تو اب تک کیا کرتے رہے۔" میجر نصرت کے لہجے میں طنز تھا۔ حمید اس کی پرواہ کئے بغیر ٹیلی فون کی طرف جھپٹا۔ دوسرے لمحے میں وہ شیزان ہوٹل کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ اس نے انور سے رابطہ قائم کیا۔

"ہیلو انور...... میں حمید بول رہا ہوں...... کیا مورگن ہوٹل میں موجود ہے۔ خوب...... اچھا تو اسے نگرانی میں رکھو...... ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔"

وہ ریسیور رکھ کر میجر نصرت کی طرف مڑا...... اور اس نے مورگن کے متعلق سب کچھ بتادیا۔ میجر نصرت تھوڑی دیر کے لئے کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

"بھئی میں کس طرح یقین کرلوں کہ وہ جیرالڈ ہی ہے۔ ابھی فیلڈ وغیرہ ہی کا معاملہ نہیں صاف ہوا۔"

"آپ فکر نہ کیجئے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "اگر وہ جیرالڈ نہ ہوا تب بھی ہمارے پاس اس کی گرفتاری کے معقول وجوہ ہوں گے۔ وہ ناجائز اسلحہ اپنے پاس رکھتا ہے۔ ایک سب مشین گن رکھنا معمولی جرم نہیں ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" آپریشن روم کا انچارج بولا۔ "گرفتاری کے لئے معقول وجہ ہے ممکن ہے وہ جیرالڈ ہی ہو۔"

تھوڑی دیر کی بحث و تکرار کے بعد میجر نصرت تیار ہوگیا۔

"کیا ریڈیو کار ساتھ ہوگی۔" آپریشن روم کے انچارج نے پوچھا۔

"کیا ضرورت ہے۔" میجر نصرت نے لاپروائی سے کہا۔

"ضرورت ہے۔" حمید نے کہا۔ "یہ سوچ کر چلئے کہ آپ جیرالڈ ہی کے لئے نکلے ہیں اگر وہ نکل گیا تو پھر ہم ریڈیو کار کے بغیر ہیڈ کوارٹر سے فوراً ہی رابطہ قائم نہ کرسکیں گے۔"

آخر آپریشن روم کے انچارج نے ریڈیو کار سنبھالی اور وہ شیزان ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ ان کے ساتھ مسلح سپاہیوں کی کثیر تعداد تھی۔

شیزان ہوٹل کا محاصرہ کرلیا گیا۔ میجر نصرت اور حمید چند دوسرے آفیسروں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ حمید اوپری منزل پر جانے کے لئے ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ ہوٹل کا منیجر تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔

"ہمیں ایک مجرم کی تلاش ہے۔" میجر نصرت نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

پھر وہ سب مورگن کے کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ کمرہ اندر سے بند تھا۔ حمید نے دستک دی۔

دروازہ کھلا...... مورگن سامنے کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ......" حمید گرج کر بولا۔

"کیا یہ ضروری ہے۔" مورگن کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ تھی۔

"تمہارے پاس ناجائز اسلحہ ہے۔" حمید بولا۔

"اچھا تو پھر......!" مورگن کی مسکراہٹ بدستور قائم رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی دلچسپ مذاق سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ لیکن اب اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے تھے۔

حمید اُسے دھکا دیتا ہوا کمرے میں گھسا اور اس نے وہی سوٹ کیس کھول ڈالا جس میں اس سے قبل اس نے مشین گن دیکھی تھی۔ مشین گن موجود تھی اس نے فاتحانہ قہقہہ لگایا۔

"یہ کیا ہے......؟" اس نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

"ایک سب مشین گن کی نقل۔" مورگن لاپرواہی سے بولا۔ "میں مداری ہوں اور یہ ایک کھلونا ہے۔ جسے میرا پالتو طوطا تماشائیوں کے مجمعے پر چلاتا ہے اور یہ ساری کی ساری لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں ہلکی معلوم نہیں ہوتی۔"

وہ واقعی بہت ہلکی تھی۔ حمید کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

"طوطے کا پنجرہ اُدھر میز کی اوٹ میں رکھا ہوا تھا۔ میرے پاس بازی گری کا اور بہت سارا سامان بھی موجود ہے۔ جو تلاشی لینے پر بہ آسانی دستیاب ہوسکتا ہے۔" مورگن کے لہجے

میں تمسخر تھا۔ اس نے کہا۔ ''میں ایک پیشہ ور مداری ہوں اور آپ کے شہر کی اونچی سوسا
میں بہت عرصہ سے اپنے کرتب دکھا رہا ہوں۔ میں آپ کو دو چار پتے دے سکتا ہوں۔ آپ ان سے دریافت کر لیجئے۔''

جلدی جلدی کمرے کی تلاشی لی گئی اور جیسا کہ مورگن نے کہا تھا شعبدہ بازی کے سامان کے علاوہ اور کچھ بھی نہ نکلا۔ اس دوران ایک آفیسر اس مشین گن کو چاقو سے چھیلنے لگا تھا۔ وہ سچ مچ لکڑی ہی کی ثابت ہوئی۔ آفیسروں نے اپنے ریوالور جیب میں ڈال لئے...... میجر نصرت حمید کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔

آپریشن روم کے انچارج کا قہقہہ سب سے زیادہ تیز اور بلند تھا۔

''آپ کو بہت ہنسی آ رہی ہے۔'' مورگن نے اس سے کہا۔ ''یقیناً آپ میرے دوسرے کرتب دیکھ کر بہت زیادہ محظوظ ہوں گے۔''

اچانک مورگن نے اپنی پتلون کی جیبوں سے دو ریوالور نکال لئے۔ ایک کا رخ پولیس آفیسروں کی طرف تھا اور دوسرے کا آپریشن روم کے انچارج کی طرف۔

''آپ سب براہِ کرم اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیجئے۔ یہ ریوالور نقلی نہیں ہیں۔'' مورگن نے کہا۔

''اب آپ جھک ماریئے'' حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ ''میں تو اُلو تھا۔''

''تم اب بھی اُلو ہو۔'' پھر اس نے آپریشن روم کے انچارج سے کہا۔ ''کیا تم اپنا سیاہ چشمہ نہیں اتارو گے۔''

آپریشن روم کا انچارج بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بھاگنا چاہتا ہو۔

دفعتاً مورگن کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا...... گولی آپریشن روم کے انچارج کی ران میں لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا...... قبل اس کے کہ آفیسر ہوش میں آتے انہیں فریدی کی آواز سنائی دی۔

''کوئی حماقت نہ ہو...... یہ جیرالڈ ہے۔''

آپریشن روم کے انچارج نے پھر اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس بار حمید اس پر ٹوٹ

لوگ حیرت زدہ کھڑے مورگن کو گھور رہے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر سے پلاسٹک کا خول سا اتار دیا۔ اب ان کے سامنے فریدی کھڑا تھا۔

اس نے حمید کو الگ کر کے جیرالڈ کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور بولا۔ ''تم طاقت کے ری ضرور ہو لیکن حقیقتاً تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تم فریدی کے جسم و دماغ سے ٹکرا سکو۔ تمہارا ذہن جواب دے جائے تو تم یہی سمجھو کہ تم ایک کیچوے سے بھی زیادہ حقیر ہو۔ پچھلی نے مجھے ایک چوہے کی طرح بند کیا تھا اور آج میں تمہیں ایک چیونٹی کی طرح مسل رہا ۔ میں نے پچھلی ہی رات کو تمہیں پہچان لیا تھا جب تم آپریشن روم سے میری کامیابی سے نشر کر رہے تھے۔ تم نے ایک بار بے خیالی میں عینک اتار کر اپنی آنکھیں صاف کی اور میرے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ جیرالڈ میں تمہیں کھلا کھلا کر مارنا چاہتا تھا تاکہ تم مرنے سے م از کم ایک ہی بار خود کو حقیر محسوس کر سکو مگر میرے گدھے حمید نے جلد بازی سے کام لیا۔''

''لیکن یہ سال ہا سال سے......'' میجر نصرت ہکلایا۔

''میں جانتا ہوں......!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''سال ہا سال والا انچارج دوسری دنیا پہنچ چکا ہے۔ غالباً اس کی آنکھیں ایسی تھیں کہ وہ روشنی میں تاریک چشمہ لگائے بغیر کام کر سکتا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایک آفیسر بولا۔

جیرالڈ نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ یہ بے چارہ بھیس تو بدل سکتا ہے لیکن اپنی ئی قسم کی آنکھوں کو کسی طرح نہیں چھپا سکتا۔ کیوں جیرالڈ؟

جیرالڈ کچھ نہیں بولا۔ اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ لیکن وہ ایک ہی پیر پر تنا کھڑا ...اچانک وہ اپنا سینہ کھجانے لگا اور پھر ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ کئی چیخیں بلند ہوئیں پھر ا ہوش رہ گیا انہوں نے جیرالڈ کے سینے کی جگہ ایک بہت بڑا غار دیکھا۔ فریدی دوسری فرش پر پڑا ہاتھ پیر مار رہا تھا اور اس کا سارا جسم خون سے تر ہوتا جا رہا تھا۔ کئی آفیسروں موں اور چہروں پر بھی خون نظر آ رہا تھا۔ حمید کا داہنا ہاتھ جھلس گیا تھا۔

دوسرے دن ہسپتال میں ملک کی معزز ہستیاں فریدی کے بستر کے گرد اکٹھا تھیں۔ فریدی کا پورا جسم پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس کے چہرے پر نقاہت کے آثار نہیں تھے۔ وہ کہہ رہا تھا "انتہائی چالاکیوں کے باوجود بھی وہ دھوکہ کھا گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے سینے میں ایک چھوٹا سا بم چھپائے ہوئے ہے۔ کھجلانے کے بہانے اس نے اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا تھا۔

"لیکن تم نے یہ خطرہ کیوں ناحق مول لیا تھا۔" اس کے ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا جو آج ہی بذریعہ ہوائی جہاز رام گڑھ پہنچا تھا۔

"آپ میری افتادِ طبع سے بخوبی واقف ہیں۔ میں ڈرامائی انداز میں کام کرنے کا عادی ہوں لیکن اس پر جب بھی اور جہاں بھی ہاتھ ڈالا جاتا وہ یہی کرتا...... بم ساتھ لئے پھرنے کا مطلب تھا کہ وہ خود بھی مایوس ہو چکا تھا اور اُسے یقین تھا کہ اب وہ خطرے میں ہے۔ اگر میں اسے آپریشن روم میں بھی گرفتار کرتا تو نتیجہ یہی ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کسی قیدی کو اس کا جسم کھجانے سے تو باز نہیں رکھ سکتے۔"

"لیکن تمہاری موجودہ حالت کتنی تشویش ناک ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے بزرگانہ انداز میں کہا۔

"اوہ...... آپ اس کی فکر نہ کیجئے...... جب تک میری قوت ارادی برقرار ہے، میں مر نہیں سکتا۔"

"اچھا اب تم آرام کرو......" ڈی آئی جی نے کہا۔

"ٹھہریئے۔" فریدی اپنا پٹیوں سے ڈھکا ہوا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سلسلے کی سب سے اہم اور دلچسپ کڑی تو رہ ہی گئی۔"

وہ سب توجہ اور دلچسپی سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

فریدی نے میجر نصرت کو مخاطب کر کے کہا۔ "کیا آپ نے اس دیوانے کی ڈاڑھی اور موچھیں صاف کرا دیں۔"

"ہاں...... وہ تو کل ہی...... لیکن......!"

"ٹھہریئے۔" فریدی تکیئے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ایک تصویر ں کر اس کے سامنے ڈال دی۔

"یہ تو اسی کی تصویر ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔

"اور آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟"

"نہیں......!"

"یہ سجاد صمدانی ہے۔"

"کیا......؟" وہ سب بیک وقت بولے۔

"جی ہاں...... وہ سالہا سال سے ان لوگوں کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے کسی طرح سے ں کا دماغ ماؤف کر دیا تھا...... اور وہ اپنی پچھلی شخصیت بھول گیا تھا لیکن دستخط سجاد صمدانی ہی ے کرتا تھا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں۔ وہ اپنے وہی پرانے دستخط کرتا تھا لیکن اس غریب کو م تک یاد نہیں تھا۔ اس طرح جیرالڈ اس کے کاروبار پر قابض تھا۔ سجاد کے ملازمین اسے سجاد کی ک سمجھتے تھے کہ وہ تین سال سے ان کے سامنے نہیں آیا۔ بہر حال اس کے دستخط اصلی تھے اور یں دستخطوں کی بناء پر سجاد صمدانی کی دولت جیرالڈ کے ہاتھ لگتی رہتی تھی اور صمدانی کے قتل سے ں نے بہت بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اب صمدانی کا کاروبار بھی سجاد ی ہی طرف منتقل ہو جائے گا۔ میں نے کیس کے دوران کئی بار یہ بات دوسروں کے سامنے ی رکھی تھی کہ اگر مجرم سونے کی اینٹیں ہی حاصل کرنا چاہتے تھے تو صمدانی کو اتنے پراسرار ریقے پر قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے خدا! اب میں سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ ر صمدانی کی سیکریٹری کی طرف سے مسٹر براؤن کے نام خط روانہ کرنے کی حماقت سرزد نہ ہوتی و ہم اب تک تاریکی ہی میں سر مارتے نظر آتے۔ پھر میں نے میجر نصرت کو اس تار کے متعلق ون کیا۔ ظاہر ہے جیرالڈ آپریشن روم کا انچارج تھا۔ اسے میری اس کال کی اطلاع ملی اور اس نے اپنی پہلی ہی فرصت میں صمدانی کی سیکریٹری کو قتل کرادیا جو اس کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔

لیکن اب پولیس کی نظروں میں چڑھ گئی تھی۔"

میجر نصرت نے مورگن کی مصروفیت کے متعلق پوچھا۔

"وہ شروع ہی سے فریدی تھا" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اس کیس کے سلسلے میں بہت پاپڑ بیلے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں ایک انگریز شعبدہ باز کے بھیس میں یہاں کی اونچی سوسائٹیوں میں بھی اٹھتا بیٹھتا رہا ہوں۔ مقصد کسی نہ کسی طرح جیرالڈ تک پہنچنا تھا۔ بہر حال ایک دن حمید کو مجھ پر شبہ ہو گیا اور وہ گدھا میری ہی نگرانی کرنے لگا۔ میں نے سوچا چلو تفریح ہی رہے گی۔ میں اس کی نظروں میں روز بروز پراسرار بنتا گیا اور آخر اس سے یہ حماقت سرزد ہو ہی گئی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ دوسرے بستر پر حمید اکڑوں بیٹھا اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

جیرالڈ کے انجام کی خبر ساری دنیا میں پھیل چکی تھی اور ہر چہار طرف سے حکومت کے نام مبارک بادی کے تار موصول ہو رہے تھے۔

بہر حال ایک ایسے دیوانے کتے کے مرجانے سے کسے خوشی نہ ہوتی جو ساری دنیا پر سائنسی تباہی لانے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔

اس بار فریدی اور حمید کو کرنل اور کیپٹن کے فوجی اعزاز قبول کرنے ہی پڑے جو ایک سرکاری تقریب میں انہیں تفویض کئے گئے تھے۔ اس تقریب میں ملک کی ذمہ دار ہستیاں شریک ہوئی تھیں۔ قاسم کو ایک تمغہ ملا یہ بھی فوجی ہی نوعیت کا تھا لیکن وہ اب بھی اس تگڑی سی عورت کو یاد کر کے اکثر آبدیدہ ہو جاتا تھا۔ جو اُسے جیرالڈ کی زمین دوز دنیا تک لے گئی تھی۔ انور کو شاید ساری زندگی اس کا افسوس رہے کہ فریدی نے اس سے اس کیس میں کوئی کام نہ لیا۔ سجاد صمدانی بہترین ڈاکٹروں کے زیر علاج ہے۔ لیکن کسی کو بھی توقع نہیں کہ وہ کبھی اچھا ہو سکے گا۔

ختم شد

ابنِ صفی

د نمبر 14

جاسوسی دنیا

42- نیلی لکیر

43- تاریک سائے

44- سازش کا جال

پیش رس

زیرِ نظر شمارہ جاسوسی دنیا کا بیالیسواں شمارہ "یہ کرنل فریدی" کے بہترین کارناموں میں سے ہے، اور اس کا دوسرا حصہ "خونی بگولے" گنا جاسکتا ہے اور اسی تسلسل میں "زمین کے بادل" بھی شمار ہوسکتا ہے۔ مگر ان تینوں ناولوں کا اکٹھا پڑھا جانا بھی نہایت ضروری ہے۔ سنگ ہی ایک خطرناک ذہین مجرم ہے۔ عمران سیریز کے "لاشوں کا بازار"، "جونک کی واپسی"، "زہریلی تصویر" اور "بیباکوں کی تلاش" میں بھی اسی مجرم کے کارناموں کا تذکرہ ہیں۔

آپ ان تمام کتب کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنی رائے سے مشکور فرمائیں۔

پبلشر

دو لاشیں

کیپٹن لوتھر کی کوٹھی کے پھاٹک پر کھڑے ہوئے سنتری نے گولی چلادی اور سناٹے میں ایک انسانی چیخ لہرا کر تاریکی میں ڈوبتی چلی گئی۔ خونخوار پٹھان سنتری نے اپنی زبان میں فتح کا نعرہ لگایا۔

پھاٹک کڑکڑاہٹ کی آواز کے ساتھ کھلا اور کیپٹن لوتھر باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ دو مسلح نوجوان تھے۔

"خو صاحب۔" پٹھان رائفل کے کندے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "دشمن جہنم رسید۔"

سناٹے کا طلسم ٹوٹ چکا تھا اور اب قرب و جوار کی عمارتوں کی کھڑکیاں کھلنے لگی تھیں، پھر ذرا سی ہی دیر میں اچھا خاصا مجمع اکٹھا ہوگیا۔ لوتھر نے اپنے سنتری کو پھاٹک کے اندر دھکیل دیا۔

"اندر جاؤ۔" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

اُس کے ساتھ کے مسلح آدمیوں نے اپنے ریوالور اچھی طرح چھپا لئے اور پھر وہ آگے بڑھے۔ مجمع میں کئی ٹارچیں روشن نظر آرہی تھیں۔

شور بڑھنے لگا.... اور جب کیپٹن لوتھر نے زمین پر پڑے ہوئے آدمی کا چہرہ دیکھا تو خود اُس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ اس کے پیر کانپنے لگے۔ اتنے میں مجمع سے کسی نے بلند آواز میں کہا۔ "میں نے رائفل کی آواز صاف سنی تھی۔"

"مگر کہیں بھی زخم کا نشان نہیں ہے، خون کی ایک بوند بھی کہیں نظر نہیں آئی۔" کسی دوسرے نے کہا۔

"واہ یہ کیسے ممکن ہے۔" تیسرا بولا۔ "میں نے بھی گن چلنے کی آواز سنی تھی۔"

لوتھر بے اختیار لاش پر جھک پڑا۔ لوگ اِدھر اُدھر ہٹ گئے کیونکہ اس کا شمار بستی کے معزز ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ مرنے والے کے جسم پر گولی کا نشان نہیں تھا۔

لوتھر کے دونوں ساتھی بت بنے کھڑے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کے سپید چہروں پر اب کبھی زندگی جھلکیاں نہ مارے گی۔ خود لوتھر کی سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔ وہ لاش کے پاس سے ہٹ گیا اور اُس نے بھی دبی زبان سے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ رائفل کی آواز اُس نے بھی سنی تھی۔ وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا پھر اُس نے کئی لوگوں کو بتایا کہ وہ مرنے والے سے بخوبی واقف ہے۔ وہ اُس کے لئے کوئی اجنبی نہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ اسی سے ملنے کے لئے آ رہا ہو۔

"لیکن آخر یہ مرا کیسے؟" کسی نے پوچھا۔

"مجھے خود حیرت ہے۔" لوتھر بڑبڑایا۔ "یہ میرے ساتھیوں میں سے تھا۔" پھر وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "اوہ.... فون کرو جلدی پولیس کو۔"

وہ دونوں پھاٹک کی طرف دوڑے۔ پٹھان پھاٹک سے لگا ہوا کھڑا تھا۔ دھکا لگتے ہی وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا اور اُس نے اٹھتے اٹھتے انہیں ایک بڑی سی گالی دی۔

"چلو.... آؤ اندر چلو۔" وہ اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولے۔ پٹھان غراتا ہوا اُن کے ساتھ چلنے لگا۔

"اُسے گولی نہیں لگی۔" ایک نے پٹھان سے کہا۔ وہ تینوں ایک کمرے میں پہنچ چکے تھے۔

"خو ہم کیا کرے بابا۔" پٹھان جھلا کر بولا۔ "اندھیرا تھا.... نہ ہم بتی ہے نہ ہم چشمہ۔"

"لیکن وہ پھر بھی مر گیا۔"

"اللہ بڑا کارساز ہے۔" پٹھان نے خوش ہو کر کہا۔

"مگر وہ ہمارا دشمن نہیں دوست تھا۔"

"خو تمہی گولی نہیں لگا.... اللہ بڑا کارساز ہے۔"

"لیکن وہ مرا کیسے۔"

"اللہ کا مرضی۔"

"جاؤ.... تم فون کرو پولیس کو۔" پٹھان سے گفتگو کرنے والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔

اُس کے جانے کے بعد اُس نے پھر پٹھان سے پوچھا۔ "کیا وہ سیدھا اُدھر ہی آ رہا تھا۔"

"نہیں چور کا مافک چھپتا تھا۔" پٹھان نے جواب دیا۔

"تم نے گولی چلا دی۔"

"او بابا.... ہاں ہاں.... پھر کیا کرتا.... اس کو نسوار کا ڈبیہ دیتا۔"

"تم اپنی رائفل کی نال صاف کر کے اُس میں تیل ڈال دو۔ سمجھے! جاؤ.... اور پیٹی میں ایک کارتوس اور لگالو۔ کوئی خانہ خالی نہ رہے۔ جاؤ جلدی کرو اور اب تم سو جانا۔"

پٹھان اُس کمرے میں داخل ہوا جہاں شکار کا سامان رہتا تھا۔ یہاں دیواروں پر کئی چھوٹی بڑی رائفلیں نظر آ رہی تھیں۔ اسلحہ جات میں کچھ قدیم نمونے بھی تھے جنہیں بڑے سلیقے سے مناسب مقامات پر رکھا گیا تھا۔

کیپٹن لوتھر معززین شہر میں سے تھا۔ اس نے گذشتہ جنگ عظیم میں گرانمایہ فوجی خدمات انجام دی تھیں اور اب ریٹائرمنٹ کی زندگی گذار رہا تھا۔ یہی نہیں وہ ایک مشہور شکاری اور پختہ کار کوہ پیما بھی تھا۔ نسلاً اینگلو انڈین تھا۔ رہن سہن کافی متمول لوگوں جیسا رکھتا تھا۔

پٹھان نے رائفل کی نال کھولی۔ اُسے ایک لمبے برش سے صاف کرتا رہا، تیل دے کر اُس رائفل کو بھی دیوار سے لٹکا دیا۔

پھر وہ بڑی پھرتی سے کمرے سے نکل کر پائیں باغ میں پھیلی ہوئی تاریکی میں گم ہو گیا۔ اگر عمارت سے کوئی آنکھیں بھی پھاڑتا تو اُسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

کمپاؤنڈ میں عمارت کا بایاں بازو ایک ایسی جگہ تھی جہاں کوئی نہیں جاتا تھا ادھر دو کمرے تھے اور دونوں کی چھتیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ عمارت قدیم تھی اور اس کے مکین اتنے لاپرواہ تھے کہ رہائشی حصوں کے علاوہ انہیں دوسری طرف نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ خاص طور سے بائیں بازو کے یہ دونوں کمرے تو سالہا سال سے اُسی اجاڑ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔

پٹھان کمروں کے نزدیک پہنچ کر رک گیا۔ بڑی بڑی قد آدم جھاڑیاں اُن کے بیرونی دروازوں پر جھک آئی تھیں۔ پٹھان نے ایک ٹارچ نکالی جو اس نے اپنی گھیر دار شلوار میں اُڑس رکھی تھی۔ بڑی احتیاط سے جھاڑیاں ہٹاتا ہوا وہ دروازوں کی طرف بڑھا۔ دروازوں کی اوپری سطح

دیمکوں کی کھائی ہوئی تھی اور وہ اندر سے بند معلوم ہوتے تھے۔ پٹھان نے بڑی سرعت سے ایک دروازے کا ایک پاٹ نکال لیا ایسا معلوم ہوا جیسے وہ پہلے ہی سے چوکھٹوں سے الگ رہا ہو۔

دوسرے لمحے وہ اندر تھا۔

کمرے کے وسط میں گری ہوئی چھت کے ملبے کا ڈھیر تھا۔ پٹھان نے ٹارچ روشن کر کے چاروں طرف گھمائی اور پھر لکڑی کے ایک بڑے اور پرانے صندوق کی طرف بڑھا، جو دیوار سے لگا رکھا تھا۔ صندوق پرانا ضرور تھا لیکن یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ بھی وہاں اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ ملبے کا ڈھیر۔

پٹھان نے صندوق کا ڈھکن اٹھایا اور دوسرے ہی لمحے اُس کے منہ سے ہلکی سی تحیر زدہ آواز نکلی.... کسی آدمی کا مردہ جسم توڑ مروڑ کر صندوق میں ٹھونس دیا گیا تھا۔

پٹھان چند لمحے سامت و ساکت کھڑا رہا۔ پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میرا سامان کیا ہوا۔"

اس کی یہ بڑبڑاہٹ اردو کے کابلی لہجے میں نہیں تھی۔

اس نے پھر لاش پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ مرنے والے کا چہرہ سامنے ہی تھا۔ وہ کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا تھا۔ جلد کی رنگت بھوری تھی اور بال سرخی مائل تھے۔ لباس انگریز وضع کا تھا لیکن گلے میں ٹائی نہیں تھی۔

پٹھان نے ٹارچ بجھادی۔ اُس کے چہرے پر صرف حیرت تھی۔ سراسیمگی کے آثار قطعی نہ تھے۔ اُس نے ٹارچ کو ملبے کے ڈھیر پر اس طرح رکھ دیا کہ اس کا رخ صندوق کی طرف رہے۔ پھر اُسے روشن کر کے وہ صندوق کی طرف پلٹ آیا۔

پھر اُس نے لاش صندوق سے نکال کر فرش پر ڈال دی۔ گولی ٹھیک ریڑھ کی ہڈی پر لگی تھی۔ پچھلا حصہ خون سے تر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ تھوڑی ہی دیر پہلے کی بات ہو جسم کے بعض حصوں میں ابھی تک تھوڑی تھوڑی گرمی تھی۔

پٹھان نے بڑی تیزی سے اُس کی جیبوں کی تلاشی لی اور پھر جو کچھ بھی برآمد ہوا اُسے اپنی لمبی قمیض کے مختلف جیبوں میں ٹھونستا گیا۔

پانچ ہی منٹ کے بعد اُس نے لاش کو دوبارہ صندوق میں رکھ کر ڈھکنا اُسی طرح بند کر دیا پھر ٹارچ بجھا کر پلٹنے ہی والا تھا کہ باہر سے کسی نے دروازہ ہٹایا۔ پٹھان بڑی پھرتی سے زمین پر لیٹ کر

ملبے کے ڈھیر کے پیچھے رینگ گیا۔

باہر سڑک پر بدستور بھیڑ تھی۔ لوگوں کو پولیس کی آمد کا انتظار تھا۔ ان میں کیپٹن لوتھر بھی تھا۔

پولیس آگئی اور جس وقت کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش نے لاش کو دیکھا اُس کے منہ سے جھلاہٹ میں ایک موٹی سی گالی نکلی۔ پھر اچانک اس کی نظر کیپٹن پر پڑی۔

"کیا یہ بھی آپ ہی کا آدمی ہے۔" اُس نے لوتھر کو گھور کر کہا۔

"بدقسمتی سے۔"

"اور آپ کوئی ڈھنگ کا بیان نہیں دینا چاہتے۔"

"ڈھنگ کے بیان سے آپ کی کیا مراد ہے۔" لوتھر نے تیز ہو کر پوچھا۔

"اس سے قبل بھی دو ایسی ہی لاشیں ہمیں مل چکی ہیں اور وہ دونوں بھی ایسی ہی تھیں جنہیں آپ پہچانتے تھے.... اور اب یہ تیسری.... اور وہی نیلی لکیر۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ ضروری نہیں کہ میں اس سلسلے میں کوئی خاص بات جانتا ہوں اور اگر آپ کو میرا بیان لینا ہو تو کوٹھی میں تشریف لائیے گا۔"

پھر لوتھر اچانک مڑا اور پر غرور انداز میں چلتا ہوا اپنی کوٹھی میں داخل ہو گیا۔

"اچھا بیٹا سمجھوں گا تم سے۔" جگدیش بڑبڑا کر رہ گیا۔ پھر اس نے مجمع سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "سب سے پہلے لاش کس نے دیکھی تھی۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جگدیش نے پھر اپنا سوال دہرایا لیکن وہی خاموشی۔

اُس کا پارہ چڑھ گیا۔ ابھی لوتھر کے توہین آمیز رویئے کی مذمت اور جھلاہٹ ہی باقی تھی۔ اس پر مجمع کا سکوت۔ آخر اس نے گرج کر کہا۔ "بہت اچھا.... نہیں بولتے تو جس پر شبہ ہوگا بند کردوں گا۔"

ایک آدمی آگے بڑھا۔

"دیکھئے۔" اُس نے نرم آواز میں کہا۔ "یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ سب سے پہلے یہاں کون پہنچا۔ بھیڑ اس لئے ہوگئی کہ ہم نے پہلے تو رائفل کی آواز سنی اور پھر ایک چیخ۔"

"رائفل کی آواز۔" جگدیش نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں.... رائفل کی آواز.... اور پھر چیخ.... لیکن اس کے جسم پر کہیں بھی گولی نہیں لگی ہے۔"

"نہیں اسے گولی نہیں لگی۔" جگدیش لاش پر جھکتا ہوا بولا۔ "نیلی لکیر.... اس کے داہنے گال پر بھی ویسی ہی نیلی لکیر موجود ہے جیسی پچھلی دو لاشوں میں پائی گئی تھیں۔" پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "کیا لوتھر یہاں تنہا تھا۔"

"نہیں وہ بعد میں آیا تھا۔" ایک آدمی نے کہا۔

"آپ لوگوں کے آنے کے بعد۔"

"جی ہاں! ہم کئی تھے۔"

جگدیش کچھ سوچنے لگا۔ اس کی نظریں لوتھر کی کوٹھی پر جمی تھیں۔

پٹھان نے سانس روک لی تھی اور ملبے کے ڈھیر میں دبکا ہوا دروازہ ہٹانے والے کا منتظر رہا لیکن اُسے آہٹ تک نہ ملی۔ اُس نے ذرا سا سر اُبھار کر دیکھا۔ دروازہ اپنی جگہ سے ہٹا ہوا تھا لیکن اُسے کمرے میں کسی دوسرے متنفس کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوا۔

پٹھان آہستہ آہستہ سیدھا کھڑا ہونے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ ایک ٹھنڈی سی ٹھوس چیز اُس کی گردن سے آ لگی اور ساتھ ہی کسی نے سانپ کی سی پھنکار میں کہا۔

"خبردار.... اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

پٹھان جہاں تھا وہ وہیں رہ گیا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" اس بار سختی سے کہا گیا۔

"آہا....!" پٹھان نے خوش ہو کر کہا۔ "ماسٹر سنگ ہی! تم ہے بابا.... ہم سمجھا دوشمن۔"

"کون....!" حملہ آور نے کرخت آواز میں کہا۔ "سنتری۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"او.... ہا.... ہم ادھر دوشمن دیکھا تھا۔"

"کہاں....؟"

"ابھی.... ادھر.... گھسا.... ہم آیا تو غائب۔"

حملہ آور نے ٹارچ روشن کر لی۔ پہلے اس نے پٹھان کے چہرے پر ٹٹولنے والی نظر ڈالی اور پھر اِدھر اُدھر ٹارچ گھمانے لگا۔

یہ کیپٹن لوتھر کا میر شکاری سنگ ہی تھا۔ دبلا پتلا اور پلپلے جسم کا آدمی۔ نسلاً دوغلے قسم کا چینی تھا۔ اس کا باپ چینی تھا اور ماں منگول اور اکثر سنگ ہی بڑے فخریہ انداز میں کہا کرتا تھا کہ اس کے باپ نے اس کی ماں سے اس کی پیدائش کے بعد بھی شادی نہیں کی تھی وہ خود کو اس انداز میں "حرامی" کہتا تھا جیسے وہ کسی شہنشاہ کا عطا کردہ کوئی بہت بڑا اعزاز ہو۔ کیپٹن لوتھر کے سارے آدمی اس سے بُری طرح خائف رہتے تھے، بظاہر اُس کا دبلا پتلا اور پلپلا جسم بالکل بے جان نظر آتا تھا لیکن اس کی شیطانی گرفت سے کچھ وہی لوگ واقف تھے جنہیں اس سے کم از کم ایک بار ہی لپٹ پڑنے کا موقع ملا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ سنگ ہی ایک ہڈیوں دار جونک ہے۔

سنگ ہی نے ایک بار پھر پٹھان کے چہرے پر روشنی ڈالی اور پٹھان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"او.... کیا کرتا ہے ماسٹر.... آنکھ پھوڑے گا۔"

"باہر چلو....!" سنگ ہی پھر سانپ کی طرح پھنکارا۔

پٹھان چپ چاپ باہر نکل گیا۔ سنگ ہی اس کے پیچھے تھا۔ باہر نکل کر پٹھان کھڑا ہو گیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" سنگ ہی کوٹھی کے رہائشی حصے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے جہاں لوتھر بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ صوفے پر اس کے دونوں ساتھی بیٹھے ہوئے تھے جنہیں لے کر وہ باہر گیا تھا۔

سنگ ہی نے چینی زبان میں کچھ کہا اور کیپٹن لوتھر چونک کر پٹھان کو گھورنے لگا۔

"تم وہاں کیا کر رہے تھے.... خان!" اس نے پوچھا۔

"خو صاحب! ادھر ایک آدمی گھسا۔ ہم بھی گھسا.... ہم سمجھا دوشمن۔" پٹھان نے رک کر قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "وہ ماسٹر ہی تھا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" سنگ ہی گرج کر بولا۔

"ہم جھوٹا ہے۔" پٹھان نے تحیر آمیز جھلاہٹ کے ساتھ کہا اور پھر دانت پیس کر بولا۔ "خو تم.... دغاباز کا بچہ ہم کو جھوٹا کہتا ہے۔ ہم تمہارا ابھی بوٹی قیمہ کرے گا۔"

پٹھان اُس کی طرف جھپٹا۔ لوتھر درمیان میں آ گیا۔

"صاحب! تم ہٹ جاؤ.... ہم دیکھے گا حرامی بچے کو۔"

"ٹھہرو! کیا بیہودگی.... سنگ ہی تم ادھر جاؤ۔"

پٹھان رک تو گیا.... لیکن وہ بڑی قہر آلود نظروں سے سنگ ہی کو گھور رہا تھا۔

"تم نے وہاں اور کیا دیکھا۔" لوتھر نے پٹھان سے پوچھا۔

"خو صاحب! کچھ بھی نہیں۔ ہم اس کا بول پہچانتا تھا۔ نہیں تو گردن توڑ دیتا۔"

"اچھا میں تمہیں دیکھوں گا۔" سنگ ہی اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

"ہم تمہارا باپ تک کو دیکھے گا.... حرامی بچے۔"

"ختم کرو۔" لوتھر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ آپس میں لڑنے کا موقع نہیں۔"

"ہم حکم کا بندہ ہے۔" پٹھان نے کہا۔ "ولے ہمارا مقدر خراب ہے ہم دشمن کو گولی مارا.... دوست مر گیا۔"

"نہیں اُسے گولی نہیں لگی۔" لوتھر بولا۔ "اچھا اب تم جاؤ۔ لیکن دن کو یہاں کبھی نہ آنا۔"

عجیب نوکر

دوسری صبح انسپکٹر جگدیش فریدی کے ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ سب سے پہلے حمید سے ملاقات ہوئی۔

وہ اپنے پالتو بکرے کی زنجیر تھامے ہوئے اس شان سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا جیسے وہ بکرا نہیں بلکہ کوئی خوفناک قسم کا کتا ہو۔ اُس کے گلے میں ٹائی لٹک رہی تھی اور سر پر فلیٹ ہیٹ منڈھا ہوا تھا۔ بکرا بھی اب اس کا عادی ہو گیا تھا، جیسے وہ اسی کے جسم کا ایک حصہ ہو۔

"آپ انسپکٹر جگدیش ہیں۔" حمید نے بکرے کی طرف دیکھ کر اس انداز میں کہا جیسے جگدیش کا اُس سے تعارف کرا رہا ہو۔ "اور آپ میجر بغرا خاں۔"

لفظ میجر شائد ایک اشارہ تھا جس پر بکرے نے اپنا ایک اگلا پیر اٹھا لیا۔

"تو اب حضور مداری ہو رہے ہیں۔" جگدیش مسکرا کر بولا۔ پھر دفعتاً سنجیدہ ہو گیا۔ "اب تمہارے تذکرے ادھر اُدھر بھی سنے جانے لگے ہیں۔ کیوں اپنی مٹی پلید کر رہے ہو۔"

"کیا تذکرے ہیں۔" حمید اپنی داہنی آنکھ دبا کر بولا۔

"یہی کہ کار میں بکرا لئے پھرتے ہیں۔"

"اوہ.... یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ لوگوں کی زبان کہاں تک بند کرو گے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب یہی دیکھو جب کبھی تم فریدی صاحب کے ساتھ ہوتے ہو تو چاروں طرف انگلیاں اٹھنے لگتی ہیں۔"

"تو پھر.... کیا مطلب۔"

"مطلب کیا.... لوگ کہتے ہیں کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر گدھا ساتھ لئے پھرتا ہے۔"

"تم خود گدھے ہو۔"

"میں گدھوں کی بات کا بُرا نہیں مانتا۔"

جگدیش الٹ کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی آ گیا۔

آتے ہی اس نے ایک ہاتھ سے حمید کی گردن دبوچی اور دوسرے ہاتھ سے بکرے کا پٹہ پکڑے ہوئے دونوں کو کمرے سے باہر دھکیل دیا۔ پھر ہاتھ جھاڑتا ہوا جگدیش کی طرف سے واپس آیا۔

"تم غالباً تیسری لاش کی کہانی سنانے آئے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"اور وہ تیسرا بھی شائد لوتھر ہی کے ساتھیوں میں سے ہو گا۔"

"جی ہاں.... یہ بھی درست ہے۔"

"اور شاید نیلی لکیر بھی۔"

"ٹھیک ہے! اور یہ تیسری لاش لوتھر کی کوٹھی کے سامنے ہی ملی ہے۔"

"خوب! بہت اچھا۔" فریدی سر ہلا کر میز پر رکھے ہوئے گلدان کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ لیکن اس بار اُس کے ساتھ بکرا نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"پڑوسیوں نے چیخ سے پہلے فائر کی آواز سنی تھی۔" جگدیش بولا۔

"حالانکہ ایسے موقعہ پر انہیں لتا منگیشکر کا ریکارڈ سننا چاہئے تھا۔" حمید نے ٹکڑا لگایا۔

"لیکن وہ گولی سے نہیں مرا.... کیوں؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"لوتھر نے اس بار کیا بیان دیا۔"

"وہی مرغی کی ایک ٹانگ۔"

"آہا تو کیا ٹانگ والا مرغا اُسی کے پاس ہے۔" حمید چہک کر بولا۔

"خاموش رہو۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

چند لمحے بعد جگدیش بولا۔ "وہ اپنے پچھلے ہی بیانات پر قائم ہے۔"

"اچھا ان دونوں مرنے والوں سے اس کے کس قسم کے تعلقات تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہ دونوں ہی اُس مہم میں شریک تھے، جو لوتھر کی قیادت میں کوہ پیمائی کے لئے جنوبی امریکہ گئے تھے۔"

"اور یہ تیسرا۔"

"یہ تیسرا بھی غالباً اسی قسم کے لوگوں میں سے تھا۔"

"تمہیں یقین ہے۔"

"یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ لوتھر نے اس کے متعلق اتنا ہی بتایا ہے کہ وہ بھی اس کے شناساؤں میں سے تھا۔"

"لوتھر کے پڑوسیوں سے کوئی خاص بات معلوم ہو سکی۔" فریدی نے پوچھا۔

"خاص بات تو کوئی نہیں مگر.... ہاں ٹھہریئے۔ ایک بات ہے ممکن ہے کہ وہ کام ہی کی ہو۔ پڑوسیوں نے بتایا کہ کئی دن سے لوتھر کی کوٹھی کے پھاٹک پر مسلح پہرا رہتا ہے۔ اُس نے ابھی حال ہی میں ایک پٹھان چوکیدار رکھا ہے۔"

"کیا وہ کل رات موجود تھا۔"

"جی نہیں مجھے تو نہیں دکھائی دیا۔"

"بات یہ ہے جگدیش صاحب۔" فریدی انگڑائی لے کر بولا۔ "کیس دلچسپ ضرور ہے لیکن میں آج کل بہت مشغول ہوں۔"

"کیا آپ میری راہنمائی نہ کر سکیں گے۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔"

"تو پھر بتایئے، میں کیا کروں۔"

"صبر کرو۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "سونا گھاٹ جاتے ہو۔"

"جی ہاں۔"

"وہاں ملاحوں سے پوچھ گچھ کرو کہ کیا اس دوران میں انہوں نے کچھ غیر ملکی اتارے ہیں۔"

جگدیش حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔

"بھلا سونا گھاٹ.... مگر وہاں کے ملاح مجھے بتانے ہی کیوں لگے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ناجائز برآمد کا مال اتارا جاتا ہے۔ اکثر اُدھر ہی سے بغیر پاسپورٹ اجنبی آدمی بھی ملک میں داخل ہو جاتے ہیں۔ بھلا ملاح ایک پولیس والے کو کب حقیقت کا پتہ لگنے دیں گے، لیکن اس معاملے کا سونا گھاٹ سے کیا تعلق۔"

"تعلق....!" فریدی نے آہستہ سے دہرایا اور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

کیپٹن لوتھر آہنی الماری پر جھکا ہوا اُس کا حروف کے امتزاج سے بند ہونے والا قفل بند کر رہا تھا کہ دفعتاً اس نے اپنے پیچھے کسی کی آہٹ سنی۔ وہ چونک کر مڑا۔ دروازے میں سنگ ہی کھڑا تھا اور اُس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

"تم بغیر اجازت یہاں کیوں آئے۔" کیپٹن لوتھر غرایا۔

"اوہ.... کیا یہ پابندی سنگ ہی کے لئے بھی ہے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"سب کے لئے۔"

"اوہ....!"

لیکن اس کے باوجود بھی سنگ ہی وہیں کھڑا رہا اور اس کی زہر میں ڈوبی ہوئی توہین آمیز مسکراہٹ بھی بدستور قائم رہی۔

لوتھر پھر الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر مڑ کر دیکھا اور سنگ ہی کو وہیں موجود پا کر بُری طرح جھلا گیا۔

"کیا تم نے سنا نہیں۔" وہ چیخ کر بولا۔

"اوہ.... شائد آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے۔" سنگ ہی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "کیا آپ کے لئے میں تھوڑی سی برانڈی لاؤں۔"

"چلے جاؤ۔" لوتھر اتنے زور سے چیخا کہ اس کی آواز پھٹ گئی۔

"میں چلا تو جاؤں، لیکن پھر سوچتا ہوں کہ اگر اُس نیلی لکیر نے آپ کے گال پر بھی سفر شروع کر دیا تو کیا ہوگا۔"

لوتھر نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گیا۔ وہ تالا بند کر چکا تھا۔ چند لمحے سنگ ہی کو گھورتا رہا پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ سنگ ہی ایک طرف ہٹ گیا اور لوتھر سیدھا نکلا چلا گیا۔

سنگ ہی نے مضحکہ آمیز انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔

وہ دونوں آگے پیچھے اسٹڈی میں داخل ہوئے۔ لوتھر ایک صوفے پر بیٹھ کر کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح ہانپنے لگا لیکن وہ سنگ ہی کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"بوائے۔" سنگ ہی زور سے چیخا۔ "ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔"

"کیا بیہودگی ہے۔" کیپٹن لوتھر نے جھلاہٹ میں فرش پر پیر مارا۔

"نہیں کیپٹن صاحب۔" سنگ ہی نے غمناک انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "ٹھنڈا پانی بیہودگی نہیں ہے۔ ٹھنڈا پانی اُس وقت بہت مفید ثابت ہوتا ہے جب عقل کھوپڑی کی حدود سے باہر نکلنے لگے اور میں کچھ اس وقت ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔"

لوتھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نوکر پانی کا گلاس لے کر اسٹڈی میں داخل ہوا۔

سنگ ہی نے ٹرے سے گلاس اٹھا کر معنی خیز نظروں سے لوتھر کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے گلاس اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

لوتھر پیچ و تاب کھاتا رہا۔ جب نوکر خالی گلاس لے کر چلا گیا تو اس نے سنگ ہی سے کہا۔

"دیکھو سنگ ہی! میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو۔"

"فقط اتنی سی زمین کہ مرنے کے بعد دفن کیا جاسکوں۔"

"میں کہتا ہوں مجھے تنہا چھوڑ دو۔ جاؤ یہاں سے۔" لوتھر بے بسی سے ہاتھ ہلا کر بولا۔ اب اُس کے لہجے میں گرمی باقی نہیں رہ گئی تھی۔

دفعتاً ایک نوکر پھر اسٹڈی میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک چھوٹی سی ٹرے تھی اور ٹرے میں ایک ملاقاتی کارڈ پڑا ہوا تھا۔

لوتھر نے کارڈ اٹھا کر دیکھا اور اچانک اس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سنگ ہی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ "کرنل فریدی۔"

"آنریری کرنل فریدی کہئے۔" سنگ ہی زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔ پھر اُس نے نوکر سے کہا۔ "پہلے ایک لارج وہسکی لاؤ۔"

نوکر چلا گیا۔

"ایک لارج وہسکی آپ کا سر شانوں پر رکھنے کے لئے کافی ہوگی۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

"وہ انتہائی چالاک آدمی ہے۔" لوتھر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" سنگ ہی بولا۔

نوکر وہسکی لے کر واپس آ گیا۔ سنگ ہی نے لوتھر کی طرف اشارہ کیا۔ نوکر نے چھوٹی میز اس کے صوفے کے قریب کھسکا کر ٹرے رکھ دی۔ لوتھر نے گلاس اٹھا لیا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے مضطربانہ انداز میں ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"اب اُسے لے آؤ۔" سنگ ہی نے نوکر سے کہا۔ نوکر کے جانے کے بعد سنگ ہی کیپٹن لوتھر کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے لوتھر ایک ناسمجھ بچہ ہو اور سنگ ہی اس کا بزرگ، جس نے ابھی ابھی اُسے مہمانوں کے سامنے مہذب اور باتمیز رہنے کی تاکید کی ہو۔

❁

فریدی کے ساتھ حمید بھی تھا۔ دونوں لوتھر کی اسٹڈی میں داخل ہوئے اور لوتھر نے بڑی خوش اخلاقی سے ان کا استقبال کیا۔ سنگ ہی بھی موجود تھا۔

حمید سنگ ہی کو بڑے غور سے دیکھنے لگا۔

"فرمائیے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" لوتھر نے کہا۔

"کچھ نہیں! بس یونہی تھوڑی سی تکلیف دوں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے اُن کوہ پیماؤں

کی فہرست چاہئے جو آپ کے ہمراہ جنوبی امریکہ گئے تھے۔"

لوتھر کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ لیکن سنگ ہی جلدی سے بولا۔ "ضرور.... ضرور.... مگر اُن میں سے تین تو ختم ہی ہو چکے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" فریدی بولا۔

"وہی تین لاشیں جن پر نیلی لکیریں پائی گئی تھیں۔"

"اوہ....!"

"فہرست آپ کو ابھی چاہئے یا آپ کے آفس پہنچادی جائے۔" سنگ ہی نے کہا۔

"مجھے جلدی ہے۔" فریدی بولا۔

"میں ابھی پیش کرتا ہوں۔" سنگ ہی نے کہا اور ایک میز کی دراز سے لکھنے کے لئے کاغذ نکال کر اس پر پنسل سے گھسیٹنے لگا۔

"لیکن آپ کو یک بیک جنوبی امریکہ کا خیال کیسے آیا۔" لوتھر نے فریدی سے پوچھا۔

"نیلی لکیروں کی بناء پر۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا اور سنگ ہی لکھتے لکھتے مڑ کر اُسے گھورنے لگا۔ پھر اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"کیا وہ نیلی لکیریں.....؟ وہ تو میری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔"

"نہ آتی ہوں گی؟ کیا فہرست تیار ہو گئی۔"

لوتھر تھوک نگل کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

سنگ ہی نے کاغذ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جن کے پتے میں نے نہیں لکھے اُن کے پتے مجھے معلوم ہی نہیں۔"

فریدی نے کاغذ سنگ ہی کے ہاتھ سے لے کر اُس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی پھر تہہ کر کے جیب مین رکھ لیا۔

"آپ نے ان لوگوں کی فہرست کیوں لی ہے۔" لوتھر نے پوچھا۔

"میں اُن سے پوچھوں گا کہ یہ جنوبی امریکہ میں کون سا کارنامہ انجام دے کر آئے ہیں۔"

"اوہ.... یہ تو یہ فقیر ہی عرض کر سکتا ہے۔" سنگ ہی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"لیکن حقیقت کی ہوا بھی نہ لگنے دو گے۔" فریدی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"آپ کو مطمئن کرنا بہت مشکل کام ہے۔" سنگ ہی مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"اچھا میں کچھ نہ کہوں گا۔"

"پولیس مجھے برابر پریشان کر رہی ہے۔" لوتھر بڑبڑایا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کون سی بات چھپا رہا ہوں۔"

"فکر نہ کرو! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ اور حمید دروازے کی طرف بڑھے۔ اُن کے پیچھے سنگ ہی اور لوتھر بھی تھے۔ اچانک فریدی دروازے پر رک کر اُن کی طرف مڑا۔

"تم نے صرف تین آدمیوں کے پتے لکھے ہیں۔" اُس نے سنگ ہی سے کہا۔ "وہی تینوں جو مر چکے ہیں۔"

"جی ہاں۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "آپ اُن کے باوجود پتے سے تو واقف ہی ہوں گے۔"

اس کے جواب میں فریدی نے جو کچھ بھی کیا وہ قطعی غیر متوقع تھا۔ اس نے سنگ ہی کے منہ پر اس زور کا چانٹا مارا کہ وہ کئی قدم لڑکھڑانے کے بعد فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"یہ کیا لغویت ہے۔" لوتھر چیخ کر آگے بڑھا۔

فریدی نے اتنی لاپروائی سے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر چلنے کا اشارہ کیا جیسے اُس کے کانوں تک لوتھر کی آواز پہنچی ہی نہ ہو۔

وہ دونوں چلے گئے لوتھر اس طرح چنگھاڑ رہا تھا جیسے اچانک پاگل ہو گیا ہو۔

سنگ ہی جیب سے رومال نکال کر تھپڑ پڑے ہوئے گال [illegible]

"شش شش! مسٹر لوتھر۔ خفا ہونے کی ضرورت نہیں [illegible] ہے۔ مجھے اکثر انتہائی ذلیل آدمیوں کے ہاتھوں پٹنے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔"

لوتھر اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھورنے لگا۔

لاش غائب

فریدی کی کیڈی لاک بھری پُری سڑکوں سے گذر رہی تھی۔

"آخر اُس کیچوے کو مارنے سے کیا فائدہ ہوا۔" حمید بولا۔

"اُسے تم کیچوا کہہ رہے ہو۔" فریدی سامنے سے نظر ہٹائے بغیر بولا۔ "تم اُسے نہ جانتے۔ کیا یہاں اس شہر میں کوئی اور بھی ہے، جو اس طرح میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کرے اس کی یہ حرکت میرے لئے ایک کھلا ہوا چیلنج ہے.... اور تھپڑ.... تم جانتے ہی ہو کہ میں تھ کب مارتا ہوں۔"

"اس کا نام کیا ہے۔ میں نے شاید اُسے پہلے پہل دیکھا ہے۔"

"سنگ ہی... ایک جلاوطنی دوغلا چینی ہے اول نمبر کا سازشی اور مکار... موجودہ چینی حکو کے خلاف اُس نے ایک سازش کی تھی۔ لہٰذا نتیجے کے طور پر اُسے جلاوطنی نصیب ہوئی۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان تینوں موتوں کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔"

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن وہ اس کے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں۔"

"آپ نے جگدیش سے کچھ غیر ملکیوں کا تذکرہ کیا تھا۔"

"ہاں.... یہ اس نیلی لکیر سے متعلق تھا۔"

"نیلی لکیر۔" حمید بڑبڑایا۔ "آخر یہ ہے کیا بلا۔"

"جان لینے کا ایک ہزاروں سال پرانا طریقہ۔"

"ہزاروں سال پرانا طریقہ۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"جسے جنوبی امریکہ کے قدیم باشندے اب بھی استعمال کرتے ہیں۔ خصوصاً "انکا" نسل ک لوگ جو پیرو اور چلی کے درمیان میں آباد ہیں۔ گورگین قبیلے کے لوگ بھی اس طریقے کے سمجھے جاتے ہیں۔"

"آ گئی شامت۔" حمید دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتا ہوا بولا۔

"اس کیس میں تھوڑی بہت تفریح کی امید ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے ایک ماہ کی چھٹی دلوا دیجئے۔"

"کیوں؟"

"ضرورت ہے اشد ضرورت ہے۔"

"پھر بھی۔"

"میں اپنے لئے سالیاں تلاش کروں گا۔"

"بات کچھ جچی نہیں۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"میں اس وقت اتفاق سے فلسفہ بول گیا ہوں۔"

"میں بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"آپ کبھی اچھی باتوں کے موڈ میں نہیں ہوتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ سنگ ہی کو چانٹا مارنے کے بعد سے اب تک اس کے مزاج کی چڑچڑاہٹ رفع نہیں ہوئی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ معاملات گہرے ہو سکتے ہیں۔ فریدی معمولی حالات میں کبھی آپے سے باہر نہیں ہوتا۔ اس نے فریدی سے کہا۔ "تو آپ کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ جنوبی امریکہ ہی سے اپنے ساتھ کچھ دشمن بھی لائے ہیں۔"

"ہاں میں کچھ ایسا ہی سوچ رہا ہوں اور مجھے اس کیس سے گہری دلچسپی ہے۔ جس دن پہلی لاش ملی تھی اُس دن سے میں نے دلچسپی لینی شروع کردی تھی.... مگر افسوس!"

"کیوں افسوس کس بات کا۔"

"تمہاری وجہ سے اکثر میرا بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ موضوع سے بہک رہے ہیں۔"

"قطعی نہیں.... یہ بات اُسی سلسلے کی ہے۔"

"تو میری وجہ سے کون سا نقصان ہو گیا۔"

"تم تصویروں کے لئے آئے دن لائبریری کی کتابیں الٹتے پلٹتے رہتے ہو۔"

"تو پھر....!"

"مجھے ایک کتاب کی تلاش ہے، جو نہیں مل رہی ہے۔"

"کیا ہم اس وقت کتابوں کی باتیں کر رہے تھے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"نہیں نیلی لکیر کے متعلق۔" فریدی نے کہا۔

"تو یہ باتیں یہاں سے آ ٹپکیں۔ آپ سو تو نہیں رہے تھے۔"

"میں جاگ رہا ہوں فرزند۔ اُس کتاب سے مجھے اُس کیس کے سلسلے میں کافی مواد ملتا۔"

"کیسی کتاب تھی۔"

"جرمن زبان میں ایک جرمن مصنف کا سفر نامہ۔ اُس نے اب سے باون سال پیشتر جنو امریکہ کا سفر کیا تھا اور کتاب پینتالیس سال قبل برلن میں چھپی تھی۔"

حمید نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "اگر جغرافیہ کی کتابوں سے کچھ مدد مل سکتی ہے تو میں کوشش کروں۔"

"شائد مجھے پوری دنیا کا جغرافیہ زبانی یاد ہے۔" فریدی نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کیساتھ کہا۔

"اوہ تو اسی لئے آپ کو آج تک کسی سے عشق نہیں ہوا۔"

"بکواس مت کرو۔"

"صحیح عرض کر رہا ہوں سرکار۔ آپ محبوبہ کا خط استوا سے فاصلہ دریافت کرنے کے پھیر میں پڑ جاتے ہیں۔"

"حمید....!"

"جناب والا۔"

"کیا تم میں کبھی سنجیدگی نہ پیدا ہوگی۔"

"کیوں نہیں! جس دن بھی کسی ریوالور کی گولی نے میری کھوپڑی میں سوراخ کر دیا میں ہمیشہ کے لئے سنجیدہ ہو جاؤں گا۔ لیکن اس سے قبل یہ خواہش ضروری ہے کہ میں اپنی سنجیدگی پر عشق کرنے کے لئے دو چار یتیم اور ایک آدھ بیوہ چھوڑ جاؤں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظریں ونڈ اسکرین کے پار سڑک پر جمی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں عجیب سی ویرانی تھی۔ حمید کچھ دیر چپ رہا پھر اُس نے پوچھا۔

"آخر آپ اس کتاب میں کیا دیکھنا چاہتے تھے۔"

"ایک دلچسپ کہانی۔"

"کہانی....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کس کی کہانی۔"

"ایک ننھی منی سی شہزادی کی کہانی۔"

حمید اس طرح بوکھلا کر فریدی کو گھورنے لگا جیسے سچ مچ اس کا دماغ الٹ گیا ہو۔

سنگ ہی آر لکچو کی رقص گاہ میں ایک ادھیڑ عمر عورت کیساتھ رقص کر رہا تھا۔ حمید نے اُسے

حیرت سے دیکھا۔ بظاہر اول جلول سا نظر آنے والا سنگ ہی کتنا اچھا ناچ رہا تھا۔ اس کا ہر قدم نپا تلا ہوتا تھا۔

تھوڑی دیر تک سنگ ہی کی نگرانی کرنے کے بعد حمید پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس میں دلچسپی لینے والا وہی اکیلا نہیں ہے۔ اس نے ایک غیر ملکی کو بھی سنگ ہی میں دلچسپی لیتے ہوئے دیکھا۔

یہ ایک پھیکی رنگت اور اداس آنکھوں والا متوسط جسامت کا آدمی تھا اس کے جسم پر سیاہ پتلون اور سیاہ ڈنر جیکٹ تھی۔ وہ خود رقص نہیں کر رہا تھا۔

حمید کے ذہن میں اُن غیر ملکیوں کا خیال ابھرا جن کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا۔

حمید کی ہم رقص ایک سلونی سی مدراسی لڑکی تھی اُس نے حمید کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"تم کیا سوچنے لگے۔"

"آں....!" حمید چونک پڑا۔ "کچھ نہیں.... اوہ دراصل میں یہ سوچ رہا تھا کہ آپ کی تعریف کن الفاظ میں کروں۔"

"میری تعریف۔" لڑکی مسکرا دی۔

"ہاں.... ایسے رنگ کے بادل بھی نہیں ہوتے۔ ڈھلتی ہوئی شاموں میں اتنا سلونا پن کہاں۔"

لڑکی نے کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا۔ اتنے میں موسیقی بند ہو گئی اور لوگ اپنی اپنی میزوں کی طرف جانے لگے۔ حمید نے محسوس کیا کہ لڑکی پیچھا چھوڑنے والی نہیں وہ اس کے ساتھ اس کی میز پر آ گئی۔

حمید نے سنگ ہی کو بار کی طرف جاتے دیکھا اس نے کاؤنٹر پر رک کر بیئر کا گلاس خریدا اور کھڑا ہو کر چسکیاں لینے لگا۔ بظاہر وہ اُس غیر ملکی کی موجودگی سے ناواقف نظر آ رہا تھا، جو اس سے تھوڑی ہی دور کھڑا سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

حمید کا اضطراب بڑھ گیا وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" اُس نے اپنی ہم رقص کی طرف دیکھ کر سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

"مجھے نشہ ہو رہا ہے۔"

"زیادہ پی گئے ہو گے۔"

"اوہ ٹھیک ہے..... لیکن میرے خدا:...اب کیا ہوگا۔"

"تو پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"اب میں کل صبح حوالات میں نظر آؤں گا۔" حمید جھومتا ہوا بولا۔

"کیوں؟" لڑکی نے حیرت سے کہا۔

"مجھے خود پر قابو نہیں رہتا۔" حمید روہانسی آواز میں بولا۔ "اکثر کتوں کی طرح بھونکنے اور گدھوں کی طرح رینکنے لگتا ہوں۔ پچھلی بار سڑک پر ننگا ہو کر ناچتا ہوا پکڑا گیا تھا۔ اس سے پہلے ایک عورت کے بال نوچ لئے تھے۔ اس کے سینڈل اتار کر اپنا سر پیٹنے لگا تھا۔ ذرا دیکھوں تو تمہارے سینڈل کیسے ہیں۔"

حمید اُس کے پیروں کی طرف جھکا اور وہ بوکھلا کر کرسی سمیت پیچھے کھسک گئی۔

"ایک سینڈل۔" حمید سیدھا ہو کر گھگھیایا۔ "نشانی کے لئے۔"

"مذاق نہ کیجئے۔" لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔ "ٹھہرئیے! میں ابھی آتی ہوں۔"

"ہائے میں مر جاؤں گا....." حمید نے ہانک لگائی۔

لیکن لڑکی بڑے بے ساختہ انداز میں وہاں سے کھسک گئی۔ حمید نے اطمینان سے پائپ سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

سنگ ہی کاؤنٹر پر کھڑا بیئر کی چسکیاں لے رہا تھا۔ وہ بڑا کھویا کھویا سا نظر آنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اپنے گردوپیش کی خبر ہی نہ ہو۔

اس کی نگرانی کرنے والا غیر ملکی بھی ابھی تک اپنے اسی انداز میں کھڑا تھا۔

سنگ ہی نے بیئر ختم کر کے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ پھیرا اور گلاس کو کاؤنٹر پر رکھ کر جیب سے پرس نکالا۔ پھر چند ہی منٹ بعد حمید نے اُسے رقص گاہ سے باہر جاتے دیکھا۔ غیر ملکی اجنبی بھی باہر نکل گیا۔

حمید دروازے کی طرف لپکا۔ وہ دونوں کافی فاصلہ چھوڑ کر آگے پیچھے چل رہے تھے۔ کمپاؤنڈ سے باہر آ کر سنگ ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ جب اس کی ٹیکسی کچھ دور نکل گئی تو وہ غیر ملکی بھی

جھپٹ کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

حالانکہ فریدی کی کیڈی لاک ہوٹل کے گیراج میں موجود تھی لیکن حمید نے بھی ٹیکسی ہی مناسب سمجھی۔ تینوں ٹیکسیاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تھیں۔ گیارہ بج چکے تھے اس لئے سڑکوں پر ٹریفک کا زور بھی کم ہو گیا تھا۔ حمید کو تعاقب جاری رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

تقریباً آدھ گھنٹے بعد سنگ ہی کی ٹیکسی ارجن پورے میں رک گئی اور سنگ ہی اُتر کر ایک تاریک گلی میں گھستا ہوا نظر آیا۔ غیر ملکی کی ٹیکسی بھی اچانک رک گئی اور وہ بھی اتر کر اسی گلی کی طرف جھپٹا۔ گلی میں بہت اندھیرا تھا۔ حمید نے سوچا کہ جیب سے ٹارچ نکال لے۔ لیکن پھر اسے مناسب نہ سمجھ کر یونہی اندھیرے میں چلتا رہا۔

دفعتاً اس نے ایک ہلکی سی کراہ سنی اور پھر کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی ٹھوکر کھا کر گرا ہو۔ لیکن پھر ایسا جان پڑا جیسے گرنے والا انتہائی کرب کے عالم میں ہاتھ پیر پٹخ رہا ہو۔ حمید تیزی سے آگے کی طرف جھپٹا۔ اب اُس نے ٹارچ روشن کر لی تھی اور دوڑنے لگا تھا۔ پھر اچانک اُسے رک جانا پڑا۔

سنگ ہی کا تعاقب کرنے والا غیر ملکی زمین پر چت پڑا تھا اور اُس کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر ایک بہت بڑا خنجر پیوست تھا۔

حمید ایک لمحے کے لئے لاش پر جھکا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بے تحاشہ آگے کی طرف دوڑنے لگا۔ شائد وہ سنگ ہی کو پکڑنا چاہتا تھا۔ اُس کے قدموں کی آوازیں دور تک اندھیرے میں ڈوبتی چلی گئیں۔

سنگ ہی قریب کی پتلی گلی سے نکل کر لاش کی طرف آیا اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹارچ تھی اور پھر اُس نے ایسی حرکتیں شروع کیں جیسے اُس نے پہلے ہی سے اپنا پروگرام بنا رکھا ہو۔ اُس نے ایک قریبی گٹر کا ڈھکن اٹھایا اور لاش کو کھینچتا ہوا اُس کے قریب لایا۔ پوری کاروائی میں مشکل سے ایک منٹ لگا ہوگا۔ اُس نے گٹر کا ڈھکن بند کرتے ہوئے ایک طویل سانس لی۔

وہ پھر اُسی مقام پر لوٹ آیا جہاں سے اُس نے لاش گھسیٹی تھی۔ یہاں تقریباً دو فٹ کے گھیرے میں خون پھیلا ہوا تھا۔

سنگ ہی نے اپنی پتلون کی جیب سے ایک شیشی نکالی۔ اُس میں ایک بے رنگ عرق تھا۔ اس

نے اسے خون پر الٹ دیا۔ خون پر عرق گرتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کھولنے لگا ہو۔ سفید رنگ کی ہلکی ہلکی بھاپ خون سے ایک فٹ کی اونچائی پر اٹھ کر ہوا میں تحلیل ہوتی جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے زمین اس طرح صاف اور خشک ہو گئی جیسے وہاں کبھی کچھ رہا ہی نہ ہو۔ سنگ ہی نے خالی شیشی جیب میں ڈالی اور بڑے اطمینان سے ٹہلتا ہوا گلی سے سڑک پر نکل آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک گھٹیا قسم کے قحبہ خانے میں دیکھا گیا جہاں وہ بوڑھی نائکہ کو اس انداز میں چھیڑ رہا تھا جیسے وہ اسی کے لئے سودا طے کرے گا۔

رات کو دو بجے حمید ہکلا ہکلا کر فریدی کو اپنی کہانی سنا رہا تھا۔

"اور پھر میں جب دوبارہ اُس طرف واپس آیا تو لاش غائب تھی۔"

"ہوں....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"خفیف سا نشان بھی نہ ملا۔ آخر وہ خون کیا ہو گیا، جو لاش کے گرد پھیلا ہوا تھا۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ شاید میں کسی غلط گلی میں نکل آیا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم سے غلطی ہی ہوئی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ناممکن۔" حمید بولا۔ "میں ٹھیک اُسی جگہ پر تھا جہاں میں نے لاش دیکھی تھی۔"

"مجھے حیرت نہیں ہے۔"

"کیوں....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ سنگ ہی کوئی ٹٹ پونجیا قسم کا مجرم نہیں ہے۔ اس نے چین کی حکومت سے ٹکرانے کی کوشش کی تھی۔ تم خود سوچو کہ ایسا آدمی کن صلاحیتوں کا مالک ہوگا۔"

"آخر لاش کیا ہوئی۔"

"تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"گٹر.... کیا گٹر سے بھی زیادہ موزوں کوئی جگہ ہو سکتی ہے۔"

"مگر آخر نشانات کہاں گئے۔ کچی زمین کا خون تو دھویا نہیں جا سکتا۔"

"بہتیری صورتیں ہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کہا۔ "چلو! میں دیکھنا

ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی بڑی تیز رفتاری سے ارجن پورے کی طرف جا رہی تھی۔ ایک جگہ پہنچ کر حمید نے کیڈی رکوائی۔

اور پھر فریدی کو تھوڑی ہی دیر بعد یہ تسلیم کر لینا پڑا کہ سنگ ہی نے کسی قسم کا کوئی نشان نہیں چھوڑا۔ گٹر کے ڈھکن کو بھی شاید اس نے رومال سے صاف کر دیا تھا۔

لکیروں کا راز

لوتھر پاگلوں کی طرح کمرے میں ٹہل رہا تھا.... اور ایک طرف وہی پٹھان سنتری کھڑا تھا جسے اس نے ایک دن قبل سنگ ہی کے کہنے پر ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں! پٹھان بڑے وفادار ہوتے ہیں۔" لوتھر نے دفعتاً رک کر کہا۔

"بے شک....!" پٹھان سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ہم مالک کے لئے جان دیتا ہے۔"

"میں پھر تمہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہم تیار ہے! مگر ہم اُسی چینی ولدالحرام کا گردن بے شک توڑ دے گا۔"

"تمہیں رات بھر میرے ساتھ میرے کمرے میں رہنا پڑے گا۔"

"دوشمن کا خوف؟" پٹھان نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں....!"

"صاحب آپ پولیس میں خبر کیوں نہیں دیتا۔"

"نہیں دے سکتا.... ایسی ہی بات ہے۔"

"فکر نہ کرے آپ.... ہم ایک ایک دوشمن کا بوٹی قیمہ کرے گا۔ مگر آپ ہمیں بتائیے.... دوشمن کدھر ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"پھر ہم کیا کرے گا۔"

"میری حفاظت! میری موت کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔"

"اچھا صاحب! ہم دیکھیں گے۔ مگر آپ اُس ولد الحرام کے معاملے میں نہیں بولے گا۔"

"نہیں بولوں گا.... مجھے منظور ہے۔"

"تب ٹھیک ہے۔"

لوتھر پھر ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اب تم جاؤ ٹھیک سات بجے شام کو آجانا۔ دن کو مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ میں اپنی حفاظت خود ہی کر سکتا ہوں۔"

لوتھر کی جوان سال لڑکی سارہ برآمدے میں آرام کرسی پر نیم دراز پکچر پوسٹ کے صفحات الٹ رہی تھی۔ سارہ کافی قبول صورت اور شوخ لڑکی تھی۔ لوتھر اُسے بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

اچانک پکچر پوسٹ کے پرچے سے کارڈ سائز کی ایک تصویر نکل کر فرش پر گر پڑی۔ سارہ اُسے اٹھانے کے لئے جھکی اور پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ وہ ایک ایسی گندی تصویر تھی کہ اگر لوتھر اُسے اُس کے ہاتھ میں دیکھ لیتا تو اُس کی شامت ہی آجاتی۔ شاید وہ اُسے بے دریغ مار بیٹھتا۔

تصویر کے نیچے تحریر تھا۔

"سمجھ دار سارہ کے لئے.... فلفی سنگ ہی کی طرف سے۔"

سارہ کا چہرہ غصہ اور شرم سے تمتما اٹھا۔ اس کی سانس پھولنے لگی۔ سنگ ہی سے اُسے بڑی نفرت تھی اور وہ کئی بار لوتھر سے کہہ چکی تھی کہ وہ اُسے نکال دے اُس نے یہ بات بھی محسوس کی تھی کہ لوتھر سنگ ہی سے کچھ خائف سا رہتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ اس نے کئی بار لوتھر سے بھی اس کے متعلق پوچھا لیکن کوئی تشفی بخش جواب نہ ملا اور اب ادھر جب سے پولیس والوں نے اُس کے گھر کے چکر کاٹنے شروع کئے تھے اُس کی تشویش اور زیادہ بڑھ گئی تھی اور اُن تین کوہ پیماؤں کی پُر اسرار موتیں، جو اُس کے باپ کے ساتھ جنوبی امریکہ گئے تھے۔ اُن میں سے ایک تو اس کوٹھی کے سامنے ہی مرا تھا۔

وہ یہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ لوتھر اُسے کچھ دنوں کے لئے کوٹھی سے ہٹانا چاہتا ہے۔

سنگ ہی اس کے لئے ایک معمہ تھا۔ وہ اُس کے باپ کا ملازم تھا لیکن کبھی کبھی وہ اس کی توہین تک کر بیٹھتا تھا۔ اس پر لوتھر کی خاموشی کو وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتی تھی کہ وہ

سنگ ہی سے دبتا ہے۔ آخر کیوں؟ بار بار یہ سوال اس کے ذہن میں کچوکے لگاتا تھا۔

سارہ برآمدے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی۔ تصویر اُس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے لکھنے کی میز پر بیٹھ کر انتہائی غصے کے عالم میں اپنے باپ کو ایک خط لکھا۔ لکھ چکنے کے بعد نظر ثانی کی اور اُسے پھاڑ دیا۔ کچھ دیر سر پکڑے بیٹھی رہی.... پھر دوسرا کاغذ اٹھایا اور پھر صرف اتنا لکھا۔

"ڈیڈی.... کیا آپ اسے بھی برداشت کرلیں گے۔"

اُس نے کاغذ کو تہہ کر کے تصویر کے ساتھ ایک لفافے میں بند کیا اور نوکر کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔

"ڈرائیور سے کہو کہ گاڑی نکالے۔" اُس نے نوکر سے کہا۔

جب نوکر واپس آیا تو اُس نے لفافہ اُسکے ہاتھ میں دے کر کہا۔ "اسے ڈیڈی کو دے آؤ۔"

اُدھر نوکر لفافہ لے گیا اور ادھر وہ باہر نکلی۔ کار پھاٹک کے قریب کھڑی تھی۔

"میں خود ڈرائیو کروں گی۔ تم جاؤ۔" سارہ نے ڈرائیور سے کہا اور کار میں بیٹھ گئی۔

لوتھر آرام کرسی پر پڑا اونگھ رہا تھا۔ نوکر کی آہٹ پر چونک پڑا۔

"مس صاحب نے دیا ہے۔" نوکر نے لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا اور کسی قسم کے جواب کا انتظار کئے بغیر باہر چلا گیا۔

لوتھر نے لفافہ کھولا۔ سب سے پہلے اس کی نظر تصویر پر پڑی اور وہ اس طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے کرسی کی سیٹ میں آگ لگ گئی ہو۔ تصویر اُس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑی۔ وہ اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورتا رہا۔ پھر اس کی نظر ساتھ والے کاغذ پر پڑی۔ اس نے جھک کر اُسے اٹھایا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ "سور.... کمینے.... کتے.... ذلیل۔"

اس نے میز کی دراز کھول کر ریوالور نکالا اور بے تحاشہ بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

پھر وہ ایک ایک کمرے میں سنگ ہی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ نوکر اُسے اس حال میں دیکھ کر سہم گئے۔ کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ اس سے کچھ پوچھتا۔

آخر کار اس نے سنگ ہی کو پا ہی لیا۔ وہ ایک کمرے میں بیٹھا بیئر پی رہا تھا۔ لوتھر نے اُسے دیکھتے ہی فائر کر دیا۔ سنگ ہی بندروں کی طرح اچھل کر میز پر چڑھ گیا۔ لوتھر نے دوسرا فائر کیا لیکن اس بار پھر وہ چوک گیا۔ سنگ ہی نے میز سے چھلانگ لگائی اور اس بار وہ تیر کی طرح لوتھر پر آیا۔ غصے نے پہلے ہی لوتھر کی قوت سلب کر لی تھی۔ ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

"کیا پاگل ہو گئے ہو۔" سنگ ہی غرایا۔ اس نے ریوالور اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ پھر اس نے باہر کھڑے ہوئے نوکروں کو ڈانٹا۔ "جاؤ.... اپنا کام کرو۔"

نوکر چلے گئے۔ سنگ ہی نے لوتھر کو ایک آرام کرسی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔

"اگر میں مر جاتا تو....!"

"سور کے بچے میں تجھے ہر حال میں مار ڈالوں گا۔" لوتھر چیخا۔

"آخر اس غصے کی وجہ۔"

"وجہ پوچھتا ہے! خیریت اسی میں ہے کہ جلد سے جلد کوٹھی خالی کر دے۔"

"لیکن میرے کوٹھی خالی کرتے ہی تمہارا جسم روح سے خالی ہو جائے گا۔"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

"تو بہرے ہو جاؤ۔" سنگ ہی نے لاپروائی سے کہا اور بیئر کی بوتل اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔

"اب تیری اتنی جرأت ہو گئی کہ سارہ کو ایسی تصویر بھیجے۔"

"اوہ تو یہ کہو....!" سنگ ہی سنجیدگی سے بولا۔ "مگر مسٹر لوتھر تم مجھے بڑے گھٹیا آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اتنی سی بات پر گولیاں جھونکنے لگے۔"

"ارے او! ذلیل کتے! یہ ذرا سی بات ہے۔" لوتھر حلق کے بل چیخا۔

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔" سنگ ہی نے کہا۔ "سارہ کافی سمجھدار ہے۔ ننھی سی بچی تو نہیں کہ اس تصویر کو سمجھ نہ سکے۔"

"ابے کیا تو پاگل ہو گیا ہے۔" لوتھر اپنا سر پیٹتا ہوا بولا۔

"دنیا کے ہر بڑے آدمی کو لوگ پاگل سمجھتے ہیں۔ اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو میں اسے بھی اس قسم کی تعلیم دیتا۔"

"خدا تجھے غارت کرے ذلیل۔"

"تم بڑے تنگ نظر معلوم ہوتے ہو مسٹر لوتھر! میں تو سمجھتا تھا کہ دنیا کے سارے دوغلے آدمی میری ہی طرح آزاد خیال ہوں گے۔ مگر نہیں تم تو صرف دوغلے ہو۔ میری طرح حرامی نہیں۔"

"تجھ سے پیچھا چھڑانے کے لئے اب میں دوسری صورت اختیار کروں گا۔ خواہ مجھے پھانسی ہی کیوں نہ ہو جائے۔"

"تو اب تم اتنی سی بات پر پولیس سے ساز باز کرو گے۔" سنگ ہی تلخ سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"میں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"یعنی اپنے ہاتھ سے اپنے گلے میں پھندا ڈالو گے۔ وہ بھی اس لئے کہ میں نے تمہاری لڑکی کو تجربہ گاہ بنانا چاہا تھا لیکن کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اُس صورت میں محفوظ ہو جائے گی۔ کیا تم سنگ ہی کی قوتوں سے واقف نہیں ہو۔ ابھی تک تو یہ محض مذاق تھا۔ مسٹر لوتھر.... لیکن جانتے ہو اس صورت میں کیا ہو گا۔ اس سال تو ابھی تک وہی ہوا ہے جو سنگ ہی نے چاہا ہے۔"

"آج تجھے کوٹھی خالی ہی کرنی ہو گی۔"

"سنو! بچے نہ بنو۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیئو اور یہ سوچ کر خدا کا شکر ادا کرو کہ سنگ ہی نے تمہیں اس وقت زندہ چھوڑ دیا۔"

"میں ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔"

"کون سا زہر پسند کرو گے، خودکشی زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتی۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

لوتھر کا غصہ اتنا بڑھا کہ اس پر غشی طاری ہو گئی۔

سنگ ہی نے اس کے سر پر شراب کے چھینٹے دیئے اور پادریوں کی طرح دعا پڑھنے لگا۔

سرجنٹ حمید کی چوہیا میز پر بیٹھی مونگ پھلی کے دانے کتر رہی تھی اور بکرا میز پوش چبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک حمید نے کتاب سے نظریں ہٹائیں اور بکرے کو ایک لات جھاڑتا ہوا بولا۔

"ابے اسے میز پوش کہتے ہیں۔"

بکرے نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا، دو چار مرتبہ پلکیں جھپکائیں اور پھر اپنے شغل میں لگ گیا۔

"نہیں سنتا....!" حمید جھلا کر اٹھا اور اس کی پچھلی ٹانگیں پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر دھکیل آیا۔ پھر

اسے اپنے کمرے میں واپس آئے دو ہی تین سیکنڈ گذرے ہوں گے کہ ایک نوکر نے آکر ناک کے بل الاپنا شروع کر دیا۔

"بڑے صاحب.... یاد فرما رہے ہیں۔"

"اُن سے جاکر کہو بڑی خوشی ہوئی.... روزانہ اسی وقت یاد فرمالیا کریں۔"

نوکر چپ چاپ کھڑا رہا۔

"ابے بھاگ!" حمید اُسے مکا دکھا کر بولا۔

"کیا کہہ دوں۔"

"یہی جو میں نے کہا ہے.... نکلو یہاں سے۔"

اس نے نوکر کے جانے کے بعد پھر ٹانگیں پھیلا کر کتاب پڑھنی شروع کر دی۔ یہ کوئی رومانی ناول تھا۔ حالانکہ اُسے اردو کے رومانی ناول پڑھ کر ہمیشہ کوفت ہوتی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ باز نہیں آتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد راہداری میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی جھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ حمید بدستور ناول پر نظریں جمائے رہا۔ فریدی نے کرسی کے پائے میں ٹھوکر ماری اور حمید چیخ مار کر اچھل پڑا۔ پھر فریدی کی طرف دیکھ کر کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا بولا۔

"لاحول ولا قوۃ آپ ہیں! میں سمجھا شائد بکرا ہے۔"

"میں نے تمہیں بلوایا تھا۔"

"اوہ.... لیکن مجھے اطلاع نہیں ملی۔"

"بکواس نہ کرو! مجھے یہ حرکتیں پسند نہیں۔"

"قسم لے لیجئے۔ کسی نے اطلاع نہیں دی۔"

"نصیرا نہیں آیا تھا۔"

"آیا تو تھا۔" حمید نے معصومیت سے کہا۔ "لیکن اُس نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ آپ مجھے بلا رہے ہیں۔ اُس نے یہ کہا تھا کہ آپ مجھے یاد کر رہے ہیں۔ اس پر میں نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ ارے کوئی ایسا بھی تو ہے، جو ہمیں یاد کرتا ہے۔"

"میں چانٹا مار دوں گا۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"آپ کا جغرافیہ آج تک میری سمجھ میں نہ آسکا۔" حمید نے غمزدہ آواز میں کہا۔ "کبھی یاد کریں گے اور کبھی مارنے کی دھمکی دیں گے۔ ایسی تو ہٹلر کی بھی محبوبہ نہ رہی ہوگی۔"

فریدی نے اس کا کان پکڑ کر کرسی سے اٹھا دیا۔

حمید ایک لمبی سی "چیاؤں" کے ساتھ اٹھتا چلا گیا۔

"میں کہیں جانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"کیا اسٹڈی تک بھی نہیں چلو گے۔ جہاں دو لڑکیاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

"آپ نے خواب دیکھا ہوگا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آج کل موسم ایسا خراب ہے کہ کوئی لڑکی میری پرواہ نہیں کرتی۔"

"فکر نہ کرو! میں نے تمہارے لئے انتظام کر لیا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"تم لوتھر کی کوٹھی میں اس کی لڑکی کے دوست کی حیثیت سے قیام کرو گے۔"

"بھلا اس کی لڑکی مجھے اپنا دوست کیوں تسلیم کرنے لگی۔"

"کرے گی.... یہ میں اسی کی درخواست پر کر رہا ہوں۔"

"شاید آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"نہیں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ سنگ ہی سے وہ اور اس کا باپ دونوں بہت زیادہ خائف ہیں۔"

"سنگ ہی سے خائف ہیں؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں وہ بظاہر تو لوتھر کا نوکر ہے لیکن اصلیت خدا جانے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی بڑا کھیل کر رہا ہے۔"

"لیکن وہ جنوبی امریکہ کے پُراسرار باشندے۔"

"وہ بھی اپنی جگہ پر اٹل حقیقت ہیں۔"

"آخر آپ ٹھیک سے کیوں نہیں بتاتے۔"

"میں سمجھے بوجھے بغیر کوئی بات نہیں کرتا۔ فی الحال ہمیں صرف سنگ ہی اور لوتھر کے تعلقات کے متعلق چھان بین کرنی ہے۔"

"اوہ وہ نیلی لکیر.... آپ نے کہا تھا کہ وہ جنوبی امریکہ کی کسی قدیم قوم سے تعلق رکھتی ہے۔"

"قدیم نسل سے۔" فریدی نے تصحیح کی۔ "طریقہ کار سے شائد تم واقف نہیں۔ چمڑے کی پتلی سی پٹی زہر میں ڈبوئی جاتی ہے۔ مارنے والا اپنے شکار کے جسم پر اس زور سے اُسے مارتا اس کی کھال پھٹ جاتی ہے اور زہر جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ یہ نیلی لکیر دراصل اُسی چمڑ پٹی کی چوٹ کا نشان ہوتا ہے۔"

"میرے خدا۔" حمید نے کہا۔ "آپ طریقہ کار سے واقف ہیں۔ اس کے باوجود بھی ابھی تک اندھیرے میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے! میں ابھی اس بات کو مشتہر نہیں کرنا چاہتا۔ لوگوں کو اندھیرے ہی میں رہنے

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔

"ان تین مرنے والوں کے علاوہ اور لوگ بھی تو لوتھر کے ساتھ جنوبی امریکہ گئے تھے۔"

"ہاں گئے تو تھے اور میں اُن میں سے دو ایک سے مل بھی چکا ہوں۔"

"تو انہوں نے بھی کوئی خاص بات نہیں بتائی۔"

"بتائی ہے۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "وہ تینوں مرنے والے لوتھر.... سنگ اور ایک مقامی کوہ پیما کے ساتھ ایلپوم کی چوٹی پر پہنچ گئے تھے۔"

"تو کیا ایلپوم کی چوٹی پر پہنچتے ہی کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی۔"

"ہوسکتا ہے۔ اگر تم باقاعدہ اخبار پڑھتے ہوتے تو اس قسم کا سوال کبھی نہ کرتے۔" فر نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"اخبار سے کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ لوتھر کی پارٹی نے ایلپوم کی چوٹی سر کرنے کے علاوہ اور کونسا کارنامہ انجام دیا تھا

"مجھے اس قسم کی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "کوہ پیمائی ہونہہ! چڑھ گئے کسی پہاڑ کی چوٹی پر اور ہلا رہے ہیں بچوں کی طرح ہاتھ۔ کیا لغویت ہے۔ ا اس میں کیا دھرا ہے۔ بہادری تو تب ہے کہ بیچ سڑک پر کسی عورت کی چوٹی پکڑلی اور اپنے ایک بال بھی کم کئے بغیر صاف نکل گئے.... پہاڑ کی چوٹی.... ہونہہ۔"

"زنخوں اور مردوں کے مشاغل میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔ "خیر تمہیں نہ معلوم۔ لوتھر وغیرہ نے ایلپوم کی چوٹی پر ایک پانچ سو سال پرانی لاش دریافت کی تھی۔"

"پانچ سو سال پرانی لاش!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... اِنکا نسل کی ایک بارہ سالہ شہزادی کی لاش۔ جس کے باپ کی حکومت اب سے پانچ سو سال پہلے چلی اور پیرو کے درمیانی علاقے پر تھی اور اسپین کے ایک حملہ آور فرانسسکو ہزارو نے اس کا تختہ الٹ دیا تھا۔ شاہی خاندان کے بہت سے افراد افراتفری میں ادھر اُدھر بھاگ نکلے۔ انہیں میں یہ شہزادی بھی تھی جس نے ایلپوم پہاڑ کی ایک زیارت گاہ میں پناہ لی اور وہیں اس کی موت بھی واقع ہوئی۔ بہر حال وہ شیشے جیسی برف کے اندر اس طرح بیٹھی ہوئی ملی جیسے زندہ ہو اور برف سے نکالنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے مرے ہوئے ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ گذرا ہو۔"

حمید حیرت سے فریدی کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔

"آپ کسی جرمن مصنف کی تصنیف کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"ہاں! اس نے اب سے باون سال پہلے جنوبی امریکہ کا سفر کیا تھا اور وہاں اُسے اُس شہزادی کے فرار کی داستان سنائی گئی تھی اور لوگوں کا خیال تھا کہ وہ شہزادی ایلپوم کی چوٹی پر اب بھی موجود ہے۔ اس سفر نامے میں بہت کچھ تھا۔ افسوس کہ تفصیل میرے ذہن میں نہیں ہے۔ بہر حال نیلی لکیروں کے متعلق بھی میں نے اُسی میں پڑھا تھا۔ یہ حربہ فرانسسکو ہزارو کی فوج کے خلاف استعمال کیا گیا تھا۔"

"تو کیا یہ غیر ملکی.... لوتھر کی پارٹی کے پیچھے اسی لئے پڑ گئے ہیں کہ انہوں نے وہ لاش وہاں سے کیوں نکالی۔"

"ہوسکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "حمید صاحب اس کتاب کو ملنا ہی چاہئے۔ اُس میں کچھ اور بھی تھا۔"

"تلاش کروں گا.... مگر اب وہ لاش کہاں ہے۔"

"وہ تو اُسی وقت وہاں کی حکومت کی تحویل میں دے دی گئی تھی۔ ایک دوسری بات۔ ایلپوم کی چوٹی صرف سولہ ہزار فٹ بلند ہے۔ اپنے یہاں کے پہاڑوں کی کئی اس سے بھی بلند چوٹیاں ابھی تک فتح نہیں ہوئیں۔ آخر لوتھر نے صرف سولہ ہزار فٹ بلند چوٹی کے لئے اتنا لمبا سفر کیوں کیا۔ وہ اپنا یہ شوق یہاں بھی پورا کر سکتا تھا۔"

"ممکن ہے اس لاش کے لئے۔" حمید بولا۔

"لیکن لوتھر نے وہاں یہ بیان دیا تھا کہ لاش اُسے اتفاقاً ملی تھی۔ اُسے پہلے سے اس کا علم نہیں تھا۔"

"تب تو معاملہ واقعی دلچسپ ہے۔" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

وہ مہمان

تصویر والے واقعہ کے بعد سے لوتھر شرمندگی کے مارے اپنی لڑکی سے کترانے لگا تھا۔ بہت کچھ سوچ بچار کرنے کے بعد اُس نے اُسے ایک خط لکھا اور اس میں خواہش ظاہر کی کہ وہ کچھ دنوں کیلئے باہر چلی جائے اور سنگ ہی سے اسی صورت میں چھٹکارا مل سکتا ہے جب وہ قتل کر دیا جائے۔

اس کے جواب میں سارہ نے اُسے لکھا کہ وہ فی الحال کہیں نہیں جا سکتی کیونکہ اس کا ایک کلاس فیلو کچھ دنوں کے لئے اُس کے ساتھ قیام کرنے کی غرض سے آ رہا ہے۔

اس نئی اطلاع پر لوتھر بُری طرح بوکھلا گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان دنوں کوئی اجنبی اس کی کوٹھی میں قیام کرے۔ آخر اسے سارہ سے دوبدو گفتگو کرنی ہی پڑی۔

"حالات ایسے نہیں بیٹی کہ آج کل کوئی غیر یہاں قیام کر سکے۔" لوتھر نے کہا۔

"کیسے حالات! آخر آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں۔"

"یہ مت پوچھو! بس ایک مشکل میں پھنس گیا ہوں اور میں خود ہی حالات پر قابو پانا چاہتا ہوں۔"

"بیکار بات ہے۔ سنگ ہی آپ کو تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔"

"میں بہت جلد اُس سے چھٹکارا پا لوں گا۔"

"لیکن میرا مہمان ضرور آئے گا۔"

"ضد نہ کرو۔"

"مجبوری ہے اُسے کس طرح ٹالا جا سکتا ہے جبکہ میں خود اُسے مدعو کر چکی ہوں۔"

"سنگ ہی خواہ مخواہ شک کرے گا۔" لوتھر نے بے بسی سے کہا۔

"سنگ ہی.... سنگ ہی۔" سارہ جھلا کر بولی۔ "میں اُس سور کے بچے سے نہیں ڈرتی۔ اگر

ضرورت پڑی تو میں اُس کی کھوپڑی میں ایک اونس سیسہ اُتار دوں گی۔"

"آہستہ بولو۔" لوتھر چاروں طرف دیکھ کر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"ڈیڈی۔ کہیں میں تمہارے ساتھ کوئی بُرا برتاؤ نہ کر بیٹھوں۔" سارہ بپھر گئی۔ "تم وہی کیپٹن لوتھر ہو جس کے نام سے لوگ لرزتے تھے۔"

"وقت کی بات ہے بے بی۔" سنگ ہی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "تم اپنے مہمان کو ضرور بلاؤ کیپٹن کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ سنگ ہی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جب کہ سنگ ہی ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو نیلی لکیر کے چوتھے شکار یہی ہوتے۔"

"تم بغیر اجازت میرے کمرے میں کیوں گھسے۔" سارہ چیخ کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے۔" سنگ ہی نے کہا اور الٹے قدموں چلتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ پھر اُس نے رک کر کہا۔ "کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔"

"نہیں....!" سارہ حلق کے بل چیخی۔

"بہت بہتر۔" سنگ ہی سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور وہاں سے چلا گیا۔

"ڈیڈی.... جاؤ.... تم بھی۔" سارہ لوتھر کو دروازے کی طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔

لوتھر چپ چاپ کمرے سے چلا گیا۔ راہداری کے سرے پر شائد سنگ ہی اس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس نے لوتھر کو نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا۔

"لڑکی سے اس قسم کی گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے کہا۔

"میں نے سوچا.... ممکن ہے تم شک کرو۔" لوتھر نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"کتا جب پاگل ہو جائے تو اُسے گولی مار دینی چاہئے۔" سنگ ہی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا....!" لوتھر بوکھلا گیا۔

"کچھ نہیں! اس کا تعلق تم سے نہیں۔" سنگ ہی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"آخر یہ کھیل کب ختم ہوگا۔"

"بہت جلد۔" سنگ ہی بولا۔ "ابھی تک میں اُن حرامزادوں کے ٹھکانے سے نہیں واقف ہو سکا۔ میں جب بھی باہر نکلتا ہوں اُن کا کوئی نہ کوئی آدمی میرا تعاقب ضرور کرتا ہے۔ شاید وہ مجھے زندہ پکڑنا چاہتے ہیں۔"

"میں تنگ آ گیا ہوں۔"

"تکلیف کے بغیر آرام کہاں کیپٹن۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "لیکن زبردست حماقتیں کر رہے ہو۔ اُس پٹھان کو دوبارہ نوکر رکھنے کی کیا ضرورت تھی اور وہ پچھلی رات کو تمہارے کمرے میں سویا تھا۔"

"میں اُن لوگوں سے بہت زیادہ خائف ہوں۔"

"فضول.... باتیں نہ بناؤ۔" سنگ ہی نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "تم نے یہ انتظام سنگ ہی جیسے بے ضرر آدمی کے خلاف کیا ہے۔"

"نہیں! نہیں.... یہ غلط ہے۔"

"خیر ہو گا.... مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" سنگ ہی نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

کوٹھی میں داخل ہونے والے مہمان کو دیکھ کر سارہ ششدر رہ گئی۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ وہ مہمان اُسی کی طرح اینگلو انڈین ہوگا۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ اچھا ہی ہوا، جو اس نے مہمان کے متعلق اپنے باپ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ گفتگو نہیں کی تھی۔

نوجوان مہمان سارہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "ہیلو سارہ.... اولڈ گرل... کیا تم میکی کو خوش آمدید نہ کہو گی۔"

"ہلو میکی.... پور بوائے۔"

دونوں نے ہاتھ ملائے۔ برآمدے میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ مہمان نے آہستہ سے کہا۔ "میرا نام مائیکل میک آرتھر ہے سمجھیں۔"

نوکر سامان لے کر دوسری طرف چلا گیا اور وہ دونوں اسٹڈی میں آئے، جہاں لوتھر اور سنگ ہی خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو کبھی کبھی کنکھیوں سے دیکھ لیتے تھے۔

"میکی سے ملئے! ڈیڈی۔" سارہ نے لوتھر سے کہا۔ "مائیکل میک آرتھر اور یہ ہیں میرے ڈیڈی۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" مہمان نے جھک کر لوتھر سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے یہاں آپ کی شخصیت کھینچ لائی ہے.... میں نے آپ کی وہ کتابیں پڑھی ہیں، جو آپ

نے افریقہ کے شکار اور شکاریوں کے متعلق لکھی ہیں۔"

"سارہ کے دوست میرے اپنے بچے ہیں، تم پہلے کبھی نہ ملے۔" لوتھر نے کہا۔

"میں زیادہ تر دورے پر رہتا ہوں۔ اسلحہ کی ایک فرم کا ٹریولنگ ایجنٹ ہوں۔ آج کل چھٹیاں زار رہا ہوں۔"

"خوب....!" لوتھر مسکرایا۔ "ان سے ملو۔ یہ میرے سیکریٹری سنگ ہی ہیں۔ شکار کے علق مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔"

"اوہ....!" مہمان نے سنگ ہی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے چین اور چینیوں سے ی محبت ہے۔"

"شکریہ۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "اور یہ محبت بڑھتی ہی جائے گی۔"

"میرا ایک چینی دوست چین چنگ پنگ بڑا اچھا مصور ہے۔" میکی بولا۔

"ضرور ہو گا۔" لوتھر نے کہا۔ "اب ہم چائے پر ملیں گے۔"

سارہ اُسے اپنے ساتھ لے گئی۔

"یہ لڑکا صورت ہی سے بیوقوف معلوم ہوتا ہے۔" لوتھر نے کہا۔ "اگر یہ چشمہ نہ لگائے تو شاید کچھ عقلمند معلوم ہو سکے۔"

"سنگ ہی دنیا میں صرف ایک ہی قسم کے آدمیوں سے ڈرتا ہے۔"

لوتھر اُسے گھورنے لگا۔ سنگ ہی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "صرف ان آدمیوں سے جن کے چہروں پر حماقت برستی ہے۔"

"دیکھا....!" لوتھر پھر جلدی سے بولا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ تم شک کرو گے۔"

"اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ خیر تم فکر نہ کرو۔ ضروری نہیں کہ میرا اندیشہ درست ہی نکلے۔"

"میں صرف فریدی سے خائف ہوں۔" لوتھر بولا۔ "اُس دن کے بعد سے پھر اُس نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ غالباً وہ معاملات کی تہہ کو پہنچ گیا ہے۔"

"فریدی سے ڈرتے ہو۔" سنگ ہی ہنس کر بولا۔ "جس دن کہو اُسے خاک میں ملا دوں۔ مگر میں معاملات کو طول دینا نہیں چاہتا۔"

"بہت مشکل کام ہے سنگ ہی۔" لوتھر نے کہا۔ "وہ لومڑیوں کی طرح مکار اور شیر کی طرح

بے خوف ہے۔"

"ابھی نہیں! ابھی نہیں۔" سنگ ہی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "سنگ ہی کو ابھی تاؤ نہ دلاؤ پہلے اُن کا صفایا کر دوں پھر فریدی سے بھی نپٹ کر دکھا دوں گا۔"

"تم ان کا صفایا کرو گے۔" لوتھر نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... میں اب تک چار کو ٹھکانے لگا چکا ہوں۔"

"مجھے حیرت ہے۔" لوتھر اپنی پیشانی پونچھتا ہوا بولا۔ "آخر ان کی لاشیں کیا ہو گئیں۔"

"لاشیں....!" سنگ ہی نے قہقہہ لگایا۔ "میں کبھی کچا کام نہیں کرتا۔"

"لیکن ہم لوگوں کی زندگیاں بھی تو خطرے میں ہیں اور ہم نے بھی اپنے تین سا کھوئے ہیں۔"

"لڑائی میں تو یہ ہوتا ہی ہے۔" سنگ ہی لاپروائی سے بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ ابھی ہم پر بھی حملے کئے جائیں۔ میرے ذہن میں تو اب دوسری ہی تدبیر ہے مگر اُن سور کے بچوں کی ق گاہ ہی نہیں معلوم ہو سکی۔"

"کیا کرو گے۔"

"یہ مت پوچھو۔ چپ چاپ بیٹھے دیکھتے رہو۔ آج تک میری کوئی تدبیر پٹ نہیں پڑی۔"

لوتھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک انہیں ایک چیخ سنائی دی اور پھر متواتر چیخیں گونجتی رہ وہ بڑی تیزی سے باہر نکلے۔

نو آمدہ مہمان غسل خانے میں چیخ رہا تھا اور غسلخانے کا دروازہ اندر سے بند تھا وہ دروازہ پ لگے۔ سارہ بھی وہاں آ گئی تھی۔

پھر اچانک انہوں نے مہمان کے ہنسنے کی آواز سنی۔ وہ زبان سے گالیاں بھی بکتا جا رہا تھا

سنگ اور شہزادی

سنگ ہی اور لوتھر نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

آخر غسل خانے کا دروازہ کھلا۔ میکی نے انہیں دیکھ کر ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور ا

معلوم ہونے لگا جیسے اب وہ ہنستے ہنستے شرمندگی کی وجہ سے رو پڑے گا۔

"کیا بات تھی۔" لوتھر نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔"

"تو یونہی خواہ مخواہ چیخنے لگے تھے۔"

"اب کیا بتاؤں۔" میکی نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔"

"عجیب آدمی ہو۔"

"کیا بات تھی۔" سارہ نے پوچھا۔

"ارے.... وہ کم بخت چوہیا.... قمیض میں گھس گئی تھی۔"

"چوہیا....!" لوتھر جھلا کر بولا۔ "اس پر اتنا شور و غل۔"

"آہ آپ نہیں جانتے۔" میکی غمزدہ لہجے میں بولا۔ "اگر آپ کو واقعات کا علم ہوتا تو آپ کبھی یہ نہ کہتے۔"

"کیسے واقعات۔"

"میرے دادا کی موت ایک چوہیا کی وجہ سے ہوئی۔ باپ بھی ایک چوہے ہی کا شکار ہوئے۔ چوہیا ہمارے خاندان کے لئے نحوست کی علامت ہے۔"

"چوہے کی وجہ سے موتیں۔" سارہ نے کہا۔ پھر سنبھل کر بولی۔ "تم نے کبھی تذکرہ نہیں کیا۔"

"کیا تذکرہ کرتا۔ کوئی فخر کی بات تو ہے نہیں۔" میکی نے اس طرح کہا جیسے اس تذکرے سے تکلیف پہنچی ہو۔

"چوہے کی وجہ سے موت۔" سنگ ہی زیرِ لب بڑبڑا کر مسکرایا۔

"ہاں میرے دادا پہلی جنگ عظیم کے ایک سپاہی تھے۔ ایک مورچے پر جب کہ وہ زمین پر اوندھے لیٹے دشمن پر گولیاں برسا رہے تھے اچانک کوئی چیز ان کے کالر میں کلبلائی اور وہ بے ساختہ اچھل پڑے اور پھر سامنے سے ایک گولی ان کی پیشانی میں گھستی چلی گئی۔ کالر میں کلبلانے والی چیز ایک چوہیا تھی۔ میرے باپ کا بھی یہی حشر ہوا۔ وہ گرمیوں کی ایک رات میں پائیں باغ میں سو رہے تھے اچانک ایک چوہیا ان کے بستر میں گھس آئی۔ وہ بے تحاشہ اچھل کر بھاگے اور پاس کے کنوئیں میں جا گرے۔"

"اوہ... !" لوتھر نے کہا۔

"تب تو بہت اچھا ہوا کہ آپ اس وقت غسل خانے میں تھے۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا اور سارہ اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" میکی بولا۔

لوتھر اور سنگ ہی وہاں سے چلے گئے۔

"سچ سچ بتاؤ کیا بات تھی۔" سارہ نے پوچھا۔

"یہی بات تھی۔" میکی نے کہا۔

"اگر یہی بات تھی تو تم کیا کر سکو گے۔"

"میں والز بڑا اچھا ناچتا ہوں۔"

"تمہیں فریدی صاحب نے بھیجا ہے۔"

"کون فریدی؟ میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا اور پھر مجھے کوئی بھیجنے ہی کیوں لگا آہ.... سارہ ڈیئر تم بھی پہلے ہی جیسی شریر ہو۔ یاد ہے جب تم نے پروفیسر گولڈ کو بینگن کھینچ مارا تھا۔"

"کیا بکواس ہے! میں نے آج تمہیں پہلے پہل دیکھا ہے۔"

میکی نے دل کھول کر قہقہے لگائے پھر بولا۔ "خدا کی قسم سارہ! تم غضب کی ایکٹنگ کرتی ہو۔ اگر کوئی تیسرا یہاں موجود ہوتا تو تمہارے اس انداز کو بناوٹ کبھی نہ سمجھتا۔"

سارہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے اُسے گھورنے لگی۔

"ویسے اگر اب تم کسی پرانی بات کا بدلہ لینا چاہتی ہو تو بات دوسری ہے۔" میکی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"تمہیں فریدی نے نہیں بھیجا۔"

"نہ جانے تم کس کا تذکرہ کر رہی ہو۔ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔"

"تب پھر میں تمہیں نہیں جانتی۔ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کیا؟" میکی نے حیرت سی کہا۔ "میں خواب دیکھ رہا ہوں یا تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تم مجھے نہیں جانتیں۔ کیا خود ہی تم نے مجھے مدعو نہیں کیا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔"

"اوہ! میں سمجھا بالکل سمجھ گیا۔ تم بہت کینہ پرور ہو۔ پچھلے سال ہم میں جو تھوڑی سی وقتی رنجش ہوگئی تھی تم اُس کا بدلہ اب میری توہین کر کے لینا چاہتی ہو۔"

"واہ.... اچھی رہی۔ میں نے آج سے پہلے تمہیں کبھی دیکھا تک نہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ ان نظروں سے کبھی نہ دیکھا ہوگا جن نظروں سے اس وقت دیکھ رہی ہو۔ آہ سارہ کیا تم وہ باتیں بھول گئیں جو ہم نے کھجوروں کے سائے میں کی تھیں.... اور وہ آموں کے سائے.... وہ لمحات جو ہم نے کٹھل کے سائے میں گذارے تھے۔ کیا سب کچھ بھول گئیں.... نہیں ہرگز نہیں۔"

"تم آخر ہو کیا بلا۔" سارہ جھنجھلا گئی۔

"آہ.... آج میں بلا ہوگیا۔ میں جو کبھی تمہارا ہیرو تھا۔"

سارہ الجھن میں پڑ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر یہ فریدی کا بھیجا ہوا آدمی ہوتا تو اس قسم کی گفتگو کبھی نہ کرتا پھر آخر وہ ہے کون؟ اور اس دیدہ دلیری کا کیا مطلب۔ اس نے سوچا کہ فی الحال بات بڑھانے سے زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ وہ اس کے متعلق فریدی کو فون کرے۔

"دیکھو! سارہ اب تم کوئی بُری بات سوچ رہی ہو میرے خلاف۔" میکی نے سنجیدگی سے کہا۔ "خیر میں چلا جاؤں گا لیکن آج نہیں۔ اس طرح میری توہین نہ کرو۔"

"اوہ.... ارے۔" سارہ ہنسنے لگی۔ "اب تو واقعی مجھے بھی اپنی اداکاری پر ناز کرنا چاہئے۔"

"دیکھو.... میں نہ کہتا تھا.... ہاہا۔" میکی نے بھی قہقہہ لگایا۔

❁

پستہ قد اور بھاری جسم والے آدمی نے ٹریفک کانسٹیبل کے چیخنے کے باوجود بھی سڑک پار کرلی۔ یہ ایک سفید فام غیر ملکی تھا۔ شاید اسی لئے کانسٹیبل نے محض احتجاجی انداز میں چیخنے پر اکتفا کی تھی۔ ورنہ اگر یہ حرکت کسی دیسی آدمی سے سرزد ہوئی ہوتی تو اُسے ماں بہن والا ہونے پر ضرور افسوس کرنا پڑتا۔ سنگ ہی کو سڑک کے اس طرف رک جانا پڑا۔ وہ بڑی دیر سے اس پستہ قد غیر ملکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ جب ٹریفک کانسٹیبل نے ہاتھ اٹھا کر دوسری طرف کا ٹریفک روک دیا تو سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے لوگ دوسری طرف جانے لگے۔

لیکن اب سنگ ہی اپنا شکار کھو چکا تھا۔ سڑک پار کرنے کے بعد اُس نے اپنے ایک پتلی سی گلی

میں گھستے دیکھا تھا اور جتنی دیر اُسے سڑک کے کنارے رکنا پڑا تھا اتنی دیر میں تو وہ نہ جانے کہاں جانکلا ہو گا۔

پھر بھی سنگ ہی نے ہمت نہ ہاری۔ وہ بھی اُسی گلی میں گھس گیا۔

شام ہوگئی تھی لیکن ابھی اندھیرا نہیں پھیلا تھا۔ سنگ ہی گلی پار کر کے دوسری سڑک پر آنکلا لیکن وہ پستہ قد غیر ملکی کہیں نہ دکھائی دیا۔

سنگ ہی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا ایک چھوٹے سے بار میں گھس گیا۔ کاؤنٹر پر اس نے بیئر کا ایک جگ طلب کیا اور کھڑے ہی کھڑے پینے لگا۔

وہ میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا پھر اس کی نظریں ایک موٹی سی ادھیڑ عمر دیسی عیسائی عورت پر جم گئیں۔ اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی وہ بیئر کا جگ ہاتھ میں لئے ہوئے آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھا۔

"آہا! ماسٹر سنگ۔" عورت اُسے دیکھ کر اچھل پڑی۔

سنگ ہی نے جواباً مسکرا کر اُسے آنکھ ماری۔ پھر وہ بھی کرسی کھینچ کر اُسی میز پر بیٹھ گیا۔

"کہاں! کہاں ڈھونڈا ہے تمہیں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

"مت بیوقوف بناؤ۔"

"اس طرح ٹالو مت۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ آج کل تمہارا کاروبار امریکنوں سے ہے۔"

"کیسا کاروبار۔" عورت بگڑ کر بولی۔

"لڑکیوں کا۔"

"ایک شریف عورت کو الزام نہ دو۔"

"اس شریف مرد کا بھی خیال رکھو تو ایسا کیوں ہو۔"

"تم ہمیشہ بے تکی باتیں کرنے لگتے ہو۔"

"میں مرتے دم تک تم سے محبت کرتا ہوں گا۔" سنگ ہی نے مغموم لہجے میں کہا۔ عورت کچھ نہ بولی۔ وہ چند لمحے سنگ ہی کو گھورتی رہی پھر کہا۔ "تم چاہتے کیا ہو۔"

"آہ.... بہت کچھ.... بس ایک بار کہہ دو کہ مجھے بھی تم سے محبت ہے۔"

موٹی عورت نے بے ساختہ جھینپنے کی ایکٹنگ شروع کر دی اور سنگ ہی یہ ظاہر کرنے لگا جیسے اس کی ہر ہر ادا پر اس کا مرڈر ہوا جا رہا ہو۔

"تم بڑے سور ہو۔" موٹی عورت نے آنکھیں جھکا کر آہستہ سے کہا۔

"ذرا میں اپنے کام سے فرصت پالوں تو تمہیں بتاؤں کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ چینیوں کے یہاں محبت کرنا بھی آرٹ ہے۔"

"مجھے آج تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ تم کام کیا کرتے ہو۔"

"کام سے میری مراد یہ ہے کہ مجھے ایک آدمی سے نپٹنا ہے۔"

"لڑائی جھگڑا۔"

"ہاں... وہ کم بخت فارموسا سے میری بھتیجی کو بھگا لایا ہے۔ ہم چینی اسے بہت بُرا سمجھتے ہیں۔"

"کون ہے؟ کیا وہ اسی شہر میں ہے؟" عورت نے پوچھا۔

"ہاں! لیکن افسوس میں یہ نہیں جانتا کہ اس کا قیام کہاں ہے وہ ایک امریکن ہے۔ چھوٹے سے قد کا بھاری بھر کم آدمی۔ داہنے گال پر ایک بڑا سا نیلگوں دھبہ ہے۔"

"اوہ....!" عورت کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "اگر میں اس کا پتہ بتا دوں تو۔"

"میں تم پر اپنی جان قربان کر دوں۔"

"مگر اس کے ساتھ کوئی عورت نہیں وہ تنہا ہے۔"

"کہاں ہے وہ!" سنگ ہی نے غضب آلود لہجے میں کہا۔ "اُس نے اُسے کہیں اور چھپایا ہو گا.... وہ جانتا ہے کہ لڑکی کا چچا سنگ ہی یہیں موجود ہے۔"

"جس حلئے کے امریکن کا تذکرہ تم نے کیا ہے وہ نیاگرا ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"شکریہ! میں مرتے دم تک تمہاری محبت سے منہ نہ موڑوں گا۔"

"بس رہنے دو.... ہر جائی کہیں کے۔" موٹی عورت لچکنے کی کوشش میں تھلتھلا کر رہ گئی۔

"اچھا مری جان! کل اسی وقت یہیں ملیں گے۔" سنگ ہی نے کہا اور اُس کے موٹے اور بھدے ہاتھ کا بوسہ لے کر کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

قریب کی میزوں پر چند اوباش قسم کے لوگوں نے قہقہے لگائے اور وہ جھینپ کر چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

سنگ ہی جاچکا تھا۔ لوگ اب تک عورت پر آوازیں کس رہے تھے۔ اُسے وہاں بیٹھنا محال ہو گیا۔ وہ بھی اٹھی اور دروازے سے نکل ہی رہی تھی کہ ایک قد آور خوبصورت نوجوان نے اس کا راستہ روک لیا۔

”کیا ہے۔“ عورت جھنجھلا کر بولی۔ ”میں آپ کو نہیں جانتی۔“

”ٹھیک ہے۔“ نوجوان مسکرایا۔ ”میں تمہارا کوئی گاہک نہیں، سی آئی ڈی کا ایک آفیسر ہوں۔“

”کیا.... مم.... مطلب۔“ عورت گھبرا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ فریدی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

عورت چپ چاپ اُس کے پیچھے چلنے لگی۔

”بیٹھو۔“ فریدی نے کیڈی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ عورت نے تعمیل کی۔ فریدی بھی اس کے برابر بیٹھ گیا اور کیڈی چل پڑی۔

”میں تمہارے کاروبار کے متعلق پوچھ گچھ نہ کروں گا۔“ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

عورت کچھ نہ بولی۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار بدستور طاری رہے۔

”تم سنگ ہی کو کب سے جانتی ہو۔“

”دو سال سے۔“

”اس وقت اس سے کیا گفتگو ہوئی ہے۔“

”کچھ بھی نہیں! ادھر اُدھر کی۔“

”خیر نہ بتاؤ.... لیکن اگر آج کل میں کوئی غیر ملکی قتل کر دیا گیا تو میں تم سے ضرور جواب طلب کروں گا۔“

”جی....!“ عورت کا منہ حیرت سے کھل گیا اور آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

”ہاں.... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔“

”ہولی فادر۔“ عورت خوفزدہ آواز میں چیخی۔ ”کیا وہ اُسے مار ڈالے گا۔“

”یہ حرکت بھی اس کے لئے کچھ دشوار نہ ہو گی۔“

”میں نے دیدہ دانستہ اُسے کچھ نہیں بتایا۔“ عورت جلدی سے بولی۔ ”میں سمجھی تھی شاید صرف اپنی بھتیجی کا مطالبہ کرے گا۔“

”بھتیجی کا مطالبہ....!“ فریدی نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں.... اس نے کہا تھا کہ وہ اس کی بھتیجی کو فارموسا سے بھگا لایا ہے۔“

”خوب! لیکن وہ ہے کون۔“

”ایک امریکن.... پستہ قد اور بھاری بھرکم.... داہنے گال پر نیلگوں دھبہ ہے۔“

”کیا تم نے اس کا پتہ بتا دیا۔“

”جی ہاں.... میں یہ نہیں جانتی تھی کہ....!“

”وہ ہے کہاں؟“

”نیاگرا ہوٹل میں۔“

”اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔“

”نہیں میرا خیال ہے کہ وہ بالکل تنہا ہے۔ میں نے کوئی چینی لڑکی اس کے ساتھ نہیں دیکھی۔“

”کوئی مرد۔“

”نہیں میں نے اُسے ہمیشہ تنہا دیکھا ہے۔“

”اچھا.... اس ملاقات کا تذکرہ سنگ ہی سے نہ کرنا ورنہ نتیجے کی تم خود ذمہ دار ہو گی۔ میرا ایک آدمی ہر وقت تمہاری نگرانی کرے گا۔“

فریدی نے کیڈی روک دی اور وہ اُتر گئی۔

نیاگرہ ہوٹل کی عمارت شہر سے باہر ایک پُر فضا مقام پر واقع تھی۔ یہ بہت ہی اونچے قسم کا ہوٹل تھا اور یہاں کم از کم متوسط طبقہ کے لوگوں کی رسائی قریب قریب ناممکن تھی۔ سنگ ہی کی ٹیکسی بڑی تیز رفتاری سے نیاگرا ہوٹل کی طرف جا رہی تھی۔ عورت سے گفتگو کرنے کے بعد وہ سیدھا لوتھر کی کوٹھی گیا تھا اور وہاں اپنے انتظامات مکمل کر کے پھر شہر کی طرف واپس آ گیا تھا۔ یہاں اس نے نیاگرا ہوٹل کے لئے ٹیکسی لی۔

رات کے آٹھ بج چکے تھے اور نیاگرا ہوٹل کا ڈائننگ ہال بھرا ہوا تھا۔ شاید ہی کوئی میز خالی رہی ہو۔ جیسے ہی سنگ ہی ڈائننگ ہال میں داخل ہوا ہیڈ ویٹر نے آگے بڑھ کر مودبانہ کہا۔

"جناب والا کے لئے لان پر انتظام کیا جا سکتا ہے۔"

"اوہ شکریہ.... ہیڈ.... مجھے صرف ایک صاحب کی تلاش ہے۔ میں ان کا نام بھول گیا.... وہ یہیں مقیم ہیں۔"

"نام بھول گئے.... تب تو مشکل ہے اور کوئی خدمت۔"

"لیکن میں حلیہ بتا سکتا ہوں۔ آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔ امریکن ہیں۔ پستہ قد بھاری جسم داہنے گال پر نیلگوں دھبہ۔"

ہیڈ ویٹر بے اختیار مسکرا پڑا اور اس کی مسکراہٹ نے سنگ ہی کو الجھن میں ڈال دیا۔ وہ اس مسکراہٹ کا مطلب قطعی نہ سمجھ سکا۔ مگر اُس مسکراہٹ میں کوئی غیر معمولی بات ضرور تھی۔

"آپ شائد مسٹر ہارڈی کو پوچھ رہے ہیں۔" بالآخر ہیڈ ویٹر نے کہا۔

"ہارڈی! ہارڈی۔" سنگ ہی سر ہلا کر بولا۔ "بے شک وہی! اب نام یاد آ گیا۔"

"وہ تیسری منزل پر کمرہ نمبر چوراسی میں ہیں۔"

"شکریہ ہیڈ۔" سنگ ہی نے دس کا ایک نوٹ جیب سے نکال کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں جناب.... اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے کوئی بڑی خدمت انجام نہیں دی شکریہ۔" ہیڈ ویٹر دوسری طرف مڑ گیا۔

سنگ ہی نے ایک طویل سانس لے کر نوٹ کو پھر جیب میں ڈال لیا۔

لفٹ تیسری منزل کی راہداری میں رک گئی اور سنگ ہی باہر نکل کر چوراسی نمبر کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا اور بائیں ہاتھ سے اس نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ۔" اندر سے آواز آئی۔

سنگ ہی دروازے کو دھکا دے کر اندر گھسا لیکن اس کے قدم لڑکھڑا گئے اور داہنا ہاتھ جیب سے نکل کر نیچے کی طرف جھول گیا۔

سامنے فریدی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"سنگ....!" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ وہ میرے پہنچنے سے قبل ہی یہاں سے چلا گیا۔"

"کون! میں نہیں سمجھا۔"

فریدی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیا تمہیں ہیڈ ویٹر نے نہیں بھیجا۔ میں نے ہی اُسے ہدایت کی تھی کہ اگر کوئی ہارڈی کو پوچھتا ہوا آئے تو اسے اس کمرہ میں بھیج دینا۔"

"میں کسی ہارڈی کو نہیں جانتا۔ مجھ سے تو یہ کہا گیا تھا کہ وہ کمرہ خالی ہے۔"

"خوب مگر تمہارا سامان کہاں ہے۔"

"فقیروں کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔" سنگ ہی نے درویشانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

"خیر چھوڑو سنگ۔" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ.... ہم دوستانہ فضا میں تھوڑی سی گفتگو کریں گے۔"

"میں ہر طرح حاضر ہوں۔" سنگ ہی نے بڑے اطمینان سے ایک آرام کرسی میں دراز ہو کر کہا۔

"مجھے اُس لاش کے متعلق بتاؤ جو تمہیں انڈس کی زیارت گاہ میں ملی تھی۔"

"آہ کرنل! اگر اُس کے سڑنے کا احتمال نہ ہوتا تو میں ساری زندگی اُسے گلے لگائے رہتا۔ میں نے اُسے بھینچ بھینچ کر پیار کیا تھا۔ وہ لاش تو معلوم ہی نہ ہوتی تھی۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی سوئی ہے۔ پانچ سو سال بہت ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے۔ اس نے بغیر آستینوں والا سیاہ اُون کا لباس پہن رکھا تھا اور پیروں میں ہرن کی کھال کے سینڈل تھے اور چاندی کے زیورات۔ ہائے وہ مجھے بہت یاد آتی ہے۔ میں نے آج تک ایسی معصومیت اور سپردگی کا انداز کسی زندہ لڑکی میں بھی نہیں دیکھا۔ کرنل مجھے وہ مرتے دم تک یاد رہے گی۔ کاش ہم اُسے برف سے نہ نکالتے اور کم از کم میں زندگی بھر وہیں بیٹھا اُسے دیکھتا رہتا۔"

"مگر سنگ ہی! مجھے داستان کے اس ٹکڑے سے بالکل دلچسپی نہیں۔"

ایک اور سازش

"ہائے کرنل! داستان کا یہی ٹکڑا تو میری زندگی کا حاصل ہے۔" سنگ ہی نے آہ بھر کر کہا۔

"یہ بالکل بکواس ہے۔" فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ "مثال کے طور پر اگر میں تم سے ہارڈی

یا جو کچھ بھی اس کا نام ہو اس کے متعلق دریافت کرنا شروع کردوں تو تم بہت دیر بعد بتاؤ گے کہ تمہاری کسی بھتیجی کو فارموسا سے بھگا لایا ہے۔ حالانکہ یہ سو فیصد جھوٹ ہوگا۔"

سنگ ہی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ لیکن پھر اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پالیا۔

"میں کسی ہارڈی کو نہیں جانتا۔"

"زیادہ اڑنے کی کوشش نہ کرو۔"

"آپ کو یقین ہی نہیں آتا۔"

"مجھے تو اس پر بھی یقین نہیں کہ وہ لاش اتفاقاً دریافت ہوئی تھی۔"

"تب تو آپ کسی دن میرے وجود سے بھی انکار کردیں گے۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

"بے شک جس دن میرے ریوالور کا رخ تمہاری طرف پھر گیا۔"

"ارے! میرے لئے ریوالور۔ غریب سنگ ہی تو چٹکی سے مسلا جاسکتا ہے۔"

"خیر....!" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "ایک دن تم سب کچھ اگل دینے پر مجبور ہوگے۔"

"میں آپ کے سامنے ہر وقت مجبور ہوں اور اب اپنی زندگی سے ایسا تنگ آ گیا ہوں کہ کسی دن خودکشی کرلوں گا۔"

"ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسرا اس پر یقین کرلے۔"

"یقین مانئے کرنل! میں بڑا ستم رسیدہ آدمی ہوں۔ ایک ایسا آدمی جسے ناکردہ گناہی پر جلاوطن کردیا گیا۔ بیچارہ سنگ ہی جو ایک بھکشو تھا اور گاؤں گاؤں گھوم کر مہاتما بدھ کی تعلیمات کا پرچار کیا کرتا تھا۔"

"بہت خوب۔" فریدی مسکرایا۔

"بدنام اتنا ہوں کہ اپنی موجودہ ملازمت بھی نہیں ترک کرسکتا۔ مجھے کون رکھنا پسند کرے گا۔ لوتھر بڑا ظالم آدمی ہے۔ دن بھر میں دس پانچ ہنٹر جھاڑ دینا تو کوئی بات ہی نہیں، جو کچھ بھی" کہتا ہے مجھے کرنا پڑتا ہے۔ نہ جانے کس بات پر چند پُراسرار غیر ملکیوں سے دشمنی مول لے بیٹھا اور اب میری جان ہر وقت سولی پر لٹکتی رہتی ہے۔ انہوں نے اس کے تین آدمیوں کا صفایا بھی کردیا ہے۔"

"لیکن دشمنی کی وجہ۔"

"غریب سنگ ہی کیا بتا سکتا ہے۔ وہ تو بس حکم کا غلام ہے۔ تاش کا ایک معمولی پتہ جسے لوتھر ایک دن کسی بڑی بازی میں جھونک کر ہمیشہ کے لئے ختم کردے گا۔"

"اچھا سنگ! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم اب جاسکتے ہو۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

سنگ ہی کرسی سے اٹھ کر احتراماً جھکا اور اس طرح الٹے قدموں سے چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا کہ اس کی پشت فریدی کی طرف نہ ہو۔ فریدی اس کی اس حرکت کا استہزائیہ انداز بُری طرح محسوس کرنے کے باوجود بھی خاموش رہا۔

"جی ہاں" میکی یا حمید لوتھر سے فخریہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ "میرے دادا نے ایک بار ہوائی بندوق سے شیر کا شکار کیا تھا۔"

لوتھر ہنسنے لگا اور سارہ نے بھی قہقہہ لگایا۔ سنگ ہی اس وقت موجود نہیں تھا اس لئے دونوں دل کھول کر قہقہے لگا رہے تھے اور حمید نے بھی یہ بات محسوس کرلی تھی کہ لوتھر سنگ ہی کی موجودگی میں کچھ بدحواس سا رہتا ہے اس کا ذہن کہیں اور ہوتا ہے اور جسم کہیں اور۔ بالکل خالی الذہنی کا سا انداز۔

"شاید آپ غلط سمجھے ہیں۔" حمید نے لوتھر سے کہا۔ "بظاہر یہ بات انہونی ہے مگر ناممکن بھی نہیں۔ اب یونہی سمجھ لیجئے کہ اگر پریس اور وائرلیس کے وسائل نہ ہوتے تو آپ کے جنوبی امریکہ والے کارنامے پر کسے یقین آتا۔ میرے خدا پانچ سو سال پرانی لاش اور بہتر حالت! یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"برف میں ہزاروں سال تک لاشیں محفوظ رہ سکتی ہیں۔" لوتھر نے کہا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے یقین نہیں ہے۔ ساری دنیا کا پریس تو جھوٹ بولنے سے رہا اور پھر میری نظروں میں ایک دوسرا پُراسرار واقعہ ہے، جو غالباً اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہو۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" لوتھر کے کان کھڑے ہوگئے۔

"آپ کے تین کوہ پیماؤں کی پُراسرار موتیں.... نیلی لکیریں۔" حمید نے کہا اور سارہ کو وہاں سے کھسک جانے کا اشارہ کرکے پھر لوتھر کی طرف دیکھنے لگا۔

"حالات پُراسرار ضرور ہیں۔" لوتھر نے کہا۔ "لیکن میں نہیں جانتا کہ نیلی لکیر والا

حربہ جنوبی امریکہ ہی کی چیز ہے! وہاں کے بعض غیر مہذب اور قدیم باشندے اب بھی اس کا استعمال کرتے ہیں۔"

"میکی کیا تم بھی بور کرو گے۔" سارہ جھنجھلا کر بولی۔ "میں تنگ آگئی ہوں ان تذکروں سے۔"

"مجھے تو ایسے معاملات سے بڑی دلچسپی ہے۔" حمید نے کہا۔

"تو جہنم میں جاؤ۔" سارہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور بظاہر غصے میں بھری ہوئی باہر نکل گئی۔

حمید ہنسنے لگا۔ لوتھر بھی جواباً مسکرایا۔ لیکن محض ہونٹوں کے پھیلاؤ کو تو مسکراہٹ کہہ نہیں سکتے۔ لوتھر کچھ سراسیمہ سا نظر آنے لگا تھا۔

"تم کیسے جانتے ہو۔" اُس نے حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے زہروں اور اُن کے استعمال کے طریقوں سے بڑی دلچسپی ہے۔ اس سلسلے میں میں نے لاتعداد کتابیں پڑھی ہیں۔ میں نے ان لکیروں کے متعلق بھی کہیں پڑھا تھا۔ دیکھئے مجھے اُس قبیلے کا نام نہیں یاد آرہا ہے جس کے افراد اب بھی اس طریقے کو استعمال میں لاتے ہیں۔ شائد بوریاں.... نہیں بورسین.... کچھ اسی قسم کا نام ہے اس قبیلے کا.... اوہ ٹھیک یاد آگیا.... گورگین قبیلہ۔"

"تمہاری معلومات بہت وسیع معلوم ہوتی ہیں۔" لوتھر نے کہا۔

"بس پڑھنے کا شوق ہے مجھے۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔ وہ خلاء میں گھور رہا تھا اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہاں کے قدیم باشندے آپ کے اس فعل پر ناراض ہوگئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کیا....!" لوتھر چونک پڑا۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"کچھ نہیں۔" حمید نے کہا۔ "میرے ذہن میں سیکس روہمر کا ایک ناول تھا۔ آپ نے فومانچو کی خالا تو پڑھا ہی ہوگا۔"

"نہیں میں نے نہیں پڑھا۔"

"اچھا ہی ہوا نہیں پڑا ورنہ آپ بہت بور ہوتے۔ اس سے بڑا بور مصنف آج تک میری

نظروں سے گذرا ہی نہیں۔ اگر آپ کو مزید بور ہونے کی خواہش ہو تو اس کا ناول مقدس جوتا ضرور پڑھئے۔ مجھے تو ناول نویس کی بجائے کسی مویشی خانے کا منشی معلوم ہوتا ہے۔"

لوتھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک انہوں نے ایک تیز قسم کی چیخ سنی اور یہ چیخ سارہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

دونوں بوکھلا کر اٹھے۔ چند نوکر پائیں باغ کی طرف بھاگ رہے تھے۔

"جناب اُدھر۔" ایک نوکر بے تحاشہ چیختا ہوا بائیں بازو کے ویران کمروں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں کافی افراتفری مچ گئی۔

لیکن سارہ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

"میں نے دیکھا تھا۔" ایک نوکر ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "وہ تین تھے۔ یہاں اندھیرا تھا.... مس صاب.... برآمدے میں تھیں۔"

"ارے تو وہ کہاں گئی۔" لوتھر اُسے جھنجھوڑ کر بولا۔

"وہ لے گئے۔"

"اوہ کم بخت اور تم منہ دیکھتے رہے۔"

"میں کچھ سمجھا ہی نہیں صاحب۔"

وہ نوکر جو بائیں بازو کی طرف دوڑا تھا واپس آیا۔

"غائب! سب غائب۔ وہاں کوئی بھی نہیں۔" نوکر نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کیا بک رہا ہے۔" لوتھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"صاحب وہ ادھر ہی گئے تھے۔"

حمید وغیرہ بائیں بازو والے کمروں کی طرف دوڑے۔ مگر وہاں بھی سناٹا تھا۔

حمید نے قد آدم جھاڑیوں کا گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا۔ مگر سارہ کہیں نہ ملی اور نہ یہی معلوم ہوا تھا کہ ادھر کوئی آیا ہے۔

آخر حمید کو چہار دیوار کا ٹوٹا ہوا حصہ دکھائی دیا، جو قد آدم جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ وہ اس میں سے ہو کر باہر نکلا۔ لوتھر بھی اس کے ساتھ تھا۔

ادھر ایک ناہموار سا میدان تھا۔ یہاں ایک جگہ کیچڑ میں کسی کار کے پہیوں کے تازہ نشانات

نے ان پر حقیقت واضح کر دی۔

لوتھر بے تحاشا اپنا سر پیٹ پیٹ کر سنگ ہی کو گالیاں دے رہا تھا۔

"اس کا اس میں کیا قصور ہے۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ بیچارا تو موجود بھی نہیں تھا۔"

"ارے وہ۔" لوتھر ہوا میں مکا لہرا کر بولا۔ "میں اس حرامزادے کی ہڈیاں چباؤں گا۔"

"بہتر یہ ہے کہ آپ پولیس کو فون کیجئے۔" حمید نے رائے دی۔

❁

لوتھر کوٹھی میں واپس چلا گیا تھا۔ اُسے چکر پر چکر آ رہے تھے۔ وہیں کئی بار گرتے گرتے بچا تھا۔ اس لئے حمید نے اسے کوٹھی میں بھیج دیا تھا اور کار کے پہیوں کے نشانات کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ جہاں کیچڑ نہیں تھا وہاں کچلی ہوئی گھاس رہنمائی کر رہی تھی لیکن اس قسم کے نشانات صرف وہیں تک ملے جہاں تک کار سڑک پر نہیں چڑھی۔ پھر اُس کے بعد محض کار کا رخ ہی معلوم ہو سکا۔ حمید کافی دیر تک سڑک پر کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر وہ بھی کوٹھی میں واپس آ گیا۔ یہاں لوتھر کی عجیب حالت تھی۔ کبھی وہ غصہ میں دہاڑتا تھا اور کبھی بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا تھا۔

"کیا پولیس کو اطلاع دی گئی۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!" لوتھر گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔

"تو میں فون کرنے جا رہا ہوں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" لوتھر جلدی سے بولا۔

"کیا....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آپ پولیس کو اطلاع نہیں دیں گے۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔ اب وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ حمید نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

"نہیں۔" لوتھر جھنجھلا کر بولا۔ "اپنے معاملات خود طے کر سکتا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ آپ ان لوگوں سے واقف ہیں جنہوں نے یہ حرکت کی ہے۔"

"تم خاموشی سے اپنا کام کرو۔ تمہیں ان معاملات سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔" لوتھر نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں ہرگز خاموش نہیں رہ سکتا۔ سارہ میری دوست ہے۔"

"میری بیٹی ہے۔" لوتھر گرج کر بولا۔

"اس کے باوجود بھی آپ....!"

"خاموش رہو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

اتنے میں سنگ ہی بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"یہ نوکر کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے آتے ہی لوتھر سے سوال کیا۔

"تم....!" لوتھر غرا کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے سنگ ہی کو غضب آلود نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں حمید کو کمرے میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔

❁

"کم بخت! حرامزادے۔" لوتھر نے دوسرے کمرے میں پہنچتے ہی سنگ ہی کی گردن دبوچ لی۔

سنگ ہی اس کی گرفت سے نکل کر دور جا کھڑا ہوا اور جیب سے ریوالور نکال کر اُس کا رخ لوتھر کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے حرامزادہ بلاشبہ کہہ سکتے ہو لیکن میں کم بخت کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کم بخت ہوتا تو میرے دشمن خوفزدہ چوہوں کی طرح دم نہ دباتے پھرتے۔"

"سارہ کہاں ہے۔" لوتھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"اوہ.... تو تم یہ سمجھ رہے ہو۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"لیکن اس وقت سچ بول رہا ہوں۔ لوتھر بچے نہ بنو۔ اس میں انہیں سفید سوروں کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ وہی اُسے لے گئے ہیں اور شائد اب تمہیں اس طرح دھمکائیں گے، جہاں تک سارہ کی زندگی کا سوال ہے، وہ محفوظ رہے گی۔"

لوتھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"بہتر یہی ہو گا کہ اس مسئلے میں فی الحال اپنی زبان بند رکھو۔" سنگ ہی نے کہا۔

"نوکروں کو سمجھانے کی کوشش کرو کہ سارہ نے مذاق کیا ہے۔"

"مگر وہ سور کا بچہ میکی۔" لوتھر اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "وہ کہتا ہے کہ حالات پُر اسرار ہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ پولیس کو ضرور اطلاع دی جائے۔"

سنگ ہی نے ایک طویل سانس لے کر ریوالور جیب میں ڈال لیا اور لوتھر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا خود بھی بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

"تب تو معاملہ بہت آسان ہو گیا ہے۔" اُس نے کہا۔ "میں آج رات کو اس کا صفایا کر دوں۔"

"کیا.... نہیں نہیں۔" لوتھر کانپ گیا۔

"بکواس ہے۔" سنگ ہی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر اُسے زندہ رکھا گیا تو ہمیں ایک نئی الجھن میں مبتلا ہونا پڑے گا۔"

"تم بہت بڑھنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"پتہ نہیں تم اُسے اتنی اہمیت کیوں دیتے ہو۔" سنگ ہی نے کہا۔ "میرے لئے قتل کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے میں نے کوئی وزنی بنڈل ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا اور اس کے بعد میں اس طرح تفریح میں مشغول ہو جاتا ہوں جیسے دن بھر کی تھکن دور کر رہا ہوں اور دوسرے دن مجھے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ کل میں نے کسی کو قتل کیا تھا۔"

"نہیں سنگ نہیں۔ میں یہ اپنے گھر میں نہیں ہونے دوں گا۔"

"حالانکہ اُس دن انہیں لوگوں کا ایک ساتھی یہیں اسی گھر میں مارا گیا تھا۔"

"مجھے اس کے متعلق بھی بعد کو معلوم ہوا تھا۔"

"کیا تم نے بہت دیر سے شراب نہیں پی۔" سنگ ہی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

پھر اُس نے اٹھ کر الماری سے شیمپین کی بوتل اور دو گلاس نکالے۔ انہیں میز پر رکھتا ہوا بولا۔

"جب تم پر نامردی کا حملہ ہو تو ایک بڑا پگ ضرور لے لیا کرو۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔ اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"اُس سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔" سنگ ہی نے پوچھا۔

لوتھر نے مختصر الفاظ میں سب کچھ دہرا لیا۔ اُس گفتگو کا بھی تذکرہ کیا جو پانچ سو سال پرانی لاش کے متعلق ہوئی تھی۔

"ہوں اچھا....!" سنگ ہی نے اپنے لئے دوسرے گلاس میں سائیفن سے سوڈا ملاتے ہوئے کہا۔ "میری اسکیم یہ ہے آج رات کو میں اُس کا خاتمہ کر دوں اور تم صبح رپورٹ لکھا دو کہ وہ اور تمہاری لڑکی کہیں فرار ہو گئے ہیں اور دس ہزار روپیہ بھی غائب ہے۔"

"کیا بکواس ہے.... میں اپنی لڑکی کے لئے یہ لکھاؤں گا۔"

"کیا ہرج ہے۔ اصل معاملے کی پردہ پوشی بھی ہو جائے گی اور نوکروں کو میں ٹھیک کر لوں گا۔"

"نہیں.... میں یہ نہ کر سکوں گا۔"

"لیکن اُس لونڈے کو تو راستے سے ہٹانا ہی پڑے گا۔"

"میرے گھر میں نہیں۔"

"کیا آج تک ایسا بھی ہوا ہے کہ سنگ ہی کا سوچا ہوا پورا نہ ہو۔" سنگ ہی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

قفل میں موت

فریدی نے کیڈی سڑک کے کنارے کھڑی کر دی۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ اُس نے ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ خال خال دوکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کے ذہن میں ایک سے زیادہ مسائل ہوں۔

وہ ایک دوا فروش کی دوکان میں گھسا۔ فون کا ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو....!" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "کون.... آر.... ہاں.... میں بول رہا ہوں۔ اے۔ کے۔ ایف.... کیا خبر ہے۔"

"نگرانی ہو رہی ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "لیکن ایک نیا واقعہ کچھ نامعلوم آدمی.... اس عمارت سے ایک لڑکی کو زبردستی اٹھا لے گئے۔ سارجنٹ ونود نے اُن کا تعاقب کیا۔ وہ لوگ اس لڑکی کو ریکس اسٹریٹ کے برکلے ہاؤز میں لے گئے ہیں۔ ونود وہیں موجود ہے۔"

"بہت اچھے! تم لوگ بہترین کام کر رہے ہو۔ میں بہت خوش ہوں۔ ونود کو وہیں رہنا

چاہئے۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر کال کے پیسے ادا کئے اور باہر نکل آیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب حمید کو لوتھر کی کوٹھی سے بلا لینا چاہئے۔ لیکن لڑکی اٹھانے والے کون ہو سکتے ہیں؟ کیا سنگ ہی کی کوئی سازش؟ پھر اچانک اُسے ان غیر ملکیوں کا خیال آ گیا۔ کہیں یہ ان کی حرکت تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تب تو ان کی قیام گاہ کا پتہ چل گیا۔ برکلے باؤز.... اس نے کیڈی اسٹارٹ کی اور اسے ریکسن اسٹریٹ کے راستے پر ڈال دیا۔

حمید کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ فریدی نے اُس کے یہاں آنے کے بعد سے کوٹھی کی نگرانی شروع کرا دی ہے۔

حمید کو لوتھر کے رویے نے الجھن میں ڈال دیا تھا، جیسے ہی وہ سنگ ہی کو ساتھ لے کر کمرے سے نکلا۔ حمید کی الجھن اور بڑھ گئی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ دونوں سر جوڑ کر اسی کے متعلق کوئی مشورہ کریں گے۔

حمید ایک طرح سے اُن کے ایک راز میں شریک ہو گیا تھا۔ جسے وہ کسی قیمت پر بھی برداشت نہ کر سکتے اور اسے اس کا علم بھی تھا کہ سنگ ہی کتنا خطرناک آدمی ہے۔ اُسے ایک رات اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس نے کتنی صفائی اور کتنے اطمینان سے سر راہ ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی لاش غائب کر دی تھی۔

بہر حال حمید اب خود کو خطرے میں محسوس کر رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کی یہ رات کم از کم لوتھر کی چھت کے نیچے بخیر و عافیت گذرنی محال ہے۔ اس لئے اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ساری رات جاگتا رہے گا۔

وہ اُسی کمرے میں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد سنگ ہی اور لوتھر بلند آواز میں گفتگو کرتے ہوئے پھر اُسی کمرے میں واپس آئے۔

"اوہ! تم سوئے نہیں ابھی تک۔" لوتھر نے حمید سے کہا۔

"واقعی! آپ پُر اسرار باپ ہیں۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن میں سارہ کو کوئی جنگلی مرغی نہیں سمجھتا کہ اُسے اس طرح شکار ہو جانے دوں۔"

"کوئی سمجھدار آدمی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔" سنگ ہی بولا۔ "میکی صاحب! آپ ہی انہیں سمجھائیے کہ پولیس کو اس کی اطلاع دینی ضروری ہے۔"

"میں پہلے ہی سمجھا چکا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"میرا فیصلہ اٹل ہے۔" لوتھر بولا۔ "میرے چند اصول ہیں انہیں پر کاربند ہوں۔"

"لیکن میں اسے بے اصولا پن سمجھتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "آخر آپ پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دینا چاہتے۔"

"ضروری نہیں کہ اپنے نجی معاملات دوسروں کے سامنے لاؤں۔ تم جا کر آرام کرو۔"

"مسٹر لوتھر مجھے افسوس ہے۔" سنگ ہی مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "آپ کو سمجھانا مشکل کام ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" لوتھر نے اُسے ڈانٹا اور وہ سہم کر چپ ہو گیا۔

حمید کو سنگ ہی کی ایکٹنگ تو حقیقت معلوم ہوئی لیکن لوتھر کے ڈانٹنے کے انداز کی بناوٹ نہ چھپ سکی۔

"میرا دل تو چاہتا ہے کہ میں اسی وقت یہاں سے چلا جاؤں۔" حمید نے کہا اور رک کر کنکھیوں سے سنگ ہی کے چہرے پر نظر ڈالی جس پر کسی قسم کے جذباتی تغیر کے آثار نہیں تھے۔ پھر اس نے جملہ پورا کر دیا۔ "لیکن جب تک سارہ واپس نہ آ جائے مجھے یہیں رہنا پڑے گا۔"

"رہنے کو میں منع نہیں کرتا.... تم میرے مہمان ہو.... لیکن....!"

"ٹھہریئے۔" سنگ ہی نے لوتھر کی بات کاٹ دی۔ "میرا خیال ہے کہ میکی صاحب چلے ہی جائیں تو بہتر ہے۔"

"کیوں....!" حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"کچھ بدمعاش ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔" سنگ ہی نے کہا۔

"میں کہتا ہوں پولیس....!"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" سنگ ہی نے حمید کی بات کاٹ کر کہا۔ "لیکن ذرا سوچئے تو اس میں کتنی بدنامی ہے۔ یہ بات اب میری سمجھ میں آئی ہے کہ کیپٹن لوتھر کا بڑا نام ہے اس کی لڑکی کو لوگ اس کی آنکھوں کے سامنے اٹھا لے جائیں.... ارے توبہ.... توبہ۔"

سنگ ہی اپنا منہ پیٹنے لگا۔

"چپ رہو! حرامزادے۔" لوتھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"حرامزادہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔" سنگ ہی نے بُرا مانے بغیر معمولی لہجے میں کہا۔ "مسٹر نیکی! تم خود سوچو! معاملہ پولیس کے سامنے ہو۔ اخبارات میں موٹی موٹی سرخیاں جمائی گئیں۔ کیا اس سے کیپٹن لوتھر کی ساری شہرت خاک میں نہ مل جائے گی۔"

حمید سنگ ہی کی چالاکی پر عش عش کرنے لگا۔ یہی بہانہ لوتھر بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اُسے وقت پر نہیں سوجھی۔

"لیکن وہ لوگ کون ہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ ایک لمبا قصہ ہے۔" سنگ ہی بولا۔ "چند پُر اسرار آدمی جو کافی عرصہ سے بھاری رقم کا مطالبہ کر رہے تھے اور انہوں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر پولیس کو اس کی اطلاع دی گئی تو وہ یا تو کیپٹن کا خون کر دیں گے یا کوئی ایسا نقصان پہنچائیں گے جس کا ازالہ ہی نہ ہو سکے گا۔"

"تو وہی لوگ سارہ کو لے گئے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔"

حمید نے لوتھر کی طرف دیکھا، جو سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے موضوع گفتگو سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ جیسے وہ کچھ اور سوچ رہا ہو۔ سنگ ہی کی بکواس اس کے کانوں تک پہنچی ہی نہ ہو۔

❁

فریدی کی کیڈی ریکس اسٹریٹ میں رک گئی۔ یہاں بالکل سناٹا تھا لیکن اندھیرا نہیں تھا۔ چونکہ یہاں متمول لوگ رہتے تھے اس لئے روشنی کا دارومدار آسمانی قندیلوں پر نہیں تھا۔

اس نے تین بار کیڈی کی ہیڈ لائیٹس کو جلایا اور بجھایا۔ شائد یہ کسی قسم کا اشارہ تھا کیونکہ اس کے بعد ہی ایک آدمی کیڈی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

"ونود....!" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"جی ہاں! میں ہی ہوں۔"

"کیا خبر ہے؟"

"برکلے ہاؤز.... اُس کے بعد سے میں یہیں ہوں۔ نہ کوئی اندر گیا اور نہ کوئی باہر آیا۔"

"تم نے اُن آدمیوں کو دیکھا۔"

"جی ہاں! وہ تین تھے۔"

"کیا ان میں پست قد موٹا بھی تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ ایک آدمی ایسا بھی تھا۔"

"ٹھیک۔" فریدی اپنی ٹھوڑی کھجاتا ہوا بولا۔ "یہ لوگ وہی معلوم ہوتے ہیں جن کی ہمیں تلاش ہے۔ اچھا تم یہیں ٹھہرو۔ کیڈی کا بھی خیال رکھنا۔"

فریدی کیڈی سے اتر آیا۔

پھر وہ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد ایک عمارت کے سامنے رک گیا۔ یہی برکلے ہاؤز تھا۔ اس کی بعض کھڑکیوں میں گہری نیلی روشنی نظر آ رہی تھی۔

اچانک برآمدے کا ایک دروازہ کھلا اور فریدی اندھیرے میں سرک گیا۔ کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی، جو لحظہ بہ لحظہ دور ہوتی گئی۔

تھوڑی دیر بعد کمپاؤنڈ سے ایک کار نکلی اور سڑک پر رک گئی۔ فریدی کمپاؤنڈ کی دیوار سے چپکا رہا۔ ایک آدمی اگلی سیٹ پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کا چہرہ اندھیرے میں تھا۔

پھر کمپاؤنڈ کے اندر سے کئی قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور تین آدمی باہر آئے۔ اُن میں ایک بوڑھا تھا جسے دو آدمی پکڑ کر کار کی طرف لے جا رہے تھے۔ بوڑھے آدمی کے چہرے پر بھورے رنگ کی ڈاڑھی تھی اور وہ بھی کوئی سفید فام ہی معلوم ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس میں خود سے ایک قدم بھی چلنے کی سکت نہ ہو۔ پکڑ کر چلنے والوں میں سے ایک پست قد اور بھاری جسم والا آدمی تھا۔

فریدی نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

انہوں نے بیمار بوڑھے کو پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور خود بھی بیٹھ گئے۔ کار چل پڑی فریدی تقریباً دوڑتا ہوا اپنی کیڈی تک آیا۔ اس کے پیروں میں کریپ سول جوتے تھے۔ ورنہ قدموں کی آواز سناٹے میں دور دور تک پھیلتی۔

اگلی کار مڑنے نہیں پائی تھی کہ اُس نے کیڈی اسٹارٹ کر دی۔

زیادہ تر سڑکیں قریب قریب ویران ہو چکی تھیں۔ صرف بڑی سڑکوں پر خال خال ایک آدھ کار یا رات کو چلنے والے ٹرک نظر آجاتے تھے اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اگلی کار بڑی سڑکوں پر مڑ رہی تھی ورنہ شائد تعاقب کامیاب نہ ہوتا۔

دو بج گئے تھے اور حمید ابھی تک جاگ رہا تھا۔ اُس نے کمرہ اندر سے مقفل کر کے پنکھا کھول دیا تھا۔ لیکن روشنی تو اُسے بہر حال گل کرنی ہی پڑی تھی۔ اُس کی جیب میں ٹارچ اور ریوالور موجود تھے اور وہ ہر طرح کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔

اچانک اُسے ایک عجیب طرح کی بو کا احساس ہوا اور ساتھ ہی ناک اور حلق میں جلن سی ہونے لگی۔ بے ساختہ اس نے ٹارچ روشن کرلی۔ دروازے میں کنجی کے سوراخ سے سفید رنگ کے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر خلاء میں بل کھا رہی تھی۔

حمید نے اچھل کر سوراخ پر انگلی رکھ دی۔ ٹارچ اُس نے بجھا دی تھی۔

بڑی دیر سے اسی قسم کے خطرات کے متعلق سوچتے رہنے کے باوجود بھی وہ بوکھلا گیا۔ اس نے دروازے کو اندر سے مقفل کر لیا تھا اور کنجی ہی کے سوراخ سے کوئی مہلک گیس کمرے میں داخل ہو رہی تھی اگر وہ ربر کی پتلی سی نلکی کے ذریعہ داخل کی جا رہی تھی تو سوراخ میں کنجی کا لگنا ناممکن اور پھر ہو سکتا ہے۔ دشمن دروازے ہی پر موجود ہو اور اپنی اسکیم کو ناکام ہوتا دیکھ کر کوئی دوسرا حربہ استعمال کر بیٹھے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے، جتنی گیس اندر داخل ہو چکی تھی اُسی نے کمرے کی فضا مکدر کر دی تھی اور حمید کو سانس لینے میں کچھ دشواری محسوس ہو رہی تھی جیسے وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو۔

اس نے جیب سے کنجی نکال کر سوراخ میں لگانی چاہی لیکن اس کا پہلا ہی خیال درست نکلا سوراخ میں کوئی چیز اڑی ہوئی تھی۔ کنجی نکال کر اُس نے پھر سوراخ پر انگلی رکھ دی۔

ایک بار پھر اس کا دم گھٹنے لگا۔ پتہ نہیں یہ گیس کا اثر تھا یا اس کی گھبراہٹ کا نتیجہ۔ ذرا ہی سی دیر میں اُسے وہ کمرہ کوئی مقبرہ معلوم ہونے لگا۔

پھر اسی گھبراہٹ کے دوران میں اُسے یاد آیا کہ ٹھیک دروازے کے اوپر ایک روشندان بھی

ہے، لیکن.... کیا وہ اس میں سے نکل سکتا تھا۔ ناممکن.... وہ ہرگز اتنا کشادہ نہیں تھا۔ دوسری طرف کی کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

حمید بدستور سوراخ پر انگلی رکھے سوچتا رہا۔ اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ دروازے پر تھا اور دوسرے سے اس نے ریوالور سنبھال رکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ دشمن تھوڑی دیر بعد اپنی اس حرکت کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے ضرور آئے گا۔

حمید کا خیال درست نکلا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے راہداری میں ہلکی سی آواز سنی۔ غالباً کوئی دبے پاؤں اسی طرف آرہا تھا۔ قدموں کی آوازیں ٹھیک دروازے کے سامنے رک گئیں اور پھر وہی اکتا دینے والا سناٹا طاری ہو گیا۔

لیکن ذرا ہی دیر بعد دوسرے قسم کی آوازیں شروع ہو گئیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی دروازے کے تالے کے اسکریو نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

حمید نے سوراخ پر سے انگلی ہٹالی۔ وہ ٹارچ روشن کرنے کی ہمت تو نہ کر سکا لیکن اندازہ یہی لگایا کہ اب اُس سوراخ سے گیس نہیں خارج ہو رہی ہے۔

تالے کے اسکریو بہت احتیاط اور آہستگی کے ساتھ نکالے جا رہے تھے۔

تالا چونکہ اندر سے بند تھا اس لئے باہر سے دروازہ کھولنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں تھا کہ اسکریو نکال کر وہ تالا ہی دروازے سے الگ کر دیا جائے۔

ہر دوسرا لمحہ سنسنی خیز تھا۔

اچانک دونوں پٹ آہستگی سے کھلے حمید ایک طرف ہو گیا۔ کوئی آدمی اندر داخل ہوا اور اُس نے اطمینان سے سوئچ آن کیا۔ جیسے اُسے اپنی کامیابی کا پورا یقین ہو۔

کمرے میں روشنی ہو گئی۔ آنے والا سنگ ہی تھا۔ وہ حمید کا پلنگ خالی دیکھ کر بے تحاشہ دروازے کی طرف مڑا۔

حمید کے ریوالور کی نال اس کے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ لیکن کیا یہ وہی سنگ ہی تھا.... ہرگز نہیں اس وقت اس کا چہرہ انتہائی خوفناک نظر آرہا تھا اور وہ اس طرح حمید کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی سانپ اپنے شکار کو اپنی آنکھوں سے مسحور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

پھر اچانک حمید نے اپنے جسم پر ایک دوسرے جسم کا بوجھ محسوس کیا۔ اُسے کچھ پتہ ہی نہ چل

سکا کہ کب سنگ ہی نے چھلانگ لگائی اور کب ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ سنگ ہی جونک کی طرح اس سے لپٹ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ اور پیر حمید کے گرد اس طرح سے جکڑ گئے تھے کہ اُسے جنبش کرنا بھی محال ہو رہا تھا اور ہر لمحہ اس کی گرفت سخت سے سخت ہوتی جا رہی تھی۔

حمید زمین پر چت پڑا تھا اور سنگ ہی اس کے اوپر تھا۔ حمید نے اس کی پیٹھ پر گھونسے مارنے شروع کر دیئے۔ سنگ ہی نے اپنا بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ کے نیچے سے نکال کر گردن پر رکھ دیا اور پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اب کبھی زمین سے نہ اٹھ سکے گا۔ سنگ ہی اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔

اچانک بدحواسی میں حمید کی دو انگلیاں سنگ ہی کی ناک کے دونوں نتھنوں میں جا گھسیں اور اس نے اپنے ہاتھ کو جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھا دیا۔

اُس کے ناخن سنگ ہی کی ناک کی اندرونی ہڈی سے ٹکرائے اور سنگ ہی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ حمید نے اب اُس کی ناک پر ایک مکا رسید کر دیا۔ سنگ ہی کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی۔

دوسرے لمحے میں حمید اس کے نیچے سے نکل چکا تھا۔ سنگ ہی پھر جھپٹا۔ حمید ایک ہی جست میں دروازے کے باہر تھا۔ جیسے ہی حمید کمپاؤنڈ میں پہنچا سنگ ہی نے "چور.... چور" کا شور مچا دیا۔ پھاٹک بند تھا۔ حمید ایک بار پھر الجھن میں پڑ گیا۔ سنگ ہی برابر "چور.... چور" نعرہ لگائے جا رہا تھا۔ نوکر بھی جاگ پڑے اور کمپاؤنڈ کا پھاٹک باہر سے پیٹا جانے لگا۔

اور پھر حمید کی برداشت نے اس بوکھلاہٹ کے عالم میں بھی اس کا ساتھ دیا۔ اُسے کمپاؤنڈ کی دیوار کا وہ ٹوٹا ہوا حصہ یاد آیا جو بائیں بازو والے کمروں کے سامنے تھا۔ وہ قد آدم جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا.... کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھولا جا چکا تھا۔ پانچ چھ آدمی باہر سے کمپاؤنڈ میں گھسے۔ شائد یہ وہی سرکاری آدمی تھے، جو کوٹھی کی نگرانی کر رہے تھے۔

پُراسرار بوڑھا

دوسری صبح حمید اپنی گردن میں مالش کرا رہا تھا اور فریدی؟ وہ تو پچھلی ہی رات سے گھر سے غائب تھا۔ حمید کی گردن کی رگوں میں تناؤ تھا اور ذہن میں سنگ ہی کا منحوس چہرہ۔ وہ اندر ہی اندر کھول رہا تھا اور اس نے تہیہ کر لیا تھا۔ اگلی موقعہ ملنے پر بیدریغ آدھی چھٹانک پگھلا ہوا سیسہ سنگ

ہی کی کھوپڑی میں اتار دے گا۔

اس کی طبیعت اتنی بیزار ہو چکی تھی کہ نہ تو اُس نے پالتو چوہیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور نہ بکرے ہی کی پرواہ کی.... دوسرے لفظوں میں وہ حد سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

بار بار یہ سوال اُس کے ذہن میں سر اٹھاتا تھا کہ آیا سنگ ہی کیپٹن حمید کی حیثیت میں بھی اُس کے ساتھ یہی برتاؤ کرتا۔

حمید سوچتا رہا اور اس کی گردن میں مالش ہوتی رہی۔ گردن میں مالش کرنے والا نوکر سمجھتا تھا کہ شائد گردن کی کوئی رگ چڑھ گئی ہے۔ لہٰذا مالش کر چکنے کے بعد اس نے ایک ہاتھ حمید کے سر پر رکھا اور دوسرا ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر جو جھٹکا دیا ہے تو حمید کی آنکھوں کے سامنے موٹے موٹے تارے ناچ گئے۔

"ابے یہ کیا کیا؟" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

لیکن نوکر نے اس کی پرواہ کئے بغیر دوسری طرف بھی گردن جھٹک دی۔

"ارے خدا تجھے غارت کرے۔" حمید نے چیخ کر اُس کے سر پر دوہتھڑ رسید کیا اور نوکر بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"سرکار.... تو پھر کیسے کرتا۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"مروڑ دیتا سالی کو۔" حمید گردن سہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"مانئے سرکار! ایسے ہی ٹھیک ہوتی ہے۔"

"چل بھاگ! سالے نے اور ستیاناس کر دیا۔"

"آپ تو....!"

"ابے بھاگ....!" حمید اُسے مارنے دوڑا اور اس نے بھاگ کر ہی جان بچائی۔

نوکر نکل گیا لیکن حمید کی ٹکر اپنے پالتو بکرے سے ہو گئی۔ بکرا نہ جانے کیا سمجھا۔ وہ یکلخت تین چار قدم پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو اُسے اپنے سینے پر بھی مالش کرانی پڑتی۔ حمید نے قریب پڑی ہوئی ایک لکڑی اٹھائی اور بکرے کو بے تحاشہ پیٹنا شروع کر دیا۔

بکرا پلٹ کر بھاگا۔ اچانک فریدی سامنے پڑ گیا اور وہ اُسے رگیدتا ہوا باہر نکل گیا۔

فریدی نے اسے تو نکل جانے دیا مگر جھلاہٹ میں حمید کی گردن دبوچ لی۔

"ارے مرا....!" حمید درد سے کراہا۔

"بھٹیار خانہ بنادیا گھر کو۔"

"گردن چھوڑیئے.... اس سالی کا ستارہ گردش میں آ گیا ہے۔"

"لیکن تم یہاں کیسے۔" فریدی نے اس کی گردن چھوڑ کر کہا۔

"ہاں.... بیشک غلطی ہوئی۔" حمید جل کر بولا۔ "مجھے اس وقت قبر میں ہونا چاہئے تھا۔"

"لوتھر نے رپورٹ کیسی درج کرائی ہے.... کیا بات تھی۔"

"رپورٹ....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیسی رپورٹ۔"

"یہی کہ اس کا ایک مہمان اس کے دس ہزار کے جواہرات اڑا لے گیا۔"

حمید تھوڑی دیر تک سنگ ہی کی چالاکی پر عش عش کرتا رہا پھر اُس نے ساری داستان دہراتے ہوئے کہا۔ "چور چور کا نعرہ اس نے ضرور بلند کیا تھا مگر میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ رپورٹ درج کرانے کی بھی جرأت کرے گا۔"

"بلا کا عیار ہے کمبخت۔" فریدی بڑبڑایا۔ "خیر... اب یہ کھیل جلد ہی ختم ہو جانے کی توقع ہے۔"

"کیوں! کیا کوئی نیا سراغ۔"

"ہاں....!"

"کیا....!"

"ہمیں ایک ایسے آدمی کی تلاش ہے، جو پلیگ کا مریض ہو۔"

"کیا مطلب....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

لیکن فریدی نے سکوت اختیار کر لیا۔

"ارے حرامزادے تو نے تو میرا بیڑا غرق کر دیا۔" لوتھر نے اپنی ران پر ہاتھ مار کر سنگ ہی سے کہا۔ "جو آدھے گھنٹے میں اسکاچ کی آدھی بوتل صاف کر چکا تھا۔"

"نہیں کیپٹن۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "میں نے فی الحال تمہارے بیڑے میں گدھے جوت دیئے ہیں، جو اُسے خشکی میں کھینچ رہے ہیں۔"

"تیری بدولت میں نے اپنے تین بہترین ساتھی کھوئے۔ بیٹی سے ہاتھ دھوئے۔ اب تو نے

رات ایک نئی مصیبت مول لی اور اُسے بھی نہ مار سکا۔ زندہ نکل جانے دیا۔ دیکھنا ہے اب کون سی مصیبت آتی ہے۔"

"کیپٹن....!" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ مجھے کوئی اناڑی آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ اُس نے خطرے کی بو پہلے ہی سونگھ لی تھی اور پوری طرح تیار تھا۔"

"اچھا ہوا.... تیری گردن تو نیچی ہوئی۔"

"مگر سنگ ہی اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"جہنم میں جاؤ.... میں سارہ کے لئے کیا کروں۔"

"فی الحال صبر کرو۔"

لوتھر بُری طرح جھلا گیا۔ مگر وہ بے بس تھا کہ کوئی سنگ ہی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ اس کے ہاتھوں میں موم کی ناک بن کر رہ گیا تھا۔

"تو نے مجھے کٹھ پتلی بنا لیا ہے اور اگر تم نے اس پٹھان کو دوبارہ نہ نکلوا دیا ہوتا تو سارہ محفوظ ہوتی۔"

"اوہو! کیا کر لیتا وہ وحشی۔"

"میں کچھ نہیں جانتا.... سارہ مجھے آج ہی واپس ملنی چاہئے۔"

"بے صبری اچھی چیز نہیں۔"

"میں ابھی پولیس کو سارے واقعات کی اطلاع دیتا ہوں۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" سنگ ہی سانپ کی طرح پھپھکارا۔

لوتھر یک بیک اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ایلیوم کی چوٹی یاد ہے نا تمہیں۔" سنگ ہی بولا۔ "مجھے تم پسند ہو مسٹر لوتھر ورنہ پانچ سو سال بعد وہاں لوگ تمہاری لاش کی زیارت کے لئے آتے۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔

سنگ ہی نے پھر کہا۔ "تمہاری بعض چیزیں مجھے بے حد پسند ہیں ورنہ اس چیز کا مالک میں تنہا ہوتا۔ اب بھی جس وقت چاہوں الگ ہو سکتا ہوں۔ پولیس میرا کچھ نہیں کر سکے گی۔ مگر تمہارا داہنا گال نیلی لکیر سے ضرور سجا دیا جائے گا.... لو پیو۔"

اس نے دوسرا گلاس لبریز کر کے لوتھر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم نے بہت دیر نہیں پی اسی لئے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔"

فریدی نے دواؤں کا بکس اٹھایا۔ حمید اس کی کاروائیوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا، جب فریدی ساری تیاریاں مکمل کر چکا تو حمید نے کہا۔

"کہئے تو ایک ٹوکری میں دو چار سانپ بھی رکھ لئے جائیں۔"

"کیوں! سانپ کیا ہوں گے۔"

"واہ.... ارے میں سانپ دکھا کر مجمع اکٹھا کروں گا اور آپ دوا بیچئے گا.... دو چار دلالوں کی ضرورت ہو تو وہ بھی مہیا کر لئے جائیں۔"

"بکواس مت کرو.... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں باہر نکلے۔ فریدی کے ایک ہاتھ میں دواؤں کا بکس تھا اور دوسرے میں اسٹیتھو سکوپ! اُن دونوں نے ڈاکٹروں کے سے لمبے سفید کوٹ پہن رکھے تھے۔

"آخر اب کیا ہونے جارہا ہے؟" حمید نے کیڈی میں بیٹھتے وقت سوال کیا۔

"دیکھتے جاؤ۔"

"میں تنگ آ گیا ہوں.... دیکھتے دیکھتے۔"

کیڈی چل پڑی۔ پندرہ یا بیس منٹ بعد فریدی نے ایک جگہ کیڈی روک دی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ایمبولینس گاڑی کھڑی تھی۔ حمید نے ڈرائیور کی سیٹ پر سرجنٹ رمیش کو بیٹھے دیکھا۔ گاڑی کے پچھلے حصے میں ایک خوبصورت سی نرس بیٹھی تھی۔

رمیش انہیں دیکھتے ہی گاڑی سے اتر آیا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے پسندیدگی کے اظہار میں سر ہلا کر اس سے کہا۔ "اب تم کیڈی لے کر واپس جاؤ۔"

رمیش کیڈی میں بیٹھ گیا۔

فریدی اور حمید ایمبولینس گاڑی میں آ بیٹھے۔

"چلو اسٹارٹ کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"ابھی کیا ہے۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "مجھے مردے تک ڈھونے پڑیں گے۔"

پھر اُس نے روشندان سے اُس نرس پر نظر ڈالی، جو گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھی تھی اور فریدی کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔ "ہے تو زوردار۔"

"بکو مت۔" فریدی بھنبھنایا۔

"ویری ویل.... یور ہارڈ شپ۔" حمید نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

فریدی اُسے راستوں کے متعلق ہدایات دیتا رہا۔ آخر اس نے کنکس لین کی ایک عمارت کے سامنے گاڑی رکوا دی۔

فریدی نیچے اتر کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اچانک ایک آدمی اس کے سامنے آ کھڑا ہو گیا۔ حمید نے اُسے پہچانا وہ بھی اسی کے محکمے کا ایک آدمی تھا۔

"سب ٹھیک ہے۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں! سب ٹھیک ہے۔"

"وہ دونوں آدمی۔"

"وہ بھی موجود ہیں.... میں ابھی لایا۔"

"وہیں لانا.... اچھا.... تو اب ہم جاتے ہیں۔"

فریدی نے حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ نرس نے اپنے دستانے اٹھائے اور وہ بھی ان کے ساتھ ہولی۔ فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر گھنٹی کا بٹن دبایا اندر کسی دور افتادہ مقام پر گھنٹی کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ان کے سامنے ایک پست قد اور بھاری بھرکم سفید فام آدمی کھڑا تھا۔ اس نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

"معاف کیجئے گا۔" فریدی آگے بڑھ کر بولا۔ "ہمیں اطلاع ملی ہے کہ یہاں کوئی پلیگ کا مریض ہے۔"

"غلط ہے۔" پست قد غیر ملکی نے کہا۔ "یہاں کوئی ایسا مریض نہیں۔"

"یہ آپ کے پڑوسیوں کی دی ہوئی اطلاع ہے۔"

"پڑوسی بکواس کرتے ہیں۔" غیر ملکی جھلا کر بولا۔

استنے میں دو اینگلوانڈین برآمدے میں داخل ہوئے۔

"ہم بکواس کرتے ہیں۔" اُن میں سے ایک غصیلی آواز میں بولا۔ "کیا تم پچھلی رات کو ایک بوڑھا مریض یہاں نہیں لائے۔"

"وہ پلیگ کا مریض نہیں۔" غیر ملکی نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "اس پر صرف بیہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی تشویش ناک لہجے میں بولا۔ "یہ بھی پلیگ کی ایک علامت ہے۔"

"میں کہتا ہوں وہ پلیگ کا مریض نہیں ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں.... ہم اُسے دیکھ کر اطمینان کرلیں گے۔"

"نہیں آپ اُسے نہیں دیکھ سکیں گے۔"

"آخر کیوں!"

"ہماری مرضی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ہمیں رپورٹ ملی ہے اور ہم اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کوئی رکاوٹ ڈالیں گے تو مجبوراً ہمیں پولیس طلب کرنی پڑے گی۔"

"میں کہتا ہوں نا۔"

"محض آپ کا کہنا ہمیں مطمئن نہیں کر سکتا۔" فریدی بولا۔

کافی دیر تک جھک جھک ہوتی رہی۔ عمارت سے دو آدمی اور نکل آئے۔

فریدی اسی پر اڑا رہا کہ مریض کو دیکھے بغیر واپس نہیں جائے گا۔

"چلئے دیکھ چلئے۔" ان میں سے ایک نے غصیلی آواز میں کہا۔ "نہ جانے یہ کیسا ملک ہے جہاں لوگ دوسروں کا وقت اس طرح برباد کرتے ہیں۔"

وہ انہیں ایک کمرے میں لائے جہاں ایک بوڑھا آدمی پلنگ پر چت پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس کا جسم ایک ہلکے سے کمبل سے ڈھکا ہوا تھا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ بھلا فریدی کو پلیگ کے مریض سے کیا سروکار.... اور یہ لوگ کون ہیں۔

"یہ ہے! وہ مریض۔" پست قد آدمی بولا۔ "دیکھئے اسے! ہم بہت زیادہ مشغول ہیں۔"

وہ تینوں کمرے سے چلے گئے۔ حمید نے فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

"تم بھی جاؤ۔" فریدی نرس کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہم ابھی آتے ہیں۔"

نرس چلی گئی۔

"آخر یہ ہے کیا بلا۔" حمید نے مریض کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بلا....!" فریدی مسکرایا۔ "نہیں فرزند! یہ بلا نہیں۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر بیہوش مریض پر سے کمبل ہٹا دیا اور جیسے ہی حمید کی نظر اس کے سینے پر پڑی وہ بوکھلا کر اچھل پڑا۔

"ہائیں۔" اس کے منہ سے بیساختہ نکلا۔ "یہ تو اپنی جنس تبدیل کر رہا ہے۔"

پھر وہ اس طرح اپنی کھوپڑی سہلانے لگا جیسے گرمی چڑھ گئی ہو۔ فریدی کچھ نہ بولا۔

اُس نے مریض کی پلکیں اٹھا کر پتلیاں دیکھیں۔ کچھ دیر نبض پر ہاتھ رکھے رہا۔ پھر دواؤں کا بکس کھول کر اس میں سے ہائپوڈرمک سرنج نکالی اور انجکشن دینے کی تیاریاں کرنے لگا۔

انجکشن دینے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد مریض کو ہوش آگیا اور اس نے کمزور آواز میں کہا۔

"میں کہاں ہوں۔"

حمید ایک بار پھر بوکھلا گیا۔ بالکل نسوانی آواز تھی۔

"کیا جنس بالکل ہی بدل گئی۔" اس نے آہستہ سے فریدی سے پوچھا۔

"بالکل! اب میں اسکے ساتھ تمہاری شادی کردوں گا۔ لیکن ڈاڑھی بدستور موجود رہے گی۔"

اچانک مریض نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اُس کے منہ سے ایک سہمی ہوئی سی چیخ نکلی۔ وہ پھر بیہوش ہو گیا۔

"ڈاڑھی ہٹانی ہی پڑے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "عورت ہو جانے کے بعد وہ اُس سے خوف کھاتا ہے۔"

پھر تھوڑی ہی دیر بعد فریدی کے ایک معمولی سے عمل کی بناء پر مریض کا چہرہ بالکل صاف ہو گیا۔

"سارہ۔" حمید کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور پھر اس نے کہا۔ "اوہ.... میں سمجھ گیا.... وہ تینوں کہاں گئے۔"

"شاید وہ اس وقت کہیں دور پہنچ چکے ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"اور آپ نے انہیں نکل جانے دیا۔"

"پرواہ نہ کرو.... اُن کے گرد میرا جال بہت مضبوط ہو چکا ہے۔"

لوتھر کی شامت

لوتھر آرام کرسی پر پڑا اونگھ رہا تھا۔ سنگ ہی دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ پنجوں کے بل چلتا ہوا وہ آرام کرسی کے پیچھے آیا اور اس کا تکیہ پکڑ کر اُسے الٹ دیا۔ لوتھر منہ کے بل زمین پر گرا اور آرام کرسی اُس کے اوپر اوندھ گئی۔

لوتھر نے بوکھلا کر چیخ ماری اور کرسی کے نیچے سے نکلنا چاہا۔ سنگ ہی نے پیر سے کرسی دوسری طرف اچھال دی اور لوتھر پر ٹوٹ پڑا۔

لوتھر بھی اچھے ہاتھ پاؤں کا آدمی تھا.... لیکن وہ قریب قریب بے بس ہو چکا تھا کیونکہ سنگ ہی نے اس کی گردن ٹانگوں میں جکڑ لی تھی اور دھڑا دھڑ اس کے منہ پر مکے مار رہا تھا۔

"ارے.... سور.... کے بچے.... یہ کیا کر رہا ہے۔" لوتھر چیخا۔

"سور کا بچہ آج تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔" سنگ ہی نے نہایت اطمینان سے کہا اور اُس کے چہرے پر مکے مارتا رہا۔

لوتھر کے ہونٹ پھٹ گئے اور اُن سے خون بہنے لگا۔ نتھنوں سے بھی خون جاری تھا۔ اُس نے کچھ اس انداز میں اسکی گردن جکڑ رکھی تھی کہ وہ اپنے حلق سے آواز تک نہیں نکال سکتا تھا۔

جب لوتھر بے دم ہو گیا تو سنگ ہی نے اُسے چھوڑ دیا۔ لوتھر زمین پر چت پڑا ہوا تھا۔ اس کی پلکیں ضرور جھپک رہی تھیں لیکن معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔

سنگ ہی نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک دوسری کرسی میں ڈال دیا۔ شائد اس وقت کوئی نوکر بھی کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔ ممکن ہے سنگ ہی نے انہیں پہلے ہی کاموں کے بہانے باہر بھیج دیا ہو۔

لوتھر آرام کرسی میں پڑا گہری سانسیں لیتا رہا۔ اس کی آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں اور وہ

خوفزدہ نظروں سے سنگ ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ سنگ ہی نے الماری کھول کر اسکاچ کی بوتل نکالی اور اسے میز پر لے آیا۔ یہ سب کچھ اُس نے اتنے اطمینان سے کیا جیسے وہ ابھی اپنے لطیفوں سے لوتھر کا دل بہلاتا رہا ہو۔

شراب کے گلاس سے اس نے ایک چسکی لی اور مسکرا کر لوتھر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں....!" اُس نے گلاس کو میز پر زور سے رکھتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ.... تم آخر سنگ ہی کے ساتھ کمینہ پن کر ہی بیٹھے۔"

"میں نے کیا کیا ہے۔" لوتھر اپنے ہونٹوں کا خون پونچھتے ہوئے بولا۔

"بکواس کرو گے تو تمہارا دہانہ کانوں تک چیر دوں گا۔"

"بتاؤ نا.... میں نے کیا کیا ہے۔" لوتھر سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

"میکی کون تھا....؟"

"میں نہیں جانتا.... میں اس سے پہلی بار ملا تھا۔"

سنگ ہی اٹھ کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"تم نہیں جانتے۔"

"نہیں.... میں نے پہلے کبھی اُسے نہیں دیکھا۔"

اچانک سنگ ہی نے اس کے زخمی ہونٹوں پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔

"ارے تجھے کیا ہو گیا ہے.... سور کے بچے۔" لوتھر اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔

"سور کے بچے کو فریدی اور حمید ہو گیا ہے۔" سنگ ہی نے بائیں ہاتھ سے شراب کا گھونٹ لے کر کہا۔ "میکی کیپٹن حمید تھا۔"

"کیا....؟" لوتھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

سنگ ہی نے ٹٹولنے والی نظروں سے لوتھر کے چہرے کا جائزہ لیا اور آہستہ سے بولا۔

"تو تم اس سازش میں شریک نہیں تھے۔"

"میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔"

"سارہ کو تم بڑا اچھا سمجھتے ہو۔ اُس کی پاکدامنی کے ثبوت کے لئے مجھ پر گولیاں برسانی شروع کر دی تھیں۔ لیکن اب جاؤ فریدی کے یہاں وہ ننگی ناچتی ہوئی پولیس آفیسروں کو شراب

پلا رہی ہے۔"

"کیا بکتے ہو! وہ تو اُن لوگوں کے پاس ہے آج صبح ایک لڑکا ایک خط بھی ان لوگوں کے پاس سے لایا ہے جس میں انہوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر ہم نے ان کا مطالبہ پورا نہ کیا تو وہ سارہ کو مار ڈالیں گے۔"

"بہت اچھے۔" سنگ ہی ہنس پڑا۔ "ذرا دیکھوں تو وہ خط۔"

لوتھر نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر سنگ ہی کی طرف بڑھا دیا۔ سنگ ہی نے خط پڑھا چند لمحے بُرا سا منہ بنائے رہا پھر بولا۔ "یہ کھلی ہوئی بکواس ہے۔ تمہاری لڑکی کو فریدی نے اٹھوایا تھا۔ جاؤ جاکر دیکھو فریدی اور حمید عیش کر رہے ہیں اگر وہ تمہیں ان کے گھر پر نہ ملے تو میری گردن اتار دینا۔ سمجھے! مگر تم خود ہی اس سے پیشہ کرانا چاہتے ہو۔ اچھا بھی ہے اگر دس پانچ پولیس آفیسر تمہارے داماد بن گئے تو تم اُن امریکنوں سے بچے رہو گے۔"

"اگر ایسا ہے تو میں اُن سب کو میٹھی نیند سلا دوں گا۔" لوتھر مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑایا۔

"کیا کبھی میری مہیا کی ہوئی اطلاعات غلط بھی نکلی ہیں؟" سنگ ہی نے طنزیہ ہنسی کیساتھ کہا۔ "چلو بیٹھو زیادہ تاؤ نہ کھاؤ۔ فریدی کے نطفے سے تمہارے لئے ایک بہت بڑا نواسہ مہیا ہو جائے گا۔"

"چپ رہو حرامزادے۔" لوتھر نے چیخ کر سنگ ہی کے سر پر دوہتھڑ مارا۔

سنگ ہی چپ چاپ پیچھے ہٹ گیا۔ وہ سنگ ہی جس نے لوتھر کو بُری طرح پیٹا تھا لوتھر کے ہاتھ سے مار کھا کر بھی مسکرا رہا تھا۔ اس نے بڑے پر سکون لہجے میں کہا۔ "تم بڑی اچھی ایکٹنگ کر لیتے ہو مسٹر لوتھر۔ تم نے سنگ ہی سے پیچھا چھڑانے کے لئے اپنی لڑکی کی سپلائی کر دی۔ خود ہی سازش کر کے اُسے اٹھوا دیا تاکہ سنگ ہی دھوکہ کھا کر مار لیا جائے۔"

"چپ رہو کتے۔" لوتھر غرا کر بولا۔ "اس نے میز کی دراز سے ایک ریوالور نکالا اس کے چیمبر دیکھے۔ وہ سب بھرے ہوئے تھے۔ پھر اس نے سنگ ہی سے کہا۔ "میں ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"خوب! مگر شائد ایک ریوالور کافی نہ ہو۔ وہاں کئی ہیں اور سب شراب کے نشے میں دھت اور سارہ ننگی۔"

"خاموش....!" لوتھر غرایا۔ وہ اس وقت ایک خونی درندہ معلوم ہو رہا تھا۔

"اسے بھی لیتے جاؤ۔ شائد ضرورت پڑے۔" سنگ ہی نے اپنی جیب سے ایک دوسرا ریوالور نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ابھی گھوم پھر کر واپس آجاؤ گے اور مجھے اطلاع دو گے کہ فریدی کی کوٹھی خالی پڑی ہے۔"

لوتھر نے جھپٹ کر اُس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا اور قریب قریب دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

سنگ ہی ایک ہی سانس میں گلاس کی بقیہ شراب پی گیا۔ پھر اُس نے آستین سے اپنے ہونٹ خشک کئے اور بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی کمرے میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا گیس سلنڈر تھا وہ اُسی آہنی الماری کے سامنے رک گیا جس میں حروف کے امتزاج سے کھلنے والا قفل پڑا ہوا تھا۔ یہ وہی الماری تھی جسے کھولنے سے قبل لوتھر کمرے کا دروازہ بند کرنا نہیں بھولتا تھا۔

سنگ ہی نے گیس سلنڈر کے سرے پر لگے ہوئے نوزل کا بٹن دبایا اور اس میں سے نیلے رنگ کی ایک باریک سی آتشی لکیر نکلنے لگی۔ دوسرے لمحے میں وہ آتشی لکیر قفل کے کنڈے پر تیزی سے ادھر اُدھر تیر رہی تھی۔

دیکھتے دیکھتے قفل الماری سے علیحدہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔

سنگ ہی نے الماری کھول کر اس میں سے چمڑے کا ایک تھیلا نکالا اور اُسے بغل میں دبا کر کمرے سے نکل گیا۔

لوتھر غصے میں بھرا ہوا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اُس نے اپنا چہرہ بھی نہیں صاف کیا تھا۔ ہونٹوں پر خون جم کر سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں فریدی اور حمید کی شکلیں تھیں۔ اُس کے ذاتی تجربے کی بناء پر سنگ ہی نے آج تک اُسے کوئی غلط اطلاع نہیں دی تھی۔ اُسے میکی یاد آیا، جو سنگ ہی جیسے شاطر آدمی کو جل دے کر نکل گیا تھا۔ تو کیا وہ سچ مچ کیپٹن حمید ہی تھا۔ اگر یہ بات تھی تو سارہ نے اُسے دیدہ دانستہ دعوت دی تھی.... آخر کیوں؟

پھر اچانک اس کے جسم کا خون منجمد ہو گیا۔ اگر اسٹیئرنگ کا سچا نہ ہوتا تو سامنے سے آنے والے ٹرک سے ٹکرا کر اس کی کار کے پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ غصے کی جگہ خوف نے لے لی اور

اس جذباتی تبدیلی کی بناء پر وہ اچھی طرح ہوش میں آ گیا اور اب اُسے احساس ہوا کہ وہ سچ مچ موت کے منہ میں جارہا ہے۔ فریدی کی کوٹھی میں داخل ہو کر اس پر حملہ کرنا آسان کام نہیں تھا.... اور پھر اُس کا انجام؟ اب اُسے سنگ ہی کے بیان پر بھی شبہ ہونے لگا تھا۔ فریدی سے زیادہ نیک نام آفیسر شہر بھر میں اور کوئی نہیں تھا۔ کٹر قسم کا اصول پرست آدمی۔

"اوہ....!" لوتھر آہستہ سے بڑبڑایا۔

اُسے یاد آیا کہ سنگ ہی اس دوران میں کئی بار اس بات کی کوشش کر چکا ہے کہ اُسے کسی طرح تھوڑی دیر کے لئے کوٹھی سے ہٹا دے۔ کہیں اس نے الماری پر ہاتھ صاف کرنے کے لئے یہ سب کچھ نہ کیا ہو۔

اچانک اس کی نظر کار کے عقب نما آئینے پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔ غصے میں اُسے یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ اس کا چہرہ اس قابل نہیں کہ وہ صفائی کے بغیر باہر نکل سکے۔ اس کی اُلجھن بڑھ گئی۔ اگر وہ گھر واپس جاتا تو سنگ ہی طنزوں کی بھرمار کر دیتا۔ فریدی کے یہاں جانے کے سلسلے میں تو وہ پہلے ہی ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی کنپٹیوں کی رگیں تڑخ رہی ہوں.... اُلجھن.... اُلجھن۔

آخر اس نے اپنی کار ایک ہیئر کٹنگ سیلون کے سامنے روک دی جس میں حمام بھی تھا، جیسے ہی سیلون میں داخل ہوا لوگوں کی تنقیدی نظریں اس کی طرف اٹھنے لگیں۔

"حمام....!" لوتھر نے بھرائی ہوئی آواز میں ایک آدمی سے کہا۔ "جلدی۔"

اس آدمی نے حمام تک اس کی رہنمائی کی۔ لوتھر نے دروازہ بند کر لیا۔ اُسے حمام میں داخل ہوئے مشکل سے آدھا منٹ گذرا ہوگا کہ ایک سفید فام آدمی گھبرایا ہوا سیلون میں گھس آیا۔

"کیا یہاں کوئی انگریز آیا ہے۔" اس نے سیلون کے ایک آدمی سے پوچھا۔

"ہاں.... حمام میں ہے۔" اس نے حمام کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اوہ.... وہ پاگل بھی ہے اور نشے میں بھی ہے۔" سفید فام حمام کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اس نے دروازے کا ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور وہ بھی اندر چلا گیا۔

سیلون کے لوگ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تین چار منٹ بعد وہ حمام سے نکل آیا۔ اس نے لوتھر کو سنبھال رکھا تھا جس کی آنکھیں بند تھیں لیکن چہرہ صاف ہو چکا تھا۔

"اوہ.... کوئی میری مدد کرے.... یہ بیہوش ہو گیا ہے۔" اس نے روہانسی آواز میں کہا اور دو تین آدمی لوتھر کو سنبھالنے کے لئے دوڑے۔ وہ اُسے کار تک لے آئے۔ اور اسے پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔ سفید فام آدمی نے اگلی سیٹ پر بیٹھ کر اپنی جیب سے دس دس کے دو نوٹ نکالے اور انہیں موڑ توڑ کر سیلون کے آدمیوں کی طرف اچھال دیا۔

کار لوتھر ہی کی تھی۔ لیکن اُسے ایک نامعلوم آدمی ڈرائیو کر رہا تھا اور لوتھر پچھلی سیٹ پر بیہوش پڑا تھا۔

❋

حمید نے مسکرا کر سارہ کی طرف دیکھا، جو نقاہت کی وجہ سے پہلے سے بھی زیادہ حسین نظر آنے لگی تھی۔

"کیوں اب کیا ہے۔" سارہ نے ہنس کر کہا۔ "تم بہت شریر ہو۔"

"مجھے تمہاری ڈاڑھی یاد آ رہی ہے۔ شکر ہے کہ میرے بکرے نے تمہیں اس حال میں نہیں دیکھا تھا۔"

"کیوں مذاق اڑاتے ہو۔" سارہ نے جھینپ کر کہا۔ "وہ لوگ شائد ڈیڈی سے کوئی چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کیا چیز ہے اور اب میں سوچتی ہوں کہ شاید ڈیڈی.... اسی کے بعد سے انہوں نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔"

"تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ چیز اُسی کمرے میں ہے۔"

"انہوں نے جنوبی امریکہ سے واپسی کے بعد خاص طور سے اس کمرے میں ایک آہنی الماری رکھوائی تھی جس میں اب بھی حروف کے امتزاج سے کھلنے والا ایک تالا پڑا رہتا ہے۔ وہ رات کو اُسی کمرے میں سوتے بھی ہیں۔ میں نے اکثر انہیں الماری کے ہینڈل کو کھینچتے بھی دیکھا ہے۔ وہ دن میں کئی بار ایسا کرتے ہیں۔ شاید اسکا اطمینان کرنے کیلئے کہ کہیں وہ کھلا تو نہیں رہ گیا۔"

"کیا تم یہ سب کچھ فریدی صاحب کو بتا چکی ہو۔"

"ہاں.... میں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔" سارہ نے کہا۔ "لیکن میں اپنے گھر کب جاؤں گی۔ فریدی صاحب کہتے ہیں کہ ابھی نہیں۔ میں ڈیڈی کے لئے بہت پریشان ہوں۔ مجھے سنگ ہی پر اعتماد نہیں۔ وہی سور کا بچہ انہیں جنوبی امریکہ بھی لے گیا تھا۔"

"سنگ ہی لے گیا تھا....؟" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں وہی لے گیا تھا.... جانے سے قبل ڈیڈی نے مجھ سے کہا تھا کہ انہیں اس سفر میں کافی فائدے کی صورت نظر آرہی ہے۔"

"کیا تم بھی ساتھ گئی تھیں۔"

"نہیں....!"

"تعجب ہے.... میں نے اکثر ناولوں میں پڑھا ہے کہ اس قسم کے ایڈونچروں میں ایک آدھ خوبصورت لڑکی ضرور ساتھ ہوتی ہے تاکہ اُسے جنگلی لوگ پکڑ کر بھون کھانے کا سامان کریں اور عین موقعے پر ہیرو پہنچ کر گھپلا کردے۔ پھر وہ لڑکی اس ہیرو کے کارنامے پر پہلے تو عش عش کرے پھر باقاعدہ عشق کرنے لگے۔"

سارہ جھلا کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ فریدی آگیا۔

"سنو حمید! ایک دلچسپ اطلاع۔ لوتھر کی کوٹھی اس وقت بالکل خالی ہے۔ لوتھر عجیب حالت میں کوٹھی سے نکلتا ہوا دیکھا گیا۔ اس کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا اس کے جانے کے بعد سنگ ہی نکلا اور وہ بھی کسی طرف چلا گیا۔"

"ڈیڈی کے چہرے پر خون۔" سارہ چیخ اٹھی۔

"ہاں.... گھبراؤ نہیں۔ ہم وہیں چل رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میرے لئے یہ خبر انتہائی حیرت انگیز ہے کہ لوتھر نے کوٹھی کے باہر قدم نکالا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں لوتھر کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ یہاں ہر طرف سناٹا تھا۔ نوکر بھی نہیں دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اس کمرے میں آئے جہاں آہنی الماری تھی۔

"ارے اس کا قفل۔" سارہ بے ساختہ بولی۔ فریدی نے جھک کر کٹے ہوئے قفل کو فرش سے اٹھالیا اور اُسے الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد کہا۔ "اسے گیس سے کاٹا گیا ہے۔"

پھر اس کی نظر گیس سلنڈر پر پڑی۔

"یہ سب سامان تو سنگ ہی کا ہے۔" سارہ بولی۔

"تو کیا سنگ ہی نے اُسے کھولا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "مگر لوتھر تو کوٹھی سے پہلے ہی نکل گیا تھا۔ سنگ ہی بعد کو گیا۔"

پھر اُس نے الماری کے پٹ کھول دیئے۔ اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔

"فریدی صاحب۔" سارہ چیخی۔ "ڈیڈی کو بچایئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس نے ترحم آمیز نظروں سے سارہ کی طرف دیکھا اور پھر خالی الماری کو گھورنے لگا۔

"میں مکان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "سب سے پہلے مجھے سنگ ہی کے کمرے بتاؤ۔"

سب کچھ، کچھ بھی نہیں

رات تاریک تھی.... شام ہی سے کچھ ایسی تیز آندھی چلنی شروع ہوئی تھی کہ بجلی کے تار ٹوٹ جانے کی بناء پر شہر کے بعض حصے بالکل ہی تاریک ہوگئے تھے۔ آندھی رکنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اُتر سے کالی کالی بدلیاں اٹھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا آسمان چھپ گیا۔ پھر ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ لوگ پناہ مانگنے لگے۔ سڑکیں ویران ہوگئیں۔

نیلسن اسٹریٹ تو پوری کی پوری اندھیرے میں گم ہوگئی تھی اور یہاں بارش کے شور کے علاوہ کوئی دوسری آواز نہیں سنی جاسکتی تھی۔ کیونکہ یہاں کی قدیم انگریزی طرز کی اونچی اونچی عمارتوں کی چھتیں زیادہ تر ٹین ہی کی تھیں۔ اب سے ساٹھ ستر سال پہلے یہ عمارتیں انگریز فوجی آفیسروں کے لئے بنائی گئی تھی اور شہر کا یہ حصہ اب بھی پرانی چھاؤنی کے نام سے مشہور تھا۔

سنگ ہی اس طوفانی رات میں نیلسن اسٹریٹ کی ایک عمارت کے سامنے کھڑا ایک ایسی کھڑکی کو گھور رہا تھا جس کے شیشوں سے زرد رنگ کی دھندلی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنی جیب سے پتھر کا ایک ٹکڑا نکالا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کھڑکی کا ایک شیشہ چور ہوگیا۔ سنگ ہی نہایت اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس کا پھینکا ہوا پتھر کا ٹکڑا شیشے کو توڑتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔ کسی نے کھڑکی کھولی اور ایک آدمی کے دھندلے نقوش زرد روشنی کے پیش منظر میں ابھر آئے۔ سنگ ہی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور پھر ایک چیخ سنائی دی جسے بارش کا شور بھی نہ دبا سکا تھا۔

❁

"یہ آواز کیسی تھی۔" فریدی یک بیک چونک کر بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آخر دو تین گھنٹوں سے یہ کیسی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"شش! میرا خیال ہے کہ وہ فائر کی آواز تھی۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

یہ دونوں نیلسن اسٹریٹ کی ایک ویران اور شکستہ عمارت کے ایسے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے جس سے وہ عمارت صاف دکھائی دیتی تھی جس کی کھڑکی پر سنگ ہی نے پتھراؤ کے بعد گولی چلائی تھی۔ شائد وہ اس کی نگرانی سے ٹھیک اسی لمحہ غافل ہوئے تھے جب سنگ ہی نے اپنا کام کیا تھا۔

فریدی کے ساتھ حمید بھی کھڑا ہو گیا۔ سامنے والی عمارت کی کھڑکی اب بھی کھلی ہوئی تھی اور اُس کھڑکی سے اندر کی دیواروں پر کئی آدمیوں کے گہرے سائے تیزی سے حرکت کرتے نظر آ رہے تھے اور کھڑکی پھر بند کر لی تھی۔

"واہمہ ہے آپ کا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "اتنے شور میں آپ نے فائر کی آواز سن لی۔ کمال ہے کیا توپ کی آواز تھی۔"

فریدی کچھ نہ بولا اس کی نظر کھڑکی پر جمی ہوئی تھی۔ حالانکہ بارش کا زور کافی کم ہو گیا تھا لیکن ٹین کی چھتوں کی وجہ سے شور بدستور جاری تھا۔

اچانک فریدی نے چونک کر کہا۔ "یہ کھڑکی کے ایک شیشے کو کیا ہو گیا۔"

"بخار آ گیا ہو گا۔" حمید بولا۔ پھر اس نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آخر ہم کب تک یہاں جھک مارتے رہیں گے۔"

"جب تک سنگ ہی ہاتھ نہ آ جائے۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ آج رات کو یہاں ضرور آئے گا۔"

پھر کھڑکی کی روشنی بھی غائب ہو گئی۔

"آخر شیشہ کیوں۔" فریدی تھوڑی دیر بعد پھر بڑبڑایا۔ پھر اچانک چونک کر بولا۔ "اوہ.... حمید شائد ہم دھوکہ کھا گئے۔ سنگ ہی نکل گیا۔"

"کیا خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"نہیں شائد ان میں سے ایک اور ختم ہو گیا وہ شائد کسی آدمی ہی چیخ تھی اب ہمیں اٹھنا چاہئے۔ سامنے والی عمارت میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ وہ ہمیں پہلے ہی ڈاکٹروں کے روپ میں دیکھ چکے ہیں۔"

"فکر نہ کرو.... میں اتنے دنوں تک جھک نہیں مارتا رہا۔ ہم اس طرح عمارت میں داخل ہوں گے کہ اُن کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو گا۔"

"اوہ.... تو یہی طریقہ سنگ ہی بھی اختیار کر سکتا ہے۔"

"اور میں نے ہی وہ طریقہ اختیار کرنے میں اُسے مدد دی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"سنگ ہی آج کل میرا تعاقب کر رہا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور اُس نے مجھے راستہ بناتے ہوئے آج ہی دیکھا تھا۔ تم جانتے ہو کہ ان عمارتوں کے پیچھے دور تک سرکنڈوں کا جنگل ہے اور وہیں کچھ شکستہ بیرکیں بھی ہیں۔ اس لئے دن کو بھی اس قسم کے کام بہ آسانی ہو سکتے ہیں۔"

"چلئے جناب۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

❁

سنگ ہی اتنا احمق نہیں تھا کہ سڑک پر کھڑے ہو کر کھڑکی میں فائر کرتا۔ اس نے یہ خطرہ جان بوجھ کر مول لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح عمارت کے مکینوں کو سمیٹ کر ایک جگہ کر دے۔ اس کے بعد فریدی کے بنائے ہوئے راستے کے ذریعہ چپ چاپ عمارت میں داخل ہو جائے۔

اس نے یہی کیا۔ عمارت کے رہنے والے اب بھی اُسی کمرے میں کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے جس میں ان کے ایک ساتھی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

سنگ ہی عمارت کی عقبی دیوار میں لگی ہوئی نقب کے ذریعہ عمارت میں داخل ہو گیا۔

❁

فریدی اور حمید سڑک پر آ گئے تھے۔ کئی جگہ انہیں گھٹنوں گھٹنوں پانی سے گذرنا پڑا۔ بارش بند ہو چکی تھی اور سناٹے میں مینڈکوں کا شور گونج رہا تھا۔ ہوا بالکل بند تھی۔ وہ عمارت کی پشت پر آئے۔ یہاں فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور اُسے روشن کرتے ہوئے سرکنڈوں کے جنگل کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین بار جنبش دی جس کے جواب میں تھوڑی ہی دور پر

ایک دوسری ٹارچ کی روشنی نظر آنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا ٹھیک ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"سنگ ہی اندر داخل ہو چکا ہے۔" فریدی نے کہا اور نقب کے دہانے پر آکر کھڑا ہو گیا۔ حمید نے جھپٹ کر اُس میں گھسنا چاہا لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ٹھہرو... بدحواسی ٹھیک نہیں۔ معاملہ سنگ ہی کا ہے۔" اس نے کہا اور ٹارچ روشن کر لی۔

"دیکھو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ نقب کے دہانے کے اُدھر کی زمین کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

حمید آگے جھک کر دیکھنے لگا۔ سفید رنگ کی چھوٹی چھوٹی لاتعداد گولیاں زمین پر بکھری ہوئی تھیں۔

"چلتے آؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن ان گولیوں پر پیر نہ پڑنے پائے۔"

"کیوں؟ یہ ہیں کیا بلا؟"

"پٹاخے.... یہ اس لئے ڈالے گئے ہیں کہ اگر کوئی سنگ ہی کے بعد داخل ہو تو اُسے اس کا علم ہو جائے۔"

حمید سنگ ہی کی ذہانت پر حیرت ظاہر کرتا ہوا فریدی کے ساتھ چلنے لگا۔ سنگ ہی کے پیروں کے نشانات دیکھتے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے۔ حمید نے سوچا کہ یہ بارش کا پہلا فائدہ ہے ابھی تک تو وہ دل ہی دل میں موسم پر تاؤ کھاتا رہا تھا۔

ایک جگہ فریدی نے رک کر آہٹ لی اور پھر اس کے بعد اُس نے ٹارچ نہیں استعمال کی۔ کمرہ تاریک تھا۔ لیکن اس کے آگے والے کمرے میں روشنی تھی۔ دونوں کمروں کے درمیان میں ایک دروازہ تھا جس میں ایک دبیز سا پردہ لٹک رہا تھا لیکن وہ اتنا دبیز بھی نہیں تھا کہ دوسری طرف کی روشنی اُسے نہ دکھائی دیتی۔ دروازے میں کوئی کھڑا تھا۔ ایک تاریک انسانی سایہ..... حمید نے اندھیرے میں بھی اُسے پہچان لیا۔ وہ سنگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ شائد وہ دوسرے کمرے کے لوگوں کی گفتگو سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں سنگ ہی سے تھوڑے فاصلے پر اندھیرے میں دبک گئے۔ گفتگو کرنے والوں کی آوازیں اُن تک صاف پہنچ رہی تھیں۔

"اب تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" کسی نے امریکن لہجے میں کہا۔

"اُف.... میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں۔" حمید نے لوتھر کی آواز صاف سنی۔

"یقین....!" امریکن غرا کر بولا۔ "ہم ابھی ابھی اپنا چھٹا ساتھی گنوا چکے ہیں۔"

"تو میرا کیا قصور ہے اُسے سنگ ہی نے مارا ہوگا۔ میں نے آج تک کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا.... اور اگر تم کہتے ہو کہ تمہیں الماری میں چمڑے کا تھیلا نہیں ملا تو یقین جانو اُسے بھی سنگ ہی اڑا لے گیا ہے۔"

"تم میں اور اُس ولد الحرام چینی میں فرق ہی کیا ہے؟"

"آہ.... فرق۔ اس نے مجھے برباد کر دیا۔ وہی کتا مجھے جنوبی امریکہ لے گیا تھا۔ ایک دلخراش داستان سنا کر۔ اُس نے سب کچھ کیا اور پھر اُس نے پوری طرح مجھے اپنی گرفت میں رکھا۔ ورنہ میں کبھی کا اس منحوس چیز کو واپس کر دیتا اور پھر تم لوگوں نے میرے تین آدمیوں کو بھی ختم کر دیا۔"

"بکواس ہے۔" امریکن بولا۔

فریدی دبے پاؤں آگے بڑھا اور اس نے پردے کے قریب کھڑے ہوئے سنگ ہی کی کمر پر اس زور کی لات رسید کی وہ دھڑام سے دوسری طرف جا گرا اور فریدی بھی بڑی پھرتی سے اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ دوسرے کمرے میں شور مچ گیا شائد وہ سب بیک وقت سنگ ہی پر ٹوٹ پڑے تھے۔

"واہ.... وا.... کیا مقدر ہے۔" ایک ہانپتی ہوئی آواز آئی۔ "وہ تو اس چینی کی گردن ہی میں محفوظ ہے۔"

"گردن کاٹ کر نکال لو۔" غرائی ہوئی سی آواز آئی۔ "مگر نہیں پہلے اسے بھی کرسی میں جکڑ دو۔"

کئی آدمیوں کی بڑبڑاہٹیں کمرے میں گونجنے لگیں شائد وہ سنگ ہی کو کرسی میں جکڑنے لگے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

"ہیر ہیر۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر ہی اٹھائے رکھو۔ یہ بھی ایک آزاد ہی مملکت کی پولیس ہے۔"

سنگ ہی اور لوتھر کے علاوہ کمرے میں تین آدمی اور تھے ان میں سے ایک دو کو حمید دیکھ چکا تھا۔ تیسرا آدمی البتہ اس کے لئے نیا تھا۔ وہ ایک بوڑھا آدمی تھا چہرے پر سفید ڈاڑ اور سر پر عورتوں کے سے لمبے لمبے بال تھے۔ ناک نوکیلی اور لمبی تھی۔ آنکھیں چھوٹی اور تھیں لیکن یہ بھی سفید فام ہی تھا۔ سنگ ہی اور لوتھر کرسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ سنگ گریبان کھلا ہوا تھا۔ حمید نے دیکھا کہ اُس کے گلے میں چاندی کا ایک موٹا سا طوق پڑا ہوا ہے

"آخر تم آہی گئے.... میری گرفت میں۔" فریدی نے سنگ ہی کی طرف دیکھ کر کہا

"کرنل تم دیکھتے نہیں کہ کم بختوں نے میرے مالک کو باندھ رکھا ہے۔" سنگ ہی بولا

"چپ رہو حرامزادے۔" لوتھر گرجا۔ "میں تجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔"

"تم نے ہمیشہ میری بے قدری کی ہے۔" سنگ ہی نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن یہ طوق کیسا ہے سنگ۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"مہاتما بدھ کے نام کا ہے۔" سنگ ہی نے کہا۔

"یہ جھوٹ ہے۔" بوڑھا سفید فام چیخا۔ "اس نے یہ طوق مردہ شہزادی کے گلے سے تھا۔ یہ ہمارے لئے بہت مقدس ہے۔ میں انڈس کی زیارت گاہ کا ایک پجاری ہوں۔ یہ طوق دیوتا کے نام کا ہے۔ ہمارے لئے مقدس ترین۔"

"بس اتنی ہی سی بات ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"تمہارے لئے یہ چیز کوئی وقعت نہیں رکھتی ہوگی۔ ہمارے لئے یہ ایک مقدس امانت

"خوب...." فریدی ہنس پڑا۔ پھر اس نے سنگ ہی سے پوچھا۔ "کیوں سنگ.... کیا سورج دیوتا کے پجاری ہو۔"

اس پر سنگ ہی نے جھلا کر سورج دیوتا کے سارے خاندان والوں کی ماؤں کی شان قصیدہ پڑھ دیا۔

"لیکن سنگ....!" فریدی نے پھر پوچھا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس بے حقیقت چا کے طوق کے لئے اتنی دور کیوں گئے اور تم نے اسی کے لئے نہ صرف ان لوگوں کے چھ مارے بلکہ اپنے بھی تین آدمی ختم کر دیئے.... آخر کیوں۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

"نہیں پیارے کیچوے یہ درست ہے میں نے تمہارے سامان سے چمڑے کی پٹی اور وہ زہر آمد کرلیا ہے اس کا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہی زہر ہے جس کی علامتیں نیلی لکیروں میں گئی تھیں۔ تم نے اپنے تینوں ساتھیوں کو محض اس لئے ختم کردیا کہ انہوں نے تمہیں مردہ لی کے گلے سے طوق اتارتے دیکھا تھا.... اور یہ بھی سن لو سنگ! وہ پٹھان سنتری میں ہی تھا۔ لکیر کے دوسرے حادثے کے بعد ہی سے میں نے اس کیس میں دلچسپی لینی شروع کردی تھی۔ نیلی لکیروں کے راز سے واقف تھا اور یہ جانتا تھا کہ تم نے شہزادی کی لاش کے لئے اتنا لمبا سفر ں کیا تھا۔ جرمن مصنف کا وہ سفر نامہ جو تمہارے اس سفر کا محرک ہوا تھا میری نظروں سے ی گذر چکا ہے.... سمجھے.... فرزند....!"

سنگ ہی کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ لیکن اُس نے دوسرے ہی لمحے میں قہقہہ لگایا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا ہے وہ فریدی کا مذاق اڑا رہا ہو۔

فریدی اس کے قہقہے کی پرواہ کئے بغیر بولا۔ "حمید! سنگ ہی کی گردن سے طوق اتار لو۔ ردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے ورنہ گولی مار دوں گا۔"

دوسرے ہی لمحے میں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور کئی مسلح سب انسپکٹر اس کمرے ں گھس آئے۔ حمید نے آگے بڑھ کر طوق سنگ ہی کی گردن سے اتار لیا۔ فریدی اُسے الٹ لٹ کر دیکھتا رہا۔ اچانک وہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرا۔ پھر اُسے اٹھاتے وقت اس کے منہ سے ہلکی سی تحیر آمیز آواز نکلی۔ طوق کی موٹائی بڑھ گئی تھی۔ حمید نے غور سے دیکھا تو اس پر یہ حقیقت کھلی کہ طوق کے گرد چاندی کا ایک بڑا سا پتر لپٹا ہوا تھا جس کی بندش اب ڈھیلی ہوگئی تھی۔ فریدی نے اُسے پھیلا دیا۔ یہ ایک بالشت لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔

"خوب....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "تو وہ افواہ جو اُس جرمن مصنف نے اپنے سفر کے دوران میں سنی تھی صحیح نکلی۔"

"کیسی افواہ۔" حمید نے پوچھا۔ "کیا وہ کتاب آپ کو مل گئی تھی۔"

"ہاں! افواہ یہ تھی کہ شہزادی کے پاس شاہی خاندان کے مدفون خزانے کا نقشہ تھا اور شائد اس پتر میں وہی نقشہ ہے اور قدیم تصویری انداز کی ایک تحریر بھی ہے۔ جسے آج کل کے زمانے تیں شائد ہی کوئی سمجھ سکے۔ کیوں سنگ! کیا تم اسے سمجھ سکتے ہو۔"

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ بالکل تاریک ہو گیا تھا نہ صرف اُس کی بلکہ اُن تینوں فاموں کی حالت بھی غیر نظر آنے لگی تھی۔

فریدی نے سنگ ہی سے کہا۔ "لوتھر کو تم نے اس لئے زندہ رکھا کہ وہ دولت مند... اُسے دوسرے سفر کے اختتام تک زندہ رکھنا چاہتے تھے اور شائد مقصد پورا ہو جانے کے بعد اُسے بھی ختم کر دیتے۔"

"کیسا مقصد.....!" حمید نے پوچھا۔

"خزانے کی تلاش میں کامیابی۔"

"کیا میں اس وقت کوئی جاسوسی ناول خواب میں دیکھ رہا ہوں۔" حمید نے اپنے گال میں چٹکی لے کر کہا۔

"زیادہ تر حقیقت ہی افسانہ بنتی ہے۔"

اس کے بعد ان سب کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔

❁

پانچ کاریں آگے پیچھے شہر کی طرف جا رہی تھیں۔ ان میں قیدی تھے۔ سب سے آگے والی کار میں سنگ ہی تھا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی اور ہتھکڑی کا دوسرا حلقہ ایک سب انسپکٹر نے اپنے بائیں ہاتھ میں ڈال رکھا تھا جیسے ہی دریا کا پل قریب آیا سنگ ہی نے بائیں ہاتھ سے اپنے کوٹ کا کالر ٹٹول کر ایک باریک سی سوئی نکالی۔

سب انسپکٹر نہایت اطمینان سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ سنگ ہی کا بایاں ہاتھ اس کی ران کی طرف رینگ گیا۔

"اررر.....!" سب انسپکٹر کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا اور پھر وہ شائد دوسرے ہی لمحے میں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ سنگ ہی نے بڑی صفائی سے اپنا داہنا ہاتھ ہتھکڑی سے نکال کر مردہ سب انسپکٹر کے ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور پھر اُس کی نال ڈرائیور کی گردن پر رکھتا ہوا سانپ کی طرح پھپھکارا۔

"روک دو....ورنہ گولی مار دوں گا۔"

کار پل پر پہنچ چکی تھی، جیسے ہی ڈرائیور نے رفتار کم کی سنگ ہی نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔

پھر ایک شور قیامت اٹھا۔ ساری کاریں رک گئیں۔ فریدی بھاگتا ہوا اگلی کار کی طرف آیا۔ پھر بوکھلا کر پل سے نیچے دیکھنے لگا۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں دریا کی سطح پر متحرک نظر آ رہی تھیں لیکن سنگ ہی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

❁

دوسرے دن سفید فام قیدی امریکن سفارت خانے کے سپرد کر دیئے گئے کیونکہ اُن کے پاس امریکن پاسپورٹ تھے۔ سفارت خانے سے معلوم ہوا کہ وہ امریکہ کے معزز شہریوں میں سے تھے۔ بوڑھا جس نے خود کو انڈس کی زیارت گاہ کا پجاری بتایا تھا امریکہ کا ایک ماہر آثار قدیمہ نکلا۔ لیکن اُن تینوں نے اپنے سفارت خانے کے آفیسروں سے کسی طوق کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ مقامی افسروں ہی نے اس قسم کا کوئی سوال اٹھایا۔ طوق سرکاری تحویل میں چلا گیا تھا۔

بہرحال معاملہ بالکل دبا دیا گیا۔ تین چار دن بعد لوتھر کی ضمانت منظور ہو گئی۔ سارے الزامات سنگ ہی کے خلاف تھے لیکن سنگ ہی کا کہیں سراغ نہ ملا۔ دریا میں میلوں تک اس کی لاش کے لئے جال ڈالے گئے لیکن لاش بھی نہ ملی۔ یہ تو سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ اتنی بلندی سے کودنے کے بعد وہ زندہ بچا ہو گا۔

فریدی کو اس کا افسوس تھا کہ سنگ ہی کو عدالت میں پیش نہ کر سکا۔ نیلی لکیر کا راز اُس نے حل کر لیا تھا اور یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ یہ سب ہنگامہ کس بناء پر ہوا تھا۔ لیکن اس سے اس کی تشفی نہیں ہوئی تھی۔ وہ سنگ ہی کو ایک حقیر کیڑے کی طرح مسلنا چاہتا تھا۔

طوق سے اُسے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ ایک دن طوق اُسی کے گلے لگے گا اور اُسے اُسکے ساتھ ایک دور افتادہ سرزمین میں طرح طرح کے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

حمید کو اس کی مطلق پرواہ نہیں تھی کہ کیا نہ ہوا اور کیا ہونا چاہئے تھا۔ اُسے اس کیس میں صرف ایک فائدہ ہوا۔ وہ یہ کہ اکثر شامیں سارہ کے ساتھ گذرتی رہیں۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 43

تاریک سائے

(مکمل ناول)

پیش رس

"تاریک سائے" اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ لوگ اب بھی اس دنیا میں زندہ ہیں جن کے اندر نسلی برتری کا احساس موجود ہے جو اٹھارویں صدی کے ماحول کی طرح آج بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ دیگر اقوام ذلیل اور کمتر ہیں۔ ایسے افراد کتنے بھیانک، انسانیت کے لئے کتنے تباہ کن اور تہذیب و تمدن کے لئے کتنے مضرت رساں ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ آپ کو اس کہانی کے ایک کردار سے ہو سکے گا۔

اس کہانی میں ایک چھپا ہوا گہرا طنز بھی ہے۔ ان لوگوں پر جو دوسروں کی ایجادات پر، دوسروں کے کارنامے پر اپنی شہرت کی عمارتیں کھڑی کرتے ہیں وہ چاہے سائنٹسٹ ہوں، فلسفی، مصنف یا کاریگر! آخری صفحات میں فریدی کی زبان سے ایسے نقالوں کا پردہ فاش ہوتے دیکھئے! حالانکہ فریدی صرف مجرم کے بارے ہی میں بتاتا ہے لیکن یہ بات ہر اس فرد پر عائد ہوتی ہے جو دوسرے کی ایجاد کے امتیاز کو چھین کر اپنا بنانا چاہتا ہے۔

ابن صفی نے اس کہانی میں دو تین باتیں جان بوجھ کر چھوڑ دی ہیں۔ ان کے اشارے بہت لطیف ہیں۔ آپ خود سوچئے کہ فریدی نے ایسا کیوں کیا؟ اور تھوڑا سا سوچنے پر آپ کو اس کا جواب مل جائے گا۔ ابن صفی اپنے قارئین کی ذہانت کے قائل ہیں اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی کہانیاں صرف "پڑھنے والی ڈھرے کی چیز" نہ رہ جائیں۔ بلکہ ان میں ذہانت بھی ہو، معلومات بھی ہو، غور و فکر بھی ہو اور گہرائی بھی ہو۔ اس گہرائی اور بلند فکری کی مثال اس کہانی میں چھوٹے چھوٹے وہ سینکڑوں جملے ہیں جو پروفیسر داغ کی زبان سے کہلوائے گئے ہیں یا فریدی نے انہیں ادا کیا ہے۔

اس سب کے علاوہ "تاریک سائے" کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا ہیبت ناک ماحول ہے۔ سنسنی خیز، پُر اسرار، رونگٹے کھڑے کر دینے والا ماحول! کہیں کہیں تو دل کی دھڑکنیں اتنی تیز ہو جاتی ہیں کہ آپ ہی آپ سارا جسم کانپ اٹھتا [illegible] آخری صفحات کا تھرل، دہشت ناک ماحول، ہیبت ناک واقعات بھیانک، خوفناک [illegible] دینے والے مناظر آپ ہی اپنا جواب ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے سب کچھ سامنے ہی ہو رہا ہے۔

پبلشر

کار میں لاش

سورج غروب ہوتے ہی سارے شہر پر دھند چھا گئی اور سردی کی شدت سے سڑک پر چلنے والوں کے دانت بجنے لگے۔ حمید کو اس کی توقع نہیں تھی کہ سردی اچانک اتنی بڑھ جائے گی۔ وہ دوپہر کو آفس سے نکل بھاگا تھا اور اس کے جسم پر فاختئی رنگ کے آیئرین کا ہلکا سا سوٹ تھا.... اور اب اس وقت وہ سردی کا احساس کم کرنے کے لئے بالکل اسی انداز میں انگریزی کا ایک سونیٹ گنگنا رہا تھا، جیسے سردی کھائے ہوئے کتے کے پلے بے ہنگم آواز میں چیاؤں چیاؤں کرتے ہیں۔

مشکل تو یہ تھی کہ وہ فی الحال گھر بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ حقیقتاً وہ ایک خوبصورت عورت کا تعاقب کر رہا تھا اس کی کار آگے تھی اور حمید ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ آخر اس عورت میں کونسی ایسی خاص بات ہے جو اسے تعاقب جیسی لغو حرکت پر اکسا دیتی ہے۔ وہ کئی دن سے اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ابھی تک کوئی ایسا موقع ہاتھ نہیں آیا تھا جس سے فائدہ اٹھا کر وہ اس سے تعارف حاصل کر سکتا۔ بس وہ اسے روزانہ کہیں نہ کہیں دکھائی دے جاتی تھی اور وہ اس کا تعاقب شروع کر دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی حرکت میں "مبتلا" تھا۔

اگلی کار شہر کی متعدد سڑکوں سے گذر کر اس ویران سڑک پر ہولی جو نیاگرہ ہوٹل کی طرف جاتی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ نیاگرہ ہوٹل ہی جا رہی ہے تو اس کا تعلق یقیناً کسی دولت مند گھرانے سے ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد کار نیاگرہ ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید نے اپنی ٹیکسی باہر ہی رکوا لی۔ وہ اکثر یہاں آ چکا تھا۔ لیکن اس وقت کچھ اس بُری طرح وہ عورت اس کے ذہن پر سوار

تھی کہ اسے یہاں کے قواعد و ضوابط بھی یاد نہ رہے۔

عورت ڈائننگ ہال میں داخل ہو چکی تھی۔ اس کے بعد ہی حمید نے بھی اندر گھسنا چاہا۔ لیکن باہر کھڑے ہوئے بل کیپٹن نے اُسے رکنے کا اشارہ کیا اور ساتھ ہی اس نے ایک نوٹس بورڈ کی طرف انگلی اٹھائی جس پر تحریر تھا "شام کی تفریح کے لئے ایوننگ سوٹ میں آنا ضروری ہے۔"

"میں ڈیوٹی پر ہوں.... سمجھے۔" حمید جھلا گیا۔

"حضور والا! میں بھی ڈیوٹی ہی پر ہوں۔" بل کیپٹن نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"میرا کارڈ منیجر تک پہنچا دو۔" حمید اسے گھور کر بولا۔

"یہ ہو سکتا ہے جناب۔" کیپٹن نے مسکرا کر کہا۔ پھر ایک بل بوائے کو اشارے سے بلا کر بولا۔

"صاحب کا کارڈ.... منیجر صاحب تک پہنچا دو۔"

حمید نے کارڈ نکال کر اُسے دے دیا۔

تھوڑی دیر بعد منیجر خود دروازے پر موجود تھا۔

"اوہ کیپٹن صاحب! مجھے افسوس ہے۔" منیجر نے کہا۔ "بل کیپٹن کی کوئی غلطی نہیں۔ آپ یہاں کے لئے نئے بھی نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں ایک آدمی کی نگرانی کر رہا ہوں اور اتفاق سے میرے محکمے کا قانون ایوننگ سوٹ کی قطعی پرواہ نہیں کرتا۔"

"کیا کوئی خاص بات ہے۔" منیجر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "آج یہاں کرنل صاحب بھی موجود ہیں۔"

"کون....!" حمید چونک کر بولا۔ "کیا فریدی صاحب۔"

"جی ہاں.... اور وہ ہمیشہ ہی خاص مواقع پر آتے ہیں۔"

حمید بوکھلا گیا۔ اس نے منیجر سے صریحاً جھوٹ بولا تھا۔ اگر فریدی کو اس حرکت کی اطلاع ہو جاتی تو وہ اس کی چمڑی ادھیڑ دیتا۔ اب مصیبت یہ تھی کہ وہ منیجر سے اس قسم کی گفتگو کرنے کے بعد واپس بھی نہیں جا سکتا تھا۔

"آپ اندر تشریف لا سکتے ہیں۔ لیکن آپ کو کرنل صاحب ہی کی میز پر بیٹھنا پڑے گا۔ وہ اپنی میز پر تنہا ہیں۔ بقیہ ساری میزیں بھری ہوئی ہیں۔"

حمید کی بوکھلاہٹ اور بڑھ گئی۔

"بہت اچھا.....!" وہ جلدی سے بولا۔

اندر پہنچ کر ایک ویٹر نے فریدی کی میز تک اُس کی رہنمائی کی۔

فریدی کے سامنے کافی کی ٹرے رکھی ہوئی تھی اور وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے سگار پی رہا تھا۔ اس نے حمید کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھا۔

حمید جلدی سے بیٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا..... میں نے سنا تھا.....!"

"تم اس سوٹ میں یہاں کیسے؟" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اوہ..... میرے لئے کہیں کوئی پابندی نہیں۔ میں بہت گریٹ آدمی ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ صرف اُسے گھورتا رہا۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں وہسکی پیوں گا۔"

"آج میں نے ایسے جوتے پہن رکھے ہیں جنہیں اتارنے میں زیادہ جھنجھٹ نہ کرنی پڑے گی۔"

"بغل میں دبا کر بھاگئے گا....؟" حمید نے ڈھٹائی سے پوچھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس نے پیالے میں کافی انڈیلی اور اس میں دودھ ڈالے بغیر شکر ملانے لگا..... حمید اس کی خاموشی سے اکتا کر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔ لیکن وہ عورت اُسے کہیں نظر نہ آئی۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"اُسی عورت کے لئے جس کے پیچھے تم آئے ہو۔"

"کیا.....؟" حمید بوکھلا گیا۔ "میرے خدا کیا سچ مچ آپ جادوگر ہیں۔"

"نہیں..... لیکن میں تم سے زیادہ تجربہ کار ہوں۔ اس بات کا اندازہ میں نے تمہارے سوٹ سے لگایا ہے۔"

"سوٹ سے! بھلا وہ کس طرح۔"

"اگر تم گھر ہی سے یہاں آنے کا ارادہ کر کے چلے ہوتے تو ایوننگ سوٹ پہن کر آتے۔ تم نے شائد اسے راہ میں دیکھ لیا اور اپنی گندی عادت سے مجبور ہو کر اس کے پیچھے لگ گئے۔"

مید پچھ نہ بولا..... فریدی نے سگار کا کش لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بھی نہیں

جانتے کہ وہ ہے کون۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"تمہارا سوٹ ہی یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اگر تم اس سے واقف ہوتے تب بھی اس وقت تمہارے جسم پر ایوننگ سوٹ ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"ابھی سمجھ لو گے۔"

"خیر وہ تو میں پھر سمجھ لوں گا۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن یور ہارڈ شپ نے کب سے عورتوں کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔"

"اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے بھی بعض عورتیں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیتی ہیں۔"

"اچھا.....!" حمید نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ "تو وہ ایسی ہی عورت ہے۔"

"اس سے بھی کچھ زیادہ۔"

"تب تو پھر آپ مجھے اس سلسلے میں بُرا نہیں کہہ سکتے۔" حمید چہک کر بولا۔

"جب کرنل ہارڈ اسٹون جیسا آدمی اس کے لئے ہوٹل گردی کر سکتا ہے..... تو یہ خاکسار؟..... ظاہر ہے۔"

فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اچانک آرکسٹرا نے موسیقی شروع کر دی اور حمید کو یاد آیا کہ آج تو نیاگرا ہوٹل میں ایک اسپیشل پروگرام تھا۔ اس نے صبح ہی اخبار میں اس کے متعلق دیکھا تھا۔ اٹلی کی رقاصہ گریٹا سیرانو اپنے آرٹ کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔

حمید کی نظر اسٹیج کی طرف اٹھ گئی جس کا جھلملاتا ہوا پردہ درمیان سے شق ہو کر آہستہ آہستہ دائیں بائیں سرک رہا تھا۔

اور پھر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے اسی عورت کو اسٹیج پر کھڑے دیکھا جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ یہاں تک آیا تھا۔ اس وقت وہ جسم کے گداز کی نمائش کرنے والے مغربی لباس میں تھی۔ حمید اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر بڑبڑایا۔ "لاحول ولا قوۃ..... پھوٹ جائیں گی کنواروں کی آنکھیں۔"

"کیوں....؟" فریدی بولا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ تم اس کی شخصیت سے ناواقف ہو۔"

"مجھے حیرت ہے کہ یہی گریٹا ہے میں تو اسے مشرقی عورت سمجھا تھا۔ لاحول ولا قوۃ.... میں چلا۔"

"کیوں؟ بیٹھو....!" فریدی بولا۔

"قسم لے لیجئے جو میں اس کی ٹانگیں دیکھنے کی غرض سے آیا ہوں۔" حمید نے اپنا منہ پیٹتے ہوئے کہا۔ "اس قسم کا نیم عریاں رقص دیکھ کر ہفتوں میرا دل گوشت کھانے کو نہیں چاہتا.... اور پھر یہ مغربی طرز کا رقص لاحول ولا.... بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی منہ زور مینڈھا ہوا سے لڑ رہا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ رقص دیکھنے کے بجائے ہال کی میزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ لوگوں نے اپنے مشاغل ترک کر دیئے تھے اور اب اتنے انہماک سے اسٹیج پر تھرکتے ہوئے نیم عریاں جسم کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے وہ پیدا ہونے کے بعد سے اب تک اسی کے منتظر رہے ہوں۔

گریٹا ناچتے ناچتے اسٹیج سے ہال کے فرش پر اُتر آئی۔ اب اس نے ایک اطالوی گیت بھی شروع کر دیا تھا۔ وہ ناچتے ناچتے کسی میز کے قریب رک کر لوگوں کو چھیڑتی اور پھر ناچتی ہوئی دوسری طرف گھوم جاتی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ریشمی رومال تھا جسے وہ اکثر تماشائیوں کے چہروں پر لہراتی جاتی تھی۔

"یور ہارڈ شپ....!" حمید بولا۔ "اگر یہ ادھر آگئی تو کیا ہوگا۔"

"تمہیں بخار کیوں چڑھ رہا ہے۔"

"مجھے آپ کی فکر ہے۔ میرا بخار تو اب کافی پرانا ہو چکا۔"

"میری فکر نہ کرو۔ میں روزانہ ڈھائی سو ڈنڈ لگاتا ہوں او پانچ بیٹھکیں اور نہ میں ترکاری خود ہوں۔"

"ادھر ہی آرہی ہے۔" حمید بے چینی سے پہلو بدلتا ہوا بولا۔

"اپنی ناک پر رومال رکھ لو....!" فریدی نے کہا اور خود بھی جیب سے رومال نکال کر اس طرح ناک پر رکھ لیا کہ دہانہ بھی چھپ گیا۔

حمید کے لئے یہ مشورہ مضحکہ خیز ضرور تھا۔ لیکن فریدی کو اس حرکت کی بے ساختگی نے

اسے بھی ناک پر رومال رکھنے پر مجبور کر دیا۔

گریٹا ان کے سروں پر بھی اپنا ریشمی رومال ہلاتی ہوئی گذر گئی۔

"کیا بدبودار تھی؟" حمید نے منہ پر سے رومال ہٹا کر کہا۔

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا مگر کچھ بولا نہیں۔

گریٹا دور نکل گئی تھی۔ فریدی نے اپنے منہ پر سے رومال ہٹایا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں اب بھی گریٹا کا تعاقب کر رہی تھیں۔

"آخر یہ ہے کیا معاملہ۔" حمید نے پوچھا۔

"کیسا معاملہ....!"

"کیا گریٹا کے حسن نے آپ کو متاثر کیا ہے۔"

"اگر میں حسن کی حقیقت سے واقف نہ ہوتا تو شائد تم یہ کہہ سکتے تھے۔"

"حسن کی حقیقت.... میں نہیں سمجھا۔"

"کیا تم کسی ایسی عورت کو پسند کرو گے جس کی گردن ایک فٹ لمبی ہو۔"

"کیا آپ مجھے کسی اونٹنی سے عشق کرنے کا مشورہ دیں گے۔"

"بہرحال تم نہیں پسند کرو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایسی عورت تمہیں مضحکہ خیز معلوم ہوگی۔ مگر ایک ایسا قبیلہ بھی ہے جس کے افراد کی نظر میں حسین ترین وہی ہے جس کی سب سے زیادہ لمبی گردن ہو۔ وہ لوگ اپنی لڑکیوں کی گردنیں بڑھانے کی تدبیر ان کے بچپن ہی کے زمانے سے شروع کر دیتے ہیں اور اس قبیلے میں ایک ایک فٹ لمبی گردنیں پائی جاتی ہیں۔ دنیا میں ایک ایسی قوم بھی ہے جس کی نظروں میں حسن کا معیار حد سے زیادہ چپٹی ناک ہے؟ کیا تم کسی نک چپٹی عورت کو پسند کرو گے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ حسن بکواس ہے جس چیز کے معیار کا کوئی تعین ہی نہ ہو اس کا تذکرہ ہی میں فضول سمجھتا ہوں۔"

"ہز ہارڈ شپ والئی ریگستان کی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس طرح تو زندگی ممکن نہیں۔"

"تو کیا میں مر گیا ہوں۔"

"قطعی! جس کا احساس حسن فنا ہو جائے اُسے میں مردہ ہی سمجھتا ہوں۔" حمید بولا۔

"تب تم یقین جانو! میں مرا نہیں ہوں۔ مجھے اپنی آئیرڈیل ٹیریئر کتیا کے پلے بڑے حـ
معلوم ہوتے ہیں۔"

حمید اس گفتگو سے اکتا کر پھر گریٹا کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب اسٹیج پر واپس چلی گئی تھی اسٹیج کے پردے کے دونوں ٹکڑے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کی طرف کھسک رہے تھے۔

آخر کار آرکسٹرا کی موسیقی بند ہو گئی اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

"آپ نے بیکار باتوں میں الجھائے رکھا۔" حمید نے دفعتاً فریدی سے کہا۔ "ناک پر رو
رکھنے کا کیا مطلب تھا۔"

"حمید صاحب! یہ ایک لمبی داستان ہے۔ ابھی نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔"

"بہتر ہے جناب۔" حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم جانتے ہو کہ مجھے ہوٹلوں کی تضیع اوقات سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"مجھے کچھ بھی جاننے کی ضرورت نہیں۔"

"کچھ بھی ہو.... میں تمہیں گریٹا سے دور ہی رہنے کا مشورہ دوں گا۔"

"کیا وہ سچ مچ بہت بدبودار ہے۔"

"حمید صاحب! میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔" فریدی بولا۔

"آخر کیوں! آپ اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"شائد میں کل تک اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کے قابل ہو سکوں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا

"کون سا مسئلہ! کیسا مسئلہ۔"

"کل بتاؤں گا.... آج کی رات میرے لئے فیصلہ کن ہو گی۔"

تھوڑی دیر بعد پھر موسیقی شروع ہو گئی۔ پردہ سرکا اور اس بار گریٹا کے جسم پر پہلے سے کم کپڑے نظر آ رہے تھے۔ رقص شروع ہو گیا۔ اس بار تو اس نے کوئی گیت ہی چھیڑا اور نہ اسٹیج نیچے اتری۔ رقص حزینہ تھا اور انداز بیلے سے ملتا جلتا تھا۔ مگر اسے مکمل طور پر بیلے بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ وہ اسٹیج پر تنہا تھی اور اس کا لباس بھی بیلے کے لئے موزوں نہیں تھا۔ وہ کسی خا

قسم کا اطالوی رقص بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ گریٹا کی اپنی ہی کوئی جدت رہی ہو۔

حزینہ موسیقی کی وجہ سے ہال کی فضا کچھ بوجھل سی ہو گئی تھی۔ لوگ بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ کسی کے بھی ہونٹ ہلتے ہوئے نظر نہیں آ رہے تھے۔

اچانک ہال میں بیٹھا ہوا ایک آدمی کچھ ایسی بدحواسی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا کہ میز الٹ گئی۔ لوگ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ بے تحاشہ دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا۔ لوگوں نے بڑی حیرت سے اس کی یہ حرکت دیکھی لیکن اپنی جگہ سے ہلے بغیر پھر رقاصہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ البتہ ہوٹل کا عملہ ضرور بدحواس ہو گیا تھا۔

فریدی بڑی تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھا اور حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا دروازے کی طرف چل پڑا۔

ہال سے اٹھ کر بھاگنے والا گرتا پڑتا گیراج کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ گیراج کے قریب پہنچ کر اس نے غالباً اپنے ڈرائیور کو آواز دی۔

پھر انہوں نے اسے ایک کار میں گھستے دیکھا۔ فریدی نے بھی گیراج سے اپنی کیڈی نکال لی اور پھر آگے جانے والی کار کا تعاقب شروع ہو گیا۔

سڑک سنسان پڑی تھی۔ نیاگرا ہوٹل دراصل شہر کے باہر ایک پر فضا مقام پر واقع تھا۔ اس لئے اس سڑک پر ٹریفک کی زیادتی نہیں ہوتی تھی۔ مگر یہ تعاقب حمید کی سمجھ میں نہ آیا کیونکہ دونوں کاروں کا فاصلہ دس گز سے کسی طرح بھی زیادہ نہ رہا ہو گا۔

اچانک انہوں نے ایک بھیانک چیخ سنی اور ساتھ ہی اگلی کار رک گئی۔ فریدی نے اگر پورے بریک نہ لگائے ہوتے تو کیڈی یقیناً اگلی کار سے ٹکرا جاتی۔

فریدی نیچے اتر کر اگلی کار کی طرف جھپٹا۔ اس کار کا ڈرائیور بھی بدحواس ہو کر اپنی سیٹ سے کود پڑا تھا۔ پھر حمید نے ڈرائیور کی چیخ سنی۔

"ارے.... یہ صاحب کو کیا ہو گیا۔"

خوفناک وبا

حمید بھی کیڈی سے اُترا۔ اتنی دیر میں فریدی اپنی جیب سے ٹارچ نکال چکا تھا۔

پھر حمید نے کار کی پچھلی سیٹ پر ایک لاش دیکھی۔ اس آدمی کی لاش جو ہال سے اٹھ کر بھ تھا۔ یہ متوسط عمر کا ایک وجیہہ آدمی تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی کہہ رہی تھی کہ مرنے والے نے زندگی میں خاص قسم کے کارنامے انجام دیئے ہوں گے۔

ڈرائیور.... قریب ہی کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا اور وہ جب بھی بولنے کی کوشش کرتا اس کی زبان لڑکھڑا جاتی اور حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگتیں۔

فریدی ٹارچ کی روشنی میں خصوصیت سے مرنے والے کے ناخنوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ انگلیوں کا گوشت چھوڑ کر تقریباً چوتھائی انچ اوپر اٹھ گئے تھے۔ ہاتھوں اور پیروں کے سارے ناخنوں کی ٹھیک یہی حالت تھی۔

"اوہ.... یہ ناخنوں والی وبا۔" حمید نے کہا اور اس طرح گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا جیسے اسے بھی اس وبا کا شکار ہو جانے کا احتمال ہو۔

"ناخون والی بیماری۔" ڈرائیور خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"ڈرو نہیں.... یہ چھوت کی بیماری نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "چلو لاش سیدھی ہسپتال جائے گی۔"

"گھر.... دو.... والے۔" ڈرائیور ہکلایا۔

"فکر نہ کرو.... اس کا الزام تم پر نہ ہوگا۔ ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔"

"مگر صاحب.... میرے بال بچے۔" ڈرائیور گھگھیایا۔

"ڈرو نہیں۔ یہ چھوت کی بیماری ہر گز نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم بھی تمہارے ساتھ ہی چلیں گے۔"

ڈرائیور طوعاً و کرہاً اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ فریدی اور حمید بھی کیڈی میں آ گئے۔ دونوں کاریں چل پڑیں۔

شہر میں آج یہ پانچواں کیس تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پیشتر ایسی ہی چار موتیں اور بھی ہو چکی تھیں۔ اس وبا کا شکار ہونے والے پہلے اپنے ناخنوں کی جڑوں میں ہلکی سی سوزش محسوس کرتے تھے پھر یہ سوزش ایک بہت ہی تیز قسم کے درد میں تبدیل ہو جاتی تھی اور پھر جیسے ہی ناخن انگلیوں کا گوشت چھوڑنا شروع کرتے تھے مریض کی موت ہو جاتی تھی۔

اس نئی اور عجیب وبا کے سلسلے میں یہاں کی میڈیکل سوسائٹی نے تحقیقاتی کام شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس کے ارکان ابھی تک کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچے تھے۔

نہ صرف شہر بلکہ پورے ملک میں اس وبا کی وجہ سے سنسنی پھیل گئی تھی۔ مگر یہ پانچ موتیں صرف اسی شہر میں ہوئی تھیں اس کے علاوہ اور کسی جگہ سے اس قسم کے کسی کیس کی اطلاع نہیں آئی تھی۔

حمید اس وقت اس طرح خاموش ہو گیا تھا جیسے اس نے موت کے فرشتے کی شکل دیکھ لی ہو۔

"کیا آپ اسی لئے....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ لیکن جملہ پورا کرنے سے قبل ہی اُسے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنا پڑی۔

"ہاں.... میرا آج رات کا تجربہ کامیاب رہا۔"

"آپ کا تجربہ....!" حمید حیرت سے چیخا۔

"تم غلط سمجھے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس کی موت کا ذمہ دار نہیں۔"

"پھر تجربہ کیسا....؟"

"تمہیں پچھلی چاروں موتیں تو یاد ہی ہوں گی۔"

"ہاں.... لیکن....؟"

"سنتے جاؤ۔" فریدی بولا۔ "سب سے پہلا آدمی ایک ٹی پارٹی میں مرا تھا.... اور گریٹا سرانو بھی وہاں موجود تھی۔"

"میرے خدا.... تو.... آپ....!"

"درمیان میں مت بولو۔ ہاں میں اسے کوئی وبا نہیں سمجھتا ہوں جو قدرتی حالات کے تحت آئی ہو۔ دوسرا آدمی ایک مخصوص میٹنگ میں اس وبا کا شکار ہوا تھا.... اور یہ گریٹا وہاں موجود تھی۔ تیسرے آدمی کی موت ایک پکنک پارٹی میں ہوئی تھی۔ گریٹا وہاں بھی تھی۔ چوتھا آدمی ہوٹل ڈی فرانس میں مرا تھا اور گریٹا ہی نے اسے اپنی کار میں ہسپتال تک پہنچایا تھا اور یہ پانچواں آدمی.... تم نے خود دیکھا ہے۔"

"تو گریٹا ہی اس کی ذمہ دار ہے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ گریٹا مرنے والوں کے قریب کسی نہ کسی

صورت میں ضرور موجود رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض اتفاق ہی ہو۔"

"ابھی تک تو اس وبا کا سبب ہی نہیں معلوم ہو سکا۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ سبب جلد ہی معلوم ہو جائے۔ اس سے پہلے والی لاشیں تجربہ گاہ تک بہ دیر میں پہنچی تھیں اور اب میں اسے سیدھے وہیں لے جا رہا ہوں۔ بعض زہر ایسے بھی ہیں پوسٹ مارٹم میں دیر ہو جانے پر اپنا نشان نہیں ملنے دیتے۔"

"زہر....!" حمید حیرت سے بولا۔

"ہاں ہو سکتا ہے کہ یہ کسی قسم کے زہر ہی کا اثر ہو۔"

"آپ نے وہاں ناک پر رومال کیوں رکھا تھا۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ گریٹا پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔"

"تو آپ نے کیا دیکھا۔"

"میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکا۔ وہ مجھے رومال رکھے دیکھ کر بڑی تیزی سے دوسری طرف مڑ گئی تھی۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر حمید نے پوچھا۔ "کیا آپ اس مرنے والے سے واقف ہیں صورت سے کوئی معزز ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"معزز ترین کہو۔ ایک بہت بڑی ہستی ہمارے درمیان سے اٹھ گئی۔ یہ ملک کا ایک بہت بڑ سائنسدان ڈاکٹر شرف تھا۔ ایٹمی تحقیقات کمیٹی کا صدر۔"

"ارے.... یہ وہی ڈاکٹر شرف ہے۔" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں.... یہ وہی ہے.... اور ان چاروں کو بھی یاد کرو۔ ان میں سے ایک ماہر انجینئر تھا۔ جس نے حال ہی میں ایک ایسا پاور ہاؤز قائم کرنے کی اسکیم بنانے کا کام شروع کیا تھا جس سے ایک پورے صوبے کے لئے بجلی مہیا ہوتی۔ مرنے والوں میں ایک ماہر جنگ فوجی آفیسر تھا۔ تیسرا ملٹری سیکرٹ سروس کا ایک اعلیٰ ترین دماغ.... اور چوتھا.... جراثیم کا ماہر تھا۔"

"میں نے اس پر غور نہیں کیا تھا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"محض اسی چیز نے میری رہنمائی کسی سازش کے امکانات کی طرف کی۔ اگر ان میں ایک ایک آدھ عام آدمی بھی ہوتا تو شائد میں اتنی پرواہ نہ کرتا۔"

"تو آپ کئی دنوں سے اس چکر میں ہیں۔"

"میں نے اس دوران میں صرف گریٹا کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اگلی کار سول ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

سول ہسپتال کا انچارج خود بھی اس وبا سے متعلق تحقیقات کمیٹی کا ایک رکن تھا۔ اس نے ذرا ہی لاش کو تجربہ گاہ میں پہنچوا کر کمیٹی کے دوسرے ارکان کو فون کرنا شروع کر دیا۔

فریدی وہاں نہیں ٹھہرا۔ وہ پھر نیاگرا ہوٹل میں واپس آ گئے۔ یہاں کے ماحول میں اب کافی تبدیلی ہو گئی تھی۔ رقص کا پروگرام ختم ہو چکا تھا۔

حمید اور فریدی منیجر کے کمرے کی طرف چلے گئے۔ منیجر نے پُر تشویش انداز میں ان کا استقبال کیا۔

"مجھے کچھ پوچھنا چاہئے۔" اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا آپ لوگ ڈاکٹر شرف کی نگرانی کر رہے تھے۔ لیکن ان کا اس طرح اٹھ کر بھاگنا میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

فریدی چند لمحے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "ڈاکٹر شرف مر گئے۔"

"کیا....!" منیجر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "پہلے ان کے ناخنوں میں ہلکی سی سوزش ہوئی پھر وہ تیز قسم کے درد کی شکل اختیار کر گئی....!"

"ناخنوں کی وبا....!" منیجر کانپتا ہوا بولا۔ "یہاں.... میرے ہوٹل میں۔"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ان کی میز پر کیا کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... مجھے افسوس ہے۔ صفائی کے بعد سب کچھ پھکوا دیا گیا۔"

"لیکن اس میز کا ویٹر چیزوں کے متعلق تو بتا ہی سکے گا۔"

"ضرور.... ضرور....!" منیجر نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔

"میں اسے بلوا رہا ہوں۔"

ویٹر کے انتظار کے دوران میں فریدی نے گریٹا کی گفتگو چھیڑ دی۔

"وہ بہت اچھی رقاصہ ہے۔" اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کے پروگرام یہاں عرصے تک ہوتے رہیں گے۔"

"جی نہیں.... صرف تین پروگراموں کا کنٹریکٹ ہے۔ آج پہلا پروگرام تھا۔"

"مگر میرا خیال ہے کہ وہ اب اتنی اچھی رقاصہ بھی نہیں ہے کہ نیاگرا جیسی شاندار جگہ کے لئے موزوں ہو.... کیا کسی نے اس کی سفارش کی تھی۔"

"جی ہاں.... بس یہی سمجھ لیجئے۔" منیجر بولا۔

"ڈاکٹر شرف بہت بڑا آدمی تھا۔" فریدی نے موضوع گفتگو بدل دیا۔

"جی ہاں! مجھے بھی بے انتہا افسوس ہے۔ ہوٹل بھی شائد اب بدنام ہو جائے ہوٹل ڈی فرانس کی مثال میرے سامنے ہے۔"

"غالباً ڈاکٹر شرف آپ کے مستقل گاہک تھے۔"

"جی ہاں؟ آج کے پروگرام میں ہم نے انہیں خاص طور سے مدعو کیا تھا۔"

"کیوں؟ کیا انہیں گریٹا سے کچھ دلچسپی تھی۔"

"پتہ نہیں۔" منیجر بولا۔ "بات یہ ہے کہ یہ ہمارا پرانا دستور ہے۔ ہم اس قسم کے خاص پروگراموں میں اپنے مستقل کرم فرماؤں کو خاص طور سے مدعو کرتے ہیں۔"

فریدی سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"گریٹا بہت حسین ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں.... اطالوی عورتیں عموماً بڑی پرکشش ہوتی ہیں۔"

"جس نے یہاں کے پروگراموں کے لئے اس کی سفارش کی ہوگی۔ بڑا خوش قسمت ہوگا۔"

"کیوں؟ میں نہیں سمجھا۔" منیجر بولا۔

"ارے جناب.... یہ بھی کوئی نہ سمجھنے کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ گریٹا سے بہت قریب ہوگا۔ مجھے تو اس کی قسمت پر رشک آتا ہے۔"

"اگر آپ سفارش کرنے والے سے واقف ہوتے تو ایسا نہ کہتے۔" منیجر نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ.... تو کیا وہ کوئی عورت ہے۔"

"جی نہیں ایک انتہائی خشک آدمی ہے۔ کیا آپ پروفیسر داخ سے واقف ہیں؟"

"اوہ.... وہ جرمن یہودی۔ ہاں میں اسے جانتا ہوں۔"

"گریٹا کی سفارش اسی نے کی ہے۔"

"مجھے سخت حیرت ہے۔" فریدی نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر رک کر بولا۔

"کیا آپ کے اس سے ذاتی مراسم ہیں۔"

"جی ہاں! مجھے دراصل عالموں سے عشق ہے۔ خصوصاً فلسفہ کے عالموں سے۔"

"بہت خوب! ہونا بھی چاہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ خود بھی تو کافی پڑھے لکھے آدمی ہیں۔"

"ارے کہاں صاحب! ابھی تو علم کے سمندر کا ایک قطرہ بھی میرے ہونٹوں تک نہیں پہنچا۔"

آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "مگر آپ کو پروفیسر داخ کی سفارش پر حیرت تو ضرور ہوئی ہوگی۔"

"کیوں نہیں.... لیکن میں نے ان سے پوچھ گچھ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ گریٹا یوں بھی یہاں کافی مقبول ہو رہی ہے۔ ہو سکتا تھا کہ خود میں ہی اس سے کچھ دنوں بعد کنٹریکٹ کر لیتا.... اوہ.... وہ تو سب ٹھیک ہے مگر ڈاکٹر شرف کی موت۔ کرنل صاحب میں کیا کروں؟.... مجھے کچھ مشورہ دیجئے۔ ہوٹل یقیناً بدنام ہو جائے گا۔ ہوٹل ڈی فرانس کا کیا حشر ہوا۔ آج کل وہاں اُلو بولتے ہیں۔"

"مجھے بھی افسوس ہے کہ یہ حادثہ نیاگرا میں ہوا۔" فریدی بولا۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ نیاگرا کا نام ہی نہ لیا جائے۔" منیجر نے کہا۔

"بھلا یہ کس طرح ممکن ہے۔"

"اگر آپ چاہیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ سوچئے تو سہی نیاگرا کا ریپوٹیشن خراب ہونے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ بہت بڑا خسارہ ہوگا مگر یہ بات کسی طرح چھپی نہ رہ سکے گی کہ ڈاکٹر شرف بہت ہی غیر معمولی حالت میں اٹھ کر یہاں سے بھاگے تھے۔ آپ سمجھتے ہیں نا میرا مطلب۔ اگر معاملہ صرف ان کے ڈرائیور تک محدود ہوتا تو اس کی زبان بند کر دی جاتی۔"

"تو پھر.. تو پھر میں کیا کروں۔" منیجر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر گہری سانسیں لینے لگا۔

اتنے میں طلب کیا ہوا ویٹر کمرے میں داخل ہوا۔

فریدی نے اس پر یونہی سرسری سی نظر ڈالی۔

"ڈاکٹر شرف کی میز پر تم تھے۔" اس نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ان کی میز پر کیا کیا تھا۔"

"صرف وہسکی اور سوڈا۔"

"کچھ اور....!"

"جی نہیں.... صرف یہی۔"

"کھلی ہوئی بوتل سے لائے تھے۔"

"جی نہیں! وہ کبھی کھلی ہوئی بوتل سے نہیں لیتے.... ہمیشہ نئی بوتل خود ہی کھولتے ہیں۔"

"سوڈا تم نے کھولا تھا۔"

"جی نہیں...... اس میز پر سائفن تھا۔"

"ذرا ایک منٹ۔" منیجر نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اس سلسلے میں یہ بات بتا دوں سائیفن صرف انہیں لوگوں کی میزوں پر رکھے جاتے ہیں جو پوری بوتل خریدتے ہیں۔"

"اوہ...... اچھا......!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ پھر اس نے ویٹر سے کہا۔ "کیا تم وہ سائیفن تلاش کر سکو گے۔"

"حضور! وہ تو ٹوٹ گیا تھا۔ میز الٹ گئی تھی نا۔" ویٹر نے کہا۔ "میں نے ڈاکٹر صاحب کو نشے میں کبھی نہیں دیکھا۔"

"سائیفن ٹوٹ گیا۔" فریدی نے جواب طلب نظروں سے منیجر کی طرف دیکھا۔

"اوہ جی ہاں.... ہمارے سائیفن زیادہ دبیز شیشوں کے نہیں ہیں۔"

"بوتل اور گلاس بھی ٹوٹ گئے ہوں گے۔"

"جی ہاں....!" ویٹر نے کہا۔

"اچھا تم جا سکتے ہو۔"

ویٹر چلا گیا۔ اچانک منیجر کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا.... اور نظریں فریدی کی طرف نہیں تھیں۔ فریدی اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

اچانک منیجر اس کی طرف مڑا اور اس سے نظر ملتے ہی جھجک سا پڑا۔ فریدی کی عقابی آنکھیں

س کے ذہن میں چبھ رہی تھیں۔

"آپ سائیفن کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس وبا کے جراثیم سوڈے ہی میں رہے ہوں۔"

"سوڈے میں جراثیم....!" منیجر نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... آں.... آپ کو حیرت کیوں ہے۔"

"سوڈا تو بڑی تیز چیز ہے۔"

"اوہ.... آپ شائد جراثیم کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ بہتیرے جراثیم ایسے ہیں جو آگ کے علاوہ اور کسی چیز میں فنا نہیں ہوتے۔" فریدی نے کہا اور پھر حمید کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "آؤ چلیں۔"

اچانک ایک آدمی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور حمید نے محسوس کیا جیسے فریدی نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔

پروفیسر داخ

حمید نے آنے والے کو گھور کر دیکھا۔ یہ ایک مجہول سا غیر ملکی تھا۔ گال پچکے ہوئے۔ ناک پتلی اور طوطے کی چونچ کی طرح ہونٹوں پر جھکی ہوئی تھی۔ گالوں کی ہڈیاں بدنمائی کی حد تک ابھری ہوئی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی اور چمکدار آنکھوں کے گرد گہرے حلقے تھے۔ اس کا لباس ایک بہت پرانے سوٹ پر مشتمل تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر مہینوں سے پریس نہ کیا گیا ہو۔ گلے میں ٹائی نہیں تھی۔

منیجر اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی اور حمید بدستور بیٹھے رہے۔

"میری کتابیں....!" آنے والے نے انگریزی میں کہا۔ اس کا لہجہ بہت کھردرا تھا۔

"معاف کیجئے گا مسٹر داخ.... میں بھجوانا....!"

"بھول گئے تھے۔" اس نے جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ "غیر ضروری الفاظ بول کر وقت نہ ضائع کیا کرو۔ کتابیں۔"

"اوہ.... ہی ہی ہی۔" منیجر نے ہنستے ہوئے اپنی پشت پر رکھی ہوئی الماری کھول کر تین کتابیں نکالیں اور انہیں آنے والے کی طرف بڑھادیا۔

اس نے کتابیں لیں اور تیزی سے دروازے کی طرف گھوم گیا۔

منیجر کرسی پر بیٹھ کر جھینپی ہوئی ہنسی ہنسنے لگا۔ "دیکھا آپ نے کرنل صاحب! فلسفی لوگ گفتگو بھی اختصار کے ساتھ کرتے ہیں۔"

"غالباً یہ پروفیسر داخ تھا۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں! وہی تھے۔"

"خوب....!" فریدی مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ "اچھا منیجر اس تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔"

وہ دونوں منیجر کے کمرے سے نکل کر ڈائننگ ہال سے گذرتے ہوئے باہر آگئے۔

"حضور! میں تو سردی سے اکڑ کر مرہی جاؤں گا۔" حمید بدبدایا۔

"میرا ایسٹر کیڈی میں ہے پہن لو۔" فریدی نے کہا۔ پھر کچھ دیر رک کر بولا۔ "تم نے داخ کو دیکھا۔"

"دیکھا تو.... لیکن وہ مجھے صاف نظر نہیں آیا۔"

"کیا اس قسم کے آدمی عورتوں میں دلچسپی لے سکتے ہیں۔"

"آپ کے علاوہ اور ہر قسم کا آدمی عورتوں میں دلچسپی لے سکتا ہے۔ لیکن اب یہاں سے بھاگئے ورنہ اگر ہمارے ناخن بھی کھڑے ہوگئے تو شہر کے بہتیرے گنجے بے موت مرجائیں گے۔"

وہ کیڈی میں بیٹھنے ہی والے تھے کہ کسی نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا.... فریدی چونک کر مڑا۔ پروفیسر داخ اس کے سامنے کھڑا عجیب انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"آپ شائد میرے متعلق کچھ گفتگو کررہے تھے۔" اس نے کہا۔

حمید متحیرانہ انداز میں اسے گھورنے لگا۔

"ہاں.... پروفیسر.... میں تمہاری قسمت پر رشک کررہا تھا۔" فریدی جواباً مسکرایا۔

"کیوں....؟"

"گریٹا جیسی حسین عورت تمہاری دوست ہے۔"

"کون گریٹا.... میں کسی گریٹا کو نہیں جانتا۔"

"گریٹا سیرانو.... جس کا آج یہاں پروگرام تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... وہ.... لیکن وہ میری دوست تو نہیں۔"

"تب پھر ہمیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ منیجر نے کسی اور کا نام لیا ہو۔"

"سنو....!" داخ جھنجھلا کر بولا۔ "مجھے تم سب سے نفرت ہے۔ تم جو اپنی کھوپڑیوں میں چوہوں کے سے دماغ رکھتے ہو! مجھے نہیں سمجھ سکتے۔"

"تمہاری یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"تم لوگ مجھ پر آوازے کستے ہو۔ لیکن میں تمہیں اپنے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں سمجھتا.... سمجھے۔"

"بکواس بند کرو۔ کچھوے کے بچے۔" حمید نے اس کے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فریدی نے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹادیا۔ پھر داخ سے لجاجت آمیز لہجے میں بولا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو پروفیسر! اچھا شب بخیر۔"

اس نے کیڈی کا دروازہ کھول کر حمید کو پچھلی سیٹ پر دھکا دے دیا اور خود آگے بیٹھ گیا۔

"کیا شہر کی طرف جاؤ گے۔" دفعتاً داخ نے بدلے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں....!"

"تو مجھے راجرس اسٹریٹ تک لے چلو۔"

"ضرور.... ضرور.... ادھر میرے پاس آجاؤ۔" فریدی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

داخ بیٹھ گیا۔ کیڈی چل پڑی۔ داخ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ جارہا ہوں۔"

"تم شائد ہم لوگوں کو پسند کرنے لگے ہو۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"تمہیں اور میں پسند کروں گا۔" داخ تنفر آمیز لہجے میں بولا۔ "مجھے دراصل تمہارے ساتھی کی بات کا جواب دینا ہے جس نے مجھے کچھوے کا بچہ کہا تھا۔"

"ضرور جواب دو.... وہ بڑا بدتمیز ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"جواب یہ ہے کہ وہ کچھوے کا بچہ ہے۔"

"کیا کہا ہے۔" حمید اردو میں دہاڑا۔

"ٹھیک کہتا ہے۔" داخ نے بگڑی ہوئی اردو میں کہا۔"ٹم ارتھ ورم کا بچہ ہے۔"

"حمید بکواس بند رکھو۔" فریدی نے اسے ڈانٹا۔

داخ پھر فریدی سے انگریزی میں گفتگو کرنے لگا۔"حالانکہ اس بدتمیز نے میری توہین کرنے کے خیال سے مجھے کچھوے کا بچہ کہا تھا لیکن وہ بالکل احمق ہے۔ تم کچھوے کے بچے کی پیٹھ پر پوری قوت سے کھڑے ہو جاؤ اس کا بال بھی بیکا نہ ہو گا۔ لیکن کچوے کا بچہ چٹکیوں میں مسلا جا سکتا ہے۔ بس اب گاڑی روک دو۔"

"کیوں....؟"

"میں اتروں گا۔ مجھے اتنا ہی کہنا تھا۔"

"یہاں اس ویرانے میں اتر کر کیا کرو گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم جیسے گدھوں کا احسان لوں گا۔" داخ بگڑ گیا۔

فریدی نے ہنس کر کیڈی روک دی۔ داخ اُتر کر سڑک کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ اس کا رخ بھی شہر ہی کی طرف تھا۔

"استاد....!" حمید بولا۔"آپ پیچھے آجایئے۔ گاڑی میں چلاؤں گا۔"

"کیوں.... نہیں وقت نہ برباد کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"کبھی تو میری کوئی بات مان لیا کیجئے۔"

نہ جانے کیوں فریدی اس پر راضی ہو گیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر آ گیا اور حمید نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

اب کیڈی پیدل چلتے ہوئے پروفیسر داخ کے ساتھ آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" داخ بھنا کر چیخا۔"آگے بڑھاؤ۔"

"نہیں بڑھ سکتا۔" حمید نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔"تم خود آگے بڑھ جاؤ۔"

داخ بڑبڑاتا ہوا چلتا رہا۔ کیڈی بھی اسی کے برابر رینگتی رہی۔ فریدی خلاف توقع کچھ نہیں بولا۔ اس کی اس خاموشی پر حمید کو بھی حیرت ہو رہی تھی۔

اچانک داخ نے دوڑنا شروع کر دیا۔ حمید نے بھی رفتار اتنی بڑھا دی کہ کیڈی اس کے ساتھ

ہی ساتھ رہے۔ داخ انہیں گندی گندی گالیاں دیتا ہوا بھاگ رہا تھا۔

"حمید کیوں وقت برباد کر رہے ہو۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں اس فلسفی کے پٹھے کو زمان و مکان کا فرق سمجھا رہا ہوں۔"

ایک جگہ داخ دہاڑتا ہوا رک گیا۔ کیڈی آگے نکل گئی۔ حمید نے اسے روک کر بیک کرنا شروع کر دیا اور کیڈی پھر اسی جگہ واپس آ گئی جہاں داخ کھڑا گالیاں بک رہا تھا۔

اچانک وہ پیچھے کی طرف بھاگا اور پھر حمید کیڈی کو بیک کرنے ہی جا رہا تھا کہ اس پر پتھر برسنے لگے۔

"کیا کر رہے ہو تم....!" فریدی نے حمید کو ڈانٹا۔"گاڑی برباد کراؤ گے کیا!"

دوسرے ہی لمحے میں کیڈی کافی تیز رفتاری سے چل پڑی۔

"اگر گاڑی خراب ہوئی ہو گی تو میں تم سے سمجھ لوں گا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"آخر یہ ہے کس قسم کا آدمی۔" حمید بولا۔

"کیا اُس کی قسم اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"نہیں.... میں نہیں سمجھ سکا۔"

"حد سے بڑھی ہوئی عقل آدمی کو بچہ بنا دیتی ہے۔"

"تو کیا واقعی وہ فلسفی ہے۔"

"بہت پڑھا آدمی ہے حمید صاحب۔ اسکی ذہانت سے ٹکرانے والے شائد دو چار ہی نکلیں۔"

"داخ.... عجیب نام ہے۔" حمید بولا۔"کیا وہ فوئیرباخ کی اولاد ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ اس خبطی نے گریٹا کی سفارش کی تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

"میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔" حمید بولا۔"جو ذرا سا بھی مرد ہے وہ عورتوں میں ضرور دلچسپی لے گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔

"آپ سائیفن کی تلاش میں کیوں تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ جو کچھ بھی تھا سوڈے ہی میں تھا۔ بوتل تو اُس نے خود کھولی تھی۔"

"اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وقت نہ برباد کیجئے۔ مجھے یہ کسی قسم کی وبا معلوم ہوتی ہے۔ آپ کا شکّی ذہن تو اب آپ کے لئے بھی وبال بن گیا ہے۔"

"ہوں! مشورے کا شکریہ۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ کیڈی چلتی رہی۔ حمید جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی نے اسے ہوٹل ڈی فرانس چلنے کو کہا۔

"کمال ہے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "سردی کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔"

"میں نے تو تم سے کہا تھا کہ میرا السٹر پہن لو۔"

"کیا السٹر سے بھوک بھی مٹ جائے گی۔"

"وہیں کھا لینا۔"

"کیا ہوٹل ڈی فرانس میں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... کیوں؟"

"حالانکہ میں ان پر سرخ پالش نہیں لگاتا پھر بھی مجھے اپنے ناخنوں سے بڑی محبت ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہاں کھانے سے تم اس وبا کا شکار ہو جاؤ گے۔"

"دیکھئے۔ میں اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں سنوں گا۔ آپ کے منطقی دلائل موت کے فرشتے کو مطمئن نہیں کر سکیں گے۔"

"بڑے ڈرپوک ہو رہے ہو آج کل۔"

"کچھ بھی کہئے۔ لیکن میں طاعون کے چوہوں کی طرح مرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"اچھا خیر پھر سہی۔" فریدی نے کہا۔ "چلو گھر ہی چلو۔"

"لیکن ہوٹل ڈی فرانس کی کیا تک ہے۔"

"میں ایک تجربہ اور کرنا چاہتا ہوں مگر ہوٹل ڈی فرانس اس کے لئے فضول ہی ثابت ہوگا کیونکہ وہاں پہلے ہی اس قسم کا ایک واقعہ ہو چکا ہے۔"

"ایک تجربہ اور کیجئے گا.... یعنی ایک آدمی کی زندگی....!"

"نہیں شائد اس کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔"

کیڈی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید نے اُسے گیراج کے سامنے روک دیا۔

لیکن ایک حیرتوں سے لبریز لمحہ ان کا منتظر تھا۔ جیسے ہی وہ نیچے اترے انہیں اپنے سامنے پروفیسر داخ کھڑا ہوا نظر آیا.... حمید اپنی بیساختہ قسم کی "ارے" کو کسی طرح نہ روک سکا۔

فریدی نے کار کے پچھلے حصے پر نظر ڈالی۔ اسٹپنی کھلی ہوئی تھی۔ غالباً پروفیسر اسی میں بیٹھ کر یہاں تک آیا تھا۔

پروفیسر داخ نے انہیں متحیر دیکھ کر ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا اور پھر سنجیدہ ہو کر انہیں باری باری سے گھورنے لگا۔

"تم نے مجھے پریشان کیا تھا۔ اب تمہیں قبر میں بھی چین نہ لینے دوں گا.... سمجھے۔" اس نے کہا۔ "چلو اب کہاں چلتے ہو۔"

"آؤ پروفیسر....!" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "مجھے خوشی ہو گی۔"

"جاتے ہو یا تمہیں اٹھا کر کمپاؤنڈ کے باہر پھینک دوں۔" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"خاموش رہو۔" فریدی سچ مچ حمید پر بگڑ اٹھا۔

وہ پروفیسر داخ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ڈرائنگ روم میں لایا۔ حمید کو فریدی کا تلخ لہجہ بہت گراں گذرا تھا اس لئے وہاں ٹھہرنے کی بجائے سیدھا باورچی خانے میں جا گھسا۔

یہاں فریدی پروفیسر داخ سے کہہ رہا تھا۔ "پروفیسر میرا ساتھی کریک ہے اس کی باتوں کا خیال نہ کرو۔"

"تم گھٹیا آدمیوں نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔" پروفیسر بولا۔ "تمہارے سڑے سڑے بچے میرے پیچھے تالیاں بجاتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"اور اب تم بھی مجھے بدنام کرو گے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں نے گریٹا کے لئے سفارش کی تھی۔"

"مجھے نیاگرا کے منیجر سے معلوم ہوا تھا۔ لیکن تمہیں یہ کیسے خیال ہوا کہ میں تمہیں بدنام کروں گا۔"

"آج کل میرے خلاف گہری سازشیں ہو رہی ہیں۔ چند اوباش قسم کے لوگوں نے مجھے میری نوکرانی کے ساتھ بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ بکواس ہے۔ میں اپنی زندگی

کے اس اسٹیج سے کبھی کا گذر چکا ہوں اور جوانی کے زمانے میں بھی میں بہت زیادہ محتاط رہا ہوں۔"

"مگر گریٹا تو بہت خوبصورت ہے پروفیسر۔"

"ہو گی! مجھے آج تک اس سے گفتگو کرنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔"

"پھر تم نے اس کی سفارش کیوں کی۔"

"مجھے یاد نہیں کہ کس نے مجھ سے درخواست کی تھی۔ بہر حال وہ خود گریٹا نہیں تھی۔ کسی دوسرے نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نیاگرا کے لئے سفارش کروں۔"

"تعجب ہے کہ تم اس آدمی کو بھول گئے لیکن گریٹا کی سفارش یاد رہی۔" فریدی نے کہا۔

"یہ ایک بالکل نفسیاتی امر ہے۔ تمہیں ہزاروں چیزوں میں سے صرف وہی چیزیں یاد رہ جاتی ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح تمہاری ذات سے تعلق ہو۔ تمہیں ایک بات یاد آتی ہے لیکن یہ نہیں یاد آتا کہ وہ بات کس نے کہی تھی۔ بات اس لئے یاد آتی ہے کہ اس کا تعلق تھوڑا بہت تمہاری ذات سے بھی ہے۔ یعنی وہ بات اس بات کے کہنے والے سے بھی زیادہ اہم ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ غیر اہم چیزوں کو یادداشت پرے جھٹک دیتی ہے۔"

"خوب.... تو گریٹا بہر حال تمہارے لئے اہمیت رکھتی ہے۔" فریدی بولا۔

"یقیناً.... وہ بہت حسین ہے۔"

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تم زندگی کے اس اسٹیج سے گذر چکے ہو۔"

"تم زیادہ پڑھے لکھے نہیں معلوم ہوتے۔" پروفیسر بولا۔

"ہاں میں نرا گاؤدی ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا اسے یوں سمجھو کہ تمہارے ہاتھ مفلوج ہو جائیں تو کیا ان ہاتھوں کو استعمال کرنے کی خواہش بھی فنا ہو جائے گی۔"

"نہیں....!"

"تو پھر اسی طرح سمجھ لو۔"

"پروفیسر! میں بالکل سمجھ گیا۔ اگر تم اس آدمی کو یاد کرنے کی کوشش کرو تو تمہارا ممنون ہوں گا۔"

"کیوں؟"

"میں اس کے ذریعہ گریٹا تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ وہ یقیناً اس کا کوئی بڑا خاص آدمی ہو گا۔ آہ پروفیسر کیا بتاؤں۔ میں نے جب سے گریٹا کو دیکھا ہے میری راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔"

"تو دن میں سو لیا کرو۔" پروفیسر نے قہقہہ لگایا۔

"میرا مذاق نہ اڑاؤ.... پروفیسر.... شائد میں پاگل ہو چلا ہوں۔"

"ہاہا.... جوان ہو نا۔" پروفیسر اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولا۔ "تو کافی دولت مند معلوم ہوتے ہو۔ ڈورے ڈالو نا اس پر۔"

"وہ کسی کو لفٹ نہیں دیتی۔"

پروفیسر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا میں کوئی راہ نکالوں گا۔" پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر زیٹو کے کرتب

ڈاکٹر شرف والے حادثے کو تین دن گذر چکے تھے۔ اس کی لاش سے پوسٹ مارٹم سے بھی وہی نتائج نکلے جو اس سے قبل والی لاشوں کے نکل چکے تھے۔ کوئی نئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ اندرونی اعضاء میں موت سے پہلے کے ہیجان کے اثرات ضرور پائے گئے تھے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس ہیجان کا سبب کیا تھا۔ ڈاکٹر شرف نے مرنے سے پہلے شراب پی تھی۔ اس کی اچھی خاصی مقدار مرنے والے کے معدے میں پائی گئی تھی لیکن اس کا تجزیہ کرنے پر کوئی ایسی چیز نہ ملی جو اس وبا کے اسباب پر روشنی ڈالتی.... فریدی اس دوران میں بہت زیادہ مشغول رہا۔ ڈاکٹر زیٹو نے اپنے پروگرام کے بقیہ دنوں میں بھی اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا لیکن پھر نیاگرا میں کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ پہلے حادثے کی بناء پر وہاں کی زیادہ تر میزیں خالی نظر آنے لگیں۔

فریدی نے ابھی تک حمید کے علاوہ اور کسی پر یہ بات ظاہر نہیں کی تھی کہ وہ اس وبا کو کسی دوسری شکل میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ صرف نیاگرا کے منیجر کو اس کی پوچھ گچھ کی بناء پر کچھ شبہ ضرور ہو گیا تھا لیکن بعد میں فریدی نے اس کی بھی تشفی کر دی۔

حالانکہ ڈاکٹر شرف کی موت کے بعد سے شہر میں اس قسم کی کوئی دوسری موت نہیں ہوئی

تھی پھر بھی لوگوں میں کافی ہراس پایا جاتا تھا۔

اور حمید کی یہ رائے بھی کہ اب سچ مچ فریدی کا دماغ چل گیا ہے۔ وہ ہر چیز کو خواہ مخو
رسائی کی عینک سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ حمید نے اس درمیان میں گریٹا سے تعارف
کرنے کے لئے کافی جدوجہد کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ گریٹا نجی طور پر کسی سے بھی نہ
تھی۔ شہر کے بیشتر دولت مند حسن پرست اس تک پہنچنے کے لئے کوشاں تھے۔ لیکن انہیں
تک رسائی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تھی۔ البتہ صرف اخبارات کے رپورٹر ہی ایسے تھے
سے وہ تھوڑی بہت گفتگو کر لیتی تھی۔

آخر جب حمید نے کوئی دوسری صورت نہ دیکھی تو اس نے یہی مناسب سمجھا کہ تھوڑ
کے لئے کسی اخبار کا رپورٹر ہی بن جائے۔ مگر اس کی غرض و غایت ہرگز وہ نہیں تھی جس
لئے فریدی سر مار رہا تھا۔

وہ کرائم رپورٹر انور کا ملاقاتی کارڈ لے کر اسپرنگ کاٹج پہنچ گیا جہاں گریٹا مقیم تھی۔

گریٹا اس سے ملی تو..... لیکن اس نے پہلے ہی یہ بات جتادی کہ وہ اسے دس منٹ سے
وقت نہ دے سکے گی۔

"آپ کے اٹلی کے متعلق کیا خیالات ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اوہ..... کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ میں اٹلی ہی کی باشندہ ہوں۔"

"اچھا.....!" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ "آپ کا رنگ تو انگریزوں سے بھی زیادہ صاف ہے

گریٹا کچھ نہ بولی۔ ظاہر ہے کہ وہ رسمی قسم کے انٹرویو کے لئے بیٹھی تھی۔

"اٹلی تو آپ کو بہت اچھا لگتا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ پہلے آپ انٹرویو لینے کی ٹریننگ لیجئے۔ پھر آئیے گا۔" گریٹا نے بے
سے کہا۔

"اوہ کیا میرا سوال احمقانہ ہے۔" حمید نے دردناک لہجے میں کہا۔ "بات دراصل یہ ہے
میں اس پیشے میں بالکل نیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے پچھلے ہی پیشے کی طرف لوٹنا پڑے گ

اچانک گریٹا ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ ایک طرف سمٹ گئی۔ اُسے حمید کے کوٹ کی
جیب سے ایک سفید سی چیز پھدک کر چھوٹی میز کی طرف آتی دکھائی دی۔

حمید کی پالتو چوہیا کے گھونگھرو میز پر بج اٹھے۔

"اوہ..... میں تو ڈر گئی تھی۔" گریٹا ہنس کر بولی۔ "آپ چوہے پالتے ہیں۔"

"یہ میری کتیا ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میرے سابقہ پیشے کی یادگار۔"

"پیشہ..... میں نہیں سمجھی۔"

"دیکھئے میں بتاتا ہوں....." حمید نے کہا اور میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر آگے جھکتے ہوئے
سیٹی میں اپنی مخصوص دھن شروع کر دی۔ چوہیا پچھلے پیروں پر کھڑی ہو کر تھرکنے لگی۔

گریٹا بچوں کی طرح تالی بجا کر ہنس پڑی۔

"واقعی آپ جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے آج تک چوہوں کی ٹریننگ کے متعلق
نہیں سنا تھا۔"

"میرے پاس ایسے جانوروں کا اسٹاک ہے۔ یہ تو چوہیا ہے میں نے سانپ بھی سدھا
رکھے ہیں۔"

"سانپ.....!" گریٹا نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں ہاں! میرے پاس ڈھائی تین سو سانپ ہیں۔"

"نہیں جھوٹ۔"

"اچھا تو کل میں آپ کو دکھادوں گا۔"

"ضرور ضرور.....!" گریٹا باتوں میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ "مگر کیا وہ سانپ..... آپ نے تو
نہ پکڑے ہوں گے۔"

"پھر کون پکڑے گا۔" حمید بولا۔ "سانپ پکڑنا بھی ایک بہت بڑا فن ہے اور اس شہر میں
میرے علاوہ اور کوئی اس فن کا ماہر نہیں۔"

"تو تم سپیرے ہو۔ میں نے یہاں کے سپیروں کے متعلق کتابوں میں پڑھا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ڈاکٹر زیتو کا نام کبھی نہیں سنا۔ مجھے نبراسکا یونیورسٹی سے
سانپوں کی تحقیق کے سلسلے میں ڈاکٹریٹ ملی تھی۔"

"اچھا..... کس طرح پکڑتے ہیں سانپ.....!" گریٹا نے پوچھا۔

"اس طرح بتانا تو مشکل ہے جب کہ یہاں کوئی سانپ موجود نہیں۔" حمید نے تشویش

آمیز لہجے میں کہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "ٹھہریئے.... میں کوشش کرتا ہوں.... فرض کیجئے سانپ ہیں.... ذرا سیدھی ہو کر بیٹھ جائیے.... ہاں۔"

حمید درمیان سے میز ہٹا کر ریٹا کے صوفے کے قریب فرش پر ایک گھٹنا ٹیک کر بیٹھ گیا۔

"ہش ہش....!" اس نے کہا۔ "میں نے اس طرح آپ کو آپ کی بانبی سے نکالا۔ آپ پھن کاڑھے بیٹھی ہیں۔ میں نے آپ کو دوبارہ ہشکار دیا۔"

حمید نے "ہشکارنے" کے سلسلے میں اس کی ٹھوڑی میں ہاتھ لگاتے ہوئے بکواس جاری رکھی۔ "اب آپ میرے ہاتھ پر منہ مارنے کی کوشش کیجئے۔ نہیں یوں نہیں اس طرح۔"

اس نے اس کا ہاتھ لے کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"سانپ نے منہ مارا۔ میں نے وار خالی دے کر سائڈ پر ہاتھ رسید کر دیا۔"

اس بار اس نے ریٹا کے داہنے گال پر ہلکی سی تھپکی دی۔

"اور پھر جیسے ہی وہ ایک طرف جھکا.... میں نے اس کا سر دبوچ لیا۔"

اس بار ریٹا بڑی پھرتی سے ایک طرف کھسک گئی اور حمید کے ہاتھ پھیلے ہی رہ گئے۔ لیکن وہ فوراً سیدھا کھڑا ہو کر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "تو یہ طریقہ ہے سانپ پکڑنے کا۔"

"تم بڑے شیطان معلوم ہوتے ہو۔" ریٹا مسکرا کر بولی۔

"نہیں چھوٹا شیطان.... بڑا شیطان تو ان معاملات میں بالکل بدھو ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"اوہ.... یہ ہم سانپ پکڑنے والوں کا ایک مخصوص جملہ ہے۔ اگر اس وقت تم مجھے شیطان کی بجائے کریم رول کہتیں تب بھی میں یہی جملہ دہراتا۔"

"اوہ...." ریٹا نے کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیس منٹ ہو گئے۔"

"اُف.... فوہ....!" حمید بوکھلا کر بولا۔ "انٹرویو تو رہ ہی گیا۔"

"نہیں بس! اب کل.... اس وقت مجھے ذرا کام ہے۔"

"کل کس وقت۔"

"اسی وقت.... تم ایک دلچسپ دوست ثابت ہو سکتے ہو۔"

"اوہ.... شکریہ۔ کتنے سانپ لاؤں۔"

"سانپ....!" وہ مسکرا کر بولی۔ "اب زیادہ بیوقوف نہ بناؤ۔"

"ارے تو کیا واقعی تم مذاق سمجھی ہو۔ اچھا کل دیکھ لینا۔" اس نے کہا۔ پھر میز پر سے چوہیا کو اٹھاتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر زیٹو ایک معزز شہری ہے۔"

"اچھا ڈاکٹر زیٹو.... اب جاؤ۔" گریٹا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہم کل پھر ملیں گے۔"

واپسی پر حمید اپنے ہی ہاتھ سے اپنی پیٹھ ٹھونک رہا تھا۔ گھر پہنچا تو فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ شائد کافی دیر سے بیٹھا اسی پر تاؤ کھا رہا تھا۔

"آج کل تم کیڈی نہ لے جایا کرو.... سمجھے.... میرا بڑا نقصان ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔

"یہی بات آپ گنگنا کر بھی کہہ سکتے تھے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"تھپڑ مار دوں گا۔"

"مگر اسی طرح جیسے میں نے گریٹا کے گال پر تھپکی دی تھی۔" حمید سینہ تان کر بولا اور فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"ہاں جناب۔" اس نے پھر کہا۔ "میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ عورتوں سے فوراً ہی بے تکلف ہو جانا بھی ایک بہت بڑا آرٹ ہے۔ سمجھے ہیور ہارڈ شپ....!"

"کیا بک رہے ہو؟"

"گریٹا نے مجھے کل پھر بلایا ہے۔ ذرا دس پانچ ایسے سانپ الگ کر دیجئے گا جن کے منہ میں ایک بھی دانت نہ ہو۔"

"میرا دماغ نہ چاٹو.... چلے جاؤ یہاں سے۔"

"آپ تو مجھے گریٹا سے بھی زیادہ بدتر معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے کم از کم میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا تھا۔"

"کیا کوئی بڑا تیر مار کر آئے ہو۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں پوچھا

"افسوس! تیر کھا کر آیا ہوں۔ دیکھئے کب ہضم ہوتا ہے۔"

"تم تو بکواس کئے جاؤ گے۔"

"اچھا سنئے! مگر شائد آپ یقین نہ کریں۔" حمید نے کہا اور اس مضحکہ خیز انٹرویو کا حال بیان

کرنے لگا۔ اسے توقع تھی کہ فریدی سن کر ہنسے گا۔ لیکن داستان ختم ہوتے ہی فریدی نے بڑے خشک لہجے میں کہا۔ "تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"حوصلہ افزائی کا شکریہ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "لیکن واضح رہے کہ اس کے بارے میں میرا نظریہ نہیں ہے جو آپ کا ہے۔ سمجھے جناب.... میرے لئے وہ ایک خوبصورت عورت ہے اور بس۔"

"تم جانتے ہو کہ میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہوں۔"

"آخر آپ مجھے کیوں بور کر رہے ہیں۔ آپ اپنا کام کیجئے میں اپنا کروں گا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"کوئی نئی بات کہئے۔ میں یہ ہزار بار سن چکا ہوں۔"

"اچھا..!" فریدی اسے گھور کر بولا "اگر تم بھی لپیٹ میں آجاؤ تو پھر مجھ سے شکایت نہ کرنا۔"

"میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہاں.... میں ہی بول رہا ہوں.... کیا ہائی سرکل میں.... خوب.... ٹھیک ہے.... کم از کم گیارہ بجے رات تک اسے وہاں رکنا ہی چاہئے.... کیا کہہ رہے ہو.... بارہ تک.... تمہیں کیسے معلوم ہوا.... ٹھیک.... اچھا.... تو میں مطمئن رہوں گا.... اچھا۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ حمید پہلے ہی دل برداشتہ ہو رہا تھا اس نے بھی وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔

نو بج رہے تھے۔ سردیوں کی راتیں تھیں۔ ابھی سے ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے آدھی رات گذر گئی ہو۔ فریدی اٹھ کر ایک کمرے میں آیا۔ یہاں اس نے سیاہ سوٹ پہن کر ریوالور جیب میں ڈالا۔ وہاں سے گیراج میں آیا تو کیڈی پھر غائب تھی۔ غالباً حمید پھر کہیں نکل بھاگا تھا۔ فریدی نے سیاہ رنگ کی چھوٹی آسٹن نکالی۔ یہ کار شاذ و نادر ہی استعمال ہوتی تھی۔ بہت ہی اہم مواقع پر فریدی اسے نکالتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار مختلف سڑکوں سے گذرتی ہوئی شہر کے ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئی جہاں کرائے پر دیئے جانے والے بے شمار گیراج تھے۔ فریدی نے کار سے اُتر کر ایک گیراج کھولا اور کار اس کے اندر لے جا کر کھڑی کر دی۔ یہ اُس نے کرائے پر لے رکھا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک موٹر سائیکل دھکیلتا ہوا گیراج سے نکلا۔ اب اس کے سر پر فلٹ ہیٹ کی بجائے ایک عجیب وضع کی ٹوپی نظر آرہی تھی۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور وہ اس کے سر پر کھال کی طرح منڈھی ہوئی تھی۔ جسم پر کوٹ کی جگہ چمڑے کی جیکٹ نے لے لی تھی۔

موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے وہ ایک سنسان اور تاریک راستے پر ہولیا۔ موٹر سائیکل کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس نے کہیں بھی اسے کسی بھری پُری سڑک پر موڑنے کی کوشش نہیں کی۔

اس کی منزل دراصل گریٹا کی قیام گاہ اسپرنگ کاٹج تھی۔

اس علاقے میں بہت تھوڑے سے مکانات تھے اور وہ بھی ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ فریدی اسپرنگ کاٹج سے دو ڈھائی فرلانگ ادھر ہی موٹر سائیکل سے اتر گیا۔ شائد اس نے پہلے ہی سے موٹر سائیکل چھپانے کے لئے جگہ کا تعین کر رکھا تھا۔

موٹر سائیکل کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ پیدل ہی اسپرنگ کاٹج کی طرف چل پڑا۔ اُسے ایسی ہی ایک رات یاد آرہی تھی جب وہ اور حمید چوروں کی طرح اسی اسپرنگ کاٹج میں داخل ہوئے تھے۔ وہ بھی ایک رقاصہ[1] ہی کا معاملہ تھا۔ اس رقاصہ نے بھی رہائش کے لئے اسپرنگ کاٹج ہی کو منتخب کیا تھا۔ وہ بھی ایک ایسی ہی سرد رات تھی۔ لیکن اس معاملے میں فریدی نے نہ تو اتنی تیاریاں کی تھیں اور نہ وہ اتنا محتاط تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ دونوں اس وقت بھی چوروں ہی کی طرح اسپرنگ کاٹج میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی وہ حیثیت برقرار نہیں رکھی تھی۔ ایک آنے والے کے لئے انہوں نے اطمینان سے دروازہ کھولا تھا۔

لیکن آج حمید نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں فریدی اس کے لئے یک بیک بہت زیادہ مضطرب ہو گیا۔ حمید گریٹا پر بُری طرح لٹو ہو رہا تھا اور یہ اس نقطہ نظر سے بڑی خطرناک چویشن تھی۔

اس کے قدم تیزی سے اسپرنگ کاٹج کی طرف اٹھنے لگے۔

پائیں باغ کے اندر چھوٹی سی عمارت تاریکی میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔ جیسے ہی فریدی نے پائیں باغ کے پھاٹک کے سامنے گذرنا چاہا دو بڑے بڑے السیشین غراتے ہوئے پھاٹک کی طرف دوڑے۔ سلاخوں دار پھاٹک اندر سے بند تھا۔ فریدی ایک ہی جست میں چہار دیواری کی اوٹ میں ہو گیا۔ لیکن وہ سلاخوں کے درمیان سے اپنی تھوتھنیاں نکالے برابر بھونکے جا رہے تھے۔ فریدی

---

[1] داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "گیتوں کے دھماکے" جلد نمبر 10 پڑھیے۔

نے پتلون کی جیب سے ایک پیکٹ نکالا۔ اس میں کچے گوشت کے ٹکڑے تھے اسے رکھوالی والے کتوں کے متعلق پہلے ہی سے علم تھا۔ اور وہ ان کے لئے پوری طرح تیار ہو کر آیا تھا۔ نے گوشت کے ٹکڑے اندر پھینک دیئے۔ پھر اسے کتوں کی غراہٹ سنائی دی۔ انہوں نے بھو بند کر دیا تھا۔ لیکن ہلکی سی غراہٹ اب بھی جاری تھی۔ کچھ دیر بعد وہ غراہٹ بھی ختم ہو گئی فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔

فریدی جانتا تھا کہ عمارت بالکل ہی خالی نہیں ہے۔ گریٹا کے دونوں نوکر وہیں رہتے لیکن اس کے باوجود بھی اس نے غیر قانونی طور پر تلاشی لینے کا خطرہ مول لیا تھا۔

وہ چکر کاٹ کر عمارت کی پشت پر پہنچا۔ اسے یاد تھا اس طرف ایک چھوٹا سا دروازہ موجود ہے۔ لیکن یہ بات بہت پرانی ہو چکی تھی اس نے اس دوران میں اس بات کی تحقیق نہیں کی تھی کہ وہ دروازہ اب بھی موجود ہے یا نہیں۔

بہر حال جب وہ عمارت کی پشت پر پہنچا تو اس کے ارادوں پر اوس پڑ گئی۔ اب وہ دروازہ نہیں تھا۔ اس کی جگہ اینٹیں چن دی گئی تھیں۔

فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اسے استعمال نہیں کیا۔ وہ اب پھ پھاٹک کی طرف واپس جا رہا تھا۔ پھر وہ اس جگہ رک گیا جہاں پائیں باغ کی چہار دیواری کا کچھ حصہ بقیہ دیواروں سے اونچا تھا۔ یہاں دراصل نوکروں کیلئے دو چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ جب اسے اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ نوکر انہیں دونوں کمروں میں موجود ہیں تو وہ آگے بڑھا۔ اب وہ دیوار کے اس حصے کے قریب تھا جہاں سے اصل عمارت شروع ہوئی تھی۔ اس نے اپنے سر پر منڈھی ہوئی سیاہ ٹوپی کا اگلا سرا نیچے کھینچ لیا۔ اس کا پورا چہرہ اس ٹوپی نے ڈھک لیا تھا۔

وہ کون تھا

اس کی عقابی آنکھیں دو سوراخوں سے جھانک رہی تھیں۔ دوسرے لمحے میں وہ دیوار کے اوپر تھا اور پھر دوسری طرف اترنے میں اسے کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ یہاں دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی۔

وہ برآمدے میں پہنچ کر رک گیا۔ پھاٹک کے قریب نوکروں کے کمرے میں روشنی نظر آ رہی تھی لیکن وہ اتنی تیز نہیں تھی کہ برآمدے تک پہنچ سکتی۔ گھاس میں چھپے ہوئے جھینگر جھائیں جھائیں کر رہے تھے۔ اکثر دور سے گیدڑوں کی صدائیں آتیں اور پھر سکوت چھا جاتا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ بات اہم ہی رہی ہوگی ورنہ وہ عمل کے وقت سوچنے کا قائل نہیں تھا۔

یک بیک وہ دروازے کی طرف مڑا۔ اسے توقع تھی کہ وہ مقفل ہوگا۔ مگر وہ ہینڈل گھماتے ہی کھل گیا۔ اس نے بڑی احتیاط سے اندر داخل ہو کر دروازہ پھر بند کر دیا۔

اب اس کی ننھی سی ٹارچ دوبارہ نکل آئی تھی کیونکہ یہاں چاروں طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ روشنی کی باریک سی لکیر ادھر اُدھر تیزی سے گردش کرنے لگی۔

وہ بڑی تیزی سے کمروں کی چیزیں الٹنے پلٹنے لگا۔

اچانک اسے ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ اس نے ٹارچ بجھا دی اور چپ چاپ ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ دو تین منٹ گذر گئے۔

آخر اس نے اسے سماعت کا واہمہ سمجھ کر دوبارہ کام شروع کر دیا۔ اس نے سارے صندوق الٹ دیئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اس وقت حمید بھی ہوتا۔

آخر میں وہ گریٹا کی خواب گاہ میں آیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر سنگھار میز پر پڑی.... اور اس نے تلاشی کی شروعات اسی سے کی۔ درازیں کھول کر دیکھیں۔

اور پھر اس کی نظر ایک چوڑے منہ کی شیشی پر جم گئی جس میں کئی رنگوں کے ننھے ننھے کیپسول بھرے ہوئے تھے۔

کئی رنگوں کے کیپسول؟ فریدی کے ذہن نے دہرایا.... سرخ، پیلے، گہرے گلابی اور آبی رنگ کے کیپسول۔ کیا ایک ہی رنگ کے کافی نہیں تھے۔

فریدی نے شیشی کا ڈھکن کھول کر تھوڑے سے کیپسول اپنی ہتھیلی پر الٹ لئے۔ ان میں سے ایک آدھ کھول کر بھی دیکھے لیکن وہ خالی تھے۔ اس نے ان میں سے ہر رنگ کے دو چار نکال کر جیب میں ڈال لئے۔

اس کے ذہن میں ایک بہت بڑا شبہ سر ابھار رہا تھا۔ ان کیپسولوں کی موجودگی کے باوجود بھی وہاں اسے کوئی ایسی دوا نہ دکھائی دی جس کے استعمال کے سلسلے میں یہ کیپسول ضروری ہوتے۔

ایک جگہ اسے گریٹا کے بہت سے سرٹیفکیٹ ملے جو اسے مختلف ملکوں سے مخصوص تقریبات کے مواقع پر دیئے گئے تھے۔ فریدی نے انہیں بھی جیب میں ڈال لیا۔ اس نے سوچا کہ آخر اس افراتفری کا بھی تو کوئی جواز ہونا ہی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ کل شام کے اخبارات ایک حیرت انگیز چوری کی خبر چھاپیں جس میں صرف سرٹیفکیٹ چرائے گئے ہوں۔

وہ دل ہی دل میں اپنی اس تدبیر پر ہنسا۔

وہ واپسی کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ اسے برابر والے کمرے میں پھر ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے نیند میں کراہ کر کروٹ بدلی ہو۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ وہ تھوڑی ہی دیر قبل سارے کمروں کو دیکھ چکا تھا اور وہ سب خالی تھے۔ وہ دبے پاؤں خواب گاہ سے نکل کر اس کمرے کے بند دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے اسے کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

حیرت کا دوسرا لمحہ۔ کچھ دیر قبل وہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اگر کوئی اس میں داخل بھی ہوا ہے تو اس نے کمرے کی ابتری کی طرف کیوں دھیان نہیں دیا۔ اگر وہ گھر ہی کا کوئی فرد ہے تو اسے ایسی حالت میں اس طرح دروازہ بند کر کے بیٹھ رہنے کی بجائے پورے مکان کا چکر لگانا چاہئے تھا۔ اندر داخل ہونے والے نے روشنی بھی نہیں کی تھی۔

اس نے دروازے کے شیشوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ دفعتاً اسے روشنی کی ایک باریک سی لکیر گردش کرتی ہوئی نظر آئی۔ غالباً یہ اسی قسم کی ٹارچ کی روشنی تھی جیسے کچھ ہی دیر پیشتر فریدی استعمال کر چکا تھا۔ ٹارچ کی روشنی بکھرے ہوئے سامان پر رینگتی پھر رہی تھی۔

پھر ٹارچ بجھا دی گئی اور کسی نے دروازے کے ہینڈل کو اندر سے پکڑ کر گھمایا۔ فریدی دروازے کے سامنے سے کھسک کر دیوار سے چپک گیا۔

باہر آنے والے کے پس منظر میں کھلا ہوا آسمان تھا۔ اس لئے فریدی اس کا دھندلا سایہ دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ایک طویل القامت آدمی تھا۔

اب وہ فریدی کے قریب سے گذرتا ہوا خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

اچانک بیرونی برآمدے میں کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے

دروازے کا ہینڈل گھمایا ہو۔ خواب گاہ میں گھسا ہوا آدمی باہر نکل آیا۔ پھر فریدی نے اس کو صحن سے گذر کر باورچی خانے کی چھت پر چڑھتے دیکھا۔

خود اس کا بھی وہاں ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرا آدمی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ فریدی نے بھی بڑی تیزی سے اس کی تقلید کی۔ باورچی خانے کی دیوار کافی نیچی تھی۔ اس نے چھت پر چڑھ کر دوسری طرف جھانکا۔ دوسرا آدمی نیچے کود چکا تھا۔ اندر داخل ہونے کے لئے یہ راستہ بڑا آسان تھا۔ لیکن فریدی نے جلدی میں اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ پہلے کودنے والا بڑی تیز رفتاری سے ایک طرف جا رہا تھا۔ فریدی نے بھی نیچے چھلانگ لگا دی۔ حالانکہ اس نے کریپ سول جوتے پہن رکھے تھے مگر کودنے سے جو آواز ہوئی وہ آگے جاتے ہوئے آدمی کو چونکا دینے کے لئے کافی تھی۔ وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھٹکا پھر بیک بیک دوڑنے لگا.... فریدی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

اچانک اسپرنگ کاٹج کی طرف سے کسی نے فائر کیا۔ گولی سنسناتی ہوئی فریدی کے قریب سے نکل گئی۔ دوسرا فائر ہوا۔ شور وغل کی آوازیں بھی سناٹے میں انتشار پھیلانے لگیں۔

دوسرا آدمی فریدی کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اب اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس کے تعاقب کا خیال ترک کر کے چپ چاپ یہاں سے نکل جائے۔

دوسری صبح فریدی ناشتے کی میز پر حمید کا انتظار کر رہا تھا اور اس کے ذہن میں پچھلی رات کے واقعات تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ آخر وہ دوسرا آدمی کون تھا؟ اور اسے کس چیز کی تلاش تھی؟

کئی منٹ گذر گئے لیکن حمید نہیں آیا۔ پھر نوکر نے اطلاع دی کہ وہ موجود ہی نہیں ہے۔

فریدی نے سارا دن اپنی تجربہ گاہ میں گذارا.... اور شام کو جب نیچے آیا تو اس نے سب سے پہلے شام کو شائع ہونے والے اخبارات طلب کئے اور پھر وہ خبر اُسے مل ہی گئی جس کی اسے تلاش تھی.... تقریباً سارے ہی اخبارات نے خبر جلی حرفوں میں دی تھی۔ "اطالوی رقاصہ گریٹا سیرانو کے یہاں عجیب و غریب چوری۔ گھر کا سارا سامان الٹ پلٹ دیا گیا.... لیکن چور صرف اس کے سرٹیفکیٹ لے گیا۔ پولیس نے رپورٹ درج کر لی ہے اور کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش تحقیقات کر رہے ہیں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے ڈرائیور کو آواز دے کر کیڈی نکالنے کو کہا۔

"ابھی ابھی حمید صاحب لے گئے ہیں۔" ڈرائیور نے کہا اور فریدی تاؤ کھا کر رہ گیا.... اور حمید اپنی خیالی مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا اسپرنگ کاٹج کی طرف اڑا جارہا تھا۔ چمڑے کے تھیلے میں درجنوں بے ضرر سانپ کلبلا رہے تھے۔

اسپرنگ کاٹج پہنچ کر وہ کیڈی سے اتر گیا۔ لیکن تھیلا اسی میں پڑا رہنے دیا۔ برآمدے میں کھڑے ہوئے ملازم نے کارڈ طلب کیا۔

"اوہ....!" حمید پیر پٹخ کر بولا۔ "جاکر کہہ دو.... ڈاکٹر زیتو تشریف لائے ہیں۔"

"صاحب وہ اردو نہیں سمجھتیں۔ لکھ کر دیجئے۔" نوکر نے لجاجت سے کہا۔

حمید نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پنسل سے گھسیٹ کر اسے دے دیا۔ نوکر کو واپسی میں دیر نہیں لگی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے حمید کا انتظار ہی رہا ہو۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اس کی نظر انسپکٹر جگدیش پر پڑی۔ حمید نے جگدیش کو چونکتے دیکھا۔ وہ بھی بوکھلا گیا تھا۔ لیکن اس نے گریٹا کی نظر بچا کر جگدیش کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بائیں آنکھ دبادی۔

"آفیسر.... یہی ہے وہ آدمی۔" دفعتاً گریٹا چیخ کر بولی۔

"اگر یہ وہی آدمی ہے تو مجبور ہوں۔" جگدیش ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیوں....؟" گریٹا اسے گھورنے لگی۔

"میں یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ اس نے آپ کے سرٹیفکیٹ چرائے ہوں گے۔" جگدیش نے کہا۔ "ہاں اگر آپ کا پاؤڈر پف یا ہیئر پن غائب ہوا ہوتا تو بات دوسری تھی۔"

حمید ان دونوں کو پاگلوں کی طرح گھورتا رہا۔ اس نے گریٹا کے یہاں کی چوری کی خبر پڑھی تھی۔ لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گریٹا نے اُسی کے خلاف شبہ ظاہر کیا ہوگا۔

"کیا آپ اس سے واقف ہیں۔" گریٹا نے پوچھا۔

"اچھی طرح.... یہ ایک معزز شہری ہے۔"

"کیا بات....!" حمید نے ان دونوں کو باری باری سے گھور کر کہا۔

"اچھا مس گریٹا....!" جگدیش اٹھتا ہوا بولا۔ "میں پوری کوشش کروں گا۔"

جگدیش سر جھکائے ہوئے حمید کے قریب سے نکل گیا۔ حمید کھڑا گریٹا کو گھورتا رہا۔ اس نے اسے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

"آخر بات کیا ہے۔" حمید نے پھر پوچھا۔

"یہاں چوری ہوگئی ہے۔"

"میں جانتا ہوں.... میں نے اخبار میں دیکھا تھا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "لیکن کیا تمہیں مجھ پر شبہ ہے۔"

"میں نے یونہی خیال ظاہر کیا تھا۔" گریٹا تھوک نگل کر بولی۔ پھر تھوڑے توقف کے ساتھ اس نے پوچھا۔ "آخر تم ہو کون؟"

"ڈاکٹر زیتو.... سانپوں کا ماہر۔"

"پولیس والے تمہیں کیسے جانتے ہیں۔"

"وہ مجھے جاننے پر مجبور ہیں.... میں یہاں کا ایک بہت بڑا آدمی ہوں۔"

"اور تم سانپ پکڑتے ہو۔"

"ہاں یہ میری ہابی ہے۔"

"ہوگی.... میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔"

"سرٹیفکیٹ کے لئے پریشانی۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "میں یہاں سے تمہیں درجنوں سرٹیفکیٹ دلادوں گا۔"

"جاؤ.... پھر کبھی آنا۔" گریٹا بے صبری سے ہاتھ ملا کر بولی۔

"میں سانپ لایا ہوں۔"

"مجھے بالکل فرصت نہیں ہے۔"

"تو تم نے میرا اتنا وقت کیوں برباد کرایا۔" حمید بگڑ گیا۔ "میں بہت مشغول آدمی ہوں۔"

گریٹا کچھ نہ بولی۔ وہ بہت زیادہ اکتائی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔

"اچھی بات ہے میں جارہا ہوں۔" حمید نے پیر پٹخ کر کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ کیڈی پائیں باغ کی روش پر کھڑی تھی۔ اس نے سانپوں کا تھیلا نکالا اور پھر گریٹا کے ڈرائنگ روم میں

جا گھسا۔ گریٹا بھی شائد باہر ہی جانے کے لئے اٹھی تھی۔ حمید نے تھیلا میز پر الٹ دیا اور گر
مار کر صوفے پر چڑھ گئی۔ درجنوں سانپ میز پر رینگتے پھر رہے تھے۔

"کیا میں جھوٹ کہتا ہوں۔" حمید نے پرسکون لہجے میں کہا اور جھک کر ایک سانپ اٹھا
بولا۔ "یہ میرے کیچوے ہیں۔"

گریٹا صوفے پر کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔ دفعتاً ایک کالا سانپ پھن اٹھائے صو
کی طرف لپکا اور گریٹا دوبارہ چیخ مار کر حمید کی گردن میں جھول گئی۔ پھر وہ دونوں صوفے پر ڈ
ہو گئے۔ نوکر برآمدے پر کھڑے چیخ رہے تھے۔

"خدا کے لئے....!" گریٹا ہانپتی ہوئی بولی۔

"تم مجھے جھوٹا سمجھتی تھیں۔"

"نہیں.... نہیں.... انہیں لے جاؤ۔"

"گھبراؤ نہیں.... جب تک تم میرے قریب ہو یہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتے۔"

حمید نے سوچا کہ اگر یہ نوکر شور مچاتے ہوئے سڑک پر نکل گئے تو بڑی زحمت ہوگی۔

اس نے گریٹا سے کہا۔ "ان گدھوں کو چپ کراؤ ورنہ میرے سانپوں کا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔"

گریٹا خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ ہاتھ ہلا کر نوکروں کو چلے جانے کا اشارہ کرنے لگی۔

نوکروں نے اس کے اس رویہ کو حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور چپ چاپ چلے گئے۔

"اوہ.... ای۔" گریٹا پھر چیخ مار کر حمید پر لد پڑی۔ ایک سانپ صوفے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید نے اسے دوسری طرف جھٹک دیا۔

"ہٹاؤ.... انہیں.... ہٹاؤ.... ورنہ میں نوکروں کو بلاتی ہوں۔"

"نوکر اس کمرے میں گھسنے کی بھی ہمت نہ کر سکیں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"دو باتیں.... ایک تو تم یہ تسلیم کرو کہ میں جھوٹا نہیں ہوں۔"

"میں تسلیم کرتی ہوں۔"

"دوسری بات یہ کہ مجھ سے روز ملو گی۔"

"ملوں گی۔"

"بس ٹھیک! اچھا مجھے اٹھنے دو تاکہ میں انہیں دوبارہ تھیلے میں رکھ سکوں۔"

گریٹا اُسے چھوڑ کر ایک طرف کھسک گئی اور حمید سانپوں کو پکڑ پکڑ کر تھیلے میں ڈالنے لگا۔

"تمہیں خوف نہیں معلوم ہوتا۔" گریٹا نے کہا۔

"نہیں یہ میرے بہترین دوست ہیں۔"

آخری سانپ حمید کے ہاتھ ہی میں تھا کہ ایک لمبا تڑنگا اینگلو انڈین کمرے میں داخل ہوا اور چند لمحے حیرت سے منہ کھولے دروازے کے قریب کھڑا رہا۔

حمید نے سانپ کو جھولے میں ڈالتے ہوئے گریٹا سے کہا۔ "کھیل ختم ہو گیا۔"

"اوہ.... مسٹر کیلب....!" گریٹا نے نووارد کو مخاطب کیا۔ "یہ سانپوں کے ماہر ڈاکٹر زیٹو ہیں۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ اس نے اس سے پہلے کیلب کو کب اور کہاں دیکھا تھا۔

کیلب حمید کو گھورتا ہوا آگے بڑھا اور حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی مسٹر کیلب....!"

"مجھے بھی کم خوشی نہیں ہوئی کیپٹن حمید۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہارے ہاتھ گندے ہیں اس لئے مصافحہ نہیں کر سکتا۔"

"کوئی بات نہیں پھر کسی دن سہی۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"لیکن دوسروں سے تعارف حاصل کرنے کا یہ طریقہ بہت ہی بھونڈا ہے۔" اس نے سانپوں کے تھیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تم انہیں جانتے ہو۔" گریٹا نے جلدی سے کہا۔

"ہاں!" کیلب بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ محکمہ سراغ رسانی کے ایک بدنام آفیسر ہیں۔ وہ عورتیں جو انہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتیں ان سے اس طرح تعارف حاصل کرتے ہیں۔"

"یہ جملہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔" حمید نے فرش سے تھیلا اٹھاتے ہوئے کہا۔

کیلب نے استہزائیہ انداز میں قہقہہ لگایا اور حمید نے گریٹا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم مجھے بہت یاد آؤ گی۔"

وہ کمرے سے نکل آیا۔ لیکن اس کا ذہن کیلب میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ آخر وہ کون تھا....؟

کہاں مری تھی

فریدی مضطربانہ انداز میں اپنی تجربہ گاہ میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے سے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ شائد اس نے ابھی ابھی کوئی تجربہ کر کے اس سے خاطر خواہ نتائج اخذ کئے تھے۔ اس نے نوکر کے لئے گھنٹی بجائی.... اور سگار سلگا کر ایک میز کے کونے پر بیٹھ گیا۔

"حمید کو بھیج دو۔" نوکر کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر اس نے کہا۔

کچھ دیر بعد حمید عجیب ہیئت کذائی میں اس کے سامنے موجود تھا۔ بال بکھرے ہوئے جسم پر ریشم کا پھولدار لمبا لبادہ جاپانی کیمونو سے ملتا جلتا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی سی سرخی تھی۔

"تم دوسروں کو ہنسانے کی کوشش میں بھانڈ ہوئے جا رہے ہو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ غلط سمجھے۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ "میں دراصل آئینے کے سامنے ایک گونگی لڑکی کا رول ادا کر رہا تھا۔"

"بیٹھ جاؤ بکواس نہ کرو۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ نوکر کیا کہتے ہوں گے۔"

"مجھے.... نوکروں....!"

"خاموش رہو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے کان کھول کر سنو۔"

"میرے کان بند نہیں ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تم کل شام کو بھی اسپرنگ کاٹج گئے تھے اور وہاں تم نے جو اودھم مچائی اس کی رپورٹ باقاعدہ طور پر آفس میں آئی ہے۔"

"رپورٹ کس نے کی ہے؟"

"خود گریٹا نے۔"

"گڈ لارڈ....!" حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"تمہاری وجہ سے میری بڑی بدنامی ہوتی ہے۔"

"تو پھر مجھے گولی مار دیجئے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"نہیں بہتر یہی ہوگا کہ تم اب یہاں سے چلے جاؤ۔ جتنی جلد ممکن ہو سکے کوٹھی خالی کر دو۔" فریدی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

حمید بوکھلا کر اسے گھورنے لگا۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... ہاں فریدی بول رہا ہوں.... اوہ.... آپ ہیں.... آداب عرض.... کیا؟" بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اس کے جسم میں بجلی کا شاک لگا ہو۔ وہ آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے سنتا رہا۔ پھر یک بیک بولا۔ "دیکھئے یقیناً کسی نے اس واقعے سے فائدہ اٹھایا ہے.... یقین کیجئے یہ ناممکن ہے۔"

وہ پھر دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگا۔ حمید کو فریدی کی یہ بات گراں گزری تھی وہ جانے کے لئے مڑا لیکن فریدی نے بڑی بے صبری سے ہاتھ اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ جب حمید اس پر بھی نہ مانا تو وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر دہاڑا۔ "ٹھہر جاؤ۔"

حمید رک گیا۔

فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ اسے بھی لاؤں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ کر حمید کی گردن پکڑلی۔ "جاتے کہاں ہو! اب تم کہیں نہیں جاسکتے۔"

"معاف کیجئے گا میں سنجیدہ ہوں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں بھی سنجیدہ ہوں اور ہوسکتا ہے کہ میری سنجیدگی تمہیں پھانسی کے تختے تک پہنچادے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی زبان روکنے کے لئے انتہائی جدوجہد کر رہا ہو۔

ابھی ابھی ڈی۔ آئی۔ جی صاحب نے فون پر اطلاع دی ہے کہ گریٹا مر گئی۔

"کیا....؟" حمید گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"ہاں! فرزند۔ اس کی لاش اسپرنگ کاٹج میں پڑی ہوئی ہے اور پولیس وہاں پہنچ چکی ہے۔ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب بھی موجود ہیں۔"

"ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کا وہاں کیا کام۔" حمید نے کہا۔

"انہیں تمہاری کل والی حرکت کی رپورٹ مل چکی تھی۔ لہٰذا جب انہیں معلوم ہوا کہ گریٹا کی موت سانپ کے کاٹنے کی وجہ سے....!"

"سانپ....!" حمید کے حلق سے خوفزدہ سی آواز نکلی۔

"ہاں.... اس کے داہنے پیر میں سانپ کے کاٹنے کا نشان موجود ہے۔" فریدی پر سکون لہجے میں کہا۔

یقیناً کسی نے مجھے بُری طرح پھنسادیا۔

"فریدی تو پاگل ہے۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اُسے خواہ مخواہ شک کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ وہ غلط بھی سوچ سکتا ہے مگر حمید صاحب یہ کیا ہوا....؟"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی تھی۔

"گریٹا کے نوکروں نے بھی تمہارے خلاف شہادت دی ہے اور ایک آدمی اور ہے۔ کیا.... کل اس نے بھی تمہارے ہاتھ میں سانپوں کا تھیلا دیکھا تھا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"بُرے سے بھی کچھ زیادہ۔" فریدی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "خیر تم جلدی سے ہو جاؤ۔ ہمیں وہاں فوراً ہی پہنچنا ہے۔"

"میں بھی چلوں۔"

"ہاں! تم فکر نہ کرو۔ تم بعض اوقات فریدی کو بدھو سمجھنے لگتے ہو۔ اب میں تمہیں دکھاؤں کہ فریدی کیا ہے؟"

"بڑی خطرناک پوزیشن ہو گئی ہے میری۔"

"تمہاری اس حماقت سے مجرم ہوشیار ہو گئے اور انہوں نے نہ صرف گریٹا کو ٹھکانے لگا بلکہ تمہیں بھی مصیبت میں ڈال گئے۔ اب ہمارے پاس ان کا کوئی سراغ نہیں۔ گریٹا ایک ا ذریعہ تھی.... خیر.... میں دیکھوں گا۔ جلدی کرو۔"

حمید پر بُری طرح بدحواسی طاری تھی۔ وہ بزدل نہیں تھا۔ لیکن جب وہ یہ دیکھتا کہ قانون گرفت میں آنے والا ہے تو بہت جلد پریشان ہو جاتا تھا۔ بادی النظر میں اُسے ہی گریٹا کی موت ذمہ دار قرار دیا جاسکتا تھا۔ کوئی عدالت اسے نہ تسلیم کرتی کہ سارے ہی سانپ بے ضرر ہوں گے۔ اور نہ اس بات کا کوئی ٹھوس ثبوت مہیا کیا جاسکتا تھا کہ حمید سارے سانپ سمیٹ ہوگا۔ ہو سکتا تھا کہ ایک آدھ کہیں چھپا رہ گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

"تم نے سانپ کس کیج سے نکالے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیج نمبر چار سے۔" حمید نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اس میں کوئی بھی زہریلا نہیں۔"

"ٹھیک ہے! میں انہیں دیکھتا رہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

پھر راستے بھر دونوں خاموش رہے۔ وہ دونوں ہی فکر مند تھے۔

اسپرنگ کاٹج کے سامنے کئی پولیس کاریں کھڑی تھیں اور پھاٹک پر دو کانسٹیبل موجود تھے۔ ریدی اور حمید کو کار سے اترتے دیکھ کر وہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔

"کیا ڈی۔ ایس۔ پی صاحب بھی ہیں۔" فریدی نے ان سے پوچھا۔

اس کا جواب انہوں نے اثبات میں دیا۔ وہ دونوں اندر آئے۔ یہاں سات آٹھ پولیس والوں کے علاوہ فریدی کے محکمے کا ڈی۔ آئی۔ جی بھی موجود تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے حمید کی طرف یکھتے ہوئے بُرا سامنہ بنایا۔

"لاش اندر ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے فریدی سے اس انداز میں کہا جیسے وہ مردے کو اٹھانے کا کام کرتا ہو۔ ان دنوں اُن دونوں میں پھر چشمک ہو گئی تھی۔

فریدی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ لیکن کچھ نہ بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی اور حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ انہیں اس کمرے میں لایا جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر شب خوابی کا لباس تھا۔ مگر یہ سونے کا کمرہ نہیں تھا۔ وہی کمرہ تھا جہاں حمید نے پچھلی شام اپنے کرتب دکھائے تھے۔

"لاش سب سے پہلے کس نے دیکھی۔" فریدی نے سوال کیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ لاش ہی دیکھی گئی ہوگی۔"

"جی ہاں! مجھے یقین ہے کہ کسی نے اسے چیختے بھی نہ سنا ہوگا اور نوکروں نے اس کی لاش صبح ہی پائی ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

"تو تمہیں تفصیل معلوم ہو چکی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"ہرگز نہیں.... مجھے اتنا ہی معلوم ہے جتنا آپ نے فون پر بتایا تھا۔ پھر میں ادھر چلا آیا۔ یہ بات میں نے لاش کی حالت دیکھ کر کہی ہے۔ یہ غالباً ڈرائنگ روم ہے۔"

فریدی خاموش ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"خیر اسے جانے دو۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ "میں کل والے واقعے کی بات کرنا چاہتا ہو

"کل والا واقعہ۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "حمید نے وہ سب کچھ میری ایک کے تحت کیا تھا۔"

"تمہاری اسکیم۔"

"جی ہاں.... گریٹا ایک خطرناک عورت تھی۔"

"کیا کہہ رہے ہو....؟"

"ناخنوں والی وبا میں اسی کا ہاتھ تھا۔"

ڈی۔ آئی۔ جی اُسے چند لمحے حیرت سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "بہت زیادہ سوچنے والے اک ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔"

"آپ نے ہمیشہ میرے متعلق یہی رائے قائم کی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ اتنے ڈی۔ ایس۔ پی نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

"ذرا توقف کیجئے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور وہ واپس چلا گیا۔

"ناخنوں کی وبا کی کیا بات تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی سے کہا۔

اس پر فریدی نے اب تک جتنی بھی چھان بین کی تھی اس کا لب لباب بتاتے ہوئے ک

"اب آپ خود خیال فرمایئے میں اسے محض اتفاق کس طرح تسلیم کرلوں جب کہ وہ ایک دو نہ بلکہ پانچوں موقعوں پر موجود رہی ہے اور پانچوں مرنے والے قومی ترقیاتی پروگرام میں بہت اہم رول ادا کر رہے تھے۔ ابھی تک کوئی عام آدمی اس وبا کا شکار نہیں ہوا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور ڈی۔ آئی۔ جی کچھ سوچتا رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "گریٹا کی پشت کوئی بڑی طاقت تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ ہم لوگ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں تو اس نے ا ٹھکانے لگا دیا۔ اب ہمارے پاس فی الحال اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں۔ گریٹا ہی اس پُر اسرا آدمی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھی۔"

"وہ تو ٹھیک ہو سکتا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔ "مگر کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک سانپ یہاں گیا ہو۔ نوکروں نے بتایا ہے کہ انہوں نے اسی کمرے میں سانپ دیکھے تھے۔"

"لاش انہوں نے یہیں پڑی پائی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"ڈاکٹر کو یقین ہے کہ یہ سانپ ہی کے دانتوں کا نشان ہے۔"

"ہاں بھئی۔"

"موت ہوئے کتنی دیر گذری....!" فریدی نے پوچھا۔

"پچھلی رات دس اور ایک بجے کے درمیان میں۔"

"تو گویا وہ رات کسی وقت خواب گاہ سے اٹھ کر یہاں آئی اور اسے سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن وہ چیخی بھی نہیں۔ خاموشی سے مر گئی۔"

"ممکن ہے! نوکروں نے چیخ نہ سنی ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ "وہ پھاٹک کے قریب والی کوٹھریوں میں سوتے ہیں۔ گریٹا عمارت میں تنہا تھی۔"

"دیکھئے! یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں نفسیاتی نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کیجئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پرسوں رات کو اس عمارت میں چوری ہو چکی ہے۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ اس کے باوجود بھی وہ اس عمارت میں تنہا رہی۔ اس کا نفسیاتی رد عمل تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ گریٹا نوکروں کو بھی اسی عمارت میں سلاتی۔ خیر اسے بھی جانے دیجئے۔ یہ ایک الگ بحث ہے۔ لاش کی طرف دیکھئے۔ وہ ننگے پیر ہے اور جسم پر شب خوابی کا لباس ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خواب گاہ سے اٹھ کر یہاں آئی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ننگے پیر کیوں آئی۔"

"یہ سوال فضول ہے.... بہت سے لوگوں کو گھر میں ننگے پیر چلنے کی عادت ہوتی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن ہمیں اس کا جائزہ بھی نفسیاتی نکتہ نظر ہی سے لینا چاہئے۔ اگر کسی گھر میں اتفاقاً سانپ دکھائی دے جاتا ہے تو اس گھر کے افراد ہفتوں رات کو ننگے پیر یا اندھیرے میں چلنے کی ہمت نہیں کرتے۔ چہ جائیکہ اسی کمرے میں گریٹا نے درجنوں سانپ دیکھے تھے۔ جس طرح ہم یہاں ایک آدھ سانپ کے رہ جانے کے امکانات پر غور کر رہے ہیں کیا خود اس کے ذہن میں بھی یہی چور نہ رہا ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بہر حال ایسے حالات میں اس کا ننگے پیر چلنا سمجھ میں نہیں آتا۔"

فریدی خاموش ہو کر پھر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا پھر اس نے کہا۔ "میں نوکروں سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں"

دونوں نوکر بلوائے گئے۔ وہ خوف سے زرد ہو رہے تھے۔

"تم میں سے کس نے لاش پہلے دیکھی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نے....!" ایک نے جواب دیا۔

"کیا وقت تھا....!"

"چھ بجے تھے شائد۔"

"کیا یہ بلب جل رہا تھا۔" فریدی نے چھت سے لٹکتے ہوئے بلب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"پتہ نہیں.... میں نے نہیں دیکھا۔"

"تم نے....!" فریدی نے دوسرے سے پوچھا۔ اس نے بھی نفی میں جواب دیا۔ پھر فریدی نے پولیس کے عملہ سے بھی یہی سوال کیا۔ لیکن اُن میں سے بھی کسی نے بلب کو روشن نہیں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر جا چکا تھا۔ فریدی نے اسے بھی فون کر کے یہی سوال دہرایا۔ آخر ڈی۔ آئی۔ جی تنگ آ گیا۔

"آخر اس سوال سے تم کیا معلوم کرو گے۔" اس نے اکتا کر کہا۔

"کچھ نہیں۔ میں نے یہ بات معلوم کر لی کہ یہ بلب روشن نہیں تھا۔ حالانکہ گریٹا اس کمرے میں تو کبھی ننگے پیر اندھیرے میں نہ آتی۔ یہاں کام کرنے والا ذرا سا چوک گیا۔ اسے چاہئے تھا کہ لاش یہاں ڈالنے کے بعد بلب روشن کر دیتا۔ اس سے تھوڑا بہت دھوکا تو ہم کھا ہی سکتے تھے۔ ہاں.... یہ بتائیے.... خواب گاہ بھی دیکھی کسی نے؟"

"نہیں! خواب گاہ کیوں؟"

"میرا خیال ہے کہ سانپ نے اُسے وہیں ڈسا ہو گا۔" فریدی بولا۔

پھر وہ خواب گاہ میں آئے۔ فریدی نے اس کمرے میں قدم رکھتے ہی ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑ کر کہا۔ "یہاں بھی کام کرنے والے نے ٹھوکر کھائی ہے۔ غالباً وہ بہت جلدی میں تھا۔ دیکھئے بستر شکن آلود ہے۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے اس پر سونے والا بڑے ہی کرب کے عالم میں مچلتا رہا ہو۔ کیا تعجب ہے کہ ایک اس کا منہ دبائے رہا ہو اور دوسرے نے اس کے پیر کے

ٹھے سے سانپ کا منہ لگا دیا ہو۔ اس کی بھی ضرورت نہیں جناب نشانات مصنوعی دانتوں سے ڈال کر سانپ کے زہر کا انجکشن بھی تو دیا جا سکتا ہے۔ بھلا اتنا مہلک سانپ کون ساتھ لئے پھرے گا۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر میز کی درازیں کھولیں اور ان میں رکھی ہوئی وں کو بڑی تیزی سے الٹتا پلٹتا چلا گیا۔ لیکن اسے وہ شیشی نہ ملی جس میں اس نے ایک رات کئی لوں کے ننھے ننھے کیپسول دیکھے تھے۔

"اب کیا کر رہے ہو تم....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"مجھے ایک چیز کی تلاش ہے جس کے متعلق میں آپ کو پھر کبھی بتاؤں گا۔ مجھ پر اعتماد کیجئے لاش کو اٹھوا کر پوسٹ مارٹم کیلئے بھجوا دیجئے۔ میں ایک بہت بڑی سازش کی بو سونگھ چکا ہوں۔"

تین ہمشکل

پتہ نہیں ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کے دلائل سے مطمئن ہوا تھا یا نہیں۔ مگر اس نے اس سلسلے میں پھر کوئی بات نہیں کی۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے حمید سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن ڈی۔ آئی۔ جی نے اسے روک دیا۔ فریدی پر اسے بہت اعتماد تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ خواہ کچھ ہو فریدی اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگائے گا۔

جس دن گریٹا کی لاش ملی تھی اسی رات کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس کی اطلاع پولیس کو دوسرے دن صبح ہوئی۔ کوتوالی میں حاضر ہونے والے شہر کے قبرستان کے محافظ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ پچھلی رات چند نامعلوم آدمی قبرستان میں داخل ہوئے اور انہوں نے ایک قبر کھودنی شروع کی۔ یہ واقعہ محافظوں کے لئے حیرت انگیز تھا۔ وہ صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے وہاں پہنچے تو کئی رائفلوں کی نالیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ ان سے کہا گیا کہ وہ خاموش رہیں ورنہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہ سکے گا۔

قبر کھود کر ان آدمیوں نے ایک لاش نکالی جس بدبو آ رہی تھی۔ اس کے بعد کا منظر محافظوں کے لئے اور زیادہ تحیر انگیز تھا۔ ان پُر اسرار یوں میں سے ایک نے لاش سے بہت سا گوشت کاٹ کر ایک عجیب قسم کے برتن میں رکھا اور پھر وہ لوگ لاش کو وہیں پڑا چھوڑ کر چلے

گئے۔ محافظ جہاں تھے وہیں رہے۔ ان میں سے کسی نے بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔

پولیس کے لئے یہ ایک حیرت انگیز اطلاع تھی۔ ادھر پولیس کا عملہ موقعہ وارد صورت حال کا جائزہ لے کر قبرستان سے نکلا اور ادھر سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ پھیلنے کی وجہ یہ تھی کہ لاش پہچان لی گئی تھی۔ یہ ناخنوں والی وبا کے آخری شکار ڈاکٹر شر لاش تھی۔

پولیس والوں کے لئے یہ واقعہ عجیب تھا۔ لیکن فریدی کے لئے اس سے بھی کچھ زیادہ۔ جیسے ہی اسے اطلاع ملی وہ حمید کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ لاش اب بھی قبر کے باہر ہوئی تھی اور بدبو کا یہ عالم تھا کہ ناک دینا محال! حمید تو لاش کے قریب بھی نہیں گیا۔ فریدی پر رومال رکھے کئی منٹ تک اس پر جھکا رہا۔ پھر اس نے اس کے قریب ہی سے کوئی چیز اٹھا الگ ہٹ آیا۔

”واقعی.... کولہوں کا گوشت کاٹا گیا ہے۔“ اس نے حمید سے کہا اور چٹکی میں دبی ہوئی چ دیکھنے لگا۔ یہ کسی کے کف اسٹڈ کا ایک حصہ تھا۔

”مگر اس کا مطلب کیا ہے۔“ حمید بولا۔ پھر اس نے جلدی سے کہا۔ ”اب چلئے بھی یہ سے.... کتنی بدبو ہے۔“

”ہاں چلو....!“ فریدی بے خیالی کے انداز میں بولا۔ وہ دونوں قبرستان سے نکل آئے۔

”میں خود نہیں سمجھ سکا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔“ فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ مجرم کافی ہوشیار معلوم ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے محض ہمیں الجھانے کے لئے حرکت کی ہو۔ بہرحال یہ بات تو ان پر واضح ہی ہوچکی ہے کہ میں گریٹا پر کسی قسم کا شبہ کررہا تھا۔

”اور گریٹا کے مرجانے کے بعد ہمارے سارے راستے مسدود ہوچکے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”فی الحال تو یہی صورت ہے۔“

”ارے....!“ دفعتاً حمید چونک کر بولا۔ ”آخر آپ پروفیسر داخ کو کیوں نظرانداز کررہے ہیں۔“

”میں سب کو باری باری دیکھوں گا۔ ابھی وہ اینگلو انڈین بھی تو ہے۔ کیلب مگر حمید.... ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر اس رات اسپرنگ کاٹیج میں وہ دوسرا آدمی کون تھا۔“

”کس رات....!“

جب میں نے گریٹا کے سرٹیفکیٹ چرائے تھے۔ وہ بھی چوروں ہی کی طرح داخل ہوا تھا اور شائد اسے بھی کسی چیز کی تلاش تھی۔

”یہ چیز بھی کافی غور طلب ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اگر وہ مجرموں ہی سے کوئی تھا تو اس کا رویہ تحیر خیز کہا جاسکتا ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں کیڈی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگئے۔ حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ ”گریٹا کی موت کے بعد میں نے ان رنگین کیپسولوں کے لئے پورا مکان چھان مارا لیکن وہ نہ ملے۔“

”آخر آپ کو کیپسول کا خبط کیوں ہوگیا ہے۔“

”حمید صاحب! یہ مجھے اس کیس کی سب سے اہم کڑی معلوم ہوتی ہے۔ آج شام کو ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کی موجودگی میں تمہیں ان کیپسولوں کا تماشہ دکھاؤں گا۔“

”کیا آپ کا خیال ہے کہ زہر کو شراب تک پہنچانے کے لئے وہی کیپسول استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔“

”یہ بھی اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ.... بس شام ہی کو دیکھنا۔ تمہاری سانپوں والی حماقت کی بناء پر مجھے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کو بھی مطمئن کرنا ہے۔“

ایک جگہ فریدی نے کیڈی روک دی اور حمید سے اترنے کو کہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک عمارت کے سامنے کھڑے ہوئے تھے جس کے دروازے پر پروفیسر داخ کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

فریدی نے گھنٹی بجائی۔ کافی دیر بعد خود پروفیسر ہی دروازہ کھولنے کے لئے آیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ اس کا حلیہ ہی بدل گیا ہے۔ پروفیسر کی آنکھوں پر ورم تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسا اکثر زیادہ رونے کی وجہ سے ہوجاتا ہے۔ آنکھوں میں گہری سرخی تھی اور ورم کی وجہ سے وہ سرخی کافی وحشت خیز معلوم ہوتی تھی۔

”کیا ہے....؟“ اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

”اوہ کیا تم نے ہمیں پہچانا نہیں۔“ فریدی بولا۔

”نہیں....!“ پروفیسر نے سر کو جھٹکا دے کر کہا۔

اس پر فریدی نے نیاگرا ہوٹل سے ایک یادگار واپسی کا حال سنادیا۔

"اوہ.... تو تم وہ ہو.... ساری مصیبتوں کی جڑ۔ میں اب تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم نے میری زندگی برباد کردی۔" داخ کا غصہ کچھ اور تیز ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ وہ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا اور پھر اس نے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

"کیا بات ہے پروفیسر.... تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔" فریدی نے پھر نرم لہجے میں کہا۔

"بہتر ہے چلے جاؤ۔ تم آدم کی جنت میں داخل ہونیوالے سانپ۔ تم نے میرا سکون چھین لیا۔"

"میں نے.... کیا کہہ رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"کیا تم نے ہی مجھے گریٹا کے پیچھے نہیں لگایا تھا۔" پروفیسر نے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے.... پروفیسر....!"

"میں روتا نہیں ہوں۔" وہ غصیلی آواز میں چیخا اور آنسو پونچھتا ہوا الٹے پاؤں اندر بھاگ گیا۔

حمید نے حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دے کر فریدی کی طرف دیکھا۔

"آؤ...." فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔ یہاں ماحول کچھ گھٹا گھٹا سا تھا۔ راہداری دن کے اجالے میں بھی تاریک تھی اور معمولی پاور کا بلب اسے روشن کرنے میں ناکامیاب رہا تھا۔ جلد ہی وہ پروفیسر تک پہنچ گئے جو صوفے پر اوندھا پڑا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ وہ دونوں چپ چاپ کھڑے رہے۔

اچانک وہ اچھل کر مڑا اور پھر جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے۔

"جاؤ کیوں میرے پیچھے پڑے ہو.... وہ مر گئی۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"آخر تم اتنے پریشان کیوں ہو۔"

"میں پاگل ہو گیا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں بھی مرنا چاہتا ہوں۔"

"سوکھی ہوئی گھاس کے انبار میں تم نے ایک چنگاری ڈال کر اسے خاک سیاہ کر دیا۔ تم نے میری توجہ گریٹا کی طرف کیوں مبذول کرائی تھی۔"

"اوہ....!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں اس دوران میں گریٹا سے محبت ہو گئی.... اور تم...."

"چپ رہو! جاؤ یہاں سے۔ خدا کے لئے.... چلے جاؤ.... میں پاگل ہو گیا ہوں.... میری کسی بات پر اعتبار نہ کرنا۔ میرا ذہن میرے قابو میں نہیں۔ لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس کی موت کسی اتفاقیہ حادثے کا نتیجہ نہیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو پروفیسر....!"

"دیکھو میں بتاتا ہوں.... مگر تمہیں اس سے کیا سروکار۔ جاؤ اب کوئی دوسری خوبصورت عورت تلاش کرلو۔ تمہیں گوشت ہی تو چاہئے.... جاؤ۔"

"پروفیسر شائد تم مجھے پہچانتے نہیں۔" فریدی نے کہا اور جیب سے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ....!" پروفیسر یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ "تو تم پولیس آفیسر ہو۔" وہ چند لمحے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔ "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم نے ابھی ایک دعویٰ کیا تھا۔"

"مم.... میں....!" پروفیسر ہکلا کر رہ گیا۔ اسکے چہرے کی رنگت کچھ اور پھیکی پڑ گئی تھی۔

"ہاں پروفیسر! تم بہت ذہین آدمی ہو اور ایک ذہین آدمی کوئی بات بغیر دلیل نہیں کہتا.... آخر تم کس بناء پر....!"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرا دماغ قابو میں نہیں۔" پروفیسر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو تم قانون کو دھوکا دینے کی کوشش کررہے ہو۔" فریدی بولا۔

پروفیسر نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور وہ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"نہیں پروفیسر ضرور بتائیں گے۔" حمید نے لقمہ دیا۔

"سرٹیفکیٹوں کی چوری کا کیا مطلب ہے!" دفعتاً پروفیسر نے فریدی سے سوال کیا۔

"یہ ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا۔"

"ایک رات قبل اس کے سرٹیفکیٹ چوری ہوئے اور دوسری رات اُسے سانپ نے ڈس لیا۔"

"تفصیل رہنے دو۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "آخر تم اسے اتفاقیہ حادثہ کیوں نہیں سمجھتے۔"

"بس یونہی! آخر سرٹیفکیٹ چرانے والے کے کس کام آئیں گے؟"

"پروفیسر! اس سے کام نہیں چلے گا۔ میں اس کی موت کے سلسلے میں تحقیقات کررہا ہوں اور

مجھے بھی یقین ہے کہ یہ اتفاقیہ حادثہ نہیں۔ لیکن میرے پاس اس کے لئے بڑی ٹھوس دلیل ہے۔

"اوہو! تو پھر اب مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔"

"ممکن ہے تمہاری دلیل اس سے مختلف ہو اور میں مجرم تک اُسی کے سہارے پہنچ جاؤں۔"

"ٹھہرو....!" پروفیسر اپنا سر پکڑ کر بولا۔ "تم نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے۔ مجھے سوچنے دو۔"

وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے کہا۔ "کیا تم میری بات پر یقین کرو گے۔"

"یہ بات کی نوعیت پر منحصر ہے۔" فریدی بولا۔

"فرض کرو! میں یہ کہوں کہ چوری والی رات کو میں بھی اسپرنگ کاٹج میں موجود تھا۔"

"تم.... یعنی گریٹا کی موجودگی میں۔"

"نہیں.... اس وقت جب غالباً چور سرٹیفکیٹ تلاش کرتا پھر رہا تھا۔"

فریدی اسے گھورنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کیا گریٹا کو تمہاری موجودگی کا علم تھا۔"

"نہیں.... میں اس سے آج تک ملا ہی نہیں۔"

"پھر تم وہاں کیا کرنے گئے تھے۔"

"میں بھی چوری ہی کی نیت سے گیا تھا۔"

"چوری کی نیت سے۔" فریدی نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں میرا دماغ الٹ گیا ہے۔ ٹھہرو.... میں تمہیں وہ چیز دکھاتا ہوں جو میں نے وہاں سے چرائی تھی۔"

پروفیسر انہیں وہیں چھوڑ کر کسی دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ فریدی اور حمید دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد پروفیسر واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جسے فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں نے یہ چرایا تھا۔ صرف یہی۔ کیا یہ پاگل پن نہیں۔ لیکن اس لفافے میں مجھے ایک خط بھی ملا تھا۔ اسے پڑھو! یہی میرے دعویٰ کی دلیل ہے۔"

فریدی نے لفافے کو اپنے ہاتھ پر الٹ دیا۔ دو چیزیں اس کے اندر سے نکلیں۔ ایک تو گریٹا کی تصویر تھی اور دوسری ایک ٹائپ کی ہوئی تحریر۔ فریدی نے اسے غور سے پڑھا اور پھر حمید کی

طرف بڑھا دیا۔ تحریر یہ تھی۔

"گریٹا! اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ بڑی بے بسی کی موت نصیب ہو گی۔ اور دیکھنے سننے والے انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔ یہ میری آخری وارننگ ہے۔

پی سی۔"

حمید نے سوالیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

"تو تم اس تصویر کے لئے وہاں گئے تھے۔" فریدی نے پروفیسر سے پوچھا۔

"اوہ ختم کرو۔" پروفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "بار بار مجھے ذلیل نہ کرو۔ ہر آدمی میں کمزوریاں ہوتی ہیں۔"

"مگر پروفیسر تم اسپرنگ کاٹج میں داخل کس طرح ہوئے تھے۔"

"اوہ خدا.... کیا تم بھی پاگل ہو گئے ہو۔" پروفیسر جھلا کر اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔

"خیر اسے بھی چھوڑو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ آدمی کون تھا جس نے تم سے گریٹا کی سفارش کے لئے کہا تھا۔"

"مجھے اس کا نام یاد آ گیا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "لیکن اس سلسلے میں تم اس سے کیا فائدہ اٹھا سکو گے۔"

"پروفیسر میں سوالات کے سیدھے سادے جواب چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ آدمی کیلب ہی تھا" پروفیسر اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے بات کر رہا ہو۔

"کیلب....!" حمید چونک پڑا۔

"خدا کی لئے! اب مجھے تنہا چھوڑ دو۔" پروفیسر نے کہا۔

"بس ایک بات اور۔" فریدی جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ "کیلب کا پتہ مجھے نوٹ کرا دو۔"

"تیرہ پرنسز اسٹریٹ۔"

"اچھا.... شکریہ۔" فریدی میز سے لفافہ اٹھاتا ہوا بولا۔ "میں اسے لئے جا رہا ہوں۔"

"ہرگز نہیں....!" پروفیسر اچھل کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ "تم تصویر نہیں لے جا سکتے۔"

"یہ نہ بھولو کہ تم اسے چرا کر لائے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو لگاؤ نا میرے ہتھکڑیاں۔ سڑک پر لے جاکر ذلیل کرو۔ میں منع نہیں کرتا۔"

فریدی نے لفافے سے تصویر نکال کر اُسے دے دی۔ پھر وہ اور حمید ہنسنے لگے۔ پروفیسر منہ سے گالیوں کا فوارہ چھوٹ پڑا۔

وہ دونوں ہنستے ہوئے باہر چلے گئے۔

کیڈی میں بیٹھتے ہی ایک بار پھر حمید پر ہنسی کا دورہ پڑا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے!"

"سالے پر بڑھاپے میں عشق سوار ہوا ہے۔"

"بڑھاپے میں اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور عشق ایک کمزوری ہی کا نام ہے۔" فریدی نے ک

کیڈی پرنسز اسٹریٹ کی طرف جا رہی تھی۔ حمید بار بار پروفیسر داخ کی بدحواسی یاد کر ہنس رہا تھا۔

"چلو یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ اس رات میرے علاوہ اور کون تھا۔" فریدی نے کہا۔

"مگر ہے کتنی مضحکہ خیز بات۔" حمید نے کہا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ا آئی تھیں۔ پرنسز اسٹریٹ میں تیرہ نمبر کی عمارت کے سامنے کیڈی رک گئی۔ فریدی نے اپنا کا اندر بھجوایا۔ انہیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نوکر انہیں ایک کمرے میں لایا جہاں ت آدمی پہلے ہی سے موجود تھے۔ کیلب سامنے ہی بیٹھا تھا۔ حمید نے اسے پہچان لیا۔ بقیہ دو آ دیوار کی طرف منہ کئے کھڑے تھے لیکن جیسے ہی وہ ان کی طرف مڑے حمید کے منہ سے ایک آمیز آواز نکلی۔ یہ دونوں بھی کیلب ہی تھے یعنی اس کمرے میں ایک ہی صورت شکل کے ت آدمی موجود تھے۔

چوتھا آدمی

فریدی نے ان تینوں کو غور سے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

صوفے پر بیٹھا ہوا آدمی اٹھتا ہوا بولا۔ "فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ہمیں مسٹر کیلب سے ملنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کس مسٹر کیلب سے؟" اس نے کندہ پیشانی سے پوچھا۔ بقیہ دونوں مسلسل ہی مسکرا رہے تھے۔

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید بے بسی سے سر ہلا کر کہنے لگا۔ "مجھے پہلا نام معلوم نہیں۔"

"یہ بڑی دشواری ہے۔" پہلے نے کہا۔ "ہم چار بھائی ہیں اور چاروں ہم شکل۔ ہم خود اکثر آپس میں دھوکا کھا جاتے ہیں۔ میرا نام ہارڈی کیلب ہے۔ یہ مورینڈل کیلب ہے اور یہ بیلنگر کیلب ہے۔ چوتھے کا نام آسکر کیلب ہے۔"

فریدی اور حمید نے پھر ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ پھر فریدی نے کہا۔

"مجھے اس کیلب سے ملنا ہے جس کے تعلقات گریٹا سیرانو سے تھے۔"

"گریٹا سیرانو.... وہ رقاصہ جسے سانپ نے ڈس لیا تھا۔"

فریدی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بڑی تیزی سے تینوں کے چہروں پر نظر ڈالی۔

"وہ میں تو نہیں ہو سکتا! وہ.... مگر بیلی اور مورین تم تو نہیں ہو۔"

دونوں ہم شکلوں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ اس پر تیسرے نے کہا۔ "تب تو وہ آسکر ہی ہو سکتا ہے مگر بات کیا ہے۔"

"ہمیں گریٹا کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"اوہ.... لیکن آسکر اس وقت موجود نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ جب بھی آئے اُسے میرے آفس میں بھیج دینا۔ میں اپنا کارڈ چھوڑے جا رہا ہوں۔"

"آپ اپنا پیغام کارڈ کی پشت پر تحریر کر دیجئے ورنہ وہ کبھی یقین نہ کرے گا۔ یہی سمجھے گا کہ ہم اسے بیوقوف بنا رہے ہیں۔"

فریدی نے کارڈ لے کر اس کی پشت پر لکھ دیا۔

پھر وہ وہاں سے چلے آئے۔ دونوں ہی خاموش تھے اور واپسی پر راستے بھر خاموش ہی رہے۔ دراصل ان دونوں ہی کو ایک دوسرے کے ریمارک کا انتظار تھا۔

آخر حمید ہی بولا۔ "یہ ایک ایسا حیرت انگیز واقعہ تھا کہ عقل حیران ہے۔"

"مجھے حیرت نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بعض اوقات اس قسم کی مشابہتیں دیکھی گئی ہیں اور پھر وہ تینوں سگے بھائی ہیں۔"

"مگر استاد کہیں میک اپ تو نہیں تھا۔"

"میں اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کمرے میں کچھ اس قسم کی روشنی تھی میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔ یہ نیلے رنگ کی مرکری لائٹ بڑی فضول چیز ہے۔ بہر حال اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کمرے کا ماحول کافی ڈرامائی انداز کا تھا۔ جب ہم پہنچے تو وہ دونوں دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے کھڑے تھے اور تیسرے کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ ہمارے داخل ہوتے ہی دونوں اس طرح مڑے تھے جیسے ہمیں حیرت زدہ کرنا چاہتے ہوں۔"

"تو پھر ہمیں وہاں سے اس طرح چلے نہ آنا چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔" فریدی بولا۔ "یہ سب کچھ رائیگاں نہ جائے گا۔"

اُسی شام کو فریدی کے محکمے کا ڈی۔ آئی۔ جی اس کی استدعا پر اس کی کوٹھی میں آیا۔ فریدی نے پہلے ہی سارے انتظامات مکمل کر رکھے تھے۔ اسے دراصل ڈی۔ آئی۔ جی کو اس بات کا یقین دلانا تھا کہ ناخنوں والی وبا کے سلسلے میں اس کا شبہ بے بنیاد نہیں تھا۔ اگر حمید نے سانپوں والی حرکت کر کے خود کو مشتبہ نہ کر لیا ہوتا تو شائد وہ ابھی اپنے شبہات کا اظہار نہ کرتا۔ اب اسے حمید کی پوزیشن بھی صاف کرنی تھی۔ حالانکہ اس کی استدعا پر اس کے محکمے نے اس امر کا انتظام کر لیا تھا کہ گریٹا کی موت کے سلسلے میں حمید کا نام اخبارات میں نہ آنے پائے۔ لیکن پھر بھی اس کے آفیسر مطمئن نہیں تھے۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے تجربہ گاہ میں پہنچ کر وہاں کے سائنسی آلات کو بڑی حیرت سے دیکھا اور پھر فریدی سے بولا۔ "واقعی ایک مکمل لیبارٹری ہے۔ پھر بھلا بتاؤ تمہارے آگے کون ٹک سکتا ہے۔"

"ارے کیا میں اور کیا میری بساط۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بس شوق ہی تو ہے۔"

پھر اس نے حمید کو اشارہ کیا۔ حمید نے آگے بڑھ کر الماری کھولی۔ اس میں سے شراب کی چند بوتلیں نکالیں۔ کچھ گلاس نکالے اور ایک سوڈے کا سائیفن.... ڈی۔ آئی۔ جی نے اس کی حرکت کو بڑی حیرت سے دیکھا اور جلدی سے بولا۔

"تم جانتے ہو کہ میں شراب نہیں پیتا۔"

"میں بھی نہیں پیتا۔ دراصل اس تجربے کے لئے شراب ضروری ہے۔"

حمید نے بوتلیں کھول کھول کر کئی گلاس بھرے۔ شرابیں مختلف رنگوں کی تھیں کیپسول

آئی۔ جی کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "یہ گریٹا کے پاس تھے۔ یہ سب ایک ہی شیشی میں رکھے تھے اور وہ شیشی اس کی موت کے بعد نہیں ملی۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ مجھ تک پہنچے۔"

فریدی ایک لمحے کے لئے رکا پھر اس نے اسپرنگ کاٹج میں تلاشی کی داستان دہرا دی لیکن یہ یں بتایا کہ گریٹا کے سرٹیفکیٹ اُسی نے اڑائے تھے۔

"لیکن یہ قطعی غیر قانونی اقدام تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"کبھی کبھی قانون کی حفاظت کے لئے قانون سے انحراف بھی کرنا پڑتا ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے ایک کیپسول اٹھا کر کہا۔ "یہ کیپسول سوڈا بائیکارب ملے دیے پانی میں نہیں گھلتے۔ لیکن شراب میں سوڈے کی کتنی ہی زیادہ آمیزش کیوں نہ ہو یہ فوراً تحلیل ہو جاتے ہیں بالکل اسی طرح۔" اس نے ایک گلاس میں سرخ رنگ کا کیپسول ڈال دیا۔ شراب پانی کے رنگ کی تھی اس لئے کیپسول کے گھلنے کا عمل صاف دکھائی دیا۔ وہ شراب کی سطح پر تیرتا ہوا فوراً ہی تحلیل ہو گیا۔

"اب ادھر دیکھئے۔" فریدی نے دوسرا کیپسول خالص سوڈے کے گلاس میں ڈالتے ہوئے کہا۔ کیپسول سوڈے کی سطح پر پڑا رہا۔ فریدی نے کہا۔ "یہ کبھی نہیں گھلے گا۔ میں نے اسے سوڈے میں رات بھر ڈالے رکھا ہے۔ لیکن تحلیل ہونا تو درکنار اس میں ذرہ برابر نرمی بھی نہیں آئی۔"

"خالص پانی میں کیا کیفیت ہوتی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"اُس میں بھی گھل جاتا ہے لیکن اتنی تیزی سے نہیں جتنی تیزی سے شراب میں تحلیل ہوتا ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "حالانکہ کیپسول کو ہر قسم کے سیال میں گھل جانا چاہئے۔ لیکن آخر یہ خالص سوڈے میں کیوں نہیں گھلتا۔ یہ ابھی تک اسی طرح موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ کیپسول چاولوں کے اسٹارچ سے بنائے جاتے ہیں۔"

"جی ہاں.... لیکن یہ کیپسول چاولوں سے نہیں بنائے گئے۔"

"پھر....!"

"خدا جانے! میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ یہ کس چیز سے بنائے گئے ہیں۔"

"اچھا! مگر ناخنوں والی وبا سے اس تجربے کا کیا تعلق۔"

"وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اگر وہ وبا انسان کی لائی ہوئی ہے تو دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس کے لئے کوئی زہر استعمال کیا جاتا ہوگا یا پھر کسی خاص ق جراثیم۔ بعض زہر بھی ایسے ہوتے ہیں جن کا نشان نہیں ملتا اور پوسٹ مارٹم بالکل بے کا ہوتا ہے۔ رہا جراثیم کا معاملہ تو مردہ جسم میں ان کی تلاش بڑی مشکل ثابت ہوتی ہے۔ کبھ اس کا نتیجہ بھی صفر ہی ہوتا ہے۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خواہ وہ زہر ہو خواہ جرا کیپسولوں میں رکھ کر انہیں بڑی آسانی سے شراب میں ڈالا جا سکتا ہے۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر چند لمحے بعد بولا۔ "گریٹا کا وہ رقص میں نے تھا۔ ڈاکٹر شرف کی میز پر زرد رنگ کی شراب تھی اور گریٹا کے ہاتھ میں زرد ہی رنگ کا رومال تھا۔ جسے وہ رقص کے دوران میں اپنی شوخی کا مظاہرہ کرنے کے لئے تماشائیوں کے پر ہلاتی جا رہی تھی۔ اب اگر زرد رنگ کا ایک کیپسول زرد رنگ کے رومال سے نکل کر زرد ہی کی شراب میں جا پڑے تو کسی کو کیا پتہ چلے گا۔ بس تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی چاہئے اور یہ تو آپ ہی چکے ہیں کہ وہ شراب میں گرتے ہی اس طرح گھل جاتا ہے جیسے پانی میں برف کا ننھا سا ریز

فریدی نے اپنے جیب سے زرد رنگ کا ایک رومال نکالا اور زرد رنگ کی شراب کا گ ڈی۔ آئی۔ جی کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "دیکھئے! میں زرد رنگ کا کیپسول اس گلاس میں ڈالنے ہوں۔ جیسے ہی یہ اس میں گرے مجھے بتا دیجئے گا۔"

فریدی نے بالکل اسی انداز میں زرد رنگ کے رومال کو ڈی۔ آئی۔ جی کے گرد گردش دی گریٹا رقص کے دوران میں دیا کرتی تھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی بڑے غور سے گلاس کی طرف دیکھ رہا

"کہئے! کیپسول گرا یا نہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی نہیں۔"

فریدی نے ہاتھ روک لیا اور مسکرا کر بولا۔ "جناب والا وہ پہلی ہی گردش میں پہنچ چکا ہے"

"مگر میں نے نہیں دیکھا۔"

"میں نے عرض کیا نا کہ بس تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی درکار ہے۔"

تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ پھر ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"حالانکہ ابھی تک معاملات میرے ذہن میں صاف نہیں ہوئے۔ مگر پھر بھی تمہاری بات یقین کرنے کو دل چاہتا ہے۔ کیونکہ اول تو یہ کہ یہ وبا اسی شہر میں کیوں محدود ہے۔ دوسری یہ کہ ابھی تک خاص ہی خاص آدمی اس کا شکار ہوئے ہیں۔"

"لیکن آپ یقین کیجئے کہ مجرم جلد ہی اپنی اس حماقت کا ازالہ کریں گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اب آپ دو چار عام آدمیوں کو بھی اس وبا کا شکار ہوتے دیکھیں گے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ ہوشیار ہو گئے ہیں۔ کاش میں گریٹا کے معاملے میں احتیاط سے کام لیتا۔ ان کے ہوشیار ہو جانے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ انہوں نے گریٹا کو ختم کر دیا۔"

"کیا تمہارے پاس ان تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ ہے۔"

"فی الحال.... کوئی نہیں.... البتہ میں اس آدمی کی تلاش میں ہوں جس نے سانپوں والے معاملے میں حمید کے خلاف شہادت دی تھی۔"

"اوہ.... ہاں.... وہ.... کوئی اینگلو انڈین تھا۔"

"جی ہاں کیلب....!" فریدی نے کہا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی ان تینوں ہم شکلوں کا تذکرہ ضرور کرے گا۔ مگر فریدی اس معاملے میں خاموش ہی رہا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی کہ کسی کیس کے دوران میں اپنے آفیسروں کو کبھی مکمل رپورٹ نہیں دیتا تھا۔

"اور ہاں! وہ ڈاکٹر شرف کی لاش کا معاملہ۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"اس کے علاوہ.... اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ مجرم حالات کو پیچیدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ورنہ سڑی ہوئی لاش سے گوشت کاٹنے کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اب وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم خواہ مخواہ چکراتے رہیں۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

اس کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ڈی۔ آئی۔ جی کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

حمید بہت زیادہ اکتایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اس نے کہا۔ "آج رات میں باہر رہوں گا۔"

"ہرگز نہیں۔" فریدی بولا۔ "تم تنہا کہیں نہیں جاسکتے۔"

"بڑی مصیبت ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ مجھے تمہاری ایسی لاش سے بڑی گھن آئے گی جس کے سارے نا ہوئے ہوں.... سمجھے۔"

"مجھے اس کیس سے الجھن ہونے لگی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ابھی تک ہماری حیثیت محض تماشائیوں کی سی ہے۔ ایسے کیسوں میں میرا دل نہ مجھے منطقی دلائل اور ذہنی سراغ رسانی میں ذرہ برابر بھی لطف نہیں آتا۔"

"ڈھول دھپہ اور چیلنج بازی چاہتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "شاید آج کل ناول زیادہ پڑھ رہے ہو۔ پولیس سے خواہ مخواہ الجھنے والے افراد حقیقی زندگی میں بہت کم ملے چالاک قسم کے مجرم ہمیشہ ایسے مواقع بچا جاتے ہیں۔ جیتی جاگتی دنیا سے بہرام یا آرسین کوئی تعلق نہیں۔"

"نہ ہوگا.... لیکن جیتی جاگتی زندگی میں عورتیں تو ملتی ہیں۔ یہاں ایک تھی صاف ہوگئی۔"

فریدی جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نوکر نے ایک کارڈ لا کر پیش کیا۔

"اوہ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کارڈ حمید کی طرف بڑھا دیا جس پر "کیلب ٹریولنگ ایجنٹ فار اسٹار انشورنس کمپنی" تحریر تھا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آئے اور یہاں انہیں ویسا ہی ایک چہرہ دکھائی دیا جیسے تین وہ پرنسز اسٹریٹ کے ایک فلیٹ میں دیکھ چکے تھے۔ لیکن یہ آدمی کچھ مفلوک الحال سا معلوم تھا۔ اس کے پتلون میں کریز نہیں تھی۔ کوٹ میلا اور پرانا تھا۔ بالوں پر گرد جمی ہوئی تھی معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے کوئی تھکا دینے والا سفر کیا ہو۔

"مجھے آپ کا کارڈ ملا۔ پہلے میں آپ کے آفس گیا۔ وہاں سے آپ کا پتہ حاصل کر کے تک پہنچا ہوں۔" کیلب خاموش ہو کر چند لمحے خوفزدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا بولا۔ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے آج تک کوئی غیر قانونی بزنس نہیں کیا۔"

"ہوں....!" فریدی نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"آپ یقین کیجئے.... میری کمپنی والے میری نیک چلنی کی ضمانت دیں گے۔"

"مگر تمہیں یہ خیال پیدا کیسے ہوا کہ میں.... مگر خیر.... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم ہوا کہ م تم سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔"

"جی نہیں.... بھلا کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔ آپ نے تحریر بھی تو نہیں کیا تھا۔ مگر سمجھ میں یں آتا کہ آپ نے اپنا کارڈ میرے فلیٹ میں کیسے پہنچایا۔ وہ مجھے لکھنے کی میز پر رکھا ہوا ملا تھا۔"

فریدی نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا اور پھر کیلب سے بولا۔

"کیا تمہارے بھائیوں نے کچھ نہیں بتایا۔"

"بھائیوں....!" کیلب آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"تمہارے فلیٹ میں تمہارے تینوں بھائیوں سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"کیا فرما رہے ہیں آپ۔ میرا فلیٹ تو پچھلے ایک ماہ سے بند پڑا رہا ہے۔ میں دورے پر تھا اور آج ہی واپس آیا ہوں۔ میرے کوئی بھائی وائی نہیں ہے اور آپ تین بھائیوں کا تذکرہ کررہے ہیں۔"

"اور وہ تینوں تمہارے ہم شکل تھے۔"

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" کیلب بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اچھا تو پھر بتاؤ.... میرا کارڈ تمہاری میز تک کیسے پہنچا۔"

کیلب کچھ نہ بولا۔ وہ چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے گلا صاف کر کے کہا۔ "دیکھئے میں اس فلیٹ میں دس برس سے تنہا مقیم ہوں۔ اس کی شہادت میرے پڑوسی دے سکتے ہیں۔"

"تب پھر تمہارا نوکر ہی اس معاملے پر روشنی ڈال سکے گا۔" فریدی بولا۔

"ارے جناب! آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔ میرے پاس کبھی کوئی نوکر نہیں رہا۔ میں زیادہ تر دورے ہی پر رہتا ہوں۔ اس لئے آج تک نوکر رکھنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ آپ میرے پڑوسیوں سے پوچھ سکتے ہیں اور وہ یہ بھی بتائیں گے کہ میرا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل رہا ہے۔"

"ہوں....!" فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں اور اس نے پوچھا۔ "تم گریٹا سیرانو سے کب سے واقف تھے۔"

"کون گریٹا سیرانو.... میں کسی گریٹا سیرانو سے واقف نہیں۔" کیلب نے کہا۔

دوسری گریٹا

کیلب کے بیان نے ایک نئی الجھن پیدا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فریدی اور حمید کو ایک پھر پرنسز اسٹریٹ جانا پڑا۔ کیلب بھی ان کے ساتھ تھا۔

فریدی نے وہاں پوچھ گچھ شروع کی۔ کیلب کے پڑوسیوں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ اس کا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل رہا ہے۔ لیکن ایک بوڑھی عورت نے بتایا کہ صرف آج ہی اُسے یہاں چند آدمی نظر آئے تھے ورنہ اس سے پہلے اُس نے بھی اس فلیٹ کو بند ہی دیکھا تھا۔

"کیا ان میں سے کوئی آدمی کیلب کی شکل کا بھی تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں جناب.... کوئی بھی نہیں۔ لیکن وہ بھی اینگلو انڈین ہی تھے اور ان کے ساتھ ایک دیسی نوکر بھی تھا۔ پہلے میں سمجھی شائد مسٹر کیلب نے اپنا فلیٹ پگڑی لے کر اٹھا دیا ہے۔ یقین جانئے مجھے اس خیال سے بڑا رنج ہوا۔ میں نے سوچا مسٹر کیلب کو کم از کم مجھ سے اس کا تذکرہ ضرور کرنا چاہئے تھا۔ میری لڑکی کو بھی ایک بڑے فلیٹ کی ضرورت تھی۔ آپ جانئے بال بچوں والوں کے لئے چھوٹے فلیٹ تکلیف دہ ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے تو گیارہ بچے ہیں۔ لیکن اس پر بھی خدا کا شکر ہے کہ وہ ایک بھینس کی طرح توانا اور تندرست ہے.... اور....!"

فریدی نے اُسے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اُس سے پیچھا چھڑانے کے لئے وہ فوراً ہی دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر اُسے جلد ہی اس قسم کی گفت و شنید کا سلسلہ بند کر دینا پڑا کیونکہ اب اُسے یہ ساری باتیں فضول معلوم ہونے لگی تھیں۔

"میں آپ کی موجودگی میں اپنی ایک ایک چیز دیکھنا چاہتا ہوں۔" کیلب نے فریدی سے کہا۔ "پتہ نہیں وہ لوگ کون تھے اور یہاں کس نیت سے آئے تھے۔"

"ہاں.... آں.... ضرور دیکھ لو۔" فریدی نے بے دلی سے کہا۔

وہ دونوں کیلب کے ساتھ اس کے فلیٹ میں آئے اور کیلب نے اپنے سامان کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ پھر آدھ گھنٹے کے بعد اس نے فریدی کو بتایا کہ سارا سامان موجود ہے۔ اس دوران میں فریدی کی عقابی نظریں کونے کھدرے تک میں رینگتی رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے اس واقعے کی رپورٹ کرنی چاہئے۔" کیلب نے کہا۔

"ضرور.... ضرور....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی اس معاملے میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے۔

"لیکن یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔" کیلب نے فریدی سے پوچھا۔

"اوہ کچھ نہیں.... اب معاملہ صاف ہو گیا۔ چند نامعلوم آدمیوں نے تمہارے خلاف غلط فہمی پھیلائی تھی۔ اب تم بالکل مطمئن رہو۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔"

"آخر کس قسم کی شکایت تھی۔"

"قطعی غیر ضروری سوال ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "اب جب کہ اس کا تمہاری ذات سے تعلق ہی نہیں تو تم خواہ مخواہ اپنا اور میرا وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔"

پھر وہ دونوں کیلب کے فلیٹ سے نکل آئے۔

"اب کیا خیال ہے۔" حمید نے کیڈی میں بیٹھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ ایک بدترین قسم کی شکست ہے۔" فریدی غرایا۔ "اور اس کے لئے انہیں بہت جلد پائی پائی کا حساب دینا پڑے گا۔"

"آپ نے اس سے داغ کے متعلق کیوں نہیں پوچھا۔" حمید بولا۔

"اوہ.... جب وہ گریٹا ہی کو نہیں جانتا تو داغ کو کیا جانتا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اس حرکت سے مجرموں کا کیا مقصد ہے۔"

"اب تم نے ڈھنگ کی بات پوچھی ہے۔" فریدی نے کیڈی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ مجرموں نے کیلب ہی کو آلہ کار کیوں بنایا۔ کیا اس لئے کہ وہ زیادہ تر شہر سے باہر رہتا ہے۔ چلو میں اسے بھی مانے لیتا ہوں۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ میں آج ہی کیلب سے ملنا چاہوں گا اور ہماری اس وقت کی تفتیش سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ انہوں نے کیلب کا

فلیٹ صرف آج ہی استعمال کیا ہے۔ مگر کیوں؟ اس کا صریحی مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہماری اسکیموں سے حیرت انگیز طور پر واقفیت رکھتے ہیں۔"

"غالباً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پروفیسر داخ بھی مجرموں کا شریک کار ہے۔" حمید

"ہمیں کوئی پہلو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔"

"مگر مجھے یقین نہیں کہ داخ جیسے احمق کا اس میں ہاتھ ہو۔" حمید نے کہا۔ "اگر وہ مجر ساتھی ہوتا تو اُسے کیلب کا نام لینے کی ضرورت ہی کیا تھی اور وہ آپ کو یہ کیوں بتاتا کہ ایک وہ بھی چوروں کی طرح اسپرنگ کاٹج میں داخل ہوا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "اُس خط کا مو عجیب ہے۔"

"اوں....!" فریدی چونک پڑا۔ "کس خط کا۔"

"وہی جو پروفیسر نے دیا تھا۔"

"میں بھی اس کے متعلق غور کر رہا تھا۔" فریدی بولا۔ "خط لکھنے والا آخر اُسے کن ح سے باز رکھنا چاہتا تھا.... اور یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ وہ خط پروفیسر کے ہاتھ لگ گیا۔'

"تو آپ پروفیسر ہی پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"تمہیں آخر اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"محض اس لئے کہ وہ گریٹا سے پاگلوں کی طرح محبت کرتا تھا۔"

فریدی خاموش رہا۔ سردی آج پھر کچھ بڑھی ہوئی سی تھی۔ حمید پائپ میں تمباکو بھر نہ جانے کیوں اس وقت اسے گریٹا بہت یاد آ رہی تھی اور اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اُ سازش میں ملوث کرے۔ فریدی کے دلائل اس کے ذہن نے ضرور قبول کر لئے تھے لیکن یہی کہتا تھا کہ فریدی سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔

"اب کہاں چل رہے ہیں۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"پروفیسر داخ کے گھر....!"

"کیوں....؟"

لیکن فریدی نے اس "کیوں" کا کوئی جواب نہ دیا۔

پروفیسر داخ کے مکان سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر کیڈی روک دی گئی۔

"کیا وہاں تک پیدل چلئے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"غیر ضروری سوال نہ کیا کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ نہ جانے کیوں اس کی چڑچڑاہٹ بڑھ گئی تھی۔

پروفیسر داخ کے مکان کا برآمدہ تاریک تھا۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ داخلے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اطلاعی گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ گھنٹی کی ہلکی آواز مکان کے کسی دور افتادہ حصے میں سنائی دی۔ تقریباً دو منٹ تک فریدی تھوڑی وقفے سے گھنٹی کا بٹن دباتا رہا لیکن کوئی بھی باہر نہ آیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید تحیر آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔

فریدی نے کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں ٹارچ کی روشنی ڈالی اور پھر وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ عمارت میں چاروں طرف تاریکی کی حکمرانی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے مکان کا سارا سامان الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہو۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے سارے کمرے روشن کر دیئے۔

"آخر پروفیسر کہاں گیا اور یہ سب کیا ہے۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ فرش پر بکھرے ہوئے سامان کو بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے پروفیسر کی تلاش شروع کر دی اور تھوڑی دیر بعد اس نے اسے پا لیا۔ وہ میلے کپڑوں کے ایک ڈھیر کے نیچے اوندھا پڑا ہوا تھا۔

پروفیسر بیہوش تھا۔ اس کے چہرے پر تازہ خراشیں تھیں جن سے خون رس رہا تھا۔ سانس رک رک کر آ رہی تھی۔ حمید نے سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔

"اسے اٹھا کر کھلی ہوا میں لے چلو۔ بیرونی برآمدہ بہتر ثابت ہو گا۔" فریدی نے کہا۔ "میں دو ایک کمبل تلاش کرتا ہوں۔"

حمید بے ہوش پروفیسر کو اٹھا کر برآمدے میں لایا۔

"اتنے ہوشیار لوگ.... کمال ہے۔" فریدی بڑبڑایا اور اس نے چہرے کے علاوہ پروفیسر کا سارا جسم کمبلوں سے ڈھک دیا۔

"آخر [illegible]بطی کا اس معاملے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" حمید بولا۔

"غالباً انہیں کسی چیز کی تلاش تھی۔"

"کہیں وہ خط تو نہیں جو آپ آج ہی پروفیسر سے لے گئے تھے۔"

"نہیں! وہ خط قطعی فضول ہے۔ اس سے مجرموں کا کوئی سراغ نہیں مل سکتا۔ میری نظروں میں تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔"

فریدی نے اسے ہوش میں لانے کے لئے چند تدبیریں اختیار کی تھیں جو آخر کار کامیاب ہوئیں۔ پروفیسر پہلے تو بے سدھ پڑا پلکیں جھپکاتا رہا پھر یک بیک بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"اوہ.... پروفیسر....!" وہ فریدی کے اوپر گر کر کانپنے لگا۔

"کیا ہے.... کیا بات ہے۔" فریدی آہستہ سے اسے اٹھاتا ہوا بولا۔

"کیا تم نے انہیں پکڑ لیا۔" پروفیسر کے منہ سے کپکپاتی ہوئی آواز نکلی۔

"کس کی بات کر رہے ہو۔"

"وہ پانچ تھے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے تھے۔ انہوں نے میرا گلا گھونٹ کر مارا ہے۔"

"کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔"

"مجھے سبھوں کی آوازیں جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھیں۔" داخ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن انہوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے۔"

"آواز سے بھی نہیں پہچان سکے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں گھبرا گیا تھا۔ میرا کبھی اس قسم کی چیزوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ ایسے حالات میں جو بھی ہو تا گھبرا جاتا۔ لیکن اس کا احساس ضرور تھا کہ ان کی آواز سے کان آشنا ہیں۔"

"انہوں نے تم سے کس چیز کا مطالبہ کیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ بس آتے ہی جانوروں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ جب تک جسم میں تاب رہی ان کا مقابلہ کرتا رہا پھر مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔"

"اچھا.... اندر چلو۔" فریدی ہاتھ پکڑ کر اُسے اٹھاتا ہوا بولا۔

اندر آکر پروفیسر نے گھر کی حالت دیکھی تو جانوروں کی طرح شور مچانے لگا۔ بدقت تمام انہوں نے اسے چپ کرایا۔ اس سلسلے میں ایک آدھ بار حمید کو اس کا منہ دبانا پڑا۔

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" پروفیسر اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔ "آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ میں ایک امن پسند شہری ہوں۔ میرا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں۔"

"گریٹا کا عشق آسان نہیں پروفیسر۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اُس کے دوسرے عاشق بھی سوگ منا رہے ہیں۔"

"گریٹا....!" دفعتاً پروفیسر اچھل پڑا۔ "اس کا اس معاملے سے کیا تعلق۔"

"افسوس کہ تم سمجھ نہیں سکو گے ورنہ تمہیں جگر مراد آبادی کا ایک شعر سناتا۔"

"اونہہ!" فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "آؤ چلیں۔"

"ہرگز نہیں۔" پروفیسر اچھل کر ان کی راہ میں حائل ہو گیا۔ "تم مجھے ان حالات میں تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔"

"براہِ راست پولیس سے مدد حاصل کرو۔" فریدی نے کہا۔

"جتنی دیر میں پولیس.... آئے گی....!"

"اوہ.... بچے مت بنو پروفیسر....!" فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر وہ تمہاری جان ہی لینا چاہتے تو پہلے ہی کیوں چھوڑ جاتے۔"

"ممکن ہے انہوں نے مجھے مردہ ہی سمجھ لیا ہو۔"

"پھر بھی میں کچھ نہیں کر سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ مجھے اپنی کار میں بٹھا کر پولیس اسٹیشن پہنچا دو۔"

"چلو بابا....!" فریدی جھلا کر بولا۔

پروفیسر نے مکان مقفل کر دیا.... اور کیڈی کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئی۔ فریدی پر اکتاہٹ اور جھلاہٹ دونوں بیک وقت مسلط ہو گئی تھیں۔ اتفاقاً راستے میں ایک پولیس پٹرول کار مل گئی فریدی نے اسے رکوا کر پروفیسر کو کوتوالی تک پہنچانے کا انتظام کر لیا۔

"لیکن میں وہاں کہوں گا کیا....؟" پروفیسر نے فریدی سے پوچھا۔

"یہی کہ تمہارے گھر میں چند نقاب پوشوں نے گھس کر تم پر حملہ کیا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اور ان میں سے ایک یقیناً کیلب تھا۔"

"کیلب....!" پروفیسر دفعتاً اچھل کر اپنی رانیں پیٹتا ہوا بولا۔ "خدا کی قسم! اب یاد آ گیا۔"

ایک آواز تو سو فیصدی کیلب ہی کی تھی۔ آفیسر میں لاکھوں کی شرط لگانے کو تیار ہوں۔"

"بس اب جاؤ۔" فریدی اس کی پیٹھ تھپکتا ہوا بولا۔ "ننھے بچے! اب جاؤ۔"

پٹرول کار چلی گئی۔

وہ پھر کیڈی میں آبیٹھے۔ حمید سردی سے کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنے ٹھٹھرے ہوئے ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے کہا۔ "جناب میں برف کا بھوت نہیں ہوں۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"موت یا گرم کافی کا ایک پیالہ۔"

"آر لکچو چل رہے ہیں۔" فریدی بولا۔

"شکریہ! خدا آپ کا موڈ ہمیشہ ایسا ہی رکھے۔"

"فرزند! میں بہت اچھے موڈ میں نہیں ہوں۔" فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔

"میں جانتا ہوں.... آپ کو چوٹ پر چوٹ ہو رہی ہے۔"

"لیکن اتنا سمجھ لو کہ وہ لوگ بُری طرح بوکھلائے ہوئے ہیں۔"

"ہوں گے۔" حمید نے پائپ سلگا کر کہا۔ "میرے ذہن میں صرف ایک سوال ہے۔"

"وہ کیا....؟"

"آخر ڈاکٹر شرف کی لاش قبر سے کیوں نکالی گئی۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "اور پھر سڑی ہوئی لاش سے گوشت کاٹنا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"حمید صاحب! صرف یہی ایک چیز میرے ذہن میں بھی صاف نہیں ہے۔ پہلے میں نے سوچا تھا ممکن ہے مجرموں نے ہمیں اور زیادہ الجھانے کے لئے یہ حرکت کی ہو۔ لیکن نہ جانے کیوں اس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"ہاں.... یہ تو بتائیے آخر آپ بیچارے کیلب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ پروفیسر کی رپورٹ پر پولیس اس کی خاصی مرمت کرے گی۔ وہ اس کیلب تک نہ پہنچ سکے گی جو حقیقتاً فساد کی جڑ ہے۔"

"اور تم اس کیلب کو کیا سمجھتے ہو جس سے ہم ابھی مل کر آرہے ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ایک شریف آدمی جو نادانستہ طور پر مجرموں کا آلہ کار بن گیا ہے۔"

حمید نے اس کے جواب میں ہنسی کی ہلکی سی آواز کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا۔ اس نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اس بحث کو اس وقت تک کے لئے ملتوی ہی کردے جب تک گرما گرم کافی کا ایک پیالہ نہ مل جائے۔

آر لکچو پہنچ کر وہ ایک کیبن میں بیٹھ گئے۔ حمید نے اس خیال سے اس کا پردہ نہیں کھینچا کہ اس صورت میں وہ سامنے والے کیبنوں میں نظارہ بازی نہ کرسکے گا۔ جہاں اُسے کئی خوبصورت لڑکیاں نظر آرہی تھیں۔

"یہ لڑکیاں سردیوں میں بھی حسین ہی رہتی ہیں۔" اس نے فریدی سے کہا۔

پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ "اخاہ اب آر لکچو میں برقعے بھی دکھائی دینے لگے۔"

فریدی کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ ایک عجیب قسم کا جوڑا سامنے والے کیبن میں بیٹھ رہا تھا۔ ایک برقعہ پوش عورت اور ایک ایسا مرد جو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا لیکن اس کے چہرے پر بہت ہی شرعی قسم کی ڈاڑھی اور مونچھیں تھیں عورت نے بیٹھتے ہی نقاب الٹ دیا اور دوسرے ہی لمحے میں حمید نے فریدی کے بازو پر جھپٹا مارا۔

"خدا کی قسم....!" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں۔"

"ہم دونوں اُلو ہوگئے ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہ عورت سو فیصدی گریٹا معلوم ہوتی ہے۔"

ڈاڑھی والے نے اٹھ کر اپنے کیبن کا پردہ کھینچ دیا.... حمید کی سانس پھول رہی تھی۔

خطرناک لمحات

حمید چند لمحے سکتے کے سے عالم میں رہا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"آخر یہ سب کیا ہے۔"

"لونڈا پن....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"ہاں! میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ اب مجرموں نے اتنا تیز دوڑنا شروع کر دیا ہے کہ ذرا سی لغزش انہیں منہ کے بل زمین پر لے آئے گی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بچے ہو! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ گریٹا ہے۔ حمید میں سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ بہت بُری طرح بدحواس ہو چکے ہیں۔ اپنی دانست میں یہ مجھے شکست پر شکست دے رہے ہیں اور یہ بہت اچھا ہے۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ یہ اس دھوکے میں رہیں۔"

"دیکھئے اب بہت زیادہ دور اندیشی سے کام نہ لیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں افسوس کرنا پڑے۔"

"کیوں....؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"اب یہی دیکھئے آپ نے محض دور اندیشی کے چکر میں ان تینوں ہمشکلوں سے ہاتھ دھولیا۔"

"اوہ.... تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان دونوں کو اسی وقت یہیں پکڑلوں۔"

"میں تو یہی رائے دوں گا۔ ان کے ذریعہ ہمیں دوسروں کا بھی سراغ مل جائے گا۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ ہم پر ہنسیں۔"

"آخر آپ کے ذہن میں کیا ہے؟"

"میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہے سامنے والے کیبن میں ہے۔ بیٹے حمید خاں اگر میں نے انہیں پکڑلیا تو ہمارے آفیسر ہمیں ہنسی میں اڑادیں گے۔"

"آخر کیوں.... وجہ بھی تو بتائیے۔"

"یہ دونوں بہروپیے ہیں۔ اسے عورت نہ سمجھو۔ وہ ایک کمسن لڑکا ہے اور وہ ڈاڑھی والا اس کا باپ ہے۔ کچھ دنوں پہلے یہ دونوں ایک ریاست میں درباری مسخرے تھے۔ ریاستوں کے خاتمے کے بعد ان کی روزی بھی ماری گئی۔ اب یہ شہروں کے رؤساء کے یہاں سوانگ بھر کر تھوڑا بہت کما کھاتے ہیں۔"

"آپ کو یقین ہے۔"

"یقین کے بغیر کچھ نہیں کہتا۔"

"لیکن اس حرکت کا مقصد۔"

فریدی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

"مقصد بھی سمجھا جاسکتا ہے بشرطیکہ ان کا تعاقب کیا جائے۔"

"تو پھر کیا جائے! حرج ہی کیا ہے۔"

"میں اسے ضروری نہیں سمجھتا۔"

"میں تو کروں گا۔"

"لیکن ہر لحظہ اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ حرکت تم نے اپنی مرضی سے کی ہے۔"

"آپ فکر مت کیجئے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مجھے دور اندیشی سے زیادہ دلچسپی نہیں۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ فریدی کی اس برجستہ خیال آرائی پر حمید کو یقین نہیں آیا تھا۔ باپ اور بیٹے عورت اور مرد کے روپ میں۔ اس خیال پر اس کا دل چاہا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر قہقہے لگائے۔ ں نے تہیہ کرلیا کہ وہ دونوں کا تعاقب ضرور کرے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ بہروپیے ہی ہیں تو ورت کو برقعہ پہنانے کی کیا ضرورت تھی۔

تھوڑی دیر بعد اسی کیبن میں ایک لڑکی اور داخل ہوئی۔ یہ بھی کافی دلکش تھی لیکن یہ برقعے میں نہیں تھی۔ حمید نے مسکرا کر فریدی کی طرف دیکھا۔

"یہ غالباً ان بہروپیوں کی دادی ہے۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

لیکن فریدی بے تعلقانہ انداز میں کافی پیتا رہا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد کیبن کا پردہ سرکا اور وہ وگ باہر آئے۔ فریدی اس دوران میں کچھ اکتایا ہوا سا نظر آنے لگا۔

"اچھا یور ہارڈ شپ" حمید بھی اٹھتا ہوا بولا "اب دیکھئے پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔"

فریدی بھی مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ وہ دونوں بھی باہر آئے۔ ان کے شکار کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی ایک لمبی سی کار میں بیٹھ رہے تھے۔

"تم ڈرائیو کرو گے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "میں ذرا پچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھوں گا۔"

حمید نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ فریدی پچھلی سیٹ پر اس انداز میں نیم دراز ہو گیا جیسے بہت زیادہ تھک جانے کے بعد تھوڑی سی نیند لینا چاہتا ہو۔

لمبی کار سڑک پر نکل گئی۔ اُسے بعد میں آنے والی لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں بہت جلدی میں کہیں پہنچنا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد کار شہر سے نکل کر ایک ویران سڑک پر ہولی۔ حمید نہ جانے کیوں اس وقت خود کو کسی فلم کا ہیرو تصور کر رہا تھا۔ اُس نے

کیڈی کی ہیڈ لائیٹس بھی بجھادی تھیں اور اسکی نظر اگلی کار کی عقبی سرخ روشنی پر جمی ہوئی تھی۔
یکایک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ روشنی میں نہا گیا ہو۔ وہ بے ساختہ مڑا اور پھر اس کی عقل سناٹے میں آگئی۔ کیڈی کے پیچھے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ہی لائن میں چھ عدد ہیڈ لائیٹس نظر آرہی تھیں۔ یعنی تین کاریں برابر سے چلی آرہی تھیں اور انہوں نے سڑک کی پوری چوڑائی گھیر رکھی تھی۔ حمید کے ہاتھوں کے طوطے اڑ کر کوؤں کی طرح کائیں کائیں کرنے لگے۔

اب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ فریدی کی باتوں کا کیا مطلب تھا۔

"بڑے باپ....!" وہ کپکپائی ہوئی آواز میں چیخا۔ "کیا سو گئے....!"

لیکن جیسے ہی اس نے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ کیونکہ سیٹ خالی تھی۔ اگلی کار کافی دور نکل گئی تھی اور پچھلی کاریں گویا سر پر چڑھی آرہی تھیں۔ سڑک کے دونوں طرف دور تک کھائیوں اور گڑھوں کے سلسلے تھے ورنہ وہ کیڈی کو داہنے یا بائیں موڑ کر بھی اس پھندے سے نکل سکتا تھا۔ اس نے بدحواسی میں کیڈی کی ہیڈ لائیٹس روشن کر دیں اور روشنی کی سیدھ میں نظر ڈالتے ہی اس کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ کیونکہ اگلی کار رک کر سڑک پر آڑی کھڑی ہو گئی تھی۔ اس طرح آگے کا راستہ بھی مسدود کر دیا گیا تھا۔

حمید کو یقین آگیا کہ اب جان چھڑانی مشکل ہے۔ سب سے بڑی شامت تو یہ کہ اُس کے پاس ریوالور بھی نہیں تھا۔

اس نے بڑی پھرتی سے بریک لگا کر انجن بند کیا اور ایک کھائی میں کود گیا۔ بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ اگر حمید کو ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہوتی تو اس کا سارا جسم چھلنی ہو گیا ہوتا۔ وہ ڈھلوان میں دوڑتا چلا گیا۔ وہ کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔

"وہ رہا....!" کسی نے چیخ کر کہا اور ساتھ ہی دو فائر ہوئے.... حمید بے تحاشہ دوڑتا رہا۔

اگر اس کے پاس ریوالور ہوتا تو شائد وہ کبھی اس طرح سر پر پیر رکھ کر نہ بھاگتا۔ پھر وہ ایک جگہ سرکنڈوں کے جھنڈ میں الجھ کر گر پڑا.... اور ٹھیک اسی وقت کئی گولیاں "شائیں شائیں" کرتی ہوئی اس کے اوپر سے گذر گئیں۔ حمید بدحواسی میں آگے رینگ گیا۔ سرکنڈوں سے کافی تیز قسم کی کھڑکھڑاہٹ بلند ہوئی۔ حمید کو یقین ہو گیا کہ یہ اس کا آخری کارنامہ ہے اسے اس وقت نہ فریدی پر غصہ تھا اور نہ اپنی حماقت پر افسوس۔

وہ سرکنڈوں میں رینگتا رہا اور پھر اس نے تھوڑے ہی فاصلے پر قدموں کی آہٹ سنی۔

"ڈرو نہیں۔" کسی نے انگریزی میں کہا۔ "وہ نہتے معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ضرور فائر کرتے!"

پھر دوسرے ہی لمحے میں کئی ٹارچوں کی روشنی اندھیرے کا سینہ چھلنی کرنے لگی۔

حمید جہاں تھا وہیں دبکا رہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کہیں قریب ہی ہیں۔" کسی نے کہا۔ "یہ دیکھو.... یہ ٹوٹے ہوئے سرکنڈے۔ چلو یہاں کھڑے ہو کر سرکنڈوں میں فائر کرو۔"

حمید نے بدحواسی میں آگے کی طرف چھلانگ لگائی اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی کھال پھٹ جائے گی۔ وہ برف کے سے ٹھنڈے پانی میں غوطے کھا رہا تھا۔ شائد وہ کوئی تالاب تھا۔

چھ سات فائر بیک وقت ہوئے۔ حمید کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔

پھر اُسے کچھ یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا؟

لیکن جب اسے ہوش آیا تو اس تالاب کا پانی آرام دہ ہونے کی حد تک گرم ہو چکا تھا۔ اس کا ذہن جاگ پڑا تھا۔ مگر آنکھیں بند تھیں۔ اسے پورا جسم ایک دکھتا ہوا پھوڑا معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن وہ گرمی کتنی آرام دہ تھی۔ اور پھر یک بیک اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن کوئی وزنی چیز اس کے سینے سے آلگی۔ اس کے سر پر کھلے آسمان کی بجائے ایک سفید اور بے داغ چھت تھی اور وہ خود ایک مسہری پر کمبلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور وہ لڑکی کتنی خوبصورت تھی جو اُس کے سینے پر ہاتھ رکھے اسے اٹھنے سے روک رہی تھی۔ حمید نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے اس نے کچھ دیر قبل کار ڈرائیو کرتے دیکھا تھا۔ حمید کو ہوش میں آتے دیکھ کر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اور اب تو حمید کو کوئی اٹھ بیٹھنے سے روک ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کیونکہ آنے والا کیلب تھا مفلوک الحال کیلب جس نے خود کو اسٹار انشورنس کمپنی کا ایجنٹ ظاہر کیا تھا۔ حمید نے اسے اس کے پھٹے پرانے لباس سے پہچانا۔ یہ وہی کیلب تھا جس نے کہا تھا کہ اس کا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل رہا ہے۔

"تمہیں حیرت ہے۔" کیلب نے مسکرا کر کہا۔

حمید فوراً ہی سنبھل گیا۔ اُسے یقین تھا کہ اب وہ نہیں مر سکتا۔ جب وہ گولیوں کے طوفان

سے صحیح و سلامت نکل آیا تو اب اس عمارت کی دیواریں اس کا کیا بگاڑ سکتی تھیں اور پھر فریدی
اس طرح اچانک غائب ہو جانا بھی مصلحت سے خالی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"جانتے ہو! تم اب تک کیوں زندہ ہو۔" کیلب نے پوچھا۔

"محض اس لئے کہ ابھی تک میری شادی نہیں ہوئی۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے جواب
اور لڑکی ہنسنے لگی۔

"فریدی گریٹا کے سرٹیفکیٹ کیوں لے گیا تھا۔" کیلب نے پوچھا۔

"تاکہ اس کی موت کی تصدیق کی جاسکے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ "بہتر تو یہی ہوتا
تم یہ سوال خود فریدی ہی سے کرتے۔ ویسے میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اُسی رات کو پروفیسر دا
بھی اسپرنگ کاٹج میں گھسا تھا۔"

"اس کا تذکرہ چھوڑو.... جو میں پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔"

"اس کا جواب فریدی ہی سے مل سکے گا۔"

"یقین کرو کہ تمہیں محض اسی لئے زندہ رکھا گیا ہے کہ اگر تم اس کا تشفی بخش جواب دے
تو تمہیں چھوڑ دیا جائے۔"

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔"

"بالکل سچ....!"

"اچھا تو میرے ہاتھ میں ایک ریوالور دے کر مجھے اس عمارت سے نکال دو۔ میں دو
کے فاصلے سے تمہیں اس کا جواب دے کر اپنی راہ لوں گا۔"

"بکواس میں وقت نہ ضائع کرو۔"

"سنو دوست کیلب یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہو۔ میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اس کا جواب
کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤں۔"

"تمہاری مرضی....!" کیلب لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

"لیکن تمہاری موت بڑی عبرتناک ہوگی.... سمجھے۔"

"ابھی نہیں سمجھا.... سمجھنے کے لئے تھوڑا وقت چاہتا ہوں۔"

"اچھا یہی بتا دو کہ فریدی کہاں گیا۔"

"وہ میرے ساتھ تھے ہی نہیں۔"

"یہ بھی غلط ہے۔"

"غلط نہیں ہے.... وہ شہر میں ایک جگہ اتر گئے تھے اور انہوں نے مجھے بھی اس تعاقب سے
کنا چاہا تھا.... لیکن.... میرا طریق کار ان سے الگ ہے۔"

کیلب تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "وہ بہت چالاک ہے۔ مگر کب تک.... تم نے
بھی دیکھ لیا۔ سچ کہنا کبھی ایسوں سے بھی سابقہ پڑا تھا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ لیکن یہ سکوت جلد
ٹوٹ گیا۔ دو اینگلو انڈین کمرے میں داخل ہوئے۔

"کیا آگئے؟" کیلب نے ان سے پوچھا۔

ان دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اٹھو....!" کیلب نے حمید سے کہا۔

حمید بے چوں و چرا اٹھ گیا۔ وہ ایسی حالت میں کسی قسم کا جھگڑا نہیں مول لینا چاہتا تھا۔ کیلب
د کے آگے تھا اور دونوں اینگلو انڈین حمید کے پیچھے چل رہے تھے۔

وہ ایک بڑے کمرے میں آئے۔ حمید نے حیرت سے اس کمرے کے ساز و سامان کو دیکھا۔ یہ
کسی سائنٹسٹ کی تجربہ گاہ تھی۔ چاروں طرف مختلف قسم کے آلات نظر آرہے تھے۔ ان
سے بعض تو ایسے تھے جو آج تک حمید کی نظر سے نہیں گزرے تھے۔

اچانک سامنے والے دروازے کا پردہ ہٹا اور حمید کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی چیخ نکل گئی۔
کے سامنے پروفیسر داخ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کیوں! میں نے کیا کہا تھا۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں نے کہا تھا اگر تم کچھوے کے
کی پیٹھ پر پوری قوت سے بھی کھڑے ہو جاؤ تو اُسے گزند نہیں پہنچا سکتے۔"

حمید سکتے کے عالم میں چپ چاپ کھڑا رہا۔

"بولو.... تم خاموش کیوں ہو۔" پروفیسر پھر بولا۔

حمید کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ بدستور خاموش کھڑا رہا۔

"تم یا فریدی جیسے کیچوے میری ذہانت سے نہیں ٹکرا سکتے۔ سمجھے۔" پروفیسر کہتا رہا۔ "میں

پروفیسر داخ! اس ناخنوں والی وبا کا خالق ہوں۔"

"ناخنوں والی وبا....!" حمید نے احمقوں کی طرح دہرایا۔

"ہاں! میں پروفیسر داخ۔ اس صدی کا سب سے بڑا مفکر اور سائنٹسٹ ہوں میں ایجادات کر سکتا ہوں اور چٹکی بجاتے دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتا ہوں۔ کیا تم نے اپنے ملک کے بعض چوٹی کے آدمیوں کو بے بسی کی موت مرتے نہیں دیکھا"

"لیکن تم نے انہیں مارا ہی کیوں۔" حمید نے رک رک کر پوچھا۔

"محض اس لئے کہ میں ایشیاء کے سیاہ فام جانوروں کو ترقی کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ تم ص سے ہمارے غلام رہے ہو۔ ہم سے سبقت نہیں لے جا سکتے۔ میری زندگی کا سب سے بڑا یہی ہے کہ میں تم جانوروں کو آدمی نہ بننے دوں سمجھے۔"

یک بیک حمید کو غصہ آ گیا۔ اس نے گرج کر کہا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے کار سے واقف نہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کس طرح انہیں ہلاک کرتے رہے ہو"

"بھلا کس طرح....!" داخ نے مسکرا کر کہا۔

"رنگین کیپسولوں کے ذریعہ۔ ایسے کیپسول جو خالص سوڈا بائی کارب ملے ہوئے پانی میں گھلتے لیکن شراب میں فوراً ہی گھل جاتے ہیں۔ خواہ اس میں سوڈا ہی کیوں نہ ملا ہوا ہو۔"

پروفیسر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اور بتاؤں....!" حمید جوش میں بولا۔ "تمہاری آج دن بھر کی قلابازیوں کا مقصد یہی تھا کہ ہم لوگ بوکھلا جائیں اور پھر تم ہمیں گرنیٹا کی ایک ہم شکل کے پیچھے لگا کر پھانس لو۔ تم فریدی کو ہرگز دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ بہر حال تمہارے چوہے دان میں نہیں پھنس سکا"

"اس کے ناخن بھی بہت جلد کھڑے ہو جائیں گے۔" پروفیسر مسکرا کر بولا۔

"فی الحال تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" پروفیسر نے ایک شیشے کے برتن سے ہائپو سرنج نکالی۔

موت کے سائے

حمید کانپ کر رہ گیا۔ کمرے میں پروفیسر کے علاوہ آٹھ آدمی اور تھے اور سب کے

حمید کی خفیف سی جنبش پر بھی ان کے ہولسٹروں سے ریوالور نکل سکتے تھے۔ پروفیسر نے اطمینان سے سرنج میں انجکشن لگانے کی سوئی فٹ کی اور مسکراتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔ اس اس کے چہرے پر نہ تو پاگل پن کے آثار تھے اور نہ وہ حرکات و سکنات کے اعتبار سے کوئی تم کا فلسفی معلوم ہو رہا ہو۔

"ڈرومت....!" اس نے حمید سے کہا۔ "تمہارے بعد فریدی ہی کا نمبر آئے گا۔ تم دوسری میں تنہا نہیں رہو گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی جیسے آدمی کا شاگرد تھا۔ وہ چوہوں کی طرح مرنا تو کسی حالت میں قبول نہ کر سکتا تھا۔ اس نے قریب ہی کھڑے ہوئے ایک اینگلو انڈین پر چھلانگ لگائی لیکن قبل کے کہ وہ اس کے ہولسٹر سے ریوالور نکالنے میں کامیاب ہوتا اس پر بیک وقت آٹھوں اینگلو ٹوٹ پڑے۔

"اوہو....!" پروفیسر نے قہقہہ لگایا۔ "تمہیں اب بھی یقین ہے کہ تم بچ کر نکل جاؤ گے۔"

حمید کو چار آدمیوں نے جکڑ رکھا تھا وہ ہانپتا ہوا چیخا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ہاتھ پیر ہلائے مر جاؤں گا۔"

پروفیسر نے ایک طویل قہقہہ لگا کر کہا۔ "اچھا اسے چھوڑ دو۔"

حمید چھوڑ دیا گیا اور پروفیسر بولا۔ "خوب اچھی طرح ہاتھ پیر ہلا لو۔ لیکن اس صورت میں چبھتے ہی تمہاری موت واقع ہو جائے گی اور تم وبا کی علامات سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکو ہاتھ پیر ہلانے سے دوران خون تیز ہو جائے گا اور اس وبا کے جراثیم حیرت انگیز قسم کی کے ساتھ تمہارے جسمانی نظام پر حاوی ہو جائیں گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ پروفیسر نے ہاتھوں میں ربر کے دستانے پہنے اور شیشے کا ایک مرتبان اٹھاتا بولا۔

"ادھر دیکھو.... یہ رہی تمہاری موت۔"

مرتبان کے چوتھائی حصے میں گندے رنگ کا کوئی سیال نظر آ رہا تھا۔ پروفیسر کہتا رہا۔ "یہ وہ ثیم ہیں جن کا خالق میں ہوں.... لڑکے! تمہیں ڈاکٹر شرف کی سڑی ہوئی لاش سے گوشت جانے پر حیرت ضرور ہو گی۔" وہ خاموش ہو کر مرتبان کا سیال سرنج میں کھینچنے لگا۔

کمرے پر قبرستان کی سی خاموشی مسلط تھی۔ حمید کو تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے سر میں مغز کی بجائے پتھر کا ٹکڑا رکھا ہو۔ بقیہ لوگ اس سے کافی فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے۔ اب اس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ دوبارہ رہائی کے لئے ہاتھ پیر مارتا۔ چند لمحوں کا یہ اس کی ذہنی حالت کے لئے بڑا خطرناک ثابت ہوا تھا۔ اس نے بڑی بے بسی کے عالم میں ہاتھ پیر ہلائے لیکن اس کی زبان نہ ہل سکی۔

پروفیسر نے سرنج کو چہرے کے برابر اٹھا کر اس میں آئے ہوئے سیال کی مقدار دیکھی پھر حمید کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کوئی شفیق بزرگ کسی بچے کو پسندیدہ تحفہ دینے سے قبل مسکراتا ہے۔

"مجھے تم دونوں کا پہلے ہی انتظام کرنا چاہئے تھا۔" اس نے کہا۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔" دفعتاً حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

نہ وہ اس وقت خوفزدہ تھا اور نہ اسے زندگی ہی کی خواہش تھی۔ نہ وہ سو رہا تھا اور نہ جاگ رہا تھا۔ کچھ عجیب سی کیفیت تھی۔

"پھر کس طرح مار سکتا ہوں۔" پروفیسر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ جنہوں نے آگے بڑھ کر حمید کو پکڑ لیا۔ اچانک حمید نے کسی شرابی کی طرح مچلنا شروع کر دیا۔ چار آدمی اسے پکڑے ہوئے تھے لیکن وہ ان کے بس کا روگ نہیں ہوتا تھا۔

"زمین پر گرا دو۔" پروفیسر کے لہجے میں بڑی سفاکی تھی۔

بقیہ چاروں بھی آگے بڑھے اور انہوں نے چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد حمید کو گرا دیا۔ پروفیسر سرنج سنبھالے ہوئے ان کی طرف بڑھا اور پھر وہ جھک کر حمید کے بازو میں اس خطرناک سیال کا انجکشن دینے ہی جا رہا تھا کہ اچانک سرنج اس کے ہاتھ سے اڑ گئی۔ کمرہ ایک فائر کی آواز سے جھنجھنا اٹھا تھا۔ پروفیسر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور اس کے منہ سے ایک موٹی سی گالی نکلی۔

فریدی ہاتھوں میں ایک ٹامی گن سنبھالے ہوئے دروازے میں کھڑا تھا۔

"الگ ہٹو! تم لوگ۔" اس نے ان لوگوں کو مخاطب کیا جو حمید کو دبائے ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک نے ریوالور نکالنا چاہا۔ لیکن ٹامی گن سے پے در پے تین چار گولیاں نکلیں

اور اس کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔

"سب کا یہی حشر ہو گا۔" فریدی نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "ورنہ میں جو کچھ کہوں کرتے رہو۔ نہیں پروفیسر اگر تم نے ذرا بھی جنبش کی تو تمہارا جسم چھلنی ہو جائے گا۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... تم سب۔"

ساتوں اینگلو انڈین حمید کو چھوڑ کر ہٹ گئے۔

"اب تم سب ایک لائن میں کھڑے ہو جاؤ.... چلو! جلدی کرو۔ میں فی الحال تمہیں زندہ ہی رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔" پروفیسر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے غرایا۔

"حمید....!" فریدی بولا۔ "ان کے ہولسٹروں سے ریوالور نکال لو۔"

حمید چپ چاپ کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ فریدی کے مخاطب کرنے پر اس طرح چونکا جیسے ابھی تک بیہوش رہا ہو۔ وہ چند لمحے پروفیسر اور اس کے آدمیوں کو گھورتا رہا۔ پھر دیوانوں کی طرح گالیاں بکتا ہوا ان کی طرف جھپٹا۔ اس نے جلدی جلدی ان کے ہولسٹر خالی کئے اور پھر ایک ایک اس نے پروفیسر کے گالوں پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔

"ہٹ جاؤ.... حمید ہٹ جاؤ۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔ "یہ بہت بڑا آدمی ہے۔ میں اس کی لاف وگذاف سن چکا ہوں۔ اس لئے اس کے ساتھ بہت ہی شاہانہ قسم کا برتاؤ کروں گا۔"

"آپ وقت برباد کر رہے ہیں۔" حمید چیخ کر بولا۔

"کچھ نہیں.... بس سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

حمید چپ چاپ پیچھے کھسک آیا۔ لیکن وہ اب فریدی کو خونخوار نظروں سے گھورنے لگا تھا۔

"پروفیسر....!" فریدی نے داخ کو مخاطب کیا۔ "تم بہت چالاک ہو۔ تم نے ہمیں پھانسنے کے لئے بڑا باقاعدہ نقشہ مرتب کیا تھا مگر افسوس تم سے بچپنا سرزد ہو گیا۔ تمہاری آخری حرکت یوں کھل گئی تم نے ان بہروپیوں سے مدد حاصل کی جن کی سات پشتوں سے میں واقف تھا۔ گریٹا کو تو تمہیں درمیان میں لانا ہی نہ چاہئے تھا۔ اس قسم کی حرکتیں صرف جاسوسی ناولوں ہی میں عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ جیتی جاگتی دنیا میں ان کا وجود مسخرہ پن ہے اور ہاں.... تم ابھی حمید پر اپنی اس تمہارا رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے کیا یہ حقیقتاً تمہاری ایجاد ہے۔"

"ہاں میری ایجاد ہے۔" پروفیسر غرایا۔ "اس کے چہرے پر خوف کے آثار نہیں تھے۔"

"ایجاد نہ کہو.... البتہ دریافت کہہ سکتے ہو۔"

"دریافت! کیا مطلب....!"

"ہاں.... یہ تمہاری دریافت ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور میں اسے ریسرچ کہوں گا۔ البتہ تمہارا یہ کارنامہ ضرور لائق ستائش ہے کہ تم نے ان جراثیم کو سوڈا بائیکارب ملے ہوئے پانی میں زندہ رکھنے کا طریقہ معلوم کر لیا ہے ورنہ یہ جراثیم صرف سڑے ہوئے انسانی گوشت میں زندہ رہ سکتے ہیں اور اسی میں پیدا بھی ہوتے ہیں۔"

"تم کیسے جانتے ہو۔" پروفیسر بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ ٹامی گن سے زیادہ فریدی کے الفاظ اس پر اثر انداز ہوئے تھے اور یک بیک اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔

فریدی نے مسکراتے ہوئے گفتگو جاری رکھی اور اسی کی مناسبت سے تم نے ایسے کیپسول بنائے جو سوڈا بائیکارب ملے ہوئے پانی میں گھل نہ سکیں۔ تم ان جراثیم کو انہیں کیپسولوں میں رکھ کر شراب کے گلاسوں میں ڈلوا دیتے تھے.... اور پھر وہ کیپسول شراب میں گھل جاتے تھے۔ شراب میں چونکہ سوڈے کی آمیزش بھی کی جاتی ہے اس لئے جراثیم اس میں زندہ رہتے ہیں۔ سوڈا بائیکارب کی وجہ سے ان پر اسپرٹ کی تیزی بھی اثر انداز نہیں ہوتی اور وہ اپنا کام کر جاتے ہیں۔"

"تم کیسے جانتے ہو۔" پروفیسر پھر چیخا۔

"ہاں تمہیں ایک سیاہ نسل کے جانور سے اس کی توقع نہ ہوگی۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "لیکن تم سفید نسل کے سوروں کو یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ اب ہمارا زمانہ آرہا ہے۔"

"کبھی نہیں.... کبھی نہیں۔" پروفیسر حلق پھاڑ کر چیخا۔ "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

"مگر تم سفید نسل کے سور! بڑے بے ایمان ہو۔ تم ان جراثیم کو اپنی ایجاد کہہ رہے ہو۔ سنو! سیاہ نسل کا ایک جانور تمہیں ان جراثیم کی تاریخ بتاتا ہے.... جو افریقہ کے زولو لینڈ سے شروع ہوتی ہے۔ زولو لینڈ کی وہ جنگ یاد کرو جو زولو لینڈ کے بادشاہ نپڈمے کے لڑکوں کے درمیان ہوئی تھی۔ انیسویں صدی کی بات ہے بہت زبردست کشت و خون ہوا تھا۔ مہینوں تک ہزاروں لاشیں میدانوں اور گڑھوں میں سڑتی رہی تھیں اور پھر وہ دن یاد کرو جب پادری میکائیل کی تبلیغی پارٹی آدمی کی اس بے وقعتی کا منظر دیکھنے کے لئے سڑی ہوئی لاشوں کے درمیان

گذری تھی۔ اس کے تین آدمیوں کا کیا حشر ہوا تھا۔ کیا ان پر اس وبا کا حملہ نہیں ہوا تھا۔ ناخنوں والی وبا کا حملہ.... پادری میکائیل ڈاکٹر بھی تھا۔ اس نے اس سلسلے میں تحقیقات شروع کیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہاں اگنے والی ایک خاص قسم کی گھاس انسان کے سڑے ہوئے گوشت سے مل کر ایسے نتائج پیدا کرتی ہے۔ اس دریافت کا سہرا اور اصل پادری میکائیل ہی کے سر ہے۔ اس کے بعد پھر شائد تم نے ہی جدید طریقوں پر نئے سرے سے تحقیق کی ہے۔ سمجھے پروفیسر! تم جیسے ذہین آدمی کو اتنے چھچھورے پن کا مظاہرہ نہ کرنا چاہئے۔ پادری میکائیل کے کارنامے پر اس طرح ڈاکہ ڈالنا ٹھیک نہیں۔"

پروفیسر کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "تم نے اپنا آج کا نقشہ بڑی ذہانت سے مرتب کیا تھا۔ لیکن اُسی کے ساتھ ہی ساتھ ایک نقشہ میرے ذہن میں بھی مرتب ہو رہا تھا.... اور اسی کے نتیجے میں تم مجھے یہاں دیکھ رہے ہو ورنہ بھلا میں اس عمارت تک کیسے پہنچ سکتا۔ یہ عمارت جو یہاں جنگل میں محض اس لئے بنائی گئی تھی کہ یہاں جڑی بوٹیوں کی تحقیقات کا کام ہو گا اور یہ بات مجھے آج ہی معلوم ہوئی کہ اس عمارت سے تمہارا اتنا گہرا تعلق ہے۔ اور پروفیسر میں یہاں تک تمہاری ہی کار میں آیا ہوں۔"

"تم جھوٹے....!" پروفیسر نے کہا۔

"ہاں پروفیسر.... یقین مانو۔ میں شہر سے باہر نکلا ہی نہیں۔ میں شہر ہی میں اپنی کار سے اتر گیا۔ اس طرح کہ حمید کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ پھر سب سے پہلے میں نے یہ کیا کہ تمہیں کوتوالی میں دو گھنٹے تک رکوائے رکھا اور اس دوران میں میں نے اپنے انتظامات مکمل کر لئے۔ پھر میرے لئے یہ کیا مشکل تھا کہ میں اس کار کی اسٹپنی کھول کر اس میں بیٹھ جاتا جو پرنسٹن کے چوراہے پر تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ میں جانتا تھا پروفیسر کہ حمید پکڑ لیا گیا ہو گا اور تم کوتوالی سے فرصت پا کر سیدھے وہیں جاؤ گے جہاں حمید کو رکھا گیا ہو گا لیکن پروفیسر اگر تمہیں یہ معلوم ہوتا کہ فریدی نہیں پکڑا جا سکا تو تم ادھر کبھی نہ آتے۔ افسوس! مجھے افسوس ہے کہ تم اپنی ایک حماقت کی بناء پر یہ دن دیکھ رہے ہو۔ تم نے خود ہی نیاگرا کے منیجر سے گریٹا کی سفارش کر کے غلطی کی تھی۔ یہ کام تمہیں کسی اور سے لینا چاہئے تھا۔"

اچانک پھر فریدی کی ٹامی گن سے تین گولیاں نکل کر ایک اینگلو انڈین کے جسم میں پیوست

ہو گئیں اور وہ بے جان ہو کر گر پڑا۔ دراصل اس کا ایک ہاتھ نیچے گر گیا تھا۔

"تم سب اس بات کا خیال رکھو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ پھر پروفیسر سے بولا

"پروفیسر میں اب بھی تمہاری جان لینا نہیں چاہتا۔ البتہ تم سے ایک سودا ضرور کروں گا۔ اگر تم نے میرا کہنا مان لیا تو میں تمہیں یہاں سے نکل جانے دوں گا۔"

"کیسا سودا....!" پروفیسر نے جلدی سے پوچھا۔

"میں تم سے اپنے لئے ایک سرٹیفکیٹ چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"سرٹیفکیٹ.... کیا مطلب۔"

"بس تم مجھے یہ لکھ کر دے دو کہ ناخنوں والی وبا کے سلسلے میں جو تحقیقات فریدی نے کی ہیں میں اُن سے متفق اور مطمئن ہوں اور فریدی ایک اچھا ماہر جراثیم بھی ہے۔ اس نے ان جراثیم کی پیدائش کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے وہ حیرت انگیز اور ایشیا والوں کے لئے قابل فخر ہے۔"

"اس سے تمہارا مقصد کیا ہے۔" پروفیسر نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! بس تم اپنی اس ایجاد سے میرے حق میں دست بردار ہو جاؤ۔ بس اسے ایک طرح کی رشوت سمجھ لو جس کے عوض تم چھوڑ دیئے جاؤ گے۔"

"ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں....!" پروفیسر بڑبڑایا۔

دونوں میں تقریباً پندرہ منٹ تک اسی کے متعلق بحث ہوتی رہی۔ پھر پروفیسر کچھ سوچنے لگا۔ دو تین منٹ غور کرنے کے بعد وہ اس پر تیار ہو گیا۔

"اچھا حمید....!" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ "تم میری جیب سے فاؤنٹین پن اور دستاویزی کاغذ نکال کر پروفیسر کو دے دو۔"

"کیا سچ مچ۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی بگڑ گیا۔ "تم کیا جانو! میں اس دریافت کو دوسری شکل دے کر لاکھوں روپے کما لوں گا۔"

حمید نے چپ چاپ اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ لیکن وہ دل ہی دل میں فریدی کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ وہ ایک ایسے آدمی کو چھوڑنے جا رہا تھا جس نے کچھ دیر قبل اس کی جان لینے کی سفاکانہ کوشش کی تھی۔

پروفیسر نے کاغذ پر لکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا.... اور پھر رک کر کچھ سوچنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر فریدی کی طرف اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھا۔

"چلو.... لکھ بھی دو.... پروفیسر.... ورنہ پھر ہتھکڑیوں کا بوجھ سنبھالنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

پروفیسر بادل ناخواستہ لکھنے لگا۔

ابھی اس نے ایک سطر بھی پوری نہیں کی تھی کہ فاؤنٹین پن ایک زوردار دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ ساتھ ہی ایک بہت تیز قسم کی روشنی کا کوندا سا پروفیسر کے چہرے کے قریب لپکا اور اس نے چیخ کر اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔

ایک اینگلو انڈین پھر فریدی کی طرف جھپٹا لیکن اُسے بھی اپنے دو ساتھیوں کے پاس پہنچ جانا پڑا۔ فریدی کے چہرے پر اس وقت بلا کی درندگی اور بہیمیت طاری تھی۔

دفعتاً پروفیسر حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔ "مجھے کچھ نہیں دکھائی دیتا.... اندھیرا.... اندھیرا.... فریدی.... سور.... حرام زادے.... تو نے مجھے اندھا کر دیا۔"

"تم کچھ دیر پہلے بہت اچھے موڈ میں تھے پروفیسر۔" فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔

"میں نے کہا ذرا میں بھی تمہیں اپنی ایک حقیر سی ایجاد کا نمونہ دکھا دوں۔ یہ صرف ایک گھنٹے کی محنت کا نتیجہ تھا۔ اگر تھوڑا وقت اور دیتا تو تمہاری آنے والی نسلیں تک اندھی ہو جاتیں۔" پھر اس نے حمید سے کہا۔ "اس الماری کے پیچھے ہتھکڑیوں کے جوڑے ہیں ان پانچ شریف آدمیوں کو ان کی ضرورت ہے۔"

پروفیسر میز پر سر اوندھائے خاموشی سے بیٹھا تھا۔

جب حمید ان پانچوں کے ہتھکڑیاں لگا چکا تو اس نے فریدی سے کہا۔ "یہاں ایک لڑکی بھی تھی۔"

"لڑکی....!" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "شائد قبر میں بھی تمہیں اس کا خیال ستاتا رہتا۔ وہ لڑکی دوسرے کمرے میں بیہوش پڑی ہے۔"

دفعتاً پروفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کے منہ سے فریدی کے لئے گالیوں کا طوفان امڈ پڑا.... اور فریدی قہقہے لگاتا رہا۔ اس نے کہا۔ "پروفیسر! کچھ دیر پہلے تم نے ایک ایسے آدمی کی جان لینے کی کوشش کی تھی

جسے میں بہت عزیز رکھتا ہوں۔ اب تم اندھیرے میں بھٹکتے رہو۔ یہی تمہاری سزا ہے۔ میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ جاؤں گا۔ پولیس کو توکیلب کی تلاش ہے میں اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ تمہاری اسکیموں کو وہی عملی جامہ پہناتا تھا اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایک جنگ باز ملک کا ایجنٹ ہے۔ ایک ایسے ملک کا ایجنٹ جو ایشیا کو مفلوک کر دینا چاہتا ہے۔ جو یہ چاہتا ہے کہ ایشیا کبھی اپنے پیروں پر نہ کھڑا ہو سکے۔

پروفیسر نے پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دیا تھا۔ پھر وہ دیوانہ وار ایک طرف بڑھا۔ ایک میز الٹ گئی۔ شیشے کے کئی بڑے آلات فرش پر گر کر چور چور ہو گئے۔

پروفیسر اٹھ کر دوسری میز پر جا پڑا۔ اسی میز پر جراثیم والا مرتبان بھی تھا۔ مرتبان الٹ گیا اور پروفیسر کے چہرے پر جراثیم ملا ہوا سیال پھیل گیا۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور وہ اچھل کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ اس کی آخری چیخ بڑی ہولناک تھی۔ وہ دو تین منٹ تک فرش پر تڑپتا رہا۔ پھر اس کے ہاتھ پیر اینٹھ گئے۔ اس کے ناخن انگلیوں کا گوشت چھوڑ چکے تھے۔ ویران آنکھیں چھت پر لگی ہوئی تھیں۔ منہ کھل گیا تھا اور اُس کا چہرہ کسی مردہ بندر کا چہرہ معلوم ہونے لگا تھا۔

کمرے کی فضا پر دل ہلا دینے والا سکوت طاری تھا.... اور اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی بھی اس کی موت سے متاثر ہو گیا ہو۔

وہ سب دم بخود کھڑے تھے اور ان کی پرچھائیاں ایسی لگ رہی تھیں جیسے دیوار پر موت کے تاریک سائے جم گئے ہوں۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 44

سازش کا جال

(مکمل ناول)

پیش رس

"سازش کا جال" بھی جاسوسی دنیا کے شاہکاروں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ لالچ، خود غرضی، انتقام، حرص آدمی کو کس قدر اندھا بنا دیتی ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو "سازش کے جال" کے کرداروں سے ہو گا۔ اس میں ایک ایسی عورت بھی ہے جس سے آپ کو ہمدردی بھی ہو گی، جس پر غصہ بھی آئے گا، جھلاہٹ بھی ہو گی، آپ قہقہے لگائیں گے، نفرت کریں گے اور پھر اُس کی تعریف کرنے پر بھی مجبور ہوں گے۔

"سازش کا جال" کا مجرم انتہائی چالاک، سفاک مگر بے حد پھرتیلا ہے۔
وہ ایسے مجرموں میں سے ہے جن کے لئے کہا جاتا ہے

یہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

آپ کی اُلجھن ہر لمحہ بڑھتی رہے گی کہ بھورے بالوں والا، دستانے پہننے والا یہ آدمی کون ہے؟ دھڑکنیں ہر لحظہ بڑھتی جائیں گی اور عجیب و غریب مجرم سامنے آئے گا۔ تو آپ اچھل پڑیں گے۔

پبلشر

لڑکی کا بنڈل

آر لکچو کے ایک مخصوص کیبن میں شہر کے دو بہت بُرے آدمی بیٹھے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ دونوں بظاہر بُرے نہیں معلوم ہوتے تھے کیونکہ اُن کے جسموں پر اعلیٰ قسم کے سوٹ تھے اور چہروں سے بھی شرافت ہی ظاہر ہوتی تھی۔ لیکن اپنے سیاہ کارناموں سے یہ خود ہی واقف تھے۔ ان کے نام صفدر اور شیکھر تھے۔ لیکن یہ نہ مسلمان تھے اور نہ ہندو۔ ان کا مسلک سیاہ کاری کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ لیکن ان بُرے آدمیوں میں ایک بہت ہی بڑی خصوصیت تھی یہ دونوں ایک دوسرے کے وفادار تھے۔ ایک دوسرے کو دھوکا دینا ان کی نظروں میں بدترین گناہ تھا۔

وہ دونوں اس وقت کچھ اس قسم کی گفتگو کر رہے تھے جیسے وہ اُس آدمی سے واقف نہ ہوں جس سے انہیں ملنا ہے۔ صفدر نے بے بسی سے پہلو بدلتے ہوئے کلائی کی گھڑی دیکھی اور شیکھر سے بولا۔ "کہیں کسی نے مذاق نہ کیا ہو؟"

"ناممکن نہیں ہے۔" شیکھر نے سگریٹ کے جلتے ہوئے سرے کو گھور کر کہا۔ "پھر بھی ہمیں دو چار منٹ اور انتظار کرنا چاہئے۔"

صفدر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کیبن کا پردہ ہٹا اور ایک آدمی کیبن میں گھس آیا۔ یہ ایک لمبے قد اور اچھے جسم کا آدمی تھا۔ خوش پوشی اور جامہ زیبی میں یکتا معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی داڑھی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک۔ ہاتھوں میں سفید دستانے تھے حالانکہ سردیوں کا زمانہ نہیں تھا لیکن اُس نے دستانے پہن رکھے تھے۔

وہ ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ لوگوں کو خط مل گیا تھا۔!"

دونوں کھڑے ہو گئے اور صفدر بولا۔ "خط ضرور مل گیا تھا لیکن اُس پر بھیجنے والے کا نام نہیں تھا۔"

"تشریف رکھئے....!" اجنبی نے صاف اور دھیمی آواز میں کہا۔

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ اجنبی بھی بیٹھتا ہوا بولا۔ "کام بہت معمولی ہے اور معاوضہ معقول...!"

صفدر کچھ بولنے ہی والا تھا کہ شیکھر نے اُس کے پیر پر پیر رکھ دیا۔ صفدر نے پھر ہونٹ بند

کر لئے۔ شیکھر چند لمحے اجنبی کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”کیسا کام اور کیسا معاوضہ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”آپ شیکھر اور صفدر صاحبان ہی ہیں نا....؟“ اجنبی نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہمارے یہی نام ہیں۔“ شیکھر بولا۔

”تب پھر تکلف کی کیا ضرورت ہے۔“

”کوئی ضرورت نہیں۔“ شیکھر بھی جواباً مسکرایا۔ ”ہم لوگ دیر سے بھوکے ہیں۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنے میزبان کی شخصیت سے واقف نہیں۔“

”اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آپ کو صرف کام اور دام سے غرض ہونی چاہئے۔“

شیکھر چند لمحے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا، پھر بولا۔ ”معاف کیجئے گا شاید آپ ہمیں اُلو بنا رہے ہیں۔“

”میں وقت کی بربادی پسند نہیں کرتا۔“ اجنبی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ ”تمہیں ایک لڑکی کا اغواء کرنا ہے۔“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔“ شیکھر بگڑ کر بولا۔ ”شریفوں سے ایسی گفتگو نہیں کی جاتی۔“

”شریف....!“ اجنبی نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ ”اس شہر میں تم جیسے سارے شریفوں کے نام مجھے زبانی یاد ہیں۔ مگر ٹھہرو ممکن ہے تم مجھے محکمہ سراغرسانی کا کوئی آدمی سمجھ رہے ہو۔ اگر یہی ہے تو تمہیں مطمئن رہنا چاہئے۔“

شیکھر چند لمحے خاموش رہا پھر وہ آہستہ سے بولا۔ ”کام کیا ہے؟“

”ایک لڑکی کا اغواء.... جو ارجن پورے کی نروان بلڈنگ کے گیارہویں فلیٹ میں رہتی ہے۔“

”ارجن پورے میں رہتی ہے؟“ شیکھر نے آہستہ سے دہرایا۔

”ہاں....!“

”اچھا.... معاوضہ کیا ہوگا؟“ شیکھر نے پوچھا۔

”پانچ ہزار۔“

”کیا....؟“ شیکھر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”ہاں پورے پانچ ہزار....!“

”اگر ارجن پورے میں رہتی ہے تو یقیناً کسی غریب گھرانے کی ہوگی؟“ شیکھر نے کہا۔

”یہی بات ہے۔“ اجنبی نے سر ہلایا۔

”اگر غریب گھرانے کی ہے تو سو دو سو روپے خرچ کرنے پر یونہی چلی آئے گی۔ اُس کے لئے پانچ ہزار کیوں؟“

”میں بحث نہیں کام چاہتا ہوں۔“ اجنبی جھنجھلا گیا۔

”یار تم نے افیون تو نہیں کھا رکھی۔“ صفدر مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ”اگر تم ہم سے واقف ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ ہم لوگ کیسے آدمی ہیں۔“

”تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔“

”اور اس کے باوجود بھی ہم پر دھونس جمانے کی کوشش کر رہے ہو؟“

”ہاں.... اور یہ اس لئے کہ میں جب چاہوں تمہیں چٹکیوں میں مسل سکتا ہوں۔“

شیکھر اور صفدر نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

اجنبی نے نوٹوں کا ایک پیکٹ نکال کر میز پر رکھ دیا اور پھر کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اُسی کے قریب رکھتا ہوا بولا۔ ”ایک طرف یہ پانچ ہزار روپے ہیں اور دوسری طرف یہ لفافہ۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز پسند کر لو۔ کام تو بہر حال تمہیں ہی کرنا ہے۔“

”لفافے میں کیا ہے؟“ شیکھر نے پوچھا۔

”دیکھ لو۔“

شیکھر نے لفافہ کھول کر اُس میں سے کوئی چیز نکالی اور پھر وہ چیز لفافہ سمیت اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر آ گری۔ شیکھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اجنبی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صفدر نے جھک کر وہ تصویر اٹھائی جس نے شیکھر کے جسم پر لرزہ طاری کر دیا تھا اس تصویر کو دیکھتے ہی صفدر کی بھی وہی حالت ہو گئی۔

”دیکھا تم نے....؟“ اجنبی مسکرا کر بولا۔ ”تم دونوں اس تصویر میں جس آدمی کا گلا گھونٹ رہے ہو اُس کی لاش پچھلے ہفتے پولیس کو مل چکی ہے۔“

صفدر اور شیکھر خاموش رہے اور اجنبی پھر بولا۔ ”میرا کام تمہیں کرنا ہی پڑے گا۔ اگر خوشی سے کرو گے تو پانچ ہزار تمہارے ہیں.... ورنہ.... پھر زبردستی۔ اور تم یہ جاننے کی بالکل کوشش نہ کرو گے کہ میں کون ہوں سمجھے۔“

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ابھی گیارہ ہی بجے تھے لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رات

زیادہ گزر گئی ہو۔

فریدی دو گھنٹے سے برآمدے میں بیٹھا بارش بند ہونے کا منتظر تھا۔ اُسے شاید کسی ضر
کام سے باہر جانا تھا۔

حمید بھی گھر پر موجود نہیں تھا۔ فریدی اُس وقت اُسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اُسے حال
میں اطلاع ملی تھی کہ آج کل حمید ایک سیاہ فام عیسائی لڑکی کے ساتھ بہت زیادہ دیکھا جارہا ہے
انسپکٹر جگدیش نے اُس کے "معیار" کا مضحکہ بھی اڑایا تھا لیکن اُسے حمید نے ایک برجستہ قسم
جواب سے خاموش کر دیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ دراصل اُس لڑکی کی خالہ کے چکر میں ہے جو نہ صر
حسین بلکہ شادی شدہ بھی ہے۔

فریدی کے لئے اُس کی یہ حرکتیں نئی نہیں تھیں اور اب تو اُس نے اُسے ٹوکنا بھی چھوڑ
تھا۔ مگر بعض اوقات جب وہ حد سے گزرنے لگتا تھا تو اُسے بولنا ہی پڑتا تھا۔ اس سیاہ عیسائی لڑکی
معاملہ بھی اسی نوعیت کا تھا۔ وہ دراصل اُس کے محکمے کے ایک شعبے کے انچارج کی لڑکی تھی
حمید کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔ بس ایک غیر معمولی واقعے کے بعد وہ اُس کے پ
پڑ گئی۔ ہوا یہ کہ وہ ایک دن کسی تفریح گاہ میں حمید کو دکھائی دی اور حمید نے یونہی تفریحاً اُ
آنکھ ماردی۔ اس پر وہ کافی بھنائی۔ اُس دن سے حمید کا معمول ہو گیا کہ وہ جہاں بھی نظر آجا
اُسے آنکھ ضرور مارتا تھا۔ اُسی دوران میں محکمے کے ایک آفیسر کو الوداعی پارٹی دی گئی جس م
آفیسروں کے خاندان والے بھی مدعو تھے۔ وہ لڑکی بھی اپنے باپ کے ساتھ دعوت میں شریک
ہوئی۔ حمید کو جب اُس کی اصلیت معلوم ہوئی تو اُس کی روح فنا ہونے لگی۔ اتفاق سے اُس ک
باپ نے اُس کا تعارف فریدی سے کرادیا۔ حمید صاحب بھی ساتھ ہی تھے۔ جیسے ہی اُس کی نگا
لڑکی سے چار ہوئی اُس کی بائیں آنکھ نے کھلنا اور بند ہونا شروع کر دیا۔ لڑکی غصے سے سرخ ہو گئ
اُس کے باپ کو تو جیسے سکتہ ہو گیا اور فریدی کی حالت کا کیا پوچھنا۔ ایک رنگ آتا تھا اور ایک جا
تھا.... آخر اُس کا باپ پوچھ ہی بیٹھا۔

"کیا عرض کروں۔" حمید نے اپنی بائیں آنکھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ "پچھلے پندر
دنوں سے اس مصیبت میں مبتلا ہوں۔ پلکوں میں عجیب طرح کا تکلیف دہ کھنچاؤ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر
کہتے ہیں کہ رگیں سکڑ رہی ہیں۔ حکیموں کا کہنا ہے کہ یہ ریاحی فساد ہے۔ علاج کر رہا ہوں مگر افاق
اب تک نہیں ہوا۔ شرمندگی سے بچنے کے لئے سیاہ چشمہ لگائے رہتا ہوں مگر اتفاق سے اس وقت
اُسے بھی گھر بھول آیا ہوں۔"

اُس کے باپ کو یقین آیا ہو یا نہ آیا ہو مگر اس تاویل پر لڑکی بے اختیار مسکرا پڑی تھی.... اور
پھر دونوں میں دوستی ہو گئی۔

بہر حال یہ واقعہ فریدی کے لئے ایک مستقل دردِ سر کی سی کیفیت رکھتا تھا۔ اُس نے کئی بار
حمید کو اس حرکت سے باز رکھنا چاہا مگر کون سنتا ہے۔

اس وقت بھی وہ اُسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

فی الحال بارش رکنے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ آخر کار فریدی نے باہر جانے کا ارادہ
ملتوی کر دیا۔

پھر وہ اندر جانے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ بارش کے شور کے باوجود بھی اُسے پھاٹک کے
قریب کسی قسم کی آواز محسوس ہوئی اور ساتھ ہی کتے خانے میں کتوں نے آسمان سر پر اٹھالیا....
کمپاؤنڈ میں اندھیرا تھا اور حمید کے انتظار میں ابھی تک پھاٹک بھی نہیں بند کیا گیا تھا۔

فریدی نے جھپٹ کر برآمدے کی روشنی بجھادی۔ آنے والا حمید نہیں ہو سکتا تھا ورنہ کتے
کیوں بھونکتے۔ اگر کوئی شناسا ہوتا تو اُس نے فریدی کے اس طرح روشنی گل کر دینے پر احتجاج
ضرور کیا ہوتا۔

اچانک فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی پھسل کر گرا ہو۔ ساتھ ہی ایک ہلکی سی کراہ بھی
سنائی دی۔ پھر کسی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مدد.... مدد"

فریدی نے برآمدہ پھر روشن کر دیا۔ پورچ کا بلب روشن ہوتے ہی اُسے زمین پر بھیگے ہوئے
کپڑوں کا ایک متحرک ڈھیر نظر آیا۔

"بجھادیجئے.... بجھادیجئے۔" ڈھیر سے آواز آئی۔

"تم کون ہو؟" فریدی نے پورچ میں اترتے ہوئے پوچھا۔

"میں خطرے میں ہوں آہ.... بجھادیجئے۔" بولنے والے کی آواز بڑی دردناک تھی۔

"سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

کپڑوں کا ڈھیر بدستور کانپتا رہا اور پھر اچانک فریدی نے اسے دو حصوں میں تقسیم ہوتے
دیکھا۔ بارش شباب پر تھی بلکہ اس دوران میں اس کا زور پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا تھا۔

یکا یک کوئی تیز رفتار چیز فریدی کے داہنے شانے کو چھوتی ہوئی نکل گئی اور برآمدے کی دیوار
کا بہت سا پلاسٹر آواز کے ساتھ ادھڑ کر رہ گیا۔

فریدی نے اچھل کر پورچ کے ایک ستون کی آڑ لے لی۔ کمپاؤنڈ کے باہر سے دوسرا فائر ہوا

اور اس بار بھی برآمدے کی دیوار کا پلاسٹر اُدھڑ گیا۔

کتے اور تیزی سے بھونکنے لگے۔ فریدی بُرا سامنہ بنائے پورچ کے ستون سے چپکا ہوا تھا۔ اب وہاں سے ہٹنا درحقیقت موت کو دعوت دینا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں کوئی نوکر سامنے نہ آجائے۔ فی الحال وہ اُس ڈھیر کو بھی بھول گیا تھا جسے اُس نے خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا تھا۔

اُس نے چاروں طرف تیز اور متجسس نظر ڈالی۔ اُسے اپنے قریب کوئی ایسی چیز پڑی نہ دکھائی دی جس سے وہ بجلی کے بلب کو توڑ کر برآمدے میں اندھیرا کر سکتا۔

دو منٹ گزر گئے لیکن پھر تیسرا فائر نہیں ہوا۔

اب اُسے اُن ڈھیروں کا خیال آیا۔ لیکن اب اُن میں سے ایک یا تو غائب ہو چکا تھا یا پھر اپنی جگہ پر پہنچ گیا تھا۔

کتوں کی آوازیں آہستہ آہستہ دبتی جا رہی تھیں پھر شائد دو یا تین بھونکتے رہ گئے۔ بارش کے زور کا وہی عالم تھا۔ فریدی اب ستون کی اوٹ سے ہٹنے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ پھاٹک میں کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں۔ کار آہستہ آہستہ پورچ کی طرف بڑھتی آ رہی تھی۔ فریدی نے کار پہچان لی۔ یہ اُسی کی کیڈی لاک تھی۔ وہ یکلخت سامنے آ گیا۔

اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید حمید اُس ڈھیر کو کچل کر ہی رکھ دیتا۔ جواب بھی پورچ میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔ حمید نے کیڈی پورچ کے باہر ہی روک دی۔

"کیا بات ہے؟" حمید چیخ کر بولا۔ "میں بھیگ جاؤں گا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر ڈھیر پر جھک گیا۔ ڈھیر میں پھر کپکپاہٹ پیدا ہو چکی تھی۔

"یہ کیا بلا ہے؟" حمید نے پوچھا جو فریدی کے قریب پہنچ کر اپنے بالوں سے پانی جھٹک رہا تھا۔

"تم کہاں تھے؟" فریدی نے اُسے گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

جواب دینے سے قبل حمید نے بُرا سامنہ بنایا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔" اور پھر حمید نے اُسے باہر کی طرف جاتے دیکھا۔

بارش کا اب بھی وہی حال تھا۔ حمید کبھی بوکھلا کر کمپاؤنڈ میں پھیلی ہوئی تاریکی میں آنکھیں پھاڑتا اور کبھی زمین پر پڑے ہوئے کپڑوں کے ڈھیر کو گھورنے لگتا۔

دفعتاً ایک بار پھر کپڑوں کے ڈھیر میں جنبش ہوئی اور ایک خوبصورت سا نرم و نازک ہاتھ باہر نکل آیا۔

"ارے باپ رے۔" حمید بے اختیار اپنا پیٹ پکڑ کر بولا اور پھر وہ بے تحاشہ زمین پر دو زانو بیٹھ گیا۔

یہ ایک بہت بڑی گٹھڑی تھی جس سے ایک خوبصورت سا انسانی ہاتھ نکل کر زمین پر ٹک گیا تھا۔ حمید نے بڑی پھرتی سے اُس کی تمام گرہیں کھول ڈالیں اور ایک بار پھر بدحواسی میں اُس کے منہ سے "ارے باپ رے" نکل گیا۔

وہ ایک انتہائی حسین چہرہ تھا۔ ایک نوجوان لڑکی کا چہرہ جو آنکھیں بند کیے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ بالوں کی دو تین بھیگی ہوئی لٹیں اُس کے گداز رخساروں سے چپکی ہوئی تھیں۔ لباس معمولی اور بھیگا ہوا تھا۔ جس کپڑے میں وہ لپٹی ہوئی تھی حمید کو اُس میں خون کا ایک بڑا سا دھبہ دکھائی دیا۔ اُس کی بوکھلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی اور وہ نوکروں کے نام لے لے کر چیخنے لگا۔ اُس کی اس چیخ دھاڑ پر دو نوکر بھاگتے ہوئے کوٹھی سے باہر آئے۔ سب سے پہلے اُن کی نظریں بے ہوش لڑکی پر پڑیں اور وہ برآمدے میں ٹھٹھک کر رہ گئے۔

"ابے آگے آؤ.... کیا دیکھتے ہو.... مردود۔" حمید حلق کے بل چیخا۔

نوکر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائے اور پھر چپ چاپ برآمدے سے اُتر کر پورچ میں آگئے۔

"اسے اٹھا کر.... وہاں.... لے چلو۔"

"کہاں سرکار....؟"

"سرکار کے بچو جلدی کرو۔"

"مگر ہم کیسے اٹھائیں؟" ایک نوکر بولا اور اُس کی نظر بھی چادر پر پڑے ہوئے خون کے دھبے پر جم گئی اور پھر وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا لیکن اب وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کو دیکھ رہا تھا۔

"الگ ہٹو....!" حمید نے اُسے دوسرے نوکر پر دھکیلتے ہوئے کہا اور خود ہی بے ہوش لڑکی کو اٹھانے کے لئے جھک پڑا۔

اور پھر جب وہ اُسے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے برآمدے میں داخل ہو رہا تھا تو اُسے سامنے والی دیوار کا ادھڑا ہوا پلاسٹر دکھائی دیا۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔

نوکروں نے بھی اُدھڑے ہوئے پلاسٹر کو حیرت سے دیکھا۔

"یہ کیا ہوا....؟" حمید نے انہیں تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں صاحب۔" دونوں یک وقت بولے۔ "ایک گھنٹہ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔"

"اچھا! تم دونوں یہیں ٹھہرو۔" حمید نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اُس بے ہوش لڑکی کو کہاں لے جائے۔ اُسے پھر چادر والے خون کے دھبے کا خیال آیا اور اُس کا ذہن برآمدے کے ادھڑے ہوئے پلاسٹر میں الجھ گیا۔ دیوار کے دو سوراخ.... کیا کسی نے گولی چلائی تھی۔ کہیں یہ لڑکی زخمی تو نہیں۔

حمید نے اُسے بے تحاشہ ایک کمرے کے فرش پر ڈال دیا۔

بارش کا زور اب کم ہو چلا تھا۔

حمید نے بے ہوش لڑکی کا اچھی طرح جائزہ لیا لیکن اُسے کہیں بھی کوئی زخم نہ دکھائی دیا۔ البتہ اُس کے بھیگے ہوئے کپڑوں پر دو ایک جگہ خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے ضرور نظر آئے۔ وہ لڑکی کے قریب سے ہٹ کر فریدی کا انتظار کرنے لگا۔

لڑکی نے کراہ کر کروٹ لی لیکن اُس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ حمید کا ذہن نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہا تھا۔ اُس نے اس دوران میں فریدی کے متعلق بہت کچھ سوچ ڈالا تھا۔

لڑکی اب بھی فرش ہی پر پڑی ہوئی تھی۔

حمید چونک پڑا۔ فریدی اُسے آواز دے رہا تھا۔ حمید کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ جواب دینے کی بجائے بے ہوش لڑکی کے سرہانے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی اور حمید کے چہرے پر کچھ اس قسم کی از خود رفتگی طاری ہو گئی جیسے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو۔

فریدی کے کپڑے بالکل بھیگ گئے تھے اور اُن سے پانی ٹپک رہا تھا۔ لڑکی پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی بے ہوش لڑکی کی طرف۔

"مم.... مگر....!" وہ ہکلایا۔ "وہ تو کسی مرد کی آواز تھی۔"

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے وہ اپنا اوپری ہونٹ بھینچے فریدی کو گھورتا رہا پھر تلخ سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اگر موقع ملتا تو اُس کے داڑھی بھی اُگ آتی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"بکواس! ارے میں تو خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ اس سکستان اور سانپستان میں عورت تو دکھائی دی.... ہاہا.... ہو گئی رے.... میں تو ہو گئی۔"

حمید نے ایک ہاتھ سر پر رکھا اور دوسرا کمر پر رکھتا ہوا ٹھمک ٹھمک کر ناچنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گاتا بھی جا رہا تھا۔ "ہو گئی رے! میں تو ہو گئی۔"

فریدی پر جھلاہٹ کا دورہ پڑا اور اُس نے آگے بڑھ کر حمید کا منہ دبا دیا۔ وہ شاید حمید کو بُری طرح رگڑ دیتا مگر اچانک اُسے شور سنائی دیا۔ یہ نوکروں کی آوازیں تھیں اور عمارت کے اندر ہی سے آ رہی تھیں۔

پُر اسرار گمنام

شور سن کر حمید بھی سنجیدہ ہو گیا۔

پھر وہ دونوں کمرے سے نکل ہی رہے تھے کہ ایک دوڑتا ہوا نوکر اُن سے آ ٹکرایا۔

"کیا ہے؟" حمید جھلا کر اُسے دھکیلتا ہوا غرایا۔

"چچ.... چور....!" نوکر چند قدم پیچھے ہٹ کر ہانپتا ہوا بولا۔

"چلو.... آگے بڑھو۔" حمید نے اُسے دھکا دیا۔

"پکڑ لیا ہے۔" نوکر نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

وہ انہیں برآمدے میں لایا۔ جہاں دو تین نوکر ایک آدمی پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے.... الگ ہٹو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"اندر گھس رہا تھا صاحب۔" ایک نے جواب دیا۔ وہ سب الگ تو ہٹ گئے تھے مگر اُن کی نظریں اب بھی اپنے شکار پر تھیں۔ یہ ایک بوڑھا مگر اچھے تن و توش کا آدمی تھا۔ اس کے کپڑے کیچڑ اور پانی سے لت پت ہو رہے تھے۔ داہنے بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ پوری آستین سرخ تھی۔ اُس نے بدقت تمام اپنا سر اٹھایا۔ چہرہ خون اور کیچڑ کی وجہ سے بڑا خوفناک نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں اور اُس کے جسم پر رعشہ طاری تھا۔

"مم.... چور.... نن.... نہیں۔" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا کچھ دیر پہلے تم ہی تھے؟" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

بوڑھے نے ایک جھٹکے کے ساتھ سر کو اثبات میں جنبش دی۔ پھر وہ دونوں ہاتھ ٹیک کر فرش سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"اسے اٹھاؤ۔" فریدی نے نوکروں سے کہا پھر حمید سے بولا۔ "تم اندر آ جاؤ۔ لڑکی کو کسی

مناسب جگہ پر ڈال دو۔"

"اُسے کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟" بوڑھے نے بے صبری سے کہا جو اب نوکرو سہارے کھڑا ہو چکا تھا۔

فریدی نے جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

"نہیں.... لیکن وہ بے ہوش ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ اب وہ قطعی سنجیدہ ہو گیا تھا

"کیا تمہارے گولی لگی ہے؟" فریدی نے بوڑھے سے پوچھا۔

"جی ہاں....!" بوڑھا اپنے داہنے بازو پر ہاتھ رکھ کر زور سے کراہا۔

"چلو.... اسے اندر لے چلو۔" فریدی نے نوکر سے کہا۔

وہ اُسے اندر لائے اور پھر اُسے ایک آرام کرسی پر ڈال دیا گیا۔

فریدی نے ایک نوکر سے فرسٹ ایڈ بکس لانے کو کہا اور بوڑھے کا زخمی بازو دیکھنے لگا۔ وہاں موجود نہیں تھا۔ شاید وہ لڑکی کے لئے انتظامات میں مصروف ہو گیا تھا۔

بوڑھے کا زخم زیادہ مخدوش نہیں تھا۔ گولی بازو کی اوپری جلد پھاڑتی ہوئی دوسری طرف گئی تھی۔ ہڈی بالکل محفوظ تھی۔ فریدی نے زخم صاف کر کے بینڈیج کر دی۔ اس دوران بوڑھے پر غشی طاری ہو گئی تھی۔

اس کے بعد وہ لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ جسے حمید نے بھیگے ہوئے کپڑوں سمیت ا صوفے پر ڈال دیا تھا۔

"کیا یہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی؟" فریدی نے لڑکی کی طرف تشویش آمیز نظر سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آہم....!" حمید انگڑائی لیتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اس کے ہوئے کپڑوں کا....!"

"شش شش!" حمید جلدی سے بولا۔ "میں نے اپنی بیوی کو تار دیا ہے۔ وہ آکر کپڑ تبدیل کرا دے گی۔"

"دماغ مت چاٹو۔"

"اس ڈرامے میں مجھے مسخرے ہی کا رول ادا کرنے دیجئے۔"

"کیا مطلب....؟"

"یہ لڑکی یقیناً مصیبت زدہ ہے۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "غالباً یور

پ کے زیر سایہ کچھ دن ضرور قیام کرے گی۔ بوڑھا کوئی پُر اسرار داستان ضرور دہرائے گا۔ یرے سرکار آخر اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی۔ صاف صاف کہہ دیا ہوتا کہ اب اصولوں کی گاڑی آگے نہیں بڑھ رہی.... ہاہا.... مانتا ہوں۔"

"بکواس مت کرو.... لیبارٹری سے دواؤں کا بیگ لاؤ۔"

"وہ کسی اور سے منگوا لیجئے۔ میں تو بینڈ والوں کی تلاش میں جا رہا تھا۔"

"حمید میں گھونسہ مار دوں گا۔"

"ابھی نہیں ذرا.... اس قتالہ عالم کو ہوش میں آ جانے دیجئے۔" حمید نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

فریدی نے لڑکی کی نبض دیکھی اور ناک کے سامنے ہاتھ لا کر تنفس کی رفتار کا اندازہ کرتا رہا۔

"اوہ.... یہ ابھی....!" کسی نے اُس کی پشت سے کہا۔

فریدی چونک کر مڑا۔ زخمی بوڑھا دروازے میں کھڑا ہانپ رہا تھا اور دو نوکر اُسے سہارا دیئے ہوئے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

نوکروں نے اُسے بیٹھنے میں مدد دی۔ مگر اُن کے چہرے سے استعجاب ظاہر ہو رہا تھا۔ کبھی وہ بوڑھے کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی زخمی لڑکی کی طرف۔

"کیا یہ تمہاری لڑکی ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

بوڑھے نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اُس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔ آخر اُس نے گلا صاف کر کے آہستہ سے کہا۔ "یہی سمجھ لیجئے۔"

اتنے میں حمید دواؤں کا بکس لے کر واپس آ گیا۔

"یعنی.... یہ تمہاری لڑکی نہیں ہے؟" فریدی نے دواؤں کے بکس کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں.... یہ ایک امانت ہے۔"

حمید معنی خیز انداز میں کھنکار کر اپنی گردن مسلنے لگا۔

"امانت سے تمہاری کیا مراد ہے؟" فریدی نے پوچھا۔ وہ دواؤں کا بکس کھول کر ہائپوڈرمک سرنج منتخب کر رہا تھا۔

"ممکن ہے آپ یقین نہ کریں کہ" بوڑھا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"فکر نہ کرو۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں یقین کرنے کے لئے ابھی زندہ ہوں۔ چالو شروع ہو جاؤ۔"

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر نوکروں سے جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔ "بس اب جاؤ۔"

نوکر چپ چاپ چلے گئے۔ مگر اُن کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ وہاں ٹھہرنا چاہتے ہوں۔

"میں ایک ریٹائرڈ فوجی ہوں۔" بوڑھا نحیف آواز میں بولا۔ "میرے آگے پیچھے اور کوئی نہیں۔ ذریعہ معاش یہاں کے اکثر بڑے لوگوں کو شکار کھلانا ہے۔"

"میں بھی بڑا آدمی ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "میرے لئے بھی شکار کا بندوبست کر دو۔"

"خاموش رہو۔" فریدی بگڑ گیا۔

حمید نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"میں تم سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" فریدی نے بوڑھے سے کہا پھر جلدی سے بولا۔ "کیا تم اُن لوگوں سے واقف ہو جنہوں نے فائر کیے تھے؟"

"جی نہیں.... میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھے لیکن آج انہوں نے اس لڑکی کو اٹھالے جانے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔"

"تو کیا تم جان بوجھ کر یہاں آئے تھے؟"

"جی ہاں.... دیکھئے میں شروع سے بتاتا ہوں۔ آج سے دو ماہ قبل کی بات ہے مجھے ایک گم نام آدمی کا خط ملا جس نے ایک مخصوص دن ایک مخصوص مقام پر مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ خط بہت ہی کاروباری انداز کا تھا۔ میں اُس سے ملا اور اُس نے ایک خدمت میرے سپرد کر کے اُس کا معاوضہ پانچ ہزار کے نوٹوں کی شکل میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ وہ خدمت یہ تھی کہ میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ رکھ کر اُس کی حفاظت کروں۔"

"خوب.... کیا یہ اُس نامعلوم آدمی کی لڑکی ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے اس کا علم نہیں۔"

"لڑکی کیا کہتی ہے؟"

"میں نے آج تک اس کی آواز ہی نہیں سنی۔" بوڑھے نے کہا اور حمید ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے دیوار کو مخاطب کر کے کہا۔ "میں اُلو نہیں ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی اسے کہیں سے اغوا کر کے لایا ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔" حمید دیوار کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

فریدی نے اُس کا کوئی نوٹس ہی نہ لیا۔ وہ بوڑھے کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"دیکھئے!" بوڑھے نے کہا۔ "پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا مگر جب آپ کا نام درمیان میں لایا گیا۔"

"میرا نام....؟" فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"جی ہاں.... دیکھئے میں شروع سے عرض کرتا ہوں۔"

"تم بہت دیر سے شروع سے عرض کر رہے ہو۔" حمید جلدی سے بولا۔ "جو کچھ رٹا تھا بھول گئے کیا....؟"

"معاف کیجئے گا۔" بوڑھا جھنجھلا کر بولا۔ "اگر یہ گولی آپ کے بازو پر لگی ہوتی تو مزاج پوچھتا۔ ویسے آپ کی عمروں میں میں بھی بہت منچلا تھا۔ بڑھاپا سارے کس بل نکال دیتا ہے۔"

"جاؤ....!" فریدی حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور کر بولا۔ "چلے جاؤ۔"

حمید کو بھی غصہ آگیا اور وہ بھنبھناتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

"میرا نام درمیان میں کیسے لایا گیا تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"اُس نے کہا تھا کہ اگر لڑکی کو کوئی خطرہ درپیش ہو تو اُسے کرنل فریدی کے سپرد کر دینا۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ آدمی کہاں رہتا ہے؟"

"اُس نے یہ سب کچھ نہیں بتایا۔ مجھے مطمئن کر دینے کے لئے آپ کا نام ہی کافی تھا۔ وہ مجھ سے صرف دو ہی بار ملا تھا۔ ایک بار اُس وقت جب اُس نے معاملات طے کیے تھے اور دوسری بار اُس وقت جب لڑکی کو میرے پاس لایا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ خود اُسے بھی کئی طرح کے خطرات گھیرے ہوئے ہیں اس لئے وہ بھی اپنے یا لڑکی کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں چھ ماہ تک واپس نہ آؤں تو کوئی تشویش کی بات نہیں۔ صرف خطرے کی صورت میں لڑکی کو آپ کے پاس پہنچا دیا جائے اور جب خطرات حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو کسی مناسب آدمی سے اس کی شادی کر دی جائے۔"

"کیا....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... یہ بات میرے لئے بھی حیرت ناک تھی۔"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔ "تم رہتے کہاں ہو؟"

"ارجن پورے میں.... نروان بلڈنگ کا گیارہواں فلیٹ۔"

"لڑکی دو ماہ سے تمہارے ساتھ ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اور اُس نے کبھی تم سے گفتگو نہیں کی؟"

"جی نہیں.... وہ صرف اشاروں میں گفتگو کرتی ہے۔ میں نے آج تک اُس کی آواز نہیں سنی۔"

"اُس نے تمہارے ساتھ رہنے پر کبھی احتجاج بھی نہیں کیا....؟"

"کبھی نہیں۔"

"اُس آدمی کو تو یاد ہی کرتی ہو گی؟"

"کبھی کبھی اشاروں میں اُس کے متعلق دریافت کرتی ہے۔"

"اچھا! آج حملہ آور کتنے تھے؟"

"دو آدمی تھے۔ مجھے اُن سے باقاعدہ جنگ کرنی پڑی اور میں زخمی ہو گیا۔"

"تم انہیں دوبارہ ملنے پر پہچان سکو گے؟"

"جی نہیں.... انہوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پوچھا۔ "اُس آدمی کا حلیہ بتا سکو گے جس نے لڑکی تمہار سپرد کی تھی۔"

"جی ہاں! خاصا لحیم شحیم آدمی تھا۔" بوڑھے نے کہا۔ "چہرے پر بھورے رنگ کی داڑ تھی۔ لباس انگریزی اور ہاں اُس نے دستانے بھی پہن رکھے تھے حالانکہ وہ گرمیوں کے دن تھ دوسری ملاقات کے موقع پر بھی میں نے اُس کے ہاتھوں میں دستانے دیکھے تھے۔"

❋

صفدر اور شیکھر ایک شکستہ حال جیپ سے اُتر کر سڑک کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ بار تھم چکی تھی لیکن گلیوں سے اب بھی پانی بہنے کی تیز آوازیں آ رہی تھیں۔ قرب و جوار کی عمارتو کے پرنالے اب بھی چل رہے تھے۔

وہ دونوں سامنے والی عمارت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً اُسی عمارت کی ایک تاریک کھڑکی میں سرخ رنگ کی روشنی دکھائی دی اور پھر غائب ہو گئی۔

وہ دونوں بڑی تیزی سے سڑک پار کر کے عمارت کے قریب پہنچ گئے۔ عمارت پانچ منزلہ تھی اور اُس میں لفٹ بھی لگی ہوئی تھی لیکن انہوں نے لفٹ کی طرف جانے کی بجائے زینوں

یا۔ زینے سنسان پڑے تھے۔

ابھی وہ تیسری ہی منزل کے زینے پر تھے کہ انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ کوئی اوپر سے آ رہا تھا۔ وہ دونوں اس کی پرواہ کیے بغیر زینے طے کرتے رہے اور پھر چوتھی منزل کے زینے موڑ پر انہیں وہی پُراسرار آدمی مل گیا جس سے انہیں ملنا تھا۔

اُس نے اس وقت بھی اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھا رکھے تھے۔

"کیا ہوا....؟" اُس نے ان دونوں کو گھور کر پوچھا۔

"ہوا کیا....؟" شیکھر نے لاپروائی سے کہا۔ "جو کچھ بھی ہوا اُس کی ذمہ داری صرف آپ ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"آپ نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ اُس لڑکی کا باپ کس قسم کا آدمی ہے۔"

"اوہو! اگر اتنی جھنجھٹ کرنی ہوتی تو میں شیکھر اور صفدر کی بجائے کسی معمولی غنڈے کو تا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم جیسے لوگ بھی انگلیاں پکڑ کر چلتے ہیں۔ خیر چھوڑو.... لڑکی ں ہے۔"

"ہم اُسے نہیں لا سکے۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں؟" گمنام آدمی بپھر گیا۔

"بوڑھا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے ہمیں تھکا مارا.... اور اب وہ اُس لڑکی بت کرنل فریدی کی حفاظت میں ہے۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"جناب والا....!" شیکھر طنزیہ انداز میں بولا۔ "اگر آپ بڑے تیس مار خاں ہیں تو آپ خود ہی اس کام کو کیوں نہیں نپٹا دیا۔"

"بکواس بند کرو۔ بدتمیز آدمی مجھے پسند نہیں۔ تمہیں اُسے فریدی کے یہاں سے نکالنا ہی ڑے گا۔"

"سانپ کے منہ میں ہاتھ دے سکتے ہیں۔" صفدر بولا۔ "لیکن ہم اُس سے نہیں بھڑیں گے۔"

"تو پھر تمہارا انجام بھی دردناک ہو گا۔"

"پہلے سارا معاملہ ہمیں سمجھا دیجئے پھر ہم ہاتھ لگائیں گے۔" شیکھر نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے مجھے اپنی قوت دکھانی ہی پڑے گی۔" گمنام آدمی بڑبڑایا۔

"ضرور.... ضرور....!" صفدر طنزیہ انداز میں ہنس کر بولا۔

صفدر کا ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا اور وہ جیب میں پڑا ہوا چاقو کھول چکا تھا۔

گمنام آدمی گفتگو تو شیکھر سے کر رہا تھا لیکن کبھی کبھی کنکھیوں سے صفدر کی طرف دیکھ لیتا

"کل رات تک کی مہلت اور دیتا ہوں سمجھے۔" گمنام آدمی نے تیز لہجے میں کہا۔

صفدر نے بڑی پھرتی سے وار کیا۔ لیکن اُس کے ساتھی نے خود اُسی کی چیخ سنی۔ دس بار زینے اُس نے آن واحد میں طے کر لیے۔

گم نام آدمی اپنے ہاتھ جھاڑ رہا تھا۔

"اب تم کیا کہتے ہو؟" اُس نے شیکھر سے کہا۔ "کیا تمہیں بھی کچھ چاہئے؟"

شیکھر بت بنا کھڑا رہا۔ اُس کا ساتھی دوسری منزل کے زینوں کے موڑ پر اوندھا پڑا تھا۔

"تم شاید مجھے کوئی گیدڑ قسم کا برا آدمی سمجھتے ہو۔" گمنام نے ہنس کر کہا۔ "میرا شکریہ ادا کہ وہی چاقو خود اُسی کے سینے میں نہیں پیوست ہو گیا۔"

"اچھا ہوا....!" شیکھر ہکلایا۔ "اُسے سزا مل گئی۔"

"اوہو....!" گمنام ہنس پڑا۔ "اب شاید تم اپنا حربہ آزماؤ گے؟"

"نہیں.... آپ غلط....!"

"بکواس مت کرو۔ تم دونوں نے مل کر یہ اسکیم بنائی تھی۔ محض اس لئے کہ میں آ تمہیں بلیک میل نہ کر سکوں۔ چلو میں اب بھی تمہیں معاف کیے دیتا ہوں لیکن کل رات لڑکی پہنچ جائے۔"

"دیکھئے یہ بہت مشکل کام ہے....!" شیکھر نے کہا۔ وہ بار بار صفدر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ تمہاری زندگیوں کا دارومدار اسی پر ہے۔"

صفدر کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اوپر دیکھنے لگا۔

"اب تم چاقو پھینک کر مارو۔" گمنام نے اُسے مخاطب کیا۔

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ جہاں تھا وہیں چپ چاپ بیٹھا رہا۔

"اچھا آپ ہی کوئی تدبیر بتائیے۔" شیکھر جلدی سے بولا۔ "شاید وہ صفدر کی طرف سے کا دھیان ہٹانا چاہتا تھا۔"

"تدبیر....!" وہ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "نقب لگاؤ۔"

"قطعی ناممکن ہے۔ درجن بھر کتے رات بھر عمارت کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں۔"

"لڑکی تمہیں لانی ہی پڑے گی۔ وہ تمہاری ہی لاپروائی کی وجہ سے فریدی تک پہنچی ہے۔"

"ہم نے انتہائی کوشش کی تھی۔ آپ کو کس طرح یقین دلایا جائے۔"

"کیا تم اُس بوڑھے کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔"

"اوہ.... میں نے یہی کوشش کی تھی۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ زخمی ضرور ہو گیا ہے اور جناب ں کا گردہ ہے کہ وہ فریدی کے پھاٹک پر کھڑا ہو کر گولیاں چلا سکے۔ فریدی بھی قسمت کا سکندر ا تھا جو آج میرے ہاتھ سے بچ گیا۔"

"شیخیاں بگھارنے سے کام نہیں چلتا۔ کل لڑکی کو آ جانا چاہئے۔ بس۔" گمنام نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اور اچانک زینوں کی روشنی گل ہو گئی۔

شیکھر سہم کر دیوار سے چپک گیا۔ روشنی تیس سیکنڈ سے زیادہ نہیں بند رہی.... گمنام آدمی ب وہاں نہیں تھا۔ شیکھر نے صفدر کو اُسی طرح بیٹھے دیکھا۔

شیکھر چپ چاپ نیچے اترنے لگا۔ صفدر کے قریب پہنچ کر اُس نے اُسے اٹھایا۔ اُس کے چہرے کی کھال کئی جگہ سے پھٹ گئی تھی اور وہ مٹھیاں بھینچے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔ "اب میں اُسے ی قیمت پر بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

بوڑھے کی موت

دوسری صبح حمید کا موڈ بہت اچھا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہا تھا۔ اُس نے پچھلی رات جاگ کر گذاری تھی۔ بوڑھا بے ہوش لڑکی کو اس کے سپرد کر کے واپس چلا گیا تھا۔ لڑکی رات ہی کو ہوش میں آ گئی تھی لیکن اُس نے فریدی کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

ناشتے کی میز پر وہ اُن کے ساتھ ہی تھی۔ لیکن پہلے ہی کی طرح خاموش.... حمید کافی چہک رہا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس کی باتیں سمجھی ہی نہ ہو۔

"محترمہ حلوہ لیجئے۔" حمید نے اُس کی طرف پلیٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اُس نے تھوڑا سا حلوہ اپنی پلیٹ میں نکال لیا لیکن کچھ بولی نہیں۔

حمید نے جیب سے اپنی پالتو چوہیا نکالی اور اُسے میز پر بٹھا دیا۔

"شروع کر دی بے ہودگی۔" فریدی بڑبڑایا۔

حمید اُس کی بات کا جواب دیئے بغیر چوہیا سے بولا۔ "کیا کھائیں گی آپ۔ اوہ کچھ بولیے بھی مادام۔ آملیٹ پیش کروں یا روٹی کے چورے سے شوق فرمایئے گا۔"

اُس نے ٹوسٹ کا ایک ٹکڑا چوہیا کے آگے ڈال دیا اور وہ اُسے کترنے لگی۔

"آپ.... آہ....!" حمید پھر چوہیا کی طرف جھک کر بولا۔ "آپ کو کیا معلوم کہ کسی کے دل پر کیا گزرتی ہے جب آپ کے ننھے ننھے دانت کسی چیز کا چشم پشتا کرتے ہیں۔ چشم پشتا... شاید یہ تمہاری ہی زبان کا کوئی لفظ ہے۔ اگر کوئی اس کے لئے غیاث اللغات کی ورق گردانی کرے تو اُسے میری زبان میں اُلو کہیں گے۔ پتہ نہیں تمہاری زبان میں اُلو کو کیا کہتے ہوں گے۔"

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی لیکن لڑکی بدستور ٹھس بیٹھی رہی۔ وہ چوہیا کو ضرور دیکھ رہی تھی مگر اُسی انداز میں جیسے وہ بھی ناشتے ہی کا ایک حصہ ہو۔ نہ تو اُس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور نہ چہرے پر اس قسم کے آثار جن سے یہ ثابت ہوتا کہ وہ حمید کی باتوں میں دلچسپی لے رہی ہے۔

"کیا آپ نے نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے؟" اچانک حمید مڑ کر اُس سے بولا۔

لڑکی نے اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

"بہتر یہی ہے کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بہت اچھا جناب۔" حمید نے سعادت مندی کے اظہار میں چہرے پر یتیمی کے آثار پیدا کر لئے۔ پھر وہ پلٹ کر چوہیا سے بولا۔ "ہم دونوں بہت دور چلے جائیں گے.... اُفق کے پار.... انشاءاللہ.... بلکہ افق کے پار کے اوپر کی طرف۔"

حمید نے لڑکی کی طرف دیکھا جو اب بھی انتہائی سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

اچانک فریدی کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی اور وہ ناشتہ چھوڑ کر اٹھ گیا۔ لڑکی نے بھی اُس کے ساتھ اٹھنا چاہا مگر فریدی نے اُسے روک دیا۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر چوہیا کی طرف دیکھا اور اُس نے بھی کچھ ایسا انداز اختیار کر لیا تھا جیسے وہ اس لڑکی کے وجود سے قطعی لاعلم ہو۔

لڑکی ناشتہ ختم کر کے کرسی کی پشت سے ٹک گئی تھی اور اُسکی آنکھیں چھت کی طرف تھیں۔

اب یہ لڑکی حمید کے لئے سچ مچ معمہ بننے لگی تھی اور اُسے اپنے دل سے یہ خیال نکالنا پڑ رہا تھا کہ یہ ڈرامہ فریدی کی کچلی ہوئی جنسیت ہی کا کوئی شاہکار ہے۔

اُس نے ایک بار پھر کنکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید نے سیٹیوں میں وہی دھن شروع کر دی جس پر چوہیا ناچا کرتی تھی۔ وہ میز پر تھرکنے لگی۔ ننھے ننھے گھونگھروؤں کی ہلکی سی چھنک بڑی دلآویز معلوم ہو رہی تھی۔ لڑکی نے دزدیدہ نظروں سے چوہیا کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے میز پر جھک پڑی۔ وہ بڑی دلچسپی سے چوہیا کا ناچ دیکھ رہی تھی اور اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ یکایک کمرے کے باہر سے فریدی نے حمید کو آواز دی۔ حمید چوہیا کو میز ہی پر چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

"سنا تم نے....؟" فریدی آہستہ سے بولا۔ "بوڑھا مر گیا۔"

"کیا....؟" حمید چونک کر بولا۔ "مگر وہ زخم ایسا تو نہیں تھا۔"

"وہ ہسپتال میں مرا ہے۔ پچھلی رات میں نے اُسے کوتوالی بھیجا تھا تاکہ وہ اس واقعے کی رپورٹ درج کرا دے۔ وہاں سے اُسے ہسپتال بھجوا دیا گیا تھا۔"

"حیرت ہے۔ زخم بہت معمولی سا تھا۔" حمید بولا۔

"اُس زخم کی وجہ سے وہ نہیں مرا۔ بلکہ اُس کا گلا گھونٹا گیا ہے۔"

"ہسپتال میں....؟"

فریدی اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر اُس نے کہا۔ "جب تک میں واپس نہ آ جاؤں تم یہیں ٹھہرنا۔ لڑکی کی حفاظت ضروری ہے اور ہاں دیکھو کوئی بے ہودگی نہ ہو۔"

❁

شیکھر اور صفدر برٹرام روڈ کی ایک عمارت کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں نیند سے بوجھل نظر آ رہی تھیں۔

"بڑی مصیبت میں پھنس گئے۔" شیکھر بڑبڑایا۔ "الٹا ....رات لڑکی"

"پھر وہی بکواس۔" صفدر جھنجھلا کر بولا۔ "لڑکی کو ہمارے فرشتے بھی وہاں سے نہیں لا سکتے اگر کہیں فریدی بھی ہمارے راستے پر لگ گیا تو جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔"

"اور اگر اُس نے وہ تصویر پولیس تک پہنچا دی تو کیا ہو گا؟"

"دیکھو شیکھر.... بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم اُسے ہی ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں۔"

"اونہہ....!" شیکھر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیا پچھلی رات کا واقعہ بھول گئے۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے لیکن میں ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ دراصل جلد بازی کی وجہ سے مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔"

"میں کہتا ہوں اس چکر میں نہ پڑو۔ وہ ہم پر بھاری پڑتا ہے۔ سوچو تو اس نے کتنے بڑے بڑے

مجرموں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ ہم اُن میں سے کسی کے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں
شیکھر کچھ نہ بولا.... وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"مگر یار سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آخر وہ لڑکی ہے کیا بلا۔ بوڑھا غریب آدمی معلوم ہوتا ہے اور دوسری بات آخر اُس نے فریدی ہی کے گھر کا رخ کیوں کیا تھا... سنو! میں نے پتہ لگایا ہے کہ وہ لڑکی دو ماہ پہلے بوڑھے کے پاس نہیں تھی۔ پڑوسیوں نے لڑ کبھی بولتے نہیں سنا۔"

"معاملہ کچھ گہرا ہی ہے۔" صفدر بڑبڑایا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "بہت زیادہ ہو رہنے کی ضرورت ہے۔ فریدی شکاری کتے کی طرح مجرموں کی بو سونگھتا ہے۔"

"کتوں کی صحبت کا اثر ہے۔" شیکھر نے ہنس کر کہا۔ "کیا بتاؤں... بس وہ کل رات بچ ہی"

"بیٹا اُس کا ستارہ بڑا اچھا ہے۔ بڑے بڑوں کے ہاتھ کانپ جاتے ہیں اُس کے سامنے۔"

"چھوڑو...!" شیکھر برا سا منہ بنا کر بولا۔ "اُس کی موت ریوالور کی گولی ہی لائے گی۔"

"آج اُس شیطان کے بچے سے کیا کہو گے؟" صفدر نے موضوع بدل دیا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔"

"میری سمجھ میں آگیا ہے۔ بس آج رات کو دیکھ لینا۔"

❁

ہسپتال میں ڈی۔ایس۔پی سٹی بھی موجود تھا۔ چونکہ اس معاملے کا تھوڑا بہت تعلق فر سے بھی تھا اس لئے اُس کا موقعہ واردات پر پہنچنا ضروری تھا۔ ورنہ کسی غریب بوڑھے کا قتل چیز نہیں تھا جس کے لئے ڈی۔ایس۔پی سٹی جیسی شخصیتیں تکلیف کرتیں۔

بوڑھا جنرل وارڈ میں رکھا گیا تھا اور وہاں ٹین کے لمبے سے سائبان کے نیچے تقریباً ساٹھ مریض رہتے تھے۔ اُن میں سے کسی نے بھی کوئی غیر معمولی بیان نہیں دیا۔ لیکن ڈاکٹروں کا کہ کہ بوڑھا قدرتی موت نہیں مرا۔ شاید سوتے ہی میں اُس کا گلا گھونٹا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی وغیرہ ایک کمرے میں آبیٹھے۔ فریدی کسی گہری سوچ میں تھا۔

"اور وہ لڑکی کیا کہتی ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے فریدی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتی۔" فریدی بولا۔

"باتوں کا جواب۔" ڈی۔ایس۔پی مسکرایا۔ "مسٹر فریدی! کیا آپ مجھے بہلانے کی کو کر رہے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔ "میں جانتا ہوں کہ صرف بچے ہی بہلائے جاسکتے ہیں۔"

"اُس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دیجئے۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

"کیوں....؟" ڈی۔ایس۔پی کی بھنویں چڑھ گئیں۔

"وہ وہیں رہے گی۔ آپ اُس سے جو کچھ پوچھنا چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔"

"مجھے کسی قانونی کاروائی پر مجبور نہ کیجئے۔" ڈی۔ایس۔پی جھنجھلا کر بولا۔

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "کیا آپ علیحدہ چل کر ایک بات سنیں گے؟"

ڈی۔ایس۔پی اٹھ کر اُس کے ساتھ برآمدے میں چلا گیا۔

"مجھے جو کچھ کہنا تھا۔" فریدی بولا۔ "میں نے اُن سب کے سامنے کہنا مناسب نہ سمجھا۔"

ڈی۔ایس۔پی اُسے مستفسرانہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

"عرض یہ کرنا ہے کہ آپ کسی قسم کی کوئی قانونی کاروائی نہیں کر سکتے۔ بوڑھا اُسے میری حفاظت میں دے گیا ہے۔"

"اس کا کوئی ثبوت! کیا لڑکی اس کا اقرار کرلے گی؟"

"اگر نہیں کرتی تب بھی! میں بہت اونچی پوزیشن کا آدمی ہوں اور کبھی کبھی قانون کو بھی میرے سامنے اٹکنا پڑتا ہے۔ ویسے آپ میرے بزرگ ہیں۔ میں آپ کا احترام ضرور کروں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں بھی قانون کا اٹکنا دیکھوں گا۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا اور جھلاہٹ میں زور زور سے زمین پر پیر مارتا ہوا اُسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں اُس کے ماتحت بیٹھے ہوئے تھے۔ فریدی بھی اُس کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔

ڈی۔ایس۔پی نے ایک سب انسپکٹر کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم ان کے ساتھ جاکر لڑکی کا بیان لو۔ میں بہت عدیم الفرصت ہوں۔"

پھر وہ باہر چلا گیا.... وہاں کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش بھی موجود تھا لیکن اُس نے بیان لینے کے لئے اُس سے نہیں کہا۔ شاید اس بناء پر کہ فریدی سے اُس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ ڈی۔ایس۔پی کے جانے کے بعد کچھ لوگوں نے کھنکار کر اپنے گلے صاف کیے اور جیبوں میں سگریٹوں کے پیکٹ ٹٹولنے لگے۔

"چل رہے ہیں آپ؟" فریدی نے اُس سب انسپکٹر سے کہا۔ "میں بہت عدیم الفرصت ہوں۔"

"چلئے جناب۔" انسپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ "جوتیں آپ لوگوں میں چلتی ہیں بھگتنا ہمیں پڑتا ہے۔"

"بھئی میں تو ہمیشہ ٹالنے کی کوشش کرتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اچھا آؤ....!"

"کیا مجھے بھی اجازت ہے؟" جگدیش بولا۔

"ارے.... جگدیش۔ تم یہیں تھے.... ضرور.... ضرور.... مگر تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا تھا....؟"

"میں تو اب اس انچارجی سے تنگ آگیا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد کیڈی لاک فریدی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ کوٹھی میں پہنچ کر سب انسپکٹر تو ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔ فریدی اور جگدیش اندر چلے گئے۔ انہوں نے ایک کمرے میں حمید کو دیکھا جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ جگدیش اُسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"کیا ہوا تمہیں؟ لڑکی کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے وہ اُسے گھورتا رہا پھر اچانک اُس کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔ "بوع.... بیاع.... بی.... بیع....!"

ساتھ ہی وہ اچھل اچھل کر اپنا سر بھی پیٹ رہا تھا۔

"کیا بے ہودگی ہے؟" فریدی جھلاہٹ میں اُسے بُری طرح جھنجھوڑ کر بولا۔

"گونگی.... گونگی.... خدا کی قسم گونگی ہے۔" حمید ہانپتا ہوا۔ حلق پھاڑ کر چیخا۔

"اوہ....!" فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔ "لیکن آخر تمہیں پریشانی کیوں ہے؟"

"ہائیں کوئی پریشانی کی بات ہی نہیں۔" حمید جھلاہٹ میں ہاتھ نچا کر بولا۔ "ارے میں اُلو کا پٹھا اُسے اسپنوزا کی فلاسفی سمجھا رہا تھا۔ میں نے اُس سے موجودہ اقتصادی بحران پر بحث کرنی چاہی تھی۔ خدا کی قسم میں اس وقت خود کو بھینس محسوس کر رہا ہوں۔"

جگدیش کے قہقہے رکنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

"وہ ہے کہاں....؟" فریدی نے پوچھا۔

"ایک کمرے میں گھس کر اندر سے دروازہ بند کر لیا ہے۔"

"کیوں....؟" دفعتاً فریدی کا موڈ بگڑ گیا۔

"کیا آپ کچھ اور سمجھے ہیں؟" حمید جلدی سے بولا۔ "بات دراصل یہ ہوئی کہ میں نے اُسے سانپوں والے کمرے کی سیر کرا دی اور اُسی وقت یہ راز کھلا کہ وہ گونگی ہے۔ چیخ مار کر بلبلاتی ہوئی بھاگی تھی۔"

فریدی پھر ہنس پڑا۔ جگدیش اب سنجیدہ ہو چکا تھا۔ اُس نے فریدی سے کہا۔

"کوتوال صاحب کو اور زیادہ تاؤ آئے گا۔"

"بھئی اب میں کیا کروں اگر وہ گونگی ثابت ہو۔"

❁

رات تاریک تھی اور آسمان میں بارش کے آثار موجود تھے۔ شیکھر اور صفدر برٹرام روڈ پر پیدل چل رہے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے چلتے رہے پھر شیکھر نے صفدر سے کہا۔

"دیکھو! کافی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ بوڑھے کا انجام تو تم نے دیکھ لیا۔ اُس کم بخت کے علاوہ اور کون بھرے پُرے ہسپتال میں گھس کر کسی کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔"

"تم اتنے ڈرپوک کیوں ہو شیکھر....؟" صفدر منہ بنا کر بولا۔

"یار تم مجھے خواہ مخواہ غصہ نہ دلایا کرو.... سمجھے۔"

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ آج صفدر کی جیب میں ریوالور بھی تھا اور اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ آج اُس خطرناک آدمی کو بچنے کا موقعہ نہ دے گا۔

کچھ دیر بعد اُس نے شیکھر سے کہا۔ "اگر تم نے اپنے حواس بجا رکھے تو وہ آج بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"صفدر میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہ اناڑی نہیں ہے۔" شیکھر لمبی سانس لے کر بولا۔ "کیا تم اُس کا پچھلی رات والا رویہ بھول گئے؟ اس نے کہا تھا کہ وہ ہمیں اُسی منزل کے ایک کمرے میں ملے گا جس کی کھڑکی میں ہمیں سرخ روشنی دکھائی دے گی لیکن وہ ہمیں کہاں ملا۔ تیسری منزل کے زینوں پر اور روشنی پانچویں منزل کی ایک کھڑکی میں نظر آئی تھی۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ وہ اُس جگہ ہرگز نہ ملے گا جہاں ملنے کا وعدہ کیا ہے۔" شیکھر بولا۔ "ایسی صورت میں تم کیا کر سکو گے۔ کل تو میں اس کی لاپروائی دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا.... تمہیں نیچے پھینک کر وہ مطمئن نظر آ رہا تھا اور کتنی لاپروائی سے تمہیں دوبارہ چاقو پھینک کر مارنے کی دعوت دی تھی.... پھر بولو! ہمت پڑی تھی تمہاری؟"

"تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں خاموش رہوں؟" صفدر نے پوچھا۔

"فی الحال ہمیں خاموش ہی رہنا چاہئے۔ مصلحت اسی میں ہے۔"

صفدر کچھ دیر خاموش رہا.... پھر بولا۔ "لیکن آج اُسے کیا جواب دو گے؟"

"دیکھا جائے گا۔"

"ریوالور ہے تمہارے پاس....!" صفدر نے پوچھا۔

"ہاں.... کیوں؟"

"کچھ نہیں یونہی پوچھا تھا۔"

وہ چلتے چلتے ٹمپل روڈ کی ایک گلی میں مڑ گئے۔ پوری گلی میں صرف ایک جگہ دیوار سے لگے ہوئے بریکٹ میں بجلی کا بلب روشن تھا۔ کچھ دور چل کر انہیں اندھیرے سے الجھنا پڑا۔ وہ پھر ایک پتلی سی گلی میں مڑ گئے۔ یہاں چھوٹی چھوٹی بے شمار گلیاں تھیں۔

جس گلی میں وہ اب چل رہے تھے وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ اچانک ان دونوں کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُن کی جیبیں ہلکی ہوگئی ہوں۔ دونوں کے منہ سے بیک وقت "ارے" نکلا اور اُن کے ہاتھ جیبوں میں چلے گئے۔ دونوں کے ریوالور غائب تھے۔ وہ بوکھلا کر پلٹے۔

"بس چلتے رہو۔" قریب ہی سے کسی نے نرم آواز میں کہا۔ "تم لوگ کسی دیوتا کی اولاد نہیں ہو کہ میں تم پر اعتماد کرلوں۔"

وہ دونوں اُس کی آواز پہچان گئے۔ چلتے رہنے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔ وہ عقب سے انہیں کاشن دیئے جارہا تھا۔ ایک جگہ اُس نے انہیں رکنے کو کہا۔

"داہنے طرف مڑ کر دروازے کو دھکا دو۔"

انہوں نے چپ چاپ تعمیل کی۔ دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا اور وہ اُس کے حکم کے مطابق اندر داخل ہوگئے۔ عقب سے اُن کے سامنے ٹارچ کی روشنی پڑی اور وہ ایک طویل راہداری سے گذرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک آرام دہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں کافی روشنی تھی اور وہ خطرناک آدمی اُن کے سامنے ٹہل رہا تھا اور اس وقت بھی اُس کے ہاتھوں میں دستانے تھے۔

"اب سنو! میرا پلان۔" وہ رک کر بولا۔ "تم صفدر بالکل ہی احمق آدمی ہو۔ اس لئے میں تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہوں۔ شیکھر تم سے زیادہ چالاک ہے اس لئے میں اُسے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کروں گا.... ارے تمہارے چہرے پر تو ہوائیاں اڑنے لگیں۔ راستے سے ہٹانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں ختم کردوں گا۔ فی الحال تم اس شہر سے کہیں اور چلے جاؤ۔ اخراجات میں برداشت کروں گا.... اور اگر تم کل بارہ بجے کے بعد سے پھر اس شہر میں دکھائی دیئے تو اپنی موت کے خود ذمہ دار ہوگے۔ سمجھے.... میں تمہیں چوہے کے بل سے بھی

نکال کر ختم کردوں گا۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر شیکھر سے بولا۔ "میں تم پر کسی حد تک اعتماد کرسکتا ہوں۔"

شیکھر کچھ نہ بولا۔ وہ اس عجیب وغریب آدمی کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے مسکرا کر شیکھر ہی سے کہا۔ "نروان بلڈنگ میں بوڑھے کے فلیٹ کے برابر والا فلیٹ خالی ہے۔ تم اب اُس میں قیام کرو گے.... نہیں.... ابھی اس سلسلے میں کچھ پوچھنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ رہی فلیٹ کی کنجی۔ تم بے دھڑک اس میں رہ سکتے ہو اور میں تمہاری حفاظت کی پوری ذمہ داری لیتا ہوں۔"

حمید کی بوکھلاہٹ

فریدی کافی دیر سے اُس کاغذ کے ٹکڑے کو گھور رہا تھا۔ دو ایک بار اُس نے فون کی طرف بھی ہاتھ بڑھایا تھا مگر پھر کچھ سوچ کر رہ گیا تھا۔

حمید کئی بار اُدھر سے گذرا لیکن اُس نے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ ورنہ ویسے اس کا دل ضرور چاہتا تھا کہ وہ اُس کاغذ کے ٹکڑے کے متعلق استفسار کرلے۔

آخر کچھ دیر بعد فریدی ہی نے اُسے آواز دی۔

"لڑکی کو یہاں لاؤ۔"

"لڑکی....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس کا نام لیا ہوگا۔"

"ہوگا کچھ.... اُسے یہاں لاؤ۔"

حمید چلا گیا۔ فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر ختم ہوتے ہوئے سگار کو ایش ٹرے میں مسلتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

لڑکی حمید کے ساتھ آئی ضرور مگر دروازے ہی میں کھڑی رہی۔ فریدی نے اُسے اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

"مگر....!" وہ حمید سے بولا۔ "سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ اس سے کچھ پوچھا کس طرح جائے۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ....؟" حمید اکڑ کر بولا۔ "اس قسم کے معاملات میں ہمیشہ کیپٹن

حمید کی خدمات حاصل کیجئے۔"

"پتہ نہیں.... یہ اسی شہر کی باشندہ ہے یا کہیں باہر کی۔"

"بس اتنی سی بات۔ دیکھئے ابھی معلوم کرتا ہوں۔ چٹکی بجائیے۔"

حمید نے لڑکی کو اپنی طرف مخاطب کر کے ریلوے انجن کا پوز بنایا اور "چھک چھک" کرتا ہوا کمرے میں دوڑنے لگا۔ لڑکی پہلے تو اُسے سنجیدگی سے دیکھتی رہی پھر بے ساختہ ہنس پڑی۔ پھر حمید نے رک کر اشارے سے پوچھنا چاہا کہ وہ اسی شہر میں رہتی ہے یا اس طرح ٹرین میں بیٹھ کر کہیں باہر سے آئی ہے۔"

شاید وہ اس کا مطلب سمجھ ہی نہ سکی تھی۔ اُس نے حیرت سے استفہامیہ اشارہ کیا۔

"اررر.. بھائی صاحب۔ نہیں سمجھے۔" حمید نے اپنے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اچھا پھر سمجھو۔"

اس بار اس نے ریلوے انجن کی نقل اتارنے کے سلسلے میں اتنا غل غپاڑہ مچایا کہ فریدی کو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنی پڑیں۔

"بس حمید صاحب بس۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب اگر اس کے بعد آپ نے ہوائی جہاز بننے کی کوشش فرمائی تو میں اپنے کتوں کو کسی طرح قابو میں نہ رکھ سکوں گا۔"

حمید رک کر ہانپنے لگا۔ پھر اُس نے لڑکی سے کہا۔ "تمہیں شرم نہیں آتی۔ کھڑی ہنس رہی ہو۔ اتنی محنت پر تو ریل کا انجن بھی فارسی بولنے لگتا۔"

"بہت مشکل ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اس کے لئے مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اچھا اب اسے جانے دو۔"

حمید نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہا۔ مگر لڑکی نے انکار کر دیا۔ پتہ نہیں کیوں وہ اُن کے ساتھ ہی ساتھ رہنے پر مصر نظر آ رہی تھی۔

"حمید صاحب.... یہ اگر اسی شہر کی ہوتی تو ان عجیب و غریب حالات میں رہنا پسند نہ کرتی۔ کوئی مجبوری ہی تھی جس نے اُسے دو ماہ تک ایک اجنبی بوڑھے کے پاس رو کے رکھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی نے تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "اچھا اور اگر یہ اسی شہر کی باشندہ ہونے کے باوجود بھی ہمیں اپنے گھر تک نہیں لے جانا چاہتی تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی پوزیشن سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"میں نہیں سمجھا....!" حمید بولا۔

"فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ تشریح بعد میں ہو جائیگی۔ میرا ذہن ایک نئے راستے پر چل نکلا ہے۔"

"اور خدا نے چاہا تو اب میرا دماغ چل نکلے گا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا پھر آہستہ سے بولا۔ "آخر اس عجیب و غریب واقعے کی خبر اخبارات میں کیوں نہیں آئی؟"

"میں نے مناسب نہیں سمجھا۔"

"اگر مناسب سمجھئے تو مجھے ایک ماہ کی چھٹی دلوا دیجئے۔"

"حمید بکواس مت کرو۔ میں تمہاری شادی کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"شادی اب کیا ہو گی۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"میری بات سنو۔ بوڑھے نے کیا کہا تھا؟ جب خطرات حد سے بڑھ جائیں تو اس لڑکی کی کسی سے شادی کر دی جائے۔"

حمید بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

"یہ نہیں ہو سکتا.... ہرگز نہیں۔" حمید ہکلایا۔

"کتنے گدھے ہو تم...." فریدی اُسے چمکار کر بولا۔ "تم ایک حسن پرست ہو.... اور یہ لڑکی لاکھوں میں ایک ہے۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں؟"

"میں بالکل ہوش میں ہوں.... یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔"

"دیکھئے میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کرتا۔"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"آپ خود ہی کیوں نہیں کر لیتے۔ آپ کے لئے ایسی ہی مناسب ہے جو کچھ بول نہ سکے۔"

"خیر میں تو شادی نہ کرنے کا عہد ہی کر چکا ہوں۔"

"تو میں بھی اسی وقت بصدق دل شادی نہ کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی شادیاں بھی کینسل کرتا ہوں۔"

"مسخرہ پن سے کام نہیں چلے گا۔ شادی تمہیں کرنی ہی پڑے گی۔"

حمید پر پھر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑا.... اور لڑکی کو یہ سمجھانے کے لئے کہ وہ ایک آوارہ آدمی ہے اُس نے عجیب قسم کی حرکتیں شروع کر دیں۔ پتلون کے پائینچے موڑ کر گھٹنوں تک چڑھائے اور بال بکھرا کر گانے لگا۔ "آوارہ ہوں.... آوارہ ہوں۔"

پھر اشارے سے بتایا کہ میں شرابی بھی ہوں۔ اس کے لئے اُس نے روشنائی کی بوتل اٹھائی

اور گلاس میں تھوڑی سی روشنائی انڈیلی اور بوکھلاہٹ میں ایک گھونٹ بھی لے لیا۔ پھر خیال آتے ہی کلی جو کی ہے تو کمرے کا قالین برباد ہو کر رہ گیا۔ لڑکی بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"کیا بے ہودگی ہے۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"گولی مار دیجئے نا۔ ضروری نہیں کہ میں آپ کی ہر بات مان ہی لوں۔ آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔"

حمید جھنجھناتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے لڑکی بھی نکلی۔ قدموں کی آواز سن کر حمید پلٹ پڑا۔

"ہائیں! ارے بابا تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔ کیا سچ مچ میری گردن ہی کٹوا دو گی۔"

لڑکی ہنستی رہی۔ پھر اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اُسے غسل خانے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا اور وہاں پہنچ کر اشارے سے بتایا کہ اُسے اپنا منہ صاف کرنا چاہئے۔ حمید بوکھلاہٹ میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ اُس نے روشنائی کا گھونٹ لیا تھا۔ لڑکی کے یاد دلانے پر اُس کی زبان پر روشنائی کی تلخی جاگ اٹھی اور وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے پائپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جب وہ اپنا منہ صاف کر چکا تو لڑکی نے اشارے سے پوچھا کہ کیا اُس کا کوئی اسکریو ڈھیلا ہے۔

"بھاگ جاؤ۔" حمید جھلاہٹ میں اُسے مکا دکھا کر بولا۔

اسے سچ مچ بڑی پریشانی تھی۔ فریدی کے انداز سے صاف یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے کر گزرے گا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی وقتی مصلحت ہو.... مگر اُس کی زندگی تو اجیرن ہو ہی جائے گی۔ اُس کی جان پہچان والی لڑکیاں اُس سے بدکنے لگیں گی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے اُسے پھر آواز دی اور لڑکی پھر اُس کے پیچھے لگ گئی۔ شاید اُسے بھی حمید کو تنگ کرنے میں مزہ آ رہا تھا۔

فریدی نے لڑکی کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور وہ چپ چاپ واپس چلی گئی۔ نہ جانے کیوں فریدی کی ہر بات مان لیتی تھی۔

"دیکھئے آپ مجھے کسی طرح بھی اس پر آمادہ نہیں کر سکتے۔" حمید نے کہا۔

"اونہہ ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ذرا اسے دیکھنا۔"

فریدی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے کاغذ کا وہی ٹکڑا نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا جس میں وہ بڑی دیر تک الجھا رہا تھا۔

حمید نے اُسے پڑھ کر فریدی کی طرف دیکھا۔

"یہ مجھے بوڑھے کے فلیٹ میں ملا تھا۔" فریدی نے کہا اور حمید کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے۔

"کیا وہ بوڑھا اس قسم کا آدمی تھا کہ کسی کو بلیک میل کر سکے۔" حمید بولا۔

"یہ تو کسی ایسے آدمی کا خط معلوم ہوتا ہے جسے بلیک میل کیا جا رہا ہو۔ مگر اوہ.... یہ تو کسی عورت کا خط ہے۔"

"ہاں کسی ایسی عورت کا خط جس سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ تمہارا بلیک میلنگ کا نظریہ درست معلوم ہوتا ہے۔ اب سوال یہی ہے کہ کیا وہ بوڑھا کسی عورت کو بلیک میل کر رہا تھا مگر اُس کے جاننے والے حلقوں میں کسی نے بھی اُس کے متعلق کوئی بُری رپورٹ نہیں دی۔"

"ذرا ٹھہرئیے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اُس رات والے حادثے کے بعد سے بوڑھے کو اپنے فلیٹ تک جانے کا موقعہ نہ ملا ہوگا۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے.... لیکن کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"ہو سکتا ہے کہ یہ پرچہ حملہ آوروں میں سے کسی کی جیب سے گرا ہو۔"

"یہ خیال کیسے پیدا ہوا؟"

"پرچے کی حالت۔ غالباً یہ کہیں کسی کونے میں مڑا تڑا ملا ہوگا۔" حمید بولا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ "تمہارے خیال کی تائید میں ایک بات اور بھی کہی جا سکتی ہے۔ خط کا انداز بتاتا ہے کہ عورت سے پہلے بھی کئی بڑی رقمیں وصول کی جا چکی ہیں۔ مگر بوڑھے کی حالت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اُس نے کبھی خوش حالی کی زندگی بسر کی ہو۔ اُسے پانچ ہزار جو اُس پُر اسرار آدمی سے ملے تھے اُن کا پس ماندہ بھی پولیس نے برآمد کر لیا ہے۔ مجموعی رقم چار ہزار سات سو تھی۔ یعنی پچھلے دو ماہ میں بوڑھے نے صرف تین سو روپے خرچ کیے اور بقیہ کو احتیاط سے رکھے رہا۔ اس سے بھی اُس کی نیک نیتی پر روشنی پڑتی ہے.... دوسری بات اگر وہ عادی قسم کا بلیک میلر ہوتا تو نہ صرف اُس کے دیئے ہوئے پانچ ہزار ہضم کر لیتا بلکہ لڑکی کے دشمنوں سے بھی ساز باز کیے بغیر نہ رہتا.... نہ وہ اپنے بازو پر گولی کھاتا اور نہ اُسے ہسپتال میں بے بسی کی موت مرنا پڑتا۔"

"ہاں.... مگر یہ سارا گورکھ دھندا ہے کیا بلا؟"

"کچھ بھی ہو.... ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ واقعات کی نوعیت ذرا افسانوی قسم کی ہے۔ اس لئے ہم کہیں بھی ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔"

"تو کیا اب یہ گونگی مستقل طور پر ہمارے ساتھ رہے گی۔"

فریدی جواب دینے کی بجائے بے اختیار مسکرا پڑا۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"تم اُس سے خائف کیوں ہو؟"

"اُس سے نہیں! آپ مجھے پر ہول معلوم ہونے لگے ہیں بلکہ ابو الہول کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آپ سراغ رسانی کی دھن میں سب کچھ کر گذرتے ہیں۔"

"خیر فی الحال میں اس مسئلے میں نہیں الجھنا چاہتا۔ میں نے تمہیں دراصل اس لئے بلایا تھا کہ تم خط لکھنے والی عورت کی شخصیت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرو۔"

"کیا آپ مجھے جادوگر سمجھتے ہیں؟"

"کیوں....؟"

"ارے جناب! اگر لکھنے والی کا نام بھی اس پر ہوتا تو میں....!"

"تب کیا خاص بات ہوتی؟" فریدی نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔

"میرا دعویٰ ہے کہ تم اس عورت کو بہت قریب سے جانتے ہو۔"

"بظاہر اس کاغذ میں مجھے کوئی ایسا سراغ نہیں ملتا جو آپ کی رہنمائی کر سکے۔"

"تب تم اندھے ہو۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اور تمہارے لئے گونگی ہی مناسب رہے گی۔ کیا تمہیں اس کاغذ پر اتنا موٹا سا مونوگرام نہیں دکھائی دیتا؟"

"جی ہاں! دیکھ رہا ہوں۔ جی۔ سی۔ ایم ہے۔ مگر آپ اس سے کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "ذرا میرا سگار کا ڈبہ اٹھاؤ۔"

حمید نے ہاتھ بڑھا کر ڈبہ اٹھا لیا۔

"ذرا اس کا مونوگرام دیکھو اور یہ واضح رہے کہ یہی مونوگرام ان کا ٹریڈ مارک بھی ہے۔ یعنی اسے گولڈن سگار مینو فیکچررز کے علاوہ اور کوئی نہیں استعمال کر سکتا.... کیا سمجھے۔"

"ہاں ہے تو.... دونوں مونوگرام ایک ہی ڈائی کے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

"اب ذرا اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دو۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جی۔ سی۔ ایم والوں ہی سے تعلق رکھنے والی کوئی عورت۔"

"ہاں! اگر ہمیں ان میں سے کوئی ایسی عورت نظر آجائے تو اُسے دیکھنا ہی پڑے گا۔"

"میں سمجھ گیا.... آپ کا اشارہ غالباً جی۔ سی۔ ایم کے جنرل منیجر کی بیوی کی طرف ہے۔"

"دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ تم اُسے بہت قریب سے جانتے ہو۔"

"مگر سرکار والا.... اس کاغذ کو جی۔ سی۔ ایم کے عملہ سے تعلق رکھنے والی کوئی دوسری عورت بھی تو استعمال کر سکتی ہے؟"

"کر سکتی ہے.... لیکن ہمیں اُن میں بھی ایسی عورت تلاش کرنی پڑے گی جو کسی بڑی رقم کا مطالبہ برداشت کرنے کی اہل ہو اور ساتھ ہی ساتھ اُس کا ماضی ایسا رہا ہو کہ اُسے بلیک میل کیا جا سکے۔ شاہینہ میں تم یہ دونوں خصوصیات پاؤ گے۔ کیا ایک زمانے میں وہ تم سے رومان بازی نہیں کر رہی تھی؟"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اگر واقعی یہ تحریر شاہینہ ہی کی ہے تو میں اس سے سب کچھ اگلوا لوں گا۔"

"ہاں فرزند.... میں یہی چاہتا ہوں۔"

"اچھا تو فکر نہ کیجئے.... وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں قریب قریب روز ہی نظر آتی ہے۔ آج مجھے دن بھر کی کوفت بھی کم کرنی ہے۔"

❁

صفدر صبح ہی صبح باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اُس نے یہ سب کچھ بڑی بے دلی سے کیا تھا۔ وہ ہرگز اس پر تیار نہ ہوتا مگر شیکھر نے اُس کی زندگی تلخ کر دی تھی۔

"شیکھر میں تمہاری ناعاقبت اندیشیوں سے تنگ آ گیا ہوں۔" وہ جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیوں اپنی زندگی کے پیچھے پڑے ہو۔ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔" شیکھر بولا۔

"میں بزدل نہیں ہوں شیکھر لیکن مجھے اُس قسم کا پاس ہے جو ہم نے ایک دوسرے کا پابند رہنے کے لئے کھائی تھی۔ ورنہ مجھے اس شہر سے کسی رستم کا باپ بھی نہیں ہٹا سکتا تھا۔"

"چلو یہی سہی۔ میں اسے بزدلی نہیں بلکہ حکمت عملی سمجھتا ہوں۔" شیکھر بولا۔

صفدر کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اُس نے کہا۔ "مگر دیکھو بیٹے۔ اُس سے ہوشیار ہی رہنا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ہمیں کسی بڑی مصیبت میں پھنسانے والا ہے۔ ایسی مصیبت میں جس سے پھانسی ہی بہتر ثابت ہو گی۔"

"فکر نہ کرو۔" شیکھر نے کہا۔ "میں بھی سمجھتا ہوں اور تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کروں گا۔"

"یعنی....؟"

"موقعہ ملتے ہی اُس کم بخت کو ٹھکانے لگانا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن آخر وہ مجھے یہاں سے نکال دینے پر کیوں تلا ہوا ہے؟"

"احتیاطاً.... لیکن تمہیں جلد باز اور بیوقوف سمجھتا ہے۔ اُسے ڈر ہے کہ کہیں تم پولیس تک نہ جا پہنچو۔"

صفدر شیکھر سے رخصت ہونے کے بعد سیدھا اسٹیشن پہنچا۔ ٹرین آنے میں ابھی ایک گھ کی دیر تھی۔ وہ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں بیٹھ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگا۔ گمنام آدمی سے اُ کافی رقم مل گئی تھی کہ وہ کچھ دن رئیسانہ ٹھاٹ سے زندگی بسر کر سکتا تھا۔

اُسے یہاں آئے پندرہ ہی منٹ گذرے تھے کہ ایک قلی نے اُسے ایک لفافہ لا کر دیا۔ صف پہلے تو چونکا لیکن پھر اُسے اُس خطرناک آدمی کا خیال آ گیا۔ اُس نے بڑی تیزی سے لفافہ چاک اور خط پڑھنے لگا۔ انگریزی حروف میں تھوڑی سی عبارت ٹائپ کی ہوئی تھی۔

"صفدر!

اب تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنی اسکیم بدل دی ہے۔ اس کی فکر نہ کہ تم فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے چکے ہو۔ اُسے واپس کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ مجھے تمہار بات پسند آئی ہے کہ تم نے پچھلی رات صفائی نہیں پیش کی اور نہ میری خوشامد ہی کی۔ میں تم دلیروں کی قدر کرتا ہوں۔"

صفدر نے خط ختم کر کے بہت بُرا سا منہ بنایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر شیکھر کے ساتھ تھا۔

"یہ بہت اچھا ہوا پیارے۔" شیکھر اُس سے کہہ رہا تھا۔ "تمہارے بغیر مجھے یہ دنیا جہنم م ہوتی.... مگر آخر اُس نے اپنا ارادہ کیوں تبدیل کر دیا۔"

"اُسے جھونکو جہنم میں.... مجھے اُس لڑکی کی فکر ہے۔ آخر اُس میں کون سے ایسے سر کے پر لگے ہوئے ہیں جس کے لئے اتنے پاپڑ بیلے جا رہے ہیں۔"

"سوچنے کی بات ہے۔" شیکھر بولا۔ "تمہاری واپسی سے پہلے ہی مجھے اس کی اسکیم کی ت کا علم ہو گیا تھا۔"

"کس طرح....؟" صفدر چونک کر بولا۔

"اُس نے مجھے بھی خط لکھا ہے۔"

"لکھا ہے.... یا ٹائپ کیا ہے؟"

"وہی مطلب! ٹائپ ہی ہے۔"

"لومڑی کی طرح چالاک ہے.... بھلا اپنی تحریر کیوں دینے لگا۔"

"اسکیم بدلنے کی اطلاع کے ساتھ ہی اُس نے آج رات کے پروگرام کے متعلق بھی لکھا ہے۔"

"کیسا پروگرام؟"

"بتاتا ہوں.... لیکن تم وعدہ کرو کہ تمہیں اُس میں شرکت سے انکار نہیں ہوگا۔"

"آخر معلوم بھی تو ہو۔ ویسے جہاں تم وہاں میں۔ خواہ وہ جہنم ہی کیوں نہ ہو۔"

"ہمیں فریدی کی کوٹھی میں گھسنا ہوگا۔"

"پھر وہی حماقت۔" صفدر بگڑ گیا۔

"سنو تو سہی! ہمارے ساتھ وہ خود بھی ہوگا۔"

پھر وہی دستانے

شام ہوتے ہی حمید ہائی سرکل نائٹ کلب پہنچ گیا۔ شاہینہ ابھی تک نہیں آئی تھی لیکن حمید کو توقع تھی کہ وہ آئے گی ضرور۔ شاہینہ گولڈن سگار مینو فیکچررز کے جنرل منیجر کی بیوی تھی۔ انتہائی حسین اور سوسائٹی کی جان تھی۔ اُس کا ماضی خواہ کچھ رہا ہو لیکن اب خصوصاً جنسی معاملات میں صرف اپنے شوہر کی پابند تھی۔ رہ گئی مردوں سے دوستی تو اُسے بہت زیادہ ترقی یافتہ طبقے میں بُری نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔

حمید سے اُس کی پرانی دوستی تھی۔ حالانکہ وہ دونوں عرصہ سے ملے نہیں تھے۔ مگر پھر بھی حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دوسروں کا ساتھ چھوڑ کر اُس سے مل بیٹھنا زیادہ پسند کرے گی۔ حمید جیسے جان محفل قسم کے لوگوں کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اُس کی شناسا عورتیں اُسے ہر حال میں پسند کرتی تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ وہ انہیں خواہ مخواہ بور نہیں کرتا تھا۔ نہ اُس نے آج تک کسی سے شادی کی درخواست کی تھی اور نہ وہ "اظہار محبت" جیسی لچر حرکت کا قائل تھا۔

نو بجے کے قریب شاہینہ آ گئی۔ وہ تنہا ہی تھی۔ ہال میں داخل ہو کر اُس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اُس کے کئی شناسا اپنی جگہوں سے اٹھے۔ حمید چپ چاپ بیٹھا رہا۔ وہ اپنی میز پر تنہا تھا۔ حمید اُسے کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ اتفاق سے وہ اُس کے قریب ہی کی ایک میز پر آ بیٹھی۔ اُس کے مختلف شناسا مختلف میزوں سے اٹھے تھے غالباً اسی لئے شاہینہ نے ایک خالی میز کا انتخاب

کیا تھا۔

بیٹھتے ہی اُس کی نظر حمید پڑی اور حمید نے بہت ہی مودبانہ انداز میں جھک کر اُسے سلام کیا۔

"ہیلو....!" شاہینہ اپنی باریک سی آواز میں چیخی اور اٹھ کر حمید کے پاس آ بیٹھی۔

"جب سے تمہیں کیپٹن کا اعزاز ملا ہے تم بہت مغرور ہو گئے ہو۔" اُس نے کہا۔

"مگر سننے تو محترمہ....!" حمید بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "اس وقت مجھے جو اعزاز نصیب ہوا ہے جلد بازی کی صورت میں اُسے کھونا پڑتا ابھی ابھی دوسروں کا بھی انجام دیکھ چکا ہوں۔"

"بڑے چالاک ہو۔" شاہینہ مسکرا کر بولی۔ "ان لوگوں سے تو میں تنگ آ گئی ہوں۔ خواہ مخواہ بور کرتے ہیں۔ اس وقت یہ کہہ کر جان بچائی ہے کہ مجھے کچھ لڑکیوں کا انتظار ہے اور سناؤ تم آج کل کیا کر رہے ہو؟"

"شادی کی فکر کر رہا ہوں۔"

"جھک مار رہے ہو۔" شاہینہ مسکرا کر بولی۔

"جھک مارنا تو ہے ہی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس سلسلے میں سینکڑوں نجومیوں کو ہاتھ دکھائے جب اُن پر سے اعتماد اٹھ گیا تو خود ہی علم نجوم کا مطالعہ شروع کر دیا۔ لہٰذا اب یہ عالم ہے کہ میں اپنی پچھلی سات پشتوں کی شادیوں کا بھی پتہ لگا سکتا ہوں۔"

شاہینہ ہنسنے لگی۔

"تم مذاق سمجھتی ہو۔ اچھا آزما کر دیکھ لو۔ اگر کچھ غلط بتاؤں تو اسی میز پر مرغا بنا دینا۔"

"تم بھی بور کرو گے شاید....!"

"دیکھو تاؤ نہ دلاؤ مجھے۔" حمید اپنی جیب سے ایک سادے کاغذ کا ٹکڑا اور فاؤنٹین پن نکال کر اُس کے سامنے پٹختا ہوا بولا۔ "لکھو....!"

"کیا لکھوں؟"

"تاریخ پیدائش اور والدین کے نام....!"

"اُس سے کیا ہوگا؟"

"ابھی کچھ کہہ دوں گا تو چیخنا کر اٹھ جاؤ گی۔" حمید جھلا کر بولا۔

"آخر کچھ بتاؤ بھی تو کیپٹن مکی ماؤس.... لٹل ڈیئر۔" اُس نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

"دیکھو! آج کل میرا موڈ بہت خراب رہتا ہے اور میں کسی کی بھی مروت نہیں کرتا۔"

"اچھا تو اب تمہارا موڈ بھی خراب رہنے لگا ہے؟"

میں کہہ رہا ہوں مجھے چڑاؤ مت....!"

مگر ڈیئرم! تاریخ پیدائش کس لئے؟"

اگر کوئی پامسٹ تاریخ پیدائش یا عمر کے بغیر کچھ بتائے تو وہ اُلو کا پٹھا ہے۔"

مگر والدین کا نام....؟"

میں نجوم اور پامسٹری دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہوں۔ ایک دائیں جیب میں اور دوسری جیب میں۔"

شاہینہ فاؤنٹین پن اٹھا کر ہنستی ہوئی لکھنے لگی۔

حمید کاغذ ہاتھ میں لئے کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔

"اچھا تو میں ذرا غسل خانے میں ہو لوں.... تاکہ اطمینان سے....!"

"واقعی آج کل سنکے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔" شاہینہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں مسکرائی۔

حمید وہاں سے اٹھ کر غسل خانے میں آیا اور جیب سے فریدی کا دیا ہوا خط نکال کر اُس سے کی تحریر ملانے لگا۔

اُسے مایوسی نہیں ہوئی اور وہ فریدی کے ذہن رسا کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ دونوں یں سو فیصدی ایک ہی ہاتھ کی تھیں۔

وہ سنکیوں کے سے انداز میں غسل خانے سے واپس آ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے بیٹھا تاریخ پیدائش کاغذ سے پنکھا جھلتا رہا۔ پھر چونک کر شاہینہ سے بولا۔ "بایاں ہاتھ لاؤ۔"

شاہینہ نے بایاں ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "واقعی تم بور ہو گئے ہو۔"

"تو اس وقت تمہاری عمر پچیس سال ہے۔" حمید بڑبڑایا اور فاؤنٹین پن اٹھا کر اُس کی عمر کی پر کچھ نشانات لگائے۔ چند لمحے پیشانی پر شکنیں ڈالے اُس کی ہتھیلی پر نظریں جمائے رہا پھر "آج کل تمہارا ماضی تمہارے لئے تکلیف دہ ہو رہا ہے۔"

"کیا مطلب....؟" شاہینہ نے چونک کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

حمید خلا میں گھورتا ہوا سنکیوں کی طرح بڑبڑاتا رہا۔ "ماضی کی بدولت مالی نقصان کا پتہ چلتا تم آج کل بہت زیادہ پریشان ہو۔ ماضی کا اثر حال پر پڑنے کا اندیشہ ہے... ذرا ہاتھ پھر دینا۔"

اس نے بدستور خلا میں گھورتے ہوئے شاہینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر چونک کر اُس کے ئے پر نظر جما دی۔

"کیوں.... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔ "میں نے بالکل ٹھیک کہا

ہے۔ تمہارے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں۔"

"تم نے سچ مچ بور کر دیا۔" شاہینہ جلدی جلدی سانس لیتی ہوئی بولی۔ "میں بڑے اچ
میں تھی۔"

"کیا اس موجودہ پریشانی سے نجات حاصل کرنے کو دل نہیں چاہتا؟" حمید نے نر
میں پوچھا۔

وہ آنکھیں پھاڑ کر حمید کو گھورنے لگی۔

"آخر تمہارے دل میں کیا ہے؟" اُس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر آہستہ سے پوچھا۔

"تمہیں آج کل کوئی بلیک میل کر رہا ہے ننھی بچی!"

شاہینہ گھبرا کر اپنی ہتھیلی کی طرف دیکھنے لگی۔ بالکل اُسی انداز میں جیسے ہتھیلی کی لکیروں کو مٹا دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔

"کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

شاہینہ تھوک نگل کر رہ گئی پھر سر جھکا لیا۔

"کیا تم حمید پر اعتماد نہیں کرتیں... ایسے معاملات میں وہ مر جانے کی حد تک سنجیدہ ہو جاتا

"یہاں سے کہیں اور چلو۔" وہ اُسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے بولی اور اب وہ اس گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی جیسے اُس کے جسم کا کوئی حصہ کھل گیا

"کہاں چلو گی؟"

"کہیں بھی.... جہاں بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔"

"کافے کاسینو کا کوئی کیبن ہی مناسب ہو گا۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔ شاہینہ کے شناساؤں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ لیکر
نے کسی طرف دیکھا تک نہیں۔

حمید نے ایک ٹیکسی کی اور وہ کافے کاسینو کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید اُس کی پھولتی سانسیں محسوس کر رہا تھا لیکن اُس نے اُسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی

"میں سچ مچ بہت پریشان ہوں.... بہت زیادہ.... لیکن تم سے بھی خوف معلوم ہوتا۔

"کیوں.... مجھ سے خوف کی وجہ؟"

"کیونکہ تم سرکاری آدمی ہو.... ڈر ہے کہیں بات کا بتنگڑ نہ بن جائے۔"

"کیا تم مجھے اتنا احمق سمجھتی ہو۔ اگر تمہارا کوئی کام ہے تو میں اُسے نجی طور پر کروں گا

بھی عجیب اتفاق ہے ورنہ شاید ہم پچھلے چھ ماہ سے نہیں ملے۔"

"کیا ہاتھ کی لکیریں اتنی سچی باتیں بتا سکتی ہیں؟"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "نجوم اور پامسٹری کو گڈ مڈ کر کے میں ہمیشہ صحیح نتائج اخذ کرتا ہوں۔"

شاہینہ کچھ نہیں بولی۔ دونوں نے بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے کیا۔

کافے کاسینو میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ وہ ایک الگ تھلگ فیملی کیبن میں جا بیٹھے۔

"واقعی مجھے بلیک میل کیا جا رہا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "اور میں اب تک پندرہ ہزار روپے بھگت چکی ہوں۔ یہ سلسلہ کہاں ختم ہو گا.... خدا ہی جانے۔"

"بلیک میلنگ کی وجہ؟" حمید نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"وجہ بھی بتانی پڑے گی۔" شاہینہ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اگر ضرورت سمجھو تو بتا دو.... ورنہ میں مجبور نہیں کروں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"بات زیادہ اہم نہیں ہے.... لیکن.... میں نہیں چاہتی کہ میرے شوہر کے دل میں میری طرف سے ذرا سی بھی خلش پیدا ہو۔ میں اُسے بے حد پسند کرتی ہوں۔ وہ عورتوں کے معاملے میں بالکل بچہ ہے۔ بالکل بچہ.... میں اُس سے بے تحاشہ محبت کرتی ہوں۔ وہ میرے متعلق ذرا ذرا سی باتیں جاننا چاہتا ہے۔ شکی مزاج کا ہے۔ بگر جنسی معاملات میں اُس نے مجھے پوری پوری آزادی دے رکھی ہے مگر وہ پھر بھی میری طرف سے مشکوک رہتا ہے۔ مجھ پر اعتماد کرتا بھی ہے اور نہیں بھی کرتا۔ ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے ہیں۔ اگر وہ ہمیں اس طرح دیکھ لے تو اُسے کوئی اعتراض نہیں ہو گا.... لیکن اگر میں تمہارے برابر بیٹھ جاؤں تو وہ بُری طرح بے چین نظر آنے لگے گا اور اُس وقت تک اُس کا اضطراب کم نہیں ہو گا جب تک کہ میں اٹھ نہ جاؤں۔"

"بہت بُری عادت ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اچھی ہو یا بُری۔ مجھے پسند ہے.... مجھے اُس کی یہ عادت کسی ایسے بچے کی عادت معلوم ہوتی ہے جس نے اپنی ماں کی گود میں کسی دوسرے کا بچہ دیکھ لیا ہو۔"

"اوہ خطرناک مرض! تم ممتا والے کومپلکس کا شکار ہو۔"

"ختم کرو۔" وہ ہاتھ جھٹک کر بولی۔ "میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ میری ٹوہ میں رہتا ہے۔ اب اگر ایسی صورت میں اُس کی نظروں سے کوئی ایسی تصویر گذر جائے جس میں میرا بازو ایک

دوسرے مرد کے بازو میں ہو تو اُس کا کیا حال ہوگا.... حالانکہ یہ واقعہ شادی سے بہت پہلے ہے.... لیکن اُسے بہت دکھ پہنچے گا۔ میں اُس سے ابھی تک یہی کہتی رہی ہوں کہ میری زندگی میں اُس کے علاوہ اور کوئی نہیں داخل ہوا۔ اور یہ حقیقت بھی ہے لیکن وہ کسی دوسرے کے ساتھ میری تصویر ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔"

"تو کیا تمہیں وہی بلیک میل کر رہا ہے جس کے ساتھ تمہاری تصویر ہے؟"

"نہیں وہ بے چارہ تو کبھی کا مر کھپ گیا۔ وہ پائلٹ تھا.... ایک ہوائی حادثے میں اُس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔"

"بڑی بے دردی سے اُس کا تذکرہ کر رہی ہو؟"

"اُس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ میں اُسے سچ مچ چاہتی تھی۔"

"چاہنے سے تو میں تنگ آگیا ہوں۔ خیر.... تو پھر تمہیں کون بلیک میل کر رہا ہے؟"

"میں اُس کی شخصیت سے ناواقف ہوں۔ ابھی حال ہی میں اُس نے پھر دس ہزار کا مطالبہ کیا ہے لیکن میں کہاں تک ادا کرتی رہوں۔ مجھے اپنے شوہر پر رحم آتا ہے۔"

"تو وہ تمہارے سامنے آیا ہی نہیں۔"

"آیا تھا.... لیکن اُس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ انتہائی پُراسرار آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"حلیہ تو بتا سکو گی.... یا وہ بھی نہیں؟"

"ایک مولوی قسم کا انگریز۔ میں نے کسی داڑھی والے کو اتنا اسمارٹ نہیں دیکھا۔ بے شکن لباس۔ کالر دودھ کی طرح بے داغ۔ پتلون کی کریز تلوار کی دھار کی طرح اور شاید اُسے دستانے پہننے کا خبط ہے۔"

"دستانے....!" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

❁

دس ہی بجے سے بوندا باندی شروع ہو گئی تھی اور آسمان کا رنگ بتا رہا تھا کہ کسی وقت بھی تیز قسم کی بارش ہو سکتی ہے۔

شیکھر اور صفدر سیاہ سوٹوں میں ملبوس سڑک کے کنارے کھڑے شاید کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھوں پر برساتیاں بھی تھیں۔

"کسی طرح اس چکر سے نکلنا ہی چاہئے۔" صفدر بڑبڑایا۔

"یار تمہاری جلد بازی سے میں تنگ آگیا ہوں۔"

"یاد رکھو شیکھر.... اسے لکھ لو! وہ ہمیں کسی زبردست جال میں پھانس رہا ہے۔ وہ ایک بہت شاطر ہونے کے باوجود بھی ہمیں کیوں اس آگ میں دھکیل رہا ہے۔ لڑکی کا اغواء ایک بہت ہی معمولی بات تھی۔ وہ ہمارے پیچھے عرصہ سے لگا رہا ہوگا۔ ورنہ اُس کے پاس اُس موقعہ کی تصویر کہاں سے آئی اور ہم نے تو اُسے ریوالور دکھا کر صرف اُس کی رقم چھینی تھی اور پھر تیسرے دن اخبارات میں ہمیں اُس کی لاش کی تصویر دکھائی دی۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُسے اسی حرام زادے نے قتل کیا ہے۔ اُس موقعہ کی تصویر وہ پہلے ہی لے چکا ہوگا۔ اس کے بعد اُسے قتل کر کے ہماری گردنیں دبوچ لیں۔ ظاہر ہے اب ہم بالکل اُس کی مٹھی میں ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں...." شیکھر بولا۔

"اس کے باوجود بھی تم آنکھیں بند کر کے اُس کے اشاروں پر ناچ رہے ہو۔"

"یار میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔"

"میں سمجھ چکا ہوں....!" صفدر بولا۔ "ہمارے سروں پر موت منڈلا رہی ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔" شیکھر جھلا کر بولا۔ "کیا اس مصیبت کے ہم ذمہ دار ہیں۔ یہ بلا تو آسمان سے نازل ہوئی ہے۔"

"خیر....!" صفدر خاموش ہو گیا۔

بوندیں رک گئیں تھیں۔ لیکن بادل اب بھی گرج رہے تھے۔

شاید دس ہی منٹ بعد سیاہ رنگ کی ایک لمبی سی کار اُن کے قریب آ کر رک گئی اور اس میں سے ایک چھوٹا سا لڑکا اُترا جس کے جسم سے چیتھڑے جھول رہے تھے۔ اُس نے اُن کی طرف ایک لفافہ بڑھایا اور بھاگتا ہوا قریب ہی کی ایک گلی میں گھس گیا۔

شیکھر نے بڑی بے صبری سے لفافہ چاک کیا۔

"پھر وہی ٹائپ کیا ہوا خط۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور خط پڑھنے لگا۔

"تم دونوں مجھے وہیں ملو.... یا میں راستے ہی میں کہیں مل جاؤں گا.... اسی کار پر بیٹھ جاؤ۔"

خط اُس نے صفدر کی طرف بڑھا دیا۔ صفدر خط پڑھ کر ہنس پڑا۔ لیکن اُس کی ہنسی بڑی زہریلی تھی۔

"کیا خیال ہے؟" اُس نے شیکھر سے پوچھا۔ لہجے میں طنز تھا۔

"چلو بیٹھو! وہ بھی ہم سے خائف ہی ہے۔ جانتا ہے کہ موقع ملتے ہی ہم اُس کی گردن ناپ دیں گے۔"

دونوں کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اُن کے بیٹھتے ہی کار بھی چل پڑی۔ ایسا معلوم ہو رہا جیسے ڈرائیور کو پہلے ہی سے ہدایات دے دی گئی ہوں۔ انہوں نے دو ایک بار ڈرائیور کو مخاطب کرنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ اُس کا چہرہ تاریکی میں تھا اور اگر کہیں سامنے سے روشنی پڑتی بھی تھی تو پیچھے کی طرف جھک جاتا تھا۔

اُن دونوں نے محسوس کیا کہ وہ شہر کی روشن سڑکوں سے گذرنے سے گریز کر رہا ہے اور پھر وہ کار بالکل ہی شہر کے باہر نکل آئی۔ دونوں خاموشی سے بیٹھے رہے۔

کچھ دور چلنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کار اب بھی شہر کی طرف مڑ رہی ہے ڈرائیور غالباً ویران علاقوں سے گذر کر شہر کے کسی مخصوص حصے میں پہنچنا چاہتا تھا۔

صفدر اور شیکھر خاموش تھے۔ صفدر نے دو ایک بار کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن شیکھر نے اُسے روک دیا۔

اچانک ایک جگہ کار رک گئی اور ڈرائیور نیچے اُتر گیا۔

"اُترو.....!" اُس نے کہا اور اُس کی آواز سن کر وہ دونوں اچھل پڑے کیونکہ آواز اُس گمنام آدمی کے علاوہ اور کسی کی نہیں تھی۔

وہ دونوں چپ چاپ اُتر آئے۔ لیکن پھر صفدر خاموش نہ رہ سکا۔

"آخر.... اس طرح....!"

"فکر نہ کرو.....!" اُس نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "ہر آدمی کا طریق کار الگ ہوتا ہے۔"

"اب بھی آپ ہم لوگوں پر اعتماد نہیں کر سکتے؟" شیکھر نے احتجاجاً کہا۔

"اوہ.... کیوں نہیں۔ اس سے بدگمانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تم دونوں کی حفاظت کا بھی خیال ہے۔ اچھا دیکھو! ہم فریدی کی کوٹھی سے صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہیں۔ یعنی ہم کوٹھی کی پشت پر ہیں۔ پہلے ہمیں ایک چہار دیواری سے گذرنا پڑے گا جس کے اندر باغات.... کا سلسلہ ہے اور کوٹھی وسط میں واقع ہے۔ کوٹھی تک پہنچنے کے لئے چہار دیواری سے تقریباً ایک فرلانگ کا راستہ طے کرنا پڑے گا۔"

دونوں چپ چاپ اُس کے ساتھ چل پڑے۔ یہاں چاروں طرف تاریکی کی حکمرانی تھی۔

"بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔" گمنام آدمی بولا۔ "وہاں صرف کتوں ہی سے مڈبھیڑ کا اندیشہ ہے۔ خیر اس کا انتظام میں نے کر لیا ہے۔"

"کیا انتظام کر لیا ہے؟" شیکھر نے پوچھا۔

"وہ سب تمہیں سوتے اور اونگھتے ہوئے ملیں گے۔ میں نے انہیں ایک نشہ آور دوا دلوا دی ہے۔"

وہ پھر خاموشی سے راستہ طے کرنے لگے۔

چہار دیواری کے نیچے پہنچ کر وہ رک گئے۔ تھوڑی دیر تک اُن میں سرگوشیاں ہوتی رہیں۔ گمنام آدمی نے ایک پتلی سی دوڑ کا لچھا نکال کر ایک درخت کی شاخ کی طرف اچھال دیا۔ شاخ پھندا پڑ گیا۔ اُس نے رسی کو کھینچ کر پھندے کی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور پھر صفدر رسی پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا لیکن اُس نے جیسے ہی دیوار کے اوپر پہنچ کر پیر ٹکائے اندر سے ایک فائر ہوا۔ اس کے بعد اُس کے ساتھیوں نے نہ صرف اُس کی چیخ سنی بلکہ اُسے دوسری طرف گرتے بھی دیکھا۔

"بھاگو..!" گمنام آدمی نے شیکھر کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا.... اور وہ تاریکی میں دوڑتے چلے گئے۔

دو شکار

فریدی شام کو کہیں جانے کے لئے تیار ہوا ہی تھا کہ اُسے نوکروں سے ایک اطلاع ملی۔ اُن نے بتایا کہ سارے کتے شام کا راتب کھانے کے بعد سے اونگھ رہے ہیں۔

اگر حالات دوسرے نہ ہوتے تو فریدی شاید اُس کے متعلق کچھ سوچنا بھی پسند نہ کرتا۔ اُس نے کتوں کی حالت ابتر پائی۔ راتب کے بچے کھچے میں سے اُس نے کچھ اپنی تجربہ گاہ بھجوا دیا اور پھر اُس کا تجزیہ کرنے کے بعد اُس نے اندازہ لگایا کہ وہ شام ایسی نہیں جسے گھر سے گزارا جائے۔

نہ تو اُس نے نوکروں سے باز پرس کی اور نہ کسی قسم کی تشویش کا اظہار کیا۔ ایک نوکر کے استفسار پر اُس نے جواب دیا۔ "راتب تو ٹھیک ہی تھا۔ شاید یہ موسم کا اثر ہے۔ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

لیکن یہ فریدی کے نوکر تھے۔ اُن کی تشفی نہ ہوئی۔ اُن میں سے ہر ایک اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

"فکر نہ کرو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر کچھ ہے بھی تو میں اس کا ڈھنڈورا نہیں پیٹنا چاہتا اور تم مطمئن رہو۔ مجھے تم سب پر اعتماد ہے یہ حرکت میرے کسی آدمی کی نہیں۔ خیر ویسے یہ کیا راتب کا گوشت دھویا بھی جاتا ہے؟"

"نہیں سرکار....!" باورچی بولا۔ "وہ تو آپ ہی نے منع کر دیا تھا۔"

"ٹھیک.... جو کچھ تھا گوشت ہی میں تھا۔"

نوکر وقتی طور پر مطمئن ہو کر اپنے کاموں میں لگ گئے اور فریدی بھی بظاہر بے فکر نظر آ لگا۔ لیکن اُس نے باہر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

حمید اس واقعے سے پہلے ہی جا چکا تھا۔ اُسے اس بات کا علم نہیں تھا۔ لہٰذا جب وہ گیارہ کے قریب شاہینہ سے مل کر واپس آیا تو کمپاؤنڈ میں قدم رکھتے ہی اُسے کچھ عجیب سا احساس ہو پھاٹک ہی پر رک گیا۔ آخر کیا بات ہے؟ وہ سوچنے لگا۔ عجیب قسم کا سناٹا تھا۔ پھر اچانک اُسے آیا کہ آج رکھوالی کرنے والے السیشن کتے غرائے تک نہیں۔

سامنے برآمدے کا بلب روشن تھا۔ وہ بہت تیز چلتا ہوا پورچ تک آیا۔ یہاں ایک نوکر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا شاگرد پیشے کی طرف جا رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے اُسے روک کر پوچھا۔

"صاحب کچھ گڑبڑ ہے۔ صاحب اُدھر پیچھے ہیں۔"

"لڑکی کہاں ہے؟" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

"صاحب نے اُسے کمرے میں بند کر دیا ہے۔ کتے سو رہے ہیں۔"

"کتوں کو میں نے کب پوچھا تھا بے۔" حمید نے اُس کی گردن پکڑ لی۔ وہ سمجھا شاید وہ اُ مذاق اڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔

"ارے سرکار.... خدا کی قسم اُن میں کچھ گھٹالا ہو گیا ہے۔"

"اوہ....!" حمید گردن چھوڑتا ہوا بولا۔ "وہ اُدھر اکیلے ہی ہیں؟"

"جی ہاں....!"

معاملہ کچھ کچھ حمید کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے اندر گیا اور پھر اپنا ریوالور لے بھی کوٹھی کی پشت کی طرف چل پڑا۔ اُدھر تاریکی کا راج تھا۔ ایسی حالت میں یہ ضروری نہ کہ وہ فریدی تک پہنچ ہی جاتا۔ معلوم نہیں وہ کہاں رہا ہو۔

حمید جیسے ہی عمارت کی پشت پر پہنچا اُس نے ایک فائر کی آواز سنی ساتھ ہی کسی کی چیخ میں لہرا کر رہ گئی اور پھر شاید وہ کسی وزنی چیز کے بلندی کی گرنے کی آواز تھی۔

کوئی دوڑ رہا تھا۔ حمید بھی آواز کی طرف جھپٹا۔

آخری سرے پر چہار دیواری کے نیچے اُسے ایک دھندلا سا انسانی سایہ دکھائی دیا۔ اُس ریوالور کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور اُس نے بھی دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

"کون ہے؟" فریدی کی جھلائی ہوئی آواز فضا میں گونج کر رہ گئی۔

"مم.... میں ہوں....!" حمید کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔

فریدی جھپٹ کر اُس کے قریب آیا اور اُس کا کالر پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "تم نے فائر کیوں کیا؟"

"میں نے....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "نہیں خدا کی قسم.... ہرگز نہیں۔"

فریدی نے اُس کا ریوالور چھین کر اُس کی نال سونگھی اور پھر اُسے واپس کرتا ہوا بولا۔ "پھر کس نے فائر کیا۔ اچھا تم وہیں اس کے پاس ٹھہرو۔ میں ابھی آیا۔" فریدی اُس کے ہاتھ میں ٹارچ دے کر بھاگتا ہوا کوٹھی کی طرف چلا گیا۔

حمید دیوار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ ٹارچ روشن کی۔ اُس کے سامنے ایک سیاہ پوش آدمی پیٹ کے بل زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اُس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ شاید وہ کہنیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید اُسے سہارا دینے کے لئے جھکا ہی تھا کہ اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"ٹھہرو....!" وہ اُس کے قریب پہنچ گیا۔

پھر جیسے ہی اُس نے زخمی آدمی کو سیدھا کیا۔ حمید کے منہ سے ہلکی سی تحیر زدہ آواز نکلی۔

"ارے یہ تو صفدر ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اُس پر جھکا ہوا تھا۔ چند لمحے بعد اُس نے کہا۔ "گولی ران میں لگی ہے۔"

"لیکن فائر کس نے کیا؟ میرا دعویٰ ہے کہ فائر اندر ہی سے ہوا ہے۔ آواز رائفل کی تھی۔" فریدی بولا۔

"لیکن یہ تھا کہاں....؟"

فریدی نے دیوار کے اوپری حصے کی طرف انگلی اٹھائی۔

ٹارچ کی روشنی میں حمید کو ایک پتلی سی ڈور دکھائی دی جو ایک درخت کی شاخ سے الجھی ہوئی دیوار کی دوسری جانب جھول رہی تھی۔

"رشید اور سلیمان کو بلاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد صفدر کوٹھی میں ایک صوفے پر پڑا کراہ رہا تھا۔ فریدی اور حمید کے ساتھ وہاں گونگی لڑکی بھی موجود تھی۔

فریدی نے اشارے سے پوچھا کہ کیا وہ صفدر کو پہچانتی ہے۔ لڑکی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"صفدر....!" فریدی نے صفدر کو مخاطب کیا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم پولیس کے آنے سے

قبل مجھے بیان دے دو۔ اتنا تو میں جانتا ہوں کہ تم نے خود سے کبھی یہاں آنے کی جرأت نہ کی ہوگی۔"

"میں بتادوں گا۔" صفدر کراہا۔ "میں بتاتا ہوں.... وہ کمینہ.... مکار....!"

"کیا اس لڑکی کو اغوا کرنے والوں کے ساتھ تم بھی تھے؟"

"تھا....!" صفدر زور سے کراہا۔

"اور کون تھا تمہارے ساتھ....؟"

"شیکھر....!"

"کیا یہ تم نے کسی دوسرے کے کہنے سے کیا تھا....؟"

"اُف.... ہاں.... وہ سور کا بچہ۔"

"کون....!"

"میں نہیں جانتا.... اُس نے اپنا نام آج تک نہیں بتایا۔ ذرا.... ٹھہریئے.... پانی.... آہ۔"

اُس کے لئے فوراً پانی لایا گیا۔ اتنی دیر میں وہ نوکر بھی واپس آگئے جنہیں فریدی نے کوٹھی کا کونا کونا چھان مارنے کا حکم دیا تھا.... اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک رائفل تھی۔

"صاحب یہ چھت پر ملی ہے۔!" اُس نے فریدی سے کہا۔

"کیا.... یہ تو میری ہی ہے۔" فریدی اُسے اس کے ہاتھ سے لیتا ہوا بولا۔ پھر وہ اُس کی نال سونگھ کر حمید سے مخاطب ہوا۔ "تھوڑی ہی دیر قبل یہ چلائی گئی ہے۔ ذرا تم.... دیکھو....!" حمید نوکروں کے ساتھ باہر چلا گیا۔

صفدر انتہائی تکلیف کے عالم میں ہونے کے باوجود بھی انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تم ابھی کسی آدمی کا تذکرہ کر رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا آپ نے اُس لڑکی سے.... اُف.... نہیں پوچھا.... کہ یہ سب.... کیا.... ہو رہا ہے؟"

"یہ لڑکی گونگی ہے۔" فریدی بولا۔

"گونگی....!" صفدر تقریباً چیخ پڑا۔ پھر اس طرح بڑبڑانے لگا۔ جیسے خود سے مخاطب ہو۔ "آخر.... وہ اسے کیوں.... اغواء کرنا چاہتا ہے۔"

"تم نے ابھی تک اُس آدمی کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" فریدی نے اُسے ٹوکا۔

صفدر نے سسکیوں اور کراہوں کے درمیان میں اٹک اٹک کر اُس پُر اسرار آدمی کی داستان دہرادی جس نے اُسے اور اُسکے ساتھی کو بلیک میل کر کے پھانس لیا تھا۔ فریدی غور سے سنتا رہا۔ جب صفدر خاموش ہوا تو اُس نے پوچھا۔ "تو کیا سچ مچ تم دونوں نے اُس آدمی کو مار ڈالا تھا....؟"

ہرگز نہیں.... ہم نے ریوالور دکھا کر صرف اُس کے روپے چھینے تھے۔ پھر دوسرے یا دن ہم نے اخبارات میں اُس کی لاش کی تصویر دیکھی۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُس مردود نے یں بلیک میل کرنے کے لئے اُس آدمی کو مار ڈالا۔"

ہوسکتا ہے۔ مگر کیا میں اس داستان پر واقعی یقین کرلوں؟"

ئیے.... میں اُس آدمی کے چکر میں پھنسنے پر پھانسی کو ترجیح دینا پسند کروں گا۔ لیکن ے.... آپ لوگوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ مجھ پر آپ میں سے کسی نے گولی لائی۔"

ہاں.... یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے کہا۔

آہ.... تب تو یہ اُسی.... نطفہ حرام کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ اب ہم سے پیچھا چھڑانا ہے.... ہمیں یہاں لا کر اس لئے قتل کرنا چاہتا تھا کہ.... آہ.... اُف.... اب میری قوت ت جواب دے رہی ہے.... پولیس کب آئے گی؟"

"بس آرہی ہوگی.... لیکن.... تم کیا کہنا چاہتے تھے۔ وہ تمہیں یہاں لا کر....!"

"جی ہاں.... تا کہ آپ اسے صفدر اور شیکھر کی حرکت سمجھ کر کوئی اہمیت نہ دیں۔ مگر میں ل کہ یہ کوئی بہت گہرا راز ہے آخر وہ ایک گونگی لڑکی کے لئے اتنا روپیہ پانی کی طرح کیوں بہا ہے"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کہا۔ "کیا تم مجھے اُس آدمی کا حلیہ بھی نہ بتا سکو گے؟"

"اوہ حلیہ....!" صفدر کراہا۔ "حلیہ عجیب ہے۔ شکل ملاؤں جیسی اور لباس انگریزی۔ داڑھی ے رنگ کی۔ آنکھوں پر سیاہ شیشوں کی عینک لگاتا ہے اور ہاں سب سے زیادہ عجیب بات یہ کہ ڑی گرمی میں بھی میں نے ابھی تک اُسے دستانوں کے بغیر نہیں دیکھا۔"

"کس کے بغیر....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دستانے.... دستانے.... وہ آج کل بھی دستانے پہنتا ہے۔"

فریدی نے ایک گہری سانس لی اور گونگی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جو صفدر کے زخم پر نظر ئے کھڑی تھی۔

"مگر سنو تو....!" فریدی نے کچھ دیر بعد صفدر سے کہا۔ "وہ آدمی تو تمہارے ساتھ تھا.... ہاں سے گولی کس نے چلائی ہوگی۔"

"اُس کے لئے کیا مشکل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اُس نے آپ ہی کے کسی آدمی کو پھانس لیا ہو۔

بلیک میلر تو ہے ہی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اچھا صفدر میں یقین کیے لیتا ہوں۔ لیکن میں پولیس کو جو کچھ بھی بیان دوں تم اُس کی تردید نہ کرنا۔ رپورٹ میں یہ ہوگا کہ میں نے ہی تم پر گولی چلائی تھی اور تم یہ بیان دو گے کہ تم یہاں چور نیت سے آئے تھے۔ سمجھ گئے.... اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو تمہارے ساتھی شیکھر کی لازمی ہو جائے گی۔"

"میں سمجھ گیا.... آپ جو کچھ کہیں میں کرنے کو تیار ہوں۔ موت اور جیل خانے میں و آسمان کا فرق ہے۔ اپنے جرائم کا اعتراف کرنے کے بعد میں پھانسی کا مستحق نہیں قرار دیا جا لیکن اُس خطرناک آدمی سے اشتراک کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔"

ابھی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ انسپکٹر جگدیش ایک سب انسپکٹر اور تین چار کانسٹیبلوں ساتھ آ گیا۔

صفدر کا بیان وہی تھا جو اُسے چند منٹ پیشتر فریدی نے بتایا تھا اور فریدی نے بھی یہی بیا کہ میں نے اُسے اپنا کوئی دشمن سمجھ کر فائر کر دیا تھا۔

بیانات ختم ہو جانے کے بعد جگدیش نے صفدر کو اٹھوا کر ایک ایمبولینس کار میں ڈلوا کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں کھڑی تھی۔

حمید نے عمارت اور کمپاؤنڈ کا چپہ چپہ چھان مارا مگر کوئی ایسا سراغ نہ ملا جس سے گولی چلا والی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔

وہ تھکا ہارا واپس آ گیا۔ کمرے میں فریدی اور گونگی لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی اور فریدی ٹہل رہا تھا۔

"حیرت ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "جہاں رائفل پڑی پائی گئی تھی وہاں بھی کسی قسم کے نش نہیں ملے۔"

"ہوں....!" فریدی رک کر اُسے گھورنے لگا۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آ سرخ تھیں۔ حمید بوکھلا گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی مسکرا کر بولا۔ "فکر نہ کرو کبھی کبھ بھی ہوتا ہے۔"

"یہ محترمہ یہیں سو گئیں۔" حمید نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"حمید صاحب! یا تو یہ لڑکی پکی فراڈ ہے یا پھر.... بہرحال دوسری صورت میں ہمیں

نہ سمجھنا چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"میں نے دلیر سے دلیر عورتوں کو بھی کشت و خون کے موقعوں پر کانپتے دیکھا ہے۔ مگر اس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی تغیر نہیں دکھائی دیا۔"

"ہوگا....!" حمید لاپروائی سے بولا۔ "مجھے تو یہ پاگل بھی معلوم ہوتی ہے۔ ہاں صفدر نے کیا یا؟"

"سن کر تمہارے سر کے بال کھڑے ہو جائیں گے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یعنی....؟"

"اُسے ایک ایسے آدمی نے اس کام پر لگایا تھا جو گرمیوں میں بھی دستانے پہنتا ہے۔"

"اور داڑھی....؟" حمید بے ساختہ بولا۔

"جناب.... داڑھی بدستور....!"

"اچھا تو اب دوسری خبر کے لئے بھی تیار ہو جائیے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیا....؟"

"شاہینہ کو حقیقتاً بلیک میل کیا جا رہا ہے۔" حمید نے کہا اور واقعات دہرا دیئے۔ وہ اپنی تدبیر کا داد طلب انداز میں کر رہا تھا۔

"میرے ہی شاگرد ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اب آگے سنئے۔"

"کیا سناؤ گے؟" فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔ "یہی نا کہ اُسے بلیک میل کرنے والا بھی ں میں دستانے پہنتا ہے اور ڈاڑھی بدستور....!"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"محض قیاس....!"

شیکھر بے تحاشہ بھاگ رہا تھا۔ اُس کے پُر اسرار ساتھی نے اُسے کچھ سمجھنے بوجھنے کی مہلت ں دی تھی۔ بس وہ اُس کا ہاتھ تھامے ہوئے بے تحاشہ دوڑ رہا تھا۔

ار کے قریب پہنچ کر اُس نے شیکھر کو اندر دھکیل دیا اور خود بھی اچھل کر بیٹھتے ہوئے کار ٹ کر دی۔ جب شیکھر کو کچھ ہوش آیا تو اُسے اُس کی اس حرکت پر غصہ آنے لگا۔

"یہ تم نے کیا کیا؟"

"پھر کیا کرتا.... کیا تم بھی مرنا چاہتے تھے؟"

"تم عجیب آدمی ہو۔" شیکھر جھلا گیا۔

ہاں.... ہوں تو عجیب ہی۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ وہ مر ہی گیا ہو۔"

"فریدی کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ تم لوگوں نے اُس رات اُس پر فائر کر کے اچھا نہیں کیا تھا
شیکھر کا خون کھول رہا تھا۔

"تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارا یہی برتاؤ ہوتا ہے؟"

"مجبوری میرے دوست....!"

"تم تو بہت بہادر بنتے تھے۔"

"لیکن بہادری اور حماقت میں بڑا فرق ہے۔ بہادر صرف وہ ہے جو شیر کی طرح بہادر لومڑی کی طرح چالاک ہو۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن اس وقت میں نے اپنا داہنا ہاتھ کھو دیا۔ تم میرے بھائی کو مو کے منہ میں جھونک آئے.... اس لئے....!"

شیکھر نے جیب سے ریوالور نکال کر اُس کے پہلو سے لگا دیا۔

"خوب....!" گمنام آدمی ہنس پڑا۔ "شاباش دباؤ ٹریگر....!"

شیکھر نے ٹریگر دبا دیا.... اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پ چھوٹ پڑا۔ ریوالور خالی تھا۔

"چلو رکھ لو جیب میں.... میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ تمہیں بھرا ہوا ریوالور لے کر ا ساتھ چلنے دوں۔"

شیکھر چند لمحے خاموش رہا پر یکایک اُس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا.... اُس نے گمنام آدمی گردن دبوچ لی۔

کار ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ رکی.... اور پھر.... سڑک کے نیچے اُتر کر ایک درخ سے جا ٹکرائی۔

شیکھر اور وہ دونوں بیک وقت چیخے.... اور پھر دوسرے لمحے میں گمنام آدمی کار کے با تھا۔ حالانکہ شیکھر بھی زخمی ہو گیا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح باہر نکل ہی آیا۔ اُس پر خون سوار ہو

تھا۔ اُس نے پھر گمنام آدمی پر چھلانگ لگائی.... لیکن شیکھر کا ستارہ ہی گردش میں آ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس کی بے جان لاش زمین پر پڑی تھی اور گمنام آدمی اُس کے قریب ہی کھڑا ہانپ رہا تھا۔

اُس نے شیکھر کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ چند لمحے وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر شیکھر کی لاش اٹھا کر کار میں ڈال دی۔

تھوڑی ہی دیر بعد کار کی ٹنکی ایک زبردست دھماکے کے ساتھ پھٹی اور اُس سے لپٹیں اٹھنے لگیں.... مگر وہ پُراسرار آدمی اب وہاں نہیں تھا۔

دوسری صبح حمید دن چڑھے تک سوتا رہا۔ پچھلی رات شاید تین یا چار بجے وہ سویا تھا۔ قریب قریب ساری رات بھاگ دوڑ میں گذر گئی تھی۔ صفدر کے بیان کی تصدیق کرنے کے لئے اُس مکان پر بھی چھاپہ مارا گیا تھا جہاں پُراسرار آدمی نے صفدر کو شہر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔

وہاں چھاپہ تو مارا گیا لیکن جس کی تلاش تھی وہ نہ ملا نہ وہاں کوئی ایسی چیز ہی ملی جس سے اُس کی شخصیت پر روشنی پڑتی۔ مالک مکان سے استفسار پر معلوم ہوا کہ دو ماہ قبل وہ مکان کرایہ پر مکانات دینے والے ایک ایجنٹ کے سپرد کیا گیا تھا۔

پھر ایجنٹ نے ایک نئی بات بتائی۔ اُس کے بیان کے مطابق وہ مکان ایک برقعہ پوش خاتون نے کرائے پر حاصل کیا تھا.... ایجنٹ کے کاغذات میں اُس کا نام مسز ارشاد تحریر تھا۔ ایجنٹ عورت کا حلیہ نہ بتا سکا کیونکہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھی۔ اُس نے ایک سال کا پیشگی کرایہ ادا کر کے وہ مکان حاصل کیا تھا۔

یہاں پہنچ کر تفتیش کی گاڑی ٹھپ ہو گئی۔ مکان کسی عورت کے قبضے میں تھا۔ لیکن وہاں کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے یہ پتہ چلتا کہ یہاں کبھی کوئی عورت بھی رہی ہو گی۔

حمید اس تفتیش میں شریک تھا۔ فریدی نہیں آیا تھا۔ انسپکٹر جگدیش نے تو فریدی ہی کو لے جانا تھا مگر وہ شاید لڑکی کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

بہر حال حمید بُری طرح تھک جانے کے بعد سویا تھا۔

نو بجے کے قریب خود بخود اُس کی نیند ٹوٹ گئی۔ دھوپ آنکھوں پر گراں گزر رہی تھی۔ اُس نے پھر سونے کی کوشش کی لیکن نہ سو سکا۔

کمرے سے نکلا ہی تھا کہ ایک نوکر نے اُسے ایک حیرت انگیز خبر سنائی۔ لڑکی غائب تھی۔

حمید بوکھلا کر فریدی کے کمرے کی طرف بھاگا۔

لیکن فریدی کو اُس نے جس حال میں دیکھا وہ نوکر پر غصہ دلانے کے لئے کافی تھا۔ فریدی شاید آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا اور اُس کے چہرے پر اس قسم کے آثار نہیں تھے جنہیں کسی غیر معمولی وقوعہ کا ردعمل سمجھا جا سکتا۔

"کیوں.... کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"اب یہ کم بخت نوکر بھی مجھ سے مذاق کرنے لگے ہیں۔"

"کیا ہوا....؟"

"کچھ نہیں۔ میں بتاتا ہوں سور کو۔" حمید واپس جانے کے لئے مڑنے لگا۔

"اوہو.... بتاؤ نا کیا ہوا؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کس نے مذاق کیا میرے شہزادے سے؟"

"آپ بھی گھسنے کے موڈ میں ہیں۔"

"سمجھا! شاید تمہیں لڑکی کے غائب ہو جانے کی اطلاع ملی ہے۔"

"تو کیا اُس سور نے آپ ہی کے ایماء پر ایسا کیا ہے؟"

"برخوردار خاں....!" وہ سچ مچ غائب ہو گئی۔

"اور آپ اتنے اطمینان سے....!"

"پھر.... کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اُس کے پیچھے بھاگتا پھروں؟"

"آپ کو بالکل تشویش نہیں؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی نہیں.... آؤ.... میرے ساتھ۔" فریدی نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

وہ اُس کمرے میں آئے جہاں وہ لڑکی سوتی تھی۔ حمید نے سنگار میز پر ایک کرسی رکھی ہوئی دیکھی۔ سنگار میز کے اوپر والے روشندان کا چوکھٹا نکلا ہوا فرش پر پڑا تھا۔

دونوں چند لمحے خاموش سے کھڑے رہے پھر فریدی بولا۔

"تو حمید صاحب.... وہ اس طرح گئی۔"

"گئی یا لے جائی گئی؟"

"گئی....!" فریدی نے زور دے کر کہا۔ "دروازہ باہر سے بدستور مقفل ملا۔ اب تم دیکھو۔ کیا اس روشندان سے دو آدمی بیک وقت نکل سکتے ہیں؟"

"لیکن کیا اُس سے اس قسم کی توقع کی جا سکتی ہے۔ روشندان سے نکل کر اگر وہ زمین پر کودی ہو گی تو کیا اُس کی ہڈیاں سلامت رہی ہوں گی۔"

"ہرگز نہیں فرزند.... وہ روشندان سے نکل کر سیدھی چھت پر گئی اور پھر وہاں سے کسی

ت کی شاخ کے ذریعے زمین پر پہنچ جانا کچھ مشکل نہیں۔"

"کیا وہ اسی قسم کی لڑکی تھی؟"

"بھئی لڑکیوں کی قسم تم مجھ سے بہتر پہچان سکتے ہو!"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاروں طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"حمید صاحب....!" فریدی مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تمہیں سے عشق نہیں ہوا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" حمید بڑبڑایا۔

"کیا نہیں سمجھ سکتے؟"

"یہی کہ اس واقعے کے بعد بھی آپ کا موڈ بہت خوشگوار نظر آ رہا ہے۔ بلکہ آپ سدا بہار لوم ہو رہے ہیں۔ کہیں اُسے آپ کی وجہ سے تو نہیں بھاگنا پڑا....؟"

"قطعی نہیں.... لیکن میں نے اُسے بھاگتے ضرور دیکھا ہے۔"

"کیا....؟" حمید پر حیرت کا دوسرا پہاڑ گرا۔

"ہاں میں نے اُسے بھاگتے ہوئے دیکھا ہے! تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ کل رات مجھے نیند آئی ہو گی؟"

"پہیلیاں نہ بجھوائیے۔ مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"وہ بڑی شاندار ایکٹریس تھی حمید صاحب اور کل رات ہی کو اُس سے ایک لغزش ہو گئی۔ رنہ میں اس وقت بھی اُس کے متعلق دھوکے ہی میں رہتا۔"

"آخر آپ کس بناء پر ایسا کہہ رہے ہیں؟"

"صفدر کو زخمی دیکھ کر بھی اُس میں کسی قسم کا جذباتی تغیر نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ گونگی تھی تب بھی اُس کے حواس خمسہ تو موجود ہی تھے قوت گویائی پر قادر نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی سات سے بھی محروم ہو جائے۔ اس کا وہ رویہ عجیب تھا اور پھر جب یہ بات سامنے آ گئی تھی کہ اسے بوڑھے کے سپرد کرنے والا اور پھر اغواء کی اسکیم بنانے والا ایک ہی آدمی تھا تو میں بس جز طمئن ہو جاتا۔"

"تو آپ نے اُسے نکل کیوں جانے دیا؟"

"پھر کیا کرتا....؟" فریدی ہنسنے لگا۔ "کیا تم سچ مچ اُس سے شادی کرنا چاہتے تھے؟"

"اچھا میں اب کچھ نہیں پوچھوں گا۔" حمید نے جھلا کر کہا اور پھر اُس نے غسل خانے کی راہ لا۔ لیکن فریدی کے رویئے نے اُسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

آفس جانے سے قبل اُس نے حمید سے کہا۔

"شاہینہ سے پھر ملنا۔"

"کیوں....؟"

"کیا اُسے یونہی چھوڑ دو گے؟"

"نہیں اُس کی دم میں ہوائی ڈاک کا لفافہ باندھ کر اڑا دوں گا۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"آج تمہارا موڈ اتنا خراب کیوں ہے؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"مجھے ایک ماہ کی چھٹی چاہئے۔"

"مل جائے گی مگر اس کیس کے بعد۔"

"کیس.... کیسا کیس؟" حمید نے حیرت سے کہا۔ "یہ معاملہ تو پولیس کے ہاتھ میں ہے۔"

"لیکن اُسے ہمارے محکمے تک آنا ہی پڑے گا۔"

"اگر آپ مجھے صاف صاف نہیں بتائیں گے تو....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"آپ نے لڑکی کو کیوں نکل جانے دیا؟"

"لڑکی تک تم اب بھی پہنچ سکتے ہو!"

"کیا مطلب....؟"

"اُس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ کل رات ہی سے میری بلیک فورس اُس کا تعاقب کر رہی ہے۔"

"بلیک فورس.... مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکا کہ آپ کی بلیک فورس ہے کیا بلا؟"

"کچھ ایسے آدمیوں کی ٹولی جن کا تعلق محکمے سے نہیں ہے۔"

"کیا میں انہیں جانتا ہوں؟"

"ہو سکتا ہے کہ واقف ہو لیکن تم یقین کے ساتھ کسی کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ وہ میری بلیک فورس کا آدمی ہو گا۔"

"اس فورس کا قیام کب عمل میں آیا....؟"

"سالہا سال گزرے۔"

"اور حمید اُس کے ممبروں سے واقف نہیں۔" حمید نے اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"فریدی کی ذات سے تعلق رکھنے والے ہزار ہا ایسے معاملات ہیں جن سے تم واقف نہیں ہو۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ فریدی کو تم پر اعتماد نہیں ہے۔"

حمید کو یہ بات گراں نہیں گزری۔ وہ اس سے پہلے بھی فریدی کی زبان سے سینکڑوں بار بلیک فورس کا نام سن چکا تھا اور اُس سے اس کے متعلق پوچھنا بھی چاہا تھا لیکن اُسے ہمیشہ ناکامی ہی ہوئی تھی۔ لہٰذا اس وقت وہ خود ہی اُسے ٹال گیا۔

"اگر آج تم آفس نہ آنا چاہو تو نہ آنا۔" فریدی نے کہا اور باہر نکل گیا۔

حمید نے ایک طویل انگڑائی لی اور پھر لڑکی والے کمرے میں جا گھسا۔ کرسی سنگار میز پر اب بھی رکھی ہوئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا یہ سب ایک لڑکی کے لئے ممکن ہے۔ اگر وہ کرسی پر کھڑی بھی ہوئی ہو گی تو اُس کے ہاتھ روشن دان تک بمشکل پہنچے ہوں گے۔ ایسی صورت میں کسی دوسرے آدمی کی مدد کے بغیر روشندان سے صحیح و سلامت نکل جانا اگر معجزہ نہیں تو دشوار ترین ضرور ہو سکتا ہے۔

وہ اس کا عملی تجربہ کرنے کے لئے میز پر چڑھ گیا۔ پھر کرسی پر دوسرا پیر نہیں رکھ پایا تھا کہ کرسی الٹ گئی اور وہ فرش پر چاروں خانے چت گرا۔

"ناممکن.... قطعی ناممکن۔" وہ اٹھ کر اپنا سر سہلاتا ہوا بڑبڑایا۔

پھر دوسری بار تجربہ کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔

اب وہ سنگار میز کی درازیں الٹ پلٹ رہا تھا۔ اچانک اُن میں سے ایک میں اُسے اپنی ایک تصویر دکھائی دی۔ کیمرہ فوٹو تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی شریر بچے نے اُس کی درگت بنائی ہو۔ پنسل سے داڑھی اور مونچھیں بنائی گئی تھیں اور سر پر پنسل ہی سے پگڑی لپیٹنے کی کوشش کی گئی تھی۔

حمید نے اُس کے پرزے اڑا دیئے۔ اُسے ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی۔ لیکن اب بھی اُس کا ذہن اُس کیس کی پیچیدگیوں میں الجھا ہوا تھا۔ آخر وہ پُر اسرار آدمی چاہتا کیا ہے اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس ڈرامے کے لئے فریدی کی کوٹھی کیوں منتخب کی گئی۔ کیا شاہینہ کا بھی ان واقعات سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

وہ سوچتا رہا لیکن اُس کا ذہن ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب نہ دے سکا۔ پھر اُسے اُس پُراسرار آدمی کی شخصیت کا خیال آیا۔ آخر وہ گرمیوں میں بھی دستانے کیوں استعمال کرتا ہے؟ اس سوال کے کئی جواب اُس کے ذہن کی سطح پر اُبھرتے لیکن وہ اُن میں سے کسی کو بھی کوئی اہمیت نہ دے سکا۔

پچھلی رات کا فائر بھی اُس کے لئے انتہائی عجیب تھا۔ آخر فائر کس نے کیا؟ کیا خود اُسی پُر

اسرار آدمی نے؟ اگر یہ بات ہے تو بوڑھے کی موت کا ذمہ دار بھی وہی ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مختلف آدمیوں سے مختلف قسم کے کام لینے کے بعد انہیں ختم کر دیتا ہے۔ لیکن کیوں.... کیا سازش کا یہ جال فریدی کے گرد بنا جا رہا ہے؟

حمید دن بھر انہیں گتھیوں میں الجھا ہوا اونگھتا رہا۔ اُس نے سونے کی بے حد کوشش کی مگر نیند نہ آئی۔ دن بھر ذہن کی عجیب سی کیفیت رہی۔ لیکن شام کا اخبار دیکھتے ہی غنودگی اس طرح غائب ہو گئی جیسے کبھی اُس کا نام و نشان تک نہ رہا ہو۔

پہلے ہی صفحہ پر گونگی لڑکی کی تصویر موجود تھی اور اُس کی ساری رام کہانی بھی شائع ہوئی تھی۔ گمنام آدمی کا تذکرہ صرف بوڑھے کے سلسلے میں کیا گیا تھا.... اور پھر لڑکی کے حیرت انگیز فرار کا واقعہ تھا جو فریدی کے دس ہزار روپے لے بھاگی تھی۔ اس پر حمید بُری طرح چونکا۔ جس بات کا علم اُسے بھی نہیں تھا وہ اچانک اچھل کر اخبار کے دفتر میں کیسے جا پہنچی۔

وہ سوچنے لگا کہ آخر فریدی نے اس سے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

صفدر کے متعلق کچھ بھی نہیں تھا۔ حمید نے پورا اخبار دیکھ ڈالا۔ لیکن اُس کے بارے میں کہیں کچھ بھی نہ ملا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ آخر یہ خبر یک بیک اخبارات میں کیسے آئی۔ نہ صرف خبر بلکہ تصویر بھی۔

وہ اندرونی بر آمدے میں بیٹھا ان گتھیوں میں الجھنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر نے کسی ملاقاتی کا کارڈ لا کر دیا۔

کارڈ پر 'خان بہادر اشرف سعید' تحریر تھا۔ حمید نے یہ نام سنا ضرور تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ وہ فریدی کے ملاقاتیوں میں سے نہیں ہو سکتا۔

"کس سے ملنا چاہتے ہیں؟" حمید نے نوکر سے پوچھا۔

"کرنل صاحب سے۔"

"ابے تو کیا کرنل صاحب میری جیب میں رکھے ہوئے ہیں۔ تو نے کہا کیوں نہیں کہ موجود نہیں ہیں۔"

"وہ مانے ہی نہیں.... کہنے لگے کہ میں انتظار کروں گا۔" پھر انہوں نے آپ کو پوچھا۔

"صاحب حمید کہا تھا.... یا کیپٹن حمید.... ؟"

"کپتان صاحب کہا تھا۔" شاید نوکر نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔

"ابے.... ہاں.... اگر کوئی سارجنٹ کہے تو فوراً ٹوک دیا کرو۔"

"اچھا صاحب....!"

حمید نے لباس تبدیل کیا اور ٹائی کی گرہ درست کرتا ہوا ڈرائینگ روم میں آ گیا۔ یہاں ایک ھیڑ عمر آدمی اپنے جسم کو کمبل سے لپیٹے ہوئے ایک صوفے پر نیم دراز تھا۔ اُس کی پلکیں کچھ اس راز سے نیچے کی طرف جھکی پڑ رہی تھیں جیسے وہ شدید قسم کے دردِ سر میں مبتلا ہو۔ حمید کو دیکھ کر ں نے اٹھنا چاہا۔

"تشریف رکھئے.... تشریف رکھئے۔ فرمائیے۔ میرے لائق کوئی خدمت....؟" حمید بلدی سے بولا۔

"آپ کرنل فریدی ہیں؟" اُس نے تھکی تھکی سی آواز میں پوچھا۔

"جی نہیں.... میں اُن کا اسسٹنٹ کیپٹن حمید ہوں۔"

"کرنل صاحب کب تک آئیں گے؟"

"میرا خیال ہے کہ اب تک انہیں آ جانا چاہئے تھا۔ کیا کوئی ضروری کام ہے؟"

"بہت ضروری۔ انتہائی ضروری۔" اُس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"میں بستر علالت سے اٹھ کر آیا ہوں۔ مجھے اس وقت بھی شدید بخار ہے۔"

"اوہو! تو ایسی صورت میں کیوں تکلیف کی۔ فون کر لیا ہوتا۔"

"نہیں وہ ایسی معمولی بات نہیں ہے۔"

"اب وہ آ ہی رہے ہوں گے۔ کیا آپ اُن سے پہلے بھی کبھی مل چکے ہیں؟"

"جی نہیں.... پہلی بار ملوں گا۔"

"تو پھر کیا میں انہیں فون کر دوں؟"

"بڑی مہربانی ہو گی۔" اُس نے ملتجانہ انداز میں کہا۔

حمید نے فریدی کو فون کیا اور وہ اتفاق سے دفتر ہی میں مل گیا۔ حمید نے خان بہادر اشرف سعید کی آمد کی اطلاع دی۔ جواب میں فریدی نے کہا کہ وہ فوراً آ رہا ہے۔

اور پھر انہیں شاید پندرہ یا بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔

"اوہو! آپ کو تو بخار ہے۔" فریدی نے خان بہادر سے مصافحہ کرتے وقت کہا۔

"جی ہاں.... لیکن اس کے باوجود بھی مجھے آنا پڑا۔"

"کوئی خاص بات؟"

"جی ہاں! بہت ہی خاص بات! یہ میری اور میرے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح بتاؤں۔"

فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ خان بہادر کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور اُس کے چہرے پر ندامت کے آثار تھے۔ آخر اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"آپ دس کے عوض بیس ہزار مجھ سے لے لیجئے۔ لیکن اب اس معاملے کو آگے نہ بڑھائیے۔"

"کس معاملے کو؟" فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"وہی بدبخت لڑکی...!" خان بہادر کی آواز بھرا گئی۔ "جس کی تصویر آج کے ایوننگ پوسٹ میں شائع ہوئی ہے۔"

"کیوں؟ اُس سے آپ کا کیا تعلق؟"

"اب میں کیا عرض کروں۔ اُسے بھی موت ہی آجاتی تو اچھا تھا۔"

"دیکھئے اگر آپ مجھ سے کسی قسم کی مدد چاہتے ہیں تو آپ کو سب کچھ صاف صاف بتانا پڑے گا۔"

"وہ بدنصیب میری بھتیجی ہے۔"

"کیا وہ گونگی ہے؟" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... وہ گونگی نہیں ہے۔" خان بہادر نے کہا۔ پھر اُس نے فریدی سے پوچھا۔ "کیا یہ حقیقت ہے کہ وہ آپ کے دس ہزار روپے چرا لے گئی؟"

"قبل اس کے کہ اس کا جواب دوں میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اُس کی اس حرکت کا مقصد کیا تھا....؟"

"مقصد! مجھے نہیں معلوم۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"کیا وہ آپ کے ساتھ ہی رہتی ہے۔"

"جی ہاں.... لیکن تقریباً ڈھائی ماہ سے میں نے اُس کی شکل بھی نہیں دیکھی....!"

"عجیب بات ہے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ "اخبار میں آپ نے پوری کہانی پڑھی ہوگی۔ آخر وہ گمنام آدمی کون ہو سکتا ہے؟"

"مجھے اس کا بھی علم نہیں۔"

"پھر آپ کیسے چچا ہیں۔"

"آہ.... یہ ایک لمبی داستان ہے اور ساتھ ہی دردناک بھی۔ اُس لڑکی کو جنون ہو گیا ہے۔

انتقام کا بھوت سوار ہے۔ اس کے لئے وہ سب کچھ کر گزرنے کے لئے ہمیشہ سے تیار رہی
خدا اُس پر رحم کرے۔"

مشتبہ ہاتھ

تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ حمید حیرت سے کبھی خان بہادر کی طرف دیکھتا کبھی فریدی کی طرف۔

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تو میں اُس خبر کو کبھی نیوز ایجنسی تک پہنچنے دیتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کی اس سے بڑی بدنامی ہوگی۔"

"میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے موت آجائے۔ پتہ نہیں وہ کم بخت اب کہاں ہوگی۔"

"لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ ڈھائی ماہ سے غائب رہی اور آپ نے اُس کے لئے نہ کیا۔"

"میں نے سب کچھ کیا ہے۔ لیکن بدنامی کے خیال سے اسے منظر عام پر نہیں لایا۔ پولیس کو لئے اطلاع نہیں دی کہ بات پھیل جاتی۔ ویسے میں اُسے تلاش کرانے کے سلسلے میں ہزاروں پے پھونک چکا ہوں۔"

"ابھی آپ نے کسی قسم کے انتقام کے بارے میں کچھ کہا تھا۔"

"ہاں....!" خان بہادر نے ایک گہری سانس لی۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ نے ے بھائی سر مشرف کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ سلیمہ انہیں کی لڑکی ہے۔"

"سلیمہ اُس لڑکی کا نام ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! شاید آپ کو نہ معلوم ہو کہ اب سے پندرہ سال پہلے وہ جنوبی افریقہ میں قتل یئے گئے تھے۔ سلیمہ اُس وقت پانچ برس کی تھی اور وہیں تھی۔ قاتلوں نے انہیں اُسی کے امنے قتل کیا تھا۔ پھر میں اُسے یہاں لایا۔"

"سر مشرف کی تجارت تو اب بھی وہاں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... بہت بڑی تجارت۔ وہ ہیرے کی ایک کان کے مالک بھی تھے۔ ہاں تو میں سلیمہ ابت کر رہا تھا۔ اُس نے ماں کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ کیونکہ اس کا انتقال اُس کی پیدائش کے

بعد ہی ہو گیا تھا۔ بھائی صاحب نے اُس کی پرورش کی۔ آپ خود سوچئے ایسی صورت میں سلیمہ کے ذہن پر اس کا کیا اثر پڑا ہوگا.... تقریباً تین سال تک اُس کا ذہنی توازن بگڑا رہا۔ اگر یہ واقعہ پیش آیا ہوتا تو یہ لڑکی ملک اور قوم کے لئے ایک بہترین سرمایہ ہوتی۔ بلا کی ذہین اور چالاک ہے لیکن انتقام کی دھن میں وہ دوسری ہی راہ پر لگ گئی۔ اب وہ ایک ماہر نشانہ باز ہے۔ اونچی سے اونچی عمارتوں پر چڑھ جانا تو کوئی بات ہی نہیں.... انتہائی نڈر اور بے باک۔ اتنی شاندار اداکارہ ہے کہ اُس نے آپ جیسے آدمی کو دھوکا دے دیا۔ اتنے دنوں تک گونگی بنی رہی۔"

"لیکن وہ تنہا نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

"میں جانتا ہوں۔ اُس نے بہت دن ہوئے مجھ سے کسی آدمی کا تذکرہ کیا تھا۔ یہ بھی بتایا تھا کہ وہ افریقہ میں بھائی صاحب کے بہت ہی خاص آدمیوں میں سے تھا اور وہ قاتلوں سے انتقام لینے کے سلسلے میں اُس کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ میں اُسے سمجھاتے سمجھاتے عاجز آ گیا تھا۔ آپ خود سوچئے اس طرح کسی آدمی پر اعتماد کر لینا کہاں کی عقل مندی ہے۔"

"کیا اُس نے اُس آدمی کا نام نہیں بتایا تھا....؟"

"نہیں.... جب اُس نے اُس کے ساتھ مل کر کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے اُسے مقید کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اسی طرح جبراً روکی جا سکتی ہے۔ سمجھانے بجھانے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ لیکن افسوس وہ اُسی رات کو روشندان توڑ کر باہر نکل گئی۔"

"تو اُس نے آپ کو اُس آدمی کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا؟"

"بس اُس کی تعریفوں کے پل باندھا کرتی تھی۔ وہ بڑا محتاط ہے۔ انتہائی چالاک اور دلیر۔ صورت ہی سے پُر اسرار معلوم ہوتا ہے۔ بالکل جاسوسی ناولوں کے کرداروں کی طرح۔ ہاتھوں میں ہر وقت دستانے پہنے رہتا ہے.... وغیرہ وغیرہ۔"

"ہوں....!" فریدی نے ایک گہری سانس لی اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر خان بہادر نے کہا۔ "لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ آخر وہ یہاں کیسے پہنچی۔ آپ سے اُسے یا اُس آدمی کو کیا سروکار۔"

"میرا خیال ہے کہ کسی بہت ہی عیار قسم کے آدمی نے اُسے پھانس لیا ہے اور لوگوں کو لوٹنے کے لئے اُسے آلہ کار بناتا رہتا ہے۔"

"تو اب میں کیا کروں.... میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"فی الحال صبر کیجئے۔ میں اُس آدمی کی تاک میں ہوں۔ وہ ایک بہت بڑا بلیک میلر بھی ہے۔"

"سچ مچ دل چاہتا ہے کہ خودکشی کر لوں۔ کیا آپ اُس آدمی کو جانتے ہیں؟"

"نہیں.... اُس کی شخصیت ابھی تک تاریکی میں ہے۔"

"بہر حال آپ مجھ سے دس ہزار لے لیجئے۔ اور خدا کے لئے اُس لڑکی کو بچانے کی کوشش کیجئے۔ ورنہ میری بڑی بدنامی ہوگی۔ لوگ یہی کہیں گے کہ اشرف نے بھائی کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے لڑکی کو ٹھکانے لگا دیا۔"

"کیا اُس کے ولی بھی آپ ہی ہیں؟"

"جی نہیں.... اب وہ بالغ ہے اور اپنے کاروبار کی خود دیکھ بھال کر سکتی تھی۔ میں اُس کے کاروباری معاملات میں قطعی دخل نہیں دیتا تھا۔"

"آپ کے ساتھ ہی رہتی تھی؟"

"جی ہاں! اُس کی افتادِ طبع کی بناء پر میں.... اُسے الگ رکھنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کہا۔ "ہاں یہ سر مشرف کا قتل کن حالات میں ہوا تھا اور کیا مجرم گرفت میں آ گئے تھے؟"

"ایک عورت کا چکر تھا۔ بھائی صاحب ذرا رنگین مزاج تھے۔ اب میں آپ سے کیا چھپاؤں۔ اس میں دراصل نور محل والوں کا ہاتھ تھا۔"

"نور محل.... کیا نواب اختر کی طرف آپ کا اشارہ ہے؟"

"جی ہاں.... یہ نواب اختر اُن کے رقیبوں میں سے تھا اور اُس زمانے میں وہ بھی جنوبی افریقہ ہی میں تھا۔ بالکل کھلی ہوئی بات تھی لیکن پولیس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ مہیا کر سکی۔"

"سلیمہ کو بھی اس کا علم تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"دنیا جانتی ہے۔ سلیمہ ہی کو کیوں نہ معلوم ہوتا۔ وہ یہی تو کہتی ہے کہ قانون میرے باپ کی موت کا انتقام نہیں لے سکا تو میں خود ہی لوں گی۔ خواہ کچھ ہو جائے۔"

"نور محل والوں سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں؟"

"تعلقات.... میرا بس چلے تو اُن کی بوٹیاں اڑا دوں۔"

"کیا خیال ہے آپ کا اُس آدمی کے متعلق.... یا آپ کی نظر میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو اس قسم کی حرکتیں کر سکے۔"

"میری دانست میں کوئی ایسا آدمی نہیں۔ لیکن کوئی بھی اس قسم کی حرکت کر سکتا ہے۔ میں آپ کو ایک بات اور بھی بتاؤں۔ میں نے کئی بار چاہا کہ کسی ڈھنگ کے آدمی کے ساتھ اُس کی

شادی کردوں لیکن وہ نہیں مانی۔ اُس کا کہنا ہے کہ جب تک اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لوں گی شادی نہیں کروں گی۔ اُس نے یہی بات اور نہ جانے کتنے آدمیوں کے سامنے کہی ہوگی۔ اب آپ اسی سے اندازہ لگالیجئے۔ کوئی شخص بھی اس سلسلے میں اُس کی مدد کرنے کا وعدہ کر کے اپنا کام نکال سکتا ہے.... وہ ایک مال دار لڑکی ہے۔ اسے بھی ذہن میں رکھئے گا۔"

فریدی کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"لیکن میں اُس کے حلقہ احباب کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"اچھا! کیا نور محل والوں کو بھی اس سے کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"ہو سکتی ہے۔ ایک بار نواب اختر نے اپنے لڑکے کا پیغام دیا تھا.... اور مجھ سے صفائی کرنی چاہی تھی۔"

"پھر آپ نے کیا کیا....؟"

"انکار....!"

"اچھا.... جناب....!" فریدی ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "میں کوشش کروں گا کہ لڑکی سیدھی راہ پر آجائے۔"

"میں آپ کا احسان مند ہوں گا۔" خان بہادر کراہ کر بولا۔ "بہر حال عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"خدا کے ہاتھ میں۔" فریدی نے تصحیح کی۔ لیکن حمید نے اُس کے لہجے میں کچھ عجیب سا کھنچاؤ محسوس کیا۔

خان بہادر جانے کے لئے اٹھا اور فریدی نے حمید کو اُسے سہارا دینے کا اشارہ کیا۔

اُسے رخصت کر دینے کے بعد پھر اُن کی ملاقات ناشتے کی میز پر ہوئی۔

"کیا خیال ہے حمید صاحب؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس نئے ڈیولپمنٹ کے متعلق؟"

"تو یہ تصویر وغیرہ آپ ہی نے شائع کرائی تھی؟"

"قطعی....!"

"اب آپ اُس کے لئے میرا پیغام دے سکتے ہیں۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"آپ جانتے ہیں کہ لڑکی کہاں ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"جانتا ہوں۔"

"پھر آپ نے اُسے اُس کا پتہ کیوں نہیں بتایا؟"

"ضروری نہیں سمجھا تھا۔"

"ارے... ہاں... وہ تو بھول ہی گیا۔ ذرا یہ تو فرمائیے گا کہ دس ہزار روپے کا کیا اسکینڈل ہے؟"

"ہے تو اسکینڈل ہی"

"آخر کیوں؟"

"اسی نتیجے کے لئے جس سے ہم ابھی دوچار ہو چکے ہیں اور بھی کئی باتیں ہیں۔ چلو کافی لو۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

وہ چند لمحے خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ پھر فریدی نے کہا۔

"تم نے اخبار میں کسی جگہ ایک خبر اور دیکھی ہوگی۔"

"کیسی خبر....؟"

"کس کار کے حادثے کی۔"

"نہیں.... میں نے دھیان نہیں دیا۔"

"یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک جلی ہوئی کار ملی ہے اور اُس میں ایک جھلسی ہوئی لاش.... جانتے ہو کس کی ہے؟"

"نہ جانتا ہوں اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔" حمید جھلا گیا۔ "یہاں دن رات لاشیں.... لاشیں.... میں تو تنگ آگیا ہوں۔"

"میں شیکھر کی لاش کے متعلق کہہ رہا ہوں۔"

"شیکھر! یعنی صفدر کا ساتھی؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بہر حال اُسے بھی ختم کر دیا گیا.... سوال تو یہ ہے کہ آخر فریدی ہی کیوں!"

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔"

"مگر.... فرزند.... یہ بات نہ کھلنی چاہئے تھی کہ صفدر وغیرہ سے بھی وہی آدمی کام لے رہا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"دو ایک دن بعد سمجھا دوں گا۔ بہر حال اب معاملات کچھ کچھ میرے ذہن میں صاف ہو رہے ہیں۔"

"شیکھر کی لاش ملنے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ صفدر پر بھی اُسی نے گولی چلائی تھی۔"

"نہیں.... صفدر کے بیان کے مطابق وہ اُن دونوں کے ساتھ ہی تھا اور اُس وقت بھی وہ دوسری طرف دیوار کے نیچے موجود تھا جب صفدر نے اندر داخل ہونے کی کوشش کی تھی؟"

"تو پھر یہاں سے گولی کس نے چلائی تھی؟"

"سلیمہ نے....!"

"کیا....؟" حمید اتنے زور سے اچھلا کہ کافی چھلک کر اُس کے کپڑوں پر گری۔

"ہاں.... ہاں.... اُسی نے۔ میں نے اُسے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اُسی دوران میں وہ روشندان توڑ کر اوپر پہنچ گئی تھی.... نوکروں کو میں نے شاگرد پیشے میں بھیج دیا تھا۔ اس لئے وہ رائفل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی.... میں تو دراصل انہیں اچھی طرح موقع دینا چاہتا تھا مگر لڑکی نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی....ارے وہ سازش میں شریک تھی کیوں نہ کھیل بگاڑتی۔"

"یہی تو تم نہیں سمجھے خیر....ابھی ہمیں جلد بازی نہ کرنی چاہئے۔"

"یہ کیس بھی خواہ مخواہ گلے لگا ہے۔"

"چلو ختم کرو۔" فریدی کافی کی پیالی رکھ کر رومال سے ہونٹ صاف کرتا ہوا بولا۔ "ہمیں ابھی نواب اختر کے یہاں تک چلنا ہے۔"

"اوہ.... تو کیا اب آپ سر مشرف کے قتل کا معاملہ پھر سے اٹھائیے گا؟"

"نہیں! مجھے جنوبی افریقہ میں ہونے والے قتل سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔"

نواب اختر شہر کے سر بر آوردہ لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ نور محل ایک قدیم طرز کی عمارت کا نام تھا جس میں نواب اختر کی پچھلی تین پشتوں کے لوگ رہتے آئے تھے اور اُس خاندان کے لوگ عام طور پر "نور محل والے" کہلاتے تھے۔

نواب اختر متوسط عمر اور گٹھیلے جسم کا ایک خوش رو آدمی تھا۔ فریدی اور حمید جس وقت نور محل پہنچے وہ شراب پی رہا تھا۔ اُس کے ساتھ تین آدمی اور بھی تھے۔ ممکن ہے فریدی کا کارڈ پہنچنے سے قبل کوئی عورت بھی رہی ہو کیونکہ میز پر ایک لیڈیز ہینڈ بیگ پڑا ہوا تھا۔

"آخاہ...!" نواب اختر جھومتا ہوا بولا۔ "آئیے.... آئیے.... حضرات! آج میں نے دادا جان کے سو سالہ پرانے ذخیرے سے شراب نکلوائی ہے۔ ببن خاں دو گلاس اور لاؤ۔"

"نہیں شکریہ۔ میں اس نعمت سے محروم ہوں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"ہی ہی.... آپ شراب نہیں پیتے؟" نواب کے مصاحبوں میں سے ایک نے کہا۔

فریدی اُس کی طرف مخاطب بھی نہ ہوا۔

"کیسے تکلیف فرمائی؟" نواب اختر نے پوچھا۔

"ایک ضروری کام۔ کیا آپ مجھے تنہائی میں تھوڑا سا وقت دے سکتے ہیں؟"

نواب اختر چند لمحے فریدی کی طرف غور سے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "ضرور.... ضرور.... آئیے۔"

وہ فریدی اور حمید کو ایک دوسرے کمرے میں لایا۔ اس دوران میں حمید نواب اختر کے دونوں ہاتھوں کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں پر کلائیوں تک پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں۔

"ہاں اب فرمائیے۔" نواب اختر کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

"میں نے سنا ہے کہ آپ نے خان بہادر اشرف کی بھتیجی کے لئے اپنے صاحبزادے کا پیغام دیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....؟" نواب اختر اُسے گھور کر بولا۔ "آپ کو ان باتوں سے کیا سروکار؟"

"اوہ آپ غلط سمجھے۔ میں صرف اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔"

"آخر کیوں؟"

"میں دراصل کیپٹن حمید کیلئے پیغام دینا چاہتا تھا۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "چند دوستوں کے سامنے اس خیال کا اظہار کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے کے لئے بھی پیغام دیا جا چکا ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر میں اس خیال سے باز رہوں۔"

نواب اختر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "آپ کے اس خیال سے مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے پیغام دیا ضرور تھا مگر اب میں کسی قیمت پر بھی اس کے لئے تیار نہیں اور کرنل صاحب پہلے مجھے صرف شبہ تھا اب یقین ہو گیا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں روزانہ اخبار پڑھتا ہوں۔ آج کا ایوننگ پوسٹ میں نے بھی پڑھا تھا۔ اب مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ وہ سلیمہ ہی کی تصویر تھی۔"

"اوہو! کیا آپ کا اشارہ اُس گونگی لڑکی کی طرف ہے؟" فریدی نے چونکنے کا شاندار مظاہرہ کیا۔

"جی ہاں! لیکن سوال یہ ہے کہ آپ اس سلسلے میں میرے پاس کیوں آئے ہیں!"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ بھلا وہ سلیمہ کیسے ہو سکتی ہے۔"

"کیا آپ نے پہلے کبھی سلیمہ کو نہیں دیکھا؟"

"نہیں....!"

"تعجب ہے کہ آپ دیکھے بغیر پیغام دینے والے ہیں۔" نواب اختر فریدی کو عجیب نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "کیا.... آپ نے بھی نہیں دیکھا۔" اُس نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا اور پھر ایسے انداز میں شرما کر سر جھکایا کہ نواب اختر کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ وہ ویسے بھی نشے میں تھا۔

لیکن وہ جلد ہی سنجیدہ ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "وہ تصویر بلاشبہ سلیمہ ہی کی تھی۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس ڈرامے کا کیا مطلب ہے اور آپ حقیقتاً کس لئے تشریف لائے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف میرے خلاف کوئی نئی چال چل رہا ہو۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کرنل صاحب! میں بچہ نہیں ہوں اور آپ ابھی میرے سامنے صاحبزادے ہیں۔"

"مجھے اس سے انکار نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ یقیناً مجھ سے عمر میں بڑے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو.... اشرف منہ کی کھائے گا۔ وہ مجھے اپنے بھائی کا قاتل سمجھتا ہے اور اُس کی پر کٹی بھتیجی ہمیشہ میرے خلاف پر تولنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اُن دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ اشرف کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے۔ میں سلیمہ کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا مگر اب.... اب کسی قیمت پر نہیں۔"

"آخر وجہ....؟"

"وہ لفنگی ہے۔ شہر کے بدمعاش ترین لوگوں میں اُس کی نشست و برخاست رہتی ہے اور یہ سب اسی لئے کہ وہ مجھ سے اپنے باپ کی موت کا انتقام لے سکے۔"

"باپ کی موت کا انتقام....؟" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"سر مشرف جنوبی افریقہ میں قتل کر دیا گیا تھا۔ وہاں کی پولیس قاتل کا پتہ نہ لگا سکی۔ میں بھی اُس زمانے میں وہیں تھا۔ سر مشرف کے حلقہ احباب نے مجھ پر شبہ ظاہر کیا۔ لیکن کوئی ثبوت نہ دے سکے۔ ہو سکتا ہے اشرف نے گڑے مردے پھر سے اکھاڑنے کی کوشش کی ہو۔ اس لئے آپ....!"

"بھلا مجھے اس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔" فریدی بولا۔ "قتل افریقہ میں ہوا تھا۔ یہاں والے اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ بہر حال آپ نے سلیمہ کے متعلق جو معلومات مہیا فرمائی

ہیں اُس کے لئے شکر گذار ہوں۔"

نواب اختر نے پھر اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

"اچھا اب اجازت دیجئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں کیپٹن حمید کو ہرگز رائے نہ دوں گا کہ وہ ایسی لڑکی سے شادی کریں۔ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی.... کیا آپ کے ہاتھوں میں کوئی تکلیف ہے؟"

"اوہ....!" نواب اختر اپنے پٹیوں سے ڈھکے ہوئے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "جی ہاں.... خارش۔ حالانکہ پٹیاں تکلیف دہ ہیں۔ لیکن ہاتھوں کی حالت دیکھ کر خود مجھے گھن آتی ہے۔ زندگی میں پہلی بار میں خارش میں مبتلا ہوا ہوں۔"

لڑکی کی کہانی

واپسی پر فریدی بالکل خاموش تھا۔ کیڈی لاک شہر کی بھری پُری سڑکوں سے گذر رہی تھی۔

حمید فریدی کے برابر ہی بیٹھا ہوا بڑی دیر سے کنکھیوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اور کئی سوالات اُس کے ذہن میں بُری طرح پک رہے تھے۔

"نواب اختر سے ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں نہیں آیا۔" اُس نے کہا۔

"میں اب تمہاری شادی اُس لڑکی سے ہرگز نہ کروں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔" حمید بڑبڑایا۔

فریدی ہنسنے لگا اور حمید جھلا کر بولا۔ "آپ براہِ کرم مجھے اس قسم کے معاملات میں مت رگیدا کیجئے۔"

"یہی ہوتا ہے برخوردار آج کل کے زمانے میں عموماً دو چار جگہ بات ڈالی جاتی ہے۔ پھر کہیں نہ کہیں شادی بھی ہو جاتی ہے۔ آخر ایسی جلدی کیا ہے۔"

"ماشاءاللہ! خدا اس لونڈیا کی عمر میں برکت دے۔ اس کی بدولت آپ چہکنے تو لگے ہیں یعنی ریگستان میں بارش۔ خدا میری مغفرت کرے۔ ویسے کیا میں نواب اختر کے خارش زدہ ہاتھوں کے متعلق کچھ پوچھ سکتا ہوں۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"خارش زدہ ہاتھوں کو لوگ عموماً کھلا ہی رکھتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں تو پھر.... مگر نہیں۔ یہ ضروری نہیں۔"

"میں نے عموماً یہی دیکھا ہے۔"

"مگر یہ کلیہ نہیں۔ بعض طبیعتیں حد سے زیادہ نفاست پسند ہوتی ہیں۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ آخر وہ پُر اسرار آدمی دستانے کیوں پہنتا ہے؟"

"میں تمہارا مطلب پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اُس کے ہاتھوں میں کوئی ایسی خاص بات ہے جس کی بناء پر وہ پہچانا جاسکتا ہے۔"

"اب نواب اختر کے ہاتھوں کے متعلق کیا رائے ہے؟" حمید پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا اور اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ حمید نے پائپ سلگا کر دو تین کش لیے اور کھڑکی پر جھک کر باہر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔

"لڑکی بڑی مال دار ہے اور نواب اختر کی دشمن ہے۔ ہوسکتا ہے نواب اختر ہی وہ پُر اسرار آدمی ہو۔ کچھ دن لڑکی کو اسی طرح چکر دیتا رہے پھر کسی سازش کا شکار بنا کر اپنے لڑکے سے شادی کر لینے پر مجبور کرے۔ لڑکی بالغ ہے اس لئے اس کا چچا بھی کچھ نہ کر سکے گا۔"

فریدی اب بھی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ فریدی یونہی بغیر مقصد کیڈی کو ایک سڑک سے دوسری سڑک پر دوڑاتا پھر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُس کی نظر بار بار عقب نما آئینے کی طرف بھی اٹھ جاتی ہے۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ایک موٹر سائیکل بہت دیر سے تعاقب کر رہی ہے۔" فریدی بڑبڑایا اور اُس نے کیڈی پھر ایک دوسری سڑک پر موڑ دی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ موٹر سائیکل بھی اُسی سڑک پر مڑ رہی تھی۔ کیڈی سے اُس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ پچاس گز رہا ہوگا۔ سوار کوئی سکھ تھا۔

"کون ہے؟" فریدی نے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

"ایک سکھ....!"

"خوب....!" فریدی مسکرایا۔ "لیکن اس کے پیچھے بھی ایک موٹر سائیکل ہے۔"

حمید پھر پلٹا۔ ساتھ ہی فریدی نے ہاتھ بڑھا کر عقب نما آئینے کا زاویہ بدل دیا۔

"ہاں ہے تو.... اور اُس پر کوئی عورت ہے۔" حمید نے کہا۔

"عورت کا لباس....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کتھئی رنگ کا اسکرٹ ہے۔"

"ٹھیک.... اچھا.... تو اب تم اس ڈرامے کا ایک دلچسپ ایکٹ ملاحظہ کرو گے.... پھر دیکھو عورت کے اسکرٹ کا رنگ کتھئی ہی ہے نا....؟"

"جی ہاں....!" حمید نے کہا۔

سڑک پر کافی روشنی تھی۔ اس لئے حمید کو اپنے بیان کی صداقت میں شبہے کی گنجائش نہیں نظر آئی۔ سکھ کی موٹر سائیکل کے پیچھے والی موٹر سائیکل سوار کا اسکرٹ کتھئی ہی تھا۔

فریدی نے کیڈی کی رفتار تیز کر دی۔

"میرا دعویٰ ہے کہ یہ سکھ نواب اختر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ویسا ہی بھرا بھرا سا چہرہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"آج تم غیر معمولی ذہانت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن دوسری موٹر سائیکل پر کون ہے؟"

"اُس کا چہرہ صاف نظر نہیں آرہا ہے۔"

"کہو نا کہ سلیمہ ہے۔" فریدی ہنس پڑا۔

"آپ میرا مضحکہ کیوں اڑا رہے ہیں؟"

"مضحکہ نہیں اڑا رہا ہوں۔ میرا تعاقب بقول تمہارے نواب اختر کر رہا ہے اور نواب اختر کا تعاقب کوئی عورت کر رہی ہے۔ لیکن اس کیس میں ابھی تک سلیمہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا وجود منظر عام پر نہیں آیا۔ اس لئے وہ سلیمہ ہی ہوگی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سلیمہ کے متعلق سوچنے لگا تھا اور ساتھ ہی اُسے فریدی پر غصہ بھی آرہا تھا کیونکہ آج صبح ہی سے وہ بہت اچھے موڈ میں تھا اور جب بھی وہ اچھے موڈ میں ہوتا تو حمید کی شامت آجاتی تھی۔ وہ اُسے بات بات پر اُلو بناتا تھا۔ لیکن حمید کو حیرت بھی تھی کہ آخر آج فریدی کا موڈ اتنا اچھا کیوں ہے۔ ویسے وہ ابھی تک تو یہی دیکھتا آیا تھا کہ شکست کھانے کے بعد فریدی پر عموماً جھلاہٹ ہی کا دورہ پڑتا تھا اور پر اس بار تو اُسے ایک لڑکی نے شکست دی تھی۔

کیڈی کی رفتار پھر کم ہوگئی۔ فریدی اُسے ایک پتلی سی گلی میں موڑ رہا تھا۔

"حمید.... میں جیسے ہی گاڑی روکوں تم نیچے اُتر کر انجن دیکھنے لگنا۔" اُس نے کہا۔

گلی کے دوسرے سرے کے قریب پہنچ کر کیڈی رک گئی۔ موٹر سائیکل آدھی گلی طے

کر چکی تھی۔ حمید نے نیچے اُتر کر بونٹ اٹھا دیا۔

موٹر سائیکل میں پورے بریک لگے اور وہ ایک چڑچڑاہٹ کے ساتھ رک گئی۔ گلی اتنی پتلی تھی کہ کیڈی نے ایک موٹر سائیکل کے گذرنے کی بھی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ دوسری موڑ سائیکل بھی گلی میں داخل ہوئی۔

سکھ اپنی موٹر سائیکل موڑنے ہی جا رہا تھا کہ فریدی کیڈی سے نکل کر اُس کی طرف جھپٹا۔ گلی تاریک نہیں تھی۔ فریدی نے سکھ کا راستہ روک لیا۔ اب حمید بھی اُس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لیکن اُس نے کتھئی اسکرٹ والی لڑکی کو موٹر سائیکل موڑ کر بھاگتے دیکھا۔ فریدی نے اُس کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔ وہ سکھ کے کاندھے پر ہاتھ رکھے اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"سردار جی.... تم سے اردو میں گفتگو کروں یا پنجابی میں؟" اُس نے ہنس کر کہا۔

سکھ خاموش رہا۔ اُس کی سانس پھول رہی تھی۔

"حمید! تم موٹر سائیکل سنبھالو.... سلیمہ میرے ساتھ جائے گی۔"

"سلیمہ....؟" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں.... یہ ننھی سی احمق لڑکی جواب بھی حماقتوں سے باز نہیں آرہی ہے۔"

"مجھے جانے دو۔" سلیمہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اتنی آسانی سے....!" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ پھر اُس نے کرخت آواز میں کہا "چلو۔"

وہ اُسے موٹر سائیکل سے اُتار کر کیڈی تک لایا۔

"چلو بیٹھو....!"

"جیل....!" سلیمہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

فریدی نے دروازہ کھول کر اُسے پچھلی نشست پر دھکیل دیا۔

کیڈی چل پڑی۔ حمید سلیمہ کی موٹر سائیکل پر تھا۔ اُس کا ذہن دوسری لڑکی میں الجھا ہوا تھا.... آخر وہ کون تھی؟ اور فریدی نے اُس کے معاملے میں کیوں اتنی لاپروائی برتی۔

کیڈی شیبان ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ فریدی نے اُتر کر پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ حمید اُس کے برابر پہنچ چکا تھا۔

"تم اسی ہوٹل میں ٹھہری ہونا۔ کمرہ نمبر تیرہ۔ غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟" فریدی نے سلیمہ سے کہا۔

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ لیکن اب وہ خوفزدہ نہیں نظر آرہی تھی۔ حمید نے اُسے اپنی مصنوعی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے دیکھا۔

"کیا آپ کچھ دیر کے لئے میرے کمرے تک چلیں گے؟" اُس نے فریدی سے پوچھا۔ آواز دوں کی سی تھی۔

"تم بہت اچھی ایکٹریس ہو سلیمہ....!" فریدی ہنس پڑا۔

"براہِ کرم یہاں مجھے سردار بکرم سنگھ کے نام سے مخاطب کیجئے۔"

وہ انہیں اپنے کمرے میں لائی اور جب وہ دونوں اطمینان سے بیٹھ گئے تو اُس نے کہا۔ "کہئے اب.... یہ آپ لوگوں نے دس ہزار والی ہوائی کیوں چھوڑی تھی؟"

"میرا وقت نہ برباد کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں تم لوگوں نے مجھے کیوں اپنی سازشوں کا مرکز بنایا تھا؟"

"جب آپ میرے نام سے واقف ہوگئے ہیں تو حالات سے بھی باخبر ہوں گے۔"

"یوں تو مجھے تمہارے مستقبل کا بھی علم ہے لیکن میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ میرے متعلق آپ کو چچا جان نے بہت کچھ بتایا ہوگا۔ میری گمشدگی کے بعد آپ نے اسی لئے اخبارات کی طرف دھیان دیا تھا۔"

"تمہاری گم شدگی۔ تم میرے لئے کبھی گمشدہ نہیں تھیں۔ بھولی لڑکی میں نے تمہیں بھاگتے دیکھا تھا۔ چونکہ کتے بے ہوش پڑے تھے اس لئے تمہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئی تھی۔"

سلیمہ حیرت سے فریدی کو دیکھ رہی تھی۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے پوچھا۔

"تم میرا تعاقب کیوں کر رہی تھیں؟"

"محض اسلئے کہ میں نے آپ کو نور محل سے نکلتے دیکھا تھا۔"

"تو پھر اس سے کیا....؟"

"نواب اختر.... میرے باپ کا قاتل ہے۔ میں اُس سے انتقام لینا چاہتی ہوں۔"

"میں اُس کی کہانی بھی سن چکا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن.... کیا اس صورت میں تم خود اپنی جان بچا سکتیں؟"

"ہاں.... اسکیم تو کچھ ایسی ہی تھی کہ خود قانون ہی اُسے پھانسی کے تختے تک پہنچا دیتا۔"

"اچھا....!" فریدی کی آنکھیں مصنوعی حیرت سے پھیل گئیں۔

"لیکن....!" سلیمہ نے ایک گہری سانس لی۔ "میں خود ہی اس سازش کا شکار ہوگئی۔"

"کیوں! کیا اس آدمی سے پھر ملاقات نہیں ہوئی؟"

"نہیں....!"

"کیا تم اُسے اطلاع دیئے بغیر میرے یہاں سے بھاگی تھیں؟"

"اوہ....!" سلیمہ اُسے گھور کر بولی۔ "تو آپ سب کچھ جانتے ہیں؟"

"میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر اُسی زبان میں سنانا" حمید بولا۔ "جس زبان میں سانپوں کے متعلق اظہار خیال کیا تھا"

سلیمہ ہنسنے لگی۔ پھر اُس نے کہا۔ "حمید صاحب ریلوے انجن بننا یاد ہے؟"

حمید نے جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور بولا "بہر حال اب میں بوڑھے کی تجویز پر عمل کر سکتا ہوں"

"وقت کم ہے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وہ آدمی کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا ہے۔" سلیمہ بولی۔

"تم اُس کی تلاش میں ہو؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ بھی میری تلاش میں ہوگا۔"

"لیکن تم نے صفدر پر کیوں فائر کیا تھا....؟"

"آپ یہ بھی جانتے ہیں؟" سلیمہ خوف زدہ آواز میں بولی۔ چند لمحے خاموش رہی پر اُس نے کہا۔ "خود اُس نے ہی مجھے اس کے لئے تاکید کی تھی۔"

"تمہارے پاس اُس کا پیغام کیسے پہنچا تھا....؟"

"یہ پہلے ہی سے طے تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ جس دن کتے بے ہوش پائے جائیں۔ اُس را
کو حملہ ضرور ہوگا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر تم تھوڑی سی ہمت کر لو تو حملہ آور پکڑا جا سکتا ہے اور اُس کے بعد نواب اختر پوری طرح قانون کی گرفت میں آ جائے گا۔ بہر حال اُس کا مقصد یہ تھا میں کسی طرح آپ سے چھپ کر اُسے گولی مار دوں۔ گھر میں سر شام ہی سناٹا ہو گیا تھا۔ ادھر آ
میرے کمرے کو مقفل کر کے ہٹے اور میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ آپ شاید عقبی پارک
جا چکے تھے۔ کوٹھی میں سناٹا تھا۔ میں نے آپکی رائفل نکالی اور اوپری منزل کی چھت پر پہنچ گئی۔

"کیا اُس نے کہا تھا کہ پیر ہی میں گولی مارنا....؟"

"نہیں.... اُس نے صرف فائر کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"اور یہ بھی بتایا تھا کہ حملہ چہار دیواری کی پچھلی ہی دیوار کی طرف سے ہوگا؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... لیکن خدا کا شکر ہے کہ گولی اُس کی ٹانگ ہی میں لگی اور وہ اپنا بیان دینے کے
زندہ رہ گیا۔ ورنہ میں کسی بہت بڑی مصیبت میں پڑ جاتی۔"

"کیسی مصیبت....؟"

"دیکھئے! میں شروع سے بتاتی ہوں۔ میرے متعلق آپ کو چچا جان سے بہت کچھ معلوم
چکا ہوگا۔ اخبارات میں وہ میری تصویر دیکھ کر یقیناً آپ کے پاس دوڑے آئے ہوں گے۔ میں
انہیں بہت پریشان کیا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ ہاں تو میں بچپن ہی سے کشت و خون کی
ف مائل رہی ہوں۔ لیکن میں خود اس کی ذمہ دار نہیں۔ میرے باپ کے قتل کا منظر آج بھی
ری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں اس وقت پانچ برس کی تھی۔ ایک گوشے میں سہمی ہوئی اپنے
پ کو قتل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ وہ مچھلی کی طرح زمین پر تڑپ رہے تھے اور اُن پر کلہاڑیاں اور
اریں برس رہی تھیں۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور پلکیں جھپکائے
ر خلا میں گھور رہی تھی۔

"مجھے معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ وہ آدمی تمہیں کہاں اور کیسے ملا تھا اور اُس کی
یم کیا تھی؟"

"آج سے چھ ماہ پہلے!" وہ چونک کر بولی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر کہا۔ "وہ ہوٹل ڈی فرانس
ں ملا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ خاص طور سے مجھ سے ملنے کے لئے جنوبی افریقہ سے آیا ہے۔
الد مرحوم کے بہت ہی خاص آدمیوں میں سے تھا اور اُسے نواب اختر سے ذاتی پرخاش بھی ہے۔
یونکہ اُس نے جنوبی افریقہ میں اُس کی بیوی پر ہاتھ صاف کیا تھا اُس نے اپنی پوری اسکیم نہیں
تائی تھی لیکن یہ ضرور کہا تھا کہ نواب اختر اس طرح سیدھا پھانسی کے تختے تک پہنچ جائے گا۔ وہ
تقریباً چار ماہ تک مجھ سے مختلف مقامات پر ملتا رہا لیکن اس دوران میں میں نے ہمیشہ اس کے
ہاتھوں میں دستانے دیکھے۔ وہ کچھ اس قسم کا آدمی تھا کہ میں اُس کی طرف کھنچتی ہی گئی۔ بچپن ہی
سے مجھے جاسوسی ناولیں پڑھنے کا شوق رہا ہے اور وہ مجھے بالکل کسی ناول ہی کا کوئی پُر اسرار کردار
معلوم ہوتا تھا۔ آج سے دو ماہ قبل ایک دن وہ مجھے ملا اور یہ اطلاع دی کہ اب عمل کا وقت آ گیا
ہے۔ اُس نے کہا کہ ہمیں کسی طرح نواب اختر اور اُس کے گرگوں کو اس بات کا یقین دلا دینا
چاہئے کہ ہم اُن کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔ یہ بات کم از کم میری سمجھ میں تو نہیں آئی۔
میں نے مزید استفسار کیا تو اُس پر اُس نے بتایا کہ اس طرح وہ لوگ بھی نہ صرف چونکنے ہو جائیں

گے بلکہ ہمارے پیچھے لگنے کی بھی کوشش کریں گے۔ میں نے پوچھا اس سے کیا ہوگا کہنے لگا کہ پھر یہاں کے سب سے بڑے سراغ رساں کرنل فریدی کو اُن کے پیچھے لگادوں گا۔ ایک ایسا طریقہ اختیار کروں گا کہ نواب اختر پر ایک آدمی کے قتل کا جرم ثابت ہو جائے گا۔"

"کیا.... وہ بوڑھا بھی اس سازش میں شریک تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... جو بیان اُس نے دیا تھا وہ حرف بحرف صحیح تھا۔ اُسے ان حرکات کی غرض و غائت کا علم نہیں تھا۔ مجھے اُس کی موت پر صحیح معنوں میں صدمہ ہے۔ کیونکہ وہ ایک مخلص آدمی تھا۔ بہر حال میرا اُس کے یہاں ایک گونگی لڑکی کی حیثیت میں قیام کرنا اُس اسکیم ہی کا ایک حصہ تھا۔ اُس نے بوڑھے سے یہ کہا تھا کہ جب خطرات حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو مجھے آپ کے یہاں پہنچادیا جائے۔"

"تم نے اس کی وجہ نہیں پوچھی تھی؟" فریدی بولا۔

"وجہ.... اُس نے کہا تھا کہ نواب اختر کو چونکانے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت اُس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتایا تھا.... ہاں تو میں بوڑھے کے ساتھ رہنے لگی۔ وہ اکثر بوڑھے کی عدم موجودگی میں مجھ سے ملتا رہتا تھا۔ ایک دن اُس نے بتایا کہ آج نواب اختر کے کچھ گرگے یہاں حملہ کریں گے اور آج ہی اگر بوڑھا تمہیں یہاں سے فریدی کے پاس لے جائے تو بہتر ہے۔ میں سوچ میں پڑگئی۔ نہ جانے کیا واقعہ پیش آجائے۔ بہر حال جب بوڑھا واپس آیا تو میں نے اُسے اشاروں میں بتایا کہ کچھ مشتبہ آدمی آج فلیٹ کی نگرانی کر رہے ہیں.... بوڑھے نے مجھے حتی الامکان اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ فریدی صاحب وہ سچ مچ انتہائی دلیر اور وفادار آدمی تھا۔ اُس نے اُن دونوں نقاب پوش آدمیوں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا اور بالآخر مجھے وہاں سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اُسی دن اُس پُر اسرار آدمی نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آج تم فریدی کے یہاں پہنچ جاؤ.... تو جس دن بھی تمہیں فریدی کے کتوں کی بے ہوشی کی خبر معلوم ہو سمجھ لینا کہ اُس دن فریدی کے یہاں بھی حملہ ہوگا۔ اس پر میں نے پوچھا کہ کتے کس طرح بے ہوش ہوں گے کہنے لگا کہ وہ لوگ ہر حال میں تمہیں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے خواہ تم گورنمنٹ ہاؤس ہی میں کیوں نہ پہنچادی جاؤ۔ میں اُن کی ٹوہ میں رہوں گا۔ جس دن بھی مجھے معلوم ہوا کہ وہ حملہ کرنے والے ہیں میں اشارے کے طور پر کتوں کو بے ہوشی کی دوا دلوادوں گا۔ اس پر بھی میرا اطمینان نہیں ہوا۔ میں نے بحث کرنی چاہی تو اُس نے جھلا کر کہا.... کہ اگر تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں تو تم الگ ہو جاؤ۔ میں نواب اختر سے اکیلے ہی نپٹ لوں گا۔

اُس نے خاموشی اختیار کرلی۔ مجھے اُس پر اس لئے اور بھی اعتماد ہو گیا تھا کہ اُس نے مجھ سے کبھی کوئی رقم نہیں طلب کی تھی۔ بوڑھے کو بھی اُس نے پانچ ہزار روپے اپنے پاس ہی سے دیئے تھے روپیے بھی نہ جانے کیوں میں بے چوں وچرا اُس کی ہر بات تسلیم کرلیتی تھی اب مجھے خود بھی اس پر حیرت ہے۔"

"لیکن اب تم اُس سے بد ظن کیوں ہو گئی ہو؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں کیا آپ کو صفدر کا بیان یاد نہیں.... اُسے بھی تو اُسی پُر اسرار آدمی نے میرے اغواء پر مامور کیا تھا اور مجھ سے یہ کہتا رہا تھا کہ حملہ آور نواب اختر کے گرگے ہوں گے اور پھر حمید صاحب نے کل ہی رات کو کسی شاہینہ کی بلیک میلنگ کی داستان بھی سنائی تھی اور اُس کم بخت نے صفدر اور اُس کے ساتھی کو بھی بلیک میل ہی کر کے اپنے قابو میں کیا تھا۔ اب بتایئے میں اُس کے متعلق کیا سوچ سکتی ہوں۔ وہ کوئی پکا سازشی اور بلیک میلر ہے اور اس ساری بھاگ دوڑ کا مطلب یہ تھا کہ وہ مجھ سے بھی ایک قتل کرادے اور پھر میں اُس کی مٹھی میں ہوں گی۔"

"کس کا قتل....؟" حمید نے پوچھا۔

"صفدر کا قتل.... وہ جانتا تھا کہ میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔ وہ تو خدا کی مہربانی تھی کہ میرا ہاتھ بہک گیا اور گولی ران پر پڑی۔ وہ اپنا بیان دینے کے لئے زندہ رہ گیا۔ ورنہ وہ کم بخت مجھے اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا.... مگر کہاں.... اب بھی میری پوزیشن صاف نہیں ہے۔"

وہ کون تھا

تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ فریدی ٹٹولنے والی نظروں سے اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "لیکن تمہارے گونگے پن کا کیا ہوتا۔ تم میرے یہاں سے کیسے نکل پاتیں؟"

"اُس نے کہا تھا کہ جب آپ نواب اختر کی راہ پر لگ جائیں گے تو وہ مجھے وہاں سے نکال لے جائے گا۔"

"کیا پھر اُس کے بعد تم یہ ملک ہی چھوڑ دیتیں؟"

"نہیں اس کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ کیا آپ خان بہادر اشرف کی بھتیجی اور سر مشرف

کی لڑکی پر کسی قسم کا الزام رکھ سکتے ؟"

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "شاید یہ تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے چچا ہی نے مجھے تمہارے حالات سے باخبر کیا ہے اور اگر تم جرائم کے ریکارڈ کا مطالعہ کرو تو تمہیں کئی ایسے بہت بڑے آدمی ملیں گے جن کے ہاتھوں میں خود فریدی نے ہتھکڑیاں ڈالی ہیں۔"

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔" سلیمہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "یہ اُسی کم بخت کا خیال تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے اسی لئے گونگی بنا رہا ہے کہ بعد میں پولیس کو شبہے میں ڈال کر فائدہ اٹھایا جاسکے۔"

"کچھ بھی ہو.... تم پر فریب دہی اور ایک آدمی پر قاتلانہ حملہ کرنے کا الزام بدستور موجود ہے۔" فریدی نے کہا۔

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ وہ چند لمحے سر جھکائے کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے کہا۔ "میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ ابھی مجھے گرفتار نہ کیجئے۔"

"کیوں؟"

"میں اتنی مہلت چاہتی ہوں کہ اُس آدمی کو تلاش کر کے قتل کر دوں پھر میں خود ہی آپ کے پاس چلی آؤں گی۔ میں موت سے نہیں ڈرتی۔"

"خوب.... اب تم مجھے دوبارہ اُلو بنانا چاہتی ہو؟"

"اچھی بات ہے.... جو آپ کا دل چاہے کیجئے۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ٹھہرو....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میرے ذہن میں ایک دوسری تجویز ہے۔"

"کیا....؟" وہ اُس کی طرف مڑی۔

"میرے ساتھ شادی کرلو۔ پھر ہم دونوں مل کر اُسے تلاش کریں۔ مل جائے تو قتل کر کے دونوں پھانسی پر چڑھ جائیں۔"

"حمید صاحب.... میں بدتمیزی پسند نہیں کرتی۔" سلیمہ نے غصیلی آواز میں کہا۔

"اگر شادی بدتمیزی ہے تو سب سے پہلے میں اپنے باپ کی گردن اڑا دوں گا۔"

فریدی خاموش تھا۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ کو گھور رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اور وہ شادی والا معاملہ.... اگر میں تمہاری شادی کسی سے کرا ہی دیتا تو....؟"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" سلیمہ جھلا کر بولی۔ "وہی سور کا بچہ بتائے گا۔ اب میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔ جو آپ کا دل چاہے کیجئے۔"

"تم ان پر خواہ مخواہ بگڑ رہی ہو۔" حمید نے کہا۔ "یہ بالکل بدتمیزی نہیں کرتے۔ فارغ البال ہیں۔"

"منع کیجئے۔ ورنہ میں بہت بُری طرح پیش آؤں گی۔" سلیمہ نے فریدی سے کہا۔

"حمید! بکواس بند کرو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"آپ میرے گھریلو معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔"

"میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔" سلیمہ اُس کی طرف جھپٹی۔ حمید اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ سلیمہ چکنے فرش پر پھسلتی ہوئی دروازے تک چلی گئی اور پھر اُس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فریدی نے جھپٹ کر اُسے پکڑ لیا۔

"پھر بھوت سوار ہوا تم پر۔" وہ اُسے ایک کرسی میں دھکیلتا ہوا بولا۔ "بہت چالاک ہو۔ تم جیسی لڑکیاں میری نظر سے کم ہی گذری ہیں۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک سوال اور کروں گا اور اس کے بعد تمہیں تمہاری تقدیر کے حوالے کر کے یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ فی الحال تمہاری گرفتاری کا خیال ترک کر دیا ہے۔"

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ اُس کی آنکھوں سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔

"تم نے مجھے نور محل سے نکلتے دیکھ کر میرا تعاقب کیوں شروع کر دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

سلیمہ نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر تک فریدی کو گھورتی رہی۔ پھر گلا صاف کر کے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ وہ پُر اسرار آدمی نواب اختر ہی تھا۔"

"آخر کس بناء پر۔ اس خیال کی کوئی وجہ؟"

"دستانے....!" سلیمہ پیشانی پر شکنیں ڈال کر بولی۔ "وہ غالباً اسی لئے دستانے پہنتا تھا کہ اُس کی ایک بہت ہی نمایاں قسم کی پہچان چھپی رہے۔ نواب اختر کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخن غائب ہیں۔ یہ عیب پیدائشی ہے اور دوسری بات یہ کہ نواب اختر کسی زمانے میں اسٹیج کا ایکٹر بھی رہ چکا تھا۔ لہٰذا میک اپ کا بھی ماہر ہوگا۔ اُس کے سر کے بال بھورے ہیں۔ لہٰذا ایک نقلی بھوری داڑھی اُس کے چہرے پر اچھی طرح کھپ سکتی ہے۔ اب آیئے دوسری طرف.... وہ جانتا ہے کہ میں اُس کی دشمن ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اُس سے زیادہ دولت مند بھی۔ اُس کو ہر وقت میری طرف سے خدشہ رہتا ہے اور یہ بات تو بالکل ہی عام ہو چکی ہے کہ میں نے اپنی زندگی

کو اس ڈھرے پر محض اس لئے لگایا ہے کہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام لے سکوں۔ اُس نے اپنے قضیئے کو ختم کرنے کے لئے ایک بار مصالحت بھی کرنی چاہی تھی۔ یعنی میرے لئے اپنے لڑکے کا پیغام دیا تھا۔ مگر چچا جان نے سختی سے انکار کر دیا اور میں نے بھی خاصی لتاڑ کی تھی.... اب آپ خود سوچئے کیا وہ اُس پُر اسرار آدمی کی شخصیت میں فٹ نہیں بیٹھتا.... نواب اختر کی ہسٹری مجھ سے پوچھئے۔ وہ بہت پرانا بلیک میلر ہے.... اُس نے اپنی محبوباؤں تک کو بلیک میل کیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اُن عورتوں کے نام تک بتا سکتی ہوں۔ وہ شہر کے سربر آوردہ لوگوں کی بیویاں ہیں۔ نواب اختر انہیں دھمکیاں دے کر رقمیں وصول کرتا رہتا ہے۔ اُن کے خطوط اُن کے شوہروں تک پہنچا دینے کی دھمکی کافی ہوتی ہے۔ اُس نے مجھے بھی اپنے قابو میں کرنے کے لئے یہ سارا جال پھیلایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ میں آپ کی کوٹھی میں صفدر کو قتل کر دوں پھر وہ مجھے وہاں سے نکال لے جانے کے بعد بلیک میل کرے۔ اس صورت میں میری زندگی اور موت اُس کی مٹھی میں ہوتی۔ پھر وہ مجھے اپنے لڑکے سے شادی کرنے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔"

سلیمہ خاموش ہو گئی۔ فریدی حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اچھا لڑکی....!" وہ تھوڑی دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔ "تم میری اجازت کے بغیر اگر ایک منٹ کے لئے بھی اس کمرے سے باہر نکلیں تو اپنی موت کی خود ذمہ دار ہو گی۔"

"میں نہیں سمجھی۔" سلیمہ چونک پڑی۔

"بس اتنا ہی کافی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ جب وہ پہلی بار تم سے ملا تھا تو تمہیں نواب اختر کا خیال کیوں نہیں آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت بھی اُس کی شخصیت مشتبہ ہی رہی ہو گی۔"

"مجھے خیال آیا تھا۔" سلیمہ جلدی سے بولی۔ "اور اگر نہ آتا تو یہ ایک قطعی غیر فطری چیز ہوتی۔ اُس کے ہاتھوں میں دستانے دیکھ کر مجھے نواب اختر کے بغیر ناخن انگوٹھے بے ساختہ یاد آ گئے تھے۔ مگر اُس زمانے میں نواب اختر اتنا بیمار تھا کہ چارپائی سے لگ گیا تھا۔"

"پھر....؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"اب سوچتی ہوں کہ میں نے محض بیماری کی خبر سنی تھی۔ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے اپنی بیماری کا جھوٹا پراپیگنڈا کرایا ہو۔ یہ چیز ناممکن تو نہیں۔"

"ممکن ہے....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا پھر حمید سے بولا۔ "آؤ چلیں۔ اگر سلیمہ کو اپنی زندگی عزیز ہو گی تو آج رات کو اس کمرے سے باہر قدم نہیں

نکالے گی۔"

وہ دونوں بہت تیزی سے باہر نکلے۔ سلیمہ نے کمرہ بند کر لیا۔ فریدی چند لمحوں کے لئے راہداری میں رک گیا۔ اُس کی نظر سامنے والے کمروں کی قطار پر دوڑتی چلی گئی۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح فریدی کے ذہن میں پھاند پڑے۔ اُس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی اور فریدی تھا کہ اپنی دھن میں مست.... پرانی عادت کے مطابق وہ آج بھی اپنے اصول سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔ اصول نہیں بلکہ اُسے افتاد طبع کہنا چاہئے۔ وہ ہر کیس کے دوران میں ہمیشہ اُسی لمحے کا منتظر رہتا تھا جب حاضرین کی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑنے والی ہوں اور اگر حاضرین مہیانہ ہو سکیں تو بے چارا حمید ہی حاضرین کے فرائض انجام دے ڈالے۔

وہ نیچے ڈائننگ ہال میں آئے اور فریدی نے منیجر کے کمرے کا رخ کیا۔ وہاں اُس نے اٹھائیس نمبر کا کمرہ ایک فرضی نام سے بک کرایا۔ کلرک نے سامان کے متعلق پوچھا۔ اس پر فریدی نے کہا کہ سامان اسٹیشن ہی پر رہ گیا ہے۔ ابھی منگوا لیا جائے گا۔ اُس نے پیشگی کرایہ ادا کر کے کمرے کی کنجی لی اور وہ دونوں پھر ڈائننگ ہال میں واپس آ گئے۔

"تم کمرے میں جاؤ.... میں ابھی آتا ہوں۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کس کمرے میں؟ آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟"

"بکواس مت کرو.... جاؤ۔" فریدی اُسے کنجی دے کر زینوں کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

حمید طوعاً و کرہاً زینے طے کرنے لگا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اُسے اب یہ کیس مضحکہ انگیز نظر آنے لگا تھا۔ سلیمہ کی داستان سو فیصدی غپ معلوم ہوتی تھی اور فریدی کا رویہ اُس سے بھی زیادہ مضحکہ انگیز تھا۔ حمید کی دانست میں سب سے زیادہ ضروری امر یہ تھا کہ فریدی سلیمہ کو حراست میں لے لیتا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد حقیقت تو کھل ہی جاتی۔ اُسے یقین تھا کہ اس سازش کا اصلی کار در اصل فریدی ہی تھا اور سازش کا مقصد.... وہ ابھی تاریکی میں تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک حمید کمرے میں فریدی کا انتظار کرتا رہا اور یہ بات تو اُسے کمرے کے قریب ہی پہنچ کر معلوم ہوئی تھی کہ کمرہ ٹھیک سلیمہ کے کمرے کے سامنے واقع ہے۔ لیکن اُس نے صحیح معنوں میں یہ عقل مندی کی کہ سلیمہ کو چھیڑا نہیں۔ کمرہ بند کیے چپ چاپ فریدی کا انتظار کرتا رہا۔

آدھے گھنٹے بعد فریدی ایک آدمی کے ساتھ واپس آیا۔ حمید اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ شہر کا ایک فرسٹ کلاس مجسٹریٹ تھا۔ اُس کی حیرت اور بڑھی۔ اگر فریدی نے یہ سب کچھ اُس

پُراسرار آدمی کے لئے کیا تھا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اُس وقت وہاں آہی جاتا اور پھر اگر اسے سلیمہ کے بیان پر اعتبار ہوتا تب بھی وہ اُسے ایک غیر ضروری اقدام سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ سلیمہ اور وہ پُراسرار آدمی موجودہ حالات میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے تھے۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کی خبر بھی نہ ہوگی.... پھر یہ سب کیا ہے؟ کسی مجسٹریٹ کو ساتھ لے کر بیٹھنا تو اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ فریدی کو اپنے شکار کی آمد کا یقین تھا۔

کچھ دیر بعد مجسٹریٹ کو غسل خانے کی حاجت محسوس ہوئی اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔

حمید نے استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا لیکن پوچھنے سے قبل ہی فریدی آہستہ سے بولا۔ "نکاح بعد میں ہوتا رہے گا فی الحال میں یہ چاہتا ہوں کہ سول میرج ہی ہو جائے۔ اسی لئے مجسٹریٹ صاحب کو تکلیف دی ہے۔"

"کیا مطلب....؟" حمید بوکھلا گیا۔ فریدی کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اتنے میں مجسٹریٹ بھی واپس آگیا حمید کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

تقریباً دو گھنٹے تک وہ اسی طرح بیٹھے رہے۔ پھر اچانک سنسان راہداری میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ بارہ بج چکے تھے اور قرب و جوار کے کمروں کے لوگ شاید سو رہے تھے۔ یکایک کاریڈر کی روشنی بھی غائب ہوگئی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی کمرے کے سامنے آکر رک گیا ہو۔

فریدی نے یکلخت کمرے کے دروازے کھول دیئے۔ کمرے کی روشنی ایک آدمی پر پڑی جو سلیمہ کے کمرے کے دروازے پر جھکا ہوا تھا۔ وہ چونک کر پلٹا۔

لیکن فریدی کے ریوالور کی نال اُس کے سینے کی طرف تھی۔

"خبردار....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

حمید نے اُس آدمی کے ہاتھوں میں سفید دستانے دیکھے۔

"حمید.... اس کے ہاتھ رومال سے باندھ دو۔" فریدی نے کہا۔

وہ تینوں باہر آگئے تھے اور انہوں نے اُس آدمی کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس کے اوسان خطا ہوگئے ہوں۔

جیسے ہی حمید نے اُس کے ہاتھ باندھنے چاہے اُس نے غیر متوقع طور پر جھک کر اُس کے پیٹ میں ٹکر ماری۔ حمید کراہ کر ڈھیر ہوگیا اور وہ اچھل کر بھاگا۔

پھر حمید جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ لیکن فریدی کے رویہ کو دیکھ کر اُس کا دل چاہا کہ ابھی اور اسی وقت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاگل ہوجائے۔ فریدی چپ چاپ کھڑا اُسے بھاگتے دیکھ رہا تھا۔ یکایک کاریڈر کے دوسرے سرے پر اندھیرے میں شور ہونے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کئی آدمی ایک دوسرے سے گتھ گئے ہوں۔

پھر کاریڈر میں روشنی ہوگئی۔ حمید نے دیکھا کہ تین قوی ہیکل جوان اُس داڑھی والے پُراسرار آدمی کو کھینچتے ہوئے اُن کی طرف لا رہے ہیں۔ کمروں کے دروازے کھلنے لگے تھے اور نیند سے چونکے ہوئے لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ سلیمہ بھی دروازہ کھول کر کاریڈر میں نکل آئی تھی۔ وہ اب بھی سکھ ہی کے بھیس میں تھی۔

فریدی نے اُس آدمی کو گریبان سے پکڑ کر سلیمہ کے کمرے میں دھکیل دیا۔ ہوٹل کا ڈیوٹی کلرک بوکھلایا ہوا اُن کی طرف آیا۔

"جاؤ....!" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہاں سے بھیڑ ہٹا دو.... یہ پولیس کیس ہے۔"

پھر سلیمہ کے کمرے کا دروازہ بند ہوگیا۔ داڑھی والا فرش پر اوندھا پڑا ہانپ رہا تھا۔ سلیمہ، حمید اور مجسٹریٹ خاموش کھڑے تھے۔

"سلیمہ اپنے چچا سے ملو....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا....؟" سلیمہ کی چیخ ہذیانی انداز کی تھی۔

"خان بہادر اشرف....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ مجرم خواہ سر ہو خواہ کوئی لارڈ.... ایم۔ پی ہو یا کوئی بلا۔ میں بے دریغ رگڑ دیتا ہوں۔"

"نہیں نہیں.... یہ جھوٹ ہے۔" سلیمہ سسکتی ہوئی بولی۔

باہر راہداری میں اب بھی شور ہو رہا تھا.... کئی بار کمرے کا دروازہ بھی پیٹا گیا۔ شاید انہیں فریدی کے بیان پر یقین نہیں آیا تھا۔

فریدی نے حمید سے کہا۔ "ذرا اس کی ڈاڑھی کھینچ دو تاکہ سلیمہ کو یقین آجائے۔"

اچانک زمین پر اوندھے پڑے ہوئے آدمی کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس کے نیچے بہت سا خون پھیل گیا۔

فریدی بوکھلائے ہوئے انداز میں اُس پر جھک پڑا۔ جلدی سے اُسے سیدھا کیا اور سلیمہ کے منہ سے پھر ایک چیخ نکلی۔ پُراسرار آدمی کے سینے میں ایک خنجر دستے تک پیوست تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک سسکتا رہا اور پھر ٹھنڈا ہوگیا۔

وہ تینوں خاموش کھڑے تھے۔ سلیمہ میز پر سر اوندھا کیے سسک سسک کر رو رہی تھی۔ راہداری میں بدستور شور ہو رہا تھا اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے اب بھی باہر سے دروازہ پیٹا جانے لگتا تھا۔

تقریباً ڈھائی بجے فریدی کوتوالی میں چند اعلیٰ حکام کے سامنے اپنا بیان دے رہا تھا۔ اُس نے پوری داستان دہراتے ہوئے کہا۔ "اس طرح اشرف لڑکی کا خاتمہ کرنے کے بعد اُس کی ملکیت پر بھی قابض ہو جاتا اور پولیس اصل مجرم کی تلاش میں بھٹکتی رہ جاتی۔ میں خود بھی چکر کھاتا رہتا۔ اگر سلیمہ کا نشانہ چوک نہ جاتا۔ اشرف کی اسکیم یہ تھی کہ سلیمہ پُر اسرار حالات میں میرے پاس پہنچائی جائے۔ اور پھر میرے مکان پر بھی حملے کیے جائیں تاکہ مجھے یقین آجائے کہ کچھ نامعلوم آدمی سچ مچ لڑکی کو اغوا کرنا چاہتے ہیں۔ لڑکی کو اس لئے گونگی بنایا گیا تھا کہ میں حالات کی پیچیدگی میں الجھتا ہی چلا جاؤں.... اور پھر کسی دن مجھے لڑکی کی لاش ملے۔ یقین کیجئے.... اگر اشرف اس طرح نہ پکڑا جاتا تو میرے فرشتے بھی اُس کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکتے تھے۔ لڑکی کی موت کے بعد اُس کی لاش کی تصویر اخبارات میں شائع ہوتی تو وہ روتا پیٹتا ہوا کوتوالی میں چلا آتا اور وہی کہانی سناتا جو اُس نے کل مجھے سنائی تھی۔ اور پولیس ایک بار پھر چکر میں پڑ جاتی۔ دستانوں کی بناء پر خیال نواب اختر کی طرف جاتا جس کے انگوٹھوں میں ناخن نہیں ہیں۔ لامحالہ یہ خیال پیدا ہوتا کہ گرمیوں میں دستانوں کے استعمال کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہاتھوں کی کوئی واضح قسم کی پہچان چھپائی جا سکے.... اور اشرف کے ہاتھوں میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ اُس کے ہاتھ بالکل ٹھیک تھے۔ بہر حال دستانوں کا استعمال بھی پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے کیا گیا تھا۔ نواب اختر کے سر کے بال بھی بھورے ہیں اور اشرف نے بھی بھورے ہی بالوں کا استعمال کیا تھا۔ ویسے اُس کے سر پر بال تھے ہی نہیں۔ اس لئے بھیس بدلنے میں اور زیادہ آسانی ہو گئی تھی۔ مگر میک اپ کی داد دینی پڑے گی کہ اُس کی سگی بھتیجی بھی نہ پہچان سکی۔ غالباً وہ آواز بدلنے کا بھی ماہر رہا ہو گا۔"

"مگر وہ بیک ہوٹل میں کیسے پہنچ گیا۔" کسی نے پوچھا۔

"یہ واقعہ بھی دلچسپ ہے۔ جب میں لڑکی کا بیان لے کر ہوٹل سے باہر نکلا تو میرے ذہن میں صرف نواب اختر کی تصویر تھی۔ میں نے کل اُس کے ہاتھوں پر پٹیاں بھی بندھی دیکھی تھیں جن کے لئے اُس نے کہا تھا کہ اُسے اپنے خارش زدہ ہاتھوں سے گھن آتی ہے۔ بہر حال میں نے

ہوٹل سے نکل کر نواب اختر کو فون پر اطلاع دی کہ سلیمہ مل گئی ہے۔ اس پر اُس نے ایک موٹی سی گالی دے کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اُسے لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اُس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ لڑکی ہے کہاں۔ پھر میں نے خان بہادر اشرف کو فون کر کے بتایا کہ سلیمہ مل گئی ہے اور وہ فلاں ہوٹل کے فلاں کمرے میں ایک سکھ کے بھیس میں مقیم ہے۔ اشرف نے چھوٹتے ہی پوچھا کہ میں کہاں سے بول رہا ہوں.... اچانک ایک نئے شبہے نے میرے ذہن میں سر ابھارا اور میں نے تجربے کی ٹھان لی۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں اپنے گھر سے بول رہا ہوں۔ بہت تھک گیا ہوں اور اب سوؤں گا۔ وہ کافی دیر تک فون پر کٹ حجتی کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ مجھے اُس کی خاطر تھوڑی سی تکلیف کر کے ہوٹل تک پہنچنا چاہئے۔ لیکن میں نے صاف انکار کر دیا۔ میں نے کہا تم جانو اور تمہاری پاگل بھتیجی جانے۔ پھر میں نے سلسلہ منقطع کر کے اپنے ایک نوکر کو فون کیا اور اُسے ہدایت کر دی اگر کوئی مجھے یا حمید کو پوچھتا ہوا آئے تو اُس سے کہہ دے کہ ہم دونوں تھکے ہوئے سو رہے ہیں اور ہمیں کسی حال میں بھی جگایا نہیں جا سکتا۔ بہر حال اُس سے نپٹ کر میں نے مسٹر بسواس مجسٹریٹ کو جو ہوٹل کے قریب ہی رہتے ہیں سارے حالات سے آگاہ کیا اور انہیں اپنے ساتھ ہوٹل تک لایا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا اندازہ غلط نہیں نکلا.... نوکر سے ابھی کچھ دیر قبل میں نے فون پر معلوم کیا ہے کہ خان بہادر اشرف فون کرنے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد میری کوٹھی پر پہنچا تھا:... لیکن نوکروں نے وہی دہرایا جس کے لئے انہیں ہدایت کی گئی تھی۔"

ضابطے کی کاروائیوں کے اختتام پر فریدی اور حمید گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔" حمید پائپ سلگاتا ہوا بولا۔ "میں ڈر رہا تھا کہ کہیں آپ شاہینہ کی بلیک میلنگ والا واقعہ بھی نہ دہرا چلیں۔"

"وہ ایک بالکل الگ چیز تھی۔ وہ تو محض مجھے اُلو بنانے کے لئے کیا گیا تھا تاکہ مجھے یقین آجائے کہ وہ پُر اسرار آدمی بلیک میلر بھی ہے یعنی وہ خان بہادر اشرف نہیں ہو سکتا۔ بھلا اشرف کی کو بلیک میل کیوں کرنے لگا۔ اُسے اگر دلچسپی ہو سکتی ہے تو صرف اپنے بھائی کی جائیداد سے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اُس نے بڑی ذہانت سے اپنا لائحہ عمل مرتب کیا تھا۔ کھیل صفدر نے بگاڑ دیا۔ اگر وہ سلیمہ کی گولی سے مر جاتا تو.... ہم اس نتیجے پر نہ پہنچتے۔ ہم اُس پر اسرار آدمی کو دو حیثیتوں سے تلاش کرتے۔ ایک حیثیت سلیمہ کے ہمدرد کی ہوتی اور دوسری حیثیت ایک بلیک میلر کی۔ ہم اسی میں الجھے رہ جاتے اور وہ اپنا کام کر گذرتا.... یعنی سلیمہ کا قتل.... صفدر اور شیکھر کو تو وہ ہر حال میں

ٹھکانے لگا دیتا.... تاکہ وہ بھی اُس کی کہانی سنانے کے لئے زندہ نہ رہیں۔"

"پہلے میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ہمارے کسی دشمن نے ہمارے خلاف کسی سازش کا جال پھیلایا ہے۔" حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر حمید نے پوچھا۔ "وہ تینوں آدمی کون تھے جنہوں نے ہوٹل کی راہداری میں اُسے پکڑا تھا۔"

"وہ میری بلیک فورس کے تین سپاہی تھے۔ میں نے انہیں ابھی فون کر کے بلا لیا تھا۔"

"آہا.... خوب یاد آیا.... اور وہ لڑکی.... جو سلیمہ کا تعاقب کر رہی تھی.... کتھئی اسکرٹ والی۔"

"حمید صاحب.... اُس کا تعلق بھی میری بلیک فورس سے ہے۔"

"کیا....؟" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

"جی ہاں.... اُس میں ایک نہیں کئی لڑکیاں ہیں۔"

"ارے تو پھر مجھے بھی شامل کر لیجئے نا اپنی بلیک فورس میں ہائے ہائے۔" حمید سینہ پیٹتا ہوا بولا۔

"بلیک فورس میں سرکاری آدمی نہیں لیے جاتے۔"

"بھلا کیوں لیے جانے لگے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیونکہ ایک سرکاری آدمی اُس غیر سرکاری فورس کا بلیک کرنل ہے اور غیر سرکاری لڑکیوں پر دست شفقت پھیرتا ہے۔ کیونکہ سرکاری طور پر تو لڑکیاں سپلائی ہونے سے رہیں.... ہاہا.... زندہ باد.... بھلا آپ کیوں نہ شادی سے متنفر رہیں.... جسے چھپڑ پھاڑ کر ملتی ہوں اُسے شادی کی کیا ضرورت.... ہاہا.... پاگل ہے.... حمید سالا.... پاگل ہے۔"

سچ مچ حمید پاگلوں ہی کی طرح غل غپاڑہ مچانے لگا اور فریدی نے بایاں ہاتھ اُس کی گردن میں دے کر منہ دبا لیا۔

ختم شد

ابنِ صفی

لد نمبر
15

جاسوسی دنیا

45- خونی بگولے

46- لاشوں کا سوداگر

47- ہولناک ویرانے

48- لیونارڈ کی واپسی

حادثہ

لڑکال جنگل میں درخت کاٹنے والے مزدوروں نے اس انوکھے مزدور کو آج بھی حیرت سے دیکھا جو سر جھکائے بڑی مستعدی سے ایک درخت کے موٹے سے تنے پر کلہاڑا چلا رہا تھا۔ وہ روز ہی اسے حیرت سے دیکھتے تھے۔ پچھلے ایک ماہ سے وہ ان کے ساتھ کام کر رہا تھا لیکن اس دوران میں وہ شاید ہی کسی سے مخاطب ہوا ہو۔ کام شروع کرتے ہی وہ اس طرح درختوں پر پل پڑتا تھا جیسے صرف کلہاڑا ہی چلانے کے لئے پیدا ہوا ہو۔

عام قاعدہ تھا کہ ایک درخت پر بیک وقت دو مزدور کام کرتے تھے لیکن اس نے آج تک کسی مزدور کو اپنا ساتھی نہیں بنایا تھا۔ ایک درخت پر تنہا کام کرتا تھا لیکن پھر بھی اس کے درخت گرانے کا اوسط دوسروں سے ہمیشہ زیادہ ہوتا تھا۔ دوپہر کو جب دوسرے کھانا کھا کر آرام کرتے اس وقت بھی اس کا کام جاری رہتا۔ دوسرے مزدوروں نے آج تک اسے دوپہر کا کھانا کھاتے ہی نہیں دیکھا تھا۔

وہ ایک قوی ہیکل دراز قد جوان تھا۔ جلد کی رنگت سرخ و سفید، کشادہ پیشانی ڈاڑھی مونچھیں صاف، ایسا صاف ہوتا تھا جیسے وہ روزانہ شیو کرنے کا عادی ہو۔ اس کے دودھ جیسے شفاف پیر اس پر دلالت کرتے تھے کہ شاید ہی کبھی اپنی ساری عمر میں ننگے پیر چلا ہو۔ بہر حال اس کا تعلق مزدور طبقے سے نہیں معلوم ہوتا تھا۔

سپروائزر اس سے بہت خوش تھا لیکن اس لئے نہیں کہ وہ کام بہت تیز کرتا تھا بلکہ اس کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ وہ مزدور اپنی مزدوری کی آدھی اجرت بڑے سعادت مندانہ انداز میں اس

کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا۔ پھر ایسی صورت میں سپروائزر کو کیا پڑی تھی کہ وہ اس کے متعلق کچھ جاننے کی کوشش کرتا ورنہ اس کے لئے بھی مزدور کی شخصیت بڑی پُراسرار تھی اس نے سینکڑوں بار رات کا کھانا کھا چکنے کے بعد بیڑی سلگا کر اس عجیب و غریب مزدور کے متعلق بہت کچھ سوچا تھا۔ وہ اکثر اپنے بیوی بچوں میں بھی اس کا تذکرہ کرتا اور اس کی منجھلی لڑکی جو ساتویں جماعت کی طالبہ تھی، بڑے جوش سے کہتی۔

"دیکھ لینا بابا.... میری بات یاد رکھنا.... وہ یقیناً کسی ریاست کا کوئی پاگل شہزادہ ہے.... جو اپنے گھر والوں سے روٹھ کر یہاں چلا آیا ہے.... ایک دن اس کے نوکر چاکر اسے ڈھونڈتے ہوئے.... اِدھر آنکلیں گے اور اسے فوجیوں کے سے انداز میں سلیوٹ کریں گے.... تب بابا۔"

بوڑھا سپروائزر مسکرا کر خاموش ہو جاتا اور اس کی دھندلی آنکھیں ماضی میں جھانکنے لگتیں۔ اسے اپنا بچپن یاد آ جاتا۔ جب وہ بھی اس قسم کی رومانی شہزادیوں کے خواب دیکھا کرتا تھا۔

اور پھر جب اس کی لڑکی ضد کرتی کہ وہ بھی اس مزدور کو دیکھے گی تو وہ اسے قہر آلود نظروں سے گھور کر بیڑی کے کش پر کش لینے لگتا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کی لڑکی نے اسے کوئی گندی سی گالی دے دی ہو۔

آج سپروائزر نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس مزدور سے اس کے متعلق ضرور پوچھے گا۔ وہ ٹہلتا ہوا اس کی طرف جا نکلا۔ مزدور بڑے انہماک سے درخت کے تنے پر کلہاڑا چلا رہا تھا اس کے سنہرے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" سپروائزر ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا اور مزدور کا کلہاڑا اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔ پھر وہ اسے زمین پر ٹیک کر سپروائزر کی طرف مڑا۔

اچانک سپروائزر کو ایسا محسوس ہوا جیسے مزدور کی وحشت زدہ آنکھوں سے ایک برقی رو نکل کر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی ہو۔ وہ بوکھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

لیکن پھر بھی اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ حیرت انگیز طور پر ہلکا ہو گیا ہو۔ اتنا ہلکا کہ ہوا کا ایک جھونکا بھی اس کے پیر زمین سے اکھاڑنے کے لئے کافی ہو گا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" مزدور نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ہم.... میں....!" سپروائزر ہکلایا۔ "یہی کہ تم.... کون ہو؟"

"میں ایک مزدور ہوں۔"

سپروائزر چند لمحے بغلیں جھانکتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "لیکن تم مزدور نہیں معلوم ہوتے۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔" مزدور مسکرا کر بولا۔

سپروائزر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کہے۔ اسے اس وقت اپنی لڑکی کی شہزادے والی بات یاد آگئی تھی۔

"تم کسی اچھے خاندان کے معلوم ہوتے ہو۔" سپروائزر نے بہت سوچ کر کہا۔

"یہ بھی میرا اپنا قصور نہیں۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔" سپروائزر نے کہا لیکن اس دوران میں ایک بار بھی اس نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کی۔

وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا پھر ہٹ آیا۔ مزدور نے اپنا کام پھر شروع کر دیا۔

"کچھ بھی ہو۔" سپروائزر نے اپنے دل میں کہا۔ "میں آج اس کا تعاقب ضرور کروں گا۔"

قریب ہی کے درخت کا ایک مزدور اپنا کام چھوڑ کر سپروائزر کے پیچھے لگ گیا۔

"کیوں....؟ کیا بات ہے....؟" سپروائزر کچھ دور جانے کے بعد پلٹ پڑا۔

"ار.... کچھ نہیں صاحب.... میں نے سوچا.... نہ جانے آپ کیا باتیں کر رہے ہوں۔"

"کیوں.... تم سے مطلب....؟"

"بات یوں ہے سرکار.... اپن کو کچھ گھٹالا جان پڑے ہے۔"

"کیا گھٹالا....؟"

"پتہ نہیں.... پر ہے کچھ گڑبڑ۔"

"جاؤ.... اپنا کام کرو۔" سپروائزر جھلا کر بولا۔

دوسری طرف سے وہ انوکھا مزدور ان سب سے بے نیاز اپنے کام میں بھڑا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ رکنا ہی نہ جانتے ہوں۔ ہر ضرب پر اس کے بازوؤں کی مچھلیاں ابھرتیں اور سینے کے مسلز تنتے اور پھر ڈھیلے ہو جاتے۔

اس کا سارا جسم پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اس کا احساس ہی نہ ہو۔

دن بھر جنگل میں کلہاڑوں کی آوازیں گونجتی رہیں۔ پھر شام کو اس جھونپڑی سے چھٹی کا

گھنٹہ بجایا گیا۔ جہاں سپروائزر دن بھر تاش کھیلا کرتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں پرندوں کے شور کے علاوہ اور ساری آوازیں دب گئیں۔ مزدور جھونپڑی کے گرد اکٹھا ہو کر اپنی دن بھر کی کارگذاریوں کا اندراج کرانے لگے۔ مگر وہ انوکھا مزدور ان سب سے الگ تھلگ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا افق میں گھور رہا تھا۔ جب سب جا چکے تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور جھونپڑی کے قریب آکر اپنے کام کی تفصیل لکھانے کے بعد اسی راستے پر چل پڑا جس سے سارے مزدور گذرے تھے۔

جب وہ کافی دور نکل گیا تو سپروائزر نے بھی اپنے کاغذات سنبھالے اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔

مزدور اپنی دھن میں مست چلا جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی مڑ کر پیچھے نہ دیکھا پھر ان کے درمیان شاید پچاس گز کا فاصلہ رہ گیا۔

بوڑھے سپروائزر نے ربر سول کے جوتے پہن رکھے تھے اس لئے اس کے قدموں کی آواز زیادہ دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

وہ اس سڑک پر آگئے جو لڑکال جنگل کے وسط سے گذرتی تھی۔ سپروائزر کچھ دور تک سڑک پر چلتا رہا پھر سڑک کے نیچے اُتر کر درختوں کی آڑ لے کر چلنے لگا۔

تعاقب جاری رہا۔

حتیٰ کہ مزدور سڑک کے دوسرے سرے پر رک گیا۔ آگے میدان تھا لیکن درمیان میں ایک چھوٹا سا خشک نالہ پڑتا تھا جس کے گرد و بیش قدِ آدم جھاڑیاں تھیں۔ مزدور ادھر اُدھر دیکھ کر جھاڑیوں میں گھس گیا۔

سپروائزر کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ وہ جہاں تھا وہیں رُک گیا۔

جھاڑیاں ہل رہی تھیں اور یہ اس بات کا مکمل ثبوت تھا کہ مزدور ابھی تک وہیں موجود ہے۔

تقریباً دس منٹ بعد سپروائزر نے جھاڑیوں میں کسی موٹر سائیکل کا پہیہ دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل کر رہ گئیں۔

اب اسے مزدور کون کہہ سکتا تھا۔

اس کے جسم پر نہایت نفیس قسم کا سوٹ تھا اور وہ موٹر سائیکل کو دھکیلتا ہوا جھاڑیوں سے باہر نکل رہا تھا۔

پھر موٹر سائیکل میدان میں فراٹے بھرنے لگی۔

اور سپر وائزر اسے افق کے دھندلکوں میں گم ہوتے دیکھتا رہا۔

کرنل فریدی کے اسسٹنٹ کیپٹن حمید پر آج کل شیطنت کا بھوت سوار تھا۔ جب شرارت حد سے گذر جائے تو اسے شیطنت ہی کہا جاسکتا ہے۔

اس نے آج سر شام ہی گرانڈیل احمق قاسم کو پکڑ لیا تھا اور پہلے تو اسے متعدد ہوٹلوں کے چکر کھلاتا رہا پھر ایک بار میں لے جاکر خوب اچھی طرح پلادی۔

قاسم شراب سے اسی طرح بدکتا تھا جیسے سانپ نیولے سے یا نیولا سانپ سے.... چونکہ ایک بار اسی سلسلے میں اس کے باپ کے ہاتھوں اس کی مرمت عمل میں آچکی تھی اس لئے وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

لیکن آج وہ پھنس ہی گیا۔

بار کا سائن بورڈ دیکھ کر وہ پہلے ہی ٹھٹکا تھا۔ مگر حمید نے کہا۔ ”پئیں گے تھوڑا ہی بس یونہی.... بات یہ ہے کہ لڑکیاں یہیں ٹکراتی ہیں۔“

اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ بار میں داخل ہوتے ہی حمید کی ایک پرانی شناسا اینگلو انڈین لڑکی مل گئی۔ وہ تنہا تھی۔ اس لئے خود ہی ان دونوں کے پیچھے لگ گئی وہ کچھ اسی قسم کی لڑکی تھی۔ دن بھر کسی آفس میں ٹائپسٹ کے فرائض انجام دیتی تھی اور شام کی تفریح کا بار کسی شناسا کی جیب پر ڈال دیتی تھی۔

وہ ایک خالی میز کے گرد جا بیٹھے۔

”آج ملے ہو اتنے دنوں بعد۔“ لڑکی حمید سے بولی۔

”اس خوشی میں کیا پیئو گی....؟“

”وہ تو بعد کی بات ہے....“ لڑکی قاسم کو نیچے سے اوپر اور دائیں سے بائیں تک دیکھتی ہوئی بولی۔

”آپ کی تعریف....؟“

”آپ قاسم دیوزاد ہیں۔“

لڑکی شاید دیوزاد کو قاسم کی کنیت سمجھی۔ اس لئے اس نے بڑی سنجیدگی سے اپنا ہاتھ اس کی

طرف بڑھا دیا اور حمید نے کہا۔

”آپ مس پی کاک ہیں۔“

”ب.... بڑی خو.... او.... شی.... ہو.... او.... ئی۔“ قاسم مصافحہ کرتے وقت ہکلایا۔

”تم ہمیشہ دوسروں کا مذاق اڑانے پر تلے رہتے ہو۔“ لڑکی تنک کر بولی۔ ”نہیں جناب میرا نام یلیا مور ہے۔“

”میں نے مور کا ترجمہ کردیا تھا۔“ حمید نے کہا۔ ”ہماری زبان میں مور ایک پرندے کو کہتے ہیں اور وہی پرندہ انگریزی میں پی کاک کہلاتا ہے۔“

”تو پھر میں اٹھ جاؤں۔“ لڑکی جھلا کر بولی۔

”ان سے پوچھئے!“ حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اس وقت میزبان یہ ہیں۔“

قاسم کی سانس پھولنے لگی اور زبان خشک ہو کر تالو سے چپک گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ حمید کے اس جملے پر اسے کیا کہنا چاہئے۔ وہ خواہ مخواہ کھانسنے لگا۔

لڑکی اٹھنے لگی۔ لیکن حمید نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”یہ ناممکن ہے۔“ اس نے کہا۔ ”قاسم کو بہت رنج ہوگا۔“

”جی ہاں.... جی ہاں....!“ قاسم بوکھلا کر بولا اور پھر کھانسنے لگا۔ حالانکہ شاید اسے ہفتوں سے کھانسی نہیں آئی تھی۔

لڑکی بیٹھ گئی۔

حمید نے پھر کہا۔ ”سمجھ میں نہیں آتا کہ تم آج کل اتنی تنک مزاج کیوں ہوگئی ہو؟“

”میں نے بہت دیر سے پی نہیں۔“ لڑکی بولی۔

”اوہ.... اچھا.... خیر.... میں تو پی نہیں سکوں گا۔“ حمید نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ ”کیونکہ آج کل میرا گلا خراب ہے ڈاکٹر کی رائے ہے کہ میں کچھ دنوں کے لئے شراب بالکل چھوڑ دوں.... ویسے قاسم تمہارا ساتھ دیں گے۔“

”مم.... مخ....!“ قاسم حلق کے بل ہکلا کر رہ گیا۔

”اچھا.... میں ابھی آئی....“ لڑکی نے کہا اور اٹھ کر دوسری میز پر چلی گئی جہاں سے اس کے کسی شناسا نے اسے اشارہ کیا تھا۔

"یہ کیا گھٹالا کر رہے ہو حمید بھائی۔" قاسم تھوک نگل کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیسا گھٹالا....؟" حمید اسے گھورنے لگا۔

"میں تو ہرگز نہ پیئوں گا۔"

"ابے چپ اُلو.... وہ تجھے نرا.... ڈیوٹ سمجھے گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے.... مگر....!"

"دیکھو بیٹا.... اب مجھ سے کبھی نہ کہنا کہ کسی لڑکی سے تعارف کرادو۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ارے سنو تو حمید بھائی۔"

"میں کچھ نہیں سنتا۔" حمید نے اپنے لہجے میں کرختگی قائم رکھتے ہوئے کہا۔ "تعارف اینگلو انڈین لڑکیوں سے چاہتے ہو اور حرکتیں دیہاتیوں جیسی کرتے ہو۔"

قاسم نے کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکا۔

حمید کی بکواس جاری رہی۔ "یہ لڑکیاں پیکڑ قسم کے آدمیوں کو بہت پسند کرتی ہیں۔ اور ہاں دیکھو! پیتے وقت بُرے بُرے سے منہ نہ بنانا ورنہ اناڑی سمجھے گی اور اس سے دو چار پگ آگے ہی رہنا۔ خبردار یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ تم کیپٹن حمید کی سوسائٹی کے لائق نہیں ہو۔"

"مم.... مگر.... میں پھر کیسے گھر جاؤں گا۔" قاسم نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ابے گھر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے.... میں تم دونوں کو گرینڈ ہوٹل میں ایک کمرہ دلوادوں گا۔"

"ارے باپ رے....!" قاسم نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پہلو بدلا۔

"کیوں....؟"

"کُس.... نہیں....!" قاسم کی زبان پھر لڑکھڑانے لگی۔

"بس بس خاموش.... وہ آرہی ہے۔"

قاسم جلدی سے سیدھا ہو کر پتھر کے بت کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خلاء میں گھور رہا تھا اور اس کی سانس اس طرح پھول رہی تھی جیسے وہ کسی پہاڑ پر چڑھتے چڑھتے رک کر

دم لینے لگا ہو۔

لڑکی آکر بیٹھ گئی۔

حمید نے بیرے کو اشارہ سے بلا کر کہا۔ "وہسکی.... دو جگہ.... اور صاحب کے گلاس میں تین بڑے پگ ڈالنا....!"

"تین بڑے پگ....؟" لڑکی نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں یہ ہمیشہ تین پگ سے شروع کرتے ہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا اور قاسم مضطربانہ انداز میں پہلو بدلنے لگا۔

لڑکی نے ایک بار پھر اس کے ڈیل ڈول کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ضرور شروع کرتے ہوں گے۔"

"کل ہی میرے سامنے ایک نشست میں اسکاچ کی دو بوتلیں صاف کر گئے تھے۔"

"تم نے ان کی مکمل تعریف نہیں کی۔" لڑکی نے کہا۔

"خان بہادر عاصم کا نام سنا ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں!"

"یہ جونیئر مسٹر عاصم ہیں۔"

"آہا....!" لڑکی کی مسرت آمیز چیخ کمرے میں گونج اٹھی۔

اتنے میں ویٹر واپس آگیا۔

گلاس میز پر رکھ دیئے گئے۔

"آپ سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی۔" لڑکی نے قاسم سے کہا۔ "مگر آپ اتنے خاموش کیوں ہیں؟"

"نشہ اکھڑا ہوا ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

اور قاسم بدحواسی میں پورا گلاس ایک ہی سانس میں صاف کر گیا۔ پھر گلاس کو میز پر پٹخ کر جلدی سے ہونٹوں پر رومال رکھ لیا تاکہ اس کا بگڑا ہوا منہ لڑکی کو نظر نہ آسکے۔

لڑکی اسے اور زیادہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

"واقعی کمال ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی اور اپنا گلاس اٹھا کر چسکیاں لینے لگی۔

حمید نے اپنے لئے کافی کا آرڈر دیا۔

ادھر خاموشی سے شراب کے دور چلتے رہے۔ نویں پگ پر قاسم کی کھوپڑی آؤٹ ہو گئی۔

ادھر لڑکی بھی اپنا دھاکڑ پن دکھانے کے لئے پگ پر پگ طلب کر رہی تھی۔ قاسم کے نویں پگ پر اس کا پانچواں تھا اور اب وہ بھی بڑی شدت سے بہکنے لگی تھی۔

"گرے.... گرے.... گرینڈ ہوٹل.... ہی ہی ہی۔" قاسم نے حمید کے چہرے کے سامنے انگلی نچائی۔

حمید نے بیرے کو بلا کر بل طلب کیا اور قاسم کی جیب سے پرس نکال کر قیمت ادا کی۔

تھوڑی دیر بعد وہ انہیں اپنی کار میں ڈالے ہوئے اندھا دھند ایک طرف اڑا جا رہا تھا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر تھے۔ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں کسی بھینسے کی طرح ڈکرا رہا تھا۔ "ابھی کمسن ہوں.... بغلم.... جوان ہونے دے.... ابے کمسن ہوں بغلم....!"

مگر کار گرینڈ ہوٹل کی طرف جانے کی بجائے قاسم کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ قاسم بڑی موج میں تھا اور لڑکی سے اردو میں گفتگو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکی اس کے دیو جیسے قد و قامت کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔ وہ اچھل کود بھی رہی تھی۔ لیکن قاسم بے حس و حرکت پڑا تھا۔ البتہ اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔

"حمید بھائی....!" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ "کیا پرواہ ہے.... روپے پانی کی طرح بہاؤ میرے نام چار لاخ خا بینک بیلنس ہے.... ہینہ.... ہی ہی ہی۔"

حمید چپ رہا۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے ایک سازش کی کڑیاں مرتب کر رہا تھا۔ ادھر ان دونوں کا نشہ ٹھنڈی ہوا لگنے سے زیادہ گہرا ہو گیا اور ان کی آوازیں آہستہ آہستہ دبتی گئیں۔ حتیٰ کہ وہ گہری نیند سو گئے۔

پھر گاڑی قاسم کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ دو نوکر کار کے قریب آئے۔

"بیگم صاحب کو بلاؤ۔" حمید نے ان سے کہا۔

"مگر بیگم صاحب....!" ایک نوکر بولا۔

"جاؤ.... کہہ دینا حمید صاحب ہیں۔"

نوکر چلے گئے۔ حمید وہیں کار کے قریب کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد قاسم کی بیوی آگئی۔

"کیوں حمید بھائی.... کیا بات ہے۔ آپ اندر کیوں نہیں آئے؟" اس نے پوچھا۔

"بس یونہی.... مجھے دو پارسل ڈیلیور کرنے ہیں۔" حمید نے کہا اور سوئچ دبا کر کار کے اندر روشنی کرتا ہوا بولا۔ "ادھر دیکھئے۔"

قاسم کی بیوی بوکھلا گئی۔

"یہ کک.... کیا...."

"آپ کے شوہر ارجمند کے کرتوت.... اگر اتفاق سے میں نہ پہنچ جاتا تو اس وقت یہ دونوں حوالات میں ہوتے۔"

اچانک قاسم نے آنکھیں بند کئے ہوئے ہانک لگائی۔ "ابھی کمسن ہوں بغلم.... ہیں.... ہیں.... ہیں.... ہیں....!"

چند لمحے خاموشی رہی پھر قاسم کی بیوی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "کوئی شرارت تو نہیں حمید بھائی۔"

"شرارت.... واہ یہ اچھی رہی۔ نیکی بھی کیجئے اور گالیاں بھی کھائیے۔ اگر شرارت ہوتی تو میں بھی اسی حال میں ہوتا۔ میرا منہ سونگھ لیجئے۔ میں شرارت پر ستر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔"

"تو پھر یہ آپ کو کہاں ملے؟"

"سڑک پر.... ان کے گرد بھیڑ اکٹھا تھی اور یہ سور قاسم مسخرہ پن کر رہا تھا۔ میں نہ پہنچتا تو بند کر دیئے جاتے بیٹا۔"

"لیکن آپ اس حرام زادی کو کیوں لائے؟"

"جہاں حرام زادہ وہیں حرام زادی.... آخر اس بے چاری کو کہاں چھوڑتا اسے بھی قاسم ہی نے پلائی ہوگی۔"

"مجھے یقین نہیں آتا....!"

"یقین آئے نہ آئے....!" حمید بگڑ کر بولا۔ "میری گاڑی خالی کرائیے۔"

قاسم کی بیوی نے دور کھڑے ہوئے نوکروں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "چلو۔"

پانچ نوکروں نے قاسم کو کار سے نکالا اور اسے لادے ہوئے بدقت تمام عمارت کی طرف چلے۔

"اور یہ.... اسے آپ جہاں دل چاہے لے جائیے۔" قاسم کی بیوی نے لڑکی کی طرف

اشارہ کر کے کہا۔

"میں کہاں لے جاؤں.... نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ نے مجھے کوئی لفنگا سمجھا ہے.... واہ بھئی۔"

"تو میں کیا کروں گی؟"

"میں بتاؤں.... اسے قاسم کے اوپر لٹا کر پٹرول چھڑکئے اور آگ لگا دیجئے۔ سمجھیں آپ۔"

"ہونا تو یہی چاہئے۔" قاسم کی بیوی نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ راستے میں کم بختوں نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دیں۔ مگر قاسم گاتا اچھا ہے۔ کبھی آپ نے بھی سنا....؟ گا رہا تھا.... ابھی کمسن ہوں بالم جوان ہونے دے۔"

"بس ختم کیجئے۔" قاسم کی بیوی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "اچھا شب بخیر۔"

"ارے واہ.... کیا میں الو ہوں۔" حمید نے کہا اور مدہوش لڑکی کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے کار سے کھینچ لیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی منمناہٹ نکلی اور بس.... دوسرے لمحے میں حمید اسے زمین پر ڈال چکا تھا۔

"اب کہئے شب بخیر....!" وہ کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

"سنئے تو سہی۔"

"قاسم کو سنانے کیلئے بھی کچھ رکھئے۔ ٹاٹا....!" کار فراٹے بھرتی ہوئی پھاٹک سے نکل گئی۔

حمید یہ حرکت کر تو گذرا تھا مگر سوچ رہا تھا کہ قاسم اگلی ملاقات میں اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ مگر پھر وہ کرتا بھی کیا۔ سبق تو دینا ہی تھا۔ قاسم اسے اکثر بور کرتا رہتا تھا کہ کسی لڑکی سے تعارف کرادو۔ چنانچہ آج اس نے اس پر رحم کھا کر اچھی طرح تعارف کرا دیا تھا اور رہ گئی لڑکی تو اس کا دھندہ یہی تھا۔

گھر پہنچ کر حمید کپڑے اتار ہی رہا تھا کہ اس نے فریدی کی خواب گاہ کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ وہ باہر نکل آیا کیونکہ اسے اپنی اس کارگذاری کی رپورٹ فریدی کو بھی دینی تھی۔ لیکن فریدی کو دیکھ کر وہ بے ساختہ چونک پڑا۔ وہ کمرے کے دروازے پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا لباس خون سے تر تھا۔ چہرے پر خراشیں تھیں اور کپڑوں پر پھیلا ہوا خون شاید سر سے بہا تھا۔

قاسم کی درگت

فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ حمید بوکھلا کر آگے بڑھا۔

"فکر مت کرو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"لیکن ہوا کیا....؟"

"واقعہ.... حادثہ.... جو چاہو سمجھ لو۔"

اتنے میں نوکر بھی وہیں آکر اکٹھا ہو گئے۔ فریدی ان کی طرف مڑ کر بولا۔

"نصیر.... اوپر سے فرسٹ ایڈ بکس لاؤ۔"

نصیر دوڑتا ہوا چلا گیا۔ فریدی نے بقیہ نوکروں سے کہا۔ "تم جاؤ اپنے کام دیکھو۔"

"آخر یہ ہوا کیسے....؟" حمید نے پوچھا۔

"جو کچھ بھی ہوا.... اندھیرے میں ہوا۔ میں بے خبر تھا۔ لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔"

"پھر اور کس طرح کامیابی ہوتی؟"

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "وہ بلیاں نہیں تھیں حمید صاحب۔ آدمی تھے اور جب آدمی اندھیرے میں حملہ کرتے ہیں تو ان کا مقصد کان سہلانا نہیں بلکہ مار ڈالنا ہوتا ہے۔"

"کون لوگ تھے؟"

"ارے تمہاری کھوپڑی گردن ہی پر ہے یا کہیں اور۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "اگر یہی معلوم ہو جاتا تو کیا تم مجھے اس وقت یہاں دیکھتے؟"

حمید خاموش ہو گیا۔ فرسٹ ایڈ کا سامان آگیا تھا۔

اس نے سر کا زخم صاف کر کے ڈریسنگ کر دی۔ چہرے کی خراشیں فریدی کے کہنے پر یونہی رہنے دیں۔

"ذرا کافی کے لئے کہہ دو۔" اس نے آرام کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئے حمید سے کہا۔

حمید نے نوکر کے لئے گھنٹی بجائی اور پھر فریدی کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

فریدی نے ایک سگار سلگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں نوکر آگیا۔ حمید اس سے کافی کے لئے کہہ کر خود بھی پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے آنکھیں کھولیں۔ چند لمحے میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔ "مجھے خود بھی حیرت ہے کہ میں انجانے حملوں سے کس طرح بچ جاتا ہوں۔"

"آپ تھے کہاں....؟" حمید نے پوچھا۔

"لڑکال جنگل اور شہر کے درمیان۔"

"لڑکال جنگل کیوں....؟" حمید چونک پڑا۔

"بس یونہی.... میں آج کل درخت کاٹنے کی مشق کر رہا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"اس حملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ فضول سوالات کرکے بھیجا مت چاٹو۔" حمید پھر خاموش ہو گیا اور فریدی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

کچھ دیر کے بعد وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہم اٹھائیس تاریخ کو جنوبی امریکہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں نا۔"

"اب میں سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر وہ کون ہو سکتا ہے۔ سنگ ہی[1] یا وہ امریکن ماہر آثارِ قدیمہ....!"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ امریکن تو سنگ ہی کی گرفتاری کے بعد ہی یہاں سے چلے گئے تھے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کا ذہن ماضی کے دھندلکوں میں بھٹکنے لگا تھا۔ ایلپوم پہاڑ کی چوٹی پر پانچ سو سال سے برف میں بیٹھی ہوئی شہزادی۔ کیپٹن لوتھر اور سنگ ہی نے جس کی لاش دریافت کی تھی اور وہ دونوں اس مردہ شہزادی کا ایک زیور اتار لائے تھے۔ اس زیور کے لئے ایک اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ کئی جانیں تلف ہو گئی تھیں۔ مرنے والوں کے چہروں پر ابھری ہوئی لکیریں پائی جاتی تھیں.... نیلے رنگ کی لکیریں.... ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق موت انہیں لکیروں کی وجہ سے واقع ہوئی تھی اور پھر فریدی نے جب اصل مجرم کو پکڑا تو ایک بہت بڑے راز کا انکشاف ہوا۔ ورنہ بادی النظر میں اس زیور کی کوئی وقعت نہ تھی۔ وہ چاندی کا ایک معمولی سا زیور تھا۔ وقعت دراصل اس تصویری تحریر کی تھی، جو اس زیور کے اوپری خول پر کندہ تھی۔ زیور کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے نزدیک وہ تحریر دراصل انکا نسل کے بادشاہوں کے

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "نیلی لکیر" جلد نمبر 14 ملاحظہ فرمائیے۔

خزانے کا سراغ تھی۔ حقیقت خواہ کچھ بھی رہی ہو مگر ان لوگوں کے جوش و خروش کی بناء پر شہر میں سنسنی ضرور پھیل گئی تھی۔

پھر فریدی نے مجرم کو پکڑ لیا.... لیکن وہ ایک سب انسپکٹر کو جان سے مار کر صاف نکل گیا۔ زیور فریدی کے ہاتھ آ گیا تھا اسے سرکاری خزانے میں رکھ دیا گیا کیونکہ وہ ایک غیر ملک کی امانت تھی۔ قاعدے کی رو سے اُسے جنوبی امریکہ کے ملک چلی کی حکومت کے سپرد کر دینا چاہئے تھا۔ چیز چونکہ نزاعی تھی اس لئے حکومت نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے کوئی ذمہ دار آدمی چلی تک پہنچا دے۔ لہٰذا یہ بار اس شخص کے کاندھوں پر ڈالا گیا جس نے اسے سنگ ہی جیسے خطرناک آدمی سے حاصل کیا تھا.... اور اب جب کہ فریدی کی روانگی ایک ہفتے کے بعد ہونے والی تھی.... کسی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا.... لیکن آخر اب....؟

حمید کا ذہن ماضی کی ڈھلوان میں پھسلتے پھسلتے یک بیک موجودہ گتھیوں سے آٹکرایا۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ حملہ چھ ماہ بعد کیوں ہوا۔ کیا سنگ ہی ابھی تک یہیں مقیم تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ زیور کئی دنوں تک ان کے پاس رہا تھا، سنگ ہی نے اس پر پائی جانے والی تحریر ضرور نقل کر لی ہو گی۔ لہٰذا اس کے بعد چاندی کے اس حقیر زیور کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی۔ پھر ایسی صورت میں تو اسے خزانے کی تلاش میں روانہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ آخر وہ اسکے بعد بھی یہاں کیوں رکا رہا۔

"کیا سوچ رہے ہو....؟" وہ فریدی کی آواز پر چونک پڑا۔

"سنگ ہی کے متعلق....!" حمید نے کہا۔

"چھوڑو بھی۔" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "میرے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ حرکت کسی دوسرے کی ہو۔"

"لیکن یہ دلیل مجھے مطمئن نہیں کر سکتی۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"کیوں....؟"

"ہمارا پروگرام بنتے ہی حملہ ہوا۔ آخر اس سے پہلے کیوں نہیں....؟"

"ختم کرو....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کافی پینے سے قبل میں اس مسئلے پر گفتگو نہیں کروں گا۔"

حمید جھنجھلا کر خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ شخص ایسے حالات میں بھی اپنی اچھی یا بُری عادتوں سے باز نہیں آتا۔

تھوڑی دیر بعد کافی بھی آگئی اور ایک کپ پی چکنے کے بعد فریدی نے جو تذکرہ چھیڑا وہ موجودہ حالات سے متعلق نہیں تھا اس پر حمید کو اور زیادہ تاؤ آیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

فریدی نے دوسرا کپ بھی خالی کر دیا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "اب مجھے کوتوالی پہنچنا چاہیئے۔"

"کیوں؟ کیا اس کی رپورٹ بھی درج کرائیے گا؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں بیٹے خاں! میں نے حملہ آوروں میں سے ایک کو ختم کر دیا ہے۔"

"کیا....؟" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں.... وہ کوئی چینی ہے۔"

"اور اس کے باوجود بھی آپ اسے سنگ ہی کی حرکت نہیں سمجھتے۔"

فریدی پھر بیٹھ گیا۔ چند لمحے میز کی سطح کو انگلیوں سے کھٹکھٹاتا ہوا پھر بولا۔ "اس میں ایک الجھن ہے اگر میں اسے سنگ ہی کی حرکت سمجھ بھی لوں تو یہاں اس کی موجودگی کی وجہ دریافت کرنی پڑے گی۔"

"ظاہر ہے کہ جس زیور کے لئے اس نے جان کی بازی لگائی تھی وہ ابھی یہیں موجود ہے۔" حمید بولا۔

"وہ زیور سنگ ہی کے پاس بھی رہ چکا ہے اور وہ اس کی تصویری تحریر سے بخوبی واقف ہو گیا ہوگا پھر وہ اس زیور کے لئے وقت کیوں برباد کرنے لگا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس تحریر کے علاوہ بھی اس زیور کی کوئی اہمیت ہو۔"

"اچھا... پھر بات کریں گے۔" فریدی دوبارہ اٹھتا ہوا بولا۔

حمید اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اسے اس کے انداز میں ذرہ برابر بھی بے اطمینانی نہیں نظر آئی۔ کچھ ہی دیر پہلے اس نے ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور خود بھی زخمی ہو گیا تھا۔ مگر اس کی ظاہری حالت سے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔ کیا وہ غیر معمولی طور پر عجیب آدمی نہیں تھا۔

حمید نے بارہا اسے دوسروں کی لاشوں پر غمگین بھی دیکھا تھا۔ ٹریفک کی زد میں آئے ہوئے کسی زخمی راہگیر کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ذہنی اذیت کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ لیکن وہی فریدی جب مجرموں کی گردنیں توڑتا تھا تو اس کی پیشانی پر کبیدگی کی ہلکی سی شکن بھی نہیں ہوتی

تھی۔ اس وقت وہ خود بھی ایک خونخوار درندہ معلوم ہوتا تھا اور حادثے کے فوراً بعد وہ اتنا پُر سکون نظر آنے لگتا تھا جیسے کچھ دیر کسی کتاب کا مطالعہ کرتے رہنے کے بعد اٹھا ہو۔

حمید فریدی کے متعلق بہت کچھ سوچتا رہا۔ پھر خیالات کی رو قاسم کی طرف بہک گئی اور وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ لیکن ساتھ ہی اس کا انجام بھی پیش نظر تھا۔ گھر پر حجامت بننے کے بعد وہ سیدھا ادھر ہی کا رخ کرے گا اور پھر اس کا سنبھالنا کارے دارد، ایک بار پہلے بھی شراب ہی پینے کے سلسلے میں اس کی کافی مرمت ہو چکی تھی۔[1]

❁

دوسری صبح حسب معمول قاسم نے بیدار ہو کر لیٹے ہی لیٹے کتوں کی طرح ہاتھ پیر تان کر انگڑائی لی اور پھر آنکھیں بند کر کے دہاڑنے لگا۔ "چالو... سالو... کہاں مار گائے... چا... لاؤ۔"

اس کی بیوی شعلہ جوالا بنی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ قاسم نے آنکھیں کھول دیں اور اس کے ساتھ ہی حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"کیا ہے؟"

"ہوتا.... کیا.... وہ حرامزادی اصطبل میں بند ہے۔" بیوی بڑے پُر سکون لہجے میں بولی۔

"کون حرامزادی....؟" قاسم پلکیں جھپکاتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اخاہ.... شاید نشہ اکھڑ جانے کی وجہ سے دماغ ٹھیک نہیں۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "کتنی بوتلیں منگوادوں۔"

اچانک قاسم کو پچھلی رات کے واقعات یاد آگئے اور اس نے ایک جھرجھری سی لی اور منہ چلاتا ہوا سہمی ہوئی نظروں سے بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

تم کیا جانو....!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو کیا آپ اپنے پیروں سے چل کر یہاں آئے تھے؟"

قاسم بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر "ارے باپ رے۔" کہہ کر اس طرح اچھلا جیسے کسی نے چھری مار دی ہو۔

"اور وہ.... سور کی بچی۔" اس کی بیوی نے کچھ کہنا چاہا۔

"کون سور کی بچی.... ارے.... الا قاسم.... ہی ہی.... تم بھی کیسی باتیں کرتی ہو....

[1] اس دلچسپ داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "جنگل کی آگ" جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

میں آج تمہیں سینما ضرور لے چلوں گا۔"

"چچا جان بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔" اس کی بیوی نے کہا۔

"ارے.... دیکھو تو.... تمہیں کسی نے بہکایا ہے.... اللہ قسم.... دیکھو تو۔"

"کچھ نہیں پہلے اپنی عزت کا خیال نہیں تھا اب باپ کی بھی پگڑی اچھالی جانے لگی ہے.... سڑکوں پر....!"

"کون کہتا ہے.... جھوٹ بالکل جھوٹ.... تم مذاق کر رہی ہو۔"

"میں نے چچا جان کو فون کیا تھا۔ مگر وہ اس وقت موجود نہیں اور وہ حرام زادی اس وقت تک اصطبل میں بند رہے گی جب تک چچا جان نہ آجائیں۔"

"کیا کہہ رہی ہو.... کسے بند کر رکھا ہے؟" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے.... اگر آپ اس کمرے سے نکلے تو اچھا نہ ہوگا۔"

"ارے واہ....!" قاسم جھلاہٹ میں ہاتھ نچا کر بولا۔ "ہٹو ادھر....!"

وہ اپنی بیوی کو ایک طرف دھکیل کر باہر نکل گیا۔ اب اچھی طرح ہوش آگیا تھا اور پچھلی رات کے سارے واقعات اس کے ذہن میں دھندلی تصویروں کی طرح گردش کر رہے تھے۔

وہ لپکتا ہوا اصطبل کی طرف آیا۔ اصطبل خالی تھا۔ اس میں کبھی گھوڑے رکھے جاتے رہے ہوں گے مگر اب خالی تھا۔ اس نے اصطبل کے دروازے پر بڑا سا تالا لٹکتے دیکھا۔ اندر سے کوئی بُری طرح دروازہ پیٹ رہا تھا اور پھر سریلی آواز میں مغلظات کا طوفان بھی امنڈنے لگا۔

"ارے باپ رے۔" قاسم بوکھلاہٹ میں ناچ کر رہ گیا۔

بیوی اس کے پیچھے دوڑتی چلی آئی تھی۔ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"نہیں کھل سکتا.... ہرگز نہیں کھلے گا۔"

"کنجی لاؤ....!" قاسم دہاڑا۔

"ہرگز نہیں.... چچا جان....!"

"چچا جان کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں مار ڈالوں گا۔"

"اس حرامزادی کے لئے۔" قاسم کی بیوی حلق پھاڑ کر چیخی۔

"بھاگ جاؤ.... میں تالا توڑ دوں گا۔"

اس کی بیوی دروازے کے سامنے جم گئی۔ قاسم نے اسے کمر سے پکڑ کر سر سے اونچا اٹھا لیا۔

"ارے ارے.... میری بے عزتی نوکروں کے سامنے۔" وہ مچلی۔ مگر قاسم اسے اس طرح اٹھائے ہوئے کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

اور پھر اس نے اسے ایک کمرے میں بند کر دیا۔ وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔

اصطبل کا تالا توڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن ایک دوسرا طوفان قاسم کا منتظر تھا۔ لڑکی باہر نکلتے ہی قاسم پر جھپٹ پڑی۔ اس کے منہ سے گالیاں ابل رہی تھیں اور ہاتھ قاسم کی مرمت میں مصروف تھے۔ بدقت تمام اس نے اسے قابو میں کیا اور پھر اس کی نظریں نوکروں پر پڑیں جو دور کھڑے ہنس رہے تھے۔

"بھاگو سالو.... ورنہ جان سے مار دوں گا۔" وہ لڑکی کو چھوڑ کر نوکروں کی طرف دوڑا۔

نوکر سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ ساتھ ہی لڑکی بھی قاسم کے پیچھے دوڑی تھی وہ اس کے قریب پہنچ کر اچھلی اور اس کے سر کے بال پکڑ کر جھول گئی۔ قاسم لڑکھڑا کر گر پڑا اور وہ اس پر گری لیکن اس کے دونوں ہاتھ بدستور چلتے رہے۔

"ارے سنو تو سہی.... بھاگو یہاں سے ورنہ ہم دونوں کو گولی مار دی جائے گی۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

"تم سور کے بچے.... میں تم پر مقدمہ چلاؤں گی۔"

"دوبار چلا دینا.... مگر اب بھاگو۔"

قاسم اسے کھینچتا ہوا گیراج تک لایا۔ کار نکالی۔

"آؤ بیٹھو...." اس نے لڑکی سے کہا۔ "جہاں کہو پہنچا دوں۔"

"پولیس اسٹیشن....!" لڑکی گرج کر بولی۔

"ذرا سنو تو.... یہ سب اسی سور کے بچے حمید کی حرکت ہے۔ ہمیں پلا کر یہاں ڈال گیا۔"

"تم نے مجھے بند کیوں کیا تھا....؟" لڑکی پھر چیخی۔

"آؤ....!" قاسم چمکار کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ.... میں نے نہیں میری بیوی نے بند کیا تھا۔"

"میں نہیں بیٹھوں گی.... دیکھوں گی.... تمہاری بیوی کو دیکھوں گی۔"

"آؤ بیٹھ جاؤ خدا کے لئے۔ ورنہ مصیبت آجائے گی۔"

لڑکی کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ "حمید کہاں ملے گا۔"

"آؤ.... وہیں چلتے ہیں۔ تم دیکھنا کہ اس کی کیسی گت بناتا ہوں۔"

"چلو.... لیکن میں تم پر ضرور مقدمہ چلاؤں گی۔"

وہ کار میں بیٹھ گئی۔

اور قاسم شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے گھر سے چل پڑا۔

اژدھے اور ڈاکو

اس دوران میں قاسم کو اس شدت سے عقل آگئی تھی کہ وہ ہکلائے بغیر گھنٹوں بول سکتا تھا۔ ذہنی انتشار کے ان لمحات نے لاشعور کی کالی کوٹھریاں تک کھول کر رکھ دی تھیں۔ لڑکی اب بھی اسے بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور ہر چار گالیوں کے بعد مقدمہ کی دھمکی اتنی ہی ضروری تھی جیسے کسی مخمس کے لئے ٹیپ کا بند۔

یکا یک تھوڑی دیر کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔ پھر اپنا پرس کھول کر دیکھا.... اور دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگی۔

"ارے.... ارے....!" قاسم پھر بوکھلا گیا۔

"سور کے بچے.... میں لٹ گئی۔ میرے دو ہزار روپے؟ پولیس اسٹیشن مجھے کسی پولیس اسٹیشن پر اتار دو۔"

"دو ہزار روپے۔" قاسم نے حیرت سے دہرایا۔

"تم چور ہو.... مجھے اتار دو گاڑی سے ورنہ میں یہیں چیخنا شروع کردوں گی۔"

"خدا کے لئے۔" قاسم گھگھیا کر بولا۔ "اچھا میں دے دوں گا.... دو ہزار.... ضرور میرے کسی نوکر نے یہ حرکت کی ہے۔ تم مجھے اپنا پتہ بتاؤ.... میں چیک بھجوادوں گا۔"

"ابھی .... چیک نہیں.... نقد روپیہ.... ابھی اور اسی وقت.... میں کہیں نہ جاؤں گی.... گھر واپس چلو....!"

"گھر....!" قاسم کی بوکھلاہٹ بڑھ گئی۔ "ہنٹر.... ہنٹر.... نن.... نہیں.... میں وعدہ کرتا ہوں اگر کل تک تمہیں روپیہ نہ ملے تو تم میرے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرادینا...."

"اگر تم نے دھوکا دیا.... تب....؟"

"مجھے خولی....!" قاسم تھوک نگل کر بولا۔ "گولی مار دینا۔"

"نہیں.... تب میں تمہارے باپ سے فریاد کروں گی۔"

"ارے باپ رے....!" قاسم انگریزی میں بولتے بولتے اردو پر اُتر آیا۔

"اچھا.... اب مجھے یہیں اتار دو....!" لڑکی پرس میں سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالتی ہوئی بولی۔ "یہ رہا میرا پتہ.... اگر شام تک روپیہ نہ پہنچا تو اچھا نہ ہوگا۔"

"پہنچ جائے گا۔" قاسم ملتجیانہ انداز میں بولا۔

اس نے سڑک کے کنارے کار روک دی اور لڑکی اُتر گئی۔ قاسم کار کھڑی کئے لڑکی کو جاتے دیکھتا رہا۔ جب وہ ایک گلی میں مڑ گئی تو اس نے دانت پیس کر ہوا میں مکا لہراتے ہوئے کہا۔ "حمید سالے.... سور کمینے.... بچے کے چمار.... تیری موت آگئی ہے۔"

کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ اس وقت قاسم اندھا دھند کار چلا رہا تھا اور کار فریدی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

کوٹھی کے قریب پہنچ کر اس نے رفتار کم کردی۔ پھاٹک بند تھا اور سلاخوں کے پیچھے تین خطرناک قسم کے کتے کھڑے تھے جیسے ہی قاسم کار سے اُتر کر پھاٹک کی طرف بڑھا کتوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سلاخیں توڑ کر باہر نکل آئیں گے قاسم کو سامنے کوئی نوکر بھی نہیں دکھائی دیا۔

"میں سب سمجھتا ہوں سالے۔" وہ عمارت کو مکا دکھا کر بولا۔

* * *

فریدی رات بھر کا تھکا ہوا تھا۔ تقریباً ایک بجے تک تو وہ کوتوالی ہی میں رہا تھا اور پھر کوتوالی ہی میں اس نے ایک ایسی خبر سنی کہ اس کی ساری رات دوڑ دھوپ میں گذر گئی۔

اور جب وہ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے صبح گھر پہنچا تو اسے خلاف معمول کمپاؤنڈ کا پھاٹک بند نظر آیا۔ سامنے ہی ایک کار کھڑی تھی اور کتے بے تحاشہ بھونک رہے تھے اور کتے بھی وہ جو رات کے علاوہ اور کسی وقت کھلے نہیں چھوڑے جاتے تھے۔

جب وہ اور قریب پہنچا تو اسے قاسم کار میں بیٹھا دکھائی دیا۔ قاسم نے فریدی کی کیڈی لاک

پر نظر پڑتے ہی اپنی گاڑی سے چھلانگ لگادی اور پھاٹک کی طرف مکا دکھاتا ہوا چیخا۔ "دیکھتا ہوں اب کیسے نہیں کھلتا پھاٹک۔"

فریدی نے اسے بڑی حیرت سے دیکھا۔ قاسم لاکھ بے ڈھنگا سہی مگر لباس کے معاملے میں بڑا محتاط تھا اور اس سے اس حرکت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ وہ سلیپنگ سوٹ پہن کر سڑکوں پر مارا مارا پھرے گا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

قاسم فریدی سے بہت ڈرتا تھا اور پھر اس نے اس کے سر پر پٹی بھی بندھی ہوئی دیکھی۔ حمید کے خلاف اس کا غصہ فوری طور پر ٹھنڈا ہو گیا۔

"میری زندگی برباد ہو گئی جناب۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں بات کیا ہے؟"

"آپ دیکھ رہے ہیں۔" قاسم نے پھاٹک کی طرف اشارہ کیا جس کے اس پار اب بھی خونخوار قسم کے کتے اچھل اچھل کر بھونک رہے تھے۔

"ہاں.... میں دیکھ رہا ہوں۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تم بھی تو کچھ بکو۔"

"یہ سب میرے لئے کیا گیا ہے۔"

"کیوں.... بکو....!"

"میں حمید کو بدلہ لئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا پھاٹک کے پاس پہنچ گیا۔ کتے اسے دیکھ کر دم ہلانے لگے۔ پھاٹک اندر سے مقفل نہیں تھا۔ صرف پٹ بھیڑ دیئے گئے تھے۔

فریدی پھاٹک کھول کر اندر داخل ہو گیا اسے دیکھ کر نوکر بھی سامنے آگئے۔

"کس نے کھولا ہے ان کتوں کو....؟" اس نے غصیلی آواز میں نوکروں سے پوچھا۔

"حمید صاحب نے۔" ایک نوکر نے جواب دیا۔

"بند کرو انہیں....!" فریدی کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس نے قاسم کی طرف پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔

قاسم کچھ دیر تک بُرے بُرے منہ بناتا رہا پھر واپس جاکر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں

کھانسی آگئی اور اس نے کچھ اس جھلائے ہوئے انداز میں کوٹھی کی طرف منہ کر کے بلغم تھوکا جیسے اسے توقع ہو کر وہ حمید کے چہرے پر ہی پڑے گا۔ "کبھی تو باہر نکلو گے بیٹا۔" وہ ناک سکوڑ کر بڑبڑایا۔ "میں بھی اب تمہارا قیمہ بنائے بغیر یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔"

اور حمید اندر اپنے کمرے میں آرام کرسی پر پڑا ہوا نہایت اطمینان سے پائپ پی رہا تھا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر فریدی کا پارہ چڑھ گیا۔

"میں تمہیں بہت جلد کوئی بہت ہی سخت قسم کی سزا دوں گا۔" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیوں....؟" حمید نے اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کئے۔

"قاسم کیوں شور کر رہا ہے؟"

"شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید کتے بھونک رہے تھے اور ابھی میں نے کتوں کی زبان سیکھی نہیں ورنہ پورا پورا مطلب سمجھا دیتا۔"

فریدی چند لمحے اسے خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر ایک نوکر کو آواز دے کر قاسم کو بلانے کے لئے کہا۔

"ابے.... او.... کہاں چلا۔" حمید اٹھ کر نوکر کی طرف دوڑا۔ "اگر تو نے اس کمرے سے باہر قدم نکالا تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

پھر وہ فریدی کی طرف پلٹ کر بولا۔ "بتاتا ہوں.... مگر وعدہ کیجئے کہ آپ اس آدم خور کو اندر نہیں آنے دیں گے۔"

"بکو جلدی.... میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں۔"

"آپ جانتے ہیں کہ وہ سور مجھے آئے دن بور کرتا رہتا ہے کہ کسی تگڑی سی عورت سے تعارف کرادو لہٰذا میں نے کل اس کا تعارف ایک پیشہ ور قسم کی اینگلو انڈین سے کرا کے دونوں کو خوب شراب پلوائی اور پھر اس کے بعد انہیں گھر پہنچا دیا۔"

"کس کے گھر....؟"

"قاسم کے....؟"

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا اور حمید بولا۔ "ظاہر ہے کہ خاصی مرمت ہوئی ہو گی۔"

"اس کے جسم پر شب خوابی کا لباس ہے۔" فریدی نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا یہ حقیقت ہے کہ اس کی بیوی....!"

"جی ہاں.... ان دونوں میں آج تک میاں بیوی کے تعلقات نہیں قائم ہو سکے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"اچھا تم یہیں ٹھہرو.... واقعی وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا اور کمرے سے نکل گیا۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اس نے ایک نوکر کو بھیج کر قاسم کو بلوایا۔

"کیوں بھئی کیا معاملہ ہے....؟ بیٹھ جاؤ۔"

"بس کچھ نہیں.... حمید کو بلوا دیجئے۔" قاسم غصیلی آواز میں بولا۔

"پہلے مجھے پوری بات بتاؤ۔"

"اسی سے پوچھ لیجئے۔"

"مگر وہ تو کہتا ہے کہ کوئی بات ہی نہیں۔"

"خیر کوئی بات نہیں.... دیکھا جائے گا۔"

"تو تم مجھے نہیں بتاؤ گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بتاؤں.... مجھے شرم آتی ہے۔"

بڑی مشکل سے قاسم نے ہکلا ہکلا کر اور شرما شرما کر پورا واقعہ دہرایا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "والد صاحب دو تین دنوں کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں لیکن وہ جیسے ہی آئیں گے وہ کمبخت فوراً داغ دے گی۔"

"قاسم مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں اکثر تمہارے لئے غمگین رہتا ہوں۔ تم دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے....؟"

"اگر اس کا نام بھی لوں تو گولی سے اڑا دیا جاؤں۔ کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں ہی والد صاحب کو گولی سے اڑا دوں۔"

"ہوں.... مگر دیکھو.... حمید تمہارا ہمدرد ہے۔"

"میں کسی طرح نہیں مان سکتا.... الاقسم.... ابھی تو وہ سالی مجھ سے دو ہزار روپے بھ

وصول کرے گی۔"

"تم سمجھے نہیں.... اس نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ تم میں اتنی ہمت نہیں کہ تم اپنے والد سے دوسری شادی کے لئے کہہ سکو۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"لیکن انہیں کسی نہ کسی طرح حالات سے باخبر ہونا چاہئے ورنہ تم اس طرح گھل گھل کر ٹی۔ بی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

فریدی نے یہ جملہ کچھ ایسے مخلصانہ لہجے میں کہا کہ قاسم کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور وہ بھاڑ سا منہ پھیلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ غالباً یہ آنسو روکنے کی آخری تدبیر تھی۔

"اب یوں سمجھو....!" فریدی نے لوہا گرم دیکھ کر دوسری ضرب لگائی۔ "اگر تم دو تین بار ایسی ہی حرکتیں پھر کرو تو تمہارے والد کو ضرور تشویش ہوگی۔ پھر وہی وقت ہوگا کہ تم ان سے سب کچھ صاف صاف کہہ دو۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ اس صورت میں تمہارے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ حمید کی دی ہوئی گولیاں کڑوی ضرور ہیں مگر اس سے تمہارا مرض ضرور رفع ہو جائے گا۔"

"الاقسم جھوٹا ہے سالا.... اس نے مجھے گولی وولی نہیں دی۔"

فریدی نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "تم سمجھے نہیں۔ حمید تمہیں دھوکے میں ڈال کر ابھی دو چار بار اور اس قسم کی حرکتیں کرے گا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" قاسم جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ "میں آپ کا بہت ادب کرتا ہوں۔"

"اسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی ہو جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب تمہارے والد کو یقین آ جائے کہ تم آوارگی کی طرف مائل ہو۔ حمید نے کئی اسکیمیں بنا رکھی ہیں۔ شروع میں تمہاری تھوڑی بہت پٹائی ضرور ہوگی مگر پھر معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔ کیا خیال ہے.... سمجھے یا نہیں۔"

قاسم پھر بیٹھ گیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔ "میں سمجھ گیا۔"

"سمجھ گئے نا.... میں جانتا ہوں کہ تم کافی سمجھ دار ہو۔"

"مگر یہ بات تھی تو مجھے پہلے ہی بتا دینا تھا۔"

"اگر وہ پہلے بتا دیتا تو تم ہرگز نہ تیار ہوتے۔"

"ٹھیک ہے۔" قاسم سر ہلانے لگا۔

"اسی لئے اس نے تمہارے ساتھ بظاہر دشمنوں کا سا برتاؤ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی اسکیم یہی تھی جو میں نے بتائی ہے۔"

قاسم کچھ دیر تک خاموشی سے بیٹھا اپنی ٹانگیں ہلاتا رہا پھر بولا۔ "لیکن میں اب گھر کیسے جاؤں۔ وہ کم بخت میری زندگی تلخ کردے گی۔"

"تو تم اس سے بھی ڈرتے ہو؟"

"اس سے نہیں بلکہ اپنے غصے سے ڈرتا ہوں کہیں کسی دن ٹانگیں چیر کر نہ پھینک دوں۔ کچھ بھی ہو فریدی صاحب میں والد صاحب کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔"

"اچھا یہ تو تمہیں تسلیم ہے نا کہ حمید نے تم سے کوئی برائی نہیں کی۔"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سوچ کر جواب دوں گا۔"

"احمق نہ بنو.... اگر تم والد کا سامنا کرنا نہیں چاہتے تو اپنا ضروری سامان لے کر یہاں آجاؤ اور اگر زیادہ دنوں تک سامنا نہ کرنے کا ارادہ ہو تو میرے ہمراہ غیر ممالک کے دورے پر چلو۔"

"غیر ممالک کے دورے پر۔" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... ہاں.... چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تمہارے لئے پاسپورٹ اور ویزا حاصل کرلوں گا۔"

"میں بالکل تیار ہوں۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ مجھے کچھ دن تک اس سالی کی اور اس کی کسی ہمدرد کی شکل نہ دکھائی دے۔"

"تو پھر اب تمہیں حمید سے کوئی شکایت نہیں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔"

"ہوں.... اچھا اب تم جا کر سامان یہاں لے آؤ۔"

قاسم حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرتا ہوا رخصت ہو گیا۔

حمید اس دوران میں ایک دروازے کے پیچھے کھڑا رہا تھا۔ قاسم کے جاتے ہی وہ فریدی کے

سامنے آکر بولا۔ "مانتا ہوں، اس بگڑے ہوئے ہاتھی کا مہاوت آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر بیزاری اور اکتاہٹ کے آثار نظر آرہے تھے۔

"تمہاری وجہ سے میرا بہت وقت برباد ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔

"غالباً رات بھر میری ہی وجہ سے آپ کا وقت برباد ہوتا رہا تھا۔"

"نہیں وہ وقت کا صحیح مصرف تھا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ پچھلی رات سرکاری خزانے پر ڈاکہ پڑا تھا۔"

"پڑا ہوگا.... ہمیں ڈاکوں واکوں سے کیا غرض۔" حمید لاپرواہی سے بولا۔

"لیکن ساری رقم محفوظ ہے۔"

"تو پھر ڈاکہ کیسا.... مجرم ناکامیاب رہے۔"

"وہ سو فیصدی کامیاب رہے حمید صاحب۔ وہ خزانے سے صرف چاندی کا ایک حقیر سا زیور لے گئے ہیں۔"

"کیا مطلب....؟" حمید اچھل پڑا۔

"انکا قوم کی شہزادی کا طوق....!"

"چلئے اچھا ہی ہوا۔ ہم مفت کی دردسری سے بچ گئے۔" حمید نے مسرت کا اظہار کیا۔

"دردسری تو اب شروع ہوگی حمید صاحب۔" فریدی نے کہا۔ "پہلے تو ہم شاید برٹش گی آنا ہی تک جاتے مگر اب نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑے۔"

حمید نے بہت برا سا منہ بنایا لیکن کچھ بولا نہیں۔

فریدی کہتا رہا۔ "چلی کی حکومت نے ہماری حکومت سے گفت و شنید کے بعد یہ طے کیا تھا کہ ہم اسے برٹش گی آنا تک پہنچا دیں اور وہاں سے پھر ان کے آدمی لے جائیں گے۔"

"آخر ہماری حکومت نے اسے منظور ہی کیوں کیا تھا۔" حمید بولا۔ "وہاں کی حکومت کا کوئی نمائندہ یہیں آکر اسے کیوں نہیں لے سکتا۔"

"سنو! غلطی ہمارے ہی یہاں کے ایک شہری کی تھی۔ لوتھر اسے سنگ ہی کی مدد سے چرا کر لایا تھا۔ اس لئے ہماری حکومت کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ خود ہی اسے واپس کرادے۔"

"ہوں....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "لیکن آخر وہاں کی حکومت اس چاندی کے زیور کے لئے

اتنی بیتاب کیوں ہے؟"

"حماقت آمیز سوال نہ کیا کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "اگر خزانے کی بات محض افواہ ہو تو بھی اس کا شمار آثار قدیمہ میں ہوگا اور چونکہ وہ جنوبی امریکہ ہی کے ایک شاہی خاندان کی یادگا ہے اس لئے وہاں کے کسی بھی ملک کو اس کی خواہش ہو سکتی ہے۔"

"مگر آپ نے تو کہا تھا کہ اس پر کی تحریر حاصل کر لینے کے بعد وہ زیور بیکار ہو جاتا ہے۔ ا کی اتنی اہمیت نہیں رہ جاتی کہ اس کے لئے کوئی جدوجہد کرے۔"

"تم بالکل گدھے ہو۔ اہمیت کا سوال صرف سنگ ہی کے لئے تھا۔ میں اسے سنگ ہی ـ نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر آثار قدیمہ کی حیثیت سے اس کی نظروں میں ا کی کوئی اہمیت ہوتی تو وہ اس مردہ شہزادی کے سارے ہی زیورات اُتار لاتا صرف مشہور ہے کہ انکا قوم کے شاہی خزانے کا سراغ بھی ہو سکتی ہے اب اگر ایک شخص اسے آثار قدیمہ والے نقطہ نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ خزانے کے چکر میں ہے تو اس تحریر کے حاصل ہو جانے کے بعد طوق اس کے لئے ایک بے معنی چیز ہو گیا۔ پھر اس کے لئے ڈاکہ زنی کی ضرورت کیوں پیش آتی؟"

"سمجھ گیا....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "لیکن یہ ڈاکہ پڑا کس طرح۔ وہاں تو بہت سخت پ رہتا ہے؟"

"رہتا ہے.... لیکن پہرے والوں کو بدحواس کرنے کے لئے پانچ عدد اژدھے بہت ز ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"انہوں نے گردوپیش کئی عدد اژدھے رینگتے ہوئے دیکھے۔ ظاہر ہے اگر کسی عمارت بیک وقت کئی عدد اژدھے دکھائی دیں تو وہاں کے لوگوں کا کیا حال ہوگا.... بہرحال سنتری ڈیوٹیاں چھوڑ کر ادھر اُدھر ہو گئے.... اور پھر جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔"

"اژدھے کیسے تھے؟"

"بالکل بے ضرر.... ایسے ہی جیسے اکثر تم نے سپیروں کی گردنوں میں لٹکتے ہوئے د ہوں گے۔ جنہیں بچے بھی ہاتھوں میں اٹھا لیتے ہیں۔"

"کیا وہ اژدھے بھی ساتھ ہی لے گئے؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں آج صبح وہ مختلف مقامات سے پکڑے گئے ہیں اور ہاں اس چینی کی لاش.... اس سے بہت کچھ رہنمائی ہوتی ہے.... اور حمید صاحب آج کی رات میرے لئے بڑی خوشگوار ثابت ہوگی۔"

اغواء

فریدی نے کیڈیلاک ایک تاریک گلی میں کھڑی کر دی۔ رات کے دس بج چکے تھے اور بندرگاہ کی یہ قریبی بستی سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ کیڈیلاک سے نیچے اُترا۔ اس کے ساتھ قاسم بھی تھا لیکن ایک عجیب حلئے میں۔ اس نے نیلے رنگ کی ایک ڈھیلی ڈھالی پتلون پہن رکھی تھی۔ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور سر کے پچھلے حصے پر ایک چھوٹی سی گول ٹوپی منڈھی ہوئی تھی۔ قمیض کی جگہ ایک ملگجی سی بنیان تھی۔ ڈاڑھی تھی تو چھوٹی ہی.... لیکن.... بال اتنے گنجان تھے.... کہ.... مونچھوں سے مل کر انہوں نے دہانہ بالکل ڈھک لیا تھا.... اور.... پھر دیو جیسا ڈیل ڈول.... بہر حال.... قاسم حد درجہ خوفناک نظر آرہا تھا۔

گلی سنسان پڑی تھی۔ فریدی تھوڑی دیر تک آہستہ آہستہ کچھ کہتا رہا۔ پھر وہ ایک طرف چل پڑے۔ آگے دوسری گلی تھی جس کے سرے پر رک کر فریدی نے ہلکی سی سیٹی بجائی اور دوسرے ہی لمحے میں تاریک گلی سے اس کا جواب ملا۔ آواز دور کی معلوم ہو رہی تھی۔

"بس اب جاؤ....!" فریدی قاسم کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

قاسم پہلی گلی کے موڑ پر بھی نہیں پہنچا تھا کہ فریدی کی کیڈیلاک فراٹے بھرتی ہوئی سڑک پر نکل گئی۔

قاسم چلتا رہا۔ اب وہ تاریک گلیوں سے نکل کر ایک کشادہ راستے پر چل رہا تھا۔ جس کے دونوں طرف سالخوردہ پتھروں کی عمارتیں تھیں اور یہاں تاریکی بھی نہیں تھی۔ قاسم ایک عمارت کے سامنے رک گیا جس پر "سیلرس کلب" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ یہ بندرگاہ کے علاقے میں ایشیائی جہازرانوں کی واحد تفریح گاہ تھی لیکن اکثر یہاں مشرقی منشیات کے شوقین یورپی باشندے بھی دکھائی دے جاتے تھے۔ خصوصاً ہالینڈ کے ملاح جو چرس بھرے سگرٹوں پر جان دیتے ہیں۔

اس عمارت میں پہلے دراصل منشیات کے ایک لائسنس دار تاجر کا کاروبار تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی دیسی منشیات کی کھپت یورپین جہازرانوں میں بھی ہونے لگی ہے تو اس نے باقاعدہ طور

پر چانڈو خانہ چلانے کیلئے اجازت حاصل کرلی اور اس کا یہ کاروبار "سیلرس کلب" کے تحت چ لگا۔ حکام سے بنائے رکھتا تھا۔ اس لئے عموماً غیر قانونی حرکتیں بھی اس سے سرزد ہو جاتی تھیں۔

قاسم بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ عمارت کا نقشہ اسے پہلے ہی اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھ جیسے ہی وہ بڑے کمرے میں داخل ہوا کئی نظریں اس کی طرف بیساختہ اٹھیں۔ اس کے ڈیل ڈو کا جائزہ لیا اور جھک گئیں۔ قاسم اس لباس میں دراصل کسی جہاز کا خلاصی معلوم ہو رہا تھا۔

وہ ایک خالی میز پر بیٹھ گیا۔ گردوپیش سے مختلف قسم کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

اس نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر چائے طلب کی مگر یہاں کی بدبودار فضا میں اس کا د گھٹا جا رہا تھا۔ مختلف قسم کے منشیات کے دھوئیں کے مرغولے کمرے میں چکراتے پھر رہے تھے

اس نے کسی نہ کسی طرح چائے زہر مار کی اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے کمرے کا جائزہ لیتا ر وہاں مختلف ممالک کے جہازراں نظر آرہے تھے۔ چینی، جاپانی، ملائی، برمیز، انڈونیشئن وغیرہ، ایک چہرے سفید نسل سے بھی تعلق رکھتے تھے۔

اچانک قاسم کی نظر ایک سانولی سی لڑکی پر پڑی جو کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر ہال میں آر تھی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

لڑکی کے جسم پر نارنجی رنگ کا اسکرٹ تھا اور اس کے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی تہہ چڑ ہوئی تھی۔ چہرے پر پاؤڈر نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں؟ ہو سکتا ہے خود اسے ہی اس بات کا احساس ر ہو کہ وہ پاؤڈر سے بغیر ہی اچھی لگتی ہے یا پھر اس میں تھوڑا بہت منطقی شعور بھی رہا ہو۔ کیونکہ چہرے کا پاؤڈر اسکرٹ کے نیچے کالی کلوٹی پنڈلیوں کا عیب نہیں چھپا سکتا۔

قاسم نے بڑی بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ لڑ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صدر دروازے کی طرف آرہی تھی۔ کبھی کبھی وہ مسکرا کر ادھر اُدھر بیٹ ہوئے لوگوں کی باتوں کا جواب بھی دیتی جاتی تھی۔

جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچی قاسم نے اچھل کر اسے پکڑ لیا۔ ایک پل کے لئے ا کی نظر قاسم کے چہرے پر پڑی اور اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ بیک وق ہال میں اندھیرا ہو گیا۔ شور مچ گیا۔ کرسیاں اور میزیں الٹنے لگیں۔

قاسم لڑکی کو کاندھے پر ڈالے اور ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبائے ہوئے گلی میں بھاگ

تھا۔ اسے یقین تھا کہ قرب وجوار میں اس کے مددگار موجود ہیں ورنہ اس پر بدحواسی کا دورہ کبھی کا پڑ چکا ہوتا۔ لیکن اس صورت میں بھی اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہوا میں اڑا جا رہا ہو۔ اسے نہ اپنی جسامت کا احساس تھا اور نہ اس بوجھ کا احساس جو اسکے شانے پر پڑا ہوا بُری طرح مچل رہا تھا۔

وہ بھاگتا ہوا اس گلی میں پہنچا جس کے سرے پر کھڑے ہو کر فریدی نے کسی کو کچھ اشارہ کیا تھا۔ جیسے ہی وہ گلی میں گھسا اس پر سامنے سے ٹارچ کی روشنی پڑی اور پھر فوراً ہی غائب ہو گئی۔

دوسرے لمحے میں اس نے حمید کی آواز سنی۔

"چلے آؤ.... سیدھے.... گھبرانا مت....!"

لڑکی اس کے شانے پر بُری طرح مچل رہی تھی۔ وہ اپنے منہ پر سے اس کا ہاتھ ہٹانا چاہتی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے دونوں ہاتھوں سے قاسم کو نوچ کھسوٹ ڈالا تھا۔ لیکن شاید قاسم کو اس کا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

"ادھر ادھر....!" حمید نے کہا۔ "کار میں ڈال دو.... منہ دبائے رہنا۔"

قاسم اسے کار میں ٹھونس کر خود بھی اندر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

"منہ سے ہاتھ نہ ہٹنے پائے۔" حمید نے ایک بار پھر کہا۔

کار گلیوں سے گذرتی ہوئی سڑک پر نکل آئی تھی اس کی کھڑکیوں پر سیاہ پردے چڑھے ہوئے تھے لہٰذا باہر سے دیکھ لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ حمید بار بار قاسم کو تاکید کرتا جا رہا تھا کہ لڑکی کے منہ سے ہاتھ نہ ہٹنے پائے۔

"یہ! دل گھبرا رہا ہے.... غمید بھائی....!" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اگر میرے کہنے کے خلاف کیا تو گولی مار دوں گا۔" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔

قاسم کے منہ سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگیں۔ پتہ نہیں اس نے حمید کی بات کا جواب دینے کی کوشش کی تھی یا لڑکی نے کوئی دوسرا حربہ استعمال کیا تھا۔

"کیا ہوا....؟" حمید نے ہنس کر پوچھا۔

"گک.... غس.... غُس نہیں....!" قاسم ہانپتا ہوا ہکلایا۔

کار فراٹے بھرتی رہی۔ رات زیادہ گذر جانے کی وجہ سے سڑکوں پر بھیڑ بھی نہیں تھی۔

قاسم پر بدحواسی کا دورہ پڑ چکا تھا اور اسے اب صرف اس کا احساس رہ گیا تھا کہ اس کی سانس

چل رہی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا سارا وجود ذہن کے سناٹوں میں گم ہو چکا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ اس پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔

لیکن اس کے ذہن نے اچانک پھر سنبھالا لیا۔ ساتھ ہی اسے ایک سریلی آواز بھی سنائی دی

"میں شور نہیں مچاؤں گی۔"

"اوہ.... ہف.... شکریہ شکریہ.... ارے ہائیں۔" قاسم بوکھلاہٹ میں حمید کا سر ٹٹولنے لگا۔

"میں شور نہیں مچاؤں گی.... میری جان نہ لو۔" لڑکی دوبارہ دبی دبی سی آواز میں بولی۔

"ہائیں ابے کیا چھوڑ دیا۔" حمید بھنا کر بولا۔

"ارے.... حمید بھائی۔" قاسم ہکلا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ لڑکی اس کی گرفت سے کس طرح نکل گئی۔

"ابے او قاسم کے بچے۔"

"میں کیا کروں حمید بھائی۔" قاسم رو دینے والی آواز میں بولا۔

"میں کہہ رہی ہوں کہ میں شور نہیں مچاؤں گی۔"

"جی ہاں.... جی ہاں....!" قاسم جلدی سے بولا۔

"اچھا....!" حمید نے قاسم سے کہا۔ "اگر یہ شور مچائے تو گلا گھونٹ کر مار ڈالنا۔"

قاسم کچھ نہ بولا۔ لڑکی بھی ایک کنارے دبکی بیٹھی رہی۔ اس نے قاسم کی خونخوار شکل ایک ہی جھلک دیکھی تھی لیکن اس کے ذہن پر اب بھی اس کا خوف مسلط تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ کوٹھی تاریک پڑی تھی۔ حمید کار سیدھا پورٹیکو میں لیتا چلا گیا اور اس نے برآمدہ تاریک ہونے پر ذرہ برابر بھی تشویش کا اظ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ان کی اسکیم ہی کا کوئی جزو رہا ہو۔

اس نے کار سے اُتر کر سب سے پہلے قاسم کو کار سے نکالا۔ پھر لڑکی سے اترنے کو کہا وہ چ چاپ نیچے اُتر آئی۔ حمید نے ٹارچ بھی نہیں روشن کی۔

وہ اندھیرے ہی میں برآمدے سے گذر کر اندر پہنچے۔ اندر روشنی تھی۔ لڑکی نے قاسم کو سے دیکھا جو ایک آرام کرسی پر پڑا ہانپ رہا تھا۔ اس کی مصنوعی ڈاڑھی کئی جگہ سے اکھڑ گئی تھی چہرے پر ناخنوں کی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر جم گیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ....!" حمید نے لڑکی سے کہا۔

لیکن وہ کھڑی رہی۔ قاسم اپنی مصنوعی ڈاڑھی کے بال نوچ نوچ کر پھینک رہا تھا۔ اس نے پنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر لڑکی کی طرف دیکھا۔

لڑکی کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اس کی سانولی رنگت پر لپ اسٹک بُری نہیں معلوم ہوتی تھی۔ وہ خوبصورت نہ سہی مگر جاذب نظر ضرور تھی۔

پرنسٹن کے ایک موٹر گیراج کے سامنے ایک جیپ کار رکی اور اس پر سے ایک آدمی کود کر بھاگتا ہوا گیراج کے اندر چلا گیا۔

کافی رات گذر جانے کے باوجود بھی گیراج میں کام ہو رہا تھا۔ آنے والا بھاگتا ہوا ایک میز کے قریب پہنچا جہاں ایک قوی ہیکل اور بارعب آدمی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

اپنے قریب آہٹ محسوس کر کے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دو خوفناک اور سرخ آنکھیں پھر اس نے اپنی چڑھی ہوئی مونچھوں کو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے سہارا دے کر آنے والے کی طرف دیکھا۔

"میں سیلرس کلب سے آیا ہوں۔" آنے والے نے اس کے چہرے پر سے نظر ہٹا کر کہا۔

"ہوم! تو پھر....؟"

"لڑکی کو کوئی اٹھالے گیا۔"

"ہام....!" خوفناک چہرے والا کھڑا ہو گیا۔

"کوئی اٹھالے گیا۔ کسی نے بجلی کی مین لائن کاٹ دی تھی۔"

اس نے آنے والے کو گریبان سے پکڑ کر ایک طرف دھکیل دیا اور خود آگے بڑھ کر ایک موٹر سائیکل اٹھائی اور پھر وہ موٹر سائیکل گیراج کے اندر ہی سے اسٹارٹ ہو گئی۔

آنے والا ایک کنارے کھڑا اپنا کالر درست کر رہا تھا۔ اس نے گیراج سے نکلتی ہوئی موٹر سائیکل کو بڑی کینہ توز نظروں سے دیکھا۔

موٹر سائیکل اب سڑک پر جا رہی تھی۔ طوفان کی طرح۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سوار یا تو پاگل ہو گیا ہو یا اسے اپنی جان کا خوف نہ ہو۔ موٹر سائیکل زیادہ تر شہر کی سنسان سڑکوں ہی کی

طرف مڑ رہی تھی اور پھر کچھ دیر بعد اس کا رخ لڑکال جنگل کی طرف ہو گیا جب وہ سڑک۔ کچی زمین پر اترنے لگی تو ایک جھاڑی سے ٹارچ کی روشنی کی ایک لمبی سی شعاع اس کے پیچھے پڑ چلی گئی۔

***

حمید قاسم کو عجیب انداز سے دیکھ رہا تھا اس میں غصہ مضحکہ اور ہمدردی سبھی کچھ تھا۔ وہ لڑ جسے وہ "سیلرس کلب" سے بالجبر اٹھا کر لائے تھے اتنے اطمینان سے ایک آرام کرسی پر نیم در تھی جیسے ان کی خاص الخاص استدعا پر ٹی پارٹی میں شرکت کے لئے آئی ہو۔

وہ تینوں خاموش تھے اور قاسم بار بار اس طرح اپنی آنکھیں مل کر لڑکی کو دیکھنے لگتا تھا جی اسے اس کے وجود پر یقین نہ ہو۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" حمید نے لڑکی سے پوچھا۔

"اوہ.... میرا نام نہیں معلوم۔" لڑکی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"جی ہاں.... جی ہاں نہیں مالوم....!" قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ پھر وہ اس طرح م چلانے لگا جیسے منہ میں مصری کی ڈلی رکھ کر بھول گیا ہو۔

"حیرت ہے کہ آپ لوگ میرا نام بھی نہیں جانتے حالانکہ اس طرح اٹھا کر لائے تھے۔"

"الاقسم نہیں جانتے۔ جھوٹ تھوڑا ہی ہے۔" قاسم لچک کر بولا۔

حمید اسے گھورنے لگا۔

"ہائیں گھورتے کیوں ہو۔" قاسم نے کہا۔ پھر سر پر ہاتھ مار کر بولا۔ "تو تم ہی با کرونا.... میں کون ہوتا ہوں۔"

حمید چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر لڑکی سے بولا۔ "لیکن تم اس کے باوجود بھی بہت مطمئ نظر آ رہی ہو۔"

"پھر....!" لڑکی مسکرائی اور ایک طویل انگڑائی لے کر بولی۔ "میری زندگی ہی یہی ہے۔"

"زندگی....!"

"ہاں.... لیکن میں شاعری نہیں کر رہی ہوں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ قاسم بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں مل مل کر لڑکی کو

یکھنا شروع کر دیا۔ پھر اپنے بازو پر زور سے چٹکی لی اور "سی" کر کے رہ گیا۔

لڑکی کمرے کا ساز و سامان دیکھ رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی انگلیاں کرسی کے ہتھے پر س طرح چل رہی تھیں جیسے اس کے ذہن میں وائیلن کا تصور ہو۔

"ایک سگریٹ دو گے۔" اچانک وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔

"ہاں.... آں....!" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ذرا میرے کمرے سے سگریٹ ڈبہ اٹھا لاؤ۔"

"اچھا....!" قاسم اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا۔

"کیوں....؟"

"کود جا کر لاؤنا.... میں تمہارے باپ کا نوکر تو نہیں۔"

"مجھے بتاؤ.... میں خود لاؤں۔" لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔

"بیٹھو بیٹھو....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا اور قاسم کو گھورتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

لڑکی نے قاسم سے کہا۔ "آپ نے بھیس خوب بدلا تھا۔"

"ارے ہی.... ہی.... میں کیا.... انہیں سالوں نے گت بنالی تھی۔"

"یہ ہیں کون....؟" لڑکی نے بڑے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"ارے تم نہیں جانتیں....؟"

لیکن قبل اس کے کہ وہ جملہ پورا کرتا حمید سگریٹ کا ڈبہ لے کر واپس آ گیا۔ قاسم چپ و گیا۔ حمید نے شاید اس کا ادھورا جملہ سن لیا تھا۔ اس لئے اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسم سے کہا۔ "اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"پھر وہی....!" قاسم بھنا گیا۔ "کیا میں تم سے دبتا ہوں....؟"

"اوہ....!" لڑکی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ "یہ مجھے ناپسند ہے شاید اب.... تم دونوں آپس ں لڑو گے۔"

"ضرورت پڑی تو ضرور لڑیں گے۔" قاسم اکڑ کر بولا۔ وہ اپنے بازوؤں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"تم یہاں اپنی موجودگی کا غلط مقصد سمجھ رہی ہو۔" حمید اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "تھوڑی ہی دیر بعد تم آزاد ہو گی۔"

"مجھے حیرت ہے۔ تم لوگ مجھے بہت ہی خطرناک قسم کے آدمیوں کے درمیان سے لا۔ ہو۔" لڑکی بولی۔

"کیا واقعی....؟" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ "میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔"

"تم مجھے کیوں لائے ہو....؟"

"بس یونہی تفریحاً.... تمہیں قریب سے دیکھنے کے لئے۔"

"شاید میں پاگل ہو جاؤں گی۔" لڑکی اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔

"کیوں....؟" حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"میرے زندگی ہی بدمعاشوں میں گذری ہے۔ مگر ایسے بدمعاش.... انہوں نے میر لئے کافی کشت و خون کیا ہے۔ مجھے دوسرے بدمعاشوں سے چھین لائے ہیں۔ میری نگہداش ہوتی ہے۔ میں جب بھی باہر نکلتی ہوں میرے ساتھ دو آدمی ہوتے ہیں اور ان کی جیبیں نہیں ہوتیں۔ وہ ریوالور رکھتے ہیں لیکن مجھے اب تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ لوگ مجھے دوسر سے کیوں چھین لائے ہیں؟"

"پہلے تم کہاں تھیں؟"

"صفدر آباد میں.... کمبر لینڈ ہوٹل کی ہوسٹس لیکن مجھ پر چند بدمعاشوں کا قبضہ تھا۔"

"یہ لوگ تمہیں کب لائے؟"

"ایک ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"سرغنہ کون ہے؟"

"میں نام نہیں جانتی لیکن وہ خوفناک آدمی ہے۔ بڑی مونچھوں اور خونخوار آنکھوں والا۔"

"سیلرس کلب کا منیجر....؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... وہ تو.... وہ بھی اس سے دبتا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ سیلرس کلب سے اس تعلق ہے۔"

"تم سیلرس کلب میں رہتی ہو....؟"

"ہاں.... وہاں مجھے ایک کمرہ دیا گیا ہے۔"

"تم سے کام کیا لیا جاتا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں.... اکثر شام کو مجھے کاؤنٹر پر بیٹھنے کو کہا جاتا ہے اور بس۔ مجھے قید کر کے نہیں رکھا گیا۔ لیکن پھر بھی نگرانی کافی ہوتی ہے۔ میں تنہا باہر نہیں نکل سکتی اور ہاں رات کو وہ میرا کمرہ باہر سے مقفل کر دیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں خواب میں چلتی ہوں۔ سوچتے ہوں گے ممکن ہے مجھے کوئی حادثہ پیش آجائے۔ عجیب بات ہے مجھے یقین نہیں آتا مگر لوگ کہتے ہیں۔ صفدر آباد میں ایک سائیکو انیلسٹ نے کہا تھا کہ جو کام میں جاگتے میں نہیں کرنا چاہتی یا کرنا بھول جاتی ہوں اسے نیند.... کی حالت میں کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن مجھے بالکل علم نہیں ہوتا.... ہے نا عجیب بات۔"

حمید چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"ریکھا ڈینئیل.... میں کرسچین ہوں۔"

"ڈینئیل....؟"

"ہاں وہ میرے باپ تھے۔"

حمید کچھ اور پوچھنے والا تھا کہ اچانک پوری عمارت کی روشنی غائب ہو گئی۔ حمید بوکھلا کر اٹھا۔ وہ قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ "خبردار.... گولی ماردوں گا۔" وہ ریوالور نکال کر چیخا اور پھر اندھیرے ہی میں ایک فائر بھی کر دیا لیکن اس کے جواب میں اس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی۔

ایک بم کئی لاشیں

"کیا ہوا حمید بھائی؟" اس نے قاسم کی آواز سنی اور پھر اچانک اسے یاد آیا کہ اس سے ایک زبردست غلطی سرزد ہوئی تھی۔ اسے لڑکی کو لے آنے کے بعد پھاٹک بند کرا کے کمپاؤنڈ میں رکھوالی کرنے والے کتے چھوڑ دینے چاہئے تھے۔

فریدی نے خاص طور پر اس کی تاکید کی تھی۔ لیکن وہ بھول ہی گیا۔ وہ بڑی تیزی سے دروازے کی طرف لپکا لیکن اس کا سر بند دروازے سے ٹکرا کر رہ گیا۔

"حمید بھاغی....!" قاسم نے پھر گھٹی گھٹی سی آواز میں اسے پکارا۔

"چپ رہو حمید بھائی کے بچے۔" حمید جھلا گیا۔ وہ دیوار کے سہارے چلتا ہوا کمرے کے دوسرے دروازے ٹٹولتا پھر رہا تھا۔

"بڑے آئے گرجنے برسنے والے۔" قاسم غرا کر بولا۔ "خود مزے کر رہے ہیں... ہاں.... نہیں تو....!"

"ابے کیا بکتا ہے مردود....؟"

"ٹھہر تو جاؤ بتاتا ہوں۔" قاسم اندھیرے میں ادھر اُدھر ہاتھ چلاتا ہوا آگے بڑھنے لگا حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ دفعتاً اسے یاد آگیا کہ اس کی جیب میں سگار لائٹر پڑا ہوا ہے۔ دوسرے ہی لمحے میں سگار لائٹر کی ننھی سی لو اندھیرے میں جگمگانے لگی۔

"ہائیں....!" قاسم بوکھلا گیا۔ "لل.... لڑکی.... کدھر گئی؟"

"جہنم میں....!" حمید غرایا۔

"اماں تم ٹھیک سے بات کیوں نہیں کرتے آخر۔" قاسم آستین چڑھاتا ہوا آگے بڑھا۔

"دور رہنا.... نہیں تو اچھا نہ ہوگا۔ تمہاری وجہ سے وہ نکل گئی۔"

"نکل گئی....؟" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"تم شاید سو رہے تھے۔" حمید نے کہا پھر اچانک اس کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکلی۔ وہ دروازے کے قریب پڑی ہوئی ایک عجیب وضع کی چیز کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر وہ اسے دیکھنے کے لئے جھکا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ سگار لائٹر بجھ گیا۔ اس نے اسے بدقت تمام دوبارہ روشن کیا۔ قاسم نے بھی آگے بڑھ کر اس چیز کا جائزہ لیا اور ہنسنے لگا۔

"اماں بوتل سے ڈرتے ہو.... واہ.... واہ.... مگر ہائیں۔ یہ کیا۔ یہ بوتل ہے یا گھڑی... الاقسم گھڑی کی طرح ٹک ٹک ٹک کر رہی ہے۔"

"قاسم....!" حمید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "دروازہ توڑ دو.... جلدی کرو۔"

"کیوں....؟"

"جلدی کرو.... ادھر آؤ.... اس دروازے میں ٹکر مارو۔"

"کیوں....؟ عجیب آدمی ہو۔"

"جلدی کرو سور.... یہ بوتل یا گھڑی نہیں بلکہ ٹائم بم ہے۔"

"ہائیں بھم.... ارے باپ رے۔" قاسم بدحواسی میں ایک کرسی کے پائے سے الجھ کر منہ

کے بل فرش پر گرا۔

حمید بے تحاشہ ایک دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا لیکن اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ کمرے میں پھر اندھیرا چھا گیا۔ سگار لائٹر کی اسپرٹ کب تک چلتی۔

"او قاسم کے بچے۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

"یار مذاق نہ کرو۔" قاسم خوفزدہ آواز میں بولا۔ پھر اس نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں جھوٹ بم وم کچھ نہیں بنڈل ہے بنڈل.... واہ حمید بھائی۔"

حمید ٹٹولتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ "آؤ.... اٹھو.... خدا کے لئے۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچنے لگا۔"

"کیوں.... یار پریشان مت کرو.... لائٹ جلاؤ.... مجھے نیند آ رہی ہے۔ قاسم نے بھاڑ سا منہ پھاڑ کر جماہی لی۔

"قاسم.... اگر یہ بم پھٹ گیا تو ہمارے پرخچے اڑ جائیں گے۔"

"اماں.... مت اُلو بناؤ۔" قاسم پھر ہنسنے لگا۔

حمید اسے چھوڑ کر دوبارہ دروازے پر ٹکریں مارنے لگا تھا۔

جس وقت "سیلرس کلب" میں ہنگامہ ہوا فریدی عمارت سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس نے قاسم کو کامیاب ہوتے بھی دیکھا تھا اور اب اسے اس کے رد عمل کا انتظار تھا۔ ہنگامہ بڑھتا ہی گیا۔ لوگ عمارت سے نکل کر سڑک پر اکٹھا ہوگئے تھے اور ان میں سے کچھ قرب و جوار کی تاریک اور سنسان گلیوں میں گھستے پھر رہے تھے۔

اچانک اسی بھیڑ میں ایک جیپ کار اسٹارٹ ہوئی اور بھیڑ کی پرواہ کئے بغیر اندھا دھند ایک طرف بھاگنے لگی۔ لوگ چیختے ہوئے ادھر اُدھر ہٹ گئے دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے ایک تاریک گلی میں گھس کر اپنی موٹر سائیکل سنبھالی اور جیپ کار کا تعاقب کرنے لگا۔ پھر اسے چند لمحے پرنسٹن کے موٹر گیراج کے باہر بھی رکنا پڑا۔ کیونکہ جیپ کار ڈرائیور اپنی گاڑی باہر چھوڑ کر گیراج کے اندر چلا گیا تھا۔

پھر اس نے گیراج کے اندر سے ایک موٹر سائیکل نکلتے دیکھی اس پر بیٹھے ہوئے آدمی کو

دیکھ کر وہ چونکا اور پھر اسے جیپ والے کا انتظار فضول معلوم ہونے لگا۔ دوسرے لمحے میں وہ بڑی مونچھوں والے موٹر سائیکل سوار کا تعاقب کر رہا تھا۔

فریدی کی موٹر سائیکل میں بہت ہی نفیس قسم کا سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی آواز زیادہ دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

تعاقب جاری رہا۔ متعاقب بہت جلدی میں معلوم ہو تا تھا۔ اس کی موٹر سائیکل طوفان کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔ فریدی نے اپنی موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ بجھا دی تھی اور آگے والی موٹر سائیکل کی عقبی سرخ روشنی پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ اگلی موٹر سائیکل لڑکال جنگل کی طرف جا رہی ہے۔

فریدی نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ سنگ ہی لڑکال جنگل میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے اسی لئے اس نے اس دوران میں اپنا زیادہ تر وقت لڑکال جنگل میں گذارا تھا۔ لیکن اس طرح کہ سنگ ہی کو اس کا علم ہو جائے اور یہی ایک ایسا طریقہ تھا جس کی بناء پر سنگ ہی تک پہنچ بھی ممکن تھی۔ ورنہ اتنے بڑے اور گھنے جنگل سے کسی کو ڈھونڈ نکالنا مشکل ہی تھا اور آج کی اسکیم تو اس کی دانست میں بہت ہی شاندار تھی۔

سیلرس کلب تک اس کی رسائی اسی حادثے کی وجہ سے ہوئی تھی جو لڑکال جنگل سے واپس آتے وقت پیش آیا تھا۔ حملہ آوروں میں سے ایک چینی کا خاتمہ ہو گیا تھا تحقیقات کرنے پر اس چینی کا تعلق سیلرس کلب سے ظاہر ہوا۔ پھر سیلرس کلب میں ایک ایسی لڑکی دریافت ہوئی جس کی شخصیت بڑی پُراسرار تھی۔ بظاہر وہ معمولی صورت شکل کی ایک آوارہ سی لڑکی تھی ایسی ہی جیسی اس قسم کے مقامات پر عموماً پائی جاتی ہیں مگر وہ کڑی نگرانی میں رکھی جاتی تھی۔

فریدی نے دو تین گھنٹے تک اس کے متعلق چھان بین کی لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ پھر اس نے ایک اندھی چال چلی۔ لڑکی کو مرکزی خیال بنا کر ایک پلاٹ مرتب کیا۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر وہ لڑکی سنگ ہی سے متعلق ہوئی تو اس طرح سنگ ہی تک رسائی ممکن ہو جائے گی۔

ابھی تک تو اس کے اندازے درست نکلے تھے اور پھر جیسے ہی متعاقب کی موٹر سائیکل نے لڑکال جنگل کا رخ کیا اسے اپنی کامیابی کا سو فیصدی یقین ہو گیا۔

اب دونوں موٹر سائیکلیں جنگل کی وسطی سڑک پر دوڑ رہی تھیں۔ یہاں فریدی تاروں کی

چھاؤں سے بھی محروم ہو گیا تھا اس لئے اسے اپنی موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ روشن کرنی پڑی۔

کچھ دیر بعد اگلی موٹر سائیکل ایک پگڈنڈی پر مڑ گئی۔ فریدی کافی فاصلے پر تھا۔ اس نے رفتار بڑھائی لیکن دوسرے ہی لمحے میں جنگل پر سکوت طاری ہو گیا۔ اگلی موٹر سائیکل کا انجن بند ہو گیا تھا۔ فریدی نے موٹر سائیکل روکتے روکتے اس پگڈنڈی سے بھی آگے نکل گیا۔

اس نے موٹر سائیکل روک کر ایک طرف کھڑی کر دی۔ اگلی موٹر سائیکل کا انجن بند ہو جانے کے بعد موٹر سائیکل سمیت جنگل میں گھسنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

وہ آہستہ آہستہ پگڈنڈی کی طرف بڑھنے لگا۔

سارا جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کبھی کبھی آس پاس کے درختوں پر کوئی بڑا پرندہ اپنے پر پھڑپھڑاتا اور پھر وہی بوجھل سکوت طاری ہو جاتا۔

فریدی پگڈنڈی پر مڑ ہی رہا تھا کہ اچانک آسمان سے اس پر کوئی چیز گری ہلکی پھلکی سی چیز.... لیکن اتنی بڑی کہ اس نے فریدی کے گرد احاطہ کر لیا اور پھر وہ اس میں لپٹتا ہوا زمین پر گر گیا۔

"جال....!" اس کے ذہن نے دہرایا اور جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے گرد اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

وہ جال میں بُری طرح پھنس گیا تھا اور اب وہ غیر ارادی طور پر جال سمیت آگے کی طرف پھسل بھی رہا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ خود کو روک سکے لیکن شاید کئی آدمی بیک وقت اس پر اپنا زور صرف کر رہے تھے۔

آخر ایک جگہ اس کے سر میں ٹھوکر لگی شاید یہ کسی درخت کا تنا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنا بایاں ہاتھ اس کے گرد پھنسا دیا۔

داہنے ہاتھ میں ریوالور تیار تھا۔ دوسری طرف سے زور ہو تا رہا۔ لیکن جال اس جگہ سے ایک انچ آگے نہ بڑھ سکا۔

پھر فریدی نے جال کی ڈور کے بالکل سیدھ میں کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ شاید کوئی جال کی تنی ہوئی ڈور کے سہارے اس طرف آ رہا تھا۔

فریدی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور ایک جگر خراش چیخ دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔

پھر دفعتاً کئی قدموں کی آہٹیں ملنے لگیں۔ فریدی نے پھر فائر کیا۔ اس بار ایک بہت ہی کریہہ آواز گالی کی شکل میں سنائی دی۔ شاید وہ بھی زخمی ہو گیا تھا۔

آہٹیں بند ہو گئیں لیکن کسی آدمی کی ہلکی ہلکی کراہیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ جال کا تناؤ کم ہو گیا تھا۔ شاید اس کی ڈور چھوڑ دی گئی تھی۔ فریدی نے جال کے پھندے توڑنے چاہے لیکن ایک ہاتھ سے یہ ناممکن تھا.... دوسرے ہاتھ سے اس نے درخت کا تنا جکڑ رکھا تھا۔

اچانک اسے اپنے قریب ہی ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی۔ اس نے پھر آواز کی سمت فائر کر دیا۔ ایک چیخ پھر گونجی۔

"برساؤ.... گولیاں برساؤ۔" کوئی زور سے چیخا۔ "اِدھر.... اس طرف۔"

قبل اس کے کہ فریدی اس آواز پر بھی فائر کرتا۔ بیک وقت کئی فائر ہوئے اور ایک گولی تو اس درخت کے تنے پر بھی لگی جس سے فریدی جال سمیت چمٹا ہوا تھا۔

خطرہ اب بڑھ گیا تھا۔ فریدی نے سوچا اگر انہوں نے چاروں طرف سے گھیر کر فائر کرنا شروع کیا تو بچاؤ ناممکن ہو جائے گا۔

فائر پھر ہوئے اور اس بار وہ بال بال بچا۔ اس کا خدشہ درست نکلا تھا۔ اس بار اس کی پشت کی طرف سے بھی فائر ہوئے تھے۔

اس نے درخت کا تنا چھوڑ دیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ منہ کے بل زمین پر چلا آیا۔ جال کی ڈور دوبارہ تن گئی تھی اور اسے پھر کھینچا جانے لگا تھا۔

فریدی کے منہ سے ہلکی سی غراہٹ نکلی اور پھر اس نے چاروں طرف سے ہونے والے فائروں کی پرواہ کئے بغیر جال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

اس کے بعد اسے وہاں سے نکل بھاگنے کی تدبیر کرنی چاہئے تھی مگر اس پر تو اب خون سوار ہو گیا تھا۔ اس نے ایک درخت کے تنے کی آڑ لے کر اندھا دھند چاروں طرف گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ پھر وہ ریوالور کے خالی چیمبر بھرنے کے لئے رکا ہی تھا کہ اس پر بیک وقت کئی آدمی ٹوٹ پڑے۔

"مل گیا.... مل گیا۔" ان میں سے ایک چیخا۔

❁

حمید حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا لیکن قاسم کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی تھی۔ نوکر شاگرد پیشے میں تھے لہٰذا ان تک اس کی آواز پہنچنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ لڑکی کو لانے کے بعد خود اسی نے نوکروں کو چھٹی دے دی تھی۔

وہ پھر جھلا کر قاسم کی طرف پلٹا۔

"اچھا.... مرو سالے.... جہنم میں جاؤ۔"

"اے.... گالی والی مت دینا۔" قاسم غرایا۔

"ابے خدا کی قسم وہ ٹائم بم ہے۔"

"میرے ٹھینگے پر...." قاسم لاپروائی سے بولا۔

"تمہارے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔"

"پرواہ نہ کرو....!" قاسم ہنس کر بولا۔ "میں تمہیں خوب سمجھتا ہوں.... اس میں بھی کوئی چال ہے۔ بتاؤ وہ لونڈیا کہاں ہے؟"

"لونڈیا کے بچے۔"

"خاموش....!" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ "زبان سے گدی کھینچ لوں گا۔ تم خود لونڈیاں کے بچے.... بلکہ چھوکری کے پلّے۔"

حمید پھر پلٹ کر دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹنے لگا۔ اچانک دوسرے کمرے میں لالٹین کی روشنی دکھائی دی۔

"کون ہے.... دروازہ کھولو....!"

"کون ہے....؟" اس نے جواب میں ایک نوکر کی آواز سنی۔

"جلدی کرو.... کھولو....!" حمید چیخا۔

دوسرے لمحے میں دروازہ کھل گیا اور حمید کسی پاگل کتے کی طرح کمرے سے نکل کر چیختا ہوا بھاگا۔ "نکل آؤ.... باہر نکل آؤ.... خطرہ ہے۔"

اب قاسم کی کھوپڑی کی برف بھی کچھ پگھلی وہ سوچنے لگا اگر یہ مذاق ہوتا تو حمید نوکروں کے سامنے اس قسم کی حرکت نہ کرتا۔

نوکر حمید کے پیچھے ہی دوڑتے چلے گئے تھے اور اب پھر اندھیرا چھا گیا تھا۔

کمرے کے سناٹے میں قاسم کو ٹائم بم کی "ٹک ٹک" صاف سنائی دے رہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض واہمہ ہی رہا ہو کیونکہ بم اس سے پانچ یا چھ گز کے فاصلے پر تھا۔

"ارے.... بباپ رے۔" قاسم اچانک اچھل کر بھاگا سب سے پہلے دیوار سے ٹکرایا۔ پھر دروازے سے نکل کر دوسرے کمرے میں اوندھے منہ فرش پر جا گرا۔

"حمید بھائی۔" وہ اپنی پوری قوت سے چیخا اور پھر اٹھ کر ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ کئی منٹ تک وہ مختلف کمروں میں چکراتا پھرا لیکن اسے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملا۔ ایک تو بدحواسی ہی اس پر بُری طرح مسلط تھی.... اور پھر اندھیرا........

پھر نہ جانے کیوں اسے چپ سی لگ گئی وہ اب حمید کو آوازیں بھی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی حالت ایک اندھے گونگے اور بہرے آدمی کی حالت سے مشابہ تھی۔ ذہن میں صرف ایک خیال تھا کہ کسی طرح وہ جلد سے جلد باہر نکل جائے اور وہ باہر کیوں جانا چاہتا تھا؟ اس کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ اسے یاد ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ باہر کیوں نکلنا چاہتا ہے۔

دفعتاً ایک اتنا زبردست دھماکہ ہوا کہ قاسم کی آنکھوں کے سامنے زمین و آسمان کے چمکدار چیتھڑے اڑنے لگے وہ لہرا کر دھم سے فرش پر گرا۔

حمید اور سارے نوکر باہر لان پر اوندھے پڑے تھے۔

آخر تھوڑی دیر بعد ان کے حواس درست ہوئے۔ قرب و جوار کی کوٹھیوں سے لوگ نکل کر فریدی کی کوٹھی کی طرف آ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

فریدی کسی وحشی درندے کی طرح ان لوگوں سے لڑ رہا تھا۔ پہلے دو ہی تین تھے مگر اب ان کی تعداد دس تک پہنچ گئی تھی۔

ایک بار پھر وہ جھکائی دے کر ان کے نرغے سے نکل گیا۔ ابھی اس کے دوسرے ہولسٹر میں ایک بھرا ہوا ریوالور باقی تھا۔ ایک تو اس نے اس جدوجہد کے دوران ہی میں کھو دیا تھا۔ ان سے الگ ہوتے ہی اس نے پے در پے دو فائر کئے اور پھر وہ اندھیرے میں دوڑتا چلا گیا۔

حملہ آور ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے۔

"آگے بڑھو....!" کسی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہماری جانیں فالتو نہیں ہیں۔" کسی دوسرے نے کہا۔ "تم خود کیوں نہیں بڑھتے؟"

"اچھا....!" غرائی ہوئی آواز کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا۔ ایک چیخ ابھری اور شاید احتجاج کرنے والا ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو گیا۔

کوئی کچھ نہ بولا اور نہ کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔

"کیا تمہاری شامت آ گئی۔" غرائی ہوئی آواز پھر سناٹے میں گونجی۔

"کیا کریں جناب اندھیرا۔" کسی نے دبی سی آواز میں کہا۔

"اندھیرے کے بچے! اگر وہ بچ کر نکل گیا تو پھر ہم شہر میں قدم بھی نہ رکھ سکیں گے۔ تم سب نے مل کر اس وقت کا کھیل بگاڑا ہے۔"

مخالف سمت سے پے در پے تین فائر ہوئے اور ادھر دو چیخیں بلند ہوئیں۔

شاید سچ مچ فریدی کا دماغ پھر گیا تھا۔ خطرات میں گھرے ہونے کے باوجود بھی وہ بار بار پلٹ پڑتا تھا۔ دو فائر پھر ہوئے لیکن حملہ آوروں کی طرف سے اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ وہ سب بے تحاشہ زمین پر لیٹ گئے تھے۔

پھر قریب ہی کے ایک درخت پر سے ان پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور ساتھ ہی دو فائر پھر ہوئے۔ دو چیخیں.... اور پھر فریدی درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا دیر تک ان کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔

مل گئی

دوسری صبح حمید کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ کوٹھی کے دو کمرے ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئے تھے۔ قاسم ہسپتال میں تھا۔ اسے چوٹ تو نہیں آئی تھی لیکن دھماکے نے اس کے اعصاب پر بُرا اثر ڈالا تھا۔ رات ہی کو اس کے محکمے کے چند ذمہ دار آفیسر پہنچ گئے تھے اور انہوں نے اپنے سوالات سے ناک میں دم کر دیا تھا۔ لیکن حمید نے انہیں اصل واقع کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ اس نے ان سے یہی کہا کہ وہ اس دھماکے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔ قاسم کے بارے میں بتایا کہ وہ کوٹھی میں تنہا تھا اور قاسم کو تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنی زبان بند ہی رکھے۔

اس حال کو پہنچ جانے کے بعد قاسم میں اتنی ہمت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ حمید سے بحث کر
اس نے چپ چاپ اس کے کہنے پر عمل کیا۔ ڈی ایس پی سٹی نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کی لیکن
اس کے علاوہ اور کچھ نہ معلوم کر سکا کہ قاسم سو رہا تھا۔ اچانک اس کی آنکھ کھلی اور اسے ایسا محسو
ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ پھر اس کے بعد کے واقعات اس کی یادداشت سے محو ہو گئے۔ بیان حمی
تھا اور زبان قاسم کی۔

یہ سب کچھ ہوا مگر فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کو سب سے زیادہ تشویش اسی کے متعل
تھی اسے یقین تھا کہ اسے بھی کوئی نہ کوئی حادثہ ضرور پیش آیا ہو گا کیونکہ مجرم اس کی اسکیم
واقف ہو گئے تھے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ لڑکی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے فریدی کی کو
تک کس طرح پہنچتے۔ حمید کو یقین تھا کہ پچھلی رات کسی نے بھی اس کی کار کا تعاقب نہیں کیا تھ
پھر ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا تھا کہ مجرم پوری اسکیم سے قبل از وقت
واقف ہو گئے تھے۔

فریدی کے لئے وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ مگر وہ اسے ڈھونڈتا بھی کہاں اس نے اپنی پور
اسکیم سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس کا کام بس اس لڑکی کے اغواء کے بعد ہی سے ختم ہو گیا تھا اور ا
اس وقت تک لڑکی کو کوٹھی ہی میں روکے رکھنا تھا جب تک کہ فریدی واپس نہ آجاتا۔ اس ک
بعد کا کیا پروگرام تھا۔ یہ فریدی کو معلوم تھا یا خدا کو!

حمید دن بھر اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ لیکن فریدی کہیں نہ ملا۔ ایک بار اس نے "سیلرس کلب"
پر بھی چھاپا مارا۔ سیلرس کلب کا مالک پُراسرار طور پر کہیں غائب ہو گیا تھا.... ملازمین موجود تھ
لیکن وہ اس کے متعلق کوئی ایسی بات نہ بتا سکے جس سے اس کی روپوشی کی وجہ ظاہر ہو سکتی۔ پھ
حمید نے اس لڑکی کے متعلق استفسار کیا۔ لیکن جواب میں وہی سب کچھ معلوم ہو سکا جس کا عل
حمید کو پہلے ہی تھا۔ لیکن ملازمین لڑکی کی شخصیت پر روشنی نہ ڈال سکے اور وہ ان دونوں آدمیو
سے بھی واقف نہیں تھے جو لڑکی کی نگرانی کرتے تھے۔ لڑکی ہی کی طرح وہ دونوں بھی ان کے
لئے پُراسرار تھے۔

حمید کے ساتھ انسپکٹر جگدیش اور چند کانسٹیبل تھے۔ انہوں نے پوری عمارت کی تلاشی لی
حمید نے اس کمرے کو خاص طور سے دیکھا جس میں لڑکی اور اس کے دونوں نگران مقیم تھے۔ ایک

یک چیز الٹ پلٹ ڈالی لیکن کوئی ایسا سراغ نہ ملا جس سے مجرموں کی شخصیت پر روشنی پڑتی۔
آخر تھک ہار کر وہ ہسپتال کی طرف واپس آگیا۔ قاسم ابھی ہسپتال ہی میں تھا۔
حمید کو دیکھ کر اس نے بُرا سا منہ بنایا۔
"کب تک یہاں پڑا رہوں گا۔" اس نے کراہ کر کہا۔
"کیا تم یہاں سے چلنا چاہتے ہو؟"
"اور نہیں تو کیا یہاں زندگی بسر کرنے آیا ہوں۔ سالیاں مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستی ہیں۔"
"کون....؟"
"یہی نرسیں! سالیاں....!"
"تب تو پھر تمہارے مزے ہی مزے ہیں۔" حمید کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔
شاید وہ آج صبح سے اس وقت تک پہلی بار مسکرایا تھا۔
"میاں بس ختم کرو.... خدا غارت کرے ان عورتوں کو.... ان کی بدولت!"
"اچھا تم ٹھہرو.... میں تمہیں لے چلنے کا انتظام کرتا ہوں۔" حمید نے کہا اور ڈاکٹر کے
رے کی طرف چلا گیا۔
تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہسپتال سے گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔ قاسم اچھا خاصا تھا اور اب
ملے کے اثرات اس کے اعصاب پر سے زائل ہو گئے لیکن وہ خائف اب بھی تھا۔
راستے میں زیادہ تر خاموشی رہی۔ صرف ایک بار قاسم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا تھا۔
"حمید بھائی! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"
"کیوں.... کس لئے؟"
"میں تمہاری باتوں میں آکر بھی مصیبت میں پڑتا ہوں اور نہ آؤں تب بھی میرے لئے
نہ کوئی وبال کھڑا ہو جاتا ہے۔"
"میں نہیں سمجھا۔"
"تمہارا کہنا ماننے پر مجھے گھر چھوڑنا پڑا۔ اور جب پچھلی رات میں نے طے کر لیا تھا کہ تمہاری
بات میں کبھی نہ آؤں گا تو مجھے چوہوں کی سی موت نصیب ہوتے ہوتے رہ گئی۔"
حمید بے اختیار مسکرا پڑا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ اس کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

کیڈی شہر کی ایک پُر رونق شاہراہ سے گزر رہی تھی۔

اچانک حمید چونک پڑا۔ اتفاقاً اس کی نظر ملبوسات کی ایک دوکان کی طرف اٹھ گئی تھ
اسے وہاں جو کچھ بھی نظر آیا وہ اسے چونکا دینے کے لئے کافی تھا۔

اس نے کیڈی فٹ پاتھ سے لگا کر روک دی۔

"کہاں چلے....؟" قاسم بولا۔

"وہی لڑکی.... رات والی....!"

قاسم نے اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔

"یہ کیا حرکت....؟" حمید جھلا کر پلٹا۔

"جانے دو حمید بھائی! خدا کے لئے جانے دو۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اب اپنے قریب کوئی لڑکی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"الگ ہٹو....!" حمید اسے دھکا دے کر باہر نکل گیا۔

قاسم نڈھال ہو کر سیٹ پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔ حمید اس کی طرف دھ
دیئے بغیر ملبوسات کی دوکان میں گھس گیا۔

لڑکی سیلز گرل کی طرف متوجہ تھی اور اس کے پیروں کے قریب چمڑے کا ایک سفری
رکھا ہوا تھا۔ حمید اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں کے درمیان فاصلہ اتنا کم رہ گیا تھا کہ
گرل چونکے بغیر نہ رہ سکی اور وہ لڑکی اس سے گفتگو کرنے میں اتنی محو تھی کہ اسے حمی
موجودگی کی خبر نہ ہو سکی۔ لیکن پھر سیلز گرل کے کے چہرے پر استعجاب کے آثار دیکھ کر مڑی

"اوہ....!" اس کے منہ سے بیساختہ نکلا۔

حمید نہ تو اپنی جگہ سے ہٹا اور نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہوئی اس کے ہونٹ بھنچے ہ
تھے اور وہ براہِ راست لڑکی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" اس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

حمید نے جواب میں جیب سے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ چند لمحے اسے آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہی پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔ "
نہیں سمجھتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میری کار باہر موجود ہے۔" حمید نے سرد لہجے میں کہا۔

"اوہ.... اچھا....!" اس نے کہا اور پھر سیلز گرل کی طرف دیکھ کر ندامت آمیز لہجے میں
لی۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ مجھے ذرا ایک کام یاد آ گیا ہے میں جلد ہی واپس آ جاؤں گی۔"

اس نے بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف مڑ گئی۔

حمید اس کے آگے چل رہا تھا۔

حمید نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور وہ دونوں اندر بیٹھ گئے۔ قاسم منہ پھاڑے انہیں
یکھ رہا تھا۔

"چلو.... ڈرائیو کرو....!" حمید نے قاسم سے کہا۔

"پھر لے چلو گے انہیں؟" قاسم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ہاں.... اور اس بار میں شرافت سے پیش نہیں آؤں گا۔" حمید نے کہا۔

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اب اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار نہیں تھے۔ حمید نے پھر اس کے
راز میں پچھلی رات کی سی بے فکری اور لاپروائی محسوس کی۔

"وہ لوگ کہاں گئے؟" حمید نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"لیکن اس وقت تمہارے محافظ کہاں ہیں؟"

"میں نہیں جانتی۔ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ میرا خیال ہے کہ اب میں اس شہر کی سڑکوں پر
لوں کی طرح چیختی پھروں گی۔"

حمید اسے گھورنے لگا۔

لڑکی پھر بولی۔ "ایسے بدمعاشوں سے آج تک میرا سابقہ نہیں پڑا تھا۔"

"کیسے بدمعاش؟"

"تم جیسے....!" لڑکی بولی۔ "اتنے دیدہ دلیر کہ علانیہ خود کو محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آفیسر
ہر کریں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں براہِ راست کوتوالی پہنچایا جائے۔" حمید بھنا کر بولا۔

لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "اگر تم لوگ اس کا مقصد بتا دو تو میں پاگل

ہونے سے بچ جاؤں۔"

"میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم یک بیک آزاد کیسے ہوگئیں؟"

"میں خود بھی نہیں جانتی.... آج صبح جب میں باہر نکلی تو میرے ساتھ کوئی بھی نہیں ت بس اس کے علاوہ مجھے اور کسی بات کا علم نہیں۔"

"سیلرس کلب کا مالک اس وقت موجود تھا؟"

"نہیں! میں نے معمولی ملازمین کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا۔"

"وہ لوگ کون تھے جو تمہیں پچھلی رات ہمارے پاس سے لے گئے تھے؟"

"میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتی۔"

"پہلے کبھی نہیں دیکھا....؟"

"نہیں....!"

حمید چند لمحے خاموشی سے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم پچھلی رات کسی بڑے مونچھ والے کا تذکرہ کررہی تھیں۔ کیا وہ کوئی چینی ہے؟"

"نہیں! وہ چینی تو ہرگز نہیں ہوسکتا۔" لڑکی بولی۔ "چینیوں کے چہرے کی ساخت ہی ا ہوتی ہے۔"

"کیا ان میں کبھی تمہیں کوئی چینی بھی نظر آیا ہے؟"

"کبھی نہیں.... مجھے یقین ہے کہ.... میں نے کسی چینی کو ان میں نہیں دیکھا۔"

"سیلرس کلب میں....؟"

"وہ تو دوسری بات ہے.... وہاں سینکڑوں گاہک آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان میں ہر نسل قوم کے آدمی ہوتے ہیں۔"

"اچھا.... یہ تو بتاؤ.... کیا یہ ضروری ہے کہ میں تمہارے بیانات پر یقین ہی کرلوں۔"

"قطعی نہیں.... مجھے یقین ہے کہ آپ یقین نہ کریں گے۔"

"جانتی ہو.... پچھلی رات تمہارے ساتھی ہمارے یہاں ایک ٹائم بم چھوڑ گئے تھے جو بعد پھٹ گیا۔"

"ارے....!" لڑکی اچھل پڑی۔ پھر اس نے خوفزدہ سی آواز میں پوچھا۔ "کوئی مرا تو نہیں۔"

"نہیں.... لیکن دو کمرے ڈھیر ہوگئے ہیں۔"

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید نے قاسم سے کہا۔ "گھر کی طرف چلو۔"

"ہائیں.... کوتوالی تو چل رہے تھے۔" قاسم نے کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر گلوگیر آواز میں بولا۔ "حمید بھائی کوتوالی ہی چلو۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں کرو.... ورنہ پھر کسی مصیبت میں پڑو گے۔"

"اچھا بھائی....!" قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

کیڈی چلتی رہی۔

کچھ دیر بعد حمید پھر اس لڑکی سے مخاطب ہوا۔ "مگر گلو خلاصی کا موقع ہاتھ آنے کے بعد بھی تم اسی شہر میں کیوں موجود رہیں کیا تمہیں دوبارہ پکڑ لئے جانے کا خوف نہیں ہے؟"

"اگر آپ میرے چند سوالات کا تشفی بخش جواب دے دیں تو میں ہر قسم کی گفتگو کے لئے تیار ہوں۔"

حمید اسے تیز نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے لڑکی ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو۔

"قبل اس کے کہ تم کوئی بات بناؤ۔ میں یہ بتادینا ضروری سمجھتا ہوں کہ پولیس کی نظروں میں تمہاری پوزیشن صاف نہیں ہے۔"

"کچھ بھی ہو لیکن میں ان سوالات کا جواب ہر حال میں چاہوں گی۔ رہی پولیس کی بات.... تو مجھے آج تک دنیا کی کسی چیز سے خوف نہیں محسوس ہوا۔" لڑکی بولی۔

"ہوں....!" حمید اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"

"پہلی بات تو یہ کہ مجھے اس طرح اغوا کرنے کا کیا مطلب تھا؟"

"تمہارے ذریعہ ہم چند خطرناک مجرموں تک پہنچنا چاہتے تھے۔"

"کیا پولیس بھی اس قسم کے طریقے اختیار کرسکتی ہے؟"

"تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔"

"مگر میں سمجھنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ ان مجرموں کو براہ راست نہیں پکڑ سکتے تھے؟"

"تمہیں ان معاملات سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"ہونا چاہئے۔" لڑکی سخت لہجے میں بولی۔ "کیونکہ میرا وجود بھی ان گورکھ دھندوں میں ا ہوا ہے۔"

"کن گورکھ دھندوں میں....؟"

"دیکھئے! میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ اصل حالات کی مجھے خبر نہیں!"

"لیکن تم سمجھنا ہی کیوں چاہتی ہو۔ جب کہ تمہیں ابھی تک ان کی ذات سے کوئی نقص نہیں پہنچا اور پھر اب تم آزاد بھی ہو۔"

"آزاد....!" لڑکی نے تلخ لہجے میں کہا اور سر ہلا کر رہ گئی۔

"کیوں.... کیا تمہیں اس میں بھی شبہ ہے؟"

"ہاں! وجوہات ہیں.... یہ بیگ۔" اس نے اپنے سفری بیگ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ' کل رات تک میرے پاس نہیں تھا۔ آج صبح جب میں سو کر اٹھی تو یہ مجھے اپنے سرہانے ملا۔ ا میں ایک کثیر رقم موجود ہے اور میرے نام ایک تحریر بھی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اب : آزاد ہوں اور جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔ خیر یہ سب تو کچھ بھی نہیں۔ ان میں سب سے ز حیرت انگیز چیز میرا اپنا پاسپورٹ ہے جو نیویارک کے لئے حاصل کیا گیا ہے لیکن میرے فرشتو کو بھی اس کے مقصد کا علم نہیں۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نیویارک جانے کی خواہش نہ کی۔ پھر نہ صرف پاسپورٹ بلکہ ویزا بھی موجود ہے۔ کرنسی میں کچھ رقم امریکن سکوں کی شک میں بھی ہے.... ذرا مجھے ان سب کا مقصد سمجھائیے۔"

لڑکی نے بیگ کھول کر حمید کے سامنے رکھ دیا۔

کیڈی کوٹھی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ حمید کو پھاٹک پر ایک آدمی دکھائی دیا جس کا چہرہ پٹیو سے ڈھکا ہوا تھا صرف آنکھیں ناک اور دہانہ نظر آ رہا تھا۔ حمید کے چہرے پر چھائی ہوئی مرد یکلخت غائب ہو گئی۔ کیونکہ وہ آدمی فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

قاتلہ کے روپ میں

تھوڑی دیر بعد وہ سب برآمدے میں بیٹھے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

حمید اپنی داستان سنا چکا تھا اور اب اسے توقع تھی کہ فریدی بھی کچھ کہے گا لیکن وہ خاموش ر

رہا۔ اس کی نظر لڑکی کے چہرے پر تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تم یہاں آنے سے قبل کہاں تھیں؟"

قبل اس کے کہ لڑکی کوئی جواب دیتی حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اتنی دیر میں پہلی بار اس نے فریدی کی آواز سنی تھی۔

"کیا بات ہے؟" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں۔" حمید فوراً سنبھل گیا۔ "ذرا مجھے ایک صاحب کو فون کرنا ہے۔"

پھر وہ ان تینوں کو برآمدے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کے چہرے پر اندرونی ہیجان کے آثار تھے۔ اس نے میز کی دراز کھول کر اپنا ریوالور نکالا اور اسے جیب میں ڈال کر پھر واپس جانے کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

حمید نے بُرا سا منہ بنا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا حمید ہو؟"

حمید کے ذہن کو جھٹکا سا لگا اور اس کا پورا جسم کانپ کر رہ گیا۔ کیونکہ یہ سو فیصدی فریدی کی آواز تھی۔

"ہیلو کون ہے؟" دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔

"میں حمید ہوں۔"

"اوہ.... کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" حمید نے ہلکے سے قہقہے کی آواز سنی۔

"آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"اس کی فکر نہ کرو.... تم لوگوں پر جو کچھ گزری.... مجھے معلوم ہے۔"

"مگر برآمدے میں ایک دوسرا فریدی موجود ہے لیکن بیچارے کو اپنی آواز پر قابو نہیں۔ لہٰذا میں اس کی آواز صاف کرنے جا رہا ہوں۔"

"ٹھہرو.... میں نے تمہیں اسی لئے فون کیا تھا کہ کہیں تم کوئی گڑبڑ نہ کرو۔ وہ انور ہے۔"

"اچھا....!" حمید ایک لمبی سانس لے کر رہ گیا۔ پھر اس نے مختصر الفاظ میں لڑکی کے متعلق اسے سب کچھ بتا دیا۔

"اچھا دیکھو.... اس لڑکی کو اپنے ساتھ ہی رکھو۔ یہ کم بخت جو چال میرے ساتھ چل چکے

ہیں وہی اب ان کے منہ پر ماروں گا۔ فکر نہ کرو۔ انور کے پاس پورا پروگرام ہے۔ تمہار
قاسم کے پاسپورٹ بھی اسی کے پاس ہیں۔ اگر قاسم نے اپنا خیال بدل دیا تو اسے مجبور کر
ضرورت نہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ انور سے الجھنے کی کوشش مت کرنا.....“

”گویا مجھے اس کے احکام کی تعمیل کرنی پڑے گی۔“ حمید بگڑ کر بولا۔

”نہیں پیارے.... وقتی ضرورت.... اچھا بس۔ فکر مت کرو۔ میں لڑکی کے مسئلے
کرنے کے بعد پھر فون کروں گا۔ اُسے فی الحال روکے رہو۔“

”اچھا جناب....!“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”حالانکہ اب قاسم جیسے دیو کا یہ عالم
لڑکیوں کی شکل ہی دیکھ کر پسینہ چھوڑ دیتا ہے۔“

فریدی نے ایک ہلکے سے قہقہے کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید بڑے اطمینان سے ٹہلتا ہوا برآمدے میں واپس آگیا۔ یہاں لڑکی فریدی کے
سے الجھی ہوئی تھی۔

”تم رمبا ناچنا جانتی ہو....؟“ حمید نے لڑکی سے پوچھا۔

وہ بڑی سرگرمی سے انور سے بحث کر رہی تھی۔ اس بے تکے سوال پر جھلا گئی۔

”میں اب صرف موت کا ناچ ناچوں گی۔“

”بہت اچھا....!“ حمید مسکرا کر قاسم کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”اس ناچ کے لـ
سے بہتر ہم رقص تمہیں کہیں نہ ملے گا۔“

اس نے ایک بار قاسم پر قہر آلود نظر ڈالی اور پھر انور سے مخاطب ہو گئی۔ ”ہاں....
بات کا جواب دیجئے۔“

”تمہاری بات کا جواب یہ ہے کہ ابھی ہم لوگ تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔“ انور

”مجھے جھونکئے جہنم میں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ آخر وہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں

”نہ میں تمہیں جہنم میں جھونک سکتا ہوں۔“ حمید بولا۔ ”اور.... نہ....!“

انور نے حمید کو گھور کر دیکھا اور حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ انور ہر معاملے
فریدی کی نقل اتارنے کی کوشش کر رہا ہے۔

قاسم خاموش بیٹھا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب اس کو ذبح کر

وگرام بنا رہے ہوں۔

لڑکی بُری طرح بپھر گئی تھی۔ اس نے چیخ کر کہا۔ ”مجھے جانے دو۔“

”یہاں سے جانے کی صورت میں تم حوالات میں ہو گی۔“ حمید بولا۔

”مجھے اس کی پرواہ نہیں.... وہاں کم از کم میرے لئے الجھنیں تو نہ ہوں گی۔“

”الجھنیں تو نہ ہوں گی لیکن وہاں مجھ جیسے شریف آدمیوں سے ملاقات ناممکن ہے۔“ حمید
نے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔ میں تم پر حیرت انگیز انکشاف کروں گا۔“

لڑکی کے چہرے پر جھلاہٹ کے ساتھ ہی ندامت کے آثار بھی ابھر آئے۔

پھر وہ ہنسنے لگی لیکن اس ہنسی میں رو دینے کا سا انداز شامل تھا۔

”چلو چلو! بہت سی باتیں ہیں۔“ حمید اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ قاسم بڑی بے چینی سے
ہلو بدلنے لگا تھا، دو تین بار کھنکارا بھی لیکن جب حمید کے ہاتھ پکڑنے پر وہ کھڑی ہی ہو گئی تو
ں نے بڑی بے بسی سے انور کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا وہ اسے فریدی ہی سمجھ رہا تھا اور اسے
قع تھی کہ وہ حمید کو اس حرکت سے باز رکھے گا۔

اور پھر جیسے ہی حمید لڑکی کو اندر لے جانے کے لئے مڑا قاسم پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ لڑکی
دل نخواستہ حمید کے ساتھ چل رہی تھی۔

آخر وہ ایک جگہ رک گئی۔

”کیا کہنا چاہتے ہیں آپ....؟“

”چلی آؤ.... میں تمہیں اس ٹائم بم کی تباہ کاریاں دکھاؤں گا۔“

”مجھے یقین ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہو گا۔ وہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ انہوں نے مجھے حاصل
رنے کے سلسلے میں دو تین خون کئے تھے۔“

وہ پھر حمید کے ساتھ چلنے لگی تھی۔ حمید نے اسے وہ دونوں کمرے دکھائے جو اب اینٹوں اور
اسٹر کا ڈھیر تھا۔

لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر اس نے پوچھا۔ ”ان صاحب کے چہرے پر پٹیاں کیسی
دھی ہوئی ہیں؟“

”چوٹیں ہیں....!“

"کیا.... وہ یہاں تنہا تھے۔" لڑکی نے خوفزدہ انداز میں ملبے کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں.... بہر حال یہ سب کچھ تمہارے ہی سلسلے میں ہوا ہے۔"

"آخر آپ لوگوں کو مجھ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟"

جواب میں حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر کچھ دیر ٹھہر کر بولا۔ "آؤ واپس چلیں۔"

اب حمید اسے اپنے کمرے میں لایا۔ قاسم اور انور شاید اب بھی برآمدے ہی میں تھے۔

"تم پہلے کس قسم کے لوگوں میں تھیں۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"میں نے پچھلی رات آپ کو جو کچھ بھی بتایا تھا اس میں رتی برابر بھی جھوٹ نہیں۔ کچھ بھ ہو وہ لوگ اتنے خطرناک نہیں تھے وہ جوئے کے اڈے چلاتے تھے اور میرا کام یہ تھا کہ میں شہ کے دولت مند لوگوں کو ان اڈوں تک پہنچاتی تھی۔ لیکن آخر یہ لوگ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے تھے؟ میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گی۔"

"تم پھر بہکنے لگیں.... اچھا ہٹاؤ.... چھوڑو ان باتوں کو۔"

"میں بہکنے لگی ہوں؟" لڑکی نے استفہامیہ انداز میں پوچھا اور پھر اس پر جھلاہٹ طاری ہو گئی۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!"

"کون ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ حمید نے آواز پہچان لی۔ دوسری طرف سے بولنے والا فریدی ہی تھا۔

"حمید....!"

"اچھا.... ہاں دیکھو تم نے لڑکی کے پاسپورٹ کے متعلق یہی کہا تھا کہ وہ نیویارک کیلئے ہے۔"

"جی ہاں.... اور ویزا بھی ہے۔"

"پاسپورٹ صرف امریکہ کے لئے یا بین الاقوامی ہے؟"

"صرف امریکہ کے لئے.... اور ویزا صرف نیویارک کے لئے ہے۔"

"خوب.... یہ بڑی دلچسپ بات ہے اور ہاں کل تم لوگ بھی نیویارک کیلئے روانہ ہو جاؤ گے۔"

"پیدل....؟" حمید جھلا گیا۔

"بکواس مت کرو۔ انور کے پاس تم لوگوں کے بین الاقوامی پاسپورٹ موجود ہیں لیکن لڑکی

ہارے ساتھ ہوگی۔"

"کیا....؟" حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو.... سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔ لیکن اگر وہ چلنے پر رضامند نہ ہوئی تو...." حمید نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے انسیسی زبان میں کہا۔

"کیا وہ اس وقت تمہارے قریب ہی موجود ہے؟"

"جی ہاں....!"

"اچھا.... اگر وہ تیار نہ ہو تو اس سے اتنا ضرور کہہ دینا کہ راجن کو ختم کرنے کے لئے نیلی لھیا استعمال کی گئی تھی۔"

"ذرا وضاحت کیجئے.... میں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید ریسیور رکھ کر لڑکی کی طرف مڑا۔ جو ہ ایک آرام کرسی میں پڑی ہوئی حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں.... آپ مجھ سے کہنا کیا چاہتے تھے؟"

"صرف اتنی سی بات کہ ایک بار دھوکا کھا جانے کے باوجود بھی تم پر اعتماد کر لینے کو دل چاہتا ہے۔"

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ مجھے مطلق علم نہیں کہ میرے جانے کے بعد کیا ہوا۔"

"اور نہ یہی جانتی ہو کہ اب کیا ہوگا۔"

"میں قطعی نہیں جانتی اور آپ کو آگاہ کر دینا چاہتی ہوں کہ اگر اب کچھ ہوا تو اس کی ذمہ ری مجھ پر نہیں ہوگی۔"

"میں نہیں سمجھا....!"

"جن حالات میں میری گلوخلاصی ہوئی ہے کیا وہ قابل اطمینان ہیں؟"

"ہرگز نہیں....!"

"پھر ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ان لوگوں کی کوئی چال ہو۔"

"تمہیں اس کا اعتراف ہے؟"

لڑکی چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "ہاں مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میری

سمجھ میں یہی آتا ہے.... آخر آپ مجھے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں پھانسنے کی کوشش کیوں کررہے ہیں؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ آہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ گفتگو کبھی ختم نہ ہو۔"

حمید نے بڑی لمبی سانس کھینچی تھی لیکن قبل اس کے کہ وہ کوئی دوسرا جملہ کہتا انور اور قاسم بھی وہاں آگئے۔

"اچھا باقی آئندہ۔" حمید سر ہلا کر بولا اور انور اسے گھورنے لگا۔

"ذرا میری ایک بات سنئے گا۔" حمید نے انور سے کہا اور قاسم سے یہ کہتا ہوا کہ وہ وہیں ٹھہرے کمرے سے باہر نکل گیا۔ انور اس کے پیچھے تھا۔ حمید اسے دوسرے کمرے میں لایا۔

"شاید آپ کا گلا بھی گھونٹا گیا تھا پچھلی رات کو....!"

"کیوں....؟" انور نے کہا۔

"آواز کچھ اسی طرح بھیک مانگ رہی ہے۔"

"کیا بکواس ہے....؟" انور جھلا گیا۔

"سنو بیٹا! میں حمید ہوں۔ تمہیں فریدی بننا مبارک.... لیکن اگر میری شان میں ذرہ برابر بھی گستاخی سرزد ہوئی تو تمہاری ناک اکھاڑ لوں گا۔"

بات بڑھ جاتی لیکن ٹیلی فون کی گھنٹی آڑے آئی۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر اس کمرے میں آئے جہاں لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ حمید نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا لیکن پھر اس نے اسے انور کی طرف بڑھا دیا۔ شدید کال اسی کے لئے تھی۔

انور گفتگو کے دوران میں زیادہ تر "ہوں.... ہاں" کرتا رہا۔

وہ شام بڑی خوشگوار گذری۔ کئی بار حمید اور انور میں جھڑپیں بھی ہوئیں لیکن بات زیادہ نہیں بڑھنے پائی۔ قاسم پر البتہ قبرستان کا سناٹا طاری تھا۔

رات کو سارے خطرناک کتے کمپاؤنڈ میں آزاد چھوڑ دیئے گئے۔

حمید چونکہ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے آٹھ ہی بجے سے خراٹے لینے شروع کردیئے۔ اس کے بعد پھر قاسم بھی سوگیا۔ انور جاگتا رہا۔ وہ بار بار کوٹھی کے مختلف حصوں کے چکر کاٹتا اور پھر ڈرائنگ روم میں آبیٹھتا۔

لڑکی ایک کمرے میں تنہا سوئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ انور کے جاگتے رہنے کا مقصد لڑکی کی نگرانی رہا ہو۔ کیونکہ وہ ہر چکر میں اس کے کمرے کے سامنے ضرور رکتا تھا۔ بیرونی برآمدے میں جانے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ کیونکہ باہر انتہائی خطرناک قسم کے کتوں کا راج تھا۔

کرسی کی پشت سے ٹک کر انور نے سگریٹ سلگائی اور ابھی دو ہی تین کش لئے تھے کہ اسے قریبی راہداری میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

سگریٹ کو ایش ٹرے میں رگڑتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

اس وقت کوٹھی کے کسی حصے میں بھی اندھیرا نہیں تھا حتی کہ حمید اور قاسم نے بھی سوتے وقت اپنے کمروں کے بلب نہیں بجھائے تھے۔

انور کو راہداری میں وہ لڑکی نظر آئی وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھی لیکن.... اس کی آنکھیں بند تھیں۔ شانے نیچے کی طرف ڈھلکے ہوئے تھے اور ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جس کے لئے تشبیہ کی تلاش بے سود! زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا تھا کہ وہ اس وقت ایک ایسی معصوم بچی معلوم ہورہی تھی جو سوتے میں مسکرا پڑی ہو۔ مگر یہ تشبیہ بھی ادھوری تھی۔ کیونکہ بچیوں کی مسکراہٹ میں جنسیت کا لگاؤ نہیں ہوتا۔

وہ انور کے قریب سے نکل گئی۔ راہداری روشن تھی ممکن ہے انور سے اس کا فاصلہ ایک فٹ سے بھی کم رہا ہو۔ لیکن لڑکی کی حالت میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔

پھر اچانک انور کی نظر اس خنجر پر پڑی جو لڑکی کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ لیکن پھر رک گیا۔ کیونکہ لڑکی بھی حمید کے کمرے کے دروازے پر رک گئی تھی۔

اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور کمرے میں چلی گئی انور بھی بجلی کی سی تیزی سے ساتھ کمرے میں داخل ہوگیا۔

حمید چت پڑا سو رہا تھا۔ لڑکی ٹھیک اس کے پلنگ کے پاس رک گئی۔ پھر اس کا خنجر والا ہاتھ بلند ہوا لیکن وہ دوسرے ہی لمحے میں انور کی گرفت میں تھا۔

لڑکی کراہ کر پلٹی اور پھر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ سرخ سرخ ڈراؤنی آنکھیں.... خنجر فرش پر گر گیا۔ حمید مردوں سے شرط باندھ کر سویا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر اسے خبر تک نہ ہوئی۔

اچانک لڑکی کے منہ سے ایک خوفزدہ سی چیخ نکلی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فرش پر پڑے

ہوئے خنجر کو دیکھنے لگی۔

"نہیں.... نہیں۔"

وہ سسکیاں لینے لگی۔

"وہ.... وہ.... دونوں تصویریں.... تھیں.... میں اب.... ہوش میں.... ہوں. بالکل.... ہوش میں ہوں.... وہ تصویریں تھیں.... خنجر بھی بیگ میں تھا۔"

دوسری لڑکی

جیسے ہی ہوائی جہاز کے پہیوں نے زمین چھوڑی۔ قاسم کے حلق سے بیک وقت کئی قسم آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ یہ اس کا پہلا ہوائی سفر تھا اور ایر ہوسٹس جو ایک کافی خوبصورت لڑ تھی اسے شروع ہی سے تسلیاں دیتی رہی تھی لیکن جیسے ہی ہوائی جہاز اوپر اٹھا قاسم کو ایسا محسو ہوا جیسے اس کی کھوپڑی نیچے ہی رہ گئی ہو.... ہوسٹس قریب سے گذر رہی تھی۔ حمید نے قاسم طرف اشارہ کر کے اس سے کہا

"بھائی کو کچھ چاہئے۔"

"کیا چاہئے آپ کو....؟" ہوسٹس نے قاسم کی طرف جھک کر پوچھا۔

"پپ.... پپ.... پیراشوٹ۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

نہ صرف ہوسٹس بلکہ آس پاس کے دوسرے لوگ بھی ہنسنے لگے۔ حمید نے قاسم کے شا پر تھپکی دی اور وہ اس طرح اچھل پڑا جیسے اس کی پیٹھ پر سانپ چڑھ گیا ہو۔ قاسم اور انور حمید آگے والی سیٹوں پر تھے اور وہ پُر اسرار لڑکی حمید کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ انور اب بھی فریدی کی شکل میں تھا۔ لیکن اب کے چہرے پر پٹیاں نہیں تھیں۔ البتہ یہاں وہاں کچھ ایسے نشانات ضرو نظر آرہے تھے جیسے خون جم کر کھرنڈ پڑ گئی ہو، سر پر ابھی تک پٹی تھی۔ لڑکی نے اپنی نیویارک کی روانگی کے متعلق حیرت سے ضرور سنا تھا لیکن اس نے اس سے انکار نہیں کیا تھا۔ لہٰذا حمید کو د جملہ بھی نہیں دہرانا پڑا تھا جو انکار کی صورت میں فریدی کے کہنے کے مطابق دہرانا تھا یہ سب کچھ تو تھا ہی لیکن پچھلی رات کا واقعہ نوعیت کے اعتبار سے ایسا نہیں تھا کہ اسے نظر انداز کیا جاسکتا۔ انور نے جو شاید فریدی کے ٹھکانے سے واقف تھا اسے اس وقت فون پر اس واقعے کی اطلاع دے

دی تھی۔ اس پر فریدی نے جو رویہ اختیار کیا تھا اسے اس واقعے سے بھی زیادہ تعجب خیز کہنا چاہئے۔ اس نے اس واقعے کو کوئی اہمیت نہ دی اور انہیں تاکید کر دی کہ لڑکی سے اس کے متعلق قطعی کچھ نہ پوچھا جائے۔ دوسرے دن ان کے ساتھ لڑکی کی روانگی ضروری ہے۔

حمید بڑی الجھن میں تھا۔ نہ اسے اس جملے پر حیرت تھی اور نہ فریدی کے رویے پر۔ تعجب تو اسے اس خنجر پر تھا جس سے حملے کا ارادہ کیا گیا تھا۔ اس خنجر سے آدمی تو بہت بڑی چیز ہے ایک ننھا سا پرندہ بھی نہیں ہلاک کیا جاسکتا تھا۔ کیونکہ وہ چمکدار ٹین کا ایک ٹوائے ٹریگر (خنجر نما کھلونا) تھا لیکن لڑکی اس طرح بدحواس ہوگئی تھی جیسے وہ سچ مچ اقدام قتل کے سلسلے میں پکڑی گئی ہو اور پھر اس کے وہ بے ربط جملے.... حمید رات ہی سے کھول رہا تھا لیکن فریدی نے کہہ دیا تھا کہ اس سے کسی قسم کی باز پرس کی ہی نہ جائے اور شاید لڑکی بھی ان کے اس رویے پر حیران تھی اور اس پر سے یہ حیرت انگیز سفر وہ اس وقت گم سم بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ آنکھیں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں جیسے وہ اندھیرے میں کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

ہوائی جہاز بلندی پر پہنچ کر سیدھا ہوگیا۔

قاسم کے منہ سے پھر ایک بے ہنگم سی آواز نکلی۔

"کیا میں کچھ گفتگو کر سکتی ہوں۔" لڑکی نے حمید سے پوچھا۔

"ضرور.... یقیناً....!"

"نیویارک پہنچنے کے بعد میرا کیا حشر ہوگا؟"

"حشر... میں نہیں سمجھا.... بھئی میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

لڑکی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔

"ہم وہاں بہترین قسم کی جگہوں پر اعلیٰ قسم کی تفریح میں حصہ لیں گے۔" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ میں وہاں پہنچنے سے قبل ہی پاگل ہو جاؤں۔"

"تم ویسے ہی مجھے پاگل معلوم ہوتی ہو۔"

"میں رات والے واقعے کے متعلق گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ....!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "ہم اس مذاق سے کافی محظوظ ہوئے تھے۔"

"نہیں.... نہیں.... وہ مذاق نہیں تھا۔"

"پھر....؟" حمید نے اپنے لہجے میں حیرت کے آثار پیدا کئے۔

"میں کس طرح بتاؤں.... میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے شاید آپ سے اپنے مرض کا تذکر کیا تھا کہ میں نیند کی حالت میں چلتی ہوں۔"

"تم نے بتایا تھا۔"

"لیکن....!"

قبل اس کے کہ لڑکی جملہ پورا کرتی۔ انور پلٹ کر بولا۔ "بہتر ہو گا اگر ہم یہاں اس قسم کی گفتگو نہ کریں۔"

لڑکی نے حمید کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

"پرواہ نہ کرو۔" حمید نے کہا۔ "زندگی اسی کا نام ہے۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اب اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"کب پہنچیں گے؟" قاسم نے انور سے پوچھا۔

"فکر نہ کرو.... کبھی نہ کبھی پہنچ ہی جائیں گے۔ تم خاموش بیٹھے رہو۔ ورنہ طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

قاسم نے پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ اسے چھینک آ گئی۔

"میں نہ کہتا تھا۔" انور مسکرا کر بولا۔ "منہ بند ہی رکھو ورنہ چھینکتے چھینکتے بُرا حال ہو جائے گا۔"

قاسم نے ناک سکوڑ کر منہ پر رومال رکھ لیا۔

"یہ صاحب کچھ عجیب ہیں۔" لڑکی نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔

"ہاں تمہارا خیال درست ہے۔" حمید بولا۔ "دراصل یہ افریقہ کے جنگلوں سے پکڑ کر لایا گیا تھا۔"

لڑکی مسکرانے لگی۔

"تم شاید مذاق سمجھتی ہو۔ یہ حقیقت ہے۔ پانچ سال کا تھا اور دور سے بن مانس کا بچہ معلوم ہوتا تھا۔ اسے آدمی بنانے کے سلسلے میں میں ہزاروں روپے خرچ کئے گئے ہیں اگر تم اس وقت اس کا نام پوچھتیں جب یہ آدھا حیوان تھا تو جانتی ہو کیا بتاتا؟"

"کیا بتاتا تھا....؟"

"کاپُس....!"

"کیا مطلب....؟"

"قاسم کو کاپُس کہتا تھا۔"

"نہیں جھوٹ۔" لڑکی ہنس کر بولی۔ پھر اس نے بڑی سنجیدگی سے دوبارہ قاسم کا جائزہ لیا۔

"میں سب سن رہا ہوں۔" قاسم مڑے بغیر غرایا۔

"بالکل آہستہ بولو تب بھی سن لیتا ہے۔" حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر لڑکی سے بولا۔

لڑکی ہنسنے لگی۔

"اب اگر اسے پچھلے واقعات یاد دلاؤ.... تو بُرا مان جاتا ہے۔"

"کیوں خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں آپ! نہیں؟" لڑکی بولی۔

"نہیں! نہیں کرنے دو پریشان۔" قاسم پلٹ کر بولا۔ "میں بھی سمجھ لوں گا کبھی۔"

"دیکھو....! اب کتنی صاف اردو بولتا ہے۔" حمید نے قاسم کی طرف دیکھے بغیر لڑکی سے کہا۔

قاسم اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر پھر سیدھا ہو گیا۔

"تم سنو ہی مت....!" انور نے قاسم سے کہا۔ "سمجھ لو کتا بھونک رہا ہے۔"

"شکر ہے کہ ہماری سیٹ محفوظ ہے۔" حمید لڑکی سے بولا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر گا۔ "دیکھو کہنے کا مقصد یہ تھا کہ دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں۔ کل کا بن مانس آج ہوائی ں سفر کر رہا ہے۔ حیرت انگیز بات ہے اسی طرح تم بلا مقصد امریکہ کا سفر کر رہی ہو اس لئے ا بھی اس پر نہ تو حیرت ہونی چاہئے اور نہ پریشانی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آج تک یں معلوم ہو سکا کہ یہ کس قسم کے جانوروں کی اولاد ہے۔ شروع میں ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ ی ساخت ہاتھیوں جیسی ہے۔ پھر رائے بدل دی۔ اس پر خاصا ہنگامہ ہوا۔"

"ارے تری ہنگامے کی....!" قاسم نے پلٹ کر گھونسہ چلایا۔ حمید پیچھے کی طرف تن گیا کے بازو میں کافی چوٹ آئی.... وہ جھلا کر اٹھ ہی رہا تھا کہ انور نے اس کی کمر پکڑ لی۔

"کیا کر رہے ہو....؟ بیٹھو....!"

"منع نہیں کرتے آپ....!" قاسم غصیلی آواز میں بولا۔

"اب نہیں بولے گا.... بیٹھو تو۔"

قاسم بگڑے ہوئے سانڈ کی طرح "فوں فوں" کرتا ہوا بیٹھ گیا۔ انور حمید کی طرف مڑ کر

"تم باز نہیں آؤ گے۔ خدا کے لئے اپنی زبان قابو میں رکھو۔"

دوسرے مسافر انہیں حیرت سے دیکھنے لگے۔ اتنے میں ایئر ہوسٹس بوکھلائی ہوئی قا
پاس پہنچی اور اس نے ہوائی جہاز میں سفر کرنے کے قواعد کے متعلق بتانا شروع کیا۔

"میری رائے ہے کہ آپ کافی پیجئے۔ اس سے بڑا سکون ملتا ہے۔" اس نے اسے مشورہ

"مناسب ہے۔" حمید بولا۔

ایئر ہوسٹس چلی گئی اور حمید پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن شاید اس کی طبیعت اب کچھ بگڑنے لگی تھی کیونکہ اس کا بھی یہ پہلا ہی فضائی سفر تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی اور اس کا سر سیٹ کی پشت سے ٹک گیا تھا۔

ادھر قاسم کے لئے کافی آگئی تھی اس نے جیسے ہی کپ ختم کیا اسے قے کرنے کے تھیلی بھی لینی پڑی اور پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے جہاز میں کوئی بگڑا ہوا درندہ آگھسا ہو۔

دوسرے مسافر پریشان ہو گئے۔

قاسم ساتھ ہی "توبہ توبہ" بھی کرتا جا رہا تھا۔ اسے اپنے سارے پچھلے گناہ یاد آگئے
بڑی مشکلوں سے یہ طوفان تھما۔

قاسم بدحواس ہو کر اپنی سیٹ میں پڑ گیا۔ دوسرے مسافر بُرے بُرے سے منہ بنا رہے تھے

حمید نے بھی سیٹ کی پشت سے ٹک کر آنکھیں بند کر لیں۔ طبیعت کی جولانی پر رفتہ رفتہ حسی کی کہر مسلط ہوتی جا رہی تھی لیکن اس کا ذہن اب بھی جاگ رہا تھا۔ سکون ہوتے ہی اسے پچھلی رات کے واقعات یاد آنے لگے اگر انور لڑکی کو بروقت ٹوک نہ دیتا تو ممکن تھا کہ اس کی الجھن تو دور ہو ہی جاتی۔ آخر اس حرکت کا مقصد کیا تھا۔ لڑکی نے ہوش میں آنے کے بعد جو ربط جملے کہے تھے کیا حقیقتاً ان میں کوئی خاص بات پوشیدہ تھی؟ اگر اس کا مقصد قتل ہی کرنا پھر اس خنجر نما کھلونے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ پھر اگر وہ نیند ہی کی حالت میں تھی تو حمید کیوں....؟ اس نے قاسم کے کمرے کا رخ کیوں نہیں کیا تھا۔ انور بھی فریدی کے بھیس وہیں موجود تھا۔ اس پر یہ حملہ کیوں نہ ہوا؟ اور پھر اس پر فریدی کا رویہ؟ وہ تو اس واقعے سے زیادہ غیر واضح اور الجھن میں مبتلا کر دینے والا تھا۔ پتہ نہیں وہ لڑکی کیا بلا تھی اور فریدی اسے

بجھ رہا تھا۔

حمید سوچتا اور اونگھتا رہا۔

راستے بھر اس کی بے چینی بڑھتی ہی رہی۔ لیکن اسے ایک بار بھی لڑکی سے اس کے متعلق گفتگو کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ انور بُری طرح سر پر سوار تھا۔ اگر حالات ایسے نہ ہوتے تو وہ کبھی کا انور سے الجھ پڑا ہوتا لیکن اسے فریدی کے کہنے کا پاس تھا۔ پتہ نہیں اس کی اسکیم کیا تھی۔

نیویارک پہنچ کر حمید کو ایک دوسرے حیرت انگیز واقعے سے دوچار ہونا پڑا۔ جیسے ہی وہ ایئر پورٹ پر اترے ایک خوبصورت تندرست اور انتہائی اسمارٹ قسم کی امریکن لڑکی ان کی طرف بڑھی۔

"اگر میں غلطی نہیں کر رہی تو تم ہی کرنل فریدی ہو۔" اس نے انور سے کہا۔

"اوہو....!" انور اس سے گرمجوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "کیا میں مس روزا شیپرڈ کو نہیں پہچانوں گا۔"

"پہچان لیا تم نے... ہاہا...!" لڑکی نے قہقہہ لگایا۔ پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔ "تمہارے سر میں کیا ہوا ہے؟"

"چوٹ....!" انور نے مسکرا کر کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "مس شیپرڈ سے ملو۔ میری اور ان کی دوستی بہت پرانی ہے لیکن ہم نے ایک دوسرے کو پہلے پہل دیکھا ہے یہ میرے ساتھی کیپٹن حمید ہیں۔"

"اوہ! بڑی خوشی ہوئی۔" روزا نے حمید سے مصافحہ کیا۔

"اور یہ مسٹر قاسم میرے دوست اور یہ مس ریکھا۔ کیپٹن حمید کی سیکریٹری۔"

روزا نے قاسم کو حیرت سے دیکھا لیکن اس وقت قاسم کے چہرے سے یتیمی برس رہی تھی اور اس کا چہرہ اتنے بڑے ڈیل ڈول پر بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی پہاڑ کی چوٹی پر ایک حقیر کدو رکھ دیا گیا ہو۔

حمید روزا کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ دل ہی دل میں فریدی کو بُرا بھلا بھی کہہ رہا تھا۔ فریدی جو خود کو عورت کے معاملے میں انتہائی خشک ظاہر کرتا تھا۔

روزا انور سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی اور حمید کے سینے پر سانپ لوٹتے رہے۔

"قاسم کیا خیال ہے؟" اس نے قاسم کو آنکھ مار کر کہا۔

"خیال اٹک گیا ہے۔" قاسم کمزور سی آواز میں بولا۔

"کیا مطلب....؟"

"کچھ سجھائی نہیں دیتا۔" قاسم نے اپنے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

حمید نے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

نیویارک کی سر بفلک عمارتوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ذرا ہی دیر میں اس کا چکرا گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔

اس کی ہم سفر لڑکی ریکھا اس سے بھی زیادہ مبہوت نظر آ رہی تھی۔

وہ ویٹنگ روم میں آئے۔ امریکن لڑکی روزا انور کو باتوں میں الجھائے ہوئے تھی۔ وہ تھو دیر کے لئے وہاں سے ہٹی تو حمید نے انور کو الگ بلا کر اس کے متعلق استفسار کیا۔

"میں کچھ نہیں جانتا" انور بولا۔ "فریدی صاحب نے وہاں مجھے اس لڑکی کی ایک تصویر دی اور نام بتایا تھا۔ یہ بھی کہا تھا کہ یہ نیویارک میں ہمیں ملے گی اور ہمارا قیام اسی کے یہاں سے ہوگا۔"

"آخر فریدی صاحب اسے کیسے جانتے ہیں؟" حمید نے کہا۔ "اور پھر تمہیں دیکھ کر اس نے اسطرح گفتگو شروع کی تھی جیسے وہ فریدی صاحب کو جانتی تو ہو مگر ملنے کا اتفاق پہلی ہی بار ہوا ہو۔"

"شاید وہ دونوں پن فرینڈز ہیں۔"

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ روزا واپس آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نہایت شاندار کار میں بیٹھے ہوئے نیویارک کی کشادہ سڑکوں سے گذر رہے تھے۔

قاسم کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی اور روزا کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا جیسے وہ اچانک آسمان سے اس کار میں ٹپکی ہو۔ ریکھا آنکھیں بند کئے سوچ رہی تھی۔ شاید وہ رو کے مقابلے میں احساسِ کمتری کا شکار ہو گئی تھی۔

کار کا سفر طویل ہی معلوم ہو رہا تھا کیونکہ متواتر ایک گھنٹہ چلنے کے بعد بھی وہ کسی عمارت کے سامنے نہ رکی۔

پھر نیویارک کی اونچی عمارتوں والا حصہ بہت پیچھے رہ گیا۔

اب ان کے گردو پیش ہرے بھرے باغات اور کھیتوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے تھے۔

حمید اونگھنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی نیند گہری ہو گئی۔

پھر پتہ نہیں وہ خود ہی جاگا یا کسی نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

کار رک گئی تھی اور بقیہ لوگ نیچے اتر رہے تھے۔ حمید نے بھی جلدی سے ان کی تقلید کی۔

جہاں کا کار رکی تھی وہ ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا اور اس کے وسط میں ایک مختصر سی دو منزلہ عمارت نظر آ رہی تھی۔

وہ عمارت کی طرف چل پڑے۔ روزا ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔ اور پھر اس عمارت میں داخل ہوتے ہی حمید کے ذہن کو اتنا زبردست جھٹکا لگا کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔

اس کے سامنے سنگ ہی کھڑا مسکرا رہا تھا اور اسی کے قریب وہ امریکن ماہر آثار قدیمہ بھی موجود تھا جس کی پارٹی نے مردہ شہزادی کے طوق کے لئے سنگ ہی سے باقاعدہ جنگ کی تھی۔

لیکن.... ان دونوں کے انداز سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے اب وہ بہت گہرے دوست ہوں۔

نئی مصیبت

حمید اور اسکے ہم سفر اس طرح کھڑے تھے جیسے ان کے جسموں کا سارا خون منجمد ہو گیا ہو۔

"کرنل فریدی.... اور کیپٹن حمید۔" سنگ ہی طنزیہ انداز میں جھک کر بولا۔ "وہاں آپ نے مجھے شرفِ میزبانی بخشنے سے انکار کر دیا تھا لیکن میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے ہزاروں میل کی دوری پر مجھے سر فراز فرمایا۔ آپ کھڑے کیوں ہیں؟ تشریف رکھئے نا.... آپ کا یہ خادم یہاں بہت معزز سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ڈاکٹر؟" سنگ ہی نے بوڑھے ماہر آثار قدیمہ کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی نظر قاسم پر پڑی۔ وہ اس کے ڈیل ڈول کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کی تعریف....؟" اس نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے حمید سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ پہلے تم اس سے تعارف حاصل کرو۔" حمید نے ریکھا کی طرف اشارہ کیا۔

سنگ ہی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ یہ تم لوگوں کے لئے دردِ سر بنی۔"

"نہیں! یہ ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ ہم اسے تمہارے پاس پہنچا دیں۔"

"شکریہ.... شکریہ۔" سنگ ہی سر ہلا کر بولا۔ پھر اس نے انور سے کہا۔ "کرنل صاحب آپ کیوں خاموش ہیں....؟"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ واقعی تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔

"بہت زیادہ.... کرنل.... بہت زیادہ۔"

"ختم کرو! یہ باتیں۔" ڈاکٹر شیپرڈ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر اس نے روزا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اسی وقت شہر واپس جاؤ۔"

"مگر ڈیڈی.... تم ان لوگوں کو کیا جانو۔ میرے مہمان ہیں۔ میں انہیں یہاں چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں۔"

"نہیں بے بی۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "یہ دراصل میرے مہمان ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی مسٹر سنگ۔"

"اب سے چھ ماہ پیشتر تمہارے ڈیڈی مشرق میں تھے نا۔"

"ہاں....!"

"ان لوگوں نے وہاں ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالی تھیں۔"

"کرنل فریدی نے....؟" روزا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں....!"

"کیوں ڈیڈی....؟"

"تم جاؤ.... تمہیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں نہیں جا سکتی.... تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔ تم جانتے تھے کہ میں نے کرنل سے خط و کتابت کے ذریعہ دوستی کی ہے۔ جب اس نے مجھے ایئر گرام کے ذریعہ مطلع کیا کہ وہ نیویارک آرہا ہے تو تم ہی نے مجھ اس کو اپنے یہاں مدعو کرنے کی ترغیب دی تھی۔ آخر تم نے مجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا۔"

"مکاروں کو مکاری ہی سے مارتے ہیں بے بی۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آہا....!" قاسم ہاتھ نچا کر دھاڑا۔ "تم سالے جھینگر کی اولاد.... ہمیں مارو گے۔" پھر اس نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے روکئے گا نہیں۔"

"بڑے جیالے معلوم ہوتے ہو۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "ذرا اپنے چاروں طرف بھی ایک نظر ڈال لو۔"

انہوں نے چاروں طرف اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی۔ تین آدمی مختلف جگہوں پر ٹامی گنیں لئے کھڑے تھے۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" روزا چیخ کر آگے بڑھی۔

"چلی جاؤ....!" ڈاکٹر شیپرڈ غرایا۔

"ڈیڈی! تم ایک معزز آدمی ہو۔" روزا بے بسی سے بولی "میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتی تھی۔ یہ چھپا ہوا جرم ہے۔ میرے خدا.... ڈاکٹر شیپرڈ اور قاتل....!"

"ڈاکٹر....!" سنگ ہی بولا۔ "بے بی کو یہاں سے ہٹا دو۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"روجر....!" ڈاکٹر نے کسی کو پکارا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک پستہ قد اور مضبوط جسم کا امریکن کمرے میں داخل ہوا۔

"روزی کو.... شہر لے جاؤ۔"

"میں نہیں....!"

"شٹ اپ....!" ڈاکٹر حلق پھاڑ کر چیخا۔ اس کی آنکھیں براہ راست روزا کی آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں اور روزا کے پیر کانپ رہے تھے۔

"چلو مسی....!" روجر نے اس کا شانہ چھو کر کہا۔

روزا چیختی اور احتجاج کرتی چلی گئی۔

حمید نے انور کی طرف دیکھا جو دم بخود کھڑا ہوا تھا اسے حیرت تھی کہ انور اتنا خاموش کیوں ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سنگ ہی طوق تو حاصل کر ہی چکا ہے۔ پھر اب کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو زندہ ہی رکھے۔ فریدی سے اسے اس بات کا خدشہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا تعاقب کرے گا۔ لہٰذا اپنی دانست میں فریدی پر قبضہ پالینے کے بعد وہ چوک نہیں سکتا۔

"ہاں کرنل اب بتاؤ۔" سنگ ہی اطمینان سے بیٹھ کر سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "میں یہاں دیکھوں گا کہ تم کتنے طاقت ور ہو۔"

اچانک انور کی آنکھوں سے بدحواسی جھانکنے لگی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور ہکلا کر رہ گیا۔ اس پر ڈاکٹر شیپرڈ اور سنگ ہی دونوں ہنس پڑے۔

حمید دل ہی دل میں جل بھن کر رہ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ انور کا گلا دبا دے کم بخ
جب فریدی کی پوری نقل نہیں اتار سکتا تو ایسے آدمی کو اپنی جگہ دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔
یہ سوچ کر حمید کو فریدی پر غصہ آ گیا۔

"مجھ سے پوچھو کیا چاہتے ہو....؟" حمید نے سنگ ہی سے گرج کر کہا۔

"ہاں انہیں سے پوچھ لو۔" انور رو دینے والی آواز میں بولا۔ "میں تو ایک غریب آدمی ہوا
بُری طرح پھنس گیا ہوں۔"

"شٹ اپ....!" حمید نے انور کو دھکا دیا۔

"تم بھی مار لو بھائی۔" انور سچ مچ رونے لگا۔

"ہائیں.... فریدی صاحب۔" قاسم گڑبڑا کر بولا۔

"فریدی صاحب کی ایسی کی تیسی۔" انور اپنا سر پیٹنے لگا۔ "میں برباد ہو گیا۔ سنگ ہی اور ڈا
شیپرڈ انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔"

"ابے او مردود یہ کیا کر رہا ہے۔" حمید اردو میں دہاڑا۔

سنگ ہی نہ صرف اردو سمجھتا تھا بلکہ اچھی خاصی بول بھی لیتا تھا۔ حمید کی زبان سے ا
آفیسر کے لئے اس قسم کے جملے سنتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انور کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا انور سے صرف دو فٹ
کے فاصلے پر رک گیا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی اور اندر کو دھنسی ہوئی چمکیلی آنکھیں انور کی آنکھو
میں جھانک رہی تھیں۔

"حمید بھائی پاگل ہو گئے ہو کیا....؟" قاسم حمید کے قریب سرک کر بڑبڑایا۔

دفعتاً سنگ ہی ڈاکٹر شیپرڈ کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور نتھنے اس طر
پھول رہے تھے جیسے اس کی سانس رک گئی ہو۔

"یہ فریدی نہیں ہے۔" اس نے ڈاکٹر شیپرڈ سے کہا۔

"کیا....؟" ڈاکٹر شیپرڈ بھی اسی طرح اچھلا جیسے کرسی کے دانت نکل آئے ہوں۔

"ہاں.... یہ فریدی نہیں ہے۔" سنگ ہی پلٹ کر انور کا گریبان پکڑتا ہوا بولا۔ "بتاؤ! تم کو
ہو....؟"

"مم.... میں.... ایک قیدی ہوں۔" انور گڑگڑایا۔ "فریدی نے مجھے اس شرط پر جیل سے
رہائی دلائی تھی کہ میں اس کی شکل میں اس کے آدمیوں کے ساتھ نیویارک جاؤں گا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہاں.... ہوا تو....." سنگ ہی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

پھر وہ حمید کی طرف پلٹا۔

"فریدی کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" حمید نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

حمید اس کی بات سنی ان سنی کر کے ڈاکٹر شیپرڈ سے بولا۔

"ڈاکٹر تم مجھے بڑے بے وقوف آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"کیوں....؟" ڈاکٹر شیپرڈ بھنا گیا۔

"کیپٹن لوتھر کا انجام پیش نظر ہوتے ہوئے بھی تم نے ایسے خطرناک آدمی سے گٹھ جوڑ
کر لیا.... یاد رکھو.... سنگ ہی ایک ایسا کتا ہے جو آنکھ بند کر کے حملہ کرتا ہے۔"

"تم اپنی فکر کرو لڑکے۔" سنگ ہی غرایا۔

"پرواہ نہ کرو....!" حمید مسکرایا۔ "شاید تم وہ رات بھول گئے جب تم نے کیپٹن لوتھر[1] کی
کوٹھی میں میری جان لینے کی کوشش کی تھی.... کیا تمہیں میری فولادی انگلیاں یاد نہیں؟"

"بکواس بند کرو.... موت تم سے زیادہ دور نہیں۔"

"ہم لوگ موت کے ہمسائے ہیں مسٹر سنگ....!" حمید تضحیک آمیز مسکراہٹ کیساتھ بولا۔

"انہیں تو ختم ہی کرو۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے غصیلی آواز میں کہا۔

"ختم تو کئے ہی جائیں گے۔" سنگ ہی ایک طویل سانس لے کر بولا "لیکن ذرا ٹھہرو۔ طوق
بھی نامکمل ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" شیپرڈ بڑبڑایا۔

"طوق نامکمل کیوں ہے۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"زبان بند کرو....!" سنگ ہی جھلا کر بولا۔

[1] اس دلچسپ واقعے کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "نیلی لکیر" جلد نمبر 14 ملاحظہ فرمائیں۔

شیپرڈ تینوں مسلح آدمیوں میں سے ایک کو الگ بلا کر آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔

"میں نے تمہیں پہلی بار غصے میں دیکھا ہے۔" حمید نے تضحیک آمیز لہجے میں سنگ ہی سے کہا۔ "شاید یہ اس شکست کا نتیجہ ہے۔"

"شکست....!" سنگ ہی اپنا موڈ بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "ابھی فتح و شکست سوال ہی نہیں.... یہ ایک لمبا داؤ ہے.... فریدی بھی کیا یاد کرے گا۔ مگر اتنا مانتا ہوں کہ دونوں کے ستارے بہت اچھے ہیں۔"

"مانتے ہونا.... ہم لوگ ستارے نہیں بلکہ سورج رکھتے ہیں.... مگر سنگ ہی۔ تم نے طو کے نامکمل ہونے کے متعلق کیا بات کہی تھی؟"

"کچھ نہیں! کوئی خاص بات نہیں.... تم لوگ واقعی ہمارے مہمان ہو۔"

"تو کیا تم مجھ سے کیس معاملے میں گفتگو ہی نہ کرو گے؟" حمید نے کہا۔

"کیوں.... کیسی گفتگو؟"

"طوق کے متعلق۔"

"اپنی زندگیوں کے متعلق گفتگو کرنا چاہو تو میں تیار ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کیا تمہیں زندگی عزیز نہیں ہے؟"

"ہے کیوں نہیں؟"

"پھر ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

"ہمیں تمہارے خزانے سے غرض نہیں۔" حمید نے کہا۔ "پھر اخیال ہے کہ طوق کی تو ہی تمہارے لئے اہم ہوسکتی ہے۔"

"میں اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

"تو پھر ہماری زندگیوں کے متعلق بھی تمہارا فکر مند ہونا فضول ہی ہے۔ ہم اسے جل حکومت کے سپرد کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔"

سنگ ہی چند لمحے خاموش رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"تم شاید اس لئے مطمئن ہو کہ فریدی میری گرفت میں نہیں آیا لیکن اس خیال میں نہ ر

تمہارا ملک نہیں.... یہاں تم سنگ ہی پر سبقت نہیں لے جاسکتے۔ تم نہیں جانتے کہ میں ان طراف میں کتنا با اثر ہوں۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" قاسم اپنا پیٹ دباتا ہوا بولا اسے راصل بہت شدت سے بھوک لگی ہوئی تھی اور نہ جانے کیوں اسے بالکل خوف نہیں محسوس رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سب کچھ محض مذاق ہو۔

"یہ کون ہے؟" سنگ ہی نے ایک بار پھر قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھ کر پوچھا۔

"تم اپنے اثر و رسوخ کی بات کر رہے تھے۔" حمید نے اسے ٹوکا۔

"کچھ نہیں....!" سنگ ہی جھلاہٹ میں ہاتھ ہلا کر بولا۔

ٹامی گنوں سے مسلح آدمی ان کی طرف بڑھے۔

"کھسکو....!" ان میں سے ایک دروازے کی طرف ٹامی گن کی نال سے اشارہ کرتا ہوا غرایا۔

وہ سب دروازے کی طرف چلنے لگے۔

"تم یہیں ٹھہرو....!" سنگ ہی نے ریکھا سے کہا۔

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف جھانک رہا تھا۔

اس نے بڑی بے بسی سے حمید کی طرف دیکھا۔

"سنگ....!" حمید بھی چلتے چلتے رک کر بولا۔ "تمہارا مقصد تو پورا ہو ہی چکا ہے اب اسے ے ہی ساتھ رہنے دو۔"

"کیسا مقصد....؟" سنگ ہی نے حیرت سے کہا۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ یہ میری ننھی ی محبوبہ ہے.... میں اسے چاہتا ہوں.... ریکھا ڈارلنگ! اب تم مجھ سے جدا نہیں ہو گی۔"

"میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" ریکھا خوفزدہ آواز میں بولی۔

"تم چلو....!" ایک مسلح امریکن نے حمید کو دھکا دیا اور وہ چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کمرے کے فرش پر بیٹھے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

یہ کمرہ غالباً گھر کے اسٹور کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ چاروں طرف مختلف قسم کی ل کے انبار تھے اور درمیان میں تھوڑی سی جگہ خالی تھی وہیں یہ تینوں بیٹھے اپنے اپنے مستقبل

میں جھانکنے کی کوشش کررہے تھے۔

"یہ تم نے کیا کیا انور....؟" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"یہ بھی اسکیم ہی کا ایک حصہ تھا۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں اس اسکیم پر.... جس سے مجھے بے خبر رکھا گیا۔ تم کیا مجھ سے زیادہ ہو؟"

"یہ فریدی صاحب کا نظریہ ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میرا اپنا نہیں۔"

"یعنی تم مجھ سے زیادہ ہو۔"

"یقیناً....!"

"میں تمہیں اپنے جوتے کی خاک کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔"

"مت سمجھو۔"

"ارے باپ رے۔" دفعتاً قاسم اچھل پڑا اور پھر وہ باقاعدہ اچھلنے کودنے لگا۔ ایک بڑی چوہیا اس کی پتلون کے پائینچے سے نکل کر بھاگی۔

"ارے خدا تجھے غارت کرے۔" وہ زور سے دہاڑ کر اس کے پیچھے جھپٹا لیکن وہ ڈبوں کے ا میں غائب ہو گئی۔ پھر انہوں نے قاسم کو ہنستے سنا۔ وہ تیزی سے اُن کی طرف پلٹ کا آہستہ بولا۔ "درجنوں ڈبے.... خدا کی قسم.... مزہ آگیا۔"

"کیا ہوا....؟"

"مچھلیوں اور پھلوں کے ڈبے.... خوب ڈٹ کر کھاؤ مری جان.... آہم۔"

قاسم ڈبوں پر ٹوٹ پڑا۔

پُراسرار مشرقی

روزا راستے میں کافی دیر تک سسکیاں لیتی رہی۔ روجر خاموشی سے کار ڈرائیو کررہا تھا۔ نے ایک بار بھی نہ تو اس کی طرف دیکھا اور نہ اظہار ہمدردی کے سلسلے میں کچھ کہا۔

"روجر....!" آخر روزا ہی نے اسے مخاطب کیا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں ڈیڈی نہیں سمجھتی تھی۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہو رہا ہے لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا کہ ڈاکٹر اس دوغلے چینی

اشتراک کریں۔"

"لیکن وہ ہے کون....؟"

"سنگ ہی.... ایک جلاوطن چینی.... جس نے اپنے ملک کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کی تھی۔"

"ڈیڈی اس سے کس معاملے میں اشتراک کررہے ہیں۔"

"یہ انہیں سے پوچھئے تو بہتر ہے۔ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"اچھا تو یہی بتاؤ کہ اس ایشیائی سراغ رساں سے وہ کیوں الجھ رہے ہیں؟"

"میں کچھ نہیں بتا سکتا مسی۔"

روزا کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

"مجھے ڈیڈی نے دھوکا دیا ہے.... اسے میں کبھی نہ بھولوں گی۔ اوہ اب میں سمجھی۔ انہوں نے اسی لئے مجھے فریدی سے قلمی دوستی پیدا کرنے پر اکسایا تھا۔"

"مسی.... میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔"

روزا کچھ نہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "مجھے سکستھ ایونیو میں وائیلڈ کیٹس کے سامنے اتار دینا۔"

"بہت اچھا....!" روجر بولا۔ "مگر ڈاکٹر نے تو....!"

"اوہ انہوں نے گھر نہیں شہر کہا تھا.... جو میں کہہ رہی ہوں کرو۔"

روجر نے گاڑی سکستھ ایونیو کی طرف موڑ دی۔

اور پھر روزا وائیلڈ کیٹس (Wild Cats) کے سامنے اتر گئی یہ ایک شاندار ہوٹل تھا۔

وہ چند لمحے باہر ہی کھڑی رہی۔

روجر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اسے اس کی روانگی کا انتظار تھا۔ وہ تو بس یونہی بلا مقصد باہر رک گئی تھی اور پھر جیسے ہی وہ اندر جانے کے لئے مڑی اسے ایک مشرقی آدمی دکھائی دیا جو اس کے قریب ہی کھڑا اُسے بُری طرح گھور رہا تھا۔ روزا سہم گئی اسے اس کی آنکھوں میں برقی رو سی چلتی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ ادھیڑ عمر کا ایک تندرست اور وجیہہ آدمی تھا اور اس کے کاندھوں پر ایک بڑا سا سیاہ رنگ کا نیولا بیٹھا ہوا تھا۔

نیویارک جیسے شہر میں کسی ایسے آدمی کا دکھائی دے جانا معمولی بات نہیں تھی۔ جلد ہی لو
اس کے گرد اکٹھا ہو گئے وہ ایک مہذب اور باسلیقہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس کے شانے پر ہوا نیولا..... یہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔

روزا اس کی نظر کی تاب نہ لا کر ہوٹل میں چلی گئی۔

وہ پُر اسرار مشرقی آدمی بھی داخلے کے دروازے کی طرف مڑا۔ باہر کھڑا ہوا محافظ شاید سے واقف تھا..... اس نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور اس سے نیولا لے لیا۔

پُر اسرار مشرقی ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے لگی ہوئی بھیڑ نیولے کے ساتھ باہ رہ گئی تھی۔ پھر چند ہی لمحات کے بعد روزا نے اسے اپنی میز کے قریب ہی دیکھا۔

وہ اس سے اس کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

"جج..... جی ہاں..... بیٹھئے۔" روزا ہکلائی۔

"شکریہ.....!" مشرقی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں دراصل آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں"

"کیا پوچھیں گے.....؟" روزا کا دل دھڑکنے لگا۔

"اوہ..... کوئی خاص بات نہیں..... میں نے ایئر پورٹ پر آج صبح آپ کے ساتھ ایشیائی آدمی دیکھے تھے اور اگر میں غلطی پر نہیں ہوں، تو ان میں میرا ایک دوست بھی تھا۔"

"کون.....؟"

"وہ غالباً کرنل فریدی تھا۔"

"اوہ..... تو کیا آپ کرنل کے دوست ہیں؟" روزا نے پُر جوش لہجے میں پوچھا۔

"ہاں..... میں اس کا دوست ہوں۔"

"تب تو..... تب تو آپ جلدی کیجئے کیونکہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"وہ اس وقت اَپ اسٹیٹ (Up State) میں ہے اور اس کے ساتھی بھی..... میں آ
پتہ بتا سکتی ہوں لیکن جلدی کیجئے۔"

روزا اسے پتہ بتانے لگی۔

وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "آخر وہ لوگ کون ہیں جنہوں نے اُ

طرح روکا ہے؟"

"میں نہیں جانتی..... آپ جلدی کیجئے..... جائیے۔"

"مگر وہ تو آپ کے ساتھ تھے۔"

"اوہ..... میں دھوکا کھا گئی۔"

"اچھا تو آپ یہی باتیں میرے ایک ساتھی کے سامنے دہرا دیجئے۔ اس کے بعد پھر ہم کچھ کر سکیں گے۔"

"دیکھئے اس کا وقت نہیں ہے..... میں کہتی ہوں جلدی کیجئے..... اٹھئے میں بھی ساتھ چلوں گی۔"

"شکریہ..... بہت بہت شکریہ۔" مشرقی اٹھتا ہوا بولا۔

دونوں باہر آئے اور محافظ نے نیولا اسے واپس کر دیا۔ اب وہ پھر اس کے کاندھے پر سوار ہو گیا۔

مشرقی آدمی ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھ گیا۔ لڑکی گھوم کر بائیں کھڑکی سے اسکے پاس جا بیٹھی۔

کار چل پڑی۔

"آپ کہاں چل رہے ہیں.....؟" روزا دفعتاً چونک کر بولی۔

"زیادہ دور نہیں..... بس آپ میرے ساتھی کے سامنے.....!"

"آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔" روزا جھنجھلا گئی۔

"دیکھئے..... اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔"

"آپ اس معاملے کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں۔"

"مجھے پورا پورا احساس ہے۔"

روزا خاموش ہو گئی۔ لیکن اس کے چہرے پر ذہنی الجھن کے آثار تھے۔

آخر کار گاڑی ایک سولہ منزلہ عمارت کے سامنے رک گئی اور وہ لفٹ کے ذریعہ دسویں منزل پر پہنچے۔ مشرقی نے ایک فلیٹ کے دروازے کا ہینڈل گھما کر کھولا۔

"آیئے.....!" اس نے روزا سے کہا۔

"وقت برباد ہو رہا ہے.....!" روزا جلدی سے بولی۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کی زندگیاں خطرے میں نہ پڑ جائیں۔"

"افسوس کہ میرا ساتھی کہیں باہر گیا ہوا ہے۔" مشرقی نے چاروں طرف دیکھ کر مایوسانہ

لہجے میں کہا۔

روزا اسے تیز نظروں سے گھورنے لگی۔ پھر دفعتاً اس کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔ مسٹر نیولا اس کے کاندھوں سے اُتر کر گود میں آ گیا تھا اور روزا ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے وہ نیولا ا کینہ توز نظروں سے گھورتا ہو۔

اس کے جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی سی بوندیں پھوٹ آئیں۔

"کیوں کیا بات ہے۔" مشرقی نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ وہ گفتگو کے دوران عموماً مخاطب کے چہرے سے اپنی نظریں ہٹائے ہی رکھتا تھا۔

"دیکھئے....!" روزا تھوک نگل کر بولی۔ "میں سمجھتی ہوں۔ آپ نے مجھے بطور یرغ پکڑ لیا ہے۔ لیکن میں حلفیہ کہتی ہوں کہ آپ کے دوستوں کی مصیبت کی وجہ میں نادانستہ طو بنی ہوں اور آپ خود سوچئے اگر میں اس سازش میں شریک ہوتی تو آپ سے ان لوگوں کا تذکر کیوں کرتی۔"

"ممکن ہے کہ تم مجھے بھی وہیں پہنچانا چاہتی ہو۔" مشرقی سرد لہجے میں بولا۔

"ہرگز نہیں.... میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ اچھا یہ بہتر رہے گا کہ آپ فی الح مجھے اپنی قید ہی میں رکھئے اور خود پولیس کے ساتھ میرے بتائے ہوئے پتے پر جائیے.... حقیق کھل جائے گی۔"

"تمہیں سازش کا علم نہیں تھا۔"

"ہرگز نہیں.... ڈیڈی بھی ایسے آدمی نہیں ہیں۔ انہیں اس دوغلے چینی نے بہکایا ہے۔"

دفعتاً قریب ہی کہیں ایک ہلکی سی آواز کیساتھ کوئی دروازہ کھلا اور قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

"او.... شاید میرا ساتھی آ گیا ہے۔" مشرقی کہتا ہوا مڑا۔

اور دوسرے ہی لمحے میں روزا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کے سامنے فریدی ک مسکرا رہا تھا۔

"اوہ.... کرنل....!" وہ اس کی طرف بڑھی۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم وہاں سے نکل آئے۔"

"یہ تو میرا ساتھی ہے جس سے ملانے کے لئے میں تمہیں لایا تھا۔" مشرقی جلدی سے بولا

"کیا مطلب....؟" روزا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"بیٹھ جاؤ مس شیپرڈ....!" فریدی بولا۔

روزا چپ چاپ بیٹھ گئی۔

"کیا سنگ ہی ڈاکٹر شیپرڈ کے ساتھ ہی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن.... کیا تم وہیں سے نہیں آ رہے ہو....؟"

"نہیں.... میں تو کل رات سے یہاں ہوں۔"

"کرنل.... میں بہت پریشان ہوں.... اور ساتھ ہی شرمندہ بھی۔ میری پوری داستان سن لو.... پھر طنز کے تیر پھینکنا۔"

"میں طنز نہیں کر رہا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم نے مجھ سے قلمی دوستی کیوں کی تھی؟"

"میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"قلمی دوستی کے لئے تم نے مجھے ہی کیوں منتخب کیا؟"

"تمہارے کارناموں کی بنا پر....!"

"ٹھیک اسی لئے میں نے یہاں بھی تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ ڈاکٹر شیپرڈ اور سنگ ہی دونوں کچھ تھوڑے سے بیوقوف بھی ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ یہ بھول جاتے ہیں کہ فریدی اتنی معمولی سی چالوں میں نہیں آ سکتا.... مس شیپرڈ جس فریدی کو تم نے مہمان بنایا ہے وہ میرا ایک معمولی سا آدمی ہے سمجھیں۔"

روزا چند لمحے اسے مستفسرانہ نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "میرے خدا! میں سمجھی.... کیا تمہیں اس سازش کا علم پہلے ہی سے تھا؟ مگر آخر کیسے؟ تم ہزاروں میل کی دوری پر تھے۔ میں ہر وقت ڈیڈی کے ساتھ رہتی ہوں.... پھر بھی مجھے کچھ نہ معلوم ہو سکا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "تمہارا پہلا ہی خط موصول ہونے پر میں تمہارے نام کے ساتھ "شیپرڈ" دیکھ کر ٹھٹکا تھا.... اور پھر میں نے یہاں تمہارے متعلق انکوائری کرائی تھی جس سے معلوم ہوا کہ تم ڈاکٹر شیپرڈ کی لڑکی ہو۔"

"اور تم محتاط ہو گئے۔" روزا بولی۔ "لیکن تمہارا اور ڈیڈی کا کیا معاملہ ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ان کے ہتھکڑیاں لگائی تھیں؟"

"یہ بالکل درست ہے۔" فریدی سگار سلگا کر بولا۔ "میں نے بلاشبہ ایسا کیا تھا۔ انہوں معمولی مجرموں کی طرح میرے شہر میں اودھم مچائی تھی اور سنگ ہی نے ان کے کئی آدمیو ختم بھی کر دیا تھا۔"

"کیوں.... کس لئے؟"

"ڈاکٹر شیپرڈ جیسے عالم کیلئے یہ حرکت باعث ننگ ہے لیکن دولت کی لالچ کسی کو بھی چھوڑتی۔ تمہیں یاد ہوگا کہ چلی کے ایلیوم پہاڑ کی چوٹی پر انکا نسل کی ایک شہزادی کی لاش ملی تھ

"اوہ.... ہاں مجھے یاد ہے۔ ڈیڈی بھی اسے دیکھنے کے لئے گئے تھے۔"

"لاش سنگ ہی اور اس کے ایک ساتھی نے دریافت کی تھی اور سنگ ہی نے اس شہزادی کے گلے سے ایک زیور اتارا تھا وہی زیور ڈاکٹر شیپرڈ بھی حاصل کرنا چاہتے تھے اسی۔ سنگ ہی کے پیچھے لگے ہوئے میرے ملک تک گئے۔"

"زیور.... کیا وہ بہت قیمتی ہے؟"

"بہت زیادہ! ان لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں کسی بہت بڑے خزانے کا سراغ پوشیدہ زیور میں نے ان لوگوں سے حاصل کر لیا تھا اور وہ میرے یہاں کے سرکاری خزانے میں ۔ سنگ ہی اسے دوبارہ لے اڑا۔ اب ڈاکٹر شیپرڈ اور سنگ ہی میں سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ وہ دونوں خز کی تلاش میں جائیں گے اور اب میری ایک پیش گوئی بھی سن لو۔ اگر سنگ ہی کو واقعی کوئی مل گیا تو وہ تمہارے باپ کو وہیں قتل کر دے گا۔"

روزا سناٹے میں آگئی۔

"ایک بیٹی کی حیثیت سے تمہارا فرض ہے کہ تم انہیں اس سے باز رکھو۔"

"وہ میری نہیں سنیں گے۔" روزا خوفزدہ آواز میں بولی۔

"اگر وہ نہیں سنیں گے تو میری پیش گوئی اٹل ہے۔"

"پھر میں کیا کروں....؟"

"ایک تجویز ہے میرے ذہن میں۔ مگر شاید تم اس پر عمل نہ کر سکو۔"

"میں ہر تجویز پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ مگر تم مجھ پر اعتماد کیوں کرنے لگے؟"

"اگر مجھے تم پر اعتماد نہ ہوتا تو میں تم سے اس کے متعلق گفتگو ہی نہ کرتا۔"

"تجویز کیا ہے؟"

"مجھے ان کے پروگراموں سے مطلع کرتی رہو۔"

"اور آپ کے آدمیوں کا کیا ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ وہ خطرے میں ہوں گے۔"

"اس صورت میں جب انہیں یہ علم نہ ہو کہ فریدی ابھی تک ان کی گرفت میں نہیں آیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب تک ان پر یہ راز کھل گیا ہوگا لہٰذا ایسی صورت میں میرے آدمی محفوظ ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"پھر کبھی سمجھ لینا.... میں بتا دوں گا.... مگر ابھی نہیں! فی الحال یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ سنگ ہی اب کہاں جانے کا ارادہ رکھتا ہے؟ میرے متعلق کسی سے بھی کوئی گفتگو نہ کرو گی۔ اور میرے ساتھیوں کی حبس بیجا پر برابر احتجاج کرتی رہو گی۔ غالباً سمجھ گئی ہو گی۔"

"بالکل سمجھ گئی۔"

"میں ہمیشہ یہیں ملوں گا.... اگر میں موجود نہ ہوں تو.... اوہ ٹھہرو.... میں تعارف کرانا تو بھول ہی گیا.... یہ میرے بزرگ مسٹر طارق[1] ہیں.... اور آپ تو انہیں جانتے ہی ہیں۔"

"میں یہاں کسے نہیں جانتا۔" طارق مسکرایا۔

تھوڑی دیر بعد روزا رخصت ہو گئی۔

"لڑکی قابل اعتماد معلوم ہوتی ہے۔" طارق نے ایک طویل سانس لینے کے بعد کہا۔

"یقیناً.... بہر حال میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ اسے یہاں تک لائے۔"

"تکلفات کو چھوڑو.... تمہارا یہ خزانہ میرے لئے ایڈونچر کا ایک نیا دروازہ کھول رہا ہے.... فکر مت کرو.... میں جنوبی امریکہ کا کیڑا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میری ساری زندگی ہی دفینوں کی تلاش میں گزری ہے۔"

"میں جانتا ہوں.... اسی لئے میں نے تعاون کی درخواست کی تھی۔"

"درخواست؟ کیا کہہ رہے ہو! میرے بیٹے.... ارے یہ تو میرا اپنا ہی کام ہے۔ مگر تم اپنے باپ سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوتے ہو۔ وہ کبھی کسی کا احترام نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی بڑا عظیم آدمی تھا۔ دوستوں پر جان دینے والا مجھ پر ان کے کئی بڑے احسانات ہیں۔"

"آپ نے طوق کی تحریر سے کیا اندازہ لگایا؟" فریدی نے موضوع بدل دیا۔

[1] طارق کی پُراسرار شخصیت کی داستان "پراسرار کنواں" میں ملاحظہ فرمائیے۔

"کوئی خاص بات نہیں! جگہ جگہ جنگل اور پہاڑوں کے متعلق اشارے ہیں میرا خیال۔
سنگ اور شیپرڈ بہت کچھ جانتے ہیں۔"

ہوٹل میں ہنگامہ

ایک ہفتہ بعد فریدی اور طارق جنوبی امریکہ کے ایک ملک ایکویڈور کے صدر مقام کی
ایک سرائے میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔

ان کے ساتھ ایک خوفزدہ لڑکا بھی تھا۔ وہ پچھلی ہی رات کو ہوائی جہاز سے یہاں پہنچے تھے
ان کی رہنمائی اس نوخیز لڑکے نے کی تھی۔

یہ لڑکا روزا شیپرڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

روزا انہیں پچھلے سات دنوں میں سنگ ہی وغیرہ کی خبریں برابر پہنچاتی رہی تھی اس
انہیں بتایا تھا کہ سنگ ہی کی پارٹی کیتو کے لئے روانہ ہو رہی ہے۔ طارق لڑکی کو ہمراہ لانے پر
نہیں تھا۔ مگر فریدی نے اس کی درخواست منظور کرلی تھی۔

روزا اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ شاید وہ بہت زیادہ تھک جانے کی وجہ
سو گئی تھی۔

طارق اور فریدی بھی اپنی اصلی شکلوں میں نہیں تھے۔ طارق مقامی باشندوں کے کسی مذ
پیشوا کے روپ میں تھا اور اس کا سیاہ نیولا ہر وقت اس کے کاندھے پر سوار رہتا تھا۔ فریدی نے
یہاں کے مقامی لوگوں ہی کی سی وضع اختیار کرلی تھی۔

وہ دونوں کافی دیر سے خاموش بیٹھے کافی سے شغل کر رہے تھے۔ سردی کی شدت نے انہ
گرم کپڑے پہننے پر مجبور کردیا تھا۔ کیتو حالانکہ ٹھیک خط استوا پر واقع ہے۔ مگر سطح سمندر سے
ہزار فٹ بلند ہونے کی بناء پر سال بھر سرد رہتا ہے۔

"میرا خیال صحیح تھا۔" فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

"کیسا خیال؟"

"یہی کہ وہ پہاڑ اور جنگل برازیل کے خطے کے نہیں ہوسکتے۔ انکا نسل کے قدیم لوگ ا
سرزمین کے علاوہ کسی دوسرے ملک سے واقف نہیں تھے۔ لہٰذا ڈھائی تین ہزار میل کا فاصلہ ط

و برازیل پہنچنا قرین قیاس نہیں۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے.... میں پھر کہتا ہوں کہ وہ لوگ بہت کچھ جانتے ہیں۔ سنگ ہی نے
اسی لئے ڈاکٹر شیپرڈ پر ڈورے ڈالے ہیں۔ شیپرڈ ساری دنیا میں تنہا آدمی ہے جو تصویری
وں کو قریب قریب بالکل صحیح پڑھ سکتا ہے۔"

"اب ہمیں ان پر گہری نظر رکھنی چاہئے۔" فریدی بولا۔

"مگر تم اس لڑکی کو کیوں ساتھ لائے ہو؟ خواہ مخواہ ایک رکاوٹ ساتھ لئے پھر رہے ہو۔"

"آپ جانتے ہیں کہ میرے تین آدمی اُس کے ساتھ ہیں اور انہیں ساتھ لئے پھرنے کا
د یہ ہے کہ میں انہیں رہا کرانے کی کوشش کروں۔ اس طرح سنگ ہی مجھ پر ہاتھ ڈالنا چاہتا
اور میرے ساتھ ڈاکٹر شیپرڈ کی لڑکی ہے جسے میں بطورِ یرغمال اپنے پاس رکھوں گا۔ ابھی
۔ کسی موقع پر میں ان لوگوں کو یہ بھی یہ بات جتا دوں گا.... ورنہ ہو سکتا ہے کہ وہ میرے
وں کو ختم ہی کر دیں۔"

"ٹھیک ہے۔" طارق اپنے نیولے کو کاندھے سے اتار کر گود میں بٹھاتا ہوا بولا۔ "اب کیا کرنا ہے؟"

"دیکھئے.... یہ میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اگر طوق ہاتھ آگیا تو میں خزانے وغیرہ
چکر میں نہیں پڑوں گا.... میرا سب سے پہلا کام یہ ہوگا میں اسے چلی کی حکومت کے سپرد
دوں۔"

"اگر یہی کرنا ہے تو میرا خیال ہے کہ یہاں کی پولیس اس کے لئے بہت کارگر ثابت ہوگی۔
اں سنگ ہی کی دال نہیں گلے گی۔ شمالی امریکہ کی بات اور تھی۔"

"یہ قطعی نامناسب ہے میرے بزرگ۔"

"کیوں....؟"

"یہاں کی حکومت کو اگر اس کا علم ہوگیا تو پھر وہ طوق میرے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔"

"کیوں....؟"

"آپ جانتے ہیں کہ انکا نسل کے لوگوں کی اصل سرزمین یہی ہے۔ یہاں کی حکومت اور
مت چلی سے ابھی تک اس لاش کے متعلق جھگڑا چل رہا ہے۔ روائتی خزانے کے تذکرے
ل بھی عام ہوں گے۔"

"لیکن.... یہاں اب انکا نسل کے لوگوں کی حکومت نہیں.... حاکم اسپینی لوگ" طارق نے کہا۔

"کچھ بھی ہو وہ طوق یہاں کی قومی ملکیت ہے۔ لیکن چونکہ وہ چلی سے چرایا گیا تھا ہماری حکومت اسے وہیں پہنچانا چاہتی ہے۔"

طارق کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "سنگ ہی کے ساتھ پچیس آدمی ہیں۔"

"میں نے آدمیوں کی تعداد کی کبھی پرواہ نہیں کی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"بالکل اپنے باپ کی طرح ضدی بھی ہو۔" طارق ہنسنے لگا۔

سنگ ہی کی پارٹی کیتو کے ایک شاندار ہوٹل میں مقیم تھی۔

حمید قاسم اور انور بظاہر آزاد نظر آتے تھے لیکن ان میں سے ہر ایک بخوبی جانتا تھا کہ معمولی سی لغزش بھی اسے موت کے منہ میں پہنچا سکتی ہے۔ سنگ ہی کا رویہ ان کے دوستانہ تھا۔ لیکن کم از کم حمید اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کس بھی کوئی ایسی حرکت کر سکتا ہے جس کا گمان تک نہ ہو۔

وہ پُر اسرار لڑکی بھی پارٹی کے ساتھ تھی اور اب قاسم اس میں خاصی دلچسپی لینے لیکن حمید کی سمجھ میں اب تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ آخر ان میں اس لڑکی کی موجودگ مقصد ہو سکتا ہے۔

انور اب بھی فریدی ہی کے میک اپ میں تھا۔ سنگ ہی نے ایک بار بھی اس سے یہ کہ وہ اسے اس کی اصلی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔

ہوٹل کی اسپینی خادمائیں قاسم کے لئے بڑی کشش رکھتی تھیں کیونکہ وہ سب تندر مضبوط ہاتھ پیر کی عورتیں تھیں۔

قاسم، انور اور حمید ایک ہی کمرے میں تھے لیکن ان کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ اس کے بھی حمید نے کئی بار یہ رائے ظاہر کی کہ لڑ بھڑ کر نکل ہی چلنا مناسب ہوگا۔ لیکن انور نے منظور نہیں کیا۔ وہ ہر بات پر یہی جواب دیتا تھا کہ "یہ بھی اسکیم ہی کا ایک حصہ ہے۔"

اور حمید کو لفظ "اسکیم" سے اتنی چڑ ہو گئی تھی کہ اسے سنتے ہی اس کی زبان کی نوک

لندی سی گالیاں مچلنے لگتی تھیں۔

وہ اس وقت بھی انور سے لڑ جھگڑ کر بیٹھا تھا۔ ہوٹل میں کئی قسم کی تفریحات موجود تھیں لیکن آج وہ شدت سے بور تھا۔

انور اور قاسم شاید ڈائننگ ہال میں تھے۔

حمید کافی دیر سے کمرے میں بیٹھا نکل بھاگنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی محسوس نہ ہو سکا کہ ریکھا کب کمرے میں داخل ہوئی۔ حمید کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

"آپ یہاں تنہا ہیں؟"

وہ ریکھا کی آواز پر چونک کر مڑا۔

"آؤ.... آؤ....!" اس نے کہا۔

"میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"کرو! ہمارے پاس فی الحال باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"میں اس دن جہاز پر آپ کو بتانا چاہتی تھی کہ میں نے ایک بات آپ سے چھپائی تھی۔ اس کا مقصد خود میری سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا۔"

"ہوں.... میں سننا پسند کروں گا۔"

"شروع میں جب وہ مجھے صفدر آباد سے لائے تھے تو مجھے آپ دونوں کی تصویریں دکھائی گئی تھیں۔ وہ دوسرے صاحب یعنی فریدی کی.... اور تصویر دکھاتے وقت سیلرس کلب کا مالک مجھ سے کہا کرتا تھا کہ ان دونوں کو مار ڈالنا.... زندہ نہ چھوڑنا.... اس کا یہ روز کا معمول تھا.... وہ ان دو جملوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتا تھا.... میں پہلے تو اسے اس کا مقصد پوچھنا چاہا لیکن اس نے ان جملوں کے علاوہ کبھی اور کچھ نہیں کہا۔"

"تو غالباً اب مقصد تم پر واضح ہو گیا ہوگا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"قطعی نہیں.... بالکل نہیں.... اگر وہ میری ایک کمزوری یا بیماری سے فائدہ اٹھا کر آپ دونوں کو میرے ہاتھوں قتل کرانا چاہتے تھے تو پھر اس خنجر نما کھلونے کا کیا مقصد تھا۔ اس صورت میں تو انہیں اصلی خنجر یا ریوالور اس بیگ میں رکھنا چاہئے تھا۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پھر وہ تمہارا پاسپورٹ.... اور ان لوگوں سے

نیویارک ہی میں ملاقات ہوئی.... خیر یہ بھی کچھ نہیں.... تشویش کی بات تو یہ ہے کہ یہ تمہیں کیوں ساتھ لئے پھر رہے ہیں۔"

"وہ سور کا بچہ چینی کہتا ہے کہ تم میری رانی ہو۔ میں ایک بہت بڑے خزانے کی تلاش ہوں۔ اس کے ملتے ہی تم سے شادی کرلوں گا۔"

"لیکن رانی کے لئے ضروری تو نہیں کہ وہ بھی اس کے ساتھ جھک مارتی پھرے۔"

"پھر بتایئے میں کیا کروں....؟"

"مزہ کرو.... وہ تمہیں رانی بنائے گا۔"

"مجھے اس کی صورت سے گھن آتی ہے۔"

"صورت دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے.... خزانہ....!"

"جہنم میں گیا خزانہ.... میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"خدا کے لئے اب ہو بھی جاؤ۔ بہت دنوں سے سن رہا ہوں ورنہ پھر میری کپتانی بن رانی بنانے کی حیثیت تو نہیں رکھتا.... وغیرہ وغیرہ....!" حمید خاموش ہو گیا۔

پھر یک بیک اس طرح اچھل پڑا جیسے موجودہ مشکلات کا کوئی حل سامنے آگیا ہو۔

ریکھا اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"بس کام بن گیا۔" حمید چٹکی بجا کر بولا۔ "ذرا اور قریب آؤ۔ کیا تم سچ مچ پاگل بن سکتی

"حمید صاحب! میرا مذاق نہ اڑایئے۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو.... اگر تم پاگل بن جاؤ تو سارا کام بن جائے۔ آج رات کا کھانا ک وقت ڈائننگ ہال میں ہلڑ مچادو۔ سنگ ہی راز داری سے کام لے رہا ہے اور اس کا گروہ بڑا منظم اگر تم پاگل بن گئیں تو لوگوں کی توجہ تمہاری طرف مبذول ہو جائے گی اور یہ چیز پوری پا بدحواسی میں مبتلا کردے گی۔ تمہیں پاگل خانے تک پہنچانے کے لئے پولیس آجائے گی اس بعد میں سب دیکھ لوں گا.... بولو منظور ہے۔"

ریکھا نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "تجویز ہے لیکن اگر میں سچ مچ پاگل خانے پہنچ گئی تو....؟"

"اسے میں سنبھال لوں گا کہتا تو ہوں.... تم یہ بھی جانتی ہو کہ ہم لوگ کون ہیں

بردار.... اس کے متعلق کسی کو بھی نہ بتانا.... میرے دونوں ساتھیوں سے بھی اس کا تذکرہ رنے کی ضرورت نہیں۔"

"اچھا.... لیکن نتیجہ کے آپ ذمہ دار ہوں گے میں تو اس قدر تنگ آگئی ہوں کہ سب کچھ رگزروں گی۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ تم نتیجے کی فکر مت کرو۔" حمید بولا۔

"لیکن مجھے کرنا کیا ہوگا....؟"

"چیخنا.... توڑ پھوڑ.... تمہارے دل میں کسی بھی چیز کیلئے ذرہ برابر درد نہ ہونا چاہئے.... ائننگ ہال میں ایسی سینکڑوں چیزیں ہیں۔ میزیں الٹ دینا۔ جو چیز ہاتھ میں آجائے وہی مجمع پر ھینچ مارنا۔"

"بڑا مشکل کام ہے۔"

"جان بچانے کے لئے سب کچھ آسان ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس سفر میں تمہاری شمولیت اکیا مقصد ہے۔"

"کیا مقصد ہے؟" ریکھا تھوک نگل کر بولی۔

"کیا تم نے دفینوں کی بھینٹ کے متعلق کبھی کچھ نہیں سنا....؟"

"میں نے سنا ہے.... لیکن....!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں.... کیا تم اپنے والدین کی.... اکلوتی لڑکی ہو....؟"

"نہیں.... قطعی نہیں۔"

"پھر کوئی اور بات ہو گی.... ہاں ٹھیک ہے.... دفینے کی بھینٹ نہیں.... مجھے اس قبیلے کے متعلق تو یاد ہی نہیں رہا جس کے افراد عورت کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔"

"نہیں....!" ریکھا کانپ کر ہذیانی انداز میں چیخی۔

"ارے چپ چپ.... غل غپاڑہ مت مچاؤ.... وہ تمہیں اس قبیلے کو رشوت کے طور پر پیش رکے اس کی سرحد پار اتر جائیں گے ورنہ تم خود سوچو کہ ایسے سفر میں عورت کا کیا کام.... پھر تہ نہیں وہ تمہیں مسلم بھون کر کھائیں یا کچا ہی چبائیں.... خدا کی پناہ۔"

"نہیں.... نہیں....!" ریکھا بُری طرح کانپ رہی تھی۔ "میں تمہارا کہنا مانوں گی....!"

رات بہت سرد تھی۔

لیکن اس بڑے ہوٹل کا ڈائننگ ہال سنٹرل ہیٹنگ کی وجہ سے گرمایا ہوا تھا۔ ہر طرف سر قہقہے فضا میں ابھر رہے تھے اور آرکسٹرا نے ہلکے سروں میں ایک لطیف نغمہ چھیڑ رکھا تھا۔

ہال میں کہیں بھی کوئی میز خالی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

ریکھا کی میز پر سنگ ہی... بڑی مونچھوں والا خوفناک آدمی اور شیپرڈ تھے۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر انور، قاسم اور حمید تین مختلف میزوں پر تھے ان میں سے ایک کے ساتھ سنگ ہی کے تین تین مسلح آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے وہ بظاہر شریف صورت لیکن ان میں سے شاید ہی کوئی رہا ہو جس کے جیب میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور نہ موجود ہو

اچانک ہال میں ریکھا کی چیخ گونجی۔ اس نے شوربے کی پلیٹ ڈاکٹر شیپرڈ کے منہ پر کھینچ تھی۔ پھر اس نے میز بھی الٹ دی۔ وہ ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھی اور ساتھ ہی اس دونوں ہاتھ بھی چل رہے تھے جو خالی نہیں ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر بار کوئی نہ کوئی چیز نکا کسی کے لگتی ضرور تھی۔ گلاس.... چمچے.... کانٹے.... چھریاں.... پلیٹیں.... گلدان فض تیرتے پھر رہے تھے۔

پھر اتنا شور ہوا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

"یہ کالی عورت کون ہے؟"

"نشے میں ہے۔"

"مارو.... پکڑو....!"

"سارے کالوں کو پکڑلو۔"

"پولیس.... پولیس....!"

"ارے میری ناک....!"

"ارے میرا سر....!"

"مارو.... پکڑو....!"

"پولیس.... پولیس....!"

"بھاگو...." حمید قاسم اور انور کو جھنجھوڑ کر بولا۔ "ورنہ ایک بھی کالا زندہ نہ بچے گا۔"

واقعی ان پر چاروں طرف سے یورش ہو گئی تھی۔

سنگ ہی کے ساتھیوں نے فائر کیے۔

اس پر اور زیادہ ادھم مچ گیا۔

وہ تینوں کسی نہ کسی طرح دروازے تک پہنچ گئے۔

قاسم اس وقت سچ مچ ان کی ڈھال بنا ہوا تھا۔ اگر وہ لوگوں کو اچھال اچھال کر راستہ نہ بناتا تو وہ قیامت تک دروازے کے قریب نہیں پہنچ سکتے تھے۔

باہر نکل کر وہ ایک طرف دوڑتے چلے گئے لیکن وہ اپنے پیچھے بھی قدموں کی آواز سن رہے تھے۔ تعاقب کرنے والا شاید تنہا ہی تھا اور وہ ایک سنسان راستے پر دوڑ رہے تھے۔

"ٹھہرو.... ٹھہرو...." تعاقب کرنے والا اردو میں چیخا۔ "میں دشمن نہیں ہوں.... رک جاؤ.... ورنہ مارے جاؤ گے۔"

وہ رک کر مڑے اور انور نے آنے والے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی ان کے سامنے ایک دراز قد بوڑھا کھڑا تھا اور اس کے کاندھے پر ایک بڑا سا تھیلا سوار تھا۔

حسن اتفاق

"ٹارچ بجھادو....!" نووارد نے کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں تعمیل کی گئی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کیا یہ فریدی ہے۔ مگر نہیں اگر اس کی یادداشت دھوکا نہیں دے رہی ہے وہ اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔

"میرے ساتھ آؤ....!" نووارد بولا۔

"آپ کون ہیں....؟" انور نے پوچھا۔

"دشمن نہیں ہوں.... جو کچھ میں کہوں کرتے جاؤ.... ورنہ مصیبت میں پڑو گے.... میں فریدی کا دوست ہوں۔"

وہ ایک طرف اندھیرے میں چلنے لگے۔ ہوٹل اب بھی زیادہ دور نہیں تھا۔ اس لئے انہیں

شور و غل کی آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں۔

"ٹھہرو....!" تھوڑی دور چلنے کے بعد نووارد نے کہا۔ "تم سب ایک دوسرے کے ہا
پکڑلو.... اور ایک ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر.... ادھر نشیب میں چلے آؤ.... روشنی
ضرورت نہیں۔"

راستہ بڑا خراب تھا۔ وہ سب نشیب میں اترنے لگے۔

نووارد آگے تھا۔ دفعتاً اس کے نیولے نے ایک بہت ہی تیز اور کریہہ قسم کی آواز نکالی۔

اور پھر حمید کو یک بیک یاد آگیا اس نے اس آدمی کو کہاں دیکھا تھا۔

"طارق صاحب" اس نے آہستہ سے کہا۔ "دیر سے پہچاننے پر مجھے افسوس ہے۔"

"میک اپ کے باوجود بھی پہچان لیا۔" طارق نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"آپ کی آنکھیں جو ہزاروں میں پہچانی جا سکتی ہیں۔"

"لیکن یہ یک بیک ہوا کیا؟" طارق نے پوچھا۔

"لڑکی پاگل ہو گئی۔" قاسم بڑبڑایا۔ "وہ بہت دنوں سے کہہ رہی تھی کہ میں پاگل ہو جاؤں گ

"ذرا ٹارچ روشن کیجئے۔" طارق بولا۔ "میں ٹھیک ہی آیا ہوں۔ غالباً غار کا دہانہ یہی ہے۔

ٹارچ روشن کی گئی۔ پھر دوسرے لمحے وہ ایک غار میں اُتر رہے تھے۔ غار بہت زیادہ
نہیں تھا۔ مگر پھر بھی باہر کی سردی کے مقابلے میں نسبتاً آرام دہ معلوم ہوتا تھا۔

"آپ لوگ یہیں ٹھہریئے.... تاکہ میں فریدی کو مطلع کر دوں.... وہ فکر مند ہوگا
اور ان لوگوں میں سے شاید ہی کوئی بچا ہو۔ انہوں نے فائرنگ کر کے اچھا نہیں کیا۔"

طارق چلا گیا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔

پھر انور نے پوچھا۔

"یہ کون تھا....؟"

"طارق....!" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "فریدی صاحب کے دال
دوستوں میں سے ہے اور انتہائی پُر اسرار.... سارا جنوبی امریکہ اس کا چھانا ہوا ہے.... یہا
زبانوں پر اسے قدرت حاصل ہے۔"

"کرتا کیا ہے؟"

"سیاحی اور دفینوں کا چکر.... کافی دولت مند ہے.... مستقل قیام نیویارک میں رہتا ہے۔
ر فریدی صاحب کی دور اندیشی کی داد دینی پڑتی ہے.... اس مہم کے لئے طارق سے زیادہ
ناسب آدمی ملنا دشوار تھا۔"

"پتہ نہیں اس بیچاری کیا کیا حشر ہوا۔" قاسم بڑبڑایا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "مگر اس
ارق کے کاندھے پر بلی کیوں سوار رہتی ہے؟"

"بلی نہیں.... نیولا تھا....!" حمید نے کہا۔ "اس نسل کا نیولا صرف انہیں اطراف میں پایا
اتا ہے.... اسے یہاں شکا کی کہتے ہیں.... کچھ قومیں اسے متبرک سمجھ کر پوجتی ہیں۔"

حمید نے پائپ سلگا لیا تھا۔

وہ پھر خاموش ہو گئے۔

کچھ دیر بعد انور نے کہا۔ "آخر یہ یک بیک ہوا کیا؟"

"یہ ساری باتیں تمہاری سمجھ سے بہت اونچی ہیں۔" حمید نے اکڑ کر کہا۔

"کیا مطلب....!"

"اسی لئے تو نہیں بتانا چاہتا کہ تمہیں مطلب بھی سمجھانا پڑے گا۔"

"تو کیا یہ تمہاری حرکت تھی؟"

"حرکت....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اگر میں یہ حرکت نہ کرتا تو تم جہنم رسید ہو چکے ہوتے
ل تمہیں اتنا چغد نہیں سمجھتا تھا۔"

"ہوں.... تم سمجھتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے۔" انور تیز لہجے میں بولا۔

"تمہیں بیوہ کیا ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "اب میرا دماغ مت چاٹو۔"

"مجھے نیند آرہی ہے۔" قاسم نے جماہی لے کر کہا۔ "اگر کسی نے شور مچایا تو گلا گھونٹ دوں
.... انور بھائی! تم رشیدہ صاحبہ کو بھی ساتھ کیوں نہیں لائے۔"

انور خاموش ہو گیا۔

حمید ہنس پڑا۔

"رشیدہ....!" اس نے کہا۔ "کیا اب بھی تمہیں اس سے عشق ہے۔"

"ارے لاحول.... ہپ.... کیا گڑ بڑ.... حمید بھائی.... میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتا۔"

قاسم بوکھلا گیا۔

انور اس پر بھی کچھ نہ بولا۔ شاید وہ حمید سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد انہوں نے غار کے دہانے پر قدموں کی آوازیں سنیں اور سنبھل کر بیٹھ باہر سے ٹارچ کی روشنی اندر رینگ آئی۔ آنے والے تین تھے۔ ٹارچ پھر بجھا دی گئی۔ کے چہرے نہ دیکھ سکے۔

"جگہ تو خاصی ہے۔" انہوں نے اندھیرے میں فریدی کی آواز سنی۔

پھر کسی نے دیا سلائی جلا کر دو موم بتیاں روشن کر دیں ان کے سامنے تین آدمی تھے۔ ایک تو طارق تھا جسے حمید نے اس کی غیر معمولی طور پر چمکدار آنکھوں کی بناء پر پہچان لیا تھا۔

دوسرا یقیناً فریدی تھا لیکن نہ تو اسے حمید پہچان سکا اور نہ انور۔ ویسے وہ قیاساً کہہ سکتے وہ فریدی ہی ہوگا۔ تیسرا ایک نوخیز لڑکا تھا جس کی عمر بظاہر سولہ سال سے زیادہ نہیں معلو تھی۔ ان کے سروں پر نمدے کے ہیٹ تھے اور جسموں پر ہاتھ کے بنے ہوئے اونی لباد کے جوتے بھی بد وضع اور بے ہنگم تھے۔

"جو کچھ بھی ہوا بہت بُرا ہوا طارق صاحب۔" فریدی پتھر کے بڑے ٹکڑے پر بیٹھتا ہوا!

"اور اس کی تمام تر ذمہ داری حمید پر ہے۔" انور بول پڑا۔

"کیوں حمید نے کیا کیا....؟"

"اسی سے پوچھئے....!"

"تو تمہیں بتا دونا....!" فریدی جھنجھلایا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ لڑکی بن رہی تھی۔" انور نے کہا۔

"لہٰذا.... یہ حمید کی حرکت ہے....!" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "وہ شیطان بن کرا قالب میں حلول کر گیا تھا۔"

"نہیں جناب۔" قاسم نے کہا۔ "وہ تو عرصے سے کہہ رہی تھی کہ میں پاگل ہو جاؤں

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید نے سوچا تھا کہ جس وقت میں اپنا یہ کارنامہ فریدی کے سامنے دہراؤں گا تو وہ

کر اٹھے گا۔ لیکن اب نقشہ بدلتے دیکھ کر اس نے خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا۔

"کچھ بھی ہو۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "یہ اچھا نہیں ہوا۔ ابھی تک وہ میری نظروں میں تھے.... مگر اب میں بالکل اندھیرے میں ہوں۔ اب چونکہ انہیں یہاں والوں کی نظروں سے بھی پوشیدہ رہنا پڑے گا اس لئے وہ بہت زیادہ احتیاط سے کام لیں گے سنگ ہی اور اس کے خاص آدمی صاف نکل گئے.... دو فساد کے دوران میں ہلاک ہوئے اور آٹھ پکڑ لئے گئے ہیں.... ان میں قریب قریب سارے آدمی امریکن ہیں.... سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے.... نہ تو کوئی پکڑا جا سکا.... اور نہ مارا ہی گیا۔"

"اور ڈاکٹر....؟" انور نے پوچھا۔

"وہ بھی نکل گیا.... اور سب سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ لڑکی کا بال بھی بیکا نہ ہو سکا.... وہ اس کے چاروں طرف چٹان کی طرح جم گئے تھے۔"

"آخر یہ لڑکی ہے کیا بلا....؟" حمید بڑبڑایا۔

فریدی نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"مجھے دراصل تم لوگوں کی فکر تھی ورنہ سنگ ہی میری نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتا تھا۔"

"لیکن آخر ہمیں اس طرح جھونک دینے کا مقصد کیا تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ میں ان لوگوں پر نظر رکھ سکوں۔ شاید تم واقف نہیں ہو کہ مجھے سنگ ہی کی اسکیموں کا علم قریب قریب پہلے ہی سے تھا۔"

پھر فریدی نے اپنی اور روزا کی قلمی دوستی کے متعلق سب کچھ دہراتے ہوئے کہا۔ "مجھے پہلے ہی شبہ ہوا تھا کہ سنگ ہی اور ڈاکٹر شیپرڈ مل گئے ہیں۔"

"چلئے مانتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "لیکن اگر وہ ہمیں ٹھکانے لگا دیتے تو؟"

"مجھے کچھ دنوں بعد صبر آ جاتا۔" فریدی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور روزا کے علاوہ سب ہنس پڑے۔

گفتگو چونکہ اردو میں ہو رہی تھی اس لئے وہ بے تعلقانہ انداز میں الگ بیٹھی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

"اس سوال کا جواب سنجیدگی سے دیجئے۔" حمید دوسروں کے قہقہوں کی پرواہ نہ کرتے

ہوئے بولا۔

"سنجیدہ ترین جواب یہ ہے کہ تمہیں زندہ رہنا تو ہے نہیں۔ کبھی نہ کبھی مرنا ہی پڑے گا۔"

"اچھا تو یہی بتادیجئے کہ ہم لوگ زندہ کیوں ہیں....؟"

"بے حیائی ہے تمہاری۔" فریدی بولا اور ایک بار پھر قہقہہ پڑا۔ لیکن حمید نے فریدی کو قسم کے موڈ میں پہلی بار دیکھا تھا۔ بہر حال اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ فریدی سب سامنے اس کے متعلق گفتگو کرنے سے احتراز کر رہا ہے۔

روزا بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگی تھی۔ اس نے فریدی سے کہا۔ "بتاؤ میں کیا کر ڈیڈی خطرے میں ہیں۔"

نہ صرف حمید بلکہ انور اور قاسم بھی اس کی آواز سن کر چونک پڑے۔

"جب میری نظر ان لوگوں پر نہیں پڑ سکتی تو تمہیں مطمئن ہی رہنا چاہئے۔" فریدی کہا۔ "گھبراؤ نہیں.... سنگ ہی اس وقت تک ان کی حفاظت کرے گا جب تک کہ اپنے مقصد کامیاب نہ ہو جائے۔"

اب حمید کو اچھی طرح یقین ہو گیا کہ وہ روزا شیپرڈ ہی ہے اور اپنے باپ کے لئے فکر مند ہے اس خیال سے اس کا دل باغ باغ ہو گیا کہ اب بھی ایک خوبصورت لڑکی اس کی ہم سفر ہو گی

اچانک اس نے طارق سے پوچھا۔

"کوٹی کی زیارت گاہ کہاں ہے؟"

"کیوں....؟" طارق اس کی طرف مڑا۔

"سنگ ہی اپنی پارٹی سمیت وہیں جانے کے لئے انتظامات کر رہا تھا۔"

"کوٹی کی زیارت گاہ۔" طارق اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت زیادہ پُر جوش نظر آرہا تھا جلد ہی پھر پُر سکون دکھائی دینے لگے۔ پھر آہستہ سے بیٹھتا ہوا بولا۔ "کیا؟ اس کا علم عام ط لوگوں کو تھا یعنی میرا مطلب ہے کہ ہوٹل والے اس سے واقف تھے؟"

"سب کو علم تھا.... اس نے کئی درجن باربردار مہیا کئے تھے۔"

"تب تو ہرگز اُدھر نہیں جاسکتے۔" طارق نے کہا۔

"کیوں....؟"

"زیارت گاہ کے راستوں کی نگرانی شروع ہو جائے گی۔ فی الحال یہاں سے ان کا نکلنا ناممکن ہے۔"

کچھ دیر کے لئے پھر سکوت طاری ہو گیا۔ ہر شخص اپنے طور پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"کوٹی کی زیارت گاہ....!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے طارق کے چہرے پر نظر جما کر ہا۔ "اس کی کیا اہمیت ہے؟"

"مشرقی اترائی میں ایک قدیم زیارت گاہ ہے۔ لوگ تفریحاً بھی وہاں جاتے ہیں لیکن اس کے ید ہی سے اُن خطرناک جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ جن کی طرف رخ کرنے کی بھی ہمت ہیں پڑتی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک پھر خاموشی رہی۔

اچانک قاسم نے ایک انگڑائی لی اور بھرائی ہوئی آواز میں کچھ بڑبڑاتا ہوا روزا کو گھورنے لگا۔

"اب یہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔" فریدی بولا۔ پھر اس نے حمید وغیرہ کو مخاطب کر کے ہا۔ "رات تمہیں اسی غار میں بسر کرنی پڑے گی۔"

"آپ لوگوں میں سے تو کسی نہ کسی کو یہاں ٹھہرنا ہی پڑے گا۔" حمید نے روزا کے چہرے پر ظر جمائے ہوئے کہا۔

"شش....!" اچانک فریدی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ غالباً یہ خاموش رہنے کا اشارہ تھا۔

وہ چند لمحے کچھ سنتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کوئی اِدھر آرہا ہے۔" پھر اس نے ہاتھ کے ھٹکے سے دونوں مومی شمعیں بجھادیں۔

بقیہ لوگوں نے کسی قسم کی آہٹ نہیں سنی تھی۔

حمید نے اسے فریدی کی وحشت ہی سمجھا تھا۔

لیکن چند ہی لمحات کے بعد اسے اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ وہ کئی قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔

لیکن چلنے والے بہت دور معلوم ہو رہے تھے۔ پھر آہٹیں آہستہ آہستہ قریب ہوتی گئیں۔

"خواہ وہ کوئی بھی ہوں ان تینوں کو چھپ جانا چاہئے۔" طارق نے کہا۔ "ادھر داہنی طرف لب کافی گہرا نشیب ہے.... جلدی کرو۔"

فریدی نے ٹارچ روشن کر لی اور قاسم، انور اور حمید نشیب میں اتر گئے۔ پھر فریدی نے مومی معیں دوبارہ روشن کر دیں۔

آنے والے شاید غار کے دہانہ پر رک گئے۔

پھر کسی نے باہر سے چیخ کر کچھ کہا.... جس کا جواب طارق نے اندر سے دیا۔ لیکن ب فریدی کے لئے نئی تھی۔

تین آدمی غار میں داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور یہ یہیں باشندے معلوم ہوتے تھے۔

طارق کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔

اور پھر فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ اس سے خائف ہوں.... اس کا احترام ہوں.... وہ تھوڑی دیر تک طارق سے گفتگو کرتے رہے پھر باہر نکل گئے۔

جب قدموں کی آوازیں بہت دور ہو گئیں تو طارق فریدی کی طرف مڑا۔

"وہ سنگ اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کر رہے ہیں۔"

"لیکن.... آپ کے ساتھ ان کا رویہ....!"

"اوہ....!" طارق مسکرا کر اپنے نیولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "یہ سب شکا ہے.... یہاں کے مقامی باشندے اسے مقدس سمجھتے ہیں.... اور صرف ان کا مذہبی پیشوا پال سکتا ہے.... میں نے انہیں بتایا کہ ہم مسافر ہیں اور سردی سے بچنے کے لئے ہم نے اس پناہ لی ہے.... اس پر انہوں نے ہمارا میزبان بننے کی خواہش ظاہر کی مگر میں نے انکار کر دیا۔"

"مگر میں حمید وغیرہ کے لئے سوچ رہا ہوں.... انہیں کس طرح بچایا جائے.... سنگ پارٹی میں ان کا بھی شمار ہوتا تھا۔"

"میک اپ....!" طارق بولا۔

"ہو سکتا ہے... مگر قاسم ایک اچھا خاصا اشتہار ہے.... ہوٹل ہی میں وہ نظروں پر چڑھ گیا

"یہ مجھ پر چھوڑ دو.... جب تک شکا کی میرے شانے پر سوار ہے، متفکر ہونے کی ضر نہیں.... تم اسی وقت جا کر سرائے سے میک اپ کا سامان لے آؤ.... اور ہاں اپنے ساتھیو کہہ دو کہ وہ جہاں ہیں فی الحال وہیں رہیں.... یہاں نہ آئیں.... ہو سکتا ہے کہ دوسری ٹولی تلاش میں آ رہی ہو.... مگر نہیں.... ٹھہرو.... اگر راستے میں کسی سے مڈبھیڑ ہو گئی تو...

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ میری فکر نہ کیجئے.... میں یہاں کی زبان نہ

کیا ہوا.... گونگے دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں آپ کا یہاں موجود رہنا بہت ضروری ہے۔"

پھر فریدی باہر جانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ دو تین آدمی بے تحاشا غار میں گھس آئے.... وہ اس طرح ہانپ رہے تھے جیسے اب تک کوئی درندہ ان کا تعاقب کرتا رہا ہو۔

ان میں سے ایک نے ریوالور نکال کر فریدی وغیرہ کی طرف تان لیا اور ساتھ ہی اپنے دانتوں پر انگلی رکھ لی۔

ریوالور نکالنے والا سنگ ہی تھا۔

فریدی نے بقیہ دو آدمیوں کو بھی پہچان لیا۔

ان میں سے ایک تو ڈاکٹر شیپرڈ تھا اور دوسرا بڑی مونچھوں والا بھاری بھرکم آدمی.... جو سنگ ہی کے ساتھ مشرق ہی سے آیا تھا۔ اس کے کاندھے پر ریکھا غالباً بیہوش پڑی تھی۔

فریدی روزا کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ اس نے اس کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

"خبردار.... تمہارا انداز بالکل بے تعلقانہ ہونا چاہئے۔"

شکار اور شکاری

طارق مقامی زبان میں کچھ بڑبڑانے لگا۔

"سنگ! ریوالور رکھ لو....!" ڈاکٹر شیپرڈ نے انگریزی میں کہا۔ "یہ لوگ بے ضرر قسم کے کسان ہیں.... غالباً شب بسری کے لئے یہاں رکے ہیں، انہیں خوفزدہ کرنے کی بجائے اپنا مددگار بناؤ۔"

پھر اس نے آدھی اسپینی اور آدھی انگریزی میں طارق سے گفتگو کرنے کی کوشش کی۔

طارق بے دھڑک اسپینی بولنے لگا۔

یہ زبان فریدی بھی سمجھتا تھا۔

طارق نے کہا۔ "میں کوٹی کی زیارت گاہ کا ایک پجاری ہوں۔ میری طرف دشمن کی نگاہ سے دیکھ کر زندہ نہ رہ سکو گے.... تم ہو کون؟"

"ہم مسافر ہیں۔" شیپرڈ بولا۔ "ہمارے چند دشمن ہمارے تعاقب میں ہیں ان سے بچنے کے لئے ہم یہاں آ گئے ہیں.... ہم آپ کے دشمن نہیں.... ریوالور اس لئے نکالا گیا تھا کہ کہیں

آپ لوگ شور نہ مچادیں۔"

"اچھا یہ بات ہے۔" فریدی اسپینی میں بولا۔ "تم بالکل پریشان نہ ہو..... ابھی ابھی تین آدمیوں کو پناہ دی ہے۔ وہ بالکل گونگے ہیں۔ یا پھر ہم ان کی زبانیں نہیں سمجھ پاتے۔"

"کہاں ہیں....؟" ڈاکٹر شیپرڈ جلدی بولا۔

"ٹھہرو..... میں انہیں لاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور نشیب میں اُتر گیا۔

اس کے جاتے ہی ڈاکٹر شیپرڈ نے گفتگو کا ماحصل سنگ ہی کو انگریزی میں بتادیا۔

طارق اس دوران میں انہیں اس طرح گھورتا رہا جیسے وہ دو عدد گونگے آدمیوں کو عجیب کی آوازیں نکالتے سن رہا ہو۔

"تم لوگ انگریزی سمجھتے ہو؟" دفعتاً ڈاکٹر نے طارق کی طرف مڑ کر اسپینی میں سوال کیا۔

طارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔

ڈاکٹر شیپرڈ کے چہرے پر مسرت کے آثار ابھر آئے۔ اس نے سنگ ہی سے انگریزی میں کہا۔ "قدرت مہربان معلوم ہوتی ہے.... اگر اس بوڑھے سے کسی طرح یہ نیولا حاصل ہو جائے تو ساری مشکلیں آسان ہو جائیں۔"

"میں نہیں سمجھا...." سنگ ہی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

"یہ مقدس نیولا ہے.... اسے یہاں کے مذہبی پیشواؤں کے علاوہ اور کوئی نہیں پال سکتا۔ بوڑھا بھی کوئی مذہبی پیشوا معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن مشکلیں کس طرح آسان ہوں گی۔"

"ہم میں سے کوئی ایک یہ نیولا اپنے ساتھ رکھے گا اور ہم بخیر و خوبی کوٹی کی زیارت گاہ پہنچ جائیں گے۔"

"محض اس نیولے کی وجہ سے۔" سنگ ہی نے تحیر آمیز انداز میں پوچھا۔

"ہاں.... ہم سب یہاں کے مقامی زائرین کی سی وضع اختیار کر لیں گے۔ ہم میں سے ایک مذہبی پیشوا بن جائے گا۔"

"خیال اچھا ہے....!" سنگ ہی سر ہلا کر رہ گیا۔

فریدی.... حمید، انور، قاسم کو ساتھ لے کر واپس آگیا۔

"اَخاہ....!" سنگ ہی طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "آپ لوگ ہیں۔ مجھے توقع نہیں تھی دوبارہ ملاقات ہو سکے گی۔"

حمید نے اس پر ریوالور نکالنے کی بڑی اچھی ایکٹنگ کی حالانکہ اس کے پاس ریوالور نہیں تھا۔ لیکن اس کا ہاتھ جیب میں جانے سے پہلے ہی سنگ ہی کا ریوالور نکل آیا۔

"ہرگز نہیں....!" وہ مسکرا کر بولا۔ "تم اب بھی میرے قبضے میں ہو۔"

حمید، انور اور قاسم نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھالئے۔

"میں نہیں سمجھا یہ کیا معاملہ ہے۔" طارق اسپینی زبان میں بڑبڑایا۔

"اوہ مقدس بزرگ....!" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔ "یہ ہمارے ادنیٰ غلام ہمارے مخالف ہو گئے ہیں۔ محض اس بات پر کہ ہم کوٹی کی عظیم روح سبوتا کی خدمت میں حاضری کیلئے جا رہے ہیں۔"

"مگر تم آسمانی مذہب کے پیروکار معلوم ہوتے ہو۔"

"پھر کیا ہوا.... ہم سبوتا سے عقیدت رکھتے ہیں.... وہ سبوتا جو پتھروں کی خالق ہے.... جس کی گود سے چشمے پھوٹتے ہیں.... جس نے آگ اگلنے والے پہاڑ پر اپنا سایہ ڈال کر ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دیا.... جس نے آگ کے دیوتا جارس کو اس کے تخت سے کھینچ کر نیچے پھینک دیا تھا.... ہم اس پر اسے بھینٹ چڑھائیں گے۔"

ڈاکٹر شیپرڈ نے بڑی مونچھوں والے آدمی کے کاندھے پر پڑی ہوئی بیہوش لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا یہ سچ ہے....؟" طارق نے تالی بجا کر کہا اور آسمان کی طرف اپنے ہاتھ جوڑ لئے۔

"حقیقت ہے مقدس بزرگ....!" ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔ "یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا رہنما ہمیں اس طرح غیر متوقع طور پر مل گیا۔"

"تمہارے دشمن ہمارے دشمن ہیں۔" فریدی بولا۔ پھر حمید وغیرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ان کے لئے جو کچھ کہو کیا جائے۔"

"ہم انہیں بھی سبوتا جیسی عظیم روح پر قربان کریں گے۔"

"واہ واہ....!" طارق نے اس بار تین مرتبہ تالی بجائی اور اپنے ہاتھ پہلے ہی کی طرح آسمان کی طرف اٹھا کر جوڑ لئے۔

فریدی نے انور، حمید اور قاسم کی ٹائیاں کھول کر ان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔

"ہمارے ستارے پھر موافق معلوم ہوتے ہیں۔" سنگ ہی نے شیپرڈ سے انگریزی میں کہا۔

"اب تم لوگ آرام سے بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے ان لوگوں سے اسپینی میں کہا۔

"ہم تمہاری اچھی طرح حفاظت کریں گے۔" وہ سب بیٹھ گئے۔

بڑی مونچھوں والے نے لڑکی کو زمین پر لٹا دیا۔

"مگر...." ڈاکٹر شیپرڈ سنگ ہی کی طرف مڑ کر بولا۔ "مگر مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ تیز انہیں ہمارے متعلق کچھ بتا نہ دیں۔"

"اوہ.... ناممکن....!" سنگ نے مسکرا کر کہا۔ "یہ لوگ اسپینی کے علاوہ شاید اور کوئی زبا نہیں سمجھ سکیں گے.... کیا خیال ہے؟"

"ہے تو ایسا ہی!" شیپرڈ سر ہلا کر بولا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے طارق مخاطب کیا.... "مقدس بزرگ! ہم لوگ شاید آپ کی مقدس زیارت گاہ تک نہ پہنچ سکیں۔"

"کیوں؟ کس لئے؟" طارق نے حیرت سے کہا۔

"ان تینوں آدمیوں کی بدولت ہم پر ایک بہت بڑی مصیبت نازل ہوئی ہے۔"

"کیا ہوا....؟" طارق نے پُر وقار انداز میں آہستہ سے پوچھا۔

"ہم لوگ یہاں ایک ہوٹل میں مقیم تھے.... گانکلس ہوٹل.... ان تینوں نے اس لڑکی شراب پلا کر وہاں ہنگامہ برپا کرادیا۔ اس پر یہاں کے لوگوں نے ہمارے آٹھ آدمی پکڑ لئے اور د جان سے مار دیا.... ہوٹل والوں کو معلوم تھا کہ ہم کوٹی کی زیارت گاہ کی طرف جائیں گے.... اب آپ جانتے ہیں کہ کیا ہوگا.... وہ لوگ تمام راستوں کی نگرانی شروع کردیں گے.... آہ.... شاید ہم زیارت سے محروم رہ جائیں۔"

"ہرگز نہیں....!" طارق جوش میں کھڑا ہوگیا۔ "کوٹی کی عظیم روح سبوتا اپنے بچوں مایوس نہیں کرے گی۔"

"کیا ہم سبوتا کے حضور میں حاضر ہو سکیں گے۔"

"ضرور.... قطعی....!"

"لیکن وہ لوگ ہمیں پہچانتے ہی قتل کردیں گے۔"

"کوٹی کی عظیم روح انہیں اندھا کردے گی۔" فریدی بولا۔ "تمہارے ساتھ مقدس ٹومی ہوں گے۔"

طارق کے چہرے پر نہ جانے کہاں کا تقدس پھٹ پڑا ہے۔ وہ سر ہلا کر بڑے شاہانہ انداز میں لگا۔ "میرے بچے شائد یہاں کے رسم و رواج سے واقف نہیں ہیں.... خصوصاً انہیں کوٹی عظیم روح کی خدمت میں حاضری دینے کا طریقہ نہیں معلوم....!"

"ہم نہیں سمجھے مقدس بزرگ....!" ڈاکٹر شیپرڈ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"زائرین اپنے چہرے ڈھانک کر زیارت گاہ تک جاتے ہیں۔ صرف ان کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔"

"مگر مقدس بزرگ.... وہ لوگ چہرے کھلوا لیں گے۔"

"ہرگز نہیں....!" طارق پھر جوش میں آگیا۔ "تمہارے ساتھ سبوتا کا پجاری.... موگٹومی گا.... وہ ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے.... تمہاری طرف اٹھے ہوئے ہاتھ خشک ہوجائیں گے۔"

"زندہ باد.... زندہ باد.... مقدس بزرگ زندہ باد....!"

سنگ ہی خاموش بیٹھا بیہوش ریکھا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر شیپرڈ ے انگریزی میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں بقیہ لوگوں کو بھی ڈھونڈنا چاہئے۔"

"ضرور ضرور....!" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔ "یہاں تو معاملات حیرت انگیز طور پر طے ہو رہے ں.... بوڑھا پجاری ہمیں زیارت گاہ تک پہنچانے کا ذمہ لیتا ہے.... میں نے اس سے کہا ہے کہ اس لڑکی کو سبوتا پر قربان کریں گے۔"

"اوہ.... تو کیا وہاں آدمیوں کی قربانی دی جاتی ہے؟" سنگ ہی بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ہاں میرا خیال ہے کہ چوری چھپے اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ ویسے یہاں اسپینیوں نے بڑے ت قوانین بنا رکھے ہیں۔"

"تو اسے یقیناً خوشی ہوئی ہوگی۔"

"بہت زیادہ.... اچھا اب ہمیں اٹھنا چاہئے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔ "لڑکی اور تینوں سوروں کو نکما چھوڑتے ہیں۔"

"ابے.... تو خود سور....!" قاسم غرا کر بولا۔ اس نے لفظ "ابے" اردو میں کہا تھا اور بقیہ فاظ انگریزی میں۔

"چپ چپ" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اس وقت ان کے ستارے عروج پر ہیں۔ خاموش رہو۔ بولنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ ڈاکٹر شیپرڈ کی بارات کیسے چڑھے گی"

"یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟" طارق نے ڈاکٹر شیپرڈ سے اسپینی میں پوچھا۔

"اوہ.... یہ مردود....!" ڈاکٹر نے دانت پیس کر کہا۔ "آپ کو اور آپ کے ساتھی گالیاں دے رہے ہیں۔"

"اوہ.... اچھا....!" طارق مسکرا کر بولا۔ "فکر نہ کرو..... قربان گاہ کے عظیم تیغے ا زبان پاک کردیں گے.... کوٹی کی عظیم روح سب کچھ سن رہی ہے.... سب دیکھ رہی ہے۔"

"اچھا مقدس بزرگ! ہم یہ قربانیاں آپ کی خدمت میں پیش کر کے اپنے بقیہ ساتھیوا تلاش میں جا رہے ہیں۔"

"کب تک واپس آجاؤ گے؟" طارق نے مشفقانہ لہجے میں پوچھا۔

"صبح سے پہلے ہی۔"

"کوٹی کی عظیم روح تمہاری حفاظت کرے.... اگر کہو تو میں تمہارے ہمراہ چلوں۔"

"آہ.... بہت بڑا احسان.... مقدس موگومی.... تمہارے پاؤں ہماری گردنوں پر ر گے.... اے عظیم روح کے عظیم بیٹے۔"

"اچھا تو.... اپنے کمبلوں سے اپنا لباس اچھی طرح ڈھانک لو.... چہرہ چھپاؤ.... کوٹی عظیم روح تمہاری مدد کرے گی۔"

طارق کھڑا ہوگیا۔ نیولا پھر اس کے کاندھے پر سوار ہوگیا تھا۔

پھر تینوں طارق کے ساتھ باہر نکل گئے۔

ریکھا اب بھی بیہوش پڑی تھی۔ ان کے جاتے ہی سب سے پہلے روزا بولی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"اب تو بالکل ٹھیک ہو رہا ہے ننھی بچی۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اب اس طر میں قریب سے تمہارے باپ کی نگرانی کر سکوں گا۔"

"لیکن یہ کھیل یہیں کیوں نہیں ختم کر دیتے۔ اس سے طوق چھین لو۔"

"نہیں.... اب میں نے اسکیم بدل دی ہے۔ ایڈونچر میری سب سے بڑی تفریح ہے اور!

ایڈونچر جس میں قدم قدم پر موت سے ملاقات ہو جانے کے امکانات ہوں۔ ہاں اگر تم چاہو تو تمہیں نیویارک واپس بھجوا سکتا ہوں۔"

"نہیں.... میں واپس نہیں جاؤں گی۔"

حمید ایک لمبی آہ بھر کر رہ گیا۔ پھر اس نے قاسم سے کہا۔ "تم بھی تو ذرا ایک آہ بھرنا پیارے۔"

فریدی اسے گھورنے لگا۔ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ انور بدستور خاموش بیٹھا رہا۔

"لیکن حضور!" حمید نے فریدی سے کہا۔ "ہم کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔"

"صبح تک....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"ہائے.... میرے تو ہاتھ ٹوٹے جا رہے ہیں۔" قاسم کراہ کر زنانہ لہجے میں بولا اور اس پر لو بھی ہنسی آگئی۔

"آپ نے تو کہا تھا کہ میں صرف طوق حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"قطعی.... میرا اب بھی یہی خیال ہے۔" فریدی بولا۔

"تو پھر! سنگ ہی اب قریب قریب آپ کے قبضے میں ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ وہ طوق اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن طارق خزانے کے لئے مصر ہے۔"

"لیکن میں طارق کے لئے اپنی گردن نہیں کٹوا سکتا۔"

"تم سب اگر واپس جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اچھا دیکھو شاید وہ ہوش آرہی ہے۔ خاموش رہو لیکن اسے صحیح حالات کا علم نہ ہونا چاہئے۔ کیا سچ مچ تم نے اسے ب پلائی تھی؟"

"ہرگز نہیں! یہ سو فیصدی جھوٹ ہے۔" حمید بولا۔

ریکھا کا جسم حرکت کر رہا تھا اور پھر وہ یک بیک اٹھ بیٹھی۔ سب سے پہلے اس کی نظر حمید پر پڑی۔

"آپ....!" اس کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔

"ہاں ریکھا....! سنگ ہی نے ہمیں دوبارہ پکڑ لیا ہے، لیکن وہ اب خود بھی خطرے میں ہے۔ ی پارٹی کے دو آدمی مارے گئے اور آٹھ پکڑ لئے گئے۔ سنگ تمہیں کسی نہ کسی طرح نکال لایا۔"

"بہت برا ہوا۔" ریکھا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی اور فریدی پر نظر پڑتے ہی یک بیک

چونک کر حمید سے پوچھا۔ "وہ سب کہاں ہیں.... اور ہم۔"

"ہم تو اس غار میں ہیں۔" قاسم بول پڑا۔ "اور وہ سالے جھک مارنے گئے ہیں۔"

فریدی ریکھا کو بہت دلچسپی اور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

فریدی کے علاوہ اور سب پر غنودگی کا حملہ ہو چکا تھا۔

صبح ہونے سے قبل ہی طارق واپس آگیا۔ اس نے یہ اطلاع دی کہ اب تک سنگ ہی کے صرف دس آدمی مل سکے ہیں۔ پانچ اب بھی غائب ہیں۔

"ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا سنگ کے سارے آدمیوں کو مہم کے مقصد کا علم ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور سوتی ہوئی ریکھا کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "یہ جانتی ہے! ڈاکٹر شیپرڈ جانتا ہے اور وہ بڑی موچھوں والا جو حقیقتاً سیلر کلب کا مالک ہے جسے لوگ عام طور پر کلب کا مالک سمجھتے ہیں وہ اصل میں کلب کا منیجر تھا۔"

"مجھے علم ہے.... نریش ہی کلب کا مالک ہے۔"

"ہاں تو یہی تین ہستیاں اس راز سے واقف ہیں۔"

"ان لوگوں کی روانگی کب ہوگی؟" فریدی نے طارق سے پوچھا۔

"آج.... میں نے سارے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔" طارق نے کہا اور اپنے نیولے کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

روانگی

دوسرے دن وہ سب غار ہی میں چھپے رہے اور طارق روانگی کے انتظامات مکمل کرتا رہا۔

سنگ ہی کے بقیہ پانچ آدمیوں کا پتہ نہ چل سکا۔ صرف دس آدمی اس کے ساتھیوں میں رہ گئے تھے۔ چار وہ خود تھے۔ ڈاکٹر شیپرڈ، نریش، ریکھا اور سنگ ہی۔

حمید، انور اور قاسم کی حیثیت قیدیوں کی سی تھی۔ لیکن اب ان کے ہاتھ کھول دیئے گئے اور یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ایسے حالات میں وہ خود ہی بھاگنے کی ہمت نہ کر سکیں گے۔

ریکھا بالکل دم بخود تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جاگتے میں بھی سو رہی ہو۔ سنگ ہی نے

ں سے اس کی حرکت کے بارے میں استفسار بھی کیا، لیکن ریکھا اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہ ے سکی کہ اسے اس کے متعلق کچھ یاد ہی نہیں۔

سنگ ہی نے پھر مزید سوالات نہیں کئے اور اس کے ساتھ اس کا رویہ بھی بڑا اچھا رہا۔

شام تک طارق نے سارے انتظامات مکمل کر لئے۔ بار برداری کے لئے جانور اور آدمی بہ سانی مل گئے۔ قاسم لاموں[1] کو دیکھ کر بہت ہنسا۔ نہ جانے کیوں وہ اسے مضحکہ خیز معلوم ہو رہے تھے۔

تیسری صبح وہ وہاں سے کوٹی کی زیارت گاہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ ان سب نے اون کے لبے ادے پہن رکھے تھے اور ان کے چہرے آنکھوں تک ڈھکے ہوئے تھے۔

طارق سب سے آگے تھا اور صرف اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔

بیس آدمیوں کا یہ قافلہ چکردار راستوں سے کیتو کے نشیب میں اتر رہا تھا۔

سفید بادلوں کے ٹکڑے کبھی ان کے سروں پر سایہ ڈالتے.... اور کبھی آفتاب چمکنے لگتا۔ ن دھوپ ہو جانے کے باوجود بھی انہیں اپنے چاروں طرف دھند ہی دھند نظر آتی۔

طارق جو جنوبی امریکہ کا بہت پرانا سیاح تھا انہیں ایک ایسے راستے سے لے جا رہا تھا جو صرف ٹی کے خاص پجاریوں کے لئے وقف تھا۔ لیکن انہیں وہاں بھی جگہ جگہ حکومت کے مسلح میوں سے ٹکرانا پڑا۔ خیریت یہ ہوئی کہ ابھی تک انہیں کوئی ایسی ٹولی نہیں ملی تھی جس میں ئی یوروپین بھی ہوتا۔ یہ سب یہاں کے قدیم باشندے ہی تھے اس لئے طارق کا نیولا کافی بااثر بت ہوا، اور کسی نے طارق کے پیچھے چلتے ہوئے قافلے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ ب اسے دیکھ کر احتراماً اپنی گردنیں ہی جھکاتے رہے.... روزا کا ہاتھ فریدی کے ہاتھ میں .... اور حمید کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔

"تھک گئی ہوگی بیچاری....!" قاسم نے روزا کی طرف دیکھ کر حمید سے کہا۔

"لدوا دوں تمہارے اوپر....؟" حمید بولا۔

"ارے واہ....!" قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"اچھا میں کوشش کروں گا۔"

"نن.... نہیں....!"

---

[1] لاما.... بار برداری کے کام آنے والا ایک جانور جو اد ٹ سے کچھ چھوٹا اور لمبی گردن والا تا ہے۔ اونٹ سے وہ صرف اس لئے مختلف ہے کہ اس کے کوہان نہیں ہوتا۔

دوسری طرف روزا فریدی سے کہہ رہی تھی۔ "شاید ڈیڈی کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔"

"نہیں! ایسا تو نہیں ہے۔"

"آخر اس سفر کا انجام کیا ہوگا؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا.... جب تھک جاؤ تو بتا دینا۔"

"تو اس سے کیا ہوگا.... سب ہی پیدل چل رہے ہیں۔"

"نہیں تمہارے لئے انتظام ہو جائے گا۔"

"میں لاما پر تو ہرگز نہ بیٹھوں گی.... وہ لڑکی بیچاری شاید تھک گئی ہے۔" روزا نے ریکھا کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ لڑکی۔ اس نے مجھے عرصہ سے الجھن میں مبتلا کر رکھا ہے۔"

"کیوں....؟" روزا چونک کر فریدی کو گھورنے لگی۔

"میں ابھی تک سنگ کی پارٹی میں اس کی موجودگی کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔"

"تم کبھی نہیں سمجھ سکو گے۔" روزا آہستہ سے بولی۔

"کیوں....؟"

"کیونکہ یہ ایک لڑکی کا معاملہ ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ دفعتاً وہ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔ روزا نے اس کی طرف دیکھ پھر اور کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکی۔ وہ ان تھوڑے ہی دنوں میں فریدی کی فطرت سے اچھی طر واقف ہو گئی تھی۔

فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ "تمہیں اس لڑکی کے حالات کا علم نہیں۔ بہت عرصے کی بات۔ کہ یہ ایک کافی دولت مند آدمی کی سیکریٹری تھی۔ چند خطرناک آدمیوں نے اسی کے ہاتھوں اُ زہر دلوادیا اور پھر انہوں نے کچھ ایسے حالات پیدا کئے کہ پولیس اس پر شبہ بھی نہ کر سکی.... ب میں اس لڑکی کو ان لوگوں کا غلام بننا پڑا.... اور وہ اس سے ذلیل سے ذلیل کام لینے لگے۔ پھر سنگ ہی کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گئی.... لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ہوا کیوں؟... سنگ کے ساتھیوں کو اسے حاصل کرنے کے سلسلے میں کافی کشت و خون کا سامنا کرنا پڑا تھا۔"

"عورتوں کے لئے پورے پورے ملک تباہ ہو گئے ہیں۔" روزا مسکرا کر بولی۔

"تم پر رومان بُری طرح سوار ہے۔"

"میں نے ہمیشہ بڑے شاندار خواب دیکھے ہیں۔"

"بُری بات ہے.... جب یہ خواب حقیقتوں سے ٹکرا کر ٹوٹتے ہیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔"

"تمہیں اس کا تجربہ ہے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے کبھی خواب نہیں دیکھے۔"

"میں کہتی ہوں.... یہ بہت بُری بات ہے.... اگر آدمی ان خوابوں سے بھی محروم ائے تو پھر زندگی میں رہ ہی کیا جائے گا۔"

"کیا خواب تمہیں سچی مسرت بخشتے ہیں؟"

"میں سچی اور جھوٹی کے چکر میں نہیں پڑتی۔ لیکن مجھے خوابوں سے بڑا سکون ملتا ہے۔"

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی بات پر حمید اور قاسم لڑ پڑے۔ قاسم اس پر جھلا کر جھپٹا ہی ا اچھل کر بھاگا۔

"خبردار گولی مار دوں گا۔" سنگ ہی چیخ کر بولا اور پھر وہ سب ایک جگہ اکٹھا ہو گئے۔

فریدی قہر آلود نظروں سے حمید کو گھور رہا تھا۔

"میں انہیں ٹھکانے ہی کیوں نہ لگا دوں۔" سنگ ہی نے ڈاکٹر شیپرڈ سے کہا۔

"ہرگز نہیں.... تم انہیں کوٹی کی قربانی کے لئے وقف کر چکے ہو.... اگر تم نے اس کا ارادہ ظاہر کیا تو معاملات قابو سے باہر ہو جائیں گے۔"

"یہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے۔"

"اوہ.... تو انہیں یہاں تک لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں نے تو وہیں کہا تھا۔"

وہ پھر چلنے لگے۔

اس بار حمید قاسم کا ساتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔

سنگ ہی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر ڈاکٹر شیپرڈ سے بولا۔ "میں نے یہ جھنجھٹ محض اسی ا تھی کہ فریدی کھل کر سامنے آجائے۔ مگر ابھی تک تو اس سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔"

"میرا خیال ہے کہ شاید وہ ادھر آنے کی ہمت ہی نہ کر سکے۔" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔

"خام خیالی ہے.... میں ہر ہر سیکنڈ اس کا منتظر ہوں۔"

"یہاں شاید وہ کامیاب نہ ہو سکے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

"سنو ڈاکٹر....!" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنا نہیں سوچا۔"

"کس چیز کے متعلق۔"

"فریدی! میرے سینے میں دل کی جگہ پتھر کا ٹکڑا ہے.... لیکن.... لیکن" سنگ ہی یک خاموش ہو گیا۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے تھوڑی دیر بعد اسے ٹوکا۔

"میں تمہیں ایک رات کا واقعہ سناؤں.... میرے آدمیوں نے فریدی پر حملہ کیا وہ ت لیکن ایک کو جان سے مار کر صاف نکل گیا اور اسی آدمی کی لاش سے وہ میرے ٹھکانے پہنچا.... اگر میں پہلے ہی سے ہوشیار نہ ہو گیا ہوتا تو....!"

سنگ ہی نے ریکھا کے اغواء کے واقعات دہرائے اور پھر بولا۔ "مجھے یقین تھا کہ فریدی نہ کوئی چال ضرور چلے گا لہٰذا میں نے وہی کیا جس کی وہ توقع رکھتا تھا۔ اسے بھی یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی آدمی مجھے اس واقعے کی اطلاع ضرور دے گا۔ لہٰذا میں نے پہلے ہی سے ساری ا مرتب کر لی۔ میرے ایک آدمی نے لڑکال جنگل کا رخ کیا اور فریدی اس کا تعاقب کرنے لگا۔ اس وقت بھی وہ تنہا ہی تھا لیکن جانتے ہو کیا ہوا؟ اس نے میرے آٹھ آدمی ختم کر دیئے۔ پورے آٹھ.... اور ایک واقعہ تو خود تمہاری نظروں سے بھی گذر چکا ہے.... اس نے کتنی م سے اپنی گردن بچالی.... حالانکہ تمہیں پورا یقین تھا کہ وہ دام میں آگیا ہے.... آخر تمہاری ل نے روزا شیپرڈ کے نام سے خط و کتابت کیوں کی تھی؟"

"اسے اصل واقعات کا علم نہیں تھا۔"

"لیکن تم تو مقصد سے واقف تھے۔"

"اگر میں کسی دوسرے نام سے خط و کتابت کرنے کی ترغیب دیتا تو وہ اس کا مقصد ضرور پوچھتی۔"

"خیر جو ہوا سو ہوا۔ مجھے اب بھی بہتر حالات کی توقع نہیں۔ جب تک فریدی قابو میں آجائے.... ہمیں مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔"

"چھوڑو.... ہٹاؤ.... میں بلاوجہ الجھن میں نہیں پڑتا۔" ڈاکٹر شیپرڈ ہاتھ ہلا کر بولا۔

وہ دونوں طارق کے پیچھے تھے۔ طارق ان کی گفتگو صاف سن رہا تھا۔ لیکن اس نے ایک بار بھی مڑ کر ان کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کے چلنے کا انداز بالکل ایک گونگے اور بہرے آدمی کا سا تھا۔

فریدی اور روزا قافلے کے پیچھے تھے۔ آخری آدمیوں سے ان کا فاصلہ کم از کم سو گز ضرور ہوگا۔

سفید بادلوں کے پرے کے پرے شمال کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ کبھی وہ نکیلی چوٹیوں والے سربفلک درختوں کے درمیان سے گذرتے ہوئے معلوم ہوتے اور کبھی ایسا لگتا جیسے وہ ان چوٹیوں سے الجھ کر رک گئے ہوں۔ اس وقت ہلکی سی خنکی بہت خوشگوار معلوم ہو رہی تھی۔

فریدی بہت زیادہ محتاط نظر آرہا تھا۔ اس نے تقریباً پانچ یا چھ گھنٹے سے اپنے مخصوص سگار نہیں پئے تھے لیکن اس کے باوجود بھی کوئی اس کی ظاہر حالت سے یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کے ذہن پر تمباکو کے نشے کی طلب مسلط ہے۔

"میں واقعی تھک گئی ہوں۔" اچانک روزا نے کراہ کر کہا۔

"اچھا میں انتظار کرتا ہوں۔"

"کیا انتظار کرو گے.... میں لاما پر ہرگز نہیں بیٹھوں گی۔"

"میں تمہارے لئے ہاتھی مہیا کروں گا.... وہ دیو کا بچہ دیکھا ہے نا تم نے! تم اس کی پیٹھ پر سفر کرو گی۔"

"کیا....؟ نہیں ہرگز نہیں۔"

"تو پھر، آؤ کیا کروں....!" فریدی جھنجھلا گیا۔ "میں نے تو کہا تھا کہ واپس چلی جاؤ۔"

"خفا کیوں ہوتے ہو.... اب نہ کہوں گی کہ تھک گئی ہوں۔"

"آؤ....!" فریدی زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "لدو میرے ہی اوپر لدو۔"

"نہیں ٹھیک ہے.... میں چل تو رہی ہوں۔"

"چلو! ورنہ گردن مروڑ کر کسی کھڈ میں پھینک دوں گا۔" فریدی نے آنکھیں نکال کر کہا اور روزا سچ مچ کانپ گئی۔ تعمیل کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

"ڈر گئیں....؟" فریدی نے اسے اپنی پشت پر سنبھال کر اٹھتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"دیکھو.... فریدی ڈیئر یہ کتنا بُرا معلوم ہوتا ہے.... نہیں مجھے نیچے اُتار دو۔"

"تم اس وقت لڑکی نہیں بلکہ لڑکے ہو.... ڈمبولڈی کے چھوٹے بھائی پنگ پانگٹی ہو۔"

روزا ہنسنے لگی۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "اس طرح تم بھی تھک جاؤ گے۔"

"میں تین دن تک تمہیں اسی طرح اٹھائے ہوئے چل سکتا ہوں۔"

"صرف مجھے یا کوئی بھی ہو؟" روزا نے پوچھا۔

"کوئی بھی ہو! خواہ اس کا وزن تم سے دوگنا ہو۔"

روزا کو شاید اس جواب سے مایوسی ہوئی تھی۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اس نے ا طویل سانس لی۔

اتفاقاً حمید نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے پھر قاسم کے ساتھ چلنے لگا۔

"دیکھا فرزند...!" اس نے قاسم سے کہا۔ "ذرا پیچھے دیکھو۔"

قاسم نے پلٹ کر دیکھا اور ہنسنے لگا۔

شام ہوتے ہی طارق نے ایک کافی کشادہ غار ڈھونڈ لیا.... پورا قافلہ اس میں بہ آسانی رار گذار سکتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے طارق اس سرزمین کے چپے چپے سے واقف ہو۔

غار کے باہر جگہ جگہ الاؤ جل رہے تھے حالانکہ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن پھر بھی گہر تاریکی نہیں تھی۔ بادلوں کے پیش منظر میں دور کے پہاڑوں کی چوٹیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔

طارق، سنگ ہی اور ڈاکٹر شیپرڈ غار کے دہانے پر بیٹھے دن بھر کی تھکن دور کر رہے تھے۔

"اب ہمیں کتنا اور چلنا پڑے گا۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے اسپینی میں پوچھا۔

"کل شام تک....!" طارق ایک طرف اپنا داہنا ہاتھ پھیلا کر بولا۔ "عظیم سبوتا مسکن.... ہلالی شکل کی دو چوٹیاں دیکھ رہے ہو.... یہ مقدس ہلال سبوتا کا مسکن ہے.... کوٹی ک عظیم روح تم سفید فام آدمیوں پر مہربان ہو گئی ہے۔ تم جو اس کی تکذیب کرتے ہو۔"

"ہرگز نہیں.... مقدس بزرگ ہم اس کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔"

"میں خاص طور پر تمہیں نہیں کہہ رہا ہوں۔" طارق مسکرا کر بولا۔ "تمہارے پہلے حملہ آور فرانسسکو ہزارو کو اندھیری رات میں کس نے راستہ دکھایا تھا کوٹی کی عظیم روح اپنے قدیم پرستاروں سے ناخوش ہو گئی تھی اس نے تم سفید آدمیوں کے ہاتھوں انہیں ذلت بخشی۔ ہزارو کی

ہیں جب رات کے اندھیرے میں بھٹک رہی تھیں تو تم جانتے ہو کیا ہوا تھا؟"

"ہم نہیں جانتے مقدس بزرگ۔"

طارق کے لہجے میں اس وقت عجیب قسم کی عظمت پیدا ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر شیپرڈ جو اسپینی سمجھتا تھا لیکن زبان کے لہجوں پر قادر نہیں تھا کچھ اس طرح مرعوب نظر ہا تھا جیسے وہ اس کے سامنے ایک ننھا سا بچہ ہو۔

فضا پر ہلکا سرمئی غبار سا طاری تھا۔ فلک بوس چوٹیاں سکوت میں ڈوبی کھڑی تھیں اور اس اسرار سناٹے میں طارق پانچ سو سالہ پرانی داستان دہرا رہا تھا۔ ڈاکٹر شیپرڈ کو ایسا محسوس ہو رہا تھا ے طارق بھی اسی زمانے کی کوئی بھٹکی ہوئی روح ہو.... ایسی روح.... جو صدہا سال تک ان وت میں ڈوبے ہوئے پہاڑوں کے گرد منڈلاتے رہنے کے بعد پہلی بار بولی ہو۔

ڈاکٹر شیپرڈ کی نظر اچانک ان چوٹیوں کی سمت اٹھ گئی جن کی طرف طارق نے اشارہ کیا تھا۔ نہ نے کیوں اسے محسوس ہوا جیسے وہ ہلالی شکل کی چوٹیاں اپنے پس منظر سے الگ ہو گئی ہوں۔

طارق کہہ رہا تھا۔

"پھر ان مقدس چوٹیوں سے ایک چیخ بلند ہوئی.... ایک روشنی پھوٹی اور انکا قوم کی سرزمین تباہی نازل ہو گئی.... اس روشنی میں رات ننگی ہو گئی تھی.... حملہ آور آگے بڑھتے گئے.... ن چاروں طرف خون ہی خون تھا.... پھر ایک وبا آئی.... سبوتا کے ستاروں کے جسموں پر ے بڑے آبلے پڑنے لگے جن سے زرد رنگ کا پانی بہتا تھا.... پھر وہ خوفناک پرندے جن کے ے کے پرے شمال کی طرف سے آ رہے تھے.... انہوں نے لاشوں کی طرف رخ بھی نہ ا.... زندہ آدمیوں کی بوٹیاں نوچنے لگے.... مگر سبوتا کا مسکن جیسا تھا ویسا ہی رہا.... میں ہیں آگاہ کرتا ہوں کہ ایک دن پھر ان ہلالی چوٹیوں سے روشنی پھوٹے گی.... رات ننگی جائے گی.... اور اس دن انکا کسانوں کے ہاتھ میں سفید فاموں کے سر ہوں گے.... ایسے ر.... جن سے ایک ایک بوند کر کے خون ٹپک رہا ہو گا۔"

طارق خاموش ہو گیا۔

ڈاکٹر شیپرڈ کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی سی معلوم ہونے لگیں۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ نگ ہی نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش بھی کی لیکن.... ڈاکٹر شیپرڈ کے منہ سے آواز تک نہ

نکل سکی۔

رائفل اڑگئی

دوسری شام وہ کوٹی زیارت گاہ تک پہنچ گئے۔

یہ پتھروں کی ایک چھوٹی سی ٹوٹی پھوٹی عمارت تھی۔ کچھ حصوں پر اب بھی چھتیں تھیں۔ اس عمارت میں کل نو آدمی تھے جن کی وضع قطع طارق سے ملتی جلتی تھی۔ یہ سب کے مندر کے پجاری تھے۔

طارق کو انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن اس کے ہمراہ غیر ملکیوں کو دیکھ کر انہوں نے ظاہر کی۔ طارق نے انہیں سمجھایا کہ وہ سبوتا کے عقیدت مند ہیں۔ اس کے باوجود بھ ملکیوں کو عمارت کی چھتوں کے نیچے پناہ نہیں دی گئی۔ انہیں باہر ہی ایک غار میں قیام کرنا پڑا

یہ بات فریدی کو پسند نہیں آئی۔ وہ ان لوگوں کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی نظروں سے او نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

"اب کیا کہتے ہو؟" طارق نے فریدی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ رات ہی سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کریں گے لیکن انہیں ایک دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کا کوئی آدمی بھی مقامی زبانوں سے واقف نہیں برداروں کے بغیر یہ سفر کرنے سے رہے۔ صرف تحریر کے سہارے سفر جاری رکھنا ان کے سے باہر ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باربردار آگے جانے پر رضامند ہوں گے ! نہیں۔ کیونکہ وہ ان کی زبان نہیں سمجھ سکیں گے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" طارق نے پوچھا۔

"یہی کہ اگر ہم یہ سفر ساتھ ہی جاری رکھیں تو کیا حرج ہے؟"

"بھلا یہ کس طرح ممکن ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم کو صرف یہیں تک آنا تھا۔"

"ہوسکتا ہے.... ابھی میں نے جن دشواریوں کا تذکرہ کیا ہے اس کا احساس انہیں ہوگا.... پوری پارٹی میں صرف آپ ہی ایک ایسے آدمی ہیں جو مقامی زبانوں سے واقف ہیں۔"

"پھر....؟"

"ٹھہریئے بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک سگار سلگا لیا.... اس نے دن سے سگار نہیں پیا تھا۔ دو تین گہرے کش لینے کے بعد وہ طارق سے آہستہ آہستہ کچھ کہنے

پھر شاید پندرہ بیس منٹ تک ان میں ردوقدح ہوتی رہی اس کے بعد طارق ہنستا ہوا اس غار کی ف چلا گیا جہاں سنگ ہی وغیرہ مقیم تھے۔

طارق کو غار میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ سب بوکھلا گئے۔ شاید وہ وہاں سے نکل جانے ہی کے لق گفتگو کررہے تھے۔

طارق انہیں چند لمحے گھورتا رہا پھر یک بیک مقامی زبان میں برسنے لگا۔ باربردار قلی غار کے تھے اور سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اس زبان کو نہیں سمجھتا تھا.... وہ سب متحیر خوف زدہ نظروں سے طارق کی طرف دیکھتے رہے۔

طارق ایک لمحے کے لئے رکا ہی تھا کہ ڈاکٹر شیپرڈ نے ڈرتے ڈرتے انگریزی میں کہا۔ "مقدس رگ.... ہم یہ زبان نہیں سمجھ سکتے۔"

"تو میں تمہیں سمجھاتا ہوں....!" طارق بھی انگریزی ہی میں گرجا۔ "تم لوگ جھوٹے ہو۔"

ڈاکٹر شیپرڈ سنبھل کر کھڑا ہوگیا۔

"میں نہیں سمجھا مقدس بزرگ....!"

"تم ہرگز اس لڑکی کو قربان نہیں کروگے.... تم نے جھوٹ کہا تھا۔"

"نن.... نہیں.... قربان کریں گے۔" ڈاکٹر شیپرڈ ہکلایا۔

"میں اب مزید جھوٹ نہیں سننا چاہتا۔" طارق نے اپنے نیولے کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ئے کہا۔ "ابھی ابھی مراقبے میں میں نے سبوتا کے ہرکارے سیوبام سے گفتگو کی ہے۔ وہ غلط ریں نہیں دیتا.... اس نے بتایا ہے کہ تم ان تینوں قیدیوں کو قربانی کے لئے پیش کرکے لڑکی کو اف بچالے جانے کی کوشش کروگے۔"

ڈاکٹر شیپرڈ کی ہکلاہٹ کا سلسلہ جاری رہتا اگر سنگ ہی اسے اپنی طرف مخاطب نہ کرلیتا۔

"کیا کہہ رہا ہے؟" سنگ ہی نے پوچھا۔

ڈاکٹر شیپرڈ نے ساری بات دہرادی۔

"اس زیارت گاہ میں کل کتنے آدمی ہوں گے؟"

"میں نہیں جانتا۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔

"ہوں گے.... جتنے بھی ہوں.... ہمارے پاس کافی اسلحہ ہے ہم سمجھ لیں گے یہ جادوگر ہوتے ہیں۔ اگر انہیں یہاں ہمارے آنے کا مقصد معلوم ہو گیا تو مصیبت ہی آجائے

"تو پھر میں کیا کروں؟" ڈاکٹر شیپرڈ نے بے بسی سے کہا۔

"اسے تھوڑی دیر کے لئے ٹال دو.... میں سارا انتظام کئے لیتا ہوں۔"

ڈاکٹر شیپرڈ نے طارق کی طرف دیکھا جو ایک ٹانگ پر کھڑا کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

"مجھے بتاؤ کہ تم نے اپنے ساتھی سے کیا گفتگو کی ہے۔" طارق نے غرا کر کہا۔ "جھوٹ کہنا.... اس وقت بھی سبوتا کے ہرکارے سیلوبام کی روح میرے ساتھ ہے۔"

"وہ کہہ رہا ہے کہ مقدس بزرگ کو یقین دلا دو کہ لڑکی ضرور قربان کی جائے گی۔"

"جھوٹ.... سراسر جھوٹ.... سیوبام کی روح کہہ رہی تھی کہ تم اپنے دھماکے ہتھیاروں سے ہمیں ختم کر دینے کی اسکیم بنا رہے ہو.... لیکن سبوتا کے پجاریوں کی قوت واقف نہیں ہو.... تمہاری رائفلیں بیکار ہو جائیں گی سیوبام کی روح ہر وقت میرے گرد ناچتی رہتی ہے۔"

ڈاکٹر شیپرڈ کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔

"میں کس طرح یقین دلاؤں...." ڈاکٹر شیپرڈ نے رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم ذرا میرے ساتھ باہر آؤ۔"

ڈاکٹر شیپرڈ نے مڑ کر سنگ ہی کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے؟" سنگ نے پوچھا۔

"مجھے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتا ہے۔"

"میں بھی ساتھ چلوں گا۔"

"یہ بھی میرے ساتھ جانا چاہتا ہے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔

"اوہ.... تم سب آؤ.... میں تمہیں ذبح کرنے کے لئے نہیں لے جا رہا ہوں....!" نے غصے میں کہا اور غار سے باہر نکل گیا۔ سنگ ہی اور ڈاکٹر شیپرڈ نے بھی اس کی تقلید کی۔

طارق چلتے چلتے ایک جگہ رک گیا۔

سنگ کا ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر تھا۔

"سیوبام کی روح کیا کہہ رہی ہے.... بتاؤں تمہیں....؟" طارق نے ڈاکٹر شیپرڈ سے کہا۔

ڈاکٹر شیپرڈ کچھ نہ بولا۔

طارق نے مسکرا کر کہا۔ "وہ کہہ رہی ہے کہ تمہاری منزل کوٹی کی زیارت گاہ نہیں ہے.... گے جاؤ گے۔"

"ہم کہاں جائیں گے؟" ڈاکٹر شیپرڈ نے تیزی سے پوچھا۔

"تم جہاں بھی جاؤ گے ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔"

"کیا کہہ رہا ہے؟" سنگ ہی نے پوچھا۔

ڈاکٹر شیپرڈ نے گفتگو انگریزی میں دہرا دی۔

"تم اسے باتوں میں لگائے رہو۔" سنگ ہی نے کہا۔ "میں سب ٹھیک کئے لیتا ہوں۔"

پھر وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا غار کی طرف واپس آگیا۔ سامان کے ساتھ اسلحہ جات کے روق بھی باہر ہی پڑے ہوئے تھے۔ سنگ ہی نے صندوق کھول کر ایک ایسی رائفل نکالی جس ں سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ پھر وہ اسے ہاتھ میں لئے ہوئے جھکا جھکا چٹانوں کی اوٹ میں چلنے لگا۔ ایک ہ رک کر اس نے ادھر ادھر نظر ڈالی جہاں طارق اور ڈاکٹر شیپرڈ کھڑے گفتگو کر رہے تھے.... ھیرا ضرور تھا مگر تاروں بھرے آسمان کے پیش منظر میں ان کے جسم صاف دکھائی دے رہے ے.... اور طارق.... اسے پہچان لینا تو بالکل ہی آسان تھا کیونکہ نیولا اب بھی اس کے کاندھے سوار تھا۔ سنگ ہی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر رائفل سیدھی کرنی ہی چاہی تھی کہ وہ اس کے ہاتھ ے نکل کر فضا میں اچھل گئی اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اڑتی ہوئی بیکراں تاریکیوں میں گم و گئی ہو۔

سنگ ہی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے رائفل گرنے کی آواز نہیں سنی۔

وہ ڈرپوک نہیں تھا لیکن اس واقعے پر اسے اپنے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا.... اس کے جسم کے مسامات سے پسینہ ابل پڑا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ سرپٹ غار کی طرف بھاگ رہا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ غار میں داخل ہوا

اس پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔ کیونکہ یہاں حمید انور اور قاسم کی حکمرانی تھی۔ انہوں نے کے دسوں ساتھیوں کو باندھ لیا تھا۔ سنگ ہی یہ ماجرا دیکھ کر پلٹا ہی تھا کہ انور نے اپنے ر رخ اس کی طرف کر دیا۔

"خبر دار.... اگر تم نے ذرہ بھی حرکت کی تو.... وہیں کھڑے رہو اور اپنے دونوں اوپر اٹھاؤ.... ٹھیک....!"

ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر شیپرڈ بھی غار میں داخل ہوا اور اس کے منہ سے ایک تحیر آ نکلی.... انور نے اسے بھی ہاتھ اوپر اٹھا لینے کو کہا۔

"خدا کی قسم....!" شیپرڈ اپنے ہاتھ اٹھاتا ہوا بڑبڑایا۔ "وہ بوڑھا سچ مچ جادوگر معلوم ہوتا ہے"

"قاسم انہیں بھی باندھ لو....!" انور بولا۔

قاسم رسی لیکر ان کی طرف بڑھا لیکن ابھی ان کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ طارق غا داخل ہوا۔ طارق نے یہاں کی کیفیت دیکھ کر ایک چبھتا ہوا سا قہقہہ لگایا۔

"خبردار.... تم بھی ہاتھ اٹھاؤ۔" انور گرجا۔

اس پر طارق نے بلند آواز میں کچھ بڑبڑانا شروع کر دیا۔ انور اور حمید کے ریوالور آہستہ نیچے جھکنے لگے اور پھر زمین پر گر گئے۔ قاسم کے منہ سے ایک خوفزدہ سی آواز نکلی.... اچھل کر انور اور حمید کے پیچھے جا چھپا۔

طارق نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور ڈاکٹر شیپرڈ سے بولا۔ "اگر میں نہ ہوتا تو تم لوگ اس کہاں ہوتے۔"

سنگ ہی انور وغیرہ کی طرف لپکا۔

"روکو.... اسے.... کیا کرتا ہے۔" طارق غرایا۔

ڈاکٹر شیپرڈ نے جھپٹ کر سنگ ہی کو پکڑ لیا اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "سنگ... کر رہے ہو.... ٹھہر جاؤ.... بوڑھا جو کچھ کہے اس پر عمل کرو۔"

"کیوں....؟" سنگ ہی جھلا کر پلٹا۔

"اوہ.... اس وقت اسی نے مجھے اطلاع دی تھی۔ اچانک گفتگو کرتے کرتے اس نے مجھ کہا تھا فوراً جاؤ تمہارے ساتھی خطرے میں ہیں اور یہاں آ کر سچ مچ میں نے بھی دیکھا۔"

سنگ ہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر طارق کو دیکھنے لگا۔

"اوہ یہ تمہارا ساتھی....!" طارق نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اس نے تھوڑی دیر قبل مجھے پنی بے آواز رائفل سے مار ڈالنا چاہا تھا۔ اسی وقت جب ہم تم گفتگو کر رہے تھے۔ اس سے پوچھو لہ وہ رائفل کہاں گئی؟"

ڈاکٹر شیپرڈ نے حیرت سے سنگ ہی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا یہ صحیح ہے؟"

"کیا پوچھ رہا ہے؟" سنگ بولا۔

"کیا تم نے کچھ دیر پہلے اس پر گولی چلانے کا قصد کیا تھا؟"

"ہاں یہ صحیح ہے۔"

"وہ طنزیہ لہجے میں پوچھ رہا ہے کہ رائفل کہاں گئی؟"

"میرے خدا....!" سنگ ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "ڈاکٹر ہم سچ مچ کسی شیطانی چکر میں پھنس گئے ہیں۔ رائفل میرے ہاتھ سے نکل کر سیدھی آسمان کی طرف چلی گئی تھی۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم کے منہ سے ڈری ڈری آواز نکلی۔ حمید اور انور آنکھیں بند کئے بے جان مجسموں کی طرح کھڑے رہے۔ ان کے ریوالور ان کے پیروں کے پاس پڑے تھے۔

دفعتاً ڈاکٹر شیپرڈ نے طارق سے کہا۔ "مقدس بزرگ! یہ اپنی حرکت پر نادم ہے اور اب پوری طرح آپ کی قوتوں پر ایمان لے آیا ہے۔"

"میں اسے نہیں مانتا۔ اسے یہ بات اپنے اعمال سے ثابت کرنی ہوگی۔ میں تمہیں بتاؤں.... ابھی تمہارا ایک خطرناک دشمن تمہاری تاک میں ہے اور وہ ابھی تک کھل کر تمہارے سامنے نہیں آیا.... اگر تم نے میری تجویزوں پر عمل نہ کیا تو پچھتاؤ گے.... میں جا رہا ہوں.... ان تینوں کو گرفتار کر لو۔ جان سے مارنے کی ضرورت نہیں.... یہ بڑے برے وقت ہمارے کام آئیں گے۔"

پھر طارق ڈاکٹر شیپرڈ کے جواب کا انتظار کئے بغیر غار سے باہر نکل گیا۔

حمید اور انور اب بھی اسی طرح کھڑے تھے.... اور قاسم زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

حمید، قاسم اور انور دوبارہ باندھ لئے گئے۔ سنگ اور شیپرڈ اپنے ساتھیوں کو کھول رہے تھے

لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں.... خاص طور پر ا اور اس کے ساتھیوں کی حالت پر حیرت تھی۔ وہ بالکل بے جان نظر آرہے تھے.... ہو رہا تھا جیسے ان میں ہلنے جلنے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔

"سنو سنگ....!" شیپرڈ کراہ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اس پر س غور کرو.... ہاں پہلے یہ بتاؤ کہ رائفل کا کیا معاملہ تھا....؟"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسے ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ بے آواز رائفل سے اس شیط کر دوں۔ لیکن اچانک رائفل میرے ہاتھ سے نکل کر آسمان کی طرف چلی گئی۔"

"اب تم ایسی حرکت نہیں کرو گے.... سمجھے.... تم نہیں جانتے کہ حالات کیا ہ بوڑھا ہمارے اور ہمارے مقاصد کے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔ وہ پُر اسرار قوتوں کا مالک کہتا ہے کہ اس خزانے کے متعلق سینہ بسینہ ایک پیشینگوئی چلی آرہی ہے جس کی رو سے کی مدد کے بغیر نہیں مل سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تقدیر تھی کہ ہم کیتو کے اس غار میں ملیں غار میں دراصل ہمارا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق پیشین گوئی یہ ہے حاصل کرنے والی پارٹی کے بڑے ارکان میں سے ایک دوغلا زرد نسل کا آدمی ہوگا اور دو سفید فام.... اور ان کی قیادت سیوتا کا ایک پجاری کرے گا.... وہ کہتا ہے کہ میری مدد تم لوگ وہاں پہنچ ہی نہ سکو گے۔"

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔" سنگ ہی بڑبڑایا۔

"دیکھو سنگ! ٹھنڈے دماغ سے غور کرو.... اور اس بوڑھے کے خلاف تمہارے جتنے بھی خیالات ہیں انہیں نکال پھینکو.... وہ سب کچھ جانتا ہے۔"

"تب تو پھر وہ اس جگہ کے متعلق بھی جانتا ہوگا جہاں خزانہ ہے۔"

"ہو سکتا ہے.... لیکن وہ مقدر بتاتا ہے.... کہتا ہے کہ خزانے کے حصوں کے لئے ب ہو چکی ہے کہ سفید اور زرد آدمیوں کے ساتھ موگومی بھی ہو.... نہ اکیلا موگومی خزا پہنچ سکتا ہے نہ ہم دونوں۔"

"افسوس کہ مجھے اسپینی نہیں آتی ورنہ میں اس سے گفتگو کرتا۔" سنگ ہی نے کہا۔ "چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ہم کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والے ہیں۔"

"ظاہر ہے کہ اب ہم ایسے جنگلوں میں داخل ہوں گے جہاں آج تک کسی کے قدم نہیں پہنچے اور ہم وہاں اس طرح نہ چلیں گے جیسے اپنے پائیں باغ میں ٹہل رہے ہوں.... بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسا آدمی بھی چاہئے جو ان اطراف سے اچھی طرح واقف ہو.... اور یہاں کی مختلف زبانوں پر قدرت رکھتا ہو۔"

"تو کیا تمہیں اس کی باتوں پر یقین ہے۔"

"کیا تمہیں یقین نہیں آیا جبکہ تمہارے ہاتھوں سے رائفل اس طرح نکل چکی ہے۔"

سنگ ہی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اس کے ساتھ کتنے آدمی ہوں گے۔"

"بس اتنے ہی جتنے یہاں تک ساتھ آئے تھے۔"

"میں تیار ہوں۔" سنگ ہی ایک طویل سانس لی کر بولا۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

جنگ اور گرفتاری

دوسرے ہی دن قافلہ آگے بڑھا۔ فریدی اور روزا قافلہ کے پیچھے تھے۔ طارق پھر میر کارواں بن گیا تھا لیکن اس بار اس کے داہنے اور بائیں سنگ اور شیپرڈ تھے۔ حمید، قاسم اور انور بدستور قیدیوں کی حیثیت میں تھے۔

سنگ ہی خاموش تھا۔ روانگی کے وقت سے وہ اب تک بولا نہیں تھا۔ ڈاکٹر شیپرڈ نے کئی بار اسے مخاطب کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ دوپہر تک وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے انہیں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے سمت کا تعین کرنا تھا۔ ڈاکٹر شیپرڈ نے طارق کی طرف دیکھا لیکن طارق بے تعلقانہ انداز میں کھڑا رہا۔

"اب آپ ہی ہماری رہنمائی کیجئے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے طارق سے کہا۔

"ٹھہرو....!" طارق ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں سلیوبام کی روح سے رجوع کرتا ہوں۔"

وہ آنکھیں بند کر کے ایک پیر پر کھڑا ہوگیا۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور آنکھوں کے پپوٹے کانپ رہے تھے۔ فریدی قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے اس موقع کے لئے طارق کو ہدایات نہیں دی تھیں۔ اس نے سوچا معلوم نہیں اس سلسلے میں طارق کا جواب کیا ہو۔ لہٰذا اس نے

دوسرے ہی لمحے میں روزا کو لنگوا جیرال[1] میں مخاطب کیا۔ تخاطب تو دراصل طارق ہی سے فریدی کو یقین تھا کہ پوری پارٹی میں طارق کے علاوہ اور کوئی اسے نہ سمجھ سکے گا۔ اس نے "کہہ دو کہ اب اس وقت اسی جگہ قیام کرو.... کل صبح تمہیں راستہ معلوم ہو جائے گا.... یہی کہہ رہی ہے۔"

روزا بڑی ذہین لڑکی تھی۔ اس نے اس انداز میں سر ہلا دیا جیسے اس نے فریدی کی با جواب اثبات میں دیا ہو۔

طارق نے تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں اور فریدی کے کہے ہوئے الفاظ اسپینی میں دہرا دیئے۔ شیپرڈ نے یہ بات سنگ ہی کو بتائی اور وہ اور زیادہ متفکر نظر آنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

ابھی گھنے جنگلوں کا سلسلہ نہیں شروع ہوا تھا انہیں جلد ہی ایک ایسی جگہ مل گئی جہا با آسانی قیام کر سکتے تھے۔

دوپہر کا کھانا کھا لینے کے بعد روزا نے اسٹوو پر کافی کا برتن رکھ دیا وہ اور فریدی سب سے تھلگ بیٹھے ہوئے تھے۔

"رات تم نے اس کی رائفل کیسے اڑائی تھی؟" روزا نے ہنس کر پوچھا۔

"بس ہاتھ کی صفائی۔"

"لیکن آخر تم اپنے ساتھیوں کی درگت کیوں بنوا رہے ہو؟"

"وہ بہت آرام سے ہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ تمہاری زندگی میں بھاگ دوڑ کے علاوہ بھی اور کچھ ہے؟"

"ہاں ساٹھ ستر کتے بھی ہیں۔" فریدی تنکے سے اپنے دانت کریدتا ہوا بولا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔ میں نے تمہارے بچوں کے متعلق پوچھا تھا۔"

"ہیں ہی نہیں بتاؤں کیا۔"

"بیوی بھی نہیں؟"

"نہیں.... نہیں.... نہیں.... ذرا جلدی سے کافی دو۔" فریدی ران پر ہاتھ مار کر بوا "اگر ہوتے تو کیا فائدہ ہوتا.... نہیں ہیں تو کون سا نقصان ہوا جا رہا ہے۔"

"کیا تمہاری زندگی میں اب تک کوئی عورت نہیں داخل ہوئی۔"

[1] جنوبی امریکہ کے ملک برازیل میں عام طور پر بولی جانے والی زبان۔

"یہ سب معلوم کر کے کیا کرو گی۔" فریدی اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔

روزا چند لمحے کافی کے برتن پر نظر جمائے رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "ہم دوست ہیں نا! تم سے مانتے ہو۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"کچھ نہیں....!" روزا مسکرا کر بولی۔ "جس کی زندگی میں ساٹھ ستر کتے داخل ہوں اسے تو ان پڑی آواز نہ سنائی دیتی ہوگی.... لہٰذا....!"

"ٹھہرو....!" اچانک فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ مڑ کر اپنے پیچھے بکھری ہوئی چٹانوں کی لرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے اٹھ کر ادھر جھپٹا۔ لیکن اگر وہ ذرا سا ترچھا نہ ہو گیا ہوتا تو ٹانوں کے پیچھے سے ہونے والے فائر نے دوسری دنیا کی سیر کرا دی ہوتی.... دوسرا فائر ہوا اور ریدی چٹانوں کی طرف جانے کے بجائے ادھر بھاگا جہاں قافلے کے دوسرے لوگ دوپہر کے ھانے کے بعد اونگھ رہے تھے۔

"طارق ہوشیار....!" اس نے لنگوا جیرال میں کہا۔ "سنگ ہوشیار ہو گیا ہے.... میگزین پر بضہ کر لو.... میرے تینوں ساتھیوں کو بھی خبردار کر دو.... شیپرڈ نکل کر نہ جانے پائے.... زدوروں کو اپنے کنٹرول میں رکھو۔"

سنگ ہی اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ فریدی نے پھر ادھر ہی کا رخ کیا روزا اس کے پیچھے ھاگتی پھر رہی تھی۔

"تم وہیں واپس جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں! میرے پاس ریوالور ہے۔"

"بھاگ جاؤ....!" فریدی جھلا کر بولا اور چٹانوں میں کود گیا۔ اس بار وہ پھر بال بال بچا۔ گولی سنسناتی ہوئی اس کے داہنے بازو اور پہلو کے درمیان سے نکل گئی۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی سنگ ہی نے دوسرا فائر کر دیا۔ فریدی کے منہ سے ایک قسم کی چیخ نکلی اور گر کر نشیب میں لڑھکنے لگا۔ سنگ ہی دو چٹانوں کی درمیانی دراڑ سے نکل کر اس کی طرف جھپٹا۔

روزا نے فریدی کی چیخ سنی تھی اور وہ ابھی تک وہیں کھڑی ہوئی تھی جہاں فریدی اسے چھوڑ گیا تھا۔ فریدی کی چیخ سنتے ہی وہ بے تحاشہ چٹانوں کی طرف دوڑی اور پھر اس نے نشیب میں

بھاگتے ہوئے آدمی پر فائر کر دیا گولی نشانہ پر نہیں بیٹھی۔ سنگ ہی ایک گندی گالی دے کر
دیوانوں کی طرح اس نے روزا پر پے در پے تین فائر کر دیئے لیکن ساری گولیاں سا
چٹانوں پر پڑیں.... روزا اپنا نشانہ خطا ہوتے دیکھ کر پہلے ہی ہوشیار ہو گئی تھی۔

ایسے موقع پر سنگ ہی کو چاہئے تھا کہ وہ بھی اپنی حفاظت کی تدبیر کرتا لیکن وہ پا
طرح بڑے بڑے پتھروں کو پھلانگتا ہوا نشیب میں بھاگ رہا تھا۔

یک بیک ایک طرف سے اس نے ٹھوکر کھائی اور پھر منہ کے بل زمین پر گرنے کی
کئی فٹ اوپر اچھل گیا۔ اس کی دونوں پنڈلیاں فریدی کی فولادی گرفت میں تھیں اور اس کا
جھول رہا تھا.... لیکن وہ دوسرے ہی لمحے کسی سانپ کے سر کی طرح دھڑ سمیت اوپر اٹھا
سنگ ہی کو اس کے جاننے والے محض اسی صلاحیت کی بناء پر جونک سے تشبیہہ دیتے تھے
جسم کو حیرت انگیز طور پر توڑنے مڑوڑنے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

فریدی کی گردن اس کے بازوؤں میں جکڑ کر رہ گئی۔

"اچھا بیٹے۔" فریدی اس کی ٹانگیں چیرتا ہوا بولا۔ "آج تم یہ حربہ مجھ پر بھی آزمالو۔"

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی کی گردن پر اپنی گرفت صرف کر رہا تھا.... اچانک فر
ایسا محسوس ہونے لگا جیسے سچ مچ اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ وہ اس کی پنڈلیاں چھوڑ کر اپنی گردا
اس کے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

دونوں ٹانگیں بھی فریدی کے گرد لپٹ گئیں۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی
کے پیٹ سے اس کا بچہ چپک کر رہ گیا ہو۔ فریدی تھوڑی دیر تک زور لگاتا رہا لیکن سنگ
گرفت ڈھیلی نہ ہوئی۔ آخر کار اس نے اس کے سر کے پشت کے نچلے حصے میں اپنی انگلیاں
دیں۔ سنگ ہی پہلے تو ضبط کرتا رہا لیکن پھر اس کے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکلی اور وہ ف
کے جسم سے علیحدہ ہو کر کسی مردہ چھپکلی کی طرح نیچے چلا آیا۔

وہ بیہوش ہو گیا تھا۔ فریدی بے ساختہ اس پر جھک پڑا اور اس کی گردن ٹٹول رہا تھا۔ پ
نے اس کی جامہ تلاشی لی۔ لیکن انکا نسل کی شہزادی کا پراسرار طوق اس کے پاس سے برآمد نہ

دوسری طرف طارق اپنا تسلط جما چکا تھا۔ سنگ ہی کے ساتھی جکڑ لئے گئے تھے۔ طارق
بار بردار مزدوروں کو پہلے ہی سے اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ ان کی وجہ سے سنگ کے ساتھیو

دبانے میں اور زیادہ آسانیاں ہو گئی تھیں۔

ڈاکٹر شیپر ڈرہ رہ کر سبوتا اور اس کے ہرکارے سیلو بام کی دہائیاں دے رہا تھا۔

روزا سنگ ہی اور فریدی کو ایک دوسرے سے گتھا ہوا دیکھ کر ان کی طرف بھاگی تھی۔

"کیپٹن حمید۔" اس نے چیخ کر کہا۔ "دوڑو.... ادھر....!"

انور، حمید اور قاسم بے تحاشا چٹانوں کی طرف دوڑنے لگے روزا ابھی ان کے ساتھ ہی
انہوں نے فریدی کو دیکھا جو ایک پتھر پر بیٹھا اپنا دایاں بازو دیکھ رہا تھا اور اس کی آستین خون
تر تھی۔ شاید اب اسے احساس ہوا تھا کہ اس کا ایک بازو سنگ ہی کی گولی سے زخمی ہو چکا ہے۔
ہی اس کے پیروں کے پاس اوندھا پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"کیا تم زخمی ہو۔" روزا چیخ کر فریدی پر جھک پڑی۔

"فکر نہ کرو.... میں بالکل ٹھیک ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم نے بیہوش سنگ ہی کو ہاتھوں پر اٹھایا اور وہ سب کیمپ کی طرف چل پڑے۔

"اب ڈیڈی کا کیا ہو گا....؟" روزا نے فریدی سے پوچھا۔

"اوہ! تم نے اچھا یاد دلایا.... دیکھو ابھی یہ بات ڈاکٹر پر ظاہر نہ ہونے پائے کہ تم روزا
... سمجھیں۔"

"کیوں....؟"

"پھر بتاؤں گا.... اس وقت مجھ سے بحث نہ کرو۔ جو کہوں کرتی جاؤ۔"

"اوہ! معاف کرنا.... مجھے تمہارے زخم کا خیال نہیں تھا۔"

"کوئی خاص بات نہیں.... صرف بازو کی کھال پھٹی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد سنگ ہی باہوش حواس اپنے دوسرے ساتھیوں کے درمیان میں بیٹھا ہوا
ری کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

"طوق کہاں ہے؟" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

"میں تمہیں بڑے بے دردی سے مار ڈالوں گا۔"

"جو دل چاہے کرو.... طوق تمہیں نہیں مل سکتا۔"

گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی اور ڈاکٹر شیپرڈ سنگ ہی کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھ ر اس دوران میں اسے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ وہ اور اسکے آدمی اب فریدی کے قبضے میں ہیں۔

"طوق کے بغیر تم خزانہ نہیں حاصل کر سکتے۔" ڈاکٹر شیپرڈ فریدی سے بولا۔ "اس کے طوق ضروری ہے۔"

"دیکھو ڈاکٹر احمق نہ بنو.....!" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تم نے ایک ایسے آدمی سے جوڑ کیا ہے جو پہلے بھی تمہارا دشمن تھا اور اب بھی ہے۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔" ڈاکٹر برا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں اپنے حالات سے بخوبی واقف ہوں"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خزانے تک ہماری رہنمائی نہیں کرو گے۔" فریدی نے کہا

"ہرگز نہیں خواہ تم میری بوٹیاں ہی کیوں نہ اڑا دو۔"

"زندہ باد ڈاکٹر....!" سنگ ہی بولا۔ "میں ایسے بہادر اور بیباک دوستوں کو پوجتا ہوں۔"

فریدی اور اس کے ساتھیوں نے ایک ایک کی جامہ تلاشی لی۔ سارا سامان چھان ڈالا طوق نہ ملا اور ڈاکٹر شیپرڈ اپنی ضد پر اڑا رہا۔

اور یہ بات سوچی ہی نہیں کہ وہ لوگ طوق اپنے ہمراہ نہ لائے ہوں۔ طوق بھی جس لئے سنگ ہی نے ایک زبردست خطرہ مول لے کر سرکاری خزانے پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ وہ یقیناً اس کے لئے ضروری تھا۔ ورنہ سنگ اسے سرکاری خزانے سے اڑا کر خواہ مخواہ پولیس والوں کو پیچھے کیوں لگاتا۔

"پھر بتاؤ اب کیا کیا جائے؟" طارق نے فریدی سے پوچھا۔

"سنگ ہی جانتا ہے کہ اس کی زندگی اور موت کا انحصار صرف اسی طوق پر ہے اور یہ حقیقت ہے اگر طوق مل گیا ہوتا تو میں اسے زندہ نہ چھوڑتا۔"

"ڈاکٹر شیپرڈ بھی پھیل گیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی زبان نہیں کھولے گا۔"

"آپ اس کی زبان کھلوا سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بھلا میں کس طرح کھلوا سکتا ہوں؟"

"کیا آپ ہپناٹزم کے ماہر نہیں ہیں۔" فریدی بولا۔

"اوہ.... خدا کی قسم تم نے ٹھیک یاد دلایا۔" طارق ہنسنے لگا۔ "واقعی اس کی زبان کھلوائی جا

ہے۔ اسکی قوت ارادی صفر کے برابر ہے ایک بہت معمولی سا ٹرانس اس کیلئے کافی ہوگا۔ مگر یہ سنگ ہی...؟ اس سے نپٹنا میرے بس کا روگ نہیں... یہ ذہنی طور پر بہت زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔"

"اسے تو میرے گھونسوں اور تھپیڑوں کے لئے چھوڑ دیجئے۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔"

روزا کے قریب آجانے پر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

وہ رات بڑی عجیب تھی۔ جنگل کے سناٹے میں سنگ ہی کے ساتھیوں کی گالیاں گونج رہی تھیں۔ پوری پارٹی میں صرف ڈاکٹر شیپرڈ ایسا تھا جس کے ہاتھ نہیں باندھے گئے تھے اور ریکھا بھی آزاد تھی۔ لیکن وہ ہر وقت خاموش رہتی تھی.... ہوٹل والے واقعے کے بعد سے کسی نے اسے بولتے نہیں سنا تھا۔ روزا دوپہر کے بدلتے ہوئے حالات کے بعد سے زیادہ تر ڈاکٹر شیپرڈ کے قریب ہی قریب رہتی تھی۔ لیکن اس نے اس پر اپنی اصلیت نہیں ظاہر کی تھی۔ رات گئے اسے ڈاکٹر شیپرڈ سے الگ ہونا پڑا کیونکہ طارق اس پر عمل تنویم کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر شیپرڈ اس اسکیم سے واقف نہیں تھا۔ جب طارق نے اس سے کہا ذرا میری طرف دیکھنا تو شیپرڈ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اس سے مرعوب نہیں ہے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے جسم کی ساری قوت طارق کی آنکھوں میں کھنچی جا رہی ہو۔ اس نے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کی لیکن طارق کی آنکھوں سے نظر ہٹانے میں کامیاب نہ ہوا۔ اس کے حواس خمسہ جواب دیتے جا رہے تھے۔ طارق کی آواز اسے میلوں دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ جو برابر کہے جا رہا تھا "تم سو رہے ہو.... تمہاری نیند گہری ہوتی جا رہی ہے.... اور گہری ہوتی جا رہی ہے.... تم مجھے خزانے تک پہنچنے کا راستہ بتاؤ گے.... یقیناً بتاؤ گے.... دنیا کی کوئی قوت تمہیں اس سے نہیں روک سکتی.... تم سو رہے ہو.... تم سو رہے ہو۔"

شیپرڈ بہت جلد ٹرانس[1] میں آگیا۔ زیادہ دیر تک سجیشنز یا پاسز نہیں دینے پڑے۔ وہ آنکھیں بند کئے زمین پر چت پڑا تھا۔ پھر طارق نے سوالات کرنے شروع کئے۔ شیپرڈ جواب میں اس طرح بڑبڑا رہا تھا جیسے خواب میں کسی سے گفتگو کر رہا ہو۔

جس غار میں عمل کیا گیا تھا وہاں فریدی، طارق اور شیپرڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ چار موم شمعیں بھی غار کا اندھیرا دور نہیں کر سکتی تھیں۔ کچھ عجیب سا پُراسرار ماحول تھا۔ فریدی سر

[1] یہ سب ہپناٹزم کی تکنیکی اصطلاحات ہیں۔ ان کی توضیح کے لئے صفحات سیاہ کرنا فضول ہے۔

جھکائے بڑی تیزی سے ڈاکٹر شیپرڈ کے الفاظ نوٹ کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد طارق نے کہا۔ "میں سمجھ گیا.... معلومات مکمل ہیں۔ اب اسے دو.... خود بخود جاگے گا۔"

فریدی کاغذ پر نظر ثانی کرتا ہوا بولا۔ "مگر ایک بات رہ گئی۔ اس لڑکی کی موجودگی کا مق

"بس اب یہ پھر کبھی دیکھا جائیگا.... مگر.... میرے خدا.... یہ تو.... وادیٔ تاریک کا پتہ۔

"وادیٔ تاریک....؟" فریدی نے استفہامیہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں میں ایک بار وہاں جا چکا ہوں.... اگر اسے ہیروں کی وادی کہا جائے تو ب ہوگا.... لیکن اس کے قریب پہنچ کر بھی میں ناکام ہی رہا تھا۔ میں نے دھوپ میں ہیروں کی دیکھی ہے.... معمولی سنگریزوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیرے.... لیکن ان تک میری ہو سکی۔ تم سوال کرو گے آخر کیوں....؟ آہ تم بھی محسوس کرو گے.... جو کچھ میں نے پہنچنے پر محسوس کیا تھا.... میرا خیال ہے کہ ہم یہیں سے واپس ہو جائیں۔ بڑی کوفت ہوتی ہے

"کچھ بتایئے بھی تو....!"

"دو ہزار فٹ کی گہرائی میں ایک وادی ہے جس کا رقبہ پچیس مربع میل سے کسی طرح ہوگا اور کوئی ڈھلان ایسی نہیں ہے جس کے ذریعے نیچے تک پہنچنا ممکن ہو۔ وادی کے چا طرف سیدھی کھڑی ہوئی دیواریں سی نظر آتی ہیں۔ کنارے پر کھڑے ہو جایئے بس یہ م ہوگا جیسے کسی دو ہزار فٹ بلند دیوار پر کھڑے ہوں۔ نیچے گنجان جنگل نظر آتے ہیں جہاں در نہیں ہیں، وہاں دھوپ کی روشنی میں ستارے چمکتے نظر آتے ہیں۔"

عجیب آوازیں

"لیکن آپ واپسی کے لئے کیوں کہہ رہے ہیں۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"میں ایک بار اس وادی میں اترنے کی کوشش کر چکا ہوں۔ مگر ناکام رہا۔"

"ضروری نہیں کہ دوسروں کو بھی ناکامی ہو۔" فریدی بولا۔

"برخوردار! یہ سراغ رسانی نہیں ہے۔"

فریدی اس سوال پر جھنجھلا گیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ طارق کا احترام کرتا تھا۔ محض ا

وہ اس کے باپ کے دوستوں میں سے تھا۔ طارق جیسے جہاندیدہ آدمی کی نظروں سے کا جذباتی تغیر پوشیدہ نہ رہ سکا۔ اس نے فوراً ہی مسکرا کر کہا۔ "تم یہ مت سمجھو کہ میری تم ہو گئی ہے۔ اس طوق کا مسئلہ تو ایک بالکل ہی نئی چیز ہے۔ کاش میں نے بھی اس پر ایک لی ہوتی۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی سنگ ہی کے قبضے میں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اس نے اسے کہیں چھپا دیا ہے.... میرا خیال ہے کہ یہ مسئلہ بھی عمل تنویم سے حل ہے۔"

"سنگ ہی....!" طارق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ناممکن ہے۔ وہ ٹرانس میں ہرگز نہ آئے کی قوت ارادی کافی پختہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے ٹائپ سے میں بخوبی واقف ہو گیا ہوں۔ ایسے بھی ہوتے ہیں مثال کے طور پر تمہیں بھی ٹرانس میں لانا ممکن نہیں۔ حمید ٹرانس جائے گا۔ قاسم جیسے دیو پیکر کو بھی ٹرانس میں لا سکتا ہوں.... انور بھی آجائے گا.... مگر ی کے ساتھ۔"

"یہاں سے کتنے دنوں کی راہ ہوگی؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہاں سے۔" طارق بڑبڑایا۔ "یہ راستہ طویل بھی ہے اور پُر خطر بھی۔ یہ لوگ اسی راستے رہے تھے جس کا ذکر اس طوق کی تحریر میں ہوگا۔ سینکڑوں سال پرانی بات ہے.... میں ستے سے گیا تھا وہ نسبتاً آسان ہے۔"

"خیر.... فی الحال ہمیں سونا چاہئے۔ شاید ڈاکٹر صبح سے پہلے نہ اٹھے۔"

وہ اسی غار میں پڑ رہے.... سنگ ہی اور اس کے ساتھی دوسرے غار میں تھے انہیں فریدی ر کی نگرانی میں چھوڑا تھا.... اس لئے اسے اطمینان تھا اگر معاملہ صرف حمید کا ہوتا تو شاید ہی کے پاس سے ایک منٹ کے لئے بھی نہ ہٹتا.... لیکن دوسری صبح اس کے لئے ایک نئی لے کر نمودار ہوئی۔ سنگ ہی.... ریکھا اور اپنے سات مشرقی ساتھیوں سمیت غائب تھا۔ پرڈ کے ساتھیوں میں سے تین امریکن جو یہاں تک ساتھ آئے تھے بدستور موجود تھے۔ ی حال میں ملے جس میں رکھے گئے تھے۔

نور بہت زیادہ شرمندہ نظر آرہا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں فریدی سے گفتگو بھی کرنی چاہی۔

"پرواہ نہ کرو۔" فریدی نے کہا۔ "غلطی میری ہی تھی۔ سنگ ہی کے مقابلے میں طفل مکتب ہوں۔ خود مجھے اس کی نگرانی کے لئے موجود رہنا چاہئے تھا۔"

پھر اس نے ڈاکٹر شیپرڈ سے کہا۔ "دیکھا تم نے اپنے وفادار دوست کو۔ تمہیں مص چھوڑ کر خود فرار ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ تمہارے امریکن ساتھیوں تک کو چھوڑ گیا۔"

ڈاکٹر شیپرڈ کا سر ندامت سے جھک گیا اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "چلو اب میں تم بتاؤں گا۔ اسے پچھلی رات کے واقعات قطعی یاد نہیں تھے۔"

"شکریہ.....!" طارق مسکرا کر بولا۔ "ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اب ہم تمہیں پر مجبور نہ کریں گے۔ ویسے اگر تم نے کل ہی ہمارا ساتھ دیا ہوتا تو وہ طوق سنگ ہی نہ لے

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ میرے بتا۔ راستے سے منزل پر پہنچ جائے لیکن وہ اس طوق سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔"

"کیوں؟" طارق نے حیرت کا اظہار کیا۔

"طوق نامکمل ہے۔ لہٰذا وہ خزانہ نہیں حاصل کر سکتا۔"

"اوہ.... تو کیا وہ خزانہ کسی کی حفاظت میں ہے؟"

"ہاں! ہزار ہا سال سے ایک وحشی نسل اس کی حفاظت کرتی آئی ہے اور غالباً آج بھ اسی کی حفاظت میں ہوگا۔ طوق کی تحریر سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس طوق کو د بغیر کوئی خزانے کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

"لیکن طوق نامکمل کیوں ہے؟"

"اس کے گرد چاندی کا ایک سانپ لپٹا ہوا تھا جو اب نہیں ہے۔ سنگ ہی کا خیال تھ فریدی کے پاس ہے۔"

طارق نے استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی نے اقرار میں سر ہوئے کہا۔ "وہ سانپ حقیقتاً میرے ہی پاس ہے۔ میں نے طوق کو سرکاری تحویل میں دی قبل سانپ اس سے الگ کر لیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ سنگ اسے اڑانے کی کوشش کرے گا۔"

"ہاں! اسے توقع تھی کہ وہ تمہیں ضرور پکڑ لے گا۔" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔

"وہ اس لڑکی کو ساتھ لئے کیوں پھر رہا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ.... تحریر بڑی عجیب ہے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اس کے طابق محض اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ طوق ان وحشیوں کو دکھایا جائے بلکہ ایک لڑکی اسے پہن سانپوں والے غار میں اتر جائے.... پتہ نہیں غار کیا بلا ہے۔ سنگ کا خیال تھا کہ وہ سانپوں کا مکن ہوگا.... یہ لڑکی دراصل اسی مقصد کے تحت ساتھ لائی گئی ہے۔ دیدہ دانستہ کوئی شخص بھی ے غار میں نہیں اتر سکتا جس میں سانپ رہتے ہوں.... اور اس لڑکی میں ایک ایسا مرض پایا جاتا ہے جس کی بناء پر اس سے یہ کام لیا جا سکتا ہے۔ وہ نیند کی حالت میں اٹھ کر چلتی ہے اور ان کاموں سر انجام دے ڈالتی ہے جنہیں کسی وجہ سے جاگتے میں نہیں کر پاتی۔ سنگ ہی کی اسکیم یہ ہے کہ اس سے غار میں اترنے کو کہے گا۔ ظاہر ہے کہ لڑکی سانپوں کے خوف سے صاف انکار کر دے لیکن پھر نیند کی حالت میں وہی کر گزرے گی۔ کیونکہ اس کا ذہن اس سے بہت زیادہ متاثر ہوگا۔ ں چیز سے ہم خائف ہوتے ہیں وہ ہمیں خواب میں اکثر دکھائی دیتی ہے۔ اور نیند میں چلنے والے عام طور پر اس کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ یقیناً اس قسم کا خواب دیکھے گی کہ وہ غار کی طرف جا رہی ہے ادہ سوتے ہی سوتے اٹھے گی اور غار کی طرف چلی جائے گی۔"

"شرم.... شرم.... ڈیڈی۔" روزا چیخ پڑی۔ "تمہیں شرم آنی چاہئے...." ڈاکٹر شیپرڈ نک کر اُسے گھورنے لگا۔

"اس طرح نہ دیکھو۔" روزا ہذیانی انداز میں بولی۔ "میں روزا ہوں.... تمہاری بیٹی.... میں ہاری آنکھوں کے سامنے سانپوں والے غار میں اُتر جاؤں گی.... فریدی! میرے باپ کے ہاتھ رہ دو! اسے دھکے دیتے ہوئے وہاں تک لے چلو.... میں سانپوں والے غار میں اُتروں گی.... ے خزانہ مل جائے گا.... اسے خزانہ چاہئے.... یہ اپنی بیٹی کو موت کے منہ میں دھکیل سکتا ہے.... اسے خزانہ ضرور ملے گا.... یہ میرا باپ ہے.... اس کے گلے میں مقدس صلیب لٹک ی ہے.... اس کی ڈاڑھی کرائسٹ کی ڈاڑھی سے مشابہ ہے۔ ہاہا.... کرائسٹ ایک معصوم لڑکی سانپوں کے حوالے کر رہا ہے.... ہاہا....!" وہ پاگلوں کی طرح قہقہے لگاتی رہی.... اور پھر ہوش ہو کر گر گئی۔

ڈاکٹر شیپرڈ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ وہ آنکھیں پھاڑے بیہوش روزا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ر اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"طارق صاحب۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "جلدی کیجئے.... مجھے اس لڑ کی قیمت پر بچانا ہے۔"

انہوں نے بہت جلدی میں روانگی کا انتظام کیا۔ روزا کے ہوش میں آنے کا بھی انتظا گیا۔ ڈاکٹر شیپرڈ اُسے اپنے کاندھے پر اٹھائے ہوئے چل رہا تھا۔

سنگ ہی کے فرار نے فریدی کے ذہن پر اتنا ناگوار اثر نہیں ڈالا تھا جتنا کہ ریکھا کا معلوم ہونے کے بعد پڑا۔ تین چار میل چلنے کے بعد انہیں شمال کی طرف مڑنا پڑا۔ ا جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا لیکن جنگلوں میں انہیں اب تک زندگی کے آثار صرف گل اور چھوٹے چھوٹے بندروں کی شکل میں ملے تھے۔

چمیلی کی خودرو جھاڑیاں پھولوں سے لدی ہوئی تھیں۔ جیسے جیسے وہ ڈھلان میں اتر جنگلوں کا سلسلہ گھنا ہوتا گیا۔

سورج اپنی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا لیکن درختوں کی چھاؤں میں وہ بڑی خ قسم کی خنکی محسوس کر رہے تھے۔

روزا ہوش میں آتے ہی ڈاکٹر شیپرڈ کے کاندھے سے کود پڑی۔ فریدی قریب ہی چل اس نے اسے سنبھال لیا۔ ورنہ پتھریلی زمین پر اس کا سر پاش پاش ہو جاتا۔

"تم نے اس کے ہاتھ نہیں باندھے....؟" اس نے فریدی کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"بکواس مت کرو۔" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"میں اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔"

حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "تم ان دونوں کی شکل نہ دیکھ دوسرے پر سنگ ہی کے خون کی پیاس سوار ہے۔ اس پوری پارٹی میں صرف میں ہی ایسا آدمی جسے کشت و خون سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

روزا اس کے ساتھ چلنے لگی۔ حمید نے اپنی رفتار کچھ کم کر دی اور پھر وہ دونوں قافلے پیچھے ہو گئے۔

قاسم بھلا کب حمید کا پیچھا چھوڑنے والا تھا۔ بتدریج رفتار کم کرتے کرتے وہ بھی ان د کے برابر پہنچ گیا۔ روزا کا ایک ہاتھ حمید کے ہاتھ میں تھا اور حمید اس سے کہہ رہا تھا۔ "یہ ن

ہے بھولی لڑکی.... یہاں ایسے بہتیرے حادثے ہوا کرتے ہیں۔"

"مگر مجھے اپنے باپ سے ایسی امید نہیں تھی۔ میں اسے اپنا باپ کہتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہوں۔"

"یہی ہونا چاہئے۔" قاسم بڑی سنجیدگی سے بڑبڑانے لگا۔ "میرا باپ بھی اس قابل ہے کہ اسے گولی ماردی جائے۔ اسی کی بدولت میں ان اجاڑ جنگلوں میں دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔"

"کیوں؟ تمہارے باپ نے کیا کیا ہے؟" روزا نے پوچھا۔

"اسے پیدا کیا ہے....؟" حمید بولا۔

"تم چپ رہو۔" قاسم جھلا کر بولا۔ "میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا.... سب تمہاری ہی بدولت ہوا ہے۔"

"ابے تو کیا میں تیرا باپ ہوں۔"

"باپ سے بھی بدتر۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تم دونوں کی باتیں عجیب ہوتی ہیں.... جنہیں میں سمجھ نہیں پاتی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح قاسم ٹل جائے۔ شیپرڈ کی زبانی ریکھا کے انجام کا پلان سن کر اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے لیکن اس پر جو اثر بھی ہوا تھا وقتی تھا نہ جانے کیوں وہ پچھلے دو تین دنوں سے ہمدردی اور رحم جیسے جذبات سے قطعی محروم ہو گیا تھا کہ یہ جنگل کی ہوا کا اثر رہا ہو۔

شام ہو گئی لیکن وہ چلتے ہی رہے۔ طارق نے قیام کیلئے کہا بھی لیکن فریدی نے پرواہ نہ کی۔

"کیا ستم کر رہے ہو۔" طارق نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "میں اس راستے سے تمہیں لے چل رہا ہوں جہاں آدمیوں کی آمد و رفت رہتی ہے اس لئے دن کو یہاں خطرات سے سامنا نہیں ہوتا.... لیکن راتیں.... تم نہیں سمجھ سکتے یہاں رات کو اژدھوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی ہمیں اپنے قیام کے لئے کوئی جگہ منتخب کر لینی چاہئے اور ہم اپنے گرد آگ روشن کئے بغیر اس صورت میں بھی محفوظ نہیں ہوں گے۔"

سارا جنگل گلہریوں اور بندروں کے شور سے گونج رہا تھا کچھ عجیب سا ماحول تھا۔ درختوں کی چوٹیوں پر شام کی سرخی مائل دھوپ بکھری ہوئی تھی انہوں نے قیام کے لئے ایک جگہ منتخب کر لی

اور اس کے گرد خشک لکڑیوں کے ڈھیر لگانے لگے۔ پھر تاریکی پھیلتے ہی ان میں آگ لگادی گ

رات گئے انہوں نے سچ مچ بڑے بڑے اژدھے دیکھے جو شکار کی تلاش میں ادھر اُدھر پھر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر کاہل قسم کے آدمیوں کا تصور ذہن میں پیدا ہوتا تھا۔ وہ آگ دائرے کے قریب آتے اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے انہیں گھورتے اور وہ آنکھیں کچھ عجی معلوم ہوتیں جن سے بے تعلقی کا اظہار ہوتا۔ لیکن بار بار منہ سے لپکتی ہوئی زبانیں کچھ او تھیں بالکل ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی ایسا فقیر کھڑا دروازے پر صدا لگا رہا ہو جس کی آنکھوں طلب ہو.... اور نہ انداز ہی سے حاجت مندی کا اظہار ہوتا ہو۔

اچانک روزا چیخ پڑی۔ ایک اژدھا ایک درخت کی شاخ سے آہستہ آہستہ اپنے بل کھو ان کی طرف منہ بڑھا رہا تھا۔ فریدی نے رائفل اٹھالی۔

"مارتے ہو تو گولی سر ہی پر پڑے۔" طارق چیخا۔ ساتھ ہی فریدی نے فائر کیا گول اژدہے کے سر کے چیتھڑے اڑا دیئے۔ اس نے بڑے کرب کے عالم میں اپنے جسم کو گردش اور شاخ سے اس کے سارے بل یکلخت کھل گئے اگر وہ سب پھرتی سے ایک طرف ہٹ نہ ہوتے تو اس نے مرتے مرتے دو چار کو لپیٹ میں لے لیا ہوتا۔

بہرحال وہ رات پھر باری باری سوتے جاگتے رہے اگر دن بھر کے تھکے ہوئے نہ ہو۔ شاید ایک لمحے کے لئے بھی ان کی پلکیں نہ جھپکتیں۔

صبح ہوتے ہی اژدھے نہ جانے کہاں غائب ہوگئے۔

ان کا سفر جاری رہا۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ سو رہا ہے اور نہ جاگ رہا ہے۔ ایک درمیانی کیفیت تھی جس میں ہر بات کا احساس تو ہوتا ہے لیکن قوت فیصلہ قریب قریب مفقود ہو ہے۔ قاسم کی صورت سے ایسی وحشت ظاہر ہوتی تھی جیسے وہ اپنے غول سے بچھڑا ہوا کوئی ج پھنسا ہو۔

تیسرے دن طارق نے بتایا کہ وہ منزل مقصود پر پہنچ گئے ہیں۔ طارق آتش فشاں لاوے سے بنی ہوئی تقریباً پانچ سو فٹ بلند ایک سطح مرتفع کی طرف اشارہ کر رہا تھا اس نے بتایا حقیقتاً وہ بھٹکتے ہوئے ادھر آئے ہیں ورنہ اور پہلے پہنچنا چاہئے تھا۔ طارق کو راستے ہی میں اس بات احساس ہو گیا تھا کہ وہ راستہ بھول گیا ہے لیکن اس نے یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کی تھی۔ منز

پہنچنے کے بعد اس نے اس کا اظہار کیا "اوہ تب تو.... تب تو سنگ ہی پہنچ چکا ہوگا۔"

ی نے مفکرانہ انداز میں کہا۔ "بہت بُرا ہوا.... وہ لڑکی....؟"

"فکر مت کرو....!" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔ "وادی میں اترنے کا راستہ اُسے نہیں معلوم۔"

"کیا تم جانتے ہو....؟"

"راستے کا سراغ تمہارے پاس ہے۔" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔ "وہ سانپ جو تم نے طوق سے الگ کیا سانپ نہیں بلکہ وہ چاندی کا پتر ہے اور اسے موڑ کر سانپ کی شکل دی گئی ہے۔ اگر اس کے ولے جائیں تو ہمیں غالباً اس پر بھی ایک تصویری تحریر ملے گی۔ وہی دراصل نیچے جانے تے کا سراغ ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی سر ہلا کر رہ گیا۔

"لاؤ.... مجھے دو.... میں دیکھوں۔" ڈاکٹر شیپرڈ بے صبری سے بولا۔ لیکن فریدی اس کی دھیان دیئے بغیر طارق سے لنگوا جبرال میں گفتگو کرنے لگا۔

اوپر پہنچ کر انہیں وادی کے سرے تک پہنچنے کے لئے زیادہ دور نہیں چلنا پڑا۔ سطح مرتفع کا حصہ بالکل بنجر تھا۔ کسی طرف بھی سبزے کا نشان تک نہیں نظر آتا تھا۔ البتہ کہیں کہیں گھاس کے لمبے لمبے تنکے جن کی پتیاں گر چکی تھیں۔ کھڑے دکھائی دے جاتے تھے۔ پھر وہ کے سرے پر پہنچ گئے وادی بالکل ویسی ہی تھی جیسا نقشہ طارق پہلے ہی الفاظ میں پیش کر چکا یدی نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کہیں بھی کوئی ایسا راستہ نہ سجھائی دیا جس سے نیچے امکان ہوتا۔ وہ سچ مچ "تاریک وادی" ہی تھی۔ اتنا گھنا جنگل انہیں راہ میں بھی کہیں نہیں ملا یدی دوربین سے نیچے دیکھنے لگا۔

"زندگی کے آثار بھی نہیں معلوم ہوتے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد آنکھوں پر سے دوربین ہا۔

نہ جانے کیوں ان سبھوں پر عجیب قسم کا اضمحلال طاری تھا۔ وہ ایک روایتی خزانے کے پہنچ گئے تھے مگر پھر بھی ان میں کسی قسم کا جوش و خروش نہیں پایا جاتا تھا۔

"کیوں نہ ہم کنارے کنارے پوری وادی کا ایک چکر لگا ڈالیں۔" انور بولا۔ "ممکن ہے کوئی ....!"

"مجھے راستے کی نہیں۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "سنگ ہی کی تلاش ہے۔"

"ضروری نہیں کہ وہ یہاں تک پہنچ ہی جائے۔" طارق نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ڈاکٹر شیپرڈ کا بتایا ہوا راستہ میری معلومات کے مطابق ناقابل عبور جنگلوں سے ہ اور وہاں اب بھی پرانی نسل کے مردم خوروں کے پائے جانے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔"

اچانک ایک عجیب قسم کی آواز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ پتہ نہیں وہ کیسی لیکن محسوس یہی ہوا تھا جیسے کسی نے قہقہہ لگایا ہو۔ پھر ایک چیخ سنائی دی.... نسوانی چ پھر وہی قہقہہ.... چیخ.... اور قہقہے میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔

آتشی بگولے

وہ آواز کی طرف چل پڑے۔ آواز تھوڑی دیر کے بعد سنائی دیتی لیکن ا ہو رہا تھا جیسے وہ لحظہ بہ لحظہ دور ہوتی جا رہی ہو۔ وہ چلتے رہے حتیٰ کہ "تاریک وادی" پہ گئی۔ باربردار لائے انہوں نے چند قلیوں کی نگرانی میں نیچے ہی چھوڑ دیئے تھے۔

"یہ تو کسی عورت کی آواز معلوم ہوتی ہے حمید بھائی۔" قاسم نے کہا۔

"ہمیں قبر میں بھی عورتوں ہی کی آوازیں سنائی دیں گی۔" حمید نے ٹھنڈی سانس ل وہ اب بھی آواز ہی کی سمت چل رہے تھے۔

"ادھر....!" فریدی نے ایک طرف اشارہ کیا اور پھر وہ ڈھلان میں اترتے چلے گئے

"ارے....!" دفعتاً طارق چلتے چلتے رک گیا۔ پھر دوسرے لمحے میں وہ ایک بڑے ہاتھ ٹیکے دائیں جانب نیچے دیکھ رہا تھا۔ "خدا کی قسم یہ سنگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو

وہ سب اسی طرف متوجہ ہو گئے۔ پندرہ بیس فٹ نیچے انہیں ایک آدمی دکھائی دیا کاندھے پر ایک عورت اس طرح پڑی تھی جیسے مردہ ہو۔ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے آوازیں سن کر وہ آدمی اوپر دیکھنے لگا۔ وہ بلاشبہ سنگ ہی تھا لیکن عجیب حال میں ک ہوئے تھے جن میں اس کی گردن کسی خشکی کے کچھوے کی گردن کی طرح اوپر کی طرف تھی۔ سچ مچ وہ آدمی کے بجائے خشکی کا کچھوا ہی معلوم ہو رہا تھا۔

"آؤ....!" اس نے انہیں دیکھ کر قہقہہ لگایا۔ "خونی بگولے تمہارا انتظار کر رہے ہیں.... یں فریدی کو مخاطب کر رہا ہوں۔"

اس کے کاندھے پر پڑی ہوئی عورت نے پھر ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا اور سنگ ہی اس کی پشت پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا پھر اس نے چیخ کر کہا۔ "ڈاکٹر شیپرڈ! میں جانتا تھا کہ تم ان بنجاروں کو ضرور ساتھ لاؤ گے۔ مگر میرا اب کسی سے بھی جھگڑا نہیں۔ میں خزانے کا تنہا مالک ہوں۔ مجھے اب اس سانپ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ راستہ مجھے مل گیا۔ آؤ تمہیں دکھاؤں.... آؤ.... ڈرو نہیں.... میرا اب کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

"شاید اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ جو سنگ ہی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ نیچے اترنے لگے۔ لیکن ان کے ہاتھ اپنے ریوالوروں پر تھے۔ پھر انہوں نے نیچے پہنچ کر سنگ ہی کو نرغے میں لے لیا۔ سنگ ہی کھڑا لاپروائی سے مسکراتا رہا۔

"لڑکی کے ہاتھ پیر کھول دو۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"مشورہ قابل قبول نہیں ہے۔" سنگ ہی آہستہ سے بولا۔ "اس کا دماغ الٹ گیا ہے اگر میں نے اسے آزاد کر دیا تو یہ کسی چٹان سے چھلانگ لگا دے گی۔ نہیں مائی ڈیئر ہرگز نہیں۔ اوہ آؤ میں تمہیں راستہ دکھاؤں۔"

سنگ ہی بڑے اطمینان سے ان کے نرغے سے نکل کر ایک طرف چلنے لگا۔ وہ بھی اس کے پیچھے بڑھے۔ پھر انہیں جلد ہی ایک عجیب قسم کی آواز سنائی دینے لگی۔ بالکل ایسی ہی جیسے کوئی ریلوے انجن اسٹیم چھوڑ رہا ہو.... "شائیں شائیں۔"

"وہ دیکھو....!" سنگ ہی نے ایک جگہ رک کر ایک غار کے دہانے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "وہ رہا راستہ۔"

'شائیں شائیں' کی آواز اسی غار سے نکلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی اور دہانے کے قریب ہی انہیں تین لاشیں نظر آئیں جو سنگ ہی کے ساتھیوں کی تھیں۔

"بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "انہوں نے اندر گھسنا چاہا تھا لیکن اچھل کر اتنی دور آ پڑے اور ختم ہو گئے۔ یہ کسی قسم کے بگولے ہیں.... آواز بھی عجیب ہے۔"

"اور بقیہ چار کہاں ہیں؟" فریدی نے سوال کیا۔

"وہ.... ان میں سے کچھ تو ریچھوں کا شکار ہوئے اور کچھ کو اژدھے چٹ کر گئے۔" سنگ نے کچھ ایسے لہجے میں کہا جیسے وہ کسی کو اپنے اخراجات کا حساب دے رہا ہو۔ وہ چند لمحے خا رہا۔ پھر بولا۔ "میں ان بگولوں کے ختم ہونے کا انتظار کروں گا۔"

"بکواس ختم کرو۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "لڑکی اور طوق کو میرے حوالے کر دو۔ کے بعد تم جہنم میں جاؤ۔ تم اس حال کو پہنچ گئے ہو کہ میں تم پر ہاتھ اٹھانے میں خود اپنی ت سمجھتا ہوں۔"

"اگر تم نے طوق یا ریکھا کا مطالبہ کیا تو میری طرف سے اسے اعلان جنگ سمجھو.... میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔"

"او کمینے! میں خزانے کے لئے یہاں نہیں آیا ہوں۔"

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ہو پھر یک بیک و ریوالور نکال کر گرجا۔ "اگر کسی نے بھی میری طرف بڑھنے کی کوشش کی تو جہنم میں پہنچا دوں نہ تمہیں لڑکی ملے گی اور نہ طوق اور ہاں.... تم فریدی چپ چاپ وہ سانپ نکال کر میر حوالے کر دو۔ ورنہ تم سب کی لاشیں یہاں پڑی سڑا کریں گی۔"

پھر اس نے اندھادھند فائر کرنا شروع کر دیئے۔ پوزیشن لیتے لیتے تین قلی مارے گئے۔ ریوالور کے سارے چیمبر خالی ہو گئے تو سنگ ہی ایک طرف بھاگ نکلا۔ راستہ ناہموار ہو کے باوجود بھی اس کی رفتار تیز تھی۔

لیکن وہ زیادہ دور تک نہیں دوڑ سکا۔ کیونکہ اس کے کاندھے پر نہ جانے کب سے لڑکی کا بو رہا ہو۔ وہ ایک جگہ رک کر بیٹھ گیا۔ بالکل کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح لیکن اب بھی اس چہرے سے خوف کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

"اچھا فریدی۔" اس نے یک بیک ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "آدھا تمہارا.... آدھا میرا۔"

"بکواس بند کرو.... اور طوق میرے حوالے کر دو۔"

"میرے پاس نہیں ہے۔" سنگ ہی نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دے کہا۔ "تم ایک بار اچھی طرح میرے اور میرے ساتھیوں کی تلاشی لے چکے ہو۔"

"کیوں....؟" فریدی ڈاکٹر شیپرڈ کی طرف مڑا۔

"طوق اسی کے پاس ہے۔" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔ "ہمارے لکڑی کے صندوقوں میں سے ایک کی دوسرے تختوں کی تھی اور طوق انہیں دونوں تختوں کے درمیان رکھا ہوا تھا۔ یہ اپنے ساتھ صندوق بھی لے گیا تھا۔"

"ڈاکٹر شیپرڈ....!" سنگ ہی دفعتاً اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"تم دغاباز ہو۔" ڈاکٹر ہتھے سے اکھڑ گیا۔ "تم مجھے موت کے منہ میں چھوڑ کر خود نکل آئے تھے۔"

"آہا ڈاکٹر....!" سنگ ہی ہنس پڑا۔ "تم مجھے اس طرح آنکھیں نہیں دکھا سکتے میں نے تم پر ان کیا ہے ورنہ عادت کے مطابق مجھے تم کو اسی وقت ٹھکانے لگا دینا چاہئے تھا جب تم نے تحریر کر مجھے راستے کا پتہ دیا تھا۔"

"سنگ....! لڑکی کو کاندھے سے اُتار کر الگ ہٹ جاؤ۔" فریدی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"خوب، بہت اچھے۔ میں خزانے کی کنجی تمہارے حوالے کر دوں۔ سنو کرنل۔ سنگ اس ن تک ہار ماننے کا قائل نہیں جب تک آخری سانس باقی رہے۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو مجھے تم پر رحم آتا ہے۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔

"آہا....!" سنگ ہی زور سے چیخا۔ "شروع کر دو۔"

ساتھ ہی ان پر چاروں طرف سے گولیاں برسنے لگیں۔ فریدی اور اس کے ساتھی بوکھلا ۔ سنگ ہی کے قہقہے ٹامی گنوں کی "ریٹ ٹیٹ" سے ہم آہنگ ہو گئے تھے۔ فریدی نے نیچے نگ لگا دی۔ یہ حقیقت ہے کہ اسے اپنے ساتھیوں کا ہوش نہیں تھا حملہ اچانک ہوا تھا اور حملہ نامعلوم تھے سنگ ہی نے چار ساتھیوں کے متعلق بتایا تھا کہ وہ راستے ہی میں حادثات کا شکار ئے تھے اور بقیہ تین ساتھیوں کی لاشیں اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں فریدی کے ہ ہی حمید اور انور نے بھی چھلانگیں لگائی تھیں۔ روزا بھی چونکہ قریب ہی تھی اس لئے اس بھی تساہلی نہیں برتی۔ وہ بے تحاشا بھاگتے رہے۔ فریدی کا ریوالور اس ہنگامے کے دوران میں ا گر گیا تھا وہ کافی دور نکل آئے تھے اور ٹامی گنوں کی آوازیں بھی اب نہیں آرہی تھیں۔

"بہت بُرا ہوا۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"بقیہ لوگ یقیناً مارے گئے ہوں گے مجھے افسوس ہے۔" فریدی رک کر چاروں طرف دیکھتا بولا۔ "تم نے خود میری مجبوری دیکھی ہے۔ یہ بلا غیر متوقع طور پر نازل ہوئی تھی اب بتاؤ میں

تمہارے باپ کے لئے کیا کر سکتا تھا۔"

"مصیبتوں کی جڑ وہی ہے۔" روزا نے بیزاری سے کہا۔ "مجھے ذرہ برابر بھی افسوس ن فکر نہ کرو۔ مگر بیچارہ بوڑھا طارق.... قاسم.... مجھے ان کی موت پر گہرا صدمہ ہو گا۔"

"آؤ کوئی راہ نکالیں۔" فریدی نے کہا اور وہ پھر پلٹ پڑے کچھ دور چلنے کے بعد فرید

"ادھر سے آؤ۔"

وہ ایک تنگ سی دراڑ میں اتر گئے۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ قدم چلنے کے بعد وہ پھر ایک ک جگہ میں آ نکلے۔ لیکن آگے جانے کا راستہ نہیں تھا کیونکہ ان کے اور دوسری طرف کی چٹانو درمیان میں پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ حائل تھا وہ کنارے کنارے سے چلنے لگے۔ بائیں ط زمین دور سے خشک معلوم ہوتی تھی لیکن قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ دلدل تھی۔ عجیب دلدل جو بالکل اسی طرح کھول رہی تھی جیسے پانی پڑنے پر چونا کھولنے لگتا ہے۔ بلبلے بنتے ا جاتے۔ ہلکی سی سنسناہٹ کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ فریدی چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا سے بولا۔ "ذرا اپنے پائپ کی نلکی نکال کر مجھے دینا۔"

"کیا مطلب۔"

"اس وقت بھی دماغ چاٹو گے؟" فریدی جھلا کر بولا۔ "میرا ذہنی توازن درست ہے۔

حمید نے چپ چاپ تمباکو نوشی کے پائپ کی نلکی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ فری اسے ایک جگہ دلدل میں گاڑ دیا۔ انور روزا اور حمید اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن ک کہنے کی ہمت نہ کر سکا۔ روزا کی آنکھوں سے رحم اور ہمدردی کے جذبات کا اظہار ہو رہا تھا۔ بھی یہی سمجھی تھی کہ فریدی کا دماغ الٹ گیا ہے۔

فریدی نے جیب سے دیا سلائی نکال کر جلائی اور اسے نلکی کے سرے پر لگا دیا دوسر لمحے میں نلکی کے سوراخ سے نیلے رنگ کی لپک پھوٹ نکلی جو برابر جلتی رہی اور پھر اس ن دلدل سے نکال کر اس کا نچلا سرا صاف کرنے کے بعد حمید کو واپس کر دیا۔ حمید پھر کچھ سکا۔ نہ جانے کیوں وہ اس وقت فریدی سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔

"میں یہ نہیں مان سکتا۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "کہ سنگ ہی اس سے واقف میرے خدا اگر انہوں نے ہمارے سامان پر قبضہ کر لیا تو پھر انہیں وادی میں پہنچنے میں دش

ں جانتے ہو وہ ہمارے گیس ماسک نکال لیں گے اور بے دھڑک اس غار میں اتر جائیں گے۔"

"وہ ہے کیا بلا؟ آواز کیسی ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کیا تم نے ابھی دیکھا نہیں۔ یہاں ان پتھروں کے نیچے کسی جلنے والی گیس کا بہت بڑا ذخیرہ غار کے دہانے سے گیس کا اخراج ہوتا ہے بس اتنی سی بات۔ کیا اب بھی نہیں سمجھے؟"

"خدا کے لئے جلدی کرو.... طارق وغیرہ....!" روزا گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔

"میں مجبور ہوں اپنی عادت سے۔" فریدی تیز قدموں سے پیچھے کی طرف لوٹتا ہوا بولا۔ "اگر بستر مرگ پر بھی کوئی تحقیقی مسئلہ ہاتھ آ جائے تو میں اس میں الجھ کر رہ جاؤں گا۔"

دراڑ سے گذر کر وہ پھر باہر آ گئے۔ فریدی بے تحاشہ دوڑ رہا تھا اور وہ سب اس کا ساتھ دے تھے۔ پھر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے غار کا دہانہ صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ لوگ نشیب میں تھے ں نے سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے دو آدمیوں کو دیکھا جو ٹامی گنیں لئے غار کے دہانے سے ے ہی فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے لیکن ان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ غافل ں ہیں پھر انہیں دو اور آدمی دکھائی دیئے جو دوسری طرف کے نشیب سے چڑھ کر غار کے نے کی طرف آ رہے تھے اور انہوں نے چہروں پر گیس ماسک چڑھا رکھے تھے۔ اس لئے پہچانے سکے۔ وہ کچھ ذرا اور اوپر آئے تو انہیں ان کے ساتھ ایک تیسری ہستی بھی دکھائی دی جسے وہ پیر پکڑے لٹکائے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر گیس ماسک چڑھا ہوا تھا۔ یہ یقیناً ریکھا ہی جسے وہ اس طرح غار میں لے جا رہے تھے۔

"اے ریوالور بھی ہے کسی کے پاس....؟" فریدی نے دانت پیس کر سرگوشی کی۔

"نہیں.... گر گئے۔" سب کا یہی جواب تھا۔

"نہیں لے جا سکتے۔" فریدی ہذیانی انداز میں بولا۔ "وہ اسے نہیں لے جا سکتے اگر میری وں کے سامنے یہ اس درندگی کی بھینٹ چڑھ گئی تو میں خودکشی کر لوں گا۔"

پھر اس نے بڑی پھرتی سے اپنا کوٹ اتارا اور دیا سلائی کھینچ کر اس میں آگ لگا دی سنگ ہی ں کا ساتھی ریکھا کو اٹھائے ہوئے غار کے دہانے کی طرف بڑھتے آ رہے تھے۔ جب کوٹ میں طرح آگ لگ گئی تو فریدی نے اسے غار کے دہانے کی طرف اچھال دیا۔ دفعتاً ایک زوردار پیدا ہوئی اور دوسرے ہی لمحے میں غار کے دہانے سے درجنوں فٹ اونچی لپک نکلنے لگی اور

ساتھ ہی اتنے زور کا زناٹا پیدا ہوا کہ حمید وغیرہ بوکھلا گئے۔ سنگ ہی اور اس کے مسلح ر گنیں پھینک کر بے تحاشہ دوسری طرف بھاگے۔ لیکن سنگ ہی کی حاضر دماغی تھی۔ اس نے ریکھا کو نہیں چھوڑا۔ اس کا ساتھی تو ریکھا کا پیر چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا لیکن نہایت اطمینان سے اسے کاندھے پر ڈال کر وہاں سے ہٹا.... فریدی نے اوپر پہنچ کر د گنیں اٹھالیں اور پھر وہ آہستہ آہستہ دوسری طرف بڑھے۔ وہ چاروں سینے کے بل لیٹ اور رینگتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ حمید اور فریدی آگے تھے اور ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "ان میں میگزین کم ہے۔ ذرا احتیاط سے.... انگلی ہی تمہارا ذہن بھی ٹریگر ہی پر ہونا چاہئے۔"

ابھی وہ سرے اوپر پہنچے بھی نہیں تھے کہ انہوں نے قدموں کی آوازیں سنیں۔ اپنے تین ساتھیوں سمیت دوبارہ اوپر کی طرف آ رہا تھا۔ دو کے ہاتھوں میں ٹامی گنیں فریدی نے اندازہ لگالیا کہ ان پاس چار سے زیادہ ٹامی گنیں نہیں ہیں۔

"شروع ہو جاؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

ٹامی گنوں سے گولیاں نکلیں اور سنگ ہی کے دونوں مسلح آدمی ڈھیر ہو گئے۔ سنگ ا دوسرا ساتھی سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ ادھر سے پھر فائر ہوئے لیکن وہ دونوں زد سے تھے۔ انہوں نے نیچے اُتر کر بقیہ دو ٹامی گنوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

"بس سیدھے ادھر ہی۔" فریدی بولا۔ "جدھر ہم نے اپنا سامان چھوڑا تھا۔"

لیکن اتنے دور جانے کی نوبت نہیں آئی۔ سنگ ہی اور اس کا ساتھی راستے ہی میں مل

"خبردار....!" فریدی نے للکارا۔ "رک جاؤ.... ورنہ...." جملہ پورا کرنے سے سنگ ہی رک گیا لیکن اب بھی اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں تھے وہ اتنے پر سکو میں رک کر مڑا تھا جیسے اس کے کسی شناسا نے سر راہ اسے پہچان کر آواز دی ہو۔

"تم بہت ذہین اور دلیر ہو۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

"جب بھی میں اس سفر کے حالات لکھنے بیٹھوں گا تو مجھے تمہاری یاد بے حد ستائے گی ان بگولوں کا تذکرہ خونی بگولوں کے نام سے کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اب لکھنا پڑے گا کہ کی ذہانت نے انہیں آتشی بگولے بنا دیا تھا۔ مگر فریدی! مجھے افسوس ہے کہ تمہاری قبر ایسی

گی جہاں کوئی مجاور بھی نہ نصیب ہو گا۔"

"بہت اچھا بیٹے! لیکن یہ بتاؤ کہ میرے ساتھیوں کا کیا بنا....؟"

"وہ میری قید میں ہیں اور میں ان سے باربرداری کا کام لوں گا۔ میں نہیں چاہتا تھا مگر کیا کروں ڈاکٹر شیپرڈ کی موت ہی آگئی تھی۔"

روزا نے یہ خبر بڑے سکون کے ساتھ سنی اور فریدی نے سنگ ہی سے کہا۔ "اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ میں تمہیں طوق سمیت زندہ واپس لے چلوں گا۔"

"نہ تم مجھے لے جا سکتے ہو اور نہ طوق....!" سنگ ہی نے ایسے لہجے میں کہا جس سے خود اعتمادی مترشح ہوتی تھی۔

"حمید اس کے گلے سے طوق نکال لو۔"

سنگ ہی چپ چاپ کھڑا رہا۔ جیسے ہی حمید اس کے قریب پہنچا نہ جانے کیا ہوا کہ سنگ ہی کا یک پیر اس کے سر پر پڑا اور ایسا معلوم ہوا جیسے سنگ ہی ہوا میں اڑ گیا ہو۔ کئی فٹ بلند ہو کر وہ پھر مین پر آیا اور ایک طرف بھاگا۔ پھر فریدی سے کچھ دور کے فاصلے پر رک گیا۔ فریدی نے جھلا کر ائر کیا۔ سنگ ہی بڑی پھرتی سے وار بچا گیا اور پھر ٹامی گن سے گولیاں ابلنے لگیں لیکن سنگ ہی ی جگہ کھڑے کھڑے اچھل کود کر اس طرح گولیاں خالی دے رہا تھا جیسے کوئی بندر کچھ شریر بوں کے پتھراؤ سے خود کو بچا رہا ہو۔ آخر میگزین ختم ہو گیا۔ فریدی نے جھلاہٹ میں ٹامی گن اس کھینچ ماری۔ لیکن وہ اسے بھی بچا کر اس طرح ہنسنے لگا جیسے کسی ننھے بچے کو چڑا رہا ہو۔ فریدی کسی ضب ناک بھیڑیئے کی طرح غراتا ہوا اس کی طرف جھپٹا۔

سنگ ہی تین چار چھلانگوں میں اوپر پہنچ گیا۔ فریدی نہتا ہی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ غار کے ہانے سے اب بھی اسی زور و شور کے ساتھ درجنوں فٹ اونچی لپک اٹھ رہی تھی اس کا محیط بھی ر کے دہانے ہی کے برابر تھا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے جہنم کی کوئی بھٹی کھل گئی ہو۔

"تم مجھے نہیں پا سکتے۔" سنگ ہی نے اپنی پوری قوت سے چیخ کر کہا۔ "طوق بھی میں اپنے اتھ لے جا رہا ہوں.... سمجھے۔"

پھر قبل اس کے کہ فریدی اس کے قریب پہنچتا اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے جہنم کے دہانے ں چھلانگ لگادی۔

فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ چند لمحے کھڑا خلا میں گھورتا رہا پھر واپسی کے لئے مڑا۔ کے پیچھے حمید، روزا اور انور متحیر کھڑے تھے۔ فریدی ان کی طرف مخاطب ہوئے بغیر نیچے اتر لگا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اُتر کر ایک پتھر پر گیا۔ وہ تینوں بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ نیچے آئے تھے۔ روزا اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گ وہ حیرت سے اس کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے تھے۔

"جاؤ.... طارق وغیرہ کو تلاش کرو۔" فریدی مضمحل آواز میں بولا۔ "غالباً وہ وہیں ہوں جہاں ہمارا سامان ہے۔"

انور اور حمید چپ چاپ چلے گئے۔ روزا وہیں بیٹھی رہی۔

"یہ میری فتح نہیں شکست ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"غلط ہے.... وہ لڑکی طوق سے زیادہ قیمت رکھتی ہے۔ تم نے اس کی جان بچائی ہے۔ نہیں.... فریدی.... تم عظیم ہو۔ یہ تمہاری سب سے بڑی فتح ہے۔ ایک انتہائی سرکش ت مجرم تم سے تنگ آکر خودکشی کرلیتا ہے۔"

"میں ڈاکٹر کو نہ بچا سکا۔ میں نے وعدہ کیا تھا۔"

"میں اسے اپنے ہاتھ سے گولی ماردیتی۔" روزا نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اسی طرح جیسے کسی پاگل کتے کو ماردی جاتی ہے۔ باپ کے رشتے سے زیادہ میں انسانیت اہمیت دیتی ہوں۔"

"میں تمہاری عظیم روح کو سلام کرتا ہوں۔" فریدی اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کی آنکھ میں دیکھتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

پھر وہ دونوں خاموش ہوگئے۔

تھوڑی دیر بعد قاسم اور طارق بھی وہاں پہنچ گئے۔ انور کا سر زخمی تھا۔ سنگ ہی کے بقیہ ساتھیوں نے کافی اودھم مچایا تھا اور وہ انور ہی کے ہاتھوں انجام کو پہنچ گئے تھے۔ طارق نے پو روداد سنی کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔

"اب کیا ارادہ ہے....؟"

"وہ لڑکی کہاں ہے....؟" فریدی نے پوچھا۔

جواب میں طارق نے بتایا کہ وہ حمید کی نگرانی میں ہے اور پھر وہ اپنے سوال کے جواب کا رکرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ "اب واپسی کا ارادہ ہے۔"

"کیا اتنی مصیبتیں اٹھانے کے بعد یونہی ہی واپس ہوجائیں گے؟"

"بس طارق صاحب۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب اگر کسی نے خزانے کا نام لیا تو میں اسی آگ میں جھونک دوں گا.... اوہ معاف کیجئے گا.... آپ میرے بزرگ ہیں.... آپ سوچئے.... کیا یہ ایک کھلی ہوئی دیوانگی نہیں ہے؟ کتنے اس دیوانگی کی بھینٹ چڑھ گئے.... اتنا روحانی سکون خزانے ملنے کے بعد نہ ہوتا جتنا اس لڑکی کو بچا کر نصیب ہوا ہے۔ آپ خود کیجئے... میرے بزرگ...." فریدی خاموش ہوگیا۔ کوئی کچھ نہ بولا۔

آگ کی لپک کا زناٹا اب بھی کان پھاڑ رہا تھا۔

اندھیرا ہو چلا تھا اور اسی آگ سے دور دور تک روشنی پھیل رہی تھی۔

دفعتاً فریدی نے کہا۔ "مگر میں یہاں ایک بار پھر آؤں گا.... وادی تاریک میرے لئے کافی ش رکھتی ہے.... لیکن مطمع نظر خزانے کا حصول نہ ہوگا۔ کیا نیچے تک پہنچنا ہی ایک بڑا کارنامہ ہوگا....؟"

سناٹے میں جلتی ہوئی گیس کا زناٹا گونجتا رہا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 46

لاشوں کا سوداگر

(مکمل ناول)

نامعلوم مہم

کیپٹن حمید نے پانچویں بار کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن فریدی کی تیز نظروں کی تاب نہ لاکر اموش ہو گیا۔ رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے اور کرنل فریدی کی سیاہ آسٹن شہر کی سڑکوں ے چکر کاٹ رہی تھی.... فریدی اور حمید دونوں سیاہ لباس میں ملبوس تھے اور فریدی کے زانوؤں پر چمڑے کا ایک تھیلا رکھا ہوا تھا جس میں نقب زنی اور قفل شکنی کے آلات کے علاوہ ایک عجیب ضع کی چھوٹی سی مشین بھی تھی۔

حمید فریدی کے پروگرام سے قطعی ناواقف تھا۔ اُسے بس ساتھ چلنے کے لئے کہا گیا تھا۔ یہ وئی نئی بات نہیں تھی۔ فریدی کبھی اسے اپنی اسکیموں کے متعلق کچھ نہیں بتایا کرتا تھا اور حمید کو بھی اس سلسلے میں کچھ ضد سی ہو گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی قبل از وقت کبھی کچھ نہیں بتاتا لیکن پھر بھی وہ پوچھنے سے باز نہیں آتا تھا۔

کار جیسے ہی چتھم روڈ پر مڑی اس نے کہا۔ "میرے ذہن میں ایک اسکیم ہے۔"

"کیسی اسکیم....؟" فریدی نے پوچھا۔

"آپ مجھے یہیں اُتار دیجئے۔"

"کیوں....؟"

"میں کار کے پیچھے دوڑوں گا۔"

"بکومت۔"

"اور یہ چیختا ہوا دوڑوں گا روکو.... روکو میری عقل اگلی سیٹ پر رہ گئی ہے۔"

فریدی مسکرا کر رہ گیا.... حمید بڑبڑاتا رہا۔ "خدا نے مجھے نائب تحصیلدار نہیں بنایا حشر کے

دن اس کا شکوہ کروں گا۔ اس محکمے میں نہ عزت ہے نہ آرام۔ گاؤں کے پٹواری مجھ سے زیا کرتے ہوں گے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"آرام....!"

"تب تو تمہیں نائب تحصیلدار کی بیوی بننے کی خواہش کرنی چاہئے۔"

"میں بیوی کا نائب تحصیلدار بھی بننے پر تیار ہوں۔ مگر مجھے تھوڑا سا آرام ضرور چا میں اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہو کر اس محکمے میں نہیں آیا ہوں۔"

"تو بیٹے خاں! تمہیں محکمہ آرام تو دنیا کے کسی بھی حصے میں نہیں ملے گا۔ ویسے نظروں میں صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں آرام ہی آرام ہے۔"

"مجھے اس کا پتہ بتائیے۔"

"قبر....!"

"میں وہاں بھی جانے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ کوئی خوبصورت سی لڑکی بھی میرے دفن ہونے کا وعدہ کرلے۔"

"آگئے اوقات پر۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"میرے باپ دادا کی بھی یہی اوقات تھی جس کا نتیجہ میں بھگت رہا ہوں۔"

"اچھا بکواس بند کرو۔"

"بند ہوگئی۔ لیکن آپ کو یہ تو بتانا ہی پڑے گا کہ ہم کہاں جارہے ہیں۔"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

فریدی نے کار کی رفتار کم کردی۔ وہ ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں کئی بڑی بڑی کوٹھ تھیں لیکن ان میں سے شائد دو تین ہی ایسی رہی ہوں جن کی کسی کھڑکی میں روشنی نظر آرہی ایک جگہ فریدی نے کار روک دی۔

"اُترو....!" اس نے حمید سے کہا۔ "تم یہیں کھڑے رہو میں ابھی آتا ہوں۔"

"یہ بھی بتا دیجئے کہ اگر آپ واپس آنا بھول گئے تو میں کیا کروں گا۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی نے اُسے نیچے دھکیلتے ہوئے کہا۔

کار آگے بڑھ گئی۔ حمید اندھیرے میں مکا ہلاتا رہ گیا۔ جھلاہٹ شاید آخری منزل پر تھی لیکن خاموشی کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور کسی وقت بھی بارش ہو سکتی تھی۔

شائد دس منٹ بعد فریدی واپس آ گیا۔ کار کہیں چھوڑ آیا تھا۔ لیکن چمڑے کا تھیلا اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے ایک عمارت کی طرف بڑھا۔ پھاٹک کے قریب پہنچ کر اس نے حمید سے کہا۔ "میں پھاٹک کا تالا توڑنے جارہا ہوں۔"

"بسم اللہ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہئے تو قریب کے تھانے میں اطلاع کردوں۔"

"سنجیدہ ہو جاؤ.... ورنہ تھپڑ مار دوں گا۔"

فریدی نے تھیلے سے ایک اوزار نکالا اور اسے قفل کے کنڈے میں پھنسا کر زور کرنے لگا۔

دوسرے ہی لمحے میں کنڈا ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ الگ ہو گیا۔

پھاٹک کھول کر وہ اندر داخل ہوئے۔ چاروں طرف قبرستان کی سی ویرانی تھی۔ پائیں باغ چھوٹا ہی تھا۔ انہیں اصل عمارت تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔

برآمدہ بھی تاریک تھا اور بظاہر عمارت کے کسی بھی حصے میں زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے تھے۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی۔

صدر دروازہ بھی مقفل تھا اور یہ قفل ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا جسے آسانی سے توڑا جاسکتا۔

فریدی ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر وہ ایک کھڑکی کی طرف بڑھا۔

کھڑکی کا شیشہ توڑنے میں کیا دشواری ہو سکتی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں اُس نے شیشہ سے نکلی ہوئی جگہ میں ہاتھ ڈال کر اندر سے چٹخنی گرادی۔ کھڑکی کھل گئی۔

اندر پہنچتے ہی حمید نے کچھ اس قسم کی بو محسوس کی جیسے اس عمارت میں عرصہ سے تازہ ہوا کا گزر نہ ہوا ہو۔ وہ ایک آراستہ کمرے میں کھڑے ہوئے تھے۔ فرنیچر پر گرد کی تہیں نظر آرہی تھیں۔ فریدی کی ننھی سی ٹارچ کی شعاع بڑی تیزی سے کمرے میں گردش کر رہی تھی۔ پھر وہ پوری عمارت کا چکر لگانے کے بعد اس کمرے میں دوبارہ واپس آئے جہاں انہوں نے کسی قسم کا بھی کوئی سامان نہیں دیکھا تھا۔ یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ دیواریں اور فرش ننگے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں کبھی کوئی سامان رہا ہی نہ ہو۔ فریدی نے سوئچ آن کر کے کمرے میں روشنی کردی۔

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کر رہا ہے۔ اس کے چہرے اس قسم کے آثار تھے جیسے اُسے اس کمرے کو اس حال میں دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی ہو۔

"کچھ نہ ہوا۔ کچھ بھی نہ ہوا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا نہ ہوا۔"

"اس کمرے کی حالت دیکھ رہے ہو۔"

"دیکھ رہا ہوں۔... مگر مجھے کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔"

"یہاں پہلے بھی کافی سامان رہا ہوگا۔ ممکن ہے فرش پر قالین یا دری بھی رہی ہو

حمید متحیرانہ انداز میں فریدی کو گھورنے لگا۔

"ٹھہرو بتاتا ہوں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر اس نے تھیلے سے وہ مشین نکالی جس استعمال سے حمید ابھی تک ناواقف تھا اور نہ پہلے ہی کبھی وہ فریدی کے پاس نظر آئی تھی۔ اس پچھلے حصے میں تار سے لگا ہوا ایک پلگ لٹک رہا تھا۔ فریدی نے وہ پلگ دیوار سے لگے ہوئے سو بورڈ میں نصب کر دیا۔ مشین زیادہ بڑی نہیں تھی اور اس کی شکل بکس نما کیمرے سے مشابہ تھ حمید تو یہی سمجھا کہ شاید وہ کسی قسم کا کیمرہ ہے جس سے فریدی کمرے کا فوٹو لینے کا ارادہ رکھتا ہے

لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ چھوٹی سی مشین ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ چل پڑی اور ا میں سے مٹیالے رنگ کا گہرا غبار نکل کر فرش پر منتشر ہونے لگا۔

فریدی اپنے ہاتھوں کو آہستہ آہستہ جنبش دے رہا تھا۔

شاید ایک یا ڈیڑھ منٹ تک مشین چلتی رہی پھر فریدی نے اُسے بند کر دیا۔

"اب دیکھو...!" فریدی نے فرش کی طرف اشارہ کیا۔

اب فرش پر بے شمار قدموں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ مشین سے غبار منتشر کرنے سے پہلے فرش بالکل صاف دکھائی دیتا تھا۔

"مگر شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے یہ سب کچھ پیروں کے نشانات کے لئے کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ رہا ہوں۔"

"تو اب سمجھو۔ مجھے توقع تھی کہ اس کمرے میں تھوڑی جگہ ایسی بھی ہوئی جہاں پیروں کے

ت نہ ہوں گے۔"

"نہ ہوں گے۔ میں اب بھی نہیں سمجھا۔ لیکن ہاں اس طرف کونے میں نشانات نہیں ہیں۔ صاف ہے۔"

"ٹھیک.... ذرا ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دیوار کی جڑ کے ساتھ چلتا ہوا اس حصے تک پہنچ جہاں قدموں کے نشانات نہیں تھے۔ پھر اس نے رک کر چاروں طرف دیکھا اور دیوار پر جگہ نظر جما دی۔

خاموشی کا ایک طویل وقفہ۔ حمید کو الجھن ہونے لگی تھی اور اب وہ فریدی کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ پھر اچانک وہ ایک عجیب طرح کا شور سن کر فریدی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فریدی بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ادھر دیکھو مجھے اس کی تلاش تھی۔" فریدی نے ایک ایسے خلاء کی طرف اشارہ کیا جو فرش اسی جگہ پیدا ہو گیا تھا جہاں قدموں کے نشانات نہیں تھے۔

حمید آنکھیں پھاڑے اُدھر ہی دیکھتا رہا۔

"دیوار سے ملے ہوئے ادھر ہی چلے آؤ۔" فریدی بولا۔

"میں آ رہا ہوں.... لیکن یہ سب ہے کیا بلا۔" حمید دیوار کے سہارے اس کی طرف بڑھتا وا بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی ٹارچ کی روشنی تہہ خانے میں رینگ گئی۔ سامنے ہی یڑھیاں تھیں۔

❋

آسکر اسٹریٹ میں سناٹا تھا۔ پوری سڑک روشن تھی۔ لیکن رات زیادہ گذر جانے کی وجہ سے آمد ورفت بند ہو گئی تھی۔ مکانوں کی کھڑکیوں میں زیادہ تر گہری نیلی روشنی نظر آ رہی تھی۔

اچانک آسکر اسٹریٹ کا سکوت شوروغل میں تبدیل ہو گیا۔ لیکن وہاں کے رہنے والے بدستور سوتے رہے۔ اگر کسی کی آنکھ کھلی بھی ہوگی تو بڑی بے پروائی سے کروٹ بدل کر دوبارہ سو گیا ہوگا۔ سب ہی جانتے تھے کہ آسکر اسٹریٹ میں ایک شراب خانہ بھی ہے اور اس کا مالک کوئی اچھا آدمی نہیں۔ سب ہی جانتے تھے کہ وہاں اچھے آدمی نہیں آتے۔ اسی لئے کسی میں اتنی ہمت

بھی نہیں تھی کہ وہ اس شراب خانے یا اس میں ہونے والی مذموم حرکات کے خلاف آواز ا

گریٹی کو سب جانتے تھے۔ وہ ایک لمبا تڑنگا دیسی عیسائی تھا۔ اس کی پیشانی زخموں ک سے داغدار تھی اور بایاں گال ٹھوڑی سے لے کر کان کے نیچے تک دو حصوں میں تق بھی کسی گہرے زخم ہی کا نتیجہ تھا۔ جبڑے بھاری اور چہرہ کافی بڑا تھا۔

گریٹی ہی اس شراب خانے کا مالک تھا اور اس شراب خانے میں رات کو عموماً شہ ہوئے بدمعاش اکٹھا ہوا کرتے تھے۔ اکثر وہ نشے میں ہنگامہ برپا کر بیٹھتے اور اتنا شور ہو پڑوس کے بہرے آدمیوں کی بھی نیندیں اچٹ جاتیں لیکن جیسے ہی گریٹی اپنے کمرے ۔ مجمعے تک آتا اچانک اس طرح خاموشی چھا جاتی جیسے بھیڑوں کے گلے میں کوئی بھیڑیا گھ بہکے ہوئے شرابیوں کا نشہ ہرن ہو جاتا۔

آج بھی یہی ہوا۔ دو آدمی کسی بات پر لڑ بیٹھے۔ پہلے بوتلیں چلیں پھر میزوں اور کی باری آ گئی جب تک گریٹی اپنے کمرے سے نکلتا کئی آدمیوں کے سر لہولہان ہو گئے او کرسیاں ٹوٹ گئیں۔

"کیا ہو رہا ہے" ہنگامہ کرنے والوں نے گریٹی کی گرجدار آواز سنی اور جہاں تھے گئے۔ اس طرح سناٹا چھا گیا جیسے کچھ دیر قبل کوئی بات ہی نہ رہی ہو۔

"جھگڑا.... کس نے شروع کیا تھا۔" گریٹی کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے میں گونج گ اس کی خونی آنکھیں مجمعے کو گھور رہی تھیں اور وہ کمر پر ہاتھ رکھے سینہ تانے اس طرح کھڑا کوئی دیو بالشتیوں کے سرزمین میں پہنچ گیا ہو۔

لوگوں نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ بھی ایک کافی تندرست اور خوش پوش آ لیکن اس کی آنکھوں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ انتہائی کینہ توز اور خونی قسم کا آدمی ہے۔

"ادھر آؤ.....!" گریٹی نے اس سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔" دوسرا گرج کر بولا۔

گریٹی ایک دوسری میز کی طرف دیکھنے لگا جس کے گرد چار آدمی بیٹھے کچھ دیر قبل کھیل رہے تھے لیکن اب انہوں نے تاش کی گڈی ایک طرف رکھ دی تھی اور گریٹی کے ا کو بھوکی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ گریٹی نے انہیں کچھ اشارہ کیا اور وہ اپنے کمرے کی طر

واپس چلا گیا۔

دوسرا آدمی ہوشیار ہو چکا تھا لیکن اسے مدافعت کا موقع نہ مل سکا۔ چاروں اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے ہاتھ پیر سست پڑ گئے۔

دوسرے لمحے میں وہ اُسے کھینچتے ہوئے گریٹی کے کمرے کی طرف لے جا رہے تھے۔

گریٹی نے اُسے بڑی حقارت سے دیکھ کر اپنے آدمیوں سے کہا۔ "اس کے کپڑے اتار دو۔"

دوسرے آدمی نے پھر جدوجہد کرنی چاہی لیکن بس نہ چلا۔ انہوں نے اسے قابو میں کر کے اس کے کپڑے اتار دیئے۔ جسم پر صرف ایک انڈرویئر رہ گیا۔

"اب دروازے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" گریٹی نے اس سے کہا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یوں ہی وہ دروازے کی طرف مڑا۔ گریٹی نے اس کی کمر پر ایک لات رسید کر دی۔ وہ منہ کے بل شراب خانے میں جا گرا۔ اس بار شراب خانے کی چھت قہقہوں کے شور سے جھنجھنا اٹھی۔

"ان سے کہو زیادہ شور نہ مچائیں۔" گریٹی نے اپنے آدمیوں سے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی اور وہ چاروں کمرے سے نکل گئے۔

گریٹی نے ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو۔"

"گریٹی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں میں گریٹی بول رہا ہوں۔"

"چیتھم روڈ والی کوٹھی میں دو آدمی داخل ہوئے ہیں۔"

"کون ہیں۔"

"میں نہیں جانتا۔ فوراً پہنچو۔"

"اچھا.....!" گریٹی ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف مڑا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" حمید نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

"آؤ" فریدی تہہ خانے کی پہلی سیڑھی پر پیر رکھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو.....!" اچانک پشت سے آواز آئی۔ فریدی اور حمید کے ہاتھ بے اختیارانہ طور پر اپنی

پیشانیوں کی طرف گئے اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُن کے چہروں پر سیاہ نقابیں کھینچ گئیں دروازے کی طرف مڑے۔

پانچ مسلح نقاب پوشوں کے ریوالور اُن کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" سب سے اونچے آدمی نے کہا۔

اُن کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ لمبا آدمی چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر اس نے اپنے آدمیوں کہا۔ "ان کے چہرے کھول دو۔"

دو آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے اپنے ریوالور جیب میں رکھ لئے تھے لیکن اب بھی ریوالوروں کی نالیں فریدی اور حمید کی طرف تھیں۔

وہ دونوں ان کے قریب آگئے۔

"خبردار....!" لمبے آدمی نے للکارا "کوئی حرکت نہ ہو ورنہ دوسرے لمحے میں تم مردہ ہو گے

"ترکیب نمبر چوبیس۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور حمید بڑی پھرتی سے زمین پر بیٹھ گ فریدی نے بھی یہی کیا تھا۔

دونوں نقاب پوش اپنے ہی زور میں ان پر آرہے۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ فریدی ا حمید کی گرفت میں تھے۔ بیک وقت تین فائر ہوئے لیکن تینوں گولیاں سامنے والی دیوار پر پڑیں۔

قبل اس کے کہ وہ دوسرا راؤنڈ چلاتے فریدی نے اپنے قابو میں آئے ہوئے آدمی کو اُن کھینچ مارا۔ تین فائر پھر ہوئے لیکن کوئی گولی چھت پر پڑی اور کوئی دیوار پر کیونکہ وہ تینوں گر گ تھے۔ فریدی ان پر بھوکے بھیڑیئے کی طرح جھپٹ پڑا۔ حمید کو کچھ نہ سوجھی تو اس نے اپنے شکا کو تہہ خانے میں دھکا دے دیا لیکن اسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ اس کی چیخ سن کر محظوظ ہو دوسری طرف فریدی ان چاروں سے گتھا ہوا تھا۔ حمید نے ریوالور نکالا۔ لیکن اس کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے ریوالور پھر جیب میں ڈال لیا۔

پھر وہ بھی ان چاروں سے بھڑ گیا۔ اب ان میں سے کسی کے بھی ہاتھ میں ریوالور نہیں تھے۔

یہ چھ آدمی نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پیر تیزی سے حرکت کر رہے تھے اور حلق سے ایسی ہی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے وہ جھلائے ہوئے درندے ہوں۔

چاروں نقاب پوش اس کوشش میں تھے کہ فرش سے اپنے ریوالور اٹھالیں لیکن شاید فریدی

ی یہی چاہتا تھا۔ ان کے ہاتھ ریوالوروں کی طرف نہ جاسکیں۔

"او گدھے! ریوالور سمیٹو!" فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں حمید سے کہا۔

حمید کو ہوش آگیا۔ واقعی اس سے ابھی تک گدھاپن سرزد ہوتا رہا تھا۔ وہ ریوالوروں کی رف جھک پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں لمبے آدمی کی لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ اوندھے منہ رش پر ڈھیر ہو گیا۔

حمید چوٹ کی پرواہ کئے بغیر پھر پلٹا۔ اس بار اگر اس سے ذرہ برابر بھی غفلت ہو جاتی تو لمبے دمی کی ٹھوکر سے اس کے چہرے کا بھرتا بن گیا ہوتا۔ وہ بڑی تیزی سے ایک طرف سرک گیا۔ دوسری طرف فریدی کا گھونسہ لمبے آدمی کی پیشانی پر پڑا اور حمید کو چاروں ریوالوروں کو سمیٹ لینے کا موقع مل گیا۔

لیکن اس کی حسرت دل ہی میں رہ گئی کیونکہ جیسے ہی اس نے ریوالوروں پر قبضہ کیا وہ چاروں اگ نکلے۔

کار میں لاش

دوسری صبح ناشتے کی میز پر حمید اونگھ رہا تھا۔ رات کی غیر متوقع ورزش نے اس کے جسم کا بند بند دکھا دیا تھا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ لوگ اتنی جلدی کہاں غائب ہو گئے تھے۔" اس نے چونک کر کہا۔

"تم نے بات بھی پوچھی تو بے تکی۔" فریدی بولا۔

"ہاں بے تکی۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"بے تکی ہی ہے۔ تم نے اس آدمی کے متعلق غور نہیں کیا جسے تم نے تہہ خانے میں پھینکا تھا آخر وہ کہاں غائب ہو گیا۔ زندہ یا مردہ اسے تو کم از کم ملنا ہی چاہئے تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ تہہ خانے کے اندر بھی کوئی تہہ خانہ ہو گا۔"

"بس تو پھر یہ سوال ہی فضول ہے کہ وہ لوگ اتنی جلدی کہاں غائب ہو گئے۔"

"اچھا تو پھر بتائیے کہ میں اور کیا پوچھتا۔" حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

فریدی نے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا۔ "خیر سنو! تم نے اس

دوران میں ایک بڑی حیرت انگیز خبر سنی ہوگی۔ یہی کہ بازار میں سو سو روپے کے لا
نوٹ پھیل گئے ہیں۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے۔"

"لیکن یہ نہ معلوم ہوگا کہ وہ نوٹ آئے کہاں سے۔"

"نہیں.... میں نہیں جانتا۔"

"وہ نوٹ سنٹرل بینک سے نکل کر پھیلے ہیں۔"

"سینٹرل بینک سے۔" حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ایک حیرت انگیز واقعہ جس کا تذکرہ ناممکنات کی تاریخ میں کیا جانا چاہئے۔"

"لیکن سینٹرل بینک سے کس طرح۔"

"یہی مسئلہ تو غور طلب ہے۔" فریدی نے کافی کی پیالی رکھتے ہوئے طویل سانس
کہا۔ "نوٹ وہیں سے ایشو ہوئے ہیں اور اب بھی اُن کی کافی بڑی تعداد بینک کے اسٹر
میں موجود ہے اس کا مطلب سمجھتے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ جواب طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ٹکسال سے آئے ہوئے اصلی نوٹ اڑا کر اُن کی جگہ جعلی رکھ د

"بھلا یہ کس طرح ممکن ہے۔"

"ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے تو یہ معاملہ میرے سپرد کیا گیا ہے فرزند۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

"تو کیا رات کچھ اسی قسم کا چکر تھا۔" اُس نے پوچھا۔

"قطعی.... آخر تم نے اُس تہہ خانے میں کیا دیکھا تھا۔"

"مجھے وہاں ایک ملک الموت کی پرچھائیں نظر آئی تھی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اُس تہہ خانے میں کسی قسم کی مشین نصب تھی۔ کیا تم نے ان کے نشانات نہیں دیکھے۔
کمرہ اس طرح خالی دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ اب وہاں کچھ نہ ہوگا۔ وہ لوگ مشین نکال لے گئے"

"مگر کوٹھی تک آپ کی رسائی کیسے ہوئی تھی۔"

"میں نے اس دوران میں ایک ایسے آدمی پر نظر رکھی تھی جو کسی زمانے میں جعلی نوٹوں

ل بنانے کے سلسلے میں پکڑا گیا تھا۔ اُسی کے ذریعے میں اُس عمارت تک پہنچا۔ لیکن اب میں
بات کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ اُس تہہ خانے میں نوٹ ہی چھاپنے کی مشین نصب تھی۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجرم کافی ہوشیار ہیں اور خاص طور سے آپ پر نظر رکھتے ہیں۔"

"ہاں.... آں....!" فریدی نے ایک طویل انگڑائی لی اور ناشتے کی میز سے اٹھ گیا۔

گریٹی کا شراب خانہ اس وقت سرد تھا۔ گریٹی سوتا بھی وہیں تھا۔ اُسی کمرے میں جہاں اُس
نے اپنا آفس بنا رکھا تھا۔

ابھی وہ سو ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ گریٹی نے غرا کر کروٹ بدلی اور پھر آنکھیں بند
لیں۔ لیکن گھنٹی بجتی ہی رہی.... پھر وہ ایک گندی سی گالی بکتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"ہیلو....!" وہ ریسیور میں حلق پھاڑ کر چیخا۔

"گریٹی....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ.... آپ ہیں۔" گریٹی کی آواز نرم پڑ گئی۔

"کل رات وہ دونوں کون تھے۔"

"وہ دیکھئے! بات دراصل یہ ہے کہ وہ بچ کر نکل گئے۔ میرا ایک آدمی بھی بُری طرح زخمی
و گیا ہے۔"

"کیا تم پہچان بھی نہیں سکے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اُن کے چہروں پر نقابیں تھیں۔"

"اچھا خیر.... خیر تمہیں بتاتا ہوں۔ وہ کرنل فریدی تھا۔"

"ارے....!" گریٹی کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

"اپنے آدمیوں کو سمجھا دو کہ اُس عمارت کی طرف اب رخ بھی نہ کریں۔"

"بہت بہتر.... جناب بہتر۔"

"اور سنو.... راجو کو جانتے ہو نا۔"

"جی ہاں.... بہت اچھی طرح.... وہی راجو....!"

"ہاں تم جانتے ہو۔ اچھا.... سنو.... اُسی کی وجہ سے کرنل کی رسائی اُس عمارت تک ہوئی تھی۔"

"وہ کس طرح۔"

"کسی طرح بھی ہو.... اس سے سروکار نہیں۔ بہرحال راجو کو چھٹی دے دو سمجھے"

"جی ہاں اچھی طرح.... مگر کرنل۔"

"اس کی فکر نہ کرو.... لیکن اُس نے تمہیں پہچانا تو نہیں۔"

"ہرگز نہیں جناب.... میں بچہ نہیں ہوں۔"

"ہاں بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں.... راجو کو کل تک چھٹی دے دی جائے گی۔"

"کل نہیں آج.... جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔"

گریٹی نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کیا جا چکا تھا۔

اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ وہ چند لمحے میز کھڑا فون کو گھورتا رہا پھر کپ بورڈ سے شراب کی بوتل اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔ دو تین خالص شراب کے لے کر اُس نے بوتل پھر اُس کی جگہ پر رکھ دی۔

پھر اُس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ بار بار دباتا ہی رہا۔ عمارت کے کسی دور حصے میں گھنٹی بج رہی تھی۔

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی دوڑتا ہوا کمرے کی طرف آ رہا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں د کھلا اور ایک اینگلو انڈین لڑکی کا چہرہ دکھائی دیا۔

"یس ڈارلنگ....!" اُس کی سریلی آواز کمرے میں گونج گئی۔

"ڈارلنگ کی بچی چائے کہاں ہے۔" گریٹی دہاڑ کر بولا۔

"اوہ.... ابھی آئی۔ خفا کیوں ہوتے ہو۔" اُس نے کہا اور پھر دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ گریٹی سامنہ بنائے بیٹھا رہا۔ شاید دو تین منٹ بعد وہ اپنے ہاتھوں پر ناشتے کی ٹرے اٹھائے ہوئے د کمرے میں داخل ہوئی۔

"چڑچڑا.... گریٹی بالکل اچھا نہیں معلوم ہوتا۔" اُس نے ٹرے کو میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"شٹ اَپ....!" گریٹی دہاڑا۔

لڑکی پر بظاہر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ کافی خوبصورت اور تندرست تھی۔ عمر بیس ا

پچیس کے درمیان رہی ہوگی۔ عنابی رنگ کے اسکریٹ میں خاصی جچ رہی تھی۔

اُس نے گریٹی کے لئے چائے انڈیلی اور خود بھی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"بات کیا ہے.... آج صبح ہی صبح۔"

"چپ رہو۔" گریٹی جھلا کر بولا۔

"نہیں چپ رہوں گی۔" لڑکی نے اُسی لہجے میں کہا۔ "تم ہمیشہ مجھے کتیا کی طرح دھتکارتے رہتے ہو۔"

"تم میری ہو کون....؟"

"میں تمہاری کوئی ہوں یا نہ ہوں.... لیکن تم میرے ہو۔"

"زبردستی....!" گریٹی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "حالانکہ تم میرے لئے کچھ نہیں کر سکتیں۔"

"کبھی کچھ کہہ کر تو دیکھو۔"

"تم نہیں کر سکو گی۔"

"گریٹی.... کمینے.... تم بتاؤ بھی تو۔"

"آج رات.... اُس آدمی کو بیہوش کرنا ہے۔"

"کسے....!"

"اوہ.... یہ کام بہت آسانی سے ہو جائے گا۔ تم اُسے جانتی ہو۔ وہ تم سے لفٹ ملنے کا خواہاں ہے۔ ہلکے سے اشارے پر تمہارے پیچھے لگ جائے گا لیکن تم اُسے کہیں اور لے جاؤ گی۔ یہ کام یہاں نہ ہوگا۔ سمجھیں راجو کو جانتی ہو۔"

"اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"میں تمہیں بیہوشی کی دوا دوں گا۔ لیکن تم اُسے دوا دینے کے بعد پھر اُس جگہ نہیں ٹھہرو گی۔ سمجھیں۔"

❁

"ہیہات.... ہیہات....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کتنا حسین موسم ہے اور میں اُلو کا پٹھا جعلی نوٹوں کے چکر میں پڑ کر دنیا اور عاقبت دونوں برباد کر رہا ہوں۔"

فریدی نے کار کو ایک تنگ سی گلی میں موڑتے ہوئے کہا۔ "زندگی سے زیادہ حسین د کوئی چیز نہیں۔ حسن کا معیار ہی زندگی ہے اور زندگی کیا ہے۔ شاید تم نہ جانتے ہو۔"

"زندگی....!" حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ "زندگی چاند سی عورت کے سوا کچھ نہیں

"نابدان کے کیڑے ہو تم۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"نہیں اس سے بھی بدتر۔ اس کی بھی مادہ ضرور ہوتی ہوگی۔"

"دماغ مت چاٹو.... سمجھے۔" فریدی آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں تم سے ہزار بار کہہ ہوں کہ شادی کر لو۔"

"تب تو میں اور زیادہ اُلو ہو جاؤں گا۔"

"تب پھر سردی کھائے ہوئے کتے کے پلوں کی طرح ٹیاؤں ٹیاؤں نہ کیا کرو۔ سمجھے۔"

حمید نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

کار گلی سے نکل کر دوسری سڑک پر آ گئی تھی۔ زیادہ سے زیادہ رات کے آٹھ بجے ہو گے۔ موسم کافی خوش گوار تھا اور شہر کی سڑکوں پر رونق نظر آ رہی تھیں۔

"حمید....!" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس گروہ میں کوئی عور بھی ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو حمید.... ہے ہے اپنے سر پر جعلی نوٹوں کا بھوت سوار کر لوں گا۔ کیوں ک آج کسی اندھے کنوئیں میں دھکیلنے کا ارادہ ہے۔"

"نہیں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ کل تم نے پیروں کے نشانات کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ ان میں کسی عورت کے پیروں کے نشانات بھی تھے۔"

"بھلا کسی عورت کے پیر کے نشان کی پہچان کیا ہے۔"

"اونچی ایڑی کے جوتے کا نشان۔ سول سے ایڑی کا فاصلہ اور دونوں کا تناسب۔"

"آہا خوب یاد آیا۔ آخر آپ وہ مشین اب تک کہاں چھپائے ہوئے تھے۔"

"مشین! ارے تو کیا تم نے اسے پہلے پہل دیکھا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"وہ تو ایک بہت ہی عام چیز ہے۔ انگلینڈ کی لائبریریوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ وہاں

کے ذریعے کتابوں کی الماریوں میں کیڑوں کو فنا کرنے کے لئے پاؤڈر چھڑکا جاتا ہے۔ لیکن میں اس کا ایک دوسرا اور اس سے بھی زیادہ کارآمد مصرف دریافت کیا ہے۔ لیکن جو پاؤڈر میں ال کرتا ہوں وہ میری اپنی ایجاد ہے۔"

"کیا آپ اس کے استعمال کو عام کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ اس سے محکمے کو بہت فائدہ گا۔"

"یقیناً.... میں اسے رائج کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"مگر اس وقت ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"آج پھر میں راجو کا تعاقب کروں گا۔"

"کون راجو۔"

"وہی جس کا تعاقب کرتے کرتے میں اس عمارت تک پہنچا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن وہ ہمیں ملے گا کہاں۔"

"آرلکچو میں.... وہ ہمیشہ آٹھ سے دس تک آرلکچو میں بیٹھ کر پیتا ہے۔ آج سے ایک ماہ کوڑی کوڑی کو محتاج تھا۔ لیکن آج کل دولت مندوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ....!"

"ہاں مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اس کھیل میں شریک ہے۔"

کیڈی آرلکچو کی کمپاؤنڈ کے باہر ہی رک گئی۔ وہ دونوں نیچے اُترے۔ لیکن آگے بڑھنے کی ے فریدی ایک طرف ہو گیا۔ ایسا کرتے وقت اس نے آہستہ سے حمید کا ہاتھ بھی دبایا تھا۔

حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی جس کے جسم پر شام کا سوٹ تھا بدمست ابیوں کی طرح لڑکھڑاتا ہوا اندر سے پھاٹک کی طرف آ رہا تھا۔

"راجو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اچھا.... یہی ہے.... مگر بُری طرح ڈاؤن معلوم ہوتا ہے۔"

آنے والا پھاٹک سے گزر کر فٹ پاتھ پر رک گیا۔ فریدی اور حمید اس سے تھوڑے ہی صلے پر تھے۔ راجو نے ہاتھ اٹھا کر ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا اور ٹیکسی فٹ پاتھ ے آ لگی۔

"پپ.... پریٹی ولا۔" راجو پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتا ہوا بولا۔
ٹیکسی چل پڑی۔ فریدی کی کیڈی لاک اس کا تعاقب کر رہی تھی۔
"تو کیا یہ پریٹی ولا میں رہتا ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "وہاں تو بہت زیادہ دو
لوگ رہتے ہیں۔"
"پتہ نہیں.... اس کی جائے قیام کا پتہ آج تک مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔"
دونوں کاریں سڑک پر فراٹے بھرتی رہیں۔ شاید بیس منٹ بعد ٹیکسی پریٹی ولا ـ
پہنچ گئی۔

فریدی نے بھی کیڈی تیس یا چالیس گز کے فاصلے پر روک دی اور خود نیچے اتر
بڑھنے لگا۔ انہوں نے ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھا جو پچھلی نشست کا دروازہ کھولے ہوئے
آوازیں دے رہا تھا۔ اتنے میں فریدی اور حمید اس کے قریب پہنچ گئے۔
اس نے ان کی طرف مڑ کر بے بسی سے پوچھا۔ "صاحب آپ ادھر ہی رہتے ہیں۔"
"ہاں کیوں....؟"
"یہ صاحب! پتہ نہیں کدھر رہتے ہیں۔ پی کر بے ہوش ہو گئے ہیں۔ اب میں انہیں
لے جاؤں۔"
"ذرا اندر کی لائٹ جلاؤ۔" فریدی نے کہا۔ "ممکن ہے ہم انہیں جانتے ہی ہوں۔ پھر
سے انگریزی میں بولا اگر بے ہوش ہوا تو کیوں نہ ہم اسے اپنے ساتھ لے چلیں۔ کیا خیال۔
"یہ زیادہ اچھا ہو گا۔ میں آپ کا یہ طریقہ بہت پسند کرتا ہوں۔"
ڈرائیور نے اندر روشنی کر دی۔
"اوہ.... ہاں....!" فریدی بولا۔ "یہ تو میرا پڑوسی ہے۔ اچھا میں اسے گھر پہنچا دوں
فکر مت کرو۔ تمہارے پیسے کتنے بنے۔"
"میٹر دیکھ کر بتاتا ہوں۔" ڈرائیور نے کہا اور میٹر پر جھک پڑا۔
فریدی نے بے ہوش راجو کو ٹیکسی سے نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھائے لیکن دوسرے ؟
میں اس کے منہ سے تحیر زدہ سی آواز نکلی۔
وہ چند لمحے اسی طرح جھکا کھڑا رہا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولا۔ "یہ

د گیا۔"
"کیا مطلب....!"
فریدی نے ڈرائیور کو مخاطب کر کے پرسکون لہجے میں کہا۔ "یہ بے ہوش نہیں بلکہ مردہ ہے۔"
"جی صاحب....!" ڈرائیور بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔
"تم اسے کہاں سے لائے تھے۔"
"جج جناب.... میں.... کک.... کچھ نہیں جانتا۔"
"ہم جانتے ہیں کہ تم اسے آرلکچو سے لائے تھے۔ ڈرو نہیں۔ ہم پولیس کے آدمی ہیں۔ اچھا
م پھر وہیں واپس چلو جہاں سے اسے لائے تھے۔"
ڈرائیور بُری طرح کانپ رہا تھا۔ فریدی نے حمید سے کہا کہ وہ کیڈی میں چلے اور خود ٹیکسی
رائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔
"اوہو.... تم بہت گھبرائے ہوئے ہو۔" فریدی ڈرائیور کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اچھا ادھر ہٹو
یں ڈرائیو کروں گا۔ کہیں ایکسیڈنٹ نہ کر بیٹھو۔"
ڈرائیور دوسری طرف کھسک گیا۔ فریدی ڈرائیو کرنے لگا۔ آرلکچو کے پھاٹک پر پہنچ کر
س نے گاڑی روک دی اور نیچے اُتر کر حمید سے بولا۔ "ہیڈ ویٹر کو یہیں بلا لاؤ میرا نام لینا۔ وہ ہم
سے بخوبی واقف ہے۔ میں اسے شہرت نہیں دینا چاہتا۔ سمجھے۔"
حمید تین یا چار منٹ بعد ہیڈ ویٹر کے ساتھ واپس آ گیا۔ ہیڈ ویٹر کے چہرے پر سراسیمگی تھی۔
وہ فریدی سے اچھی طرح واقف تھا اور جب اس نے ٹیکسی میں لاش دیکھی تو کانپ کر رہ گیا۔
"تم اسے پہچانتے ہو۔ یہ یہیں سے اٹھ کر گیا تھا۔" فریدی نے اس سے کہا۔
"جی ہاں.... راجو صاحب ہمارے مستقل گاہک.... مگر....!"
"تم نے آج اسے دیکھا تھا۔"
"جی ہاں...."
"اس کے ساتھ کون تھا....؟"
"ایک اینگلو انڈین لڑکی جو غالباً پہلی بار ان کے ساتھ آئی تھی۔"
"کیا تم نے بھی اسے پہلی بار دیکھا تھا۔"

"جی ہاں.... میرا خیال ہے کہ وہ یہاں کبھی نہیں آئی۔"

"اس کا حلیہ۔"

"یہ ذرا مشکل کام ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں کتنا مشغول رہتا ہوں۔ ویسے میرا خ
کہ وہ نارنجی رنگ کے اسکرٹ میں تھی اور یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ کافی دلکش تھی۔"

"اچھا تم.... اس لاش کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گے۔" فریدی پر رعب آواز میں بو

بے رحم آدمی

دوسری صبح گریٹی اپنے کمرے میں ناشتہ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی اینگلو انڈین
سونیا بھی تھی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آج کل تم کیا کر رہے ہو۔" سونیا بولی۔ "پچھلی رات راجو کا نہ
کیا حشر ہوا ہو۔ نہ جانے بے چارہ کہاں جا کر بے ہوش ہوا ہو۔"

"بے ہوش....!" گریٹی مسکرا کر بولا۔ "وہ بے چارہ تو مر بھی گیا۔"

"کیا مطلب....!" سونیا چائے کا گھونٹ لیتے لیتے رک گئی۔ پھر اس نے پیالی میز پر ر
گریٹی کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"کیا کہہ رہے ہو....!" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں.... یہ اخبار دیکھو۔ پہلے ہی صفحے پر اس کی لاش کی تصویر موجود ہے.... ڈاکٹر
کہنا ہے کہ اس کی موت کسی قسم کے زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

سونیا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر ز
پھیر کر کچھ کہنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوئی۔

"کیوں! ارے یہ پیالی تو ختم کرو۔" گریٹی مسکرا کر بولا۔

"تو وہ زہر تھا۔" سونیا اس طرح بولی جیسے خواب میں بڑبڑا رہی ہو۔ "وہ سفوف جسے تم
بے ہوشی کی دوا کہا تھا۔"

"چلو بیٹھ جاؤ....!" گریٹی برا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ اسٹیج نہیں میرا آفس ہے۔ ویسے
جانتا ہوں کہ تم ایک اچھی اداکارہ ہو۔"

"گریٹی تم نے بہت برا کیا۔" سونیا کانپتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"بکواس بند کرو۔" گریٹی بگڑ گیا۔ "آخر تم اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہو۔"

"اوہ.... تم.... میں نے تمہارے کئی جرموں میں شرکت کی ہے۔ لیکن میں یہ سوچ بھی
ں سکتی تھی کہ تم مجھے ایسے کاموں میں بھی استعمال کرو گے۔ نہیں، نہیں یہ بہت برا ہے۔"

"اب اگر تم خاموش نہیں رہو گی تو تمہارا بھی یہی انجام ہوگا.... سمجھیں۔"

"آخر تم نے اسے کیوں ختم کرا دیا۔"

"سنو گی.... اچھا سنو! اگر وہ راستے سے نہ ہٹایا جاتا تو.... اوہ میں کیا بک رہا ہوں۔ دیکھو
کی! اپنے کام سے کام رکھو۔ گریٹی کے معاملات میں دخل اندازی کی سزا موت ہے۔ کس میں
تی ہمت ہے کہ وہ گریٹی سے کسی بات کا جواب طلب کر سکے۔"

"یہ تو نہ کہو....!" سونیا چڑ کر بولی۔ "اس انگریز کے بوٹ کی مٹی چاٹنے سے فرصت ملے تو
س قسم کی باتیں کرنا اس کے سامنے ایک ذلیل سے گیدڑ نظر آتے ہو۔"

"شٹ اپ....!" گریٹی نے جھلا کر اس کے منہ پر ہاتھ مارا اور وہ کرسی سمیت الٹ گئی۔

وہ فرش پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

گریٹی نے کھڑے ہو کر ناشتے کی میز پر ٹھوکر ماری۔ میز گری اور کمرہ چینی کے برتنوں کی
کھنک سے گونج اٹھا۔

پھر وہ پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

فریدی اپنی تجربہ گاہ میں ایک ٹسٹ ٹیوب پر جھکا ہوا ہلکے نیلے رنگ کے کسی سیال کا جائزہ لے
رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ٹسٹ ٹیوب کو ریک میں رکھ کر ایک طویل سانس لی اور نوکر کو
بلانے کے لئے گھنٹی بجانے لگا۔ نوکر کو آنے میں دیر نہیں لگی۔

"حمید کو یہاں بھیج دو۔" اس نے نوکر سے کہا۔ "اور سگار کا ڈبہ لینے لگا۔"

نوکر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کئی رنگوں میں کپڑوں کی
متعدد دھجیاں تھیں۔

"نارنجی رنگ کون سا ہے۔" اس نے آتے ہی ان دھجیوں کو فریدی کے چہرے کے
کر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں....؟"

"اس کے اسکریٹ کا رنگ نارنجی ہی تو بتایا گیا تھا۔"

"وقت نہ برباد کرو۔" فریدی کے لہجے میں تلخی تھی۔

"پھر بتلایئے کہ میں اسے کس طرح تلاش کروں۔ ہیڈ ویٹر نے یہ بھی بتایا تھا کہ
خوبصورت تھی۔ میں صبح سے اس چکر میں ہوں کہ وہ نارنجی اسکرٹ میں کیسی لگتی ہوگی۔"

"سنجیدہ ہو جاؤ۔ ورنہ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"آپ پوری بات بھی سنئے۔" حمید ایک کرسی پر گرتا ہوا بولا۔

"بکواس بند کرو۔" فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ "میں تمہیں ایک جگہ بھیجنا چاہتا ہوں۔"

"کافی ہاؤز کے علاوہ اور میں ہر جگہ جا سکتا ہوں۔ خواہ وہ جہنم ہی کیوں نہ ہو۔"

"تمہیں لاشوں کے سوداگروں کی نگرانی کرنی ہے۔"

"لاشوں کے سوداگر۔ کیا آپ اس وقت الف لیلیٰ سے بول رہے ہیں۔"

"نہیں میں جیتی جاگتی دنیا سے بول رہا ہوں فرزند۔ یہ بھی ایک عجیب سا لطیفہ ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ لاشوں کے سوداگر ہیں۔ علانیہ لاشیں فروخت کرتے ہیں۔"

"اور میں ان کی نگرانی کے لئے مقرر کیا جا رہا ہوں۔"

"ہاں ہاں! تمہیں حیرت کیوں ہے۔"

"حیرت ویرت کچھ بھی نہیں۔ جب آپ جیسے آدمی کا ساتھ ہو تو متحیر ہونا وقت کی بربادی
کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"سمجھ دار آدمی ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔

"صاحب! وہ کہتا ہے کہ میں ملے بغیر نہ جاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"کیا....!" فریدی اسے گھورنے لگا۔ "کون کہتا ہے۔"

"ایک آدمی جو صورت سے شریف نہیں معلوم ہوتا۔"

حمید قہقہہ لگا کر بولا۔ "سنا آپ نے۔ ابھی کیا ہے۔ اگر اس گھر کے کھٹمل اور مچھر بھی سراغ
ن نہ ہو جائیں تو نام بدل دوں گا۔"

"نہیں کپتان صاحب! آپ خود دیکھ لیجئے۔ وہ مجھے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔" نوکر
کہا۔

گھر کے سارے نوکر اسے کپتان صاحب کہنے لگے تھے اور یہ اسی کی ایما پر ہوا تھا اگر کوئی اسے
ن "صاحب" کہہ کر مخاطب کرتا تو دوسرے ہی لمحے میں اسے اس کی انگلیاں اپنی گردن میں
ت ہوتی ہوئی محسوس ہوتیں اور پھر جب تک وہ کپتان صاحب کا نعرہ مار کر اپنی غلطی پر نادم نہ
بتا اسے اپنی گردن چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اچھا.... چلو میں آرہا ہوں۔"

وہ دونوں نیچے آئے۔ حمید کا ذہن لاشوں کے سوداگروں میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اور فریدی
ان کے متعلق جس قسم کے لہجے میں گفتگو کی تھی اُسے وہ محض مذاق سمجھنے کے لئے تیار نہیں
ڈرائینگ روم میں اسے ایک ایسا آدمی نظر آیا جسے وہ بارہا دیکھ چکا تھا۔ شہر کے ان غنڈوں میں
ا کا شمار تھا جو عام آدمیوں میں خود کو اعلیٰ سوسائٹی کے افراد ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے
ن ان کی اصل حرکات سے صرف محکمہ سراغ رسانی ہی واقف تھا۔

"کیوں رجپال یہاں کیسے؟" فریدی اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ایک بہت ہی اہم اطلاع کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔ ایسی اطلاع جسے آپ ہر حال میں پسند
یں گے۔ میں نے ابھی ابھی اخبار میں راجو کی تصویر دیکھی ہے۔"

"کیا یہ اطلاع ہے؟" حمید نے تمسخر آمیز حیرت کا اظہار کیا۔

"آپ نہیں سمجھے جناب۔" رجپال بولا۔ "وہ اطلاع راجو کی موت کے سلسلے میں ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی صوفے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ اس کی موت میں کس کا ہاتھ ہے۔" رجپال نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہوں.... کہتے چلو۔" فریدی بولا۔

"اس کی موت میں گریٹی کا ہاتھ ہے۔"

"بہت خوب.....!" فریدی مسکرایا۔ "کیا آج کل اس سے جھگڑا ہو گیا ہے۔"

"دیکھئے آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں اسے خواہ مخواہ پھنسوانا چاہتا ہوں۔ لیکن ہاں مجھے اعتراف ہے کہ اُس سے میرا حال ہی میں جھگڑا ہوا ہے اور یہ میرا جذبہ انتقام ہے جو مجھے یہا لایا ہے۔ لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ محض میری جھلاہٹ نہیں ہے بلکہ اس میں حقیقت دخل ہے۔"

"جھگڑا کیوں ہوا تھا۔" فریدی نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"اس نے میری سخت توہین کی تھی۔ آپ یقین نہ کریں گے۔ ایک معمولی سی بات نے میرے کپڑے اتروا کر مجھے اپنے شراب خانے سے نکلوا دیا تھا۔"

"کمال ہے میں تمہیں اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"جب تین تین ریوالور نکل آئیں تو ایک نہتا آدمی کیا کر سکتا ہے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی نظر رجپال کے چہرے پر تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "آخر تم کس بناء پر گریٹی کو راجو کا قاتل ٹھہراتے ہو۔"

"دیکھئے میں بتاتا ہوں۔ گریٹی کی ایک داشتہ ہے۔ سونیا وہ اس کے شراب خانے میں بار کے فرائض بھی انجام دیتی ہے۔ گریٹی اس پر کڑی نظر رکھتا ہے اور وہ جب بھی باہر نکلتی ہے گر اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں نے کبھی اسے نہ تو تنہا دیکھا اور نہ یہی دیکھا کہ وہ گریٹی کے علاوہ اور کے ساتھ ہو۔ لیکن کل شام وہ مجھے راجو کے ساتھ نظر آئی تھی۔"

"کس لباس میں تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"اسکرٹ میں..... وہ اینگلو انڈین ہے۔"

"اسکرٹ کا رنگ کیا تھا۔"

"نارنجی.....!"

"لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ تمہیں اسے کسی دوسر کے ساتھ دیکھنے کا اتفاق ہی نہ ہوا ہو۔"

"جی ہاں ممکن ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ راجو اس پر بُری طرح مرتا تھا اور اس نے کئی بار اس پر ڈورے ڈالنے کی بھی کوشش کی تھی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں اکثر گریٹی اور

راجو لڑ بھی گئے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ گریٹی نے پانی سر سے اونچا ہوتے دیکھ کر اسے ختم ہی کر دیا ہو۔"

"تم نے انہیں کہاں دیکھا تھا۔"

"آر لکچو میں۔"

"کیا تم راجو کی روانگی تک آر لکچو ہی میں رہے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں..... میں ان کے جانے سے پہلے ہی اٹھ گیا تھا۔"

"اچھا وہاں گریٹی کا بھی کوئی آدمی موجود تھا۔"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔"

"دونوں کے مل بیٹھنے کا انداز کیا تھا۔"

"حیرت انگیز..... انتہائی حیرت انگیز جناب میں نے اسی سونیا کا برتاؤ راجو کے ساتھ گریٹی کے شراب خانے میں بھی دیکھا ہے۔ وہ اسے کبھی منہ نہیں لگاتی تھی وہ اگر اس سے گفتگو بھی کرنا ہتا تھا تو اس کی بھنویں تن جاتی تھیں۔ لیکن کل شام کو سونیا اس سے اس طرح ہنس ہنس کر نیں کر رہی تھی اور اس کے انداز میں اتنی لگاوٹ تھی کہ دوسرے لوگ اسے راجو کی بیوی یا وبہ ہی سمجھتے ہوں گے۔"

"ہوں..... تم وہاں سے کس وقت اٹھے تھے۔"

"شائد ساڑھے سات رہے ہوں گے۔"

"ٹھیک..... اچھا.....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد مانے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اچھا رجپال اس اطلاع کا شکریہ میں تمہاری فراہم کردہ لومات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔"

رجپال کے چلے جانے کے بعد کافی دیر تک فریدی خاموشی سے بیٹھا رہا۔

لاشوں کے سوداگر والی بات اب بھی حمید کے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔

"اب مجھے خواہ مخواہ الجھایا نہ کیجئے۔" اس نے تنگ آ کر کہا۔

"کیا.....؟" فریدی اس طرح چونکا جیسے اسے وہاں اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔

"لاشوں کے سوداگر.....!" حمید کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"فی الحال اسے بھول جاؤ.... میں راجو کے متعلق سوچ رہا تھا۔"

"اچھا تو وہی بتائیے.... کچھ بولئے بھی تو۔ آپ کو خاموش دیکھ کر میری اپنی آواز حلق
پھنسنے لگتی ہے۔"

فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"راجو کے قتل کو دو حیثیتوں سے دیکھنا ہے۔" فریدی نے سگار سلگا کر صوفے کی پشت
ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ پہلی حیثیت تو یہ ہے کہ وہ جعلی کرنسی بنانے کے سلسلے میں مشتبہ تھا
تعاقب کرتے کرتے میں اس عمارت تک پہنچا تھا اور وہاں جو کچھ بھی پیش آیا اس سے تم واقف
اور شائد تم نے ہی یہ بات کہی تھی کہ مجرم ہماری طرف سے خاص طور پر ہوشیار ہیں اگر یہ
ہے تب تو راجو کا قتل اسی سلسلے میں ہوا ہے۔ یعنی ان لوگوں کی نشاندہی کرنے والا ہمارے ر
سے ہٹا دیا گیا.... دوسری حیثیت.... وہ گریٹی کی محبوبہ کا عاشق تھا۔"

"ذرا ٹھہریئے.... کیا آپ کورجپال کی بات پر یقین ہے۔" حمید بولا۔

"کیوں.... میرا خیال ہے کہ یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ یہ حقیقت۔
گریٹی نے اسے اپنے شراب خانے میں سب کے سامنے ذلیل کیا تھا۔"

"آپ کیا جانیں۔"

"بالکل غیر ضروری سوال ہے۔ دو خطرناک قسم کے بدمعاشوں میں جھگڑا ہو اور اس
مجھ تک نہ پہنچے۔"

"خیر اچھا.... آپ دوسری حیثیت کا جائزہ لے رہے تھے؟"

"دوسری حیثیت میں کچھ دشواریاں ہیں۔ اگر راجو کا قتل رقابت کے سلسلے میں ہوا تھا
کی نوعیت ایسی نہیں کہ اس پر یقین کیا جاسکے جس کے لئے قتل کے بھی امکانات ہو سکتے ہیں
خود اس کے ساتھ تھی۔"

"میں اس پر یقین نہیں کر سکتا۔"

"اگر یقین نہیں کر سکتے تو کھڑے ہو جاؤ۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں آر لکچو کے ہیڈ ویٹر کو فون کر رہا ہوں۔ اسے ساتھ لے کر گریٹی کے شراب

جاؤ۔"

"میں جا رہا ہوں۔ فون کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"تم سمجھے نہیں۔ میں اس سے کہوں گا کہ وہ گاہک بن کر وہاں جائے کچھ شراب خریدے اور
باہر آکر تمہیں اطلاع دے اور وہاں تم پس منظر ہی میں رہو گے۔"

"کیوں؟ میرے خیال سے اسکی ضرورت ہی نہیں۔ ہم براہِ راست گریٹی سے گفتگو کریں۔"

"نہیں معاملات کو خراب نہ کرو۔ وہ بڑا چالاک ہے۔ مجھے تو اب بھی توقع نہیں ہے کہ وہ
وہاں موجود ہو۔"

"کیوں....؟"

"میں نے کہا نا کہ.... گریٹی کافی چالاک ہے۔"

❁

گریٹی اپنے کمرے میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا سامنے میز پر وہسکی کی بوتل اور سائیفن رکھے
ے تھے۔ گلاس آدھے سے زیادہ خالی تھا اور ایش ٹرے پر رکھا ہوا سگریٹ آدھے سے زیادہ جل
ا۔

اچانک سونیا بوکھلائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ گریٹی نے اخبار سے نظر ہٹا کر اس کی
دیکھا تک نہیں۔

"کیا ہے....؟" اس نے بدستور اخبار پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

"گریٹی ڈیئر.... ابھی یہاں آر لکچو کا ہیڈ ویٹر آیا تھا۔ اس نے اسکاچ کی دو بوتلیں خریدیں
گیا۔" سونیا نے کہا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" گریٹی اخبار سے نظر ہٹا کر اسے گھورتا ہوا بولا۔

سونیا شاید کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ لیکن گریٹی نے اسے بولنے کا موقع نہ دیا۔ وہ اس پر برس پڑا
تم خواہ مخواہ مجھے بور کرتی ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی ایسی بات تھی اگر وہ دو بوتلیں خرید کر لے
تو....!"

فعتاً وہ چونک کر کھڑا ہو گیا اور اس نے تیزی سے پوچھا "کون تھا۔"

"آر لکچو کا ہیڈ ویٹر۔"

"یہاں سے خرید کر لے گیا ہے۔"

"ہاں....!"

"کتنی دیر ہوئی۔"

"جیسے ہی وہ باہر گیا، ادھر چلی آئی۔"

"گڈ... لارڈ.... تم بالکل گدھی ہو تم نے آر لکچو کا انتخاب کر کے سخت غلطی کی اسے کسی غیر معروف جگہ لے جانا تھا۔"

"ہوں....!" سونیا دانت پیس کر بولی۔ "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اسے میں زہر د ہوں تو میں بھی اسی کے ساتھ جہنم میں چلی جاتی۔"

"بکواس بند کرو....!" گریٹی نے گرج کر کہا۔

"تم کتے ہو۔ تم نے مجھے دھوکا دیا۔ سونیا بھی اسی طرح گرجی۔"

دفعتاً گریٹی نرم پڑ گیا۔ اس نے مسکرا کر اس کے گال پر تھپکی دی اور آہستہ سے بولا۔ چھپ جانا چاہئے ڈارلنگ ورنہ تمہارا گریٹی بڑی مشکلات میں پھنس جائے گا۔"

"نہیں میں ہرگز نہیں چھپوں گی۔" سونیا کے لہجے میں بھی تلخی باقی تھی۔

"پاگل نہ بنو میری ننھی ڈارلنگ۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کر گھسیٹ لے گیا۔

وہ دونوں ایک نیم تاریک سی راہداری طے کر رہے تھے۔ سونیا بظاہر احتجاج کر رہی انداز سے ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ جانے پر تیار نہ ہو۔

اچانک ایک جگہ رک کر گریٹی نے اس کی گردن دبوچ لی۔ ایک ہاتھ سے وہ اس کا منہ ہوئے تھا اور دوسرے ہاتھ سے گلا گھونٹ رہا تھا۔ سونیا بُری طرح مچل رہی تھی۔ لیکن گریٹی کی فولادی گرفت سے نہ نکال سکی۔

تھوڑی دیر بعد وہ راہداری میں بے جان پڑی تھی اور گریٹی گٹر کا ڈھکنا اٹھا رہا تھا۔ پھر شائد پانچ منٹ کے اندر ہی اندر سونیا کی لاش گٹر میں ڈال دی گئی۔

چھان بین

اس وقت شراب خانہ بالکل خالی تھا۔ گریٹی کے ساتھی بھی موجود نہیں تھے وہ سونیا کو ھکانے لگا کر شراب خانے میں واپس آیا اور پھر صدر دروازہ بند ہی کرنے جا رہا تھا کہ فریدی اور ید داخل ہوئے۔ گریٹی گڑبڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن پھر اس نے حیرت انگیز طریقے پر اپنی الت سنبھال لی۔

"اوہ.... کرنل صاحب۔" وہ اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ "فرمایئے میرے لائق ئی خدمت....!"

فریدی بھی جواباً مسکرایا لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ تیز نظروں سے شراب خانے کا جائزہ لے رہا تھا۔

گریٹی کا چہرہ زرد پڑنے لگا تھا۔ لیکن وہ اس وقت اپنے ذہن سے لڑ رہا تھا۔

"میں سونیا سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں.... کس لئے بھلا آپ کو میری محبوبہ سے کیا سروکار۔"

"یونہی! اس سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔"

"کیا کچھ دیر قبل موجود تھی۔"

"جی نہیں! وہ صبح ہی سے کہیں گئی ہوئی ہے۔"

"کس کے ساتھ....!"

"ساتھ سے کیا مراد ہے آپ کی۔"

"تم ساتھ کا مطلب نہیں سمجھے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں یہ بات نہیں۔ میں لفظ "ساتھ" کی اہمیت سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"اہمیت یہ ہے کہ وہ باہر عموماً تمہارے ہی ساتھ دیکھی جاتی ہے۔ باہر کسی نے اسے کبھی تنہا ا دیکھا۔"

"آپ اس سے کیا پوچھیں گے۔" گریٹی نے ذرا گرم ہو کر پوچھا۔

"یہی پوچھوں گا کہ اس وقت یہاں آر لکچو کا ہیڈ ویٹر کیوں آیا تھا۔"

گریٹی نے اپنی حالت پر اس وقت قابو پالیا تھا اس لئے اس پر اس جملے کا کوئی خاص اثر نہیں

"مجھے افسوس ہے کہ وہ اس طرح موجود نہیں۔ ویسے آپ تشریف رکھئے۔ آج بہت تیز ہے۔ آپ کے لئے کیا تیار کروں۔ میں بہترین قسم کی شرابیں اپنے اسٹاک ہوں۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔ لیکن کیا تم یہاں اس وقت تنہا ہی ہو۔"

"جی ہاں.... مگر آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"کتنی دیر سے تنہا ہو۔"

"میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔"

"میں تمہیں اس پر مجبور بھی کر سکتا ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔"

"اپنے سوالات کے جواب۔"

"سوالات کا مقصد ہے۔"

"مقصد سے سروکار نہ ہونا چاہیئے۔"

"میں سمجھ گیا۔ شاید کسی دشمن نے میرے خلاف آپ کے کان بھرے ہیں۔"

"میرے سوال کا جواب دو۔" فریدی نے تیز لہجہ میں کہا۔ "تم یہاں کتنی دیر سے تنہا

"میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔ کیونکہ صبح سے اب تک کئی گاہک آچکے ہیں۔"

"گاہکوں کے علاوہ۔"

"گاہکوں کے علاوہ.... تب تو میں تنہا ہی ہوں۔"

"لیکن تمہاری قمیض کے کالر پر لپ اسٹک کا بڑا سا دھبہ ہے جو غالباً تازہ ہی ہے۔"

گریٹی نے بوکھلا کر اپنے کالر پر ہاتھ پھیرا اور پھر انگلیوں کو دیکھنے لگا۔ مگر اس کا ذہن تھا۔ لہٰذا اس غیر متوقع جملے کا بھی اُس پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔

اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر فریدی سے کہا۔ "اوہ.... تو اب آپ میری نجی ز کریں گے۔"

"نہیں میں صرف یہ پوچھوں گا کہ وہ عورت سونیا کے علاوہ اور کون تھی۔"

گریٹی جھینپی ہوئی سی ہنسی ہنس رہا تھا چند لمحے بعد اس نے کہا۔ "دیکھئے خدارا سونیا سے اس کا تذکرہ نہ کیجئے گا۔ جی ہاں ابھی یہاں ایک عورت تھی اور محض اس کے لئے میں نے آج سونیا کو تنہا اہر جانے دیا تھا۔"

"اچھا.... اچھا....!" فریدی جواباً مسکرایا۔ چند لمحے معنی خیز انداز میں سر ہلاتا رہا پھر بولا۔ چلو مجھے اسی عورت سے ملادو۔"

"شاید آپ آج مذاق کے موڈ میں ہیں۔ لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی آپ کے اتھ آداب کی حدود سے تجاوز کیا ہو۔"

"نہیں گریٹی میں سنجیدہ ہوں۔ میں اس دوسری عورت سے بھی ملنا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"تب تو آپ کو مایوسی ہوگی۔ کیونکہ تھوڑی دیر قبل ہی وہ یہاں سے گئی ہے۔"

"کس راستے سے۔"

"اسی سے۔" گریٹی نے صدر دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اندازاً کتنی دیر قبل۔"

"ایک گھنٹہ قبل۔"

"ابھی تم نے ایک گاہک کے ہاتھ اسکاچ کی بوتلیں فروخت کی تھیں۔"

"جی ہاں....!"

"خود تم نے یا کسی اور نے۔"

"میں عرض کر چکا ہوں کہ یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔"

"کیا تم اس گاہک کو پہچانتے ہو۔"

"جی ہاں! وہ آر لکچو کا ہیڈ ویٹر تھا۔"

"وہ دوسری عورت اس آدمی کے آنے کے بعد گئی تھی۔"

"جی نہیں پہلے ہی۔"

"لیکن وہ تو کہتا ہے کہ اینگلو انڈین لڑکی نے اس کے ہاتھ بوتلیں فروخت کیں۔"

"تب مجھے کہنے دیجئے کہ وہ پکا جھوٹا ہے۔"

"گریٹی بکواس نہ کرو۔ تمہاری فروخت کردہ بوتلیں میرے پاس ہیں اور ان پر سونیا کی

انگلیوں کے نشانات محفوظ ہیں۔"

"ضرور ہوں گے۔" گریٹی نے سر ہلا کر کہا۔ "شراب خانے کی مہتمم وہی ہے۔ سینکڑوں بار اس کے ہاتھ بوتلوں پر پڑتے ہیں۔ مگر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ کھل کر کہئے مجھے الجھن میں نہ ڈالئے۔ آجکل میرا دل بہت کمزور ہو گیا ہے۔ ذرا سی الجھن میں ہار ہو جاتا ہے۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سونیا پولیس کی نظروں میں مشتبہ ہے اسے فوراً میرے سا ہیڈ ویٹر کو اسی نے شراب دی تھی اور پھر اس کے بعد وہ باہر نہیں نکلی۔"

"پھر میں آپ کو یقین بھی نہیں دلا سکتا۔" گریٹی نے لاپروائی سے کہا۔

"نہیں کوشش کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ممکن ہے مجھے یقین آ ہی جائے۔ لیک بہتر صورت یہی ہو گی کہ تم سونیا کو میرے سامنے لاؤ۔"

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ پولیس اسے کیوں چاہتی ہے۔"

"راجو کی موت کے سلسلے میں۔"

"اوہ.... تو یہ بات ہے۔" گریٹی طویل سانس لے کر بولا۔ "میں پہلے ہی سمجھ گیا ت پر ضرور آفت آئے گی۔"

"کیوں؟ تم یہ کیوں سمجھتے تھے۔"

"حالات.... کرنل صاحب حالات۔" گریٹی الفاظ پر زور دیتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ک آپ لوگ کب تک یونہی کھڑے رہیں گے۔ آیئے ادھر آیئے۔"

گریٹی انہیں اپنے کمرے میں لایا۔

"میں آپ کو بتاؤں۔" اس نے میز کے کونے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "راجو میرا رقیب ت ہی کے سلسلے میں میرا اس سے کئی بار جھگڑا ہو چکا تھا۔"

"سونیا بھی غالباً اس کی طرف جھک رہی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں جناب اسے تو اس کی صورت سے نفرت تھی۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی وہ کل آٹھ بجے رات تک راجو کے ساتھ رہی تھی۔"

"بہتان ہے.... الزام ہے۔" گریٹی بھڑک کر کھڑا ہو گیا۔ "یہ ناممکن ہے۔ اگر

خودکشی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میری عورت اور کسی دوسرے کے پاس چلی جائے۔"

"کیا وہ کل شام کو یہاں تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... وہ سینما گئی تھی۔"

"تم بھی ساتھ تھے۔"

"نہیں.... کل بھی میں نے اسے تنہا ہی جانے کی اجازت دے دی تھی۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے تمہاری بکواس پر یقین آگیا ہو گا۔"

"اگر نہیں آیا تو میں اسے اپنی بدقسمتی سمجھتا ہوں۔ بہر حال شائد اب آپ کسی دشمن کی ریشہ نیوں کی بناء پر یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں نے ہی راجو کو زہر دلوایا ہے اور اسی سے دلوایا ہے۔ جس لئے ہم دونوں میں رنجش ہو گئی تھی۔ واقعی اگر آپ یہی سوچتے ہیں تو یہ اپنی نوعیت کا واحد ہو گا۔ اس پر سے دوسری عجیب بات یہ کہ میں نے اس کے لئے آرلکچنو کا انتخاب کیا۔ گویا و دانستہ اپنی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالا۔ کیوں جناب کیا آپ گریٹی کو اتنا بدھو سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں کہتا کہ میرا دامن جرائم سے پاک ہے لیکن میں کبھی کچا کام نہیں کرتا کرنل صاحب۔"

"تمہارے دلائل تو واقعی کچے نہیں معلوم ہوتے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اور اسی سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ یہ کام بھی کچے پن کے ساتھ نہیں ہوا لیکن گریٹی اس وقت اس عمارت کی تلاشی ضرور لوں گا۔"

"تلاشی کا وارنٹ ہے آپ کے پاس۔" گریٹی نے برجستہ پوچھا۔

"نہیں....!"

"تب تو آپ ہرگز نہیں لے سکتے تلاشی۔"

"مجھے کون روکے گا۔"

"قانون.... میں آپ پر مداخلت بیجا کا مقدمہ قائم کر دوں گا۔"

"اگر اتنی مہلت ملے تو ایسا ضرور کرنا۔"

"نہیں آپ تلاشی نہیں لے سکتے۔" گریٹی پھر کھڑا ہو گیا۔

"حمید" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ حمید اس کا مطلب سمجھ گیا۔

چلو.... ادھر بیٹھ جاؤ۔" حمید نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رخ گریٹی کی طرف کرتے

ہوئے کہا۔

"ہاں تم چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "ورنہ اگر حمید کے ر
مارے بھی گئے تو ہمیں صرف ایک تحریری بیان دینا پڑے گا اور بس۔"

"یہ کیا آپ میرے ساتھ شرافت کا برتاؤ کر رہے ہیں۔ جب قانون کے محافظ ہی ا
دھاندلیاں کرنے لگیں تو پھر بے چارے قانون کا کیا بنے گا۔" گریٹی کے لہجے میں بڑی تلخ
فریدی اس کی بات کا جواب دیئے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

"بیٹھ جاؤ گریٹی۔" حمید نے ریوالور کی نال سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

گریٹی لاپروائی سے ایک صوفے میں گرتا ہوا بولا۔ "مجھے بہت صدمہ ہے۔ کپتان ص
آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ لوگوں سے ہاتھاپائی کروں گا آپ نہیں جانتے کہ میں کرنل
کی کتنی عزت کرتا ہوں۔ میں نے تو یہ چاہا تھا کہ تھوڑی مہلت مل جائے۔ جب تک آپ
وارنٹ حاصل کریں میں شراب کا وہ ذخیرہ یہاں سے ہٹادوں جسے میں نے غیر قانونی طو
چھوڑا ہے۔ اب یہ ہوگا کہ خواہ مخواہ دو چار دن حوالات کی سیر کرنی پڑے گی۔"

"شراب وراب سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ پولیس والوں کا کام ہے۔"

"اوہ کپتان صاحب بہت بہت شکریہ۔ فی الحال میں آپ کی خدمت میں صرف دو
حقیر رقم پیش کر سکتا ہوں۔ ویسے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ آپ لوگوں کی خدمت کرتا رہوں

"اچھا تو کیا اب فریدی اور حمید بھی رشوت لینے لگے ہیں۔ یہ نئی اطلاع ہے۔" ح
حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ارے.... نہیں.... یہ رشوت نہیں بلکہ نذرانہ ہے۔"

اتنے میں فریدی واپس آگیا۔ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ اس نے گر
گھورتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا اور حمید کو واپس چلنے کا اشارہ کر کے کمرے سے نکل گیا۔

گریٹی ان دونوں کو رخصت کرنے کے لئے صدر دروازے تک آیا اور پھر جب وہ با
رہے تھے تو اس نے تمسخر آمیز انداز میں کہا۔ "دوسری بار تلاشی کا وارنٹ لانا نہ بھولئے گا۔"

فریدی تھوڑی دور چلنے کے بعد رک کر بولا۔

"حمید! مجھے اپنی یہ حماقت بھی زندگی بھر یاد رہے گی۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"مجھے آر لکچو کے ہیڈ ویٹر کو وہاں نہ بھیجنا چاہئے تھا۔"

"کیا آپ نے اچھی طرح تلاشی لی تھی۔"

"مجھے یقین ہے کہ میں نے عمارت کا گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا ہے۔"

"کوئی دوسرا راستہ جس سے وہ باہر جاسکے۔"

"نہیں.... کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں۔"

"تہہ خانے....!"

"ہو سکتا ہے۔"

"تب تو آپ کو وہاں سے آنا نہ چاہئے تھا۔"

"ٹھیک ہے! لیکن میں فی الحال اس معاملے کو طول نہیں دینا چاہتا۔ ورنہ جعلی کرنسی والا کیس چوپٹ ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ کسی انتہائی منظم اسکیم کے تحت ہو رہا ہے میں ایک بات اور سوچ رہا ہوں کہیں گریٹی نے اس لڑکی کو ختم ہی نہ کر دیا ہو۔"

"لیکن لاش تو ملتی ہی۔" حمید نے کہا۔

"نہیں ٹھہرو۔ اسے تم تسلیم کرتے ہو کہ ہیڈ ویٹر جھوٹ نہیں بولتا۔"

"قطعی....!"

"اس نے لڑکی ہی سے شراب خریدی تھی لیکن گریٹی بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اسے جھوٹا ثابت کر رہا ہے۔ ساتھ ہی اس کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ وہ پچھلی شام تین چار گھنٹے غائب رہی تھی۔ جانتے ہو اس کا کیا مطلب ہوا۔ یعنی وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ لڑکی اس جرم میں شریک نہیں ہے۔"

"تو آپ اس سے کیا مطلب اخذ کرتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ وہ ہاتھ سے گئی۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "اگر وہ ہمیں نہ ملی تو گریٹی اپنی گردن صاف بچالے جائے گا۔ وہ کہے گا کہ وہ اسی شام باہر رہی تھی ہو سکتا ہے وہ راجو کی موت کی ذمہ دار رہی ہو۔ اور پھر پولیس ایک مفرور ملزمہ کو تلاش کرتی پھرے گی۔ نہیں حمید صاحب وہ ختم

کردی گئی۔ گریٹی کی بچت اسی میں ہو سکتی تھی کہ لڑکی اقبالِ جرم نہ کرے۔"

"مگر لاش کیا ہوئی اس کی۔"

"ہو سکتا ہے کہ گودام کے کسی بورے میں ٹھونس دی گئی ہو۔ مجھے ایک زندہ کی تلاش تھی مردہ کی نہیں۔ اسی کی مناسبت سے میں نے تلاشی بھی کی تھی۔ اچھا تم یہیں دروازے کی کڑی نگرانی کرنا۔ میں پرنسٹن کے تھانے کو فون کر کے فورس منگواتا ہو عمارت کے فرش کا پلاستر اُکھڑوا دوں گا۔"

فریدی قریب ہی کی ایک دکان میں گھس گیا۔ غالباً وہ وہاں فون کرنے کے لئے گیا تھا حمید کی نظر شراب خانے کے دروازے کی طرف تھی لیکن وہ بند تھا۔ کھڑکیاں کردی گئی تھیں۔

پرنسٹن کے تھانے سے فورس کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ شائد انہیں دس یا پندرہ تک انتظار کرنا پڑا تھا۔ شراب خانے کا دروازہ بدستور بند تھا۔ دروازے پر دستک دی گئی۔

دروازہ کھلا۔ گریٹی کی شکل دکھائی دی وہ اب اپنا پچھلا لباس تبدیل کر چکا تھا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" اس نے پولیس والوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تلاشی.....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تلاشی کا وارنٹ۔" گریٹی نے بھی اسی انداز میں دہرایا۔

"ہتھکڑیاں لگا دو اس کے۔" فریدی نے پرنسٹن کے تھانے کے انچارج سے کہا۔

"آخر میری خطا سرکار۔" گریٹی طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

"تم ایک ایسی عورت کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہو جو زہر خورانی کے ایک کیس کے میں مطلوب ہے۔"

"اچھا..... آپ کی مرضی۔ ویسے میں کسی ایسی عورت سے واقف نہیں۔"

گریٹی کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں اور اس نے اس پر ذرہ برابر بھی احتجاج نہ کیا۔

تلاشی شروع ہوگئی۔ فریدی نے گودام میں رکھا ہوا ایک ایک بورا کھلوا دیا۔

کسی تہہ خانے کی تلاش میں کئی کمروں کے فرش کا پلاستر تک اکھاڑ دیا گیا۔ لیکن سونیا کا کہیں نہ ملی اور نہ کسی تہہ خانے ہی کا سراغ ملا۔

واپسی پر اچانک فریدی راہداری میں ایک جگہ رک گیا۔ اس کی نظر گٹر کے ڈھکن پر جمی ہوئی تھی۔

"آج حماقتوں کا دن ہے حمید۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیوں؟ اب کیا ہوا.....؟"

فریدی گٹر کے ڈھکن کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "بھلا اس سے بہتر اور کیا صورت رہی ہو گی۔"

گٹر کا ڈھکن اٹھوانے سے پہلے فریدی نے قرب وجوار کا گہرا جائزہ لیا۔

"صفائی ہو چکی ہے..... یقیناً یہاں کی صفائی ہوئی ہے۔ ورنہ ڈھکن گرد آلود ہوتا۔ ہم نے ہی اس کا موقع دیا تھا حمید صاحب یہ حماقت زندگی بھر یاد رہے گی۔ کاش ہم اسے یہاں تنہا نہ چھوڑتے۔ وہ اس وقت اسے ٹھکانے ہی لگا کر واپس آیا تھا اور میں نے بھی پہلی بار تلاشی کے دوران میں اس گٹر کو نظر انداز کر دیا تھا۔"

گٹر کا ڈھکن اٹھایا گیا۔ بدبو سے ان کے دماغ پھٹنے لگے۔ تیز رفتار گندے پانی کی آواز انہیں سنائی دے رہی تھی۔ ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی گئی لیکن بے سود تیزی سے بہنے والے گندے پانی کے علاوہ انہیں اور کچھ نہ دکھائی دیا۔

وہ پھر اس کمرے میں واپس آگئے۔ یہاں گریٹی رہتا تھا۔ یہاں فریدی نے وہ قمیض برآمد کرلی جس کے کالر پر لپ اسٹک کا بڑا سا دھبہ دیکھا تھا۔ پھر وہ کمرے کی دوسری اشیاء کا جائزہ لینے کے سلسلے میں وہیں کا سامان الٹنے پلٹنے لگا۔

"حمید صاحب" وہ تھوڑی دیر بعد ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "پھر وہی لاشوں کے سوداگر۔"

"لاشوں کے سوداگر.....!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اُس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جس پر مصر کے عجوبہ ابوالہول کی چھوٹی سی تصویر تھی۔

فرعون کی روح

شام خوشگوار تھی۔ دن بھر تیز دھوپ ہونے کے بعد مطلع ابر آلود ہو گیا تھا اور ہوا میں خنکی پیدا ہو گئی تھی..... اور حمید کی کھوپڑی میں عجیب قسم کی سرسراہٹیں پرورش پا رہی تھیں..... اس

نے پروگرام بنایا تھا کہ آج آٹھ سے گیارہ تک آرلکچو میں ڈانس کرے گا۔ اس کے بعد بقیہ را
کسی نائٹ کلب میں گزارے گا۔ کیونکہ دوسرے دن اتوار تھا۔

گریٹی والے کیس کی طرف سے اسے اطمینان تھا کہ اب کوئی دوسری شکل نہیں اخ
کر سکتا۔ کیونکہ سونیا کی لاش شہر کے باہر اس نالے میں مل گئی تھی جس میں شہر کا سارا گندہ پانی بہتا تھا

گریٹی بدستور " ت میں تھا۔ لاش دستیاب ہوتے ہی اس کی حالت بگڑنے لگی تھی۔

بہرحال حمید نے ... راوی چین لکھتا تھا لیکن اسی کی دانست میں شام کو جیسے ہی وہ با
جانے کے لئے تیار ہوا اسے نوکر نے اطلاع دی کہ فریدی اُسے بلا رہا ہے۔

پھر اس کی جھلاہٹ کا کیا پوچھنا۔ وہ سوچنے لگا کہ یقیناً پھر اس کی شامت آنے والی ہے اور ا
خوشگوار شام سے لطف اندوز نہ ہو سکے گا۔

"فرمائیے۔" وہ فریدی کے کمرے میں درانہ گھستا ہوا بولا۔

فریدی شیو کر چکا تھا اور اب کپڑوں کا انتخاب کر رہا تھا۔

"تھوڑی تفریح کا خیال ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ آپ بول رہے ہیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اچھا تفریح کے ہجے کیجیے۔"

"نہیں فرزند! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ایسی تفریح تمہیں کبھی خواب میں بھی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔"

"آپ کی تفریح کا جو معیار ہے اسے میں قبر میں بھی نہ پسند کروں گا۔ خواب تو معمولی چیز ہے۔"

"بہرحال تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔"

"کاش کبھی یہ جملہ ملک الموت کی زبانی سن سکوں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیا تم کہیں اور جانے کے لئے تیار تھے۔"

"جناب والا....!"

"اچھا تو جاؤ میں دراصل تمہیں ایک ایسی جگہ لے جانا چاہتا تھا جہاں خالص انگریز لڑکیوں سے ملنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

"بعض انگریز لڑکیاں اسی سال کی عمر تک مس رہتی ہیں۔ میں نے سوچا شائد آپ نہ جانتے ہوں اس لئے بتا دیا آگے آپ کی مرضی۔"

"بھئی تم نہیں جانا چاہتے تو نہ جاؤ.... میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔"

"نہیں میں جانے پر مجبور ہوں خصوصاً جب آپ مجبور نہ کریں۔ ایسے حالات میں ہمیشہ وہی
تا ہے جو آپ چاہتے ہیں۔"

"سمجھتے تو ہو....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

مید نے جو کچھ کہا تھا وہ حقیقت تھی۔ اگر حمید کے انکار پر فریدی کوئی کام اسی کی مرضی پر
یتا تھا تو پھر وہ کام حمید کو کرنا ہی پڑتا تھا۔ یہ کئی بار کا تجربہ تھا فریدی کچھ ایسا رویہ اختیار کرتا
اس پر مجبور ہی ہو جاتا۔

"بس ذرا سے میک اپ کی ضرورت پیش آئے گی۔" فریدی نے کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" حمید بھنا کر بولا۔ "اچھا میں یہ کپڑے اُتار کر آتا ہوں ورنہ
جائیں گے۔"

"بہت ہی معمولی سا میک اپ ہے۔" فریدی بولا۔ "کپڑے نہیں خراب ہوں گے بس ایک
ں صورت بدل جائے گی۔ ادھر دیکھو۔"

میدنے فریدی کے چہرے کی طرف دیکھا جس پر اس نے اپنا داہنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔ دوسرے
میں ہاتھ چہرے سے ہٹا لیا گیا اور حمید "ارے" کہہ کر اُسے گھورنے لگا۔ فریدی کی شکل
ل گئی تھی اور اب وہ صرف آنکھوں اور پیشانی ہی کی بناء پر پہچانا جا سکتا تھا۔ ناک اور ہونٹ
ا کے نہیں معلوم ہو رہے تھے۔

"کیوں!" فریدی مسکرا کر بولا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی منمناہٹ تھی۔ "اب اگر میں تاریک
ی عینک لگاؤں تو مجھے کون پہچان سکے۔"

"کیا آپ جادوگر ہیں۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "ابھی تو آپ اچھے خاصے تھے۔"

"نہیں یہ دو ربڑ اسپرنگ ہیں جنہیں نتھنوں میں رکھ لینے سے ناک اوپر کی طرف اٹھ جاتی
اس سے اوپری ہونٹ میں بھی تھوڑا سا کھنچاؤ ہوتا ہے اور دہانے کی ہیئت بدل جاتی ہے۔ اسی
اگر ناک کی نوک نیچے کی طرف جھکائی جائے تو حلیے میں ایک نمایاں فرق نظر آئے گا۔"

"تو کیا آپ میری ناک نیچے کی طرف جھکائیں گے۔"

"نہیں جڑ سے اڑا دوں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن ہم جائیں گے کہاں۔"

"برکلے ہاؤز۔ داخلہ صرف مخصوصین کے لئے ہے۔ میں نے دو عدد دعوت نامے کئے ہیں اور ہماری حیثیت ملک کے دو بڑے سرمایہ داروں کی ہوگی جو اس شہر کے باشندے ہیں بس اب وقت نہ برباد کرو سمجھے۔"

❁

تھوڑی دیر بعد وہ شہر کی مشہور عمارت برکلے ہاؤز کے سامنے کھڑے تھے۔ اندھیرا تھا۔ عمارت کے سامنے کئی شاندار کاریں ایک قطار میں کھڑی تھیں۔

وہ دونوں کمپاؤنڈ سے گذر کر پورچ میں آئے۔

ایک دبلا پتلا سا انگریز جو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھا۔ نے دونوں دعوت نامے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"اوہ.... ادھر سے تشریف لے چلئے۔" انگریز ایک طرف ہٹ کر قدرے جھکتا ہوا بو وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لایا جس کی ہر چیز سیاہ تھی۔ دیواریں، فرنیچر، دروازے سب سیاہ حتیٰ کہ میزوں پر رکھے ہوئے ایش ٹرے تک سیاہ تھے۔ یہاں انہیں آٹھ آدمی دکھائی دیئے۔ فریدی ان میں سے ایک ایک کو پہچانتا تھا۔ یہ سب شہر کے بڑے داروں میں سے تھے۔

"کیا آپ کے ناموں کا اعلان کردوں۔" مذقوق انگریز نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں، شکریہ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اس کی ضرورت نہیں۔"

انگریز نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا اور وہ دونوں بیٹھ گئے۔ دوسرے لوگ آپس سرگوشیاں کر رہے تھے اور ان کی نظریں ان دونوں کی طرف تھیں۔

دفعتاً ایک دروازے کا پردہ سرکا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے اس تاریک ماحول میں چاند ہو۔ یہ ایک انتہائی حسین لڑکی تھی اور اس کے جسم پر بے داغ سفید سلک کا لبادہ تھا۔ وہ آہستہ چلتی ہوئی ان دونوں کے قریب آئی۔ حمید آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا اور سوچ کہ فریدی نے اس وقت سچ مچ اس پر احسان کیا ہے۔ لڑکی نے ایک نوٹ بک اور پنسل ان سامنے رکھی ہوئی چھوٹی سی میز پر رکھ دی۔

"نام اور پتہ۔" لڑکی نے کہا اور حمید کے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔

"کیا یہ ضروری ہے۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"قاعدہ یہی ہے۔ ویسے جو آپ مناسب سمجھیں۔"

فریدی نے وہی نام لکھ دیئے جو دعوت ناموں پر تحریر تھے۔

"شکریہ۔" لڑکی نوٹ بک اور پنسل سمیٹ کر واپس چلی گئی۔

پھر شائد دو یا تین منٹ بعد ایک دوسری لڑکی کمرے میں آئی۔ یہ بھی کافی دلکش تھی اور اس ے جسم پر بھی سفید ہی لبادہ تھا۔ اس نے آتے ہی کمرے کی روشنی گل کر دی۔ پھر ایک بڑی ش آواز اندھیرے میں گونجی۔

"کروڑ ہا برس گذرے جب یہ زمین آگ کا گولا تھی۔ ہزار ہا سال گذرے جب مصر پر تاؤں کی حکومت تھی۔ ابوالہول اور اہرام خالص انسانی کارنامے نہیں ہیں۔ ان میں دیوتاؤں کا ی ہاتھ تھا۔"

لڑکی خاموش ہو گئی۔ کمرے کا اندھیرا حمید کو گراں گذر رہا تھا۔ اچانک انہوں نے دبی دبی سی سکیوں کی آوازیں سنیں۔

پھر وہی آواز ہچکیوں اور سسکیوں کے ساتھ سنائی دینے لگی۔ "نہ اب وہ مصر ہے اور نہ آگ لولا۔ لیکن ہمارے دل سلگ رہے ہیں۔ ایک انجانی سی آگ۔ ایک انجانی سی آگ۔"

سسکیاں تیز ہو گئیں۔ آواز آتی رہی۔ "سب کچھ تباہ ہو جائے گا لیکن دیوتا ہمیشہ زندہ رہیں گے۔"

سسکیوں کی آوازیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔ دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے رونگٹے ڑے ہو گئے ہوں۔ سسکیوں کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن لڑکی کی آواز بدستور اسی جگہ م تھی جہاں پہلے تھی۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لڑکی ہی سسکیوں اور ہچکیوں ے ساتھ گفتگو کر رہی ہو۔ لیکن اب دونوں آوازیں الگ ہو گئی تھیں۔ لڑکی کہہ رہی تھی۔ "لیکن ج یہ کیا ہو گیا ہے۔ روحیں اس طرف متوجہ نہیں ہو رہی ہیں.... فرعون.... فرعون.... ا تجھے پکارتی ہوں۔ آج تجھ سے بہتیرے راز دریافت کئے جائیں گے۔"

لڑکی خاموش ہو گئی.... اندھیرے اور سناٹے کا امتزاج ڈراؤنا معلوم ہونے لگا۔

چند لمحے خاموش رہ کر لڑکی پھر بولی۔ "حاضرین سے استدعا ہے کہ وہ دس منٹ اس طرح اموش بیٹھیں کہ ان کے ہونٹ کھلے ہوئے ہوں اور براہِ کرم وہ مٹھیاں نہ باندھیں.... فرعون

کی روح ٹھیک دس منٹ بعد حاضر ہو گی۔"

دس منٹ کی طویل خاموشی۔

حمید کو اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

پھر دس ہی نہیں بلکہ پندرہ منٹ گذر گئے لیکن کسی قسم کی بھی آواز نہیں سنائی دی۔ حمید ہتھیلیاں اور ہونٹ کھولے بیٹھا تھا۔

اچانک اسے اپنے قریب ہی ایک عجیب قسم کی روشنی دکھائی دی اور وہ بیساختہ اچھل روشنی کمرے میں گردش کرنے لگی اور پھر کافی دیر بعد یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ فریدی اپنی ٹارچ روشن کرلی تھی اور کمرے میں چل رہا تھا۔ کمرے کا بلب بھی روشن ہو گیا۔ فریدی، بورڈ کے قریب کھڑا چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نہ صرف لڑکی بلکہ ان کے جانے پہچا لوگ بھی غائب ہو چکے تھے۔

"یہ کیا تماشہ تھا۔" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا "توقع کے خلاف.... اچھا آؤ ہم دیکھیں کہ دوسرے کمروں میں کیا ہے۔"

فریدی ایک دروازے کا پردہ ہٹا کر کمرے سے نکل گیا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا وہ ا دوسرے کمرے میں آئے یہاں بھی تاریکی تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کرلی۔ یہ کمرہ بھی خالی تھا وہ آگے بڑھے، ایک دروازے کے اس طرف روشنی نظر آرہی تھی۔ فریدی پردہ ہٹا آگے بڑھ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

لیکن یہ کمرہ خالی نہیں تھا۔ انہیں سامنے ہی آرام کرسی پر ایک معمر انگیز نیم دراز نظر آ بھورے رنگ کی فرنچ کٹ ڈاڑھی میں وہ خاصا شاندار نظر آرہا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ اس انداز سیدھا ہو کر بیٹھ گیا جیسے ان کا منتظر ہی رہا ہو۔

"آیئے کرنل فریدی اور کیپٹن حمید، خوش آمدید تشریف رکھئے۔"

حمید بوکھلا گیا لیکن اس نے فریدی کی حالت میں کسی قسم کا بھی تغیر محسوس نہیں کیا۔

"شکریہ....!" فریدی ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے حمید کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا

"کرنل.... یہ ہاتھ کی صفائی کا کھیل نہیں ہے اوہ مگر ٹھہریئے میں پہلے اپنا تعارف مجھے ہڈسن کہتے ہیں ڈاکٹر ہڈسن۔"

"ڈاکٹر ہڈسن۔" فریدی نے آہستہ سے بڑبڑا کر سر ہلا دیا۔

"ہاں تو کرنل میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ شعبدہ بازی نہیں ہے۔ آخر آپ بھیس بدل کر کیوں تھے۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ کام علانیہ کیوں نہیں ہوتا۔"

"بس اتنی سی بات۔" ہڈسن بولا۔ "جواب یہ ہے کرنل کہ اسے صرف مستحق آدمیوں کے موص رکھنا چاہتا ہوں۔ عوامی بھیڑ سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"لیکن تم نے اپنا کام جاری کیوں نہیں رکھا۔"

"وہ تو اب بھی جاری ہے۔" ہڈسن نے مسکرا کر کہا۔ "فرعون کی روح نے محض اس بناء پر اسے انکار کر دیا تھا کہ دو آدمی بھیس بدل کر اور غلط نام اختیار کر کے آئے تھے۔"

"بھلا فرعون کی روح کو اس سے کیا سروکار۔"

"بہت بڑا سروکار ہے کرنل۔ روحیں بے اعتمادی نہیں پسند کرتیں۔ اگر تم لوگ اپنی صحیح میں آتے تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔"

"صحیح شخصیت میں شاید مجھے داخلے کی بھی اجازت نہ ملتی۔"

"ملتی اور ضرور ملتی کرنل۔ تم شائد یہ سمجھتے ہو کہ روحوں کی آڑ میں یہاں کوئی جرم ہو رہا ہے۔"

"ضروری نہیں کہ میں یہی سمجھوں۔ حیرت انگیز باتوں کے لئے تجسس قطعی فطری امر ہے۔"

"میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے گفتگو کرتے تو میں آپ کو کمرے میں بیٹھنے کی اجازت دے دیتا۔"

"خیر اب سہی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اب آج تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کاروائی آدھی سے زیادہ ختم ہو چکی ہے اور لوگ سوالات کر رہے ہیں۔"

"کیا....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "مگر وہاں تو اب کوئی بھی نہیں ہے۔"

"سب ہیں.... کاروائی جاری ہے۔"

"لیکن میں تو ابھی وہیں سے آرہا ہوں۔"

ڈاکٹر ہڈسن نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "یہی تو میں کہہ رہا ہوں مسٹر فریدی کہ یہ صفائی یا شعبدہ نہیں ہے۔ تم جس وقت ہال میں آئے تھے سب وہیں موجود تھے اور اب ی یہ اور بات ہے کہ وہ تمہیں نظر نہ آئے ہوں۔ وہ فرعون کی روح تھی جسے طلب کیا گیا تھا تمہاری اس حرکت کی بناء پر تمہیں محروم کر دیا۔ اچھا شائد تمہیں یقین نہیں آرہا ہے۔ ساتھ آؤ۔"

ہڈسن انہیں پھر اسی تاریک کمرے کی طرف لے گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ حالانکہ قبل فریدی یہاں کا بلب روشن کر کے گیا تھا جس وقت یہ لوگ دروازے کے قریب پہنچے کمرے میں ایک بھرائی ہوئی سی آواز گونج رہی تھی۔ "تمہیں بہت سمجھ بوجھ سے کام لینا تین دن کے اندر اندر روئی کا بازار گر جائے گا۔ اس لئے اس میں فی الحال ہاتھ لگانے کی ض نہیں۔ وہ کمبخت سراغ رساں پھر آگئے ہیں لہٰذا یہ سلسلہ بند ہو رہا ہے۔"

دوسرے ہی لمحے میں کمرے کا بلب پھر روشن ہو گیا اور فریدی کی نظر اُن لوگوں جنہیں وہ عمارت میں داخل ہوتے ہی دیکھ چکا تھا۔ شہر کے چند بڑے سرمایہ دار۔ وہ سب سے اٹھے اور باہر نکل گئے۔

"دیکھا تم نے۔" ہڈسن مسکرا کر بولا۔

"تو اس روح نے انہیں ہماری نظروں سے غائب کر دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی یہی بات ہے مسٹر.... آر.... کرنل فریدی۔"

"ڈاکٹر ہڈسن.... تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی انتہائی گرمجوشی سے مصا ہوا بولا۔

"اب آؤ.... اطمینان سے باتیں ہوں گی۔" ڈاکٹر ہڈسن نے فریدی کو اسی کمرے کی کھینچتے ہوئے کہا جہاں سے وہ چند لمحے پیشتر اٹھ کر آئے تھے۔

وہ بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر ہڈسن نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ لڑکی اندر داخل ہوئی جس نے تاریک کمرے میں فریدی ا کے دستخط لئے تھے۔

"مشروبات میں کرنل فریدی کو کیا پسند ہے۔" ہڈسن نے لڑکی سے پوچھا۔

"کافی....!" لڑکی نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک کافی ہی لاؤ۔ مگر ٹھہرو.... کیپٹن حمید کیا پسند کرتے ہیں۔"

"ٹھہریئے۔" لڑکی نے کہا اور آنکھیں بند کئے چند لمحے خاموش رہی پھر آہستہ آہستہ اس کی ں کھلیں اور ساتھ ہی ایک بڑی دلآویز سی مسکراہٹ بھی اس کے ہونٹوں پر پھیلتی گئی۔

"کیپٹن حمید کی کوئی پسند نہیں۔" لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ کافی بھی پی لیں .. ویسے میں انہیں بہت پسند آئی ہوں۔"

"خوب....!" ڈاکٹر معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ لڑکی چلی گئی۔

"کیا یہ بھی کوئی روح ہے ڈاکٹر۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں روحوں کی ایک خادمہ۔ روحیں اسے ہر وقت ہر بات کی اطلاع پہنچاتی ہیں۔"

"کتنی لڑکیاں ہیں تمہارے ساتھ؟" حمید نے پوچھا۔

"دو....!"

"اور مرد کتنے ہیں۔"

"تین....!" ڈاکٹر ہڈسن نے کہا۔ "اور سات عدد لاشیں۔"

"دو لاشیں تو تم فروخت بھی کر چکے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں پہلے نو عدد تھیں۔"

"کیسی لاشیں۔" حمید بول پڑا۔

"تم خاموش رہو۔" فریدی نے اردو میں کہا پھر ڈاکٹر ہڈسن سے بولا۔ "تم انہیں خاص طور لما کیوں فروخت کر رہے ہو۔ دنیا کے کسی دوسرے ملک کا انتخاب کیوں نہیں کیا۔"

"ابھی تمہارے شبہات رفع نہیں ہوئے۔" ڈاکٹر ہڈسن مسکرا کر بولا۔ "میں تمہاری حکومت ا کے لئے باقاعدہ طور پر اجازت نامہ حاصل کر چکا ہوں۔ اور انہیں یہاں اس لئے فروخت ں کہ یہ بھی دیوتاؤں ہی کی سرزمین ہے۔"

ڈسن کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ دفعتاً پوری عمارت ایک عجیب قسم کے شور سے گونج اٹھی۔ ر ہڈسن بے تحاشہ اٹھ کر بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

بغداد ۱۱۲۱

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی سر ہلا کر مسکرانے لگا۔

"یہ کس بھوت خانے میں پکڑ لائے آپ مجھے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"فکر مت کرو۔ ان مغربیوں کا عجیب حال ہے۔ یہ ہمیں آج بھی احمق سمجھتے ہیں۔"

"مگر وہ لڑکی....!"

"سب فراڈ ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے ہمارے متعلق ان کی معلومات بہت وسیع

"لیکن تاریک کمرے والے واقعے کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"کیا تم مجھے خیالات قائم کرنے کی مشین سمجھتے ہو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ وہ لاشیں شکر کی ہیں یا پلاسٹر آف پیرس کی۔"

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر ہڈسن واپس آگیا۔

وہ بہت زیادہ غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

"کرنل اپنی تباہ کاری دیکھ لو چل کر۔" اس نے کہا۔

"میں نہیں سمجھا ڈاکٹر۔"

"میرے ساتھ آؤ۔"

وہ آگے تھا اور یہ دونوں اس کے پیچھے اور ان کے قدم بھی اسی مناسبت سے اٹھ جس رفتار سے ہڈسن چل رہا تھا۔

جیسے ہی وہ ایک راہداری مڑے حمید کی نظر ایک لڑکی پر پڑی جو فرش پر چت پڑی؛ یہ وہی لڑکی تھی جسے تھوڑی دیر قبل کافی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ شائد وہ بیہوش تھی۔

"دیکھو....!" ہڈسن نے رک کر بیہوش لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن ڈاکٹر مجھے اس سے کیا سروکار۔ میں تو اس کمرے میں تھا۔" فریدی نے تشو لہجے میں کہا۔

"تم ذمہ دار ہو اس کے۔"

"آخر کس طرح۔"

"یہ روح کا انتقام ہے۔ یہاں آنیوالی تمام روحیں اس لڑکی پر اعتماد کرتی تھیں۔"

"تو میری وجہ سے اس اعتماد میں فرق آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"آخر تم بھیس بدل کر کیوں آئے۔"

"میں یہاں کا ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں ایسے معاملات کو دیکھوں۔"

"لیکن یہ لڑکی بیہوش کس طرح ہوئی۔" حمید نے ہڈسن سے پوچھا۔

"خدا ہی جانے۔" ہڈسن نے تشویش آمیز لہجے میں جواب دیا۔ "ہمارے لئے یہ پہلا واقعہ ہے۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر ہڈسن نے کہا۔ "روحوں کا خیال ہے کہ تم ہمیں کسی جرم سے تھی کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ براہِ راست ڈاکٹر ہڈسن کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"کس جرم میں منتھی کرنا چاہتا ہوں۔" تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"کل روح کی زبانی سن لینا۔ آج اس نے تفصیل نہیں بتائی۔ لیکن خدا کیلئے اپنی اصل شکل ں آنا اور کاپی پر صحیح دستخط کرنا۔ اچھا کرنل اب مجھے اجازت دو۔ مجھے اس لڑکی کی جان بچانی ہے۔"

"ہمارے لائق کوئی خدمت ڈاکٹر....!" حمید نے کہا۔

"اوہ... نہیں بھلا تم کیا کر سکو گے۔ یہ روحوں کی شکار ہے۔ آج میری ساری رات برباد جائے گی۔"

"کچھ روحیں میرے قبضے میں بھی ہیں ڈاکٹر...!" حمید بولا۔ "کہو تو میں ان سے مدد طلب کروں۔"

"کتنی پرانی روحیں ہیں۔"

"پانچ لاکھ برس پرانی۔"

ڈاکٹر ہڈسن ہنسنے لگا۔ "تم لوگ سچ مچ اسے شعبدہ سمجھتے ہو۔ لیکن میں تمہیں بتاؤں گا ضرور آنا ...اچھا شب بخیر۔"

فریدی اور حمید باہر آگئے۔ فریدی غیر معمولی طور پر سنجیدہ اور خاموش تھا۔

"اب کیا خیال ہے؟" حمید نے اسے چھیڑا۔

"کچھ نہیں وقت کی بربادی ہے.... اس کیس میں میرا دل نہیں لگ رہا ہے۔"

"لیکن یہ بتائیے کہ آپ یہاں آئے کیوں تھے اور ابھی آپ نے کس کیس کا حوالہ دیا ہے۔"

"جعلی نوٹوں والا کیس۔"

"بھلا اس سے اور اُس معاملے سے کیا تعلق۔"

"تعلق ہے تو دریافت کرنا ہے۔"

"زبردستی۔"

"حالات ایسے ہیں فرزند۔ راجو نوٹوں والے معاملے سے منسلک تھا۔ راجو کے ذریع
مشتبہ عمارت تک پہنچے۔ وہاں ہماری چند نامعلوم آدمیوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ پھر گریٹی
زہر دلوادیا اور ہمیں اُس لڑکی کی بھی لاش ملی جس نے راجو کو زہر دیا تھا۔ گریٹی حراست
اور میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس رات اُس عمارت میں جن نقاب پوشوں ۔
ہوئی تھی اُن میں گریٹی بھی تھا.... خیر گریٹی کے یہاں تلاشی کے دوران میں ایک ا
ہے جس کا تعلق براہِ راست ڈاکٹر ہڈسن سے ہے۔"

"کیسا کاغذ.... آپ شاید پہلی بار اس کا تذکرہ کررہے ہیں۔"

"نہیں تو.... کاغذ تو تمہارے سامنے ہی ملا تھا۔ وہی جس پر ابوالہول کی تصویر
دراصل ڈاکٹر ہڈسن کے نجی رائیٹنگ پیڈ کا سرنامہ ہے۔ ایسے ہی ایک کاغذ پر میں ہڈسن کی
درخواست دیکھ چکا ہوں جو اُس نے لاشوں کی فروخت کے سلسلے میں اجازت حاصل کر
لئے دی تھی۔"

"دیکھئے! اس سے بھی دونوں کا تعلق نہیں ظاہر ہوتا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ایسے حالات میں ڈاکٹر ہڈسن کا لیٹر ہیڈ شہر میں کسی کے بھی پاس پایا جاسکتا ہے۔
طلب کی ہوئی روحیں شائد مستقبل کا حال بتاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ آدمی ہر حال میں اپنے
سے باخبر ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ گریٹی نے بھی اسی سلسلے میں ڈاکٹر ہڈ
خط وکتابت کی ہو۔ لہٰذا اُس تک ہڈسن کا لیٹر ہیڈ اس طرح پہنچ سکتا ہے۔"

"تمہاری یہ دلیل معقول ہے لیکن کچھ اور باتیں بھی ہیں۔"

"اور وہ باتیں مجھے حشر کے دن معلوم ہوں گی۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"چلو بیٹھو....!" فریدی اُسے کار میں دھکیلتا ہوا بولا۔

حمید اگلی سیٹ پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "اور آپ اُن لاشوں کے متعلق کبھی نہ بتائیں گے۔"

"تم احمق ہو۔" فریدی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "بعض اوقات تمہیں الف اور بے
ا پڑتا ہے۔ تم خود کیوں نہیں سوچتے کہ وہ لاشیں کس قسم کی ہوسکتی ہیں۔"

"میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ ہڈسن نے گفتگو کے دوران میں قدیم مصر کا حوالہ دیا تھا کیا وہ
ی ہیں۔"

"ٹھیک ہیں.... وہ ہزاروں سال پرانی حنوط کی ہوئی لاشیں ہیں۔ مصر میں ڈاکٹر ہڈسن نے
ین خریدی تھی اور یہ لاشیں اسی زمین کی کھدائی کے دوران میں نکلی تھیں۔"

"تو اس طرح یہ لاشوں کے سوداگر ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ ذرا ذرا سی باتوں کو بھی
پُراسرار بنا کر پیش کرتے ہیں.... لیکن ہاں وہ دوسرے اسباب کیا ہیں جنکی بناء پر آپ گریٹی
لوگوں سے منسلک سمجھتے ہیں۔"

"اوہو! بڑی خوشی سے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں سچ مچ تمہیں ایک ذمہ دار آدمی دیکھنا
ہوں اور میں آج کل ایک دوسرے مسئلے میں بھی الجھا ہوا ہوں۔"

"کون سا مسئلہ....؟"

"تمہیں یورپ کے مشہور بلیک میلر لیونارڈو یاد ہے۔"

"اچھی طرح....!"

"زندگی میں پہلی بار اُسے میری ہی وجہ سے ہتھکڑیاں نصیب ہوئی تھیں۔"

"جی ہاں.... مجھے یہ بھی یاد ہے۔"

"وہ انگلینڈ کے ایک قید خانے میں عمر قید کی سزا بھگت رہا تھا۔ ہونی تو چاہئے تھی اُسے
ے موت ہی لیکن اُس پر کوئی قتل نہیں ثابت ہوسکا تھا بہر حال قصہ مختصر یہ کہ وہ جیل سے
وگیا ہے۔"

"تو آپ کیوں فکر مند ہیں۔ انگلینڈ جانے اور لیونارڈ۔"

"یہ بات نہیں ہے فرزند.... تم اُس کی پچھلی ہسٹری سے واقف نہیں ہو لیونارڈ ایسے
ل کو بھلانا نہیں جانتا جن کی ذات سے اسے ذرہ برابر بھی نقصان پہنچا ہو۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" حمید بولا۔

"زیادہ خوش فہمی اچھی چیز نہیں ہے۔ اندھیرے سے آئے ہوئے تیر کا منہ کون ہے۔ لیونارڈ کبھی کھل کر سامنے نہیں آتا۔ اگر تم اُس کے شکاروں کی فہرست دیکھو تو تمہیں اسکاٹ لینڈ یارڈ کے کئی بہترین دماغ ملیں گے۔ انسپکٹر مور لینڈ، چیف انسپکٹر سارجنٹ گراہم، سپرنٹنڈنٹ مارشا سمتھ وغیرہ یہ سب لیونارڈ کے ہاتھوں قتل ہوئے لیکن پر مقدمہ چلایا گیا تو وہ ایک بھی قتل کا مرتکب نہ ثابت ہو سکا۔"

"تو آپ اس سے خوفزدہ ہیں۔"

"مستقبل کے متعلق جو تشویش ہوتی ہے ہر حال میں خوف نہیں کہلاتی۔"

"وہ کب فرار ہوا ہے۔"

"آج سے تین دن قبل کی بات ہے۔"

"اوہ تب تو ان لوگوں میں نہیں ہو سکتا۔" حمید نے کہا۔

"یہ لوگ....!" فریدی حقارت آمیز مسکراہٹ کیساتھ بولا۔ "یہ لوگ تو مسخرے

"تو آپ یہ کیس مجھے دیتے ہیں نا....!"

"قطعی.... لیکن تم ان لڑکیوں کے چکر میں پڑ کر اپنی حجامت نہیں بنواؤ گے۔"

پتہ نہیں رات کو دو بجے تھے یا تین.... روزی سوتے سوتے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی لیکن اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ تو برکلے ہاؤز کے ایک آرام دہ کمرے میں سوئی تھی۔ پھر وہ لق ودق میدان میں کہاں سے پہنچی۔ پورا چاند آسمان پر چمک رہا تھا اور چاروں طرف پھیلی دودھیا چاندنی بکھری پڑی تھی۔

روزی بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس کے منہ سے ایک ڈری ڈری سی چیخ نکلی۔ پہلے سمجھی کہ شائد خواب دیکھ رہی ہے۔ لیکن اب یقین ہو گیا کہ یہ حقیقت ہے۔

اس کے منہ سے متواتر کئی چیخیں نکلیں اور دھڑام سے زمین پر گر گئی۔ اس کی سمجھ میں آرہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور اس ویرانے میں کیونکر پہنچی۔

"یہ کون احمق ہے جس نے مجھے جگا دیا۔" قریب ہی کوئی ناک کے بل بولا۔ منمناہٹ قدرتی معلوم ہو رہی تھی۔ روزی پھر چیخنے لگی۔ ہسٹریائی انداز کی چیخیں تھیں

لوم ہو رہا تھا جیسے وہ خاموش رہنے کی کوشش کر رہی ہو۔ لیکن اسے اپنی آواز پر قابو نہ رہ گیا ہو۔

دوسرے لمحے میں ایک عجیب الخلقت آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

اس کے سر پر ہالی ووڈ کے "بغداد مارکہ" فلمی کرداروں کی سی پگڑی تھی اور جسم پر ایک لمبا ....داڑھی گلہری کی دم کیطرح سینے پر جھول رہی تھی۔ وہ گلہری کی دم سے اسلئے مشابہ تھی کا پھیلاؤ ٹھوڑی سے آگے نہیں تھا۔ لیکن لمبائی میں سینے تک چل آئی تھی اور مونچھیں ندارد۔

"تت.... تم کون ہو....!" روزی نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"تم کون ہو۔" اس آدمی نے غصیلی آواز میں پوچھا۔ اس بار اُس کی آواز کچھ ایسی تھی جیسے لی آدمیوں کی طرح بولنے لگی ہو۔

"میں روزی ہوں...." وہ بمشکل کہہ سکی۔

"روزی.... نہیں تم تو عورت معلوم ہوتی ہو۔"

"میرا نام روزی ہے۔"

"روزی.... یہ کیسا واہیات نام ہے۔ کم از کم بغداد میں تو ایسے نام نہیں سنے جاتے۔"

"بغداد.... بغداد کیوں؟ میں کہاں ہوں۔"

"ارے تم یہ بھی نہیں جانتیں۔ تب تو تم کوئی خبیث روح ہو۔ ٹھہرو میں ڈنڈے سے ری خبر لیتا ہوں۔"

"ٹھہرو.... ٹھہرو....!"

"نہیں یوں نہیں.... ابھی تم خود اعتراف کرو گی کہ تم بغداد میں ہو اور یہ سنہ گیارہ سو ما ہے۔"

"ارے بچاؤ۔" روزی چیخنے لگی۔

"ارے او بدبخت عورت میں دیو نہیں ہوں کہ تجھے کھا جاؤں گا۔ مری کیوں جا رہی ہے۔ رمنہ کر کے کھڑی ہو جا۔ خبردار جو پلٹ کر دیکھا۔"

روزی نے چپ چاپ تعمیل کی۔ اس عجیب الخلقت آدمی نے جیب سے ایک برش اور سیاہ کا ڈبہ نکال کر برش سے روزی کی قمیض پر لکھنا شروع کیا۔ بغداد سنہ گیارہ سو اکیس۔ ہوشیار خبیث روح کا نام روزی ہے۔

"بس اب ادھر مڑ جاؤ۔" اس نے کہا۔ "روزیٹی نے پھر بے چوں وچرا تعمیل کی۔

"اب میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" اس عجیب الخلقت آدمی نے کہا اور اس کی گردن دبو
روزیٹی کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخیں نکلنے لگیں اور پھر بے ہوش ہو گئی۔

❁

دوسری بار جب اس کی نیند ختم ہوئی تو کافی دیر تک اس نے آنکھیں کھولنے کی ہر
کی۔ لیکن آخر کب تک۔ دل کڑا کر کے آنکھیں کھولنی ہی پڑیں۔ اور پھر جو اس نے بوکھلا
ہی لیٹے جست لگائی تو کوچ سے فرش پر تھی۔ کپڑے جھاڑتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ اس نے خو
کمرے میں پایا جس میں رات کو سوئی تھی۔ اور اب اسے سوچنا پڑا کہ شائد اس نے پچھلی را
ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔

دیوار سے لگی ہوئی گھڑی سات بجا رہی تھی۔

وہ جلدی جلدی لباس تبدیل کرنے لگی۔ اچانک اس کی نظر شب خوابی کی قمیض کی
پڑی اور ٹھٹک کر رہ گئی۔ سرخ رنگ کے حروف میں تحریر تھا۔ "بغداد سنہ گیارہ سو اکیس۔
اس خبیث روح کا نام روزیٹی ہے۔"

روزیٹی کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔

وہ قمیض ہاتھ میں لئے بے تحاشہ دوڑتی ہوئی اس کمرے میں آئی جہاں ڈاکٹر ہڈسن
پی رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے داہنی بھوں تان کر غصیلی آواز میں کہا۔

روزیٹی نے جواب دینے کی بجائے قمیض اُس کے سامنے ڈال دی۔ ڈاکٹر ہڈسن نے
تحریر پڑھنے کے بعد روزیٹی کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا۔

"کچھ منہ سے بھی بکو گی۔ کیا مطلب ہے اس بے ہودگی کا۔"

روزیٹی ہکلا ہکلا کر بیان کر چلی۔ پھر اس نے کہا۔ "اگر یہ تحریر نہ ملتی تو میں اسے خوا
سمجھتی یقین کیجئے اس میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں ہے۔"

ڈاکٹر ہڈسن نے کافی کی پیالی ہاتھ سے رکھ دی اور تحیر آمیز نظروں سے لڑکی کو دیکھ
کبھی کبھی وہ قمیض کی تحریر کو بھی گھورنے لگتا تھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم اپنا کمرہ اندر سے مقفل کر کے سوئی تھیں۔" اس نے روزیٹی سے پوچھا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے جناب۔"

"نہیں تم بھول رہی ہو۔ تم نے مقفل نہیں کیا تھا۔"

"نہیں مجھے یقین ہے۔"

"اچھا چلو.... میں تمہارا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ اس کے ساتھ اس کے کمرے تک آیا اور دروازے پر جھک کر کنجی کا سوراخ دیکھنے لگا۔

"اوہ... یہ قفل ہی ناقص ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "اندر اور باہر کا سوراخ ایک ہی ہے اوہ.... اور
نشانات.... یقیناً کسی نکیلی چیز سے اسے کھولنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلاؤ رولینڈ کے بچے
... آج میں اس کی کھال اتار دوں گا۔ کم بخت مردوں کی طرح سوتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" روزیٹی نے دبی زبان میں کہا۔

"کیا میں لاطینی بول رہا ہوں۔" ڈاکٹر ہڈسن حلق پھاڑ کر بولا۔

روزیٹی کانپنے لگی۔

رنگ میں بھنگ

صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ لیکن حمید ابھی تک خراٹے لے رہا تھا۔ نوکروں کے جگانے سے بھلا کیا اٹھتا۔ البتہ جب فریدی نے خود ہی اس کی زحمت برداشت کی تو اٹھا لیکن پھر لیٹ گیا۔

"نصیر! ایک بالٹی پانی لاؤ۔" فریدی نے نوکر کو آواز دی۔

حمید اچھل کر بیٹھ گیا۔

"آپ جانتے ہیں۔" وہ جھلا کر بولا۔ "میں پانچ بجے سویا ہوں۔"

"یہی تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ پانچ بجے تک کیا کرتے رہے۔"

"تو اس طرح جگا کر۔ میرا خیال ہے کہ آپ میری لاش کو بھی پریشان کریں گے۔ مرنے کی بتاؤ۔ کن حالات میں مرے۔ ثابت کرو کہ تم مر گئے ہو۔ نہیں میں منطقی دلیل چاہتا ہوں۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ لیکن پھر سنجیدگی سے بولا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔"

"ہو گیا۔" حمید نے پلنگ سے چھلانگ لگائی اور پاگلوں کی طرح اپنے کپڑے نوچنے

"دو چار کتے چھوڑ دوں گا تم پر ورنہ ہوش میں آجاؤ۔"

حمید میز پر بیٹھ کر فریدی کو گھورنے لگا۔

"کیا آپ نہیں جانتے کہ میں پانچ بجے تک کام کرتا رہا ہوں۔"

"تو اب تمہیں کام کی نوعیت بھی بتانی پڑے گی۔"

"میں قبل از وقت کچھ نہیں بتاتا۔" حمید نے فریدی کی نقل اتاری۔

"تم رات بھر جھک مارتے رہے ہو۔" فریدی بُرا سامنہ بنا کر بولا۔ "کیا تم مجھے اپنی حماقت کا مقصد بتا سکو گے۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر فریدی کو گھورنے لگا۔

"رات والی حماقت کا مقصد۔ یعنی بغداد سنہ گیارہ سو اکیس۔"

"آپ کیا جانیں۔"

"وقت نہ برباد کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"دیکھئے میں یہ سب اپنے طور پر کر رہا ہوں۔"

"میں شاید زندگی بھر تمہاری طرف سے مطمئن نہ ہو سکوں گا۔ تم کیا سمجھتے ہو اگر میں ہوتا تو رات ہی تمہارے پرزے اڑ گئے ہوتے۔"

"اب خواہ مخواہ رَدا نہ رکھئے۔" حمید ہنسنے لگا۔

"اچھا تو تم مذاق سمجھ رہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم برآمدے ہی میں پکڑ لئے گئے رولینڈ وہیں سو رہا تھا۔ اس کی نیند بہت ہلکی ہے۔ وہ بُری طرح چونکا تھا اگر میں نے فوراً ہی کر لی ہوتی تو تم گئے تھے۔ وہ بیدریغ تمہارا گلا گھونٹ دیتا۔"

"اوہ.... نہیں! مجھے یقین ہے کہ برآمدے میں کوئی بھی نہیں تھا۔"

"کیا وہاں روشنی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... اندھیرا تھا۔"

"پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔"

"اچھا چلئے۔ یہی بتا دیجئے کہ آپ نے تدبیر کیا فرمائی تھی۔"

"بچوں کی سی ایک حرکت کرنی پڑی تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "چند لمحے کے لئے بلی بننا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہشت کر کے پھر سو گیا مگر تم بتاؤ کہ اس کا مقصد کیا تھا۔"

"مقصد تو ابھی تک خود میری سمجھ میں نہیں آسکا۔" حمید کھوپڑی سہلاتا ہوا بولا۔

"ایک لڑکی کا معاملہ تھا نا۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس لئے تم نے دوبارہ اس عمارت نے کا خطرہ مول لیا۔ ابھی میں نے اسی قسم کا کوئی کام سپرد کیا ہوتا تو دم نکل کر رہ جاتا۔"

"مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ میرے پیچھے کیوں لگے ہوئے تھے۔"

فریدی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ اس بار آپ مجھے آگے دھکیل کر اپنا کام چاہتے ہیں۔"

"پہلے تو ارادہ نہیں تھا۔ لیکن اب تمہاری اس حماقت ہی نے ایک نیا راستہ دکھا دیا ہے۔"

"یعنی....!"

"کچھ نہیں ننھے بچے۔ نہیں ہر بات کی عام اجازت ہے۔ ان لوگوں سے جس طرح دل چاہے ؤ۔"

"ہوں! سمجھا۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ نے ان لوگوں لئے کیا کیا جو پچھلی رات کو تاریک کمرے میں موجود تھے۔"

"ان کے لئے کیا کرتا۔"

"ان سے کم از کم یہ تو معلوم ہی کیا جا سکتا ہے کہ وہ اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

"وقت کی بربادی حمید صاحب۔" وہ بھی وہیں گئے جو ڈاکٹر ہڈسن کہہ چکا ہے۔ اسے یقیناً ان پر اتنا ہی اعتماد رہا ہو گا ورنہ وہ اتنی صفائی سے اُلو بنانے کی کوشش نہ کرتا۔ اگر اب تم ان سے گے بھی تو یہی جواب ملے گا کہ وہ وہاں سے ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں ہٹے تھے اور تمہیں لچسپ بات بتاؤں گریٹی ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔ ضامن یہاں کا ایک بڑا سرمایہ دار ہے۔"

"کیا وہ انہیں لوگوں میں سے تو نہیں ہے جو کل وہاں موجود تھے۔"

"نہیں ان میں سے نہیں تھے۔" فریدی نے کہا پھر سگار سلگا کر چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔

"دیکھو....!" اس نے پھر حمید کو مخاطب کیا۔ "آج ہڈسن نے ہمیں خاص طور پر مدعو کیا

ہے۔ تم ٹھیک سات بجے وہاں پہنچ جانا۔"

"کیوں؟ کیا آپ نہیں جائیں گے۔"

"نہیں! جو کچھ میں کہوں کرتے جاؤ۔"

"تو پھر مجھے ناشتہ کر لینے دیجئے ورنہ آپ جو کچھ بھی کہیں گے میں اسے بھولتا جا

"ایک بات میں تمہیں بتادوں۔ رولینڈ سے ہمیشہ ہوشیار رہنا۔ وہ قتل کر دینے میں دیوانگی کی حد تک پہنچ سکتا ہے۔"

"رولینڈ وہی چکنی کھوپڑی والا۔"

"وہی....!" فریدی نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

ٹھیک سات بجے حمید برکلے ہاؤز پہنچ گیا لیکن اس کا استقبال بڑی سرد مہری کے گیا۔ اس وقت وہ عمارت میں تنہا مہمان تھا۔ وہاں سب کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ ہو رہا تھا جیسے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہو۔

"مجھے افسوس ہے۔" ڈاکٹر ہڈسن نے حمید سے کہا۔ "آج میں اپنا وعدہ نہ پورا کروں

"کیوں! روحیں ابھی تک ناراض ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"بس ختم کرو اس بات کو کیپٹن....!" اس نے بہت بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ہم لوگ سے چلے جائیں گے۔"

"کیوں کیا بات ہے۔"

"کوئی ہمیں خواہ مخواہ پریشان کر رہا ہے۔"

"یعنی ذرا وضاحت کرو ڈاکٹر ہو سکتا ہے کہ میں کوئی مدد کر سکوں۔"

"کرنل نہیں آئے۔" ہڈسن نے پوچھا۔

"ہاں وہ آج کل بہت مشغول ہیں۔"

"میں اس سلسلے میں اُن سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ اتنے مشغول ہیں کہ انہوں نے اپنی جگہ مجھے بھیجا ہے۔ ورنہ تم نے مجھے تو مدعو نہیں ک

"لیکن کل تم میک اپ میں کیوں آئے تھے۔"

"حالانکہ بتانا تو نہ چاہئے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "لیکن میں تم لوگوں کے کمالات ے بہت مرعوب ہوں۔"

حمید خاموش ہو کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"اچھا تو تم سن ہی لو کل رات کو کسی نے روزیٹی کو بہت پریشان کیا ہے۔"

"روزیٹی کون۔"

"وہی لڑکی جس کا روحوں سے تعلق ہے۔"

"اوہ.... مگر کس نے پریشان کیا۔"

"یہی تو معلوم نہیں ہو سکا۔ وہ اسے بے ہوش کر کے یہاں سے اٹھا لے گیا تھا اور پھر دوبارہ بے ہوش کر کے یہیں ڈال گیا.... اوہ مگر ٹھہرو تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"کس سوال کا۔"

"یہی کہ کل تم میک اپ میں کیوں آئے تھے۔"

"بات یہ ہے ڈاکٹر کہ ہم لوگ مجبور ہیں۔ ہمیں تمہارے متعلق ایک غلط اطلاع ملی تھی۔"

"کیسی اطلاع....!"

"اوہ.... مجھے دہراتے ہوئے شرم آرہی ہے۔"

"دیکھو.... میں بہت پریشان ہوں کیپٹن! مجھے الجھن میں نہ ڈالو۔"

"کیا بتاؤں ڈاکٹر یہاں کے ایک بڑے تاجر نے تمہارے خلاف یہ شکایت کی تھی کہ تم حوں سے زیادہ لڑکیوں کا بیوپار کرتے ہو۔"

"کس نے شکایت کی تھی۔" ڈاکٹر ہڈسن بپھر گیا۔

"افسوس یہ بتانا میرے محکمے کے اصول کے خلاف ہے۔" حمید نے مغموم صورت بنا کر کہا۔

"یہ سراسر جھوٹ ہے.... اور میں اس سلسلے میں کھلی ہوئی تحقیقات کی درخواست کرتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ "کل ہم مطمئن ہو کر یہاں ے گئے تھے۔ اب تم بتاؤ کہ اس لڑکی کے متعلق تم کیا کہہ رہے تھے۔"

"مگر یہ کتنا بڑا اور گندہ الزام ہے کیا تم لوگوں کی نظروں میں دوسروں کا کوئی احترام نہیں۔"

"ہے کیوں نہیں ڈاکٹر! ہم اس کی اچھی طرح خبر لیں گے۔"

"آخر تم بتاتے کیوں نہیں کہ وہ کون ہے۔"

"بہت مشکل ہے۔ قاعدے سے تو مجھے یہ بھی نہ بتانا چاہئے تھا کہ تم لوگوں پر کوئی الزام کیا گیا تھا مگر اب یہ بات واضح ہو گئی کہ تم لوگوں کے خلاف یہاں کوئی سازش ہو رہی ہے۔"

"سازش..... میں نہیں سمجھا۔"

"تمہاری روحیں لوگوں کو کیا بتاتی ہیں۔"

"پہلے مجھے سوال کی نوعیت سمجھنے دو۔" ڈاکٹر ہڈسن حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کوئی پیچیدہ سوال نہیں ہے اور نہ اسکا مقصد یہ ہے کہ تمہیں کسی الجھن میں مبتلا کیا جائے۔ میں خود ہی اس کا جواب دیتا ہوں۔ لوگ عموماً اپنے مستقبل کے بارے میں سوالات کرتے ہوں گے۔"

"بالکل درست ہے۔" ڈاکٹر ہڈسن سر ہلا کر بولا۔

"اچھا..... عام آدمیوں کا تو گزر ہے نہیں تمہارے یہاں..... زیادہ تر بڑے لوگ آتے ہیں۔"

"ہاں مجھے یہ بھی تسلیم ہے۔"

"غالباً ان میں سے بھی زیادہ تر تاجر ہی ہوں گے۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

"ٹھیک..... !" حمید سر ہلا کر بولا۔ "تاجر کا مستقبل کیا ہو سکتا ہے۔ بازار کا اتار اور چڑھاؤ"

"یقیناً..... !"

"بازار کا اتار چڑھاؤ" حمید ایک لمبی سانس لے کر آرام کرسی میں دراز ہوتا ہوا بولا۔ "بازار کا اتار چڑھاؤ ان کا مستقبل ہے۔ وہ اس کے متعلق معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر یہ تو سوچو کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں روحوں کی پیشین گوئی کی بناء پر نقصان بھی اٹھانا پڑتا۔ فرض کرو کسی چیز کا بازار گرنے والا ہے۔ روح نے اسکے متعلق پیشین گوئی کر دی نتیجہ یہ ہوا ک کی نکاسی قبل از وقت ہی بند ہو گئی۔ اب بتاؤ اس شخص کا کتنا بڑا نقصان ہوا جو اس کا اسٹاک رکھتا ہے"

"ٹھیک ہے..... میں سمجھ گیا۔"

"بس تو ایسے ہی لوگ تمہارے خلاف سازش کر سکتے ہیں جنہیں تمہاری پیشین گوئیوں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔"

"میں بالکل سمجھ گیا کیپٹن۔ قطعی سمجھ گیا اور یہ بھی سمجھ گیا کہ پچھلی رات روزی

حرکت کیوں کی گئی تھی۔"

ماتھ وہ حرکت کی گئی تھی۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"کچھ نہیں..... اس کا مقصد محض خوفزدہ کرنا تھا۔ میں پورا واقعہ بتاتا ہوں۔"

ڈاکٹر ہڈسن نے وہ سب کچھ دہرایا جس سے روزی دو چار ہوئی تھی اس دوران میں اس نے زیٰ کو بھی وہیں بلوالیا تھا۔ حمید نے پورا واقعہ سن لینے کے بعد اس سے دو چار سوالات کئے اور ی کی سریلی آواز سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

"بالکل ٹھیک ہے ڈاکٹر..... یہ سب کچھ تمہیں خوفزدہ کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔"

"پرواہ نہیں..... میں یہ کام بند نہیں کروں گا۔ اس وقت تک جب تک خود حکومت ہی نہ ل دے۔" ڈاکٹر ہڈسن نے گرم لہجے میں کہا۔

"یہ نہ کہو ڈاکٹر..... مشرق آج بھی اتنا ہی پُر اسرار ہے جتنا صدیوں پہلے تھا۔ تمہاری یب نے اس پر ایک نیا غلاف چڑھا دیا لیکن غلاف کے نیچے وہی اصلیت ہے جو صدیوں پہلے ا۔ یہاں کے جادوگر تمہیں یہ کام بند کرنے پر مجبور کر دیں گے۔"

"جادوگر..... !"

"ہاں ڈاکٹر..... آج بھی یہاں کا بچہ بچہ جادوگر ہے۔"

"میں نہیں مان سکتا۔ اب یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ زمانہ ختم ہو گیا۔"

"نہیں ہر گز نہیں۔" حمید جوش میں آ کر بولا۔ وہ چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔ غالباً وہ کسی نئ ت کے لئے پہلے ہی سے تیار ہو کر آیا تھا۔ اچانک اس کی نظر مینٹل پیس پر رک گئی جہاں ہاتھی ن کے کئی کھلونے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک چوہیا بھی تھی جو پچھلی ٹانگوں پر بیٹھی ہوئی پوزیشن میں تھی جیسے اگلے پیروں سے کوئی چیز پکڑے ہوئے اسے کتر رہی ہو۔

"دیکھو ڈاکٹر..... مجھے اس بات پر مجبور نہ کرو کہ مجھے ہی تمہیں اپنا کوئی کارنامہ دکھانا پڑے۔"

"کیسا کارنامہ..... !"

"جادو کا کرشمہ..... !"

"تم..... !" ڈاکٹر ہڈسن حقارت سے ہنس کر رہ گیا۔

"زیادہ بڑا جادوگر تو نہیں ہوں۔ لیکن کچھ نہ کچھ ضرور رکھتا ہوں۔ اپنی جھولی میں۔"

"میں کافی دلچسپی لوں گا۔" ڈاکٹر ہڈسن مسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں تم اپنے فلٹ ہ خرگوش نکالو گے۔"

"نہیں....!" حمید آرام کرسی کے ہتھے پر گھونسہ مار کر بولا۔ "میں بے جان چیزوں بخش سکتا ہوں۔ سمجھے.... کسی کے مردہ جسم میں اسی کی روح کو وقتی طور پر واپس بلا لینا بڑ نہیں ہے۔ ڈاکٹر ہمارے یہاں کے بچے بھی ایسا کر سکتے ہیں تم نے فرعون کی ممی کی طرح کی روح کو تھوڑی دیر کے لئے رجوع کر لیا تو یہ کوئی بڑا کارنامہ نہ کہلائے گا۔"

حمید کرسی سے اٹھ کر مینٹل پیس کی طرف گیا اور ہاتھی دانت کی چوہیا کو ہتھیلی ہوئے واپس آیا پھر اسے میز پر رکھتا ہوا بولا۔ "یہ ایک بے جان چوہیا ہے ایک کھلونا... اسے گوشت و پوست میں لا سکتے ہو۔"

"نہیں بھائی۔" ڈاکٹر ہڈسن مضحکانہ انداز میں ہنستا ہوا بولا "میرے بس کا روگ نہیں۔"

ڈاکٹر ہڈسن حمید کا مضحکہ اڑا رہا تھا لیکن روزیٹی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

"اچھا ڈاکٹر تو تم ذرا اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ میں اسے نہ صرف زندہ چوہیا میں تبدیل گا بلکہ جتنی دیر کہو گے اسے نچاتا بھی رہوں گا۔"

ہڈسن پھر ہنسنے لگا۔ روزیٹی نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ حمید۔ پٹانگ بکواس شروع کر دی تھی اور ساتھ ہی ساتھ وہ طرح طرح کے پوز بنا کر اچھلتا کو جا رہا تھا۔ پھر ان دونوں کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کب ہاتھی دانت کی چوہیا حمید کی جیب میں کب خود اس کی پالتو چوہیا جیب سے نکل کر میز پر آ گئی۔ جیسے ہی حمید نے اپنے دونوں ہاتھ سے ہٹائے روزیٹی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور ڈاکٹر ہڈسن حیرت سے آنکھیں ہوئے آگے جھک گیا۔

"ناچو.... اب تم ناچو.... میں جس دھن پر چاہوں گا تمہیں اُس پر ناچنا پڑے گا۔" چوہیا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم بھی ڈاکٹر ہڈسن اور روزیٹی کی ہم وطن ہو۔ ناچو میری جان۔"

جیسے ہی حمید نے سیٹی شروع کی تربیت یافتہ چوہیا میز پر پھدکنے لگی۔

ڈاکٹر ہڈسن کی آنکھوں میں حیرت تھی اور اس کے ہونٹ کھلے ہوئے تھے۔ روز چہرے پر خوف و حیرت کے ملے جلے آثار تھے۔

"پاس جاؤ.... چلی جاؤ.... آؤ میری جیب میں آؤ۔" حمید نے مخصوص انداز میں میز ائی اور چوہیا اس کے کوٹ کی جیب میں گھس گئی۔

حمید نے اسی جیب سے ہاتھی دانت کی چوہیا نکال کر میز پر ڈال دی۔

"واقعی ڈاکٹر....!" روزیٹی نے کچھ کہنا چاہا لیکن نہ کہہ سکی۔ اس کے چہرے پر پسینے کی یں تھیں جنہیں وہ رومال سے خشک کر رہی تھی۔

اچانک وہ دبلا پتلا انگریز کمرے میں داخل ہوا۔ جو دربان کی حیثیت سے برآمدے میں بیٹھا اتھا۔ اس نے ڈاکٹر ہڈسن کو کسی کا ملاقاتی کارڈ دیا۔

"اوہ.... کرنل فریدی۔" ڈاکٹر ہڈسن نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ "جاؤ.... انہیں یہاں لاؤ۔"

انگریز چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

"میں جانتا تھا کہ تم یہیں ہو گے۔" اس نے حمید کو غصیلی آواز میں مخاطب کیا اور حمید سچ مچ لا گیا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم اب یہاں نہیں آؤ گے۔"

"کیا مطلب....!"

"شٹ اپ....!" فریدی اتنے زور سے چیخا کہ کمرے کی دیواریں جھنجھلا اٹھیں۔ پھر اس نے ڈسن سے کہا۔ "اگر اب تم نے اسے اپنے یہاں آنے دیا تو اپنی لڑکیوں کی بربادی کے خود ذمہ ہو گے اور میں کسی قسم کی شکایت نہ سنوں گا سمجھے۔"

"مگر کرنل....!" ہڈسن نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر حمید کو ازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "نکلو یہاں سے۔"

حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بھرے بازار میں ننگا کر دیا گیا ہو۔

دو فائر

سڑک تک پہنچتے پہنچتے حمید آپے سے باہر ہو گیا۔ غصے کے مارے اُس کا عجیب حال تھا۔ ذہن ں فریدی کے خلاف کئی بُرے الفاظ گونج رہے تھے اور غصے کی زیادتی گلا گھونٹ رہی تھی۔ وہ خود نے ہی ہاتھوں بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ ابھی وہ کیڈی تک نہیں پہنچے تھے کہ انہیں ڈاکٹر ہڈسن کی

آواز سنائی دی جو انہیں پکارتا ہوا تیزی سے اسی طرف آرہا تھا۔ فریدی رک گیا لیکن اُس
اب بھی حمید کی گردن پر تھا۔

"مگر کرنل آخر اتنی خفگی کی کیا وجہ ہے۔ دو منٹ ٹھہرو۔ کچھ گفتگو کریں گے۔ یہ
آئے اور کھڑے ہی کھڑے چل دیئے۔" ڈاکٹر ہڈسن فریدی کے قریب پہنچ کر بولا۔

"میں بہت عدیم الفرصت آدمی ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن کل اتنے عدیم الفرصت نہیں تھے۔"

"مجھے افسوس ہے کل ایک غلط فہمی کی بناء پر یہاں چلا آیا تھا.... اب کوئی بات نہیں۔"

"وہ تو مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔"

"غالباً اسی نالائق سے معلوم ہوا ہوگا۔"

"اوہ.... انہیں نالائق نہ کہو.... یہ تو بڑے کام کمال کے آدمی ہیں۔ بے جان چیزوں
جان ڈالتے ہیں۔ ہاتھی دانت کی چوہیا کو میں نے ابھی تھرکتے دیکھا ہے۔ کرنل میرے خ
کمال ہے۔"

فریدی نے بڑی پھرتی سے حمید کے جیب میں ہاتھ ڈال کر چوہیا نکال لی اور اسے ڈاکٹر
کے چہرے کے برابر اٹھاتا ہوا بولا۔ "یہ رہی چوہیا.... میں تم سے یہی کہہ رہا تھا کہ اس۔
لڑکیوں کو بچانا۔ لڑکیاں اُس کی انہیں حرکتوں پر بُری طرح مرتی ہیں اور پھر تباہ ہو جاتی ہیں۔

اب حمید کی کھوپڑی بالکل ہی آؤٹ ہو گئی اور اس نے مچل کر اپنی گردن فریدی کی گ
سے آزاد کرالی لیکن وہ بھاگ نہیں سکا۔ کیونکہ فریدی نے اُس کی کلائی پکڑ لی تھی۔

"اچھا ڈاکٹر.... شب بخیر....!" فریدی نے کہا اور اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر حمید
اندر بیٹھ گیا۔ کیڈی چل پڑی۔

"کیا مطلب تھا اس کا۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "خود ہی بھیجا پھر اس طرح ذلیل بھی کیا

فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا اور اب حمید نے باقاعدہ طور پر اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

"بس اتنے ہی میں ہوش ٹھکانے آ گئے۔" فریدی ہنسی ضبط کرتا ہوا بولا۔ "فرزند من اگر
اسکیم کا آخری حصہ تمہیں پہلے ہی بتا دیتا تم لاکھ برس میں بھی نہ کر سکتے جو میں چاہتا تھا۔"

"آپ کے چاہنے ہی کے لئے تو میں پیدا ہوا ہوں۔"

"تم سمجھتے ہو کہ اب وہ لوگ تمہیں منہ نہ لگائیں گے۔ لیکن برخوردار میرا دعویٰ ہے کہ کل
آر لکچو میں روزیٹی کے ساتھ رقص کرو گے۔ اگر ایسا نہ ہو تو فریدی کو گولی مار دینا۔ بہرحال تم
نے آخیر وقت تک اپنا پارٹ بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔"

حمید نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ کسی کام میں ہاتھ نہ لگائے گا۔ پچھلی رات اسے فریدی کی اس
کت پر ایسا معلوم ہوا تھا جیسے نہ صرف اس کی بلکہ اس کی آنے والی نسلوں کی توہین ہو گئی ہو۔

آج صبح اس نے فریدی کے ساتھ ناشتہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اُس وقت کمرے سے باہر ہی نہیں
لا جب تک کہ فریدی باہر نہیں چلا گیا۔

پچھلی رات اس نے جو کچھ بھی کیا تھا فریدی کے کہنے پر۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ آخری منظر
ی اسکیم ہی کا ایک جزو تھا تو اس سے اس کا باخبر ہونا ضروری تھا۔ اس طرح اسے شرمندہ تو نہ ہونا
تا۔ لیکن پھر وہ سوچنے لگا کہ باخبر ہونے کی صورت میں اس کی ایکٹنگ اتنی جاندار نہ ہو سکتی۔ بے
ری میں تو سب کچھ بالکل فطری انداز میں ہوا تھا لیکن پھر بھی اُس کو فریدی پر غصہ تھا۔ جب
ی پچھلی رات کا واقعہ یاد آتا وہ ایک بے نام سی الجھن محسوس کرنے لگتا تھا۔

فریدی کے کمرے میں دیر سے فون کی گھنٹی بج رہی تھی لیکن حمید کے کان پر جوں تک
یں رینگی۔ وہ آج کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ گھنٹی بند ہو گئی۔ پھر اُس کے بعد ہی ایک نوکر حمید
ی خواب گاہ میں داخل ہوا۔

"آپ کا فون ہے۔"

"کہہ دو موجود نہیں ہیں۔"

"مگر سرکار میں نے تو کہہ دیا کہ موجود ہیں۔"

"کس سے پوچھ کر کہہ دیا ہے۔" حمید اس پر برس پڑا۔

"صاحب کوئی عورت ہے۔"

"دیکھو....!" حمید فوراً نرم پڑ گیا۔ "مجھ سے پوچھے بغیر اس قسم کی حرکت نہ کیا کرو سمجھے!
تمہیں کہنا چاہئے تھا دیکھ لوں کپتان صاحب ہیں یا نہیں۔"

"حضور وہ انگریزی بول رہی تھی اور مجھے انگریزی میں لیس سر اور نو سر کے علاوہ اور کچھ نہیں آتا۔"

"اور تم نے اس عورت کو بھی سر ہی کہا ہوگا۔"

"یس سر....!" نوکر نے کچھ اس انداز میں کہا کہ حمید کو ہنسی آگئی۔

وہ فریدی کے کمرے میں آیا۔ ریسیور میز پر پڑا ہوا تھا۔

"ہیلو....!"

"کون.... کیپٹن!" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"ہاں.... آں.... آپ کون ہیں؟"

"روزیٹی....!" اس طرح کہا گیا جیسے ہنسی روکنے کی کوشش کی جارہی ہو۔

"ہوں.... کیا بات ہے۔"

"کیا آج نہ آؤ گے۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"ضرور آؤں گا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"آپ غصے میں معلوم ہوتے ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی "مگر یہ اچھا ہی ہوا و میں تمہیں فون کرنے کی ہمت نہ کرسکتی۔"

"کیوں.... میں نہیں سمجھا۔"

"اگر رات والا واقعہ حقیقت پر مبنی ہوتا تو میں تم سے خائف ہوتی۔ لیکن اس وقت خا لطف آرہا ہے۔ ڈاکٹر کی زبانی اصل واقعہ معلوم کرکے میں بڑی دیر تک ہنستی رہی۔ تم نے ک صفائی سے ہمیں اُلو بنایا تھا۔ مگر پھر بھی تمہارے کمال کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ چوہوں سدھانا قریب ناممکن ہے۔"

"ہاں.... ہے تو....!"

"مگر میرا خیال ہے کہ تمہارا چیف عورتوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا۔"

"تم ٹھیک سمجھیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر اس کا بس چلتا تو وہ عورت کی بجا کسی مرد کے پیٹ سے پیدا ہونے کی کوشش کرتا۔" جواب میں حمید نے ایک سریلا قہقہہ سنا۔

"اچھا چھوڑو.... آج کس وقت آرہے ہو۔"

"ہائیں کیا کل تم نے میرے چیف کی گفتگو نہیں سنی تھی۔"

"سنی تھی.... اسی لئے میں نے یہ کہا تھا کہ عورتوں کے بارے میں وہ اچھی رائے نہیں

جانتے ہو کہ ہم مغربی لوگ اس معاملے میں تنگ نظر نہیں ہیں۔"

میں جانتا ہوں۔"

ڈاکٹر تم سے ملنے کے مشتاق ہیں۔ ارے لو، وہ آ ہی گئے۔" روزیٹی نے کہا۔

کے بعد حمید کے کان میں ہلکی سی بھنبھناہٹ گونجتی رہی۔ شاید روزیٹی اور ڈاکٹر آپس وکرنے لگے تھے۔ "ہیلو" چند لمحوں کے بعد روزیٹی کی آواز آئی۔

ہیلو....!"

دیکھو.... ڈاکٹر کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

ہلو....!" ڈاکٹر کی آواز آئی اور پھر وہ بولتا ہی رہا۔ "شریر لڑکے آج تم ضرور آؤ گے میں ہت زیادہ پسند کرنے لگا ہوں۔ آج ہم ایک کاک ٹیل پارٹی میں جارہے ہیں تمہیں ہمارے ہلنا ہوگا سمجھے اور تمہارے ساتھ تمہاری چوہیا بھی ہوگی۔ اور سنو جوان آدمی رقص کے میں ساؤتھ امریکن کاک ٹیل بھی شامل ہے۔"

مگر میرے چیف نے....؟"

اوہ.... چھوڑو اسے.... وہ مجھے کوئی مُلّا معلوم ہوتا ہے۔"

اچھا ڈاکٹر میں ضرور آؤں گا۔"

بہت اچھے.... میں سات بجے تمہارا منتظر رہوں گا۔"

ون کا سلسلہ دوسری طرف سے منقطع ہوگیا۔

❁

لریٹی نے ضمانت پر رہا ہوتے ہی اپنے شراب خانے کا رخ کیا تھا۔ اس کے پڑوسی اس کی کی پرخوش تھے وہ سمجھے تھے کہ شاید اب اس سے ہمیشہ کے لئے نجات مل گئی۔ کیونکہ انہوں نی اڑتی خبر سنی تھی کہ اس پر اس کی محبوبہ کے قتل کا الزام لگایا جارہا ہے۔ لیکن جب انہیں یہ الی کہ وہ ضمانت پر رہا کردیا گیا ہے تو وہ اظہار ہمدردی کے لئے جوق در جوق اس کے پاس گے۔ گریٹی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ انہیں اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اخلاقاً برداشت کرتا رہا۔ ویسے بھی پڑوسیوں کے ساتھ اس کا برتاؤ بُرا نہیں تھا۔ وہ دراصل یوں سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتا تھا۔

بہر حال جب ان سے فرصت ملی اور وہ رم کی آدھی بوتل ختم کر چکا تو اسے س
ستانے لگی اور اُس کا دل اسے ملامت کرنے لگا شاید زندگی میں پہلی بار اُسے اپنے کمینہ پن
ہوا تھا۔ وہ آدھی بوتل میز پر ہی چھوڑ کر اٹھ گیا۔ سونیا کی تصویر بُری طرح اُس کے ذہن
تھی۔ وہ سونیا کو چاہتا تھا اس کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا تھا اور سونیا ہر حال
وفادار کتیا کی طرح اس کے اشارے پر دم ہلانے لگتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب
عورت اس کی زندگی میں کبھی داخل نہ ہو سکے۔

وہ ٹہلتا ہوا اسی راہداری میں آیا جہاں اس نے سونیا کو بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا۔
محسوس ہونے لگا جیسے سونیا اب بھی اس کی گرفت سے نکلنے کے لئے بے بسی سے ہاتھ
ہو۔ گریٹی کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔ وہ آہستہ آہستہ گٹر کے دہانے
بڑھنے لگا اور پھر اس کے قریب پہنچ کر اس کے جسم میں تھرتھری سی پیدا ہو گئی۔

وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس کے کانوں میں گرجے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ تیز قسم
جن کی جھنجھناہٹ اسے اپنے سارے جسم میں محسوس ہو رہی تھی اور پھر گھنٹیوں کے ا
اسے سونیا کے رونے کی آواز سنائی دی۔ کتنا درد تھا اس آواز میں۔ اس آواز میں کتنی پر
جب وہ اسے پیٹا کرتا تھا تو وہ ایسی ہی آواز میں روتی تھی۔ گریٹی کی آنکھوں سے دھار
اور وہ بے ساختہ زمین پر گر گیا۔ اس کی پیشانی گٹر کے آہنی اور کھردرے ڈھکن پر
رو رہا تھا اور اپنی پیشانی گٹر کے ڈھکن پر اس طرح رگڑ رہا تھا جیسے وہ سونیا کا رخسار ہو۔
یک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا اور اب اس کی آنکھوں میں آنسو

"مار ڈالوں گا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ "میں فریدی کو مار ڈالوں گا۔"

دوسرے لمحے میں وہ بہت تیزی سے اپنے رہائشی کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ اس
کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو! میں گریٹی بول رہا ہوں۔ ہاں گریٹی.... مجھے ایک ریوالور چاہئے۔ باقاعد
پہلے میں نے اپنا سامان ضائع کر دیا تھا.... مجھے ایک ریوالور چاہئے.... سمجھے بولو....
نہیں دیتے۔"

"یہ کیا حماقت ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم سچ مچ گدھے ہو۔ خبر

یہاں فون مت کرنا۔ جب مجھے ضرورت ہو گی تم سے کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم کر لوں گا۔"

اور پھر اس کے بعد ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

گریٹی نے ریسیور پٹختے ہوئے ایک کریہہ سی گالی دی اور فون کو مکا دکھاتا ہوا بولا۔ "اچھا سور
بچے سب سے پہلے تجھ سے ہی نپٹوں گا۔ ٹھیک ہے تیری ہی بدولت سونیا کی جان گئی۔ اچھا تو
رات تیری آخری رات ہو گی۔"

ڈیکن ہال میں امریکن سفارت خانے کی طرف سے کاک ٹیل پارٹی دی گئی تھی جس کے
اور دوسرے پروگرام بھی تھے۔ حمید اس موقع پر پیچھے نہیں رہا تھا۔ اگر ڈاکٹر ہڈسن اسے
نہ کرتا تب بھی وہ یہاں ضرور پہنچتا۔ کیونکہ اس کے اور فریدی کے نام براہِ راست دعوت
آئے تھے۔ لیکن فریدی ڈیکن ہال میں موجود نہیں تھا۔

ڈاکٹر ہڈسن کے ساتھ دونوں لڑکیاں آئی تھیں اور حمید اپنے ڈنر سوٹ میں بڑا اسمارٹ لگ
تھا لیکن وہ اپنی پالتو چوہیا ساتھ نہیں لایا تھا۔

رقص میں وہ باری باری سے دونوں لڑکیوں کو ہم رقص بناتا رہا۔ روزیٹی اس تقریب کی
زادی تھی۔ شہر کے سینکڑوں آدمیوں نے اُس سے رقص کی درخواست کی لیکن وہ حمید کے
اوہ اور کسی کے ساتھ نہیں ناچی۔

دو بجے تک عورتیں کتیوں کی طرح بھونکنے لگیں۔ ساؤتھ امریکن کاک ٹیل کا دور شروع
ہو گیا تھا اور مہذب ترین آدمیوں پر بھی وحشت طاری ہونے لگی تھی۔ اور وہ جانوروں کی طرح
بے مہار ہو گئے تھے۔ اس وقت حمید روزیٹی کے ساتھ ناچ رہا تھا۔

"جنگلی کہیں کے۔" وہ حمید کا بازو نوچ کر بولی۔

"ہاہا.... ہاہا.... ہہ ہا۔" حمید موسیقی کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ قہقہے لگانے لگا۔

"مجھے یہ وحشیانہ اندازِ رقص بالکل پسند نہیں۔" روزیٹی بسور کر بولی۔

"تو پھر ختم کرو.... ہم کہیں چل کر بیٹھیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں یہی بہتر ہے.... میں بہت تھک گیا ہوں۔"

"ڈاکٹر کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں....!"

"اور....وہ....ریگی....!"

"میں نہیں جانتی.... کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔"

"ار.... نہیں.... تم تو.... کسی مصور کا حسین خواب ہو۔"

"مجھے شاعری سے نفرت ہے۔" نہ جانے کیوں روزیٹی کچھ جھلا سی گئی تھی۔

"تب پھر مجھے کہنے دو کہ ایک دن تمہارا خوب صورت جسم کیڑے کھا جائیں گے تم صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاؤ گی اور یہ کہ اس وقت بھی تمہارے پیٹ میں آنتیں ہیں۔ جنہیں دیکھنے سے گھن آتی ہے۔ اگر تمہارا پیٹ پھاڑ دیا جائے تو تمہارے چہرے پر لگے ہوئے روز اور غازے کی کیا وقعت رہ جائے گی۔"

"تم اُلو ہو۔" روزیٹا بھنا کر بولی۔

"میں شاعری بھی کر سکتا ہوں اور اُلو بھی ہوں۔"

وہ دونوں ناچتے ہوئے بھیڑ سے نکل کر اپنی میز پر آ گئے۔

ڈاکٹر ہڈسن اور ریگی وہاں بھی نہیں تھے۔ روزیٹی تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"کیوں کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ڈاکٹر اور ریگی.... انہیں یہیں ہونا چاہئے تھا۔"

"ڈاکٹر کو ریگی سے عشق تو نہیں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"تم بعض اوقات پاگلوں کی طرح بکواس کرنے لگتے ہو۔"

"کیوں کیا میں نے کوئی بُری بات کہہ دی ہے۔"

"ڈاکٹر بہت نیک آدمی ہے۔"

"تو کیا میں بُرا آدمی ہوں۔"

"میں کب کہتی ہوں۔"

"تو پھر مجھے تم سے عشق ہو گیا ہے۔"

"ہو جانے دو۔" گریٹی نے لاپروائی سے کہا۔

"نہیں یوں نہیں.... تم بھی کہو کہ تمہیں مجھ سے عشق ہو گیا ہے۔"

"تم کھلنڈرے ہو.... میرا مذاق نہ اڑاؤ۔"

اچانک داہنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ کر فرش پر گرا۔ حمید چونک کر ایک طرف ہو گیا اور اسی اضطراری حرکت نے اس کی جان بچائی کیونکہ شیشہ ٹوٹنے کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا تھا۔ حمید نے خود کو کرسی سے گرا دیا تھا۔ پھر ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ ہال میں کسی نہ کسی کے گولی ضرور لگی تھی۔ کچھ لوگ دوڑ کر حمید کی طرف آئے اور اُس نے کھڑکی کی طرف اشارہ کر دیا۔ روزیٹی دور کھڑی کانپ رہی تھی۔

حمید لوگوں کو بتا رہا تھا کہ کس طرح شیشہ توڑ کر دوسری طرف سے کسی نے فائر کیا تھا۔

اچانک اس کی نظر فریدی پر پڑی جو مجمع میں کھڑا اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

روزیٹی بھی فریدی کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت اسے بہت پُر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔ حمید فریدی کی طرف بڑھا۔

"فکر کی بات نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "وہ پاگل ہو گیا ہے۔"

"کون....!"

"گریٹی۔ اُس نے پہلا فائر ڈاکٹر ہڈسن پر کیا تھا مگر وہ بچ گیا۔"

"ڈاکٹر کہاں تھا۔"

"باغ میں....!"

"کیا گریٹی پکڑ لیا گیا۔"

"نہیں۔"

زندہ لاش

روزیٹی وہاں تنہا رہ گئی۔ کیونکہ حمید کو فریدی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ لوگ سوالات کر کے اسے پریشان کرنے لگے تھے اور روزیٹی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے۔ اسے وہیں رک کر ڈاکٹر ہڈسن کا انتظار کرنا تھا۔

ذ انتظار کا یہ وقفہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ ڈاکٹر ہڈسن بھیڑ کو ہٹاتا ہوا ریگی سمیت اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"اوہ.... ڈاکٹر....!" روزیٹی نے کہا اور اسے اپنی ٹھنڈی سانس بڑی تسکین آمیز محسوس ہوئی۔

"کیوں.... کیا بات ہے۔" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"کسی نے کیپٹن حمید پر فائر کیا تھا۔" روزیٹی نے ٹوٹی ہوئی کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "وہ بچ گیا لیکن گولی ایک دوسرے آدمی کی ٹانگ میں لگی۔"

"کیپٹن کہاں ہے۔"

"اسے اس کا چیف اپنے ساتھ لے گیا۔"

"اچھا.... چلو جلدی کرو۔"

اتنے میں امریکی سفارت خانے کے ایک افسر نے مائیکروفون پر اعلان کیا کہ معزز مہمان اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جائیں۔ پولیس نہیں چاہتی کہ ضروری کاروائی سے قبل کوئی باہر جائے۔

بھیڑ چھٹنے لگی۔ لوگ ادھر اُدھر کرسیوں پر بیٹھنے لگے تھے اور ہال میں مختلف قسم کی ملی جلی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کچھ عورتیں جو نشے میں چور تھیں، اب بھی قہقہے لگا رہی تھیں۔

"یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔" ڈاکٹر ہڈسن چاروں طرف دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"تو پھر نکلنے کی کیا صورت ہو گی۔" روزیٹی نے پوچھا۔

ڈاکٹر ہڈسن کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "مجھ پر بھی فائر کیا گیا تھا۔"

"کیا....!" روزیٹی اچھل پڑی۔

"ہاں.... میں باغ میں تھا۔ رولینڈ کی واپسی کا منتظر تھا۔"

"لیکن فائر کیا کس نے؟"

"میں خود الجھن میں ہوں اور پھر تم کہتی ہو کہ اس سراغ رساں پر بھی فائر کیا گیا تھا لیکن گولی نہ اس کے لگی اور نہ میرے۔ میں ایک نئی لائن پر سوچنے کیلئے مجبور ہو گیا ہوں۔"

روزیٹی کچھ نہ بولی۔ وہ تشویش آمیز نظروں سے ڈاکٹر ہڈسن کے چہرے کیطرف دیکھ رہی تھی۔

"فریدی بہت چالاک آدمی ہے۔" ڈاکٹر نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "یہ اسی کی حرکت ہے۔"

پولیس کی رپورٹ مرتب کرنے میں پورا ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ پھر تین بجے ہال کے

ے کھول دیئے گئے۔

روزیٹی اس دوران میں خاموش ہی رہی اور ریگی ان لڑکیوں میں سے تھی جو بغیر ضرورت نہیں کرتیں۔ گفتگو کے دوران میں اکثر وہ مخاطب کو اس طرح دیکھنے لگتی تھی جیسے اس کے بی اس کی آواز ہی نہ پہنچ رہی ہو۔

ڈاکٹر ہڈسن بڑی تیز رفتاری سے اپنی کار برکلے ہاؤز کی طرف لئے جا رہا تھا اور اسے اس بات کا احساس تھا کہ ایک تیز رفتار موٹر سائیکل اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ ایک بار روزیٹی نے بھی ی طرف اشارہ کیا۔ لیکن اس نے ڈاکٹر ہڈسن کے اطمینان میں ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں برکلے ہاؤز کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ وہ اپنی کار اندر لیتا ہوا چلا گیا۔

اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ کار کا تعاقب کرنے والا کون ہے۔ وہ کار کو ایک روش پر روک کر باغ کی دیوار کی طرف لپکا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت ایک فائر ہوا اور گولی سنسناتی ہوئی اس کے ے نکل گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ خود کو زمین پر گرا اس نے لڑکیوں کی چیخیں سنیں اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بھاری قدموں سے بھاگتا ہوا کی طرف جا رہا ہو۔

وہ زمین ہی پر پڑے پڑے پھاٹک کی جانب رینگنے لگا۔ تھوڑی ہی دور رینگنے کے بعد کچھ یں سنائی دینے لگیں جیسے باہر کچھ لوگ ایک دوسرے سے گتھ گئے ہوں۔ ڈاکٹر ہڈسن پھاٹک رینگ آیا۔

سامنے سڑک پر اسے دو آدمی تاروں کی چھاؤں میں لڑتے ہوئے دکھائی دیئے۔ وہ ایک رے پر گھونسے برسا رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو یقیناً بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔ جیسے ہی وہ جانے کی کوشش کرتا دوسرا اس پر اس بُری طرح حملہ کرتا کہ اسے رک کر پلٹنا ہی پڑتا تھا۔

"رولینڈ....!" ڈاکٹر ہڈسن نے آہستہ سے پکارا۔ لیکن لڑنے والوں کے منہ سے ہلکی سی ز بھی نہ نکلی۔

"رولینڈ....!" ڈاکٹر ہڈسن نے پھر پکارا۔ مگر لڑنے والے بدستور لڑتے رہے اور اُن کی ف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس بار ہڈسن کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

اچانک ایک کار آکر ان لڑنے والوں کے قریب رک گئی۔ اس کی ہیڈ لائٹوں کی رُوشنی ایک

بار لڑنے والوں پر بھی پڑی تھی اور ڈاکٹر ہڈسن اُن میں سے ایک کو پہچان کر ششدر رہ گ
کار کی روشنی بجھادی گئی اور اس پر سے دو آدمی اترے اتنے میں لڑنے والوں میں ڈھیر ہوچکا تھا۔ پھر ڈاکٹر ہڈسن کو تین دھندلے سائے نظر آئے جو گرے ہوئے آدمی کو کی طرف لے جارہے تھے۔

قبل اس کے کہ ڈاکٹر ہڈسن کوئی فیصلہ کرتا کار فراٹے بھرتی ہوئی دور نکل گئی۔

پھر تقریباً تین چار منٹ تک وہ وہیں سینے کے بل زمین پر پڑا رہا۔

آہستہ آہستہ تاریکی کا غبار چھٹتا جارہا تھا اور تارے اس طرح جھلملا رہے تھے جیسے کو بچہ مخصوص انداز میں پلکیں جھپکاتا ہے اور اب پھر وہی اتھاہ سناٹا اور جھینگروں کی جھائیں تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ازل سے اب تک سناٹے کا یہ سلسلہ ٹوٹا ہی نہ ہو۔

ہڈسن کچھ دیر تک تو زمین ہی پر پڑا ہوا رینگتا رہا۔ پھر سیدھا کھڑا ہوکر چلنے لگا۔ دونو لڑکیاں اب بھی کار ہی میں تھیں اور ایک دوسری سے اس طرح لپٹی ہوئی تھیں جیسے ا ساتھ ہی جینے اور مرنے کا تہیہ کرلیا ہو۔

❁

دوسری صبح فریدی نیشنل بنک میں داخل ہوا اور سیدھا منیجر کے آفس میں چلا گیا شاید اس سے پہلے ہی سے واقف تھا۔ احتراماً کھڑا ہوگیا۔ لیکن اس کے سامنے بیٹھا ہوا آد بیٹھا رہا یہ شہر کا ایک بڑا سرمایہ دار تھا۔

منیجر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور فریدی اس کا شکریہ ادا کرکے بیٹھ گیا۔

"فرمایئے! کیا خدمت کروں۔" منیجر نے مسکرا کر پوچھا۔

"اس بینک کی معرفت دو ممیاں فروخت کی گئی ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"کس نے خریدی ہیں۔"

"آپ نے....!" منیجر نے سر سے اشارہ کرتے ہوئے سامنے والے آدمی کی طرف

"اوہ.... آپ نے....!" فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"جی ہاں.... کیوں....؟" اُس نے فریدی کو گھور کر پوچھا۔

"کیا آپ نے ممیاں یہاں سے اٹھوالیں۔"

"میں آپ کے سوالات کا جواب کیوں دوں۔" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس لئے....!" فریدی اس کے سامنے اپنا ملاقاتی کارڈ رکھتا ہوا بولا۔

اس نے کارڈ کو غور سے دیکھا اور پھر فریدی کو تیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

"آپ یہ سب کیوں دریافت کررہے ہیں۔"

"اس کی ضرورت محسوس کررہا ہوں جناب۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"ہاں میں نے دو ممیاں اسی بینک کی معرفت خریدی ہیں۔ قیمت ابھی ادا کرچکا ہوں۔ اب ممیاں یہاں سے اٹھوا کر گھر لے جاؤں گا اور کچھ۔"

"نہیں! اب ان ممیوں سمیت میرے ساتھ چلیں گے۔"

"تم جانتے ہو میں کون ہوں۔" اس آدمی نے بگڑ کر کہا۔

"زیادہ سے زیادہ کسی منسٹر کے سالے ہوگے.... اور کیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اچھا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں۔" اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

لیکن اسے ایک غیر متوقع ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔ فریدی نے میز پر رکھا ہوا رول اٹھا کر اس کے ہاتھ پر رسید کردیا تھا۔

"خود کو میری حراست میں تصور کرو۔" فریدی نے اس انداز میں کہا جیسے بہت دنوں سے ملاقات ہونے پر کسی کی خیریت دریافت کررہا ہو۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" وہ آدمی گرج کر بولا۔

"میں قطعی ہوش میں ہوں۔ میرے کہنے پر عمل کرو، ورنہ ہتھ کڑیاں لگا کر لے چلوں گا۔ سمجھے.... میں جانتا ہوں کہ تم ایک بڑے سرمایہ دار ہو لیکن قانون بہرحال قانون ہے۔"

"آپ دیکھ رہے ہیں۔" وہ جھلا کر منیجر کی طرف پلٹا۔

منیجر کچھ نہ بولا۔ شاید اسے پہلے ہی سے خبردار کردیا گیا تھا۔

"تم مجھے کسی بات پر مجبور نہیں کرسکتے۔" اس نے فریدی سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم سرعام اپنی بے عزتی پر مسرور ہونا چاہتے ہو۔ خیریت اسی میں ہے کہ جو کچھ کہوں کرتے جاؤ۔"

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

"اچھا تو چلو....!" فریدی جیب سے ہتھ کڑیوں کا جوڑا نکالتا ہوا بولا۔ پھر دروازے کی طرف دیکھ کر بلند آواز میں کہا۔ "رمیش اندر آجاؤ۔"

دوسرے ہی لمحے میں سرجنٹ رمیش ایک آدمی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

"اس کے ہاتھ پکڑو، میں ہتھ کڑیاں لگاؤں گا۔"

دونوں اس پر جھک پڑے اسے قابو کرنے میں زیادہ دشواری نہیں پیش آئی۔ فریدی نے ہتھکڑیاں لگادیں۔

"اچھا میں دیکھ لوں گا....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

فریدی اسکی بات کا جواب دیئے بغیر رمیش سے بولا۔ "غالباً وہ ممیاں گاڑی پر رکھ دی گئی ہوں گی۔"

"جی ہاں....!"

اب فریدی اپنے شکار کی طرف مڑا۔ ایک لمحہ اسے حقارت آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "چلئے جناب.... اب آپ کو اسی صورت میں چلنا پڑے گا۔"

رمیش اور اس کے ساتھی نے اسے کھینچ کر کرسی سے اٹھادیا۔ بینک کا منیجر خاموشی سے بیٹھا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پتھر کا بت ہو۔

"اچھا جناب....!" فریدی منیجر کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

قیدی دروازے کے قریب رک گیا تھا۔ جیسے ہی فریدی اُس کے قریب پہنچا اُس نے آہستہ سے کہا۔ "ہتھکڑیاں اتروادیجئے.... میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فریدی نے کہا اور ہتھکڑیاں اس کے ہاتھوں سے الگ کردیں۔

اور پھر وہ باہر نکل آئے۔ سڑک پر پہنچتے ہی اُس آدمی نے فریدی سے کہا۔

"کیا گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں۔"

"گلوخلاصی کے لئے عدالتیں کھلی ہوئی ہیں۔ بس گاڑی میں بیٹھ جایئے۔"

"ایک لاکھ لے لیجئے۔"

"ایسی صورت میں ایک دوسرا مقدمہ بھی آپ پر قائم کیا جاسکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

محکمہ سراغرسانی کی ایک بڑی سی وین سڑک پر موجود تھی۔ فریدی اپنے قیدی سمیت اُس

لیا۔ نیچے دو ممیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ہزارہا سال پرانی لاشیں.... وین روانہ ہوگئی۔

ر پھر فریدی تھوڑی ہی دیر بعد اپنے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی کے آفس میں موجود تھا۔ اُس
ہ قیدی بھی تھا اور ممیاں بھی.... ڈی۔ آئی۔ جی نے اُس قیدی کو تحیر آمیز نظروں سے
یرت کی بات بھی تھی۔ وہ نہ صرف ایک بڑا سرمایہ دار بلکہ پبلک لائف میں بھی لیڈر قسم
تھا۔

یہ....!" ڈی۔ آئی۔ جی۔ نے آہستہ سے کہا۔

جی ہاں.... اتنے اونچے قسم کے جرائم چھوٹے موٹے آدمی نہیں کرتے۔"

لیکن معاملہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔"

یں عرض کرتا ہوں.... اس واقعے کا تعلق سینٹرل بینک والے معاملے سے ہے۔ وہاں
میں جعلی نوٹ آئے تھے۔"

ں ہاں میں سمجھ گیا لیکن.... یہ معاملہ....!"

ٹھہریئے.... میں بتاتا ہوں.... ڈاکٹر ہڈسن والا معاملہ گوش گزار کرچکا ہوں۔ اب میں
طریقہ بتاؤں گا جس سے ایسی انہونی باتیں بھی ہوجاتی ہیں۔"

ی کا چہرہ زرد ہوگیا۔ فریدی ممیوں کی طرف اشارہ کرکے بولا۔ "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ
ممیاں ہیں۔"

۔ آئی۔ جی کچھ بولا نہیں۔ وہ جواب طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ممیاں نہیں صرف لکڑی کے خول ہیں اور ان پر اس طرح کا روغن کیا گیا ہے کہ یہ ممیاں
لگتی ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ آپ کو ان میں سے کسی میں بھی کوئی لاش نہ ملے گی۔"

ر آخر یہ ہے کیا بلا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

یکھئے....!" اُس نے کہا اور ممی کے درمیانی جوڑ کو ٹٹولنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں اُس کا
جھٹکے کے ساتھ کھل کر پیروں کی طرف کھڑا ہوگیا اور ساتھ ہی ڈی۔ آئی۔ جی کی
یں حیرت سے پھیل گئیں۔ کیونکہ ممی کے خول میں نوٹوں کے بنڈل بھرے ہوئے تھے۔

دیکھئے.... یہ رہے اصلی نوٹ.... اور انہیں نمبروں کے جعلی نوٹ نیشنل بنک کے
روم میں پہنچ گئے ہوں گے۔"

"اور اب دیکھیے۔ مجھے یقین ہے کہ اس دوسرے خول سے کوئی زندہ لاش برآمد ہوگی
نوٹ کسی فوق الفطرت طریقے سے اِدھر اُدھر نہیں منتقل ہوتے۔"

"کیا اس کے اندر کوئی ذی روح زندہ رہ سکتا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے دوسری ممی کی
دیکھتے ہوئے کہا۔

"سب کچھ ہوسکتا ہے.... جناب والا! اسے بھی دیکھ لیجئے۔"

فریدی نے دوسری ممی کا بھی ڈھکن اٹھادیا۔ اس کی توقع کے مطابق سچ مچ اُس م
آدمی لیٹا ہوا نظر آرہا تھا۔ پھر وہ آدمی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اس کا چہرہ گیس ماسک میں چ
اور کمر کے گرد چاروں طرف آکسیجن کی تھیلیاں لگی ہوئی تھیں۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے پکڑ لیا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے چہرے
ماسک ہٹادیا گیا۔ یہ وہی دبلا پتلا مدقوق سا انگریز تھا جو برکلے ہاؤز میں دربانی کے فرائض ا
تھا۔ فریدی پر نظر پڑتے ہی اس کی گھگھی بندھ گئی۔

"تو یہ رہی وہ زندہ لاش....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور یہ طریقہ ہے جعلی نوٹوں کی تقس

"تو کیا ممیاں بینک کی معرفت فروخت ہوتی رہی ہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... اُن کا پہلا شکار سینٹرل بینک تھا اور دوسرا نیشنل بینک۔"

انگریز کھڑا بُری طرح کانپ رہا تھا۔ پھر یک بیک وہ گر پڑا۔

فریدی نے جھک کر اُسے دیکھا اور پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "بیہوش ہوگیا ہے۔"

"تو کیا ڈاکٹر ہڈسن....!"

"جی ہاں.... وہی...." فریدی نے کہا۔ "وہ ان کا سرغنہ ہے۔ اُس کے ایک آدمی
میں پچھلی ہی رات کو گرفتار کر چکا ہوں۔ ہڈسن نے اُسے میری نقل و حرکت پر نظر
مقرر کیا تھا۔ پچھلی شام کو یہ دونوں ممیاں نیشنل بینک میں پہنچائی گئی تھیں۔ اُس کے بعد
میرے پیچھے لگ گیا تھا۔ ہڈسن نے یہ کاروبار شروع کرنے کے قبل ہی سے مجھ پر نظر رکھی

فریدی نے اس سلسلے کے دوسرے واقعات دہرانے شروع کئے، روحوں سے گفتگو
پانچ آدمیوں کو دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو جانا.... اور سب سے بڑا لطیفہ.... روحوں نے ہڈ
اطلاع بھی دے دی تھی کہ اس وقت وہاں فریدی اور حمید بھی موجود ہیں۔

ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔

خاص بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر یہ حضرت۔"

نے قیدی کی طرف اشارہ کیا۔ ایک لمحہ خاموش رہا اور پھر بولا۔ "یہ ان ممیوں کو گھر لے
ران نوٹوں کے حصے بخرے ہوجاتے.... یہ حضرت جو قوم کے لیڈر ہونے کا بھی
ہیں۔"

کچھ نہ بولا۔ فریدی نے اُسے جھنجھوڑ کر کہا۔ "کیا کہتے ہو... کیا تمہیں اس جرم سے انکار ہے۔"

نہیں بولا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔

ن تک پہنچے کس طرح۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

کے ذریعہ۔ میں ایک مشتبہ آدمی کا تعاقب کرتا ہوا چیتھم روڈ کی ایک عمارت تک
ہاں میں نے ایک تہہ خانے میں کچھ ایسے نشانات دیکھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں
نصب تھی۔ پھر وہیں پانچ نامعلوم آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا۔ لیکن فرار ہونے میں
گئے۔ دوسرے دن اس آدمی کو زہر دے کر ہلاک کردیا گیا جس کے ذریعہ میں اُس
پہنچا تھا۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ گریٹی کی محبوبہ سونیا اُس کے ساتھ تھی۔ سونیا
وجہ ہوا تو گریٹی نے سونیا کو بھی ختم کردیا۔"

نے سونیا کے قتل کا واقعہ بالتفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "ضمانت پر رہا ہونے کے بعد ہی
ٹی کا دماغ چل گیا ہے۔ پچھلی رات ڈیکن ہال میں اسی نے گولیاں چلائی تھیں۔ اُس
بھی گولی چلائی تھی۔ پھر اس نے دوسرا حملہ حمید پر کیا لیکن اس میں بھی ناکامیاب
یچ پاگل ہوگیا تھا۔ ڈیکن ہال میں ناکامیاب ہونے کے بعد اُس نے ہڈسن کی رہائش گاہ
وہاں بھی اُس نے ہڈسن پر گولی چلائی تھی۔"

خاموش ہوگیا۔

زہریلا دھواں

لی کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے چونک کر کہا "ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ گریٹی
ہاؤز میں بھی ڈاکٹر ہڈسن پر حملہ کیا۔ مجھے یقین تھا کہ گریٹی اُس پر دوسرا حملہ ضرور

کرے گا۔ مگر اس کے لئے برکلے ہاؤز کے ویران پائیں باغ کے علاوہ اور کوئی جگہ منا
ہو سکتی۔ جیسے ہی ہڈسن کی کار ڈیکن ہال کی کمپاؤنڈ سے باہر نکلی میں نے حمید کو ضروری ہدا
کر اس کا تعاقب شروع کروا دیا۔ پھر وہی ہوا جس کی توقع تھی۔ گریٹی پہلے ہی سے پائیں باغ
بیٹھا تھا۔ جیسے ہی ہڈسن کار سے اُترا اُس نے فائر کر دیا اور پھر اپنی دانست میں اُسے ختم کر
طرف بھاگا.... باہر میں موجود تھا۔ بہرحال میں نے گریٹی کو بھی گرفتار کر لیا۔ لیکن اُ
حالت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اس کی ضمانت کس نے دی تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"ضمانت دینے والے بھی یہی ذات شریف تھے۔" فریدی نے قیدی کی طرف اشارہ ک

"ہوں....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ تھوڑی دیر تک
رہا پھر بولا۔ "اس پر شبہ نہیں کہ اگر تم اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھو تو یہاں نہ جانے کیا کیا
بھلا یہ کیس سول پولیس کے بس کا تھا۔ مگر بھئی مجھے اس آدمی پر حیرت ہے جو لکڑی کے
سے خول میں اتنے عرصے تک زندہ رہا۔"

"حیرت کی بات نہیں.... گیس ماسک اور آکسیجن کی تھیلیاں اس کے پاس موجود

"ٹھیک ہے لیکن پھر بھی اس تنگ سے خول میں جکڑے پڑے رہنا محالات ہی میں
میرا تو سوچ کر ہی دم گھٹ رہا ہے۔"

فریدی خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "بہرحال یہ ناممکن نہیں ہے۔ صر
ہونی چاہئے۔ یہ تو آکسیجن کے سہارے زندہ رہا لیکن میں نے اکثر سادھوؤں کو دیکھا
تین دن تک زمین میں دفن رہنے کے بعد صحیح وسلامت نکلے ہیں۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔ "لیکن ہڈسن کہاں ہے۔"

"اُسے بھی جلد ہی پیش کروں گا۔" فریدی نے قیدی اور بیہوش آدمی کی طرف

"یہ واقعہ فی الحال اسی کمرے تک محدود رہے تو بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

❁

حمید وائلن بجا رہا تھا اور روزیٹی ناچ رہی تھی۔

ڈاکٹر ہڈسن بھی اُسی کمرے میں موجود تھا اور کبھی کبھی نظر بچا کر حمید کے چہرے کی طرف بہت غور سے دیکھنے لگتا تھا۔ اچانک اُس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میری ایک بات سن لو۔"

"ڈاکٹر پھر کبھی سنانا۔ یہ روزیٹی نہیں میری روح ناچ رہی ہے اور جب میری روح ناچنے لگتی ہے تو میں اندھا، گونگا، بہرا غرضیکہ بالکل اپاہج ہو جاتا ہوں۔"

روزیٹی ناچتے ناچتے رک گئی۔

حمید نے جھلا کر وائیلن ایک صوفے پر پٹختے ہوئے کہا۔ "پوچھو کیا پوچھتے ہو۔"

"میرا آدمی رولینڈ رات سے غائب ہے۔"

"بس اتنی سی بات تھی ڈاکٹر۔ اچھا میں کوشش کروں گا کہ اس کا سراغ مل جائے۔"

پھر اُس نے روزیٹی سے کہا۔ "شروع ہو جاؤ۔"

"واقعی رولینڈ کی غیر حاضری تشویشناک ہو گئی ہے۔" روزیٹی حمید کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولی۔

"ڈاکٹر کہیں اسی نے ہم دونوں پر گولی نہ چلائی ہو۔" حمید بولا۔

"نہیں ایسی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

"پھر تم پر گولی کون چلا سکتا ہے اور پھر ساتھ ہی ساتھ مجھ پر بھی۔ ہم دونوں کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔"

"بھلا رولینڈ تمہارا دشمن کیوں ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر نے حمید کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم تھوڑی دیر کے لئے یہاں سے چلی جاؤ۔" حمید نے روزیٹی سے کہا۔ "میں ڈاکٹر کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ میرا دشمن کیوں ہو سکتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" روزیٹی نے کہا۔

"اچھا تو میں تمہارے سامنے ہی بتاتا ہوں۔ شائد رولینڈ کو تم سے دلچسپی ہے ادھر میں نے تم میں دلچسپی لینی شروع کر دی ہے لہٰذا اس کا بھڑک اٹھنا لازمی ہے اور چونکہ ڈاکٹر بھی مجھے پسند کرتے ہیں اس لئے وہ ان کا بھی دشمن ہو گیا ہے۔"

"بکواس....!" ڈاکٹر ہڈسن بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"یوں کام نہیں چلے گا ڈاکٹر....!" حمید نے چیلنج کرنے والے لہجے میں کہا۔ "یہ بکواس نہیں ہے کہ میں روزیٹی کو پسند کرنے لگا ہوں۔"

"فضول بکواس مت کرو۔" روزیٹی بگڑ کر بولی۔

"ارے تم بھی فضول کہہ رہی ہو.... یعنی....!"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر ہڈسن تیز لہجے میں بولا۔

"میں غیر سنجیدہ نہیں ہوں۔"

"تم پچھلی رات کو کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

"غائب تو تم ہوئے تھے ڈاکٹر....!"

"اوہ.... میں.... باغ میں تھا۔ میں اور ریگی تازہ ہوا چاہتے تھے۔"

"اگر میں کہوں کہ تم نے ہی مجھ پر گولی چلائی تھی۔"

"میں کیوں چلاتا۔" ڈاکٹر ہڈسن اُسے گھورنے لگا۔

"اچھا تو سنو! جب مجھ پر حملہ ہوا تھا تو تم باغ میں تھے اور میرا چیف مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا حملے کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور کچھ اس قسم کی گفتگو شروع کی جس سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ حملہ تمہاری ہی ایماء پر ہوا تھا۔"

"سراسر غلط ہے.... بھلا میں تم پر اس طرح کیوں حملہ کرنے لگا۔ اگر تمہیں ختم ہی کرنا ہوتا تو روزیٹی کے ذریعہ تمہیں زہر دلوا دیتا.... سمجھے۔"

ڈاکٹر ہڈسن ہنسنے لگا۔

"ٹھیک کہتے ہو ڈاکٹر۔" پشت کے دروازے سے آواز آئی۔

وہ سب چونک کر مڑے۔ دروازے میں فریدی کھڑا مسکرا رہا تھا اسکے دونوں ہاتھ جیبوں میں تھے۔

"میں تم سے متفق ہوں۔" وہ پھر بولا۔ "روزیٹی میرے اسسٹنٹ کو اسی طرح زہر دے رہی تھی جس طرح سونیا نے راجو کو....!"

"اوہ.... کرنل آؤ.... آؤ.... مگر تم بغیر اطلاع اندر کیسے چلے آئے۔" ڈاکٹر ہڈسن اٹھتا ہوا بولا

"بیٹھ جاؤ" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اس کا داہنا ہاتھ جیب سے نکل آیا اور اس میں ریوالور تھا۔

"چلو بیٹھ گیا۔" ڈاکٹر ہڈسن مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔ "شاید تم اس وقت غصے میں ہو۔"

"ضرور یہی بات ہے۔" حمید چہک کر بولا۔ "تم ان کی غلط فہمی رفع کر دو۔" پھر اُس نے فریدی سے کہا۔ "جی ہاں! ڈاکٹر نے حملہ نہیں کیا تھا مجھ پر۔ خود ڈاکٹر پر بھی کسی نے حملہ کیا تھا۔ روزیٹی ڈارلنگ۔" وہ روزیٹی کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"اچھا کرنل یہی بتا دو کہ میں کیپٹن پر حملہ کیوں کرنے لگا۔" ڈاکٹر ہڈسن نے کہا۔

"میں کب کہتا ہوں کہ تم نے اس پر حملہ کیا تھا۔"

"پھر....!"

"وہ تو ایک ایسے پاگل کی حرکت تھی جسے اپنے ہاتھوں اپنی محبوبہ کی موت یاد آ گئی تھی۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا۔"

"گریٹی۔"

"گریٹی۔" ڈاکٹر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل کر بولا۔

"....یہ گریٹی کیا بلا ہے۔"

"گریٹی وہی بلا ہے جس نے راجو کا خاتمہ کرایا تھا۔"

"کون راجو....! میں کسی راجو کو نہیں جانتا۔"

"خوب....!" فریدی تلخ انداز میں مسکرایا۔ "شائد تم ان ممیوں سے بھی ناواقف ہو گے جو نیشنل بینک میں بھجوائی تھیں۔"

"میں قطعی واقف ہوں۔ کیوں! کیا ہوا۔ ہاں میں نے کل دو ممیاں نیشنل بینک کے توسط سے فروخت کی ہیں۔"

"اور اس سے قبل دو ممیاں سینٹرل بینک کے توسط سے فروخت کی تھیں۔"

"ہاں یہ بھی صحیح ہے۔" ڈاکٹر ہڈسن پر سکون لہجے میں بولا۔

"اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ ممیاں صرف لکڑی کے خول ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو ڈاکٹر۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں بلاوجہ اپنے ہاتھوں کو تکلیف نہیں دیتا۔" ڈاکٹر ہڈسن نے لاپروائی سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ

....میں آج تمہیں برازیل کی کافی پلاؤں گا....روزیٹی....ریگی سے کہو کہ کافی تیار کرے

روزیٹی جانے کے لئے مڑی۔

"ٹھہرو....!" فریدی بولا۔ "اس کمرے سے باہر جانے والا اپنی موت کو دعوت دے گا"

روزیٹی رک گئی۔

"کیا سچ مچ تم سنجیدہ ہو۔" ڈاکٹر نے حیرت ظاہر کیا۔

"ہاں ایسی صورت میں ضرور سنجیدہ ہونا پڑتا ہے۔ جب ایک ممی سے نوٹوں کی گڈیاں ہوں اور دوسری سے ایک زندہ لاش۔"

اچانک ڈاکٹر ہڈسن صوفے سے اچھل کر زمین پر گر پڑا اور ساتھ ہی شیشے کا ایک چھوٹا دیوار سے ٹکرا کر پھٹا.... ہلکی سی آواز ہوئی اور فریدی نے ہڈسن پر فائر کردیا۔ لیکن وہ بڑی سے فرش پر پھسل کر صوفے کی اوٹ میں ہوگیا۔

ادھر روزیٹی چھلانگ مار کر دروازے کے باہر نکل گئی۔ حمید اس کے پیچھے دوڑا۔ فریدی دوسرا فائر کیا لیکن وہ اپنے سر پر منڈلاتی ہوئی بلا سے لاعلم تھا۔ ہڈسن کا پھینکا ہوا شیشے کا گولا اُسی جگہ دیوار پر لگا تھا جہاں فریدی کھڑا تھا اور گولے کے پھٹتے ہی اُس میں سے تھوڑا سا غبار نکل فضا میں نہ صرف چکرانے لگا تھا بلکہ آہستہ آہستہ پھیلاؤ بھی اختیار کرتا جارہا تھا۔ لیکن اُس ط نہیں جیسے معمولی دھواں سرعت کے ساتھ اپنا دائرہ وسیع کرتا ہے بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اپنا حجم بڑھانے کے لئے فضا میں پھیلی ہوئی کسی غیر مرئی اور مخالف قوت سے زور آزمائی کر رہا یعنی اس کے بڑھنے کا انداز کچھ دبا دبا سا تھا۔ فریدی نے تیسرا فائر کیا لیکن بے سود.. ہڈسن صوفے سے چپک کر رہ گیا تھا۔

فریدی کو یقین ہوگیا کہ اس کے پاس ریوالور نہیں ہے۔ ورنہ وہ ضرور فائر کرتا۔ وہ کر آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ اس کے سر پر منڈلانے والا غبار یک بیک نیچے پھسل آیا۔ فر گردن جھٹک کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی۔ لیکن اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے ناک کے سوراخو تیز رو چنگاریاں سی گھستی چلی گئی ہوں۔

اور پھر وہ جہاں تھا وہیں چکرا کر گر پڑا۔

اس کے گرنے کی آواز سنتے ہی ڈاکٹر ہڈسن صوفے کی اوٹ سے نکلا۔ اُس نے چٹکی

ی دبا رکھی تھی۔

پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ بیہوش فریدی کو گھسیٹتا ہوا کمرے کے باہر لے جارہا تھا۔ اُس نے ے راہداری میں ڈال دیا اور کمرے کا دروازہ بند کرنے لگا۔

اس وقت اُس کے چہرے پر بلا کی درندگی نظر آرہی تھی۔ اُس کے خدوخال تک بدل کر رہ تھے شائد اس وقت اُس کے ساتھی بھی اُسے مشکل ہی سے پہچان سکتے۔

دروازہ بند کرکے وہ فریدی کی طرف مڑا اور اب اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا چاقو تھا۔

مکان میں ریگی اور روزیٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس کے باوجود بھی حمید کو ان پر قابو میں کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

لیکن کسی نہ کسی طرح اُس نے انہیں ایک کمرے میں بند ہی کردیا اور خود باہر ہی ٹھہرا رہا۔ توقع تھی کہ فریدی ڈاکٹر سے نپٹ رہا ہوگا۔

"ڈارلنگ کیا ہوگیا ہے تمہیں۔" روزیٹی نے منمناتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کسی نہ کسی زبان میں ڈارلنگ گدھے کو بھی کہتے ہوں گے۔" حمید بولا۔

"ابھی میں ناچ رہی تھی۔ تم نے کہا تھا کہ تمہاری روح ناچ رہی ہے۔"

"اب میں خود ناچ رہا ہوں.... اور جب میں ناچتا ہوں تو میری روح بھیک مانگنے لگتی ہے۔"

یگی چیخ چیخ کر حمید کو گالیاں دے رہی تھی۔

"یہ ذرا قاعدے کی باتیں کررہی ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

اوہ.... چپ ہو جاؤ ریگی۔" روزیٹی نے ریگی کو ڈانٹا۔

چلئے دو ڈیئر۔" حمید بولا۔ "اس کی آواز میں بڑی کشش ہے۔"

"تو کھول دونا۔" روزیٹی نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

"ٹھہر جاؤ.... ذرا والد صاحب سے پوچھ لوں۔" حمید بولا۔

پھر اس نے دروازوں اور کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ جب یقین ہوگیا کہ وہ دونوں کسی طرح بھی نہ نکل سکیں گی تو وہ اس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں اس نے فریدی اور ہڈسن کو چھوڑا تھا۔

لیکن راہداری میں اُسے وہ منظر دکھائی دیا جس نے اس کی رگوں کا خون منجمد کردیا۔ فریدی

فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا اور ڈاکٹر ہڈسن غالباً اسی لئے اس پر جھک رہا تھا کہ اس کی گردن چھرا پھیر دے۔

"خبردار.....!" حمید دونوں ہاتھ ہلاتا ہوا چیخا۔ بدحواسی میں وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں پستول موجود ہے۔

ڈاکٹر ہڈسن چھرے کا دستہ مٹھی میں جکڑے ہوئے دیوانہ وار حمید کی طرف جھپٹا اور پھر اگر حمید دونوں ہاتھوں سے اس کا داہنا ہاتھ نہ پکڑ لیتا تو چاقو کا پھل اس کے سینے میں اتر گیا تھا۔

ہڈسن اس سے زیادہ طاقتور تھا لیکن شائد اس وقت حمید کی ساری طاقت اُس کے ہاتھوں میں کھینچ آئی تھی۔ ہڈسن اپنا داہنا ہاتھ کسی طرح نہ چھڑا سکا۔ مگر اس نے حمید کو جلد ہی نیچے گرا دیا۔ اس کا ہاتھ اب بھی حمید کی گرفت میں تھا۔

مگر اب تک حمید کی طاقت جواب دیتی جا رہی تھی اور ساتھ ہی اس کے ہاتھوں پر ڈاکٹر ہڈسن کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ چاقو کی نوک آہستہ آہستہ حمید کی گردن کی طرف کھسک رہی تھی۔

اچانک فریدی نے کراہ کر کروٹ لی اور پھر بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ اُس نے ڈاکٹر ہڈسن اور حمید کو دیکھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُسے اپنا سر ایک بڑا سا پتھر معلوم ہو رہا تھا جس کے بوجھ سے گردن دکھنے لگی تھی۔

لیکن اس کیفیت کے زائل ہونے میں دیر نہیں لگی۔ پتہ نہیں وہ کیسی گیس تھی جو سریع الاثر تو تھی لیکن اُس کا اثر زائل ہونے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگتی تھی۔

فریدی کا ذہن سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ وہ بے تحاشہ ان کی طرف دوڑا۔

اس وقت چاقو کی نوک حمید کے سینے سے صرف ایک انچ کے فاصلے پر تھی۔ فریدی نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکٹر کی گردن دبوچ کر اُسے ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ چاقو اب بھی ہڈسن کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے ہاتھ گھمایا لیکن اتنی دیر میں فریدی اسے کمر پر لا کر نیچے پھینک چکا تھا۔

ہڈسن نے اٹھنے کی کوشش کی اور اس بار فریدی کی ٹھوکر اس کی ٹھوڑی پر پڑی۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

فریدی نے گریبان پکڑ کر اُسے فرش سے اٹھایا اور پھر ایک گھونسہ اس کی ناک پر جڑ دیا۔

ہڈسن اچھل کر کئی فٹ دور جا پڑا۔ وہ چاقو کے قریب ہی گرا تھا۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے پھسل کر چاقو کا دستہ پکڑ لیا اور قبل اس کے کہ فریدی اس تک پہنچتا وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر خون ہی خون تھا۔

اس بار اس نے بڑی بے جگری سے حملہ کیا۔ لیکن یہ حملہ بھی ناکام رہا۔ فریدی اُسے گیند کی طرح ادھر سے اُدھر اچھال رہا تھا۔

اور حمید پاگلوں کی طرح قہقہے لگا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس وقت اس پر اذیت پسندی کا بھوت سوار ہو گیا تھا.... وہ ان دونوں لڑکیوں کو کمرے سے نکال لایا۔ دونوں نے ہڈسن کو اس حال میں دیکھ کر پاگل کتیوں کی طرح چیخنا شروع کر دیا۔ فریدی گھونسوں، تھپڑوں اور ٹھوکروں سے اس کی مرمت کر رہا تھا۔

حمید نے دونوں لڑکیوں سے سر لڑانے شروع کر دیئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سچ مچ پاگل ہو گیا ہو۔ چونکہ ابھی ابھی خدا کے گھر سے لوٹا تھا اسلئے اُسے اُن کی شکلوں میں ذرہ برابر بھی دلکشی نہیں نظر آ رہی تھی اور انکے چیخنے اور گڑگڑانے کا انداز اُسے زیادہ سے زیادہ ظلم پر ابھار رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہا تھا گدھے۔" اُسے فریدی کی گرج سنائی دی۔

حمید نے دونوں کی گردنیں چھوڑ دیں.... اور ہانپتا ہوا بولا۔ "اپنا حساب بے باق کر رہا تھا۔"

اس نے ڈاکٹر ہڈسن کو دیکھا جو فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔

حمید دوبارہ لڑکیوں کی طرف بڑھا تھا کہ فریدی درمیان میں آ گیا۔

"تمہاری جمالیاتی حس کہاں گئی۔" اُس نے ہنس کر پوچھا۔

"جہنم میں۔"

"چلو بس کرو۔" فریدی نے اُسے ایک طرف ہٹا دیا۔

وہ عجیب نظروں سے بیہوش مجرم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 47

ہولناک ویرانے

(مکمل ناول)

طویلے کی بلا

حمید کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج کل اس کے ستارے گردش میں ہیں لیکن شامت کبھی ردے کر نہیں آتی۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ابھی اس پر کیا مصیبت آنے والی ورنہ وہ کار گلی میں کھڑی کر کے مارٹن اینڈ مارٹن کی نئی سیلز گرل سے عشق نہ لڑاتا۔ لڑکی سات کی اس دکان میں بالکل نئی نئی آئی تھی اور حمید نے جس دن سے اسے دیکھا تھا بلاناغہ کچھ کچھ خریدنے کے بہانے یہاں آنے لگا تھا۔ کبھی رومال، کبھی ٹائیاں اور کبھی جرابیں۔ جس دن خریدنے کو جی نہ چاہتا کسی ایسی چیز کی فرمائش کرتا جو دوکان میں موجود ہی نہ ہوتی۔ ایسے مواقع اے لڑکی سے زیادہ سے زیادہ گفتگو کرنے کی سعادت نصیب ہو جایا کرتی تھی.... بہر حال وہ روزانہ کم از کم ایک بار اس دوکان میں ضرور آتا تھا۔

آج بھی وہ اسے تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک گفتگو میں الجھائے رہا تھا اور آج تو اس نے ے ایک فلم کی دعوت بھی دے ڈالی تھی۔ لیکن لڑکی جو شائد بہت زیادہ محتاط واقع ہوئی تھی کام کی زیادتی کا بہانہ کر کے ٹال گئی۔ بہر حال حمید مایوس ہو کر یہ سوچتا ہوا پلٹ آیا کہ ایک نہ ایک دن ضرور پسیجے گی۔ لہٰذا اسے پسیجنے کی مہلت دے کر اب کہیں اور قسمت آزمائی کرنی چاہئے۔

جب کوئی کام نہ ہو تو ہر آدمی اپنی مخصوص ترین تفریحات کی طرف دوڑتا ہے۔ آج کل یہی کیفیت حمید کی بھی تھی۔ مقصد خواہ ٹائیں ٹائیں فش ہی کیوں نہ ہو۔ عورت اس کی محبوب ترین تفریح تھی اور اس تفریح کی معراج یہ تھی کہ وہ یا تو خود بیوقوف بن جاتا تھا یا بنا دیتا تھا۔ بیوقوف بنانا یا بنانا بجائے خود کوئی ایسی بُری بات نہیں لیکن بعض اوقات یہ رجحان نتائج کے اعتبار سے خطرناک بھی ثابت ہوتا ہے۔

حمید کو بارہا اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا تھا۔ اس مارٹن اینڈ مارٹن کی سیلز گرل کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد وہ سیدھا اس گلی میں آ اُس نے اپنی کار چھوڑی تھی۔

الیکٹرک پول دور ہونے کی وجہ سے یہاں خاصا اندھیرا تھا لیکن اُسے سوئی تو ڈھونڈ تھی کہ روشنی کی پرواہ کرتا۔ کار پر بیٹھ کر مشین اسٹارٹ کی اور گلی سے سڑک پر آ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت آرلکچو کی طرف جانا چاہئے جہاں آج کچھ اسپیشل پروگر تھے اور اسے توقع تھی کہ وہاں اس کی کوئی نہ کوئی پرانی شناسا ضرور مل جائے گی۔

کار سڑکوں پر فراٹے بھرتی رہی۔ حمید کا موڈ پھر ٹھیک ہو گیا۔ وہ ہولے ہولے گنگ لیکن اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اسکے حلق سے بیک وقت دو قسم کی آوازیں نکل رہی ہ وہ خاموش ہو گیا لیکن دوسری آواز بدستور جاری رہی اور پھر کافی دیر بعد یہ بات اس میں آئی کہ وہ کسی شیر خوار بچے کے رونے کی آواز تھی۔

وہ بوکھلا کر دوسری سیٹ کی طرف مڑا۔ اندر اندھیرا تھا۔ لیکن حمید بہرا نہیں تھا۔ آو سیٹ کے علاوہ کہیں سے نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اندر کی لائٹ جلا دی.... اور پھ دوسرے ہی لمحے میں کار کی رفتار کم کر کے اسے سڑک کے کنارے نہ لگا دیتا تو ایک ایکسیڈنٹ لازمی تھا۔ حقیقتاً اُس کے ہاتھ پیر بُری طرح کانپ رہے تھے۔ پچھلی سیٹ نوزائیدہ بچہ کپڑوں میں لپٹا ہوا پڑا حلق پھاڑ رہا تھا۔

حمید کار سے اُتر آیا۔ سڑک کافی چلتی ہوئی تھی۔ راہگیروں نے کار سے بلند ہو آوازیں سنیں اور ایک اچھے خاصے آدمی کو اس پر سے اترتے دیکھا جو بہت زیادہ بوکھلایا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں اگر کچھ راہگیر چلتے چلتے رک گئے تھے تو یہ حیرت کی بات نہیں تھی۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولے حیرت پھاڑے ہوئے بچے کو گھور رہا تھا۔ اُسے اپنے گرد اکٹھا ہوتی بھیڑ کا بھی احساس نہیں ر اچانک کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید چونک کر مڑا۔

ایک ادھیڑ عمر کا شریف صورت آدمی براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

اب حمید کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا اور اس نے ذہنی انتشار کے ان لمحات میں جو

اس کی خامیوں کا احساس اسے بھی تھا۔ لیکن وہ اتنی جلدی میں اور کوئی فیصلہ کر بھی تو نہیں سکتا تھا۔ دنیا کا ہر آدمی کرنل فریدی کی طرح فولادی اعصاب نہیں رکھتا۔

"کیوں جناب کیا بات ہے۔" اُس آدمی نے پوچھا۔

"میری بدنصیبی۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"بچے کی ماں کہاں ہے اور آپ نے اس غریب کو اس طرح پچھلی سیٹ پر کیوں ڈال رکھا ہے۔"

"افسوس کہ گود میں لے کر کار ڈرائیور کرنا شائد ماؤں کے بس کا بھی روگ نہیں۔"

بھیڑ سے ایک لڑکی کھڑکی میں جھک کر بچے کو دیکھنے لگی اور پھر حمید نے دردناک آواز میں ہنا شروع کیا "بچے کی ماں ہسپتال میں تھی۔ وہیں یہ بچہ پیدا ہوا۔ ماں مر گئی اور بچے کو مجھے لانا پڑا۔ ے بے درد ہوتے ہیں یہ ہسپتال والے بھی۔"

"کیا یہ آپ کا بچہ ہے۔" لڑکی نے مڑ کر حمید سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" حمید کی آواز اور زیادہ دردناک ہو گئی۔ "اب میں اسے گھر لے جا رہا ہوں۔ لیکن جھ میں نہیں آتا کہ کس طرح لے جاؤں۔"

"اچھا آپ فکر نہ کیجئے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔ بیچارہ کیسا رو رہا ہے۔"

"میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔" حمید گڑگڑا کر بولا۔

یہ لڑکی کافی دلکش، اسمارٹ اور الٹرا موڈرن قسم کی تھی۔ عمر بیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ سفید ساڑھی اور سفید بلاؤز میں ملبوس تھی۔

اس نے بڑے اطمینان سے کار کا دروازہ کھولا اور بچے کو گود میں لے کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

حمید نے کار اسٹارٹ کر دی۔ لیکن اس وقت اس کی عقل کھوپڑی کے گرد ناچ رہی تھی۔ اس نے بوکھلاہٹ میں ایک زبردست حماقت کی تھی۔ اُسے اس قسم کے جھوٹ سے بچنا چاہئے تھا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی گھر تک ضرور ساتھ جائے گی۔ نہ صرف ساتھ جائے گی بلکہ اتفاقاً کچھ دیر ٹھہر کر بچوں کی پرورش و پرداخت کے سلسلے میں ایک چھوٹا سا لیکچر بھی دے گی اور پھر اگر فریدی اس وقت گھر ہی پر موجود ہوا تب تو اس کی شامت ہی آ جائے گی اور وہ اس سلسلے میں ر اور جواب طلب کرے گا کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا۔

دراصل اس نے یہ جھوٹ اس لئے گھڑا تھا کہ کم از کم وقتی طور پر عام آدمیوں کی پوچھ

کچھ سے بچ جائے۔ اگر وہ حقیقت کہہ دیتا تو کم از کم آدھے گھنٹے تک اسے جھک مارنی پڑتی۔

بہر حال وہ ایک بہت بڑی دلدل میں پھنس گیا تھا اور اب سوچتے سوچتے اس کے ذہن سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں.... بچہ برابر روئے جارہا تھا۔

"یا خدا رحم کر اس کے حال پر۔" لڑکی نے دردناک آواز میں کہا اور حمید نے جواباً ٹھنڈی سانس لی اور اس ٹھنڈی سانس کی آواز لڑکی کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش میں ا کھانسیوں سے دوچار ہونا پڑا۔

"آپ کس طرح رکھیں گے اسے۔" لڑکی نے حمید سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں محترمہ! میں تو پاگل ہو جاؤں گا۔"

"میرے خیال سے ایک پرائیویٹ نرس انگیج کر لیجئے۔"

"اوہ.... بہت معقول رائے ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ میں یہی کروں گا۔"

"عورتیں تو ہوں گی ہی آپ کے یہاں۔"

"اوہ.... یہی تو سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔ گھر پر بڑے بھائی کے علاوہ اور کوئی نہیں او اتنے کریک ہیں کہ خدا کی پناہ.... بچے کو دیکھتے ہی کہیں گے کہ اگر ماں مر گئی ہے تو اس گدھے زندہ رکھنا فضول ہی ہو گا۔"

"یہ لڑکی ہے یا لڑکا۔"

حمید اس سوال پر بوکھلا گیا۔ اس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ وہ لڑکی۔ لڑکا.... اس نے دل ہی دل میں خود کو گالیاں دیں اور کراہ کر بولا آپ کو یقین نہ آئے گا لیکن دماغ اتنا بے قابو ہو گیا ہے کہ شائد آپ کے اس سوال کا جواب نہ دے سکوں۔ اس کی ماں موت نے میرے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ نہ میں نے ابھی اسے اچھی طرح دیکھا ہے او یہی یاد ہے کہ ڈاکٹر نے کیا کہا تھا۔ آپکو تکلیف تو ہو گی.... ذرا مجھے بھی بتائیے کہ یہ لڑکی ہے یا لڑکا۔

لڑکی چند لمحے خاموشی کے بعد بولی۔ "لڑکا ہے۔"

"آہ.... اے.... بدنصیب لڑکے۔" حمید گلوگیر آواز میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"پریشان ہونا فضول ہے۔" لڑکی نے اُسے دلاسا دیا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خدا جو کرتا ہے ٹھیک ہی کرتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی الجھن آہستہ آہستہ بڑھتی ہی جارہی تھی اور وہ ذہنی طور پر اس قابل رہ گیا تھا کہ لڑکی کی سریلی آواز سے لطف اندوز ہو سکتا۔

لڑکی پھر چمکارنے لگی۔ لیکن شائد وہ خود بھی اس معاملے میں اناڑی تھی بچہ کسی طرح بھی نہ ہوا۔

"بھوکا ہے شائد۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"پھر بتایئے میں کیا کروں۔" حمید بے بسی سے بولا۔ "میں نہیں جانتا کہ اتنے چھوٹے بچے کو ا جاتا ہے۔"

"آج ہی پیدا ہوا تھا۔" لڑکی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... بالکل آج ہی۔"

"تب تو شائد اسے گھٹی دی جائے گی۔"

"میں نہیں جانتا کہ یہ گھٹی کیا چیز ہے۔"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ پتہ نہیں کیا کیا ملا ہوتا ہے اس میں.... اوہ دیکھئے! کیوں نہ ہم کٹر کے پاس چلیں۔"

حمید نے سوچا اگر پہلے شامت نہیں آئی تھی تو اب آجائے گی۔ اس جھوٹ کو نبھانے کا ک طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح جلد از جلد گھر پہنچ جاتا۔

"نہیں.... میرا خیال ہے کہ راستے میں جتنی دیر لگے گی پریشانیوں میں اضافہ ہی ہو گا۔ جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہئے وہاں کوئی نہ کوئی تدبیر ضرور ہو جائے گی۔"

"جیسی آپ کی مرضی.... ویسے مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ بیمار نہ پڑ جائے۔"

"اب جو کچھ بھی مقدر میں ہو گا بھگتنا ہی پڑے گا۔" حمید نے دردناک آواز میں کہا۔

الحال اس لڑکی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس چھا چھڑائے۔ لڑکے کی تو خیر کوئی بات ہی نہیں تھی۔ اُسے ہر حال میں پولیس کی حفاظت نا تھا۔

لڑکی اچھی خاصی تھی اور حمید انتشار کے ان لمحات میں بھی یہ سوچنے سے باز نہیں آیا تھا کہ تعلقات بڑھانے کے امکانات کی بنیاد پڑ گئی ہے لیکن یہ اُسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ وہ

اُس کے سامنے جھوٹا نہ بنتا۔

کار فراٹے بھرتی رہی۔ بچہ روتا رہا اور لڑکی "ہوں ہوں" کر کے اُسے ہلاتی رہی۔

خدا خدا کر کے کار فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور پھاٹک ہی پر حمید کی
ہو جانے کا ارادہ کرنے لگی.... کیونکہ فریدی برآمدے ہی میں بیٹھا شائد کوئی کتاب دیکھ رہا

حمید اس بات کا فیصلہ نہ کر سکا کہ کار کو گیراج کی طرف لے جائے یا پورچ کی طرف
کار کا رخ پورچ ہی کی طرف تھا اور اس میں حمید کی قوت فیصلہ کو دخل نہیں تھا۔

کار جیسے ہی پورچ میں داخل ہوئی فریدی بے ساختہ چونک پڑا۔ چونکنے کی وجہ کار ن
حلق پھاڑتے ہوئے بچے کی آواز تھی۔

حمید بوکھلایا ہوا کار سے اترا اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

لڑکی بچے کو گود میں سمیٹے ہوئے نیچے اُتر آئی۔

"لائیے.... مجھے دیجئے۔" حمید نے بوکھلاہٹ میں بچے کو اس کی گود سے جھپٹتے ہو
اب اس کی کھوپڑی بالکل ہی آؤٹ ہو گئی تھی۔

"آیئے.... آیئے۔" وہ لڑکی سے کہتا ہوا فریدی کی طرف جھپٹا۔ بچے کو اُس کی گود
کر پھر لڑکی کی طرف مڑا۔

"میں آپ کا احسان مند ہوں.... بہت احسان مند ہوں۔ چلئے میں آپ کو گھر چھوڑ آؤ

"نہیں اس کی ضرورت نہیں.... یہ تو میرا فرض تھا۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔

بچہ فریدی کی گود میں پڑا مچل رہا تھا اور وہ حیرت سے منہ کھولے احمقوں کی طرح اُ
کو گھور رہا تھا۔

"ڈرائیور.... ڈرائیور....!" حمید آگے بڑھ کر حلق پھاڑنے لگا۔ ڈرائیور شائد کہیں
ہی تھا لہٰذا اسے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔

"اے دیکھو....!" حمید نے کہا۔ "مس صاحب کو گھر چھوڑ آؤ۔"

"ارے جناب! پہلے اس بیچارے کی خبر لیجئے۔" لڑکی نے کہا۔

حمید چونک پڑا۔ اس سے اب تک جتنی بھی حرکتیں سرزد ہوئی تھیں ان میں ارادے
نہیں تھا۔ اُسے اس بات کا احساس ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے....

اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ بچہ اب بھی اس کی گود میں
اور وہ پہلے ہی کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا انہیں گھور رہا تھا۔

"م.... میرے.... بب بڑے بھائی صاحب۔" حمید فریدی کی طرف اشارہ کر کے ہکلایا۔

فریدی کی حالت میں اب بھی کوئی تغیر نہ ہوا۔

ڈرائیور الگ آنکھیں پھاڑے ایک ایک کو گھور رہا تھا۔

ان لوگوں کے اس رویے پر لڑکی بھی بوکھلا گئی۔

"میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔" حمید نے پھر اُس سے کہا۔

"جناب بچے کی خبر لیجئے۔"

"اوہ.... جی ہاں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ڈرائیور آپ کو گھر پہنچا دو۔"

پھر وہ بچے کو فریدی کی گود سے اٹھا کر تیر کی طرح اندر چلا گیا۔

فریدی کھڑا ہو کر اپنے کپڑے جھاڑنے لگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

لڑکی اب بھی وہیں کھڑی تھی۔

"واقعی اس واقعے نے ان کے ذہن پر بُرا اثر ڈالا۔" لڑکی نے فریدی سے کہا۔

"جی ہاں....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "تشریف رکھیے۔"

"جی نہیں اب جاؤں گی۔ کیا سچ مچ گھر میں کوئی عورت نہیں۔"

"جی نہیں۔" فریدی نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

"اچھا دیکھئے.... یہ میرا پتہ ہے۔" وہ وینٹی بیگ سے اپنا کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھاتی
ہوئی بولی۔ "اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے فون کیجئے گا۔ میں کئی اچھی نرسوں کو جانتی ہوں۔"

"شکریہ۔" فریدی کارڈ لیتا ہوا بولا۔ "اگر کوئی ضرورت پیش آئی تو میں ضرور تکلیف دوں گا۔"

ڈرائیور کار کا پچھلا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ لڑکی کار میں بیٹھ گئی۔

فریدی اس وقت تک برآمدے ہی میں کھڑا رہا جب تک کار پھاٹک سے نہیں گذر گئی۔

پھر وہ سیدھا حمید کے کمرے میں آیا۔ حمید کمرے میں کھڑا پاگلوں کی طرح چاروں طرف
رہا تھا اور بچہ.... وہ بستر پر پڑا تھا اور اس کی زبان تالو سے نہیں لگ رہی تھی۔

"دیکھئے! پہلے میری بات سن لیجئے۔" حمید چار ہزار الفاظ فی منٹ کی رفتار سے بولنے لگا۔

"ایسے موقع پر آدمی بوکھلا جاتا ہے۔ پاگل ہو جاتا ہے سڑی ہو جاتا ہے۔ پہلے پوری بات سن کبھی کبھی بدحواسی میں اس قسم کی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ دیکھئے پہلے پوری بات سن لیجئے۔ آدمی ہی سے ہوتی ہے۔ میری جگہ اگر آپ ہوتے۔ نہیں پہلے پوری بات سن لیجئے۔"

"خاموش رہو۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔

حمید خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کے ہونٹ اب بھی ہل رہے تھے۔

"یہ بچہ کہاں تھا۔"

"میری کار کی پچھلی سیٹ میں تھا۔ آپ پوری بات بھی تو سنئے۔"

"پوری بات کے بچے اب تک تم نے چوتھائی بات بھی نہیں بتائی۔"

"یہ بچہ!" حمید بچے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "حیرت انگیز طور پر میری کار میں پایا گ

"کیا مطلب۔"

"جی ہاں....!"

"کیا جی ہاں! تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"میں ہوش میں ہوں۔ اچھا شروع سے سنئے میں کار راجر اسٹریٹ کی ایک گلی میں کر کے ایک دوکان میں چلا گیا۔ واپسی پر میں نے کار گلی سے نکالی اور چل پڑا۔ وہاں مجھے نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ کافی دور چلنے کے بعد اچانک اس سور نے رونا شروع کر دیا۔"

"لیکن تم اسے یہاں کیوں لائے ہو۔ سیدھے کوتوالی نہیں لے جا سکتے تھے۔"

"اُف.... اس ٹریجڈی کا حال سن کر آپ مجھے مارنے دوڑیں گے۔"

بچہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔

"بکو جلدی سے۔" فریدی اس کی گردن دبوچ کر جھٹکے دیتا ہوا بولا۔

اور پھر حمید کو پوری داستان دہرا دینی پڑی۔

"میرا خیال ہے" فریدی اس کے خاموش ہوتے ہی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تم سے زیا تو وہ لوگ ہوں گے جو عدالتوں میں عرائض نویسی کرتے ہیں۔"

"اب جو دل چاہے کہئے، حماقت تو ہو ہی گئی۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی فون پر کوتوالی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

دوسری طرف حمید بچے پر جھکا ہوا بکواس کر رہا تھا۔ "ارے چپ ہو جا.... میرے باپ کے دا.... شاباش.... شوشو۔" وہ سیٹی اور چٹکی بجانے لگا۔ "آدمی کا بچہ بڑا سور ہوتا ہے۔ بَرا ڈھلیا جا سکتا ہے حتیٰ کہ چوہے بھی ٹرینڈ کئے جا سکتے ہیں مگر آدمی کا بچہ اس سے بڑا سور شائد ئے زمین پر نہ ملے۔"

یاقوت کی انگشتری

تقریباً دو گھنٹے گذر جانے کے بعد فریدی ان کپڑوں کو الٹ پلٹ رہا تھا جن میں بچہ لپٹا ہوا ملا تھا۔ بچہ پولیس کے حوالے کر دیا گیا اور پولیس نے اسے شہر کے سب سے بڑے میٹرنٹی سینٹر ں پہنچا دیا تھا۔

"کون سی کار لے گئے تھے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"آسٹن....!"

"اگر تم نے پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "خیر.... آؤ.... میں اسے بھی یکھوں گا لیکن میرا خیال ہے کہ یہ حرکت دیدہ دانستہ نہیں کی گئی۔"

"دیدہ دانستہ سے کیا مراد ہے۔"

"یعنی یہ سمجھ کر بچہ کار میں نہیں ڈالا گیا کہ وہ تمہاری کار ہے۔"

"اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں بعض حالات میں ہو سکتا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا اس سے پہلے بعض رموں نے اصل واقعے سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے اس قسم کی دوسری حرکتیں نہیں کیں۔"

"اوہ.... ہاں.... ممکن ہے۔"

"لیکن مجھے تمہاری بوکھلاہٹ پر افسوس ہے۔"

"میری جگہ اگر آپ ہوتے۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ یہ ایک الگ بات ہے لیکن اگر تم ری جگہ ہوتے تو کبھی کی تمہاری ہڈیاں سڑ گل گئی ہوتیں۔"

مید کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر گیراج میں آئے۔ کار واپس آ گئی تھی اور ڈرائیور

اسے گیراج میں چھوڑ کر غالباً سونے کے لئے جا چکا تھا۔

فریدی نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر روشنی کر دی۔

وہ پچھلی نشست کے ایک ایک جوڑ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"بہت مشکل ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تم نے زبردست حماقت کی.... نشانات کی تلاش فضول ہے قطعی فضول۔"

"میرا خیال ہے کہ اب اس معاملے میں سر مارنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" حمید بولا۔

"ضرورت ہے میں تنگ آگیا ہوں۔ میرا خون بہت دنوں سے کھول رہا ہے۔ آئے دن شہر میں اس قسم کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ آدمی کے بچے کی اتنی بھی وقعت نہیں رہ گئی جتنی کتے کے پلے کی ہوتی ہے۔ کیا تمہیں یاد نہیں پچھلے ماہ ایک نالے میں ایک نوزائیدہ بچے کی لاش کتے گھسیٹتے پھر رہے تھے۔ پچھلے چھ ماہ میں جتنے بھی اس قسم کے کیس ہوئے ہیں اُن میں سے کسی ایک کا بھی پتہ نہیں لگایا جا سکا۔ اور پھر یہ سب پولیس کے بس کا روگ نہیں۔"

"میں....!" فریدی کار کا دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔ "میں دیکھوں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

وہ پھر برآمدے کی طرف واپس ہو رہے تھے۔ اچانک فریدی پورچ ہی میں رک گیا۔ اُس کی آنکھیں زینے کے نیچے پڑی ہوئی کسی چمکدار چیز پر تھیں۔ ننھی سی سرخ روشنی۔ چنگاری سی دمک رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے جھک کر اسے اٹھا لیا۔

یہ ایک انگشتری تھی جس میں یاقوت کا ایک بڑا سا نگینہ جگمگا رہا تھا۔

"کیا یہ تمہاری ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"نہیں....!" حمید اُسے فریدی سے لے کر دیکھتا ہوا بولا۔ "اوہ.... کہیں یہ اُس لڑکی کی نہ ہو۔"

"نہیں اس کی بھی نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں....؟"

"عقل استعمال کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "اگر یہ اس لڑکی کی ہے تو وہ اسے پ کے انگوٹھے میں پہنتی ہوگی۔ اس کی نرم و نازک انگلیاں تو میں دیکھ ہی چکا ہوں۔"

واقعی یہ حقیقت تھی کہ انگشتری کا قطر کافی بڑا تھا.... اتنا بڑا کہ کم از کم وہ کسی عورت کی انگشتری تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔

"یہ ہمارے کسی ملازم کی بھی نہیں ہو سکتی۔" فریدی بڑبڑایا۔ "بے داغ یاقوت کا اتنا بڑا نگینہ ی دولت مند ہی رکھ سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے کسی ملنے والے کی ہو۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... آج یہاں اس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا۔"

"واہ... ابھی جگدیش آیا تھا.... اس کے ساتھ ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔ چار کانسٹیبل ، زنانہ پولیس فورس کی ایک کارپورل بھی تھی۔"

"ان میں سے کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔ کسی کی بھی انگلیاں اتنی موٹی نہیں ہیں۔"

"تب پھر دادا مرحوم کی روح آئی ہوگی۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "مرحوم کو انگشتریوں کا ن تھا جو انگلیوں میں نہیں آتی تھیں انہیں گلے میں لٹکائے رکھتے تھے۔"

فریدی خاموش رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے حمید کی بکواس سنی ہی نہ ہو۔

"آؤ....!" وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر گیراج کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

"کہاں....!"

"وہیں جہاں تم نے کار کھڑی کی تھی۔"

"دیکھئے.... میں پھر کہتا ہوں کہ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیئے۔"

"معاملہ اگر کسی غریب گھرانے کا ہوتا تو شائد میں باز بھی آجاتا۔" فریدی نے کہا۔

"ہائیں.... گھرانے کا بھی پتہ لگا لیا آپ نے....!"

"قطعی.... جس قسم کے کپڑوں میں وہ بچہ لپٹا ہوا ہے وہ تو اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہ۔ کسی غریب گھرانے میں ایسے کپڑے کہاں۔ نہایت عمدہ قسم کی تین عدد مردانی قمیضیں ہیں۔ ل بیداغ۔ غریب گھرانے کے لوگ اس طرح کپڑے نہیں ضائع کیا کرتے.... کیا سمجھے۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ واقعی یہ بات غور طلب ہے۔ لیکن اب اس وقت وہاں جانے سے کیا ئدہ ہوگا۔ جگدیش وغیرہ تو وہاں پہنچ ہی گئے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے کسی روزنامچے کی خانہ پُری تو کرنی نہیں ہے میرے اور دیش کے نظریئے میں فرق ہے۔ چلو بکواس مت کرو۔"

وہ اسے کھینچ کر گیراج میں لایا اور پھر وہ دونوں راجہ اسٹریٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

"بعض اوقات آپ کی دوڑ دھوپ قطعی غیر ضروری ثابت ہوتی ہے۔" حمید نے راستے میں کہا

"غیر ضروری سے کیا مراد ہے۔"

"یہی کہ اب آپ وہاں کیا پائیں گے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جرم کرنے والے محکمہ پولیس سے اپنی چالاکیوں کی داد وصول کرنے کے لئے وہاں اب بھی موجود ہوں گے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ بچہ وہاں کسی دوسری بستی سے لایا گیا ہوگا۔ اگر یہی خیال ہے ا فضول ہے۔ چور کا دل ہی کتنا۔ ایسے معاملات میں زیادہ دور کا سفر کوئی بھی نہیں اختیار کرتا اور پ ایسی صورت میں جب کہ بچہ زندہ بھی ہو۔"

"میرے خدا" حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "تو اب اس وقت گھر گھر کی کنڈی کھٹکھٹائیے گا۔"

"دیکھا جائے گا۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور سگار سلگانے لگا۔ کار حمید ڈرائیور کر رہا تھا۔ ا زیادہ رات نہیں گذری تھی مشکل سے دس بجے ہوں گے۔ شہر کی رونق میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "راجر اسٹریٹ کی اندرونی گلیاں تو ایسی نہ جہاں دولت مند گھرانے آباد ہوں۔ تنگ و تاریک عمارتیں ہیں۔"

"ہاں.... آں....!" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پہلو بدلا.... پتہ نہیں یہ "ہاں" حمید جواب میں کہی گئی تھی یا وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

وہ جلد ہی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ حمید نے کار ٹھیک اُسی جگہ کھڑی کی جہاں پہلے کھڑی کی تھ دو کانسٹیبل وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ایک نئی اطلاع دی۔ لیکن اس اطلاع کی وضا نہیں کر سکے۔ ان کے بیان کے مطابق جگدیش وغیرہ کسی قریبی عمارت کے فلیٹ میں اس م کی چھان بین کر رہے تھے۔

ایک کانسٹیبل نے ان کی رہنمائی کی اور وہ وہاں پہنچ گئے جہاں جگدیش نے درجنوں آدمی پوچھ گچھ کے لئے روک رکھا تھا۔

"اوہ.... یہ بہت اچھا ہوا۔" جگدیش فریدی کو دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ "میں ابھی آپ کو کرنے والا تھا۔"

"کوئی خاص بات۔" فریدی نے چاروں طرف ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈال کر کہا۔

"جی ہاں.... میں بتاتا ہوں۔"

وہ اس وقت ایک عمارت کی دوسری منزل پر تھے۔ جگدیش، فریدی اور حمید کو ساتھ لے کر راہداری میں ایک طرف چلنے لگا۔

آگے چل کر انہیں ایک فلیٹ کے دروازے پر ایک کانسٹیبل کھڑا نظر آیا۔

"کیا بتانا چاہتے ہو مجھے۔" فریدی چلتے چلتے رک کر بولا۔

"میں یہاں تحقیقات کرنے آیا تھا کہ اس فلیٹ کے ایک کرایہ دار نے ایک عجیب اطلاع دی۔ ے بیان کے مطابق پچھلے دو ماہ سے یہاں ایک پُر اسرار جوڑا آباد رہا ہے۔ عورت حاملہ تھی۔"

"پُر اسرار جوڑا" حمید مسکرا کر بولا۔ "پُر اسرار کیوں؟ کیا مرد بھی حاملہ یا حامل تھا۔"

"پوری بات سنا کیجئے.... حمید صاحب۔" جگدیش جھنجھلا گیا۔

اگر فریدی بھی اسے غصیلی نظروں سے نہ گھورنے لگتا تو حمید نے دوبارہ جگدیش کی ٹانگ لی۔ فریدی نے سر کی جنبش سے بیان جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

"میں نے اسے پُر اسرار جوڑا کہہ کر غلطی نہیں کی۔" جگدیش بولا۔ "پڑوسیوں سے اُن کے ت بڑے اچھے تھے اور پڑوسی بھی ان کا کافی خیال رکھتے تھے۔ آج یہاں زچگی ہوئی تھی۔"

"زچگی.... لاحول ولا قوۃ۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر پیچھے کھسک گیا۔

"تم کہتے جاؤ۔" فریدی جگدیش سے بولا۔

"پڑوس کی ایک عورت نے اس سلسلے میں اُن کی بہت مدد کی۔"

"جگدیش وہ خاص بات بتاؤ جس کے لئے مجھے یہاں لائے ہو۔" آخر فریدی نے بھی ھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جناب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زچگی کے بعد پڑوس کی ایک بوڑھی عورت زچہ کے پاس ُکی تھی اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ رات اسی کے ساتھ گذارے گی لیکن ابھی ایک گھنٹہ قبل اس بوڑھی عورت کے کسی عزیز کو اس سے ملنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے یہاں آکر سے پر دستک دی۔ لیکن جواب ندارد۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اندر کوئی موجود ہی نہ ہو۔ دیر تک دستک دینے کے بعد بھی وہ کامیاب نہ ہو سکا.... پھر ایک عورت اندر آگئی۔ پڑوس کی عورت ایک جگہ فرش پر بیہوش پڑی تھی اور زچہ بچہ، شوہر وغیرہ مع سامان غائب تھے۔"

"شوہر....!" حمید حلق پھاڑ کر بولا۔

"میں فلیٹ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں اور وہ بڑھیا کہاں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جب وہ کسی طرح ہوش میں نہ آسکی تو اسے ہسپتال بھیج دیا گیا۔"

"خیر.... یہی فلیٹ ہے۔"

"جی ہاں....!"

"آؤ....!" فریدی نے کہا اور فلیٹ میں چلا گیا۔

پھر کافی دیر تک وہ وہاں سر مارتے رہے لیکن ایک مردانہ قمیض کے علاوہ اور کچھ بھی ہاتھ نہ آیا

"حمید....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہ چوتھی قمیض ہے۔"

"ہاں کم از کم ایک درجن تو ہونی ہی چاہئیں.... اور یہ حقیقت ہے یہ قمیض بھی ان قمیضوں کے سائز کی معلوم ہوتی ہے۔"

"بس یہ قمیضیں اتنی بے دردی سے کیوں استعمال کی گئی ہیں۔"

"دیکھئے میں پھر آپ سے عرض کروں گا کہ یہ کیس جگدیش ہی وغیرہ کے لئے چھو آپ کے شایان شان نہیں۔"

"پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "مگر اب مجھے اپنا خیال بدل دینا پڑا

"اگر آپ کو اپنا خیال بدل دینا پڑا ہے تو پھر مجھے بھی اپنا خیال بدل دینا پڑے گا۔" ح بڑی بے بسی سے کہا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک فریدی وہاں ٹھہر کر لوگوں سے پوچھ گچھ کرتا رہا۔ لیکن یہ کوئی بتا سکا کہ وہ عورت اور مرد کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔

حالات پیچیدہ ضرور تھے لیکن سنسنی خیز نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ اسی لئے حمید کی بھی اعتدال سے تجاوز نہیں کر سکی تھی۔ پیچیدگیوں کے وجود بھی کیس بالکل سیدھا سا بعد کے واقعات نے بچے کی حیثیت بھی واضح کر دی تھی۔

البتہ فریدی کا ذہن ان قمیضوں میں الجھا ہوا تھا۔

دوسری صبح حمید دیر میں اٹھا.... فریدی ناشتہ کر چکا تھا لیکن ابھی ناشتے کی میز سے اٹھا نہ

"ابھی وہ لڑکی آئی تھی۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"لڑکی....!" حمید حیرت سے بولا۔ پچھلی رات کے واقعات کسی ادھورے خواب ک

ں کی یادداشت کے دھندلکوں میں گردش کرنے لگے اور اس نے چہک کر کہا۔ "واقعی۔"

"میں نے اُسے حقیقت بتادی ہے۔"

"یہ بہت بُرا کیا آپ نے۔"

"حمید تم اپنے اس رجحان کی بناء پر کسی دن جہنم رسید ہو جاؤ گے۔ اسی واقعہ سے تمہیں ت پکڑنی چاہئے۔"

"میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ میں حسن کو ایک آرٹسٹ کی نظر سے دیکھتا ہوں اور بس اپنے گرد و پیش رنگینیاں چاہتا ہوں.... آدمی اور جانور کا فرق ہر وقت میرے پیش نظر رہتا ہے۔"

"اس معاملے میں آدمی اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ خیر اسے جانے دو.... میں دوسرے کانات پر غور کر رہا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ تمہارے خلاف کسی قسم کی سازش ہو۔"

"سازش.... میرے خلاف.... میں نہیں سمجھا۔"

"ہاں.... ہاں.... فرض کرو آج کوئی عورت دعویٰ کرتی ہے کہ وہ بچہ تمہارا تھا تم نے ی سے بچنے کے لئے اُسے زبردستی ماں سے چھین لیا۔"

"اُسے اس کا ثبوت دینا پڑے گا۔" حمید بولا۔

"ثبوت تم خود ہی مہیا کر چکے ہو۔ تم نے پچھلی رات اسے اپنا بچہ کہا تھا اور ایک عورت تم پر کھا کر اسے تمہارے گھر تک پہنچا گئی تھی۔ تم نے درجنوں آدمیوں کے سامنے اعتراف کیا تھا ہ تمہارا بچہ ہے۔"

"لیکن کوئی عورت خواہ مخواہ اس کا دعویٰ کرنے ہی کیوں لگی۔"

"بیٹے خاں.... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ یہاں ہمارے ہزاروں دشمن ہیں۔"

"دشمن ہیں تو۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن اس حرکت سے انہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے دشمن تو صرف ہماری زندگیوں ہی کے گاہک ہو سکتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

اتنے میں نوکروں نے دوسری بار میز پر ناشتہ لگا دیا تھا۔

حمید خاموشی سے پلیٹوں پر ہاتھ صاف کرتا رہا اور فریدی اخبار دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اخبار میز پر پٹخ کر ہونٹوں میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"پتہ نہیں یہ آدمیوں کی سوسائٹی ہے یا جانوروں کا ریوڑ۔ اخبار اٹھاؤ.... تو.... قتل اغواء اور عصمت دری کے علاوہ اور کسی قسم کی خبریں نہیں دکھائی دیتیں۔"

"آخر اس کی وجہ کیا ہے۔"

"مستقبل کی طرف سے بے اطمینانی خود اعتمادی کا فقدان۔"

"اس کا علاج بھی ہے کوئی۔"

"شافی علاج ہے۔ مگر یہ دور ہے نئے تجربات کا۔ ایک اسٹیج پر نئے تجربات بھی ختم گے اس کے بعد پھر اسی دقیانوسی علاج کی طرف دنیا دوڑے گی۔"

"اعتدال قناعت اور جہد مسلسل۔"

"بس قناعت کا تو نام ہی نہ لیجئے۔" حمید برا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس لفظ سے جلے ہو۔ بو آتی ہے۔"

"تمہارے ذہن میں قناعت کا تصور بہت ہی گھٹیا قسم کا معلوم ہوتا ہے۔ قناعت سے یہ مراد لیتے ہو کہ آدمی تارک الدنیا ہو جائے۔ ملے تو کھائے ورنہ فاقے کرے۔ حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے۔ قناعت کا مطلب ہوس سے دامن بچانا ہے۔"

"کچھ اُس بچے کے متعلق بھی فرمائیے اس کے سلسلے میں قناعت کس طرح برد۔ جا سکتی ہے۔"

"بالکل اسی طرح جیسے تم بھوک کی شدت میں نالیوں کا کیچڑ نہیں چاٹنا شروع کرد۔ سلسلے میں تمہیں مستقبل سے اچھی توقعات نہ ہوں تو تم یہ بھی کر سکتے ہو۔"

"بڑی گنجلک بات ہے۔ اس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں۔ خیر ماریئے گولی میں اس قسم کی باتوں کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"تمہیں اب اپنی غلط قسم کی حسن پرستی سے باز آنا ہی پڑے گا ورنہ....!"

"اوہو.... سنئے تو.... بابا....!" حمید نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ "ذرا سنئے شاندار دیہاتی پروگرام ہو رہا ہے۔"

آج اتوار تھا اور فریدی کے ملازمین قریب ہی کے ایک کمرے میں ریڈیو پر دیہا

سن رہے تھے۔

ٹھیک اسی وقت اناؤنسر کی آواز سنائی دی۔ ابھی آپ دھوبیوں کے گیت سن رہے تھے اب ایک ضروری اعلان سنئے۔ ہمارے ملک کے آئرن پرنس مسٹر آئی۔ جے خاور اطلاع دیتے ہیں کہ کل شام کو ریلوے اسٹیشن سے ان کا ایک سوٹ کیس گم ہو گیا ہے جس میں کچھ استعمالی کپڑے، کچھ کاغذات اور چند بیش قیمت انگشتریاں تھیں۔ مسٹر خاور اعلان کرتے ہیں کہ سوٹ کیس ان تک پہنچانے والے کو مبلغ دو ہزار روپے انعام دیئے جائیں گے۔ اگر صرف کاغذات ہی پہنچا دیئے جائیں تب بھی پہنچانے والا اسی انعام کا مستحق ہو گا اور اُس سے بقیہ دوسری چیزوں کے متعلق باز پرس نہ کی جائے گی۔

قارون کا مقبرہ

اعلان ختم ہو جانے کے بعد پھر پروگرام شروع ہو گیا۔ اس بار چماروں کا ناچ نشر ہو رہا تھا۔

"یہ مردنگ بھی بڑے غضب کی چیز ہوتی ہے۔" حمید مردنگ کی تھاپوں پر سر ہلاتا ہوا بولا۔

"اور اس سے پہلے کے اعلان کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"مضحکہ خیز....!" حمید نے کافی انڈیلتے ہوئے کہا۔

"مضحکہ خیز کیوں؟"

"سوٹ کیس جس کے بھی ہاتھ لگا ہو گا وہ واپس کیوں کرنے لگا۔"

"دو ہزار کے انعام کا اعلان تھا۔"

"بنڈل....!" حمید منہ بنا کر بولا۔ "صرف کاغذات پہنچا دینے پر بھی انعام کی رقم بدستور برقرار رہے گی اور پہنچانے والے سے بقیہ دوسری چیزوں کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ کاغذات دوسری چیزوں سے زیادہ اہم ہوں۔"

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آخر آپ یکایک اس اعلان کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔"

"محض اس لئے کہ آئی۔ جے خاور کی گمشدہ انگشتریوں میں سے ایک میرے پاس ہے۔"

"کیا مطلب....!" حمید کافی کی پیالی رکھ کر فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

فریدی نے جیب سے ایک انگشتری نکال کر میز پر ڈال دی۔ یہ وہی یاقوت کی انگشتری تھی جو

اسے پچھلی رات پورچ میں پڑی ہوئی ملی تھی۔

"اسے دیکھو....! اندر کی طرف آئی جے کے حروف کندہ ہیں۔ عشرت جمیل خاور نے اسے کبھی دیکھا ہے۔"

"اتفاق نہیں ہوا۔" حمید نے جواب دیا۔

"لوہے کا سب سے بڑا تاجر.... اور لوہا پگھلانے کی بھٹی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا گول مٹول اس کے ہاتھوں کے لئے ایسی ڈبل روٹیوں کا تصور کرو جن میں پانچ پانچ شاخیں آئی ہوں.... پھر اس کے بعد اس انگشتری کو دیکھو.... غیر معمولی حد تک موٹی انگلیوں ہی آسکے گی۔"

"چلئے مان گیا.... لیکن اگر یہ اعلان آپ نہ سنتے تو....!"

"آئی جے کے سے کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکتا۔ شہر میں خاور جیسے درجنوں موٹے ہوں گے

"بہر حال۔" حمید ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "اگر یہ انگشتری خاور ہی کی ہے تو آ کھوپڑی میں بھی مغز کے بجائے لوہے کا برادہ ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں یہ اعلان تو یہی ظاہر کرتا ہے.... ہوسکتا ہے کہ اخبار میں بھی اشتہار ہو۔ اشتہارات کا صفحہ تو دیکھو۔"

حمید اخبار کے صفحات الٹنے لگا۔

"آپ کا خیال بالکل درست ہے۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اشتہار کے وہی الفاظ جو ہم ابھی ریڈیو پر سن چکے ہیں۔"

"ٹھیک۔" فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔ "معاملہ دلچسپ ہے۔" وہ پھر سوچنے لگا تھا۔

"دال ذرا مشکل ہی سے گلے گی۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ بہت بڑا آدمی ہے۔"

"مجھے تاؤ دلا رہے ہو۔" فریدی نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تاؤ نہیں دلا رہا ہوں، حقیقت عرض کر رہا ہوں۔ اگر وہ واقعی مجرم ہے تو اس کی دیدہ دلیر کی داد دینی پڑے گی جناب۔"

"اوہو.... ایک معمولی سا چور بھی اپنی گلو خلاصی کے لئے ہاتھ پیر ضرور مارتا ہے۔"

ب مجھے یہ چار عدد قمیصیں الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔ انگوٹھی ہاتھ سے نکل کر گر سکتی قمیص.... اور قمیص بھی وہ جن پر شہر کی سب سے مشہور ٹیلرنگ شاپ کے لیبل لگے ہیں۔ یعنی وہاں سے قمیصوں کے مالک کا پتہ بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔"

میرا خیال ہے کہ آج تو دوکان بند ہوگی۔" حمید نے کہا۔

ہاں اتوار کو ساری بڑی دوکانیں بند رہتی ہیں۔ لیکن ہمیں خاور سے ضرور ملنا چاہئے۔"

اس کا آفس بھی تو بند ہوگا۔"

فکر نہ کرو.... میں اس کی رہائش گاہ سے واقف ہوں۔ روشن محل میں رہتا ہے۔"

افسوس اتوار بھی ہاتھ سے گیا۔" حمید سر پیٹ کر بولا۔

چلو اٹھو! بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ "کپڑے تبدیل کے لئے صرف آدھا گھنٹہ دے سکتا ہوں۔"

مید چیختا چلاتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

وشن محل شہر کی ایک عظیم الشان عمارت تھی اور اس میں ملک کا سب سے بڑا لوہے کا تاجر جمیل خاور رہتا تھا۔

ریدی اور حمید کو زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ملازم نے انہیں روشن محل کی شاندار امیں پہنچا دیا۔ وہاں شائد دس منٹ تک انہیں خاور کی آمد کا انتظار کرنا پڑا۔

مید نے اسٹڈی میں داخل ہونے والے انسان نما تودے کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ خاور کا قد ٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ مگر پھیلاؤ.... خدا کی پناہ....!

چلنے کا انداز ایسا تھا جیسے پیروں میں چھوٹے چھوٹے پہیے لگے ہوں اور وہ چلنے کی بجائے پھسل

"آ.... فوں.... آ.... فوں....!" وہ صوفے پر گر کر ہانپتا ہوا بولا۔ "فرمایئے کرنل ب.... آفوں.... کیسے تکلیف.... فرمائی.... آفوں.... آ....فوں۔"

"میں نے ریڈیو پر آپ کا اعلان سنا تھا۔"

"اوہ.... بہت.... آفوں.... شکریہ.... آپ نے توجہ فرمائی.... آ.... فوں.... خوش ہے میری.... آ.... فوں۔"

"غالباً یہ انگشتری آپ کی ہے۔" فریدی نے جیب سے انگشتری نکال کر ا
بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں.... میری ہے۔" وہ اسے الٹنے پلٹنے لگا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "اوہ
سوٹ کیس مل گیا ہے۔"

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا اور اس نے قمیضوں کا بنڈل فریدی کی طرف بڑ

"اور یہ قمیضیں بھی غالباً آپ ہی کی ہیں۔" وہ تہہ کی ہوئی قمیضیں اس کے پیر
فرش پر ڈالتا ہوا بولا۔

"میں یہ سب نہیں۔ کاغذات چاہتا ہوں کرنل صاحب.... آ.... فوں....
ہیں اور اسی سوٹ کیس.... آ.... فوں.... میں تھیں.... میں بھلا آپ کو انعام د
کیا کروں گا.... البتہ آپ کا احسان.... زندگی بھر یاد رہے گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے صرف یہی چیزیں مل سکی ہیں۔ سوٹ کیس یا کاغذا
سے نہیں گذرے۔"

"پھر یہ چیزیں آپ کو کیسے ملیں.... آفوں.... فوں۔"

"ایک نوزائیدہ بچہ انہیں قمیضوں میں لپٹا ہوا پڑا پایا گیا تھا اور انگشتری بھی انہیں قمیضو

"نوزائیدہ بچہ۔" خاور حیرت سے منہ اور آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ کمرے کے سنا
کی مسلسل "آ.... فوں" گونج رہی تھی۔

"جی ہاں.... یہ پچھلی رات کی بات ہے۔ کسی نامعلوم آدمی نے بچے کو کیپٹن ح
ڈال دیا تھا۔"

"ڈالا بھی تو آپ ہی لوگوں کی کار میں۔ خدا کی پناہ۔" خاور نے دونوں ہاتھوں

"آپ کا سوٹ کیس کن حالات میں کھویا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ریلوے اسٹیشن سے.... میں کل شام کو تارجام سے واپس آیا تھا۔ گھر پہنچ کر
وہی سوٹ کیس غائب ہے جس میں بہت ہی ضروری قسم کے کاغذات تھے۔"

"اس نوزائیدہ بچے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

خاور نے اس کا جواب فوراً ہی نہیں دیا۔ وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا اور اس

طرح جھپک رہی تھیں جیسے وہ اس سوال پر غور کر رہا ہو۔

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا تعلق میری ذات سے ہوگا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں! میں قبل از وقت کچھ نہیں سمجھتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں اس واقعے کی تحقیقات کر رہا ہوں۔"

"میں اس نوزائیدہ بچے کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ شائد کوئی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن یہ اس کی خام خیالی ہے۔ میں نہیں پھنس سکتا۔ پہلے میں سمجھا تھا شائد سوٹ کیس کاغذات کے لئے اڑایا گیا ہے.... مگر اب.... میرے خدا....!"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا.... پھر بے چینی سے پہلو بدل کر اپنے گالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "میں معاملات کی تہہ تک پہنچ رہا ہوں۔"

"کیسے معاملات.... اگر بہت زیادہ نجی نہ ہوں تو مجھے بھی آگاہ کیجئے۔"

"آگاہ کرنا ہی پڑے گا۔ یقیناً مجھ پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ حمید اس کے چہرے میں ایک خاص بات محسوس کر رہا تھا۔ وہ یہ کہ اس کے چہرے سے جذباتی تغیر کا اظہار قطعی نہیں ہوتا تھا۔

"میں بہت بدنصیب آدمی ہوں۔" خاور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اور کوئی میری اس بدنصیبی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ میں لاولد ہوں۔ دوسری بات ابھی حال ہی میں دو سال کی طویل رنجش کے بعد میری بیوی یہاں آنے پر راضی ہوئی ہے شائد دو یا تین دن بعد آجائے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بات بھی کسی کو ناگوار گذری ہو۔ وہ نہ چاہتا ہو کہ ہم دونوں صلح و آشتی کی زندگی بسر کر سکیں۔"

"تو کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں رہتیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... وہ دو سال سے مجھ سے الگ ہے۔ سعید آباد میں اپنے والدین کے ساتھ مقیم ہے۔ میں نے کبھی سختی نہیں کی۔ اس کے اخراجات بھی پورے کرتا رہا ہوں ہاں البتہ اس دو سال کے عرصے میں کبھی اُس سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔"

"اور اب وہ خود ہی آنا چاہتی ہیں یا اسکی تحریک آپ کی طرف سے ہوئی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"دیکھئے.... میں نے ہمیشہ یہی چاہا ہے کہ ہم دونوں میں رنجش باقی نہ رہے لیکن وہ ذرا تیز

مزاج کی ہے۔ قوت برداشت بالکل نہیں رکھتی۔ میں بہت نرمی سے پیش آتا ہوں اس کے
بھی.... خیر چھوڑیئے۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" فریدی نے اُسے ٹوکا۔

"کس سوال کا....؟"

"یہی کہ وہ خود سے آنا چاہتی ہیں یا آپ نے اس پر زور دیا۔"

"نہیں وہ خود ہی آنا چاہتی ہے۔"

"بہر حال آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی یا تو اپنا بچہ آپ کے سر تھوپنا چاہتا ہے یا یہ چا
کہ آپ دونوں کے تعلقات طلاق پر ختم ہو جائیں۔"

"ٹھیک بالکل یہی بات ہے کرنل صاحب۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ اس کیس کی تفتیش کر
ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

"کیا آپ اپنے کسی ایسے دشمن کا پتہ بتا سکتے ہیں جس کی طرف سے آپ کو اس قس
خدشات لاحق ہوں۔"

"ہاں میں بتا سکتا ہوں۔ لیکن آپ اُس پر میرا نام نہ ظاہر کیجئے گا۔"

"یہ میرے محکمے کا مخصوص ترین اصول ہے۔"

"اچھا تو سنئے.... وہ میرا سوتیلا بھانجا ضیغم ہے۔ اسٹار سرکس کا مالک۔ جانوروں کی صحبت
خود بھی جانور ہو گیا ہے۔ مجھ سے خدا واسطے کا بیر رکھتا ہے۔ اور یہ بات بھی کھلی ہوئی ہے کہ
میں لاولد مر جاؤں تو میرے ترکے کا مالک وہی ہو گا۔"

"ضیغم....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر خاور سے بولا۔ "اچھا جناب۔ فی الحال یہ ق
اور انگشتری میرے ہی پاس رہیں گی۔" فریدی بولا۔

"ضرور ضرور.... شوق سے.... میں بھی آپ سے ملتا رہوں گا۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ جب میں مناسب سمجھوں گا خود ہی مل لوں گا۔"

اس دوران میں حمید بڑی توجہ اور دلچسپی سے خاور کو دیکھتا رہا تھا اور اب وہ ایک بار پھر ا
کے چلنے کا منظر دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن خاور ان کی روانگی کے وقت بھی صوفے سے نہ اٹھا۔ بیٹھے

بیٹھے معافی کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

واپسی پر حمید بُری طرح قہقہے لگا رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

"کمال ہے.... اور مجھے اپنی قسمت پر بھی رونا آ رہا ہے کہ اس شہر کا باشندہ ہونے کے باوجود
بھی میں قارون کے مقبرے کی زیارت نہ کر سکا تھا۔"

"قارون کے مقبرے کی داد نہیں دی جا سکتی حمید۔" فریدی تحسین آمیز لہجے میں بولا۔
"اس کے لئے اس سے بہتر تشبیہ کوئی دوسری نہیں ہو سکتی۔ بعض اوقات تمہاری ذہانت کا بھی
قائل ہونا پڑتا ہے۔"

"اور یہ مقبرہ بد تمیز اور بد اخلاق بھی ہے۔" حمید چہک کر بولا۔

"نہیں.... یہ بات تو نہیں۔"

"یہ کیوں نہیں.... اُسے کم از کم کھڑے ہو کر ہم سے مصافحہ کرنا چاہئے تھا۔"

"اوہ.... تم دراصل اُس بیچارے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ وہ خود سے کھڑا ہی نہیں
سکتا۔ جہاں بیٹھ گیا بیٹھ گیا۔ پھر دو تین نوکر مل کر اُسے اٹھاتے ہیں۔ ہمارے چلے آنے کے بعد
نوکروں نے اٹھایا ہو گا۔"

"ہمارے مقدر میں بھی عجوبے ہی لکھے ہوئے ہیں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "مگر اس
متعلق آپ کے خیالات کیا ہیں۔"

"اس واقعے سے اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ اپنی قمیض نہ
مال کرتا۔ اور اگر سہواً ایسا ہو بھی گیا ہوتا تو سوٹ کیس کی گمشدگی کا اعلان کبھی نہ کراتا۔"

"اوہ ٹھیک یاد آیا۔ آپ نے ان کاغذات کے متعلق اس سے کچھ نہیں پوچھا۔"

"وہ میرے لئے غیر ضروری ہیں۔"

"اچھا اگر اس نے محض بکواس کی ہو تو۔"

"تب بھی میرے موجودہ رویے سے کیس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا
تا تھا کہ انگشتری اور قمیض اسی کی ہیں یا نہیں۔"

"اچھا.... اب.... دوسرا قدم۔"

"فی الحال ہم اس ہسپتال تک جائیں گے جہاں وہ بڑھیا زیر علاج ہے۔"

"اوہ.... ہاں.... آپ کو سب سے پہلے اُسی سے ملنا چاہئے تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"ضیغم کو جانتے ہو۔"

"جاناچہ معنی دارد! کئی بار سوچ چکا ہوں کہ اسے دو چار دن کے لئے بند کرادوں۔"

"کیوں؟"

"پرلے سرے کا بدتمیز اور شیخی خورہ ہے۔ اس طرح سینہ تان کر چلتا ہے جیسے اُس کی ٹکر آج تک کوئی پیدا ہی نہ ہوا ہو۔ طاقت پر بڑا گھمنڈ ہے۔ لڑکیوں کے سامنے خاص طور سے شیخیاں بگھارتا ہے۔ بڑے فخر سے کہتا ہے کہ شیروں سے کشتی لڑنا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔"

"وہ غلط تو نہیں کہتا۔"

"سرکس کے شیر اور باربرداری کے گدھے میں کیا فرق ہوتا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"لیکن آخر تمہیں اُس سے اتنی پرخاش کیوں ہے۔"

"بس ہے.... وجہ میں خود نہیں جانتا۔"

"وجہ یقیناً کوئی لڑکی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ اسی کے سرکس کی کوئی لڑکی ہو۔"

"لڑکیوں کی وجہ سے کسی سے پرخاش رکھنا میرا شیوہ نہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی کہ اگر مجھے کبھی کسی بس پر جگہ نہ ملے تو میں بس کنڈیکٹر کا دشمن ہو جاؤں۔"

"اچھا بس! اب اس بات کو یہیں ختم کردو۔ ورنہ تمہیں بکواس کے لئے موضوع مل جائے گا۔ میں خاموشی کے موڈ میں ہوں۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر کار کے باہر دیکھنے لگا۔ لیکن پھر جلد ہی پلٹ کر بولا۔

"ضیغم سے کب مل رہے ہیں۔"

"اگر ضرورت سمجھی تو ملوں گا ورنہ نہیں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سول ہسپتال پہنچ گئے.... لیکن انہیں ایک غیر متوقع خبر سے دوچار ہونا پڑا.... بڑھیا مرچکی تھی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ اسے گلا گھونٹ کر بیہوش کیا گیا تھا اور غالباً اسی بنا پر اسکے پھیپھڑوں کی بعض رگیں پھٹ گئی تھیں۔ صبح تک ناک اور منہ سے خون جاری رہا تھا۔

وہ چل بسی تھی۔ ڈاکٹر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پولیس اس کا بیان لینے میں ناکام رہی تھی۔

بعد فریدی نے ان نرسوں سے پوچھ گچھ شروع کی جو رات بھر اس کے قریب رہی تھیں۔

ں کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔" میٹرن نے فریدی کو بتایا۔ "ہوش اور بیہوشی کی کش بھر جاری رہی تھی اور وہ بے تحاشہ ہذیان بکتی رہتی تھی۔"

کرو....!" فریدی بولا۔ "کیا کہتی تھی۔"

تکی باتیں.... مثلاً.... ارے ارے.... پاگل ہوئے ہو.... نکل جاؤ یہاں سے۔ کیمرہ ہٹالے جاؤ.... زیادہ تر وہ یہی چیختی تھی.... کیمرہ ہٹاؤ.... بے شرم کہیں کے رہ ہٹاؤ۔"

دوسرے دلائل

وڑی دیر بعد وہ پھر سڑکیں ناپ رہے تھے۔ لیکن شائد اس وقت ان میں سے کوئی بھی موڈ میں نہیں تھا۔ دونوں ہی بڑھیا کے ہذیان میں الجھے ہوئے تھے

اب کیا ارادہ ہے۔" تھوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔

سوچ رہا ہوں کہ ضیغم سے بھی مل لوں۔"

اچھا یہ بتایئے کیا آپ بڑھیا کے ہذیان کو اہمیت دے رہے ہیں۔"

اہمیت دی بھی جاسکتی ہے اور نہیں بھی۔"

واضح بات۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "واضح ترین بات یہ ہے کہ ابھی یہ کیس خود ہی ذہن میں صاف نہیں ہے۔ کئی الجھاوے ہیں۔ کئی سوالات ہیں.... بے شمار"

آج آپ کوئی واضح بات نہیں کہہ رہے ہیں۔"

اس نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

ہائے! آج اتوار ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "دفتر کے چپراسی بھی آج ہنی منا رہے ہوں گے.... لیکن میں نابکار....!"

اس نے بھی جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ فریدی نے لفظ "بے شمار" پر تان توڑی تھی اور حمید نے "ر" پر اختتام کیا۔

مگر فریدی اس طرح خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اُسے حمید کی آواز بھی نہیں سنائی دی تھ
تھوڑی دیر بعد اس نے چونک کر کہا۔ "نہیں.... وہ ضیغم نہیں ہو سکتا۔ مرد کا جو طر
جاتا ہے کسی طرح بھی ضیغم اس پر پورا نہیں اترتا۔"

"میک اپ سرکار....!" حمید بولا۔ "ضیغم بڑا اچھا بہروپیا ہے۔"

"اتنا اچھا بھی نہیں ہے کہ اپنے سر کی مخصوص بناوٹ کو چھپا لے جائے۔ اُس کا پورا ج
اس قابل نہیں ہے کہ اس پر کامیاب قسم کا میک اپ کیا جا سکے۔ لہٰذا وہ اس قسم کا خطرہ مول
ہی نہیں سکتا۔"

"تب تو پھر مجھے کہنے دیجئے کہ آپ حشر تک اصل مجرم کا پتہ نہ لگا سکیں گے۔"

"کیوں....؟"

"ظاہر ہے کہ اب مجرم عام آدمیوں کی بھیڑ میں گم ہو گیا ہوگا۔ خاور بھی بتائے ہوئے
نہیں ہے۔ رہ گئی عورت تو.... اس کا ملنا بھی محال ہے۔ میں تو یہ عرض کروں گا کہ اس کی
اپنے ہاتھ میں لے کر گزشتہ کارناموں پر خاک نہ ڈالئے۔ اس قسم کی چوری چکاری کے کیس
پولیس ہی کے لئے مناسب ہیں۔"

"حمید! یہ کیس سول پولیس کے بس کا نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ ایسے ہی درجنوں کیس ہیں جن میں پولیس آج تک ناکام رہی ہے
میں آئے دن نوزائیدہ بچے زندہ یا مردہ شاہراہوں پر پڑے پائے جاتے ہیں۔ لیکن پولیس
ایک فیصدی کامیابی بھی پولیس کے حصے میں آئی ہے؟"

"ٹھیک ہے! لیکن اس کیس کی نوعیت ہی الگ ہے۔"

"کیس آپ کے ذہن میں صاف بھی نہیں ہے اور آپ اس کی نوعیت سے بھی واقف
عجیب بات ہے... ار... ہا... کتنا حسین چہرہ گزر گیا ایسے موقعوں پر گاڑی کی رفتار ذرا کم کر دیا ک

"کیس کی نوعیت۔" فریدی اس کی بعد کی بکواس پر دھیان دیئے بغیر بولا۔ "اچھا سنو
گنبد ضرور ہے لیکن اس کی بالائی منزل خالی نہیں معلوم ہوتی۔ وہ ایک حد تک کافی چالاک
ہے۔ اگر یہ حرکت اس کی ہوتی تو وہ اُسے اپنی قمیضوں میں لپیٹ کر نہ پھینکتا۔ اور اگر ایسی حماق
بھی جاتی تو وہ اپنے گمشدہ سوٹ کیس کے متعلق ہرگز اعلان نہ کراتا۔ اچھا چلو خود اُسی کے

طابق فرض کر لو کہ کوئی اسے پھنسانا چاہتا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھنسانے کا مقصد
سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بچہ غیر قانونی ہی ہونے کی بناء پر پھینکا گیا تھا۔ اگر پھینکنے والا اسے
کے سر تھوپنا چاہتا ہے تو وہ پرلے سرے کا احمق ہے کیونکہ وہ غیر قانونی بچہ خاور کی دولت
یک حبہ کا بھی مستحق نہیں ہو سکتا اور اگر وہ اس طرح خاور سے کچھ روپیہ اینٹھنا چاہتا ہے تو یہ
ں کی خام خیالی ہے۔ اس واقعہ کے پولیس کے علم میں آ جانے کے بعد وہ اس سے ایک کوڑی
صول نہیں کر سکتا۔ پھر اس نے یہ حرکت کیوں کی۔"

"اُسے اگر اس بات کا علم ہوتا کہ خاور سوٹ کیس کی گمشدگی کا اعلان کرا دے گا تو شائد وہ
دسرا طریق کار اختیار کرتا۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بات معقول ہے۔ اسے تسلیم کیا جا سکتا ہے ممکن ہے اسے علم نہ رہا ہو کہ اسی سوٹ
میں کپڑوں کے علاوہ کچھ ایسے کاغذات بھی ہیں جو بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی
ی خاور کو اعلان کرانے پر مجبور کر سکتی ہے۔ لیکن یہ تو سوچو کہ اعلان نہ ہونے کی صورت
لیا پولیس خاور تک پہنچ سکتی تھی؟"

"قطعی پہنچ سکتی تھی۔" حمید نے کہا۔ "اور یہ خود آپ کی کہی ہوئی بات ہے کہ جس ٹیلرنگ
ہ میں قمیضیں تیار کی گئی ہیں اسی کے ذریعہ خاور کا پتہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"لیکن اگر اس نے یہ حرکت پولیس کے علم میں لانے ہی کے لئے کی تھی تو پھر اس کی افادیت
ختم ہو جاتی ہے۔"

"کیوں....؟"

"ذرا کھوپڑی استعمال کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"کثرت استعمال کی بناء پر اب وہ استعمال کے قابل ہی نہیں رہ گئی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ کیا تم اتنا نہیں سوچ سکتے کہ مجرم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔
ندہ اس صورت میں پہنچتا جب وہ اسے تمہاری کار میں پھینکنے کی بجائے خاور کی کوٹھی میں پھینکتا
ر عورت اُسے خاور کا بچہ ثابت کر کے اس کا اعلان کر دینے کی دھمکی دیتی۔ اس طرح وہ خاور
ے کافی روپیہ اینٹھ سکتے تھے۔"

"چلئے میں اسے تسلیم کئے لیتا ہوں کہ اس جرم کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا۔" حمید نے کہا۔

"لیکن خاور نے تو ایک بات اور کہی تھی.... یعنی اس طرح کوئی دشمن اس کی بیوی کو اس سے
ہی رکھنا چاہتا ہے۔"

"اس مسئلے پر تو ابھی گفتگو ہی نہیں کی جاسکتی۔"

"کیوں....؟"

"ہم اس کی بیوی کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ نہ ہمیں یہی معلوم کہ ان دونوں کے درمیان
میں ناچاقی کی وجہ کیا ہے۔"

"اسے معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"قطعی ہے.... اگر ناچاقی کی وجہ خاور کی جنسی بے راہ روی ہے تب تو اس واقعے کا اثر
کے تعلقات پر پڑ سکتا ہے۔ ورنہ نہیں.... سینکڑوں آدمی روزانہ اس قسم کی حرکتیں کیا کرتے
لیکن ان کی بیویاں اس بناء پر ان سے قطع تعلق نہیں کر لیتیں۔"

"تو اب آپ اس کی بیوی کی بھی ہسٹری کھنگالیں گے۔"

"یقیناً وہ تو کرنا ہی پڑے گا.... جرم کا مقصد معلوم کئے بغیر جرم کا سراغ مشکل ہی سے ملتا ہے۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کیڈی اسٹار سرکس کمپنی کے آفس کے سامنے ر
گئی۔ یہ دفتر اتوار کو بھی کھلا رہتا تھا۔ ضیغم دفتر ہی میں موجود تھا۔

اس کی عمر چالیس کے قریب رہی ہوگی۔ لحیم شحیم اور ورزشی جسم کا آدمی تھا۔ جبڑوں
بھاری پن کے مقابلے میں اس کا سر اتنا چھوٹا تھا کہ غیر متناسب معلوم ہوتا تھا ہونٹ پتلے اور ا
کی طرف دھنسے ہوئے تھے۔ رنگت سفید لیکن صحت آمیز سرخی کی حامل تھی۔ جب وہ گفتگو کر
تو اس کے سارے دانت پورے طور پر نمایاں ہو جاتے۔ سفید اور چمکیلے دانت لیکن اسے گف
کرتے دیکھ کر کسی ایسے بھیڑیئے کا تصور ذہن میں ضرور پیدا ہوتا تھا جو اپنے شکار کی ہڈیاں چبا
ہو۔ اس کے لہجے میں بھی عموماً بڑی تلخی ہوا کرتی تھی.... ظاہری بناوٹ کے ساتھ ہی ساتھ ا
کی ذہنی ساخت بھی عجیب تھی.... اس کی کھوپڑی میں یہ خیال برف کی طرح منجمد ہو کر رہ گیا
کہ وہ دنیا کے ہر آدمی کو طاقت سے زیر کر سکتا ہے۔

فریدی اور حمید کو دیکھ کر اس نے بہت برا سا منہ بنایا۔

فریدی جو بشرہ شناسی میں ماہر تھا جلدی سے بولا۔ "ہم دراصل ایک انکوائری کے سلسلے م

ہیں۔"

"جب آپ جیسے حضرات انکوائری کے سلسلے میں آئیں تو معاملہ بڑا ہی ہو سکتا ہے....
یا!" ضیغم ان کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتا ہوا بولا۔

"شکریہ....! میں سگار پیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ آئرن پرنس مسٹر خاور کے
چلن کے متعلق کچھ بتا سکیں گے۔"

"خاور کا چال چلن!" ضیغم نے حیرت سے کہا۔ پھر بے تحاشہ ہنس پڑا۔ اس کا نہ ختم ہونے
قہقہہ کسی لکڑ بگھے کی غراہٹ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا تھا۔

"خدا کی شان ہے کہ اب خاور جیسے لوگ بھی چال چلن کے قابل ہونے لگے۔" اس نے کچھ
د کہا۔

فریدی اس کے جواب میں کچھ نہیں بولا۔ شائد یہ بات ضیغم کے لئے خلاف توقع تھی۔ وہ
راز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اپنے جملے پر فریدی کا ریمارک سننے کا متمنی ہو۔

پھر اس نے خود ہی کہا۔ "لیکن آپ نے اس کے چال چلن کی تصدیق کرنے کے لئے اس
رکو کیوں منتخب فرمایا ہے۔" اسکے لہجے میں تلخی کے ساتھ ہی ساتھ ایک قسم کا چیلنج بھی تھا۔

"محض اسلئے کہ آپ دونوں کے تعلقات خوشگوار نہیں ہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تب پھر میں اس کے خلاف غلط باتیں بھی کہہ سکتا ہوں۔"

"غلط باتوں میں بھی کچھ درست ہوتی ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور مجھ میں اتنا سلیقہ
ہ میں اپنے کام کی باتیں منتخب کر سکوں۔"

"بات کیا ہے؟" ضیغم فریدی کو گھورنے لگا۔

"نہایت اہم! پچھلی رات کو ہمیں ایک نوزائیدہ بچہ ملا ہے جسے چند قمیضوں میں لپیٹ کر کہیں
دیا گیا تھا.... اور وہ قمیضیں خاور کی ہیں۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ قمیضیں خاور ہی کی ہیں۔"

"مجھے یقین ہے.... صرف مجھے ہی نہیں خاور کو بھی یقین ہے کہ وہ قمیضیں اسی کی ہیں۔"

ضیغم بے تحاشہ ہنس پڑا۔ وہ کافی دیر تک ہنستا رہا.... حمید دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا
کیونکہ اس کے ہنسنے کا انداز بڑا توہین آمیز تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نادان

بچے کی حماقت آمیز گفتگو پر قہقہے لگا رہا ہو۔

فریدی کے رویے میں البتہ کسی قسم کا بھی تغیر نہیں واقع ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر آثار تھے اور آنکھوں سے بے تعلقی جھلک رہی تھی۔

"اب میں سمجھ گیا۔" ضیغم بدستور ہنستا ہوا بولا۔ "آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"کیوں! وقت کیوں ضائع کر رہا ہوں۔"

"آپ خاور کے حالات سے واقف نہیں۔ وہ اس بچے کا باپ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ حرکت بھی اس کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔"

"آپ دو متضاد باتیں کہہ رہے ہیں۔"

"او بابا! وہ بچہ کسی اور کا ہوگا۔ خاور اسے اپنا ظاہر کرنا چاہتا ہے۔"

"یعنی خود ہی اپنی گردن پھنسوانا چاہتا ہے۔" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"بھلا اس کی گردن کیا پھنسے گی۔ دو چار ہزر روپے دے کر معاملہ برابر کرا لے گا۔ ہے بابا۔"

"لیکن وہ یہ سب کچھ کرے گا ہی کیوں؟ کیا اس میں اس کی بدنامی نہیں۔"

"بدنامی....!" ضیغم ہنس پڑا۔

"کیا لفظ بدنامی پر آپ کو ہنسی آ رہی ہے مسٹر ضیغم۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"نہیں کیپٹن حمید مجھے آپ لوگوں کی سنجیدگی پر ہنسی آ رہی ہے۔"

"اور مجھے آپ کی عقل پر رونا آ رہا ہے۔" حمید بولا۔

فریدی نے سوچا اگر بات بڑھ گئی تو وہ بہتیری باتیں نہ معلوم کر سکے گا اس لئے وہ بول پڑا.... "خاور نے مجھے بتایا ہے کہ آپ اسے پھنسانا چاہتے ہیں۔"

"کیا....؟" ضیغم فریدی کی طرف پلٹ پڑا۔ "میں اسے پھنسانا چاہتا ہوں۔ ا خراب ہو گیا ہے.... میں اسے پھنساؤں گا.... وہ کتے کا پلا ہے۔"

"نہیں وہ تو ہاتھی کا بھی ابا ہے۔" حمید ہنس پڑا۔

"کیپٹن حمید میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" وہ پھر حمید کی طرف پلٹ پڑا اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر فریدی سے بولا۔ "اگر مجھے اُس سے نپٹنا ہی

پٹوں گا، ایک ہی گھونسے میں اس کا سڑا ہوا مغز ناک کے راستے بہہ جائے گا۔"

"مجھے علم ہے کہ آپ بہت طاقتور ہیں۔" فریدی اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے۔" ضیغم سنجیدگی سے بولا۔ "میں بتاتا ہوں کہ اس کی چال کیا ہے۔"

وہ چند لمحے کچھ سوچ سوچ کر سر ہلاتا رہا پھر بولا۔ "آپ جانتے ہیں کہ اس کی بیوی اس سے ہے۔"

"مجھے علم ہے۔"

"حدگی کی وجہ بھی جانتے ہیں۔" ضیغم نے پوچھا۔

"نہیں اس کا مجھے علم نہیں۔"

"خاور کافی دولت مند آدمی ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔"

"یہ بھی جانتا ہوں۔"

"پھر اس کی بیوی اس کے ساتھ کیوں نہیں رہتی۔"

"ممکن ہے مزاجوں میں ہم آہنگی نہ ہو۔"

"مزاجوں میں تو بڑی ہم آہنگی ہے جناب۔" ضیغم مسکرا کر بولا۔ "اتنی ہم آہنگی کہ آپ رکو بھی عورت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مگر عورت.... بیوی نہیں بلکہ شوہر چاہتی ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... اچھا۔" فریدی اس طرح آنکھیں پھاڑ کر سر ہلانے لگا جیسے اصل بات اس کی سمجھ میں اب آئی ہو۔

ضیغم نے پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا لیکن اس بار وہ جلد ہی سنجیدہ ہو کر بولا۔ "کچھ بھی ہو ر کو ایک ایسی ہستی کی ضرورت یقیناً محسوس ہوتی ہو گی جو اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ وہ چاہتا ہے اس کی بیوی پھر واپس آ جائے۔"

ضیغم خاموش ہو کر سگریٹ سلگانے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "اسے واپس لانے کیلئے خاور کے پاس آخری حربہ یہی رہ گیا تھا۔ یہ وائی بھی اس کیلئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔ میرا خیال ہے کل کے اخبارات میں یہ خبر آ جائے گی۔"

"ضروری نہیں ہے۔"

"اوہ.... تب تو اس کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ نہیں فریدی صاحب اس کی

پبلسٹی ضرور ہونی چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"تاکہ اس کی بیوی واپس آجائے۔" ضیغم نے اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگایا۔

"اوہ.... تو آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ واپس آجائے۔"

"نہیں....!" ضیغم سنبھل کر بولا۔ "بھلا مجھ سے کیا غرض۔ لیکن میں بعد کے مخ حالات سے ضرور لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔"

"بعد کے حالات سے کیا مراد ہے۔"

"ممکن ہے کہ وہ اس خبر پر چلی ہی آئے.... لیکن پھر.... آپ بچے تو نہیں ہیں کرنل

"نہیں انہیں ان معاملات میں بچہ ہی سمجھئے۔" حمید بول پڑا۔ "ابھی ان کی شادی نہیں ہوئ

"خوب خوب....!" ضیغم سر ہلا کر مسکرانے لگا۔

"مگر مسٹر ضیغم! اس نے بچہ کہاں سے مہیا کیا ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔ اس نے ح ریمارک کو اس طرح نظر انداز کر دیا تھا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"دولت سب کچھ مہیا کر سکتی ہے کرنل۔ اور پھر اس طرح بچے کے ضائع ہو جانے کوئی امکان نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نے اسے کسی ایسی ہی جگہ پھنکوایا ہوگا جہاں سے وہ جلد لیا جا سکے۔ بچے کے والدین کو بھی اطمینان ہی ہوگا۔ انہیں دو چار ہزار روپے بھی مل گئے گے اور ان کا بچہ اس وقت کسی سرکاری پرورش گاہ میں محفوظ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ خاور کے لئے اپنے کسی ملازم ہی کو منتخب کیا ہو۔ نہیں کرنل یہ سارا معاملہ بالکل آسان ہے مگر ذہانت کی بھی داد دینی ہی پڑے گی۔ میں اب تک اسے صرف ایک فرسٹ کلاس گاؤدی تصو تھا۔ مگر اب مجھے اپنی رائے بدلنی پڑے گی۔"

فریدی بڑی سنجیدگی سے اس کی گفتگو سن رہا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس

"مسٹر ضیغم! اگر میں آپ سے نہ ملتا تو مجھے بڑا افسوس ہوتا۔ آپ نے معاملے کو بالکل صا کر دیا۔ مجھے تو آپ کی ذہانت پر حیرت ہے۔"

"کیوں؟ ہے نا....!" ضیغم نے قہقہہ لگایا۔ "مگر یہ بیچارے کی بدنصیبی ہے کہ کیپ جیسے ذہین آدمی کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ بھئی میری رائے تو یہ ہے کہ اس معاملے کو ا

ے گا۔ ورنہ ابھرے بغیر اس بیچارے کا مقصد حل نہیں ہوگا.... واہ بھئی خوب رہی۔"

ضیغم پھر ہنسنے لگا۔

کیکوا کنڈا

فریدی چند لمحے غور سے ضیغم کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مگر مسٹر ضیغم جب آپ یہ سوچ سکتے ہیں ی بیوی بھی کیوں نہ یہی نتیجہ اخذ کر سکے گی۔"

اس سوال پر ضیغم سٹپٹا گیا۔ لیکن اس نے اس تغیر کو پھر ایک بناوٹی قہقہے میں چھپانے کی ا کی۔

"اوہ....! اگر اُس نے بھی یہی سوچا تب تو پھر میں اس سچویشن سے محظوظ نہ ہو سکوں گا۔ وئی اسے یقین دلا دیتا۔"

"خاور سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔"

اس سوال پر ضیغم اسے گھورنے لگا۔

"کیوں کرنل! کیا اب میرا مضحکہ اڑانے کا ارادہ ہے۔" اس نے تلخ لہجے میں فریدی سے پوچھا۔

"قطعی نہیں! میں نے تو صرف رشتہ پوچھا تھا۔"

"اچھا تو سنئے!" ضیغم نے گرج کر کہا۔ "ہم میں یہی رشتہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ن ہیں۔"

"اوہ.... آپ نے تو عربی طرز کی رجزیہ شاعری شروع کر دی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آج شاعری کر رہا ہوں اور کسی دن ایک خونی ڈرامہ اسٹیج کروں گا۔" ضیغم میز پر گھونسہ مار دلا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"تو سمجھ لیجئے! خاور میرے ہی ہاتھوں مارا جائے گا۔"

"آپ ایک ذمہ دار آفیسر کے سامنے گفتگو کر رہے ہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔"

تو پھر اسے یاد رکھئے کہ اگر خاور قدرتی موت بھی مرا تو میرا محکمہ اس میں دلچسپی لئے بغیر نہ

رہ سکے گا۔

"آپ کا محکمہ۔" ضیغم حقارت آمیز قہقہے کے ساتھ بولا۔ "میں نے اب تک دس خون
ہیں۔ لیکن پھر بھی اس وقت ایک آزاد شہری کی حیثیت سے آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"واقعی کمال ہے۔" حمید ہنس پڑا اور ضیغم جھلا کر بولا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ ثبوت مہیا کیجئے اور میرے ہتھکڑیاں لگا دیجئے۔"

"اچھا میں خیال رکھوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ذرا اس کیس سے فرصت مل جائے تو

"ضرور کوشش کیجئے گا۔" ضیغم تلخ لہجے میں بولا۔

فریدی اور حمید اٹھ گئے۔

واپسی پر حمید نے راستے میں کہا۔ "کہئے اب کیا خیال ہے اس جانور کے متعلق۔"

"اگر میں نے اسے سبق نہ دیا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔" فریدی بولا۔

"اچھا اس نے جو کچھ خاور کے متعلق کہا ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔"

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"اچھا اب مجھے کہنے دیجئے۔"

"بکو....!"

"آپ نے کل رات والی لڑکی کو اصل واقعے سے کیوں آگاہ نہیں کیا۔"

"بکواس مت کرو۔"

"کم از کم اس کا پتہ ہی پوچھ لیا ہوتا...." حمید نے کہا۔

"پتہ.... پتہ تو مجھے معلوم ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "نہ جانے کیوں یک بیک اس کا
ٹھیک ہو گیا تھا۔

"تو پھر بتا دیجئے نا۔" حمید بچوں کی طرح ٹھنک کر بولا۔

"اٹھارہ کنگس لین.... نام بھی بتا دوں۔"

"کاش آپ سچ مچ بتا دیں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"زرینہ پرویز۔"

"ہائیں تو کیا شادی شدہ ہے۔"

"نہیں پرویز اس کے باپ کا نام ہے۔"

"شکر ہے پروردگار.... اور اس کے باپ کا بھی بہت بہت شکریہ وغیرہ۔"

"تو پھر تمہیں کنگس لین کے پاس اتار دیا جائے۔"

"ارے آج آپ اتنے مہربان کیوں ہیں۔"

"کبھی کبھی تم پر ترس بھی آتا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نہیں مان سکتا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "کوئی بات ضرور ہے۔"

"کیا بات ہو سکتی ہے۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"اس طرح آپ کا کوئی کام بنتا ہو گا۔"

"میرے تو سارے کے سارے کام کسی نہ کسی طرح بن ہی جاتے ہیں حمید صاحب۔"

"کیا آپ اس لڑکی پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہیں۔"

"شبہ نہیں.... بھئی میں تو فی الحال تم سے پیچھا چھڑا کر کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔"

"شکریہ شکریہ۔" حمید نے خوشی کا اظہار کیا۔

"اچھا اب اتر جاؤ۔" فریدی نے ایک جگہ کیڈی روک دی۔ "اگر ممکن ہو تو آج ضیغم کے
رکس میں ضرور جانا۔"

"یہ بات کہی ہے آپ نے۔ اب میں اس کیس میں دل و جان سے دلچسپی لوں گا.... ہاہا ضیغم
سے ٹکراؤ۔ مزہ آ جائے گا۔ میں بہت عرصہ سے اس کی گردن توڑنے کی فکر میں ہوں۔"

"حمید! سنجیدگی سے میرا ایک مشورہ سنو۔ ضیغم سے بھڑنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری
گردن کی ہڈیاں بھی بہت عزیز ہیں۔"

"آپ اس سے مرعوب ہو گئے ہیں۔"

"چلو یہی سمجھ لو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں ٹارزن یا زمبو کا بیٹا نہیں ہوں کہ ہر ایک پر
غالب ہی آتا رہوں۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ سنگ ہی[1] جیسے کیڑے نے مجھے عاجز کر دیا تھا۔"

"خیر میں آپ کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کروں گا۔" حمید نے کہا اور کیڈی سے اتر گیا۔

کیڈی فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

حمید چند لمحے سڑک کے کنارے ہی کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر کنگس لین کی طرف مڑنے کی

[1] سنگ ہی کی داستان کے لئے جاسوسی دنیا کے ناول "نیلی لکیر" اور "خونی بگولے" ملاحظہ فرمائیے۔

بجائے ایک قریبی ریستوران میں گھس گیا۔

اتوار ہونے کی وجہ سے ریستوران میں کافی بھیڑ تھی۔ حمید کو ایک بھی میز خالی نہ مل کی
ویسے وہ یہاں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ زرینہ پرویز سے ملنے سے
ریستوران کے غسل خانے کے آئینے میں اپنے حلیئے کا ایک بار جائزہ لے سکے۔

اس نے کاؤنٹر پر کھڑے ہی کھڑے ایک کپ چائے پی اور پیسے ادا کر کے سیدھا غسل خا
کی طرف چلا گیا۔

پھر شائد بیس منٹ بعد وہ باہر آیا۔ اس دوران میں اس نے اپنے چہرے اور بالوں کی خا
مرمت کر لی تھی۔

یہاں سے کنکس لین کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ پیدل ہی چل پڑا۔

ایک بج چکا تھا اور دھوپ کافی تیز تھی۔ لیکن اسکے باوجود بھی اس کی طبیعت جولانی پر تھی
کنکس لین کی اٹھارویں کوٹھی کے سامنے وہ رک گیا۔ وہ یہاں تک تو چلا آیا تھا لیکن اب
رہا تھا کہ اس سے ملے کس بہانے سے۔ اگر وہ گھر پر موجود نہ ہوئی تو پھر اسے کیا کرنا پڑے گا
اگر اس کا باپ کوئی دقیانوسی قسم کا آدمی ثابت ہوا تو صورت حال کیا ہو گی۔ اسے اس سے قبل
کئی الٹرا موڈرن قسم کی لڑکیوں کے قدامت پسند والدین سے ملنے کا اتفاق ہو چکا تھا اور وہ ا
اچھی طرح پیش نہیں آئے تھے۔

اور پھر وہ سوچ رہا تھا کہ "تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے۔"

اچانک اس کی نظر پائیں باغ کے ایک گوشے کی طرف اٹھ گئی۔ جہاں ایک بڑا سا سائ
ایک درخت کے تنے سے لٹک رہا تھا۔ اور اس پر "برائے فروخت" تحریر تھا۔

درخت کے نیچے بے شمار گملوں میں صدہا قسم کے پودے نظر آ رہے تھے۔

"اب "برائے فروخت" کا مفہوم اس پر واضح ہو گیا۔ اور ساتھ "تقریب بہر ملاقات
سوجھ گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ بے کھٹکے پائیں باغ میں داخل ہو رہا تھا۔ پھر وہ سیدھا وہیں جا کر رک
"برائے فروخت" کا بورڈ لٹک رہا تھا۔

"فرمائیے۔" اسے پشت سے کسی کی آواز سنائی دی اور وہ چونک کر مڑا۔ اس کے سا

دبلا پتلا اور پست قد بوڑھا پلکیں جھپکا رہا تھا۔

حمید نے اس کے رکھ رکھاؤ سے اندازہ لگا لیا کہ وہ کوٹھی کا مالک ہی ہو سکتا ہے۔

"مجھے یہ بورڈ یہاں لایا ہے۔ ویسے میں مس زرینہ سے واقف ہوں۔"

"تو فرمائیے نا آپ کیا چاہتے ہیں۔" بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیکو اکنڈا....!" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"کیا....؟" بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

"کیکو اکنڈا....!" حمید کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

"یہ کیا بلا ہے؟"

"ارے آپ کیکو اکنڈا نہیں جانتے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "اوہ.... شائد آپ پودوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

"جی! کیا فرمایا۔" بوڑھا نتھنے پھلا کر بولا۔ "جناب میں پودوں پر اتھارٹی ہوں۔ مجھے ڈاکٹر پرویز کہتے ہیں۔"

"اوہ.... ڈاکٹر صاحب۔" حمید مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ "آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

"مجھے بھی ہوئی۔" بوڑھا اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "مگر کیچو اکنڈا....!"

"کیکو اکنڈا....!" حمید نے تصحیح کی۔ "مجھے حیرت ہے کہ کیکو اکنڈا سے متعلق لٹریچر آپ کی نظر سے نہیں گذرا۔ یہ آرچڈ کی ایک نسل سے تعلق رکھتا ہے اور گانگو کے خطے میں پایا جاتا ہے۔ ابھی حال ہی کی دریافت ہے۔"

"اوہ! تب بھی اُسے اس سال کی نباتات کی انسائیکلوپیڈیا میں ہونا چاہئے۔"

"ضرور ہو گا۔" حمید نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ نہیں ہے۔" بوڑھے نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"تو بہر حال کیکو اکنڈا آپ کی نرسری میں نہیں ہے۔"

بوڑھے نے اس کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اچھا زیٹوراس کا ہو گا۔"

"زیٹوراس کا....!" بوڑھا حیرت سے بڑبڑایا۔

"اوہ تو آپ زیٹوراس کا بھی علم نہیں رکھتے۔"

"ذرا ایک منٹ ٹھہریئے....!" بوڑھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہ بھی کوئی غیر معروف قسم ہو۔"

"غیر معروف نہیں جناب! بہت ہی قیمتی ہے۔"

"اچھا تو میرے ساتھ آیئے۔ میں انسائیکلو پیڈیا میں دیکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں پودوں کے کوئی اور بھی نام ہوں۔"

"ضرور دیکھئے.... لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان ناموں کے علاوہ اور کوئی نہیں۔"

دونوں پورچ سے گذر کر برآمدے میں آئے۔

اس نے ایک نوکر سے کہا۔ "زرینہ سے کہو کہ انسائیکلو پیڈیا لے کر آئے۔" نوکر جانے لگا۔

"ٹھہرو۔" بوڑھے نے کہا۔

نوکر رک گیا۔

"کیا کہو گے؟" اس نے اس سے پوچھا۔

"سائیکل کا پیڈل لے کر چلیئے۔" نوکر نے نہایت سنجیدگی سے دست بستہ کہا۔

"دیکھا.... آپ نے۔" بوڑھا حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

"انسائیکلو پیڈیا.... مائی ڈیئر۔" حمید نے نوکر سے کہا۔

"نہیں بنے گا سرکار مجھ سے۔" نوکر بیزاری سے بولا۔

"گنوار ہو تم....!" بوڑھا جھلا گیا۔ "میں خود ہی لاتا ہوں۔"

بوڑھا اٹھ کر چلا گیا۔

ادھر حمید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ بوڑھا نباتات کی انسائیکلو پیڈیا پر اتر آئے گا ورنہ وہ کبھی بے تکی نہ ہانکتا.... کیکوا کنڈا اور زیٹوراس کا خود اسی کی تخلیق تھے۔

حمید گلو خلاصی کی تدبیر سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک دروازے سے زرینہ برآمد ہوئی۔ حمید کو کر ٹھٹکی پھر بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

"فرمایئے حمید صاحب۔" وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ "اب کون سی مصیبت نازل ہوئی آپ پر؟"

"مصیبت۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "فی الحال مجھے اپنے ڈیڈی سے بچایئے۔"

"کیوں.... کیا ہوا۔"

"اوہ.... میں دراصل رات والے معاملے کے متعلق معذرت کرنے کے لئے آیا تھا کہ پ کے ڈیڈی سے مڈبھیڑ ہو گئی اور اب وہ نباتات کی انسائیکلو پیڈیا لینے گئے ہیں۔"

"جناب! رات میں آپ کو نہیں جانتی تھی ورنہ اس طرح اُلو نہ بنتی۔ میں نے آپ کے انے بہت سنے ہیں۔"

"اوہ.... وہ تو سب ٹھیک ہے مگر.... انسائیکلو پیڈیا۔"

"ارے تو آخر گھبراہٹ کی کیا بات ہے۔ تھوڑی دیر تک اُن سے نباتات پر گفتگو کیجئے تب میں باہر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤں گی۔ میں خود آپ سے ملتی۔ نہ جانے کیوں میں ایک بار پھر بچے کو دیکھنا چاہتی ہوں.... بیچارہ.... نہ جانے کس بدنصیب نے ایسی حرکت کی ہے۔"

اتنے میں بوڑھا ایک موٹی سی کتاب بغل میں دبائے ہوئے واپس آگیا۔

"کیکوا کنڈا تو نہیں ملا جناب.... دوسرے کا کیا نام بتایا تھا۔" بوڑھے نے حمید سے کہا پھر ینہ سے بولا۔ "اوہو.... کیا تم انہیں جانتی ہو۔"

"جی ہاں.... یہ محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کیپٹن حمید ہیں۔" زرینہ مسکرا کر بولی۔

"محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر۔" بوڑھا پلکیں جھپکانے لگا۔

"جی ہاں.... آپ نے کرنل فریدی کا نام سنا ہوگا۔ یہ اُن کے اسسٹنٹ ہیں۔"

"کرنل فریدی۔" بوڑھا جلدی سے بولا۔ "اوہ ہاں ہاں۔ میں اُسے جانتا ہوں۔ وہ میرے حوم دوست.... کالڑکا ہے۔ وہی فریدی نا۔"

"جی ہاں.... وہی۔" حمید بولا۔

"کیا آپ نے اسی کی زبان سے ان پودوں کے نام سنے ہیں۔"

"جی ہاں.... جی ہاں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"تب تو یہ پھر ضرور ہوں گے۔ اس کا باپ افریقہ اور جنوبی امریکہ پر اتھارٹی تھا۔ کیا نام بتایا ؤسرے کا۔"

"زیٹوراس...." حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

زرینہ مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی اور حمید پودوں کے متعلق بکواس سن سن کر بور ہوتا رہا لیکن کرتا بھی کیا۔ جب اس کی شامت آتی تھی تو وہ اسی قسم کی حماقتیں کر بیٹھتا تھا۔

پھر شائد آدھے گھنٹے کے بعد وہ زرینہ کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا اپنی گلو خلاصی پر خدا کا ش ادا کر رہا تھا.... بوڑھے نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا دیں تھیں۔

"آپ نے پچھلی رات جھوٹ کیوں بولا تھا۔" زرینہ نے حمید سے کہا۔ وہ خود کار ڈرا کر رہی تھی۔

"مصلحتاً....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اگر میں نہ کرتا تو لوگ میرا بھیجا چاٹ رکھ دیتے۔ مقصد یہ تھا کہ کسی طرح جلد سے جلد وہاں سے چل دوں گا مگر آپ درمیان آکودیں۔"

"میں پچھلی رات ٹھیک سے سو نہیں سکی۔" زرینہ نے کہا۔ "مجھے بار بار بچے کا خیال آتا اور ساتھ ہی آپ کی دشواریاں بھی سامنے آجاتی تھیں۔ مگر آپ حمید صاحب۔" وہ ہنسنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "مگر آپ کی ایکٹنگ کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ سچ مچ ایک بے کے بچے کے باپ معلوم ہو رہے تھے۔"

"اور اب میں اس وقت خود کو ایک لاوارث بچہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"تو اَب آپ لوگ بچے کے والدین کی تلاش میں ہوں گے۔" زرینہ نے پوچھا۔

"ہاں.... صاحب خواہ مخواہ ایک بلا سر پر پڑی ہے۔ اب اسے بھگتنا ہی پڑے گا۔"

"مجھے سراغ رسانی کا بہت شوق ہے اور میں اس کیس میں آپ کا ہاتھ بٹا سکتی ہوں۔"

"آپ کس طرح ہاتھ بٹائیں گی۔"

"آپ لوگوں کے گھروں کے اندر تو گھس نہیں سکیں گے۔ میں یہ کام نہایت آسانی انجام دے سکوں گی۔ ہمیں دراصل ایک ایسی عورت تلاش کرنی ہوگی جو آج ہی کل میں سے فارغ ہونے کے باوجود بھی گود خالی رکھتی ہو۔"

"ایسی سینکڑوں مل جائیں گی۔" حمید نے کہا۔ "جو کل فارغ ہوئی ہوں گی اور آج

ں بھی خالی ہوگئی ہوں گی۔"

"اوہ.... تو اس کا پتہ لگانا بھی مشکل نہ ہوگا۔ پڑوسی کم از کم یہ تو بتا ہی دیں گے کہ اس کے کا انتقال ہو چکا ہے.... مگر اصل مجرمہ کسی حال میں بھی نہ چھپ سکے گی۔"

"لیکن اس مہم کا اختتام شائد چھ ماہ بعد ہوگا۔" حمید بولا۔ "شہر میں لاکھوں مکان ہیں۔"

"بہر حال میں مجرموں کا پتہ لگا کر انہیں معقول سزا دلوانا چاہتی ہوں۔"

حمید آستین سرکا کر گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ "تین بجنے والے ہیں۔ کیوں نہ ہم اسٹار سرکس کے رام دیکھیں۔ آج اتوار ہے ایک شو ساڑھے تین بجے بھی ہوگا۔"

"یک بیک سرکس کی کیسے سوجھ گئی۔"

"سرکس میں کئی لڑکیاں ہیں۔ اگر آپ کو سراغ رسانی کا شوق ہے تو وہاں پتہ لگانے کی ش کیجئے گا کہ اصل مجرمہ کون ہے؟"

"کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہیں.... حمید صاحب۔"

"نہیں میں قطعی سنجیدہ ہوں۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

کوٹ لے گیا

سرکس سے واپسی پر حمید زرینہ کو ہائی سرکل نائٹ کلب لے گیا۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ نہ آسکی کہ فریدی نے اسے اسٹار سرکس جانے کے لئے کیوں کہا تھا۔ وہاں کوئی خاص واقعہ نہیں آیا تھا۔ حتیٰ کہ ضیغم بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔

نائٹ کلب کی دلچسپیاں شباب پر تھیں۔ اس لئے حمید نے یہ سوچنا ہی ترک کر دیا کہ فریدی ے سرکس کے لئے کیوں تاکید کی تھی۔

نائٹ کلب کے منیجر نے حمید کی شکل دیکھتے ہی جھرجھری سی لی لیکن پھر اس کے ساتھ ے کی بجائے ایک لڑکی دیکھ کر مطمئن ہوگیا۔ وہ حمید سے بہت زیادہ خائف رہتا تھا۔ اور وہ تھا کچھ اسی قسم کا آدمی کہ بچے اس کے پیچھے تالیاں بجا سکتے تھے۔ یعنی اس کی شخصیت میں بھاری الکل نہیں تھا۔

حمید اور زرینہ ایک میز پر جا کر بیٹھ گئے۔

"آپ تھک گئی ہیں شائد۔" حمید بولا۔

"تنہا ہوتی تو ضرور تھک جاتی۔ لیکن آپ کی گفتگو تھکن محسوس کرنے کا موقع ہی نہیں دی

"پتہ نہیں کیوں آپ کے ڈیڈی مجھے بہت اچھے لگے ہیں۔"

"ڈیڈی کی پسندیدگی کا شکریہ۔" زرینہ ہنس پڑی۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ "وہ آ
آپ کو بہت بُری طرح گھور رہا ہے۔"

"کون....!" حمید چونک کر دیکھنے لگا پھر مسکرا کر بولا۔ "کیا آپ اسے نہیں جانتیں۔"

"نہیں.... میں یہاں پہلی بار آئی ہوں۔"

"یہ یہاں کا منیجر ہے.... اور میں اسے مہابور کہتا ہوں۔ اسے شعر سنانے کا خبط ہے اور
اس کے ساتھ عموماً بہت ہی غیر شاعرانہ قسم کی حرکتیں کیا کرتا ہوں۔"

"مثلاً....!"

"کبھی کبھی میں اپنا بکرا یہاں لے آتا ہوں۔"

"بکرا....!" زرینہ نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... میں نے کتے کے بجائے بکرا پال رکھا ہے۔ نجس بھی نہیں ہوتا اور وقت ضرو
ذبح کر کے کھایا بھی جاسکتا ہے۔"

"اور آپ کو شرم نہیں آتی.... کیا ساتھ لئے پھرتے ہیں۔"

"کیا کروں مجبوری ہے۔ تنہائی گراں گذرتی ہے اس لئے بکرا ہی سہی۔ ان عورتوں کو
کیوں نہیں آتی جو کتے ساتھ لئے پھرتی ہیں۔"

"تنہائی گراں گذرتی ہے تو شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"اپنی طرف شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر کرسی کی پشت
ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

"کس سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں آپ۔" زرینہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے پوچھ

"بنجر آباد.... نام ہے اس سرزمین کا۔ وہاں دور دور تک عورتوں کا پتہ نہیں۔ عقیدہ
کا یہ ہے کہ جس گھر میں عورت ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ ایک بار ایک
نے غلطی سے شادی کرلی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سال ایک نیا بھوت اس کے پیچھے لگ جاتا تھا

نمبر15 میں ایک درجن بھوتوں نے اس کے انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے۔ وہ پاگل ہو کر سڑکوں پر بھونکتا
تھا۔"

زرینہ ہنسنے لگی اور حمید بکتا رہا۔ "بنجر آباد ایک آزاد علاقہ ہے۔ وہاں عورتوں کے لئے کوئی
نہیں۔ صرف مرد بستے ہیں۔"

"اور ان کے مرتے ہی بستی ویران ہو جائے گی۔" زرینہ نے کہا۔

"اب جو کچھ بھی ہو۔"

"نہیں سنجیدگی سے بتایئے کہ آخر آپ لوگ شادی کیوں نہیں کرتے۔ خصوصاً فریدی صاحب۔"

"کوئی پوچھتا بھی ہے ہم لوگوں کو۔" حمید نے دردناک لہجے میں کہا اور ایک ویٹر کو اشارے
سے بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔

"اوہ.... کھانا نہیں.... کھانا گھر ہی پر کھاؤں گی۔" زرینہ نے کہا۔

"آج باہر ہی سہی.... نہیں تکلف کی ضرورت نہیں۔" حمید نے کہا۔ پھر بڑبڑانے لگا۔
"ارے یہ بور تو اِدھر ہی آرہا ہے۔"

"کون....!" زرینہ چونک کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"منیجر! اب اس سور کی غزل سننی ہی پڑے گی۔"

"آنے دیجئے.... تفریح رہے گی۔" زرینہ ہنس کر بولی۔

"آداب بجا لاتا ہوں کپتان صاحب۔" منیجر میز کے قریب پہنچ کر بولا۔

"آخاہ! مزاج تو اچھے ہیں۔ بیٹھئے بیٹھئے۔" حمید نے سر کی جنبش سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"بہت دنوں بعد نیاز حاصل ہوئے۔"

"کون؟ نیاز....!" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ "نہیں وہ تو پرسوں بھی ملا تھا۔"

منیجر احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "آپ تو بقول شاعر....!"

"ٹھہریئے ٹھہریئے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ایک ضروری بات یاد آگئی۔ کل میرے لئے
ایک میز مخصوص رکھئے گا۔ کل میرے ساتھ برخوردار بغراخاں بھی آئے گا۔"

"میں دست بستہ معافی چاہتا ہوں جناب عالی.... اب یہاں کتے بھی نہیں آتے کیا آپ کی
نظر نوٹس بورڈ پر نہیں پڑی۔"

"کل بھی میری نظر نوٹس بورڈ پر نہیں پڑے گی.... آپ بے فکر رہئے۔"

"آپ نے وعدہ کیا تھا۔" منیجر بے بسی سے بولا۔

"یہ ۵۴ء کی بات ہے۔"

"دیکھئے پریشان نہ کیجئے۔ میرا بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔"

"ایک شرط پر میں آپ کی بات مان سکتا ہوں۔"

"کس شرط پر۔"

"کوئی ایسا واقعہ سنائیے جس پر یقین نہ آئے۔"

"جی....!" منیجر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

زرینہ کا بُرا حال تھا۔ وہ دانتوں میں رومال دبائے ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہاں جلدی سے سنائیے۔" حمید بولا۔

"مجھے کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں آرہا ہے۔" منیجر مردہ سی آواز میں بولا۔

"یاد نہیں آرہا ہے.... تو آپ کوئی سچا واقعہ یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سچی کسے یقین نہ آئے گا۔ میں تو ایسی بات سننا چاہتا ہوں جس پر یقین نہ آئے۔"

منیجر چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر جھلا کر بولا۔ "میں گدھی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔'

"مجھے یقین ہے۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور زرینہ بے ساختہ پھوٹ پڑی۔

منیجر پر بیک وقت شرمندگی اور جھنجھلاہٹ کا حملہ ہوا اور اس کی شکل حد درجہ مضحکہ آنے لگی۔ وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے اٹھا اور سیدھا اپنے آفس کی طرف چلا گیا۔

زرینہ اب تک ہنسے جا رہی تھی۔

"واقعی حمید صاحب.... کمال کے آدمی ہیں آپ۔" اس نے کہا۔

"کیا کروں.... یہ نہ کرتا تو اس کمبخت کی کئی غزلیں زہر مار کرنی پڑتیں۔"

"کہیں وہ بیاض لینے کے لئے نہ گیا ہو۔" زرینہ بولی۔

"فکر نہیں.... بیاض سمیت اسے کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانی پڑے گی۔"

اتنے میں ویٹر نے میز پر کھانا چن دیا.... کھانے کے دوران میں زیادہ تر خاموشی رہی

اب حمید کا ذہن پھر موجودہ کیس کے سلسلے میں بھٹکنے لگا تھا۔ سب سے زیادہ الجھن اسے اس

تھی کہ آخر فریدی نے اسے سرکس دیکھنے کے لئے کیوں بھیجا تھا اور غالباً وہ بھی چاہتا تھا کہ بھی وہاں لے جائی جائے۔ اسی لئے اس وقت اس نے سرکس کے لئے کہا تھا۔ جب وہ کنگس نا جانے کے لئے کیڈی سے اتر رہا تھا۔

کھانے کے بعد زرینہ نے کہا کہ اب وہ گھر واپس جائے گی۔ نو بجنے کے بعد وہ گھر سے باہر رہنے عادی نہیں۔ حمید نے بھی یہی سمجھا کہ اب اسے جانے ہی دے۔ وہ کلب کے منیجر سے دوبارہ بڑ چھاڑ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

زرینہ چلی گئی اور حمید وہیں بیٹھا پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ اچانک اس نے اپنے قریب کئی زور دار قہقہے سنے۔ وہ چونک کر مڑا۔ قریب ہی کی ایک میز پر تین آدمی بُری طرح ہنس ہے تھے اور ایک نوجوان ان کے قریب کھڑا ہوا جھینپے ہوئے انداز میں اپنے چمکدار دانتوں کی ئش کر رہا تھا۔

"تمہاری مونچھیں کہاں گئیں۔" ایک نے پوچھا۔

"ارے یار خارش ہو گئی تھی۔" نوجوان بیٹھتا ہوا بولا۔

"کہاں....!" وہ آگے جھک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا ہو کر بولا۔

"کیوں اڑاتے ہو.... ساری جلد سپاٹ اور بے داغ پڑی ہے۔ بھئی اتنی شاندار مونچھوں کی فائی مجھے تو بہت گراں گذری ہے۔"

"کسی عورت کی عنایت معلوم ہوتی ہے۔ آج کل کی عورتیں بڑی مونچھیں قطعی نہیں پسند رتیں۔" دوسرے نے کہا اور معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"یارو یقین کرو۔" نوجوان بے بسی سے بولا۔

"کر لیا یقین.... اچھا یہ بتاؤ وہ عورت کون ہے۔"

"کوئی نہیں یار.... خارش ہو گئی تھی۔"

"جھوٹ کی حد ہوتی ہے۔ اچھا ختم کرو! ہمیں کیا۔" ایک نے کہا۔

"کیا پرسوں تک خارش نہیں تھی۔" دوسرا بول پڑا۔

"نہیں تھی! کبھی نہیں تھی۔" نوجوان جھنجھلا گیا۔ "مونچھیں میری تھیں یا تمہاری تھیں۔"

"اماں تو خفا کیوں ہوتے ہو۔ بولو کیا پیو گے۔ پتہ نہیں وہ عورت ہے یا جنت کی حور جس کا

تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔"

"خود ہی سمجھ لو۔" نوجوان لاپروائی سے بولا۔

"ملاؤ گے نہیں؟"

"کوئی گری پڑی عورت نہیں ہے۔ بس اب اس سے آگے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ کیا بیٹھوں تمہارے ساتھ ورنہ اٹھ کر چلا جاؤں۔"

"آج کیا ہو گیا ہے میرے شیر کو۔" ایک نے دوسرے کو مخاطب کر کے کہا۔

"چھوڑو بھی یار کیوں بور کر رہے ہو بیچارے کو۔"

"بھئی اب نہ بولیں گے۔" ان میں سے ایک نے ویٹر کو بلا کر شراب کا آرڈر دیا۔

حمید کا ذہن قلابازی کھانے لگا.... وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ وہی آدمی نہ ہو جس کی انہیں تلاش تھی۔ اس کا حلیہ بھی قریب قریب یہی بتایا گیا تھا۔ بڑی اور گھنی مونچھیں بیضوی چہرہ گھونگھریالے بھورے بال۔ اور ٹھوڑی میں خفیف سا گڑھا۔ لیکن اب اس کے چہرے پر مونچھیں نہیں تھیں۔ ممکن ہے پہچان لئے جانے کے خوف سے اس نے مونچھیں صاف کرا دی ہوں۔ بڑی مونچھیں رکھنے والوں کی شخصیت میں سب سے نمایاں چیز مونچھیں ہی ہوتی ہیں۔ اور پھر اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے برسوں تک اس کے چہرے پر مونچھیں دیکھی تھیں۔ پچھلی رات کو یہ واقعہ ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے آج ہی مونچھوں کی صفائی کی ہو۔

حمید سوچتا رہا لیکن پھر اسے اپنے اس خیال پر ہنسی آنے لگی۔ وہ پھر سوچنے لگا کہ اگر اسی طرح مجرم ہاتھ آنے لگیں تو پھر جاسوسی ناولوں اور حقیقی زندگی میں فرق ہی کیا رہ جائے.... گویا وہ اس وقت یہاں اسی لئے آیا تھا کہ اصلی مجرم سے مڈبھیڑ ہو جائے.... حمید لاحول پڑھتا ہوا آج شام کے اخبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ادھر شراب آگئی تھی اور وہ چاروں پی پی کر ڈینگیں مارنے لگے تھے۔

"تم کیا جانو.... ایڈونچر کسے کہتے ہیں۔" نووارد نوجوان نے کہا۔ "میں نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں کہ سنو تو پسینہ آجائے۔"

"نہیں سننا چاہتے بھائی۔" ان میں سے ایک بے ڈھنگے پن سے ہنستا ہوا بولا۔ "تم بتاؤ وہ بکری کون ہے جو تمہاری مونچھیں چبا گئی۔ مجھ سے نہ چھپاؤ پیارے۔ ورنہ میں تمہارے سسرال والوں کو

دوں گا۔"

"ہاں بھائی.... خدا قسم۔" دوسرا بولا۔ "یہ سسرال کیا ہے۔ اسے سسرال کیوں کہتے ہیں۔"

وہ سب گھٹیا قسم کی بے تکی گفتگو کر رہے تھے لیکن نووارد ذہین بھی معلوم ہوتا تھا اور تعلیم یافتہ بھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس کا تعاقب کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہو سکتا ہے یہ وہی ہو جس کی تلاش تھی۔ فی الحال دو باتیں تو اس میں پائی جاتی تھیں۔ اس کے بال بھی گھونگھریالے تھے۔ رنگت بھوری تھی اور ٹھوڑی میں خفیف سا گڑھا۔ مونچھوں کے متعلق تو وہ سن ہی چکا تھا۔ مونچھیں بڑی شاندار رہی ہوں گی ورنہ اتنی کڑی تنقید نہ کی جاتی۔

حمید نے تہیہ کر لیا کہ اس کا تعاقب ضرور کرے گا۔ اس نے ویٹر کو بلا کر کھانے کا بل ادا کیا دوبارہ پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نووارد اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اٹھ گیا۔ انہوں نے اس کو روکنا چاہا مگر اس نے شائد کسی ضروری کام کا بہانہ کیا۔ حمید نے اس کا جملہ نہیں سنا لیکن وہ ریمارک ضرور سنے جو جملے پر دیئے گئے تھے جن کا مقصد وہی "مرغے کی ایک ٹانگ" تھا۔ یعنی ضرور کوئی نئی عورت جس کے چکر میں مونچھیں بھی گنوائیں اور اب دوستوں کی دل شکنی بھی کی جا رہی ہے۔

اس کے ساتھی کافی پی گئے تھے لیکن وہ خود زیادہ نشے میں نہیں تھا۔ نہ تو اس کے قدموں ہی لغزش تھی اور نہ آنکھوں ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے شراب پی رکھی ہے۔ حالانکہ اس بھی کئی پگ لئے تھے۔

وہ باہر نکل ہی رہا تھا کہ حمید بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ نووارد باہر کھڑی ہوئی ایک کار میں گیا اور حمید سوچنے لگا کہ یہ بہت برا ہوا۔ لیکن اسے فوراً یاد آ گیا کہ ٹیکسیوں کا اڈہ کلب کی کمپاؤنڈ کے پھاٹک کے سامنے ہی ہے۔ قبل اس کے کہ وہ اپنی کار اسٹارٹ کرتا حمید تیزی سے چلتا ہوا پھاٹک سے گذر گیا۔ اس کا رخ ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف تھا۔ دو تین ٹیکسیاں کھڑی دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

اور پھر جب تک وہ کار پھاٹک سے باہر آتی حمید ایک ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔ تعاقب شروع ہو گیا۔ سڑک پر ٹریفک کی زیادتی تھی لیکن ٹیکسی ڈرائیور کافی ہوشیار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنی ٹیکسی اس کار کے پیچھے لگائے ہی رکھی۔

اگلی کار والا جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فضا کی خنکی سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہو۔ اس کی کار آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ دیدہ دانستہ ایسا نہ کر رہا ہو۔ کہیں اسے اس تعاقب کا علم نہ ہو گیا ہو۔ ٹیکسی کے اندر کی روشنی اس نے پہلے ہی گل کرادی تھی۔

لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد حمید کو اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ اگر اسے تعاقب کا علم ہوتا تو وہ اسے آزمانے کی کوشش کرتا۔ اپنی کار کسی سنسان سڑک یا گلی میں موڑ دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ ایسی ہی سڑکوں سے اس کی کار گزر رہی تھی جن پر بہت زیادہ ٹریفک تھا۔

حمید بار بار کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ حماقت نہ کر رہا ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد کار کا رخ ماڈل ٹاؤن کی طرف ہو گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی خوبصورت بستی تھی۔ یہاں چالیس یا پچاس چھوٹے چھوٹے بنگلے تھے اور ان میں زیادہ تر متمول لوگ رہتے تھے۔

ہیڈ لائیٹس بجھادو۔" حمید نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"چالان ہو جائے گا صاحب۔" ڈرائیور بولا۔

"فکر نہ کرو.... میں سپاہی کو کچھ دے دلا کر ٹھیک کرلوں گا۔"

اگلی کار ماڈل ٹاؤن میں داخل ہو رہی تھی۔ پھر وہ ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔

حمید نے ٹیکسی ڈرائیور سے رکنے کو کہا اور اس کے ہاتھ میں دس کا نوٹ پکڑا کر اترتا ہوا بولا۔ "یہیں پر میرا انتظار کرنا.... جانا نہیں.... سمجھے میرا تعلق پولیس سے ہے۔ چلے گئے تو زحمت میں پڑو گے۔ ٹیکسی کا نمبر مجھے زبانی یاد ہے۔"

"اچھا صاب۔"

حمید آگے بڑھ گیا۔ سڑک پر اندھیرا تھا۔ اگلی کار سے اترا ہوا آدمی شائد بنگلے کا پھاٹک کھول رہا تھا۔ پھر اس نے پھاٹک کو دھکیل کر اس کے پٹوں کو ادھر اُدھر کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ یہیں رہتا ہے اور اب کار کو بھی اندر لے جائے گا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے محسوس کیا جیسے وہ کسی سے لڑ پڑا ہو۔ وہ اُس کی آواز اچھی طرح پہچانتا تھا۔ غصیلی آواز گالیوں میں تبدیل ہو گئی۔ پھاٹک کے اندر دو آدمی ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ ایک نے دوسرے کو

گرادیا۔

"خبردار یہ کیا ہو رہا ہے۔" حمید چیخ کر آگے بڑھا۔ دوسرا آدمی جو اپنے شکار کو دبائے ہوئے کر بھاگا.... اور غالباً یہ معجزہ ہی تھا کہ حمید سے ٹکرانے کے باوجود بھی اس کی گرفت میں حمید جھونجھل میں آکر گرتے گرتے بچا۔ ابھی سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ اس نے قریب ہی ٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔

وسرا آدمی پھاٹک میں کھڑا پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔

لے گیا.... میرا کوٹ لے گیا۔"

حمید نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کی۔ یہ وہی آدمی تھا جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ یہاں نچا تھا۔

سڑک کے کنارے

"کون ہو تم....!" وہ جھلا کر حمید پر جھپٹ پڑا۔

"راہگیر ہوں بھائی.... تمہیں لڑتے دیکھ کر رک گیا تھا۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

"اوہ شائد میں پاگل ہو گیا ہوں۔" اس نے کہا اور اپنی کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اب کار اسی طرف موڑ رہا تھا جدھر سے موٹر سائیکل کی آواز آرہی تھی۔

حمید بھی لپک کر ٹیکسی میں جا بیٹھا۔

"ابھی ٹھہرو....!" اس نے ڈرائیور سے کہا۔ "اس گاڑی کو کچھ دور نکل جانے دو۔"

اگلی کار بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ حمید نے بھی رفتار تیز کرادی۔ لیکن اس بار کی ہیڈ لائیٹس روشن تھیں خود حمید نے ڈرائیور کو خاص طور سے ہدایت دی تھی کہ اب ہیڈ ٹس نہ بجھائی جائیں۔

اس کی نظر اگلی کار پر تھی اور کان موٹر سائیکل کی آواز پر۔

پھر اچانک موٹر سائیکل کی آواز غائب ہو گئی اور ساتھ ہی حمید نے اپنی اسکیم بدل دی۔ اب اس کا تعاقب نہیں جاری رکھنا چاہتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ اس بنگلے کی تلاشی لی جائے مکن ہے کہ اس آدمی کے خلاف کوئی ثبوت ہی ہاتھ آجائے۔ اس نے سوچا کہ بنگلہ یقیناً خالی

ہوگا۔ شائد وہاں نوکر بھی نہ ہوں۔ اگر نوکر ہوتے تو وہ خود ہی پھاٹک کھولنے کی زحمت
کرتا۔ بلکہ کار کا ہارن بجا کر نوکروں کو بلاتا۔

"ڈرائیور! ٹیکسی پھر اسی طرف موڑلو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی صاب۔"

"ٹیکسی گھمالو۔ پھر واپس چلیں گے۔ تم فکر نہ کرو تمہیں مناسب اجرت دی جائے گی۔"

ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اسے سمت مخالف میں موڑ لیا۔

"اب جتنا تیز چل سکتے ہو چلو۔ ہمیں وہیں جانا ہے جہاں پہلے ٹیکسی روکی تھی۔"

ٹیکسی فراٹے بھرنے لگی۔ حمید مڑ مڑ کر دیکھتا جارہا تھا۔ مگر دور دور تک کسی دوسری کا
نہیں تھا۔

اسے کوٹ والے مسئلے پر حیرت تھی۔ آخر وہ اس کا کوٹ اتار کر کیوں لے بھاگا اور پھر
کے متعلق اس آدمی کی بدحواسی۔

اگر کوٹ کی جیب میں کوئی بھاری رقم تھی تو جسم سے کوٹ اتارنے کے مقابلے میں جیب
صرف رقم نکال لینا نسبتاً زیادہ آسان تھا۔ آخر حملہ آور نے کوٹ اتارنے کی زحمت کیوں گوا
واقعی یہ ایک بہت بڑی گتھی تھی جسے سلجھانا بظاہر آسان کام نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"ٹھیک! بس یہیں روک دو۔" اس نے تھوڑی دیر بعد ڈرائیور سے کہا۔

ٹیکسی رک گئی۔ حمید نے اترتے وقت پھر ایک دس کا نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ میں پکڑا
آہستہ سے بولا۔ "سی روڈ پر سمر کوٹیج کے سامنے میرا انتظار کرو۔"

ٹیکسی چلی گئی اور حمید بنگلے کیطرف بڑھا۔ پھاٹک اب بھی کھلا ہوا تھا اور اندر گہری تاریکی
حمید بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ برآمدے میں بھی اندھیرا اور سناٹا تھا۔ حمید چ
آہٹ لیتا رہا پھر آگے بڑھا۔ ہینڈل گھما کر صدر دروازے کو دھکا دیا.... اور دروازہ کھل گیا
سخت حیرت ہوئی۔ اسے توقع تھی کہ اسے کسی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر اندر داخل ہونا پڑے گا
سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک ایسی عمارت جس میں کوئی موجود نہ ہو مقفل نہ ہوگی۔ وہ در
کر کے پیچھے ہٹ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اندر کسی سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں پریشانیوں

ہو سکتا تھا کیونکہ تلاشی کا یہ طریقہ قطعی غیر قانونی تھا۔

ابھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ اندر قدموں کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور حمید تاریکی میں سرک گیا۔ کوئی باہر ہی کی طرف آرہا تھا۔ حمید ایسی صورت میں برآمدے سے باہر نہیں جانا چاہتا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں دیکھ لئے جانے کا خطرہ تھا۔

کوئی دروازہ کھول کر باہر آیا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے حمید صرف آہٹ ہی سے اُس کا اندازہ لگا سکا تھا۔ دوسرے لمحے میں اس نے روشنی کی ایک باریک سی لکیر دروازے پر پڑتی دیکھی اور پھر ایک ہاتھ دکھائی دیا جس میں کوئی نکیلا اور باریک سا اوزار تھا۔

پھر اسے یہ سمجھ لینے میں دیر نہیں لگی کہ وہ آدمی کس قسم کا ہو سکتا ہے۔ یقیناً وہ بھی چوری چھپے اس مکان میں داخل ہوا تھا اور اب اس اوزار کی مدد سے دوبارہ قفل بند کرنے جارہا تھا۔

حمید نے سوچا کہ اب اس کا تعاقب کرنا فضول ہی ہے۔ کیوں نہ اسے اس حال میں پکڑ لے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک غیر قانونی حرکت کررہا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ بھی اسی آدمی کے ساتھیوں میں سے رہا ہو جو مالک مکان کا کوٹ اتار کر لے بھاگا تھا۔

"ٹھہرو....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "میرے ہاتھ میں.... ریوالور ہے.... دوست!"

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس آدمی پر اس کی دھمکی کا مطلق اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مشغول رہا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

"میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور حمید کے ہوش ٹھکانے ہوگئے.... آواز فریدی کی تھی۔ وہ خود کو بالکل گھامڑ محسوس کرنے لگا۔ پھر اس نے دوسری بار فریدی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "چلے آؤ چپ چاپ۔"

اس نے باہر تاروں کی چھاؤں میں ایک دھندلا سا سایہ دیکھا اور بجھے ہوئے دل کے ساتھ اس کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دونوں باہر آئے۔

"میں تم پر فخر کروں یا یہ محض اتفاق تھا۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"نہیں مجھ پر فخر ہی کیجئے۔ کیونکہ میں آج کل دھمکی دینے کے بعد ہی ٹانگ پر گولی مار دیتا

ہوں۔ بلکہ بعض حالات میں پہلے فائر کر دیتا ہوں دھمکی بعد میں دیتا ہوں۔"

"شکر کرو میں تھا کوئی دوسرا ہوتا تو تم اس وقت کہیں اور ہوتے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"اگر آپ بول نہ دیتے تو حقیقت واضح ہو جاتی۔"

"بکواس مت کرو۔ تمہارے پاس ریوالور نہیں ہے۔"

"ہے کیوں نہیں۔"

"اچھا اسی پر ایک ایک ہزار کی شرط رہی۔"

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ سڑک پار کر کے دوسری طرف نکل آئے تھے۔

"تمہاری آواز میں وہ وزن نہیں تھا جو سچ بولتے وقت ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کہتا رہا۔ "ذرا کھوپڑی استعمال کیا کرو۔ ایسے مواقع پر یا تو خاموشی سے حالات کا جائزہ لینا چاہئے یا پھر اتنی پھرتی سے حملہ کر دینا چاہئے کہ دوسرے کو سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔ مگر فرزند تم ادھر کیسے آنکلے۔"

"ٹھہرئیے بتاتا ہوں.... کیا گاڑی لائے ہیں آپ۔"

"ہاں.... وہ ڈی روڈ پر ہے۔"

"اچھا پھر میں پہلے اپنی ٹیکسی کا تصفیہ کر لوں۔ آپ ساتھ ہی چلیں گے نا۔"

"قطعی....!"

وہ سی روڈ پر آئے یہاں حمید نے ٹیکسی والے کو کچھ اور رقم دے کر رخصت کر دیا۔ پھر ڈی روڈ پر وہ کیڈی لاک میں بیٹھ گئے۔

"ہاں تم نے بتایا نہیں کہ تم یہاں تک کیسے پہنچے۔"

حمید نے اپنی داستان شروع کر دی اور جب کوٹ والے واقعے پر پہنچا تو فریدی بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔

"یہ بڑی عجیب بات ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "کہیں اس نے یونہی نہ کہہ دیا ہو کہ د اس کا کوٹ لے بھاگا ہے۔"

"نہیں.... میں نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا تھا اس کے جسم پر کوٹ نہیں تھا۔ حالانکہ اُس سے تھوڑی ہی دیر قبل جب میں نے اسے کلب میں دیکھا تھا اس کے جسم پر کوٹ موجود تھا۔"

حمید تم نے غلطی کی۔ تمہیں موٹر سائیکل کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔"

میرے کاموں میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی ہے۔" حمید خوشگوار لہجے میں بولا۔

نہیں کہنے کا یہ مطلب نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مجھے پہلے ہی سے اس کا علم نہ ہوتا تو تم
نگ کا کام کر کے واپس لوٹتے.... خیر....!"

آپ کو کیسے علم ہوا تھا۔"

محض مونچھوں کے تذکرے پر۔ تم جانتے ہو وہ کون ہے۔"

نہیں.... میں اس کا نام تک نہیں جانتا۔"

اس کا نام رشید ہے.... اور وہ خاور کی ایک آئرن فیکٹری کا منیجر ہے۔"

خاور کی فیکٹری کا منیجر۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

اں.... اور آج جب میں خاور کے بعض آدمیوں سے مل رہا تھا مجھے اس کی مونچھوں کا
دم ہوا۔ ایسی شاندار مونچھوں پر استرا چلوانا کوئی بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اسی بناء پر میں نے
مکان کی تلاشی لینے کا پروگرام بنایا۔ لیکن مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کیس پر
تی ہو۔ البتہ میں اس کی ایک ایسی تصویر لئے جا رہا ہوں جس میں مونچھیں ہیں۔"

ہ تو اس سے بھی تصدیق ہو جائے گی۔ راجر اسٹریٹ والے اسے پہچان لیں گے۔"

ری تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "مگر یہ کوٹ والا معاملہ۔"

نا اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔ پھر تھوڑے دیر تک خاموشی رہی۔

خر آپ نے مجھے سرکس کیوں بھیجا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

ں تمہیں اور زرینہ کو ساتھ دیکھنے کیلئے۔" فریدی ہنسنے لگا۔ "کافی اچھے لگ رہے تھے تم
ریں نے دو کینہ توز آنکھیں بھی دیکھی تھیں جو تمہیں شبہ کی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔"

سا کی آنکھیں تھیں؟"

غم کی....!"

ما کا زرینہ سے کیا تعلق....!"

ینہ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں تمہاری بات کر رہا تھا۔"

مجھے کینہ توز نظروں سے کیوں دیکھ رہا تھا۔"

"اوہ.... کیا تمہارے دل میں اس کے خلاف کینہ نہیں۔"

"ہے لیکن کسی خاص وجہ سے نہیں۔ مجھے اس کی لاف و گزاف پسند نہیں۔"

"کچھ بھی ہو وہ تمہیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔"

"لیکن وہ مجھے کہیں بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔"

"وہ چھپ کر تمہاری نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا تھا اور میں نے تمہیں وہاں دراصل ا لئے بھیجا تھا کہ میں ضیغم پر اس کا ردعمل دیکھ سکوں۔ اس کی صبح والی گفتگو کو میں نے کوئی اہ نہیں دی تھی۔ لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ اس کا اس معاملے میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔"

"کیوں آپ نے صبح والی گفتگو کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دی تھی۔"

"وہ اس وقت دراصل نشے میں تھا اور نشے میں وہ ہمیشہ بہت ہی لمبی چوڑی ڈینگیں مارا کرتا ہے"

"مگر میں کیسے سمجھ لوں کہ وہ نشے میں ہونے کی وجہ سے بہکا ہوا تھا۔" حمید نے کہا۔ "ک خاور کے معاملات پر اس نے کافی مدلل قسم کی گفتگو کی تھی۔"

"میں ان شیخیوں کے بارے میں کہہ رہا تھا جو اس نے اپنے جرائم کے سلسلے میں بگھاری تھیں"

"ہو سکتا ہے کہ وہ محض شیخیاں ہی نہ ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اس کی شخصیت میری نظ میں ہمیشہ مشتبہ رہی ہے۔"

"میں بھی اُسے شبہہ کی نظر سے دیکھتا رہا ہوں۔ لیکن حمید صاحب سب سے بڑی چیز ہے۔ اس شہر میں درجنوں ایسے افراد ہوں گے جو مجرم ہوتے ہوئے بھی قانون کی زد ہوئے ہوں گے۔ ہم اُسی وقت کچھ کر سکتے ہیں جب جرم ہمارے علم میں آجائے۔ پھر مج تلاش ہمارا کام ہے۔ ہاں یہ بتاؤ کہ رشید کس طرف گیا تھا۔"

"اسی طرف.... ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر حمید نے کہا۔ "شام کے اخبار میں تو اس بچے کے مت آگئی ہے اور یہ بھی تھا کہ جن قمیضوں میں بچہ لپٹا ہوا ملا ہے وہ مسٹر خاور کی ہیں۔ مسٹر اسے تسلیم بھی کر لیا ہے لیکن اس کا بیان ہے کہ وہ کسی ایسے بچے سے واقف نہیں۔ گمشد کیس اور اس کے متعلق خاور کے اعلانات کا بھی تذکرہ تھا۔ مگر اس مکان کے متعلق کچھ تھا جہاں بچہ پیدا ہوا تھا۔ اس بڑھیا کے بارے میں بھی کچھ نہیں تھا جسے گلا گھونٹ کر بیہو

اس کی موت کی بھی خبر نہیں تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "رپورٹ میں نے ہی مرتب کرائی تھی اور میرے ہی ایماء پر کی اشاعت ہوئی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کو اس کا علم نہ ہوگا۔ کیا وہ یہ نہ جانتا ہوگا کہ بیہوش بڑھیا نے ہوش میں آنے کے بعد سارے ت بیان کر دیئے ہوں گے اور کیا ان کی پُراسرار گمشدگی کی شہرت نہ ہوئی ہوگی۔"

ٹھیک ہے وہ سب کچھ جانتا ہوگا۔ اگر نہ جانتا ہوتا تو مونچھیں منڈوانے کی ضرورت ہی نہیں یہ سب کچھ مجرم کو دھوکے میں رکھنے کے لئے نہیں کیا گیا بلکہ اخبارات اور پبلک کی نکتہ ں سے بچنے کیلئے کیا گیا ہے۔ پتہ نہیں ہم کب مجرموں کو گرفتار کر سکیں۔ اگر دیر لگی تو اخبار لگیں گے کہ اتنے سراغ موجود ہونے کے باوجود بھی پولیس ابھی تک کچھ نہیں کر سکی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "اب رشید کو گرفتار کر لینے میں کیوں ٹ ہے۔"

"کوئی ہچکچاہٹ نہیں۔ بس اس کی مونچھوں والی تصویر راجر اسٹریٹ والوں کو دکھا کر تصدیق ہے۔ اُس کے بعد میں اُسے پکڑ لوں گا۔"

یڈی لاک رات کے سناٹے میں فراٹے بھرتی رہی۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ حمید کے کوٹ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے فریدی کے ذہن میں بھی یہی رہا ہو۔

"ایک بات ہے جناب۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ضیغم کے دلائل بھی قابل قبول تھے۔ یسے دولت مند آدمیوں کے لئے یہ کام مشکل نہیں۔"

"یعنی وہ اس طرح برگشتہ بیوی کو اپنے پاس بلانا چاہتا ہے۔"

"جی ہاں! اس قسم کے شوہر اپنی بیویوں پر دھاک بٹھانے کے لئے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ ے کئی آدمیوں کو جانتا ہوں جو عیاشی کی صلاحیت نہ رکھنے کے باوجود بھی بہت ہی مشہور قسم اش ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی بیویوں پر صلاحیتوں کی دھاک بٹھائیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ ہر کرتے ہیں کہ تم ہمارے معیار پر پوری نہیں اتری ہو اسی لئے ہم تمہاری پرواہ نہیں کرتے۔"

ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں تمہارے اس نظریئے کی تردید نہیں کروں گا اور نہ میں

نے یہی کہا ہے کہ ضیغم کے دلائل غلط تھے۔"

"پھر کیا دشواری ہے۔"

"عدالتیں ٹھوس قسم کے ثبوت چاہتی ہیں۔ نفسیاتی امکانات پر کوئی غور نہیں کرتا۔ کے کیس کے متعلق ضیغمے جو کچھ بھی کہا ہے اس کے امکانات ہیں لیکن یقین کے ساتھ نہ جاسکتا کہ حقیقت یہی ہے۔ امکانات تو اس کے بھی ہو سکتے ہیں کہ خاور کو کوئی بدنام کرنا چاہ چھان بین کرنے پر مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ عنقریب ہونے والے اسمبلی کے انتخابات می لینے والا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے کسی حریف نے اسے بدنام کرنے کے لئے کچھ کیا ہو۔ اگر اس کے خلاف جرم ثابت ہو جائے تو اس کی سوشل پوزیشن کیا ہوگی۔ کیا صورت میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو سکے گا۔"

"قطعی نہیں....!" حمید نے کہا۔ "مجھے اس کا علم نہیں تھا۔"

اچانک کیڈی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی سڑک پر کھڑی ہوئی ایک کار پر پڑی اور فر کیڈی کی رفتار کم کر دینی پڑی۔ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی اور وہ کار اس طرح ترچھی کھڑ تھی کہ راستہ قریب قریب بند ہو گیا تھا۔

کچھ اور آگے بڑھنے پر انہیں ایک آدمی دکھائی دیا جو سڑک کے کنارے اوندھا پڑا اس کا ایک پیر کار کے پائیدان پر تھا۔

فریدی نے کیڈی روک دی اور وہ بڑی تیزی سے نیچے اتر آئے۔

حمید نے مضطربانہ انداز میں اس آدمی کو سیدھا کیا۔

"یہ تو وہی ہے.... کیا نام بتایا تھا آپ نے۔" اس نے کہا۔

"رشید....!"

"جی ہاں....!"

"پھر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ فریدی کی ٹارچ کی روشنی بیہوش آدمی کے چہرے پر پڑ رہ

تعاقب

دوسری صبح حمید ذرا دیر میں بیدار ہوا اور آنکھ کھلتے ہی پچھلی رات کے واقعات ذ

لگانے لگے۔ وہ کافی دیر تک رشید کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے تھے لیکن انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ پھر تھک ہار کر انہیں اسے ہسپتال پہنچانا پڑا۔ وہاں بھی تقریباً دو گھنٹے تک وہ اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن انہیں مایوسی ہی ہوئی۔ پھر وہ گھر واپس آگئے۔ بہر حال ڈاکٹر نے اس کی بیہوشی کے بھی وہی اسباب بتائے جو بڑھیا کی بیہوشی کے بتائے تھے۔ یعنی رشید کو بھی گلا گھونٹ کر بیہوش کیا گیا تھا اور اس کے خیال کے مطابق رشید کی حالت بھی خطرے سے باہر نہیں تھی۔

حمید کافی دیر تک بستر ہی پر پڑا اس کے متعلق سوچتا رہا۔

فریدی کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔ ناشتے کی میز پر بھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ناشتے کے دوران ہی میں زرینہ کا فون آیا۔ وہ حمید سے آج کے پروگرام کے متعلق پوچھ رہی تھی اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس بچے کو لے کر اس کی پرورش کرنا چاہتی ہے۔ حمید اس خواہش پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اس وقت تو اسے مذاق میں ٹال دیا۔ لیکن پھر بہت دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا۔

دس بجے فریدی واپس آگیا۔ اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار تھے۔

"وہ بھی ختم ہو گیا۔" اس نے آتے ہی کہا اور فلٹ ہیٹ میز پر پھینک کر ایک صوفے میں گر گیا۔

"کون ختم ہو گیا؟" حمید نے پوچھا۔

"رشید.... اور وہ بھی کوئی بیان نہ دے سکا۔ کچھ بولا ہی نہیں۔ مرنے سے دو تین گھنٹے بیشتر اس کے منہ اور ناک سے خون جاری ہو گیا تھا۔ بہر حال اس میں بھی وہی سب علامتیں پائی گئی ہیں جو بڑھیا میں پائی گئی تھیں۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔

کچھ دیر سکوت رہا پھر فریدی نے کہا۔ "دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ راجر اسٹریٹ والوں نے رشید کی تصویر دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہی آدمی زچہ کے ساتھ تھا۔"

"تو پھر اس صورت میں ہم اسے بڑھیا کا قاتل نہیں قرار دے سکتے۔" حمید بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ لیکن پڑوسیوں نے رشید کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو وہاں ی نہیں دیکھا تھا۔"

"اب آپ رشید کے کوٹ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔"

"کیا کہوں! کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اب کیس بہت زیادہ الجھ گیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رشید پر بعد کو بھی اسی آدمی نے حملہ کیا تھا جو اس کا کوٹ اتار لے گیا تھا تو پھر ہمیں یہ بھی تسلیم کرلینا پڑے گا کہ وہی شخص بڑھیا کا بھی قاتل ہے کیونکہ دونوں کی موت یکساں حالات میں واقع ہوئی ہے۔ اگر اسے بڑھیا کا بھی قاتل تسلیم کرلیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ رشید اُس کی شخصیت سے واقف تھا کیونکہ اس نے بڑھیا کا گلا رشید کی موجودگی ہی میں گھونٹا ہوگا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ رشید اور وہ دونوں شریک کار تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے رشید کا گلا کیوں گھونٹ د اور رشید کا کوٹ اتارنے کا کیا مطلب تھا۔ پھر رشید اس کوٹ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اتن بدحواسی میں بھاگا تھا جیسے اس کوٹ کی قیمت لاکھوں روپے رہی ہو.... اب اس ساری تگ ود کے مقصد پر غور کرو کیا یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ خاور کو ایک غیر قانونی بچے کا باپ ثابت کیا جاسکے۔ اگر ہم اسے تسلیم بھی کرلیں تو ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس سے خاور کو جو نقصان پہن گا وہ اس تگ ودو کے مقابلے میں کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے یا نہیں۔"

"آپ خاور ہی کو اصل مجرم تصور کر کے اس مسئلے پر کیوں نہیں غور کرتے۔" حمید بولا۔

"اچھا چلو ہم اس نقطہ نظر سے بھی واقعات کا جائزہ لیتے ہیں۔"

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "ضیغم کی گفتگو کا لب لباب یہی تھا کہ وہ اس طر اپنی صلاحیتوں کا پروپیگنڈا کر کے اپنی بیوی کو واپس بلانا چاہتا ہے۔ لیکن اب سنو! اگر اس میں ش بننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں تو وہ بیوی کو بلا کر کرے گا کیا۔ اور اگر صلاحیت ہے تو اسے ایک نہ ہزار عورتیں مل سکتی ہیں کیونکہ اس کے پاس دولت ہے۔ دولت سینکڑوں عیوب پر پردہ ڈال د ہے اور پھر ایسے موقعے پر جب کہ وہ الیکشن کے لئے کھڑا ہو رہا ہے کبھی یہ نہ چاہے گا کہ اس سوشل پوزیشن خطرے میں پڑ جائے۔ یہ حرکت اس سے الیکشن کے بعد بھی سرزد ہو سکتی پھر دو سال سے اس کی بیوی اس کے پاس نہیں ہے اگر وہ اس کے لئے اتنا ہی بے تاب ہے کہ کی واپسی کے لئے ہر صحیح یا غلط راستہ اختیار کرسکتا ہے تو اس نے ان دو برسوں کے عرصے میں سے کبھی ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ ہمیشہ یہی کہتا رہا ہے کہ اگر اسے میرے ساتھ رہنا ہے خود ہی چلی آئے گی.... بولو.... اب کیا کہتے ہو! اچھا اور سنو۔ اگر وہ خود ہی اس حرکت کا ذم

اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس نے اس سلسلے میں اپنے ایک ملازم رشید سے مدد لی تھی۔ لیکن پھر ختم کرا دینے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟"

"رشید کو کیوں ختم کر دیا۔" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "کمال کرتے ہیں۔ آپ بھی.... یہ کھلی ہوئی بات ہے۔"

"کیا کھلی ہوئی بات ہے۔"

"ارے خاور نے اس سے اس معاملے میں مدد لی اور پھر اس خیال سے اسے ختم کر دیا کہ کہیں افشاں نہ کر دے۔"

"خود خاور نے ختم کر دیا۔" فریدی مسکرایا۔ "کیا وہ خاور ہی تھا جس نے رشید کا کوٹ اتارا تھا۔ س پہاڑ سے توقع رکھتے ہو کہ وہ اتنا پھرتیلا ہوگا۔"

"ہوسکتا ہے کہ اس نے کسی دوسرے سے کام لیا ہو۔"

"تمہاری کھوپڑی اس وقت شائد کسی دلدل میں پھنس گئی ہے۔ رازداری کے خیال سے اس ب آدمی کو ختم کرا دیا اور ایک دوسرے آدمی پر اعتماد رکھتا ہے۔ کیا بکواس ہے۔ نہیں حمید ! خاور میں اس قسم کے جرائم کی صلاحیت قطعی نہیں ہے۔"

"ارے پھر کیا مجرم بھی کسی کے بطن سے پیدا کیا جائے گا۔" حمید اپنا سر پیٹ کر بولا۔

"مجرم....!" فریدی مسکرایا.... لیکن پھر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہئے کہئے خاموش کیوں ہو گئے۔ کوٹ کا مسئلہ مجھے بُری طرح پریشان کئے ہوئے ہے۔"

"کوٹ کا مسئلہ.... میں خود اسی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"دیکھئے میں اس سلسلے میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ۔" فریدی مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔

ید غالباً اس کے لہجے پر جھنجھلا گیا۔ اس لئے اس نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔

"میں جو کچھ بھی سوچ رہا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے اس محکمہ میں آنے سے پہلے ہی ہئے تھا۔"

یدی اس پر کچھ نہیں بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے اسے زرینہ لق بتایا جو اس بچے کو سرکاری پرورش گاہ سے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ حمید سمجھا تھا کہ یہ

اطلاع فریدی کو چونکادے گی لیکن خلاف توقع فریدی نے اسے سرسری طور پر سنا لیکن اپنا
نہیں ظاہر کیا۔

یہ حقیقت تھی کہ رشید کی موت نے ایک بار پھر انہیں تاریکی میں چھوڑ دیا تھا۔ اور اب
کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ فریدی صرف خاور ہی کو کھنگالتا نچوڑتا رہے۔ اسے
تھی کہ وہ رشید کے قاتل تک خاور ہی کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے۔ بچے والے کیس کے سلسلے
رشید مجرم ثابت ہوا تھا اور بچے کا تعلق خاور سے ظاہر کیا جارہا تھا۔ ایسی صورت میں اب خا
فریدی کے سامنے تھا.... اور پھر دوسری طرف ضیغم تھا۔ لیکن اس کے خلاف فریدی ابھ
ثبوت بہم نہیں پہنچا سکا تھا۔ ویسے ضیغم کے معاملے میں بعض دوسری دشواریاں بھی تھیں۔
خاور کا کھلا ہوا دشمن تھا۔ خود اس نے اس کا اعتراف کیا تھا لیکن اب پھر یہی سوال پیدا ہوتا
ضیغم کے نزدیک خاور کو ایک غیر قانونی بچے کا باپ ثابت کرنے میں کیا افادیت ہوسکتی تھی۔
اس سے اسے کیا فائدہ پہنچتا۔ فریدی اور حمید تین دن تک اسی موضوع پر بحث کرتے
لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

فریدی نے رشید کے بنگلے کی ساری چیزیں الٹ پلٹ ڈالیں لیکن اسے کوئی ایسی چیز نہ
جس سے بچے کی ماں کی شخصیت پر روشنی پڑتی یا اس کا سراغ مل سکتا۔

حقیقتاً اب وہی ایک ہستی رہ گئی تھی جو اس جرم کی نوعیت یا اس کے مقصد پر روشنی ڈا
تھی۔ اس کی تلاش اشد ضروری تھی۔

فریدی زیادہ تر خاموش رہتا تھا۔ اس نے اپنی موجودہ مشغولیات کے متعلق حمید سے
کرنا ترک کردیا تھا۔ یا دوسرے الفاظ میں حمید کو بالکل چھٹی تھی۔

دوسری طرف شہر کے اخبارات روزانہ اپنے اداریوں میں نت نئی باتیں لکھ رہے
بہتیرے تو یہاں تک مطالبہ کر بیٹھے تھے کہ خاور کے خلاف قانونی کاروائی شروع کردی
بعض اخبارات نے اس واقعے کو سیاسی اغراض کے تحت بُری طرح اچھالا تھا اور وہی پرانی
باتیں بد سلیقگی کے ساتھ دہرائی گئی تھیں جو عام طور پر سرمایہ داروں کے خلاف سننے
ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مقامی حکام پر بھی چوٹیں کرنا کتنا ضروری ہوجاتا ہ

ایک دن حمید فریدی کو چھیڑ ہی بیٹھا۔

"آپ کہاں ہیں اور کیا کررہے ہیں۔" اس نے کہا۔

"میں یہیں اور بہت کچھ کررہا ہوں۔ بہت جلد تم کسی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھو گے اور
ری آنکھیں حیرت سے پھیل جائیں گی۔"

"آخر کچھ تو بتائیے۔"

"ابھی کچھ نہیں! محض شبہے کی بناء پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے اب یہ کیس ایک نیا رخ اختیار
ہے مگر حمید کوٹ کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوسکا۔"

"سنئے! ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے۔"

"کیا....؟"

"خاور کا سوٹ کیس اسی لئے اڑایا گیا تھا کہ اس کے کپڑوں کے ذریعہ اس کے خلاف ایک
ثابت کیا جائے۔ ممکن ہے رشید کا کوٹ بھی اسی لئے چھینا گیا ہو۔"

"مگر رشید تو پہلے ہی سے ایک جرم میں الجھا ہوا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اگر اس کا کوٹ بھی
قسم کے کسی کام میں استعمال کیا جانے والا تھا تو پھر رشید کو ختم کیوں کردیا گیا۔ مگر نہیں حمید یہ
نہیں ہے۔ حقیقتاً حملہ آور صرف کوٹ ہی حاصل کرنا چاہتا تھا اسے مار ڈالنے کی نیت نہیں
تھا۔ اگر نیت یہ ہوتی تو وہ پہلے اسے مار ڈالتا پھر کوٹ اتار لیتا۔ رشید اس کا تعاقب کررہا تھا
ہے دونوں پھر ٹکرا گئے ہوں۔ رشید نے کوٹ چھیننے کی کوشش کی ہو اور اسی جدوجہد میں مارا
ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رشید اس شخص سے واقف تھا۔"

"اس کیس میں آپ بار بار اپنے نظریات تبدیل کررہے ہیں۔ غالباً اب آپ یہ ثابت کرنے
کوشش کریں گے کہ رشید حملہ آور سے واقف تھا۔ حالانکہ شائد آپ ایک بار یہ ثابت کرچکے
کہ رشید حملہ آور کی شخصیت سے ناواقف تھا۔"

"تم بھول رہے ہو۔ میں نے یہ کبھی نہ کہا ہوگا۔ رشید کی موت کے بعد سے میرا نظریہ یہ رہا
کہ رشید اور وہ شریک کار تھے۔ کیونکہ بڑھیا اور رشید کی موتیں یکساں حالات میں واقع ہوئی
تھا۔ اگر رشید نہ مرتا تو میں اسے ہی بڑھیا کا قاتل ٹھہراتا۔"

"اوہ مگر کوٹ کی بات پھر رہ گئی۔" حمید نے کہا۔

"کوٹ....!" فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ "حالات یہ کہہ رہے ہیں کہ رشید کوٹ

حاصل کرنے کے لئے حملہ آور کے پیچھے دوڑا تو ضرور تھا لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اس کو...
لئے قانونی چارہ جوئی نہ کر سکتا۔"

"کیوں نہ کر سکتا۔ یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔"

"عقل استعمال کرو فرزند....!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ہم اس بات کو تسلیم ک...
ہیں کہ رشید اور حملہ آور ایک دوسرے سے واقف تھے۔ اس نے اس پر پہلا حملہ اس کے
کے کمپاؤنڈ میں کیا تھا اور حملے کا مقصد محض کوٹ چھیننا تھا۔ رشید کو مار ڈالنا نہیں۔ اُسے اطمی...
کہ رشید کوٹ کے حصول کیلئے قانونی چارہ جوئی نہیں کر سکتا ورنہ وہ اسے پہلے ہی حملے میں مار ڈا...

"ٹھیک ہے.... میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کوٹ میں کیا تھا۔ یقیناً کوئی ایسی چیز رہی ہوگی جو قیمتی تو
لیکن اس کے حصول کے لئے قانون کا سہارا لینا ممکن نہ ہوگا۔"

"کیا چیز ہو سکتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"الہام ہونے دو۔ بتادوں گا۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "اس کیس کے دوران میں مجھ میں ایک ذہنی ا...
ہوا ہے۔"

"وہ کیا....؟"

"قدامت پر بُری طرح جان دینے لگا ہوں۔ عورتوں مردوں کے آزادانہ تعلقات کو
نظروں سے نہیں دیکھتا جنسی معاملات میں جذبات کی تہذیب ناممکن ہے۔ اس سلسلے
سائنٹیفک بحث قطعی بکواس ہے۔ بچاؤ صرف پابندیوں میں ہے۔ بعض مغربی عالم جنہیں میں
سمجھتا ہوں اس سلسلے میں بڑی سائنٹیفک قسم کی بحثیں چھیڑتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ پابندیاں
بے راہروی کو جنم دیتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مغرب کدھر جا رہا ہے۔ وہاں تو اب
جنسوں کے باہمی تعلقات پر کسی قسم کی بھی پابندی نہیں رہ گئی۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ
مغربی ممالک کا ہر پانچواں آدمی جنسی بے راہروی کا شکار ہے۔ ذرا انسائیکلوپیڈیا سکسوالس اٹھا کر
مغربی ممالک میں پائی جانے والی جنسی بے راہروی کی اتنی اقسام ملیں گی کہ تم سناٹے میں آجاؤ گے

"بہت بُرا ہوا جناب۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ اس کیس کے اختتام پر ڈاڑھی نہ رکھ لیں۔ ارے سرکار کیا رکھا
ان فضول باتوں میں.... بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ چار دن کی زندگی ہے اگر
...ی بن کر جئے تو قبر میں افسوس کرنا پڑے گا۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا تھا۔

دن بھر وہ آفس سے بھی غائب رہا اور شام کو جب آفس سے گھر آیا تو فریدی موجود تھا۔
...ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کچھ نہ بولنے کی قسم کھائی ہو۔

حمید نے بھی چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ کھانے کی میز پر بھی خاموشی ہی رہی۔

نو بجے فریدی نے فون پر کوئی اہم پیغام وصول کیا۔

"چلو.... جلدی کرو۔" اس نے حمید سے کہا۔ "کپڑے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔
...کوٹ ڈال لو۔"

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی۔ فریدی کے موڈ میں جھلاہٹ کی آمیزش بھی تھی۔ اسی لئے
...نے چوں وچرا کی ہمت نہیں کی۔

فریدی نے گیراج سے کیڈی کے بجائے چھوٹی آسٹن نکالی۔ حمید سمجھ گیا کہ معاملہ اہم ہی
...سکتا ہے۔ یہ کار بہت ہی مخصوص قسم کی مہموں میں استعمال کی جاتی تھی۔

فریدی اب بھی خاموش تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار راجن پورے کی ایک تاریک گلی میں کھڑی کر دی گئی۔ دونوں طرف کئی
...منزلہ اونچی عمارتیں تھیں اور گلی میں اس قدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔

فریدی کار سے اُتر گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

گلی سے گزر کر وہ سڑک پر آگئے۔

فریدی کو شائد کسی کا انتظار تھا۔ وہ سڑک کی دوسری طرف کے ایک بک سٹال پر جا کر
کھڑے ہو گئے۔ فریدی اس طرح مختلف شوکیسوں پر نظر دوڑا رہا تھا جیسے اسے کسی خاص کتاب کی
تلاش ہو۔ ان دونوں نے اپنے السٹروں کے کالر کھڑے کر رکھے تھے اور فلٹ ہیٹوں کے گوشے
پیشانیوں پر جھکے ہوئے تھے۔

شائد کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کو اس ہیئت پر تعجب نہیں ہوا تھا۔ ہوتا بھی کیو
جب کہ وہ ہر رات اس قسم کے آدمیوں کو ارجن پورے کے چکر لگاتا ہوا دیکھا کرتا تھا۔ ارج
پورہ غریب آدمیوں کی بستی تھی اور ہر رات یہاں شہر کے متعدد لوگ اپنے منہ چھپائے ہو
آتے۔ تنگ و تاریک گلیوں سے لڑکیاں نکل کر ان کی کاروں میں بیٹھ جاتیں اور ان گلیو
تاریکی جگمگاتی ہوئی سڑکوں کے اس ظلم پر روتی اور سسکتی رہ جاتی۔

غالباً کتب فروش ان دونوں کو بھی اسی قسم کا آدمی سمجھا تھا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مشغول
اچانک ایک عورت ان کے قریب سے تیزی سے گذری۔ حمید چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
ایک دراز قد عورت تھی۔ اس نے ایک لمبا کوٹ پہن رکھا تھا اور کوٹ کے کالر پر اتنا اونچا فر لگا
تھا کہ اس کا سر قریب قریب چھپ کر رہ گیا تھا۔ چال سے جوان ہی معلوم ہوتی تھی۔ حمید
اس کے سفید اور سبک ہاتھ دیکھے۔ چہرہ دیکھنے کی حسرت ہی رہ گئی تھی۔

فریدی نے جلدی سے ڈائجسٹ کی ایک کاپی خریدی اور حمید کا ہاتھ دبا کر آگے بڑھ گ
حمید نے اس عورت کو ایک کار میں بیٹھتے دیکھا۔ غالباً وہ بہت جلدی میں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن ا
بار بھی وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ فریدی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس طرف جا رہا تھا جہاں ا
نے کار کھڑی کی تھی۔

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی نے اپنی کار اسی عورت کی کار کے پیچھے لگا دی ہے۔

فائروں کی گونج

حمید نے ایک جھرجھری سی لی اور اندھیرے میں فریدی کو گھورنے لگا۔ کار کے اندر تار
تھی۔ کبھی کبھی سڑک کی روشنی اس کے چہرے پر پھسلتی ہوئی تاریکی میں گم ہو جاتی تھی۔ فرید
کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ سے بولا۔ "کیا آپ نے ا
کا چہرہ دیکھا تھا۔"

"نہیں.... کیا تم نے دیکھا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں میں بھی نہ دیکھ سکا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "ویسے آپ کے لئے ٹھیک رہے گی۔"

"کیا بکتے ہو۔"

"وہی جو کچھ دیکھتا ہوں اور قطعی محو حیرت نہیں ہوں کہ دنیا کیا ہو جائے گی۔"

حمید سچ مچ خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ عورت وہی ہے جس کی انہیں تلاش تھی مگر
ہ عورت توراجر اسٹریٹ کے ایسے مکان میں تھی جہاں کی رہنے والی کسی بھی عورت سے
نہیں کی جا سکتی کہ وہ کار ڈرائیو کرنا بھی جانتی ہو گی اور نہ وہ اتنی دولت مند ہو سکتی ہے کہ
میں اتنا شاندار فر لگا سکے۔

تھوڑی دیر بعد اگلی کار شہر کی حدود سے باہر نکل گئی اور دفعتاً حمید چونک کر بولا۔

"یہ کیا معاملہ ہے۔ اس کے آگے بھی ایک کار معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں وہ ارجن پورے ہی سے اس کار کا تعاقب کر رہی ہے۔" فریدی نے کہا۔

فریدی نے اپنی کار کی ہیڈ لائیٹس بجھا دی تھیں اور اگلی کار کی عقبی سرخ روشنی پر نظر جمائے
ے راستہ طے کر رہا تھا۔ سڑک بالکل ویران تھی۔ اور وہ اس وقت جھریالی کے ویرانے سے
رہے تھے۔

"یہ آخر کہاں جا رہی ہے۔" حمید مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر بولا۔

"جہنم میں۔" فریدی غرایا۔ "بہمیت کے ان ہولناک ویرانوں میں جہاں انسانیت سسک
ک کر دم توڑ دیتی ہے۔"

"لیکن اگلی کار پر کون ہے؟"

"حمید خاموش رہو.... باتیں پھر ہو جائیں گی۔"

"اچھا صرف اتنا بتا دیجئے یہ عورت وہی تو نہیں ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔"

"حقیقتاً ہمیں کسی کی تلاش نہ ہونی چاہئے تھی۔ مجرم ہمارے علم میں تھے۔"

"کون....؟"

"شیطان کا بیٹا.... حیوان کی بیٹی۔"

"آغا حشر یاد آ رہے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"شٹ اپ....!" فریدی سچ مچ غصے میں تھا۔

ب وہ اس علاقے میں تھے جہاں لوگ دن کے اجالے میں بھی جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔
دونوں کاریں سڑک چھوڑ کر کچے راستے پر اتر گئی تھیں اور ان کی روشنیاں بجھی ہوئی نہیں

تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ سب سے آگے والی کار ڈرائیو کرنے والا عورت والی کار
وجود سے بے خبر نہیں تھا۔

اور پھر اچانک ایک جگہ سب سے آگے والی کار رک گئی۔ اس کے ساتھ ہی عورت کی
بھی رکی۔

ادھر فریدی نے بھی اپنی کار روک دی۔

"تم مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتے سمجھے۔" انہوں نے ایک نسوانی آواز سنی۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ دونوں کار سے اتر کر زمین پر لیٹ گئے۔ عورت ان سے زیادہ فاصلے پر نہیں معلوم ہوتی تھی

"بکواس مت کرو۔" یہ کسی مرد کی آواز تھی۔ "میں نے تمہیں ایک بات سے آگاہ کر
کے لئے بلایا ہے۔ وہ یہ کہ آج سے میں تمہارا مالک ہوں۔"

"اور میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں۔ میں خود اپنی مالک ہو
دنیا کی کوئی طاقت مجھے کسی معاملے میں مجبور نہیں کر سکتی۔"

"اگر یہ بات ہے تو تم جاسکتی ہو۔" مرد بولا۔

"تمہارے لہجے میں دھمکی ہے۔" عورت نے کہا۔ "لیکن یہ یاد رکھنا کہ میری زبان کی ای
ہلکی سی جنبش تمہیں پھانسی کے تختے تک پہنچا سکتی ہے۔"

مرد نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "خام خیالی ہے۔ میں کبھی کوئی کچا کام نہیں کرتا۔"

اچانک ایک فائر ہوا اور کسی کے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے
عورت چیخنے لگی۔

"کون ہے....؟ یہاں کیا ہو رہا ہے۔" دفعتاً فریدی کی گرجدار آواز سناٹے میں لہراتی چ
گئی.... اور وہ اس طرح چیخی جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو.... حمید اور فریدی آواز کی طرف
دوڑنے لگے۔ لیکن اب سناٹا چھا گیا تھا۔

قریب ہی ایک کار اسٹارٹ ہوئی اور فراٹے بھرتی ہوئی اندھیرے میں گم ہو گئی۔ اس
ساری روشنیاں بجھی ہوئی تھیں۔

فریدی کی ٹارچ کی روشنی نے دوسرے ہی لمحے میں اسے جالیا۔ لیکن حمید کو اس پر حیر

کہ فریدی نے اسے نکل جانے دیا۔ حالانکہ وہ اس کا تعاقب بھی کر سکتا تھا۔ فریدی ٹارچ بجھا
دوسری کار کی طرف مڑا جو ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ اس نے پھر ٹارچ روشن کی اور روشنی کا
اس سہمی ہوئی عورت پر پڑا جو اپنی کار میں بیٹھنے ہی والی تھی۔

"ٹھہرو....!" فریدی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "کیا بات تھی۔"

"اوہ.... وہ مجھے لوٹنا چاہتا تھا۔ لیکن میں بچ گئی۔ میری رقم بچ گئی۔ آپ ٹھیک وقت پر پہنچے۔
بہت شکریہ۔"

حمید غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک وجیہہ اور صحت مند عورت تھی۔ عمر پچیس اور تیس
درمیان میں رہی ہوگی۔ چہرہ پرکشش مگر سخت گیروں کا سا تھا۔ آنکھوں کی بناوٹ صاف کہہ
تھی کہ وہ اپنی مقصد براری کے سلسلے میں انتہائی بے رحم بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

"آپ یہاں اس ویرانے میں اس وقت کیا کر رہی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

اور پھر اس عورت نے اتنی صفائی اور بے تکلفی سے جھوٹ بولا کہ حمید اس کی صورت دیکھتا
یا۔ اس نے کہا۔ "میں تارجام سے واپس آرہی تھی۔ راہ کے ایک چائے خانے میں اس آدمی
ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو میں اس نے بتایا کہ وہ ایک ایسا راستہ بھی جانتا ہے جس سے
ے ہی وقت میں شہر تک کی مسافت طے ہو جائے گی۔"

"خوب.... لیکن فائر کس نے کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اسی نے....!"

"میرا خیال ہے کہ وہ کوئی پاگل تھا۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کیونکہ پہلے تو اس نے
کیا پھر گلا گھونٹنے لگا۔"

"نہیں.... وہ میرا وینٹی بیگ چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ گلا نہیں گھونٹا تھا۔" عورت نے کہا۔

"تو اب آپ کہاں جائیں گی۔"

"شہر....!"

"چلئے میں ساتھ چل رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ پھر حملہ کرے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ نہیں.... آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ میں خود ہی چلی جاؤں گی۔"

"تعجب ہے کہ آپ کو خطرے کا احساس نہیں۔ میں آپ کی گاڑی میں بیٹھ کر چلوں گا اور

میرے ساتھی میری گاڑی لے جائیں گے۔"

"نہیں میں تنہا جاؤں گی۔"

"آپ تنہا نہیں جائیں گی۔" فریدی کے لہجے میں سختی تھی۔

"کیا آپ بھی اسی ڈاکو کے ساتھیوں میں سے ہیں۔" عورت نے بے باکی سے کہا۔

"نہیں میں اس کے ساتھیوں میں سے ہوں جس نے اپنی مونچھیں منڈوادی تھیں۔"

عورت چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں بدحوسی کے آثار دیکھے۔

"اور محترمہ.....!" فریدی تلخ لہجے میں بولا۔ "آپ کے وینٹی بیگ میں اعشاریہ دو پانچ پستول ہے اسے میرے حوالے کردیجئے۔"

"تم کون ہو۔" اچانک عورت نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں کوئی بھی ہوں لیکن میں تمہاری ہی گاڑی میں سفر کروں گا۔" فریدی نے کہا اور اس کے ہاتھ سے اس کا وینٹی بیگ چھین لیا۔

عورت شور مچانے لگی۔

فریدی نے قہقہہ لگایا اور آہستہ سے بولا۔ "اب یہاں کوئی چوتھا آدمی موجود نہیں ہے۔ اس ویرانے سے لوگ دن کو بھی نہیں گذرتے کیونکہ میلوں تک انہیں کہیں درخت کا سایہ نہیں نصیب ہوتا۔ چلو اب بیٹھ جاؤ کار میں۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے تمہارے جسم میں ہاتھ نہ لگانا پڑے۔"

"کیا آپ نے اس خادم کو فراموش کردیا۔" حمید غمگین لہجے میں بولا۔ "یہ خاکسار ایسے فرائض بخوبی انجام دے سکتا ہے۔"

عورت چپ چاپ دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی فریدی دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیئرنگ کے پیچھے پہنچ گیا۔ حمید اس وقت تک نیچے ہی کھڑا رہا جب تک فریدی نے کار اسٹارٹ نہیں کردی۔ پھر وہ چھوٹی آسٹن میں جا بیٹھا۔

فریدی نے عورت کے وینٹی بیگ سے پستول نکال کر بیگ اسے واپس کردیا تھا۔

"اب اپنا بیگ دیکھ لو۔ کہیں میں نے رقم نہ نکال لی ہو۔"

عورت کچھ نہ بولی۔ وہ اس سے بہت زیادہ مرعوب نظر آ رہی تھی۔

"آپ کون ہیں۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"میں کوئی بھی ہوں لیکن میں کبھی کوئی غیر قانونی قسم کی حرکت نہیں کرتا۔"

عورت پھر خاموش ہوگئی۔ فریدی اس کی چڑھتی ہوئی سانسوں کی آواز صاف سن رہا تھا۔

"دوسرے تم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر میں کیوں نہ کروں۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب.....!" اس بار عورت کے لہجے میں سختی تھی۔

"میں رشید اور اس کی مشغولیات سے اچھی طرح واقف تھا۔"

"میں کسی رشید کو نہیں جانتی۔"

"ہاں اب نہ جانتی ہوگی کیونکہ وہ بیچارا اب اس دنیا میں نہیں۔"

"آپ نہ جانے کہاں کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"یہ اسی عالم آب و گل کی باتیں ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ لوگ خواہ مخواہ ایک شریف عورت کو پریشان کر رہے ہیں۔ میں آپ کے خلاف قانونی کاروائی کروں گی۔"

"اور گواہوں میں اس بچے کو پیش کیجئے گا جو سرکاری پرورش گاہ میں ہے۔"

"پتہ نہیں کیا بکواس ہے۔" عورت اونچی آواز میں بولی۔ "آج سب پاگل ہی مل رہے ہیں۔"

فریدی ہنسنے لگا مگر ہنسنے کا انداز بڑا زہریلا تھا۔

"اس میں شک نہیں کہ تم ایک دلیر عورت ہو اور بہتیرے مردوں پر سبقت لے جاسکتی ہو..... مگر آخر عورت ہی ہو۔ ایک مرد کے سامنے بے بس ہوگئیں اور اب میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اب رشید کا کوٹ اس کے پاس نہیں ہے۔ وہ تمہیں خواہ مخواہ دھمکا رہا تھا..... رشید کا کوٹ میرے پاس ہے۔"

"آپ کے پاس۔" عورت بے ساختہ بولی پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگی۔ "[illegible]..... میں کسی کو نہیں جانتی۔"

"نہ جانتی ہوں گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور خاموش ہوگیا۔

کار کی رفتار خاصی تیز تھی اور سڑک بالکل سنسان نظر آ رہی تھی۔

اچانک ایک کراسنگ پر بائیں طرف سے ایک کار بڑی تیزی سے آکر راہ میں حائل ہو گ
اگر فریدی بڑی پھرتی سے بریک لگا کر کار سڑک کے نیچے نہ اتار دیتا تو ایکسیڈنٹ لازمی تھا۔
کیفیت حمید کی بھی ہوئی۔ وہ بھی کار کو سڑک کے نیچے اتار لے گیا۔

فریدی ابھی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ تیسری کار سے فائر ہوا۔ لیکن گولی پچھلے دروازے
شیشے پر پڑی۔

"لیٹ جاؤ.... لیٹ جاؤ۔" فریدی نے عورت کو جھنجھوڑ کر کہا اور خود چھلانگ مار کر باہر
گیا۔ اور اس نے اترتے اترتے تیسری کار کے دروازے پر فائر کر دیا۔ حمید والی کار کی ہیڈ لائٹس
روشنی تیسری کار پر پڑ رہی تھی۔

اس بار تیسری کار کی اوٹ سے فائر ہوا۔

حمید بھی کار سے اُتر آیا تھا لیکن اس کے پاس ریوالور نہیں تھا۔ اندھیرے میں فائر ہو
رہے۔ اتنے میں حمید کو ایک تدبیر سوجھ گئی۔ وہ چھوٹی آسٹن کے پیچھے آکر اسے سڑک کی طر
دھکیلنے گا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ سڑک پر پہنچنے کے بعد اس کا رخ تیسری کار کی طرف کیسے م
جائے۔ وہ دراصل کار کو ڈھکیلتا ہوا تیسری کار کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ کار کی او
لئے ہوئے تیسری کار تک پہنچ جاتا جسکے پیچھے سے ایک نامعلوم آدمی فریدی پر گولیاں برسا رہا تھ

حمید کی یہ تدبیر ناکام رہی۔ کار کو موڑنے کے لئے اسے اس کی آڑ سے نکل کر اسٹیئرنگ تک
جانا پڑتا۔ لیکن کار کی آڑ سے نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

تھوڑی تھوڑے وقفے سے وہ فائر کی آوازیں سنتا رہا۔

اس کے لئے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل تھا کہ فریدی کہاں سے فائر کر رہا ہے۔

اچانک اس نے عورت والی کار کو بھاگتے دیکھا۔ وہ سڑک چھوڑ کر جھریالی کی چٹیل میدا
میں دوڑ رہی تھی۔

"دیکھنا اسے۔" حمید نے فریدی کی آواز سنی اور وہ کسی قسم کے خطرے کی پرواہ کئے بغیر کار
آڑ سے نکل آیا۔ پھر اس نے فائروں کے ساتھ ہی ساتھ یکے بعد دیگرے دو دھماکے سنے
فائروں کی آواز سے مختلف تھے۔ شائد فریدی نے تیسری کار کے ٹائروں پر فائر کر کے انہیں بے
کر دیا تھا۔

حمید نے کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے اسے میدان میں اتار دیا۔ عورت والی کار کی عقبی سرخ
بتی بہت دور اندھیرے میں چمک رہی تھی۔

حمید کار کی رفتار تیز کرتا رہا۔ اسے نہ سمت کا احساس تھا اور نہ مقام کا۔ بس وہ کسی نہ کسی طرح
کار تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

عورت بھی شائد راستے سے ناواقف تھی اور "جدھر سینگ سمائے بھاگو" والے محاورے پر
کر رہی تھی۔

حمید نے اسے جلد ہی جا لیا۔ دونوں کاروں کا فاصلہ مشکل سے دس گز رہ گیا تھا۔ اچانک اس
عورت کی آواز سنی جو چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ "میرا پیچھا چھوڑ دو۔ تمہیں کتنی رقم چاہئے۔"

"صرف دس ہزار۔" حمید نے ہانک لگائی۔ "کار روک کر معاملہ طے کر لو۔"

اگلی کار کی رفتار کم ہو گئی اور ساتھ ہی حمید نے بھی رفتار کم کر دی۔ دونوں کاریں ساتھ ہی
گئیں۔

حمید چھلانگ مار کر نیچے آ گیا۔ عورت بھی کار سے اُتر آئی۔

"مگر تم.... تم کون ہو۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"اس آدمی کا ساتھی جو تمہاری کار میں تھا۔"

"کیا سچ مچ وہ کوٹ اب تم لوگوں کے پاس ہے۔"

"ہاں.... ہاں بالکل۔" حمید جلدی سے بولا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ فریدی نے اس پر
صلیت نہیں ظاہر کی۔

"اس کوٹ کی اہمیت سے واقف ہو۔" عورت نے پوچھا۔

"حمید سوچنے لگا کہ عورت بہت چالاک معلوم ہوتی ہے۔"

"میرا ساتھی سب کچھ جانتا ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"تم نہیں جانتے۔"

"میں تو صرف تمہیں جانتا ہوں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"مجھے جانتے ہو۔" عورت کے لہجے میں سراسیمگی تھی۔

"جب سے تمہیں دیکھا ہے سب کچھ بھول گیا ہوں اور اگر تمہارے لئے دو چار قتل بھی

کرنے پڑے تو باز نہ آؤں گا۔ بڑی مونچھوں والا بے وفا تھا۔ مجھے بھی آزما کر دیکھ لو۔"

"مجھے ایک ہمدرد کی ضرورت ہے۔" عورت گلوگیر آواز میں بولی۔

"فکر نہ کرو میں تمہارے لئے جان تک دے سکتا ہوں۔ ویسے میری شکل بھی دیکھ لو۔ نہ صورت سے بدمعاش معلوم ہوتا ہوں اور نہ بدصورت ہوں۔" حمید نے ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر ڈالی۔

"تم بہت اچھے ہو۔" عورت نے کہا۔ "میری مدد کرو گے۔"

"ارے تم کچھ کہہ کر بھی تو دیکھو۔ تمہیں مصیبت سے نکالنے کے لئے اپنے ساتھی کی گردن بھی اڑا سکتا ہوں۔"

"مجھے وہی سب کچھ چاہئے جو تمہارے ساتھی نے اس آدمی سے چھینا ہے۔"

"بہت مشکل ہے جان کی بازی لگانی پڑے گی۔ مگر خیر! اچھا تو ایک تدبیر ہے۔ خود کو لوگوں کے حوالے کردو۔ جو کچھ میرا ساتھی کہے اس سے انکار نہ کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دن کے اندر تمہارے مطالبات پورے کردوں گا۔"

"میں تیار ہوں۔" عورت نے ایک طویل سانس لی۔

ویرانے میں جنگ

تھوڑی دیر بعد دونوں کاریں آگے پیچھے واپس ہو رہی تھیں۔ عورت کی کار آگے تھی۔ حمید نے اس وقت چٹکی بجاتے ایک دشوار مسئلہ حل کرلیا تھا۔ وہ عورت کو بے بس کر کے قیدی کی حیثیت سے بھی لے جاسکتا تھا مگر اس صورت میں اسے ایک کار وہیں چھوڑ دینی پڑتی لیکن وہ اس پر تیار نہیں تھا۔

بہر حال اب وہ اپنی خوشی سے دوبارہ ان کے ہاتھ پڑ گئی تھی۔

وہ ٹھیک اسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن اب یہاں سناٹا تھا۔ کار ضرور موجود تھی مگر اس کے آس پاس زندگی کے آثار نہیں تھے۔

حمید سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ اس نے ٹارچ روشن کر کے کار کا جائزہ لینا شروع کیا۔ دونوں ٹائر پھٹ کر بیکار ہو چکے تھے اور حمید نے ایک خاص بات مارک کی۔ کار میں نمبر کی پلیٹ

نہیں تھی۔ اور ٹیل لائٹ کے نیچے دو ایسے ہک لگے ہوئے تھے جن میں وقتی طور پر نمبروں کی پلیٹ پھنسا کر اسے دوبارہ الگ کیا جاسکتا تھا۔

"کیا یہ اسی کی کار ہے جو تمہیں یہاں لایا تھا۔" حمید نے عورت سے پوچھا۔

"ہاں....!" عورت نے جواب دیا۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ "تمہارا ساتھی کہاں گیا.... مگر میں نہیں سمجھ سکتی۔"

"کیا نہیں سمجھ سکتیں۔"

"تم لوگ صورت سے بُرے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔"

"اوہ تو کیا رشید صورت سے بُرا آدمی معلوم ہوتا تھا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

عورت نے کوئی جواب نہ دیا۔

حمید سوچنے لگا کہ اب شہر کی طرف چل دینا چاہئے۔ پتہ نہیں فریدی کہاں ہو۔ اس لق ودق ویرانے میں کسی کو تلاش کرلینا آسان کام نہیں تھا۔

"آؤ چلیں شہر واپس چلیں۔" اس نے عورت سے کہا۔

"نہیں میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں کوئی چھپنے کی جگہ تلاش کرنا چاہئے۔" عورت بولی۔ "اور صبح تک وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے ساتھی کی لاش قریب ہی پڑی ہوگی۔"

"کیوں....! یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔"

"ضیغم بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"ضیغم....!" حمید ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ فریدی نے ایک بار بحث کے دوران میں ضیغم کو بالکل ہی الگ کر دیا تھا اس نے ثابت کیا تھا کہ ضیغم کو اس حرکت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

"تم ضیغم کا نام سن کر سناٹے میں کیوں آگئے۔"

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ سرکس کا مسخرہ میرے ساتھی کو کس طرح مار سکتا ہے۔"

"وہ درندہ ہے۔"

"کون ضیغم....!" حمید نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ قریب سے ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑا اور ساتھ ہی اس کی ٹارچ کی روشنی دور تک پھیلتی

چلی گئی۔

فریدی اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ وہ جلد ہی ان کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا ہوا....؟" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"نکل گیا.... لیکن.... اوہ کیا تم اسے لے آئے۔"

"ہاں یہ اب سیدھی ہو گئی ہیں اور ہم بدمعاشوں کو اس بدمعاش پر فوقیت دیتی ہیں۔"

"چلو واپس چلیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں صبح اس سے سمجھ لوں گا۔ وہ سمجھ شائد میں اس سے واقف نہیں ہوں۔"

پھر اس نے عورت کی کار کا دروازہ کھولتے ہوئے اس سے کہا۔ "چلو بیٹھو۔"

عورت دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ پشت سے ان پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور ہی ایک گرج دار آواز سنائی دی۔ "تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

"بہت اچھا میرے ننھے نالائق۔" فریدی ہنستا ہوا پلٹا۔

انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھالئے تھے۔

"عورت! تم میرے پاس آجاؤ۔" آنے والے نے کہا۔ "اور تم دونوں کار کے پاس کر اس وقت تک چلتے رہو جب تک ٹارچ کی روشنی نظر آئے۔"

"بیکار جھنجھٹ کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔ "بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں کو گولی مار دو کے بعد زندگی بھر پانی سے مکھن نکالتے رہنا۔"

"نہیں میں خواہ مخواہ خون نہیں بہانا چاہتا۔ لیکن اگر میرے کہنے پر عمل نہ کرو گے بے دریغ تم لوگوں کو گولی مار دوں گا۔"

"ہم مرنا ہی چاہتے ہیں دوست! تم فائر کرو۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "مگر حمید کو کیوں اس کی ہنسی بڑی خوفناک معلوم ہوئی۔"

اور پھر اچانک فریدی نے اس کی طرف چھلانگ لگائی۔ دوسرے ہی لمحے میں جلتی ہو زمین پر تھی۔

حمید نے اپنی ٹارچ روشن کرلی۔ فریدی ایک نقاب پوش سے گتھا ہوا تھا۔

دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ عورت پھر بھاگنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ حمید نے جھپٹ کر اا

پکڑ لیا۔

"تم کہاں چلیں۔"

"مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔"

"نہیں یہ منظر ضرور دیکھو۔ ابھی تم اسے درندہ کہہ رہی تھیں۔"

نقاب پوش ایک بار پھر فریدی کی گرفت سے نکل گیا۔ لیکن بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ نے صرف فریدی کی ٹانگ چلتے دیکھی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے نقاب پوش ہوا میں اڑ گیا ہو۔ انٹ اونچا اچھل کر دھم سے زمین پر آگرا۔ اس پر فریدی کی لات پڑی اور وہ سر پکڑ کر زمین نے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"ضیغم کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔" حمید نے عورت سے کہا۔

وہ کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

نقاب پوش پھر اٹھا اور اس بار اس کا حملہ بڑا شدید تھا۔

فریدی ایک طرف ہٹ گیا اور وہ اپنے ہی زور میں عورت کی کار سے آٹکرایا۔ لیکن شائد اب ں میں پلٹنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ وہ اٹھا اور کار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"اب! ضیغم کو بے نقاب کر دو۔" فریدی ہنستا ہوا بولا۔ "بیوقوف کہیں کا! اگر اس کے پاس رتوس ہوتے تو یہ پہلے ہی کیوں بھاگتا۔"

لیکن اس جملے پر ایسا معلوم ہوا جیسے ضیغم سوتے سوتے یک بیک جاگ اٹھا ہو۔

اور پھر ایک بھوکے بھیڑیئے کی طرح فریدی پر ٹوٹ پڑا۔ ابھی تک شائد وہ یہی سمجھے ہوئے وہ پہچانا نہیں جاسکا۔

اس بار کی جدوجہد زندگی اور موت کی جدوجہد تھی۔ اس قسم کی جدوجہد ہمیشہ خطرناک ہوتی جب ایک آدمی یہ سوچ لے کہ موت ہی میں اس کی بچت ہے خواہ وہ اس کی اپنی موت ہو یا اس حریف کی اور اس بار سچ مچ فریدی کو دانتوں پسینہ آگیا۔ لیکن وہ بھی اس نفسیاتی لمحے سے بے خبر ما تھا.... وہ جانتا تھا کہ اس وقت ذرا سی غفلت بھی اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سلاسکتی ہے۔

یہ ضیغم نہیں تھا بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے سرکس کا کوئی شیر کٹہرا توڑ کر باہر نکل

آیا ہو جسے ایک ہفتے سے خوراک نہ ملی ہو۔

ایک بار تو اس نے فریدی کو گرا ہی لیا اور اس کی گردن پر مشاق کے کمال کا مظاہرہ کرنے والا تھا کہ فریدی کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اس کی ہنسلی کی ہڈیوں میں دھنس پڑیں.... دھنسی ہی چلی گئیں۔

پھر قبل اس کے کہ حمید اس کی مدد کے لئے پہنچتا ضیغم خود ہی نیچے آگیا۔

فریدی کا داہنا ہاتھ اس کے چہرے پر تھا اور ضیغم کے حلق سے پھنسی پھنسی سی کراہیں نکل رہی تھیں۔ آخر کار وہ بالکل ہی خاموش اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

فریدی نے اس کے چہرے سے نقاب الگ کر دیا۔

ضیغم زمین پر چت پڑا تھا اور اس کی ناک سے خون نکل کر دونوں گالوں پر بہہ رہا تھا۔ عورت کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

ضیغم بے ہوش ہو گیا تھا۔ فریدی اور حمید نے اٹھا کر اسے کار میں ڈال دیا۔

جھریالی کے میدانوں کا سناٹا بڑا ہولناک معلوم ہو رہا تھا۔ پھر وہی لامتناہی سکوت طاری تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

پچھلی سیٹ پر ضیغم بیہوش پڑا تھا اور اگلی سیٹ پر فریدی اسٹیئرنگ کر رہا تھا۔ عورت اس کے ساتھ تھی۔

شہر پہنچ کر فریدی نے بیہوش ضیغم کو کوتوالی میں چھوڑا اور عورت کو ساتھ لئے ہوئے واپس آگیا۔ حمید کو اس کے رویے پر حیرت ضرور ہوئی لیکن اس نے کچھ پوچھا نہیں۔ البتہ عورت کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

ظاہر ہے کہ اگر وہ بد معاش ہوتے تو کوتوالی کا رخ کبھی نہ کرتے۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ عورت چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اب وہ برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔

"کیا ضیغم شروع ہی سے رشید کے ساتھ تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ کون ہیں۔" عورت نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"محکمہ سراغرسانی کا ایک آفیسر.... مجھے فریدی کہتے ہیں۔"

عورت کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ ہمیشہ کے لئے گونگی ہو گئی ہو۔

"تم بولتی کیوں نہیں ہو۔" فریدی گرج کر بولا۔ "یہ نہ سمجھو کہ تمہاری خاموشی اس جرم پر پردہ ڈال دے گی اور تمہاری غلط بیانی بھی تمہیں نہ بچا سکے گی۔ اس وقت وہ تصویریں ضیغم کی جیب میں تھی جنہیں حاصل کرنے کے لئے اس نے رشید کا کوٹ چھینا تھا۔ رشید نے انہیں اپنے کوٹ کے استر میں چھپایا تھا۔"

عورت بری طرح کانپنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا لیکن یہ شدت خوف کا نتیجہ تھا۔ وہ رو نہیں رہی تھی۔

"میں پوچھتا ہوں کیا بڑھیا کا گلا ضیغم ہی نے گھونٹا تھا۔"

"ہاں....!" عورت کے حلق سے ایسی آواز نکلی جیسے کوئی تیز چھری اس کا آدھا نرخرہ کاٹ گئی ہو۔

"تصویریں رشید نے لی تھیں۔"

اس بار عورت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"حمید اسے تھوڑی برانڈی دو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ عورت نے اس پر یہ نہیں کہا کہ شراب نہیں پیتی۔ حمید چلا گیا.... فریدی خود کبھی نہیں پیتا تھا۔ لیکن مہمانوں کے لئے رکھتا ضرور تھا۔ جب تک برانڈی نہیں آگئی اس نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔

عورت حمید کے ہاتھ سے گلاس لے کر اس طرح چڑھا گئی جیسے حقیقتاً اسے اس کی ضرورت رہی ہو۔ وہ تقریباً دس منٹ تک آنکھیں بند کئے آرام کرسی میں پڑی رہی۔ پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اب اس کے چہرے پر پھر وہی پہلے سے زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔

وہ چند لمحے فریدی کو گھورتی رہی پھر اس نے کہا۔ "تصویریں آپ کے پاس ہیں تو ہوا کریں۔ میں اپنے جرم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں۔ آپ مجھ سے کسی بات کا اعتراف نہیں کرا سکتے۔"

"مجھے اعتراف کرانے کی ضرورت نہیں۔ اس سلسلے میں وہ کون سا ایسا راز ہے جو مجھ پر ظاہر نہ ہو چکا۔ میں تمہیں سب کچھ بتا سکتا ہوں۔ تمہارے اور رشید کے تعلقات قائم ہوئے تم

جذبات کی رو میں بہہ گئیں اور تمہیں آخیر وقت تک اس کی نیت پر شبہ نہیں ہوا۔ یہ حقیقت اس وقت کھلی جب وہ انتہائی بے حیائی سے تمہاری تصویریں لے رہا تھا اور اسی وقت تمہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ رشید کا ایک شریک کار بھی ہے۔ بڑھیا نے رشید کی بے حیائی پر احتجاج کیا تھا۔ اس پر ضیغم نے دوسرے کمرے سے نکل کر اس کا گلا گھونٹ دیا.... اور پھر اس وقت تمہیں ہوش آیا اور وقت یہ بات تمہاری سمجھ میں آئی کہ یہ دونوں تمہیں بلیک میل کرنے کے لئے مواد اکٹھا کر رہے ہیں۔ وہ تصویریں ساری زندگی تمہارے حواس پر مسلط رہتیں اور وہ تمہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹتے رہتے۔ تم سے کافی لمبی لمبی رقمیں وصول کی جاتیں.... کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں... اور کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ تم خاور کی بیوی ہو۔"

عورت کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ پھر آرام کرسی میں گر گئی۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کبھی وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عورت کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف۔

"خاور کی بیوی۔" حمید نے متعجبانہ انداز میں دہرایا۔

"جناب خاور کی بیوی۔ جو دو سال سے خاور سے الگ تھی۔ خاور کے ایک ملازم رشید نے اس پر ڈورے ڈالے اور اپنی چال میں کامیاب ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے خاور کو اس بات پر آمادہ کیا ہو کہ اب اسے اپنی بیوی سے صلح کر لینی چاہئے۔ اس طرح یہ سونے کی چڑیا ہمیشہ اس کی مٹھی میں رہتی اور وہ وقت بے وقت ان تصویروں کی تشہیر کی دھمکی دے کر اس سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرتا رہتا اس اسکیم میں غالباً ضیغم شروع ہی سے شریک رہا ہے لیکن بعد میں اس نے تصویریں رشید سے چھین لیں۔ وہ تنہا ہی اس سونے کی چڑیا کا مالک بننا چاہتا تھا۔ اور پھر ایک بات اور تھی۔ خاور اور ضیغم ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر خاور لا... مر جائے تو اس کی دولت کا مالک ضیغم ہی ہو گا۔ لہٰذا یہ تصویریں وہ دوسرے مقصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ فرض کرو خاور کبھی سچ مچ باپ بننے والا ہوتا تو یہ تصویریں اس تک پہنچا جاتیں۔ پھر اس کی بیوی کا جو کچھ بھی انجام ہوتا ظاہر ہے۔ لازمی امر ہے کہ خاور ایسی صورت اسے اپنا بچہ تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتا اور ضیغم بدستور اس کے ترکے کا امیدوار رہتا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں خاور کی قمیصیں کیوں استعمال کی گئی تھیں۔" حمید

اس کی اسکیم کے تحت تو مجرموں کا ہرگز یہ مقصد نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ بات پولیس پر ظاہر ہو جائے ورنہ پھر بلیک میلنگ کیسے ہو پاتی۔"

"ٹھیک ہے.... وہ سمجھے تھے کہ جرم اس کے خلاف ثابت نہیں ہو سکے گا۔ حمید صاحب یہ حرکت تو محض اس لئے کی گئی تھی کہ حالات میں شدت پیدا کی جا سکے۔ یعنی اس کیس کے سلسلے میں کسی نہ کسی طرح خاور کو بھی ملوث کر لیا جائے اور اس کا نام بھی پولیس ریکارڈ میں موجود رہے۔ اس طرح اس عورت پر مجرموں کی گرفت اور زیادہ مضبوط رہتی اور اس عورت کو خود بھی اس کا احساس رہتا کہ اس کی ذرا سی لغزش بھی اسے جہنم میں پہنچا سکتی ہے۔ لہٰذا وہ بے دریغ مجرموں کے مطالبات پورے کرتی رہتی۔"

"مگر پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ ضیغم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔"

"ٹھیک ہے اس وقت کیس کے متعلق نظریہ دوسرا تھا۔ اس وقت یہ عورت تاریکی میں تھی۔ اس کی شخصیت تو رشید کے کوٹ اور اس کی موت کے واقعات کے بعد سے ابھری ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ اس کوٹ کی حیثیت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اس کے حصول کے لئے قانونی چارہ جوئی نہیں کی جا سکتی۔ پھر ساتھ ہی مجھے بڑھیا کا ہذیان یاد آیا۔ وہ یہی بکتی رہی تھی۔ "بے شرم کیمرہ ہٹاؤ.... یہاں سے جاؤ۔" اب میں نے کیس پر دوسرے ہی پہلو سے غور کرنا شروع کر دیا۔ ایسے موقع پر تصویریں لینے کا مقصد بلیک میلنگ کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا اور بلیک میل مفلسوں یا غیر اہم ہستیوں کو نہیں کیا جا سکتا۔ معاً میرا خیال خاور کی بیوی کی طرف گیا جو دو سال سے اپنے شوہر سے نہیں ملی تھی۔ میں نے سعید آباد میں تفتیش کرائی اور مجھے یہ رپورٹ ملی کہ عورت تین ماہ سے وہاں نہیں ہے۔ پھر میں نے اس کی تصویر حاصل کی اور یہیں شہر ہی میں اس کی تلاش شروع کر دی۔ تم جانتے ہو کہ میری بلیک فورس کے آدمی اس کام میں کتنے پھرتیلے ہیں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اس سازش میں دو زبردست کمزوریاں تھیں جن کی بناء پر مجرم پکڑے گئے ورنہ ان تک پہنچنا بہت دشوار ہوتا۔ پہلی بات تو یہ کہ خاور کی قمیص اور انگشتری استعمال کرنا سب سے بڑی حماقت تھی دوسری خامی یہ کہ بڑھیا کو سسکنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اگر اس کے ہذیان کا علم مجھے نہ ہوتا تو تصویروں تک ذہن کی رسائی ممکن نہ ہوتی۔ ہاں ایک خامی اور.... رشید کو چاہئے تھا کہ راجہ اسٹریٹ میں زچگی کے لئے مکان حاصل کرنے سے قبل ہی اپنی

مونچھیں صاف کرادیتا۔ اس طرح اس کے حلئے کا طرہ امتیاز ختم ہو جاتا اور لوگوں کو حلیہ بیان کرنے میں دشواری ہوتی۔ اپنے یہاں بھوری مونچھیں شاذونادر ہی دکھائی دیتی ہیں۔"

خاموشی کا ایک طویل وقفہ.... عورت دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے آرام کرسی میں پڑی ہانپ رہی تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟"

"جگدیش کو کچھ دیر قبل فون کر چکا ہوں۔ وہ آ ہی رہا ہوگا۔"

"اوہ.... کیا اس بیچاری کی بچت کسی طرح ممکن نہیں ہے۔" حمید بولا۔

"بچت! کیا بک رہے ہو۔ میں سوسائٹی کے جسم پر ایسے زہریلے ناسوروں کا وجود نہیں برداشت کر سکتا۔ اگر اسے خاور سے کوئی شکایت تھی تو کیا عدالت کے دروازے بند تھے۔ علیحدگی ہو سکتی تھی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کمرے کی فضا بوجھل سی معلوم ہونے لگی تھی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 48

لیونارڈ کی واپسی

(مکمل ناول)

کار میں خنجر

کیپٹن حمید دم سادھ کر چت لیٹ گیا۔ چھت بالکل سپاٹ تھی۔ اگر وہ اتنی احتیاط سے کام لیتا تو نیچے سے اُس کا دیکھ لیا جانا یقینی تھا۔ رات تاریک ضرور تھی، لیکن مطلع گرد آلود نہیں اس لئے دور سے بھی دیکھ لئے جانے کے امکانات تھے۔

وہ چند لمحے اسی طرح چپ چاپ پڑا رہا۔ پھر پٹ لیٹ کر سینے کے بل کھسکنے لگا۔ چھت کنارے پہنچ کر اُس نے نیچے نظر ڈالی۔ صحن تاریک پڑا تھا۔ لیکن پھر بھی فرش دکھائی دے رہا چھت صحن کے فرش سے دس فیٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ بہر حال اُسے فرش تک پہنچنے کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

اور پھر اُس کے قدم ایک کمرے کی طرف اٹھنے لگے جس کی کھڑکیوں کے شیشوں سے گ نیلی روشنی نظر آرہی تھی۔ حمید ایک پل کے لئے کمرے کے سامنے رک کر کچھ سوچتا رہا۔ دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اُس نے بہ آہستگی دروازہ کھولا اور دھڑک اندر داخل ہوگیا۔ گہری نیلی روشنی میں اس کا چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔ گھنی سیاہ ڈا اور ڈاڑھی پر کسی مکان کے سائبان کی طرح جھکی ہوئی مونچھیں۔ لباس بھی امریکی وضع اوباشوں کا سا تھا۔

اس نے چاروں طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔

سامنے مسہری پر ایک نوجوان لڑکی سو رہی تھی۔ حمید پھر دروازے کی طرف بڑھا اور چڑھا دی۔

پھر جیب سے ریوالور نکال کر داہنے ہاتھ میں لیا اور بائیں ہاتھ سے لڑکی کو جھنجھوڑ کر جگا

وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی.... ساتھ ہی حمید کی انگلی ہونٹوں سے جا لگی اور ریوالور کا رخ لڑ طرف ہوگیا۔ لڑکی کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چہرے پر کچھ ایسے آثار نظر آنے لگے

وہ کسی لاش کا چہرہ ہو۔

"یہ ریوالور بے آواز ہے اس لئے شور و غل پسند نہیں کرتا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

لڑکی کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔

"تمہیں اس مکان میں کس نے ٹھہرایا ہے۔" حمید نے پوچھا۔ اس کے لہجے سے سفاکی مترشح ہی تھی۔

اچانک لڑکی سنبھل کر بیٹھ گئی اور اب اس کی پلکیں بھی جھپکنے لگی تھیں۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو....؟" لڑکی نے دلیر بننے کی کوشش کی۔

"میرے سوال کا جواب دو۔"

"اور اگر میں نہ دوں تو....!"

"تب میں ریوالور جیب میں ڈال کر اُس وقت تک تمہارا گلا گھونٹتا رہوں گا جب تک کہ تم رے سوال کا جواب دینے پر آمادہ نہ ہو۔"

"تم صرف اسی لئے یہاں آئے ہو۔" لڑکی نے لاپروائی سے پوچھا۔

"ہاں! وقت نہ ضائع کرو۔"

"لیکن تم کیوں یہ جاننا چاہتے ہو۔"

"مطلب یہ کہ ہم نہیں چاہتے.... کہ یہ مکان کبھی آباد رہے۔"

"میں سمجھی۔" لڑکی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"کیا سمجھیں؟"

"یہی کہ یہ مکان کسی غیر قانونی حرکت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔"

"لڑکی! بکواس بند کرو۔ میں جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

لڑکی چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔ "محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کیپٹن رکو جانتے ہو۔"

"کیوں....!" وہ چونک پڑا۔

"اسی نے میرے لئے یہ مکان کرائے پر حاصل کیا ہے۔"

"تم جھوٹی ہو۔"

"میں بالکل صحیح کہہ رہی ہوں۔ اب تم چپ چاپ یہاں سے کھسک جاؤ۔ اُن لوگوں کو تم ہی طرح جانتے ہو گے۔"

"شٹ اپ! تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔ میں نے اس سلسلے میں کسی مسٹر اسلم کا نام
ہے مجھے بتاؤ.... وہ اسلم کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔"

"اسلم.... ہاں.... مکان اسی نام سے حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن وہ کیپٹن حمید ہے اور غالباً
اچھی طرح جانتے ہو گے کہ وہ کرنل فریدی کی کوٹھی میں رہتا ہے۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" حمید نے ایک طویل سانس لی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا
دوسرے ہی لمحے میں وہ اپنے چہرے سے مصنوعی ڈاڑھی الگ کر رہا تھا۔

اور پھر لڑکی کی ظاہری حالت میں ایک زبردست تغیر واقع ہوا۔

اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا اور چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"اب بتاؤ۔" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "کرنل فریدی پر کس نے گولی چلائی تھی۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔

حمید کہتا رہا۔ "تم نے مجھے پہلے یہ نہیں بتایا تھا کہ اسلم ہی کیپٹن حمید ہے۔ اور اب.... ا
تمہاری گردن پوری طرح میری گرفت میں آ گئی ہے۔ تم ابھی اور اسی وقت مجھے بتاؤ گی کہ ف
پر کس نے گولی چلائی تھی۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"بکواس.... تمہیں بتانا پڑے گا۔ جب تم اسلم کو کیپٹن حمید کی حیثیت سے جان سکتی
تمہیں اس کا بھی علم ہو گا۔"

"میں نہیں جانتی۔ آپ کا جو دل چاہے کیجئے۔"

"میرا دل....!" حمید اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

لڑکی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"سچی بات تو یہ ہے۔" حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "مجھے اس معاملے میں
دلچسپی نہیں۔ میں تو کسی طرح تم پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"مجھے تم سے....!" حمید نے جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی شرما کر سر جھکا لیا۔

لڑکی کچھ نہ بولی۔ حمید اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"نہیں بتاتا....!" حمید دانتوں میں انگلی دبا کر ہنسنے لگا۔

"میں سمجھتی ہوں۔" لڑکی مسکرائی۔ "تم نہ کہو.... مگر میرے دل....!" اس نے

پورا کیا۔

"ہائے تمہارے دل میں بھی.... تب تو میں بڑا اُلو کا پٹھا ہوں۔"

لڑکی اُسے سوالیہ انداز میں دیکھتی رہی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے خواہ مخواہ تمہیں پریشان کیا۔" حمید بولا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم کیپٹن حمید ہو۔ میں نے اس واقعے سے پہلے ہی تمہیں اکثر چھپ
کر دیکھا ہے۔ مگر تم بہت بڑے آدمی ہو۔"

"مگر سوال تو یہ ہے کہ تم نے مجھے ٹوکا کیوں نہیں.... تم نے کہا کیوں نہیں کہ تم اسلم نہیں
حمید ہو۔"

"اگر میں یہ کہہ دیتی تو تم مجھ سے دور ہو جاتے۔ میں تو چاہتی تھی کہ تم مجھ پر شبہ کرتے
اسی صورت میں تم مجھ سے قریب رہ سکتے تھے۔ میں تمہیں بہت دنوں سے جانتی ہوں۔"

"تو کرنل فریدی پر حملہ میرے لئے ایک خوشگوار واقعہ ثابت ہوا.... ہاہا.... میں خوش ہوں۔"

"یہ نہ کہو۔" لڑکی بولی۔ "مجھے بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں۔ میرے فلیٹ سے کسی نے
رے چیف پر گولی چلائی تھی۔ میں خود کہتی ہوں کہ گولی میرے فلیٹ سے چلائی گئی تھی مجھے
کا بھی اعتراف ہے کہ غسل خانے میں ایک خالی کارتوس ملا تھا لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں
آیا تھا۔ اس سے پہلے میں نے کبھی کارتوس کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ اسی بناء پر کہہ سکتی
ا کہ گولی میرے فلیٹ ہی سے چلائی گئی تھی۔ لیکن میں مجرم کے وجود سے واقف نہیں ہوں۔
دنوں تک پولیس پریشان کرتی رہی پھر تم ہمدرد بن کر آئے اور مجھے اس فلیٹ سے اس مکان
منتقل کر دیا۔

"اور اب تم ہمیشہ یہیں رہو گی۔"

"مگر پولیس تو اب بھی میری تلاش میں ہو گی۔"

"ہوا کرے.... جب تک میرے دم میں دم ہے تمہارا کوئی کچھ نہ کر سکے گا۔"

"نہیں میں اسے درست نہیں سمجھتی۔"

"کیوں....!"

"اس طرح میرے خلاف شبہات اور زیادہ مستحکم ہو جائیں گے اور پھر.... اس روپوشی کی
برا نقصان بھی ہو رہا ہے۔ میری ملازمت آ گئی ہی سمجھو۔"

"تم شائد ٹیلی فون ایکسچینج میں تھیں۔"

"ہاں....!"

"فکر نہ کرو.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"لیکن اس وقت تم اس ہیئت میں کیوں آئے تھے۔"

"محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ تم میری شخصیت سے حقیقتاً واقف ہو یا نہیں۔"

"میں سمجھی! اگر میں تمہاری شخصیت سے واقف ہوں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں سے ملی ہوئی ہوں۔"

"بالکل یہی خیال تھا میرا۔ مگر اب حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی اور میں شرمندہ ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے.... مگر میری پوزیشن پولیس کی نظر میں کیا ہو گی۔"

"میں اس کیس کا انچارج ہوں۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "کیا تم یہ سمجھتی ہو نے تمہیں مفرور قرار دیا ہو گا.... ہرگز نہیں.... اور کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہاری ملاز ہو گئی ہو گی۔ ہرگز نہیں.... میں نے تمہارے لئے ایک ماہ کی رخصت میڈیکل گراؤنڈ پر کر لی ہے۔"

"سچ....!" لڑکی پُر مسرت لہجے میں چیخی۔

"کیا تمہیں یقین نہیں آیا۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یقین تو ہے.... مگر آخر تم نے میرے لئے اتنی دردسری کیوں مول لی۔"

"یہ نہ پوچھو.... ورنہ میں اپنا وہی پہلا سوال دہراؤں گا۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔

حمید بھی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "اچھا اب تم آرام کرو.... اب تم قطعی لیکن واضح رہے کہ تم پچھلے ایک ہفتہ سے بیمار ہو اور مزید تین ہفتے بیمار رہنے کے بعد جاؤ گی۔ وہ فلیٹ ویسے بھی تمہارے لئے موزوں نہیں تھا۔ اس مکان میں آرام سے ر وغیرہ وغیرہ.... آچھا.... اب آرام کرو۔"

"اب کب ملو گے۔" لڑکی لگاوٹ کے انداز میں بولی۔

"آہ.... میرا دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے کوٹ کے کالر میں لگا لوں اور تم ہمی ساتھ رہو.... مگر خیر.... کل شام آرلکچو میں گذاریں گے وغیرہ وغیرہ۔"

تھوڑی دیر بعد حمید پھر سڑک پر تھا لیکن اب وہ چھپتا چھپاتا ہوا نہیں چل رہا تھا۔

دوسری سڑک پر پہنچنے کے لئے اُسے ایک مختصر سی گلی پار کرنی پڑی۔

ڈی لاک اب بھی وہیں کھڑی تھی جہاں وہ اُسے چھوڑ کر گیا تھا۔

"اب مجھے کسی خیراتی ہسپتال میں پہنچا دیجئے۔" حمید کیڈی کے پاس پہنچ کر آہستہ سے بولا۔

ینیاً اس نے کسی دوسرے کو مخاطب کیا تھا۔ لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ حمید ک کر کیڈی کے اندر دیکھا۔ مگر اُسے اگلی سیٹ پر فریدی نہیں نظر آیا۔ حالانکہ وہ اُسے ک کے پیچھے بیٹھا ہوا چھوڑ کر گیا تھا۔

اس وقت جو کچھ بھی ہوا فریدی کی ایماء پر!

ایک ہفتہ قبل جب فریدی ایک تقریب میں شرکت کی غرض سے بار کر اسٹریٹ کی ایک ت میں موجود تھا کسی نے اس پر فائر کیا۔ گولی سامنے والی عمارت کی ایک کھڑکی سے چلائی گئی فریدی بال بال بچا۔ صرف ایک بالشت کے فرق نے اس کی جان بچالی ورنہ گولی کھڑکی کی ٹ کے بجائے اس کی پیشانی پر پڑتی جس فلیٹ سے گولی چلائی گئی تھی اس میں ایک عیسائی لڑکی گلوریا مقیم تھی لیکن اس نے واقعے سے لاعلمی ظاہر کی۔ ویسے اس نے یہ ضروری بتایا کہ اس چھ دیر قبل فائر کی آواز سنی تھی۔

فلیٹ کی تلاشی لینے پر غسل خانے میں ایک خالی کارتوس ملا، جو کچھ ہی دیر قبل خالی کیا گیا تھا۔ اس کے باوجود بھی لڑکی یہی کہتی رہی کہ وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ اس نے فائر واز بھی سنی تھی اور آواز قریب ہی کی معلوم ہوئی تھی لیکن اس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی کیونکہ پڑوس کے بچے اکثر نقلی امریکی ریوالوروں سے کھیلتے رہتے تھے۔

پولیس تو اُسے حراست میں لینا چاہتی تھی لیکن فریدی نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ ویسے دن بھر اُسے پریشان کرتی رہی۔ پھر شام کو حمید اسلم کے نام سے اسکے پاس پہنچا۔ اس سے ہمدردی کی اور بتایا کہ وہ اسے عرصے سے جانتا ہے اور صحیح معنوں میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہے۔

لڑکی جو بظاہر پریشان معلوم ہوتی تھی، بے چوں وچرا اس کے ساتھ ایک دوسرے مکان میں ہو گئی۔ حمید اس کے بعد بھی اس سے برابر ملتا رہا۔ مگر کیپٹن حمید کی حیثیت سے نہیں۔ اور اس وقت اس نے یہ سب فریدی ہی کے کہنے پر کیا تھا۔ فریدی یہاں تک اس کے ساتھ آیا تھا کیم کے مطابق اسی سڑک پر اُسے حمید کی واپسی کا منتظر رہنا تھا۔

مگر کیڈی لاک خالی تھی.... حمید نے جیب سے ٹارچ نکالی۔

لیکن ٹارچ روشن کرتے ہی گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اگلی نشست کی پشت گاہ میں نجر دستے تک پیوست تھا۔

سیٹ پر کئی جگہ خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے نظر آرہے تھے۔

اور کچھ ایسے نشانات بھی دکھائی دیئے جن سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ گاڑی کے اندر دو سے زیادہ آدمیوں میں کشمکش ہو چکی ہے۔

مگر.... حمید الجھن میں پڑ گیا۔ دو جھگڑنے والوں میں ایک یقیناً بہت اطمینان سے رخ ہوا تھا ورنہ حمید کو کار کا دروازہ بند نہ ملتا۔

ٹارچ کی روشنی کار کے قرب وجوار کی زمین پر رینگنے لگی۔ لیکن یہاں حمید کو کسی قسم کے نشانات نہیں مل سکے حتیٰ کہ یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ باہر نکلنے کے لئے کون سا دروازہ استعما گیا ہوگا۔

خون کے دھبے بھی سیٹ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملے۔

بڑی عجیب بات تھی۔ آخر فریدی کہاں گیا؟ کیا اس کے نامعلوم دشمن اسے پکڑ لے لیکن خنجر کی موجودگی اس خیال کی تردید کر رہی تھی، جو لوگ قاتلانہ حملہ کر سکتے ہیں، انہی کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے کہ وہ کسی کو پکڑ کر لے جائیں۔

تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ حملہ آور اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے۔

وہ کافی دیر تک کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا۔ سوال یہ تھا کہ وہ وہاں ٹھہرے یا چلا جائے۔ ا کے لئے تشویش اپنی جگہ پر لیکن وقت کا تقاضا بھی کوئی چیز ہے اور پھر اگر کار کا دروازہ بند والا فریدی ہی تھا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ کافی اطمینان کے ساتھ یہاں سے گیا ہے۔ اگر آوروں کو بھگا دینے کے بعد یہاں سے رخصت ہوا ہے تو حمید کا اس کے انتظار میں یہا حماقت ہی تھی۔

اور اگر حملہ آور اُسے پکڑ لے گئے ہیں تو کار کا دروازہ بند کر جانا نفسیاتی نقطہ نظر سے یقین ہو جاتا ہے۔ بہر حال حمید نے یہی فیصلہ کیا کہ فریدی محفوظ ہے۔ رہ گیا اس طر ہو جانا تو یہ فریدی کیلئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وقت پر اُسے جو کچھ بھی سوجھ جاتی کر گزر

حمید کیڈی میں بیٹھ گیا۔ پھر خیال آیا کہ وہ غلطی کر رہا ہے۔ کیوں نہ کیڈی کو اُن تمام سمیت یہیں چھوڑ دے اور خون کے دھبے تو بہر حال محفوظ تھے کیونکہ وہ پہلے ہی خشک ہو چ

وہ چپ چاپ کیڈی سے اُتر آیا اور اس کا ایک دروازہ کھلا چھوڑ کر پیدل ہی چل پڑا۔

آج کی مہم خوشگوار بھی ثابت ہوئی تھی اور ناخوش گوار بھی۔

گلوریا کے متعلق وہ سوچ رہا تھا کہ حقیقتاً وہ فریدی پر گولی چلانے والے سے کوئی نہ کو

رکھتی ہے، ورنہ وہ اسی وقت اُسے ٹوک دیتی جب اس نے اپنا نام اسلم بتایا تھا اور پھر اس کے ی وہ اُسے ملتی رہی تھی اور اس دوران میں اس نے کبھی یہ نہیں ظاہر ہونے دیا تھا کہ وہ اس لیت سے واقف ہے۔

کیس بیگ

حمید کو توقع تھی کہ گھر پر فریدی سے ضرور ملاقات ہوگی، لیکن وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ حمید ٹی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دو بج چکے تھے اور ذہن نیند سے بوجھل ہو رہا تھا۔

پھر اسے پتہ نہیں کہ وہ کب سو گیا۔

اور ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ سوچنے لگا کہ آخر آنکھ کھلی ہی کیوں۔ نے میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس کی طرف دیکھا سوا تین بجے تھے اور پھر اچانک آنکھ کھلنے کی وجہ ی سمجھ میں آگئی۔ کوئی اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔

حمید جھلا کر اٹھ بیٹھا۔ لیکن وہ سوچنے لگا کہ یہ فریدی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فریدی ایسے موقع ں کے کمرے میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کے بزر سے کام لیا کرتا تھا۔ نوکروں میں اتنی ہمت ا تھی کہ وہ اس بدتمیزی سے اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ سکتے۔

اس نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں دروازہ کھولا۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کھڑا پلکیں ا رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" حمید چیخ کر بولا۔ "آخر تم یہاں تک کیسے پہنچ گئے۔"

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"یار تم آدمی ہو یا...."

"حمید صاحب آپ حالات کی نزاکت سے واقف نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"تھرمارو ڈ پر دو بجے ایک کانسٹیبل کو فریدی صاحب کی گاڑی ملی ہے جس کی اگلی سیٹ پر ایک خجر پیوست ہے۔ اور خون کے کئی دھبے۔"

"تم نے اس قسم کا کوئی کانسٹیبل خواب میں دیکھا ہوگا۔ کیڈی گیراج میں ہے اور فریدی صاحب اپنے کمرے میں سو رہے ہوں گے۔"

"نہیں کیڈی گیراج میں نہیں ہے اور فریدی صاحب بھی اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔"

"تب تو بات تشویش ناک ہے۔ مگر کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ اپنی ہی گاڑی ہے۔"

"آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں اچھی طرح چھان بین کرنے کے بعد یہاں آیا ہوں۔"

قصہ مختصر یہ کہ حمید خود کو دل ہی دل میں گولیاں دیتا ہوا جگدیش کے ساتھ شر مارو
طرف روانہ ہو گیا۔

بات بڑھ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔

بہر حال وہ لوگوں کے سوالات کے جواب گول مول طریقے سے دیتا رہا۔

صبح تک حالات اور کچھ ہو گئے۔ آفس کے روزنامچے سے معلوم ہوا کہ فریدی چار دن سے
شہر ہی میں نہیں ہے۔ حمید کو اس کا قطعی علم نہیں تھا اور ہوتا بھی کیسے جب کہ فریدی پچھلی رات
تک اس کے ساتھ رہا تھا۔

اس نے حمید کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ دفتر کے روزنامچے کے مطابق شہر میں موجود نہیں ہے۔

بہر حال اب وہ سوچ رہا تھا کہ پچھلی رات پولیس والوں سے گفتگو کے دوران میں اس
کوئی ایسی بات کہی تھی یا نہیں جس سے روزنامچے کی تردید ہو سکتی۔ اُسے نہیں یاد آیا کہ اس
کوئی ایسی بات کہی ہو۔ وہ خود ہی اُن سے کھل کر گفتگو نہیں کر رہا تھا۔

شام کے اخبارات کے ہاکروں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ آج کی سب سے زیادہ سنسنی خیز
فریدی کی گمشدگی ہی تھی۔ قریب قریب سارے ہی اخبار نے ایک ہفتہ قبل والے حملے کا
حوالہ دیا تھا۔

لیکن حمید نے یہ بات ضرور محسوس کی تھی کہ سارے ہی اخبارات نے اس سلسلے میں قیا
آرائیوں سے گریز کیا تھا۔

❋

اسی شام کو حمید گلوریا کے ساتھ آرلکچو کے ایک فیملی کیبن میں بیٹھا جھک مار رہا تھا۔
بے دلی سے کسی تفریح میں حصہ لیا جائے تو اسے جھک مارنا ہی کہیں گے۔

بے دلی کی وجہ خود گلوریا ہی تھی۔ وہ حسین ضرور تھی مگر دوران گفتگو میں اکثر اس
ہونٹ سکوڑ لیتی تھی جیسے چھینک روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی یہ عادت حمید کی جما
حس کے لئے سم قاتل ثابت ہوئی تھی۔ عورتوں کے معاملے میں اس کے احساسات لارڈ با

ر 15

بب ترین احساسات سے کسی طرح کم نہیں تھے۔

وہ اسے طوعاً و کرہاً برداشت کر رہا تھا۔ فریدی نے اُسے خاص طور پر ہدایت دی تھی کہ گلوریا
رکھے۔

"تم کیا سوچ رہے ہو....؟" گلوریا نے پوچھا۔

"تم نے شام کا کوئی اخبار دیکھا ہے۔"

"میں ہمیشہ صبح کے اخبار دیکھتی ہوں۔"

"پچھلی رات کرنل فریدی کی کار شر مارو ڈ پر پائی گئی ہے۔ اگلی نشست کی پشت گاہ میں ایک
پوست ملا ہے اور خون کے کچھ دھبے۔"

"اوہ.... تو پھر کسی نے حملہ کیا۔ لیکن کرنل کہاں ہیں۔"

"کرنل....!" حمید طویل سانس لے کر بولا۔ "مجھے توقع ہے کہ آج شام تک اُن کی لاش
ندی یا نالے میں مل جائے۔"

"نہیں....!" گلوریا حیرت اور خوف سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

"ہاں....اور اب مجھے بھی اپنی زندگی خطرے میں نظر آرہی ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"اور تم یہاں اتنے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہو۔" گلوریا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مر جانے میں مجھے زیادہ فائدہ نظر آتا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ چلو اٹھو.... میں یہاں نہیں بیٹھوں گی۔"

"کیوں....؟"

"یہاں تم پر نہایت آسانی سے حملہ ہو سکتا ہے۔"

"فکر نہ کرو! میں ڈرپوک نہیں ہوں۔"

"پھر تمہارے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔"

"کہاں ہوں گی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"نہیں آج تمہارا رویہ پہلے سے بہت بدلا ہوا ہے۔ کیا تمہیں اب تک یقین نہیں آیا کہ میں
ملہ آور سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔"

"بھئی ختم کرو.... یہ قصہ! مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"پھر کیا سوچ رہے ہو۔"

"کچھ نہیں میرا موڈ بہت خراب ہے۔ چلو چلیں۔" حمید اٹھ گیا۔

ٹھیک دس بجے حمید سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ ڈی۔ آئی۔ جی کا فون آیا۔ اُس نے اُ
اپنے بنگلے پر طلب کیا تھا۔

افسران بالا کے سامنے تنہا جانے سے وہ ہمیشہ کتراتا رہتا تھا۔ یوں تو ڈی۔ آئی۔ ج
درجنوں بار مل چکا تھا لیکن فریدی کے ساتھ۔

مگر اب تو اُسے ہر حال میں وہاں پہنچنا تھا۔

اس نے گیراج سے چھوٹی آسٹن نکالی اور دل ہی دل میں سر پیٹتا ہوا ڈی۔ آئی۔ جی ک
کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے فریدی کے متعلق ڈی۔ آئی۔ جی کو بتا
پڑے۔ ویسے فریدی کا آرڈر تھا کہ وہ اس کے مشاغل کے متعلق کبھی کسی کو کچھ نہ بتا
پوچھنے والا محکمے کا کوئی بڑا آفیسر ہی کیوں نہ ہو۔ وہ سخت الجھن میں تھا۔ فریدی نے د
روزنامچے میں دفتر سے اپنی غیر حاضری تحریر کی تھی۔ جس کا کھلا ہوا مطلب یہ تھا کہ وہ ا
تین دنوں کی کارگذاریوں کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

حمید کی الجھن بڑھتی رہی اور اس وقت اور زیادہ بڑھ گئی جب کار ڈی۔ آئی۔ جی کے
کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی تک پہنچنے کے لئے اُسے "رسمیات" سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔ ایک آ
اس کا منتظر تھا۔ اس نے اُسے ڈرائنگ روم تک پہنچا دیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی تنہا نہیں تھا۔ محکمے کا سپرنٹنڈنٹ اور دو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بھی موجود تھے۔

"فریدی کا کچھ پتہ چلا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں.... ابھی تک تو کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"خیر.... ایک بہت پرانے کیس کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا ہے۔"

حمید کی الجھن رفع ہو گئی۔ بات فریدی سے کسی پرانے کیس پر ٹل گئی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی چند لمحے اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "لیونارڈ والے کیس میں تم فریدی کے سا
ہی تھے نا۔"

لیونارڈ کا نام سن کر حمید بیساختہ چونک پڑا۔

"جی ہاں.... میں اس کے ساتھ تھا۔"

"س کیس سے متعلق کچھ معلومات فراہم کر سکو گے۔"

"معلومات.... جی ہاں.... مگر....!"

"بات بہت پرانی ہو گئی....؟" ڈی۔ آئی۔ جی نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ اس کا موڈ بہت
خراب معلوم ہو رہا تھا۔

"جی ہاں! اگر ریکارڈ روم سے....!"

"کیس بیگ نکلوا لیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے
کا جملہ پورا کر دیا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ ڈی۔ آئی۔ جی میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ "سب سوتے رہے ہیں۔
رڈ کا کیس بیگ ریکارڈ روم سے غائب ہے۔"

اس اطلاع پر حمید سناٹے میں آ گیا۔ ڈی۔ آئی۔ جی چنگھاڑ رہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ کیا
تے ہیں۔ پھر اس نے سپرنٹنڈنٹ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "ریکارڈ کیپر کے خلاف کاروائی کی گئی۔"

"جواب.... جواب طلب کیا گیا ہے۔"

"جواب طلب کیا گیا ہے۔ اُسے اور اُس کے عملے کو حراست میں ہونا چاہئے تھا مسٹر۔"

سپرنٹنڈنٹ کچھ نہ بولا۔

ڈی۔ آئی۔ جی پھر حمید کی طرف مڑا اور اس کی روح فنا اور بقا کے مسئلے پر غور کرنے لگی۔

"تم بتا سکتے ہو کہ لیونارڈ نے بلیک میلنگ کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔"

"جی ہاں عرض کرتا ہوں۔" حمید اپنی پیشانی سے پسینہ خشک کرتا ہوا بولا۔

"ایک اخبار تھا اسٹار جو یورپ میں بلیک میلنگ کے مختلف طریقوں پر ایک مضمون بالاقساط
کر رہا تھا۔ ان میں اُن خطوط کے نمونے دیئے جاتے تھے جو لوگوں سے رقم اینٹھنے کیلئے بلیک
ان کی طرف سے وقتاً فوقتاً لکھے گئے تھے، لیکن حقیقت یہ تھی کہ انہیں خطوط کے ذریعے لیونارڈ
شکاروں سے رقمیں وصول کیا کرتا تھا۔ اسٹار کے لئے وہ مضامین اسی کا ایک آدمی لکھتا تھا۔"

"تم نے آج صبح کا کوئی اخبار دیکھا۔"

"جی ہاں....!"

"لیڈی پرکاش کے متعلق خبر دیکھی تھی۔"

"جی نہیں! مجھے اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ پورا اخبار دیکھ سکوں۔"

"دیکھو....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے میز پر رکھے ہوئے اخبار کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے اخبار اٹھالیا۔ پہلے صفحے کی ایک مختصر سی خبر کے گرد سرخ پنسل سے بنائے ہو
حاشئے پر اس کی نظر پہلے ہی پڑی تھی۔

خبر تھی۔ "کل شام لیڈی پرکاش کو ایک عجیب وغریب خط موصول ہوا ہے۔ خط کسی گمنام
طرف سے ہے اور اس کی اوٹ پٹانگ عبارت لکھنے والے کے ذہنی فتور کی طرف اشارہ کرتی ہ
خط کا مضمون یہ ہے

مائی ڈیئر لیڈی پرکاش!

دریائے ٹیمز میں اس مقام پر مچھلیاں نہیں پائی جاتیں جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں
کوئی سفید گلاب پیش کرے تو کیمرے کا دھیان ضرور رکھنا چاہئے، اللہ بڑا کارساز ہے، ویسے سنا
کہ کار سازی میں ہنری فورڈ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ وی آنا میں ایک تصویر ڈیڑھ لاکھ م
تھی۔ دریائے ٹیمز کی مچھلیاں تین لاکھ مانگتی ہیں۔"

حمید خبر پڑھ کر ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھنے لگا۔

"لیکن....!" ڈی آئی جی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "لیڈی پرکاش کو اس قسم کا کو
نہیں ملا۔ اُس نے آج ہی اس خبر رساں ایجنسی کے خلاف ازالۂ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کیا ہے۔

"تب تو خبر رساں ایجنسی....!"

"خبر رساں کمپنی کے کارکنوں نے اس سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ اخبارات کے ا
کہتے ہیں کہ انہیں یہ خبر اُسی ایجنسی کے ٹیلی پرنٹرز پر موصول ہوئی ہے۔"

"لیونارڈ.... سو فیصدی لیونارڈ....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"مجھے بتاؤ کہ فریدی کہاں ہے؟"

"یقین فرمایئے.... مجھے علم نہیں ہے۔"

"حملے کے متعلق اس نے کیا خیال ظاہر کیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں وہی عام بات۔ شہر کیا پورے ملک کے جرائم پیشہ اُن کے دشمن ہیں۔"

"لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ حملہ لیونارڈ کی طرف سے ہوا
ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "فریدی ہی نے پہلی بار اس کے ہتھکڑیاں لگائی تھیں۔ پورے یور
پولیس اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ کیا وہ آزاد ہونے کے بعد ایسے آدمی کو چھوڑ دے گا ج
بدولت اسے زندگی میں پہلی بار جیل کی صورت دیکھنی پڑی تھی۔"

"جی ہاں اب میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ لیکن فریدی صاحب نے اس دوران میں ا

رڈ کا نام نہیں لیا۔"

س دوران سے کیا مراد ہے تمہاری۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

مطلب یہ کہ آج سے چار دن قبل کی بات ہے۔" حمید فوراً سنبھل گیا۔

کیا تم نے بھی اُسے تین دن سے نہیں دیکھا۔"

جی نہیں۔"

لیکن اس کی گاڑی۔"

گاڑی وہ چار دن قبل اپنے ساتھ لے گئے تھے۔"

تمہیں یقین ہے کہ تم جھوٹ نہیں بول رہے ہو۔"

میرا خیال ہے کہ فریدی صاحب بھی آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں
۔" حمید نے مکھن کا ڈبہ رسید کیا۔

لیکن حمید کے اس جملے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ محکمہ سراغ رسانی کا ڈپٹی انسپکٹر جنرل اتنا
ہیں ہو سکتا۔

اس نے ایس۔ پی اور ڈی۔ ایس۔ پی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

"اب بتاؤ"

"کل رات ہم ساتھ ہی شرمارو ڈ تک گئے تھے۔ مجھے وہاں سے ایک دوسری جگہ جانا تھا۔
ام یہ تھا کہ فریدی وہیں شرمارو ڈ پر ٹھہر کر میرا انتظار کریں گے۔ لیکن واپسی پر میں نے کار کو
الت میں پایا جس کی رپورٹ آپ تک پہنچ چکی ہے۔ مگر نہیں.... رپورٹ یہ ہے کہ اس کا
دروازہ کھلا ہوا پایا گیا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے چاروں دروازے بند پائے تھے۔"

"اس کی کیا اہمیت ہے۔"

"اس کی اہمیت یہ ہے کہ فریدی صاحب نہ صرف زندہ ہیں بلکہ جہاں بھی گئے ہیں۔ آزادانہ
پر گئے ہیں، ورنہ حملہ آور کو کیا پڑی تھی کہ وہ کار کا دروازہ بند کر کے جاتا۔ نفسیاتی نقطہ نظر
....!"

"بکواس.... اسے منطقی دلیل نہیں کہیں گے۔ لیونارڈ جیسے مجرم جلد باز نہیں ہوتے۔ میرا
لہے کہ فریدی اس کی گرفت میں آگیا ہے۔"

حمید کے ذہن میں اس لغوترین خیال کے خلاف کئی دلیلیں تھیں لیکن اس نے بات بڑھانا
اب نہیں سمجھا۔ حکام بالا کی عام ذہنیت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے ذہنی طور پر

شکست کھانے کے بعد اور زیادہ جھلا جاتے ہیں۔

"یہ بھی ممکن ہے۔" حمید بولا۔

"لیکن پچھلی رات تم کہاں گئے تھے۔"

حمید جھنجھلا گیا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ اب سچ نہیں بولے گا۔

"شرمارو ڈ کی دوسری طرف البرٹ روڈ پر لائن آرٹ پریس ہے۔ وہاں ہمیں ایک آدمی کو چیک کرنا تھا، جو ایک بار جعلی نوٹ چھاپنے کے جرم میں سات سال کی قید بھگت چ آج کل وہ لائن آرٹ پریس میں بحیثیت مشین مین کام کر رہا ہے۔"

"اس آدمی کو کیوں چیک کرنا تھا۔"

"پتہ نہیں! فریدی صاحب کبھی مجھے اپنی اسکیموں سے آگاہ نہیں کرتے۔"

"اور یہ بُری عادت کبھی نہ کبھی اُسے پچھتانے پر مجبور کر دے گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح پیچھا چھڑائے۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "تم بھی جا سکتے ہو۔ لیکن مجھے! کے پچھلے کیس کے متعلق دوسری معلومات بھی درکار ہیں۔ جتنا بھی تمہیں یاد آسکے کل شا لکھ کر میرے پاس پہنچاؤ۔"

لیڈی پرکاش

حمید ذہن پر ناخوشگوار اثرات لے کر ڈی۔ آئی۔ جی کے یہاں سے واپس آیا تھا۔ وہ را لیونارڈ کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ لیونارڈ یورپ کا بین الاقوامی شہرت رکھنے والا بین الاقوامی بلیک جسے پانچ سال قبل فریدی نے ہتھکڑیاں پہنائی تھیں۔ یہ وہی لیونارڈ تھا جس نے کافی عرصہ سپرنٹنڈنٹ جیکسن کی حیثیت سے محکمہ سراغرسانی پر حکومت کی تھی، اور سپرنٹنڈنٹ اس کی قید میں سڑتا رہا تھا۔

لیونارڈ نے زندگی میں پہلی بار فریدی کی وجہ سے جیل کی صورت دیکھی تھی۔ وہ تھا۔ سازشی تھا۔ بلیک میلر تھا لیکن لندن کی پولیس اس کے خلاف ایک بھی قتل نہ ثابت کر اس پر مقدمہ چلا اور اُسے عمر قید کی سزا ہو گئی۔ لیکن وہ تین سال بعد جیل سے فرار ہو کامیاب ہو گیا۔

زیدی نے چند ماہ پیشتر حمید کو اس کے فرار کی خبر سنائی تھی اور خدشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ ڈ ایک بار پھر مشرق کا رخ کرے گا۔

اور آج اخبار میں لیڈی پرکاش کے متعلق خبر دیکھ کر اُسے یقین آگیا کہ پچھلے چند دنوں کی اتوں میں لیونارڈ کے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ آج سے پانچ سال قبل بھی لیونارڈ نے کے بعض بڑے گھرانوں کی عورتوں کو بلیک میل کرنے کے لئے اسی قسم کے انوکھے طریقے کئے تھے۔

حمید راستے بھر مختلف قسم کے خیالات میں الجھا رہا۔

پھاٹک کھلا ہوا تھا اور رکھوالی کرنے والے خوفناک السیشن کمپاؤنڈ میں چکر لگا رہے تھے۔ جیسے حمید کی کار اندر داخل ہوئی چوکیدار پھاٹک بند کر کے شاگرد پیشہ کی طرف چلا گیا۔

حمید کار کو گیراج میں ڈال کر لوٹ ہی رہا تھا کہ پھاٹک پر کوئی کار رکی اور کسی نے پھاٹک ہلانا ع کر دیا۔

حمید سوچنے لگا کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے۔ بارہ بج چکے تھے۔ پھر وہ پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا کہ سناٹے میں فائر کی آواز گونجی اور ساتھ ہی ایک چیخ سنائی دی۔ چیخ کسی عورت کی تھی۔

حمید بے تحاشہ پھاٹک کی طرف دوڑا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ قریب پہنچتا کار فراٹے بھرتی ہوئی اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

حمید چوکیدار کو آوازیں دینے لگا۔ پھاٹک کے تالے کی کنجی اسی کے پاس تھی۔

نہ صرف چوکیدار بلکہ دو تین نوکر بھی دوڑتے ہوئے پھاٹک کی طرف آئے۔

"پھاٹک کھولو جلدی....!" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

پھاٹک کھلتے ہی اس نے ٹارچ روشن کی۔ پھاٹک سے صرف تین قدم کے فاصلے پر کوئی ورت منہ کے بل پڑی ہوئی تھی اس کے جسم پر فاختئی رنگ کا ریشمی اسکرٹ تھا۔ حمید نے جھک کر اُسے سیدھا کیا اور اس کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکل گئی.... یہ گلوریا تھی۔

تھوڑی دیر بعد گلوریا ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر بیہوش پڑی تھی اور حمید اسے ہوش لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کا ذہن اس فائر میں الجھا ہوا تھا جس کی آواز اس نے سنی تھی مگر گلوریا کے جسم پر کہیں کوئی زخم نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی بیہوشی خوف کا نتیجہ رہی ہو۔

آدھے گھنٹے بعد گلوریا کو ہوش آگیا اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ پہلے وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے

چاروں طرف دیکھتی رہی پھر کھڑی ہو کر پاگلوں کی طرح اپنے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"گولی نہیں لگی....!" حمید آہستہ سے بولا اس کے حرکات و سکنات کو بہت غور سے دیکھ تھا۔ اس کی آواز سن کر گلوریا اس طرح اچھل پڑی جیسے اسے اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔

"اوہ.... مائی ڈیئر کیپٹن۔" وہ اچھل کر اس پر آرہی اور حمید ایک طرف ہٹ بھی نہ کیونکہ ایسی صورت میں وہ دیوار سے جا ٹکراتی۔

"مجھے بچاؤ.... مجھے بچاؤ۔" وہ ایک ایسے ننھے پرندے کی طرح ہانپ رہی تھی جو کسی باز پنجے سے اتفاقاً چھوٹ گیا ہو۔

"کیا بات ہے۔" حمید اُسے الگ ہٹاتا ہوا بولا۔

"میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ میں اب تک تمہیں دھوکا دیتی ہوں۔ مجھے بچاؤ.... میں سب کچھ بتا دوں گی۔"

"آہم....!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور اٹھ کر اُن گھنٹیوں کے بٹن دبانے لگا نوکروں کے کوارٹروں میں لگی ہوئی تھیں۔

"ٹھہرو....!" وہ گلوریا کی طرف مڑ کر بولا۔ "میں ابھی سنتا ہوں۔"

دو منٹ کے اندر ہی اندر سارے نوکر برآمدے میں اکٹھا ہو گئے۔ یہ تعداد میں آٹھ تھے۔

"جاؤ.... تم لوگ رائفلیں نکال لو اور کمپاؤنڈ میں پھیل جاؤ۔ عقبی پارک کا خاص طور خیال رکھنا اور اگر کوئی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو بے دریغ گولی مار دینا۔"

نوکروں نے پہلی بار فریدی کی کوٹھی میں اس قسم کا حکم سنا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی طر دیکھ کر پلکیں جھپکانے لگے۔

"جاؤ.... جلدی کرو۔"

"آپ ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے۔" فریدی کے مخصوص خادم شریف نے پوچھا۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔" حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

"آٹھ رائفلیں نکالو.... جاؤ۔"

وہ سب چلے گئے.... گلوریا دروازے میں کھڑی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ حمید کی طرف مڑا اور وہ پھر ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔

"ہاں اب بتاؤ۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

"کیا خطرہ ہے.... تم نے رائفلیں....!"

چھوڑو.... یہ ہمارا دن رات کا کھیل ہے.... بہرحال اب تم جو کچھ بھی کہو گی میں اس پر ین کروں گا۔"

ھر بتانا ہی بیکار ہے۔"

تمہاری مرضی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

خدا کے لئے بچاؤ۔ میں قطعی نادانستگی میں سازش کا شکار ہوئی ہوں۔"

اگر یہی بات تھی جو تم اب کہنے جا رہی ہو تو پہلے بتا دینے میں کیا حرج تھا۔"

اوہ.... تم سمجھے نہیں۔ پہلے مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میں بھی مار ڈالی جاؤں گی۔"

کیا اس وقت کوئی تمہارا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔"

ہاں.... آرلکچو سے اٹھ کر میں سیدھی گھر گئی۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے میں پیدل ئی تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے۔ اُف کتنا آدمی تھا۔ ابھی تک اس کی شکل میرے ذہن پر مسلط ہے۔ اس کی آنکھوں میں درندگی ہ سچ مچ آدم خور معلوم ہوتا تھا۔ میں گھر آ گئی اور میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ وہ ا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری روح لرز گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گھر میں نے کے لئے موقع کا منتظر ہو۔ پھر میں ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر دوسری طرف کے ے سے نکلی اور تقریباً دوڑتی ہوئی ٹیکسیوں کے اڈے پر پہنچ گئی۔ لیکن جب میں ایک ٹیکسی ہی تھی میں نے مڑ کر دیکھا اور میری جان نکل گئی کیونکہ وہ بھی ایک ٹیکسی کے قریب کھڑا ا جانتی تھی کہ مجھے صرف تمہارے ہی پاس پناہ مل سکتی ہے۔ میں یہاں پہنچی اور پھاٹک کی کوشش کر رہی تھی کہ کسی نے مجھ پر فائر کیا۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔"

کیا فائر اسی ٹیکسی سے ہوا تھا جس پر تم آئی تھیں۔"

میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ مجھے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ فائر کس طرف سے ہوا تھا۔"

بہرحال فائر ہوتے ہی وہ ٹیکسی چل پڑی تھی جس پر تم آئی تھیں۔"

ہو سکتا ہے کہ فائر اسی ٹیکسی سے ہوا ہو۔"

کیا وہ آدمی اس وقت بھی تمہارے پیچھے تھا جب تم یہاں آرہی تھیں۔"

میرا خیال ہے کہ تھا۔ کیونکہ ایک دوسری ٹیکسی تھوڑی ہی فاصلے سے برابر تعاقب کرتی ی۔"

تو دوسری ٹیکسی یہاں تک آئی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے ہوش نہیں.... میں یادداشت پر زور دینے کے باوجود بھی یہ نہیں بتاسکتی کہ وہ یہاں تک آئی تھی یا نہیں۔"

"اچھا... اب پرانی کہانی کی طرف لوٹ آؤ۔"

گلوریا چند لمحے حمید کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "مگر تم پہلے ہی کہہ چکے ہو کہ تمہیں اس پر یقین نہیں آئے گا۔"

"شروع ہو جاؤ۔ اب زیادہ بیوقوف بننے کی تاب نہیں ہے۔"

"خیر تم یقین کرو یا نہ کرو۔ میں اب کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ جس دن میرے فلیٹ کے سامنے والی عمارت میں تقریب تھی۔ ایک فوٹو گرافر میرے پاس آیا اور مجھ سے استدعا کی کہ میں اسے فلیٹ سے اسے تقریب کی دو ایک تصویریں لینے دوں۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک مقامی روزنامہ کا فوٹو گرافر ہے۔ ڈیلی آبزرور کا فوٹو گرافر۔ میرا اس میں کوئی نقصان نہیں تھا۔ میں نے اسے اجازت دے دی۔ وہ تھوڑی دیر تک جگہ منتخب کرتا رہا اور آخر کار اس نے اس کام کے لئے غسل خانہ پسند کیا۔ اس کی ایک کھڑکی بالکل اس مقام کے سامنے تھی جہاں مہمانوں کا استقبال کیا جا رہا تھا۔ میں اُسے غسل خانے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ دراصل میں اس دن ایک دلچسپ ناول پڑھ رہی تھی اور اُسے ختم کئے بغیر رکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے فائر کی آواز سنی تھی لیکن میں نے اُسے کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ پڑوس کے بچے اکثر نقلی امریکی پستولوں سے کھیلتے رہتے تھے اور کئی تو اتنے شریر تھے کہ اکثر ہاتھ بڑھا کر میری بالکنی پر فائر کر دیتے تھے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ دھماکہ میرے کان کے قریب ہی ہوا ہو۔ میں سمجھی کہ یہ کسی بچے کی شرارت ہی ہوگی اور پھر میری آنکھیں اس وقت کھلیں جب پولیس والے فلیٹ میں گھس آئے۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی اور یہ حقیقت ہے کہ مجھے اس وقت تک ان کا علم نہیں ہوا جب تک غسل خانے سے خالی کارتوس نہیں برآمد ہوا۔ فوٹو گرافر جا چکا تھا۔ میں نے جلدی میں ایک فیصلہ کیا یہی کہ میں اس سے لاعلمی ہی ظاہر کرتی رہوں ورنہ مجھے اس فوٹو گرافر کو پیدا کرنا پڑے گا۔ میں نے پولیس کو بیان دیا کہ میں سو رہی تھی۔ اگر کوئی اس دوران میں فلیٹ میں گھس آیا ہو تو میں نہیں جانتی کیونکہ میں سونے سے قبل فلیٹ کا دروازہ بند کرنا بھول گئی تھی۔ پولیس مجھے ہر ہر طرح سے ہلاتی جلاتی رہی مگر میں اپنے پچھلے بیان سے ایک انچ بھی نہیں ہٹی۔ پھر تم اسلم بن کر آئے۔ میں تمہیں بہت دنوں سے جانتی تھی اور مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ حملہ کرنل فریدی پر ہوا ہے۔ تم اسلم کے روپ میں آئے تو میں سمجھ گئی کہ اب مجھے تختہ مشق

ے گا۔ میں نے سوچا کہ اگر تم پر یہ ظاہر کئے دیتی ہوں کہ تم کیپٹن حمید ہو تو یہ تمہارے شبہات کو تقویت دینے کے لئے کافی ہوگا۔ میں خاموش رہی۔ لیکن تم نے کل رات اسے دوسرے طریقے سے اگلوالیا۔ میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں تمہیں پہلے سے جانتی ہوں۔ میں بہت قریب سے دیکھتی رہی ہوں۔ تمہاری دوستی کی خواہش مند تھی مگر تم عموماً اونچے طبقے کی عورتوں میں اٹھتے بیٹھتے تھے، میں ایک غریب لڑکی تھی اس لئے کبھی ہمت نہیں کر سکی، جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی۔ جو برتاؤ چاہو کرو۔ میں تمہارے ہاتھوں مرنے کے لئے بھی تیار ہوں۔"

حمید اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ جب وہ اپنی داستان ختم کر چکی تو اُس نے کہا۔ "اب میں اُس بات کا منتظر ہوں، جو تم مجھے کل بتاؤ گی۔"

"تمہاری مرضی۔" گلوریا مایوسانہ انداز میں بولی اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"اگر میں تمہاری اس داستان پر یقین کر لوں تو ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔"

"وہ کیا....!" گلوریا آنکھیں کھول کر بے دلی سے بولی۔

"کارتوس.... رائفل کا تھا.... اور رائفل ایسی چیز نہیں جسے کوئی فوٹو گرافر اپنے کیمرے میں چھپا سکے۔"

"ہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔" گلوریا سر ہلا کر بولی۔ "اس کے پاس ایک کیمرے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر میں تو اپنے کمرے میں تھی۔ ہو سکتا ہے باہر کوئی دوسرا آدمی بھی رہا ہو۔ مگر سوچتی ہوں کہ آخر وہ کارتوس غسل خانے میں کیوں پھینک دیا گیا۔ کیا رائفل سے خالی کارتوس نکالے بغیر وہ وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔"

"اب خود تم نے ہی ایک دوسرا سوال بھی پیدا کر دیا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"نہیں تم خود سوچو! آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا کوئی آدمی جان بوجھ کر مجھے پولیس کے چکر میں پھنسانا چاہتا ہے۔"

"کیا تم کسی اہم شخصیت کی مالک ہو۔"

"میری شخصیت کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔"

"پھر کوئی تمہیں پھنسانا کیوں چاہے گا۔ کیا تمہارے جیل جانے سے کسی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کسی ایسی ہی عورت کا نام لو جو تمہاری رقیب ہو۔"

"میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتی.... مگر پھر کارتوس....!"

"کارتوس.... جلدی میں رہ گیا۔ فائر کرنے والا اُسے چھپا کر ہی فلیٹ میں لایا ہوگا۔ چھپا کر

ہی واپس لے گیا ہوگا۔ چھپا کر لے جانے کے لئے اُسے نال اور کندے کو الگ کرنا پڑا ہوگا لہٰذا کارتوس کا گرنا ضروری ہے۔"

"اوہ....!"

"لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ تمہیں مار ڈالنے پر کیوں تل گئے ہیں۔"

"میں کیا بتا سکتی ہوں۔"

"تم اُن سے واقف نہیں ہو۔"

"قطعی نہیں۔"

"پھر مار ڈالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"اوہ ڈیئر! میں نے اس قسم کے بہتیری داستانیں پڑھی ہیں۔ وہ ایسے آدمیوں کو مار ڈالتے ہیں جو اُن کے ایک آدمی کا بھی صورت آشنا ہو۔"

"یعنی....!"

"ظاہر ہے کہ میں اس فوٹوگرافر کو دوبارہ دیکھتے ہی پہچان لوں گی۔"

"تم نے ڈیلی آبزرور کے دفتر کے چکر ضرور لگائے ہوں گے۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"قدرتی بات ہے.... میں اپنی گردن ضرور چھڑانا چاہوں گی۔"

"لیکن وہ وہاں نہیں ملا۔"

"ملا...... لیکن وہ فوٹوگرافر نہیں ہے۔"

"وہ فوٹوگرافر نہیں ہے۔"

"تو تم نے اُسے تلاش کرلیا ہے۔"

"میں نے اُسے تلاش کرلیا ہے اور شائد اسی لئے.... اب وہ مجھے ختم کردینا چاہتے ہیں۔"

"وہ کون ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔ لیکن اس کے ٹھکانے سے واقف ہوں۔ اب اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں ہیں۔"

"بہت چالاک معلوم ہوتی ہو۔" حمید پھر اُسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔

"نہیں، اس کی سب سے بڑی پہچان اس کی انگلیاں تھیں۔ میں نے ایسی انگلیاں کبھی نہ دیکھیں۔ بیچ کی انگلی کے علاوہ اور ساری انگلیاں ایک جیسی لمبائی رکھتی ہیں۔ حتیٰ کہ چھوٹی انگلیا

ی قریب قریب پہلی ہی انگلیوں کے برابر ہوں گی۔"

حمید کچھ نہ بولا.... وہ.... خالی.... خالی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

لیڈی پرکاش اپنی کوٹھی کے برآمدے میں ٹہل رہی تھی۔ رات کے دو بج چکے تھے، لیکن ں کی آنکھوں میں نیند کا کوسوں پتہ نہیں تھا۔ وہ بار بار پائیں باغ میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں نہیں گاڑ دیتی تھی۔ سر پرکاش اس وقت کوٹھی میں موجود نہیں تھے، ورنہ وہ بھی اُسی کے ساتھ ہلتے ہوئے نظر آتے۔ وہ اسے بے حد چاہتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اس سے دوگنی عمر کے تھے با ائد اس سے بھی زیادہ۔ لیڈی پرکاش زیادہ سے زیادہ پچیس سال کی رہی ہوگی۔ لیکن قدرت کی نائی کا ایک بہترین نمونہ۔ وہ مرمر سے تراشا ہوا ایک سبک سا مجسمہ معلوم ہوتی تھی۔

اس نے خبر رساں ایجنسی کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ تو دائر کردیا تھا لیکن نہ جانے یوں اخبار کی وہی خبر اس کے ذہن میں انتشار برپا کئے ہوئے تھی۔

وہ برآمدے سے پھر اندر لوٹ گئی۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو....!"

"کون بول رہا ہے۔"

"لیڈی پرکاش....!"

"آج تم نے اخبار میں خبر دیکھی۔ ذرا سوچنا تو وہ آدمی کتنا چالاک ہے، جو تمہارے متعلق ئی معلومات رکھتا ہے، ایک بار تم وی۔ آنا میں بھی اُس سے دوچار ہوچکی ہو۔ وہ ساری معلومات یسے ہی انوکھے انداز میں کسی اخبار کی زینت بھی بن سکتی ہیں اور تصویریں تو ایسے مواقع پر مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ اچھا شب بخیر۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا۔ اور لیڈی پرکاش بدحواس ہوکر ایک کرسی میں گر گئی۔

ادھوری نظم اور گھونسہ

حمید گلوریا کو گھور رہا تھا۔

"اور اگر تمہارے بتائے ہوئے پتہ پر وہ آدمی نہ ملا تو۔" اس نے کہا۔

"اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ظاہر ہے کہ کرنل جیسے آدمیوں پر حملہ کرنے کے

لئے گروہ چاہئے۔ مجرم یقیناً انتہائی دلیر اور چالاک ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اسے اس بات کا علم ہو
میں اس کے ٹھکانے سے واقف ہوگئی ہوں۔ نہیں مجھے یقین کے ساتھ کہنا چاہئے کہ اسے اس
علم ہے، ورنہ مجھ پر حملہ کیوں ہوتا۔"

"تم پر حملہ.....!" حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "نہیں تم مجھے مطمئن نہیں کرسکتیں۔ تم نے اس درمیان میں کئی رنگ بدلے ہیں۔ میں کس طرح یقین کرلوں ہوسکتا ہے کہ یہ حملہ بھی کسی سازش کا نتیجہ ہو۔ اس طرح مجرم تمہیں ہم سے قریب رکھنا چاہتا ہوں.... نہیں! تمہیں میری نجی قید میں رہنا ہوگا۔"

"نجی قید سے کیا مراد ہے۔"

"یہی کہ جب تک ہم اصل مجرم کو نہ پکڑلیں، تم یہیں اسی عمارت میں رہو گی۔"

"اور تم اسے قید کہتے ہو۔" گلوریا مسکرا کر بولی۔ "تم اگر دھکے دے کر نکالو تب بھی یہاں نہیں جاؤں گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اتنے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے کاندھے سے رائفل لٹکی ہوئی تھی۔

"صاحب ہمیں کتنی دیر تک اسی طرح رہنا ہے۔"

"ساری رات۔ بھاگ جاؤ۔" حمید جھلا کر بولا۔

"مگر کرنل صاحب تو کہہ رہے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں۔"

"کرنل صاحب۔" حمید اچھل پڑا۔

"جی ہاں۔"

"وہ کہاں ہیں۔"

"اپنے کمرے میں۔"

حمید گلوریا کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر تقریباً دوڑتا ہوا فریدی کے کمرے تک آیا۔ نوکر کا بیان درست تھا۔ فریدی شب خوابی کے لباس میں تھا اور غالباً سونے کی تیاری کر رہا تھا۔

"کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔" فریدی اُسے دیکھ کر بڑبڑایا۔

"ہنگامہ.....!" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ شائد وہ کچھ اور بھی کہنے جا رہا تھا فریدی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"اب وہ کیا کہتی ہے۔"

"آپ اندر کس طرح آئے۔"

"پیروں سے چل کر..... تم میری بات کا جواب دو۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر گلوریا کی بیان کی ہوئی داستان دہرا دی۔

حمید کے خاموش ہو جانے کے بعد بھی فریدی کچھ نہ بولا۔

"اب آپ فرمایئے کہ یہ سب کیا تھا۔ آپ ہمیشہ مجھے تاریکی میں رکھ کر ذلیل کراتے ہیں۔"

"آئندہ اُجالے میں ذلیل کروں گا مطمئن رہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ڈی۔ آئی۔ جی آپے سے باہر ہے۔ ریکارڈ روم سے لیونارڈ کا کیس بیگ غائب ہوگیا ہے۔"

"کیس بیگ.....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں کیس بیگ..... اسی بناء پر ڈی۔ آئی۔ جی نے لیونارڈ کی واپسی کے متعلق سوچا ہے اور ج کے اخبارات میں لیڈی پرکاش کے متعلق ایک خط شائع ہوا ہے۔"

"ہاں میں نے بھی دیکھا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ لیونارڈ ہماری سرزمین پر قدم رکھ چکا ہے اور تا ہے کہ مجھ پر وہ حملہ اسی کی طرف سے ہوا ہو۔"

"میں پچھلی رات کے حملے کے متعلق جاننا چاہوں گا۔"

"پچھلی رات بھی حملہ ہوا تھا لیکن وار خالی گیا اور وہ میری گرفت میں آنے کے بعد بھی نکل گیا۔"

"لیکن سیٹ پر خون کیسا تھا۔ آپ تو مجھے زخمی بھی نہیں نظر آتے۔"

"مجھے پتہ نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حملہ آور ہی زخمی ہوگیا ہو۔ میں نے اس کی گردن پکڑی تھی۔"

"کیا خیال ہے۔ کیا لیونارڈ بذاتِ خود حملے کر رہا ہے۔"

"نہیں..... اسکے آدمی۔ وہ تو صرف اسکیمیں بناتا ہے۔ اس قسم کے کام خود نہیں کرتا۔"

"تعجب ہے کہ اس نے اتنی جلدی یہاں آدمی بھی مہیا کر لئے۔"

"اس کے آدمی یہاں تھے کب نہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے آدمی ہمیشہ موجود ہیں۔ یہاں آکر اس نے دوبارہ انہیں منظم کرلیا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر حمید نے کہا۔ "گلوریا کے بیان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"یہ بیان درست معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں؟ کس طرح یقین کرلیا آپ نے..... اس سے پہلے بھی تو مختلف قسم کے بیانات.....
ہاں۔ میں نے پچھلی رات کی باتیں تو آپ کو بتائی ہی نہیں۔ وہ اسلم کی حیثیت میں بھی میری تے سے واقف تھی۔"

حمید نے وہ واقعہ بھی دہرا دیا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "لیکن یہ بیان جو اس نے اس وقت دیا ہے! تو درست معلوم ہوتا ہے۔"

"میں یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" حمید نے متفکرانہ انداز اختیار کرتے ہو کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ حملہ بھی ایک ڈرامہ ہو۔"

"ڈرامہ تو تھا ہی....!"

"پھر بھی آپ....!"

"ہاں! لیکن اس ڈرامے میں ولین کا رول میں ادا کر رہا تھا اور جس وقت تم اُسے پھاٹک اٹھا کر اندر لا رہے تھے، میں بھی خاموشی سے اندر چلا آیا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر مسکرانے لگا۔ "یہ حال ہے تمہارا۔ اگر حقیقتاً حملہ آور میرے علاوہ اور ہوتا تو تمہارے یہ انتظامات رکھے رہ جاتے۔"

"لیکن مجھے ڈی۔ آئی۔ جی کی جھڑکیاں سننی پڑی ہیں.... اس کا ذمہ دار کون ہے۔" جھنجھلا کر بولا۔

"پرواہ مت کرو....!"

"اگر بال بچے دار ہوتا تو واقعی پرواہ نہ کرتا.... سمجھے آپ....؟"

"میں سب کچھ سمجھ گیا۔ لڑکی کو فی الحال یہیں رکھو.... لیکن....!"

"خبردار.... خبردار....!" حمید نے فریدی کا جملہ پورا کرنے کے لئے بکنا شروع کر "اُسے اپنی بہن سمجھنا اور وغیرہ وغیرہ....!"

"بکواس مت کرو.... جو کچھ میں کہوں اس پر عمل کرو۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر در بند کر دیا۔

کمرے میں کافی دیر تک ہلکی ہلکی سرگوشیاں گونجتی رہیں۔

✿

دوسرے دن لیڈی پرکاش کی سالگرہ تھی۔ پوری کوٹھی میں مہمان بھرے ہوئے۔ اچانک ایک ملازم نے اسے اطلاع دی کہ فون پر اسے کوئی بلا رہا ہے۔

پچھلی رات کا فون اب بھی اس کے ذہن پر مسلط تھا۔ اس لئے کانپ کر رہ گئی۔ حالانکہ

اب تک کئی کالیں ریسیور کر چکی تھی لیکن پھر بھی ہر کال پر اُس کا دل لرز اٹھتا تھا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "لیڈی پرکاش....!"

"جی ہاں.... آپ کون ہیں؟"

جواب میں ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا پھر آواز آئی۔ "دریائے ٹیمز کی مچھلیوں میں سے ایک۔"

"دیکھیے.... میری درخواست سنئے۔" لیڈی پرکاش نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں اتنی بڑی رقم کا انتظام نہیں کر سکتی.... رحم کیجیے۔"

"سر پرکاش ارب پتی ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ٹھیک ہے! لیکن میں انہیں کیا بتاؤں گی۔ کیا بہانہ کروں گی۔ تین لاکھ بہت ہوتے ہیں۔"

"کوشش کرو.... ورنہ انجام تم جانتی ہو۔"

"میں سب کچھ جانتی ہوں۔ اچھا فی الحال مجھے معاف کیجیے۔ میرے یہاں مہمان ہیں۔ میں جواب دوں گی۔ وہ انجام میں پسند نہیں کروں گی جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔"

"اچھا.... لیکن بہت جلد۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔" لیڈی پرکاش ریسیور رکھ کر کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے باہر چلی گئی۔

✿

حمید فون کا ریسیور رکھ کر ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑا۔ وہ اس وقت محکمہ سراغ رسانی کے یشن روم میں تھے اور حمید نے یہیں سے لیڈی پرکاش سے فون پر گفتگو کی تھی اور ساتھ ہی تھ ان کی گفتگو ریکارڈ بھی ہوتی گئی تھی۔

پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر آپریٹر نے ریکارڈ تیار کر کے گراموفون پر رکھ دیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے ریکارڈ سن کر تحسین آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

"فریدی نے تمہیں بہت اچھی ٹریننگ دی ہے۔"

حمید کوئی جواب دینے کے بجائے شرمیلے انداز میں مسکراتا رہا۔

"اچھا! میرے آفس میں آؤ۔"

آفس میں پہنچ کر ڈی۔ آئی۔ جی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور جب وہ خود بیٹھ گیا تو نے بھی اُس کی تقلید کی۔

"اس گفتگو سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے بھی کوئی اس کے متعلق اُس سے گفتگو کر چکا ہے۔"

"جی ہاں یہی معلوم ہوتا ہے۔"

"تب تو ہم اُسے آسانی سے پکڑ سکیں گے۔"

حمید نے وجہ نہیں پوچھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے خود کہا۔ "لیڈی پرکاش کے فون سے ایک دو فون کنکٹ کرالیا جائے اور ایک آدمی ہر وقت اُسے اٹنڈ کرے۔ جب کوئی بھی اس قسم کی کال لیڈ پرکاش کے پاس آئے ہم فوراً ہی انکوائری سے دریافت کرلیں کہ وہ کال کہاں سے آئی تھی۔"

حمید فوراً ہی کچھ نہیں بولا۔

"کیوں....؟" ڈی۔ آئی۔ جی نے اس سے رائے طلب کی۔

"مگر دشواری یہ ہے جناب والا....!" حمید خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں ہاں! کہو کیا دشواری ہے۔"

"اگر انکوائری نے کسی پبلک کال بوتھ کا حوالہ دیا تو۔"

"ہوں....!" ڈی۔ آئی۔ جی بھی کچھ سوچنے لگا۔

"لیونارڈ ایسا خطرہ کبھی نہ مول لے گا۔ اس قسم کے کاموں کے لئے پبلک کال بوتھ ہی فون کراتا ہوگا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔ "لیکن پھر تم نے اپنی اور اُس کی گفتگو ریکارڈ کرائی ہے۔"

"دیکھئے مجرموں تک ہم صرف لیڈی پرکاش ہی کے ذریعہ پہنچ سکیں گے لیکن اگر میں ا جاکر اُس سے کچھ پوچھنا چاہوں تو وہ قطعی لاعلمی ظاہر کرے گی اور اس خیال کا مضحکہ اڑاد کہ کوئی اُسے بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ ریکارڈ بہرحال اُسے راہِ راست پر لے آئے گا۔

"ٹھیک ہے.... اچھا.... اب فریدی کے متعلق کچھ بتاؤ۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے متعلق کیا عرض کروں۔ مجھے ابھی تک اُن کی طرف کوئی پیغام نہیں ملا اور نہ میں یہی جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں، لیکن میرا دعویٰ ہے کہ وہ جہاں ہوں گے محفوظ ہی ہوں گے۔"

"مگر اب اُس کے اس طریقہ کار سے میں بھی عاجز آگیا ہوں۔ ہر موقع پر اس قسم کا غیر دارانہ رویہ درست نہیں معلوم ہوتا۔"

"حضور والا! گستاخی ضرور ہے، مگر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اپنی زندگی کی حفاظت ک کے سلسلے میں اکثر غیر قانونی طریقے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اس وقت فریدی صاح

ی اور موت کا سوال ہے۔ لیونارڈ یا جو کوئی بھی ہو انہیں ہر قیمت پر ختم کردینے پر تل گیا ہے۔ خود غور فرمائیے۔ ایسی صورت میں۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ڈی۔ آئی۔ جی سر کی جنبش سے اُسے جانے کا اشارہ کرتا ہوا پھیلے ہوئے کاغذات کی طرف متوجہ ہوگیا۔

❋

حمید اُن کاموں میں سے ایک کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکا تھا۔ جو اُسے پچھلی رات فریدی نے تھے۔ لیکن ابھی دو اور باقی تھے جن میں سے ایک قطعی بے سروپا اور کسی ایسے دماغ سے معلوم ہوتا تھا جس میں فتور ہو۔

پچھلی رات اُسے توقع تھی کہ آج صبح فریدی سے ناشتے کی میز پر ضرور ملاقات ہوگی لیکن وہ دھیرے ہی پھر کہیں چلا گیا تھا۔ اس نے حمید کے لئے ایک تحریر اس غرض سے چھوڑی تھی کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتایا جائے۔ اس نے یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ پھر کب اور کہاں ملے گا۔

حمید ٹھیک چار بجے گھر سے روانہ ہوگیا، جو کام اب اُسے کرنا تھا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے تھا اور اس کا مقصد کم از کم اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

بہرحال کام تو اسے کرنا ہی تھا اور خود اس کا انجام تقدیر کے رحم و کرم پر تھا۔ کام ایسا ہی تھا مخصوص مکان کی کھڑکی کے نیچے کھڑے ہوکر گنگنانا اور پھر نظم بھی ایسی جس میں گھر کی سے زیادہ خوبصورت لڑکی کو مخاطب کیا گیا ہو۔ انجام ظاہر ہے۔ لیکن وہ مطمئن تھا کہ انجام ری ذمہ داری فریدی کے سر ہوگی۔ لاکھ پوچھنے پر بھی فریدی نے اس حرکت کا مقصد نہیں ا۔

مکان ایسے حصے میں تھا جہاں زیادہ تر غیر ملکی آباد تھے۔ نظم انگریزی میں تھی۔ اس سے حمید ندازہ کرلیا تھا کہ مکین یوروپین ہی ہوں گے۔

یہ حرکت اسے میک اپ میں کرنی تھی، لہٰذا اس کی طرف سے تو اطمینان تھا کہ کسی قسم کا ہونے پر دوسرے دن کے اخبارات یہ نہ لکھ سکیں گے کہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر کی میں غنڈہ گردی کرتا ہوا پکڑا گیا ہے۔

کھڑکی کھلی ہوئی تھی.... اور کمرے میں کھنکتے ہوئے سے قہقہے گونج رہے تھے۔ اکثر سریلی

قسم کی چیخیں بھی سنائی دیتی تھیں۔

حمید ٹھیک کھڑکی کے سامنے پہنچ گیا۔ اندر تین انگریز لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک ہاتھ میں ربر کا ایک چھوٹا سا غبارہ تھا اور شاید بقیہ دو میں سے کسی ایک پر وہ غبارہ کھینچ مارنا تھی۔ دونوں نے خود کو بچانے کے لئے خاصی دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔

حمید نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ قریب و دور ہر طرف سناٹا تھا۔

اس نے نظم شروع کر دی۔

"یہ کھڑکی..... میری امیدوں کا مرکز ہے۔"

لڑکیاں چونک کر رک گئیں۔ وہ آنکھیں پھاڑے اُسے گھور رہی تھیں۔

حمید ہولے ہولے رٹی ہوئی نظم دہراتا رہا۔

"میں اس کھڑکی سب سے حسین لڑکی کو مخاطب کر رہا ہوں۔

یہ کھڑکی کل بھی کھلی ہوئی تھی۔

لیکن آج اس کے گرد بہاریں لہرا رہی ہیں۔

روز صبح سورج کی پہلی کرن اس سے گذر کر کسی کے گال چومتی ہے۔

میں اُس لڑکی سے مخاطب ہوں۔"

غبارہ حمید کے چہرے سے ٹکرا کر پھٹا اور اُس میں بھرے ہوئے رنگین پانی کی کافی مقدا کے حلق کے نیچے اُتر گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ اپنا سینہ دبائے ہوئے بُری طرح تھو تھو کر رہا تھا۔

پھر حمید کے سنبھلنے سے پہلے ہی طوفان اس کے سر پر پہنچ گیا۔ ایک لحیم شحیم اور معمر ع اُس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہوئی گالیاں اڑا رہی تھی۔

"حرامی..... کتے..... لڑکیوں کو چھیڑتا ہے..... جانتا ہے میں مسز وارنر ہوں۔"

وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر حمید پر جھپٹی اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا بات ہے۔" کسی نے قریب ہی سے کہا۔ حمید بوکھلاہٹ میں اس کی صرف ای جھلک دیکھ سکا۔ وہ بھی کوئی انگریز ہی تھا۔

"لڑکیوں کو پریشان کرتا ہے۔" مسز وارنر دھاڑ کر بولی۔

حمید نے اچھل کر بھاگنا چاہا۔ لیکن انگریز کا گھونسہ اس سے پہلے ہی اس کے جبڑے پ تھا۔ وہ کئی فٹ دور جا پڑا۔

اور پھر اُس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلے کیونکہ قرب و جوار بنگلوں سے لوگوں نے باہر نکلنا شروع کر دیا تھا۔ اُسے کچھ اچھی طرح یاد نہیں تھا کہ وہاں سے پر پیر رکھ کر بھاگا تھا یا پیر پر سر رکھ کر۔

لفافہ

حمید دو دن تک اپنی چوٹیں سہلاتا رہا۔ تیسرا کام اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا اور حمید نے اب تک انجام نہیں دیا تھا۔ وہ فریدی کا منتظر تھا۔ لیکن اس واقعے کے بعد سے اب تک اس ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

اور لیونارڈ..... لیونارڈ کو تو وہ جہنم میں جھونک چکا تھا۔ اگر آفس میں کبھی اُس کے نام کی صدا میں پڑتی تو حمید ایسا بُرا منہ بناتا جیسے کسی نے اُسے گالی دی ہو۔

فریدی کے متعلق پوچھ گچھ کرنے والوں کو اول تو وہ کوئی جواب ہی نہیں دیتا تھا، لیکن اگر زیادہ پریشان کرتا تو اس کا جواب ہوتا۔ "جہنم میں۔"

آفیسروں سے صرف لاعلمی ظاہر کر دیتا۔

تیسرا کام..... وہ اب اس کے متعلق سوچنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

اُسے اب اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ فریدی نے اُسے مسز وارنر کے یہاں کیوں بھیجا تھا؟ کا مقصد کیا تھا؟

وہ تو اب مسز وارنر اور اس کی تینوں لڑکیوں سے نپٹنا چاہتا تھا۔ اس نے اس کے متعلق ان دو ل میں کافی معلومات بہم پہنچائی تھیں۔

آج اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس انگریز سے تو ضرور ہی بھڑے گا جس نے پر حملہ کیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ مسز وارنر کا کوئی پڑوسی ہی ہوگا اور اس کا پتہ مسز وارنر ہی ل سکتا تھا۔ لیکن وہ بحیثیت کیپٹن حمید مسز وارنر کے یہاں جا دھمکا۔

مسز وارنر اس کا وزیٹنگ کارڈ دیکھ کر بوکھلا گئی۔

"میں ایک رپورٹ کے سلسلے میں تفتیش کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔"

"کیسی رپورٹ کیپٹن.....! اوہ ٹھہریئے..... اس موسم میں آپ چائے پینا تو ضرور پسند یں گے۔" مسز وارنر نے کہا۔

"نہیں شکریہ۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "رپورٹ تمہارے خلاف لکھوائی گئی ہے۔"

"میرے خلاف.... نہیں۔" اُس نے حیرت سے کہا۔

"دو دن قبل تم نے ایک آدمی مسٹر خان کو اپنی لڑکیوں کی مدد سے نہ صرف لوٹ لیا بلکہ اسے زدوکوب بھی کیا تھا۔ مسٹر خان نے رپورٹ میں لکھوایا ہے کہ تمہاری لڑکی اُسے پھانس کر یہاں لائی اور تم نے اس کی جیب سے ڈیڑھ ہزار روپے نکلوا لئے پھر دو تین مردوں نے مل کر اُسے خوب پیٹا۔"

"اوہ.... تو اس حرامزادے نے یہ لکھوایا ہے۔" مسز وارنر نے کہا اور لفظ حرامزادے پر حمید کا خون کھولنے لگا۔

"ذرا ٹھہریئے۔" مسز وارنر بولی۔ "میں مسٹر بارن کو بلاتی ہوں۔ وہ یہیں موجود تھے اور میں اُن کے سامنے ہی آپ سے اس مسئلے پر گفتگو کروں گی۔"

"شوق سے بلاؤ۔" حمید نے کہا اور اس کی نظر بچا کر اس کی ایک لڑکی کو آنکھ ماردی۔ تینوں لڑکیاں بھی کمرے میں موجود تھیں جسے آنکھ ماری گئی تھی اس نے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

"تم لوگ میری واپسی تک اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کروگی۔" اس نے اپنی لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا اور باہر چلی گئی۔

لڑکیاں حمید کی طرف دیکھ دیکھ کر آپس میں اشارے کرتیں اور ہنسنے لگتیں۔

"کیا مجھ میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جسے دیکھ کر ہنسی آسکے۔"

لڑکیاں اور زور سے ہنسنے لگیں۔ یہ سب جوان تھیں اور ان کے متعلق یہ اندازہ کرلینا مشکل تھا کہ ان میں سے کون چھوٹی ہے اور کون بڑی۔ ایک جسے حمید نے آنکھ ماری تھی وہ اس سے آنکھیں نہیں ملا رہی تھی اور کچھ دبی دبی سی بھی نظر آنے لگی تھی۔ حمید نے سوچا کہ یہی نامعقول رہے گی۔ ورنہ یہ لڑکیاں ہنستی رہیں گی اور وہ خواہ مخواہ خود کو بیوقوف محسوس کرتا رہے گا۔ اس نے باری باری سے بقیہ دو کو بھی آنکھ مار کر ٹھنڈا کردیا اور پھر حمید آنکھ مارنے کے نفسیاتی منظر پر غور کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد مسز وارنر ایک انگریز کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور حمید نے انگریز کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔

یہ وہی تھا جس نے اس کے جبڑے پر گھونسہ مارا تھا۔ حمید نے نیچے سے اوپر تک اس کا جائزہ لیا اور اس کا یہ اندازہ کافی تحقیر آمیز تھا۔ غالباً انگریز نے بھی یہ بات محسوس کرلی۔

"اب پوچھئے.... مسٹر بارن سے۔" مسز وارنر بولی۔

"میں تم سے پوچھتا ہوں اگر یہ تمہارے گواہ ہیں تو ان کی ضرورت عدالت میں پیش آئے گی۔"

"لیکن میں کم از کم حقیقت تو ظاہر ہی کرسکوں گا۔" مسٹر بارن مسکرا کر بولا۔

"میں اُسی سے گفتگو کروں گا جس کے خلاف رپورٹ لکھوائی گئی ہے۔"

"رپورٹ کس نے لکھوائی ہے۔" بارن نے پوچھا۔

"کسی مسٹر خان نے....!" مسز وارنر نے جواب دیا۔

"فون ہے تمہارے یہاں۔" بارن نے مسز وارنر سے پوچھا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب شیطانی چمک دیکھی۔

"نہیں....!"

"اچھا تو میں پولیس اسٹیشن سے معلوم کرتا ہوں۔" بارن نے کہا اور باہر چلا گیا۔

حمید کا چہرہ ایک بار پھر فق ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ کوتوالی میں اس قسم کی کوئی رپورٹ درج نہیں کرائی گئی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ وہ یونہی مسز وارنر کو رعب میں لے لے گا، ورنہ اس نے کوتوالی کے انچارج انسپکٹر جگدیش کو پہلے ہی سمجھا دیا ہوتا۔

اُس نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلا۔ فی الحال پھر فرار ہی پر قرار کرنے کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں رہ گیا تھا۔

"اچھا مسز وارنر....!" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "بہتر طریقہ یہی ہوگا کہ میں ایک سڑا سا کانسٹیبل بھیج کر تمہیں کوتوالی میں طلب کروں۔ پھر میں دیکھوں گا تمہارے حمائتیوں کو۔"

مسز وارنر اُسے روکتی ہی رہی لیکن وہ بڑی تیزی سے باہر نکلا اور کار میں بیٹھ گیا۔

❀

بارن واپس آیا تو اس نے حمید کو کمرے میں نہیں دیکھا۔ مسز وارنر بہت زیادہ متفکر نظر آرہی تھی۔

"کہاں گیا؟" بارن نے پوچھا۔

"دھمکی دے کر گیا ہے کہ میں تمہیں کوتوالی میں طلب کروں گا۔"

بارن نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ مسز وارنر کی لڑکیاں کمرے سے جاچکی تھیں۔

"تم بالکل بیوقوف ہو ایما۔" بارن آہستہ سے بولا۔

مسز وارنر کے چہرے پر پہلے تو حیرت کے آثار پیدا ہوئے پھر وہ چقندر کی طرح سر
ہو گئی۔ بارن سے اس کی واقفیت صرف چند دنوں پہلے کی تھی۔ لیکن وہ اتنی بے تکلفی سے
صرف اُسے اس کی عرفیت سے مخاطب کر رہا تھا بلکہ بیوقوف بھی کہہ رہا تھا۔ مسز وارنر ا
عورتوں میں سے تھی جنہیں رکھ رکھاؤ اور آداب کا بڑا خیال ہوتا ہے۔"

"مسٹر بارن....!" وہ خشک لہجے میں بولی۔ "میرا خیال ہے کہ ابھی ہماری جان پہچان
تکلفی کی حدود میں نہیں داخل ہوئی۔"

"ہم سالہا سال سے ایک دوسرے سے واقف ہیں۔" بارن مسکرا کر بولا۔

"مسٹر بارن میں بے تکلفی کی عادی نہیں ہوں۔"

"ایما.... پھر کہتا ہوں کہ تم اس بے تکلفی پر فخر کرو گی۔"

"مسٹر بارن....!" مسز وارنر تقریباً چیخ کر بولی۔

"اُہا.... ایما! افسوس ہوگا۔" بارن مسکرا کر بولا اور اپنے جیب سے ایک کارڈ نکال کر
وارنر کی طرف بڑھا دیا۔ کارڈ پر جلی حروف میں صرف "لیونارڈ" تحریر تھا۔

مسز وارنر اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ چند ہی لمحوں میں وہ برسوں
کی بیمار نظر آنے لگی۔

"بیٹھ جاؤ۔" بارن نے نرم لہجے میں کہا۔

مسز وارنر بیٹھ گئی۔ وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

"ہاں تو ایما میں یہ کہہ رہا تھا کہ کوتوالی میں اس قسم کی کوئی رپورٹ نہیں درج کرائی گئی۔
فریدی کا اسسٹنٹ حمید تھا اور وہ کسی چکر میں ہے۔"

"مگر آپ....!"

"ہاں تمہیں حیرت ہوگی۔ تم اپنی زندگی میں پہلی بار مجھے دیکھ رہی ہو تم دنیا کی تیسر
چوتھی ایجنٹ ہو جسے یہ فخر حاصل ہوا ہے۔"

"میں نے اخبارات میں آپ کے فرار کی خبر پڑھی تھی، لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی
آپ یہاں تشریف لائیں گے۔"

"فریدی....!" بارن دانت پیس کر بولا۔ "مجھے فریدی یہاں لایا ہے اور ایما وہ اب روپ
ہو گیا ہے۔ میں اُسے چوہے کے بل سے بھی نکال کر مار ڈالنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ! تو وہ حملے.... آپ ہی کی طرف سے ہوئے تھے۔"

"ہاں! ایما وہ بڑا خوش قسمت ہے، لیکن میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"لیکن اس کا اسسٹنٹ یہاں کے چکر کیوں لگا رہا ہے۔ اب میں سمجھی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس دن
کا کوئی آدمی رہا ہو۔"

"اوہ.... ایما.... وہ خود حمید ہی تھا۔"

"ارے....!"

"ہاں.... وہ لوگ جانتے ہیں کہ تم میری ایجنٹ ہو۔ اس لئے وہ تمہارے ذریعہ مجھ تک
ی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن بات تو جب ہے کہ تم حمید کے ذریعہ فریدی تک جا پہنچو۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے جناب۔"

"بہت آسانی سے تمہاری لڑکیاں اُس سے سب کچھ پوچھ لیں گی۔"

"نہیں جناب! میں اپنی لڑکیوں کو خراب کرنا پسند نہیں کروں گی۔"

"ایما! یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو۔ کیا یہ تمہاری لڑکیاں ہیں۔ تم ایک دن ان سے جو کام لینے
میں اس سے بھی واقف ہوں۔ کیا یہ تین مختلف یتیم لڑکیاں نہیں ہیں جنہیں تم نے لندن
یک یتیم خانے سے حاصل کر کے پالا ہے۔ کیا یہاں کے درجنوں امیر زادے ان کے چکر میں
ہیں۔ کیا تم اُن سے مستقبل کے وعدوں پر بڑی بڑی رقمیں نہیں وصول کرتیں۔ کیا؟ یہ اور
ہے ایما کہ ابھی تم نے ان سے پیشہ کرانا نہیں شروع کیا۔"

"میں معافی چاہتی ہوں جناب۔" مسز وارنر گڑگڑا کر بولی۔ "مگر فریدی کیا جانے کہ میں
کے لئے کام کرتی رہی ہوں۔"

"اُہا.... تم اب تک ایک بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہی ہو۔ فریدی میرے ایک ایک ایجنٹ
واقف تھا اور ہے لیکن وہ تم لوگوں کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مہیا کر سکا اور نہ کر سکتا ہے۔
اسے اپنا سب سے بڑا کارنامہ تصور کرتا ہوں کہ میرا کوئی ایجنٹ کبھی قانون کی گرفت میں
آ سکتا۔"

"مجھے اس کا تجربہ ہے جناب۔"

"مجھے فریدی کا مردہ جسم چاہئے ایما اور میں اُسے ہر قیمت پر حاصل کر کے رہوں گا۔ اگر آج
تمہاری لڑکیاں میرے کام آ گئیں تو تم سال بھر کے اندر ہی اندر کروڑ پتی کہلاؤ گی۔"

"میں انتہائی کوشش کروں گی جناب۔"

"شکریہ ایما۔"

وہ چلا گیا اور ایما آدھے گھنٹے تک صوفے میں بے حس و حرکت پڑی رہی۔ اُسے اپنادل میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے لیونارڈ کو دیکھا تھا۔

حمید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی زندگی ہی سے ہو گیا ہو۔ گلوریا اس کے لئے ایک مستقل روگ بنی ہوئی تھی۔ وہ کافی حسین تھی.... مگر وہ گفتگو کے دوران میں اس طرح ہونٹ سکوڑنا جیسے زکام ہو گیا ہو۔ اپنی اس "ادا" (یا جو کچھ اسے کہتے ہوں) کی بناء پر وہ بعض اوقات حمید کو ایک ایسی دہقانی عورت معلوم ہونی لگتی ابھی ابھی آٹا گوندھ کر اٹھی ہو۔ حمید کی کھوپڑی عجیب تھی اور اسی کھوپڑی پر ایک ایسی لڑکی کر دی گئی تھی جس کی وہ شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

شام ہو چکی تھی۔ وہ برآمدے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا اور گلوریا بھی ساتھ تھی۔ اچانک پھاٹک پر مسز وارنر کی سب سے حسین لڑکی دکھائی دی۔

"یہ کون ہے۔" گلوریا حمید کو گھور کر بولی۔ وارنر کی لڑکی برابر قریب آتی جا رہی تھی۔

"ہو گی کوئی! تم سے مطلب۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"اوہ معاف کرنا۔" گلوریا شرمندہ ہو گئی۔

لڑکی برآمدے میں آ گئی۔ حمید کھڑا ہو گیا۔

"اوہ.... کیپٹن۔" لڑکی گنگنائی۔

"بیٹھو.... بیٹھو....!"

"ممی بہت پریشان ہیں۔" لڑکی بیٹھتی ہوئی بولی۔ "آخر بات کیا ہے۔ کوتوالی میں تو بھی رپورٹ نہیں درج کرائی۔"

"پرواہ مت کرو۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اُس نے مجھ سے شکایت کی تھی اور میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"حقیقت یہ ہے کہ وہ ہماری کھڑکی کے سامنے کھڑا ایک نظم پڑھ رہا تھا۔ تم خود بتا شریفوں کا طریقہ ہے۔ اس پر مسٹر بارن نے اُس کی مرمت کر دی! کیا وہ تمہارا کوئی دوست"

"ہاں یہی مصیبت ہے۔ خیر تم جو کچھ کہہ رہی ہو مجھے اس پر یقین آ گیا ہے لیکن یہ کون ہے۔"

"ہمارا ایک پڑوسی! قریب ہی کے ایک بنگلے میں رہتا ہے۔"

"چائے لو۔" حمید نے پیالی اُس کی طرف کھسکا دی۔

"شکریہ۔" پیالی قبول کر لی گئی۔

گلوریا تھوڑی دیر تک اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتی رہی پھر وہاں سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

"یہ کون تھی۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میری پرائیویٹ سیکریٹری۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"تب تم اُسے چاہتے بھی ہو گے۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں! وہ تمہاری طرح حسین نہیں ہے۔"

"شٹ اپ۔" لڑکی نے جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم نے مجھے آنکھ کیوں تھی۔ اگر ممی دیکھ لیتی تو۔"

"میں انہیں بھی آنکھ مار دیتا۔"

"تم بیہودے بھی ہو۔" لڑکی یک بیک جھلا گئی۔

"پوری بات تو سنو! میں انہیں برابر آنکھ مارتا رہتا اور پھر انہیں یقین آجاتا کہ میری آنکھ بھی کوئی نقص ہے۔"

لڑکی بیساختہ ہنس پڑی۔ "تم بڑے شریر ہو۔"

"تم بہت حسین ہو۔"

"شٹ اپ....!"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"تم میرے ساتھ چلو! ورنہ ممی پر ہارٹ اٹیک ہو جائے گا اور وہ مہینوں کے لئے چارپائی لیں گی۔"

"میں ضرور چلوں گا۔" حمید نے کہا۔

حمید جب مسز وارنر کو ہر طرح سے اطمینان دلا کر اُس کے بنگلے سے نکلا تو اندھیرا پھیل چکا ....اس نے اپنی کار بنگلے سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی کی تھی۔ جب وہ کار کی طرف جا رہا تھا تو ئی آدمی اُسے دھکا دیتا ہوا اُسکے قریب سے گذر گیا اور کوئی چیز حمید کے پیروں کے پاس گری۔

"اندھے ہو گیا۔" حمید غرایا۔ لیکن وہ آدمی مڑا تک نہیں اور پھر کچھ دور جا کر وہ اندھیر میں غائب ہو گیا۔ حمید کو اُس چیز کا خیال آیا، جو اُس کے پیروں کے پاس گری تھی۔

حمید نے جھک کر اُسے اٹھالیا۔ وہ ایک لفافہ تھا۔

پھر وہ بڑی تیزی سے کار تک آیا۔ بستی سے نکل کر ایک جگہ اُس نے کار روک دی دراصل اُس لفافے کو کھولنا چاہتا تھا جس پر اُس کا نام تحریر تھا۔ اُس نے اندر کی لائٹ جلا کر چاک کیا اور پھر تحریر پر نظر پڑتے ہی تلوؤں سے لگی اور تالو پر بجھی۔

تحریر فریدی کی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

"بیکار وقت نہ برباد کرو۔ لڑکیاں بہتیری مل جائیں گی تم نے تیسرا کام ابھی تک نہیں اُسے آج ٹھیک دس بجے رات کو ہونا چاہئے۔ اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو تمہاری شامت آ گی۔ سمجھے۔ تم میرے غصے سے بھی واقف ہو۔ یہ تمہیں پاگل پن ہی معلوم ہوگا۔ لیکن میں کہتا ہوں اُسے ہونا چاہئے۔ خواہ اس کا مقصد تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔"

پنجرہ اور لاش

حمید پاگلوں کی طرح کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اُسے تیسرا کام بہر حال کرنا تھا۔ دس بجنے میں تین گھنٹے باقی تھے.... لیکن کام.... حمید بار بار اسٹیئرنگ سے ایک ہاتھ ہٹا کر اپنی کھوپڑی سہ لگتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کار ایک سنسان راستے پر ہولی۔ حمید کیڈی جیسی شاندار گاڑی سے بے دردی کے ساتھ پیش آرہا تھا۔ وہ اس وقت نہ صرف کچے راستے پر چل رہی تھی بلکہ کبھی ایسے گڑھوں میں بھی اتار دیا جاتا تھا جن پر برساتی پانی اکٹھا تھا۔

تین چار دن قبل بارش ہو چکی تھی اور سارا ویرانہ مینڈکوں کی آواز سے گونج رہا تھا۔ حم ایک جگہ کیڈی روک دی۔ نیچے اُترا اور ٹارچ نکال کر کیڈی کی بربادی کا منظر دیکھنے لگا۔ اُ ہونٹوں پر ایک تسکین آمیز مسکراہٹ تھی۔ یہاں چاروں طرف سے پانی سے بھرے ہوئے گڑھے بکھرے ہوئے تھے۔ حمید کی ٹارچ کی روشنی اِدھر اُدھر رینگتی رہی۔

پھر اچانک وہ جیب سے رومال نکال کر ایک بڑے سے مینڈک کی طرف جھپٹا لیکن اُ قریب پہنچنے سے قبل ہی وہ پانی میں رینگ گیا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حمید پر مینڈک پکڑنے کا دورہ پڑ گیا ہو۔ لیکن وہ ایک بھی نہ پکڑ سکا۔ اُس نے دوسرے گڑھوں کے کنارے بیٹھے ہوئے مینڈکوں پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ ب کچھ جھلاہٹ کا نتیجہ تھا۔

پھر اُسے ہوش آگیا۔ اُس نے ٹارچ کی روشنی کلائی کی گھڑی پر ڈالی اور نہ جانے کیا بڑبڑانے دس بجنے میں ڈھائی گھنٹے اور باقی تھے۔

وہ چند منٹ کھڑا پیشانی رگڑتا رہا۔ پھر اچھل کر گاڑی میں جا بیٹھا۔

کیڈی ایک بار پھر جھاڑ جھنکاڑ میں گھس رہی تھی۔

اور پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں رک گئی۔ یہ ماہی گیروں کی بستی تھی۔

کیواس بڑا ہوٹل نہیں تھا لیکن صفائی اور خوش سلیقگی کی بناء پر وہ کافی مقبول تھا۔ عمارت تین دل پر مشتمل تھی۔ نچلی منزل پر ہوٹل تھا۔ اوپری دو منزلوں پر قیام کرنے والوں کے لئے ے تھے۔

ہوٹل کا مالک شہزاد وہمی مزاج کا آدمی تھا اور یہاں کی صفائی و شائستگی میں دراصل اسی کے کو دخل تھا۔

وہ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا کرتا تھا اور کاؤنٹر پر ایک نوکر محض اس لئے رکھا جاتا تھا کہ وہ ہر لحظہ ر پر جھاڑن پھیرتا رہے۔ خود شہزاد کے کپڑوں میں اگر کسی دوسرے کے لباس کی رگڑ بھی جاتی تھی وہ یا تو اپنے لباس کا وہ حصہ فوراً دھو ڈالتا تھا یا لباس ہی تبدیل کر دیتا تھا۔ اس کا یہ خبط نی کی حد تک پہنچ گیا تھا.... اور اپنے اس مراق کی بناء پر وہ اپنے ملازمین کے لئے ایک مصیبت کر رہ گیا تھا۔

اس کا یہ مراق اس کے ملازمین کے لئے خواہ کچھ رہا ہو لیکن کم از کم خود اس کیلئے تو بڑا منفعت ثابت ہوا تھا کیونکہ اونچے طبقے کے لوگ بھی آہستہ آہستہ کیواس کو پسند کرنے لگے تھے۔

شہزاد ہر وقت ہوٹل میں موجود رہتا تھا۔ اس کا مراق خواہ کچھ بھی رہا ہو لیکن وہ اس کی مالی کمزوری کا نتیجہ تھا کیونکہ اعصابی کمزوری کے شکار شہزاد کی طرح نڈر اور جھگڑالو نہیں تے۔ عادات و اطوار کے لحاظ سے شہزاد کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے ہوٹل میں قیام نے والوں کو ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی منشیات سے لے کر عورتیں تک دستیاب ہو جاتی تھیں۔

شہزاد چڑچڑا اور گھنا تھا لیکن اپنے گاہکوں کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کرلیتا تھا۔ کاؤ
سے دو تین فٹ کے فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا تاکہ اس کا جسم اور کپڑے گاہکوں کی بے تکلفی سے محفو
رہ سکیں۔ اکثر بے تکلف قسم کے گاہک اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس کے کاندھے
ہاتھ رکھ دیا کرتے تھے یا اس کے بازو چھو کر اس سے گفتگو کرتے تھے۔ ایسے مواقع کے بعد اُ
ہمیشہ اپنے کپڑے تبدیل کرنے پڑتے تھے۔

آج بھی وہ کاؤنٹر سے تین فٹ کے فاصلے پر آرام کرسی میں پڑا ہوا نوکروں کو گھور رہا تھا۔
ان کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھتا تھا۔ اگر ان میں سے کسی کو اپنے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈال
کر جسم کھجاتے دیکھ لیتا تو اس وقت تک دم نہ لیتا جب تک کہ اس کے ہاتھ دوبارہ نہ دھلوا لیتا۔

وہ کافی دیر سے آرام کرسی میں پڑا ہوا اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر کاؤنٹر
بائیں سرے کی طرف اٹھ گئی جہاں ایک پنجرہ رکھا ہوا تھا اور پنجرے پر سیاہ رنگ کا غلاف
پنجرہ بالکل ایسا تھا جیسا تیتر پالنے والے رکھتے ہیں۔ شہزاد غرا کر ایک نوکر کی طرف م
"اوئے.... کیا یہاں لوفر لفنگے بھی آنے لگے۔"

"نہیں سرکار....!" نوکر ڈائننگ ہال میں چاروں طرف نظریں دوڑاتا ہوا بولا۔

"پھر یہ تیتر کا پنجرہ کہاں سے آیا۔" شہزاد جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہائیں!" نوکر نے بھی حیرت ظاہر کی۔ پھر اس نے بڑی تیزی سے پنجرے کی طرف جھ
کر اُسے کاؤنٹر سے اٹھا لیا۔

اور پھر جو کچھ بھی ہوا وہ شہزاد جیسے مراقی کی موت کے مترادف تھا۔ کاؤنٹر سے ہٹ
پنجرے کا نچلا حصہ فرش پر آرہا اور ساتھ ہی دس بارہ موٹے موٹے غلیظ مینڈک چاروں ط
سے پھدکنے لگے۔ شہزاد دہاڑ کر پیچھے ہٹا اور اس کی ٹکر سے شیشے کی ایک الماری چور چور ہو گئی
وہ گندے مینڈکوں سے بچنے کے لئے بار بار اچھل کر ادھر سے ادھر ہٹ رہا تھا اور ساتھ
کاؤنٹر کے پیچھے ابتری پھیل رہی تھی۔ ریکوں پر رکھی ہوئی بوتلیں، ڈبے، مرتبان، چینی کے
نیچے گر گر کر مختلف قسم کی آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ پھر پورے ڈائننگ ہال میں افراتفر
گئی۔ لوگ اپنی میزیں چھوڑ چھوڑ کر کاؤنٹر کی طرف لپکنے لگے۔

اس بھیڑ میں کیپٹن حمید بھی موجود تھا اور اس طرح متحیرانہ انداز میں شہزاد کی اچھل
دیکھ رہا تھا جیسے وہ مینڈک آسمان سے گرے ہوں۔ آہستہ آہستہ سارا ہال قہقہوں سے گونج
پھر دو تین آدمی شہزاد کو کھینچ کر ہال میں لائے۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا اور ساتھ ہی اس کے

مغلظات کا طوفان بھی امنڈ رہا تھا۔

"تیرہ.... نمبر.... تیرہ نمبر....!" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ پھر اپنے آدمیوں کو آوازیں دینے
"شرفو.... رحیم.... گل خان.... افضل.... پٹھان.... سب چلو تیرہ نمبر والا.... نکلنے نہ
.... مار ڈالو سالے کو.... اے.... چھوڑو مجھے۔ الگ ہٹو....!" اس نے ایک آدمی کو دھکا دیا۔
پھر وہ بڑی تیزی سے دوسری منزل کے زینوں کی طرف جھپٹا۔ اس کے تین چار نوکر بھی
کے ساتھ دوڑ رہے تھے۔

حمید بھی زینوں کی طرف بڑھا۔ بہتیرے گاہکوں نے بھی اس کی تقلید کرنی چاہی، لیکن محکمہ
غ رسانی کے دو آدمی ان کی راہ میں حائل ہو گئے اور کچھ اس انداز میں انہیں اوپر جانے سے
نے لگے جیسے ان کا تعلق بھی ہوٹل ہی سے ہو۔

اوپر پہنچ کر شہزاد تیرہ نمبر کے کمرے کے سامنے رک گیا اور پھر اُس نے اس طرح دروازہ
شروع کر دیا جیسے وہ اُسے گھونسوں اور تھپڑوں ہی سے توڑ کر رکھ دے گا۔

لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ حالانکہ شیشوں سے اندر کی روشنی صاف دکھائی دے رہی
اور دروازہ اندر ہی سے بند تھا۔ اس شور و غل میں سوئے ہوئے آدمی کی بھی نیند اچٹ جاتی۔

آخر شہزاد نے جھلا کر ایک شیشہ توڑ دیا اور اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی نیچے گرادی۔ دروازہ کھلا
شہزاد طوفان کی طرح اندر گھستا چلا گیا۔

حمید تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا حالات کی تبدیلی کا منتظر تھا۔

اچانک اس نے شہزاد کی گھٹی گھٹی سی آواز سنی.... "خون.... خون.... قتل....!"
وہ دروازے کی طرف جھپٹا اور شہزاد سے ٹکرا گیا۔ وہ بدحواسی کے عالم میں کمرے سے نکل
رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"قتل....!" شہزاد ہانپتا ہوا بولا۔ "اُسے کسی نے قتل کر دیا۔ میں کچھ نہیں جانتا.... سب
نے دیکھا ہے.... شرفو.... افضل.... ارے بولو نا.... کیا میں نے اُسے قتل کیا ہے۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" حمید اُسے کمرے کی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔

"نہیں جاتا۔" شہزاد نے جھٹکا مار کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"ہوش میں آؤ۔ تم ایک پولیس آفیسر سے گفتگو کر رہے ہو۔" حمید کے لہجے میں سختی تھی۔
شہزاد چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" حمید نے دوبارہ کہا اور پھر اس کے نوکروں سے بولا۔ "تم لوگ میر
اجازت کے بغیر نیچے نہیں جاؤ گے۔"

راہداری میں دوسری منزل کے کرائے دار اکٹھا ہونے لگے تھے۔ حمید نے انہیں ا
کمروں میں جانے کے لئے کہا۔

پھر اُس نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر کمرے کے اندر نظر ڈالی۔ سامنے ہی ا
آدمی فرش پر اوندھا پڑا تھا اور اس کے اردگرد خون پھیلا ہوا تھا۔

حمید شہزاد اور اُس کے آدمیوں کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کر کے زینوں کے سرے پر
اس کے دونوں آدمی اب بھی نیچے موجود تھے۔ اس نے اُن میں سے ایک کو آواز دی۔ وہ اوپر آ
اس نے اس سے کہا۔ "کوتوالی فون کر دو کہ یہاں کے تیرھویں کمرے میں ایک خون ہو گیا۔
نیچے کے سارے دروازے بند کرادو۔ کوئی باہر نہ جانے پائے۔"

حمید پھر تیرھویں کمرے میں واپس آگیا۔

❋

شہزاد کی بُری حالت تھی۔ وہ ایک آرام کرسی میں پڑا ہانپ رہا تھا۔ تین سب انسپکٹر ا
بھوکے بھیڑیوں کی طرح گھور رہے تھے اور حمید ٹانگیں پھیلائے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے
کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ پائپ اس کے دانتوں میں دبا ہوا تھا اور کبھی دھوئیں کی باریک لکی
ہونٹوں کے بائیں گوشے سے نکل کر فضا میں بل کھانے لگتی تھی۔

اچانک شہزاد اچھل کر کھڑا ہو گیا اور حلق پھاڑ کر بولا۔ "مگر یہ لاش اس آدمی کی نہیں ہے
تیرہ نمبر میں ٹھہرا ہوا تھا۔"

"کیا....؟" حمید نے پائپ منہ سے نکال لیا اور ساتھ ہی اس کی ٹانگیں بھی ایک دوسر
سے جا ملیں۔

"جی ہاں.... میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ آپ میرے نوکروں اور ملحقہ کمروں
مکینوں سے پوچھ سکتے ہیں۔"

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" حمید دہاڑا۔

"مجھے ہوش ہی نہیں تھا۔"

"تم بکواس کررہے ہو۔ تم نے ہال میں درجنوں آدمیوں کے سامنے چیخ کر کہا تھا کہ تیر

ی کو مار ڈالو۔"

"جی ہاں! مجھے یاد ہے۔ میں نے کہا تھا۔" شہزاد بولا۔ اُس نے بڑی حد تک خود پر قابو پالیا تھا۔

"پھر....!"

"تیرہ نمبر والا۔ بڑا سور تھا.... وہ مجھے مینڈک کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ میں اپنے گاہکوں
ابیا سب کچھ برداشت کر لیتا ہوں۔ اس لئے ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ آج ابھی دو ہی گھنٹے قبل کی
ہے۔ میں نے اپنے کاؤنٹر پر ایک پنجرہ رکھا ہوا دیکھا۔ مجھے حیرت ہوئی۔ پنجرہ اب بھی کاؤنٹر
پیچھے مل جائے گا اور مینڈک بھی موجود ہوں گے۔"

"کیا بک رہے ہو۔" ایک سب انسپکٹر نے اُسے ڈانٹا۔ "کیا اب تم دماغ کی خرابی کا ڈھونگ
ؤ گے۔"

"جائیے! دیکھ لیجئے۔" شہزاد ہاتھ ہلا کر بولا۔ "پنجرے پر غلاف چڑھا ہوا تھا اور اس میں
ک تھے.... جائیے دیکھئے میرا ہزاروں کا نقصان ہوا ہے۔"

"پھر وہی بکواس....!"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔ "مینڈک میں نے بھی دیکھے تھے۔"

"میں سمجھا کہ شائد یہ اُسی حرامزادے کی حرکت ہے۔" شہزاد بولا۔ "وہ مجھے مینڈک کہہ کر
ایا کرتا تھا.... اس لئے.... میں نے غصے میں کہہ دیا تھا میری جگہ جو بھی ہوتا یہی کہتا اور پھر
ں نے مارا بھی ہوتا تو اُسی کو جس پر مجھے شبہ تھا.... مگر لاش ایک ایسے آدمی کی ہے جسے میں
پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میں بھلا کسی دوسرے آدمی کو کیوں مارنے لگا اور سنئے جناب مجھے ذرہ
بھی اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں بچہ نہیں ہوں۔ ڈاکٹر کی رپورٹ خود ہی بتادے گی کہ قتل
وقت ہوا ہے۔"

"تیرہ نمبر میں کون تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"نام اور پتہ ہوٹل کے رجسٹر میں معلوم ہو جائے گا۔" شہزاد بولا۔ "پہلے آپ اس کے
یوں سے اس کا حلیہ پوچھ لیجئے۔ میں اس وقت سے اب تک آپ کے ساتھ رہا ہوں۔ اس
آپ یہ بھی نہ کہہ سکیں گے کہ میں نے اپنے کرائے داروں کو کچھ سمجھا دیا ہے۔"

"مجھے منطق نہ پڑھاؤ۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "جتنا پوچھا جائے اس سے زیادہ نہ بکو۔"

حمید اُسے وہیں چھوڑ کر پھر دوسری منزل پر پہنچ گیا۔ یہاں اُس نے دوسرے کمروں کے
یداروں سے پوچھ گچھ شروع کی۔

اور سب نے یہی کہا کہ لاش اس آدمی کی نہیں ہے، جو اس کمرے میں چار بجے شام تک رہ کر گیا ہے۔

مرنے والا کوئی بھی رہا ہو، لیکن حمید کو اس کے مرنے پر افسوس تھا.... افسوس یوں تھا وہی ایک ایسا آدمی تھا جس کے ذریعے لیونارڈ تک رسائی ممکن تھی.... حمید نے پہلی ہی نظر میں اس بڑے خسارے کا اندازہ کر لیا تھا۔ مرنے والے کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں اور ہاتھوں کی چھوٹی انگلیاں تیسری انگلیوں کے برابر تھیں اور اس کی گھنی مونچھیں نقلی ثابت ہوئی تھیں۔ لیکن گلوریا نے کیو اس ہوٹل کا نام نہیں لیا تھا۔ اس نے کوئی دوسرا پتہ بتایا تھا، جو اب اُسے یاد بھی نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن فریدی کو اس نے پتہ نوٹ کرا دیا تھا۔ پھر فریدی کیا کر رہا تھا۔ حمید کافی دیر تک اوپری منزل کی راہداری میں کھڑا سوچتا رہا۔ اسی رات کو فریدی نے تین کام اس کے سپرد کیے تھے۔ تیسرا کام اُس نے اس وقت انجام دیا تھا۔ یعنی مینڈکوں کا پنجرہ کیو اس ہوٹل کے کاؤنٹر پر رکھ کر رد عمل کا انتظار کرنا۔

ٹھیک تین بجے حمید گلوریا کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ آنے پر مصر تھی لیکن اسے بہت سختی سے روک دیا گیا۔

پھر وہ اس بلڈنگ کے پندرھویں فلیٹ کا دروازہ ... مقفل نہیں تھا۔ حمید سمجھا شاید اندر کوئی ہو۔ اس نے دستک دینے کے خیال سے دروازے پر ہاتھ رکھا اور دروازہ کھل گیا، یعنی وہ پہلے سے بند نہیں تھا۔ اندر تاریکی تھی۔ حمید نے ٹارچ روشن کی۔

پورا فلیٹ سنسان پڑا تھا۔ یہاں تین کمرے تھے اور تینوں کا سامان بے ترتیبی سے بکھرا پڑا تھا۔ کئی جگہ جلے ہوئے کاغذات کے ڈھیر بھی نظر آئے۔ اچانک حمید قدموں کی آہٹ پر چونک پڑا۔

"ڈرو نہیں فرزند!" اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔ وہ قریب آکر بولا۔ "چوٹ ہو گئی۔ ہم نے بہت دیر کی۔ اگر یہ کام دو دن قبل ہو گیا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔ اور اب ہم ایک پھر اندھیرے میں ہیں۔"

"ہمارے مقدر میں اُجالا تھا ہی کب۔" حمید غرایا۔ اُسے وہ چوٹ یاد آئی جس کا نشان اس کے جبڑے پر بنا تھا۔ اُسے وہ غبارہ یاد آیا جس کا کڑوا کسیلا پانی اس کے حلق کے نیچے اتر گیا تھا۔

"ہاں! ہو سکتا ہے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "چلو اب یہاں کیا رکھا ہے۔ میں سب کچھ ... ہوں اور اب یہ بات میری سمجھ میں آئی ہے کہ لیونارڈ نے اپنا کیس بیگ پر کار... روم سے ... لیا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ اُس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ دونوں فلیٹ سے نکل آئے۔ لیکن اچانک حمید نے محسوس کیا جیسے اندھیرے میں فریدی کہیں ... ہو۔

ہم رقص اور لاؤڈ سپیکر

حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ راہداری تاریک پڑی تھی۔ اس کے باوجود بھی اُسے یقین کامل تھا کہ فریدی وہاں موجود نہیں ہے۔ اچانک اُسے تھوڑے ہی فاصلے پر فائر کی آواز سنائی دی اور اب خطرے کا احساس ہوا۔ اس کے قدم بڑی تیزی سے زینوں کی طرف بڑھنے لگے۔ آواز یقیناً ... سے آئی تھی۔

لیکن نیچے سناٹا تھا البتہ شمال کی طرف اندھیرے میں کافی فاصلے پر کسی کار کی عقبی سرخ روشنی نظر آرہی تھی۔

پھر اُس نے جو کچھ بھی کیا اُس میں اس کی قوت فیصلہ کو دخل نہیں تھا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر اسی سمت چل پڑا جدھر کار کی عقبی روشنی نظر آرہی تھی۔ وہ بتدریج کار کی رفتار تیز کرتا جا رہا تھا۔ اچانک عقبی سرخ روشنی غائب ہو گئی۔ حمید برابر اسی طرف دیکھتا رہا تھا لیکن نہ تو وہ اسی بات کا اندازہ کر سکا کہ اگلی کار اچانک کسی طرف مڑ گئی تھی اور نہ یہی سمجھ سکا کہ آگے کوئی نشیب ہے۔ روشنی یک بیک اسی طرح اندھیرے میں گم ہو گئی جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

حمید کی کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی دور تک سڑک پر پھیل رہی تھی۔ اس نے رفتار کچھ اور تیز کردی۔

اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد اس کی نظر ایک ایسی کار پر پڑی جو سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ حمید نے یک لخت اپنی کار کی رفتار کم کردی۔

لیکن یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس سے کوئی حماقت سرزد ہونے والی ہے۔ آخر کار اس نے رکنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس نے پھر رفتار تیز کردی اور پھر وہاں سے تقریباً چار فرلانگ کے

فاصلے پر نہ صرف کار روک دی بلکہ انجن بھی بند کر دیا۔

اس کا داہنا ہاتھ ریوالور کے دستے پر تھا۔

پانچ منٹ سے زیادہ نہیں گذرے تھے کہ ایک کار فراٹے بھرتی ہوئی قریب سے نکل گئی۔ یہ وہی تھی، جو حمید کو راستے میں کھڑی دکھائی دی تھی۔ مگر اس بار اس کے اندر بھی روشنی تھی۔ ڈرائیو کرنے والی ہر حال میں کوئی عورت تھی۔ ایک لحیم شحیم انگریز عورت۔ اُسے پہچاننے کے لئے صرف ایک جھلک ہی کافی تھی۔ یہ مسز وارنر تھی۔

دوسری رات لیڈی پرکاش اپنے ایک دوست کے ساتھ ہائی سرکل نائٹ کلب میں داخل ہوئی۔ وہ اس وقت پہلے سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی اور اس کے چہرے کے اطمینان اور سکون سے یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ آج کل ذہنی الجھنوں کی شکار ہے۔ کیپٹن حمید نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ وارنر خاندان کی سب سے حسین لڑکی اس کے سامنے گرد ہو کر گئی تھی۔

اس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی لیڈی پرکاش کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے ساری بہت اچھی لگتی ہے۔" وہ حمید کے کان کے پاس گنگنائی۔

"مگر تم ساری میں بھی اتنی حسین نہیں معلوم ہو گی۔" حمید بڑبڑایا۔

"ہونہہ....!" وہ بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"ارر.... کیا تم بُرا مان گئیں، میں تو یونہی چھیڑ رہا تھا تمہیں۔ کہاں تم کہاں وہ مشرق مغرب کا فرق ہے۔ مگر اس وقت مجھے اپنے ڈیڈی بُری طرح یاد آ رہے ہیں۔"

"کیوں! ڈیڈی کیوں!" لڑکی نے حیرت ظاہر کی۔

"وہ اس عورت کو دیکھ کر پاگل ہو جاتے۔"

"اپنے ڈیڈی کے لئے.... بکواس کر رہے ہو۔ شش۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بڑی توجہ سے لیڈی پرکاش کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہال میں داخل ہوتے ہی شہر کے کئی معزز لوگ اپنی کرسیاں چھوڑ کر استقبال کے لئے آگے بڑھے تھے۔

"یہ کون ہے۔" لڑکی نے حمید سے پوچھا۔

"یہ.... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے۔"

"کوئی امیر عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"اونہہ ہو گی۔" حمید نے کہا۔ "وہ تم سے زیادہ حسین نہیں ہے۔"

ریکریئیشن ہال میں رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی تھی۔ لڑکی کی ایڑیاں موسیقی کے چڑھاؤ کے مطابق فرش پر بجنے لگیں۔

"تمہارا کوئیک[1] اسٹپ کیسا ہے۔"

"میرا کوئیک اسٹپ....!"

حمید جملہ پورا نہیں کر سکا۔ ہائی سرکل نائٹ کلب کا منیجر اس پر جھکا ہوا کہہ رہا تھا۔ "آپ کا فون ہے۔"

"فون! ہمپ۔" حمید جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے لڑکی سے کہا "میں ابھی آیا۔"

حمید منیجر کے ساتھ اس کے آفس میں آیا۔ ریسیور میز پر پڑا ہوا تھا۔

"ہیلو....!"

"کون....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"حمید.... کیپٹن حمید۔"

"آہا.... کپتان صاحب ہیں۔" حمید نے فریدی کی آواز پہچان لی۔

"دیکھئے کپتان صاحب۔ اس وقت وارنر کی لڑکی کو کھسکا ہی دیجئے اور اگر آپ اس وقت لیڈی پرکاش کو اپنا ہم رقص نہ بنا سکے تو میں آپکو.... کپتان صاحب.... کیا کہوں کہ کیا سمجھنے لگوں گا۔"

"ہام.... اچھا.... مگر آپ ہیں کہاں۔"

"بہت قریب! اس کی فکر نہ کرو۔"

حمید کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

"یہ لڑکی بہت حسین ہے جناب۔" نائٹ کلب کے منیجر نے کہا۔ "بقول شاعر....!"

"ہائیں! منیجر.... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"تم میری لڑکیوں پر نظر رکھتے ہو۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"ارے.... خدا کی قسم! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ کمال کر دیا.... واہ.... بقول شاعر۔"

"توپ! میں شعر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

حمید اُسے کرسی میں دھکیلتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔

[1] ایک رقص کا نام

لڑکی اس کی منتظر تھی۔ اُس نے حمید کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھے۔

"کیا بات ہے۔" اس نے پوچھا۔

"تم وہ کیا بتاؤں اپنی کہیں کیا بات ہے۔"

"کیا ہوا....!"

"نہ جانے کیوں یہاں پولیس بیس منٹ کے اندر ہی اندر ریڈ کرنے والی ہے۔"

"پولیس ریڈ کرنے والی ہے۔" لڑکی نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں مجھے فون پر ابھی ابھی اس کی اطلاع ملی ہے۔ ریڈ کا مطلب یہ ہے کہ میری بیماری ... ہوئی۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے صرف ہوں۔ سارے دروازے بند کر لئے جائیں گے اور کوئی ... جا سکے گا۔"

"اوہو.... تب پھر مجھے جانے دو۔"

"میں تنہا بور ہو کر مر جاؤں گا.... مجھے تو بہر حال ٹھہرنا پڑے گا۔ نہیں تم نہیں جا...۔"

"نہیں کیپٹن! مجھے جانے دو۔ اگر دیر ہوئی تو ممی پریشان ہوں گی۔ ہارٹ اٹیک ہو جا... میں کل پھر ملوں گی.... جہاں کہو مل جاؤں۔"

"آرلکچو میں.... ٹھیک نو بجے۔"

لڑکی کھڑی ہو گئی اور حمید نے کہا۔ "ٹھہرو! میں بھی چلتا ہوں۔ نہیں وہ لوگ تمہیں پھاٹک ہی پر نہ روک لیں۔"

حمید اُسے ٹیکسیوں کے اڈے تک لایا۔ جو کلب سے زیادہ دور نہیں تھا۔

"کل آرلکچو میں ضرور رہنا ورنہ لڑائی ہو جائے گی۔" حمید ٹیکسی کا دروازہ بند کرتا ہو...

"ضرور ضرور....!"

ٹیکسی چلی گئی اور حمید ایک طویل سانس لے کر پھر نائٹ کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب لیڈی پرکاش وہاں نہیں تھی جہاں حمید اُسے کچھ دیر قبل چھوڑ کر گیا تھا۔ لیکن اُسے یقین تھا کہ وہ باہر نہ گئی ہوگی کیونکہ ٹیکسیوں کے اڈے پر بھی اس کی نگاہ کلب کے کمپاؤنڈ کے پھاٹک ہی کی طرف رہی تھی۔

وہ سیدھا ریکریئشن ہال میں چلا گیا کیونکہ لیپ کا راؤنڈ چل رہا تھا۔ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ آخر کار ایک جگہ گیلری میں لیڈی پرکاش اسے نظر آ گئی۔ وہ ایک میز پر تنہا تھی۔ گیلری میں بہتیری میزیں خالی پڑی تھیں پھر بھی حمید تو خود ساتھ بیٹھنے کے لئے ایک عمدہ سا بہانہ تراش سکتا تھا۔

مضمحل قدموں سے چلتا ہوا گیلری میں آیا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی غم آلود نرمی آ گئی تھی۔ آنکھوں میں اداسی کے گہرے بادل تھے...

اس نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی ... میزیں خالی ضرور تھیں لیکن ان سب پر ریزرویشن کے کارڈ نظر آ رہے تھے۔

حمید چاروں طرف نگاہ دوڑاتا ہوا لیڈی پرکاش کے قریب سے گذر گیا لیکن اس نے ایک بار اس کی طرف نہیں دیکھا۔ البتہ خود لیڈی پرکاش اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

حمید نے پوری گیلری کا چکر لگا ڈالا لیکن ایک بھی ایسی میز نہ دکھائی دی جس پر ریزرویشن کا ... ہو۔

واپسی میں وہ ایک بار پھر لیڈی پرکاش کے قریب سے گذرا لیکن اب وہ بڑبڑا رہا تھا۔ "کہیں کہیں بھی نہیں.... آج کہیں مرنے کے لئے بھی جگہ نہیں ملے گی۔"

لیڈی پرکاش نے ایک ایک لفظ سنا اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ شاید وہ مقابل کے ... حمید کا ... رکھتا تھا۔

وہ اسے گیلری کے دوسرے سرے تک جاتے دیکھتی رہی۔ حمید سرے پر رک گیا۔ کچھ دیر دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپائے کھڑا رہا۔ پھر بڑی تیزی سے اسی طرف مڑا جدھر لیڈی پرکاش بیٹھی ہوئی تھی۔ اتفاق سے گیلری کے اس حصے میں وہ بالکل تنہا تھی۔

حمید بڑی شاندار ایکٹنگ کر رہا تھا۔ اب اس کے قدم بڑی تیزی سے لیڈی پرکاش کی میز کی طرف اٹھ رہے تھے۔

لیکن پھر اس کے قریب پہنچ کر وہ یکلخت رک گیا۔ لیڈی پرکاش بوکھلا گئی۔

"میں یہاں بیٹھنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کسی اجڈ گنوار کی طرح بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ب.... بیٹھئے۔" لیڈی پرکاش کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔

حمید ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھتا ہوا بولا۔ "شکریہ! جیسے ہی آپ کے ساتھی آئیں گے میں چلا جاؤں گا۔ ذرا دیکھئے.... ساری میزوں پر ریزرویشن کارڈ موجود ہیں۔ میزیں خالی ہیں لیکن ... لوں اور میں یہاں تھوڑی دیر بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

"... ضرور بیٹھئے۔" لیڈی پرکاش نروس سی مسکرائی۔ وہ کچھ عجیب سی نظر آنے لگی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی اجنبی اُس سے اس طرح بے دھڑک گفتگو کر رہا تھا۔ ورنہ خود ... ملاقاتی بھی اس سے گفتگو کرتے وقت ہکلانے لگتے تھے۔ اجنبی کی تو بات ہی الگ ہے۔ لیڈی پرکاش کی ... ذہنی شخصیت اتنی متاثر کن تھی کہ ... مقابل کا اس کے سامنے ...

سے ہکلائے بغیر گذر جانا ممکنات میں سے نہ تھا۔

حمید کا لہجہ بھی ایسا تھا جیسے اُسے اس کی یا اس کے حسن کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

"میں آپ کو بور نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا اور رقص کی طرف متوجہ ہو گیا کوئیک اس کا راؤنڈ چل رہا تھا اور پورا ہال کان پھاڑ دینے والی موسیقی سے گونج رہا تھا۔ حمید پھر لیڈی پرکاش طرف مڑ کر بولا۔ "جیسے ہی راؤنڈ ختم ہو گا میں اٹھ جاؤں گا۔"

"آپ بیٹھیے جناب۔" لیڈی پرکاش بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔ "میں آپ سے ا کے لئے تو نہیں کہہ رہی۔ میں اس میز پر تنہا ہوں۔"

حمید سوچنے لگا کہ اس کا ساتھی کہاں گیا؟ اور جب وہ آئی تھی تو کئی آدمی اس کے استق کے لئے اٹھے تھے، لیکن وہ میز پر تنہا تھی۔

"شکریہ....!" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پھر رقص کی طرف متوجہ ہو گیا۔

لیڈی پرکاش اُسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ کوئیک اسٹپ ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یا چند گھسیارے پیروں میں کھر باندھ کر گھاس چھیل رہے ہیں۔" پھر اس نے لیڈی پرکاش کی طرف مڑ کر غصیلے لہجے میں "یہ لڑکیاں گدھوں کے ساتھ ناچیں گی مگر میرے ساتھ نہیں ناچیں گی۔ آپ خود بتائیے! ا آدمی بھی ایسا دکھائیے جو سلیقے سے رقص کر رہا ہو۔"

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ اسی لئے میں تنہا بیٹھنا پسند کرتی ہوں۔" لیڈی پرکاش بو

میز پر پروگرام کی ایک کاپی پڑی ہوئی تھی، حمید اُسے الٹنے پلٹنے لگا۔

"لیجیے....!" اس نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "یہاں والٹز اور سلو فوکس ٹروٹ بھی م ہیں۔ کمال ہے.... بھلا یہاں کون ہے۔"

"آپ بہت مشاق معلوم ہوتے ہیں۔" لیڈی پرکاش مسکرائی۔

"نہیں میں اس کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا.... لیکن ذرا آپ مجھے یہ بتائیے کیا میں صورت غیر مہذب یا بُرا آدمی معلوم ہوتا ہوں۔"

"نہیں جناب! قطعی نہیں۔" لیڈی پرکاش نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر آخر یہ لڑکیاں میری ہم رقص بننا کیوں پسند نہیں کرتیں۔" حمید نے جھلائے ہ بچے کی طرح کہا۔

اس سوال کا لیڈی پرکاش نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود بھی اس مسئلے پر بڑی سنجیدگی سے کرنے لگی تھی کہ آخر لڑکیاں اس کے ساتھ رقص کرنا کیوں پسند نہیں کرتیں۔

"میں خود ہی اب کسی سے درخواست نہیں کرتا۔" حمید گردن اکڑا کر بولا۔

"آپ کیا پئیں گے۔" لیڈی پرکاش نے پوچھا۔

"ٹھنڈا پانی۔ مجھے ذرا ذرا سی بات پر غصہ آ جاتا ہے۔"

"کون سی شراب آپ پسند کرتے ہیں۔"

"میں کسی قسم کی بھی شراب پسند نہیں کرتا۔"

"اب میں سمجھی۔" لیڈی پرکاش اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "لڑکیاں اسی لئے پ سے دور بھاگتی ہیں۔"

"کس لئے۔"

"یہی کہ آپ کا انداز گفتگو کافی کھردرا ہوتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ رقص ختم ہو گیا۔ لوگ گیلری میں اپنی اپنی میزوں پر واپس آ گئے۔

لیڈی پرکاش نے ویٹر سے کافی طلب کی۔

قریب و دور کی کئی میزوں سے لیڈی پرکاش کے کئی شناسا حمید کو بُری طرح گھور رہے تھے۔ ں میں سے کئی ایسے بھی تھے، جنہیں کچھ دیر قبل وہ رقص کی درخواست پر مایوس کر چکی تھی۔

لیڈی پرکاش نے حمید کے لئے کافی بنائی اور اس کی طرف کھسکاتی ہوئی بولی۔ "اس کے بعد ز کے لئے موسیقی شروع ہو گی، پھر میں دیکھوں گی کہ آپ کتنا اچھا ناچتے ہیں۔"

"کیا میں تنہا ناچوں گا۔ ہوا کو ہم رقص بناؤں گا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"نہیں....!" لیڈی پرکاش نے مسکرا کر کہا۔ "اتفاق سے مجھے بھی اس بات کا دعویٰ ہے کہ ں والٹز بہت اچھا ناچتی ہوں۔"

"اچھا.... دیکھوں گا۔ لیکن واضح رہے کہ میری ہم رقص کسی قسم کی غلطی کرنے پر عموماً بلبلا اٹھتی ہے۔"

"کیوں....!"

"میں اس کے پیر پر بڑی بے دردی سے پیر رکھ دیتا ہوں۔"

"فکر نہیں.... میں غلطی کرنے والوں کی پنڈلی کی ہڈی پر ٹھوکر مارتی ہوں۔"

"اچھا.... دیکھیں ہم میں سے کون چیختا ہے۔" حمید بچوں کی طرح ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر بعد والٹز کے لئے موسیقی شروع ہو گئی لوگ گیلری سے اٹھنے لگے، لیڈی پرکاش ایک شناسا اُس سے درخواست کرنے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

ایک بار پھر ہال میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

دوسری طرف کی گیلری میں ایک آدمی اپنے ساتھی سے پوچھ رہا تھا۔ "یہ لیڈی پرکاش کس کے ساتھ ناچ رہی ہے۔"

"کیپٹن حمید....!" اس کے ساتھی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "پرانا عورت خور۔ شاید تم بھی لیڈی پرکاش سے رقص کی درخواست کی تھی۔"

"اونہہ ختم بھی کرو یار۔" دوسرا بولا۔ "بھلا ان باتوں کی پرواہ کون کرتا ہے۔ وہ نہ سہی اس سے بہتر عورتیں میرے ساتھ رقص کرنے پر فخر کرتی ہیں اور پھر ہو سکتا ہے آج اس کا موڈ ٹھیک نہ رہا ہو۔"

دوسری طرف لیڈی پرکاش حمید سے کہہ رہی تھی۔ "واقعی آپ مشاق ہیں۔ میں مانتی ہوں۔"

"اور میں بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ مجھے آپ کے پیر پر پیر رکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"آپ کہاں رہتے ہیں۔"

"جہاں دل چاہتا ہے رہ جاتا ہوں۔"

اچانک لاؤڈ سپیکر چیخنے لگا۔ "لیڈی پرکاش پلیز! فون پر آپ کی کال آئی ہے.... اور یہ بہت ضروری ہے۔"

لیڈی پرکاش اس طرح ایک جھٹکے کے ساتھ حمید سے الگ ہو گئی جیسے یہ پیغام ان کے درمیان تلوار بن کر گرا ہو۔

سوچا کچھ ہوا کچھ

حمید نے لیڈی پرکاش کی حالت میں بہت بڑا تغیر محسوس کیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"کیا مطلب....!" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میری کال ہے۔"

"کون بیہودہ ہے جو یہاں فون کرتا ہے۔ سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔"

"میں ابھی آتی ہوں۔"

"نہیں بس اب میں نہیں ناچوں گا۔"

"میں ابھی آئی۔" لیڈی پرکاش تیزی سے چلی گئی۔

منیجر اپنے آفس کے سامنے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ خفیف سا جھکا۔

"یور لیڈی شپ.... آپ کا فون آیا ہے۔"

"شکریہ.... میں دیکھتی ہوں۔" لیڈی پرکاش اس کے آفس میں چلی گئی۔

اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ ریسیور اٹھاتے وقت اس کا ہاتھ بری طرح کانپ رہا تھا۔

"ہیلو....!"

"ہیلو! لیڈی پرکاش۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "دریائے ٹیمز کی مچھلیاں...."

"اوہ.... آپ ہیں! کیا آپ مجھے کہیں سکون نہ لینے دیں گے۔"

"تم حرکتیں ہی ایسی کر رہی ہو۔ ابھی تم کس کے ساتھ ناچ رہی تھیں۔"

"کیوں! میں نے اس کا نام نہیں پوچھا۔"

"لیڈی پرکاش.... کان کھول کر سن لو۔ میں اپنا مطالبہ ہر صورت میں پورا کر لوں گا، خواہ تم کسی سے بھی جوڑ توڑ کرو۔ مجھ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ ضرورت پڑی تو میں تمہیں موت کے گھاٹ بھی اتار دوں گا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"خیر ختم کرو۔" دوسری طرف سے تلخ لہجے میں کہا گیا۔ "اب میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ اس شہر میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جو ان چیزوں کو چار لاکھ میں بھی خرید لے گا۔"

"دیکھئے.... صرف ایک ہفتے کی مہلت اور دیجئے میں انتظار کر رہی ہوں۔"

"کیپٹن حمید اور کرنل فریدی بھی اس انتظام میں شامل ہیں۔" دوسری طرف سے طنزاً پوچھا گیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے ان دونوں کے صرف نام سنے ہیں۔ آج تک ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"لیڈی پرکاش مجھے ضد نہ دلاؤ ورنہ میں تمہاری زندگی برباد کر دوں گا۔ کیا یہ جھوٹ ہے کہ تم کیپٹن حمید کے ساتھ ناچ رہی تھیں اور وہ اب بھی ریکریشن ہال میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

"وہ کیپٹن حمید ہے۔" لیڈی پرکاش حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

"اتنا یقین رکھتا ہوں کہ وہ لوگ مجھ تک نہ پہنچ سکیں گے لیکن کم از کم یہ دنیا تمہارے لئے تو تنگ ہو جائے گی۔"

"کچھ بھی ہو لیکن میں آپ سے استدعا کروں گی کہ مجھے پبلک مقامات پر نہ کال کیا کریں۔"

"لیڈی پرکاش! تمہیں ایک ہفتے کی مہلت اور دی جاتی ہے اور یہ آخری مہلت ہو گی۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ لیڈی پرکاش ریسیور کو کریڈل پر رکھ کر پلٹ کر رہ گئی

ہوئی پیچھے ہٹی۔ اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

اُس نے اپنا وینٹی بیگ کھول کر آئینہ نکالا اور پسینہ خشک کر کے جلدی جلدی میک اَپ درست کرنے لگی۔

پھر دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ منیجر وہاں موجود نہیں تھا۔

ریکریئیشن ہال میں اب سناٹا تھا۔ راؤنڈ ختم ہو چکا تھا اور رقاص گیلری میں تھے۔ اُس نے ح کو اپنی ہی میز پر بیٹھے دیکھا۔

حمید نے دور ہی سے محسوس کر لیا کہ اس کے ساتھ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے حالانکہ وہ اپنے اضطراب کو مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی، آنکھیں بدستور انتشار کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ وہ ایک طویل سانس لے کر بیٹھ گئی۔

"آپ نے بُرا تو نہیں مانا۔" اُس نے حمید سے پوچھا۔

"گراں ضرور گزرتی ہیں ایسی باتیں۔"

"اوہ.... مجھے افسوس ہے۔ ایک بہت ضروری کال تھی۔"

لیڈی پرکاش نے یہ جملہ بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ حمید براہِ راست اس کی آنکھوں میں د رہا تھا۔ لہٰذا اس نے اس ہلکے سے تغیر کو فوراً ہی محسوس کر لیا، جو اس جملے کو ادا کرتے وقت ان واقع ہوا تھا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر لیڈی پرکاش نے پوچھا۔

"آپ نے آج تک اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"

"اور نہ میں نے ابھی تک آپ کے متعلق پوچھا ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"آپ کون ہیں کیا کرتے ہیں.... اور....!"

"کہاں رہتے ہیں۔" حمید نے اس کا جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس وقت ڈیوٹی پر نہ ہوں۔ ورنہ میں آپ کو ہرگز یہ نہ بتاتا کہ میں کیپٹن حمید ہوں۔ نام تو آپ نے سنا ہی ہوگا.... میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

لیڈی پرکاش اس کی صاف گوئی پر ششدر رہ گئی۔ منیجر کے آفس سے آتے وقت وہ سو آئی تھی کہ اگر وہ کیپٹن حمید ہی ہے تو یقیناً میری ٹوہ میں ہوگا اور کبھی اپنی اصلیت نہ ظاہر کرے

حمید نے اُس میں یہ تبدیلی بھی محسوس کر لی اور دفعتاً اس کا ذہن اُس فون کال کی طر متوجہ ہو گیا جس کے اعلان پر لیڈی پرکاش مضطربانہ انداز میں اُس سے الگ ہو گئی تھی۔ وہ سو تھا کہ کیا وہ کال لیونارڈ کی طرف سے تھی؟ اُس کے طریقوں سے تو وہ واقف ہی تھا۔ وہ اپنے

ادہ سے زیادہ خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے فون پر اُسے اسی بات آگاہ کیا ہو کہ وہ اس وقت حمید کے ساتھ ہے۔

"میں نے آپ کا نام سنا ہے۔" لیڈی پرکاش خشک لہجے میں بولی۔ "کیا اس طرح تعارف ل کرنے کا کوئی خاص مقصد تھا۔"

"جی ہاں۔" حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

اور لیڈی پرکاش کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گذر گیا۔ لیکن آنکھوں سے بدستور انتشار ہوتا رہا۔

"کیا مقصد تھا۔" لیڈی پرکاش نے اپنے لہجے میں سختی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"مقصد حاصل ہو گیا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں نے اس وقت دو ہزار کی شرط جیتی ہے۔"

"یعنی....!"

"ایک دوست نے کہا تھا کہ آج لیڈی پرکاش رقص کے لئے کسی کی بھی درخواست قبول کریں گی۔ موڈ بہت خراب ہے۔ بات بڑھ گئی۔ معاملہ دو ہزار کی شرط پر پہنچ کر ختم ہو گیا اور ار میرے ہیں۔ میں آپ کا مشکور ہوں۔"

حمید کرسی سے اٹھ کر احتراماً تھوڑا سا جھکا اور فوجیوں کے سے انداز میں داہنی ایڑی پر گھوم کر ئیشن ہال سے نکلا چلا گیا۔

❁

محکمہ سراغ رسانی کے سارے انسپکٹر لیونارڈ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ فریدی کو اس کے پر چھوڑ دیا گیا اور سرکاری طور پر حمید کو ایک ایسے گروپ کے ساتھ کام کرنا تھا جس میں آصف بھی شامل تھا۔ احکامات براہِ راست ڈی۔ آئی۔ جی کے آفس آئے تھے، اس لئے حمید م مار سکا۔ ورنہ آصف جیسے لوگوں سے نباہ کرنا کم از کم اُس کے بس کا روگ تو نہیں تھا اور ستم آصف سینیارٹی کی بناء پر اس ٹولی کا انچارج بنا دیا گیا تھا۔

آصف فریدی اور حمید کا پرانا دشمن تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے یہ دونوں زمین سے آسمان پر گئے تھے۔ انسپکٹروں میں آصف سب سے سینئر تھا لیکن کارکردگی میں صفر کے برابر ہونے کی بناء فسروں کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ لیکن اس بار اپنے لئے عزت افزائی کا پروانہ دیکھ سے کافی دیر تک یقین نہیں آیا۔ ماتحتوں میں حمید کا نام دیکھ کر تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔

سب سے پہلے اس نے حمید ہی کو طلب کیا۔

"حمید....!"

"کیپٹن حمید!" حمید نے تصحیح کی۔

"میں بد تمیزی نہیں پسند کرتا۔"

"کیپٹن حمید!" حمید ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔ "اگر آپ نے اب مجھے صرف حمید کہا تو میں آپ پر ہتک عزت کا دعویٰ دائر کردوں گا۔ سمجھے جناب۔ ڈی آئی جی بھی کیپٹن کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔"

"فریدی کہاں ہے؟"

"سبحان اللہ۔ کیا یہ بھی میرے فرائض میں داخل ہوگا۔" حمید بُرا سامنہ بنا کر بولا۔

"قطعی تمہیں بتانا پڑے گا کہ فریدی کہاں ہے۔"

"کرنل فریدی۔" حمید نے تصحیح کی۔

"اچھی بات ہے! میں تمہیں دیکھوں گا۔"

"دن ہی دن دیکھیے گا رات کو میں عموماً نظر نہیں آیا کرتا۔"

"شٹ اپ۔"

"آصف صاحب! گردن پکڑ کر کھڑکی کے باہر پھینک دوں گا۔ سمجھے زبان سنبھالیے! کیپٹن کا اعزاز مجھے اس لئے نہیں ملا ہے کہ انسپکٹر صاحبان مجھ پر دھونس جمانے کی کوشش کریں ویسے آپ ہم لوگوں کے انچارج بنائے گئے ہیں۔ بنے رہئے۔ لیکن یہ بھی اسی وقت تک ہوگا تک آپ شرافت سے پیش آئیں گے۔"

"میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا... یہاں سے چلے جاؤ۔"

"شکریہ۔" حمید کمرے سے نکل گیا۔

اسی شام کو آصف نے اسے کیواس ہوٹل کی نگرانی پر مقرر کردیا۔ اسے رات بھر ہوٹل کے صدر دروازے کی نگرانی کرنی تھی۔ لیکن اسے معجزہ ہی کہنا چاہئے کہ حمید بارہ بجے ہوٹل ڈی فرانس میں وار نر کی لڑکی کے ساتھ ناچتا رہا پھر اس کے بعد گھر جاکر سو گیا۔

دوسری صبح اُس نے آصف کے سامنے جو تحریری رپورٹ پیش کی وہ یہ تھی۔

"چھ بجے شام سے چار بجے صبح تک کیواس ہوٹل کے صدر دروازے کی نگرانی کرتا رہا۔ بجے تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ میں اس وقت تک کسی لڑکی کی آمد کا انتظار کرتا رہا تک کہ ہوٹل بند نہیں ہوگیا۔ لیکن ایک بھی لڑکی وہاں جاتی نہیں دکھائی دی۔ اس سے یہی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہاں لڑکیاں نہیں جاتیں اور وہ ایک تھرڈ کلاس ہوٹل ہے۔ ہوٹل ہو جانے کے بعد بھی میں صدر دروازے کی نگرانی کرتا رہا اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ

دروازہ اب بھی اپنی جگہ پر موجود ہے، میری ذاتی رائے ہے کہ صدر دروازے سے نیک چلنی کی ضمانت طلب کرلی جائے۔"

آصف نے مختصر سی رپورٹ دیکھی اور غصے میں بل کھا کر رہ گیا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ تھوڑی دیر بعد حلق پھاڑ کر چیخا۔ "میں اسے ایس پی کے سامنے پیش کروں گا۔"

"ضرور کیجئے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کارکردگی کے سلسلے میں مجھے بھی ترقی مل جائے۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ "اور آپ کی تحریر تو میرے پاس محفوظ ہی ہے۔ اس تحریر میں صرف کہا گیا ہے کہ میں رات بھر کیواس کے صدر دروازے کی نگرانی کرتا رہوں۔ چنانچہ میں کرتا رہا۔ ٹھیک چار بجے گھر واپس گیا۔ نگرانی کی غرض و غائت سے واقف نہیں تھا اس لئے اپنی سمجھ کے مطابق یہ رپورٹ مرتب کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا فخر حاصل کررہا ہوں۔"

"تم نگرانی کے مقصد سے واقف نہیں تھے۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"قطعی نہیں جناب انسپکٹر صاحب۔"

"کیا کچھ دن قبل کیواس میں ایک قتل نہیں ہوا اور تم حیرت انگیز طور پر وہاں پہلے سے موجود نہیں تھے۔"

"آہا... ٹھیک اب یاد آیا۔ لیکن دروازے کی نگرانی کا کیا مطلب تھا۔"

"آج رات کو مراقبہ کرکے کل جواب دوں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور فوجیوں کے انداز میں ایڑیاں بجاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اس وقت کمرے میں آصف اور انور کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا ورنہ آصف کو بڑی شرمندگی نہ ہوتی۔

حمید کی رپورٹ اٹھا کر اُس نے اُس کے پرزے پرزے اڑا دیئے۔ وہ اس واقعے کو آگے بڑھاتا بھی تو کس بناء پر۔ حماقت خود اُسی سے ہوئی تھی۔ اس نے حمید کو تحریری حکم دیا تھا کہ اُسے کیواس کے صدر دروازے کی نگرانی کرنی ہے، لیکن اس میں اس کا تذکرہ نہیں تھا کہ اس سے اس کا مقصد کیا ہے۔ اگر وہ اس معاملے کو آگے بڑھاتا تو اُسے شرمندگی ہی اٹھانی پڑتی۔

دراصل اس حرکت کا مقصد حمید کو پریشان کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

اُدھر حمید نے بھی تہیہ کرلیا تھا کہ اگلا پچھلا حساب اسی بار بیباق کردے گا۔

شام کو آفس سے نکلتے وقت اس نے محسوس کیا کہ آصف اس کی تاک میں ہے اور یہ حقیقت تھی کہ آج آصف باقاعدہ طور پر حمید کا تعاقب کررہا تھا۔

حمید چھوٹی آسٹن میں تھا اس لئے آصف کو ٹیکسی کرنی پڑی اور حمید نے تہیہ کرلیا کہ آج

ٹیکسی ڈرائیور کو کافی فائدہ پہنچائے بغیر نہیں رہے گا۔ اس نے آر لکچو میں رک کر تگڑا ما کیا۔ آصف اس وقت بڑی مہارت کا ثبوت دے رہا تھا۔

حمید جب ویٹر کو ناشتے کے لئے ہدایات دے رہا تھا وہ بڑی پھرتی سے ڈائننگ ہال میں د ہو کر ایک قریبی کیبن میں گھس گیا۔ حمید نے اسے کنکھیوں سے دیکھا۔

آر لکچو میں اُس نے سات بجا دیئے۔ کچھ دیر تک کاؤنٹر کلرک سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا وارنر کی لڑکی آ گئی کیونکہ آج کل وہ دونوں آر لکچو ہی میں مل رہے تھے۔

سات بجے وہ آر لکچو سے نکلے۔ آصف بھی کیبن سے نکل کر باہر آیا۔

حمید کی کار شہر کی گلیوں کے چکر لگانے لگی۔

"کیا بات ہے۔" لڑکی بولی۔ "آج تم آر لکچو میں رکے نہیں۔"

"روزانہ ایک ہی قسم کی تفریح کھل جاتی ہے۔ آج کچھ اور دیکھیں گے۔"

کار سڑکوں پر چکراتی رہی اور آصف ایک ٹیکسی میں اس کا تعاقب کرتا رہا۔ اُسے یقین حمید فریدی کے ٹھکانے سے ضرور واقف ہوگا اور روزانہ کم از کم ایک ہی بار اس سے ضر ہوگا۔ اگر اس طرح وہ فریدی ہی کے ٹھکانے سے واقف ہو گیا تو یہ بھی اس کے لئے ایک بڑ کارنامہ ہوگا کیونکہ ڈی۔ آئی۔ جی ہر حال میں فریدی کا سراغ چاہتا تھا۔

آٹھ بجے حمید نے کار ایک گھٹیا سے شراب خانے کے سامنے روک دی اور لڑکی سے ہوا نیچے اُتر گیا کہ وہ اس کا انتظار کرے۔ شراب خانہ بدنام قسم کا تھا۔ آصف کو کچھ سوچنے پ ہونا پڑا۔ اس نے تھوڑے ہی فاصلے پر ٹیکسی رکوا دی۔ حمید شراب خانے میں داخل ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شراب خانے سے نکل کر پھر کار میں آ بیٹھا۔

"کیا کرتے پھر رہے ہو تم...." لڑکی منمنائی۔

"بس اب کہیں نہ رکوں گا۔" حمید نے کہا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

آصف کی ٹیکسی پھر اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ اس بار حمید نے اپنی گاڑی اُس سڑک دی، جو تار جام کی طرف جاتی تھی۔

"ہائیں کدھر جا رہے ہو۔" لڑکی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ وہ شہر کے باہر نکل تھے۔

"پرواہ مت کرو۔"

"نہیں واپس چلو۔"

"پیچھے دیکھو۔" حمید نے کہا۔ "ایک کار آ رہی ہے۔ اس میں ایک ایسی عورت ہے جو

دی کرنا چاہتی ہے۔ میں اُسے بیوقوف بنانا چاہتا ہوں۔"

لڑکی مڑ کر دیکھنے لگی۔

"ہاں ہے تو۔"

"بس دیکھتی جاؤ۔ تھوڑی دور اور آگے جا کر ہم اچانک مڑیں گے اور پھر مزہ آ جائے گا۔"

"کیا مزہ آ جائے گا۔ نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔"

"وہ عورت۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "زبردستی شادی کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے چار بجے شام سے اس کا پٹرول پھکوا رہا ہوں۔ کار اس کی اپنی نہیں بلکہ ٹیکسی ہے۔ اس کے میٹر اب تک کم از کم پچاس یا پچپن میل بنائے ہوں گے۔"

حمید نے جملہ ختم کر کے کار موڑ لی اور اُس کا رخ اب پھر شہر کی طرف تھا۔ سامنے سے آتی کار زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ اچانک وہ ترچھی ہو کر حمید کی راہ میں حائل ہو گئی۔ اگر حمید پورے بریک نہ لگا دیتا تو ایکسیڈنٹ لازمی تھا۔ لڑکی کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

حمید نے تین چار آدمیوں کو سامنے والی کار سے کودتے دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن لوگوں نے حمید کی کار کو گھیر لیا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور چپ چاپ باہر نکل آؤ۔" کسی نے گرج کر کہا اور اُن دونوں پر ٹارچ کی روشنی پڑی۔ حمید اپنا ہاتھ جیب تک نہیں لے جا سکا کیونکہ اس کی پیشانی سے ایک ریوالور کی نال آ لگی تھی۔

"کھینچ کر باہر نکال لو۔" ان آدمیوں میں سے ایک نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

بہر حال چند ہی لمحوں میں حمید پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے کیونکہ اُسے بے قابو کر کے اُس کے ہاتھ پیر باندھے جا رہے تھے اور لڑکی قریب ہی کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

مسٹر بارن

محکمے کے لئے فریدی کی طرح حمید بھی غائب ہو گیا۔ دو دن ہو گئے لیکن اس کا کہیں سراغ نہ

آصف تو جلا بیٹھا ہی تھا اُس نے وہ زہر افشانیاں کیں کہ خدا کی پناہ۔

دو دن قبل جب وہ حمید کا تعاقب کر رہا تھا تو اُسے شہر ہی میں اس کا پیچھا چھوڑ دینا پڑا تھا۔ دفعتاً

ایک جگہ ٹیکسی ڈرائیور سے اس نے پوچھ لیا کہ کتنے میل بنے ہیں اور پھر جواب میں "تمر
سن کر اُسے اپنا پرس یاد آیا جس میں ہرگز اتنی رقم نہیں تھی، جو اس سے زیادہ سفر کا بار اٹھا
مجبوراً اُسے تعاقب کا خیال ترک کر دینا پڑا تھا۔ حمید کے غائب ہو جانے پر اُس نے محکمے کو ر
دی کہ وہ ایک انگریز لڑکی کے ساتھ تارجام کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا۔

تیسرے دن مسز وارنر نے اپنی لڑکی کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی اور شبہ ظاہر
اُسے کیپٹن حمید نے اغوا کیا ہے۔ آصف کی باچھیں کھل گئیں، کیونکہ وہ بھی اپنی رپورٹ میں
انگریز لڑکی کا حوالہ دے چکا تھا۔

اس شام کے اخبارات نے اغواء کی اس سنسنی خیز خبر کی سرخیاں نت نئے انداز میں چ
اور ہاکروں نے تو آسمان سر پر اٹھا لیا۔

گلوریا اب بھی فریدی کی کوٹھی میں مقیم تھی۔ اس نے بھی اس اغواء کی خبر پڑھی اور د
ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ وہ سچ مچ اپنی بہتیری توقعات حمید سے وابستہ کر بیٹھی تھی۔ اس کی سمجھ
نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ وہاں ٹھہرے یا چلی جائے۔ اُسے کوٹھی کے نوکروں کی آ
میں اپنے لئے تمسخر نظر آنے لگا تھا۔

آخر اس نے فیصلہ کیا کہ اُسے وہاں سے چلا جانا چاہئے.... وہ آدمی جس نے اُ
مصیبت میں پھنسایا تھا کیو اس ہوٹل میں قتل کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا اب اس کی دانست میں خود اس
لئے کوئی خطرہ نہیں رہ گیا تھا۔

اس نے ایک بوڑھے نوکر پر اپنا ارادہ ظاہر کیا لیکن اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔
تھی کہ اس کے متعلق نوکروں کو کسی قسم کے احکامات نہیں دیئے گئے تھے۔

بہر حال اس نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور چل پڑی۔ نوکروں نے اسے جاتے دیکھا لیکن
کا اظہار نہیں کیا۔

مسز وارنر بے خبر سو رہی تھی۔ اچانک ہنگامے کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔
دونوں لڑکیاں شاید اس سے پہلے ہی جاگ گئی تھیں۔

یہ فائروں کی آوازیں تھیں اور قریب ہی سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ سا
آدمیوں کے چیخنے کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔

وہ بوکھلا کر برآمدے میں نکل آئی۔

اور پھر حقیقت ظاہر ہونے میں دیر نہیں لگی۔ مسٹر بارن کے بنگلے پر پولیس نے ریڈ کیا تھا۔
رے بھی گولیاں چل رہی تھیں۔ مسز وارنر چکرا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ آئی۔ وہ چند لمحے اسی
ح کھڑی رہی پھر اپنی لڑکیوں سے گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"چلو.... اندر چلو....!" وہ انہیں اندر جانے کے لئے دھکیلنے لگی۔

"کیوں ممی.... یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"ممی کی بچی اندر چل۔"

اس نے انہیں دھکیل کر اندر کیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے بڑبڑائی۔ "خدا رحم کرے" پھر
یوں کی طرف مڑ کر بولی۔ "جاؤ اپنے کمروں میں جاؤ۔"

"کیوں ممی!.... مسٹر بارن۔"

"چلی جاؤ۔" مسز وارنر جھلا کر چیخی۔

دونوں لڑکیاں چلی گئیں۔

مسز وارنر کے چہرے پر زردی چھا گئی تھی اور اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح پھول اور
ل رہا تھا۔ اُس نے اپنے سینے پر ہاتھوں صلیب کا نشان بنایا۔ کچھ دیر تک اسی حالت میں کھڑی
ی لیکن ذہنی انتشار میں اضافہ ہوتا گیا۔

اچانک فائروں کی آوازیں آنی بند ہو گئیں اور یہ سناٹا بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے
ے کے انتشار کے بعد دم توڑ دیا ہو۔

مسز وارنر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے پیر بُری طرح کانپ رہے تھے۔

پھر وہ اپنے برآمدے میں بھاری قدموں کی آواز سن کر اچھل پڑی۔

کوئی باہر سے گھنٹی بجا رہا تھا۔ مسز وارنر بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

تین چار بار گھنٹی بجی اُس کے بعد دروازہ پیٹا جانے لگا۔ مسز وارنر اپنی حالت سنبھالنے کی
شش کرنے لگی۔

"کون ہے!" اُس نے انتہائی کوشش کے بعد اپنے حلق سے غصیلی سی آواز نکالی۔

"پولیس....!" باہر سے آواز آئی۔ "دروازہ کھولو۔"

وہ آگے بڑھی اور جی کڑا کر کے دروازہ کھول دیا۔ سامنے فریدی کھڑا تھا۔ اُس کے بال بے
تی سے پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر دو ایک جگہ گہری خراشیں نظر آ رہی تھیں،
ن سے خون نکل کر جم گیا تھا۔

"کھیل ختم ہو گیا مسز وارنر.....!" وہ مسکرا کر بولا۔

"کیسا کھیل.... آپ کون ہیں؟"

"تم مجھے اچھی طرح پہچانتی ہو.... اور کھیل بھی تمہارے لئے نیا نہیں۔ بارن کے ہتھ لگ چکی ہیں۔"

"کیوں....؟ کیا کیا مسٹر بارن نے۔" مسز وارنر حیرت انگیز طور پر دلیر ہوتی جا رہی تھی۔

"اُسے اسی بات کا تو افسوس ہے کہ وہ کچھ کر نہیں پایا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں عبرانی یا لاطینی زبان میں گفتگو نہیں کر رہا ہوں۔ فریدی نے خشک لہجے میں کہا او اپنے پیچھے کھڑے ہوئے سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر بولا۔ "اسے بھی حراست میں لے لو لیونارڈ کی ایجنٹ ہے۔"

"نہیں....!" وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔ "یہ غلط ہے۔ میں کسی لیونارڈ کو نہیں جانتی۔"

"غالباً یہ نام بھی تمہارے لئے نیا ہو گا۔"

"میں کسی لیونارڈ کو نہیں جانتی۔"

"آفیسر! تم اسے حراست میں لے لو۔" فریدی نے سب انسپکٹر سے کہا اور اس نے بڑ دردی سے مسز وارنر کے ہاتھ میں ہتھکڑی لگا دی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" مسز وارنر پاگلوں کی طرح چیخی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا تم لیونارڈ سے واقف نہیں ہو۔" فریدی نے پُر سکون لہجے میں پوچھا۔

"نہیں نہیں.... نہیں۔"

"آچ.... چھا۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر وہ ایک الماری کی طرف اُسے کھول کر ایک وینٹی بیگ نکالا۔ یہ مسز وارنر ہی کا تھا۔ فریدی نے اُسے کھول کر میز پ دیا۔ اور پھر گری ہوئی چیزوں میں سے ایک وزیٹنگ کارڈ اٹھا کر مسز وارنر کے چہرے کے ق لے جاتا ہوا بولا۔ "یہ کیا ہے۔"

وزیٹنگ کارڈ پر بڑے بڑے حرفوں میں صرف "لیونارڈ" تحریر تھا۔

مسز وارنر نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ اگر سب انسپکٹر نے اپنا داہنا بازو آگے نہ بڑھا دیا ہو گر ہی پڑی تھی۔

مسز وارنر بیہوش ہو چکی تھی۔

دوسرے دن شائد ہی کوئی ایسا اخبار رہا ہو جس کے دو ایڈیشن نہ چھپے ہوں۔ "لیونارڈ کی ی" اُس دن ہاکر اسی ایک سرخی کو لئے چیختے پھر رہے تھے.... سارے اخبارات نے ....اور مسز وارنر کی تصاویر شائع کی تھیں اور پوری خبر میں یہ لطیفہ سب سے زیادہ دلچسپ کوتوالی میں مسز وارنر اور لیونارڈ میں مار پیٹ تک کی نوبت آ گئی تھی۔ بارن اس سے منکر تھا لیونارڈ ہے اور مسز وارنر پاگلوں کی طرح چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ لیونارڈ ہے اور وہ وزیٹنگ جو فریدی نے مسز وارنر کے وینٹی بیگ سے برآمد کیا تھا اُسی کا دیا ہوا تھا۔

اخبارات میں یہ بھی تھا کہ کیپٹن حمید ابھی تک لاپتہ ہے اور کرنل فریدی کا خیال ہے کہ اس ندگی میں دراصل لیونارڈ ہی کا ہاتھ تھا یہ اور بات ہے کہ ابھی تک اس نے اپنے لیونارڈ ہونے راف نہیں کیا۔ لیکن محکمہ سراغ رسانی کو یقین ہے کہ وہ لیونارڈ ہی ہے کیونکہ وہ اُس سے کافی ں مشابہ ہے۔ بعض معمولی سے فرق اس بات کا ثبوت نہیں ہو سکتے کہ وہ لیونارڈ نہیں ہے یہ ایسے معمولی سے فرق پیدا کرنے پر ہر آدمی قادر ہو سکتا ہے۔

مسز وارنر کی لڑکی کے اغوا کا واقعہ بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی معلوم ہوتا ہے۔ آخیر میں تھا رنل فریدی اب بھی مطمئن نہیں حالانکہ لیونارڈ گرفتار کیا جا چکا ہے، لیکن پھر انہیں کئی باتیں رہی ہیں، جن کا تذکرہ انہوں نے اخبار نویسوں سے نہیں کیا۔

مسز وارنر کے متعلق تھا کہ اس نے ایک اہم انکشاف کیا ہے۔ لیونارڈ اُس سے ایک کام لینا تا تھا۔ اس نے شہر کی ایک معزز عورت (جس کا نام محکمہ سراغ رسانی ظاہر نہیں کرنا چاہتا) کو میل کرنے کے لئے جال بچھایا تھا۔ اور اُس سے ایک بہت بڑی رقم کا مطالبہ کر رہا تھا۔ رام کے مطابق وہ رقم مسز وارنر ہی اُس عورت سے وصول کر کے لیونارڈ تک پہنچاتی۔

لیڈی پرکاش کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور وہ قہر آلود نظروں سے فریدی کو گھور رہی تھی۔ فریدی اُسی کے ڈرائنگ روم میں تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کچھ دیر قبل کوئی رلانے والی بات کہی ہو۔

"لیڈی پرکاش.... آخر اب اس کا اعتراف کر لینے میں کیا حرج ہے۔"

"کرنل فریدی آپ ایک معزز آدمی ہیں ورنہ میری زبان سے آپ کچھ اور سنتے۔"

"جو کچھ بھی سنتا اُس پر مجھے قطعی افسوس نہ ہوتا۔"

"آپ عجیب ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی کافی مشغول آدمی ہوں گے۔"

"لیڈی پرکاش میں آپ سے اعتراف کرائے بغیر ہرگز واپس نہ جاؤں گا۔"

"کرنل فریدی۔" وہ پھر جھلا گئی۔ "مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ میں آپ کے آفیسروں آپ کی شکائت کروں۔"

"اچھا....!" فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اگر خود لیونارڈ ہی نے مقدمے دوران اس کا اعتراف کر لیا تو.... اُس وقت آپ کی کیا پوزیشن ہو گی۔"

"دیکھا جائے گا۔" وہ جلدی سے کہہ گئی۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔ "کس بات کا اعتراف کر لے گا۔"

"یہی کہ وہ آپ کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔"

"وہ کہنے ہی کیوں لگا جب کہ نہ میں اُسے جانتی ہوں اور نہ وہ مجھے جانتا ہے۔"

"اس کے باوجود بھی وہ وی آنا میں آپ سے ایک بڑی رقم وصول کر چکا ہے۔"

"کرنل صاحب! بس اب جائیے۔ میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔"

"اچھا ختم کیجئے! کیا آپ کے یہاں گراموفون ہے۔"

"کیا اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہیں آپ۔"

"اگر ہو تو ذرا منگوائیے۔ میں ایک ریکارڈ سن کر واپس چلا جاؤں گا۔ یہ میری آخری درخواست ہے۔ اوہ آپ تو مجھے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے آپ کو میرے صحیح الدماغ ہونے پر شبہ ہو۔"

"واقعی کرنل! میں نہیں سمجھ سکتی۔" لیڈی پرکاش مسکرائی۔ لیکن اس مسکراہٹ می جھلاہٹ کا عنصر بہت زیادہ تھا۔

"مجھے مایوس نہ کیجئے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

لیڈی پرکاش تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی، پھر اُس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"گراموفون اٹھا لاؤ۔" اُس نے اس سے کہا۔

گراموفون آنے تک خاموشی رہی۔ ملازم نے گراموفون لا کر میز پر رکھ دیا۔ فریدی اپنے مینٹل سے ایک ریکارڈ نکالا۔

لیڈی پرکاش حیرت سے فریدی کو دیکھ رہی تھی۔ نوکر جا چکا تھا۔ فریدی گراموفون پر ریکار چڑھا کر لیڈی کی طرف مڑا۔

....لیڈی پرکاش....!" گراموفون سے کسی مرد کی آواز آئی۔

نہ آواز ایک قہقہے کے ساتھ۔ "دریائے ٹیمز کی مچھلیوں میں سے ایک۔"

ے.... میری درخواست سنئے۔" لیڈی پرکاش کی آواز تھی۔ "میں سر دست اتنی بڑی م نہیں کر سکتی! رحم کیجئے۔"

رکاش ارب پتی ہے۔" مرد کی آواز۔

ک ہے! لیکن میں انہیں کیا بتاؤں گی۔ کیا بہانہ کروں گی۔ تین لاکھ بہت ہوتے ہیں۔"

شش کرو.... ورنہ انجام تم جانتی ہو۔"

ں سب کچھ جانتی ہوں۔ اچھا فی الحال مجھے معاف کیجئے۔ میرے یہاں مہمان ہیں۔ میں دوں گی۔ وہ انجام میں پسند نہیں کروں گی جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔"

ھا.... لیکن بہت جلد۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔"

ی نے ساؤنڈ بکس اٹھا دیا.... اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی.... اور ش اس طرح ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے میں دھنسی ہوئی تھی جیسے اُسے یقین ہو کہ دیر بعد مر جائے گی۔

ب آپ کیا کہتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

ی پرکاش صرف تھوک نگل کر رہ گئی۔

ردانہ آواز کیپٹن حمید کی تھی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

کھئے کک کرنل۔" لیڈی پرکاش جملہ پورا کرنے کی بجائے اپنی پیشانی پر پسینے کی بوندیں نے لگی۔

ں آپ کی بدنامی نہیں پسند کروں گا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ بت ہی نہ آئے، ورنہ آپ اس ریکارڈ کے مصرف سے تو واقف ہوں گی.... ظاہر ہے کہ رڈ کے مقدمے کے دوران میں عدالت میں پیش کیا جائے گا۔"

اوہ.... کرنل....!"

لیکن نہیں! آپ کا ماضی خواہ کچھ رہا ہو۔ لیکن اب تو آپ باعزت طور پر زندگی بسر کر رہی ا یہ کبھی نہ چاہوں گا کہ آپ سر پرکاش کی نظروں میں ذلیل ہو جائیں۔ اگر یہ ریکارڈ میں پیش کیا گیا تو مجبوراً آپ کو اُن قابل اعتراض تصویروں اور خطوط کا تذکرہ کرنا پڑے ارڈ کے قبضے میں ہیں اور جن کی قیمت وہ تین لاکھ طلب کر رہا ہے۔"

پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"میری مدد کیجئے۔"

"میں نے لیونارڈ کو گرفتار تو کرلیا ہے لیکن وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرتا کہ وہ لیو ہے۔ حالانکہ وہ لیونارڈ سے بہت کچھ مشابہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ مشابہت کوئی خاص بات نہی بہتیرے لوگ دوسروں سے مشابہ ہوتے ہیں۔"

"لیکن آپ کے پاس اس کی دوسری نشانیاں بھی تو ہوں گی۔" لیڈی پرکاش بولی۔ "مثلاً پرنٹس۔ انہیں وہ کیسے جھٹلائے گا۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔" فریدی نے کہا۔ "سب کچھ تھا لیکن اُس نے اپنا کیس بیگ پہلے دفتر سے غائب کرا دیا تھا۔"

"خیر.... بہر حال.... میں آپ کی مدد کیسے کر سکتی ہوں۔"

"اس نے رقم سمیت آپ کو کہاں بلایا تھا اور آپ کو وہاں کب جانا ہے۔"

"کل رات کو جانا تھا.... مگر وہ تو جیل میں ہے۔"

"کہاں جانا تھا۔"

"کمٹالی کے میدان میں۔"

"تو آپ کل ضرور جایئے گا۔"

"کیوں! اب تو وہ جیل میں ہے۔"

"کسی سے کہیئے گا نہیں۔" فریدی نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "وہ آج رات کو جیل سے فر ہو جائے گا۔"

"میں آپ کی کوئی بات نہیں سمجھ سکتی۔"

"اوہو....! میں اُسے دوبارہ موقعہ واردات پر پکڑنا چاہتا ہوں۔"

"میں سمجھ گئی۔"

"سمجھ گئیں نا....!" فریدی مسکرانے لگا۔

اپاہج لیونارڈ

لیڈی پرکاش ایک بجے رات سے دو بجے تک کمٹالی کے سنسان علاقے میں لیونارڈ کا انتظا کرتی رہی، لیکن وہ نہیں آیا۔ آخر وہ تھک ہار کر واپس آگئی وہ اپنے ساتھ پوری رقم لے گئی تھی۔ دوسرے دن اُسے ٹیلی فون پر پھر اُسی آدمی کی خوفناک آواز سنائی دی جسے وہ کئی بار سن چکی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "میں وہاں موجود تھا لیڈی پرکاش.... لیکن مصلحتاً تم سے نہیں ملا۔ کیا تم بتا تی ہو کہ میری گرفتاری کی خبر سننے کے باوجود بھی تم وہاں کیوں آئی تھیں۔"

"کیونکہ میں لیونارڈ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ایک بار لندن میں بیک وقت دس عدد نارڈ پیدا ہوگئے تھے۔ پولیس نے دسوں کو پکڑ لیا لیکن اس کے باوجود بھی اس کی رسائی لیونارڈ نہیں ہوئی۔"

"تم بہت عقل مند ہو۔ لیڈی پرکاش! چلو اس عقلمندی کے صلے میں میں ایک لاکھ معاف تا ہوں۔ تم صرف دو ہی لاکھ لانا۔"

"شکریہ.... مگر اس بار مجھے وہ تصویریں اور خطوط واپس مل جانے چاہئیں۔"

"مطمئن رہو.... ایسا ہی ہوگا۔"

"میں کیسے یقین کرلوں۔ پچھلی بار وی۔ آنا میں بھی تم نے مجھے دھوکا دیا تھا۔"

"اس بار ایسا نہیں ہوگا لیڈی پرکاش۔ مطمئن رہو۔"

"تو پھر میں کب آؤں۔"

"پرسوں بارہ بجے رات کو۔"

"اچھا میں آؤں گی۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔

لیڈی پرکاش نے کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر پنسل سے گھسیٹ دیا۔ "پرسوں بارہ بجے ن کو۔" اور پرزے کو مٹھی میں دبائے ہوئے عمارت کے اس حصے میں چلی گئی جہاں کبوتر رکھے تے تھے۔ ایک کبوتر دوسروں سے الگ ایک پنجرے میں بند تھا۔ لیڈی پرکاش نے اُسے نکالا اور کے پرزے کو اس کے پیر میں پڑے ہوئے چھلے سے لگی ہوئی ایک نلکی سے ٹھونس دیا۔

یہ نامہ بر فریدی ہی نے اُسے دیا تھا تاکہ وہ اُسے حالات سے مطلع کرتی رہے۔

لیڈی پرکاش نے کبوتر کو فضا میں اچھال دیا۔ کبوتر نے بلند ہو کر عمارت کے گرد چکر لگایا اور یک طرف اڑتا چلا گیا۔

لیڈی پرکاش فریدی سے پورا پورا تعاون کر رہی تھی کیونکہ فریدی نے اُس دن اُسی کے ئے نہ صرف وہ ریکارڈ توڑ دیا تھا بلکہ وعدہ کیا تھا کہ لیونارڈ کے پاس اُس کے لئے بلیک میلنگ کا جو بھی سامان ہوگا کسی کو دکھائے بغیر ضائع کر دیا جائے گا۔

❁

رات تاریک تھی.... اور کمٹالی کا لق ودق میدان حد درجہ ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا لیکن ایک

عورت اُس رونگٹے کھڑے کر دینے والے ماحول میں بے خوف و خطر لیونارڈ جیسے خطرناک آدمی کا انتظار کر رہی تھی۔

آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور کسی وقت بھی بارش ہو سکتی تھی۔ لیڈی پرکاش بارہ سے ایک تک انتظار کرتی رہی لیکن کوئی نہ آیا۔ آخر اُسے سوچنا ہی پڑا کہ لیونارڈ مآل اندیشی سے کام لے رہا ہے۔ ہر ہر طرح اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہے۔ ممکن ہے وہ آج بھی نہ آئے۔

لیکن سارا میدان تو سنسان پڑا تھا۔ اگر فریدی دوبارہ لیونارڈ کی تاک میں ہے تو کم از کم وہ تو یہاں موجود ہی ہوگا۔

لیڈی پرکاش اپنی کار میں بیٹھ گئی۔ اس وقت حقیقتاً اس کے پاس دو لاکھ کی رقم بڑے نوٹوں کی شکل میں موجود تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُسے یہ سوچ کر خوف محسوس ہونے لگا کہ کہیں کوئی دوسرا ہی اُسے نہ لوٹ لے۔

لیڈی پرکاش نے بے تحاشہ کار اسٹارٹ کی اور بڑی تیز رفتاری سے سڑک تک لائی۔

سڑک سنسان پڑی تھی۔ وہ برابر رفتار تیز کرتی جا رہی تھی۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ ایک دوسری کار بھی بالکل اُسی کار کے برابر چل رہی ہے۔ لیڈی پرکاش کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"لیڈی پرکاش....!" دوسری طرف کی کار سے آواز آئی۔ بولنے والا لہجے کے اعتبار سے انگریز معلوم ہوتا تھا اور اس نے اُسے انگریزی ہی میں مخاطب کیا تھا۔

"ہاں میں ہوں۔" لیڈی پرکاش سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"گاڑی روک دو۔ میں مطمئن ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

لیڈی پرکاش نے رفتار کم کر دی۔

"اندر کی لائٹ جلا دو۔" دوسری کار سے آواز آئی۔

لیڈی پرکاش نے اپنی کار کے اندر روشنی کر دی اور پھر بریک لگا کر انجن بند کر دیا۔ دوسری کار بھی رک گئی اور اس پر سے ایک آدمی اُترا۔

"رقم کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

لیڈی پرکاش نے پچھلی سیٹ پر پڑی ہوئے چمڑے کے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے اُسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہریئے۔" لیڈی پرکاش بولی۔ "میری چیزیں میرے سپرد کیجئے۔"

لیکن وہ پچھلی سیٹ سے تھیلا اٹھا چکا تھا۔

اُس نے اُسے اپنی کار میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "لیڈی پرکاش! میرے پاس سب کچھ محفوظ

ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ میں ابھی یہاں بہت دنوں تک قیام کروں گا۔"

"اور مجھے بدستور بلیک میل کرتے رہو گے۔"

"نہ! نہ ہرگز نہیں لیڈی پرکاش۔ تم بہت معزز عورت ہو۔ میں نے مجبوراً تمہیں تکلیف دی اب میں تمہارا دوست ہوں۔ آئندہ ہم دوستوں کی طرح ملیں گے اور تم اونچے حلقوں میں ارف کراؤ گی۔"

"میں سمجھی۔" لیڈی پرکاش ایک لمبی سانس لے کر بولی۔ "یعنی مجھے چارہ بنا کر دوسروں کو و گے اور میں مجبوراً تمہارا آلہ کار بنی رہوں گی۔"

"تم بہت ذہین ہو۔ لیڈی پرکاش! اچھا شب بخیر..... بہت جلدی تم سے ایک معزز آدمی کی سے تمہارے گھر ہی پر ملاقات کروں گا۔"

"ٹھہرو پیارے....!" قریب ہی سے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی اور لیونارڈ بے ساختہ ر مڑا۔ لیڈی پرکاش کی کار کی اسٹپنی کے قریب ایک آدمی کھڑا تھا۔ لیکن تاریکی کی وجہ سے ں جا سکتا تھا۔

"میرے ہاتھ میں ریوالور ہے..... لیونی ڈارلنگ۔" نووارد بولا۔ "اور اُس کا رخ تمہاری ہی ہے۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

ڈی پرکاش نے فریدی کی آواز صاف پہچان لی اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

نارڈ نے دیوانوں کی طرح فریدی پر چھلانگ لگائی۔

یدی بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا اور لیونارڈ منہ کے بل نیچے چلا آیا۔

یدی نے آگے بڑھ کر اپنا ایک پیر لیونارڈ کی پشت پر رکھ دیا۔

"تم جسمانی طور پر زیادہ طاقتور نہیں ہو! لیونارڈ!" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ لیکن ہی لمحے میں اُسے اپنے اس جملے پر شرمندہ ہونا پڑا۔ کیونکہ اس کی ٹانگ اب لیونارڈ کی بں تھی اور وہ خود زمین پر تھا۔

نارڈ کسی پاگل کتے کی طرح فریدی کو بھنبھوڑ رہا تھا۔ اچانک اس کی گردن فریدی کی گرفت اور ساتھ ہی ایک گھونسے نے جو اس کی ناک پر پڑا اُسے بدحواس کر دیا۔

لیڈی پرکاش نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ وہ ہاتھ میں ٹارچ لئے اُن دونوں پر ال رہی تھی۔

یونارڈ....!" فریدی اس کی ٹانگ مروڑتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "اب تم بھی جیل خانے سے نہیں لو گے۔"

لیونارڈ کی چیخ دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔ پھر دوسری چیخ.... اور اس کے بعد وہ بیہوش ہو گیا۔

فریدی نے اس کے دونوں پیر ٹخنوں سے اُتار دیئے تھے۔

"لیڈی پرکاش....!" فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "میں آپ کا مشکور ہوں۔"

"کیا آپ نے اس کے پیر توڑ دیئے ہیں۔"

"ہاں لیڈی پرکاش اور یہ اب زندگی بھر پیروں کے بل کھڑا نہ ہو سکے گا۔ میں اپنے دشمنوں کو جان سے نہیں مارا کرتا۔ ایسا کرنے سے انتقام کی لذت ختم ہو جاتی ہے۔"

"انتقام! کیا پچھلے دنوں آپ پر اسی نے حملہ کیا تھا۔"

"ہاں! اس کے علاوہ اور کون کرتا۔ اس کی گاڑی سے اپنا تھیلا اٹھا لیجئے۔ اچھا شب بخیر۔ آپ کی چیزیں حاصل ہوتے ہی آپ تک پہنچا دی جائیں گی۔ مطمئن رہئے۔ کسی کو اُن کی ہوا بھی نہ لگنے پائے گی۔ اچھا ٹاٹا۔"

لیڈی پرکاش نے لیونارڈ کی کار سے تھیلا اٹھایا اور چند لمحے کھڑی فریدی کو دیکھتی رہی اور پھر اپنی کار میں بیٹھی ہوئی بولی۔ "میں مرتے دم تک آپ کی احسان مند رہوں گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں لیڈی پرکاش....!" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

لیڈی پرکاش کی کار فراٹے بھرتی ہوئی اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

❁

"یار کیا تماشہ بنا رکھا ہے تم نے۔" ڈی۔ آئی۔ جی فریدی پر جھلا گیا۔

"کتنے لیونارڈ پکڑو گے۔" اُسے سوتے سے اٹھ کر آنا پڑا تھا۔ رات کے تین بجے تھے۔

"اب ایک بھی نہیں پکڑوں گا۔ جناب یہ آخری تھا۔"

"آخر یہ ہے کیا! ایک کو تم نے جیل میں ٹھونس رکھا ہے اور اب یہ دوسرا۔ جب تمہیں یقین نہیں تھا تو تم نے بارن کو خواہ مخواہ کیوں ذلیل کیا۔ جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ وہ محکمے پر مقدمہ قائم کر دے گا۔ سفارتی پیمانے پر ہمارے خلاف کاروائی ہو گی۔"

"اگر بارن نے اس کی جرأت کی تو میں اس کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔" فریدی نے کافی سنجیدگی سے کہا اور ڈی۔ آئی۔ جی ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"تو [illegible] دارانہ گفتگو سے پرہیز کیا کرو۔"

"میں ٹھیک عرض کر رہا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔ "بیچارا حمید ہر حال میں بیچارا ہے، جس طرح دل چاہے اُسے استعمال کیجئے۔"

"کیا مطلب....!"

"بارن دراصل آپ کا پرانا خادم حمید ہے۔ کچھ دن تک میں نے بھی بارن کا رول ادا کیا ہے اور اُس مخصوص موقع کے لئے حمید پر بارن کا میک اپ کر دیا تھا۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"شروع سے عرض کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اپنی جیبیں ٹٹول کر رہ گیا۔

"اوہ.... سلگا لو سگار....!" ڈی۔ آئی۔ جی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "تمہارے لئے اجازت ہے۔ تم میرے سامنے سگار پی سکتے ہو۔ بہت پہلے کہہ چکا ہوں اور بیان جاری رکھو۔"

"شکریہ۔" میں نے آٹھ گھنٹے سے سگار نہیں پیا۔ فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ اُس نے دو تین کش لئے اور پھر بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ داستان کہاں سے شروع کروں۔ ویسے اگر میں اتنا پیچیدہ راستہ نہ اختیار کرتا تو لیونارڈ تک پہنچنا محال ہو جاتا۔ لیکن اس وقت یہ اس طرح پکڑا گیا ہے، جیسے کوئی چوہا چوہے دان میں آ پھنسے۔ بہر حال لیونارڈ کے کیس بیگ سے اس داستان کا آغاز ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ریکارڈ روم سے اپنا کیس بیگ غائب کرا دینے کے بعد ہی سے اس نے مجھ پر حملے شروع کئے تھے۔ کیس بیگ غائب کرانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ لیونارڈ اس بار اپنے صرف اُن ایجنٹوں سے رابطہ قائم کرے جن تک میری پہنچ نہیں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ مجھے جن ایجنٹوں کا علم تھا میں نے ان کا حوالہ اپنی رپورٹ میں دیا تھا اور رپورٹ کیس بیگ میں محفوظ تھی لیکن دو تین نام ایسے بھی تھے جن کا حوالہ دینا میں بھول گیا تھا۔ لیونارڈ انہیں لوگوں سے اس بار کام لیتا رہا ہے۔ وہ کل تین تھے۔ اُن میں سے ایک کیواس ہوٹل میں قتل کر دیا گیا اور بقیہ دو کو اس وقت تک سارجنٹ رمیش نے گرفتار کر لیا ہو گا۔ لیونارڈ کے گرد اپنا جال مضبوط کرنے کے لئے مجھے بہت کچھ کرنا پڑا ہے۔ اس کا جو ایجنٹ کیواس میں قتل کیا گیا تھا اُسی نے مجھ پر اس کی لڑکی گلوریا کے فلیٹ سے گولی چلائی تھی اور پھر اُسے گلوریا نے اس کی غیر معمولی قسم کی انگلیوں کی وجہ سے پہچان لیا۔ لیونارڈ کو شائد اس کی خبر ہو گئی اور اس نے اُسے قتل ہی کرا دیا۔ کیواس ہوٹل کے جس کمرے میں اس کی لاش پائی گئی تھی وہاں لیونارڈ کا ایک دوسرا ایجنٹ مقیم تھا اور اُس کے متعلق مجھے شبہ تھا کہ وہ لیونارڈ کی قیام گاہ سے واقف ہے۔ لہٰذا میں بہت قریب سے اس کی نگرانی کرتا رہا۔ دوسری طرف ایک دوسرے چکر میں بھی تھا۔ اسکیم یہ تھی کہ میں ایک دوسرا لیونارڈ بھی پیدا کر دوں جو لیڈی پرکاش سے رقم وصول کرنے کی کوشش کرے اس کے لئے میں نے دیدہ دانستہ لیونارڈ کی ایک ایسی ایجنٹ عورت کا انتخاب کیا جس کا حوالہ میں اپنی رپورٹ دے چکا تھا۔ مسز وارنر.... اور پھر میں اس سے بڑے ڈرامائی انداز میں ملا۔ میں بارن کے میک اپ میں تھا۔ یعنی میں نے

قریب قریب خود کو لیونارڈ کا ہم شکل بنالیا تھا۔ پھر میں نے مسز وارنر کو یقین دلادیا کہ میں ہی لیونارڈ ہوں۔"

فریدی نے وہ طریقہ بتایا جس سے اس نے مسز وارنر سے تعارف حاصل کیا تھا او ڈی۔ آئی۔ جی بے اختیار مسکرا پڑا۔

فریدی نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں دراصل اُس دن دو مختلف قسم کے جال بچھا چاہتا تھا۔ ایک تو بحیثیت بارن مسز وارنر سے تعارف حاصل کرنا اور دوسرا.... وہ اور زیادہ دلچسپ ہے۔ لیکن حمید کا موڈ پٹنے کے بعد بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا اس لئے اس نے میرے بتائے ہوئے دوسرے کام پر اُسی وقت لعنت بھیج دی۔ ورنہ شاید لیونارڈ اسی رات کو پکڑ لیا گیا ہوتا۔ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کیو اس ہوٹل والے ایجنٹ پر مجھے شبہ تھا کہ وہ لیونارڈ کے ٹھکانے سے واقف ہے۔ دوسرا طریقہ جو میں نے اختیار کرنا چاہا تھا اگر حمید نے اُس پر اُسی رات عمل کر ڈالا ہوتا تو وہ ایجنٹ لیونارڈ کے پاس جانے پر مجبور ہو جاتا اور میں اس کا تعاقب کر کے لیونارڈ تک پہنچ جاتا۔"

فریدی نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد مینڈکوں کے پنجرے والا لطیفہ دہرایا۔

"لیکن اس بے تکی حرکت کا مقصد۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"میں عموماً بے تکی ہی حرکتیں کرتا ہوں۔" فریدی کا لہجہ قدرے ناخوشگوار ہو گیا، لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال کر ہنستے ہوئے کہا۔ "کیو اس کے مالک کو صفائی کا خبط ہے اور وہ اس طرح میز پر کہنیاں ٹیک کر بیٹھتا ہے کہ بعض اوقات دور سے دیکھنے پر پہلی نظر میں کوئی بہت بڑا مینڈک معلوم ہوتا ہے۔ لیونارڈ کا ایجنٹ اُسے مینڈک کہہ کر چڑایا کرتا تھا۔ ایک بار دونوں میں اسی بات پر جھگڑا بھی ہو گیا تھا۔ میں نے یہ ماجرا دیکھ کر ہی وہ اسکیم مرتب کی تھی۔ بہر حال ادھر مینڈکوں والا ہنگامہ برپا ہوا اور ادھر میں نے لیونارڈ کے ایجنٹ کو فون کیا.... لیکن جواب نہ ملا۔ تدبیر یہ تھی کہ میں اُسے اس ہنگامے کی اطلاع دیتے ہوئے بتاتا کہ شہزاد چھرالے کر اُس کے کمرے کی طرف آرہا ہے اُسے شبہ ہے کہ پنجرے میں مینڈک وہی لایا ہے۔ میں اُسے یہ بھی بتاتا کہ میں بھی اس ہوٹل کا ایک کرائے دار ہوں اور نہیں چاہتا کہ اُسے کوئی گزند پہنچے پھر وہ جس راستے سے بھی نکل کر بھاگتا اُس کی.... مڈبھیڑ حمید سے ضرور ہوتی۔ ویسے بیچارے حمید کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ مینڈکوں والی حرکت کا مقصد کیا تھا اور.... لیکن وہ اسکیم ناکام رہی۔ میرا خیال ہے کہ حمید کو وہاں دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ اُسی کی حرکت ہو گی اور پھر بدحواسی میں وہ لیونارڈ کی قیام گاہ ہی کا رخ کرتا۔"

"لیکن خود کو لیونارڈ پوز کرنے میں کیا مصلحت تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"مقصد محض یہ تھا کہ لیونارڈ کو ذہنی انتشار میں مبتلا کیا جاسکے.... مسز وارنر کے ذریعے میں نے تھوڑی سی بلیک میلنگ بھی کی ہے اور مسز وارنر میرے ہی کہنے پر لیڈی پرکاش کے گرد منڈلاتی رہی ہے۔ میں نے بحیثیت لیونارڈ شہر کے بعض چھٹے ہوئے بدمعاشوں سے بھی رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لیونارڈ کے دونوں ایجنٹ میرے چکر میں رہنے لگے۔ اور لیونارڈ کی توجہ کچھ دنوں کے لئے فریدی کی طرف سے ہٹ گئی اور پھر اُس کے ایجنٹوں نے کئی بار فریدی کو بھی نقلی لیونارڈ کے بنگلے کے آس پاس منڈلاتے دیکھا اور پھر انہوں نے ایک دن یہ بھی دیکھا کہ نقلی لیونارڈ یا بارن نے ایک دن اپنے بدمعاشوں کی مدد سے کیپٹن حمید اور وارنر کی لڑکی کو اغوا کر لیا اور یہ بات بھی لیونارڈ کے نوٹس میں آئی کہ مسز وارنر نے اسی لڑکی کے اغواء کے الزام میں حمید کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے۔ لیونارڈ سچ مچ بوکھلا گیا۔ اس نے میری طرف سے بالکل توجہ ہٹالی اور سارا زور بارن پر صرف کرنے لگا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں نقلی لیونارڈ لیڈی پرکاش والی رقم پر نہ ہاتھ صاف کر جائے۔

پھر جب حمید کو میں نے بارن بنا کر جیل خانے میں پہنچادیا تو لیونارڈ کو ایک گونہ اطمینان ہوا اور اس نے پہلے مجھ سے نپٹنے کی بجائے یہی بہتر سمجھا کہ لیڈی پرکاش سے جتنی جلد ہو سکے رقم وصول کر لے.... اور پھر جناب آپ کا یہ خادم دوبار مرتے مرتے بچا ہے۔" فریدی خاموش ہو کر مسکرانے لگا۔

"کیوں؟ کیسے؟" ڈی۔ آئی۔ جی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کسی کار کی اسٹپنی میں دو تین گھنٹے تک بند رہنے کا اتفاق ہوا ہوتا تو آپ صحیح اندازہ کر سکتے۔ میں دو راتیں اس قسم کی حرکت کر چکا ہوں.... لیڈی پرکاش کی اسٹپنی میں گھس کر بیٹھنا اور وہ بھی اس طرح کہ لیڈی پرکاش کو خبر نہ ہو۔ وہ لیونارڈ کی مطلوبہ رقم لے کر کمتالی کے میدان میں گئی تھی۔ پہلی رات لیونارڈ نے اس کے قریب آنے کی ہمت نہیں کی اور اُسے یونہی واپس آنا پڑا۔ غالباً لیونارڈ یہ دیکھتا رہا ہو گا کہ کہیں پولیس بھی تو کمتالی کے میدان سے دلچسپی نہیں لے رہی ہے.... اور رات وہ اچھی طرح اپنا اطمینان کر لینے کے بعد لیڈی پرکاش سے ملا۔ لیکن اس کی موت لیڈی پرکاش اپنے ساتھ لئے پھر رہی تھی۔ میں نے لیڈی پرکاش کی کار کی اسٹپنی سے نکل کر لیونارڈ پر حملہ کر دیا.... یہ ہے پوری داستان۔"

"اور اس بار پھر تم نے تنہا ہی سب کچھ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"مجبوری تھی جناب کسی کار کی اسٹپنی اتنی بڑی نہیں ہوتی کہ اس میں بیک وقت دو آدمی سما سکیں.... اور بھیڑ بھاڑ کا انجام تو آپ جانتے ہی ہیں۔ پولیس کی مدد سے میں اُسے لاکھ برس میں

بھی نہ گرفتار کر سکتا۔"

فریدی خاموش ہو گیا.... اچانک ایک سرکاری ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔

"اس کے دونوں پیر شائد ہمیشہ کے لئے بیکار ہو گئے ہیں اور اس طرح اکھڑے ہیں کہ بحا قریب قریب ناممکن ہے۔ شاید اب وہ پیروں کے بل کبھی نہ کھڑا ہو سکے۔"

فریدی مسکرا کر بولا۔

"اب لیونارڈ خود ہی عدالت میں پھانسی کی استدعا کرے گا۔ شاید وہ اپاہج ہو کر زندہ رہنا پسند نہ کرے۔"

فریدی خاموش ہو کر فرش کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور نہ جانے کیوں خود بخود کانپ کر رہ گیا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
16

جاسوسی دنیا

50- پاگل خانے کا قیدی

51- شعلوں کا ناچ

52- گیارہواں زینہ

پیشرس

پاگل خانے کا قیدی ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں فریدی اور حمید سے ملئے۔ حمید کی دلچسپیاں اس کی شرارتیں اور رام گڈھ کی پُر اسرار فضاؤں میں پروان چڑھنے والی یہ کہانی کتنی دلچسپ اور کتنی معرکتہ الآرا ہے۔ اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کر سکیں گے لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ابن صفی کے اندازِ بیان نے اردو میں جاسوسی ناول لکھنے والوں کے لئے ایک نئی طرح ڈالی ہے، جو اپنی مثال آپ ہے۔ جاسوسی ادب میں ابن صفی کے معیار پر پہنچنا ایک لمبے عرصے تک شاید کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہوگا۔ وہ قاری کو کہانی کے تانے بانے میں اس طرح الجھا دیتے ہیں کہ پڑھنے والا اس وقت تک ناول ہاتھ سے نہیں چھوڑتا جب تک اسے ختم نہ کرلے۔ پاگل خانے کا قیدی بھی ایسی ہی کہانی ہے، جسے آپ ایک ہی نشست میں پڑھنا پسند کریں گے۔

پبلشر

ایک سفر

کمپارٹمنٹ میں کئی افراد تھے۔ لیکن سب خاموش تھے۔ ٹرین فراٹے بھر رہی تھی.... کمپارٹمنٹ ایئر کنڈیشنڈ تھا ورنہ لوگ سکون سے مطالعہ کرنے اور اونگھنے کی بجائے بہت شدت سے بےچین نظر آتے کیونکہ کمپارٹمنٹ کے باہر مئی کا آتش بار سورج اپنی قہر انگیزی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

کمپارٹمنٹ میں دو کافی خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں۔ اسی لئے کیپٹن حمید پر اختلاج قلب کا دورہ پڑ گیا تھا، جہاں حسن ہو وہاں سناٹا اُسے غیر فطری معلوم ہوتا تھا اور کسی غیر فطری ماحول میں جسمانی نظام کا متاثر ہونا ضروری ہے لہٰذا اس پر اختلاج کا دورہ پڑ گیا۔

فریدی ایک کافی ضخیم کتاب میں سر کھپا رہا تھا۔ مطالعہ میں انہماک اور چیز ہے اور اس کے انداز سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی لائبریری کے وسیع کمرے میں تنہا بیٹھا ہو۔ سگار سلگاتے وقت بھی اس کی نظر کتاب ہی پر ہوتی تھی۔ یہ کسی جرمن مصنف کی تصنیف جرمن ہی زبان میں تھی۔

فریدی کمپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے تمام افراد سے مختلف نظر آرہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دوسرے لوگ بار بار اُسے دیکھتے تھے۔ لوگوں کے دیکھنے پر تو حمید کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن وہ لڑکیاں.... وہ دونوں فریدی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھیں۔ دلچسپی لینے کی بات ہی تھی کیونکہ فریدی ایک بار بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ ہر وہ نوجوان ایسی لڑکیوں کے لئے عجوبہ ہوگا، جو انہیں نظر انداز کر کے اس طرح مطالعہ میں مشغول ہو جائے کہ ایک آدھ بار

نظروں کا تصادم بھی نہ ہو سکے۔ ویسے وہ لڑکیاں حقیقتاً اتنی ہی پرکشش تھیں کہ ایک معمر آدمی دردِ سر کا بہانہ کر کے بار بار آہیں بھر رہا تھا اور انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے کبھی کبھی بڑبڑانے بھی لگتا تھا۔

لڑکیوں کے ساتھ بھی ایک معمر آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں دھندلی تھیں۔ لیکن پھر بھی اُن سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ بہت ذہین اور پڑھا لکھا آدمی ہے۔ چہرہ بیضوی اور ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ پیشانی اونچی اور بہت کشادہ... سر پر برف کے سے شفاف بال جنکی تعداد پر شائد عمر کی زیادتی بھی اثر انداز نہیں ہو سکی تھی۔ مجموعی طور پر اُس کا چہرہ نرم دل شفیق آدمیوں کا سا تھا۔

اس نے بھی اکثر فریدی کے انہاک کو توجہ اور دلچسپی کی نظر سے دیکھا تھا۔ حمید اس پر اور زیادہ کباب ہوا تھا.... لیکن.... اس وقت اُسے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ لوگ اس کی طرف عموماً اسی وقت متوجہ ہوتے تھے جب وہ اپنے مخصوص انداز میں بولنا شروع کرتا تھا اور فریدی کی شخصیت ایسی تھی کہ دوسرے اُسے ہر حال میں دوبارہ دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

حمید سوچنے لگا کہ اب اُسے زبردستی بوڑھے سے جان پہچان پیدا کرنی چاہئے، لیکن فی الحال کوئی طریقہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈی سی سانس لی اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ وہ پندرہ منٹ بھی خاموش رہنا پسند نہیں کرتا تھا، چہ جائیکہ متواتر چار گھنٹے.... اُسے چار گھنٹے چار سال معلوم ہوئے تھے۔ چار گھنٹے سے اس نے زبان نہیں کھولی تھی اور اب قریب ہی تھا کہ اکتاہٹ دردِ سر میں تبدیل ہو جائے، اچانک اُس کی نظر ایک رومال پر پڑی، جو باتھ روم کے قریب فرش پر پڑا ہوا تھا۔ یہ رومال حمید نے اس بوڑھے کے ہاتھ میں دیکھا تھا جو لڑکیوں کے ساتھ تھا۔

وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف گیا اور رومال اٹھا کر لڑکیوں کی سیٹ کی طرف بڑھا۔

"یہ رومال شائد آپ کا ہے۔" حمید نے بوڑھے سے کہا۔

"اوہ.... جی ہاں.... شکریہ....!" بوڑھا رومال لیتا ہوا مسکرایا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ شائد اُن صاحب کے ساتھ ہیں۔"

"جی ہاں.... وہ بڑے بھائی ہیں میرے۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"بیٹھئے....!" بوڑھا ایک طرف کھسکتا ہوا بولا۔ "وہ تو بے تحاشا پڑھنے والوں میں سے معلوم

ہوتے ہیں۔"

"شکریہ....!" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔ "جی ہاں! بظاہر ایسا ہی ہے۔"

"بظاہر....!" بوڑھے نے دہرایا۔

لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ شائد وہ اُن کی گفتگو سننے لگی تھیں۔

"جی ہاں! کوئی خاص بات نہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اس کی آواز حد درجہ غمناک ہو گئی تھی۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" بوڑھے نے دلچسپی کا اظہار کیا۔

"ایک بہت بڑی بدنصیبی جناب.... وہ ایک جرمن مصنف کی کتاب ہے۔"

"ہاں ہے تو.... میں نے باتھ روم کی طرف جاتے وقت دیکھا تھا۔"

"لیکن وہ جرمن نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔

"کیا بات ہوئی.... واہ....!" بوڑھا ہنسنے لگا۔ لڑکیاں بھی مسکرائیں۔ حمید نے دیکھا کہ بات نہیں بنتی تو وہ بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا فریدی اس وقت کتاب کو چہرے کے برابر اٹھائے دیکھ رہا تھا اور کتاب الٹی تھی شائد وہ کوئی چارٹ تھا جسے وہ الٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"وہ دیکھئے....!" حمید جلدی سے بولا۔ "کیا کتاب الٹی نہیں ہے۔"

"اَ.... ہا.... ٹھیک ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

اتنے میں فریدی نے چارٹ دیکھ کر کتاب پھر زانو پر رکھ لی۔

"مگر....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "وہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے ایسا نہیں کرتے۔"

"میں سمجھا تھا واقعی کوئی ذہین اور سنجیدہ لڑکا ہے۔" بوڑھے نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ جاہل نہیں ہیں۔ آکسفورڈ سے ایم۔اے کیا تھا۔ یہی کہا تھا میں نے کہ یہ ایک بہت بڑی بدنصیبی ہے۔"

"کیا بدنصیبی ہے۔" بوڑھے نے اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ پاگل ہیں۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں خشک کرنے لگا۔

"کیا مطلب....!" بوڑھا حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "اور آپ انہیں اس طرح لئے پھر رہے ہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ یہ اُس قسم کے پاگل نہیں ہیں کہ دوسروں کے لئے دردِ سر بنیں۔ یہ

صرف اپنے لئے خطرناک ہیں۔"

"وہ کیسے....!" بوڑھا پھر دلچسپی لینے لگا تھا اور لڑکیاں بھی آپس کی گفتگو بند کر کے بوڑھے کے شانے پر جھک آئی تھی۔

"ابھی اور اسی وقت....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اُٹھ کر کوٹ پہنیں، چھڑی اٹھائیں اور چلتی ہوئی ٹرینُ سے اس طرح نکل جائیں جیسے اپنے کمرے سے نکل کر ٹہلنے جا رہے ہوں۔"

"اوہ....!" بوڑھا سر ہلا کر رہ گیا پھر حمید کیطرف دیکھ کر بولا۔ "دوسروں سے جھگڑتے تو نہیں۔"

"نہیں جناب! وہ کسی سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ جھگڑنا کیسا....!"

"گھر والوں کے ساتھ برتاؤ کیسا ہے۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"کسی سے کوئی غرض ہی نہیں رکھتے۔ جرمن اور فرانسیسی زبانوں سے عشق ہے۔ ہر ماہ سینکڑوں روپے کی کتابیں خریدتے ہیں لیکن انہیں اسی طرح لئے بیٹھے صفحات الٹا کرتے ہیں۔"

"دیکھا تم نے....!" بوڑھا لڑکیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہ صاحبزادے مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "بزرگوں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ مسافرت میں اجنبیوں سے گفتگو کرنے میں دولت وعزت کا زیاں ہوتا ہے۔"

"بیٹھو! بیٹھو!" بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہوا بولا۔ "میں گرہ کٹ نہیں ہوں، اس لئے دولت کے زیاں کا خطرہ نہیں۔ عزت اس لئے خطرے میں نہیں کہ میں نے تمہیں گالیاں نہیں دیں.... کہاں پڑھتے ہو....! کس ایئر میں....!"

"میں اب کسی بات کا جواب نہ دوں گا۔" حمید جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مجھ سے بہتر میرا بھائی ہے، جو کبھی کسی سے گفتگو نہیں کرتا۔"

"کیا تمہارے بیان میں صداقت تھی۔"

"نہیں میں جھوٹا ہوں اور اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں مذاق سمجھا تھا۔" بوڑھے نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے اُن کے حالات بتاؤ۔ مجھے لوگ ذہنی امراض کا اسپیشلسٹ کہتے ہیں۔ تم لوگ شائد رام گڈھ جا رہے ہو۔"

"ہاں ہم وہیں جا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کس غرض سے۔"

"علاج کے علاوہ اور کیا غرض ہو سکتی ہے۔ ویسے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ گرمیاں گذارنے کے لئے رام گڈھ سے زیادہ بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔"

"ہاں.... آں.... میں حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کچھ مدد کر سکوں۔"

"حالات....!" حمید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔ "میں بتا سکتا ہوں لیکن آپ وعدہ کیجئے کہ میرا مذاق نہیں اڑایئے گا۔ ابھی ابھی آپ نے مجھے خواہ مخواہ شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہو! اُسے بھول جاؤ میاں لڑکے۔ میں بھی غلطی پر نہیں تھا۔ آج کل طالب علموں میں دوسروں کو بیوقوف بنانے کا مرض عام ہے حالانکہ یہ بھی ایک قسم کا چھچھوراپن ہے۔ بچوں کی سی عادت.... خود نمائی کا خبط.... ہاں تو تم مجھے بتاؤ۔"

"کیا عرض کروں بچپن ہی سے گم سم رہتے آئے ہیں اور ان کی حالت تو آپ کے سامنے ہے۔ حالات مضحکہ خیز ہیں۔ مثلاً رات کو ٹہل کر آئے چھڑی کو بستر پر ڈال کر لحاف اوڑھا دیا اور خود جا کر چھڑی کی جگہ کونے میں کھڑے ہو گئے.... دیکھئے.... آپ لوگ ہنس رہے ہیں نا.... لاحول ولا قوۃ۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ لڑکیاں واقعی ہنس رہی تھیں۔

"ہو سکتا ہے.... ہو سکتا ہے۔" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "ویسے اس قسم کی باتوں پر ہنسی تو ضرور آئیگی۔ میں تمہیں جھوٹا نہیں سمجھتا.... ہاں اچھا.... عام حالات میں یادداشت کی کیا کیفیت ہے۔"

"اُدھار لیتے ہیں.... لفظ اُدھار یاد رہتا ہے لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ لیا تھا یا دیا تھا۔ لہٰذا کم از کم گھر والے تو انہیں قرض دیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اُن بیچاروں کو قرض دے کر عموماً پشیمان ہونا پڑتا ہے کیونکہ یہ زبردستی اتنی ہی رقم پھر کسی موقع پر موصول کر لیتے ہیں کہ تم نے فلاں دن مجھ سے قرض لیا تھا.... اب واپس کرو۔"

"واقعی عجیب کیس ہے۔" بوڑھے نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "شادی ہو گئی ہے۔"

"اچھا ہی ہوا کہ ابھی تک نہیں ہو سکی۔"

"خواہش کرتے ہیں۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"نہیں.... البتہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اب تم شادی کرلو۔"

بوڑھا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ گھر والوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔"

"ہائیں! کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ بچپن سے اب تک بیوقوف ہی بناتے آ رہے ہیں۔"

"بچپن میں کیا کیفیت تھی۔"

"بچپن میں حالات پریشان کن تھے۔ والد صاحب کے ساتھ بازار گئے اور اچانک والد صاحب کو احساس ہوا کہ وہ اُن کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ کسی دوسرے کے ساتھ اُس کے گھر تک پہنچ جاتے تھے۔ کھانے بیٹھے تو سالن کے بجائے روٹیوں سے چاول کی پلیٹ صاف کر گئے۔ مار پڑی تو ہنستے ہنستے بیدم ہو گئے۔"

"اور اس کے باوجود بھی.... تم کہتے ہو کہ انہوں نے ایم۔اے کیا ہے۔"

"یہی تو خاص بات ہے جناب! ڈاکٹروں کی عقل چکر میں ہے۔ ایک صاحب ان کی سائیکو انیلیسس کرنے بیٹھے تھے۔ وہ تھپڑ پڑا تھا کہ آج تک یاد کرتے ہوں گے۔"

"تھپڑ....!" ایک لڑکی نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں! میں نہیں جانتا کہ اس طریقے کا کیا نام ہے۔ بہر حال ماہر نفسیات نے ان سے کہا کہ وہ لفظ کہے گا اور بھائی صاحب اس کے جواب میں دوسرا لفظ کہیں گے۔"

"اوہ.... اچھا اچھا....!" بوڑھے نے سر ہلایا۔

"جی ہاں.... ماہر نفسیات نے پہلا لفظ ازار بند کہا۔ بھائی صاحب بولے آؤٹ آف ڈیٹ۔ اُس نے کہا نیل پالش.... آپ نے فرمایا چھچھوندر.... پتہ نہیں اور کیا کیا اوٹ پٹانگ چلتی رہی۔ آخر میں ماہر نفسیات نے کہا گالی.... آپ نے تھپڑ کہہ کر ہاتھ گھما دیا۔"

لڑکیاں ہنس پڑیں اور بوڑھا بولا۔ "وہ کوئی عطائی رہا ہوگا۔ اس کیس کے لئے یہ طریقہ لغو ہے ویسے کیس دلچسپ اور انوکھا ہے۔ آپ رام گڈھ میں کہاں ٹھہریں گے۔"

"کسی ہوٹل میں....!"

"مجھے خوشی ہوگی اگر آپ میرے ساتھ قیام کریں۔" اُس نے فریدی کی طرف دیکھتے

ہوئے کہا، جو اس وقت بھی کتاب کو الٹ کر اپنے چہرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھا۔ "یہ کیس میرے لئے بہت دلچسپ ہے۔ اس طرح میرے تجربے میں بھی اضافہ ہوگا۔"

"مگر.... میں کیسے عرض کر سکتا ہوں۔ انہیں پر رضامند کرلینا آسان کام نہ ہوگا۔"

"کیوں انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ اس نے یہ بکواس محض اس لئے شروع کی تھی کہ لڑکیوں کو کچھ دیر ہنسانے کے بعد اُن سے بے تکلف ہو جائے گا، لیکن حالات نے سنجیدگی اختیار کرلی۔ اچانک اس نے بوڑھے سے پوچھا۔

"آپ کا ذاتی ہسپتال ہے۔"

"ذاتی ہسپتال بھی ہے اور میں سرکاری مینٹل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین بھی ہوں۔"

"حمید پھر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"مگر جناب.... میں ابھی کوئی واضح جواب نہیں دے سکتا۔"

"دیکھئے گا! اگر ہو سکے تو! ویسے اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے۔"

کہاں تو حمید اس چکر میں تھا کہ کچھ تفریح حاصل کرے گا اور کہاں اب اُسے خلجان میں مبتلا ہو جانا پڑا۔ بات ایسی ہی تھی۔ اگر وہ بوڑھا واقعی مینٹل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین تھا تو فریدی سے رام گڈھ میں اس کی ملاقات یقینی تھی کیونکہ فریدی جس کام کے لئے رام گڈھ جا رہا تھا وہ وہاں کے پاگل خانے ہی سے تعلق رکھتا تھا حالانکہ حمید کو اس نے تفصیل نہیں بتائی تھی مگر پھر بھی وہ اس سے تو واقف ہی تھا کہ پروگرام میں پاگل خانہ بھی شامل ہے۔

لڑکیاں پھر گفتگو میں مشغول ہو گئی تھیں، لیکن بار بار اُن کی نظریں فریدی کی طرف ضرور اٹھتی تھیں اور شائد موضوع گفتگو بھی فریدی ہی تھا۔

بوڑھا بڑبڑا رہا تھا۔ "واقعی یہ کیس دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں اس کی جو حجامت بننے والی ہے اُس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہوگا۔

تین ریوالور

تھوڑی دیر بعد وہ پھر فریدی کے پاس جا بیٹھا اور ایسی مسکین صورت بنائی جیسے کمسنی ہی میں والدین کے سائے سے محروم ہو گیا ہو۔

ساری تفریح کرکری ہو کر رہ گئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح معاملات کو برابر کرے۔

"غالباً اب ٹرین کسی اسٹیشن پر رکنے والی ہے۔" فریدی کتاب پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑایا۔ "کافی کے لئے کہہ دینا۔"

"نہیں ڈائننگ کار میں چلیں گے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"بس یونہی دل چاہتا ہے۔"

"غیر ضروری حرکتوں سے احتراز کیا کرو۔"

"یہ میری ضد ہے۔ آپ کبھی میرا کہنا نہیں مانتے۔ آپ کو چلنا ہی پڑے گا۔"

"آہا.... کوئی خاص بات....!"

"بس اٹھئے! ٹرین رک رہی ہے۔"

"اگر لو لگ گئی تو....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کے بدلے میں مر جاؤں گا.... بس....!"

فریدی نے کتاب بند کر کے رکھ دی۔ لیکن لڑکیوں کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ وہ اب بھی اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ البتہ بوڑھے سے دو ایک بار نظریں ملیں اور پھر وہ حمید سے بولا۔ "چلو! پتہ نہیں کیوں بور کرنا چاہتے ہو۔"

گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تھی وہ دونوں کمپارٹمنٹ سے اُتر کر ڈائننگ کار میں جا بیٹھے۔

"ہاں! کیوں لائے ہو یہاں....!" فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں بالکل گدھا ہوں۔"

"میرے جاننے نہ جاننے سے کیا ہوتا ہے۔"

"میں ہمیشہ غلطیاں کرتا رہا ہوں۔"

"نہیں ہمیشہ تو نہیں۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"ٹھہریئے بتاتا ہوں۔" حمید نے کہا اور ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ پھر بولا۔ "آپ کی عزت میرے ہاتھ میں ہے۔"

"میری عزت! کیا مطلب....!"

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔ میں بہت زیادہ کنفیوز ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے بلکہ ہم دونوں کی عزت۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کے ہاتھ میں ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی ہاں یا نہیں پر دونوں کی عزتوں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہاں ڈائننگ کار میں اس وقت کوئی عورت بھی موجود نہیں ہے پھر کیوں تم میرا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"اچھا تو سنئے! اگر آپ پاگل ہیں تو ٹھہرنے کا بھی معقول انتظام ہو سکتا ہے۔"

"میں جا رہا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ لیکن ٹرین حرکت میں آچکی تھی۔ مجبوراً اُسے پھر بیٹھ جانا پڑا۔

"مجھ سے ایک حماقت ہو گئی ہے۔" حمید نے بسور کر کہا۔

"ارے بکو بھی کچھ....!"

"کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے۔"

"معاف کرنے سے پہلے گلا ضرور گھونٹ دوں گا۔ مجھے بور نہ کرو۔"

"اگر میں کسی سے یہ کہوں کہ آپ کا ذہنی توازن بچپن ہی سے بگڑا ہوا ہے تو آپ میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔"

"میں سچ مچ پاگل ہو کر تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"میں بہت سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ ویٹر نے کافی کی ٹرے لا کر میز پر رکھ دی تھی۔ وہ سگار سلگا کر اپنے لئے کافی بنانے لگا۔ پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "تم کچھ دیر کے لئے سامنے والی برتھ پر بیٹھے تھے۔"

"جی ہاں! مجھ سے یہ حماقت سرزد ہوئی تھی۔"

"پھر! کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں.... میں نے اُن سے کہا تھا کہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔"

"اچھا بس اب خاموش رہو۔ بھلا اس جملے میں کون سی ایسی خاص بات ہے جس کے لئے مجھ سے داد طلب کرنا چاہتے ہو۔ بے تکی باتوں پر تو ہنسی آنے سے رہی بلکہ اکثر تو تمہاری عقل پر رونے کو بھی دل نہیں چاہتا۔"

"ہائے پوری بات تو سنیئے۔" حمید کراہ کر بولا.... اور پھر اُس نے مغموم سی آواز میں پوری داستان دہرا دی۔

فریدی مسکرا کر بولا۔ "چلو پروانہ نہ کرو۔ اگر مجھے تختہ مشق بنا کر تم نے تھوڑی سی تفریح کرلی تو اس میں میرا کیا حرج ہے۔ اب تم اُس سے نہایت صفائی سے کہہ سکتے ہو کہ میں ہوٹل کے علاوہ اور کہیں قیام کرنے پر رضامند نہیں۔ بات اس طرح ختم ہو جائے گی۔ تم بھی نرے ڈیوٹ ہو ڈیوٹ....!"

"ہائے....!" حمید پھر کراہا۔ "یہی تو مصیبت ہے کہ آپ کو اُس سے دوبارہ بھی ملنا پڑے گا۔ اُس وقت میری کیا پوزیشن ہوگی۔"

"ملنا پڑے گا! کیا مطلب....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"وہ مینٹل ہاسپٹل کے میڈیکل بورڈ کا چیئر مین ہے۔"

"کیا....؟" فریدی نے کافی کی پیالی میز پر رکھ دی۔ حمید اس کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں! اس میں قطعی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ بھی شامت ہی تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا....!"

"مانگو، کیا مانگتے ہو فرزند....!" فریدی کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"واپسی کا کرایہ....!" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"ایک بار پھر کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات تمہاری حماقت بہت کار آمد ثابت ہوتی ہے۔"

"ہائیں تو کیا معاملہ ٹھیک ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے حمید صاحب! اس وقت تو گویا غیب سے مدد ہوئی ہے۔"

"ارے.... وہ مارا....!" حمید نے زبردستی ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"تو اب مجھ سے اس کا تعارف یہ کہہ کر کرا دینا کہ آپ والد صاحب کے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"اچھا تو کیا.... قیام بھی کیجئے گا اسی کے یہاں....!"

"تمہاری بات تو اُسی صورت میں نبھے گی....!" فریدی نے کہا۔

"تو پھر آپ کو خبطی بھی بننا پڑے گا۔"

"خبطی کیا! میں اس سے زیادہ بھی کچھ بننے کو تیار ہوں۔"

"اور اب مجھے ہرگز یہ نہ بتائیں گے کہ اصل چکر کیا ہے۔"

"مجھے ایک پاگل کے متعلق تحقیقات کرنی ہیں، جو دس سال سے رام گڈھ کے مینٹل ہاسپٹل میں ہے اور آج سے دس سال قبل میڈیکل بورڈ کے موجودہ چیئر مین نے اسکا داخلہ وہاں کرایا تھا۔"

"تو آپ اس کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"فی الحال تم معاملے کی بات کرو۔" فریدی نے کہا۔

"میں کیا کہوں! جو کہئے وہ کیا جائے۔"

"جو تمہارا دل چاہے کرو۔ میں نے خود کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اچھا تو پھر بعد میں مجھ پر تاؤ نہ کھائیے گا۔"

"مطمئن رہو۔" فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ کچھ دیر خاموشی سے سگار کا دھواں بکھیرتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "اس سے پہلے تم کئی بار پاگلوں کے رول ادا کر چکے ہو.... خیر ہٹاؤ۔"

"نہیں کہئے کہئے....!" حمید جلدی سے بولا۔

"کچھ نہیں۔ وقت بہت برباد کراتے ہو۔ کافی دیر تک یہاں بیٹھنا پڑے گا۔ دوسرا اسٹیشن تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔"

"آپ کام بن جانے کی بعد بھی مجھ پر ردا رکھتے رہتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ "کیا آپ مجھے اُس پاگل کے متعلق کچھ نہ بتائیں گے۔"

"کیا بتاؤں۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا کہ اس پاگل پر ایک عورت اور اُس کی بچی کے اغواء کا الزام ہے۔"

"اتنی ذرا سی بات کے لئے کرنل فریدی کو تکلیف دی گئی ہے۔"

"میں نے خود ہی تکلیف کی ہے۔ نجی طور پر.... تم جانتے ہی ہو کہ میں محض تفریح کی خاطر ایک ماہ کی چھٹی ہر گز نہیں لے سکتا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کیس میں پیچیدگی ضرور ہو گی۔"

"ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔"

"بہر حال آپ نہیں بتانا چاہتے۔"

"کیا جاننا چاہتے ہو۔"

"کیا اس کیس سے تعلق رکھنے والے کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔"

"ہاں! ہے تو یہی بات! ورنہ.... اوہ دیکھو! ٹرین کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ یہ کوئی بہت ہی چھوٹا سا اسٹیشن ہو گا۔ جلدی کرو تاکہ ہم اپنے کمپارٹمنٹ تک پہنچ سکیں۔ یہاں بڑی تپش ہے۔"

حمید نے کافی کا بل ادا کیا۔ ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی اور دونوں ڈائننگ کار سے اُتر کر اپنے کمپارٹمنٹ میں آ گئے۔

"ہم یہاں تو نہیں تھے۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"یہیں تھے! بھائی صاحب۔" حمید تنگ آ جانے والے انداز میں بولا۔ "یہ دیکھئے ہمارا سب سامان یہاں موجود ہے۔"

"بکواس....!" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا ساری دنیا میں ہمارا ہی سامان ایسا ہو سکتا ہے۔"

"نہیں بھائی صاحب! آپ کی یہ کتاب۔" حمید نے برتھ پر سے کتاب اٹھا کر فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آہا.... ٹھیک.... ہم یہیں تھے۔ عام آدمی جرمن زبان سے دلچسپی نہیں رکھتے۔"

فریدی برتھ پر بیٹھ گیا۔ دوسرے مسافر انہیں گھور رہے تھے لیکن بوڑھے کا انداز دوسروں سے مختلف تھا۔

فریدی نے پھر کتاب اٹھالی۔ بوڑھا اب حمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر پہلے ہی کی طرح مطالعہ میں گم ہو گیا۔

حمید اس کے پاس سے اٹھ کر بوڑھے کے پاس جا بیٹھا۔

"کیوں....!" بوڑھے نے پوچھا۔ "کیا آپ تیار ہیں۔"

"کیا عرض کروں میری تو ہمت پڑی نہیں کہنے کی۔ ویسے ایک تجویز ہے.... میرے ذہن.... اُف فوہ.... میری آنکھیں جل رہی ہیں۔ کہیں لو کا اثر نہ ہو گیا ہو۔"

"جب آپ باہر جا رہے تھے میرا دل چاہا تھا کہ روک دوں۔ ٹھنڈک سے یکلخت گرمی میں چلا جانا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ آپ بھی جانتے ہوں گے۔"

"میں کیا کرتا۔ بس سر ہی تو ہو گئے کہ ڈائننگ کار میں چل کر کافی پئیں گے۔"

"کافی! خدا کی پناہ! اس آب و ہوا میں۔"

"اب آپ ہی دیکھئے! مجبوراً مجھے بھی پینی پڑی۔ انکار کرتا تو آفت ہی آ جاتی۔ وہ ٹھیک ہی مثل ہے کہ چھوٹا بھائی ہونے سے بہتر ہے کہ آدمی کتا ہو جائے۔"

"شراب بھی پیتے ہیں۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"اس کے تو نام ہی سے نفرت ہے۔ اگر آپ کی زبان سے شراب کا نام ہی سن لیں تو کم از کم اُس گلاس میں پانی پینا پسند نہیں کریں گے جسے آپ نے استعمال کیا ہو۔"

"اچھا ہے! ورنہ شراب اور زیادہ خطرناک ثابت ہوتی۔ ہاں ابھی آپ کون سی تجویز پیش کر رہے تھے۔"

"تجویز یہ ہے کہ اگر آپ مناسب سمجھئے تو ہمارے والد صاحب کے دوست بن جایئے اور ہمیں اس رشتے کی بناء پر اپنے یہاں قیام کرنے پر مجبور کیجئے۔ شاید وہ مان جائیں کیونکہ والد صاحب کے دوستوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ان کا نام کمال ہے اور میں جمال ہوں۔ والد صاحب کے نام کے لئے آپ سر افضال کا حوالہ دے سکتے ہیں۔"

"سر افضال....!" بوڑھا بڑبڑایا۔ "آپ لوگ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"نہیں خاندان تو کچھ ایسا زیادہ اچھا نہیں ویسے اللہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جھوٹی شیخیاں بگھارنا اپنا مسلک نہیں ہے۔ پشت ہا پشت سے ہم لوگ دولت مند نہیں رہے ہیں۔ ہمارے دادا صاحب انگریزی فوج میں ایک معمولی سے سپاہی تھے۔ ترقی کرتے کرتے جنرل

کے عہدے تک پہنچ گئے تھے اور دادا کے باپ ایک معمولی کسان تھے۔"

"تم واقعی بلند خیال اور اعلیٰ کردار کے مالک ہو۔" بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "بہت کم لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔"

"بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ آپ رام گڈھ کے اسٹیشن پر اچانک ہم دونوں کو پہچان لیجئے گا۔ یہاں کمپارٹمنٹ میں نہیں۔ ورنہ بھائی صاحب کو شبہ ہو جائے گا اور وہ فوراً یہ سوال کر بیٹھیں گے کہ آپ نے اتنی دیر میں کیوں پہچانا.... اور وہاں اسٹیشن پر وہ یہ بات بھول چکے ہوں گے کہ ہم سب نے ایک ہی کمپارٹمنٹ میں سفر کیا تھا۔"

"اتنی جلدی بھول جاتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ قطعی۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ یہ بھی بھول گئے ہوں گے کہ ابھی ہم دونوں ڈائننگ کار میں تھے۔ ہاں مگر وہ کتاب جو جرمن یا فرانسیسی میں ہو اُسے وہ کبھی اور کسی حال میں نہیں بھولتے۔ اکثر کہتے ہیں کہ میں کسی جرمن یا فرانسیسی لڑکی سے شادی کروں گا، ورنہ میری زندگی تلخ ہو جائے گی۔"

"بھئی یہ کیس انوکھا ہے۔" بوڑھا مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"ایک بار کا ذکر ہے۔" حمید کوئی لطیفہ چھیڑنے ہی جا رہا تھا کہ اس نے فریدی کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا۔

"خدا خیر کرے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ فریدی پھر بیٹھ گیا۔ وہ مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ حمید اس کی طرف بڑھا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے۔" فریدی غرایا۔

"مم.... میں.... یہیں تو تھا۔"

"میری چھڑی کہاں ہے۔"

"چھڑی.... دیکھئے ہم ٹرین میں ہیں۔"

"آہا.... لاحول ولا قوۃ.... بھئی یہ گاڑی کب پہنچے گی۔"

قبل اس کے حمید کوئی جواب دیتا۔ اُس نے کمپارٹمنٹ کے تین آدمیوں کو ریوالور نکالتے ہوئے دیکھا۔

"کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرے گا۔" اُن میں سے ایک نے چیخ کر کہا اور بقیہ لوگ جو نہتے تھے بوکھلا گئے۔ معاملہ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

کار پر فائرنگ

فریدی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ حمید کو تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اچانک اس کے سامنے کسی جاسوسی ناول کا کوئی باب کھل گیا ہو۔ یہ تینوں آدمی کمپارٹمنٹ میں اس وقت موجود نہیں تھے جب وہ کافی پینے کے لئے ڈائننگ کار کی طرف گئے۔ غالباً ان کے جانے کے بعد ہی وہ کمپارٹمنٹ آئے ہوں گے۔

لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں لیکن حمید نے بوڑھے ڈاکٹر کی حالت میں کسی قسم کی بھی تبدیلی محسوس نہ کی۔ وہ نہایت سکون کے ساتھ ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ البتہ اس کی دونوں لڑکیاں خوفزدہ نظر آ رہی تھیں۔

تقریباً آدھے منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ پھر اچانک اُن تینوں نے اپنے ریوالور جیب میں ڈال لئے اور ان میں سے ایک نے نہایت سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "یہ اور اسی قسم کے دوسرے انجانے حادثے.... زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ آپ سفر پر جا رہے ہیں خوش ہیں۔ لیکن کسی کو غیب کا حال نہیں معلوم۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کب اور کس طرح آجائے۔ یہ ٹرین کسی دوسری ٹرین سے لڑ سکتی ہے۔ گاڑی پر ڈاکوؤں کا حملہ ہو سکتا ہے پھر.... کیا ہو گا۔ عقلمند وہی ہے جو آج ہی کل کا بندوبست کر لے۔ کل کا بندوبست یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے بچے کسی پریشانی کا شکار نہ ہوں۔"

"میں اپنی زندگی کا بیمہ نہیں کراؤں گا۔" حمید اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر چیخا۔

اور وہ آدمی خاموش ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر ہنس کر بولا۔ "حضرت نوحؑ کا لڑکا طوفان سے بچنے کے لئے درخت پر چڑھ گیا تھا.... ہاں تو صاحبان.... اپنی زندگی کا بیمہ کرانا نہ بھولئے.... اور گرینڈ لائف انشورنس کمپنی کو ہمیشہ یاد رکھئے۔ ہزاروں آسانیاں.... سینکڑوں کفائتیں اور کفالتیں....!"

اس نے جیب سے گرینڈ لائف انشورنش کمپنی کا لٹریچر نکال کر کمپارٹمنٹ میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو غصہ تو بہت آ رہا تھا لیکن نفسیاتی طور پر وہ ایک طرح کی سرور انگیز طمانیت بھی محسوس کر رہے تھے کیونکہ ابھی ابھی وہ گویا موت کے منہ سے واپس آئے تھے۔

بوڑھے ڈاکٹر نے لٹریچر نہیں لیا۔ حمید نے بھی انکار کر دیا۔ لیکن فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتا ہوا بولا۔ ”بیٹھ جاؤ..... کیا تم اپنی زندگی کا بیمہ کرا چکے ہو۔“

”قطعی..... سو فیصدی..... میں ہی نہ کراؤں گا۔“

”اگر تم مر جاؤ..... تو تمہارے بچوں کی مالی حالت خراب نہ ہو گی..... کیوں؟“

”قطعی..... مالی اعتبار سے ان کی حالت بہتر ہی رہے گی۔“

”تو گویا تم سکون سے مر سکتے ہو۔“

”جی ہاں.....! مجھے مرتے وقت اب کوئی پریشانی نہیں ہو سکتی۔“

”تو پھر اب زندہ رہ کر کیا کرو گے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور اُس کے دونوں ہاتھ اُس کی گردن کی طرف بڑھ گئے۔

”ارے..... ارے.....!“ وہ ایک طرف کھسک کر کھڑا ہو گیا۔

”نہیں! اب تمہاری زندگی بیکار ہے۔“ فریدی بھی اٹھتا ہوا بولا۔ اس کی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی تھی۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس پر سچ مچ خون سوار ہو۔

”کیا بات ہے۔ کیا معاملہ ہے۔“ اس کے دونوں ساتھی چیختے ہوئے لپکے۔

”اس کی زندگی کا بیمہ کرنے جا رہا ہوں۔“ فریدی غرایا۔ ”اگر تمہیں اپنے بال بچوں کی مالی حالت درست کرانی ہو تو تم بھی آؤ۔“

فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی اور کمپارٹمنٹ میں خاصی ہڑبونگ مچ گئی۔ اس کے ساتھیوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی دوڑ پڑے لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر جما رہا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

بہرحال فریدی اس کا گلا نہیں گھونٹ سکا۔ لوگوں نے اُسے الگ کر دیا تھا اور بیمہ کمپنی کا لٹریچر تقسیم کرنے والا دور کھڑا اپنی گردن سہلا رہا تھا۔

حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ”پرواہ نہ کرو دوست۔ مگر تم لوگوں کا طریقہ بہت انوکھا ہے۔“

”جی ہاں جناب!“ وہ ایک طویل سانس لے کر اپنا گلا صاف کرنے لگا۔ پھر بولا۔ ”خطرناک بھی ہے۔ بعض اوقات لوگ بہت بُری طرح پیش آتے ہیں۔“

”لیکن یہ طریقہ..... غیر قانونی ہے۔“

”ریوالور نقلی ہیں جناب اور پھر ہماری نیت میں فتور نہیں ہے۔ لوگ عموماً ہمیں معاف ہی کر دیتے ہیں۔“

”مگر یہ طریقہ.....!“ حمید کچھ سوچنے لگا۔

”اس طرح لوگ ہمیشہ ہمیں یاد رکھتے ہیں اور جب وہ اپنی زندگی کا بیمہ کرانے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں گرینڈ لائف انشورنش کمپنی ضرور یاد آتی ہے۔ ہمارا یہ طریقہ ابھی تک پچانوے فیصدی کامیاب رہا ہے۔ اس طرح ہم سچ مچ انہیں انجانے حادثات کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔“

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو پھر اپنی کتاب میں ڈوب گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شروع سے اب تک اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ ہو۔ ڈاکٹر کی تمام تر توجہ فریدی ہی کی طرف تھی اور وہ دونوں لڑکیاں بھی..... حمید کے دل پر چوٹ لگی۔

ٹرین کی رفتار پھر سست ہونے لگی تھی۔ حمید ڈاکٹر کے پاس جا بیٹھا۔

”ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“

”مسخرے ہیں! لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ میں نے پہلی بار انہیں رام گڑھ کی ریلوے لائین پر دیکھا ہے اور آج تک اس قسم کے بیمہ ایجنٹوں کے متعلق کچھ سننے کا بھی اتفاق نہیں ہوا مگر آپ کے بھائی صاحب اس سے کیوں الجھ پڑے تھے۔“

حمید ہنس کر بولا۔ ”ارے وہ تو بس یونہی..... اُس سے کہنے لگے۔ تم نے اپنی زندگی کا بیمہ کرایا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ بولے پھر اب تمہیں مر جانا چاہئے تاکہ تمہارے بچے مالی فائدہ حاصل کر سکیں۔“

لڑکیاں ہنسنے لگیں اور بوڑھا بھی مسکرا دیا۔

”بھئی مجھے شبہ ہے۔“ بوڑھے نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”کس بات پر.....!“

"ان کی دماغی حالت.... مجھے خراب نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال میں دیکھوں گا۔"

"کیوں آپ کو شبہ کیوں ہے؟"

"ایک لمبی بحث ہے! تم اکتا جاؤ گے۔ بہر حال اگر میرے ساتھ قیام کرو تو....!"

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آخر آپ نے میری باتوں پر اعتماد کیوں کر لیا۔"

"تمہارے اس سوال کا مطلب میں نہیں سمجھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ ہم لوگ فراڈ ہوں۔ ہماری پیشانی پر تو یہ بات لکھی نہیں ہے کہ ہم جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں اور ابھی آپ بھی شبہ ظاہر کر رہے تھے۔"

"برخوردار.... تم غلط سمجھے۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ تم جھوٹے ہو بعض اوقات لوگ کسی اچھے خاصے آدمی کو بھی پاگل سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی ہوتی ہے کہ وہ عام آدمیوں سے ذہنی طور پر مختلف ہوتا ہے۔"

"مختلف ہونا ہی تو پاگل پن ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ مختلف ہونا پاگل پن نہیں ہو سکتا۔ ضروری نہیں کہ جو چیز میٹھی نہ ہو وہ کڑوی ہو گی.... ترش بھی ہو سکتی ہے.... نمکین بھی اور پھیکی بھی۔ میں اگر یہ کہوں کہ تم عام آدمیوں سے مختلف ہو تو اس کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ تمہارے سر پر سینگ ہیں۔ یا تم ایک عدد سونڈ کے مالک ہو یا آدمی ہی نہیں ہو۔"

"میں سمجھ گیا آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں لیکن آخر یہ اختلاف کس قسم کا ہو سکتا ہے۔"

"اسے دیکھنا اور سمجھنا پڑے گا۔ تم کہہ رہے ہو کہ یادداشت بھی کمزور ہے اس لئے ان کا معائنہ کئے بغیر میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ٹرین پھر ایک اسٹیشن پر رک گئی۔ اب پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور رام گڈھ کے پہاڑ بہت دور دھند میں لپٹے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

بیمہ کمپنی کے ایجنٹ کمپارٹمنٹ سے جا چکے تھے۔

"یہ لوگ بھی عجیب تھے۔" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "مگر جناب! اس وقت پورے کمپارٹمنٹ میں صرف آپ ہی مطمئن نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آپ اُسے مذاق ہی سمجھے ہوں۔"

"میں بھی تمہاری تعریف ہی کروں گا۔" بوڑھے نے کہا۔ "کیونکہ تمہیں اتنا ہوش تھا کہ میری دلی کیفیات کا اندازہ کر سکو! کیوں کیسی رہی۔"

"ٹھیک ہی رہی! مجھے بچپن ہی سے ریوالور مضحکہ خیز معلوم ہوتے رہے ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"اوہو! تب تو مجھے تمہارا بھی نفسیاتی تجزیہ کرنا پڑے گا۔"

"نفسیاتی تجزیہ....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "لاحول ولا قوۃ۔"

"کیوں لاحول کیوں پڑھ رہے ہو۔"

"میں ابھی تک اسے تجزیاتی نفسیہ بولتا رہا ہوں۔ اب شرم آ رہی ہے۔ ان لوگوں نے مجھے جاہل ہی سمجھا ہو گا جن کے سامنے اب تک یہ لفظ دہراتا رہا ہوں۔ بہتیری چیزیں مجھے غلط ناموں سے یاد آتی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں! تمہارا بھی علاج ہو جائے گا۔" بوڑھا مسکرانے لگا۔

"میرے خدا کیا خاندان بھر پاگل ہے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

لڑکیاں بھی ہنسنے لگیں۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک کچھ کہنے کیلئے بے قرار ہے۔

ٹرین پھر چل پڑی تھی۔ اب مناظر تبدیل ہو گئے تھے۔ سورج مغربی افق میں جھک رہا تھا اور چاروں طرف سرسبز پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ جھلسا دینے والی گرمی لطیف سی خنکی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اب کمپارٹمنٹ کی کھڑکیاں بھی بند نہیں تھیں۔

یک بیک فریدی پھر کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ مضطرب سا نظر آ رہا تھا۔

حمید اٹھ کر اُسکی طرف جھپٹا۔ فریدی بلند آواز میں بول رہا تھا۔ لیکن انداز سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ دوسروں کو اپنی آواز سنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر خلاء میں گھورتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "وہ ٹھیک کہہ رہا تھا مجھے ابھی اور اسی وقت اپنی زندگی کا بیمہ کرا لینا چاہئے۔"

"اس وقت تو ناممکن ہے بھائی جان۔" حمید نے کہا۔ "ویسے آپکا خیال بالکل درست ہے۔"

فریدی پھر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد پھر کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ حمید پھر اپنی برتھ پر آ بیٹھا۔

ٹرین آٹھ بجے رات کو رام گڈھ پہنچی اور بوڑھا ڈاکٹر پروگرام کے مطابق سچ مچ ان دونوں

سے آٹکرایا۔

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں سر افضال کے لڑکے ہو۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں.... جی ہاں.... فرمائیے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"اوہو.... کیا مجھے نہیں پہچانا۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں۔"

"ہائیں آپ.... اُف فوہ.... کتنے بدل گئے ہیں۔" حمید گرمجوشی میں ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

"تم شائد جمال ہو۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"جی ہاں.... اور یہ کمال بھائی جان ہیں۔"

"اوہو! کمال میاں تم تو بالکل بدل گئے ہو۔" ڈاکٹر نے فریدی کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا، لیکن فریدی کے جسم میں حرکت نہ ہوئی۔ وہ بت کی طرح کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر ڈاکٹر کو گھور رہا تھا۔

"اوہو! بھائی جان۔" حمید جلدی سے بولا۔ "یہ نجیب چچا ہیں والد مرحوم ان کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔"

"اچھا....!" فریدی اس طرح چونکا جیسے اب تک خواب دیکھتا رہا ہو۔ دوسرے لمحے میں وہ جھک کر بڑی عاجزی کے ساتھ ڈاکٹر سے مصافحہ کر رہا تھا۔

"یقین مانئے! مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں آپ کو نہ پہچان سکا۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "توقع ہے کہ آپ میری یہ غلطی معاف کر دیں گے۔"

"کوئی بات نہیں.... کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر بولا۔

"نہیں کہئے کہ میں نے معاف کر دیا۔ ورنہ میں ذہنی کوفت میں مبتلا رہوں گا۔" فریدی نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"معاف کر دیا بھئی۔" ڈاکٹر ہنسنے لگا۔ "کیا اسی ٹرین سے اُترے ہو۔"

"جی ہاں....!" حمید بولا۔

"کہاں قیام ہوگا؟"

"ہوٹل میں....!" حمید نے جواب دیا۔

"کیا....؟ سر افضال کے لڑکے رام گڈھ آئیں اور ہوٹل میں قیام کریں۔ ناممکن....

قطعی ناممکن۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہیں میرے یہاں قیام کرنا پڑے گا۔"

"اوہو.... دیکھئے۔" فریدی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔ "آپ کو بڑی تکلیف ہوگی۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔" ڈاکٹر نے کہا۔ پھر اُن کے قلیوں کو ہدایات دینے لگا۔

ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھ کر وہ شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔ دونوں لڑکیاں بے تحاشہ چہک رہی تھیں۔ فریدی اور حمید خاموش تھے۔ حمید کا تو دل چاہ رہا تھا کہ وہ کائیں کائیں شروع کر دے لیکن فریدی بار بار اُس کے پیر پر پیر رکھ دیتا تھا۔

یہاں کافی خنکی تھی اور حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جہنم سے جنت میں آگیا ہو۔ مطلع صاف تھا اور اونچے پہاڑ سکوت میں ڈوبے کھڑے تھے۔

آج کا دن حمید کے لئے "عجیب" ثابت ہوا تھا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ رات "عجیب ترین" ثابت ہونے والی ہے۔ اچانک ایک موڑ پر دو تین فائر ہوئے اور کار کے اگلے پہیوں کے ٹائر برسٹ ہوگئے.... کار رک گئی۔ پھر سات آٹھ آدمیوں نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

"لڑکیوں کو باہر نکال کر مار ڈالو۔" کسی نے چیخ کر کہا اور بوڑھا ڈاکٹر ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا، جسے فریدی اور حمید نہ سن سکے۔

"کیا سچ مچ بیمہ ہی کرانا پڑے گا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"یہ دو آدمی اور کون ہیں۔" کار کے اندر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"کمال اور جمال....!" فریدی نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"لڑکیوں کو باہر نکال لو۔" کسی نے پھر کہا۔

بوڑھا ڈاکٹر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کار کے دروازے کھلے اور لڑکیاں نیچے کھینچ لی گئیں۔ ان کے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

فریدی اور حمید بھی نیچے اُتر گئے لیکن ڈاکٹر بدستور بیٹھا رہا۔ کار کی ہیڈ لائٹس اب بھی روشن تھیں اور ان کی روشنی کچھ دور کھڑی ہوئی دو کاروں پر پڑ رہی تھی۔

"تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" ایک آدمی غرایا۔ اس کے ہاتھ میں یقیناً ریوالور ہی تھا۔

اندھیرا ضرور تھا مگر مطلع صاف ہونے کی وجہ سے کم از کم ریوالور تو نظر آسکتا تھا اور آدمیوں کی

تعداد بھی معلوم کی جاسکتی تھی۔ وہ آٹھ تھے۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ارے.... یہ تو وہی مردود معلوم ہوتا ہے۔" کسی نے کہا۔ "جس نے ٹرین میں میرا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی.... اس کے ہاتھ پیر تو ضرور توڑے جائیں گے۔"

جنگ اور پسپائی

حمید سناٹے میں آگیا کیونکہ اس نے بولنے والے کی آواز پہچان لی تھی اور یہ آواز اُس آدمی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہوسکتی تھی جس نے ٹرین میں ریوالور دکھا کر بیمہ کمپنی کی پبلسٹی کی تھی۔

فریدی کے چہرے پر پھر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"ہاں وہی ہے۔" کسی نے کہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پر حملہ کرچکا تھا۔

"مارو.... ہاں مارو۔" وہ اُسے دبوچ کر ریوالور والے کے سامنے کرتا ہوا بولا۔

حمید بھی پہلے ہی سے تیار تھا وہ اُن آدمیوں کی بھیڑ میں گھستا چلا گیا، جنہوں نے لڑکیوں کو گھیر رکھا تھا۔

"تم سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تم کون ہو۔" ریوالور والے نے فریدی سے کہا۔

جواب میں فریدی کے بازو میں جکڑا ہوا آدمی فضا میں بلند ہوکر ریوالور والے پر گرا اور دونوں بیک وقت زمین پر ڈھیر ہوگئے۔ فریدی نے انہیں سنبھلنے کی مہلت نہیں دی۔ دوسرے لمحے میں ریوالور اُس کے قبضے میں آچکا تھا۔

دوسری طرف حمید نے ہنگامہ برپا کردیا تھا۔ فریدی نے ایک ہوائی فائر کرنا چاہا مگر شائد ریوالور کا وہ چیمبر خالی تھا۔ وہ پے در پے ٹریگر دباتا چلا گیا لیکن ایک بھی فائر نہ ہوا۔

وہ دونوں زمین سے اٹھ چکے تھے۔ فریدی ان کے حملے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ چپ چاپ کھڑے رہے۔ فریدی بیوقوف نہیں تھا کہ اُسے ان کے اس رویئے پر حیرت ہوتی۔ پھر اچانک وہ فریدی پر ٹوٹ پڑے اور فریدی اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے ان کے درمیان سے نکل گیا اور ان دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئے۔ پھر فریدی تیر کی

طرح دوسرے مجمعے میں جاگھسا۔

حمید کو درحقیقت مدد کی ضرورت تھی۔ فریدی کے پہنچتے ہی پے در پے کئی چیخیں بلند ہوئیں۔ اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔ "وہ گئے.... وہ نکل گئے۔"

بہت دور کسی کار کی عقبی سرخ روشنی آہستہ آہستہ اندھیرے میں گم ہوتی جارہی تھی۔

نامعلوم آدمیوں کی کاروں میں سے ایک غائب تھی۔

"چلو پکڑو انہیں۔" ایک دوسری آواز سنائی دی اور وہ سب کے سب کار کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے.... فریدی اور حمید تنہا رہ گئے۔

"کیا پاگل پن ہے۔" حمید ہانپتا ہوا بڑبڑایا۔

"عجیب لوگ ہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اور ڈاکٹر نجیب.... وہ ان سے بھی زیادہ پُراسرار معلوم ہوتا ہے۔ وہ لڑکیوں اور اپنے ڈرائیور سمیت نکل گیا.... اور دیکھو.... شاید وہ دوسری کار بھی اسٹارٹ نہیں ہورہی ہے۔"

"اور ان لوگوں کی لاپروائی بھی ملاحظہ ہو۔ ہماری طرف سے بالکل بے خبر ہوگئے ہیں۔ آپ پاگل خانے کا معائنہ فرمانے کے لئے آئے تھے.... ہاہا....!"

"دیکھو! وہ پھر اِدھر ہی آرہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چھپ جانا چاہئے۔"

"اگر انہوں نے سامان پر ہاتھ صاف کردیا تو....!"

"مجھے توقع نہیں ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر سڑک کی دُوسری جانب کی ڈھلان کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ زیادہ نیچے نہیں گئے۔ دو تین بڑے پتھروں کی اوٹ سے وہ سڑک کا حال بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

نامعلوم آدمیوں نے ڈاکٹر نجیب کی کار بھی اسٹارٹ کرنے کی کوشش شروع کردی تھی لیکن انہیں اس میں بھی ناکامی ہوئی۔

"بوڑھا بڑا فتین ہے۔" اُن میں سے کسی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مگر وہ دونوں کہاں گئے۔"

اس کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُن کی نظروں میں "اُن دونوں"

کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

"اب کھسک چلو یہاں سے۔" کوئی بولا۔ "ورنہ وہ یقیناً پولیس کے ساتھ واپس آئے گا۔"

"کیا پیدل ہی چلنا پڑے گا۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں.... خیر دیکھیں گے اُسے۔"

"اگر پولیس کے ساتھ اس کی واپسی کا امکان ہو تو ہمیں سڑک بھی چھوڑنی ہی پڑے گی۔"

"چلو.... وقت نہ برباد کرو۔"

پھر وہ سب دوسری طرف ڈھلوان میں اترتے چلے گئے۔

"میں بھی پاگل ہو جاؤں گا جناب بھائی صاحب۔" حمید ایک طویل سانس لیکر آہستہ سے بولا۔

"ابھی ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ ہم پر ہاتھ ڈالنے کے لئے انہوں نے یہ تدبیر کی ہو۔"

"اور اگر نہیں تو میں انہیں پاگل ہی سمجھوں گا۔" حمید بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "اُن کے پاس رائفلیں بھی تھیں، جن سے ڈاکٹر کی کار کے ٹائر پھاڑے گئے تھے۔ لیکن انہوں نے جھگڑے کے وقت انہیں استعمال نہیں کیا۔ ایک ریوالور صرف دھمکانے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔"

"صرف دھمکانے کے لئے۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"محض اس لئے کہ وہ خالی تھا اور اب بھی میرے پاس موجود ہے اور پھر یہ سوچو کہ وہ بیمہ کمپنی والے بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو۔"

"اخذ کرلیا۔"

"کیا اخذ کرلیا۔"

"حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اس وقت اخذ کے معنی نہیں یاد آرہے ہیں۔"

"خیر پھر کبھی یاد کرنا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر سڑک کی دوسری طرف اچھال دیا۔ کئی سیکنڈ تک اسکے لڑھکنے کی آواز آتی رہی اور پھر سکوت طاری ہوگیا۔

وہ تھوڑی دیر تک اور انتظار کرتے رہے پھر فریدی پتھروں کی اوٹ سے نکل کر سڑک پر آگیا۔

"مگر حیرت ہے کہ وہ اپنی کار بھی چھوڑ گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "اس کے ذریعہ تو پتہ چل

ہی جائے گا کہ وہ کون تھے۔"

فریدی کچھ نہ بولا وہ ڈاکٹر نجیب کی کار میں کچھ تلاش کررہا تھا.... پھر وہ اسٹپنی کی طرف گیا اور ٹارچ روشن کر کے اس کا جائزہ لینے لگا۔

"سامان تو محفوظ ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

فریدی اب بھی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ حملہ آوروں کی کار کی طرف جارہے تھے۔ ٹارچ کی روشنی کار پر پڑی اور فریدی بولا۔ "وہی بات ہے جو میں سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے۔"

"کیا تمہاری آنکھیں بند ہیں۔ یہ کوئی پرائیوٹ کار نہیں بلکہ ٹیکسی ہے۔"

"اوہ....!" حمید اس کے میٹر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اُس ٹیکسی میں بھی کچھ دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "کافی چالاک لوگ تھے۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔"

"بہت کچھ چھوڑا ہے جناب۔"

"یعنی....!"

"ہمیں چھوڑ گئے.... یہی کیا کم ہے۔"

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سڑک پر روشنی پھیل گئی۔ غالباً وہ تین یا چار کاریں تھیں جو آگے پیچھے اسی طرف آرہی تھیں۔ فریدی اور حمید سڑک کے کنارے ہوگئے۔

آگے والی ایک سیاہ رنگ کی پولیس کار تھی اور وہ ٹھیک ان کے پاس ہی رک گئی۔

"خبردار اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔" کار کے اندر سے آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا اور یکے بعد دیگرے تین آدمی نیچے اتر آئے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" ان میں سے ایک بولا۔ فریدی نے فوراً اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور حمید نے اُس کی تقلید کی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دوسری تفریح بھی خاصی رہے گی۔ دوسری گاڑیوں سے بھی لوگ اتر رہے تھے۔ ذرا ہی سی دیر میں انکے گرد مسلح کانسٹیبلوں کی بھیڑ اکٹھا ہوگئی۔

"تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں۔" پولیس افسر نے فریدی اور حمید سے کہا۔

"اوہ.... جناب وہ لوگ تو بدمعاشوں کی کار لے بھاگے۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "جی

ہاں.... وہ ڈاکٹر نجیب تھے.... سر افضال کے دوست.... گہرے دوست.... جی ہاں... بدمعاشوں نے ہماری کار پر فائر کر کے اس کے اگلے ٹائر پھاڑ دیئے اور پھر حملہ کر دیا۔ ہم دونوں لڑتے رہے اور ڈاکٹر نجیب بدمعاشوں کی ایک گاڑی لے گئے.... جی ہاں۔"

"ڈاکٹر صاحب ذرا قریب آیئے۔" آفیسر نے مڑے بغیر کہا اور ایک آدمی اس کے قریب پہنچ گیا۔ فریدی اور حمید کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"جی ہاں یہ وہی ہیں۔" انہوں نے ڈاکٹر نجیب کی آواز سنی۔

"ہاں! بتاؤ! تمہارے ساتھی کہاں ہیں۔" آفیسر نے پھر فریدی سے پوچھا۔

"اوہو....!" حمید جلدی سے بولا۔ "کیوں چچا نجیب یہ کیا معاملہ ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" نجیب نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ لوگ اپنے طور پر تم لوگوں پر شبہ کر رہے تھے۔"

"خیر.... خیر.... کوئی بات نہیں۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔ "آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم بھی اُن لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی یہ غلط فہمی جلد ہی رفع ہو جائے گی۔"

"اپنے ساتھیوں کا پتہ بتاؤ۔" آفیسر گرجا۔

"زبردستی کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ فریدی بالکل خاموش رہا۔

"اچھا....!" پولیس آفیسر غرایا۔ "ان کے ہتھکڑیاں لگادو.... اور تم لوگ کھڑے کیوں ہو.... انہیں تلاش کرو.... جاؤ۔"

سنسان سڑک بھاری قدموں کی آواز سے بجنے لگی اور ان دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں اور انہوں نے کوئی تعرض نہ کیا۔

"اچھا ڈاکٹر صاحب۔" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ "ہمارا سامان احتیاط سے رکھیئے گا۔ جلد ہی پھر ملیں گے۔"

"کیا ان کا کوئی سامان بھی ہے۔" پولیس آفیسر نے ڈاکٹر نجیب سے پوچھا۔

"جی ہاں! اگر لٹا نہ ہوگا تو کار کی اسٹپنی ہی میں ہوگا۔"

"اُسے ہماری کار میں رکھوا دیجئے۔" آفیسر بولا۔

"آپ کو پشیمانی ہوگی جناب۔" حمید نے آفیسر سے کہا۔

"خاموش رہو۔"

"اچھا جناب۔"

فریدی نے حمید کے پیر پر اپنا پیر رکھ دیا اور حمید نے خاموشی اختیار کر لی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک حملہ آوروں کی تلاش جاری رہی لیکن ان کا نشان بھی نہ ملا۔ ان دوران میں ڈاکٹر نجیب اپنی کار کے پہیے تبدیل کراتا رہا تھا۔

لیکن دونوں "مجرموں" کی روانگی کے وقت تک پہیے تبدیل نہیں ہو سکے تھے۔ اس لئے پولیس آفیسر نے وہاں دو مسلح کانسٹیبل چھوڑ دیئے اور بقیہ لوگ "مجرموں" سمیت شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمید ہی کے الفاظ میں پولیس آفیسر انہیں راستے بھر "بور" کرتا رہا۔ مگر اُن دونوں نے چپ سادھ لی تھی۔ اچانک کچھ دیر بعد فریدی نے پولیس آفیسر سے کہا۔

"غالباً کیپٹن ماتھر کا بنگلہ کوتوالی کے قریب ہی ہے۔"

"کیوں؟" آفیسر اُسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں یونہی.... مطلب یہ ہے کہ میں کیپٹن ماتھر کے علاوہ اور کسی سے گفتگو کرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"واہ.... راجہ صاحب۔" دوسرے آفیسر نے قہقہہ لگایا۔

"اچھا....!" حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

"ماتھر صاحب سے کوتوالی ہی میں ملاقات ہو جائے گی۔ فکر نہ کرو۔" پہلے آفیسر نے کہا۔

رام گڈھ کا ایس۔پی کیپٹن ماتھر فریدی کے دوستوں میں سے تھا اور کسی زمانے میں اس کا کلاس فیلو بھی رہ چکا تھا۔

اس وقت اس کا کوتوالی میں موجود ہونا غیر معمولی واقعہ نہیں تھا کیونکہ ڈاکٹر نجیب شہر کی سربرآوردہ شخصیتوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی اطلاع براہِ راست ماتھر کو دی تھی اور ماتھر نے ایک ڈی۔ایس۔پی کی سرکردگی میں پولیس کا ایک مسلح دستہ اس کے ساتھ روانہ کر دیا تھا.... مگر جب مجرم اس کے سامنے آئے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن فریدی نے اُسے خاموش ہی رہنے کا اشارہ کر دیا۔ پھر بھی وہ کچھ نروس سا نظر

آنے لگا تھا۔ پھر وہ انہیں ساتھ لئے ہوئے ایک ایسے کمرے میں آیا جہاں اُن تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

فریدی نے ہنس ہنس کر اپنے ہتھکڑیاں لگنے کی واردات بیان کی۔ ساتھ ہی ماتھر بھی ہنستا رہا۔ پھر فریدی نے اس سے کہا کہ وہ ان دونوں کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے اور نہ اُن سے دوبارہ ملنے کی کوشش کرے، لیکن اس نے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ ان کے رام گڈھ آنے کا مقصد کیا تھا اور وہ ڈاکٹر کے یہاں کیوں قیام کرنا چاہتے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسی ڈی۔ ایس۔ پی کو ان کی ہتھکڑیاں کھولنی پڑیں، جو انہیں گرفتار کر کے لایا تھا۔

"میں مطمئن ہوں۔" ماتھر اس سے بولا۔ "یہ معزز لوگ ہیں۔ انہیں ان کے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوٹھی تک پہنچادو۔ میں انکے اور انکے خاندان والوں سے ذاتی طور سے واقف ہوں۔"

"تب مجھے بہت افسوس ہے جناب۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے لجاجت سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" حمید بولا۔ "اکثر غلط فہمی ہو ہی جاتی ہے۔ اب براہِ کرم ہمیں ڈاکٹر کی کوٹھی تک پہنچانے میں جلدی کیجئے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک پولیس کار میں اپنے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔

ڈاکٹر نجیب کوٹھی ہی میں موجود تھا اور اُس نے اُن دونوں کی واپسی کو حیرت کی نظروں سے دیکھا اور واپسی بھی ایسی جو انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ ہوئی تھی۔ ڈی۔ ایس۔ پی خود ان کے ساتھ آیا تھا اور انہیں وہاں چھوڑ کر واپس جاتے وقت اُس نے بڑی لجاجت سے اُن دونوں سے معافی مانگی تھی۔

"کیا اس واقعے کے بعد بھی یہ ضروری تھا کہ تم لوگ یہیں واپس آتے؟" ڈاکٹر نجیب نے کہا۔

"آپ سے وعدہ جو کر چکے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ورنہ کم از کم مجھے تو ہوٹل ہی میں آرام ملتا ہے۔ مگر میں والد مرحوم کے کسی دوست کا کہنا کیسے ٹال سکتا ہوں۔"

"اچھا.... اچھا....!" ڈاکٹر نجیب نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں دیکھوں گا تم زندگی بھر

میرے ساتھ رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں سمجھے۔"

ڈاکٹر نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگایا اور اس کے چہرے کی نرمی یکلخت غائب ہوگئی۔ پیشانی کا وہ نور جو نرم دلی کی علامت ہوا کرتا ہے تاریکی کی چادر اوڑھ کر سو گیا۔ فریدی اور حمید اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

دشمنوں کا ہمدرد

ڈاکٹر چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر بولا۔

"میں نے ایسے ڈرامے بہت دیکھے ہیں۔ تم لوگوں کی حقیقت ہی کیا ہے۔"

"آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔" فریدی نے جواب طلب نظروں سے حمید کیطرف دیکھا۔

"میں کیا بتاؤں بھائی صاحب میں خود حیرت میں ہوں۔ اسٹیشن پر خود ہی ملے، خود ہی مدعو کیا۔ پھر پولیس کے حوالے کر دیا اور اب.... مگر ٹھہرئیے! مجھے کچھ یاد آرہا ہے۔"

"کیا یاد آرہا ہے۔"

"ان بدمعاشوں میں میں نے اس آدمی کی آواز بھی سنی تھی جس نے کمپارٹمنٹ میں گرینڈ لائف انشورنس کمپنی کا لٹریچر تقسیم کیا تھا۔"

"اچھا....!" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"اسی لئے.... ڈاکٹر صاحب....!"

"بس ختم کرو!" ڈاکٹر نجیب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ابھی تمہارے لئے کمرے درست کرا دیئے گئے ہیں۔"

ڈاکٹر وہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے۔ پھر حمید نے لاعلمی اور حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

"کیا وہ ہمیں پہچانتا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"خدا ہی جانے.... اور وہ گل رُخان ستم بر بھی کہیں نظر نہیں آتیں۔" حمید بولا۔

"نہیں حمید یہ معاملہ کافی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا! دیکھئے۔ میں بوڑھے کو ٹٹولتا ہوں۔"

"یعنی....!"

"یہی کہ وہ ہماری شخصیتوں سے واقف ہے یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ وہ ہمیں چیلنج نہ کرتا۔ اس نے یہی تو کہا تھا کہ تم میرے ساتھ زندگی بھر رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔"

"ہاں کہا تو تھا۔"

"پھر تم خود ہی سوچو....!"

"دیکھئے ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔"

حمید وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا لیکن یہ بھی خالی تھا۔ وہ آگے بڑھا، اتنے میں ایک آدمی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ کمرے میں داخل ہو رہا تھا اور شائد ڈاکٹر کا ملازم تھا۔ حمید نے اس سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا اور ملازم نے اُسے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں ڈاکٹر اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" ڈاکٹر نے لاپروائی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"سنئے! جناب پہلے میں یہ سمجھا تھا کہ پولیس اپنے طور پر ہمیں لے جارہی ہے لیکن اب معلوم ہوتا ہے خود ہی ہم لوگوں کے متعلق شبہے میں مبتلا ہیں۔"

"کیا میرا شبہہ غلط ہے۔" ڈاکٹر نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"ایس۔ پی۔ ماتھر کی تصدیق پر بھی آپ مطمئن نہیں ہیں۔ دیکھئے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم آپ ہی کے یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات تو خود آپ ہی نے کہی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ بلاوجہ کسی شریف آدمی پر شبہہ کیوں کریں۔"

"ماتھر کی کیا حقیقت ہے آج کل اس سے بڑے بڑے بک جاتے ہیں۔" ڈاکٹر بولا۔ "کوئی بڑی رقم.... خیر میں اپنا وقت برباد کرنا نہیں چاہتا۔ تم یہاں شوق سے رہ سکتے ہو۔"

"ہم ان حالات میں یہاں ہرگز نہ رہیں گے خواہ بھائی صاحب کو مجھے باندھ ہی کر کیوں نہ لے جانا پڑے۔"

"باندھ کر کیوں لے جانا پڑے گا۔"

"وہ تو یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ آپ سچ مچ والد صاحب کے دوست ہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "آپ نہیں جانتے کہ وہ واپسی میں راستے بھر بگڑتے آئے ہیں۔ میں یہ بات اُن کے ذہن نشین کرانا چاہتا تھا کہ آپ ہم پر شبہہ کر رہے ہیں۔ لیکن وہ برابر یہی کہتے رہے ہیں کہ نہیں پولیس اپنے طور پر ہمیں لے گئی تھی اور اُن کے اس خیال کی تائید اس ڈی۔ ایس۔ پی نے بھی کردی، جو ہمارے ساتھ یہاں تک آیا تھا۔"

"ٹھہرو....!" بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے میز کے قریب جاکر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

ادھر حمید لڑکیوں سے کہنے لگا۔ "انہیں یہاں سے لے جانے کے لئے خاصی ہاتھا پائی کرنی پڑے گی۔ لاحول ولا قوۃ کس مصیبت میں پھنس گیا۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان لوگوں نے نہ تو سامان میں ہاتھ لگایا اور نہ ہم میں سے کسی کو مار ڈالنے ہی کی کوشش کی۔ حالانکہ ان کے پاس رائفلیں بھی تھیں اور ریوالور بھی۔"

ڈاکٹر فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دوسری نے ہاتھ اٹھا کر اس قسم کا اشارہ کیا جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ تم مطمئن رہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسری کو دیکھ کر مسکرانے لگیں اور حمید نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔

ڈاکٹر ریسیور رکھ کر مڑتا ہوا بولا۔ "میں نے ابھی ماتھر سے گفتگو کی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر نے سوال کیا۔ "اس نے کیا کہا ہوگا؟"

"یہی کہ ہم سرافضال کے لڑکے ہیں۔"

"اور.... کیا کہا ہوگا؟"

"اور.... اور....!" حمید کچھ سوچ کر جلدی سے بولا۔ "ہاں بھائی صاحب اُس کے کلاس فیلو بھی تو رہ چکے ہیں۔ اُس نے یہ ضرور بتایا ہوگا۔ وہ شروع ہی سے کریک رہے ہیں۔"

"اور کچھ.... اور کچھ....!"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اُس نے بتایا کہ کمال کتوں کا شوقین ہے اور اُنکے بارے میں بہت اچھی معلومات رکھتا ہے۔"

"جی ہاں! ہمارے پاس ایک سو ساٹھ کتے ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا "اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں پالنا قریب قریب ناممکن ہے۔ لیکن بھائی صاحب.... واقعی کمال کرتے ہیں۔"

"اچھا....!" ڈاکٹر کے لہجے میں تمسخر تھا۔ "بھئی مجھے بھی بتانا۔ وہ کس قسم کے کتے ہیں۔ مجھے بھی تھوڑی بہت دلچسپی کتوں سے ہے۔"

"مثال کے طور پر۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "افریقی جنگلی نسل کا کتا ڈنگو....!"

"خوب تو گویا تمہارے پاس یلو ڈنگو بھی ہے۔"

"جی ہاں....!"

"جغرافیہ کی کتاب میں میں نے بھی یلو ڈنگو کے متعلق پڑھا تھا۔" پروفیسر مسکرا کر بولا۔

"ضرور پڑھا ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن آپ میری معلومات کو چیلنج نہیں کر سکتے۔"

"آؤ میں تمہیں اپنے کتے دکھاؤں.... اپنے بھائی کو بھی بلا لو۔"

"ڈیڈی! کیا اب صبح نہ ہوگی۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"نہیں ابھی اور اسی وقت....!" ڈاکٹر سنجیدگی سے بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ اس کا کیا مقصد ہے لہٰذا اس نے بھی کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہ ظاہر کی۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر اس کمرے میں آئے یہاں فریدی ایک صوفے پر نیم دراز سگار پی رہا تھا۔

"ڈاکٹر ہمیں اپنے کتے دکھانا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا....!" فریدی نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔ "ضرور ضرور....!"

اس کی آنکھوں میں اس وقت اس بچے کی آنکھوں کی سی چمک نظر آ رہی تھی جس نے کلاس روم کی بوریت کے دوران میں اچانک چھٹی کی گھنٹی سن پائی ہو۔ ویسے حمید کے کہنے کے انداز سے اس نے بھی سمجھ لیا تھا کہ وہ کسی قسم کا امتحان ہی ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر انہیں عمارت کے اس حصے میں لایا، جہاں کتے رکھے جاتے تھے۔

اچانک ڈاکٹر کے منہ سے ایک عجیب قسم کی آواز نکلی جسے تحیر آمیز بے ساختگی کے نتیجے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

اور اُسے متحیر کر دینے والی چیز ربر کا ایک پائپ تھا جو راہداری میں دور تک پھیلا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور اس کا ایک سرا سامنے والے کمرے کے دروازے کے نیچے غائب ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر نے کسی مخصوص انداز میں سیٹی بجائی اور اُسے بار بار دہراتا رہا.... پھر یک بیک وہ ربر کے پائپ کے دوسرے رخ کی طرف دوڑنے لگا اور اس کا ساتھ دینے میں فریدی نے پہل کی، پھر حمید کو بھی دوڑنا پڑا۔ وہ باہر لان پر نکل آئے۔

یہاں اندھیرا تھا۔ دفعتاً ڈاکٹر رک کر مایوسانہ انداز میں بولا۔ "ٹارچ....!"

پھر وہ دوبارہ عمارت کی طرف بھاگنے ہی والا تھا کہ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکال لی۔

لیکن ٹارچ روشن کرتے ہی قریب کی جھاڑیوں میں گویا زلزلہ سا آ گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے ٹارچ زمین پر پھینک کر جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔

حمید ٹارچ اٹھا کر اُسی طرف جھپٹا لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

جھاڑیوں کا زلزلہ تیز ہو گیا۔ ساتھ ہی انسانی چیخیں اور کراہیں بھی فضا میں اُبھرنے لگیں۔

پھر کئی بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئیں۔

حمید کو جھاڑیوں میں دو آدمی نظر آئے۔ ایک تو زمین پر بیہوش پڑا تھا اور دوسرا فریدی کی مضبوط گرفت میں کسی بے بس پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔

دونوں کو کھینچ کر جھاڑی سے نکالا گیا۔

ڈاکٹر اب بھی وہیں کھڑا تھا جہاں حمید نے اُسے چھوڑا تھا۔ فریدی نے دوسرے مجرم کے ہاتھ اس کی ٹائی سے باندھتے ہوئے حمید سے کہا۔ "وہاں ایک گیس سلنڈر بھی موجود ہے اور یہ پائپ اسی سے اٹیچ ہے۔"

ڈاکٹر ایک طویل سانس لے کر آہستہ سے بولا۔ "وہ سب مر گئے ہوں گے۔"

"کون....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کتے! اُس کمرے میں کتے تھے۔ ایسے کتے جن کا یہاں ملنا مشکل ہے۔"

"اور یہ دونوں کون ہیں۔" فریدی نے ان دونوں آدمیوں کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ کوٹھی کے سارے نوکر شور سن کر باہر نکل آئے تھے اور انکے ساتھ ڈاکٹر کی لڑکیاں بھی تھیں۔

"میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں۔" ڈاکٹر کے لہجے میں سختی رخصت ہو چکی تھی۔

پھر اُس نے اپنے نوکروں اور لڑکیوں کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "اب کوئی اندر تو نہیں ہے۔"

انہوں نے نفی میں جواب دیا اور ڈاکٹر نے انہیں تجربہ گاہ کی طرف جانے کے لئے کہا۔

دوسری طرف فریدی قابو میں آئے ہوئے آدمی سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

"کمال صاحب! انہیں چھوڑ دیجئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے دفعتاً فریدی کو مخاطب کیا۔

"اوہو! شائد آپ فرشتے ہیں۔" فریدی نے ٹارچ کی روشنی اپنے چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ دیکھئے.... میں انہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔"

اس کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل رہا تھا۔

"اوہو.... تو تم.... اب تک....!" ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "چلو.... چلو میں دیکھوں.... زرینہ.... صبیحہ تم تجربہ گاہ میں جاکر ڈریسنگ کا سامان تیار کرو۔"

"ہرگز نہیں....!" فریدی نے کسی ضدی بچے کے سے انداز میں کہا۔ "جب تک میں ان سے اس حرکت کی وجہ نہ دریافت کرلوں، ڈریسنگ نہیں کراؤں گا۔"

"وجہ کا علم شائد ان کے فرشتوں کو بھی نہ ہو۔" ڈاکٹر بولا۔ "یہ کرائے کے ٹٹو ہیں۔"

دونوں لڑکیاں فریدی کی طرف بڑھیں اور انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "چلئے۔"

"کاش....!" حمید ایک طویل سانس لے کر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میری کھوپڑی بیچ سے دو ہوگئی ہوتی۔"

"جمال میاں....!" فریدی لڑکیوں کیساتھ چلتا ہوا پلٹ کر بولا۔ "ان دونوں کا خیال رکھنا۔"

"بہت اچھا بھائی صاحب۔" حمید نے جواب دیا لیکن دل میں کہنے لگا۔ "کاش تم سچ مچ پاگل ہوتے۔"

"پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوا، جو مجرم کے ہاتھ کھول رہا تھا۔"

"ارے.... ارے! یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!" حمید بوکھلا کر اُس کی طرف بڑھا۔

"کچھ نہیں! یہ مجرم نہیں" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "تم نہیں سمجھتے۔"

وہ اس کے ہاتھ جو پُشت پر بندھے ہوئے تھے کھول چکا تھا۔ ہاتھ کھلتے ہی وہ آدمی بے تحاشہ بھاگا۔ حمید نے جھپٹنا چاہا لیکن ڈاکٹر نے اسے پکڑ لیا۔ اتنے میں وہ آدمی بھی اٹھ کر بھاگا جو زمین پر

بیہوش پڑا تھا۔ نوکر شور مچانے لگے لیکن ڈاکٹر نے انہیں ڈانٹ دیا۔

"میں اس پاگل پن کو نہیں برداشت کر سکتا۔" حمید آپے سے باہر ہوگیا۔

جواب میں ڈاکٹر نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "جاؤ تم بھی تجربہ گاہ میں جاؤ۔ صبیحہ سے کہہ دینا کہ الماری سے ایک گیس ماسک نکال کر بھجوا دے۔ تم سب بھی جاؤ۔" ڈاکٹر نے نوکروں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آپ مجھے اس کی وجہ بتایئے، ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ پہلے انہوں نے راہ میں حملہ کیا لیکن ان کے انداز قاتلانہ نہیں تھے حالانکہ وہ بہ آسانی ہماری زندگیاں ختم کر سکتے تھے۔ انہوں نے سامان بھی نہیں لوٹا اور اب انہوں نے آپ ہی کے بیان کے مطابق آپ کے انتہائی قیمتی کتوں کا صفایا کر دیا اور آپ.... آپ نے انہیں بھی نکل جانے دیا جو ہاتھ آچکے تھے۔"

"بس اب جاؤ۔" ڈاکٹر ہاتھ ہلا کر بولا۔ "میں تم لوگوں سے بہت شرمندہ ہوں اور اس تکلیف کی تلافی کرنے کی کوشش کروں گا، جو تم لوگوں کو میری ذات سے پہنچی ہے۔"

ڈاکٹر کے اس جملے پر حمید نے وہاں سے چلے جانا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے سوچا کہ ڈاکٹر اب راہ پر آرہا ہے، اس لئے اُسے ناراض نہ کرنا چاہئے۔

"میں جارہا ہوں ڈاکٹر! مگر یہ چیز.... آپ نے دیکھا نہیں کمال بھائی کا پورا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا اور آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔"

"مجھے افسوس ہے۔ انہوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ لیکن ہیں بہت دلیر، وہاں راستے میں بھی انہوں نے بڑی بے جگری سے اُن لوگوں پر حملہ کیا تھا۔"

"مگر آپ کا رویہ.... ڈاکٹر....!"

"اونہہ! تم اس کی پرواہ نہ کرو.... جاؤ۔"

حمید نوکروں کی رہنمائی میں ایک طرف چل پڑا۔ وہ اس معاملے میں بہت سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ آخر یہ ڈاکٹر ہے کیا بلا اور وہ لوگ کون تھے۔ یقیناً فریدی اس معاملے کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے، لیکن وہ اُسے کیوں بتانے لگا۔

حمید نے نوکروں سے اس مسئلے پر گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ خاموش رہے۔ ہر سوال کا اُن کے

پاس ایک جواب تھا۔ "معلوم نہیں۔"

حمید جھلا گیا۔ اگر یہ اُس کے نوکر ہوتے تو مارتے مارتے بے دم کر دیتا۔

وہ خاموشی سے اُن کے ساتھ چلتا رہا۔

وہ لڑکیاں

تجربہ گاہ میں پہنچ کر صبیحہ اور زرینہ نے فریدی کو ایک آرام کرسی پر بٹھادیا۔ فریدی نے اتنی ہی دیر میں اندازہ کر لیا تھا کہ صبیحہ بہت شوخ لڑکی ہے۔

دونوں نے بڑی پھرتی سے پیشانی کا زخم صاف کیا اور خود ہی ڈریسنگ بھی کرنے لگیں حالانکہ ڈاکٹر نے صرف ڈریسنگ کا سامان درست رکھنے کے لئے کہا تھا۔ جس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ واپسی پر خود ڈاکٹر ہی ڈریسنگ کرے گا۔

"کمال صاحب۔" یک بیک صبیحہ نے اُسے مخاطب کیا۔ "کیا یہ صحیح ہے کہ آپ...پپ...پا...!"

"شٹ اپ یہ کیا بکواس ہے۔" زرینہ جلدی سے بول پڑی۔

"ہاں ہاں کہئے کہئے۔" فریدی بولا۔

"آپ کے چھوٹے بھائی کہتے ہیں کہ آپ....پپ....پا....!"

"صبیحہ کی بچی....!" زرینہ چیخی۔

"اچھا جانے دو۔" صبیحہ گردن جھٹک کر بولی۔

"میں سمجھ گیا۔" فریدی مسکرایا۔ "غالباً جمال مجھے پاگل کہتا ہوگا۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

"نہیں نہیں.... یہ غلط ہے۔" زرینہ نے کہا اور صبیحہ کو گھورنے لگی۔ جواب میں صبیحہ اُسے منہ چڑھادیا۔

"اچھا! آنے دو ڈیڈی کو۔"

"جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اس کا برا نہیں مانتا۔ میرا پورا خاندان مجھے پاگل سمجھتا ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اس میں میرا حرج ہی کیا ہے.... اچھا تو اب میں سمجھا۔ وہ گدھا شائد مجھے اسی لئے رام گڈھ لایا ہے۔ یہاں کا پاگل خانہ تو کافی مشہور ہے۔"

"دیکھئے کمال صاحب.... یہ صبیحہ.... بالکل احمق ہے۔ آپ کچھ خیال نہ کیجئے۔"

"ہم دونوں پاگل خانے کے چیئرمین کی لڑکیاں ہیں۔" صبیحہ اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "کمال صاحب! آپ خود سوچئے۔"

"تم خاموش نہیں رہو گی۔" زرینہ پھر جھلا گئی۔

"اور یہ زرینہ۔" صبیحہ نے شوخی سے کہا۔ "بہت زیادہ چالاک لڑکی ہے۔ اس لئے مجھ میں اثر کچھ کم آیا ہے۔ ویسے میں بھی خاصی پاگل ہوں۔"

قدموں کی آہٹ پر وہ خاموش ہوگئیں اور حمید نے تجربہ گاہ میں داخل ہوتے ہی ایک ایسی ٹھنڈی سانس لی کہ خود اُسے اپنی کھوپڑی منجمد ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیوں....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں...!" حمید نے جواب دیا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ میرا بھی پاگل ہو جانے کو دل چاہنے لگا ہے۔ کوئی تدبیر بتائیے...ڈاکٹر نے اُن دونوں کو چھوڑ دیا...باقی سب خیریت ہے۔"

"چھوڑ دیا۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرنے کے لئے اپنی پلکیں جھپکائیں۔

صبیحہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ پھر قہقہوں کے ساتھ بولی۔ "میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔"

"یہ تو بہت برا ہوا۔" فریدی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر آدمی نہیں.... بالکل.... بالکل وہ معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا معلوم ہوتے ہیں۔" صبیحہ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کیا معلوم ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی لفظ کی تلاش ہی فضول ہے۔ سارے کتے مر گئے اور انہوں نے مجرموں کو معاف کر دیا۔ خدا کی پناہ۔"

"آہا! ٹھیک یاد آیا۔" حمید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ڈاکٹر نے ایک گیس ماسک منگوایا ہے۔ غالباً وہ اُس کمرے میں جائیں گے جس میں گیس چھوڑی گئی ہے۔"

"کمال ہے بھئی۔" فریدی اٹھ کر ٹہلتا ہوا بولا۔ "کس دل سے اپنے کتوں کی لاشیں دیکھ سکیں گے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" صبیحہ برا سا منہ بنا کر بولی۔ "وہ ہم لوگوں کی لاشیں دیکھ سکتے ہیں،

لیکن کتوں کی لاشیں تو اُن سے ہر گز نہ دیکھی جائیں گی۔"

"صبیحہ....!" زرینہ نے اُسے پھر ڈانٹا۔

صبیحہ ایک ہذیانی سا قہقہہ لگا کر بولی۔ "میں پاگل ہوں۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی.... ڈیڈی کا مضحکہ اڑاتی ہو۔"

زرینہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے ایک الماری کی طرف بڑھی، غالباً وہ گیس ماسک نکالنے جا رہی تھی۔ حمید صبیحہ کی طرف شرارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" صبیحہ نے چیلنج کرنے کے سے انداز میں کہا۔

"کچھ نہیں! بھلا یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"فکر نہ کیجئے! یہ تو پہلا فاقہ ہے۔"

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ زرینہ چیخ مار کر اُس کے سامنے آگری۔

"سانپ....!" وہ اٹھتے اٹھتے پھر چیخی۔

کھلی ہوئی الماری سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ نکل رہا تھا۔ حمید بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور صبیحہ بدحواسی میں زرینہ کو دروازے تک گھسیٹ لے گئی۔ نوکر برآمدے میں تھے۔ چیخ سن کر وہ بھی تجربہ گاہ میں گھس آئے۔

"اوہو.... ڈرو نہیں....!" فریدی پُرسکون آواز میں بولا۔

حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اپنے ہاتھ کی صفائی ضرور دکھائے گا۔

اور پھر جو کچھ بھی ہوا چشم زدن میں ہوا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ فریدی کا ہاتھ اس پر کیسے پڑا۔ وہ تو بس اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا کیچوا لٹکتا دیکھ رہے تھے۔ اُس نے اُس کے سر کا نچلا حصہ اس طرح چٹکی میں دبا رکھا تھا کہ سانپ کا کھلا ہوا منہ کسی طرح بند ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!" زرینہ پھر چیخی۔

"بھائی صاحب! بھائی صاحب۔" حمید نے خوفزدہ سی آواز میں ہانک لگائی۔

فریدی نے سانپ کو ایک جھٹکا اور دے کر فرش پر ڈال دیا۔ رینگنا تو دور کی بات تھی اب وہ لہریں بھی نہیں لے سکتا تھا۔ صرف دم میں خفیف سی لرزش باقی تھی۔ وہ اُسے وہیں چھوڑ کر الماری کی طرف چلا گیا۔

پھر شائد دو یا تین منٹ بعد دو عدد گیس ماسک لئے ہوئے باہر جانے لگا۔

"یہیں میرا انتظار کرو۔" اُس نے دروازے کے قریب پہنچ کر حمید سے کہا۔

حمید اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر پھر سانپ کی طرف دیکھنے لگا، جو غالباً اب مر چکا تھا۔

"کیا یہ زندہ ہے۔" زرینہ نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"نہیں! اس کی ساری ہڈیاں اپنے جوڑوں سے الگ ہو گئی ہوں گی۔ بھائی صاحب اس فن کے ماہر ہیں۔"

حمید نے صبیحہ کی طرف دیکھا جو اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

"کیا الماری مقفل تھی؟" حمید نے زرینہ سے پوچھا۔

"جی ہاں....!" اُس نے جواب دیا۔

"کیا ڈاکٹر سانپوں پر بھی تجربہ کرتے ہیں۔"

"نہیں کبھی نہیں....!"

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سانپ کسی نے یہاں رکھا تھا اور اس صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے، جنہوں نے کتوں کے کمرے میں گیس چھوڑی تھی۔ وہ جانتے رہے ہوں گے کہ گیس ماسک اسی الماری میں ہیں اور یقیناً ایسی حالت میں وہ نکالے جائیں گے۔"

حمید خاموش ہو کر لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا لیکن انہوں نے اس کے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ فریدی سانپ کے کھلے ہوئے منہ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات سوچی ہو کیونکہ حمید بھی دوسرے ہی لمحے میں اُسے بجلی کے بلب کی طرف اٹھا کر اُس کے کھلے ہوئے دہانے کا جائزہ لے رہا تھا۔

سانپ کے منہ میں دانت نہیں تھے۔ حمید نے مزید اطمینان کرنے کے لئے اپنی چھوٹی انگلی اُس کے منہ میں ڈال دی۔

اور پھر ایک طویل سانس لے کر مردہ سانپ کو فرش پر ڈال دیا۔ حقیقتاً اُس کے دانت نکال دیئے گئے تھے اور وہ سچ مچ ایک کیچوے ہی کی طرح بے ضرر تھا۔ زرینہ اور صبیحہ اُس کی حرکتوں کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

حمید سوچ رہا تھا کیا ڈاکٹر انہیں اپنے یہاں سے بھگانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ اُن دونوں مجرموں کو چھوڑ دینے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے؟

وہ رات انہیں تجربہ گاہ میں بسر کرنی پڑی۔ ڈاکٹر نے کسی کو بھی کوٹھی میں نہیں جانے دیا۔ اُس کے خیال میں پوری کوٹھی گیس سے متاثر ہو گئی تھی۔

فریدی ایک خبطی آدمی کا بہترین رول ادا کرتا رہا۔ اُس نے ڈاکٹر سے کچھ بھی نہیں پوچھا۔ حتیٰ کہ خود سے سانپ کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ ڈاکٹر نے خود ہی مردہ سانپ کو دیکھ کر اُس کے متعلق پوچھا تو فریدی نے اتنا ہی کہا کہ ہاں اُس نے اُسے مار ڈالا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ مقفل الماری میں کس طرح پہنچا ہوگا۔

دوسری صبح جب حمید اور فریدی لان پر تنہا تھے تو حمید نے پچھلی رات کے واقعات کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"کیا آپ نے دیکھا تھا کہ سانپ کے منہ میں دانت نہیں تھے۔" اُس نے کہا۔

"ہاں میں نے دیکھا تھا۔"

"اور لڑکیوں کے بیان کے مطابق الماری مقفل تھی۔"

"رہی ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر یہی سمجھنا چاہئے کہ ڈاکٹر ہماری شخصیتوں سے واقف ہے اور نہیں چاہتا کہ ہم یہاں قیام کریں۔"

"اوہ! تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ ہم سے واقف ہے۔" فریدی بولا۔

"پھر کیا سمجھوں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں نہیں جانتا۔ اگر جانتا ہوتا تو اس قسم کی حرکتیں ہرگز نہ کرتا۔"

"تو پھر اُس کا مطلب یہ ہے کہ ان سب واقعات کا ذمہ دار کوئی اور ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"آخر آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"حالات تمہارے سامنے ہیں۔ تم ہی کچھ روشنی ڈالو۔"

"اگر آپکے یہاں آنے کا مقصد معلوم ہو جائے تو ڈال سکتا ہوں روشنی...!" حمید اکڑ کر بولا

"مقصد بھی بتا چکا ہوں۔"

"اچھا تو یہ بھی بتا دیجئے کہ وہ پاگل کس قسم کا ہے جس میں آپ دلچسپی لے رہے ہیں اور اس کی اصلیت کیا ہے۔"

"اونہہ.... ختم کرو.... ڈاکٹر اپنی طرف آ رہا ہے۔"

ڈاکٹر نجیب انہیں کی طرف آ رہا تھا لیکن جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"ہلو.... کمال زخم کیسا ہے۔" اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"ٹھیک ہی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور سر پر بندھی ہوئی پٹی پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے۔"

"افسوس! کس بات پر۔" فریدی اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"پچھلی رات کے واقعات....!" ڈاکٹر کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔

"اوہ....!" فریدی ایک مختصر سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ "مجھے ایسے واقعات سے بڑی دلچسپی ہے۔ ذہنی ورزش کے ساتھ اگر جسمانی ورزش بھی نہ ہو تو آدمی کاہل ہو جاتا ہے۔"

"تو تم.... ذہنی ورزش بھی کرتے ہو۔"

"جی ہاں! اور اسی کا نتیجہ ہے کہ میرے خاندان والے مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔" فریدی نے قہر آلود نظروں سے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور غالباً اس گدھے نے آپ کو بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہا ہے۔"

"نہیں.... نہیں....!"

"آپ کی صاحبزادی محترمہ صبیحہ مجھے بتا چکی ہیں۔"

"اوہ.... اوہ.... وہ بڑی شریر ہے۔ تم اس کی باتوں پر دھیان نہ دو۔"

"آپ پاگل خانے کے میڈیکل بورڈ کے چیئر مین ہیں نا....!"

"ہاں.... آپ....!"

"اور شائد اسی لئے میں یہاں لایا گیا ہوں کہ میرا علاج کیا جائے۔" فریدی کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا۔

"نہیں.... بھئی.... وہ تو تم اتفاقاً مجھے اسٹیشن پر ملے تھے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"خیر.... خیر....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن آپ میری ذہنی حالت ٹھیک کرنے پر اپنا وقت نہیں برباد کریں گے۔"

"نہیں بھئی.... تم بالکل ٹھیک ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے آپ کو فرانسیسی اور جرمن کا لطیفہ بھی سنایا ہو۔"

"کیا وہ بھی غلط ہے۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا۔

"سو فیصدی غلط.... محض مجھے غصہ دلانے کے لئے تمام میں کہتا پھرتا ہے کہ میں فرانسیسی اور جرمن سے نابلند ہوں۔"

"مگر.... بھئی.... تم نے وہ کتاب الٹی پکڑ رکھی تھی۔"

"کون سی کتاب....!"

"اوہ.... وہ.... کچھ نہیں.... کچھ نہیں....!" ڈاکٹر فوراً سنبھل گیا۔ کتاب کا واقعہ ٹرین سے متعلق تھا اور ڈاکٹر نے یہ ظاہر کیا تھا کہ ان سے اسٹیشن پر اتفاقاً ملاقات ہو گئی تھی۔

"نہیں بتایئے کون سی کتاب....!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

حمید نے ڈاکٹر کو آنکھ مار کر فریدی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ لیکن فریدی نے جھلاہٹ میں نہ صرف اس کا ہاتھ ہٹا دیا بلکہ ایک ہاتھ رسید کرنے کی بھی کوشش کی۔ حمید اچھل کر ڈاکٹر کے پیچھے ہو گیا۔

"ارے.... ارے.... ہائیں....!" ڈاکٹر نے فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تو آپ اس سور کو بھی تو سمجھایئے کہ میں اس کا بڑا بھائی ہوں۔ مجھے تمام جگہوں پر ذلیل کرتا پھرتا ہے۔"

"میں سمجھا دوں گا۔ خیر اسے جانے دو۔ تم ابھی ذہنی ورزش کی بات کر رہے تھے۔"

"جی ہاں.... کیا وہ بھی پاگل پن کی بات تھی۔"

"نہیں.... نہیں.... قطعی نہیں۔"

"ذہنی.... ورزش....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں پچھلی رات کے واقعات پر ذ ورزش کر رہا ہوں۔ کمرے میں گیس ڈال کر کتوں کو ختم کیا گیا۔ پھر اس الماری سے سانپ برآ

ہوا جس میں گیس ماسک رکھے ہوئے تھے اور سانپ بھی کیسا، جس کے دانت پہلے ہی توڑ دیئے گئے تھے اور پھر آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرم بھی چھوڑ دیئے۔"

ڈاکٹر نجیب چند لمحے اُسے خاموشی سے گھورتا رہا۔ پھر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "آؤ.... چلو میں اس کے متعلق اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"چلئے....!" فریدی بولا۔

پاگل کا نشانہ

وہ ڈرائنگ روم میں آئے جہاں ناشتہ میز پر لگایا جا چکا تھا اور لڑکیاں شائد انہیں کی منتظر تھیں۔ صبیحہ حمید کو دیکھ کر مسکرائی اور حمید بھی مسکرا دیا۔ ڈاکٹر خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے پھر ڈاکٹر بولا۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے۔"

"کیا کہہ رہا تھا۔" فریدی نے سوچنے کے سے انداز میں اپنی پیشانی پر شکنیں ڈال لیں۔

"پچھلی رات کی باتیں جن پر تم ذہنی ورزش کرتے رہے ہو۔"

"آہا ٹھیک! میں ان واقعات کو کبھی نہیں بھول سکتا، محض اس لئے کہ وہ تحیر انگیز ہیں.... انتہائی تحیر انگیز.... ورنہ میں ہر بات بہت جلد بھول جاتا ہوں۔ جب ہم اسٹیشن سے اس طرف آ رہے تھے تو ہم پر چند نامعلوم آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ اُن میں سے ایک کی آواز بالکل ایسی ہی تھی جیسے بیمہ کمپنی کے اُس ایجنٹ کی جو ہمیں ٹرین میں ملا تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب اُس واقعے سے ناواقف ہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔

اس پر فریدی نے بیمہ کمپنی کے ایجنٹوں کی عجیب و غریب حرکت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اُن میں سے ایک وہ ایجنٹ ضرور تھا جس نے کمپارٹمنٹ میں ریوالور نکالا تھا۔ اچھا دوسری بات.... انہوں نے ہمارے سامان میں ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی ہمیں جان ہی سے مارنے کی کوشش کی، حالانکہ اُن کے پاس اسلحے بھی موجود تھے۔ پھر یہاں کوٹھی میں کتوں پر آفت آئی۔ الماری سے سانپ برآمد ہونے کا مقصد یہی تھا کہ اس واقعے کے بعد آپ لوگوں کو

ایک دوسرے حادثے سے دوچار کیا جائے، ورنہ وہ سانپ اسی الماری سے کیوں برآمد ہوتا جس میں گیس ماسک رکھے تھے۔ ظاہر ہے کہ کتوں والے واقعے کے بعد گیس ماسک کی ضرورت پیش آنی لازمی تھی۔ مگر اُس سانپ کا مقصد؟ آپ خود ہی فرمائیے کہ اس کے دانت کیوں نکال دیئے گئے تھے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرموں کو کیوں چھوڑ دیا۔"

فریدی خاموش ہو کر ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"وہ ہمیں صرف خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔" ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔

"کون....!"

"چند نامعلوم آدمی....!"

"کیوں خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں؟"

"تاکہ میں کوٹھی چھوڑ دوں۔"

"کیا یہ کوٹھی کرائے پر حاصل کی گئی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں میری اپنی ہے۔ اب سے پچیس سال قبل میں نے اسے خریدا تھا۔"

"کون ہیں وہ بیہودے، جو آپ سے آپ کا مکان چھیننا چاہتے ہیں۔ مجھے بتایئے۔ میں اُن سے سمجھ لوں گا۔ کیپٹن ماتھر میرے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"تم نہیں سمجھے! میں خود بھی پولیس کی مدد لے سکتا تھا۔"

"پھر کیوں نہیں لی....!"

"وجہ ہے! میں نہیں چاہتا کہ پولیس کو اس کا علم ہو....!"

"کمال کرتے ہیں۔ ارے ان خطرناک حالات میں رہنا آپ کو پسند ہے۔"

"یہ ایک راز ہے۔"

"لیکن.... میری یہ چوٹ....!" فریدی اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں ماتھر کو اس کی اطلاع دے دوں۔"

"خدا آپ کو اس کی توفیق دے۔" صبیحہ بول پڑی اور ڈاکٹر اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"میں ضرور اُسے مطلع کروں گا۔"

"تم میرا کہنا نہیں سنو گے.... سر افضال....!"

"سنئے تو سہی۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "آخر وہ راز کیسا ہے؟"

ڈاکٹر تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم مجبور کرو گے تو بتانا ہی پڑے گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ ان حرکتوں پر اتر آئیں گے۔ ورنہ میں تمہیں کبھی یہاں نہ لاتا۔"

"ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے کسی کام آ ہی سکوں۔" فریدی نے کہا۔

"میں بتادوں گا مگر پہلے تم وعدہ کرو کہ یہ بات صرف تم دونوں ہی تک رہے گی۔"

"سن رہے ہو۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر غرایا۔ "اگر تم نے یہ بات کسی سے کہی تو ہڈیاں پسلیاں ایک کر دوں گا۔"

"میں کسی سے نہیں کہوں گا۔" حمید نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

فریدی پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا اور ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔ "اس عمارت میں کہیں پر ایک بہت بڑا دفینہ ہے۔"

"دفینہ....!" فریدی نے آہستہ سے دہرایا اور اُس کا چہرہ یک بیک سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک نظر آنے لگی۔ لیکن حمید خوب سمجھتا تھا کہ یہ تغیر قطعی بناوٹی ہے۔ اس کا جذبات سے کوئی تعلق نہیں۔

"دفینہ....!" ڈاکٹر نے کہا۔ "میں نے یہ عمارت بحری جہاز کے ایک انگریز کپتان سے خریدی تھی۔ وہ یہاں تنہا رہتا تھا اور جس دن اُس نے مجھ سے رقم وصول کی تھی، اُس سے پندرہ ن بعد کوٹھی خالی کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ تیسرے ہی دن اسی کوٹھی میں مردہ پایا گیا۔ کسی نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ اس کا ایک ملازم بھی تھا۔ اس نے بتایا کہ کچھ عرصہ سے ہ اسرار آدمی تاریک راتوں میں کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں چکر لگاتے رہے ہیں اور انہوں نے کئی جگہ کھدائی بھی کی تھی۔ اکثر کوٹھی کے اندر بھی گھس آئے تھے۔ دو ایک بار انگریز کپتان کو اُن پر لیاں بھی چلانی پڑی تھیں۔ لیکن کپتان نے ان واقعات کی رپورٹ پولیس کو کبھی نہیں دی، رحال کوٹھی کا سودا اس کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کی موت کے بعد قانونی طور پر ے قبضہ مل گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ شروع شروع ما کچھ لوگوں نے کوٹھی خریدنے کی پیشکش کی۔ پھر مجھے غائبانہ طور پر دھمکیاں ملنے لگیں۔ پچیس

سال ہوگئے ان بکھیڑوں میں پڑے ہوئے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ نہ تو ابھی تک وہ لوگ ہی کامیاب ہو سکے اور نہ میں ہی۔ وہ اکثر چوروں کی طرح کوٹھی میں گھس کر اُسے تلاش کرتے رہے ہیں۔ امتحاناً میں نے اکثر کوٹھی کو ایک ایک ہفتہ کے لئے بالکل خالی چھوڑ دیا ہے، لیکن پھر بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ ویسے ان کی تلاش کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ پچیس سال سے.... خدا کی پناہ.... اور اب وہ اس بات پر اُتر آئے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو مجھ سے کوٹھی خالی کرالیں۔"

ڈاکٹر خاموش ہو کر فریدی کیطرف دیکھنے لگا۔ جسکے چہرے پر اب بھی جوش کے آثار تھے۔

"ٹھیک ہے۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ "پولیس کو اطلاع نہ دینی چاہئے۔ ورنہ پوری کوٹھی کھود ڈالی جائے گی.... دفینہ نہ ہو تب بھی پولیس یہ جاننا چاہے گی کہ آخر وہ اس میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"بالکل یہی بات میں بھی سوچتا ہوں۔" ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لی۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" صبیحہ مایوسانہ انداز میں بولی۔

"تم چپ رہو....!" ڈاکٹر نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"ڈیڈی میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"ضرور ہو جاؤ۔"

"آپ پاگل نہیں ہو سکتیں۔" فریدی نے اُسے اطمینان دلایا۔ "بس دیکھتی رہئے کہ میں کیا کرتا ہوں۔"

"آپ کیا کریں گے۔" صبیحہ نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"میں اُن گیدڑوں پر موت بن کر گروں گا۔" فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "میرے پاس ریوالور ہے۔ میں اس کا لائسنس رکھتا ہوں۔ میرا نشانہ بڑا شاندار ہے۔ جمال ذرا اٹھنا تو۔ شاباش....!"

فریدی نے جیب سے ریوالور نکال لیا تھا۔ ڈاکٹر اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

حمید بدستور بیٹھا رہا۔ فریدی نے اُسے گردن سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

پھر کھینچتا ہوا کمرے کے دوسرے سرے تک لے جاتا ہوا بولا۔ "سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔"

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی، ویسے اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کیا ہونے

ہے۔ فریدی نے میز پر سے ایک گلاس اٹھا کر حمید کے سر پر رکھ دیا اور حمید کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی.... فریدی اُس گلاس پر نشانہ لگانے جا رہا تھا۔

"کیا کرنے جا رہے ہو تم....!" دفعتاً ڈاکٹر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"نشانہ دیکھئے میرا۔"

"ارے نہیں.... خبردار....!" ڈاکٹر اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ مگر فائر ہو چکا تھا۔

گلاس کے پرزے اڑ چکے تھے اور حمید کھڑا اپنا سر سہلا رہا تھا۔

"اگر تمہارا ہاتھ بہک جاتا تو.... بولو....!" ڈاکٹر نے فریدی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ نالائق مر جاتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اور مجھے خوشی ہوتی۔ اچھا آپ ہی فرمایئے کیا آپ کسی پاگل آدمی سے ایسے نشانے کی توقع کر سکتے ہیں۔"

"نہیں.... ہرگز نہیں۔"

"اور یہ گدھا مجھے پاگل کہہ کر بدنام کرتا پھرتا ہے۔"

"میں نے کب کہا تھا کس سے کہا تھا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیوں محترمہ صبیحہ....!" فریدی صبیحہ کی طرف مڑا۔

"اوہو.... میں سمجھ گئی تھی کہ یہ مذاق کر رہے ہیں۔" صبیحہ نے جواب دیا۔

"بہرحال کہا تھا....!"

"نہیں کہا تھا۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ "صبیحہ تم آخر شرارت سے باز کیوں نہیں آتیں۔"

صبیحہ کچھ نہیں بولی۔

"کہئے تو.... اور دکھاؤں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی ناک پر بسکٹ رکھ کر...."

"نہیں.... نہیں.... میں اس کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے۔"

"خیر.... ہاں تو آپ مجھے بتایئے! وہ کون لوگ ہیں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"میں انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کروں گا۔ انہیں سمجھاؤں گا کہ آپ تنہا نہیں ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ میں اُس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا جب تک کہ اس کا تصفیہ نہ

ہو جائے۔"

"میں کیسے بتا سکتا ہوں جب کہ وہ کبھی کھل کر سامنے آئے ہی نہیں۔"

"انہیں تو آپ جانتے ہی ہوں گے جنہوں نے یہ کوٹھی آپ سے خریدنے کی کوشش کی تھی۔"

ڈاکٹر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اُن میں سے صرف ایک آدمی یہاں موجود ہے لیکن تم آخر اُسے کس طرح مرعوب کرو گے.... وہ یہاں کا ایک ذی حیثیت آدمی ہے۔"

"آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے.... صرف پتہ بتا دیجئے۔"

"نہیں بھئی! اگر تم کوئی غیر قانونی حرکت کر بیٹھے تو....!"

"نہیں.... میں پاگل نہیں ہوں.... حالانکہ لوگ مجھے بچپن ہی سے پاگل سمجھتے آئے ہیں۔ مگر یہ تو سوچئے.... کہ اگر میں پاگل ہوتا تو مجھے ریوالور کا لائسنس کیسے مل جاتا۔"

"میں تمہیں پاگل نہیں سمجھتا۔" ڈاکٹر نے پلکیں جھپکائیں۔

"تو پھر بتا دیجئے۔"

"سردار محمود.... وہ یہاں کا بہت بڑا آدمی ہے۔"

"پتہ بتائیے۔"

"جس سے بھی پوچھو گے بتا دے گا۔ وہ بہت مشہور آدمی ہے۔"

"اچھی بات ہے.... میں دیکھوں گا۔" فریدی کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بڑبڑایا۔

"مگر تم کرو گے کیا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"اُس سے زیادہ پریشان کروں گا جتنے آپ اب تک ہو چکے ہیں۔"

"دیکھو بھئی! میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں کہ اسکی ضرورت نہیں! بس تم اپنی زبان بند رکھنا۔"

"زبان تو بند رہے گی لیکن میرے ہاتھ نہیں باندھے جا سکتے۔"

"سردار محمود کے یہاں بم کیوں نہ پھینکا جائے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

"نہیں.... نہیں....!" ڈاکٹر اور اُس کی لڑکیاں بیک وقت بولیں۔

"کوئی مرے گا نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ دھوئیں کا بم ہوگا۔"

"دھوئیں کا بم لاؤ گے کہاں سے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"میں سائنس کا گریجویٹ ہوں۔" فریدی نے فخریہ انداز میں کہا۔

"یعنی تم خود بنا لو گے۔"

"قطعی....!"

"نہیں.... میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"آپ مشورہ دیں یا نہ دیں۔" فریدی اپنی پیشانی پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "اس زخم سے خون بہا تھا اور اب تکلیف بھی محسوس ہو رہی ہے۔"

حمید نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نہیں ہیں۔

ناشتے کے بعد ڈاکٹر اپنے ذاتی ہسپتال کی طرف چلا گیا۔ فریدی اور حمید لان پر آ بیٹھے۔

"کیا خیال ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "لڑکیوں پر رنگ تو خوب جمایا مگر ان دونوں میں عشق کرنے کی صلاحیت نہیں معلوم ہوتی۔"

"اس سے میرا وہ مقصد نہیں تھا جو تمہارے ذہن میں ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا اس کہانی کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"عرف عام میں ہم اُسے بنڈل کہیں گے۔ بچوں کو بہلانے کی سی باتیں اور اسی لئے میں نے بھی اچھل کر اُسے یقین دلا دیا تھا کہ میں بالکل چغد ہوں۔"

"خیر مجھے تو پہلے ہی سے یقین تھا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی نے اُس کی پیٹھ پر ایک گھونسہ جما دیا۔

برآمدے سے صبیحہ انہیں دیکھ رہی تھی، جیسے ہی فریدی کا گھونسہ حمید پر پڑا وہ "ہاں.... ہاں" کر کے دوڑی۔ اس پر فریدی نے اس کے قریب پہنچتے پہنچتے دو چار ہاتھ جھاڑ دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حمید سچ مچ جھلا گیا۔ صبیحہ اُن کے درمیان میں آگئی۔

"آپ ہٹ جائیے براہِ کرم....!" فریدی نے کہا۔

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جمال صاحب آپ سے کمزور ہیں۔" صبیحہ نے پوچھا۔

"آپ خواہ مخواہ....!"

"نہیں کمال صاحب آپ زیادتی کرتے ہیں۔ چھوٹے بھائی کو بھی غصہ آ سکتا ہے۔"

پھر اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلئے! میرے ساتھ ایسے بڑے بھائی پر خدا کی مار....!"

فریدی وہیں کھڑا رہا اور وہ حمید کو کوٹھی کی طرف گھسیٹ لے گئی۔

دھماکہ

صبیحہ نے لائبریری میں پہنچ کر حمید کو ایک کرسی میں دھکیل دیا اور اپنے چہرے پر سے بالوں کی وہ لٹ ہٹاتی ہوئی بولی، جو بار بار اپنی جگہ سے ہٹ کر چہرے پر جھول جاتی تھی۔

"اگر میں اسے قینچی سے اڑا دوں تو کیسی رہے۔"

"ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسا مسئلہ....؟"

"میں اس سے ایک مصنوعی مونچھ بنا ڈالوں اور پھر بھیس بدل کر اُن لوگوں کی حجامت بناؤں جو دفینے کے چکر میں ہیں۔"

صبیحہ ہنسنے لگی۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "تو آپ کو بھی اس کہانی پر یقین نہیں ہے۔"

"کیوں! یقین کیوں نہ ہوتا۔" حمید یک بیک اور زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"کچھ نہیں.... کوئی بات نہیں.... ہاں تو میں یہ کہنے والی تھی۔ آخر آپ اتنے سعادت مند کیوں ہیں؟"

"نہیں آپ مجھ سے اُسی کہانی کی بات کیجئے۔"

"مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ اس کہانی کا آغاز میری پیدائش سے قبل ہوا تھا۔"

"آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔"

"ہاں میں یہ چھپا رہی تھی کہ میں مر جانے کی حد تک بور ہو چکی ہوں۔ نہ ڈیڈی یہ کوٹھی چھوڑتے ہیں اور نہ.... میں کہتی ہوں کیوں نہ ہم اس موضوع پر خاموش ہی رہیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"مگر مجھے آپ پر رحم آتا ہے۔"

"کیوں....!"

"آپ کے بھائی صاحب پاگل ہوں یا نہ ہوں لیکن آپ کے ساتھ ان کا برتاؤ انتہائی افسوس

ناک ہے۔ میں اسے سعادت مندی نہیں بلکہ بزدلی سمجھتی ہوں۔ آپ چپ چاپ پٹتے رہتے ہیں۔ چھی چھی.... بلکہ لاحول ولا قوۃ۔"

"میں کیا کروں۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔"

"طاقت سے کچھ نہیں ہوتا ہمت چاہئے۔" صبیحہ نے سنجیدگی سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ یہ لڑکی بھی نوعیت کے اعتبار یکتا معلوم ہوتی تھی۔ یعنی وہ اس جیسے آدمی کو بھی گھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

حمید نے سوچا کہ اسے شیشے میں اتارنا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

"ہمت! ہمت سے کیا بنتا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد تشویش کن لہجے میں بولا۔

"جوڈو سمجھتے ہیں آپ....!" صبیحہ نے پوچھا۔

"بچپن میں سمجھتا تھا اب بھول گیا ہوں۔"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہی ہوں، جوڈو یا جیو جیتو.... کشتی کا جاپانی طریقہ۔"

"اوہو! میں سمجھ گیا۔ میں نے اس کے متعلق کہیں پڑھا تھا۔"

"میں آپکی مدد کر سکتی ہوں۔ میرے پاس اس فن کی ایک باتصویر کتاب ہے۔ آپ بہ آسانی مشق بہم پہنچا سکیں گے۔ پھر دیکھتی ہوں کہ وہ حضرت آپ پر کس طرح غالب آتے ہیں۔"

"میں آپ کا مشکور ہوں گا۔" حمید نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

صبیحہ ایک الماری کے قریب گئی اور اُس میں سے ایک ضخیم کتاب نکال لائی۔ "دو طریقے ہیں" وہ حمید کی طرف کتاب بڑھاتی ہوئی بولی۔ "جو ہاتھی کو مچھر سے زیر کرا دیں۔"

حمید مضطربانہ انداز میں جلدی جلدی ورق گردانی کرنے لگا۔

"صبیحہ خدا کے لئے اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔" انہیں زرینہ کی آواز سنائی دی، جو ایک دروازے میں کھڑی صبیحہ کو گھور رہی تھی۔

"خدا کے لئے تم میری سراغ رسانی ترک کر دو۔" صبیحہ دانت پیس کر بولی۔

پھر دونوں میں سچ مچ جھڑپ ہوگئی۔ زرینہ لڑنے میں کمزور معلوم ہوتی تھی۔ جتنی دیر میں اُس کے منہ سے ایک بات نکلتی، صبیحہ دس سنا ڈالتی لیکن آخر کار پسپا اُسی کو ہونا پڑا۔ وہ چیختی چنگھاڑتی اور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

لیکن حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ زرینہ فطرتاً صبیحہ کی ضد واقع ہوئی ہے کیونکہ اس غل غپاڑے کا اس پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا اور وہ بدستور پُر سکون نظر آ رہی تھی۔

"دیکھئے! آپ اس کے چکر میں نہ پڑیئے گا۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد حمید سے کہا۔ "اس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔ آپ اگر اس کی باتوں میں آئے تو خواہ مخواہ آپ کو بہت بھگتنا پڑے گا۔ یہ آئے دن نوکروں میں سر پھٹول کراتی رہتی ہے۔"

"اچھا!" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"خود ڈیڈی بھی اس سے عاجز ہیں۔"

"یہ آپ سے چھوٹی ہیں یا بڑی۔"

"مجھ سے دو سال چھوٹی ہے لیکن جب ڈیڈی کا احترام نہیں کرتی تو میرا کیا کرے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ پھر دروازے کیطرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "ذرا ٹھہریئے۔"

اس نے باہر نکل کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی جب یقین ہو گیا کہ صبیحہ آس پاس کہیں موجود نہیں ہے تو پھر لائبریری میں واپس چلا گیا۔

"دیکھئے!" اُس نے زرینہ کو مخاطب کیا۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ صبیحہ صاحبہ ڈاکٹر کا بھی احترام نہیں کرتیں۔ یہی نہیں بلکہ انہیں جھوٹا بھی سمجھتی ہیں۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ انہیں دفینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔"

"میں نے سنا تھا۔" زرینہ بولی۔ "لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ ڈیڈی جھوٹ بولیں گے۔ بہت اونچے آدمی ہیں۔"

"کیا یہ کوٹھی آپ کی بھی پیدائش سے قبل خریدی گئی تھی۔"

"جی ہاں....!"

"بدتمیزی تو ضرور ہے۔ لیکن کیا میں آپ کی عمر پوچھ سکتا ہوں۔"

"عمر....!" زرینہ کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

"میں معافی چاہتے ہوئے اپنا سوال واپس لیتا ہوں۔" حمید نے شرمندگی کا اظہار کیا۔

"اوہو.... اس کی ضرورت نہیں۔" زرینہ مسکرائی۔ "حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنی صحیح عمر معلوم نہیں.... ڈیڈی ہم دونوں پر بھی ایک تجربہ کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ا

نفسیات قسم کے لوگوں کو تجربات کا کتنا شوق ہوتا ہے۔ اسی تجربے کی بناء پر ڈیڈی نے ہم دونوں کو اسکول یا کالج میں تعلیم نہیں دلوائی۔"

"بھلا وہ کیسا تجربہ ہوگا۔" حمید نے تحیر آمیز انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑ لئے۔

"ڈیڈی اس موضوع پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں کہ اگر آدمی کو اپنی صحیح عمر معلوم نہ ہو تو وہ جلدی بوڑھا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے انہوں نے ہمیں اسکول میں بھی داخل نہیں کرایا تھا۔ داخل کرتے تو عمریں بھی لکھوانی پڑتیں۔ ویسے میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ صبیحہ مجھ سے دو سال چھوٹی ہے، اور یہ ڈیڈی ہی نے بتایا تھا۔ بہر حال وہ ہم دونوں پر اپنے اس نظریئے کا تجربہ کر رہے ہیں۔"

"خوب! کمال ہے۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"اچھا....!" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتی تھی کہ صبیحہ سے ہوشیار رہئے گا۔ ورنہ وہ آپ کو کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پھنسا دے گی۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ ویسے میں یہ کتاب پڑھنا چاہتا ہوں۔ وقت گزاری کے طور پر سمجھ لیجئے۔"

"شوق سے پڑھئے۔ آدمی کو بس اپنی عقل درست رکھنی چاہئے۔"

زرینہ چلی گئی اور حمید اُن دونوں بہنوں کے متعلق سوچتا رہا.... دونوں میں کتنا تضاد ہے۔ پھر اُسے ڈاکٹر کا خیال آیا اور وہ اُسے اور زیادہ پُر اسرار معلوم ہونے لگا۔ آخر یہ عمر کا کیا لطیفہ تھا۔ نفسیاتی طور پر سمجھ میں آنے والی بات ضرور تھی.... مگر....؟ ایسی بھی نہیں کہ کسی پر اس کا باقاعدہ تجربہ کر کے کتاب لکھی جائے۔ قطعی حماقت انگیز.... کیا اُسے توقع ہے کہ وہ ان لڑکیوں کے بڑھاپے کی عمر شروع ہونے تک زندہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ اس سے قبل نہ تجربہ مکمل ہو سکتا ہے اور نہ کتاب ہی تکمیل پا سکتی ہے۔

وہ کچھ دیر تک وہیں بیٹھا رہا پھر باہر چلا آیا۔ وہ اس تجربے کا تذکرہ فریدی سے بھی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی اُسے کہیں نہ ملا۔ وہ شام تک اس کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن مایوسی ہی ہوئی۔ فریدی کافی رات گئے تک واپس نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے بھی اس پر تشویش ظاہر کی اور ماتھر کو فون کیا۔ لیکن اس نے بھی فریدی کے متعلق لاعلمی ظاہر کی۔

حمید رات بھر اطمینان سے خراٹے لیتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اُسے کیا تشویش ہو سکتی تھی کیونکہ

فریدی یہاں کسی کام ہی کے لئے آیا تھا۔

دوسری صبح حمید خود سے بیدار نہیں ہوا بلکہ کوئی بے تحاشہ اُس کے کمرے کا دروازہ پیٹے جارہا تھا اور اس کی متواتر آوازوں نے اُسے جگادیا تھا۔ اُس نے اٹھ کر جلدی سے جسم پر شب خوابی کا لبادہ ڈالا اور پھر دروازہ کھول دیا۔

اس طرح دروازہ پیٹنے والی صبیحہ تھی۔ اُس کے ہاتھ میں شائد آج کا کوئی اخبار تھا۔ وہ حمید کو ایک طرف ہٹاتی ہوئی کمرے میں گھس آئی۔

"واقعی آپ کے بھائی صاحب دھن کے پکے معلوم ہوتے ہیں۔" اُس نے حمید کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"دیکھئے....!" اُس نے اخبار کا صفحہ الٹ کر ایک سرخی کی طرف اشارہ کیا۔

"سردار محمود کی کوٹھی میں پُراسرار دھماکہ۔ پوری کوٹھی دھوئیں سے بھر گئی۔ کسی جانی یا مالی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔ قرب وجوار میں کافی ہیجان پایا جارہا ہے۔ بعد کی اطلاعات مظہر ہیں کہ وہ دھوئیں کا بم تھا۔ سردار محمود کا بیان ہے کہ وہ اُن کے کسی دشمن کی حرکت معلوم ہوتی ہے، لیکن انہوں نے کسی خاص آدمی پر اپنا شبہ نہیں ظاہر کیا۔"

حمید خبر پڑھ کر صبیحہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اور وہ حضرت ابھی تک واپس نہیں آئے۔" صبیحہ نے کہا۔

"نہیں آئے۔" حمید نے خواہ مخواہ اضطراب ظاہر کرنا شروع کردیا۔

"ڈیڈی کا خیال ہے کہ اُن کے لئے پاگل خانہ ہی مناسب رہے گا اور انہیں افسوس ہے کہ انہوں نے دفینے کا قصہ آپ لوگوں کو کیوں بتایا۔"

"مجھے جانا چاہئے۔"

"کہاں؟"

"بھائی صاحب کی تلاش میں۔"

"آپ صرف دو ہی بھائی ہیں۔"

"جی ہاں....!"

"جائیداد یقیناً بڑی ہوگی اور بینک بیلنس بھی۔"

"جی ہاں! خدا کے فضل سے بہت کچھ ہے۔"

"تب پھر آپ انہیں مر ہی جانے دیجئے۔"

"کیا لغویت ہے؟" حمید نے غصہ ظاہر کیا۔

"لغویت نہیں۔ اُن کے مرجانے پر آپ جائیداد کے تنہا مالک ہوں گے۔"

"آپ کو اس قسم کی فضول باتیں نہ کرنی چاہئیں۔"

"حالانکہ میں نے آپ کے فائدے ہی کی بات کہی ہے۔"

"تو اس طرح آپ محترمہ زرینہ کی موت کی بھی خواہش مند ہوں گی۔"

"یقیناً میرا بس چلے تو میں اُسے آج ہی مار ڈالوں۔"

"ڈاکٹر کے سامنے یہی الفاظ دہرانے کی ہمت ہے۔"

"اوہو! ڈیڈی....!" صبیحہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسی۔ "انہیں تو جب چاہوں زہر دے دوں۔"

"اچھا اچھا! میں ڈاکٹر کو سب کچھ بتادوں گا۔"

"وہ تو بعد کی بات ہے۔ آپ لوگ اپنے بچاؤ کی فکر کیجئے۔ میں پولیس کو اطلاع دینے جارہی ہوں کہ دھوئیں کا بم پھینکنے والا کون ہے۔"

حمید اس کی سنجیدگی دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"مجھے سردار محمود سے ہمدردی ہے۔ ڈیڈی خواہ مخواہ ایک شریف آدمی پر الزام رکھ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سردار صاحب نے کبھی کوٹھی خریدنے کی خواہش ظاہر کی ہو لیکن اس بات کا ڈیڈی کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ان حرکتوں میں انہیں کا ہاتھ ہے۔"

حمید میز کے گوشے پر بیٹھ کر صبیحہ کو بغور دیکھنے لگا۔ ویسے اس نے اپنے چہرے پر سراسیمگی کے سارے آثار پیدا کر رکھے تھے۔

"اور آپ کے بھائی صاحب سو فیصدی پاگل معلوم ہوتے ہیں۔" صبیحہ پھر بولی۔ "میں انہیں پاگل خانے ضرور بھجواؤں گی اور آپ جیل کے منتظر رہئے۔"

"میں نے کیا کیا ہے۔" حمید نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"آپ نے.....!" وہ حمید کے قریب پہنچتی ہوئی بولی۔ "خیر میں آپ کو معاف کرتی ہوں آپ پر مجھے نہ جانے کیوں رحم آتا ہے۔"

اچانک وہ حمید کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی اور حمید نے موج میں آکر آنکھیں بند کر لیں صبیحہ سر سہلاتے سہلاتے گال بھی سہلانے لگی۔ پھر حمید کا کیا پوچھنا وہ خود کو تخت سلیمان محسوس کرنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں تحت الثریٰ کی بھی سیر کرنی پڑی۔ کیونکہ صبیحہ گال سہلاتے سہلاتے اچانک ایک بھرپور ہاتھ رسید کر دیا تھا اور پھر اُس کے سنبھلنے سے پہلے ہی وہاں سے ہوا ہو گئی۔ حمید ایک ہاتھ داہنے گال پر رکھے اور بُرا سا منہ بنائے بھاگتے ہوئے قدمو کی آواز سن رہا تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ دوسرے گال پر اپنے ہی ہاتھ سے تھپڑ رسید کر لے۔

اچانک ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اخبار تھا۔

"تم نے دیکھی وہ خبر۔" اُس نے آتے ہی کہا۔ اس کے لہجے میں مسرت آمیز لرزش تھی۔

"جی ہاں دیکھ لی۔" حمید نے اپنا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں جا ہوں بھائی نے جو کچھ کہا ہے کر گزریں گے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا۔ لیکن کمال صاحب ہیں کہاں۔"

"پتہ نہیں! مجھے تشویش ہے۔ ویسے اُن کی ذہنی حالت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے انہیں صرف سنکی کہا جا سکتا ہے۔ پاگل نہیں۔ انہیں تلاش کرنا چا اب کوئی ایسی حرکت ہونی چاہئے جس سے سردار محمود کو علم ہو جائے کہ اس دھماکے کا تع میری ذات سے ہے۔ ایسا ضرور ہونا چاہئے۔"

نمبر چوالیس

محض دکھاوے کے لئے حمید فریدی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ورنہ اُسے ذرہ برابر تشویش نہیں تھی۔ البتہ وہ سردار محمود کے متعلق معلومات فراہم کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

فریدی کو ڈاکٹر کی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اُس نے سردار محمود

خلاف وہ حرکت کر ڈالی تھی۔ یہ بات حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ دوسری طرف اُسے ڈاکٹر سے زیادہ اس کی لڑکیاں پُراسرار معلوم ہو رہی تھیں اور صبیحہ اُسے تو وہ ایک اچھا سبق دینا چاہتا تھا۔

وہ تمام دن باہر ہی باہر رہا۔ شام کو اس نے سوچا کہ ماتھر سے بھی ملتا چلے، ممکن ہے فریدی سے وہیں ملاقات ہو جائے۔ اس کا خیال درست نکلا۔ فریدی ماتھر کے بنگلے میں موجود تھا اور بہت اچھے موڈ میں تھا۔ حمید نے اُسے سارے واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "اب ڈاکٹر چاہتا ہے کہ سردار محمود اس بات سے آگاہ ہو جائے کہ دھوئیں کے بم کا تعلق اسی کی ذات سے تھا۔ ویسے صبیحہ کو دفینے والی کہانی پر بالکل یقین نہیں۔"

"میں اسے بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"پھر آپ نے سردار محمود کی کوٹھی میں بم کیوں پھینکا تھا۔"

"وہ تو آج بھی پھینکا جائے گا۔"

"آخر معاملہ کیا ہے؟"

"تم فی الحال اس کی فکر نہ کرو۔ اگر ہو سکے تو کل ڈاکٹر کو گھر سے باہر ہی نہ نکلنے دینا۔ مگر نہیں.... یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ خیر میں ہی کوئی انتظام کر لوں گا لیکن تم اس کے فون میں تو کچھ نہ کچھ خرابی پیدا ہی کر سکو گے۔ یہ بہت ضروری ہے.... خواہ تمہیں اس کے تار ہی کیوں نہ کاٹنے پڑیں۔"

"آخر کیوں....!"

"کل میں پاگل خانے کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ وہاں کے انتظامی اُمور میں بھی دخیل ہے اور اسکی لاعلمی میں کوئی باہری آدمی پاگل خانے میں نہیں داخل ہو سکتا۔ خواہ وہ کوئی سرکاری آفیسر ہی کیوں نہ ہو۔ پاگل خانے میں داخلے کے اجازت نامے پر اُسکے دستخط ہونے ہر حال میں لازمی ہیں۔"

"میں سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "اچھا۔ میں اس بات کی کوشش بھی کروں گا کہ وہ کل گھر سے باہر نکلنے ہی نہ پائے۔"

"کیسے روکو گے۔"

"نہایت آسانی سے۔ آپ یہی چاہتے ہیں نا کہ کل وہ نہ تو پاگل خانے جائے اور نہ فون پر کسی سے گفتگو کر سکے۔"

"ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔"

"تو یہ ہو جائے گا۔ میں آج ہی رات کو اُس کی دونوں لڑکیوں سمیت غائب ہو جاؤں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی باندھ کر گھونسہ بنانے لگا۔ لیکن خلاف توقع اس نے بہت نرمی سے کہا۔ "میں اس معاملے میں تم سے سنجیدگی کی توقع رکھتا ہوں۔"

"پھر اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر میرے ذہن میں نہیں ہے۔"

"فرض کرو اگر لڑکیاں نہ ہوتیں تو تم کیا کرتے۔"

"ایک منٹ کے لئے بھی وہاں نہ ٹھہرتا۔"

"مذاق ختم کرو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم اس سے کہہ دینا کہ وہ کل گھر سے باہر نہ نکلے۔ اسی طرح سردار محمود کو دھماکے والے معاملے کے متعلق یقین دلایا جا سکتا ہے کہ وہ اسی کا کام تھا۔ سمجھے.... اور اس کے بعد تم ٹیلی فون کے تار تو کاٹ ہی سکتے ہو۔"

"پھر دن بھر میں کیا کرتا رہوں گا۔"

"جو کچھ آج کرتے رہے ہو۔ بس اب دفع ہو جاؤ۔"

حمید دفع ہو جانے کے باوجود بھی سیدھا ڈاکٹر کی طرف نہیں گیا۔ کافی رات گئے تک ہوٹلوں اور ریستورانوں کے چکر کاٹتا رہا اور پھر جب کوٹھی پہنچا تو ڈاکٹر کو اپنا منتظر پایا۔

"کچھ پتہ چلا۔" ڈاکٹر کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"جی ہاں ملے اور عجیب حال میں ملے۔ مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ وہی بھا صاحب جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں خدا کی پناہ.... حمید اپنا منہ پیٹ کر خاموش ہو گیا۔"

"کیوں! کس حال میں تھے۔" ڈاکٹر کا اشتیاق بڑھ گیا۔

"اُن کے جسم پر امریکن غنڈوں کا سا لباس تھا اور وہ ایک بدنام قسم کے ہوٹل میں چ لفنگوں کے ساتھ تاش کھیل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہیں یکلخت غصہ آ گیا اور اُس کے ساتھ اپنی آستین سمیٹنے لگے۔ ایک نے اُن سے کہا بھی کہ استاد کہو تو ہاتھ صاف کر دوں۔ لیکن وہ مجھ الگ لے گئے اور بتایا کہ آج رات کو پھر سردار محمود کی کوٹھی میں دھوئیں کا بم پھینکا جائے گا۔ ڈاکٹر سے کہہ دینا کہ کل دن بھر کوٹھی سے کمپاؤنڈ میں بھی نہ نکلیں۔"

"کیوں؟" ڈاکٹر کی حیرت بڑھ گئی۔

"پتہ نہیں۔ انہوں نے پوری بات نہیں بتائی۔ البتہ یہ ضرور کہا تھا کہ اسی طرح سردار محمود کو یقین دلایا جا سکتا ہے کہ اس معاملے میں ڈاکٹر ہی کا ہاتھ ہے۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب۔ یہ اشد ضروری تھا۔ کل میں باہر نہیں نکلوں گا۔ اور کچھ؟"

"اور دوسری اہم بات میں خود کہنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"محترمہ صبیحہ آپ ن وہ میں رہتی ہیں۔"

"کیا مطلب....؟" ڈاکٹر یک بیک چونک پڑا۔ اس کا یہ انداز نہ جانے کیوں حمید کو بہت پُراسرار معلوم ہوا۔

"انہیں دفینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ تم بیوقوف ہو اگر تمہیں اس پر یقین آ جائے۔"

"اوہ....!" ڈاکٹر کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا اور وہ ہنس کر بولا۔ "وہ شیطان ہے۔ یہ بات تو وہ مجھ سے بھی کئی بار کہہ چکی ہے۔ تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔ بہت شریر ہے۔"

حمید نے پھر یہ بات آگے نہیں بڑھائی۔ وہ ڈاکٹر کے رویئے پر غور کرنے لگا۔ آخر وہ اس بُری طرح چونکا کیوں تھا اور پھر پوری بات سن لینے کے بعد مطمئن بھی نظر آنے لگا تھا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اس معاملے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا معاملہ بھی ہو سکتا ہے جس کے لئے صبیحہ کا اس کی ٹوہ میں رہنا غیر متوقع ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہو۔

صبیحہ کے بارے میں سوچتے وقت حمید کو اس کا تھپڑ یاد آ گیا اور وہ سوچنے لگا کہ اُس سے اس کا بدلہ کس طرح لیا جائے۔ وہ سوچتا رہا اور اُسے نیند آ گئی۔

دوسری صبح ٹھیک آٹھ بجے اُس نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے۔

ڈاکٹر نے ابھی تک سچ مچ کوٹھی سے باہر قدم نہیں نکالا تھا اور حمید کو توقع تھی کہ وہ فریدی کے ہر مشورے پر عمل کرے گا البتہ اُسے ٹیلی فون کی فکر ضرور تھی۔ تار غالباً اس لئے کٹوائے گئے تھے کہ ڈاکٹر فون پر بھی کسی سے رابطہ نہ قائم کر سکے لیکن یہ ضروری تو نہیں تھا کہ وہ اپنے فون سے کام نہ لے سکنے کی بناء پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا۔ فون کی خرابی کی اطلاع وہ کسی

دوسری جگہ سے بھی ٹیلی فون کے محکمے کو دلوا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں تار کاٹنے کا علم اُسے یقینی طور پر ہو جاتا.... پھر.... حمید سوچتا اور الجھتا رہا لیکن یہ حقیقت ہے کہ گیارہ بجے تک ڈاکٹر نے فون استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔

آج حمید لڑکیوں سے دور ہی دور رہنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر صبیحہ سے ملاقات ہو گئی تو وہ مستقل طور پر پیچھا پکڑ لے گی اور حمید ڈاکٹر کی نگرانی نہ کر سکے گا۔ نگرانی کا خیال بھی نیا نہیں تھا۔ یہ کہنا قطعی غلط ہو گا کہ حمید ڈاکٹر کی طرف سے مطمئن تھا کیونکہ اُسے ابھی تک اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ ان دونوں پر اعتماد کرنے لگا ہے۔

تقریباً بارہ بجے ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ایک آدمی اس میں سے اُتر کر پورچ کی طرف دوڑنے لگا۔ اس نے بڑے گھبرائے ہوئے لہجے میں ایک نوکر سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا اور اس بات پر مصر ہوا کہ اُسے براہِ راست ڈاکٹر کے پاس پہنچا دیا جائے۔ راستے میں حمید سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اُس نے اس آدمی کو غور سے دیکھا اور پہلی ہی نظر میں کھٹک گیا۔

ڈاکٹر لائبریری میں تھا۔ حمید جلدی سے راہداری سے نکل کر لان پر آیا اور باہر ہی باہر لائبریری کی پشت پر پہنچ گیا۔ اب وہ ٹھیک اس کھڑکی کے نیچے تھا جس کی دوسری طرف ڈاکٹر ایک آرام کرسی میں لیٹا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" ڈاکٹر کی آواز صاف سنائی دی۔ اُس کے لہجے میں استعجاب تھا۔ حمید بالکل کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا، جو اس کے سر سے تقریباً ایک بالشت اونچی تھی۔

"نمبر چوالیس کی حالت بہت خراب ہے۔ اُسے کسی نے زہر دیا ہے۔"

"زہر دیا ہے۔" ڈاکٹر نے دہرایا۔

"جی ہاں اور محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر وہاں موجود ہے۔"

"تو تم نے سب سے پہلے پولیس کو اطلاع دی تھی۔" ڈاکٹر کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"نہیں جناب.... وہ آفیسر بہت مشہور آدمی ہے اور وہ خود ہی آج صبح نمبر چوالیس کے متعلق پوچھ گچھ کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔"

"خود ہی آیا تھا۔" ڈاکٹر نے حیرت سے دہرایا۔ "اور وہ کوئی مشہور آدمی ہے۔"

"جی ہاں.... کرنل فریدی۔"

"کرنل فریدی۔" کرسی کھسکانے کی آواز آئی شاید ڈاکٹر کھڑا ہو گیا تھا۔

"اور جناب! کرنل فریدی ہی نے ہمیں یہ بات بتائی تھی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "تمہاری باتیں بے ربط ہیں آخر کرنل فریدی وہاں کیسے پہنچ گیا۔"

"بس وہ وہاں آیا۔ ڈیوٹی انچارج سے مل کر اُس نے اس کے متعلق پوچھ گچھ کی اور سیدھا اس کی کوٹھری کی طرف چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ انچارج اُسے کیسے روکتا۔ وہ کوئی معمولی آدمی تو ہے نہیں۔ بہر حال جب وہ اس کی کوٹھری میں پہنچا تو وہ بیہوش پڑا تھا۔ کرنل ہی نے یہ بات سب سے پہلے محسوس کی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ میں نے آپ کو فون کیا لیکن شاید آپ کا فون خراب ہے۔ انکوائری سے یہی معلوم ہوا تھا.... پھر سیدھا یہیں چلا آیا۔"

"نہیں فون تو ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "خیر کرنل فریدی وہاں موجود ہے یا چلا گیا۔"

"موجود ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ نمبر چوالیس بچ جائے گا.... یا....!"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

"اچھا! تم اپنی زبان بالکل بند رکھنا۔ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ اُسے میں نے ہی پاگل خانے میں داخل کیا تھا۔"

"میری زبان بالکل بند رہے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر ڈاکٹر نے کہا۔ "اب تم وہیں واپس جاؤ۔ جیسے ہی کرنل وہاں سے رخصت ہو مجھے فوراً فون پر اطلاع دینا۔ میں دیکھوں گا کہ فون میں کیا خرابی ہے۔"

حمید کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ اس کی دانست میں اب کوئی کھٹکا نہیں تھا۔ ڈاکٹر فریدی کی موجودگی میں وہاں جانے سے رہا لہٰذا اب اُس کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ ڈاکٹر کو فون کی خرابی سے لاعلم رکھا جائے۔

حمید پورچ میں کھڑا نو وارد کی کار کو پھاٹک سے نکلتے دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر ابھی تک لائبریری ہی میں تھا۔ حمید پہلے تو اس کمرے میں گیا جہاں فون رکھا ہوا تھا پھر لائبریری کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے بھر وہ اپنے چہرے پر بدحواسی کے آثار پیدا کرتا رہا۔

پھر لائبریری میں داخل ہوتے ہی للکارا۔ "ڈاکٹر کسی نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے ہیں۔"

ڈاکٹر نے بڑے پُر سکون انداز میں اس کا یہ جملہ سنا اور پھر اُس کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن وہ کچھ کہے بغیر پھر مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

حمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کہے.... وہ سوچنے لگا کہ کیا ڈاکٹر سچ مچ اُس کی حرکتوں سے واقف ہے۔ اس کی مسکراہٹ اور لاپروائی کے اظہار کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے۔

"اب اور کیا کہنا چاہتے ہو۔" ڈاکٹر کتاب بند کر کے عینک کے اوپر سے حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں!" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ اتنا غیر اہم نہیں ہو سکتا جسے اس طرح رواداری میں ڈال دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس کے علاوہ چارہ بھی نہیں۔ ویسے اگر تم تاروں کو درست کر سکو تو میں تمہارا مشکور ہوں گا۔ سلامت سے کہو۔ وہ تار مہیا کر دے گا۔"

ڈاکٹر نے پھر کتاب کھول لی اور حمید وہاں سے چلا آیا۔

تاروں کی درستگی میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ حمید اس دوران میں اس نووارد کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ اور وہ خبر.... زہر کسے دیا گیا تھا۔ کیا اُسی پاگل کو جس کے لئے فریدی رام گڈھ آیا تھا لیکن یہ حیرت انگیز بات نہیں تھی کہ آج ہی فریدی نے اس تک پہنچنا چاہا اور آج ہی اُسے زہر دے دیا گیا؟ لیکن وہ زہر دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ اور ان معاملات میں ڈاکٹر نجیب کی کیا حیثیت تھی؟ حمید اس گتھی کو نہ سلجھا سکا۔ فون کو ٹسٹ کرنے کے لئے وہ پھر کمرے میں آ گیا۔ اب وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

حمید خیالات میں کھویا ہوا میز کے گوشے سے ٹک گیا۔ آخر وہ کون تھا جس کے لئے فریدی کو یہاں تک آنا پڑا۔ اس نے کسی کے اغواء کا بھی تذکرہ کیا تھا لیکن پوری بات نہیں بتائی تھی۔ لیکن ڈاکٹر نجیب.... وہ اُس پاگل سے بھی زیادہ پُر اسرار معلوم ہوتا تھا۔ پاگل کے زہر دیئے جانے سے زیادہ اُس نے وہاں فریدی کی موجودگی پر تشویش ظاہر کی تھی۔ آخر کیوں؟

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!"

"ڈاکٹر نجیب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں.... میں ہی ہوں۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نمبر چوالیس مر گیا اور کرنل یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ ابھی یہاں کے مقامی حکام کو لا کر باضابطہ کارروائیوں کی تکمیل کرے گا.... مگر....!"

"مگر کیا؟" حمید نے پوچھا۔

"اُس کے جانے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد ایک دوسرا کرنل فریدی آدھمکا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"ایک دوسرا آدمی جو خود کو کرنل فریدی ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اُسے فی الحال روک لیا ہے۔ آپ جو کچھ کہیں کیا جائے۔ یہ آدمی نوعمر ہے اور اسے کسی طرح بھی کرنل فریدی نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ اُسے بھی لاش دکھا دو۔" حمید بولا۔

"تم میری آواز کی بہت اچھی نقل کر رہے ہو۔" ڈاکٹر نجیب نے کہا جو کمرے کے دروازے میں کھڑا حمید کو گھور رہا تھا۔ حمید جلدی سے ریسیور رکھ کر ہر قسم کے خطرے کے لئے تیار ہو گیا۔

دھوکا اور فائر

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ لیکن اس بار حمید نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ ڈاکٹر بھی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ گھنٹی بجتی رہی۔ آخر ڈاکٹر نے کہا۔

"دیکھو.... کون ہے۔"

حمید کو اس پر متحیر ہونے کا موقع بھی نہ مل سکا اور اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔ البتہ اُس نے ڈاکٹر کو سچ مچ حیرت میں ڈال دیا کیونکہ اس بار اس کی آواز عورتوں کی سی تھی۔ یہ آواز نہ صرف نسوانی بلکہ صبیحہ کی آواز سے مشابہہ بھی تھی۔

"ہاں.... ڈاکٹر موجود ہیں! ٹھہریئے۔" حمید ماؤتھ پیس میں کہہ کر ڈاکٹر کی طرف مڑا۔

اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی لیکن ڈاکٹر کے ہونٹ خشک ہوگئے تھے اور وہ جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس نے حمید کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"ڈاکٹر نجیب اسپیکنگ.... اوہ.... کیا.... کیسی لاش.... اچھا.... اچھا.... ہاں.... ہاں.... خیر کوئی فکر نہ کرو۔ بس تمہاری زبان بند رہنی چاہئے۔"

ڈاکٹر نے ریسیور رکھ دیا اور ایک کرسی میں گر کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ حمید ٹھیک اُس کے سامنے بیٹھا سر کھجاتا رہا تھا۔ اچانک ڈاکٹر نے اُسے مخاطب کیا۔ "پہلے تم نے کس کا فون ریسیور کیا تھا۔"

"کال آپ ہی کی تھی۔" حمید نے شرمندگی ظاہر کرنے والے لہجے میں کہا۔

"کون تھا۔"

"اس نے اپنا نام نہیں بتایا مگر پیغام عجیب تھا۔"

"کیا تھا....؟"

"اوٹ پٹانگ.... کہنے لگا نمبر اکیاون یا اکتالیس یا اور کوئی نمبر.... مجھے نمبر یاد نہیں.... بہرحال وہ نمبر مر گیا۔ ایک کرنل سعیدی چلا گیا اور اب دوسرا کرنل سعیدی آیا ہے۔ کرنل سعیدی یا اور کچھ۔ نام کے متعلق میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھے صحیح یاد ہے۔"

"تم نے فون کے تار کیوں کاٹے تھے۔" ڈاکٹر کے لہجے میں سختی پیدا ہوگئی۔

"تاکہ مجھے ان کی مرمت کرنی پڑے۔" حمید نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"میں بہت زیادہ بیوقوف نہیں بن سکتا۔"

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم دونوں اب مجھے اپنی نیک نیتی کا یقین نہیں دلا سکتے۔"

"اگر یقین نہ کرنا چاہیں تو آپ کو دنیا کی کوئی طاقت یقین نہیں دلا سکتی۔"

"تو گویا تم اب بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم لوگ میرے ساتھ کوئی چال نہیں چل رہے ہو۔"

"میں مرتے دم تک آپ کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلاتا رہوں گا۔"

ڈاکٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "اچھا تو میں ابھی امتحان کئے لیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ.... چلو اٹھو....!"

حمید اُٹھ کر اُس کے ساتھ ہو لیا۔

ڈاکٹر اُسے عمارت کے باہر نہیں لے گیا۔ لیکن پھر بھی حمید کو کافی چلنا پڑا کیونکہ عمارت کا پھیلاؤ بہت زیادہ تھا۔ بالآخر وہ ایک کمرے کے سامنے رک گئے جس کا دروازہ بند تھا۔ ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر دروازے پر نظریں جما دیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا تم اس تحریر کو پڑھ سکتے ہو۔"

"کون سی تحریر؟" حمید نے پوچھا۔ وہ دروازے سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر تھا اور ابھی تک اُسے کوئی تحریر نظر نہیں آئی تھی۔

"یہ تحریر۔" ڈاکٹر نے دروازے پر ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

حمید اتنا آگے بڑھا کہ دروازے پر بالکل لگ گیا لیکن اب بھی اُسے کوئی تحریر نہ دکھائی دی۔ پھر وہ کوئی چبھتا ہوا جملہ کہنے کے لئے مڑنے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر نے پیچھے سے اُسے ایک زوردار دھکا دیا۔ کیواڑ خود بخود کھلے اور حمید منہ کے بل کمرے میں جا گرا۔ دروازہ خود بخود پھر بند ہو گیا اور حمید نے سنبھلنے سے پہلے ہی تالے میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

"اب کچھ دیر آرام بھی کرو۔" اُس نے ڈاکٹر کا قہقہہ سنا۔ "تم بہت تھک گئے ہو گے۔"

حمید اٹھ کر دروازے پر ٹکریں مارنے لگا۔ لیکن دروازہ کمزور نہیں تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو آوازیں دیں، لیکن جواب ندارد پھر وہ تاؤ میں آکر زبانی طور پر اس سے ایک گندہ سا رشتہ قائم کرنے لگا۔ مگر شائد ڈاکٹر جا چکا تھا۔

یہ کمرہ نہیں بلکہ ایک کوٹھری تھی اور اس میں صرف یہی ایک دروازہ تھا، جس سے حمید اندر داخل ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اُسے گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ عمارت کا یہ حصہ دور افتادہ تھا۔ حمید کو توقع نہیں تھی کہ کوئی نوکر بھی اُس کی آواز سن سکے، لہٰذا غل غپاڑہ بند کر کے وہ نہایت سنجیدگی سے حالات پر غور کرنے لگا۔ ایسے مواقع پر غور کرنے کے علاوہ اور کوئی عقلمندی سرزد نہیں ہو سکتی۔ بہرحال حمید کے غور و فکر کا نتیجہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ محض فریدی کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا۔ اگر وہ اُسے صحیح واقعات سے باخبر رکھتا تو اس کی نوبت کیوں آتی۔ وہ بہرحال ہوشیار رہتا۔ زیادہ نہیں تو صرف ڈاکٹر کی پوزیشن ہی واضح کر دی ہوتی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

گھڑی اس کی کلائی پر موجود تھی لہٰذا وہ بہ آسانی اس بوریت کی عمر طویل کا اندازہ کر سکتا تھا۔

دوپہر کا کھانا غائب۔ سہ پہر کی چائے ندارد اور اب گھڑی چھ بجا رہی تھی۔ حمید نے قطعی یہ نہیں سوچا کہ اس وقت غروب آفتاب کا منظر بڑا حسین ہوگا۔ وہ تو اب صرف رات کے کھانے کے متعلق سوچ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر رات اسی کوٹھری میں بسر کرنی پڑی تو پھر اپنے آباؤ اجداد تک کے خون کا انتقام لے ڈالیں گے۔ اس کے ذہن میں نہ تو زرینہ کی سنجیدگی کی تصویر تھی اور نہ صبیحہ کے چنچل پن کی تصویر.... اس وقت تو معدہ دماغ سے بھیک مانگ رہا تھا اور دماغ پر ایک بہت بڑا بسکٹ مسلط تھا۔ اتنا بڑا بسکٹ جس میں سے خیرات بھی نکالی جاسکے۔

سات بج کر چھ منٹ پر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے پکار رہا ہو۔ پہلے تو سمجھا کہ یہ بھی خالی معدے کی اختراع ہے لیکن پھر یقین آگیا۔ آواز دور کی تھی۔ کبھی وہ قریب سے آتی ہوئی معلوم ہوتی اور کبھی دور ہو جاتی اور پھر حمید نے اُسے پہچان لیا۔ وہ فریدی کی آواز تھی۔ حمید دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ پیٹ کر حلق پھاڑنے لگا۔

راہداری دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے گونج اٹھی۔

"حمید....!" فریدی نے پھر آواز دی اور شائد اب وہ اسی کوٹھری کے دروازے پر تھا۔

"لاشیں جواب نہیں دیا کرتیں۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

پھر پانچ منٹ بعد دروازہ کھل گیا اور حمید نے فوراً محسوس کیا کہ اس دروازے پر اسپرنگ لگے ہوئے ہیں۔

"پوری عمارت میں تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور میرا ہی موجود ہونا آپ کو شاق گذر رہا ہے تو پھر بتا دیجئے غیر موجود یا نا موجود جو کچھ بھی قواعد کے رو سے کہتے ہیں۔"

"ڈاکٹر اور اُس کی لڑکیاں کہاں ہیں۔"

"لڑکیاں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔ باقی بچا ڈاکٹر تو اُسے جہنم میں جھونکئے۔"

"حمید سنجیدگی سے گفتگو کرو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں بہت شدت سے بور ہوں۔" حمید بے دلی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "اور آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"نوکر بھی غائب ہیں۔" فریدی بڑبڑایا۔ "مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔"

"وہ باورچی خانے میں ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں میں تمام دیکھ چکا ہوں۔"

"آپ چلئے تو میرے ساتھ۔"

"لیکن تم یہاں.... کیا وہ تمہیں قید کر گئے تھے۔"

"اجی نہیں توبہ کیجئے۔ آیئے تو میرے ساتھ۔"

فریدی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ دونوں باورچی خانے میں آئے اور حمید نعمت خانے پر ٹوٹ پڑا۔ اس میں کھانے کے لئے بہت کچھ تھا۔

"دیکھئے! آپ جب تک تلاش کیجئے۔" حمید کیک کا ایک بڑا سا ٹکڑا ٹھونس کر منہ چلاتا ہوا بولا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی جھلا گیا۔

"اگر پیٹ بھرنا بیہودگی ہے تو میں اس زندگی پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔"

"تو اسکا یہ مطلب ہے کہ تم کافی دیر تک وہاں بند رہے ہو۔" فریدی غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ہاں.... پرواہ نہیں۔ میں ایک بجے سے وہاں مراقبہ میں تھا.... کیک لذیذ ہے۔"

"اچھا پہلے تم زہر مار کرلو پھر کچھ بتانا۔"

"خدا آپ کا ہاضمہ ہمیشہ درست رکھے۔" حمید نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

فریدی کی آنکھوں میں بے چینی مترشح تھی۔

"یہ دوسرا فریدی کون تھا۔" حمید نے پوچھا۔ اُس کا منہ برابر چل رہا تھا۔

"تم جانتے ہو۔"

"میں کیا نہیں جانتا۔"

"ہاں....!" فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "چوٹ ہوگئی۔ میں نے معاملات کو اچھی طرح سمجھے بغیر طریق کار متعین کرلیا تھا۔ اُسی کا نتیجہ ہے۔"

"ہوا کیا۔"

"کسی نے کرنل فریدی بن کر پاگل خانے میں داخلے کا پاس حاصل کیا اور وہاں جا کر اُس پاگل تک رسائی حاصل کی جس کی تلاش مجھے تھی اور پھر غالباً زبردستی اُسے زہر کا انجکشن دے دیا۔"

"پھر جب آپ پہنچے تو کیا ہوا۔"

"جب تک کہ ماتھر نے وہاں پہنچ کر تصدیق نہیں کر دی۔ وہ لوگ مجھے دھوکہ باز سمجھتے رہے۔ میں نے وہیں سے فون کر کے ماتھر کو بلایا تھا۔"

"یہاں ڈاکٹر نے میری حجامت بنا دی۔" حمید نے کہا اور آج کے سارے واقعات دہرانے لگا۔

"کیا تم اُس آدمی کو پہچان لو گے جو یہاں آیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"یقیناً پہچان لوں گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پاگل خانے ہی کا کوئی ڈاکٹر تھا۔"

"ہوں.... اچھا....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"اب آپ بھی مجھے صحیح حالات سے آگاہ نہ کریں گے۔"

"نہیں.... میں چاہتا ہوں کہ اس بار تمہیں کسی چونی والے جاسوسی ناول کا مزہ آجائے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ ڈاکٹر ہماری وجہ سے فرار ہوا ہے۔"

"بنیادی طور پر تو یہی بات ہے لیکن خود ڈاکٹر کے ذہن میں بھی یہ بات نہ ہو گی کہ وہ ہماری وجہ سے فرار ہو رہا ہے۔ اُس کے فرار کی وجہ حقیقتاً پاگل کی موت ہے۔"

"وہ پاگل کون تھا۔"

"وہ پاگل تھا ہی نہیں.... وہ ایک قیدی تھا۔ پاگل خانے کا قیدی۔"

"ہاں! اپنا اپنا مقدر ہے۔" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں ایسا بدبخت ہوں کہ مجھے پاگل خانہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بہت سنجیدگی سے کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔

کیک حمید کے حلق سے بھی کچھ اوپر ہو چکا تھا۔ اس لئے اب اُسے پانی کے گھونٹ اتارنے میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ بدقت تمام اس نے تین چار گھونٹ لئے اور ایک لمبی سی ڈکار لے کر کھڑا ہو گیا۔

"اب اگر آپ جہنم کی طرف بھی اشارہ کریں تو بے دریغ چھلانگ لگا دوں۔"

فریدی تقریباً آدھے گھنٹے تک عمارت کے مختلف حصوں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ پھر اُس نے ڈاکٹر کی تجربہ گاہ کا رخ کیا۔ یہاں بھی اُس نے چند الماریاں کھولیں اور اُن میں رکھے ہوئے سامان کا جائزہ لیتا رہا۔ حمید خاموشی سے اس کے ساتھ اِدھر اُدھر ٹہلتا پھر رہا تھا۔

اچانک فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔ "ڈاکٹر کے پاس تین کاریں تھیں ذرا گیراج میں دیکھنا تو کوئی گاڑی ہے یا نہیں۔"

حمید لیبارٹری سے نکل کر گیراج کی طرف چل پڑا۔ پوری کمپاؤنڈ سنسان اور تاریک پڑی تھی۔ گیراج کے سامنے پہنچ کر اُس نے ٹارچ روشن کی۔ گیراج میں تالا بند نہیں تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ ڈاکٹر نے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے سامان کی محافظت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ سارے کمرے کھلے پڑے تھے اور سامان جوں کا توں موجود تھا۔ شائد ہی کوئی چیز عمارت سے ہٹائی گئی ہو۔ پتہ نہیں، وہ نوکروں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا یا انہیں چھٹی دے دی تھی۔

حمید گیراج میں داخل ہوا۔ ایک کار موجود تھی۔ اس کی ایک کھڑکی پر حمید کو ایک ریشمی رومال پڑا ہوا نظر آیا۔ یہ رومال صبیحہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر اُلو کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حمید اُسے کئی بار صبیحہ کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھا لیا۔

رومال کے ایک گوشے پر کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ حمید نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گرہ کھولی۔:.. اور.... یہ کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جس پر پنسل سے جلدی میں کچھ لکھا گیا تھا۔

"جمال صاحب!" کاغذ پر تحریر تھا۔ "ڈیڈی سچ مچ پاگل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کو کمرے میں بند کر دیا ہے اور ہم لوگوں کو یہاں سے لے جا رہے ہیں۔ ہم کہاں جا رہے ہیں یہ آپ کو اُس نقشے سے معلوم ہو گا جو لیبارٹری کی تیرہ نمبر والی الماری میں رکھا ہوا ہے اور جمال صاحب! کیا لکھوں.... میں نہ جانے کیوں آپ لوگوں پر اعتماد کرتی ہوں۔ نقشہ تلاش کر کے فوراً آیئے۔ آج میں بہت زیادہ خطرہ محسوس کر رہی ہوں.... صبیحہ!"

حمید یہ تحریر پڑھ کر سرپٹ دوڑتا ہوا تجربہ گاہ میں آیا لیکن فریدی وہاں موجود نہیں تھا۔ دو میزیں الٹی ہوئی نظر آئیں۔ شیشے کے بہتیرے آلات کے ریزے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور فرش پر کئی جگہ تازہ خون کے دھبے تھے۔

حمید بڑی تیزی سے دروازے کی طرف مڑا اور باہر پہنچنے سے قبل ہی اُس نے ایک فائر کی آواز سنی، جو کمپاؤنڈ ہی کے کسی حصے سے آئی تھی۔ پھر پے در پے مزید تین فائر.... حمید نے جھپٹ کر تجربہ گاہ کی روشنی گل کر دی۔

اب اُس نے لیبارٹری سے نکلنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ اس نے ابھی ابھی چند

مخصوص قسم کی چیخیں سنی تھیں.... آواز فریدی کی تھی اور یہ چیخیں ایک طرح کا اشارہ تھیں، جس کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ جہاں ہو وہیں رک جاؤ.... حمید دم بخود کھڑا رہا۔

نقشہ اور تعاقب

کمپاؤنڈ پر پھر سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ حمید نے تجربہ گاہ کا دروازہ بند کر کے پھر روشنی کر دی۔ وہ جلد از جلد اُس نقشے کو تلاش کر لینا چاہتا تھا جس کا حوالہ صبیحہ نے اپنے خط میں دیا تھا۔ مگر وہ نقشہ.... آخر اس قسم کے کسی نقشے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

یہاں تقریباً دو درجن الماریاں تھیں اور ہر الماری پر اس کے نمبر موجود تھے، حمید تیرہ نمبر کی الماری کے سامنے رک گیا۔ اچانک اس نے تجربہ گاہ کے دروازے پر فریدی کی آواز سنی۔

"اندر کون ہے۔"

"میں ہوں۔" حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اُس نے دروازہ کھول دیا۔ فریدی اندر داخل ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"دروازہ بند کر دو۔" اُس نے کہا۔ حمید دروازہ بند کر کے فریدی کا جائزہ لینے لگا۔ اُس کی ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر سینے پر جھول رہی تھی اور بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ گالوں پر ہلکی ہلکی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر لکیروں کی شکل میں جم گیا تھا۔

"کیا معاملہ تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"انہوں نے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ انہوں نے خاص طور پر تجربہ گاہ ہی کو نشانہ بنانا چاہا تھا۔ تعداد میں پانچ تھے اور اپنے چہرے نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔"

"اور آپ بھی خاص طور پر تجربہ گاہ ہی میں دلچسپی لے رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ دونوں کی دلچسپیوں کی ایک ہی وجہ ہو۔" فریدی نے جواب دیا۔

"وجہ مجھے بھی بتایئے۔"

"ابھی بور مت کرو۔"

حمید طنزیہ انداز میں مسکرایا اور آہستہ سے کہنے لگا۔ "وجہ دریافت کرنے کے لئے آپ کو

ساری الماریاں الٹنی پڑیں گی۔"

"کیا مطلب....!"

"مگر میں اُس الماری سے واقف ہوں جس میں وجہ بند ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی بڑبڑا کر ایک الماری کا تالا توڑنے لگا۔ اور حمید تیرہ نمبر الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تالا توڑنا مشکل نہیں تھا وہ جلد ہی کامیاب ہو گیا۔ اس الماری میں صرف کاغذات تھے۔ حمید نے ان سب کو نکال نکال کر فرش پر ڈھیر کر دیا۔

"کیا کر رہے ہو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"میں کہاں تک بیکار بیٹھا رہوں۔ آپ اپنا کام کیجئے۔"

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا اپنے کام میں مشغول رہا۔

تھوڑی دیر کی محنت کے بعد حمید کو نقشہ مل گیا۔ وہ بہت واضح اور صاف تھا۔

"وہ مارا....!" حمید فرش سے کئی فٹ اونچا اچھل گیا۔

"میں کان پکڑ کر باہر نکال دوں گا۔" فریدی کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"یہ دیکھئے! نقشہ یہ رہا۔" حمید اُس کے غصے کی پرواہ کئے بغیر دہاڑا۔

فریدی نے جھپٹ کر اُسکا گریبان پکڑ لیا اور گھسیٹتا ہوا کمرے کے دوسرے سرے پر لے گیا۔

"دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" اُس نے اس کی گردن پکڑ کر دیوار کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"واقعی میرے ستارے گردش میں ہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"دن بھر بند رہا اور اس وقت..." وہ جملہ پورا کرنے کی بجائے اُس نقشے کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا فریدی کو کسی اور چیز کی تلاش تھی۔ وہ دیوار ہی کی طرف منہ کئے ہوئے اطمینان سے کھڑا رہا۔

اچانک اُس نے فریدی کی ہلکی سی کراہ سنی اور کسی کے فرش پر گرنے کی آواز آئی۔ حمید بے ساختہ پلٹا۔ فریدی الماری سے تقریباً ڈیڑھ گز کے فاصلے پر فرش سے اٹھ رہا تھا اور ساتھ ہی وہ اپنا داہنا بازو بھی رگڑتا جا رہا تھا۔

"کیا ہوا....؟" حمید بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑا۔

"شاک....!" فریدی فرش سے اٹھتا ہوا بولا۔ "تالے میں کرنٹ ہے۔"

اب حمید یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں صبیحہ نے اُسے بیوقوف تو نہیں بنایا ہے۔ کیونکہ فریدی نے جس الماری کے تالے کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا نمبر "چھ" تھا۔

"آخر آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔" حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔ ذرا لائٹ آف کر دو۔"

حمید نے روشنی گل کر دی۔ فریدی شائد پھر الماری کے قریب پہنچ چکا تھا کیونکہ آوازیں کچھ اس قسم کی آ رہی تھیں۔ جیسے وہ تالا توڑ رہا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں کھٹاکے کی آواز آئی اور فریدی نے کہا۔ "لائٹ آن کرو۔"

حمید نے پھر روشنی کر دی۔ فریدی تالا توڑ کر الماری کے پٹ کھول چکا تھا اور وہ الماری....

حمید اپنا سر سہلانے لگا۔ کیونکہ الماری میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ کسی خانے میں ایک تنکا بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"یہ کیا حماقت ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"تھی تو حماقت ہی! میں بیکار وقت ضائع کر رہا تھا۔"

"اب میری بھی کچھ سن لیجئے۔" حمید نے کہا۔

"تم بھی بکو۔" فریدی جھلا کر اُس کی طرف مڑا۔

حمید نے صبیحہ کا خط اور نقشہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک خط اور نقشے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "یہ خط کہاں ملا تھا؟"

"گیراج میں....!" حمید نے کہا اور رومال کا قصہ بتاتا ہوا بولا۔ "رومال پر اُلو کی تصویر تھی ورنہ میں کبھی متوجہ نہ ہوتا۔ مجھے یہ پرندہ کسی عظیم سراغ رساں کی طرح عظیم معلوم ہوتا ہے۔"

"مگر یہ نقشہ! آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ نہیں یہ سب بکواس ہے۔ ڈاکٹر ہمارا وقت برباد کرنا چاہتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ ہمیں سردار محمود ہی کا آدمی سمجھتا ہے۔"

"تو کیا یہ سچ مچ کسی دفینے ہی کا چکر ہے اور اچانک آپ نے یہاں کسی چیز کی تلاش کیوں شروع کر دی تھی۔"

"دفینہ وغیرہ سب بکواس ہے۔ یہاں مجھے اُن چیزوں کی تلاش تھی جن کے متعلق خود مجھ

بھی کوئی علم نہیں ہے۔"

حمید کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ آخر اس نے جھلا کر کہا۔ "اب میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔"

"بتاتا ہوں۔" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "کل رات میں نے سردار محمود کے یہاں کچھ ایسی چیزوں کا تذکرہ سنا تھا جو اُن لوگوں کے خیال کے مطابق تجربہ گاہ میں ہو سکتی ہیں کیونکہ تجربہ گاہ ہمیشہ رات کو خالی پڑی رہتی ہے اور وہ چیزیں ایسی ہی جگہ رکھی جا سکتی ہیں جس کی طرف کسی کا خیال نہ پہنچ سکے۔ مگر بعض اوقات فریدی سے حماقتیں سرزد ہوتی ہیں۔ میں نے یہ نہ سوچا کہ ڈاکٹر نے فرار ہوتے وقت یہاں ایسی کوئی چیز نہ چھوڑی ہوگی۔"

"مگر یہ عمارت کھلی پڑی ہوئی ہے اور یہاں ہزاروں کا سامان ہے۔ کیا ڈاکٹر سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا اور حمید کی اُلجھن بدستور بڑھتی رہی۔

"لاؤ.... وہ نقشہ تو لاؤ۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

وہ کچھ دیر تک نقشے پر جھکا رہا پھر بولا۔ "میں اسے بھی وقت کی بربادی ہی سمجھتا ہوں لیکن چلو یہی سہی۔ ویسے اس نقشے کے وجود کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی.... اچھا آؤ۔"

"نقشہ آپ کی سمجھ میں آ گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں! وہ بہت صاف ہے۔ لیکن.... وہ جگہ.... کیا ہوگی.... یہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"کیسی جگہ....!"

"جہاں آخری تیر بنا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نشانات رام گڈھ کے ایک غیر آباد حصے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اسلئے یہ بتانا مشکل ہے کہ اختتام کسی عمارت پر ہوگا...یا... آؤ.... گیراج میں ایک گاڑی تو موجود ہے۔ لیکن پہلے میں اس عمارت کی نگرانی کے لئے ماتھر کو فون کر دوں۔"

فون کرنے کے بعد وہ گیراج میں آئے۔ گاڑی موجود تھی اور اس میں کافی مقدار میں پٹرول بھی تھا۔ پٹرول کے دو بھرے ہوئے ٹن الگ سے بھی موجود تھے۔

حمید کی دانست میں وہ ایک نامعلوم منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔ کیونکہ نقشہ حمید کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کار سنسان راستوں پر دوڑتی رہی۔

"ان دونوں میں سے مجرم کون ہے۔ سردار محمود یا ڈاکٹر۔" حمید نے پوچھا۔

"دونوں....!"

"اور دونوں ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں۔"

"ہاں.... اور....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "یار حمید ایک بات سمجھ میں نہیں آتی.... خیر ہٹاؤ.... پھر دیکھیں گے۔"

"نہیں ابھی اور اسی وقت دیکھیں گے۔" حمید جھلا گیا۔

"اندھیرے میں کیا دیکھو گے! ویسے تم یہ ضرور دیکھو گے کہ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔"

"یعنی....!" حمید چونک کر مڑا۔ کافی فاصلے پر کسی دوسری کار کی ہیڈ لائیٹس نظر آ رہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا لیکن دونوں کاروں کے درمیانی فاصلے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس لئے اُسے بھی یہی سوچنا پڑا کہ وہ تعاقب ہی ہو سکتا ہے۔

"پرواہ نہ کرو۔" فریدی بڑبڑایا۔ "آج میں شکار کھیل رہا ہوں۔"

"ضرور کھیلئے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "میرے مقدر میں تو ایک گراموفون بھی نہیں ہے کہ کالو قوال کے ریکارڈ ہی سننا شروع کر دوں۔"

"گھبراؤ نہیں! ابھی جنگل میں منگل برپا کر دوں گا۔ سردار محمود زندہ دل آدمی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ڈاکٹر نے مجھ سے مدد حاصل کی ہے۔ ورنہ وہ پاگل خانے میں کرنل فریدی بن کر کیوں داخل ہوتا۔"

"کیا وہ سردار محمود تھا۔"

"اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"یعنی آپ کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔"

"اتنا ٹھوس کہ سردار محمود کو زندگی ہی میں میدانِ حشر کا مزہ آ جائے گا۔"

"اور ڈاکٹر....!"

"ڈاکٹر....!" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "وہ اس قابل ہے کہ ڈگڈگی بجا کر اُسے بندروں کے ساتھ نچایا جائے۔"

کار بدستور سنسان سڑک پر دوڑتی رہی۔

فریدی نے کہا۔ "آگے ایک موڑ اور ہے اسکے بعد ہم سیدھے جائیں گے.... اوہو.... اب یاد آیا... وہ آخری تیر کا نشان... مگر نہیں... وہ سڑک تو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں... خیر دیکھو۔"

"کار کی روشنیاں بجھا دیجئے نا۔ سڑک صاف ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوہو.... انہیں اس کا بھی احساس نہ ہونا چاہئے کہ ہم اس تعاقب سے باخبر ہیں۔"

کار ایک دوسری سڑک پر مڑ گئی اور کچھ دور چل کر حمید پھر مڑا۔ دوسری کار اب بھی اس کے پیچھے تھی۔

"ہم غلط نہیں آئے۔ وہ غالباً ہڈی کی کھاد بنانے والی فیکٹری کی چمنی ہی ہے۔ داہنی طرف دیکھو۔ اسی کے چار فرلانگ کے فاصلے پر تیر کا آخری نشان تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اُس چمنی کیطرف دیکھ رہا تھا، جو اندھیرے میں بھی صاف نظر آ رہی تھی۔

کار چلتی رہی.... اچانک فریدی نے کہا۔ "چار فرلانگ۔"

اور کار کی رفتار کم کر کے انجن بند کر دیا۔

"جلدی سے اُتر آؤ" اس نے کہا اور حمید دروازہ کھول کر نیچے کود گیا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "اب میں سمجھ گیا۔ انہیں بھی ڈاکٹر کی تلاش ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسی کے پاس جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ صبیحہ ٹھیک ہی ہو.... آؤ۔"

وہ ایک طرف اندھیرے میں چلنے لگے۔ تھوڑی ہی دور پر روشنی نظر آ رہی تھی۔ اترائی میں غالباً وہ کوئی عمارت تھی اور اس کی کھڑکیوں میں روشنی تھی۔ فریدی کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ کافی نیچے اُتر آئے تھے۔ اس لئے اس کا پتہ چلنا دشوار تھا کہ دوسری کار وہاں پہنچی یا نہیں۔

وہ ایک مختصر سی عمارت تھی اور اس میں تین کمروں سے زیادہ نہ رہے ہوں گے۔ اس کی کئی کھڑکیاں روشن تھیں۔ فریدی حمید کو ایک بڑے پتھر کے پیچھے دھکیل کر خود عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن اس کی واپسی بھی جلد ہی ہوئی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "وہ لوگ یہیں ہیں۔ میں نے صرف ڈاکٹر کو دیکھا ہے۔ لڑکیاں نظر نہیں آئیں...." وہ دونوں پتھر کی اوٹ میں تھے۔ یعنی سڑک سے اتر کر عمارت کی طرف آنے والے انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ حمید کو تو احساس بھی نہ ہوتا کہ کب کون آیا اور کب گیا کیونکہ اُس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ وہ پتھر کی اوٹ سے جھانکنے ہی کی

کوشش کر رہا تھا۔

"وہ وہاں پہنچ گئے۔" فریدی نے سرگوشی کی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک چھناکا سا سنائی دیا۔ جیسے شیشے کی کوئی چادر فرش پر گر کر چور چور ہو گئی ہو۔ حمید نے اب بھی آواز کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ مطمئن تھا کہ فریدی تو دیکھ ہی رہا ہے۔ جب وہ چاہے گا اُسے کسی مشین کی طرح حرکت میں لے آئے گا۔

اچانک فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور وہ پنجوں کے بل چلتے ہوئے بڑی تیزی سے عمارت کی ایک دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے قدموں کی آہٹیں سنیں، برآمدے میں کوئی کسی سے کہہ رہا تھا۔ "تم یہاں ٹھہرو، جو بھی اِدھر آئے نہایت اطمینان سے گولی مار دینا۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر برآمدے میں جھانکا۔ کھڑکیوں سے آنے والی روشنی اتنی کافی تھی کہ وہ ستون سے چپٹے ہوئے اُس آدمی کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جس کی پشت اُسی کی طرف تھی۔

حمید نے فریدی کو برآمدے میں جاتے دیکھا اور وہ خود ابھی دوسرے سرے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ اُسے برآمدے میں کوئی کودتا ہوا دکھائی دیا۔ پتہ نہیں وہ آدمی تھا یا جانور۔ گول مٹول سا۔ وہ اُسی کی طرف آرہا تھا۔ حمید دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن حقیقت معلوم ہونے میں دیر نہ لگی۔ وہ فریدی تھا اور اس نے کسی کو اپنی پیٹھ پر لاد رکھا تھا۔ اس نے ایک بے جان سے آدمی کو زمین پر ڈال دیا۔

"آؤ.....!" وہ حمید کا ہاتھ پکڑتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"مگر یہ.....!"

"اس کی پرواہ نہ کرو..... اسے گھنٹوں میں ہوش آئے گا۔"

وہ دونوں دبے پاؤں چلتے ہوئے برآمدے میں آئے اور کھڑکیوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے انہیں جھکنا پڑا کہ وہ دوسری طرف سے دیکھے نہ جا سکیں۔ وہ دروازے میں داخل ہو کر ایک چھوٹی سی راہداری میں پہنچ گئے۔

سامنے والے کمرے میں ڈاکٹر آتشدان کے قریب ایک آرام کرسی میں پڑا ہوا تھا اور اُسے تین ایسے آدمیوں نے گھیر رکھا تھا جن کے چہروں پر سیاہ نقاب تھے۔

ڈاکٹر کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قطعی

الذہن ہو۔ وہ تین آدمی غالباً اپنے اس غیر متوقع اقدام کا ردِعمل معلوم کرنا چاہتے تھے، ورنہ پھر اُس خاموشی کا کیا مطلب تھا؟

زرینہ

حمید نے اپنے ہاتھ پر کوئی ٹھنڈی سی چیز محسوس کی۔ فریدی نے اس کی طرف ایک ریوالور بڑھایا۔ حمید نے اس کے دستے پر مضبوطی سے انگلیاں جما دیں۔

"ڈاکٹر.....!" اندر ایک قوی ہیکل آدمی کہہ رہا تھا۔ "یہ آخری موقع ہے، اس کے بعد تمہیں افسوس کرنے کا بھی موقعہ نہ دیا جائے گا۔"

"میں نے آج تک اپنے کسی فعل پر افسوس نہیں کیا۔" ڈاکٹر کا لہجہ پُرسکون تھا۔ "تم دس سال سے مجھے دیکھ رہے ہو..... دس سال سے.....!"

"جاؤ انہیں تلاش کرو۔" اس آدمی نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ "اور اس خبیث کو بولنا ہی پڑے گا۔"

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے اور فریدی نے جلدی سے حمید کو اشارہ کیا۔ حمید ایک طرف سمٹ گیا۔ فریدی دروازے کی دوسری طرف تھا۔

جیسے ہی وہ دونوں باہر نکلے اُن کے سروں پر بیک وقت دو ضربیں پڑیں اور وہ ڈھیر ہو گئے۔ ریوالوروں کے دستے کافی وزنی تھے۔ تیسرا آدمی بھی غرا کر دروازے کی طرف جھپٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا گھونسہ اُس کے جبڑے پر پڑا اور وہ ڈاکٹر کے پیروں کے پاس جا گرا۔

"کمال..... جمال.....!" ڈاکٹر کی مسرت آمیز چیخ تھی۔

لیکن فریدی اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔

"سردار محمود! چہرے سے نقاب اتار دو۔" فریدی نے ریوالور کا رخ اُس کی طرف کرتے ہوئے کہا اور پھر حمید سے بولا۔ "میری جیب میں ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا ہے، جو بارہ بجے کے بعد ہی سے میرے پاس رہا ہے۔ سردار محمود کے ہاتھ یقیناً سخت ہوں گے۔"

سردار محمود اپنا نقاب الگ کرتا ہوا بولا۔ "تم کیا سمجھتے ہو! ہم ایک ڈرامے کا ریہرسل کر رہے

تھے.... کیوں ڈاکٹر....!"

"ڈرامہ ختم ہو گیا۔ حمید ہتھکڑیاں لگادو۔ کرنل فریدی تمہیں پاگل نمبر چوالیس کو زہر کا انجکشن دینے کے الزام میں گرفتار کرتا ہے۔"

"کرنل فریدی.... تم....!" ڈاکٹر لڑکھڑا کر دیوار سے جالگا۔

حمید ہتھکڑیاں لے کر آگے بڑھا اور فریدی نے گرج کر کہا۔ "نہیں محمود! تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے۔ میں تم پر فائر بھی کر سکتا ہوں۔"

"یہ بکواس ہے۔ میں کسی پاگل کو نہیں جانتا۔" سردار محمود چیخا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ پاگل نہیں تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اُس بیچارے کو کئی دن سے بخار تھا۔ تم کرنل فریدی بن کر اُس کی کوٹھری میں داخل ہوئے اور تم نے اُسے زہر کا انجکشن دیا۔ وہ غالباً یہ سمجھا ہو گا کہ تم ڈاکٹر ہو کیونکہ تم میک اپ میں بھی تھے۔ حمید ہتھکڑیاں لگادو تاکہ میں اطمینان سے یہ داستان سردار محمود کو سنا سکوں۔"

حمید نے ہتھکڑیاں لگادیں۔ سردار محمود چپ چاپ کھڑا رہا۔

جب ہتھکڑیاں لگ چکیں تو اس نے مسکرا کر کہا۔ "جو کچھ کہہ رہے ہو اسکا کوئی ثبوت بھی ہے۔"

"ثبوت! میں نے آج تک کوئی کچا کام ہی نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہاں کے ذی ا لوگوں میں سے ہو۔ لیکن دنیا کی کوئی طاقت تمہیں پھانسی کے پھندے سے نہیں بچاسکتی۔"

"مجھ پر جھوٹا الزام لگایا جارہا ہے۔" سردار محمود نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس کے لئے تمہیں عدالت میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"میں جواب دے لوں گا۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اے.... ڈاکٹر تم کہاں چلے.... بیٹھو.... ورنہ تمہارا حشر بھی کچھ اچھا نہیں ہو گا۔"

اس پر ڈاکٹر اور سردار محمود نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے پھر ڈاکٹر گلا صاف کر کے بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے ہم ایک ڈرامے کے لئے ریہرسل کر رہے تھے۔"

"مگر ڈاکٹر! کیا یہ ریہرسل ہماری ہی تقدیر میں لکھ دیا گیا۔ ٹرین پر بیمہ کمپنی کے ایجنٹوں ریہرسل۔ پھر راستے میں کار پر ڈاکے کا ریہرسل اور اب یہ ریہرسل نہیں ڈاکٹر یہ ڈرامہ اب

نہیں ہو سکے گا۔ ہر قسم کے ریہرسل فضول ہیں۔ محمود صاحب نے پاگل خانے میں زہر کا انجکشن دینے کا ریہرسل فرمایا۔ لیکن اس بات کا خیال نہ رکھا کہ پاگل نمبر چوالیس کے بازو پر عقیق کا ایک بڑا سا مہرہ بھی موجود ہے اور وہ بوکھلاہٹ میں اُس پر اپنے انگوٹھے کا ایک بہت ہی واضح نشان چھوڑ آئے۔ میں نے کہا کہ آخر میں کیوں اس ریہرسل سے محروم رہوں۔ لہٰذا آج جب سردار محمود صاحب تین بجے اپنے ڈرائنگ روم میں لائم جوس پی رہے تھے میں ان سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ گلاس ختم کر کے وہاں سے ہٹے اور میں نے اپنا پارٹ ادا کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ میں نے وہ گلاس کیوں چرایا ہو گا۔ بہر حال چھ بجے تک فنگر پرنٹ کے ایکسپرٹ اس بات پر متفق ہو گئے کہ عقیق کے مہرے اور گلاس کے نشانات میں کوئی فرق نہیں۔ کیوں سردار محمود! کیا ڈرامہ اسٹیج ہو سکے گا۔"

سردار محمود اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے ایک کرسی میں دھکیل دیا۔

"اب تم بکو ڈاکٹر....!"

"کیا تم سچ مچ کرنل فریدی ہو۔"

"میرا وقت نہ برباد کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لڑکیاں کہاں ہیں! بلکہ اُن دونوں میں سے وہ لڑکی کون ہے!"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں اُس لڑکی کا نام پوچھنا چاہتا ہوں۔ جس کے لئے یہ سارا ہنگامہ ہوا ہے۔ جس کے لئے تم دس سال سے دھکائے جاتے رہے ہو.... ڈاکٹر جلدی کرو۔ میرے پاس وقت کم ہے۔"

"زرینہ....!" ڈاکٹر نے مردہ سی آواز میں کہا۔

داستان

کمرے میں ڈاکٹر، فریدی اور حمید کے علاوہ دونوں لڑکیاں بھی تھیں اور وہ چاروں قیدی دوسرے کمرے میں بند کر دیئے گئے تھے۔ کھاد کی فیکٹری سے فریدی نے ماتھر کو فون کر دیا تھا اور اب وہ اُسی کا منتظر تھا۔

ڈاکٹر کمرے میں ٹہل ٹہل کر کہہ رہا تھا۔ "میں کیا کرتا۔ بالکل بے بس تھا۔ پولیس کو اطلاع دینے کی صورت میں بھی اس کی حفاظت نہ کر سکتا۔"

"میں یہ داستان شروع سے سننا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

ڈاکٹر چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے کہا۔ "مگر تم یہاں پہنچے کس طرح۔"

"آہا خوب یاد آیا....!" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "اس نقشے کا کیا مطلب تھا ڈاکٹر.... وہ غالباً تیرہ نمبر کی الماری میں تھا اور چھ نمبر کی الماری میں کیا تھا۔"

"وہ نقشہ! میں نے ان دونوں کے لئے بنایا تھا تاکہ خطرے کی صورت میں یہ یہاں تک پہنچ سکیں۔" ڈاکٹر دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اور چھ نمبر کی الماری میں وہ کاغذات تھے جن سے یہ ثابت کیا جاسکتا تھا کہ زرینہ حقیقتاً کون ہے۔"

"میں حقیقتاً کون ہوں۔" زرینہ نے اس جملے پر حیرت کا اظہار کیا۔ لیکن ڈاکٹر اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "سردار محمود اور سردار ہاشم دونوں سگے بھائی تھے۔ سردار ہاشم سردار محمود سے زیادہ مالدار تھا۔ آج بھی جنوب میں اس کی چاندی کی کئی کانیں ہیں۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر فوت ہوگیا۔ سردار محمود نے بہت کوشش کی کہ اس کی بیوی کو ختم کر دیا جائے، لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی اس کا ایک ہمدرد بھی تھا.... ایاز.... وہ سردار ہاشم کا منیجر تھا اور اسے سردار ہاشم سے بہت محبت تھی۔ وہ اس کی بیوی کی حفاظت کرتا رہا۔ ہاشم کی موت کے تین ماہ بعد ایک بچی پیدا ہوئی۔ لیکن اب اُن دونوں کی زندگیاں خطرے میں تھیں۔ سردار محمود ان کا خاتمہ کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ آخر ایک دن ایاز اُن ماں بیٹیوں سمیت غائب ہوگیا۔ سردار محمود نے انہیں بدنام کرنے کے لئے افسانے تراشے اور اُن کے حلیئے مشتہر کرادیئے۔ ایاز میرا پرانا شناسا تھا اس کی یہ بدنامی میرے کانوں تک بھی پہنچی۔ بات کچھ دنوں بعد ختم ہوگئی۔ میں اس کہانی میں کیسے داخل ہوتا ہوں۔ یہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ ایاز کے فرار کے ٹھیک چھ ماہ بعد مجھے سرکاری طور پر انگلینڈ جانا پڑا۔ چونکہ قیام کی مدت پانچ سال تھی اس لئے بیوی اور بچوں کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس وقت ہمارے صرف ایک آٹھ ماہ کی بچی تھی۔ ہم یہاں سے بندرگاہ کے لئے روانہ ہوئے تین دن بعد وہاں پہنچے۔ بچی راستے میں بیمار پڑ گئی۔ اس لئے ہمیں روانگی ملتوی کرنا پڑی لیکن بچی چار دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکی۔ واقعی وہ ایک پاگل کر دینے والا واقعہ تھا۔ ہو سکتا تھا

کہ دوسروں پر اتنا اثر نہ ہوتا ہو مگر میں تو قریب قریب پاگل ہوگیا تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں یاد رہ گیا تھا کہ ہم انگلینڈ کے لئے یہاں آئے ہیں۔ میں سارا دن سڑکوں کی خاک چھانا کرتا تھا۔ اب میں سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ کیا مجھے توقع تھی کہ وہ بچی مجھے دوبارہ مل جائے گی۔ اچانک ایک دن ایاز سے ملاقات ہوگئی۔ اُس کے متعلق میں قریب قریب سب کچھ بھلا چکا تھا۔ لیکن ایاز نے خود ہی اس کا اظہار کیا۔ سردار ہاشم کی بیوہ ہیضے کا شکار ہو کر فوت ہو چکی تھی لیکن بچی کو ایاز اب بھی سینے سے لگائے پھر رہا تھا۔ اس نے میرے واقعات سن کر ایک تجویز پیش کی۔ کیوں نہ میں اس بچی کو لے کر اپنی بچی کی طرح پالوں۔ کسی کو علم بھی نہ ہوگا کہ وہ میری بچی نہیں ہے۔ پاسپورٹ کی درستگی بھی نہیں کرائی گئی تھی، لہٰذا ایک بچی اُسی پاسپورٹ پر نہایت آسانی سے انگلینڈ کا سفر کر سکتی تھی۔ میں ایاز کو اپنی قیام گاہ پر لایا۔ میری بیوی کو جب اُس کے حالات معلوم ہوئے تو وہ بچی کو لے لینے پر اڑ گئی۔ میں بھی نیم رضامند تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بچی ہمارے ساتھ انگلینڈ چلی گئی۔ اس کے ٹھیک ڈیڑھ سال بعد صبیحہ پیدا ہوئی۔ پھر مجھ پر دوسری مصیبت نازل ہوئی یعنی انگلینڈ سے واپسی سے چھ ماہ قبل میری بیوی بیمار ہوئی اور ایک ماہ بعد وہ بھی چل بسی۔ بہرحال اس واقعے سے محکمہ سراغرسانی کو بھی کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی لہٰذا میں اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کر کے بور نہیں کروں گا۔ پانچ سال پورے کر کے میں انگلینڈ سے واپس آگیا۔ میرے اعزہ کو دو لڑکیاں دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ شائد میں نے اپنی بچی کی موت پر ان میں سے کسی کو خط لکھ دیا تھا۔ بہرحال مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ لکھا تھا یا نہیں۔ ممکن ہے لکھ ہی دیا ہو۔ میں نے انہیں جھٹلانے کی کوشش کی۔ اس پر بات پھیل گئی لیکن معاملہ صرف چہ میگوئیوں ہی تک محدود رہا۔ لیکن آج سے دس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک واقعے نے حالات کو دوسرے رنگ میں ڈھال دیا۔ ایک رات ایاز میرے پاس پہنچا۔ وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ محمود کے آدمی اُس کے پیچھے تھے۔ اُس نے کچھ کاغذات میرے سپرد کئے اور استدعا کی کہ میں اُسے پاگل خانے میں پہنچا دوں۔ ایک پاگل کی حیثیت میں.... اُس نے بتایا کہ اُسے زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے۔ مگر وہ لڑکی کے سن بلوغ کو پہنچنے تک زندہ رہنا چاہتا ہے تاکہ سردار محمود کی حجامت اپنے ہاتھوں سے بنا سکے۔ میں نے بھی سوچا تدبیر تو ٹھیک ہے۔ اس طرح اس کی زندگی بھی محفوظ ہو جائے گی۔ میں نے اُسے پاگل خانے میں داخل کرادیا۔ سردار محمود کو اس کا علم ہوگیا۔ لڑکیوں کے بارے میں پہلے ہی چہ

میگوئیاں ہو چکی تھیں۔ اُسے شک ہو گیا اور اُس نے ہر ہر طرح سے پتہ لگانے کی کوشش کی۔ مجھے ذرا تا دھمکاتا بھی رہا۔ دونوں لڑکیاں سمجھدار ہو چکی تھیں۔ اس لئے انہیں مطمئن کرنے کے لئے مجھے ایک فرضی دفینے کی داستان تراشنی پڑی۔ وہی داستان میں نے تم کو بھی سنائی تھی۔“

”مجھے اُس پر کبھی یقین نہیں آیا تھا۔“ صبیحہ بولی۔

”تم خاموش رہو۔“ ڈاکٹر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ پھر فریدی سے مخاطب ہو گیا۔ ”نہ سردا محمود ان واقعات کی اطلاع پولیس کو دے سکتا تھا اور نہ میں ہی ایسا کر سکتا تھا۔ وہ اسلئے نہیں دے سک تھا کہ اُس کی نیت میں فتور تھا۔ اپنے بھائی کی جائیداد پر ہمیشہ قابض رہنے کیلئے چپ چاپ لڑکی ک ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا۔ میں اسلئے خاموش تھا کہ اگر پولیس کو اس واقعے کا علم ہو گیا تو لڑکی سردا محمود کے حوالے کر دی جائے گی کیونکہ قانونی طور پر وہی اس کا ولی تھا۔ اس طرح وہ سیدھی موت کے منہ میں چلی جاتی۔ بہر حال وہ مجھے ہر ہر طرح پریشان کرتا رہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ایک دن م تنگ آکر لڑکی کو اُس کے سپرد کر دوں گا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ اُسے آج تک یہی نہ معلوم ہو سکا کہ ان دونوں میں سے اس کی بھتیجی کون ہے۔ وہ تو الگ رہا۔ یہ دونوں خود ابھ تک ایک دوسری کو سگی بہنیں سمجھتی رہی ہیں۔ سردار محمود نے تو یہاں تک کوشش کی تھی کہ ا دونوں ہی کو ختم کرادے۔ لیکن.... خدا کا انصاف! وہ آج تک لاولد ہے اور اب اُس کا رخ پھان کے تختے کی طرف ہو گیا ہے اور زرینہ اپنی اور اُس کی دونوں جائیدادوں کی مالک بنے گی۔“

”ارے.... واہ....!“ صبیحہ ہاتھ نچا کر بولی۔ ”بڑی آئیں کہیں کی۔ کیا میں کہیں مر ہوں۔ سردار محمود کی جائیداد میں لوں گی۔ اتنی جائیدادیں کیا کلیجے میں بھریں گی۔ اری واہ ر میری بلبل یہ رونا کیسا۔“ وہ اٹھ کر زرینہ کے آنسو خشک کرنے لگی۔

”صبیحہ....!“ ڈاکٹر بگڑ گیا۔ ”اُسے پریشان نہ کرو ورنہ تھپڑ مار دوں گا۔ وہ مجھے تم سے زیا عزیز ہے۔ اسلئے کہ وہ میرا شاہکار ہے۔ اُسے میں نے جیسا بنانا چاہا بن گئی اور تم نہ جانے کیا بن گئی ہو۔“

”میں بیوقوف بن گئی ہوں ڈیڈی۔“ صبیحہ نے قہقہہ لگایا۔ ”سردار ہاشم کی بیٹی میں ہوں آپ خواہ مخواہ اپنی لڑکی کو میری جائیدادیں دلوانا چاہتے ہیں۔“

”ارے کم بخت یہ کیا کہتی ہے۔“ ڈاکٹر اپنا سر پیٹ کر بولا۔ ”اگر تو نے یہ بات کہی تو میر فرشتے بھی یہ نہ ثابت کر سکیں گے کہ تم سردار ہاشم کی لڑکی نہیں ہے۔“

”نہیں ڈاکٹر....!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میرے پاس اس کا ثبوت ہے کہ صبیحہ تمہاری ہی لڑکی ہے اور یہ ثبوت مجھے آج ہی ملا ہے۔ تمہاری مرحومہ بیوی کی ڈائری جسے تم نے اپنی تجربہ گاہ میں رکھ چھوڑا تھا۔ اتنی احتیاط سے کہ سردار محمود کا ہاتھ اُس تک بہت آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔“

”رشوت.... رشوت.... میں کبھی نہ مانوں گی۔“ صبیحہ شور مچانے والے انداز میں بولی۔

”اوہ.... واقعی۔“ ڈاکٹر سر ہلا کر بولا۔ ”میں بالکل گدھا ہوں۔“

”تب میں آپ کی لڑکی نہیں ہوں۔ خواہ مجھے آپ کی بھی جائیداد نہ ملے۔“ صبیحہ نے اس انداز میں کہا کہ فریدی اور حمید بے ساختہ ہنس پڑے اور ڈاکٹر دانت پیستا ہوا صرف گھونسہ دکھا کر رہ گیا۔

دوسرے دن حمید کے استفسار پر فریدی نے اس کیس کی ابتداء پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ مرکزی محکمے کو رام گڈھ کی پولیس کے متعلق ایک گمنام شکایت نامہ موصول ہوا تھا کہ ایاز پر دسترس ہونے کے باوجود بھی وہ سردار ہاشم کی بیوی اور بچی کا پتہ نہیں لگا سکتی اور ایاز بنا ہوا پاگل ہے۔ غالباً یہ شکایت نامہ سردار محمود ہی کی طرف سے بھیجا گیا تھا کیونکہ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ ایاز کو پاگل خانے میں داخل کرانے والا ڈاکٹر نجیب ہے۔ سردار محمود نے یہ سوچا ہو گا کہ ممکن ہے کہ مرکزی محکمے کی تحقیقات کے دوران میں اس کی بھتیجی بے نقاب ہو جائے اور وہ اس کا کام تمام کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ لیکن اُسے کسی طرح فریدی کی آمد اور اُس کے طریق کار کے متعلق علم ہو گیا۔ لہٰذا اُسے اسی میں بہتری نظر آئی کہ وہ ایاز ہی کا خاتمہ کر دے ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سازش کا راز ظاہر ہو جائے۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 51

شعلوں کا ناچ

(مکمل ناول)

وحشی اجنبی

سلور مون ریستوران میں ایک آدمی داخل ہوا اور سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ایک دراز قد اور گٹھیلے جسم کا جوان تھا۔ چہرہ بھرا ہوا.... اور بڑے بالوں والی سیاہ ٹوپی کے نیچے دو بڑی بڑی اور وحشت زدہ آنکھیں جن میں سرخ ڈورے نظر آرہے تھے۔ جسم پر لمبا کوٹ تھا اور کاندھے پر ایک کمبل۔

اُس کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی کشش تھی جس کی بناء پر دوسرے اُسے دیکھنے پر مجبور تھے۔ ایک کرسی پر بیٹھتے وقت اُس کے ہونٹ ذرا سے کھلے اور سفید چمکدار دانتوں کی قطار کی ایک جھلک دکھائی دی۔ اس کے انداز میں بڑی درندگی تھی۔

ریستوران میں بیٹھی ہوئی ایک لڑکی اپنے ساتھی کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔ "اس آدمی کو دیکھ کر نہ جانے کیوں ذہن میں کسی بھیڑیئے کا تصور ابھرتا ہے۔"

لڑکی کا ساتھی چونک کر اس کی طرف مڑا۔ وہ بھی نووارد کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں! خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" اُس کے ساتھی نے کہا۔

"مگر اس کی آنکھیں۔" لڑکی نہ جانے کیوں کانپ کر رہ گئی۔

"اُس کی آنکھیں....!" ساتھی نے ایک طویل سانس لی اور تلخ لہجے میں بولا۔ "اس کی آنکھوں میں تمہیں اپنی روح کے ویرانے نظر آتے ہوں گے۔ اس کی آنکھوں میں تمہیں اپنے جسم کی تسکین کا پیغام نظر آرہا ہوگا۔ تم عورتیں آنکھوں سے سب کچھ معلوم کرلیتی ہو۔"

"شش اُلو کہیں کے۔" لڑکی مسکرائی۔ "تم مرد بدگمانی کے کیچڑ کے کیڑے ہو۔ میں تو یہ کہہ

رہی تھی کہ اُس کی آنکھیں خونیوں کی سی ہیں۔"

اچانک ایک گرجدار آواز سن کر ہال میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ چونک پڑے۔

نووارد ایک ویٹر پر گرج رہا تھا۔ "ابے یہ سالن! چڑیا کے بچے کے لئے لایا ہے۔ مذاق کرتا ہے فقیر سمجھتا ہے.... یہ لے۔"

اس نے جیب سے سو کا ایک نوٹ نکال کر میز پر پٹخ دیا۔

منیجر کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر بڑی تیزی سے اُس کی طرف آیا۔

"فرمایئے! جناب والا....!"

"فرمایئے کیا بھئی! یہ تمہارا نوکر آدمی ہے یا اُلو۔ ہم نے کھانے کے لئے کہا تھا اور یہ کھانا لایا ہے.... کیا ہمیں بچہ سمجھتا ہے.... اتنا ذرا سا سالن.... اور یہ دو چپاتیاں.... خدا کی مار.... نوٹ پکڑو.... کھانا لاؤ کھانا....!"

منیجر نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر اپنے چہرے پر لجاجت کے آثار پیدا کرتا ہوا بولا۔ "اوہ جناب والا معاف کیجئے گا۔ میں ابھی آپ کے لئے انتظام کرتا ہوں۔ نوٹ آپ اپنے پاس ہی رکھئے۔"

"نہیں.... نوٹ تم رکھو.... جلدی کرو۔" وہ غصیلے انداز میں میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

"بہت بہتر جناب۔" منیجر نے میز سے نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور ویٹر کو الگ بلاتا ہوا بولا۔ "یہ کوئی کوہستانی معلوم ہوتا ہے ایک پوری مرغی.... آدھی ران اور بیس چپاتیاں اس کی میز پر لگادو.... چائے کے لئے کہے تو پانچ پیالیوں والی چائے دانی رکھنا۔"

ویٹر نے نووارد کی میز صاف کردی اور پانچ منٹ کے اندر ہی اندر منیجر کی ہدایت کے مطابق میز پر کھانا لگادیا گیا۔

"ٹھیک ہے۔" نووارد غرایا۔ "ہم تجھے خوش کریں گے۔"

ویٹر ادب سے سلام کر کے ہٹ گیا۔

ہال کے دوسرے لوگ اُسے حیرت سے دیکھتے رہے۔

"بالکل جانور معلوم ہوتا ہے۔" لڑکی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"ہاں تم لوگ اب تہذیب و شائستگی سے اکتا گئی ہو۔ تمہیں اب سے ہزاروں سال پرانا مرد

چاہئے۔ ہزاروں سال پرانا مرد جو ہر معاملے میں بالکل جاہل ہو۔"

"تم گدھے ہو۔" لڑکی بھنا کر بولی۔

"گدھا محض اپنی شائستگی ہی کی بناء پر بدنام ہے۔ اتفاق رائے نہ ہونے پر مجھے گدھا ہی کہو گی۔ شیر یا چیتا کبھی نہیں کہہ سکتیں، حالانکہ ابھی اُس آدمی کو دیکھ کر تمہارے ذہن میں بھیڑیئے کا تصور ابھرا تھا۔"

"تم بار بار اُس کا حوالہ کیوں دے رہے ہو۔"

"محض اس لئے کہ تم اُس سے بہت زیادہ متاثر ہوئی ہو۔"

"بکواس ہے۔"

دوسری طرف وہ نووارد بلند آواز میں ویٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ارے.... ادھر مرغیوں میں بالکل دم نہیں ہوتا۔ ہڈیوں پر کھال لپٹی ہوئی ہے۔"

"حضور کیا کیا جائے اِدھر ایسی ہی ملتی ہیں۔" ویٹر نے مؤدبانہ جواب دیا۔

"ہاں.... ہاں....!" نووارد سر ہلا کر ران ادھیڑنے لگا۔ اس سلسلے میں وہ اپنے دونوں ہاتھ استعمال کررہا تھا۔

بیس منٹ کے اندر اندر سارے برتن صاف ہوگئے اور باقی بچی ہوئی دو چپاتیوں سے اُس نے اپنے دونوں ہاتھ صاف کئے.... پھر اُس نے چائے طلب کی۔

"کتنا مردانہ پن ہے اس کے اندر میں۔" لڑکی بولی۔ "شاید اب وہ چڑ کر سچ مچ اپنے ساتھی کو جلارہی تھی۔"

"سبحان اللہ کیا کہنے ہیں۔" اس کے ساتھی نے جلے بھنے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پتہ نہیں.... یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔" لڑکی بولی۔ "اِدھر کا تو معلوم نہیں ہوتا۔"

"یہ اُدھر کا ہے جہاں کے لوگ اپنی عورتوں کو بھیڑوں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔"

"بھیڑیں دودھ دیتی ہیں نا۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔ "عورت سے مرد کا پیٹ نہیں بھرتا.... سمجھے! وہ لوگ ٹھیک کرتے ہیں۔ یہی ہونا چاہئے۔ ہر عورت فطرتاً مرد چاہتی ہے۔ خادم نہیں۔ وہاں کی عورتوں کو حقیقی مسرت ملتی ہوگی۔"

"تم مجھے غصہ دلا رہی ہو۔"

"ہاہا....!" لڑکی طنزیہ انداز میں ہنسی۔ "تمہیں ہرگز غصہ نہیں آئے گا۔ غصہ تو اسے آ
ہے۔ اُسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ اُسے پلیٹ میں تھوڑا سا سالن دیا جاتا ہے۔ کوارٹر پلیٹ
اُسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ یہاں کی مرغیاں دبلی ہوتی ہیں اور اُس کے دانت کھال سے
پھسل کر ہڈیوں سے جا ٹکراتے ہیں۔ دیکھو ویٹر سمجھدار معلوم ہوتا ہے اس نے بہت بڑی چا
دانی اس کے سامنے رکھی ہے۔"

انٹلکچوالس کا یہ جوڑا آپس میں الجھتا رہا اور نووارد وہاں سے جانے کے لئے اٹھ گیا۔

ویٹر نے نوٹ کے بقیہ روپے طشتری میں رکھ کر پیش کئے۔

"یہ کیا....!" نووارد نے حیرت کا اظہار کیا۔

"آپ کے بقیہ روپے۔"

"ہشت....!" وہ طشتری کو دوسری طرف کھسکاتا ہوا بولا۔ "جاؤ.... یہ تمہارا انعام ہے۔"

زیادہ رات نہیں گئی تھی۔ ابھی صرف سات بجے تھے۔ لیکن سردیوں کی راتیں جن کی ابتد
اور انتہا میں کافی فاصلہ معلوم ہوتا ہے۔

اجنبی ریستوران سے نکل کر فٹ پاتھ پر آگیا۔

وہ جگمگاتی ہوئی دکانوں اور دمکتی ہوئی سڑکوں کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے
اپنی زندگی میں پہلی بار کسی بڑے شہر میں آیا ہو۔

اُس کے قریب سے زرق برق لباس میں خوبصورت عورتیں گذرتیں اور وہ ٹھٹک کر ایک
طرف ہو جاتا اور پھر کچھ دیر رک کر ندیدی آنکھوں سے اُن کی سبک خرامی دیکھتا رہتا۔ حتیٰ کہ
کسی موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو جاتیں اور وہ آگے بڑھ جاتا۔ سربفلک عمارتوں کو نیچے سے ا
تک دیکھتے وقت وہ اپنی بڑے بالوں والی سیاہ ٹوپی پر ہاتھ ضرور رکھ لیتا تھا۔

خوبصورت اور سبک کاریں چکنی سڑک پر پھسل رہی تھیں اور وہ بڑی دیر سے سڑک
کرنے کے انتظار میں کھڑا تھا۔ دوسری طرف کے فٹ پاتھ پر اُسے بھیڑ نظر آرہی تھی۔ اُ
کوئی چیز تھی جسے دیکھنے کے لئے لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے۔

بدقت تمام وہ سڑک پار کرنے میں کامیاب ہوا۔

مجمعے کے درمیان میں اُسے ایک آدمی دکھائی دیا جس نے اپنے داہنے ہاتھ پر سات

سانپ لٹکا رکھے تھے اور اس کے پیچھے بے شمار ڈبوں اور مرتبانوں کے ڈھیر تھے۔ ایک اونچے اسٹول
پر پیٹرومیکس لیمپ رکھا ہوا تھا۔

وہ آدمی چیخ رہا تھا۔ "تو صاحبان جب بادشاہ چلا گیا تو اس کی نوجوان ملکہ نے.... اپنے حبشی
غلام کو طلب کیا.... اے بچے۔ جاؤ مجمعے سے باہر جاؤ۔" اس نے کہانی روک کر ایک بچے کو ڈانٹا جو
مجمعے میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکا آگے پہنچ چکا تھا۔

کہانی سنانے والے نے اسے دھمکانے کے لئے سانپوں والا ہاتھ اس طرف بڑھا دیا۔ لڑکا
پلٹ کر اجنبی کو دھکا دیتا ہوا مجمعے سے باہر نکل گیا۔

"اوئے خدائی خوار....!" اجنبی جھلا کر پلٹا مگر لڑکا جا چکا تھا۔

"ہاں تو صاحبان وہ ایک ملک کی ملکہ تھی۔ اسے کس چیز کی کمی تھی۔ ذرا اپنی جیب پاکٹ سے
ہوشیار رہیئے گا.... جہاں دس شریف ہوتے ہیں وہاں دو چار ذاتِ شریف بھی آجاتے ہیں جی
ہاں.... ہاں تو.... صاحبان....!"

"او.... صاحبان کے بچے۔" اچانک مجمعے کے باہر سے کسی نے کہانی سنانے والے کو للکارا۔

لوگ چونک کر مڑے۔ ایک ڈیوٹی کانسٹیبل پیچھے کھڑا کھانس رہا تھا۔

کھانس چکنے کے بعد اس نے بلغم کا پٹاخہ سڑک پر مارتے ہوئے کہا۔ "آج پھر تو نے یہاں
مجمع لگایا ہے.... ہائیں....!"

"دوسرے جمعدار نے اجازت دے دی تھی جمعدار۔" کہانی سنانے والے نے دانت نکال دیئے۔

"ہٹاؤ.... یہاں سے کاٹھ کباڑ جمعدار کے جنے۔" کانسٹیبل ہاتھ ہلا کر بولا۔

"تم کہانی سناؤ۔" اجنبی نے بازاری دوافروش سے کہا۔

کانسٹیبل اجنبی کو گھورنے لگا۔ لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے تھے۔

"ٹھہرو....!" اجنبی ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "ٹھہر جاؤ کہانی ضرور سنی جائے گی۔ یہ کون ہوتا ہے
روکنے والا۔"

"ابے ہوش میں ہے یا نہیں۔" کانسٹیبل اجنبی پر جھپٹا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ اُس کے دونوں ہاتھوں پر تھا اور ہاتھ اوپر کی طرف اٹھتے
جا رہے تھے۔ اجنبی نے اُسے سر سے بلند کر کے فٹ پاتھ پر پٹخ دیا۔

بھگدڑ مچ گئی۔ دوا فروش کے ڈبے اور مرتبان الٹنے لگے۔

دو چار دوسرے کانسٹیبل اِدھر اُدھر سے دوڑ پڑے۔ اجنبی ان حالات سے بے پرواہ کانسٹیبل کے دوبارہ اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک پانچ کانسٹیبل اُس پر ٹوٹ پڑے۔ دس پانچ راہگیر بھی ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔

لیکن اب اجنبی نے ایک بڑا سا چاقو نکال لیا تھا۔ یکے بعد دیگرے چار پانچ چیخیں فضا میں لہرائیں اور اجنبی حملہ آوروں کے نرغے سے نکل کر سڑک پار کرتا ہوا ایک پتلی سی گلی میں گھس گیا۔

گلی میں اندھیرا تھا اور وہ اپنے پیچھے بھاگتے ہوئے آدمیوں کا شور سن رہا تھا۔ اچانک اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اُس کے آگے بھی بھاگ رہا ہے۔

اُس نے چاقو کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کرلی اور بھاگتا رہا۔

پھر ایک جگہ اُسے جھٹکا سا لگا اور وہ منہ کے بل گرنے کی بجائے بائیں طرف گھسٹتا چلا گیا۔ اُس کے دونوں بازو کسی کی گرفت میں تھے۔

اس جدوجہد میں چاقو اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

”خاموش رہو۔“ اُس نے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنی۔ ”میں تمہارا دوست ہوں۔ میرے ساتھ آؤ.... ورنہ یہ لوگ تمہاری بوٹیاں اڑا دیں گے۔“

اجنبی اپنے ہاتھ چھڑا کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اُس سے دو تین فٹ کے فاصلے پر اندھیرے میں کوئی اور بھی تھا۔

اُس نے پھر نرم لہجے میں کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ دوست....!“

”چلو....!“ اجنبی پھٹی ہوئی سی آواز میں بولا۔

”جلدی کرو۔ وہ آگئے۔“ اُس نے اجنبی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

اندھیرا.... اندھیرے ہی میں اجنبی نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ اندھیرے ہی میں اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ اب بھی دوسرے آدمی کے ہاتھ میں اور باہر کے شور و غل کی آوازیں اب بھی اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

وہ دونوں ایک جگہ رک گئے۔ اجنبی نے قفل میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

ایک دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔

”آجاؤ....!“ دوسرے آدمی نے کہا اور اجنبی ٹٹول کر دروازے میں داخل ہوگیا۔

سوئچ دبنے سے ہلکی سی آواز ہوئی اور کمرہ روشن ہوگیا۔ اجنبی کے سامنے ایک دراز قد آدمی کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر انگریزی وضع کا اعلیٰ ترین لباس تھا اور ہاتھوں میں جواہرات کی انگشتریاں جگمگا رہی تھیں۔ لیکن اس کا چہرہ.... وہ السٹر کے اٹھے ہوئے کالر اور نیچے جھکے ہوئے فلٹ ہیٹ کے گوشے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

”تم بہت بہادر ہو.... بہت دلیر....!“ اُس نے اجنبی کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

اجنبی کوئی جواب دیئے بغیر اُسے گھورتا رہا۔

”تم کون ہو....!“ آخر اجنبی نے پوچھا۔

”تمہارا دوست....! دوست کوئی بھی ہو ہر حال میں فائدہ ہی پہنچاتا ہے۔ تم نے اس وقت چھ آدمیوں کو زخمی کیا ہے اور یہ تو کل ہی معلوم ہوسکے گا کہ ان میں سے کتنے مرگئے۔“

”مرگئے ہوں گے۔“ اجنبی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

”ٹھیک ہے! مجھے اُن کے مرنے یا جینے کی فکر نہیں۔ مگر میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم جیسا دلیر دوست پھر مجھے نہیں ملے گا۔“

”ملے گا کیوں نہیں۔“ اجنبی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ”کیوں مجھے کیا ہو جائے گا۔“

”تمہیں! تمہیں میرے دوست.... اگر پولیس تمہیں پا گئی.... تو تم پھانسی پر لٹکا دیئے جاؤ گے۔“

”دوسری دنیا میں ملیں گے دوست مجھے معلوم ہے کہ تمہارا یہاں کا قانون ایسے لوگوں کو زندہ نہیں رہنے دیتا۔ ورنہ.... ورنہ میں تو اس سے پہلے بھی سترہ آدمیوں کو جان سے مار چکا ہوں۔“

”اوہ....!“

”ہاں دوست....!“ اجنبی نے مسکراتے ہوئے ایک طویل انگڑائی لی۔

”اچھا دوست.... دوست میں تمہارے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔ ”میں تمہیں یہاں سے کہیں اور لے جاؤں گا۔ قانون کے ہاتھ تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔“

اجنبی کچھ نہ بولا۔

پُراسرار دوست

تھوڑی دیر بعد ایک لمبی سی سیڈان تاریک گلیوں سے نکل کر شاہراہ پر آگئی۔ اجنبی پچھلی سیٹ پر تھا اور دوسرا آدمی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اجنبی کی ہیئت بدل چکی تھی۔ اب اس کے جسم پر ایک قیمتی سوٹ تھا اور سر پر لمبے بالوں کی ٹوپی کی بجائے فلٹ ہیٹ.... جن لوگوں کو اس نے تھوڑی دیر قبل زخمی کیا تھا وہ بھی شاید اب اسے نہ پہچان سکتے۔

ان کا سفر آدھے گھنٹے تک جاری رہا.... پھر سیڈان ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

"آؤ دوست....!" دوسرے آدمی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اجنبی گاڑی سے اتر آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ کمرے کی سجاوٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔ جہاں اسے بٹھایا گیا تھا اور وہ آدمی اب وہاں موجود نہیں تھا جو اُسے یہاں لایا تھا۔

وہ زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہا۔ وہ آدمی واپس آگیا لیکن اس کی حالت میں اب بھی کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ اُس کا چہرہ اب بھی اجنبی کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔

"میں نے تمہیں سلور مون ریستوران میں دیکھا تھا۔" اُس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کہاں.... میں نہیں سمجھا۔" اجنبی نے پوچھا۔

"جہاں تم نے کھانا کھایا تھا۔" اُس نے کہا۔ "میں نے وہیں تم کو اپنی دوستی کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ پھر جب میں نے تمہیں مشکلات میں گھرا ہوا دیکھا تو .... میں .... اور دیکھو دوست .... ریستوران میں میں نے صرف یہ سوچا تھا کہ تم سے دوستی کروں اور جب تمہیں پریشانی میں دیکھا تو مجھے تم سے اتنی ہی محبت معلوم ہوئی جتنی ایک پرانے دوست کے لئے معلوم ہونی چاہئے۔"

"میں تمہارا شکر گذار ہوں دوست۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "اور تم مجھے.... غیر وفادار دوست نہ پاؤ گے۔"

"میں بے غرض محبت کرتا ہوں۔" اُس آدمی نے کہا۔

"پرواہ نہ کرو۔" اجنبی بولا۔ "میں ناسپاس نہیں ہوں۔"

"اب میں اپنے دوست کے متعلق جاننا چاہوں گا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔"

"میں.... نصرت ہوں.... نصرت جلال.... میں کسی کو نہیں بتاتا کہ میں کون ہوں۔ لیکن تم.... تم میرے دوست ہو۔ تم نے خان جلال کا نام سنا ہے۔"

"خان جلال.... نام تو سنا ہے۔"

"خان مقلاق....!" اجنبی نے کہا۔

"خان مقلاق.... ہاں ہاں....!" دوسرا آگے جھک آیا۔

"میں خان مقلاق کا بیٹا ہوں.... نصرت جلال.... چھوٹا خان مقلاق۔"

"کسی ہمدرد دوست کو دھوکا دینا بُری بات ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیا مطلب....!" اجنبی کی بھنویں تن گئیں۔

"یہی کہ تم ایک غلط بات کہہ رہے ہو۔"

"مجھے جھوٹا کہنے والا زندہ نہیں رہتا۔" اجنبی اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن پھر سنبھل کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "معاف کرنا.... میں تمہیں دوست کہہ چکا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "تم بڑے غصہ ور معلوم ہوتے ہو۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی اصلیت کسی کو نہ بتاتا لیکن... تم میرے دوست ہو۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ خان مقلاق بہت بڑا آدمی ہے۔ آزاد علاقے کا حکمران۔ اس کا بیٹا.... اس طرح.... میرا مطلب ہے کہ اگر خان مقلاق کا بیٹا یہاں آتا تو حکومت اُس کے لئے خاص قسم کے انتظامات کرتی۔"

"میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔" اجنبی نے برجستہ کہا۔ "خان بابا.... نے....!"

وہ یک بیک خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔ پھر جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم کیسے دوست ہو۔ میں نے ابھی تک تمہاری شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"اوہو.... تو اس سے ہماری دوستی پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"مہربانی کر کے اپنی ٹوپی اتارو اور کالر نیچے گرا دو۔ ورنہ میں زبردستی....!"

"نہیں پیارے دوست.... نصرت خاں۔" اُس کی آواز دردناک ہو گئی۔ "تم میری صورت کبھی نہ دیکھ سکو گے.... کبھی نہیں! میری صورت آج تک کسی نے نہیں دیکھی۔ میں ایک

بدنصیب آدمی ہوں۔ میرا چہرہ اتنا بدنما ہے کہ تم اس پر تھوک دو گے۔ یہاں سے چلے جاؤ گے مجھ سے نفرت کرو گے اور میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ میں محبت کا بھوکا ہوں۔ پیار چاہتا ہوں۔ مجھے اس کیلئے مجبور نہ کرو۔ پیارے دوست.... نصرت خاں.... اور مقلاق کے آٹھویں خان اعظم....!"

"اوہ تو تمہیں یقین آگیا کہ میں چھوٹا خان ہوں۔"

"مجھے یقین ہے دوست.... میں ایک بار خان اعظم سے مل چکا ہوں۔ تم اُن سے بہت مشابہ ہو۔"

"ٹھیک....!" اجنبی ہنس کر بولا۔ "لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں ڈاڑھی رکھ لوں اور وہ سفید ہو جائے تو میں خان بابا کا ہم شکل ہو جاؤں گا۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں نصرت خان.... تم خانِ اعظم کے اکلوتے بیٹے ہونا۔"

"ہاں.... یہ درست ہے۔"

"لیکن تم.... اس حال میں یہاں کیوں۔"

"رازداری کی قسم کھاؤ تو بتادوں۔"

"میں سڑتی ہوئی تین ہزار لاشوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارا راز ہمیشہ راز ہی رہے گا۔"

"یہ کیسی قسم تھی! تمہارا مذہب کیا ہے۔" اجنبی اُسے گھورنے لگا۔

"میرا مذہب....!" اُس نے سر ہلا کر کہا۔ "میرا مذہب وہی ہے جو.... خیر ہٹاؤ! تمہیں شائد اُس قسم پر اعتراض ہے جو میں نے ابھی کھائی ہے۔"

اجنبی کچھ نہ بولا۔ وہ اُسے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ قسم....!" اس پراسرار دوست نے کہا۔ "یہ قسم وہی ہے جو ہزاروں سال سے طاقتور لوگ کھاتے آئے ہیں۔ میرا مذہب.... قوت ہے.... میری جنت خونریزی ہے اور میرا جہنم پلنگ ہے جس پر کمزور آدمی ایڑیاں رگڑ کر مرتے ہیں۔"

"تم عجیب ہو۔" نصرت خان ہنسنے لگا۔

"اور میں نے تمہیں اس لئے دوست بنایا ہے۔" وہ کہتا رہا۔ "اسی لئے یہاں لایا ہوں کہ تم دلیر ہو اور جس وقت اپنے شکار پر جھپٹتے ہو تمہارے دل میں رحم کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ کیا تمہارا مذہب بھی وہی ہے جو میرا ہے۔"

"نہیں بھئی! میں خدا پرست ہوں اور خدا کا بندہ۔" نصرت خاں بولا۔

"میں بھی خدا کا بندہ ہوں۔" اس کے پراسرار دوست نے کہا۔ "اور وہ بڑی مچھلی بھی خدا کی بندی ہے جو چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے.... نہیں نصرت خاں.... تم میرے مذہب سے الگ نہیں ہو۔"

"اوئے.... خدائی خوار.... تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" نصرت خان ہنسنے لگا۔

"میں فی الحال اور کچھ نہیں کہنا چاہتا سوائے اس کے کہ میں تمہارا راز افشاء نہیں کروں گا۔"

نصرت خان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"خان بابا.... بہت سخت گیر آدمی ہیں اور اب میں بچہ نہیں ہوں۔ انہوں نے مجھے قید کر رکھا تھا۔ ہمارے ادنیٰ ملازم بھی چار چار عورتیں رکھتے ہیں لیکن میں.... مجھے بچپن سے اب تک عورتوں سے دور رکھا گیا ہے۔ میں دنیا دیکھنا چاہتا تھا مجھے مقلاق کے قلعے کی دیواروں سے نفرت ہوگئی تھی۔ میں وہاں سے چھپ کر نکل آیا اور اب میں وہاں کبھی واپس نہیں جاؤں گا۔ کبھی نہیں۔ خان بابا پاگل ہو گیا ہے۔ مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ اس نے قتل کرا دیا تھا۔ وہ بہت حسین تھی دوست بہت حسین۔ میں اُسے ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ مجھے خان بابا سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں اب وہاں کبھی نہ جاؤں گا۔ میں مقلاق کا آٹھواں خان نہیں بننا چاہتا۔ میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کے سمندر چھان ماروں۔"

"پرواہ مت کرو۔" اُس کے پُراسرار دوست نے کہا۔ "تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ میں تمہارے خان بابا سے بھی زیادہ طاقت ور اور اختیار رکھتا ہوں۔"

"آخر تم ہو کون....!" نصرت خان نے حیرت سے کہا۔

"میں طاقت ہوں۔"

"پٹھان ہو.... طاقت خان....!"

اُس کا دوست ہنسنے لگا۔

"چھوڑو.... میں کچھ بھی ہوں اُسکی پرواہ نہ کرو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ آج سے تم ایک نئی زندگی اور ایک نئی دنیا میں قدم رکھ رہے ہو۔ تمہاری محبوبہ بہت حسین تھی لیکن تم اسے بھول جاؤ گے۔"

"کبھی نہیں بھولوں گا۔" نصرت خان کو غصہ آگیا۔

"بھول جاؤ گے۔ اچھا اٹھو..... میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں دکھاؤں حسن کسے کہتے ہیں
تم اُس ایک عورت کے لئے رنجیدہ ہو۔ طاقت تمہارے لئے ہزار عورتیں مہیا کرے گی۔"

"کرے گی..... طاقت خان کرے گی ہاہا.....!" نصرت خان ہنسنے لگا۔ "چلو میں چلتا ہوں۔"

ایک بار پھر وہ اُسی سیڈان میں سفر کر رہے تھے۔

"مجھے اپنا چہرہ دکھا دو۔" نصرت خان بولا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے نفرت نہیں کروں گا۔"

"میرے دوست تم مجھے دکھ پہنچا رہے ہو..... اور میں اپنے کسی دوست سے اس کی توقع نہیں رکھتا مجھے معاف کر دو۔"

"اچھا دوست.....!" نصرت خان ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اب کبھی اس کی خواہش نہیں کروں گا۔"

"شکریہ! تم بہت اچھے ہو۔"

گاڑی پھر ایک شاندار عمارت کے سامنے رک گئی۔

نصرت خان کے پُر اسرار دوست نے کہا۔ "جاؤ..... یہ پُر مسرت رات تمہارے لئے اپنے بازو کھولے ہوئے ہے۔"

نصرت خان کار سے اتر کر عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا اور سیڈان آگے بڑھ گئی۔ نصرت خان پورچ میں پہنچ کر رک گیا۔ پھر جیسے ہی برآمدے میں پہنچنے کے لئے سیڑھیاں طے کرنے لگا دو لحیم شحیم آدمی صدر دروازے سے اس کی طرف جھپٹے۔

"طاقت.....!" نصرت خان آہستہ سے بڑبڑایا اور وہ دونوں الٹے پاؤں پیچھے کھسکتے ہوئے صدر دروازے کے اِدھر اُدھر کھڑے ہو گئے۔

نصرت خان بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ راہداری کافی طویل تھی اور اس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ راہداری کا اختتام ایک دروازے پر ہوا۔ دروازے کے اُس طرف سامنے ہی ایک پستہ قد آدمی جس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح سپاٹ اور چکنا تھا کھڑا سگار پی رہا تھا۔ نصرت کو دیکھتے ہی اُس نے سگار فرش پر پھینک کر اُسے جوتے سے مسلتے ہوئے قدرے جھک کر کہا۔ "خوش آمدید"

نصرت جواباً سر کو خفیف جنبش دے کر مسکرایا۔

اب وہ کافی طویل و عریض ہال میں کھڑا تھا۔

ہال میں کچھ لوگ چاقو پھینکنے کی مشق کر رہے تھے۔ نصرت انہیں بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ گنجا آدمی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روک دیا۔ نشانہ بازوں نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ کوئی نیا آدمی بھی وہاں موجود ہے۔ وہ بدستور چاقو پھینکنے میں مشغول رہے مگر نصرت نے ایک کو بھی کامیاب ہوتے نہیں دیکھا۔ کسی کا چاقو اب تک ٹارگٹ کے اُس دائرے میں نہیں پڑا تھا جس کے لئے وہ کوشاں تھے۔

"یہ بڑا دلچسپ مشغلہ ہے۔" نصرت گنجے میزبان کی طرف مڑ کر بولا۔

"جی حضور.....!"

"کیا میں بھی کوشش کروں۔"

"ضرور..... ضرور..... کیا میں حضور کے نام کا اعلان کر دوں۔"

"میرا نام..... ضرغام ہے۔" نصرت بولا۔ "یہ نام دراصل اُس کے پُر اسرار دوست کا منتخب کیا ہوا تھا۔ اُس نے اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنی اصلیت کسی پر بھی ظاہر نہ کرے۔"

"طاقت کے نئے دوست" گنجے نے بلند آواز میں کہا۔ "مسٹر ضرغام! اب اپنی مشاقی کا مظاہرہ کریں گے۔"

دوسر لوگ ایک طرف ہٹ گئے۔ نصرت نے کشتی سے ایک چاقو اٹھایا۔ ٹارگٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس میں کئی دائرے تھے اور اُن کا قطر دو انچ تھا۔

"نیلا دائرہ۔" نصرت نے کہا اور دوسرے ہی لمحے میں چاقو اُس کے ہاتھ سے نکل کر نیلے دائرے میں پیوست ہو گیا۔ اُس نے دوسرا چاقو اٹھایا۔

تھوڑی دیر بعد ہر دائرے میں ایک ایک چاقو پیوست نظر آنے لگا۔

نشانہ بازوں میں سے کئی اُسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

پھر اچانک سارا ہال بینڈ کی موسیقی سے گونجنے لگا۔ نصرت بوکھلا کر آواز کیطرف مڑا۔ ہال کے دوسرے سرے پر ایک دروازے سے نیم عریاں انگریز لڑکیوں کی ایک قطار برآمد ہو رہی تھی۔

پندرہ نیم عریاں لڑکیوں کا رقص۔ نصرت کے ہاتھ سے آخری چاقو چھوٹ کر فرش پر جا گرا۔ لڑکیوں کی قطار آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھتی آ رہی تھی۔ نصرت پتھر کے بت کی

طرح کھڑا رہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور کانوں کی لویں خون اگلتی معلوم ہو رہی تھیں۔

لڑکیاں اُس کے گرد دائرہ بنا کر ناچنے لگیں۔ لاؤڈ اسپیکر سے موسیقی منتشر ہو رہی تھی۔ اُ
کے گرد پندرہ حسین ترین لڑکیاں ناچ رہی تھیں اور ہال میں سولہواں متنفس وہ خود تھا۔ ننگے
بازوؤں اور گنجے میزبان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اچانک ہال کے سارے قمقمے بجھ گئے اور اندھیرے میں
سریلے قہقہوں اور چیخوں نے یلغار کر دی۔

طاقت

سردیوں کی شفاف چاندنی جنگل پر بکھری ہوئی تھی۔

کرنل فریدی نے اپنی شاندار کیڈیلاک سڑک کے نیچے اتار دی۔ نکھری ہوئی چاندنی میں سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل بڑا پُرکشش معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی کار سے اتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے پچھلی نشست کی کھڑکی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم زندہ ہو یا مر گئے۔"

"اس سردی میں مرنے سے بھی احتراز نہ کروں گا۔" اندر سے آواز آئی اور یہ آواز کیپٹن حمید کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔ اُس نے دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے کہا۔ "کیا گاڑی دھکا دینا پڑے گا۔"

"رسی نکالو۔"

"دیکھیے! اگر میں گر کر مر گیا تو تمام تر ذمہ داری آپ پر ہو گی۔" حمید نے کہا۔ "میرے ہاتھ اور پیر بُری طرح ٹھٹھر گئے ہیں اور اگر اس وقت میں نے درخت پر چڑھنے کی حماقت کی تو سیدھا تحت الثریٰ میں پہنچ جاؤں گا۔"

"رسی نکالو....!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

حمید نے کار سے ایک موٹی سی رسی کا لچھا نکال کر زمین پر پٹخ دیا۔

"میں تمہیں درخت پر نہیں چڑھاؤں گا۔" فریدی نے کہا اور رسی کا لچھا اٹھا کر ایک طرف چلنے لگا۔

حمید نے حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور وہ بھی اُس کے ساتھ اس طرح چلنے لگا جیسے اُسے کوئی پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔

سڑک کے دونوں طرف کچھ اس قسم کی جھاڑیاں تھیں جنہیں پار کرنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ کانٹے دار جھاڑیاں تھیں اور اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اندر کی طرف اُن کا پھیلاؤ کتنا ہو گا۔

"مجھے بتائیے۔ آخر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تم پرواہ نہ کرو۔ رسی اٹھا لینے کے بعد تم یہاں سے چپ چاپ کھسک جاؤ گے سمجھے۔ پھر یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔"

فریدی نے ایک جگہ رک کر رسی کا لچھا کھولا اور اُس کے سرے پر پھندا بنانے لگا۔

حمید حلق سے بے تکی آوازیں نکالتا ہوا اپنی گردن مسل رہا تھا۔

فریدی نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ رسی کا پھندا ایک درخت کی ایک موٹی سی شاخ میں پڑ چکا تھا اور اب وہ رسی کو جھٹکے دے کر اُس کی مضبوطی کا اندازہ کر رہا تھا۔

"اب کب ملاقات ہو گی۔" حمید نے رو دینے والی آواز میں پوچھا اور فریدی کو بیساختہ ہنسی آ گئی۔

"میں بالکل مایوس ہو گیا ہوں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

اُس نے فریدی کو رسی پر چڑھتے دیکھا اور اپنا سر کھجانے لگا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ چلو اچھا ہی ہوا۔ جب تک ملاقات نہ ہو بہتر ہی ہے۔ آج کل کرنل فریدی روز ہی نت نئی حرکتیں کر رہا تھا۔ اور پھر وہ ان کا مقصد بھی نہیں بتاتا تھا۔

فریدی درخت پر پہنچ چکا تھا۔ رسی حمید کے پیروں کے پاس آ گری۔ اس نے اُسے تہہ کر کے اٹھایا اور کیڈی میں آ بیٹھا۔

انجن اسٹارٹ کر دینے کے بعد بھی وہ تھوڑی دیر تک ساکت و صامت بیٹھا رہا حالانکہ فریدی نے تاکید کر دی تھی کہ وہ یہاں سے فوراً چلا جائے۔ حمید دراصل اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ اس وقت شہر سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک ویرانے میں تھا۔ گھر سے چلتے وقت جب فریدی نے رسی کی فرمائش کی تھی تو صرف یہ بتایا تھا کہ ایک درخت پر چڑھنا ہو گا۔ مگر اس حماقت کا مقصد کیا تھا؟ اُسے حمید بار بار ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی نہ سمجھ سکا۔

آخر کیڈی چل پڑی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ اس لئے حمید بے کھٹکے اُسے زیادہ سے زیادہ

رفتار سے چلا رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہ سب کچھ بھول گیا کیونکہ سردی کی شدت نے خود اُسی کے خیال کے مطابق اُس کی کھوپڑی تک منجمد کردی تھی۔

وہ جلد سے جلد شہر پہنچنا چاہتا تھا۔ سردی کی شدت کے باوجود بھی چاندنی بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ حمید کو اس کا بھی احساس تھا.... مگر سردی.... وہ چیخ چیخ کر گانے لگا۔ محض اس خیال سے کہ چیخنے سے جسم میں گرمی آتی ہے۔ حمید اچھا گا لیتا تھا لیکن اب اسے وہ کیا کرتا کہ سردی کی وجہ سے ہر بول کی دھن انگریزی ہوتی جارہی تھی۔

خداخدا کرکے وہ شہر پہنچا۔ راستے میں سب سے پہلے ہائی سرکل نائٹ کلب ہی ایک ایسی جگہ ملتی تھی جہاں وہ اپنے ٹھٹھرے جسم کو گرمی پہنچا سکتا تھا۔

اُس نے کیڈی کمپاؤنڈ میں کھڑی کردی اور کلب کی عمارت میں گھس گیا۔ گیارہ بج چکے تھے اور یہی وقت کلب کی رونق کا تھا۔

اسے ایک بھی میز خالی نہ دکھائی دی۔ لیکن ایسا بھی کیا تھا کہ وہ وہاں سے یونہی رخصت ہو جاتا۔ اس نے منیجر کے کمرے کا رخ کیا۔

ہائی سرکل کا منیجر اس کے خاص شکاروں میں سے تھا۔ وہ حمید کو شعر سناتا تھا۔ جب شعر نہیں سوجھتے تھے تو نثر ہی میں مکھن لگانا شروع کردیتا تھا اور اس کا ایمان تھا کہ حمید کی ناخوشی اس کے لئے ایسے لمحات لاسکتی ہے جو مسندِ عشق پر بھی پھانسی کے تختے کا مزہ دیں۔

وہ حمید کو اپنے آفس میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

"آخاہ! کپتان صاحب! واللہ بڑے موقعے سے تشریف لائے۔" وہ اس کی پیشوائی کے لئے اٹھتا ہوا بولا۔

"بور مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔ وہاں کوئی میز خالی نہیں ہے۔ اس لئے میں یہیں بیٹھ کر کافی پیوں گا۔ ذرا جلدی سے کافی منگواؤ۔ خوب گرم ہونی چاہئے ورنہ کافی پاٹ کسی شاعر کے سر پر پھوٹے گی۔" حمید ایک کرسی میں گرتا ہوا بولا۔

"ضرور.... ضرور.... جناب.... سر آنکھوں پر.... مگر اس ٹھٹھرا دینے والی رات میں آپ تنہا ہیں.... مجھے حیرت ہے.... بقول شاعر....!"

"نہیں شاعر نہیں.... کافی جلدی کرو۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"ابھی لیجئے۔" منیجر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجانے لگا۔

ایک ویٹر کمرے میں داخل ہوا اور کافی کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

منیجر حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ آنے والے لمحات خود اُس کی دانست میں اس کے لئے بہتر نہیں ہوسکتے تھے۔ ہائی سرکل نائٹ کلب میں حمید کا داخلہ ہمیشہ اس کے لئے کسی نہ کسی پریشانی کا باعث بن جایا کرتا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو۔" اچانک حمید اسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں! کچھ بھی نہیں.... میں یہ سوچ رہا تھا کہ آج آپ کے انداز بڑے شاعرانہ قسم کے ہیں۔ آہ بالکل عاشق نامراد و مہجور کے لئے۔ وہ جو ہجر کی سنسان راتوں میں تڑپتا رہا ہو۔ اوہ کپتان صاحب آج آپ کے چہرے پر بڑا سوز و گداز ہے.... آہ.... میں سمجھا.... بیوفائی.... محض بیوفائی کسی ستم گر نے آپ کے دل کے ٹکڑے کردیئے ہیں.... بقول شاعر....!"

حمید منہ پھاڑے اُسے گھورتا رہا اور پھر جیسے ہی اُس نے شعر پڑھنے کا ارادہ کیا حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"اگر تم نے آج مجھے ایک بھی شعر سنایا تو اس عمارت میں زلزلہ آجائے گا سمجھے۔"

"میں سمجھ گیا جناب۔" منیجر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "یقیناً آپ پر کسی ستم گر نے ظلم ڈھایا ہے۔"

"ستم گر کے چچا! ابھی تک کافی نہیں آئی۔"

"اوہ.... ٹھہریئے.... میں خود دیکھتا ہوں۔" منیجر نے کہا اور اُٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

اُس کے جانے کے چند ہی لمحوں کے بعد ایک اینگلو انڈین لڑکی آفس میں داخل ہوئی اور حمید کی طرف دیکھے بغیر مڑ کر دفتر کا دروازہ بند کرنے لگی۔

پھر دروازہ بند کرکے اُس طرف مڑتے ہی وہ کچھ چونک سی پڑی۔

"منیجر کہاں ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"تشریف رکھئے.... وہ ابھی آتے ہیں۔"

لڑکی بیٹھ گئی۔

حمید نے اس پر تفصیلی نظر ڈالی اور ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کی قسمت پر عش عش کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ جس انداز میں اس نے دفتر میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا تھا وہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ منیجر سے کافی بے تکلف ہے۔

لڑکی بہت حسین اور پُرکشش تھی۔

اتنے میں کسی نے آفس کے دروازے کا ہینڈل باہر سے گھمایا۔ دروازہ کھل گیا اور منیجر کی بوکھلائی ہوئی شکل دکھائی دی۔

"اوہو....!" وہ اندر گھستا ہوا بولا اور اس طرح درمیان ہی میں رک گیا جیسے پرانی کہانیوں والے کسی شہزادے کی طرح پتھر کا ہو گیا ہو۔

"منیجر....! پلیز یہ تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔" حمید اُسے معنی خیز انداز میں آنکھ مار کر بولا۔

"اوہ....ہا....ہاں...." منیجر دونوں ہاتھ پھیلا کر لڑکی کی طرف بڑھا۔

"کیا تم بہت مشغول ہو۔" لڑکی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں تو.... بالکل نہیں۔"

لڑکی حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"اوہ کیا میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... نہیں....!" لڑکی مسکرائی۔ "آپ بیٹھئے.... میں تو یونہی .... بس چلی آئی وہاں ہال میں کوئی میز خالی نہیں تھی۔"

"اچھا....اچھا.... میں بھی اسی اتفاق کا شکار ہوں۔" حمید نے منیجر کی طرف مڑ کر کہا۔ "بڑے کافی پاٹ کے لئے کہہ دو....اور تین کپ۔"

منیجر کچھ اس درجہ بوکھلایا ہوا تھا کہ میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجانے کی بجائے سرپٹ باہر نکل گیا۔

"کیا آپ میرے لئے تکلیف کر رہے ہیں۔" لڑکی نے حمید سے کہا۔

"کیسی تکلیف.... بھلا اس میں تکلیف کیسی۔ ایسی خطرناک سردی میں کسی کو کافی پیش کرنا تکلفات میں سے نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ شکریہ! سردی تو واقعی بہت زیادہ ہے۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ویٹر نے اندر آکر کہا۔ "آپ کو ایک صاحب یاد فرما رہے ہیں۔"

"مجھے....!"

"جی ہاں....!"

"میں ابھی حاضر ہوا۔" حمید لڑکی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ لیکن وہ ایک صاحب جنہوں نے اُسے یاد فرمایا تھا منیجر کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

"اس حماقت کا مطلب....!" حمید بھنا کر بولا۔

"میں صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا جناب کپتان صاحب کہ آپ اُس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"کیا وہ تمہاری محبوبہ ہے پیارے منیجر۔"

"آپ کو اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے جناب۔"

"اگر وہ تمہاری محبوبہ ہے تو مجھے افسوس ہوا۔ تم اسکے قابل نہیں ہو۔ کیا عمر ہوگی تمہاری۔"

"آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔"

"نہیں! میرا خیال ہے کہ تم پینتالیس کے ضرور ہو گے۔"

"کپتان صاحب۔"

"اور وہ چوبیس سے زیادہ نہیں ہو گی۔ میرا دعویٰ ہے۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔"

"کچھ بھی نہیں۔ میں تمہارا بھلا ہی چاہوں گا۔"

"آپ براہِ کرم.... میں یہاں ہال میں ایک میز کا انتظام کئے دیتا ہوں۔"

"کچھ بھی ہو۔ وہ کافی میرے ساتھ پئے گی۔ میں اُسے مدعو کر چکا ہوں۔ ارے جان کیوں نکل رہی ہے۔ کیا مجھے ڈاکو سمجھتے ہو۔"

"دیکھئے میں اسے پسند نہیں کرتا۔"

"مجھے تمہاری پسند کی پرواہ نہیں۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ انتخاب غلط ہے۔ تم چالیس سے اوپر ہو اس لئے کم سے کم تیس سال کی محبوبہ ہونی چاہئے۔ اچھا میری عمر کے متعلق تمہارا کیا اندازہ ہوگا۔"

"حمید صاحب....!" منیجر دانت پیس کر بولا۔ "اتنا یاد رکھئے کہ چیونٹی بھی دب کر کاٹ ہی

لیتی ہے۔"

"اس لئے میں نے آج تک کسی چیونٹی سے عشق نہیں کیا۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا.... تینوں وہیں کافی پئیں گے ورنہ دوسری صورت میں کیا فائدہ کہ تمہاری محبوبہ تمہاری حالت قہقہے لگانے پر مجبور ہو جائے۔ ہاں شاباش....!"

حمید نے کہا اور اُس کا جواب سنے بغیر وہاں سے چل دیا۔

آفس میں اینگلو انڈین لڑکی ایک آرام کرسی پر نیم دراز چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید نے آفس میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ لڑکی بدستور آرام کرسی میں پڑی رہی۔

"معاف کیجئے گا۔" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"اوہو! کوئی بات نہیں۔" حمید نے سنجیدگی اور بھولے پن کے ساتھ کہا۔

منیجر بہت اچھا آدمی ہے۔ اُسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"جی ہاں....!" لڑکی مسکرائی۔ "ہم دونوں گہرے دوست ہیں۔"

"اوہ تب تو آپ مجھے بھی.... اپنا گہرا دوست سمجھئے۔ کیونکہ منیجر سے میرے تعلقات بہت پرانے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔"

"مجھے حمید کہتے ہیں۔"

"میں ڈالی ہوں۔"

"ڈالی.... واہ کتنا حسین نام ہے۔" حمید نے کہا اور منیجر کی طرف دیکھنے لگا جو دروازے میں کھڑا احمقوں کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ حمید اُسے آنکھ مار کر بولا۔

"یہ نام سن کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ مدھم سروں میں کسی نے ستار چھیڑ دیا ہو اور دور کسی ویرانے میں....!"

منیجر پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ لیکن لڑکی اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولی۔

"اوہ آپ تو شاعر معلوم ہوتے ہیں۔"

"شاعر تو وہ ہیں۔" حمید نے منیجر کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ.... منیجر کی شاعری۔" لڑکی نے قہقہہ لگایا۔ "یہ مجھے اردو میں شعر سنا کر انگریزی میں

اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ پتہ نہیں ٹھیک کرتے ہیں یا غلط میں تو غلط ہی سمجھتی ہوں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔"

"کوئی ترجمہ سنے بغیر خیال کس طرح ظاہر کیا جاسکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تم وہاں کیوں کھڑے ہو۔" لڑکی نے منیجر سے کہا۔

"کافی آرہی ہے۔" منیجر مردہ سی آواز میں بولا۔ "اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ برسوں کا بیمار نظر آنے لگا تھا۔"

حمید کی صلاحیتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ یہیں اپنے کلب ہی میں اُس نے مختلف اوقات میں حمید کے ساتھ مختلف لڑکیاں دیکھی تھیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حمید تھوڑی ہی دیر میں نہ صرف خود لڑکیوں سے بے تکلف ہو جاتا ہے بلکہ انہیں بھی بے تکلفی پر مجبور کر دیتا ہے۔

وہ بڑی بے دلی سے آگے بڑھا اور ایک کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

اتنے میں کافی بھی آگئی۔ حمید نے تین کپ تیار کئے۔

"اوہو....! واقعی آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔" لڑکی نے کافی کا کپ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کی دانست میں مجھے تکلیف ہوئی ہے۔" حمید نے منیجر سے پوچھا۔

اُس نے کوئی جواب نہ دیا لیکن کافی کا کپ لے کر اس طرح ہونٹوں سے لگالیا جیسے حمید کا خون پینے جارہا ہو۔

"ہاں.... آپ کسی شعر کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔" حمید نے لڑکی سے کہا اور وہ منیجر کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی لیکن پھر جلد ہی سنجیدہ بھی ہو گئی وہ کس حد تک منیجر کے جذبات کا پاس کرتی تھی مگر اس کی وجہ حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ وہ سوچنے لگا کیا حقیقتاً لڑکی بھی اس کھوسٹ میں دلچسپی لے رہی ہے۔

لڑکی اچانک خاموش اور فکر مند ہو گئی تھی۔ اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُسے منیجر کے سلسلے میں اپنے رویئے پر ندامت ہو۔ پھر کافی پینے کے دوران میں وہ ایک بار بھی نہیں بولی اور کافی ختم کر چکنے کے بعد اٹھ ہی گئی۔

"مجھے جلدی ہے۔" اس نے حمید سے کہا۔ "امید ہے کہ پھر ملاقات ہوگی۔"

"ضرور.... ضرور....!" حمید نے جواب دیا لیکن اب اُس کے انداز میں کافی بے تکلفی پیدا

ہو گئی۔ لڑکی کے ساتھ ہی منیجر بھی باہر چلا گیا۔ حمید وہیں بیٹھا رہا۔ اچانک اُس کی نظر ایک ریشمی رومال پر پڑی جو اُسی آرام کرسی پر پڑا ہوا تھا۔ جس پر لڑکی تھی۔ حمید نے اُسے غیر ارادی طور پر اٹھالیا۔ ایک لطیف سی خوشبو اُس کے دماغ میں گونج کر رہ گئی۔

رومال کے نیچے ایک چھوٹی سی سنہری ٹکیہ پڑی بجلی کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ حمید نے اسے بھی اٹھالیا۔ اُس کا قطر قریب قریب چونی کے برابر ضرور ہوگا اور ٹکیہ سونے کی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اُس سنہرے سکے پر ایک طرف "طاقت" تحریر تھا اور دوسری طرف ایک مہر تھی۔ بالکل اُسی قسم کی مہر جیسی سرکاری کرنسی میں ہوتی ہے۔ لیکن وہ سنہرا سکہ.... رائج الوقت سکوں میں سے نہیں تھا۔

غیر مہذب آدمی

یہ سکہ! اس سے قبل بھی کئی بار حمید کی نظر سے گذر چکا تھا۔ اُس نے اُسے فریدی کے پاس دیکھا تھا۔ وہ اکثر فرصت کے اوقات میں کافی غور وخوض کے ساتھ اس کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ اُس کے متعلق استفسار پر حمید نے اسے بارہا بڑبڑاتے سنا تھا۔ "ہوسکتا ہے کہ سنہری ٹکیہ کسی بہت بڑے حادثہ کا پیش خیمہ ہو۔"

بس اتنا ہی۔ اُس کے بارے میں وہ یہی ایک جملہ کئی بار سن چکا تھا اور اس وقت اسی قسم کا ایک دوسرا سکہ دیکھ کر وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

باہر قدموں کی آہٹ ہوئی اور حمید نے سکہ اور رومال جیب میں ڈال لئے۔ آنے والا منیجر ہی تھا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" وہ اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"مائنڈ دیٹ مائی ڈیئر۔" حمید اُسے انگلی دکھاتا ہوا بولا۔ "میں لاحول سے بھاگنے والے شیطانوں میں سے نہیں ہوں۔"

"کپتان صاحب! میں آپ کو اپنا دوست سمجھتا تھا۔ آپ کے لئے خلوص رکھتا تھا۔ آپ نے میرے اعتماد کو ٹھیس لگائی ہے۔ بقول شاعر....!"

"یقیناً اس وقت کا شاعر کوئی مرثیہ گو ہوگا۔ اس لئے معاف رکھو۔"

دوران گفتگو میں حمید نے جیب سے وہی رومال نکال لیا جو اسے آرام کرسی پر ملا تھا۔ لیکن منیجر نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ حمید اُسے بار بار اپنے چہرے کے قریب نچانے لگتا۔

منیجر کہہ رہا تھا۔ "آپ اتنے دنوں کے تعلقات کا بھی پاس نہیں کرتے۔"

"کیا.... کیا ہے میں نے.... بتاؤ.... کیا کیا ہے میں نے۔" حمید بھی جھنجھلا گیا۔

"آپ نے؟ خیر میں کچھ نہ کہوں گا۔ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔" منیجر غم ناک لہجے میں بولا۔

حمید نے جیب سے وہی سکہ نکالا اور اُسے چٹکی میں لے کر میز کے گوشے کو آہستہ آہستہ کھٹکھٹانے لگا۔ منیجر نے اُسے دیکھا لیکن اس کے انداز میں کچھ اس قسم کی بے تعلقی تھی جسے بناوٹی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ حمید نے اُسے وہ سکہ اچھی طرح دکھادیا لیکن پھر بھی منیجر کے رویئے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

بہر حال حمید کو یقین ہوگیا کہ وہ سکہ اور رومال منیجر کے نہیں ہوسکتے۔ حمید نے اُسے احتیاط سے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا اور رومال کو منیجر کی نظر بچا کر اُسی آرام کرسی پر ڈال دیا جس پر سے اُسے اٹھایا گیا تھا۔

پھر اس کا ذہن اس طلائی سکے میں الجھ کر رہ گیا.... کیا وہ اسی لڑکی کا تھا؟ رومال تو یقیناً لڑکی ہی کا تھا کیونکہ وہ اسے اس کے ہاتھ میں بھی دیکھ چکا تھا مگر سکہ۔

"ڈالی کہاں رہتی ہے۔" وہ اچانک منیجر سے پوچھ بیٹھا۔

"میں نہیں جانتا۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔

دفعتاً حمید سنجیدہ ہو گیا۔ اب وہ اس معاملے کو مذاق ہی تک محدود نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اُسے اس سکے کے متعلق معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اس سکے کی مہر اسے اس معاملے میں سنجیدہ ہونے پر مجبور کر رہی تھی۔ یہ مہر دراصل اسی کے ملک کا سرکاری نشان تھی اور ملکی کرنسی کے علاوہ سرکاری کاغذات میں بھی استعمال ہوتی تھی اور عام آدمیوں کے لئے اس کا استعمال قطعی غیر قانونی تھا۔ ورنہ حمید یہ بھی سمجھ سکتا تھا کہ وہ ٹکیہ سونے کی تجارت کرنے والی کسی فرم سے تعلق رکھتی ہوگی۔

بہر حال حمید قطعی سنجیدہ ہو گیا۔

"اگر میرے اس رویئے سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو مجھے افسوس ہے میں صرف مذاق کے موڈ

میں تھا۔ تم تو میری عادت سے واقف ہو۔ اب میں اس مسئلے پر تم سے کبھی کوئی گفتگو نہ کروں گا۔"

منیجر نے اُسے غور سے دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں سچ کہتا ہوں یہ محض مذاق تھا۔" حمید نے دوبارہ سنجیدگی سے کہا۔ "میں تو صرف تمہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ تمہاری چڑچڑاہٹ مجھے بہت پسند ہے۔"

حمید پھر ہنسنے لگا۔ اس بار منیجر بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا لیکن وہ ہنسی خوش دلی کی علامت نہیں تھی۔ وہ زبردستی ہنس رہا تھا۔

حمید تھوڑی دیر تک بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ پھر چند رسمی جملے کہتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

اُسے دراصل اُس ویٹر کی تلاش تھی جو لڑکی کی موجودگی میں آفس میں آیا تھا۔ وہ اُسے ہال ہی میں ایک جگہ مل گیا۔ حمید اُسے اشارے سے بلا کر آگے بڑھ گیا۔

دونوں آگے پیچھے بلیرڈ روم میں داخل ہوئے۔ حمید نے جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"فرمائیے۔" ویٹر نے نہایت ادب سے پوچھا۔

"یہ تمہارا انعام ہے۔"

ویٹر متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں صرف تھوڑی سی معلومات چاہتا ہوں۔" حمید بولا۔

"فرمائیے جناب۔"

"کیا وہ لڑکی کلب کی مستقل ممبر ہے جو ابھی منیجر کے آفس میں تھی۔"

"جی ہاں جناب! وہ مستقل ممبر ہیں۔"

"نام کیا ہے؟"

"مس ڈریلا مورگن....!"

"کہاں رہتی ہے؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں جناب۔ بھلا میں کسی کے گھر کا پتہ کیسے جان سکتا ہوں۔"

"تم کوشش کرو تو میرے لئے معلوم کر سکتے ہو۔"

"وہ کس طرح جناب۔ میں آپ کی خدمت کرتے ہوئے فخر محسوس کروں گا۔"

"اس وقت پونے بارہ بجے ہیں۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد منیجر سونے کے لئے اوپری منزل پر چلا جائے گا۔ وہ لڑکی منیجر کی خاص دوستوں میں سے ہے۔ سب جانتے ہیں۔"

"جی ہاں.... جناب۔"

"تم کلرک سے اُس کا پتہ معلوم کر سکتے ہو۔"

"وہ کبھی نہ بتائے گا۔"

"اوہ سنو تو سہی۔ جب منیجر سونے کے لئے اوپر چلا جائے تو تم کلرک سے کہنا کہ منیجر نے کچھ چیزیں مس ڈریلا تک پہنچانے کے لئے کہا تھا۔ لیکن جلدی میں نہ تو تم نے ہی اس کا پتہ پوچھا اور نہ منیجر نے بتایا۔ لہٰذا.... ہاں سمجھ گئے۔"

"جی ہاں....!" ویٹر نے کہا لیکن اس کے انداز میں اب بھی ہچکچاہٹ تھی۔

"ڈرو نہیں.... کیا تم مجھ سے واقف نہیں ہو۔"

"اچھی طرح واقف ہوں کپتان صاحب۔"

"تم یہ جانتے ہو کہ میں منیجر کو اکثر چھیڑتا رہتا ہوں۔"

"جانتا ہوں جناب۔" ویٹر مسکرایا۔

"تم یقین رکھو! کلرک کو ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوگا۔ اچھا میں تمہیں کمپاؤنڈ میں ملوں گا۔ میری گاڑی پہچانتے ہو نا۔"

"جی ہاں جناب۔" ویٹر نے دس کا نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

حمید وہاں سے نکل کر کمپاؤنڈ میں آگیا۔ سردی پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ وہ کیڈی میں بیٹھ گیا۔

اور تقریباً آدھے گھنٹے تک اُسے اسی طرح بیٹھے رہنا پڑا۔ لیکن اسے اپنی اسکیم میں ناکامی نہیں ہوئی۔ ویٹر کیڈی کے پاس آکر آہستہ سے بولا۔ "تیرہ آلگن اسکوائر کوئینس اسٹریٹ۔"

"شاباش.... آئندہ بھی تمہیں موقع دیا جائے گا۔" حمید نے کہا اور کیڈی اسٹارٹ کردی۔

نصرت خان صوفے سے اٹھ کر وحشیانہ انداز میں چلتا ہوا ٹیلی فون تک گیا جس کی گھنٹی بڑی دیر سے بج رہی تھی۔ اُس نے دانت پیس کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بہت زور سے دھاڑا۔

"کون ہے؟"

"چچ.... چچ....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو! کہا کرتے ہیں دوست....!"

"نہیں کہا کرتے۔ کیا میں کسی کا غلام ہوں۔"

"طاقت....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آہا.... تم ہو دوست....!" نصرت خان کا لہجہ نرم ہو گیا۔ "اچھا ہیلو۔"

"بہت اچھے۔ ہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں۔"

"دیکھو دوست! مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ میں شہزادہ ہوں اور ایک شہزادے ہی کی طرح ہوں۔ لیکن تمہاری تہذیب میرے لئے تکلیف دہ ہے اور میں اتنا مہذب ہرگز نہیں بن سکتا تم مجھے بنانا چاہتے ہو۔"

"نہیں دوست! تم میرے لئے اتنی سی قربانی تو کرو۔ آخر تمہارا نقصان کیا ہے اس میں۔"

"نقصان تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن مجھے غصہ آجاتا ہے۔ ابھی وہ دونوں گدھے آتے ہوں گے۔"

"کون....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"وہی جو مجھے مصافحہ کرنے کی مشق کرا رہے ہیں۔"

"ہاں مجھے اطلاع ملی ہے۔" دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ "کل تم ان میں سے ایک کا ہاتھ توڑ دیا ہے۔"

"میں کیا کرتا.... بار بار.... ہاتھ ملاؤ.... یہ ٹھیک نہیں وہ ٹھیک نہیں آخر غصہ آ لیکن میں نے اُس وقت بھی یہی کہا تھا کہ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

"خیر.... خیر.... گھبراؤ نہیں۔ تم بہت جلد کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"محض تمہاری خاطر دوست....!" نصرت خان نے کہا۔ "ورنہ.... اب تک.... می مچ بہت غصہ ور ہوں۔"

"اچھا.... اچھا.... میں تھوڑی دیر بعد پھر تمہیں فون کروں گا اور تم جواب میں ہیلو کہو گے"

"اچھا بابا....!" نصرت نے طویل سانس لے کر کہا اور ریسیور رکھ کر ایک صوفے میں گر گیا

❁

کھانے کی میز پر چار آدمی تھے۔ ایک تو نصرت خان تھا۔ دوسری ایک عورت تیسرا

ادھیڑ عمر کا مرد تھا۔ چوتھا ایک خوشرو اور تندرست جوان۔

نصرت خان نے بڑی پلیٹ سے مرغ مسلم اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے اس کی ٹانگیں الگ کر لیں۔

"یوں نہیں۔" معمر نے اسے ٹوکا۔

"بکومت....!" نصرت خان مرغ کی ٹانگیں دانتوں سے ادھیڑتا ہوا غرایا۔

معمر آدمی نے ایک طویل سانس لی اور خاموشی سے کھانے میں مشغول ہو گیا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ نصرت خان کی خونخوار آنکھوں کی طرف دیکھ سکتا۔ نصرت خان کے ہاتھ اور دانت برابر کام کرتے رہے۔ اس نے چھری اور کانٹے کو اٹھا کر کمرے کے دوسرے سرے پر پھینک دیا تھا۔

"یہ بُری بات ہے ضرغام۔" عورت بولی۔ "ہاتھ گندے ہو جاتے ہیں۔" اور پھر دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان کا گندہ ہاتھ عورت کے گال پر پڑا۔ وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گئی۔

"ابے تو کیا واقعی جانور ہے۔" نوجوان دھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

نصرت خان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ خونخوار آنکھوں سے اس نوجوان کو گھور رہا تھا۔ معمر آدمی عورت کو اٹھانے لگا۔

اچانک نصرت خان نے کھانے کی میز الٹ دی۔ نوجوان اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ بُری سرعت سے پیچھے ہٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان اس کے اوپر تھا۔ نوجوان نے بہت کوشش کی کہ اس کی گرفت سے نکل جائے لیکن ممکن نہ ہوا.... نصرت خان اسے اپنے بازوؤں میں جکڑے ہوئے بُری طرح بھینچ رہا تھا۔

"چھوڑ دیجئے.... خدا کے لئے چھوڑ دیجئے۔" معمر آدمی گلوگیر آواز میں چیخا۔

نوجوان کی آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔

"ضرغام صاحب۔ آپ کو خدا کا واسطہ چھوڑ دیجئے۔" عورت روتی ہوئی بولی۔

اچانک نصرت خان اُسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ اور وہ کسی مردہ چھپکلی کیطرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

❁

فون کی گھنٹی بجی اور نصرت خان چونک پڑا۔ وہ صوفے پر پڑا اونگھ رہا تھا۔

"ہیلو....!" وہ ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔

"طاقت....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آہا.... دوست تم ہو۔"

"ہاں میں ہوں! اور بہت زیادہ مغموم....!"

"کیوں.... تم مغموم کیوں ہو۔"

"تمہاری وجہ سے.... تم مجھے بہت دکھ پہنچاتے ہو۔"

"نہیں دوست....!" نصرت خان ہنسنے لگا۔ "ہرگز نہیں جس دن میں نے یہ محسوس کیا کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچا رہا ہوں اسی دن نصرت خان خود اپنے ہی ہاتھوں کتے کی موت مر جائے گا۔ خان جلال والئی مقلاق کا بیٹا احسان فراموش نہیں ہو سکتا۔"

"پچھلی رات تم نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔"

"اوہ.... دیکھو دوست....!" نصرت خان نے کہا۔ "کھانے کے معاملے میں میرا مہذب ہونا ناممکن ہے جس دن میں نے مریضوں کی طرح ہاتھ روک روک کر کھانا کھایا اسی دن مجھے تپ دق ہو جائے گا اور میں کتے کی موت مر جاؤں گا۔ جانوروں کی طرح کھانا کھائے بغیر بدن میں جان نہیں آتی۔ میرے اپنے نظریئے کے مطابق کھانا اس طرح کھانا چاہئے جیسے ذرا بھی ہاتھ رکنے پر کوئی دوسرا اسے جھپٹ لے جائے گا۔"

"تو تم بھی نظریات رکھتے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں میرے دوست....!" نصرت خان نے انگریزی میں کہا۔

"ہائیں تم انگریزی بھی بول سکتے ہو۔"

"نہ صرف انگریزی بلکہ فرنچ اور جرمن بھی۔" نصرت خان بولا۔ "ان زبانوں میں لکھ پڑھ بھی سکتا ہوں۔"

"تب.... میرے دوست مجھے حیرت ہے کہ تم مہذب نہیں بن سکتے۔"

"ہاں.... دوست.... میری تربیت ہی کچھ اس ڈھنگ سے ہوئی ہے کہ مجھ پر تعلیم کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ میں نے قلعہ مقلاق کی چہار دیواری ہی میں محدود رہ کر تعلیم حاصل کی ہے۔ تین انگریز معلم مجھے پڑھاتے تھے لیکن ان کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ اگر وہ مجھے مہذب بنانے کی کوشش کرتے تو خان بابا کا کوئی ادنیٰ سا پیادہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ خان بابا کا قول ہے کہ

موجودہ تہذیب نے صرف نامرد اور بزدل پیدا کئے ہیں۔"

"اوہ.... لیکن اب تو تم خان بابا کی قید سے آزاد ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"لیکن میں اُن کے نظریئے کا قائل ہوں۔" نصرت خان بولا۔ "ویسے میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم نے مجھے بہت کچھ مہذب بنا دیا ہے۔ لیکن دوست کھانے کے معاملے میں کبھی تم مجھے مہذب یا دوسرے الفاظ میں مریض نہ پاؤ گے۔"

"خیر.... خیر پرواہ نہ کرو۔ مجھے تم سے بڑی محبت ہے اور میں تمہاری زیادتیاں بھی برداشت کر سکتا ہوں لیکن دوست! اب کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہ اٹھانا۔"

"دیکھا جائے گا۔" نصرت خان بولا۔

اُسی شام کو اُس عمارت کے ایک کمرے میں نصرت خاں ایک خوبصورت سی اینگلو انڈین لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔

"تم بہت اچھی ہو! بہت خوبصورت۔" نصرت خان لڑکی سے کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔"

"تب پھر تمہیں میرے کہنے پر چلنا ہوگا۔"

"میں ناچوں گا۔"

"میں تمہیں ناچنا سکھاؤں گی۔ یہ ہماری تہذیب کے لئے ضروری ہے۔"

نصرت نے سر کی جنبش سے رضامندی کا اظہار کیا۔ گراموفون پر پہلے ہی سے موسیقی کا ریکارڈ چڑھا ہوا تھا۔ لڑکی نے ٹرن ٹیبل کو متحرک کر کے ساؤنڈ بکس رکھ دیا۔ کمرہ موسیقی سے گونجنے لگا۔ وہ کافی دیر تک کوشش کرتی رہی لیکن نصرت خان کے پلے کچھ بھی نہ پڑا اور لڑکی بُری طرح تھک گئی کیونکہ نصرت خان بالکل کسی نیزے باز کی طرح پینترے بدلنے لگتا تھا۔ وہ بار بار اُسے ٹوکتی جا رہی تھی۔ نصرت خان جھلا گیا۔ کچھ اکتاہٹ بھی تھی۔ لیکن لڑکی تھی کہ کسی طرح پیچھا چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

آخر نصرت خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُس کا رخ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔

"اس طرح کھڑی ہو جاؤ۔"

لڑکی دوسری طرف منہ کر کے کھڑی ہوگئی۔

دفعتاً نصرت خان نے اُسکی ٹانگوں میں اپنا پیر پھنسا کر دھکا دیا اور وہ منہ کے بل فرش پر جاگری۔ اُسکی ناک سے خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ وہ اتنی سخت جان بھی نہیں تھی کہ بیہوش نہ ہو جاتی۔

بُرے پھنسے

سنہرا سکہ تقریباً ایک ماہ سے حمید کی جیب میں تھا.... لیکن ابھی تک اُسے اس کی غرض و غائت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ ڈریلا سے اس نے دوستی کی اور یہ دوستی بے تکلفی کی حد تک پہنچ گئی لیکن اُسے یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ وہ سکہ اُسی کا تھا یا نہیں۔

حمید اپنی ہی دھن میں تھا۔ اُس نے فریدی سے اس سکے کا تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اُس نے فریدی سے اس سکے کے بارے میں ضرور پوچھا تھا جو خود فریدی کے پاس تھا لیکن فریدی نے اُسے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا لہٰذا حمید نے سوچا کہ کیوں نہ وہ خود ہی اس کے متعلق تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فریدی سے پہلے ہی کامیاب ہو جائے۔

بظاہر آج کل فریدی کے پاس کوئی کیس نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ بعض اوقات بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگتا تھا ایسے حالات میں کبھی کبھی وہ پُراسرار سکہ بھی اس کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔

آخر ایک دن حمید اس قصے کو چھیڑ ہی بیٹھا۔

"فکر نہ کرو.... کھیلو.... کھاؤ.... تفریح کرو۔" فریدی کا جواب تھا۔ "اپنی کھوپڑی کا خون فضول جلاتے ہو۔"

"نہیں میں آج کل کام کرنے کے موڈ میں ہوں۔" حمید بولا۔

"مجھے حیرت ہے۔" فریدی نے خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ آپ ایک ماہ قبل درخت پر کیوں چڑھے تھے اور پھر دو دن تک کہاں رہے تھے۔"

"یہ بھی نہیں بتا سکتا۔ حماقت تھی اور کیا کہوں۔ یہی سمجھو۔" اُس نے کہا۔

"ویسے مجھے آج کل ایک آدمی کی تلاش ہے۔"

"کس کی....؟"

"والئی مقلاق کے بیٹے نصرت جلال کی۔"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"وہ مقلاق کے قلعے سے گذشتہ ماہ فرار ہو گیا ہے۔"

"ہو جانے دیجئے۔ آخر آپ کو اُس کی تلاش کیوں ہے۔ مقلاق آزاد علاقہ ہے۔ ہماری حکومت کو اُس کی فکر کیوں ہونے لگی۔"

"والئی مقلاق نے ہم سے درخواست کی ہے کہ ہم اُس کے بیٹے کو تلاش کرنے میں مدد دیں اور اگر وہ درخواست نہ کرتا تب بھی حکومت کو اُس میں دلچسپی لینی ہی پڑتی۔"

"کیوں....!"

"تمہیں وہ کیس تو یاد ہی ہوگا۔ ایک بازاری دوا فروش کے سلسلہ میں جو جھگڑا ہوا تھا۔ کسی نے ایک کانسٹیبل کو اٹھا کر اس طرح پٹخا تھا کہ وہ ایک دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا اور پھر وہ پانچ آدمیوں کو زخمی کر کے صاف نکل گیا تھا۔"

"ہاں وہ کیس مجھے یاد ہے اور پولیس حملہ آور کا پتہ لگانے میں ناکام رہی تھی۔"

"حملہ آور کا جو حلیہ بیان کیا جاتا ہے وہ والئی مقلاق کے روانہ کئے ہوئے حلیئے کے مطابق ہے اور حادثے سے کچھ دیر پیشتر اُسی حلیئے کے ایک آدمی نے سلور مون ریستوران میں کھانا کھایا تھا۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ وہ اب بھی یہیں ہو۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... یہ ضروری نہیں ہے۔"

"جہنم میں جائے۔ آخر آپ کیوں دردسری مول لے رہے ہیں کیا اُس کے علاوہ اور کوئی خاص بات ہے۔"

"خاص ہی بات ہے۔ بہت زیادہ خاص۔ پرسوں میں نے ایک آدمی دیکھا ہے جو خان مقلاق کے لڑکے سے بہت مشابہ ہے مگر اُسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی غیر مہذب کوہستانی ہے وہ اپنا نام ضرغام بتاتا ہے نیشنل آئرن ورکس کا جنرل منیجر ہے۔"

حمید ہنس پڑا اور کافی دیر تک ہنستا رہا۔

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"ایک ماہ قبل وہ آیا اور ایک بہت بڑے کارخانے کا جنرل منیجر ہو گیا ایک کوہستانی سردار کا آئرن فیکٹری کا جنرل منیجر۔ اُس نے کبھی خواب میں بھی کوئی آئرن فیکٹری نہ دیکھی ہوگی۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"اور میں.... آج کل ایک دوسرے ادھیڑ بن میں ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید کہتا رہا۔ "کیا کرنسی کی مہریں عوام بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"مثال کے طور پر....!" حمید اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ "یہ سنہری ٹکیہ.... اس پر کرنسی کی مہر موجود ہے۔ لیکن سرکاری طور پر اسے سکہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"تم نے میری اجازت کے بغیر....!" فریدی اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔ غالباً وہ اسے وہی سکہ سمجھا تھا جسے وہ بہت احتیاط سے ہر وقت اپنے پاس ہی رکھا کرتا تھا۔ وہ اب بھی اس کی جیب میں موجود تھا۔

"ہاں.... کہئے.... کہئے....!" حمید بولا۔ "کیا آپ مجھے چور سمجھتے ہیں۔"

"یہ تمہیں کہاں سے ملا....؟"

"اللہ مسبب الاسباب ہے جناب۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ضروری نہیں کہ جو نعمت آپ کو عطا ہو اس سے میں محروم رہ جاؤں۔"

"بکواس مت کرو.... اِدھر لاؤ۔"

حمید نے سکہ اُسے دے دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک دونوں سکوں کو دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

"جی ہاں دونوں۔ مگر ہم دونوں میں فرق ہے۔ آپ کا سکہ کسی خبیث صورت مرد کی ذات سے تعلق رکھتا ہوگا۔"

"تمہیں یہ کہاں سے ملا۔"

"لمبی داستان ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن اس سکے کے مالک کے متعلق میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے سارا واقعہ دہرا دیا۔

"اور تم اب اس کا تذکرہ کر رہے ہو۔" فریدی ملامت آمیز لہجے میں بولا۔

"اگر آپ مجھے پہلے ہی اس کی اہمیت سمجھا دیتے۔"

"اہمیت.... فی الحال اہمیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ سرکاری مہر کا استعمال قطعی غیر قانونی ہے.... اور....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اور یہ طاقت.... یہ کیا بلا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ کسی دواخانے کا اشتہار ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "طاقت کسی طلائی یا نقرئی گولی کا نام ہوگا۔ کیا خیال ہے۔ پبلسٹی کا خیال اور انوکھا طریقہ۔"

"بکواس بند کرو۔ مجھے اُس لڑکی کا پتہ بتاؤ جس کے رومال کے نیچے تمہیں یہ سکہ ملا تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ اسکا تعلق کسی یونانی دواخانے سے نہیں ہوگا کیونکہ وہ خود اینگلو انڈین ہے۔"

"میں پتہ پوچھ رہا ہوں۔"

حمید نے پتا بتا دیا۔ فریدی اُسے اپنی ڈائری میں نوٹ کرنے لگا۔

"جب کوئی کیس نہیں ہوتا تو آپ زبردستی کوئی نہ کوئی کام پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارے جناب ضروری نہیں کہ یہ سنہری ٹکیاں آپ کے ذوق تجسس کے شایان شان ہی ثابت ہوں۔ سونا فروخت کرنے والی بہترین فرمیں اپنے سونے کو کسی خاص شکل میں ڈھال کر فروخت کرتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ "طاقت" کسی خاص فرم کا ٹریڈ مارک ہو۔"

"مگر یہ سرکاری کرنسی کی مہر۔" فریدی بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس فرم نے اس کے لئے حکومت سے اجازت حاصل کر لی ہو۔"

"فرموں کے امکانات پر پہلے ہی میری نظر گئی تھی اور اس سلسلے میں میں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے کہ یہ کسی تجارتی فرم کا سونا نہیں ہے۔"

"پھر یہ کیا بلا ہے۔ خدا کے لئے کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی کیجئے گا۔ ڈریلا بہت زود رنج لڑکی ہے اگر میں کبھی دیر سے پہنچتا ہوں تو بگڑ جاتی ہے اگر آپ نے اسے کسی نئے کام سے الجھا لیا تو ہفتوں اس کی شکل دیکھنے کو ترسوں گا۔"

"وہی لڑکی جس کا پتہ تم نے بتایا ہے۔" فریدی نے پوچھا

"جناب.... لیکن آپ اُسے پریشان نہیں کریں گے.... سمجھے۔"

"نہیں میں اُس سے نہیں ملوں گا۔"

"شکریہ.... میری اولادیں آپ پر قربان....!"

فریدی خاموش رہا۔

حمید نے جو کچھ بھی دیکھا وہ اُسے خواب کی بات معلوم ہوئی۔

وہ شام ہی سے ڈریلا کا تعاقب کر رہا تھا اور اس وقت رات کے آٹھ بج گئے تھے۔ ڈریلا کا تعاقب اس کے لئے نئی بات نہیں تھی وہ اس سے دوستانہ تعلقات بھی رکھتا تھا اور اکثر اُسے دھوکے میں ڈال کر اس کا تعاقب بھی کرتا تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ ڈریلا اس کی دورخی سے واقف نہیں ہے.... اور اس دردسری کا باعث؟ اس انوکھے سکے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

حمید نے اُسے جیمس مارٹن میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ ایک مشہور تمباکو فروش کمپنی تھی.... وہ جانتا تھا کہ ڈریلا تمباکو سے رغبت نہیں رکھتی لیکن پھر بھی وہ اکثر وہاں جاتی رہتی تھی۔ حمید نے تہیہ کر لیا کہ وہ آج وہاں اُس کی آمد و رفت کا مقصد ضرور معلوم کرے گا۔

اُس نے اُسے اکثر کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے ایک بھدے سے آدمی سے گفتگو کرتے دیکھا تھا اس لئے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دونوں میں رومان چل رہا ہوگا۔

حمید برابر والی گلی میں گھس گیا۔ یہاں کئی کاریں کھڑی تھیں اور جیمس مارٹن کے کاؤنٹر کے پیچھے کی کھڑکی اُسی گلی میں کھلتی تھی۔ گلی میں اندھیرا تھا اور حمید کاروں کے درمیان میں گھس کر بہ آسانی کاؤنٹر دیکھ سکتا تھا کیونکہ عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔

ڈریلا کاؤنٹر پر اپنا وینٹی بیگ رکھے اُس میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ پھر اُس نے کوئی چیز نکال کر کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف بڑھائی۔ حمید بجلی کی روشنی میں اُس ننھی سی چیز کی چمک دیکھ کر کھڑکی سے جا لگا۔

کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر اوپر کی طرف اٹھایا۔ شائد وہ اُسے زیادہ روشنی میں دیکھنا چاہتا تھا۔

یہ ایک چمکدار سنہری ٹکیہ تھی۔

پھر اُس آدمی نے بائیں طرف رکھی ہوئی تجوری کھولی اُس میں سے چند بڑے بڑے نوٹ نکالے اور انہیں گننے لگا۔

سو سو کے بیس نوٹ اُس نے ڈریلا کے سامنے رکھ دیئے۔ ڈریلا نے انہیں کاؤنٹر سے اٹھا کر اپنے وینٹی بیگ میں ڈال لیا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔

اب حمید اُس کے تعاقب کا خیال ترک کر چکا تھا۔ وہ گلی سے نکل آیا۔ ڈریلا جا چکی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس سنہری ٹکیہ کا حیرت انگیز مصرف اب اس کی سمجھ میں آ چکا تھا.... لیکن مقصد....؟ آخر وہ تھی کیا بلا۔

حمید کافی دیر تک سڑک کے کنارے کھڑا خیالات میں گم رہا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی اُس سنہری ٹکیہ کو اُسی طرح استعمال کرے گا جس طرح ڈریلا نے کیا تھا۔

دوسرے لمحے میں وہ جیمسن اینڈ مارٹن کے کاؤنٹر پر تھا۔

اُس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے وہ سنہرا سکہ نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے سکے کو چٹکی میں پکڑ کر اوپر کی طرف اٹھایا چند لمحے اس پر نظر جمائے رہا پھر نیچے جھک کر تجوری کھولی.... اور.... حمید کے سامنے کاؤنٹر پر سو سو کے بیس نوٹ پڑے ہوئے تھے۔

"دیکھئے! سردی کی لہر کب تک رہتی ہے۔" حمید نوٹوں کو سمیٹتا ہوا بڑبڑایا اور وہ آدمی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"کیا آپ مجھے پرنس ہنری کا تمباکو دے سکیں گے۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"پرنس ہنری....!" وہ آدمی مسکرایا۔ "جی ہاں! مگر آپ کو تھوڑی سی تکلیف کرنی پڑے گی۔ میرے پیروں میں شدید درد ہے۔ اُس کمرے کے کسی شلف پر آپ کو ڈبے مل جائیں گے۔ معاف کیجئے گا۔ تکلیف دے رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ یہ تمباکو زیادہ رائج نہیں ہے۔ خاص ہی خاص آدمی پیتے ہیں اس لئے یہاں رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ "کدھر بتایا تھا۔"

اُس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا جس پر پھولدار ریشمی پردہ لٹکا ہوا تھا اور پھر اُس نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کا ایک سوئچ آن کر دیا۔ پردے کے پیچھے روشنی نظر آنے لگی۔

حمید نے پردہ ہٹایا اور دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا لیکن یہاں ایک پلنگ اور بستر
علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مڑا مگر دروازہ بند ہو چکا تھا۔

دروازہ بھی عجیب تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اوپر سے لکڑی کا کوئی تختہ پھسل کر نیچے آ گیا ہو۔
کمرے کے دوسرے سرے پر اسی قسم کا ایک دروازہ اور بھی تھا۔ حمید نے باری باری
دونوں پر زور آزمائی کی لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔

"بیکار ہے میرے دوست....!" اُس نے اچانک ایک آواز سنی اور چونک پڑا۔

دوسرے دروازے کے قریب وہی آدمی کھڑا تھا جس سے کچھ دیر قبل اُس نے کاؤنٹر پر
ہزار روپے وصول کئے تھے۔

"یہ کمرہ مقبرہ بھی بن سکتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "تم چیختے چیختے مر جاؤ تب بھی
تمہاری آواز اس کمرے سے باہر نہ پہنچ سکے گی۔"

"نہ مجھے چیخنے کی ضرورت ہے اور نہ مرنے کی۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "لیکن دو ہزار رو
تمہارے باپ بھی مجھ سے وصول نہیں کر سکتے۔ خواہ تم میری بوٹیاں اڑا دو۔"

"تم کون ہو۔" اُس آدمی نے پوچھا۔

"یہ نہیں بتا سکتا۔ ابھی نیا پھنسا ہوں۔ اس لئے اناڑی پن میں مارا گیا۔"

"کون ہو تم....!" اس بار سخت لہجے میں پوچھا گیا۔

"میں....رشید ہوں....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کون رشید....!"

"یار یہ سوال ٹیڑھا ہے۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ وہ سکہ تمہیں کہاں سے ملا تھا۔"

"جہاں سے سب کو ملتا ہے۔"

"کہاں سے ملتا ہے؟"

"یہ تو میں اپنے باپ کو بھی نہیں بتا سکتا۔" حمید نے سنبھل کر کہا۔ "اور تم پوچھنے وا
ہوتے ہی کون ہو۔ چپ چاپ دروازہ کھول دو۔ ورنہ میں....بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"میری بات کا جواب دو۔" اُس نے سرد لہجے میں کہا اور اب وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ حمید کی

طرف ایک ریوالور کی نال اٹھی ہوئی تھی۔

"اسے تو جیب ہی میں رکھو۔ سنہرا سکہ رکھنے والے اتنے کمزور دل کے نہیں ہوتے۔" حمید
مسکرا کر بولا۔

"جواب دو۔"

"میں تمہارا سوال ہی بھول گیا۔"

"سکہ تمہیں کہاں سے ملا تھا۔"

"تم نے یہ سوال کبھی کسی اور سے بھی کیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"تم اپنی بکواس جاری ہی رکھو گے۔" اس آدمی نے دانت پیس کر کہا۔

"ہاں اور تمہیں قطعی حق حاصل نہیں کہ تم مجھ سے اس قسم کا سوال کرو۔ سمجھے۔ مجھے یہی
بتایا گیا ہے۔ کیوں خواہ مخواہ بات بڑھاتے ہو۔"

"کیا تمہیں یہاں کا پتہ بتایا گیا تھا۔"

"ظاہر ہے....ورنہ میں کیوں آتا۔"

"لیکن تمہاری شناخت کا کارڈ میرے فائیل میں نہیں ہے۔"

"یہ میری نہیں بلکہ دوسروں کی غلطی ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

وہ آدمی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "سکہ تمہیں کس طرح ملا تھا؟"

"پھر وہی بکواس۔" حمید بگڑ گیا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ دوسروں کو سکہ کس طرح ملتا ہے۔"

"نہیں....!" اس نے بے ساختہ کہا لیکن پھر کچھ پشیمان سا نظر آنے لگا۔

"پھر تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ کیا یہ خلاف قانون نہیں ہے۔"

"ہے تو....!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن کیا تم نے ایک خلاف قاعدہ حرکت نہیں کی۔"

"کیا حرکت کی ہے میں نے۔"

"مجھ سے گفتگو کیوں کی تھی۔" اس نے کہا۔ "پرنس ہنری کا تمباکو تمہیں کسی دوسری دوکان
سے بھی مل سکتا تھا۔"

"ہاں مجھ سے غلطی ضرور ہوئی ہے لیکن یہ بات قطعی بھول گیا تھا کہ مجھے روپے لے کر
چپ چاپ یہاں سے چلا جانا چاہئے تھا۔"

“مجھے اطمینان نہیں ہوا۔” اُس نے کہا۔

“خیر پرواہ نہیں۔” حمید نے لاپروائی سے کہا۔ “تم مجھے شوق سے بند کر رکھو۔ لیکن تم اس کے لئے جوابدہی کرنی پڑے گی۔ کیونکہ آج رات مجھے ایک کام انجام دینا ہے۔”

“اچھا ٹھہرو.....!” وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ “میں اپنا اطمینان کئے لیتا ہوں۔”

وہ ریوالور کا رخ حمید ہی کی طرف کئے ہوئے پلنگ کے قریب آیا اور فرش تک لٹکتی ہو چادر میں ہاتھ ڈال کر ایک عجیب وضع کا صندوق سا کھینچ کر باہر نکال لیا لیکن صندوق کا ڈھکن اٹھ ہی حمید کی آنکھیں کھل گئیں۔ کیونکہ اس میں ٹرانسمیٹر قسم کی کوئی چیز تھی۔ بناوٹ کے اعتبار ٹرانسمیٹر سے کچھ مختلف ضرور تھی لیکن بالکل مختلف نہیں کہی جاسکتی تھی۔

اُس آدمی نے اس کا پلگ نکال کر دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر لگادیا اور پھر اُس مشین ایک ہلکی سی آواز نکلنے لگی۔ زناٹے کی آواز دراصل یہ اسمیں لگی ہوئی ایک چرخی کی آواز تھی جو بڑ تیزی سے گردش کر رہی تھی اتنی تیزی سے کہ چرخی کی جگہ بے رنگ سی خلاء نظر آنے لگی تھی۔

پھر اُسی صندوق سے ٹیلی فون کے ریسیور سے ملتی جلتی ایک چیز نکالی اور اُسے ریسیور طرح استعمال کرنے لگا۔

“سکس تھری! اسپیکنگ سر۔” اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا اور جیسے ہی اُس کے منہ سے آ نکلی مشین میں گردش ہوئی۔ چرخی روشن ہو گئی۔

وہ حمید کے وہاں آنے اور روپیہ وصول کرنے کی روداد بیان کرنے لگا۔

“جی ہاں وہ یہاں موجود ہے۔” اُس نے کہا۔ اس دوران میں اس کی نظر برابر حمید کی طر رہی تھی اور ریوالور..... اُس کا رخ تو حمید کی طرف ہونا ہی چاہئے تھا۔

حمید بھی اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اب خاموش ہو کر دوسری طرف بولنے والے کی بات سن تھا۔ پھر اُس نے ریسیور فرش پر رکھ دیا اور مشین کے پاس سے ہٹکر حمید سے بولا۔ “چلو بات کرو۔”

حمید نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔

“ہیلو.....!” اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

“کیا بات ہے.....!” دوسری طرف سے آواز آئی۔

“ان حضرات کو غلط فہمی ہوئی ہے۔” حمید نے کہا۔ “میں نے سکہ دیا.....!”

“سکہ نہیں طاقت کہو۔” دوسری طرف سے آواز آئی۔ “تم شائد نئے معلوم ہوتے ہو۔”

“جی ہاں..... یہی بات ہے۔ صرف ایک ہفتہ پرانا ہوں۔ اور پہلی بار طاقت.....!”

“فکر مت کرو..... اور سب ٹھیک ہے۔ بس اپنے کاموں میں مشغول رہو۔ اب ریسیور اُسے دے دو۔”

“بہت اچھا.....!” حمید نے کہا لیکن ریسیور اُس آدمی کو دینے کی بجائے تھوڑے توقف کے ساتھ آواز بدل کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ “یس سر.....!”

“تم نے ریسیور ابھی نہیں دیا اُسے۔”

“میں ہی بول رہا ہوں جناب۔”

“ریسیور اُسے دے دو..... تم بہت چالاک معلوم ہوتے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے آدمی بیوقوف نہیں ہیں۔”

“ذرہ نوازی ہے جناب کی۔” حمید نے مسکرا کر کہا اور ریسیور فرش پر ڈال کر مشین کے پاس سے ہٹ گیا۔

اُس آدمی نے پھر ریسیور اٹھالیا لیکن اس بار وہ صرف سنتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ریوالور کا رخ حمید کی طرف کئے ہوئے کہہ رہا تھا۔ “سامنے والے دروازے کے قریب جاؤ۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ خواہ مخواہ مجھے ایک کارتوس خراب کرنا پڑے گا۔”

طوعاً و کرہاً حمید نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس دوران میں اُس نے کئی بار ارادہ بھی کیا کہ اُسے غافل پاکر حملہ کر بیٹھے لیکن وہ اُسے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں پاسکا تھا۔

حمید دروازے کے قریب ایک منٹ تک اسی حالت میں کھڑا رہا تھا پھر بولا۔ “کیوں پریشان کر رہے ہو یار۔ کب تک اس طرح کھڑا رہنا پڑے گا۔”

کوئی جواب نہ ملنے پر وہ مڑا لیکن اب کمرے میں خود اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر مشین کی طرف جھپٹا جو ابھی تک حرکت میں تھی۔ لیکن تیزی سے گھومنے والی چرخی کی روشنی غائب ہو چکی تھی۔ اس میں روشنی اسی وقت تک رہتی تھی جب تک کوئی بولتا رہتا تھا۔

"ہیلو....!" حمید نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا اور تیزی سے گھومنے والی چرخی ا روشن ہو گئی۔ حمید اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کون.... اوہ کیپٹن حمید....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "پریشان ہونے کی ضرور نہیں۔ آخر کچھ مہلت بھی دو گے یا نہیں۔ دیکھو اس چکر میں نہ پڑو۔ یہ فریدی کے بس کا ب روگ نہیں۔ میں لیونارڈ.... مسٹر کیو.... اور جیرالڈ شاستری سے بہت مختلف ہوں۔ میر معیار کے مطابق وہ معمولی چور اور اچکے تھے اور تم تو خیر کسی شمار میں نہیں ہو۔ میں فریدی کو ب بچہ سمجھتا ہوں۔ اسی لئے میں تم دونوں کی جان بخشی کرتا ہوں تم جیمس مارٹن تمباکو فروش ہی کے خلاف کوئی ثبوت نہ مہیا کر سکو گے۔ میں تو خیر بہت دور کی چیز ہوں۔ اچھا اب اس مشین سے کم از کم پانچ قدم کے فاصلے پر ضرور ہٹ جاؤ ورنہ اپنی موت کے خود ذمہ دار ہو گے۔ میرا نام طاقت ہے۔ میرے ننھے بچے فریدی کو مطلع کر دینا۔"

حمید نے بوکھلا کر ریسیور فرش پر پھینک دیا اور دو ہی تین جستوں میں دیوار سے جا لگا۔ مشین سے اس کا فاصلہ تقریباً دس گز ضرور رہا ہو گا۔

بے بسی

حمید حیرت سے منہ کھولے مشین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس کی چرخی کی گردش کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اس میں سے نکلنے والی تیز قسم کی روشنی آنکھوں کے لئے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی پھر اچانک اُسی چرخی سے ایک شعلہ سا لپکا اور پوری مشین جلنے لگی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُسے پٹرول میں ڈبو کر آگ لگا دی ہو۔

پھر اس کا پلگ خود بخود سوئچ بورڈ سے نکل کر فرش پر آ رہا۔

پندرہ بیس منٹ کے اندر ہی اندر مشین راکھ کا ڈھیر ہو گئی۔

نہ جانے کیوں حمید اس وقت ذہنی طور پر مفلوج سا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ چند لمحے راکھ کے ڈھیر کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس کی نظر اُس دروازے کی طرف اٹھ گئی جس سے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس کے قدم غیر ارادی طور پر دروازے کی جانب اٹھنے لگے۔ دروازے میں اب صرف وہی

پردہ جھول رہا تھا جسے ہٹا کر حمید کمرے میں داخل ہوا تھا۔

وہ تمباکو کی دوکان میں پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے وہی آدمی موجود تھا جس نے کچھ دیر قبل اسے ریوالور دکھا کر دھمکیاں دی تھیں۔

حمید کو دیکھ کر وہ نہایت ادب سے کھڑا ہو گیا اور اُس کی طرف پرنس ہنری کا ڈبہ بڑھاتا ہوا بولا۔ "جناب کا تمباکو۔"

حمید کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھیں حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے بائیں ہاتھ سے ڈبہ لیتے ہوئے داہنے ہاتھ سے اس زور کا گھونسہ اس کے جبڑے پر رسید کیا کہ وہ پچھلی دیوار سے ٹکرا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

"دوڑو بچاؤ۔" وہ فرش سے اٹھتا ہوا چیخا۔ "مار ڈالا.... مار ڈالا۔"

حمید کاؤنٹر پر دونوں ہاتھ ٹیک کر دوسری طرف کود چکا تھا۔ اس نے اپنے شکار کو فرش سے نہیں اٹھنے دیا اور اس کی چیخیں؟ وہ کسی طرح بھی نہ رک سکیں۔ راہگیروں اور پڑوسیوں کا ایک جم غفیر دوکان میں گھس آیا۔

"خبردار....!" حمید گرجا۔ "اگر کوئی بھی قریب آیا تو اُسے بھی جیل کی شکل دیکھنی پڑے گی۔"

دو ایک پولیس کانسٹیبل بھی اندر گھس آئے تھے۔

"انہیں باہر نکال دو۔" حمید نے کانسٹیبلوں کی طرف دیکھ کر مجمع کی طرف اشارہ کیا۔

شہر کی فورس کا شائد ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو حمید کو نہ پہچانتا رہا ہو۔

"باہر جائیے.... باہر جائیے۔" کانسٹیبلوں نے مجمع کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اِدھر حمید اپنے شکار کو گریبان سے پکڑ کر دوبارہ اٹھا چکا تھا۔

"آپ.... آپ.... میرا.... جرم بھی تو.... بتائیے۔" وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

حمید نے اُسے کرسی میں دھکا دے دیا۔

پھر اُس نے کانسٹیبل سے کہا۔ "تم میں سے ایک باہر ٹھہرے گا اور تم اندر دروازہ بند کر دو۔"

لوگوں کو باہر نکلوا دینے کے بعد حمید نے دروازہ اندر سے بند کرا دیا۔ ایک کانسٹیبل اندر ہی رہ گیا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" اُس آدمی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" حمید فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "ابھی دیکھوں گا کہ تم لوگ

کتنے چالاک ہو۔"

دوسرے لمحے میں وہ فریدی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا سب سے پہلے اس نے گھر ہی فو
مناسب سمجھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ پہلی ہی کوشش میں فریدی سے رابطہ قائم کر
کامیاب ہو جائے گا۔ ویسے اگر وہ گھر پر نہ ملتا تو کسی نہ کسی دوسرے ٹھکانے پر ضرور مل جاتا۔

لیکن یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ فریدی گھر ہی مل گیا۔ حمید نے اُسے یہاں بلانے کے لئے
سنہرے سکے کا حوالہ دینا کافی سمجھا۔

پھر وہ وہیں ٹھہر کر فریدی کا انتظار کرتا رہا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن حقیقت تو یہ تھی ک
بھی حمید کی کھوپڑی میں برف ہی جمی ہوئی تھی۔ اُس نے ایک بار بھی اس کمرے کی طرف د
نہیں دیا جس میں کچھ دیر قبل مقید رہ چکا تھا۔

فریدی ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے حمید سے پوری روداد سنی اور بُری
جھلا گیا۔ وہ اس وقت صحیح معنوں میں برافروختہ نظر آ رہا تھا۔

"کیا اب تم نے مجھے یہاں جھک مارنے کے لئے بلایا ہے۔"

"کیوں! ارے جناب۔ میں تقریباً ایک گھنٹے تک اس کمرے میں قید رہا ہوں۔" حم
کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

دوکاندار اب بھی کاؤنٹر کے پیچھے خاموش بیٹھا ان کی حرکتوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

حمید کبھی کبھی کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھتا اور دل ہی دل میں تاؤ کھا کر رہ جاتا۔ د
رہا تھا کہ کہیں الٹی آنتیں گلے نہ پڑیں۔ اُس جیسا ایکٹر آج تک اس کی نظروں سے نہیں گذ

فریدی نے پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں جھانکا۔ اتفاقاً حمید کی نظر بھی اُدھر ہی اٹھ
اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں اڑا جا رہا ہو۔ نہ تو کمرے میں اب وہ پلنگ تھا اور نہ جل
مشین کی راکھ۔ ان کی بجائے اب وہاں لکڑی کے صندوقوں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے بال
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کمرہ سال ہا سال سے بحیثیت گودام استعمال کیا جاتا رہا ہو۔

"کیا تم اسی کمرے کی بات کر رہے تھے۔" فریدی قہر آلود انداز میں حمید کی طرف پلٹ

"اب میں کیا بتاؤں۔ میں بالکل گدھا ہوں۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "میں یہاں تھا اور
سب کچھ ہوتا رہا۔"

"مت بکو۔"

"ارے تو کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھئے دو ہزار کے نوٹ۔" حمید نے کہتے ہوئے
اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

اور وہ منظر بڑا دلچسپ تھا جب وہ بوکھلا بوکھلا کر یکے بعد دیگرے اپنی ساری جیبیں ٹٹول رہا تھا
اور اسکی پیشانی سے پسینے کی بوندیں اسطرح بہہ رہی تھیں جیسے کہیں سے بارش میں بھیگ کر آیا ہے۔

اب وہ دو ہزار کے نوٹ بھی اس کے پاس نہیں تھے۔

حمید نے جھپٹ کر اُس آدمی کے سر پر دو ہتھڑ رسید کر دیا اور وہ بلبلا اٹھا۔

"خدا کی قسم یہ ظلم ہے۔ سراسر ظلم۔ جرم بھی نہیں بتاتے اور خواہ مخواہ مارے جاتے ہیں۔"

"حمید....!" فریدی نے ڈانٹا۔

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ ایسے مواقع پر ٹھنڈا پانی بھی کہیں آس پاس موجود نہیں
ہوا کرتا۔ ورنہ وہ خون کے گھونٹ پینے کے بجائے اسی سے شغل کرتا۔

فریدی چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر حمید کو الگ لے جا کر آہستہ سے بولا۔

"بات تو بگڑ ہی چکی ہے۔ اب کچھ کرنا چاہئے۔"

حمید کو اُس سے اتنی نرمی کے اظہار کی توقع نہیں تھی اس لئے وہ خلوص دل سے ہمہ تن
گوش نہیں بلکہ خرگوش ہو گیا۔

"اسے اسی وقت اور اسی حالت میں گرفتار کر لینا چاہئے۔ ورنہ حالات تمہارے سامنے ہی
ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے اس اقدام کا ہم دونوں ہی پر کوئی بُرا اثر پڑے۔ باہر بھیڑ بڑھتی ہی
جا رہی ہے۔ میں یہاں سے مسٹر شرما مجسٹریٹ کو فون کرتا ہوں۔ تم باہر اُن کا انتظار کرو۔ جیسے ہی
وہ آئیں ان سے دس دس کے تین نوٹوں پر اُن کے دستخط لے لینا.... اور میں اپنی بلیک فورس
کے تین آدمیوں کو بھی رنگ کروں گا۔ وہ بھی جلد ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن.... اسکیم کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اسے غیر ملکی تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کے الزام میں پکڑیں گے۔"

"آپ تلاشی کیوں نہیں لیتے.... وہ سکے....!"

"پھر وہی بکواس۔" فریدی بگڑ گیا۔ "اس قسم کا کوئی ثبوت تم فراہم نہ کر سکو گے۔ سمجھے!

قطعی.... ناممکن ہے.... وقت نہ برباد کرو۔"

حمید دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

ڈریلا مورگن لمبے لمبے قدم رکھتی ہوئی گلی پار کر رہی تھی۔ گلی کے سرے پر پہنچ کر وہ چند لمحوں کے لئے رکی اور پھر آگے بڑھ گئی۔

جب وہ ان گلیوں سے گذر رہی تھی تو کوئی اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ دے کر ایک دوسری گلی میں غائب ہو گیا تھا۔ یہ اُس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی اس قسم کے پرزے اس طرح اسے سینکڑوں بار مل چکے تھے اور وہ اس کے مقصد سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس نے ایک جگہ رک کر پرزے پر نظر ڈالی۔ اس پر صرف "کیفے نبراسکا" تحریر تھا۔

کیفے نبراسکا پہنچنے میں تین منٹ صرف ہوئے۔

وہ سیدھی منیجر کے کیبن میں چلی گئی۔

"طاقت....!" اُس نے منیجر کی طرف دیکھ کر کہا۔

منیجر اُس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

ڈریلا نے بیٹھتے وقت اپنا وینٹی بیگ منیجر کی میز پر رکھ دیا۔

"آئندہ سے تمہیں یہیں سے کیش ملے گا۔ تمہارے پاس کل کتنے سکے ہیں۔"

"صرف دو....!"

"گھر پر ہیں۔"

"نہیں میں انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتی ہوں۔"

"لاؤ! مجھے دے دو! اور فی الحال رقم اتنی ہی اپنے پاس رکھو جتنی ضروری ہو۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"جہاں سے ابھی تم نے کیش لیا تھا۔ وہاں تمہاری ہی وجہ سے پولیس پہنچ گئی ہے۔"

"میری وجہ سے۔" ڈریلا بے ساختہ چونک پڑی۔

"ہاں.... آں.... کیپٹن حمید تمہارا تعاقب کر رہا تھا۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ سکہ اُس کے پاس کیسے پہنچا۔"

"کیا.... اُس کے پاس کوئی سکہ تھا۔" ڈریلا نے پوچھا۔

"ہاں! اُس نے اُسے جیمس مارٹن کے یہاں کیش کرانے کی کوشش کی تھی۔"

"تب تو پھر وہ میرا ہی گمشدہ سکہ ہو گا۔ میرا ایک سکہ گم ہو گیا تھا اور میں نے اس کی رپورٹ ہیڈ کوارٹر کو بھی دے دی تھی۔ کیپٹن حمید میرا دوست ہے لیکن یہ مجھے اسی وقت معلوم ہوا ہے کہ وہ میری نادانستگی میں بھی مجھ پر نظر رکھتا ہے۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ سکے مجھے دے دو اور وہ رقم بھی جو تمہیں جیمس مارٹن سے ملی ہے۔"

ڈریلا نے مطلوبہ چیزیں اپنے وینٹی بیگ سے نکال کر میز پر ڈال دیں۔

"فی الحال اسے اپنے پاس رکھو۔" منیجر نے پانچ بڑے نوٹ میز ہی پر پڑے رہنے دیئے اور بقیہ نوٹ سکوں سمیت دراز میں ڈال دیئے۔

"اور تم....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کیپٹن حمید سے برابر ملتی رہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب تم سے کترانا شروع کر دے لیکن تم اس سے زبردستی ملو گی اس کی رہائش گاہ پر جاؤ گی۔ فریدی سے بھی تعلقات پیدا کرو۔ اس پر یہ بات ظاہر کرو کہ تم اپنے متعلق اس کے شبہے سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس سے ذرا برابر خائف نہیں ہو۔"

ڈریلا اُسے حیرت سے دیکھتی رہی۔ اُسے اسکی آنکھیں حد درجہ خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔

نصرت خان باہر سے آیا تھا۔ نوکر نے اُسے اوور کوٹ اتارنے میں مدد دی اور پھر اوور کوٹ اور فلٹ ہیٹ لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

نصرت خان نے ایک طویل انگڑائی لے کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔

وہ خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔ یہاں شائد فون کی گھنٹی پہلے ہی سے بج رہی تھی۔ نصرت خان کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ وہ اب صرف سونا چاہتا تھا۔

"ہیلو....!" وہ ریسیور اٹھا کر غرایا۔

"ضرغام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ.... تم ہو دوست....!" نصرت مسکرایا۔

"ہاں میں ہی ہوں۔ دیکھو! سکس تھری کو پولیس لے گئی ہے۔"

"کیوں.... کس طرح۔"

"تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کا الزام ہے۔"

"اوہ.... تب پھر فکر کی کیا بات ہے۔" نصرت نے لاپروائی سے کہا۔

"الزام فرضی ہے۔ حقیقت کچھ اور ہے۔"

"تو بتاؤ نا.... دوست....!" نصرت جھنجھلا گیا۔

"فریدی کو کہیں سے طاقت کا سکہ مل گیا ہے اور وہ اس کے پیچھے ہے۔"

"سکس تھری...!" نصرت اپنی یادداشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہ تو شائد ہمارا ایک بینک ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کیپٹن حمید آج ایک ایسی لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا جسے سکہ کیش کرانا تھا۔"

"میں سمجھا۔ کیا تم اُس کے لئے پریشان ہو۔"

"نہیں! قطعی نہیں۔ ہمارے گرد فولاد کی دیواریں ہیں۔ تم طاقت کو کیا سمجھتے ہو۔ اس ملک اصلی حکمران وہی ہے۔"

"میں ابھی تمہیں اچھی طرح نہیں سمجھ سکا۔"

"مجھے سمجھنے کی کوشش کا دوسرا نام وقت کی بربادی ہے۔ سمجھے ضرغام۔"

"ہاں اتنا تو سمجھتا ہوں۔" نصرت نچلا ہونٹ چبا کر بولا۔ "پہلے تم میرے دوست تھے۔ یہ اُ وقت کی بات ہے جب میں غیر مہذب تھا اس وقت تم مجھ پر حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ تم نے آہ آہستہ مجھے مہذب بنایا اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ تمہارا غلام بنا رہنا پڑے گا۔"

"غلام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم اب بھی میر دوست ہو۔ حکمران تو حکومت نہیں کرتا۔ درحقیقت عنانِ حکومت اس کے دوستوں ہی ہاتھ میں ہوتی ہے۔ نہیں دوست! تم میرے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتے۔"

"خیر چھوڑو.... کام کی بات کرو۔" نصرت بولا۔

"تمہیں فریدی سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ اُسے خان جلال کے لڑکے کی تلاش ہے۔"

"فریدی کا تذکرہ سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں۔ لیکن میں نے اُسے آج تک نہ دیکھا۔ بس ایک بار مجھے معلوم ہو جائے کہ فریدی کون ہے۔"

کیا تم نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔ میں نے نہیں دیکھا۔"

"حالانکہ وہ تم سے کئی بار مل چکا ہے۔ اُسے شبہ ہے کہ تم نصرت خان ہی ہو۔"

"مجھے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ میں فریدی سے مل چکا ہوں۔"

"کل تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کل نیاگرا ہوٹل میں وہ بھی ہوگا۔"

"مجھے کون بتائے گا۔ کیا تم بھی وہاں موجود ہو گے۔"

"نہیں.... میں وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"پھر مجھے کون بتائے گا....!"

"طاقت کا کوئی دوست....!"

"اچھا تو میں کل ہی اُسے بھی دیکھ لوں گا۔"

"نہیں ضرغام! کل تم وہی کرو گے جس کیلئے کہا گیا ہے۔ کل کے پروگرام میں فریدی کو نہ شامل کرو۔ فریدی کی نشاندہی تو اسلئے کی جائے گی کہ تم اس کی عقابی نظروں سے محفوظ رہ سکو۔"

"اوہ.... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ میں یہاں کم از کم ایک آدمی سے ضرور خائف ہوں۔ نہیں دوست! میں یہ ذلت نہیں گوارا کر سکتا۔ پہلے فریدی اس کے بعد دوسرا کام۔"

"ضرغام.... تم وہی کرو گے جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم نے فریدی کا صرف نام سنا ہے۔ اسے دیکھا نہیں ہے۔ دیکھنے کے بعد بھی تم اس کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ نہیں کر پاؤ گے۔"

"دوست بس خاموش رہو۔" نصرت خان غرایا۔ "کیا تم چاہتے ہو کہ میں اسی وقت اُسے تلاش کر کے قتل کر دوں۔"

"اوہو! تم پھر غلط سمجھے۔" دوسری طرف سے ہنسنے کی آواز آئی۔ "تمہاری غصیلی آواز مجھے بہت پیاری لگتی ہے۔ اس لئے چھیڑ چھیڑ کر غصہ دلاتا ہوں۔ فریدی تمہارا ایک گھونسہ بھی برداشت نہ کر سکے گا۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی موت ہی تمہیں یہاں لائی ہے، لیکن دوست بہت زیادہ ضروری کام پہلے ہونے چاہئیں۔ سمجھے! اگر تم نے پہلے اسے قتل کر دیا تو پھر کام میں خاک لطف آئے گا۔ بات تو جب ہے کہ اُس کی موجودگی ہی میں وہ ہو جائے اور بیچارا بے بسوں کی طرح

اپنی ہی بوٹیاں نوچتا پھرے.... کیا سمجھے۔"

"ہوں.... میں سمجھ گیا۔"

"اچھا تو پھر یہی ہوگا نا....!"

"بالکل یہی ہوگا۔"

"وہاں تمہارے مددگار بھی ہوں گے۔"

"مجھے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ اچھا بس اب ختم کرو مجھے نیند آرہی ہے۔" نصر نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

حملہ اور تدارک

فریدی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر نہ تو غور و فکر کے آثار تھے جھنجھلاہٹ ہی کے۔ قریب ہی حمید آرام کرسی میں پڑا ہوا پائپ پی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ٹیلی فون کا کوئی نیا سسٹم ہو۔ ایسا جس کے ایکسچینج یا مرکزی اسٹ بولنے والوں کی تصویریں بھی دکھائی دیتی ہوں۔ یہی بات ہو سکتی ہے ورنہ وہ مشین جس متعلق تم بتاتے ہو کم از کم میری معلومات کے ذخیرے کے لئے تو ایک نئی ہی چیز ہے۔ اا بھی اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ دوسری طرف سے بولنے والے نے نہ صرف تمہارا نام مخاطب کیا بلکہ میرا حوالہ بھی دیا تھا۔

"کچھ بھی ہو، مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" حمید بڑبڑایا۔

"پرواہ مت کرو۔" فریدی مسکرایا۔ "کبھی کبھی تمہاری غلطیاں بھی میرے لئے بہت ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن اب تم اُس لڑکی ڈریلا سے ہوشیار رہنا۔"

"اگر وہ کبھی نظر آئی تب نا۔"

"ضرور نظر آئے گی۔ اس گروہ کا طریق کار نیا اور چونکا دینے والا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سربراہ حقیقتاً لومڑی ہو۔ ہو سکتا ہے شیر سے بھی زیادہ ثابت ہو۔ جیمس مارٹن والے آدمی بھی کہتا ہے کہ ڈریلا اپنی جگہ پر بدستور رہے گی۔"

"اگر ایسا ہوا تو پھر آپ دیکھئے گا۔"

"جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ ابھی تو ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ یہ گروہ چاہتا کیا ہے۔"

"بہرحال یہ ماننا پڑے گا کہ اس کی تنظیم بڑی زبردست ہے۔"

"ہاں.... آں....!"

کچھ دیر کے لئے پھر خاموشی ہو گئی۔

اب فریدی میز کے گوشے سے ٹک کر سگار سلگا رہا تھا۔

"لیکن آپ نے اُس آدمی کو پکڑنے کے لئے بلیک مارکیٹنگ کا کیس کیوں بنایا تھا۔" حمید نے پوچھا۔ "ویسے آپ اپنے مخصوص اجازت نامہ کو بھی کام میں لا سکتے تھے۔ اس کے تحت آپ کسی کو بھی گرفتاری کی وجہ بتائے بغیر حراست میں لے سکتے ہیں۔"

"میں فی الحال اس معاملے کو اتنا اہم نہیں سمجھتا کہ مخصوص اختیارات سے کام لوں۔"

"آج.... چھا....!" حمید نے جلے ہوئے پائپ کی راکھ ایش ٹرے میں الٹ کر ایک طویل انگڑائی لی اور بولا۔ "اُس نامعلوم آدمی کا چیلنج....!"

"چھوڑو....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اُس نے شاید جاسوسی ناول بہت زیادہ پڑھے ہیں۔"

"خیر.... آپ اسے اس طرح ٹال رہے ہیں.... لیکن.... میں....!"

"تم بھی صبر کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"حمید نے کچھ کہنے کے لئے ٹھنڈی سانس بھری لیکن اس کا وار خالی گیا کیونکہ ٹھیک اسی وقت ایک نوکر نے کمرے میں داخل ہو کر کسی کا تعارفی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔"

"ہائیں....!" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں اور اُس نے وہ کارڈ فریدی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ڈریلا مورگن....!" فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔ نوکر جا چکا تھا۔ فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "سچ مچ یہ لوگ کوئی جاسوسی ناول اسٹیج کر رہے ہیں۔ اچھا تم یہیں ٹھہرو۔ کم از کم پندرہ منٹ بعد تم ڈرائنگ روم میں آنا۔"

"ہائیں پندرہ منٹ بعد۔" حمید اپنی کھوپڑی سہلاتا ہوا بولا۔ "پندرہ منٹ بعد وہاں باقی کیا بچے گا۔"

"شٹ اپ....!" فریدی اُسے کرسی میں دھکا دیتا ہوا بولا اور کمرے سے نکل آیا۔

ڈریلا ڈرائنگ روم میں حمید کی منتظر تھی۔ لیکن دروازے میں سے ایک ایسا آدمی نظر آیا جس سے آنکھیں ملانا کم از کم اُس کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔ وہ بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگی۔ اُس نے اس سے پہلے فریدی کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"کیپٹن حمید ابھی آتے ہیں۔" فریدی ڈرائنگ روم میں داخل ہوتا ہوا آہستہ سے بولا اور ڈریلا بیساختہ کھڑی ہوگئی اُس کی یہ حرکت قطعی اضطراری تھی۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

ڈریلا بیٹھ گئی۔

"میں فریدی ہوں۔ شائد آپ نے میرا نام سنا ہو۔" فریدی نے مصافحہ کے لئے اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ میں نے سنا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی کے ہاتھ میں ڈریلا کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے اُسے بڑی نرمی سے چھوڑ دیا۔

فریدی اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"حمید بہت دلچسپ آدمی ہے۔ وہ اکثر مجھ سے آپ کا تذکرہ کرتا رہا ہے۔ تذکرہ نہیں بلکہ شاعری کہئے۔ لیکن وہ غلط نہیں کہتا تھا۔"

"ہاں وہ اکثر میرا مضحکہ بھی اڑاتا ہے۔" ڈریلا نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"آپ کا مضحکہ....!" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"میں آج تک سمجھ ہی نہ سکی کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔"

"شادی کی درخواست تو نہیں کی اُس نے کبھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں کبھی نہیں.... وہ عجیب آدمی ہے۔" ڈریلا نے کہا۔ اُس کی آواز کانپ رہی تھی اور اُس نے ایک بار بھی فریدی کے چہرے پر نظر ڈالنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

"کیا آپ کو میرا یہاں بیٹھنا ناگوار ہے۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... نہیں جناب۔"

"حمید میرا ایک محبوب ترین ساتھی ہے۔ اسی لئے مجھے اسکے دوستوں سے بھی محبت ہے۔"

ڈریلا نے اچٹتی نظر فریدی کے چہرے پر ڈالی اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ فریدی کہہ رہا

تھا۔ "لیکن آپ پہلی بار یہاں آئی ہیں۔ شاید آپ کی دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے۔"

"کیا حمید صاحب بہت مشغول ہیں۔" ڈریلا نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا جلدی میں ہوں۔"

"شاید دس منٹ اور بیٹھنا پڑے آپ کو۔" فریدی بولا۔

"اوہ.... تب تو میں معافی چاہتی ہوں۔" ڈریلا اٹھتی ہوئی بولی۔ "آپ ان سے کہئے گا کہ آج شام چھ بجے میرے گھر ضرور آئیں۔"

"بہتر ہے۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "ویسے اگر آپ بیٹھتیں تو مجھے خوشی ہوتی۔"

"پھر کبھی.... ضرور.... ملاقات ہوگی۔"

فریدی اُس کے ساتھ برآمدے تک آیا۔ پھر وہ پورچ میں اتر گئی۔ فریدی اسے جاتے دیکھتا رہا۔ حمید کہیں قریب ہی موجود تھا جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوئی وہ فریدی کے قریب آگیا۔

"بہت خوبصورت....!" فریدی بڑبڑاتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔

"جی.... کیا آپ نے کچھ کہا ہے.... یا میرا واہمہ ہے۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"نہیں واقعی وہ بہت دلکش ہے۔"

"خدا میرے بال بچوں کی مغفرت کرے۔" حمید اپنا سر سہلانے لگا۔

"مگر وہ چلی گئی۔" فریدی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

حمید چند لمحے نیچے سے اوپر تک اسکا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "کیا آپ مذاق کے موڈ میں ہیں۔"

"نہیں میں سنجیدہ ہوں۔"

"خدا سب کے دن پھیرے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"خیر.... ہاں آج شام نیاگرا میں ڈنر ہے۔ مقامی تاجروں نے وزیر تجارت کو دعوت دی ہے۔ ہم دونوں بھی معززین شہر کی حیثیت سے مدعو کئے گئے ہیں۔"

"لیکن میں تو آج چھ بجے شام کو ڈریلا کے گھر جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"بکواس مت کرو یہ غیر ضروری کام کل بھی ہو سکتا ہے۔"

"اوہو! تو آپ بھی دعوتوں کو ضروری قرار دینے لگے ہیں۔ آج بڑی انہونی باتوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔"

"ہاں یہ دعوت کم از کم میرے لئے ضروری ہے۔ اگر میرا بس چلتا تو میں وزیر تجارت
پبلک مقامات پر جانے ہی سے روک دیتا۔"

"کیا مصیبت ہے۔ بات ڈریلا سے وزیر تجارت پر پہنچ گئی۔"

"سنجیدگی سے.... ورنہ چانٹا ماردوں گا۔"

حمید خلاف توقع سنجیدہ نظر آنے لگا۔

اس وقت نئے وزیرِ تجارت کے خلاف بے تحاشہ سازشیں ہورہی ہیں اور سابق و
تجارت کے مستعفی ہونے کے بعد جب سرکاری حلقوں نے موجودہ وزیر تجارت کی تقرری
امکانات پر روشنی ڈالی تھی تو اس کے ٹھیک دوسرے ہی دن ان پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا تھا۔ تقر
کے بعد سیاسی جوڑ توڑ شروع ہوگئے۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وزیر تجارت پر دوبارہ حملہ ہو سکتا ہے۔"

"ہاں اس کے امکانات ہیں۔"

"میں آپ کے شبہے کی وجہ بھی معلوم کرنا چاہوں گا۔" حمید نے کہا۔

"یہ بات تمہاری سمجھ میں مشکل ہی سے آئے گی اور نہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ میں
کے اقتصادی مسائل پر بحث کرسکوں۔ بس اتنا سمجھ لو.... مگر.... نہیں.... اسے بھی جانے
ایک موٹی سی بات! نئی تجارتی پالیسی کا ابھی سرکاری طور پر اعلان نہیں ہوا۔ لیکن کیا تم نئی تجا
پالیسی سے واقف نہیں ہو۔ آخر اعلان سے پہلے یہ بات پبلک میں کیسے آگئی۔ اس کے قبل از و
انکشاف کی وجہ سے سرکاری حلقوں میں خاصی بے چینی پائی جاتی ہے۔ پالیسی بدلنے سے رہی۔
دنوں بعد اس پالیسی کا اعلان سرکاری طور پر بھی ہوجائے گا۔ اس پالیسی کی بناء پر کابینہ میں پھ
بھی پڑگئی ہے لیکن وزیرِ تجارت کی پشت پناہی ایک بہت ہی مضبوط پارٹی کررہی ہے اور یہ پالیسی
کے اشارے پر مرتب کی گئی ہے۔ پالیسی چونکہ متنازعہ ہے اس لئے اگر وزیر تجارت کا وجود در
سے ہٹ جائے تو وہ پالیسی سرکاری حیثیت کبھی نہ حاصل کرسکے گی۔ ملک کے چند بڑے س
داروں کا خیال ہے کہ یہ پالیسی ان کا کفن ثابت ہوگی۔ ویسے وزیر تجارت نے اپنے ایک بیان م
تھا کہ وہ پالیسی ہر ایک کیلئے مفید ثابت ہوگی اور اس سے ملک کا اقتصادی نظام سدھر جائے گا۔"

"کیا حقیقتاً اس پالیسی سے سرمایہ داروں کو نقصان پہنچے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے اس سے سروکار نہیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا "کیا وزیرِ تجارت اس خطرے سے آگاہ نہ ہوں گے۔"

"مجھے اس سے بھی بحث نہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "میں خطرہ محسوس کررہا ہوں
س لئے میں دیکھوں گا کہ میں اس کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔"

"کیا محکمے کی طرف سے بھی آپ کو اس کے لئے کوئی ہدایت ملی ہے۔"

"نہیں.... نیاگرا ہوٹل میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں گا۔ ویسے میں نے اس بات کا انتظام کیا ہے
ہ میری کرسی ٹھیک وزیر تجارت کے سامنے رہے۔ اُسی میز پر۔"

"معاف کیجئے گا۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "آخر آپ خدائی فوجدار کیوں بنتے جارہے ہیں۔
رورت ہو یا نہ ہو.... اپنی ٹانگ ضرور اڑائیں گے۔"

"برخوردار.... آخر اس مخصوص اجازت نامے کا مقصد کیا ہے۔ کیا وہ مجھے اس لئے ملا ہے
ہ اسے فریم کراکر ڈرائینگ روم کی کسی دیوار کی زینت بڑھاؤں۔"

"آپ نے اپنی زندگی خود ہی تلخ کرلی ہے۔"

"اپنی زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بہت شدت سے بور ہورہا تھا لیکن فریدی کا پروگرام
ل تھا۔ حمید نیاگرا ہوٹل کی بجائے ڈریلا کے گھر کا رخ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ مضمحل انداز میں قدم
ٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

✿

نیاگرا ہوٹل کی رونق آج پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گئی تھی۔

ڈنر کے بعد وزیر خزانہ سے ایک مختصر سی تقریر کی استدعا کی گئی۔ اگر استدعا نہ کی جاتی تب
بھی وہ تقریر ضرور کرتے کیونکہ تقریر تو ایک ہفتہ قبل ہی تیار کرلی گئی تھی۔ شعراء اور رہنمایان
قوم کی دعوتیں خالی از علت نہیں ہوتیں چونکہ دونوں ہی کی نظریں دور رس ہوتی ہیں لہٰذا دعوت
کا مقصد اُن سے کس طرح پوشیدہ رہ سکتا ہے۔

شاعر ایسے مواقع پر ہمیشہ مساوات کے گیت گاتا ہے اور رہنمائے قوم پر مساوات کا دورہ پڑتا
ہے۔ وہ عام آدمیوں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔

نیاگرا ہوٹل میں بھی دعوت کے بعد مراتب و درجات کی تمیز اڑ گئی۔ "عوامی" بڑے کوشش میں وزیرِ تجارت "گھریلو" بن گئے۔ کسی نے انہیں ایک بڑی میز پر چڑھا دیا اور حاضر کرسیاں چھوڑ کر اُس میز کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

وزیرِ تجارت تقریر کرتے رہے۔ نیاگرا کا ڈائیننگ ہال شورِ تحسین سے گونجتا رہا۔

پھر اچانک ایک عجیب بات ہوئی۔ کسی نے وزیرِ تجارت کو میز سے دھکیل دیا۔

وہ نیچے فرش پر گرے اور ساتھ ہی دو چیخیں ہال میں گونج کر رہ گئیں۔ ان میں سے ایک بڑی کربناک تھی۔

"زینے....!" کسی نے چیخ کر کہا "اوپری گیلریوں کے زینے۔ حمید.... رمیش.... ساجد

وزیرِ تجارت کو کئی آدمیوں نے مل کر اٹھایا لیکن اُس کی کسی نے خبر نہ لی جو قریب ہی فر پڑا تڑپ رہا تھا۔ ایک آدمی جس کی گردن میں بڑا سا خنجر پیوست تھا۔ وہ تو اُس کی دوسری آخری چیخ تھی جس نے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

وزیرِ تجارت بخیریت تھے۔

حمید نے بھی فضا میں تیرتے ہوئے خنجر کی چمک دیکھی تھی پھر اس نے چیخوں کے ہی فریدی کی آواز بھی سنی اور بے تحاشا زینوں کی طرف لپکا۔ یہ اوپری گیلری کے زینے تھے۔

وہ تیزی سے اوپر چڑھتا چلا گیا اور اوپر پہنچ کر اُس نے محسوس کیا کہ گیلری کی روشنی ابھی کسی نے بجھائی ہے۔

وہ بہت احتیاط سے پھر زینوں کی طرف ہٹنے لگا۔ آگے بڑھنے میں دھوکا کھانے کا بھی خ تھا کیونکہ پوری گیلری تاریک پڑی تھی۔

نیچے سے ابھرنے والا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ اُس نے زینوں پر بہت سے قدموں کی آ سنیں۔ غالباً لوگ اوپر آ رہے تھے۔ اچانک کوئی حمید سے ٹکرایا۔ ساتھ ہی اُسے ایسا محسوس ہوا اس کی داہنی کنپٹی پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ سر اس چکرایا کہ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔

پھر اُسے نہیں معلوم کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

اُس کی نیند آنکھوں میں کسی قسم کی تکلیف کی وجہ سے اچٹ گئی۔ کھڑکی سے آنے والی دھوپ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی اور سورج آنکھوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

یادداشت واپس آنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔

سب سے پہلے اس کی نظر نیاگرا کے منیجر پر پڑی۔ جو قریب ہی ایک آرام کرسی میں پڑا ہوا اخبار دیکھ رہا تھا۔

حمید کو اٹھتے دیکھ کر وہ اخبار پھینک کر کھڑا ہو گیا۔

"کپتان صاحب! آپ آرام کیجئے۔ ڈاکٹر کا یہی مشورہ ہے۔" اُس نے کہا۔

"تو کیا میں ابھی نیاگرا ہی میں ہوں۔"

"جی ہاں! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ مجھے حادثے کے متعلق بتائیے۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"حادثہ.... میرے خدا.... اب تک میرا ریشہ ریشہ کانپ رہا ہے۔ آپ اوپری گیلری میں بیہوش پائے گئے تھے۔ کرنل صاحب نہ ہوتے تو وہ خنجر آنریبل منسٹر ہی کے سینے میں پیوست ہوتا۔ پھر بھی.... آپ خود سوچئے کہ اس سے ہوٹل کا ریپوٹیشن کتنا خراب ہوا۔"

"وزیرِ تجارت بچ گئے نا۔"

"مگر محکمہ صنعت و تجارت کے ڈپٹی سکریٹری.... وہ خنجر اُن کی گردن میں لگا اور وہ بیچارے اسی وقت ختم ہو گئے۔ خنجر غالباً زہریلا تھا۔ فریدی صاحب اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ پھر بھی اُن کی پھرتی کی داد دینی ہی پڑے گی۔ آنریبل منسٹر کے سر میں کافی چوٹ آئی ہے لیکن پھر بھی وہ کرنل کے بہت زیادہ شکر گذار ہیں۔ ظاہر ہے زندگی کے مقابلے میں سر کی چوٹ کیا اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ....!"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور منیجر یہ کہتا ہوا میز کی طرف لپکا۔ "غالباً کرنل ہی ہوں گے۔ ہر دس منٹ پر آپ کے لئے فون کر رہے ہیں۔"

وہ ریسیور اٹھا کر "ہاں.... ہاں" کرتا رہا پھر مڑ کر حمید سے بولا۔ "کرنل صاحب۔"

حمید نے اٹھ کر ریسیور اُس سے لے لیا۔

"ہیلو....!"

"حمید....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم بالکل ٹھیک ہو نا۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اچھا تو فوراً آجاؤ.... اپنے متعلق کسی سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیڈی وہیں ہوٹل کے گیراج میں ہے۔ جتنی جلد ممکن ہو پہنچ جاؤ۔"

"میں ابھی آیا۔" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔" منیجر بولا۔ "آپ بیہوش تھے۔ یہ معمہ سمجھ میں نہ آیا۔"

"میں کہاں بیہوش تھا۔"

"اوپر.... گیلری میں.... اسی حصے میں جہاں سے خنجر پھینکا گیا تھا۔"

"آچ.... چھا.... خیر یہ واقعہ بھی کل کے اخبار میں آجائے گا۔ اچھا.... شکریہ۔ گیراج سے گاڑی نکلوا دیجئے۔"

نیا سیکریٹری

فریدی گھر ہی پر موجود تھا اور اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پچھلی رات پل بھر کے لئے بھی نہیں سویا۔

قبل اس کے کہ وہ حمید سے کچھ پوچھتا حمید ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

"تو وہ اُس وقت بھی گیلری ہی میں موجود تھا۔" فریدی نے ختم ہوئے ہوئے سگار کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ "دراصل غلطی مجھ ہی سے ہوئی تھی۔ میں بھیڑ کو کنٹرول نہ کر سکا۔ لوگ بے تحاشا گیلری میں پہنچ گئے اور مجرم کو اس بھیڑ میں گم ہو جانے کا موقع مل گیا۔"

"کیا آپ نے اسے خنجر پھینکتے دیکھ لیا تھا۔"

"ظاہر ہے.... ورنہ ڈپٹی سیکریٹری کی بجائے وزیر تجارت ہی رخصت ہو گئے ہوتے۔"

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "آپ سراغرساں نہیں بلکہ کوئی پہنچے ہوئے بزرگ معلوم ہوتے ہیں یا پھر اَب ہم لوگ کسی جاسوسی ناول ہی کے کردار ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"کیوں....؟"

"ارے جناب آپ کو پہلے ہی سے الہام ہو گیا تھا کہ وزیرِ تجارت پر حملہ ضرور ہو گا اور آپ کچھ اس طرح سے انتظام میں منہمک تھے جیسے اگر حملہ ہوا بھی تو آپ اسے ناکام بنا دیں گے اور وہی ہوا بھی۔"

"ہاں معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے اگر واقعات کا تجزیہ نہ کیا جائے تو دنیا کا ہر واقعہ معجزہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ حملے کے امکانات پر پہلے ہی روشنی ڈال چکا ہوں۔ اسباب بھی بتائے تھے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ حملہ ہو ہی جائے گا اور پھر مجھے خنجر کی توقع تو تھی ہی نہیں.... ایسے مواقع پر عموماً زہر ہی استعمال کیا جاتا ہے اس کیلئے میں نے یقیناً کافی انتظامات کئے تھے اور کوئی بھی چیز طبی معائنے کے بغیر وزیر تجارت کے سامنے نہیں گئی۔ دوسرا امکان ریوالور کا ہو سکتا تھا۔ اس کیلئے بھی میں سب کچھ کر گذرا تلاشی لئے بغیر کسی کو بھی اندر نہیں جانے دیا تھا۔ بہتیرے تو اس پر بگڑ کر واپس ہی چلے گئے تھے۔ حمید صاحب اگر واقعی حملہ نہ ہوا ہوتا تو آج صبح کے اخبارات محکمہ سراغرسانی پر اس بُری طرح برستے کہ مزا ہی آجاتا۔ کل میں نے بڑے بڑے آدمیوں کی جیبیں ٹٹولی ہیں لیکن پھر بھی خنجر کسی نہ کسی طرح اندر پہنچ ہی گیا۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے ہی سے کہیں چھپا دیا گیا ہو۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" حمید بولا۔ "مگر سوال تو یہ ہے کہ ہر طرح مطمئن ہو جانیکے بعد بھی آپ نے کسطرح حملہ آور کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ مطمئن ہو جانے کے بعد نفسیاتی نکتہ نظر سے....!"

"میں سمجھ گیا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "نفسیاتی ہی نکتہ نظر سے ایسے مواقع پر مطمئن ہو جانے کے بعد بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ پھینکے ہوئے خنجر کی زد سے انہیں کیسے بچا لیا گیا۔"

"جی ہاں.... میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ایک معمولی سی مضحکہ خیز بات ہے۔ آنریبل منسٹر شروع میں بہت زیادہ سنجیدہ رہے۔ پھر آہستہ آہستہ اُن کا رویہ کچھ عوامی سا ہوتا گیا اور پھر ان کی سپورٹسمین اسپرٹ بالکل ہی بیدار ہو گئی اور وہ تقریر کرنے کے لئے میز پر جا چڑھے۔ میز پر چڑھنے کی ترغیب دینے والی ایک عورت تھی میں نے شروع ہی سے اسے منسٹر صاحب کے گرد منڈلاتے دیکھا تھا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ کچھ مضطرب سی ہے کسی سے گفتگو کرتے وقت بھی اس کے چہرے سے ذہنی پراگندگی صاف ظاہر ہوتی تھی۔ آنکھوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ مخاطب کی طرف متوجہ ہونے کے

باوجود بھی کوئی غیر متعلق بات سوچ رہی ہے جیسے ہی وزیر موصوف نے تقریر کرنے پر آمادگی ظاہر کی وہ پہلے سے زیادہ بے چین نظر آنے لگی لیکن پھر بھی وہ کافی گھل مل کر آنریبل منسٹر سے گفتگو کررہی تھی.... اور پھر اس نے انہیں میز پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے کا مشورہ دیا۔ وزیر موصوف کے عوامی جذبات اچھی طرح بیدار ہو گئے تھے اور غالباً وہ سچ مچ یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ وہ اپنے خاندان کے افراد کے درمیان موجود ہیں اس لئے بے تکلفانہ ماحول پیدا کرنے کے لئے میز پر جا چڑھے۔ عورت ان کے قریب ہی قریب رہی۔ حالانکہ وہ میز کے نیچے تھی لیکن میز ہی پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی اور اس کی نظریں بار بار اوپری گیلری کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اسے کسی بات کا انتظار ہے۔ کبھی کبھی وہ کنکھیوں سے وزیر موصوف کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ وہ تقریر کررہے تھے لیکن اس عورت کی بے چین آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں سن رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ میری دلچسپی کافی بڑھ گئی ہوگی۔ پھر نہ صرف وہ عورت بلکہ اوپری گیلری بھی میری توجہ کا مرکز بن گئی۔ کچھ دیر بعد میں نے دبیز پردے کے پیچھے کسی چیز کی چمک دیکھی پردے کے پیچھے سے ایک ہاتھ نکلا.... اور میں نے آنریبل منسٹر کو میز سے دھکیل دیا۔"

"وہ عورت کون تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"زوبی....!"

"زوبی....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "سر جمشید کی بہن.... وہ تو ایک بہت مشہور سیاسی لیڈر بھی ہے۔"

"وہی.... اور ایک بڑے پاگل کی بیوی بھی۔"

"پاگل کی بیوی.... کیا مطلب....!"

"مطلب بہت جلد واضح ہو جائے گا۔ تمہیں زوبی سے بہت قریب رہنا ہے۔"

"ہے تو اچھی خاصی! مگر نہیں! سیاست سے دلچسپی لینے والی عورتیں عموماً بور ہی ثابت ہوتی ہیں۔"

"اور تم بعض اوقات ان پر بھی سبقت لے جاتے ہو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

کچھ دیر خاموش رہی پھر فریدی بولا۔ "جہاں تم بیہوش پائے گئے تھے وہاں ایک جوڑا سفید دستانے بھی ملے ہیں اور سب سے زیادہ دلچسپ چیز ایک پرس جس میں سو سو کے تین نوٹوں کے

علاوہ پانچ سنہرے سکے بھی موجود ہیں۔"

"سنہرے سکے۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں دہرایا۔

"سنہرے سکے۔ غالباً حملہ آور بہت ہی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے فرار ہوا ہے اور یہ سنہرے سکے.... یہ کسی انتہائی خطرناک تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"اور جس کا سربراہ آپ کو کھلے ہوئے الفاظ میں چیلنج کر چکا ہے۔" حمید بولا۔

"میری حقیقت ہی کیا ہے۔ پچھلی رات کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا چیلنج حکومت کیلئے ہے۔ پہلے تو میں یہ سمجھا تھا کہ وہ کوئی ایسا مجرم ہے جو اپنی حرکات میں ڈرامائی انداز پیدا کرکے پولیس کو بیوقوف بنانا چاہتا ہے مگر اب.... مجھے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔"

"خنجر کے دستے پر نشانات بھی نہیں ملے۔"

"قطعی احمقانہ سوال ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس قسم کے مجمعے میں کسی پر حملہ کرنے والے اناڑی نہیں ہوا کرتے اور تمہاری معلومات میں اضافہ کے لئے یہ بھی کہتا چلوں کہ خنجر دستے سے پکڑ کر نہیں پھینکے جاتے۔"

"خیر.... لیکن اب آپ کیا کریں گے۔"

"فی الحال تمہارے دماغ کا علاج کرنا ہے میں نے پچھلی رات محض زینوں کی نگرانی کے لئے کہا تھا۔ تم آخر اوپر کیوں دوڑے گئے تھے۔"

"صرف اس لئے کہ صبح تک بیہوش رہنا چاہتا تھا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ورنہ آپ رات بھر مجھے بور کرتے رہتے۔"

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "تم.... تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اپنی زندگی سے بیزار ہو جاؤ اور میں آج ہی تمہیں یہ سزا دینے والا ہوں۔ تم کچھ دنوں تک سر فیروز کے پرائیویٹ سیکریٹری کے فرائض انجام دو گے۔"

"کیا مطلب! کون سر فیروز.... وہی زوبی کا شوہر نا۔"

"ہاں وہی....!"

"لیکن آپ نے ابھی اُسے ایک پاگل کی بیوی کہا تھا۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ ایسا پاگل نہیں ہے کہ تمہارا منہ نوچنے کی کوشش کرے۔"

"اور پرائیویٹ سیکریٹری.... میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔"

"تقریباً ایک ہفتے سے اس کی طرف سے اخبارات میں پرائیویٹ سیکریٹری کے لئے اشتہ[ار] شائع ہورہا ہے۔"

"ابھی تک اسے کوئی آدمی نہیں ملا۔" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً یہ تمہارے لئے حیرت کی بات ہوگی۔ لیکن اُس کے پاس کوئی بھی تین دن سے زیا[دہ] نہیں ٹکتا۔"

"کیوں....؟" حمید کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔

"وہ خبطی ہے جس طرح وہ چاہتا ہے لوگ اس طرح نہیں رہتے اور بس اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔ اس کے پاس ابھی تک ڈاکٹر زیتو[1] جیسی شخصیت کا کوئی آدمی نہیں پہنچا۔ مجھے توقع ہے کہ وہ تمہارے لئے بہترین قسم کی تفریح مہیا کرے گا۔"

"ایسی بات.... اچھا.... زوبی بھی ہے۔ خیر میں تیار ہوں۔"

"مگر ایک بات سوچ لو۔ میں یہ نہ سنوں کہ اس نے تمہیں تین دن ہی بعد نکال دیا۔ تمہ[یں] ہر حال میں وہاں اس وقت تک ٹھہرنا پڑے گا جب تک میں چاہوں۔ مقصد زوبی کی نگرانی اور ا[س] کے ملنے والوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانا ہے۔"

"مگر اتنا تو آپ مجھے بتا ہی دیں گے کہ لوگ کس بناء پر وہاں نہیں ٹھہرتے۔"

"سرفیروز کا خبط۔ تم نے محض اس کا نام ہی سنا ہے یا کبھی دیکھا بھی ہے۔"

"نہیں دیکھا تو نہیں ہے۔"

"نہ دیکھا ہوگا۔ بہر حال میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ نیم دیوانہ ہے۔ لیکن بے ضر[ر] صرف دماغ چاٹتا ہے۔"

"فکر نہیں! میں تیار ہوں۔"

"مگر اصل مقصد سے لاپرواہ نہیں ہوگے۔"

"آپ مطمئن رہئے۔"

"اچھا.... اشتہار میں ملنے کا وقت تین سے چھ بجے تک دیا گیا ہے۔ تم آج ہی جاؤ گے۔ ا[ب]

[1] ڈاکٹر زیتو کی دلچسپ داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "چیختے دریچے" جلد نمبر 11 ملاحظہ کیجئے۔

میں کوتاہی نہ ہو اور وہاں.... میک اپ ضروری ہے حالانکہ میں خود بھی اس عطائی پن کو بیسویں صدی کے شایانِ شان نہیں سمجھتا مگر کیا کیا جائے۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ اسکے بغیر کام نہیں چلے گا۔ ہم لوگ اب یہاں والوں کیلئے اجنبی نہیں رہے۔ مجھے سرکاری تقریبات نے برباد کیا اور تمہیں عورتوں نے.... ورنہ ہمارے پیشے کے لئے گمنام ہی قسم کی زندگی زیادہ مناسب ہوتی ہے۔"

"میک اپ کی فکر نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر وہی پلاسٹک میک اپ ہونا چاہئے تاکہ مجھے روز روز محنت نہ کرنی پڑے اور ہاں... ایک استدعا اور ہے میک اپ میں کشش ضرور ہونا چاہئے۔"

"کیوں.... نہیں یہ ضروری نہیں۔"

"ضروری ہے جناب۔ میں لعنت بھیجتا ہوں اُس ساعت پر جب کوئی لڑکی مجھے ایک بار دیکھ کر دوسری بار نہ دیکھے۔ خدارا مجھ سے میری یہ مسرت نہ چھینئے گا۔"

"دیکھا جائے گا۔ تم ایک گھنٹے بعد تجربہ گاہ میں آجانا۔" فریدی نے کہتے ہوئے اسے چلے جانے کا اشارہ کیا۔

سرفیروز کی عالی شان کوٹھی کے ایک کمرے میں تین نوجوان لڑکیاں مغموم بیٹھی تھیں۔

"میں تو اب خودکشی کرلوں گی۔" اُن میں سے ایک نے یک بیک کہا۔

"پھر ہم دو ہی رہ جائیں گی۔" دوسری ٹھنڈی سانس لے کر بولی اور تیسری بیساختہ ہنس پڑی۔ پھر وہ بھی سنجیدہ ہو کر دعا مانگنے کے سے انداز میں بولی۔ "اے پروردگار بھیج کسی کو۔ ایسے کو بھیج جو کم از کم ایک ہفتہ تو چل سکے۔"

"آمین....!" بقیہ دو لڑکیوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ورنہ....!" تیسری بڑبڑائی۔ "ٹھیک تین بجے سے چھ بجے تک میرے خدا میں بور ہو کر مرجاؤں گی۔ ارے خدا کے لئے تم دونوں میں سے کوئی آج میرے بدلے چلی جائے میں آج یونہی بور ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ متواتر دو دن تک اس کے عوض جاتی رہوں گی۔"

"نہیں.... یہ ناممکن ہے۔" دونوں نے کہا۔

"اچھا....!" تیسری نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہوگئی۔

اتنے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"ایک آیا ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ شائد وہ دوڑ کر یہاں تک آیا تھا۔

"کون....!" ایک نے پوچھا۔

"سیکریٹری....!"

"ویری گڈ....!" تیسری اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"لاؤ.... اُسے یہیں لاؤ" ایک بولی۔ "سب کچھ سمجھا دیں۔ کاش یہ تین ہی دن رک جائے" نوکر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نوجوان کے ساتھ پھر واپس آیا۔ لڑکیوں نے اجنبی تنقیدی نظریں ڈالیں۔ یہ پچیس سال سے زیادہ نہ ہوگا۔ چہرہ دلکش لیکن آنکھیں کچھ کھوئی کھوئی تھیں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ آنکھوں پر موٹے فریم اور دبیز شیشوں عینک تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس نے عینک اتار کر شیشے صاف کیے پھر دوبارہ ناک پر جما کر لڑکیوں کو باری باری سے گھورنے لگا۔

"آپ حضرات میں سے سرفیروز کون صاحب ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"سرفیروز....!" ایک لڑکی مسکرائی۔ "ہم میں سے.... کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ لڑکیاں ہیں۔"

"میں لڑکیوں کا پرائیویٹ سیکریٹری بننا پسند نہیں کروں گا۔ سمجھے۔" وہ نوکر کو گھونسہ دکھا کر بولا

"چلے گا....!" ایک لڑکی گہری سانس لے کر آہستہ سے بولی۔

"تشریف رکھیے۔ سرفیروز سے پندرہ منٹ بعد ملاقات ہو سکے گی۔"

"تشریف....!" اجنبی نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں۔"

"مگر اشتہار میں تشریف کے متعلق کچھ نہیں تھا اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تشریف کہتے ہیں۔"

"مطلب یہ ہے کہ بیٹھ جائیے۔ کیا آپ کو اردو نہیں آتی۔"

"کیا میں فرانسیسی میں گفتگو کر رہا ہوں۔" اجنبی جھلا گیا۔

"چلے گا۔ سو فیصدی چلے گا۔" ایک نے جھک کر دوسری کے کان میں کہا۔ "خدا کی قسم آجائے گا۔ اس گھر میں ہر وقت قہقہے گونجیں گے۔"

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" اجنبی نے تیسری لڑکی کو للکارا۔

"تشریف رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھ جائیے۔" اُس نے جواب دیا۔

"ایسی بات کس کام کی جس کا مطلب سمجھانا پڑے۔ لاحول ولا قوۃ.... تشریف رکھیے۔ گویا آدمی نہ ہوا.... آٹے کا بورا ہوا۔"

"سبھی بولتے ہیں۔"

"کتے بھی تو بھونکتے ہیں۔ آپ بھی بھونکیے۔" اجنبی جھنجھلا گیا۔ "کیا سرفیروز بھی اسی قسم کی بے تکی گفتگو کے عادی ہیں۔"

"نہیں وہ آپ سے زیادہ فلسفی ہیں۔" ایک لڑکی نے قہقہہ لگایا۔

"تب تو ٹھیک ہے۔ ورنہ مجھے انٹرویو کے دوران ہی میں واک آؤٹ کر جانا پڑتا۔"

"ارے تم کیا دیکھتے ہو۔" ایک لڑکی نے نوکر سے کہا۔ "چائے لاؤ۔"

"نہیں شکریہ۔" اجنبی بولا۔ "میں ابھی پرسوں ہی چائے پی چکا ہوں۔"

"کیا بات ہوئی۔" لڑکی اپنی ساتھیوں کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولی۔

"مجھ سے پوچھیے۔" اجنبی گرج کر بولا۔ "کیا آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔"

"نہیں جناب قطعی نہیں۔ ہم لوگ بھی ہفتے میں صرف ایک بار چائے پیتے ہیں۔ ویسے ہم نے سمجھا شاید آپ روزانہ پیتے ہوں۔"

"جب مجھے غصہ آتا ہے تو دن میں کئی بار چائے پیتا ہوں۔"

"کیا بات ہوئی۔" اُس لڑکی نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"بات یہ ہوئی کہ جب مجھے غصہ آئے گا تو وہ باورچی ہی پر اترے گا۔ سمجھیں آپ۔ مطلب یہ ہے کہ میں اس طرح باورچی کو سزا دیتا ہوں۔"

"شادی ہو گئی ہے آپ کی۔" ایک نے پوچھا۔

"میں کیوں بتاؤں کہ نہیں ہوئی۔ ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ آپ کو ذاتیات سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے۔"

لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"واہ وا.... اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ آگیا مجھے غصہ۔" اجنبی نوکر کی طرف جھلا کر پلٹا۔

"ابے کیا دیکھتا ہے چائے لا۔"

نوکر بھی ہنس پڑا۔

"چائے....!" اجنبی پھر دہاڑا۔ نوکر بدستور ہنستا رہا.... اور اجنبی نے "چائے لا، چائے لا" کی گردان کرتے ہوئے اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

خبطی بوڑھا

لڑکیوں کے قہقہے، اجنبی کی چیخم دہاڑ۔ خدا کی پناہ۔ ذرا سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہاں چوپایوں کے ریوڑ گھس آئے ہوں۔

"سرفیروز.... سرفیروز....!" اجنبی حلق پھاڑ کر چیخا اور لڑکیاں یک بیک خاموش ہو گئیں اور نوکر تو کھسک ہی گیا۔

"کہاں ہیں سرفیروز.... میں اُن سے تم لوگوں کی شکایت کروں گا۔" اجنبی نے گرج کر کہا۔

"میں یہاں ہوں۔" کسی نے پشت سے کہا اور اجنبی یکلخت آواز کی طرف مڑا۔

دروازے میں ایک پستہ قد اور گٹھیلے جسم والا بوڑھا کھڑا تھا اور وہ اس طرح اپنی پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے کافی دیر تک اندھیرے میں رہنے کے بعد یک بیک روشنی میں آگیا ہو۔

اس کی پیشانی کافی کشادہ تھی اور مونچھوں کے سفید بال کمانوں کی طرح نچلے ہونٹ پر جھکے ہوئے تھے۔

"آپ سرفیروز ہیں۔" اجنبی نے پوچھا۔

"ہاں.... ہاں.... میں سرفیروز ہوں۔ اگر سرفیروز نہ ہوتا تو اس عمارت میں کیسے ہوتا۔ یہ سرفیروز کی کوٹھی ہے۔"

"آچ.... چھا! تو گویا یہاں ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ سرفیروز ہیں۔ یہاں جو بھی پایا جائے وہ سرفیروز ہی ہوگا۔ یہ لڑکیاں سرفیروز ہیں۔ میں سرفیروز ہوں، آپ سرفیروز ہیں اور .... وہ کہاں گیا.... نوکر.... وہ بھی.... یعنی کہ....!"

"آپ کون ہیں۔" سرفیروز نے پوچھا۔

"آپ کے بیان کے مطابق میں سرفیروز ہوں۔ ورنہ یہاں کیوں پایا جاتا۔" اجنبی نے رائی سے کہا۔

"آپ کی تعریف....!" سرفیروز نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اوہ.... چچا جان۔" ایک لڑکی بولی۔ "یہ سکریٹری ہیں۔ نئے سکریٹری ہم نے انہیں منتخب ا ہے۔"

"سکریٹری۔" سرفیروز مسرت آمیز لہجے میں چیخا اور اجنبی کی طرف اس طرح جھپٹا جیسے دنوں بعد کوئی بچھڑا ہوا دوست ملا ہو۔ وہ اجنبی سے بغل گیر ہو گیا، اور پھر اچانک کمرے میں عجب قسم کی آواز گونجی۔ اجنبی سرفیروز کے شانے پر سر رکھے بلک بلک کر رو رہا تھا۔

"ہائیں.... ارے.... ارے.... بھئی۔ سرفیروز بوکھلا کر اس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔ لڑکیاں ہکا دنوں کو گھور رہی تھیں۔"

"بس کرو.... بھائی.... بس میاں! ارے.... ارے.... تمہیں کیا تکلیف ہے۔"

"حلق میں کل سے تکلیف ہے.... ہینہ.... ہینہ....!" اجنبی ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔ "کوئی دوا ہ نہیں کرتی۔"

"ہائیں.... یہ بات ہے۔" سرفیروز زور سے بولا۔ "زوبی.... زوبی.... تم کہاں ہو۔"

"چچی موجود نہیں ہیں۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"ارے تم تو موجود ہو۔ فون کرو ڈاکٹر کو۔ سکریٹری کے حلق میں درد ہے۔ فوراً آئیے۔"

لڑکیاں حیرت سے ایک دوسری کو گھورتی ہوئی کمرے سے چلی گئیں۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" سرفیروز اجنبی کو چمکارتا ہوا ایک صوفے کی طرف لے گیا اور پھر ے بٹھا کر خود صوفے کے ہتھے پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے حلق کے درد کا مریض نقاہت کا بھی کار ہو اور اُسے کسی کے بازوؤں کے سہارے کی ضرورت ہو۔"

سرفیروز اُسے داہنے بازو کا سہارا دیتے ہوئے بائیں ہاتھ سے اس کا سر سہلا رہا تھا۔

لڑکیاں پھر واپس آگئیں۔

"کر دیا فون....!" سرفیروز نے پوچھا۔

"جی ہاں....!" جواب ملا۔

اجنبی نے رونا بند کر دیا تھا۔ مگر اُسکی ناک سے اب بھی عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھ

"دیکھو....!" سر فیروز صوفے کے ہتھے سے اٹھتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر کے آنے تک سیکریٹری خیال رکھنا۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"ضرور.... ضرور.... ہم خیال رکھیں گے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

سر فیروز کمرے سے چلا گیا۔

لڑکیاں چند لمحے آپس میں اشارے کرتی رہیں پھر ایک سیکریٹری کی طرف بڑھی۔

"سیکریٹری صاحب! آپ کی تعلیم کہاں تک ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"یہاں سے ہمالیہ پہاڑ تک۔"

"یعنی....!"

"کیا آپ مجھے جاہل سمجھتی ہیں۔ میں آئس کریم کا اسپیشلسٹ ہوں۔ سمجھیں محترمہ۔"

"سمجھ گئی۔" لڑکی سر ہلا کر بولی۔ "پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں.... اوہ ٹھیک! سمجھ سردیوں میں آئس کریم نہیں چلتی۔"

"کن لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔" سیکریٹری اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "بھلا آئس کر کیسے چلے گی کیا وہ کوئی جاندار چیز ہے۔"

"آپ رونے کیوں لگے تھے۔" دوسری لڑکی نے پوچھا۔

"کون میں۔" سیکریٹری بگڑ کر بولا۔ "کہیں آپ گھاس تو نہیں کھا گئی ہیں۔"

"سیکریٹری! تم بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔" تیسری کو غصہ آگیا۔

"میں سر فیروز کا سیکریٹری ہوں تمہارا نہیں۔"

"اگر میں چاہوں تو تم یہاں سیکریٹری نہیں ہو سکتے۔"

"ضرور چاہو۔ ہمیشہ چاہتی رہو۔ مجھے پرواہ نہیں۔"

اتنے میں نوکر نے ڈاکٹر کی آمد کی اطلاع دی۔

ڈاکٹر اور سر فیروز کمرے میں داخل ہوئے۔

سر فیروز ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ہاں.... آں.... بلایا تو تھا مگر یاد نہیں آرہا ہے کہ کس لئے بلایا تھا۔"

"حلق میں درد....!" وہ لڑکی سیکریٹری کی طرف دیکھ کر بولی جس سے کچھ دیر قبل اس کی جھڑپ ہو چکی تھی۔

"جی ہاں۔ ان کے حلق میں درد ہے۔" سیکریٹری نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ.... ہاں.... ڈاکٹر۔" سر فیروز سر ہلا کر بولا۔ "اف فوہ.... بیٹی۔ مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر کے آنے میں دیر ہوئی۔ ڈاکٹر ذرا اسے دیکھو تو.... پچھلی رات یہ روتی اور چیختی رہی تھی۔"

"ہاں.... اچھا....!" ڈاکٹر نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ پھر لڑکی سے بولا۔

"کیا صرف تھوک نگلنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے یا ویسے بھی درد معلوم ہوتا ہے۔"

"ویسے بھی معلوم ہوتا ہے۔" سیکریٹری نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر لڑکی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لڑکی کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز بولا۔

"ارے ان کے حلق میں درد ہے۔" لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔

"شرارت نہیں لڑکی۔" سر فیروز آنکھیں نکال کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

"میں اچھی بھلی ہوں چچا جان۔"

"پھر وہی بکواس۔ بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز نے جھنجھلا کر کہا۔

"بیٹھ جایئے نا۔" سیکریٹری نے ٹکڑا لگایا۔ "بزرگوں کی بات ٹالنا بد نصیبی کی علامت ہے۔"

لڑکی اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی بیٹھ گئی۔ دوسری لڑکیاں منہ دبائے ہنس رہی تھیں۔

"منہ کھولئے۔" ڈاکٹر نے لڑکی کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا۔ "اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹارچ تھی جسے وہ اُس کے چہرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھا۔"

"چلو منہ کھولو جلدی....!" سر فیروز گرجا۔

لڑکی نے منہ کھول دیا۔ ڈاکٹر ٹارچ روشن کر کے کچھ دیکھتا رہا۔ پھر تشویش آمیز انداز میں سر ہلا کر الگ ہو گیا۔

"کیا رات بھر روتی چیختی رہی ہیں۔" اُس نے سر فیروز سے پوچھا۔

"ہاں.... ڈاکٹر....!"

"تب تو میرا خیال ہے کہ حلق میں پھوڑا بن رہا ہے۔"

"میں کہتی ہوں.... کیا بے تکی....!"

"تم چپ رہو۔" سر فیروز گرجا۔ "یقیناً پھوڑا بن رہا ہے۔ انتہائی خطرناک ڈاکٹر فوراً کوئی تدبیر ہونی چاہئے۔"

"فی الحال تھروٹ پینٹ لگا کر دیکھتا ہوں۔" ڈاکٹر اپنے بیگ سے کسی دھات کی سلائی نکال کر اس کے سر پر روئی لپیٹتا ہوا بولا۔

"میں کہتی ہوں۔"

"پھر وہی بکواس.... خاموش رہو۔" سر فیروز نے پھر اُسے ڈانٹ دیا۔

ڈاکٹر روئی کی پھُریری تھروٹ پینٹ میں ڈبو کر لڑکی کی طرف بڑھا۔

"منہ کھولئے۔"

لڑکی نے منہ کھول دیا اور تھروٹ پینٹ کی پھریری اُس کے حلق میں اترتی چلی گئی۔ اُسے اوبکائی آگئی اور ڈاکٹر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ لڑکی اسے دھکا دیتی ہوئی اٹھ کر بھاگی۔

"میں عاجز آگیا ہوں ان لڑکیوں سے۔" سر فیروز نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ دونوں بھی کچھ بیمار سی نظر آرہی ہیں۔" سیکریٹری نے لقمہ دیا۔

"جہنم میں جائیں۔" سر فیروز بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "لیکن تم کون ہو۔"

"اوہو.... میں تو آپ کا سیکریٹری ہوں۔"

"تو یہاں بیٹھے کیوں جھک مار رہے ہو۔ میرے ساتھ آؤ.... اور ڈاکٹر اس کے لئے تم جو مناسب سمجھو کرو۔ یہ لڑکیاں میرے بس سے باہر ہو گئی ہیں۔"

وہ سیکریٹری کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

دونوں آگے پیچھے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے کی وضع بھی انوکھی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ کسی کمہار کی دوکان ہو۔ ہر طرف مٹی کے کھلونوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ میز پر کھلونے۔ صوفوں پر کھلونے۔ فرش پر کھلونے۔ الماریوں میں کھلونے اور یہ سب مٹی کے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

سیکریٹری نے مٹی کے کھلونے ایک طرف کھسکا دیئے اور بیٹھتا ہوا بولا۔ "آج موسم خوشگوار ہے۔"

"ڈکٹیشن....!" سر فیروز نے میز پر رکھے ہوئے کاغذ قلم اور دوات کی طرف اشارہ کیا۔

سیکریٹری کاغذ اور پنسل سنبھال کر بیٹھ گیا۔

"لکھو.... گنگاوتی کو بعد سلام شوق معلوم ہو کہ میں کھلونوں کی دیکھ بھال اچھی طرح کر رہا ہوں۔ کیا لکھا.... ہاں ٹھیک ہے.... آگے لکھو.... میں اب اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔ آؤ اپنی دوکان سنبھالو.... کیا لکھا.... ہاں.... ٹھیک ہے.... بس کرو.... اتنا کافی ہے۔"

سر فیروز خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چونک کر بڑبڑانے لگا۔ "دو دو آنے.... چار چار آنے.... دو دو آنے.... چار چر آنے.... دو دو آنے چار چر آنے۔"

سیکریٹری کافی دلچسپی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ سر فیروز کی آواز بلند ہوتی گئی۔ اس کے سامنے میز پر مٹی کے کھلونوں کی قطار تھی اور وہ "دو دو آنے چار چار" کی ہانک لگا رہا تھا۔

تھپڑ اور مینڈھے

رات کہرآلود تھی۔ سردی سے در و دیوار تک ٹھٹھرے ہوئے تھے۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا لیکن پھر بھی شہر کی رونق پر اضمحلال اور پژمردگی کا حملہ ہو چکا تھا۔ شاہراہوں پر کہر میں لپٹی ہوئی روشنی اونگھتی سی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن شراب خانے، ہوٹل اور نائٹ کلب اب بھی آباد تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شاہراہوں کی روح کھینچ کر ان عمارتوں میں اُتر آئی ہو۔

فٹ پاتھ قریب قریب ویران ہو چکے تھے۔ فرینکلن بار کے سامنے والے فٹ پاتھ پر ایک دراز قد آدمی دیر سے کھڑا شائد کسی کا منتظر تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ رنگ کا لمبا کوٹ تھا اور سر پر اطالوی وضع کا گہرا نیلا فلٹ ہیٹ۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار آکر اسی کے قریب رک گئی۔

"بہت انتظار کرایا لیڈی زوبی۔" وہ آدمی کار کی اگلی نشست کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔

"ہاں مجھے پندرہ منٹ تک ایک ضروری کام میں الجھا رہنا پڑا۔" کار کے اندر سے ایک مترنم سی آواز آئی۔

وہ آدمی زوبی کے برابر بیٹھ گیا اور کار پھر چل پڑی۔ زوبی ہی کار ڈرائیو کر رہی تھی اس کی ع
پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ خاصی پُرکشش عورت تھی تھوڑے سے بال ہمیشہ اس کی
پیشانی پر بکھرے رہتے تھے۔ رہن سہن کے طریقے سے خود کو انٹلکچوال ظاہر کرنے کی عادی تھی
ہمیشہ اعلیٰ قسم کا لباس بے ڈھنگے پن سے استعمال کرتی تھی۔ زیورات کی بھی شائق تھی۔ لیکن
پیروں میں عموماً گھٹیا قسم کے سستے چپل ہوا کرتے تھے۔

"آج کہاں چلنا ہوگا۔" مرد نے پوچھا۔

"ابھی مجھے نہیں معلوم۔" زوبی نے جواب دیا۔

"میں اکثر سوچتا ہوں لیڈی زوبی....!"

"کیا سوچتے ہیں۔"

"طاقت کے متعلق....!"

"فضول ہے۔ طاقت ایک تنظیم کا نام ہے۔" زوبی نے کہا۔ "جو لوگ اسے کسی ایک فرد
منسوب کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔"

"لیڈی زوبی! احکامات تو کسی فرد واحد ہی سے ملتے ہیں۔"

"ہر تنظیم کا ایک سربراہ ہوا کرتا ہے۔"

"وہ کون ہے۔"

"ہوگا کوئی۔ اس سے غرض ہی کیا ہے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ ہم گیارہ آدمیوں میں سے ایک یقیناً سربراہ ہے۔" مرد نے کہا۔

"مجھے یقین ہے.... کہ آپ غلطی پر ہیں۔"

"کیوں.... میں غلطی پر کیوں ہوں۔"

"ہم گیارہ کی موجودگی میں بھی اُس کی آواز ٹرانسمیٹر میں سنائی دیتی ہے۔" زوبی نے کہا۔
مرد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اُس نے کہا۔ "لیڈی زوبی یہ
تو ہو سکتا ہے کہ ہم اُس کے پیغامات کے ریکارڈ ٹرانسمیٹروں پر سنتے ہیں۔"

"ہوگا.... ہمیں اس سے بحث ہی کیوں ہو۔" زوبی نے لاپروائی سے کہا۔

"لیڈی زوبی۔ میں اکثر سوچتا ہوں اگر وہ ہمیں پھنسا کر خود کبھی الگ ہوگیا تو۔"

"آپ کے خیالات.... مجھے افسوس ہے۔ افسوس کی بات ہے اگر گیارہ بڑوں میں سے کوئی
ں قسم کے خیالات کا اظہار کرے۔"

"ہاں واقعی افسوس کی بات ہے۔" مرد نے کہا۔ "لیکن.... کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے گیارہ
وں کی فہرست سے نکال دیا جائے۔"

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ اگر کہئے تو آج ہی کی میٹنگ میں اس معاملے کو پیش کروں۔"

"مگر اس کا ردعمل کیا ہوگا۔"

"آپ کی علیحدگی۔"

"مجھے اس میں شبہ ہے۔" مرد بولا۔

"کیوں؟ کیسا شبہ۔"

"ممکن ہے آپ لوگوں کو خیال ہو کہ میں علیحدگی اختیار کرنیکے بعد طاقت کا راز فاش کردوں۔"

زوبی ہنسنے لگی۔

"یہ تنظیم اتنی کچی نہیں ہے۔ آپ ثبوت کہاں سے فراہم کریں گے۔ کیا لیڈی زوبی کے
ار پر کوئی شبہ کر سکے گا۔ کیا نو بڑے آدمیوں کے متعلق کوئی ایسا سوچ سکے گا۔ ہرگز نہیں۔ اگر
پ نے ہمارے متعلق کچھ کہنا بھی چاہا تو لوگ آپ کو پاگل سمجھیں گے۔"

مرد بھی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اچھا
ی زوبی میں شکر گذار ہوں گا اگر آپ گیارہ بڑوں کی فہرست سے میرا نام خارج کرا سکیں۔"

"ہو جائے گا۔ مطمئن رہئے۔ لیکن میں تنظیم سے اس بیزاری کی وجہ ضرور پوچھوں گی۔"

"بیزاری نہیں ہے۔ اگر مجھے سربراہ کی شخصیت کا علم ہو جائے تو میں تنظیم کے لئے جان
مارے سکتا ہوں۔"

"سربراہ کی شخصیت تنظیم کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہم سربراہ کے نہیں تنظیم کے
ادار ہیں۔ سربراہ کوئی بھی ہو۔"

"یہ بات نہیں.... آخر وہ کھل کر سامنے کیوں نہیں آتا۔"

"یہ بھی تنظیم ہی کا ایک جزو ہے۔"

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ سربراہ کو ہم پر اعتماد نہیں ہے۔" مرد بولا۔

"آپ واقعی اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کا شمار تنظیم کے بڑوں میں کیا جائے۔"

"کیوں....؟" مرد کے لہجے میں تحیر تھا۔

"آپ تنظیم کے بنیادی فلسفے ہی سے واقف نہیں ہیں۔"

"کیا تنظیم کا کوئی فلسفہ بھی ہے۔" مرد کے لہجے میں طنز تھا۔

"قطعی ہے اور اس کا تعلق براہِ راست تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے ہے۔"

"میں ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"تنظیم کے سربراہ کی شخصیت ہمیشہ پردہ راز میں رہے گی وہ کبھی عام آدمیوں کے نہیں آئے گا کیونکہ عمومیت آدمی کو بے وقعت کر دیتی ہے۔ لوگوں پر نہ انسانیت حکوم ہے نہ شرافت بلکہ خوف حکومت کرتا ہے۔ ان دیکھی شخصیتوں کا خوف ہی لوگوں کو جھکائے رکھنے پر مجبور کر سکتا ہے اس لئے ہماری تنظیم کا سربراہ کھل کر کبھی سامنے نہ آئے

"تو وہ حکومت کرنا چاہتا ہے۔" مرد نے پوچھا۔

"کر رہا ہے۔ ملک پر اس کے علاوہ اور کس کی حکومت ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا چاہے گا وہی ہوگا۔ مثال کے طور پر نئی تجارتی پالیسی ہی کو لے لیجئے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اعلان کبھی نہ ہو سکے گا۔"

"مگر.... وزیرِ تجارت تو بہر حال بچ گیا۔"

"پرواہ نہیں.... کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ نئی تجارتی پالیسی فائیلوں ہی رہ جائے گی۔"

مرد تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ہنسنے لگا۔

"لیڈی زوبی۔ میں ابھی تک مذاق کر رہا تھا۔ تنظیم سے علیحدگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اس کا افسوس ضرور ہے کہ ابھی تک میں تنظیم کے بنیادی سے ناواقف تھا۔"

"خیر.... کوئی بات نہیں۔ بہتیرے ناواقف ہیں بات دراصل یہ ہے کہ ہمارا دستو نہیں۔ بہر حال اگر آپ مزید معلومات چاہتے ہیں تو کبھی اطمینان سے ملئے تب میں آپ گی کہ یہ تنظیم کتنی ہمہ گیر اور ٹھوس ہے۔"

"میں ضرور ملوں گا لیڈی زوبی۔"

"اوہ.... ہم غالباً دوسری منزل پر پہنچ گئے۔" زوبی نے کہا۔ کار ایک گلی میں داخل ہو رہی تھی۔ تھوڑی دور چل کر زوبی نے کار روک دی پھر اُس نے سامنے والے مکان کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس دروازے پر تین بار دستک دیجئے۔ یہیں سے ہمیں میٹنگ کے مقام کا پتہ معلوم ہوگا۔ ذرا جلدی کیجئے۔"

مرد کار سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھا۔ زوبی اپنے وینٹی بیگ سے ریوالور نکال چکی تھی۔ ابھی وہ دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ پے در پے دو فائر ہوئے۔ ایک چیخ بلند ہوئی اور زوبی کی کار فراٹے بھرتی ہوئی گلی پار کر گئی۔

"تمہارا نام گیارہ بڑوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔" زوبی نے پرسکون لہجے میں بڑبڑائی اور اس کی کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ ایک عظیم الشان عمارت کے سامنے رکی جس کے پھاٹک پر "ضرغام" کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

وہ کار سے اتر کر برآمدے میں آئی۔ یہاں ایک ملازم نے اسے اوور کوٹ اتارنے میں مدد دی اور دوسرا نوکر اُسے اس کمرے میں لے گیا جہاں پہلے ہی سے نو آدمی موجود تھے۔ نصرت خان میز کے آخری سرے پر تھا یعنی وہی اس میٹنگ کی صدارت کر رہا تھا۔ زوبی کو دیکھ کر نصرت خان کے علاوہ اور سب کھڑے ہوگئے۔ زوبی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ اب کاروائی شروع کر دی جائے۔" ایک آدمی بولا۔ "وقت ہو گیا ہے اب گیارہویں کا انتظار کب تک کیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" نصرت خان بولا۔ وہ زوبی کی طرف دیکھ کر عجیب انداز میں مسکرایا تھا۔

"میٹنگ کا مقصد....!" نصرت خان نے آہستہ سے کہا۔ "اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ نئی تجارتی پالیسی کے اعلان کو روکنے کے لئے کوئی مؤثر قدم اٹھایا جائے۔"

"سب سے پہلے ہم پچھلی رات والے حملے کی ناکامی کے اسباب معلوم کرنا چاہیں گے۔" ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا اور پھر بیٹھ گیا۔

"اس واقعے کو نہ چھیڑا جائے تو بہتر ہے۔" نصرت خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"میں بتاتی ہوں۔" زوبی نے کہا۔ "یہ سب کچھ ایک نامعقول آدمی کی دخل اندازی کی بنا
ہوا تھا۔ ورنہ حملے کی کامیابی میں شبہ بھی نہ کیا جاسکتا۔"

"وہ آدمی تو آئندہ بھی روڑے اٹکاتا رہے گا۔" سوال کرنے والے نے کہا۔

"اُس کے لئے بھی کچھ سوچا جائے گا۔" زوبی نے جواب دیا۔

"مگر....!" ایک دوسرے آدمی نے کہا۔ "کیا وہ سازش سے پہلے ہی باخبر ہوگیا تھا۔"

"یہ ناممکن ہے۔" نصرت خان غرایا۔

"پھر کیا وہ.... کسی غیر انسانی قوت کا مالک ہے۔ یہ تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ خو
پھینکے جانے کا منتظر ہی رہا ہو۔"

"محض اتفاق!" زوبی نے کہا۔

نصرت خان غصے میں بھن رہا تھا لیکن زوبی بار بار اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتی تھی۔ وہ ا
ناکامی کا تذکرہ نہیں سننا چاہتا تھا۔ زوبی چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔

"دراصل ہم سے شروع ہی میں غلطی ہوئی۔ تجارتی پالیسی کے اعلان کو روکنے کا طر
ناقص تھا۔ ہمیں اس طرح کام کرنا چاہئے کہ ملک میں ہراس نہ پھیلے اس طرح ہم فریدی ج
آدمیوں کی بھی نظر سے بچے رہیں گے۔"

اس جملے پر نصرت خان نے جھلا کر کچھ کہنا چاہا لیکن زوبی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب میرے ذہن میں ایک دوسری اسکیم ہے۔" زوبی پھر بولی۔ "میرا دعویٰ ہے کہ اگر
کامیاب ہوجائے تو نئی تجارتی پالیسی کا مسودہ کسی ردی فروش کی دوکان ہی پر بک سکے گا اور ہم
کسی کو منظر عام پر بھی آنے کی ضرورت نہ پیش آئے گی۔"

"پہلے ہی وہی اسکیم بنائی ہوتی۔" کسی نے زوبی سے کہا۔

"غلطیاں آدمی ہی کرتے ہیں۔" زوبی خشک لہجے میں بولی۔ لیکن اس کا موڈ جلد ہی ٹھ
ہوگیا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ "اگر ہماری حکومت کے تعلقات ایک ملک
خراب ہوجائیں تو نئی تجارتی پالیسی کو بے بسی کی موت مرنا پڑے گا۔"

ان میں سے ایک آدمی ہنسنے لگا۔

"میں آپ کی ہنسی کا مطلب نہیں سمجھی۔" زوبی نے کہا۔

"کچھ نہیں.... آپ بیان جاری رکھئے۔" اُس نے جواب دیا۔

زوبی نے اپنے شانوں کو لاپروائی کے اظہار میں جنبش دی اور بولی۔ "سوال پیدا ہوتا ہے کہ
تعلقات کیسے خراب کرائے جائیں۔ طریقہ نہایت آسان ہے لیکن طریقہ صرف ان حضرات کو
بتایا جاسکے گا جو اس کے لئے کچھ کام کرسکیں۔"

"طریقہ معلوم کئے بغیر ہم کام کرنے کا اندازہ کیسے کرسکتے ہیں۔" ایک آدمی بولا۔

"یہ میں جانتی ہوں کہ آپ میں سے کون اس کے لئے مناسب ہے۔ بہرحال جو لوگ
مناسب ہیں انہیں کے سامنے اسکیم رکھی جاسکتی ہے۔"

"پھر ہم سب کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔" ایک نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"طاقت کا حکم۔" زوبی آہستہ سے بولی۔

پھر اس پر کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

زوبی نے کہنا شروع کیا۔ "سر جگدیش، پرنس جسپال سنگھ، سیٹھ گنگولی.... آپ تینوں
حضرات اس کام کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔ کل ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے رات کو آپ برکلے ہاؤز
میں تشریف لائیں گے اور بقیہ حضرات اگر اسے بے اعتمادی تصور کریں تو یہ ان کی زیادتی ہوگی
اگر یہ بے اعتمادی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہمارا سربراہ ہم میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں کرتا
کیونکہ وہ آج تک ہمارے سامنے نہیں آیا۔"

"نہیں.... یہ بات نہیں.... ہم مطمئن ہیں۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

"کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر مجلس برخاست ہوگئی۔ زوبی کے علاوہ
سب چلے گئے۔"

ضرغام خاموش بیٹھا زوبی کو گھور رہا تھا۔

"تمہاری تیز مزاجی سے میں تنگ آگئی ہوں۔" زوبی اٹھلائی۔

"چپ رہو۔ پتہ نہیں کیوں میں تمہارا اتنا خیال کرتا ہوں۔" نصرت غرایا۔

"نہیں ضرغام ڈیئر! غصہ اچھی چیز نہیں۔"

"پرنس شمشاد کیوں نہیں آیا۔" ضرغام نے پوچھا۔

"میں نے اس کا نام فہرست سے خارج کردیا ہے۔" زوبی ہنس پڑی۔ "احتیاطاً ایک فائر اور

کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ صبح اس کی اکڑی ہوئی لاش ملے گی۔"

"اسی لئے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی ہو۔" نصرت خان نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"نہیں ڈیئر! مجھے طاقت سے جو حکم ملا تھا اُس کے مطابق....!"

"طاقت...!" ضرغام تمسخر آمیز انداز میں ہنسا۔ "میرے سامنے یہ مضحکہ خیز نام نہ دہرایا کرو"

"ضرغام میں تمہیں بہت چاہتی ہوں۔ لیکن طاقت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی۔"

"تم کیا کرو گی میرا....!" ضرغام غرایا۔

"میں تم سے درخواست کروں گی کہ طاقت کا احترام کرنا سیکھو۔"

"اب میں کتے کے پلے کا بھی احترام کروں گا کیونکہ اب میں خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو گیا ہوں"

"کیوں....؟"

"میرا نشانہ خطا کرنے لگا ہے۔"

"فضول بک رہے ہو۔ اگر فریدی اسے دھکیل نہ دیتا تو تمہارا خنجر ٹھیک سینے ہی پر اترتا۔"

"فریدی....!" نصرت خان دانت پیس کر رہ گیا۔

"پرنس جسپال کا کہنا کسی حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے۔ شائد فریدی ہماری راہ پر ہے۔ اسے کسی طرح ہماری اسکیم کا علم ہو گیا تھا۔"

"اب میری راہ....! تم لوگوں سے الگ ہو گئی ہے۔" نصرت خان بولا۔ "تم تجارتی با کے چکر میں ہو.... اور میرا شکار.... میں اُسے ہر حال میں مار ڈالوں گا۔"

"کسے.... فریدی کو۔"

"ہاں.... میں اسے....!"

"ٹھہرو! ضرغام میری بات سنو۔ اگر اس سے بھڑے بغیر ہی ہمارا کام چل جائے تو ہمیں سے بھڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہمارے کام میں رکاوٹ پڑے۔ فریدی کے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں لیکن آج تک اسے کوئی بھی ٹھکانے نہیں لگا سکا۔ جو اُ سے بھڑا خود فنا ہو گیا۔ شہر کے بُرے آدمی اُسے "ہزار آنکھوں" والے کے نام سے یاد کر ہیں۔ تم اس سلسلے میں طاقت سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا۔"

"میں تمہارے طاقت کی طرح چوہا نہیں ہوں۔"

"ضرغام.... اپنی زبان بند کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری محبت....!"

"خاموش رہو۔ کیا تم مجھے بھی پرنس شمشاد سمجھتی ہو۔"

"میں طاقت کے لئے توہین آمیز الفاظ نہیں سن سکتی۔"

دوسرے لمحے میں زوبی کے داہنے گال پر ایک زوردار تھپڑ پڑا اور وہ کرسی سے لڑھک گئی۔ نصرت خان اسے بالوں سے پکڑ کر دوبارہ اٹھاتا ہوا بولا۔ "میں بدتمیز محبوباؤں سے اسی طرح پیش آتا ہوں۔"

"ہاں.... ہاں.... مارو....!" زوبی ہانپتی ہوئی بولی۔ "رک کیوں گئے۔ اُس وقت تک مارتے رہو جب تک میں مر نہ جاؤں لیکن طاقت....!"

"طاقت....!" اس کے گال پر دوسرا تھپڑ پڑا۔

گیارہ بجے زوبی اپنی کوٹھی میں واپس آئی۔ اُس کا موڈ بہت زیادہ خراب تھا۔ اُسے اپنے گالوں پر اتنا پوڈر اور روژ تھوپنا پڑا تھا کہ اپنی شکل سے خود ہی گھن آنے لگی۔ لیکن یہ نہ کرتی تو نصرت خان کی انگلیوں کے نشانات کس طرح چھپتے۔

جیسے ہی اُس نے راہداری میں قدم رکھا اُسے عجیب قسم کا شور سنائی دیا۔ یہ اس کے لئے ایک نئی بات تھی۔ اُس کے قدم آواز کی طرف اٹھنے لگے۔

اور پھر ہال میں اُس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ وسط میں دو مینڈھے ایک دوسرے کو ٹکر مار رہے تھے۔ ایک سرے پر سر فیروز کھڑا تھا اور دوسرے سرے پر ایک نوجوان جسے زوبی نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سر فیروز کی تینوں بھتیجیاں، عالیہ، شہزاد اور نوشابہ بھی وہاں موجود تھیں۔

"پکڑیئے۔" دفعتاً نوجوان نے للکار کر کہا۔ "پکڑیئے... جناب آپکا مینڈھا فاؤل کر رہا ہے۔"

"ارے جاؤ جاؤ۔" سر فیروز ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تمہارا خود فاؤل کرتا ہوگا۔"

لڑکیاں زوبی کے نزدیک آ گئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" زوبی نے پوچھا۔

"مینڈھے لڑ رہے ہیں۔" نوشابہ بولی۔

"یہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں۔ مگر یہ بالکل نئی حرکت ہے۔ یہ آدمی کون ہے۔"

"چچا کا نیا سیکریٹری....!" شہزاد نے کہا۔ "پہلے سیکریٹری بھاگتے تھے مگر اب شاید ا سیکریٹری کی وجہ سے ہم سب کو گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔"

"دیکھئے آپ کا مینڈھا زیادتی کر رہا ہے۔" سیکریٹری جھلا کر بولا۔

"کون سا....؟" سر فیروز نے پوچھا۔

"وہ....چتکبرا....!" سیکریٹری نے جواب دیا۔

"ارے....بکو نہیں....وہ تمہارا ہے۔"

"ہرگز نہیں آپ کا ہے۔"

"پھر وہی بکواس۔ میں کہتا ہوں وہ تمہارا ہے۔"

"اچھا ثابت کیجئے کہ وہ میرا ہے۔"

"ثابت ہو گیا....چلو ٹھیک ہے۔"

"آپ ٹھیک سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہی ہو گا۔" سیکریٹری نے بے بسی سے کہا۔

اس دوران میں شہزاد زوبی کو عالیہ کے حلق میں تھروٹ پینٹ لگنے کا لطیفہ سناتی رہی۔ ا نے یہ بھی بتایا کہ نئے سیکریٹری نے سر فیروز کو مشورہ دیا ہے کہ کوٹھی کا کوئی گوشہ مٹی ک کھلونوں سے خالی نہ رہے۔ چنانچہ کل سے اس پر عملدر آمد شروع ہو جائے گا۔

"یہ آخر ہے کون....کہاں سے آیا ہے؟" زوبی بڑبڑائی۔

"مجھے تو کوئی کالج اسٹوڈنٹ معلوم ہوتا ہے، جو تفریح اور وقت گذاری کے لئے یہاں آ ہے۔" عالیہ نے کہا۔

زوبی تشویش آمیز نظروں سے سیکریٹری کو دیکھتی رہی۔

"زوبی....!" دفعتاً سر فیروز نے اُسے آواز دی۔

"فرمائیے۔" زوبی کا لہجہ تنفر آمیز تھا۔

"میں نے تمہارے لئے بھی ایک مینڈھا منگوایا ہے۔"

زوبی کچھ کہے بغیر ہال سے چلی گئی۔ وہ سیکریٹری کی وجہ سے الجھن میں پڑ گئی تھی۔ وہ سو رہی تھی کہ نچلے طبقے کے لوگ بڑے آدمیوں کے کتوں سے بھی بے تکلف ہونے کی ہمت نہ رکھتے۔ آخر یہ ہے کون۔ ویسے سر فیروز کی طرح وہ بھی اسے دیوانہ ہی معلوم ہوا تھا مگر اس

آنکھوں میں کوئی ایسی بات نہیں دکھائی دی تھی جو اُس کے دماغی خلل کی طرف اشارہ کرتی۔ وہ سوچنے لگی۔ ممکن ہے عالیہ ہی کا خیال درست ہو۔

وہ بڑی دیر تک اپنی خواب گاہ میں ٹہلتی رہی۔ کوٹھی پر سکوت مسلط ہو چکا تھا۔ مینڈھوں کی لڑائی شاید ختم ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ زبردستی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیند سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ساتھ ہی بار بار گھڑی کی طرف بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

پھر ٹھیک ڈیڑھ بجے اٹھ کر ایک بڑا سا صندوق کھولا۔ اس میں سے ایک عجیب وضع کی مشین نکالی اور اس کا پلگ سوئچ بورڈ پر نصب کر دیا۔ مشین سے ایک ریسیور بھی منسلک تھا۔ پلگ لگاتے ہی مشین چل پڑی تھی۔

"ہیلو....!" زوبی نے ماؤتھ پیس میں کہا اور مشین میں تیزی سے گردش کرنے والی ایک چرخی روشن ہو گئی۔

"زوبی....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا خبر ہے۔"

"سب ٹھیک ہے جناب۔ کل میں نے اُن تین آدمیوں کو برکلے ہاوز میں طلب کیا ہے جن کے متعلق آپ نے ہدایت دی تھی۔"

"ٹھیک ہے....اور کوئی خاص بات۔"

"گیارہ بڑوں میں سے ایک کم ہو گیا ہے۔ وہ آپ کے متعلق شبہات میں مبتلا تھا اس لئے میں نے اُس ختم کر دیا۔"

"غالباً تم پرنس شمشاد کی بات کر رہی ہو۔"

"جی ہاں....وہی تھا۔"

"لیکن وہ زندہ ہے۔ بہت چالاک آدمی ہے۔ خیر میں اسے دیکھوں گا۔ تمہاری ایک بھی گولی اس کے نہیں لگی۔ تم پرواہ مت کرو۔ اس کا خیال ہی ترک کر دو۔ وہ تنظیم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ثبوت کہاں سے مہیا کرے گا اور یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ بچ گیا۔ میں فی الحال کشت خون نہیں چاہتا۔ تجارتی پالیسی سے نپٹنے کے بعد دیکھا جائے گا۔ لیکن ضرغام پر کڑی نظر رکھنا....سمجھیں....اچھا بس....شب بخیر....!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

سکہ ساز

کرنل فریدی نے کاغذات ایک طرف رکھ دیئے اور پھر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میز پر رکھے ہوئے فون کا بزر بول اٹھا۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ آئی جی کے آفس سے طلبی ہوئی تھی۔ فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے جماہی لی اور سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

آئی جی کے اردلی نے اس کے لئے دروازے کی چق اٹھائی اور وہ اندر چلا گیا۔

آئی جی تنہا تھا اور اچھے موڈ میں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی۔

فریدی اس کا اشارہ پا کر بیٹھ گیا۔

"کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں سازش کا علم کیونکر ہوا تھا۔" آئی جی نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ یقین کیجئے کہ مجھے صرف شبہہ تھا۔"

"شبہے کی بھی آخر کوئی وجہ ہوتی ہے۔"

فریدی نے شبہے کی وجہ دہرا دی جس کا تذکرہ وہ حمید سے بھی کر چکا تھا۔

ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اگر شبہے کی وجہ صرف اتنی سی ہے تو مجھے کہنے دو کہ کوئی غیبی قوت تمہاری مدد کرتی ہے۔"

"غیبی قوت تو سب کی مدد کرتی ہے لیکن.... کیا شبہے کی وجہ جاندار نہیں ہے۔"

"نہیں! میرا خیال ہے کہ نہیں۔ بھلا وزیر تجارت کی موت سے تجارتی پالیسی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اس کا اعلان تو بہر حال ہو جائے گا۔"

"اس کا اعلان غیر سرکاری طور پر تو ہو ہی چکا ہے۔ آخر سرکاری اعلان سے پہلے وہ منظر عام پر کیوں اور کس طرح آگئی۔"

"ہاں یہ تو ہوا ہے اور اس کے سلسلے میں تحقیقات بھی ہو رہی ہیں۔"

"لیکن کیوں ہوا.... کس طرح ہوا۔"

"آپس کے اختلافات....!"

"تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وزیر تجارت کی مخالفت کرنے والے مضبوط نہیں ہیں ورنہ وہ تجارتی پالیسی مرتب ہی نہ ہو پاتی۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

"اب یہ بات ماننی پڑے گی کہ کچھ لوگ اس پالیسی کے حق میں نہیں ہیں ورنہ قبل از وقت وہ منظر عام پر کیوں آجاتی۔"

"یہ بھی مانتا ہوں لیکن وزیر تجارت کی موت کی بناء پر تجارتی پالیسی کا اعلان کیسے رک جاتا اس پر روشنی ڈالو۔"

"آپ انسان کے ذاتی اثر کے تو قائل ہوں گے ہی۔"

"قطعی ہوں۔"

"وزیر تجارت کی پارٹی بہت مضبوط ہے اور اس استحکام کی وجہ خود وزیر تجارت کا ذاتی اثر ہے۔ اگر وہ ختم ہو جائیں تو پارٹی میں پھوٹ پڑ جائے گی اور پھوٹ پڑ جانے کے بعد تجارتی پالیسی کا جو حشر ہوگا.... ظاہر ہے۔"

"بات اب سمجھ میں آگئی۔ اصلیت یہ ہے کہ مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسی لئے میں ان معاملات پر غور بھی نہیں کرتا۔" ڈی آئی جی نے کہا.... پھر ہنس کر بولا۔ "جہاں تم جیسا کام کرنے والا موجود ہو وہاں لامحالہ بقیہ لوگ ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔"

"قطعی نہیں جناب! ماتحتوں کو آفیسروں ہی سے روشنی ملتی ہے۔"

کچھ دیر تک فریدی خاموش رہا.... پھر بولا۔ "اور یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ ایک خفیہ تنظیم کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔"

"خفیہ تنظیم....!" آئی جی نے حیرت سے دہرایا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"جی ہاں....! کچھ دنوں قبل میں نے ایک سگریٹ فروش کو تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کے سلسلے میں گرفتار کیا تھا۔"

"ہاں میں نے سنا تھا اور مجھے اس پر حیرت بھی ہوئی تھی کہ تم....!"

"وہ کیس بالکل فرضی تھا۔"

"کیا مطلب.....!" آئی جی اُسے تیکھی نظروں سے گھورنے لگا۔

"جی ہاں! ضرورتاً ایسا کیا گیا تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر اسے پوری روئیداد دہرانی پڑی۔ اس نے ان طلائی سکوں کا بھی تذکرہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ نیاگرا ہوٹل کی بالائی گیلری میں بھی ایک پرس ملا تھا اور اُس سے ویسے ہی طلائی سکے برآمد ہوئے تھے۔

"کیا سکے تمہارے پاس ہیں۔" آئی جی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں.....!" فریدی نے کہا اور تین چار سکے جیب سے نکال کر آئی جی کے سامنے ڈال دیئے۔

وہ کافی دیر تک ان کا جائزہ لیتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "عجیب بات ہے اور ایک سکے کے عوض دو ہزار روپے۔"

"جی ہاں! اب تک کا مشاہدہ تو یہی ہے۔ اُس لڑکی کو بھی دو ہزار ملے تھے اور حمید نے بھی دو ہی ہزار پائے۔"

"جلدی کر گیا۔" آئی جی نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"اس وقت میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ حمید نے جلدی میں کام بگاڑ دیا مگر اب سوچتا ہوں کہ اگر حمید سے یہ حرکت سرزد نہ ہوتی تب بھی ہم تنظیم کے نچلے طبقے کے لوگوں کے ذریعہ سرغنہ تک نہ پہنچ سکتے۔"

"ارے تو تم نے اس تنظیم میں طبقات کا بھی تعین کر لیا ہے۔"

"ہاں جناب انداز تو کچھ ایسے ہی ہیں۔"

آئی جی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم عنقریب کسی بڑی الجھن میں مبتلا ہونے والے ہیں۔"

"حالات ایسے ہی ہیں..... اور..... میں اب ایک دوسرے خطرے کے امکانات پر بھی غور کر رہا ہوں۔"

"کیسا خطرہ۔"

"مجھے یقین ہے کہ وزیر تجارت پر کسی ذاتی مناقشے کی بناء پر حملہ نہیں ہوا تھا۔ اگر ہم فسادی

جو تجارتی پالیسی کو تسلیم کر لیں تو کسی نئے خطرے کا امکان بدستور قائم رہتا ہے۔ کچھ نامعلوم افراد یہ چاہتے ہیں کہ پالیسی کا اعلان نہ ہو سکے اب اس کیلئے وہ کوئی دوسرا طریقہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"ہاں ہو سکتا ہے۔"

"میں اُسی دوسرے طریقے کے متعلق غور کر رہا ہوں۔"

"لیکن طریقے کے متعلق غور کرنے سے تو کام نہیں چلے گا۔ یہ بات بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ وزیر تجارت پر حملے کی وجہ سے ملک میں ہراس پھیل گیا ہے۔ اخبارات حملہ آور کی تلاش کے لئے چیخ رہے ہیں۔ فی الحال مقدم چیز ہے بھی یہی..... سب سے پہلے تمہیں حملہ آوروں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

"کوشش آپ جانتے ہیں کہ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ لیکن اس مقصد کو سامنے رکھ کر کوشش کرنا پانی سے مکھن نکالنے کے مترادف ہوگا۔"

"کیوں.....؟"

"حملہ آور کو پکڑ بھی لیا تب بھی سازشی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس سے ملک کو جو نقصان پہنچے گا اس کی تلافی ناممکن ہوگی۔"

"پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"تجارتی پالیسی کے خلاف سازش کو ناکام بنانا۔ ہو سکتا ہے اس کوشش میں مجرم بھی ہاتھ آجائیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آئی۔ جی نے کہا۔ "یوں تو..... سارا محکمہ ہی اس سلسلے میں کام کر رہا ہے۔ لیکن مجھے تمہارے علاوہ اور کسی پر اعتماد نہیں۔"

"یہ آپ کی عنایت ہے۔ خدا نے چاہا تو آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگے گی۔"

"مجھے براہِ راست حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔"

"ایسا ہی ہوگا۔ آپ مطمئن رہیں۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ اس میں اس کی تمام تر ذمہ داری خود پر نہیں لے سکتا۔"

"کیا مطلب.....!"

"یہی کہ میں ہر معاملے میں آپ کے مشورے کا پابند رہوں گا۔"

"ٹھیک..... میں یہی چاہتا ہوں۔"

فریدی وہاں سے پھر اپنے آفس میں واپس آ گیا۔ چند لمحے سگار سے شغل کرتا رہا پھر فو سے ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

"ہیلو.... اوہ.... میں کرائم رپورٹر انور سے ملنا چاہتا ہوں۔ شکریہ.... ہیلو.... انور م فریدی بول رہا ہوں۔ کیا تم نے حالات پر اچھی طرح غور کر لیا.... ہوں.... ہوں.... اچھا.... آج سات بجے ہائی سرکل نائٹ کلب میں ملو.... ہاں.... ہاں.... ٹھیک ہے۔"

ریسیور رکھ کر اس نے بجھا ہوا سگار سلگایا اور سرجنٹ رمیش کی طرف دیکھنے لگا جو اپنی ڈیسک پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ انداز سے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ لیکن اُس نے اُ مخاطب نہیں کیا۔

کلاک نے چار بجائے اور فریدی نے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کو سمیٹ کر دراز میں رکھ دیا۔

"کیا تم ابھی بیٹھو گے رمیش....!" اُس نے رمیش سے پوچھا۔

"جی ہاں.... مجھے کچھ کاغذات مکمل کرنے ہیں۔"

"اچھا.... اگر اس دوران میں میرا کوئی فون آئے تو پیغام نوٹ کر لینا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ کیڈیلاک میں بیٹھا ہوا بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں شمار الجھاوے تھے جن کی جھلک اُس کے چہرے پر بھی نظر آ رہی تھی۔ لیکن بندرگاہ کے علا میں داخل ہوتے ہی اسکا چہرہ اس طرح پُرسکون نظر آنے لگا جیسے یک بیک پانی سے بھرے ہو بادلوں کے پھٹ جانے کے بعد آسمان پہلے سے بھی زیادہ نکھرا، ستھرا اور نیلا نظر آنے لگتا ہے۔

اس نے ایک ایسی سڑک پر کیڈی روک دی جہاں کئی چھوٹے چھوٹے شراب خانے ا ہوٹل تھے۔ کار جس شراب خانے کے سامنے رکی تھی اس پر "ایور گرین بار" کا بورڈ لگا ہوا ت فریدی کیڈی سے اتر کر سیدھا بار میں گھستا چلا گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک مریل سا اینگلو انڈ بارٹنڈر موجود تھا۔

"میں ہارڈی سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے اس سے کہا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں۔"

"جہنم سے۔" فریدی غرایا۔ "تمہیں اس سے کیا غرض۔"

"وہ آج کل کسی سے نہیں ملتا۔"

"تم بتاتے ہو یا میں تمہاری گردن مروڑ دوں۔"

"دیکھئے جناب! شاید آپ اس علاقے سے واقف نہیں ہیں۔" بارٹنڈر اپنے سرخ سرخ نتھنے پھلا کر بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ علاقہ لفنگوں اور بدمعاشوں سے بھرا پڑا ہے لو یہ رہا میرا کارڈ.... اب بتاؤ۔" فریدی نے اپنا تعارفی کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

بارٹنڈر نے کارڈ پر نظر ڈالی اور اس کے نتھنے پھولنے اور پچکنے لگے۔

"کرنل صاحب.... بات دراصل یہ ہے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "ہارڈی.... اگر میں آپ کو اس کا پتہ بتا دوں تو وہ مجھے مارتے مارتے ادھ مرا کر دے گا۔ آج کل اس کا ہاتھ بہت کھلا ہوا ہے۔ جب ادھار لیتا تھا تب تو کچھ مروت بھی کر جاتا تھا۔"

"اچھا.... تو کیا آج کل وہ ادھار نہیں لیتا۔"

"نہیں جناب.... آج کل تو وہ بات بات پر بڑے نوٹ نکالتا ہے۔"

"خیر.... ہو گا.... ہاں تو وہ اس وقت کہاں ہے۔"

"دیکھئے کرنل صاحب.... حضور والا.... میرا نام نہ بتائیے گا۔"

"تم میرا وقت برباد کر رہے ہو۔"

بوڑھا کھانس کر کراہا اور پھر اپنے نتھنے مسل کر کہنے لگا۔ "وہ کئی جگہ مل سکتا ہے۔ جناب.... کارمن کے قمار خانے میں.... سنگ سنگ بار میں.... کیفے مارکونی میں۔"

"میں اُس کے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہوں.... ڈفر....!"

"گھر.... آہ....!" وہ پھر کراہا اور اس طرح کمر ٹٹولنے لگا جیسے سچ مچ کسی نے اُس پر گھونسوں کی بارش کر دی ہو۔

"کیا تم نہیں بتاؤ گے۔" فریدی نے اس کا گریبان پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ "بتاتا ہوں.... وہ سنگ سنگ بار کے اوپر والے فلیٹ میں رہتا ہے۔"

فریدی بار سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔ سنگ سنگ بار وہاں سے غالباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر رہا ہو گا جس عمارت میں بار تھا وہ تین منزلہ تھی۔ پہلی منزل پر بار تھا اور اوپر کی دونوں منزلوں پر رہائشی فلیٹ تھے اور ٹھیک بار کے اوپر والے فلیٹ میں ہارڈی رہتا تھا۔

فریدی زینے طے کر کے ہارڈی کے فلیٹ کے سامنے پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا لیکن اندر سے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

فریدی نے ٹھوکر مار کر دروازہ کھول دیا اور اس طرح اچانک کمرے میں داخل ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ کمرے میں چار آدمی تھے میز پر وہسکی کی دو بوتلیں اور چار گلاس موجود تھے سوڈے کی نصف درجن بوتلیں فرش پر ان کے پیروں کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ چاروں آدمیوں کے منہ حیرت سے کھلے اور پھر بند ہوگئے۔

"تم میں سے کوئی.... اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرے گا۔" فریدی غرایا۔ "اپنے ہاتھ میز پر رکھ لو۔"

انہوں نے مشینوں کی طرح اپنے ہاتھ میز پر رکھ دیئے۔

فریدی کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھا کرنل صاحب۔" ہارڈی نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ یہ ایک خاصے تن و توش کا آدمی تھا۔ عمر چالیس سے اوپر تھی اور سر کا درمیانی حصہ انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ جسم پر سیاہ پتلون اور براؤن چمڑے کی جیکٹ تھی۔

"میں تم سے علیحدگی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

ہارڈی نے اپنے تین ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ فریدی بولا۔ "نہیں تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"اور اگر میں انکار کردوں تو....!"

دفعتاً فریدی کا رویہ بالکل بدل گیا۔ اُس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے اس بات پر افسوس ہوگا ہارڈی۔" اُس کے موڈ کی تبدیلی پر ہارڈی کے چہرے سے الجھن کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

"ہم قطعی دوستانہ فضا میں گفتگو کریں گے۔"

"یہاں بھی آپ کو کافی دوستانہ ماحول ملے گا۔" ہارڈی نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں.... میرے کہنے پر عمل کرو۔"

"میں کسی کا پابند نہیں ہوں اور پھر آپ مجھ پر کون سا الزام رکھ کر دھونس جما رہے ہیں۔"

"تم نہیں سنو گے۔" فریدی کا موڈ پھر خراب ہوگیا۔

دیکھئے....! اس علاقے میں....!"

قبل اس کے کہ وہ جملہ پورا کرتا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس کی کرسی میں ٹھوکر ماردی۔

وہ غالباً اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ بے خیالی میں توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ ادھر وہ کرسی سمیت فرش پر گرا اور اُدھر اس کے بقیہ ساتھی اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ ہارڈی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ فریدی کا مکا اُس کے ایک ساتھی کے جبڑے پر پڑا اور جھونک میں اپنے ساتھ دوسرے کو بھی لیتا چلا گیا۔ تیسرے کی پنڈلی پر ٹھوکر پڑی اور وہ چیخ کر بیٹھ گیا۔ دوسری ٹھوکر ہارڈی کے پیٹ پر پڑی جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فریدی نے بڑی میز الٹ دی۔

"چلو.... تم تینوں کمرے میں جاؤ۔" فریدی نے ریوالور کی نال سے دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"جاؤ....!" وہ پھر غرایا اور وہ چپ چاپ کمرے میں چلے گئے۔ فریدی نے جھپٹ کر اس کا دروازہ باہر سے بند کردیا اور پھر وہ اگر برق کی سی سرعت سے ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو سوڈے کی ایک بوتل اس کے سر پر پھٹی ہوتی دوسری بوتل بھی اس نے خالی دی۔ تیسری کے لئے ہارڈی جھکا ہی تھا کہ فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ دس ہی منٹ میں اس نے ہارڈی کو ادھ مرا کر کے رکھ دیا اور اس میں اتنی طاقت بھی نہ رہ گئی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا۔

فریدی نے اُسے ایک کرسی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ "ہاں اب بتاؤ کہ میں اس علاقے میں کیا نہیں کر سکتا۔"

ہارڈی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا اور اُس کے ہونٹوں سے خون کی بوندیں ٹپک ٹپک کر چمڑے کی جیکٹ پر پھیل رہی تھیں۔

"گیارہ نومبر کی رات کو تم گٹاری کے جنگل میں کیا کر رہے تھے۔" فریدی نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"گٹاری....!" ہارڈی کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور پھر خاموش ہوگیا۔

"تمہیں بتانا پڑے گا۔"

"میں وہاں زبردستی لے جایا گیا تھا۔"

"اور پھر وہاں سے یک بیک غائب کیسے ہو گئے تھے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میری آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔"

"ہوں! لے کون گیا تھا۔"

"دیکھئے! میں بتاتا ہوں۔ کیا آپ مجھے اتنی اجازت دیں گے کہ میں منہ دھو سکوں۔"

"اجازت ہے اور اپنے آدمیوں سے کہو کہ شور نہ مچائیں ورنہ میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا"

ہارڈی نے اٹھ کر اپنے آدمیوں کو شور مچانے سے منع کیا اور غسل خانے کی طرف گیا۔ فریدی اس کے ساتھ تھا۔ منہ صاف کرنے کے بعد وہ ہونٹ بھینچ بھینچ کر تھوکتا ہوا پھر کمرے میں واپس آ گیا۔

"میں آپ کی یہ زبردستی یاد رکھوں گا۔ ہارڈی الماری کھول کر شراب کی بوتل نکالتا ہوا بولا۔ اس نے ایک گلاس میں تین انگل خالص وہسکی لی اور ایک ہی گھونٹ میں چڑھا گیا۔ ہونٹوں کے زخموں میں سوزش ہونے لگی اور وہ منہ بنا کر بولا۔

"آپ بعض اوقات اپنے اختیارات سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"اگر میں اس وقت ذرا سا بھی چوکتا تو میری یہی حالت ہوتی جو تمہاری ہے یا شاید تم لوگ مجھے ختم ہی کر دیتے۔"

ہارڈی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ وہ گنتاری کا جنگل ہے کیونکہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ البتہ تاریخ ضرور یاد ہے۔ وہی تاریخ جس کا آپ نے ابھی حوالہ دیا ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم وہاں کیا کر رہے تھے۔"

"میں نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو بتائیے۔" یک بیک ہارڈی جوش میں آ گیا۔

"میں ابھی تھکا نہیں ہوں سمجھے۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"اگر میں نے وہاں کوئی غیر قانونی کام کیا تھا تو میرے ہتھکڑیاں لگا دیجئے۔"

"تم وہاں جعلی سکے بنا رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے پاس ثبوت بھی موجود ہے۔"

"میں کہہ تو رہا ہوں کہ میرے خلاف قانونی کاروائی کیجئے۔"

"قانونی کاروائی تو میں اس وقت کرتا ہوں جب میرے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔"

"اچھا تو ماریئے مجھے۔ اُس وقت تک مارتے رہئے جب تک کہ میں مر نہ جاؤں۔"

"تمہیں وہاں لے جانے والے کون تھے۔"

"میں نہیں جانتا.... اگر جانتا بھی ہوتا تو کبھی نہ بتاتا۔"

"آج صبح تم کیفے نبراسکا میں کیوں گئے تھے۔" اچانک فریدی نے پوچھا اور ہارڈی کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔

"بولو.... تم وہاں کیوں گئے تھے۔"

"کیا آپ یہی سوال ہر اس آدمی سے کریں گے جو آج کیفے نبراسکا گیا ہو۔"

"نہیں یہ سوال صرف تمہارے لئے مخصوص ہے۔ ہر آدمی نے آدھے تولہ سونے کے دو ہزار نہ وصول کئے ہوں گے۔"

ہارڈی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

"میرا اندازہ غلط نہیں تھا کہ طاقت کے سکے ڈھالنے میں تمہارے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ تم ایک ماہر سکہ ساز ہو اور سکہ سازی کے جرم میں چھ بار کے سزا یافتہ.... میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں.... اور ہاں یہ بھی بتا دوں کہ تم ناجائز سکوں سے بھی غلط فائدہ اٹھا رہے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں ان سکوں کا مصرف نہ بتایا گیا ہوگا۔ یہ تمہاری اپنی دریافت ہے.... بولو.... جواب دو۔"

"اب میں کیا بولوں....!" ہارڈی نے بے بسی سے کہا۔

"اور اگر ان لوگوں کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ تم ان سکوں کے مصرف سے واقف ہو گئے ہو تو وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

ہارڈی کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ "تمہیں ان لوگوں کے نام بتانے ہی پڑیں گے۔"

ہارڈی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کرنل صاحب یقین کیجئے میں ان میں سے ایک کی بھی شکل نہیں دیکھ سکا تھا وہ مجھے ایک ہفتے تک روزانہ وہاں لے جاتے رہے ہیں۔"

"جب پٹی کھلتی تھی تو میں خود کو ایک تہ خانے میں پاتا۔ طاقت کے سکے میں نے بلاشبہ ڈھالے ہیں۔"

"اور پھر ایک دن تم اتفاقاً ان سکوں کے استعمال سے واقف ہو گئے اور تم نے ویسے ہی سکے اپ لئے بھی ڈھال لئے جب ضرورت ہوتی ہے ایک سکے کے عیوض دو ہزار وصول کر لیتے ہو۔"

"مجھے اس کا اعتراف ہے۔"

"کم از کم اُس آدمی کے متعلق تو بتا ہی سکو گے جس نے تمہیں اس کام پر آمادہ کیا ہو گا۔"

"او ہو! وہ بھی تو کبھی کھل کر سامنے نہیں آیا۔ مجھے ایک خط لکھ کر ایک جگہ بلایا گیا۔ پھر وہاں ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہوئی جو اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپائے ہوئے تھا پہلے دن مجھے یہ کہہ کر لے جایا گیا کہ مجھے جعلی سکوں کو پرکھنا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک پرانا مشاق ہوں۔ میں نے سوچا ممکن ہے کہ وہ لوگ اپنے بنائے ہوئے سکوں کے نقائص معلوم کرنا چاہتے ہوں بہر حال صرف اتنے سے کام کے لئے انہوں نے مجھے دو ہزار کا آفر دیا۔ رقم معقول سے بھی کچھ زیادہ تھی لہٰذا میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ جب انہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھنے کی تجویز پیش کی مجھے حالات کی سنگینی پر یقین آ گیا۔ پھر تہہ خانے میں پہنچ کر انہوں نے اپنی صحیح اسکیم پیش کی لیکن مجھ سے کہا گیا کہ وہ سونے کے اسمگلر ہیں اور سونے کو اس مخصوص شکل میں لا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتے ہیں۔ مجھے یقین کر لینا پڑا۔ کیونکہ بہتیری تجارتی فرمیں اپنا سونا کسی مخصوص شکل میں فروخت کرتی ہیں اور چونکہ ان لوگوں نے خود کو اسمگلر ظاہر کیا تھا اس لئے مجھے اپنے اس طرح لائے جانے پر بھی تعجب نہ ہوا۔ بہر حال میں ان کے سونے کو ایک مخصوص شکل میں ڈھالتا رہا اور وہ مجھے اس کی معقول اجرت دیتے رہے یہی ایک رات کے دو ہزار روپے۔"

ہارڈی خاموش ہو گیا۔ فریدی کی نظر اُس کے چہرے پر تھی۔ اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ "آدمی کون تھا جس کے ذریعے تم اس سکے کے مصرف سے واقف ہوئے۔"

"آپ نے خواہ مخواہ میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر پہلے ہی پوچھتے تو میں سب کچھ بتا دیتا۔"

"خیر پرواہ نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "اب بھی اتنی رعایت کر سکتا ہوں کہ تمہارے خلاف باقاعدہ طور پر کوئی کاروائی نہ کروں۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم اب تک ایک خطرناک گروہ کے لئے کام کرتے رہے ہو اور اگر تم اپنی پہلی فرصت میں اس شہر سے کھسک ہی نہ گئے تو مرنے کے بعد تمہیں افسوس کرنے کا موقع بھی نہ ملے گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب.... میں سمجھا دوں گا۔ پہلے تم مطلب کی بات کرو۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں چند نقاب پوشوں کی نگرانی میں کام کرتا رہا ہوں۔ میں نے ان کی شکلیں تو نہیں دیکھیں لیکن ان میں سے کسی کی آواز جہاں بھی سنوں گا پہچان لوں گا چنانچہ غالباً پندرہ دن قبل کی بات ہے کہ ان میں سے ایک آواز میرے کانوں میں پڑی اور میں متحیر رہ گیا کیونکہ وہ ایک بہت بڑا آدمی تھا۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ یہ کیفے نبراسکا کی بات ہے۔ میں نشے میں تھا اور چونکہ مجھے اپنے ایک دشمن کی نظر سے بچنا بھی تھا جو اُس وقت کیفے نبراسکا ہی میں تھا اس لئے میں نے اپنے اوور کوٹ کے کالر اوپر اٹھا رکھے تھے میں دراصل اپنے اس دشمن کے پیچھے تھا لیکن دوسرے آدمی کی آواز سن کر مجھے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ میں پہلے ہی سے اُن پر اسرار آدمیوں کی طرف سے مشکوک تھا جنہوں نے مجھ سے سونا ڈھلوایا تھا۔ اس لئے مجھے اس آدمی کی آواز سن کر کھوج پڑ گئی اور پھر آدمی بھی کون....!"

"وہ کون تھا....!"

"پولو کا مشہور کھلاڑی پرنس جسپال....!"

"آہا....!" فریدی کے چہرے پر تحیر کے آثار ابھرے اور پھر فوراً ہی غائب ہو گئے۔

"مجھے اُن لوگوں کی اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ سونے کے اسمگلر ہیں اور اپنے سونے کو ایک مخصوص شکل میں ڈھال کر اسمگل آؤٹ کرتے ہیں۔"

"کیوں! تمہیں یقین کیوں نہیں آیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ نے مجھ پر بہت ظلم کیا ہے.... میں پہلے ہی....!"

"نہیں....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "پہلے تم ہرگز نہ بتاتے۔ اسی لئے میں نے تمہیں الگ لے جانا چاہا تھا، جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اب میرا وقت برباد نہ کرو۔"

ہارڈی نے پھر گلاس میں تین چار انگل خالص وہسکی لی اور چڑھا گیا۔

"آپ نے کیا پوچھا تھا۔ ذرا ایک سگار مجھے بھی دیجئے۔"

فریدی سے سگار لے کر اُس نے سلگاتے ہوئے کہا۔ "ہاں آپ نے شبہے کی وجہ دریافت کی تھی لیکن خود فرمایئے۔ اگر آپ نے اُن سکوں کو دیکھا ہے تو آپ خود ہی شبہے کی وجہ معلوم کر سکتے ہیں۔"

"پھر بھی.....!"

"ان سکوں پر سرکاری کرنسی کی مہر ہے۔ آپ خود سوچئے۔ اسمگلنگ ویسے ہی ایک غیر قانونی حرکت ہے۔ اگر اتفاق سے وہ سکہ آپکے ہاتھ لگ جائے تو کیا اس کی مہر آپ کو اپنی طرف متوجہ نہ کرلے گی۔ ضرور کرلے گی۔ پھر بھلا چوروں میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ کوئی ایسی چیز استعمال کرسکیں جن سے ان کی چوری کا سراغ ملنے میں آسانی ہو۔ میں اسمگلروں کو چور ہی سمجھتا ہوں۔"

"ختم کرو..... تم نے سکے کا مصرف کیسے معلوم کیا۔"

"پرنس جسپال نے تین سکے کیفے نبراسکا میں کیش کرائے تھے۔"

"براہِ راست منیجر سے یا وہ اور کوئی تھا۔"

"جی نہیں! منیجر سے اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ منیجر سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ آپ نے ایک سکہ دیا اور دو ہزار کے نوٹ ملے۔ چپ چاپ لئے واپس آگئے۔ میں اب تک صرف دس ہزار بنا سکا ہوں۔"

"میرا مشورہ ہے کہ اب یہ سلسلہ ختم کردو اور کچھ دنوں کے لئے یہاں سے تمہارا چلا جانا بہتر ہے۔"

"آخر اب آپ اتنی ہمدردی سے کیوں پیش آرہے ہیں۔" ہارڈی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور دوبارہ گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔

"ہاں! ہمدردی کی وجہ بھی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بعض اوقات زبان کھلوانے کے لئے مجھے اپنے ہاتھ بھی استعمال کرنے پڑتے ہیں اور اکثر مجھے اس پر افسوس بھی ہوتا ہے۔"

فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد کیڈی چکنی سڑک پر دوڑ رہی تھی اور فریدی کا ذہن اس سڑک سے بھی زیادہ سپاٹ ہو چکا تھا۔ پرنس جسپال ایک بڑا آدمی تھا پولو میں بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا اور ملک کی سربرآوردہ ہستیوں میں شمار کیا جاتا تھا اس سازش کی ابتداء اور انتہا کم از کم اس کے فہم و ادراک سے تو بالاتر تھی ہی۔ فی الحال اپنا پروگرام تبدیل کردینے کے باوجود بھی ہائی سرکل نائٹ کلب کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں اُسے کرائم رپورٹر انور سے ملنا تھا۔

جلاوطن شہزادہ

سرفیروز کی کوٹھی میں بھونچال سا آگیا تھا۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک نئے سیکریٹری کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ لیکن نیا سیکریٹری سرفیروز کی آنکھوں کا تارا تھا۔

پہلے سرفیروز کے مٹی کے کھلونے صرف انکے اپنے کمرے ہی تک محدود تھے لیکن سیکریٹری نے انہیں پوری کوٹھی میں پھیلانے کی اسکیم بناڈالی۔ کوٹھی کے سارے نوکر مزید کھلونوں کی خرید پر لگادیئے اور سرفیروز کی بھتیجیوں کو نہ صرف ناشتہ بلکہ دوپہر کا کھانا بھی تیار کرنا پڑتا۔

کھلونے جمع کرنا سرفیروز کی ہوبی نہیں تھی۔ اسے خبط بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ کیونکہ اس کے پس منظر میں ایک بہت ہی کلاسیکل قسم کے عشق کی داستان تھی حقیقت خدا جانے لیکن کہا یہی جاتا تھا کہ سرفیروز کو جوانی میں ایک کمہار کی لڑکی سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے مٹی کے کھلونے بیچا کرتی تھی۔

کلاسیکل قسم کے عشق کا مطلب ہی یہی ہوتا ہے کہ اس کا اختتام شادی جیسی غیر رومانی حرکت پر نہ ہو۔ لڑکی کا سراغ یہیں تک مل سکا تھا کہ وہ شہر کے کسی فٹ پاتھ پر کھلونوں کی دوکان لگایا کرتی تھی۔ البتہ سرفیروز کی شروع سے اب تک کی ہسٹری لوگوں کو ازبر تھی۔ وہ پہلے عشق کی ناکامی کے بعد شادیوں پر شادیاں کرتے رہے اور بیویوں پر بیویاں مرتی رہیں۔ آخر بڑھاپے میں زوبی آٹکرائی لیکن اس نے کم از کم سرفیروز کی زندگی میں مرنے سے صاف انکار کردیا تھا اور تقریباً آٹھ سال سے اپنے انکار پر قائم تھی۔

بہرحال جب سرفیروز نے یہ دیکھا کہ وہ مرنے کا نام ہی نہیں لیتی تو اس کا لاشعور شعور پر حاوی ہوگیا اور کمہاری کی لڑکی والا سلسلہ پھر جاری ہوگیا۔ یہ عام آدمیوں کی نہیں بلکہ ماہرین نفسیات کی رائے تھی ورنہ شعور ولاشعور کی بات عام آدمی کیا جانیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ کمہار کی لڑکی کا قصہ بھی اُسی وقت ظاہر ہوا تھا جب سرفیروز نے کھلونوں میں دلچسپی لینی شروع کی تھی۔ حقیقت کیا تھی..... خدا جانے۔

اس کا دماغ ہی قریب قریب الٹ گیا تھا لیکن ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق پاگل پن خطرناک قسم کا نہیں تھا۔ بعض اوقات تو وہ پاگل بالکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ البتہ پاگل پن کا دورہ

شروع ہونے سے اب تک اس کا کوئی پرائیویٹ سیکریٹری ایک ہفتے سے زیادہ اُس کی ملازمت پہ نہیں رہ سکا تھا۔ ان کے بھاگ نکلنے کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب سرفیروز کھلونے بیچنے کا دورہ پڑتا تو نہ صرف وہ خود "دو دو آنے.... چار چار آنے" کی ہانک لگاتا بلکہ سیکریٹریوں کو بھی اس پر مجبور کرتا۔ انہیں بھی اُسی کے ساتھ ہی ساتھ "دو دو آنے.... چار چار آنے کی گردان کرنی پڑتی تھی۔ سنجیدہ لوگ تو اسے برداشت کرنے سے رہے۔ نتیجے کے طور انہیں بھاگنا ہی پڑتا تھا.... مگر یہ نیا سیکریٹری جب سے آیا تھا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اُس نے فیروز کو پٹی پڑھائی کہ اسکی تینوں بھتیجیوں کو بھی کھلونے فروخت کرنے میں اسکی مدد کرنی چاہئے۔ لڑکیوں نے سنا تو انہیں بہت تاؤ آیا مگر کر ہی کیا سکتی تھیں۔ ویسے انہوں نے اس کے خلاف ہاتھ پاؤں تو بہت مارے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پچھلی رات انہیں بھی کافی دیر تک سرفیروز اور اُ کے سیکریٹری کے ساتھ چیخنا پڑا تھا۔

آج صبح ہی سے سرفیروز اور اس کا سیکریٹری بہت زیادہ مشغول تھے۔ دو نوکر مٹی کے کھلونو سے بھرے ہوئے ٹوکرے اٹھائے ان کے ساتھ تھے اور وہ کوٹھی کی خالی جگہوں کو کھلونوں سے کرتے پھر رہے تھے۔ لڑکیوں میں تو اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کی مخالفت کرتیں البتہ انہیں یقی تھا کہ جب یہ طوفان بدتمیزی زوبی کی خواب گاہ کی طرف جائے گا تو دلچسپی کا خاصا سامان مہیا ہو جائے گا

زوبی شائد ابھی سو ہی رہی تھی۔ خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر زوبی کی خواب گاہ کے علاوہ کوٹھی کے ہر حصے میں مٹی کھلونے نظر آنے لگے۔

"اب صرف لیڈی صاحبہ کی خواب گاہ رہ گئی ہے۔" سیکریٹری بڑبڑایا۔

"وہاں بھی رکھیں گے۔" سرفیروز سر ہلا کر بولا اور دونوں نوکر ایک دوسرے کی طرف د کر مسکرائے۔

بہر حال یہ قافلہ لیڈی زوبی کی خواب گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

سرفیروز نے آگے بڑھ کر دستک دی لیکن جواب نہیں ملا۔

سرفیروز پر آہستہ آہستہ جھلاہٹ کا دورہ پڑتا گیا اور اب وہ پوری قوت سے دروازہ پیٹ تھا۔

"کون ہے.... کیا ہے۔" دفعتاً زوبی کی چیخ سنائی دی۔

"دروازہ کھولو....!" سرفیروز نے بھی اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

پھر شائد پانچ منٹ بعد دروازہ کھلا زوبی نارنجی رنگ کے لبادے میں ملبوس دروازے میں ڑی انہیں گھور رہی تھی۔ آنکھیں خمار آلود تھیں اور چہرے پر بڑی دلآویز قسم کی سرخی تھی، ہرے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

سیکریٹری اپنے ہونٹ مسلنے لگا۔

"کیا ہے....؟" زوبی نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تم ہٹو تو....!" سرفیروز اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا بولا اور کمرے میں چلا گیا۔ زوبی ایک رف ہٹ کر اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ اس کے انداز سے ایسا مترشح ہو رہا تھا جیسے سرفیروز سے ئی انہونی حرکت سرزد ہوئی ہو۔

"لاؤ....!" سرفیروز نے ہاتھ ہلا کر نوکروں سے کہا۔

"کیا....؟" زوبی جھلا کر نوکروں کی طرف مڑی۔ "خبردار.... اگر اس کمرے میں کوئی اخل ہوا تو کھال گرا دوں گی۔"

"ارے واہ....!" سرفیروز ہاتھ نچا کر بولا۔ "بڑی آئیں کھال گرانے والی۔ سیکریٹری ان لدھوں کی گردن پکڑ کر اندر لاؤ۔"

سیکریٹری آگے بڑھا ہی تھا کہ زوبی نوکروں پر ٹوٹ پڑی۔ کھلونوں کے ٹوکرے فرش پر رے اور نوکر اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔

"زوبی" سرفیروز چیخا۔ "کیا کر رہی ہو۔"

زوبی پھر کمرے میں گھسی اور چمڑے کا ایک بڑا سا چابک اٹھا کر شائیں شائیں دو تین ہاتھ نوکروں پر جھاڑ دیئے۔ پھر نوکر کہاں ٹھہرنے والے تھے۔ وہ تو بھاگ ہی نکلے لیکن سیکریٹری وہیں کھڑا رہا۔

"مجبوری ہے.... سیکریٹری....!" سرفیروز نے جھینپی ہوئی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"ہمت نہ ہارنی چاہئے جناب۔" سیکریٹری نے کہا اور اچھل کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ اس کے گلے حملے پر زوبی کا ہاتھ اس کی طرف گھوم گیا تھا۔

سیکریٹری نے وار خالی دیا لیکن وہاں سے بھاگا نہیں۔

زوبی نے پھر اس پر حملہ کیا لیکن اس بار پھر اُسے مایوسی ہوئی کیونکہ سیکریٹری بندر کی طرح پھرتیلا تھا۔

پھر زوبی پر جیسے دورہ سا پڑ گیا۔ وہ بے تحاشا چابک گھمانے لگی۔ لیکن ایک بار بھی چابک سیکریٹری کے جسم پر نہیں پڑا۔ سر فیروز پہلے تو چپ چاپ پلکیں جھپکاتا رہا پھر وہاں سے کھسک گیا۔ ادھر زوبی نے جھلا کر چابک پھینک مارا لیکن سیکریٹری.... وہ اس سے بھی بچ گیا لیکن وہاں سے ہٹا نہیں۔

"چلے جاؤ یہاں سے.... نکلو....!" زوبی ہانپتی ہوئی چیخی۔

"میرا قصور.... لیڈی صاحبہ۔" سیکریٹری نے انتہائی مسکین چہرہ بنا کر کہا۔

"کیا بیہودگی پھیلائی ہے تم نے۔"

"پرائیویٹ سیکریٹری کا اور کیا مصرف ہو سکتا ہے لیڈی صاحبہ۔"

"لیکن تم لوگ کوٹھی کو کباڑ خانہ نہیں بنا سکتے۔"

"میں نے کیا کیا۔ میں تو صرف ہاں میں ہاں ملاتا ہوں۔ تجویز صاحب ہی کی تھی۔ میں نے اُس کی تائید کر دی تھی۔"

"اور پچھلی رات مینڈھے.... اس سے پہلے تو کبھی شاید انہوں نے مینڈھوں کی شکل بھی دیکھی ہو۔"

"مجھے تسلیم ہے! لیکن قصور اس میں بھی میرا نہیں ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ کس طرح منہ سے مینڈھا نکلا تھا کہ سر ہو گئے۔ کہنے لگے۔ مینڈھا کیا ہوتا ہے۔ میں نے بتایا تو مصرف پوچھا۔ میں نے کہا لڑائے جاتے ہیں۔ بولے ہم بھی لڑائیں گے بس اتنی بات تھی۔"

"تم کون ہو؟"

"تفضل حسین....!" سیکریٹری کا جواب تھا۔

"اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔"

"فخر کیا کرتا تھا کہ میں نبراسکا یونیورسٹی کا ڈاکٹر ہوں۔"

"تمہیں بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ تم لیڈی زوبی سے گفتگو کر رہے ہو۔"

"لوگ مجھے عموماً معاف کر دیتے ہیں کیونکہ میں کریک ہوں۔"

"تمہیں احساس ہے کہ تم کریک ہو۔"

"نہیں لوگ کہتے ہیں اور میں انہیں گدھا سمجھتا ہوں۔ میں بالکل کریک نہیں ہوں۔ ہاں ایک مرض مجھ پر ضرور ہے وہ یہ کہ میں بعض اوقات سب کچھ بھول جاتا ہوں۔"

"تمہیں یہاں کس نے بھیجا تھا۔"

"کسی غیبی قوت نے! میں یہی محسوس کرتا ہوں۔ ویسے میں نے اشتہار ضرور پڑھا تھا۔"

"اچھا میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔"

سیکریٹری نے سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا اور وہاں سے چل پڑا۔ راہداری کے موڑ ہی پر سر فیروز سے ملاقات ہو گئی۔ وہ شائد بہت دیر سے وہیں کھڑا ان کی گفتگو سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا کہہ رہی تھیں۔" اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

"کہتیں کیا.... میں کوئی ڈرپوک ہوں۔ آخر آپ اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔"

"میں ڈرتا نہیں ہوں۔" سر فیروز اپنے کمرے کی طرف جاتا ہوا بولا۔ سیکریٹری بھی اُسی کے ساتھ چلنے لگا۔ "جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ تم نے دیکھا وہ کتنی بد مزاج ہے۔"

"جی ہاں.... مجھ سے کہنے لگیں کہ تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔"

"ہرگز نہیں.... میں تمہیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ تم نہیں جا سکتے۔ اگر تم چلے گئے تو میں مر جاؤں گا۔"

"بھلا میرے رہنے سے آپ کو کیا فائدہ ہے۔"

"نہیں لڑکے.... میں استدعا کرتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ آؤ.... میں پاگل نہیں ہوں۔"

سیکریٹری یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کنکھیوں سے سر فیروز کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سر فیروز نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر سیکریٹری کے بھی اندر پہنچ جانے کے بعد دروازہ مقفل کر دیا۔

اچانک سیکریٹری چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یہ آواز کیسی تھی۔" اس نے سر فیروز کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیسی آواز....!"

سیکریٹری نے ایک بار پھر ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ سنی۔

"یہ.... سنا آپ نے....!"

"اماں چھوڑو.... چوہے ہوں گے۔" سرفیروز نے سر ہلا کر کہا۔

لیکن سیکریٹری بدستور اس ریک کی طرف دیکھ رہا تھا جس پر مٹی کے کھلونے کے ڈھیر کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ آواز ان ڈھیروں ہی سے آئی تھی اور وہ آواز قطعی ایسی نہیں تھی جسے چوہوں کی نقل و حرکت کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا۔

"ہوگا کچھ.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم بہت پھرتیلے معلوم ہوتے ہو۔ اس کا ایک چابک بھی تم پر نہیں پڑا۔ کیا تمہیں زوبی سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔"

"مجھے اپنے علاوہ اور کسی سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔" سیکریٹری بدستور کھلونوں کے ڈھیر کی طرف متوجہ رہا۔

سرفیروز کہہ رہا تھا۔ "وہ ایک خطرناک.... آہم.... دو دو آنے.... چار چر آنے.... ددا آنے.... چار چار آنے.... سیکریٹری شروع ہو جاؤ۔"

قبل اس کے کہ سیکریٹری شروعات کرتا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے....!" سرفیروز دہاڑا۔

"دروازہ کھولو....!" آواز زوبی کی تھی۔

سرفیروز کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ سیکریٹری بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سرفیروز اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے زبردستی دروازے کی جانب دھکیلے لئے جا رہا ہو۔

دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے بڑی بے بسی سے سیکریٹری کی طرف دیکھا اور پھر جیب سے کنجی نکال کر دروازہ کھول دیا۔

زوبی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور سیدھی سیکریٹری کے سر پر پہنچ کر رکی۔

"تم ابھی اور اسی وقت کوٹھی سے چلے جاؤ گے۔" اُس نے کہا۔

"کسی نے بے پر کی اڑائی ہے۔" سیکریٹری لاپروائی سے بولا۔

"گٹ آؤٹ....!" زوبی حلق پھاڑ کر چیخی۔

"پھر کسی وقت غور کروں گا۔"

"سن رہے ہیں آپ۔" وہ سرفیروز پر چڑھ دوڑی۔ "یہ میری توہین کر رہا ہے۔"

"کیوں؟ تم توہین کر رہے ہو۔" سرفیروز نے احمقانہ انداز میں سیکریٹری سے پوچھا۔

"پتہ نہیں....!" سیکریٹری یک بیک چونک کر بولا۔ پھر اپنی آنکھیں مل کر چاروں طرف حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔

"میں کہاں ہوں۔" اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

سچ مچ ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہ ابھی سوتے سوتے جاگا ہو۔

زوبی نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گئی۔ اسکے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"میں کہاں ہوں۔" سیکریٹری آہستہ آہستہ بڑبڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ "میں ابھی آرلکچو میں تھا۔ شیلا کہاں گئی.... شیلا....!"

اس نے کسی شیلا کو آواز دی۔

"نہ جانے کہاں گئی۔ آپ لوگ کون ہیں۔" وہ یکے بعد دیگرے زوبی اور سرفیروز کو گھورنے لگا۔

"اب بیوقوف بناؤ گے۔" زوبی مسکرا پڑی۔

"میں نہیں سمجھا۔" سیکریٹری نے حیرت کا اظہار کیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "شیلا آپ کی کون ہے۔ وہ مجھے یہاں کیوں لائی ہے۔ ابھی ہم آرلکچو میں ناشتہ کر رہے تھے۔"

اس نے پھر شیلا کو آواز دی۔

"تم میرے سیکریٹری ہو.... کیا نام.... تفضل حسین....!"

"کیا بکواس ہے! میں داراب ہوں۔ شہزادہ داراب.... اوہ یہ تو کھلونوں کی دوکان معلوم ہوتی ہے۔"

"تم کہاں کے شہزادے ہو۔"

"بخارا کا جلاوطن شہزادہ.... داراب....!"

"کیا اب تم ہمیں اُلو بناؤ گے۔" زوبی تحقیر آمیز انداز میں مسکرائی۔

"زوبی.... جاؤ.... یہاں سے.... خدا کے لئے جاؤ۔" سرفیروز نے کہا۔ وہ کچھ خوفزدہ سا نظر آنے لگا تھا۔

"خاموش رہو۔" زوبی نے اُسے ڈانٹ دیا۔ "یہ کوئی بدمعاش معلوم ہوتے ہیں۔ اسے پولیس کے حوالے کروں گی۔"

“کیا کہا تم نے۔” سیکریٹری مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں ا
وہ زوبی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ زوبی ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

“تم لوگ مجھ سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔” سیکریٹری کی چبھتی ہوئی سی آواز کمر
کے سناٹے میں گونجی۔ “اسی لئے تم مجھے یہاں لائے ہو۔ اس سے پہلے بھی ایک بار ایک آدمی نے
مجھے شراب پلا کر مجھ سے دس ہزار کے چیک پر دستخط لئے تھے۔ لیکن اس وقت میری چیک بک
میری جیب میں نہیں ہے۔”

وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

“زوبی جاؤ.... خدا کے لئے جاؤ۔” سرفیروز زوبی کو شانوں سے پکڑ کر دروازے کی طرف
دھکیلنے لگا۔ وہ اب خاموش ہوگئی تھی اس کے ہونٹوں سے احتجاجاً کچھ جملے نکلے لیکن کسی کی سمجھ
میں نہیں آسکا کہ اس نے کیا کہا تھا۔

سیکریٹری اب بھی پتھر کے بت کی طرح وہیں کھڑا تھا۔

“کیا بات ہے! تم کون ہو۔”

“شہزادہ داراب....!”

“مذاق چھوڑو۔ تم بڑے عمدہ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم نے اسے سچ مچ ڈرا دیا۔ ورنہ
شیطان سے بھی نہیں ڈرتی۔”

“وہ کون ہے، جو مجھ سے اتنی بدتمیزی سے پیش آئی تھی۔ میں ایک جلاوطن شہزادہ ضر
ہوں، لیکن میرے پاس اتنی دولت ضرور ہے کہ میں آدھا شہر خرید سکتا ہوں۔”

“وہ.... مم.... میری.... بیوی ہے.... تم میرے سیکریٹری ہو۔ ہاں شروع ہو جاؤ۔ دو
آنے.... چار چار آنے.... دو دو آنے چار چار آنے۔” لیکن سیکریٹری بدستور خاموش کھڑا رہا

سرفیروز جھنجھلا گیا۔ “ختم کرو یار.... اب وہ نہیں آئے گی۔”

“تم بھی بدتمیزی سے پیش آرہے ہو۔” سیکریٹری نے تلخ لہجے میں کہا۔ “میں اسے نہ
برداشت کرسکتا۔ دروازہ کھولو۔ میں باہر جاؤں گا۔ مجھے جانے دو۔”

سیکریٹری آگے بڑھا۔ لیکن دفعتاً اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اس طرح لڑکھڑائے کہ اُ
رکنا پڑا۔ اس کا جسم بڑی شدت سے کانپنے لگا تھا۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس پر رعشہ طا

نہ ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھڑام سے فرش پر گرا اور بیہوش ہوگیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد بیہوش سیکریٹری کے گرد خاصی بھیڑ اکٹھا ہوگئی۔ زوبی.... سرفیروز کی
بھتیجیاں! کوٹھی کے سارے ملازمین۔

“کیا خیال ہے؟” زوبی سرفیروز کے چہرے کے قریب ہاتھ نچا کر بولی... “سب مکاری ہے۔”

“خدا سے ڈرو....!” سرفیروز نے کہا۔

“فضول باتیں نہ کیجئے۔ میں اسے دیکھ لوں گی۔ قبر تک جو پیچھا نہ چھوڑوں۔”

“کیا کرو گی تم....!” سرفیروز غصے میں کانپنے لگا۔

“میں اسے اسی حال میں کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔”

بیچارے سیکریٹری کی روح فنا ہوگئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اب پول کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

“کسی ماہر کے پاس لے جاؤں گی۔” زوبی پھر بولی۔ “ڈاکٹر شوکت سے بہتر کون ہوگا۔ وہ میرا
ملاقاتی بھی ہے۔”

ڈاکٹر شوکت کا نام سن کر سیکریٹری کی جان میں جان آئی۔ ورنہ وہ تو سوچ چکا تھا کہ اب اُسے
ڈھونگ ختم کردینا چاہئے۔ ڈاکٹر شوکت کے نام پر وہ مطمئن ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر شوکت
اپنے مریضوں کا معائنہ تنہائی میں کرتا ہے اور اس وقت کوئی نرس بھی مخل نہیں ہوسکتی۔

“تم خواہ مخواہ....!” سرفیروز بڑبڑا کر رہ گیا۔

“میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔” زوبی نے سخت لہجے میں کہا۔ پھر نوکروں کی طرف دیکھ کر
بولی۔ “ایک اسٹریچر لاؤ۔”

دو نوکر کمرے سے چلے گئے۔ زوبی بڑبڑاتی رہی۔ “مجھے یقین ہے کہ یہ سب مکاری ہے۔ اگر
ڈاکٹر شوکت نے بھی یہی رائے ظاہر کی تو میں اسے پولیس کے حوالے کرکے ہی واپس آؤں گی۔”

سرفیروز کے احتجاج کے باوجود بھی وہ اسے اسٹریچر پر لدوا کر لے گئی۔ اسٹریچر ایک بڑی سی
وین میں رکھ دیا گیا۔ دو نوکر اسٹریچر کے قریب بیٹھ گئے اور زوبی خود ہی وین کو ڈرائیو کرتی ہوئی
ڈاکٹر شوکت کے ہسپتال تک لے گئی۔

یہ ذہنی امراض کے ماہر ڈاکٹر شوکت کا ذاتی ہسپتال تھا۔

ڈاکٹر شوکت نے مریض کے حالات سنے اور ایک نرس کے ساتھ اُسے اسٹریچر سمیت

آپریشن تھیٹر میں بھجوادیا۔

"ڈاکٹر....!" زوبی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بیہوش نہیں ہے۔"

"پھر....!"

"بنا ہوا ہے۔"

"خیر میں ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔ پندرہ منٹ بعد آپ کو اسکے متعلق بہت کچھ بتا سکوں گا۔"

ڈاکٹر شوکت اسے انتظار کرنے والوں کے کمرے میں چھوڑ کر آپریشن تھیٹر کی طرف گیا۔ مریض میز پر چت پڑا تھا اور نرس اُسے گھور رہی تھی۔ ڈاکٹر کے آتے ہی وہ باہر چلی گئی دروازہ جو اسپرنگ پر تھا خود بخود بند ہو گیا۔

ڈاکٹر شوکت نے مریض کی نبض پر انگلیاں رکھی ہی تھیں کہ اس نے آنکھیں کھول دیں ساتھ ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ڈاکٹر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ڈاکٹر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں حمید ہوں.... کیپٹن حمید۔" مریض نے آہستہ سے کہا۔

"ارے.... حمید.... کیوں....؟" ڈاکٹر شوکت متحیرانہ انداز میں بولا۔

"یہ سب کچھ ایک کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں ہے۔ تم فریدی صاحب کو فون کرکے اطمینان کر سکتے ہو۔ لیڈی زوبی کو یقین دلا دو کہ میں واقعی بیہوش ہوں۔"

"مگر میں اسے مرض کیا بتاؤں گا۔"

"ڈوال پرسنالٹی.... دوہری شخصیت.... اس میں آسانی یہ ہوگی کہ میں خود بخود ہی ہوش میں آؤں گا۔"

"اوہو! تم اس مرض کے متعلق جانتے ہو۔" ڈاکٹر شوکت مسکرایا۔

"ہاں.... آں.... ہم لوگوں کو سب کچھ جاننا پڑتا ہے.... اچھا.... تو ٹھیک ہے نا۔"

"اگر تم سچ بول رہے ہو اور لیڈی زوبی پر اس طرح ڈورے ڈالنے کا ارادہ نہیں ہے تو...."

"یقین کرو دوست.... اگر فریدی صاحب اس سے انکار کر دیں تو تم بعد میں بھی اُسے کر سکتے ہو۔ ویسے بھی شادی شدہ عورتوں سے عشق کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔"

"اچھا...." ڈاکٹر شوکت اسے دوبارہ لٹاتا ہوا بولا۔

پندرہ منٹ بعد اس نے زوبی کو مطلع کیا کہ مریض سچ مچ بیہوش ہے۔

"مرض کی نوعیت کیا ہے۔" زوبی نے پوچھا۔

"دوہری شخصیت۔"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"ایک ذہنی مرض! آدمی سوتے سوتے بیدار ہو کر اپنی پچھلی شخصیت کے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور وہ اُس وقت ایک بالکل ہی الگ شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اکثر یہ کیفیت کئی کئی گھنٹوں تک قائم رہتی ہے اور پھر دوسری بار کی نیند اسے پھر اسکی پرانی ذہنی حالت میں واپس لے آتی ہے اور وہ اس نیند سے بیدار ہونے پر اپنی دوسری شخصیت کے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔"

"مگر اُس نے تو جاگتے ہی جاگتے خود کو شہزادہ کہنا شروع کر دیا تھا۔"

"ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی قسم کے ذہنی انتشار کے عالم میں بھی اس قسم کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے اگر جاگتے ہی میں دورہ پڑا تھا تو یہ کیس میرے لئے بہت زیادہ دلچسپ ثابت ہوگا۔ آپ انہیں ہوش کی حالت میں بھی کسی دن میرے یہاں ضرور لائیے گا.... اور ہاں دیکھئے۔ یہ بیہوشی بالکل نیند ہی کی طرح ختم ہوگی۔ طبی تدابیر سے ہوش میں لانے کی کوشش نہ کیجئے گا ورنہ مریض کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

روشن دان

ہائی سرکل نائٹ کلب میں کرائم رپورٹر انور کرنل فریدی کا منتظر تھا۔ انور ایک جوان سال اور ذہین آدمی تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے متعلق یہ کہنا دشوار ہوتا ہے کہ کب کیا کر گزریں گے۔ بظاہر وہ ایک مقامی اخبار کا کرائم رپورٹر تھا لیکن روزی کا انحصار محض اسی پیشے پر نہیں تھا۔ ورنہ وہ رئیسانہ ٹھاٹھ سے زندگی کیسے بسر کر سکتا۔ دراصل اس کی آمدن کا ذریعہ راشی قسم کے پولیس آفیسرز تھے۔ انور ان کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کا بھی "حصہ" نکالنے پر مجبور تھے۔ ویسے وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی طرح انور سے بدلہ لیں۔ لیکن ابھی تک تو انہیں موقع نہیں مل سکا تھا۔ دشواری تو یہ تھی کہ وہ اسے کسی کیس میں پھانس کر عدالت میں

بھی نہیں پیش کر سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے پر الٹا وہ خود ہی نقصان اٹھا جائیں گے۔ انور ان کے خلاف ایسے ایسے رازوں کا انکشاف کرتا کہ انہیں جان چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

صرف فریدی ہی ایسا تھا جس کے آگے وہ سر نہیں اٹھا سکتا تھا اور صحیح معنوں میں اس کی عزت کرتا تھا۔ لیکن اس لئے کہ فریدی ایک ذمہ دار آفیسر تھا۔ بلکہ یہاں بھی اس کی خود سری آڑے آتی تھی اور وہ اس طرح اپنے دل کو سمجھا دیا کرتا تھا کہ فریدی ایک ذہین ترین آدمی اور پختہ کردار کا مالک ہے اسی لئے وہ اس کی عزت کرتا ہے۔

فریدی انور کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھا اور وہ ایک نہیں درجنوں بار اس سے بہت اہم قسم کے کام لے چکا تھا۔ بعض حالات میں اپنے ماتحتوں سے زیادہ انور پر اعتماد کرتا تھا۔

فریدی نے اُسے موجودہ کیس کی تفاصیل سے آگاہ رکھا تھا اور وہ اس میں بھی انور سے کام لینا چاہتا تھا۔ فریدی دیئے ہوئے وقت سے پندرہ منٹ بعد نائٹ کلب پہنچا۔

”تمہیں انتظار کرنا پڑا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ انور مسکرایا۔

”حالات سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بہت بڑے بڑے لوگ اس تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ کنور جسپال سے تو تم واقف ہی ہو گے۔“

”جی ہاں! اچھی طرح۔“

”وہ بھی ہے۔“

”تب تو....!“

”ہاں ہاں! میں سمجھتا ہوں۔“ فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ”ابھی تک صرف دو کا سراغ مل سکا ہے۔ لیڈی زوبی اور کنور جسپال....!“

”زوبی....!“ انور بڑبڑایا۔ ”ہاں.... ہو سکتا ہے.... حمید تو شائد وہیں ہے۔“

”میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کرے گا۔ آج سہ پہر کو ڈاکٹر شوکت کا فون آیا تھا.... زوبی حمید کو بیہوشی کی حالت میں ہسپتال لے گئی تھی۔“

”بیہوشی کی حالت میں۔“

”ہاں.... غالباً کوئی پلاٹ....!“ فریدی مسکرایا۔ ”دوہری شخصیت والا ڈرامہ۔ اس نے

ڈاکٹر شوکت کو تنہائی میں بتایا کہ وہ دوہری شخصیت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔“

”اس کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔“

”پتہ نہیں! حمید احمق نہیں ہے لیکن بے صبرا ضرور ہے۔ جلد بازی میں اکثر بنے بنائے کام بگاڑ دیتا ہے۔“

”میری رائے ہے کہ اسے وہاں سے ہٹا دیجئے۔“

”کیوں....!“

”اب یہ بھی بتاؤں۔“ انور مسکرایا۔ ”لیڈی زوبی عورت ہے۔ کم عمر ہے اور حسین بھی۔“

”چھوڑو....!“ فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ”تم حمید کو غلط سمجھے ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو خواہ مخواہ اپنی بے راہ روی کا پروپیگنڈہ کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کی آدھی بھی نہیں ہوتی۔ خیر اس کی بحث چھوڑ دو۔ میں کنور جسپال کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا ہوں۔ کیا تم بتا سکو گے کہ وہ اس وقت کہاں ملے گا۔“

”اس حد تک اس سے واقفیت نہیں رکھتا۔“ انور بولا۔

”اچھا تو آؤ۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”کیا موٹر سائیکل پر آئے ہو۔“

”جی ہاں....!“

”اسے یہیں چھوڑ دو.... واپسی پر لے لینا۔“

وہ دونوں کیڈی میں بیٹھ کر کلب کی کمپاؤنڈ سے باہر آئے۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد فریدی نے کیڈی ایک پبلک فون بوتھ کے قریب روک دی۔

دونوں اتر کر بوتھ میں داخل ہوئے۔ فریدی نے مشین میں سکہ ڈال کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

”ہیلو....!“ وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”کیا کنور صاحب موجود ہیں.... اوہ.... کیا اس وقت ملنا پسند کریں گے.... اوہ.... اچھا.... کل کسی وقت.... خیر.... کیا وقت دیں گے.... گیارہ بجے...اوہ...اچھا...دیکھئے سیکریٹری صاحب میرا نام نوٹ کر لیجئے.... کیپٹن اجیت کمار.... نہیں کنور صاحب... مجھ سے واقف نہیں ہیں... میں خود ان سے ملنا چاہتا ہوں... اچھا شکریہ۔“

فریدی نے ریسیور ہک میں لگا دیا۔ وہ باہر آ گئے۔

”صرف پندرہ منٹ....!“ فریدی کیڈی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”وہ پندرہ منٹ بعد کہیں

جائے گا.... آؤ....!"

کیڈی پھر چل پڑی۔ اب اس کا رخ کنور جسپال کی اقامت گاہ سمر گھاٹ پیلس کی طرف تھا۔ کنور جسپال ریاست سمر گھاٹ کا حکمران تھا لیکن آئینی تبدیلی کے بعد ریاست تو کسی ضلع میں ضم ہو گئی تھی اور وہ خود زیادہ تر شہر ہی میں رہنے لگا تھا لیکن اس کی سوشل پوزیشن میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ دولت اتنی تھی کہ پشت ہا پشت اطمینان کی زندگی بسر ہو سکتی تھی۔

فریدی نے اپنی کار سمر گھاٹ پیلس سے ایک فرلانگ ادھر ہی روک دی۔ کیڈی سڑک پر تھی اور سمر گھاٹ پیلس کا صرف پھاٹک نظر آرہا تھا۔ کیونکہ پھاٹک پر ایک کافی قوت والا بلب روشن تھا۔

انہیں وہاں پہنچے مشکل سے آدھا منٹ گذرا ہو گا کہ پھاٹک سے ایک کار نکل کر داہنی جانب والی سڑک پر مڑ گئی۔

کیڈی بھی آگے بڑھی۔ سنسان سڑک پر دو کاریں آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ اس کار میں جسپال ہی ہو۔" انور بڑبڑایا۔

"اگر اس کے معمولات میں فرق نہیں آیا تو وہ جسپال ہی ہو سکتا ہے گاڑی رولس رائیس ہے اور اس گاڑی کو ہمیشہ وہ خود ہی ڈرائیو کرتا ہے۔"

انور پھر کچھ نہیں بولا۔

تقریباً بیس منٹ بعد اگلی کار ایک جگہ رک گئی۔ کیڈی بھی رکی اور اب دونوں کاروں میں اتنا ہی فاصلہ تھا جتنا کہ تعاقب کے دوران میں رہا تھا۔

"ارے.... برکلے ہاؤز....!" دفعتاً فریدی بڑبڑایا۔ "وہ برکلے ہاؤز میں گیا ہے مگر کل تک یہ عمارت خالی تھی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "مگر شائد یہ عمارت سر فیروز ہی کی ہے جسے وہ کرائے پر دیتا رہتا ہے۔"

"آپ کو کیسے علم ہے کہ یہ عمارت کل تک خالی تھی۔" انور نے پوچھا۔

"کیا تم ڈاکٹر ہڈسن والا[1] کیس بھول گئے۔ وہ اسی عمارت میں مقیم تھا اور پھر اُس کی گرفتاری کے بعد سے مقدمے کے اختتام تک یہ عمارت سرکاری تحویل میں رہی ہے اور میرا خیال ہے

[1] اس کیس کے لئے "لاشوں کا سوداگر" جلد نمبر 15 ملاحظہ کیجئے۔

مہینوں تک اس پر سرکاری قبضہ رہا ہے۔"

"پھر....!"

"پھر کیا.... بعض اوقات تم بھی حمید ہی کی طرح گدھے ہو جاتے ہو۔ یہ عمارت سر فیروز کی ہے اور زوبی اس کی بیوی ہے۔ زوبی پہلے ہی سے مشتبہ ہے اور اب جسپال روشنی میں آیا ہے۔ چلو اندر۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح عمارت میں داخل ہی ہونا پڑے گا۔ وہاں کمپاؤنڈ میں روشنی بھی نظر آرہی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ جسپال وہاں چوری چھپے نہیں داخل ہوا۔"

وہ دونوں کیڈی سے اتر کر سڑک پر کھڑے ہو گئے۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک وہ ایک پتلی سی سڑک پر مڑ گیا۔

لیکن وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ ایک تیسرا آدمی بھی ان کے پیچھے چل رہا ہے۔ یہ پتلی سی سڑک دو عمارتوں کے درمیان زیادہ روشن نہیں تھی اور چلنے والا بھی اسی ڈھنگ سے چل رہا تھا کہ تعاقب کا گمان تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

فریدی اور انور برکلے ہاؤز کی پشت پر پہنچ گئے۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں اوپر جاؤں گا۔"

عمارت کی پشت کی دیوار پر گرمیوں میں پھیلنے والی جنگلی بیلوں کی خشک اور موٹی جٹائیں جھول رہی تھیں۔ فریدی نے ان میں سے ایک پر زور لگا کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور پھر بے تکان اسی کے سہارے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ انور کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ وہ ایک پل کیلئے اوپر تاروں بھرے آسمان کے پیش منظر میں دکھائی دیا اور پھر غائب ہو گیا۔

انور کی پشت دیوار سے لگی ہوئی تھی اور وہ سیدھا کھڑا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ بہت دور کہیں کہیں روشنی کے دھبے سے نظر آرہے تھے اور جھینگروں کی مسلسل جھائیں جھائیں کان پھاڑ رہی تھی۔

وہ آدمی جو فریدی اور انور کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر زمین پر سینے کے بل رینگ رہا تھا۔

❁

برکلے ہاؤز کے ایک کمرے میں پرنس جسپال، سیٹھ گنگولی اور سر جگدیش بیٹھے ہوئے تھے اور

زوبی جو پہلے سے کہیں زیادہ حسین نظر آرہی تھی میز پر دونوں ہاتھ ٹیکے آگے کی طرف جھکی ہوئی
اُن کے چہروں کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"کیا اس اسکیم میں کوئی خامی ہے۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں خامی تو نہیں ہے.... مگر....!" سیٹھ گنگولی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"نہیں اگر آپ کو اس سے اختلاف ہے تو بے دھڑک اظہار خیال کیجئے۔" زوبی نے کہا۔

"اختلاف تو نہیں ہے مگر میں سوچتا ہوں کہ اس کا اثر تجارتی پالیسی پر کیا پڑے گا۔"

"ٹھیک تو ہے گنگولی صاحب۔" کنور جسپال بولا۔ "اگر دونوں ملکوں کے تعلقات خراب ہو جائیں تو تجارتی پالیسی کا اعلان ہرگز نہ ہو سکے گا کیونکہ اس کا انحصار سراسر اُسی ملک پر ہے۔"

"آہا.... اب میں سمجھ گیا۔"

"مگر لیڈی زوبی آپ نے جو کام میرے سپرد کیا ہے۔" کنول جسپال جملہ ادھورا ہی چھوڑ کر کچھ سوچنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "اچھا خیر.... اسے بہرحال ہونا ہی ہے، خواہ کوئی صورت ہو میری طرف سے مطمئن رہیئے۔"

"اور میں بھی یقین دلاتا ہوں۔" سر جگدیش بولا۔

البتہ سیٹھ گنگولی کے چہرے پر اب بھی تشویش کے آثار تھے۔ زوبی نے اس پر اچٹتی سی نظر ڈال کر کہا۔ "کیا آپ کچھ ہچکچاہٹ محسوس کر رہے ہیں۔"

"ہاں....! میں محسوس کر رہا ہوں کہ اُسے دھوکہ دینا آسان نہیں۔"

"دھوکا....!" زوبی مسکرائی۔ "ارے وہ اسے دھوکا ہرگز نہ سمجھے گا جس ملک کی مخالفت آپ کرانا چاہیں گے، اُس سے تو تاجروں کی یونین پہلے ہی بدظن ہیں۔ یقین کیجئے کہ سیکریٹری آپ کو اُس دن سے دیوتا سمجھنے لگے گا جب آپ اس کے سامنے یہ اسکیم رکھیں گے تو کچھ تعجب نہیں وہ آپ کو پوجنے ہی لگے.... اور یہ بھی سن لیجئے کہ اگر وہ پکڑا گیا تو کبھی یہ نہ کہے گا کہ وہ آپ کا ورغلایا ہوا تھا۔"

زوبی خاموش ہو گئی۔ کنور جسپال اور سر جگدیش بھی گنگولی کو سمجھانے لگا۔ اور اس نے کافی دیر بعد آمادگی ظاہر کی۔

"اب ایک دوسری بات۔" زوبی نے کہا۔ "یہ آپ لوگوں کی اطلاع کے لئے ہے۔"

کو اب تنظیم سے الگ ہی سمجھئے گا۔"

"کیوں....!" سب نے بیک وقت حیرت ظاہر کی۔

"وہ تنظیم سے بدظن ہو گیا ہے۔"

"تب پھر اُسے زندہ رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" جسپال بولا۔

"طاقت کا حکم اسکے برعکس ہے۔ طاقت کا کہنا ہے کہ اب اُس سے کوئی سروکار ہی نہ رکھا جائے۔"

"یہ حکم الجھن میں ڈالنے والا ہے۔" سر جگدیش نے کہا۔

"کیوں! نہیں میرا خیال ہے یہ طاقت کی ایک بہترین تجویز ہے۔ وہ اس طرح تنظیم کو استحکام پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ چیز تو تنظیم کے استحکام کی طرف اشارہ کرتی ہے اگر ہم اس کے کسی مخالف کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ خود آپ ہی سوچئے کیا وہ ہمارے خلاف کوئی ثبوت مہیا کر سکے گا۔"

"نہیں! ہمارا خیال ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔"

"پھر.... ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اُس کے خون سے ہاتھ رنگیں۔ بس اس کی بے بسی کا تماشہ دیکھتے رہیئے۔ یہ تنظیم کے لئے ایک قسم کا امتحان بھی ہے۔ ہمیں خوشی ہو گی اگر وہ تنظیم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ہمیں اپنے وہ رخنے بھی بند کرنے کا موقع ملے گا جن پر ہماری نظر بھی نہیں پڑی ہے۔"

"طاقت اس صدی کا بہترین دماغ ہے۔" کنور جسپال نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔

"اور لیڈی زوبی کے متعلق کیا خیال ہے۔" سر جگدیش مسکرا کر بولا۔

"یہ ایک ایسی طاقت ہیں کہ دل بے اختیار کھنچے چلے جاتے ہیں۔" کنور جسپال نے کہا اور سیٹھ گنگولی بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔

فریدی نے روشن دان میں خفیف سا درز کر رکھا تھا اور اس دوران میں اُس نے ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔

کبھی کبھی وہ مڑ کر پیچھے کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ لیکن اس وقت تو اس کی تمام تر توجہ کمرے کی طرف تھی۔ جس وقت ایک طویل القامت سایہ اس پر جھپٹا تھا فریدی نے اپنے داہنے بازو پر ایک ٹھنڈی سی تکلیف محسوس کی وہ بڑی پھرتی سے مڑا لیکن حملہ آور اپنا کام کر چکا تھا۔ خنجر

اس کے بازو سے نکل کر چھت پر گرا۔ حملہ آور کی گردن اُس کے بائیں بازو میں بھنچی ہوئی تھی لیکن حملہ آور بھی کمزور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے فریدی کی گرفت سے نکلنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے داہنے ہاتھ سے اس کی ناک پکڑ کر اینٹھ دی۔ ساتھ ہی اُس کا سر روشن دان میں ٹھونسنے لگا۔ وہ تو اتفاقاً اس کا ہاتھ اس کی ناک پر جا پڑا تھا۔ ورنہ حملہ آور کو بے بس کرنا اتنا آسان کام نہ ہوتا۔ فریدی نے اسے سینے تک روشندان میں ٹھونس دیا اور پھر اچھل کر بڑی تیزی سے چھت کے اُس سرے کی طرف پہنچا جدھر سے اوپر آیا تھا۔

نیچے اترتے ہی اندھیرے میں کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور وہ بوکھلا کر اس پر جھک پڑا۔ کیا وہ انور کی لاش تھی؟ فریدی کے سر میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ اُس نے انجام کی پرواہ کئے بغیر جیب سے ٹارچ نکالی۔

انور زمین پر اوندھا پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا اور اس کے سر کی پشت پر ایک بڑا زخم تھا جس سے خون نکل کر چاروں طرف جم گیا تھا۔

فریدی نے ٹارچ بجھا کر جیب میں ڈالی اور انور کو کاندھے پر ڈال کر دوڑنے لگا۔ وہ اپنے بازو کا زخم بھول گیا تھا نہ جانے کس طرح وہ اپنی کار تک پہنچا۔

❁

وہ سب اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ انہیں اوپر روشن دان میں ایک آدمی دکھائی دیا جو ان کے خیال کے مطابق ان پر کودنا چاہتا تھا کیونکہ اس کا آدھا دھڑ کمرے میں داخل ہو چکا تھا اور وہ اس طرح اپنے دونوں ہاتھ ہلا رہا تھا جیسے بقیہ جسم کو روشن دان سے نکال کر نیچے آنا چاہتا ہو۔

"ہائیں....!" لیڈی زوبی حیرت سے بولی۔ "یہ تو ضرغام معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں ہے تو وہی....!" کنور جسپال نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس نے اسے آواز دی "ضرغام"

اس بڑے کمرے کی چھت عمارت کی دوسری چھتوں سے زیادہ اونچی تھی۔

"ضرغام کے بچو! اوپر آؤ۔" ضرغام چنگھاڑا۔

"اس حرکت کا کیا مطلب۔" سر جگدیش نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "یہ آدمی بہت بدتمیز ہے میں اسے قطعی پسند نہیں کرتا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ روشندان میں پھنس گیا ہے۔" زوبی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "ویسے وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں ہے کہ اس روشندان سے نیچے آنے کی کوشش کرے اور پھر اونچائی کتنی زیادہ ہے۔ شائد کوئی پاگل ہی اوپر سے کودنے کی کوشش کرے۔ کوئی گڑبڑ ضرور ہے سر جگدیش....!"

"کیا تم اوپر نہیں آؤ گے۔" ضرغام پھر غرایا۔

"ہم آ رہے ہیں۔" زوبی نے چیخ کر جواب دیا اور ساتھیوں سے بولی۔ "اس کی ناک بھی زخمی معلوم ہوتی ہے.... یہ دیکھئے.... فرش پر خون کی بوندیں۔"

وہ بڑی سراسیمگی کے عالم میں چھت پر پہنچے۔ ضرغام داہنے پیر کا گھٹنا ٹیک کر روشندان سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن بایاں پیر ہلتا بھی نہیں تھا۔ دوسرے پیر کو استعمال کرتا تو کبھی کا اس مصیبت سے نجات پا گیا ہوتا۔

اُن لوگوں نے اُسے کسی نہ کسی طرح روشندان سے نکالا۔

"میرا بایاں ٹخنہ اکھڑ گیا ہے سمجھے!۔ ورنہ میں تمہیں تکلیف نہ دیتا۔" ضرغام نے جھلائے ہوئے لہجے میں "یہاں فریدی تھا۔"

"فریدی....!" سب کی زبان سے بیک وقت نکلا اور پھر وہ اس طرح خاموش ہو گئے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو.... وہ ضرغام کو نیچے لائے۔

ضرغام بُری طرح برس رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہاری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا ہوگا کیونکہ وہ آدھے گھنٹے تک اوپر رہا ہے۔"

"لیکن تم ادھر کیسے آنکلے تھے۔" زوبی نے مضحمل آواز میں پوچھا۔

"میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اسے مار ڈالوں گا۔ اس وقت ہائی سرکل کلب سے اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ میں اسے مار ڈالوں گا۔ خدا کی قسم....!"

"فریدی....!" سیٹھ گنگولی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ تو بہت بُرا ہوا۔"

"پرواہ نہ کیجئے۔" لیڈی زوبی نے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر وہ ہمارا کچھ کر سکتا ہوتا تو بھاگ کیوں جاتا۔ وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کی بکواس کون سنے گا۔ ہمارے خلاف وہ جو کچھ بھی کہے گا بکواس ہی سمجھی جائے گی۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ اب ہمیں کوئی دوسری اسکیم سوچنی پڑے گی۔

موجودہ اسکیم تو اب کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔

اظہارِ عشق

حمید اپنے کمرے میں بیہوش پڑا تھا۔ اب بھی بیہوش رہنے کی وجہ یہ تھی کہ سرفیروز کسی ایسی بیوہ عورت کی طرح اس کے سر پر مسلط تھا جس کا اکلوتا لڑکا مر گیا ہو۔ حمید کئی بار دل ہی دل میں اسے بے نقط سنا چکا تھا۔

تقریباً چار گھنٹے سے اس نے پائپ نہیں پیا تھا اور اب اسکی روح کو بھی جمائیاں آنے لگی تھیں۔

"اب اب کھسکو بھی اُلو کے پٹھے۔" اس نے ایک بار پھر دل ہی دل میں کہا۔ لیکن سرفیروز کوئی نوجوان لڑکی تو تھا نہیں کہ دل کی زبان سمجھ لیتا۔ وہ بدستور اس کے سرہانے جما رہا۔

آخر تنگ آکر اس نے فیصلہ کیا کہ اب اسے ہوش میں آجانا چاہئے۔ کم از کم چار پانچ گھنٹے تو گذر ہی گئے تھے۔

بہر حال وہ ہوش میں آگیا۔ اس انداز میں آیا جیسے وہ کمرے میں تنہا ہو۔

"شکر ہے.... شکر ہے۔" سرفیروز جلدی سے بولا اور حمید اچھل پڑا۔

"اوہو.... آپ....!" حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "آپ یہاں....!"

"کچھ نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔ تم میرے سیکریٹری ہی ہونا۔"

"جناب والا....!"

"گڈ.... تو اس کا مطلب یہ کہ اب تم دورے کی حالت میں نہیں ہو۔"

"کیسا دورہ....!" حمید پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

"سب ٹھیک ہے.... گڈ.... تم شہزادے تو نہیں ہو۔"

"شہزادہ.... میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ.... کچھ نہیں سب ٹھیک ہے۔ شروع ہو جاؤ۔ دو دو آنے چار چار آنے۔"

"دو دو آنے.... چار چار آنے۔" حمید نے دہرایا۔

"ویری گڈ....!" سرفیروز اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "سب ٹھیک ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا جناب۔"

"تم سچ مچ بیہوش ہو گئے تھے یا زوبی کو اُلو بنا رہے تھے۔" اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں بیہوش! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ویسے مجھے اپنی اس حرکت پر ندامت ہے کہ آج رات سو گیا۔ امید ہے کہ آپ معاف فرما دیں گے۔"

سرفیروز کے چہرے پر مایوسی کے آثار نظر آنے لگے۔ لیکن یہ کیفیت جلد ہی رفع ہو گئی۔

"اچھا اب تم آرام کرو۔ آج ہم رات بھر مینڈھے لڑائیں گے۔" اس نے کہا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"رات بھر مینڈھے لڑاؤ گے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ضرور بیٹے خاں۔ آج کی رات بری ہے۔"

اس نے پائپ میں تمباکو بھری اور اسے سلگا کر آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ اس کا ذہن کچھ نئے پلاٹ مرتب کر رہا تھا مگر دشواری یہ تھی کہ فریدی کا مشورہ لئے بغیر کوئی نیا اقدام ناممکن تھا.... رہ گئی بیہوشی والی حرکت تو وہ ایک ضمنی سی چیز تھی۔

رات کے کھانے کی میز پر سرفیروز سے ملاقات نہیں ہوئی اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس کی بھتیجیاں عالیہ، شہزاد اور نوشابہ موجود تھیں۔ کھانے کے دوران وہ کنکھیوں سے حمید کی طرف دیکھتی رہی تھیں لیکن کوئی کچھ بولی نہیں تھی۔

کھانے کے بعد کافی پیتے وقت عالیہ جو خود کو سب سے زیادہ شریر ثابت کرنے کی کوشش کرتی تھی بولی۔

"بعض لوگ واقعی بہت چالاک ہوتے ہیں۔"

دونوں لڑکیاں چند لمحے اُسے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتی رہیں۔ پھر بولیں۔

"جملے کی وضاحت کرو۔"

"مثلاً.... آپ....!" عالیہ نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"مثلاً میں...." حمید نے کافی کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے بُرا سا منہ بنایا۔ "کیا چالاکی دیکھی ہے آپ لوگوں نے۔"

"کیا دوپہر کی بیہوشی ڈھونگ نہیں تھی۔" عالیہ نے کہا۔

"سر فیروز بھی میری بیہوشی کا حوالہ دے چکے ہیں۔" حمید تشویش آمیز لہجے میں بولا "لیکن ان کی بات کا کیا اعتبار۔ کیا میں حقیقتاً بیہوش ہو گیا تھا۔"

لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"دیکھئے.... میں آپ لوگوں سے زیادہ ہنس سکتا ہوں۔ اگر مجھے غصہ آگیا تو آپ ہنستے ہنستے مر جائیں گی.... سمجھیں۔"

"تم خود مرو گے اور بہت جلد مرو گے۔ چچی کا چمڑے کا چابک... ملک الموت سے کم نہیں۔"

"چچی، چمڑا، چابک!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "اور چ سے کیا ہوتا ہے۔ چھچھوندر.... چغد... چمگادڑ.... چور.... چمار.... ہاہا....!"

"اچھا! تم یہ سب کچھ چچی کو کہہ رہے ہو.... اچھا اچھا....!" شہرزاد بولی۔

"آپ کا نام بھی چ سے چہرزاد ہونا چاہئے تھا۔"

"نہیں چھچھوندر....!" عالیہ نے دبی زبان سے کہا اور شہرزاد اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگی

یہ تینوں مختلف والدین سے تھیں اور سر فیروز لاولد ہونے کی بناء پر اپنے بھائیوں اولادوں میں سے کسی نہ کسی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

"ہاں.... ہاں.... ارے.... ارے۔" حمید بیچ بچاؤ کرانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ "حالانکہ لفظ چھچھوندر بہت بُرا ہے لیکن پھر بھی آپ سے استدعا کروں گا کہ محترمہ عالیہ کو معاف کر دیجئے۔"

شہرزاد کو سچ مچ غصہ آگیا تھا۔

حمید اس کا اسکریو کستا رہا۔ "اپنی طرف تو دشمنوں کو بھی چھچھوندر نہیں کہتے کیونکہ اس ماں کی عزت پر حرف آتا ہے۔ چھچھوندر ہماری طرف اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کی ماں کو آوا کا طعنہ دینا ہوتا ہے۔"

عالیہ برابر ہنستی رہی تھی۔ حمید کے اس جملے پر اس نے دوبارہ شہزاد کو چھچھوندر کہہ د شہرزاد کا بھرپور ہاتھ اس کے گال پر پڑا۔ بس پھر دونوں لپٹ پڑیں۔ عالیہ نے اس کے بال پکڑ جھنجھوڑ ڈالے۔

نوشابہ انہیں الگ کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی لیکن ان دونوں پر تو جیسے بھوت سوار ہو گیا تھا۔ وہ کسی طرح بھی ایک دوسری کو نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

حمید دور ہی کھڑا ہائیں ہائیں کرتا رہا۔

نوشابہ نے بڑی دشواری سے انہیں الگ کیا اور شہرزاد کو دھکیلتی ہوئی اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگی۔ عالیہ پھر اس کی طرف جھپٹ رہی تھی۔ حمید درمیان میں آگیا۔

"تم ہٹ جاؤ۔" عالیہ اسے دھکیلتی ہوئی بولی۔

"آپ میری لاش ہی پر سے گذر کر محترمہ شہرزاد کی طرف جاسکیں گی۔"

"محترمہ....!" عالیہ نے دانت پیس کر سخت لہجے میں کہا۔

"چلئے.... چلئے....!" حمید اس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ "دل تو نہیں چاہتا کہ آپ کو آپ کے کمرے تک پہنچاؤں مگر آپ خطرناک ہو گئی ہیں۔"

وہ اسے اس کے کمرے تک پہنچا کر پھر ڈرائنگ روم میں واپس آگیا کیونکہ ابھی اسے کافی کا کپ اور پینا تھا۔ عالیہ اپنے کمرے کی طرف جاتے وقت واپسی کے لئے مچل تو ضرور رہی تھی لیکن اس کے اس رویے میں جان نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ جسمانی طاقت کے اعتبار سے شہرزاد سے کمزور تھی۔

نوشابہ بھی ڈرائنگ روم میں واپس آکر اپنے لئے کافی کا دوسرا کپ تیار کرنے لگی۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے گھور رہی تھی۔

"تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو۔" اس نے اس سے پوچھا۔

"میں یہاں رہنا چاہتا ہوں۔" حمید نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ "دوسرے سکریٹریوں کی طرح بھاگوں گا نہیں۔"

"وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔ تم نہیں بھاگو گے خواہ کوٹھی ہی ویران ہو جائے۔"

"یہاں میرا دل لگ گیا ہے۔"

"لگنا بھی چاہئے۔ لیکن تم چچا جان سے کوئی رقم نہ وصول کر سکو گے۔ حساب کتاب سب چچی جان کے ہاتھ میں رہتا ہے۔"

"ہائیں تو کیا میں بے تنخواہ کام کر رہا ہوں۔"

"نہیں.... تنخواہ تو ملے ہی گی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اوپر سے کچھ نہ اینٹھ سکو گے۔"

"کیا آپ مجھے کوئی فراڈ سمجھتی ہیں۔"

"تم نے ان دونوں کو کیوں لڑا دیا۔"

"آہ.... یہ نہ پوچھئے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیوں....!"

"جب میں....!" وہ رک رک کر بولا۔ "آپ کی .... طرف دیکھتا ہوں.... تو وہ دونوں.... مجھے گھورنے لگتی ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"اب.... مطلب.... کچھ نہیں.... شائد میں پاگل ہو گیا ہوں۔ اگر نہیں ہوا تو ہو جاؤں گا.... یقیناً مجھے بھاگنا پڑے گا۔"

"میں پوچھ رہی ہوں کہ تم نے ان دونوں میں جھگڑا کیوں کرا دیا۔"

"کیا آپ مجھے کافی نہ دیں گی۔ میں دنیا کا مظلوم ترین انسان ہوں۔"

"تم.... نہ جانے کیا ہو۔ اگر اس وقت بیہوش نہ ہو جاتے تو چچی....!"

"ہاں کیا.... پھر وہی بیہوشی۔ کیا میں حقیقتاً کبھی بیہوش ہوا تھا۔"

"پتہ نہیں.... میرے دماغ میں اتنی قوت نہیں ہے کہ تم سے گفتگو کر سکوں۔" اس نے کافی بنا کر حمید کی طرف کپ کھسکا دیا۔

"شکریہ.... لیکن.... آپ بار بار چچی کی دھمکی کیوں دیتی ہیں۔"

"اگر وہ چاہیں تو تم یہاں نہیں رہ سکتے۔"

"اور آپ کیا چاہیں گی۔"

"میں.... کیوں! میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"کیا سکریٹری کی عدم موجودگی میں آپ لوگوں کو بور نہیں ہونا پڑتا۔"

نوشابہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر خاموشی سے کافی کے گھونٹ لیتی رہی پھر بولی۔

"عالیہ چچی کی ناک کا بال ہے۔ وہ ان سے ضرور کہے گی کہ تم نے اسے شہزاد سے لڑوادیا۔"

"مجھے آپ کی چچی کی ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ میں آپ کے چچا کا سکریٹری ہوں۔"

نوشابہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ اس طرح مسکرا رہی ہیں جیسے میں نے کوئی حماقت آمیز بات کہہ دی ہو۔"

"قطعی حماقت آمیز۔ کیونکہ ہوگا وہی جو چچی چاہیں گی۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ چچا جان اُن سے کتنے خوفزدہ رہتے ہیں۔"

"خوفزدہ کیوں رہتے ہیں۔"

"کیا اب تم نجی معاملات میں بھی دخیل ہونا چاہتے ہو۔"

"آپ بالکل غلط سمجھیں ہیں۔ میں صرف اپنی ملازمت برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ملازمت....!" وہ پھر تلخ انداز میں مسکرائی۔

"کیوں! بھئی آپ کی مسکراہٹ....!"

"تم ملازمت کے لئے یہاں ہو یا تفریح کے لئے۔"

"یہ کیا بات ہوئی اسے جملہ سمجھوں یا کسی معمے کا اشارہ نمبر چار سو بیس... دائیں سے بائیں۔"

"تمہیں ملازمت کی ضرورت تو نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

حمید اس جملے پر بوکھلا گیا۔ لیکن چہرے سے کیا ظاہر ہوتا؟ کیونکہ چہرے پر تو پلاسٹک میک اپ تھا البتہ اس نے آنکھیں ضرور بند کر لیں اور زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

"تم کوئی کالج اسٹوڈنٹ ہو اور تفریح کے لئے یہاں آگھسے ہو۔" نوشابہ بولی اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

"نہیں آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ میں اسٹوڈنٹ ضرور تھا مگر اب نہیں ہوں۔ بعض مجبوریوں کی بناء پر مجھے ایم۔اے کا دوسرا سال چھوڑنا پڑا۔ یہ ملازمت میں نے اس لئے پسند کی ہے کہ مجھے پڑھنے کا وقت بھی ملتا رہے گا.... مگر میں.... میں بالکل الو ہوں۔ جہاں آپ موجود ہیں وہاں شاعری کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" حمید کی آواز دردناک ہو گئی۔ "میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"کیوں میری وجہ سے کیوں! میں نے کیا کیا ہے۔"

"آپ نے کچھ نہیں کیا۔ قصور میرا ہی ہے۔"

"کیا بک رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"میں نے آپ کو کیوں اپنے ذہن میں گھسنے دیا۔" حمید نے مغموم آواز میں کہا اور اس کے گالوں پر دو آنسو ڈھلک آئے۔

"اوہ.... گدھے کہیں کے۔" نوشابہ جھینپے ہوئے لہجے میں بولی اور ڈرائینگ روم سے چلی گئی۔

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اٹھ کر عالیہ کے کمرے کے دروازے پر آیا جو اندر سے بند تھا۔ اس نے آہستہ سے دستک دی۔

"میں ہوں۔" حمید نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

"تم کیوں ہو۔" اندر سے عالیہ بولی۔ پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"ہاں یہ حرکت تمہاری ہی تو تھی۔"

"بہرحال میں محترمہ شہرزاد کو اتنا بدتمیز اور بداخلاق نہیں سمجھتا تھا۔"

"ارے.... وہ پکی کمینی ہے۔ ذلیل کہیں کی۔"

"جی ہاں.... ورنہ مذاق ہی مذاق میں کیا نہیں ہو جاتا۔ ویسے شائد.... میں آج رات بھر نہ سو سکوں۔ مجھے دلی اذیت پہنچی ہے۔"

"اچھا اب جاؤ مجھے بور نہ کرو۔"

"آپ نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔"

"کیا....؟"

"جادو.... میں مر جاؤں گا۔"

"ڈفر! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ کیا سچ مچ چچی کا چابک بھول گئے۔"

"یاد کرنیکی کوئی بات بھی ہوتی۔ ایک بھی میرے جسم پر نہیں پڑا۔ میں آپ سے.... محبت....!"

"محبت.... محبت! میں سمجھی۔" اس نے جھپٹ کر حمید کا کان پکڑ لیا پھر اس کے چہرے دوسری طرف موڑتی ہوئی بولی۔ "جاؤ.... سو جاؤ صبح محبت کا جواب دوں گی۔"

دروازہ حمید کی کھوپڑی سے ٹکرایا کیونکہ وہ بند ہو چکا تھا۔

حمید چند لمحے وہیں کھڑا اپنی کھوپڑی سہلاتا رہا پھر شہرزاد کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔

"کیا ہے....!" اندر سے جھلائی ہوئی آواز آئی۔

"میں ہوں محترمہ شہرزاد....!" حمید نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ شہرزاد بڑے پھولوں والے سلیپنگ گاؤن میں تھی۔

"فرمائیے محترم....!" اس نے اپنے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"آخر آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں۔"

"شروعات تو آپ ہی نے فرمائی تھی۔"

"میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ محترمہ عالیہ اس طرح آپ کی توہین کریں گی۔ آہ مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ غالباً کل وہ اس معاملے کو چچی کے سامنے پیش کریں۔"

"میں اُس سور کی بچی زوبی سے بالکل نہیں ڈرتی۔"

حمید نے دل میں کہا۔ "وہ مارا.... کام بن گیا۔"

"آپ ڈریں ہی کیوں۔" وہ کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ سارا معاملہ سر فیروز ہی کا بگاڑا ہوا ہے۔ آخر وہ ان سے اتنے خائف کیوں رہتے ہیں۔"

"انکی حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہیں ہے۔" شہرزاد دروازہ بند کرتی ہوئی بولی۔ "بیٹھ جاؤ۔"

حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ شہرزاد کہہ رہی تھی۔ "سب کچھ زوبی کے قبضے میں ہے وہ ان سے سادے چیکوں پر دستخط لے کر بہت بڑی بڑی رقمیں بینک سے نکالتی ہے اور ان رقموں کا کیا کرتا ہے.... خدا جانے۔"

"اوہ.... یہ تو بہت بُرا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"بُرے سے بھی بُرا اور چچا جان اس سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے اُن کا رزق اسی کے ہاتھ میں ہو۔"

"چچ چچ....!" حمید نے افسوس ظاہر کیا۔

"تم یہ نہ جان سکو گے کہ زوبی ہی کسی سیکریٹری کو نہیں ٹکنے دیتی۔ نہ جانے کیوں وہ اس گھر میں کسی باہری آدمی کا وجود نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے برخلاف چچا جان ہمیشہ ایک ایسے آدمی کے لئے کوشاں رہتے ہیں جو ہر وقت ان کے ساتھ رہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تفکرات ہی کی بناء پر ان کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے شبہ ہے۔"

"کس بات میں۔" حمید کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔

"اسی میں کہ اُن کا دماغ خراب ہے۔"

"ارے.... وہ تو صاف ظاہر ہے۔ محترمہ شہرزاد! ورنہ اتنا بڑا آدمی اور اس طرح کھلونوں کی دوکان سجاتا پھرے۔"

"خیر.... اگر تم یہاں کچھ دن رہ گئے تو خود ہی دیکھ لو گے۔"

"کیا دیکھ لوں گا۔"

"میرا سر....!" شہرزاد جھلا گئی۔

"وہ تو دیکھ ہی رہا ہوں۔ آہ آپ کا سر....! آپ کی گھونگھریالی زلفیں.... یہ پیشانی جیسے آدھا چاند بادلوں سے جھانک رہا ہو۔ محترمہ شہرزاد میں پاگل ہونے سے پہلے ہی مر جاؤں گا۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"ہوش میں ہوتا تو یہ کیوں کہتا کہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"یہاں سے چلے جاؤ۔"

"آہا! کل تو مجھے کوٹھی ہی سے نکلنا پڑے گا۔ لیڈی زوبی....!"

"کیا تم بھی اُس سے ڈرنے لگے ہو۔"

"آج دیکھا آپ نے۔ اگر ایک چابک بھی میرے جسم پر پڑ جاتا تو مجھے خودکشی ہی کرنی پڑتی۔"

"میں نے دیکھا تھا تم بہت پھرتیلے ہو۔ بہت زیادہ اور اسی لئے میں تمہیں ڈرپوک بھی نہیں سمجھتی۔ تم اس وقت بھی اس سے بڑی بے پروائی سے گفتگو کر رہے تھے جب وہ چابک ہلاتے ہلاتے جھک گئی تھی۔"

"کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں یہاں سے نہ جاؤں۔"

"ہاں میں یہی چاہتی ہوں۔"

"میں وجہ ضرور پوچھوں گا محترمہ شہرزاد....!"

"میں سوچتی ہوں کہ تم پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم سب کا خیال ہے کہ تم کوئی اسٹوڈنٹ ہو اور محض ایڈونچر کی خاطر یہاں آگھسے ہو۔ کیونکہ چچا جان کی جھک سارے شہر میں

شہور ہے۔"

"آہم....! آپ بھی یہی سمجھتی ہیں۔ اچھا پھر....!"

"ایڈونچر کی خاطر میں تمہارے لئے ایک اچھا موقع فراہم کر سکتی ہوں۔"

"میں تیار ہوں۔"

"ہم زوبی کے کمرے کی تلاشی لیں گے۔"

"آہم.... کس لئے محترمہ شہرزاد۔"

"بس یونہی.... میں وجہ نہیں جانتی۔ بس دل چاہتا ہے۔ چچا جان اس سے بہت خوفزدہ رہتے ہیں۔ لیکن انداز زن مرید شوہروں کا سا نہیں ہے۔ میں نے بہتیرے مرد دیکھے ہیں جو اپنی بیویوں سے ڈرتے ہیں لیکن تم خود سوچو! کیا ایسے شوہر اپنے بیویوں کے سادہ چیکوں پر دستخط بھی کرتے ں گے۔ آخر چچا جان ایسا کیوں کرتے ہیں۔"

"آپ بہت ذہین ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "کسی اور کی اس پر نظر نہ پڑی ہوگی۔"

"اس معاملے میں تم مجھ سے متفق ہونا۔"

"میں متفق ہوں۔ لیکن آپ تلاشی کیوں لینا چاہتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ زوبی چچا جان کو بلیک میل کر رہی ہے۔"

"آپ واقعی بہت ذہین ہیں۔ ہو سکتا ہے.... مگر تلاشی۔"

"پوری بات سنو۔" شہرزاد جھلا گئی۔ حمید خاموش ہو گیا اور بولی۔ "ہو سکتا ہے اس کے قبضے میں کچھ ایسا مواد ہو۔ میرا مطلب بلیک میلنگ اسٹف....!"

"میں سمجھ گیا۔ اچھا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی مدد کروں گا۔"

"شائد آج رات زوبی واپس نہ آئے گی۔ مگر کمرے کا قفل....!"

"آپ قفل کی پرواہ نہ کیجئے۔" حمید نے کہا اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

خوفناک دھماکہ

فریدی نے بیہوش انور کو صوفے پر ڈال دیا۔ وہ اپنی کوٹھی میں پہنچ چکا تھا۔

ڈاکٹر کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ ڈاکٹر انور کا زخم دیکھنے لگا اور فریدی نے اپنے بازو کا زخ خود ہی دیکھنا شروع کر دیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اس نے خود ہی اسے صاف کر کے بائیں ہاتھ سے بینڈیج کر لی۔ ڈاکٹر کی موجودگی ہی میں انور کو ہوش آ گیا تھا لیکن وہ خاموش پڑا رہا۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی بڑبڑانے لگا۔

"میں بالکل گدھا ہوں۔ اچھا خاصا دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ قریب ہی آہٹ محسوس ہوئی اور میں کچھ ایسا خالی الذہن ہو رہا تھا کہ خواہ مخواہ آگے بڑھ گیا اور پھر ظاہر ہے۔ بے خبری میں کبھی یہی حشر ہوتا ہے۔"

"فکر مت کرو۔" فریدی اپنی آستین الٹ کر بینڈیج کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "ہم بھی حماقت سے خالی نہیں ہیں۔"

"کیا ہوا۔"

"خنجر.... اتفاقاً نظر اٹھ گئی۔ ورنہ یہ زندگی کی آخری رات ہوتی۔ خیر کچھ بھی ہو۔ یہ معلوم ہی ہو گیا کہ وہ بے خبر نہیں ہیں اور لسٹ میں ایک نئے نام کا اضافہ ہوا پرنس شمشاد....!"

"پرنس شمشاد....!" انور نے حیرت سے دہرایا۔

"ہم پرنس جسپال کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ قریب قریب سبھی چوٹی کے لوگ ہیں۔ سر جگدیش، سیٹھ گنگولی، زوبی تو موجود تھی ہی۔ وہ بھی تنظیم میں کسی بڑی حیثیت کی مالک معلوم ہوتی ہے۔ پرنس شمشاد موجود نہیں تھا اور اس کے متعلق کہا گیا تھا کہ وہ تنظیم سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ یہ آدمی اپنے کام کا معلوم ہوتا ہے اور سنو.... اب یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تجارتی پالیسی کو ناکام بنانے کے لئے آئندہ کون سا طریقہ اختیار کریں گے۔"

"کیا....!"

"کچھ نہیں.... اب شائد ہی وہ اسے بروئے کار لائیں۔ اس لئے اس کا تذکرہ ہی فضول ہے۔ یہ بھی عجیب معاملہ ہے۔ مجرم سامنے ہیں لیکن میں انہیں گرفت میں نہیں لے سکتا۔"

"کیوں.... ؟ کیا دشواری ہے۔"

"ثبوت.... ثبوت کہاں سے مہیا کروں گا اور ثبوت مہیا کئے بغیر ان میں سے کسی کو ہاتھ لگانا درد سری ہی ثابت ہو گا۔ نہیں ان پر ہاتھ ڈالنا ویسے بھی فضول ہی ہو گا۔ اس طرح ہم اس

مجرم تک نہ پہنچ سکیں گے جس نے تنظیم کی داغ بیل ڈالی ہے۔"

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.... اوہ.... تم کیوں؟ واقعی.... شاباش.... اچھا فرزند.... میں اُسے ہر قیمت پر اسی رات حاصل کرنا چاہوں گا۔ تم کسی نہ کسی طرح اُسے لے کر عقبی پارک میں پہنچ جاؤ۔ میں آرہا ہوں۔ تم نے ایک بہترین کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر دبے ہوئے جوش کے آثار نظر آرہے تھے۔ اس نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ "چلو ایک مشین تو ہاتھ لگی۔"

"کیسی مشین.... کون تھا....؟" انور نے پوچھا۔

"حمید نے ویسی ہی ایک مشین زوبی کی خواب گاہ سے برآمد کر لی ہے جیسی اس نے جیمس اینڈ مارٹن تمباکو فروش کی دوکان میں دیکھی تھی۔ اچھا انور اب تم آرام کرو۔ میں اس سے اسی وقت ملوں گا۔"

"میں بھی چلوں۔"

"نہیں.... ضرورت نہیں۔"

پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر فریدی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کا زخمی بازو اب بہت زیادہ تکلیف دہ ہو گیا تھا اور اسٹیئرنگ کرنے میں کافی دشواری محسوس ہو رہی تھی لیکن اُسے شاید اپنے پیشے سے انس ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کیڈی منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ سر فیروز کی کوٹھی کا عقبی پارک سنسان پڑا تھا۔ اس کا رقبہ چار فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہو گا اور اندھیری رات میں یہاں کسی کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ یہاں پہنچ کر فریدی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہاں بھٹکتا پھرے۔ معلوم نہیں حمید کس حصے میں ہو گا۔

اُس نے اپنے زخمی بازو پر ہاتھ رکھ کر سسکی سی لی اور چاروں طرف اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

اچانک اسے تھوڑے ہی فاصلے پر کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ایک درخت کے تنے سے لپٹ کر کھڑا ہو گیا۔

آنے والے اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر رک گئے۔ پانچ آدمیوں کے دھندلے مجسمے۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" یہ کسی عورت کی آواز تھی۔ فریدی نے صاف پہچان لیا۔ بولنے والی زوبی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے۔ لیڈی زوبی۔"

"نیا سکریٹری.... اب مجھے یقین آگیا ہے کہ وہ فریدی ہی کا کوئی جاسوس ہے۔ میں اسے یہاں لاؤں گی اور تم لوگ اسے اٹھا کر وہیں لے جاؤ گے۔"

فریدی کے ہونٹ بھینچ گئے۔ پانچ سایوں میں سے ایک عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

❁

حمید کے لئے کوٹھی سے نکلنا مشکل نہیں تھا کیونکہ کوٹھی میں کتے نہیں تھے۔ مشین اس نے حاصل کرلی تھی البتہ شہزاد کو اپنی کوششوں میں ناکامی ہوئی تھی۔ وہ کوئی ایسی چیز نہ حاصل کرسکی جو اس کے خیال کی تائید کرتی۔

کوٹھی میں ہر طرف سناٹا تھا۔ کلاک نے ڈیڑھ بجائے اور حمید عقبی پارک کی طرف روانہ ہوگیا۔ پارک میں پہنچ کر اسے بہر حال خود کو چھپانا تھا کیونکہ زوبی باہر تھی حالانکہ عقبی پارک کی طرف سے اسکی واپسی کا امکان نہیں تھا پھر بھی حمید احتیاطاً درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ گیا۔

ہر طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ سناٹے میں جھینگروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اچانک کسی اُلو کی تیز آواز سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ اسی قسم کی دوسری آواز پر حمید کو چونکنا پڑا.... تیسری.... چوتھی.... اور پانچویں.... آوازوں نے تو اسے اچھی طرح ہوشیار کردیا۔

اور وہ قریب کی جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

آواز ایک بار پھر سناٹے میں لہرائی اور یک بیک حمید بھی اُلو ہوگیا۔ اس کے حلق سے بھی اسی قسم کی چند آوازیں نکل کر فضا میں منتشر ہوگئیں جن کا جواب فوراً ہی ملا اور پھر سناٹا چھا گیا۔

اُسے یقین تھا کہ اس نے غلطی نہیں کی۔ اُلو کی سی آوازیں نکالنے والا فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک مخصوص اشارہ تھا اور فریدی کی اپنی ایجاد.... وہ مختلف قسم کے پرندوں اور جانوروں کی آوازیں نکالنے پر قادر تھا اور اکثر انہیں محض اشاروں کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

اُلو کی آواز کا یہ مطلب تھا کہ "خطرہ ہے چھپ جاؤ۔"

اس نے پھر وہی آواز سنی۔ اس بار آواز بہت قریب سے آئی تھی شاید فریدی اس کی آواز

ہی اس تلاش میں چل پڑا تھا۔ حمید کو بھی پھر اُلو بننا پڑا۔ اُسے یہ حرکت انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن یہ طریقہ پہلے بھی کئی بار کارآمد ثابت ہوچکا تھا۔ اس لئے اس کی افادیت سے تو انکار کیا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ اُسے وہ واقعہ بھی یاد آگیا جب ایک بار فریدی کو اندھیرے میں کتوں کی طرح بھونکنا پڑا تھا اور اس حرکت کی بناء پر ایک بہت بڑی کامیابی اس کے حصے میں آئی تھی۔

جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور کسی نے آہستہ سے کہا۔ "حمید تم ہو۔"

"نہیں میں اس کی مادہ ہوں۔" حمید لچک کر بولا۔

"ہاں.... مشین بھی ہے لیکن وہ میرے علاوہ اور کسی پر شبہ نہیں کرے گی۔"

"تم اب یہاں نہیں رہو گے۔" فریدی بولا۔ "جلدی کرو۔ کیڈی پارک کے باہر موجود ہے۔"

"مگر میں تو یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ بڑی مشکل سے ایک کو راہ پر لایا ہوں، ارے واہ۔"

"بکواس مت کرو.... چلو....!"

"چلنا تو پڑے ہی گا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "مگر خطرہ کیا تھا۔"

"چار آدمی تمہارے منتظر ہیں اور زوبی تمہیں یہاں سے لانے کے لئے اندر گئی ہیں۔"

"آہا.... تو کیا واقعی وہ مجھے پہچان گئی ہے۔"

"نہیں! لیکن تم بعد کے حالات سے واقف نہیں ہو.... چلو....!"

"ارے.... میں اپنے جوتے وہیں چھوڑ آیا ہوں۔" حمید نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

"کام خراب کرو گے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "جاؤ.... چلو....!"

"میں کہاں جاؤں.... اور آپ....!"

"کیڈی زیادہ دور نہیں ہے۔" وہ اس کی گردن ایک طرف گھماتا ہوا بولا۔ "بس سیدھے چلے جاؤ۔ جھاڑیوں کا سلسلہ جہاں ختم ہوتا ہے وہاں سے دس یا بارہ گز کے فاصلے پر ایک گہری کھائی ہے۔ کیڈی تمہیں وہیں ملے گی۔ سیدھے گھر ہی جانا۔ مشین کی حفاظت ضروری ہے۔"

حمید کو وہیں چھوڑ کر فریدی پھر جھاڑیوں سے نکل گیا۔

کھائی کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور جھک کر کھائی کی گہرائی کا اندازہ کرنے لگا۔ اوپر سے کیڈی کی تلاش فضول تھی کیونکہ کھائی کے اوپر درختوں کا سایہ تھا۔

وہ نیچے اترنے کے لئے کوئی اچھا سا راستہ تلاش کرنے لگا لیکن اس نے جو طریقہ اختیار کیا تھا

اسے احمقانہ ہی کہنا چاہئے۔ وہ زمین پر بیٹھ کر ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر نیچے اترنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ درختوں کی گھنی شاخوں نے اس جگہ کو تاروں کی چھاؤں سے بھی محروم کردیا تھا۔ اچانک اُسے نیچے ایک جگہ ایک ننھی سی چمکدار چیز دکھائی دی جو برابر حرکت کررہی تھی لیکن اس کے دائرہ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ پھر کافی دیر بعد یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ کوئی ایک ننھی سی ٹارچ روشن کرکے اسے نیچے آنے کا اشارہ کر رہا ہے۔ ایسی ایک ٹارچ فریدی کے جیب میں رہا کرتی تھی۔

حمید نیچے اترنے لگا۔ وہ روشنی ہی کی طرف دیکھتا ہوا راستہ طے کررہا تھا۔ نیچے پہنچ کر اسے کیڈی دکھائی دی جو زیادہ دور نہیں تھی۔

"کدھر گئے جناب۔" حمید منمنایا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک ٹھنڈی سی چیز اس کی داہنی کنپٹی سے آلگی۔

"اسے پچھلی سیٹ پر رکھ دو۔" کسی نے آہستہ سے نرم آواز میں کہا۔

"تم.....!" حمید ہکلایا۔

"پرواہ نہ کرو.... میں بُرا آدمی نہیں ہوں۔ ویسے تمہاری کنپٹی پر فاؤنٹین پن نہیں رکھا ہے۔"

حمید نے داہنے ہاتھ سے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور بائیں ہاتھ سے مشین اندر رکھ دی۔

"اب پیچھے ہٹ جاؤ۔ ٹھیک.... شکریہ۔" اُس نے کہا "اور زیادہ شکر گذار ہوں گا اگر میرے لئے کار ڈرائیو کرو۔"

اس کی آواز ابھی تک سرگوشیوں کی حد سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ ورنہ ممکن تھا کہ حمید آواز سے اسے پہچاننے کی کوشش کرتا۔

وہ چپ چاپ اگلی سیٹ پر جا بیٹھا۔ ایسے آدمیوں کا اسے تجربہ تھا۔ جو حاوی ہو جانے کے باوجود بھی نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بے چوں و چرا تعمیل کررہا تھا۔ ایسے لوگ جو گ... سہلاتے سہلاتے تھپڑ ماردیں اُسے بالکل پسند نہیں تھے اور وہ اس نامعلوم آدمی میں کسی ایسے آدمی کی پرچھائیں دیکھ رہا تھا۔

"روشنی کئے بغیر چلتے رہو۔ یہاں کی سطح بالکل ہموار ہے۔ بے کھٹکے چل سکتے ہو۔ میں تم... اعتماد کرتا ہوں اس لئے میں نے تمہاری جیبیں بھی نہیں ٹٹولیں۔ لیکن ریوالور بہرحال گردن...

رہے گا۔ کیونکہ تم زیادہ نیک نام نہیں ہو۔ ویسے پیارے بہت ہو۔"

حمید بھنا کر رہ گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس سے کس طرح نپٹا جائے۔

کیڈی اندھیرے میں چلتی رہی۔ حمید اب بھی ریوالور کی نال اپنی گردن پر محسوس کررہا تھا ...دور چلنے کے بعد وہ بڑبڑایا۔

"کب تک اندھیرے ہی میں چلنا پڑے گا۔ مجھے دشواری ہو رہی ہے۔" لیکن اسے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔

"دیکھو دوست.... تم زیادتی کررہے ہو۔" حمید نے پھر کہا لیکن اس بار بھی جواب نہ ملا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" حمید نے جھلا کر کیڈی روک دی لیکن اس پر بھی نامعلوم آدمی نے کچھ نہیں کہا البتہ ٹھنڈا لوہا اب بھی حمید کی گردن سے چپکا ہوا تھا۔

اُس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا اور باہر چھلانگ لگادی۔ کوئی ٹھوس چیز کیڈی میں گری اور ساتھ ہی ایک زبردست دھماکہ ہوا اور حمید منہ کے بل زمین پر گرا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس پر شعلوں کی بارش ہو گئی ہو۔ وہ زخمی کتوں کی طرح چیخنے لگا۔

فریدی کافی دیر سے زوبی کا منتظر تھا لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اس کے ساتھی ابھی تک وہیں کھڑے تھے جہاں وہ انہیں چھوڑ کر گئی تھی۔

اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ایسا معلوم ہوا جیسے سارا پارک پل بھر کے لئے روشنی میں نہا گیا ہو۔ چاروں آدمی بھڑک کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ پھر فریدی نے متواتر چیخیں سنیں اور کانپ کر رہ گیا کیونکہ آواز حمید کی تھی۔

دوسرے لمحے میں وہ بے تحاشہ اُس طرف بھاگ رہا تھا۔ جہاں اب بھی روشنی نظر آرہی تھی۔ وہ کھائی میں کود پڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کیڈی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ حمید اس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا اور اب چیختے چیختے اس کا گلا بیٹھنے لگا تھا۔ فریدی نے جھپٹ کر اُسے بازوؤں میں اٹھایا اور مخالف سمت میں دوڑنے لگا۔ کیڈی کا ڈھانچہ جل رہا تھا۔ ابھی ٹنکی نہیں پھٹی تھی۔ ورنہ اس کے بھی پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ فریدی کی بدحواسی کا سبب یہی خیال تھا۔

وہ جلد سے جلد خطرے کی حدود سے نکل جانا چاہتا تھا۔ حمید اس کے کاندھے پر پڑا چیخ رہا تھا اور اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے ملک الموت اس کے تعاقب میں ہو۔

ایک دل ہلا دینے والا دھماکہ پھر ہوا اور فریدی گرتے گرتے بچا بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔

حمید اس طرح چیخ رہا تھا جیسے وہ کوئی چیخنے کی مشین ہو۔ فریدی دوڑتا رہا اس کے زخمی باز تکلیف نہ جانے لاشعور کے کس تاریک نہاں خانے میں جا سوئی تھی۔

حمید کی جان بچانے کے لئے وہ اپنی تکلیف بھول گیا تھا۔

زخمی بھیڑیا

آئی۔جی کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں تھیں وہ بہت زیادہ فکر مند نظر آرہا تھا۔ ر فریدی بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ذہنی اذیت کے آثار تھے۔

"تو آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے۔" دفعتاً اس نے کہا۔

"دیکھو بھئی.... میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔"

"حمید کی حالت نازک ہے.... اگر وہ مر گیا.... تو آپ جانتے ہیں کیا ہوگا۔" دفعتاً فر چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں آگ اگلنے لگیں۔ "یہ شہر جہنم بن جائے گا۔ میں جواب تک قانو حفاظت کرتا رہا ہوں۔ قانون شکن بن جاؤں گا۔"

"یہ تم مجھے سنا رہے ہو۔" آئی جی کو بھی غصہ آگیا۔

"آپ ایک سیٹھ گنگو کو بچا رہے ہیں، بچائیے... میں دیکھتا ہوں کہ آپ کس کس کو بچاتے ہیں؟"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں کس سے بات کر رہے ہو۔"

"نہیں میں ہوش میں نہیں ہوں۔"

"تب تم جا سکتے ہو۔ پھر کسی وقت ملنا.... میں ایسا قدم اٹھانے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا جس سے محکمے پر حرف آئے۔"

"شکریہ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں دیکھوں گا کہ اپنی ذمہ داری پر کتنا کچھ کر سکتا ہوں

"ٹھہرو....!" آئی جی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کا خیال رکھنا کہ تمہارا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو چکا ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن وجہ نہیں پوچھوں گا۔"

"وجہ میں ضرور بتاؤں گا.... ٹھہرو.... فریدی.... ٹھہر جاؤ.... میں تم سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔ میری بات سنو۔ ورنہ منہ پر تھپڑ مار دوں گا۔"

فریدی دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا لیکن آئی جی کی طرف نہیں مڑا۔ آئی جی کہتا رہا۔ "جب وزیر تجارت خود ہی زوبی کی حمایت کر رہے ہیں تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ زوبی نے خاص طور پر تمہاری شکایت کی ہے اسی لئے مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔"

فریدی آئی جی کی طرف مڑا۔ اب اس کا چہرہ پُر سکون ہو چکا تھا اور آنکھوں میں پھر وہی پرانی خمار آلود کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

"وزیر تجارت....!" اس نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "عہدہ آدمی نہیں بناتا۔ عورت کے معاملے میں وہ بھی ایک معمولی مرد ہیں۔ لیکن یہ عہدہ کل کسی دوسرے آدمی کو بھی مل سکتا ہے۔ ہم اور آپ جہاں کے تہاں رہیں گے۔ قانون بنانے والے نہیں جانتے کہ قانون کی حفاظت کے سلسلے میں کونسی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ بعض اوقات قانون کی حفاظت کے لئے غیر قانونی طریقے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔"

"ہمیں وہیں رہنا چاہئے جہاں ہم ہیں۔ بس میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"ملک کی تباہی میں نہیں دیکھ سکوں گا، خواہ میں اپنی جگہ رہوں یا نہ رہوں۔ میرا نیلگوں آسمان بے کرانہ....!"

فریدی آئی جی کے کمرے سے نکل گیا۔

نصرت خان کسی زخمی درندے کی طرح جھلایا ہوا تھا۔ حالانکہ ڈاکٹر نے اسے مکمل طور پر آرام کرنے کو کہا تھا لیکن وہ اس کی پروا نہ کر کے چھڑی ٹیکتا ہوا لنگڑاتا پھر رہا تھا اور اس کی حالت اس زخمی کتے کی سی تھی جو جھلاہٹ میں مکھیوں پر بھی بھونکنے لگتا ہے۔ صبح سے اب تک اس نے پوری عمارت کو کباڑ خانہ بنا کر رکھ دیا تھا جو چیز سامنے پڑ گئی اسی پر غصہ اتار کر رکھ دیا۔ سارے نوکر

اپنے اپنے کمروں میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کا سامنا کر سکتا۔ نتیجہ ظاہر ہے صبح سے نصرت خان کو ایک کپ چائے بھی نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اس پر اُسے اور زیادہ تاؤ آرہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ نوکروں کے کوارٹروں پر ہلہ بول دیتا کہ زوبی آگئی۔ نصرت خان جہاں تھا وہیں تھم گیا۔

زوبی نے متحیرانہ انداز میں کمرے کی حالت دیکھی۔ میز اور کرسیاں الٹی پڑی تھیں۔ دیوار سے لگی تصویروں کے فریم شیشوں سے محروم ہو چکے تھے۔ خوشنما گلدانوں کے ریزے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہوا....!" زوبی اسے گھورتی ہوئی بولی۔

نصرت خان نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم بولتے کیوں نہیں ڈیئر....!"

"ڈیئر کی بچی... میں صبح سے بھوکا ہوں اور تمہاری تہذیب پر لعنت بھیجنے کو دل چاہتا ہے۔"

"کیوں.... تم بھوکے کیوں ہو۔"

نصرت خان لنگڑاتا ہوا اسکی طرف بڑھتا رہا لیکن اس وقت اُسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"او.... زوبیا.... تو بہت حسین ہے.... زوبیا.... تو میرے لئے چائے تیار کرے گی۔"

"نوکر کہاں گئے۔"

"جہنم میں۔" نصرت خان نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم میرے لئے چائے تیار کرو۔"

"میں نے ایسے کام کبھی نہیں کئے۔"

"تب تم عورت ہو یا کتیا۔ پھر تمہارا کیا مصرف ہے۔"

"کیا تم کبھی تمیز سے گفتگو نہیں کر سکتے۔"

جواب میں نصرت خان نے اس کے بازو پر اپنی گرفت اتنی سخت کر دی کہ اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔

نصرت خان اُسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے جانے لگا۔

"مجھے چھوڑو.... چھوڑو.... مجھے جانور....!"

نصرت خان اُسے گھسیٹتا رہا حتی کہ وہ باورچی خانے میں پہنچ گئے۔

"جاؤ.... چائے تیار کرو....!" نصرت خان اسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

وہ باورچی خانے کے فرش پر گری۔

"کیا میں تمہاری لونڈی ہوں۔" زوبی پاگلوں کی طرح چیخی۔

"چائے۔" نصرت دانت پیس کر بولا۔ "اگر تم نے چائے نہ بنائی تو مارتے مارتے کھال گرا دونگا۔"

"نہیں بناؤں گی۔"

"اچھا....!" نصرت خان اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "دیکھتا ہوں۔"

اس نے جھپٹ کر بائیں ہاتھ سے اس کے بال جکڑ لئے اور ساتھ ہی داہنا ہاتھ گال پر پڑا۔ زوبی پاگل کتیا کی طرح چیخنے لگی۔

لیکن چائے تو اسے بنانی ہی پڑی۔ صرف چائے نہیں بلکہ پورا ناشتہ تیار کرنا پڑا۔ نصرت خان ملک الموت کی طرح سر پر سوار تھا۔

اتنی مار اگر کسی دوسری عورت پر پڑی ہوتی تو کم از کم اس کی آنکھوں پر ورم تو آہی گیا ہوتا لیکن زوبی کی آنکھیں.... وہ اب بھی پُر سکون تھیں ان میں ہلکی سی نمی بھی نہیں محسوس کی جا سکتی تھی۔ البتہ گال سرخ ہو گئے تھے اور کہیں کہیں وہ سرخی ہلکی سی نیلاہٹ میں بھی تبدیل ہو گئی تھی۔

زوبی نے ناشتہ باورچی خانے ہی کی میز پر لگا دیا۔

اور پھر جب نصرت خان سلائیس کے لئے ہاتھ بڑھا رہا تھا زوبی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں جسمانی طور پر تم سے بہت کمزور ہوں اس لئے تم مجھ پر ظلم کرتے ہو.... لیکن فریدی نے پچھلی رات تمہیں روشندان میں ٹھونس دیا تھا اور تم اس وقت لنگڑاتے پھر رہے ہو۔"

نصرت خان میز سے اٹھ گیا۔ چند لمحے زوبی کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر ناشتے کی میز الٹ دی۔ اگر زوبی اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گئی ہوتی تو اسے لنگڑانے کی بجائے شائد زندگی بھر گھسٹنا پڑتا کیونکہ میز بہت بڑی اور فولاد کی بنی ہوئی تھی۔ نصرت خان چپ چاپ باورچی خانے سے نکل گیا۔ لیکن اسکے اس رویئے پر نہ جانے کیوں زوبی کانپ کر رہ گئی۔ نہ جانے کیوں اسکی خاموشی اسکے غصے سے بھی زیادہ خوفناک معلوم ہوئی تھی۔ وہ بھی بڑی تیزی سے باورچی خانے سے نکلی.... نصرت آگے جا رہا تھا۔ اس کی لنگراہٹ غائب ہو چکی اور وہ اچھے خاصے آدمیوں کی طرح چل رہا

تھا۔ زوبی بہت ذہین تھی۔ وہ اس کا مطلب سمجھتی تھی وہ جانتی تھی کہ ذہنی ہیجان کی بناء پر وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ اس کا پیر اکھڑ گیا ہے اُسے تکلیف کا احساس ہی نہیں رہ گیا۔ پھر زوبی نے اسے اس کمرے میں جاتے دیکھا جس میں پھینکے جانیوالے خاص قسم کے خنجروں کا اسٹاک رہتا تھا۔ زوبی پنجوں کے بل دوڑنے لگی۔ شاید وہ بھی پاگل ہو گئی تھی۔ اس نے بے تحاشہ دروازہ کھینچ کر بند کر دیا۔

"زوبی.... میں تجھے مار ڈالوں گا۔" نصرت خان اندر سے دھاڑا۔ "دروازہ کھول دے۔"

"نہیں.... دروازہ نہیں کھلے گا۔" زوبی ہسٹریائی انداز میں چیخی۔ "دروازہ نہیں کھلے گا۔ تم پاگل ہو گئے ہو۔"

نصرت خان دروازے پر ٹکریں مارنے لگا مگر زوبی کو یقین تھا کہ دروازہ کمزور نہیں ہے۔ اچانک دوسرے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی اور متواتر بجتی ہی رہی۔ زوبی نصرت کو کمرے میں چیختا چھوڑ کر فون والے کمرے میں چلی گئی۔

"ہیلو ضرغام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ضرغام سو رہے ہیں۔" زوبی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "آپ کون ہیں۔"

"اوہ.... کون زوبی.... تم یہاں ہو۔"

اور اب زوبی نے بھی اس کی آواز پہچان لی۔ وہ "طاقت" کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

"آپ ہیں۔" زوبی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "ضرغام پاگل ہو رہا ہے۔ میں نے اسے کمرے میں بند کر دیا ہے۔"

"اسے کیا ہوا۔"

"پچھلی رات....!"

"اوہ....! پچھلی رات کی باتیں مجھے معلوم ہیں۔ اس وقت کیا ہوا۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ ہم فون پر گفتگو نہیں کریں گے۔ ضرغام کی خواب گاہ میں جاؤ۔ سمجھیں۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور زوبی ریسیور رکھ کر ضرغام کی خواب گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہاں ویسی ہی ایک مشین موجود تھی جیسی پچھلی رات زوبی کے کمرے سے چرائی گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں اُس نے اس مشین پر "طاقت" سے رابطہ قائم کر لیا۔

"فریدی سے ہوشیار رہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں نے تمام مشینیں شہر کے بارے سٹیشنوں سے ہٹوالی ہیں اور اس گفتگو کے بعد تم یہ مشین بھی اس کمرے سے ہٹا دو گی۔ ڈرائنگ روم میں ایک تہہ خانہ ہے۔ تم تو جانتی ہی ہو اسے وہیں پہنچا دینا۔ پچھلی رات ضرغام کی وجہ سے کام خراب ہو گیا۔ اگر اس نے فریدی کو چھیڑا تھا تو پھر زندہ نہ چھوڑنا چاہئے تھا۔ خیر غلطی کسی ہی سے ہوتی ہے۔ خود میں نے رات ایک زبردست غلطی کی۔ واقعہ سے تو تم واقف ہو۔ تفصیل یہ ہے کہ میں نے پچھلی رات حمید سے وہ مشین حاصل کی جسے وہ تمہارے کمرے سے چرا لے جا رہا تھا اسی کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھ کر اسے ڈرائیو کرنے پر مجبور کیا۔ ریوالور کی نال اس کی گردن سے لگا کر ایک بم کے سیفٹی کیچ سے نکال دیا تھا اور ظاہر ہے کہ پھر میں مشین سمیت کار سے اتر گیا ہوں گا۔ توقع یہ تھی کہ گردن کی خفیف سی جنبش بھی چھڑی کو پیچھے کھسکا دے گی اور بم کا سیفٹی کیچ ہٹ جائے گا اسکیم کو کامیابی ہوئی لیکن حمید کے پرخچے نہ اڑ سکے وہ بچ گیا مجھے خود بھی حیرت ہے کہ وہ کیسے بچ گیا۔ ویسے اسکی حالت خراب ہے۔ سارا جسم زخموں اور آبلوں سے بھرا پڑا ہے۔ جانتی ہو اب فریدی کیا کر رہا ہے۔ تم نے تو وزیر تجارت کی حمایت حاصل کر کے اپنی پوزیشن محفوظ کر لی لیکن آج فریدی سیٹھ گنگولی کو زبردستی پکڑ کر اپنے مکان میں لے گیا اور اس کی اچھی طرح مرمت کی۔ میرا خیال ہے کہ گنگولی نے کم از کم گیارہ بڑوں کے نام تو بتا ہی دیئے ہونگے۔"

"پکڑوالے گیا۔" زوبی نے حیرت سے کہا۔ "یہ کیونکر ممکن ہے۔ گنگولی کی حیثیت"

"گنگولی عیاش طبع آدمی ہے۔ ایک خوبصورت سی اینگلو انڈین لڑکی اُسے ایک غیر آباد مقام پر لے گئی۔ جہاں فریدی کے آدمی پہلے ہی سے موجود تھے انہوں نے اسے بے بس کر کے ایک بند گاڑی میں ڈالا اور لے اڑے۔ جانتی ہو اب وہ کہاں ہے۔"

"کہاں ہے۔"

"پاگل خانے میں۔ اُس کا سر مونڈ دیا گیا ہے اور چہرے پر کالک لگا دی گئی ہے۔ فریدی نے اس کی بھنوئیں تک منڈوا دی ہیں اور اب تم خود سوچو کیا یہ واقعہ گنگولی کے لئے پاگل کر دینے والا نہیں ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے سوچنے کی کوشش کرو۔ اتنی بڑی شخصیت کا مالک۔ اسے اس طرح بے بس کر کے پیٹا گیا۔ پھر علانیہ اسے پاگل خانے پہنچا دیا گیا۔ منہ پر کالک لگائی گئی۔ کھلی کار میں پاگل خانے تک لے جایا گیا۔ کیا اس نے وہاں پہنچ کر پاگلوں کی طرح گلا نہ پھاڑا ہوگا کیا وہ جھلاہٹ

میں لوگوں کو مارنے نہ دوڑا ہوگا۔ دنیا کا ہر صاحب اختیار آدمی بے بسی کے عالم میں یہی سب کچھ کرتا ہے۔ پھر جب پاگل خانے والوں کو اس کے پاگل پن پر یقین آجائے گا تو پھر لاکھ وہ کہا کرے کہ وہ سیٹھ گنگولی ہے۔"

"یہ بہت بُرا ہوا.... بہت بُرا.... لیکن پاگل خانے میں رکھنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" زوبی نے کہا۔

"مقصد یہی ہے کہ ایک پولیس آفیسر کے غیر قانونی رویے کے خلاف احتجاج نہ کیا جا سکے۔ جب تک وہ پاگل خانے میں رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔"

"کیوں.... کیا کوئی اس کے خلاف کاروائی نہیں کر سکتا۔" زوبی نے پوچھا۔

"علم ہی کسے ہے جو کاروائی کرے گا۔"

"میں کروں گی۔"

"نہیں! میں فی الحال اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ سارا کام بگڑ جائے گا۔ اُسے اس روشنی میں دیکھو کہ دنیا کی ہر تنظیم قربانیوں کے بعد ہی مستحکم ہوتی ہے ابھی ہمیں اسی قسم کے صدہا تجرباتی ادوار سے گذرنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ گنگولی نے گیارہ بڑوں کے نام ضرور بتائے ہوں گے۔ اب دیکھنا ہے کہ فریدی کیا کرتا ہے۔ جانتی ہو اس نے صرف گنگولی ہی کو کیوں منتخب کیا؟ ویسے سرجگدیش اور کنور جسپال بھی اس کے سامنے ہی تھے۔ آخر اُن میں سے کیوں نہیں؟"

"گنگولی ڈرپوک آدمی ہے۔" زوبی نے کہا۔

"بالکل ٹھیک! یہی بات ہے کنور جسپال یا سرجگدیش جیسے آدمیوں پر وہ ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ گنگولی بڑا آدمی سہی مگر ہے فطرتاً بنیا۔ کیا خیال ہے۔"

"درست ہے۔"

"خیر اسے ہٹاؤ.... تمہاری نظر میں بھی اس کی کوئی اہمیت نہ ہونی چاہئے۔ میں نے تم سے ضرغام کے بارے میں کہا تھا کہ اسے کڑی نگرانی میں رکھنا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ فریدی سے نہ ٹکرانے پائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا کیوں ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اگر وہ ہاتھ سے گیا تو تنظیم کا داہنا بازو ٹوٹ جائے گا۔"

"ضرغام کی اہمیت آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی۔" زوبی نے کہا۔ "بظاہر اُس نے ابھی

ہی کوئی خاص کام بھی نہیں کیا۔ کیا یہ سب کچھ اس لئے کہ وہ ایک ماہر خنجر انداز ہے۔"

"نہیں زوبی! تم تنظیم کا ایک بہترین دماغ ہو اس لئے ضروری ہے کہ تم ہر معاملے سے باخبر رہو۔ میں سب سے زیادہ تم پر اعتماد رکھتا ہوں۔"

"یہ آپ کی مہربانی ہے۔"

"مہربانی نہیں زوبی۔ میں جانتا ہوں کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ میں تمہاری صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ اچھا تو سنو میں تمہیں بتاؤں۔ ضرغام کا اصل نام نصرت خان ہے اور وہ خان مقلاق کا اکلوتا بیٹا ہے۔ یعنی ہونے والا خان مقلاق۔"

"اوہ....!" زوبی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں جب چاہوں موجودہ خان مقلاق مر سکتا ہے اور نصرت خان مقلاق کا حکمران ہو سکتا ہے۔ غالباً اب تم اس کا مصرف سمجھ گئی ہوگی۔ موجودہ خان ایک طاقتور حکمران ہے اور نصرت خان بھی اس سے کم نہ ہوگا۔ میں دراصل قلعہ مقلاق کو تنظیم کا مرکز بنانا چاہتا ہوں۔ تم خود سوچو۔ کیا اس کے بعد گوبرشاہی "طاقت" سے ٹکرا سکے گی۔ میں کوہستانی باشندوں کو نئے آلات حرب سے مسلح کروں گا۔ اوہو.... تم گوبرشاہی پر ابھی تک ہنس رہی ہو۔ میں جمہوریت کو گوبرشاہی کہتا ہوں کیونکہ تیور اس کے بھی شاہانہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ حکومت کرنے والے بہ آسانی بیچے اور خریدے جاسکتے ہیں اس لئے انہیں گوبرشاہی سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے.... ہاں تو میں تمہیں ضرغام کے متعلق بتا رہا تھا۔ تم نے سنا ہوگا کہ خان مقلاق کا لڑکا، مقلاق کے قلعے سے بھاگ کر اس طرف آگیا ہے، ایک زمانے میں پولیس بھی اُس کی تلاش میں تھی.... زوبی.... وہ خود سے نہیں بھاگا تھا بلکہ میں نے ہی ایسے حالات پیدا کرائے تھے جن کی بناء پر اُسے قلعہ مقلاق سے بھاگنا پڑا.... اور اب یہ بات میں بہت آسانی سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تنظیم کے حلقے سے نہیں نکل سکتا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" زوبی نے کہا۔ "مگر فی الحال اُسے کس طرح سنبھالا جائے۔"

اس کے بعد اُس نے پوری داستان دہرا دی۔

"میرا خیال ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اب اسے یہاں سے ہٹا ہی دینا چاہئے۔ مگر تم فکر نہ کرو۔ اُسے اسی طرح کمرے میں بند رہنے دو اور اب تم اس مشین کو تہہ خانے میں پہنچا

کر یہاں سے چلی جاؤ۔ نوکروں کو سمجھا دینا کہ وہ اپنے کمروں سے باہر نہ نکلیں۔"

"لیکن مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔" زوبی نے پوچھا۔

"آرام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "زوبی.... اب تم آرام کرو اور سارے معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔"

کنور شمشاد

حمید کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ لیکن پھر بھی وہ نقل و حرکت کے قابل نہیں تھا۔ سارے جسم پر بڑے بڑے آبلے تھے اور پنڈلیوں کا تو قیمہ بن گیا تھا۔

دوسری طرف انور کے سر کے زخم نے بھی تشویشناک صورت اختیار کر لی تھی۔ ڈاکٹروں کے اندیشے کے مطابق زہر پھیل جانے کا امکان تھا اور انہوں نے اسے چلنے پھرنے سے روک دیا تھا۔

بظاہر فریدی تنہا رہ گیا تھا لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں سے کام لے رہا تھا جو اُس کے محکمے سے متعلق نہ ہوتے ہوئے بھی اُس کے پابند تھے۔ یہ اس کی بلیک فورس کے لوگ تھے جن کا تذکرہ وہ اکثر حمید سے بھی کر چکا تھا لیکن حمید ان میں سے کسی کی بھی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ فریدی کی بلیک فورس میں کچھ اینگلو انڈین لڑکیاں بھی ہیں یہ بات فریدی ہی نے اُسے بتائی تھی اور ایک بار تو خود اُسے تجربہ[1] بھی ہو چکا تھا۔

فریدی نے اپنی بلیک فورس کی مدد سے سیٹھ گنگولی پر ہاتھ ڈالا۔ کچھ پوچھنے سے قبل کافی دیر تک ہر ہر طرح سے اُس کی مرمت کرتا رہا۔ پھر معاملے کی طرف آیا۔ گنگولی نے اُن دس شخصیتوں کے نام ظاہر کر دیئے جن سے وہ واقف تھا۔ سربراہ کے متعلق وہ کچھ نہ بتا سکا۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ میٹنگ میں عام طور پر ہر قسم کی تجاویز زوبی ہی پیش کیا کرتی ہے۔ وزیر تجارت پر حملہ کرنے والے کی شخصیت پر بھی وہ کوئی روشنی نہ ڈال سکا لیکن اس کا اعتراف کر لیا کہ قتل کی اسکیم زوبی ہی نے بنائی تھی۔ جب فریدی اس کا سر اور بھنویں منڈوانے لگا تو گنگولی نے بہت شدت سے احتجاج کیا اور پھر پاگل خانے والی اسکیم سن کر تو اُس کی جان ہی نکل گئی اور وہ سچ مچ پاگلوں کی سی

[1] اس سلسلے کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "سازش کا جال" جلد نمبر 14 ملاحظہ فرمائیے۔

باتیں کرنے لگا لیکن وہ بہر حال فریدی کی اسکیم تھی۔ فریدی.... جس کے متعلق اعلیٰ آفیسروں کا خیال تھا کہ کسی حد تک وہ خود بھی دیوانہ ہے۔

اس نے اسے پاگل خانے بھجوا ہی دیا۔ دس آدمیوں کے نام اُسے معلوم ہی ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جو پہلے ہی روشنی میں آ چکے تھے اور بقیہ کے متعلق وہ اس سے زیادہ نہ سوچ سکا کہ وہ عملی اعتبار سے تنظیم میں کوئی خاص مقام نہ رکھتے ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ مالی امداد دیتے ہوں گے.... اور بس!

گنگولی کو ٹھکانے لگا دینے کے بعد اُسے ایک خاص بات یاد آئی جسے وہ پوچھنا بھول گیا تھا۔ اس نے پچھلی رات والے حملہ آور کے متعلق اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی کوئی اہم ہی آدمی رہا ہو۔ بہر حال اب یہ بات کم از کم گنگولی سے تو نہیں معلوم کی جا سکتی تھی کیونکہ وہ پاگل خانے میں پہنچ چکا تھا اور پاگل خانہ کے منتظمین کو یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اسے کس نے داخل کرایا ہے۔

فریدی بالکل خالی الذہن ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اس کا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے۔ گنگولی کو اُس نے محض اس توقع پر پکڑوایا تھا کہ اس سے سرغنہ کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہو سکے گا لیکن وہ کچھ نہ بتا سکا۔

فریدی کافی دیر تک سوچتا رہا۔ اچانک اسے پرنس شمشاد کی حیثیت یاد آئی۔ "وہ تنظیم سے برگشتہ ہو چکا ہے۔" اس کے ذہن میں زوبی کے الفاظ گونجے۔

اگر وہ تنظیم سے برگشتہ ہو چکا ہے تو کافی کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔ فریدی سوچنے لگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سربراہ سے واقف ہو ورنہ برگشتگی کیا معنی رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں سے برگشتگی کا انجام خود اُسے بھی معلوم ہوگا، جو سامنے نہ آتے ہوں جن کی شخصیتیں پردہ راز میں ہوں۔ ایسے لوگوں سے برگشتگی کے خیال سے بھی لوگ لرزتے ہیں کیونکہ معلوم نہیں وہ کب اور کہاں ہاتھ صاف کر دیں۔ یقیناً شمشاد کے لئے سربراہ کی حیثیت پردۂ راز میں نہ ہوگی اسی لئے اُس نے یہ جرأت مندانہ اقدام کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ارکان اس قسم کی حرکت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ سربراہ کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں۔

اب فریدی سوچ رہا تھا کہ پرنس شمشاد سے کس طرح رابطہ قائم کرے۔ ویسے وہ اس کے

متعلق سب کچھ جانتا تھا۔ پرنس شمشاد بھی ریاستوں کے خاتمے سے قبل ایک چھوٹی سی ریاست
مالک تھا۔ لیکن کیریئر کے اعتبار سے وہ ہمیشہ سے عجیب رہا تھا۔ اُس کا نام شہزور سنگھ تھا اور وہ شعر
تخلص کرتا تھا.... اور شہزور سنگھ کے بجائے پرنس شمشاد ہی کہلانا زیادہ پسند کرتا تھا۔ شکار او
شاعری اس کے محبوب ترین مشاغل تھے۔ ریاست کے خاتمے کے بعد سے وہ گل و بلبل اور لب
رخسار کی شاعری چھوڑ کر انقلابی شاعری کرنے لگا تھا اور اکثر مجلسوں میں فخریہ کہا کرتا تھا
حکمرانی کے دور میں بھی اس کے خیالات انقلاب کے حق میں تھے۔ ثبوت میں وہ اپنے عشق
اشعار کو کھینچ تان کر انقلاب کے سر منڈھنے کی کوشش کرنے لگتا کبھی کہتا کہ گل سے مراد عوا
ہیں اور گلچیں سے مراد پرانا نظام کبھی لب و رخسار کو اعلیٰ معیار حیات ثابت کر کے شاعر کو عوا
نمائندہ بنا دیتا اور لب و رخسار کے لئے اس کی بے چینی کو عوام کی بے چینی اور خواہش ثابت کر
جو وہ اعلیٰ معیار حیات کے حصول کے لئے رکھتے ہیں۔

شہر کے درجنوں ناکارہ شاعر اس کے ٹکڑوں پر پلتے تھے۔ ان سے وہ اپنی انقلاب پسندی ا
شاعرانہ صلاحیتوں کا پروپیگنڈہ کراتا تھا۔ اس کی یہ حرکت عموماً شاعروں میں ضرور انقلاب ب
کر دیتی تھی۔ اس کے گرگے دوسرے شعراء پر چوٹ کرتے۔ تقدیم و تاخیر کا مسئلہ اٹھاتے ا
مشاعرے میں روحِ انقلاب پر چوٹ کرتے۔ تقدیم و تاخیر کا مسئلہ شامیانے کی طنابیں کٹنے کی و
سے پرانا نظام سامعین، شعراء اور جناب صدر سمیت وہیں کا وہیں ڈھیر ہو کر رہ جاتا۔ بہر حال یہ
پرنس شمشاد۔

اس وقت فریدی کسی قسم کی احتیاط برتنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ اُ
پرنس شمشاد سے براہِ راست گفتگو کرنی چاہئے۔

پرنس شمشاد نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ ایک تندرست اور وجیہہ آدمی تھا۔ عمر پینتالیس
سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ خدوخال تیکھے تھے اور آنکھیں بھوری تھیں۔

"فریدی صاحب میں نے آپ کا نام بہت سنا ہے مگر شاید آپ بہت محتاط ہیں۔ میرا مطلب
ہے کہ آپ کا حلقہ احباب محدود ہے۔" پرنس شمشاد نے کہا۔

"اس سلسلے میں محتاط سے زیادہ لفظ مصروف موزوں ہوگا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"چلئے ایک آدھ بار شکار ہی کی رہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ شکار کا شوق رکھتے ہیں۔ میں

نے آپ کے کتوں کے متعلق بھی بہت کچھ سنا ہے۔"

"کنور شمشاد! میں اس وقت ایک ضرورت سے آیا ہوں۔"

"ہاں ہاں.... فرمائیے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔"

"میں کنور جسپال، سر جگدیش، گنگولی یا بقیہ دوسرے سات آدمیوں میں سے بھی کسی سے
مل سکتا تھا۔"

دفعتاً کنور شمشاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا اور اس کی آنکھیں
فریدی کے چہرے پر ہی رہیں۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ تنظیم سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔"

"کیسی تنظیم کرنل فریدی۔"

"طاقت....!"

"میرے خدا....!" کنور شمشاد نے ایک طویل سانس لی۔

فریدی خاموشی سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔

"کرنل فریدی!.... یہ ٹھیک ہے کہ اب میرا اس تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اور آپ تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے بھی واقف نہیں ہیں۔"

"یہ بھی درست ہے اور یہ حقیقت ہے کہ تنظیم سے میری علیحدگی بھی اسی بناء پر ہوئی ہے۔
اصولی طور پر دیکھئے فریدی صاحب! وہ تنظیم کیسی ہوگی جس کے سربراہ کی شخصیت پردہ راز ہو۔
ظاہر ہے کہ اس کا مقصد نیک نہ ہوگا۔"

"میں آپ سے متفق ہوں۔"

"پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ تنظیم حقیقتاً ملک و قوم کے لئے سود مند ثابت ہوگی مگر.... اور
مجھے تو اب ہنسی آتی ہے۔ میں گیارہ بڑوں میں شامل تھا لیکن مجھے یقین ہے میں تنظیم کی اصلیت
سے واقف نہ ہوں گا۔"

"لیکن آپ ان لوگوں تک پہنچے کس طرح تھے۔"

"زوبی....!" شمشاد ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔ "لیڈی زوبی! اُسے تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔"

"ہاں میں اُسے جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "گیارہ بڑوں میں وہ بھی شامل ہے۔"

"تب تو آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔ مگر کیا فائدہ.... سربراہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔"

"آپ ان لوگوں میں کس طرح پہنچے تھے۔ فی الحال میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"زوبی....!" شمشاد نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"زوبی لے گئی تھی۔" فریدی نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"ہاں کرنل.... یہ ایک مضحکہ خیز واقعہ ہے۔ عورت.... اور پھر خوبصورت عورت وہ متمول اور ذی اثر لوگوں کو پھانستی ہے اور آہستہ آہستہ ان کے خیالات بدلتی رہتی ہے.... پھر ....وہ اس تنظیم کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔"

"میں سمجھ گیا....!"

"اگر آپ اُن لوگوں کی تاک میں ہیں تو زوبی سے بچے رہیۓ گا۔" کنور شمشاد مسکرا کر بولا۔

"مگر آپ تنظیم سے الگ کیوں ہو گئے۔"

"یہ بتا کر میں خواہ مخواہ اپنی گردن نہیں پھنساؤں گا۔"

"آپ کی گردن تو اب بھی پھنسی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہرگز نہیں! اگر میری گردن پھنسی ہوئی ہوتی تو وہ لوگ مجھے کبھی کا ختم کر چکے ہوتے۔"

"ٹھیک ہے.... میں سمجھتا ہوں۔ میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی۔ آپ لوگوں کیخلاف کوئی ثبوت بہم پہنچانا آسان کام نہیں ہے۔"

"ہے نا.... تنظیم کا سربراہ شیطان کا بھی استاد معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کرنل فریدی کہ میں تنظیم سے الگ نہ ہوتا مگر ایک واقعہ جس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اس علیحدگی کا سبب بنا ہے۔ میں انقلاب پسند ضرور ہوں مگر ذہنی انقلاب میرا نصب العین ہے۔ اس انقلاب سے مجھے نفرت ہے جو خون خرابے کا باعث بنے۔"

فریدی اُس واقعے کا منتظر رہا جو کنور شمشاد کی علیحدگی کا باعث بنا تھا۔ لیکن شمشاد خاموش ہی رہا۔

"کس واقعے نے آپ کی آنکھیں کھول دی تھیں۔" آخر فریدی نے پوچھا۔

"وزیر تجارت کے قتل کی سازش۔"

"اوہ....!"

"واقعی اُس دن آپ نے کمال کیا تھا۔ وہ لوگ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے لیکن ایک آدمی پھر بھی شکار ہو گیا تھا۔"

"خنجر کس نے پھینکا تھا۔"

"اس کا مجھے علم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا علم تین آدمیوں کے علاوہ چوتھے کو نہیں ہو گا۔ سربراہ جانتا ہو گا۔ زوبی یقیناً جانتی ہو گی کیونکہ اسی نے اسکیم بنائی تھی اور خود خنجر پھینکنے والا۔ زوبی بڑی چالاک ہے۔ انتہائی چالاک.... ایک رات اُس نے مجھ پر بھی دو فائر کیے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں کسی عورت کے ہاتھوں مرنا تو ہرگز پسند نہیں کروں گا۔"

"اور آپ نے زوبی کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔"

"کاروائی میں اسی وقت کرتا مگر وہ کار پر تھی اور میں پیدل....!"

"میری مراد قانونی کاروائی سے تھی۔"

"نہیں۔ یہ انہیں خواہ مخواہ اشتعال دلانا ہوتا۔ غالباً آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔"

"نہیں میں نہیں سمجھا۔"

"میں اب انہیں چھیڑنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اندھیرے سے آئے ہوئے تیر سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔"

"خیر.... یہ آپ کا اپنا معاملہ ہے۔ ویسے میں تنظیم کے مالیات کے متعلق بھی آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"کرنل اس پر میں صرف گفتگو ہی کر سکوں گا لیکن یہ نہ بتا سکوں گا کہ روپیہ آتا کہاں سے ہے۔"

"گیارہ بڑے مفلس تو نہیں ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"دوسروں کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا لیکن میں اپنے بارے میں نہایت صفائی سے کہہ سکتا ہوں کہ آج تک میرا ایک پیسہ بھی تنظیم پر خرچ نہیں ہوا۔"

"پھر وہاں آپ کا کیا مصرف تھا۔"

"صرف انکی میٹنگ میں شریک ہونا۔ یہ بات واضح کر دوں کہ میں بہت پرانا ممبر نہیں تھا۔"

"کیا آپ گیارہویں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں آخری تھا۔ میرے بعد کوئی اور نہیں ہوا۔"

"آپ کتنے عرصہ رہے ہیں۔"

"غالباً ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ۔ آہا.... وہ بھی بڑا دلچسپ واقعہ تھا۔ زوبی سے ان دنوں نئی نئی دوستی ہوئی تھی اور میں بڑی بڑی عمدہ غزلیں کہہ رہا تھا.... ہاں.... غالباً، ہاں وہی غزل تو تھی.... بہار میں.... خمار.... میں.... قرار میں.... مطلع یاد نہیں ہے اس کا ایک شعر تو....!"

"زوبی سے نئی نئی دوستی ہوئی تھی۔" فریدی نے کام کی بات یاد دلائی۔

"اوہ.... جی ہاں.... جی ہاں.... شکریہ۔ میں بہکنے لگا تھا۔ شائد آپ کو شعر و سخن سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"قطعی نہیں۔" فریدی نے کھردرے لہجے میں کہا۔

"بہر حال.... وہ ایک بڑی خوشگوار رات تھی۔ ہم نے یونہی تفریحاً ایک نائٹ کلب میں جوا کھیلنا شروع کیا اور اپنی جیبوں کی آخری پائی بھی ہار گئے۔ پھر کھلاڑیوں کی پھبتیاں ہمارے لئے تکلیف دہ ہوتی گئیں۔ زوبی مجھے ایک طرف لے گئی اور اپنے پرس سے سونے کے دو ننھے ننھے سکے نکالے۔ میں سمجھا شائد اشرفیاں ہیں۔"

"طاقب کے سکے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اوہ کرنل.... آپ تو سب کچھ جانتے ہیں۔" شمشاد نے حیرت ظاہر کی۔

"ہاں یہ بات بھی میرے لئے بہت پرانی ہے۔ آپ کو ایک سکے کے عوض کہیں سے دو ہزار کی سرکاری کرنسی ملی ہوگی اور اس طرح زوبی نے آپ کو تنظیم کی طرف کھینچا ہوگا۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" شمشاد اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اب کنور صاحب! آپ مجھے یہ بتائیے کہ ضرغام کون ہے۔"

"بھئی کمال ہے۔" شمشاد ہنس کر بولا۔ "جو بات میں نہیں جانتا وہی آپ بھی نہیں جانتے۔"

"آپ اُس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"صرف اتنا کہ وہ میرے بعد تنظیم کے بڑے آدمیوں میں شامل ہوا ہے۔"

"کیا؟ ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ آپ آخری ممبر تھے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"میں نے غلط کہا تھا۔ میں اس کمبخت کو بھول ہی گیا تھا۔ مجھے اس سے بڑی نفرت ہے۔ اس کے آنے سے پہلے زوبی مجھے چاہتی تھی مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ آیا کہاں سے.... کہاں سے؟

ے اس کے عادات و اطوار اُسے کوئی اچھا آدمی نہیں ثابت کرتے۔"

"آخر کس قسم کا آدمی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہت زیادہ.... بعض اوقات وہ زوبی سے بھی بُری طرح پیش آتا ہے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر فریدی نے کہا "میں سمجھا تھا شاید مجھے آپ سے مدد مل سکے۔"

"میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔" شمشاد نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"آپ سربراہ کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ کیا آپ کو کسی پر شبہ بھی نہیں ہے۔"

"محض شبہے سے کیا ہوتا ہے کرنل۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کے خلاف بھی کوئی ثبوت نہ پہنچا سکیں وہ انتہائی چالاک اور ذہین معلوم ہوتا ہے۔"

"بہر حال آپ کو کسی پر شبہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

شمشاد کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔ "دیکھئے کسی نہ کسی پر شبہ ہونا رتی امر ہے۔ میرا خیال ہے کہ تنظیم سے تعلق رکھنے والے ہر آدمی کو کسی نہ کسی پر سربراہ نے کا شبہ ضرور ہوگا۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس شبہے کی کچھ نہ کچھ حقیقت بھی ہوگی۔"

"آپ کو کس پر شبہ ہے۔"

"مجھے صرف تین دن کی مہلت دیجئے۔ پھر میں آپ کو بتا سکوں گا کہ مجھے کس پر شبہ ہے۔"

"یعنی آپ تین دن میں اس کا فیصلہ کریں گے کہ آپ کو کس پر شبہ ہے۔" فریدی نے راکر کہا۔

"جی نہیں! میں ان تین دنوں میں اپنے شبہے کو یقین میں تبدیل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ خدمت آپ میرے سپرد کر دیجئے۔ میں اُسے یقین میں تبدیل کر لوں گا۔"

"نہیں کرنل ابھی نہیں۔ میں بتا دوں گا۔"

"خیر آپ کی مرضی۔"

فریدی نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی۔ کنور شمشاد اُسے کام کا آدمی معلوم ہو رہا تھا۔

مید ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ اُس کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی۔ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق وہ خطرے سے نکل چکا تھا۔

اُس کے جسم پر بے شمار زخم تھے جن سے کافی مقدار میں خون بہہ گیا تھا اور اسے اتنی کمزوری محسوس ہونے لگی تھی جیسے وہ سالہا سال سے اسی حالت میں پڑا ہو۔

کچھ بھی ہو وہ فریدی کا شاگرد تھا اور اس حال میں بھی اُس نے اپنی بے بسی کا اظہار دوسروں پر نہیں ہونے دیا تھا۔

پہلی بار جب وہ ہوش میں آیا تھا تو فریدی بھی اُس کے پاس موجود تھا اور اُس نے قریب کھڑی ہوئی ایک نرس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "نرس جب میں مرنے لگوں تو اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دینا۔"

اس پر فریدی نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا تھا لیکن دل ہی دل میں اس کی مستقل مزاجی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔

انور کے سر کی چوٹ بہت گہری تھی اور اُسے نقل و حرکت سے قطعی روک دیا گیا تھا۔ رشیدہ اُس کے ساتھ تھی اور کبھی کبھی وہ حمید کی طرف بھی آجاتی تھی۔

اس وقت حمید بہت زیادہ بیزار نظر آرہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت اس کے کمرے میں ایک بوڑھی نرس کی ڈیوٹی تھی۔ اتفاقاً رشیدہ ادھر آنکلی۔

حمید نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ "انور زندہ ہے یا مر گیا۔"

"نہیں وہ زندہ ہے اور اس کی حالت تم سے اچھی ہے۔" رشیدہ نے جواب دیا۔

"نہیں مرے گا۔"

"ہرگز نہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ مر جائے۔"

"ہاں میں چاہتا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"وجہ پوچھتی ہو!" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں تم سے یہ پوچھنے آئی تھی کہ فریدی صاحب کہاں ملیں گے۔"

"وہ خود بھی اسی چکر میں ہیں۔ ورنہ انور کو ایسی مہم پر کیوں لے جاتے۔"

"تم سے خدا سمجھے۔ قبر کے کنارے پہنچ گئے ہو مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔"

"رشو! ڈیئر! مجھے اس کی خوشی ہے کہ میرا چہرہ برباد ہونے سے بچ گیا۔"

"مجھے فریدی صاحب کا پتہ بتاؤ.... پریشان نہ کرو۔"

"کیوں؟ کیا کوئی خاص بات ہے۔"

"میں ان سے پوچھوں گی کہ یہ کن لوگوں کی حرکت ہے۔"

"اوہو.... کیا ارادے ہیں۔"

"کیا اس معاملے کا کچھ تعلق لیڈی زوبی سے بھی ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"کیوں تمہیں کیسے علم ہوا۔ کیا انور نے بتایا ہے۔"

"نہیں.... وہ بیہوشی کے دوران میں کئی بار اس کا نام لے چکا ہے۔"

"ہوگا.... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم جانتے ہو.... ورنہ اس طرح چونک کر سوال کیوں کرتے۔ خیر نہ بتاؤ۔ میں خود دیکھ لوں گی۔ انور سے پوچھا تھا لیکن وہ بھی ٹال رہا ہے۔"

"یہ سب کچھ تمہارے بس کا نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیڈی زوبی۔" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بڑبڑائی۔ "وہ کوئی اچھی عورت نہیں ہے۔ میں اُسے بھی اچھی طرح جانتی ہوں۔ مجھ سے بچ کر وہ کہاں جائے گی۔"

پھر حمید کے کچھ بولنے سے قبل ہی وہ کمرے سے چلی گئی۔

آٹھ بڑوں کی شامت

کنور جسپال اور سر جگدیش ہائی سرکل نائٹ کلب کے ایک مخصوص کیبن میں خاموش بیٹھے تھے۔ انہیں شائد کسی کا انتظار تھا۔

کچھ دیر بعد سر جگدیش نے کہا۔ "بھئی اگر فریدی ہماری راہ پر لگ گیا ہے تو....!"

"اس کی پرواہ نہ کیجئے سر جگدیش....!" کنور جسپال اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"وہ بیچارا کرے گا کیا۔ اگر واقعی وہ کچھ کر سکتا ہوتا تو اس رات برکلے ہاؤز سے بھاگتا کیوں۔ میرا خیال ہے کہ اس نے ہماری گفتگو بھی اچھی طرح سن لی ہوگی۔"

"یقیناً سنی ہوگی۔ ضرغام تو اس وقت نمودار ہوا تھا جب ہماری گفتگو اختتام پر تھی۔"

"پھر بتائیے.... اُس نے ہمارا کیا بگاڑ لیا۔"

"لیکن.... طاقت خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے ساری مشینیں اٹھوالی ہیں۔"

"احتیاط تو بہر حال کرنی ہی پڑے گی۔" کنور جسپال نے کہا۔ "اگر اُن میں سے ایک بھی مشین حکومت کے ہاتھ لگ جاتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔ یہ طاقت کا اپنا راز ہے۔"

"طاقت بذات خود راز ہے۔" سر جگدیش نے کہا۔ "میں تو بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کہیں اسی اہم پُر اسرار آدمی ہی کے ہاتھوں نہ مارے جائیں۔"

"نہیں یہ ایک فضول سا خیال ہے۔" کنور جسپال بولا۔

"کیوں! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ.... ارے.... یہ کیا....!" سر جگدیش بات کرتے کرتے اچھل پڑا۔ یہی کیفیت کنور جسپال کی بھی ہوئی۔

میز سے کوئی ٹھوس چیز ٹکرا کر نیچے گری تھی۔ وہ دونوں چند لمحے اُسے گھورتے رہے۔ پھر کنور جسپال نے جھک کر اُسے اٹھالیا۔

وہ کاغذ میں لپٹا ہوا پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔ پہلے تو وہ پتھر کے ٹکڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے پھر سر جگدیش نے کاغذ کو فرش سے اٹھالیا۔

"اوہو.... یہ بات ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اُس نے کاغذ کنور جسپال کیطرف بڑھادیا۔

کاغذ پر تحریر تھا

"زوبی کا انتظار مت کرو۔ وہ نہیں آئے گی۔ پبلک مقامات پر بیٹھ کر طاقت کا تذکرہ کرنا درست نہیں۔ احتیاط رکھو.... اور اس وقت تم دونوں کو اپنی کوٹھیوں میں ہونا چاہئے تھا.... ویسے کسی سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ فریدی یا کوئی دوسرا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ طاقت سے بھی خوف کھانا فضول ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کا بھی خون کرنا پسند نہیں کرتا۔ کیا تمہارے سامنے کنور شمشاد کی مثال نہیں ہے۔"

تحریر پڑھ کر تھوڑی دیر تک وہ دونوں بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ پھر کنور جسپال نے کہا۔

"یہاں سے ہمیں اٹھ جانا چاہئے۔"

سر جگدیش کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے لیکن اس کے برخلاف کنور

ل مطمئن نظر آرہا تھا۔

سر جگدیش اپنی کار میں بیٹھ کر کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کنور جسپال طاقت ہے۔ کیونکہ اسے اُس کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نہیں نظر آئے تھے۔ اس ح رقعہ پھینکنے کا کام وہ کسی دوسرے سے بھی لے سکتا تھا اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ تنظیم محض ں دس آدمیوں تک محدود نہیں ہے طاقت کے بے شمار ایجنٹ ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جگدیش کو ایک جھرجھری سی آئی۔ خیالات کی رو تھوڑی دیر کے لئے دوسری طرف بھٹک ۔ لیکن اسے دوبارہ طاقت کی طرف آنے میں دیر نہیں لگی۔ سر جگدیش سوچ رہا تھا کہ جس ح اُس نے وہ عجیب و غریب مشین شہر کے سارے خفیہ مقامات سے اٹھوالی ہے اُسی طرح وہ ورت پڑنے پر ان دس بڑے آدمیوں کو بھی ٹھکانے لگا سکتا ہے۔

کار شہر کی سڑکوں سے گذرتی رہی۔ سر جگدیش کو اس کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ کب نائٹ ب سے اٹھا اور کب گھر پہنچ گیا۔

کار پھاٹک کے اندر داخل ہو ہی رہی تھی کہ ایک فائر ہوا اور اس کا پچھلا شیشہ چکنا چور ہوگیا دوسرا فائر ہوا اور سر جگدیش کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔

کنور جسپال بھی ہائی سرکل نائٹ کلب سے اٹھ کر اپنی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ اس کا راج کوٹھی کی کمپاؤنڈ ہی میں تھا لیکن اس کا فاصلہ اصل عمارت سے تقریباً ایک فرلانگ ضرور رہا گا۔ وہ کار کو پورچ کی طرف لے جانے کی بجائے سیدھا گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔

اس سے دراصل بے خیالی میں یہ غیر معمولی واقعہ سرزد ہوگیا تھا ورنہ آج تک اس نے راج کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ عموماً پورچ سے گیراج تک کار کوئی نہ کوئی ڈرائیور ہی لے جایا تا تھا۔ گیراج کے قریب پہنچ کر اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بہرحال وہ گیراج سے عمارت کی ف پیدل ہی واپس ہوا۔

لی پارک والے راستے کے قریب پہنچ کر وہ یک بیک ٹھٹک گیا۔ مہندی کی قدِ آدم باڑھ پیچھے اُسے ہلکی سی روشنی دکھائی دی تھی۔ روشنی کا ایک ننھا سا دائرہ جو آہستہ آہستہ حرکت ہا تھا۔

کنور جسپال چپ چاپ کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ پھر تیزی سے آگے بڑھا۔ اچانک دوسری طرف سے کسی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ کنور جسپال دانت کچکچا کر پلٹ پڑا لیکن حملہ آور کمزور نہیں تھا اس نے اپنا ایک ہاتھ کنور جسپال کے منہ پر جما دیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس زور کا گھونسہ اُس کے پیٹ پر رسید کیا کہ وہ دوہرا ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ زمین پر تھا اور حملہ آور اسکے سینے پر۔

حملہ آور کا داہنا ہاتھ بلند ہوا اور کنور جسپال کے حلق سے ہلکی سی کراہ نکلی اس کا سر چکرا گیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں مکمل بے خبری کا لمحہ.... اور پھر جب دوبارہ اُس کی آنکھیں کھلیں تو اسے اپنے دل کی دھڑکنیں تالو میں محسوس ہو رہی تھیں۔ حلق خشک ہو گیا تھا۔

حملہ آور فرار ہو چکا تھا۔ کنور جسپال نے اٹھنا چاہا لیکن اس کے منہ سے ایک تیز قسم کی چیخ نکلی اور وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ پہلی چیخ تو غیر ارادی طور پر بے ساختہ نکلی تھی لیکن اب اس نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے اس کی چیخیں سن کر کوٹھی سے کئی آدمی دوڑ پڑے، ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔ انہوں نے کنور جسپال کو زمین پر چت پڑا دیکھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ اندھوں کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اس کے داہنے بازو میں ایک خنجر دستے تک پیوست تھا۔ غالباً وہ بازو کا گوشت چھیدتا ہوا زمین میں اتر گیا تھا۔ کنور جسپال اچھے تن و توش اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ بزدل بھی نہیں تھا۔ اگر وہ چاہتا تو خود ہی بائیں ہاتھ سے خنجر نکال کر اٹھ سکتا تھا مگر معاملہ اس کی سمجھ میں آیا نہیں تھا۔

خنجر اس کے بازو سے کھینچا گیا لیکن خنجر پر نظر پڑتے ہی کنور جسپال اپنی چوٹ بھول گیا۔

یہ خنجر بالکل اُسی ساخت کا تھا جس ساخت کا وزیر تجارت پر پھینکا گیا تھا.... سر مو فرق نہیں تھا اور اس نے اسی قسم کا خنجر اکثر نصرت خان کے پاس بھی دیکھا تھا۔ کنور کے ہونٹ بھنچ گئے۔ کچھ دیر قبل جس چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی غصہ سے سرخ نظر آنے لگا۔

دوسرے لمحے میں وہ ان لوگوں کو وہیں چھوڑ کر کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔

دوسری صبح کا اخبار کم از کم زوبی کے لئے بڑا پریشان کن تھا۔ سر جگدیش پر ریوالور سے حملہ۔ گولی بائیں شانے کو چھوتی ہوئی گذر گئی۔ کنور جسپال پر خنجر سے حملہ.... سیٹھ چمن لال کے یہاں

بم پھینکا گیا۔ مسٹر جاوید پر فائر۔ وہ بال بال بچا۔ سر جمشید کی کار ایک جیپ سے ٹکرا گئی اور اُسے بری حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ جیپ کا ڈرائیور غائب.... جیپ چوری کی تھی۔

غرضیکہ ایک ہی رات میں شہر کے آٹھ بڑے آدمیوں پر مختلف قسم کی مصیبتیں نازل ہوئی تھیں اور یہ آٹھ بڑے آدمی تنظیم کے کارکن تھے لیکن ان میں کوئی بھی مرا نہیں تھا۔

زوبی اخبار پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ تنظیم کے گیارہ کارکن تھے۔ کنور شمشاد کی علیحدگی کے بعد دس رہ گئے تھے جن میں زوبی بھی شامل تھی۔

آٹھ کارکنوں کے متعلق اُس نے اخبار میں بُری خبریں پڑھیں لہٰذا نصرت خان کے لئے اُس کی تشویش قدرتی تھی۔

دس منٹ کے اندر ہی اندر وہ نصرت خان کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کیا طاقت اب انہیں ختم کر دینا چاہتا ہے لیکن وہ اپنے اس خیال کی تائید نہ کر سکی۔ ایسی حرکتیں تو اُس وقت کی جاتی ہیں جب کسی راز کے فاش ہو جانے کا ڈر ہو.... طاقت کو اس قسم کا کوئی خوف نہیں ہو سکتا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس تک کس طرح رسائی ہو سکتی ہے لیکن پھر.... آخر ان حملوں کی وجہ؟

اس نے نصرت خان کو اسی حال میں دیکھا جس حال میں پچھلے دن چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ ایک پہیوں دار کرسی پر بیٹھا لان کے چکر لگا رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں بھی صبح کا اخبار تھا۔

زوبی کو دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تم ٹھیک ہونا۔" زوبی نے کار سے اترتے ہی پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں.... اور اس وقت تمہارے ہی متعلق سوچ رہا تھا۔"

"اخبار دیکھا۔"

"ہاں.... دیکھا.... یہ سب اپنے ہی آدمی ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں تم بھی کسی حادثے کا شکار نہ ہو گئی ہو۔"

"نہیں.... میں محفوظ ہوں! مگر یہ خبریں۔"

"ٹھیک ہے! آخر ہم دونوں کیوں محفوظ ہیں۔" نصرت خان نے کہا۔

"شائد تم نے بھی یہی سوچا ہے، جو میں سوچ رہی تھی۔"

"تم نے کیا سوچا تھا۔"

"طاقت....!"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔ حالانکہ میں اُس کا چہرہ کبھی نہیں دیکھ سکا لیکن وہ مجھے ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا کہ دوستوں کو دغا دے۔"

"پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"خدا جانے.... اور اُن میں سے کوئی مرا بھی نہیں۔" نصرت خان بولا۔

"مشین تہہ خانے ہی میں ہے یا اٹھوالی گئی۔" زوبی نے پوچھا۔

"وہیں ہے! اچھا ہوا تم آگئیں۔ میں نیچے نہیں جا سکتا۔ پیر کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔"

نصرت خان آج ضرورت سے زیادہ مہذب نظر آرہا تھا اس نے ایک بار بھی اپنے جنگلی پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ پتہ نہیں کیا بات تھی۔

زوبی تہہ خانے میں آئی۔ کافی دیر تک مشین حرکت میں رہی لیکن.... دوسری طرف سے کوئی آواز نہ سنائی دی۔ آخر زوبی نے مشین بند کر دی اور پھر اوپر آگئی۔

ایک دن پہلے اس نے طاقت سے فون پر بھی گفتگو کی تھی لیکن اُس کا ٹیلی فون نمبر شا نصرت خان کو بھی نہیں معلوم تھا۔ وہ اکثر صرف اس کی کال ریسیو کیا کرتا تھا۔

زوبی نے اس کا تذکرہ نصرت خان سے کیا لیکن اس نے طاقت کے فون نمبر سے لاعلمی ظا کی اور پھر وہ دونوں اسی کمرے میں آبیٹھے جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

تقریباً ساڑھے دس بجے تک فون کی گھنٹی بجی اور زوبی نے جھپٹ کر ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے بولنے والا وہی پُراسرار آدمی تھا جسے وہ لوگ طاقت کے نام سے جانتے تھے

"کون.... زوبی.... خوب! اچھا ہوا کہ تم یہیں موجود ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی

"مشین پر جاؤ۔"

زوبی ریسیور رکھ کر تہہ خانے کی طرف بھاگی۔ نصرت خان اُسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔

مشین پر طاقت کی آواز سنائی دی۔ "زوبی....!"

"جی ہاں میں ہی ہوں۔"

"تم اور ضرغام محفوظ ہو نا۔"

"جی ہاں.... لیکن....!"

"اوہ....! یقیناً تم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی ہو گی۔ ان واقعات کا میری ذات سے کوئی تعلق ہیں لیکن میں شاید دوسروں کو یقین نہ دلا سکوں۔"

"مجھے یقین ہے۔" زوبی جلدی سے بولی۔

"اور ضرغام کا کیا خیال ہے۔"

"وہ آپ کو ایک وفا شعار دوست تصور کرتا ہے۔"

"یہ فریدی کی حرکت ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہیں....!" زوبی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں! فریدی کی.... مگر یہ حرکت اس کے حق میں نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ تم خود سوچو کہ وہ ا سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن اس کی معلومات کی تو داد دینی ہی پڑے گی۔ اس نے تم دونوں کو وڑ دیا گویا اُسے یقین ہے کہ تم دونوں کسی حال میں بھی میری طرف سے بدگمان نہیں سکتے.... اور اُس نے پرنس شمشاد کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ یعنی وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اب اُس کا ظیم سے کوئی تعلق نہیں۔"

"مگر جناب.... اس حرکت کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"مقصد صاف ہے۔ اُس نے اُن میں سے کسی کو بھی جان سے نہیں مارا۔ اُس نے سوچا ہو گا ن ہے ان میں سے کوئی میری شخصیت سے واقف ہی ہو اور اپنی جان کی سلامتی کے لئے پولیس میرا پتہ نشان بتا دے۔"

"اگر وہ یہی سمجھتا ہے تو احمق ہے۔" زوبی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ کنور شمشاد اُس سے ما گیا ہے۔"

"ملنے دو! اُس کی پرواہ نہ کرو۔ شمشاد ہی کی مثال اُسے پاگل کر دینے کے لئے کافی ہو گی۔ یعنی ں نے اپنے ایک مخالف کو بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔"

"لیکن دیکھئے! فریدی نے میری پوزیشن کتنے خطرے میں ڈال دی ہے۔" زوبی نے کہا۔

"یقیناً.... مجھے اس کا احساس ہے۔ جب آٹھ بڑے تمہیں ہر طرح محفوظ دیکھیں گے تو الکل انہیں اُن وارداتوں میں میرا ہاتھ نظر آنے لگے گا.... اور وہ تمہارے دشمن ہو جائیں

گے۔ اُن سب کا خیال ہے کہ تم میری شخصیت سے واقف ہو۔"

"درست فرمایا.... لیکن فریدی کیلئے کیا کیا جائے۔"

"فکر مت کرو۔ بس دیکھتی جاؤ۔ اُسے خودکشی کرنی پڑیگی۔ یہی میری خواہش بھی ہے ورنہ میں اسے جس وقت چاہوں ٹھکانے لگا سکتا ہوں۔ میں تو اندھیرے کا تیر ہوں۔ کیا سمجھیں۔"

زوبی نے ہلکا سا قہقہہ سنا اور پھر طاقت نے کہا۔ "زوبی تمہیں اسکی طرف سے ہوشیار رہنا چاہئے۔"

"اوہو! تو کیا آپ میری خبر گیری نہ کریں گے۔"

"کیوں نہیں۔ مگر تم اب کچھ دنوں کے لئے ضرغام کی کوٹھی ہی میں قیام کرو گی تمہیں ہر حال میں اس کی حفاظت کرنی چاہئے اس کی اہمیت میں تم پر پہلے ہی ظاہر کر چکا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں! آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی ہوگا۔ مگر.... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر فریدی نے ایک ہی رات میں اتنی بہت سی وارداتیں کیسے کر ڈالیں۔"

"اس کی بلیک فورس کام کر رہی ہے زوبی۔ اُس نے اپنے محکمے کے کسی آدمی سے کوئی مدد نہیں لی۔ تمہاری کوششوں کی بناء پر اُس کے آفیسر اُس کے خلاف ہوگئے ہیں اور اب اُسے محکمے سے کوئی امداد نہیں مل رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وزیر تجارت کے قتل کی سازش کی تفتیش کے لئے کوئی دوسرا آدمی مقرر کیا جائے گا۔"

"پھر آخر یہ اپنی ٹانگ کیوں اڑا رہا ہے۔"

"بس ضدی ہے جس بات کے پیچھے پڑ جائے اور پھر اُسے اپنے اسسٹنٹ کے زخمی ہو جانے پر بھی غصہ ہے۔"

"آپ اس کا قصہ ہی کیوں نہیں پاک کر دیتے۔"

"یوں نہیں.... بات تو جب ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں ہی سے اپنا گلا گھونٹ لے۔ بعض اوقات میں بھی تھوڑی سی تفریح چاہتا ہوں۔ میری تفریح یہی ہے کہ میں اپنے دشمنوں کو خودکشی پر مجبور کر دیتا ہوں۔"

"میرے لئے اور کوئی کام....!" زوبی نے پوچھا۔

"نہیں.... بس اتنا ہی کہ تم ضرغام کی دیکھ بھال کرو۔ میں تمہیں لیڈی فیروز کے بجائے ملکہ مقلاق دیکھنا چاہتا ہوں۔ اچھا اب.... بس....!"

دوسری طرف سے آواز آنی بند ہوگئی۔

بلیک میلر کی تلاش

آخر رشیدہ فریدی تک پہنچ ہی گئی۔ وہ بندرگاہ کے علاقے کے ایک بار میں بیٹھا ہوا اُسے مل رشیدہ بھی اُدھر کسی کام ہی سے آئی تھی۔ اُسے فریدی کو بار میں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ وہ تی تھی کہ فریدی شراب نہیں پیتا۔

"اوہو.... تم یہاں....!" فریدی نے رشیدہ کو دیکھ کر حیرت ظاہر کی۔

"مجھے آپ کی تلاش تھی۔ اتفاقاً آپ یہاں نظر آ گئے۔"

"کیوں.... انور کیسا ہے؟"

"پہلے سے بہت بہتر اور حمید صاحب بھی ٹھیک ہی ہیں۔"

"لیکن تمہیں میری تلاش کیوں تھی۔"

"میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ان واقعات کا لیڈی زوبی سے کیا تعلق ہے۔"

"ہوں....!" فریدی اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ "انور نے کیا بتایا ہے۔"

"اس نے تو مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"پھر....!"

"بیہوشی کے دوران میں اس نے کئی بار زوبی کا نام لیا تھا۔"

"فرض کرو! میں نے تعلق بتا بھی دیا تو تم کیا کرو گی۔"

"جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا.... زوبی کے متعلق میں سب کچھ جانتی ہوں۔"

"کیا جانتی ہو۔"

"لیڈی فیروز سے پہلے وہ اتنی باعزت نہیں تھی۔" رشیدہ نے کہا۔

"کیوں! ویسے بھی وہ سر جمشید کی بہن ہے۔"

"سر جمشید اس سے متنفر تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے اس کی بہن سمجھے یہی حالت آج

"خیر یہ چیز موجودہ معاملات سے قطعی غیر متعلق ہے۔"

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ لیڈی فیروز بننے سے قبل وہ ایک بلیک میلر کی ایجنٹ تھی۔"

"او ہو....!" فریدی آگے کی طرف جھک آیا۔ "تم ایک نئی بات بتا رہی ہو۔"

"سر فیروز کے ساتھ اُس کی شادی بھی ایک معمہ ہے۔ جس زمانے میں وہ اُس بلیک میلر کی ایجنٹ تھی اُسی دوران میں اس نے سر فیروز سے ملنا جلنا شروع کیا پھر ایک دن دونوں کی شادی کا اعلان ہو گیا۔"

"لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔"

"سر جمشید! زوبی کے مشاغل کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میری ایک دوست کے ذریعہ اس نے یہ کام میرے سپرد کر دیا تھا۔"

"تو تم اُس بلیک میلر کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہو گی۔"

"جی ہاں! وہ مسٹر مورگن کہلاتا تھا۔ کوئی دیسی عیسائی تھا اور اس کے پاس بہت سی لڑکیاں تھیں اور وہ سب اپنے پہلے نام کے ساتھ مورگن لکھتی تھیں۔"

"اوہ....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔

"کیا ان میں کوئی ڈریلا مورگن بھی تھی۔"

"یقیناً تھی.... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"اسکے اوپری ہونٹ کے بائیں گوشے پر ایک ابھرا ہوا سرخ رنگ کا تل تھا۔" فریدی نے پوچھا

"جی ہاں.... مجھے یاد پڑتا ہے یقیناً تھا....!"

"تم کہتی ہو کئی لڑکیاں اپنے ناموں کے ساتھ مورگن استعمال کرتی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"تو وہ سب بیویاں ہونے سے رہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور لڑکیاں بھی نہیں ہو سکتیں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "اگر لڑکیاں تھیں تو وہ سب بیک وقت پیدا ہوئی ہوں گی کیونکہ وہ سب تقریباً ہم عمر تھیں۔"

"مورگن اب کہاں مل سکے گا؟"

"یہ بتانا بہت دشوار ہے۔"

"اچھا اس کا حلیہ ہی بتاؤ۔"

"افسوس! یہ بھی مشکل ہے۔ میں نے ایک بار صرف اس کی جھلک دیکھی تھی اور چہرہ بھی میرے سامنے نہیں تھا۔ ویسے اتنا ضرور بتا سکتی ہوں کہ وہ ایک دراز قد آدمی تھا.... اور اُس وقت نیلے سوٹ میں ملبوس تھا۔"

"تم نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔"

"یہیں کے ایک ہوٹل میں۔"

"کس ہوٹل میں۔"

"جیکسنز کارنر میں.... وہ ہوٹل آج بھی ہے اور غالباً اس کا مالک بھی وہی ہے جو اس زمانے میں تھا.... اور یہ بھی سنئے کہ وہ مورگن کا مستقل اڈا تھا۔"

فریدی خاموش رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔

"تم شاید اسی چکر میں ادھر آئی تھیں۔ اچھا ہوا کہ مجھ سے پہلے ملاقات ہو گئی۔ اب تم ہسپتال جاؤ۔ انور اور حمید کی دیکھ بھال اچھی طرح ہونی چاہئے اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ اگر تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو تمہیں اطلاع دے دی جائے گی.... بس اب جاؤ۔"

"میں چاہتی.... تھی....!"

"نہیں کچھ نہیں.... تم جا سکتی ہو۔"

رشیدہ چپ چاپ اٹھی اور چلی گئی۔ بار ٹنڈر اسے جاتے دیکھتا رہا۔ یہ وہی بار ٹنڈر تھا جس کی مرمت ایک بار فریدی ہارڈی کے سلسلے میں کر چکا تھا۔ رشیدہ کے چلے جانے کے بعد وہ خوف زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ رشیدہ کے آنے پر وہ سمجھا تھا کہ شاید فریدی اُسی کا منتظر تھا لیکن اس کے تنہا واپس جانے پر اسکی سانس پھولنے لگی۔ فریدی یہاں بہت دیر سے بیٹھا تھا۔ بس یونہی.... نہ تو اس نے ابھی تک کوئی چیز طلب کی تھی اور نہ بار ٹنڈر ہی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

بار ٹنڈر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گلاس صاف کر کے انہیں ریک میں لگاتا رہا لیکن اس کی نظریں فریدی ہی پر تھیں۔ اچانک فریدی نے اُسے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر فرش پر گرا۔ چھناکے کی آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

"یہہ.... یہہ.... یس سر....!" وہ ہکلایا۔

"ادھر آؤ....!" فریدی کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔

بارٹنڈر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

لیکن بارٹنڈر کھڑا کانپتا رہا۔

"بیٹھو! اس وقت یہاں تمہارا کوئی خریدار موجود نہیں ہے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"آپکے حکم سے بیٹھ رہا ہوں۔" بارٹنڈر کانپتا ہوا بولا۔ "ورنہ آپکے برابر کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔"

"جیکسنز کارنر کا مالک کون ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"شاید اب میری موت قریب آگئی ہے۔" بارٹنڈر بڑبڑایا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"جناب آپ مجھ سے ہمیشہ خطرناک آدمیوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔"

"تم نے پھر بکواس شروع کر دی۔"

"جناب والا.... پچھلی بار....!"

جملہ پورا ہونے سے قبل ہی فریدی نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔

"بتاتا ہوں...." بارٹنڈر رو دینے والی آواز میں بولا۔ "اس کا مالک حقیقتاً گومے ہے لیکن یہ بات بہت کم آدمیوں کو معلوم ہے۔ عام آدمی سمجھتے ہیں کہ اس کا مالک پٹو ہے۔"

"گومے کب سے اس کا مالک ہے۔"

"ٹھہریئے.... بتاتا ہوں۔" بارٹنڈر نے کہا اور انگلیوں پر کچھ گننے لگا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "شاید پندرہ سال.... بیس بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ہوں.... اور گومے ملتا کہاں ہے۔"

"وہ... دیکھئے... یہ تو مجھے معلوم نہیں... یہ آپکو وہی آدمی پٹو بتا سکے گا۔ گومے پٹو کی بیوی کا شوہر ہے۔ اتنا میں ضرور جانتا ہوں اس لئے گومے نے پٹو کو سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے۔"

"یاد کر کے بتاؤ۔ کیا تم کبھی کسی مسٹر مورگن سے بھی واقف تھے، جو جیکسنز کارنر میں بیٹھا کرتا تھا۔"

"جناب! میں جانتا ہوں۔ وہ وہیں مقیم تھا۔ ایک پُر اسرار آدمی۔ یہاں کے سبھی لوگوں نے

ن کا نام سنا تھا لیکن شاید ہی کسی نے کبھی اسے دیکھا ہو۔ ویسے اس کی فیاضی کے قصے اس علاقے یں عام تھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "پٹو ہر وقت وہاں ملتا ہے۔"

"جی ہاں....!"

"وہ یہاں کتنی مدت سے ہے۔"

"پانچ سال سے۔"

"اچھا اب تم جا سکتے ہو۔"

"شش.... شکریہ! جناب والا۔" بارٹنڈر اٹھ کر پھر کاؤنٹر کے پیچھے چلا گیا۔ فریدی بھی ور گرین بار سے نکل کر جیکسنز کارنر کی طرف چل پڑا۔ یہ ہوٹل یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

آج وہ پھر ادھر ہارڈی ہی کے چکر میں آیا تھا لیکن اس سے ملاقات نہ ہونے پر ایور گرین میں آبیٹھا تھا۔

جیکسنز کارنر میں پہنچ کر فریدی نے ایک ویٹر سے پٹو کے متعلق پوچھا اور اس نے اُسے ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچا دیا جہاں ایک پستہ قد آدمی ایک بڑی سی میز کے سرے پر بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ لیکن شاید وہ اُسے پہچانتا نہیں تھا۔

"فرمایئے جناب۔" وہ اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "تشریف رکھئے۔"

"میں مسٹر گومے سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"کس لئے....!"

"اگر میں یہ نہ بتانا چاہوں تو۔" فریدی نے خواہ مخواہ چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"تب پھر میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

"کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ میں ان سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔"

"قطعی جناب! یہ مسٹر گومے کا حکم ہے۔"

"کچھ کاروباری گفتگو کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا تعلق موڈرن ڈسٹلری سے ہے۔"

"اوہ.... تو آپ وہ گفتگو مجھ سے کر سکتے ہیں۔"

"مسٹر پٹو! میرا وقت نہ برباد کیجئے۔ مجھے بتایئے کہ مسٹر گومے کہاں ملیں گے۔ میں اُن کے

علاوہ اور کسی سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ اس معاملے کی نوعیت الگ ہے۔"

پٹو چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا اور فریدی نے وہ نمبر اپنے ذہن میں محفوظ کر لئے۔ فون پر ایک یا ڈیڑھ منٹ کی گفتگو کے بعد پٹو فریدی کی طرف مڑا۔

"سات بجے آپ ان سے مورائیل مینشن کے آٹھویں فلیٹ میں مل سکتے ہیں۔"

"شکریہ مسٹر پٹو....!" فریدی نے کہا۔ میز سے اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی اور کمرے سے نکل آیا۔

❁

فریدی جیسے ہی اپنے آفس میں داخل ہوا سرجنٹ رمیش نے اُسے بتایا کہ آئی جی کے آفس میں اُسے طلب کیا گیا ہے۔

"حمید کا کیا حال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔ "تم ہسپتال گئے تھے۔"

"جی ہاں! ٹھیک ہیں۔ لیکن صبح سے ایک ادھیڑ عمر کی نرس ان کے کمرے میں ہے۔" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی اور اُس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ پھر وہ آئی جی کے آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

کنور جسپال اور سر جگدیش آئی جی کے آفس میں موجود تھے۔ فریدی ان کی طرف متوجہ تک نہیں ہوا۔

آئی جی نے سر کی جنبش سے خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی نے بیٹھتے وقت اُن دونوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر آئی جی کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے آج کا اخبار دیکھا۔" آئی جی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں! دیکھا تھا۔"

"شہر کے آٹھ بڑے آدمیوں پر پچھلی رات جو حملے ہوئے تھے ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔"

"ان دونوں حضرات سے واقف ہو۔"

"اوہ.... جی ہاں۔" فریدی کنور جسپال اور سر جگدیش کی طرف معذرت طلب نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میری بد نصیبی ہے۔"

"آپ کنور جسپال.... اور آپ سر جگدیش۔"

"غالباً آپ دونوں پر بھی....!" فریدی جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہم دونوں پر بھی حملے ہوئے تھے۔" کنور جسپال بولا۔ "میرا داہنا بازو زخمی ہے۔"

"صبح سے اس وقت تک میں کئی بار ان حیرت انگیز حملوں کے متعلق سوچ چکا ہوں۔" فریدی نے انگلی سے اپنی ٹھوڑی سہلاتے ہوئے کہا۔ "حملے.... بڑی عجیب بات ہے کہ کوئی بھی حملہ کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"ہاں یہ بات قابل غور ہے۔" آئی جی سر ہلا کر بولا۔

"کیا آپ اس مسئلے پر روشنی ڈال سکیں گے۔" فریدی نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہم خود ہی متحیر ہیں۔" کنور جسپال نے کہا۔

"ظاہر ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور پھر آئی۔ جی سے مخاطب ہو گیا۔ "آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا۔"

"ہاں! بیٹھو....!" آئی جی نے کہا۔ پھر اُن دونوں سے بولا۔ "آپ اس سلسلے میں براہِ راست چیف کمشنر سے رجوع کیجئے۔ ہمارے لئے وہیں سے احکامات آتے ہیں۔ ہم براہِ راست کسی معاملے میں دخل انداز نہیں ہو سکتے۔"

"بہتر ہے۔" کنور جسپال اٹھتا ہوا بولا۔ "اب اجازت دیجئے۔ ہم چیف کمشنر سے بھی ملیں گے۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ لیکن فریدی بڑے بے تعلقانہ انداز میں بیٹھا رہا۔

"یہ چاہتے ہیں کہ دو چار سادہ لباس والے ان کے گھروں پر تعینات کر دیئے جائیں۔"

"ضرور چاہیں گے۔"

"مگر یہ واقعہ ہے دلچسپ۔" آئی جی مسکرا کر بولا۔ "شائد ان کا سرغنہ اب ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ یہ سارے وہی لوگ ہیں جن کی لسٹ تم نے پیش کی تھی اور ہاں ان میں سیٹھ [illegible] بھی تو تھا۔ وہ پُر اسرار طور پر غائب ہو گیا ہے۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا بات ہے۔" آئی۔ جی اُسے متحیرانہ انداز میں گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بہت اچھا ہوا کہ یہ کیس اب میرے ہاتھ میں نہیں ورنہ خواہ مخواہ میرا ریکارڈ خراب ہوتا۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا ہے کہ کیس تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے تمہیں بہر حال اُس پُراسرار آدمی کو ڈھونڈنا ہے۔ رہ گئی زوبی کی بات....!"

"میں بہت تھک گیا ہوں جناب!" فریدی مضمحل آواز میں بولا۔ "میں نے محکمے کی کافی خدمت کی ہے۔ اب کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کا شکر گذار ہوں گا کہ اگر یہ کیس کسی دوسرے کے سپرد کر دیں۔"

"نہیں.... ایسے حالات میں تمہارا آرام یقیناً دوسروں کے لئے تکلیف دہ ہوگا۔ بھئی تم زوبی سے بھڑے بغیر بھی اپنا کام جاری رکھ سکتے ہو۔"

"وہ کس طرح؟"

"میرا خیال ہے کہ زوبی بھی اُس آدمی کی اصلیت سے واقف نہیں ہے۔"

"کچھ بھی ہو! مجھے یقین ہے کہ زوبی کے بغیر اس کیس میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر کے میری سخت توہین کی گئی ہے.... لیکن.... خیر....!"

فریدی خاموش ہوگیا۔ اس کی نظریں فرش پر تھیں۔ کچھ دیر بعد اُس نے آہستہ سے کہا۔ "آپ یہ کیس باضابطہ طور پر کسی اور کے سپرد کر دیجئے کیونکہ اب میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں اپنی ذمہ داری پر۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں قانون میرے ہی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دے۔"

اعترافات

ٹھیک سات بجے فریدی نے مورائیل مینشن کے فلیٹ نمبر آٹھ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ جلد ہی کھل گیا لیکن ایک نوخیز لڑکی دروازے میں کھڑی تھی۔

"کیا آپ موڈرن ڈسٹلری سے تعلق رکھتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"اندر تشریف لایئے۔" لڑکی پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

فریدی نے کمرے میں پہنچ کر لڑکی کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"آپ تشریف رکھئے میں مسٹر گومے کو اطلاع دیتی ہوں۔" لڑکی نے کہا اور دروازے سے نکل گئی۔

فریدی صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اور گومے ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ گومے پرتگالی تھا اور شراب کا بیوپار اس کا خاص پیشہ تھا اور شاید وہ یہاں شراب کا سب سے بڑا اسمگلر بھی تھا۔ اس کے علاوہ بھی بہتیری غیر قانونی حرکات اس سے سرزد ہوتی رہتی تھیں۔

دو یا تین منٹ بعد گومے کمرے میں داخل ہوا لیکن اُسے دروازے ہی میں رک جانا پڑا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے اپنی حالت پر قابو پا لیا تھا۔

"خوش آمدید کرنل....!" وہ مسکراتا ہوا فریدی کی طرف بڑھا۔ پھر دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

"آخر اس طرح....!" گومے نے حیرت کا اظہار کیا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا اگر آپ مجھے فون کر دیتے تو میں خود ہی آپ کے پاس پہنچ جاتا۔"

"میری آمد کا تعلق تمہاری ذات سے قطعی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پھر یہ موڈرن ڈسٹلری کی بات....!"

"اوہو! یہ بھی کچھ نہیں ہے۔ تمہارا آدمی پنٹو بڑا چالاک ہے۔ وہ مجھے تمہارا پتہ ہرگز نہ بتاتا۔ پھر اُس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔"

"خیر.... مجھے آگاہ کیجئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ایک آدمی کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم میری مدد کرو گے۔"

"ضرور جناب! آپ فرمایئے تو....!"

"مورگن نامی ایک شخص جو کبھی کبھی جیکسنز کارنر میں ٹھہرا کرتا تھا۔"

"اوہ.... مورگن؟ ہاں اس کے متعلق میں جو کچھ بھی جانتا ہوں آپ کو بتا دوں گا۔"

"وہ کہاں مل سکے گا۔"

"افسوس کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ وہ ایک انتہائی پُراسرار آدمی تھا۔"

"تم نے اُسے کب سے نہیں دیکھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ آٹھ سال پہلے کی بات ہے۔

آج سے آٹھ سال پہلے وہ آخری بار جیکسنز کارنر میں ٹھہرا تھا۔ واقعی وہ انتہائی پُر اسرار آدمی تھا۔ شہر کی بے شمار لڑکیاں اس پر مرتی تھیں۔ اس بُری طرح کہ وہ سب اپنے ناموں کیساتھ مورگن لگاتی تھیں۔ لیکن اُن میں سے شاید ہی کبھی کسی نے اُسے دیکھا بھی ہو۔ وہ اُنکی موجودگی میں کبھی کمرے سے باہر نکلتا ہی نہیں تھا۔ وہ کمرے سے باہر کھڑی ہو کر اُس سے گفتگو کیا کرتی تھیں۔"

"یہ تو ناممکنات میں سے ہے کہ انہوں نے اُسے دیکھا نہ ہو۔"

"نہیں میں بالکل درست اطلاع دے رہا ہوں۔"

"جب انہوں نے اُسے دیکھا ہی نہیں تو اس پر مرنے کس طرح لگی تھیں۔"

"یہی معمہ اب بھی مجھے اکثر الجھن میں ڈالے رہتا ہے۔ ان میں کئی بہت اونچے خاندانوں کی لڑکیاں بھی تھیں۔"

"مثلاً سر جمشید کی بہن زوبی۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ بالکل ٹھیک۔ جی ہاں زوبی جو آج کل لیڈی کہلاتی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ گومے نے کہا۔ "میں کسی ایسے آدمی کو اپنے ہوٹل میں قیام کی اجازت نہ دیتا مگر اُس نے ایک بار میری مدد کی تھی۔ میں اس کا احسان مند تھا مگر آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس کے باوجود بھی اس کی شکل کبھی نہ دیکھ سکا۔"

"اڑنے لگے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ وہ بڑا عجیب تھا۔ آپ یہ ہرگز نہ سمجھئے کہ میں آپ کو اس کا حلیہ نہیں بتانا چاہتا۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو اس کی تصویر بھی دے سکتا ہوں۔"

"تم شائد نشے میں ہو گومے۔"

گومے ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ "دیکھئے! وہ اتنا ہی عجیب تھا کہ اس کے متعلق کوئی گفتگو بھی عجیب معلوم ہوتی ہے۔"

"گومے تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"ہاں کرنل! اور آپ یقین کیجئے کہ میں آپ سے ذرا برابر بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

فریدی چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "اچھی بات ہے گومے تمہیں آج کی ...ت برسوں یاد رہے گی۔"

"اوہو.... آپ سچ مچ خفا ہوگئے۔ دیکھئے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ میں ...بھی گوشت و پوست میں اس کی شکل نہیں دیکھی۔ وہ ہمیشہ پُر اسرار طریقے پر ہوٹل میں آتا ...اور اسی طریقے سے وہاں سے رخصت بھی ہو جاتا تھا.... حتیٰ کہ ہوٹل کے خدمت گار بھی ...کی شکل نہیں دیکھ پاتے تھے۔ جاتے وقت وہ منیجر کے نام ایک لفافہ چھوڑ جایا کرتا تھا جس میں ...ران قیام کے اخراجات کی رقم ہوا کرتی تھی۔ آمد کی اطلاع بذریعہ تار دیا کرتا تھا اور اُس کی ...ہاؤں میں سے کوئی اس کیلئے کمرہ مخصوص کرا جایا کرتی تھی۔ پھر دوسری صبح معلوم ہوتا کہ مورگن ...ے کمرے میں موجود ہے لیکن کمرے کا دروازہ کبھی نہ کھلتا... غالباً اب آپ سمجھ گئے ہونگے۔"

"سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہیں اُس کی تصویر ...ں سے مل گئی تھی۔"

"اُسے محض اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ آخری بار ہوٹل سے رخصت ہوتے وقت وہ کمرے ...ا اپنا پاسپورٹ چھوڑ گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس کی لاعلمی میں وہاں رہ گیا ہوگا۔"

"اوہ....!" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "مجھے وہ پاسپورٹ چاہئے۔"

"آٹھ سال پہلے کی بات ہے جناب! تقریباً ایک سال تک وہ پاسپورٹ میرے پاس رہا۔ اس توقع ...شاید وہ پھر کبھی واپس آجائے۔ لیکن آج آٹھ سال گذر گئے۔ ایک سال بعد میں نے پاسپورٹ ...کی تصویر نکال کر اپنے البم میں لگائی اور پاسپورٹ... مجھے یاد نہیں پڑتا کہ وہ کہاں ہوگا۔"

"وہ تصویر تو محفوظ ہے یا وہ بھی نہیں۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"جی ہاں! قطعی محفوظ ہے۔"

"مجھے ابھی چاہئے۔"

"ٹھہریئے....!" گومے نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ دوسرے ہی ...وہی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی جس نے فریدی کی آمد پر دروازہ کھولا تھا۔

"میرا البم لاؤ۔" گومے نے اس سے کہا.... لڑکی چلی گئی۔

"مگر معاملہ کیا ہے کرنل....!" گومے نے پوچھا۔

"ایک کیس میں اُس کی ضرورت ہے اور اب تم اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں پوچھو گے اور نہ اس ملاقات کا تذکرہ کسی سے کرو گے۔ سمجھے۔"

"سمجھ گیا.... ایسا ہی ہوگا۔"

تھوڑی دیر بعد لڑکی البم لائی۔ گومے اُس کے ورق الٹنے لگا۔ پھر ایک چھوٹی سی تصویر نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دی۔

تصویر دیکھ کر فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔ "اس کی مونچھیں بڑی شاندار ہیں کیوں.... کیا خیال ہے؟"

"یقیناً ہیں....!" گومے نے کہا۔ وہ فریدی کا چہرہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے مایوسی ہی ہوئی کیونکہ وہ فریدی کے چہرے سے کسی بات کا اندازہ نہ لگا سکا۔

"گومے....!" فریدی نے تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔ "یہ ناممکن ہے کہ اس کا پتہ تمہارے ذہن میں محفوظ نہ ہو اور تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ پاسپورٹ میں اس کا پتہ نہ رہا ہوگا۔"

"کرنل میں کب کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ وہ یقیناً اتنا ہی پُراسرار آدمی تھا کہ اس کی ذات سے تعلق رکھنے والی چیز کبھی نہیں بھلائی جاسکتی اور کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ میں اس کی ٹوہ میں نہ رہا ہوں گا۔ مگر پاسپورٹ والے پتہ پر میں اُس سے آج تک نہیں مل سکا۔ پتہ اُسی شہر کی ایک عمارت کا تھا۔ کنگس لین کی گیارہویں کوٹھی۔ لیکن وہاں دوسرے لوگ رہتے ہیں اور جوزف مورگن سے کوئی واقف تک نہیں۔"

"پاسپورٹ کہاں کے لئے تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جرمنی....!"

"اس کی شناساؤں میں کوئی لڑکی ڈریلا مورگن بھی تھی۔"

"یقیناً تھی.... اور میں اسے بے حد پسند کرتا تھا۔"

"میں پسندیدگی کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔" فریدی مسکرا کر اٹھتا ہوا بولا۔

"چل دیئے.... بیٹھئے کرنل.... کچھ پیجئے۔"

"میں کافی اور سادہ پانی کے علاوہ کچھ نہیں پیتا.... شکریہ....!"

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ آپ شراب کے بغیر اتنا دماغی کام کیسے کر لیتے ہیں۔"

"شراب نہیں پیتا اسی لئے کر لیتا ہوں۔ شرابیوں کی ذہنی موت بہت جلد ہو جاتی ہے۔ اچھا بخیر....!"

ڈریلا مورگن سفید اسکرٹ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ یاقوت کی قاشوں رح دمک رہے تھے۔ اُس نے آئینے پر آخری نظر ڈالی اور وینٹی بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف ہی تھی کہ کسی نے دروازے کو باہر سے ہولے ہولے کھٹکھٹایا۔

ڈریلا نے دروازہ کھول کر آنے والے پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔ یہ ایک خستہ حال نوجوان اُس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ڈریلا کی طرف بڑھا دیا۔ لفافہ دے کر وہ وہاں ٹھہرا ۔ لفافہ پر ڈریلا کا پتہ ٹائپ کیا ہوا تھا۔ اُس نے لفافہ چاک کر کے خط نکالا۔ ٹائپ کی ہوئی دو یں تھیں۔

"جوزف مورگن تمہیں دس بجے ہوٹل ڈی فرانس کے کمرہ نمبر اکتالیس میں طلب کرتا ہے۔"

ڈریلا کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک ٹائپ کی ہوئی ان دو سطروں ورتی رہی۔

اس کے پورے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں اور اُس نے بے خیالی میں اپنے ٹوں کی سرخی گالوں پر پھیلالی تھی اور اس کا چہرہ حد درجہ مضحکہ خیز نظر آنے لگا تھا۔ اچانک نے چونک کر دیوار سے لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوا نو بج چکے تھے۔ پھر اُس کی نظر ینے پر پڑ گئی اور وہ جلدی جلدی اپنا میک اپ درست کرنے لگی۔

پندرہ منٹ بعد وہ سڑک پر ٹیکسی یا کسی دوسری تیز رفتار سواری کا انتظام کر رہی تھی۔

وہ ٹھیک دس بجے ہوٹل ڈی فرانس کے کمرہ نمبر اکتالیس کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کی سانس لا رہی تھی اور دل بہت شدت سے دھڑک رہا تھا۔ ٹھیک دس بجے وہاں پہنچنے کے لئے کئی بار نا بھی پڑا تھا۔

اس نے ادھر اُدھر سراسیمہ نظروں سے دیکھا۔ راہداری ویران پڑی تھی۔ پھر وہ دروازے ہت قریب ہو کر آہستہ آہستہ آوازیں دینے لگی۔ "مسٹر مورگن مسٹر مورگن.... یہ ڈریلا ہے۔"

اچانک دروازہ کھلا اور کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ ڈریلا کے منہ سے ہلکی سی چیخ

نکل گئی۔

"ڈرو نہیں.... ڈرو نہیں.... !" دراز قد نقاب پوش نے کہا۔ "ویسے میرا چہرہ تم آج بھی نہ دیکھ سکو گی۔"

ڈریلا اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ اُس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" نقاب پوش نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

ڈریلا بیٹھ گئی۔ اس کا وینٹی بیگ اب بھی فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"تمہیں حیرت تو ہوگی ڈریلا۔" نقاب پوش نے کہا۔

ڈریلا نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔ زبان تو کھل نہیں رہی تھی۔

"ہم کتنے دنوں بعد مل رہے ہیں کچھ یاد ہے۔"

"شش.... شاید.... آٹھ سال بعد.... !"

"ہاں! اتنا عرصہ ضرور گذرا ہوگا۔ آج کل کیا کر رہی ہو۔"

"وہی جو کچھ آپ نے کہا تھا۔"

"یعنی طاقت.... !"

"جی ہاں.... !"

"تم نے اُسے دیکھا ہے۔"

"جی نہیں.... مگر.... اکثر سوچا ہے کہ.... کہیں آپ ہی طاقت نہ ہوں۔"

"غلط سوچا ہے تم نے۔"

تھوڑی دیر کے لئے وہ دونوں خاموش ہوگئے۔

پھر ڈریلا نے کہا۔ "آپ بہت بدل گئے ہیں۔ خصوصاً آپ کی آواز۔"

"ہاں.... آں.... میں بہت بدل گیا ہوں۔ ڈریلا میرا دل چاہتا ہے کہ آج تمہیں اپنی شکل بھی دکھا دوں۔ کیوں.... کیا خیال ہے۔"

"اسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔" ڈریلا نے بے دلی سے کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں دراز قد آدمی کے چہرے سے نقاب علیحدہ ہوگیا اور ساتھ ہی ڈریلا اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

"بیٹھ جاؤ.... !" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"آپ مجھ پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کر سکتے۔" ڈریلا نے بیٹھتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کیا مورگن بلیک میلر تھا.... !" فریدی نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"میں تمہارے لئے اس بلیک میلر سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہوں سمجھیں!"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کس بلیک میلر کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

"خوب.... !" فریدی مسکرایا۔ "اچھا یہی بتا دو کہ تم اپنے نام کے ساتھ مورگن کیوں لگاتی ہو۔"

"میرے باپ کا یہی نام تھا۔"

"لیکن میں تم سے جوزف مورگن کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں۔"

"میرے باپ کا نام ہیری مورگن تھا۔ میں کسی جوزف مورگن کو نہیں جانتی۔"

"مگر تم نے ابھی کچھ دیر پہلے مجھے مورگن سمجھ کر بہت سی باتیں کی تھیں۔"

"آپ مجھ پر خواہ مخواہ الزام لگا رہے ہیں۔ میں نے آپ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی۔ آپ نے مجھے یہاں دھوکے سے بلایا اور اب میری عزت پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ میری ایک آواز پر آس پاس کے لوگ دوڑ پڑیں گے۔ آپ مجھے یہاں نہیں روک سکتے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "یہ دیکھ رہی ہو.... ادھر.... میز پر.... یہ قلمدان نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی طاقت ور مائیک ہے اور اس وقت بھی ہماری گفتگو اسی کے ذریعہ دوسرے کمرے میں ریکارڈ ہو رہی ہے۔ اگر تم جیسی ننھی منی عورتیں مجھے بیوقوف بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے۔"

ڈریلا کچھ نہ بولی۔ اس کا چہرہ غازے کی گہری تہوں کے باوجود بھی پیلا نظر آنے لگا تھا۔

"آپ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" ڈریلا نے تھوڑی دیر بعد مردہ سی آواز میں کہا۔

"اُس نے تمہیں کس طرح اپنے قابو میں کیا تھا۔"

"بلیک میل کر کے۔"

عشق آگ اور موت

ڈریلا کرسی پر پڑی ہانپ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

"چلو میں تم سے بلیک میلنگ کی وجہ نہ پوچھوں گا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تمہیں طریقہ کار تو بتانا ہی پڑے گا۔"

ڈریلا خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"میں دوسرا طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہوں ڈریلا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن یہ بتا دینے کے بعد میرا انجام کیا ہوگا۔" ڈریلا نے مضمحل آواز میں پوچھا۔

"برا نہیں ہوگا۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کرونگا۔ تم میری حفاظت میں رہو گی۔"

ڈریلا چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔ "اُس کے پاس تقریباً دو درجن لڑکیاں تھیں۔ اُس نے انہیں کسی نہ کسی طرح پھانس رکھا تھا۔ میں بھی انہیں میں تھی۔ اُس نے مجھے بلیک میل کر کے اپنے قابو میں کیا تھا۔ ہم اس کے لئے کیس فراہم کرتے تھے۔ بڑے گھرانے کی عورتوں تک رپورٹ پہنچاتے تھے اور وہ ان کے خلاف ٹھوس قسم کے ثبوت فراہم کر کے انہیں بلیک میل کرنا شروع کر دیتا تھا۔ یہ اب سے آٹھ سال پہلے کی بات ہے پھر اُس نے ہم سب کو ایک پُر اسرار شخصیت "طاقت" کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ہمارے سارے راز اُس کے سپرد کر دیئے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ طاقت مورگن ہی کا دوسرا روپ ہے۔ بہر حال مورگن کے لئے ہمیں مفت کام کرنا پڑتا تھا۔ مگر طاقت.... وہ ہمیں تنخواہیں دیتا ہے۔ میں صرف اپنے متعلق جانتی ہوں مجھے ہر ماہ چھ ہزار روپے ملتے ہیں۔"

"یعنی طاقت کے تین سکے۔"

"اب تمہیں کیا کرنا پڑتا ہے۔"

"سرکاری آفیسروں سے عشق۔ میں انہیں اپنے جال میں پھانس کر حکومت کے راز معلوم کرتی ہوں۔"

"اور وہ طاقت تک کس طرح پہنچتے ہیں۔"

"میرے پاس ایک اسٹیشن تھا۔ آپ نے اس پر چھاپا مارا۔ وہی تمباکو فروش پھر دوسرا اسٹیشن ...ں اب وہ بھی بند کر دیا گیا ہے۔ میں ساری اطلاعات وہاں پہنچا دیا کرتی تھی اور مجھے احکامات بھی ...ں سے ملتے تھے۔"

"اب کیا صورت ہے۔"

"بیکاری.... نہ کوئی پیغامات ملتے ہیں اور نہ کوئی کام ہوتا ہے۔ غالباً یہ آپ کی عنایت کا نتیجہ ...۔ اکثر میں نے سوچا ہے کہ آپ طاقت سے بھی زیادہ چالاک ہیں۔ یہی مورگن والا قصہ۔ میں ...ں سمجھ سکتی کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔"

"کیا مورگن نے تمہیں اس بات پر مجبور کیا تھا کہ تم اپنے نام کیساتھ اس کا نام بھی لگاؤ۔"

"نہیں.... یہ میرے باپ کا بھی نام تھا.... ہیری مورگن....!"

"مگر میری معلومات کے مطابق اُسکی ساری لڑکیاں اپنے ناموں کیساتھ مورگن لگاتی تھیں۔"

"یہ غلط ہے۔ اُن میں سے صرف میرے نام کے ساتھ مورگن استعمال ہوتا ہے۔"

"وہ ساری لڑکیاں بھی اب طاقت کے لئے کام کر رہی ہوں گی۔"

"جی ہاں....!"

"میں اُن کے نام اور پتے چاہتا ہوں۔"

"لیکن میرا کیا انجام ہوگا۔ طاقت مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ اُسے ہر بات کا علم ہو جاتا ہے۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ تم میری حفاظت میں رہو گی۔ طاقت کے فرشتے بھی تم تک نہیں پہنچ ...ں گے۔ ہاں مجھے ان لڑکیوں کے نام اور پتے لکھوا دو۔"

ڈریلا اب بہت زیادہ مضطرب نظر آنے لگی لیکن اُسے نام اور پتے لکھوانے ہی پڑے۔

"اچھا اب بتاؤ" فریدی نوٹ بک جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "تم میرے سوال کا جواب بالکل ...ٹا دوگی۔ ابھی تک میں نے جو کچھ معلوم کیا ہے وہ میرے کسی کام نہیں آسکتا۔"

"میں نے ابھی تک آپ کے ہر سوال کا بالکل صحیح جواب دیا ہے۔"

"کیا تم شہر کے کسی ایسے بڑے آدمی کا نام بتا سکتی ہو جو طاقت سے تعلق رکھتا ہو۔"

ڈریلا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "نہیں میں کسی ایسے بڑے آدمی کو نہیں جانتی۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تمہارا جواب بالکل صحیح ہے۔" فریدی نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے۔"

"اُس کے چکر میں پھنسی ہوئی لڑکیوں میں سے کوئی لڑکی زوبی بھی تھی۔"

"نہیں اس نام کی تو کوئی بھی لڑکی مجھے یاد نہیں آتی۔"

"پھر سوچو....!"

"مجھے یقین ہے کہ اس نام کی کوئی لڑکی نہیں۔"

"اس نام کی کسی لڑکی کو اُس نے بلیک میل بھی نہیں کیا تھا۔"

"نہیں.... میری معلومات کے مطابق تو اُن عورتوں میں زوبی نام کی کوئی نہیں تھی۔"

"اب.... خیر ہاں.... یہ تو رہ ہی گیا۔ تم مجھے ان عورتوں کے نام اور پتے بھی نوٹ کراؤ جنہیں مورگن بلیک میل کر رہا تھا۔"

"میرے ذمہ دو عورتیں تھیں جن سے میں ہر ماہ بھاری رقمیں وصول کر کے مورگن تک پہنچاتی.... اور اب بھی.... میرا خیال ہے اگر مورگن ہی طاقت ہے تو وہ کسی نہ کسی طرح اُن سے رقمیں ضرور وصول کراتا ہوگا۔ ورنہ وہ اتنی بڑی بڑی تنخواہیں کہاں سے دے سکتا ہے۔"

"وہ دو عورتیں کون ہیں۔"

"لیڈی جگدیش....!"

"سر جگدیش کی بیوی....!" فریدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"جی ہاں.... اور دوسری.... راجکماری ریکھا.... پرنس جسپال کی بہن۔"

"خوب....!" فریدی اپنے ہاتھ ملنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "اس کمرے میں جاؤ۔"

"کیوں؟"

"جاؤ.... جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ طاقت کا کوئی ہرکارہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دے۔"

ڈریلا چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر بادلِ ناخواستہ دوسرے کمرے میں چلی گئی جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن اُس کے داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہوگیا۔ پھر اندر سے کچھ اس قسم کی آوازیں آنے لگیں جیسے کچھ آدمی آپس میں لڑ پڑے ہوں۔

فریدی آرام کرسی میں پڑا ہوا نہایت اطمینان سے سگار کے کش لیتا رہا۔ تقریباً دس منٹ رے کا دروازہ کھلا اور دو آدمی باہر آئے۔

دونوں جوان العمر تھے اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتے تھے۔

"کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے۔" ایک نے جواب دیا۔

"بس لے جاؤ۔ میرا خیال ہے وہ زیادہ وزنی نہ ہوگی۔"

"لیکن....!"

"ہاں اچھا....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ.... یہ اس وقت تک دوسروں کی نظروں نہ آنے پائے جب تک کہ اس کیس کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ دوسری بات.... تم دونوں کل شام لکچو میں ملنا....!"

فریدی کو جو کچھ بھی معلوم کرنا تھا ڈریلا سے معلوم کر چکا تھا۔ وہ مورگن کی دوسری لڑکیوں نہیں ملا اور نہ اُن عورتوں کی طرف توجہ دی جنہیں مورگن بلیک میل کرتا رہا تھا۔

وہ پرنس شمشاد سے دوبارہ ملا جس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تین دن بعد اپنے شبہے کا اظہار کر سکے گا۔

"کرنل میں سخت الجھن میں ہوں۔" پرنس شمشاد نے کہا۔ "یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ م کے آٹھ ارکان پر حملے کیوں ہوئے اور کوئی حملہ کامیاب کیوں نہیں ہوا۔ اسی واقعے کی بناء پر اپنا نظریہ بدل دینا پڑا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"دیکھئے بتاتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے ایک الجھن اور بھی ہے اگر وہ حملے طاقت کی طرف سے ئے ہیں تو میں کیوں چھوڑ دیا گیا ہوں۔ وہ سب تو اس کے معتمد تھے اور میں تنظیم سے الگ گیا تھا۔ اُسے میری طرف سے زیادہ خطرہ ہونا چاہئے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو اپنے لئے بے ضرر سمجھتا ہو۔"

"نہیں فریدی صاحب! اس معاملے کو دوسری روشنی میں دیکھنے کی کوشش کیجئے۔ آخر کوئی رجان لیوا کیوں نہیں ثابت ہوا۔"

"میرے پاس آپ کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

"لیکن میں سمجھتا ہوں۔" پرنس شمشاد سر ہلا کر بولا۔ "اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ انہیں آٹھ آدمیوں میں سے کوئی طاقت ہے۔"

"کیا....؟" فریدی کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہوئے پھر وہ ہنسنے لگا۔ اس انداز میں جیسے پرنس شمشاد نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔

"خیر اسے جانے دیجئے۔" اس نے کہا۔ "پہلے آپ کا نظریہ کیا تھا۔"

"پہلے.... پہلے میں سرفیروز پر شبہ کر رہا تھا۔"

"تو اپنے اسی شبہے پر قائم رہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟"

"ان آٹھ آدمیوں پر وہ حملے میں نے کرائے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ نے....؟" کنور شمشاد بے ساختہ اچھل پڑا۔

"جی ہاں میں نے.... لیکن یہ بات آپ ہی تک محدود رہے گی۔"

"ارے.... قطعی.... قطعی.... مگر اس میں کیا مصلحت تھی۔"

"بس یونہی میں انہیں خوفزدہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ طاقت بالکل تنہا رہ جائے۔ ابھی دو اور باقی ہیں زوبی.... اور ضرغام.... ان دونوں کو کسی چوہے دان میں بند کر کے مار دوں گا۔ آپ کو علم ہوگا کہ میرے دو بہترین ساتھی ہسپتال میں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ میں طاقت کے علاوہ گروہ کے ایک ایک آدمی کو چن چن کر ماروں گا۔"

"مگر اس سے کیا ہوگا۔" شمشاد بولا۔ "طاقت تک پہنچنے کی تدبیر کیجئے۔ وہ تو ہر حال میں محفوظ رہے گا۔"

"سرفیروز کے متعلق آپ کیا کہہ رہے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہو.... اُسے رہنے دیجئے۔ اب وہ مجھے مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔"

"کچھ کہئے بھی تو۔ ممکن ہے وہ کوئی کام ہی کی بات ہو۔"

"زوبی کی وجہ سے خیال پیدا ہوتا ہے۔ آخر طاقت اس پر اتنا اعتماد کیوں کرتا ہے۔"

"ہاں یہ بات تو سوچنے کی ہے۔"

"سرفیروز یہاں کا سب سے بڑا سرمایہ دار ہے اور کبھی سیاسی اکھاڑوں کا بھی پہلوان رہ چکا ہے اسے اس قسم کی حکومت جمانے کا خبط ہو جائے تو تعجب کی بات نہیں۔ مگر فریدی صاحب پھر بھی.... اس بات پر یقین کرنے کو تو دل نہیں چاہتا۔"

"آخر کیوں؟" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"سرفیروز پاگل ہے۔ مٹی کے کھلونے سامنے رکھ کر دو دو آنے چار چار آنے کی ہانک لگایا کرتا ہے۔ آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"لوگوں کو دھوکے میں رکھنے کا ایک بہترین طریقہ۔" فریدی نے جواباً کہا۔

"نہیں فریدی صاحب۔ ہم ٹھوس قسم کے حقائق سے دوچار ہیں۔ یہ کسی چار پیسے والے جاسوسی ناول کا معاملہ نہیں ہے یا کسی گھٹیا سے فلم کا پلاٹ نہیں۔ آپ خود سوچئے لاحول ولا قوۃ میرا خیال ہے کہ ایک معمولی سا آدمی بھی اگر ان واقعات سے واقف ہو تو سرفیروز ہی پر شبہ کرے گا اور یہی سمجھے گا کہ وہ بنا ہوا پاگل ہے مگر.... طاقت.... وہ اتنا بدھو نہیں معلوم ہوتا۔ آخر اسے اس قسم کا سوانگ بھرنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے وہ کوئی ایسا آدمی ہوگا جو دوسروں کے لئے قطعی ناقابلِ توجہ ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت کسی معمولی سے بار میں بیٹھا ہوا کوئی گھٹیا سی شراب پی رہا ہو۔ سرفیروز اپنے پاگل پن کی وجہ سے ایک بچے کی توجہ بھی اپنی طرف مبذول کرا سکتا ہے۔ کیوں؟ آپ سمجھے یا نہیں۔"

"بالکل سمجھ گیا.... بلکہ پہلے بھی سمجھتا تھا.... میں تو آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"لیکن....!" کنور شمشاد بولا۔ "میرا یہ نظریہ ہے کہ اُن آٹھوں ہی میں سے کوئی نہ کوئی طاقت ہے مگر.... نہیں.... کیا حقیقتاً اُن پر وہ حملے آپ ہی کی طرف سے ہوئے تھے۔"

"ہاں.... یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے اس کی طرف سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ! میں تمباکو نہیں پیتا.... پھر.... میں اب بالکل تاریکی میں ہوں اور آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"آپ شکاری ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور ہر شکاری ایڈونچر کا شائق ہوتا ہے۔ کیا طاقت کا پتہ لگا لینا ایک بہت بڑا ایڈونچر نہ ہوگا۔"

"یقیناً ہوگا.... مسٹر فریدی اور ہوا سے لڑنے کے متعلق بھی میں یہی خیال رکھتا ہوں۔"

"لیکن اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہیں کہ جب تک طاقت آزاد ہے آپ بھی خطرے سے باہر نہیں۔"

"ایک بات میں آپ کو بتادوں فریدی صاحب کہ میں اس سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔ زوبی نے مجھ پر دو فائر کئے تھے لیکن میں نے اس کا تذکرہ آپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں کیا۔ اگر میں اس سے خائف ہوتا تو آپ میری شکل اس شہر میں نہ دیکھتے۔"

"اس بے خوفی کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ کنور صاحب۔ میں وہی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"وجہ... اسکی کیا وجہ ہوسکتی ہے بس میں نے آج تک کسی سے بھی خوف نہیں محسوس کیا۔"

"بہرحال....!" فریدی ایک طویل سانس لیکر بولا۔ "ہماری آج کی ملاقات بھی بیکار رہی۔"

"بھئی آپ جو کچھ بھی کہئے کرنے کا تیار ہوں۔" کنور شمشاد نے کہا۔

"میں زوبی کا اغواء چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"اس کا مطلب آپ نہیں سمجھتے۔"

"سمجھتا ہوں.... لیکن اس سے کیا ہوگا۔"

"یہ بعد میں بتاؤں گا.... **بولئے** ممکن ہے یا نہیں۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کا طالب ہوں۔"

"میں کیا مدد کرسکتا ہوں.... اور پھر آپ مجھ سے مدد کیوں چاہتے ہیں۔"

"مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے جس پر میں اعتماد کرسکوں۔ ایک بے خوف ساتھی کی ضرورت ہے۔ مشکلات کا جم کر مقابلہ کرسکے۔ اگر میرے دونوں ساتھی ہسپتال میں نہ ہوتے میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔"

کنور شمشاد کسی سوچ میں پڑگیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"دیکھئے! میں بتادوں کہ میں قانون سے بہت ڈرتا ہوں۔ یہی وجہ تنظیم سے علیحدگی کی بھی ہے۔ میں آپ کے لئے یہ کرسکتا ہوں۔ کوئی بہت بڑی بات نہیں لیکن آپ ہر حال میں میرے ساتھ ہوں گے۔"

"اس سے آپ مطمئن رہئے جہاں تک قانون کا تعلق ہے اس سے آپکا بچاؤ میں کروں گا۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔" کنور شمشاد نے کہا۔ "آپ اس کا اغواء کب چاہتے ہیں۔"

"آج رات کو۔"

"تو آپ مجھے کہاں ملیں گے۔"

"یہیں آپ کے گھر پر....!" فریدی نے کہا۔ "اس کا پتہ لگانا میرا کام ہوگا کہ زوبی اس وقت کہاں موجود ہے۔"

* * *

نصرت خان کا پیر اب ٹھیک ہوگیا تھا۔ لیکن مزاج کا چڑچڑاپن بدستور باقی تھا۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر لوگوں پر چڑھ دوڑتا تھا۔ خصوصاً زوبی تو بُری طرح نالاں تھی۔ وہ ہر ہر طرح اُس کا موڈ ٹھیک رکھنے کی کوشش کرتی۔

آج بھی وہ اسی غرض سے اس کو ہائی سرکل نائٹ کلب میں لے آئی تھی۔ رات کے نو بجے تھے اور کلب کی رعنائیاں شباب پر تھیں وہ اسے ریکریئشن ہال کی طرف لیتی چلی گئی۔

"اوہ... زوبیا... تو مجھے بہلانے کی کوشش کرتی ہے۔" نصرت خان نے کہا۔ "لیکن سب فضول ہے۔ جب تک میرے ہاتھ فریدی کے خون سے رنگ نہ جائیں میری افسردگی نہیں دور ہوسکتی۔"

وہ دونوں ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔ یہی ایک میز خالی تھی۔ شاید زوبی اسے پہلے ہی سے مخصوص کراچکی تھی۔ انکے بعد والی میز پر صرف ایک آدمی تھا اور اس کی پشت اُن کی طرف تھی۔

"تو مجھے یہاں بیکار لائی ہے زوبیا۔ مجھے کہیں سکون نہیں مل سکتا۔"

"ضرغام چھوڑ ان باتوں کو۔ کیا تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

"جگہ تو ہے لیکن کبھی کبھی تجھ پر غصہ بھی آتا ہے۔"

"کیوں نہ ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں۔"

"مقلاق....!"

"خان بابا کی زندگی میں یہ ناممکن ہے۔ وہ میری کھال گرادے گا۔"

"تم اس بوڑھے سے اتنا ڈرتے ہو۔"

"ہاں میں اسی کا نطفہ ہوں۔ اُس کے آگے سر نہیں اٹھا سکتا۔ اُس نے مجھے پاپوش سے مارا ہے اس کے علاوہ میرا سر اور کسی کے آگے نہیں جھکا۔"

زوبی تحیر آمیز انداز میں ہنسنے لگی اور نصرت خان جھنجلا کر بولا۔ ”زوبیا! میں تیری بوٹیاں اڑادوں گا.... میرا مضحکہ اڑاتی ہے۔“

”تم شیر ہو.... بہت طاقت ور.... انتہائی دلیر....!“ زوبی یک بیک سنجیدگی سے بولی۔ ”مگر ذہنی اعتبار سے کمتر....!“

”کیوں! کیا ثبوت ہے تیرے پاس۔ میں ذہنی طور پر بھی کمتر نہیں ہوں۔“

”ذہنی کمتری کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہوگی ایک شہزور جوان ایک نحیف بوڑھے کے ہاتھوں پٹ جاتا ہے۔“

”نحیف! کیا بکتی ہے زوبیا۔ خان بابا آج بھی فولاد کی چٹان ہے۔“

”وہم ہے تمہارا۔“

”اچھا بکواس بند.... میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔“

”مقلاق نہ سہی کہیں اور چلو! میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتی۔“

”کیوں....؟“

”میں تمہیں نہیں کھونا چاہتی۔ تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔“

”تو گویا تم.... میرے دوست طاقت کا ساتھ چھوڑنا چاہتی ہو۔“

”طاقت....!“ زوبی کا منہ بگڑ گیا۔ ”طاقت کو بھی دیکھ رہی ہوں۔ اس کے بہترین رفیق فریدی کے ہاتھوں پٹ رہے ہیں اور وہ خاموش ہے ایک رات میں آٹھ آدمیوں پر حملے ہوئے۔ اب تم خود انصاف کرو۔“

”میں سوچتا ہوں۔“ نصرت خان نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔ ”مگر میں اسے دوست کہہ چکا ہوں اور مجھے مرتے دم تک اسے نباہنا ہے خواہ کچھ ہو جائے۔“

”تم ابھی اس کی دوستی کے مقصد سے واقف نہیں ہو۔“ زوبی نے کہا۔

”میں اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں سننا چاہتا۔ بکواس بند کرو۔“

”تمہاری مرضی۔ ویسے وہ تمہیں ہمیشہ غلام بنائے رکھنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔“

”زوبیا.... میں کیا کہہ رہا ہوں۔“

”زوبی خاموش ہوگئی اور نصرت خان بڑبڑانے لگا۔ مجھے بھی اس کی خاموشی پسند نہیں ہے؟

نصوصاً فریدی کے معاملے میں.... لیکن....!“

اچانک وہ چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ سامنے والی میز پر تنہا بیٹھے ہوئے آدمی کا رخ ب انہیں کی طرف تھا۔ اسے پہچان لینے کے لئے پہلی ہی نظر کافی تھی۔ یہ فریدی تھا اور وہ نصرت خان کے بجائے زوبی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ زوبی بری طرح بوکھلا گئی۔

”اگر کوئی حرج نہ ہو لیڈی زوبی۔!“ فریدی اٹھ کر احتراماً تھوڑا سا جھکتا ہوا بولا۔ ”تو میں آپ کی میز پر آجاؤں۔ آج شام کی تنہائی میرے لئے بڑی تکلیف دہ ہے۔“

نصرت خان قہر آلود نظروں سے زوبی کو دیکھنے لگا۔ زوبی جیسے مسحور ہو کر رہ گئی تھی وہ برابر فریدی کی آنکھوں میں دیکھے جارہی تھی اور ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کے جسم کی ساری طاقت سمٹ کر آنکھوں میں آگئی ہو اور پپوٹے بوجھل سے محسوس ہو رہے تھے۔ اتنے بوجھل جیسے اپنے حلقوں سے باہر نکل پڑیں گے۔

”ضرور.... ضرور....!“ اُس کے ہونٹ ہلے اور دھیمی سی آواز نکلی۔

”نہیں....!“ نصرت خان میز پر گھونسہ مار کر گرجا۔

”آپ کی تعریف لیڈی زوبی۔“ فریدی نے نرم لہجے اور دھیمی آواز میں پوچھا۔

”مم.... مسٹر ضرغام....!“ زوبی نے کہا اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

”زوبیا.... بکواس بند۔“ نصرت خان اور زیادہ جھلا گیا لیکن فریدی کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اُس نے اسی نرم لہجے میں کہا۔

”لیڈی زوبی! اب میں پوچھوں گا کہ یہ کون بدتمیز ہے۔“

دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان کے دونوں ہاتھ فریدی کی گردن کی طرف لپکے لیکن فریدی کے بائیں ہاتھ کی کہنی اس سے پہلے ہی اُس کے چہرے پر لگ چکی تھی۔ پھر داہنا ہاتھ بھی اور نصرت خان پچھلی میز سے ٹکرا کر دو تین آدمیوں سمیت فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر زوبی کی چیخ کے ساتھ ہی صرف ہال میں نہیں بلکہ پوری عمارت میں اندھیرا ہو گیا۔

❁

فریدی نے بیہوش زوبی کو اسٹیشن ویگن میں ڈال دیا اور پھر ان لوگوں کا انتظار کرنے لگا جو

نصرت خان کو لارہے تھے۔ یہ چار آدمی کنور شمشاد نے مہیا کئے تھے۔

نصرت خان کو پکڑ لینے کی تجویز کنور شمشاد نے پیش کی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ نصرت خان کو زوبی کی موجودگی ہی میں ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ فریدی نے تھوڑی ردو قدح کے بعد اُس کی بات مان لی تھی۔ وہ اسٹیشن ویگن کے عقبی دروازے کے پاس کھڑا رہا۔

گلی تاریک اور سنسان تھی اور یہاں سے نائٹ کلب کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چاروں نصرت خان کو اٹھائے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ نصرت خان ہوش میں تھا۔ مگر بے بس.... اُس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں رومال ٹھونس دیا گیا۔ اسے بھی اسٹیشن ویگن میں ڈال دیا گیا۔

کنور شمشاد اسٹیئرنگ پر تھا۔ لہٰذا فریدی اگلی سیٹ کی طرف بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی دونوں پسلیوں سے دو ریوالوروں کی نالیں آلگیں۔

"اُدھر نہیں! تم بھی پیچھے ہی بیٹھو....!" چاروں میں سے ایک نے کہا۔ "اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

"کیا مطلب....!" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"مطلب بتانے کا وقت نہیں ہے۔ بس بیٹھ جاؤ۔" اگلی سیٹ سے آواز آئی لیکن یہ کنور شمشاد کی آواز نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"اس مذاق کا مطلب....!"

"آہستہ.... ورنہ یہیں خاتمہ ہو جائے گا۔" کسی نے کہا اور ریوالور کی نالیں اُس کی پسلیوں میں اور زیادہ سختی سے چبھنے لگیں۔

پھر اُسے زبردستی اسٹیشن ویگن میں دھکیل دیا گیا۔

اسٹیشن ویگن فراٹے بھرتی ہوئی روانہ ہوگئی۔ اس کی کھڑکیوں پر سیاہ پردے کھینچ دیئے گئے تھے اور اندر اندھیرا تھا ہی۔ ریوالوروں کی نالیں اب بھی فریدی کی پسلیوں سے لگی ہوئی تھیں۔

"کنور شمشاد تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" فریدی غرایا۔

اگلی سیٹ والے نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیوں بھئی! کیا اس گاڑی میں کوئی آدمی اس نام کا بھی ہے؟"

"کوئی نہیں....!" چاروں میں سے ایک نے کہا۔

"کرنل فریدی....!" اگلی سیٹ سے آواز آئی۔ "تم کنور شمشاد کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اُسے جب ہوش آئے گا تو وہ دوسروں کی نظروں سے چھپ کر اپنے گھر تک پہنچنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اُسے ایک بہت ہی گندی نالی میں پھینکا گیا ہے۔"

"پھر تم کون ہو۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔ اسٹیشن ویگن آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں چلی لیکن وہ جہاں رکی تھی وہ کوئی روشن جگہ تھی کیونکہ باہر کی روشنی سیاہ پردوں سے بھی دکھائی دے رہی تھی۔ عام اندازہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ کسی سڑک پر رکی ہے۔ لیکن وہاں کے سناٹے کی طرف توجہ مبذول ہوتے ہی فریدی الجھن میں پڑ گیا۔ لیکن اس کی الجھن بھی جلد ہی رفع ہوگئی۔ اُسے ٹہوکے مار مار کے نیچے اتارا گیا۔ یہ کسی عمارت کی ایک بہت کشادہ راہداری تھی۔ اتنی کشادہ کہ اس میں برابر سے دو کاریں بہ آسانی چل سکتی تھیں۔ اگلی سیٹ سے ایک طویل القامت آدمی اترا جس کا پورا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔

زوبی ہوش میں آچکی تھی۔

"اسے کھول دو....!" نقاب پوش نے نصرت خان کی طرف اشارہ کر کے کہا اور زوبی بے ساختہ اچھل پڑی۔

"طاقت....!" اُس نے ایک سسکی سی لی اور طویل القامت نقاب پوش ہنسنے لگا۔

نصرت خان کھلتے ہی فریدی کی طرف جھپٹا لیکن نقاب پوش درمیان میں آگیا۔

"نہیں دوست....!" اُس نے نصرت خان کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے زوبی سے کہا تھا کہ فریدی خودکشی کرے گا۔ اس کے لئے یہی مناسب ہے۔"

اس پر فریدی بے تحاشہ ہنس پڑا۔

"تمہاری ہنسی ابھی چیخوں میں بدل جائے گی۔" نقاب پوش نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو مسٹر مورگن....!" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

"مورگن....!" زوبی کے حلق سے چیخ سی نکلی۔

"ہاں! جوزف مورگن....!" فریدی مسکرایا۔ "ایک گھٹیا سا بلیک میلر جو ایک ملک پر حکومت

کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

نقاب پوش بالکل خاموش کھڑا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔

"کیا یہ صحیح ہے۔" زوبی نے آہستہ سے پوچھا۔

"بکواس ہے۔" نقاب پوش غرایا۔ پھر اُس نے چاروں آدمیوں سے کہا۔ "اسے لے چلو۔"

ریوالوروں کی نالیں پھر فریدی کے جسم سے آلگیں اور وہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے نہایت اطمینان سے چلتا رہا۔

وہ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے۔ یہاں فرنیچر زیادہ نہیں تھا۔

"فریدی! مرنے سے پہلے طاقت کے عجائبات دیکھ لو۔" نقاب پوش نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ادھر دیکھو....!"

سامنے والی دیوار پر ایک چھ فٹ اونچا اور تقریباً دس فٹ لمبا دھندلا شیشہ نصب تھا۔ دیوار لکڑی کی تھی اور اس پر جا بجا مختلف سائز کے بلب بھی لگے ہوئے تھے۔ نقاب پوش نے آگے بڑھ کے دیوار ہی پر لگے ہوئے ایک بٹن پر انگلی رکھ دی اور اس طویل و عریض شیشے پر بجلیاں سی کوندنے لگیں پھر آہستہ آہستہ پورا شیشہ روشن ہو گیا۔ اس پر کچھ دھندلی مگر رنگین متحرک تصویریں نظر آ رہی تھیں۔ پھر وہ تصویریں بھی صاف ہوتی گئیں۔ یہ کسی آفس کا منظر تھا لوگ فائیلوں اور رجسٹروں میں منہمک تھے۔

"یہ میرا ایک آفس ہے۔" نقاب پوش فریدی کیطرف مڑ کر بولا۔ "ٹیلی ویژن کے بارے میں تم جانتے ہو گے لیکن تم کسی ٹیلی ویژن سیٹ پر اداکاروں سے گفتگو نہیں کر سکتے...ادھر دیکھو....!"

نقاب پوش نے دیوار سے ایک بلب روشن کر دیا۔ اس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ اس پر نظر نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اچانک نقاب پوش نے شیشے کی طرف رخ کر کے کہا۔ "منیجر.... کام کیسا جا رہا ہے۔"

فوراً ہی ایک تصویر کرسی سے اٹھی اور احتراماً جھک کر بولی۔ "بہت بہتر جناب! ملاحظہ فرمائیے۔ اس وقت بھی کام ہی ہو رہا ہے۔"

"شکریہ منیجر....!" نقاب پوش نے کہا اور تصویر پھر بیٹھ کر میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگی۔

نقاب پوش نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔ "یہ آفس یہاں سے سینکڑوں میل دور ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سچ مچ متحیر تھا۔

"میں نے دنیا کے بہترین دماغ اکٹھا کیئے ہیں کرنل....!" نقاب پوش پھر بولا۔

"اب خود تم ہی انصاف کرو۔ حکومت کس کا حصہ ہے میرا یا ان کا جنہیں تم صحیح حکمران سمجھتے ہو۔"

"لیکن کیا تم اپنے اس خواب کی تعبیر کے لئے زندہ رہو گے۔"

"میں زندہ رہوں یا نہ رہوں۔ مگر یہ تنظیم ہمیشہ زندہ رہے گی۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ تنظیم اسی شہر تک محدود ہے۔ کرنل فریدی اس سے ملک کا کوئی بھی گوشہ خالی نہیں ہے۔ میں اگر مر بھی جاؤں تو میرا جانشین یہ بار اپنے کاندھوں پر اٹھا لے گا۔ اچھا.... اب میری ایک فیکٹری دیکھو جہاں اسلحہ تیار کیا جاتا ہے۔ یہ بھی یہاں سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر ہے کرنل فریدی دیکھو اور اس بات کا اعتراف کرو کہ تم طاقت کے سامنے ایک حقیر کیڑے سے بھی زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔"

وہ ایک بار پھر دیوار کے قریب گیا اور شیشے پر پھر بجلیاں سی کوندنے لگیں اور اس کے بعد سچ مچ ایک فیکٹری کا منظر اُن کے سامنے آگیا۔ بے شمار آدمی بڑی بڑی مشینوں پر کام کر رہے تھے۔

"وقت کم ہے۔" نقاب پوش اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں کیا کیا دکھاؤں فریدی....!"

"بس اب اپنا چہرہ دکھا دو پیارے جو کم از کم زوبی اور خان مقلاق کے بیٹے کے لئے کافی حیرت انگیز ہو گا۔"

"اور تمہارے لئے کرنل....!" نقاب پوش نے تمسخر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میرے لئے کوئی نئی بات نہ ہو گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "کیونکہ میں تمہیں بہت دنوں سے جانتا ہوں.... جوزف مورگن....!"

"کیوں زوبی....!" نقاب پوش زوبی کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا تمہیں جوزف مورگن کا چہرہ دیکھ کر حیرت ہو گی۔"

"میں نے پہلے ہی کب دیکھا تھا جو اب حیرت ہو گی۔" زوبی نے بیزاری سے کہا۔ "لیکن کیا یہ سچ ہے کہ آپ جوزف.... مورگن....!"

نقاب پوش ہنس کر بولا۔ "ہاں.... یہ صحیح ہے۔ میں فریدی کی پندرہ منٹ کی زندگی میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ ہاں میں جوزف مورگن ہوں۔"

"لہٰذا اب نقاب اتار دو....!" فریدی نے کہا۔ "ورنہ مجھے ہی اجازت دو کہ میں تمہاری نقاب کشائی کر دوں۔"

"تم بہت چہک رہے ہو فریدی۔ کیا تمہیں اپنی موت پر یقین نہیں ہے۔"

"موت میرے لئے کھلونا ہے دوست! میں اگر مر بھی گیا تو کیا ہوگا۔ اگر میرے مرنے ہی پر دنیا تمہارے وجود سے پاک ہو سکتی ہے تو میں مرنے کے لئے قطعی تیار ہوں۔"

"مجھے تم سے عشق تو نہیں ہے کہ میں تمہاری موت کے بعد خودکشی کرلوں گا۔" نقاب پوش ہنس پڑا۔

"تم شائد اسے ناممکن سمجھتے ہو۔ حالانکہ اس عمارت کے گرد پولیس گھیرا ڈال چکی ہوگی۔ تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ تم نے اپنی چالاکی سے مجھ پر قابو پایا ہے۔ اس خیال کو دل سے نکال دو۔ اگر میں یہاں نہ آنا چاہتا تو تمہارے فرشتے بھی نہیں لا سکتے تھے۔"

"شائد خودکشی سے پہلے تم پاگل ہو جاؤ گے۔" نقاب پوش نے تحیر آمیز انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"کنور شمشاد تم ہار گئے ہو...." فریدی کے الفاظ ان لوگوں پر بم کی طرح گرے اور نقاب پوش کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

زوبی اور نصرت خان اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

"میں جانتا تھا...!" فریدی نے کہا۔ "کہ تم مجھے اپنی کسی کمین گاہ میں لے جاؤ گے۔ اسی لئے میں نے زوبی کو اغواء کر کے رکھنے کی جگہ کا انتخاب تم پر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن مجھے اس کی توقع نہیں تھی کہ تم وہیں سے طاقت کا سوانگ بھر لو گے بہر حال اُس اسٹیشن ویگن کا تعاقب میرے آدمیوں کا کرتا تھا.... بولو.... اب کیا کہتے ہو۔ مسٹر جوزف مورگن تمہارے لئے یہ پاسپورٹ پھانسی کا پھندا بن گیا جو تم نے آج سے آٹھ سال پہلے جیکسنز کارنر میں کھو دیا تھا۔ اس کی تصویر میں تمہارا میک اپ ذرا کچا تھا.... اور پھر اُن آنکھوں کا کیا کرتے جن کی ساخت کا بدلنا ممکن ہی نہیں۔"

"تم لوگ باہر جاؤ۔" دفعتاً نقاب پوش نے اپنے چاروں آدمیوں سے کہا۔

وہ کمرے سے چلے گئے۔ نقاب پوش نے ریوالور نکال لیا تھا اور اس کا رخ فریدی کی طرف تھا

وہ الٹے قدموں چلتا ہوا پھر اُسی دیوار کی طرف جا رہا تھا جس پر بلب لگے ہوئے تھے۔

اچانک فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ پورا کمرہ بڑی تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا تھا جس پر ب لگے ہوئے تھے۔

وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا اور نقاب پوش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

زوبی نصرت خان سے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ "یہ سچ مچ شمشاد ہی معلوم ہوتا ہے۔ بالکل ی کی آواز تھی۔ میرا مطلب یہ قہقہہ....!"

"ہاں زوبی! میں سن رہا ہوں۔" نقاب پوش نے اپنے چہرے سے نقاب اتارتے ہوئے کہا۔ "میں شاد ہوں۔ تمہیں وہ رات یاد آ رہی ہو گی جب تم نے مجھے تنظیم کا غدار سمجھ کر مجھ پر فائر کئے تھے۔"

زوبی کچھ نہ بولی۔ وہ تحسین آمیز نظروں سے کنور شمشاد کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں نے بلیک میلنگ بھی کی ہے۔" شمشاد بولا۔ "محض تنظیم کی مالی حالت بہتر بنانے کیلئے۔ ر فیروز کو اگر میں تمہارے ذریعہ بلیک میل نہ کرتا تو تنظیم کبھی اپنے پیروں پر کھڑی نہ ہو سکتی اور م خود سوچو! پیسے کا یہ مصرف کس کام کا کہ وہ تجوریوں میں پڑا رہے اور اگر میں تمہیں بلیک میل نہ رتا تو تم کبھی سر فیروز سے روپیہ گھسٹنے کا ذریعہ نہ بنتیں.... بولو.... کیا میں غلط کر رہا ہوں۔"

زوبی اب بھی کچھ نہ بولی۔

کمرہ بدستور نیچے کی طرف دھنستا جا رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک دھچکا سا لگا اور کنور شمشاد ، علاوہ اور سب گرتے گرتے بچے۔

شمشاد کے ریوالور کا رخ اب بھی فریدی کی طرف تھا۔ اس نے زوبی سے کہا۔

"میں تنظیم کے بڑے آدمیوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا اس لئے میں ان میں شامل ہو گیا اور انہیں اچھی طرح پرکھ لینے کے بعد اس طرح اُن سے علیحدہ ہو گیا اور زوبی اُن سب میں تم میرے معیار پر پوری اتری تھیں اور شہزادہ نصرت.... مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے۔"

"اور مجھے تمہاری ذہانت پر فخر ہے دوست! تم اسی قابل ہو کہ ساری دنیا پر حکومت کرو۔" رت خان نے کہا۔

"نہیں میں دنیا کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

اچانک فریدی نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ لیکن وہ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ فریدی

منہ کے بل زمین پر گرا۔

"میں اب بھی تمہیں اپنے ہاتھ سے نہیں ماروں گا۔" شمشاد ہنس کر بولا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔ تمہیں خودکشی کرنی پڑے گی اور ہاں جب تمہارے آدمی عمارت میں داخل ہوں گے تو اس کمرے کے بجائے ایک ضیافت گاہ ملے گی جہاں ہر قسم کی شرابیں میزوں پر لگی ہوں گی اور وہ بے چارے اپنی تھکن دور کریں گے.... ہاہا.... فریدی.... تم نے مجھ سے بھڑ کر اچھا نہیں کیا.... چلو اٹھو.... ہاں.... شاباش.... اُس دروازے کی طرف چلو۔"

ریوالور کی نال فریدی کی گردن سے جا لگی اور وہ سامنے والے دروازے کی طرف چلنے لگا۔ وہ چاروں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے جس میں دیواروں سے دو دو فٹ کے فاصلے پر چاروں طرف فرش سے چھت تک لوہے کے جنگلے لگے ہوئے تھے۔ فریدی کو کمرے کے وسط میں دھکیل دیا گیا اور یہ تینوں جنگلے کے درمیان میں کھڑے رہے۔ کمرے میں بہت تیز روشنی تھی۔ شمشاد نے اپنا ریوالور فریدی کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "لو ہم تینوں کو گولی ماردو۔"

فریدی چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر شمشاد نے ہنس کر کہا۔ "اٹھا لو۔ وہ گائے گا نہیں.... اور نہ اس میں سے شعلہ نکلے گا۔"

فریدی کی جیب میں خود اس کا ریوالور موجود تھا اور ابھی تک کسی نے اُسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس نے جیب سے اپنا ریوالور نکال کر بے تحاشا شمشاد کی طرف فائر کر دیا.... لیکن اُسے فائر ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ نہ تو آواز ہوئی اور نہ شعلہ ہی نکلا۔ اس کے بجائے ریوالور کی نال سے پگھلا ہوا سیسہ نکل کر اس کے پیروں کے پاس گر پڑا۔ ساتھ ہی فریدی نے یہ بھی محسوس کیا جیسے اس کے جسم میں طاقت ہی نہ رہ گئی ہو۔ کمرے کی چھت سے اس پر ایک بہت تیز قسم کی روشنی پڑ رہی تھی جو کمرے کی معمولی روشنی سے مختلف تھی۔ فریدی نے اسے محسوس کیا اور دو قدم آگے بڑھ گیا اُسی کے ساتھ ہی ساتھ روشنی کے دائرے نے بھی حرکت کی۔ وہ اب بھی اُسی روشنی میں نہایا ہوا کھڑا تھا۔ اُس نے چھت کی طرف نظر اٹھائی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے ریوالور پھینک کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینے پڑے۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے سورج نیچے اتر آیا ہو۔ وہ کئی منٹ تک اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ان تینوں کے قہقہے سنتا رہا۔

"فریدی۔" شمشاد نے کہا۔ "او کرنل صاحب! کیا بات ہے بھئی۔ اٹھاؤ ریوالور پھر کوشش

د۔ اس کمرے میں تم جدھر بھی جاؤ گے موت کی شعاع تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ تم ہر حال اُس کے دائرے میں رہو گے۔"

فریدی نے پھر ریوالور اٹھا کر دو فائر کئے.... لیکن اس کی نال سے پھر پگھلا ہوا سیسہ نکل کر ن پر گرا۔ فریدی کو اپنی جگہ سے حرکت کرنے میں بھی نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جدھر ی جاتا روشنی کا دائرہ بھی اُس کے ساتھ ہی ساتھ کھسکتا رہا۔ ہاتھوں میں اتنی طاقت بھی نہیں ی کہ وہ اُس زہریلی روشنی کے مخرج پر ریوالور ہی کھینچ مارتا۔

"فریدی....!" شمشاد نے اسے مخاطب کیا۔ "کامیابی صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ نال ے نکلنے والی گولی پر یہ زہریلی روشنی نہ پڑنے پائے۔ تدبیر میں بتائے دیتا ہوں عمل کرنا نہ کرنا ہارا کام ہے۔ ریوالور کی نال اپنی کنپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبا دو۔ گولی نال سے نکل کر سیدھی کھوپڑی ں گھس جائے گی کیونکہ صرف اسی صورت میں اس پر روشنی نہیں پڑ سکتی۔ یہی تدبیر بہتر رہے ا اور پھر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے کیا فائدہ۔ ویسے یہ روشنی زندگی بھر تمہارے ساتھ ہی ساتھ تی رہے گی۔"

فریدی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہرے پر خوف کے آثار تھے۔ آخر اُس نے رو دینے کے سے انداز میں کہا۔ "مجھے معاف کر دو مشاد۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

شمشاد کا قہقہہ کافی طویل تھا۔

"فریدی.... خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔" اس نے کہا۔ "ورنہ اگر ایک گھنٹے بھی ں میں روشنی میں کھڑے رہے تو عمر خضر بھی تمہارے لئے بیکار ہو گی۔"

"نہیں.... نہیں.... شمشاد مجھے معاف کر دو.... میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"خودکشی فریدی.... خودکشی....!"

"اللہ.... مجھے معاف کرے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی اور ریوالور کی نال اپنی کنپٹی ر رکھ دی۔

"اللہ.... اللہ....!" اُس نے پھر بڑی دردناک آواز میں کہا اور ٹریگر دبا دیا۔ پھر اُس کے نہ سے ایک جگر خراش چیخ نکلی اور وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے سر کے نیچے سے خون کی ایک

پتلی سی لکیر فرش پر بہہ نکلی۔

"تم نے دیکھا زوبی....!" شمشاد بے ساختہ ہنس پڑا۔ "میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کہتا۔"

اس نے دیوار کے ایک سوئچ بورڈ پر ہاتھ رکھا اور زہریلی روشنی کا دائرہ فریدی کی لاش پر سے غائب ہو گیا۔

"ٹھائیں....!" اچانک ایک فائر ہوا اور نصرت خان کی چیخ کمرے میں گونج اٹھی.... پھر دوسرا فائر ہوا اور شمشاد بال بال بچا۔ اس نے جنگلے کے دروازے سے فریدی کی لاش پر چھلانگ لگا دی۔

"ٹھائیں....!" تیسرا فائر ہوا۔

"زوبی.... روشنی....!" شمشاد فریدی سے گتھا ہوا چیخا۔ لیکن قبل اس کے کہ زوبی سوئچ بورڈ تک پہنچتی فریدی نے روشنی کی مخرج پر ریوالور کھینچ مارا۔ شیشے کے بہت سے ٹکڑے فرش پر گرے لیکن ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے جہنم میں کوئی بھٹی کھل گئی ہو۔ روشنی کے مخرج سے شعلوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔

"ارے یہ کیا کیا....!" شمشاد حلق کے بل چیخا۔

فریدی نے اُسے شعلوں کی بوچھاڑ کی زد پر دھکیل دیا۔ شمشاد نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن فریدی کی ٹھوکر اس کی پیشانی پر پڑی اور وہ کتوں کی طرح حلق پھاڑتا ہوا وہیں ڈھیر ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے میں جلتے ہوئے گوشت کی بو کمرے میں پھیلنے لگی.... اس کی لاش پر شعلے رقص کر رہے تھے اور فریدی قریب ہی کھڑا ہانپ رہا تھا۔

❁

دوسرے دن فریدی آئی۔جی کے آفس میں بیٹھا ہوا یہ داستان سنا رہا تھا۔

"اور جناب....!" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "وہ بھی اتفاق ہی تھا کہ میری جیب میں ایک قلم تراش چاقو پڑا رہ گیا تھا۔ میں نے دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اندر ہی اندر ریوالور کے چیمبر خالی کئے اور بائیں ہتھیلی چاقو سے زخمی کر لی۔ خالی ریوالور نکال کر کنپٹی پر رکھا اور ٹریگر دبا دیا.... کنپٹیاں دبائے ہوئے گر پڑا.... شائد ہتھیلی کی کوئی رگ کٹ گئی تھی اور میں چاہتا بھی یہی تھا۔ خون کافی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ بہر حال وہ لوگ دھوکا کھا گئے.... پھر میری پہلی گولی نصرت کی پیشانی پر لگی دوسری نے شمشاد کا شانہ زخمی کیا.... پھر زوبی دوبارہ اس زہریلی روشنی کو استعمال

نے چلی تھی کہ میں نے اُس کے بلب پر ریوالور پھینک مارا۔ خدا کی پناہ.... وہ شعلوں کی رش.... میں زندگی بھر نہ بھول سکوں گا اور آخر کار شمشاد انہیں شعلوں کی نذر ہو گیا.... اور ر وہاں سے میرا نکلنا مشکل ہو گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں زوبی کو نہ بچا سکا۔ وہ بھی وہیں جل ری۔ پتہ نہیں وہ روشنی کیسی تھی جس کا بلب ٹوٹتے ہی قیامت آ گئی میں نہیں جانتا تھا کہ میں اس ہہ خانے سے کس طرح نکلا۔ مجھے قطعی یاد نہیں.... میں بے تحاشا بھاگ رہا تھا.... اور وہ ھا کے.... اتنا ہی مجھے یاد ہے کہ باہر نکل کر میں ایک عمارت کے کھنڈروں میں چل رہا تھا اور ں کے گرد آدمیوں کے ہجوم در ہجوم نظر آ رہے تھے۔ مگر جناب! خطرہ اب بھی باقی ہے۔ شمشاد نے کہا تھا کہ اُس کے مرنے سے تنظیم نہیں مرے گی۔ کوئی دوسرا اُس کی جگہ سنبھال لے گا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو سمجھ لیجئے کہ اب ان لوگوں تک رسائی قطعی ناممکن ہو جائے گی.... قطعی ممکن....!"

"ٹھیک کہتے ہو۔" آئی۔جی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو میرے سارے بال سفید ہو گئے ہوتے۔"

"سنئے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پچھلی رات ہمارے آدمی اُس عمارت میں بھٹک کر واپس آ گئے تھے۔ ابھی تک کسی کو اس کا علم نہیں ہے کہ وہ عمارت یک بیک ڈھیر کیسے ہو گئی۔ کیا ممکن نہیں کہ ہم اس واقعہ کو بھلا ہی دیں۔ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ کاغذات پر نہ لایا جائے۔"

"اس سے کیا ہو گا۔"

"تنظیم کی بیخ کنی۔ تہہ خانے میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور میرے سوا کوئی بھی وہاں سے زندہ نہیں واپس آیا۔ ہو سکتا ہے کہ تنظیم کو دوسرا سربراہ نصیب ہی نہ ہو سکے۔ دوسری صورت میں اگر اس واقعہ کو شہرت دی گئی تو ممکن ہے کہ یہ اس تنظیم کے پھولنے پھلنے کا باعث بن جائے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو فریدی۔ ایسا ہی ہو گا۔" آئی۔جی بولا اور پھر کمرے پر سکوت طاری ہو گیا۔

❁

گری ہوئی عمارتوں کے گرد فوج کا پہرہ تھا۔ زوبی کی لاش بہت ردی حالت میں ملی۔ نصرت خان اور کنور شمشاد کی ہڈیاں بھی نہ مل سکیں۔ فریدی خود اپنی نگرانی میں ملبہ ہٹوا رہا تھا۔

اُن عمارتوں کے نیچے تہہ خانوں اور سرنگوں کا جال سا بچھا ہوا ملا۔ دو تہہ خانے اور تین سرنگیں اب بھی محفوظ تھیں.... ان میں سے کافی تعداد میں اسلحہ برآمد ہوا۔

لیکن فریدی کو وہ مشین نہ مل سکی جس سے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا تقریباً ایک ہفتہ تک وہ ملبہ ہٹواتا رہا۔ آٹھویں دن آئی۔جی کے آفس میں پھر ایک میٹنگ ہوئی جس میں آئی۔جی ڈی۔آئی۔جی اور فریدی کے علاوہ کوئی چوتھا آدمی شریک نہیں تھا۔

"لیکن تم اُن آٹھ آدمیوں کے لئے کیا کرو گے۔" آئی۔جی نے فریدی سے پوچھا۔

"طاقت والے کیس میں میرے پاس اُن کے خلاف ثبوت نہیں ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "لیکن میں انہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

"کیا کرو گے۔"

"انہیں جیل بھجوانا میرا کام ہے اُنکے ایک نہیں درجنوں جرائم مع ثبوت میرے علم میں ہیں۔"

"مگر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"وہ جیل جائیں گے۔" فریدی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "ہم پہلے ہی اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ طاقت کے کیس کو اچھالا نہیں جائے گا۔ اگر میں اُسی معاملے میں انہیں پھانسنے کی کوشش کروں گا تو.... ظاہر ہے کہ....!"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے...." آئی۔جی جلدی سے بولا۔ "مگر اب گنگولی کا کیا ہوگا۔ پاگل خانے سے نکلنے کے بعد وہ یقیناً تمہارے خلاف طوفان اٹھائے گا۔"

"نہیں وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ ورنہ اُس کی یہ کوشش اسے کم از کم پانچ سال تک جیل کی ہوا کھلائے گی اور پھر اس کے علاوہ میں اس کے ایک ایسے راز سے واقف ہوں جس کے افشاء پر وہ سوسائٹی میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے گا۔"

"کیا معاملہ ہے....!" آئی۔جی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ایسا نہیں ہے جس کے لئے قانون کوئی سزا تجویز کر سکے، ایک اخلاقی جرم جسے ظاہر کرنا میری دانست میں کمینگی ہی ہوگی۔ لہٰذا اس سلسلے میں معافی کا خواست گار ہوں۔"

آئی۔جی نے پھر اُس کے متعلق کچھ نہیں پوچھا لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ شائد وہ کوئی خیال ہی تھا جو اسے مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔ اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تمہارا مخصوص اجازت نامہ بحال کر دیا گیا ہے۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس سے فائدے کی بجائے ہمیشہ نقصان ہی پہنچا ہے۔ ازت نامے سے نہ تو ریوالور کی گولیاں نکلتی ہیں اور نہ وہ میری جان ہی بچا سکتا ہے۔"

"پھر بھی وہ تمہارے لئے ضروری ہے۔"

"میں سچ عرض کرتا ہوں کہ وہ میرے کسی کام نہیں آتا بلکہ جب منسوخ ہوتا ہے تو مجھے اہ مخواہ ہم چشموں میں خفیف ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا مجھے اس سے معاف ہی رکھئے۔"

"عجیب آدمی ہو۔"

"جو کچھ بھی آپ سمجھیں۔ میں کبھی اور کسی حال میں خود کو مجبور نہیں سمجھتا.... میں نے ں دوران بہتیرے غیر قانونی اقدامات کئے ہیں لیکن کس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ کس نے ٹوکا تھا ھے.... اچھا اب اجازت دیجئے۔ مجھے اپنے زخمی ساتھیوں کے پاس پہنچنا ہے۔"

"اب کیا کیفیت ہے۔"

"بہت جلد ٹھیک ہو جانے کی توقع ہے۔"

"ہاں.... یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ وزیر تجارت تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کیا سرکاری حیثیت میں....!"

"نہیں یونہی....!"

"تو پھر اس ملاقات کے لئے غریب خانہ ہی زیادہ موزوں رہے گا۔"

فریدی آئی۔جی کے آفس سے چلا گیا۔

اور وہ دونوں کافی دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 52

گیارہواں زینہ

(مکمل ناول)

لٹیرا

طاہرہ نے کار روک دی۔ وہ بُری طرح تھک گئی تھی۔ ابھی پچاس میل کا سفر اور باقی تھا۔ ک بالکل سنسان پڑی تھی۔ اُس نے اسٹیئرنگ سے ہاتھ ہٹا کر رومال اٹھایا اور اس سے ہولے لے اپنی پیشانی رگڑنے لگی۔

اُسے طویل ڈرائیونگ کا خبط تھا۔ تارجام سے نصیر آباد کا فاصلہ ایک سو بیس میل سے کسی ح کم نہ رہا ہوگا۔ لیکن وہ آج ہی نصیر آباد سے تارجام گئی تھی اور آج ہی اُس کی واپسی بھی ئی تھی۔ اس وقت دن کے تین بجے تھے۔ اُس نے دوپہر کا کھانا ابھی تک نہیں کھایا تھا حالانکہ نے کی باسکٹ پچھلی نشست پر رکھی ہوئی تھی۔ لیکن بھوک کے باوجود بھی کھانے کی خواہش ں تھی اُس نے پھلوں کی ٹوکری سے ایک کیلا نکالا اور اُس کا چھلکا اتارنے لگی۔ پھر چھلکا کھڑکی ے باہر پھینکا گیا۔ ٹھیک اُسی وقت ایک تیز رفتار کار برابر سے گذری لیکن دوسرے ہی لمحے میں یوں کی چرچراہٹ کے ساتھ رک گئی۔ طاہرہ کی کار سے اس کا فاصلہ بمشکل تمام دس گز رہا ا۔ طاہرہ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کیلے کا چھلکا شاید اُس دوسری کار میں جا گرا تھا۔

طاہرہ کھڑکی سے سر نکال کر دیکھنے لگی۔ اگلی کار کی سامنے والی سیٹ سے ایک خوشرو نوجوان جو رومال سے اپنا گال صاف کر رہا تھا۔ طاہرہ نے بوکھلا کر اپنا سر پیچھے کھینچ لیا۔

نوجوان کھڑکی کے قریب آ کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ مرد نہ ہوئیں۔" اُس نے کہا۔

"دیکھئے....!" لڑکی ہکلائی۔ "غ.... غغ.... غلطی ہوئی۔"

"اگر آپ مرد ہوتیں.... تو....!"

"ہاں.... آں....!" اُس نے پچھلی سیٹ پر رکھی ہوئی پھلوں کی ٹوکری اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے ڈر ہے کہ آپ پھر کوئی غلط نہ کر بیٹھیں۔"

طاہرہ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ پھلوں کی ٹوکری اٹھاتے ہوئے اپنی کار کی طرف جارہا تھا۔

طاہرہ پھر کھڑکی سے سر نکال کر باہر دیکھنے لگی۔

وہ اپنی کار میں بیٹھ چکا تھا۔ کار اسٹارٹ ہوئی اور ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

طاہرہ کی سراسیمگی دور ہونے میں دیر نہیں لگی۔ اُسے اُس کی جسارت پر حیرت تھی۔ اس کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا۔ پہلی زک تھی جو ایک مرد کے ہاتھوں نصیب ہوئی تھی ورنہ ابھی تک تو وہ خود ہی دوسروں پر چھائی رہی تھی۔ اس کے ہم جماعت طلباء میں شریر سے شریر لڑکا بھی اُس سے گفتگو کرتے وقت ہکلانے لگتا تھا۔ یک بیک اُسے پھلوں کے اُس ڈاکو پر غصہ آگیا اور اُس نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کردی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اُس نوجوان کی آنکھوں میں ناچتی ہوئی شرارت اُسے بار بار یاد آرہی تھی اور ہر بار اُس کے ہونٹ نفرت سے سکڑ جاتے۔

خود اپنے کالج میں وہ "ہنٹر والی" کہلاتی تھی اور اچھے اچھے اُس سے گھبراتے تھے۔ خلیفے قسم کے لڑکوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس پر آوازے کسنے کا ارادہ بھی کرسکتے۔ اُس کے ہم جماعت لڑکوں کا خیال تھا کہ وہ خوبصورت ضرور ہے لیکن اس میں عورت پن برائے نام بھی نہیں ہے۔ نصیر آباد کے ایک دولت مند گھرانے سے اس کا تعلق تھا۔ ڈرائیونگ کا شوق جنون کی حد تک رکھتی تھی اور اس میں خاصی مشاق بھی تھی.... اس نے تہیہ کرلیا کہ اگر موقع مل سکا تو وہ اُس کی کار میں سائڈ ضرور مارے گی۔

وہ آہستہ آہستہ کار کی رفتار تیز کرتی رہی اور آخر کار اُس لٹیرے کی کار کو جا ہی لیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور وہ اتنی کشادہ تھی کہ اس پر تین کاریں برابر سے بہ آسانی چل سکتی تھیں۔

طاہرہ کی کار دوسری کار کے برابر دوڑنے لگی لیکن اُسے سائڈ مارنے کا موقع نہ مل سکا۔

لانکہ کئی بار ایسا ہوا کہ دونوں کا درمیانی فاصلہ ایک فٹ سے بھی کم رہ گیا۔ مگر وہ لٹیرا کافی لاک معلوم ہوتا تھا۔

"کیا ارادے ہیں جناب۔" اُس نے طاہرہ کو مخاطب کیا۔ "یہ فورڈ کا چھکڑا نہیں ہے۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ اس نے ایک بار پھر سائیڈ مارنے کی کوشش کی لیکن وہ صاف بچا لے گیا۔

"دیکھئے آپ مجھے خواہ مخواہ چھیڑ رہی ہیں۔ میں آپ کے والد صاحب سے شکایت کردوں۔" پھلوں کا لٹیرا بولا۔

طاہرہ اس پر بھی کچھ نہ بولی۔ دراصل اس کا ذہن پراگندہ ہوگیا تھا۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے اپنا حوصلہ بڑھانے کے لئے اپنے چند پچھلے کارنامے یاد ئے۔ لیکن اس سے بھی کام نہ چلا۔ پھر اُسے خود غصہ آگیا اور وہ اپنی کار آگے نکال لے گئی۔ برے کے قہقہے نے غصے کی آگ اور تیز کردی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنی بوٹیاں نوچ ڈالے اس وقت اُس کے غرور کو حقیقی معنوں میں یس لگی تھی۔ اب وہ اس کوشش میں تھی کہ چپ چاپ نکل ہی جائے لیکن تھوڑی ہی دیر میں برے کی کار اُس کی کار کے برابر پہنچ گئی۔

اُس نے کھکھار کر کہا۔ "میں نے کہا.... کیا خفا ہوگئیں۔"

"شٹ اپ....!" طاہرہ حلق پھاڑ کر چیخی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چند لمحے کھانستی رہی۔

"کیا پپس کی ٹکیاں پیش کردوں۔" لٹیرے نے اُسے چھیڑا۔

"تم کمینے ہو۔" طاہرہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"شکر ہے کہ آپ بے تکلف تو ہوئیں۔" لٹیرے نے بے تکان جواب دیا۔

طاہرہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسٹیئرنگ کرتی رہی۔ اس کی نظر سامنے تھی ذہن ہوا ں اڑ رہا تھا۔

"آپ کا تھرماس خالی نہیں ہوگا۔" لٹیرے نے پھر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش لہ "اس میں چائے یا کافی ضرور ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیری کی کاک ٹیل ہو۔"

"خاموش رہو۔" طاہرہ پلٹ پڑی۔ "میں لفنگوں کو منہ لگانا پسند نہیں کرتی۔"

"اچھی بات ہے۔" اُس نے کہا۔ "میں آپ کے لئے کوئی شریف آدمی مہیا کرنے کی

کوشش کروں گا۔"

"شٹ اپ....!"

"یہ کیا چیز ہوتی ہے محترمہ! میں انگریزی نہیں سمجھتا۔"

"سور....!" طاہرہ زیرِ لب بڑبڑا کر پھر خاموش ہو گئی۔

دونوں کاریں اب بھی برابر برابر دوڑ رہی تھیں۔

"لفنگے بھی بھوک اور پیاس محسوس کرتے ہیں۔" نوجوان بولا۔ "لہٰذا اگر آپ کا تھرماس میرے کام نہ آسکا تو میں خود کو انتہائی بدقسمت سمجھوں گا۔"

"تم اُسمیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے... اور پھلوں کی ٹوکری بھی تمہیں واپس کرنی پڑے گی سمجھے!"

"نہیں سمجھا۔ میں اس قسم کی فضول باتیں سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔"

اچانک پیچھے سے کسی تیسری کار کے ہارن کی آواز آئی اور پھلوں کے لٹیرے نے اُسے آگے نکل جانے کا موقع دینے کے لئے اپنی کار کی رفتار کم کر دی۔ طاہرہ کی گاڑی آگے نکل گئی اور پھر وہ کار بھی آگے بڑھ گئی جس کو اُس نے راستہ دیا تھا۔

وہ کار تو آگے نکل گئی لیکن طاہرہ نے اپنی کار روک دی۔ روکی بھی تو اسطرح کہ لٹیرے کی کار کا راستہ رک گیا لیکن اس نے بڑی پھرتی سے بریک لگا کر اُسے طاہرہ کی کار سے ٹکرانے سے بچالیا۔

"کیا تم مرنا چاہتی ہو۔" اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں بدتمیزی نہیں پسند کرتی۔" وہ بے تحاشہ چیخی۔

"اس میں تمہاری پسند کا سوال ہی نہیں ہے۔"

طاہرہ اپنی کار سے اُتر آئی۔ ساتھ ہی وہ بھی اُترا لیکن طاہرہ اُس کی پرواہ کیے بغیر اُس کی کار کی طرف جھپٹی وہ چپکے سے دوسری طرف کھسک گیا۔ بہر حال قبل اس کے کہ وہ اُس کی گاڑی سے پھلوں کی ٹوکری اٹھاتی اُس نے اس کا تھرماس پار کر دیا۔ طاہرہ نے ٹوکری اپنی کار میں ڈالی اور پھر اُس کی کار فرانٹے بھرنے لگی۔

نوجوان نے وہیں کھڑے کھڑے تھرماس کا ڈھکن کھولا اور اُس میں کافی تھی۔ اُس نے تھرماس ہی منہ میں لگالیا۔ جتنی پی سکا پی لی اور بقیہ کو سڑک کے کنارے انڈیل کر اپنی کار میں آبیٹھا.... پھر اس کی کار بھی آگے بڑھ گئی۔

لیکن تین یا چار میل چلنے کے بعد بھی اُسے طاہرہ کی کار کہیں نظر نہ آئی۔

بات یہ ہوئی تھی کہ طاہرہ وہاں سے بہت تیزی سے چلی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ تیز سے تیز ار کے ساتھ وہ اس کی دسترس سے نکل جائے گی لیکن پھر اُسے یہ خیال ترک کر دینا پڑا کیونکہ س کی مہارت اور مشاقی کا نمونہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔

بہر حال وہ اُس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی لہٰذا اب اُس سے بہتر اور کوئی تجویز ہو ہی نہیں ی تھی کہ وہ کار کو کسی کچے راستے پر اتار کر اُس کے آگے بڑھ جانے کا انتظار کرے۔

پھر اُس نے یہی کیا۔ کار سڑک کی بائیں جانب کے ایک کچے راستے پر اتاری اور آگے بڑھتی ئی۔ یہ راستہ نشیب میں تھا اور نیچے جا کر کچھ اس طرح ایک طرف مڑ گیا تھا کہ سڑک پر سے تک کسی کی نظر کا پہنچنا محال ہی تھا۔ اُس نے کار وہیں کھڑی کر دی اور چند لمحے بےحس و حرکت کچھ سوچتی رہی۔ پھر پچھلی سیٹ کی طرف مڑی اور کھانے کی باسکٹ میں ہاتھ ڈال دیا۔

پھر جلدی سے ہاتھ کھینچ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اُسے کافی کے تھرماس کی تلاش تھی۔

دوسرے لمحے میں اُس نے جھلا کر اپنی پیشانی پر دوہتھڑ رسید کیا اور سو فیصد بسورنے لگی۔

"کمینہ.... مردود....!" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

لیکن جلدی ہی اُسے اپنی دوسری غلطی کا بھی احساس ہو گیا۔ یہ راستہ اتنا تنگ تھا کہ کار نے کی گنجائش نہیں تھی۔ نیچے دور تک ایک گہری کھڈ تھی۔ یعنی گاڑی کو بیک کرنے کی ش بھی موت کے لئے دعوت نامہ ہی ثابت ہوتی۔ ذرا سی لغزش اُسے اُس گہری کھڈ میں پہنچا ی تھی۔

وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر کار سے اُتر کر آگے بڑھی۔ اُس نے سوچا ممکن ہے آگے جا کر شادہ جگہ مل جائے کہ وہ کار موڑ سکے لیکن اُسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑا۔ آگے چل کر وہ ایک پتلی سی پگڈنڈی میں تبدیل ہو گیا تھا اور پگڈنڈی کے دونوں طرف زمین اس حد تک ی تھی کہ کار تو پگڈنڈی پر ٹک جاتی اور اُس کے چاروں پہیے خلاء میں ناچتے رہ جاتے۔ طاہرہ کا رانے لگا۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے اور پورے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔ اُس کی سمجھ میں ا رہا تھا کہ کیا کرے۔

وہ پھر کار کی طرف واپس آئی۔ اُس نے سوچا اب سڑک کی طرف چلنا چاہئے۔ ممکن ہے

کوئی صورت نکل ہی آئے۔ کسی دوسرے کی مدد کے بغیر کار کا وہاں سے نکلنا قطعی ناممکن تھا۔

پھر وہ تقریباً دوڑتی ہوئی سڑک تک آئی۔

سڑک ویران پڑی تھی۔ وہ ایک درخت کے تنے سے ٹک کر ہانپنے لگی۔

اس کی بدحواسی بڑھتی جارہی تھی۔ آج زندگی میں پہلی بار اُسے احساس ہوا کہ عورت بے بس اور کمزور ہوتی ہے۔

دفعتاً مخالف سمت سے ایک کار آتی دکھائی دی اور اُس کا دل دھڑکنے لگا۔

وہ آنے والوں سے مدد کی درخواست کرسکتی تھی مگر ظاہر ہے کہ اُس کی کار کے متعلق استفسار ضرور کیا جاتا کہ وہ وہاں کیسے پہنچی اور طاہرہ اُس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکتی۔

کار نزدیک آگئی۔ ساتھ ہی طاہرہ کو غصہ بھی آگیا کیونکہ یہ اُسی کی کار تھی۔ جس کی بدولت اُسے یہ پریشانی نصیب ہوئی تھی۔

وہ کار روک کر اُتر پڑا۔ اُس کے ہاتھ میں طاہرہ کا تھرماس تھا۔

"یہ لیجئے۔" اُس نے بڑی بے پروائی سے تھرماس اُس کی طرف بڑھادیا۔

طاہرہ کا دل تو چاہا کہ ایک تھپڑ رسید کردے۔ لیکن اپنی پوزیشن کا احساس کر کے خاموش رہ گئی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر تھرماس واپس لے لیا۔

وہ واپس جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ طاہرہ نے کہا۔

"آپ کی بدولت میں مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔"

"میری بدولت.... مصیبت....!" وہ مڑ کر بولا۔

"میری کار.... وہاں.... نیچے پھنس گئی ہے۔" طاہرہ نے ہاتھ اٹھا کر نشیب میں اشارہ کیا۔

"کیا میں اُسے وہاں لے گیا تھا۔" اُس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"تمہیں کار وہاں سے نکالنی پڑے گی۔ سمجھے۔" طاہرہ پھر جھلا گئی۔

"بہت خوب! یہ استدعا کرنے کا نیا طریقہ ہے۔"

"استدعا نہیں۔ تمہاری ہی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔"

"میری ہی وجہ سے تو سب کچھ ہوا ہے۔ نیلا نیلا بیکراں آسمان.... یہ اُفق کو چومتے ہوئے درختوں کی قطاریں.... اور یہ آپ.... جس کی آنکھیں جھیل میں کھلے ہوئے کنول کی طرح

…تہ ہیں.... آہا.... خیر تو کہنے کا یہ مطلب کہ دھونس دھڑلے سے کام نہیں چلے گا۔ لجاجت …، استدعا کیجئے تو شائد میں کچھ مدد بھی کرسکوں یا پھر میری مزدوری دیجئے۔ آپ کی باسکٹ میں …نے کی چیزیں بھی ہوں گی۔ کافی تو بالکل نہیں بچی۔"

"میری کار نکالو.... ورنہ میں تم پر پتھر برساؤں گی۔"

"پھر کاٹنے دوڑو گی۔ خدا محفوظ رکھے! اچھا تو میں چلا....!"

جیسے ہی وہ اپنی کار کی طرف مڑا۔ جھلاہٹ میں اچانک طاہرہ کا "ہنٹر والی پن" جاگ اٹھا۔ اُس …، جھپٹ کر اُس کے کوٹ کا کالر پکڑ لیا اور اُسے بُری طرح جھنجھوڑ کر ہسٹریائی انداز میں چیخی۔ …ہیں کار نکالنی پڑے گی۔ نکالنی پڑے گی۔"

"آہم....!" ایک تیسری آواز سنائی دی اور طاہرہ بے ساختہ چونک پڑی۔

اُس آدمی کی کار کی پچھلی نشست سے ایک دوسرا آدمی باہر آرہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اُس نے دونوں کے قریب پہنچ کر کہا۔

طاہرہ کے ہاتھ سے اُس کا گریبان چھوٹ گیا اور اُس نے محسوس کیا کہ وہ اُس دوسرے آدمی …آمد پر کچھ سٹپٹا گیا ہے۔ طاہرہ کو اس دوسرے آدمی کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ …ا سیٹ پر سویا رہا ہو۔ اُس کی آنکھیں بھی نیند میں ڈوبی سی معلوم ہورہی تھیں۔ طاہرہ ایک بار …زیادہ اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کرسکی۔ وہ ایسی ہی بارعب اور پُر وقار شخصیت …ک تھا۔

"کیا بات ہے۔" اُس نے پھر صاف مگر مدہم آواز میں پوچھا۔ اُس کی آواز نیند کے اثر سے …تھی۔

طاہرہ تھوڑی دیر تک ہکلائی اور پھر اُس کی زبان قینچی کی طرح چل پڑی۔

دوسرا آدمی پہلے کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ طاہرہ کے خاموش ہوتے ہی اُس نے …"مجھے بتائیے! آپ کی کار کہاں ہے۔"

"وہ اُدھر.... نیچے.... آیئے.... دکھاؤں۔"

"میں سمجھ گیا۔ اچھا! مجھے افسوس ہے کہ آپ کو پریشانی ہوئی۔"

پھر وہ دوسرا آدمی تنہا نشیب میں اُتر گیا۔ طاہرہ سوچنے لگی کہ کہیں وہ بھی کوئی نئی حرکت نہ

کر بیٹھے۔

"اب شامت آگئی کار کی۔" پھلوں کے لٹیرے نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب....!"

"میرے بڑے بھائی ہیں۔ پاگل بھی ہیں۔ میں تو عاجز آگیا ہوں ان سے۔ خدا نے چاہا تو کار سمیت کھڈ میں گریں گے۔ چلو پیچھا چھوٹا۔"

طاہرہ بوکھلا کر نشیب کی طرف دوڑی۔ لیکن اُسے موڑ ہی پر رک جانا پڑا۔ کیونکہ دوسرا آدمی کار کو بیک کرتا ہوا سڑک کی طرف لا رہا تھا۔ وہ الٹے پاؤں واپس آئی۔

کار سڑک پر آگئی اور دوسرا آدمی اُس پر سے اُترتا ہوا بولا۔ "میں ایک بار پھر معذرت چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ آپ کو پریشان ہونا پڑا۔"

طاہرہ اس طرح خالی الذہن ہو گئی تھی کہ کچھ کہے بغیر کار میں بیٹھی اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

اُن کی تلاش

طاہرہ کئی دنوں تک اُن دونوں کے متعلق سوچتی رہی۔ وہ دونوں ہی عجیب تھے۔ ایک انتہا غیر سنجیدہ اور تکلیف دہ حد تک بے تکلف، دوسرا ضرورت سے زیادہ سنجیدہ۔ اُس دوسرے آد کے متعلق اُس نے بڑی اچھی رائے قائم کی تھی۔ لیکن وہ لمحات یاد کر کے وہ نہ جانے کیوں کانہ جاتی۔ وہ لمحات.... جب اُس نے اُس سے گفتگو کی تھی۔

طاہرہ کو عورت پن سے نفرت تھی۔ وہ مردوں کی طرح زندگی بسر کرتی تھی۔ اُسے کبھ کسی سے خوف محسوس نہیں ہوا۔ لیکن.... وہ آدمی.... وہ اکثر سوچتی کہ اُس نے اُس کے شر ساتھی کے مقابلے میں اُس کے متعلق کوئی اچھی رائے کیوں قائم کی ہے۔ وہ اس کے بارے م کیوں سوچتی ہے۔ اس کا ذہن اُسے یادداشت کی سطح سے جھٹک کیوں نہیں دیتا.... شائد اس کہ اُس نے اپنی زندگی میں خود کو پہلی بار عورت محسوس کیا تھا.... اور اس وقت جب کہ وہ ا سے ہم کلام تھی۔

طاہرہ نے ان واقعات کا تذکرہ اپنی سب سے قریبی دوست کورنیلیا سے کیا۔ جسے وہ پیار سے کورنی کہتی تھی۔ کورنیلیا اینگلو انڈین تھی۔ اُس کی ہم عمر اور ہم جماعت بھی تھی وہ بھی طاہرہ ہی کی طرح افتادِ طبع کے معاملے میں انوکھی تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ دونوں نصیر آباد ہی آئے ہیں۔" کورنی نے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے لیکن اس یقین کی بنیاد کسی منطقی دلیل پر نہیں ہے۔"

"دل کہتا ہے کیوں؟" کورنی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

طاہرہ اُس کی مسکراہٹ کا مطلب سمجھ کر جلدی سے بولی۔ "مجھے دراصل اُس سور سے انتقام بنا ہے جو پھلوں کی ٹوکری اور تھرماس لے گیا تھا۔"

"میں سمجھی.... تو پھر کیا ارادہ ہے؟ انہیں تلاش کریں۔" کورنی نے پوچھا۔

"دل تو یہی چاہتا ہے۔ مجھے بڑی خفت ہوئی تھی اور تم جانتی ہو کہ جب مجھے کسی مرد کے مقابلے میں خفت اٹھانی پڑتی ہے تو میں کیا کرتی ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ مگر ہم انہیں کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ ضروری نہیں کہ ہمیشہ دل ا آواز سچی ہی ثابت ہو۔"

"دیکھو....!" طاہرہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ ٹورسٹ تھے اگر ورسٹ تھے تو اُن کا قیام یقینی طور پر سریم بالا ہلز پر ہوگا۔"

"تب تو میں ضرور چلوں گی۔ آج کل سریم بالا گلزار ہوگا۔ اوہو.... تمہاری ایک کوٹھی ھی تو ہے وہاں۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ تمہیں وہاں مل جائے تو کسی تدبیر سے اُسے گیارہویں ینے پر چڑھا دینا۔"

یک بیک طاہرہ سنجیدہ ہو گئی۔

"کورنی.... ڈیئر....!" اُس نے تھوڑی دیر بعد مغموم لہجے میں کہا۔ "اُس منحوس کا حوالہ برے سامنے نہ دیا کرو۔"

"میں نے اکثر اُس کے متعلق سوچا ہے.... طاہرہ! کیا وہ سب کچھ حقیقت ہے جو میں اُس کے بارے میں سنتی رہی ہوں۔"

"تم کئی بار پوچھ چکی ہو۔ کورنی اس کی حقیقت میں شبہے کی گنجائش نہیں ہے وہ زینہ اب تک

پانچ جانیں لے چکا ہے۔"

"کیا یہ بھی صحیح ہے کہ ہمیشہ گیارہ تاریخ اور گیارہ بجے رات ہی کو وہ حادثات پیش آئے تھے۔"

"ہاں یہ بھی حقیقت ہی ہے۔ اس کے آخری شکار کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا صرف ڈیڑھ ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"آخر وہ آدمی زینے پر چڑھا ہی کیوں تھا۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"محض یہ ثابت کرنے کے لئے وہ سب کچھ واہمہ تھا۔ ہم سب وہاں موجود تھے۔ جیسے ہی کلاک نے گیارہ بجائے وہ زینوں پر چڑھتا چلا گیا پھر وہ گیارھواں ہی زینہ تھا جس پر قدم رکھتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُسے اچھال دیا ہو۔ وہ سر کے بل نیچے آیا اور تین چار منٹ کے اندر ہی اندر تڑپ کر سرد ہو گیا۔"

"مجھے معلوم ہے تمہارے چچا نے اُس رات شائد ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو بھی وہاں مدعو کیا تھا۔"

"یقیناً اُس کے علاوہ اور پھر کیا کرتے۔ وہ ہمارا نیا منیجر تھا۔ شاید تم نے بھی اُسے دیکھا ہو۔ جوان آدمی تھا۔ بس ایک دم سے وہ اُسے واہمہ ثابت کرنے پر تل گیا۔ چچا جان نے اُسے باز رکھنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اور دوسرے آفیسروں کو دراصل اسی نے مدعو کیا تھا۔ بات یہ تھی کہ سریم بالا والی کوٹھی کو حکومت کرائے پر حاصل کرنا چاہتی تھی۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔ خدا جانے! چچا جان نے عذر پیش کیا کہ وہ آسیب زدہ ہے اور ہر ماہ کی گیارہ تاریخ گیارہ بجے رات کو وہاں کوئی نہ کوئی غیر معمولی بات ضرور ہوتی ہے اور بالا خانے کا گیارھواں زینہ تو خاص طور پر مخدوش ہو جاتا ہے۔ اس پر ہمارے نئے منیجر نے کہا کہ یہ سب واہمہ ہے اور وہ اُسے ثابت کر دے گا۔ بہر حال درجنوں تماشائیوں کے مجمع میں وہ زینوں پر چڑھا.... اور انجام جو کچھ ہوا ان آنکھوں نے بھی دیکھا ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر طاہرہ نے کہا۔ "شاید تم نے کوٹھی نہیں دیکھی۔ بہت کشادہ ہے۔ اُس کے کئی حصے اب بھی سیزن میں کرائے پر اٹھا دیئے جاتے ہیں مگر آسیب زدہ حصہ مقفل ہی رکھا جاتا ہے۔"

"ختم کرو۔" کورنی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "چلنے کے متعلق کیا کہتی ہو۔"

"میں تیار ہوں۔"

"مگر کم از کم ایک ہفتہ ضرور قیام کریں گے۔ کیا کوٹھی کا کوئی حصہ خالی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ دو کمرے ابھی تک خالی ہیں۔ یا کئی ہوں۔ کوٹھی چونکہ بدنام ہے اس لئے بہت کم ٹورسٹ اُدھر کا رخ کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس کے ایک مخصوص حصے کے علاوہ اور ہر جگہ امن رہتا ہے.... مگر شاید اس بار پھر کسی کی شامت آئی ہے۔"

"یعنی....!"

"اس بار پھر وہ آسیب زدہ حصہ کرائے پر اٹھ گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارے چچا سے سرکاری طور پر اُس کے لئے جواب طلب کیا جائے گا۔ یعنی حالات سے باخبر ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اُسے کرائے پر اٹھا دیا۔"

"جواب طلب ہونے کی صورت میں وہ قطعی بری الذمہ ہوں گے کیونکہ یہ حصہ اُسی ڈی۔ ایس۔ پی کے ایماء پر دیا گیا ہے جو حادثے کے وقت وہاں موجود تھا۔"

"تب تو معاملہ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے۔" کورنی سر ہلا کر بولی۔

"مجھے خود بھی حیرت ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی سے اُس کی دشمنی ہو۔ جسے وہ حصہ کرائے پر دلوایا گیا ہے۔"

اُسی سہ پہر کو وہ سریم بالا کے لئے روانہ ہو گئیں۔ سریم بالا کی شادات پہاڑیاں نصیر آباد سے دس میل دور شمال کی جانب واقع تھیں لیکن آبادی کا شمار نصیر آباد ہی کی آبادی میں ہوتا تھا۔ گرمیوں کی شروعات تھی اس لئے سریم بالا کی پہاڑیاں پہلے سے زیادہ آباد ہو گئی تھیں۔ نزدیکی شہروں کے ٹورسٹ کافی بڑی تعداد میں یہاں آئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو پورا سیزن یہیں گذارنا چاہتے تھے۔ بہر حال یہ یہاں تفریحات کا زمانہ تھا۔ نائٹ کلب اور ہوٹل دن رات آباد رہتے تھے۔

اقامتی ہوٹلوں میں جگہ نہیں رہ گئی تھی اور کرائے پر اٹھنے والی عمارتوں کا یہ حال تھا کہ کالی کوٹھی جیسی بدنام عمارت کے بھی وہ حصے قریب قریب آباد ہی ہو گئے تھے جن پر آسیب کا اثر نہیں تھا۔

یہ کوٹھی نصیر آباد کے ایک متمول خاندان کی ملکیت تھی اور اس کے متعلق کئی پشتوں سے پُراسرار واقعات سنے جا رہے تھے۔ اسی خاندان کے کئی افراد اُسی کوٹھی میں پُراسرار حالات میں

موت کا شکار ہو چکے تھے۔ گیارہویں زینے کی داستانیں ان اطراف میں عام تھیں۔ طاہرہ بھی اسی خاندان کی ایک فرد تھی۔

ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر وہ دونوں سیریم بالا پہنچ گئیں۔

"مگر کورنی....!" طاہرہ نے کہا۔ "ہم اُن کی تلاش کہاں سے شروع کریں۔"

"فی الحال انہیں جہنم میں جھونکو۔ ذرا ان سرسبز پہاڑیوں کی طرف دیکھو اور ان کی چوٹیوں پر چھائی ہوئی سنہری دھند جن میں کئی رنگ لہریں لے رہے ہیں۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ کورنیا بڑبڑاتی رہی۔ میں ان مناظر کو دیکھ کر پاگل ہو جاتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ایک ننھی سی بچی کی طرح ان پہاڑیوں پر چھلانگیں مارتی پھروں۔"

"مجھے ان سب میں کوئی خاص بات نہیں نظر آتی۔" طاہرہ نے کہا۔

"تم میں جمالیاتی حس ہے ہی نہیں۔"

"چھوڑو.... ختم کرو۔" طاہرہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اچھا تو پھر ہم فی الحال کوٹھی ہی کی طرف چل رہے ہیں۔"

"جہاں دل چاہے چلو۔ مجھے اُن آدمیوں سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے جن کے چکر میں تم یہاں آئی ہو۔ مجھے تو تبدیلی درکار تھی۔ اپنا شہر تو ہڈیوں کے پنجروں اور زندہ لاشوں کا مسکن ہے یا پھر وہاں کے آدمی چلتی پھرتی مشین معلوم ہوتے ہیں۔"

"بہت اونچی اڑ رہی ہو آج کل۔ کس شاعر کا مطالعہ کر رہی ہو۔ کیٹس یا بائرن کے علاوہ اور کون ہوگا۔ یہ ساری باتیں جو تم نے ابھی کی ہیں میری نظر میں اُن کی وقعت ذہن کے جالے سے زیادہ نہیں ہے۔"

"تمہاری تخلیق ریتلی مٹی سے ہوئی ہے۔" کورنیا نے کہا۔

اُن کی کار کالی کوٹھی کے پھاٹک پر پہنچ چکی تھی۔ اس عمارت کا نام تو دانش منزل تھا مگر یہ سریم بالا میں کالی کوٹھی کے نام سے مشہور تھی۔ غالباً وجہ تسمیہ وہ پُراسرار روایات تھیں جو اس سے منسوب رہی تھیں۔

یہ ایک کافی لمبی چوڑی عمارت تھی۔ گرمیوں میں اس کے پھاٹک پر ایک چوکیدار بھی نظر آنے لگتا تھا۔ ورنہ ویسے یہاں صرف ایک مالی اور ایک ایسا آدمی رہتا تھا جس کے سپرد عمارت کی

دیکھ بھال تھی۔

چوکیدار طاہرہ کو پہچانتا تھا۔ وہ اسکی کار کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کار کی رفتار رینگنے کی حد تک کم تھی۔ چوکیدار طاہرہ کو بتا رہا تھا کہ آسیب زدہ حصے کے کرایہ دار اپنا زیادہ تر وقت عمارت کے اندر ہی گذارتے ہیں اور آج صبح انہوں نے سیاہ رنگ کی بلیوں کے پانچ سر باہر پھنکوائے تھے۔

"جی ہاں.... مس صاحب۔" چوکیدار نے کہا۔ "انہوں نے مالی کو بتایا تھا کہ صرف سر ہی ملے تھے اور دھڑ غائب تھے۔"

"وہ کتنے آدمی ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"دو ہیں صاحب! مگر وہ خائف نہیں معلوم ہوتے۔ انہوں نے بڑی لاپروائی سے وہ پانچوں سر باہر پھینک دیئے تھے۔"

"ہاں... اچھا... دیکھو... سامان اتراؤ.. اور اُن سے کہہ دو کہ میں اُن سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں....!" کورنیا نے کہا۔ "نہیں! اس بوریت سے کیا فائدہ۔ سامان اترادو۔ اس کے بعد ہم کہیں چل کر چائے پئیں۔"

"نہیں میں انہیں سمجھاؤں گی۔ وہ اسی وقت اُس حصے کو خالی کردیں۔" طاہرہ نے کہا۔

"تم بعض اوقات بہت شدت سے کھلنے لگتی ہو۔" کورنیا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کیا وہ بچے ہیں کیا انہیں حالات کا علم نہ ہوگا۔"

طاہرہ کار سے اُتر گئی اور اُس نے اپنے ساتھ کورنیلیا کو بھی عمارت کے اُس حصے کی طرف کھینچنا شروع کردیا جس کا رخ مغرب کی جانب تھا۔

"وہ یہی سمجھیں گے کہ ہم اُن سے فلرٹ کرنا چاہتے ہیں۔" کورنیلیا نے کہا۔

"چلو.... بکواس نہ کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ اس عمارت کی تاریخ میں کسی نئے حادثے کا اضافہ ہو۔"

"آہا.... اب مجھ سے بھی اڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔" کورنیا مسکرائی۔ "یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تم اُن دلیر آدمیوں کو دیکھنا چاہتی ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔ میں انہیں دیکھنا اور سمجھنا چاہتی ہوں۔"

کورنیلیا خاموش ہوگئی وہ دونوں وہاں پہنچ گئیں۔

برآمدے کا رخ مغرب کی جانب تھا اور وہاں سرخی مائل دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور دونوں کرائے دار برآمدے ہی میں موجود تھے۔ ان کی آہٹ پر ایک آدمی مڑ کر باہر دیکھنے لگا۔

"ارے....!" دفعتاً طاہرہ چلتے چلتے رک گئی اور ساتھ ہی وہ آدمی بھی اچھل پڑا۔ اُس کی اس حرکت پر دوسرے نے بھی مڑ کر اُن کی طرف دیکھا۔

"یہ تو وہی دونوں ہیں۔" طاہرہ بڑبڑائی۔

"کون.... وہی.... نہیں....!" کورنیلیا بھی متحیر نظر آنے لگی۔

طاہرہ پہلے تو ٹھٹکی تھی مگر اب وہ آگے بڑھی۔

اُدھر پھلوں کے لٹیرے نے دوسرے سے کہا۔ "کیوں؟ میں نہ کہتا تھا کہ آسیب وہیں سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے آئے ہیں۔"

"اوہ.... آئیے آئیے۔" دوسرا آدمی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اوپر برآمدے میں آگئیں۔ یہاں اور بھی کرسیاں موجود تھیں۔

"بیٹھئے....!" اُس نے کہا۔

طاہرہ تو آگئی تھی لیکن اُس کے قریب پہنچتے ہوئے اُس کی پھر وہی حالت ہو گئی جو پہلی بار ہوئی تھی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ بمشکل ہی اُس سے گفتگو کر سکے گی۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بیٹھ گئی۔

پھلوں کا لٹیرا کورنیلیا کو گھور رہا تھا اور کورنیلیا بڑی بے پروائی سے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا آپ اس عمارت کی ہسٹری سے واقف ہیں۔" طاہرہ نے دوسرے آدمی سے پوچھا۔

"جی ہاں اچھی طرح۔" اُس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"اس کے باوجود بھی.... خیر.... میں آپ کو یہی مشورہ دوں گی کہ آپ کسی دوسرے حصے میں منتقل ہو جائیے۔"

"شکریہ.... لیکن میں آپ کی اس کرم فرمائی کا مقصد ضرور پوچھوں گا۔"

"بس یونہی! کیا آپ ایک دن میرے کام نہیں آئے تھے۔" طاہرہ نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔ وہ خود میں اتنی ہمت ہی نہیں پاتی تھی کہ اُس سے آنکھ ملا کر گفتگو کر سکتی۔ نہ جانے اس کی آنکھوں میں کیا تھا۔ بظاہر وہ کچھ غنودہ سی تھیں۔ کچھ اداس اداس سی۔ پلکیں نیچے کی طرف جھکی

رہی تھیں۔

"آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم یہاں ہیں۔"

"میں نے یہ سنا تھا کہ کسی نے یہ حصہ کرائے پر لیا ہے۔ دراصل یہ عمارت میرے ہی خاندان کی ملکیت ہے۔"

"اوہ.... آپ نواب عابد کی کون ہیں۔"

"بھتیجی.... مجھے طاہرہ کہتے ہیں.... اور یہ میری دوست.... کورنیلیا ڈڈ درتھ۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" پھلوں کا لٹیرا بولا۔

"دیکھئے محترمہ طاہرہ۔ ہم لوگ یہاں بہت آرام سے ہیں۔" دوسرے نے کہا۔ "رہ گئے غیر معمولی واقعات تو ہم اُن سے خائف نہیں ہیں۔"

"آخر آپ خاص طور پر اسی حصے میں رہنے پر کیوں مصر ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"بس یونہی۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مجھے بھوتوں سے دلچسپی ہے۔"

"اور مجھے چڑیلوں سے۔" پھلوں کے لٹیرے نے کہا۔

لیکن طاہرہ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ البتہ کورنیلیا نے اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ لٹیرا اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا تھا اور اُس کی نظر اُسی پر تھی۔

"خیر....!" طاہرہ نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔ "لیکن اُن زینوں سے ہوشیار رہئے گا۔"

"میں آج کافی دیر تک گیارہویں زینے پر بیٹھا رہا ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے لیکن وہ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ اور گیارہ بجے رات کو مخدوش ہو جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ خود کو خطرے میں کیوں ڈال رہے ہیں۔"

"آپ بیکار پریشان ہیں۔" دوسرا آدمی ہنسنے لگا۔ "ہم بالکل محفوظ ہیں، اور کسی قسم کی بے اطمینانی نہیں محسوس کرتے.... بات دراصل یہ ہے کہ یہ ایک شرط کا معاملہ ہے۔ کرنل ایس۔ پی راجن سے شرط ہوئی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ ہم ایک ہفتے سے زیادہ اس عمارت میں نہیں رہ سکیں گے۔"

"تب تو مجھے کہنے دیجئے کہ راجن آپ کا دشمن ہے اور اس طرح آپکی جان لینا چاہتا ہے۔"

"ارے نہیں....!" وہ ہنسنے لگا۔

"آپ بھی یہیں کہیں مقیم ہیں۔" پھلوں کے لٹیرے نے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں شمالی رخ کے کمروں میں ہوں۔"

"اچھی بات ہے تو میں آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔ اپنا سامان آپ کے کمروں میں لیے چلتا ہوں۔ انہیں یہیں رہنے دیجئے۔"

دوسرے آدمی نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ اپنا سر سہلانے لگا۔

نہ جانے کیا تھا

اُسی رات کو طاہرہ اور کورنیلیا اپنے رہائشی کمرے میں بیٹھی کچھ سوچ رہی تھیں۔

"اس لفنگے کو یقیناً کچھ سزا دینی چاہئے۔" کورنیلیا بولی۔ "وہ دوسرا بیچارہ تو بڑا شریف معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے کچھ سوچنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔" طاہرہ بولی۔ "محض ایڈونچر کی خاطر آج تک کوئی کرایہ دار یہاں نہیں آیا۔ آخر یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔"

"میں کیا بتاؤں۔ مجھے خود بھی یقین نہیں ہے کہ کوئی آسیبی خلل ہے۔"

"کیا....!" کورنیلیا نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"لیکن تم کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گی۔ کبھی نہیں۔ اب میں نے سوچا ہے کہ میں قصے کو ختم ہی کردوں۔"

"کیسا قصہ! میں بالکل نہیں سمجھی۔"

"ٹھہرو! بتاتی ہوں۔" طاہرہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "ذرا کافی کا برتن آتش دان پر رکھ دوں۔"

کورنیلیا حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

طاہرہ آتش دان پر کافی کے لئے پانی رکھ کر پھر واپس آگئی۔

"میرے خاندان کا کوئی فرد بھی اسے آسیبی خلل نہیں سمجھتا۔ لیکن ظاہر یہی کیا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ پھر اور کیا کہا جائے۔"

"تو گویا وہ موتیں....!"

"ہاں! میں سمجھ گئی تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو۔ مگر اُن موتوں کے ذمہ دار ہمارے خاندان والے نہیں ہیں۔ چھ ماہ قبل جس آدمی کو حادثہ پیش آیا تھا اُسے روکنے کے لئے ہم نے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔"

"وہ تھا کون....؟"

"پتہ نہیں کون تھا۔ اُس کے متعلق آج تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ اپنی موت سے دو ماہ قبل ہمارے یہاں آیا تھا۔"

"مگر تم کہانی تو سنانے جارہی تھیں۔ کیا اُن کے کہانیوں کے علاوہ کوئی اور بھی داستان ہے جو عام طور پر مشہور ہیں۔"

"ہاں! لیکن کورنیلیا تم کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گی۔"

"کبھی نہیں۔"

"میں تمہیں صرف اس لئے بتارہی ہوں کہ ہمیں اس سلسلے میں کچھ کرنا ہے۔"

"میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"

اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے۔" طاہرہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔" باہر سے آواز آئی۔

"یہ تو اُسی لفنگے کی آواز ہے۔" کورنیلیا نے آہستہ سے کہا۔

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ آخر اٹھ کر اُس نے دروازہ کھول دیا۔

لیکن برآمدے میں کوئی بھی نہیں تھا۔

"کون ہے؟" طاہرہ نے بلند آواز میں پوچھا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ پھر وہ کمرے سے ٹارچ نکال لائی اور پائیں باغ میں اُس کی روشنی ڈالنے لگی۔ آس پاس ایک متنفس نظر نہیں آیا۔

وہ دونوں پھر کمرے میں آگئیں اور دروازہ اندر سے بند کرلیا گیا۔

"آواز تو اُسی کی تھی۔" کورنیلیا نے کہا۔

"اونہہ....!" طاہرہ آتش دان سے کافی کا برتن اتارتی ہوئی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "شاید وہ

ہمیں ڈرانا چاہتا ہے۔"

"کیا آپ دروازہ نہیں کھولیں گی۔" باہر سے آواز آئی۔

"نہیں....!" طاہرہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"اچھا تو پھر میں کسی رخنے یا سوراخ سے اندر آجاؤں گا۔ لیکن آپ اس وقت "فاؤل" کا نعرہ نہیں لگائیں گی۔"

"جواب مت دو۔" طاہرہ نے آہستہ سے کورنیلیا سے کہا۔

کورنیلیا مسکرائی لیکن وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پھر وہ دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔

"اچھا تو میں آرہا ہوں۔" باہر سے آواز آئی اور ساتھ ہی کورنیلیا نے چٹخنی گرا کر دروازہ کھول دیا۔

لیکن آنے والا صرف ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا تھا جس سے ٹکرا کر سامنے کی دیوار پر لٹکا ہوا کیلنڈر ہلنے لگا۔ باہر پہلے ہی کا سناٹا طاری تھا۔ کورنیلیا نے جھپٹ کر ٹارچ اٹھائی اور باہر نکل گئی۔

دور لان پر کوئی کھڑا تھا۔ اُس نے روشنی ڈالی۔ یہ وہی لفنگا تھا۔

وہ اُس کی طرف بڑھنے لگا اور قریب آکر بولا۔

"اب ٹھیک ہے میں دراصل تمہیں ہی باہر لانا چاہتا تھا۔"

"کیوں؟" کورنیلیا نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہارا نام بھول گیا تھا۔ یاد کرنے کی کوشش کی تو الجھن ہونے لگی سوچا چل کر پوچھ ہی لوں لیکن اُس نکچڑھی لڑکی کی موجودگی میں نہیں پوچھنا چاہتا تھا۔"

"کیا ہم میں بے تکلفی ہے۔" کورنیلیا نے جھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"نہیں ہے تو اب ہو جائے گی اس کی فکر فضول ہے۔ ہاں تو مجھے تمہارا نام گوریلا یاد آرہا تھا۔ کیا صحیح ہے۔"

"تم گدھے ہو۔ خود کو نہ جانے کیا سمجھتے ہو۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تم بھی اُس کی طرح چڑچڑی اور بد دماغ نکلیں۔" اُس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

کورنیلیا کچھ سوچنے لگی۔ پھر دفعتاً اُس نے اپنی آواز میں نرمی اور لگاوٹ پیدا کر کے کہا۔ "میں

غلط نہیں کہا تھا کہ تم گدھے ہو۔ یہاں کتنی سردی ہے۔ کیا تم کمرے میں نہیں چل سکتے۔"

"وہ چڑچڑی بدمزگی پیدا کردے گی۔"

"ہرگز نہیں تمہارا منہ میٹھا ہو جائے گا۔ ہم نے کافی تیار کی ہے۔"

کورنیلیا اُسے کمرے میں لائی لیکن قبل اس کے کہ طاہرہ کچھ کہتی اُس نے کہا۔ "بگڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ باہر سردی کھا رہے تھے۔"

"جی ہاں.... روکھی سردی۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "انہوں نے کہا کہ اندر حلق تر کرنے کے لئے بھی کچھ مل جائے گا۔"

طاہرہ خاموش ہی رہ گئی۔

کورنیلیا نے دروازہ بند کر دینے کے بعد اس سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

وہ ایک آرام کرسی میں گرتا ہوا کراہا۔

"انہیں ایک کپ کافی چاہئے۔" کورنیلیا اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولی۔

طاہرہ سر ہلا کر دروازے کی طرف گئی اور اُسے مقفل کر کے کنجی جیب میں ڈال لی۔

"ہائیں....!" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"میں قوت میں تم سے کم نہیں ہو سکتی۔" طاہرہ تلخ انداز میں مسکرائی۔ "اور پھر ہم دو ہیں۔"

"یا اللہ....!" وہ آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ پھر اپنا سر سہلانے لگا۔

"بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔"

"ہم لوگ احمق ہیں اور جان دینے آئے ہیں۔ اُسے بھوت مار ڈالیں گے اور میں تو خیر اُسی وقت مر گیا تھا جب پہلی بار تم نظر آئی تھیں اور مس کورنیلیا کو دیکھ لینے کے بعد تو خیر تجہیز و تکفین بھی ہو گئی۔ حسرت ان گدھوں پر ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔"

"کورنی....!" طاہرہ کورنیلیا کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "میرے سوٹ کیس میں چمڑے کا ہنٹر ہوگا.... نکالو....!"

"نکالو بھئی! کھڑی منہ کیا دیکھتی ہو۔" پھلوں کے لٹیرے نے کورنیلیا سے کہا۔ "میں ہمیشہ چمڑے کا ہنٹر کافی میں بھگو کر کھاتا ہوں۔"

"تم شاید مذاق سمجھتے ہو۔" طاہرہ اُسے تیکھی نظروں سے دیکھ کر غصیلے لہجے میں بولی۔

"میں تمہیں پیٹوں گی۔ تم بے بسی سے پٹتے رہو گے اگر غل غپاڑہ مچاؤ گے تو پھر جانتے ہی ہو کہ کیا ہوگا۔ لوگ تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے۔"

"اور تم فارغ البال ہو جاؤ گے۔" کورنیلیا نے کہا۔ "اچھا میں ہنٹر لاتی ہوں۔"

"ذرا ٹھہریئے!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب مجھے سوچنا پڑے گا۔ میں سنجیدہ ہوں۔"

"کیا سوچنا پڑے گا۔"

"یہی کہ میں اس وقت بڑی خراب پوزیشن میں ہوں۔ اگر میرا شور سن کر کچھ آدمی آ گئے تو میں سچ مچ فارغ البال ہو جاؤں گا۔"

"سمجھتے ہو نا۔" کورنیلیا نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"بالکل سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر چپ چاپ ہنٹروں کا شمار کرتا رہوں گا۔"

"نہیں طاہرہ۔" کورنیلیا سر ہلا کر بولی۔ "اس سے کام نہیں چلے گا۔ کیوں نہ ہم دونوں یونہی شور مچانا شروع کر دیں۔"

"مچاؤ....!" لٹیرے نے لاپروائی سے کہا۔ "خوب حلق پھاڑو۔ جب لوگ اکٹھا ہو جائیں تو جو دل چاہے اُن سے کہہ دینا۔ میں اول درجے کا بے حیا ہوں۔ سو پچاس جوتوں میں عزت نہیں جاتی اور ہزار دو ہزار مارنے کون آئے گا.... ہاں شروع ہو جاؤ۔ تم بھی کیا یاد کرو گی۔ مگر اس سے پہلے اگر کافی کا ایک کپ مل جاتا تو اچھا تھا۔"

طاہرہ خونخوار نظروں سے اُسے گھورتی رہی۔ البتہ کورنیلیا بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"میں ہر وقت ہر قسم کے حادثات کے لئے تیار رہتا ہوں۔"

"تو بتاؤ دو چم چم ڈیئر تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔" کورنیلیا اُس کا سر سہلا کر بولی۔

"پہلے ہی اس طرح پوچھا ہوتا۔ خواہ مخواہ اپنا اور میرا وقت برباد کیا۔ لاؤ کافی لاؤ۔ ذرا دماغ کی خشکی رفع ہو تو اپنی شخصیت اور یہاں آنے کے مقصد پر روشنی ڈالوں۔"

کورنیلیا کپ میں کافی انڈیلنے لگی۔ طاہرہ اب بھی وہیں کھڑی تھی اور اُس کے چہرے پر درشتی کے آثار اب بھی موجود تھے لیکن اُس نے کورنیلیا کو روکا نہیں۔ کورنیلیا نے کافی کا کپ پھلوں کے لٹیرے کو دیتے ہوئے کہا۔

"بس اب شروع ہو جاؤ۔ زیادہ بیوقوف بنانے کی کوشش فضول ہے۔ ورنہ پھر میں طاہرہ کو کسی طرح نہ روک سکوں گی۔"

"اوہو! تو کیا میں ان محترمہ سے خائف ہوں۔"

"تم یقیناً خائف ہو۔" کورنیلیا نے کہا۔ "اور زبردستی دلیر بننے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"چلو خیر یہی سہی۔ تمہارے کہنے سے میں اسے تسلیم کیے لیتا ہوں۔ تم بھی کیا یاد کرو گی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ اُس نے جلد ہی پیالہ خالی کر کے میز پر رکھ دیا اور جیب سے پائپ نکال کر اُس میں تمباکو بھرنے لگا۔

"تم پھر خاموش ہو گئے۔" کورنیلیا نے اُسے ٹوکا۔

"آ.... ہاں.... اچھا.... ٹھہرو....!" وہ پائپ کو دانتوں میں دبا کر دیا سلائی جلانے لگا۔

طاہرہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ لیکن اس کے ہونٹ اب بھی بھنچے ہوئے تھے اور الجھن آنکھوں سے مترشح ہو رہی تھی۔

اُس نے ایک بار بھی کورنیلیا کی طرف نہیں دیکھا۔ اُس کی نظر پھلوں کے لٹیرے کی طرف تھی جو سر جھکائے پائپ سلگا رہا تھا۔

اُس نے دو تین کش لے کر دھوئیں کے بادل اڑائے اور سنجیدگی سے بولا۔

"میرے بڑے بھائی کمال صاحب اچھے خاصے بھوت ہیں۔ عالم یہ ہے کہ رات کو سوتے سوتے چونکے۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پھر جو بھی قریب ہوا اُس کی شامت آ گئی۔ کہتے ہیں اٹھو ٹہلیں گے۔ گھڑی کی طرف دیکھیے تو تین بجے ہیں۔ ٹہلنے کہاں جائیں گے۔ مرگھٹ.... خدا کی پناہ۔ چاروں طرف ہو کا عالم۔ کالی اور بھیانک رات۔ ذرا ایسے میں کسی مرگھٹ کا تصور کیجئے۔ بس جناب ٹہل رہے ہیں۔ جلی ہوئی چتاؤں کی راکھ کریدی جا رہی ہے۔ کسی طرح اس عمارت کے متعلق سن لیا اور بس آپ دیکھ ہی رہی ہیں۔ میں تو جب سے یہاں آیا ہوں رات بھر جاگتا ہوں اور دن بھر سونے کا پروگرام رہتا ہے۔"

"اس میں سچائی کتنی ہے۔" طاہرہ نے بڑی دیر بعد تلخ لہجے میں پوچھا۔

"جتنی آپ سمجھ لیں۔" اُس نے لاپروائی سے کہا۔

"پچھلی رات کیسی گذری۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"بہت بُری۔ رات بھر بلیاں روتی رہیں۔ صبح جب صحن میں نکلے تو زیتوں کے نیچے پانچ سیاہ بلیوں کے سر ملے۔"

"تمہیں خوف نہیں محسوس ہوا۔"

"نہیں بھائی کمال کی موجودگی میں بھوتوں سے ڈرنا فضول ہے بلکہ منطقی اعتبار سے قطعی لغو۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بھائی کمال سے خائف نہیں تو سمجھ لیجئے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا بھوت اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

طاہرہ کو یک بیک دوسرے آدمی کی آنکھیں یاد آگئیں اور وہ کانپ کر رہ گئی۔ لہٰذا ایسی صورت میں وہ اُس کے بیان کی تردید کیسے کر سکتی تھی۔ ایسی جو عام آدمیوں میں نہیں ہوتی۔

"میں تمہاری آمد کا مقصد معلوم کرنا چاہتی ہوں۔" طاہرہ نے کہا۔

"بھائی صاحب نے ابھی تک مقصد پر روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ وہ ساری رات صحن ہی میں گذارتے ہیں اور صحن ہی پر بھوتوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔"

"اور تم کیا کرتے ہو۔"

"بس واویلا نہیں کرتا اور سب کچھ کر گذرتا ہوں۔ سوچنے کی بات ہے۔ خدا کی پناہ میں کہاں تک اور کیا کیا بتاؤں۔"

"میں تم لوگوں کی آمد کے مقصد کے علاوہ اور کچھ نہیں جاننا چاہتی۔"

"جب بھی مجھے مقصد معلوم ہوا اُس کے ایک گھنٹے کے بعد تمہیں بتادوں گا۔"

طاہرہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" کورنیلیا نے پوچھا۔

"چوکیدار....!" باہر سے آواز آئی۔

"کیا بات ہے۔" طاہرہ نے اٹھ کر قفل میں کنجی گھماتے ہوئے کہا۔

لیکن دروازہ کھلنے تک باہر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ چوکیدار سامنے کھڑا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر اُس آدمی پر پڑی اُس نے کہا۔

"اوہ آپ یہاں ہیں۔"

"کیوں کیا بات ہے۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"وہاں پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔ میں نے ابھی ایک فائر کی آواز سنی تھی۔" چوکیدار نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"فائر کی آواز....!" طاہرہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! وہ سو فیصدی فائر ہی کی آواز تھی۔"

پھلوں کا لٹیرا اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ اُس کے ساتھ ہی طاہرہ بھی نکلی۔ پھر وہ بڑی تیزی سے عمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ چوکیدار بھی تھا۔

برآمدے میں پہنچتے ہی انہوں نے کچھ اس قسم کی آوازیں سنیں جیسے بند کمرے میں دھڑا دھڑ فرنیچر گر رہا ہو۔ کچھ آدمی لڑ پڑے ہوں۔ قدموں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"کون ہے.... کون ہے۔" چوکیدار نے ڈری ڈری آواز میں ہانک لگائی۔

"سوتے جاگتے رہو۔"

اندر کی آوازوں میں سرعت اور تیزی پیدا ہو گئی۔

"کیا کمال صاحب اندر ہیں۔" طاہرہ نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں! میں انہیں یہیں چھوڑ کر نکلا تھا۔" اُس نے جواب دیا اور آگے بڑھ کر دروازہ پیٹنے لگا۔ پھر اُس نے چیخ کر کہا۔ "گھبرایئے گا نہیں۔ یہاں بہت سے لوگ ہیں۔"

یکلخت اندر سے آوازیں آنی بند ہو گئیں لیکن وہ برابر پیٹتا رہا۔

دو منٹ گذر گئے۔ پھر کمرے کے اندر قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں جو آہستہ آہستہ دروازے کے قریب آ رہی تھیں۔

دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔ کمال سامنے کھڑا انہیں قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور شب خوابی کا لباس تار تار ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" طاہرہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں کوئی بات نہیں۔" اُس نے خلاف توقع نرم آواز میں کہا۔ درشتی کے آثار آن واحد میں غائب ہو گئے تھے۔ لیکن طاہرہ اس کے بعد پھر کچھ نہ سن سکی۔ کیونکہ اُس نے اپنے ساتھی کو اندر کھینچ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔"

وہ دونوں کافی دیر تک برآمدے میں گم سم کھڑی رہیں۔

بھیانک چہرہ

انہوں نے چوکیدار کو رخصت کر دیا اور چپ چاپ اپنے کمروں کی طرف روانہ ہو گئیں۔ طاہرہ کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ بدقت تمام اپنے کمروں تک پہنچیں کورنیلیا کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا اور زبان خشک ہو کر تالو سے لگ گئی تھی۔ کمرے میں داخل ہو جانے کے بعد بھی اُن کی حالت اعتدال پر نہیں آئی۔

طاہرہ ایک گلاس ٹھنڈا پانی چڑھا کر آرام کرسی میں گر گئی پھر تقریباً پانچ منٹ تک کمرے میں سکوت طاری رہا۔ وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کیطرف دیکھے جا رہی تھیں بالآخر طاہرہ بولی۔

"کمرے میں اُس کے علاوہ اور کون تھا۔"

"میرا خیال ہے.....!" کورنیلیا اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئی اُس نے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔

طاہرہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی آواز آئی۔

"میں ہوں۔ دروازہ کھول دو۔"

یہ ساجد کی آواز تھی۔ پھلوں کے لٹیرے نے انہیں اپنا نام ساجد بتایا تھا۔

کورنیلیا نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ ساجد ہی تھا۔ لیکن طاہرہ کو اُس کے چہرے پر سراسیمگی یا پریشانی کے آثار نہیں نظر آئے۔

"کیا سچ مچ تمہارے پاس چمڑے کا کوئی ہنٹر ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"ہاں ہے تو.....کیوں؟" طاہرہ کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"ضرورت ہے.....واپس کر دیا جائے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگ اس عمارت سے بھی زیادہ پُراسرار ہو۔ وہاں کمرے میں کیا ہو رہا تھا۔"

"دیکھو گی۔" اُس نے پوچھا۔

"کیا؟"

"وہی جو کمرے میں ہوا ہے۔"

طاہرہ نے اقرار یا انکار کی صورت میں جواب نہیں دیا بلکہ خاموشی سے اُسے گھورتی رہی۔

"چمڑے کا ہنٹر۔" ساجد نے پھر کہا۔

"اُسے نکال لاؤ۔" طاہرہ کورنیلیا کی طرف مڑ کر بولی۔ کورنیلیا کچھ سوچتی ہوئی اٹھ کر

دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

"ہنٹر کیا کرو گے۔" طاہرہ نے ساجد سے پوچھا۔

"اگر دیکھنا چاہو تو میرے ساتھ چل سکتی ہو۔"

"کیا دیکھوں گی۔"

"بہت کچھ.....بلکہ اس سے بھی زیادہ۔" اُس نے کہا اور پھر کچھ سوچ کر مسکرانے لگا۔

"پھر کوئی شرارت.....!" طاہرہ بھی مسکرائی لیکن جلد ہی سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ "کمال صاحب اندر کیا کر رہے تھے۔"

"یہ بتانا بہت دشوار ہے۔ بس وہ چیز دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔"

"مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے۔"

"جانے دو.....میں خوشامد تو نہیں کرتا۔" ساجد نے لاپروائی سے کہا۔

کورنیلیا واپس آ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک بہت بڑا ہنٹر تھا۔

"آخر ہنٹر کی ضرورت کیوں پیش آئی۔" طاہرہ نے پوچھا۔ اُس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد واپس کر دوں گا۔"

ساجد کورنیلیا کے ہاتھ سے ہنٹر لے کر باہر چلا گیا اور پھر وہ دونوں تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہیں۔

"میں دیکھوں گی کہ وہ ہنٹر کیوں لے گیا ہے۔" طاہرہ نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"اونہہ! لے گیا ہو گا۔ چلو ادھر خواہ مخواہ خود کو الجھن میں ڈال رہی ہو۔ مجھے نیند آ رہی ہے بھئی۔"

"تم سو جاؤ۔" طاہرہ نے دروازے میں رک کر کہا۔

کورنیلیا کا دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن اُسے مجبوراً اُس کا ساتھ دینا پڑا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ طاہرہ اُسے ڈرپوک سمجھے۔

باہر بالکل سناٹا تھا۔ کبھی کبھی چوکیدار کی صدا "سوتے جاگتے رہو" سناٹے میں لہراتی ہوئی دور تک پھیلتی جاتی۔

وہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہی تھیں۔ ان کی رفتار معمول سے زیادہ تھی۔ برآمدے کے قریب پہنچ کر وہ دبے پاؤں اوپر چڑھ گئیں۔

دروازے کی جھریوں سے کمرے کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ طاہرہ نے سینڈل بھی اتار

دیئے اور پنجوں کے بل چلتی ہوئی ایک دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ کورنیلیا بھی اُس کی تقلید کر رہی تھی۔

کمرے کے اندر کا منظر عجیب تھا۔ نہ جانے کیوں طاہرہ نے بوکھلا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

کورنیلیا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

کمال ایک کرسی میں بندھا ہوا تھا اور ساجد ہاتھ میں ہنٹر لئے ہوئے اُسے گھور رہا تھا جیسے اُس سے پہلے بھی دو چار ہاتھ رسید کر چکا ہو۔

"تو تم نہیں بولو گے... کیوں؟" ساجد نے غصیلی آواز میں کہا۔

لیکن کمال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسکا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔

"شائیں....!" ساجد نے ہنٹر رسید کیا لیکن کمال پتھر کے بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے یک بیک ساجد پر ہنٹر برسانے کا بھوت سوار ہو گیا ہو۔ "شائیں شائیں" کی آوازیں بغیر توقف کمرے میں گونج رہی تھیں۔

طاہرہ کا قلب الٹنے لگا۔ اُسے کمال کی خاموشی پر حیرت تھی۔

ساجد نے اُسے بتایا تھا کہ کمال اس کا بڑا بھائی ہے۔ لیکن یہ کیا ہو رہا تھا.... اور ایسی حالت میں اُسے کیا کرنا چاہئے۔

اچانک انہوں نے پشت پر کسی کے قدموں کی آواز سنی اور بے ساختہ چونک کر مڑیں اُ سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک دھندلا سا سایہ نظر آ رہا تھا۔

"بُری بات ہے۔" سائے کی سرگوشی انہیں صاف سنائی دی۔

طاہرہ کے ہاتھ میں دبی ہوئی ٹارچ کا بٹن دب گیا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ لڑکھڑا کر دیوا سے جا لگی۔

اس کی ٹارچ کی روشنی جس آدمی پر پڑی تھی وہ کمال کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا مگر اند اب بھی ہنٹر کی "شائیں شائیں" گونج رہی تھی۔ طاہرہ کا سر چکرا گیا۔ کورنیلیا بھی اسی سے لگی ہو کھڑی تھی۔ دونوں کے جسم بُری طرح کانپ رہے تھے۔ کورنیلیا بھی دروازے کی جھری کمرے کے اندر کے حالات دیکھتی رہی تھی۔ اور اِدھر ٹارچ کی روشنی میں اس نے بھی کمال پہچان لیا تھا۔

"ڈرو نہیں۔" انہوں نے پھر سرگوشی سنی۔ "چلو میں تمہیں تمہارے کمروں تک چھو آؤں۔" لیکن اُن دونوں نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

"چلو....!" اس بار انداز میں تحکم تھا۔

طاہرہ ہمت کر کے آگے بڑھی۔

"سینڈل پہنو....!"

اُن دونوں نے مشینوں کی طرح حکم کی تعمیل کی اور برآمدے سے نیچے اُتر گئیں۔

سایہ اُن کے ساتھ چل رہا تھا۔

وہ شمالی برآمدے تک اُن کے ساتھ گیا جب وہ اوپر برآمدے میں پہنچ گئیں تو اُس نے "ٹھہرو۔ میں دو چار باتیں بھی کروں گا۔ کمرہ کھولو۔"

طاہرہ نے کمرے کے دروازے کے دونوں پٹ کھول دیئے۔ اندر کی روشنی سائے کے رے پر پڑی۔ یہ سو فیصدی کمال ہی تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر اُس نے دروازہ بند کر دیا۔

"سگار کا دھواں گراں تو نہیں گزرے گا۔" کمال نے دانتوں میں سگار کا گوشہ کاٹتے ہوئے چھا.... طاہرہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں بھوت نہیں ہوں۔" کمال نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں بیٹھ جاؤ۔ تمہارے ہر کانپ رہے ہیں۔"

وہ چپ چاپ بیٹھ گئیں۔

کمال نے دونوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور ہونٹوں کو دائرے کی شکل دے کر آہستہ آہستہ ھواں چھوڑنے لگا۔

"بہت زیادہ دلیر ہونا بھی اکثر مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔" کمال نے آہستہ سے کہا۔ "اب تم ونوں اپنے کمروں سے باہر نہیں نکلو گی۔"

"لیکن یہ کیا ہو رہا ہے۔" طاہرہ بڑبڑائی۔

"اس عمارت کے لئے کوئی غیر متوقع بات تو نہیں۔" کمال نے کہا۔

"آپ کون ہیں۔"

"میں کمال ہوں۔ تمہارا کرایہ دار....!"

"اور وہ.... وہاں.... کمرے میں....!"

"اوہ....!" کمال مسکرایا۔ "وہ میرا بھوت ہے۔ لیکن تم دونوں اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گی۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ یہاں سے چلی ہی جاؤ۔"

"آپ مجھے اُس آدمی کے متعلق بتایئے جو کمرے میں....!"

"نہیں.... بس تم کمرے سے نہیں نکلو گی۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔"

کمال جانے کے لئے مڑا۔ مگر دروازے کے قریب پہنچ کر پھر رک گیا اور اُن کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "ایڈونچر کا شوق بُرا نہیں ہوتا لیکن ہم سانپ کے منہ میں انگلی دے دینے کو تو ایڈونچر نہیں کہیں گے۔"

"کمال صاحب۔" طاہرہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "آپ کا ہم شکل کون تھا۔"

"ہم شکل تھا۔" کمال اُن کی طرف مڑ کر مسکرایا۔ "کیا تمہیں اس پر حیرت ہے کہ ہم نے ایک بھوت پکڑ لیا ہے۔ وہ جو میرا ہم شکل ہے۔ اس عمارت میں کسی بات پر حیرت کرنا بجائے خود حیرت انگیز ہے.... اور پھر جب حیرت کرنے والی عمارت کے مالکوں میں سے ہو.... تو مجھے حیرت کی وجہ ضرور معلوم کرنی پڑے گی اور میں یہ چاہوں گا کہ تم جو داستان کورنیلیا کو سنانا چاہتی تھیں مجھے بھی سنادو۔"

"آپ! آپ کو کیسے علم ہوا۔" طاہرہ نے بے ساختہ پوچھا۔

"یہ بھی کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ ساجد نے تمہاری گفتگو کا کچھ حصہ سن لیا تھا مگر وہ بالکل گدھا ہے اُسے پوری داستان سننی چاہئے تھی۔ تم سنانے کے موڈ میں تھیں نا۔"

"ضروری نہیں کہ وہ آپ کو بھی سنائی جائے۔" طاہرہ نے خشک لہجے میں کہا۔ لیکن پھر نہ جانے کیوں اُسے اپنے اس کھردرے پن پر افسوس ہونے لگا۔

"آپ کی مرضی۔" کمال نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

کورنیلیا نے جھپٹ کر چٹخنی چڑھادی اور ایک آرام کرسی میں گر کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا۔

"کیوں تمہیں کیا ہو گیا۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"میرے خدا! اُس کی آنکھیں۔ میں نے سنا ہے کہ خبیث روحیں جیتے جاگتے انسانوں کی شکل میں آسکتی ہیں۔ لیکن وہ مخاطب سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتیں۔ تم نے دیکھا تھا بات کرتے وقت وہ دوسری طرف دیکھنے لگتا تھا۔ اور ویسے بھی اُس کی آنکھیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی سنسان جنگل میں دو چراغ روشن ہوں۔"

"آہا.... تم نے تو شاعری شروع کر دی۔" طاہرہ ہنسنے لگی۔

"تو کیا تم اُسے انسان سمجھتی ہو۔ کیا تم نے اُسے کرسی میں بندھا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ وہ بیک وقت ہنٹر کی مار بھی کھا رہا تھا اور باہر ہم سے ہم کلام بھی تھا۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ وہ خود بھی اسی مسئلے پر غور کر رہی تھی۔

"لیکن اُس نے ہمیں باہر نکلنے سے کیوں روکا ہے۔" طاہرہ نے کہا۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر طاہرہ نے کہا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ دونوں ہیں کون۔"

"طاہرہ کہیں ہم کسی جال میں تو نہیں پھنس گئے۔" کورنیلیا نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

طاہرہ کی پیشانی پر شکنیں تھیں جن سے ذہنی ہیجان مترشح تھا۔ وہ کافی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔"

"کیا ہو سکتا ہے۔"

"اوہ! کچھ نہیں.... کورنی ڈیئر اب ہمیں سو جانا چاہئے اور کل تم واپس چلی جانا.... میں یہیں ٹھہروں گی۔"

"یہ ناممکن ہے۔ واپسی تو ساتھ ہی ہو گی خواہ کل چلو خواہ کچھ دنوں کے بعد۔"

"کیا تمہارے لئے موجودہ حالت خوفناک نہیں ہے۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"تم اپنی کہو۔ تم کیا سمجھتی ہو۔"

"میں.... میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ان دونوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانا میرے لئے ضروری ہو گیا ہے۔"

"تم پاگل ہو گئی ہو۔"

"چلو ختم کرو۔" طاہرہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے نیند آرہی ہے۔"

کورنیلیا پھر بھی نہ اٹھی۔

"کیوں....!" طاہرہ بولی۔

"اوہو! دیکھو اگر ہم ایک ہی مسہری پر سوئیں تو کیا حرج ہے۔" کورنیلیا نے کہا اس پر طاہرہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"ڈرپوک.... میں سمجھ گئی.... اچھا چلو۔"

کورنیلیا سو گئی لیکن طاہرہ کروٹیں بدلتی رہی۔ اُسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اُس نے کئی بار

کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی وجہ یہ تھی کہ اُس کے ذہن پر مختلف قسم کے خیالات نے یلغار کردی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اسی طرح یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تھا۔

آخر وہ اٹھ بیٹھی۔ تھوڑی دیر تک یونہی بیٹھی رہی پھر اٹھی۔ گھڑی ایک بجا رہی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آئی۔ یہاں بھی کچھ دیر کھڑی خیالات میں گم رہی۔ پھر سوٹ کیس کھول کر ایک گرم پتلون اور جیکٹ نکالی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ کمرے سے نکل کر دروازہ مقفل کررہی تھی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی طاہرہ ہے جو ساڑھی میں بہت حسین لگتی ہے اب اُس کے جسم پر پتلون اور جیکٹ تھی اور پیروں میں گرپ سول کے جوتے۔ سر پر اُس نے ریشمی رومال باندھ لیا تھا اور اُس کے گھونگھریالے بال اُس میں بالکل چھپ گئے تھے۔ وہ برآمدے سے نیچے اُتر آئی۔

آسمان میں خالی خالی ستارے نظر آرہے تھے اور ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں پورا آسمان بادلوں سے ڈھک جائے گا۔

وہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف چل پڑی۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا اور اب چوکیدار کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ صبح کو اُس کی اچھی طرح خبر لے گی۔

مغربی حصے کا برآمدہ سنسان تھا۔ وہ نیچے ہی رک کر آہٹ لینے لگی۔ لیکن کسی طرح کی آواز نہ سنائی دی۔ البتہ دروازوں کی جھریوں سے کمرے کی روشنی صاف نظر آرہی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ وہ لوگ ابھی جاگ رہے ہیں۔

پھر طاہرہ آہستہ سے برآمدے میں داخل ہوگئی اور ایک بار پھر اُس کی داہنی آنکھ دروازے کی جھری سے جالگی۔

کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا لیکن صحن کی طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ دراصل سونے کا کمرہ تھا اور ان دونوں کے بستر خالی نظر آرہے تھے۔

مسہریوں پر پڑی ہوئی چادریں چاروں طرف سے فرش پر لوٹ رہی تھیں۔ طاہرہ نے مایوسی سے ہونٹ سکوڑے۔ پھر وہ واپسی کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ ایک مسہری کی چادر ہلی اور اُس کے نیچے سے کوئی سیاہ سی چیز باہر رینگ آئی۔ پھر دوسری نکلی اور طاہرہ کی گھگھی بندھ گئی۔ وہ کسی آدمی کے ہاتھ ہرگز نہیں ہوسکتے تھے۔ تھے تو ہاتھ ہی لیکن آدمی کے نہیں۔ ہاتھوں نے چادر اوپر اٹھائی اور طاہرہ کا خون رگوں میں منجمد ہوگیا یہ ایک انتہائی خوفناک چہرہ تھا۔ جس پر دو گول گول آنکھیں انگاروں کی طرح دمک رہی تھیں اور ان کے چاروں طرف بال ہی بال تھے۔ کھڑے

لڑے سے سیاہ بال جن کی لمبائی ایک بالشت سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ طاہرہ نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں۔

چیختی کھوپڑی

دوسری بار اُس کی آنکھیں غیر ارادی ہی طور پر کھلیں لیکن اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ واپسی ہی کے لئے جنبش کرسکتی۔

وہ تاریک بلا مسہری کے نیچے سے نکلی لیکن تن کر کھڑے ہونے کے باوجود بھی اُس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ سارا جسم بڑے بڑے سیاہ بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ پہلے وہ اُسے کوئی ان دیکھی چیز سمجھی تھی مگر اب اُسے یاد آیا کہ وہ نصیر آباد کے عجائب گھر میں صدہا بار اس قسم کے گوریلے دیکھ چکی ہے۔ یہ گوریلا ہی تھا لیکن عجائب گھر کے گوریلوں سے مختلف۔ ان گوریلوں سے الگ جن کی آنکھوں میں طاہرہ نے ہمیشہ اداسی دیکھی تھی اور جو بچوں کے تنگ کرنے پر کٹھرے کے اندر چیخ چیخ کر بے بسی سے خاک اڑانے لگتے تھے۔

یہ ایک خونخوار درندہ معلوم ہورہا تھا۔ طاہرہ نے کمال کو پکارنے کی کوشش کی لیکن حلق سے آواز نہ نکل سکی۔

مگر وہ چیخ تو بے اختیاری کی تھی جو دوسرے ہی لمحے میں حلق کے پھندوں سے آزاد ہوکر دور تک فضا میں پھیلتی چلی گئی تھی.... اور پھر وہ کسی کے بازوؤں میں آرہی۔ شاید اُسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"تم نہیں باز آؤ گی۔" یہ کمال کی آواز تھی جسے اُس نے انتہائی سراسیمگی اور بدحواسی کے عالم میں بھی پہچان لیا۔

"وہ.... وہاں.... اندر.... وہ سنو....!" وہ ہکلائی۔

ساتھ ہی کمرے سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کوئی کسی کو چپکار رہا ہو۔ پھر ہلکی سی غراہٹ.... اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا۔" اُس نے کمال کی غصیلی آواز سنی۔

"وہ.... مم.... میں.... اندر.... درندہ....!" طاہرہ پھر ہکلائی۔

کمال نے اُسے ایک طرف ہٹا کر دروازہ کھولا۔ شاید وہ باہر سے مقفل تھا۔ کیونکہ طاہرہ نے قفل میں کنجی گھمانے کی آواز سنی تھی۔

دروازہ کھلتے ہی برآمدے کا کچھ حصہ روشن ہو گیا۔

"تشریف لے چلئے۔" طاہرہ نے ساجد کی آواز سنی وہ اُس کے پیچھے تھا۔ طاہرہ غیر ارادی طور پر کمرے میں داخل ہو گئی۔

لیکن اب یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ طاہرہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے کمال پر نظر جمادی جو اس طرح ناک سکوڑے کھڑا تھا جیسے کسی قسم کی بو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

طاہرہ کے حواس آہستہ آہستہ واپس آگئے اور اُس نے کہا۔

"یہاں.... ایک گوریلا تھا۔"

"پتہ نہیں کیا کیا ہے یہاں لیکن تمہاری حرکت۔ تم یہاں کیوں آئی تھیں۔" کمال نے جھلا کر کہا۔

طاہرہ نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا۔

البتہ ساجد تڑ سے بولا۔ "کہیں یہ بھی کوئی بھوتنی نہ ہو.... ٹھہریئے! میں معلوم کیے لیتا ہوں۔" اُس نے جیب سے ایک بڑا سا چاقو نکالا اور اُسے کھولتے ہوئے کہا۔ "بھوتوں کا خون سبز رنگ کا ہوتا ہے۔"

طاہرہ اُس کی طرف دھیان نہ دے کر بولی۔ "وہ اُس مسہری کے نیچے سے نکلا تھا۔"

"لیکن میں نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔" کمال نے خشک لہجے میں کہا۔

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ ساجد اُسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن طاہرہ اُسے خاص طور پر نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" اچانک کمال نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

طاہرہ نے چپ چاپ تعمیل کی۔ وہ نہ جانے کیوں اُس کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرنے لگی تھی۔

"تم اس وقت یہاں کیوں آئی تھیں۔"

"بس یونہی۔"

"ایڈونچر....!" کمال تلخ سے انداز میں مسکرایا۔

"یہی سمجھ لیجئے۔"

کمال ساجد کی طرف دیکھ کر مسکرایا پھر بولا۔ "یہ واقعی بہت دلیر ہیں کیوں نہ انہیں کچھ دیر کے لئے اُس کمرے میں بند کر دیا جائے جس میں لاش رکھی ہوئی ہے۔"

"میں پانچ ہزار لاشوں میں بیٹھ کر ستار بجا سکتی ہوں کمال صاحب۔"

"آہا....!" ساجد نے قہقہہ لگایا۔ "تو ٹھہریئے! میں طبلے کا بھی انتظام کر لوں ورنہ آپ کو ...ت ہو گی۔"

"کیا واقعی اتنی ہی دلیر ہو۔" کمال نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا اپنا تو یہی خیال ہے۔"

"صرف اسی معاملے یا ہر معاملے میں۔" کمال نے سنجیدگی سے پوچھا۔

طاہرہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔ "ابھی آپ نے کسی لاش کا تذکرہ کیا تھا۔"

"ہاں.... میرا اہم شبہہ مر گیا۔"

"کیا وہ حقیقتاً کوئی آدمی تھا۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"حالانکہ تمہیں یقین ہے کہ وہ آدمی ہی ہے۔" کمال اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

طاہرہ چونک کر اُسے گھورنے لگی۔ لیکن کمال وہ بات ہی اڑا کر بولا۔ "اس کے پاس کوئی بہت ...یع الاثر قسم کا زہر تھا۔ اُس نے خودکشی کر لی۔"

"پولیس کو سنانے کے لئے یہ کہانی بہت شاندار رہے گی۔" طاہرہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "...ر شائد آپ کو معلوم نہیں کہ لاشوں کا پوسٹ مارٹم بھی کیا جاتا ہے لیکن ہنٹر کے نشانات کیسے ...پائیں گے آپ لوگ۔"

"ہاں! واقعی اُسے بھی سوچنا چاہیے۔" کمال نے تشویش آمیز نظروں سے ساجد کی طرف ...ھ کر کہا۔

"کیوں نہ ہم اُسے چپ چاپ کہیں دفن کر دیں۔" ساجد بولا۔ "مگر مشکل تو یہ ہے کہ...!" ...وہ طاہرہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ محترمہ اپنی زبان بند ہی رکھیں گی۔" کمال نے طاہرہ کی طرف دیکھ کر ...ا۔ "کیوں....؟"

"آپ کو اتنا یقین کیوں ہے کہ میں اپنی زبان بند ہی رکھوں گی۔"

"اس لئے کہ تمہیں ان بھوتوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ تمہارے والد کی موت کے

بھی یہی ذمہ دار نہیں تھے۔"

"آپ کیا جانیں.....!" طاہرہ چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

"میں جانتا ہوں۔" کمال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔ "میں تمہیں وہ لاش دکھانا چاہتا ہوں۔ شائد پہلے بھی وہ آدمی تمہاری نظر سے گذرا ہو۔"

"مگر وہ تو آپ کا ہم شکل تھا۔" طاہرہ نے کہا۔

"وہ میک اپ تھا۔ جو اب نہیں ہے۔ اب تم اُسے اُس کی اصلی شکل میں دیکھو گی۔"

"اوہ! میں ضرور دیکھوں گی۔" طاہرہ نے مضطربانہ انداز میں اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر یک بیک اُس کے چہرے کی رنگت بدل گئی اور وہ کچھ ایسی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی جن میں خوف اور شبے کی آمیزش موجود تھی۔

"مگر یہاں ایک گوریلا تھا۔" اُس نے کہا۔

"اس کی پرواہ نہ کرو۔" کمال نے بے پروائی سے کہا۔ "آدمی کے لئے آدمی سے زیادہ خطرناک اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ فی الحال.... چلو.... شائد تم اُسے پہچانتی ہو۔"

"نہیں! میں اپنے کمرے میں واپس جاؤں گی۔"

اس پر ساجد نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور طاہرہ کی انا پھر جاگ اٹھی۔

"چلو....!" وہ غرا کر بولی۔

وہ کمرے سے نکل کر صحن میں آئے۔ صحن کافی طویل و عریض تھا اور یہاں چاروں طرف اونچی اونچی گھاس اُگی ہوئی تھی۔

کمال اور ساجد کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔

ساجد نے پتھر کے زینوں کی طرف روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ "وہ اوپر کے ایک کمرے میں ہے۔ کیوں طاہرہ صاحبہ کیا آپ ان زینوں پر قدم رکھنے کی ہمت کر سکیں گی۔"

"بکواس مت کرو۔" کمال نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا اور طویل دالان میں بائیں طرف مڑ گیا۔ پھر ایک کمرے کے سامنے رک کر ٹارچ کی روشنی دروازے پر ڈالی جس سے ایک بڑا سا قفل لٹکا ہوا تھا۔ قفل کھول کر اُس نے دروازے کو دھکا دیا لیکن ساتھ ہی اُس کے منہ سے ایک ہلکی سی تحیر آمیز آواز نکلی۔ کمرہ خالی تھا۔ ساجد ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ کمال تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" طاہرہ نے دبی زبان سے پوچھا۔

"لاش یہیں تھی۔" کمال نے جواب دیا۔ "اور میرا دعویٰ ہے کہ اس قفل میں میرے علاوہ اور کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" طاہرہ نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"پھر بتاؤں گا۔" کمال نے کہا اور جھک کر فرش کا جائزہ لینے لگا۔ فرش گرد آلود تھا۔ لیکن ایک جگہ کافی پھیلاؤ میں گرد کی تہہ کچھ بگڑی بگڑی سی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا ہو کر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور پھر انہیں باہر چلنے کا اشارہ کر کے وہ بھی کمرے سے نکل گیا۔

اب وہ کمرے کو کھلا ہی چھوڑ کر وہاں سے واپس جا رہے تھے۔ قفل کمال کے ہاتھ میں تھا۔

لیکن خواب گاہ کو انہوں نے اس حالت میں نہیں دیکھا جس میں چھوڑ کر گئے تھے۔ مسہریاں الٹی پڑی تھیں۔ بستر اِدھر اُدھر پڑے ہوئے تھے۔ دوسرا سامان بھی ردی حالت میں تھا۔

"کیا خیال ہے۔" کمال طاہرہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "کیا اب ہم لوگ یہاں سے بھاگ جائیں۔"

"میں آپ کو یہی مشورہ دوں گی کہ آپ اسی وقت دوسرے کمروں میں منتقل ہو جائیے۔ میں اور کورنیلیا ایک کمرے میں ہو جائیں گے۔ مگر.... میں یہ مشورہ فضول دے رہی ہوں.... پتہ نہیں آپ نے کس مقصد کے تحت اس حصے کو رہائش کے لئے پسند کیا ہے۔"

"کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" کمال نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ لیکن میں اسے صرف ایڈونچر نہیں سمجھ سکتی۔"

"پھر....!"

"کمال صاحب! نہ جانے کتنے اس چکر میں یہاں آئے اور یا تو پر اسرار طریقے پر غائب ہو گئے یا پھر اُن کی لاشیں ملیں۔"

"کس چکر میں۔ ہم کسی ایسے چکر سے واقف نہیں ہیں۔" کمال نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہمارا مقصد تو صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ ان بھوتوں کی تندرستی کیسی ہے۔"

"اگر خراب ہو تو.... وزارت صحت....!" ساجد جملہ پورا نہیں کر سکا کیونکہ وہ نہ جانے کیوں اچھل پڑا تھا۔ پھر اُس نے خفیف ہو کر کہا۔ "لاحول ولا قوۃ.... چوہا تھا شائد۔"

"آپ لوگ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" طاہرہ تنک کر بولی۔

"ہو سکتا ہے۔" کمال بولا۔ "ہم اُس وقت تک سنجیدہ نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ہمیں بھی وہی داستان نہ سناؤ جو کورنیلیا کو سنانے والی تھیں۔"

"کیا آپ اُس سے واقف نہ ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ داستان آپ کو یہاں تک لائی ہوگی۔ ورنہ خواہ مخواہ خطرے میں پڑنا کسے پسند ہوگا۔"

"ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ یقین کرو ویسے میں روحانیات کا متعلم ہوں اور اس قسم کی مافوق الفطرت چیزیں میرے لئے بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔"

"لیکن ان واقعات کا روحانیات سے کیا تعلق؟" طاہرہ نے کہا۔

کمال جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صحن کی طرف سے ایک گرجدار آواز آئی۔

"چلے جاؤ.... یہاں سے چلے جاؤ۔"

اور پھر سناٹا طاری ہوگیا۔ طاہرہ کو اپنے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ عجیب قسم کی آواز تھی۔ اُس نے کمال اور ساجد کی طرف دیکھا۔ ساجد کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے مگر کمال کا چہرہ پہلے ہی کی طرح پُر سکون نظر آرہا تھا۔

طاہرہ اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سن رہی تھی بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دل کانوں ہی میں دھڑکنے لگا ہو۔

"چلے جاؤ.... چلے جاؤ۔" آواز پھر آئی اور اس بار طاہرہ نے محسوس کر لیا کہ وہ آواز عجیب کیوں معلوم ہوتی تھی۔ آواز گرجدار ضرور تھی لیکن اُس میں رو دینے کا سا انداز بھی شامل تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی شدید تکلیف کی بناء پر کوئی چیخ رہا ہو۔

"ان مسخروں کی شامت آگئی ہے۔" کمال صحن کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ساجد بھی اُن کے پیچھے چلا اور طاہرہ کے قدم بھی غیر ارادی طور پر اٹھ گئے۔

صحن میں تاریکی اور سناٹے کا وہی عالم تھا۔ جھینگروں کی مسلسل جھائیں جھائیں بھی سناٹے ہی کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھی۔

عمارت کے کسی دور افتادہ حصے سے چمگادڑوں کے چیخنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی پھر کسی نے کہا۔

"چلے جاؤ یہاں سے.... چلے جاؤ۔"

آواز زینوں کی طرف سے آئی تھی۔ کمال کی ٹارچ روشن ہوگئی۔ ساتھ ہی طاہرہ کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ درمیانی زینے پر ایک کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔

"کیا مسخرہ پن ہے۔" کمال بڑبڑایا۔ "یہی گیارہواں زینہ ہے۔"

روشنی کا دائرہ اب بھی کھوپڑی ہی پر تھا۔

"چلے جاؤ.... یہاں سے.... چلے جاؤ۔" کھوپڑی سے آواز آئی۔

طاہرہ نے بڑی مضبوطی سے ساجد کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

"میں وہیں آرہا ہوں.... فرزند....!" کمال نے کہا اور زینوں کی طرف بڑھنے لگا۔ طاہرہ نے بے اختیارانہ انداز میں کمال پر چھلانگ لگائی۔

"نہیں.... نہیں.... آپ پاگل ہوگئے ہیں۔"

"اوہ.... اسے لے جاؤ.... تم بھی جاؤ۔" کمال نے اُسے ساجد کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "کمرہ اندر سے بند رکھنا۔ جاؤ۔"

پھر طاہرہ کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کس طرح کمرے میں پہنچی۔ تھوڑی دیر بعد جب اُس کے حواس بجا ہوئے تو اُس نے خود کو اُسی کمرے میں پایا جہاں سے کچھ دیر پہلے اُس نے وہ ڈراؤنی آوازیں سنی تھیں۔

ساجد سینے پر ہاتھ باندھے کمرے کے وسط میں خاموش کھڑا تھا۔

طاہرہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ نہ ملے۔ اُسے اپنا جسم اتنا ہلکا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوا کا ایک معمولی سا جھونکا اُسے اڑا دینے کے لئے کافی ہوگا۔

"تمہاری حالت اچھی نہیں ہے۔" ساجد نے سنجیدگی سے کہا۔

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ اُس وقت اُس کا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ اُسے اس کا احساس تھا لیکن اس پر افسوس ہرگز نہیں تھا۔ اس کیفیت کی وجہ وہ خود بھی نہ سمجھ سکی۔ حالانکہ وہ مواقع اُس کے لئے بڑے تکلیف دہ ہوتے تھے جب اُس کے غرور کو ٹھیس لگتی تھی۔

"تم نے.... تم نے.... کمال صاحب کو.... روکا نہیں۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"ہاں.... میں نے نہیں روکا۔" ساجد مسکرا کر بولا۔ "میں نے سوچا اگر کمال صاحب درمیان سے ہٹ جائیں تو تم مجھ میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاؤ گی۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"بکواس نہیں حقیقت ہے۔ کمال صاحب عورتوں کے معاملے میں بدنصیب ترین انسان ہیں۔ اس لئے اُن کے پیچھے پڑنا وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مجھے دیکھو.... میں ایک منٹ میں پندرہ ہزار میل کی رفتار سے آہیں بھر سکتا ہوں۔"

"شٹ اپ....!"

"تمہاری مرضی۔" ساجد مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

طاہرہ صحن کی طرف کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی جو اندر سے بند تھا۔

"رمبا ناچنا آتا ہے تمہیں۔" ساجد نے پوچھا۔

"میں کہتی ہوں خاموش رہو۔" طاہرہ جھنجھلا گئی۔ "پتہ نہیں تم لوگ کیا کر رہے ہو۔"

"ہم لوگ....!" ساجد ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے صحن کی طرف سے دروازے کو دھکا دیا۔ ساتھ ہی آواز بھی سنائی دی جو کمال ہی کی تھی۔ ساجد نے دروازہ کھول دیا۔ کمال اندر داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں وہی انسانی کھوپڑی تھی جسے کچھ دیر قبل طاہرہ نے گیارہویں زینے پر دیکھا تھا۔

کمال نے اُسے فرش پر ڈالتے ہوئے طاہرہ سے کہا۔ "کیا تم رات یہیں بسر کرو گی۔"

"نن.... نہیں.... تو....!"

"اب جاؤ....!" اُس نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ پھر ساجد سے بولا۔ "انہیں ان کے کمرے تک چھوڑ آؤ۔"

طاہرہ چپ چاپ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ اس میں اُس کے ارادے کو قطعی دخل نہیں تھا۔ پتہ نہیں کیوں کمال اُس کے ذہن پر اس بُری طرح حاوی ہو گیا تھا۔

بھوتوں کے شکاری

دوسری صبح کورنیلیا نے اُسے جھنجھوڑ کر جگایا لیکن اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ نشے میں ہو۔ پچھلی رات تقریباً ساڑھے تین بجے وہ اپنے کمرے میں واپس آئی تھی اور کورنیلیا کے پاس سو گئی تھی۔ کورنیلیا اُس وقت بے خبر سوئی ہوئی تھی۔

"کیا بھنگ پی رکھی ہے تم نے۔" کورنیلیا نے اُسے کھینچ کو بٹھاتے ہوئے کہا۔

"اوں.... ہوں.... مجھے سونے دو۔"

"وہاں ایک صاحب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"کون ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔ لیکن وہ اُن دونوں میں سے نہیں ہے۔"

"اوہ.... کہہ دو کہ میں سو رہی ہوں۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"وہ بہت غصے میں ہے۔"

"اوہ.... کان نہ کھاؤ.... کہہ دو....!"

"وہ بدتمیز بھی معلوم ہوتا ہے۔ میں اُس سے دوسری بار گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔" کورنیلیا نے کہا۔

اتنی دیر میں طاہرہ اچھی طرح ہوش میں آ گئی تھی۔

"کون ہے! کیا چاہتا ہے۔"

"میں نہیں جانتی.... وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کیا وہ مجھے جانتا ہے۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"عجیب احمق ہو۔ بھلا میں کیا جانوں۔"

"اوہ.... اچھا....!" طاہرہ اٹھ کر غسل خانے میں آئی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے دیتے وقت اُسے پچھلی رات کے واقعات یاد آئے اور وہ اُن دونوں کی خیریت دریافت کرنے کے لئے بے چین ہو گئی۔ کمال جیسا آدمی آج تک اُس کی نظروں سے نہیں گذرا تھا۔

اُسے وہ خوفناک کھوپڑی یاد آئی جو انسانوں کی طرح بولتی تھی اور جسے کمال نے بعد میں اس طرح فرش پر پھینک دیا تھا جیسے اس کی نظروں میں وہ بالکل بے حقیقت ہو۔

پھر اُس کے بعد کیا ہوا ہوگا؟ طاہرہ کا ذہن بھٹکنے لگا اور وہ بے خیالی میں اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتی رہی۔ اُسے وقت کا احساس نہیں رہ گیا تھا اگر کورنیلیا باہر سے اُسے مخاطب نہ کرتی تو وہ نہ جانے کتنی دیر تک کھڑی اس شغل کو جاری ہی رکھتی۔ پھر کورنیلیا بھی غسلخانے میں گھس آئی۔

"کیا سو گئی ہو۔" اُس نے کہا۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے۔" طاہرہ جھنجھلا گئی۔

"وہ کہتا ہے کہ اگر دیر ہو گئی تو میں وہیں آ جاؤں گا۔"

"کون گدھا ہے۔ میں دیکھتی ہوں۔"

طاہرہ نے اُسی لباس پر شب خوابی کا لبادہ ڈال لیا اور کورنیلیا کے ساتھ دوسرے کمرے میں آئی۔ یہاں حقیقتاً ایک آدمی اس کا منتظر تھا اور وہ اُسے جانتی تھی۔ یہ یہاں کا ایک مستقل کرائے دار تھا۔ لیکن طاہرہ نے اس سے پہلے اُسے کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ یہ ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ قویٰ مضبوط تھے اور وہ اپنے مضبوط بازوؤں کی نمائش کا خاص طور پر شائق معلوم ہوتا تھا کیونکہ ایک سرد صبح ہونے کے باوجود بھی وہ آدھی آستین کی قمیض میں تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگوں کی پالیسی کیا ہے۔" اُس نے غصیلی آواز میں کہا۔

"کیوں؟ میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" طاہرہ حیرت سے بولی۔

"آخر نواب صاحب اُس حصے کو کرائے پر کیوں اٹھادیتے ہیں جب کہ انہیں معلوم ہے کہ یہاں ایک نہیں کئی کیس ہو چکے ہیں۔"

"آپ کو اس سے کیا نقصان پہنچا ہے۔" طاہرہ کا موڈ بھی خراب ہو گیا۔

"راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔ بُرا ہو مکانوں کی قلت کا ورنہ یہ عمارت رہنے کے قابل ہے۔"

"آخر ہوا کیا.....!"

"میرے ساتھ چلئے تو دکھاؤں۔ جب بھی اُس حصے میں کوئی کرایہ دار آتا ہے میری شامت آجاتی ہے۔ میرا سب کچھ تباہ ہو گیا۔ ایک چیز بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے۔ صرف وہی کمرہ محفوظ ہے جس میں سوتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"چلئے نا میرے ساتھ۔ میں دکھاؤں۔ کسی نے ساری چیزیں کچل کر رکھ دی ہیں۔ کرسیاں اور میزیں تک چور ہو کر رہ گئی ہیں۔"

"اوہ تو ایسی صورت میں آپ کو کمرے چھوڑ دینا چاہئے کہیں اور انتظام کر لیجئے۔"

"کہاں! جہنم میں۔" وہ غرایا۔ "آپ ہی کوئی اور جگہ دلوا دیجئے۔ دوسرا امکان حاصل کر لینا ایسا آسان ہے۔ دیکھئے۔ میں کھلے ہوئے الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ اگر وہ حصہ آج ہی مقفل نہ کرادیا گیا تو معاملے کو آگے بڑھادوں گا۔"

"یعنی! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"میں پولیس کو اس کی اطلاع دوں گا۔ جب وہ حصہ مخدوش ہے تو اُسے کرائے پر کیوں اٹھایا جاتا ہے۔ اخبارات میں مقامی حکام سے سوال کردوں گا کہ وہ اُسے ہمیشہ کے لئے کیوں نہیں بند کرادیتے۔ آج سے چھ ماہ قبل ایک واردات ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی آنکھوں کے سامنے ہوئی تھی۔ آخر اُسی وقت وہ حصہ سرکاری طور پر کیوں نہیں مقفل کرادیا گیا تھا.... اور پھر یہ دونوں کرائے دار مجھے اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔"

"میں آپ سے استدعا کروں گی کہ ایسا ضرور کیجئے۔ میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ اُس حصے کو سرکاری طور پر مقفل کرادیا جائے۔"

"وہ دونوں ہیں کون.....!"

"میں نہیں جانتی۔"

"مگر چوکیدار تو کہہ رہا تھا کہ وہ پچھلی رات کو یہاں آئے تھے۔"

"آپ قطعی غیر ضروری باتیں کر رہے ہیں۔" طاہرہ جھلا گئی۔

"اچھی بات ہے۔ اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔" اس نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

"کریک ہے کیا۔" کورنیلیا نے ہنس کر کہا لیکن طاہرہ خاموش ہی رہی۔

اس کا ذہن پھر رات کے واقعات میں الجھنے لگا تھا۔

"کیا معاملہ ہے۔ کوئی خاص بات۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"بہت خاص۔ لیکن میں الجھن میں ہوں۔ وہ دونوں میرے لئے مستقل دردسر ہو گئے ہیں۔"

"کیا دونوں سے عشق ہو گیا ہے۔" کورنیلیا نے قہقہہ لگایا۔

"گھٹیا باتیں نہ کرو۔" طاہرہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان دونوں پر سب کے سب کیوں خار کھائے ہوئے ہیں۔ یہ کون تھا جو ابھی بکواس کر کے گیا ہے۔"

"ایک کرائے دار۔" طاہرہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔

"ہمیں وہ سب کچھ ضرور دیکھنا چاہئے جس کے متعلق اُس نے کہا تھا۔"

"مگر اس کا خیال رکھنا کہ وہ بہت تاؤ کھا کر یہاں سے گیا ہے۔" کورنیلیا نے کہا۔

طاہرہ نے دوسرے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا اور باہر جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ کورنیلیا پہلے ہی سے تیار تھی۔

وہ عمارت کے اُس حصے میں آئیں جہاں وہ کرائے دار مقیم تھے۔

"دیکھئے! مجھے افسوس ہے۔" طاہرہ نے اُس سے کہا۔ "میں سو کر اٹھی تھی اور آپ جانتے ہیں کہ ایسے اوقات میں دماغ پر قابو نہیں ہوتا۔"

"کوئی بات نہیں۔" کرائے دار بولا۔ "لیکن میرے اس نقصان کا کیا ہوگا۔"

"میں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"جائیے دیکھ لیجئے۔" وہ ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کی حالت وہیں سے صاف نظر آ رہی تھی۔ لیکن پھر بھی طاہرہ اندر چلی گئی۔ کورنیلیا بھی ساتھ تھی۔ دونوں نے متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ کمرہ درحقیقت کسی کباڑی کی دوکان معلوم ہو رہا تھا۔ فرنیچر اور دوسرے آرائشی لوازمات شکستہ حالت میں ڈھیر تھے۔ ان میں سوکھی ہوئی گھاس اور خشک مٹی کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی شامل تھے۔

زیادہ غور سے جائزہ لینے پر جانوروں کی ہڈیاں سینگ اور پھٹے پرانے جوتے بھی نظر آئے۔

کرایہ دار باہر ہی تھا وہ ان کے ساتھ اندر نہیں آیا تھا۔

طاہرہ گھوم پھر کر کمرے کی تباہ حالی دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہ چلتے چلتے رک گئی اور جھک کر فرش سے کوئی چیز اٹھائی۔ پھر چوروں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھ کر اُسے اپنے بلاؤز کے گریبان میں رکھ لیا۔

"مگر یہ سب ہوا کیسے۔ مجھے حیرت ہے۔" طاہرہ نے اُس سے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ جب بھی کوئی اُس منحوس حصے میں مقیم ہوا ہے میرا کچھ نہ کچھ نقصان ضرور ہوا ہے۔"

"آپ دوسرے کمرے میں سوئے تھے؟ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ اس کمرے میں کوئی نہیں تھا۔"

"جی نہیں وہاں کوئی نہیں تھا۔" اُس نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں مقامی حکام سے ضرور فریاد کروں گا اور آپ شام کے اخبارات میں بہت کچھ دیکھیں گی۔ میرا اتنا نقصان ہوا ہے۔ سینکڑوں روپے کا فرنیچر برباد ہو گیا۔"

"آپ کو اس سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔" طاہرہ نرمی سے بولی۔ "یقیناً آپ کا بہت نقصان ہوا ہے۔"

"میں کہتا ہوں! وہ حصہ کرائے پر اٹھایا ہی کیوں جاتا ہے۔"

"دیکھئے۔ یہ ہمارا قطعی نجی معاملہ ہے۔ ہم کسی سے درخواست کرنے نہیں جاتے کہ وہ ہمارا کرایہ دار بنے۔ آپ ہر وقت کمرے خالی کر سکتے ہیں۔"

"پھر وہی فرعونیت والی بات۔" کرایہ دار جھلا اٹھا۔ "اچھی بات ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔"

وہ دونوں وہاں سے چلی آئیں۔ کورنیلیا نے اُس کے متعلق گفتگو چھیڑنی چاہی لیکن طاہرہ نے ہاتھ ہلا کر اُسے روک دیا۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

"اچھا تم نے وہاں سے کیا اٹھایا تھا۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"بھوت کی لنگوٹی۔" طاہرہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مجھے تو اب تم سے خوف معلوم ہونے لگا ہے۔"

"میں تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ واپس جاؤ۔"

"اور تم یہیں رکو گی.... آخر کیوں.... کیا واقعی! وہ آدمی کمال تمہارے ذہن پر۔"

"پھر بکواس شروع کر دی تم نے....!"

"پھر مجھے بتاؤ نا کہ تم یہاں کیوں رکنا چاہتی ہو۔ وہاں سے تم نے کیا اٹھایا تھا۔"

"میں یہ معلوم کیے بغیر نہیں جا سکتی کہ وہ دونوں کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں۔"

کورنیلیا خاموش ہو گئی۔ طاہرہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہی تھی۔

"کیا وہیں جا رہی ہو۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"تب تم تنہا ہی جاؤ۔ مجھے نہ جانے کیوں اُس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"کس سے۔"

"کمال سے.... لیکن وہ دوسرا آدمی.... ساجد.... کافی دلچسپ ہے۔"

کورنیلیا اُس کے ساتھ نہیں گئی۔ مغرب رخ والے برآمدے کے قریب پہنچتے ہی طاہرہ کو وائیلن کی آواز سنائی دی۔ نشست کے کمرے کے دروازے کھلے ہوئے تھے اُسے ساجد نظر آیا جس کے سر پر سفید سمور کی ٹوپی تھی اور جسم پر تبت کے لاماؤں کا سا زرد رنگ کا ریشمی لبادہ۔ وہ آنکھیں بند کئے جھوم جھوم کر وائیلن بجا رہا تھا۔ طاہرہ بے تکلف اندر چلی گئی۔ کمال موجود نہیں تھا۔ ساجد نے شائد اُس کی آہٹ نہیں سنی تھی۔ وہ بدستور آنکھیں بند کئے وائیلن بجاتا رہا۔

طاہرہ نے زور سے میز پر ہاتھ مارا اور ساجد اچھل پڑا۔

"آہا.... آہا....!" وہ شور مچانے کے سے انداز میں بولا۔ "تان سین کے متعلق مشہور ہے کہ اُس کے گیت پر ساز خود بج اٹھتے تھے.... اور جب میں ساز بجاتا ہوں تو زمین پھٹتی ہے اور اُس میں سے عورتیں ابلنے لگتی ہیں۔"

"کمال صاحب کہاں ہیں۔" طاہرہ نے اُس کی بکواس پر دھیان نہ دے کر پوچھا۔

"کمال صاحب!" ساجد نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گیا۔

"کہاں ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"میں نے پچھلی رات انہیں ذبح کر دیا اور اس وقت وائیلن بجا رہا ہوں۔ بیٹھو تمہیں وہ گیت سناؤں.... جو تان سین نے....!"

"کمال صاحب۔" طاہرہ نے پکارا۔

اور ساجد وائیلن پر بجانے لگا۔ "آواز دے کہاں ہے۔ دنیا مری جواں ہے۔" طاہرہ آگے بڑھی۔ وہ دوسرے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

"ٹھہریئے۔" ساجد وائیلن ایک طرف رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ "وہ اس وقت کسی سے نہیں مل

سکتے۔ آپ کیا چاہتی ہیں۔"

طاہرہ جھلائے ہوئے انداز میں پلٹ پڑی۔ "میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ لوگ جلد سے جلد یہ عمارت خالی کر دیں۔ سمجھے! ورنہ بات بہت بڑھ جائے گی۔"

"ہم تین ماہ کا کرایہ ادا کر چکے ہیں۔" ساجد بولا۔

"رقم واپس کر دی جائے گی۔"

"ہم تین ماہ گذارے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتے۔" ساجد نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا تو پھر پولیس آپ سے جواب طلب کرے گی۔"

"کیا بات ہے محترمہ طاہرہ۔" وہ کمال کی آواز سن کر مڑی۔ کمال دروازے میں کھڑا حیرت سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"آپ لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں قانون اُسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"کیا آپ پچھلی رات کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں۔"

"نہیں....!" طاہرہ اپنے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈالتی ہوئی بولی۔ "کیا یہ فاؤنٹین پن آپ کا نہیں ہے۔" اُس نے گریبان سے ایک فاؤنٹین پن نکال کر اُسے دکھایا۔

"دیکھوں....!" اُس نے ہاتھ بڑھا کر فاؤنٹین پن اُس سے لے لیا۔ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر اُس کے چہرے پر نظر جما کر بولا۔ "ہاں یہ میرا ہی ہے۔ آپ کے پاس کیسے پہنچا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پچھلی رات ساگر صاحب کے کمرے میں آپ ہی تھے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

طاہرہ نے اُسے بتایا کہ وہ قلم اُسے کہاں سے اور کن حالات میں ملا تھا۔ کمال پوری بات سن کر مسکرایا۔

"اور تمہیں یقین ہے کہ اُس کمرے میں میں نے ہی توڑ پھوڑ مچائی ہو گی۔"

"پھر یہ قلم وہاں کیسے پہنچا۔ ساگر اس کی اطلاع پولیس کو دینے جا رہا ہے۔"

"تب تو پھر مجھے بھی پولیس کو اطلاع دینی چاہئے کہ پچھلی رات یہاں ایک انسانی کھوپڑی حلق پھاڑ رہی تھی۔ میرے ہم شکل نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ محترمہ طاہرہ کو ایک گوریلا نظر آیا تھا اور مجھے ان ساری حرکتوں کی ذمہ دار محترمہ طاہرہ معلوم ہوتی ہیں۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ وہ لاجواب ہو گئی تھی۔

وہ کچھ دیر تک خاموش ہی پھر اُس نے کہا۔ "آپ اُس کھوپڑی کو اٹھا لائے تھے۔"

"ہاں! وہ تمہارے سامنے ہی کی بات ہے.... بیٹھ جاؤ۔"

"تشریف رکھئے محترمہ طاہرہ۔" ساجد نے پھر ایک طویل سانس لی اور کمال اُسے گھورنے اُس نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر وائیلن کے تاروں پر ناخن لگانا شروع کر دیا۔

"بند کرو! ورنہ میں اسے تمہارے سر پر پھوڑ دوں گا۔" کمال غرایا۔

"اچھا جناب!" ساجد نے وائیلن میز پر ڈال کر ایک طویل انگڑائی لی اور باہر چلا گیا۔

"یہ عجیب آدمی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کبھی غصے میں انہیں مار نہ بیٹھوں۔" طاہرہ نے کہا۔

"ایسے مواقع پر غصہ ضبط کر لینا۔" کمال مسکرایا۔ "وہ بہت شریر ہے! خیر ہاں تو.... ہم اُس وپڑی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔"

"آپ نے اُسے کیسے ہاتھ لگایا ہو گا۔"

"کیوں؟ بھلا اس میں کیا دشواری ہو سکتی تھی۔ کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ وہ کوئی بُری روح ی جو اُس کے اندر چیخ رہی تھی۔"

"پھر....!" طاہرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"قطعی نہیں! مگر میں آپ کو کیوں بتاؤں۔ آپ نے مجھے اب تک وہ داستان نہیں سنائی جو پ اپنی ساتھی کو سنانے والی تھیں۔"

"کیا آپ کو اس کا علم نہیں ہے۔"

"نہیں میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تو پھر کیا یہاں جھک مارنے آئے ہیں۔"

"نہیں بھوت مارنے۔ میں ایک پیشہ ور قسم کا بھوت مار ہوں۔ میں نے اب تک درجنوں ے بڑے اور بین الاقوامی قسم کے بھوتوں کا قلع قمع کیا ہے۔ یہ ہے میری موجودگی کا مقصد....!"

پرانی داستان

کمال خاموش ہو گیا۔ طاہرہ بیک وقت کئی باتیں سوچ رہی تھی۔ لیکن اس کا فیصلہ کرنا اس کے بس سے باہر تھا کہ وہ کمال کو کیا سمجھے۔

کمال اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ مسکراہٹ معنی خیز تھی لیکن طاہرہ اُسے بھی کوئی معنی نہ

پہنا سکی آخر کمال بولا۔

"تم مجھے اُن لوگوں میں تصور کر رہی ہو جو یہاں دفینے کے چکر میں آتے رہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں کوئی ایسا دفینہ نہیں ہے جس پر روحوں کا سایہ ہو۔ روحیں جو دفینے کے لئے قربانیاں مانگتی ہوں۔"

"اُوہو.... پھر کیا مقصد ہے۔" طاہرہ بے ساختہ بولی۔

"مقصد ابھی بتا چکا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے۔" کمال نے سگار سلگا کر دھواں منتشر کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو پھر وہ کھوپڑی...." طاہرہ نے کہا۔ "وہ غیر ارادی طور پر بے تکلف ہوتی جارہی تھی۔"

"اوہ.... محض بچوں کا کھیل۔" کمال نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس کے اندر مائیکروفون کا ایک چھوٹا سا ہارن فٹ تھا اور تاروں کا ایک سلسلہ اوپری منزل پر چلا گیا تھا۔ لیکن میں اُن کے دوسرے سرے تک نہیں پہنچ سکا کیونکہ مجھے اوپر آتے دیکھ کر انہوں نے تار کاٹ دیئے اور اپنے ساز و سامان سمیت غائب ہوگئے۔"

طاہرہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ لیکن کچھ بولی نہیں۔

"اب ایسی صورت میں.... میں کیا سمجھوں۔" کمال نے کہا۔ "دفینے پر منڈلانے والی روحیں یا.... تم کیا سوچنے لگیں۔"

"میں ابھی تک یقین اور شبے کی کشمکش میں مبتلا ہوں۔ روایت یہی ہے کہ یہاں ایک دفینہ ہے اور اُس پر روحوں کا سایہ ہے۔ لیکن اب.... اب....!"

"اب تم یہ سوچنے لگی ہو کہ پھر ان حرکتوں کا کیا مطلب ہے۔"

"یقیناً....!"

"کیا اس دفینے کے علاوہ بھی تمہیں کسی دوسری داستان کا علم ہے۔"

"نہیں! اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں جانتی۔ یہ کوٹھی دراصل ہمارے مورث اعلیٰ کو جاگیر میں ملی تھی۔ لیکن یہ اُس وقت اتنی بڑی اور عظیم الشان نہیں تھی۔ یہاں دراصل کسی فرقے کی عبادت گاہ تھی۔ غدر کے زمانے میں اس فرقے کے افراد نے یہاں بہت سے انگریزوں کو قید کر رکھا تھا اور اُنکے مذہبی پیشوا نے کافی لوٹ مار کی تھی اور لوٹ کا بہت سامان یہاں اکٹھا کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مقامی راجہ کو اُس نے قتل کر کے اُسکی بے شمار دولت پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ ساری دولت یہیں کسی مقام پر چھپا دی گئی تھی۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ لوگ دراصل ٹھگ تھے بہرحال

ہمارے مورث اعلیٰ کی مدد سے انگریزی فوج یہاں پہنچی اور یہاں کافی کشت و خون ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اُن لوگوں کا مذہبی پیشوا یا سرغنہ یہیں قتل کر دیا گیا تھا لیکن مقامی راجہ کا خزانہ کسی کو بھی نہ مل سکا۔ خود میرے ہی خاندان کے کئی افراد اس چکر میں موت کا شکار ہوئے۔ میرے والد....!"

طاہرہ خاموش ہوگئی۔ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر کمال نے کہا۔ "یہ داستان بھی میرے لئے نئی نہیں۔"

"پھر آپ اور کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"چھ ماہ پہلے جو واقعہ پیش آیا تھا اُس کی تفصیل۔"

"اس کی بھی موت ہی اُسے یہاں لائی تھی۔ وہ ہمارا منیجر تھا۔ حکومت نے کسی مقصد کے لئے کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے کی پیشکش کی تھی۔ ہماری طرف سے یہی عذر پیش کیا گیا۔ اس پر منیجر نے کہا کہ وہ گیارہ تاریخ کو گیارہ بجے رات گیارہویں زینے پر چڑھ کر دکھا دے گا۔ غالباً اُس کا بھی یہی خیال تھا کہ ان واقعات میں کسی آدمی ہی کا ہاتھ ہے۔ اُس نے شہر کے بعض حکام کو مدعو کیا اور ان کے سامنے زینے پر چڑھنے لگا۔ جیسے ہی اُس نے گیارہویں زینے پر قدم رکھا ایک تیز قسم کی روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔ ہم نہیں دیکھ سکے کہ وہ کیسے نیچے گرا۔ کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اس طرح اُچھلا تھا جیسے کسی غیر مرئی قوت نے اُسے اچھال دیا ہو۔ وہ سر کے بل گرا تھا۔ ظاہر ہے جو حالت ہوئی ہوگی۔ گیارہواں زینہ کافی بلندی پر ہے۔ بہرحال وہ بیچارا اپنا بیان دینے کے لئے زندہ نہیں رہ سکا۔ پھر کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ اوپر جا سکتا۔ دوسرے دن البتہ پوری کوٹھی پولیس والوں سے بھر گئی تھی۔"

طاہرہ خاموش ہوگئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اب آپ کا تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ چند نامعلوم آدمیوں ہی کی حرکت ہے۔ لیکن گیارہواں زینہ! آخر وہ گرا کیسے ہوگا۔ کیا گیارہویں زینے کے نیچے اسپرنگ پوشیدہ ہیں۔"

"قطعی نہیں۔" کمال بولا۔ "اس سلسلے میں بھی میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔ اسپرنگ کا امکان نہیں ہے لیکن تم اُس روشنی کو کیوں نظر انداز کیے دے رہی ہو جو اچانک اور غیر متوقع طور پر نظر آئی تھی کیا اس کے اچانک ظاہر ہونے پر تم اچھل نہ پڑی ہوگی۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں بے تحاشہ اچھل پڑی تھی۔ وہ روشنی اتنی تیز تھی کہ نیچے کئی پٹرومیکس لیمپ ایسے ہی نظر آنے لگے تھے جیسے خود اُن کے سامنے کوئی ننھا سا دیا بے وقعت ہو جائے۔"

"اچھا اب اُس آدمی کے متعلق سوچو جو زینوں پر چڑھ رہا تھا۔ وہ لاکھ دلیر سہی لیکن غیر متوقع طور پر ظاہر ہونے والی روشنی نے اُس کے پیر ضرور اکھاڑ دیئے ہوں گے۔ اور پھر ہو سکتا ہے کہ روشنی کے ساتھ ہی ساتھ اُسے اوپر کچھ اور بھی نظر آیا ہو۔ گیارہویں کیا نویں ہی زینے سے اوپر کے دریچے صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ فرض کرو اُسے وہاں کوئی گوریلا ہی نظر آیا ہو۔ اس کی جگہ اگر تم ہوتیں تو تمہارا بھی یہی حشر ہوتا حالانکہ تم عام عورتوں سے بہت مختلف ہو۔"

"مکھن.... مسکا.... بٹر....!" ساجد نے برآمدے سے نعرہ لگایا۔

اور طاہرہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ کمال بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

ساجد نے اُس کے بعد خاموشی اختیار کرلی۔ ماحول پھر سنجیدہ ہو گیا اور طاہرہ نے کہا۔

"مگر وہ لوگ اتنی جلدی غائب کہاں ہو جاتے ہیں۔"

"شائد تم یقین نہ کرو۔" کمال نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔ "اس عمارت کے نیچے سرنگوں اور تہہ خانوں کا جال سا بچھا ہوا ہے۔"

طاہرہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں.... یہ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں.... ان میں کچھ سرنگوں کی حالت بتاتی ہے کہ وہ صدہا سال پرانی ہیں اور کچھ بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس عمارت کا شاید ہی کوئی کمرہ ایسا ہو جس میں تہہ خانہ نہ ہو۔ رات میں نے تمہارے کمرے کی بھی سیر کی ہے۔ اُس کے فرش میں بھی ایک پوشیدہ دروازہ ہے۔"

طاہرہ اس طرح ہنسنے لگی جیسے اُسے یقین نہ آیا ہو۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں۔" کمال نے کہا۔

"اچھا آپ نے میرے کمرے میں کیا دیکھا۔"

"تم اور کورنیلیا ڈر کے مارے ایک ہی مسہری پر سوئی تھیں۔"

"اوہ.... آپ نے کسی نوکر سے سنا ہوگا۔" طاہرہ پھر ہنسنے لگی۔

"اچھا.... آج رات دیکھ لینا۔" کمال نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن مقصد! آپ کہتے ہیں کہ دفینے والی داستان فضول ہے۔ آپ نے یہ بھی ثابت کرد کہ یہ انسانوں ہی کی حرکتیں ہیں۔ پھر.... مقصد!.... آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ گیارہ تاریخ.. گیارہ بجے رات.... گیارہواں زینہ.... یہ سب کیا بلا ہیں۔ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو گیارہ ب رات یہاں نہ جانے کیا ہوتا ہے۔ بارہویں کی صبح کو زینوں پر خون ملتا ہے۔ خصوصاً گیارہو

زینے پر تو ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں ملتی جہاں خون نہ ہو۔ گیارہویں زینے سے اوپر کے زینے بے داغ ہوتے ہیں۔ ان پر خون کا ہلکا سا دھبہ بھی نہیں نظر آتا۔ رات بھر وہ غل غپاڑہ رہتا ہے کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ بھلا کس میں ہمت ہے کہ وہ اُس وقت یہاں داخل ہو سکے۔"

"میں وہ رات یہیں گذاروں گا۔" کمال نے مسکرا کر کہا۔

"آپ پتہ نہیں کس مٹی سے بنے ہیں۔" طاہرہ بولی۔

"ملتانی مٹی سے۔" ساجد نے برآمدے سے ہانک لگائی۔ "چکنے گھڑے ہیں۔"

اس بار اُن دونوں ہی نے دھیان نہیں دیا۔

"کیا تم اس مہم میں حصہ لینا چاہتی ہو۔ میں تمہیں خطرات سے دور ہی رکھوں گا۔"

"میں تیار ہوں۔" طاہرہ نے کہا۔

"یا اللہ۔" ساجد نے برآمدے میں اتنے زور سے ٹھنڈی سانس لی کہ اُسے کھانسی آنے لگی۔

طاہرہ کو پھر ہنسی آگئی اور کمال جھلا کر اٹھا لیکن ساجد اُس کے برآمدے میں پہنچنے سے قبل ہی کھسک گیا تھا۔ کمال واپس آگیا۔

"یہ آپ کے چھوٹے بھائی ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"بیہودہ ہے۔" کمال نے بات اڑا دی۔ "ہاں! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم کافی ذہین اور دلیر ہو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کام بہ آسانی انجام دے سکو گی۔ مگر یہ بات ایک مخصوص مدت تک راز ہی رہے گی۔ تم اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گی۔ حتیٰ کہ کورنیلیا سے بھی نہیں۔"

"آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔"

"ساگر کی نگرانی۔"

"ساگر....!" طاہرہ کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔

"ہاں ساگر۔ آج اُس کی نقل و حرکت پر نظر رکھو۔"

طاہرہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔

"تم سوچ رہی ہو گی کہ میں نے تم پر اتنی جلدی اعتماد کیسے کر لیا۔" کمال نے کہا۔

"اوہ.... کیا آپ جادوگر ہیں۔" طاہرہ نے حیرت سے کہا۔ "ہاں میں یہی سوچ رہی تھی اور یہ بھی سوچ رہی تھی کہ میں آپ پر اعتماد کروں یا نہ کروں۔"

"میں تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہوں؟" کمال نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا تمہارے ساتھ کسی قسم کی سازش کا امکان ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر....!"

"پھر کچھ نہیں۔ میرے لئے یہ ایک نیا تجربہ ہوگا۔ میں اس کا تعاقب ضرور کروں گی۔ آخر اُسی کے کمرے پر بھوتوں کا حملہ کیوں ہوا اور وہاں آپ کے قلم کی موجودگی کا کیا مطلب تھا۔"

"اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تم بہت ذہین ہو۔"

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔ کمال سر جھکائے کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں اُبھری ہوئی تھیں اور طاہرہ اُسے عجیب انداز سے دیکھ رہی تھی۔

پھر کمال نے ایک نئی تجویز پیش کی۔ اُس نے اُس سے کہا وہ بھی ساگر کے ہمراہ پولیس اسٹیشن جائے اور کسی طرح کمال کا فاؤنٹین پین شناخت کرلے۔

طاہرہ اس عجیب و غریب تجویز پر اُلجھن میں پڑ گئی اور کمال اُسے اور زیادہ پُر اسرار معلوم ہونے لگا۔ لیکن اس نے اس کی تشفی کردی۔ اُس نے کہا کہ وہ اس طرح ساگر کا اعتماد حاصل کر سکے گی اور اگر تعاقب کے دوران میں ساگر کی نظر اس پر پڑ بھی گئی تو اُسے محض اتفاق سمجھے گا۔ اس طرح وہ شبہے سے بالاتر ہو جائے گی۔

طاہرہ مطمئن تو ہوگئی مگر ایک بے نام سی خلش اُس کے ذہن میں اب بھی باقی تھی۔ اب بھی وہ اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکی تھی کہ کمال کو دوست سمجھے یا دشمن۔

بہر حال وہ کمال کی تجاویز کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اپنے کمرے کی طرف روانہ ہوگئی۔

لیکن یہاں نیا شگوفہ کھلا دیکھا۔ کورنیلیا اپنے سامان کے ساتھ ایک پورٹیبل گراموفون بھی لائی تھی جس پر اس وقت موسیقی کا ایک ریکارڈ بج رہا تھا اور کورنیلیا ساجد کے ساتھ رمبا ناچ رہی تھی۔

ساجد اپنے اسی مضحکہ خیز لباس میں تھا۔ یعنی سمور کی سفید ٹوپی اور زرد رنگ کے لبادے میں۔

طاہرہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس کی دانست میں ابھی تک وہ دونوں دور دور ہی رہے تھے اور حقیقت بھی یہی تھی۔

طاہرہ کو دیکھتے ہی کورنیلیا اچھل کر الگ ہٹ گئی۔ لیکن ساجد آنکھیں بند کئے ہوئے بدستور ناچتا رہا اور اس انداز میں جیسے کورنیلیا اب بھی اُس کے بازوؤں میں ہو۔ وہ ناچتا رہا.... طاہرہ بے تحاشہ ہنستی رہی۔ کورنیلیا بھی ہنس رہی تھی۔ لیکن اس کی ہنسی میں ندامت بھی شامل تھی۔

اچانک وہ آنکھیں بند کئے ہوئے طاہرہ کی طرف جھپٹا اور طاہرہ نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر اُسے دھکا دے دیا۔ وہ دیوار سے جا ٹکرایا اور اس کی آنکھیں کھل گئیں لیکن پیشانی پر

ناگواری کی شکن تک نہیں تھی۔

اُس نے بڑے پُر خلوص انداز میں کہا۔ "میرے لائق کوئی خدمت۔"

"چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔" طاہرہ سنجیدگی سے بولی۔ "کمال صاحب نہیں چاہتے کہ ہم لوگوں میں کسی قسم کا تعلق ظاہر ہو۔"

"آہم....!" ساجد ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "پوری طرح پھنس گئی ہو۔ خیر میرا کیا جاتا ہے۔ اگر تم اپنی خوشی سے اپنے سر پر استرا نہ پھروالو تو میرا ذمہ۔ ویسے مجھے ان گھونگھریالے بالوں کے ضائع ہونے کا بڑا افسوس ہوگا۔"

"کیا مطلب....!"

"کمال صاحب کریک ہیں۔" ساجد نے سنجیدگی سے کہا۔ "فلسفہ کے کیڑے ہیں۔ لہٰذا کھوپڑی الٹ گئی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ اگر عورتیں سر منڈوانا شروع کر دیں تو دنیا کی آبادی حیرت انگیز طور پر بڑھ سکتی ہے۔ دلیل کے طور پر وہ افریقہ کی اُن اقوام کو پیش کرتے ہیں جن کی عورتوں میں سر منڈوانے کا رواج پایا جاتا ہے۔ اُن میں سے ہر عورت عمر طبعی کو پہنچتے پہنچتے تقریباً تیس یا چالیس بچے جن ڈالتی ہے.... ہاں.... تو....!"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔ جاؤ۔" طاہرہ نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

"تمہاری مرضی۔" ساجد لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ یہ تو تم محسوس کر رہی ہو گی کہ وہ حیرت انگیز طور پر اپنی باتیں منوا لیتے ہیں۔ تم خوشی سے اپنا سر منڈواؤ گی۔ ان کا فلسفہ اتنی مضبوطی سے تمہارے ذہن میں جڑیں پکڑے گا کہ تم مجبور ہو جاؤ گی۔ میں اب تک چالیس عدد حسین ترین لڑکیوں کا حشر دیکھ چکا ہوں۔ وہ اب بھی سر منڈواتی ہیں اور خوش ہیں.... اچھا.... ٹاٹا.... میرے باپ کا کیا جاتا ہے۔"

وہ کمرے سے چلا گیا۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسری کی طرف دیکھتی رہیں پھر انہوں نے بیساختہ ہنسنا شروع کر دیا۔

"ذرا سوچو تو۔" کورنیلیا نے کہا۔ "تمہارا سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف ہے اور کانوں میں آویزے جھول رہے ہیں۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک ہے اور نشیلی آنکھیں.... ہائے۔"

"تم بتاؤ کمینی۔ یہ ذرا سی دیر میں اتنی بے تکلفی کیسی۔" طاہرہ نے اُس کے بال پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"اُرر.... چھوڑو...." کورنیلیا ایک طرف لچکتی ہوئی بولی۔ "بتاتی ہوں۔"

"چلو ساؤنڈ بکس اٹھاؤ۔" طاہرہ نے اُسے گراموفون کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"میں کیا بتاؤں طاہرہ۔" کورنیلیا ریکارڈ سے ساؤنڈ بکس اٹھا کر ٹرن ٹیبل کو روکتی ہوئی بولی۔

"میں خود نہیں سمجھ سکتی کہ یہ سب کچھ کیسے ہوگیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں اس طرح بے تکلف ہو جاتا ہے جیسے برسوں پرانی ملاقات ہو۔ میں تو کم از کم یہی محسوس کرنے لگی تھی۔ صرف پندرہ منٹ میں اُس نے مجھے رقص کرنے پر آمادہ کرلیا۔ اب مجھے خود الجھن ہو رہی ہے۔"

"یہ دونوں ہی عجیب ہیں۔" طاہرہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"کیوں؟ کوئی خاص بات۔"

"کچھ نہیں! میں بھی ساگر کے ساتھ پولیس اسٹیشن جاؤں گی۔ مجھے یہاں ان دونوں کی موجودگی الجھن میں مبتلا کر رہی ہے۔"

"مگر تم نے تو ابھی اُس سے کہا.... تھا....!"

"وہ کچھ نہیں.... اُسے بھول جاؤ۔ وہ بھی ایک چال تھی۔ یہ دونوں نہ جانے کون ہیں مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"ہائیں! لفظ خوف.... اور تمہاری زبان سے۔ میں کیا سن رہی ہوں۔"

"میں بھی انسان ہی ہوں۔" طاہرہ نے لاپروائی سے کہا۔

چور دروازہ

اس طرح طاہرہ نے اُسے ٹال دیا ورنہ حقیقت یہی تھی کہ اُس کی چھٹی حس ان لوگوں کی طرف سے اپنے لئے کوئی خطرہ محسوس کر رہی تھی۔

ساگر نے اُس کے اس خیال کو بہت سراہا کہ وہ بھی اُس کے ساتھ پولیس اسٹیشن جا کر اپنی طرف سے بھی ایک رپورٹ درج کرائے گی۔ طاہرہ اُس کے تباہ حال کمرے میں کمال کا فاؤنٹین پن دوبارہ ڈال کر مطمئن ہوگئی تھی۔

اسکیم کے مطابق اُس نے ساگر کے ساتھ ہی اپنی رپورٹ بھی درج کرائی اور موجودہ گڑبڑ کے سلسلے میں کمال اور ساجد پر شبہ ظاہر کیا پھر جب پولیس موقع واردات کا جائزہ لینے کے لئے کوٹھی میں آئی تو طاہرہ نے کمال کا فاؤنٹین پن شناخت کرلیا لیکن اُسے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ سب

انسپکٹر نے اس سلسلے میں کمال سے کیا گفتگو کی۔ بہر حال جب سب انسپکٹر کمال کے کمرے سے نکل کر جانے لگا تو طاہرہ اور ساگر مغربی رخ والے برآمدے سے زیادہ دور نہیں تھے۔ طاہرہ نے کمال کو دیکھا جو برآمدے میں کھڑا غرا رہا تھا۔ سب انسپکٹر برآمدے کے نیچے اُتر آیا تھا۔

کمال اُس سے کہہ رہا تھا۔ "آپ کیا سمجھتے ہیں جناب۔ جائیے نصیر آباد کے ڈی۔ ایس۔ پی مسٹر کمار سے پوچھ لیجئے کہ میں کون ہوں۔ انہیں کی سفارش پر میں نے یہ حصہ کرائے پر حاصل کیا ہے.... اور میں کوئی گیا گذرا آدمی نہیں ہوں کہ آپ لوگ آکر مجھ پر دھونس جمائیں۔ میں جلال آباد یونیورسٹی کے شعبہ روحانیات کا صدر ہوں میرے خلاف کوئی کاروائی کرنے سے پہلے اپنے ڈی۔ ایس۔ پی سے ضرور مشورہ لیجئے گا سمجھے۔"

اتنا کہہ کر وہ تیر کی طرح اندر چلا گیا اور دوسرے ہی لمحے میں دروازہ بھی ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہوگیا۔

سب انسپکٹر کے چہرے پر جھلاہٹ اور شرمندگی کے ملے جلے آثار تھے وہ سیدھا طاہرہ اور ساگر کی طرف چلا آیا۔

"آپ لوگ فکر مت کیجئے۔" اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں ان حضرت کو دیکھ لوں گا۔ ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کے باپ بھی جھک ماریں گے۔ ساگر صاحب! اب آپ ایک رپورٹ اور درج کرا دیجئے کہ اُس نے پولیس کی کاروائی کے بعد آپکو جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی۔"

"آہا....!" ساگر نے انتہائی خلوص سے کہا۔ "آپ کا جو دل چاہے لکھ لیجئے۔ دستخط میں کر دوں گا۔"

"اچھا تو آپ آدھے گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہو جائیے گا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ پھر طاہرہ سے بولا۔ "اور آپ بطور گواہ اپنا ایک بیان دیجئے گا۔ یہی کہ دھمکی آپکی موجودگی میں دی گئی تھی۔"

"آں.... ہاں.... ضرور....!" طاہرہ نے بے دلی سے کہا۔ لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ حقیقتاً اُسے کیا کرنا چاہئے کہیں یہ چیز کمال کے خلاف نہ ہو۔

سب انسپکٹر کے چلے جانے کے بعد اُس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کمال تک پہنچ سکے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اب اُسے ساگر کی شخصیت بھی بڑی پُر اسرار معلوم ہونے لگی تھی۔ اُس نے محسوس کیا تھا کہ ساگر ان دونوں سے کچھ اسی قسم کی پرخاش رکھتا تھا جیسے عمارت کے بھوت وہی ہوں۔ آدھے گھنٹے کے بعد اُسے پھر ساگر کے ساتھ پولیس اسٹیشن جانا پڑا۔ سب انسپکٹر نے پہلے ہی سے رپورٹ تیار کر رکھی تھی۔ انہیں صرف اسی پر دستخط بنانے پڑے۔

"کم از کم تین آدمی اور مل جائیں تو بہتر ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"کیسے تین آدمی.....!" ساگر نے پوچھا۔

"ایسے جو اس دھمکی کے سلسلے میں شہادت دے سکیں۔"

ساگر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میں مہیا کرلوں گا۔"

"جتنی جلدی ہوسکے اتنا ہی اچھا ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

پولیس اسٹیشن سے باہر آکر ساگر نے طاہرہ سے استدعا کی کہ وہ کچھ دیر تک اور اُس کے ساتھ رہے کیونکہ وہ اب تک اسی کی کار استعمال کرتا رہا تھا۔ طاہرہ نے سوچا شاید وہ اُن تینوں آدمیوں کی فکر میں ہے جن کی فراہمی کے لئے اُسے سب انسپکٹر سے ہدایت ملی ہے۔

طاہرہ نے بڑی خوشی سے اُس کے لئے ڈرائیو کرنا منظور کرلیا۔

تقریباً ڈھائی گھنٹے میں وہ ایسے تین آدمی مہیا کرسکا۔ اس کے لئے طاہرہ کو متعدد ہوٹلوں، کلبوں اور عمارتوں کے سامنے کار روکنی پڑی تھی۔

بہر حال سارا دن گذر گیا اور طاہرہ کمال کی ہدایت کے مطابق چھپ کر ساگر کا تعاقب نہ کرسکی۔

پھر رات ہوگئی۔ وہ کمال تک پہنچنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھی اور اس بات کی منتظر تھی کہ کسی طرح کورنیلیا سوجائے۔ ساگر کی طرف سے تو وہ مطمئن تھی کہ وہ اُسے کمال سے ملتے نہ دیکھ سکے گا کیونکہ وہ یہاں تھا ہی نہیں۔ سرِ شام ہی وہ یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ جب تک حالات درست نہ ہوجائیں گے وہ اپنے ایک عزیز کے ساتھ قیام کرے گا۔

تقریباً گیارہ بجے کورنیلیا سوئی۔ طاہرہ نے پھر سیاہ پتلون اور سیاہ جیکٹ پہنی۔ باہر پھیلی ہوئی تاریکی نے اُسے اپنے سینے میں چھپالیا۔

اُس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ اس ملاقات کے علاوہ اور کسی چیز کے متعلق نہیں سوچ رہی تھی حتی کہ ملاقات کا مقصد بھی اُس کے ذہن میں نہیں تھا۔ وہ اندھیرے میں آگے بڑھتی جارہی تھی۔ اس عمارت سے متعلق ڈراؤنی باتیں بھی اُسے یاد نہیں آئیں۔

برآمدے میں پہنچ کر اُس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ لیکن اندر سے جواب نہیں ملا۔ کمرے میں بھی تاریکی تھی۔ اُس نے دروازے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ باہر سے مقفل نہیں تھا۔ دوسرے دروازوں پر جاکر بھی اُس نے اطمینان کرلیا کہ وہ دونوں اندر ہی ہوسکتے ہیں کیونکہ کوئی بھی دروازہ مقفل نہیں تھا۔

اُس نے ایک ایک کرکے سارے دروازوں پر دستک دی لیکن اندر بدستور سناٹا رہا۔ اپنے

کمروں سے یہاں تک آنے میں ذرہ برابر بھی خوف نہیں محسوس ہوا تھا۔ لیکن اب اُس کے پیر کانپنے لگے اور پھر اُسے احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ ایک حماقت میں مبتلا ہوگئی ہے۔

وہ بڑی تیزی سے برآمدے سے اتری اور بے تحاشہ اپنے کمروں کی طرف دوڑنے لگی پیروں میں کرپ سول جاتے تھے ورنہ چوکیدار کو یقیناً اپنی طرف متوجہ کرلیتی جو کہیں تھوڑے ہی فاصلے پر "سوتے جاگتے رہو" کی ہانک لگا رہا تھا۔ وہ اس وقت کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کررہی تھی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے ہانپتے ہوئے سوچا کہ خوف کے احساس میں ایک مخصوص قسم کی بو بھی شامل ہوتی ہے۔ پھر وہ اُس بو کے متعلق سوچنے لگی جو اس وقت اُس کے ذہن پر چھائی ہوئی تھی۔ اس طرح وقتی طور پر خوف کا احساس زائل ہوگیا اور پھر وہ اُس بو کے راز کو بھی پاگئی۔ وہ تو شبنم میں بھیگی ہوئی گھاس کی بو تھی جو اُس کے کپڑوں میں بسی ہوئی نفتھلین کی بُو سے ہم آہنگ ہوکر ذہن پر ایک عجیب سا اثر ڈال رہی تھی۔

اُس نے جیکٹ اور پتلون اُتار کر سونے کا لباس پہنا اور آئینے کے سامنے کھڑی ہوکر اپنے ستے ہوئے زرد چہرے کو گھورنے لگی اُسے اپنے عورت پن پر بڑی کوفت محسوس ہورہی تھی۔ ان دنوں سے پہلے کبھی اُس کے وہم میں بھی یہ بات نہ رہی ہوگی کہ وہ کسی موقعے پر خائف بھی ہوسکتی ہے۔

اُس نے ایک طویل سانس لی۔ لیکن درمیان ہی سے اُس کا سلسلہ منقطع ہوگیا کیونکہ اُس نے اپنے قریب ہی ایک عجیب طرح کی کھڑ کھڑاہٹ سنی تھی.....وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ سنگار میز کی داہنی طرف دیوار میں ایک بڑی سی خلاء نظر آئی۔ طاہرہ نے پھر بے تحاشہ ایک چھلانگ لگائی اور دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے ایک ہلکا سا قہقہہ سنا اور دیوار کی خلاء میں دو چہرے دکھائی دیئے۔ جانے پہچانے چہرے۔

دیکھتے ہی دیکھتے کمال اور ساجد کمرے میں آگئے۔

"تم نے دیکھا۔" کمال آہستہ سے بولا۔

"دیکھا.....!" طاہرہ نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کررہی تھی۔ "لیکن اس طرح" اُس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کہاں تک درست ہے۔"

"مجھے افسوس ہے محترمہ طاہرہ۔" کمال بولا۔ "ہم یہ رات اسی کمرے میں گذاریں گے۔ پھر یہ دیکھئے کہ ہم سچ مچ بھوت تو ہیں نہیں کہ ہماری زندگیاں ہر حال میں محفوظ ہوں.....ذرا ٹھہریئے۔"

کمال خلاء کی طرف واپس گیا۔ طاہرہ صرف اتنا ہی دیکھ سکی کہ اُس نے ایک بار خلاء میں ہاتھ ڈال کر اُسے بڑی سرعت سے باہر نکال لیا اور پھر اُسی قسم کی گھڑگھڑاہٹ کمرے میں گونج کر رہ گئی جیسی پہلے سنائی دی تھی.... دیوار برابر ہو چکی تھی۔ کمال اُس کی طرف لوٹ آیا۔

"اس وقت وہ ہماری تاک میں ہوں گے۔" کمال نے کہا۔ "ہمارے کمروں پر یقیناً ایک منظم حملہ کیا جائے گا جس کے اثرات تم کل صبح بھی دیکھ سکو گی۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ وہ خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اُن کے لباس اچھی حالت میں نہیں تھے۔ اُن پر کافی گرد تھی اور جابجا مکڑیوں کے جالے لپٹے نظر آرہے تھے۔

طاہرہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "بیٹھ جائیے! میں ابھی آپ کے کمروں کی طرف گئی تھی۔"

"واقعی تم بہت باہمت ہو۔" کمال نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

لیکن طاہرہ اپنی بدحواسی یاد کر کے دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھی۔

"میں یہ بتانے گئی تھی کہ....!"

"آہا.... مجھے معلوم ہے کہ وہ شام تک آپ کو ساتھ لئے پھرتا رہا ہے۔"

"آپ کیا جانیں۔"

"دن کی بات ہے۔ کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جو چھپ سکتا۔"

"خیر بہرحال! مجھے تعاقب کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"حالانکہ آپ اُس کا تعاقب ہی کرتی رہی تھیں۔ اگر آپ اُن مقامات کی تفصیل دے سکیں جہاں جہاں وہ گیا تھا تو اس سے مقصد حل ہو جائے گا۔"

"اوہ.... وہ تو میں بتا سکتی ہوں۔" طاہرہ نے کہا اور بیان کر چلی۔

"ذرا ٹھہریئے۔ اگر میں نوٹ کرتا چلوں تو زیادہ بہتر ہوگا مگر اس وقت نہ میرے پاس کاغذ ہے اور نہ قلم۔"

طاہرہ نے سنگار کی دراز سے پنسل اور پیڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ....!"

طاہرہ نے ایک بار پھر تفصیل دہرائی اور وہ نوٹ لیتا گیا۔

"بس ٹھیک۔" اُس نے پنسل میز پر ڈال کر ایک انگڑائی لی اور جیب سے سگار نکال کر اُس کا کونا توڑنے لگا۔

"آپ نے سب انسپکٹر سے سخت کلامی کر کے اچھا نہیں کیا۔" طاہرہ نے تشویش آمیز لہجے

ں کہا۔ "وہ انتقامی جذبہ کے تحت کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کرے گا۔"

"اس کی پروانہ نہ کرو۔ لیکن میں ایک بار پھر تمہیں سمجھاؤں گا کہ اس طرح تنہا باہر نہ نکلا
د۔ اس وقت تم نے ایک بہت بڑی حماقت کی تھی۔"

"آئندہ احتیاط برتوں گی۔ مگر وہ چاہتے کیا ہیں۔ انہوں نے عمارت پر کیوں قبضہ کر رکھا
ے۔ میرا خیال ہے کہ تقریباً سو سال سے عمارت اُن کے قبضے میں ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے اور قبضے کا مقصد غالباً آج بھی وہی ہے جو سو سال پہلے تھا۔"

"کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ اب تم سو جاؤ۔ ہم دونوں اسی کمرے میں رہیں گے۔ لیکن اس
ے کا دروازہ کھلا رہنے دینا۔ شائد دوسرے ہی کمرے میں کورنیلیا سو رہی ہے.... اوہ.... کوئی
ط بات مت سوچو۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اُس کمرے میں بھی ایک چور دروازہ موجود ہے۔"

ہڈیوں کے ڈھانچے

خواب گاہ میں آکر کافی دیر تک طاہرہ ٹہلتی رہی۔ کورنیلیا بے خبر سو رہی تھی۔ دوسرے
ے میں کمال اور ساجد تھے لیکن ساجد اس وقت بہت سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ اُس نے ایک بار بھی
اہرہ کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دونوں کمروں کے درمیان صرف ایک دروازہ حائل تھا
ر کمال کی ہدایت کے مطابق اُسے کھلا ہی رہنے دیا گیا تھا۔ مسہری دروازے کے سامنے ہی تھی۔
اہرہ سوچ رہی تھی کہ ایسی حالت میں مسہری پر لیٹنا اُس کے لئے قریب قریب ناممکن ہی ہوگا۔
ڑ کے دباؤ سے پپوٹے بوجھل ہوئے جارہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ گذر گیا۔ طاہرہ ایک آرام
ی میں پڑی ہوئی نیند سے لڑتی رہی۔ دوسرے کمرے میں بھی ایک مسہری تھی جس پر ساجد
اٹے لے رہا تھا۔ یہ دراصل کورنیلیا کا کمرہ تھا لیکن پچھلی رات سے وہ دونوں ایک ہی کمرے میں
رہی تھیں۔

کمال کی عجیب کیفیت تھی لیکن طاہرہ کو اُس میں ذرہ برابر بھی تصنع نظر نہ آیا۔ وہ کبھی ٹہلنے
لگ کبھی بیٹھ کر سگار کا دھواں بکھیرتا۔ کبھی پنسل سے کچھ لکھنے لگتا۔ اُس نے ایک بار بھی طاہرہ
ے کمرے کی طرف نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود کو تنہا محسوس کر رہا ہو۔ جیسے ساجد

کے خراٹوں کی آوازیں بھی اس کے کانوں تک نہ پہنچ رہی ہوں۔ اکثر وہ پلکیں جھپکائے بغیر کافی دیر تک کمرے کی کسی نہ کسی چیز کو گھورتا رہتا۔

طاہرہ کا ذہن غنودگی سے ہم آغوش ہونے کے باوجود بھی اُس میں کافی دلچسپی لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نامعلوم توجیہہ کی بناء پر مطمئن ہوگئی۔ ساجد اور کمال اُسے اپنے ہی خاندان کے افراد معلوم ہونے لگے۔ ہو سکتا ہے کہ نیند سے بوکھلائے ہوئے ذہن نے اُسے فریب دیا ہو۔ بہرحال وہ آرام کرسی ہی پر سوگئی۔

پھر دوسری صبح وہ خود سے نہیں جاگی۔ کورنیلیا نے اُسے جگایا اور ساتھ ہی وہ اُس پر برس بھی پڑی۔

"کیوں تم آرام کرسی پر کیوں سوئی تھیں۔ کہہ دیا ہوتا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں سو سکتی۔"

"اوہ.... وہ.... بات یہ ہوئی...." طاہرہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اُس نے سوچا کہ کمال وغیرہ کورنیلیا کے بیدار ہونے سے قبل ہی وہاں سے چلے گئے ہوں گے۔ ورنہ وہ آرام کرسی پر سونے کے سلسلے میں شکوہ کیوں کرتی۔

"بس یونہی بیٹھے بیٹھے سوگئی تھی۔ ارادتاً ایسا نہیں ہوا تھا۔" اُس نے کہا۔

پھر وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آئی۔ طاہرہ بہت ذہین تھی اُس نے سوچا کہ کمرے میں اِدھر اُدھر سگار کی راکھ ضرور موجود ہوگی۔ لہٰذا اُسے صاف کر دینا چاہئے۔ ورنہ کورنیلیا خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنادے گی... مگر اُسے کہیں بھی سگار کی راکھ نہ ملی۔ سگار کی راکھ ہی پر منحصر نہیں کمرے میں کہیں بھی کسی دوسرے کی موجودگی کے نشانات نہ ملے۔ ساجد مسہری ہی پر سویا تھا۔ لیکن اُس وقت بستر پر ایک شکن بھی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ساری رات خالی پڑا رہا ہو۔

طاہرہ نے اس سلسلے میں سکوت اختیار کرلیا۔

وہ سارا دن اُن دونوں کمروں میں چور دروازے تلاش کرتی رہی لیکن اُسے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اُس کمرے میں بھی جہاں اُسے پچھلی رات ایک دیوار میں خلاء نظر آئی تھی۔ اس وقت اُس کا نشان بھی نہ مل سکا۔

ساجد اور کمال سے دن بھر ملاقات نہ ہوئی البتہ سرِشام ساگر آیا اور اُس نے بتایا کہ پولیس اسٹیشن میں پھر طلبی ہوئی ہے۔ لیکن گواہوں سمیت۔ لہٰذا اُسے اُن تینوں آدمیوں کو پھر تلاش کرنا پڑے گا جن کی شہادتیں درج کرائی گئی تھیں۔

اس مہم کے لئے طاہرہ نے خود سے اپنی خدمات پیش کیں۔

"میں آپ کو بہت تکلیف دے رہا ہوں۔" ساگر نے شرمندگی ظاہر کی۔ "لیکن آپ کے

پاس کار ہے۔ وقت کم صرف ہوتا ہے۔"

"اسکی پرواہ نہ کیجئے۔" طاہرہ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ "اسمیں میرا مفاد بھی شامل ہے۔"

سب سے پہلے وہ ایک ریستوران میں آئے۔ ساگر نے اُس کے منیجر سے کسی آدمی کے متعلق پوچھ گچھ کی اور پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا باہر نکل آیا۔

"بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔" اُس نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "راجن کو اس وقت یہاں ہر حال میں موجود رہنا تھا۔ دیکھئے اب اختر اور مائیکل بھی ملتے ہیں یا نہیں۔ اس وقت تھانے میں اُن کی حاضری ضروری ہے۔"

"چلئے دیکھتے ہیں۔ ممکن ہے راجن صاحب تھوڑی دیر بعد یہاں آئیں۔" طاہرہ بولی۔ "آپ نے منیجر سے تو کہہ ہی دیا ہوگا۔"

"جی ہاں.... دیکھئے۔"

کار پھر آگے بڑھ گئی۔ سورج دور کی پہاڑیوں میں غروب ہو رہا تھا اور سرسبز چٹانوں پر کئی طرح کے رنگ لہریں لے رہے تھے۔ سریم بالا کی آبادی بکھری ہوئی ہے اور کسی جگہ بھی آدمی کو اس کا احساس نہیں ہونے پاتا کہ وہ کسی شہری آبادی میں ہے۔ ہری بھری پہاڑیوں کے درمیان سفید اور بھوری عمارتیں چاروں طرف پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ طاہرہ کار ڈرائیو کرتے وقت سوچ رہی تھی کہ آج بھی وہ کمال کے لئے خاصی معلومات فراہم کر سکے گی۔ مگر ساگر کا ان معاملات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ وہ پچھلے دو دنوں کے علاوہ ہمیشہ اُسے سیدھا سادہ بے ضرر انسان معلوم ہوا تھا۔ وہ سریم بالا کے لینڈ کسٹم کا انسپکٹر تھا اور طاہرہ کی کوٹھی کے ایک حصے کا مستقل کرایہ دار۔ اُس کے خاندان کے دوسرے افراد نصیر آباد میں کہیں رہتے تھے اور وہ ملازمت کے سلسلے میں سریم بالا میں مقیم تھا۔

کار اونچی نیچی اور چکر دار سڑکوں پر دوڑتی رہی۔

"ساگر صاحب۔" طاہرہ نے اُسے مخاطب کیا۔ "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ گڑبڑ میں انہیں دونوں کا ہاتھ ہے۔"

"ہو یا نہ ہو۔" ساگر بولا۔ "لیکن موجودہ خلفشار کا باعث یہی دونوں ہیں۔ ان کی آمد سے قبل سکون تھا۔ یوں تو ہر ماہ کی گیارہ کی رات کو وہاں شیطانی ہنگامہ برپا ہوتا ہے لیکن دوسرے لوگوں پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"اچھا آپ کے کمرے کی تباہی کا ذمہ دار کون ہو سکتا ہے۔" طاہرہ نے پوچھا۔ "ویسے اس کا

فاؤنٹین پن وہاں ملا ہے.... لیکن....!"

"میں یہ کبھی بھی نہیں سوچ سکتا کہ اسکے ذمہ دار وہ دونوں ہیں۔ بھلا وہ میرے کمروں میں داخل کیسے ہوسکتے ہیں اور پھر وہ کمرہ مقفل تھا۔ میں ہمیشہ کچی نیند سوتا ہوں۔ لیکن یقین کیجئے اُس رات ایک سیکنڈ کیلئے بھی میری آنکھ نہیں کھلی اور سارا سامان چوری ہوگیا۔ کیا یہ کسی آدمی کا کام ہوسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اتنا فرنیچر توڑنے میں اتنا شور ہوتا کہ مردے بھی قبروں سے نکل پڑے۔"

"پھر وہاں.... اُس کے فاؤنٹین پن کا پایا جانا....؟" طاہرہ نے سوال کیا۔

"بدروحوں کی حرکت۔ وہ اسی طرح وہاں سے انہیں ہٹانا چاہتی ہیں۔ اب دیکھئے نا کہ میں نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی ان دونوں کے خلاف رپورٹ درج کرادی ہے۔"

"مجھے تو وہ دونوں بھی بھوت ہی معلوم دیتے ہیں۔" طاہرہ نے کہا۔ "یقیناً وہ ساری رات سو نہ سکتے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اُن کے دماغوں میں فتور ہے۔ وہ اُس روایتی دفینے ہی کے چکر میں ہیں۔ میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے دفینے پر جس کے حصول کے لئے زندگی کو خطرے میں ڈالنا پڑے۔ ویسے یہ روایت بھی مجھے بکواس ہی معلوم ہوتی ہے.... آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ہم سب بھی اسے بکواس ہی سمجھتے رہے ہیں۔" طاہرہ بولی۔ "ورنہ اب تک کوٹھی کا ایک ایک حصہ کھود ڈالا جاتا۔"

"مگر یہ دونوں ہیں کون۔" ساگر نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "اُس نے کل سب انسپکٹر سے کہا تھا کہ وہ جلال آباد یونیورسٹی کے شعبہ روحانیات کا صدر ہے۔ لیکن جلال آباد یونیورسٹی میں روحانیات کا شعبہ ہی نہیں ہے۔"

"روحانیات کا شعبہ ہی نہیں ہے۔" طاہرہ نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں نہیں ہے۔ میں تحقیق کرچکا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" طاہرہ نے کہا۔ "اب تو مجھے اس میں بھی شبہ ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی نصیر آباد نے اُن کی سفارش کی ہوگی۔"

"مجھے بھی یقین نہیں ہے۔" ساگر بولا۔ "یہاں کے انچارج نے اُس کے متعلق معلوم کرنا چاہا تھا لیکن ڈی۔ ایس۔ پی صاحب مل نہیں سکے۔ وہ آج کل دورے پر ہیں۔"

"بس پھر کیا ہے۔" طاہرہ نے خوش ہو کر کہا۔ "سب انسپکٹر انہیں پھانس لے گا۔"

"لیکن یہ بات آپ کو کس سے معلوم ہوئی تھی کہ ڈی۔ ایس۔ پی نے انکی سفارش کی تھی۔"

"چچا جان سے.... نواب عابد صاحب سے۔"

"نہیں محترمہ طاہرہ.... کوئی بات ضرور ہے۔" ساگر سر ہلا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ خود نواب صاحب بھی اب دفینے کے چکر میں پڑ گئے ہیں اور ان دونوں آدمیوں کی مدد سے اُسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے یہی بات ہو۔" طاہرہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن چچا جان نے اس کا اظہار نہیں کیا۔"

جواب میں ساگر نے کچھ نہیں کہا.... کار چلتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے اُسے ایک عمارت کے سامنے رکوایا اور طاہرہ کو منتظر رہنے کا اشارہ کرتا ہوا اندر چلا گیا۔

اب اچھی طرح اندھیرا پھیل گیا تھا۔ طاہرہ نے محسوس کیا کہ اُس نے اتنی دیر میں پورے سریم بالا کا چکر لگا ڈالا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ساگر نے واپس آکر کہا۔

"وہ دونوں تو مل گئے اختر اور مائیکل.... ہوسکتا ہے راجن اب پولیس اسٹیشن پہنچ گیا ہو۔"

پھر اُس نے دوسری طرف مڑ کر کہا۔ "تم دونوں پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

پچھلی نشست کا دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر بیٹھ گئے۔ ساگر طاہرہ کے برابر جا بیٹھا۔

"اب ہمیں سیدھے پولیس اسٹیشن ہی چلنا چاہئے۔" ساگر بولا۔

کار پھر چل پڑی۔ تھوڑی دیر تک چلتی رہی۔ پھر ساگر نے کہا۔

"اوہ ٹھیک یاد آیا۔ میں بھی کتنا احمق ہوں۔ کہیں راجن ہیری کاٹیج میں نہ ہو۔ ذرا کار دائیں طرف موڑ لیجئے۔ یہاں بھی دیکھ لوں۔"

"راستہ ٹھیک نہیں۔" طاہرہ بولی۔

"تو پھر یہیں روک لیجئے۔ آپکو تکلیف تو ہوگی۔ بہت دیر ہوگئی۔ ایک فرلانگ چلنا پڑے گا۔"

طاہرہ نے سنسان سڑک پر کار روک دی۔ لیکن انجن نہیں بند کیا۔ ہیڈ لائیٹس اور اندر کی لائٹ بدستور جلتی رہیں اختر اور مائیکل یا جو کچھ بھی اُن کے نام رہے ہوں پچھلی نشست ہی پر موجود تھے۔ راجن کی تلاش میں ساگر تنہا گیا تھا۔

طاہرہ اب بور ہونے لگی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ قصہ بھی جلد ہی ختم ہو جائے تو اچھا ہے۔ اُس نے دونوں کہنیاں اوپر اٹھا کر ایک انگڑائی لی لیکن ہاتھوں کے گرانے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ وہ پیچھے سے پکڑ لئے گئے تھے۔ قبل اس کے کہ طاہرہ سنبھلتی ایک ہاتھ اُس کے منہ پر پڑا اور وہیں جم کر رہ گیا۔

پھر انجن بند ہوتے ہی روشنی بھی گل ہو گئی۔ طاہرہ کو پچھلی نشست پر کھینچ لیا گیا تھا۔ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ جنبش کرنا بھی محال تھا۔

کسی کا ہاتھ بدستور اُس کے منہ پر جما رہا۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کا گلا بھی گھونٹا جا رہا ہو۔ ذرا سی دیر میں اُس کا ذہن گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔

لیکن دوبارہ ہوش آنے میں بھی دیر نہیں لگی۔ کار ابھی تک چل رہی تھی اور اُس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ منہ میں حلق تک کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا اور وہ سانس لینے میں دشواری محسوس کر رہی تھی۔

اندر کی روشنی بجھی ہوئی تھی۔

بندشیں کچھ اس قسم کی تھیں کہ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد کار رک گئی اور اُسے کار سے نکال کر نیچے زمین پر ڈال دیا گیا۔ طاہرہ کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ وہ کس مقام پر ہے۔ کیونکہ چاروں طرف گہرا اندھیرا تھا۔

پھر دو آدمیوں نے اُسے اٹھایا اور ایک طرف چلنے لگے۔ طاہرہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہی تھی اور اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور اب اُسے سچ مچ خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ اُسے کمال اور ساجد یاد آئے لیکن وہ سوچنے لگی کہ ممکن ہے کہ وہ اب تک اُسے دھوکا دیتے رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ساگر اور وہ ایک ہی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں۔ کچھ دیر بعد طاہرہ نے محسوس کیا جیسے وہ لوگ زینوں سے نیچے اُتر رہے ہوں۔

دوسرے ہی لمحے میں کسی نے ٹارچ روشن کی اور وہ ساگر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اُس کے آگے چل رہا تھا۔ طاہرہ عجیب قسم کی بدبو محسوس کر رہی تھی۔ سیلن کی بو اور بساندھ۔ یقیناً یہ کوئی تہہ خانہ ہی تھا۔

"اب یہ اپنے پیروں سے چلے گی۔" ساگر نے رک کر اُس پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

طاہرہ کو فرش پر ڈال دیا گیا۔ پھر اُس کے ہاتھ پیر رسیوں کی بندش سے آزاد ہو گئے۔ منہ سے کپڑا بھی نکال دیا گیا۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔" طاہرہ نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" ساگر نے نرم آواز میں کہا۔ "تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ مطمئن رہو۔"

وہ پھر چل پڑے۔ یہ کوئی سرنگ تھی جو تقریباً چھ فٹ چوڑی اور آٹھ فٹ اونچی رہی ہو گی۔

بدبو کی وجہ سے طاہرہ کا دم گھٹ رہا تھا۔

ساگر ایک ایسے دروازے کے سامنے رک گیا جس میں بڑا سا قفل پڑا ہوا تھا اور سرنگ یہاں ختم ہونے کے بجائے دو شاخوں میں تقسیم ہو کر مخالف سمتوں میں مڑ گئی تھی۔ ساگر نے قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا اور ٹارچ کی روشنی میں اندر جو کچھ بھی طاہرہ کو نظر آیا اُس کی ایک جھلک ہی رگوں میں خون منجمد کر دینے کے لئے کافی تھی۔ بے شمار ہڈیوں کے ڈھانچے۔ طاہرہ کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمیوں نے اُسے اندر دھکیل دیا۔ طاہرہ کی چیخ تہہ خانے میں گونج کر رہ گئی۔

وہ اُن ڈھانچوں پر جا گری تھی۔ گرنے کے بعد بھی اُس کے منہ سے پے در پے کئی چیخیں نکل گئیں۔

ساگر نے ایک طرف رکھا ہوا مٹی کے تیل کا لیمپ روشن کر دیا۔ طاہرہ بے تحاشہ اٹھ کر دیوار سے جا لگی اور ساگر ہنسنے لگا۔

"ڈرو نہیں۔" اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ "اگر تم میرے سوالات کے صحیح جوابات دو گی تو تمہارا یہ حشر نہیں ہو گا۔"

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔ کوئی چیز اُس کے حلق میں پھنس کر بولنے سے روک رہی تھی۔

ساگر اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اختر اور مائیکل دروازے کے دونوں طرف خاموش کھڑے تھے۔

"وہ دونوں کون ہیں اور کہاں ہیں؟" ساگر نے پوچھا۔

"مم.... میں....!" طاہرہ ہکلا کر رہ گئی۔

"ڈرو نہیں....!"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں۔"

"لیکن تم اُن سے برابر ملتی رہی ہو۔"

طاہرہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پھر....!"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں۔ میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ کون ہیں۔"

"تم وہ قلم میرے کمرے سے اٹھا لے گئی تھیں.... اور پھر اُسے وہیں ڈال گئی تھیں۔ کیا اُسی نے ایسا کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"اُسی نے کہا تھا۔"

"اور اُسی کے مشورے پر تم نے بھی رپورٹ درج کرائی تھی۔"

طاہرہ نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور تم انہیں نہیں جانتیں۔"

"نہیں.....!"

"بکواس ہے..... میں کبھی یقین نہیں کر سکتا۔" ساگر کا لہجہ سخت ہو گیا۔

اور طاہرہ صرف تھوک نگل کر رہ گئی۔

"وہ کہاں ہیں؟" ساگر نے خونخوار آنکھوں سے گھور کر پوچھا۔

"وہیں ہوں گے وہیں..... اور میں کیا جانوں۔"

"نہیں! وہ کل رات سے وہاں نہیں ہیں۔"

"پھر میں کیا بتا سکتی ہوں۔ آپ یقین کیجئے۔ میں ان کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"تم جھوٹی ہو۔" ساگر نے گرج کر کہا۔

طاہرہ کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس مصیبت سے پیچھا چھڑائے۔ وہ اپنی حالت سنبھالے رکھنے کیلئے انتہائی جدوجہد کر رہی تھی۔ وہ حقیقتاً کمال اور ساجد کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھی اُسے بتاتی کیا۔ بہر حال وہ انہیں دونوں کی بدولت اس نامعلوم وبال میں پھنسی تھی اور اب وہ اپنے ایڈونچر کے شوق کو دل ہی دل میں سلواتیں سنا رہی تھی۔

"یوں نہیں جناب۔" دروازے کے قریب کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔ "صرف ایک چھٹانک خون..... عقل ٹھکانے آ جائے گی۔"

"مجبوراً کوئی نہ کوئی اذیت دینی ہی پڑیگی۔" ساگر طاہرہ کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتی ساگر صاحب۔" طاہرہ گڑگڑائی۔

"نہ جانتی ہو گی۔" ساگر نے لاپروائی سے کہا۔ "خیر اب اپنی معلومات میں اضافہ کرو۔ دنیا کے بہتیرے عجائبات ابھی تک تمہاری نظروں سے نہ گذرے ہوں گے۔ تم ایک ذہین لڑکی ہو۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہاری جنرل نالج میں اضافہ ہو۔ کیا تم آدم خور چوہوں کے متعلق علم رکھتی ہو۔"

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔

ساگر نے تھوڑی دیر بعد پھر کہا۔ "تم نہیں جانتیں لیکن میں تمہیں دکھاؤں گا۔ اختر..... وہ پنجرہ لاؤ.....!"

اختر چلا گیا۔ ساگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ طاہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں نہیں چاہتا تھا کہ نواب عابد کے خاندان کا کوئی فرد اس چکر میں پڑ کر موت کا شکار ہو۔ لیکن تم نے مجھے مجبور کر دیا۔ تم ان خوفناک چوہوں کے ساتھ یہاں چھوڑ دی جاؤ گی اور صرف دو دن بعد ہمیں یہاں ہڈیوں کا ایک نیا پنجرہ ملے گا۔"

طاہرہ کانپ گئی۔

ساگر پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور دوسرے ہی لمحے میں اختر خالی ہاتھ کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" ساگر نے حیرت سے پوچھا۔

"جناب! یہاں ہمارے علاوہ بھی اور کوئی موجود ہے۔" اختر ہانپتا ہوا بولا۔

"ہشت کیا بکواس ہے۔ تم نے کسی کو دیکھا ہے۔"

"جی نہیں آہٹیں سنی ہیں۔"

"وہم ہے..... جاؤ..... پنجرہ لاؤ..... وہ بہت دنوں سے بھوکے ہیں اور پھر آج انہیں زندہ گوشت ملے گا..... جاؤ.....!"

"ساگر صاحب! خدا کے لئے۔" طاہرہ گڑگڑائی۔

"مجھے خدا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ویسے وہ چوہے آج ضرور خدا کا شکر ادا کریں گے۔"

اختر دوبارہ چلا گیا تھا اور اب کمرے پر خاموشی مسلط تھی۔ ویسے طاہرہ کو یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ہر سانس چیخ رہی ہو۔ دل کنپٹیوں میں دھڑکتا معلوم ہو رہا تھا۔

اچانک پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی اور اختر دھڑام سے اندر آگرا۔

"جناب..... جناب.....!" وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ "میں نے کسی کو دیکھا ہے۔"

"ضرور دیکھا ہو گا۔" ساگر تلخ انداز میں مسکرایا۔ "اختر میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں تم چاہتے ہو کہ یہ لڑکی صرف آج کی رات بچ جائے۔"

"جناب یقین کیجئے.....!"

"مائیکل تم جاؤ.....!" ساگر کا لہجہ بہت سرد تھا۔

"ٹھہریئے۔" طاہرہ اپنا کانپتا ہوا ہاتھ اٹھا کر بدقت بولی۔ "میں بتاتی ہوں۔ چچا جان نے اُن دونوں کو بھیجا ہے..... دفینہ تلاش کرنے کے لئے..... میں نے چچا جان سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں اس کام میں مدد دوں گی۔ وہ دونوں ڈاکو ہیں بینکوں کی تجوریاں توڑتے ہیں۔ نقب لگاتے ہیں۔"

"مکھیاں مار کر شمار کرتے ہیں۔" ساگر نے قہقہہ لگایا۔ پھر تلخ لہجے میں بولا۔ "اب تم سچ بولو یا

جھوٹ میرے چوہے آج رات بھوکے نہیں رہیں گے اور اختر تم کب تک اس طرح زمین پر پڑے رہو گے.... اٹھو۔"

اختر ہاتھ ٹیک کر اٹھ رہا تھا کہ مائیکل نہ جانے کس طرح اُس کے اوپر آگرا اور دونوں کی چیخیں تہہ خانے میں گونج کر رہ گئیں۔

ساگر جھلا کر پلٹا۔ لیکن اُس کے منہ سے بھی ایک تحیر آمیز آواز نکلی اور طاہرہ کی آنکھیں تو پہلے ہی پھیل گئی تھیں۔

دروازے میں کمال کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"میں یہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں ساگر صاحب۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہ آپ یہ ڈھانچے کس حساب سے فروخت کریں گے۔ یہ اتنے ہی ہیں یا کچھ اسٹاک کسی دوسرے گودام میں بھی ہے۔"

"تم یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے۔" ساگر غرایا۔

اس کی پھرتی یقیناً بڑی حیرت انگیز تھی۔ اس نے طاہرہ کو اپنے آگے کر کے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا اور کمال کے ریوالور کا رخ طاہرہ کے سینے کی طرف تھا۔

لیکن اب طاہرہ کو نہ جانے کیوں اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں رہ گئی تھی۔ اُس نے رہائی کے لئے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے۔

"اختر.... مائیکل....!" ساگر چیخا۔ لیکن اُن کے اٹھنے سے پہلے ہی ساجد کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں لوہے کی ایک موٹی سی سلاخ تھی۔ پہلے اختر ہی سامنے پڑا۔ اور اُسے دوسرے ہی لمحے میں اپنا سر پکڑ کر ڈھیر ہو جانا پڑا۔

پھر مائیکل غرا کر جھپٹا۔ ساجد نے سلاخ گھمائی تو لیکن وہ مائیکل کی گرفت میں آگئی۔ پہلے سلاخ کے لئے زور ہوتا رہا پھر دونوں لپٹ پڑے۔ کمال آہستہ آہستہ ساگر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اچانک اس کا پیر اختر کے سر سے بہتے ہوئے خون پر پھسل گیا اور انتہائی کوشش کے باوجود بھی وہ نہ سنبھل سکا۔ ادھر وہ گرا اُدھر ساگر نے طاہرہ کو چھوڑ کر اُس پر چھلانگ لگادی۔

ریوالور اب بھی کمال کے ہاتھ میں تھا اور ساگر اُسے چھین لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

طاہرہ بے حس و حرکت کھڑی اُن کی کشمکش دیکھ رہی تھی۔ مائیکل یقیناً ساجد سے زیادہ طاقتور تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر گھونسے برسا رہے تھے۔

طاہرہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

اچانک اسکی نظر لوہے کی سلاخ پر پڑی اور اُس نے جھپٹ کر اُسے اٹھالیا۔ پھر وہ آندھی کی طرح ساگر اور کمال کی طرف بڑھی۔ دونوں گتھے ہوئے تھے۔ اس نے سلاخ ساگر کے سر پر رسید کردی مگر دوسرے ہی لمحے میں اُسکے ہاتھ پیر پھول گئے کیونکہ وہ کراہ ساگر کی نہیں بلکہ کمال کی تھی۔

وہ سب کیا تھا

غلطی کا احساس ہوتے ہی سلاخ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اُس نے بدحواسی میں ساگر کی بجائے کمال کے سر کو نشانہ بنالیا تھا۔

یہ لمحہ واقعی عجیب تھا۔ طاہرہ اُن دونوں پر جھکی ہوئی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ دفعتاً ساگر اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ ریوالور اُس کے ہاتھ میں تھا اُس نے کمال پر فائر کر دیا جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ طاہرہ نے اُسے اچھل کر دوسری طرف گرتے دیکھا اور وہ پاگلوں کی طرح ساگر پر ٹوٹ پڑی۔

پھر فائر ہوا اور گولی اُس کے داہنے بازو اور پسلیوں کے درمیان سے نکل گئی۔

طاہرہ کو دراصل ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔

کمال نے پھر ساگر پر چھلانگ لگائی اور طاہرہ ہڈیوں کے ڈھانچے پر جاپڑی اُس نے ساگر کو کمرے سے بھاگتے دیکھا۔

لیکن کمال اُس کے پیچھے جانے کی بجائے مائیکل پر جھپٹا جو ساجد کو زمین پر گرائے ہوئے اُس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں طاہرہ نے اُسے کمال کی گرفت میں دیکھا وہ اُسے اپنے سر سے اونچا اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے اُسے فضا میں بلند کر کے سامنے والی دیوار پر دے مارا۔

مائیکل کے حلق سے ایک ہی چیخ نکل سکی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آخری چیخ رہی ہو۔

طاہرہ اب بھی ہڈیوں کے ڈھانچوں پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے جسم میں آنکھوں اور تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ہو.... کمال نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھایا۔

"وہ.... وہ نکل گیا۔" طاہرہ بدقت تمام بولی۔

"باہر نہیں نکل سکتا.... میں نے ساری راہیں پہلے ہی مسدود کردی ہیں۔ مگر ریوالور اُس کے پاس ہے۔"

قریب ہی ساجد کھڑا ہانپ رہا تھا۔

"آپ کے سر سے خون بہہ رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"محترمہ طاہرہ کی مہربانی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"دیکھیئے.... وہ.... غلطی....!" طاہرہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔ نہ جانے کیوں اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان امنڈ آیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"انہیں سنبھالو۔" کمال نے ساجد سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"میں تمہیں کسطرح سنبھالوں۔" ساجد طاہرہ کے قریب جاکر بولا مگر وہ بدستور روتی رہی۔

"اب ایسی صورت میں میں بھی رونا شروع کردوں تو کیسی رہے۔" ساجد نے کہا۔

طاہرہ اب بھی کچھ نہ بولی۔ بس وہ روئے جارہی تھی اور اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیوں رورہی ہے۔ اُس نے کئی بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دباکر خاموش ہونے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہی۔

"کیا یہ رونا بھی ایڈونچر میں شامل ہے۔" ساجد جل کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے.... مجھے افسوس ہے۔" طاہرہ بدقت تمام بولی۔

اور ساجد اچھل پڑا۔ اس کی وجہ شائد فائر کی آواز تھی جسے طاہرہ نے بھی سنا تھا۔ وہ حیرت انگیز طور پر خاموش ہوگئی۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی کار میں پورے بریک لگ گئے ہوں۔

ساجد دروازے کی طرف جھپٹا۔ طاہرہ بھی اُس کے پیچھے بھاگی لیکن سرنگ کے سرے پر پہنچ کر ساجد رک گیا۔

طاہرہ بھی سوچنے لگی کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔

وہ تین سرنگوں کے دہانے پر کھڑے تھے اور اس کا فیصلہ کرنا آسان کام نہیں تھا کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔

"اس طرح آگے بڑھنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔" ساجد بڑبڑایا۔ "وہ اس وقت پاگل ہورہا ہے اور اُس کے ہاتھ میں ریوالور ہے۔"

"کمال صاحب تنہا ہیں۔" طاہرہ نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ تنہائی میں اُن کے ہاتھ بہت تیزی سے چلتے ہیں۔"

"میں مطمئن نہیں ہوں۔"

"آہا....!" ساجد جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تمہیں میری فکر کیوں نہیں ہے۔ کمال صاحب میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔"

"آپ ایسی حالت میں بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آرہے ہیں۔" طاہرہ نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"لیکن اسکے باوجود بھی آج تک میری شادی نہیں ہوسکی۔" ساجد ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔

اور ٹھیک اسی وقت انہیں قدموں کی آواز آئی جو داہنی طرف کی سرنگ سے آرہی تھی۔

"کون ہے؟" طاہرہ نے سرگوشی کی۔

"چلنے کا انداز.... اپنے تیس مار خاں ہی کا سا ہے۔" ساجد بولا۔

اور پھر کمال روشنی میں آگیا۔

"وہ نکل گیا۔" اُس نے کہا۔ "لیکن.... اب بھی میری دسترس سے باہر نہیں ہے۔ تم طاہرہ کو اُن کے کمرے میں لے جاؤ اور وہیں میرے منتظر رہنا۔"

"میری کار نہ جانے کہاں ہوگی۔" طاہرہ بڑبڑائی۔

"میں تمہاری کار ہی پر واپس آؤں گا۔ جاؤ۔"

طاہرہ ساجد کے ساتھ چلتی رہی۔ اُسے وقت کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔

اُسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کیسے اپنے کمرے میں پہنچی۔ ساجد نے چور دروازہ کھلا ہی رہنے دیا تھا۔

کورنیلیا موجود نہیں تھی اور کمرہ باہر سے مقفل تھا۔

طاہرہ نے دیوار سے لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔

"وہ یقیناً میری تلاش میں گئی ہوگی۔" طاہرہ نے کہا۔

"وہ رمبا بہت اچھا ناچتی ہے۔" ساجد بولا۔ "کیا تم بھی ناچ سکتی ہو۔"

"ساجد صاحب پتہ نہیں آپ دونوں کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"ہم دونوں پٹھان قسم کے آدمی ہیں۔ کمال صاحب نسلاً آفریدی ہیں۔ اور میں.... میری نسل کا پتہ آج تک نہیں چل سکا۔ ویسے تلاش جاری ہے۔"

"مجھے ان حادثات کے متعلق بتایئے۔"

"اگر یہ حادثات تھے تو مجھے ان پر پھر غور کرنا پڑے گا۔ کیونکہ میں تو ابھی تک پنگ پانگ کھیلتا رہا ہوں لیکن اگر تم کمال صاحب سے پوچھو تو وہ کہیں گے کہ میں لوڈو کھیل رہا تھا۔ بس طاہرہ صاحبہ! اس سے زیادہ میں کبھی کچھ نہیں جانتا۔"

"وہ ہڈیوں کے ڈھانچے کیسے تھے۔"

"کچھ پرانے تھے اور کچھ نئے۔ ویسے اپنے کام کا ایک بھی نہیں تھا۔"

"آپ مجھے چڑھا رہے ہیں۔" طاہرہ جھنجھلا گئی۔

"میں بہت تھک گیا ہوں طاہرہ صاحبہ۔" ساجد کچھ اور کہتے کہتے رک گیا پھر آہستہ سے بولا۔ "شاید ادھر کوئی آرہا ہے۔ اچھا میں چلا۔ ممکن ہے کورنیلیا ہو۔ میں دروازے کی طرف سے واپس آؤں گا اور اُس وقت مجھے گرما گرم کافی کا ایک کپ درکار ہوگا۔ کورنیلیا سے ان واقعات کا تذکرہ مت کرنا۔ کسی سے بھی نہیں سمجھیں۔"

ساجد چور دروازے میں اُتر گیا اور دیوار برابر ہوگئی۔ ساتھ ہی کسی نے باہر کے قفل میں کنجی گھمائی۔ آنے والی کورنیلیا ہی تھی۔ طاہرہ کو کمرے میں دیکھ کر اُس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ وہ سچ مچ ڈر گئی تھی۔ لیکن طاہرہ نے اُسے بتایا کہ شاید وہ دوسری طرف کا دروازہ اندر سے بند کرنا بھول گئی تھی وہ کھلا ہوا تھا۔ لہٰذا اُسے اندر پہنچنے میں دشواری نہیں ہوئی۔

"تم ساگر صاحب کے ساتھ گئی تھیں۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"ہاں پھر اُس کے بعد اپنے ایک عزیز کے گھر چلی گئی تھی۔" طاہرہ نے بات ختم کردی۔

تھوڑی دیر بعد ساجد واپس آگیا۔ اس دوران میں طاہرہ نے کافی کے لئے ہیٹر پر پانی رکھ دیا۔

اُس کے آتے ہی نیا ہنگامہ شروع ہوگیا۔ اُس نے کورنیلیا کو پھر رمبا ناچنے پر آمادہ کرلیا۔

طاہرہ کو الجھن ہورہی تھی۔ اُس کے ذہن پر اب بھی ہڈیوں کے ڈھانچے مسلط تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ اگر کمال اور ساجد وہاں نہ پہنچتے تو اس کا کیا حشر ہوتا.... آدم خور چوہے.... وہ کانپ گئی۔

گراموفون کی موسیقی کمرے میں گونج رہی تھی۔ کورنیلیا اور ساجد ناچ رہے تھے۔ پھر طاہرہ کو مائیکل یاد آیا جسے کمال نے دیوار پر دے مارا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ وہ تو یقیناً مر گیا ہوگا۔ اختر کے سر پر ساجد نے سلاخ ماری تھی اور اب اتنے اطمینان سے ناچ رہا ہے جیسے سچ مچ وہ ابھی تک پنگ پانگ ہی کھیلتا رہا ہو۔

موسیقی کے ساتھ ہی ساتھ کورنیلیا کے چیختے ہوئے قہقہے بھی کمرے میں گونج رہے تھے۔

"بس بند کرو۔" طاہرہ جھنجھلا کر چیخی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس پر ہسٹریا قسم کا کوئی

دورہ پڑ جائے گا۔ ذہنی انتشار انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

دونوں ناچتے ناچتے رک گئے۔ ریکارڈ سے ساؤنڈ بکس اٹھا دیا گیا اور ساجد نے طاہرہ سے کہا۔

"ابھی تو اچھی بھلی تھیں۔"

"تم لوگ مجھے پاگل بنادو گے۔" طاہرہ نے پھٹی پھٹی سی آواز میں کہا اور دوسرے کمرے میں آکر دروازہ بند کرلیا۔ وہ دونوں دوسری طرف سے دروازہ ہی پیٹتے رہ گئے۔

طاہرہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر آرام کرسی میں گر گئی۔

اُس پر سچ مچ غشی سی طاری ہوتی جارہی تھی۔

دوسری صبح اُسے کورنیلیا سے معلوم ہوا کہ کمال پچھلی رات آکر ساجد کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ اس کے بعد سے دونوں کا کوئی پتہ نہیں اور کوٹھی کی کمپاؤنڈ پولیس والوں سے بھری ہوئی ہے۔ طاہرہ بوکھلا کر باہر نکل آئی۔

حقیقتاً کمپاؤنڈ میں چاروں طرف پولیس ہی پولیس نظر آرہی تھی۔ طاہرہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف چل پڑی لیکن وہاں مسلح پہرہ تھا۔ اُسے برآمدے میں بھی نہیں جانے دیا گیا۔

اُس نے ایک کانسٹیبل سے کہا۔ "میں کمال صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"یہاں کوئی کمال وَمال نہیں ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"کل تو تھے۔"

"میں نہیں جانتا۔ اُدھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

طاہرہ چپ چاپ پلٹ آئی اور دن بھر خاموشی سے سب کچھ دیکھتی رہی۔ کمال اور ساجد کا کہیں پتہ نہ تھا۔ گیراج سے ان کی کار بھی غائب تھی لیکن خود طاہرہ کی کار موجود تھی۔ اُسے اپنی کار کے اسٹیرنگ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا بندھا ہوا نظر آیا۔ طاہرہ نے مضطربانہ انداز میں اُسے کھینچ کر کھول ڈالا۔ اس میں اُسی کو مخاطب کرکے کمال نے لکھا تھا۔

"ان واقعات سے متعلق اپنی زبان ہمیشہ بند رکھنا۔ میں تمہارا شکر گذار ہوں تم بہت دلیر لڑکی ہو۔ بہت جلد تم سے دوبارہ ملاقات ہونے کی توقع ہے۔ پھر میں تمہیں سب کچھ بتادوں گا۔"

طاہرہ نے اس تحریر کو کئی بار پڑھنے کے بعد کاغذ کا ٹکڑا بلاؤز کے گریبان میں رکھ لیا۔

تین دن تک طاہرہ وہاں مقیم رہ کر پولیس کی کاروائیاں دیکھتی رہی۔ لیکن وہاں پولیس کی موجوگی کی وجہ کسی کو بھی نہ معلوم ہوسکی۔ کورنیلیا اس ماحول میں نہ ٹھہر سکی۔ وہ دوسرے ہی دن سے رخصت ہوگئی تھی۔

تیسرے دن طاہرہ نے بھی اپنا سامان کار کی اسٹپنی میں رکھوادیا لیکن پولیس والوں نے کوئی تعرض نہ کیا.... طاہرہ کے ذہن پر عجیب طرح کی اداسی مسلط تھی۔

اُسکی کار سریم بالا کی پیچیدہ اترائیوں سے نکل کر میدان میں آگئی۔ آج وہ بہت بے دلی سے ڈرائیو کررہی تھی۔ اُسے تیز قسم کی ڈرائیونگ سے عشق تھا۔ لیکن آج اُسکی کار کی رفتار بہت کم تھی۔

اچانک ایک تیز رفتار کار برابر سے نکلی اور کوئی گیلی سی چیز اُس کے گال سے ٹکرا کر گود میں آرہی۔ یہ کیلے کا چھلکا تھا۔ یک بیک اُس کا دل خوشی سے ناچ اٹھا۔

دوسری کار آگے جاکر رک گئی تھی۔ طاہرہ نے رفتار بڑھادی اور چشم زدن میں اُس کے برابر پہنچ گئی۔ اسٹیئرنگ کے سامنے ساجد بیٹھا ہوا گال کھجارہا تھا اور کمال پچھلی نشست پر تھا۔ طاہرہ سے نظر ملتے ہی وہ عجیب انداز سے مسکرایا۔

پھر وہ سب کاروں سے نیچے اُتر آئے۔

"میں تمہارا شکر گذار ہوں کہ تم نے کسی سے اُس کا تذکرہ نہیں کیا۔" کمال نے کہا۔ "آؤ اِدھر درخت کے نیچے آجاؤ۔"

وہ ایک سایہ دار درخت کی نیچے جابیٹھے۔ ساجد خاموش تھا۔

"اسکا تذکرہ کسی سے کبھی مت کرنا۔" کمال نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر طاہرہ کیطرف بڑھاتے ہوئے کہا اور دفعتاً طاہرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کارڈ پر تحریر تھا۔ "کرنل فریدی۔"

"آپ.... آپ....!"

"ہاں! میں ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تم نے ہماری بہت مدد کی ہے۔"

طاہرہ کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔ وہ اس وقت ملک کے ایک بہت بڑے آدمی سے ہم کلام تھی وہ جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔

"میرے وزیٹنگ کارڈ ابھی چھپ کر نہیں آئے۔" ساجد بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ورنہ تم میری شخصیت سے بھی واقف ہو جاتیں۔ لوگ مجھے کیپٹن حمید کے نام سے یاد کرتے ہیں اور بھلا دیتے ہیں۔"

طاہرہ خاموش ہی رہی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کہنا چاہئے۔

"ساگر گرفتار ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ درندوں اور فرشتوں کا گروہ تھا۔ اُن کے آباؤ اجداد ٹھگ تھے مگر غالباً اُن ٹھگوں سے مختلف جو کالی دیوی کے پجاریوں میں سے تھے اور اُسے انسانوں کی بھینٹ دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا دیوتا کالی سے مختلف ہے۔ کم از کم اپنے یہاں کی

ضمیات سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ ٹھیک گیارہویں زینے کے نیچے والے تہہ خانے میں اُس کا بت شکستہ حالت میں موجود ہے۔ یہ لوگ وہاں ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو انسانی قربانی دیا کرتے تھے۔ اس عمارت کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ وہ غدر سے پہلے ان ٹھگوں کی عبادت گاہ تھی۔ اُن کی نسلیں آج تک وہاں عبادت کرتی رہی ہیں اور ان کا طریقہ کار یہی تھا جو تم دیکھ اور سن چکی ہو۔ دوسروں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی تھی کہ وہ حصہ آسیب زدہ ہے۔ لہٰذا لوگ اُس سے دور ہی دور رہتے تھے۔ بہر حال یہ مذہب پوشیدہ طور پر اب تک زندہ رہا۔ اس کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ اگر وہ دیوتا کو انسان کی بھینٹ نہ دیں گے تو مفلس ہو جائیں گے۔ اُن کے نام ہندوؤں مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کے سے ہیں لیکن حقیقتاً ان مذاہب سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا دیوتا دولت کا دیوتا ہے۔ دولت اس کی رحمت ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔ اور وہ اُسے خوش کرنے کے لئے اُس پر اپنے ہی جیسے انسانوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ ساگر اُن کا مذہبی پیشوا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ لینڈ کسٹم کا انسپکٹر تھا۔ لیکن اُس سے زیادہ دولت مند شاید ہی ان اطراف میں اور کوئی نکل سکے۔ اس کا دیوتا رشوت کی شکل میں اس پر اپنی رحمتیں نازل کرتا رہا۔ وہ لاکھوں کا آدمی ہے۔ اب تک تقریباً ڈیڑھ سو افراد گرفتار ہو چکے ہیں لیکن ان میں ایک بھی مفلس نہیں ملا۔ انہیں انسانی خون کے عوض دولت ملی ہے۔"

تھوڑی دیر کے لئے سکوت ہو گیا۔ پھر طاہرہ بولی۔

"لیکن آپ اس واقعے کو چھپانا کیوں چاہتے ہیں۔"

"مصلحت....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "تم جانتی ہو کہ یہ خبر آگ کی طرح ساری دنیا میں پھیل جائے گی اور ہم مہذب ممالک کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ رہ جائیں گے۔ تم خود سوچو کتنی بُری بات ہے۔"

"ہے تو....!"

"تم نے ہڈیوں کے ڈھانچے دیکھے۔ تھے۔ ایسے ہی سیکڑوں ڈھانچے دوسرے تہہ خانوں میں پٹے پڑے ہیں۔ یہ سب انہیں آدمیوں کے ڈھانچے ہیں جو اب تک اُس خونی دیوتا پر قربان کئے جاتے رہے ہیں۔ ان کم بختوں کے پاس سے کئی طرح کی بلائیں برآمد ہوئی ہیں۔ گوشت خور چوہے۔ خوفناک بن مانس۔ مردہ خور بجو مگر حیرت ہے کہ یہ لوگ اب تک بچے رہے۔"

طاہرہ خاموش رہی۔ وہ کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ مگر سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہنا چاہتی ہے آخر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ مطمئن رہئے۔ میرے گھر والوں کو بھی اس کا علم نہ ہونے پائے گا۔"

"شکریہ.....!" فریدی بولا۔ "اور میں ایک بار پھر اس کا اعتراف کروں گا کہ تم عام عورتوں سے بہت مختلف ہو۔ بہت دلیر۔ لیکن ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کروں گا کہ آئندہ الٹے سیدھے ایڈونچر سے احتراز کرنا۔ اکثر تم آنکھیں بند کر کے بہت آگے بڑھ جاتی ہو۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ نہ جانے کیوں وہ سوچ رہی تھی کہ فریدی کو اس کے علاوہ بھی اور کچھ کہنا چاہئے۔ لیکن اُس نے اور کچھ نہیں کہا۔ پھر دونوں بہت ہی مخلصانہ انداز میں مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے۔

طاہرہ کے ذہن پر کئی دنوں تک اُداسی چھائی رہی۔

وہ اکثر بے خیالی میں بڑبڑانے لگتی۔ "کمال کاش تم.... سچ مچ کمال ہوتے۔ ایک گمنام شخصیت.... ایک معمولی آدمی....!"

پھر خود ہی کہتی۔ "کیا بکواس ہے.... میں.... کیا بک رہی ہوں۔ وہ کسی ناول کا پلاٹ نہیں تھا۔ کسی فلم کی کہانی نہیں تھی جس میں میں نے ہیروئن کا رول ادا کیا ہو۔"

لیکن وہ بے نام سی اداسی ہر وقت اُس کے ذہن پر چھائی رہتی۔ وہ زبردستی ہنسنے کی کوشش کرتی.... بے تحاشہ قہقہے لگاتی.... لیکن اس کے بعد اس کا دل اور زیادہ ڈوبنے لگتا۔

ختم شد

ابنِ صفی

لد نمبر 17

جاسوسی دنیا

53- سرخ دائرہ

54- خونخوار لڑکیاں

55- سائے کی لاش

پیشرس

"سرخ دائرہ" کی کہانی موجودہ سوسائٹی کے ایک گھناؤنے رخ کو بے نقاب کرتی ہے۔ ابن صفی نے اس سے قبل بھی مختلف صورتوں میں ان تلخ حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو ہمارے معاشرے میں اپنی غلاظتوں کے ساتھ گھس آئی ہیں اور جنہوں نے زندگی کا چہرہ مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ چوری، ڈکیتی، اغوا اور اسی طرح کے جرائم پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ لیکن آج کی زندگی نے تعیش پسندی اور سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے کچھ ایسی چیزیں بھی شامل کردی ہیں جو بہت ہی انوکھے اور بے رحمانہ جرائم کا سبب بن جاتی ہیں۔ آج کا مجرم زیادہ چالاک ہے۔ اسی لئے وہ پردے کا شکاری بن کر شکار کھیلتا ہے۔

"سرخ دائرہ" ایسی ہی حقیقتوں کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ بینکوں کے ڈاکو، تجوریوں کے نقب زن اور اسی قماش کے مجرم آپ کو ملیں گے اور ان کا ماحول ہے ہوٹلوں کی زندگی، ریس کے میدان اور اونچی سوسائٹیوں کی عیاشی!

ان میں کچھ ایسے بھی "شریف آدمی" ہیں جنہوں نے فلسفیوں کے نام پر اپنے نام رکھ چھوڑے تھے؟ کیوں؟ اسکا جواب کوئی بھی نہ دے سکا۔ یہ ایک بھیانک طنز تھا۔

اس میں اپنے پرانے، جھلائے ہوئے شکست خوردہ آصف سے ملئے۔ اس کی جھلاہٹ دوسروں کے قہقہوں کا سبب بن جاتی ہے۔ اس میں ایک سراغ رساں "عورت" بھی ہے اور آپ سوچ سکتے ہیں کہ اگر "عورت" کے ساتھ حمید کو تفتیش کا موقع مل جائے تو اس کا کیا عالم ہوگا۔

اس کہانی میں کھوج، واقعات کی تفتیش، چھان بین کے طریقے اور سراغ رسانی کے جدید انداز کا بہت دلچسپ تذکرہ ہے اور ابن صفی کا یہی آرٹ ہے کہ وہ ہمیشہ ہر بار، ہر کہانی میں اپنے قارئین کے سامنے ایک نئی دنیا پیش کرتے رہتے ہیں۔

پبلشر

دھمکی

یہ میٹنگ محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ کی صدارت میں ہو رہی تھی۔

محکمے کے بہترین اور بدترین دماغ وہاں موجود تھے۔ ان میں کرنل فریدی بھی تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اس میٹنگ سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ اس کی نظر تو تقریر کرتے ہوئے سپرنٹنڈنٹ کے چہرے پر تھی مگر ذہن کہیں اور تھا۔ ویسے اس کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار ضرور تھے۔

"کیپٹن حمید..... انسپکٹر آصف اور لیفٹیننٹ سنگھ کے درمیان بیٹھا ہوا نئی لیڈی انسپکٹر مس ریکھا لارین کو گھور رہا تھا۔ یہ ایک عیسائی لڑکی تھی۔ پہلے زنانہ پولیس فورس میں تھی۔ پھر ابھی حال ہی میں محکمہ سراغ رسانی میں منتقل کردی گئی تھی اور فریدی نے اس کے متعلق پیشین گوئی کی تھی کہ وہ ذہانت کے معاملے میں کئی سینئر انسپکٹروں پر بھی سبقت لے جائے گی۔ حمید کو اس کے ہونٹوں کی تراش بہت پسند تھی۔ عورتوں کی ذہانت سے اسے آج کل کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بیوقوف سے بیوقوف عورت بھی اگر حسین ہو تو ہزاروں افلاطونوں پر حکومت کرسکتی ہے۔ لہٰذا ذہانت کی وجہ سے کسی عورت کو کریڈٹ دینا ذہنی بے مائیگی کا سب سے بڑا

ثبوت ہے۔ اگر وہ ذہین بھی ہوتی ہے تو ذہانت سے کام لینا ہرگز نہیں جانتی۔

مگر اس میٹنگ کا مقصد ریکھا کے حسن کے متعلق اظہار خیال کرنا نہیں تھا۔ یہ لوگ ایک اہم مسئلے پر غور کرنے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔ شہر میں پچھلے چند ماہ سے کچھ اس قسم کی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ جو نوعیت کے اعتبار سے قصہ کہانیوں والے جرائم سے کسی طرح کم نہیں تھیں۔ ان وارداتوں میں قتل بھی تھے اور ڈاکے بھی۔ چوریاں اور اغواء کے کیس بھی۔ خیال یہ تھا کہ یہ کسی ایک ہی گروہ کی حرکت ہے اور اس خیال کا محرک تھا سرخ دائرہ!

”سرخ دائرہ“ سپرنٹنڈنٹ حاضرین کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔ ”آپ جانتے ہیں کہ اب تک جتنی بھی وارداتیں ہوئی ہیں ان میں ہمیں سرخ سے دائرے سے ضرور دو چار ہونا پڑا ہے۔ سرخ دائرہ! آپ اس کی نوعیت سے واقف ہیں۔ اسی بناء پر میرا خیال ہے کہ یہ لوگ پرانے اور عادی قسم کے مجرم نہیں ہیں! بلکہ یہ نومشقوں مگر پڑھے لکھے لوگوں کا گروہ ہے۔ جس نے پولیس اور پبلک کو خوفزدہ کرنے کے لئے سرخ دائرے کا ڈھونگ رچایا ہے۔ ورنہ ایسی چیزیں صرف جاسوسی ناولوں اور کہانیوں ہی تک محدود ہیں۔ ابھی تک یہ لوگ پکڑے نہیں جا سکے۔ بلکہ ان کا نشان تک نہیں مل سکا۔ وجہ یہ ہے کہ ہم ان کے معیار سے بلند ہو کر سوچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں یہ سرخ دائرہ ورغلاتا ہے۔ ہمارے ذہن میں کسی بہت ہی منظم قسم کی دہشت پسند پارٹی کا تصور ابھرتا ہے۔ لہٰذا ہم اسی کی مناسبت سے اپنا طریق کار متعین کرتے ہیں۔ ہمیں دراصل خرگوشوں کا شکار کرنا ہے لیکن ہم ہاتھیوں کے شکار کا سامان لے کر نکلتے ہیں۔ دراصل خرگوش کے شکار کا ہمیں خیال تک نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ جب ہم ہاتھیوں کے لئے نکلیں گے تو خرگوشوں پر ہماری نظریں ہی نہ پڑیں گی۔ غالباً آپ لوگ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ بہرحال میں یہ چاہتا ہوں کہ اب یہ قضیہ ختم ہو جائے تو بہتر ہے۔ معاملہ اب سول پولیس کے ہاتھوں سے نکل کر ہم تک آ گیا ہے۔“

سپرنٹنڈنٹ اپنا پائپ سلگانے کے لئے خاموش ہو گیا۔

حمید نے مڑ کر فریدی کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی اور وہ اب بھی سپرنٹنڈنٹ ہی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ نیا تھا۔ ابھی حال ہی میں کسی دوسری جگہ سے منتقل ہو کر یہاں آیا تھا۔ اس سے پہلے فوج کی سیکرٹ سروس میں رہ چکا تھا۔ وہ پائپ کا کش لے کر اپنے چہرے کے سامنے دھواں بکھیرتا ہوا بولا۔

”میرے اکثر ساتھیوں کو شکایت ہے کہ انہیں کام کرنے کے لئے بہت کم مواقع نصیب ہوتے ہیں۔“

اس نے خاموش ہو کر خاص طور سے فریدی کی طرف دیکھا۔ لیکن اب فریدی جیب سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے سپرنٹنڈنٹ کا یہ جملہ سنا ہی نہ ہو۔

سپرنٹنڈنٹ پھر بولا۔ ”میری خواہش ہے کہ یہ کام کسی ایک کی بجائے کئی افراد کی ایک پارٹی کے سپرد کر دوں۔“

”جس کا سربراہ کسی مکھن باز کو بنایا جائے۔“ حمید آہستہ سے بولا اور انسپکٹر آصف اسے خونخوار آنکھوں سے گھور کر رہ گیا۔ البتہ دوسری طرف بیٹھا ہوا لیفٹیننٹ سنگھ بے اختیار مسکرا پڑا۔

”یہ پارٹی.... انسپکٹر آصف کی قیادت میں کام کرے گی۔“ سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

”آہم....!“ حمید نے لیفٹیننٹ کو آنکھ ماری۔

”پارٹی کے دوسرے ممبروں کے نام ہیں۔“ سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور پائپ کا ایک طویل کش لے کر دھواں نکالتا ہوا بولا۔ ”انسپکٹر جاوید، لیفٹیننٹ سنگھ، مس لارسن اور سب انسپکٹر تنویر۔“

پھر کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔

ریکھا لارسن کنکھیوں سے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فریدی کے چہرے پر بڑی بشاشت تھی۔

ایک بار انسپکٹر آصف نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ فریدی کی عادت ہی کچھ اسی قسم کی تھی کہ وہ اپنے دشمنوں کو بھی خوش ہونے کا موقع نہیں دیتا تھا۔

”دیکھا آپ نے۔“ انسپکٹر مکر جی نے فریدی کی طرف جھک کر کہا۔

"ہاں آں....!" مجھے خرگوش کے شکار سے کوئی دلچسپی نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"میں ان حضرت کا شکر گزار ہوں۔"

پھر سپرنٹنڈنٹ نے طریقہ کار کے متعلق بحث چھیڑ دی۔ اس میں زیادہ تر وہی لوگ حصہ لے رہے تھے جن کے ناموں کا اعلان کیا گیا تھا۔

اچانک سپرنٹنڈنٹ نے فریدی کو مخاطب کر کہا۔

"کرنل فریدی! کیا آپ گفتگو میں بھی حصہ نہ لیں گے۔"

"اوہ....!" فریدی ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ مجھے خرگوشوں کے شکار کا تجربہ ہی نہیں۔"

"ہم ....خیر....!" سپرنٹنڈنٹ دوسری طرف مخاطب ہوگیا۔ اگر اس کا بس چلتا تو اس جواب پر فریدی کی بوٹیاں اڑا دیتا۔

یہاں کئی لوگوں کے چہروں سے کبیدہ خاطری ظاہر ہو رہی تھی لیکن وہ خاموش تھے۔ البتہ فریدی کے اس جواب نے انہیں کسی حد تک خوش ضرور کر دیا تھا۔

"اب یہاں ہمارے بیٹھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" مکر جی نے فریدی سے کہا۔

"ڈسپلن....مسٹر مکر جی۔" فریدی بولا۔

مکر جی بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

دوسری ہی صبح ان پانچ افراد کو ایک نئے کیس سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ کنگس لین کے ایک متمول آدمی کی لاش تھی جس کی آنتیں پیٹ سے نکل کر فرش تک لٹک آئی تھیں اور اس کے قریب ہی فرش پر سرخ دائرہ موجود تھا' جسے بنانے کے لئے سرخ رنگ کی چاک استعمال کی گئی تھی۔ یہ قتل زوروا سکوائر میں ہوا تھا اور لاش خواب گاہ میں پائی گئی تھی۔

عمارت میں مقتول کے علاوہ آٹھ افراد اور بھی تھے۔ لیکن وہ سب رات بھر بے خبر سوتے رہے تھے۔ لاش صبح آٹھ بجے دیکھی گئی۔

خواب گاہ میں چاروں طرف ابتری نظر آ رہی تھی۔ شائد ہی کوئی چیز اپنی پچھلی حالت میں رہی ہو۔ صاف ظاہر تھا کہ وہاں خاصی ہڑبونگ ہوئی ہوگی لیکن اس کے باوجود بھی برابر کے کمرے میں سونے والی کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ وہ مقتول کی لڑکی تھی اور اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہمیشہ کچی نیند سوتی ہے۔ اگر کوئی پنجوں کے بل چلتا ہوا بھی اس کی قریب سے گذر جائے تو اس کا جاگ پڑنا لازمی ہوگا۔

انسپکٹر آصف کی پارٹی بڑے انہماک سے لاش اور کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ لیکن خود انسپکٹر آصف دور کھڑا انہیں اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے سکول ماسٹر نے اپنے کچھ شاگردوں کو حل کرنے کے لئے کوئی سوال دیا ہو اور اب ان کے جوابات کا منتظر ہو۔

ریکھا کے علاوہ سب لوگ لاش کے پاس سے ہٹ کر دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ریکھا لاش کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ خصوصیت سے مرنے والے کا بایاں ہاتھ اس کی توجہ کا مرکز تھا۔

آصف پہلے ہی لاش کا جائزہ لے چکا تھا۔ کچھ دیر بعد ریکھا لاش کے پاس سے ہٹ کر آصف کے قریب آ گئی۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" اس نے آصف سے پوچھا۔

"نہیں مس ریکھا۔" آصف سر ہلا کر مسکرایا۔ "پہلے آپ سب لوگ کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیے' پھر میں اپنا خیال ظاہر کروں گا۔"

ریکھا نے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب ایک بات پر متفق ہو گئے۔ یعنی حملہ آور کئی تھے۔ انہوں نے مقتول کو سوتے سے اٹھایا اور پھر کافی جدوجہد کے بعد وہ اس پر قابو پا سکے۔ پھر اسے فرش پر گرا کر اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ متفق ہونے والوں میں ریکھا بھی تھی۔ لیکن اس نے ایک چیز کی طرف سب کی توجہ مبذول کرائی جسے شائد وہ سب نظر انداز ہی کر گئے تھے۔

"مقتول کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں۔" اس نے کہا۔ "ان کے سروں پر سرخی نظر آ رہی ہے۔ صرف چھوٹی انگلی پر سرخی نہیں ہے۔ اب بتائیے آپ حضرات کیا کہیں گے۔ کیا واضح طور پر یہ اس کا اشارہ نہیں ہے کہ ہمارے فیصلہ میں کچھ گڑبڑ ہے۔"

لیفٹیننٹ سنگھ نے جھک کر اس کی انگلیوں کو چھوا اور سرخی اس کی انگلیوں میں چھوٹ آئی۔ پھر اس کا موازنہ دائرے کی سرخی سے کرنے کے بعد اس نے کہا۔ "بے شک مس ریکھا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

"پھر....!" آصف نے سوال کیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو دیدہ دانستہ مجرموں نے کسی خاص مقصد کے تحت اسکی انگلیوں میں رنگین چاک کے نشان ڈالے ہیں، یا پھر وہ چاک مقتول کے ہاتھ میں بھی رہی ہے۔"

ریکھا خاموش ہو کر پھر لاش کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہوگا..... دونوں باتیں ہو سکتی ہیں۔" آصف نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن ہمیں اس چیز کو سرسری نظر سے نہ دیکھنا چاہئے۔" ریکھا بولی۔

"مس ریکھا، کیا آپ اسے کلیو کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہیں۔"

"جی ہاں..... میں یہی محسوس کر رہی ہوں۔"

"اچھا تو آپ محسوس کیجئے۔ بقیہ لوگ کام کریں گے۔" آصف نے تلخ سے لہجے میں کہا۔ "ویسے اگر آپ فریدی کے ساتھ کام کرتیں تو اسے بڑی خوشی ہوتی۔ کیونکہ وہ بھی عالم محسوسات کا بادشاہ ہے۔"

آصف کے دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کا یہ جملہ بہت گراں گزرا اور تو سب خاموش ہی رہے لیکن لیفٹیننٹ سنگھ اکھڑ گیا۔

"آصف صاحب! آپ جھک مارتے ہیں۔ ہم میں سے کسی کی بھی رائے کا آپ مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔"

"اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔" آصف غرایا۔ "میں پارٹی کے لیڈر کی حیثیت رکھتا ہوں۔"

"یار آصف! تمہیں تو سیاسی پارٹی کا لیڈر ہونا چاہئے تھا۔" انسپکٹر جاوید نے کہا۔ "جہاں

ذہانت سے زیادہ رشک وحسد کے داؤ پیچ کام آتے ہیں۔"

بات آگے نہیں بڑھ سکی کیونکہ محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر اپنے ساز و سامان سمیت وہاں پہنچ گئے تھے۔

بہر حال ریکھا بے تعلقانہ انداز میں ان سب کی کاروائیاں دیکھتی رہی۔ آصف کی بات اسے ناگوار گزری تھی اور اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ آصف کو نیچا دکھائے بغیر نہ رہے گی۔ آصف اس وقت ایک کھڑکی سے ٹیک لگائے کھڑا فوٹو گرافروں کو دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور دوسری طرف بارجہ تھی۔ یہ کمرہ دراصل دوسری منزل پر تھا اور بارجہ دوسرے کمروں کے سامنے تک پھیلا ہوا تھا۔

اچانک آصف اچھل کر آگے کی طرف ہٹ گیا۔ پھر کھڑکی کی طرف مڑ کر اپنی پیٹھ تھپتھپانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی پیٹھ پر رینگتے ہوئے کسی مکوڑے کو جھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں ریکھا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ شارک اسکن کے سفید کوٹ پر سرخ رنگ کا دائرہ بہت نمایاں تھا اور کچھ دیر پہلے وہ دائرہ آصف کی پشت پر ہرگز نہیں تھا۔ ورنہ وہ پہلے ہی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔

رفتہ رفتہ سب نے اسے دیکھ لیا لیکن آصف کو اس کی خبر نہیں تھی۔

"کیا بات ہے۔" اس نے دوسروں کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"سرخ دائرہ۔" انسپکٹر جاوید نے کہا۔

"کیوں بکواس کرتے ہو۔ یار اپنا کام کرو۔" آصف جھنجھلا گیا۔ انسپکٹر جاوید اس کے پرانے ساتھیوں میں سے تھا اور قریب قریب ہم عمر بھی۔

"تمہاری پشت پر سرخ دائرہ موجود ہے۔" جاوید نے سنجیدگی سے کہا۔ پہلے تو آصف کچھ سمجھا ہی نہیں پھر اچانک اسے اس مکوڑے کا خیال آ گیا جو اسے اپنی پشت پر رینگتا محسوس ہوا تھا۔

اس نے جلدی سے کوٹ اتار ڈالا۔ دائرہ اسی رنگ کی چاک سے بنایا گیا تھا جس رنگ کی چاک اس کمرے کے فرش والے دائرے میں استعمال کی گئی تھی یا جس کے دھبے مقتول کی

انگلیوں پر ملے تھے۔

آصف کوٹ کو وہیں چھوڑ کر بارجے پر دوڑنے لگا۔ پھر دوسرے لوگ بھی بارجے پر آ گئے۔

آصف کی پشت پر دائرہ کس نے بنایا تھا۔ یہ انتہائی کوششوں کے باوجود بھی نہ معلوم ہو سکا۔

اب آصف نے لاش کو تو چھوڑ دیا تھا اور ایک ایک کی جامہ تلاشی لیتا پھر رہا تھا کہ شاید کسی کے پاس سے سرخ چاک برآمد ہی ہو جائے۔ ساری عمارت الٹ پلٹ ڈالی گئی لیکن رنگین چاک کا ٹکڑا بھی کہیں سے دستیاب نہ ہو سکا۔

ریکھا آصف کی بدحواسیوں پر ہنستی رہی۔

تھوڑی دیر بعد وہ نچلی منزل کے کمرے میں دوبارہ اکٹھے ہوئے۔ آصف غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"فریدی کو یہ حادثہ کبھی پیش نہ آتا.... سنا تم نے۔" جاوید اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولا۔

"جاوید! تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" آصف غرایا۔ "میں اس قسم کی جاہلانہ بے تکلفی قطعی پسند نہیں کرتا۔"

"فریدی کی بات آپ کہاں سے لے بیٹھے جاوید صاحب۔" لیفٹیننٹ سنگھ نے کہا۔ "شہر کا بڑے سے بڑا بدمعاش اس کے نام سے تھراتا ہے۔"

"ہم یہاں گپیں ہانکنے کے لئے نہیں آئے سمجھے آپ لوگ۔" آصف جھلا گیا۔

"تلاشیوں میں وقت برباد کرنے آئے ہیں۔" جاوید نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" آصف غرایا۔ "میں خود سے انچارج نہیں بنا ہوں بلکہ ایک اعلیٰ آفیسر نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے۔"

"ہمیں اس سے انکار کب ہے مسٹر آصف۔" لیفٹیننٹ سنگھ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے مستعد ہیں۔ کچھ کہئے بھی تو....!"

"میرا خیال ہے کہ....!" ریکھا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

سب لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"نہیں کچھ نہیں....!" ریکھا سر ہلا کر بولی۔ "میں اپنا خیال نہیں ظاہر کرنا چاہتی۔"

"اس کے لئے میں شکر گزار ہوں۔" آصف اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

اس بار اس کا لہجہ قابل اعتراض تھا۔ لیکن ریکھا چپ چاپ اسے بھی برداشت کر گئی۔

البتہ دوسرے پھر آصف پر برس پڑے۔

اور سراغ رسانی کی یہ ٹیم مڈل سکول کے طلباء کی کوئی جماعت معلوم ہونے لگی۔ جب آصف کا غصہ بہت بڑھ گیا تو اس نے بالکل خاموشی اختیار کر لی۔

بہرحال کسی نہ کسی طرح انہوں نے واردات کے متعلق ایک چھوٹی سی رپورٹ مرتب کی اور لاش کو وہاں سے اٹھوا دینے کے بعد عمارت سے نکل آئے۔

لیکن آصف کے لئے ایک دوسرا جھٹکا باہر بھی موجود تھا۔ جب وہ اسٹیشن ویگن میں بیٹھ رہے تھے انہیں اس کے فرش پر دوسرا سرخ دائرہ دکھائی دیا جس کے درمیان میں کاغذ کی ایک چٹ چسپاں تھی اور چٹ پر ٹائپ کے حروف میں تحریر تھا۔

"آصف! تم زندہ رہو گے، لیکن زندگی سے بیزار.... یہ ہمارا فیصلہ ہے!"

پانچ شریف آدمی

حمید بڑی دیر سے فریدی کا دماغ چاٹ رہا تھا۔

"آپ کی سخت توہین ہوئی ہے جناب.... آپ مانیں یا نہ مانیں۔"

"چلو.... ختم بھی کرو۔" فریدی بیزاری سے بولا۔

"میں تو کبھی ختم نہیں کر سکتا۔ خواہ خود ہی ختم ہو جاؤں.... آہا.... مگر وہ ریکھا۔ مجھے اس کی بہت فکر ہے۔"

"کیوں....؟"

"ان بور قسم کے آدمیوں میں رہ کر اسے تپ دق ہو جائے گا۔"

"کھسکو یہاں سے۔ کیا تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ وہ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ حمید کسی طرح ٹل جائے۔ مگر حمید پر ریکھا سوار تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ فریدی سے بڑی عقیدت رکھتی ہے۔ لہٰذا فریدی کو چاہئے کہ اسے ضرور لفٹ دے۔

حمید پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کہنا چاہئے۔ کس طرح فریدی کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ ریکھا سے خوش اخلاقی سے پیش آئے۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملازم کسی کا وزیٹنگ کارڈ لایا اور فریدی نے کارڈ اسے واپس کرتے ہوئے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "بٹھاؤ۔"

"کون ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ریکھا....!" فریدی نے اکتا کر کتاب بند کرتے ہوئے کہا اور کرسی سے اٹھ گیا۔

"واہ.... کیا بات ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی خاص بات لے کر آئی ہوگی۔ لہٰذا استدعا ہے کہ....!"

فریدی کمرے سے نکل گیا۔ حمید جملہ پورا نہ کر سکا لیکن وہ یہاں ٹھہر تو نہیں سکتا تھا۔ شاید پندرہ یا بیس دن سے اُس نے کسی لڑکی سے گفتگو نہیں کی تھی اور اس نے یہ پندرہ یا بیس دن اس طرح گذارے تھے جیسے کسی لق و دق ریگستان میں تنہا چھوڑ دیا گیا ہو۔

ڈرائنگ روم میں فریدی اور ریکھا موجود تھے۔ ریکھا فریدی سے کہہ رہی تھی۔ "انہوں نے میری بات نہیں سنی۔ اگر آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں تو میں بہت مشکور ہوں گی۔"

حمید خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا اور یہ صوفہ ان دونوں سے کافی فاصلے پر تھا۔

"یقیناً شوق سے.... کہئے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

ریکھا کنکس لین والی واردات اور آصف کی پارٹی کی تحقیقات کے متعلق بتانے لگی۔

فریدی غور سے اسے سنتا رہا، کبھی کبھی وہ اسے روک کر ایک آدھ سوال بھی کر لیتا تھا۔

پھر ریکھا داستان کے اس حصہ پر پہنچی جہاں سے رنگین چاک بھری انگلیوں کا واقعہ شروع ہوتا تھا۔ یک بیک فریدی سنبھل کر بیٹھ گیا اور ریکھا نے بھی اس میں یہ تبدیلی محسوس کر لی۔ وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ بیان کر رہی تھی اور حمید اس کے ہونٹوں کے زاویے ناپ رہا تھا۔

توسوں پر قربان ہو رہا تھا۔

"داہنا ہاتھ صاف تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"اچھا! کیا ساری انگلیوں میں چاک بھری ہوئی تھی۔"

"جی نہیں، چھوٹی انگلی بے داغ تھی۔"

"خوب.... اچھا پھر۔"

پھر آصف کے کوٹ پر بنے ہوئے دائرے کا تذکرہ چھڑ گیا۔

"واہ.... یہ بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "سچ مچ یہ لوگ بہرام اور آرسین لوپن وغیرہ کے کارنامے دہرا رہے ہیں۔"

"یہی نہیں.... بلکہ ایک دائرہ اسٹیشن ویگن میں بھی ملا جس کے درمیان میں ایک سلپ چسپاں تھی اور اس پر تحریر تھا۔ "آصف تم زندہ رہو گے لیکن زندگی سے بیزار، ہمارا فیصلہ ہے۔"

"واہ....!" حمید مسکرا کر بولا۔ "اس بات پر تو ان لوگوں کی عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

ریکھا حمید کی طرف دیکھ کر ہنسی اور حمید کا دل چاہا کہ اپنے ہی دانتوں سے اپنی گردن ادھیڑ ڈالے۔

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ پھر بلند آواز میں پوچھا۔
"کیا تحریر ہاتھ کی تھی؟"

"جی نہیں ٹائپ۔"

"چالاک ہیں، اچھا پھر.... آصف کا کیا خیال ہے۔"

"خیال سے تو آصف کو دشمنی ہے۔" ریکھا مسکرا کر بولی۔ "نہ تو وہ کوئی ذاتی خیال رکھتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کے خیال کو خاطر میں لاتے ہیں، میں ابھی تک انہیں سمجھ ہی نہیں سکی۔"

ریکھا نے اتنا ہی کہا' اپنی اور آصف کی گفتگو کا تذکرہ نہیں کیا۔

"یعنی ابھی تک آپ لوگ اس کیس کے متعلق کوئی رائے نہیں قائم کر سکے۔"

"جی نہیں.... اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ سرخ دائرہ....!"

"نہیں....!" فریدی بات کاٹ کر بولا۔ "یہ ضروری نہیں ہے کہ اس واردات میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہو، کوئی دوسرا بھی سرخ دائرے کی وباء سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

"جی ہاں.... یہ بھی ممکن ہے۔"

"اچھا تو آپ چاہتی کیا ہیں۔"

"میں اپنے طور پر اس کیس کی تفتیش کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ کبھی کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ میں تو آپ کے طریق کار پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں نے جو کچھ بھی سیکھا ہے، آپ ہی سے سیکھا ہے۔"

"ہائیں....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "اور میں اب تک اس سے ناواقف رہا۔"

"اوہ.... آپ غلط سمجھے۔" ریکھا نے جلدی سے کہا۔ "میں کرنل صاحب کے کیسوں کی رپورٹیں بہت غور سے پڑھتی رہی ہوں۔"

"تو پھر اب باقاعدہ شاگرد ہوجایئے نا۔" حمید گنگنایا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔" فریدی جھلا کر اس کی طرف مڑا۔

"یہ میرا نیک مشورہ تھا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ کی طرف دیکھنے لگا۔

"بہرحال مس ریکھا، سب سے پہلے آپ کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ قتل ہوا کیسے۔ اسی پر غور کرنے سے ممکن ہے، کوئی کلیو بھی ہاتھ آجائے۔"

"قتل بڑے عجیب حالات میں ہوا ہے۔ کمرے میں ساری چیزیں الٹی پڑی تھیں اور لاش فرش پر تھی۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ مقتول پر کافی جدوجہد کے بعد قابو پایا جاسکا ہوگا۔ مگر ایسی کشمکش خاموشی سے نہیں ہوسکتی۔ الماریوں کا گرنا، سنگار میز کا الٹنا، مگر اس کی لڑکی جو برابر ہی کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی اطمینان سے رات بھر سوتی رہی۔ وہ کمرہ دوسری منزل پر تھا ٹھیک اس کمرے کے نیچے والے کمرے میں بھی اسی خاندان کے کئی افراد موجود تھے۔ لیکن چھت پر وزنی الماریوں کے گرنے سے انکی نیند میں خلل نہیں پڑا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔"

"ہاں.... آں.... آپ ٹھیک راستے پر جارہی ہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

ریکھا بھی خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگی۔

"انگلیوں کے نشانات کی تلاش تو ضرور ہوئی ہوگی۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"لیفٹیننٹ سنگھ نے اس سلسلے میں کچھ کام کیا ہے۔ لیکن وہاں مقتول کی انگلیوں کے علاوہ اور کسی دوسری ٹائپ کے نشانات نہیں ملے۔"

"کیا مقتول شب خوابی کے لباس میں تھا۔"

"جی ہاں....!"

"بستر کی کیا حالت تھی۔"

"بس یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کو سوتے سے زبردستی اٹھایا گیا ہو۔"

"ہوں....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اچھا مقتول کے بارے میں آپ لوگوں کی معلومات کیا ہیں۔"

"وہ ایک دولت مند آدمی تھا۔ ماضی قریب میں اس کا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنے بعد تین لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ بیوی پہلے ہی مر چکی تھی۔"

"اس کا اٹھنا بیٹھنا کن لوگوں میں تھا۔"

"اوہو، ابھی شاید اس کا علم پارٹی کے کسی فرد کو نہ ہو!"

"مجرموں کے داخلے اور فرار کے راستوں کا پتہ تو چل ہی گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے علم نہیں ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں کیا کیا؟" ریکھا بولی۔

"آخری بار اسے کس نے زندہ دیکھا تھا۔"

"اس نوکر نے جو رات کو اس کی واپسی کا انتظار کیا کرتا تھا۔"

"گویا وہ پچھلی رات گھر سے باہر بھی رہا تھا۔"

"جی ہاں.... تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اس کی واپسی ہوئی تھی۔"

"ڈاکٹر کی لاش کے متعلق کیا رائے ہے۔"

"قتل ایک اور دو کے درمیان ہوا تھا، تین ڈاکٹر اس بات پر متفق ہیں۔ صرف ایک کی رائے ہے کہ قتل بارہ بجے سے پہلے ہوا ہوگا۔"

"بہر حال دو مختلف رائیں ہیں، خیر.... اچھا مس ریکھا۔ میں دیکھوں گا کہ آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔ ویسے میں آپ کی ذہانت کا معترف ہوں۔"

"یہاں آپ غلطی پر ہیں۔" حمید بول پڑا۔ "آپ بھول رہے ہیں کہ میں نے آپ سے بھی پہلے ان کی ذہانت کا اعتراف کیا تھا۔"

"آپ حضرت کی ذرہ نوازی کا شکریہ۔ میں تو بہر حال طفل مکتب ہوں۔" ریکھا نے کہا۔

"اور مس ریکھا۔" فریدی نے اس انداز میں کہا جیسے وہ کسی ایک ہی بات پر عرصہ سے بولتا رہا ہو۔ "انگلیوں پر چاک کے دھبے.... یہ بہت اہم ہیں۔ یقیناً ایک کلیو آپ کے ہاتھ آ گیا ہے۔"

"لیکن اسی طرح جیسے کوئی کارآمد چیز ہاتھ آ جائے.... لیکن میں اس کے استعمال سے واقف نہ ہوں۔"

"فکر نہ کیجئے۔ بعض اوقات چیزوں کا غلط استعمال ہی طریقہ استعمال سمجھا دیتا ہے۔ کل میں آپ کو اس کلیو کے متعلق کچھ بتا سکوں گا۔"

شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں پانچ شریف آدمی ایک گول میز کے گرد بیٹھے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔ خوش پوش اور شائستہ صورت آدمی شریف ہی کہلاتے ہیں۔ لہٰذا جب تک انہوں نے گفتگو نہیں شروع کی اس وقت تک شریف ہی معلوم ہوتے رہے، لیکن اس گفتگو کے باوجود بھی اس کی ذات سے لفظ "شریف" علیحدہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کی حقیقت یہ تھی کہ پانچ آدمیوں کی اس ٹولی کا نام "جنٹل فائیو" یعنی پانچ شریف تھا.... اور ان سے جرائم کے علاوہ اور کسی قسم کی شرافت آج تک نہیں سرزد ہوئی تھی۔ ان کے چہرے فلاسفروں اور پروفیسروں جیسے تھے۔ ان کی آنکھیں ہر وقت سوچ میں ڈوبی رہتیں۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے یہ اس عظیم کائنات کا کوئی عظیم ترین عقدہ حل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"ہم میں سے وہ مسخرہ کون ہے۔" دفعتاً ان خاموش آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پھر اپنا سوال دہرایا اور ایک آدمی بولا۔

"ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔"

"پھر کیا فرشتے سرخ دائرہ بناتے ہیں۔"

"کوئی بھی بناتا ہو.... لیکن ہم میں سے کسی کو کیا پڑی ہے۔" دوسرے آدمی نے اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا اور وہ صرف سر ہلا کر رہ گئے۔ ان کی آنکھیں اس وقت بھی سوچ میں ڈوبی ہوئی سی معلوم ہو رہی تھیں۔

"پھر مجھے بتاؤ نا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ہم نے آج تک جتنی بھی تجوریاں توڑی ہیں ان پر صبح کو پولیس نے سرخ دائرے ضرور دریافت کئے ہیں۔ لیکن کیا ہم نے کبھی کوئی قتل بھی کیا ہے۔"

"کبھی نہیں۔" چاروں آدمی یک زبان بولے۔

"لیکن بعض لاشوں کے قریب بھی یہ دائرے پائے گئے ہیں۔"

"آخر یہ ہے کون، ہم میں سے کوئی اس قسم کی حرکت کرنے ہی کیوں لگا۔ یہ تو کوئی ایسا آدمی معلوم ہوتا ہے جو ہمیں پھانسی کے تختے پر دیکھنا چاہتا ہے۔"

"مگر کون....؟ ہمیں کون جانتا ہے۔ جبکہ ہم خود بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ ہم ایک دوسرے کے نام تک سے ناواقف ہیں۔ ایک دوسرے کی قیام گاہیں ہمیں نہیں معلوم۔"

"آہا.... کتنی عجیب بات ہے۔ کتنی عجیب۔"

"اور ہم نے کبھی اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ ہم ایک دوسرے سے ملے کس طرح تھے۔"

"مگر ہمیں کم از کم اس پر غور تو کرنا چاہئے۔"

"سب سے پہلے ہم دونوں ملے تھے۔" ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

دوسرے نے سر ہلا کر اس کی تصدیق کی۔

"کیفے جبران کی میز نمبر تیرہ ہمارے لئے یادگار حیثیت رکھتی ہے۔ آج بھی اس پر ہمارا قبضہ ہے۔ وہ ہمیشہ مخصوص رہتی ہی۔"

"کچھ بھی ہو..... میں آج اپنی قسم توڑ دوں گا۔" ایک نے کہا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ ان پانچوں میں سب سے زیادہ پریشان یہی نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "پچھلی رات گنکسن لین میں بھی ایک قتل ہوا ہے، اور وہاں بھی ایسا ہی سرخ دائرہ پایا گیا ہے، حالانکہ ہم نے گنکس لین میں قدم بھی نہیں رکھا۔"

"ہم اس چور کو پکڑ سکتے ہیں۔" ایک آدمی نے کہا۔ "جو شروع سے اب تک کچھ بولا ہی نہیں تھا۔"

"اس کے متعلق پھر باتیں کریں گے۔ میں فی الحال اپنی قسم توڑنے جا رہا ہوں۔"

"قسم..... تو کیا..... یعنی.....!" ایک آدمی ہکلا کر بولا۔ بقیہ تین بھی اسے حیرت سے دیکھنے لگے تھے۔

"میں آپ لوگوں کو اپنے متعلق سب کچھ بتاؤں گا۔"

"لیکن ہم اپنی قسمیں توڑنے پر تیار نہیں۔" چاروں بیک وقت بولے۔ پھر انہوں نے بھی ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنا شروع کر دیا۔ جیسے غیر متوقع طور پر اپنی زبانوں سے ایک ہی جملہ نکلنے پر انہیں تعجب ہو۔

"آہا..... تب تو یہ معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا" قسم توڑنے والا بولا۔

ان چاروں نے اس پر کسی قسم کا سوال نہیں کیا۔ انکی آنکھیں پھر سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

"مجھے ایک فقیر نے کیفے جبران کی تیرھویں میز پر بھیجا تھا۔" قسم توڑنے والے نے کہا۔ "مجھے ریس کا چسکا ہے۔ میں ریس کھیلے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہم جواری لوگ ضعیف الاعتقاد بھی ہوتے ہیں۔ ریس کورس کے باہر ایک تباہ حال فقیر بیٹھا کرتا تھا۔ یہ بہت عرصے کی بات ہے۔ اب آج کل وہ نظر نہیں آتا۔ وہ اکثر لوگوں کو کامیاب ہونے والے گھوڑوں کے نمبر بتا دیا کرتا تھا۔ ایک دن جبکہ میں ریس کورس میں داخل ہونے جا رہا تھا، اس نے خود میرا شانہ پکڑ کر مجھے روک لیا اور اپنی سرخ آنکھیں میری آنکھوں میں گڑوتا ہوا بولا..... "تیرہ نمبر..... صرف تیرہ۔" اور پھر مجھے داخلے کے گیٹ میں دھکیل کر دوسری طرف چلا گیا۔ لوگ اکثر اس کی منتیں کیا کرتے تھے لیکن وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتا تھا، اس دن اس سے یہ نئی حرکت سرزد ہوئی تھی۔ یعنی

خود سے کسی کو نمبر بتانا..... میں نے اس دن اپنی ساری پونجی تیرہ نمبر پر جھونک دی اور جب میں وہاں سے واپس ہوا تو پچاس ہزار کا مالک تھا۔ اگلی ریس پر اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ لہٰذا میں نے اس دن ریس کورس میں قدم بھی نہیں رکھا۔ اس کے بعد والی ریس کے موقع پر وہ پھر ملا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جواب میں اس نے مسکرا کر کہا کہ اب تم ہمیشہ مجھے پریشان کرتے رہو گے۔ میں نے کہا آپ کی عنایت ہوگی۔ بولا..... بکواس ہے۔ ویسے تمہاری تقدیر "ک ج" کی تیرھویں میز پر چمک سکتی ہے۔ لیکن وہاں بیٹھ کر تم سب اپنی اصلیت چھپاؤ گے۔ اگر کوئی تمہارے پاس بیٹھنا چاہے تو اعتراض نہ کرنا۔ اس سے تمہارے خواہ کتنے ہی اچھے تعلقات کیوں نہ ہو جائیں، تم اسے اپنا پتہ نشان نہیں بتاؤ گے۔ میں نے پوچھا یہ "ک ج" کیا چیز ہے۔ کہنے لگا تمہارے ستاروں کے حروف..... ان حروف سے جو جگہ بھی بن جائے، تیرہ نمبری میز کبھی نہ بھولنا..... تم تیرہ ہی نمبر کا گھوڑا بھی جیت چکے ہو۔ بس اب کچھ نہ پوچھنا۔ ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔ دفع ہو جاؤ۔ بس تو پھر دوستو میں وہاں سے چلا آیا "ک ج" کیا تلاش شروع ہوئی۔ شہر میں کیفے جبران کے علاوہ اور کسی جگہ کا نام "ک ج" سے مرکب نہیں تھا اور وہاں تیرہ نمبر کی میز بھی موجود تھی۔ میں نے اسے اپنے لئے مستقل طور پر مخصوص کرا لیا۔ پھر ایک ایک کر کے آپ لوگ آئے..... کیا آپ کو بھی اسی فقیر نے بھیجا تھا۔"

وہ چاروں اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہے تھے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"تم نے اپنی قسم توڑ دی۔ ہمیں اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ دوبارہ تمہاری شکل نہ دکھائی دے ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے اور اب کیفے جبران میں بھی تمہارا قدم رکھنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔ چپ چاپ اٹھو اور چلے جاؤ۔"

پہلا شریف آدمی

"جنٹل فائیو" کے پانچویں آدمی کو دھکے دے کر فلیٹ سے باہر نکال دیا گیا اور اس نے سڑک پر پہنچ کر عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے پھر ایک بہت بڑی قسم کھائی۔ مگر اس قسم کا تعلق ان چار آدمیوں کی زندگیوں سے تھا جنہوں نے دھکے دے کر اسے فلیٹ سے نکالا تھا۔

یہ پانچواں رکن جنٹل فائیو کا سب سے زیادہ کارآمد آدمی تھا۔ بلندیوں پر چڑھنے، وہاں سے بے دریغ نیچے چھلانگ لگا دینے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ مضبوط سے مضبوط تجوریاں اس طرح اس کے ہاتھ کے ایک اشارے پر کھل جاتی تھیں جیسے وہ اسی کے انتظار میں بند پڑی رہی ہوں۔

حقیقتاً یہ جنٹل فائیو کا پانچواں نہیں بلکہ پہلا آدمی تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے کیفے جبران کی تیرھویں میز پر مستقل طور پر کسی کا قبضہ نہیں تھا۔ دوسرے چار آدمی ایک ایک کر کے اس کے بعد ہی اس میز پر آئے تھے اور اسی مناسبت سے وہ ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے نمبر شمار استعمال کرتے تھے۔ مثلاً یہ نکالا ہوا آدمی جنٹل فرسٹ کہلاتا تھا۔ اس طرح دوسرے جنٹل سیکنڈ، تھرڈ، فورتھ اور ففتھ کہلاتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ ایک دوسرے کی عادات و خصائل سے واقف ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ پانچوں ایک ہی قسم کے آدمی ہیں۔

یعنی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے۔ بس پھر پانچ آدمیوں کی ایک ٹولی بن گئی اور یہ بھی حقیقت تھی کہ اس طرح ان کی تقدیریں بھی جاگ اٹھی تھیں۔ یہ پانچوں تعلیم یافتہ اور اونچی سوسائٹیوں میں اٹھنے بیٹھنے والے لوگ تھے اور شہر کے مختلف حصوں میں ان کی شاندار قسم کی قیام گاہیں تھیں۔ سواری کے لئے کاریں بھی رکھتے تھے۔ یہ جب بھی کہیں ہاتھ صاف کرتے انہیں اتنا مل جاتا کہ مہینوں عیش سے گذرتی۔ چوریوں اور ڈکیتیوں کا طریقہ سائنٹیفک ہوا کرتا تھا۔

اس لئے معمولی تربیت یافتہ پولیس اب تک ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکی تھی۔ یہ سب ایک دوسرے کے لئے بھی انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتے تھے کیونکہ ایک دوسرے سے الگ ہو جانے کے بعد ہر شریف آدمی دوسرے کے متعلق کچھ بھی نہیں جان سکتا تھا کیونکہ کسی کو بھی دوسروں کی قیام گاہوں تک کا علم نہیں تھا۔

جنٹل فرسٹ نے ایک بار پھر شیش محل کی طرف تنفر آمیز نظروں سے دیکھا جس کے پانچویں فلیٹ میں وہ اپنے چاروں ساتھیوں کو چھوڑ آیا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ اپنی کار کے قریب پہنچ گیا، وہ خوفزدہ نہیں تھا۔ حالانکہ اسے یقین تھا کہ وہ چاروں یقینی طور پر اس کا تعاقب کریں گے۔

اور پھر جب وہ کار ڈرائیو کر رہا تھا تو اس کے زانوؤں پر ایک چھوٹی سی رائفل رکھی ہوئی تھی اور عقب نما کا زاویہ کچھ بدل دیا گیا تھا۔ تاکہ تعاقب کرنے والوں کو نظر میں رکھا جائے۔ مگر رات کا وقت ہونے کی بناء پر اس قسم کی احتیاطی تدبیر فضول ہی ثابت ہوئی کیونکہ عقب نما آئینے میں وہ صرف اپنے پیچھے آنے والی کاروں کی ہیڈ لائیٹس ہی دیکھ سکتا تھا۔ پھر شہر کی بھری پُری سڑکوں کا کیا کہنا۔ کاروں کا تار کب ٹوٹتا ہے۔ لیکن اسے بہرحال اپنا اطمینان کرنا تھا۔ اب اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اپنی کار کو سنسان اور تاریک گلیوں میں موڑنے لگا اور تھوڑی ہی دیر بعد اسے یقین آ گیا کہ کوئی اس کے تعاقب میں نہیں ہے۔ اس نے گود سے رائفل اٹھا کر نیچے ڈال دی۔

جنٹل فرسٹ ایک دراز قد آدمی تھا۔ عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ لیکن سر کے بال قبل از وقت صاف ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بہت جاندار تھیں اور اس سے اس کی جسمانی قوت کا اندازہ کر لینا بہت آسان تھا۔ ایسی بچی آنکھیں بہت کم آدمیوں کو نصیب ہوتی ہیں۔

اس نے اپنی کار کیفے جبران کے سامنے روک دی اور اتر کر سیدھا اندر چلا گیا۔ تیرہ نمبر کی میز خالی تھی اور اس پر ریزرویشن کی تختی رکھی ہوئی تھی۔

ویٹروں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے سلام کیا۔ وہ اسے مسٹر ڈیکارلس کے نام سے جانتے

تھے۔ حالانکہ اس کا یہ نام نہیں تھا۔ ان پانچوں نے دنیا کے پانچ مشہور فلسفیوں کے نام اختیار کرر کھے تھے۔ ڈیکارٹس، لائبنیز، اسپنوزا، ہیوم، برکلے۔ پتہ نہیں اس طرح وہ ان فلسفیوں کی ہنسی اڑانا چاہتے تھے یا کچھ اور مقصد تھا۔

جنٹل فرسٹ سیدھا منیجر کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ بند دروازے پر دستک دی۔ اندر کچھ کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کرسیاں اور میزیں کھسکائی جا رہی ہوں۔ پھر آواز آئی۔

"آجاؤ....!"

جنٹل فرسٹ نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ منیجر میز پر دونوں کہنیاں ٹیکے بیٹھا دروازے کی طرف گھور رہا تھا۔ آنے والے کو دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"آہا.... مسٹر ڈیکی۔ آیئے آیئے۔" اس نے کہا۔ وہ اسے ڈیکارٹس کی بجائے ڈیکی کہا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے دوست اسے ڈیکی ہی کہتے ہوں گے۔

جنٹل فرسٹ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور اب اس نے دیکھا کہ کمرے میں ایک اینگلو انڈین لڑکی بھی موجود ہے۔

"میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔" جنٹل فرسٹ نے لڑکی کیطرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور ضرور.... آیئے.... میرے ساتھ۔" منیجر نے اٹھ کر اپنی کرسی کھسکائی اور دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

دونوں کمرے میں چلے گئے۔

"تیرہ نمبر کی میز کا ریزرویشن کس کے نام سے ہے۔" جنٹل فرسٹ نے اس سے پوچھا۔

"آپ کے نام سے مسٹر ڈیکی۔ آپ جیسا لاپرواہ اور فراخ دل رئیس آج تک ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔ آپ صرف اس میز کے لئے ہمیں پانچ سو روپے ماہوار دیتے ہیں۔"

"اچھا تو اب اس میز کو میری عدم موجودگی میں بھی کوئی استعمال نہ کرنے پائے۔"

"ہرگز نہیں جناب۔ وہ تو ہمیشہ خالی پڑی رہتی ہے۔" منیجر نے کہا۔ "اس کو صرف آپ یا آپ کے احباب استعمال کرتے ہیں۔"

"اب میرے علاوہ اور کوئی نہیں.... سمجھ گئے نا آپ۔"

"آپ کے چاروں دوست بھی نہیں۔" منیجر نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں.... وہ بھی نہیں۔ آپ انہیں منع کرتے وقت میرا حوالہ دے سکتے ہیں۔"

"بہت بہتر مسٹر ڈیکارٹس۔"

وہ پھر اس کمرے سے منیجر کے آفس میں آ گئے۔ اینگلو انڈین اب بھی موجود تھی اور اب وہ جنٹل فرسٹ کو بڑی نشیلی آنکھیں بنا کر دیکھ رہی تھی۔ لیکن جنٹل فرسٹ کو عورتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

وہ منیجر کے کمرے سے نکل کر ہال میں آیا اور وہاں رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔

باہر اس کی کار کھڑی تھی۔ اس نے اگلی نشست پر بیٹھ کر اسٹارٹ کیا، لیکن وہ کار کو آگے نہیں بڑھا سکا۔ کیونکہ ایک ٹھنڈی سی چیز اس کی گردن سے آ لگی تھی۔

اس جگہ بہت سی کاریں کھڑی تھیں اور اس حصے میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ جنٹل فرسٹ کو سر گھمانے تک کا موقع نہیں ملا۔

اس کے گلے سے خرخراہٹ کی آواز نکلنے لگی اور وہ پشت گاہ پر گردن ڈالے ہوئے اس طرح تڑپنے لگا جیسے کوئی ذبح کیا ہوا مرغ۔

چاروں طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ یہ دراصل ایک گلی تھی اور یہاں اس وقت آمدورفت نہیں تھی۔ چونکہ سڑک پر کاریں کھڑی کرنے کا حکم نہیں تھا، اس لئے یہ گلی عام طور پر کاروں سے بھری رہا کرتی تھی۔ قریب ہی ایک سینما ہاؤز بھی ہونے کی وجہ سے پارک کی جانے والی کاروں کی زیادتی ہی رہتی تھی۔

جنٹل فرسٹ تڑپتا رہا۔ رائفل اب اس کی گود سے نیچے گر گئی تھی۔ آہستہ آہستہ خرخراہٹ کی آوازیں مدھم ہوتی گئیں اور پھر یک بیک وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

گلی کی سناٹے کا وہی عالم رہا۔

دوسرا شوختم ہونے پر جب تماشائی اپنی کاروں کے لئے گلی میں داخل ہوئے تو انہیں لاش کا علم ہو گیا.... اور پھر.... وہی ہوا جو ایسے مواقع پر عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ اچھی خاصی سراسیمگی پھیل گئی۔ زیادہ تر لوگ اپنی کاریں گلی سے نکال کر ہوا ہو گئے۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح پولیس کو اطلاع ہوئی۔ چونکہ یہ علاقہ کوتوالی ہی کے حلقے میں تھا اس لئے یہاں انسپکٹر جگدیش کی موجودگی ضروری تھی۔ اس نے موقعہ واردات کا معائنہ کیا اور ذرا ہی سی دیر میں اس کی عقل چکرا گئی۔ اگر کار کا انجن چل نہ رہا ہوتا تو شائد وہ اسے عام قسم کی وارداتوں سے زیادہ اہمیت نہ دیتا۔ لیکن ایسی صورت میں وہ سمجھے بوجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔

حالانکہ فریدی نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ جب بھی وہ کسی پیچیدہ کیس سے دوچار ہو، اسے اپنی مدد کے لئے بلا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی اسے فون کرتے وقت جگدیش ہچکچا رہا تھا۔ کیونکہ اب دو بجنے والے تھے، بہر حال اس نے ایک پبلک کال بوتھ سے فریدی کو فون کر ہی دیا۔ فریدی گھر ہی پر موجود تھا، اور ابھی تک سویا نہیں تھا۔

ٹھیک تین بجے وہ حمید سمیت موقعہ واردات پر پہنچ گیا۔ حمید کو شائد وہ جگا کر لایا تھا۔ اس لئے کہ جگدیش کا سامنا ہوتے ہی حمید نے منہ پھیر لیا۔

فریدی نے بہت خاموشی سے لاش کا جائزہ لیا۔ لاش کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی رائفل خاص طور پر اس کی توجہ کا مرکز تھی۔ جگدیش کو توقع تھی کہ فریدی اس سلسلے میں کوئی نیا انکشاف کرے گا، لیکن اس نے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا۔

''کیا تمہیں کوئی ایسا آدمی بھی ملا جو لاش کو شناخت کر سکے۔'' اس نے جگدیش سے پوچھا۔

''جی ہاں.... کیفے جبران والے۔ وہ ان کا مستقل گاہک تھا۔ منیجر کا بیان ہے کہ وہ گیارہ

بجے کیفے میں آیا تھا۔''

''اوہ.... اچھا۔ تو میں منیجر ہی سے گفتگو کروں گا۔'' فریدی بولا۔

جگدیش انہیں کیفے جبران میں لایا۔ اس نے پہلے ہی منیجر کو پابند کر دیا تھا کہ وہ اسے اطلاع دیئے بغیر کہیں نہ جائے۔ جگدیش کو دیکھتے ہی وہ دبی زبان سے اس کی نادر شاہی کے خلاف احتجاج کرنے لگا۔

''اوہ.... دیکھئے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''بات ہی ایسی ہے.... صرف آپ ہی یہاں ایسے ہیں جس سے ہمیں مقتول کے متعلق کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ کیا آپ اس کا نام بتا سکیں گے۔''

''نام.... جی ہاں.... مسٹر ڈیکارلس....''

''ڈیکارلس!'' فریدی نے حیرت سے دہرایا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا یہ مستقل گاہک تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ایک عجیب و غریب گاہک جناب۔ انہوں نے تقریباً ایک سال سے تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرا رکھی تھی اور اس کے لئے وہ ہر ماہ مبلغ پانچ سو روپے ادا کرتے تھے۔''

''شاید آپ کو نیند آ رہی ہے۔'' حمید برجستہ بولا۔

''نہیں جناب۔'' منیجر نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''میں جاگ رہا ہوں.... مجھے یقین ہے کہ اس پر مشکل ہی سے کسی کو یقین آئے گا۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ ہمارے کئی ویٹر اسے ایک سال سے یہاں دیکھ رہے ہیں۔''

''خوب....!'' فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں اور اس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا وہ یہاں تنہا بیٹھا کرتا تھا۔''

''جی نہیں، چار آدمی اور بھی ہیں اور ہاں دیکھئے.... شاید اس سے کچھ کام چل سکے۔ گیارہ بجے مسٹر ڈیکارلس اسی لئے یہاں آئے تھے کہ آئندہ ان چاروں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔''

''کیا مطلب....؟''

''انہوں نے کہا تھا کہ کل سے ان چاروں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔ جی ہاں اتنی

بات کے علاوہ انہوں نے اور کچھ نہیں کہا تھا۔''

''کیا آپ ان چاروں کو پہچان سکیں گے؟''

''جی ہاں....ضرور۔ میں آپ کو ان کے نام بھی بتا سکتا ہوں۔ ایک صاحب اسپنوزا ہیں، دوسرے لابنیز، تیسرے ہیوم اور چوتھے برکلے۔''

''اور آپ....!'' حمید غرایا۔ ''آپ غالباً شلائر ماخر یا فوئیر باخ ہوں گے۔ یہ کیفے ہے یا فلسفیوں کا بھنگ خانہ۔''

''آپ مقتول کے گھر کا پتہ تو ضرور جانتے ہوں گے۔'' فریدی نے کہا۔ ''دیکھئے جواب نفی میں نہ دیجئے گا۔ ایسے پراسرار گاہک کے متعلق آپ نے پوری چھان بین کی ہوگی۔''

''مجھے اس سے انکار نہیں ہے جناب۔'' منیجر مسکرا کر بولا۔ ''میں نے کئی بار ان پانچوں کا چھپ کر تعاقب کیا تھا۔ لیکن کامیاب صرف ایک ہی بار ہوا تھا۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان پانچوں میں سے کس کی قیام گاہ ہے۔''

''پتہ....!'' فریدی نے جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔

''شیش محل کا پانچواں فلیٹ۔''

فریدی نے نوٹ بک میں جلدی جلدی کچھ لکھ کر اسے بند کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ روزانہ یہاں بیٹھتے تھے۔''

''جی نہیں....اکثر کئی کئی دن تک نہیں آتے تھے۔''

''کیا کبھی کوئی عورت بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔''

''جی نہیں۔ میں نے اس ایک سال کے عرصے میں ان کیساتھ کبھی کوئی عورت نہیں دیکھی۔''

''کیا پہلے بھی کبھی اس نے یہ کہا تھا کہ اسکے چاروں دوستوں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔''

''کبھی نہیں جناب۔ اس پر تو مجھے حیرت تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ پانچوں نہ صرف ہم خیال تھے بلکہ ان کے عادات و اطوار بھی ایک سے تھے۔''

''عادات و اطوار سے آپ کو واقفیت تھی۔'' فریدی نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پھر تو آپ ان کی متعلق بہت کچھ جانتے ہوں گے۔''

''آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔'' منیجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرا اندازہ ہے کہ وہ ایک ہی جیسے عادات و خصائل رکھتے ہوں گے۔ آدمی کی صورت ہی دیکھ کر اس کے متعلق بہتیری رائیں قائم کی جاسکتی ہیں اور میرا دعویٰ ہے کہ ان میں کبھی غلط نہیں ہوتیں۔''

''خیر....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''کیا اس کے یہاں سے جانے کے بعد ان چاروں میں سے کوئی نظر آیا تھا۔''

''جی نہیں۔''

''اچھا....بہت بہت شکریہ۔ آپ غالباً اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتے۔''

''جانتا ہوتا تو آپ کو سوال کرنے کی زحمت ہی نہ کرنی پڑتی۔''

''اچھا جناب۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''ہوسکتا ہے کہ آپ کو پھر زحمت دی جائے۔''

''اوہ....ضرور! میں ہر وقت حاضر ہوں۔''

وہ کیفے سے باہر آ گئے۔ جگدیش نے منیجر کو کیفے بند کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ حمید بڑبڑا رہا تھا۔ ''اب کسی دن ہمیں سکندر اعظم اور چنگیز خاں کی لاشوں سے بھی دوچار ہونا پڑیگا۔''

''واقعی یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کہ انہوں نے پانچ مشہور فلسفیوں کے نام اختیار کر رکھے تھے۔'' فریدی نے کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

پھر اس نے جگدیش سے کہا۔ ''اچھا بھئی میں تو چل دیا۔ اب کل شام تک تم مجھ سے مل سکتے ہو۔ مرنے والے کی انگلیوں کے نشانات لے لینا اور وہ رائفل۔ اسے بہت احتیاط سے پیک کر کے فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ میں بھجوا دینا۔ کار کی جو کھڑکی کھلی ہوئی تھی....مگر نہیں۔ پوری کار پر انگلیوں کے نشانات کی تلاش ضروری ہے۔ اچھا بھئی تو کل ضرور ملنا۔ فی الحال ایک معمولی سی رپورٹ مرتب کرلو۔ یہ کیس بڑا دلچسپ ہے۔''

حمید اور فریدی کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگئے۔

''میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔'' حمید منمنایا۔

''بس شیش محل تک۔ اس کے بعد ہم گھر واپس جائیں گے۔''

''اچھا جناب!'' حمید انگڑائی لے کر بولا۔ ''مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ سرخ دائرہ اینڈ کمپنی

کی حرکت نہیں ہے۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ کار فراٹے بھرتی رہی۔ اس وقت ساری سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ اس لئے کار طوفان کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔

"سرخ دائرہ۔" فریدی تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بڑبڑایا "آج آفس میں آصف کی میز پر بھی ایک سرخ دائرہ دیکھا گیا ہے۔"

حمید اور ریکھا

وہ شیش محل پہنچ گئے۔ عمارت سنسان پڑی تھی۔ کہیں کہیں کھڑکیوں میں روشنی نظر آرہی تھی۔ ورنہ پوری عمارت تاریکی سے ہم آغوش تھی۔

ساڑھے چار بج رہے تھے۔ پانچویں فلیٹ کے سامنے وہ رک گئے۔

حمید نے بڑھ کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ لیکن شاید وہ اندر سے بند ہی نہیں تھا کیونکہ دوسرے یا تیسرے جھٹکے پر دونوں پٹ کھل گئے۔

اندر اندھیرا تھا۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کرلی۔ یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ یہاں کسی قسم کا فرنیچر بھی نہیں تھا۔ دیواریں ننگی پڑی تھیں۔

وہ آگے بڑھے۔ اس کے بعد ہی ایک چھوٹا سا کمرہ اور تھا۔ یہاں انہیں صرف ایک گول میز دکھائی دی جس کے گرد پانچ کرسیاں پڑی تھیں۔

یہ فلیٹ ان ہی دونوں کمروں پر مشتمل تھا اور یہاں ایک میز اور پانچ کرسیوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

فریدی نے سوئچ دبا کر کمرے میں روشنی کردی اور ٹارچ کو جیب میں ڈال کر متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔ اس میز پر بھی ۱۳ کا ہندسہ موجود ہے۔" فریدی آہستہ سے

بولا۔ "اور پانچ کرسیاں.... اوہو.... کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہمیں یہاں انگلیوں کے نشانات نہ ملیں۔"

وہ تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک انہی کمروں میں ٹہلتے رہے۔ پھر فریدی نے کہا۔ "اب ہمیں آس پاس کے آدمیوں سے ملنا چاہئے۔"

حمید نے اندازہ کرلیا تھا کہ ابھی فریدی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ اس لئے وہ کسی بات میں دخل نہیں دے رہا تھا اور ویسے بھی چونکہ اسے سوتے سے اٹھ کر آنا پڑا تھا اس لئے اس کا موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔

انہیں پڑوسیوں کو جگانا پڑا۔ لیکن جاگنے والے یہ معلوم کرکے خوش نظر آنے لگے تھے کہ فلیٹ نمبر پانچ کے متعلق معلومات بہم پہنچانے والے پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ورنہ پہلے تو ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار ضرور نظر آئے تھے۔

انہوں نے بتایا کہ یہ فلیٹ زیادہ تر مقفل ہی رہتا ہے۔ اکثر پانچ آدمی وہاں آیا کرتے تھے۔ کچھ دیر بیٹھتے اور چلے جاتے اور فلیٹ مقفل کردیا جاتا۔ پڑوسی ان کی طرف سے مطمئن نہیں تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ بُرے آدمی ہیں اور کسی بُرے ہی مقصد کی تحت انہوں نے یہ فلیٹ حاصل کیا ہے۔ انہوں نے ان پانچوں کے حلئے بھی بتائے لیکن بیانات میں اختلاف تھا۔

بہرحال پڑوسیوں سے انہیں کوئی مدد نہ مل سکی۔ لیکن فریدی کا خیال تھا کہ وہ بے نیل و مرام واپس نہیں جارہا ہے۔ قریبی تھانے سے دو کانسٹیبل طلب کرکے اس نے وہاں ان کی ڈیوٹی لگادی تھی اور اب وہ فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافروں کو وہاں بلانے کیلئے فون کرنے جارہا تھا۔

"اس سے کیا فائدہ ہوگا" حمید نے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے کہ یہاں ہمیں مقتول کی انگلیوں کے نشانات بھی مل جائیں۔"

"کیا آپ کو کیفے جبران کے منیجر کے بیان پر یقین نہیں تھا۔"

"تاوقتیکہ مجھے مکمل ثبوت نہ مل جائے میں کسی بات پر بھی یقین نہیں کرتا۔"

فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافروں کے لئے فون کرنے کے بعد وہ گھر کی طرف

واپس ہوئے۔ فریدی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور حمید اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پلکیں نیند کے دباؤ سے جھکی جارہی تھیں۔ اچانک فریدی بڑبڑانے لگا۔

''بہت دنوں کے بعد اب کیس ہاتھ آیا ہے.... حمید صاحب.... آپ کا کیا خیال ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ میں اس مہم میں شریک ہو جاؤں جو آئندہ سال چاند میں جارہی ہے۔''

''چاند میں چاندی سی لڑکیاں نہیں ہوتی حمید صاحب! وہاں بھی تو تمہیں پتھر اور ریت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔''

''آپ تو نہ ہوں گے وہاں۔''

''اتنا اکتا گئے ہو مجھ سے۔''

بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ حمید نے کھڑکی سے لگ کر خراٹے شروع کر دیئے تھے۔

اسی دن تین بجے فریدی نے حمید سے بتایا کہ شیش محل کی فلیٹ نمبر پانچ کی میز اور کرسیوں پر پائے جانے والے نشانات میں مقتول کی انگلیوں کے نشانات بھی موجود ہیں۔

''اور حمید صاحب۔'' اس نے کہا۔ ''اگر آپ ہوائی قلعے نہ بنانے کا وعدہ کریں تو ایک بات اور بھی بتاؤں۔''

''بشرطیکہ اس میں کسی لڑکی کا تذکرہ شامل نہ ہو۔''

''ہوسکتا ہے کہ آصف سے تمہارا ٹکراؤ ہو ہی جائے۔''

''آہا.... خدا کی قسم مزہ آجائے گا۔''

''اس فلیٹ میں مجھے سرخ رنگ کی چاک کے دو ٹکڑے بھی ملے تھے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

لیڈی انسپکٹر مس ریکھا کنکس لین کی عمارت زوردا سکوائر کے آس پاس منڈلا رہی تھی۔ وہ ابھی تک اس عمارت میں ہونے والے قتل کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم کر سکی تھی۔ ویسے زیادہ

تر اس کا وقت اس کلیو پر غور کرنے میں گزرا تھا جس کی طرف فریدی نے اشارہ کیا تھا۔

مقتول کے گھر والوں نے تو کوئی ایسی بات نہیں بتائی تھی جس سے اسباب قتل پر روشنی پڑ سکتی۔ لہٰذا فی الحال وہ کلیو اس کے لئے بیکار ہی تھی۔

اس نے مقتول کے حلقہ احباب میں بھی پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ لیکن وہ آصف کو اپنی کاروائی کی رپورٹ نہیں دیتی تھی اور آصف نے بھی اسے ناکارہ تصور کر کے نظر انداز کر رکھا تھا۔ وہ کبھی سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ عورتیں بھی اس کے دوش بدوش کام کرنے کی اہل ہو سکتی ہیں۔

ریکھا زوردا سکوائر کے سامنے سے گذرتی ہوئی چیتھم روڈ پر نکل آئی اور یہاں اچانک اس کی ملاقات کیپٹن حمید سے ہوگئی جو ایک تمباکو فروش کے یہاں پائپ کا تمباکو خرید رہا تھا۔

''اوہو! مس ریکھا۔ آپ کون سا تمباکو پیتی ہیں۔''

''میں تمباکو خریدنے نہیں آئی۔'' ریکھا مسکرا کر بولی۔

''اوہو.... معاف کیجئے گا.... ہم....!''

''میں آپ کا تھوڑا سا وقت برباد کرنا چاہتی ہوں۔'' ریکھا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''وقت کبھی برباد نہیں ہوا کرتا مس ریکھا۔ فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''کنکس لین والے کیس....!''

حمید کھانسنے لگا اور ریکھا جملہ پورا نہ کر سکی۔

''دیکھئے ہم یہاں سڑک پر اطمینان سے گفتگو نہ کر سکیں گے۔'' اس نے کہا۔ ''یہاں سے آرلکچو قریب ہے اور وہاں کی چائے بھی بڑی اچھی ہوتی ہے۔''

پھر اس نے کار کی طرف اشارہ کیا اور ریکھا پچھلی نشست پر جا بیٹھی۔ آرلکچو تک پہنچنے میں پانچ منٹ سے زیادہ عرصہ نہیں لگا۔

روز کی طرح آج بھی آرلکچو میں کافی رونق تھی۔ وہ ایک خالی کیبن میں چلے گئے۔

''آج میں کسی یتیم خرگوش کی طرح اداس ہوں۔'' حمید بیٹھتے ہی بولا۔

''نہیں جناب۔ اس سے کام نہیں چلے گا۔'' ریکھا نے ہنس کر کہا۔ ''محکمے کی ٹاپ سٹ

لڑکیوں سے میں آپ کی تعریف سن چکی ہوں۔"

"تو پھر....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کچھ نہیں! ہاں تو میں کہنا چاہتی ہوں کہ کنکس لین والے کیس....!"

"ٹھہریئے۔ پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ کی پارٹی کی معلومات کیا ہیں۔"

"میں نہیں جانتی۔ سب الگ الگ کام کر رہے ہیں اور میں نے تو ابھی تک آصف کو کوئی رپورٹ نہیں دی۔"

"اور نہ آئندہ دیں گی۔"

"خیال تو یہی ہے۔"

"خیر....اچھا تو آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"وہ کلیو.... مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ مقتول کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر رنگین چاک کے نشانات۔"

"میں آپ کے لئے تھوڑا بہت کام کرتا ہی رہا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور پھر کیبن میں داخل ہونے والے ویٹر کو آرڈر کی تفصیل سمجھانے لگا۔

"اوہ....آپ خواہ مخواہ تکلیف کر رہے ہیں۔" ریکھا بڑبڑائی۔ ویٹر جا چکا تھا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا....مقتول کے متعلق میں نے معلوم کیا ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے لکھنے کا عادی تھا۔"

"اوہ....!" ریکھا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ایسی صورت میں دو ہی باتیں سوچی جا سکتی ہیں۔" حمید نے کہا۔ "یا تو وہ دائرہ خود مقتول ہی نے بنایا تھا یا پھر قاتل دوسروں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ دائرہ مقتول کے علاوہ اور کسی نے نہیں بنایا۔ دونوں ہی صورتیں پیچیدگیوں سے خالی نہیں ہیں۔ پہلی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقتول نے دائرہ کیوں بنایا اور دوسری صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ قاتل اس دائرے کو مقتول سے کیوں منسوب کرنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں....یقیناً....!" ریکھا بولی۔

"اچھا یہ تو ہوئی کلیو کی بات....اب مقتول کی شخصیت کی طرف آیئے۔ وہ یہاں کا ایک سرمایہ دار تھا۔ اسے چند نامعلوم آدمیوں نے قتل کر دیا۔ چند آدمی اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مقتول کے کمرے کی ابتری اسی چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ صرف دو آدمیوں کی لڑائی پورا کمرہ نہیں الٹ سکتی۔ خیر ہاں تو اس کے قتل کے سلسلے میں سرخ دائرے کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اس سے پہلے بھی شہر میں تین قتل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی وہی سرخ دائرہ سامنے آیا تھا۔ قتل کے علاوہ بھی متعدد وارداتوں میں سرخ دائرہ نظر آتا رہا ہے۔ مگر فی الحال ہم صرف مختلف آدمیوں کے قتل ہی کے سلسلے میں اس کا جائزہ لیں گے۔ سارے مقتولین میں صرف ایک چیز مشترک نظر آتی ہے آپ نے پچھلے ریکارڈ تو دیکھے ہیں۔"

"جی ہاں....دیکھے ہیں۔"

"اچھا تو بتایئے کہ وہ مشترک چیز کیا ہے۔"

ریکھا سوچنے لگی۔ حمید خاموشی سے کیبن کے باہر دیکھتا رہا۔ تقریباً پانچ منٹ گذر گئے۔ لیکن ریکھا نے کوئی جواب نہ دیا۔

"آپ نے پچھلی رپورٹیں غور سے نہیں پڑھیں۔" حمید نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"نہیں کھلے ہوئے الفاظ میں اعتراف کیجئے۔"

"چلئے کر لیا۔" ریکھا ہنس کر بولی۔

"ان میں مشترک چیز گھوڑ دوڑ ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا؟ میں نہیں سمجھی۔"

"آہا....!" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔ "گھوڑ دوڑ....اس دوڑ کو کہتے ہیں جس میں گدھے دوڑائے جاتے ہیں۔"

"یہ نہیں....آپ میرا مافی الضمیر نہیں سمجھے۔ گھوڑ دوڑ ان میں مشترک ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ سب کسی نہ کسی طرح گھوڑ دوڑ سے ضرور متعلق تھے۔ پچھلے تین قتل، اگر آپ کو یاد

ہوتو.... مگر نہیں آپ کو کیا یاد ہوگا۔ مقتولوں میں سے دو تو جاکی تھے اور ایک گھوڑے کا مالک کنکس لین والا مقتول بھی ریس میں دوڑنے والے دو گھوڑوں کا مالک تھا۔ غالباً اب آپ گئی ہوں گی۔"

"جی ہاں.... جی ہاں۔" ریکھا نے کہا۔ وہ کچھ بے چین سی نظر آنے لگی تھی۔

"لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ آپ اسی لائن پر کام کیجئے۔ کوئی دشواری پیش آئے تو حاضر ہوں۔"

ریکھا نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ چائے اور اس کے لوازمات میز پر لگائے جا تھے۔ دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔

جنٹل تھرڈ نے جلدی جلدی کھڑکیوں کے شٹر چڑھا دیئے۔ پتہ نہیں یہ اس کا وہم تھ حقیقت تھی۔ اسے کھڑکیوں کے شیشوں سے ایک سایہ دکھائی دیا تھا اور پھر وہ پل بھر میں نظر سے غائب بھی ہوگیا تھا۔

وہ کھڑکیاں اور دروازے بند کر کے کمرے میں بیٹھ گیا۔ پھر اچانک اسے ایسا محسوس جیسے کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہو۔

"کون ہے؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں ہوں جناب ویٹر.... آپ کا فون ہے۔"

"میری کال ہے۔"

"جی ہاں جناب۔"

"اچھا.... ویٹر شکریہ۔ میں ابھی آتا ہوں۔ ہولڈ آن رکھو۔"

جنٹل تھرڈ ایک ایسی عمارت میں مقیم تھا جس کے نچلے حصے میں ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا

جنٹل تھرڈ کے پیغامات اسی ہوٹل کے فون پر آیا کرتے تھے۔ جنٹل تھرڈ نے جلدی جلدی پتلون چڑھائی اور ٹائی کے بغیر ہی کوٹ پہن کر کمرے سے نکل آیا۔

ہوٹل کے منیجر کے انداز استقبال سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی نظروں میں انتہائی قابل احترام شخصیت ہے۔ جنٹل تھرڈ نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... کون ہے؟"

"برکلے!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں اسپنوزا ہوں۔" جنٹل تھرڈ نے کہا۔

"کسی نے پچھلی رات جنٹل فرسٹ کو قتل کردیا۔ کیفے جران والی گلی میں۔"

"اوہ....!" جنٹل تھرڈ کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"شیش محل والے فلیٹ پر پولیس کا قبضہ ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ناممکن....!" جنٹل تھرڈ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"ناممکن تو مجھے بھی معلوم ہوتا ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "مگر یہ حقیقت ہے، مجھے ملی ہوئی اطلاع غلط نہیں ہوسکتی۔ بہرحال بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ پولیس ہمارے وجود سے واقف ہوگئی ہے۔"

"مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر اسے کس طرح علم ہوا۔"

"اوہو! ذرا سوچنے کی عادت ڈالو۔ کیا کیفے جران کے منیجر اور دوسرے ملازمین نے جنٹل فرسٹ کی لاش شناخت نہ کی ہوگی اور کیا پولیس کو ہمارے متعلق نہ بتایا ہوگا۔"

"مگر اس ٹھکانے کا علم ان لوگوں کو کیسے ہوسکتا ہے۔" جنٹل تھرڈ نے کہا۔

"یہی بات میری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "بہرحال بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"تو کیا تم بہت زیادہ خوفزدہ ہو۔" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"نہیں قطعی نہیں!"

"اچھا تو پھر آج رات کو ہم کہاں ملیں گے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اگر حالات یہی ہیں تو ہمیں فی الحال ملنا ملانا ترک کر دینا چاہئے۔" جنٹل تھرڈ نے کہا

"نہیں آج تو ہمیں یقینی طور پر کہیں نہ کہیں ملنا ہے۔ حالات خطرناک صورت اختیار کرتے جارہے ہیں۔ ہمیں اس نامراد سرخ دائرے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو۔"

"ایک پبلک کال بوتھ سے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اچھا تو ہم آج ملیں گے.... مگر کہاں؟"

"کیفے جبران ہی میں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "حالانکہ یہ چیز خطرناک ہی ہوگی مگر ہم تھوڑا سا میک اپ کرلیں گے۔ پہچان کے لئے ہماری ٹائیاں سیاہ رنگ کی ہوں گی اسے یاد رکھنا۔ اوہو.... اچھا بس۔"

سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اچانک کوئی خطرہ سر پر دیکھ کر بولنے والا خاموش ہوگیا ہو۔

کیفے میں بھوت

فریدی نے اس آدمی کی طرف غور سے دیکھا جو کچھ کاغذات اس کے سامنے رکھ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا تھا۔

"سب کچھ مکمل ہے۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں.... سب مکمل ہے۔"

"شکریہ.... اب تم جا سکتے ہو۔"

وہ آدمی چلا گیا اور فریدی اس کے لائے ہوئے کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر آیا۔

"حمید صاحب کو بھیج دو۔" فریدی کاغذات پر نظر جمائے ہوئے بولا۔

پھر شاید پانچ یا چھ منٹ بعد حمید کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی نے سر کی جنبش سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن کاغذات سے اس کی نظر نہیں ہٹی تھی۔

حمید کے چہرے پر ناگواری کے آثار نہیں تھے۔ ریکھا کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو اس سے اتنی مستعدی کی توقع خواب و خیال ہی کی بات ہوتی۔ آج کل وہ صحیح معنوں میں کام کرنے کے موڈ میں تھا۔

"کیوں؟ کیا رہا؟" فریدی نے تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔

"مقتول کی تصویر اشاعت کے لئے پریس کو دے دی گئی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے اس کی قیام گاہ کا پتہ معلوم ہوگیا ہے۔"

"وہ کیسے....؟"

"ڈیلی میل کے منیجر نے وہ تصویر شناخت کرلی ہے۔ وہ بھی اس کا نام ڈیکارٹس بتاتا ہے۔ وہ دونوں ایک ہی عمارت کے دو مختلف حصوں میں رہتے تھے۔"

"ہوں.... مگر اب تصویر کی اشاعت کو تم غیر ضروری کیوں سمجھتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"مقصد یہی تھا نا کہ ہمیں اس کی قیام گاہ کا پتہ معلوم ہوسکے۔"

"قطعی نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "محض قیام گاہ کا پتہ معلوم ہونے سے کیا ہوسکتا ہے۔ یہ تو طے شدہ بات ہے کہ ڈیکارٹس فرضی نام تھا۔ ہوسکتا ہے کہ تصویر کی اشاعت کے بعد ہمیں اس کے متعلق کچھ اور بھی معلوم ہوسکے۔ ہاں کیا تم اس کی قیام گاہ پر گئے تھے۔"

"میں ابھی وہیں سے آرہا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس کے یہاں کوئی نوکر نہیں تھا۔"

"مکان کی تلاشی لی تھی۔"

"ابھی نہیں.... جگدیش تلاشی کا وارنٹ حاصل کرنے گیا ہے۔"

"ہاں.... اچھا.... وہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ لیکن اب دوسری بات سنو۔ وہ رائفل جو مقتول کی کار پر ملی تھی اس پر مقتول ہی کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔"

"یعنی خودکشی۔"

"نہیں.... خودکشی تو نہیں ہو سکتی کیونکہ گولی گردن پر بائیں طرف لگی تھی۔ اگر سامنے کے حصے کی بات ہوتی تو کسی حد تک خودکشی کا شبہ کیا جا سکتا تھا۔"

"کیوں....!"

"خودکشی کرنے والے عموماً نرخرے یا دل کے مقام پر فائر کرتے ہیں تاکہ موت جلدی واقع ہو اور انہیں اذیت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ موت جانکنی سے زیادہ خوفناک نہیں ہوتی۔ خیر اسے بھی چھوڑو۔ آدمی آسانی پسند واقع ہوا ہے۔ آسانی پسند کو اگر فطرت ثانیہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تم خود کوشش کر کے دیکھ لو۔ رائفل کی نال اپنی گردن کے دائیں بائیں پہلو پر رکھ کر ٹریگر تک ہاتھ لے جاؤ۔ یقیناً یہ چیز تمہارے لئے دقت طلب ہوگی۔ لیکن تم رائفل کی نال اپنے نرخرے پر رکھ کر اور اس کے کندے کو زمین پر ٹکا کر پیر کے انگوٹھے سے ٹریگر بہ آسانی دبا سکتے ہو۔ خیر چھوڑو اس تذکرے کو کام کی بات کرو۔ خودکشی کے لئے وہ گلی موزوں نہیں تھی جبکہ اس کا اپنا گھر بھی موجود تھا۔"

"تو مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔" حمید نے پوچھا۔

"کیفے جران پر نظر رکھو.... میز نمبر تیرہ.... پانچ آدمی.... پانچواں فلیٹ.... وہاں بھی صرف ایک ہی میز اور اس پر بھی تیرہ کے ہندسے کی موجودگی۔ یہ ساری چیزیں بڑی عجیب ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ جواری یا سٹہ باز ہیں۔ اسی قسم کے لوگ طاق اعداد کو سعد تصور کرتے ہیں۔ پانچ اور تیرہ دونوں ہی طاق اعداد ہیں۔"

اچانک فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بڑی تیزی سے اٹھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" کہتا ہوا وہ دروازے سے نکل گیا۔

حمید نے بُرا سا منہ بنا کر شانوں کو جنبش دی۔ لیکن اسے ہر حال میں فریدی کے ساتھ جانا تھا۔ خواہ وہ اسے جہنم ہی میں لے جاتا لیکن اس نے اسے آج تک اس طرح آفس سے اٹھ کر بھاگتے نہیں دیکھا تھا۔

حمید کے بیٹھتے ہی کار حرکت میں آ گئی۔ فریدی اسے تیز سے تیز چلانے کی کوشش کر رہا

تھا۔ گھر تک پہنچنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے اور فریدی لائبریری میں جا گھسا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ پرانے رسائل اور اخبارات کی بڑی الماری خالی کر رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس ڈھیر میں سے صرف ایک ماہنامے کے شمارے الگ کر رہا ہے۔ یہ ماہنامہ "اسپورٹ" تھا۔

جب وہ بیس یا بائیس پرچے الگ کر چکا تو ورق گردانی کی باری آئی۔

وہ بڑی تیزی سے ان کے ورق الٹ الٹ کر انہیں ایک طرف ڈالتا جا رہا تھا۔

"آہا....!" یک بیک اس کے منہ سے ایک ہلکی سی تحیر آمیز آواز نکلی اور اس نے وہ شمارہ حمید کے سامنے ڈال دیا۔ جس کی ورق گردانی کر رہا تھا۔

"ارے....!" حمید پتلون کی کریز سنبھالے بغیر فرش پر دوزانوں بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"یہ تو اسی کی تصویر ہے۔"

"نہیں ٹھہرو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اس کی وہ تصویر بھی لاؤ۔"

"میرے پاس ہی موجود ہے۔" حمید نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ اس نے ڈیکارتس یا اس پراسرار آدمی کی لاش کی تصویر نکالی جس کے لئے کیفے جران کی تیرھویں میز دائمی طور پر مخصوص تھی۔

"ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے جناب۔" اس نے رسالے میں چھپی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اب تصویر کے نیچے کا مضمون پڑھو۔" فریدی بولا۔

"مسٹر جوزف بارڈ۔" حمید پڑھنے لگا۔ "جنہوں نے ۱۸ فروری کی ریس میں پچاس ہزار کی رقم جیتی۔ انہوں نے اپنا سارا سرمایہ یلو پینتھر نامی گھوڑے پر لگا دیا۔ جس پر نمبر ۱۳ تھا.... لکی تھرٹین مسٹر بارڈ ایک زندہ دل اور یار باش آدمی۔ ان کا خیال ہے کہ یہ رقم ان کے پاس زیادہ دنوں تک نہیں رکے گی۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔ "یہ نام جوزف بارڈ بھی مجھے بنا[illegible] ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ہنگری کے ایک ممتاز ادیب کا نام ہے اور یہ نوبل پرائز [illegible] [illegible]مدر

بھی رہ چکا ہے۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر لائبریری سے نکلا چلا گیا۔ پھر حمید اس وقت اس کے کمرے میں پہنچا جب وہ فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

"ہیلو.... کیفے جبران.... اوہ اچھا کیا منیجر ہیں۔ دیکھئے میں فریدی بول رہا ہوں۔ کرنل... کرنل فریدی.... ذرا ڈیکارلس کے متعلق کچھ پوچھنا ہے۔ کیا آپ مجھے یہ بتا سکیں گے کہ تیرہ نمبر کی میز کب اور کس تاریخ کو مخصوص کرائی گئی تھی۔ دیکھئے بھئی.... رجسٹر بھی دیکھئے میں ہولڈ آن کئے ہوں.... شکریہ۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ ریسیور اب بھی اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ اسی حالت میں تین منٹ گزر گئے۔ پھر اس نے کہا۔ "اوہ.... اچھا بہت بہت شکریہ۔ جی نہیں ابھی تک ہمیں اس کا صحیح نام بھی نہیں معلوم ہو سکا۔"

وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا اور ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "یہ ساری معلومات عجیب ضرور ہیں۔ لیکن اس قتل سے بھی ان کا کوئی تعلق ہے..... یہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"پچھلے سال ۱۸ فروری کو وہ تیرہ نمبر کے گھوڑے پر پچاس ہزار جیتا تھا، اور ۲۱ فروری کو اس نے کیفے جبران میں تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرائی تھی۔ یعنی صرف تین دن بعد۔"

"لیکن آپ کو یک بیک یہ کیسے یاد آ گیا کہ اس کی تصویر اسپورٹ میں چھپی تھی۔ حالانکہ اس کا قتل تین دن پہلے کی بات ہے۔"

"وہ دراصل جوئے اور سٹے پر یاد آیا تھا۔ تیرہ کا عدد، پھر تیرہ نمبر کا گھوڑا، رپورٹر کے نوٹ میں لکی تھرٹین کا حوالہ، یہ سب ذہن میں محفوظ رہنے والی چیزیں ہیں۔ اگر تمہیں کبھی اس قسم کا اتفاق پیش آئے تو تم بھی یاد رکھو گے۔ مثلاً تیرہ کے عدد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ سعد ہے۔ لہٰذا اگر اسی نمبر پر تمہارے علم میں کوئی دوسرا ایک بڑی رقم جیت لے تو تم اسے ہمیشہ یاد رکھو گے۔"

حمید خاموشی سے اسپورٹ کے صفحات الٹتا رہا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا۔

"عجیب معاملہ ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اگر مقتول کا تعلق سرخ دائرہ والوں کی پارٹی سے تھا تو.... مگر نہیں۔"

وہ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"سوچنے کو ساری زندگی پڑی ہوئی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن آپ مجھے کام بتایئے۔"

"اوہو! آج کل بہت تیز ہو رہے ہو۔" فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"میں کام چور تو نہیں ہوں۔"

"کب سے حمید صاحب۔"

"جب سے ریکھا محکمے میں آئی ہے۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں تم سے کچھ کہنا وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ویسے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم نے مفت میں خود کو بدنام کر لیا ہے۔"

"آپ معرفت کی اس منزل سے واقف نہیں ہیں۔ پھر آپ اس کی لذت کیا جانیں۔ میں اسے بدنام نہیں بلکہ شہد کا مرتبان سمجھتا ہوں۔"

"خیر اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ کام یہی ہے کہ کیفے جبران پر نظر رکھو۔ کیونکہ مقتول نے اپنی موت سے کچھ ہی دیر پہلے منیجر سے کہا تھا کہ وہ اس کے چاروں ساتھیوں کو تیرھویں میز پر نہ بیٹھنے دیں۔"

"اس سے کیا غرض۔"

"کاش تمہارے حصے میں بھینس ہی کی عقل آئی ہوتی۔"

"اس صورت میں بھی آپ کو بین بجانے کا موقع ضرور دیتا۔"

"بکواس مت کرو.... جو کچھ میں کہوں اسے انجام دو۔ بس اب جاؤ۔"

"صرف ایک بات اور.... کیا ان پانچوں کا تعلق سرخ دائرے سے بھی ہو سکتا ہے۔"

"ابھی اس کا تصفیہ نہیں کر سکا۔ تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ہمیشہ زینہ بزینہ آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرو۔ اسطرح چھلانگ لگانے سے بھی اپنی ہی ریڑھ کی ہڈی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔"

"کیوں نہ میں آج رات ریکھا کو کیفے جبران لے جاؤں۔"

"جو تمہارا دل چاہے کرو۔ بس اب دفع ہو جاؤ۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر پھر لائبریری میں چلا آیا۔

حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ لیکن اس کے چہرے پر بھی گہرے تفکر کے آثار تھے۔

چاروں شریف آدمی ایک ایک کر کے کیفے جبران میں داخل ہوئے۔ ان میں سے تین مختلف میزوں پر بیٹھ گئے۔ ایک کو کہیں جگہ نہ ملی۔ پورے ہال میں صرف ایک میز خالی تھی اور یہ تھی نمبر ۱۳۔ اس پر اب بھی ریزرویشن کی تختی رکھی ہوئی تھی۔

وہ سیدھا شراب کے کاؤنٹر کی طرف گیا۔ کیفے جبران میں بار بھی تھی۔ ان چاروں نے اتنے حیرت انگیز طور پر اپنی شکلیں تبدیل کی تھیں کہ پہلے سے نشانیاں قائم کئے بغیر شاید ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے۔

بارٹنڈر نے اسے روز کا گاہک نہ سمجھ کر اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔ وہ دوسرے خریداروں کے جگ بیئر سے بھر رہا تھا۔

کیفے جبران اپنی بیئر کے لئے خاص طور پر مشہور تھا۔ یہ دراصل کئی قسم کی بیئروں کا مرکب ہوا کرتا تھا۔

جنٹل فورتھ نے کاؤنٹر پر ہاتھ مار کر بھاری آواز میں بیئر طلب کی۔ بارٹنڈر نے اس کی طرف دیکھ کر سر ہلایا اور دوسروں کے جگ بھرتا رہا۔

بڑی دیر بعد اس کے آرڈر کی تعمیل کی گئی۔ جنٹل فورتھ جھلایا ہوا تھا۔ مگر اس نے اپنی ظاہری حالت میں فرق نہ آنے دیا تھا۔

"وہ میز خالی ہے۔" اس نے تیرہ نمبر کی میز کی طرف اشارہ کیا۔ "حالانکہ اس پر ریزرویشن کا کارڈ موجود ہے۔ لیکن اگر اس دوران میں کوئی آ گیا تو میں اٹھ جاؤں گا۔"

"نہیں جناب.... یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔" بارٹنڈر نے لاپروائی سے کہا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

جنٹل فورتھ بیئر کا گھونٹ لے کر ہونٹوں کو رومال سے خشک کرتا ہوا کاؤنٹر سے ٹک گیا۔

وہ اپنے تین ساتھیوں کو ہال میں تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک اس کی نظر ایک دراز قد آدمی پر پڑی جو ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ سیاہ رنگ کے اوورکوٹ اور ٹوئیڈ کے پتلون میں تھا۔ اوورکوٹ کے کالر کانوں تک اٹھے ہوئے تھے اور سر پر سفید رنگ کی فلٹ ہیٹ تھی، جس کا اگلا گوشہ ناک پر جھکا ہوا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا تیرہ نمبر کی میز کی طرف آیا۔ ریزرویشن کی تختی اٹھا کر میز کے نیچے ڈال دی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا لیکن وہ جس انداز میں وہاں داخل ہوا تھا اس نے سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

جنٹل فورتھ نے بارٹنڈر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر برافروختگی کے آثار تھے لیکن اچانک اس کے ہاتھ سے بیئر کا جگ چھوٹ کر فرش پر آ رہا۔ جنٹل فورتھ بوکھلا کر پھر میز کی طرف مڑا کیونکہ اس نے بارٹنڈر کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالت بغور دیکھی تھی۔ اس بار دوسرا جگ فرش پر گرا اور یہ خود جنٹل فورتھ کا جگ تھا۔ تیرہ نمبر کی میز پر بیٹھے ہوئے آدمی کا چہرہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ ستا ہوا زرد چہرہ، ویران آنکھیں اور ایک دوسرے پر جمے ہوئے ہونٹ۔ لیکن یہ چہرہ جنٹل فرسٹ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر بارٹنڈر کی چیخ ہال میں گونج کر رہ گئی۔ کچھ اور لوگوں کی نظریں بھی تیرھویں میز پر بیٹھے ہوئے آدمی پر پڑ چکی تھیں۔ ان میں سے جو روز کے گاہک تھے بُری طرح کانپ رہے تھے۔ کئی کمزور دل کے آدمی تو اپنی کرسیوں سے لڑھک کر فرش پر آ گرے۔ کیونکہ انہوں نے چند دن قبل اسی آدمی کی لاش دیکھی تھی۔

پھر وہاں گویا زلزلہ سا آ گیا۔ میزیں الٹ گئیں۔ کرسیاں الٹنے لگیں۔ وہ لوگ جو واقعات سے واقف نہیں تھے وہ بھی اٹھ کر بھاگے۔ وہ اس لئے بھاگے کہ انہوں نے دوسروں کو بھاگتے دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہال کا مجمع سڑک پر پہنچ گیا۔ ان میں "چاروں شریف آدمی"

بھی تھے۔

کیفے سے برآمد ہونے والا آخری آدمی منیجر تھا۔ وہ ان چاروں کے قریب آ کر کھڑا ہوگیا۔ مگراس کے چہرے پر خوف کے بجائے حیرت کے آثار تھے۔

''یہ کیا ہوا'' دفعتاً اس نے بارٹنڈر کا شانہ جھنجھوڑ کر کہا۔ جو اسکے پاس سے گذر رہا تھا۔

''اوہ.... جناب.... کک.... کیا آپ نے نہیں دیکھا'' وہ کانپتا ہوا بولا۔

''کیا نہیں دیکھا'' منیجر کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''بھوت....!''

''کیا مطلب....!''

''ڈیکارلس صاحب کا بھوت۔''

''کیا بکتے ہو.... کہاں ہے بھوت.... کدھر ہے بھوت۔''

''اچھا صاحب میں جھوٹا ہوں.... مگر یہ اتنے سارے لوگ۔'' اس نے جنٹل فورتھ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''یہ صاحب تو وہیں میرے پاس کھڑے ہوئے تھے۔''

منیجر نے مستفسرانہ نظروں سے جنٹل فورتھ کی طرف دیکھا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' جنٹل فورتھ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''میں نے دوسروں کو بھاگتے دیکھا، خود بھی بھاگ کھڑا ہوا۔''

منیجر چند مستقل گاہکوں کی بھیڑ میں پہنچ گیا۔ انہوں نے بارٹنڈر کے بیان کی تصدیق کردی اور منیجر نے انہیں بتایا کہ اسے کچھ بھی نہیں نظر آیا۔ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ اچانک اس نے ہنگامے کی آواز سنی اور جس وقت وہ ہال میں پہنچا تو وہاں ایک متنفس بھی نہیں تھا۔

آہستہ آہستہ وہ پھر ہال کی طرف آنے لگے۔ حقیقتاً اب یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ تیرہ نمبر کی میز خالی تھی اور اب ریزرویشن کی تختی بھی رکھی نظر آرہی تھی۔ ویسے ہال کی ابتری کا یہ عالم تھا جیسے وہاں تین چار سرکش قسم کے سانڈ آپس میں لڑ پڑے ہوں۔

ان آدمیوں کی بھیڑ میں کیپٹن حمید بھی تھا۔ اس نے بھی تیرہ نمبر کی میز پر بیٹھنے والے آدمی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ بس دوسروں کو بھاگتے دیکھ کر خود بھی کودتا پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا تھا

اور پھر جب اسے بھوت والی بات معلوم ہوئی تو وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔

پُراسرار لڑکی

دوسرے دن جنٹل فرسٹ کے بھوت کا واقعہ شہر کے سارے اخبارات میں آ گیا۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر سبھی یقین کر لیتے۔ زیادہ تر لوگ اسے افواہ ہی سمجھتے تھے۔ بہرحال کسی پر کچھ بھی ردعمل ہوا ہو، چاروں شریف آدمی سب سے زیادہ پریشان تھے۔ وہ دوسری صبح ایک چھوٹے سے چائے خانے میں ملے اور پچھلی رات والے واقعے پر گفتگو شروع ہوگئی۔

''کیا اب ہمیں اپنی قسمیں توڑ ہی دینی چاہئیں۔'' جنٹل ففتھ نے کہا۔

''یقینی طور پر....!'' سب بیک زبان بولے۔

''لیکن اس کے بعد ہم پل بھر کے لئے بھی جدا نہ ہوں گے۔'' جنٹل ففتھ نے کہا۔

''کیوں....؟'' جنٹل تھرڈ نے پوچھا۔ بقیہ دو کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی اس کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔

جنٹل ففتھ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''اگر ہم جنٹل فرسٹ کو اپنی ٹولی سے الگ نہ کر دیتے تو وہ کبھی نہ مارا جاتا۔ قاتل کو خدشہ لاحق ہوا ہوگا کہ کہیں اب وہ سیدھا پولیس اسٹیشن نہ چلا جائے اور یہ بات تو ثابت ہی ہو چکی ہے کہ کوئی ہمیں قتل کے الزام میں پھنسانا چاہتا ہے۔ ورنہ ہماری توڑی ہوئی تجوریوں پر سرخ دائرے کیوں ملتے؟''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' جنٹل فورتھ سر ہلا کر بولا۔ ''مگر فی الحال ہمیں اس بات کو یہیں ختم کر دینا چاہئے۔ سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی روداد سنیں۔ آخر ہم کس طرح کیفے جبران کی تیرھویں میز پر پہنچے تھے۔ سب سے پہلے میں جنٹل سیکنڈ سے درخواست کرونگا۔''

''میں....!'' جنٹل سیکنڈ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''جیل میں تھا.... ایک لمبی سزا کاٹنے کے بعد رہا ہوا۔ جیل کے دروازے ہی پر میری ایک فقیر سے ملاقات ہوئی۔ وہ خود ہی سر ہوگیا

تھا۔ ورنہ ملاقات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں سمجھا کوئی دیوانہ ہوگا لیکن اس نے میرا شانہ جھنجھوڑ کر کہا تھا کہ تمہاری تقدیر کیفے جبران کی تیرھویں میز پر ہی۔ لیکن جو کوئی بھی تمہیں اس میز پر ملے اسے نہ تو تم اپنے متعلق کچھ بتانا اور نہ اس سے اس کے متعلق کچھ پوچھنا۔ اس سلسلے میں اس نے مجھے ایک بہت بڑی قسم دی تھی۔ البتہ اس کی اجازت تھی کہ میں اس میز پر بیٹھنے والوں کے ساتھ مل کر کوئی کام کرسکتا ہوں، اس میں سراسر فائدہ ہی ہوگا۔ بہر حال میں وہاں گیا۔ جنرل فرسٹ سے ملاقات ہوئی اور میں نے تھوڑے ہی دنوں میں اندازہ کرلیا کہ وہ بھی میری طرح ایک شاطر چور ہے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کی قلعی کھلتی گئی۔ پھر جنرل تھرڈ بھی آ گئے اور ہم تینوں نے لمبے لمبے ہاتھ مارنے شروع کردیئے۔"

جنرل سیکنڈ خاموش ہوگیا۔ پھر جنرل تھرڈ کی باری آئی اور اس نے اپنی روداد شروع کردی۔ اسے سٹے کا شوق تھا۔ اسے بھی ایک فقیر کے ذریعے دو چار بار سٹے میں کامیابی ہوئی تھی اور وہ بھی اسی فقیر کے کہنے پر کیفے جبران کی تیرھویں میز پر آ گیا تھا۔

جنرل فورتھ جواری تھا۔ اسے بھی کئی بار ایک فقیر کی وجہ سے لمبی رقمیں جیتنے کا اتفاق ہوا تھا اور پھر اسی فقیر کے ذریعے اس کی رسائی کیفے جبران کی تیرھویں میز تک ہوئی۔

جنرل فورتھ نے فقیر کا حلیہ بتا کر اپنے ساتھیوں سے اس کی تصدیق چاہی جنرل سیکنڈ اور تھرڈ دونوں ہی اس سے متفق تھے۔

اب جنرل ففتھ کی باری آئی اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"مجھے کبھی کوئی فقیر نہیں ملا۔ جس نے مجھے کیفے جبران تک پہنچایا تھا اسے کسی طرح فقیر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس کے پاس ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی سیڈان تھی اور وہ خود بھی اعلیٰ ترین لباس میں تھا ہوا یہ کہ ایک رات میں نے ایک بڑی جگہ پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ واپسی پر گشتی پولیس نے دوڑا لیا۔ اگر وہ لمبی سی سیاہ کار والا میری مدد نہ کرتا تو میرا پکڑ لیا جانا لازمی تھا اور پھر جب میں نے اس سے گفتگو شروع کی تو اس نے چوری کے متعلق وہ وہ گر بتائے کہ میں عش عش کرتا رہ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اکیلا آدمی ہمیشہ مار کھاتا ہے۔ کم از کم دو چار ساتھی تو ہونے ہی چاہئیں۔ اس کے بعد ہی اس نے مجھے کیفے جبران کی تیرھویں میز کے متعلق بتایا۔ اس

نے کہا کہ تمہیں وہاں کم از کم چار آدمی ضرور ملیں گے۔ وہ تمہیں سب سے پہلے یہاں اس شہر میں چوری کرنے کے گر بتائیں گے اور تم چند ہی مہینوں میں اتنا کما لو گے کہ ساری زندگی بیٹھ کر کھا سکو۔ قسم اس نے مجھے بھی دی تھی کہ نہ میں ان لوگوں سے پوچھوں اور نہ اپنے متعلق انہیں کچھ بتاؤں۔ فقیروں وغیرہ پر میرا اعتقاد کبھی نہیں رہا۔ اب میں یہ سوچتا ہوں کہ شاید وہ نامعلوم آدمی ہم پانچوں کو بہت قریب سے دیکھتا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ہماری ذہنیتوں کے مطابق ہمیں اس چکر میں پھانسنے کے طریقے اختیار کئے۔"

"مگر دوست.....!" جنرل تھرڈ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "ہم لوگ تو اپنی بداعتقادی کی وجہ سے پھنس گئے تھے۔ تمہیں کیا ہوا تھا۔"

"آہا! دوست میں جانتا تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔ میں دراصل اس آدمی کو کسی گروہ کا سرغنہ سمجھا تھا۔ وہ بڑا شاندار آدمی تھا۔ میں نے سوچا اس کے گروہ میں شامل ہوجانے کی بعد فائدے ہی میں رہوں گا.....مگر.....!"

وہ تینوں اسطرح ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے جیسے انہیں اس کے بیان میں شبہ ہو۔

دفعتاً جنرل ففتھ کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک لہرائی اور وہ ایک طویل قہقہے کے بعد بولا۔ "میں سمجھتا ہوں تم لوگوں کا خیال ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ دوستو! اگر میں جھوٹا ہوں تو نہ تو میں جنرل فرسٹ کا قاتل ہوسکتا ہوں اور نہ جنرل فرسٹ کا بھوت۔ کیونکہ ان دونوں ہی مواقع پر میں تم لوگوں کے ساتھ رہا ہوں۔"

"شبہ.....کمال کرتے ہو۔" جنرل سیکنڈ جلدی سے بولا۔ "نہیں شبہ کیوں ہونے لگا۔ خیر اب اسے ختم کرو۔ ہم سب دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ نہ نکلتے ہیں اور نہ غرق ہوتے ہیں۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"اسے بھی فی الحال چھوڑو۔" جنرل فورتھ بول اٹھا۔ "پہلے ہمیں اس بھوت کے مقصد سے واقف ہونا چاہئے۔ کیا وہ سچ مچ بھوت تھا۔"

"بھوت.....!" جنرل ففتھ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے نزدیک بھوتوں کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ اس واقعے کو بھی اگر عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرو تو حقیقت

ظاہر ہوجائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نامعلوم آدمی اب ہمیں کیفے جبران میں نہیں
چاہتا۔ یہ بات تو اخبارات میں بھی آچکی ہے کہ تیرھویں میز پر پانچ آدمی بیٹھا کرتے تھے
قتل سے کچھ دیر قبل جنٹل فرسٹ نے انتہائی غصیلے موڈ میں کیفے جبران کے منیجر سے کہا تھا
آئندہ ہم چاروں کو تیرھویں میز پر نہ بیٹھنے دے۔ ظاہر ہے کہ پولیس کو اسی بناء پر ہم چاروں
تلاش ہوگی اور وہ نامعلوم آدمی فی الحال یہ نہیں چاہتا کہ ہم پولیس کے ہتھے چڑھیں۔
فرسٹ کو بھی اس نے شائد اسی لئے قتل کردیا کہ کہیں وہ پولیس تک نہ جا پہنچے۔“

”یعنی اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ نامعلوم آدمی ہمیں ہر حال میں پہچان سکتا ہے۔“

جنٹل فورتھ بولا۔ ”ورنہ وہ بھوت کی بہروپ میں ہمارے سامنے کیوں آیا۔ ہم نے
شکلوں میں کافی حد تک تبدیلیاں کرلی تھیں۔ اتنی تبدیلیاں کہ اگر سیاہ ٹائی کو اپنی پہچان قرار
دیتے تو شاید ایک دوسرے کو پہچاننا بھی مشکل ہوجاتا۔“

”ٹھیک ہے۔“ جنٹل ففتھ نے کہا۔ ”میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ ہمیں ہر حال میں
پہچان سکتا ہے۔“

”پھر تو ہمیں ہر وقت موت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔“ جنٹل سیکنڈ بولا۔

”میں اتنا ڈرپوک نہیں ہوں۔“ جنٹل ففتھ نے کہا۔ ”اتنی بدحواسی بھی ٹھیک نہیں ہے
چاروں بھیڑوں کو ایک بھیڑیا کھا جائے۔ میرے ذہن میں ایک دوسری تجویز بھی ہے کیوں
ہم بھی اسے مکاری سے ماریں۔ ہم فی الحال یہ کیوں ظاہر کریں کہ ہم اُس سے برگشتہ ہوگئے ہیں

کیپٹن حمید بہت اداس تھا۔ کیونکہ ریکھا نے اس کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا تھا کہ
دونوں مل کر کام کریں۔ ظاہر ہے کہ حمید لڑکیوں کے معاملے میں کافی بدنام تھا اور وہ محکمے میں
ابھی بالکل نئی نئی آئی تھی۔ اس لئے نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس پر انگلی اٹھانے کا موقعہ ملے۔

حمید بڑی دیر سے اس بات پر غور کررہا تھا کہ آج وہ اسے کس طرح نیاگرا ہوٹل میں لے
جائے۔ جہاں آج رقص کا پروگرام تھا۔ آخر اسے ایک تدبیر سوجھ ہی گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا
آجکل اپنا زیادہ تر وقت کنکس لین زوردا اسکوائر کے آس پاس گذارتی ہے۔ زوردا اسکوائر وہی عمارت
تھی جہاں کچھ دن قبل ایک لاش پائی گئی تھی اور وہ لاش زوردا اسکوائر کے مالک مسٹر صمد کی تھی۔

صمد کے متعلق حمید نے بہت سی معلومات فراہم کرلی تھیں۔ محض اس لئے کہ ریکھا کی مدد
کرنے کے بہانے اس کا قرب حاصل کرسکے۔ مگر حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ساری معلومات قطعی
بیکار تھیں۔ ویسے ریکھا جیسی نوآموز کے لئے تو یہ بات بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی کہ صمد بائیں
ہاتھ سے لکھنے کا عادی تھا اور اس کے بائیں ہاتھ ہی کی انگلیوں پر رنگین چاک کے دھبے ملے
تھے۔ اسی بنیاد پر اس نے اس قتل کے متعلق بہت کچھ سوچا تھا لیکن ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ
سکی تھی۔ حمید جانتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچنے ہی کے لئے زوردا اسکوائر کے گرد منڈلایا کرتی
ہے۔ لہٰذا وہ سرِشام ہی کنکس لین کی طرف نکل گیا۔ وہ اپنی موٹر سائیکل پر تھا۔

گھر سے تو وہ اچھے خاصے حلئے میں چلا تھا، لیکن ایک جگہ موٹر سائیکل روک کر وہ ایک
پبلک پیشاب خانے میں گیا اور جب وہاں سے واپس آیا تو حلیہ ہی کچھ اور تھا۔ اس کی ناک کا
نچلا حصہ اوپر کی طرف اٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی اوپری ہونٹ بھی اس طرح اوپر اٹھ گیا تھا
کہ آگے کے دو دانت دکھائی دینے لگے تھے۔ یہ فریدی کا ایجاد کردہ ایک ریڈی میڈ میک اپ
تھا۔ ناک کے دونوں نتھنوں میں دو چھوٹے چھوٹے اسپرنگ اس طرح پھنسائے جاتے تھے کہ
ناک کا نچلا حصہ اوپر اٹھ جاتا تھا۔ یہ میک اپ ایک بار کامیاب بھی ہوچکا تھا۔ اس لئے حمید
نے اسی پر اکتفا کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا اسے نہ پہچان سکے گی اور وہ جب بھی چاہے گا محض
دو انگلیوں کی ہلکی سی جنبش سے اپنی اصلی شکل میں آجائے گا۔

کنکس لین میں مڑتے ہی اس کی نظر ریکھا پر پڑی جو ٹھیک زوردا اسکوائر کے سامنے
والے بک اسٹال کے شوکیس پر جھکی ہوئی تھی۔

حمید نے زوردا اسکوائر کے نیچے والے فٹ پاتھ کے قریب موٹر سائیکل روک دی۔ اُس
نے ریکھا کو اپنی طرف مڑتا دیکھا لیکن اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بڑی تیزی سے زینوں

تک گیا، وہاں دو زانو بیٹھ کر اس طرح آگے کی طرف جھکا جیسے کوئی چیز اٹھا رہا ہو۔ راہدار کے زینے سڑک سے بھی دکھائی دیتے تھے اور ریکھا تو اب بک اسٹال سے کچھ آگے بڑھ کر ا کی اس حرکت کو غور سے دیکھنے لگی تھی۔

حمید پھر وہاں سے اٹھ کر بھاگتا ہوا موٹر سائیکل تک آیا اور اسے اتنی جلدی میں اسٹار کیا کہ خود اسے بھی شبہ ہونے لگا جیسے وہ سچ مچ کوئی جرم ہی کر کے بھاگ رہا ہو۔

ریکھا بڑی تیزی سے سڑک پار کر رہی تھی، کیونکہ دوسری طرف کے فٹ پاتھ سے لگی ہو کئی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ اُس نے بہت عجلت میں ڈرائیور کو آگے جانے والی موٹر سائیکل تعاقب کرنے کے سلسلے میں ہدایات دیں اور دوسرے ہی لمحے میں اس کی ٹیکسی حمید کی مو سائیکل کا تعاقب کرنے لگی۔

نیاگرا ہوٹل شہری آبادی سے بہت دور ایک پرفضا مقام پر واقع تھا اور یہاں کے اخراجا اتنے زیادہ تھے کہ متوسط طبقے کے لوگ تو ادھر کا رخ بھی نہیں کرتے تھے۔

نو میل کی مسافت طے کرنے کے بعد حمید نیاگرہ کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا، اور موٹر سائیکل کو سیدھا گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔ یہاں کا قانون تھا کہ صرف وہی ٹیکسیاں کمپاؤنڈ م داخل ہو سکتی تھیں جنہیں گاہکوں کے انتظار میں رکنا ہو۔ دوسری صورت میں وہ پھاٹک ہی ٹھہرتی تھیں اور گیٹ سارجنٹ کا اسٹاف باہر سے آئے ہوئے مسافروں کا سامان ہوٹل ک عمارت تک پہنچا دیا کرتا تھا۔

ریکھا کی ٹیکسی بھی پھاٹک ہی پر رک گئی۔ وہ شاید زندگی میں پہلی بار اس طرف آئی تھی ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے وہ اندر چلی گئی، لیکن جس کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک آئی تھی غائب تھا۔

''اوہو.... آپ....!'' حمید نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

اب ریکھا اتنی گاؤدی بھی نہیں تھی کہ اسے اپنی غلطی کا احساس جلد ہی نہ ہو جاتا۔ حمید حلیہ ضرور بدل گیا تھا مگر لباس اور قد و قامت تو کسی طرح بھی نہیں بدلے جا سکتے تھے۔

''میں سمجھ گئی۔'' ریکھا نے جھینپی ہوئی سی ہنسی کے ساتھ کہا اور حمید سوچنے لگا کہ عورت

عورت ہوتی ہے، خواہ وہ محکمہ سراغ رسانی کی انسپکٹریس ہو خواہ کسی مملکت کی صدر۔

''آج یہاں بڑا شاندار پروگرام ہے۔'' حمید ڈھٹائی سے بولا۔

''ہوگا.... میں واپس جا رہی ہوں۔'' ریکھا نے خشک لہجے میں کہا۔

''واہ.... بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابھی آپ اندر بھی نہیں گئیں۔''

''مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ آپ کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔''

''آہا.... میں کبھی غلط کام نہیں کرتا۔'' حمید نے فخریہ انداز میں کہا۔ ''آپ زندگی بھر کنکس لین میں بھٹکتی رہیں تب بھی کامیابی ممکن نہ ہوتی۔ میں نے ذرا ہی سی دیر میں کم از کم یہ تو معلوم کر لیا کہ کنکس لین میں آپ کی بھی نگرانی ہو رہی ہے۔''

''کیا مطلب....؟ کون کر رہا ہے؟''

''ایک اینگلو انڈین لڑکی۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ دیکھئے.... وہ ہال میں داخل ہو رہی ہے۔''

ریکھا مڑ کر دیکھنے لگی۔ اس نے زرد رنگ کے اسکرٹ کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی جو ہال کے بڑے دروازے میں غائب ہو گئی تھی۔ حمید نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی۔ ریکھا حقیقتاً اس سے ناواقف تھی کہ کنکس لین سے اس کی روانگی کے بعد ایک دوسری ٹیکسی بھی اس کے پیچھے روانہ ہوئی تھی، لیکن یہ بھی درست تھا کہ حمید اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا ممکن ہے وہ محض اتفاق ہی رہا ہو۔

''کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔'' ریکھا نے پوچھا۔

''میں نے آج تک کرنل فریدی سے کم رتبے کے آدمی سے جھوٹ ہی نہیں بولا۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا اور ہوٹل کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ ریکھا اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ پھر دونوں ساتھ ہی ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے۔

زرد اسکرٹ میں صرف ایک اینگلو انڈین لڑکی وہاں نظر آ رہی تھی اور وہ بہت خوبصورت تھی، ریکھا سے بھی زیادہ۔ لہٰذا حمید نے سوچا کہ عاقبت سنوارنے کیلئے یہی بہتر ہوگا کہ وہ فی الحال ریکھا کا خیال چھوڑ کر اسی اینگلو انڈین لڑکی سے اپنی توقعات وابستہ کر لے۔ اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ وہ حقیقتاً ریکھا کا تعاقب کر رہی تھی، یا وہ محض اتفاق تھا۔

"بیٹھئے۔" حمید نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا۔ زرد اسکرٹ والی لڑکی یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی اور اپنے میز پر تنہا ہونے کی وجہ سے چاروں طرف ایسے انداز میں دیکھ رہی تھی جیسے اسے کسی ساتھی کی ضرورت ہو۔

"میں ہرگز یقین نہیں کر سکتی حمید صاحب! آپ مجھے خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں۔"

"آپ یقین کر کے کریں گی بھی کیا۔ آپ جو کچھ بھی کریں گی اس کا ثواب براہ راست آصف کو پہنچے گا۔" حمید نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

اینگلو انڈین لڑکی انہیں بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔ لیکن ایک بار پھر کہوں گا کہ میں نے یہ حرکت صرف اس لئے کی تھی کہ آپ کی نگرانی کرنے والوں کے متعلق کچھ معلوم کر سکوں۔"

حمید نے کہا اور اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ واپسی پر اس کی ناک پھر اٹھی ہوئی تھی۔ ہونٹ کھل گئے تھے اور دانت باہر جھانکنے لگے تھے۔ اب وہ لڑکی کی پشت والی میز پر بیٹھ گیا تھا۔ ریکھا وہیں بیٹھی رہی جہاں پہلے تھی۔ لیکن اب وہ بھی یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ حمید کے بیان میں کتنی صداقت ہے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کاؤنٹر کے پاس پہنچی۔ اس سے آج کا پروگرام طلب کیا اور اس کی قیمت دے کر کاپی کو رول کرتی ہوئی ریکریئیشن ہال کی طرف بڑھ گئی۔ جیسے ہی وہ اس کے دروازے میں داخل ہوئی زرد اسکرٹ والی اینگلو انڈین لڑکی بھی اٹھ کر اسی طرف روانہ ہو گئی۔

پھر قتل

ریکریئیشن ہال میں کچھ لوگ اسکیٹنگ کر رہے تھے۔ رقص کا پروگرام شروع ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے، ریکھا نے گیلری کی ایک میز سنبھال لی۔ دونوں کناروں کی گیلریاں اب قریب قریب خالی ہی تھیں۔ کہیں کہیں اکادکا آدمی نظر آ رہے تھے۔

زرد اسکرٹ والی اینگلو انڈین لڑکی اُسی گیلری کے نیچے سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ گئی جس میں ریکھا بیٹھی ہوئی تھی۔ ریکھا اسے کنکھیوں سے دیکھتی رہی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ لڑکی اسکیٹس پہنے ہوئے چوبی فرش پر تیرتی ہوئی نظر آنے لگی۔ وہ یقیناً اس میں کافی مشاق معلوم ہوتی تھی۔ اکثر وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی داہنے پیر کے پنجے پر کھڑی ہو کر لٹو کی طرح ناچ جاتی۔

ریکھا نے حمید کو بھی اس کمرے کی طرف جاتے دیکھا جس میں اسکیٹس کا اسٹاک رہتا تھا، اور پھر دس منٹ بعد ہی وہ پیروں میں اسکیٹس لگائے ہوئے برآمد ہوا۔ لڑکی بہت تیزی سے اوپر سے نیچے آ رہی تھی۔ اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے وہ حمید سے ٹکرا جائے گی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی لیکن حمید بڑی صفائی سے کترا کر فراز کی طرف تیرتا چلا گیا۔ لڑکی بھی بڑی ڈھیٹ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ نشیب میں پہنچ کر پھر فراز کی طرف مڑی اور حمید نے یک لخت اپنا راستہ بدل دیا۔ اس بار لڑکی گڑبڑا گئی۔ اس کے پیر بہک گئے اور توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر وہ سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی۔ اگر وہ دیوار سے ہاتھ نہ لگا دیتی تو سر کے کئی ٹکڑے ہو گئے ہوتے۔

وہ گالیوں کی بوچھاڑ کرتی ہوئی پلٹ پڑی۔ حمید بھی حلق پھاڑ پھاڑ کر اسے سلواتیں سنانے لگا اور ریکھا اس کی اس صلاحیت پر دنگ رہ گئی۔

اسکیٹنگ کرنے والے ان کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

"اے.....اے مسٹر۔" مجمع سے کسی نے کہا۔ "آپ ایک خاتون سے گفتگو کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں میں اندھا نہیں ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ خاتون ہیں۔"

"آپ کا لہجہ خراب نہ ہونا چاہئے۔" اس کے سامنے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

لڑکی اب وہاں نہیں تھی۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہاں ٹھہرنے میں اُسی کی سبکی ہوگی۔ اس لئے اس نے کھسک جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ وہ سیدھی اس کمرے میں چلی گئی تھی جہاں اسکیٹ رکھے تھے۔

ادھر لوگ حمید کی جان کو آ گئے تھے۔ اس نے نہ جانے کس طرح ان سے پیچھا چھڑایا۔ لڑکی اسکیٹ اتار کر ڈائننگ ہال کی طرف جا رہی تھی۔ حمید نے بھی اپنے اسکیٹ اتارے

اور اپنا کوٹ بھی اتار کر ریکھا کی میز پر ڈالتا ہوا بولا ”یہ سب کچھ آپ کے لئے کر رہا
میرا کوٹ گھر پہنچا دیجئے گا۔ حالانکہ سردی بہت ہے مگر خیر میں صرف سویٹر ہی میں بسر کرلوں
ریکھا منہ کھولے بیٹھی ہی رہ گئی اور حمید ریکریئشن ہال سے چلا گیا۔ اس نے اُسے
وقت بھی بدلی ہوئی شکل میں دیکھا تھا جب وہ اسکیٹنگ کر رہا تھا، لیکن وہ اس طرح اپنا
اتار کر کیوں پھینک گیا تھا۔ ریکھا نے اسے احتیاط سے تہہ کر کے کرسی پر رکھ دیا۔

زرد اسکرٹ والی لڑکی ڈائننگ ہال میں بھی نہیں رکی۔ اُس کے متعلق حمید کا اندازہ
نہیں تھا۔ سڑک کی دوسری طرف کھڑی ہوئی ٹیکسی پھاٹک سے صاف نظر آ رہی تھی اور یہ
لڑکی ہی کی ٹیکسی تھی، حمید کو یقین تھا۔ آخر اس نے اسے اس میں بیٹھتے دیکھا۔ گیراج زیادہ
نہیں تھا، وہ جھپٹتا ہوا چلا اور موٹر سائیکل نکال کر سڑک پر آ گیا۔ مطلع غبار آلود نہ ہونے کی
پر اسے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ تاروں کی چھاؤں میں اُس نے لڑکی کو ٹیکسی میں بیٹھتے د
تھا۔ اگر آسمان پر بادل ہوتے تو شاید اسے ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ کیونکہ وہ لڑکی بڑی
پھرتیلی تھی۔

ٹیکسی کی عقبی، سرخ روشنی بہت دور نظر آ رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آج وہ کچھ نہ کچھ کر کے ہی رہے گا۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ
لڑکی گنکس لین میں ریکھا کی نگرانی کر رہی تھی۔ اگر نگرانی کر رہی تھی تو وہ یقیناً مجرموں ہی
کچھ نہ کچھ تعلق رکھتی ہوگی۔

چونکہ ٹیکسی اور موٹر سائیکل دونوں ہی خاصی تیز رفتار تھیں۔ لہٰذا شہر تک پہنچنے میں زیادہ
نہیں لگی۔ مگر شہر میں پہنچ کر حمید بوکھلا گیا۔

اس نے نیاگرہ کے سامنے اندھیرے میں ٹیکسی کا صرف ڈھانچہ ہی دیکھا تھا، رنگ

اندازہ اندھیرے میں کیا ہوتا۔ شہر اور نیاگرہ کی درمیانی سڑک پر روشنی کا انتظام نہیں تھا ورنہ وہ
راستے میں کم از کم اُس کی رنگت سے تو واقف ہو ہی جاتا۔

بہر حال شہر میں داخل ہوتے ہی لڑکی والی ٹیکسی ٹریفک کے ہجوم میں کھو گئی اور حمید ہاتھ ملتا
رہ گیا۔ یہاں دائیں بائیں آگے پیچھے ٹیکسیاں ہی ٹیکسیاں تھیں۔

جسم پر کوٹ نہ ہونے کی وجہ سے ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں نے اس کا دماغ درست کر دیا
تھا۔ اس ناکامی نے اسے بالکل ہی کھوپڑی کے باہر کر دیا اور اس کا دل چاہنے لگا کہ موٹر
سائیکل کو کاندھے پر اٹھا کر بے تحاشہ پانچ سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے پاگل خانے کی طرف
دوڑنا شروع کر دے۔

اُس نے ایک جگہ رک کر رومال سے اپنی آنکھیں خشک کیں جن سے ٹھنڈی ہوا کی وجہ
سے راستے بھر پانی بہتا آیا تھا۔

حمید نے فریدی سے اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا۔ کرتا بھی کیا۔ فریدی سے اس ناعاقبت
اندیشی کی جو داد ملتی اس کا اندازہ اسے اچھی طرح تھا۔ حمید کو دل ہی دل میں اپنی اس غلطی کا
اعتراف تھا۔ اسے اس لڑکی کے سامنے ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اسے گنکسن
لین ہی میں ریکھا کا تعاقب کرتے دیکھا ہوگا۔

مگر وہ اسے کیا کرتا کہ اس کا نام حمید تھا اور وہ ایک لڑکی تھی۔ جہاں یہ دونوں اقسام
موجود ہوں وہاں جو کچھ بھی ہو جائے کم ہے۔ رہ گیا سر پیٹنا تو وہ بعد کی بات ہے اور حمید کی
تقدیر بھی۔

اس کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا کوٹ پہنچ گیا تھا۔ ریکھا خود نہیں آئی تھی اپنے نوکر
سے بھجوا دیا تھا اور نوکر کو بھی تاکید کر دی تھی کہ وہ کسی نوکر ہی کے ہاتھ میں دے لیکن یہ نہ بتائے

کہ وہ اسے کہاں سے لایا تھا۔

ریکھا حمید کے معاملے میں کچھ ایسی ہی محتاط ہوگئی تھی۔

حمید جب گھر پہنچا تو فریدی ڈرائینگ روم ہی میں بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا۔ لیکن یہ کوئی کتاب نہیں تھی بلکہ سفید کاغذ کے کچھ اوراق تھے جن پر پنسل کی تحریر تھی۔

اس نے حمید کو بتایا کہ وہ یلو پینتھر کی ہسٹری دیکھ رہا تھا۔

''اور دوسری دلچسپ بات حمید صاحب۔'' اس نے کہا ''یہ ہے کہ لنکس لین والا مقتول صمد ہی یلو پینتھر کا مالک تھا۔''

''یلو پینتھر کیا بلا ہے؟''

''اوہو.... وہی گھوڑا جس پر ڈیکارٹس نے پچاس ہزار جیتے تھے۔''

''اچھا....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''مگر میں نہیں سمجھا.... آپ آخر یلو پینتھر کی ہسٹری کیوں لے بیٹھے۔ کیا وہ دونوں اس لئے مار ڈالے گئے کہ دونوں ہی نے یلو پینتھر کی وجہ سے مالی فائدہ اٹھایا تھا....؟''

''نہیں یہاں کئی باتیں ہیں۔ یلو پینتھر پر رقم جیتنے کے تین دن بعد ڈیکارٹس نے یا جو کچھ بھی اس کا نام ہو، کیفے جبران کی تیرھویں میز ریزرو کرائی تھی اور گھوڑے کا نمبر بھی تیرہ تھا۔ شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں جو میز ملی تھی اس پر بھی تیرہ ہی کا ہندسہ پڑا ہوا تھا۔''

''مگر اس کے لئے تو آپ کہہ چکے ہیں کہ جواری لوگ طاق اعداد....!''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''مگر یہ تو سوچو کہ کیفے جبران ہی کیوں؟ میز مستقل طور پر مخصوص کرائی گئی تھی، اور وہ اس کے لئے پانچ سو روپے ماہوار ادا کرتا تھا۔ کیفے جبران کوئی بہت اچھی جگہ نہیں ہے۔ پھر ایک میز کا ریزرویشن پانچ سو روپے ماہوار.... خدا کی پناہ۔ یہاں بہت بڑے بڑے ہوٹل ہیں لیکن اُن کے رہائشی کمرے بھی اتنے گراں نہ ہوں گے۔ کیفے کے منیجر کا کہنا ہے کہ مقتول نے پانچ سو کا آفر خود سے دیا تھا۔ ورنہ اس طرح دائمی طور پر میزیں کہیں بھی مخصوص نہیں کی جاتیں۔ میرا خیال ہے کہ کبھی راجوں مہاراجوں نے بھی اس قسم کی حماقت نہ کی ہوگی۔''

''چلئے اسے بھی تسلیم کئے لیتا ہوں، لیکن اس معاملے میں یلو پینتھر کو کیوں گھسیٹ رہے ہیں؟''

''اس لئے کہ اگلی ریس میں یلو پینتھر دوڑنے والا تھا لیکن اب نہ دوڑے گا۔ دیکھو! ابھی تو میں واقعات کی کڑیاں ملا رہا ہوں۔ کسی خاص نتیجے پر ابھی تک نہیں پہنچ سکا۔''

''یلو پینتھر کیوں نہ دوڑے گا؟''

''اس کا مالک ہی مر گیا۔''

''کوئی نہ کوئی وارث تو ہوگا ہی۔ یلو پینتھر تو سونے کی چڑیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کبھی نہیں ہارا۔''

''صمد کا وارث اس کا لڑکا ہے۔ لیکن وہ سختی سے مذہب کا پابند ہے۔ لہٰذا اب یلو پینتھر ریس میں نہیں دوڑ سکے گا۔''

''تو آپ کا خیال ہے کہ صمد یلو پینتھر ہی کی وجہ سے مارا گیا۔''

''ہاں.... میں یہی سوچ رہا ہوں۔ ابھی تک یہاں جتنے بھی ایسے قتل ہوئے ہیں جن میں سرخ دائرے کو بھی دخل رہا ہو، وہ سب ریس ہی سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھنے والے لوگ تھے، کیا تمہیں اُن دونوں جاکیوں کے قتل یاد نہیں، وہ دونوں ہی ماہر ترین شہسوار تھے۔''

''تو پھر یہ کسی گھوڑے ہی کا چکر ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''کسی کا کوئی نیا گھوڑا تیار ہو رہا ہوگا، یا ہو سکتا ہے، پرانا ہی ہو مگر پھسڈی.... میرا خیال ہے اسی ریس میں اول یا دوم آنے والا گھوڑا، ظاہر ہے کہ اب یلو پینتھر تو دوڑے گا نہیں، کیوں نہ ہم یہ دیکھیں کہ یلو پینتھر کے بعد کس کی کامیابی متوقع ہے۔''

''اگر تمہارا نظریہ صحیح بھی ہو تو کم از کم اس ریس میں اسکے دوڑنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔''

''کیوں....؟''

''عقل استعمال کرو۔ اس گھوڑے کا مالک دیدہ و دانستہ اپنی گردن کبھی نہ پھنسائے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ قتل اسی مقصد کے تحت ہوا ہے کہ یلو پینتھر نہ دوڑ سکے۔ لہٰذا یلو پینتھر کے بعد والے گھوڑے کے مالک پر قتل کا شبہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔''

''نہیں آپ یقینی طور پر ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ قتل یلو پینتھر کی وجہ سے ہوا ہے۔''

"میں کہہ سکتا ہوں۔" فریدی بڑی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ "بلکہ بہت جلد ثابت بھی کردوں گا۔ ویسے اپنی معلومات کیلئے سن لو کہ وہ دونوں مقتول جاکی صمد کے تنخواہ دار تھے۔ اس کے پاس یلو پینتھر ہی نہیں چھ گھوڑے اور بھی تھے، وہ انہی دونوں جاکیوں کے زیر تربیت تھے۔"

"مگر اس دن تو آپ کہہ رہے تھے کہ اس کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔"

"میں نے یہ کبھی نہ کہا ہوگا۔ تمہارے سننے میں فرق آیا ہے، میں نے کہا تھا کہ اس کے دو گھوڑے ریس میں حصہ لیتے ہیں، غیر تربیت یافتہ یا زیر تربیت گھوڑوں کی بات ہی نہیں۔"

وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ ایک نوکر نے آکر کسی کی فون کال کی اطلاع دی۔

"دیکھو یار کون ہے۔" فریدی جھنجھلائے ہوئے لہجے میں حمید سے بولا۔

"ہوسکتا ہے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب ہوں۔"

"کیوں! وہ کیوں؟ کوئی خاص بات۔"

"نہیں وہی پرانی بات، کہ تم بھی غافل نہ رہو۔"

"واہ....!"

"چلو دیکھو....!" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔

حمید ڈرائینگ روم سے اٹھ کر فریدی کی خوابگاہ میں آیا۔ فون کا ریسیور میز پر پڑا ہوا تھا۔

"ہیلو....!" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کون صاحب ہیں؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔ مگر یہ آواز کسی عورت کی تھی۔

"حمید! کیپٹن حمید۔"

"اوہ.... میں ریکھا بول رہی ہوں۔ دیکھئے جلد آئیے۔ وہ زرد اسکرٹ والی قتل کر دی گئی اور وہی سرخ دائرہ اس کی لاش کے قریب موجود ہے۔"

"آپ کہاں ہیں؟"

"میں تنہا نہیں ہوں.... پوری پارٹی ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "وہیں کنگس لین میں۔ اس کی لاش رورد اسکوائر کے سامنے والی بلڈنگ کے ساتویں فلیٹ میں پائی گئی ہے۔ آس پاس والوں کا بیان ہے کہ وہ اسی فلیٹ میں رہتی تھی۔"

"لاش کیسے ملی؟"

"اسے گولی ماری گئی ہے۔ پڑوسیوں نے فائر کی آواز اور اس کی چیخ سنی تھی۔ آپ آسکتے ہوں تو آجائیے۔ یقیناً کوئی نہ کوئی کلیو ہاتھ آجائے گا۔"

"آصف موجود ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں....اور وہ حضرت خواہ مخواہ دوسروں پر بور ہو رہے ہیں۔"

"اچھا.... میں آرہا ہوں۔" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ کر تقریباً دوڑتا ہوا ڈرائینگ روم میں آیا۔ پھر اسے فریدی کو وہ بات بتانی ہی پڑی، جس کا تذکرہ اس نے ابھی تک نہیں کیا تھا اور نہ کرنا ہی چاہتا تھا۔

"بڑے احمق ہو....!" فریدی اسے خونخوار آنکھوں سے دیکھتا ہوا غرایا۔ "اگر تم نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ وہ ریکھا کا تعاقب کر رہی ہے تو تمہیں ان دونوں ہی سے کترانا چاہئے تھا۔"

"اب میں کیا بتاؤں کہ کیا ہوگیا۔ وہ بڑی خوبصورت لڑکی تھی، میں اس کی لاش کیسے دیکھ سکوں گا۔ آپ اگر جانا چاہتے ہوں تو جائیے۔"

"میں یوں بھی تمہیں ساتھ نہ لے جاتا۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو کیا آپ وہیں جائیں گے؟ میرا خیال ہے کہ آصف....!"

"اونہہ آصف....!" فریدی بڑبڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کنگس لین پہنچ کر وہ پہلے مقتولہ کے فلیٹ میں نہیں گیا، بلکہ آس پاس والوں سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا۔ لڑکی کا نام سیسل بیکرافٹ تھا۔ وہ وہاں تنہا رہتی تھی۔ اس سے وہاں کبھی کوئی ملنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ پیشہ نامعلوم.... مدت قیام ایک سال تھی۔ پڑوسیوں میں نیک نام مگر پراسرار تھی۔ اسی قسم کی اور بھی بہتیری معلومات فراہم کرنے کے بعد فریدی نے اس کے فلیٹ کا رخ کیا۔

یہاں آصف کی پارٹی ریکھا سمیت موجود تھی اور فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافر مختلف مواقع کی تصویریں لے رہے تھے۔ لاش ایک طرف فرش پر پڑی تھی اور اس پر پولیس ہسپتال کا ایک ڈاکٹر جھکا ہوا تھا۔

لاش پر نظر پڑتے ہی فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ کیونکہ مقتولہ کی صورت کچھ جا
پہچانی سی معلوم ہو رہی تھی۔ پھر اچانک اسے یاد آ گیا کہ اُس نے اسے ڈیکارلس کے قتل وا
رات کو کیفے جبران میں دیکھا تھا، وہ منیجر کے ساتھ تھی۔

آصف نے فریدی کو حیرت سے دیکھا وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی وہاں ا
طرح پہنچ جائے گا۔ شاید اسے علم ہی نہ رہا ہو کہ قریب ہی ایک دوا خانے سے ریکھا حمید کو فو
کر چکی ہے۔

"میں اس لڑکی کو پہلے سے جانتا تھا۔ تم کچھ اور نہ سمجھنا۔" فریدی نے کہا اور لاش کی
طرف دیکھنے لگا۔ گولی سر کی پشت میں لگی تھی۔ لاش جس پوزیشن میں پڑی تھی اس سے تو یہ
معلوم ہوتا تھا کہ وہ حملہ آور کو دیکھ ہی نہ سکی ہوگی۔ لاش اوندھی پڑی تھی۔ فریدی نے لیفٹیننٹ
سنگھ کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

"لاش اسی حالت میں ملی یا پوزیشن تبدیل کی گئی ہے؟" اس نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں ابھی اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔" لیفٹیننٹ سنگھ نے کہا۔ "آصف کا طریق کا
جدید ترین ہے۔ لیکن خدارا یہ نہ پوچھیئے گا کہ اس سلسلے میں اس کا کیا خیال ہے۔"

"نہیں.... میں نہیں پوچھوں گا۔" فریدی نے اس دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہ
جس کے سامنے لاش پڑی ہوئی تھی۔ یہ دوسرے کمرے کا دروازہ تھا۔

فریدی اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ آصف نے ٹوک دیا۔

"کس کی اجازت سے۔"

"کام کے وقت ٹوکا نہ کرو۔" فریدی نے کہا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔

دوسری طرف اور کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اس فلیٹ میں یہی دو کمرے تھے۔

ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا تھا کہ قاتل اس کی آمد سے پہلے ہی
کسی طرح فلیٹ میں داخل ہو گیا ہوگا۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس کی دانست میں بھی پہلے سے موجو
رہا ہو۔ مگر گولی کا نشانہ سر کی پشت پر تھا۔ اس لئے زیادہ قرین قیاس یہی بات تھی کہ حملہ مقتولہ کی
لاعلمی ہی میں کیا گیا ہوگا۔

فریدی الٹے پاؤں لوٹ آیا۔

"دوسروں کا احترام کرنا سیکھو۔" آصف غصیلی آواز میں بولا۔

اُس کا عاشق

فریدی نے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ جواب دیا۔ "میں جن کا احترام نہیں کرتا، ان میں چلنے پھرنے کی بھی سکت نہیں رہ جاتی۔"

اور پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر مقتولہ کے فلیٹ سے نکل آیا۔ ایک بار پھر اسے مقتولہ کے پڑوسیوں سے پوچھ گچھ کرنی پڑی اور اس نے اس گفتگو سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ کوئی اس کی عدم موجودگی ہی میں فلیٹ میں داخل ہوا ہوگا۔ ایک ایسا عینی شاہد بھی مل گیا تھا جس نے مقتولہ کو فلیٹ کا قفل کھولتے دیکھا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ہی عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ اس کا فلیٹ بھی اسی لائن میں تھا اور دونوں فلیٹوں کے درمیان صرف دو فلیٹ حائل تھے۔ وہ اسے قفل کھولتا چھوڑ کر اپنے فلیٹ میں چلا گیا تھا۔ پھر اسے اپنے فلیٹ میں داخل ہوئے بمشکل تمام دو یا تین منٹ ہی گذرے ہوں گے کہ اس نے فائر اور چیخ کی آواز سنی۔

اب فریدی کی لئے ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ کیفے جبران سے تعلق رکھنے والی دو ہستیاں عجیب وغریب حالات میں قتل کر دی گئی تھیں۔ ایک کی لاش کے قریب سرخ دائرہ ملا تھا اور دوسری گو کہ سرخ دائرہ سے تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن اس کے سلسلے میں بھی سرخ دائرے کا اشتباہ موجود تھا کیونکہ شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں رنگین چاک کے ٹکڑے ملے تھے۔

فریدی نے اپنی کار کیفے جبران کے راستے پر ڈال دی۔ کلاک ٹاور کا گھنٹہ ایک بجا کر خاموش ہو گیا تھا۔ سڑکیں آہستہ آہستہ ویران ہوتی جا رہی تھیں۔ ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ نہ ہونے کی وجہ سے کیفے جبران تک کی مسافت طے کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔

کیفے جبران پوری طرح آباد تھا۔ فریدی نے کاؤنٹر کلرک سے منیجر کے متعلق پوچھا۔

منیجر اپنے کمرے ہی میں موجود تھا۔ ایک ویٹر نے اس کی رہنمائی کی۔

''اوہو! کرنل صاحب۔'' منیجر اٹھ کر قدرے جھکتا ہوا بولا۔ ''تشریف لائیے۔''

''میں سیسل پے کرافٹ کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؟''

''سیسل پے کرافٹ....!'' منیجر بڑبڑایا۔ ''میں نہیں سمجھا۔''

''سیسل پے کرافٹ۔'' فریدی نے کہا۔ ''اگر آپ اس نام کے ہجے پوچھیں تو میں نہ بتا سکوں گا۔''

''میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔'' منیجر نے اس طرح کہا جیسے اپنی یاد داشت پر زور دے رہا ہو۔

''مجھے حیرت ہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''حالانکہ آپ اس لڑکی سے بہت زیادہ بے تکلف معلوم ہوتے تھے۔''

''لڑکی! کیا یہ کسی لڑکی کا نام ہے؟''

''ہاں! مجھے جھلانے کا موقعہ نہ دیجئے تو بہتر ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں اُس لڑکی کا تذکرہ کر رہا ہوں جو ڈیکارتس کے قتل والی رات کو آپ کے ساتھ تھی۔''

''ہائیں....!'' منیجر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ''کیا نام لیا تھا آپ نے....!''

''سیسل پے کرافٹ۔''

''نہیں جناب۔'' منیجر بے ساختہ ہنس پڑا۔ ''اس کا نام میری جیرنگٹن ہے۔''

''آپ کو یقین ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اب اس کا کیا جواب دوں۔'' منیجر نے شرمیلے انداز میں کہا۔ ''ہم بہت گہرے دوست ہیں اور شاید ہمیں ایک دوسرے کی پشت ہا پشت کے نام زبانی یاد ہوں۔''

''تب تو یقیناً آپ کو بہت صدمہ ہوگا۔''

''کیا مطلب....؟''

''اس کا نام سیسل پے کرافٹ تھا اور اس کی شہادت تقریباً ایک درجن آدمی دیں گے۔ خود اس کے پڑوسی۔''

''نہ جانے آپ کس کی بات کر رہے ہیں کرنل صاحب! یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مگر آپ یہ سب کس سلسلے میں پوچھ رہے ہیں۔''

''میں جس لڑکی کے متعلق پوچھ رہا ہوں، اُسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔''

''کیا....؟''

''جی ہاں! قتل.... کنگس لین کی ایک عمارت میں۔''

''کنگس لین کی عمارت۔'' منیجر بڑبڑایا۔ ''سیسل ڈگراف۔''

''سیسل پے کرافٹ۔'' فریدی نے تصحیح کی۔ ''وہ اپنے رہائشی فلیٹ میں قتل کی گئی ہے۔''

''تب تو وہ میری جیرنگٹن نہیں ہوسکتی۔''

''کیوں؟ کوئی وجہ؟''

''وہ راجر اسٹریٹ میں رہتی ہے۔'' منیجر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ کیا آپ کو ریس سے دلچسپی نہیں ہے؟''

فریدی منیجر کے اس سوال پر چونک پڑا۔

''آپ نے یہ کیوں پوچھا.... کیا اس بات کا موقع تھا۔''

''جی ہاں.... ریس سے دلچسپی رکھنے والا ہر آدمی میری جیرنگٹن سے ضرور واقف ہوگا۔ کیونکہ وہ ریس کورس میں پریوں کی طرح اٹھکیلیاں کرتی پھرتی ہے۔ اس کے پاس دو نہایت شاندار گھوڑے ٹمپسٹ اور شہباز ہیں۔ اس بار ٹمپسٹ اور یلو پینتھر کا مقابلہ تھا۔ مگر اب شاید یلو پینتھر نہ دوڑ سکے۔ میں نے یہی سنا ہے، صمد کا لڑکا اسد تو بڑے مذہبی خیالات کا آدمی ہے۔ وہ اب اسے ریس میں نہیں دوڑائے گا۔ پھر آپ یقین کیجئے کہ اس بار ٹمپسٹ نے بازی جیت لی۔''

فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوا، اُس نے کہا۔ ''میری یادداشت نے مجھے آج تک دھوکا نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے کہ مقتولہ وہی لڑکی ہے جسے میں نے اُس رات آپ کیساتھ دیکھا تھا۔ اچھا کیا اس کے کوئی بہن بھی ہے جو اس سے مشابہت رکھتی ہو؟''

''نہیں! میری جیرنگٹن کی کوئی بہن نہیں ہے۔'' منیجر نے کہا۔

فریدی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''کیا آپ تھوڑی سی

تکلیف برداشت کریں گے؟''

''فرمائیے! میرے لائق جو بھی خدمت ہو۔'' منیجر نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

''میں آپ کو لنکسن لین تک لے جانا چاہتا ہوں۔''

''میں ضرور چلوں گا مگر.....!'' منیجر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

فریدی نے مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں یہ عرض کر رہا تھا'' منیجر بولا۔ ''وہ کسی عورت کی لاش ہوگی۔ میں کس طرح دیکھ

''مگر.....!'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ کے جبڑے کی بناوٹ تو کہتی ہے

بہت مضبوط دل کے آدمی ہیں۔ نہ صرف مضبوط دل کے بلکہ کسی حد تک سنگدل بھی۔''

''ہوسکتا ہے۔'' منیجر بھی جواباً مسکرایا۔ ''مگر عورت کے معاملے میں نہیں۔ ایک تراش چاقو سے ایک عورت کی انگلی کٹ گئی تھی۔ میں نے خون بہتے دیکھا اور مجھے چکر اگر میرے ساتھی نے سہارا نہ دیا ہوتا تو گر ہی پڑتا۔ ویسے آپ کہہ رہے ہیں تو میں ضرو گا۔ کیونکہ آپ میرے ہیرو ہیں اور میں آپ کی دوستی کا خواہش مند ہوں۔''

''شکریہ.....!''

وہ دونوں کیفے سے باہر نکلے۔ فریدی نے اسے اپنی ہی کار میں بیٹھنے کی پیش کش حالانکہ منیجر کی کار وہیں موجود تھی۔

''میں آپ کو پہنچا دوں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''ارے نہیں..... آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ لنکسن لین میں ٹیکسیوں کا اڈا ہے۔'' منیجر نے فریدی کی کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر تک وہ خاموشی ہی سے سفر کرتے رہے۔ پھر فریدی بولا۔

''بڑی عجیب بات ہے۔ اس دوران میں جتنے بھی قتل ہوئے ہیں وہ سب کسی نہ کسی ریس ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ صمد کے دوجا کی اور صمد اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ اس لڑکی گھوڑے بھی ریس میں دوڑتے ہیں۔''

''خدارا آپ اس لڑکی کو قتل نہ کیجیے۔'' منیجر بُرا مان جانے والے لہجے میں بولا۔ ''وہ

بے موت مرجاؤں گا۔ آپ کسی سیسل پے کرافٹ کا تذکرہ کر رہے تھے۔ جو لنکسن لین میں رہتی تھی۔ میری راجرس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو کہ آپ کی میری محفوظ ہو۔'' فریدی بولا۔ ''خیر اس تذکرے کو جانے دیجیے۔ میں ڈیکارٹس کے متعلق کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''ڈیکارٹس.....!'' منیجر نے ایک طویل سانس لی پھر بولا۔ ''وہ معاملہ تو میرے لئے سوہان روح بن گیا ہے۔ ایسا بدنام ہوا ہے کیفے کہ خدا کی پناہ۔ بھوت والا واقعہ تو آپ نے اخبارات میں پڑھا ہی ہوگا۔ عجیب چیز تھی وہ بھی۔''

منیجر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ جب اچھی طرح ہنس چکا تو بولا۔ ''میں اپنے آفس میں تھا کہ ہال سے ہڑبونگ کی آواز آئی۔ بوکھلا کر اٹھا تو میز کے پائے سے الجھ کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ کس طرح اٹھا، بہر حال ..... جب ہال میں پہنچا تو عجیب کیفیت نظر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں مہا بھارت ہوئی ہو۔ میزیں الٹی پڑی تھیں اور وہاں اُلو بول رہا تھا۔ البتہ باہر سے اب بھی غل غپاڑے کی آواز آ رہی تھی۔ باہر نکلا تو لوگ بھوت بھوت چیخ رہے تھے۔ حالانکہ میں ہال ہی میں سے گذر کر آیا تھا، اور مجھ سے قسم لے لیجیے جو مجھے وہاں کسی کا سایہ بھی نظر آیا ہو۔''

''آپ کے یہاں بار بھی تو ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''جی ہاں.....!''

''پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی شرابی بہک گیا ہو۔''

''مگر جناب! میرا بارٹنڈر تو نشے میں نہیں تھا۔ وہ قسم کھا کر کہتا ہے۔''

''ضرور وہ کمزور دماغ کا آدمی ہوگا۔ اکثر ضعیف الاعتقاد لوگوں کا خیال ہے کہ قتل ہونے کے بعد آدمی بھوت بن جاتا ہے، اور اس کی روح انتقام کیلئے بھٹکتی رہتی ہے۔ خیر چھوڑیے بھوتوں کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔ ڈیکارٹس کے ساتھیوں میں سے بھی کبھی کوئی نظر آیا تھا۔''

''نظر آتا تو میں آپ کو ضرور مطلع کرتا، وعدہ کر چکا ہوں!''

''بڑے عجیب لوگ تھے۔ ڈیکارٹس کی قیام گاہ کا سراغ ہمیں مل گیا تھا لیکن وہاں کوئی

ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کی یا اس کے ساتھیوں کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ اچھا کیا آپ جانتی ہیں کہ ڈیکارلس بھی ریس کا رسیا تھا؟"

"کیا واقعی! تب تو میرا شبہ درست تھا۔" منیجر بولا۔

"کیسا شبہ؟" فریدی نے پوچھا۔

"پچھلے سال اسپورٹ میں ایک آدمی کی تصویر شائع ہوئی تھی جس نے یلو پینتھر پر پچاس ہزار جیتے تھے۔ ڈیکارلس ہو بہو ویسا ہی تھا۔ مگر پچاس ہزار جیتنے والے کا نام کچھ اور تھا۔ مجھے یاد نہیں.... مگر ڈیکارلس ہرگز نہیں تھا۔"

"وہ اس سے پہلے بھی آپ کا گاہک رہا ہوگا۔"

"جی نہیں.... اس کے بعد آیا تھا۔ آپ نے غالباً ایک بار مجھ سے فون پر بھی اس کے متعلق گفتگو کی تھی۔"

"جی ہاں! مجھے یاد ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا حقیقتاً ڈیکارلس وہی آدمی تھا....؟" منیجر نے پوچھا۔

"شاید! وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ میں نے بھی اسپورٹ میں اس کی تصویر دیکھی تھی۔ مگر اس سلسلے میں ایک بات بڑی دلچسپ ہے۔ آہا ٹھہریئے! پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔"

"فرمایئے۔"

"کیا اس نے خاص طور پر تیرہ نمبر کی میز کے ریزرویشن پر اصرار کیا تھا....؟"

"جی ہاں!" منیجر نے کہا۔ "اور اسی لئے مجھے یہ بات آج بھی یاد ہے کہ یہ ریزرویشن پچاس ہزار جیتنے کے بعد ہوا تھا اور یہ بھی یاد ہے کہ اس جیت میں یلو پینتھر کا نمبر تیرہ تھا اگر وہ تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرانے پر زور نہ دیتا تو مجھے یلو پینتھر کا نمبر آج بھی یاد نہ ہوتا۔ آپ سمجھے ہیں نا میرا مطلب! ایسا اکثر ہوتا ہے۔"

"جی ہاں! قطعی نفسیاتی معاملہ ہے۔"

کنگسن لین میں پہنچ کر فریدی نے اسی عمارت کے سامنے کار روک دی جہاں قتل ہوا

تھا۔ مگر انہیں معلوم ہوا کہ لاش وہاں سے لے جائی جا چکی ہے۔

"یہ تو برا ہوا۔" فریدی بڑبڑایا۔

"اب ہمیں کہاں جانا ہوگا؟" منیجر نے پوچھا۔

"اب تو بس کوتوالی ہی چلنا ہوگا....!"

"چلئے! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"آپ کا وقت برباد کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ میں کوئی خاص کام نہیں کر رہا تھا۔ ویسے یہاں میری کے رہنے کا امکان ہی نہیں ہوسکتا۔ وہ اتنی مفلس نہیں ہے کہ اس قسم کی عمارتوں کے فلیٹوں میں رہتی پھرے۔"

کار پھر چل پڑی اور وہاں سے کوتوالی تک کے راستے میں وہ دونوں خاموش ہی رہے۔

کوتوالی پہنچ کر فریدی نے مردہ خانے کا رخ کیا۔ اس وقت وہاں سنتری کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا' جس نے فریدی کو دیکھتے ہی سلیوٹ کیا۔

"وہ اس اینگلو انڈین لڑکی کی لاش۔" فریدی نے اس سے کہا۔

"نمبر دو میں جناب۔" سنتری نے جواب دیا۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی پڑی تھی۔ فریدی نے جھک کر اس کا چہرہ کھول دیا۔ ساتھ ہی منیجر کے حلق سے ایک جگر خراش چیخ نکلی اور وہ چاروں شانے چت فرش پر گر گیا۔

"اوہو....!" فریدی اُسے اٹھاتا ہوا بولا۔ "یہ کیا کر رہے ہیں آپ.... اگر کسی کی نظر پڑ گئی تو زندگی تلخ ہو جائے گی آپ کی۔"

منیجر کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کھڑے کھڑے لہرا رہا تھا۔ یہ عالم تھا کہ اب گرا اور تب گرا۔ فریدی اس کے شانے پکڑے ہوئے تھا۔

"دیکھئے! سنبھلئے! اتنی کمزوری.... نہیں آپ کو مرد ہونا چاہئے۔"

"مجھے یہاں سے لے چلئے۔" منیجر آنکھیں بند کئے ہوئے پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔

"یوں نہیں! پہلے آپ خود کو سنبھال لیجئے۔ ورنہ کوتوالی والے آپ کو تنگ کرڈالیں گے۔"

منیجر لاش کی طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان

عجیب طرح کی ویرانی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اندھا ہو گیا ہو۔

"ہاں! میں نے کہا کہ مجھے لے چلئے۔" اس نے کہا۔

"فریدی نے اس کی آواز میں بھی ویرانی محسوس کی، اجنبیت محسوس کی۔ یہ اس آدمی آواز نہیں معلوم ہوتی تھی جو کچھ دیر قبل اس سے کار میں گفتگو کرتا رہا تھا۔"

"چلئے.... لیکن اس طرح نہیں.... ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے۔"

"چلئے....!" وہ باہر نکلتا ہوا بولا۔

پتہ نہیں.... اس نے خود کو سنبھال لیا تھا یا ابھی تک اس پر وہی کیفیت طاری تھی۔

پھر کار میں بیٹھتے ہی اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ فریدی نے اسے رو دیا۔ وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

منیجر نے ہچکیوں اور سسکیوں کے .. یوں کہا۔ "اب راجرس اسٹریٹ چلئے.... میں آپ دکھاؤں میری وہیں رہتی تھی۔"

"میں آپ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ میری یادداشت مجھے بہت کم دھوکا دیتی ہے۔"

منیجر کچھ نہ بولا۔ وہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ست پڑ گیا۔

"میں برباد ہو گیا۔ فریدی صاحب۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "دنیا میں ا سے زیادہ مجھے اور کوئی عزیز نہیں تھا۔ اس کا ہر شوق پورا کرتا تھا۔ اب میں کیا کروں گا.... کیـ جیوں گا۔ زندگی اندھیرے میں رینگتا ہوا ایک اژدھا معلوم ہو گی۔"

"گھوڑ دوڑ سے تعلق رکھنے والا چوتھا قتل.... اور سرخ دائرہ۔"

"سرخ دائرہ....!" دفعتاً منیجر اچھل پڑا۔ "کیا اس میں بھی سرخ دائرہ؟"

"جی ہاں! اس کی لاش کے قریب بھی فرش پر سرخ دائرہ دیکھا گیا ہے۔"

"میرے خدا یہ کیا ہو رہا ہے۔" منیجر بڑبڑایا۔ "سرخ دائرہ صمد اور اس کے جاکیوں لاش کے قریب بھی ملا تھا۔"

فریدی کچھ نہیں بولا اور پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔ راجرس اسٹریٹ کی جس ارت کے سامنے منیجر نے کار روکنے کو کہا تھا وہ بڑی شاندار تھی۔ وہ دونوں کار سے اتر کر اندر خل ہوئے۔

صدر دروازے پر ایک صاف ستھرے ملازم نے ان کا استقبال کیا۔ غالباً وہ چوکیدار تھا جو ب تک جاگ رہا تھا۔ فریدی نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی۔ میری جیرنگٹن یقینی طور پر رات ئے گھر آنے کی عادی تھی۔ ورنہ اس علاقے میں چوکیدار کی ضرورت نہیں تھی۔ ساتھ ہی فریدی نے یہ بھی محسوس کیا کہ منیجر میری کی عدم موجودگی میں بھی بغیر روک ٹوک اس کے گھر میں جا سکتا ہے کیونکہ چوکیدار اس طرح ان کے پیچھے چل رہا تھا جیسے خود منیجر ہی اس مکان کا مالک ہو۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ سامنے کی دیوار پر مقتولہ کی ایک بڑی تصویر آویزاں تھی اور ریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

خان افضل

منیجر نے یہاں پھر رونا شروع کر دیا۔ نوکروں کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی اور وہ سب منیجر کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ یہ تعداد میں پانچ تھے۔

"دیکھو! تم لوگ دیکھو!" منیجر روتا ہوا نوکروں سے بولا۔ "اب میں کیا کروں.... مجھے بتاؤ۔"

نوکروں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سب بھی اپنے چہرے ڈھانپ کر سسکیاں لینے لگے تھے۔

ذرا ہی سی دیر میں فریدی کے چہرے پر بیزاری کے آثار نظر آنے لگے۔

"اچھا اب آپ انہیں رخصت کر دیجئے۔" فریدی نے نوکروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

نوکر وہاں سے ہٹا دیئے گئے اور وہ اپنی آنکھیں خشک کرنے لگا۔ جو اب انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔

"آپ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کسی دوسری جگہ سیسل پیکرافٹ کے نام سے بھی رہتی ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... میرے لئے یہ چیز اس کی موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوئی ہے
نہیں جانتا کہ اس کا مقصد کیا تھا۔"

"اور یہی نہیں.... یہ کوئی دو چار دن کی بات نہیں۔ وہ پورے ایک سال سے وہا
نام سے مقیم تھی۔"

"اب میں کیا بتاؤں جب کہ وہ مر چکی ہے۔ ایسی صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے
مجھے دھوکا دیتی رہی تھی.... بظاہر مجھے چاہتی تھی لیکن حقیقتاً وہ کوئی اور تھا جس سے اسے محبت
وہ یقیناً کوئی غریب آدمی رہا ہوگا، تبھی تو اس گھٹیا سے فلیٹ میں....!"

منیجر کی آواز غصیلی ہوتی جارہی تھی اور اب اس میں غم کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

"مجھے اس لئے چاہتی تھی کہ میری دولت اس کے لئے تن آسانیاں پیدا کرے اور
کی تسکین کے لئے کوئی اور ہی تھا.... اُف یہ عورتیں۔"

"تو یہ سارا ٹھاٹھ آپ ہی کی بدولت تھا۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"جی ہاں.... قطعی.... نہ صرف یہ بلکہ دوسرے شوق بھی میں ہی پورے کرتا تھا۔ مثلاً
دوڑ کا شوق، ٹمپسٹ اور شہباز میں نے ہی اسے خرید کر دیئے تھے میں سچ کہتا ہوں کہ م
انہیں گولی ماردوں گا.... لعنت ہے!"

"ابھی تو آپ رو رہے تھے جناب۔"

"بلاشبہ رو رہا تھا.... شاید زندگی بھر روتا رہوں۔ مگر یہ اب دیکھئے نا کہ مجھے دھوکا دیا!
آخر دوسری جگہ نام بدل کر رہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اور آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ وہ ٹھیک زوردا اسکوائر کے سامنے جا کر رہی تھی۔ ا
عمارت کے سامنے جہاں صمد رہتا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... ہو....!" منیجر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور پھر وہ آہستہ سے بڑبڑا

"آخر یہ قصہ کیا ہے.... کہیں وہ کسی سازش کا شکار تو نہیں ہوئی۔"

"خدا جانے۔"

"کرنل صاحب پتہ لگایئے...... میں اس کے لئے اپنی ساری پونجی صرف کر دوں گا۔"

"کیوں، کیا پھر بھول گئے کہ اس نے آپ کو دھوکہ دیا تھا۔"

"اوہ....!" وہ اپنے سر کے بال نوچتا ہوا بولا۔ "میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میری سمجھ میں نہیں
آتا کہ میں کیا کروں۔"

"فی الحال صبر کیجئے.... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"یہی کہ تاوقتیکہ میں اس کے متعلق سب کچھ نہ معلوم کر لوں۔"

"ٹھیک ہے.... مگر اب....!"

"کچھ نہیں.... اب ایک دوسری بات بھی سنئے۔ وہ آج محکمہ سراغ رسانی کے ایک فرد کا
تعاقب کرتی ہوئی نیاگرہ ہوٹل تک گئی تھی۔"

"کیا....؟ نہیں....؟ بھلا وہ کس طرح؟"

"ایک پارٹی سرخ دائرہ والوں کے سلسلے میں تفتیش کر رہی ہے نا.... اسی کے ایک رکن کا
اس نے تعاقب کیا تھا اور وہ تعاقب کنگس لین ہی سے شروع ہوا تھا۔"

"میرے خدا.... کیا کر رہی تھی میری!"

"میں آپ سے متفق ہوں کہ وہ کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ ورنہ خود بھی کیوں مار ڈالی
جاتی.... کیوں؟ آپ خود سوچئے۔"

"جی ہاں....!" منیجر حقیقتاً کچھ سوچ رہا تھا۔

"اور یہ سرخ دائرہ والے اتنے پھرتیلے اور چالاک ہیں کہ تعریف کرنے کو دل چاہتا
ہے۔ انہوں نے ایک جیتے جاگتے آفیسر کی پشت پر سرخ دائرہ بنا دیا۔"

"ارے....؟"

"جی ہاں....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اور میں آپ کو کیا بتاؤں....
لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ لوگ صرف گھوڑ دوڑ ہی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے پیچھے
کیوں پڑ گئے ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے۔ وہ یا تو تجوریاں توڑتے ہیں یا پھر گھوڑ دوڑ سے تعلق
رکھنے والوں کو قتل کر دیتے ہیں۔"

''تو پھر میں کیا کروں۔'' منیجر خوفزدہ سی آواز میں بولا۔ ''میں ان دونوں گھوڑوں کو گولی ہی مار دوں کیا...؟''

''کیوں؟ کیا اُن دونوں کے دوڑنے سے مجرم آپ کی گرفت میں آجائیں گے؟''

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا.... ویسے توقع یہی ہے۔''

''مگر اب میں ایک دوسری بات بھی سوچ رہا ہوں۔''

''وہ کیا...؟''

''وہ دونوں گھوڑے میں نے میری ہی کے نام سے خریدے تھے۔ لہٰذا اس کے مرنے کے بعد وہ میری ہی ملکیت ٹھہرے.... نہیں کرنل صاحب یہ سازش براہِ راست میرے ہی خلاف کی گئی ہے۔''

''کیوں؟ آپ کے خلاف کیوں؟'' فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

''ظاہر ہے کہ یلو پینتھر کے بعد دوڑ میں ٹمپسٹ ہی کامیاب ہوگا۔ کیا لوگوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی کہ ہوسکتا ہے میں نے ہی یہ سارا جال بچھایا ہو۔''

''ہاں شبہ تو ہوسکتا ہے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''پھر بتایئے! بہتر یہی ہے کہ میں یا تو انہیں فروخت کردوں یا گولی مار دوں۔''

''نہیں میں ان میں سے کسی کے لئے بھی مشورہ نہیں دوں گا۔''

''پھر بتایئے! میں کیا کروں؟''

''کتنی بار کہوں کہ ٹمپسٹ کو دوڑنے دیجئے۔ بقیہ میں دیکھ لوں گا۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔ ویسے اب میرا دل ان کاموں سے بُری طرح اچاٹ ہوگیا ہے۔''

''اب میرے چند سوالات کے جواب دیجئے۔ اس کے بعد میں آپ کو کیفے میں چھوڑ آؤں گا۔''

''اب بھلا ایسی صورت میں کیفے کی طرف جانا کہاں ہوسکتا ہے۔ رات میں یہیں بسر کروں گا۔ ورنہ یہ سارے نوکر رات ہی کو غائب ہوجائیں گے اور صبح یہاں جھاڑو پھری ہوئی نظر آئے گی۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ مگر دیکھئے.... میں یہ تو بھول ہی گیا تھا اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ آپ کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کریں گے کہ میری جیرنگٹن قتل کردی گئی ہے۔ اسے سیسل پیکرانٹ ہی بنی رہنے دیجئے۔ اس وقت تک جب تک مجرموں کو پکڑ نہ لوں۔ دوسری صورت میں پولیس آپ کو اس قدر پریشان کرے گی کہ آپ گھوڑوں کو گولی مارنے کے بجائے اپنا ہی خاتمہ کرلیں گے۔''

''اچھی بات ہے۔ میں کسی کو بھی نہ بتاؤں گا۔'' منیجر نے کچھ سوچ کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مگر نوکروں کو تو معلوم ہی ہوچکا ہے۔''

''آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ انہیں میں ٹھیک کرلوں گا۔ وہ اپنی زبان سے اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ نکال سکیں گے۔ اگر آپ سے کوئی میری جیرنگٹن کے متعلق پوچھے بھی تو کہہ دیجئے گا کہ وہ کہیں باہر گئی ہوئی ہے۔''

''میں یہی کروں گا کرنل صاحب۔ مگر کہیں میرا بھی نمبر نہ آجائے۔''

''کیا مطلب....!''

''مطلب! ارے دیکھئے ناصر مار ڈالا گیا۔ اس کے جاکی ختم کئے گئے.... محض یلو پینتھر کی وجہ سے؟ یلو پینتھر کے بعد ٹمپسٹ کا نمبر آتا ہے۔ میری ٹمپسٹ کی مالک تھی وہ اس طرح مار ڈالی گئی.... اور اب ٹمپسٹ کا مالک میں ہوں.... نہیں جناب کرنل صاحب! یا تو ٹمپسٹ دوڑے گا نہیں یا پھر میں ہی اسے گولی مار کر اپنی جان بچاؤں گا۔''

''آپ پھر بہک گئے، مرد بنئے!''

منیجر خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر ذہنی کش مکش کے آثار تھے۔ آخر اس نے تھوڑی دیر بعد مردہ سی آواز میں کہا۔ ''اچھا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کروں گا۔''

''گڈ! بس اب تھوڑا سا وقت اور لوں گا۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اچھا یہ بتایئے کہ ٹمپسٹ کے بعد کسی کے جیتنے کی توقع ہوسکتی ہے؟''

''تھنڈر.... ہاں تھنڈر ہی تو ہے!''

''اس کا مالک کون ہے؟''

”خان افضل....!“ منیجر نے کہا۔

”آہا.... خان افضل.... اوہ....!“ فریدی ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔ وہ خان افضل سے ا
طرح واقف تھا۔ خان افضل شہر کے ان بڑے بدمعاشوں میں سے تھا جن کے عیوب دو
چھپالیتی ہے۔ اگر اس کے پاس دولت نہ ہوتی تو اسے غنڈہ قرار دے کر شہر بدر کر دیا گیا ہو
مگر خان افضل جو دو تین فیکٹریوں کا مالک تھا اور سرکاری تعمیرات کے ٹھیکے لیا کرتا تھا شہر
کیسے کیا جاتا؟ وہ بالکل پڑھا لکھا نہیں تھا، اس کے باوجود بھی اسے شہر کے بڑے بڑے تعلی
اداروں کے جلسوں کی صدارت کرنی پڑتی تھی اور اس کے متعلق لوگ کہا کرتے تھے کہ خدا
مسبب الاسباب ہے۔ جو ڈنک مار دینے والی خطرناک مکھیوں سے شہد مہیا کرتا ہے۔ لہٰذا یہ ا
کی شان سے بعید نہیں ہے کہ کسی جاہل اور کندہ ناتراش کو جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت کی توفی
عطا کر دے۔

تو خان افضل ایسا آدمی تھا کہ فریدی تھوڑی دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔

بہرحال پھر اس نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ پہلے کچھ دیر تک میری جیرنگٹن کے نوکرا
کے اسکریو کستا رہا۔ پھر منیجر کو وہیں چھوڑ کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن سہ پہر تک وہ بہت مشغول رہا۔ اس نے پچھلی رات کے واقعات حمید کو
دیئے تھے اور حمید دن بھر انہیں کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

سہ پہر کو فریدی واپس آیا۔ حمید اس کا منتظر ہی تھا۔ اسے توقع تھی کہ اب یہ کیس تیز
سے آگے بڑھے گا کیونکہ اب فریدی پوری طرح اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔

حمید نے اس کے آتے ہی میری جیرنگٹن کی گفتگو چھیڑ دی۔

”میری جیرنگٹن....!“ فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”وہ ایک بڑی پراسرار لڑکی
تھی۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس نے سیسل پے کرافٹ کے نام سے وہ فلیٹ اُسی دن
حاصل کیا تھا جس دن کیفے جبران میں تیرہ نمبر کی میز ریزرو کرائی گئی تھی۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ بھی ان پانچوں کی شریک تھی۔“

”کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ وہ پانچوں تو اس سرخ دائرہ سے بھی زیادہ پُراسرار ہیں۔“

”کیوں کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سرخ دائرہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”میں ابھی کچھ نہیں سمجھتا۔ الجھی ہوئی ڈور کا ایک بہت بڑا گٹھر میرے سامنے پڑا ہوا ہے
اور میں اس کے دونوں سرے تلاش کر رہا ہوں جس دن ایک سرا بھی ہاتھ آ گیا اسی دن میں کوئی
قطعی فیصلہ کر سکوں گا اور ہاں دوسری بات یہ کہ جب پچھلی رات آصف کوتوالی سے اپنے گھر
واپس جارہا تھا ایک تاریک گلی میں کسی نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا اور پھر اس کی پشت پر وہی سرخ
نشان بنا کر فرار ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آج چھٹی پر ہے اور اس کی بیوی صدقہ خیرات
کر رہی ہے۔“

حمید ہنسنے لگا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ ”یہ سرخ دائرہ والے بھی بڑے ذہین اور ماہر
نفسیات قسم کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کون کس طرح مر سکتا ہے۔ اگر یہی
عالم رہا تو آصف کچھ دن بعد گھر ہی سے نکلنا چھوڑ دے گا۔“

”مگر تم کہاں تھے.... رات میرے جانے کے بعد تم گھر پر تو نہیں تھے۔“

”ایک معمر عورت کی دلجوئی کر رہا تھا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اس کی عمر پینتالس
سال ہے۔ اسے اس بات کا بڑا قلق ہے کہ اب اس کی کوئی بھی پرواہ نہیں کرتا۔“

”بہت بدنام ہو رہا ہوں تمہاری وجہ سے۔“ فریدی بُرا سامنہ بنا کر بولا۔

”نہیں اب آپ کی بڑی شہرت ہوگی۔“ حمید سر ہلا کر سنجیدگی سے بولا۔ ”میں یہ کام فی
سبیل اللہ کر رہا ہوں۔ لوگ کہنے لگے کہ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ کو دیکھو وہ بوڑھی عورتوں کو بھی
اداس ہونے کا موقع نہیں دیتا۔“

”بکواس مت کرو۔ چلو تیار ہو جاؤ۔ ہمیں خان افضل کے یہاں چلنا ہے؟“

”خان افضل؟ کیا مطلب آپ جائیں گے اس کے یہاں؟“

”ہاں کام ہے۔“

”کس سلسلے میں....؟“

”اسی سلسلے میں، ٹمپسٹ کے بعد اُسی کے گھوڑے تھنڈر کا نمبر ہے۔“

”اتنا میں بتائے دیتا ہوں کہ وہ بہت بدتمیز آدمی ہے۔“

"مجھے علم ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "تم تیار ہو جاؤ۔"

"آپ جایئے۔ میں تو برداشت نہ کرسکوں گا۔" حمید نے کہا اور بڑبڑاتا ہوا کر(ے سے چلا) گیا۔ فریدی اس کا انتظار کرتا رہا۔ آج وہ دن بھر دوڑتا رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے کی (تازگی) کہہ رہی تھی جیسے ابھی ابھی سو کر اٹھا ہو۔

حمید چلنے کے لئے تیار ہو کر آ گیا لیکن وہ جنگی لباس میں تھا۔ خطرناک مہموں پر (جانے) سے پہلے وہ عموماً اسی قسم کی تیاریاں کیا کرتا تھا۔ اس کے جسم پر چمڑے کا جیکٹ ہوا کرتا تھا (جس) کے استر میں اندر کی طرف ریوالور کے کارتوس رکھنے کے لئے بے شمار خانے تھے۔ جیکٹ (کے) نیچے کمر پر ایک چوڑی سی پٹی جس سے دائیں بائیں دو ہولسٹر لٹکتے رہتے تھے اور ہولسٹروں (میں) پڑے ہوئے ریوالور بھی خالی نہیں ہوا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر نہ تو وہ ٹائی باندھتا تھا (اور نہ) ایسی پتلون پہنتا تھا جن کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہوں۔

"بہت خوب....!" فریدی اسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "اے میکیا چڑوا ہے ہم کوئی ڈرامہ اسٹیج کرنے نہیں جا رہے ہیں۔"

"آپ نہیں سمجھتے! وہ بڑا لفنگا ہے۔ ابھی پچھلے ہی مہینے کی بات ہے اس نے ایک انسپکٹر کو اپنے مکان میں بند کر کے بُری طرح پیٹا تھا۔ اس کے بعد اپنے کپڑے پھاڑے ا(ور جسم) پر دو چار خراشیں ڈال کر سیدھا کمشنر صاحب کے بنگلے پر پہنچ گیا اور رپورٹ کر دی کہ فلاں انسپکٹر نے میرے ساتھ بدسلوکی کی ہے۔ بے چارا سب انسپکٹر اس وقت تک بند رہا جب تک کوتوالی میں سب انسپکٹر کے خلاف رپورٹ نہیں لکھ لی گئی۔ جب وہ رپورٹ وغیرہ درج کر(ا کے) واپس ہوا تو اس کے آدمیوں نے سب انسپکٹر کو چھوڑا۔ وہ معاملہ ابھی تک چل رہا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر میں پٹنے لگوں تو تم بھاگ آنا... پوری اجازت ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ خان افضل سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ خان افضل ایک (بھاری) بھر کم آدمی تھا۔ اس کے بڑے سے چہرے پر چوٹ کے کئی نشان تھے۔ آواز پاٹ دار او(ر بھاری) تھی۔ جنگ عظیم سے پہلے وہ ایک جنگ فیکٹری میں مشین صاف کرنے پر ملازم تھا۔ ک(چھ پتہ)

نہیں کیا ہوا کہ جنگ شروع ہوتے ہی وہ پھیلنے اور بڑھنے لگا۔ ابتدا فوجی کیمپوں میں مرغیاں سپلائی کرنے سے ہوئی تھی اور انتہا خدا جانے۔ کیونکہ اب بھی وہ پھیلتا اور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ فطراً چڑچڑا اور بداخلاق تھا۔ گالیاں تو نوک زبان پر رہتی تھیں۔

مگر فریدی اور حمید کا استقبال اس نے خندہ پیشانی سے کیا۔ کچھ دیر رسمی گفتگو ہوتی رہی، پھر فریدی اصل موضوع پر آ گیا۔ اس نے جیب سے میری جیرنگٹن کی تصویر نکالی اور اُسے دکھاتا ہوا بولا۔ "کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟"

"ارے.... ہائیں.... یہ تو میری ہے.... میری جیرنگٹن.... کیوں کیا بات ہے؟"

"اُس نے ابھی حال ہی میں ایک رپورٹ درج کرائی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"اس کا خیال ہے کہ کوئی اس کے گھوڑے ٹمپسٹ کو آنے والی دوڑ میں شریک ہونے سے روکنا چاہتا ہے۔"

"اور وہ خان افضل کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے.... کیوں؟" خان افضل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "مگر تھنڈر ٹمپسٹ کا باپ ہے۔ اس لونڈیا کا بھی دماغ خراب ہوا ہے۔ شاید.... کیوں؟"

"مجھے اس کی اطلاع تو نہیں ہے مگر میں اس ریس میں شریک ہونے والے سارے گھوڑوں کے مالکوں سے مل رہا ہوں۔"

"ضرور ملئے.... میں منع نہیں کرتا۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ وہ آپ کا قیمتی وقت برباد کرا رہی ہے۔ اس کی ہسٹری مجھ سے سنئے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی باعزت عورت ہے۔ ہرگز نہیں۔ آدھے درجن آدمیوں کو تو میں جانتا ہوں جن کی وہ داشتہ رہ چکی ہے۔ اب آج کل گریشن کی دولت سے کھیل رہی ہے۔"

"کون گریشن! کیفے جبران کا منیجر نا....!"

"ہاں وہی....!"

"کیا گریشن دولت مند بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک منیجر....!"

"منیجر....!" خان افضل نے ایک گونجیلا سا قہقہہ لگایا۔ "وہ کیفے جبران کا مالک ہے.... یہی نہیں اس کے اور بھی درجنوں کاروبار ہیں۔ پکا فراڈیا ہے سالا....!"

ایک....دو....تین

فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ گفتگو کرتے وقت خان افضل کی آنکھوں کی حرکت بند ہو جاتی تھی۔ نہ پلکیں جھپکتی تھیں اور نہ دیدے ہی جنبش کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ پتھر کی آنکھیں ہوں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ فریدی ابھی تک اس کے چہرے پر خیالات یا جذباتی تغیرات کا عکس نہیں دیکھ سکا تھا۔

"وہ کچھ بھی ہو افضل صاحب۔" فریدی نے کہا۔ "مگر میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اچھے گھوڑوں کے مالکوں اور جوکیوں کی شامت آ گئی ہے۔"

"کیوں....؟"

"صمد اور اس کے جاکیوں کے قتل۔"

"ہاں.... آں! میں نے بھی اکثر اس کے متعلق سوچا ہے، لیکن میں خائف نہیں ہوں، آپ یقین کیجئے۔"

"سرخ دائرہ والوں نے اب تک یا تو تجوریاں توڑیں اور پھر ان لوگوں کو قتل کیا ہے جن کا کچھ نہ کچھ تعلق گھوڑ دوڑ سے بھی ہو۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں اگر اپنا خیال ظاہر بھی کر دوں تو آپ کو اس سے کیا فائدہ پہنچے گا؟"

"ہو سکتا ہے فائدہ پہنچ ہی جائے۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے کسی ایسے ہی آدمی سے فائدہ پہنچے گا جس کا تعلق گھوڑ دوڑ سے ہو اور غالباً آپ بھی اسے سمجھتے ہوں گے کہ قانون کی مدد کرنا بڑی اچھی بات ہے۔"

"مگر مجھے پولیس کے محکمے سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔"

"ہونی بھی نہیں چاہئے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"کیوں....؟"

"کسی زمانے میں آپ پولیس کے ہاتھوں بہت تنگ ہوئے ہوں گے۔"

حمید فریدی کو روک نہ سکا۔ صرف دل ہی دل میں جھنجھلا کر رہ گیا۔

خان افضل اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ دونوں اس کے سامنے ایسے لگ رہے تھے جیسے دو بالشتیے بیٹھے ہوں۔

"بس اب تشریف لے جائیے۔" وہ ہاتھ پھیلا کر دھاڑا۔ "اگر یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی یا آپ فریدی صاحب کے ساتھ نہ ہوتے۔"

"مجھے افسوس ہے افضل صاحب، آپ تشریف رکھئے۔"

"نہیں جناب۔" اس نے کہا اور یک لخت دوسرے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

وہ تنہا بیٹھے رہے۔

"تم بڑے سؤر ہو۔" فریدی حمید کی طرف دانت پیستا ہوا بولا۔

"واقعی بڑی غلطی ہوئی۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ دو ہاتھ ہو جائیں گے۔ مجھے کوئی اس سے بھی زیادہ سخت بات کہنی چاہئے تھی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے.... چلو اٹھو۔"

وہ دونوں باہر آئے۔ فریدی کا موڈ بہت خراب ہو گیا تھا اور حمید کی کس بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔

"آپ آج کل اتنے بھولے کیوں ہو گئے ہیں؟" حمید نے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ بلکہ مجھ سے فی الحال الگ ہی ہو جاؤ تو بہتر ہے۔"

"ارے آپ کیا بات کر رہے ہیں۔ وہ اس موضوع پر کوئی گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔"

"میں کہتا ہوں خاموش رہو۔"

حمید پھر نہیں بولا۔ کار سڑک پر دوڑتی رہی۔

یہ واقعات ہی بڑے عجیب تھے۔ اب تک جتنے بھی کیس ہوئے تھے انہیں مجرم یا مجرموں نے ایک بھی ایسا نشان نہیں چھوڑا تھا جس سے ان کا سراغ ملنے میں مدد ملتی اور وہ سرخ دائرہ۔

فریدی کا خیال تھا کہ وہ سرخ دائرہ دراصل اسی لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ پولیس کو مجرم کا سراغ ہی نہ مل سکے۔ اس لئے فریدی کے پاس ایک نفسیاتی توجیہہ تھی اس کا کہنا تھا کہ لوگ سرخ نشان دیکھ کر بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی

مجرم سے کوئی غلطی ہی سرزد نہ ہو۔ اس کے ثبوت میں وہ ڈیکارٹس کے حالیہ قتل کا واقعہ تھا، اس میں مجرم نے دوسروں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ ڈیکارٹس نے خودکشی لیکن اس میں کامیاب نہ ہوسکا، اس نے سر یا سینے کی بجائے گردن کے ایک پہلو پر رائفل فائر کیا تھا۔ بہرحال اس کیس میں سرخ دائرہ کو دخل نہیں تھا۔ اسی لئے یہ معمولی سی بات کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ لیکن اگر وہاں وہ سرخ دائرہ موجود ہوتا تو شاید اس کی طرف دھیان کی بھی ضرورت نہ پیش آتی۔ بس یہ اطمینان ہو جاتا کہ یہ حرکت سرخ دائرہ والوں ہی کی رزنامچوں کی خانہ پری کر دی جاتی۔

بہرحال تین دن گذر گئے اور وہ ادھر اُدھر سر مارتا رہا۔ دوسری طرف اعلیٰ حکام ناک دم کئے ہوئے تھے کہ اب اسے اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہئے۔ لیکن وہ باضابطہ پر اس کا انچارج بننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے اسے سمجھایا بھی کہ اس کا محض یہ تھا کہ آصف وغیرہ کی نالائقی کا خود انہیں یقین دلایا جائے، کیونکہ انہیں اعلیٰ حکام جانبداری کی شکایت تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ فریدی اور حمید کے علاوہ اور کسی کو موقع ہی کب جاتا ہے کہ انہیں اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کا اتفاق ہو۔

آصف کا یہ عالم تھا کہ اب اس کی روح لرزنے لگی تھی۔ سرخ دائرہ کے نام ہی پر ا منہ اتر جاتا تھا۔ میری جیرنگٹن کے قتل والی رات کے واقعہ نے اسی طرح اس کے حوالے کر دیئے تھے مگر اس کی وجہ اسکی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ مجرم ہمیشہ محض ہلکی سی تنبیہہ کر کے چھوڑ کیوں دیتا ہے۔ بہرحال آصف کا بُرا حال تھا اور وہ خدا سے دعا کر رہا تھا کہ اب شہر کوئی ایسی واردات نہ ہو جس کے سلسلے میں اسے وہ منحوس سرخ دائرہ دیکھنا پڑے۔ مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی دعا قبول ہی ہو جاتی۔ میری کے قتل کی دوسری ہی رات کو ایک بینک کی تجوریاں ٹوٹ گئیں اور ان تجوریوں پر وہی سرخ دائرے موجود تھے۔

فریدی ایک ایک کر کے اگلی ریس میں حصہ لینے والے سارے گھوڑوں کے مالکوں سے چکا تھا۔ لیکن حمید کو یقین تھا کہ خود فریدی کی نظروں میں بھی ان ملاقاتوں کی کوئی اہمیت نہیں اور اب وہ یہ بھی محسوس کرنے لگا تھا کہ فریدی غیر معمولی طور پر خاموش رہنے لگا ہے۔

اسی سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اب یہ کیس کسی فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے والا ہے۔ فریدی ایسے مواقع پر عموماً خاموش ہی ہو جایا کرتا تھا۔

پھر ایک دن حمید کو معلوم ہوا کہ وہ آئندہ ہونے والی ایک ریس کا منتظر تھا اور پھر شاید زندگی میں پہلی بار ان لوگوں نے ریس کورس میں قدم رکھا۔ اس سے قبل انہیں کسی کیس کے سلسلے میں بھی وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ فریدی تو خیر تھا ہی محتاط آدمی لیکن حمید کو بھی ریس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مگر جب اس نے ریس کورس میں قدم رکھا تو اسے دل ہی دل میں عہد کرنا پڑا کہ وہ آئندہ بھی یہاں آتا رہے گا۔ کیونکہ وہاں مردوں سے زیادہ عورتیں تھیں۔

ریس شروع ہونے میں ابھی دیر تھی۔ فریدی اصطبلوں کی طرف بڑھا جو یہاں سے دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھے۔

"کہاں.... اُدھر کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"عورتوں کے سوا اور سب کچھ ہے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

گھوڑے اصطبلوں سے نکالے جا رہے تھے۔ وہاں کیفے جبران کے مالک یا منیجر گریش سے ملاقات ہو گئی۔

"آہا.... کرنل صاحب.... آیئے آیئے! کیا بتاؤں.... آج مجھے یہاں آنا پڑا...." گریش نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "اور جناب، میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں بھی خطرے میں ہوں۔"

"کیوں؟ کوئی خاص بات....؟" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"دو دن سے کچھ نامعلوم آدمی کیفے جبران کی نگرانی کر رہے ہیں۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ وہ بڑے منظم طریقے پر یہ کام کرتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو میں بھی چل بسا یا پھر اب آپ لوگ پریشان کریں گے۔"

"میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ آپ ہی کے محکمے کے آدمی ہوں۔"

"میرے محکمے کے! نہیں میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی اسکیم نہیں تھی۔ خیر میں دیکھوں گا کہ

وہ کون لوگ ہیں۔"

"مگر کرنل صاحب!" گریش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں تھی.... اگر یہ صرف گھوڑوں کی ہار جیت کا معاملہ ہے تو آدمی کیوں قتل کیئے جارہے ہیں؟ بہتر خطرناک طریقہ یہ تھا کہ وہ گھوڑے ہی ختم کردیئے جاتے۔ مثلاً یلو پینتھر، ٹمپسٹ یا اور کوئی کی طرف سے خدشہ ہوتا۔"

"میں خود بھی حیرت میں ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اور میں ابھی تک اس کے متعلق صحیح رائے قائم نہیں کرسکا۔"

"مگر یہاں ریس کورس میں آپ کی موجودگی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آج یہاں نہ کچھ ہوکر رہے گا۔" گریش نے کہا۔

"آپ کا خیال صحیح ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "آج یہاں....!"

"اوہ مسٹر گریش۔" فریدی نے حمید کو جملہ پورا کرنے کا موقعہ دیئے بغیر کہا۔ "آپ وقت بہت مصروف معلوم ہوتے ہیں، ہم پھر ملیں گے۔"

فریدی اس سے مصافحہ کرکے آگے بڑھ گیا۔ پھر وہ دونوں اس جگہ جاکر رکے جہ اصطبلوں کا سلسلہ ختم ہوا تھا۔

یہاں پہنچے ہوئے انہیں تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک اصطبل سے ایک بدہیئت آ نکل کر اُن کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر اس نے فریدی کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ ویسے جو بشرہ شناسی میں کچھ نہ کچھ دخل رکھتا تھا اس کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں قائم کرسکتا۔

"سب ٹھیک ہے جناب۔ میں نے بہت کڑی نظر رکھی ہے۔ آپ لوگوں کے علاوہ تک ادھر کوئی غیر جانا پہچانا آدمی نہیں آیا۔"

"اور کوئی خاص بات۔"

"نہیں جناب.... اور سب ٹھیک ہے۔"

"اچھا جاؤ....!"

وہ چلا گیا۔ حمید نے اس کے متعلق پوچھا۔ مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔

ریس کا سگنل ہونے سے کچھ دیر قبل ہی وہ وہاں پہنچ گئے جہاں سے انہیں ریس دیکھنی سگنل ہوا، گھوڑے دوڑ پڑے.... میری جیرنگٹن کا ٹمپسٹ دوسرے نمبر پر تھا۔ خان افضل کا تھنڈر اس کے آگے جارہا تھا۔ اچانک ایک تیسرے گھوڑے نے تھنڈر کے آگے نکلنے کی کوشش کی۔ اس طرح وہ ٹمپسٹ کے برابر پہنچ گیا۔ ٹمپسٹ اور تھنڈر میں بہت کم فاصلہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹمپسٹ بھی تھنڈر کے برابر پہنچ گیا۔ تیسرا گھوڑا دونوں کے پیچھے رہ گیا۔ تھنڈر اب ٹمپسٹ کے پیچھے تھا۔ پھر یک بیک ٹمپسٹ سر کے بل نیچے چلا گیا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہ آسکا کہ وہ کیسے گرا۔ خان افضل کا تھنڈر طوفان کی طرح آگے بڑھتا جارہا تھا۔

اور پھر کچھ دیر بعد تھنڈر کی جیت کا اعلان کردیا گیا۔

ٹمپسٹ کے گرد بھیڑ اکٹھا ہوگئی تھی اور زیادہ تر تماشائی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے کیونکہ سب سے زیادہ ٹکٹ ٹمپسٹ ہی کے نمبر کے بکے تھے۔

ادھر ٹمپسٹ کا جاکی تو گرتے ہی ختم ہوگیا تھا کیونکہ وہ بھی سر کے بل ہی گرا تھا اور اس کے سر کی ہڈیاں چور چور ہوگئی تھیں۔

ٹمپسٹ کو تھوڑی دیر بعد گولی ماردی گئی کیونکہ اس کے ایک پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

گریش دیوانوں کی طرح چیختا پھر رہا تھا۔ "یہ دھوکا تھا.... یہ سازش تھی۔"

پھر اس کی آواز لاؤڈ سپیکر پر سنی گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "کرنل صاحب.... خدارا ٹمپسٹ کی لاش کے پاس آیئے۔ میں ثابت کردوں گا کہ یہ سازش تھی.... جلد آیئے۔"

بڑی عجیب بات تھی۔ مردہ جاکی کی کسی کو بھی پرواہ نہیں تھی۔ نہ گریش کو نہ تماشائیوں کو۔ گریش گھوڑے کی لاش پر ماتم کررہا تھا اور تماشائی اپنی لگائی ہوئی رقم کے ضائع ہونے پر آہیں بھر رہے تھے۔ ایک آدمی بھی مرگیا تھا۔ مگر وہ آدمی نہیں تھا۔ وہ تو صرف جاکی تھا۔ جاکی بہت ملتے ہیں مگر ٹمپسٹ جیسے گھوڑے نایاب ہیں۔

"مجھے کیوں بلایا ہے؟" فریدی نے گریش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اوہ.... کرنل صاحب۔" گریش گلوگیر آواز میں بولا۔ "سازش۔"

"ہاں.... ہوسکتا ہے۔ لیکن مجھے اس کی موت سے زیادہ جاکی کی موت سے سروکار ہے۔"

یقیناً سازش کرنے والے کی سزا موت ہی ہونی چاہئے۔ اس کا کیا نام تھا....؟"

"سندر....!" گریش نے کہا۔

"ہاں.... اچھا.... آپ نے مائیکروفون پر کہا تھا کہ آپ اسے سازش ثابت کریں" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... میں ثابت کردوں گا۔ میں سچ کہتا ہوں آپ سے.... اگر مجھے ہوجائے کہ یہ کس کی حرکت ہے تو میں اسے اسی طرح گولی مار دوں۔"

پھر اس نے ٹمپسٹ کا ٹوٹا ہوا پیر اٹھا کر کہا۔ "یہ دیکھئے.... اس کی نعل غائب ہے۔" اس کے ٹوٹے ہوئے پیر کی نعل غائب تھی۔

فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں.... ہے" اور وہ متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"اس ریس کورس کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ دوڑتے وقت کسی گھوڑے کی نعل گئی ہو۔" گریش نے کہا۔

"سائیس کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"سائیس.... اوہ.... سائیس.... کمال ہے.... یہ سب کچھ ہوگیا اور سائیس ندارد۔" گریش بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

فریدی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے اسے کئی قسم کے معنی پہنانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔

"کیا وہ اس وقت اصطبل میں موجود تھا، جب گھوڑا لایا جا رہا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں قطعی تھا.... آہا.... میں بھی کتنا گدھا ہوں.... یہ حرکت سائیس کو ملائے بغیر ہی نہیں سکتی۔"

"نعلیں کس نے جانچی تھیں؟"

"کمپنی کے ایگزامینر نے.... میں بھی موجود تھا۔ اس نے نعلیں کی طرف سے بے اطمینانی نہیں ظاہر کی تھی۔"

"ریس شروع ہونے سے کتنی دیر پہلے جانچ کی گئی تھی؟"

"شاید دو گھنٹے قبل.... جی ہاں.... اور کیا....!"

"میں ایگزامینر اور سائیس دونوں سے ملنا چاہتا ہوں۔"

ایگزامینر نے فریدی کے استفسار پر صاف کہہ دیا کہ جس وقت اس نے جانچ کی تھیں نعلیں میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں پائی گئی تھی۔ اس کے بعد اگر کچھ ہوا تو وہ اس کے لئے ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا۔

"نعل تو بہر حال رہی ہوگی۔" گریش بولا۔ "میرے جاکی! ریس شروع ہونے سے دس منٹ قبل بھی نعلیں کی جانچ کرتے ہیں۔"

"تب پھر یہ محض اتفاق بھی ہوسکتا ہے کہ دوڑتے دوڑتے ایک نعل نکل گیا۔ آپ یقین کے ساتھ اسے سازش نہیں قرار دے سکتے۔"

"آپ جانئے۔" گریش بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں نے آپ کو آگاہ کردیا۔"

"یہ میرا قطعی فیصلہ نہیں تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "میں صرف امکانات پر غور کر رہا ہوں۔ خیر اب ہمیں سائیس کو بھی دیکھنا چاہئے، کیونکہ اس وقت تو نعل بدلی نہیں جاسکتی جب گھوڑا دوڑ رہا ہو۔"

وہ اصطبل میں آئے.... سائیس غائب تھا۔ دوسروں سے پوچھ گچھ کرنے کے باوجود بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

"دیکھ لیا آپ نے....!" گریش نے کہا۔ "حالانکہ اسے گھوڑے کی واپسی تک یہیں رہنا چاہئے تھا۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لیکن اس کی متجسس نظریں اب بھی اصطبل میں چاروں طرف بھٹکتی پھر رہی تھیں۔

اچانک بھوسے کے ایک ڈھیر میں حرکت ہوئی اور ایک پیر اس میں سے نکل کر فرش پر پھیل گیا۔

"ارے....!" گریش اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

پھر وہ بڑی تیزی سے بھوسے کے اس ڈھیر کو ادھر اُدھر پھیلانے لگا۔

"یہی.... یہی ہے۔" گریش نے بے ساختہ کہا۔ ایک بیہوش آدمی فرش پر پڑا تھا کے سر کا پچھلا حصہ بُری طرح زخمی تھا۔ کسی وزنی چیز سے اُس کے سر پر ضرب لگائی گئی تھی۔

"میرے اندازے بہت کم غلط ہوتے ہیں۔" گریش بڑبڑا رہا تھا۔ "سازشی یہ کہ میری کی موت کے بعد ٹمپسٹ بھی نہ دوڑ سکے گا۔"

"پہلے اسے ہوش میں لانا چاہئے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

تقریباً آدھ گھنٹے کی جدوجہد کے بعد وہ ہوش میں آیا۔ لیکن اس کی حالت اچھی تھی۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ غیر تشفی بخش تھا۔

اس کے بیان کے مطابق کسی نے اس کی لاعلمی میں عقب سے حملہ کیا تھا۔ سر کی نے اسے مڑ کر دیکھنے کا بھی موقعہ نہ دیا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکا۔ حتیٰ کہ کسی پر شبہ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

"شاید اسکاٹ لینڈ یارڈ والے بھی سرخ دائرہ والوں کا سراغ نہ پا سکیں۔" فریدی نے سامنہ بنا کر کہا۔ "کم بخت غلطی کرنا تو جانتے ہی نہیں۔"

شکار کے لئے

تین دن تک وہ پھر مکھیاں مارتے رہے۔ یہ حمید کا خیال تھا کہ آج کل وہ لوگ کھیل رہے ہیں۔ ریس کورس والے واقعات کے بعد سے پھر کوئی واردات نہیں ہوئی تھی اور وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ حمید فریدی کو بات بات پر چھیڑتا رہتا۔

"جناب....!" وہ کہتا۔ "یہاں پانچ زندگیاں ختم ہو گئیں اور تفتیش کا یہ عالم ہے کہ روز اول.... کیا میں یہ سمجھ لوں کہ آپ ذہنی طور پر تھک گئے ہیں۔"

"ناممکن نہیں ہے۔" فریدی کا جواب ہوتا۔

آج تو دونوں میں صبح ہی سے بڑی گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔ آخر فریدی نے تنگ آ کر کہا

"تم یہ نہ سمجھو کہ میں مجرم سے واقف نہیں ہوں۔ اس کے خلاف کوئی ثبوت اب تک میرے ہاتھ نہیں لگا۔ جس دن مجھے اس کی طرف سے اطمینان ہوا.... مجرم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھ لینا۔"

"تھکے ہوئے ذہن کی بات ہے۔ مگر خیر اسی بات کی خوشی ہے کہ ابھی اس میں اپج کا مادہ باقی ہے جسے آپ پکڑیں گے کہہ دیں گے کہ میں نے اسی کے لئے کہا تھا۔"

"اب یہ کیوں غصہ دلاتا ہے مجھے۔" فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔

"غصے میں بھی آپ ثبوت مہیا کئے بغیر اُسے گرفتار نہیں کریں گے۔ میں جانتا ہوں۔"

"پرواہ مت کرو.... ویسے اگر تم چاہو تو میں تمہیں مجرم کا نام اور پتہ لکھ کر دے دوں۔ مگر اسے اس وقت تک نہ دیکھنا جب تک مجرم گرفتار نہ ہو جائے۔"

"اچھا چلئے.... یہی سہی۔"

فریدی نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اسے لفافے میں رکھتے ہوئے کہا۔

"میں اسے سیل کر کے تمہارے سپرد کر دوں گا۔"

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بولنے والا شاید کوئی بہت ہی اہم بات کہہ رہا تھا۔ فریدی کے چہرے پر کچھ اسی قسم کے آثار تھے۔

آخر فریدی نے یہ کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔ "میں ابھی آ رہا ہوں۔"

"کیوں اب کیا ہوا؟"

وہی پراسرار آدمی پھر دکھائی دیئے ہیں جو ریس والے حادثات سے پہلے کیفے جبران کی نگرانی کرتے رہے تھے۔

"وہ....!"

"چلو اٹھو....!"

"کیا اٹھوں.... میں جب بھی وہاں جاتا ہوں میری جیرنگٹن بُری طرح یاد آنے لگتی ہے اور ساتھ ہی ریکھا کی بے مہری بھی۔ خیر میں بھی دیکھوں گا کہ یہ صاحبزادے کتنے پانی میں ہیں۔"

"افسوس یہ ہے کہ عورت آدمی کو جنم دیتی ہے اس کی قبر نہیں بن سکتی۔ ورنہ میں تمہارے

لئے اس کی کوشش کرتا۔'' فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور حمید ہنسنے لگا۔

پھر وہ دونوں کیفے جبران کے لئے روانہ ہو گئے۔ فریدی کار کو کیفے جبران تک نہیں لے گیا، بلکہ اسے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک گلی میں کھڑا کر کے پیدل ہی کیفے جبران کی طرف چل پڑا۔

''ٹھہرو....!'' فریدی چلتے چلتے رک کر بولا۔ ''ہاں ہے تو.... گریش نے یہی حلیہ بتایا تھا۔ وہ کیفے کی مخالف سمت میں فٹ پاتھ.... ابے وہ سیاہ ڈاڑھی والا....!''

''آہا.... ہے تو.... پھر....؟''

''تم یہیں.... اسی جگہ ٹھہرو.... میں عقبی دروازے سے کیفے میں جاتا ہوں۔''

فریدی حمید کو وہیں چھوڑ کر کیفے میں چلا گیا۔ وہ عقبی دروازے سے داخل ہونے پر ہال سے گذرے بغیر منیجر کے کمرے تک پہنچ گیا۔

''اوہ آپ آ گئے۔'' گریش اٹھتا ہوا بولا۔ ''ایک باہر موجود ہے اور دوسرا ہال میں۔ بتائیے میں کیا کروں؟''

''فکر نہ کرو.... ہال میں کون ہے!''

''وہ بھی ڈاڑھی ہی میں ہے اور اس کے جسم پر سفید کوٹ ہے۔''

''کیا بس یہ صرف نگرانی ہی کیا کرتے ہیں یا کوئی اور بھی حرکت....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''میرے اختلاج کے لئے یہ نگرانی ہی کیا کم ہے جناب۔''

''میں دیکھوں گا کہ یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ویسے میں ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''فرمائیے....!''

''میری جیرنگٹن کے سلسلے میں آپ کا کوئی رقیب تو نہیں تھا....؟''

''اس قحبہ کا تو اب نام ہی نہ لیجئے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ صرف میری پابند ہوتی تو سیسل کے نام سے لنکسن لین میں بھی کیوں رہتی۔''

''کیا آپ کسی ایسے آدمی سے واقف نہیں ہیں جس کی نظر اس پر رہی ہو؟''

''وہ ایک خوبصورت عورت تھی۔ ہر ایک کی نظر اس پر رہی ہوگی۔''

''آپ کسی پر شبہ نہیں ظاہر کر سکتے؟''

''نہیں، میں خواہ مخواہ کسی کی گردن نہیں پھنسوانا چاہتا۔''

''مجھے اس کے عاشقوں کی لسٹ چاہئے۔''

''کیا اب آپ میرا مضحکہ اڑانا چاہتے ہیں کرنل صاحب۔''

''نہیں.... میں ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے علم نہیں ہے۔'' منیجر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

''خیر آپ نہ بتائیے.... لیکن خان افضل کم از کم اس کے نصف درجن عاشقوں کے نام تو بتا ہی سکے گا۔''

''کیا مطلب....؟''

''سردار افضل نے اس کے کثیر العشاق ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔''

''تو وہ کتا.... اب اس طرح مجھے بھی ذلیل کرنا چاہتا ہے۔'' گریش نے غرا کر کہا۔ ''میری عورتیں صرف میری پابند رہی ہیں۔ یقیناً میری کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ آپ نے بتایا تھا کہ وہ کسی سرکاری سراغ رساں کا تعاقب کرتی ہوئی نیاگرا تک گئی تھی۔''

''ہاں.... میں نے کہا تھا۔''

''پھر آپ بتائیے میں کیسے سمجھ لوں کہ وہ بھی کسی سازش کا شکار نہیں تھی۔ اگر وہ صرف عشق کا معاملہ تھا تو نام تبدیل کر کے عشق کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی۔''

''حالانکہ عشق میں نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''خیر اسے چھوڑئیے۔ میں ذرا اس ڈاڑھی والے سفید کوٹ کو بھی دیکھ لوں۔''

وہ عقبی دروازے سے نکل کر پھر گلی میں پہنچ گیا۔ وہ کیفے کے صدر دروازے سے ہال میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ سڑک پر پہنچ کر اس نے اس سمت نگاہ ڈالی جہاں حمید کو چھوڑا تھا۔ مگر حمید نظر نہیں آیا اور کیفے کے سامنے والے فٹ پاتھ پر وہ آدمی بھی موجود نہیں تھا جس کی نگرانی کے لئے اس نے حمید کو ہدایت کی تھی۔ البتہ اس کی بجائے.... مگر فریدی فوری طور پر اس کا فیصلہ

نہ کرسکا کہ اس دوسرے نے پہلے کی جگہ سنبھالی ہے۔ وہ ایک ملبوسات کی دوکان کے شوکیس جھکا ہوا تھا۔ لیکن اس کا حلیہ اسی آدمی کا سا تھا جس کے متعلق گریش نے اطلاع دی تھی کہ کیفے کے ہال میں موجود ہے یعنی ڈاڑھی والا جس کے جسم پر سفید کوٹ تھا۔

میک اپ کے ماہر فریدی کو اس کی ڈاڑھی کچھ مصنوعی سی معلوم ہو رہی تھی۔ اس آدمی نے شوکیس کے پاس سے ہٹ کر ایک نظر کیفے کی طرف ڈالی اور ملبوسات کی دوکان میں چلا گیا۔ فریدی تیزی سے چلتا ہوا کیفے کے ہال میں آیا۔ مگر یہاں کوئی ایسا آدمی موجود نہیں تھا جس کے سیاہ ڈاڑھی ہوتی۔ وہ پھر اتنی ہی تیزی سے واپس آیا۔ سڑک پار کرتے وقت اس نے قدمی کا مظاہرہ نہیں کیا، ملبوسات کی دوکان میں ڈاڑھی والا اب بھی موجود تھا۔ فریدی دوکان میں داخل ہوگیا اور اس نے دوکان دار سے جدید ترین تراش کے فراکوں کی فرمائش کی۔ دراصل اس آدمی کو قریب سے دیکھ کر اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ وہ میک اپ میں ہے یا نہیں؟

دوسرا آدمی اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اپنے سامنے پھیلے ہوئے ملبوسات کا جائزہ لینے لگا۔

دو چار فراک دیکھنے کے بعد فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "مجھے تو سبھی اچھے معلوم ہو رہے ہیں۔ مگر پہننے والی...." پھر وہ اس طرح بڑبڑانے لگا جیسے بلند آواز میں سوچ رہا ہو۔ "وہی آ کر لے جائیں گی۔" پھر دوکاندار سے بولا۔ "اچھا.... بہت بہت شکریہ.... شام کو آئیں گے۔ ممکن ہے ناپسند کر دیا جائے۔"

دوکان سے نکل کر پبلک فون بوتھ سے اس نے سادہ لباس والوں کے لئے ایک قریبی اسٹیشن کو فون کیا اور شاید دو ہی منٹ بعد دو آدمی وہاں پہنچ گئے۔ فریدی انہیں سیاہ ڈاڑھی والے کی نگرانی کی ہدایت دے کر وہاں سے ہٹ آیا۔ لیکن کیفے جبران میں دوبارہ داخل نہیں ہوا۔

اب وہ حمید کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ حمید اسکے تعاقب میں ضرور ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے اس سلسلے میں کوئی پیغام بھی بھیجا ہو.... یہ سوچ کر وہ گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

اس کا خیال غلط نہیں تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں حمید نے اُس کے لئے دوبار فون کیا تھا۔ آخری کال یہ تھی کہ ارجن پورے کی شہامت بلڈنگ کے نیچے والے چائے خانے میں

اُسے پہنچ جانا چاہئے۔

فریدی کے لئے ایک سیکنڈ کی بھی دیر کرنا ناممکنات میں سے تھا۔ اب وہ ارجن پورے کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کیس سے بُری طرح اکتا گیا ہوتا۔ دوسرے اکتا ہی گئے تھے۔ آصف کی پارٹی کو تو ابھی تک سیسل پیکرافٹ ہی کی حقیقت نہیں معلوم ہوسکی تھی۔ کیونکہ اخبارات میں اس کے قتل کی خبر شائع ہوئی تھی۔ تصویر نہیں چھپی تھی۔ ریکھا کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ لڑکی قتل کردی گئی جس نے اُس کا نیاگرہ تک تعاقب کیا تھا۔ لیکن فریدی نے اسے اس چیز کا اظہار کرنے سے بھی روک دیا تھا۔ بہرحال ابھی تک یہ بات ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ سیسل پیکرافٹ کے نام سے قتل ہونے والی میری جیرنگٹن تھی۔

چائے خانے میں حمید سے ملاقات ہوئی۔ فریدی کو دیکھتے ہی حمید کا چہرہ سرخ ہوگیا اور اس نے آہستہ سے کہا۔ "وہ چاروں اسی عمارت کی اوپری منزل پر رہتے ہیں اور ابھی حال ہی میں ایک پانچواں آدمی بھی ان کا شریک ہوا ہے۔"

"کس کی باتیں کر رہے ہو۔" فریدی بڑبڑایا۔

"شروع سے سنئے۔ میں اس آدمی کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں وہ اوپری منزل پر چلا گیا اور میں نے یہاں اس کے متعلق پوچھ گچھ کی۔ وہ تعداد میں چار ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو اس لئے عجیب معلوم ہوتے ہیں کہ چاروں ڈاڑھی والے ہیں اور پانچواں جو ان کے بعد آیا ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"کون ہے؟"

"کیشو....!"

"اوہ....ہو! وہ نقب زن۔"

"جی ہاں.... وہی....!"

"اچھا.... پھر....!"

"اس وقت کیشو بھی اوپری منزل پر موجود ہے۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا اور حمید نے کہا۔

''اگر یہ چاروں وہی ہوئے تو.... مطلب یہ کہ وہ چار آدمی جو ڈیکارٹس کی میز پر [illegible] کرتے تھے؟''

''ممکن ہے۔'' فریدی نے بے خیالی کے انداز میں جواب دیا۔ پھر چونک کر بولا۔ ''[illegible] ان کا انتظام کئے دیتا ہوں۔ یہ کام تمہاری شایان شان نہیں کہ نقب زنوں اور معمولی اچکوں [illegible] تعاقب کرتے پھرو۔''

''یعنی آپ کو یقین نہیں ہے کہ یہ وہی چاروں ہیں۔'' حمید نے کہا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ گیا اور حمید کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ فریدی نے [illegible] اپنی کار پر گھر واپس جانے کو کہا.... وہ اس وقت اس کے کسی سوال کا جواب دینے پر آمادہ [illegible] نہیں آتا تھا۔

پھر اس کے بعد حمید کو علم نہیں تھا کہ وہ سارا دن کیا کرتا رہا۔ تقریباً نو بجے رات کو [illegible] فون آیا۔ اس نے حمید کو بینک آف تہران کے قریب ایک ریستوران میں بلایا تھا۔ حمید [illegible] وقت باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کیونکہ آج نہ جانے کیوں ریکھا نے بھی نو بجے اس [illegible] پاس پہنچنے کی اطلاع دی تھی اور حمید اس وقت اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ بہر حال حمید نے فریدی سے پوچھا کہ کیا وہ ریکھا کو بھی اپنے ساتھ لا سکتا ہے؟ اس پر فریدی کی آواز کچھ غصیلی [illegible] تھی۔ لیکن اس نے اسے اس سے روکا نہیں۔

ٹھیک نو بجے ریکھا آ گئی۔ لیکن وہ کہیں جانے پر تیار نہیں تھی۔ غالباً وہ سرخ دائرہ [illegible] بارے میں کوئی گفتگو کرنے آئی تھی۔

''میں آپ کو اس وقت فریدی صاحب کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ مطمئن رہئے [illegible] کسی ہوٹل میں لے جا کر رقص کی درخواست نہیں کروں گا۔''

وہ بینک آف تہران کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی ایکس وائی زیڈ ریستوران میں [illegible] تھا لیکن وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ گریش بھی تھا۔

''سنو حمید! اور تم بھی سنو ریکھا'' اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ''آج میں سرخ [illegible] والوں کو گرفتار کرنے جا رہا ہوں۔ وہ بینک آف تہران میں چوری کریں گے۔ میرا خیال [illegible]

یہ وہی چاروں ہیں جو کیفے جبران کی تیرھویں میز پر بیٹھا کرتے تھے۔ اسی لئے گریش صاحب بھی میرے ساتھ ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ ریکھا کے چہرے سے بھی صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکی۔

''مگر آپ کام خراب کر دینے پر تلے ہوئے ہیں کرنل صاحب۔ میں آپ سے پھر کہہ رہا ہوں کہ فورس بلوا لیجئے۔''

''نہیں گریش صاحب، یہ میرے اصول کے خلاف ہے، وہ چار ہوں یا چار سو، کام اکیلے ہی ہوگا۔ فورس کا مطلب ہے ہنگامہ.... اور ہنگامے کا مطلب تو آپ سمجھتے ہی ہیں۔ اب دیکھئے گا کہ یہ کام کتنے شاعرانہ انداز میں انجام پاتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ساتھ لیڈی انسپکٹر مس ریکھا بھی ہیں۔''

شکار اور شکاری

ریکھا کچھ جھینپی اور کچھ جھنجھلائی۔ کیونکہ گریش اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسے فریدی سے توقع نہیں تھی کہ وہ کسی موقع پر اس طرح اس کی ٹانگ گھسیٹے گا۔

''میں کس طرح یقین کر لوں کہ آپ کامیاب ہی ہو جائیں گے۔'' گریش نے کہا۔

''ہو سکتا ہے یہ اطلاع ہی غلط ہو کہ آج وہ یہاں چوری کریں گے، یا درست ہونے کی صورت میں یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی طرف سے ہوشیار ہوں۔''

''اس کی فکر نہ کیجئے.... میرے مخبر بہت کم غلطیاں کرتے ہیں۔''

تقریباً گیارہ بجے تک وہ وہیں بیٹھے رہے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر دوسرے ریستوران میں جا بیٹھے۔ لیکن اس علاقے میں ایک بھی ایسا ہوٹل یا ریستوران نہیں تھا جس میں رات بھر کی سروس چلتی رہی ہو۔ ایک بجے وہ تیسرے ریستوران سے اٹھے جو بند ہونے والا تھا۔

''حمید ریوالور ہے تمہارے پاس۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''میں آج کل ہر وقت ریوالور رکھتا ہوں۔''

''خیر.... ٹھیک ہے۔ دو ریوالور کافی ہیں۔''

پھر اچانک فریدی نے انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بینک کی عمارت کی دائیں ہاتھ والی گلی میں داخل ہو رہے تھے۔ آس پاس کی دوکانیں بند ہو چکی تھیں اور یہ حصہ نہ صرف ویران بلکہ تاریک بھی تھا۔

"لیکن ہمیں معلوم کیسے ہوگا کہ وہ عمارت میں داخل ہوگئے۔" گریش نے سرگوشی کی۔

"ابھی حال ہی میں ایک نقب زن بھی ان میں شامل ہوگیا ہے۔ کیشو یہاں کا مشہور نقب زن اور کئی بار کا سزا یافتہ ہے۔ میں نے آج ہی اُسے توڑ لیا ہے۔ وہ ہمیں سگنل دے گا۔"

"تب تو پھر بازی مار لی۔" گریش نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اب میں بھی مطمئن ہوں۔ میدان آپ ہی کے ہاتھ رہے گا۔"

"اب اگر ہم خاموشی اختیار کریں تو بہتر ہے۔" فریدی بولا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک اندھیرے میں دیوار سے لگے کھڑے رہے۔ پھر اوپر کی ایک کھڑکی میں ایک ننھا سا چمکدار نقطہ نظر آیا۔ یہ غالباً سلگتی ہوئی سگریٹ تھی۔ "آؤ....." فریدی سڑک کی طرف بڑھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

وہ سڑک پر آئے.... بینک کی عمارت کے نیچے پہرہ دینے والے سنتری غائب تھے لیکن ان کی بندوقیں دیوار سے ٹکی کھڑی تھیں۔

فریدی دبے پاؤں چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ نزدیک یا دور ایک متنفس بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو حیرت تھی کہ آخر سنتری کہاں گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ان دونوں کی لاشوں سے سابقہ نہ پڑے۔

اندر ہر طرف تاریکی تھی۔ فریدی کی ننھی سی ٹارچ کی باریک سی شعاع ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر چلنے کے بعد انہوں نے قدموں کی چاپ سنی، وہ رک گئے۔ ساتھ ہی آواز آنی بند ہوگئی۔ فریدی تقریباً پانچ منٹ تک وہیں ٹھہرا رہا۔

اندھیرا ہونے کی وجہ سے یہ بتانا دشوار تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ وہ پھر آگے بڑھے۔ اب

فریدی اپنی ٹارچ بہت کم روشن کر رہا تھا اور وہ چاروں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک قطار میں آگے بڑھ رہے تھے۔ فریدی سب سے آگے تھا۔ شاید ریکھا کے لئے اس قسم کی مہم نئی چیز تھی۔ کیونکہ حمید اس کی گہری گہری سانسوں کی آواز سن رہا تھا۔

اچانک وہ چلتے چلتے روشنی میں آگئے۔ کمرہ پوری طرح روشن تھا اور شاید بینک کا اسٹرانگ روم ہی تھا۔ کیونکہ یہاں چاروں طرف تجوریاں ہی تجوریاں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں تین تجوریاں انہیں کھلی نظر آئیں۔ ایک کے نیچے چند چھوٹے زیورات بھی پڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے بہت ہی جلدی میں تجوری کا سامان سمیٹا ہو اور گری پڑی چیزوں پر دھیان دیئے بغیر وہاں سے چلا گیا ہو۔

"چوٹ ہوگئی..... چلو۔" فریدی بڑی تیزی سے واپسی کے لئے مڑا۔ حمید اور ریکھا بھی دروازے کی طرف جھپٹے۔ وہ دروازے تک پہنچ بھی گئے لیکن فریدی! ان کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ کیونکہ فریدی نے آگے بڑھنے کی بجائے پلٹ کر گریش کے جبڑے پر گھونسہ رسید کر دیا تھا۔

گریش اچھل کر دوسری طرف کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسٹرانگ روم فائر کی آواز سے گونج کر رہ گیا۔ گریش نے گرتے گرتے فریدی پر فائر کر دیا تھا۔

دوسرا فائر پھر ہوا۔ حمید اور ریکھا جو دروازے ہی پر تھے بدحواسی میں اسٹرانگ روم سے نکل گئے۔

لیکن فریدی..... اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کمرے کے اندر ہی ہے یا باہر نکل گیا۔ اچانک حمید کو اپنی اس بزدلی کا احساس ہوا اور وہ ریوالور نکال ہی رہا تھا کہ اندر پھر ایک فائر ہوا۔

"گریش ریوالور پھینک دو۔" انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔ "نہ تم مجھے گولی مار سکتے ہو اور نہ یہاں سے نکل سکتے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ دائرہ پورا کر دو۔ وہ ابھی ادھورا ہے۔ فریدی کے سامنے ہاتھ کی صفائی ذرا مشکل ہی سے چلتی ہے۔"

اس بات کا جواب تیسرے فائر نے دیا۔ حمید نے فائر کے بعد ہی فریدی کا قہقہہ سنا جو

کہہ رہا تھا۔ ''اچھا گریش خالی کر ڈالو اپنا ریوالور اور آسانی رہے گی۔ میں نے تو قسم کھا
کہ تم جیسے چوہوں پر اپنے کارتوس کبھی برباد نہ کروں گا۔''

پھر اچانک ریکھا اور حمید نے اپنی پشت پر بھاری قدموں کی آوازیں سنیں۔ پانچ
انکی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ لمبے سیاہ لبادوں اور چہرے تک جھکی ہوئی فلٹ ہیٹوں میں

''خبردار آگے نہ بڑھنا۔'' حمید نے ریوالور کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا

''ہمارے پاس پانچ ریوالور ہیں۔ سمجھے جناب کپتان صاحب۔'' آنے والوں میں
ایک نے کہا.... مگر اس کی آواز سن کر حمید کا ہاتھ خود بخود جھک گیا۔ یہ کوتوالی انچارج
جگدیش کی آواز تھی۔ جگدیش نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اوپر اٹھا دیا اور پھر کسی شبہے کی گنجائش
رہ گئی۔ دوسروں کے چہرے بھی اب روشنی میں آ گئے تھے۔ حمید نے ایک ایک کو پہچان لیا
چاروں سب انسپکٹر تھے۔

اچانک اندر سے دھینگا مشتی کی آواز آنے لگی۔ حمید دروازے کے سامنے آ گیا۔

فریدی گریش پر ٹوٹ پڑا تھا۔ شاید وہ ابھی تک تجوری کی اوٹ میں چھپا رہا تھا۔
اتنے آدمیوں کی بھیڑ دیکھ کر شاید مایوس ہو گیا تھا۔ کیونکہ جیسے ہی لوگ اندر داخل ہوئے اس
ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ اس کا ریوالور دور فرش پر پڑا ہوا تھا۔

فریدی اسے کالر سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ''دائرہ پورا کرو۔''

اس نے ایک تجوری کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ حمید کی نظر تجوری پر پڑی.... ا
ایک نامکمل سرخ دائرہ موجود تھا اور اس کے نیچے فرش پر سرخ رنگ کی چاک کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا

گریش بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ان پانچ چوروں سے بھی
لیکن ان میں سے ایک بھی نقب زنی کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ وہ پانچوں تو بیچارے دوپہر ہی
حوالات میں ہیں۔''

ان پانچوں نے اپنے لبادے ڈھیلے کر دیئے تھے اور ان کے نیچے سے ان کی وردیاں
صاف نظر آ رہی تھیں۔

''گریش.... قاتل ایک نہ ایک دن پکڑا ہی جاتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی پھرتیلا اور چالا

کیوں نہ ہو۔'' فریدی بولا۔ ''تم نے اُن پانچوں کو محض اس لئے پھانسا تھا کہ ایک دن قتل کے
الزامات ان کے سر تھوپ کر خود الگ ہو جاؤ۔ تم نے چن چن کر پانچ شاطر چوروں کو اکٹھا کیا
تھا۔ طریقہ کار ایسا تھا کہ وہ تمہاری شخصیت سے واقف نہ ہو سکے۔ تم ان کے ساتھ سائے کی
طرح لگے رہتے تھے۔ وہ جہاں کہیں بھی چوریاں کرتے تم بھی ان کی لاعلمی میں ان کے قریب
ہی ہوتے تھے۔ وہ اپنا کام کر کے ہٹے اور تم نے اپنا کام شروع کر دیا۔ یعنی وہاں ایک سرخ
دائرہ بنا کر رفو چکر ہو گئے۔ قتل کی وارداتوں کی ان غریبوں کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ قتل تم
کرتے تھے اور وہاں بھی سرخ دائرہ بناتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم لوگوں نے ان سب وارداتوں
کو کسی ایک پارٹی سے منسوب کرنا شروع کر دیا۔ تمہارا مقصد بھی یہی تھا تم ان چاروں کو میک
اپ میں بھی پہچانتے تھے۔ اس لئے تم نے مجھے ان کے پیچھے لگایا۔ تم نے یہ سوچا ہوگا کہ میں
کچھ دنوں تک ان کی نگرانی کراؤں گا۔ محض اس لئے کہ ان کے خلاف زیادہ سے زیادہ ثبوت
فراہم کر سکوں اور تم اس دوران میں ان کی معیت میں پھر کہیں نہ کہیں اس سرخ دائرہ سے
ملاقات کرا دو۔ لیکن میں نے آج خود ہی تمہارے لئے سارے مواقع فراہم کر دیئے۔ تمہیں
اس کا علم نہیں تھا کہ وہ چاروں پکڑے جا چکے ہیں ورنہ تم سے اس وقت یہاں دائرہ بنانے کی
حماقت سرزد نہ ہوتی۔ اس وقت تمہاری اسکیم یہ تھی کہ تم کسی جگہ سرخ دائرہ بنا دو گے۔ اگر وہ
چاروں پکڑ لئے گئے تو وہ دائرہ انہیں سے منسوب کیا جائے گا اور تم صاف اپنی گردن بچا لے
جاؤ گے اور ظاہر ہے کہ ان چاروں کی کہانیوں پر کسے یقین آتا.... لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ
مجھے تم پر پہلے ہی سے شبہ ہو چکا تھا۔ اسی رات کو جب تمہارے کیفے میں ڈیکارلس کا بھوت نمودار
ہوا تھا، تم نے اسے دیکھا تھا اور اس کی طرف سے لاپروائی برتی تھی۔ تم سمجھے تھے کہ شاید وہ
ڈیکارلس کے ساتھیوں ہی میں سے کسی کا بہروپ ہے۔ پھر تم نے باہر نکل کر لوگوں سے کہنا
شروع کر دیا تھا کہ ہال میں تمہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیا تھا.... اگر تمہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ
بھوت فریدی تھا تو تم چیخ مار کر بے ہوش ہو جانے کی ایکٹنگ ضرور کرتے کیوں.... کیا کہتے
ہو۔'' فریدی نے اس کے گریبان کو جھٹکا دیا۔

گریش اس طرح لڑکھڑایا کہ فریدی بھی اس کے ساتھ گرتے گرتے بچا۔

گرلیش بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

"ارے....!" دفعتاً فریدی اس پر جھکتا ہوا بولا۔ "یہ تو مر گیا۔"

پھر شاید دو ہی منٹ بعد اس کے منہ اور ناک سے سبز رنگ کا پانی بہنے لگا۔ یہ ز... علامت تھی۔ اس دوران میں کسی وقت اس نے ان کی لاعلمی میں زہر کھا لیا تھا۔ سوال یہ... اسے زہر کہاں سے ملا؟ اس سلسلے میں صرف ایک ہی بات کہی جا سکتی تھی وہ یہ کہ اسے خو... اب یقین نہ رہا ہوگا کہ وہ اپنی اسکیموں میں کامیاب ہی ہوتا رہے گا۔ اس لئے اس نے... پاس زہر رکھنا شروع کر دیا تھا، تاکہ ضرورت پڑنے پر پھانسی کے پھندے سے تو محفوظ رہ...

دوسرے دن کے اخبارات نے لیڈی انسپکٹر ریکھا، کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش... چاروں سب انسپکٹروں کا یہ کارنامہ جلی حرفوں میں شائع کیا۔ فریدی اور حمید کا کہیں نام بھی... تھا۔ لیکن ابھی تک یہ بات صاف نہیں ہوئی تھی کہ قتل کی ان وارداتوں کا مقصد کیا تھا۔ مق... دریافت کرنے کے سلسلے میں فریدی کو بڑی محنت کرنی پڑی۔ جب اس نے اپنی تحقیقات... ماحصل سامنے رکھا تو ایک کی بجائے دو مقاصد نظر آئے۔ ایک تو اس کا دوسرا گھوڑا شہباز... ابھی تک ریس میں دوڑا نہیں تھا اس کے لئے اس نے اپنا بھی ایک گھوڑا ٹمپسٹ ختم کر دیا... کے بعد شہباز کو بے خطر دوڑا سکتا تھا کیونکہ ٹمپسٹ کی موت کا الزام کسی دوسرے نامعلوم... کے سر جا پڑتا۔ حقیقتاً وہ خان افضل کو پھانسنا چاہتا تھا کیونکہ ان چاروں میں خان افضل کا... بھائی اکمل بھی شامل تھا۔

اس طرح تو قتل کی وارداتوں کا مقصد اپنے ایک گھوڑے کو ریس کے میدان میں تنہا... تھا۔ دوسرے مقصد کے سلسلے میں حالات کا تجزیہ کرنے پر میری جیرنگٹن کی شخصیت ابھر آئی... کی تفتیش کے مطابق وہ نہ صرف فاحشہ بلکہ جنسی بوالہوسی کے مرض میں مبتلا تھی۔ صد اس... دونوں جاکی اور وہ جاکی جو ٹمپسٹ سے گر کر مرا تھا سب کے سب اس کے اسیروں میں... تھے۔ ہوسکتا ہے کہ گرلیش نے ان سب کے قتل کی اسکیم انتقامی جذبہ کے تحت بنائی ہو اور سا... ہی ساتھ اس فتنے یعنی میری جیرنگٹن کا بھی خاتمہ کر دیا ہو۔ جس کی بدولت اسے دوسروں کو... کرنا پڑا تھا۔

خان افضل کو تو وہ یقینی طور پر پھانسنا چاہتا تھا۔ جیسا کہ بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا۔ خان افضل اس کا بہت پرانا حریف اور رقیب تھا۔ وہ اسے نہ صرف کاروباری میدان میں اکثر شکست دیتا رہتا تھا، بلکہ اس کی بہتیری محبوباؤں پر بھی ڈورے ڈال چکا تھا۔

یہ بات راز ہی رہی کہ میری جیرنگٹن نے ریکھا کا تعاقب کیوں کیا تھا اور وہ گنکسن لین میں اپنا نام تبدیل کر کے گرلیش ہی کے ایماء پر رہی تھی یا اسے علم نہیں تھا کہ گرلیش اس کی دوسری حیثیت سے بھی واقف ہے۔

وہ فقیر بھی گرلیش ہی ہو سکتا تھا، جس نے چار عدد قربانی کے بکرے تیار کئے تھے۔ کیونکہ گرلیش کی قیام گاہ سے فریدی نے میک اپ کا بہت سا جدید ترین سامان بھی برآمد کیا تھا۔

بہرحال فریدی کو اسے اپنے ناکام کیسوں میں جگہ دینی پڑی۔ اس کا خیال تھا کہ گرلیش اگر زہر نہ کھاتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ ان وارداتوں کا کوئی تیسرا مقصد بھی نکل آتا۔

البتہ آصف کی پشت پر بنائے جانے والے نشانات کے متعلق وہ اب بھی شبہے میں تھا۔ اس کی دانست میں دلیر سے دلیر مجرم بھی اس قسم کا خطرہ نہیں مول لے سکتا۔

آخر ایک دن اس نے بہت غور و خوض کے بعد حمید کے کان پکڑ ہی لئے۔

اور حمید کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ حرکت اس کی تھی۔

"میں نے جناب۔" اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کم از کم ایک ماہ کے لئے آصف کی زندگی تلخ کر دی تھی اور میری جیرنگٹن کی قتل والی رات کو تو مزہ ہی آ گیا تھا۔ میں نے ایک تاریک گلی میں اس کی ٹانگوں میں ٹانگ پھنسا کر گرا دیا۔ ایک منٹ تک سواری گانٹھے رہا اور پھر پشت پر سرخ دائرہ بنا کر دوسری گلی میں چھلانگ لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آصف کو لمبے بخار پہ چلا جانا پڑا۔"

وہ سمجھا تھا کہ فریدی بھی اس پر قہقہے لگائے گا.... لیکن خلاف توقع فریدی اس پر برس پڑا، اور مجبوراً حمید دوسری باتیں سوچنے لگا تاکہ اس کے لیکچر کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ ہی نہ سکے۔ ایسے مواقع پر حمید خوبصورت لڑکیوں کے متعلق سوچنے لگتا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 54

خونخوار لڑکیاں

(مکمل ناول)

قاسم اور وہ لڑکیاں

گرانڈیل احمق قاسم راجرس اسٹریٹ کے موڑ پر بڑی دیر سے ان دونوں لڑکیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اب تک درجنوں بار ان کا تعاقب کر چکا تھا۔ وہ لڑکیاں راجرس اسٹریٹ ہی میں کہیں رہتی تھیں لیکن قاسم ان کے گھروں سے ناواقف تھا۔ اس کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی کہ وہ راجرس اسٹریٹ کے اندر قدم بھی رکھتا۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں اس کے باپ کے کئی شناسا رہتے تھے اور قاسم اپنے باپ سے بھی زیادہ اس کے ہنٹر سے ڈرتا تھا اور ہنٹر بھی ایسا نامعقول تھا کہ صرف لڑکیوں ہی کے معاملے میں بہت زیادہ چاق و چوبند ہوجایا کرتا تھا۔ قاسم کی بیوی دراصل اس کے باپ کی بھتیجی تھی اور قاسم کا کہنا تھا کہ وہ اس کی سب کچھ ہوسکتی تھی لیکن بیوی کبھی نہیں ہوسکتی..... ہاں تو وہ ہنٹر صرف قاسم کی بیوی کے تحفظ کے لئے تھا۔

لیکن جسے کیپٹن حمید دھکا دے جائے اُسے ڈوبنے سے کون بچا سکتا ہے۔ قاسم آج کل دراصل اسی کی نصیحت پر عمل کر رہا تھا۔ یہ مشورہ اسی کا تھا کہ قاسم لڑکیوں کا تعاقب کیا کرے، کبھی تو کسی کا دل پسیجے گا۔ قاسم نے بھی سوچا ہرج ہی کیا ہے اس میں۔ کسی قسم کے دھوکے کا بھی امکان نہیں۔ دھوکے کا امکان اُس صورت میں ہوتا جب حمید یہ کہتا کہ ہم دونوں مل کر

لڑکیوں کا تعاقب کریں گے۔ اس پر تو وہ قیامت تک راضی نہ ہوتا کیونکہ کئی بار حمید کے ہ
پڑ کر اپنی حجامت بنوا چکا تھا۔

بہر حال قاسم نے ایک چھوڑ دو لڑکیوں کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ خیال یہ تھا کہ
نہیں تو دوسری ضرور پسیجے گی۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ پندرہ دن گذر جانے کے بعد بھی
نتیجہ برآمد نہ ہوا ہو۔

یہ دونوں لڑکیاں اُسے بہت اچھی لگتی تھیں۔ اچھے لگنے کی وجہ ان کی خوبصورتی نہیں
خوبصورت تو وہ تھیں ہی نہیں، بس یونہی معمولی سا ناک نقشہ تھا۔ قاسم کو وہ اس لئے پسند
تھیں کہ اس کے الفاظ میں ''خاصی تگڑی تھیں''۔

وہ صبح نو بجے ہی راجرس اسریٹ کے موڑ پر آ جایا کرتا تھا۔ حالانکہ لڑکیاں دس بجے
پہلے نہیں آتی تھیں۔

آج بھی وہ ٹھیک نو بجے ہی وہاں پہنچا تھا۔ مگر آدھے گھنٹے تک انتظار کرتے رہنے
بعد اچانک اُسے یاد آیا کہ آج تو اتوار ہے۔ وہ کالج نہیں جائیں گی۔ یہ سوچ کر قاسم کے د
میں اداسی کے بادل چھا گئے۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور دل ہی دل میں اپنے باپ
بُرا بھلا کہنے لگا۔ جس کی بدولت اُسے لڑکیوں کے پیچھے کتوں کی طرح مارا مارا پھرنا پڑتا تھا۔ اگر
اس نے اُس کی شادی کسی چھ فٹ اونچی اور کم از کم ڈھائی فٹ چوڑی عورت سے کی ہو
تو آج اُس کی زندگی بھی کسی گھریلو قسم کے شریف آدمی کی طرح بسر ہو رہی ہوتی۔

دبلی پتلی لڑکیوں سے اُسے اتنی نفرت ہوگئی تھی کہ وہ ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر
تھا خواہ وہ اندر کے اکھاڑے کی پریاں ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر کبھی کسی دبلی پتلی لڑکی پر نظر
پڑ جاتی تو وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر اس انداز میں بڑبڑانے لگتا جیسے اس کی ہڈیاں سلگ رہ
ہوں۔ ایسے مواقع پر اگر کوئی اس کے قریب ہوتا تو اُسے یہ الفاظ ضرور سنائی دیتے۔

''ایسی ہو تو مر ہی کیوں نہیں جاتیں۔ زمین کا بوجھ ہلکا کرو۔ خدا کرے ٹی بی ہو جائے
چولہے میں جاؤ'' وہ اسی طرح ناک سکوڑ سکوڑ کر بڑبڑاتا ہوا اس کے قریب سے گذر جاتا۔

اس وقت بھی وہ بڑبڑا رہا تھا۔ یعنی اپنے باپ کے متعلق زبان سے کچھ سوچ رہا تھا۔ اگر

وہ زبان سے بھی سوچنے لگتا تھا لیکن جس دن اُسے اس کی ذہنی حالت زبان سے سوچنے پر مجبور
کرتی تھی اُس دن کسی نہ کسی سے اس کا جھگڑا ضرور ہو جاتا تھا۔ وہ راجرس اسٹریٹ کے موڑ
سے ہٹ کر سڑک کی دوسری طرف کے فٹ پاتھ پر چلا گیا۔ سامنے ہی ایک کتاب فروش کی
دوکان تھی جس کے شوکیس میں چمچماتے ہوئے مغربی رسائل رکھے ہوئے تھے۔ وہ جھک کر اُن
کے سر اوراق کی نیم عریاں تصویریں دیکھنے لگا۔ ان میں کچھ رسائل کھیل کود سے متعلق بھی تھے
ایک پر اسے ایک گھونسہ باز کی تصویر نظر آئی جو اپنے ہاتھوں میں گھونسے بازی کے دستانے پہنے
ہوئے ایسے انداز میں کھڑا تھا جیسے اپنے حریف پر حملہ کرنے یا اس کا حملہ روکنے جا رہا ہو۔ تصویر
کو دیکھتے دیکھتے قاسم کی ذہنی رو بہک گئی اور وہ یہ بھول کر کہ ایک دوکان کے سامنے کھڑا ہے
تصویر ہی کا سا پوز بنانے لگا۔

دوکاندار نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ دو ایک راہگیر بھی رک گئے اور پھر اچانک قاسم کو
بھی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ اس نے عجیب طرح کا منہ بنایا اور پھر بوکھلائے ہوئے انداز
میں دوکاندار سے پوچھا۔

''قتنے..... کتنے قا..... ہے بھائی''۔

''کیا چیز جناب'' دوکاندار نے مسکرا کر پوچھا۔

اس کی مسکراہٹ قاسم کو زہر ہی لگی اور اُسے غصہ آ گیا۔

''ابے یہاں کتابوں اور کسالوں..... رسالوں کے علاوہ اور کیا ہے۔'' قاسم دہاڑا۔

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔'' دوکاندار نے بھی اپنے نتھنے پھلائے۔

قاسم کو اس کا لہجہ اتنا بُرا لگا کہ اُس نے اس کے سر پر دوہتھڑ رسید کر دیا۔

دوہتھڑ اور قاسم جیسے دیوزاد کا۔ خدا کی پناہ..... دوکاندار کے حلق سے ایک بیساختہ قسم کی
کراہ نکلی اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کے جان پہچان والے ہاں ہاں کر کے دوڑے..... اور
قاسم پینترا بدل کر کھڑا ہو گیا۔

کچھ تو وہ تھا ہی کریک اور کچھ اس بات کا خیال آ گیا تھا کہ نگاراں خوبرو کی گلی کے
سامنے آن نہ جانے پائے۔ ایک مجہول سے آدمی نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش

کی لیکن دوسرے ہی لمحے میں قاسم کا بھرپور تھپڑ اُسے سڑک پر لے گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ خاصا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ لوگوں نے چاروں طرف سے قاسم پر یورش کردی۔ قاسم جم کر لڑ تو تھا لیکن اپنے ہاتھی جیسے ڈیل ڈول کی بناء پر بھاگ نہیں سکتا تھا۔ حالانکہ جنگ مغلوبہ کی صور میں بھاگ نکلنا ہی زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔

دو ہی چار ہاتھ چلانے کے بعد قاسم کو خیال آیا کہ ایسے میں وہ دونوں لڑکیاں نہ آ جا اگر انہوں نے اسے اس طرح ہاتھا پائی کرتے دیکھ لیا تو یہی سمجھیں گی کہ وہ کوئی لوفر ہے۔ روکا بھکنا تھا کہ اس کے قالب میں سعادت مندی حلول کرنے لگی۔ ہاتھ سست پڑنے لگے ہے ایسی صورت میں پٹ جانے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ اب اُس پر چاروں طرف سے تھ اور گھونسے پڑنے لگے مگر وہ سب اس کے سامنے بالشتیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نیک نفس اور شریر ہاتھی کو چند شریر بچے چھیڑ رہے ہیں۔ قا ان کے وار اپنے بازوؤں پر روک روک کر انہیں اس انداز میں پیچھے دھکیل رہا تھا جیسے وہ سب کچھ مذاق ہی رہا ہو۔

پھر اچانک قریب ہی ایک دوسرا ہنگامہ شروع ہوگیا۔ شاید وہ اس سے بھی زیادہ اہم کیونکہ قاسم کی بھیڑ دوسری طرف بھاگنے لگی۔

دیکھتے ہی دیکھتے قاسم وہاں تنہا رہ گیا۔ لوگ اپنی دوکانیں چھوڑ چھوڑ کر مجمع کی طرف جا رہے تھے اور قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

وہ یوں بھی کافی لمبا تھا اور اس وقت فٹ پاتھ پر کھڑا تھا، جو سڑک سے تقریباً ایک ف اونچی ضرور رہی ہوگی۔ بہرحال وہ مجمع کے اندر کا حال بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

مجمع میں اُسے وہی دونوں لڑکیاں نظر آئیں...... مگر عجیب حال میں...... وہ پاگلو طرح اچھل اچھل کر ہاتھ میں آئی ہوئی چیزیں کلاک ٹاور کی طرف پھینک رہی تھیں۔ ا سینڈل، فاؤنٹین پین، سڑک پر پڑے ہوئے کیلے کے چھلکے، جو کچھ بھی ہاتھ لگا کلاک ٹاو گھڑی پر کھینچ مارا۔ ان کی زبان سے گالیوں کے طوفان امنڈ رہے تھے۔

قاسم بُری طرح بدحواس نظر آنے لگا لیکن اچانک اس کی کھوپڑی کی تاریکیوں میں ایک

خیال طلوع ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہیں انہوں نے اس کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے تو یہ سب کچھ نہیں کیا۔ عورت کے معاملے میں بڑے بڑے افلاطونوں کا منطقی شعور مردہ ہو جاتا ہے، پھر وہ بیچارہ تو پیدائشی ہونق تھا۔ یہ خیال اُسکے ذہن میں ابھرا اور پتھر کی لکیر کی طرح اٹل ہوگیا۔

خوابوں کے جزیرے کی پریاں اس کا سر سہلانے لگیں اور اس کے ریشے ریشے میں محبت انگڑائیاں لینے لگی۔ ان دونوں لڑکیوں کی محبت جنہوں نے مہذب اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بھی اسے بچانے کے لئے اس طرح رسوا ہونا گوارا کرلیا تھا۔ دریائے محبت جوش میں آیا اور قاسم بھیڑ کو چیرتا ہوا ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔

''بس بس جانے دیجئے۔ میں کیا ان سالوں سے ڈرتا ہوں۔'' قاسم خلاف عادت بہت روانی کے ساتھ بولا۔ ورنہ وہ لڑکیوں سے گفتگو کرتے وقت عموماً ہکلانے لگتا تھا۔

''ہاٹ...... سامنے سے۔'' ایک لڑکی نے اچھل کر اپنا ہاتھ گھما دیا اور وہ ہاتھ براہِ راست قاسم کے داہنے گال پر پڑا۔ دوسری طرف سے دوسری لڑکی نے حملہ کیا۔

''ہائیں...... ہائیں...... ارے......!'' قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اچانک ایک نے اچھل کر قاسم کے بال پکڑے اور پوری قوت سے نیچے کی طرف جھکانے لگی۔ اسے اس میں کچھ دشواری بھی نہیں ہوئی کیونکہ وہ ایک لڑکی تھی، ایسی لڑکی جس کا تعاقب وہ عرصے تک کرتا رہا تھا۔ وہ کوئی مرد نہیں تھا جسے قاسم کی ایک ہی ضرب موت کے گھاٹ اتار دیتی۔

قاسم ہکلاتا ہوا جھکتا چلا گیا۔ دوسری لڑکی اس کی پشت پر گھونسے برسانے لگی۔

لوگوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا...... قہقہے اور تالیاں......!

قاسم کا یہ عالم تھا کہ اب اس کی ہکلاہٹ بھی بند ہوگئی تھی۔ پھر اچانک پولیس آگئی جس کے ساتھ زنانہ فورس کی تین لڑکیاں بھی تھیں۔ حلقے کا تھانہ یہاں سے قریب ہی تھا اور آج کل ہر تھانے پر زنانہ فورس کی دو تین لڑکیاں ضرور رہتی تھیں۔ شہر کے حالات ہی کچھ ایسے تھے۔

ان لڑکیوں نے قاسم کا پیچھا چھڑایا اور انہیں ان وحشی لڑکیوں کو قابو میں لانے کے لئے بھی زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی کیونکہ پولیس کو دیکھتے ہی ان کی حالت میں حیرت انگیز تبدیلی ہوگئی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سوتے سوتے جاگ پڑی ہوں اور اب ان کے

چہرے پر خوف کے آثار بھی نظر آنے لگے تھے۔

"آپ کون ہیں؟" سب انسپکٹر نے قاسم سے پوچھا جسے اپنے کپڑے جھاڑنے تک ہوش نہیں تھا۔

"مم......میں......!" قاسم تھوک نگل کر رہ گیا۔

"میں بتاتا ہوں۔" ایک آدمی بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے آیا۔ یہ وہی دوکاندار تھا جس کے پر قاسم نے کچھ دیر قبل دوہتڑ رسید کیا تھا۔

"جناب......!" اس نے سب انسپکٹر سے کہا۔ "یہ حضرت بھی پاگلوں کی سی حرکتیں کررہے تھے۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ دو تین آدمیوں کو مارا تھا۔ آپ دوسروں سے دریافت کرسکتے ہیں۔"

"ابے بھاگ......تو نے بھی تو......بدتمیزی کی تھی۔" قاسم ہانپتا ہوا دہاڑا۔

"دیکھا آپ نے......کیا یہ شریفوں کی طرح گفتگو کررہے ہیں۔" دوکاندار نے سب انسپکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بس چلے جاؤ......ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔" دفعتاً سب انسپکٹر نے قاسم کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"آپ بھی ذرا ہوش ہی میں رہئے گا، جی ہاں۔ میں کسی بنئے کا لونڈا نہیں ہوں۔"

"چلو......!" سب انسپکٹر نے اپنے ساتھیوں کیطرف مڑ کر بولا۔ "انہیں گاڑی میں بٹھاؤ۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔" قاسم دہاڑا۔ "تم مجھے اس طرح نہیں لے جاسکتے۔ میں اپنی کار میں جاؤں گا۔"

"تمہاری کار......شاید ابھی دماغ قابو میں نہیں آیا۔" سب انسپکٹر تلخ سی ہنسی کیساتھ بولا۔

"کیا تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔" قاسم غرایا۔ "تم مجھے اس طرح نہیں لے جاسکتے۔ اگر میری کار غائب ہوگئی تو تم زندگی بھر کمانے کے بعد بھی اس کی قیمت ادا نہ کرسکو گے......ہاں۔"

"یہ حقیقت تھی کہ قاسم یہاں تک اپنی شاندار بیوک میں آیا کرتا تھا اور اُسے راجرس اسٹریٹ سے ایک فرلانگ پیچھے چھوڑ کر خود پیدل یہاں تک آتا اور لڑکیوں کی آمد کا منتظر رہتا۔

جیسے ہی وہ لڑکیاں راجرس اسٹریٹ سے نکل کر سڑک پر آتیں انکا تعاقب بھی پیدل ہی ہوتا تھا۔

"دھکا دے کر گاڑی میں بٹھاؤ۔" سب انسپکٹر اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر گرجا۔

"پچھتانا پڑے گا۔ میں بتائے دیتا ہوں۔" قاسم ہوا میں مکا ہلاتا ہوا بولا۔ "میں کہتا ہوں کہ میں اپنی گاڑی ہی میں بیٹھ کر کہیں جاسکتا ہوں۔"

سب انسپکٹر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "کہاں ہے گاڑی۔"

"اُدھر......!" قاسم نے مجمعے کے اوپر سے مخالف سمت میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

سب انسپکٹر نے ایک کانسٹیبل کو ساتھ جانے کا اشارہ کیا۔ قاسم آگے بڑھ کر لوگوں کو ہٹاتا ہوا نکلا چلا گیا۔ لیکن اب اس کے حواس گم تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ اُسے تھانے لے جائیں گے، بات بڑھے گی، پھیلے گی پھر اگر اُس کے باپ کے کانوں تک یہ خبر گئی تو بارات ہی چڑھ جائے گی۔

چمڑے کا ہنٹر قاسم کی آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگا۔ معاملہ لڑکیوں کا تھا وہ اپنی کار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ کانسٹیبل بھی قریب پہنچ گیا تھا، وہ اسے اس شاندار بیوک کے قریب رکا ہوا دیکھ کر جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا۔

"تم کس کے ڈرائیور ہو......!" اس نے قاسم سے پوچھا۔

"ہائیں......ڈرائیور......!" قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "میں اپنا ڈرائیور ہوں۔ اب تم سے کیا بات کروں، اپنے سب سے بڑے آفیسر کے پاس لے چلو۔"

"آئی جی صاحب آج کل دورے پر ہیں۔" کانسٹیبل نے احمقانہ انداز میں کہا۔

"کون بائی جی۔"

"آئی۔ جی......آئی جی۔"

"کوئی بھی ہوں، مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔" قاسم غرایا۔ لیکن ذہنی طور پر وہ اس وقت ایک خرگوش سے بھی بدتر ہو رہا تھا۔ اچانک ایک خیال بڑی تیزی سے اُس کے ذہن میں ابھرا اور اس نے کانسٹیبل سے کہا۔

"میں فون کرنا چاہتا ہوں۔"

"دیر ہو رہی ہے، داروغہ جی مجھے کھا جائیں گے۔"

"میں تمہیں مالا مال کردوں گا پیارے......بس دو منٹ......میرے ساتھ سامنے ریستوران تک چلو۔"

"دیر نہ کیجئے گا۔"

"نہیں پیارے اللہ قسم......!"

قاسم تیزی سے سڑک پار کرنے لگا۔ اس وقت بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کوٹنے والے انجن میں تیز رفتاری پیدا ہوگئی ہو۔ کانسٹیبل سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا تھا۔ قاسم اتنا بدحواس تھا کہ اس نے ریستوران میں پہنچ کر کاؤنٹر کلرک کی اجازت کے بغیر نمبر ڈائیل کرنے شروع کردیئے۔

"ہیلو......!" وہ ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ اس کی آواز حلق کے بجائے بلغم بھرے ہوئے پھیپھڑوں سے نکلتی معلوم ہو رہی تھی۔

"ہیلو! کون صاحب بول رہے ہیں۔ کون حمید بھائی......آہا......میں بول رہا ہوں قاسم قاسم!......خدا کے لئے مجھے بچاؤ......میں گرفتار ہوگیا ہوں۔ یہ لوگ مجھے پرنسٹن تھانے میں لے جارہے ہیں۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یہاں سے۔"

"ابے کہاں سے......جگہ کا نام......ڈیوٹ......!"

"میں ڈیوٹ......میرا باپ ڈیوٹ......حمید بھائی......بس آجاؤ۔ میں راجرس اسٹریٹ کے قریب والے ریستوران کیا نام ہے......کیانم......کیفے جلٹھنڈے سے بول رہا ہوں یار کچھ گھپلا ہوگیا ہے۔ دو لڑکیاں بھی ہیں۔"

"ارے! تو کیا وہ تم ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "وہی لڑکیاں تو نہیں جنہوں نے کلاک ٹاور پر پتھر برسائے ہیں۔"

"وہی......وہی......اللہ قسم حمید بھائی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ خودکشی کرلوں۔"

"میری موجودگی میں آپ ایسا نہیں کرسکتے۔" پیچھے کھڑے ہوئے کانسٹیبل نے کہا۔

"اماں نہیں بھائی میں مذاق کررہا تھا۔" قاسم نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر کہا۔

"کیا......؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"مجھے بچاؤ......حمید بھائی۔"

"تم گدھے ہو، میرا وقت برباد نہ کرو۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"خدا تمہیں غارت کرے۔" قاسم ریسیور رکھ کر کانسٹیبل کی طرف پلٹا۔ چند لمحے اسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم نے بیچ میں بول کر کباڑا کردیا۔"

"میں نے کیا کیا۔" کانسٹیبل کی تیوریاں بھی چڑھ گئیں۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ میں مذاق کررہا ہوں......وہ سمجھا شاید میں نے اس سے کہا ہے۔ اب وہ نہیں آئے گا۔"

"کون نہیں آئے گا۔"

"محکمہ سراغ رسانی کا کیپٹن حمید۔"

"آپ انہیں کیا جانیں۔"

"کیوں نہ جانوں......تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے۔"

"اچھا چلئے......دیر ہو رہی ہے۔"

قاسم نے جھنجھلا کر اُسے ایک موٹی سی گالی دینی چاہی لیکن یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ موٹی سی عقل اس موٹی سی گالی پر غالب آگئی۔ چونکہ کانسٹیبل کی بالائی منزل کی چھت سرخ رنگ کی تھی اور قاسم اسے عینک کے بغیر بھی صاف دیکھ سکتا تھا، اس لئے اُس کے منہ سے گالی نہ نکل سکی، ہوسکتا ہے بچپن میں وہ سرخ پگڑیوں سے خوف ہی کھاتا رہا ہو۔ سب انسپکٹر کی خاکی پگڑی سے وہ ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔

بہرحال تھوڑی دیر بعد وہ اپنی کارسمیت پرنسٹن کے تھانے میں پہنچ گیا۔

انچارج نے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر وہ اُن دونوں لڑکیوں کی طرف متوجہ ہوا جو بہت زیادہ خائف اور ساتھ ہی ساتھ شرمندہ بھی نظر آرہی تھیں۔ لیکن اُس

نے اُن سے کسی قسم کے سوالات نہیں کیئے۔ قاسم سے بھی کچھ نہیں پوچھا۔ ایسا معلوم ہو
جیسے وہ کسی کا منتظر ہو۔

قاسم بار بار ان دونوں کو گھورنے لگتا تھا۔ وہ الجھن میں تھا۔ الجھن کی بات ہی تھی۔ سمجھا تھا کہ انہوں نے یہ حرکت محض اس لئے کی ہے کہ لوگ اس کا پیچھا چھوڑ کر اُن کی طر متوجہ ہو جائیں، مگر پھر اُسے انہیں کے ہاتھوں پٹنا پڑا تھا۔ اس کا ذہن ان کے اس رویہ کو معنی نہ پہنا سکا۔

"ہمیں کچھ کہنا ہے۔" اچانک ایک لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں انچارج سے کہا۔

"مجھے سننا آتا ہی نہیں۔" انچارج بے رخی سے بولا اور قاسم کو غصہ آ گیا۔ وہ ان لڑکی کی توہین کیسے برداشت کر لیتا جن کا تعاقب اتنے دنوں سے کرتا رہا تھا۔ غصے میں اس کی زبا ذرا کم لڑکھڑاتی تھی۔ اس لئے وہ اپنے مخصوص انداز میں دہاڑا۔

"آپ کو سننا پڑے گا۔"

"بس آپ تو خاموش ہی بیٹھے رہئے۔" انچارج نے خشک لہجے میں کہا۔ "اگر کرنل فرید صاحب نے آپ کو بھی روک کے رکھنے کے لئے نہ کہا ہوتا تو آپ کہیں اور ہوتے۔"

"کہاں ہوتا...... پھانسی کے تختے پر۔" قاسم نے لڑکیوں کی طرف کنکھیوں سے دیک ہوئے کہا۔ "میں ہر وقت سینے پر گولی کھانے کے لئے تیار رہتا ہوں۔"

جنس مقابل کی موجودگی میں اچھے اچھے شیخیاں بگھارنے کے سلسلے میں اکثر انتہائی بچ پنے کی باتیں کرنے لگتے ہیں، قاسم تو بیچارا تھا ہی ڈیوٹ۔

قاسم کی اس حماقت پر دو چار کو ہنسی آ گئی اور کچھ اُسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگے جن میں انچارج بھی شامل تھا۔ لیکن اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی قاسم اچھل کر کھڑا ہو کیونکہ اس نے کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔

پھر سب ہی کھڑے ہو گئے۔ فریدی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دونوں لڑکیوں طرف دیکھنے لگا۔ حمید قاسم کو گھور رہا تھا۔ لیکن قاسم کا یہ عالم تھا کہ مسکرانے کے لئے اس ہونٹ ناکافی تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ سارے جسم پر ہونٹ ہی ہونٹ بن جائیں، اور

ہوں پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ ہو۔ اس مسکراہٹ میں ایک خاموش چیلنج بھی تھا۔ "ابے دیکھ ایک چھوڑ دو لڑکیاں۔"

دھونس جمانے والی

حمید کو بھی دراصل اسی بات پر حیرت تھی۔ ایک چھوڑ دو لڑکیاں اور وہ بھی ایسی، جو قاسم کے معیار پر سو فیصد پوری اترنے والی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قاسم کو کب سے اس کا سلیقہ ہوا۔ ان معاملات میں وہ اسے بالکل گاؤدی تصور کرتا تھا۔

فریدی اُس سب انسپکٹر سے واقعات سن رہا تھا، جس نے انہیں موقعہ واردات پر پکڑا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی اس نے پھر اُن لڑکیوں کی طرف دیکھا لیکن پھر فوراً ہی قاسم کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میرے ساتھ آؤ......" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ قاسم بوکھلا کر ایک کرسی کے پائے سے الجھ کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس بار اُن خوفزدہ لڑکیوں کے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی۔

قاسم خود ہی اٹھا کسی نے اُس کی مدد نہیں کی۔ فریدی ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جو خالی تھا، قاسم گرتا پڑتا وہاں پہنچا۔ اس کے بعد ہی حمید بھی پہنچ گیا۔

"یہ لڑکیاں تمہارے ساتھ تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"س س...... ساتھ...... نہیں تو...... الگ تھیں...... الاقسم بالکل الگ۔"

"میں پوچھ رہا ہوں اس واقعے سے پہلے تم تینوں کہاں تھے۔"

"م...... میں...... ایک بک اسٹال پر تھا اور وہ نہ جانے کہاں تھیں۔ میں نہیں جانتا۔"

"مجھ سے بھی جھوٹ بولو گے، حالانکہ میں تمہارے حق میں تمہارے باپ سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہوں۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

"پھر تم نے ایک بک اسٹال والے سے جھگڑا کیوں کیا تھا۔"

"اس نے بدتمیزی کی تھی۔"

"تم ان لڑکیوں کو نہیں جانتے۔"

"جی نہیں۔"

"پھر ان میں کیوں جا کودے تھے۔"

قاسم نے دانتوں میں انگلی دبائی اور شرمیلے انداز میں سر جھکا کر مسکرانے لگا۔

"بولو......!" فریدی جھنجھلا گیا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"میں......میں......حمید بھائی کو بتادوں گا۔" قاسم نے شرمیلے انداز میں کہا۔

"ہاں......حمید بھائی تمہاری سہیلی ہیں نا۔" حمید بولا۔

"کیا......!" قاسم آنکھیں پھاڑ کر حمید کی طرف پلٹا۔ "کیا کہا تم نے سہیلی......گیا لونڈیا ہوں۔ میرے ٹھینگے پہ گیا سالا تھانہ وانہ......مت سفارش کرنا۔ پھانسی تھوڑا ہی ہو جائےگی

"قاسم......!" فریدی کی آواز کمرے میں گونجی۔

"جی ہاں......آپ اسے منع نہیں کرتے۔"

"میں کیا پوچھ رہا ہوں تم سے۔"

"پوچھیئے۔" قاسم کا موڈ بگڑ گیا۔ "مجھے کسی کا ڈر نہیں پڑا ہے۔ میں نے ایک ناول پڑھا تھا کہ محبت کرنا جرم نہیں ہے......جی ہاں!"

"قاسم......!" دفعتاً فریدی نرم پڑ گیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے سب کچھ بتا دو۔ تم بچے ہو۔ جیل کی سختیاں برداشت کر لو گے۔ مگر وہ بیچاریاں......تمہیں ان پر ضرور رحم آنا چاہئے"

"پھر بتایئے میں کیا کروں۔" قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "کہاں وہ گرج رہا تھا کہاں اب اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ ذہنی رو بہکنے اور اُس کے جسمانی ردعمل میں دیر ہی نہیں لگتی تھی۔

"مجھے سب کچھ بتا دو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "وہ تمہیں کب اور کہاں ملی تھیں۔ تم انہیں کب سے جانتے ہو۔ اس واقعے سے پہلے تم تینوں کہاں تھے۔"

"وہ مجھے آج سے پندرہ دن پہلے ملی تھیں۔ میں انہیں پندرہ دن سے جانتا ہوں۔ ان اتفاقات سے پہلے میں بکسٹال پر تھا اور وہ دونوں نہ جانے کہاں تھیں۔ الاقسم میں نہیں جانتا۔"

"اس سے پہلے تم تینوں کہاں ملتے رہے ہو۔"

"راجرس اسٹریٹ کے موڑ پر......پھر میں انہیں کالج پہنچا کر واپس ہو جایا کرتا تھا......وہ گاتا ہے نا......محبت اثر کرتی ہے، دھیرے دھیرے۔"

دفعتاً حمید نے فریدی سے کہا۔ "آپ جایئے......یہ معاملہ آپ کے بس کا نہیں ہے۔"

فریدی چند لمحے قاسم کو گھورتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

حمید نے قاسم کے بازو سہلانے شروع کر دیئے اور قاسم اس طرح منہ پھیلائے کھڑا رہا جیسے کوئی بدسلیقہ اور پھوہڑ بیوی اپنے فدوی قسم کے شوہر سے نخرے کرتی ہے۔

"یار تم بڑے خوش قسمت ہو۔" حمید نے کہا۔ "تمہیں ویسی ہی لڑکیاں مل گئیں جیسی تم چاہتے تھے۔ مگر تم دو کیا کرو گے، ایک میری رہی کیوں؟"

"نہیں......یہ نہیں ہو سکتا۔" قاسم غرایا۔

"ان میں سے ایک کچھ دبلی ہے اور بیمار بھی معلوم ہوتی ہے۔"

"بکواس ہے، میں یقین نہیں کر سکتا۔ ہوگی بیمار......تمہاری بلا سے۔ ایک بھی نہیں مل سکتی۔"

"پھر بھی دو کیا کرو گے۔"

"اپنی قبر میں لے جاؤں گا۔ تم سے مطلب......!"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں تمہاری بیوی اور باپ کو فون کر کے یہیں بلوائے لیتا ہوں۔"

حمید دروازے کیطرف مڑا لیکن دوسرے ہی لمحے میں قاسم نے جھپٹ کر اسکی کمر پکڑ لی۔

"نہیں......میں انہیں بلاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں گھپلا کرتے ہو یار......حمید بھائی۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اچھا دبلی والی تم لے لو......الاقسم لے لو۔"

"مگر اُس پر قبضہ کرنے سے پہلے میں یہ بھی معلوم کرنا چاہوں گا کہ ان دونوں نے تمہیں

کیوں پیٹنا شروع کر دیا تھا۔"

"حمید بھائی یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔" قاسم تشویش کن لہجے میں بولا۔ "پہلے انہ
ہلڑ مچایا۔ اسی لئے ہلڑ مچایا کہ لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ پھر جب م
شکریہ ادا کرنے کے لئے قریب گیا تو وہ مجھ پر الٹ پڑیں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر پوچھا۔ "کیا اس سے پہلے بھی کبھی تم نے ان سے گفتگو کی؟"

"میں چپکے چپکے محوبت کر رہا تھا...... محوبت ایسے ہی ہوتی ہے، حمید بھائی۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا...... مجھے پورا واقعہ بتاؤ کہ تم نے اُن سے کس طرح محبت شر
تھی۔" قاسم نے بڑی روانی کے ساتھ پندرہ روز کی رپورٹ دی۔

اور حمید بے ساختہ لاحول پڑھ کر اُسے بُرا بھلا کہنے لگا۔

"پھر کیا کرتا۔" قاسم جھنجھلا کر بولا۔ "کیا اُن کے گھر میں گھس جاتا۔"

"اُن کے گھر دیکھ لئے ہیں تم نے۔"

"نہیں...... کیا ضرورت تھی...... وہ کیا شعر ہے...... ترے نام پر مٹا ہوں، مجھے کیا
ہے جہاں سے۔"

"نشاں سے......!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"نہیں جہاں سے...... کیا تم مجھے جاہل سمجھتے ہو۔" قاسم جھلا کر بولا۔

"ختم کرو...... میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"یعنی تم مجھے جیل جانے دو گے۔"

"نہیں میں تمہیں پھانسی دلوا کر تمہاری بیوی سے عقد کر لوں گا۔"

"کیا...... ذرا زبان سنبھال کر۔" قاسم چنگھاڑا۔ "گدی سے زبان کھینچ لوں گا۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ "تم دونوں باہر جاؤ اور ان
سے ایک لڑکی کو یہاں بھیج دو۔"

"یہ کچھ بھی نہیں جانتا۔" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "صرف ان دو
تعاقب کیا کرتا تھا۔"

"اونہہ...... ختم کرو...... جاؤ۔"

حمید اور قاسم کمرے سے چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک لڑکی آئی۔

"بیٹھ جاؤ......!" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکی بیٹھ گئی۔ وہ بہت زیادہ خائف نظر آ رہی تھی۔ اُس نے ایک بار بھی فریدی کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

"تمہارا کیا نام ہے۔" فریدی نے پوچھا لیکن لڑکی جواب دینے کی بجائے رونے لگی۔

اور پھر اُس نے بدقت کہا۔ "ہمیں...... معاف...... کر دیجئے۔"

"ہاں...... ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں معاف کر دیں لیکن اُسی صورت میں جب ہمیں اس پاگل پن کی وجہ معلوم ہو جائے۔"

لڑکی سسکیاں لیتی رہی اور فریدی اس کے جواب کا منتظر رہا۔

اچانک ایک آدمی کمرے میں درآنہ گھستا چلا آیا۔ ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔

اُسے دیکھتے ہی لڑکی کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر پھر سسکیاں لینے لگی۔

"میں اس طرح چلے آنے کی معافی چاہتا ہوں کرنل فریدی۔" آنے والے نے کہا۔

"کوئی بات نہیں جناب...... فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ لیکن اُس کی عقابی آنکھیں بڑے معنی خیز انداز میں اُسکے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

آنے والا یہاں کا سٹی مجسٹریٹ تھا اور فریدی اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔

"میری بھانجی ہے۔" آنے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا آپ کو واقعات کا علم ہو چکا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہو چکا ہے...... کیا میں توقع کروں کہ آپ میری عزت کا پاس کریں گے۔"

"آپ کی عزت میری عزت ہے جناب۔" فریدی نے خاکسارانہ لہجے میں کہا۔

"مگر آپ مجھے اس کی اجازت تو دے ہی دیں گے کہ میں اسکی وجہ دریافت کر سکوں۔"

"وجہ تو ڈاکٹر بھی نہیں دریافت کر سکے کرنل۔" سٹی مجسٹریٹ نے کہا۔ "ویسے اُن کا خیال

ہے کہ یہ کسی قسم کا دورہ ہے۔"

"لیکن ان دونوں پر بیک وقت ایک ہی قسم کا دورہ...... میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"میں خود بھی الجھن میں ہوں۔" سٹی مجسٹریٹ بولا۔ "میں نے بھی یہی سنا تھا کہ یہ دو

"جی ہاں......!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اچھا...... وہ دوسری لڑکی کون ہے۔"

"اسی کی کلاس فیلو...... وہ بھی پڑوسی ہی ہے...... میں درخواست کروں گا کہ اس کو آگے نہ بڑھائیے۔"

"میں نے اب تک اس معاملے کو آگے نہیں بڑھایا۔ لیکن آپ خود سوچئے اس قسم واقعات جب اکٹھا ہو جائیں تو مجھ جیسے آدمی کو ضرور تشویش ہوگی۔"

"میں سمجھتا ہوں کرنل...... مجھے علم ہے کہ شہر میں ایسے کئی واقعات ہو چکے ہیں۔"

"اچھا...... مجھے صرف یہی بتا دیں کہ انہوں نے کلاک ٹاور پر اپنا غصہ کیوں اتارا۔"

"سائرہ......!" دفعتاً سٹی مجسٹریٹ نے لڑکی کو مخاطب کیا لیکن اس کے ہاتھ چہرے ہی پر جمے رہے۔

"سائرہ...... تم سے جو کچھ پوچھا جا رہا ہے...... بتاؤ۔" سٹی مجسٹریٹ نے سخت لہجے میں

"مجھے نہیں معلوم...... میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے یاد نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

"تو تم میری بے عزتی کراؤ گی...... کیوں!"

لڑکی نے اور زیادہ تیزی سے رونا شروع کر دیا۔

"بہتر ہے آپ انہیں اس وقت گھر ہی لے جائیے۔" فریدی بولا۔

"مگر اس دوسری لڑکی سے بھی تھوڑی سی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"دونوں ساتھ ہی جائینگی۔" سٹی مجسٹریٹ نے کہا۔ "آپکو جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیجئے"

"آپ کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "انہیں لے جائیے۔ پھر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔

سٹی مجسٹریٹ لڑکی کو کرسی سے اٹھا کر باہر لے جانے لگا۔ گھنٹی کی آواز پر ایک کانسٹیبل اندر آیا۔ فریدی نے اس سے دوسری لڑکی کو لانے کو کہا۔

دوسری لڑکی اندر آئی، لیکن اب اُس کے چہرے پر خوف و خجالت کی بجائے غصے کے آثار تھے۔ فریدی سمجھ گیا کہ سٹی مجسٹریٹ کا سہارا مل جانے کی وجہ سے اب کوئی نئی کروٹ لینے والی ہے۔ ویسے بھی صورت سے وہ کافی ذہین اور فتنہ پرداز معلوم ہوتی تھی۔

"بیٹھ جائیے۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ اُس لفنگے کو بچانا چاہتے ہیں، میں سمجھتی ہوں، مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کی جان پہچان والا ہے۔"

"دوسری بات آپ نے غلط نہیں کہی...... لیکن پہلی بات میں سننے کے لئے تیار نہیں۔"

"وہ بہت دنوں سے ہمارا تعاقب کیا کرتا تھا۔ آج ہم نے پیٹ دیا اور یہ بالکل بکواس ہے کہ ہم نے کلاک ٹاور پر پتھر چلائے تھے۔ آپ اُسے بچانے کیلئے ہمارے خلاف کیس بنا رہے ہیں۔"

"بہت خوب۔" فریدی اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"لیکن کچھ دیر قبل آپ لوگ معافی کس بات کی مانگ رہی تھیں۔ روئی کیوں تھیں؟"

"یہ بھی سراسر جھوٹ ہے...... بکواس ہے۔"

"میں ہار گیا بھئی۔" فریدی ہنسنے لگا۔ "تم جا سکتی ہو۔"

"یوں نہیں...... اس موٹے کے خلاف ہماری رپورٹ درج کی جائے۔"

"اچھا......!" فریدی جیب سے فاؤنٹین پن نکالتا ہوا بولا۔ "بولو...... کیا لکھوں۔" اس نے اپنی نوٹ بک کھول لی تھی۔

"میں تھانے کے روزنامچے پر رپورٹ چاہتی ہوں مسٹر۔"

"اچھا...... اچھا...... لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم دونوں ننگے پیر کیوں ہو...... وہ تمہارے سینڈل بھی ہضم کر گیا۔"

لڑکی ٹپٹا گئی۔ لیکن پھر فوراً ہی بولی۔ "ہم نے سینڈلوں سے اس کی مرمت کی تھی۔"

"ہاں! ہو سکتا ہے لیکن کسی کو پیٹنے کے لئے صرف ایک ہی جوتا اتارا جاتا ہے، دونوں نہیں۔ کیونکہ ایک ہاتھ اپنے بچاؤ کے لئے بھی خالی رکھا جاتا ہے۔ کیوں......؟"

اس نے فوراً ہی جواب دینے کی کوشش نہیں کی اور فریدی اُسے بولنے کا موقع دیئے بغیر

بولا۔ ''دفع ہو جاؤ...... لیکن یہ نہ سمجھنا کہ قانون کی آنکھیں بند ہیں۔ تم شوق سے خلاف رپورٹ درج کرادو، لیکن خود مجسٹریٹ صاحب کا کہنا ہے کہ تم دونوں کسی ذہنی مبتلا ہو۔''

''غلط......!''

''قطعی غلط ہے...... حقیقت کیا ہے، اسے دریافت کرنا میرا کام ہے...... جاؤ۔''

وہ فریدی کی نظروں کی تاب نہ لاکر وہاں سے اٹھ گئی اور فریدی بھی اُس کے اٹھا۔ وہ اس کمرے میں آئے جہاں سائرہ اور سٹی مجسٹریٹ، قاسم اور حمید سمیت موجود تھے

سائرہ کی ساتھی نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے مگر خاموش ہی رہ گئی۔

''آپ اگر کچھ دیر ٹھہریں تو میں مشکور ہوں گا۔'' فریدی نے مجسٹریٹ سے کہا۔

''ضرور...... ضرور......!''

''انہیں آپ گھر جانے دیں۔'' وہ لڑکیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

''نہیں...... میں انہیں ساتھ ہی لے جاؤں گا۔''

''اچھا تو پھر...... ہمیں کہیں...... معاف کیجئے گا...... میں آپ کو تکلیف دے رہا اگر آپ پھر اسی کمرے تک چل سکیں تو......!''

''اوہ...... ہاں...... ہاں......!'' مجسٹریٹ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں پھر اسی کمرے میں آئے جہاں کچھ دیر قبل دونوں میں گفتگو ہوچکی مجسٹریٹ کے چہرے پر الجھن اور شرمندگی کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جلد جلد وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہو۔

فریدی چند لمحے اُسی کے بولنے کا منتظر رہا لیکن مجسٹریٹ کی آنکھیں اوپر نہیں اٹھ تھیں۔ آخر فریدی نے پوچھا۔ ''کیا گھر پر بھی کبھی اس قسم کا دورہ پڑنے کا اتفاق ہوچکا ہے؟''

''جی ہاں...... صرف ایک بار۔ شاید پچھلے ہی ہفتہ کی بات ہے۔''

''کیا آپ مجھے اُس کے متعلق کچھ بتانا پسند کریں گے۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' مجسٹریٹ نے مضمحل آواز میں کہا۔ ''اُس نے اپنے ایک بزرگ

جبکہ وہ بہت زیادہ احترام کرتی ہے کتابیں کھینچ ماری تھیں۔ پھر چُھری لے کر دوڑی تھی۔ اُن سے صرف اتنی غلطی سرزد ہوئی تھی کہ وہ اُسکی اجازت حاصل کئے بغیر اسکے کمرے میں چلے گئے تھے۔''

''اوہو...... او......!'' فریدی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔

''وہ چھری لے کر دوڑی۔ لیکن ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے وہ یک بیک ہوش میں آگئی ہو۔''

''یعنی اُس نے چھری پھینک دی ہوگی۔'' فریدی بولا۔

''جی ہاں...... چند لمحے کھڑی حیران حیران چاروں طرف دیکھتی رہی پھر اُن کے قدموں پر گر کر رونا شروع کر دیا۔''

''ہوں......!'' فریدی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''اچھا...... اُس دوسری لڑکی کے متعلق بھی کچھ معلوم ہو سکے گا۔''

''نہیں...... اسکے متعلق میں کچھ نہیں جانتا۔'' مجسٹریٹ نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

فریدی سمجھ گیا کہ وہ اس کے استفسارات کو لغو اور غیر ضروری سمجھ رہا ہے لہٰذا اُس نے کہا۔ ''میں اُسے کسی قسم کا مرض سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ شہر میں اب تک اس قسم کی تیس یا چالیس وارداتیں ہوچکی ہیں۔ پچھلے ہفتے ایک لڑکی نے ایک دوکاندار کو چاقو مار دیا تھا آپ خود سوچئے۔ کیا پہلے بھی کبھی اس قسم کی وارداتیں ہوئی ہیں اور دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ مرض ابھی تک نچلے طبقے کی عورتوں یا لڑکیوں میں نہیں پایا گیا۔ میں اس سلسلے میں شہر کے بہترین ڈاکٹروں سے بھی گفتگو کر چکا ہوں۔ وہ اس قسم کے مرض کے وجود سے انکار کرتے ہیں جس کا حملہ چشم زدن میں ہو کر سائے کی طرح گزر جاتا ہو۔ اب تک کی رپورٹ یہ ہے کہ ایسی کیفیت کسی بھی لڑکی پر دو منٹ سے زیادہ طاری نہیں رہی۔ بعض حالات میں یہ وقفہ آدھے منٹ سے بھی کم کا پایا گیا ہے۔ کئی لڑکیوں کا طبی معائنہ بھی کیا گیا لیکن کسی ذہنی مرض کی علامات اُن میں نہیں پائی گئیں۔''

مجسٹریٹ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی اس نے کہا۔

''پھر آخر یہ سب کیا ہے۔ اب تک کئی ڈاکٹر سائرہ کو دیکھ چکے ہیں۔ ان کا بھی یہی خیال

ہے کہ وہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا نہیں ہے۔“

”پھر آپ بتائیے! یہ چیز میرے لئے الجھن کا باعث ہو سکتی ہے یا نہیں۔“ فریدی نے کہا۔”میں اس سے پہلے بھی ایک بار ایک مرض ہی کے سلسلے میں الجھنوں کا شکار ہو چکا ہوں۔ شاید آپ کو یاد ہو...... وہ ناخن اکھاڑ دیتا۔ مرنے والوں کے ناخن گوشت چھوڑ کر اوپر آ جاتے تھے۔ آپ کو اس سلسلے میں یہ بھی یاد ہوگا کہ......!“

”جی ہاں مجھے یاد ہے۔ وہ ڈاکٹر ڈاخ والا کیس...... اچھی طرح یاد ہے۔“

”پھر آپ بتائیے...... میں اپنی تشویش کے معاملے میں حق بجانب ہوں یا نہیں۔ اچھا دوسری لڑکی کا کیا نام ہے۔ کیا آپ مجھے اس کا پتہ بتا سکیں گے۔“

”اس کا نام روحی ہے اور وہ راجرس اسٹریٹ کی اٹھارویں کوٹھی میں رہتی ہے۔“

”شکریہ۔“ فریدی نوٹ بک میں اس کا نام اور پتہ لکھتا ہوا بولا۔”ظاہر ہے کہ وہ اچھے ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہوگی۔“

”جی ہاں...... خان بہادر سجاد کی لڑکی ہے۔“

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔”تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ مطمئن رہیں۔ اس واقعے کی پبلسٹی نہ ہونے پائے گی۔“

”شکریہ......!“

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں لڑکیوں سمیت چلا گیا۔ قاسم بہت اداس نظر آ رہا تھا۔ فریدی اس سے کچھ نہیں بولا البتہ اس نے حمید کو الگ بلا کر کہا۔”دوسری لڑکی کا نام روحی ہے۔ اٹھارہ راجرس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔“

”اور پہلی......!“

”وہ ہمارے کام نہ آ سکے گی‘ کیونکہ کچھ بیوقوف سی ہے۔ تم جانتے ہو کہ بیوقوف آدمی سے کچھ معلوم کرنا آسان نہیں ہے۔ روحی ذہین بھی ہے اور چالاک بھی۔ اس لئے وہ مل جائے گی۔ کیا سمجھے۔“

---

۱ اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول ”تاریک سائے“ ملاحظہ فرمائیے۔

ایاز اور چینی

حمید کو آج کل لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی ورنہ وہ اس موقع پر خوشی سے ناچنے لگتا کیونکہ آج خود فریدی ہی اُسے ایک لڑکی کے پیچھے لگا رہا تھا۔

پھر فریدی اُسے وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ قاسم کے خلاف کسی نے کوئی باقاعدہ رپورٹ نہیں لکھوائی تھی۔ اس لئے اُسے بھی گلوخلاصی حاصل ہوگئی۔ ویسے اُسے اطمینان تھا کہ حمید کی موجودگی میں کوئی اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔

تھانے سے نکلتے ہی اس نے چہکنا شروع کر دیا۔ حمید نے اس کی کار سنبھال لی تھی۔

”بیٹے قاسم اُن میں سے ایک سٹی مجسٹریٹ کی بھانجی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”وہ تمہاری والی نا! جو کچھ دُبلی سی ہے۔“

”میری والی......!“ حمید نے حیرت سے کہا پھر آہستہ سے بولا۔”مجھے آج کل لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔“

”تمہاری مرضی......!“ قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔”میں نے تو اجازت دے دی تھی۔“

”ہائیں! ابے قاسم کیا دماغ خراب ہوا ہے۔ تم اور مجھے اجازت دو گے۔ کیا تم ٹھیکیدار ہو ان لڑکیوں کے۔“

”تم گھپلا نہیں کر سکتے حمید بھائی۔“ قاسم نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔”سب سے پہلے میں نے ان لڑکیوں کا پتہ لگایا تھا۔“

”ابے او...... کولمبس کے پٹھے۔ وہ لڑکیاں ہیں امریکہ نہیں۔ آپ نے پتہ لگایا تھا۔“

”کچھ بھی ہو جائے تم گھپلا نہیں کر سکتے۔ تم خود کولمبس کے پٹھے۔ زبان سنبھال کر ہاں۔“

”تمہیں ان لڑکیوں کے نام معلوم ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں......!“

”میں جانتا ہوں۔“ حمید نے چڑھانے کے سے انداز میں کہا۔”لہٰذا تم اُن سے دستبردار ہو جاؤ۔“

"الاقسم......اچھا نہیں ہوگا۔"

"تم شاید جیل ہی جانا چاہتے ہو۔"

"میں جہنم میں جانا چاہتا ہوں۔تمہاری بلا سے۔"

"تم نے اُن کے ہاتھوں سے سینڈل کھائے تھے۔تمہیں ڈوب کر مرنا چاہیے۔"

قاسم چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"زور سے ایک بھی نہیں پڑی تھی......الاقسم......!"

"اچھا تو پھر ایک کام کرو......!"

"کیا......!"

"اب زور سے ایک مجھ سے کھالو۔میں اُن لڑکیوں سے دستبردار ہو جاؤں گا۔"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" قاسم نے منہ پھلالیا۔

"دُبلی والی کا نام سائرہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں شاعرہ ہوگا" قاسم نے قابلیت کا اظہار کیا۔

"کیوں......؟"

"تلفظ یہی ہے۔" قاسم نے عالمانہ شان سے کہا۔"جاہل اور بے پڑھے لوگ سائرہ کہتے ہیں۔"

حمید ہنسنے لگا پھر بولا۔"تلفظ کے بچے......تگڑی والی کا نام روحی ہے۔شاید میں اُسے آج ہی شام کو سیر کے لئے باہر لے جاؤں۔"

"جہاں دیکھ لیا......دونوں کو قتل کردوں گا۔" قاسم غرایا۔

اچانک ایک جگہ حمید نے کار روک دی اور قاسم کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"جاؤ......انہیں راجرس اسٹریٹ میں تلاش کرو......میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔"

"میں پہلے ہی جانتا تھا۔" قاسم ہنسنے لگا۔لیکن اس کی نظر غیر ارادی طور پر ادھر ہی اٹھ گئی جدھر حمید دیکھ رہا تھا۔

اُسے جوتوں کی دوکان میں وہی آدمی نظر آیا، جو لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

قاسم نے اُن دونوں لڑکیوں کو بھی ڈھونڈھ ہی نکالا۔وہ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک کار میں بیٹھی

ہوئی تھیں۔

قاسم دوسرے ہی لمحے میں حمید کا شانہ دبوچ کر بولا۔"کیوں......؟"

"ہاں......اب تم جاؤ ورنہ تمہارے ابا خفا ہوں گے۔" حمید ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

"حمید بھائی......میں بالکل مروت نہیں کروں گا۔"

"تم جاتے ہو یا میں کسی ڈیوٹی کانسٹیبل کو بلا کر تمہیں پھر تھانے بھجوا دوں۔"

"اماں جاؤ......مرگئے بھجوانے والے......ہاں......گویا میں بالکل گدھا ہوں۔دیکھوں تو کیسے بھجواتے ہو۔میں تو اس وقت اُن بیچاریوں کو بچانا چاہتا تھا۔"

"تم بچا چکے نا......!"

"ہاں......ہاں......اب اُن کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔"

"اچھا تو بس اب جاؤ۔"

"نہیں جاتا......تمہارے باپ کی سڑک ہے۔" قاسم بچوں کی طرح الجھ پڑا۔

"قاسم کیوں شامت آئی ہے۔"

"کیا کرلو گے تم میرا......کوئی میں تمہاری سفارش پر چھوٹا ہوں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔وہ پھر لڑکیوں کی کار کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔مجسٹریٹ شاید چپلوں کے دو جوڑے لے کر واپس آیا تھا۔وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔لڑکیاں پچھلی سیٹ پر تھیں۔حمید نے روحی کو کار سے اترتے دیکھا۔پھر وہ فٹ پاتھ پر چڑھ گئی۔مجسٹریٹ کی کار آگے جا چکی تھی۔حمید نے بڑی تیزی سے سڑک پار کی اور قاسم کار ہی میں بیٹھا منہ پھاڑے ہوئے اُسے گھورتا رہا۔

"ذرا ٹھہریئے......!" حمید روحی کے قریب پہنچ کر بولا۔وہ رک کر اُس کی طرف مڑی۔

"اوہ......ہاں......کیا بات ہے۔"

"اب مجھے یقین آگیا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور روحی اُسے گھورتی رہی اور حمید پھر بولا۔"وہ درحقیقت لفنگا ہے۔اُس نے یقیناً آپ سے بدتمیزی کی ہوگی۔میں چاہتا ہوں کہ آپ پھر اُس کی تھوڑی سی مرمت کردیں۔"

"کیوں......!" روحی پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

"بس یونہی......ورنہ آپ کو بدنام کرتا پھرے گا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ابھی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ......آپ......!"

"ہاں......ہاں......کہیے۔"

"مجھے شرم آتی ہے۔" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"کہیے بھی تو......پھر میں دیکھوں گی کہ آپ کی شرم ضروری تھی یا غیر ضروری۔"

"وہ کہہ رہا تھا کہ آپ اس پر عاشق ہوگئی ہیں اور دیکھئے نا اب بھی اُس نے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ اُدھر دیکھئے......کار میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"اوہ......اچھا......!" روحی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "ٹھہریئے! میں اسے اپنی محبت کا یقین دلائے دیتی ہوں۔ چپلیں نئی ہیں اور کافی مضبوط بھی۔"

وہ فٹ پاتھ سے اتر کر قاسم کی طرف بڑھنے لگی۔ قاسم نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا۔ تیور کچھ اچھے نظر نہیں آئے اور اس نے حمید کو اس سے باتیں کرتے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے اس کی اوندھی کھوپڑی میں بھی یہ بات آ گئی کہ معاملہ کچھ گڑبڑ سا ہے۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے کار اسٹارٹ کی اور مڑ کر دیکھے بغیر اڑتا چلا گیا۔ روحی کو آدھے ہی راستے سے واپس ہونا پڑا۔ حمید اب بھی وہیں کھڑا تھا۔

وہ اس کے قریب پہنچ کر بولی۔ "مائی ڈیئر مسٹر سراغ رساں۔ اب گھر واپس جاؤ۔ شام ہو رہی ہے ورنہ اماں ماریں گی سمجھے! جاؤ میرے ننھے بچے۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ اُسے اتنی فارورڈ نہیں سمجھتا تھا۔

"نائیں......! اماں بی نے کہا تھا اکیلے گھر مت آنا۔" حمید نے بچوں کے سے لہجے میں کہا۔ "تم پانچ بھائی بھی نہیں، جو مجھے کہنا پڑے کہ پانچوں آپس میں بانٹ لو۔"

"میں تمہارے لئے مہابھارت ہی ثابت ہوں گی۔ اسے یاد رکھنا......اب جاؤ۔ میں پہلے بھی کیپٹن حمید کی بہتیری تعریفیں سن چکی ہوں۔ لیکن میں دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف ہوں۔ اگر تم مجھے زیادہ پسند آئے تو میں تمہیں منگنی بھی کرسکتی ہوں۔ میں عورت نہیں مرد ہوں سمجھے

"اسی لئے تھانہ میں رو پڑی تھیں۔"

"کیا تم اپنی بے بسی پر کبھی نہیں روئے۔"

"ہاں رویا ہوں......مگر انہیں مواقع پر جب بہت دنوں سے کوئی لڑکی نہیں ملی۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں......تم جیسی واہیات لڑکیوں سے بھلا میں کیا چاہوں گا۔"

"میں واہیات ہوں......!" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"واہیات سے بھی بدتر......!"

"تو پھر تم بھی کچھ دیکھنا چاہتے ہو۔"

"ہاں! مگر وہ تمہاری صورت کے علاوہ ہو تو بہتر ہے۔"

"اچھا اگر بڑے بہادر ہو تو آؤ میرے ساتھ۔" روحی نے اُسے چیلنج کیا اور حمید سوچ میں پڑ گیا کہ اُسے عورتوں کے کس ریوڑ میں جگہ دی جاسکتی ہے۔ ابھی تو وہ اپنی نوعیت کی ایک ہی ثابت ہوئی تھی۔

"چلو......میں تیار ہوں۔" حمید بولا۔

"تم مجھے نہیں جانتے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں کلاک ٹاور کی گھڑی توڑنا چاہتی تھی۔ تم سوال کرو گے کیوں؟ وہ بھی سن لو۔ میں چاہتی تھی کہ دس بجے سے پہلے ہی وہاں پہنچ جاؤں جہاں جانا تھا لیکن کلاک ٹاور نے دس بجا دیئے اور مجھے گھڑی پر غصہ آ گیا۔ میں کچھ اسی قسم کی کریک ہوں سمجھے۔"

"آہا......خوب......مانتا ہوں۔" حمید نے سر ہلا کر سنجیدگی سے کہا۔ "اس پر مجھے اپنے غصے کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ مگر چلو کہیں اطمینان سے بیٹھ کر۔"

"یہ بھی ممکن ہے......میں تم سے خائف نہیں ہوں۔"

"روحی صاحبہ......!" حمید نے آگے بڑھتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ "اگر لڑکیاں مجھ سے خائف ہوتیں تو آپ تک میری شہرت کا افسانہ کیسے پہنچتا۔"

حمید ایک قریبی ریستوران میں داخل ہوگیا۔ مگر وہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب

کر رہا ہے۔ روحی اس کے پیچھے تھی۔ وہ ایک خالی کیبن میں جا بیٹھے اور حمید کہنے لگا۔

"کسی گھڑی پر دو چار منٹ تک غصہ اتار دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں نے ایک ساری رات ایک گدھے پر غصہ اتارا تھا۔ گدھے سے مراد آدمی نہیں ہے، جیسے کسی مخصوص ق... کے آدمی کو لوگ گدھا کہہ دیتے ہیں۔ بلکہ سچ مچ کا گدھا...... ہاں تو اتفاقاً ایک بار مجھے ا... ایسے مکان میں قیام کرنا پڑا جس سے ملا ہوا کسی دھوبی کا گھر تھا۔ رات میں اُس کے گد... نے ہینکنا شروع کیا۔ میری نیند اچٹی اور مجھے غصہ آ گیا۔ بھلا گدھے سے آدمیوں کی سی باتیں کرنا۔ اُسی کی زبان میں اُسے سلواتیں سنانی شروع کر دیں۔ دو چار بار اُسے چیلنج بھی کیا کہ... آئے میدان میں...... نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے پڑوسی نے میرے میزبان کے دروازے پر دستک دے کر کہا۔ "اگر تم مجھے ضد دلاؤ گے تو میں بھی ایک پال لوں گا۔"

روحی ہنسنے لگی اور حمید نے اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "بہرحال میں غصے... رات بھر ہینکتا رہا تھا۔ کسی گھڑی پر غصہ اتار دینا میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا...... کیا سمجھیں"

"میں کچھ نہیں سمجھی...... تم میرے پیچھے کیوں لگے ہو۔"

"مقدرات...... جنہیں کوئی بھی نہیں ٹال سکتا۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "م... نے سوچا تھا کہ اس سال شادی کر ڈالوں گا مگر اب دس سال تک کوئی امید نہیں۔"

"کیوں......؟"

"ہلو...... روحی......!" اچانک کسی نے کیبن کے باہر سے روحی کو مخاطب کیا...... حمید اُد... میں تھا۔

"آؤ...... آؤ...... چلے آؤ......!" روحی کھل اٹھی۔

حمید نے میز پر جھکتے ہوئے باہر دیکھا۔ اُسے وہی نوجوان نظر آیا جو کافی دیر سے دونوں کے پیچھے لگا رہا تھا۔ یہ کافی قبول صورت اور پرکشش تھا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ لڑکی اسے ضرور پسند کرتی ہوں گی۔

وہ کیبن میں آ گیا...... لیکن حمید کو دیکھ کر اس طرح ٹھٹکا جیسے اب تک وہ روحی کو وہاں تصور کرتا رہا ہو۔

"کیا میں مخل ہوا ہوں۔" اُس نے خفیف ہونے کی شاندار ایکٹنگ کی۔

"نہیں جناب...... قطعی نہیں! تشریف رکھئے۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"آپ سے ملئے......!" روحی بولی۔ "آپ محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کیپٹن حمید ہیں۔"

"اوہ...... اچھا بڑی......!"

"ظاہر ہے کہ آپ کو خوشی ہوگی۔" حمید جلدی سے بولا۔ "کیا رکھا ہے ان رسمی باتوں میں۔ میں تو آپ سے ہرگز آپ کا نام نہیں پوچھوں گا۔"

آنے والا کچھ جھینپا جھینپا سا نظر آنے لگا کیونکہ اُس نے بڑی گرم جوشی کا اظہار کیا تھا لیکن روحی پر اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور شرارت آمیز انداز میں مسکراتی رہی۔

"میرے بہتیرے ایسے احباب ہیں جن کے ناموں سے میں واقف نہیں ہوں۔" حمید بولا۔ "میرے لئے یہی بہتر بھی ہوتا ہے کہ مجھے لوگوں کے نام نہ معلوم ہوں، ورنہ میری راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔ میں سوچنے لگتا ہوں کہ اگر اس کا نام تفضل حسین ہے تو اس کے باپ کا کیا نام ہوگا۔ کیا تحمل ہوگا کیونکہ تفضل کا قافیہ تحمل ہی ہو سکتا ہے یا پھر زیادہ سے زیادہ تجمل ہوگا۔ خیر چلئے۔ دل کو تھوڑی سی تسکین ملی اور نیند آ گئی۔ دوسرے دن میاں تفضل حسین سے پوچھا بھئی تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔ بڑی سعادتمندی سے بولے محمد حیدر بخش...... سنکر میرا سر چکرا گیا۔ پھر بوکھلا کر دادا کا نام پوچھا جواب ملا محمد علی اور میں اپنا سر پیٹ کر خاموش ہو گیا۔ پھر پردادا کا نام پوچھنے کی ہمت نہیں پڑی کہ ممکن ہے کہ اسے سن کر اس سے زیادہ مایوسی ہو۔"

"مایوسی...... بھلا مایوسی کیوں......!" روحی ہنسنے لگی۔

"کیوں...... آپ مایوسی کہتی ہیں۔ اس سلسلے میں بعض لمحات ایسے بھی گذرے ہیں کہ میں خودکشی کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ آپ خود سوچئے اس تجربے کے بعد میری راتیں کیسی گذری ہوں گی۔ مثلاً کسی تہور علی سے ملاقات ہوئی۔ جلدی میں ان کے باپ کا نام پوچھنا بھول گیا اور رات قیامت بن کر آئی۔ اب سوچ رہا ہوں کہ ان کے باپ کا نام تصور علی ہو سکتا ہے کیونکہ قافیہ یہی ہے لیکن پھر خیال آیا کہ جب تفضل حسین کے باپ کا نام محمد حیدر بخش ہو سکتا ہے تو تہور علی کے باپ کا نام شیخ سلاور کیوں نہ ہوگا۔ بس اختلاج شروع

ہو گیا۔ تصور علی اور شیخ سلاور میں ٹھن گئی۔ خدا محفوظ رکھے، ساری رات جاگ کر گزاردی۔

"اب آپ خواہ مخواہ میرا وقت برباد کر رہے ہیں۔ آپ باتیں بڑی اچھی کر لیتے ہیں مگر...... مجھے جلدی ہے۔ اچھا پھر کبھی ملاقات ہوگی۔" روحی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ دیا۔ حمید نے اُس سے ہاتھ ملاتے وقت ایک طویل سانس لی اور نشیلی آنکھیں بنا کر نئے آنے والے کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ بھی روحی کے ساتھ ہی اٹھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "مجھے ایاز کہتے ہیں۔"

حمید نے پہلے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں پھر بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو سن ہی لیا۔ خدا کے لئے اب اپنے والد کا نام بھی نہ بتا جائیے ورنہ زندگی مجھ پر حرام ہو جائے گی۔"

"باپ کا نام تو ہرگز نہ بتاؤں گا......!"

"چلو......!" روحی اُسے دھکیلتی ہوئی بولی اور وہ دونوں کیبن سے باہر چلے گئے۔

حمید نے اس لڑکی کے متعلق یہی رائے قائم کی تھی کہ وہ صرف موڈی ہے۔ فطرتاً نہیں ہے کہ ہر ایک سے بے تکلف ہو جائے بلکہ زبردستی ایسا کرتی ہے۔

لیکن یہ سب کچھ تھا کیا؟ وہ کافی عرصے سے فریدی کو ایسی لڑکیوں کے چکر میں دیکھ رہا تھا...... حمید کا خیال تھا کہ لڑکیوں میں وقتی طور پر پیدا ہو جانے والا وحشیانہ پن کسی ذہنی مرض کا نتیجہ ہو سکتا ہے لیکن وہ فریدی سے اس بات پر نہیں الجھا تھا۔ الجھتا بھی کیوں جبکہ اسی بہانے بھانت بھانت کی لڑکیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ ویسے فریدی نے آج پہلی بار خصوصیت سے اُسے کسی لڑکی پر نظر رکھنے کو کہا تھا۔

فریدی اس سلسلے میں کیا کر رہا ہے۔ اس کا علم اُسے نہیں تھا اور نہ اُس نے معلوم کرنے کی کوشش ہی کی تھی۔ وہ کافی دیر تک ریستوران میں بیٹھا رہا۔ پھر جیسے ہی کلاک نے چار بجائے وہ اٹھ گیا۔

آج کل وہ مستقل طور پر اکتاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔ وجہ خود اُسے بھی نہ معلوم تھی۔ وہ کچھ بجھا بجھا سا رہتا تھا۔ کبھی کبھی سوچتا کہ اُسے اپنے ذہن پر بوریت کی گرد

بیٹھنے دینا چاہئے۔ کوشش کرتا کہ اضمحلال کو پاس بھی نہ بھٹکنے دے اسلئے زبردستی اپنے ساتھیوں کو چھیڑ چھیڑ کر قہقہے لگاتا۔ خوب چہکتا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اُسے محسوس ہونے لگتا کہ وہ تو بڑی بور قسم کی باتیں ہیں۔ مثلاً ابھی کچھ ہی دیر پہلے اُس نے روحی کی موجودگی میں چہکنے کی کوشش کی تھی اور اب محسوس کر رہا تھا جیسے اس نے بہت ہی گھٹیا قسم کی باتیں کی ہوں۔ کسی تھرڈ کلاس مسخرے کی طرح دوسروں کو زبردستی ہنسانے کی کوشش کرتا رہا ہو۔

"پھر اس بے نام سی اداسی کو کہاں دفن کروں۔" وہ آہستہ سے بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا۔

لڑکیاں بھی اب اُسے کھلنے لگی تھیں۔ ویسے عادتاً وہ انہیں دیکھ کر بے چین ضرور ہو جاتا تھا لیکن جب کسی سے گفتگو شروع ہو جاتی تو تھوڑی ہی دیر بعد اُسے وحشت سی ہونے لگتی۔

وہ ریستوران سے باہر نکل کر بڑی دیر تک ادھر اُدھر پھرتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کہاں جائے۔ پتھر اور سیمنٹ کی دیواریں اُسے کھانے کو دوڑ رہی تھیں۔ وہ کھلی ہوا چاہتا تھا۔

وہ ذرا ہی دیر میں روحی اور اس کے ساتھی کے متعلق سب کچھ بھول گیا حالانکہ اُسے ہر حال میں اُن دونوں پر نظر رکھنی چاہئے تھی۔ ایاز اس نے اپنا نام بتایا تھا۔ پتہ نہیں وہ بھی حقیقت تھی یا جھوٹ۔ آدمی مکار قسم کا معلوم ہوا تھا اور پھر اُس کا رویہ بھی مشتبہ تھا۔ حمید نے اُسے اپنا اور روحی کا تعاقب کرتے دیکھا تھا اور پھر اس طرح اُن سے ملا تھا جیسے اُسے کیبن میں حمید کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔

مگر حمید کی اداسی تجسس کی جبلت پر غالب آگئی تھی۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس آدمی کی اصلیت کا پتہ لگائے بغیر نچلا نہ بیٹھتا۔

وہ ایک فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ کہاں جائے۔ اچانک اُسے نیاگرہ ہوٹل کا خیال آیا جو شہر سے باہر ایک پُر فضا مقام پر واقع تھا اور آج کل گرمیوں کے موسم میں وہاں کی راتیں بڑی خوشگوار ہوا کرتی تھیں۔

وہاں آج کل کھلے آسمان کے نیچے رقص ہوتا تھا اور رقص گاہ کے گرد پھولدار جھاڑیوں میں رنگ برنگ کے قمقمے جگمگایا کرتے تھے۔ موسیقی کی لہریں دور تک سناٹے میں منتشر ہو کر بڑی

خوشگوار بازگشت پیدا کرتیں۔

اس نے سوچا کہ اگر وہ کوشش کرے تو یہ رات بڑی خوشگوار ثابت ہوسکتی ہے مگر نیا میں رات گذارنے کے لئے ایوننگ سوٹ ضروری تھا اور ایوننگ سوٹ کے لئے اُسے گھر ضرور جانا پڑتا لیکن گھر پہنچنے پر یہ بھی ممکن تھا کہ وہ نیاگرہ تک جا ہی نہ سکتا۔

اس کا دل چاہا کہ کسی دیوار سے ٹکرا کر ہمیشہ کے لئے قصہ ہی ختم کردے۔ اُسے بَ بیک فریدی پر غصہ آ گیا جو اُسے اپنے رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آج میں ضرور پیوں گا" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بڑبڑایا۔ "مجھے شرافت ا انسانیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

اس نے بڑی تیزی سے سڑک پار کی اور اب وہ ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف بڑھ رہا لیکن اس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ ایک دُبلا پتلا چینی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ جو کبھی بے خبر ہو کر راہ نہیں چلتا تھا لیکن اس وقت اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر نہیں تھی۔

اُس نے ایک ٹیکسی لی اور ڈرائیور سے کاسینو بار چلنے کو کہتا ہوا پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ تعاقب کرنے والا چینی دوسری ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔

بار میں ہنگامہ

قاسم غصے میں پاگل ہو رہا تھا اُسے یقین تھا کہ حمید نے روجی کو اُس کے خلاف ورغلایا ہ اور وہ کسی بُرے ہی ارادے کے تحت اس کی طرف بڑھی تھی۔ اس نے لنکنسن کے چوراہے کے قریب اپنی بیوک روک دی اور وہیں حمید کا منتظر رہا۔ وہاں اس لئے رکا تھا کہ حمید خواہ راجرس اسٹریٹ جائے یا اپنے گھر کی طرف اُسے لنکنسن کے چوراہے سے ضرور گزرنا پڑے گا۔

قاسم تقریباً تین گھنٹے تک رکا رہا۔ اس نے اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اُتار کر کھڑی کردی اور سڑک سے گذرنے والی ہر کار کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگتا تھا۔

تقریباً پانچ بجے حمید اُسے ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔

"ٹھہر تو جانا دغا باز......!" اُس نے دھاڑ کر اپنی کار اسٹارٹ کردی اور پھرتی جلدی اُسے سڑک پر لایا کہ وہ ایک کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ دونوں نے بریک لگائے اور کاروں کے اگلے حصوں میں صرف ایک فٹ یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

"اندھا......!" دوسری کار کا ڈرائیور کھڑکی سے سر نکال کر چیخا۔

"پیچھے ہٹاؤ......!" قاسم دہاڑا۔

اور جیسے ہی دوسری کار کے ڈرائیور نے اسے غور سے دیکھا اس کی روح فنا ہوگئی۔ شہر میں قاسم کے باپ کی تقریباً چار درجن ٹیکسیاں چلتی تھیں اور یہ ٹیکسی بھی اتفاق سے انہیں میں سے ایک تھی۔

دوسرے ہی لمحے میں ڈرائیور اُسے آندھی اور طوفان کی سی سرعت سے آگے نکال لے گیا۔ ویسے یہ ضروری نہیں تھا کہ قاسم اپنے یہاں کام کرنے والے سینکڑوں آدمیوں میں سے ہر ایک کو پہچانتا رہا ہو۔

اس نے بھی اپنی کار بڑھائی اور دل ہی دل میں حمید کو گالیاں دیتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے روجی بھی اس کے ساتھ رہی ہو۔

وہ کار کی رفتار تیز کرتا رہا اور اُس کار کو پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ گیا جس سے ٹکر ہوتے ہوتے بچی تھی۔

اس کے بعد جو کار دکھائی دی اس کے متعلق قاسم نے یہی اندازہ کیا کہ وہ ہوسکتی ہے کیونکہ یہی راجرس اسٹریٹ کے سامنے سے گزری تھی۔

قاسم نے رفتار کچھ اور تیز کی اور ٹیکسی کے برابر پہنچ گیا حمید پچھلی سیٹ پر موجود تھا۔ "قبر تک پیچھا نہیں چھوڑوں گا......سمجھے۔" قاسم نے چیخ کر کہا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے پیارے......!" حمید چہک کر بولا۔ "دیکھو آخر وہ خفا ہوگئی نا......تم بھاگے کیوں تھے۔ وہ کہہ رہی تھی ایسے بیوقوفوں سے دور ہی رہنا چاہئے۔"

"ابے تم خود بیوقوف! اپنی گاڑی کو روکو ورنہ لڑا دوں گا۔"

حمید نے ڈرائیور سے رکنے کو کہا۔ اُس کے ذہن میں ایک نئی شرارت جنم لے رہی تھی۔ ٹیکسی رک گئی۔ دوسری طرف قاسم نے بھی کار روک دی تھی۔ اس طرح دونوں کاروں نے سڑک کی پوری چوڑائی گھیر لی تھی۔ اس سلسلے میں انہیں پیچھے آنے والی کاروں سے گندی گندی گالیاں سنائی دیں۔ ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا کر سڑک کے اتار دی۔ دوسری کاروں کو آگے بڑھنے کے لئے راستہ مل گیا۔ ان میں وہ کار بھی تھی جس پر کا تعاقب کرنے والا چینی بیٹھا ہوا تھا۔

حمید ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے قاسم کی کار کے قریب آیا۔

''کیا بات ہے۔'' اُس نے قاسم کی ٹھوڑی میں ہاتھ لگا کر کہا۔ قاسم نے کسی روٹھی ہوئی عورت کی طرح اُس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

''تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتے...... ہاں......!''

''میں نے تمہارے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کی بلکہ تقریباً دو گھنٹے تک اُسے تمہاری خصوصیات بتاتا رہا ہوں، مگر اُسے یقین نہیں آتا۔''

''کیا بتایا تھا تم نے۔'' قاسم نے اشتیاق ظاہر کیا۔

''یہی کہ شاید تم دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور آدمی ہو۔''

''ہاں...... ارے...... ہی ہی ہی...... میں کیا۔''

''واہ...... کیا میں نے غلط کہا تھا۔'' حمید نے اگلی نشست کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اُسے تمہارے درجنوں کارنامے سنائے۔''

''پھر اُس نے کیا کہا۔'' قاسم نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کہنے لگی اب میں قاسم صاحب کو بہت قریب سے دیکھوں گی۔''

''قاسم صاحب!...... کیا کہا تھا۔'' قاسم نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا۔

''دو ایک بار بے خودی میں قاسم پیارے بھی کہہ گئی تھی۔''

''ارے...... نہیں...... جھوٹ...... ہی ہی ہی۔''

''خیر آئندہ ملاقات ہونے پر تم خود ہی حقیقت معلوم کرلو گے۔'' حمید نے کہا اور قاسم بڑی دیر تک ہونٹ بھینچے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر ہنستا رہا۔

حمید نے اب کاسینو بار جانے اور شراب پینے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

''قاسم......!'' اُس نے تھوڑی دیر بعد اُسے مخاطب کیا۔

''آں...... ہاں......!'' قاسم چونک پڑا۔ وہ اپنے ہوائی قلعوں میں کھو گیا تھا۔

''اگر تم تھوڑی سی ہمت کر جاؤ تو کام بن سکتا ہے۔''

''کس طرح......!''

''جس مرد کو بھی اس کے ساتھ دیکھو پیٹ دو۔''

''ارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ حمید بھائی۔ جب کہو تب۔ ابھی اگر کسی کو دکھا دو تو میں اسی وقت تمہیں اپنا کمال دکھا سکتا ہوں۔''

''نہیں ابھی صبر کرو۔''

''مگر یار حمید بھائی وہ کلاک ٹاور پر پتھراؤ کیوں کر رہی تھیں۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ انہوں نے کلاک ٹاور ہی پر پتھراؤ کیا تھا۔''

''ارے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔'' قاسم ہنس کر بولا۔

''بڑی شریر لڑکیاں معلوم ہوتی ہیں۔''

''ہاں ہیں تو......!'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ ''ہم کیوں نہ راجرس اسٹریٹ ہی چلیں۔ مجھے اس کا مکان معلوم ہے۔ وہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔''

''کبھی نہیں...... حمید بھائی...... میں بہت بدقسمت آدمی ہوں۔'' قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا۔

''دل نہ تھوڑا کرو۔'' حمید نے اُسے تسلی دی۔ ''اسے فضل کرتے دیر نہیں لگتی یار!''

''میں تو سوچتا ہوں کہ اب مر ہی جاؤں۔''

''ہرگز نہیں۔'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''ایسا نہ کرنا۔ نہیں تو تمہاری بیوی کو بڑی خوشی ہوگی۔''

''ہائیں...... تم نے پھر اس کا تذکرہ چھیڑا۔'' قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

حمید آہستہ آہستہ پھر بوریت محسوس کرنے لگا تھا لہٰذا اُس نے تیسری بار اپنا ارادہ بدل

دیا۔اب وہ راجرس اسٹریٹ بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔اُس نے سوچا تھا کہ قاسم کو ایک بار پھر کے ہاتھوں پٹوا دے گا۔لیکن ان دنوں کسی ایک بات پر طبیعت جمتی ہی نہیں تھی۔حمید کوشش کہ اپنے ذہن کو کرید کرید کر اس بیزاری کی وجہ دریافت کرلے،مگر کامیابی نہ ہوتی۔

وہ سوچنے لگا کہ اب اُسے اُن لغویات کو چھوڑ کر کوئی ٹھوس کام کرنا چاہئے۔ممکن ہے طرح بیزاری رفع ہو سکے۔اُسے یاد آیا کہ فریدی ان دنوں اکثر سنگ سنگ بار کے چکر کاٹ ہے اور فریدی سے تضیع اوقات کی توقع نہیں کی جاسکتی۔لہٰذا وہ کسی خاص ہم قسم کا چکر ہوگا۔

دفعتاً اس نے قاسم سے کہا۔"مجھے بندرگاہ کے علاقے میں لے چلو۔"

"راجرس اسٹریٹ نہیں۔" قاسم بولا۔

"نہیں اس وقت مناسب نہیں ہے۔اگر اس کے باپ سے مڈبھیڑ ہوگئی تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"باپ ہے اُس کا؟" قاسم نے پوچھا۔اس کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی۔

"نہ صرف باپ بلکہ دادا بھی۔کبھی خان بہادر سجاد کا نام سنا ہے۔"

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں۔"

"روحی اُس کی لڑکی ہے۔"

"ہات تیری تقدیر کی......!" قاسم بسور کر بولا۔پھر تھوڑی دیر بعد کہنے لگا۔"نہیں جی بھائی۔یہ گاڑی نہیں چلے گی۔وہ والد صاحب کے دوستوں میں سے ہیں۔"

"تم جانو......!" حمید نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔وہ دراصل اب اس موضوع کو ختم ہی کردینا چاہتا تھا۔

قاسم نے گرینگ روڈ پر کار موڑی اور اب وہ بندرگاہ کے علاقے کی طرف جارہے تھے۔حمید سنگ سنگ بار تک جانا چاہتا تھا۔یہ بندرگاہ ہی کے علاقے میں تھا اور وہاں کا اینگلو انڈین بارٹنڈر فریدی اور حمید سے اسی طرح واقف تھا جیسے دنیا کے سارے آدمی ملک الموت سے واقف ہیں۔

حمید نے سنگ سنگ بار سے کافی فاصلے پر کار رکوائی اور نیچے اُتر گیا۔

"میں بھی آؤں۔" قاسم نے پوچھا۔

"نہیں......اب تم جاؤ۔میں یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں۔"

"اچھا اُس دوسری لڑکی کے متعلق کیا خیال ہے۔" قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

"اس سے کہوں گا کہ وہ تم سے محبت کرنے لگے۔اب دفع ہوجاؤ۔"

حمید آگے بڑھ گیا۔لیکن قاسم کی کار جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

حمید پیدل ہی سنگ سنگ بار کی طرف روانہ ہوگیا۔اس بار کا مالک پی سنگ نامی ایک چینی تھا۔کئی بار کا سزا یافتہ اور کافی بدنام بھی تھا۔

جیسے ہی حمید نے بار کے اندر قدم رکھا،مریل سے اینگلو انڈین بارٹنڈر نے اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھ کر کاؤنٹر پر پھیلی ہوئی چیزوں کو رکھنا اٹھانا شروع کردیا۔

لیکن حمید کاؤنٹر کی طرف نہیں گیا۔چونکہ یہ مہینے کی آخری تاریخیں تھیں اس لئے یہاں زیادہ بھیڑ بھی نہیں تھی۔کئی میزیں خالی نظر آرہی تھیں۔ورنہ ویسے یہاں شام کو تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں ہوا کرتی تھی۔حمید دروازے کے قریب کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔آج کل یہاں کاروبار ترقی پر معلوم ہوتا تھا کیونکہ ایک چھوڑ تین تین ویٹر نظر آرہے تھے۔ورنہ پہلے تو ایک ہی ویٹر ہوا کرتا تھا اور اکثر بارٹنڈر بھی ویٹر کا کام کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔یہ دونوں نئے ویٹر چینی تھے۔حمید چاروں طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ایک بار پھر اس کی نظریں بارٹنڈر کی نظروں سے ملیں اور بار ٹنڈر نے سر جھکا لیا۔حمید نے اُسے دونوں چینی ویٹروں کو کچھ اشارہ کرتے دیکھا۔اُسے یقین تھا کہ اُس نے اشارہ ضرور کیا ہے۔وہ اس کا واہمہ نہیں ہوسکتا۔بہرحال دوسرے ہی لمحے میں اس کے خیال کی تصدیق ہوگئی۔وہ دونوں چینی ویٹر صدر دروازے کے قریب آکر کھڑے ہوگئے۔تیسرا پرانا ویٹر حمید کی طرف بڑھا۔

"آپ کے لئے کیا لاؤں۔" اُس نے حمید سے پوچھا۔

"اورنج اسکوائش......!" حمید نے کہا۔

"نہیں ہے۔"

"تو پھر سادہ پانی میں برف ڈال لاؤ۔"

"گستاخی معاف! یہ بار ہے۔" ویٹر بولا۔

دفعتاً حمید نے ایک چیخ سنی، جو کسی بند کمرے میں گونجی تھی۔ دوسرے لوگ بھی چونک چاروں طرف دیکھنے لگے تھے۔

بارٹنڈر نے بلند اور کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کوئی خاص بات نہیں ہے حضرات! ایک ملازم جن کی پوری بوتل چُرا کر صاف کر گیا ہے۔ اسی کی مرمت ہو رہی ہے۔"

لوگ پھر اپنے گلاسوں اور بوتلوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

حمید ایک بند دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آواز دراصل اسی کے پیچھے سے آئی تھی۔ نہ جانے کیوں اُسے وہ آواز کچھ جانی پہچانی معلوم ہوئی تھی۔

"یہ سرکاری کام ہو رہا ہے۔" اچانک اُس نے قاسم کی آواز سنی اور چونک کر مڑا۔ وہ اُ پر جھکا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"میں کرنل صاحب کو اس کی اطلاع ضرور دوں گا۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بڑے پارسا بنتے ہیں۔"

"بیٹھو! بیٹھو!" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

قاسم اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی پشت کاؤنٹر کی طرف تھی اور وہ بند دروازہ جس سے آواز آئی تھی کاؤنٹر کے پیچھے تھا۔ حمید جانتا تھا کہ پی سنگ اس کمرے کو اپنے آفس کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

"بچاؤ...... بچاؤ......!" چیخ پھر سنائی دی اور حمید اس بار بیساختہ اچھل پڑا۔ اب اس نے آواز پہچان لی تھی۔ یہ آواز فریدی کے دوسرے اسسٹنٹ سرجنٹ رمیش کی تھی۔ تیسری چیخ نے تو رہے سہے شبہات بھی زائل کر دیئے۔

"قاسم......!" حمید قاسم کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ "تم یہ چیخیں سن رہے ہو۔"

"ہاں...... سن رہا ہوں۔"

"یہاں جھگڑا بھی ہو سکتا ہے۔"

"کیوں! کون کرے گا جھگڑا۔"

"دیکھو! میں شروع کرتا ہوں۔" حمید نے چاروں طرف گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "تم کاؤنٹر کے پیچھے والے دروازے کو توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش کرنا۔ یہ چیخیں سرجنٹ رمیش کی تھیں۔"

چیخ پھر سنائی دی اور یک بیک حمید نے کھڑے ہو کر بارٹنڈر سے کہا۔ "یہ کون ہے! میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم سے مطلب......!" ایک چینی غرا کر اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ بیٹھو ورنہ باہر چلے جاؤ۔"

دوسرے ہی لمحے میں حمید کا گھونسہ اس کی ٹھوڑی پر پڑا اور وہ ایک میز سے ٹکرا کر میز سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ قاسم اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف جھپٹا اور ساتھ ہی سامنے آتی ہوئی ہر میز کو الٹتا بھی گیا۔ اب دوسرے چینی نے حمید پر حملہ کیا لیکن اس کا گھونسہ خلا میں ناچ کر رہ گیا۔ حمید بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ چینی نے اس حملے پر اپنی پوری قوت صرف کر دی تھی۔ لہٰذا وار خالی جانے پر وہ اپنے ہی زور میں منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ تیسرے ویٹر نے حمید پر سوڈے کی بوتل کھینچ ماری لیکن حمید غافل نہیں تھا۔ اس نے اُسے بھی خالی دیا اور وہ ایک گاہک کے سر پر پڑی۔

دوسری طرف قاسم نے بارٹنڈر کو اٹھا کر کاؤنٹر کے باہر پھینک دیا تھا اور اب دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا۔ اُسے تو یہی محسوس ہوا جیسے وہ دروازہ توڑ کر اندر جا پڑا ہو۔ لیکن وہ محض اس کا خیال تھا۔ دروازے کے دونوں پٹ محفوظ تھے اور وہ خود پیٹ کے بل فرش پر پڑا ہوا دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ ہاتھی جیسا ڈیل ڈول...... اسے آسانی سے اٹھا کر سیدھا کھڑا کر دینا بہت مشکل تھا۔

بیک وقت پانچ آدمی قاسم پر ٹوٹ پڑے، جو اس بند کمرے میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ حمید نے وہاں تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔

"اُسے ہٹا لے جاؤ۔" دفعتاً حمید نے پی سنگ کی آواز سنی اور ایک طرف سرجنٹ رمیش کو

بیہوش پڑا دیکھا۔

اُس کمرے میں وہی پانچ آدمی تھے اور چھٹا خود پی سنگ تھا۔ حمید کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح قاسم کو اٹھنے میں مدد دے۔ قاسم طاقتور ضرور تھا لیکن اُس میں پھرتی نہیں تھی۔ ہوتی بھی کیسے..... کیونکہ وہ حد سے زیادہ جسیم آدمی تھا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ ورنہ گولی ماردوں گا۔" حمید نے پی سنگ کی آواز سنی اور اُسے دیکھا بھی۔ وہ سامنے کھڑا تھا اور اُس کے داہنے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رخ حمید کی طرف تھا۔

حمید نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ پانچوں آدمی بھی قاسم کو چھوڑ کر الگ ہٹ گئے۔ قاسم ہانپتا ہوا اٹھا اور پی سنگ کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر اُس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ دھماکے والے اسلحہ سے بہت ڈرتا تھا۔ البتہ ہاتھ پیر کی لڑائی میں وہ شاید رستم سے بھی پیچھے ہٹتا۔ اُس نے بھی ہانپتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"اسے لے جاؤ۔" پی سنگ نے بیہوش رمیش کی طرف اشارہ کر کے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "گلی میں وین کھڑی ہے۔"

"پی سنگ کیوں شامت آئی ہے۔" حمید نے اُسے للکارا۔

"شامت کا حال ابھی معلوم ہوگا۔ میں پی سنگ ہوں سمجھے۔ یہ رمیش تو یہاں آیا ہی نہیں تھا اور تم دونوں میری سیکریٹری مس جوزف کو چھیڑ رہے تھے۔"

اُس نے مس جوزف کو آواز دی اور ساتھ ہی ایک آدمی کو اشارہ کیا کہ وہ کاؤنٹر کی طرف کا دروازہ بند کر دے کیونکہ باہر سے بھی لوگ بار میں داخل ہونے لگے تھے۔

دروازہ بند کر دیا گیا اور ساتھ ہی ایک خوبصورت سی نوعمر اینگلو انڈین لڑکی داہنی طرف کے دروازے سے اندر آئی۔

"یہ دونوں تمہیں چھیڑ رہے تھے مس جوزف۔"

لڑکی نے انہیں غور سے دیکھا اور بولی۔ "ہاں! انہوں نے مجھے زبردستی اٹھا لے جانے کی کوشش کی تھی۔"

"دیکھا تم نے۔" پی سنگ نے حمید سے کہا۔

حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے مس جوزف کو گھور رہا تھا۔ اتفاقاً مس جوزف کی نظریں پھر اس کی طرف اٹھ گئیں اور حمید نے بے تحاشہ اُسے آنکھ ماردی۔ لڑکی کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈ پڑا۔ پی سنگ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ حمید موقع کا منتظر ہی تھا۔ اُس نے اسی لئے اُسے آنکھ ماری تھی کہ موجودہ حالت میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہوجائے۔ جیسے ہی پی سنگ کی نظر اس پر سے ہٹی اس نے پی سنگ پر چھلانگ لگادی۔ پی سنگ دیوار سے جاٹکرایا لیکن ریوالور حمید کے ہاتھ میں نہیں آسکا۔ وہ اب پی سنگ کے ہاتھ میں بھی نہیں تھا۔ حمید نے اس کی ناک پر ایک بھرپور ہاتھ رسید کردیا۔ قاسم اُن لوگوں پر ٹوٹ پڑا تھا، جو رمیش کو اٹھا کر وہاں سے لے جارہے تھے۔

مس جوزف منمناتی ہوئی سارے کمرے میں ناچتی پھر رہی تھی۔ پی سنگ کمزور آدمی نہیں تھا..... ذرا ہی سی دیر میں بُری طرح ہانپنے لگا۔ وہ اُسے اپنے نیچے دبائے رکھنا چاہتا تھا..... دوسری طرف کاؤنٹر والا دروازہ بڑی شدت سے پیٹا جارہا تھا اور پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اُسے توڑ ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہو۔

"دروازہ کھولو..... پولیس ہے۔" کسی نے بھاری بھرکم آواز میں کہا۔

پی سنگ کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ خائف ہوگیا ہے کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اُس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "رمیش کو یہیں رہنے دو۔ مس جوزف ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ بس اب دروازہ کھول دو۔"

اس بدلتے ہوئے نقشے نے قاسم کے ہاتھ پیر روک دیئے اور پی سنگ پھر بولا۔ "دیکھو! ٹھہرو! تم پانچوں دوسری طرف سے گلی میں نکل جاؤ اور مس جوزف تم دروازہ کھول دینا۔ جلدی کرو۔ اپنا اسکرٹ دو چار جگہوں سے پھاڑ ڈالو۔"

"قاسم.....!" حمید نے جلدی سے کہا۔ "یہ پانچوں یہاں سے نکلنے نہ پائیں۔"

"ان کے باپ بھی نہیں نکل سکتے۔" قاسم داہنی طرف کے دروازے پر جمتا ہوا بولا۔

ایک بار پھر جدوجہد شروع ہوگئی لیکن دروازہ ٹوٹنے ہی والا تھا، مس جوزف اپنا اسکرٹ پھاڑ رہی تھی۔ اچانک دروازہ ٹوٹا اور آدمی اندر آگرے، ان میں دو کانسٹیبل بھی تھے۔

پھر آٹھ دس کانسٹیبل اندر گھس آئے ان میں ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔

"ارے آپ......!" اُس نے حمید کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں! یہ لوگ سارجنٹ رمیش کو پکڑ لائے تھے۔" حمید نے کہا۔

اچانک مس جوزف نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا اور پی سنگ دہاڑنے لگا۔ "یہ سراسر زیادتی ہے۔ ان لوگوں نے میری سیکریٹری کو زبردستی لے جانا چاہا تھا۔ بہت پئے ہوئے تھا۔ وہ ادھر پڑا ہوا ہے، اور یہ دونوں ہم پر زبردستیاں کر رہے تھے۔"

"پی سنگ تمہاری بکواس کام نہیں آئے گی۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں ہاں...... آپ لوگ بادشاہ ٹھہرے، جو چاہیں کرتے پھریں۔" پی سنگ ہانپتا ہوا

"تمہارے پاس اس ریوالور کا لائسنس ہے۔" حمید نے فرش پر پڑے ہوئے ریوالور کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تم یہ نہیں کہہ سکو گے کہ اسے ہم نے استعمال کیا تھا کیونکہ اس کے دستے پر صرف تمہاری ہی انگلیوں کے نشانات ملیں گے۔"

پی سنگ کا چہرہ اُتر گیا۔

قاسم اور تیسری لڑکی

لڑکی چیخ چیخ کر رونے لگی۔ وہ حمید کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر مغلظات بھی سنا رہی تھی۔

"کیا قصہ ہے جناب۔" سب انسپکٹر نے حمید سے پوچھا۔

"سب فراڈ ہے۔ اب یہ لوگ کیس بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ وہ ریوالور اٹھوا لیجئے۔ نشانات ضائع نہ ہونے پائیں۔"

پھر اس نے پی سنگ سے پوچھا۔ "تم رمیش کو یہاں کیوں لائے تھے۔"

"میں لایا تھا۔" پی سنگ غصیلی آواز میں بولا۔ "تم لوگ زیادتی بھی کرتے ہو اور پھنسا بھی دیتے ہو۔ مس جوزف ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہے۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اس کی شایانِ شان سلوک کیا جائے گا۔"

قاسم کی نظریں اُس لڑکی پر تھیں اور وہ اپنے ہونٹ چاٹ رہا تھا۔

دفعتاً رمیش نے کراہ کر کروٹ بدلی اور حمید اس کی طرف جھپٹا۔ رمیش اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید نے سہارا دے کر اُسے بٹھا دیا لیکن اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائے ہوئے تھا۔

"رمیش......!" حمید نے اُسے ہلایا۔

رمیش نے آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔ وہ اتنی سرخ تھیں جیسے خون سے ڈوبی ہوئی ہوں۔

"آپ انہیں سنبھالئے۔" حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔ "میں رمیش کو لے جا رہا ہوں۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" پھر وہ قاسم کی طرف مڑ کر بولا۔

"کیا تمہاری کار کہیں قریب ہی ہے۔"

"آں......!" قاسم چونک پڑا۔ وہ لڑکی کو گھورنے میں محو تھا اور کسی ایسی چمگادڑ کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جو اندھیرے سے اجالے میں پکڑ لائی گئی ہو۔

"اپنی گاڑی یہاں لاؤ۔"

"اچھا......!" قاسم نے بھاڑ سا منہ کھول کر کہا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

"ان میں سے ایک کو بھی چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" حمید رمیش کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھاتا ہوا بولا۔

باہر قاسم کی کار موجود تھی۔ اس نے رمیش کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ رمیش ابھی تک کچھ بولا نہیں تھا۔ لہٰذا یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ ہوش ہی میں ہے۔ اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

وہ سول ہسپتال میں آئے اور وہیں سے حمید نے فریدی کو بھی فون کیا لیکن وہ گھر پر موجود نہیں تھا۔ دوسری جگہوں میں بھی جہاں اس کے ملنے کے امکانات تھے پوچھ گچھ کی گئی...... فریدی کہیں بھی نہ مل سکا۔

رمیش کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ تھوڑی دیر بعد اپنی سرخ سرخ آنکھیں کھولتا اور طرح خلاء میں گھورنے لگتا جیسے اُسے کچھ دکھائی ہی نہ دے رہا ہو۔ نہ وہ کسی کی آواز سن کر کی طرف دیکھتا اور نہ اس کے ہونٹ ہی ہلتے۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سماعت بصارت سے محروم ہوگیا ہو۔ ڈاکٹر نے اس کی پیشانی پر ابھری ہوئی نیلے رنگ کی دھاریوں طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ ''حمید صاحب! انہیں بہت سخت قسم کی اذیت دی گئی ہے۔ رسی پھنسا کر اس کا حلقہ اتنا تنگ کیا گیا ہے کہ یہ بیہوش ہوگئے ہیں۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا کہ یہ اندھے یا بہرے نہیں ہو جائیں گے۔'' اور حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اُسے اذیت ہی کیوں گئی تھی۔ یہ طریقہ تو کچھ اگلوا لینے ہی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ آخر وہ لوگ اس کیا معلوم کرنا چاہتے تھے اور وہاں گیا ہی کیوں تھا۔

وہ اسے ہسپتال ہی میں چھوڑ کر پھر بندرگاہ کے علاقے کی طرف روانہ ہوگیا۔ قاسم اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے ایک بار بھی حمید سے یہ نہیں کہا کہ اب اُسے واپس جانا چاہئے

''اب کہاں!'' قاسم نے اس سے پوچھا۔

''وہیں سنگ سنگ بار۔''

''یار حمید بھائی مجھے افسوس ہے کہ ان میں سے ایک بھی نہیں مر سکا۔ مگر یار وہ جو جو...... الاقسم...... کیا چیز تھی۔''

''مس جوزف......!'' حمید نے تصحیح کی۔

''کیسی زہریلی گالیاں دے رہی تھی۔'' قاسم ہنسنے لگا۔ ''چلو ہم دونوں قریب قریب ہوگئے۔ میں نے لونڈیوں کے ہاتھ سے مار کھائی تھی۔ تم نے گالیاں سن لیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔ مگر یہ کہنا قطعی غلط ہوگا کہ اس ہنگامے نے اس کی طبیعت کو پہلے سے بھی زیادہ مکدر کر دیا ہوگا۔ یہ بات نہیں تھی۔ دفعتاً حمید اب ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی روح پر سے اداسی کا بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ بیزاری دھوئیں طرح اڑ گئی تھی، جو پچھلے چند ہفتوں سے اس کے ذہن پر مسلط رہی تھی اور اب وہ خود کو پہلے کی طرح کا سدا بہار محسوس کر رہا تھا۔

جب سے اسے کیڈی ٹ والا حادثہ پیش آیا تھا وہ کچھ اسی قسم کا ہوگیا تھا۔ اس کے اندر زندگی کی لہر عموماً اسی وقت پیدا ہوتی تھی جب زندگی ہی خطرے میں ہو۔ سنگ سنگ بار میں اس وقت کے ہنگامے نے اس میں نئی روح پھونک دی تھی۔

اس نے قاسم کو اسٹیرنگ پر سے ہٹا دیا تھا اور خود ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور اتنے وحشیانہ انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا کہ قاسم کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ بار بار اُسے ایکسیڈنٹ کا خطرہ محسوس ہونے لگتا مگر چونکہ ہیکڑ قسم کا آدمی تھا اس لئے اپنی کمزوری کا اعتراف نہیں کر سکتا تھا۔

وہ جلد ہی سنگ سنگ بار کے سامنے پہنچ گئے جہاں اب پہلے سے بھی زیادہ بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ حمید اور قاسم مجمع میں گھستے چلے گئے۔ اندر سناٹا تھا۔ صرف دو کانسٹیبل وہاں نظر آ رہے تھے۔ حمید کو دیکھتے ہی ایک بولا۔

''صاحب وہ چینی بھاگ گیا۔''

''کیا......!''

''جی ہاں اور دوسرے تھانے میں ہیں۔ ہم انہیں یونہی لے جا رہے تھے۔ کیونکہ ہمارے پاس ہتھکڑیاں نہیں تھیں۔ بس ہیرا بازار کے قریب پہنچ کر غائب ہوگیا۔''

''غائب ہوگیا۔'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''جی ہاں! ہمیں تو بالکل یہی معلوم ہوا جیسے وہ یا تو ہوا میں گھل گیا یا پھر اُسے زمین نگل گئی ہو۔ ہم غافل نہیں تھے جناب۔''

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ اُسے ابھی تک ان حالات کا علم نہیں تھا جن کے تحت رمیش کی درگت بنائی گئی تھی۔ بہر حال وہ کوئی خاص ہی معاملہ رہا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا تعلق فریدی کی ذات سے ہو۔

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس کی نظر سنگ بار کی بالائی منزل کی طرف اٹھ گئی۔ اس نے ہارڈی کو دیکھا جو اوپر بارجے پر کھڑا سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ شہر کے شورہ پشت قسم کے بدمعاشوں میں سے تھا اور بندرگاہ کے علاقے میں خصوصیت سے اس کی دھاک بیٹھی ہوئی

ٹ گولڈن جوبلی نمبر ملاحظہ فرمائیے

تھی۔ حمید نے سوچا ممکن ہے ہارڈی ہی اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکے۔ اُسے یاد آیا فریدی نے ہارڈی کو ایک بہت بڑے جنجال سے بچایا تھا۔ ویسے اُس نے خود اُس کی مرمت ضرور کر دی تھی۔ فریدی تنہا تھا اور ہارڈی اپنے چار ساتھیوں سمیت اپنے ہی بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اُس نے فریدی پر بھی بندرگاہ کے علاقے میں اپنی حکومت کا رُ چاہا لیکن اُس دن شاید ہارڈی کا ستارہ گردش ہی میں تھا کہ نہ صرف اُسے بلکہ اُس کے ساتھیوں کو بھی فریدی کے ہاتھوں بُری طرح پٹنا پڑا تھا۔ اس کے بعد فریدی نے نہ صر معاف کر دیا تھا بلکہ اُسے بہت بڑی مصیبت سے نجات بھی دلائی تھی۔

حمید نے سوچا ممکن ہے ہارڈی پی سنگ کی گرفتاری میں اُسے کچھ مدد دے سکے نے ہاتھ کے اشارے سے ہارڈی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ہارڈی نے اُسے دیکھا اور اس کھل اٹھا جیسے اسے اس کا انتظار ہی رہا ہو۔

دومنٹ بعد ہارڈی نیچے آ گیا۔

''کام ادھورا رہا کپتان صاحب۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''مگر یہ سب کچھ ہوا مجھے افسوس ہے کہ پی سنگ نکل گیا۔''

''اوہو! تو کیا آج کل پی سنگ سے تمہارے تعلقات اچھے نہیں تھے۔''

''کبھی اچھے نہیں تھے۔ میں چینیوں کو بالکل پسند نہیں کرتا اور پھر وہ تو انتہائی سُو ہے...... مگر بات کیا تھی کپتان صاحب۔''

''اُس نے سارجنٹ رمیش کو بند کر رکھا تھا، جو ہمیں بیہوشی کی حالت میں ملا۔ اُ تک ہوش نہیں آیا۔''

''اور ایسے مجرم کو انسپکٹر صاحب نے نکل جانے دیا۔'' ہارڈی نے متحیرانہ لہجے میں آہستہ سے بولا۔ ''یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے دو چار ہزار کے نوٹ تھما دیئے ہوں۔''

''خدا جانے......!'' حمید بولا۔ ''کیا تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکو گے۔''

''بھلا میں کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''پی سنگ نے شہر تو نہ چھوڑ دیا ہوگا۔''

ہارڈی کچھ سوچنے لگا۔ قاسم نے ہاتھ اٹھا کر ایک طویل انگڑائی لی اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے کچھ دیر قبل کھائی ہوئی مٹھائی کا مزہ اب ترشی میں تبدیل ہو گیا ہو۔ ساتھ ہی ایک ٹھنڈی سانس لے کر اُس نے اپنے پیٹ پر بھی ہاتھ پھیرا۔ جسمانی ورزش نے اُس کی بھوک چمکا دی تھی۔

''آپ کی تعریف......!'' دفعتاً ہارڈی نے قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''کرنل ٹاور۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا اور قاسم گدھے کی طرح پھول گیا اور ہارڈی کی طرف بڑی حقارت سے دیکھنے لگا۔

''محکمے میں نئے ہیں۔'' ہارڈی نے پوچھا۔

''تم مجھ سے پی سنگ کی بات کرو ہارڈی۔''

''پی سنگ۔'' ہارڈی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ''اس نے اپنی مٹی پلید کر لی۔ اب نہ وہ شہر چھوڑ سکے گا اور نہ یہی ممکن ہو گا کہ منظر عام پر آئے۔ اُس نے بھاگ کر سخت غلطی کی۔ ایک نہیں ہزار بہانے تھے۔''

''بہانہ تو اس نے بڑا شاندار پیدا کیا تھا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا مگر پھر ایک غلطی کر بیٹھا۔ ''اگر وہ ریوالور نہ نکالتا تو ہم اپنی بے گناہی کسی طرح نہ ثابت کر سکتے۔ ریوالور بغیر لائسنس کا تھا اور اس کے دستے پر صرف اسی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ وہ محض اس ریوالور کی وجہ سے بھاگ نکلا ورنہ...... ورنہ ہمیں تارے نظر آ جاتے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا کپتان صاحب۔'' ہارڈی نے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔

اس پر حمید نے بے کم و کاست پوری داستان دہرا دی۔ قاسم کو بڑا غصہ آیا۔ اُسے بھوک لگی ہوئی تھی اور وہ اس انتظار میں تھا کہ ہارڈی کھسکے تو وہ حمید سے کسی ہوٹل میں چلنے کی فرمائش کرے۔ مگر بات تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

''اچھا بس! خواہ مخواہ بے تکی ہانک رہے ہو۔'' قاسم غرایا۔

''میں آپ لوگوں کا بد اندیش نہیں ہوں جناب۔'' ہارڈی نے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کام ہی آ جاؤں۔''

"اسی وقت کام آؤ گے؟" قاسم نے نڈھال سی آواز میں پوچھا۔

ہارڈی اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ وہ تو اسے محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آفیسر سمجھا تھا۔ اس کے کہ وہ اُس جملے کی وضاحت چاہتا حمید بول پڑا۔

"اگر کام ہی آنا ہے تو دیر نہ کرو۔"

"دیکھئے...... میرا خیال ہے کہ پی سنگ اس وقت کارپینٹر کے قمار خانے میں ہوگا۔ نے غلط نہیں کہا تھا کہ پی سنگ شہر نہیں چھوڑ سکتا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ کارپینٹر کے قمار خانہ کا مالک دراصل پی سنگ ہی ہے۔"

"میرے لئے نئی اطلاع ہے۔"

"ہے نا!" ہارڈی چہک کر بولا۔ "پی سنگ کروڑوں کا آدمی ہے اور اس نے مختلف ناموں سے درجنوں کاروبار کر رکھے ہیں۔"

"اچھا تو پھر ہم کارپینٹر کے قمار خانے ہی میں کیوں نہ چلیں۔"

"ابھی نہیں...... ایک بجے سے پہلے ہرگز نہیں۔"

"اخ بجے۔" قاسم دہاڑا۔

"جی ہاں...... احتیاطً......!" ہارڈی جلدی سے بولا۔ وہ اسکے ڈیل ڈول سے بہت مرعوب معلوم ہو رہا تھا۔ حمید نے پھر اُسے اپنی طرف مخاطب کرنے کیلئے کہا۔ "اچھا تم کہاں ملو گے۔"

"یہیں اپنے فلیٹ میں۔ اب مجھے جانے دیجئے۔ پی سنگ بڑا چالاک ہے۔ وہ جہاں بھی ہوگا اس تک ایک ایک لحظہ کی خبریں پہنچ رہی ہوں گی۔"

"بہتر ہے جاؤ۔" حمید نے کہا۔ "میں ساڑھے بارہ بجے تک تمہارا انتظار کسٹم کراسنگ پر کروں گا! لیکن سو نہ جانا۔"

"نہیں جناب ایسا بھی کیا۔" ہارڈی نے کہا اور اپنے فلیٹ کی طرف چلا گیا۔

"غمید بھائی۔" قاسم کے حلق سے ایک دردناک سی آواز نکلی۔

"بھوکے ہو!" حمید نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"مجھے کھا جاؤ۔"

قاسم ہنسنے لگا۔ مگر اس کی ہنسی بڑی بے جان تھی، قہقہے کے اختتام پر بالکل ایسی ہی آواز اُس کے حلق سے نکلی جیسے کوئی گدھا رینک رہا ہو۔

"چلو...... یہاں کوئی ایسا ہوٹل نہیں ہے جہاں تمہارے معیار کے مطابق کھانا مل سکے۔" حمید کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہاں سے دونوں آرلیکچو میں آئے جہاں ان کی شخصیتیں گمنام نہیں تھیں۔ خصوصاً قاسم تو ویٹروں سے لے کر منیجر تک کی آنکھوں کا تارا تھا۔ وہ یہاں بیٹھ کر بے تحاشہ کھاتا اور بے تحاشہ پیسے بانٹتا۔ کاؤنٹر کلرک ایک اینگلو برمیز لڑکی تھی اس لئے قاسم بلاناغہ یہاں آتا تھا۔ قاسم ایک میز پر جم گیا اور حمید کاؤنٹر پر پہنچ کر سول ہسپتال کے نمبر رنگ کرنے لگا۔ اسے معلوم کرنا تھا کہ فریدی وہاں پہنچا یا نہیں۔ وہاں سے اسے ہولڈ آن کرنے کے لئے کہا گیا کیونکہ فریدی وہاں موجود تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد فریدی کی آواز آئی جو اُسے سول ہسپتال پہنچنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ حمید ریسیور رکھ کر قاسم کی میز پر آیا۔

"تم زہر مار کرو...... میں جا رہا ہوں۔"

"جاؤ......!" قاسم نے بڑے مخلصانہ انداز میں کہا۔ اُس نے کاؤنٹر کلرک کو حمید کی طرف دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں مسکراتے دیکھا تھا اور اس کی ہڈیاں سلگ گئی تھیں۔ یہ اینگلو برمیز لڑکی قاسم کو بہت پسند تھی کیونکہ وہ اُس سے بھی مسکرا کر ہی گفتگو کرتی تھی۔ وہ ہر گاہک سے مسکرا کر گفتگو کرتی تھی لیکن قاسم کے لئے یہ بھی ناقابل برداشت تھا۔ وہ ہر اُس لڑکی کو اپنی ملکیت سمجھنے لگتا جو اس سے سیدھے منہ بول لیتی۔

حمید چلا گیا۔ قاسم بیٹھا کھانے پر ہاتھ صاف کرتا رہا۔ اس کی میز پر ہمیشہ دو ویٹر ہوا کرتے تھے۔ پتہ نہیں کب کسی آرڈر کے سلسلے میں ایک کی غیر حاضری دوسرے آرڈر کی تعمیل میں حارج ہو جائے۔ کھانے کے دوران میں اس کی فرمائشات کا سلسلہ برابر جاری رہا کرتا تھا۔ اور آج تو اُس نے بھوک کی شدت کی وجہ سے حد ہی کر دی تھی۔ پوری میز پلیٹوں

گلاسوں اور قابوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود بھی اگر ایک ویٹر موجود تو دوسرا لازمی طور پر غائب ہوتا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک کھاتا رہا۔

آرلکچو کے پرانے گاہکوں کے لئے تو اب وہ عجوبہ نہیں رہ گیا تھا۔ مگر نئے آنے والوں کے لئے تو وہ خاصی دلچسپی کا سامان بن جایا کرتا تھا۔ عورتیں خاص طور سے اُسے دیکھتیں اور ہنس ہنس کر اپنے ساتھیوں سے سرگوشیاں کرنے لگتیں۔ اس وقت قاسم کو احساس ہوتا کہ وہ انہیں پرلے سرے کا بیوقوف نظر آتا ہوگا۔ بس پھر اُس سے بوکھلاہٹیں سرزد ہونے لگتیں۔ کبھی شوربے کی پلیٹ اپنے اوپر الٹ لیتا۔ کبھی پانی کی بوتل کی بجائے سرکے کی بوتل گلاس میں الٹ کر خیالی میں پینے لگتا اور پھر جب غلطی کا احساس ہوتا تو بُرا سا منہ بناتے وقت سارا سرکہ پھواروں کی شکل میں اس کے ہونٹوں سے اُبل پڑتا۔

آج بھی کچھ اسی قسم کی واردات ہوگئی۔ ہوا یہ کہ قاسم نے کھانے کے بعد کافی طلب کی اور اس انڈونیشی لڑکی میں دلچسپی لیتا رہا، جو اُس کے قریب ہی کی ایک میز پر تنہا بیٹھی تھی۔ اُس کے ہونٹ اور آنکھوں کے نیچے کے اُبھار قاسم کو بہت پسند آئے تھے۔ وہ لڑکی بھی کنکھیوں سے کبھی کبھی قاسم کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ قاسم نے اُسے محسوس کرلیا تھا۔ وہ ایک بار نظریں ملتے ہی کر کے مسکرائی بھی تھی۔ قاسم اُسے دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ اُس نے کافی میں شکر کی بجائے تین چمچے دانے دار نمک کے ڈال لئے اور پھر عادت کے مطابق ایک بڑا سا گھونٹ لیا، جو منہ میں رکے بغیر حلق سے نیچے اتر گیا۔

''اِع..... عی..... عی.....!'' اس نے ہونٹ پھیلا دیئے اور اُبکائیاں لینے لگا۔ خیریت یہی ہوئی کہ کپ ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر نہیں گرا۔

''خدا..... تم..... غو..... غارت کرے۔'' وہ ویٹر کی طرف مڑ کر دہاڑا۔

''جی صاحب!'' ویٹر چونک کر بولا۔

''یہ کیسی شکر ہے۔'' قاسم کی غراہٹ پورے ڈائننگ ہال میں سنی گئی۔

''شکر ہے صاحب۔'' ویٹر نے بوکھلا کر جواب دیا۔

''زہر ہے۔'' قاسم اُسی آواز میں چیخا۔ ''چکھو..... اسے..... چکھو نا..... ورنہ میں چائے

نا تمہارے سر پر توڑ دوں گا۔''

کئی لوگ اپنی میزوں سے اٹھ کر ان کے قریب آ گئے اور قاسم زہر ہی زہر کے نعرے لگاتا رہا۔ لیکن جلد ہی اس کی آواز دب گئی کیونکہ وہ انڈونیشی لڑکی بھی اٹھ کر اس کی میز کے قریب آ گئی تھی۔ اس کی رنگت گندمی تھی اور چہرہ ملیح تھا۔ ہونٹوں پر ہلکے رنگ کی لپ اسٹک اس کی بدسلیقگی کی دلیل تھی۔

قاسم اُسے قریب دیکھ کر یکلخت خاموش ہوگیا اور اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''کیا بات ہے؟''

''کک..... کافی.....!'' قاسم ہکلایا۔ ''آؤٹ آف..... آرڈر..... معلوم ہوتی ہے۔''

''اوہو..... تو اس پر اتنا غصہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' لڑکی اٹھلائی۔ ''آدمی کو انسانیت کے جامے سے باہر نہ ہونا چاہئے۔''

''جج..... جی..... ہاں..... جہاں..... ٹھیک ہے۔'' قاسم اس وقت صحیح الفاظ ادا کرنے سے قاصر تھا۔ وہ ہانپتا ہوا بیٹھ گیا۔ لوگ اپنی میزوں کی طرف واپس گئے لیکن لڑکی وہیں کھڑی رہی اور قاسم نے تھوک نگل کر بدقت تمام کہا۔ ''ترشیف..... تشریف..... ررر کھئے۔''

''میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپکی اصلاح کی ضرورت ہے۔'' لڑکی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جج..... جی..... ہاں اور کیا۔'' قاسم نے رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا۔

''آدمی اور جانور میں کیا فرق ہے۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''م..... میں سوچ کر جواب دوں گا..... ابھی..... ذرا ٹھہریئے۔'' قاسم نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تقریباً ڈیڑھ منٹ بعد مسکرا کر بولا۔ ''آدمی کے دم نہیں ہوتی..... جی ہاں..... اور کیا..... دم ہی تو۔''

''چلئے میں آپ کو بتاؤں کہ انسانیت اور آدمیت کسے کہتے ہیں۔''

''چلو..... کہاں..... ہی..... ہی..... ہی..... ضرور..... ضرور۔''

"میرا ایک اصلاح خانہ ہے۔ میں آپ کو آدمی بنا دوں گی۔"

قاسم خوش بھی تھا اور بدحواس بھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے بل کے دام چکائے کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگیا...... تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھے کسی نامعلو کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ کم از کم قاسم کے لئے تو وہ "منزل" نامعلوم ہی تھی۔ اس بھی پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ وہ اُسے کہاں لے جا رہی ہے۔

یہ سفر شاید ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ قاسم راستے بھر پچھلی سیٹ پر پڑا آنکھیں ہانپتا رہا تھا۔ اس لئے وہ نہ دیکھ سکا تھا کہ ٹیکسی شہر سے نکل کر ویرانے کی طرف جارہی ویسے اگر دیکھ بھی لیتا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ ٹیکسی ایک جگہ رکی اور اُسے مترنم آواز سنائی دی، جو اس سے نیچے اترنے کو کہہ رہی تھی۔ وہ شہر سے یہاں تک ٹیکسی کے پہلو میں بیٹھ کر آئی تھی، جیسے ہی قاسم کار سے اترا اس کی آنکھوں کے سامنے چمگا اڑنے لگے اور وہ دوسرے ہی لمحے میں کسی تناور درخت کی طرح زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ لگنے والی ضرب اتنی ہی شدید تھی۔

کیا فریدی پاگل تھا

فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے کچھ تھا...... تھوڑی دیر بعد اس نے حمید سے کہا۔

"رمیش کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔"

"یعنی......!" حمید بوکھلا گیا۔ اُسے رمیش سے بڑی محبت تھی۔

"ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ شاید اس کا ذہنی توازن ہمیشہ کے لئے بگڑ جائے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ پی سنگ نے ایسی جرأت کس طرح کی۔" حمید نے کہا۔

"پی سنگ......!" فریدی نے اپنا نچلا ہونٹ پھر دانتوں سے دبا لیا اور کچھ دیر بعد

"پی سنگ پر بہت عرصہ سے میری نظر تھی۔ رمیش عرصہ سے اُس کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ کیس سے پی سنگ کا کیا تعلق ہے۔"

"موجودہ کیس سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"وحشی لڑکیاں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور خاموش ہوگیا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیس کس طرح سے ہے۔"

"کیوں......!"

"آپ کا یہی خیال ہے نا کہ یہ کوئی مرض نہیں ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے وہ ناخن اکھاڑ وبا کوئی مرض نہیں تھی۔"

"ہاں میرا خیال یہی ہے۔"

"مگر آپ نے اس کے مقصد پر بھی غور کیا ہے۔"

"یہ بجائے خود مقصد ہے۔"

"وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے۔ ورنہ مرنے کے بعد بھی میں......!"

"وضاحت! قبل از وقت ہوگی۔ تم اسکی پرواہ نہ کرو۔ ہوسکتا ہے میں غلطی ہی پر ہوں۔"

"خیر...... جانے دیجئے! ویسے میری دانست میں اگر لڑکیوں کا یہ وحشیانہ پن بجائے خود ایک مقصد ہے تو اس میں جرم کہاں سے آئے گا اور اگر جرم ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے۔ اگر ایک لڑکی کسی دوکاندار کو چاقو مار دیتی ہے یا اگر کوئی لڑکی اپنے باپ پر چاقو لے کر دوڑتی ہے یا کلاک ٹاور پر پتھراؤ کرتی ہے تو آپ ان سارے واقعات کو ایک ہی رشتے میں کیسے منسلک کریں گے۔ ناخن اکھاڑ وباء کا شکار تو ملک کے بہت بڑے بڑے لوگ ہوتے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ قوم کو بہترین قسم کے دماغوں سے محروم کر دیا جائے۔ مگر اس کیس میں!"

"ہاں ٹھیک ہے! واقعات ایسے ہی ہوتے ہیں کہ انہیں ایک رشتے میں منسلک نہیں کیا جاسکتا لیکن کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ صرف طالب علم لڑکیاں ہی اس وباء کا شکار ہو رہی ہیں اور لڑکیاں بھی وہ جو مالدار طبقے سے تعلق رکھتی ہیں۔"

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ مقصد کیا ہے۔"

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔ خود مجھے بھی معلوم نہیں......لیکن۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھری اور اُسے سلگاتا ہوا بولا۔ "ویسے جہاں تک روزی کا تعلق ہے اُس سے گفتگو کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے اور کچھ اس انداز میں کہ ساتھ ہی ساتھ چیلنج بھی کرتی جاتی تھی کہ سرکاری سراغرساں بھی اسے نہ معلوم کر سکیں گے جو کچھ وہ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"لیکن تم اُسے یاد رکھنا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ لڑکی ہماری معلومات کا ذریعہ ضرور بنے گی۔"

"یعنی آپ کو توقع ہے کہ وہ خود ہی سب کچھ اُگل دے گی۔ برضا و رغبت۔"

"نہیں بلکہ وہ ہمیں شکست دینے کے خبط میں مبتلا ہو کر یقینی طور پر حماقتیں کرے گی۔"

"یہ ستاروں کی چال کے مطابق پیشین گوئی ہے یا آپ کی جمالیاتی حس۔"

"تم مجھ پر طنز کر رہے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"نہیں میں نہایت شرافت سے گفتگو کر رہا ہوں۔ ویسے میں آپ کو مطلع کر دوں کہ قاسم اُسے اپنی طرف متوجہ کی فکر میں ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ یہ پیشین گوئی محض اس کی افتادِ طبع کی بناء پر تھی۔"

"خیر!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اب میں ہارڈی سے ملنے جا رہا ہوں۔"

"جاؤ......!" فریدی بولا۔ "مگر میرا دل نہیں چاہتا کہ ہارڈی پر اعتماد کرلوں۔"

"پی سنگ سے اُس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔ "مجھے اس کا علم ہے۔ ہارڈی سمجھتا ہے کہ بندرگاہ کے علاقہ پر خود چھایا ہوا ہے، اور پی سنگ! وہ تو وہاں کا بے تاج بادشاہ سمجھا ہی جاتا رہا ہے حالانکہ دونوں میں آج تک کھلم کھلا ٹکراؤ نہیں ہوا، مگر اندرونی حالات سے میں بے خبر نہیں ہوں۔"

"تمہاری مرضی......ویسے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"تو آپ بھی چلئے نا۔"

"میں بے بس تو نہیں ہوں کہ ہارڈی جیسے چھچھورے آدمیوں سے مدد طلب کروں۔"

"طاقت والے کیس میں کیا ہوا تھا۔" حمید کا لہجہ پھر طنزیہ ہو گیا۔

"میرے گھونسوں نے اُس سے حقیقت اُگلوائی تھی......اب تم جا سکتے ہو۔ میرا دماغ نہ چاٹو لیکن گاڑی نہ لے جانا۔"

"ہائیں......پیدل!"

"جاؤ......میرا وقت نہ برباد کرو۔"

حمید لباس تبدیل کر کے باہر آیا۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد ایک ٹیکسی لی اور کسٹم کراسنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہارڈی کے معاملے میں اس نے فریدی کو مطمئن کرنے کی کوشش ضرور کی تھی۔ مگر اب خود بھی مطمئن نہیں تھا۔ فریدی کے اندازے بہت کم غلط ثابت ہوا کرتے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ہارڈی سچ مچ نہ دھوکا دے جائے مگر اب تو چل ہی پڑا تھا۔ واپسی پر بڑی مضحکہ خیز ہوتی۔ فریدی اس پر ضرور پھبتیاں کستا۔ اس نے سوچا کہ وہ کارپینٹر کے قمار خانے میں قدم بھی نہ رکھے گا۔ اس طرح ہارڈی کا بھی امتحان ہو جائے گا۔"

کسٹم کراسنگ پر ہارڈی اس کا منتظر تھا۔

"کیا آپ تنہا ہیں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"نہیں تم بھی تو ہو میرے ساتھ......!" حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"تب پھر میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا کہ آپ کارپینٹر کے قمار خانے میں قدم بھی رکھیں۔ وہ بہت بُری جگہ ہے۔ آپ کو اس کا علم ہے کہ وہاں غیر قانونی طور پر جوا ہوتا ہے لیکن کیا ایک بار بھی پولیس کا چھاپہ کامیاب ہو سکا ہے؟"

"ٹھیک ہے! ابھی تک ہم اُسے قمار خانہ نہیں ثابت کر سکے۔" حمید بولا۔

"پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ آپ وہاں تنہا جائیں۔"

"میں بھیڑ بھاڑ بالکل نہیں پسند کرتا۔" حمید نے جواب دیا۔

"شعلوں کا ناچ" جلد نمبر 16 ملاحظہ فرمائیے۔

"میں کب کہتا ہوں کہ آپ اپنے ساتھ دس پانچ آدمی اندر لے جائیے۔ وہاں تو ہر
دو ہی جائیں گے۔"

"پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"کم از کم دس آدمیوں کو باہر موجود رہنا چاہئے جو ضرورت پڑنے پر اندر بلائے جاسکیں۔"

"لیکن اس وقت ایسے آدمیوں کا مہیا ہونا ممکن نہیں ہے۔ ویسے غالباً تمہاری مراد
لباس والوں سے ہے۔"

"جی ہاں! میں یہی چاہتا ہوں۔ کم از کم دس سادہ لباس والے۔"

"بہت مشکل ہے...... آؤ تم ڈرتے کیوں ہو۔"

"میں ڈرتا نہیں ہوں۔" ہارڈی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں نے تو آپ ہی کے بھلے کے لئے کہا تھا۔ رہ گیا میرا معاملہ تو وہ خود کارپینٹر کا قمار خانہ ہو خواہ محکمہ سراغرسانی کا دفتر میں ہر جگہ اپنی ہی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہوں۔"

"چلو بیٹھو......!" حمید نے اُسے ٹیکسی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی سب جانتے ہیں۔ خواہ وہ کارپینٹر کا قمار خانہ ہو خواہ کسی درزی کی دوکان۔"

"آپ کی مرضی۔" ہارڈی ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا بڑبڑایا اور ٹیکسی پھر چل پڑی۔ حمید ہارڈی کے پاس ہی پچھلی سیٹ پر موجود تھا۔

"سارجنٹ رمیش والے معاملے کے متعلق کرنل صاحب کا کیا خیال ہے۔" ہارڈی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں! شام سے اب تک میری اور ان کی ملاقات نہیں ہوسکی۔ رمیش کی حالت بہت نازک ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد وہ پاگل ہوجائے گا۔"

"یعنی واقعی...... پی سنگ کی شامت آگئی ہے۔" ہارڈی اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔

کارپینٹر کے قمار خانے سے تھوڑے فاصلے پر انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل ہی آگے بڑھے۔ دفعتاً ہارڈی نے رک کر کہا۔ "ہم گویا موت کے منہ میں کودنے جارہے ہیں۔ میں ایک بار پھر آپ کو باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔ اگر پی سنگ وہاں موجود ہو تو وہاں سے

باہر نکلنا مشکل ہوجائے گا۔"

"ہاں! ایک بات میں مان سکتا ہوں کہ قمار خانے والے میری صورت دیکھتے ہی بھڑک جائیں گے۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔" ہارڈی بولا۔

"اچھا تو پھر ایک دوسری صورت بھی ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس طرح شاید میں کسی قسم کے خطرے میں پڑے بغیر ہی کامیاب ہوجاؤں۔"

"وہ کیا......؟"

"صرف تم اندر جاؤ...... اگر پی سنگ موجود ہو تو مجھے مطلع کردینا۔ پھر اس کے فرشتے بھی وہاں سے نہ نکل سکیں گے۔"

"اب آپ آئے ہیں قرینے پر۔" یہی میں بھی چاہتا ہوں۔ اچھا آپ چچن بار میں میرا انتظار کیجئے۔ میں نے اپنی طرف سے یہ تجویز پیش کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا کہ کہیں آپ کو بری نیت میں فتور نہ نظر آنے لگے۔

"ارے...... واہ......!" حمید ہنسنے لگا۔ "اگر مجھے تم پر اعتماد نہ ہوتا تو یہاں تک آتا ہی کیوں اور اگر آتا بھی تو تنہا کبھی نہ آتا۔"

ہارڈی اسے وہیں چھوڑ کر ایک نیم روشن گلی میں گھس گیا اور حمید ٹہلتا ہوا چچن بار کی طرف چلا جو یہاں سے صرف دو سو قدم کے فاصلے پر تھا۔

لیکن وہ ابھی اس کے دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ ایک آدمی بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا اس کے قریب سے نکلا اور کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر فٹ پاتھ پر گر پڑا۔

"ارے......!" حمید کے منہ سے بیساختہ نکلا۔ یہ گرنے والا ہارڈی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ حمید جھپٹ کر اُسے اٹھانے لگا۔

"اوہ...... کیپٹن!" ہارڈی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ "وہ نکلا جارہا ہے۔ وہ اُدھر۔" اُس نے بڑی تیزی سے مڑ کر مخالف سمت میں اشارہ کیا۔ سڑک سنسان تھی اور تھوڑے ہی فاصلے پر صرف ایک چلتی ہوئی کار کا عقبی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔

پھر وہ اچھل کر کھڑا ہوتا ہوا متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "کیا کریں...... وہ نکل جا
ٹیکسی بھی نہیں ہے۔"

پھر دفعتاً وہ سڑک کے دوسرے کنارے کی طرف دوڑنے لگا۔ حمید نے بھی اس کا دیا۔ دوسری طرف فٹ پاتھ سے لگی ہوئی ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی۔

ہارڈی نے اُسے بڑی پھرتی سے اسٹارٹ کیا اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "بیٹھ جا

"پتہ نہیں کس کی ہو۔" حمید بڑبڑایا۔

"قانون آپ کا ساتھ دے گا کیونکہ آپ ایک مجرم کا تعاقب کر رہے ہیں...... چلئے

حمید کیریئر پر بیٹھ گیا اور دوسرے ہی لمحے میں موٹر سائیکل ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

"واہ رے مقدر......!" ہارڈی ہنس کر بولا۔ "موٹر سائیکل بھی واٹر کول انجن کی بالکل بے آواز۔"

اگلی کار شہر سے ویرانے کی طرف جا رہی تھی۔ شہر سے نکلتے ہی ہارڈی نے موٹر سائیکل ہیڈ لائٹ بجھا دی۔

"یار کہیں ایکسیڈنٹ نہ کر بیٹھنا۔" حمید بڑبڑایا۔

"میں اناڑی نہیں ہوں کپتان صاحب!"

حمید دل ہی دل میں اس کی پھرتی اور مستعدی کی تعریف کر رہا تھا۔ اگلی کار کی رفتار تیز تھی۔ اس میں اور موٹر سائیکل کے درمیان دو فرلانگ کا فاصلہ ضرور رہا ہوگا۔ اچانک ایک کار رک گئی اور ادھر ہارڈی نے بھی بریک پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ موٹر سائیکل کی رفتار کم ہو گئی۔

"ہوشیار......!" ہارڈی نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔ حمید نے پیر نیچے لٹکا دیئے۔ سائیکل رک گئی۔ وہ اب بھی کار سے کچھ فاصلے پر تھی۔

حمید کیریئر سے اُتر ہی رہا تھا کہ اچانک اُسے گھٹن کا احساس ہوا۔ کوئی چیز تیزی سے پر گری تھی اور پھر اُسے ہاتھ پیر ہلانے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ سر سے پیر تک ایک کمبل میں لپٹا تھا۔ اس نے یکلخت اپنے پورے جسم کا زور صرف کر کے اس وبال سے نکلنے کی کوشش کی کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہ لوگ تعداد میں پانچ تھے اور پانچوں نے کیکڑوں کی طرح اپنے

اُس کے گرد جما دیئے تھے۔ حمید نے ہارڈی کے قہقہے کی آواز سنی جس میں کسی درندے کی سی غراہٹ بھی شامل تھی۔

پھر اُس کے پیر زمین سے خود بخود اٹھ گئے۔ حمید نے ایک بار پھر رہائی کے لئے جدوجہد کی لیکن بے سود۔ کمبل میں اس کا دم گھٹ رہا تھا

لیکن جب وہ لوگ اسے اٹھا کر چلنے لگے تو اس کے چہرے پر ہلکی سی ٹھنڈی ہوا لگی جس کی بناء پر اوسان بجا رکھنے میں مدد مل گئی۔

پھر ایک جگہ اُسے زمین پر پٹخ دیا گیا۔ حمید نے بے تحاشہ جست لگائی اور کمبل سے نکل گیا۔ ساتھ ہی اُسے کئی تمسخر آمیز قہقہے سنائی دیئے لیکن اسے حسرت نکالنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ اس کی طرف پانچ ریوالور کی نالیں اٹھی ہوئی تھیں۔ ہارڈی نے بڑھ کر اس کی جیب سے ریوالور نکال لیا۔

یہ کچی دیواروں کا ایک وسیع کمرہ تھا اور یہاں آٹھ آدمی تھے۔ پانچ وہ جن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ چھٹا ہارڈی ساتواں پی سنگ جس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ سب سے زیادہ حیرت حمید کو آٹھویں آدمی پر ہوئی۔ یہ آٹھواں آدمی قاسم تھا جسے ایک کرسی میں بٹھا کر رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر خون نظر آ رہا تھا اور قمیض بھی سینے تک خون میں بھیگی ہوئی تھی۔ لیکن وہ بیہوش نہیں تھا۔ تیل سے جلنے والے لیمپ کی روشنی میں اس کا چہرہ بڑا ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا۔

"حمید صاحب۔" ہارڈی نے مسکرا کر کہا۔ "یہ جگہ بڑی پرفضا ہے۔ تھوڑی ہی دور پر ایک تالاب ہے جہاں مولسری کے کئی درخت ہیں۔ وہیں میں نے آپکی قبر کیلئے جگہ منتخب کر لی ہے۔"

"نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں پہلے طوائفوں کے محلے میں اپنے لئے زمین الاٹ کرا چکا ہوں۔"

"ذرا ہی سی دیر میں ساری زبانی طراریاں دھری رہ جائیں گی کپتان صاحب۔"

"خبردار حمید بھائی۔" دفعتاً قاسم دھاڑا۔ "ان حرامزادوں کو وہ بات ہرگز نہ بتانا۔"

حمید سمجھ گیا کہ وہ اُس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں مگر قاسم کو کس بات کا علم

تھا؟ حمید سوچنے لگا۔ مگر پھر حقیقت اس پر روشن ہوگئی...... موٹی عقل والے بھی اپنی زندگی خطرے میں دیکھ کر حیرت انگیز طور پر عقلمند ہوجاتے ہیں۔ قاسم نے شاید اسی میں اپنی بہتری سمجھی تھی کہ خواہ مخواہ جھوٹ بولتا رہے۔ ہوسکتا ہے کہ اُس نے اُن سے یہی کہا ہو کہ وہ کوئی اہم بات جانتا ہے۔ مگر بتائے گا نہیں کیونکہ ایسی صورت میں عموماً خاموشی ہی پر زندگی کا انحصار ہوا کرتا ہے۔"

"بیکار باتوں میں وقت ضائع نہ کرو تو بہتر ہے۔" پی سنگ نے ہارڈی سے کہا۔

"مجھے تمہارے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" ہارڈی خشک لہجے میں بولا۔ "میں نے تو یہ سب کچھ اپنی روح کی تسکین کے لئے کیا ہے۔ ان میں سے اگر ایک کو بھی میں جان سے مار سکا تو سمجھوں گا کہ میری زندگی فضول نہیں ضائع ہوئی۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو احسان فراموش کتے!" حمید گرجا۔

"ہاں میں کہہ رہا ہوں۔ تمہیں ایسی اذیتیں دے کر ہلاک کروں گا کہ......!"

"کیپٹن حمید!" پی سنگ کی آواز ہارڈی کی آواز پر حاوی ہوگئی اور ہارڈی اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگا۔ وہ خاموش ہوگیا لیکن نفرت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے دوسری طرف دیکھتا رہا۔

"کیپٹن حمید!" پی سنگ بولا۔ "تم لوگ کس چکر میں ہو۔"

"میں تو مس جوزف کے چکر میں ہوں۔ دوسروں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"شاباش حمید بھائی۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔ "ڈرنا مت۔"

قاسم نے یہ قہقہہ زبردستی لگایا تھا۔ حمید نے اسے محسوس کرلیا۔

"یہ کبھی نہیں بتائیں گے۔" دفعتاً پی سنگ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اور اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "اسے بھی باندھ دو اور انگیٹھی میں کوئلے دہکاؤ۔"

"آہا...... اب تم نے کام کی بات کی ہے۔" ہارڈی بیساختہ ہنس پڑا۔ "یہ خدمت مجھے سونپ دو۔ میں اس کے جسم کی ساری چربی نکال لوں گا۔"

حمید کو بھی ایک کرسی میں گرا کر ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑ دیئے گئے۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکیں لیکن یہ محال تھا کیونکہ بیک وقت چھ آدمی اُس سے لپٹ پڑے تھے اور پی سنگ نے ریوالور سنبھال لیا تھا۔ آخر کار انہوں نے حمید کو بے بس کرکے

باندھ ہی لیا۔

"ابے تم لوگ بالکل عورت ہو۔" قاسم بڑبڑایا۔ "صرف میرا ایک ہاتھ کھول دو پھر میں تمہیں تماشا دکھاؤں۔"

"تمہاری یہ حسرت بھی پوری کردی جائے گی۔" ہارڈی مسکرا کر بولا۔ "مگر سب سے پہلے تماشا پیش کرنے کا فخر ہم حاصل کریں گے۔"

ایک آدمی باہر چلا گیا۔ غالباً وہ انگیٹھی میں کوئلے دہکانے کے لئے گیا تھا۔ ہارڈی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک سناٹے میں ایک نسوانی چیخ گونجی "بچاؤ...... بچاؤ۔"

"یہ کون ہے؟" پی سنگ نے ہارڈی سے پوچھا جو دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"پتہ نہیں۔" ہارڈی نے رک کر کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر پی سنگ کی طرف مڑے بغیر بولا۔ "کیا یہاں کوئی عورت بھی تھی۔"

"تھی۔" پی سنگ نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "مگر اب نہیں ہوسکتی۔ میں نے اُسے واپس جانے کی تاکید کردی تھی...... اور!"

چیخ پھر سنائی دی لیکن اس بار ایسا معلوم ہوا تھا جیسے یہ آواز دور سے آئی ہو۔ یقینی طور پر پہلی چیخ کی آواز اتنی دور سے نہیں آئی تھی۔

"جاؤ دیکھو......!" پی سنگ نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

چاروں آدمی باہر نکل گئے۔ ہارڈی نے بھی جانا چاہا لیکن پی سنگ بول پڑا۔

"تم یہیں ٹھہرو گے۔" اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

"کیوں......؟" ہارڈی غرا کر پلٹا۔ شاید اسے اس کا لہجہ ناگوار گزرا تھا۔

"تم میرے ساتھ ہی باہر نکلو گے۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں...... کیا میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں۔"

"نہیں تم تو میری محبوبہ کے نوکر کے باپ ہو۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "ویسے پی سنگ تم بڑے کمینے معلوم ہوتے ہو۔ ہارڈی نے تمہارے لئے کتنی محنت کی ہے، اگر میں ہارڈی کی جگہ ہوتا تو مار مار کر تمہارا بھرکس نکال دیتا۔"

"شٹ اپ......!" پی سنگ چیخا۔

"سچی بات کڑوی لگتی ہے۔ ہارڈی تم سے کمزور نہیں ہے۔" حمید بولا۔

اس وقت پی سنگ کے ہاتھ میں ریوالور نہیں تھا۔ اُسے وہ پہلے ہی جیب میں تھا۔ دفعتاً ہارڈی نے پی سنگ پر چھلانگ لگا دی لیکن پی سنگ کی بجائے وہ دیوار سے پی سنگ دور کھڑا جیب سے ریوالور نکال رہا تھا۔

"تم اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرو گے۔" اس نے آہستہ سے کہا اور ہارڈی وہیں تھم گیا۔

"پی سنگ......ریوالور زمین پر ڈال دو۔" دروازے سے فریدی کی آواز آئی۔

پی سنگ کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

پی سنگ نے چپ چاپ ریوالور زمین پر ڈال دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایسا ہوا جیسے وہ اڑ کر کھڑکی سے گذر گیا ہو۔ ساتھ ہی ایک فائر بھی ہوا لیکن حمید کی دانست میں نے کارتوس ہی برباد کیا تھا۔ پی سنگ کے مقابلے میں وہ اس وقت کم پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔

حوالات میں حُسن

"آہا...... ہارڈی! تم اس کی نقل کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے۔" فریدی نے کہا۔ الحال گیا۔ ایسا احمق نہیں ہے کہ دوبارہ پلٹ کر خود کو خطرے میں ڈالے۔"

"نہیں کرنل۔" ہارڈی جواباً مسکرایا۔ "مجھے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے، میری نیت صاف

"ذرا اس کی بھی وضاحت کر دو۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ آئیں گے۔ اگر میں ڈرامہ نہ کھیلتا تو پی سنگ کا پھنسنا لیکن آپ کی جلد بازی نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔"

"اوہو! تو گویا تم نے مصلحتاً یہ سب کچھ کیا تھا۔"

"جی ہاں! اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا۔ اگر میں کپتان صاحب کو پہلے ہی

بتا دیتا تو میں اتنی سچی اداکاری کبھی نہ کر سکتا۔"

"ان دونوں کو کھول دو۔" فریدی نے قاسم اور حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں کھول دوں گا۔" ہارڈی نے کہا۔ "لیکن آپ پی سنگ کو دیکھئے۔ اگر اُسے موقع مل گیا تو ہمارا یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"میں تمہارے مشورے کا محتاج نہیں ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔"

"شاید آپ میری طرف سے بدگمان ہیں۔"

"ہارڈی!" فریدی غرایا۔

ہارڈی چپ چاپ آگے بڑھا اور حمید کو کھولنے لگا۔ وہ کنکھیوں سے فریدی کی طرف بھی دیکھتا جا رہا تھا لیکن فریدی خاموش کھڑا رہا البتہ ریوالور کا رخ اب بھی ہارڈی ہی کی طرف تھا۔

حمید نے چھوٹتے ہی ہارڈی پر حملہ کر دیا۔

"خبردار......نہیں۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

ہارڈی کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ وہ فریدی جیسے آدمی کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ اچانک باہر قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پی سنگ کے پانچوں آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ لیکن جیسے ہی اُن کی نظر فریدی پر پڑی انہوں نے دروازے کی طرف پلٹنا چاہا۔

"ٹھہرو......!" فریدی نے انہیں للکارا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

وہ سب جہاں تھے وہیں رک گئے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ بھی اٹھا دیئے۔ کیونکہ وہ اس وقت خالی ہاتھ تھے۔

"تم لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہوگے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "میری عادتوں سے بھی واقف ہوگے۔ نہ واقف ہو تو سنو! میری ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی بعض اوقات رکنا نہیں جانتی۔"

وہ کچھ نہیں بولے۔ چپ چاپ ہاتھ اٹھائے کھڑے رہے۔ اتنی دیر میں حمید قاسم کو بھی کھول چکا تھا اور قاسم ان پانچوں کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

"فریدی صاحب! کیا میں ان سالوں کو سنبھال لوں۔" قاسم نے پوچھا۔

"نہیں......!" فریدی نے جواب دیا۔ پھر حمید سے بولا۔ "انکی جیبوں سے ریوالور نکا
حمید نے بڑی تیزی سے ان کی جامہ تلاشی لے کر پانچ ریوالور برآمد کر لئے پھر وہ
کا اشارہ پا کر ہارڈی کو بھی ٹٹولنے لگا لیکن اُس کے پاس سے ایک بڑے چاقو کے علاوہ
نہ نکلا۔ اب فریدی نے ان پانچوں کو مخاطب کر کے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"ہارڈی کو مارو۔"

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔" ہارڈی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"دوسری صورت میں تم ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاؤ گے ہارڈی۔ فریدی حفاظ
اختیاری کے سلسلے میں ایک نہیں دس آدمیوں کو جان سے مار سکتا ہے اور میں تم لوگوں کو
ہوں کہ میرے حکم کے خلاف تمہارا ایک قدم بھی تمہیں موت ہی کی طرف لے جائے گا۔
مارو...... ہارڈی کو۔ نہیں قاسم! تم صرف دیکھو گے۔ پیچھے ہٹو۔"

قاسم بُرا سا منہ بنائے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

وہ لوگ ہارڈی ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ لیکن انداز سے ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا
اُس پر ہاتھ اٹھانے کی بھی جرأت کر سکیں گے۔

"اچھا تو پھر تم ہی ان لوگوں کو مارو۔" فریدی بولا لیکن اس کی سنجیدگی میں ذرہ برا
فرق نہیں آیا تھا۔

"آخر آپ کی منشاء کیا ہے۔"

"کیا تم ابھی تک نہیں سمجھ سکے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "حالانکہ میں
زبان میں گفتگو کر رہا ہوں۔ خیر چلو تمہاری خاطر ایک بار پھر دہرا دوں۔ کم سے کم الفاظ
مطلب یہ ہے کہ یا تو تم ان لوگوں کے ہاتھوں پٹو یا انہیں پیٹو۔"

"میں پیٹ دوں سب سالوں کو۔" قاسم نے لجاجت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"نہیں! میں نہیں چاہتا کہ ہارڈی جیسے ذلیل احسان فراموش کتے کو کوئی شریف
ہاتھ بھی لگائے۔"

اُس نے ان پانچوں آدمیوں کو پھر ٹوکا اور ساتھ ہی اُس کے ریوالور سے ایک شعلہ بھی نکلا۔ اُن میں سے ایک کی فلٹ ہیٹ اڑ گئی اور وہ بدحواسی میں اچھل کر ہارڈی پر جا پڑا۔ ہارڈی نے اُسے فریدی کی طرف دھکیل دیا۔ فریدی سو نہیں رہا تھا۔ اُس نے پیچھے ہٹ کر ایک لات اُسے رسید کر دی اور وہ پھر ہارڈی ہی پر جا گرا۔ لیکن اس بار اُس نے ہارڈی کی گردن پکڑ لی اور ہارڈی نے اس کے جبڑے پر دو تین کے رسید کر دیئے بس پھر کیا تھا۔ جنگ شروع ہو گئی۔ وہ چاروں بھی ہارڈی پر پل پڑے۔

حمید فریدی کی اس حرکت کو بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک بالکل ہی انوکھا خیال تھا یعنی فریدی ہارڈی کو ان لوگوں سے پٹوا رہا تھا جن کی اس نے مدد کی تھی۔ ہارڈی کے لئے اس سے زیادہ تلخ تجربہ اور کیا ہوتا۔ وہ غصے سے آگ ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اُس کا لباس تار تار ہو گیا۔ ویسے وہ کسی وحشی درندے کی طرح اُن لوگوں سے نپٹ رہا تھا۔ اُن لوگوں کے انداز سے بھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُسے ختم ہی کر کے دم لیں گے۔ اُن کے چہرے لہولہان تھے اور جسم کے دوسرے حصوں پر بھی چوٹیں آئی تھیں۔

ہارڈی، ہارڈی ہی تھا۔ پانچ کیا اگر دس بھی ہوتے تو وہ خود پر انہیں قابو نہ پانے دیتا۔

"آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہیگا۔" حمید نے فریدی کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔

"پرواہ مت کرو۔ کیا یہ کھیل دلچسپ نہیں ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ ہارڈی اب تک دو آدمیوں کو گرا چکا تھا اور وہ بیہوش پڑے تھے پھر تیسرے کا اضافہ ہو گیا اور باقی بچے ہوئے آدمی ہارڈی کو گرا دینے کے لئے اپنی رہی سہی طاقت صرف کرنے لگے۔

باہر تاریکی اور سناٹے کی حکمرانی تھی اور یہاں اس کمرے میں موت و حیات کی کشمکش جاری تھی۔ ایک بار ان دونوں نے ہارڈی کو گرا ہی لیا لیکن شاید اب ان میں اتنی سکت ہی نہیں رہ گئی تھی کہ اپنے پیروں پر کھڑے رہ سکتے۔ ہارڈی کے ساتھ ہی وہ دونوں بھی اُسی پر ڈھیر ہو گئے۔ تینوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ بُری طرح ہانپ رہے تھے لیکن پورے جسم میں صرف آنکھیں ہی حرکت کر رہی تھیں۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ پتہ نہیں وہ خود اس وقت ذہنی حالت

کے کس اسٹیج سے گزر رہے تھے۔ حمید کو تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ تین بے بس پرندے
کے سارے پر کسی شریر بچے نے نوچ کر سکنے کے لئے چھوڑ دیا ہو۔

اُس نے فریدی کی طرف دیکھا اور کانپ کر رہ گیا۔ اُسے اس کی آنکھوں میں چمک نظر آرہی تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جو عموماً شریر ہی بچوں کے ہو نظر آتی ہے۔

''آؤ! واپس چلیں۔'' فریدی نے حمید اور قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اور...... یہ!'' حمید نے زخمیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''انہیں یہیں مرنے دو۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

قاسم اور حمید بھی باہر آئے۔ حمید نے مڑ کر اُس عمارت کی طرف دیکھا۔ یہ مٹی [illegible] تھی۔ اندھیرے میں بھی اس کا بیڈھنگا پن محسوس کیا جاسکتا تھا۔ چاروں طرف درختوں جھاڑیوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔

وہ دونوں خاموشی سے فریدی کے پیچھے چلتے رہے۔ ایک جگہ رک کر فریدی نے روشن کی اور پھر چلنے لگا۔ جھاڑیوں میں فریدی کی چھوٹی سی آسٹن کار موجود تھی۔

''اُسے سڑک پر لے چلو۔'' اس نے حمید سے کہا۔ ''آگے چل کر جہاں جھاڑ سلسلہ ختم ہوتا ہے داہنی طرف مڑ جانا۔''

''یہاں کسی عورت کی چیخیں......!''

''ہاں! چلو اپنا کام کرو۔ وہ میری روح چیخ رہی تھی تمہارے لئے۔''

حمید کار میں بیٹھ کر اُسے اسٹارٹ کرنے لگا اور فریدی نے قاسم سے پوچھا۔ ''تم آ پھنسے تھے۔''

''جی ہاں...... وہ...... بس پھنس گیا۔''

''کوئی لڑکی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''لل...... ہی...... ہی...... نن نہیں تو......!''

''تم دونوں کسی دن لڑکیوں ہی کے چکر میں ختم کر دیئے جاؤ گے۔''

قاسم کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر وہ سڑک کی طرف چلنے لگا۔ قاسم کھانستا کھنکارتا ہوا اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔ کئی بار جھاڑیوں سے الجھ کر گرتے گرتے بچا۔ حمید کار [illegible] سڑک پر اُن کا منتظر تھا۔

''تم ہی کار ڈرائیو کرو گے۔'' فریدی نے اس سے کہا۔ پھر قاسم سے بلند آواز میں بولا۔ ''تم بھی آگے ہی بیٹھو۔ میں پچھلی سیٹ پر تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں۔''

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ قاسم پہلے ہی حمید کے برابر بیٹھ چکا تھا۔ کار چل پڑی۔ حمید کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اس کی دانست میں ابھی تک فریدی کی ساری حرکتیں ہوشمندی کے منافی رہی تھیں۔ ان لوگوں کو اس طرح آپس میں لڑانا۔ پھر انہیں اُس حال میں وہیں چھوڑ کر چلے آنا۔ اس قسم کی حرکتیں کسی ہوشمند آدمی سے نہیں سرزد ہوسکتیں۔ آخر فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔ حمید سوچتا رہا لیکن فریدی سے پوچھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فریدی کچھ نہ بتائے گا۔ پھر وہ قاسم سے پوچھنے لگا کہ وہ وہاں کیسے پہنچ گیا تھا۔ قاسم نے بڑی مشکل سے پورا واقعہ دہرایا۔ وہ دراصل اس موضوع ہی کو ٹال جانا چاہتا تھا۔

''تم کسی دن لڑکیوں کے چکر میں اپنی موٹی سی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔'' حمید بولا۔

''یہی فریدی صاحب نے بھی کہا تھا۔'' قاسم نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اب مجھے ڈر معلوم ہو رہا ہے...... مگر میں بالکل چغد ہو جاتا ہوں۔''

''چغد نہیں بھینس۔ چغد تو ایک چھوٹے سے پرندے کو کہتے ہیں۔''

''تم خود بھینس۔!'' قاسم جھنجھلا گیا۔ ''ہاں نہیں تو۔''

پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ کار جنگل کے سناٹے میں دوڑتی رہی۔ حمید کا ذہن پھر کچھ دیر قبل پیش آئے ہوئے واقعات میں الجھ گیا۔ پی سنگ اور ہارڈی کا باہمی تعاون اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا جب کہ دونوں آپس ہی میں لڑ مرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ آخر پی سنگ کو پریشانی کیوں تھی؟ وہ کیوں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ فریدی نے اس کے پیچھے اپنے آدمی کس مقصد سے لگا رکھے ہیں...... پھر وہ لڑکیوں کے اس عجیب و غریب مرض کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا فریدی کی دانست میں اس کا پی سنگ سے بھی کوئی تعلق ہے؟ مگر کیا؟ اگر

کچھ لڑکیاں پاگل ہو کر دوسروں کو مار بیٹھتی ہیں تو اس سے پی سنگ یا کسی دوسرے آ
فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"میرا گھر راستے ہی میں پڑتا ہے حمید بھائی۔" دفعتاً قاسم بڑبڑایا۔

"پھٹا ہوا سر لے کر گھر جاؤ گے۔ اگر بیوی پوچھ بیٹھی تو۔"

"لعنت ہے سالی پر...... اسی کی بدولت تو......!" قاسم جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہ

"جھک مارتے ہو۔ میں یقین نہیں کر سکتا۔" حمید نے کہا۔ "تم جھوٹے ہو۔"

"تمہاری کون لگتی ہے...... کیوں؟" قاسم جھنجھلا گیا۔

"خواہ مخواہ بیچاری کو بدنام کرتے پھرتے ہو۔"

"اچھا بس خاموش رہو، ورنہ مجھے غصہ آ جائے گا۔ تم کیا جانو اُسے۔ ابھی پرسوں
خالہ سے کہہ رہی تھی کہ میں بالکل گدھا ہوں۔ میں نے چھپ کر سنا تھا۔ پھر مجھے غصہ
میں دھڑ دھڑاتا ہوا کمرے میں چلا گیا اور کہا کہ وہ ثابت کرے۔ کیا کرتی بیچاری اپنا سا
کر رہ گئی۔ میں نے ڈانٹ پلائی تو کہنے لگی میں چوچا جان کو پھون کر دوں گی۔"

بیوی کے لہجے کی نقل اتارنے کے سلسلے میں قاسم بڑی دیر تک لچکتا رہا۔

"تو وہ تمہیں گدھا ثابت نہیں کر سکی۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کا باپ بھی نہیں کر سکتا۔"

"اس کا باپ تمہارا چچا ہے۔"

"ہو گا سالا! تم طرفداری نہ کیا کرو اُن لوگوں کی سمجھے!" قاسم نے غصیلے لہجے م
کچھ دیر خاموش رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر دردناک آواز میں بولا۔ "تم نہیں سمجھ سکتے
کس طرح اپنی زندگی گزار رہا ہوں۔ تم کبھی نہ سمجھو گے۔ اگر معمے حل کرنے کی عادت نہ
میں کبھی کا مر گیا ہوتا۔ اُسی میں اپنا دماغ الجھائے رکھتا ہوں۔ پچھلی بار میرا پہلا انعام آ
مگر سالے نے لنگور کی بجائے انگور دے دیا۔ اچھا یہ بتاؤ اگر عورت بیوی یا بیوہ ہو جائے تو
پڑوسن کے شوہر سے بچ کر رہنا چاہئے۔ بولو...... بیوی ہو گا یا بیوہ۔"

"مجھے معموں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"اچھا یہ بتا دو...... سمندر یا مچھندر کے سینے سب رازوں کا پالینا بہت مشکل ہے۔ سمندر ہو گا یا مچھندر...... اوپر سے نیچے سرپٹ یا مرگھٹ بنتا ہے۔"

"مت بکواس کرو۔"

"اچھا فریدی صاحب...... آپ بتا دیجئے۔" قاسم پچھلی سیٹ کی طرف مڑا۔

"ہائیں......!" وہ ہاتھ بڑھا کر پچھلی سیٹ کو ٹٹولتا ہوا بولا۔ "ارے باپ رے۔"

"کیا ہوا......؟" حمید نے مڑے بغیر پوچھا۔

"نف...... ری...... دی...... صص...... صاحب۔"

دوسرے ہی لمحے میں حمید نے رفتار کم کر کے کار روک دی۔ قاسم کا لہجہ نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ پچھلی سیٹ خالی تھی۔ حمید نے اندر روشنی کر دی اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑانے لگا۔

"کوئی اٹھا لے گیا۔" قاسم نے پوچھا۔ "وہ تو سو رہے تھے۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا پھر کار اسٹارٹ کر دی۔

"ہائیں...... تلاش نہیں کرو گے۔" قاسم نے کہا۔

"بیٹھے رہو، چپ چاپ۔" حمید جھنجھلا گیا۔ قاسم خاموش ہو گیا۔ اُس کے سر میں تکلیف تھی اس لئے یوں بھی اب وہ خاموش ہی رہنا چاہتا تھا۔ ابھی تک زخم کھلا ہوا تھا۔ حمید نے قاسم کو آرلکچو کے پھاٹک پر چھوڑ کر گھر کی راہ لی۔ قاسم پہلے تو گھر ہی جانا چاہتا تھا لیکن پھر اُسے یاد آ گیا تھا کہ اس کی کار آرلکچو کے کمپاؤنڈ ہی میں رہ گئی تھی۔ انڈ ویشین لڑکی کے ساتھ جاتے وقت وہ اپنی کار وہیں چھوڑ گیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بوکھلاہٹ میں اُسے یاد ہی نہیں آیا تھا کہ یہیں اُس کی کار بھی موجود ہے۔ بہر حال وہ اُس کے ساتھ ٹیکسی میں گیا تھا۔

حمید نے گھر آ کر سونا چاہا لیکن نیند نہ آئی۔ باورچی کو جگا کر کافی کے لئے کہا۔ نوکروں کے معاملے میں وہ فریدی سے بہت مختلف تھا۔ فریدی کبھی کسی نوکر کو ناوقت جگاتا نہیں تھا۔ اگر کبھی رات گئے کافی کی خواہش ہوتی تو خود ہی کچن میں جا گھستا۔

کافی پینے کے بعد بھی اُسے نیند نہ آ سکی۔ پھر شاید چار بجے اُس کی آنکھ لگ گئی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ گھوڑے بیچ کر سویا ہوگا۔

پھر نیند کیسے اچٹ گئی۔ یہ بات تھوڑی دیر تک سمجھ میں آ ہی نہ سکی۔ ویسے فون کی گھنٹی بہت دیر سے بج رہی تھی۔

"ہیلو......!" حمید مسہری سے چھلانگ لگا کر دہاڑا۔ پھر ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "کون ہے......کیا بات ہے......رات کو بھی۔"

لیکن اچانک وہ خاموش ہو گیا کیونکہ روشندان میں دھوپ نظر آ رہی تھی۔

"میں قدیر ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "دولت گنج تھانے سے بول رہا ہوں۔ یہاں ایک ایسی لڑکی موجود ہے جس نے ایک ٹریفک کانسٹیبل کو مارا پیٹا ہے۔"

"کانسٹیبل زندہ ہے یا مر گیا۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"کون صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں بول رہا ہوں۔"

"کپتان صاحب۔"

"ارے ہاں ہاں۔"

"تو بس آجائیے۔ کیا آپ نے نہیں پہچانا......میں قدیر ہوں۔"

"آہا......قدیر صاحب......اچھا......اچھا......میں آدھے گھنٹے تک پہنچ سکوں گا۔"

حمید نے ریسیور رکھ دیا۔ گھڑی ساڑھے دس بجا رہی تھی۔ سب سے پہلے اُس نے فریدی کے متعلق معلوم کیا جو پچھلی رات سے اب تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ پھر دولت گنج جانے کی تیاری کرنے لگا۔

شہر کے سارے تھانوں کے لئے فریدی کے خاص احکامات تھے کہ جب بھی کوئی اس نوع کی لڑکی آئے اُسے یا حمید کو براہِ راست مطلع کیا جائے۔

قدیر دولت گنج کے تھانے کا انچارج تھا۔ حمید نے اُسے اپنا منتظر پایا۔

"یہ کیا مصیبت ہے جناب۔" قدیر نے کہا۔ "اپنے یہاں یہ پہلا ہی کیس آیا ہے۔"

"اور بھی آئیں گے مطمئن رہئے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "لڑکی کہاں ہے۔"

"زنانہ حوالات میں...... مجھے اس پر بہت ترس آ رہا ہے۔ کسی اچھے خاندان کی لڑکی

معلوم ہوتی ہے۔ آپ اُسے دیکھ کر یہ کہہ ہی نہیں سکتے کہ اس نے کانسٹیبل پر حملہ کیا ہوگا۔"

"پھر اُسے روک کیوں رکھا ہے۔"

"اس نے حملہ کیا تھا۔" قدیر نے کہا۔ "کانسٹیبل نے اُسے سڑک پار کرنے سے روکا تھا۔ بس وہ اُس پر ٹوٹ پڑی اس کا چہرہ نوچ ڈالا۔ دانتوں سے وردی کی دھجیاں اڑا دیں۔"

"آہا تب تو آپ بھی بہت زیادہ خائف رہے ہوں گے۔"

"اب تو بھیگی بلی بن گئی ہے۔ کچھ دیر تک روتی بھی رہی تھی۔ البتہ اپنا نام اور پتہ بتانے پر کسی طرح تیار نہیں ہوتی۔"

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔" حمید نے کہا اور زنانہ حوالات کی طرف روانہ ہو گیا۔

سلاخوں کے پیچھے لڑکی موجود تھی، لیکن حمید اس کی شکل نہیں دیکھ سکا، کیونکہ وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی اور پھر جیسے ہی اس نے حمید کی آہٹ پر سر اٹھایا حمید کی آنکھوں میں بجلی سی چمک گئی۔ پہلی نظر میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کتنی حسین ہے۔ دوسری نظر بھی تفصیلی جائزے کیلئے ناکافی تھی اور تیسری نظر کو اتنا ہوش کہاں کہ وہ تفصیل میں جا سکتی۔ حمید اسکی اداس آنکھوں میں کھو گیا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ کسی سنسان مقام پر کھڑا ہو۔ خاموشی سے پرواز کرنے والے پرندوں کی قطاریں افق کی سرخی میں لہرا رہی ہوں اور کسی پرسکون جھیل میں افق کے رنگین لہریئے آنکھ مچولی کھیل رہے ہوں۔ لیکن ان سب پر ایک خوب آگیں سی اداسی بھی مسلط ہو۔

حمید کے اشارے پر سلاخوں دار دروازہ کھول دیا گیا۔ لڑکی زمین سے اٹھ گئی تھی۔ اُس نے حمید کو نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"باہر آئیے۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا اور وہ چپ چاپ سلاخوں کے باہر چلی آئی۔

"آپ جہاں جانا چاہتی ہوں چلی جائیے۔ آپ سے کوئی کچھ نہیں پوچھے گا۔"

وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "شکریہ۔"

حمید باہر جانے کے راستہ میں آیا جہاں انسپکٹر قدیر بیٹھا ہوا تھا۔

"وہ صدر دروازے سے نکل گئی ہے۔" حمید نے اُس سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ایک سادہ لباس والا اس کا تعاقب کرے......جلدی کرو۔"

"زنانہ فورس کی کسی لڑکی کے متعلق کیا خیال ہے جسے اُس نے دیکھا نہ ہو۔" قدیر نے

"بہت اچھا خیال ہے...... یہ اور بھی اچھا رہے گا مگر جلدی کیجئے۔" حمید نے مع انداز میں کہا۔

حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ایسی لڑکیوں کے خلاف سخت قسم کے اقدامات ممکن نہیں عام آدمی اسے کوئی وبائی ذہنی مرض سمجھتے تھے۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ کسی مستقل مرض کا تک موجود نہیں ہے ان کی دانست میں وہ ایک وقتی ذہنی تبدیلی تھی جس کی وجہ جذباتی الجھاؤ ہوسکتا تھا اور اعصابی اختلال بھی۔ لیکن اعصابی اختلال کی شکار لڑکیاں بمشکل تمام دو فیصد سکی تھیں۔ ابھی تک جتنے بھی کیس ڈاکٹروں کے علم میں لائے گئے تھے۔ ان میں قریب قریب ساری ہی لڑکیاں صحت مند اور صحیح الدماغ تھیں۔ اعصابی کمزوری کے آثار بھی نہیں ملے تھے

محکمہ سراغ رسانی اس سلسلے میں کسی جرم کے امکانات پر غور کر رہا تھا بہر حال کئی طرح آرائیں موجود تھیں اس لئے فی الحال ایسی لڑکیوں کو زیادہ تر سرکاری اصلاح خانوں میں بھیج جاتا تھا اور ان کے رویہ کی یومیہ رپورٹ محکمہ سراغ رسانی کو ملتی رہتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے آج کل "محکمہ سراغ رسانی" صرف فریدی کی میز ہی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا..... اور ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ یہ فریدی ہی کی اُپج تھی، ورنہ بات کسی وبائی ذہنی مرض پر ٹل گئی ہوتی۔

حمید دولت گنج کے تھانے سے سیدھا آفس پہنچا۔ فریدی یہاں بھی موجود نہیں تھا لیکن اس کی میز پر اصلاح خانوں کی رپورٹوں کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ حمید بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگا ان رپورٹوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ کسی لڑکی پر بھی ابھی تک کسی اصلاح خانے میں اس قسم کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ حمید پچھلی رپورٹیں بھی دیکھتا رہا تھا لیکن ایک بھی مثال ایسی نہ مل سکی اصلاح خانوں میں کسی لڑکی کی معمول کی ذہنی حالت میں کوئی تغیر واقع ہوا ہو۔ وہ بڑی دیر تک اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔ ایسی لڑکیوں میں سے ابھی تک صرف تین لڑکیاں اصلاح خانوں میں نہیں بھیجی گئی تھیں۔ دو کو تو فریدی ہی نے چھوڑ دیا تھا۔ روحی اور سائرہ جنہیں سٹی مجسٹریٹ سفارش پر چھوڑا گیا تھا اور تیسری آج حمید کی وجہ سے بچ گئی تھی۔ سائرہ اور روحی کی رہائی لئے فریدی نے یہ جواز پیش کیا تھا کہ وہ اُن کے ذریعہ بہت کچھ معلوم کرسکے گا لیکن حمید

پاس اس لڑکی کو چھوڑ دینے کے لئے کوئی بہانہ نہیں تھا۔ وہ تو بس اس سے متاثر ہوا تھا اور اس وجہ کو تھوڑی دیر کے لئے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی رخصت ہوگئی تھی اور وہ تعاقب والا معاملہ تو محض دکھاوا تھا۔ آخر قدیر اور دوسرے لوگوں کو بھی تو مطمئن کرنا ہی تھا۔

وہ لڑکی ایسی ہی تھی، جو اسے صحیح معنوں میں عورت معلوم ہوئی تھی اور اُس سے نظر ملتے ہی وہ بوکھلا گیا تھا۔ شاید برسوں کے بعد ایسی لڑکی ملی تھی۔ ویسے تو روز ہی ایک آدھ سے سابقہ رہتا تھا لیکن حمید کا خیال تھا کہ وہ لڑکیاں نہیں بلکہ "لونڈے" ہوا کرتے تھے۔ بالکل ایسے ہی جیسے اُس کے دوسرے مرد دوست تھے۔ اُن لڑکیوں میں عورت پن نام کو بھی نہ ہوتا۔ ان میں ایک چیز بھی ایسی نظر نہ آتی جس کی بناء پر انہیں جنس مقابل کی صف میں جگہ دی جاسکتی۔ بعض اوقات تو وہ حمید کو سو فیصدی "ہیجڑے" معلوم ہوتیں۔ بہر حال وہ انہیں عورتیں نہیں سمجھتا تھا۔

چھلانگ

وہ فائلیں الٹتا رہا اور اس کے ذہن پر وہی لڑکی مسلط رہی۔ اچانک اُس کی نظر رمیش کے ڈیسک کی طرف اٹھ گئی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سوتے سوتے جاگ پڑا ہو۔ اُسے ابھی تک رمیش کے متعلق نہیں معلوم ہوسکا تھا کہ وہ کس حال میں ہے۔ اُس نے فائیل رکھ کر فون کا ریسیور اٹھایا اور سول ہسپتال کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

وہاں سے اطمینان بخش اطلاع ملی۔ رمیش اب ہوش میں تھا۔ لیکن احتیاطاً ابھی اُس سے کسی کو گفتگو کرنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔

حمید ریسیور رکھ کر پھر فائل الٹنے لگا۔ اس پر پھر اکتاہٹ کا حملہ ہونے لگا تھا وہ وہاں سے اٹھنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو......!"

"کرنل صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"نہیں میں حمید ہوں۔"

''اوہ...... میں قدیر بول رہا ہوں۔ دیکھئے...... ابھی مس رانا نے فون پر اطلاع دی کہ وہ لڑکی راگ محل میں گئی ہے اور اس وقت بھی وہیں ہے اور دوسری بات بھی سنئے۔ مجھے کا چہرہ پہلے ہی سے کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہوا تھا۔ کیا آپ کو علم ہے کہ وہ سرلا ہے۔''

''کیا بے سروپا باتیں کر رہے ہیں آپ۔'' حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

''بے سروپا نہیں جناب...... آج سے چھ ماہ قبل آپ ہی کے آفس سے اس عورت کا جاری ہوا تھا۔ اسکی ایک کاپی مع تصویر میرے فائیل میں بھی موجود ہے۔ آپ اپنے یہاں فائلوں میں دیکھئے میرے بیان کی تصدیق ہو جائیگی۔ حوالہ نمبر ای تھری اپان ففٹی تھری ہے۔''

''اچھا اچھا...... میں دیکھتا ہوں۔ آپ زنانہ فورس والی لڑکی سے کہہ دیجئے کہ اس برابر نظر رکھے...... یا ٹھہریئے! میں یہاں سے کسی کو اس کی مدد کے لئے بھیجے دیتا ہوں بہر حال اُسے نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ کیا نمبر بتایا تھا آپ نے۔''

''ای تھری اپان ففٹی تھری۔''

حمید نے پنسل اٹھا کر میز پر نمبر لکھا اور ریسیور رکھ کر ففٹی تھری کا فائیل تلاش کرنے لگا۔ فائیل جلد ہی مل گیا کیونکہ فریدی کے کاغذات کبھی بے ترتیبی سے نہیں رکھے جاتے تھے تیسرے ہی صفحے پر وہ نمبر مل گیا جس کا تذکرہ قدیر نے کیا تھا اور اس پر لگی ہوئی تصویر۔ حمید کا چکرا گیا۔ وہ سو فیصدی وہی لڑکی تھی جسے حمید نے چند گھنٹے پیشتر حوالات سے نجات دلائی تھی۔

حمید نے فائیل بند کر دیا اور آنکھیں بند کر کے اس طرح اپنے سر کو جھٹکے دینے لگا جیسے بھٹکے ہوئے خیال کو اس کی صحیح جگہ پر لانے کی کوشش کر رہا ہو۔

کچھ دیر بعد اُس نے پھر فائیل کھولا اور تصویر کے نیچے والی عبارت پڑھنے لگا۔

''سرلا مکرجی...... عمر تیس سال لیکن حیرت انگیز طور پر کمسن معلوم ہوتی ہے۔ عموماً گمان ہوتا ہے کہ وہ انیس یا بیس سے زیادہ نہیں ہے۔ ۱۳؍جون ۵۵ء تک ماہر نباتات ڈاکٹر اے ایچ زیدی کی لیبارٹری میں بحیثیت اسسٹنٹ کام کرتی رہی۔ ۱۳؍جون کی شب ڈاکٹر زیدی کو پانی میں بیہوشی کی دوا دے کر ان کا کوئی بیش قیمت فارمولا چرا لے گئی۔ وہ فارمولا زہر کا تھا۔ ڈاکٹر زیدی اس پر بہت احتیاط سے تجربہ کر رہے تھے اور اُن کے کسی بھی اسسٹنٹ

فارمولے کا علم نہیں تھا۔ ملزمہ تعلیم یافتہ ہے۔ بی۔ ایس۔سی کی ڈگری رکھتی ہے۔ بنگالی ہونے کے باوجود بھی اردو پر اُسے قدرت حاصل ہے۔ زیادہ تر غرارے اور ڈوپٹے میں رہتی ہے۔ عموماً یہی ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ بنگالی نہیں ہے۔''

فائیل کو بند کر کے اس نے پائپ سلگایا اور اس طرح نڈھال ہو کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا جیسے بہت تھک گیا ہو۔ یہ حقیقت تھی کہ اس نئے انکشاف پر وہ شدت سے بور ہو گیا تھا۔ اس نے دو چار لمبے لمبے کش لئے اور پھر چونک کر اٹھ بیٹھا۔

اب وہ اس کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں لیڈی انسپکٹر مس ریکھا بیٹھا کرتی تھی۔ وہ حمید کو اپنے کمرے میں دیکھ کر بوکھلا گئی کیونکہ عموماً وہ اس سے دور ہی دور رہا کرتی تھی۔

''میں تمہیں تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔'' حمید نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

''کیا بات ہے کہئے!''

''راگ محل میں اس وقت ایک ملزمہ موجود ہے۔ فی الحال زنانہ فورس کی ایک لڑکی مس رانا اس کی نگرانی کر رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس پر نظر رکھو۔''

''رانا کو میں جانتی ہوں۔ کیا یہ کوئی اہم معاملہ ہے۔''

''اس کا علم صرف فریدی صاحب کو ہی ہو سکتا ہے۔ ویسے وہ بہت چالاک ہے، ورنہ میں خود ہی اُس کی نگرانی کرتا۔''

''وہ ملزمہ ہے کون؟''

''سرلا مکرجی...... ڈاکٹر زیدی کی لیبارٹری اسسٹنٹ۔''

''آہا...... اور آپ اسے اپنا کام کہہ رہے ہیں حالانکہ یہ کیس اب بھی میرے ہی پاس ہے مگر آپ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں۔''

''نہیں میں سنجیدہ ہوں۔''

''اچھا تو پھر میں جا رہی ہوں لیکن اگر وہ سرلا نہ ہوئی تو میں آپ سے سمجھ لوں گی۔''

''میں سمجھا دوں گا...... فی الحال تم جاؤ۔''

''سرلا تو بڑی حسین عورت ہے۔ تعجب ہے کہ آپ اپنی جگہ مجھے بھیج رہے ہیں، اسی لئے

یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"وہ تم سے زیادہ حسین نہیں۔" حمید نے عادت کے مطابق ٹھنڈی سانس لے کر کہا

ریکھا جانے کے لئے تیار ہو گئی تھی، لیکن شاید اب بھی اُسے حمید کے بیان میں شبہ تھا

"مگر دیکھو" حمید نے کہا۔ "تم صرف نگرانی کرو گی۔ اسکے خلاف کوئی کاروائی نہ کر بیٹھنا"

"کیوں؟"

"شاید فریدی صاحب کو کسی دوسرے معاملے میں بھی اس کی ضرورت ہے۔ تم فوراً حالات سے آگاہ کرتی رہنا۔"

ریکھا چلی گئی اور حمید پھر اپنے کمرے کی طرف واپس آیا لیکن دروازے ہی پر اُس محسوس کرلیا کہ فریدی واپس آ گیا ہے۔ اس کا قیاس غلط نہیں تھا۔ فریدی وہاں موجود تھا اور کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے، جو حمید کو دیکھتے ہی اور زیادہ گہرے ہو گئے۔

"یہ فائیل کس نے بکھیرے ہیں۔" اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"میں نے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اور میں ان میں میر تقی میر کی کوئی غزل تلاش کر رہا تھا۔ آپ یقین کیجئے۔ ویسے میرے پاس آپ کے لئے ایک بڑی شاندار اطلاع ہے

"بکو.....!"

"نہیں۔ وہ اطلاع اُسی صورت میں آپ تک پہنچ سکتی ہے جب آپ مجھے ہارڈی کے حشر سے آگاہ کر دیں۔"

"او.....!" فریدی کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر وہ بولا

"پچھلی رات میں نے بہت بُری طرح وقت برباد کیا ہے۔"

"کیوں..... میں تو سمجھا تھا شاید آپ بھی ہوش میں نہیں ہیں۔"

"چلو یہی سمجھ لو..... مگر اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ بعض اوقات مجھ بچپنا سرزد ہو جایا کرتا ہے۔"

"شرط پوری کئے بغیر آپ اُس نئی اطلاع سے محروم ہو جائیں گے۔"

"چلو..... بتاؤ..... کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" فریدی بے دلی سے بولا۔

"ہارڈی وغیرہ کے خلاف آپ نے جو رویہ اختیار کیا تھا۔"

"وہ رویہ اپنی جگہ پر بالکل درست تھا اور اس کے لئے میں کبھی شرمندہ نہیں ہو سکتا۔ ہارڈی اسی قابل ہے کہ اسے گھٹیا سے گھٹیا آدمیوں سے پٹوایا جائے۔ وہ خود کو بندرگاہ کے علاقے کا سب سے بڑا غنڈہ سمجھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ پانچوں آدمی اس سے کبھی آنکھ ملانے کی بھی ہمت نہ کر سکتے۔ یہ صدمہ ہارڈی کے لئے بڑا جان لیوا ثابت ہوگا۔"

"لیکن آپ سے بچپنا کون سا سرزد ہوا۔"

"یہ خام خیالی ہے کہ پی سنگ ان کی خبر لینے کے لئے دوبارہ وہاں آئے گا۔ یہی سوچ کر میں نے ساری رات جنگل میں گذار دی۔ تمہیں کار میں دھوکہ دیا۔ خیال یہ تھا کہ پی سنگ وہیں کہیں چھپا ہوگا۔ لہٰذا اسے دھوکہ میں رکھنے کے لئے مجھے کاروائی حرکت کرنی پڑی۔ ویسے مجھے افسوس ہے کہ پچھلی رات تمہیں بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑی تھیں۔

"تو کیا آپ نے انہیں یونہی چھوڑ دیا۔"

"نہیں اب وہ حوالات میں ہیں۔"

"آخر آپ پی سنگ کے چکر میں کیوں ہیں۔"

"آخر اُسے اتنی فکر کیوں ہے کہ میں اس کی نگرانی کرا رہا ہوں۔ یقیناً وہ کوئی بہت ہی اہم معاملہ ہوگا جس کے لئے اُس نے محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کو پکڑوا کر اذیت دینے کی کوشش کی تھی۔ پی سنگ کی نگرانی میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ تقریباً ایک سال سے میرے آدمی اس کے پیچھے ہیں۔"

"آخر کس لئے۔"

"آخر کا دورہ پڑ گیا ہے تم پر۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کوئی خاص بات نہیں ہے۔ شہر کے سارے مجرم جن کے خلاف میں کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا پاتا میری نگرانی میں رہتے ہیں۔ ان میں سے بہتیرے اس سے واقف بھی ہیں لیکن آج تک کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ میرے کسی آدمی پر ہاتھ ڈال سکتا۔"

"تو پی سنگ اب روپوش ہو گیا۔"

"قطعی یہی بات ہے۔"

حمید نے پھر کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"بس! ہاں تم مجھے کیا بتانے والے تھے۔"

"آج صبح ایک خوبصورت سی لڑکی دولت گنج کی حوالات میں تھی۔ مجھے وہ اتنی کہ میں نے اُسے رہا کرادیا۔"

"کیوں......؟"

"آپ نے اُن دونوں کو کیوں چھوڑ دیا تھا۔ آپ دو کو چھوڑ دیں اور میں ایک کو دینے کا حق نہیں رکھتا۔ ہائے وہ کتنی حسین تھی۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

چند لمحے خاموش رہا اور پھر فریدی کی غصیلی آنکھوں کی پرواہ کئے بغیر بولا۔ "میرے اس کی تصویر بھی موجود ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی نے کہا اور اس کی بکواس سے پیچھا چھڑانے کے اصلاح خانوں کی رپورٹیں دیکھنے لگا۔

حمید نے ففتھ تھری کا فائیل کھول کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ بھی دیکھئے"

فریدی کی نظر سرلا کی تصویر پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔ "کیا مطلب!"

"وہ یہی تھی لیکن نکل گئی۔"

"گدھے!" فریدی دہاڑا۔

"گدھے تو موجود ہیں لیکن وہ نکل گئی۔" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"نہیں تم بکواس کررہے ہو۔" فریدی کے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ نظر آئی میں جھنجھلاہٹ بھی شامل تھی۔ اس کے بعد ہی حمید نے گراموفون کے ریکارڈ کی طرح شروع کردیا اور پھر جیسے ہی راگ محل کا نام اس کی زبان پر آیا، فریدی نے کرسی سے چھلانگ لگادی اور حمید کے سنبھلنے سے پہلے وہ کمرے سے جا چکا تھا۔

راگ محل

فریدی کی یہ چھلانگ...... حمید نے سوچا کہ نتائج کے لحاظ سے یقیناً بہت سنسنی خیز ثابت ہوگی۔ مگر شام تک اُسے کوئی سنسنی خیز اطلاع نہ مل سکی۔ تقریباً چھ بجے فریدی واپس آیا لیکن اسکے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر حمید کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اسکا یہی مطلب تھا کہ ابھی کامیابی کوسوں دور ہے۔ حمید نے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ مگر شاید فریدی خود ہی کچھ بتانا چاہتا تھا۔

"راگ محل بڑی اچھی جگہ ہے حمید۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "تم شاید وہاں کبھی نہ گئے ہوگے کیونکہ داخلہ صرف ممبروں کا ہی ہوسکتا ہے یا پھر وہاں لوگ مہمانوں کی حیثیت سے جاتے ہیں اس کے لئے بھی کم از کم تین پرانے ممبروں کی سفارش ضروری ہوتی ہے۔ شہر کے بہت بڑے بڑے آدمی اُس کے ممبر ہیں۔"

"ہاں میں نے اس کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔" حمید نے کہا۔ "شاید وہ مختلف قسم کے آرٹسٹوں کا کوئی ادارہ ہے۔ وہاں راگ رنگ کی محفلیں زیادہ ہوا کرتی ہیں۔"

"ارے پرستان ہے...... پرستان۔" فریدی مسکرا کر آہستہ سے بولا۔ لیکن اس کا یہ لہجہ حمید کیلئے بالکل نیا تھا۔ بالکل اوباش آدمیوں کا سا لہجہ۔ وہ متحیرانہ انداز میں اسکی طرف دیکھنے لگا۔

"تم آج کل بہت اداس ہو۔" اس نے پھر کہا۔ "کیا تم نے کبھی راگ محل کے پبلک جلسوں میں بھی شرکت نہیں کی۔"

"مجھے پکے گانوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ویسے جب کبھی سننے کو دل چاہتا ہے اپنے بکرے کو دو چار ڈنڈے لگا دیتا ہوں۔"

"حمید تم وہاں ضرور جاؤ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بلکہ اگر مستقل ممبر ہی بن جاؤ تو زیادہ بہتر ہے۔"

"میں سمجھا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر میری سفارش کون کرے گا۔"

"سب کچھ تیار ہے۔ ممبری کے فارم پر تین پرانے ممبروں کے دستخط موجود ہیں۔
بہت ہی مقبول قسم کا ممبر تمہیں اپنے ساتھ وہاں لے جائے گا۔"

"میرا وہاں کیا کام ہوگا۔"

"کوئی آسان سا کام، جو بھی تمہیں پسند ہو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "مثلاً
سیکھنا...... حالانکہ تم بہت اچھا وائیلن بجاتے ہو مگر ذرا خود کو مبتدی ہی ظاہر کرنا۔ اس کے
جو تمہارا دل چاہے۔ اب اٹھو! میں بہت جلدی میں ہوں۔"

"کیا ابھی......!"

"فی الحال تجربہ گاہ تک۔"

"میک اپ......!" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "نہیں...... میں بے تحاشہ تکلیف محسوس
ہوں۔ گرمیوں میں پلاسٹک کے ٹکڑے...... خدا کی پناہ۔"

"ڈرو نہیں...... کم سے کم پلاسٹک استعمال کروں گا۔"

"لیکن میں کوئی بدنما چہرہ نہیں برداشت کرسکوں گا۔"

"چلو! متعدد تصویریں تمہارے سامنے ہوں گی، جو پسند آ جائے۔ اب اٹھو۔"

دورِ جدید کے سراغ رسانوں کے لئے میک اپ وغیرہ بڑی بھونڈی چیزیں ہیں۔ وہ
تفتیش کی بنیاد منطق اور جرائم کی نفسیات پر رکھتے ہیں۔ مگر بہتیرے کیس ایسے ہوتے ہیں
میں یہ دونوں ہی چیزیں کارآمد نہیں ثابت ہوتیں۔ کیونکہ بعض مجرم ایسے بھی ہوتے ہیں جن
خلاف ثبوت بہم پہنچانا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی مجرموں کے لئے یہ طریقہ کسی حد
کامیاب ہوتا ہے۔ فریدی میک اپ کو کامیابی کا ذریعہ بنانے میں خوشی نہیں محسوس کرتا تھا
بعض اوقات مجبوراً اُسے اُس کا سہارا لینا ہی پڑتا تھا۔ ویسے اُس نے میک اپ کی اُن
خامیوں پر قابو پالیا تھا جن کی بناء پر میک اپ کرنے والوں کو دوسروں سے دور ہی دور رہنا
تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کے میک اپ کئے ہوئے چہرے کو ایک فٹ کے فاصلے سے بھی نہ
پہچانا جاسکتا۔

اس وقت بھی اُسے حمید کے چہرے پر ایسا ہی میک اپ کرنا تھا۔ تجربہ گاہ میں پہنچ

فریدی نے ایک فائل حمید کے سامنے ڈال دیا جس میں دوسرے شہروں کے مفرور مجرموں کی
تصاویر تھیں۔ حمید سمجھ گیا کہ یہ کوئی گہری چال ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک فائل کے صفحات الٹتا رہا
پھر ایک چہرہ منتخب کر کے اُسے فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک اس کے چہرے کی مرمت ہوتی رہی۔ پھر فریدی اُسے گردن سے
پکڑ کر کرسی سے اٹھاتا ہوا بولا۔

"تم جاوید پرمی ہو...... راگ رنگ کے دیوانے۔"

"مگر اس کا نام تو ستیش ہے۔"

"ہاں! مگر وہ ستیش کی حیثیت سے خود کو متعارف نہیں کراسکتا۔ کیونکہ ایک مفرور مجرم ہے
اور اسی لئے میں نے اس میک اپ میں ہلکی سی مونچھوں کا اضافہ کردیا ہے اور میک اپ بھی اسی
قسم کا ہے کہ بہت غور سے دیکھے جانے پر تم ستیش معلوم ہوگے۔"

"راگ محل میں کیا ہے۔"

"وہی سب کچھ جو میں تمہیں ابھی بتا چکا ہوں۔"

"یعنی آپ مجھے محض اس لئے وہاں بھیج رہے ہیں کہ وہ پرستان ہے۔"

"فی الحال تمہیں یہی سمجھنا چاہئے اور تم وہاں ان تفریحات کے علاوہ اس وقت تک اور
کچھ نہیں کرو گے جب تک کہ تمہیں دوسری ہدایات نہ ملیں۔ خیر اب سنو کہ تم وہاں کس طرح
پہنچو گے۔ ٹھیک دس بجے تمہیں فردوس منزل کے گیارہویں فلیٹ میں پہنچنا ہے۔ وہاں مسٹر پی
کی راگی رہتے ہیں۔ وہ تمہیں راگ محل لے جائیں گے۔ راگ محل سے واپسی پر تم گھر نہیں آؤ
گے بلکہ فردوس منزل کے سامنے والی عمارت کے آٹھویں فلیٹ میں فی الحال تمہارا مستقل قیام
ہوگا۔ اس کی کنجی بھی تمہیں مل جائے گی جب تک کہ میں نہ کہوں تم گھر کا رخ بھی نہیں کرو
گے...... کیا سمجھے!"

"سمجھ گیا...... اگر میں...... خیر جانے دیجئے۔"

"اچھی بات ہے جانے دو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "غیر ضروری باتوں سے جتنا بچو اتنا
ہی اچھا ہے۔"

حمید نے ٹھیک دس بجے فردوس منزل کے دروازے پر دستک دی۔ پی سی راگی کے
وہ سوچتا آیا تھا کہ وہ کوئی دبلا پتلا خوبصورت سا بوڑھا ہوگا۔ فریدی نے اسے بتایا تھا کہ
بڑا فنکار ہے۔ اس کی ٹکر کا پیانسٹ کم از کم اس شہر میں تو ملنا مشکل ہی ہے، لہٰذا حمید کے
میں اس کی تصویر فنکاروں ہی کی سی تھی۔

دستک دینے کے دو تین منٹ بعد دروازہ کھلا۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید کے سامنے
لمبا تڑنگا اور سیاہ فام آدمی کھڑا تھا۔ اس کے اگلے دو دانت نچلے ہونٹ پر رکھے ہوئے تھے۔

"مجھے راگی صاحب سے ملنا ہے۔" حمید نے کہا۔

"مل لیجئے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ اس کی مسکراہٹ بھی بڑی کریہہ تھی۔

"آپ ہی ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ کیونکہ وہ اُسے فنکار کی بجائے کوئی جلاد
ہو رہا تھا۔

"جی ہاں...... میں ہی ہوں...... فرمایئے۔"

حمید نے جیب سے وہی فارم نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا جس پر راگ محل کے
ممبروں کے سفارشی نوٹ تھے۔

"اوہو...... اچھا...... اندر آ جایئے۔ میں آپ کا منتظر تھا۔ صرف دس منٹ بعد ہم
ہو جائیں گے۔" وہ پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ حمید کمرے میں چلا گیا۔

راگی اُسے وہیں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ حمید دیوار سے لگی ہوئی تص
دیکھنے لگا۔ اُسے حیرت تھی کہ ایسا بدصورت اور بے ڈھنگا آدمی اتنا خوش مزاج کیسے ہو سکتا۔
یہ سب اعلیٰ درجہ کی پینٹنگ تھیں۔

راگی حسب وعدہ دس منٹ بعد تیار ہو کر آ گیا۔ وہ دونوں باہر آئے۔ ایک ٹیکسی لی
راگ محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

راگ محل ایک بہت بڑے ہال کا نام تھا۔ یہاں وہ سب کچھ تھا جو ایک بہترین قسم
تفریح گاہ کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جیسے ہی وہ گیٹ پر پہنچے دو آدمیوں نے ان کا استقبال
اور پھر اصل عمارت کے دروازے پر قدم رکھتے ہی حمید کے کانوں سے موسیقی کی لہر

ٹکرائیں۔ سارا ہال بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ شاید اس وقت یہاں رقص کی مشق ہونے والی تھی کیونکہ
تقریباً ڈیڑھ درجن لڑکیاں رقص کے لباس میں نظر آ رہی تھیں۔
ہال بہت بڑا تھا اوپر بھی چاروں طرف گیلریاں تھیں۔ حمید سر جھکائے راگی کے ساتھ
چلتا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ راگی بہت عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ رقاص لڑکیاں
ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے سلام کر رہی تھیں۔
وہ حمید کو سیکریٹری کے کمرے میں لایا اور ممبر بننے کے سارے مراحل جلد ہی طے ہو گئے،
حمید محسوس کر رہا تھا کہ سیکریٹری اسے بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔
یہ ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا لیکن اُس کے لمبوترے چہرے پر چھوٹی سی فرنچ کٹ
ڈاڑھی کچھ اچھی نہیں لگتی تھی۔ ویسے بھی اس کی آنکھوں کی بناوٹ حلیم اور بردبار آدمیوں کی
بناوٹ سے بہت مختلف تھی۔ حالانکہ وہ اپنے انداز گفتگو سے یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ ایک اچھے
کردار کا با اصول آدمی ہے۔ وہ حمید سے رسمی گفتگو کرنے کے بعد بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں اس سے پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں لیکن یاد نہیں پڑتا کہ
کہاں دیکھا تھا۔"

"ہو سکتا ہے...... میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں۔" حمید نے اپنی آواز بدلنے کی کوشش
کرتے ہوئے کہا...... ان معاملات میں وہ فریدی ہی کا شاگرد تھا۔

"تو آپ کا مستقل قیام یہاں نہیں رہتا۔"

"اب تو مستقل ہی ہے۔ میں دراصل......!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر ہنس کر
بولا۔ "کیا یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ میرا پیشہ کیا ہے۔"

"نہیں...... قطعی نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تین معزز ممبر اپنا اطمینان کر لینے کے بعد ہی سفارش
کر سکتے ہیں اور پھر راگی صاحب جیسے گریٹ آرٹسٹ کی ہمراہی۔ نہیں مسٹر جاوید پریمی یہ کلا
مندر ہے۔ یہاں صرف روحیں دیکھی اور پرکھی جاتی ہیں۔ جسم اگر آلو چھولے بھی بیچتا ہو تو ہمیں
اُس سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر آپ اپنے پیشے کے متعلق مجھے نہیں بتانا چاہتے تو میں آپ کو مجبور
نہیں کروں گا۔"

حمید جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا...... ایک لڑکی چھن چھن کرتی ہوئی کمرے میں آئی۔ اس کے پیروں میں گھونگھرو بندھے ہوئے تھے اور وہ رقص کے لباس میں تھی۔

"یہ کون ہیں؟" اس نے حمید کی طرف اشارہ کرکے سیکریٹری سے پوچھا۔ انداز میں بھولا پن تھا لیکن لہجے کی ذرا سی لغزش اُسے بھونڈے پن میں بھی تبدیل کرسکتی تھی۔ اداکاری کے اس حسن کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

لڑکی بڑی دلکش تھی۔ آنکھیں کنول تھیں اور ہونٹ گلاب کی پنکھڑیاں۔ حمید جلد صرف یہی دو تشبیہیں سوچ سکا کیونکہ اُس کے جسم کی ہر جنبش پر کسی نہ کسی عضو کا حسن ایک انداز میں ظاہر ہو رہا تھا اور حمید کا ذہن تشبیہات کے التزام میں اتنی تیز رفتاری کا ثبوت سے قاصر تھا۔

"یہ ہمارے نئے ساتھی مسٹر پریمی ہیں۔"

"ہاہا!" وہ ایک سریلی سی چیخ کیساتھ حمید کیطرف ہاتھ بڑھاتی ہوئی بولی۔ "میں راگنی ہوں"

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" حمید نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

"کیوں راگی صاحب۔" وہ حمید کو کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر راگی سے بولی۔ وقت اجنبی والا رقص کیسا رہے گا۔"

"ہوں...... میں کیا بتا سکتا ہوں۔" راگی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ حمید سمجھ گیا کہ راگنی کی بے تکلفی گراں گذری ہے۔ راگنی چھن چھن کرتی دوڑتی چلی گئی اور پھر فوراً ہی باریک سی آواز ساز کے پردوں پر لہراتی چلی گئی۔

"ارے...... اجنبی......!"

شاید یہ راگنی کی آواز تھی۔ "اجنبی" کو اتنا کھینچا گیا کہ آواز بتدریج باریک ہوتے ہوتے سناٹے میں گم ہوگئی اور پھر مختلف قسم کے سازوں کی موسیقی کا طوفان سا امنڈ پڑا۔ ساتھ ہی سی سریلی آوازوں کا کورس بھی گونجا۔

"تو کون ہے...... تو کون ہے۔"

تھمتے ہوئے سازوں کے درمیاں سے وہی باریک سی آواز پھر بتدریج بلند ہو رہی تھی

"اجنبی......!" آواز کے انتہائی نقطہ عروج پر ساز خاموش ہوگئے اور صرف گھونگھروں کی "چھنا چھن" باقی رہ گئی۔ پھر "تو کون ہے...... تو کون ہے۔" کا کورس شروع ہوتے ہی ساز پہلے ہی کی طرح گونجنے لگے۔

حمید کی روح اُن نغمات میں کھوئی جا رہی تھی مگر سیاہ فام اور بدصورت راگی کی آنکھیں اس کے ذہن کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ وہ آنکھیں جن میں نفرت اس طرح کروٹیں بدل رہی تھی جیسے کسی ویرانے میں سانپ رینگ رہا ہو۔

"میں اسے برداشت نہیں کرسکتا۔ سمجھے آپ۔" وہ سیکریٹری کی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"کیا بات ہے مسٹر راگی۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔" سیکریٹری نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آرٹسٹ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی ننگا ہو کر ناچنے لگے، انسانیت اور شرافت کا جنازہ نکال دے۔ آپ کے آرٹسٹ بدتمیز اور غیر مہذب ہوتے جا رہے ہیں۔"

"میں پھر نہیں سمجھا مسٹر راگی۔"

"میں راگنی کی بدتمیزی کے متعلق کہہ رہا ہوں۔"

"بدتمیزی!" سیکریٹری نے حیرت سے کہا۔ "نہیں تو مسٹر راگی۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!"

"کیا نئے آدمیوں سے گفتگو کرنے کا یہی طریقہ ہے۔"

"اوہو...... مسٹر راگی۔" سیکریٹری نے ایک طویل قہقہہ لگایا جو سو فیصدی تصنعاً آمیز تھا پھر بولا "تعجب ہے آپ یہ کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ ایک شوخ اور مست اَلست قسم کی لڑکی ہے۔"

"ہاں! راگی نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور بعض اوقات وہ اس سرمستی کے عالم میں فاحشہ عورتوں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ سیکریٹری صاحب! سچا آرٹسٹ کبھی خود کو پوز نہیں کرتا۔ اُس کی روح ہر وقت ناچتی رہتی ہے لیکن اوپر سے وہ کسی جھیل کی طرح پرسکون نظر آتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں بے چینی کے بجائے ایک پروقار قسم کا ٹھہراؤ ہوتا ہے۔"

"اس کے لئے بڑے ظرف کی ضرورت ہے مسٹر راگی۔" سیکریٹری نے کہا۔ "آپ بہت بڑے آرٹسٹوں کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"میں اس کلامندر کے ہر آرٹسٹ کو بڑا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہر آرٹسٹ بڑا نہیں ہوسکتا۔"

"اگر نہیں ہوسکتا تو راگی کو یہاں سے ہمیشہ کے لئے جانا پڑے گا۔"

"اررر...... نہیں ...... مسٹر راگی!" سیکریٹری بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "آپ کے بغیر راگ محل فن کا مقبرہ بن جائے گا۔ نہیں آپ ایسا نہیں کرسکتے۔"

"میں کب چاہتا ہوں کہ ایسا کروں...... مگر...... آپ حالات کو دیکھ ہی رہے ہیں۔"

"اچھا دیکھئے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ مگر آپ ہمیں نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ راگ محل کی زندگی ہیں نا۔"

یہ گفتگو راگی کی خاموشی پر ختم ہوگئی۔

اس واقعے کو ایک ہفتہ گزر گیا۔ حمید اس دوران میں برابر راگ محل جاتا رہا تھا لیکن اب اس چیز کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ ہمیشہ راگی کے ساتھ ہی وہاں جاتا۔ کئی لڑکیاں اس سے کافی گھل مل گئی تھیں لیکن سرلا اُسے ایک دن بھی نظر نہ آئی۔ اُس نے اس کے متعلق غور کیا لیکن کچھ بھی سمجھ نہ آیا۔ وہ اپنے محکمے کے سادہ لباس والوں کو راگ محل کے گرد منڈلاتے دیکھتا اور سوچتا شاید یہ سب کچھ سرلا ہی کے لئے ہو رہا ہے مگر سرلا تھی کہاں؟ راگ محل کا چپہ چپہ حمید نے دیکھ ڈالا تھا اور یہ چیز اُس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھی کہ وہاں کوئی چھپنے کی جگہ بھی ہوگی۔ وہ سوچتا شاید فریدی سرلا کے معاملے میں اپنی ہی کسی غلطی کا شکار ہوگیا ہے۔ وہ اُسے دھوکا دے کر یہاں سے نکل گئی اور وہ شاید یہی سوچتا رہ گیا کہ وہ وہیں چھپی ہوگی۔ اس کے علاوہ حمید اور کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔ ویسے کسی دوسرے پہلو سے راگ محل کے متعلق سوچنا فضول ہی تھا۔ فریدی اُسے وہاں اس لئے نہیں بھیج سکتا تھا کہ خود راگ محل ہی کسی قسم کے جرائم کا مرکز ہے۔ وہاں تو صحیح معنوں میں مختلف قسم کے فنون کی خدمت ہو رہی تھی اور وہاں صرف چیدہ چیدہ ہستیوں کا گذر ہوسکتا تھا۔ اسی بناء پر اکثر راگ محل کے خلاف طوفان بھی اٹھا کرتے تھے لیکن انہیں بڑی سختی سے دبا دیا جاتا تھا کیونکہ شہر کے بیشتر سربرآوردہ لوگ اس کے سرپرست تھے۔

لیکن وہ شام حمید کے لئے بڑی سنسنی خیز تھی جب اُسے راگ محل میں ایک نیا تجربہ ہوا۔ وہ ایک رقص کرنے والی لڑکی کے لئے وائیلن بجا رہا تھا کہ ایک ملازم نے اُسے سیکریٹری کا پیغام دیا۔ وہ اس سے اپنے آفس میں ملنا چاہتا تھا حمید اپنا شغل ترک کرکے اُس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"اوہ آیئے مسٹر ستیش......!" سیکریٹری نے مسکرا کر کہا اور حمید بیساختہ چونک پڑا۔ وہ یہاں کی رنگ رلیوں میں پڑ کر یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ وہ ایک مفرور مجرم کے میک اپ میں ہے ورنہ شاید اُس کے چونکنے کے انداز میں اتنی بیساختگی نہ پیدا ہوسکتی۔ بہرحال وہ دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر بولا۔

"مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ مجھے غلط نام سے مخاطب کر رہے ہیں۔ میرا نام جاوید پریمی ہے۔"

"آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ مگر میرا خیال ہے کہ پولیس سے بچنے کے لئے صرف یہ مونچھیں ہی کافی نہ ہوں گی۔"

"کیا آپ نشے میں ہیں مسٹر سیکریٹری۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"نہیں مائی ڈیئر مسٹر ستیش......!"

اب حمید کو محسوس ہوا کہ فریدی نے اُسے اس میک اپ میں وہاں کیوں بھیجا تھا کیونکہ وہ سیکریٹری کے ہاتھ میں ایک ریوالور دیکھ رہا تھا۔ بھلا راگ محل میں ریوالور کا کیا کام؟ سیکریٹری نے ریوالور کو میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"راگ محل یا جیل...... ان میں سے آپ کسے ترجیح دیں گے۔"

"کیا یہ کسی ڈرامے کا ریہرسل ہے مسٹر سیکریٹری۔" حمید نے لاپروائی سے مظاہرہ کیا۔

"آپ جانتے ہیں مسٹر ستیش کہ راگ محل میں آج تک کوئی ڈرامہ نہیں ہوا۔ یہاں کے حقائق ہی اتنے دلچسپ ہوتے ہیں کہ تفریح کے لئے قصے کہانیوں کا سہارا نہیں لینا پڑا۔ اب یہی دیکھ لیجئے کہ جنوبی صوبے کا ایک قاتل راگ محل میں آرٹ کی خدمت کر رہا ہے۔ اگر میں یہاں کے سارے فنکاروں کو اکٹھا کرکے اُسے بے نقاب کردوں تو کیسی رہے۔"

آہستہ آہستہ حمید کو عقل آ رہی تھی۔ اچانک اُس نے سرد اور سفاک قسم کے لہجے میں

''اُس سے پہلے یا تو تم مرجاؤ گے یا تیش ہی مرجائے گا۔''

''میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔'' سیکریٹری نے مسکرا کر کہا۔

''تمہاری معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ جسے میں نے

کیا تھا اس کے ساتھ چھ آدمی تھے۔ اگر میں اُن میں سے ایک کو قتل نہ کر دیتا تو میرا قتل ہو

لازمی تھا۔''

''تب تو تم نے اُسے حفاظت خود اختیاری کے تحت قتل کیا تھا۔'' سیکریٹری نے حمید

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایسی صورت میں تمہیں فرار نہ ہونا چاہئے تھا۔''

''مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ میں دوسری بار بھی اپنی حفاظت کر سکتا۔''

''تم تنہا تھے۔'' سیکریٹری نے پوچھا اور اثبات میں جواب پا کر دوبارہ سوال کیا۔

اب بھی تنہا ہو۔''

''ہاں میں اب بھی تنہا ہوں لیکن تم نے مجھے اس طرح پہچانا ہے جیسے میری تلاش

رہے ہو۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے پاس اس ریوالور کا لائسنس ہے۔''

''ریوالور...... ریوالور کی بات جانے دو۔ میں تم سے فی الحال ایک سودا کرنا چاہتا ہوں

ابھی تک یہ سودا ہے لیکن انکار کی صورت میں حکم بن جائے گا اور اس کے بعد تمہارے مقدر

یا تو ہتھکڑیاں ہوں گی یا کسی ریوالور کی گولی تمہارے خطِ تقدیر میں سرخ تحریر کا اضافہ کر دیگی۔

''یار سیکریٹری صاحب۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''تم تو شیکسپیئر کے کسی ویلن کی طرح

رہے ہو۔ میں اسے دھمکی سمجھوں یا لٹریچر میں ایک حسین اضافہ۔''

''مجھے اور زیادہ خوشی ہوئی۔ تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔'' سیکریٹری نے خشک لہجے میں

''دلیر بھی ہو تنہا بھی ہو تمہیں ساتھیوں کی ضرورت ہے۔ تم جانتے ہو کہ راگ محل کی دیواریں

مستحکم ہیں۔ کیا یہاں کے کسی فرد پر کسی قسم کی آنچ بھی آ سکتی ہے۔''

''نہیں...... قطعی نہیں...... پھر......!''

''پھر تمہیں فی الحال ہمارا ایک کام کرنا ہوگا۔ خوشی سے نہ کرو گے تو زبردستی۔ لیکن

بھاگ نہیں سکتے۔ جب بھی ارادہ کیا جہاں کہیں بھی ہو گے تمہاری کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے

گا۔ ہمارے آدمی ہر وقت تمہاری نگرانی کریں گے۔''

حمید تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ''کام کی نوعیت معلوم کئے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا

لیکن دھوکہ نہ ہو، ورنہ میں بخشا تو جانتا ہی نہیں۔''

''تمہیں ریگل لاج میں ایک چھوٹا سا پیکٹ پہنچانا ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں تمہیں

خطرات سے بھی آگاہ کر دوں تاکہ دھوکے کا احتمال نہ رہے۔ میرے ساتھ آؤ۔'' وہ اُسے وہاں

سے دوسرے کمرے میں لے گیا۔

راگ اور خون

تقریباً دو گھنٹے بعد حمید راگ محل کے باہر آیا۔ اس کے ساتھ میں ایک خوبصورت سا

پیکٹ تھا۔ للی بسکٹ کا پیکٹ۔ وہ اُسے یونہی کھلے عام ہاتھ میں دبائے ہوئے چل رہا تھا۔ اس

پیکٹ کے لئے اتنی راز داری! حمید سے کہا گیا تھا کہ وہ اُسے آٹھ دس آدمیوں کی نگرانی میں

ریگل لاج تک لے جائے گا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اس کی نگرانی کر رہے ہوں گے لیکن وہ اُن

کی شخصیتوں سے ناواقف تھا۔ ویسے اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ بیچ سڑک پر بھی قتل کیا

جا سکتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس پیکٹ میں ہے کیا؟ وہ اسے اجنبی ہاتھوں میں دینے جا رہا

تھا اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ ہوگا کون۔ اس سے تو یہ کہا گیا تھا کہ جس کے لئے یہ پیکٹ

بھیجا جا رہا ہے وہ خود ہی اُسے پہچان کر اس سے لے لے گا۔ اس اتنے سے کام کی اجرت پانچ

بڑے نوٹوں کی شکل میں دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ بڑی عجیب بات تھی۔ وہ پیکٹ علانیہ طور پر

لے جایا جا رہا تھا اور آٹھ دس آدمی چھپ چھپ کر اس کی حفاظت کر رہے تھے اور پھر اسے پیدل ہی

ریگل راج تک پہنچانا تھا۔ جس کا فاصلہ راگ محل سے ڈھائی میل ضرور رہا ہوگا۔ حمید چلتا رہا۔

وہ اب تک ایک میل تک پیدل چل چکا تھا۔

اس وقت شہر کے ایک بھرے پُرے حصے سے گزرتے وقت بھی موت اُس کی آنکھوں

کے سامنے ناچ رہی تھی۔ اچانک ایک گلی سے ایک چھوٹا سا جلوس نکلا۔ حمید پہلے ہی سے اس

کے نعرے سنتا رہا تھا۔ غالباً یہ جلوس کارپوریشن کے الیکشن سے تعلق رکھتا تھا۔

"اپنا ووٹ کس کو دو گے!" ایک آدمی چیخا۔

"بندے علی کو۔" درجنوں آوازیں ہم آہنگ ہو جاتیں۔

وہ جلوس کچھ اس طوفانِ بدتمیزی کی طرح گلی سے نکلا کہ حمید کے پاؤں اکھڑ گئے۔ کئی بیک وقت اُس سے آٹکرائے تھے اور پھر...... للی بسکٹ کا پیکٹ بھی اُس کی گرفت سے نکل بس پھر کیا تھا...... کھوپڑی ہوا ہوگئی۔ بوکھلاہٹ میں اُسکا ہاتھ ایک ایک کے گریبان پر پڑنے لگا جلوس تتر بتر ہوگیا۔

"کیا ہے! کیا ہے۔" کسی نے چیخ کر پوچھا۔

"مخالف پارٹی کا آدمی...... شیخ چھتانی کا آدمی۔"

"مارو سالے کو......!"

سالے کے حواس غائب ہوگئے اور وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ جلوس چیختا چنگھاڑتا ہوا کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا اور سڑکیں جگمگا رہی تھیں۔ لیکن یہاں ایسا معلوم ہو تھا جیسے قیامت آگئی۔ بعض راہگیروں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا تھا لیکن وہ خوف کی وجہ بھاگ رہے تھے۔ دوسروں کو بھاگتے دیکھا، خود بھی بھاگ لئے۔ دوکانیں دھڑا دھڑ بند ہو لگیں تھیں۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اگر ایسے موقع پر کسی کے ہاتھ آ گیا تو کچومر نکل جائے گا

اچانک وہ ایک گلی میں مڑ گیا۔ لیکن اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ یہ فعل غیر ارادی طور پر سرزد ہوا تھا۔ بہرحال اس کے ستارے اچھے ہی تھے کہ آگے چل کر گلی تاریک ہوگئی تھی۔ وہ بے تحاشہ دوڑتا ہی رہا۔ اس کے پیروں میں کریپ سول جوتے تھے اور وہ کے بل دوڑ رہا تھا۔ اس لئے آواز بھی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک تاریک گلی میں چکراتا رہا۔ پھر اُس نے سوچا کہ اب اسے سڑک پر نکل جانا چاہئے۔ تعاقب کرنے والے کی آوازیں بھی اب نہیں سنائی دیتی تھیں۔

اُسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کس طرح اپنی قیام گاہ تک پہنچا۔ یہ اُسی عمارت کا فلیٹ تھا جہاں فریدی نے اُسے ٹھہرنے کو کہا تھا۔

وہ پلنگ پر گر کر ہانپنے لگا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے بہت ہی تیز قسم کا بخار ہوگیا ہو کیونکہ اس وقت اس کے خیالات بڑے "ہذیانی" قسم کے ہو رہے تھے۔ بے سر و پا اور وہ ہانپ رہا تھا اور غصے کا تو پوچھنا ہی کیا۔ وہ گالیاں بھی بے تکی اور مہمل ہی تھیں، جو دل ہی دل میں سراغ رسانی اور سراغ رسانوں کو دے رہا تھا۔

وہ آدھ گھنٹے تک بے سدھ پڑا رہا۔ پھر اٹھ کر دو تین گلاس پانی چڑھا گیا۔ للی بسکٹ کا پیکٹ اُس کے ذہن میں تھا۔ اس وقت اس کے اعصاب پر فریدی سوار تھا، جو کچھ سوچے سمجھے بغیر اُسے جہاں چاہتا تھا جھونک دیتا تھا۔ بہت دیر بعد اُسے وہ پیکٹ یاد آیا لیکن وہ گالیاں کھائے بغیر نہ رہ سکا۔

ویسے اُسے اُس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں تھی کیونکہ اس کی دانست میں وہ اُسی آدمی کے ہاتھ لگا ہوگا جس کے لئے بھیجا گیا تھا۔

اُس کا جوڑ جوڑ دکھنے لگا تھا اور تھکن بھی شباب پر تھی۔ وہ ملبوسات کی الماری کی طرف بڑھا کہ اب لباس تبدیل کر کے سو جائے۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"ارے...... کیا مصیبت آ گئی ہے۔" وہ بڑبڑاتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور چٹخنی گرادی۔ دروازہ کھلا اور سامنے راگ محل کے دو ایسے آرٹسٹ کھڑے نظر آئے جن سے حمید کے تعلقات بہت اچھے تھے۔

"تمہیں راگ محل تک چلنا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

اس کا لہجہ اتنا خراب تھا کہ حمید کو غصہ آ گیا۔ اُس نے بگڑ کر کہا۔ "ضروری نہیں ہے۔ اب میں سونا چاہتا ہوں۔"

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے دیکھا کہ اُن کے کوٹوں کی جیبوں سے ریوالور کی نالیں جھانک رہی ہیں اور آنکھوں میں سفاکی اور درندگی تو پہلے ہی سے نظر آ رہی تھی۔

حمید نے چپ چاپ مڑ کر اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی۔ باہر نکل کر دروازے کو مقفل کیا اور اُن کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ ان دونوں کے بیچ میں تھا اور وہ اس سے لگے ہوئے چل رہے تھے۔ باہر سڑک پر ایک کار موجود تھی ایک نے حمید کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دوسرا اسٹیئرنگ کے

سامنے جا بیٹھا۔ کار چل پڑی۔

حمید اپنی بائیں پسلی میں ریوالور کی نال کی چبھن محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے کنکھیوں سے اپنے قریب بیٹھے ہوئے آرٹسٹ کو دیکھا پھر اسطرح نشست کی پشت گاہ سے ٹک گیا جیسے کچھ مذاق ہی ہو۔ حمید انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہے۔

راگ محل میں اس وقت صرف تین لڑکیاں پیانو اور طبلے پر رقص کی مشق کر رہی تھیں۔ کچھ اس درجہ بوکھلایا ہوا تھا کہ نہ تو اسے پیانو کی آواز سنائی دی اور نہ وہ رقص کرتی ہوئی لڑکیاں ہی دکھائی دیں۔

حمید کو سیکریٹری کے آفس میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا لیکن یہاں بیٹھی ہوئی عورت پر اس کی نظر فوراً پڑ گئی۔ یہ سرلا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ سیکریٹری کے علاوہ ایک آدمی اور بھی تھا جس کے چہرے پر سرخ رنگ کی داڑھی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک۔ حمید نے اس پہلے پہل دیکھا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سیکریٹری نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نہ جانے کیوں یہاں پہنچ کر مطمئن ہو گیا تھا۔ اُس نے چاروں طرف اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور پھر جواب طلب نظروں سے سیکریٹری کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ پیکٹ کہاں ہے؟" سیکریٹری نے گرج کر پوچھا۔

"یہ کہو کہ اب تمہاری نیت میں فتور آ گیا ہے۔" حمید نے بھی بالکل اُسی کے سے انداز میں جواب دیا۔

"کیا مطلب......؟"

"یہی کہ تم وعدہ کے مطابق مجھے پانچ سو روپے نہیں دینا چاہتے۔"

"کیا تم نے اُسے ریگل لاج تک پہنچا دیا تھا۔"

"نہیں وہ راستے ہی سے خود بخود ریگل لاج تک جا پہنچا۔"

سیکریٹری اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ "سنجیدگی سے گفتگو کرو، ورنہ ہو سکتا ہے یہیں تمہاری لاش پھڑکنے لگے۔"

"مجھے لاشوں سے خوف نہیں معلوم ہوتا اور میں بالکل سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کیجئے۔" سرلا نے منیجر سے کہا۔

"یہ مجھ سے عشق نہیں کریں گے محترمہ۔" حمید اُسے آنکھ مار کر بولا اور سرلا بوکھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"تم زیادہ بکواس نہ کرو۔ پیکٹ واپس کر دو۔"

"اگر وہ میرے پاس ہو تو ضرور واپس لے لو۔"

"کس کے پاس ہے۔"

"او مسٹر سیکریٹری۔" حمید کا لہجہ دفعتاً نرم ہو گیا۔ "کیا ممکن نہیں ہے کہ اُس آدمی نے راستے ہی میں مجھ سے وہ پیکٹ لے لیا ہو۔"

"میں احمق نہیں ہوں۔" منیجر غرایا۔

"اگر میں تمہیں احمق سمجھتا ہوں تو مجھے یقیناً گولی مار دو......!"

"تم نہیں بتاؤ گے۔"

"کیا تمہارے آدمی اندھے تھے جن کی نگرانی میں مجھے ریگل لاج بھیجا گیا تھا۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ کیا انہوں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میں نے کس طرح اُس غول بیابانی سے اپنی جان بچائی تھی۔ آخر کوئی دوسرا وہ پیکٹ چھیننے ہی کیوں لگا۔ بظاہر وہ بسکٹوں کا پیکٹ تھا۔"

"لیکن حقیقتاً کیا تھا۔" منیجر نے سوال کیا۔

"میں کیا جانوں...... میں نے اُسے کھول کر دیکھا نہیں تھا۔ کیا نگرانی کرنے والوں نے تمہیں نہیں بتایا۔"

"اچھا دوست تم بھی کیا یاد کرو گے۔" سیکریٹری نے بڑبڑا کر سرخ داڑھی والے کی طرف دیکھا اور سرخ داڑھی والے نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"سرلا......!" سیکریٹری نے سرلا سے کہا۔ "تم باہر جاؤ...... تم نے آج تک کسی کو قتل ہوتے نہ دیکھا ہوگا۔"

"پہلے پیکٹ کا سراغ ملنا چاہئے۔" سرلا بولی۔ "قتل کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ اگر وہ غلط

ہاتھوں میں پہنچ گیا تو۔"

"تم جاؤ تو......!"

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن اس سے زیادہ اور کیا کرسکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سیکریٹری شام ہی کو میز کی دراز سے ایک ریوالور نکالا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اب بھی وہیں موجود ہو۔

دفعتاً کسی نے دروازے کو دھکا دیا۔

"کون ہے؟" سیکریٹری نے غصیلی آواز میں کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھل گیا۔ سامنے راگی کھڑا تھا۔ وہ کمرے میں چلا

"مسٹر راگی۔" سیکریٹری نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے اس وقت ہم ایک پرائیو موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔"

"اوہ اچھا! میں جا رہا ہوں۔" راگی دروازے کی طرف مڑا۔

"ٹھہریئے مسٹر راگی۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔ "بھلا مجھے ان کے پرائیو موضوعات سے کیا سروکار ہوسکتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"تو پھر چلئے۔" راگی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔

"نہیں مسٹر راگی آپ جایئے۔" سیکریٹری جھنجھلا کر بولا۔ "میں ان حضرت کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہوں۔"

"او ہو! تو آپ بھی واقف ہو گئے ہیں۔" راگی نے حیرت سے کہا۔

"ارے مسٹر راگی تو کیا آپ جان بوجھ کر ایک مفرور قاتل کو آرٹسٹ بنا لائے تھ" سیکریٹری شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

"مفرور قاتل...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" راگی نے پھر حیرت کا اظہار کیا۔ "ار یہ تو شہر کا سب سے بڑا عورت خور کیپٹن حمید ہے۔"

"کیا......؟" سیکریٹری اچھل پڑا۔ سرخ داڑھی والا بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ سرلا کا منہ حیر سے کھل گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن راگی اُسے اس طرح اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا جیسے کسی شریر بچے کو دوڑتے میں پکڑ لے۔

"آپ کہاں چلے حمید صاحب۔" اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آپ یہاں بھیس بدل کر عیاشی کرنے آئے تھے لیکن یہ کلا مندر ہے۔ آوارہ پریوں کا اکھاڑہ نہیں۔ آپ کی شامت ہی آپ کو یہاں لے آئی تھی۔"

دفعتاً سرخ داڑھی والا خنجر کھینچ کر اُس کی طرف جھپٹا۔ لیکن قریب پہنچنے سے پہلے ہی راگی کی لات اُس کے پیٹ پر پڑی اور وہ خنجر پھینک کر دوہرا ہو گیا۔

سیکریٹری میز کی دراز سے ریوالور نکال چکا تھا۔ وہ اُس کا رخ اُن دونوں کی طرف کرتا ہوا بولا۔ "تو مسٹر راگی تم لازمی طور پر کرنل فریدی ہو۔"

"اب آپ کو شاید خواب آ رہے ہیں۔" راگی مسکرا کر بولا۔ "میں تو اس عورت خور کو اچھا سبق دینا چاہتا تھا۔ اسی لئے اب تک خاموش اور موقعے کا منتظر تھا لیکن اگر آپ مجھے فریدی سمجھنے پر مصر ہیں تو چلئے یہی سہی۔ میں چھ ماہ سے آپ کے کلا مندر کی سیوا کر رہا ہوں۔"

سیکریٹری پے در پے ریوالور کا ٹریگر دباتا ہی چلا گیا۔ کھٹ کھٹ کی آواز کے علاوہ اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ریوالور خالی تھا۔

راگی یا فریدی نے پرزور قہقہہ لگایا۔ اب اُس نے حمید کو چھوڑ دیا تھا۔

"جہاں فریدی ہو، وہاں بغیر لائسنس کے ریوالوروں کا دم نکل جاتا ہے۔ مسٹر سیکریٹری۔ یہ حمید کے جانے کے بعد سرِ شام ہی خالی کر دیا گیا تھا۔"

سرخ داڑھی والا جو اب بھی پیٹ پکڑے زمین پر بیٹھا ہوا تھا اپنی دانست میں ان دونوں سے نظر بچا کر خنجر کی طرف ہاتھ بڑھانے لگا۔ اُدھر اُس کا ہاتھ خنجر کے دستے پر پڑا اور اِدھر فریدی کا پیر اس کے ہاتھ پر پہنچ گیا۔ سرخ داڑھی والا ایک بار پھر درد کی شدت سے چیخا لیکن اگر اس دوران میں فریدی بڑی پھرتی سے جھک نہ گیا ہوتا تو سیکریٹری کے پھینکے ہوئے ریوالور کا اس کے سر پر جا پڑنا لازمی تھا۔ سرلا ایک کنارے کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"حمید تم دروازے پر ٹھہرو۔" فریدی نے کہا۔ "سنا ہے سیکریٹری صاحب کو اپنی طاقت پر بہت ناز ہے۔ مجھے د ہے کہ یہ پی سنگ کی ہڈیاں کتنی دیر میں توڑ سکتے ہیں۔"

"پی سنگ...... کہاں ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اس کی عینک اتار دو اور داڑھی نوچ ڈالو۔ پی سنگ کا دیدار نصیب ہو جائے گا۔"

سکریٹری گھونسا تان کر فریدی کی طرف جھپٹا لیکن فریدی جیب سے ریوالور نکالتا ہوا

"جہاں ہو وہیں ٹھہرو! میں آج لڑنے بھڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

پھر حمید سے کہا۔ "دروازہ بند کردو۔ یہ تو میرے اصول کے خلاف ہے کہ کوئی مجرم چھوٹے بغیر شریف آدمیوں کی طرح حوالات میں چلا جائے۔"

حمید نے جھپٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ پھرتیلا نظر آنے لگا

"ہاں تو سکریٹری صاحب آپ بہت طاقتور ہیں......اوہو! آپ مطمئن رہئے وقت راگ محل میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ میں آپ کے آدمیوں کو پہلے یہاں سے باہر ہانک چکا ہوں۔ وہ کسی سڑے سے بار میں اس وقت شراب پی رہے گے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا سکریٹری صاحب کہ آپ بہت طاقتور ہیں لہٰذا سرلا کے بال پکڑ اُسے زمین سے اٹھا لیجئے۔"

سکریٹری بدستور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

"چلئے! چلئے! ورنہ میرے ریوالور کی گولی کم از کم آپ کی ران کی ہڈی ضرور توڑ دے اور ابھی آپ کو پی سنگ پر بھی قوت آزمائی کرنی پڑے گی۔ گو کہ آپ اُس کے ایک ادنیٰ ہیں۔ سرلا ہی وہ مجرمہ ہے جس کی وجہ سے لڑکیوں میں پاگل پن کی وباء پھیلی ہے۔"

"نہیں......نہیں۔" سرلا خوفزدہ آواز میں چیخی۔

"اوہو......کیا تم نے ڈاکٹر زیدی کے اُس عرق کا فارمولا نہیں چرایا تھا جو وہ قوت کے لئے تیار کر رہے تھے۔"

سرلا کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ کھڑی کانپتی رہی۔ فریدی نے سکریٹری سے کہا۔" ہے وہ عرق اسے نکال لو نا۔ تم بھی پیئو اور پی سنگ کو بھی پلاؤ۔ ظاہر ہے تم دونوں کو بھی مجھ پر آ ہی رہا ہوگا۔ اُسے پی کر تم یہ بھی بھول جاؤ گے کہ میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔ پھر اپنا نہایت آسانی سے انجام دے سکو گے۔"

"یہ سب بکواس ہے۔" پی سنگ نے چیخ کر کہا۔ "تم خواہ مخواہ ہمیں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہو"

"بیٹے پی سنگ......میں ایک سال سے تمہارے چکر میں ہوں۔ اگر اس میں نہیں تو کسی دوسرے معاملے میں پھنس جاؤ گے۔ تم نے قتل کرائے ہیں اور اب اس عرق کے ذریعہ شہر کو جہنم بنا رہے ہو۔ لڑکیوں کو اس کی لت پڑ گئی ہے۔ وہ اپنے گھروں سے بڑی بڑی رقمیں غائب کرکے اسے خریدتی ہیں، اسی لئے یہ وباء غریب گھرانوں کی لڑکیوں میں نہیں پھیل سکی۔"

"سب جھوٹ ہے! بکواس ہے۔ پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو۔ تم میرے پرانے دشمنوں میں سے ہو۔"

"میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اُسے عدالت میں ثابت کرنے کے لئے میرے پاس بے شمار ثبوت ہیں۔ ڈاکٹر زیدی نے حقیقتاً یہ عرق طالب علموں ہی کے لئے بنانے کی کوشش کی تھی۔ اسے پی کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ذہن پر جلا ہو گئی اور پھر یاد داشت حیرت انگیز طور پر ذہن کے تاریک گوشوں کو کریدنے لگتی ہے۔ مگر اس میں دو خامیاں رہ گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ یہ شراب سے زیادہ نشہ آور ہو گیا تھا اور دوسری یہ کہ اگر اس کے نشے کی حالت میں آدمی کو غصہ آجائے تو وہ کتوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے، ڈاکٹر زیدی کو دوسری خامی کا علم نہیں تھا۔ یہ سو فیصدی میری دریافت ہے۔ تم یوں بھی غیر قانونی طور پر شراب کشید کرتے رہے ہو۔ سرلا تم سے اور نئے بیوپار کے متعلق مشورہ لیا۔ تم اس پر روپیہ لگانے کے لئے تیار ہو گئے۔ سرلا تمہارے لئے عرق کشید کرتی رہی اور تم اسے اپنے چند خوبصورت ایجنٹوں کے ذریعہ مالدار گھرانوں کی لڑکیوں میں کھپاتے رہے۔ وہ شروع میں اپنی قوت حافظہ بڑھانے کے لئے اُسے استعمال کرتی رہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اس بُری طرح اس کی عادی ہو گئیں کہ انہیں ہر وقت نشے کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور اب تم دونوں ہاتھوں سے روپیہ بٹور رہے ہو۔ تمہارے ایجنٹ ان لڑکیوں کو دھمکی دیتے ہیں کہ وہ عرق کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائیں ورنہ پھر انہیں اس کی ایک بوند بھی نہ مل سکے گی۔ لہٰذا وہ اصلاح خانوں کی قید برداشت کر لیتی ہیں مگر اس عرق کی ہوا تک نہیں لگنے دیتیں، چونکہ وہ ہر وقت اس کے نشے میں رہنا چاہتی ہیں لہٰذا جب کبھی بھی نشے کی حالت میں انہیں غصہ آجاتا ہے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتی ہیں۔ سرلا خود بھی اس نشے کی عادی ہے اور اس کے نشے اور غصے نے ہماری توجہ راگ محل کی طرف مبذول کرائی تھی۔ ورنہ ویسے بھی یہاں میں چھ ماہ سے راگی آرٹسٹ کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں لیکن وہ دوسرا چکر تھا۔ میں

دیکھنا چاہتا تھا کہ یہاں پی سنگ کی سرپرستی میں کیا ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اب میں اس حرکت کو "پیش بینی" کا نام دے دوں...... خیر ختم کرو۔ مگر نہیں آج کا لطیفہ بھی سنئے حمید یہاں اس شکل میں اس لئے لایا گیا تھا کہ تم اس سے کسی قسم کا کام لو۔ تم لوگوں کی حرکت سے میں پہلے واقف تھا کہ تم قانون سے بھاگے ہوئے مجرموں کو سہارا دے کر اُن مختلف قسم کے کام لیتے ہو۔ ادھر چونکہ تمہارے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوگیا تھا کہ میں تمہارے سارے آدمیوں سے واقف ہوں اس لئے تم نے اس تقسیم کاری کے لئے راگ محل کو منتخب ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں تقسیم کرنے والے ایسے آدمیوں کی ضرورت بھی درپیش ہوسکتی جو بالکل نئے ہوں اور جن پر میری نظر بھی نہ ہو۔ تم نے اپنے پرانے دستور کے مطابق پھر کوئی مفرور مجرم سمجھ کر پھانسنے کی کوشش کی۔ میں یہی چاہتا تھا۔ نہیں پی سنگ تم چپ چاپ کھڑے رہو گے۔ ہاں اور وہ جلوس جس کے نرغے میں آ کر حمید نے پیکٹ کھویا تھا میرا ترتیب دیا ہوا تھا۔ مگر حمید کے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ تھی ورنہ اتنی شاندار ایکٹنگ نہ کرسکتا۔

"کیا......!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "حمید کا شاندار جنازہ کیسا رہے گا۔"

"جلوس ہی کی وجہ سے تم بچ گئے بیٹے...... ورنہ بیک وقت آٹھ گولیاں تمہارے جسم کو چھلنی کردیتیں۔" فریدی مسکرا کر بولا اور پھر اُس نے سیکریٹری سے کہا۔ "میرے پاس وقت ہے۔ سرلا کو بال پکڑ کر زمین سے اٹھاؤ...... چلو......!" ساتھ ہی اُس نے فائر بھی کردیا۔ گولی اس کی بائیں ران کو چھوتی ہوئی گذر گئی۔ سیکریٹری اچھل کر ایک طرف ہٹا اور کرسی سے ٹکرا فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ وہ پاگلوں کی طرح اپنی ران ٹٹول رہا تھا۔ پھر وہ بوکھلا کر کھڑا ہوگیا اور تحاشہ سرلا کی طرف جھپٹا۔ دوسرے ہی لمحے میں سرلا زمین سے ایک فٹ کی اونچائی پر جھولتی ہوئی ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

"واقعی تم کافی طاقتور ہو۔" فریدی سرہلا کر بولا۔ مگر حمید کو فریدی کی اس حرکت پر بڑا غصہ آیا۔ وہ کسی خوبصورت عورت کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا اسلئے وہ سیکریٹری کیطرف بڑھا۔

"کہاں چلے؟ چپ چاپ اپنی جگہ کھڑے رہو ورنہ میں تمہیں بھی......!"

حمید جھلا کر پلٹا لیکن فریدی کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے

تنی درندگی اور سفاکی تھی اس کے چہرے پر!

"اس کی وجہ سے شہر کی تقریباً چار سو لڑکیاں برباد ہوئی ہیں۔" فریدی غرایا۔ "ہر طرح برباد ہوئی ہیں، پی سنگ کے ایجنٹ انہیں اپنی مائیں یا بہنیں نہیں سمجھتے تھے۔ وہ سب طالبات ہیں۔ ان کا مستقبل تاریکیوں میں جا سویا۔ وہ اس لئے برباد ہوئیں کہ اپنی قوت حافظہ پر جلا کرنا چاہتی تھیں۔ یہ مقصد پھر نشے کی عادت میں کھو گیا۔ حمید پیچھے ہٹ آؤ...... میرا بس چلے تو میں اس عورت کو کتوں سے نچوا ڈالوں۔"

سرلا چیختے چیختے مضمحل ہوگئی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسکے حواس جواب دے رہے ہوں۔

"اسے نیچے ڈال دو۔" فریدی نے سیکریٹری کو حکم دیا۔ "اور اب پی سنگ کو اتنا پیٹو کہ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو جائے۔"

"ن...... نہیں۔" سیکریٹری ہانپتا ہوا بولا۔

"میں تمہارے خلاف کوئی قتل نہیں ثابت کرسکوں گا کہ تمہیں پھانسی ہی ہو جائے۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ "لیکن میرے ریوالور کی گولی تمہیں موت سے ضرور ہمکنار کرسکتی ہے۔ میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ پی سنگ جیسے مجرموں کو پکڑنے کے سلسلے میں ایک نہیں اگر دس آدمیوں کی جانیں بھی تلف ہو جائیں تو محافظوں کو خوشی ہی ہوگی...... کیا سمجھے۔"

سیکریٹری چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پی سنگ پر ٹوٹ پڑا۔ پی سنگ کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈ پڑا۔ ایک بار پھر حمید کی نظروں کے نیچے ویسا ہی ڈرامہ شروع ہوگیا جیسا کچھ دن پہلے وہ ایک ویرانے میں دیکھ چکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے اور ان کے انداز میں وحشت تھی۔ وہ دو اجنبی کتوں کی طرح غرا غرا کر ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے اور حمید پاگل ہوا جا رہا تھا۔ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے۔ اس نے یہ کون سا طریقہ ایجاد کیا ہے۔

اچانک ان دونوں کے شور میں فریدی کی آواز ابھری۔ "تم دونوں اس وقت اُن لڑکیوں سے بھی بدتر نظر آ رہے ہو جو تمہارے نشیلے عرق کا شکار ہو کر جانوروں کی طرح بے عقل ہو جاتی ہیں...... مارو ایک دوسرے کو۔ اچھی طرح توڑو، اگر کسی کے بھی ہاتھ سست ہوئے تو وہ موت کی گود میں جا سوئے گا۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کو نوچتے اور بھنبھوڑتے رہے۔ پی سنگ کو غالباً اس بات کہ اُس کا ایک ملازم اُسے پیٹ رہا ہے اور سیکریٹری؟ اسے موت کا بھی خوف تھا اور غصہ بھی کیونکہ وہ انتہائی زیرک ہونے کے باوجود بھی فریدی کے جال میں پھنس گیا تھا۔

یہ جنگ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ حمید پر اکتاہٹ طاری تھی۔ سرلا ہوش آ گئی تھی اور اب ایک کونے میں منہ ڈالے ہوئے کسی سردی کھائے ہوئے بکری کے طرح کانپ رہی تھی۔

پھر دونوں تھک کر گر گئے۔ وہ سر سے پیر تک خون میں نہائے ہوئے تھے۔

کمرے کا سناٹا بڑا بھیانک تھا۔ حمید کو ہزارہا سال پہلے کا آدمی یاد آرہا تھا۔ وح جانوروں کی سی حس رکھنے والا۔ اُس نے فریدی کی طرف دیکھا اور کانپ گیا۔ سرلا پھر بیہوش تھی۔ دوسری صبح پی سنگ کے سارے اڈوں پر چھاپے مارے گئے۔ اُس عرق کی بہت بڑی برآمد ہوئی۔ اس کے علاوہ لاتعداد غیر قانونی طور پر مہیا کی ہوئی چیزیں۔ ڈاکٹر زیدی نے اُس کا تجربہ کر کے بتایا کہ وہ سو فیصدی وہی عرق تھا جس کا فارمولا سرلا نے اس کی لیبارٹری سے تھا۔ پھر فریدی نے اس عرق کا تجربہ خود اپنے اوپر کیا اور اپنی باضابطہ رپورٹ میں اس کا کرتے ہوئے لکھا۔ ''اگر اس کے نشے کی حالت میں غصہ آجائے تو پھر آدمی کو ہوش نہیں رہتا کیا کر رہا ہے۔ یہ کیفیت صرف تھوڑی دیر تک رہتی ہے یا ہوسکتا ہے کہ اس مدت کا انحصار آدمی مزاج اور اس کی جسمانی قوت پر ہو۔ کمزور آدمیوں کو جلد ہی غصہ آتا ہے اور جلد ہی رفع بھی ہو ہے۔ طاقتور دونوں ہی صورتوں میں زیادہ وقت لیتے ہیں۔ بہرحال غصے کی کیفیت رفع ہونے بعد نشے کے اثرات بھی زائل ہوجاتے ہیں اور نشے سے پہلے کی سی کیفیت لوٹ آتی ہے۔''

حمید کو اس کیس میں صرف دو ہی واقعات زیادہ اہم معلوم ہوئے تھے اور وہ دو واقعات وہی تھے جن میں فریدی نے آدمیوں کو کتوں کی طرح لڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حمید اس کی وجہ بہت پوچھی لیکن ہر بار فریدی کا یہی جواب ہوتا۔ ''میں تفریح کے موڈ میں تھا۔''

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 55

سائے کی لاش

(مکمل ناول)

پیشرس

ابن صفی نے "سائے کی لاش" میں ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ وہ نئی راہیں پیدا کرنے کے عادی ہیں۔ ایک ہی راستہ پر چلنا اس کا شیوہ نہیں ان کے قلم کی عظمتوں کی کہانی آج کے اردو ادب کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ وہ مزاج اور تحیر اور حیرت انگیز واقعات کا جو حسین امتزاج پیش کرتے ہیں..... اپنی جگہ پر خود ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کہانی میں ٹمڈونگا اور لیڈی تنویر کے کردار نفسیات کے طالب علموں کے لئے ایک درس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اتنی کردار نگاری صرف عظیم ابن صفی کا حصہ ہے۔ گرانڈیل احمق قاسم اور حمید کی شرارتیں اس بار عروج پر ملیں گی اور آپ قہقہہ لگانے پر مجبور ہوں گے۔

پبلشرز

پُراسرار عورت

اس بار بہت زور سے بجلی کڑکی اور گھوڑا گرتے گرتے بچا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کا زور..... رات کا اندھیرا۔

وہ ایک طوفانی رات تھی مگر شاید گھوڑا بھی طوفان سے کم نہیں تھا۔ وہ اپنے سوار کو اس طرح اڑائے جا رہا تھا جیسے وہ بھی اس ہنگامہ خیز رات کا ایک جزو ہو۔ بیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد بھی اس کے پیر سست نہیں ہوئے تھے۔ اندھیرے میں اس طرح فراٹے بھرنے سے تو یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس کا جانا پہچانا راستہ ہے، سوار کی حالت البتہ ابتر تھی۔ وہ گھوڑے کی گردن سے لپٹا ہوا تھا، اُسے ہوش ہی نہیں تھا کہ لگام کب اور کیسے اُس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ لگام کہیں گر ہی گئی ہوگی، ورنہ کہیں نہ کہیں گھوڑا اس سے الجھ کر گرا ضرور ہوتا۔

یہی غنیمت تھا کہ سڑک زمین کی سطح سے کافی اونچی تھی اور اس پر پانی نہیں اکٹھا ہوا تھا، ورنہ وہ اس رفتار سے دوڑ بھی نہ سکتا۔

سڑک کے دونوں طرف جنگلوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی بجلی کی چمک ایک لمحہ کے لئے انہیں چونکا دیتی اور پھر وہ اسی گھنے اندھیرے اور بارش کے شور میں کھو جاتے۔

گھوڑے کی ٹاپوں کی ''تڑاک.....تڑاک'' بارش کے شور کے باوجود بھی دور ہی سے سنائی دے رہی تھی۔

گھوڑا دوڑتا رہا۔ بادل چنگھاڑتے رہے اور ہوا کی شائیں شائیں بارش کے شور کو زیادہ بھیانک بناتی رہی۔

سوار کو ہوش نہیں کہ گھوڑا کب شہر کی حدود میں داخل ہوا۔ بارش کا ہیجان اب کچھ کم ہو گیا تھا لیکن گھوڑے کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی کیونکہ سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں ویسے ابھی اتنی رات نہیں گئی تھی کہ سڑکیں ویران ہو جاتیں۔

بارش اور ہوا کے زور نے بجلی کے تاروں کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ نتیجے کے طور پر شہر کے بعض حصے بالکل ہی تاریک ہو گئے تھے۔

گھوڑا اب جس حصے سے گذر رہا تھا وہاں زیادہ تر متمول لوگ آباد تھے، وہ ایک عمارت کی کمپاؤنڈ کے پھاٹک میں گھس پڑا۔ اب اس کی رفتار سست ہو گئی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ گر ہی پڑے گا۔ پورٹیکو میں پہنچ کر وہ شاید اپنی پوری قوت سے ہنہنایا اور اس کے حلق سے کربناک آوازیں نکلتی رہیں۔

اچانک تاریک برآمدے میں بہت سے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ کئی ٹارچیں روشن ہوئیں اور کسی عورت کی چیخ سنائی دی۔ ''میرا بچہ۔''

سوار ابھی تک گھوڑے کی گردن ہی سے لپٹا ہوا تھا۔ چار آدمیوں نے اسے اتارا اور گھوڑے نے زمین پر بیٹھ کر اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔

عورت سسکیاں لے رہی تھی۔ کیونکہ اس نے بیہوش نوجوان کا خون میں بھیگا ہوا شانہ دیکھ لیا تھا۔

اُسے ایک کمرے میں لے جا کر مسہری پر ڈال دیا گیا۔ یہ چاروں آدمی خوش پوش اور مہذب تھے۔ انہیں گھر کے ملازموں میں سے نہیں سمجھا جا سکتا تھا، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب اس عورت کا احترام کرتے ہوں۔ عورت دراز قد اور بھرے ہوئے جسم کی تھی۔ پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ چہرہ اس عمر میں بھی پرکشش تھا، لیکن اس پر اذیت

پسندی کی ساری علامتیں موجود تھیں۔ پتلے پتلے بھنچے ہوئے ہونٹ، بھاری جبڑے، چمکیلی اور بے چین آنکھیں جن میں اس وقت آنسو تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُن سے کوئی غیر فطری فعل سرزد ہو رہا ہو۔ یعنی آنسو ہونے کے باوجود بھی وہ روتی ہوئی سی نہیں معلوم ہو رہی تھی۔

اُن میں سے ایک آدمی نے نوجوان کا زخمی شانہ کھول دیا تھا اور زخم کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر سسکتی ہوئی عورت سے کہا۔

''محترمہ تنویر.....یہ کسی جانور کے دانتوں کے نشانات ہیں۔''

''اوہو.....!'' عورت نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے اور خود بھی جھک کر خون بھرے ہوئے حصے کو دیکھنے لگی۔

''ہاں یہ دانتوں ہی کے نشانات ہو سکتے ہیں۔'' اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

نوجوان کے جسم کا اوپری حصہ برہنہ کر دیا گیا تھا۔

''آپ باہر تشریف لے جائیے، تاکہ بھیگے ہوئے کپڑے اتار سکیں۔'' ایک آدمی نے عورت سے کہا اور وہ کمرے سے چلی گئی۔

وہ اس کے بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر اُسے ایک خشک چادر سے لپیٹنے لگے۔

''کسی جنگلی درندے کے دانت۔'' ایک بڑبڑایا۔

''نہیں! میرا خیال ہے کہ یہ کسی جنگلی درندے کے دانت نہیں ہیں، ورنہ شانے کی ہڈی محفوظ نہ رہتی۔ ہاں بھیڑیئے کے امکانات ہو سکتے ہیں، مگر اپنی طرف کے بھیڑیئے اتنے خطرناک نہیں ہوتے کہ بڑی عمر کے آدمیوں پر اس طرح حملہ کر بیٹھیں۔ ریچھ کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ بقیہ جسم بے داغ پڑا ہوا ہے۔ اس کے ناخنوں کی ڈالی ہوئی خراشیں کافی گہری ہوتی ہیں اور حملے کے وقت وہ اپنے بڑے بڑے ناخن ضرور استعمال کرتا ہے۔ دوسرے وحشی درندوں میں تیندوا سب سے زیادہ ہلکا جانور ہے، لیکن اُسکے جبڑوں کی گرفت بھی ہڈیاں توڑ دیتی ہے۔''

''پھر.....!'' ایک آدمی نے سوال کیا۔

''یہ تو حضرت ہوش میں آنے کے بعد بتا سکیں گے۔ کسی کا کہنا ماننا تو جانتے ہی نہیں، جو

دھن سوار ہوئی تو ہوئی۔ اس موسم میں انہیں شکار سے باز رہنے کو کہا گیا۔ پتہ نہیں رائفل کو چھوڑی، نوکروں اور خیمے کا کیا حشر ہوا۔"

"محترمہ تنویر بہت پریشان ہیں۔"

"لیکن.....!" ایک آدمی نے آہستہ سے کہا۔ "کیا اُنکے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں۔"

"نہیں! وہ اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتی ہیں۔" ایک آدمی نے درشت لہجے میں کہا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُسے وہ سوال ناگوار گذرا ہو۔ یہ ایک معمر مگر تندرست آدمی تھا۔

وہ پھر بیہوش نوجوان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ یہ ایک کافی قبول صورت نوجوان تھا۔ عمر بائیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ چہرے پر صحت مندی کے آثار تھے اور جسم گٹھیلا تھا۔ جسم کی بناوٹ یہی کہتی تھی کہ وہ ورزشوں کا عادی ہے۔

"اوہو.....!" ایک آدمی نے کہا۔ "ہم کیا کررہے ہیں۔ ڈاکٹر کو فون کرنا چاہئے۔"

اچانک قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک پڑے۔ تنویر کمرے میں داخل ہورہی تھی۔

"نہیں اب آپ لوگ تکلیف نہ کریں۔ میں خود ہی دیکھ لوں گی۔ آپ اپنے کمروں میں جاسکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

وہ چاروں چپ چاپ باہر نکل گئے۔ اُن کے کمروں میں جانے کا یہ مطلب تھا کہ اب تنویر کی اجازت حاصل کئے بغیر رات بھر کمروں سے باہر نہ نکل سکیں گے۔ ان کے لئے اس عجیب وغریب عورت کی طرف سے یہی حکم تھا۔

تنویر چند لمحے اپنے بیہوش اکلوتے بیٹے کی طرف دیکھتی رہی پھر کمرے سے نکل گئی۔ اُس نے شاید اُن چاروں کی ساری گفتگو سن لی تھی۔

وہ متعدد کمروں سے گذرتی ہوئی ایک نیم تاریک کمرے میں آئی۔ یہاں کے بلب پر کچھ اس قسم کا شیڈ لگایا گیا تھا کہ روشنی ایک محدود دائرے میں تھی۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی ایک تاریک گوشے سے عجیب طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ سیٹیاں..... سسکاریاں اور ایسی آوازیں، جو کسی آدمی کے بند ہوتے ہوئے حلق سے نکل رہی ہوں۔

تنویر اس تاریک گوشے کی طرف بڑھی۔ آوازیں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوگئیں، تنویر نے دیوار سے لٹکا ہوا چمڑے کا ایک بڑا سا چابک اتارا اور اُسے تاریک گوشے کی طرف گھمانے لگی۔ "شائیں.....شائیں.....شائیں.....شائیں۔"

آوازیں آنی بند ہوگئیں اور کمرے میں پھر پہلے ہی کا سا سکوت طاری ہوگیا۔

"مڈونگا.....!" تنویر کی آواز کمرے میں گونجی۔ "میرے بچے کو کسی جنگلی درندے نے زخمی کردیا ہے۔"

"مرجانے دے۔" تاریک گوشے سے اس قسم کی آواز آئی جیسے ریلوے انجن نے اسٹیم چھوڑی ہو۔

جواب میں تنویر نے پھر اُسی گوشے کی طرف چابک گھمایا اور سناٹا چھا گیا۔

"سن مڈونگا.....!" تنویر نے پروقار آواز میں کہا۔ "تجھے بتانا پڑے گا کہ میرا بچہ کیسے زخمی ہوا ہے۔"

"نہیں بتاؤں گا.....نہیں بتاؤں گا۔" سیٹیاں اور سسکیاں پھر گونجیں۔

"تو مجھے اپنے پیر نہیں چاٹنے دیتی۔ میں نہیں بتاؤں گا۔"

تنویر نے پھر چابک گھمایا اور تاریک گوشے سے آواز آئی۔ "مار ڈال..... مجھے مار ڈال۔"

"تجھے بتانا پڑے گا۔" تنویر غرائی۔

"مڈونگا.....پیر چاٹے گا۔"

تنویر چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اُس نے داہنے پیر سے سینڈول اتار کر اُسے تاریکی کی طرف بڑھادیا۔ وہ خود روشنی میں تھی اور ایک پیر پر کھڑی ہوئی تھی۔

اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار تھے جیسے وہ بڑی کراہیت محسوس کررہی ہو۔ اندھیرے سے عجیب قسم کی غراہٹ بلند ہورہی تھی اور ساتھ ہی "چپڑ چپڑ" کی آوازیں جیسے کتا پانی پی رہا ہو۔

"ختم کرو۔" تھوڑی دیر بعد تنویر نے جھنجلا کر کہا اور اپنا پیر کھینچ لیا۔ پیر بھیگا ہوا تھا اس نے پیر دوبارہ سینڈل میں نہیں ڈالا اور ساری کو بھی اس طرح ٹخنوں کے اوپر اٹھائے رہی جیسے وہ پیر

کسی بہت ہی گندی چیز میں جا پڑا تھا۔

"شائیں.....!" اندھیرے میں پھر ایک بار چابک گھمایا گیا اور تنویر غرائی "مُدونگا..... باہر نکل۔"

"اندھیرا..... تنوی..... اندھیرا.....!" وہی سسکارتی ہوئی آواز اندھیرے سے آئی۔

تنویر نے آگے بڑھ کر سوئچ آف کر دیا۔ کمرے کا روشن حصہ بھی تاریک ہو گیا اور تنویر وہاں سے چل پڑی۔ وہ جس کمرے سے بھی گذرتی اُس کا بلب بجھاتی جاتی۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر اندھیرے میں کوئی چیز رینگ رہی تھی، جس کے حرکت کرنے سے ایک عجیب سی آواز پیدا ہوتی۔ "چٹ..... چٹ..... چٹ۔"

زخمی کے کمرے میں پہنچ کر اُس نے وہاں بھی اندھیرا کر دیا اور دروازے کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ "چٹ..... چٹ۔" کی آواز اس کمرے میں بھی داخل ہوئی لیکن ٹھیک اسی غائب بھی ہو گئی جہاں تنویر کھڑی تھی۔

"مُدونگا..... کیا تو میرے بچے کی بو محسوس کر رہا ہے۔" تنویر نے کہا۔

"ہاں..... کر رہا ہوں۔"

"دیکھ..... اُسے کیا ہوا ہے۔"

"چٹ چٹ۔" کی آواز پھر کمرے میں گونجنے لگی اور پھر چند ہی لمحوں میں وہی پہلے کا سناٹا طاری ہو گیا۔

شاید ایک منٹ بعد سسکاریاں اور سیٹیاں سنائی دینے لگیں۔

"تنویر.....!" اندھیرے سے آواز آئی۔ "کتا..... یہ کسی کتے کے دانت ہیں۔ تیرا مر جائے گا۔"

"کیا بکتا ہے.....!" تنویر چیخی۔

"ہاں مر جائے گا..... مگر مُدونگا اُسے بچا سکتا ہے۔ بچا سکتا ہے تنوی۔"

"بچا لے مُدونگا۔" تنویر گھگھیائی۔

"مگر میں روزانہ تیرے پیر چاٹوں گا۔"

"اچھا سؤر کے بچے۔"

"کتا زہریلا ہے..... میں رات بھر اس کے زخم چوسوں گا اور یہ صبح تجھے ٹھیک ملے گا۔ یہاں سے چلی جا۔"

"تو رات بھر یہاں اس کمرے میں نہیں رہ سکتا۔" تنویر نے کہا۔

"اچھا تو پھر میں اسے لے جا رہا ہوں۔"

"لیکن اگر اُسے ہوش آ گیا تو۔"

"میرے کمرے میں اندھیرا ہو گا تنوی۔ اگر اُسے ہوش آ گیا تو میں اسے باہر ڈال دوں گا۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر تنویر نے کہا۔

"اچھا..... تو یہی کر..... لیکن یاد رکھ اگر میرا بچہ مر گیا تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

جواب میں ایک عجیب سی آواز گونج کر رہ گئی۔ شاید یہ اُس پراسرار ہستی کا قہقہہ تھا۔ تنویر خاموش رہی۔ پھر "چٹ چٹ" کی آواز اس کے قریب سے گذر کر کمرے سے باہر جاتی معلوم ہوئی۔ جب آواز آنی بند ہو گئی تو تنویر نے سوئچ آن کر دیا۔

مسہری خالی تھی۔ تنویر نے تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور ایک کرسی میں گر گئی۔ اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔

وہ ایک مضبوط دل کی عورت تھی۔ بعض لوگ تو اُسے سکندر تک کہہ بیٹھتے تھے لیکن اس کے چاروں مشیروں نے آج پہلے پہل اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے پہلی بار اُس کی سسکیاں سُنی تھیں۔ اپنے شناساؤں میں وہ ایک پراسرار عورت سمجھی جاتی تھی۔ وہ پراسرار ہی سہی مگر وہ کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ اسکی کئی فیکٹریاں اور ملیں تھیں۔ شہر کی متمول ترین ہستیوں میں شمار ہوتا تھا۔

اُس کا حلقہ احباب محدود تھا۔ چند گنے چنے آدمی اکثر اس کی کوٹھی میں دیکھے جاتے۔ یہ بھی وہ لوگ تھے جنہوں نے زبردستی مادام تنویر سے تعارف حاصل کیا تھا، ورنہ وہ خود کسی سے کبھی نہیں ملتی تھی۔ وہ نہ صرف اپنے ملازموں بلکہ لڑکے کے لئے بھی انتہائی پراسرار تھی۔ اس کی کوٹھی کا ایک حصہ ایسا بھی تھا جہاں کوئی نہیں جانے پاتا تھا اور یہ حصہ وہی تھا جہاں کچھ دیر پہلے چابکوں کی شائیں شائیں گونجتی رہی تھی۔ تنویر کے علاوہ اور کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہے۔ ویسے باورچیوں کو روزانہ تقریباً دس سیر گوشت کے پارچے اس طرح انگاروں پر بھوننے پڑتے تھے کہ

بھن جانے کے بعد اُن سے خون ٹپکتا رہے یعنی آدھ کچے پارچے اور وہ سارے کا سارا گو
خود تنویر اٹھا کر عمارت کے اس حصے میں لے جایا کرتی تھی۔

اس کے علاوہ آج تک وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکا تھا۔ اکثر اُس حصے کی طرف عجیب وغریب آوازیں لوگ سنتے اور سہم جاتے مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس حصے کا معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ تنویر کا خوف اس طرح ان لوگوں پر غالب تھا۔

دوسروں پر حکومت کرنے والی تنویر کی یہ رات بڑی بے چینیوں میں گذری جارہی تھی۔

وہ کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی ..... کبھی بیٹھ جاتی۔ کبھی کھڑکی کے قریب جا کر کھڑی ہو جاتی کمپاؤنڈ میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں اس طرح گھورنے لگتی جیسے اُسے کسی کی تلاش ہو۔

اچانک اُس کے کتوں نے آسمان سر پر اٹھالیا اور تنویر جھپٹ کر ایک الماری کے قر پہنچی۔ اُسے کھول کر ایک ریوالور نکالا۔ کمرے کی روشنی گل کر دینے کے بعد وہ پھر کھڑکی قریب آ گئی۔ کتے بدستور بھونکے جارہے تھے۔

آج یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ کتے روز ہی رات کو اسی طرح اچانک بھونکنے لگتے تھے لیکن اس سے پہلے کبھی تنویر کو ریوالور نکالنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔

دو بج گئے تنویر ابھی تک جاگ رہی تھی وہ اپنے لڑکے عدنان کے لئے بہت پریشان تھی ایک فکر مند ماں کی طرح بہتیری اچھی اور بُری باتیں سوچ رہی تھی۔

اچانک اُس نے عدنان کی چیخیں سنیں، روشنی لاؤ..... روشنی لاؤ..... میں کہاں ہوں یہاں بہت اندھیرا ہے..... کیا میں اندھا ہو گیا ہوں۔"

آواز بڑی تیزی سے قریب آتی جارہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں تنویر راہداری میں تھی وہ دوڑتی ہوئی عمارت کے اُسی پراسرار حصے کی طرف جارہی تھی جہاں اُس نے کسی پر جا برسائے تھے۔ تاریک راہداریاں منور ہوتی چلی گئیں۔ پھر اُسے عدنان نظر آیا۔ جو ایک دیوار سہارا لئے لڑکھڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"عدنان.....!" تنویر چیخی اور عدنان نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ سیدھا کھڑا ہونے کوشش کر رہا تھا۔ تنویر نے آگے بڑھ کر اُسے سہارا دیا۔

"تو میں گھر ہی میں ہوں۔" عدنان کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے تنویر یکلخت بدل گئی ہو۔ اس نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔

"میں تم سے بہت ناراض ہوں عدنان۔"

"نہیں! ممی ڈیئر! تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ میں واپس آ گیا۔ میرا گھوڑا کہاں ہے اور میری رائفل۔"

"گھوڑا اصطبل میں ہوگا..... رائفل کے متعلق مجھے علم نہیں۔ میں نے تمہیں اس شکار سے روکنے کی کوشش کی تھی۔"

"کیا تمہیں علم تھا ممی کہ مجھے یہ حادثہ پیش آئے گا" عدنان نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"چلو..... اپنے کمرے میں چلو۔ تم کمزوری محسوس کر رہے ہو۔"

"میری بات کا جواب دو ممی..... کیا تمہیں علم تھا۔"

"شٹ اَپ....."

عدنان خاموش ہو گیا۔ لیکن اُس کے چہرے پر پائے جانے والے آثار یہی کہہ رہے تھے اپنی ماں کی ڈکٹیٹر شپ پسند نہیں کرتا۔ وہ اُسے اُسی کمرے میں لائی جہاں کچھ دیر قبل خود لائی اور اُسے آرام کرسی میں دھکیلتی ہوئی بولی۔ "مجھے بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔"

"مجھے یاد نہیں..... اوہ ممی..... اب میں سونا چاہتا ہوں۔ اف فوہ..... کتنی جلن ہے میرے سینے میں۔"

"تم مجھے بتائے بغیر نہیں سو سکو گے۔ مجھے تمہاری یہ خودسری بالکل پسند نہیں ہے۔"

"سونے کی خواہش کرنا خودسری نہیں ہے۔ تم اب تک کیوں نہیں سوئیں۔"

"میری بات کا جواب دو۔ تم بہت بدتمیز ہوتے جارہے ہو۔"

"میں شاید موت کے منہ سے نکل کر آیا ہوں ممی!" عدنان نے خشک لہجے میں کہا۔

"ہاں میں جانتی ہوں..... مجھے اس کے متعلق بتاؤ۔"

"صبح بتاؤں گا..... اب مجھے سونے دو۔"

"تم بتائے بغیر نہیں سو سکتے۔ اگر مجھے تیسری بار بھی یہی دہرانا پڑا تو میں بہت بُری طرح

پیش آؤں گی۔ موت کے منہ میں جانا اور نکل آنا مردوں ہی کا کام ہے۔ اگر تم لڑکی ہوتے تو
کچھ پوچھے بغیر ہی تمہیں تھپک کر سلا دیتی۔"

"میں نہیں جانتا کہ ماں کی شفقت کس چڑیا کا نام ہے۔" عدنان بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم حقیقتاً بہت بدتمیز ہوتے جارہے ہو۔ میں تم سے کبھی نہ بولوں گی۔" تنویر نے
ہوئے کہا۔

"اوہو! ممی خفا ہوگئیں۔" عدنان بے بسی سے بولا۔ "بیٹھ جاؤ..... بتاتا ہوں..... میں
شکار کے لئے نکل گیا تھا۔ نوکر خیمے میں تھے اور خیمہ مجھ سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر
ایک کتے نے پیچھے سے گھوڑے پر حملہ کیا اور گھوڑا ابدک کر بھاگا۔ میں نے مڑ کر دیکھا، وہ
جنگلی کتا نہیں معلوم ہوتا تھا..... حقیقتاً کسی کا پالتو تھا۔ مگر جنگل میں۔ میرا مطلب ہے کہ
آبادیوں میں ایسے کتے نہیں دکھائی دیتے۔ میرا گھوڑا بے تحاشہ دوڑ رہا تھا، لیکن کتے سے
فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ایک بار کتے نے چھلانگ لگائی اور مجھ پر آرہا۔ شاید اس کا حملہ میری
ہی کے لئے تھا۔ لیکن اس کے دانت شانے ہی میں اترتے چلے گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد
ہے کہ میں نے اُسے کس طرح جھٹک دیا تھا۔ گھوڑا دوڑتا ہی رہا..... پھر بارش شروع ہوگئی
جانے کیوں مجھ پر غشی سی طاری ہوتی جارہی تھی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا..... یہ بتاؤ میرا
زندہ ہے یا مر گیا۔"

"مجھے علم نہیں ہے۔"

"علم ہونا چاہئے..... ممی وہ ایک بڑا شاندار گھوڑا ہے۔ اسی نے آج میری جان بچائی ہے۔"

"وہ کتا کیسا تھا.....؟"

"اوہ..... وہ..... اس کا رنگ سیاہ تھا..... اور جسم کی بناوٹ گرے ہاؤنڈ کی سی تھی۔ لیکن
نے آج تک سیاہ رنگ کا گرے ہاؤنڈ نہیں دیکھا۔"

"کیا اس کے سر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔"

عدنان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میں نے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔
ہے دھاریاں رہی ہوں..... اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نہ رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے..... تمہیں اتنا ہوش کہاں رہا ہوگا کہ یہ دیکھتے۔" تنویر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔
"تم تو کسی ننھی سی بچی کی طرح خوفزدہ ہوگئے تھے۔ عدنان کیا تمہیں ریوالور کی مشق نہیں ہے۔"

"ہے کیوں نہیں..... کیا تم یہ سمجھتی ہو ممی کہ میں ڈر کر بھاگا تھا۔ گھوڑا بے قابو ہوگیا تھا۔ پھر
طوفان آ گیا۔ اگر تم اس طرح طنز کرو گی تو میں ابھی اور اسی وقت شکار گاہ واپس جاؤں گا۔"

"خاموش بیٹھو۔" تنویر نے اُسے جھڑک دیا۔ چند لمحے چپ رہی پھر پوچھا۔ "اس کتے کے
ساتھ کوئی آدمی بھی نظر آیا تھا۔"

"میں نہیں دیکھ سکا۔" عدنان نے جواب دیا پھر بولا۔ "کیا تم اس کتے کے متعلق کچھ جانتی ہو۔"

"کیوں.....؟" تنویر اُسے گھورنے لگی۔

"تم نے ابھی سفید دھاریوں کے متعلق پوچھا تھا۔"

"کچھ نہیں..... یونہی۔"

"مجھے بتاؤ کہ وہ کس نسل کا کتا تھا۔"

"میں نہیں جانتی، لیکن اب تم میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلو گے..... سمجھے!"

"کیوں..... مجھے وجہ بتاؤ۔"

"تم واقعی بہت بدتمیز ہوتے جارہے ہو۔"

"ممی ڈیئر! تم ذرا ذرا سی بات پر خفا ہوجاتی ہو۔ میں تمہاری پریشانی کی وجہ معلوم کرنا چاہتا
ہوں۔ تم کئی دنوں سے پریشان نظر آرہی ہو۔"

"تم مجھے پریشان نہیں دیکھنا چاہتے..... کیوں؟"

"قدرتی بات ہے ممی۔"

"اچھا تو میں اس طرح خوش رہ سکتی ہوں کہ تم میرے کہنے پر عمل کرو۔"

"یعنی تمہاری اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ نکالوں۔"

"ہاں..... میں یہی چاہتی ہوں۔"

عدنان نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم نے مجھے
ہاں اندھیرے میں کیوں ڈال دیا تھا۔"

"ڈاکٹر نے یہی کہا تھا کہ تمہیں اندھیرے میں ہوش آنا چاہئے۔"

"اندھیرا تو میرے کمرے میں بھی ہو سکتا ہے۔"

"تم پھر بحث کرنے لگے۔"

"ہاں تو میں تم سے کچھ پوچھا ہی نہ کروں۔" عدنان نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"نہ پوچھا کرو۔"

"تم ابھی تک مجھے ایک ننھا سا بچہ سمجھتی ہو۔ یہ مجھے پسند نہیں ہے۔"

"میری پسند تمہاری پسند ہے..... اُسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ اب سو جاؤ۔" تنویر اٹھتی ہوئی
عدنان خاموش ہی رہا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں
دبا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

تنویر اُس کے کمرے سے نکل کر پھر عمارت کے اُسی حصے کی طرف جا رہی تھی۔ درو
پر پہنچ کر وہ رک گئی۔

"مڈونگا! مڈونگا" اُس نے آہستہ سے آواز دی۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔
بار آواز دینے کے بعد وہ پھر رہائشی حصوں کی طرف پلٹ آئی۔

اب پھر بوندا باندی شروع ہو گئی تھی اور آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تنویر برآمدے میں نکل آئی۔ کمپاؤنڈ سنسان پڑا تھا۔ درختوں سے بوندوں کے گرنے کی آوازیں ہو رہی تھیں اور ہوا سائیں سائیں کرتی ہوئی گذر رہی تھی۔

تنویر نے برآمدے کے بلب نہیں روشن کئے۔ وہ ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھی اور ایک کرسی میں لیٹ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ صبح چوکیدار کی بُری طرح خبر لے گی کیونکہ اُن میں شاید ایک بھی نہیں جاگ رہا تھا۔

ریوالور تنویر کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ آج سے پہلے بھی وہ اس طرح برآمدے میں آ کر بیٹھی تھی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور ذہن مختلف قسم کے خیالات میں بُری طرح الجھا ہوا تھا مگر وہ خائف نہیں تھی۔

وہ بڑی پراسرار عورت تھی۔ اُس کا لڑکا عدنان بھی اُس کے کسی راز سے واقف نہیں تھا۔

نہیں جانتا تھا کہ اُس کی ماں کون ہے! کیا ہے؟ وہ اپنے باپ کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ حد یہ ہے کہ اُسے اپنے باپ کا نام تک نہیں معلوم تھا۔

ہم شکل مردہ

کرنل فریدی آفس میں اپنی میز پر اخبار پھیلائے بیٹھا تھا۔ حمید اور رمیش اپنی میزوں پر تھے۔ رمیش کاغذات میں الجھا ہوا تھا اور حمید..... وہ تو اب محض فریدی کو چڑھانے کے لئے "ٹوٹو پلے پن اپ" کے پرچے آفس میں بھی لانے لگا تھا۔ اس وقت بھی وہ پرچے کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ اس میں ہالی وڈ کی ایکٹریسوں کی نئی نیم عریاں تصاویر تھیں۔ کبھی کبھی وہ دور ہی سے رمیش کو بھی کوئی پوز دکھانے لگتا۔ فریدی اخبار میں محو تھا۔

اچانک لیڈی انسپکٹر ریکھا کمرے میں گھس آئی۔ اُس کا چہرہ سرخ تھا اور سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی اخبار پر جھک پڑی۔

فریدی نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ اُسے ریکھا سے ایسی بے تکلفی کی توقع نہیں تھی۔ آج وہ اجازت لے کر بھی کمرے میں داخل نہیں ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے۔"

"اوہ..... میں معافی چاہتی ہوں۔" ریکھا سٹپٹا گئی۔ "لیکن بات ایسی ہی ہے۔"

"کیا بات ہے..... بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے میز کی دراز سے دو تین پرچے اور نکال لئے۔ آج کل ریکھا سے اُس کی بول چال نہیں تھی اور جھگڑے کی وجہ قاسم تھا۔ قاسم آج کل زیادہ تر حمید ہی کے ساتھ رہتا اور ریکھا پر خاص طور سے اس کی نظرِ عنایت تھی بلکہ وہ حمید کے ساتھ اپنا زیادہ تر وقت اسی لئے گذارتا تھا کہ شاید ریکھا کا دیدار ہی نصیب ہو جائے مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔

اس جھگڑے سے پہلے وہ تینوں کبھی کبھی کیفے یا ہوٹل میں مل بیٹھا کرتے تھے۔ ریکھا قاسم

کی حماقتوں سے کافی محظوظ ہوتی، لیکن ایک دن جب حمید اور ریکھا آرلکچو میں بیٹھے غپیں مار رہے تھے۔ قاسم آ گیا اور اچانک ریکھا کی نظر قاسم کی کوٹ کی جیبوں پر پڑی، جو رہ رہ کر پھولتی پچکتی ہوئی سی معلوم ہونے لگتی تھیں۔ ریکھا کے استفسار پر قاسم نے بتایا کہ وہ خرگوش کے بچے لئے پھر رہا ہے کیونکہ ریکھا کو خرگوش بہت پسند ہیں۔ شائد ریکھا نے پہلے کبھی کسی موقعہ پر کہا ہو کہ اُسے خرگوش بہت پسند ہیں۔ اگر امکان میں ہو تو وہ سارا دن خرگوشوں سے کھیلتی رہے۔

قاسم نے اُسے بتایا کہ اُسے بھی خرگوشوں سے اتنی ہی محبت ہے۔ اس سلسلے میں اس نے شاید بوکھلاہٹ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اسے ریکھا سے بھی اتنی ہی محبت ہے، ریکھا اس پر اکڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم کی گھگھی بندھ گئی اور حمید اس کی صفائی پیش کرنے لگا۔ پھر بات اتنی بڑھی کہ دونوں میں لڑائی ہوگئی۔ اُسی دن سے دونوں میں بول چال بند تھی۔

''ہاں.....!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیا اس اخبار میں کچھ ہے''

''جی ہاں..... میں اس تصویر کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' ریکھا نے اخبار کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ..... یہ..... ہاں..... کیوں؟ یہ سعید بابر کی تصویر ہے، جو ابھی حال ہی میں افریقہ سے یہاں آیا ہے۔''

حمید نے بہت زور سے اپنے گال پر تھپڑ مارا اور پھر رمیش کو غصیلے انداز میں گھونسہ دکھانے لگا..... فریدی اُسے کنکھیوں سے دیکھ کر پھر ریکھا کی طرف دیکھنے لگا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ میں نے کچھ دن پہلے اس آدمی کی لاش دیکھی تھی تو.....!'' ریکھا جملہ پورا نہ کر پائی کیونکہ حمید رمیش کو مخاطب کر کے بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''اس اطلاع پر میں سر بھی منڈوا سکتا ہوں۔''

''فی الحال تم باہر چلے جاؤ۔'' فریدی غرایا۔

''بہت بہتر جناب۔'' حمید پن اپ کے پرچے سنبھالتا ہوا اٹھنے لگا۔ وہ فرش پر گر گئے۔ حمید انہیں اٹھانے کیلئے جھکا۔ کئی پرچے کھل گئے تھے جن میں بڑی بڑی نیم عریاں تصویریں تھیں۔

''گٹ آؤٹ۔'' فریدی جھلا گیا اور حمید پرچوں کو وہیں فرش پر چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

''رمیش.....!'' فریدی نے کہا۔ ''انہیں سمیٹ کر باہر پھینک دو۔''

رمیش اٹھ کر پرچے سمیٹنے لگا اور فریدی نے ریکھا سے کہا۔ ''ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔''

ریکھا، جو رمیش کو پرچے سمیٹتے دیکھ رہی تھی چونک پڑی۔ ''جی ہاں! آپ یقین کیجئے میں نے اس کی لاش دیکھی تھی۔''

''کب دیکھی تھی..... اور پھر تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ اُسی کی لاش رہی ہوگی۔''

''اگر وہ محض مشابہت تھی تو مجھے حیرت سے بھی زیادہ کچھ اور ہونا چاہئے۔''

''ہاں..... آں..... اکثر ایسی مشابہتیں بھی ہوتی ہیں۔ خود میرے تجربے میں ایسے واقعات آئے ہیں۔ میرے کئی کیسوں میں ایسی شکلیں سامنے آ چکی تھیں۔''

''مگر جناب! وہ مشابہت ہی سہی۔ میں نہ جانے کیا محسوس کر رہی ہوں۔''

''اس لائن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت تم میں بدرجہ اتم موجود ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہم اسے چھٹی حس کہتے ہیں۔ خیر تم کیا محسوس کر رہی ہو۔''

''دیکھئے بتاتی ہوں۔'' ریکھا نے کہا پھر رمیش کیطرف دیکھ کر بولی۔ ''تم نے بھی اس مفلوج فقیر کو صدر کے علاقے میں کہیں کہیں ضرور دیکھا ہوگا، جو بڑی عجیب قسم کی دعائیں دیا کرتا تھا۔''

''جی ہاں..... میں نے دیکھا ہے۔'' رمیش نے جواب دیا۔

''ذرا یہ تصویر دیکھنا۔''

رمیش اٹھ کر میز کے قریب آ گیا۔ کچھ دیر تک سر جھکائے تصویر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ''بڑی مشابہت ہے بلکہ بعض حالات میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں میں سرمو فرق نہیں۔''

''مگر یہ فقیر تمہیں یاد کیسے رہ گیا۔ دن بھر سینکڑوں فقیر تمہاری نظروں سے گذرتے ہوں گے۔''

''جناب! وہ فقیر ہی عجیب ہے۔'' رمیش نے کہا۔

''ہے نہیں بلکہ تھا..... کیونکہ میں اس کی لاش دیکھ چکی ہوں۔''

''کب..... کیا وہ مرگیا۔'' رمیش نے پوچھا۔

''غالباً پچھلے ہفتے کی بات ہے۔ پھر میں نے اس آدمی کو'' ریکھا نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ ''کل شام ایک کار سے اترتے دیکھا۔ اگر میں اس فقیر کی لاش نہ دیکھ چکی ہوتی تو.....

آپ خود سوچئے۔"

"ہُم ..... مجھے بتاؤ کہ وہ فقیر عجیب کیوں تھا۔"

ریکھا اور رمیش ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ پھر رمیش نے کہا۔ "حمید بھائی نے بھی اس فقیر کو دیکھا ہوگا۔ وہ بہت اچھی طرح بتا سکیں گے۔"

"حمید کو بلاؤ۔"

سارجنٹ رمیش باہر چلا گیا اور فریدی کچھ سوچنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جبرواکراہ اس معاملے میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ریکھا نے جتنے جوش وخروش کے ساتھ تذکرہ چھیڑا تھا اس کی مناسبت سے وہ توجہ بھی دے رہا تھا۔ اگر وہ اسے کوئی اہمیت نہ دیتا تو ریکھا کو خواہ مخواہ شرمندگی ہوتی۔ وہ حمید کی آمد کا منتظر رہا۔

حمید رمیش کے ساتھ واپس آیا۔ شاید اس نے فریدی کی جھڑکیوں کا بُرا نہیں مانا تھا کیونکہ اُس وقت بھی بڑے اچھے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ ریکھا سے بول چال بند تھی اس نے آتے ہی ریکھا سے کہا۔

"خواہ مخواہ ..... بات کا بتنگڑ بنانے سے کیا فائدہ۔ میں نے بھی اخبار میں سعید بابر کی تصویر دیکھی تھی اور خاموش رہ گیا تھا۔"

"یہاں مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ وہ فقیر اتنی شدت سے لوگوں کے ذہنوں پر کیوں مسلط تھا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا ان لوگوں نے نہیں بتایا۔" حمید بولا۔

"ان کا خیال ہے کہ تم ان سے بہتر طریقے پر بتا سکو گے۔"

"ہا.....!" حمید سر کھجا کر بولا۔ "وہ کچھ اس انداز میں بھیک مانگتا تھا کہ لوگ کھڑے کھڑے شادیاں کرنے پر تل جاتے تھے۔ آپ سنتے تو اُسے گولی ہی مار دیتے۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"جی ہاں..... اس کی صدا ہوتی تھی دے جا بابا..... خدا تیری محبوبہ کو سلامت رکھے۔ تندرست رکھے۔ وہ کبھی بوڑھی نہ ہو..... بچے نہ جنے..... وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی نے رمیش کی طرف دیکھا اور رمیش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ریکھا کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"مگر کیا یہ کوئی کیس بن رہا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"شاید بن ہی جائے۔" فریدی نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوئے..... پن اپ کے پرچے کیا ہوئے۔" حمید نے رمیش سے پوچھا۔

"باہر پھینک دیئے۔"

"کیا.....؟" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"کرنل صاحب نے کہا تھا۔"

"تم یہاں آفس میں اس قسم کی لغویات مت لایا کرو۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"ایک کیس کے سلسلے میں لایا تھا جناب۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور ریکھا مسکرا پڑی۔ لیکن اس نے منہ بھی پھیر لیا کہ کہیں حمید کی نظر اس کی مسکراہٹ پر نہ پڑ جائے۔

"ہاں تو فقیر کی لاش بھی تم نے دیکھی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"جی..... جی ہاں..... غالباً وہ سردی سے اکڑ کر مر گیا تھا۔ اسکی دونوں ٹانگیں بیکار تھیں۔"

"اچھا..... اور کیا بتا سکتی ہو اس کے متعلق۔"

"اور کیا! اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے اس کی لاش سات جنوری کی شام کو دیکھی تھی۔"

"اچھا تو بس.....!" فریدی نے سگار کیس سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ضرور ہے، مگر ایسا بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ ہمارا محکمہ اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو۔"

"مگر یہ سعید بابر افریقہ سے آیا۔" ریکھا نے کہا۔

"تو کیا ہم پر احسان کیا ہے۔" حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "آیا ہوگا۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔"

"میں بھی سن رہا ہوں..... بہرا نہیں ہوں۔"

فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اخبار پڑھنے لگا تھا۔ ریکھا اٹھ کر چلی گئی اور حمید
کی چال کی نقل اتارنے کے سلسلے میں لچکنے لگا۔ اس دوران میں رمیش بھی شاید کسی کام سے
چلا گیا تھا۔

"تم سے میں عاجز آ گیا ہوں۔" فریدی نے اخبار رکھتے ہوئے کہا۔

"عاجزی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یقیناً آپ مقبول بندے معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیوں! آج کہیں سے بھیک مل رہی ہے۔ بہت چہک رہے ہو۔"

"حیلہ روزی بہانہ موت۔ آج کل قاسم کی دو تین خالہ زاد سالیاں مجھ پر بہت مہربان
اور میں اب اس کا قائل ہو گیا ہوں، خواہ بیوی نہ ہو، لیکن ایک آدھ سالی ضرور ہونی چاہئے
نغمگی ہے اس لفظ میں "سالی"..... سا..... لی..... سا..... لی.....!"

حمید اس طرح سالی سالی کی ہانک لگانے لگا جیسے اپنی پالتو کتیا کو آواز دے رہا ہو۔

فریدی نے نہایت اطمینان سے اٹھ کر اس کے دونوں کان پکڑے اور اُسے درواز
طرف گھما کر کمر پر ایک لات رسید کر دی۔ حمید سنسان برآمدے میں دور تک دوڑتا چلا گیا۔
اُسی رفتار سے لان کی طرف گھوم گیا اور اب وہ بڑے اطمینان سے ٹہلتا ہوا اُدھر جا رہا تھا جہ
فریدی کی کار کھڑی کی جاتی تھی۔ اُسے علم تھا کہ فریدی ڈیڑھ بجے کے بعد باہر جائے گا لیکن
کے باوجود بھی وہ اُس کی کار لے اڑا۔ آخر اس لات کا بدلہ بھی تو ہونا چاہئے تھا۔

اس نے قاسم کے گھر کی راہ لی جہاں آج کل قاسم کی بیوی کی تین عدد خالہ اور ماموں
بہنیں مقیم تھیں۔ یہ تینوں ہی بڑی زندہ دل اور خوش مزاج تھیں۔ ویسے قاسم جیسے شخص کی ہم
نے ان صفات کو اور زیادہ چمکا دیا تھا۔

وہاں ہر وقت ہی کوئی نہ کوئی تفریح ہوتی رہتی تھی۔ مگر اس وقت کی تفریح قطعی خلاف
تھی۔ اُس نے قاسم کو پورچ میں چت پڑا دیکھا جس کے پیٹ پر ایک بہت بڑا پتھر رکھا ہوا
پتھر کیا چٹان کا ٹکڑا کہنا چاہئے جس کا وزن کم از کم پچاس من ضرور رہا ہو گا اور اس پتھر پر قاس
دو نوکر بڑے بڑے ہتھوڑے برسا رہے تھے۔

قاسم کی سالیاں اوپر برآمدے میں حیرت سے منہ کھولے کھڑی تھیں۔ ان کے قریب

بیوی بھی تھی مگر اس کا موڈ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ آج بھی وہی ننھی منی سی گڑیا لگ رہی
تھی۔ ایسی خوبصورت عورت حمید کی نظر سے کم گذری تھیں۔ مگر بیچارہ قاسم کیا کرتا۔ اس کا تو پہاڑ
اور گلہری والا معاملہ تھا۔ وہ تو کوئی اپنی ہی جیسی گرانڈیل لڑکی چاہتا تھا۔

حمید کار سے اُتر کر سیدھا پورٹیکو کی طرف چلا گیا۔ قاسم ہتھوڑا برسانے والے نوکروں پر بگڑ
رہا تھا۔

"اور زور سے..... ابے سالو! کیا کھانے کو نہیں ملتا۔"

"ایک سر پر بھی جما دو..... دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا۔

"ارے خدا تمہیں غارت کرے تم آ گئے۔" قاسم نہ جانے کیوں بوکھلا گیا۔

"ہاں میں آ گیا ہوں اور اس پتھر پر کھڑا ہو کر ایک تقریر کروں گا۔"

"ہائیں..... آؤ اچھا..... تم بھی کیا یاد کرو گے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کمزور ہوں۔" قاسم
نے کہا اور پھر نوکروں کو مخاطب کر کے دہاڑا۔ "ہٹ جاؤ بے۔"

نوکر ہٹ گئے اور حمید پتھر پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ بڑی مشکل سے اُسے کامیابی
ہوئی۔ قاسم کی سالیاں بے تحاشہ ہنس دی تھیں اور بیوی!..... وہ بیچاری تو حمید کی صورت دیکھتے ہی
وہاں سے کھسک گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب قاسم کی خیر نہیں۔ آخر کو بیوی ہی تھی۔ ویسے ہی وہ
اس کی حماقتوں کی بناء پر دوسروں کے سامنے شرمندہ سی رہتی تھی۔ اب حمید صاحب بھی تشریف
لائے تھے، جو کچھ نہ ہو جاتا کم تھا۔

حمید پتھر پر چڑھنے کو چڑھ تو گیا مگر ڈر رہا تھا کہ کہیں یک بیک قاسم کی ذہنی رو بہک نہ
جائے۔ ایسی صورت میں اُسے شہادت ہی نصیب ہوتی پہلے اسکا ارادہ تھا کہ قاسم کا بخیہ ادھیڑے
گا مگر اب یہ خیال ترک کر دینا پڑا۔ پتہ نہیں کب قاسم جھلا کر پتھر سمیت اُسے زمین پر پٹخ دے۔

حمید نے جھک کر تینوں کو سلام کیا اور چپ چاپ اتر گیا۔

"اماں..... وہ تقریر.....!" قاسم نے کہا۔

"تقریر وہاں سے کروں گا۔" حمید نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو بے! توڑو پتھر!" قاسم نے نوکروں کو للکارا۔ "جب تک پتھر نہیں ٹوٹے گا چھٹی نہیں

ملے گی۔"

نوکر پہلے ہی سے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ انہوں نے بڑے ملتجانہ انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھا اور ایک لڑکی نے کہا۔ "اب اسے ختم کیجئے.....کوئی دوسرا کرتب۔"

"آؤ تم تینوں پتھر پر کھڑی ہو جاؤ۔" قاسم نے کہا۔

"ہاں..... یہ بڑی معقول بات ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "بلکہ کہو تو اپنی بیوی کو بھی بلالوں۔"

"بلالو۔" قاسم نے جھونک میں کہا۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ "کون..... بیوی۔"

"کہاں ہے تمہاری بیوی۔"

"ابھی اندر گئی ہے۔"

"کیا.....!" قاسم حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ پھر کروٹ لے کر پتھر کو ایک طرف دھکیل دیا اور خود اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا کہا تم نے۔"

"میں نے کہا تمہاری بیوی کو بھی بلالوں۔" حمید نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"نائیں.....تم نے اپنی بیوی کہا تھا۔"

"تمہارے سننے میں فرق آیا ہے پیارے۔"

"تم خود ہوگے پیارے۔ میں گردن توڑ دوں گا تمہاری۔"

"اب ریکھا سیدھی ہوگئی ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا "تمہیں پوچھ رہی تھی۔"

"نہیں! الاقسم۔" قاسم کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"ہاں.....بس خاموش رہو۔" حمید نے جواب دیا۔ انکی سرگوشیاں لڑکیوں تک نہیں پہنچی تھیں۔ پھر دونوں ہنسنے لگے۔

"ہاں.....!" ایک لڑکی بولی۔ "ابھی تو آپ حمید صاحب کو مارنے دوڑے تھے۔"

"ارے وہ.....وہ تو میں مذاخ کر رہا تھا۔" قاسم نے جواب دیا۔

"قاسم کے مذاق بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔" حمید نے اُن میں سے ایک لڑکی کو آنکھ مار کر کہا۔ ظاہر ہے کہ اُس آنکھ مارنے کا مقصد اپنی بات میں زور پیدا کرنا ہوتا تھا۔ وہ تینوں ہنس پڑیں، لیکن قاسم نے حمید کو آنکھ مارتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے بوکھلا کر لڑکیوں کی طرف دیکھا مگر وہ

بُرا ماننے کی بجائے ہنس رہی تھی۔ قاسم کی کھوپڑی یکلخت الٹ گئی اور حمید کو بھی دھیان نہیں رہا کہ اس نے کیا کیا تھا، کیونکہ یہ سب کچھ رواروی میں ہوا تھا۔

اچانک قاسم نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "آؤ.....میرے ساتھ۔" گرفت اتنی سخت تھی کہ حمید کو اپنی کلائی ٹوٹتی ہوئی سی محسوس ہونے لگی۔ مگر وہ چپ چاپ اسکے ساتھ چلتا رہا۔ ہاتھا پائی میں اپنی ہی بے عزتی تھی۔ قاسم اُسے لڑکیوں کے سامنے ہی اٹھا کر پٹخ دیتا۔ وہ اُسے عمارت کے عقبی حصے کی طرف لے گیا اور گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "تم نے سلیمہ کو آنکھ کیوں ماری تھی۔"

اب حمید کو یاد آیا اور اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ آسمان سر پر گرتا محسوس ہونے لگا۔ جس وقت قاسم غصے میں ہو اُسے کوئی بات سمجھا لینا آسان کام نہیں تھا۔ بہر حال حمید نے ہاتھ پاؤں مارے۔ "ارے! یار تم بالکل ہی بھولے ہو.....کیا وہ بُرا مان گئی تھی۔"

"مانے یا نہ مانے.....لیکن تم نے کمینہ پن کیوں کیا۔"

"اگر یہ کمینہ پن ہوتا تو ضرور بُرا مانتی.....ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو۔"

"نہیں میں گرم دل سے سوچوں گا.....میری بات کا جواب دو۔"

"اس طرح اگر میں تمہارے باپ کو آنکھ ماروں تو وہ بھی بُرا نہیں مانیں گے۔"

"میرے باپ کو آنکھ مارو گے۔ ہڈیاں نہ چبا جاؤں گا تمہاری..... یہ مجال۔"

قاسم نے گریبان کو جھٹکا دیا اور حمید کی روح فنا ہوگئی۔

"اچھا ایک بات سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"دس سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر تم نہ سمجھا سکے تو میں قبر کھود کر دفن کر دوں گا سمجھے! میرے باپ کو آنکھ ماریں گے، بڑے مارنے والے..... ہاں۔"

"تم کسی عورت کو ماں کہتے ہو۔"

"میری ماں بچپن ہی میں مرگئی تھی۔"

"پرواہ مت کرو! میں تو ایک مثال دینے جا رہا تھا تم کسی عورت کو ماں کہو تو وہ خوش ہوگی۔ لیکن اسکو باپ کی جورو کہہ کر دیکھ لو کیا حشر ہوتا ہے تمہارا۔ حالانکہ باپ کی جورو ہی ماں ہوتی ہے۔"

"اچھا میں سمجھ گیا.....آگے کہو۔"

"کیا کہوں.....تمہیں دنیا کا کچھ تجربہ ہی نہیں ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے.....کی مطلب نہیں سمجھتے۔"

"ارے تم تو بڑے قابل ہو۔ پھر بتاؤنا.....!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

"آنکھ مارنے کے انداز میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک آنکھ اس طرح ماری جاتی ہے لوگ بُرا مان جاتے ہیں، لیکن اگر تم اپنا ایک گال پھلا کر آنکھ مارو تو کوئی بھی بُرا نہیں مانے گا سمجھ میں.....تم اس طرح کسی کو آنکھ مار کر دیکھنا۔"

قاسم کا ایک گال غیر ارادی طور پر پھولتا چلا گیا۔ لیکن پھر آنکھ مارنے کی گنجائش ہی نہیں گئی کیونکہ اس طرف کی آنکھ خود بخود بند ہوگئی تھی۔ قاسم چند لمحے کوشش کرتا رہا پھر بڑی بے بسی سے بولا۔ "نہیں بنتا۔"

"اچھا ادھر دیکھو.....!" حمید نے اپنا ایک گال پھلا کر اُسے آنکھ ماری۔

"تم سے تو بن جاتا ہے۔" قاسم نے بے بسی سے کہا۔ "مگر اپنا یہ سالا گال ہی ایسا ہے پھول کر آنکھ پر چڑھ جاتا ہے۔ اچھا اگر دوسری آنکھ ماری جائے تو.....!"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

قاسم نے پھر ایک طرف کا گال پھلایا اور دوسری طرف کی آنکھ مارنے کی کوشش کی۔ وہ آنکھ صرف بند ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ ایک آنکھ تو پہلے ہی بند تھی۔

"کیوں! بنا کہ نہیں۔" قاسم نے حمید سے پوچھا۔

"بننے لگے گا.....تھوڑی مشق کی ضرورت ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

قاسم نے حمید کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور وہیں دھوپ میں کھڑے کھڑے مشق شروع کر دی تھی۔ اب وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ حمید کو یہاں لایا کیوں تھا۔

"ابے نہیں بنتا حمید بھائی۔" قاسم نے پھر بڑی بے بسی سے کہا۔ اتنے میں وہ تینوں لڑکیاں وہاں آگئیں۔

"ارے بھائی صاحب۔" ایک نے قاسم سے کہا۔ "کیا سعید بابر کے یہاں نہیں چلنا؟"

"ارے وہ خود ہی آجائے گا۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "مگر سعید.....سعید نہیں کلو.....میرے ابا کا نام کلو ہے۔"

"ہائیں کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" لڑکی بولی۔ "سعید بابر.....بابر نہیں۔"

سعید بابر کے نام ہی پر حمید کو جھرجھری سی آگئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سالا کمبل ہی نہیں چھوڑتا۔ بھلا یہاں بھی سعید بابر کے تذکرہ کی کیا ضرورت تھی۔

"اچھا.....اچھا.....وہی جس کا تذکرہ کل کیا تھا۔" قاسم نے مسکرا کر کہا۔ "بڑا عجیب نام ہے، سعید بابر بالکل شیر ببر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ گلہری کا بچہ نکلا تو میں اس کی گردن مروڑ دوں گا.....ہاں یہ سالے نام بھی بڑا دھوکا دیتے ہیں.....نام پہاڑ خان اور خود مچھر کی اولاد۔"

"قاسم یار.....تم تو فلسفی ہوتے جا رہے ہو۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اور کیا.....ہاں نہیں تو سالے۔"

پھر حمید نے اس لڑکی سے پوچھا۔ "آپ سعید بابر کو کیسے جانتی ہیں۔ وہ تو شاید افریقہ سے آیا ہے۔"

"میں اُسے افریقہ ہی سے جانتی ہوں۔ نیروبی میں میرے چچا کا بزنس ہے۔ میں بھی وہاں تین سال رہ چکی ہوں.....اوہو.....آپ بھی چلئے.....بڑا لطف رہے گا۔ آپ یقیناً اُسے پسند کریں گے۔"

"ہم لوگ کسی کو بھی پسند نہیں کرتے۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کیوں حمید بھائی۔"

حمید نے قاسم کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "میں اُس سے ضرور ملوں گا۔ مجھے افریقہ بہت پسند ہے۔ مگر آج تک جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"ارے تمہارے لئے کیا مشکل ہے حمید بھائی۔ کوئی کیس بناؤ.....بس چلے چلیں گے۔ ہی ہی.....وہاں کی یلا یلیاں کیسی ہوں گی.....ہی ہی ہی....." قاسم بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"یلا یلیاں کیا چیز۔" تینوں لڑکیوں نے حیرت ظاہر کی۔

"ارے وہ کچھ نہیں.....جی ہاں تو آپ کب جائیں گی وہاں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"بس چل رہے ہیں۔" اس نے کہا اور لڑکیاں واپس جانے کے لئے مڑیں اور قاسم

بڑبڑانے لگا۔

"یار حمید بھائی..... بڑی بوریت رہے گی۔ کل میں نے یوں ہی وعدہ کرلیا تھا۔ کل اُس سالے کی تعریفوں کی پل باندھے جارہے ہیں۔"

"چلو دیکھتے ہیں..... ڈھب پر آ گیا تو مرغا۔"

"ہاہا.....!" قاسم حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس شانے پر کوئی بڑی سی چٹان آ گری ہو۔ وہ دونوں پورچ کی طرف جارہے تھے۔ اچانک ق دماغ پھر سنک گیا اور چلتے چلتے رک کر غصیلی آواز میں بولا۔ "تم اپنے گھر جاؤ۔"

"کیوں.....؟"

"تم آج کل یہاں روزانہ آرہے ہو..... میں خوب سمجھتا ہوں۔ نہیں تم اپنے گھر جاؤ۔"

"کیا سمجھتے ہو۔"

"تم ان تینوں کی وجہ سے آتے ہو۔"

"اچھا تو پھر.....!"

"اچھا تو پھر..... یہ کہ چپ چاپ چلے جاؤ۔"

"اچھا..... تو پھر میرا نام حمید ہے سمجھے! تمہارے گلے میں رسی ہوگی اور میں سارے ش ڈگڈگی بجاتا پھروں گا، اچھا میں چل دیا۔" حمید اپنی کار کی طرف بڑھا۔

اچانک سلیمہ نے برآمدے سے آواز دی۔ "کیا آپ جارہے ہیں۔ آپ نے تو چلنے کو کہا تھا۔"

"انہیں جانے دو۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "ان کے..... ان کے پیٹ میں درد ہو رہا"

حمید کار میں بیٹھ چکا تھا، لیکن اسٹارٹ بھی نہیں کرپایا تھا کہ سلیمہ اس کے قریب پہنچ گئی

"کیا بات ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"قاسم بھگا رہا ہے۔"

"کیوں.....؟"

"اُس کا خیال ہے کہ میں صرف آپکی وجہ سے یہاں آتا ہوں۔" حمید گلوگیر آواز میں

"ان کا بھی دماغ خراب ہے شاید..... آپ چلئے..... میں بھی چل رہی ہوں۔" سلیمہ وازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

حمید نے کار اسٹارٹ کردی اور قاسم۔ "ہائیں ہائیں۔" کرتا ہوا دوڑا لیکن کار پھاٹک سے گذر چکی تھی۔ قاسم پلٹ کر اپنے گیراج کی طرف لڑھکنے لگا۔

دوسرے پر فائر

تنویر کبھی تنہا باہر نہیں نکلتی تھی۔ اس کے ساتھ ہمیشہ دو باڈی گارڈ ہوتے تھے اور دونوں اپنے پاس بھرے ہوئے ریوالور رکھتے تھے اور اب کچھ دنوں سے وہ عدنان کو بھی تنہا باہر نہیں نکلنے دیتی تھی۔ دو باڈی گارڈ اُس کے ساتھ بھی رہا کرتے تھے۔

یہ چاروں آدمی بظاہر سیدھے سادے اور بے ضرر تھے، لیکن ان کی حقیقت صرف تنویر کو معلوم تھی۔ یہ چاروں اول درجے کے بدمعاش، سازشی اور قاتل تھے۔ ویسے یہ تنویر سے بہت ڈرتے تھے۔ اس کے ایک اشارے پر اس طرح آگے بڑھتے تھے جیسے پالتو کتے ہوں۔

اس وقت وہ تنویر محل کے ایک کمرے میں بیٹھے شائد تنویر ہی کے منتظر تھے۔ وہ بالکل خاموش تھے اور فکر مند نظر آرہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد تنویر کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں آج کا اخبار تھا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ کھڑے ہوگئے۔ تنویر نے سر کی جنبش سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ مؤدب بیٹھ گئے۔

"تم لوگوں کو شکایت تھی کہ میں تم سے کبھی کام نہیں لیتی۔" تنویر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "مگر اب کام کا وقت آ گیا ہے۔"

وہ بڑی توجہ سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ تنویر نے اخبار میز پر پھیلا دیا اور اخبار میں چھپی ہوئی ایک تصویر کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "اس آدمی کو جہاں دیکھو گولی مار دو۔"

وہ باری باری سے اس تصویر کو دیکھنے لگے۔ پھر ایک نے پوچھا۔ ''یہ رہتا کہاں ہے۔''

''تلاش کرو۔'' تنویر نے کہا۔ ''اخبار میں اُس کا پتہ نہیں ہے۔''

''ہم جلد سے جلد اسے نپٹانے کی کوشش کریں گے۔''

''بس اتنا ہی کہنا تھا۔'' تنویر اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ بھی اٹھے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک وہ باہر نہیں چلی گئی۔

پھر وہ بیٹھ کر ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا۔

''محترمہ تنویر بڑے دل گردے کی عورت ہیں۔ انہوں نے اس طرح اس قتل کا حکم صادر فرمایا ہے جیسے ہمیں سعید بابر کے سر میں تیل مالش کرنی ہے۔''

''کیا اس کے متعلق اخبار میں کوئی خبر بھی ہے۔'' دوسرے نے پوچھا۔

''ہاں ہے تو۔'' پہلے نے اخبار پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ ''یہ نیروبی سے آیا ہے، وہاں کوئی بہت بڑا آدمی ہے۔ اس میں یہ تحریر ہے کہ وہ اپنے اعزہ سے ملنے کے لئے یہاں آیا ہے۔''

''اور مادام تنویر چاہتی ہیں کہ ہم اُسے گولی ماردیں۔'' تیسرا بولا۔

''ہمیں اس سے غرض نہ ہونی چاہئے۔'' چوتھے نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''حکم.....حکم ہے۔''

''ہم کب کہہ رہے ہیں کہ حکم نہ مانیں گے۔''

اچانک عدنان کمرے میں داخل ہوا اور وہ پھر کھڑے ہوگئے۔ عدنان نے مسکراتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آج کل تم لوگ بیکار ہو۔'' عدنان بیٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں! ہم مادام کا ضروری کام کررہے ہیں۔''

''کون سا کام۔''

''اوہ..... جناب آپ کے زخم کا کیا حال ہے۔'' ایک نے دفعتاً پوچھا۔

''تم بڑے گدھے ہو..... جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں، اُس کا جواب دو۔''

''جناب عالی..... آپ خود خیال فرمائیں..... ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔''

''کیا! تمہیں بتانا پڑے گا۔''

''بہتر یہ ہوگا کہ آپ ہمیں شوٹ کردیں ورنہ مادام کا غصہ ہمارے لئے موت سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا۔''

''میری کوئی وقعت نہیں ہے...... کیوں؟'' عدنان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں جناب.....ہم آپ کے لئے بھی جان دینے کو حاضر ہیں۔''

عدنان کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''اچھا میرے لئے بھی ایک کام کرو۔''

''فرمایئے.....جناب۔''

''مجھے وہ کتا چاہئے جس نے شکار گاہ میں مجھ پر حملہ کیا تھا۔''

''کتا.....!'' چاروں نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں.....وہ کتا ہی تھا۔ سیاہ رنگ کا اونچا سا کتا..... جسم کے ساخت گرے ہاؤنڈ کی سی تھی اور شائد سر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔''

''ہم اُسے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے جناب۔ مگر کیا وہ بہت خطرناک ہے۔''

''شاید خطرناک ہی ہے۔''

''آپ اُس کی لاش چاہتے ہیں۔''

''نہیں زندہ.....لاش کیا کروں گا۔''

''ہم انتہائی کوشش کریں گے۔''

عدنان بھی اٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد کافی دیر تک خاموشی رہی پھر ایک نے آہستہ سے کہا۔

''دونوں ہی عجیب ہیں.....ہم کتنے دنوں سے یہاں ہیں، لیکن ہمیں آج تک مادام کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔''

''مگر اس آدمی سعید بابر کو ہم کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ بڑا ٹیڑھا کام ہے۔''

''کچھ بھی ہو.....ہمیں یہ کام کرنا ہی پڑے گا۔'' اس معمر آدمی نے کہا جو کم بولتا تھا اور بقیہ تینوں اس کا احترام بھی کرتے تھے۔

"وہ تو ہے..... لیکن اگر ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو۔"

"بس یونہی خیال ہے..... ناکامی کی صورت میں ہمارا کیا حشر ہوگا۔"

"ناکامی کی بات ہی نہ سوچو۔ میں اسے شارعِ عام پر گولی مار سکتا ہوں۔" معمر آدمی نے کہا۔

"سوچ سمجھ کر دعویٰ کرو..... آج کل یہ سب کچھ بہت مشکل ہو گیا ہے۔ جب سے سادہ لباس والوں کا چارج کرنل فریدی نے لیا ہے، بہت کم جرائم ہو پاتے ہیں۔"

حمید کی کار فراٹے بھر رہی تھی اور سلیمہ پہلے پہل تنہا اس کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ اُن تینوں میں یہی تھی بھی سب سے زیادہ زندہ دل۔ ایسی کہ حمید اس کی ہم نشینی میں بوریت نہیں محسوس کر سکتا تھا۔

"آخر آپ دونوں کے تعلقات کیسے ہیں۔" سلیمہ نے پوچھا۔

"بہت ہی دلچسپ۔" حمید بولا۔ "وہ خود ہی تعلقات قائم کرتا ہے، اور بگاڑ بیٹھتا ہے۔"

"مگر بیگم صاحبہ تو کہتی ہیں کہ آپ ہی نے انہیں بگاڑ رکھا ہے۔"

"غلط کہتی ہیں۔ میں نے اُسے بگاڑا نہیں بلکہ ہاتھی بنایا ہے۔"

سلیمہ پہلے تو ہنسی پھر آہستہ سے مغموم لہجے میں بولی۔ "دونوں کی زندگی برباد ہو گئی ہے۔ میں تو لعنت بھیجتی ہوں ایسی شادی پر۔"

"مگر مجھے بے جوڑ شادیاں بہت پسند ہیں۔ اگر بیوی یا شوہر پسند کا مل جائے تو زندگی محدود ہو جاتی ہے۔ آدمی مطمئن ہو جاتا ہے۔ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کی زندگی میں بس یہی ایک رہ گئی تھی، جو پوری ہو گئی۔ اب اُسے کچھ نہیں کرنا ہے۔"

"واہ..... ! یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"قاسم ہی کی مثال لے لیجئے۔ اگر بیوی پسند کی ملی ہوتی تو وہ اپنے پیٹ پر پتھر نہ تڑواتا۔ منہ سے لوہے کے گولے نہ نکالتا..... موٹی موٹی سلاخیں نہ موڑتا۔"

سلیمہ پھر ہنسنے لگی۔ اُس کے ہنسنے کا انداز حمید کو بہت پسند تھا۔ بھرے بھرے سے ہونٹ

کھلتے اور چمکدار دانتوں کی قطار جھانکنے لگتی۔ آنکھوں میں شوخی عود کر آتی اور اس کا سارا جسم تھرکتا سا محسوس ہونے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا جیسے ایونگ ان پیرس کی لپٹیں اس کے ہونٹوں سے نکل رہی ہوں۔

"مگر ہم کہاں چل رہے ہیں۔" سلیمہ نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ہم کیوں نہ افق کے پار چلیں۔"

"آہا..... آہا..... تو اب آپ مجھ سے رومانی قسم کی گفتگو کریں گے۔ اچھا چلئے میں شرما گئی۔ اب کیا کہیں گے آپ۔"

"اب میں یہ کہوں گا کہ دنیا کے ہر آدمی کو فرشتوں کی طرح زندگی بسر کرنی چاہئے۔"

"میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکی ہوں۔"

"اور اب مجھ میں یہ جملہ سننے کی تاب نہیں رہ گئی۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"شہر کی جس نئی لڑکی سے ملاقات ہوتی ہے وہ میرا نام معلوم ہو جانے کے بعد یہی کہتی ہے۔ آخر آپ میرے متعلق کیا سن چکی ہیں۔"

"کچھ نہیں..... کوئی اور بات کیجئے۔"

"آپ ہی چھیڑیئے کوئی بات۔"

"نہیں آپ تو باتوں کے ماہر ہیں۔"

"خیر میں ہی شروع کرتا ہوں..... سعید بابر سے آپ پہلے بھی..... !"

"نو..... نو..... پلیز..... سعید بابر کی باتیں سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ پتہ نہیں راحلہ کو اس میں کون سی خوبیاں نظر آئی ہیں۔ نہیں سعید بابر کے علاوہ اور کوئی بات۔"

"سراغ رسانی سے دلچسپی ہے آپ کو۔" حمید نے پوچھا۔

"بہت زیادہ..... حد سے زیادہ..... میرے لئے آپ میں صرف یہی ایک کشش ہے۔"

"ویسے میں بالکل اُلو کا پٹھا ہوں..... کیوں؟"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ آپ کچھ اور نہ سمجھے گا۔"

"اور کیا سمجھوں گا۔"

’’اوہ..... آپ اپنی بات کیجئے۔ ہاں مجھے سراغ رسانی سے بہت دلچسپی ہے۔‘‘

’’اچھا تو اگر آپ کسی مفلوج فقیر کو بیمار جانوروں کی طرح رینگ رینگ کر بھیک مانگتے دیکھتیں پھر اچانک ایک دن آپ اس کی لاش بھی دیکھ لیتیں..... اور کچھ ہی دنوں کے بعد بیک سعید بابر آپ کے سامنے آ جاتا..... تو.....!‘‘

’’کیا بات ہوئی۔ میں خاک بھی نہیں سمجھی۔‘‘

’’کچھ دنوں بعد سعید بابر اس طرح آپ کے سامنے آیا کہ اُس مفلوج مردہ فقیر اور سعید بابر میں سرمو فرق نہیں تھا۔‘‘

’’کیا مطلب.....؟‘‘

’’دونوں کی شکلیں ایک تھیں۔‘‘

’’نہیں.....!‘‘

’’یہ حقیقت ہے..... میں سینکڑوں آدمیوں کی شہادت دلوا سکتا ہوں۔‘‘

’’اُوہو..... تب میں یقیناً اُس کا تذکرہ سننا پسند کروں گی۔‘‘

’’کیا آپ کی عدم موجودگی میں وہ لوگ سعید بابر کے یہاں جائیں گے۔‘‘

’’پہلے سے وقت مقرر کئے بغیر وہ کسی سے نہیں ملتا۔‘‘

’’اُس کا باپ بھی ملے گا۔‘‘

’’کیسے.....!‘‘

’’اوہ..... کیپٹن حمید آف انٹیلی جنس بیوریو سے ملنے سے کون انکار کرے گا۔‘‘

’’واہ..... یہ تو ٹھیک ہے مگر آپ اس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’کچھ نہیں بس ایک نظر دیکھوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی تصویر اس سے مختلف ہو۔ ایسا بھی ہوتا ہے مگر کیا آپ کو اس کا پتہ معلوم ہے۔‘‘

’’پتہ..... وہاں شاید وہ کنگس لین کی کسی عمارت میں مقیم ہے۔‘‘

’’یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ کنگس لین میں اُسے کہاں تلاش کریں گے۔‘‘

’’آپ تو سراغ رساں ہیں۔‘‘

’’چلئے!‘‘ حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ’’یہ بھی سہی۔‘‘

اُسے اطمینان تھا کہ وہ کار میں بیٹھے ہی بیٹھے اس کی قیام گاہ کا پتہ لگا لے گا۔ وجہ یہ تھی کہ آج کل سادہ لباس والوں کا انچارج فریدی تھا اور اس نے انہیں کچھ اس انداز میں پھیلایا تھا کہ شہر کے ہر حصے میں دو ایک سادہ لباس والے ہر وقت موجود ملتے تھے۔

حمید نے کار کنگس لین کے موڑ پر روک دی اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سڑک کی دوسری طرف ایک سادہ لباس والا موجود تھا۔ حمید نے اُسے اشارے سے بلایا۔ وہ بڑی تیزی سے کار کے قریب آیا۔

’’یس سر.....!‘‘

’’پتہ لگاؤ کہ سعید بابر کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ افریقہ سے آیا ہے۔‘‘

’’سولہ نمبر کی کوٹھی میں جناب..... وہ موجود ہے۔ ایک انگریز سیکریٹری اور تین ملازم ایک بھوری سی بڑے بالوں والی کتیا بھی ہے۔‘‘

’’بہت خوب! تم لوگ بہت تندہی سے کام کر رہے ہو۔‘‘

’’یس سر.....!‘‘

’’اب تم جا سکتے ہو۔‘‘

وہ سلام کر کے چلا گیا۔

’’یہ سب کتنا سنسنی خیز ہے۔ میرے خدا.....!‘‘ سلیمہ نے پرمسرت لہجے میں کہا۔

’’ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔‘‘ حمید نے کہا اور کار کنگس لین کے اندر موڑ دی۔

یہاں دونوں طرف بڑی شاندار عمارتیں تھیں۔ ان کی کار سولہ نمبر کی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ حمید کار کو کمپاؤنڈ کے اندر نہیں لے گیا۔ وہ دونوں اُتر کر پھاٹک میں داخل ہوئے اور برآمدے میں ایک صاف ستھرے ملازم نے ان کا استقبال کیا۔ حمید نے اُسے اپنا کارڈ دے کر کہا۔ ’’ضروری کام ہے۔‘‘

’’صاحب تو سو رہے ہیں..... میں مس صاحب کو اطلاع کئے دیتا ہوں۔‘‘

’’صاحب سے کام ہے..... خیر..... مس صاحب ہی سہی۔‘‘

"آپ یہاں تشریف رکھئے۔" اُس نے نشست کے کمرے کی طرف اشارہ کیا اور اندر چلا گیا۔

وہ اس کمرے میں آئے۔ سلیمہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

"آپ مس صاحب سے مل کر کیا کریں گے۔"

"یہ تو اُس سے ملنے کے بعد ہی سوچوں گا کہ کیا کرنا چاہئے۔"

سلیمہ خاموش ہو گئی۔ مگر شاید اُسے اس طرح انتظار میں بیٹھنا گراں گذر رہا تھا۔ حمید خاموش تھا۔ اچانک قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سچ مچ خواب دیکھ رہا ہو۔ کیونکہ دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی اور اُس مفلوج فقیر میں کوئی فرق تھا تو یہی تھا کہ یہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا اور وہ بیچارا پیروں سے معذور ہونے کی بنا پر گھسٹتا پھرتا تھا۔

• حمید فوراً ہی سنبھل گیا۔ اُس نے اپنے چہرے سے استعجاب نہیں ظاہر ہونے دیا۔

سعید بابر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے آگے بڑھا۔

"میری خوش قسمتی ہے کہ آپ تشریف لائے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔" اس نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "ایک ضمنی سی کاروائی ہے۔ مجھے اکثر باہر سے آئے ہوئے لوگوں سے پوچھ گچھ کرنی پڑتی ہے۔ میں صرف آپکے پاسپورٹ پر ایک نظر ڈالونگا۔"

اچانک حمید کو قاسم کا قہقہہ سنائی دیا اور حمید کی روح فنا ہو گئی۔ دوسری طرف سعید بابر نوکر کو بلانے کے لئے گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں راحلہ، نجمہ اور قاسم کمرے میں داخل ہوئے۔

"ہائیں تم یہاں.....!" قاسم بھاڑ سا منہ کھول کر رہ گیا۔

"ہاں..... میں یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"اوہ آپ مس راحلہ.....!" سعید بابر راحلہ کی طرف بڑھا۔

نجمہ سلیمہ سے بولی۔ "یہ کیا حرکت تھی۔" بہر حال کمرے میں عجیب سی افراتفری مچ گئی۔ سعید بابر بوکھلایا ہوا سا معلوم ہو رہا تھا۔ شاید ایک منٹ بعد حالات اعتدال پر آئے۔

حمید راحلہ سے کہہ رہا تھا "آپ کے پاس سے میں یہیں آتا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ بھی یہیں آنے والی ہیں تو میں نے کہا کہ پہلے ہی اپنا کام نپٹاتا چلوں۔ مگر محترمہ سلیمہ زبردستی میرے ساتھ چلی آئیں۔"

قاسم نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور بند کر لیا۔

"اوہو.....! یہ میری مزید خوش قسمتی ہے کہ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔" سعید بابر نے دوبارہ حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

اُس کا طلب کردہ نوکر آ گیا تھا۔ اُس نے اس سے کہا۔ "مس براؤن کو بھیج دو۔"

قاسم منہ چلانے لگا۔ پھر اُس کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے دوسروں کی نظر بچا کر حمید کو آنکھ ماردی۔

"ہم تین سال بعد ملے ہیں محترمہ راحلہ۔" سعید بابر نے راحلہ سے کہا۔ "آپ یہاں کب سے مقیم ہیں۔"

"ہم ابھی حال ہی میں آئے ہیں۔"

"بڑی اچھی ملاقات رہی۔ خصوصاً آپ سے۔" اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں بڑی شدت سے ایک ہمدرد آفیسر کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اور اب تو آپ آفیسر ہی نہیں بلکہ دوست بھی ہیں۔ میرے دوستوں کے دوست! یعنی میرے بھی۔"

"میرے لائق کوئی خدمت....."

"اگر اس نشست کے بعد آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں تو شکر گذار ہوں گا۔"

"بات کوئی ایسی پوشیدہ بھی نہیں مگر دوسروں کے بور ہونے کا اندیشہ ہے۔"

"نہیں آپ ہر قسم کی گفتگو چھیڑ سکتے ہیں۔" راحلہ نے کہا۔ "بور ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

اتنے میں نوکر نے آکر اطلاع دی کہ مس براؤن موجود نہیں ہیں۔

"اوہو! وہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔" سعید نے کہا۔ "ٹھیک ہے..... وہ اندر نہ ہوگی۔"

پھر اُس نے اُن لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''آپ سب اپنے ہی ہیں۔ میں کا
ایک بہت بڑی الجھن میں گرفتار ہو گیا ہوں۔''

سب لوگ خاموشی سے اس کے دوسرے جملے کے منتظر رہے۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ داستان کہاں سے شروع کروں۔'' اُس نے
طرف دیکھ کر کہا۔ ''ویسے میں آپ سب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہاں میری شکل و شباہت
فقیر بھی آپ کی نظروں سے گذرا ہے۔''

''ارے ہی ہی ہی۔'' قاسم ہنسا۔ ''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔''

سلیمہ نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید نے اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔

''آپ نے نہیں دیکھا۔'' سعید نے مایوسی سے کہا۔ ''خیر..... لیکن ایسا سننے میں آ رہا
میں بہت پریشان ہوں۔''

''کیا سننے میں آ رہا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ایسے ہی ایک فقیر کے متعلق..... خیر مشابہت ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ اکثر ایسا ہو
ہے اور محض مشابہت کی بناء پر میں پریشان نہیں ہو سکتا..... مگر.....!''

حمید کو الجھن ہونے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے۔
رک رک کر بول رہا تھا۔ سب لوگ بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ صرف قاسم ایسا تھا جو بار با
بدلتا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بُری طرح اکتا گیا ہو۔

''خیر میں یہ بات وہیں سے شروع کرتا ہوں۔ جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ میرا ایک
بھائی تھا۔ تیرہ یا چودہ سال کی عمر میں وہ نیروبی سے نکل بھاگا۔ بچپن ہی سے اُس کی حالت
تھی۔ وہ رات رات بھر گھر سے غائب رہتا۔ لیکن والد مرحوم اُس سے سختی کا برتاؤ کبھی نہ کر
میں کہتا ہوں کہ اُسے اُن کے بے جا لاڈ ہی نے بگاڑا تھا۔ اُس کی ماں یعنی میری سوتیلی والدہ
کے بچپن ہی میں مر گئی تھیں۔ محترمہ راحلہ آپ کو تو ان حالات کا علم ہو گا۔''

''نہیں میں نہیں جانتی۔''

''خیر آپ نہ جانتی ہوں گی۔ بہت پرانی بات ہوئی۔ شائد نیروبی والوں کو بھی یاد نہ ہوا

ایسی اہم بات بھی نہیں تھی۔ بہر حال ایک رات وہ ہم لوگوں کیلئے ہمیشہ کیلئے غائب ہو گیا۔''

قاسم نے بھاڑ سا منہ پھیلا کر آواز کے ساتھ جماہی لی اور منہ چلاتا ہوا ایک ایک کی
دیکھنے لگا۔ پھر اس طرح پلکیں جھپکائیں جیسے سوتے سوتے اٹھا ہو۔

''پھر اچانک مجھے اس کا ایک خط ملا، جو یہیں سے پوسٹ کیا گیا تھا۔ یہ پانچ سال پہلے کی
ہے۔ اس نے اپنی خستہ حالی کی داستان لکھی تھی۔ میں نے اُسے لکھا کہ وہ نیروبی واپس
لیکن اس نے وہاں آنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے مجھے لکھا کہ وہ زیادہ کا مطالبہ نہیں کرتا
اتنا ہی دیتا رہوں جس سے وہ بافراغت بسر اوقات کر سکے۔ میں اُسے تین ہزار
ماہوار الائیڈ بینک کی معرفت بھیجنے لگا۔ اس سے خط و کتابت بھی برابر رہتی تھی۔ ابھی پچھلے
اس نے الائیڈ بینک سے تین ہزار روپے وصول کئے تھے۔ اتفاقاً میرا یہاں آنے کا
ہو گیا۔ میں نے اُسے بھی اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اب جو میں اس کی قیام گاہ
پر گیا تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس نام کا کوئی آدمی کبھی تھا ہی نہیں۔ اُس عمارت میں
مسز خان تقریباً پچیس سال سے رہتی ہے۔ میں نے پڑوسیوں سے بھی اس کی تصدیق
انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ رشید بابر نامی کسی آدمی کو نہیں جانتے۔''

''کیا آپ کے بھائی آپ کے ہم شکل تھے۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں..... ہم میں بہت زیادہ مشابہت تھی..... خیر..... اب اپنے ہم شکل ایک فقیر کی
رہا ہوں۔ میں بڑی الجھن میں ہوں کپتان صاحب۔ اگر رشید وہ رقم وصول کرتا رہا تو
بھیک مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اُسے رقومات نہیں ملیں تو پھر انہیں کون وصول کرتا رہا۔
میرا ہم شکل تھا تو وہ رشید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''وہ یقیناً آپ کا ہم شکل تھا۔'' حمید نے ایک طویل سانس لی۔

''کیا آپ نے اُسے دیکھا تھا۔'' سعید نے بیساختہ پوچھا۔

''جی ہاں..... میں عرصہ تک آپ کے ہم شکل ایک فقیر کو دیکھتا رہا ہوں۔''

''اب مجھے یقین آ گیا۔'' سعید نے آہستہ سے غمگین آواز میں کہا اور بیجان سا ہو کر صوفے
پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی پھٹی پھٹی سی آنکھوں میں ویرانی تھی۔ پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد

کہا۔ ''میرے خدا!..... یہ کیا اندھیر ہے کہ وہ بھیک مانگتا پھر رہا ہے اور کسی نے پچھلے
کے نام سے تین ہزار روپے وصول کئے ہیں۔ میں نے الائیڈ بینک میں اچھی طرح [دیکھا]
ہے۔ اس کا حساب بھی وہاں چلتا تھا۔ آخری رقم جو اس نے وہاں سے نکالی ہے وہ پچاس
اور تین ہزار تو ہر ماہ وصول کرتا رہتا تھا۔''

''وہ رقم کس تاریخ کو نکالی گئی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''میرے یہاں پہنچنے سے تین دن پہلے یعنی..... سات جنوری کو۔''

''سات جنوری.....!'' حمید بے ساختہ چونک پڑا۔

''جی ہاں..... اسی تاریخ کو اُس نے پچاس ہزار روپے بینک سے نکالے تھے اور
بڑی رقم تھی۔ اب اس کے اکاؤنٹ میں صرف سات روپے پڑے ہوئے ہیں۔''

''سات روپے..... سات جنوری۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''اور یہی سات جنوری اُس کی
بھی تاریخ ہے۔''

''موت.....!'' سعید بابر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''کسی نہ کسی سے تو آپ کو اس کی اطلاع ملی ہی تھی۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''جی ہاں..... سات جنوری کو اس کی لاش صدر کے ایک فٹ پاتھ پر دیکھی گئی تھی
وہ دھم سے صوفے میں گر گیا اور تینوں لڑکیاں اس کے گرد اکٹھا ہوگئیں۔ وہ بیہوش [نہیں]
تھا، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن پلکیں
متحرک نہیں تھیں۔

اچانک ایک فائر ہوا اور گولی راحلہ کے سر پر سے گذرتی ہوئی سامنے کی دیوار
کھڑکی کے شیشے میں ایک ناہموار سا سوراخ تھا۔ راحلہ تو دھڑام سے فرش پر آرہی اور
لوگ بدحواسی میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ حمید اچھل کر برآمدے میں آرہا۔ اُس نے اُس
طرف دیکھا جس سے گذر کر گولی اندر پہنچی تھی اور پھر اس کے سیدھ میں دوڑنے لگا۔ لیکن
سامنے والی مہندی کی باڑھ کے پیچھے اُسے کوئی بھی نہیں دکھائی دیا۔ سعید کے تینوں نوکر
کی آواز سن کر ہی باہر آئے تھے۔

فائر اور لڑکی

حمید نے کمپاؤنڈ کا چپہ چپہ چھان مارا، لیکن اُسے ایک بھی ایسا آدمی نہیں مل سکا جسے وہ
فائر کرنے کے الزام میں جکڑ لیتا۔ پھر اُس نے عمارت کے اندر بھی چھان بین شروع کی، لیکن
نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ سعید بابر بہت پریشان نظر آرہا تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ یہ فائر میرے ہی لئے رہا ہو۔'' اس نے کہا۔

''آپ کے لئے کیوں؟''

''جو میرے بھائی کی موت کا باعث بنا ہے، وہ میری زندگی کا خواہاں بھی ہوسکتا ہے۔
ظاہر ہے کہ اس نے رشید کے نام پر ایک لاکھ اسی ہزار روپے وصول کئے۔ اب جب کہ میں
یہاں آگیا ہوں، لازمی بات ہے کہ ان واقعات کی رپورٹ پولیس کو دوں گا۔ لہٰذا قبل اس کے
کہ میں ان کے خلاف کوئی کاروائی کروں، وہ مجھے بھی ختم کردینا چاہتا ہے۔''

''نائیں..... نائیں۔'' قاسم حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ ''یہ بڑا منحوس آدمی ہے۔
جہاں اس کے قدم جاتے ہیں، ٹھائیں ٹھائیں شروع ہوجاتی ہے۔''

''نہیں جناب یہ میری خوش قسمتی ہے کہ کپتان صاحب یہاں اس وقت تشریف رکھتے
تھے، ورنہ غیر ملکیوں کی شکایات پر کون کان دھرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے اپنی
آنکھوں سے دیکھ لیا۔''

''بڑی خوش قسمتی۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''ذرا بلاؤ..... وہ کون ہے مس بلیک......
اُسے بلاؤ پھر دیکھوں خوش قسمتی۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' سعید بابر نے کہا۔

''قاسم بھائی..... کیا بکواس لگا رکھی ہے آپ نے۔'' راحلہ نے اُسے ڈانٹا اور قاسم بُرا سا
منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

سعید بابر حیرت سے ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ راحلہ نے اپنی داہنی کنپٹی کے

قریب انگلی لے جاکر اُسے چکر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قاسم کا اسکریو ڈھیلا ہے۔

"اوہ.....اچھا.....!" سعید بابر پھر حمید سے مخاطب ہوگیا۔ "ہاں تو..... جناب اب ی زندگی بھی خطرے میں پڑگئی ہے، لیکن میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک اُس مردود کا پتہ نہ لگ جائے جس کی بدولت میرا بھائی ایڑیاں رگڑ کر مرگیا۔"

"قدرتی بات ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

اچانک ایک نوکر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔ اُس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں اور چہرہ تھا۔ "مس صاحب.....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "گودام میں..... بورے میں!"

"کیا بات ہے۔" سعید بابر اُسے گھورنے لگا۔

"مس صاحبہ..... گودام میں بیہوش.....!"

"ارے.....!" وہ دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ "کپتان صاحب۔"

"آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔" حمید نے دوسروں سے کہا اور اس کے پیچھے چلا گیا۔ ا دروازے سے باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ قاسم بڑبڑایا۔ "کھالینا..... مس ساب کو..... ہاں۔"

راحلہ اُس پر برس پڑی۔

سعید بابر بڑی تیزی سے راہداری طے کر رہا تھا۔ پھر وہ ایک کمرے کے سامنے ر جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ سعید بابر اندر جاتے ہوئے ہچکچا رہا ہے۔ شاید اُس نوکر کا منتظر تھا جس نے اُسے اطلاع دی تھی۔

"کہاں مر گئے تھے۔" وہ اچانک نوکر پر برس پڑا جو لنگڑاتا ہوا اسی طرف آرہا تھا۔ شاید اس بھاگ دوڑ میں اس کے پیر میں چوٹ آگئی تھی۔

"اندر جناب..... وہ اُدھر.....!"

"چلو.....!" سعید بابر نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ نوکر کے پیچھے ہی پیچھے وہ دونوں بھی اندر داخل ہوئے۔

حمید کو سامنے ہی دو ٹانگیں نظر آئیں جن پر کشمشی رنگ کے اسٹاکنگ تھے اور ٹاپ ہیل جوتے..... آدھا دھڑ ایک بورے میں تھا۔

سعید بابر کے ہاتھ پیر بُری طرح کانپنے لگے تھے۔ آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ کسی اعصاب زدہ آدمی کی طرح مخبوط الحواس نظر آرہا تھا۔

"یہ..... یہ کپتان صاحب..... میری سیکریٹری..... مس براؤن۔"

"تو پھر نکالئے نا..... پتہ نہیں یہ لاش ہے یا.....!"

"لاش.....!" سعید بابر کے حلق سے چیخ سی نکلی اور لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جالگا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" حمید جھنجھلا گیا اور خود ہی اُسے بورے سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک بڑی خوبصورت انگریز لڑکی فرش پر چت پڑی ہوئی تھی۔ وہ مردہ نہیں تھی۔ صرف بیہوش تھی۔ مگر اب سعید بابر خوفزدہ نہیں تھا۔ البتہ اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار ضرور تھے اور اس کا ملازم بھی متحیر ہی نظر آرہا تھا۔

"کیا یہ یہیں پڑی رہے گی۔" حمید نے کہا۔

"جی.....!" سعید بیساختہ چونک پڑا۔ "جی ہاں..... جی نہیں۔"

"مسٹر سعید۔" حمید بولا۔ "مجھے بڑی حیرت ہے۔ اُس فائر نے آپ کو اتنا زیادہ پریشان نہیں کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" سعید بڑبڑایا۔ "یہ واقعہ اُس فائر سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔"

"نہیں میرے خیال سے یہ بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ممکن ہے اس نے فائر کرنے والے کو دیکھ لیا ہو۔ یعنی فائر کرنے سے قبل! اور وہ اپنی اسکیم کو ناکام ہوتے دیکھ کر یہ حرکت کر بیٹھا ہو۔"

"مگر..... میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔"

"کیا مطلب.....!" حمید چونک کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "کیا مس براؤن نہیں ہے۔"

"نہیں..... یہ مس براؤن نہیں ہے۔" سعید نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

حمید نے نوکر کی طرف دیکھا اور نوکر بھی سر ہلا کر بولا۔ "یہ اپنی مس ساب نہیں ہیں۔"

"آپ اسے پہچانتے بھی نہیں۔"

"نہیں جناب..... مجھے حیرت ہے۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"مس براؤن کہاں ہے۔"

"وہ دو گھنٹے کے لئے باہر گئی ہے۔"

"مگر آپکے ملازم نے تو کہا تھا کہ صاحب سو رہے ہیں۔ میں مس صاحب کو خبر کرتا ہوں۔"

"میری جگہ اگر آپ بھی ہوتے تو یہی کرتے۔"

"یعنی.....!"

"آپ خود سوچئے کپتان صاحب، ایسے آدمی کی حالت کیا ہوگی جس کا کوئی ہم شکل نہ بھی موجود ہو۔ تصویر شائع ہوتے ہی پریس رپورٹروں کا تار بندھ گیا۔ سینکڑوں آدمی بھی دیکھنے کیلئے آئے۔ میرے خدا..... میں حیلہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔ لسلی براؤن لوگوں سے گفتگو کرتے کرتے تنگ آ گئی اور اسے بھی ٹل جانا پڑا۔ ملازم کو شائد علم نہیں تھا کہ وہ باہر چلی گئی ہے۔"

"اوہ..... اچھا! مگر یہ واقعی بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ گولی باہر سے چلائی گئی تھی۔ اگر اس لڑکی نے حملہ آور کو دیکھ لیا تھا تو حملہ آور نے اسے بیہوش کر کے یہاں اندر لانے کا خطرہ کیوں مول لیا۔ وہ اُسے کمپاؤنڈ ہی میں کہیں بیہوش کر کے ڈال سکتا تھا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کپتان صاحب۔ آخر اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں یقیناً کسی بہت بڑی سازش کا شکار ہو گیا ہوں۔"

چند لمحہ خاموش رہ کر پھر حمید نے کہا۔ "کیا یہ یہیں پڑی رہے گی۔"

"جو کچھ آپ فرمائیں کیا جائے۔" سعید نے جواب دیا۔

"اسے کسی ہوادار کمرے میں لے چلنا چاہئے۔"

"نہیں!" سعید بولا..... "بیرونی برآمدے میں..... نہ جانے یہ ہوش میں آ کر کون سا نیا کھڑا کرے۔ نہیں کپتان مجھے بہت محتاط رہنا چاہئے۔"

"ہوں.....!" حمید نے سر ہلا دیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے اُس کو اٹھانے میں پہل نہ کرنی چاہئے۔ سعید بابر حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اسے اٹھائیے۔" حمید نے کہا۔

"میں کیوں اٹھاؤں۔" سعید بابر جھنجھلائے ہوئے سے لہجے میں بولا۔

حمید نے نوکر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کانپتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ پھر حمید نے بیہوش لڑکی کو اٹھا لیا اور بیرونی برآمدے کی طرف جانے والی راہداری طے کرنے لگا۔ سعید بابر اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

قاسم کی نظر اس جلوس پر پہلے پڑی اور وہ بیساختہ چنگھاڑا۔ "دیکھا..... میں نہ کہتا تھا..... ہاہا۔"

"چلو..... ایک صوفہ اٹھا لاؤ اندر سے.....!"

"اچھا..... اچھا.....!"

قاسم نے ڈرائنگ روم کا ایک صوفہ اس طرح اٹھا لیا جیسے وہ کوئی کھلونا ہو۔ صوفہ برآمدے میں ڈال دیا گیا اور بیہوش لڑکی اس پر ڈال دی گئی۔ قاسم منہ کھولے پلکیں جھپکا رہا تھا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا اور کبھی بیہوش لڑکی کیطرف۔ تینوں لڑکیاں بھی وہیں پہنچ گئی تھیں۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک وہ مختلف تدبیریں عمل میں لاتے رہے لیکن اُسے ہوش نہیں آیا۔ مگر اس دوران میں نہ تو سعید ہی نے کسی ڈاکٹر کو بلانے کی تجویز پیش کی اور نہ ہی حمید نے اس کے متعلق سوچا۔

پورے آدھ گھنٹے کے بعد لڑکی کسمسائی۔ پپوٹوں میں متواتر جنبش ہونے لگیں اور پھر اس نے کروٹ لینے کی کوشش کی، لیکن سلیمہ اگر جلدی سے آگے بڑھ کر ہاتھ نہ لگا دیتی تو وہ صوفے کے نیچے چلی آئی ہوتی۔ سلیمہ کا ہاتھ لگتے ہی وہ اچھل کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہی پھر ہذیانی انداز میں چیخی۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی..... میں اس ملک میں نہیں رہوں گی۔"

"وہ سب خاموش رہے۔"

"مسٹر بابر میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔" وہ پھر اُسی انداز میں چیخی۔ "میں واپس جاؤں گی۔"

"آپ مجھے کیا جانیں..... آپ کون ہیں۔" بابر نے پوچھا۔

"کیا.....؟" لڑکی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ کون ہیں! یہاں کیسے آئیں۔" بابر نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" لڑکی نے بُرا سا منہ بنا کر تلخ لہجے میں کہا۔ "میرا

سر چکرا رہا ہے۔ وہ کم بخت میرا گلا گھونٹ رہا تھا۔ یہ مکان بھوتوں کا مسکن ہے۔ میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔"

"تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتیں۔" دفعتاً سعید بابر گرجا۔ "یہاں ایک سرکاری آفیسر بھی موجود ہیں سمجھیں۔"

"مسٹر بابر.....!" لڑکی نے متحیرانہ آواز میں کہا۔

"تم کون ہو۔ کیا چاہتی ہو۔" سعید بابر نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" لڑکی ہاتھ ہلا کر رو دینے کے سے انداز میں ہنسی

"ہاں.....!" قاسم بڑے خلوص سے بڑبڑایا۔ "آپ خواہ مخواہ مذاق کر رہے ہیں۔ ان طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم کون ہو۔" سعید بابر جھلا گیا۔ "سیدھی طرح بتاؤ، ورنہ میں پولیس رنگ کروں گا۔"

"مسٹر بابر کیا آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" لڑکی بھی چیخ پڑی۔ "آپ مجھے پہچانتے..... لسلی براؤن کو نہیں پہچانتے۔"

"لسلی براؤن....." بابر حلق پھاڑ کر چیخا۔ "تم مجھے اندھا بنا رہی ہو۔ پاگل بنا رہی ہو لسلی براؤن ہو، دن دہاڑے میری آنکھوں میں دھول جھونکو گی۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔ تم مجھے جھٹلا رہے ہو۔" لڑکی اپنے بال نوچنے لگی اور حمید گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کسے جھوٹا سمجھے اور کسے سچا۔

"اُمیں..... یہ تمہارے قدم کی برکت ہے..... ہاں۔" قاسم نے ہنس کر حمید سے کہا۔

حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "آپ سب براہِ کرم خاموش رہیں۔" پھر نے لڑکی سے پوچھا۔ "تم لسلی براؤن ہو۔"

"میں نہیں جانتی۔" لڑکی غرائی۔ "یہ اچھا مذاق ہے۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ لسلی براؤن ہوں۔ مسٹر بابر اگر آپ نے مجھے اس طرح ذلیل کرنا تھا تو یہاں لائے کیوں تھے

"مسٹر بابر..... تمہیں لسلی براؤن تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تب تو پھر وہ نشے میں ہیں یا اُن کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آپ ان نوکروں سے پوچھئے۔"

مگر نوکروں نے بھی اُسے لسلی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

"اب تم کیا کہو گی۔" حمید بولا۔ "یہ بھی تمہیں پہچاننے سے انکار کرتے ہیں۔"

لسلی براؤن غصیلی آنکھوں سے ایک ایک کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سعید بابر سے کہا۔ مسٹر بابر میں کیا سمجھوں۔ کیا آپ یہاں ایک اجنبی ملک میں مجھے ملازمت سے برطرف کرنا چاہتے ہیں۔"

"کپتان صاحب! میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔" سعید بابر نے حمید سے کہا۔ "یہ کوئی بہت بڑی سازش ہے۔ اسے حراست میں لیجئے۔ مگر لسلی براؤن..... وہ یقیناً خطرے میں ہوں گی۔ یہ لڑکی نکل کر جانے نہ پائے ورنہ لسلی براؤن کی موت کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔"

"آپ نتائج اخذ کرنے میں جلدی کر رہے ہیں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

پھر لڑکی سے بولا۔ "تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ لسلی براؤن تم ہو۔"

"ثبوت..... خدا کی پناہ..... ارے ثبوت میں میرے کاغذات موجود ہیں۔ میرا پاسپورٹ جس پر میری تصویر موجود ہے۔"

"میں پاسپورٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں ابھی لاتی ہوں.....!" وہ اٹھ کر عمارت کے اندر جانے لگی۔

"ہائیں..... ہائیں۔" سعید بابر متحیرانہ انداز میں چیخا۔ "اندر کہاں..... خبردار۔"

لڑکی نے دروازے پر رک کر اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ میرا سامان بھی ہضم کر لیں گے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ اپنے صندوق سے پاسپورٹ لاؤں گی۔"

"کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔" سعید بابر نے اپنے بازو میں زور سے چٹکی لی اور "سی" کر کے رہ گیا۔

"ہم اور مسٹر بابر تمہارے ساتھ چلیں گے ٹھہرو۔" حمید نے کہا اور سعید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

"چلو گھر چلیں۔" قاسم نے لڑکیوں سے کہا۔ وہ کچھ بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا تھا۔

انگریز لڑکی بڑی تیزی سے چلتی رہی۔ ایک کمرے کے دروازے پر رک کر اُس نے کنجی نکالی اور اُسے ہینڈل کے سوراخ میں ڈال کر دروازہ کھولا اور کمرے میں چلی گئی۔

"یہ غلط ہے..... یہ ناممکن ہے..... یہ لسلی کی چیزوں میں ہاتھ نہیں لگا سکتی۔" سعید بابر نے کہا اور حمید کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ٹھہریئے..... صبر سے کام لیجئے۔ زیادہ بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔" حمید بولا۔

لڑکی پاسپورٹ لئے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ اُس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ذرا سی ٹھیس پر پھٹ پڑے گی۔

"یہ لیجئے..... یہ ہے پاسپورٹ..... مگر مجھے یقین ہے کہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

حمید پاسپورٹ لے کر دیکھنے لگا..... تصویر اسی لڑکی کی تھی۔ نام لسلی براؤن، سکونت نیروبی، پیشہ ملازمت اور پتہ سعید بابر ہی کا تھا۔ حمید نے پاسپورٹ سعید بابر کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ فراڈ ہے۔ کھلا ہوا فراڈ۔ میں دلدل میں پھنس رہا ہوں۔"

"تم خود فراڈ ہو۔" لڑکی ہذیانی انداز میں چیخی اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں گھسیٹ لے گئی۔ "یہ دیکھئے..... یہ ساری چیزیں میری ہیں۔ یہ جوتے میرے پیروں میں فٹ ہوتے ہیں، یہ ملبوسات میرے جسم پر فٹ ہوتے ہیں۔"

سعید بابر بھی کمرے میں گھس آیا تھا۔ لڑکی مختلف جوتے اور سینڈل پہن پہن کر حمید کو دکھانے لگی۔

"ان صندوقوں کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔" اس نے کہا..... اور سعید بابر کو گھونسہ دکھا کر چنگھاڑی۔ "یہ کمینہ پن ہے..... تم مجھے اس اجنبی دیس میں ملازمت سے برطرف نہیں کر سکتے۔ اگر یہاں کا قانون میرا ساتھ نہیں دے گا تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"آپ سن رہے ہیں۔" سعید بابر نے حمید سے کہا۔

"ہاں میں سن رہا ہوں مسٹر سعید بابر! لیکن فی الحال کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے کاغذات پولیس کو مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہوں گے۔ آپ یا آپ کے تین نوکروں کے

بیانات ان کاغذات کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتے..... یا پھر آپ کوئی ٹھوس ثبوت پیش کیجئے کہ وہ لسلی براؤن نہیں ہے۔"

"میں ڈوب گیا۔" سعید بابر آہستہ سے بڑبڑایا بلکہ اسی انداز میں جیسے خود سے مخاطب ہو۔ پھر اُس نے حمید سے کہا۔ "کیا آپ کی موجودگی میں مجھ پر فائر نہیں کیا گیا تھا۔"

"آپ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ فائر آپ ہی کے لئے تھا۔ ہوسکتا ہے نشانہ اور کوئی رہا ہو۔ آپ کے علاوہ کمرے میں پانچ افراد اور بھی تھے۔"

"ان حالات میں..... جبکہ..... میرا بھائی۔"

"اس کے لئے بھی آپ کے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ محض شباہت کی بناء پر وہ فقیر آپ کا بھائی نہیں ہوسکتا۔ اپنے بھائی کی تلاش جاری رکھئے۔ ہوسکتا ہے وہ کسی بناء پر آپ کے سامنے نہ آنا چاہتا ہو۔"

"آپ تو میرا بیڑا ہی غرق کئے دے رہے ہیں۔" سعید بابر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"فی الحال آپ اس لڑکی کا معاملہ طے کیجئے۔"

"معاملہ کیا طے کرنا ہے۔ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا ہے کہ اسے اپنے ساتھ رہنے دوں۔ یہ حوالات میں رہے گی۔ اس وقت تک جب تک کہ میری سیکریٹری لسلی براؤن کا پتہ نہ بتا دے۔ اس کے پاس اُس کے صندوقوں کی کنجیاں تک موجود ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "آپ براہِ راست پولیس سے رابطہ قائم کیجئے۔"

"لیکن آپ میری مدد نہیں کریں گے۔" سعید بابر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "حالانکہ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔"

"اور ایک ذمہ دار آفیسر بھی۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

ڈرائنگ روم میں صرف راحلہ موجود تھی۔ قاسم وغیرہ جا چکے تھے۔ حمید سوچنے لگا کہ کم از کم کیپٹن کو تو اس کا انتظار کرنا ہی چاہئے تھا۔

"بکواس بند کرو۔ میرے کان نہ کھاؤ" فریدی نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ حمید کو بڑی حیرت
ہوئی۔ سعید بابر والا واقعہ ایسا ہی تھا کہ معمول کے مطابق فریدی کو اس میں کافی دلچسپی لینی
چاہئے تھی۔ پھر حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی بولا۔ "فی الحال صرف اتنی ہی بات میں ہم
دلچسپی لے سکتا ہے کہ سعید بابر کے ڈرائنگ روم میں کسی نے فائر کیا تھا وہ بھی اُس صورت میں
جب سعید بابر اس کی اطلاع پولیس کو دے۔"

"بس اتنی سی بات۔" حمید نے مایوسی سے کہا۔ "مگر وہ اس لڑکی کا معاملہ"

"وہ بھی کچھ نہیں ہے۔ سعید بابر کو چاہئے کہ کیس کو اپنے سفارت خانے میں پیش
کرے۔ ہم سے براہِ راست اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے اگر تمہیں لڑکی کے معاملے کی
تفتیش تفریحاً کرنی ہو تو فارن برانچ میں جا کر اس کے ویزا کا انکوائری فارم نکلوا لو۔ اس پر لسلی
براؤن کی تصویر موجود ہوگی۔"

حمید اٹھ کر دفتر کے اُس کمرے میں آیا جہاں باہر سے آنے والوں کے کاغذات کا ریکارڈ
رہتا تھا۔ اُس نے متعلقہ کلرک سے پچھلے ایک ماہ کے کاغذات نکالنے کو کہا۔ اُسے ان لوگوں کی
آمد کی صحیح تاریخ کا علم نہیں تھا۔ کلرک نے دو ہی چار فارم الٹے تھے کہ حمید کی نظر اُسی لڑکی کی
تصویر پر پڑی جو سعید بابر کے یہاں بیہوش ملی تھی۔ اس نے فارم کا ایک ایک کالم دیکھ ڈالا۔
پھر اُسے تسلیم کرلینا پڑا کہ لسلی براؤن اُس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

حمید پھر فریدی کے کمرے میں واپس آیا۔ فریدی غور سے اس کی بات سنتا رہا۔ پھر بولا

"بس تو یہ سعید بابر کوئی فراڈ کر رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے وہ اُس لڑکی سے
پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔ مگر وہ بڑا احمق معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کاغذات کی موجودگی میں اُس
کی بات کون سنے گا۔"

"نہیں جناب! وہ اتنا احمق نہیں ہوسکتا کہ اس قسم کی کوئی حرکت کرے۔ وہ کافی چالاک
آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی کسی سازش کا شکار ہوگیا۔ مگر کسی شکایت کے بغیر ہم کوئی کارروائی

کیا کر سکتے ہیں۔"

اچانک ریسپشن روم کے اردلی نے کمرے میں داخل ہو کر کسی کا وزیٹنگ کارڈ حمید کو دیا۔

"اوہو.....سعید بابر۔" حمید بڑبڑایا۔ پھر اردلی سے پوچھا۔ "تنہا ہے۔"

"جی ہاں.....!"

"اچھا کہہ دو میں آ رہا ہوں۔"

اردلی چلا گیا۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "پتہ نہیں اب وہ کیا سنانے آیا ہے۔"

"تم چلو! میں بھی آ رہا ہوں۔ اس آدمی کو کم از کم دیکھ ہی لوں۔ لیکن تم اُس سے میرا
تعارف نہیں کراؤ گے۔"

"یعنی میں آپ سے گفتگو بھی نہیں کروں گا۔"

"نہیں قطعی نہیں۔"

حمید اٹھ گیا۔ ریسپشن روم میں سعید بابر اس کا منتظر تھا۔ حمید نے اُس کے چہرے پر دلی
کیفیات پڑھ لیں۔ وہ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتا تھا۔

"کپتان صاحب! آپ خفا ہو کر چلے آئے تھے۔ حالانکہ میں مظلوم اور آپ کی امداد کا
مستحق ہوں۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ میں کسی وجہ سے اس لڑکی کو لسلی براؤن تسلیم نہیں کرنا
چاہتا۔ کیا میں اتنا احمق ہوں کہ کاغذات کو جھٹلا کر خواہ مخواہ اپنی گردن پھنسانے کی کوشش کرونگا۔"

"یہی تو میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔"

"اب میں آپ کو لسلی براؤن کا پاسپورٹ دکھانے لایا ہوں۔ اُس وقت میں بہت زیادہ
الجھن میں تھا اور یہ بھول گیا تھا کہ لسلی براؤن کا پاسپورٹ میرے ہی پاس موجود ہے۔"

اُس نے جیب سے ایک پاسپورٹ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ اس پاسپورٹ کی
تصویر اس لڑکی سے مختلف تھی۔ بہت فرق تھا۔ زمین و آسمان کا فرق..... اتنے میں فریدی بھی
ریسپشن روم میں آ گیا۔

"اچھا تو آپ نے اور اس لسلی نے ساتھ ہی اپنی آمد یہاں درج کرائی تھی۔"
فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں..... ہم دونوں ساتھ آئے تھے۔ انکوائری فارم تو ہوگا آپ کے یہاں۔ ا
اپنا اطمینان کر لیجئے۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اُسے آنکھ ماری۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ اسے دو
انکوائری فارم کا تذکرہ کرنے سے روکنا چاہتا ہے۔

"اچھا جناب.....!" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "آپ یہ پاسپورٹ میر
پاس چھوڑ دیجئے۔ میں دیکھوں گا۔"

"مگر میں لسلی کے لئے کیا کروں۔ وہ صرف دو گھنٹے کے لئے باہر گئی تھی لیکن چار
گذر چکے ہیں کپتان صاحب! پتہ نہیں وہ کس حال میں اور کہاں ہوگی۔ اُس کے لئے
کیجئے۔ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔ آپ پر میرا حق ہے۔"

"وہ کہاں گئی تھی۔"

"اس نے کسی جگہ کا نام نہیں لیا تھا۔ بس وہ پریس رپورٹروں کے ہجوم سے گھبرا کر چلی گئی تھی۔"

"میں دیکھوں گا کہ اُس کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اچھا وہ لڑکی ا
وقت کہاں ہے۔"

"میں اُسے نوکروں کی نگرانی میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ویسے وہ لسلی براؤن اس لئے بنی
کہ ہر وقت میرے سر پر سوار رہے۔ یہ میرا اپنا خیال ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ لسلی براؤن
زندگی خطرہ میں ہوگی۔ کچھ کیجئے۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو سعید بابر کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"میں کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

سعید بابر زیادہ دیر نہیں ٹھہرا۔ فریدی اس دوران میں خاموش ہی رہا تھا۔ سعید کے
جانے پر وہ اٹھا اور حمید سے مخاطب ہوئے بغیر ریسپشن روم سے چلا گیا۔

حمید ایک بار پھر ریکارڈ روم میں بیٹھا فارموں کا فائیل الٹ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ا
پاسپورٹ کا ویزا انکوائری فارم فائیل میں موجود نہ ہوگا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اس کی کھوپڑی
ناچنے لگی کیونکہ اس دوسری لسلی براؤن کا انکوائری فارم بھی فائیل میں موجود تھا اور اس لڑکی کی

بھی اسی تاریخ کو ہوئی تھی جس تاریخ کو دوسری لڑکی کی ہوئی تھی۔

وہ سناٹے میں آ گیا..... اپنی نوعیت کا واحد کیس..... وہ کافی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔

حیرت انگیز نشانات

سعید بابر بے خبر سو رہا تھا۔ اچانک اُس کی آنکھ کھل گئی۔ پتہ نہیں وہ کسی قسم کی آواز تھی یا
بد بابر کی چھٹی حس..... جس نے اُسے جگا دیا تھا وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرہ کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔
نے گھڑی کی طرف دیکھا دو بج رہے تھے۔ سردیوں کی پہاڑ سی رات کائنات پر مسلط تھی۔
دفعتاً اُسے داہنی طرف کی کھڑکی میں ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی، وہ دبے پاؤں بستر سے
اُس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی بے اطمینانی یا پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ وہ پنجوں کے
چلتا ہوا میز کے قریب آیا۔ بہ آہستگی اس کی دراز کھینچی اور اندر ہاتھ ڈال کر ایک ریوالور نکالا
کا دستہ ہاتھی دانت کا تھا۔ اُس نے اُس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

کمرے میں مدھم سی نیلے رنگ کی روشنی تھی۔ اچانک وہی کھڑکی اپنے فریم سمیت ہلنے لگی
میں سرسراہٹ کی آواز ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریم سمیت دیوار سے نکل کر
پر آ گرے گی۔ چاروں طرف کا پلاسٹر اُدھڑتا جا رہا تھا۔

پھر اچانک وہ فرش پر آ گری اور ساتھ ہی سعید نے دیوار کی خلاء میں فائر کر دیا۔

ایک چیخ دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔ مگر وہ چیخ نہیں ہوسکتی تھی، وہ تو کسی ریلوے
کی سیٹی تھی۔ اُس کے فوراً بعد ہی ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی ریلوے انجن پے در پے
چھوڑ رہا ہو۔ پھر بھاگتے ہوئے بھاری قدموں کی آوازیں۔ سعید بابر نے ریوالور خالی کر دیا۔

ذرا ہی سی دیر میں پھر وہی پہلے کا سا سناٹا طاری ہو گیا، لیکن سعید بابر نے اپنے کمپاؤنڈ
کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ کار وہیں سے اسٹارٹ ہوئی۔

پھر وہ بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ ساری عمارت سنسان پڑی تھی۔ لیکن اب وہ اتنا احمق بھی
تھا کہ کمپاؤنڈ میں ٹارچ روشن کرتا۔ نوکروں کے کوارٹروں میں بھی روشنی نہیں نظر آ رہی تھی۔
سو رہے تھے یا خوف کی وجہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔ سعید تھوڑی دیر تک

برآمدے میں کھڑا رہا پھر اندر چلا گیا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا
طرف گیا اور محض ہندسوں کی ترتیب کو ذہن میں رکھ کر اندھیرے ہی میں کسی کے نمبر
کرنے لگا۔ دوسری بار ریسیور اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو.....!'' دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

''میں کیپٹن حمید صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کون صاحب ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اُن سے کہئے کہ سعید بابر فون پر ہے۔''

''وہ سو رہا ہے۔''

''آپ کون ہیں؟''

''فریدی.....!''

''اوہ.....کرنل صاحب.....معاف فرمایئے گا۔ میں نے ناوقت آپ کو تکلیف دی۔
خطرے میں ہوں جناب.....کسی نے میری خواب گاہ کی کھڑکی گرا کر اندر گھسنے کی کوشش کی تھی
میں نے فائر کر دیا۔ اب سناٹا ہے، لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ روشنی کر سکوں۔''

''کیا کہا آپ نے.....کھڑکی گرا دی گئی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''جی ہاں.....فریم سمیت دیوار سے نکل آئی ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔''

''مجھے خود حیرت ہے جناب.....میں کسی قسم کی آواز سن کر جاگ پڑا تھا۔ میں نے کھڑکی
کے چاروں طرف کا پلاسٹر اُدھڑتے دیکھا۔ پھر فریم اپنی جگہ سے کھسکا اور پوری کھڑکی اندر
آ گری۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی آہستہ آہستہ اُس پر زور آزمائی کر رہا ہو، ہیلو.....
ہاں.....آپ خود سوچئے.....مجھے بالکل تنہا سمجھئے۔ میں نے چھ فائر کئے تھے، لیکن نوکروں
کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ بدستور اپنے کوارٹروں میں ہیں۔''

''لڑکی کہاں ہے۔''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ رات کا کھانا اُس نے زبردستی میرے ساتھ کھایا تھا اور پھر

اپنے کمرے میں سونے چلی گئی تھی۔ اب ایک اور مصیبت آ گئی ہے، ہم اپنے یہاں کے
امور کے دفتر میں گئے تھے، وہاں سے حکم ملا ہے کہ انکوائری کے درمیان میں اُسے
اپنی نگرانی میں رکھوں۔''

''جی ہاں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی ''میں آ رہا ہوں، آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہریئے،
وہ کھڑکی باہر ہی کی طرف سے کھلتی رہی ہوگی۔''

''جی ہاں۔''

''کس طرف۔''

''بائیں بازو کی.....دیکھئے بتاتا ہوں، چوتھی.....نہیں پانچویں.....ہاں پانچویں ہی تو ہے
کہئے وہ بائیں بازو کی پانچویں کھڑکی ہے۔''

''اچھا.....آپ وہیں ٹھہریئے جہاں اس وقت ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور
سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ سعید بابر چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر ٹٹولتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔ ایسا
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔ کئی جگہ تو لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ لیکن وہ بڑھتا
جا رہا تھا۔ پھر ایک کمرے میں گھس کر اس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

لیکن زیادہ دیر تک اندر نہیں ٹھہرا۔ اب وہ پھر اُسی کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں
ٹھہرنے کی فریدی نے تاکید کی تھی۔ اب کیا وقت تھا۔ سعید اندازہ نہیں کر سکا۔ لیکن اُسے اس کا
احساس تھا کہ فون کرنے کے بعد سے اب تک ایک گھنٹے کی مدت ضرور گذری ہوگی۔

اچانک اندر گھنٹی بجی۔ شاید برآمدے میں کوئی گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا۔ سعید نے سوچا آنے
والا فریدی کے علاوہ اور کون ہوگا۔

وہ برآمدے کی طرف جھپٹا.....برآمدے میں اندھیرا تھا۔

''مسٹر بابر.....!'' کسی نے برآمدے سے کہا۔

''کون.....اوہ.....کیا.....کرنل صاحب۔''

''ہاں.....میں ہوں.....اب آپ روشنی کر سکتے ہیں۔''

سعید بابر نے سوئچ بورڈ ٹٹول کر برآمدے میں روشنی کر دی۔ اس کے سامنے ایک دراز قد

آدمی سیاہ السٹر اور سیاہ فلٹ ہیٹ میں کھڑا تھا۔ روشنی ہوتے ہی اس نے فلٹ ہیٹ کو اوپر اٹھا دیا۔ سعید بابر کو ابھی تک فریدی سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ویسے اس نے شہرت بہت پہلے سنی تھی۔ افریقہ کے پولیس افسروں میں اکثر اس کے تذکرے رہا کرتے کیونکہ وہ بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔

"خوش آمدید.....!" سعید بابر ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "ہم پہلی بار مل رہے ہیں کرنل صاحب! آپ کے متعلق میرا اندازہ غلط تھا، آپ تو مجھ سے بھی کم عمر معلوم ہوتے ہیں"

"میں آپ کی خواب گاہ دیکھنا چاہتا ہوں مسٹر بابر۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

اس دوران میں اس کی نظر ایک بار بھی سعید بابر کے چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔

"اوہ..... جی ہاں..... آیئے۔" سعید بابر نے کہا اور آگے بڑھ کر ٹارچ کی روشنی میں اسے راستہ دکھانے لگا۔

وہ خواب گاہ میں آئے جہاں کھڑکی فریم سمیت اب بھی فرش پر پڑی ہوئی تھی اور کے دونوں طرف ادھڑے ہوئے پلاسٹر کے ڈھیر تھے۔ فریدی چند لمحے تیز نظروں سے کر جائزہ لیتا رہا پھر ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ نے شاید وہاں سے فائر کیا تھا۔"

"جی ہاں وہیں سے۔"

"آپ کے فائر سے کوئی زخمی ہوا ہے، کیونکہ باہر دیوار پر خون ہے۔"

"اوہ..... میں نے ایک چیخ سنی تھی..... مگر.....!"

"مگر..... کیا.....!"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ چیخ ہی تھی۔ جناب عجیب طرح کی آواز تھی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی ریلوے انجن کی سیٹی ہو۔ پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے انجن کر تیزی سے اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔"

"جناب میری معلومات میں کوئی نیا اضافہ ہونے والا ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"یقین کیجئے..... جو کچھ میں نے سنا تھا عرض کر دیا۔"

"اس کھڑکی کے نیچے کچھ بڑے عجیب قسم کے نشانات ہیں۔" فریدی نے دیوار کی طرف

نے اشارہ کیا اور پھر سعید بابر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"ان نشانات کا مطالعہ میرے لئے بڑا دلچسپ ثابت ہوگا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کیسے نشانات ہیں۔"

"اگر آپ دیکھنا چاہیں.....!"

"میں ضرور دیکھوں گا.....!" سعید بابر نے کہا اور فریدی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں کمپاؤنڈ میں آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔ عمارت کے بائیں بازو کی طرف مڑ کر فریدی رک گیا اور بولا۔

"ذرا احتیاط سے..... میں روشنی دکھا رہا ہوں۔ کہیں وہ نشانات ضائع نہ ہو جائیں۔"

وہ پھر چلے۔ فریدی زمین پر روشنی ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ کہیں کہیں وہ سعید بابر سے رک کر چلنے کو کہتا۔ کھڑکی کے سامنے وہ رک گئے۔

"یہ نشانات.....!" فریدی نے ایک جگہ روشنی ڈالی۔

یہاں زمین نرم اور نم آلود تھی اس لئے نشانات کافی گہرے تھے۔ سعید بابر جھک کر دیکھنے لگا لیکن شاید اُس کی سمجھ میں نہ آسکا تھا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو کر بے دلی سے بولا۔ "جی ہاں..... یہ نشانات.....!"

"شاید آپ نے غور سے نہیں دیکھا۔" فریدی مسکرایا۔ "ورنہ آپ کے چہرے پر حیرت کے آثار ضرور ہوتے۔"

"یہ حقیقت ہے کہ میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔"

"یہ نشانات دور تک ہیں اور ان کی ترتیب بتاتی ہے کہ یہ کسی ایسے جانور کے پیروں کے نشانات ہیں جو صرف دو پیروں سے چلتا ہے۔"

"گوریلا.....!" سعید بابر بڑبڑایا۔

"نہیں گوریلے کے پیر سپاٹ ہوتے ہیں۔ تلووں میں اتنی گہرائی نہیں ہوتی..... یہ دیکھئے۔" فریدی ایک تنکا اٹھا کر نشان کے مختلف حصوں کی طرف اشارہ کرنے لگا۔

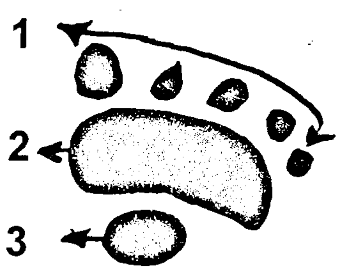

''یہ انگلیاں[1]..... یہ انگلیوں کے[2] نیچے کا ابھار..... اور یہ گول[3] نشان..... جو ایڑی ہ
ہوسکتا ہے۔ ایڑی اور انگلیوں کے نیچے کے اُبھار کا فاصلہ دیکھئے۔ تلوے کتنے گہرے ہ
گوریلے کے تلوؤں میں گہرائی نہیں ہوتی۔ یہ کسی آدمی کا پیر ہو ہی نہیں سکتا۔ مختلف قسم
جانوروں کے متعلق ''میری معلومات کم نہیں ہیں۔ مگر یہ پیر..... یقیناً میری معلومات کے دائ
سے باہر ہے۔''

''پھر یہ کیا ہے۔'' سعید بابر کی آواز حلق میں پھنسنے لگی تھی۔

''خدا بہتر جانتا ہے.....!'' فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''میں اپنے فوٹو گرافر
بلانا چاہتا ہوں..... آپ کا فون استعمال کروں گا۔''

''اوہ..... ضرور..... ضرور.....!''

''فریدی نے دوبارہ عمارت میں داخل ہوکر اپنے محکمے کے فوٹو گرافر کو فون کیا
دونوں ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔''

سعید بابر کا چہرہ زرد تھا اور ہونٹ خشک ہوگئے تھے۔ فریدی نے ایک بار پھر اُسے غور
دیکھا اور باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھورنے لگا۔ پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''جتنی جلد ہوسکے آپ یہاں سے چلے جائیے۔''

سعید بابر نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

''کرنل صاحب میرا بھائی اگر ایڑیاں رگڑ کر مر گیا۔ میں اُسے تین ہزار روپے بھجواتا

ن پاتھ پر گھسٹ گھسٹ کر بھیک مانگتا رہا۔ خواہ میری جان چلی جائے میں اس آدمی کو سزا دیئے
ر نہیں جاؤں گا، جو اس حرکت کا ذمہ دار ہے۔ آپ خود سوچئے۔ اگر آپ کا کوئی بھائی.....!''

''آپ نے الائیڈ بنک میں تحقیق کی تھی۔''

''جی ہاں..... ہر ماہ تین ہزار کا ڈرافٹ رشید بابر کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا رہا تھا اور
شید بابر کے چیک پر ادائیگی ہوتی رہی تھی۔ میرے یہاں پہنچنے سے تین دن قبل آخری رقم
پاس ہزار نکالی گئی اور اسی دن شام کو میرے بھائی کی لاش ایک فٹ پاتھ پر ملی۔ میرے
خدا..... کتنی زبردست ٹریجڈی ہے۔''

''پہلے ڈرافٹ پر کس نے تصدیق کی تھی کہ یہی رشید بابر ہے۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''میجر داراب نے۔''

''یہ کون ہے۔''

''داراب اینڈ کمپنی کا پروپرائٹر..... اس کی فرم ہم سے لین دین رکھتی ہے۔ میں نے اُسے
لکھ دیا تھا کہ وہ اس ڈرافٹ کی تصدیق کر کے رشید بابر کا اکاؤنٹ کھلوا دے۔''

''آپ اس سلسلے میں اس سے ضرور ملے ہوں گے۔ قدرتی بات ہے۔''

''جی ہاں..... میں اُس سے بھی پوچھ گچھ کر چکا ہوں۔''

''وہ کیا کہتا ہے۔''

''اُسے کچھ یاد نہیں۔ بات پانچ سال پرانی ہے۔ میرے یاد دلانے پر اُس نے یہ تو تسلیم
کر لیا کہ اُس نے میرے لکھنے پر کسی کے ڈرافٹ کی تصدیق کی تھی۔ جب اسے اس کا نام بھی
یاد نہیں تو پھر صورت شکل یاد رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''داراب سے آپ پہلی بار کب ملے تھے۔''

''بس ابھی حال ہی میں۔ البتہ کاروباری تعلقات شاید پندرہ سال پرانے ہیں۔''

''یعنی اس ڈرافٹ کی تصدیق سے پہلے اُس نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔''

''جی نہیں..... میں نے عرض کیا نا کہ ابھی حال ہی میں ہم دونوں ایک دوسرے کے
صورت آشنا ہوئے ہیں۔''

"تب تو وہ اس واقعہ کو بھلا دینے میں حق بجانب ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں.....؟ میں نہیں سمجھا۔"

"اگر وہ آپ کو پہلے دیکھ چکا ہوتا تو رشید بابر اُسے آج بھی یاد ہوتا۔ محض اتنی قری مشابہت کی بناء پر حیرت انگیز چیزیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ کیوں..... مثلاً یہ آپ کی سیکریٹری والا قصہ مجھے یاد رہے گا۔"

"اور شاید میں اُسے قبر میں یاد کر کے متحیر ہوتا رہوں۔" سعید بابر نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہ لڑکی لسلی براؤن کب سے آپ کے پاس ہے۔"

"تقریباً تین سال سے۔"

"آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"تو پھر نیروبی سے آئی ہوئی اطلاعات غلط ہوں گی۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب.....!" سعید بابر بیساختہ چونک پڑا۔

"میں نے آج ہی بذریعہ وائرلیس ٹیلی گرافی یہ معلومات بہم پہنچائی ہیں کہ آپ کی ف سے تعلق رکھنے والا ایک فرد بھی لسلی براؤن نامی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔"

"اوہ.....!" سعید بابر ہنسنے لگا۔ فریدی استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"آپ نے یہی پوچھا تھا کہ وہ کب سے میرے پاس ہے۔"

"ہاں! یہی پوچھا تھا۔"

"یہ تو نہیں پوچھا تھا کہ وہ میری سیکریٹری کب سے ہے۔ اگر آپ یہ پوچھتے تو میں عر کرتا کہ وہ صرف کاغذات پر میری سیکریٹری ہے اور کاغذات پر بھی اُس وقت آئی جب پاسپورٹ بنوانے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ میرے اور اس کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں ہو سکا۔ سچ پوچھئے تو یہ سفر محض اسی کے اصرار پر ہوا تھا، مگر اب....."

سعید بابر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اب میں نے اُسے کھو دیا ہے۔"

"محبوبہ.....!" فریدی مسکرایا۔

جواب میں سعید بابر نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔

عدنان اپنے گھر میں ایک طرح سے قید ہی تھا۔ وہ تنویر کی عدم موجودگی میں بھی گھر سے نہیں نکل سکتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا بھی تو اُسے اپنی اس ناعاقبت اندیشی پر زندگی بھر پشیمانی کیونکہ یہاں تنویر کی حکومت تھی۔ اگر وہ گھر سے باہر جانے پر زور دیتا تو ملازمین اس کی بے تک کر بیٹھتے۔

وہ اپنی ماں کی سخت گیریوں سے تنگ آ گیا تھا۔ مگر قہر درویش بر جان درویش، اس میں ہمت نہیں تھی کہ اس کے خلاف آواز اٹھا سکتا۔ اُس کی دانست میں اس کی ماں کریک تھی۔ وہ اپنی ماں ہی کا بیٹا تھا۔ وہ زیادہ تر ایسی ہی حرکتیں کرتا جو تنویر کو ناپسند تھیں۔

آج صبح ہی تنویر کہیں گئی ہوئی تھی۔ دو باڈی گارڈ اس کے ساتھ تھے۔ عدنان کے باڈی گارڈ گھر ہی پر موجود تھے۔ اس نے انہیں طلب کیا۔

"تم دونوں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی بڑا کام بھی کیا ہے۔" عدنان نے بڑی حقارت سے پوچھا۔

وہ دونوں خاموش رہے۔

"کیا تم بہرے ہو۔" عدنان گرجا۔

"نہیں جناب! ہم آپ کا سوال ہی نہیں سمجھ سکے۔"

"تم بڑا کام نہیں سمجھتے..... کیوں؟"

"سمجھتے تو ہیں..... مگر سوال کا مقصد سمجھے بغیر جواب کیسے دیا جا سکتا ہے۔"

"آج تمہیں ایک بڑا کام انجام دینا ہے۔"

"فرمائیے۔"

"اُس کمرے کا تالا توڑیں گے جس میں مادام تنویر کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا ہے۔"

"ہم سے یہ نہیں ہو سکے گا جناب۔"

"کیا تم میرا حکم ماننے سے انکار کر رہے ہو۔"

"جہاں مادام تنویر کی کوئی بات آ پڑے وہاں ہم یقیناً انکار کر دیں گے۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" عدنان گرجا۔

"گولی مار دیجئے..... مگر یہ بڑا کام ہم سے نہیں ہو سکے گا۔"

عدنان خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد مسکرا کر نرم لہجے میں بولا۔ "مادام تنویر کو اس کا علم نہیں ہونے پائے گا۔ تم آخر اتنا ڈرتے کیوں ہو، تم میرے باڈی گارڈ ہو۔ تمہارے تعلق براہ راست مجھ سے ہے۔ تمہارے افعال کے لئے میں جوابدہ ہوں۔"

"ہم مجبور ہیں جناب۔"

وہ دونوں منہ لٹکائے ہوئے چلے گئے۔ عدنان کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر تنویر کے نجی آفس کی طرف چلا گیا۔ یہاں تین لڑکیاں کلرک تھیں، جو تنویر کے نجی اخراجات دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ عدنان نے ان میں سے ایک کو الگ بلایا، یہ لڑکی ابھی حال ہی میں آئی تھی اور شاید اُسے اس عمارت کے مکینوں کے متعلق کچھ نہیں معلوم تھا، تنویر کو بھی اُس نے ایک آدھ بار دیکھا تھا۔

"تم مجھے جانتی ہو۔ میں عدنان ہوں۔" عدنان نے اُس سے کہا۔

"جی ہاں.....!"

"میرا ایک کام کر دو گی۔"

"فرمائیے۔"

"اگر تم میری مدد کرو گی تو ہم ہمیشہ کے لئے گہرے دوست بن جائیں گے۔"

"ہاں..... ہاں..... بتائیے۔" لڑکی نے کہا۔ عدنان عورتوں کے لئے پُرکشش تھا۔

"میری ماں لیمو بہت پسند کرتی ہے، مگر مجھے نہیں کھانے دیتی۔ میں اس کے لیمو چرانا چاہتا ہوں۔"

لڑکی ہنسنے لگی اور عدنان بولا۔ "میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ ایک کمرے میں لیموؤں کا اسٹاک رہتا ہے۔ میں تمہارے لئے بھی نکال لاؤں گا۔ بس تم راہداری کے سرے پر کھڑی رہنا کہ کوئی اُدھر آ تو نہیں رہا ہے۔"

"چلئے.....!" لڑکی پھر ہنس پڑی۔ وہ دونوں اُس راہداری میں آئے جس کے دوسرے سرے پر اُس پُراسرار کمرے کا دروازہ تھا۔ لڑکی راہداری کے اسی سرے پر رک گئی۔

عدنان نے جیب سے ایک مڑا ہوا تار نکالا اور دروازے میں پڑے ہوئے قفل پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ قفل کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ اُس نے دروازے میں تھوڑا سا درہ کیا۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ اندر سے ایک عجیب قسم کی بدبو کا بھپکا آیا لیکن عدنان جو تنویر کا بیٹا تھا دروازہ کھول کر دھڑ دھڑاتا ہوا اندر گھس گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ راہداری میں تھا۔ اُس کے حلق سے ایک عجیب سی چیخ نکلی کسی نے اُسے اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دیا تھا۔ لڑکی تو یہ واقعہ دیکھتے ہی سر پر پیر رکھ کر بھاگ گئی۔ عدنان کے گھٹنوں اور سر میں کافی چوٹیں آئیں۔

دوسری طرف اُس کے باڈی گارڈ چیخ سن کر دوڑ پڑے تھے۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن قفل انہیں راہداری کے فرش پر پڑا دکھائی دیا۔ انہوں نے خوفزدہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔ وہ اسے سہارا دیئے ہوئے راہداری سے نکال لائے۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ ٹھیک اُسی وقت تنویر بھی آ پہنچی۔ عدنان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اُس نے باڈی گارڈوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ پہلے تو وہ ہچکچاتے رہے، لیکن پھر انہیں بتانا ہی پڑا کہ عدنان نے اُس کمرے کا قفل کھول لیا تھا۔

تنویر بے تحاشہ دوڑتی ہوئی راہداری میں چلی گئی۔ عدنان ایک کرسی میں پڑا ہانپتا رہا۔

"میں تم دونوں کو جان سے مار دوں گا..... سمجھے!" وہ انہیں گھونسہ دکھا کر بولا۔

"ہم کیا کرتے جناب۔"

"شٹ اپ.....!"

دو چار منٹ بعد تنویر واپس آ گئی، لیکن اُس کا موڈ بہت خراب معلوم ہو رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک تھا۔

"عدنان! کھڑے ہو جاؤ" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

عدنان چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ چاروں باڈی گارڈ وہیں کھڑے تھے۔

"تم لوگ جاؤ۔" عدنان نے اُن سے کہا۔

"نہیں.....وہ یہیں ٹھہریں گے۔" تنویر نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو"

عدنان نے ہاتھ بھی اٹھا دیئے۔ تنویر کا چابک والا ہاتھ حرکت میں آ گیا۔

"شائیں...شائیں۔" عدنان کے پشت پر چابک پڑ رہے تھے اور وہ ہونٹ بھینچے کھڑا رہا۔

"میں گن رہا ہوں۔" عدنان نے تلخ لہجے میں کہا۔

"گنتے رہو۔" تنویر کا ہاتھ تیزی سے چلنے لگا۔

"یہ پتھر پر نہیں.....میرے جسم پر پڑ رہے ہیں مادام تنویر.....مگر میرے سینے میں بھی پتھر کا دل ہے۔"

"تمہاری دھمکیاں مجھے اور زیادہ سنگدل بنا دیں گی۔" تنویر بولی۔ لیکن اس کا ہاتھ چلتا رہا۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُسے روک دیتا۔ باڈی گارڈ کھڑے کانپتے رہے۔

"میں بس نہیں کہوں گا.....مادام تنویر۔" عدنان نے کہا۔ "اور نہ رحم کی درخواست کروں گا۔"

تنویر کا ہاتھ رک گیا۔ چابک فرش پر ڈال کر وہ کرسی میں گر گئی۔ اس کی آنکھیں بڑی خونخوار نظر آ رہی تھیں۔ اچانک عدنان نے چابک اٹھایا اور چاروں باڈی گارڈوں پر ٹوٹ پڑا۔

"اُلو کے پٹھو.....میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔"

باڈی گارڈ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگ نکلے۔

میجر داراب

حمید کے لئے یہ گتھی عجیب تھی۔ مگر اُسے اس گتھی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جس الجھاؤ میں کسی عورت کو بھی دخل ہوتا تھا، وہ کم از کم حمید کی ذہنی جمناسٹک سے بچا ہی رہتا تھا۔ کہنے کو حمید پھر حمید ٹھہرا.....ظاہر ہے کہ عورت اُس کے حصے میں آئی اور گتھی فریدی کے حصے میں۔

بات کرنا فریدی کا کام تھا کہ وہ لڑکی حقیقتاً لسلی براؤن تھی یا کوئی اور۔ حمید کے لئے تو وہ صرف لڑکی تھی۔ اگر اس کا نام لسلی براؤن کی بجائے کیوی بوٹ پالش براؤن ہوتا تب بھی وہ اس میں اتنی ہی دلچسپی لیتا۔

وہ سعید بابر کی کوٹھی کے چکر لگانے لگا۔ دن میں کئی کئی بار کوئی نیا سوال تیار کر کے جا پہنچتا اور سعید بابر اس بات پر بے تحاشہ خوشی کا اظہار کرتا کہ محکمہ سراغ رسانی کے دو بہترین دماغ اُس کے معاملے میں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں۔

آج اچانک اس کی ملاقات اس لڑکی سے ہو گئی جسے سعید بابر کڑی نگرانی میں رکھتا تھا اور اُسے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا تھا۔ وہ حمید کو برآمدے ہی میں ملی اور اُس کے سر پر دو نوکر مسلط تھے۔ سعید بابر گھر میں موجود نہیں تھا۔

لڑکی نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "وہ شریف آدمی گھر پر موجود نہیں ہے۔"

"اوہ.....اچھا.....!"

"لیکن ٹھہریئے.....میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ.....ضرور.....ضرور.....!" حمید وہیں ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"مجھے یہ سزا کیوں دی گئی ہے۔ کیا آپ بتا سکیں گے۔"

"سزا تو تم نے آج کل ہم لوگوں کو دے رکھی ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کیا آپ لوگ نیروبی سے براہِ راست نہیں معلوم کر سکتے۔ میں آپ کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے پتے دے سکتی ہوں۔"

"کیا وہ لوگ اس کی بھی تصدیق کر سکیں گے کہ تم سعید بابر کی سیکریٹری ہو۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اُس کے چہرے کی رنگت بڑی تیزی سے بدل رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھایا۔ اُس کی آنکھیں غمگین تھیں اور چہرے پر پہلے سے زیادہ نرماہٹ تھی۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ "نہیں اس کی تصدیق نہیں کر سکیں گے۔"

"اس کا جواب وہی ذلیل کتا دے سکتا ہے۔ لیکن اب تو وہ مجھے لسلی براؤن ہی تسلیم

کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ مرد بڑے کتے ہوتے ہیں۔ کبھی تمہارے لئے ٹھنڈی سا بھریں گے..... روئیں گے۔ گڑگڑائیں گے اور کبھی اس طرح منہ پھیر لیں گے جیسے..... م کہوں..... سعید بابر اور میں گہرے دوست تھے۔ ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے لیکن اُس سے چھپ کر ملتی تھی۔ کیونکہ افریقہ کے انگریز بہت متعصب ہیں۔ وہ کالوں سے نفر کرتے ہیں حالانکہ سعید بابر بہتیرے انگریزوں سے بھی زیادہ حسین ہے مگر اس کا تعلق کالی نس سے ہے۔ اور اب میں کہتی ہوں کہ افریقہ کے انگریز اپنے تعصب میں حق بجانب ہیں۔ یہ بابر مجھے یہاں اپنی سیکریٹری بنا کر لایا تھا اور اب یہاں آکر ایک نئی مصیبت میں پھنسا دیا مقصد میں نہیں جانتی کہ کیا ہوسکتا ہے۔ یہ ہمارا ایک تفریحی سفر تھا۔ ویسے وہ اپنے کسی بھائی بھی ملنا چاہتا تھا۔"

"سعید کے آدمیوں کو تو اس کا علم ہوگا کہ تم اس کی سیکریٹری کی حیثیت سے سفر کر والی ہو۔"

"کوئی نہیں جانتا۔ کسی کو بھی اس کا علم نہیں۔ میرے عزیز اور دوست یہی سمجھتے ہیں کہ سفر مومباسہ ہی تک محدود ہوگا۔ میں نے اُن سے یہی کہا تھا کہ میں تین ماہ مومباسہ میں کروں گی۔"

"یہی وجہ ہے کہ سعید بابر.....!" حمید جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہوگیا۔

"ہاں! ہاں..... کہئے..... سچی بات ہر حال میں کہہ دینی چاہئے۔ آپکی زبان رک کیوں گئی۔ آپ یہی کہنا چاہتے ہیں نا کہ اسی لئے سعید اور زیادہ صفائی سے جھوٹ بول رہا ہے۔"

"خدا جانے..... میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ہاں..... آپ مجھے اس قید سے رہائی نہیں دلا سکتے۔ میں اچھی خاصی قیدی ہوں۔ الامور کے دفتر سے سعید کو ہدایت ملی ہے کہ انکوائری کے دوران میں وہ مجھے اپنی نگرانی میں رکھے۔ مگر نگرانی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں کہیں قید کردی جاؤں۔ سعید کے علاوہ میں اور کو یہاں نہیں جانتی۔ مگر تازہ ہوا اور کھلے آسمان پر تو ہر آدمی کا حق ہوتا ہے ان دیواروں میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں مرجاؤں گی۔"

"آپ میرے ساتھ باہر چل سکتی ہیں۔"

"سچ.....!" لڑکی پُر مسرت انداز میں چیخی۔

"جی ہاں.....!"

"مگر یہ.....!" لڑکی نے نوکروں کی طرف دیکھا۔

"میں انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔" حمید نے نوکروں سے کہا۔

"صاحب کی اجازت نہیں ہے۔" ایک نوکر نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

"ان سے کہہ دینا کپتان صاحب اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

"اُن کا انتظار کرلیجئے تو بہتر ہے۔"

حمید نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ وہ سمجھتا تھا کہ لڑکی اس طرح باہر نہیں جاسکے گی۔ لہٰذا اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ سعید کا انتظار ہی کرے۔

آج کل ہائی سرکل نائٹ کلب میں رقص کے پروگرام ہو رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ لڑکی اس کے ساتھ ہوئی تو کلب میں اس کی خاصی دھوم رہے گی۔

اُسے تقریباً آدھے گھنٹے تک سعید بابر کا انتظار کرنا پڑا پھر جیسے ہی وہ آیا حمید اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا اندر چلا گیا۔ لڑکی برآمدے ہی میں رہ گئی۔

"میں آپ کا بہت شکرگذار ہوں کپتان صاحب لیکن میری زندگی خطرے میں ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک آپ کے لئے کچھ نہیں کرسکا۔" حمید بولا۔

"میں ابھی تک دراصل اپنے ہی ایک معاملے میں ادھر کے چکر لگاتا رہا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بھئی بات یہ ہے کہ ویزا انکوائری سیکشن میرے ہی چارج میں ہے اور میں آج آپ پر یہ حقیقت واضح کررہا ہوں کہ دونوں لڑکیوں کے انکوائری فارم ریکارڈ روم میں موجود ہیں۔ دونوں ہی لسلی براؤن اور مسٹر سعید بابر کی سیکریٹری۔"

"میرے خدا.....!" سعید بابر منہ کھول کر رک گیا۔

"جی ہاں..... یہ متعلقہ کلرک کی غلطی ہے کہ اس نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ آپ خود

سوچ سکتے ہیں کہ سیکشن کی کتنی بدنامی ہوگی۔"

"یقیناً.....یقیناً.....!"

"بس یہی چکر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج سے میں اس لڑکی کو چکر دینا شروع کردوں اس طرح کام نہیں بنے گا۔ لہٰذا میں اسے اپنے ساتھ لے جارہا ہوں۔"

سعید بابر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحے خاموش رہا، پھر تفکر آمیز لہجے میں بولا۔"ناظم الامور کی دفتر سے.....!"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ آپ کی نگرانی میں ہے، مگر آپ یہ نہ بھولئے کہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے ساتھ بھی فراڈ کیا گیا ہے۔"

"آپ جو مناسب سمجھئے کیجئے.....!" اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔"لیکن مجھے میری لسلی براؤن ضرور ملنی چاہئے۔ ورنہ میں اس لڑکی کو گولی ماردوں گا۔ بھائی سے تو ہاتھ دھو چکا..... پتہ نہیں کیا چکر ہے۔"

"مجرم بہت جلد سزا کو پہنچیں گے۔" حمید نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت آمیز انداز میں کہا۔"جس کام میں کرنل فریدی کا ہاتھ پڑ جائے اس کا بیڑا پار ہی سمجھئے۔"

جب حمید لڑکی کو ساتھ لے کر چلنے لگا تو سعید بابر نے اردو میں کہا۔"بہت محتاط رہئے گا کپتان صاحب۔"

"مجھ سے زیادہ محتاط آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا اور وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

"وہ آپ کا کہنا مان گیا۔" لڑکی نے کہا۔

"میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔ اس لئے اس وقت تمہیں یہاں کی ایک بہترین تفریح گاہ میں لے جاؤں گا۔"

"اوہ.....آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"تو سعید بابر نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً.....مگر اس کا مقصد میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔ ہم دونوں ابھی تک محض دوست

رہے ہیں۔ میں بھی اُسے صرف اسی حد تک پسند کرتی ہوں۔ ہماری شادی کا بھی کوئی امکان نہیں رہا ہے۔ پھر اس کی اس حرکت کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔"

"تم اس کے اُس بھائی کے متعلق کیا جانتی ہو جس سے ملنے کے لئے وہ یہاں آیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں جانتی۔ اس نے بس یونہی روا روی میں اس کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ بھی محض اس لئے کہ وہ اس سے بہت مشابہ تھا۔"

"تم دونوں نے ساتھ ہی اپنی آمد یہاں درج کرائی تھی۔"

"ہاں! ہم دونوں ساتھ گئے تھے۔"

اسکے بعد حمید نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اس کے قریب ہی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسکے جسم سے اٹھنے والی لیونڈر کی بھینی بھینی خوشبو حمید کے ذہن پر بُری طرح مسلط ہوگئی تھی۔ وہ بیداری میں خواب دیکھنے لگا تھا۔ ویسے اُسے اس کا ہوش تھا کہ کہیں ایکسیڈنٹ نہ ہوجائے۔

کار ہائی سرکل نائٹ کلب میں رکی، وہ دونوں ہال میں جانے سے پہلے منیجر کے کمرے میں گھس گئے۔ منیجر کمرے ہی میں موجود تھا۔ حمید کو دیکھ کر بڑے ادب سے کھڑا ہوگیا۔

"کرنل صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔" اُس نے کہا اور لڑکی کو گھورنے لگا۔

"کہاں تشریف رکھتے ہیں۔" حمید بوکھلا گیا۔

"ہال میں.....ہوسکتا ہے انہیں علم ہوگیا ہو کہ آپ ایک سروِ گلزار شباب کے ساتھ یہاں قدم رنجہ فرمائیں گے۔"

"شٹ اپ.....!" حمید جھنجھلا گیا۔

"ارے نہیں کپتان صاحب"۔

دل بہت بلبلِ شیدا کا ہے نازک گلچیں
پھول گلزار میں یوں توڑ کہ آواز نہ ہو

"فرنیچر ٹوٹنے کی آواز پسند کرو گے۔" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"اررر.....دیکھئے.....بس دور ہی رہئے گا۔ بقول شاعر.....جی ہاں،.....سراپا ناز آپ کے ساتھ ہے اور آپ مجھ سے دھول دھپا کرنے چلے ہیں۔"

حمید رک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی یہاں کیوں آیا۔ بھلا فریدی کو کسی

نائٹ کلب سے کیا سروکار۔

”میں فی الحال یہیں بیٹھوں گا۔“ حمید نے اس سے کہا۔ ”جب فریدی صاحب پہنچ جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔“

”گویا میں وہاں جا کر یہ دیکھتا رہوں کہ وہ کب تشریف لے گئے۔“

”ہاں.....!“

”کیا آپ مجھے کوئی گرا پڑا آدمی سمجھتے ہیں۔“ منیجر نے اکڑ کر انگریزی میں کہا۔

”اگر تم نے انگریزی میں اپنی قابلیت کا اظہار کیا تو تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔“

”آپ مجھے دھمکا رہے ہیں۔“

”تم بیٹھ جاؤ۔“ حمید نے لڑکی کی طرف مڑ کر کہا۔ مگر لڑکی غائب تھی۔ حمید دروازے کی طرف جھپٹا۔ مگر وہ برآمدے میں بھی نظر نہیں آئی۔ حمید ہال کی طرف دوڑا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلا گیا۔ ریکریئشن ہال میں بھی دیکھا لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ پھر اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اُسے حقیقتاً کمپاؤنڈ ہی کی طرف جانا چاہئے تھا۔ اگر لڑکی اسے جل دے کر نکل گئی تھی تو ہال میں جانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حالانکہ اب یہ فضول ہی تھا لیکن پھر بھی اُس کے قدم کمپاؤنڈ کی طرف اٹھ گئے۔ وہ پھاٹک والی روش طے کر رہا تھا کہ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید جھنجھلا کر پلٹا۔

”کیوں پریشان ہو۔“ اُس نے فریدی کی آواز سنی۔

حمید خاموش ہی رہا۔ جواب کیا دیتا۔

”لڑکی کے غائب ہو جانے کا غم ہے۔“ فریدی چڑھانے کے سے انداز میں بولا۔

”اوہ.....تو یہ آپ تھے۔“ حمید چونک کر بولا۔

”بکواس مت کرو۔“ فریدی بگڑ گیا۔ ”تم اُسے لائے کیوں تھے؟“

”مجھے توقع تھی کہ میں اس سے کچھ معلوم کر سکوں گا۔“

”کیا معلوم کیا۔“

”یہی کہ کوئی خوبصورت لڑکی دیر تک نہیں ٹھہرتی۔“

”تم نے میری ساری اسکیم چوپٹ کر دی۔“ فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”پھر کوئی دوسری اسکیم بن جائے گی۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔“

”میں یہیں موجود تھا.....پھر مجھے کیسے علم نہ ہوتا۔“

”تو آپ نے اُسے نکل کیوں جانے دیا.....!“

”محض اس لئے کہ تم اپنا وقت نہ برباد کرو۔“

”میں سعید بابر کو کیا جواب دوں گا۔“

”اُسے جواب دینا تمہارے فرائض میں نہیں۔ تم اپنے روزنامچے میں نہایت اطمینان سے لکھ سکتے ہو کہ تم پوچھ گچھ کرنے کے لئے اُسے اپنے ساتھ آفس لا رہے تھے، ایک جگہ کار روک کر تم کسی کام سے اترے جب کار کی طرف واپس ہوئے تو وہ غائب تھی۔“

”آخر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔“

”یہاں میجر داراب موجود ہے۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں ہیں ان میں سے ایک کے ساتھ تم رقص کرو گے۔“

”میں شاید ناچنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہوں۔“ حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ”میں میجر داراب کو نہیں پہچانتا۔“

”میں بتاؤں گا۔“ فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر ہال کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”مگر وہ لڑکی۔“

”اُسے جہنم میں جھونکو.....میجر داراب کے ساتھ دو لڑکیاں ہیں۔“

فریدی اُسے ہال کے صدر دروازے تک لایا۔

”وہ اُدھر..... بڑی پینٹنگ کے نیچے والی میز پر.....وہی میجر داراب ہے۔ اس کے قریب والی میز خالی ہے.....میں نے مخصوص کرائی ہے۔“

”کیا آپ کو علم تھا کہ میں یہاں آؤں گا۔“

”ہاں مجھے علم تھا اور یہ کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہیں جس کے متعلق سوچنے میں تم اپنا وقت برباد کرو۔ آج صبح تم نے رمیش سے کہا تھا کہ تم لسلی براؤن کو یہاں رقص میں لانے کی

کوشش کرو گے.....بس اب جاؤ۔"

فریدی برآمدے سے کمپاؤنڈ میں اتر گیا۔ حمید پر اب بھی اُسی لڑکی کی گمشدگی کی فکر سوار تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ اسطرح اور اتنی جلدی غائب کہاں ہوگئی۔ اب وہ پھر منیجر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ منیجر نے اُسے دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

حمید نے اس بار اُس سے کوئی بُرا برتاؤ نہیں کیا۔

"کیا تم نے اُسے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا" حمید نے اس سے پوچھا۔

"پرواہ نہ کیجئے کپتان صاحب۔ یہ سنگدل ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

دیکھیں محشر میں اُن سے کیا ٹھہرے
تھے وہی بت وہی خدا ٹھہرے

"میں شعر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میری بات کا جواب دو۔"

"جی ہاں.....میں نے اُسے باہر جاتے دیکھا تھا۔ ایک لڑکی نے اشارے سے اُسے بلایا تھا۔"

"لڑکی نے.....!"

"جی ہاں.....آپ مطمئن رہیے۔ وہ کوئی مرد نہیں تھا۔" منیجر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

حمید مزید کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اُس نے منیجر کے قہقہے کی آواز سنی۔ لیکن وہ اس وقت اس سے الجھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

وہ ہال میں آیا اور سیدھا اُس خالی میز کی طرف چلا گیا جو فریدی نے غالباً اسی کے لئے مخصوص کرائی تھی۔ میجر داراب خاموش بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ تھی دو لڑکیاں آپس میں اونچی آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔ میجر داراب ایک دبلا پتلا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ سرد طبیعت آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ظاہر ایسا ہو رہا تھا جیسے اُسے ان لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ شاید وہ ان کی گفتگو بھی نہیں سن رہا تھا۔

حمید نے لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک طویل سانس لی اور سنکیوں کی طرح بڑبڑاتا ہوا چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ دونوں لڑکیاں سفید فام اور قبول صورت تھیں۔

اچانک ایک ویٹر میجر داراب کی میز کے قریب آ کر نہایت ادب سے جھکا اور آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔ لڑکیاں خاموش ہوگئیں۔ حمید نے میجر داراب کو اٹھ کر جاتے دیکھا۔ وہ اُس دروازے

سے دوسری کمرے میں داخل ہو رہا تھا جو ہال میں کھلتا تھا ہو سکتا ہے کہ اُس کی کوئی ٹیلی فون کال رہی ہو۔

ابھی رقص شروع ہونے میں دیر تھی اور زیادہ تر لوگ ہال ہی میں تھے۔ کبھی کبھی ریکریشن ہال کی طرف سے موسیقی کی ایک لہر آتی اور پھر سکوت طاری ہو جاتا۔ شاید آرکیسٹرا مائیک ٹسٹ کر رہا تھا۔ حمید بہت مغموم نظر آ رہا تھا۔ لڑکیوں نے اُس کی طرف دیکھا اور پھر گفتگو میں مشغول ہوگئیں۔ اتنے میں وہی ویٹر آیا پھر ان کی میز کے قریب آ کر بولا۔ "صاحب کسی ضروری کام سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کے لئے کہا ہے کہ آپ یہیں تشریف رکھیں گی۔"

"اوہ.....ٹھیک جاؤ۔" ایک لڑکی بولی۔ پھر اُس نے دوسری کی طرف جھک کر آہستہ سے کچھ کہا اور دونوں بیساختہ ہنس پڑیں۔ حمید نے بھی قہقہہ لگایا اور جیسے ہی لڑکیوں نے اُس کی طرف دیکھا اُس نے گویا اپنے قہقہے میں بریک سا لگا دیا اور کچھ پشیمان سا بھی نظر آنے لگا۔

لڑکیاں چند لمحے اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتی رہیں، پھر انہوں نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور ان کی میز کے قریب جا کر بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔"

لڑکیوں نے پھر اُسے گھور کر دیکھا اور حمید ہکلایا۔ "ایک بیوقوف آدمی سمجھ کر معاف کر دیجئے۔ میں دوسروں کو ہنستے دیکھ کر خود بھی ہنسنے لگتا ہوں۔ جو لوگ مجھ سے واقف ہیں فوراً معاف کر دیتے ہیں۔"

"تم ایسے ہو.....اسی لئے اپنی میز پر تنہا نظر آ رہے ہو۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"نہیں اس کی وجہ تو دوسری ہے۔" حمید ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

ایک لڑکی کی آنکھوں میں احتجاج تھا لیکن دوسری بدستور مسکراتی رہی بلکہ حمید نے بھی یہ دیکھا کہ اُس نے اس لڑکی کو آنکھ ماری تھی۔

"تم شاید شیری پیتی ہو۔" اس نے دوسری لڑکی سے کہا۔ ایک لمحہ خاموشی رہی پھر بولی۔ "میں پورٹ پیتی ہوں۔"

حمید نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر پورٹ اور شیری کے لئے کہا اور اپنے لئے کافی منگوا رہا تھا کہ ایک لڑکی بولی۔ "واہ.....تم کافی پیوؤ گے۔ نہیں یہ غلط ہے۔ ویٹر! لارج وہسکی اور

سوڈا یا جو یہ پسند کریں۔"

"لارج وہسکی اور سوڈا۔" حمید شیخی میں آ کر بولا۔ اس نے سوچا ایک آدھ پگ میں کیا بگڑے گا۔ انکار کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ یہ لڑکیاں اُسے بالکل ہی چغد سمجھ کر دھتکار دیں۔ اگر فریدی نہ کہتا تب بھی اُسے کم از کم ایک ساتھی کی ضرورت یقیناً محسوس ہوتی۔

مگر جب دور شروع ہو جائے تو معاملہ ایک ہی آدھ پگ تک محدود نہیں رہتا۔ لڑکیاں عادی معلوم ہوتی تھیں، مگر حمید اناڑی تھا۔ اس نے شاید زندگی میں دو ہی چار بار شراب پی تھی اور ہر موقع پر کھوپڑی سے باہر ہوگیا تھا۔ چنانچہ آج بھی یہی ہوا اور پھر کھوپڑی سے باہر ہونے کے بعد کہاں کی لڑکیاں اور کہاں کا رقص۔ حمید نے آگے پیچھے جھول کر کہا۔

"میں..... جھولا..... جھولوں گا.....!"

"پہلے بل ادا کردو۔" ایک لڑکی بولی۔

حمید نے جھلا کر جیب سے پرس نکالا اور اُسے میز پر پٹختا ہوا بولا۔ "کیا غریب سمجھتی ہو مجھے..... میں..... لسل..... لسل..... لسلی براؤن ہوں..... ہاں۔"

لڑکی نے پرس سے کچھ نوٹ نکال کر ویٹر کی لائی ہوئی ٹرے میں ڈال دیئے اور پرس پھر حمید کی جیب میں ٹھونس دیا اور اس کے بعد وہ دونوں وہاں سے اٹھ ہی گئیں۔

"ہائیں..... میں..... بھی..... میں بھی۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ مگر وہ اتنی دیر میں ہال سے نکل چکی تھیں۔ حمید نے قریب سے گذرنے والے ایک ویٹر کی گردن پکڑ لی۔

"جی صاحب۔" ویٹر بوکھلا گیا۔ یہاں کے سارے ویٹر حمید کو پہچانتے تھے۔

"منیجر کو بھیج دو..... میں شعر سننا چاہتا ہوں۔"

"اچھا صاحب.....!"

حمید نے اس کی گردن چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اُسے نہ لائے تو..... میں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔"

شامت اعمال کو منیجر خود ہی کسی کام سے اُدھر آ نکلا تھا۔ اُس نے حمید کو ویٹر کی گردن پکڑتے دیکھا اور قریب قریب دوڑتا ہوا اُس کی میز کی طرف آیا۔

"یہ کیا کر رہے تھے آپ.....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"ہائے..... تم آ گئے..... مری جان..... بیٹھو..... بیٹھو.....!"

"نہیں..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"تمہیں بیٹھنا پڑے گا۔" حمید نے اسے جھنجھوڑ کر زبردستی بٹھا دیا۔

"ارے ارے..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں..... ہائیں۔"

"مجھے اشعار سناؤ..... میری جان.....!" حمید جھک کر اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں اس وقت آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا..... آپ نشے میں ہیں۔"

"تم کتے کے پلے ہو..... مجھے شعر سناؤ۔"

"آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

حمید نے میز پر جھک کر اُسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا اور منیجر اُٹھنے کی کوشش کر رہا اس کے آس پاس قہقہے ہی قہقہے تھے۔ ویسے چونکہ وہاں اونچے ہی طبقے کے لوگ آتے اس لئے ہڑبونگ صرف اسی میز تک محدود رہی۔

ابھی یہ دھینگا مشتی کسی فیصلہ کن منزل پر نہیں پہنچی تھی کہ میجر داراب آ گیا۔ یہ سیاہ سوٹ ملبوس تھا اور دبلا ہونے کی وجہ سے غیر معمولی طور پر دراز قد معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے حیرت سے دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر میز کے قریب پہنچ گیا۔

"یہ میز میرے لئے مخصوص تھی۔" اس نے سرد لہجے میں منیجر سے کہا۔

"اب آپ دیکھ رہے ہیں جناب میجر صاحب..... یہ نشے میں ہیں۔" منیجر ہانپتا ہوا بولا۔ "میں ان سے یہی کہنے آیا تھا کہ یہ میجر صاحب کی میز ہے۔"

"کون ہے۔" میجر داراب نے حقارت سے پوچھا۔

"کیپٹن حمید.....!"

"گیٹ اپ..... ہل ود یو.....!" حمید نے منیجر کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"کیپٹن پلیز..... میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ.....!" داراب غرایا۔

"خاموش رہو، کیچوے..... ورنہ میں تمہیں یہیں دفن کر دوں گا۔" حمید تن کر کھڑا ہو گیا۔

"دیکھا میجر صاحب۔" منیجر اچھل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔ "دیکھا آپ نے
حضرت نے کلب کو کباڑ خانہ بنا رکھا ہے۔ زبردست ٹھہرے..... اب آپ سے بھی بدتمیزی
رہے ہیں۔ خدا ان پولیس والوں سے سب کو محفوظ رکھے..... آمین..... بقول شاعر.....!"

حمید اور داراب ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔

اچانک داراب بڑی پھرتی سے جھکا اور حمید کو اپنے بازوؤں میں جکڑ کر اوپر اٹھالیا۔ اس کی یہ حرکت معجزے سے کم نہیں تھی۔ وہ بہت دبلا تھا۔ اس کے چہرے پر ہر وقت مردنی چھائی رہتی تھی۔ گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ وہ کسی زندہ آدمی کا چہرہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پھر بھی اُس نے حمید جیسے قوی ہیکل آدمی کو اٹھا لیا تھا اور حمید اس کی گرفت میں اس طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا جیسے کوئی ننھا سا بچہ کسی بڑے کی گود سے اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سنسان سڑک

وہ اُسے اسی طرح اٹھائے ہوئے چلتا رہا۔ ہال قہقہوں سے گونج رہا تھا اور حمید کا نشہ وہ تو کبھی کا ہرن ہو چکا تھا۔

میجر داراب نے برآمدے میں پہنچ کر آہستہ سے اُسے اتار دیا۔

"اب تم گھر جا سکتے ہو.....!" اُس نے سرد لہجے میں کہا۔ "اگر کھوپڑی پر کنٹرول نہیں رہتا تو پیتے کیوں ہو۔"

حمید کی مٹھیاں بھنچ گئیں لیکن قبل اس کے کہ وہ کوئی اقدام کرتا، میجر داراب ایڑیوں پر گھوما اور ہال میں چلا گیا۔ وہاں سبھی نشے کی ترنگ میں تھے اس لئے کسی نے بھی یہاں تک آنے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔ بس اپنی جگہوں پر بیٹھے ہنستے رہ گئے تھے۔

حمید آہستہ آہستہ منیجر کے کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اس کی حالت ابتر تھی۔ سارا نشہ رخصت ہو گیا تھا۔ ایسی بے عزتی سے کبھی اس کا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ خبر

سارے شہر میں اڑتی پھرے گی۔ ہوسکتا ہے کہ اخبارات بھی زہر اگلیں۔ انہیں تو بس پولیس والوں کے خلاف کچھ لکھنے کا بہانہ مل جانا چاہئے۔

وہ منیجر کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اُس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں تھیں اور آنکھیں سرخ۔ سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ تقریباً ایک منٹ اسی طرح پڑا رہا تھا، پھر اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ منیجر کمرے میں داخل ہوا لیکن وہ دروازے ہی کے قریب رک گیا تھا۔

اچانک وہ شور مچانے والے انداز میں کہنے لگا۔ "زیادتی آپ ہی نے کی تھی جناب! آج آپ نے میری بہت بے عزتی کی ہے۔ میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔ آپ مجھ پر ظلم کرتے ہیں۔"

حمید سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے۔"

منیجر ہکا بکا رہ گیا۔ اُسے حمید سے اس رویہ کی توقع نہیں تھی۔ شاید وہ سمجھا تھا کہ حمید میجر داراب کا غصہ اس پر اتارے گا۔

"دیکھئے نا کپتان صاحب۔" وہ آگے بڑھ کر ناصحانہ انداز میں کہنے لگا۔ "آپ ایک بہت بڑی پوزیشن کے مالک ہیں۔ آپ کو ہر وقت اس کا خیال رکھنا چاہئے آپ بعض اوقات عام آدمیوں کی سی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ منیجر کہتا رہا۔ "اب آپ خود سوچئے..... اس وقت یہ بات کہاں تک پھیلے گی۔"

"ہاں..... آں..... تم اپنا کام کرو۔" حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "میں تھوڑی دیر تک بیٹھوں گا۔"

"آپ زندگی بھر یہیں بیٹھئے..... مجھے خوشی ہوگی۔ مگر آپ کی رسوائی مجھے بھی گراں گزرے گی۔ میں اتنی قدر کرتا ہوں آپ کی۔"

"اب یہ گراموفون بند کرو..... یا باہر چلے جاؤ۔" حمید غرایا۔

منیجر چپ چاپ اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ منیجر نے ریسیور اٹھالیا۔ پھر حمید کی طرف بڑھ کر بولا۔ "آپ کا فون ہے۔"

"ہیلو..... حمید اسپیکنگ.....!" حمید نے ریسیور لے کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"اب مجھے اپنی شکل نہ دکھانا سمجھے۔" دوسری طرف سے فریدی کی غصیلی آواز آئی۔

"بہت بہتر.....!" حمید نے جھلا کر کہا اور ریسیور کو کریڈل پر پٹخ کر پھر اسی کرسی میں آ گرا شراب کا اثر تو ابھی باقی ہی تھا۔ دماغ میں گرمی تھی۔ خون جوش کھا رہا تھا۔ اُسے فرید پر غصہ آ گیا اور وہ سوچنے لگا کہ کل ہی اپنی پہلی فرصت میں استعفیٰ دے دے گا۔ مگر یہ زند کہاں بسر ہوگی.....اُس نے سوچا۔ کیوں نہ قاسم ہی کے گھر چلا جائے۔

یہ سوچ کر وہ باہر نکلا۔ اس وقت دوبارہ ہال میں واپس جانا ممکن نہیں تھا۔ بے خیالی م وہ اس طرف چل پڑا جہاں کار کھڑی کی تھی۔ مگر کار وہاں موجود نہیں تھی۔ شاید فریدی اُسے گیا تھا۔ وہ کمپاؤنڈ سے باہر نکلا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوا فروش کی دوکان سے قاسم کو فون کر رہا تھا۔

"ہیلو.....!" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔

"میں حمید ہوں.....قاسم ہے گھر پر۔"

"میں سلیمہ ہوں.....کہئے حضرت خوب غائب ہوئے۔"

"بہت مشغول تھا۔ ذرا قاسم کو فون پر بلائیے۔"

"ٹھہریئے.....ایک منٹ.....!"

حمید انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔ "واؤں.....واؤں..... ہالو.....واؤں واؤں.....میں خانا.....خا رہا ہوں..... ہالو.....!"

"قاسم.....!" حمید نے کہا۔ "میں رات تمہارے یہاں بسر کرنے آ رہا ہوں۔"

"ہائیں.....واؤں.....واؤں.....قیا مطالب.....!"

"بس یونہی.....گھر نہیں جانا چاہتا۔"

"ہا چھا.....آ جاؤ..... آ جاؤ..... واؤں..... واؤں..... آ ہا ضارور آ جاؤ.....تم سے ایک ضاروری بات کرنی ہائے.....واؤں.....واؤں۔"

حمید نے ریسیور رکھ دیا۔ باہر آ کر ایک ٹیکسی کی اور قاسم کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ سردی بہت زیادہ تھی اور آج ہوا بھی بہت تیز تھی۔ شراب کا اثر ابھی زائل نہیں ہوا تھا۔

ڈی ہوا لگتے ہی حمید کی پلکیں بھاری ہونے لگیں۔ اُس نے پائپ میں تمباکو بھری، اور پشت سے ٹیک لگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اسے میجر داراب پیچھے کیوں لگا دیا تھا۔ اتنا اُسے معلوم ہوا تھا کہ سعید بابر نے اپنے ہمشکل بھائی کے سلسلے میں اب کا تذکرہ کیا تھا۔ اُس کے پہلے ڈرافٹ پر میجر داراب ہی نے تصدیق کی تھی اور الائیڈ میں اس کا اکاؤنٹ بھی اسی کی سفارش پر کھولا گیا تھا۔ مگر کم از کم داراب کے متعلق یہ سوچا نہیں جا سکتا تھا کہ وہ تین ہزار روپے ماہوار پر اپنی نیت خراب کر بیٹھتا۔ وہ لاکھوں میں بھی کروڑوں میں کھیلتا تھا۔ اس کے لئے لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی رقم اتنی کشش نہیں رکھتی تھی کہ وہ کے لئے ایسی پراسرار وارداتیں کرتا۔ فریدی نے تو اس کی لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ کرنے کو کہا تھا۔ مقصد کچھ بھی رہا ہو۔ حمید کو سب سے زیادہ حیرت اُس لاش نما آدمی کی ت پر تھی۔ اُس نے اُسے پھول کی طرح اٹھا لیا تھا۔

حمید کو ایک بار پھر اُس پر غصہ آ گیا اور اُس نے ایک بہت بڑی قسم کھائی کہ وہ اُس سے اس توہین کا بدلہ ضرور لے گا۔

حمید نے ٹیکسی کمپاؤنڈ میں لے جانے کے بجائے پھاٹک ہی پر رکوا دی۔ کیونکہ قاسم ٹک ہی پر ٹہل رہا تھا۔ اس کے ساتھ سلیمہ بھی تھی۔

"میں یہیں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" قاسم نے کہا۔ "گھر میں گھپلا ہو جائے گا۔"

"کیا بات ہے۔"

"یہ سالا.....سعید بابر.....مصیبت ہو گیا ہے۔" اور سلیمہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں..... یہ آدمی مجھے خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیوں میں ایسا محسوس کرتی وہ بظاہر بڑا خوش اخلاق ہے، مگر کوئی چیز.....نہ جانے کیا چیز ہے اس میں.....جس کی بناء کو اس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"مگر وہ تم لوگوں کے لئے کیوں مصیبت ہو گیا ہے۔"

"میں نہیں پسند کرتا۔"

"کیا نہیں پسند کرتے۔"

''اُس کی اور راحلہ کی دوستی..... وہ دن میں کئی بار آتا ہے۔ دونوں میں سرپوشیاں ہو
رہتی ہیں۔''

''سرپوشیاں..... کیا.....!''

''سرپوشیاں نہیں جانتے۔'' قاسم نے قہقہہ لگایا۔ ''بڑے قابل بنتے ہو، کان پکڑ تو بتادوں
حمید نے ہاتھ بڑھا کر قاسم کا کان پکڑلیا اور قاسم مسکرا کر بولا۔ ''ٹھیک ہے.....
پوشیاں..... وہی آہستہ آہستہ باتیں کرنا۔''

سلیمہ بے تحاشہ ہنس پڑی۔

''ابے سرگوشیاں..... لم ڈھگ.....!''

''ہائیں..... تم نے میرا کان پکڑ رکھا ہے۔'' قاسم اس کا ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔ ''دھو
باز..... میں نے تم سے اپنا کان پکڑنے کو کہا تھا۔''

''ایک ہی بات ہے۔'' حمید نے کہا۔ پھر وہ سلیمہ سے بولا۔ ''کیا آپ کو بھی اُن دونو
ملنا ناگوار ہے۔''

''میں نے صرف یہ کہا تھا کہ بابر جو کچھ بھی نظر آتا ہے، حقیقتاً وہ نہیں ہے۔''

''آپ کے پاس کوئی ثبوت بھی ہے..... یا یہ محض قیاس ہے۔''

''میں محسوس کرتی ہوں۔''

''ان سے زیادہ میں محسوس کرتا ہوں۔'' قاسم بولا۔ ''اس سالے کو مرغا بنانا چاہئے۔
نے دیکھا نہیں وہ کتنا کمینہ..... اُس بیچاری پلپلی براؤن کو ساتھ لایا اور یہاں آکر کہہ دیا کہ
تو اُسے پہچانتا ہی نہیں۔''

''ملسلی براؤن.....'' حمید نے تصحیح کی۔

''میرے ٹھینگے سے وہ کوئی براؤن ہو۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ وہ بڑا کمینہ آدمی ہے۔''

دفعتاً حمید کو خیال آیا کہ اُسے لسلی براؤن کے متعلق سعید بابر کو فون کرنا چاہئے۔ اُس نے
قاسم سے کہا کہ وہ سعید بابر کو فون کرنا چاہتا ہے۔ قاسم کے استفسار پر اُس نے بتایا کہ وہ خو
سعید بابر کو ٹھیک کرنے کے چکر میں ہے۔ قاسم کی چھت کے نیچے رات بسر کرنے کے لئے

تھا کہ وہ قاسم کی ہاں میں ہاں ملائے۔

قاسم نے مزید سوالات نہیں کئے۔ وہ تھوڑی دیر بعد ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ سلیمہ حمید
ہی رہی۔ ساتھ ہی وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں فون تھا۔ اُس نے سعید بابر کے
ئل کئے، وہ گھر ہی پر موجود تھا۔ اُس نے اُسے وہ بُری خبر سنائی اور سعید بابر گرجنے لگا۔ ''میں
آپ سے پہلے ہی کہا تھا..... اب بتائیے! میں ناظم الامور کے دفتر کو کیا جواب دونگا۔''

''آپ نہایت اطمینان سے اس کا سارا بار یہاں کے محکمہ سراغ رسانی پر ڈال سکتے ہیں۔
ے کہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے ساتھ بھی فراڈ کیا گیا ہے..... لہٰذا.....!''

''سب جہنم میں جائے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ملسلی مجھے واپس ملنی چاہئے۔ وہ
براؤن جو میرے ساتھ آئی ہے۔''

''آپ پرواہ نہ کیجئے۔'' حمید نے کہا۔ ''اس کا اس طرح غائب ہوجانا آپ کے حق میں
اچھا ہوا ہے۔''

''میرے حق میں کیا اچھا ہوا ہے۔'' سعید غرایا۔

''محکمہ سراغ رسانی آپ کے معاملے میں پوری طرح دلچسپی لینے لگے گا۔ ویسے اُسے اس
ے کوئی دلچسپی نہ ہوتی جو آپ کا ہم شکل تھا۔ آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت تو نہیں کہ وہ
پ کا بھائی ہی تھا۔''

''دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔'' حمید نے کہا۔ ''ہیلو.....!''

''لیں.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میری وہ
بات کہ میری زندگی یہاں خطرے میں ہے۔ اس کے لئے آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔''

''بہت کچھ کر رہے ہیں آپ مطمئن رہئے۔'' حمید نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر
ریسیور رکھ دیا۔

سلیمہ نے پوچھا۔ ''کیا وہ لڑکی آپ کے ساتھ تھی۔''

''ہاں..... میں اُسے ہیڈکوارٹر لے جارہا تھا..... راستے میں وہ دھوکا دے کر نکل گئی۔''

''یہ لسلی براؤن والا واقعہ کیا حیرت انگیز نہیں ہے۔''

"اپنے لئے کچھ بھی حیرت انگیز نہیں ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "میری زندگی کا حیرت
انگیز دن وہ ہوگا جب کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔"

"مگر اُس دن آپ مغموم بھی ہوں گے۔" سلیمہ بولی۔ "کیونکہ کوئی زندہ لڑکی تو آپ سے شادی کرنے سے رہی۔"

"میرے لئے یہ موضوع بہت زیادہ المناک ہے۔ اس لئے اسے یہیں ختم کردو۔"

فریدی کی کار تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی سنسان سڑک پر تیرتی رہی۔ لیڈی انسپکٹر اُس کے برابر بیٹھی ہوئی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہی تھی۔ اُس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے اور پھر بند کر لئے۔ فریدی کی نظر ونڈ شیلڈ پر تھی۔ اچانک وہ بولا۔

"ہماری یہ مہم خطرناک بھی ہوسکتی ہے۔ اسی لئے میں تمہیں ساتھ لانے سے احتراز کر رہا تھا"

"آپ فکر نہ کیجئے..... اس کی تمام تر ذمہ داری خود مجھ پر ہے۔ آپ بتائیے کیا م فائلوں میں سر کھپانے سے میں آگے بڑھ سکوں گی۔"

"اگر تم صرف تعاقب کرنے کے آرٹ پر زور دو تب بھی تمہارا مستقبل محفوظ ہی ہے میں اس وقت جس مہم پر جا رہا ہوں، وہ کم از کم کسی عورت کے بس کی نہیں۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"بالی کیمپ..... وہاں ایک آدمی رہتا ہے جس تک پہنچنے کے لئے کافی دشواریوں کا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑی سی ورزش بھی کرنی پڑے۔ ورزش کا مطلب غا سمجھتی ہی ہوگی۔ نہیں میں تمہیں وہاں تک ہرگز نہیں لے جاؤں گا۔ تم چڑھائی والے ہوٹل میرے فون کا انتظار کرنا۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں فون کرنے کی ضرورت محسوس کروں۔ ہو ہے کہ بات بڑھ جائے اور بالی کیمپ کے تھانے سے مدد طلب کرنی پڑے۔ یہ کام تم وقت انجام دے سکو گی۔"

"اگر وہ ایسی ہی خطرناک جگہ ہے تو آپ وہاں تنہا کیوں جائیں۔"

"یہ بہت ضروری ہے تنہا گئے بغیر اُس آدمی کو تلاش کر لینا آسان کام نہ ہوگا۔ میں اصل ابھی تک اُن نشانات کو نہیں سمجھ سکا جو سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں ملے تھے۔ وہ کسی جانور کے پیر کا نشان تو ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مجھے یقین ہے مگر اُسے کسی آدمی کے پیر کا نشان سمجھنے میں بھی دشواری پیش آئے گی۔ اُسے کسی آدمی کے پیر کا نشان سمجھنے میں مجھے تامل ہے۔"

"ہوسکتا ہے وہ نشان محض دھوکا ہی ہو۔ میں نے آپ ہی کے کسی کیس میں پرندوں کے پنجوں کے نشانات کے متعلق پڑھا تھا۔ مگر وہ جوتوں کے تلے میں لگے ہوئے خاص قسم کے تلوں کے نشانات ثابت ہوئے تھے۔"

"ہوسکتا ہے..... یہی بات ہو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ کسی جوتے کے سول کے نشانات بھی ہوسکتے ہیں مگر اتنے چوڑے جوتے بھی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ انگلیوں کے نیچے کے ابھار کی چوڑائی تقریباً سات انچ تھی۔ چلو میں یہ بھی مان لیتا ہوں کہ وہ اتنے ہی چھوڑے جوتے ہونگے، لیکن پہننے والے کے پنجے اتنے چوڑے ہرگز نہیں ہوسکتے۔ جب پنجے اتنے چوڑے نہیں ہوسکتے تو پورے سول پر یکساں دباؤ ہرگز نہیں پڑسکتا۔ جب یکساں دباؤ نہیں پڑسکتا تو نشان کے بعض حصے یقیناً غیر واضح ہونگے۔ مگر ہمیں ایک نشان بھی ایسا نہیں ملا جس کا کوئی حصہ غیر واضح ہوتا۔"

ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "مگر آپ بالی کیمپ میں اس کے متعلق.....!"

"ہاں..... میں اسی کے متعلق وہاں معلومات فراہم کرنے کی توقع رکھتا ہوں۔ تمہیں چڑھائی والے ہوٹل میں چھوڑ دوں گا۔"

"مگر آج حمید صاحب کہاں ہیں۔"

"وہ ایک دوسرا کام انجام دے رہا ہے۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

لہجے کی تلخی ریکھا نے محسوس کرلی اور اس قسم کے سوالات کرنے لگی جن کے جواب ہی سے وہ اس تلخی کی تہہ تک پہنچ جائے لیکن فریدی سے کچھ معلوم کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ حمید والے واقعے کی تشہیر نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے پہلے ہی انتظام کرلیا تھا کہ اس کی خبر اخبارات میں نہ آنے پائے۔ ریکھا کے سوالات کے جواب ایسے نہیں تھے جن سے وہ واقعات کا اندازہ کرسکتی۔ پھر وہ خاموش ہوگئی۔

"اچانک کار کی داہنی سمت سے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل نکلی اور ٹھیک کار کے سامنے دوڑنے لگی۔ کار سے اس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دس گز رہا ہوگا۔ فریدی نے چاہا کہ اپنی کار داہنی طرف سے آگے لے جائے لیکن اس کی کار کی ہیڈ لائیٹس کا ڈائریکشن بدلتے ہی موٹر سائیکل اب بھی سامنے ہی تھی۔ فریدی نے بائیں جانب سے نکلنا چاہا لیکن اس بار بھی وہی واقعہ پیش آیا۔

"بالکل گدھا ہے کیا.....!" ریکھا بڑبڑائی۔

"نہیں شاید میں گدھا بننے والا ہوں۔ ٹارچ اور ریوالور سنبھالنا۔"

"خطرہ.....!" ریکھا بڑبڑائی۔

"یقیناً.....اب اس کی رفتار بھی کم ہوتی جارہی ہے۔ یا تو مجھے رفتار کم کرنی پڑے گی یا کار روکنی پڑے گی۔"

پھر فریدی نے عقب نما آئینے کی طرف دیکھا مگر پیچھے سڑک سنسان پڑی تھی۔ نزدیک یا دور کہیں بھی کسی کار کی ہیڈ لائیٹس نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔

"کیا قصہ ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"کیا میں اس کے پچھلے پہیے پر فائر کروں۔" ریکھا نے پوچھا۔

"نہیں..... یہ کام میں ہی کروں گا۔"

"کیسے..... کیجئے گا۔"

"دیکھو! بتاتا ہوں..... مگر ٹھہرو..... میں ایک بار اُسے متنبہ کردوں۔"

پھر فریدی نے چیخ کر کہا۔ "اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو اب کار میرے قابو سے نکلتی ہے۔"

لیکن موٹر سائیکل سوار کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر فریدی نے جھلا کر رفتار بڑھائی لیکن موٹر سائیکل والا بھی غافل نہیں تھا۔ ساتھ ہی موٹر سائیکل کی رفتار بھی تیز ہوگئی۔

اب بھی دونوں کے درمیان پہلے ہی کا سا فاصلہ تھا۔

فریدی نے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکالا۔ اس کا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا۔ ریوالور کو گود میں ڈال کر داہنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرانے لگا اور ریکھا کانپ گئی۔ اس کی سمجھ میں

ں آرہا تھا کہ وہ کس طرح فائر کرے گا۔ ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر ہوگا دوسرے سے وہ فائر ے گا۔ اس کے لئے اُسے کھڑکی کی طرف اتنا جھکنا پڑے گا کہ اسٹیئرنگ والا ہاتھ بہک بھی ا ہے۔ لیکن وہ کچھ بولی نہیں کیونکہ فریدی نے روانگی کے وقت ہی اس مہم کے خطرناک جانے کے امکانات ظاہر کئے تھے۔ مقصد یہی تھا کہ ریکھا اُس کے ساتھ نہ جائے۔

فریدی نے ریوالور والا ہاتھ کھڑکی کے باہر نکالا۔ موٹر سائیکل، سوار سمیت کار کی اگلی ی میں نہائی ہوئی تھی۔ فریدی کھڑکی کی طرف جھکا۔ مگر ریکھا کی نظر اسٹیئرنگ پر رکھے ہوئے پر تھی۔ اچانک فریدی کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی اور کار ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ ریکھا رڈیش بورڈ سے جاٹکرایا۔ فریدی نے پورے بریک لگائے تھے۔ موٹر سائیکل فراٹے بھرتی آگے نکل گئی۔ فریدی کا داہنا ہاتھ اب بھی کھڑکی کے باہر ہی تھا اور وہ کسی چیز کو باہر طرف لنے کی کوشش کررہا تھا۔

"انجن بند کردو.....!" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

ریکھا بوکھلا گئی۔ کار کے اندر اندھیرا تھا۔ بہرحال اُس نے بڑی پھرتی سے انجن بند کیا۔

"روشنی.....!" فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ ریکھا کی ٹارچ اس کے زانو کے ب ہی پڑی تھی۔ اُس نے کھڑکی میں اس کی روشنی ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے ے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ فریدی کی داہنی کلائی ایک خوفناک کتے کے جبڑوں میں تھی۔ فریدی بائیں ہاتھ سے اس کے سر پر ایک گھونسہ رسید کیا اور وہ غراتا ہوا دوسری طرف پلٹ گیا۔ اب پوری طرح روشنی پڑ رہی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر دراز قد کتا تھا۔ رنگت سیاہ تھی۔ جسم ناوٹ گرے ہاؤنڈ کی سی تھی..... سر پر تین سفید دھاریاں تھیں۔ کتے نے ایک بار پھر لانگ لگائی اور آدھے دھڑ سے کھڑکی میں گھس آیا۔ ریکھا پھر چیخی۔

اس بار فریدی نے اسے باہر دھکیل دیا۔

"تمہارا پستول..... ٹارچ جلاؤ۔"

ریکھا نے پھر ٹارچ روشن کی۔ بدقت تمام بلاؤز کے گریبان سے پستول نکالا۔ اس ران میں فریدی نے کھڑکی کا شیشہ چڑھا دیا۔ کتا اچھل اچھل کر اس پر پنجے مار رہا تھا۔ فریدی

نے شیشے کو تقریباً ایک انچ نیچے کھسکایا اور پستول سے کتے پر فائر کر دیا۔ مگر اس نے یہ بھی دیکھا
کہ کتا بڑی پھرتی سے خود کو بچا گیا۔ اُس نے دوسرا فائر کیا لیکن اس بار بھی کامیابی نہیں ہوئی۔
تیسرے فائر پر کتے نے سڑک کے کنارے کی جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔ فریدی نے اسی
سمت دو فائر اور کئے لیکن جھاڑیوں میں جنبش تک نہ ہوئی۔

پھر تقریباً دو یا تین منٹ تک وہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

سارا جنگل جھینگروں کی جھائیں جھائیں سے گونج رہا تھا۔ کبھی کبھی گیدڑوں کی آوازیں
بھی فضا میں ابھرتیں اور دور تک تیرتی چلی جاتیں۔

”ہمیں یہیں سے واپس ہونا چاہئے۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میرا ہاتھ زخمی
ہو گیا ہے۔ مجھے فوراً انجکشن لینا چاہئے۔ کتا غیر معمولی تھا۔“

وہ نیچے اترا اور اپنا ریوالور اٹھا کر پھر کار میں آ بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور کار شہر کی طرف
موڑنے لگا۔

”بڑا حیرت انگیز کتا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”انتہائی پھرتیلا..... یقیناً بڑی محنت سے سدھایا
گیا ہوگا۔ مگر میں نہیں جانتا کہ وہ کس نسل سے ہے۔“

”میں آپ کا ہاتھ دیکھوں۔“ ریکھا نے کہا۔

”پرواہ نہ کرو..... اس کے دانت ہڈیوں تک پہنچ گئے تھے۔ مگر آج تک میری نظروں سے
ایسا تیز رفتار کتا نہیں گذرا گویا وہ ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا رہا تھا۔ وہ موٹر سائیکل اسی
لئے سامنے آئی تھی کہ میں کار روک دوں اور کتا مجھ پر حملہ کر دے۔“

”آپ کو تو اسی موٹر سائیکل والے کو گولی مارنی چاہئے تھی۔“

”یہ کیسے ممکن تھا۔ میں نے اسی لئے تمہیں فائر نہیں کرنے دیا تھا کہ کہیں تمہارا ہاتھ
بہک جائے۔ اس وقت تک ہمارے پاس اُسے گولی مارنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔“

”پتہ نہیں وہ مردود تھا کون۔“

”تم نے نہیں دیکھا کہ اس کے چہرے پر سیاہ نقاب تھی۔“

”میں نے نہیں دیکھا تھا ورنہ آپ مجھے اس پر فائر کرنے سے باز نہ رکھ سکتے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ ریکھا بھی تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ پھر اُس نے کہا۔

”آپ کو کچھ اندازہ ہے..... وہ کون رہا ہوگا۔“

”خدا جانے..... میرے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں مگر اس قسم کا کتا زندگی میں پہلی بار
نظر سے گذرا ہے۔“

”آپ کی کلائی سے خون بہہ رہا ہوگا۔“ ریکھا نے مضمحل آواز میں کہا۔

”پرواہ نہ کرو..... میرا جسم خون بہانے کا عادی ہے۔ شائد ہی اس کا کوئی حصہ زخم کے
ن سے خالی ہو۔“

ریکھا نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گئی۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ ”مجھ پر غشی طاری ہو رہی ہے۔ تم ڈرائیو کرو۔ میں پچھلی
نشست پر جا رہا ہوں۔ شائد! میں شائد بیہوش ہو جاؤں گا۔ تم مجھے سیدھے سول ہسپتال لے جانا
ہسپتال نہیں..... سمجھیں۔“

فریدی نے کار روک دی اور پچھلی نشست پر جانے کے لئے اٹھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے
وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس کا آدھا دھڑ کار کے پچھلے حصے میں تھا اور پیر اگلی نشست پر۔

ریکھا ہسٹریائی انداز میں اُسے آوازیں دے رہی تھی۔

دوسرا سفر

”وہ خطرے سے باہر نہیں ہیں۔“ سول سرجن نے اس کمرے میں آکر کہا۔ جہاں لیڈی
ریکھا اور سارجنٹ رمیش موجود تھے۔ دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

”کتا حیرت انگیز طور پر زہریلا معلوم ہوتا ہے۔“ سول سرجن نے پھر کہا۔

”میں آئی جی اور ڈی آئی جی کو فون کر چکا ہوں۔“

"نج..... خطرے سے..... لک..... کیا مراد ہے آپ کی۔"

"یعنی..... وہ..... آپ کا ساتھ چھوڑ بھی سکتے ہیں۔"

"نہیں.....!" رمیش بے اختیار چیخا اور کسی بچے کی طرح پھوٹ پڑا۔ اُسے اپنے آفیسر سے بہت محبت تھی۔ وہ جو آفیسر سے زیادہ ایک بڑا بھائی تھا۔ ریکھا دونوں ہاتھوں سے اپنا چھپا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

اچانک ایک ڈاکٹر نے کمرے میں آ کر کہا۔ "وہ ہوش میں آ گئے ہیں۔"

"آہا.....!" سول سرجن یکلخت اچھل پڑا۔ "تب تو..... تب تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔" اُ نے کہا اور تیزی سے دروازے میں مڑ گیا۔

رمیش کی بیساختہ قسم کی سسکیاں ابھی تک جاری تھیں، لیکن اُس نے کسی نہ کسی طر برآمدے میں آ کر ریکھا کو یہ خوشخبری سنائی۔ ریکھا بھی وہاں رو رہی تھی۔

کچھ انہیں دونوں پر منحصر نہیں تھا محکمے کا ہر وہ آدمی جو فریدی سے حسد نہیں رکھتا تھا اُ بے حد چاہتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں کئی آفیسر وہاں پہنچ گئے۔ اُن میں ڈی۔ آئی۔ جی بھی تھا۔ لیکن حمید..... اُسے اس کا علم ہی نہیں تھا۔ ریکھا نے کئی بار گھر پر فون کیا مگر وہ قاسم کے یہاں تھا۔

دوسری صبح اُس نے یہ خبر اخبار میں پڑھی لیکن خبر بھی مکمل نہیں تھی۔ اس جملے پر خبر اختتام ہوا تھا کہ دو بجے رات تک کرنل فریدی خطرے سے باہر نہیں تھے۔ ایک دوسرے اخ میں لیڈی ریکھا کا بیان کردہ واقعہ بھی موجود تھا۔ حمید پریشان ہو گیا۔ پہلے اُس نے گھر کا ر کیا۔ پھر وہاں سے سیدھا سول ہسپتال پہنچا۔ کمپاؤنڈ ہی میں اُسے معلوم ہو گیا کہ فریدی کی حالت بہتر ہے، لیکن حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اُس کے سامنے جائے۔ فریدی رات بھر موت و حیات کی کشمکش میں رہا تھا اور وہ قاسم کے یہاں میٹھی نیند سویا تھا۔ اُ شرمندگی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ اس کی نادانستگی میں ہوا تھا۔ مگر پھر بھی وہ فریدی کے سامنے جاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

مگر جانا تو تھا ہی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے پرائیویٹ وارڈ کے اس کمرے میں قدم رکھا جہاں

فریدی تنہا موجود تھا۔ رمیش اور ریکھا بھی جا چکے تھے۔ اُن دونوں نے رات یہیں گذاری تھی۔

اس وقت فریدی بستر کی بجائے آرام کرسی پر تھا۔ مگر اُس کے چہرے سے یہ اندازہ کرنا بہت مشکل تھا کہ وہ پچھلی رات موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ چکا تھا۔ صرف پٹی کے علاوہ جو اس کی کلائی پر چڑھی ہوئی تھی۔ حمید کو اور کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔

فریدی اُسے دیکھ کر مسکرایا اور حمید کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کہا۔ اُس کی آواز میں بھی اضمحلال نہیں تھا۔ حمید چوروں کی طرح بیٹھ گیا۔ سمٹا سمٹایا ہوا سا۔

"تم نے پچھلی رات بہت بہک کر کہا تھا کہ تم اب مجھے اپنی شکل نہیں دکھاؤ گے۔"

فریدی بدستور مسکراتا رہا۔

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں فرش پر تھیں۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں نے رات قاسم کے یہاں بسر کی تھی۔ صبح کے اخبار میں خبر سے مجھے معلوم ہوا۔"

"ہاں! کتا بہت زہریلا تھا۔ مگر شاید میری قوت دافعہ میں ابھی انحطاط نہیں ہوا۔ بہرحال اب میں بالکل ٹھیک ہوں اور مجھے اُس کتے کی فکر ہے۔ ایسا کتا آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔"

"آپ گھر کب چلیں گے۔"

"ابھی اور اسی وقت..... مجھے صرف تمہارا انتظار تھا۔ لیکن تم مجھے اس طرح لے چلو گے جیسے میں نقل و حرکت سے مجبور ہوں۔"

"کوئی خاص آئیڈیا.....!" حمید اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"ہاں..... قطعی.....!"

پھر حمید نے وجہ نہیں پوچھی۔ فریدی بستر پر جا لیٹا اور حمید باہر نکل کر ایمبولینس گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔ چار آدمی ایک اسٹریچر لائے۔ فریدی کو بستر سے اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا گیا، اس طرح وہ ایمبولینس گاڑی تک پہنچا۔

حمید متحیر تھا کہ آخر فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔

عدنان نے اخبار میز پر رکھ کر ایک طویل سانس لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ پھر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے اندر اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اخبار اٹھا کر کوئی خاص خبر دوبارہ پڑھی اور اخبار کو توڑتا مروڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

راہداری میں ایک نوکر سے اس نے تنویر کے متعلق پوچھا اور یہ معلوم کر کے کہ تنویر لائبریری میں ہے وہ اسی طرف چلا گیا۔

تنویر بھی اخبار ہی دیکھ رہی تھی۔ عدنان کی آہٹ پر چونک کر اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”تم نے وہ خبر پڑھی ممی..... کرنل فریدی کے متعلق۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے تم نے اس رات مجھ سے پوچھا تھا کہ کتے کے سر پر سفید دھاریاں تو نہیں تھیں۔“

”ہوں.....تو پھر.....!“ تنویر نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

”کچھ نہیں.....کرنل فریدی بڑا شاندار آدمی ہے۔ اگر وہ مر گیا تو مجھے بڑی کوفت ہوگی۔ ہم دونوں میں یونہی معمولی سی جان پہچان ہے۔ ایک بار ہمیں ایک ساتھ شکار کھیلنے کا اتفاق ہوا تھا.....کیا کہنے ہیں اس کے نشانے کے۔ خدا کی قسم ہاتھ چوم لینے کو دل چاہتا ہے۔ ممی وہ بندر کی طرح پھرتیلا.....لومڑی کی طرح چالاک اور شیر کی طرح نڈر ہے۔“

”ہوں.....تو پھر.....!“

”میں اُسے دیکھنے جاؤں گا۔“

”تم گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکو گے.....ویسے اگر نوکروں کے ہاتھوں بے عزتی پسند ہے تو میں کچھ نہیں کہتی۔“

”ممی.....تم مجھے خودکشی پر مجبور کر رہی ہو۔“ عدنان جھنجھلا گیا۔

”میری اجازت کے بغیر تم وہ بھی نہیں کر سکو گے۔“ تنویر نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

”تم مجھے نہیں روک سکو گی۔ اگر فریدی زندہ ہے تو ہم دونوں ملکر اس کتے کو تلاش کریں گے۔“

”اس سلسلے میں میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔“

”تو پھر تم ہی مجھے اس کتے کے متعلق کچھ بتا دو۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“

”پھر تم نے سفید دھاریوں کے متعلق کیوں پوچھا تھا۔“

”یونہی.....عدنان.....یہاں سے جاؤ۔ میں اخبار دیکھ رہی ہوں۔“

”تم مجھے باہر نہیں نکلنے دو گی.....کیوں؟“

تنویر دوبارہ اخبار دیکھنے لگی تھی۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”میں فریدی کو فون کرنے جا رہا ہوں۔“ عدنان بولا۔

”دفع ہو جاؤ.....یہاں سے۔“ تنویر نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

عدنان چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر لائبریری سے چلا گیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلا تنویر اخبار پھینک کر کھڑی ہوگئی۔ میز کی دراز سے ایک قلم تراش چاقو نکالا اور باہر نکل کر بڑی تیزی سے اس طرف چلنے لگی جدھر ٹیلی فون کے تار کا کھمبا تھا۔

اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور چاقو سمیت ٹیلی فون کے تاروں پر جھک پڑی۔ ذرا ہی سی دیر میں تار کٹ گئے۔ اب وہ پھر لائبریری ہی کی طرف واپس جا رہی تھی۔

لائبریری میں پہنچ کر اُس نے کال بل کا بٹن دبایا اور دوسرے ہی لمحے میں ایک باوردی نوکر اندر آ گیا۔

”باڈی گارڈ کو یہاں بھیج دو.....!“ اُس نے اس سے کہا اور پھر اخبار اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ مگر اس کے چہرے سے یہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے ابھی کوئی غیر معمولی کام انجام دیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد چاروں باڈی گارڈ لائبریری میں داخل ہوئے۔

”بیٹھ جاؤ.....!“ تنویر نے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا اور ان کے بیٹھنے تک خاموش رہی.....پھر بولی۔ ”میں عدنان کو یہاں سے ہٹانا چاہتی ہوں۔“

”مگر آپ نے فرمایا تھا۔“

"پوری بات سنو۔" تنویر نے بولنے والے کو ڈانٹ دیا۔

ایک لمحے کے لئے وہاں موت کی سی خاموشی طاری ہوگئی۔ تنویر کی کرخت آواز دیوارو اور چھت سے ٹکرا کر ایک قسم کی جھنکار سی پیدا کرنے لگی۔ "تم لوگوں کو صرف باتیں بنانا آ ہیں۔ عملی حیثیت سے صفر ہو۔ تم سے ابھی تک اتنا نہ ہوسکا کہ سعید بابر کو ٹھکانے لگا دیتے۔"

"محترمہ! ہم تین بار کوشش کر چکے ہیں۔" معمر آدمی نے کہا۔ "لیکن شاید ابھی اس کے ستارے گردش میں نہیں آئے۔"

"بکواس مت کرو..... تم سب نکمے ہو۔ وہ تو دور کی بات ہے۔ تم سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ عدنان کو نگرانی میں رکھو۔ اسی عمارت میں رہ کر وہ خلاف حکم حرکتیں کر جاتا ہے اور تم آنکھیں بند کئے بیٹھے رہتے ہو۔"

"محترمہ وہ بھی مالک ہیں۔"

"جب میں اُسکے خلاف کوئی حکم دوں تو اُسے میرا بیٹا نہ سمجھو۔" تنویر آنکھیں نکال کر بولی۔

"اب ایسا ہی ہوگا۔" معمر آدمی نے کہا۔ "مگر وہ بے تحاشہ ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر اپنے بچاؤ کے سلسلے میں ہم سے کوئی گستاخی ہوجائے..... تو.....!"

"گستاخی ہوجانے دو.....!"

"تو پھر اب اطمینان رکھئے کہ وہ آپکے حکم کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھا سکیں گے۔"

تنویر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "میں اُسے یہاں سے ہٹانا چاہتی ہوں۔ مگر ٹھہرو! تم نے فریدی کے متعلق پڑھا۔"

"جی ہاں.....!" معمر آدمی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اور ہمیں افسوس ہے کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔"

"کیا خبر ہے۔"

"اُسے اسٹریچر پر ڈال کر گاڑی میں رکھا گیا اور کیپٹن حمید اسے گھر لے گیا۔"

"جب وہ اپنے پیروں سے چل بھی نہیں سکتا تو اُسے ہسپتال سے کیوں ہٹایا گیا۔"

"خدا ہی جانے۔"

"خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔" عدنان اور فریدی ایک دوسرے کے شناسا ہیں۔ عدنان ایک کتے ہی نے حملہ کیا تھا اور اتفاق سے وہ کتا بھی اسی قسم کا تھا جس کے متعلق اخبارات یا ہے۔ لہٰذا عدنان فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ فی الحال میں نے ٹیلی کے تار کاٹ دیئے ہیں۔ مگر یہ طریقہ زیادہ دیر تک کامیاب نہیں ثابت ہوسکتا۔"

"وہ فریدی سے رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔" معمر آدمی نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.....!"

"تو کیا آپ انہیں اپنے حالات سے بالکل ہی لاعلم رکھتی ہیں۔"

"شٹ اپ..... تمہیں اس سے کوئی بحث نہ ہونی چاہئے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں..... محترمہ.....!" معمر آدمی گڑگڑایا۔

"آج رات اُسے یہاں سے ہٹا دو۔"

"جو حکم ہو۔"

"قریب آؤ..... اپنی کرسیاں قریب کھسکالاؤ۔"

رات اندھیری تھی اور کیپٹن حمید سارجنٹ رمیش کے ساتھ سعید بابر کی کوٹھی کے گرد منڈلا مگر سارجنٹ رمیش کو اسکیم نہیں معلوم تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اندھیرے میں سر مارنے کا کیا ہے۔

"یہ چکر کیا ہے بڑے بھائی۔" رمیش بڑبڑایا۔

"بدنصیبی.....!" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "گدھے بھی اس وقت گھاس رہے ہاں گے لیکن ہم سردی کھا رہے ہیں۔ رمیش کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟"

"ہاں..... کیوں؟"

"تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی۔ پھر تم اس محکمے میں کیوں جھک مار رہے ہو۔"

"تو تمہارے ساتھ کون سی مصیبت ہے۔ تم بھی تو آزاد ہو۔ تم کیوں یہاں جھک مار

رہے ہو۔" رمیش نے کہا۔

"میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری شادی نہ ہو جائے۔ اُس وقت کیا ہوگا۔"

"آپ کو شادی کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"میں مار بیٹھوں گا تمہیں..... تم بھی یہی کہتے ہو۔"

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ درجنوں لڑکیاں تو تمہارے ساتھ ماری ماری پھرتی ہیں۔"

"آہا..... یہی تو تم نہیں سمجھتے۔ اس راز سے واقف نہیں ہو۔ نہ سمجھو تو بہتر ہے۔"

"آخر پھر بھی۔"

"چھوڑو..... ہم اس وقت ڈیوٹی پر ہیں۔ ہمیں لڑکیوں کی باتیں نہ کرنی چاہئیں۔"

"انسپکٹر ریکھا کی بات کرو..... وہ تو اپنے محکمے ہی کی ہیں۔" رمیش نے قہقہہ لگایا۔

ٹہلتے ہوئے عمارت کی پشت پر جا نکلے۔

"ریکھا.....!" حمید کہہ رہا تھا۔ "اس نے شائد فریدی صاحب سے پریم اسٹارٹ کر رکھا ہے۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔ دن میں کم از کم دس بار صاحب کے کمرے میں آتی ہیں۔"

"ہائے..... ریگ زاروں میں کہیں ہوتی ہے پانی کی نمود..... آپ بھٹکتے گی..... کرنل ہا اسٹون کو مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں سمجھتا۔ دنیا کی ڈیڑھ درجن حسین ترین عورتوں کو میں جا ہوں جو آج بھی کرنل ہارڈ اسٹون کو سافٹ کوک بنانے کے چکر میں ہیں۔"

"واقعی حمید بھائی..... سمجھ میں نہیں آتا کہ کرنل صاحب عورتوں سے اتنا بدکتے کیوں ہیں۔"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ کیا تم نے انہیں کبھی کسی عورت کے ساتھ ناچتے نہیں دیکھا۔"

"نہیں.....!" رمیش نے حیرت سے کہا۔

"آہا..... تم نے نہیں دیکھا۔ اُس وقت وہ حضرت پرانے کھلاڑی اور پرلے سرے عیاش معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت..... میرا دعویٰ ہے کہ اس شخص میں عورت کے حسن محظوظ ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اگر ضرورتاً انہیں کسی بھینس کے ساتھ ناچنا پڑے تب وہ اتنے ہی ہشاش بشاش نظر آئیں گے۔"

"کمال ہے..... یہاں تو یہ عالم ہے کہ اگر کبھی کسی لڑکی نے مسکرا کر بات کر لی تو ہفتوں

بدیں حرام..... بس یہ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ سچ مچ مجھ پر عاشق ہوگئی ہو اور ایسے میں دل لگتا ہے دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔ یقیناً وہ بھی اپنے فراق میں اسی طرح تڑپ ہوگی۔"

"ہائیں.....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "رمیش! تم مادر زاد عاشق معلوم ہوتے ہو ں کے باوجود بھی کرنل ہارڈ اسٹون کی نظر میں اچھے کے اچھے۔"

"میں لڑکیوں کی دم میں تو نہیں بندھا رہتا۔" رمیش نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لڑکیوں کے متعلق سوچتے رہنا اس سے بھی بُرا ہے فرزند.....!"

"مارو گولی.....!" رمیش نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "سردی لگ رہی ہے۔ آخر ہم کب تک رح جھک مارتے پھریں گے۔"

"جب تک کہ سعید بابر کے دشمن اُسے ختم نہ کردیں۔ یہ لوگ غیر ممالک سے اسی لئے آتے ہ ہم کام چور اور نکمے نہ ہونے پائیں۔"

"کیا اس کے کچھ دشمن بھی ہیں۔" رمیش نے پوچھا۔

حمید اثبات میں جواب دے کر ایک دیوار سے ٹک گیا۔ رمیش سعید بابر کے ہم شکل فقیر کو چکا تھا لیکن اُسے اُن واقعات کا علم نہیں تھا، جو اس کے بعد ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ نے شروع سے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ سعید بابر کی ذات سے تعلق رکھنے والے کسی اقعہ کا ذکر اخبارات میں نہ آنے پائے اور اس نے سعید بابر کو تاکید بھی کردی تھی کہ ان ات کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے۔ سعید بابر نے اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن فریدی ے سمجھا دیا تھا کہ بات پھیلنے پر پریس رپورٹر اُس کی زندگی تلخ کردیں گے۔

"تو وہ یہاں مقیم کیوں ہے۔" رمیش نے پوچھا۔

"پتہ نہیں! اگر وہ مرنا ہی چاہتا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" حمید دیوار سے اپنی تا ہوا بولا۔

وہ پھر ٹہلتے ہوئے سڑک کی طرف چل پڑے۔ سعید بابر کی کمپاؤنڈ اب تاریک ہوچکی آمدہ بھی تاریک تھا۔ حمید اور رمیش سلاخوں دار پھاٹک کے قریب آکر رک گئے۔ یہ

کوٹھی ایک ایسی جگہ پر واقع تھی جس کے آس پاس کوئی الیکٹرک پول نہیں تھا اس لئے باہر کے قریب و جوار میں تاریکی ہی رہتی تھی۔

پھاٹک اندر سے بند تھا لیکن اس کی اونچائی زیادہ نہیں تھی۔ پہلی ہی کوشش میں وہ دوسری طرف پہنچ گیا۔ رمیش باہر ہی رہا۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

"چلے آؤ۔"

رمیش نے اس کی تقلید کی۔ اندر چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

"کراٹا کی باڑھ کی اوٹ ہی میں رہنا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

عمارت میں کہیں بھی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔ حمید نے اپنی ریڈیم ڈائیل والی گھڑی کی طرف دیکھا۔ بارہ بج چکے تھے۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ پورچ کی طرف بڑھتے رہے۔

ادھر تین دنوں سے برابر سعید بابر شکایت کرتا رہا تھا کہ چند نامعلوم آدمی عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ جاگ کر راتیں گذارتا ہے۔ آج یہاں ان دونوں کی موجودگی کی یہی وجہ تھی۔

وہ تقریباً ایک بجے تک سرگرداں رہے لیکن سعید بابر کے بیان کی تصدیق نہ ہوسکی۔

"کیوں نہ اب میں ہی حملہ کر دوں۔ اس اُلو کے پٹھے پر۔" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور رمیش ہنسنے لگا۔

"نہیں یار.....!" حمید پھر بولا۔ "کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے۔ مجھے یہ آدمی بھی بڑا پُراسرار معلوم ہوتا ہے۔ سنو! کیوں نہ ہم اندر چلیں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی کھڑکی آزمانی چاہئے۔"

"اگر تم نے ایسی کوئی حماقت کی تو بھگتو گے۔" حمید نے اپنے پیچھے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنی اور بیساختہ اچھل پڑا۔ رمیش بھی بوکھلا گیا۔

"چلو اب یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔" وہی آواز پھر آئی لیکن اس بار حمید نے پہچان لیا۔ یہ فریدی کی آواز تھی اور اب وہ کراٹا باڑھ پھلانگ کر ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"عمارت خالی ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "سعید بابر اندر موجود نہیں ہے۔"

"مگر آپ کیوں چلے آئے۔" حمید بڑبڑایا۔ "آپ تو خود کو صاحب فراش ظاہر کرنا چاہتے تھے۔"

"وہ تو میں اب بھی ہوں لیکن اُجالے میں تم مجھے پہچان نہ سکو گے۔"

"میک اپ.....!" حمید نے کہا۔

"ہاں.....اب اس کے بغیر کام چلتا نظر نہیں آتا۔"

"تو آپ آرام نہیں کریں گے۔ آپ کی کلائی بُری طرح زخمی ہوگئی ہے۔"

"پرواہ نہ کرو.....اب یہاں سے نکلو۔ ہمیں بالی کیمپ کی طرف چلنا ہے۔"

حمید جھلا گیا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔ وہ سمجھا تھا کہ اب یہاں سے گھر ہی کی طرف جانا ہوگا۔ شدید سردی کے احساس کے باوجود بھی اس کی پلکیں نیند سے جھکی آ رہی تھیں۔ وہ کمپاؤنڈ سے باہر آئے۔ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد فریدی اپنی گاڑی کے قریب پہنچ گیا۔

"تم کار ڈرائیو کرو گے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"اس وقت مجھ سے یہ کام نہ لیجئے ورنہ کار سمیت کسی درخت ہی پر بسیرا ہوگا۔"

"بکواس مت کرو۔"

"نیند کا یہی عالم ہے جناب۔"

"رمیش تم ڈرائیو کرو.....کیا تمہیں بھی نیند آ رہی ہے۔"

"جی نہیں.....میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

رمیش اور حمید اگلی نشست پر جا بیٹھے اور فریدی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ کچھ دیر بعد کار سنسان سڑکوں پر چکراتی ہوئی بالی کیمپ کی طرف جا رہی تھی اور حمید کھڑکی پر بازو ٹیکے بڑے اطمینان سے سو رہا تھا۔

"رمیش ہمیں جلد پہنچنا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "رفتار اور تیز کرو۔"

"بہت بہتر جناب۔" رمیش نے کہا اور رفتار تیز کر دی۔

اس وقت وہ اسی سڑک پر تھے جس پر چند روز قبل فریدی کو ایک حیرت انگیز تجربہ ہوا تھا۔ فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ریوالور کے دستے پر اُس کی گرفت بہت مضبوط تھی مگر آج وہ بخیرو

خوبی اس سڑک سے گذر گیا۔

جب کار بالی کیمپ والی سڑک پر مڑ رہی تھی۔ فریدی نے حمید کو جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔

"تم جھولے پر نہیں ہو فرزند.....!" اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ویسے اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ کار سے چھلانگ لگا دے۔ آنکھوں میں جلن سی محسوس ہونے لگی تھی اور کھوپڑی ہوا میں معلق معلوم ہو رہی تھی۔

"رمیش کار روک دو۔" فریدی نے کہا اور رمیش نے رفتار کم کر کے کار کو سڑک کی کنارے لگا دیا۔ فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولا۔ "یہ کام بہت اہم ہے۔ ورنہ میں ایسی صورت میں بستر مرگ سے اٹھنے کی زحمت کیوں گوارا کرتا۔"

حمید خاموش ہی رہا۔ بہر حال وہ اب ذہن کو نیند کے پیچ وخم سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور خود اُسے بھی احساس ہو چلا تھا کہ اس وقت جھلاہٹ کا مظاہرہ قطعی بے تکا رہے گا۔

"اس کام کا سارا دار و مدار تم پر ہے۔" فریدی بولا۔

"ہاں.....اچھا.....پھر.....!"

"ہاں.....اچھا.....پھر کیا؟ کیا ابھی تک نیند سوار ہے۔"

"نہیں.....میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تمہیں وہ نیگرو شکاری زغالی یاد ہے نا جو کبھی نواب وجاہت مرزا کے یہاں میر شکاری کی حیثیت سے ملازم تھا۔"

"ہاں مجھے یاد ہے۔"

"اس وقت ہم اُسی کے پاس جا رہے ہیں اور ہمیں اُس سے اُن نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں جو سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں ملے تھے۔"

"وہ کیا بتا سکے گا۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار اس نے ایسے ہی حیرت انگیز نشانات کا تذکرہ کیا تھا اور بات غالباً افریقہ نیروبی ہی کی تھی.....البتہ وہ واقعہ یاد نہیں آ رہا ہے جس کے سلسلے میں اس نے

چھیڑی تھی۔"

"زغالی کہاں ہے۔"

"بالی کیمپ کی ایک بستی میں۔ میں تمہیں وہیں لے چل رہا ہوں۔ خطرناک آدمیوں کی بستی ہے۔ ہر وہ آدمی جو رات میں نظر آئے اُس کے سامنے زغالی کا نام ضرور لینا ورنہ جسم پر کپڑے بھی نظر نہ آئیں گے۔"

"یہ آپ کہہ رہے ہیں؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں میں کہہ رہا ہوں..... یہ موقع ہی ایسا ہے کہ میں بات نہیں بڑھانا چاہتا..... مجھے..... زغالی تمہیں یقیناً پہچان لے گا۔ میرے متعلق تم کہہ سکتے ہو کہ میں علم الاجسام کا ایک آفیسر ہوں اور میرے پاس کسی حیرت انگیز جانور کے پیروں کے نشانات کے فوٹو ہیں اور تم اُس کے پاس اسی لئے لائے ہو کہ وہ مجھے اپنی معلومات سے فائدہ پہنچائے۔"

اس کی درندگی

چاروں طرف پکے کچے مکانات کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ بستی میں گھسنا دشوار ہو گیا تھا۔ چاروں طرف کتوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ساری بستی جاگ پڑی ہو۔ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آنے لگیں۔ اچانک ایک گلی میں چار آدمی ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے ان پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

"ہم زغالی کے پاس جا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اوہ جائیے..... جائیے.....!" ٹارچ والا ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔ "کیا آپ اندھیرے میں جائیں گے۔ آپ کے پاس ٹارچ نہیں ہے۔"

"نہیں..... ہم سے غلطی ہوئی۔ لانا بھول گئے۔" حمید بولا۔

"چلئے..... میں آپ کو راستہ دکھاتا ہوں۔!" ٹارچ والے نے کہا۔

وہ لوگ پھر چل پڑے۔ ایک آدمی ٹارچ کی روشنی میں انہیں نہ صرف راستہ دکھا رہا تھا بلکہ ان کتوں کو ڈانٹتا بھی جا رہا تھا جو ادھر اُدھر کی گلیوں سے نکل کر بھونکنے لگتے تھے۔

پھر وہ ایک پختہ عمارت کے سامنے رک گئے جو سرخ اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔ عمارت بہت پرانی تھی اور اس کی اینٹوں میں لونا لگنے لگا تھا۔

ان کا راہبر وہاں پہنچ کر رخصت ہو گیا۔

حمید نے صدر دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی اور اُس وقت تک کھٹکھٹاتا رہا جب تک کہ اند سے ایک غصیلی آواز نہیں آئی۔

"کون ہے.....!" کسی نے دھاڑ کر پوچھا۔

"ایک ضرورت مند.....دروازہ کھولو.....!" حمید نے کہا۔

"کیا صبح نہ ہوتی۔" کسی نے دروازے کے قریب آ کر کہا۔ "تم کون ہو!"

"میں کیپٹن حمید ہوں.....مرکزی سی آئی ڈی کا ایک آفیسر۔"

دوسری طرف سے ایک ہلکی سی غراہٹ سنائی دی اور ساتھ ہی دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔

اندر زرد رنگ کی ہلکی سی روشنی تھی اور ان کے سامنے ایک چوڑا چکلا معمر نیگرو کھڑا تھا اُس کی گردن شانوں میں دھنسی ہوئی تھی۔ وہ بڑے غور سے حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"بے شک آپ وہی ہیں.....مگر مجھے حیرت ہے اتنی رات گئے۔"

وہ اُن کے آگے چلنے لگا۔ اس کی چال عجیب تھی۔ اس طرح اچھل اچھل کر چل رہا جیسے ٹانگیں چھوٹی بڑی ہوں۔

وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لایا جہاں بید کی تین چار میلی سی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں دیوار سے ایک رائفل لٹکی نظر آ رہی تھی۔ یہاں مٹی کے تیل کا ایک لیمپ تھا جسے زغالی نے آ ہی روشن کر دیا تھا۔

"آپ لوگ بیٹھئے.....!" اس نے قدرے جھک کر کہا۔

یہ تینوں بیٹھ گئے۔ رمیش حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اُس نیگر طرف بھی دیکھتا لیکن کچھ اس انداز میں کہ فوراً ہی دوسری طرف دیکھنے لگتا جیسے وہ اُس خوفزدہ نہ ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہاں.....اب بتایئے.....میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"یہ پروفیسر دیال ہیں۔ علم الاجسام کے ماہر۔" حمید نے فریدی کی طرف اشارہ کیا جو اپ میں تھا۔

"علم الاجسام کیا۔" زغالی نے سوال کیا۔

"آپ ہی بتایئے جناب۔" حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بات یہ ہے کہ میں پہلے کرنل فریدی کے پاس گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "انہوں نے آپ کے پاس بھیج دیا۔ میرے پاس دراصل چند حیرت انگیز نشانات کے فوٹو ہیں۔ میرا ل ہے کہ وہ کسی جانور کے پیروں کے نشانات ہیں مگر اس قسم کا کوئی جانور میرے علم میں نہیں ۔ مجھے معلوم تھا کہ کرنل فریدی بھی لامحدود معلومات رکھتے ہیں اسی لئے میں اس سلسلے میں کے پاس گیا تھا مگر انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ پھر آپ کا پتہ بتایا کہ آپ ضرور باضرور پر روشنی ڈال سکیں گے۔"

"مگر اس کے لئے آپ دن کو بھی آ سکتے تھے۔" زغالی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دیکھئے بات دراصل یہ ہے۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "یہ نشانات کئی دنوں سے نیورسٹی میں زیرِ بحث ہیں۔ ہم میں سے کئی پروفیسر ان کے متعلق تحقیقات کر رہے ہیں۔ کل صبح اپنی رپورٹیں پیش کرنی ہوں گی۔ بس اسلئے دوڑا آیا کہ شاید آپ سے کچھ مدد مل جائے۔"

زغالی تھوڑی دیر تک اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "لایئے.....وہ نشانات کہاں ہیں؟"

فریدی نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اسکی طرف بڑھا دیا جس پر دو نشانات کا عکس تھا۔

"یہ نشانات کہاں ملے تھے۔" زغالی نے آہستہ سے پوچھا۔

"لڑکال جنگل میں۔" فریدی نے جواب دیا۔

زغالی خاموشی سے نشانات کو دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "نہیں میں نے پنی زندگی میں کبھی ایسے نشانات نہیں دیکھے۔ اگر اس قسم کا کوئی جانور لڑکال جنگل میں موجود ہے و اُس کا شکار بڑا دلچسپ رہے گا۔"

پھر حمید کیطرف دیکھ کر اس نے کہا۔ "کرنل صاحب تو یقیناً اس جانور کی تلاش میں ہوں گے۔"

"میں نے آج ہی اُن سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

زغالی نے سر جھکا لیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ کمرے میں گہرا سکوت مسلط ہو گیا۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں زغالی کا چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔

اچانک حمید بولا۔ "مگر کرنل صاحب نے تو کہا تھا کہ تم ان نشانات کے متعلق کچھ بتا سکو گے۔"

"یہ کس بناء پر کہا تھا، انہوں نے۔" زغالی نے سر اٹھا کر پوچھا۔ لیکن اب وہ ان میں سے کسی کے بھی چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں چہرے کی جھریائی ہوئی کھال میں ایسی ہی لگ رہی تھیں جیسے وہ کسی سالخوردہ مگر خونخوار گینڈے کی آنکھیں ہوں۔

"تم نے شاید کبھی اُن سے اس قسم کا تذکرہ کیا تھا۔ ایسے نشانات غالباً افریقہ میں کہیں تمہاری نظروں سے گذرے تھے۔"

"مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اس قسم کی گفتگو کی ہو۔ ویسے میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کرنل غلط کہتے ہیں۔ اب دیکھئے نا میں کتنا بوڑھا ہوں اسی لئے بھلکڑ بھی ہو گیا ہوں۔ آپ سمجھتے ہیں نا۔"

"تو پھر..... گویا..... مجھے یہاں بھی ناکامی ہوئی۔" فریدی بڑبڑایا۔

زغالی کچھ نہ بولا۔ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

دفعتاً فریدی اٹھ گیا۔ "اچھا تو میں نے ناحق آپ کو تکلیف دی۔"

"کوئی بات نہیں ہے جناب۔ میں کرنل صاحب اور اُن کے دوستوں کا خادم ہوں۔"

حمید اور رمیش بھی اٹھ گئے۔ صدر دروازے تک وہ خاموشی سے آئے پھر زغالی نے حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہر خدمت کے لئے مجھے ہر وقت یاد رکھئے۔"

ان کے باہر نکلتے ہی دروازہ آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ وہ چل پڑے۔ فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

گلی کے موڑ پر انہیں رک جانا پڑا کیونکہ گلی پتلی تھی اور دوسری طرف سے چار آدمیوں کا ایک جلوس اس گلی میں داخل ہو رہا تھا۔ چاروں ایک لائن میں تھے اور انہوں نے ایک بہت لمبا بنڈل اپنے کاندھوں پر سنبھال رکھا تھا۔

وہ اُن کے قریب ہی سے گذر گئے۔ فریدی رک گیا تھا۔ حمید نے آگے بڑھنا چاہا لیکن

ں نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

وہ چاروں آدمی زغالی کے مکان کے سامنے رک گئے تھے اور اب دروازے کی زنجیر ہلا ہے تھے۔

فریدی چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر گلی میں مڑ گیا۔

وہ سڑک پر نکل آئے۔ ٹھیک گلی کے سامنے ہی انہیں کار نظر آئی۔ فریدی رک گیا۔ کار الی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر سگار لائٹر جلا کر روشنی میں ڈیش بورڈ پر نظر ڈالنے لگا۔

اچانک اس نے مڑ کر حمید سے کہا۔ "حمید اس کار کے نمبر نوٹ کر لو۔ غالباً انہیں لوگوں کی ہے جو ابھی گلی میں ملے تھے..... اور تم دونوں واپس جاؤ۔"

"کیا ہمیں کار چھوڑنی پڑے گی۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں کار لے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور بڑی تیزی سے اسی گلی میں چلا گیا۔

"چلو مری جان.....!" حمید رمیش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ایک طویل سانس لیتا ہوا بولا۔

"نمبر تو نوٹ کر لو۔"

"ہاں..... نمبر.....!" حمید نے کہا اور دیا سلائی جلا کر کار کے نمبر دیکھے اور انہیں ذہن ین کرتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

"آؤ چلیں..... ذرا سی دیر میں میں بھی مرغوں کی طرح بانگ دینے لگوں گا۔ صبح تو ہو ہی ئی ہے۔"

وہ اپنی کار میں آ بیٹھے۔ حمید نے اس بار بھی رمیش ہی سے ڈرائیو کرنے کی استدعا کی۔ س نے بہت دیر سے پائپ نہیں پیا تھا۔

سردی بے تحاشہ بڑھ گئی تھی۔ پائپ کے دو تین گہرے کش لینے کے بعد اس نے کچھ کون محسوس کیا۔

"پتہ نہیں وہ چاروں کیا اٹھائے ہوئے تھے۔" رمیش نے کہا۔

"یار جہنم میں ڈالو۔ ہمیں اس سے کیا کہ لقا کبوتر دم کیوں اٹھائے رہتا ہے۔ مگر تم کیا ۔ اس محکمے کی ملازمت ہی ایسی ہے۔ چوبیس گھنٹے سراغ رساں بنے رہیے۔"

"نہیں حمید بھائی.....وہ بنڈل عجیب تھا۔ اتنا لمبا بنڈل آخر اس میں تھا کیا۔"

"آئس کریم.....!"

رمیش خاموش ہوگیا.....کار سڑک پر دوڑتی رہی۔

صبح کے نو بجے تھے۔ دھوپ اچھی طرح پھیل چکی تھی۔ تنویر اپنی لائبریری میں بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی۔ وہ صبح کی چائے لائبریری ہی میں پیتی تھی۔ یہ اُس کا معمول تھا۔ چائے کے دوران میں اخبار دیکھتی رہتی۔ کھانا بھی تنہا ہی کھاتی۔ کم از کم اس کے بیٹے عدنان کو تو یاد نہیں تھا کہ کبھی وہ دونوں کھانے کی میز پر ساتھ بیٹھے ہوں۔ اُس کی کوٹھی میں آئے دن دعوتیں بھی ہوتی رہتی تھیں لیکن وہ کبھی مہمانوں کے ساتھ نہ بیٹھتی۔ میزبانی کے فرائض عدنان کو انجام دینے پڑتے۔ وہ تو اپنی ماں کو نیم دیوانی ہی سمجھتا تھا۔

تنویر اخبار ایک طرف میز پر پھینک کر کھڑی ہوگئی۔ وہ باہر ہی جا رہی تھی کہ ایک ملازم نے آکر اس کو فون کال کی اطلاع دی۔

تنویر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کمرے میں آئی جہاں فون تھا۔ اس نے لاپروائی سے ریسیور اٹھالیا اور نڈھال سی آواز میں "ہیلو" کہا۔

ذرا ہی سی دیر میں اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ دوسری طرف سے بولنے والا کوئی ایسی ہی بات کہہ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا "کچھ اندازہ ہے تمہیں کہ یہ حرکت کس کی ہوسکتی ہے۔"

پھر وہ دوسری طرف سے بولنے والے کا جواب سنتی رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا صحت مند چہرہ کسی پرانے مریض کا چہرہ معلوم ہونے لگا تھا۔

"ہوں.....اچھا.....!" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تم بالکل پرواہ نہ کرو۔ میں دیکھوں گی۔ ویسے یہ میرا مشورہ ہے کہ تم اب وہاں سے ہٹ جاؤ۔ کیوں کیا خیال ہے۔"

جواب میں پھر کچھ کہا گیا اور تنویر سر ہلا کر بولی۔ "جہاں بھی جاؤ مجھے اپنی جائے قیام

رکھنا.....اچھا..... ہاں دیکھو..... مجھے تم پر ہمیشہ سے اعتماد رہا ہے۔ تم مر جاؤ گے لیکن کسی ایک لفظ بھی نہیں کہو گے۔ اچھا.....!"

اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر بیرونی برآمدے میں آکر نے سارے ملازمین کو اکٹھا کیا۔ نجی دفتر کی کلرک لڑکیوں کو بھی وہیں بلوالیا۔

"تم سب.....!" وہ انہیں مخاطب کر کے بولی۔ "بیس منٹ کے اندر اندر کوٹھی خالی کردو۔ آج چھ بجے شام تک کیلئے تم سبھوں کو چھٹی ہے۔ میں ہیڈ آفس فون کر رہی ہوں۔ وہاں آج کیلئے تمہیں تفریح الاؤنس ملے گا۔ بیس منٹ کے اندر اندر یہاں سے چلے جاؤ۔"

پھر وہ انہیں وہیں چھوڑ کر اندر چلی آئی۔ ملازمین کی اس بھیڑ میں اس کے چاروں باڈی ڈ شامل نہیں تھے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر کوٹھی میں اُلو بولنے لگی۔ نوکروں کو اس کے رویہ پر ذرہ برابر حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس قسم کی انہونی باتوں کے عادی ہو چکے تھے ان کا بھی یہی خیال ا کہ تنویر ایک نیم دیوانی عورت ہے۔

کمپاؤنڈ کا پھاٹک تنویر نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا۔ چاروں باڈی گارڈ بھی متحیر نہیں ے۔ اُن کی مجال نہیں تھی کہ وہ تنویر کے کسی کام میں دخل دے سکتے۔ خاموشی سے یہ سب کچھ یکھتے رہے۔ آخر تنویر نے تھوڑی دیر بعد اُن چاروں کو طلب کیا۔

"تم کل اُسے لے کر وہاں کس وقت پہنچے تھے۔"

"شاید تین بجے تھے۔" معمر آدمی نے جواب دیا۔

"کیا اُسے ہوش آ گیا تھا۔"

"جی نہیں.....وہ زغالی کے مکان پر پہنچ کر بھی بیہوش ہی رہے تھے۔"

"تمہاری موجودگی میں اُسے ہوش آ گیا تھا۔"

"نہیں محترمہ.....ہم زغالی کو سب کچھ سمجھا کر واپس آ گئے تھے۔"

"ہوں.....!" وہ انہیں غور سے دیکھتی ہوئی سرد لہجے میں بولی۔ "مگر اب عدنان وہاں گیا ہے۔"

“میں نہیں سمجھا محترمہ.....!” معمر آدمی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

“سمجھنے کی کوشش کرو۔” تنویر آہستہ سے بولی۔ “تمہارے وہاں پہنچنے سے تھوڑی ہی دیر قبل کیپٹن حمید وہاں دو آدمیوں کے ساتھ پہنچا تھا۔”

“وہ وہاں کس لئے گیا تھا۔” معمر آدمی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

“پتہ نہیں.....!” تنویر نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ “بہرحال چار اور پانچ کے درمیان عدنان غائب ہوگیا جس کمرے میں اُسے رکھا گیا تھا اس کا قفل ٹوٹا ہوا ملا اور صدر دروازہ کھلا ہوا تھا۔ زغالی اُسے کمرے میں بند کر کے سوگیا تھا۔ اب تم بتاؤ کہ یہ حرکت کس کی ہوسکتی ہے۔”

“کیپٹن حمید وہاں کیوں گیا تھا۔” معمر آدمی بڑبڑایا۔

“تو تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت انہیں لوگوں کی ہے۔”

“جی ہاں..... پھر ایسی صورت میں یہی کہا جاسکتا ہے۔ اسکے علاوہ اور کیا سمجھیں گے۔”

“میں نے اُسے وہاں کیوں بھجوایا تھا۔”

“تاکہ وہ فریدی تک نہ پہنچ سکیں۔”

“پھر.....!” تنویر اُسے گھورنے لگی۔

“محترمہ آپ یقین کیجئے۔” معمر آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ “ہم نے اُس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اُن لوگوں کو کیسے خبر ہوگئی۔”

تنویر کچھ نہیں بولی۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے کہا۔ “اب ایک دوسری اسکیم ہے لیکن تم زیادہ محتاط رہو گے۔”

“فرمایئے محترمہ.....! ہم شاید اسی بار آپ کا کام صحیح طور پر انجام دے سکیں۔ ویسے آج کل شاید ہمارے ستارے ہی گردش میں ہیں۔ جس کام میں ہاتھ لگاتے ہیں بگڑ جاتا ہے۔”

“پرواہ مت کرو..... اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔” تنویر مسکرا کر بولی اور وہ چاروں بیساختہ چونک پڑے۔ انہوں نے اپنے ہوش میں پہلی بار تنویر کو مسکراتے دیکھا تھا۔

“میں فی الحال تمہیں اپنے ایک راز میں شریک کرنا چاہتی ہوں۔ مگر اس کی کیا ضمانت

کہ وہ راز ہمیشہ تم چاروں ہی تک محدود رہے گا۔”

“ہماری وفاداری میں شبہ نہ کیجئے۔ ہم نے ہر موقع پر آپ کیلئے جان کی بازی لگائی ہے۔ ن میں ہم صرف اپنی وفاداری ہی پیش کرسکتے ہیں کیونکہ وہ ہماری سب سے بڑی قسم ہے۔”

“اچھا تو آؤ..... میں تمہیں عمارت کے اس حصے میں لے چلوں گی جہاں آج تک ے علاوہ اور کوئی نہیں جاسکا۔”

“ہم اسے اپنی سرفرازی سمجھیں گے۔” معمر آدمی نے قدرے جھک کر کہا۔

“تم کبھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے۔”

“کبھی نہیں محترمہ..... آپ ہم پر اعتماد کیجئے۔”

“اچھا تو آؤ میرے ساتھ۔”

وہ اُس راہداری میں چل رہے تھے جس کے سرے پر وہ دروازہ تھا جس کی دوسری طرف ال تنویر کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا۔

تنویر نے دروازے کا قفل کھول کر دونوں پٹ کھول دیئے۔ کمرہ تاریک تھا۔

“چلو.....!” تنویر ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔ معمر آدمی سب کے آگے تھا۔ وہ کسی ہٹ کے بغیر اندر چلا گیا۔ اُس کے ساتھیوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ تنویر کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُن چاروں کے بعد کمرے میں چلی جائے گی۔ مگر اُس کا رویہ خلاف تھا۔ اُس نے دوسرے ہی لمحے میں دروازے کے پٹ کھینچ کر باہر سے بند کر لئے۔

“محترمہ.....!” اندر سے آواز آئی۔ مگر تنویر قفل چڑھا چکی تھی۔

پھر اُس نے چیخ کر کہا۔ “ڈونگا تیرے شکار۔ تیری بہت پرانی خواہش پوری ہوگئی۔ آدمی شت۔”

“محترمہ..... محترمہ.....!” چاروں بیک وقت چیخے اور پھر اچانک ان کے حلق سے عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔

“بچاؤ..... بچاؤ.....” کے شور کے ساتھ ہی ریلوے انجن کی سیٹیاں بھی گونج رہی تھیں۔

“محترمہ..... تنویر.....!”

”تنویر..... حرامزادی..... کتیا۔“

”او تنویر..... سُور کی بچی۔“

”ذلیل کمینی..... دروازہ کھولو۔“

باہر تنویر کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ تھی اور آنکھیں کسی بھوکے سانپ کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

فریدی صبح ہی سے بہت زیادہ متفکر تھا۔ آج صبح اس کے چار بہترین کتے پراسرار طور پر مردہ پائے گئے تھے۔ چاروں رکھوالی کرنے والے السیشن تھے۔

علامات سے فریدی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ موت زہر سے واقع ہوئی تھی اور یہ کوئی ایک بات نہیں تھی جسے حیرت انگیز کہا جا سکتا۔ کوئی بھی باہر سے گوشت کے چند زہریلے ٹکڑے کمپاؤنڈ میں پھینک کر ان کی جانیں لے سکتا تھا۔

دو ٹکڑے ملے بھی تھے اور فریدی نے انہیں کیمیاوی تجزیئے کے لئے بھجوا دیا تھا ویسے حمید کا بیان تھا کہ ساڑھے چار بجے جب اس کی واپسی ہوئی تھی کتے زندہ تھے۔

فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

”حمید کو بھیج دو۔“ فریدی نے کہا۔ ملازم چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حمید دروازے میں نظر آیا۔

”تم نے کیا کیا؟“ فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”معاملہ بالکل گول ہے۔ کوتوالی سے معلوم ہوا کہ فقیر کی لاش سول ہسپتال روانہ کر دی گئی تھی اور سول ہسپتال والے کہتے ہیں کہ وہ طلباء کی مشق کے لئے میڈیکل کالج بھیج دی گئی تھی۔“

”میڈیکل کالج والے کیا کہتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میڈیکل کالج والے کہتے ہیں کہ اس تاریخ کو تین لاوارث لاشیں انہیں موصول ہوئی تھیں اور اب یہ بتانا مشکل ہے کہ کس کے ٹکڑے کہاں دفن کئے گئے تھے۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ سول ہسپتال کا رجسٹر بتاتا ہے کہ اس تاریخ کو وہاں سے چار لاشیں میڈیکل

بھیجی گئی تھیں مگر میڈیکل کالج کے رجسٹر میں صرف تین لاشوں کی وصولیابی درج ہے۔“

”اوہ.....“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”مگر اب آپ اُس لاش کے چکر میں کیوں پڑ گئے ہیں۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ سعید بابر کے ایک ہمشکل کی لاش صدر میں پائی گئی تھی۔“

”یہ کھلی ہوئی حقیقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔“

”پھر.....!“ حمید نے اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

”کچھ نہیں..... میں فی الحال کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ ویسے یہ ضروری نہیں کہ وہ آدمی سعید بابر کا بھائی ہی رہا ہو۔“

”اگر رہا بھی تو اب کیا ہو سکتا ہے۔“ حمید جھنجلا گیا۔

”اس مسئلے کو یہیں چھوڑ دو.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”فی الحال میں زغالی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہوں۔ تم نے پچھلی رات کیا محسوس کیا تھا۔“

”یہی کہ وہ ان نشانات کے متعلق کچھ جانتا ہے لیکن بتانا نہیں چاہتا۔“

”ٹھیک ہے..... لڑکال جنگل کے نام پر اُسے کتنی حیرت ہوئی تھی..... یاد ہے۔“

”جی ہاں..... مجھے یاد ہے۔ لڑکال جنگل کا نام سن کر وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا تھا۔“

”اچھا خیر..... چھوڑو..... مجھے اطلاع ملی ہے کہ زغالی آج ہی صبح کو بالی کیمپ والی بستی سے ہٹ گیا ہے۔ اس وقت وہ راجن پورے کی شاپور بلڈنگ کے ساتویں فلیٹ میں ہے۔ میری بلیک فورس کے کچھ آدمی تو دیکھ بھال کر ہی رہے ہیں لیکن تم بھی خیال رکھنا اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ بالی کیمپ سے کیوں ہٹا ہے۔“

پُراسرار سایہ

حمید خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر فریدی بھی خاموش ہو گیا۔

”ایک بات مجھے سمجھایئے۔“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”دلسلی براؤن آپکی موجودگی ہی میں ہائی سرکل نائٹ کلب سے غائب ہو گئی تھی۔ لیکن آپ نے اُسکی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی۔“

"غیر ضروری چیزوں کی پرواہ مجھے کبھی نہیں ہوتی۔"

"حالانکہ آپ پہلے ہی سے اُسکی ٹوہ میں رہے تھے کہ حمید اُسے کب اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔"

"ہاں! ہاں.....تو کیا ہوا۔"

"خطِ استوا خطِ سرطان میں گھس گیا۔" حمید جھلاہٹ میں ناچتا ہوا بولا۔ "میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"اللہ کی مرضی.....!" فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مغموم لہجے میں بولا۔ "مگر اس صورت میں بھی تم میری نگرانی میں رہو گے۔ پاگل خانوں میں آج کل بڑی بدنظمی رہتی ہے۔"

"قبر میں بھی ہم دونوں لپٹ کر ہی سوئیں گے اور آپ وہاں بھی فاؤل فاؤل چلائیں گے.....مجھے یقین ہے۔"

"خیر اب کام کی باتیں کرو.....!"

"میں کبھی بیکار باتیں نہیں کرتا۔"

"کل رات تم نے اس کار کا نمبر نوٹ کیا تھا۔"

"جی ہاں کیا تھا.....!"

"مجھے دو۔"

حمید نے جیب سے نوٹ بک نکالی۔ اُس نے وہ ورق پھاڑا جس پر کار کے نمبر تحریر تھے اور اُسے فریدی کے سامنے ڈالتا ہوا بولا۔ "آپ وہاں کیوں رکے تھے۔"

"اب تمہیں اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہئے کیونکہ میں وہاں سے صحیح وسلامت واپس آ گیا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ میں زغالی ہی سے پوچھ لوں گا۔ مگر ایک بات تو صرف آپ ہی بتا سکیں گے۔"

"پوچھو.....!"

"اس کیس کے سرپیر کا بھی کہیں پتہ ہے۔ بات سعید بابر کے بھائی سے شروع ہوئی تھی۔ سعید بابر پر حملہ.....اُس کے کمپاؤنڈ میں عجیب وغریب نشانات کا پایا جانا۔ لسلی براؤن کا کیس آپ پر ایک کتے کا حملہ۔ مگر اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا تعلق بھی اسی کیس سے ہے پھر لسلی براؤن نقلی کا غائب ہو جانا۔"

"پھر تمہارا اور میجر داراب کا عشق.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اس کی تو میں ہڈیاں توڑے بغیر نہیں رہوں گا۔"

"کیا تمہیں اب بھی اُس کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔"

"ٹریگر کو انگلی سے کھینچتے وقت زیادہ قوت نہیں صرف ہوتی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"اور پھانسی کا پھندا گلے میں پڑ جانے کے بعد تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہتا۔" فریدی نے کہا۔

"پھانسی.....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "شاید پھانسی کا خوف بھی مجھے اس سے باز نہ رکھ سکے۔"

"نہیں! تم فی الحال ایسا نہیں کر سکتے۔ میرا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"تو کیا وہ بھی اس کیس میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بہت زیادہ حمید صاحب۔"

"آہا.....تب تو.....!"

"نہیں ٹھہرو..... یہ میرا شبہ ہے۔ فی الحال ہم اس کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کر سکتے۔"

"مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی آپ کا شبہ غلط نکلا۔"

"یہ اور بات ہے، لیکن مکمل شہادت فراہم کئے بغیر میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"ویسے مجھے یقین ہے کہ تمہیں میجر داراب کی ہڈیاں توڑنے کا موقع ضرور نصیب ہو گا۔ فی الحال تم زغالی پر نظر رکھو۔"

"آخر آپ اُس بیچارے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "وہ تو انتہائی برخوردار قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"تم اُسے نہیں جانتے۔ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔ بہت عرصہ سے ہمارے یہاں مقیم ہے اس لئے اب اُس میں تہذیب کے بھی کچھ آثار پائے جانے لگے ہیں ورنہ پہلے بھی وہ

ایک کنکھنے کتے کی طرح لوگوں پر جھپٹ پڑتا تھا۔ تہذیب نے اُسے مکاری بھی سکھا دی ہے۔ اچھا بس اب جاؤ۔ اس کی نگرانی بہت ضروری ہے۔ تم اگر بھول چوک بھی گئے تو پرواہ نہ کرنا۔ بہر حال مجرموں کو اس کا علم ہو جانا چاہئے کہ تم زغالی کی نگرانی کر رہے ہو۔"

اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"اب یہ بات مجرموں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہی کہ ہم زغالی میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔"

"تو کیا آپ کو یقین ہے کہ زغالی بھی مجرموں کا ساتھی ہے۔"

"ہاں کسی حد تک...... بہر حال اب جاؤ حمید...... فضول وقت نہ برباد کرو۔"

حمید چلا گیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا۔ پھر اُس نے فون کا ریسیور اٹھا کر کوتوالی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو......!" اُس نے کہا۔ انسپکٹر جگدیش کی آواز سنائی دی۔

"ایک منٹ توقف کیجئے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

پھر جلد ہی دوسری طرف سے جگدیش کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو......! جگدیش میں فریدی ہوں۔ ذرا دیکھو تو آج کسی مسز تنویر نے کوئی رپورٹ تو نہیں درج کرائی ہے۔"

"اوہ جناب! اُس عورت نے تو پوری کوتوالی کو ہلا کر رکھ دیا ہے مگر آپ...... کیا قصہ ہے۔"

"رپورٹ کیا ہے جگدیش......!"

"کل رات سے اس کا لڑکا عدنان اور اُس کے چاروں باڈی گارڈ غائب ہیں۔ اس کا خیال ہے باڈی گارڈوں نے اُسے اغوا کیا ہے اور اب وہ تنویر سے کسی بھاری رقم کا مطالبہ کریں گے۔ اُس نے اپنے لڑکے اور باڈی گارڈز کی تصویریں بھی دی ہیں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہ شہر کے چار بدمعاشوں کی تصویریں ہیں کئی بار کے سزا یاب بدمعاش......!"

"اوہ...... ذرا مجھے بھی تو ان کے نام بتاؤ۔"

جگدیش نام بتاتا رہا اور فریدی ایک کاغذ پر نوٹ کرتا گیا۔ پھر اس نے کہا۔ "یہ لوگ تو واقعی اُس سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔"

"مگر......!" جگدیش نے کہا۔ "تنویر کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ انہیں ایک بھی نہ دے گی خواہ اُسے اپنے بیٹے ہی سے کیوں نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔ بڑی شاندار عورت

جناب...... ایس۔ پی صاحب اُس سے......!"

"ہیلو......!"

"جی ہاں......!" جگدیش ہنستا ہوا بولا۔ "میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا تھا کہ کہیں کوئی سن تو نہیں ہے۔ ایس۔ پی صاحب اُس سے گفتگو کرتے وقت ہکلا رہے تھے۔ بڑی شاندار عورت ہے۔ چالیس اور پچاس کے درمیان ہوگی۔ مگر صحت بڑی شاندار ہے۔ بڑا شاندار جسم ہے۔"

"سب کچھ شاندار......!" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ...... کیا آپ اُس سے کبھی نہیں ملے۔"

"نہیں...... صرف نام سنتا رہا ہوں۔"

"ضرور ملئے جناب...... آپ اُسے بے حد پسند کریں گے۔"

"ہاں...... پسند ہی کرنے کے لئے میں اس سے ضرور ملوں گا۔ تم مطمئن رہو۔"

"میں کیا بتاؤں...... میں تو اُس سے آنکھیں ملا کر گفتگو نہیں کر سکا۔" جگدیش بولا۔ لیکن یدی نے بُرا سا منہ بنا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ پھر کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔ ایک بار اُس نے پھر ریسیور اٹھایا اور اپنے ڈی۔ آئی۔ جی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ ڈی۔ آئی۔ جی گھر ہی پر وجود تھا۔ فریدی نے اُس سے تنویر کی رپورٹ کے متعلق بتا کر استدعا کی کہ وہ تنویر والا کیس پنے محکمے میں ٹرانسفر کرا لے۔

"ابھی یہ کیسے ممکن ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"یہ بہت ضروری ہے جناب۔ براہِ راست میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

"کیوں...... میں نہیں سمجھا۔"

"مجھ پر ایک زہریلے کتے نے حملہ کیا تھا۔ بعض حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں یہ نہیں وچ سکتا کہ وہ محض اتفاق تھا۔"

"ہاں..... حالات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کسی موٹر سائیکل سوار نے تمہارا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔"

"جی ہاں..... اور اس سازش کی جڑیں تنویر کی موجودہ رپورٹ میں ملتی ہیں۔ میں نے یہی اندازہ کیا ہے۔"

"اوہو..... کیا قصہ ہے۔!"

"قصہ تو ابھی خود میرے ذہن میں بھی صاف نہیں ہے لیکن آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔"

"اچھا میں کیس منتقل کرالوں گا۔ تم مطمئن رہو۔"

"آج ہی جناب۔"

"اچھا بابا..... ایک طرف تم کان کھا رہے ہو اور دوسری طرف میرا نواسا۔"

"میں بھی تو آپ کا بچہ ہوں آخر۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مگر ضدی..... بچے..... اچھا..... اور کچھ.....!"

"نہیں جناب..... بس اتنا ہی شکریہ۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے پر فریدی نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ لیکن ریسیور رکھتے ہی گھنٹی بجی۔

"ہیلو.....!" اس نے دوبارہ ریسیور اٹھا لیا۔

"میں ریکھا بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔"

"ٹھیک ہوں۔"

"زخم..... کیسے ہیں۔"

"اب زیادہ تکلیف نہیں ہے۔"

"مجھے بڑی بے چینی ہے۔"

"کیوں.....!"

"وہ دیکھئے..... میں سوچتی ہوں..... آپ کے زخموں میں تکلیف ہوگی اور مجھے نیند نہیں آتی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ زخم میری کلائی پر ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ "غالباً وہ کتا کوئی خبیث روح تھی۔ تب ہی تو تم ایسا محسوس کر رہی ہو۔"

"میرا مطلب ہے۔"

"کیا مطلب ہے۔"

"وہ..... وہ..... دیکھئے..... خدا کرے آپ جلدی سے اچھے ہو جائیں۔ کیا میں آپ کو دیکھنے کے لئے آ سکتی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ آج کل کسی سے نہیں ملتے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میری ذہنی حالت اچھی نہیں ہے۔ زہر کا اثر کچھ نہ کچھ ذہن پر بھی ہوا ہے۔ کبھی کبھی بُری طرح بہک جاتا ہوں۔"

"خدا رحم کرے۔"

"اور کچھ.....!" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں..... بس خدا کرے آپ جلد اچھے ہو جائیں۔"

"شکریہ.....!" فریدی نے کہا اور بُرا سا منہ بنا کر فون رکھ دیا۔

اُسے بعض اوقات اپنے محکمے پر غصہ آنے لگتا۔ خواہ مخواہ ایک لیڈی انسپکٹر بھی مہیا کر لی حالانکہ اس کی قطعی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

وہ سگار سلگا کر ایک آرام کرسی میں نیم دراز ہو گیا۔

بمشکل تمام دو یا تین منٹ گذرے ہوں گے کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ فریدی نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے حمید کی آواز سنائی دی۔

"میں نگرانی کر رہا ہوں جناب۔"

"وہ تو مجھے معلوم تھا۔ اتنی سی بات کے لئے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر وہ میرے سوالات کا جواب نہ دے تو میں کیا کروں۔"

"سوالات کرنے کو تم سے کس نے کہا تھا۔" فریدی کی آواز تیز ہو گئی۔

"میں اُس سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ بکواس کئے جا رہے ہو۔"

"اچھا جناب.....!" حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔ "میں تو اُس سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تیری کھوپڑی میں سوراخ ہوگیا مگر وہ میری بات کا جواب ہی نہیں دیتا۔ اس سے یہی سوال کرنے کے لئے بے شمار آدمی اکٹھا ہوگئے ہیں۔"

"اوہ.....تو زغالی قتل کر دیا گیا۔"

"جناب والا.....!"

"فوراً واپس آ جاؤ.....اب وہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا میں یہ نہ معلوم کروں کہ اس کا قتل کن حالات میں ہوا۔"

"نہیں..... مجھے رپورٹ مل جائے گی۔ تم واپس آ جاؤ۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر بجھا ہوا سگار سلگایا اور پھر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ لیکن اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے پہلے ہی سے علم رہا ہو کہ زغالی مار ڈالا جائے گا۔"

جلد ہی پھر فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ لیکن اس بار وہ ایک عجیب و غریب زبان میں گفتگو کر رہا تھا، بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان ہل نہیں رہی ہے بلکہ کنکروں اور پتھر کے ٹکڑوں پر سڑک کوٹنے والا انجن چل رہا ہو۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ کبھی کبھی وہ خاموش ہو کر دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگتا تھا۔ اس کے چہرے پر اب پھر گہرے تفکر کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

ریسیور رکھتے وقت اُس نے ایک طویل سانس لی اور دروازے کی طرف مڑا۔ حمید بڑی دیر سے دروازے میں خاموش کھڑا اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں۔" حمید نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا اور فریدی ہنس پڑا۔ حمید نے کچھ ایسے انداز میں یہ جملہ کہا تھا کہ اُسے جیسے فریدی کے صحیح الدماغ ہونے میں شبہ ہو۔

"بیٹھو.....!" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "میں تمہیں بتاؤں کہ اُس کی موت کیسے واقع ہوئی۔"

ید بیٹھ گیا۔ فریدی چند لمحے خاموش ہو کر بولا۔ "ایک طویل قامت برقعہ پوش عورت نگ کے ساتویں فلیٹ کے سامنے رکی۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے سائیلنسر الور نکالا اور پھر بقول تمہارے زغالی کی کھوپڑی میں سوراخ ہوگیا۔ شاپور بلڈنگ میں رف زینے ہیں اور ساتواں فلیٹ دوسری منزل پر ہے۔ نیچے سے سامنے کے فلیٹوں کے دکھائی دیتے ہیں۔ ہاں تو زغالی کو ختم کرنے کے بعد وہ پچھلے زینوں سے نیچے اُتر گئی ی وقت اپنا برقعہ زینوں ہی پر پھینک گئی تھی۔"

ب تو وہ گرفتار بھی ہو چکی ہوگی۔"

کیوں.....نہیں تو.....وہ نکل گئی۔"

"اور آپ کی بلیک فورس کے جیالے منہ دیکھتے کر رہ گئے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں وہ بیچارے کچھ سمجھ ہی نہیں سکے تھے۔ وہ تو تھوڑی دیر بعد ہلڑ ہونے پر انہیں قتل کا ۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ وہ گرفتار کر لی گئی ہوتی۔ فلیٹ کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا اس کی نظر لاش پر پڑ گئی اور اس نے ہسٹریا کی مریض کی طرح چیخنا شروع کر دیا۔ بلیک الے نیچے تھے اور اس فلیٹ کی نگرانی کر رہے تھے۔ بہر حال اُس آدمی کی چیخیں سن کر ہی کی طرف متوجہ ہوئے۔"

"تب پھر آپ وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کوئی عورت ہی تھی۔ برقعہ میں مرد بھی تو ہے۔"

"برقعے کے ساتھ عورت ہی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ ویسے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ورت ہی تھی۔ بہر حال بلیک فورس حرکت میں آ گئی ہے۔"

"زغالی کیوں مارا گیا.....؟" حمید نے پوچھا۔

"زغالی.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کئی وجوہات ہو سکتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ زغالی اُن نشانات کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا تھا۔ خیر ختم کرو۔ بالی کیمپ کے لوگ آج چین کی نیند سوئیں گے۔ زغالی ایسا ہی آدمی تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر طور پر اُس کی لاش دفن نہ کی گئی تو جنازہ یونہی پڑا رہ جائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھی اُس

سے صرف ڈرتے تھے۔ انہیں اُس سے محبت نہیں تھی۔''

فریدی تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہوگیا۔ پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں صبح سے صرف دوسروں کی کالز ریسیور کرتا رہا ہوں۔ اب ایک فون میں بھی کروں گا۔'' اُس نے کسی کے نمبر ڈائل کئے

''ہیلو..... کون سعید بابر صاحب۔ میں فریدی ہوں۔'' فریدی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی

''بھاگئے..... جتنی جلد ممکن ہوسکے..... وہ عمارت چھوڑ دیجئے۔ آپ بہت بڑے خطرے میں ہیں۔'' پھر کسی جواب کا انتظار کئے بغیر فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

''کیا مطلب.....!'' حمید بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

''بیٹھو..... بیٹھو..... اس کی فکر نہ کرو۔''

''آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گے۔''

فریدی نے آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

حمید سارا دن گھر میں رہا۔ آج اتوار تھا اور دوپہر ہی سے مطلع ابر آلود ہوگیا تھا اس وہ باہر نہیں گیا۔

وہ دن بھر فریدی کو فون کرتے یا کالیں ریسیور کرتے دیکھتا رہا۔ حمید کے مکرر استفسار اُس نے اتنا ہی کہا کہ وہ بستر مرگ پر بھی کام کرسکتا ہے۔

شام کو اُس نے خاص طور پر نوکروں کو ہدایت دی کہ کوئی کتا کھلا نہ چھوڑا جائے۔ ح اس پر بھی حیرت ہوئی لیکن اب اُس نے کچھ نہ پوچھنے کی قسم کھالی تھی۔

ایک بار جب فریدی لیبارٹری میں تھا۔ حمید نے اس کی ایک کال ریسیو کی۔ دوسری ط سے بولنے والی کوئی عورت تھی۔ یہ بات ذرا دیر میں سمجھ آئی کہ بولنے والی لیڈی انسپکٹر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

''فریدی صاحب کا انتقال ہوگیا۔'' حمید نے بڑی دردناک آواز میں کہا۔

''نہیں.....!'' ریکھا اتنے زور سے چیخی کہ ریسیور جھنجھنا اٹھا۔

''یہاں کفن دفن کا انتظام ہورہا ہے لیکن انہوں نے مرتے وقت کہا تھا کہ ریکھا کو بھی ساتھ ہی دفن کرنا۔''

بڑے کمینے ہیں آپ۔'' ریکھا جھلا گئی۔ ''اس قسم کے فضول مذاق کرتے ہوئے آپ کو آتی۔ بتائیے فریدی صاحب کیسے ہیں۔''

بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سو رہے ہوں۔ عرصہ سے اس قسم کی بارونق لاش دیکھنے کی ''

ٹ اپ.....!'' ریکھا حلق کے بل چیخی اور سلسلہ منقطع کردیا۔

اندھیرا پھیلنے لگا۔ سورج غروب ہوچکا تھا اور آسمان ابر آلود ہونے کی وجہ سے فضا روشنی سے بھی محروم ہوگئی تھی۔

روں کے لئے فریدی کا سخت آرڈر تھا کہ وہ رات کے کسی بھی حصے میں اپنے کوارٹروں دم نہ نکالیں، خواہ کچھ بھی ہوجائے۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے صرف ایک کتا کمپاؤنڈ ڑ دیا۔

اور اب..... ہم لوگ۔'' اُس نے حمید سے کہا۔ ''یہ رات مختلف قسم کی تفریحات میں گے۔ اگر تم سونا چاہتے ہو تو یہیں ایک آرام کرسی پر سو بھی سکتے ہو۔''

اوپری منزل کے ایک کمرے میں تھے۔ جس کی کھڑکیاں عقبی پارک کی طرف کھلتی یہ اسلحہ کا کمرہ تھا۔

ید نے ان سارے انتظامات کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ وہ پکچر پوسٹ اور فوٹو پلے پن بہت رسائل اٹھا لایا تھا اور اب ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ سارے نوکر کوارٹروں اس لئے اس کمرے میں اسٹو جل رہا تھا اور اس پر کافی کا پانی چڑھا ہوا تھا۔

ریبا گیارہ بجے فریدی نے کمرے کی روشنی گل کردی اور حمید میز پر رسالہ پٹختا ہوا یہاں تو مچھر بھی نہیں ہیں کہ اندھیرے میں ان کی سارنگی ہی سے دل بہلتا۔''

ترقع ہے کہ دل بہلنے کا کچھ نہ کچھ سامان مہیا ہی ہوجائے۔'' فریدی بولا۔

حمید نے اب بھی کچھ نہیں پوچھا۔ اُس نے آنکھیں بند کرلیں لیکن ایسے میں نیند ہوگی ہو۔ فریدی اپنا وقت برباد نہیں کرتا تھا۔ اب تمام تیاریوں کا کچھ نہ کچھ مقصد

پتہ نہیں وہ کب تک آنکھیں بند کئے آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا رہا پھر اچانک
چونک پڑا۔ کیونکہ فریدی اُس کا داہنا شانہ دبا رہا تھا۔

"ادھر..... وہ دیکھو..... عقبی پارک کی دیوار پر..... سامنے.....!" اُس نے آہستہ سے کہا

کافی گہرا اندھیرا تھا۔ لیکن دیوار کے دھندلے سے آثار تو نظر ہی آ رہے تھے۔ حمید
دیوار پر ایک گول مٹول سا سایہ دیکھا اور پھر اُس سائے نے زمین پر چھلانگ لگائی۔ ساتھ
ایک تیز قسم کی غراہٹ سنائی دی اور وہ کسی کتے ہی کی غراہٹ تھی۔

"یہ میرے کسی کتے کی آواز نہیں ہوسکتی۔" فریدی نے کہا اور میز پر پڑی ہوئی را
اٹھالی مگر نیچے زمین پر جھاڑیوں اور درختوں کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے دو کتے آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ مگر آواز صرف ایک
سنائی دے رہی تھی اور فریدی برابر یہ کہے جا رہا تھا کہ وہ اس کے کسی کتے کی آواز
ہے..... پھر..... ایک بڑی لمبی آواز سنائی دی اور سناٹا چھا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ ک
آخری چیخ رہی ہو۔

بڑا سا گول مٹول سایہ اب درختوں کے نیچے سے نکل کر کھلے میں آ گیا تھا۔ ا
فریدی کی رائفل سے ایک شعلہ نکلا اور وہ دس پندرہ فٹ اوپر اچھل گیا۔ مگر اس کے بعد ی
نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں گیا۔

"افسوس.....!" فریدی کی بھرائی ہوئی آواز کمرے میں گونجی اور حمید کی نظر پار
دیوار کی طرف اٹھ گئی۔ گول مٹول سایہ گویا اڑتا ہوا دیوار پار کر رہا تھا۔ فریدی نے پھر فائر
مگر اس فائر کا انجام نہ معلوم ہوسکا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی حمید کو کھینچتا ہوا زینے طے کر رہا تھا۔ وہ عقبی پارک م
گئے۔ ٹارچ کی روشنی اندھیرے میں آڑی ترچھی لکیریں بنا رہی تھی۔

حمید کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ دوسرا کتا سیاہ رنگ کا تھا اور اس کے سر
دھاریاں تھیں جسم گرے ہاؤنڈ کا سا تھا۔

کسی نے اس کی دونوں پچھلی ٹانگیں چیر دی تھیں۔

قاسم اور سایہ

فریدی دیوار کی طرف جھپٹا۔ حمید بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے
ہا فریدی کے منہ سے ایک تحیر آمیز آواز نکلی وہ ٹارچ کی روشنی میں جھکا ہوا زمین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔

"حمید.....!" دفعتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "یہ تو ویسے ہی نشانات ہیں۔"

حمید بھی جھک پڑا۔ یہ وہی حیرت انگیز نشانات تھے جو سعید بابر کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں
پائے گئے تھے اور جن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے فریدی نے زغالی سے مدد لینے
کی کوشش کی تھی۔

دیوار کے نیچے نرم زمین تھی۔ اس لئے نشانات بہت زیادہ واضح تھے۔

"میرے خدا.....!" حمید بڑبڑایا۔ "وہ کیا بلا تھی۔ میں نے اُسے اڑتے دیکھا تھا۔ وہ
دیوار سے دو یا تین گز بلند تھا۔"

"افسوس ہے کہ میرے دونوں فائر خالی گئے۔"

"جب وہ دیوار سے زمین پر آئی تھی۔" حمید نے کہا۔ "کیا وہ لڑھکتی ہوئی ایک بہت بڑی
گیند نہیں معلوم ہو رہی تھی۔"

حمید کو توقع تھی کہ اب فریدی بھاگ کر دیوار کی پشت پر جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ
عمارت کی طرف چل پڑا۔

"ایسے ہی کسی کتے نے آپ پر حملہ کیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں..... یہ لاش تو اُسی کتے کی معلوم ہوتی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "مجھے افسوس
ہے کہ یہ زندہ میرے ہاتھ نہ آ سکا۔"

اندر آ کر فریدی نے کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔ ریسیور کان سے لگائے رہا۔ پھر ڈس کنکٹ

کر کے دوبارہ نمبر ڈائیل کئے اور فوراً ہی پھر ڈس کنکٹ کر دیا۔ اس طرح اس نے لگاتار تقریباً پچیس بار وہی نمبر ڈائیل کئے اور وہ نمبر حمید کے ذہن نشین ہو گئے۔ بہر حال اس کے بعد فریدی نے ریسیور کریڈل میں ڈال دیا۔

"آپ کس سے گفتگو کرنا چاہتے تھے۔"

"کسی سے بھی نہیں۔ میں تو صرف ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا، جو سو فیصدی کامیاب رہا۔"

"کیا کامیاب رہا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے ابھی تک اپنا وقت برباد کیا ہے۔ آپ کی جگہ اگر میں ہوتا تو دیوار کے اُس طرف پہنچنے میں دیر نہ کرتا۔"

"تم پر کیا منحصر ہے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "شیخ نتھو اور میر جمن بھی یہی کرتے۔"

"خیر.....!" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "آپ کے سب تجربات ختم ہو گئے یا ابھی کچھ باقی ہیں۔"

"اب تم سو سکتے ہو۔ مجھے توقع ہے کہ باقی رات آرام سے گذرے گی۔"

فریدی کمرے سے چلا گیا اور حمید بڑی تیزی سے ٹیلی فون ڈائریکٹری پر جھپٹ پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس نمبر کی تلاش میں اوراق الٹ رہا تھا، جو کچھ دیر قبل بار بار ڈائیل کیا گیا تھا۔

مگر نمبر سے پتہ معلوم کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جھلا کر ڈائریکٹری میز پر پٹخ دی اور پھر اسے اپنی عقل پر غصہ آنے لگا۔ آخر اتنی دیر تک ڈائریکٹری میں سر کھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ نمبر کے ذریعہ پتہ تو انکوائری سے بھی معلوم کیا جا سکتا تھا۔ ٹیلی فون انکوائری میں کئی لڑکیاں اس کی شناسا بھی تھیں۔

اس نے انکوائری کو رنگ کیا۔ اتفاق سے لڑکی جان پہچان والی ہی نکلی اور حمید کو جلد ہی مطلوبہ پتہ مل گیا۔ لیکن جب وہ پتہ ایک کاغذ پر نوٹ کر کے ریسیور کریڈل میں رکھ رہا تھا اُس نے فریدی کی آواز سنی۔

"لیکن تم کوئی حماقت نہیں کرو گے۔"

حمید دروازے کی طرف مڑا۔ فریدی سامنے کھڑا سگار سلگا رہا تھا۔

"آپ نے مسز تنویر کے نمبر کیوں ڈائیل کئے تھے۔"

"بس یونہی..... میں نے سوچا کہ تمہیں کسی شاندار عورت کی سرپرستی میں دے دیا جائے۔"

"شکریہ..... مجھے آپ ہی کے زیر سرپرستی ہر قسم کا مزہ آ جاتا ہے۔ آپ مزید تکلیف نہ کریں۔"

"تم اُدھر کا رخ بھی نہیں کرو گے سمجھے۔"

"مجھے بوڑھی عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہی مسز تنویر ہے۔ تنویر ٹیکسٹائل ملز اور تنویر آئرن ورکس کی مالکہ۔"

"ہاں وہی..... کیا تم اس سے کبھی مل چکے ہو۔"

"اگر وہ بائیس اور تئیس کے درمیان میں ہوگی تو یقیناً کبھی نہ کبھی مل چکا ہوں گا۔"

"اس کا لڑکا تمہاری عمر کا ہوگا۔"

"اور اس سے ایک آدھ چھوٹی کوئی لڑکی ہوگی۔ میں شرط لگانے کے لئے تیار ہوں۔"

"تم ہار جاؤ گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "مگر وہ خونخوار کتا آج بھی تنہا نہ رہا ہوگا۔ آپ نے اس تجربے کے چکر میں اُسے نکل جانے دیا۔"

"حمید صاحب! مجرم میری جیب میں رکھے ہوئے ہیں۔ جس وقت چاہوں ہتھکڑیاں ڈال دوں۔ مگر میں فی الحال ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ بس دو چار دن اور ٹھہر جاؤ تاکہ جو کسر باقی رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہو جائے۔"

"آپ تو ایسا کہہ رہے ہیں گویا یہ کسر میری شادی سے پوری ہوگی۔"

"شٹ اَپ.....!" فریدی نے کہا اور جانے کے لئے مڑا۔ لیکن حمید فوراً ہی بول پڑا۔

"تو پھر آپ اُس گول مٹول سائے کے متعلق بھی جانتے ہوں گے۔"

"نہیں میں نہیں جانتا کہ وہ کیا بلا ہے..... یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہمارے ہی لئے آئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اُسی کتے کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہو۔ رہا کتا تو وہ ایک بار پہلے مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔ ممکن ہے آج بھی اسے یہاں اسی نیت سے لایا گیا ہو۔"

"تو کیا..... وہ سایہ اُس کتے کا تعاقب بھی کر سکتا ہے۔"

"خدا جانے.....!" فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا تمہیں نیند نہیں آرہی ہے"

حمید بھنا کر وہاں سے اٹھ گیا۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے لباس تبدیل کیا۔ بستر پر جانے سے پہلے ایک پائپ پینے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ پُراسرار سایہ اب بھی اس کے ذہن پر مسلط تھا۔ وہ کوئی بھاری بھرکم مگر ایسی چیز تھی جو گیند کی طرح لڑھک سکتی تھی اور ٹینس کی گیند کی طرح اچھل بھی سکتی تھی۔ پہلے فائر پر تو وہ حقیقتاً کسی ایسی ٹینس بال ہی کی طرح اچھلی تھی جسے پوری قوت سے زمین پر پٹخ دیا گیا ہو۔ حمید دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا پھر ذہنی رو اس خطرناک کتے کی طرف بہک گئی۔ اس نے بھی شائد زندگی میں پہلی بار اس قسم کا کوئی کتا دیکھا تھا مگر کیا اُسی خوفناک سائے نے اس کی ٹانگیں چیر ڈالی تھیں۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آسکی۔ اگر یہ سایہ وہی تھا جس کے پیروں کے نشانات سعید بابر کی کھڑکی کے نیچے ملے تھے تو اس کتے سے اسکا کیا تعلق ہے۔ اسی کتے نے فریدی پر حملہ کیا تھا۔ مگر سائے کا حملہ سعید بابر کے لئے تھا۔ اسکا یہ مطلب ہوا کہ دونوں کے راستے الگ الگ تھے پھر اُن دونوں کا ٹکراؤ کیا معنی رکھتا ہے۔

حمید کو جلد ہی نیند نہ آسکی۔ وہ بستر پر پڑا جاگتا رہا۔ اُسے مجرموں سے زیادہ فریدی پُراسرار معلوم ہو رہا تھا۔ اس وقت نہ تو اس نے کتے کی لاش کی پرواہ کی تھی اور نہ یہی معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ پُراسرار سایہ کہاں سے آیا تھا اور کدھر گیا تھا۔ اس کے برخلاف وہ فون پر تنویر کے نمبر ڈائیل کرتا رہا تھا۔

اچانک اس کے فون کی گھنٹی بجی اور وہ بیساختہ اچھل پڑا۔ اس عمارت میں تین فون تھے۔ ایک فریدی کی خواب گاہ میں رہتا تھا۔ دوسرا حمید کی خواب گاہ میں اور تیسرا لائبریری میں۔

"ہیلو.....! کیا سو گئے۔" اس نے فریدی کی آواز سنی۔

"آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"بستر سے۔"

"اور میں اہرام مصر پر ہوں۔"

"سنو مذاق نہیں۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے۔"

"بستر پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دوں..... یہی نا" حمید جھلا گیا۔

"اس وقت نہیں صبح.....!"

"تو کیا صبح نہ ہوتی..... بتایئے کیا کام ہے۔"

"صبح ضرور ہوگی.....!" دوسری طرف سے آواز آئی "مگر اس کام کی شروعات بستر پر ہی پڑے ہو سکتی ہے۔"

"ابھی کچھ کہہ دوں گا تو.....!"

"شٹ اپ..... میری سنو..... کسی طرح قاسم اور سعید بابر کو لڑا دو۔"

"بڑے موڈ میں ہیں آپ.....!"

"آ..... ہاں..... تم نے مجھے راحلہ کے متعلق بتایا تھا۔ بس لڑا دو..... دونوں کو..... تمہاری ہو جائے گی۔"

"آخر آپ ان دونوں کو کیوں لڑانا چاہتے ہیں۔"

"ایک تجربہ کر رہا ہوں۔"

تجربے کے نام پر حمید جھلا گیا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے اپنا گلا گھونٹتے ہوئے کہا۔ ریت ڈالئے میری..... وجہ پوچھوں تو فرمایئے ایک تجربہ کر رہا ہوں۔"

"قاسم کی خواب گاہ میں فون ضرور ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"ہوگا..... مجھے پتہ نہیں۔"

"تم اس کے نمبر ڈائیل کرو..... کوئی دوسرا بولے تو کہو قاسم سے ملنا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہوگا۔ اٹھا بھی تو پھاڑ کھانے کے سے انداز میں فون پر آئے گا۔ تم کہنا کہ تم سعید بابر بول ہو اور پھر راحلہ کے متعلق کچھ پوچھ بیٹھنا۔"

"چویشن کا تصور کر کے حمید بے تحاشہ ہنس پڑا اور دوسری طرف سے آواز آئی۔ سمجھ گئے نا۔"

"میں سمجھ گیا..... لیکن آپ وجہ نہیں بتائیں گے کیوں؟"

"حمید سچ پوچھو تو ابھی یہ سارے معاملات تجرباتی دور میں ہیں۔ ویسے دو ایک مجرم میری ضرور ہیں مگر بیکار۔ مکمل شہادت ملے بغیر میں ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ کافی باعزت اور اونچی پوزیشن کے لوگ ہیں۔ خیر اچھا..... اب تم اپنا تجربہ شروع کرو۔"

حمید فون کا سلسلہ منقطع کرکے سوچ میں پڑ گیا۔ ضروری نہیں کہ فون خواب گاہ میں ہو
قاسم کے نوکر یا گھر کے افراد شاید ہی اُسے جگانے کی ہمت کرسکیں۔ پھر اچانک اُسے یاد آیا
اس نے ایک بار دو تین ٹیلی فون آپریٹر لڑکیوں کا تعارف قاسم سے کرایا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ
انہیں فون کرتا ہو۔ دن کو بیوی کی وجہ سے دشواری ہوتی ہوگی اس لئے وہ رات کو ضرور کرتا
کرتا ہوگا۔ وہ دونوں الگ الگ کمرے میں سوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے آج کل
فون خواب گاہ میں رکھ چھوڑا ہو۔

اس نے قاسم کو فون کرنے سے پہلے ایک بار پھر فریدی سے رابطہ قائم کیا۔

"ہیلو..... میں ہوں..... جی ہاں..... مگر سعید بابر کو تو آپ نے لنکس لین سے بھگا دیا ہے۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ ابھی تک وہیں جما ہوا ہے۔ میرے کہنے کا
پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے بعد کو مجھے فون کیا تھا۔ کہتا تھا کہ وہ قطعی کسی سے مرعوب ہونے والا
نہیں ہے۔ اگر اس کا بھائی یہاں ایڑیاں رگڑ کر مرا ہے تو میں بھی یہیں مرجاؤں گا۔ وہ کہتا
کہ وہ ایسے بزدلوں سے مرعوب نہیں ہوسکتا جو ایک اپاہج کی رقم ہضم کرکے اسے بھیک مانگنے پر
مجبور کرتے رہے۔ اب میں تمہیں بتاؤں کہ قاسم کی وجہ سے اُسے وہ کوٹھی چھوڑنی ہی پڑے گی"

"آخر آپ اُس بیچارے کو وہاں سے کیوں نکلوانا چاہتے ہیں۔"

"یہ ابھی نہ پوچھو..... بس دیکھتے جاؤ۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کردیا۔ اب حمید قاسم کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ اُسے تقریباً
چھ بار نمبر ڈائیل کرنے پڑے۔ پھر دوسری طرف سے ریسیور اٹھنے کی آواز آئی۔

"ہالو..... قون..... کون ہے۔" قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔

"قاسم صاحب.....!" حمید نے اپنی آواز بدلنے کی کوشش کی۔

"ہاں قاسم صاحب..... تم کون ہو..... یہ بھی توئی حرکت ہے۔"

"کیا راحلہ جاگ رہی ہیں۔"

"ابے تم کون ہو.....!" قاسم دہاڑا۔

"سعید بابر.....!" حمید نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا.....!" چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید کے "ہیلو" کہنے پر قاسم پھٹ پڑا۔ "ابے او
بابر کے بچے تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے..... سالے.....!"

"ذرا تمیز سے گفتگو کیجئے۔" حمید نے لہجے میں غصیلا پن پیدا کیا۔

"تیری تمیز کی دم..... یہ راحلہ کیا تیری ممانی لگتی ہے۔"

"قاسم صاحب! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔"

"ابے میں تیری بوٹیاں اڑا دوں گا۔ بڑا افریقہ کا بچہ۔ خبردار جواب کبھی ادھر کا رخ کیا۔
بھس بھر دوں گا۔"

"میں آپ کی دھجیاں اڑا دوں گا۔ آپ ہیں کس خیال میں۔" حمید نے کہا۔ "راحلہ
ہے اور ہمیشہ میری رہے گی۔"

"تیرے باپ کی ہے راحلہ..... اچھا ٹھہرو..... سُوّر کے بچے! میں وہیں تمہارے گھر پر آتا
پھر دیکھوں گا کہ راحلہ کس کی ہے۔"

"آپ میرے گھر پر آکر اپنی موت کو دعوت دیں گے۔"

"اچھا..... اچھا.....!"

"راحلہ کو ساتھ لیتے آیئے گا۔" حمید نے کہا۔

"خاموش.....!" قاسم چنگھاڑا۔ "سُوّر کے بچے..... ابے میں سچ مچ آرہا ہوں۔ اسی
پھر دیکھوں گا کہ تجھ میں کتنا دم ہے۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔ حمید پیٹ دبائے ہوئے بے تحاشہ قہقہے لگا رہا
اس نے پھر فریدی سے گفتگو کرنے کے لئے ریسیور اٹھایا۔

"کیا بات ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"وہ ابھی اور اسی وقت سعید بابر کی ہڈیاں توڑنے جا رہا ہے۔"

"خوب.....!"

"میں بھی جا رہا ہوں۔"

"تم کیا کرو گے۔"

"واہ.....اصل تفریح تو وہیں ہوگی.....اچھا میں چلا۔"

"ٹھہرو.....! سنو وہ دونوں تمہیں دیکھنے نہ پائیں۔"

"آپ مطمئن رہیں.....!" حمید نے کہا۔ ریسیور کریڈل میں ڈالا اور بڑی تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگا۔ کمرے سے باہر نکلتے وقت اُس کے جسم پر سیاہ پتلون اور چمڑے کی جیکٹ تھی۔

اُسے کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ اُس نے گھر سے سعید کی کوٹھی تک کا راستہ کیسے طے کیا۔ کار ایک گلی میں کھڑی کر کے

وہ کوٹھی کی پشت پر پہنچ گیا۔ کوٹھی کے گرد قد آدم چہار دیواری تھی۔ حمید بڑی احتیاط سے اس پر چڑھا اور دوسری طرف اتر گیا۔

لیکن آج ایک حیرت انگیز بات اس نے مارک کی تھی۔ کوٹھی کی کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا تھا اور عمارت کی بعض کھڑکیوں میں روشنی بھی نظر آ رہی تھی۔

حمید پام کے گملوں کی اوٹ میں رک گیا۔ یہاں سے پھاٹک صاف نظر آتا تھا۔ اچانک اُسے قاسم کی آواز سنائی دی، جو شاید پھاٹک میں داخل ہونے سے پہلے ہی دہاڑنے لگا۔

"ابے او سعید بابر کے بچے.....میں آ گیا.....نکل تو باہر۔"

پھر پھاٹک میں اس کے پہاڑ جیسے جسم کا دھندلا سا سایہ نظر آیا۔ وہ پورچ کی طرف بڑھ رہا تھا اور ساتھ ہی مغلظات کا طوفان امنڈا ہوا تھا۔ اچانک حمید کے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے کیونکہ قاسم کے پیچھے بھی ایک سایہ تھا۔ وہی گول مٹول سا سایہ جو تھوڑی دیر قبل فریدی کی کوٹھی میں نظر آیا تھا۔ وہی تھا.....سو فیصدی وہی تھا۔

حمید اُسے محض واہمہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ زمین پر کسی بڑی سی گیند کی طرح لڑھک رہا تھا اور قاسم شاید اس کی موجودگی سے لاعلم تھا۔ دونوں میں بمشکل تمام دس گز کا فاصلہ رہا ہوگا۔

حمید بوکھلا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فائر کر دینے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

اس نے ریوالور نکال کر پے در پے تین فائر جھونک دیئے۔

"ہت تیرے کی.....!" اُس نے قاسم کی چنگھاڑ سنی۔ "سالے بزدل۔"

حمید نے اس گول مٹول سائے پر فائر کیے تھے اور اُسے اچھل کر دوبارہ زمین پر گرتے دیکھا تھا مگر پھر اُس کے بعد وہ نظر نہیں آیا اور قاسم بھی ندارد.....

"قاسم.....!" حمید نے اُسے آواز دی۔

"قق.....قون.....!" قریب ہی سے کپکپاتی ہوئی آواز آئی۔

ساتھ ہی کسی نے اوپری منزل کی ایک کھڑکی سے آوازوں کی سمت ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

"حمید بھائی.....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ شائد ابھی تک زمین پر چت پڑا رہا تھا۔ پھر وہ اوپری منزل والی کھڑکی کی طرف ہاتھ ہلا کر چیخا۔

"آؤ سالے.....نیچے آؤ۔ تم نے ایک پولیس آفیسر کی موجودگی میں مجھ پر گولیاں چلائی ہیں۔"

"کون ہے.....!" اوپر سے آواز آئی۔

"میں تمہارا باپ.....نیچے آؤ.....!" قاسم نے للکارا۔

حمید بوکھلا گیا۔ یہ نئی مصیبت تھی۔ قاسم کو کنٹرول کرنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ کیا سوچ کر آیا تھا اور کیا ہو گیا؟ فریدی نے اُس سے کہا تھا کہ وہاں اس کی موجودگی کا علم اُن دونوں کو نہ ہونے پائے۔ مگر وہ پُراسرار سایہ درمیان میں آ کودا۔ اگر حمید اس پر فائر نہ کرتا تو قاسم کہاں ہوتا۔

"قاسم شور نہ مچاؤ" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "تم اس وقت خطرے میں تھے۔ گولی میں نے چلائی تھی۔"

"ارے واہ.....!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "میں ہی خطرے میں تھا اور مجھ ہی پر تم نے گولی چلائی.....تمہاری عقل میں کھوپڑی ہے یا نہیں۔"

دفعتاً نچلی منزل کا دروازہ کھلا اور بیرونی برآمدے کا کچھ حصہ روشن ہو گیا۔

سعید بابر شب خوابی کے لباس میں دروازے میں کھڑا تھا۔ قاسم بڑی تیزی سے اس کی طرف جھپٹا۔ مگر حمید نے اس سے بھی زیادہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"اس سالے کو بار بر بناؤں گا۔ مگر تم نے مجھ پر فائر کیوں کیا تھا۔" وہ رک کر حمید کی طرف پلٹ پڑا۔

"کون صاحبان.....!" سعید بابر نے برآمدے سے کہا۔ "میں نے شاید فائروں کی آوازیں سنی تھیں۔ میرے ہاتھ میں بھی ریوالور ہے اور میں ایک ستون کی اوٹ میں ہوں۔"

"کیپٹن حمید.....!" حمید نے گرجدار آواز میں کہا۔

"اوہو..... کپتان صاحب..... فرمایئے۔" سعید بابر پھر روشنی میں آ گیا۔

"میں فرماؤنگا.....!" قاسم دہاڑا۔ "اور ایسا فرماؤنگا کہ تم مہینوں چار پائی سے اٹھ نہ سکو گے۔"

"یہ کون صاحب بول رہے ہیں کپتان صاحب! آپ حضرات یہاں کیوں تشریف لائے۔"

"جہاں تم کہو۔" قاسم نے چیلنج کرنے کے انداز میں کہا۔ "میں ہر جگہ تیار ملوں گا۔"

"قاسم خاموش رہو.....!" حمید نے کہا۔

وہ دونوں برآمدے میں پہنچ گئے۔

"اوہو..... قاسم صاحب.....!" سعید بابر نے حیرت سے کہا پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت آپ حضرات کی موجودگی کا کیا مطلب ہے۔"

"موجودگی کا مطلب موجودگی ہے۔" قاسم غرایا۔ "ہاں اب کہو، جو کچھ کہہ رہے تھے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا جناب۔"

"جناب سالا گیا چولہے میں..... میں شرافت سے نہیں پیش آؤں گا۔"

حمید نے سوچا کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو فریدی اچھی طرح اُسکی خبر لے گا۔ لہٰذا اس نے سعید بابر سے کہا۔ "کیا آپکو علم ہے کہ آج رات بھی آپ بال بال بچے ہیں۔"

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ بال بال بچے ہیں۔" قاسم غرایا۔ "کیا تم میرا ہاتھ پکڑ لو گے ہے اتنی ہمت..... ہاں بابر صاحب۔ اب تم راحلہ کا نام ناپاک زبان سے نکالو تو دیکھوں۔"

"راحلہ کیا مطلب.....!"

قاسم کا ہاتھ چل گیا۔ بھرپور ہاتھ۔ سعید بابر لڑکھڑاتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"قاسم..... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید درمیان میں آ گیا۔ "پیچھے ہٹو ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"ارے..... ارے.....!" قاسم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"بس چلے ہی جاؤ۔ اسی میں خیریت ہے۔ میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔ سعید بابر کی

حفاظت سرکاری طور پر کر رہا ہوں۔ اس وقت تمہارا دوست نہیں..... جاؤ۔"

سعید بابر فرش پر بیٹھا بایاں گال دبائے خون تھوک رہا تھا۔

"اچھا سرکاری کے بچے! میں تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔" قاسم یکلخت دوسری طرف مڑتا ہوا بولا۔ پھر برآمدے کے نیچے اتر کر دھاڑا۔ "سعید بابر..... کان کھول کر سن لو..... اب اگر تم نے راحلہ کا نام بھی لیا تو جہنم میں ہو گے۔ ہاں.....!" اور پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا تاریکی میں گم ہو گیا۔

"یہ یہاں اس وقت کیوں آیا تھا۔" حمید نے سعید بابر سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا..... عجیب وحشی آدمی ہے۔"

"ویسے وہ کئی بار مجھ سے بھی کہہ چکا ہے کہ اُسے آپکا اور راحلہ کا ملنا جلنا پسند نہیں ہے۔"

"جھک مارتا ہے..... میں اور راحلہ بہت جلد شادی کرنے والے ہیں۔"

"اوہ خیر..... مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ نئی اطلاع اُس کے لئے سنسنی خیز ضرور تھی۔ سنسنی خیز اس لئے تھی کہ قاسم اس کے متعلق سنتے ہی شائد اپنی ہی ہڈیاں چبا ڈالے۔"

"آج یہاں دراصل میری ڈیوٹی تھی۔" حمید نے سعید بابر سے کہا۔ "جس دن سے آپ پر حملہ ہوا ہے کوئی نہ کوئی یہاں ضرور موجود رہتا ہے۔"

"میں شکر گذار ہوں جناب۔"

"ذرا ٹارچ مجھے دیجئے اور میرے ساتھ آیئے۔" وہ دونوں برآمدے میں آئے۔

حمید نے ٹارچ کی روشنی وہاں ڈالی جہاں اُسے وہ پُراسرار سایہ نظر آیا تھا۔ یہاں ویسے تو حیرت انگیز نشانات موجود تھے۔

"میرے خدا.....!" سعید بابر خوفزدہ آواز میں بڑبڑایا۔

"میں نے اسی پر فائر کیا تھا..... مگر شائد وہ فولاد یا پتھر کی کوئی مخلوق ہے۔"

"چلئے۔" سعید بابر اُسکا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کیطرف کھینچتا ہوا بولا۔ "یہاں اب نہ ٹھہریئے۔"

سعید دوڑ رہا تھا۔ حمید کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ لہٰذا حمید کو بھی دوڑنا پڑا تھا۔ سعید بابر دروازہ بند کر کے ہانپنے لگا۔

خوفناک لمحات

حمید کو نہیں معلوم تھا کہ اب فریدی کا کیا پروگرام ہے۔ اُس نے اُسے وہ سارے واقعات بتائے تھے جو سعید بابر کی کوٹھی میں پیش آئے تھے، جواب میں فریدی نے مسکرا کر صرف اتنا ہی کہا۔ ”ضروری نہیں کہ ہماری ساری اسکیمیں کامیاب رہی ہوں۔ میں نے دوسری طرح کام نکالنا چاہتا تھا مگر نہیں ہوسکا۔“

حمید نے سوچا کہ نہیں ہوسکا تو جہنم میں جائے۔ اُسے کیا؟ مگر اُس نے فریدی کو راحلہ اور سعید بابر کی ہونے والی شادی کی خوشخبری سنا ہی دی۔

”بہت دلچسپ.....!“ فریدی مسکرایا۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

”ضرور دلچسپ.....!“ حمید دانت نکال کر بولا۔ ”دوسروں کی شادیوں کے متعلق سن کر آپ کو کافی مزہ آتا ہے۔“

فریدی باہر جانے کے لئے تیار تھا اس لئے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ حمید اپنے کمرے میں آگیا، وہ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں بمشکل تمام تین گھنٹے سویا ہوگا۔

بستر پر جانے سے پہلے اُس نے قاسم کو فون کیا۔ فون سلیمہ نے ریسیور کیا تھا۔ پھر قاسم آگیا۔

”میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا“ قاسم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”مت کرو بات.....لیکن میں سرکاری طور پر وہاں سعید بابر کی حفاظت کے لئے تھا۔“

”سرکاری کی ایسی کی تیسی۔ تم نے پہلے مجھ پر گولی چلائی پھر دوبارہ گولی مار دینے کی دھمکی دی۔ ویسے اگر تم مجھ سے نپٹنا چاہو تو میں اب بھی تیار ہوں۔“

”میں نے تم پر گولی نہیں چلائی تھی۔ تمہارے پیچھے ایک آدمی تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سعید کی تاک میں آیا ہو۔ بہرحال میری ایک بھی گولی اس کے نہیں لگی۔ سعید بابر کی زندگی خطرے میں ہے۔ ایک بار تمہاری موجودگی میں بھی اس پر فائر ہو چکا ہے۔“

”صرف زندگی خطرے میں ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ سالا مرے بھی تو کسی طرح۔“

”اب میں ایک بُری خبر سناؤں گا“ حمید نے کہا۔ ”راحلہ اور سعید کی شادی ہونیوالی ہے۔“

”کیا.....!“ قاسم دہاڑا۔ ”کبھی نہیں ہونے دوں گا۔“

”بھلا تم کیسے روک سکو گے۔ راحلہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔“

”میں دونوں کو گولی مار دوں گا۔“

”آخر کیوں! تمہارا کیا بگڑتا ہے۔“

”میں اب دنیا میں کسی کی شادی نہیں ہونے دوں گا..... سامجھے۔“

”کیوں برخوردار.....!“

”یونہی.....میرا دل چاہتا ہے اور اب تو میں سعید بابر کو شہر ہی میں نہ رہنے دوں گا۔“

قاسم نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ حمید نے جیسے ہی ریسیور رکھا۔ گھنٹی پھر بجی۔

”ہیلو.....حمید۔“ آواز آئی۔ آواز فریدی کی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ ”عدنان والا کیس بھی میرے ہی پاس ہے۔ تم تنویر سے مل کر اُن چاروں آدمیوں کے متعلق ضرور معلومات فراہم کرو، جو عدنان کے ساتھ ہی غائب ہوگئے تھے۔ اس کے لئے اپنی تمامتر ہمدردیاں ظاہر کرنا محض اس لئے کہ ہم میں شناسائی تھی سمجھے۔“

”سمجھ گیا..... جارہا ہوں۔ لیکن نیند کی وجہ سے دماغ کچھ ماؤف سا ہو رہا ہے۔ اگر ایسی ذہنی حالت میں مجھے تنویر سے عشق ہوگیا تو تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ کیونکہ نیند ہی کے عالم میں ایک بار.....!“ حمید بکتا رہا اور فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اُسے بہت عرصہ سے تنویر کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ اُس نے اس کی حیرت انگیز صحت کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔

تنویر نے اُسے اپنے نجی آفس میں ریسیو کیا۔ لیکن حمید اس کے چہرے سے قطعی اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ اپنے لڑکے کے لئے مغموم ہے۔

آفس میں دو لڑکیاں رجسٹروں پر جھکی ہوئی تھیں۔

”مجھے یہاں کی پولیس سے بڑی شکایت ہے۔“ تنویر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن آپ لوگ بھی غلطیاں کرتے ہیں۔ کئی بار کے سزا یافتہ لوگوں کو آپ نے باڈی گارڈ بنا رکھا تھا۔“

"یہ تو مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ وہ سزا یافتہ تھے۔" تنویر بولی۔ "اُن مردودوں نے مجھے اپنے سرٹیفکیٹ دکھائے تھے۔"

"چوریوں، ڈکیتیوں اور کشت وخون کے سرٹیفکیٹ . . . . . !" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.....انہوں نے کہا کہ وہ ریٹائرڈ فوجی ہیں۔ ان کے پاس سرٹیفکیٹ تھے۔"

"اوہ.....تو آپ ان کے متعلق دھوکے میں تھیں۔"

"قطعی دھوکے میں رہی۔"

"وہ آپ کے پاس کب سے تھے۔"

"پانچ سال سے.....لیکن اس دوران میں کبھی انہوں نے مجھے شکایت کا موقع نہیں دیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ عدنان کو کیوں لے گئے۔"

"اگر عدنان صاحب ہی انہیں کہیں لے گئے ہوں تو۔"

"نہیں.....وہ مجھے اطلاع دیئے بغیر کہیں نہیں جاسکتا۔" تنویر نے کہا اور کچھ سوچنے لگی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کچھ اور بھی کہے گی لیکن وہ کافی دیر تک کچھ نہ بولی اور حمید دونوں لڑکیوں کا جائزہ لیتا رہا۔

"ٹھہریئے.....میں ابھی آتی ہوں۔" تنویر نے کہا اور اٹھ کر آفس سے نکل گئی۔

حمید اب باقاعدہ طور پر لڑکیوں کو گھورنے لگا تھا۔ ایک لڑکی سے کئی بار نظریں ملیں۔ حمید کے دیکھنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ لڑکی کو بولنا ہی پڑا۔

"کیا آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں.....!" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لڑکیوں کو کلرکی کرتے دیکھ کر میرا کلیجہ خون ہوجاتا ہے۔"

لڑکی بُرا سا منہ بنا کر پھر کاغذات میں مشغول ہوگئی۔ حمید نے دوسری لڑکی کی طرف دیکھا جو اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کا کلیجہ خون کیوں ہوجاتا ہے جناب۔"

"آپ اتنی ذراسی بات نہیں سمجھ سکتیں۔ میں لڑکیوں کو انکے صحیح مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ذرا مجھے بھی تو آگاہ کیجئے اس مقام سے۔" لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"رنگین مرغزاروں میں چاندی کی جھیلوں کے کنارے، صنوبر کے سائے تلے اور.....!"

"یعنی ہم.....!" لڑکی بات کاٹ کر بولی۔ "مرغزاروں کی گھاس چریں اور جھیل سے ٹھنڈا پانی پی کر سورہیں۔"

"اوہو.....آپ میں جمالیاتی حس بالکل نہیں معلوم ہوتی۔"

"جی ہاں.....اس وقت بالکل مردہ ہوگئی ہے جمالیاتی حس.....کیونکہ صبح سے اب تک صرف دو سلائیس اور ایک کپ چائے پر ہوں۔ لنچ کے بعد پھر جاگ اٹھے گی جمالیاتی حس۔"

"اوہو! مجھ سے غلطی ہوئی۔" حمید جلدی سے بولا۔ "لڑکیوں کا صحیح مقام دراصل باورچی خانہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری نانی صاحبہ اپنے وقت کی سب سے بڑی مفکر تھیں۔"

"خدا غارت کرے ان نانیوں اور دادیوں کو انہیں کی بدولت عورتوں کی مٹی پلید ہوئی ہے۔"

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ تنویر واپس آگئی۔ لیکن اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا آنکھوں سے بے چینی مترشح تھی۔

"ذرا میرے ساتھ آیئے۔" اس نے کہا اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔ حمید اٹھ کر باہر نکل آیا۔

"کیا بات ہے.....آپ کچھ پریشان سی نظر آرہی ہیں۔"

"ہاں.....میں پریشان ہوں۔ میں دراصل آپ کو ایک چیز دکھانا چاہتی تھی لیکن اب وہ وہاں نہیں ہے.....آیئے میرے ساتھ۔"

حمید اپنے شانوں کو جنبش دے کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ رہائشی عمارت میں آئے۔ یہ شاید نشست ہی کا کمرہ تھا۔ تنویر نے منٹل پیس پر رکھے ایک آبنوسی ڈبے کی طرف اشارہ کیا جس پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔

"آج کل میری کوٹھی میں کچھ نامعلوم آدمی.....ٹھہریئے۔" وہ دروازے کی طرف جھپٹی اور حمید اس ڈبے کی طرف دیکھنے لگا۔ تنویر کا جملہ اور اشارہ دونوں ہی ادھورے سے رہ گئے تھے۔ وہ دروازے تک گئی اور پھر واپس آگئی۔

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ہر وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی چھپ کر میری گفتگو سن رہا ہو.....عدنان کا اس طرح غائب ہو جانا کسی گہری سازش کا پیش خیمہ ہے۔ پہلے تو میں یہ سمجھتی تھی کہ شاید وہ چاروں مجھ سے کوئی بڑی رقم وصول کرنا چاہتے ہیں۔“

”ہمارا بھی یہی خیال تھا۔“ حمید نے کہا۔

”مگر اب.....پچھلی ہی رات کی بات ہے کمپاؤنڈ میں کچھ نامعلوم آدمی موجود تھے انہوں نے کئی کھڑکیوں سے شیشے توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش بھی کی تھی۔“

”کامیاب نہیں ہو سکے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں کامیاب ہو سکے.....لیکن آج صبح میں نے ایک کھڑکی کے نیچے ایک لاکٹ پڑا پایا تھا۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ پولیس کے کسی کام آ سکے لہٰذا میں نے اُسے اس سیاہ ڈبے میں رکھ دیا۔ آپ کی آمد پر میں نے ارادہ کیا کہ وہ لاکٹ آپ کو دکھاؤں.....مگر میرے خدا اس ڈبے میں لاکٹ کی بجائے.....!“

تنویر پھر خاموش ہوگئی۔ اُسکے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بُری خبر سناتے ہوئے ڈر رہی ہو۔ آخر اس نے بدقت تمام کہا۔ ”اس ڈبے میں ایک کٹا ہوا ہاتھ ہے۔“

حمید ڈبے کی طرف جھپٹا اور اُسے مینٹل پیس سے اتار کر کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

”کیا یہ مقفل ہے۔“ اُس نے پوچھا۔

”نہیں وہ سفید بٹن دبایئے۔“ تنویر بولی۔

بٹن پر انگلی پڑتے ہی ڈھکن اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا.....لیکن حمید.....لڑکھڑا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ڈبہ اب بھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ مگر نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ آنکھوں اور ڈبے کے درمیان زرد رنگ کا گہرا غبار حائل ہو گیا تھا۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اندھیرے میں ہو۔ گہرے اندھیرے میں۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد ہوش آیا۔ اُسے وقت کا احساس نہیں ہوا۔ البتہ اب بھی وہ اندھیرے ہی میں تھا اور اس کی ذہنی حالت اعتدال پر نہیں آئی تھی۔ اُس نے زمین سے اپنا وہ ہاتھ اٹھانا چاہا جس پر ریڈیم ڈائیل کی گھڑی تھی لیکن یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ ویسے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے ہاتھ پیر آزاد ہیں۔

ہوش میں آئے ہوئے کافی وقت گذر گیا لیکن حمید کی ذہنی اور جسمانی حالت درست نہ [illegible]ئی۔ اس کا ذہن اوٹ پٹانگ خیالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ کیفیت وہی تھی جو کسی بے ربط [illegible]اب کی ہوتی ہے۔

پھر اُس نے کسی کے قدموں کی آہٹ سنی اور دفعتاً چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ زینوں [illegible]ے تنویر نظر آئی۔ بڑی شان سے آہستہ آہستہ نیچے آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا [illegible]ڑ تھا.....وہ حمید سے تین یا چار فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔ اس کی آنکھوں سے حقارت اور [illegible]ت جھانک رہی تھی۔

”عدنان کہاں ہے۔“ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

”میں.....کیا جا.....نوں.....!“ حمید نے بدقت کہا۔

”یہ اذیت خانہ ہے.....تم سسک سسک کر مر جاؤ گے۔“

حمید نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن دوسرے ہی لمحے میں تنویر نے اس کے سینے پر پیر رکھ دیا [illegible]ر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے سینے کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔

پتہ نہیں وہ حقیقتاً اتنی ہی طاقتور تھی یا یہ حمید کی موجودہ نقاہت تھی جس کی بناء پر اس نے [illegible]یسا محسوس کیا تھا۔

”خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ پڑے رہو۔ اُس نے اس کے سینے پر سے پیر [illegible]ہٹاتے ہوئے کہا۔ ورنہ یہاں تمہیں کوئی رونے والا بھی نہیں ملے گا۔“

حمید پھر حمید تھا اور تنویر عورت تھی۔ معمر اور سخت مزاج ہی سہی لیکن اپنی صحت اور رکھ رکھاؤ [illegible]کی بناء پر غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتی تھی۔

”تنویر.....!“ حمید نے دردناک لہجے میں کہا۔ ”ہوش میں آنے کے بعد میں کچھ اور سمجھا [illegible]تھا کہ تم عدنان کا قصہ لے بیٹھیں۔“

”کیا سمجھے تھے۔“ تنویر غرائی۔

”میں سمجھا تھا شاید تم مجھ پر عاشق ہو گئی ہو۔“

”شٹ اپ.....!“ چمڑے کا ہنٹر حمید کے پیروں پر پڑا۔ مگر وہ تلملانے کی حد تک بھی ہاتھ

پیر نہیں ہلا سکتا تھا۔ ڈبے سے نکلنے والا زرد رنگ کا غبار شائد اسی لئے استعمال کیا گیا تھا کہ اس کی قوت ہی ختم ہو جائے۔ مگر حمید کی زبان کی قوت سلب کرنا کس کے بس کا روگ تھا۔

"میں اس ٹریجڈی کے بعد ایک کہانی لکھوں گا جس کا عنوان ہوگا 'سنگدل محبوبہ'۔"

ہنٹر پھر پڑا۔

"مار ڈالو.....!" حمید مسکرا کر بولا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ حمید کو چوٹ کا بھی کچھ ایسا زیادہ احساس نہیں ہو رہا تھا۔

تنویر چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔

"تمہیں بتانا پڑے گا کہ عدنان کہاں ہے۔"

"ہم اُسے تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر یہ طریقہ بڑا عجیب وغریب ہے۔ تنویر کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ عدنان کو ہم نے اغواء کیا ہے۔"

تنویر کچھ نہ بولی۔ وہ غور سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"خدا کی قسم بس ذرا سا مسکرا دو۔ ان پتلی پتلی یاقوتی قاشوں پر مسکراہٹ بڑی بھلی لگتی ہوگی۔"

"شٹ اَپ.....!"

حمید ایک ٹھنڈی سی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ عدنان کہاں ہے۔

"کیا تم ایک رات زغالی کے گھر نہیں گئے تھے۔" تنویر نے پوچھا۔

"یقیناً گیا تھا.....!"

"تمہارے ساتھ کون کون تھا۔"

"سارجنٹ رمیش اور پروفیسر دیال۔"

"کیوں گئے تھے۔"

"کسی عجیب وغریب جانور کے پیروں کے نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے۔"

"نشانات کہاں ملے تھے۔"

"افریقہ کے ایک تاجر سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں۔"

"تمہیں زغالی کے پاس کس نے بھیجا تھا۔"

"کرنل فریدی نے۔"

"اُسے کیا معلوم کہ زغالی اُس کے متعلق کچھ بتا سکے گا۔"

"کرنل فریدی آدمی نہیں جن ہیں۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

تنویر تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموش ہو گئی اور حمید بولا۔ "تم آخر یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو۔ کیا تم اُس جانور کے متعلق کچھ جانتی ہو۔"

"ہاں..... میں جانتی ہوں۔" تنویر کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "میں جانتی ہوں۔ وہ آدمی کا گوشت بڑی رغبت سے کھاتا ہے۔ کل رات وہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کا گوشت کھانے کیلئے گیا تھا مگر وہ دونوں ہوشیار تھے۔ پھر وہ سعید بابر کا گوشت کھانے کیلئے گیا لیکن وہاں بھی کیپٹن حمید ہی آڑے آیا۔ لہٰذا اب تم خود سوچ لو کافی سمجھدار ہو۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ اب اس کی عقل راستے پر آ رہی تھی۔ نہ صرف عقل صحیح راستے پر آ رہی تھی بلکہ فریدی کی بعض "حماقتیں" بھی یاد آ رہی تھیں۔ مثلاً پچھلی رات کو اس نے اس گول [illegible]ل بلا کے تعاقب میں جانے کی بجائے تنویر کے ٹیلی فون نمبر ڈائیل کرنا شروع کر دیئے تھے۔

تو کیا..... تنویر ہی..... حمید کانپ گیا۔ اُس نے تنویر کی طرف دیکھا جو پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو۔" تنویر کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے میں گونجی۔

حمید کچھ نہ بولا۔

"میں تمہیں دکھاؤں گی۔" تنویر دائیں طرف والی دیوار کی طرف جاتی ہوئی بولی۔ اچانک کمرے کی تیز روشنی دھندلاہٹ میں تبدیل ہو گئی..... اور حمید نے محسوس کیا جیسے سامنے والی دیوار اپنی جگہ سے کھسک کر ایک طرف دوڑتی چلی گئی ہو۔ ساتھ ہی سڑتے ہوئے گوشت کی بدبو سے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔

ہٹی ہوئی دیوار کی دوسری طرف گہری تاریکی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ تاریکی بھی دھندلاہٹ میں تبدیل ہو گئی۔

فرش پر ایک بہت بڑی سی گیند لڑھکتی پھر رہی تھی۔ حمید کچھ اس قسم کی آوازیں بھی سن رہا تھا جیسے کوئی ریلوے انجن اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔

"مُدونگا.....! میں وہاں روشنی کروں گی۔" تنویر نے کہا۔

اور وہ گول مٹول سایہ لڑھکتا ہوا ایک طرف چلا گیا اور دوسرا کمرہ بھی روشنی میں نہا گیا۔

مگر حمید نے دوسرے ہی لمحے میں اپنی آنکھیں بند کرلیں کیونکہ سامنے ہی اسے انسانی ہڈیوں کے تین پنجر نظر آ گئے تھے۔ دو تو صرف ہڈیوں کے ڈھانچے تھے لیکن تیسرے پر ابھی تھوڑا گوشت باقی تھا اور شاید یہ اسی کی بدبو تھی۔ اچانک ایک آدمی گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اُس کمرے میں آ گیا جہاں حمید فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ آنے والے کا شیو بڑھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر مردنی تھی۔ آنکھیں حلقوں میں گھسی ہوئی تھیں۔ حمید نے اسے پہچان لیا۔ وہ انہیں چاروں میں ایک تھا جن کی تصویریں اُس نے کوتوالی میں دیکھی تھیں وہ آتے ہی تنویر کے قدموں پر ڈھیر ہوگیا۔

"معاف کردیجئے محترمہ.....خدا کے لئے معاف کردیجئے۔" وہ روتا ہوا گڑگڑایا مگر تنویر نے بُرا سامنہ بنا کر اُسے ٹھوکر ماردی۔

حمید کی حالت رفتہ رفتہ بہتر ہوتی جا رہی تھی لیکن وہ فرش پر بے حس و حرکت پڑا رہا تھا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ گول سایہ روشنی کا نام سن کر وہاں سے ہٹ کیوں گیا تھا۔

"نہیں تجھے معاف نہیں کیا جاسکتا۔" تنویر روتے ہوئے باڈی گارڈ سے کہہ رہی تھی۔

"تو مُدونگا کی غذا بنے گا۔ اس کے لئے یہاں ایک شکار اور بھی ہے کیپٹن حمید۔ وہ نہیں بتاتا کہ عدنان کہاں ہے۔ اگر تو بتا دے تو میں اُسے معاف کرسکتی ہوں۔"

حمید نے دل میں کہا۔ "تم مجھے ضرور معاف کردو گی میری الہڑ بڑھیا۔"

اب بہت کچھ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس نے نحیف آواز میں کہا۔ "میں بتادوں گا۔"

"بتاؤ..... میں تمہیں معاف کردوں گی۔"

"پانی.....!"

"بتانے کے بعد پانی بھی مل جائے گا۔"

"میں مر رہا ہوں.....!" حمید نے اس طرح اپنی آنکھوں کو گردش دی جیسے سچ مچ اس پر طاری ہو رہی ہو۔

"پانی.....!" اُس کے حلق سے ایک ڈراونی سی آواز نکلی۔

"میں پانی لا رہی ہوں۔" تنویر نے کہا اور زینوں کی طرف جھپٹی۔ حمید نے اس وقت تک ہنگ جاری رکھی جب تک کہ اس کے قدموں کی آہٹ سکوت میں نہیں ڈوب گئی۔

دوسرا بدنصیب آدمی اُسے بڑی بے تعلقی سے دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس ہر قسم کے جذبات فنا ہوگئے ہوں حتیٰ کہ اس کے چہرے پر خوف کے آثار بھی نہیں تھے۔ نے اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا اور وہ گھٹنوں کے بل جھپٹا جیسے کوئی کتا اپنے مالک سیٹی پر دُم ہلاتا ہوا دوڑا چلا آئے۔

"یہ روشنی میں کیوں نہیں آتا۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"روشنی میں اُسے دکھائی نہیں دیتا۔"

"وہ ہے کیا بلا۔"

"خبیث.....نہ وہ آدمی ہے اور نہ جانور۔"

"کیوں نہ ہم اُسے مار ڈالیں۔"

"ناممکن.....وہ ہزاروں پر بھاری ہے.....لیکن کیا آپ کے پاس ریوالور ہے۔"

"نہیں.....!"

"قطعی ناممکن.....!"

"پھر کیا تم مرنا ہی چاہتے ہو۔" حمید نے کہا۔

"مقدر.....!" اُس نے بے بسی سے کہا لیکن پھر جلدی سے بولا۔ "تنویر کے بلاؤز کے بان میں ہر وقت ایک پستول رہتا ہے۔"

"اوہ.....بس اب تم ہٹ جاؤ۔" حمید نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ باڈی گارڈ پھر ٹنوں کے بل چلتا ہوا وہیں پہنچ گیا۔ جہاں تنویر اُسے چھوڑ کر گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پھر زینوں پر قدموں کی آہٹ ہوئی۔ تنویر پانی کا گلاس لئے ہوئے نیچے آ رہی تھی۔ اُس نے قریب آ کر حمید کو آوازیں دیں۔ لیکن حمید چپ چاپ پڑا رہا۔ تنویر شاید یہ سمجھی کہ اس پر دوبارہ غشی طاری ہوگئی ہے۔

وہ اس کے قریب ہی بیٹھ کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی اور پھر حمید یک بیک اس پر ٹوٹ پڑا۔ سب سے پہلے اس کا ہاتھ اس کے گریبان کی طرف بڑھا لیکن کامیابی نہ ہوئی اور حمید اُس کی طاقت کا اندازہ کر کے ششدر رہ گیا۔ وہ کبھی کسی عورت میں اتنے پھرتیلے پن اور طاقت کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ تنویر اس کی گرفت سے نکل گئی اور باڈی گارڈ چیخا۔

''کپتان صاحب یہ سوئچ بورڈ کی طرف نہ جانے پائے۔''

حمید نے پھر اس پر چھلانگ لگائی مگر اس کا سر دیوار سے ٹکرایا لیکن وہ پھر سنبھل کر تنویر کی طرف جھپٹا۔ مگر اب وہ سوئچ بورڈ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ دفعتاً روشنی دھندلاہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ باڈی گارڈ کے حلق سے ایک خوفزدہ سی چیخ نکل گئی۔ دوسری طرف تنویر چیخ کر بولی۔

''مڈونگا میں خطرے میں ہوں۔''

حمید کو بس اتنا ہی یاد ہے وہ گیند سی بلا اتنی تیزی سے وہاں پہنچی تھی جیسے کسی نے اس پر ہٹ لگائی ہو۔ تنویر نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ ''مڈونگا'' لیکن وہ آگے نہ کہہ سکی کیوں کہ زینوں کی طرف سے پے در پے تین چار فائر ہوئے۔ کمرے میں سیٹیاں اور سسکاریاں گونجنے لگیں۔

''تنوی..... تنوی.....!'' سیٹیوں اور سسکاریوں میں کوئی کہہ رہا تھا۔ ''میں تو چلا..... تیرا وقت بھی قریب ہے۔''

تنویر دیوانہ وار زینوں کی طرف فائر کرنے لگی اور پھر شاید اس کا پستول خالی ہی ہوگیا۔ سیٹیاں اور سسکاریاں اب بھی کمرے میں گونج رہی تھیں اور وہ بڑی سی گیند اپنی ہی جگہ پر بڑی تیزی سے گردش کر رہی تھی۔ زینوں کی طرف ایک فائر پھر ہوا اور وہ آوازیں بھی ختم ہوگئیں۔

حمید نے اندھیرے میں فریدی کا قہقہہ سنا وہ کہہ رہا تھا۔ ''تنویر اب وہ چیز ختم ہوگئی جس

کی وجہ سے تم سالہا سال سے اپنے گھر والوں اور قریبی حلقوں میں پُراسرار مشہور رہی ہو اور یہ خالی پستول اب اپنے سر پر مارلو۔ کم از کم ایک کارتوس خودکشی کے لئے تو چھوڑا ہوتا۔''

سائے کی لاش

فریدی سوئچ بورڈ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے کمرے میں روشنی کردی۔ دفعتاً تنویر کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ فریدی کے ساتھ عدنان بھی تھا۔

وہ عجیب الخلقت آدمی یا جانور فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ انتہائی ڈراؤنا۔ اس کی لاش بھی خوفزدہ کردینے کے لئے کافی تھی۔ اس کا قد بمشکل تمام چار فٹ رہا ہوگا۔ پھیلاؤ بھی اُس سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ چہرہ جھریایا ہوا اور خوفناک تھا۔ بڑے بڑے دانت ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ پلکیں تک سفید ہوگئی تھیں اور اس کے پیر..... وہ یقیناً عجیب تھے۔ خود اس کی ہئیت سے بھی زیادہ عجیب۔

''مڈونگا.....!'' اچانک تنویر چیخ مار کر اس کی لاش پر گر پڑی۔

''میرے پیارے.....!'' وہ اپنے بال نوچ رہی تھی۔ ''تو دس ہاتھیوں سے زیادہ طاقتور تھا..... مگر میرے پیر چاٹتا تھا۔ مڈونگا..... میں تجھ پر ظلم کرتی تھی۔ تجھے کوڑے لگاتی تھی تو میرا پرستار تھا۔ میں زندگی بھر تیرے لئے روتی رہوں گی۔ تیرے قاتل کو کبھی معاف نہ کروں گی۔''

''ممی..... کیا تم پاگل ہوگئی ہو۔'' عدنان جھینپے ہوئے انداز میں چیخا۔ تنویر کچھ نہ بولی۔

وہ آگے کی طرف جھکی اور مردہ آدم خور کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیا۔

''میں اسے گولی ماردوں گا۔'' عدنان فریدی سے ریوالور چھیننے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

فریدی نے اُسے آہستہ سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت یہ تمہاری ماں نہیں ہے۔ صرف ایک عورت ہے۔''

عدنان سر جھکائے ہوئے زینوں کی طرف مڑ گیا۔ فریدی نے اُسے روکا نہیں۔ وہ اوپر جانے کے لئے زینے طے کر رہا تھا۔ حمید اور فریدی خاموش کھڑے رہے۔ باڈی گارڈ ایک

کونے میں منہ ڈالے کھڑا بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"بدبو سے میرا دماغ پھٹ رہا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "یہ کمبخت آدم خور بھی تھا۔ تین باڈی گارڈوں کو صاف کرگیا۔ ان کی لاشیں سڑ رہی ہیں اور چوتھا وہ اُدھر ہے۔"

فریدی حمید کی بات کی طرف دھیان دیئے بغیر تنویر کی طرف بڑھا جو اب بھی مڈونگا کی لاش پر پڑی کسی چھوٹی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

فریدی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"جاؤ یہاں سے ..... میں تم سے التجا کرتی ہوں۔ اگر میں مجرم ہوں تو مجھے اسی تہہ خانے میں بند کردو۔ میں ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤں گی۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "اسی لئے میں نے تمہارے لئے خودکشی تجویز کی تھی کیونکہ تمہارے عدالت میں پیش ہونے سے عدنان کا سوشل اسٹیٹس خطرے میں پڑجائے گا۔ ہاں سعید بابر اور داراب کی گرفتاری میں مجھے مدد ملے گی۔"

"سعید بابر ..... داراب .....!" تنویر نے حیرت سے کہا اور اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

چند لمحے فریدی کو گھورتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "انہیں کیوں گرفتار کرو گے۔ ان کی پشت پناہی کررہے تھے تم .....!"

"ہاں ..... میں کبھی کبھی مجرموں کو اُس وقت پکڑتا ہوں جب وہ میرے گلے میں بانہیں ڈالے مجھے اپنی محبت کا یقین دلا رہے ہوں۔"

"اُس کے بھائی کا قصہ .....!" تنویر نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

"اُس کا بھائی .....!" فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اُس کا بھائی ابھی میری محافظت میں تھا اور شاید سوتیلی ماں اس وقت میرے سامنے کھڑی ہے۔"

"تم کیا ..... جانو ..... تم کیا جانو .....!" اس نے مضطربانہ انداز میں فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا

فریدی اسی طرح کھڑا رہا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔

"میرے ذرائع لامحدود ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر عدنان اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

"نہ جانتا ہوگا ..... میں نے ابھی تک اُس سے اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔"

"میں ضرور مدد دوں گی۔ تم جو کچھ بھی کہو، میں ان کتوں کی لاشیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے خواہ مخواہ میری پرسکون زندگی میں زہریلے کانٹے بوئے۔ میں سب کچھ بھول گئی تھی۔"

"تمہیں براہِ راست پولیس سے مدد طلب کرنی چاہئے تھی۔"

"میں اپنی پرانی تاریک زندگی پر سے پردہ نہیں ہٹانا چاہتی تھی۔ تمہیں پورے حالات کا علم نہیں ہے شاید۔"

فریدی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اپنی کلائی کی گھڑی کیطرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میرے ساتھ آؤ ..... وقت کم ہے۔" پھر اُس نے باڈی گارڈ سے کہا۔ "شنکر تم یہیں ٹھہرو گے۔"

"اچھا ..... حضور ..... والا .....!"

وہ تینوں اوپر آئے اور حمید نے محسوس کیا کہ وہ ابھی تک ایک تہہ خانے میں رہے ہیں۔

تنویر بڑبڑا رہی تھی۔ "عدنان کو تہہ خانوں کا بھی علم نہیں تھا۔"

فریدی نے کہا۔ "مجھے ان پُراسرار کمروں کا علم عدنان سے ہوا تھا۔ تہہ خانے میں نے دریافت کئے تھے۔ میری اسکیم دوسری تھی۔ یہاں اس طرح آنے کا ارادہ نہیں تھا جس طرح پہنچا ہوں۔ مگر میرے مخبروں نے خبر دی کہ کیپٹن حمید کو تمہاری کوٹھی سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا گیا اور اس وقت شاید مجھے ایک منٹ کی بھی دیر ہوتی تو .....!"

"مجھے اس پر افسوس نہیں ہے۔" تنویر نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں عدنان کو بچانا چاہتی تھی لیکن مڈونگا کی موت کے بعد مجھے اس کے بچ جانے کی بھی خوشی نہیں ہے۔ میں شروع ہی سے سمجھتی تھی کہ عدنان تمہارے قبضے میں ہے۔"

"چار خون تمہاری گردن پر ..... زغالی کو بھی تم نے ہی گولی ماری تھی اور برقعہ زینوں پر پھینک گئی تھی۔"

"میری گردن پر سینکڑوں خون ہیں۔" تنویر نے لاپروائی سے کہا۔ "زغالی کو اس لئے مار دیا تھا کہ کہیں مڈونگا کی کہانی تم تک نہ پہنچ جائے۔ وہ اس سے واقف تھا۔"

حمید اس کی گفتگو پر عش عش کر رہا تھا۔ ایسی عورت آج تک اس کی نظر سے نہیں گذری تھی۔ ابھی ابھی اُسے ایک سنگین ترین جرم کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا لیکن اب وہ اتنے سکون اور اتنی لاپروائی سے باتیں کر رہی تھی جیسے کسی ڈرامے کی ریہرسل میں حصہ لے کر لوٹی ہو۔

اوپر سارے کمرے ویران پڑے تھے۔ کہیں بھی کوئی نوکر نہیں دکھائی دیا۔ شاید تنویر نے انہیں چھٹی دے دی تھی۔

''میں نے یہی سمجھ کر عدنان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ تم لوگوں کے قبضے میں ہے۔'' تنویر نے کہا۔

فریدی ایک کمرے میں رک گیا اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''بیٹھ جاؤ..... ابھی ہمیں آدھے گھنٹے تک انتظار کرنا پڑے گا۔''

''عدنان کہاں ہے..... میں اب اُس کے سامنے نہیں آنا چاہتی۔''

''میں خود نہیں چاہتا..... وہ تمہیں گولی مار دے گا۔''

تنویر کچھ نہ بولی۔ فریدی نے کہا۔ ''وہ میرے آدمیوں کے پاس محفوظ ہے۔''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو۔''

''میں انہیں موقع پر گرفتار کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اُن کے خلاف میرے پاس فی الحال ایک شہادت ہے وہ بھی مکمل نہیں ہے۔''

''موقع سے کیا مراد ہے۔''

''ان کا خیال ہے کہ عدنان کا اغواء محض افواہ ہے۔ وہ یہیں اسی کوٹھی میں کہیں موجود ہے۔ لہٰذا آج وہ تم دونوں کو ختم کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تمہارے مڈونگا کے لئے بھی وہ کافی انتظامات کے ساتھ آئیں گے ان کے ساتھ ایک بہت بڑا جال ہوگا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ویسے تمہیں عدالت میں حاضر کر دینے کے لئے وہ ایک باڈی گارڈ ہی کافی ہوگا جو بچ گیا ہے اور تین لاشیں۔''

''تم بار بار اُس کا تذکرہ نہ کرو۔ میں کہہ چکی ہوں کہ میری گردن پر سینکڑوں کے خون ہیں۔ آج بھی افریقہ کے مشرقی ساحل کے لوگ سنالنی کے نام سے کانپتے ہیں۔''

''سنالنی.....!'' یک بیک فریدی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں..... سنالنی..... سمندری ڈاکو، جس کا صحیح حلیہ کہیں کے سرکاری ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔''

''ہاں..... میں سنالنی ہوں۔'' تنویر غرائی۔ ''سنالنی تنوی..... میں نے درجنوں سرکاری جہاز لوٹے ہیں۔ جب میں اپنے قزاقوں سمیت کسی جہاز پر جا پڑتی تھی تو وہاں آگ خون اور چیخوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ میں سنالنی تنوی ہوں جس نے سفید فام جہاز رانوں کی زندگی تلخ کر دی تھی۔ میری لاش کے لئے انگریزوں نے ایک لاکھ پونڈ کے انعام کا اعلان کیا تھا۔ تم آج بھی میری لاش انگریزوں کے حوالے کر کے ان سے یہ انعام حاصل کر سکتے ہو۔ ایسے اب شاید ہی انگلینڈ والوں کو یقین آئے کہ میں ہی سنالنی ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی مہم میں کام آ گئی۔''

''تم یہاں بہت دنوں سے ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''ہاں..... میں یہاں اس وقت آئی تھی جب عدنان صرف ایک سال کا تھا اور اُسی ذلیل کی بدولت آئی تھی جس کے بیٹے نے یہاں بھی میری زندگی تلخ کر دی۔ افریقہ کے مشرقی ساحل پر قزاقوں کے کئی گروہ کام کرتے تھے۔ میرا گروہ سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اکثر یہ گروہ آپس ہی میں ٹکرا جاتے اور اچھا خاصا کشت و خون ہوتا۔ ایک گروہ کا سردار بابر تھا۔ اسی سعید بابر اور عدنان کا باپ۔ ہم دونوں کے گروہ ایک بار آپس میں ٹکرا گئے۔ بابر کے گروہ کو شکست ہوئی۔ وہ گرفتار ہو کر میرے سامنے آیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے بابر سے باقاعدہ طور پر شادی کر لی۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے کچھ دن وہ ساحل پر رہتا تھا اور کچھ دنوں کے لئے اندرون ملک میں چلا جایا کرتا۔ لیکن اس نے مجھے اپنا صحیح نام بار بھی نہیں بتایا تھا۔ وہ شہباز کے نام سے مشہور تھا۔ میں کچھ اس طرح اس کی محبت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ میں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے! حالانکہ مڈونگا نے مجھے شادی ہی کے موقع پر آگاہ کر دیا تھا کہ شادی کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میں نے اس کی بات پر دھیان نہ دیا۔ وہ ایک بہت بڑا جادوگر اور ستارہ شناس تھا۔ سینکڑوں میل دور سے طوفان کی بو سونگھ لیتا تھا۔ وہ ہاتھیوں کی طرح طاقت ور تھا۔ میرا غلام تھا۔ مجھ سے ڈرتا تھا۔

میرے پیر چاٹتا تھا۔ میں نے اس کا کہنا نہ سنا۔ بہر حال شادی ہوگئی۔ پھر عدنان پیدا ہوا..... اور مجھے شہباز کے بارے میں کچھ شکوک نے گھیر لیا۔ اکثر وہ تین تین ماہ غائب رہتا۔ ایک بار میں نے چھپ کر اس کا تعاقب کیا اور پھر یہ حقیقت مجھ پر کھلی کہ وہ نیروبی کا ایک باعزت تاجر ہے بہت بڑا تاجر اور اس کا نام شہباز نہیں بلکہ بابر تھا اور یہی نہیں..... یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ ایک لڑکے اور تین لڑکیوں کا باپ ہے۔ لڑکا اس وقت بارہ سال کا تھا۔ مجھ پر خون سوار ہوگیا۔ میں نے چاہا کہ بابر کو قتل کردوں مگر اس بار مڈونگا نے مجھے بہت بڑی دھمکی دی۔ اُس نے کہا کہ اگر میں نے بابر کے خون میں ہاتھ رنگے تو وہ مجھے قتل کردے گا۔ اس نے کہا کہ بابر کا خون میرے لئے تباہی لائے گا۔ میں نے بابر کے سلسلے میں ایک بار اس کی بات نہیں مانی تھی اس کے لئے مجھے پچھتانا پڑا تھا۔ لہٰذا اب مجھے اس کی بات کو اہمیت دینی پڑی۔ میں نیروبی سے دل شکستہ واپس آئی۔ دل مردہ ہوگیا تھا اس لئے قزاقی ترک کردی چونکہ میرا صحیح حلیہ سرکاری فائلوں میں موجود نہیں تھا اس لئے میں کچھ دنوں کے بعد یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی لیکن داخلہ باضابطہ طور پر نہیں ہوا۔ میں مڈونگا کو بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔ چونکہ وہ عجیب الخلقت تھا اس لئے مجھے اس کو دوسروں کی نظروں سے چھپائے رکھنا پڑتا تھا۔ مڈونگا نے کبھی کسی حال میں میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میرا دل زندگی کے آخری لمحات تک اس کیلئے روتا رہے گا۔"

تنویر ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی۔

"مگر سعید بابر کو کیسے علم ہوا کہ تم اس کی سوتیلی ماں ہو۔ ظاہر ہے کہ بابر نے ا... خاندان والوں سے یہ بات چھپائی ہوگی کہ اس نے دوسری شادی کرلی ہے۔ اگر یہ بات ... تو وہ تمہیں اپنی اصلیت سے کیوں نہ آگاہ کرتا۔"

"آج سے دس سال پہلے بابر یہاں آیا تھا۔ اتفاقاً ایک جگہ مجھ سے ملاقات ہوگئی۔ شکایات کا دفتر لے بیٹھا۔ میں نے اس سے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ وہ مجھے بھول جا... اور سکون سے زندگی بسر کرنے دے ورنہ اس کا انجام بڑا دردناک ہوگا۔ میں اب بھی وہی ... ہوں جس کا نام مشرقی ساحل کی عورتیں اپنے بچوں کو ڈرانے کے لئے استعمال کرتی تھیں بہر حال وہ مجھ سے متفق ہوگیا۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے بہت ڈرتا تھا اُس نے ا...

بیٹے سے میرا اور عدنان کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا کہ ہم دونوں اس کے لئے خطرناک بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔ بہر حال جب اس کتے نے عدنان پر حملہ کیا تو میں سمجھ گئی کہ بابر کے خاندان کے کسی فرد نے اس سرزمین پر قدم رکھا ہے۔ کتے کی شکل و شباہت عدنان نے مجھے بتائی تھی اور اسی بناء پر میں نے یہ سوچا تھا۔ کیونکہ اس قسم کے کتے بابر کے علاوہ شاید ساری دنیا میں اور کسی کے پاس نہیں تھے۔ بابر کو کتوں کا شوق تھا اور وہ ان کی نسلوں پر مختلف قسم کے تجربے کیا کرتا تھا۔ کئی نسلوں کے ملاپ سے اس نے یہ نئی نسل پیدا کی تھی۔ یہ بڑے خطرناک اور انتہائی درجہ زہریلے تھے۔ اکثر وہ انہیں بحری حملوں میں استعمال کیا کرتا تھا۔"

"مگر یہ کتا تو داراب کے پاس تھا۔" فریدی نے کہا۔ "میں تصدیق کرچکا ہوں۔ وہی اُسے ایسے کاموں کے لئے استعمال بھی کرتا تھا۔"

"ہوسکتا ہے..... داراب اور بابر بہت پرانے دوست تھے۔ میجر داراب اب بھی بہت دنوں تک افریقہ میں رہ چکا ہے اور شائد اب بھی وہاں اس کی تجارت ہے۔ بہر حال سعید بابر اس کے بل بوتے پر یہاں آیا ہے..... اور داراب..... وہ ویسے بھی مجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔ وہ بہت عرصہ سے مجھ سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا میں نے اسے دھتکار دیا۔ ایک موقع پر اکی بے عزتی بھی کی اور پھر وہ خاموش ہو رہا۔ لیکن.....!"

"آہا..... ٹھہرو.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا اور ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کررہا ہو۔ پھر وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "تنویر! تم اپنی پوری قوت سے عدنان کو آواز دو۔ اسی طرح آواز دیتی ہوئی اوپری منزل پر چلو..... کہیں کی روشنی نہ جلانا..... چلو اٹھو..... یہ آخری مرحلہ ہے اس کے بعد مجرم ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"بس دیکھتی رہو..... اٹھو..... دیر نہ کرو.....!" فریدی نے حمید کو بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ تنویر عدنان کو آوازیں دیتی ہوئی زینے طے کررہی تھی۔ اچانک حمید نے عدنان کی بھی آواز سنی "میں یہاں ہوں ماں.....!"

آواز کے ساتھ ہی ایک کمرہ روشن ہوا۔ پھر شاید اُسی کمرے کی کسی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ

کر چھنچھناتا ہوا فرش پر آ رہا۔

"بہت عمدہ....." فریدی بڑبڑایا۔ "سب کچھ اندازے کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔ آؤ تنویر واپس چلیں.....کام ہو گیا۔"

"کیا ہو گیا.....!"

"جس کمرے سے عدنان کی آواز آئی تھی وہاں کھڑکی کے قریب ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا جیسے ہی کمرے میں روشنی ہوئی مجسمے کو عدنان سمجھ کر باہر سے کسی نے فائر کر دیا اور ظاہر ہے کہ اب فائر کرنے والا ہاتھوں ہاتھ یہاں لایا جا رہا ہوگا۔"

"کیا تمہارے آدمی یہاں موجود ہیں۔"

"تقریباً پچاس آدمی تاریک کمپاؤنڈ میں بکھرے ہوئے ہیں۔"

"اوہ! تم واقعی بہت اونچے آدمی ہو۔ بہت ذہین.....مگر اس کتے نے تم پر حملہ کیوں کیا تھا۔"

"سعید بابر میری طرف سے مطمئن نہیں تھا.....وہ جانتا تھا کہ میں اس کی مخالفت ہی میں تفتیش کرتا رہا ہوں۔"

وہ تینوں پھر نیچے آ گئے۔

"اسٹڈی میں چلو.....!" فریدی نے تنویر سے کہا۔ "میرے آدمی انہیں وہیں لائیں گے۔"

اسٹڈی میں پہنچ کر وہ بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ باہر روش پر بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک جم غفیر اندر گھس آیا۔ یہ سادہ لباس والے تھے اور انہوں نے میجر داراب اور سعید بابر کو پکڑ رکھا تھا۔

"آہا.....کرنل صاحب۔" دفعتاً سعید بابر نے خوشی کا نعرہ لگایا۔

"ہاں.....!" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم شاید یہ سمجھے ہوگے کہ یہ تنویر کے آدمی ہیں۔"

"جی ہاں.....ہم اُس گول سائے کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔ وہ اندر گھسا اور ایک پائپ کے سہارے دیوار پر چڑھ ہی رہا تھا کہ میجر داراب نے اس پر فائر کر دیا۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ اسی عمارت میں رہتا ہے۔ یہیں.....اور اگر وہ یہیں رہتا ہے تو اس عورت

ے پوچھئے کہ میرے مفلوج بھائی نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ اس نے اُسے فٹ پاتھ پر کیوں کا کر مارا..... پوچھئے نا.....!"

"تم نے اس کے سائے کو یہاں کب دیکھا تھا۔"

"ابھی ابھی.....ابھی میجر داراب نے اس پر فائر کیا تھا.....دو منٹ بھی نہ گذرے ہوں گے۔"

"حالانکہ.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں اُسے ایک گھنٹہ قبل ختم کر چکا ہوں۔ کیا تم ے کی لاش دیکھو گے۔"

"اوہو! تو پھر وہ دوسرا.....!"

"دوسرا آج تک پیدا ہی نہیں ہوا سعید بابر۔" فریدی بولا۔ "اور سعید بابر.....اس عورت نے تمہارے بھائی کو جنم دیا تھا۔ وہ اسی کی گود میں پل کر جوان ہوا ہے اور تمہاری جائیداد میں سے آدھا حصہ یقینی طور پر ملے گا۔"

"پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"تم بیکار اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔" داراب نے سعید سے کہا۔ "یہ لوگ ہمیں کسی جال ں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

اچانک حمید نے داراب کی پیٹ میں ایک گھونسہ رسید کر دیا اور جیسے ہی وہ چیخ مار کر دوہرا ہوا دونوں ہاتھوں کے گھونسے اس کے شانوں پر پڑے اور وہ منہ کے بل فرش پر گر گیا۔

"ہائیں.....ہائیں.....کپتان صاحب۔" سعید بابر بولا اور حمید کا الٹا ہاتھ اس کے گال پر

"تم لوگ مفت میں مجھے رات بھر جگاتے رہے ہو۔" حمید غرایا۔

داراب اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس بار حمید نے اس کے سر پر ٹھوکر ماردی اور وہ اُسے ال دیتا ہوا دوبارہ ڈھیر ہو گیا۔

"سعید بابر.....!" فریدی بولا۔ "سلمیٰ براؤن میری قید میں ہے اور اس نے اعتراف کیا ہے۔ اُس کے ایک پاسپورٹ کی تصویر میک اپ میں تھی۔ تم نے بڑا پُراسرار ڈرامہ کھیلا تھا بنانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ تم دونوں کے پاسپورٹ جعلی تھے۔ تم بہت دنوں سے

یہاں آ گئے تھے۔ تم ہی فقیر بن کر سڑکوں پر بھیک مانگتے پھرتے تھے پھر ایک دن تم مر گئے۔ تم
نے پہلے ہی کسی رشید بابر کے نام یہاں کے بینکوں میں رقمیں منتقل کرنی شروع کر دی تھیں۔
مقصد یہ تھا کہ تم یہاں اپنے کسی بھائی کی موجودگی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ پھر اس کا بھی اعلان
چاہتے تھے کہ وہ بھائی مر گیا اور تم اب اپنے باپ کی جائیداد کے تنہا مالک ہو۔ تمہیں خدشہ تھا کہ
کبھی نہ کبھی تنویر یا عدنان تمہاری افریقہ والی جائیداد کے دعویدار بن جائیں گے۔ بس تم نے فقیر
کا بہروپ اختیار کر لیا۔ کچھ اس قسم کی صدائیں لگاتے رہے کہ لوگ تم میں دلچسپی لینے لگے۔ یہ
تم نے اس لئے کیا تھا کہ تمہاری شکل و شباہت اُن کے ذہن نشین ہو جائے۔ لہٰذا یہی ہوا۔
جب تمہاری تصویر اخبارات میں چھپی تو لوگوں میں حیرت پھیل گئی۔ جب تم نے اپنے بھائی کی
کہانی چھیڑی تو کم از کم مجھے بھی یقین ہو گیا کہ وہ تمہارا بھائی ہی رہا ہوگا۔ تم جانتے تھے کہ تنویر
سب کچھ سمجھ جائے گی لیکن تمہارے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہ کر سکے گی۔ کیونکہ ایسی صورت
میں خود اس کی بھی پول کھل جائے گی۔ تم تو دراصل تنویر کے مرنے کے بعد عدنان کے کی
اقدام کے امکانات پر غور کر رہے تھے۔ تمہاری دانست میں تنویر مرتے وقت ہی عدنان کو اس
راز سے آگاہ کر کے کاغذات اُس کے سپرد کرتی۔ تم نے ٹھیک سوچا تھا۔ تنویر حقیقتاً اس بکھیڑے
کو اپنی زندگی میں نہ اٹھنے دیتی۔ ہاں تو تم ایک فائر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ عدنان کی
موت..... اور تمہارے بھائی کی موت کی سرکاری طور پر تصدیق..... اگر ان میں سے ایک کا
بھی ہو جاتا تو تمہاری دولت ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی اور عدنان کو تم قتل نہ کر سکتے، تب بھی
تمہارا کام بن جاتا۔ اگر عدنان کبھی یہ جھگڑا اٹھاتا بھی تو تم یہ کہہ دیتے کہ یہ آدمی یقیناً اس پار
سے تعلق رکھتا ہے جو تمہارے بھائی کی موت کی ذمہ دار تھی۔ تم نے شروع ہی سے ہمیں یہ با
کرانے کی کوشش کی تھی کہ کچھ لوگ تمہیں زبردستی یہاں سے واپس بھیجنا چاہتے ہیں۔ اُس د
جب تم کیپٹن حمید کو اپنی روداد سنا رہے تھے تم پر ایک فائر ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ فائر تمہارے
کسی آدمی نے کیا ہوگا۔ پھر لسلی براؤن والا اسٹنٹ سامنے آیا اس کا مقصد بھی محض حالات
پُراسرار بنانا تھا۔ یعنی تمہاری پُراسرار داستان تمام میں پھیل جائے۔ دوسری طرف تم ہمیں
سمجھانا چاہتے تھے کہ تمہارے بھائی کی موت کے ذمہ دار لوگوں کی حمایت سے لسلی براؤ

لق ہے اور تمہیں خوف زدہ کرنے کے لئے تمہارے پیچھے لگ رہی ہے تاکہ تم ان حالات
برا کر یہاں سے بھاگ نکلو۔ آخیر میں ہوتا یہ کہ ایک دن لسلی بھی غائب ہو جاتی اور تم
کی رپورٹ میں ایک بھاری رقم درج کرا دیتے۔ تمہارا کیس اور زیادہ تقویت پا جاتا اور
اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا کہ وہ فقیر حقیقتاً تمہارا بھائی تھا اور ہم اُس کی موت کی تصدیق
دیتے۔"

"کیا آپ مجھے کوئی جاسوسی ناول سنا رہے ہیں۔" سعید بابر مسکرا کر بولا۔ "یعنی میں ہی
ھائی بنا تھا اور پھر مر بھی گیا..... اور اب یہاں کھڑا جاسوسی ناول سن رہا ہوں۔"

"ابھی راحلہ سے تمہاری شادی نہیں ہوئی۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"اس جملے اور اس داستان کا تعلق بھی واضح فرما دیجئے۔" سعید بابر مسکرا کر بولا۔

"ابے بندر کے بچے.....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اپنی یہ مسکراہٹ بند کر دو، ورنہ داراب
طرح تمہیں بھی بیہوش کر دوں گا۔"

"تہذیب کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔" سعید نے سرد لہجے میں کہا۔ "ابھی آپ میرے
ف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکے۔"

"کیا راحلہ کو یہ نہیں معلوم تھا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہ تم حبس دم کے ماہر ہو۔
نے یہ فن ایک ہندو یوگی سے سیکھا تھا۔ تم نے راحلہ کو بھی اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی
کہ وہ تمہارے اس کمال کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔ تمہیں صرف تین چار گھنٹے کے لئے مردہ
نا پڑا تھا۔ حبس دم کے ماہر تو کئی کئی ہفتے زمین میں دفن رہتے ہیں اور پھر زندہ نکل آتے ہیں۔
ری بات یہ کہ تمہاری لاش کے ساتھ تین دوسری لاشیں بھی میڈیکل کالج کو بھیجی گئی تھیں۔
ن وہاں صرف تین پہنچیں۔ مردہ گاڑی کھینچنے والوں کو بھی اس پر حیرت تھی۔ اُن کا بیان ہے
انہوں نے چار لاشیں سول ہسپتال کے مردہ خانے سے اٹھائی تھیں لیکن جب انہوں نے
ڈیکل کالج میں گاڑی کھولی تو اُس میں تین ہی برآمد ہوئیں۔ اُن سے حماقت یہ ہوئی تھی کہ وہ
اڑی کو ایک گلی میں کھڑی کر کے ایک جگہ چرس کے دم لگانے کے لئے رک گئے تھے۔ اسی
ران میں تم گاڑی سے نکل بھاگے، انہوں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا لیکن جب میں

نے تفتیش شروع کی تو انہیں اُگلنا ہی پڑا اور پھر میں نے نیروبی سے بھی تحقیق کی ہے۔ جس کی کہانی وہاں کا سراغ رساں بھی سناتا ہے۔ ویسے وہ تمہارے کسی دوسرے بھائی کے وجود کے متعلق خاموش ہے۔ اس کی دانست میں تمہارا کوئی سوتیلا بھائی ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا کیونکہ تمہارا باپ ایک عیاش آدمی تھا۔ بہرحال میں تمہیں اس سارے فراڈ کے الزام میں حراست میں لیتا ہوں اور تم نے یا داراب نے اس وقت عدنان پر گولی چلائی تھی۔''

پھر اُس نے سادہ لباس والوں میں سے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اسکے ہتھکڑیاں لگا دو۔''

سعید بابر خاموش تھا۔

فریدی نے بیہوش داراب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''میں اسے اس لئے حراست میں لیتا ہوں کہ اس نے ایک رات اُسی زہریلے کتے کے ذریعہ میری زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی تھی۔''

اچانک کمرے میں فائر کی آواز گونجی اور انہوں نے تنویر کو زمین پر گرتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پستول تھا۔ فریدی اس کی طرف جھپٹا۔

''فریدی بیٹے!'' وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ ''میں نے تمہارے ..... کہنے کے مطابق خودکشی کر لی..... میں نے اپنے پستول میں اُوف..... یہ گولی..... اسی لئے بچائی تھی..... مگر گولی ..... کسی وقت..... تم پر بھی..... اُوف ..... اس ..... استعمال کر سکتی تھی۔ مگر ..... بیٹے تمہیں عدنان کا سرپرست سمجھتی ہوں..... وہ تمہیں بہت پسند کرر..... تا..... ہاف.....!''

اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ بائیں طرف جا پڑی۔

''تم بھی بھول گئے تھے کہ پستول اسی کے پاس ہے۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ آنکھیں پھاڑے تنویر کی لاش کو گھور رہا تھا۔

کمرے کی فضا بوجھل سی ہو گئی تھی اور قریب ہی کہیں ایک کتا رو رہا تھا۔

ختم شد

ابنِ صفی

نمبر
18

جاسوسی دنیا

56- پہلا شعلہ
57- دوسرا شعلہ
58- تیسرا شعلہ
59- جہنم کا شعلہ

پیشرس

ہر مصنف کا ایک شاہکار ہوتا ہے۔ ابن صفی کا شاہکار ان کے ناولوں کا سیٹ ''شعلے'' ہیں۔ یہ تمام ناول انفرادی طور پر بھی مکمل ناولٹ ہیں مگر سب کو ملا کر پڑھنے سے لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔

ایڈونچر کے شائق حضرات اس میں اپنی پسند کی بہت سی چیزیں تلاش کرسکیں گے۔ ابن صفی کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر ذوق کی تسکین کا مواد فراہم کرتے ہیں اور کسی کو بھی مایوس نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں ایڈونچر، سیر و سیاحت، دھول دھپہ، سائنٹیفک جاسوسی ادب سب کچھ آپ کو مل جائے گا۔ بیشتر قارئین کی رائے میں یہ ابن صفی کا ماسٹر پیس سلسلہ ہے۔

ڈاکٹر سلمان، تاریہ، خانم اور ساحرہ جیسے ذہن سے چپک جانے والے کرداروں کو آپ کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے۔ کردار نگاری اور ان کی نفسیات پر ابن صفی کو جو ملکہ حاصل ہے اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

پبلشر

ڈاکٹر اوہان

زندگی کی یکسانیت کو مستقل طور پر برداشت کرتے رہنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ خصوصاً کیپٹن حمید جیسے سیلانی آدمیوں کے لئے تو یہ چیز موت سے بھی بدتر ثابت ہوتی ہے۔ تقریباً دو سال سے اس نے کوئی بھی چھٹی نہیں لی تھی اور اب اس بات پر اڑ گیا تھا کہ وہ دو ماہ کی چھٹی لے کر ہی رہے گا۔

چھٹی مل گئی...... لیکن فریدی نے چھٹی نہیں لی۔ ظاہر ہے کہ چھٹی اس لئے نہیں لی گئی تھی کہ وہ اسے شہر ہی میں رہ کر گذار دیتا۔ اپنے شہر سے تو اسے وحشت ہونے لگی تھی۔

گرمیوں کا موسم شروع ہوچکا تھا اس لئے اس نے رام گڈھ جانے کا پروگرام بنایا۔ مگر تنہا نہیں...... اس پروگرام میں گرانڈیل احمق قاسم بھی شریک تھا۔

وہ دونوں آج ہی رام گڈھ پہنچے تھے اور وہاں کے سب سے بڑے ہوٹل ''دلکشا'' میں ان کا قیام تھا...... مگر دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ ان کے کمرے ایک ہی منزل اور ایک ہی راہداری میں تھے۔ لیکن ان کے درمیان تقریباً آٹھ یا دس کمروں کا فاصلہ تھا۔

یہاں آنے سے قبل دونوں نے ایک اسکیم بنائی تھی۔ اسکیم دراصل حمید ہی کی ذہنی اپج کا نتیجہ تھی اور اس اسکیم کی وجہ تھی زندگی کی یکسانیت سے اکتاہٹ۔

یہاں پہنچتے ہی حمید کو یقین ہوگیا تھا کہ اسکیم نہ صرف سو فیصدی کامیاب ہوگی بلکہ اس سے

بہتیرے دوسرے فوائد بھی حاصل ہوں گے۔

ہوٹل میں قیام کرنے والوں میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ حمید نے یہ بھی چیز چند ہی گھنٹوں میں محسوس کرلی۔

اُسے یہاں ملک کی مشہور ایکٹریس روحی نظر آئی اور اس کے تین کمرے اسی منزل اور اسی راہداری میں تھے جہاں حمید اور قاسم کا قیام تھا۔ اس نے روحی کو قریب سے دیکھا اور اس کی باچھیں کھل گئیں۔ دوسری طرف قاسم بھی اسے دیکھ دیکھ کر پلکیں جھپکاتا رہا۔ روحی بڑی حسین تھی۔ یعنی وہ گوشت و پوست میں اپنے عکس سے بھی زیادہ دلکش نظر آتی تھی۔

راہداری سے گذرتے وقت اس نے حمید کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔ کیونکہ حمید کے جسم پر زرد رنگ کا ایک لمبا سا لبادہ تھا اور سر پر سفید سمور کی گول ٹوپی جو سر ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کی بناوٹ کچھ اس قسم کی تھی کہ پہلی نظر میں اس کے سفید اور لمبے بال سر ہی کے بال معلوم ہوتے تھے۔ پیروں میں لومڑی کی کھال کے جوتے تھے۔ حمید نے اس وقت اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

وہ شاید نیچے جارہی تھی۔ قاسم نے دور سے حمید کو آنکھ مارنے کی ناکام کوشش کی تھی...... ناکام یوں کہ وہ دونوں آنکھیں بیک وقت مار بیٹھتا تھا۔

اسی رات ڈائننگ ہال میں حمید کو سینکڑوں آنکھیں گھور رہی تھیں...... وہ اس وقت بھی زرد سلک کے لبادے میں تھا اور سر پر وہی سمور کی ٹوپی تھی لیکن اس وقت اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں اور یہ فریدی کے ایجاد کردہ ایک لوشن کے دو قطروں کا کرشمہ تھا۔ اگر ڈائننگ ہال ایئر کنڈیشنڈ نہ ہوتا تو حمید کی ساری شیخی دھری رہ جاتی۔ سلک کا لبادہ اس کے لئے وبال جان بن جاتا کیونکہ رام گڈھ کی راتیں ہمیشہ بہت سرد ہوتی ہیں اور پھر یہ مارچ ہی کا مہینہ تھا۔ پچھلے مہینے یہاں کثرت سے برف باری ہوتی رہی تھی۔

دوسری طرف قاسم اپنی میز پر تین آدمیوں سے کہہ رہا تھا۔ "یہ عجیب آدمی ہے۔ ہم دونوں نے...... ایک ہی کمپارٹمنٹ میں فسر...... ارر...... سفر کیا تھا...... راستے میں ایک پولیس کپتان سے...... اس کا جھگڑا ہوگیا اس نے کہا کہ تم خواہ مخواہ مجھ سے الجھ پڑے ہو...... پپا گل......

پاگل ہو جاؤ گے...... بس...... جناب اگلے اسٹیشن تک پہنچتے پہنچتے وہ سچ مچ پاگل ہوگیا۔ کمپارٹمنٹ کے کئی آدمیوں کو زخمی کردیا...... لوگوں کو للکار للکار کر گالیاں دیتا رہا...... گاڑی کو دیر تک رکنا پڑا...... بدقت تمام ریلوے پولیس اسے تار کر لے گئی۔"

قاسم نے یہ باتیں اتنی بلند آواز میں کہی تھیں کہ قرب و جوار کی کئی میزوں کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ عورتیں خصوصیت سے بڑی دلچسپی کا اظہار کررہی تھیں۔

"جی ہاں۔" قاسم پھر بولا۔ "میں نے خود اپنی آنکھوں سے اُسے پاگل ہوتے دیکھا ہے۔ بس ایک دم بندروں کی طرح دانت نکال نکال کر...... آنکھیں چپکانے لگا۔" یہاں قاسم نے نہ صرف بندروں کی طرح دانت نکال دیئے بلکہ آنکھیں چپکانے کی کوشش بھی کی۔

کچھ لڑکیاں منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسیں اور قاسم بُری طرح بوکھلا گیا۔ پہلے اس نے دونوں گال پھلائے پھر زبان باہر نکل پڑی اور دوبارہ منہ کے اندر جاتے وقت دانتوں کے درمیان آکر کچل بھی گئی۔

قاسم نے دونوں آنکھیں بند کرلیں اور سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

"کہیں وہ پاگل ہوجانے والے آپ ہی تو نہیں تھے۔" ایک آدمی نے آہستہ سے کہا۔

"جی......!" قاسم سر اٹھا کر غرایا۔

"کچھ نہیں جناب......!" وہ آدمی سہم کر بولا۔ "میں نے یہ عرض کیا تھا کہ وہ یقیناً پاگل ہوگیا ہوگا۔"

"جی ہاں......!" قاسم اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "آپ جھوٹ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ سالا میرا باپ ہے کہ میں اس کے لئے جھوٹ بولوں گا۔"

"نہیں صاحب...... مجھے یقین ہے۔" اس آدمی نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا۔

"آپ نے مجھے پاگل کہا تھا...... ہاں۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے ہرگز نہیں کہا۔"

"تو پھر میں جھوٹا ہوں...... کیوں......!"

"آپ تو خواہ مخواہ...... لیجئے...... میں اٹھا جارہا ہوں۔" اس نے میز چھوڑ دی اور بقیہ

دونوں ہنسنے لگے۔

"ہاں دیکھئے تو سہی۔" قاسم ان کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ابھی بھرتا بنا دیتا۔ سب بھول جاتے پاگل واگل......!"

اتنے میں اسٹیج پر موسیقی شروع ہوگئی اور دو تین لڑکیاں تھرکتی ہوئی ڈائننگ ہال میں آ گئیں۔ مشرقی اور مغربی ملا جلا رقص تھا۔ قاسم دانت نکال کر انہیں دیکھنے لگا۔

دوسری طرف حمید بُرا سا منہ بنا کر اپنی میز سے اٹھ گیا۔ پھر سینکڑوں نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

وہ دوسری منزل کے زینوں کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا کمرہ دوسری ہی منزل پر تھا...... اس کے بعد ہی دو تین عورتیں بھی اٹھ گئیں۔ قاسم نے انہیں بھی دوسری ہی منزل پر جاتے دیکھا تھا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدل کر سوچا "مار دیا سالے نے ہاتھ...... اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

لیکن شاید دوسرے ہی لمحے میں وہ ان سب کو جہنم میں جھونک کر پھر رقص دیکھنے میں محو ہوگیا۔ کبھی کبھی بے خیالی میں وہ خود بھی لچکنے لگتا۔

کچھ تعجب نہیں کہ آس پاس والوں کو اس کے پاگل پن کا یقین بھی ہوگیا ہو۔ کچھ بھی ہو۔ اس رات پورے ہوٹل میں حمید کے متعلق عجیب و غریب روایات مشہور ہوگئیں۔ قاسم نے اسکیم کے مطابق اپنا رول بخوبی انجام دیا تھا۔

لوگ حمید کے کمرے کے قریب منڈلانے لگے۔ وہ یونہی خواہ مخواہ...... راہداری کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ اکثر عورتیں بھی اسی خبط میں مبتلا دیکھی گئیں۔ ایک بار تو فلم ایکٹریس روحی بھی اپنے لمبے بالوں والی سیامی بلی کے متعلق دریافت کرنے کے لئے حمید کے کمرے کے سامنے رکی تھی۔ لیکن حمید نے کچھ ایسے خشک لہجے میں جواب دیا تھا کہ وہ یکلخت جانے کے لئے مڑی تھی۔

"ٹھہرو......!" حمید لاپروائی سے بولا۔

وہ رک گئی مگر اس کی طرف مڑی نہیں۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آج کسی چیز کی پرواہ نہ کرو۔ جو چیز کھو جائے اسے بھی بھول جاؤ۔

اگر کسی کھوئی ہوئی چیز کو تلاش کرو گی تو اب سے بارہ بجے رات تک کسی وقت بھی تمہارے لئے وبال جان بن جائے گی۔"

"کیا میں اس پہیلی کا مطلب پوچھ سکتی ہوں۔" روحی اس کی طرف مڑ کر مسکرائی۔

"آج تمہارے ستارے ایسے ہی ہیں۔"

"میں خود ستارہ ہوں...... کیا آپ نہیں جانتے؟"

"میں جانتا ہوں...... غروب ہوجانے کی بددعا بھی دے سکتا ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور پھر اسی چارٹ پر جھک گیا جو میز پر پھیلا ہوا تھا۔ اس میں عجیب طرح کی تصویریں، ستاروں کی شکلیں اور آڑی ترچھی لکیریں بنی ہوئی تھیں۔ روحی چند لمحے کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر لاپروائی کے اظہار میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر چلی گئی۔

شام ڈائننگ ہال میں وہ دونوں پھر ملے۔ روحی کچھ ایسے انداز میں مسکرائی جیسے وہ حمید کو احمق سمجھتی ہو۔ جواباً حمید بھی ایسے ہی انداز میں مسکرایا جیسے وہ سچ مچ نرا گاؤدی ہو۔

دونوں کے درمیان کئی میزوں کا فاصلہ تھا۔ روحی کی میز پر دو آدمی اور بھی تھے اور ان کا رکھ رکھاؤ بھی 'فلمیانہ' ہی سا تھا۔

اس وقت تک یہ بات بھی ہوٹل میں پھیل چکی تھی کہ اس پراسرار نوجوان نے روحی کو بلی کی تلاش سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ ویسے بلی ہوٹل کے کچن میں مل گئی تھی اور روحی اسے اس وقت اپنے کمرے میں چھوڑ کر آئی تھی۔

قاسم نے بھی سنا تھا کہ حمید نے روحی سے گفتگو کی تھی۔ ظاہر ہے کہ اسے اس پر کیوں نہ تاؤ آتا۔ اس کی دانست میں وہ خود تو مزے کر رہا تھا اور اسے الو بنا کر الگ چھوڑ دیا تھا۔ یعنی اس سے اپنا پروپیگنڈہ کرا کے الو سیدھا کر رہا تھا۔ ویسے قاسم اس وقت حقیقتاً الو سیدھا کرنے کے محاورے پر غور کر رہا تھا اور کافی پی رہا تھا۔ چار چار پیالیوں کی دو کوزیاں اس کی میز پر موجود تھیں اور وہ تنہا تھا۔

"الو سیدھا......!" اس نے آہستہ سے بڑبڑا کر پہلو بدلا اور دور بیٹھی ہوئی روحی کو گھورنے لگا۔

اتنے میں ویٹر اس کے دوسرے آرڈر کی چیزیں لے کر آ گیا اور اس کی میز بھر گئی۔ قاسم کی بلا خوری دو ہی دنوں میں مشہور ہو گئی تھی۔

''الوسیدھا......'' قاسم بے خیالی میں ویٹر کو گھورتا ہو بڑبڑایا۔

''جی صاحب......!'' ویٹر بوکھلا گیا۔

''اوہ......ہی ہی......کچھ نہیں......وہ اس ایکٹرس کا نام حوری ہے نا۔''

''روحی جناب......!''

''ہاں......ہاں......روحی......وہ تمہیں بھی اچھی لگتی ہوگی۔''

''جی......اوے......ہی ہی۔''

پھر دونوں میں غیر ارادی طور پر ''ہی ہی'' کا تبادلہ شروع ہو گیا۔

سب سے پہلے ویٹر ہی کو اس حماقت کا احساس ہوا اور وہ جھینپ کر سر کھجاتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور قاسم میز کی صفائی پر تل گیا۔

آج رقص شروع ہوتے ہی روحی اٹھ گئی لیکن حمید بیٹھا رہا۔ پچھلی رات کی طرح آج اس نے ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

پھر ٹھیک ساڑھے نو بجے گویا ڈائننگ ہال میں زلزلہ سا آ گیا۔ دوسری منزل سے کئی لوگ بدحواسی کے عالم میں نیچے آتے ہوئے دکھائی دیئے تھے۔ انہوں نے کچھ کہا اور لوگ اٹھ کر اوپری منزل کے زینوں کی طرف دوڑنے لگے۔

رقص بند ہو گیا۔ حالانکہ شروع ہوئے دس منٹ بھی نہیں گذرے تھے۔ پورا ہال خالی ہو گیا حتیٰ کہ قاسم بھی اٹھ گیا تھا۔ مگر حمید چپ چاپ بیٹھا رہا۔ ہال میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

اچانک اسے منیجر نظر آیا، جو چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا جناب......!'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''جہاں آپ ہیں وہیں میں بھی ہوں۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

منیجر بھی مزید کچھ کہے بغیر زینوں کی طرف جھپٹا۔ لیکن اسے رک جانا پڑا کیونکہ اوپر سے ایک جلوس نیچے آ رہا تھا۔

سب سے آگے دو آدمی تھے جنہوں نے روحی کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ شاید وہ بیہوش تھی۔ وہ دونوں آدمی وہی تھے جنہیں کچھ دیر قبل روحی کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ وہ دونوں حمید کو بُری طرح گھور رہے تھے۔

روحی کو ایک لمبی سی میز پر لٹا دیا گیا۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں پر لمبی لمبی خراشیں تھیں جن سے خون بہہ رہا تھا......وہ بیہوش تھی......فوراً ہی ڈاکٹر کو فون کیا گیا اور میز کے قریب سے بھیڑ ہٹائی جانے لگی۔

حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ لوگ لمبی میز کے قریب سے ہٹ کر حمید کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

''آپ کی پیش گوئی صحیح نکلی۔'' کسی نے کہا۔ ''اس پر بلی نے حملہ کر دیا۔''

''اس کے باوجود بھی میری باتیں لغو سمجھی جاتی ہیں۔''

''نہیں جناب......میں ان میں سے نہیں ہوں۔'' اس نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔

''اس نے کس طرح حملہ کیا۔'' حمید نے پوچھا۔

''جیسے ہی اس نے کمرے کا دروازہ کھولا......بلی جھپٹ پڑی۔ وہ اسی کمرے میں تھی۔ اب بھی وہ اسی کمرے میں ہے اور وہاں اس نے خاصی توڑ پھوڑ مچائی ہے۔''

''ہوگا......!'' حمید نے لاپروائی سے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''براہ کرم آپ لوگ یہاں اس طرح میرے گرد بھیڑ نہ لگایئے۔ مجھے وحشت ہوتی ہے۔''

''جی ہاں اور کیا......!'' یک بیک قاسم سامنے آ کر بولا۔ ''آپ لوگ یہاں سے ہٹ جایئے۔'' اس نے لوگوں کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔

روحی کو ڈاکٹر کے آنے سے قبل ہی ہوش آ گیا اور وہ اس میز سے اٹھ کر تیر کی طرح حمید کی طرف آئی۔ قاسم حمید کی کرسی کے پیچھے اس طرح کھڑا تھا جیسے کسی بگھی کے پیچھے کوچوان، ایسی صورت میں جب کہ بگھی کا مالک خود ہی اسے ہانک رہا ہو۔

''میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔'' روحی کپکپاتی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''بیٹھ جایئے۔'' حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور قاسم منہ چلانے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ بھی بیٹھ جائے یا اسی طرح کھڑا رہے۔

"کاش میں آپ کا کہنا مان لیتی۔"

"نہیں میں تو گدھا ہوں۔" حمید تلخ لہجے میں بولا۔

"کیا آپ مجھے معاف نہیں کریں گے۔" روحی غم ناک آواز میں بولی۔

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا روحی کے دونوں ساتھیوں میں سے ایک بول پڑا۔ "ارے ختم بھی کرو...... یہ ایک اتفاق تھا۔"

"میں اتفاق کیسے سمجھوں جبکہ بلی تقریباً تین سال سے میرے ساتھ ہے۔ اس سے پہلے کبھی وہ مجھ پر غرائی بھی نہیں۔"

"تب یہ کسی قسم کا فراڈ ہے۔" اس نے کہا۔

"ہائیں......!" قاسم غرایا۔ "قیا تھا...... کہا...... فراڈ...... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"میں آپ سے گفتگو نہیں کر رہا ہوں۔" روحی کے ساتھی نے غصیلے انداز میں کہا۔

"گفتگو کے بچے! تم ڈاکٹر صاحب کی توہین کر رہے ہو۔ گردن توڑ دوں گا۔"

"اجمل فضول باتیں نہ کرو۔" روحی اپنے ساتھی کی طرف مڑی۔

"اور کیا...... جی ہاں...... سمجھا لیجئے...... اجمل فضول کو...... ورنہ......!" قاسم خاموش ہو گیا۔ کیونکہ حمید بول پڑا تھا۔ وہ اجمل سے کہہ رہا تھا۔ "میں پکا فراڈ ہوں...... لیکن ایک ہفتے کے اندر اندر تمہارا ستارہ بھی گردش میں آجائے گا۔"

بات بڑھ جاتی لیکن حمید کے بے شمار حمایتی پیدا ہو گئے۔ ویسے قاسم ہی کیا کم تھا۔ اس وقت وہ ظالم بھی بڑے موڈ میں تھا۔ کسی قسم کا خیال کئے بغیر فرش پر بیٹھ کر حمید کے پیر دبانے لگا۔

"ارے ڈاکٹر صاحب! میں آپ کے قدموں پر جان دے دوں گا۔" وہ بڑبڑاتا جارہا تھا۔

"نہیں...... نہیں مجھے اپنی خدمت سے محروم نہ کیجئے۔"

حمید خاموش بیٹھا رہا اور روحی کئی بار معافی مانگنے کے بعد وہاں سے اٹھ گئی۔ روحی کا ایک ساتھی نیچے ڈائننگ ہال میں رہا۔ شاید وہ وہاں ڈاکٹر کا انتظار کر رہا تھا۔

قاسم اب فرش سے اٹھ کر حمید کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن اس کا سر بڑے مودبانہ انداز میں جھکا ہوا تھا۔

ایک بار منیجر پھر حمید کی میز کے قریب نظر آیا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

"کیا آپ براہ کرم تھوڑی دیر کیلئے میرے آفس تک چل سکیں گے۔" اس کا لہجہ ملتجیانہ تھا۔

"چلئے......!" حمید مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ منیجر متوسط قد مگر ایک فربہ اندام آدمی تھا۔ چلتے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دباؤ پڑ کر اچھلنے والے ربڑ کا آدمی ہو۔ عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ چہرہ بھرا ہوا تھا اور روزانہ شیو کا عادی معلوم ہوتا تھا۔

اپنے آفس میں پہنچ کر اس نے بڑی احتیاط سے دروازہ بند کیا اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"تشریف رکھئے۔"

حمید بیٹھ گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر بے چینی یا تشویش کے آثار نہیں تھے۔ گویا اسے اس کی پرواہ ہی نہیں تھی کہ وہ یہاں کیوں لایا گیا ہے۔

"آپ واقعی باکمال ہیں۔" منیجر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں مان گیا۔"

"مگر یہ بات آپ وہاں بھی کہہ سکتے تھے۔"

"کہہ تو سکتا تھا مگر وہاں اپنی درخواست کیسے پیش کرتا۔ اب اگر آپ مجھ پر توجہ فرمانے کا وعدہ کریں تو عرض کروں۔"

"کیا بات ہے۔"

"بات...... آپ مجھے نہ جانے کتنا ذلیل سمجھیں گے۔ مگر میں کیا کروں...... دل سے مجبور ہوں۔ آپ جانتے ہیں دل کا معاملہ۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں......!" حمید مسکرایا۔

"تو پھر آپ مجھے بُرا نہیں سمجھیں گے۔"

"قطعی نہیں...... آدمی تو ستاروں کا کھلونا ہے۔ کوئی بات اس کے اپنے بس میں نہیں۔" منیجر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "مجھے اپنے سالے کی بیوی سے عشق ہو گیا ہے۔"

حمید بڑی سنجیدگی سے اُسے دیکھتا رہا۔ منیجر نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا کمرے پر ایک بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا تھا۔

تیزاب کی بوتل

تھوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔ ''تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔''

''موت......!'' منیجر گلوگیر آواز میں بولا۔

''یہ بھی آپ کے ستاروں پر منحصر ہے۔''

''پروفیسر صاحب۔''

''لوگ مجھے ڈاکٹر اوہان کہتے ہیں۔'' حمید نے اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر کہا۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ خود ہی سوچئے کہ موت کے علاوہ اور کیا چارہ ہے۔ مگر آپ یہ بتایئے کہ مجھے کامیابی ہوگی یا نہیں۔''

''عشق میں۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں......آپ یہ بات اپنے ہی تک رکھئے گا۔''

''اوہو......تو کیا تم مجھے کوئی گھٹیا آدمی سمجھتے ہو......اور پھر تمہارے عشق کی اہمیت ہی کیا ہے کہ میں اسے شہرت دوں گا۔ تم ایڈورڈ ہشتم ہو۔''

''جی نہیں......آپ خفا ہوگئے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔''

''معاف کردیا......بیٹھ جاؤ......اپنا ہاتھ مجھے دو۔''

حمید تھوڑی دیر تک اس کی ہتھیلی کی لکیریں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''عورت کا نام اور عمر۔''

منیجر نے نام اور عمر بتائے۔ پھر حمید نے بچوں کے متعلق پوچھا۔

''پانچ بچے ہیں۔''

''ہائیں......عمر صرف بیس سال اور بچے پانچ۔''

''جی ہاں......!'' منیجر نے شرما کر کہا۔ ''ہر سال ایک ہوتا ہے۔''

''ستارے......ستارے۔'' حمید معنی خیز انداز میں سر ہلانے لگا۔

اس نے ایک کاغذ پر کچھ آڑی ترچھی لکیریں کھینچیں۔ کچھ ہندسے لکھے تھوڑی دیر تک

آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا رہا پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ''کسی ایسی عورت سے عشق کرنا فضول ہے جس کے پانچ بچے ہوں۔ عمر صرف بیس سال ہو اور اوسط ایک عدد سالانہ...... فضول ہے۔''

''دل سے مجبور ہوں ڈاکٹر صاحب۔''

''اس عورت کے ستارے عشق کے خلاف ہیں۔''

''پھر کیا ہوگا جناب۔''

''مایوسی۔''

''پھر میں کیا کروں۔ اچھا ایک دوسری عورت کے متعلق دیکھئے۔''

''کیا کوئی اور بھی ہے۔''

''جی ہاں......میرا دعویٰ ہے کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہے۔''

''بس......!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''تقریباً ایک ہفتہ عشق سے پرہیز کرو۔ ورنہ نتائج خراب نکلیں گے۔''

''یعنی......!''

''آنے والا ہفتہ عاشقوں کے لئے سازگار نہیں ہے۔ اس ہفتے میں بے شمار عاشق محبوباؤں کے والدین، بھائیوں اور شوہروں کے ہاتھوں پٹیں گے۔ اگر کسی ملک کے فرمانروا نے عشق کرنے کی کوشش کی تو تیسری عالم گیر جنگ اس ہفتے شروع ہوسکتی ہے۔''

''آپ نے میرے خوابوں کو تباہ کردیا۔'' منیجر آہستہ سے بڑبڑایا۔

''میں نے نہیں......ستاروں نے۔'' حمید نے گونجیلی آواز میں کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

قاسم ہال میں اسی میز پر بیٹھا لڑکیوں کو گھور رہا تھا جس سے حمید اٹھ کر گیا تھا۔ اچانک دو عورتیں آکر اسی میز پر بیٹھ گئیں اور قاسم بوکھلا گیا۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن ایک آہستہ سے بولی۔

''سنئے تو سہی۔''

''ج......جی ہاں۔'' قاسم نے سہمی ہوئی نظروں سے زینوں کی طرف دیکھا۔ حمید دوسری منزل پر جا رہا تھا۔

"آپ انہیں جانتے ہیں۔" عورت نے پوچھا۔

"جی ہاں......جی ہاں۔"

"کیا نام ہے۔"

"ڈاکٹر...... ہان......کوہان......!"

"کوہان......!" عورت نے حیرت سے دہرایا۔

"اوہان......میں بھول گیا تھا۔"

"آپ اتنے گھبرائے ہوئے سے کیوں ہیں۔" عورت مسکرائی۔ "ہمیں ان سے ملا دیجئے۔"

"مم......ملا......دوں......مشکل ہے۔"

"کیا وہ صرف روحی جیسی مالدار عورتوں کے مقدر کا حال بتاتے ہیں۔"

قریب تھا کہ قاسم کے منہ سے نکل جائے۔ "بنڈل ہے سالا" اس نے خود کو بڑی سختی سے روکا اور مسکرانے کی کوشش میں سارے دانت نکالتا ہوا بولا۔

"نہیں اس وقت نہیں......اس وقت یاد اللہ۔"

"کیا مطلب......؟"

"اب وہ یاد خدا کریں گے......یعنی کہ عبادت۔"

"کل ملا دیجئے گا۔"

"جی ہاں......جی ہاں۔"

عورتیں کچھ دیر بیٹھی اسے عجیب نظروں سے دیکھتی رہیں پھر اٹھ گئیں۔ قاسم نے ایک طویل سانس لیا اور بڑبڑایا۔ "اکیلے......اکیلے......اچھا بیٹا۔ دیکھ لوں گا۔"

ڈائننگ ہال کی رونق پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ اب یہاں بہت کم لوگ رہ گئے اور وہ بھی کچھ اکتائے اکتائے سے نظر آ رہے تھے۔

قاسم کراہ کر اٹھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے کسی عزیز کو دفن کر کے آ رہا ہو۔

"ذرا سنئے گا......!" وہ کسی کی آواز سن کر مڑا۔ یہ ہوٹل کا منیجر تھا۔

"خیا ہے۔" قاسم غرایا۔

"کیا ڈاکٹر صاحب اوپر تشریف لے گئے۔"

"کیا میں ڈاکٹر صاحب کی دم میں بندھا رہتا ہوں۔" قاسم نے کسی کٹکھنے کتے کی طرح دانت نکالے۔

"اوہ......معاف کیجئے گا۔ میں خود دیکھ لوں گا۔"

"ضرور دیکھ لیجئے۔" قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا اور دل ہی دل میں منیجر کو لاکھوں گالیاں دے ڈالیں اور پھر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے اور کیا کرے۔

دوسری طرف منیجر نے اوپر جا کر حمید کے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ......!" اندر سے آواز آئی۔

منیجر نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔

"اوہو......کیوں......کوئی خاص بات۔"

"میں بہت بے چین ہوں جناب۔"

"ہوں......بیٹھو......!" حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ آدمی قاسم کا بھی چچا معلوم ہوتا ہے۔

"آپ یہ بتائیے اگر اس کے دل میں میرا خیال نہیں ہے تو پھر وہ مجھے خواب میں کیوں دکھائی دیتی ہے۔ کبھی وہ بادلوں سے جھانک کر مسکراتی ہے کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شفق کے رنگین لہریوں سے نکل کر میری طرف آ رہی ہو۔ خواب کی دھندلاہٹ سے عجیب سی خوشبوئیں پھوٹتی ہیں۔"

"آپ کی پلنگ میں کھٹمل تو نہیں ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی......کھٹمل......پتہ نہیں......کیوں......؟"

"ضرور ہوں گے۔"

"پھر اس سے کیا......؟"

"بہت کچھ......!" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "اول تو ایسی حالت میں نیند نہیں آتی اور اگر آ بھی گئی تو اسی طرح کے خواب آتے ہیں۔"

''اُوہو......آپ میرا مذاق اڑانے لگے۔'' منیجر جھینپے ہوئے انداز میں بولا۔

''غلط سمجھے۔ میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ عشق کے لئے یہ ہفتہ موزوں نہیں ہے۔''

''نہیں جناب......آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ میں بھی کیسا گدھا ہوں کہ آپ کے پاس پھر دوڑا آیا۔ روحی کے متعلق آپ نے جو کچھ بھی بتایا تھا وہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ دن اس پر سخت ہیں۔''

''ساری دنیا کیسے جانتی ہے۔ ساری دنیا ستارہ تو نہیں ہے۔''

''ارے جناب کامن سنس بھی تو کوئی چیز ہے۔''

''نان سنس......!''

''جی......!''

''کچھ نہیں......ہاں دنیا کیا جانتی ہے۔''

''ایک بار کسی نے اس کے چہرے پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کی تھی۔ کوئی اس کا چہرہ بگاڑ دینا چاہتا ہے اور اب تو اس کے امکانات اور زیادہ ہوگئے ہیں جب کہ ایکٹرسوں میں مقابلہ حسن کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔''

''روحی سب سے حسین سمجھی جاتی ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''کھلی ہوئی بات ہے......کوئی چاہتا ہے کہ وہ اس مقابلے میں شریک نہ ہو۔''

''تو آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔''

''بلی کے ساتھ یقیناً کوئی کاروائی کی گئی ہوگی تاکہ اس کا چہرہ اپنے نوکیلے پنجوں سے برباد کرے۔ سمجھ گئے جناب......اس میں آپ کے کمال کو دخل نہیں ہے۔''

''لیکن اس کی پیشین گوئی میں نے ہی کی تھی۔''

''کون جانے۔'' منیجر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''آپ بھی انہیں میں سے ہوں۔''

''تم میری توہین کر رہے ہو۔'' حمید گرج کر کھڑا ہوگیا۔ چند لمحے اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''خدا نے چاہا تو......!''

''نہیں......نہیں......!'' منیجر اس کی آگ اگلتی ہوئی آنکھوں کی تاب نہ لا کر چیخا۔ ''کوئی

بددعا نہ دیجئے گا۔''

حمید خاموش ہو کر اُسے گھورتا رہا۔ منیجر بُری طرح کانپ رہا تھا۔ اسے وہ افواہ یاد آ گئی تھی جس کے مطابق ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس ٹرین میں پاگل ہو گیا تھا۔

''جاؤ......چلے جاؤ......یہاں سے۔'' حمید دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

منیجر نے چپ چاپ دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

اس کے بعد ہی قاسم دروازہ کھول کر اندر گھس آیا۔

''ہائیں تم......یہ کیا حرکت۔'' حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''بس......بس......میں زیادہ اُلو نہیں بن سکتا۔''

''ارے آہستہ بولو بیٹا......ورنہ میرے ساتھ تمہاری بھی شامت آ جائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ میں اپنے محکمے کی وجہ سے بچ جاؤں......لیکن تم......دوسری دنیا میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔''

قاسم اسے خاموشی سے گھورتا رہا اور حمید بولا۔ ''بس صرف دو تین دن اور ٹھہر جاؤ......اس کے بعد پھر اگر ہم ایک ہی کمرے میں رہیں تب بھی کوئی حرج نہیں ہوگا۔''

''تم اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہو۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اگر تمہارا الٹ گیا تو اسے بھی سیدھا کردوں گا۔ فکر نہ کرو......بس میں جو کہتا رہوں کرتے رہو۔''

''ہاں......میں خوب سمجھتا ہوں۔ تم مجھ سے چائے منگواؤ گے۔ غسل کے تولئے صابن منگواؤ گے......مجھ سے کہو گے کہ میرے جوتوں میں پالش کردو۔''

''ارے ارے! لاحول ولاقوۃ......تم کیسی باتیں کررہے ہو۔''

''ٹھیک باتیں کررہا ہوں......ابھی نیچے ایک عورت مجھ سے پوچھ رہی تھی کیا تم ڈاکٹر اوہان کے ملازم ہو۔''

''تم نے کیا کہا۔''

''میں نے کہا ڈاکٹر اوہان سالے کی ایسی کی تیسی۔ اس جیسے سینکڑوں میرے نوکر ہیں۔''

''بس اب گڑبڑ کرنے لگے۔''

"ہاں تو میں کہہ دیتا کہ میں ڈاکٹر کوہان سالے کا نوکر ہو۔" قاسم جلے بھنے انداز میں ہاتھ نچا کر بولا۔ بعض اوقات اس کا انداز گفتگو بالکل عورتوں کا سا ہو جایا کرتا تھا۔

"نہیں....!" حمید نے کہا۔ "تم کہہ سکتے تھے کہ میں ڈاکٹر اوہان کے معتقدین میں سے ہوں۔"

"ارے بڑے آئے کہیں کے وہ...... ان کے معتقدین میں سے ہو۔ تم پکے چار سو بیس ہو۔ میں بھانڈا توڑ دوں گا۔"

"بھانڈہ پھوڑنا محاورہ ہے۔" حمید نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"محاورے کی ایسی کی تیسی۔"

"اچھا جاؤ...... جو تمہارا جی چاہے کرو۔ لیکن تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر مجھے غصہ آ گیا تو تم رام گڈھ میں بُری طرح ذلیل ہو گے۔ تمہاری جسمانی قوت میری ذہنی قوت کے سامنے کام نہ آ سکے گی۔"

قاسم اچانک کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"میں تو مزاخ کر رہا تھا...... ہی...... ہی......!"

"میں سمجھتا تھا......!" حمید بھی ہنسنے لگا۔

"مگر یار...... بلی کا کیا معاملہ تھا۔" قاسم نے پوچھا۔

"دودھ میں تھوڑی سی برانڈی دے دی تھی۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

قاسم منہ بنا کر ہنسنے لگا۔ پھر احمقانہ انداز میں بولا۔ "اچھا روحی تمہاری رہے گی یا میری۔"

"سو فیصدی تمہاری۔" حمید نے اسکا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "مجھے وہ بالکل اچھی نہیں لگتی۔"

"ہی...... ہی......!" قاسم پلکیں جھپکاتا ہوا ہنسا۔

"کچھ دیر ہنستے رہنے کے بعد قاسم نے پوچھا۔ "اب کیا کرنا ہوگا مجھے۔"

"تفریح...... میری جان۔" حمید نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "ہم تفریح کے لئے اپنے گھروں سے نکلے ہیں۔"

"مگر یار وہ جو روحی کے ساتھ رہتا ہے...... باریک مونچھوں والا...... وہ مجھے کوئی بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔"

"ہوگا...... ہوسکتا ہے......!" حمید نے کہا۔ "اچھا جاؤ...... اب تم آرام کرو۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔"

قاسم چپ چاپ باہر نکل گیا۔

حمید نے یہ حرکت محض اس لئے کی تھی کہ ہر وقت عورتوں اور لڑکیوں میں گھرا رہے لیکن اس نے اس کے دوررس نتائج پر غور نہیں کیا تھا۔

ساڑھے نو بجے روحی پر اس کی بلی نے حملہ کیا تھا اور گیارہ بجے تک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔

ٹھیک بارہ بج کر پندرہ منٹ پر پریس رپورٹروں کی فوج نے حمید کے کمرے پر حملہ کر دیا۔ منیجر نے انہیں اس سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ حمید کسی طرح ان سے پیچھا نہ چھڑا سکا۔ اس نے انہیں اپنے متعلق اوٹ پٹانگ باتیں بتائیں۔ لیکن تصویر کسی کو نہیں لینے دی۔

"اگر کسی اخبار نے......!" وہ کہہ رہا تھا۔ "میری تصویر چھاپی تو اس پر دعویٰ کر دوں گا۔ میں پیشہ ور نجومی نہیں ہوں اس لئے پبلسٹی کی خواہش بھی نہیں رکھتا۔ یہ میری تفریح ہے۔"

تقریباً ڈھائی بجے اس مصیبت سے نجات ملی اور وہ روشنی گل کر کے لیٹا ہی تھا کہ پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"خولو...... غمید بھائی۔" قاسم کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جھلاہٹ کے عالم میں اس نے سوئچ آن کر دیا اور دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ آیا۔

"کیا ہے......!"

"م...... میرے...... کک...... کمرے کی کھڑکی غائب ہو گئی۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"الاقسم...... میں جھوٹ نہیں بولتا۔ تم دیکھ لو چل کر۔"

"یعنی...... کھڑکی چوکھٹ سمیت کوئی نکال لے گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں...... وہ غائب ہو گئی۔ دیوار میں کھڑکی نہیں ہے۔"

"جاؤ...... جاؤ......!" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "سو جاؤ...... شاید معمول سے زیادہ کھا گئے ہو۔"

"ارے یار...... خدا کے لئے تم دیکھو" قاسم سہمی ہوئی سی آواز میں بولا۔

"میں نے خواب نہیں دیکھا۔"

راہداری میں اندھیرا تھا۔ حمید نے ہاتھ بڑھا کر میز سے ٹارچ اٹھائی اور قاسم کے ساتھ چلنے لگا۔

چلتے چلتے اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے داہنی طرف کے ایک کمرے کے اندر دو آدمی لڑ پڑے ہوں۔ حمید رک گیا۔

یہ کمرہ روحی کے تین کمروں میں سے ایک تھا۔

"ب...... با......!" اندر سے آواز آئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے چیخنے کی کوشش کی ہو اور اس کا منہ دبا دیا گیا ہو۔

"کیا ہے...... یہاں کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے جھپٹ کر دروازے پر ہاتھ مارا۔

ایک لمحے کے لئے سکوت طاری ہو گیا...... لیکن پھر ایک نسوانی چیخ کمرے میں گونجی۔

"قاسم دروازہ توڑ دو......!" حمید پلٹ کر بولا۔

قاسم نے دروازے پر اپنے داہنے شانے سے ٹکر ماری۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ ساتھ ہی اندر سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کوئی کرسی یا میز فرش پر گری ہو۔

قاسم دوسری ٹکر کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور روحی اس پر آ گری۔

"بچاؤ......!" وہ پھر چیخی اور بیہوش ہو کر فرش پر گر گئی۔ دوسرے کمروں کے دروازے بھی کھلنے شروع ہو گئے جس کمرے سے روحی نکلی تھی شاید وہ سونے کا کمرہ تھا...... وہاں مدھم نیلی روشنی تھی اور دو کرسیاں فرش پر الٹی پڑی تھیں۔ بستر آدھا فرش پر تھا اور آدھا مسہری پر۔

روحی بیہوش تھی...... اس کا ساتھی باریک مونچھوں والا بھی ایک کمرے سے نکل آیا۔

حمید اور قاسم کے گرد اچھی خاصی بھیڑ ہو گئی اور اب راہداری بھی تاریک نہیں تھی۔

"کیا معاملہ ہے۔" باریک مونچھوں والا حمید کو قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"میں خود نہیں سمجھ سکتا کہ کیا معاملہ ہے۔ میں ان کی چیخ سن کر جاگا تھا۔ میں ادھر آیا اور یہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آ گری۔"

"ہاں...... ہاں......!" وہ دہاڑا۔ "تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ پھر دوسروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اگر یہ شخص فرار ہو گیا تو پولیس آپ سب سے جواب طلب کرے گی۔"

"ابے...... کیا بک رہا ہے...... سالے۔" قاسم آستین چڑھاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

"نہیں ٹھہرو......!" حمید نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "میں اسی راہداری میں ٹھہر کر پولیس کا انتظار کروں گا۔"

باریک مونچھوں والا روحی کو ہاتھوں پر اٹھا کر کمرے میں چلا گیا۔

باڈی گارڈ

حمید وہیں کھڑا رہا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اپنے کمرے سے باہر کیوں آیا تھا۔

"کیا قصہ تھا جناب۔" کسی نے پوچھا۔

"اتنا ہی مجھے بھی معلوم ہے جتنا بتا چکا ہوں اس سے زیادہ نہیں جانتا۔"

"ڈاکٹر صاحب" قاسم ہکلایا۔ "مم...... میری...... کھڑ......!"

"ہوں...... ٹھیک ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "آپ اپنے کمرے میں جائیے۔"

"مم...... مگر...... ن...... نن...... نہیں...... میں آپ کی حفاظت کروں گا۔ یہیں ٹھہروں گا...... وہ سالا باریک مونچھوں والا...... سور......!"

"شکریہ......!" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "آپ میری فکر نہ کیجئے۔ میری کسی سے دشمنی نہیں۔"

"آپ دروازے پر ٹکریں مار رہے تھے جناب۔" ایک آدمی نے کہا۔ "میں نے دیکھا تھا۔"

"اچھا کیا تھا...... پھر کیا اسے اندر مر جانے دیتا۔"

"آپ اپنے کمرے میں جائیے۔" حمید نے ایک بار پھر قاسم سے کہا اور قاسم بڑبڑاتا ہوا

وہاں سے چلا گیا۔ لیکن اپنے کمرے کے قریب پہنچ کر پھر پلٹ آیا۔

"کھڑکی آ گئی...... آ گئی...... ہاں......!" وہ حمید کے پاس پہنچ کر بولا۔

"کیا آپ نشے میں ہیں جناب...... میں کہہ رہا ہوں اپنے کمرے میں جائیے۔"

"جی...... جا رہا ہوں۔" قاسم نے کہا اور سرپٹ اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

راہداری میں کافی لوگ اکٹھے ہو گئے تھے اور حمید سب کی نگاہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اُن میں سے کچھ روحی کے کمرے میں بھی جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دفعتاً حمید نے بلند آواز میں کہا۔

"کیوں بھئی! تم کہاں گئے۔ تمہاری پولیس کب آئے گی اور مجھے کب تک یہاں راہداری میں ٹھہرنا پڑے گا۔"

"کیا آپ اندر آنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔" اندر سے روحی کی نحیف سی آواز آئی۔ حمید نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور کمرے میں چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے رات کے ڈیوٹی کلرک نے بھی اندر داخل ہونا چاہا لیکن دروازہ بند ہو چکا تھا۔

اس نے دروازے پر دستک دے کر کہا۔ "یہاں جو کچھ بھی ہوا ہے اس کا میرے علم میں آنا ضروری ہے۔"

دروازہ پھر کھلا اور وہ بھی اندر چلا گیا۔

روحی ایک کرسی پر بیٹھی ہانپ رہی تھی۔ باریک مونچھوں والا ایک طرف کھڑا اسے تشویش آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی ابھی بیٹھا نہیں تھا۔ مسہری پر ایک بوتل پڑی تھی جس سے کوئی سیال چیز نکل کر بستر پر پھیل گئی تھی۔

"کیا بات تھی۔" کلرک نے پوچھا۔

"میں سو رہی تھی...... کسی نے مجھ پر تیزاب ڈالنے کی کوشش کی۔ اس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ بوتل بستر پر گر گئی۔ میں اچھل کر دروازے کی طرف بھاگی...... لیکن اس نے ٹانگ پھنسا کر مجھے گرا دیا۔ وہ میرا گلا گھونٹ ہی رہا تھا کہ باہر سے کسی نے آواز دی۔ پھر دروازہ توڑا جانے لگا اور وہ مجھے چھوڑ کر غسل خانے میں گھس گیا۔ میں دروازہ کھول کر باہر بھاگی۔"

"کیا غسل خانے میں دوسری طرف بھی کوئی دروازہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اوہ...... ڈاکٹر صاحب۔" روحی اس طرح چونک کر کھڑی ہو گئی جیسے اسے ابھی تک اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔ اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ "تشریف رکھئے۔"

"ٹھیک ہے...... آپ بیٹھئے۔"

"وہ جو کوئی بھی رہا ہو......!" باریک مونچھ والے نے کہا۔ "دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر نکل گیا۔"

"اور تم اسی کمرے میں سو رہے تھے۔" روحی جھلا کر اس کی طرف مڑی۔

"مجھے خود حیرت ہے کہ میری آنکھ کیوں نہیں کھلی۔ باریک مونچھ والے نے کہا۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں بولا۔ "حالانکہ آپ نے اپنے کمرے سے چیخ سنی تھی، جو کئی کمروں کے بعد ہے۔"

"نہیں...... میں ٹھیک اسی کمرے کے سامنے تھا۔"

"پہلے آپ نے کیا کہا تھا۔" باریک مونچھوں والے کی آواز بلند ہو گئی۔

"خاموش رہو۔" روحی ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"پہلے میں نے اس لئے جھوٹ کہا تھا کہ درجنوں آدمیوں کے سوالات کا بار سنبھالنا میرے بس سے باہر ہوتا۔"

"میں آپ کی مشکور ہوں۔" روحی نے مضمحل آواز میں کہا۔ "آپ کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔"

"تیزاب پھینکنے والا اسی راستے سے آیا بھی ہو گا...... جس سے فرار ہوا تھا۔"

حمید نے باریک مونچھ والے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور اس نے حمید کے چہرے سے نظر ہٹا لی۔

"میں نہیں جانتا۔" اس نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"میں فرار کے راستے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" حمید نے روحی سے کہا۔

"ضرور دیکھئے۔"

"کیا آپ پولیس کو طلب کرنا چاہتی ہیں۔" کلرک نے روحی سے پوچھا۔

"یقیناً......!" روحی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ پھر باریک مونچھ والے کی طرف دیکھ کر بولی۔ "تم ان کے ساتھ جا کر پولیس کو فون کرو۔"

اس کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی لیکن اسے کلرک کے ساتھ جانا ہی پڑا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ حضرت پولیس کو اطلاع دینے میں ہچکچا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اُسے ہچکچانا ہی چاہئے۔" روحی بولی۔

"کیوں......؟"

"ظاہر ہے کہ پولیس اپنے سوالات سے اسے پریشان کر دے گی۔ حملہ آور اسی کے کمرے کی طرف سے آیا اور اسی طرف سے فرار بھی ہوا۔ لیکن وہ سوتا رہا۔"

"آپ نے اسے صرف فرار ہوتے دیکھا تھا۔" حمید نے کہا۔

"آیا بھی ادھر ہی سے ہوگا۔ میں تو اپنا کمرہ اندر سے مقفل کر کے سوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی کمرہ مقفل کر کے سویا ہو۔"

"لیکن تیسرے کمرے کی کھڑکی میں سلاخیں نہیں ہیں۔" روحی نے کہا۔

"اس باڈی گارڈ کے علاوہ بھی تو اور کوئی صاحب تھے آپ کے ساتھ۔"

"جی ہاں......لیکن وہ شہر میں رہتے ہیں۔ یہیں کے باشندے ہیں۔ میں ہر سال گرمیوں میں یہاں آتی ہوں۔ ہماری جان پہچان کئی سال پرانی ہے۔"

"آپ سے جان پہچان پیدا کرنے کے متمنی تو سینکڑوں رہتے ہوں گے۔ کیا اس جان پہچان کی کوئی خاص وجہ ہے۔"

"اوہو......!" روحی مسکرائی۔ "آپ تو کسی وکیل کی طرح جرح کر رہے ہیں۔"

"مجھے کرنا ہی چاہئے۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کیونکہ آپ کا باڈی گارڈ درجنوں آدمیوں کے سامنے مجھ پر شبہ ظاہر کر چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں پولیس بھی اس سے پیچھے نہ رہے گی۔"

"میں معافی چاہتی ہوں...... میں نے تو آپ کے متعلق ابھی تک کوئی بُری بات نہیں سوچی۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔"

"خیر......کیا آپ پولیس کے آنے سے قبل مجھے تینوں کمرے دکھا سکیں گی۔"

"آیئے......مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

حمید نے سب سے پہلے غسل خانے کا جائزہ لیا۔ یہ دونوں کمروں کا مشترکہ غسل خانہ تھا اور اس وقت بھی دوسری طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک حصے میں غسل خانے کے فرش پر معمولی سی نمی تھی۔ بس ایسی کہ اس پر پڑا ہوا پیر کا نشان صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ حملہ آور ہی کے پیر کا نشان رہا ہو۔ حمید آگے بڑھا۔ دوسرے کمرے پر گہری نظر ڈالتا ہوا وہ تیسرے کمرے میں آیا......روحی ساتھ تھی۔

"وہ دیکھئے......!" اس نے جلدی سے کہا۔ "کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔"

"ہوں......!" حمید نے اسے بھی اچھی طرح دیکھا بھالا اور پھر روحی کی طرف مڑ کر بولا۔

"یہ تیسرا کمرہ آپ نے کیوں لیا ہے۔"

"اٹھنے بیٹھنے کیلئے......آپ جانتے ہیں کہ بے شمار لوگ مجھ سے ملنے کیلئے آتے ہیں اور پھر ویسے بھی دو ایک کمروں میں الجھن ہوتی ہے۔ میں تو اور بھی لینا چاہتی تھی مگر مل نہیں سکے۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "یہ ساری مصیبت اس بلی کی وجہ سے آئی۔ آپ نے صبح میرا مذاق دیا تھا۔ اگر آپ اسے کھو جانے دیتیں یا مل جانے کے باوجود بھی اسے پھینکوا دیا ہوتا تو یہ رات سکون سے گذرتی۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ دوسرے واقعہ سے بلی کا کیا تعلق۔"

"حملہ آور اسی دوران میں آپ کی خواب گاہ میں داخل ہوا ہوگا جب آپ بیہوش ہو جانے کے بعد پیچھے لے جائی گئی تھیں۔"

"یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔"

"میرے خیال میں یہی ہوا ہے۔" حمید کچھ سوچنے لگا۔ "کیا آپ پریس رپورٹروں سے اسی کمرے میں ملی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"ان کے چلے جانے کے بعد آپ نے دروازہ مقفل کیا ہوگا۔"

’’جی ہاں...... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔‘‘

’’اور کھڑکی...... اس کا تو خاص طور پر خیال رکھا ہوگا۔ کیونکہ اس میں سلاخیں نہیں ہیں۔‘‘

’’جی ہاں...... میں نے اسے قابل اطمینان حد تک آزما لیا تھا۔ دونوں چٹخنیاں لگا دی تھیں۔‘‘

’’پھر بتائیے کہ وہ کدھر سے آیا۔ اب یا تو اسے تسلیم کیجئے کہ وہ پہلے ہی سے ان کمروں میں موجود تھا یا پھر اپنے باڈی گارڈ پر شبہ کیجئے۔‘‘

’’باڈی گارڈ پر شبہ نہیں کرسکتی کیونکہ وہ میرا چچازاد بھائی بھی ہے۔‘‘

’’تب پھر وہ انہیں کمروں میں تھا اور ان تینوں کمروں میں صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں کوئی بھی نہایت آسانی سے چھپ سکتا ہے۔‘‘

’’کون سی جگہ۔‘‘

’’آپ کی مسہری کے نیچے۔‘‘

’’نہیں......!‘‘ روحی خوفزدہ نظر آنے لگی۔

’’اس کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہوسکتی۔ مسہری پر پڑی ہوئی چادر چاروں طرف سے فرش پر لٹکی ہوئی ہے۔ چھپنے کے لئے بہترین جگہ۔‘‘

روحی کانپ گئی۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بار بار پلکیں جھپکا رہی تھی۔

’’آئیے...... میں آپ کو دکھاؤں...... ہوسکتا ہے کہ وہ وہاں اپنی موجودگی کے کچھ ثبوت نادانستگی میں چھوڑ گیا ہو۔‘‘

’’اوہ...... آپ...... آپ تو بالکل...... سراغ رسانوں کی سی باتیں کررہے ہیں۔‘‘

’’ہاں...... آئیے...... مجھے دنیا کی بہتیری چیزوں سے دلچسپی ہے۔‘‘

حمید اس وقت سو فیصدی فریدی کی نقل کررہا تھا۔ گفتگو کا انداز، سوچنے کی ایکٹنگ، کسی میں بھی سرمو فرق نہیں تھا۔

وہ پھر خواب گاہ میں واپس آگئے۔

حمید نے مسہری کے نیچے جھولتی ہوئی چادر پلٹ دی اور کافی دیر تک ٹارچ کی روشنی میں

فرش کا جائزہ لیتا رہا۔ لیکن اسے کسی قسم کے نشانات نہیں مل سکے۔

’’حیرت انگیز......!‘‘ اس نے سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

’’جی......!‘‘

’’اب مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ حملہ آور کی پیدائش ہی اسی کمرے میں ہوئی تھی۔‘‘

’’میں نہیں سمجھی۔‘‘

’’یعنی یہ کہ یہاں بھی کسی قسم کے نشانات نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ تیزاب کی بوتل پر اس کی انگلیوں کے نشانات مل ہی جائیں۔ اب ایسی صورت میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ آپ خود سوچئے۔‘‘

’’نہیں میں شاہد کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی کہ اس حرکت میں اس کا ہاتھ ہوگا۔‘‘

’’شاہد...... یعنی باڈی گارڈ......!‘‘

’’جی ہاں...... میں اس سے اچھی طرح واقف...... اوہ...... مگر وہ اب تک واپس کیوں نہیں آیا۔‘‘

حمید عجیب انداز میں مسکرایا پھر بولا۔ ’’آپ کی سیامی بلی کہاں گئی۔‘‘

’’اوہ...... اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ وہ کہاں گئی۔‘‘ روحی حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

’’وہ بھی گئی۔‘‘ حمید نے مایوسی سے کہا۔

’’آخر یہ سب کیا ہورہا ہے۔‘‘ وہ ایک آرام کرسی میں گرتی ہوئی بولی۔

’’میرا خیال ہے کہ آپ بلی کی بجائے اپنے باڈی گارڈ کے متعلق سوچئے۔‘‘

’’کیوں؟‘‘ روحی بے ساختہ چونک پڑی۔

’’وہ ابھی تک واپس نہیں آیا...... حالانکہ پولیس کو فون کرنے کے بعد اسے قدرتی طور پر یہاں واپس آنے میں جلدی کرنی چاہئے تھی۔‘‘

’’آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔‘‘ اس نے آہستہ سے تشویش کن لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر روحی بولی۔ ’’میں تنہا نیچے نہیں جاسکتی۔ حقیقتاً اسے واپس

آ جانا چاہئے تھا۔"

"چلئے...... میں دیکھتا ہوں۔"

"اوہ...... بہت بہت شکریہ۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں حقیقتاً آپ سے بہت نادم ہوں۔ صبح میں نے کافی گستاخی کی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور اس کے ساتھ راہداری میں نکل آیا۔

پھر اچانک اسے قاسم کی بکواس کا خیال آیا اور وہ چلتے چلتے رک گیا۔

"ٹھہریئے......!" اس نے روحی سے کہا۔ "ذرا میں اس کھڑکی کو باہر سے بھی دیکھ لوں...... میرا خیال ہے کہ...... نہیں...... خیر جانے دیجئے۔ ہمیں پہلے نیچے ہی چلنا چاہئے۔"

"کیوں......؟ کوئی خاص بات۔"

"نہیں...... آیئے۔"

وہ نیچے آئے۔ کلرک اپنی کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا اور ڈائننگ ہال میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"شاہد کہاں گیا۔" روحی مضطربانہ انداز میں بولی۔

ان کی آہٹ پر کلرک چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔ پھر کھڑا ہو گیا۔

"وہ صاحب کہاں ہیں، جو فون کرنے آئے تھے۔"

"وہ تو اسی وقت واپس چلے گئے تھے۔"

"باہر......!"

"جی نہیں...... اوپر......!"

"کیا تم نے انہیں زینوں پر چڑھتے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں...... کیوں؟"

حمید "کیوں" کا جواب دینے کے بجائے روحی کی طرف مڑا جس کے چہرے پر ایک بار پھر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"اب کیا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"میں کیا بتاؤں...... میرا سر تو بُری طرح چکرا رہا ہے۔"

"کیا وہ اوپر نہیں ہیں۔" کلرک نے پوچھا۔

"نہیں......!" حمید نے کہا اور روحی کی طرف دیکھنے لگا۔

"بتایئے میں کیا کروں۔" روحی بولی۔

"کچھ نہیں۔" حمید نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کلرک کے قریب جا کر بولا۔

"کیا اس نے پولیس کو فون کیا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"تمہیں یقین ہے۔"

"یقین کیوں نہ ہو جناب جبکہ نمبر میں نے ہی ڈائیل کئے تھے۔"

"اس نے کیا کہا تھا۔"

"یہ تو مجھے یاد نہیں۔"

"سوچ کر بھی نہیں بتا سکتے۔"

"میں دراصل اس وقت یہاں نہیں تھا۔ نمبر ڈائیل کر کے کچن میں چلا گیا تھا۔"

"لیکن......!" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "تم تو کہہ رہے تھے کہ تم نے انہیں اوپر جاتے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں...... میں اس وقت کچن سے واپس آ گیا تھا۔"

"کیا تمہارے علم میں آئے بغیر بھی لوگ اس وقت باہر جا سکتے ہیں۔"

"جی نہیں...... بل کیپٹن اس وقت کسی کو باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا تاوقتیکہ یہ بات میرے علم میں نہ آ جائے۔"

حمید کچھ اور بولنے والا تھا کہ بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ ایک سب انسپکٹر تین کانسٹیبلوں کے ساتھ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔ معاملہ چونکہ ایک مشہور فلم اسٹار کا تھا اس لئے ذرا سی دیر میں سب انسپکٹر نے سارے ہوٹل کو میدان حشر میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ مزید کانسٹیبل طلب کر لئے گئے اور باڈی گارڈ کی تلاش میں ہوٹل کا گوشہ گوشہ چھان مارا گیا لیکن وہ کہیں نہ ملا۔

اسی دوران میں سب انسپکٹر کو حمید کے متعلق بھی معلوم ہوا اور وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے وہ کسی کی جیب کاٹ کر بھاگا ہو۔

"کیوں جناب......!" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ "اس وقت آپ کے ستاروں کا کیا حال ہے۔"

"بہت شاندار ہیں۔" حمید نے ایسی سنجیدگی سے کہا جس میں دھمکانے کا انداز تھا۔

"کیا رام گڈھ میں کچھ ایسے آدمی بھی مل سکیں گے، جو آپ کی ضمانت دے سکیں۔"

"کیا مطلب......!"

"مطلب یہ کہ میں آپ کو بعض شبہات کی بناء پر حراست میں بھی لے سکتا ہوں۔"

"آپ تو آسمان میں سوراخ کر سکتے ہیں۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ وہ بھی اب ڈائننگ ہال میں آ گیا تھا۔

"آپ کون ہیں۔" سب انسپکٹر قاسم کی طرف مڑا وہ قریب ہی کھڑا تھا اور سب انسپکٹر کو اس کی شکل دیکھنے کے لئے اپنا سر کا نچلا حصہ قریب قریب پشت سے لگا دینا پڑا۔

"میں...... میں ہوں۔ آپ ڈاکٹر اوہان کی توہین کر رہے ہیں۔ میں ان کی ضمانت دے سکتا ہوں۔"

"میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں۔" سب انسپکٹر کچھ مرعوب سا ہو گیا تھا۔

"اگر میں خود کو پہچوانا چاہوں......!"

"اوہ قاسم صاحب۔" حمید جلدی سے بولا۔ "آپ خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔"

آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"یہاں میری کوئی ضمانت نہیں دے سکے گا۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "آپ مجھے یقیناً حراست میں لے لیجئے۔"

دفعتاً قاسم کو یاد آ گیا کہ حمید محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر ہے اور وہ بیساختہ ہنس پڑا پھر بولا۔ "ضرور حراست میں لے لو یار......مزہ آ جائے گا......"

سب انسپکٹر اُسے متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔

کمرے میں دھواں

بعض اوقات اتفاقات بھی آدمی کا بہت ساتھ دیتے ہیں اور کچھ اس طرح اس کے جھوٹ کا بھرم قائم رہتا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

سب انسپکٹر نے حمید کو گویا باندھ ہی لیا تھا۔ نہ صرف روحی بلکہ ہوٹل کے بہتیرے آدمیوں نے اس کی حرکت کے خلاف احتجاج کیا لیکن سب انسپکٹر اسے کوتوالی ہی لے جانے پر تل گیا تھا۔

تقریباً ساڑھے چار بج گئے تھے۔ رام گڈھ کی پہاڑیاں سکوت میں نہائی ہوئی کھڑی تھیں لیکن سڑکیں اب ویران نہیں تھیں۔ ان پر بار بردار خچر گاڑیوں کی قطاریں نظر آنے لگی تھیں۔ ندا سے گاڑی بان طرح طرح کی آوازیں نکال کر خچروں کو ہانک رہے تھے۔

اچانک پولیس کار ایک خچر سے جا ٹکرائی۔ خود سب انسپکٹر ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ شاید وہ ڈرائیونگ کے معاملے میں اناڑی بھی تھا اور محض شوقیہ ڈرائیو کر رہا تھا۔ ڈرائیور اس کے قریب اگلی سیٹ ہی پر موجود تھا۔ اگر فوراً ہی احتیاطی تدابیر نہ اختیار کرتا تو شائد کار خچر گاڑی سے ٹکرانے کے بعد سڑک کی بائیں جانب والی کھڈ میں جا گری ہوتی۔ گاڑی بان کے معمولی چوٹیں آئی تھیں مگر ایک خچر بُری طرح زخمی تھا۔ بہر حال وہ دوبارہ نہیں اٹھ سکا۔

کار میں جتنے بھی آدمی تھے نیچے اتر آئے۔ سب انسپکٹر بُری طرح بدحواس نظر آتا تھا۔

"اسے ہسپتال پہنچانا بھی آپ ہی کے فرائض میں سے ہے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

سب انسپکٹر خاموش ہی رہا۔ پولیس کی دوسری گاڑی بھی رک گئی تھی۔ زخمی گاڑی بان کو ایک دوسری گاڑی میں ڈال کر ہسپتال بھیج دیا گیا۔ اب ساڑھے پانچ بج گئے تھے اور حمید کو بُری طرح غصہ آنے لگا تھا۔

"آپ لوگوں کو نہ جانے کس مسخرے نے ان عہدوں پر رکھا ہے۔" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ بیکار باتیں نہ کیجئے۔" سب انسپکٹر بھی جھلا گیا۔

"ابھی ہوش نہیں آیا۔" حمید سرد لہجے میں بولا۔ "اچھا اب کسی دوسرے حادثے کیلئے تیار ہو جایئے۔ کوتوالی ابھی بہت دور ہے۔"

"آپ خواہ مخواہ اپنی روحانی قوتوں کا رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن پولیس اُسی وقت پیچھا چھوڑتی ہے جب روح سے خالی ہو جائے۔"

"خیر...... چلئے...... میں دیکھوں گا کہ میری روح میرا جسم چھوڑتی ہے یا آپ کا جسم وردی سے محروم ہوتا ہے۔"

"مجھے زیادہ غصہ نہ دلایئے۔"

"میں آپ کو زیادہ سے زیادہ غصہ دلانے کی کوشش کروں گا۔"

اس جملے سے سب انسپکٹر کی کھوپڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی اور وہ کچھ دیر پہلے کا حادثہ بھی بھول گیا۔ بات ہی ایسی تھی شاید ہی کبھی ایسے بے باک آدمی سے واسطہ پڑا ہو۔ اُسے پولیس کا وقار خطرے میں نظر آنے لگا اور وہ گرج کر بولا۔

"معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ شرافت کا برتاؤ فضول ہے۔"

"کیا آپ سے کوئی قانونی فعل سرزد ہوا ہے جس کی مضبوطی کی بناء پر آپ مجھے دھمکا رہے ہیں۔" حمید نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب......!"

"جس کا معاملہ ہے اس نے مجھ پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا تھا۔" حمید بولا۔

"ایک ضعیف الاعتقاد عورت ہونے کی بناء پر ڈرتی ہے۔"

"اور ایک راسخ الاعتقاد مرد ہونے کی وجہ سے اس بار آپ اس کار کو کسی کھڈ میں گرائیں گے لہٰذا براہِ کرم مجھے کسی دوسری کار میں بٹھا دیجئے۔"

سب انسپکٹر اندھیرے میں اُسے گھورنے لگا لیکن کچھ بولا نہیں۔

کار بدستور چلتی رہی۔ اس بار اُسے سب انسپکٹر خود نہیں ڈرائیو کر رہا تھا۔ کوتوالی پہنچتے پہنچتے چھ بج گئے۔ ادھر سے شائد روحی بار بار یہاں ڈاکٹر اوہان کے لئے فون کرتی رہی تھی۔ کیونکہ وہاں کئی لوگ اس پراسرار آدمی ڈاکٹر اوہان کے منتظر تھے۔ ان میں رام گڈھ کا ایس۔ پی کیپٹن

ماتھر بھی تھا۔ جیسے ہی حمید پر اس کی نظر پڑی اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

اور حمید جلدی سے بولا۔ "آہا...... کپتان صاحب۔ اپنے قدیم خیر خواہ ڈاکٹر اوہان سے ایک بار پھر ملئے۔ لیکن اس بار اس کی حیثیت ایک مجرم کی سی ہے۔"

ماتھر گڑبڑا کر رہ گیا پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ "اوہان...... پچھلی بار ہم ملے تھے وہاں...... اوہ...... ڈاکٹر...... بیٹھئے بیٹھئے...... روحی تقریباً چار بجے سے مجھے برابر فون کرتی رہی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کو خواہ مخواہ تکلیف دی۔" پھر اس نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اب گھر ہی چلئے۔ آپ بڑے موقعے سے مل گئے۔ میں آج کل شدت سے آپ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

سب انسپکٹر جو حمید کو اپنے ساتھ لایا تھا بہت زیادہ بدحواس نظر آنے لگا تھا۔ لیکن اب حمید نے اسکی طرف دھیان تک نہ دیا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے وہ کوئی بہت ہی کم رتبہ آدمی ہو۔

کیپٹن ماتھر کا بنگلہ کوتوالی کی حدود میں تھا۔ وہ دونوں باہر نکل کر بنگلے کی طرف چل پڑے۔

"کیا چکر ہے میاں حمید۔" ماتھر نے مسکرا کر پوچھا۔

"کوئی خاص چکر نہیں تھا...... مگر اب چکر ہو گیا ہے۔"

"فریدی کہاں ہے۔"

"میں تنہا آیا ہوں۔"

ماتھر اور فریدی طالب علمی کے زمانے میں بھی گہرے دوست اور ہم جماعت تھے۔

"اور میں چھٹی پر ہوں۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

وہ دونوں بنگلے میں پہنچ گئے تھے۔ ماتھر بولا۔ "نام تبدیل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔"

"یونہی تفریحاً...... میں اپنی زندگی کی یکسانیت سے اکتا گیا ہوں حتیٰ کہ مجھے اپنا نام بھی گراں گذرنے لگا ہے۔ میرا بس چلے تو اپنا نام عبدالغفور ہد ہد بھائی رکھ لوں۔"

"تم روحی کے پیچھے آئے ہو...... بیکار باتیں نہ کرو۔" ماتھر مسکرایا۔

"روحی سے یہیں دلکشا میں ملاقات ہوئی ہے۔ لیکن اب میں روحی سے زیادہ دلکشا کی عمارت میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"کیوں......؟ بیٹھو بیٹھو۔" ماتھر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"روحی کا باڈی گارڈ پُراسرار طور پر غائب ہوگیا۔ حالانکہ اس کے باہر نکل جانے کے امکانات نہیں تھے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی ان واقعات کا ذمہ دار ہو۔"

"ہوسکتا ہے مگر ہوٹل سے اس کا غائب ہوجانا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"اسے غائب ہوجانے دو۔" ماتھر حمید کی طرف سگریٹ کا ڈبہ بڑھاتا ہوا بولا۔ "میں پہلے چائے پیئوں گا ماتھر صاحب! سگریٹ نہیں۔"

"اوہ...... یار معاف کرنا...... ٹھہرو...... میرا خیال ہے کہ دس پندرہ منٹ بعد ہمیں ناشتہ مل جائے گا۔"

"اور آپ کیا کہنے جارہے تھے۔ میرا خیال ہے کوئی اہم بات تھی۔"

"ہاں...... بہت ہی اہم...... مگر فی الحال تم روحی کے چکر میں نہ پڑو تو بتاؤں۔"

"روحی نہیں...... دلکشا کا چکر کہیئے۔"

"وہ کچھ بھی ہو...... روحی پر اس سے پہلے بھی کئی بار حملے ہوچکے ہیں اور میں اُسے ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دیتا۔ وہ ایک مشہور فلم اسٹار ہے اس کے حریف بھی ہوسکتے ہیں مگر وہ ان وارداتوں کے سلسلے میں کسی خاص آدمی پر شبہہ نہیں ظاہر کرتی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں کیا ہوسکتا ہے۔"

"خیر...... خیر! آپ اپنی بات کہیئے۔"

"یہاں ایک ادارہ ہے جس نے مجھے الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ ادارہ کیا...... اس کی ایک شاخ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اس ادارہ کی شاخیں سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ بہرحال یہ ادارہ عجیب ہے اور اس کے اشتہارات عجیب ترین۔ مگر میری چھٹی حس کہتی ہے کہ اس ادارے کے تحت جرائم ہورہے ہیں۔"

"ادارے کی نوعیت۔" حمید نے پوچھا۔

"اوہ...... میں بھی کتنا احمق ہوں گویا ادھار کھائے بیٹھا ہوں۔" ماتھر نے خجالت آمیز

مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "کہ جب بھی تم ملو اس کا تذکرہ لے بیٹھوں۔"

"پرواہ مت کیجئے...... بتایئے تو سہی۔"

"نہیں ناشتے کے بعد اور پھر ہوسکتا ہے کہ میرا شبہہ بے بنیاد ہو۔"

"پھر کیا ناشتے کے انتظار میں ہم خاموش بیٹھے رہیں گے۔"

"نہیں بھئی۔" ماتھر نے ہنس کر کہا۔ "کچھ اور باتیں کرو۔"

"دوسری باتوں میں آج کل صرف روحی میرا موضوع ہے۔"

"مجھے تو نفرت ہے فلم اسٹاروں سے۔"

"نفرت کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔ کیونکہ آپ کرنل فریدی کے دوستوں میں سے ہیں۔"

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور ماتھر نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو...... اوہ...... ہاں...... ڈاکٹر او ہاں...... فی الحال میرے مہمان ہیں۔ میں انہیں بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ سب انسپکٹر کو اس کا علم نہیں تھا...... سب ٹھیک...... ہاں...... اچھا۔"

ماتھر نے ریسیور حمید کی طرف بڑھادیا۔ دوسری طرف سے بولنے والی روحی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" حمید نے کہا۔ "فی الحال ماتھر کے ساتھ ہوں۔ شاید دس بجے تک میری واپسی ہو...... اچھا...... اچھا...... نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت پہلے سے جانتے تھے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ماتھر صاحب رام گڈھ ہی میں ہیں...... اچھا۔" حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

"وہ تم سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتی ہے۔" ماتھر مسکرا کر بولا۔

"کیوں نہ معلوم ہو...... میرا نام حمید ہے۔"

"مگر ابھی تو تم نے اس نام سے بیزاری ظاہر کی تھی۔" ماتھر نے ہنس کر کہا۔

"میرا نام ڈونگرے کا بال امرت ہے۔"

کچھ دیر بعد چائے آگئی۔ ماتھر کچھ فکرمند سا نظر آنے لگا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تم روحی کے معاملات میں ضرور ٹانگ اڑاؤ گے۔"

"کیا آپ نہیں چاہتے کہ ایسا ہو۔"

"اس چکر میں پڑنا وقت کی بربادی ہی ہوگی۔ ذرا یہ تو سوچو کہ اس پر آج تک کوئی حملہ کامیاب کیوں نہیں ہوا اور ہر بار تیزاب ہی کا قصہ سننے میں آیا ہے۔ روحی کا بیان ہے کہ وہ سو رہی تھی کسی نے اس پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے بھی دو بار سرراہے اس کے چہرے پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کی گئی تھی۔"

"ہاں...... مجھے معلوم ہے۔"

"میں کہتا ہوں آخر پچھلی رات والی کوشش کیسے ناکام رہی۔ وہ سو رہی تھی۔ اگر جاگ بھی پڑی تھی تب بھی اس کے چہرے پر تیزاب تو ڈالا جاسکتا تھا۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"عنقریب ایکٹرسوں میں مقابلہ حسن ہونے والا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح روحی ججوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کررہی ہو۔ اس کے مقابلہ میں صرف دو ایکٹرسیں آئیں گی اور وہ بھی اس سے کسی طرح کم نہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا گمشدہ باڈی گارڈ دراصل اس کا کزن تھا۔"

"پھر کیوں اپنا وقت برباد کررہے ہو۔ مطلب صاف ہے شائد روحی کو بھی اس آخری حرکت کے بعد ہی اس کے غیر فطری ہونے کا احساس ہوگیا تھا۔ اس لئے اُس نے باڈی گارڈ ہی کو بھگا دیا تاکہ اس کی اس مضحکہ خیز حرکت کو حقیقت کا رنگ دے دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایک معمولی ذہانت کا آدمی بھی ایسی صورت میں یہی سوچے گا کہ باڈی گارڈ کا ہاتھ سازش میں ضرور تھا ورنہ وہ اس طرح بھاگ کیوں جاتا۔"

"یہ سب کچھ ممکن ہے ماتھر صاحب۔"

"پھر......؟"

"پھر کچھ نہیں...... میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ میں روحی سے زیادہ دلکشا عمارت میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"اونہہ...... ہوگا یار ختم کرو۔ میں اکتا گیا ہوں ان تذکروں سے...... اب تفریحی باتیں کرو۔ صبح سے شام تک بس وہی جرائم کی باتیں۔ میں بھی اپنی زندگی کی یکسانیت سے تنگ آگیا

ہوں۔"

"آہا...... تو پھر آپ مجھے اُس ادارے کے متعلق بتایئے۔ ہوسکتا ہے اسی میں کوئی تفریحی پہلو نکل آئے۔"

"تم نہیں باز آؤ گے۔"

"آپ کو مجھ سے تذکرہ ہی نہ کرنا چاہئے تھا۔"

"تم اپنی شادی کب کررہے ہو۔" ماتھر نے پوچھا۔

"مرنے سے صرف ایک گھنٹہ قبل تاکہ قبر میں اولاد کا سکھ نصیب ہو۔ بات اڑانے کی کوشش نہ کیجئے۔ مجھے اس ادارہ کے متعلق بتایئے۔"

"بھئی ہوسکتا ہے میں اس سلسلے میں غلطی پر ہوں۔"

"خیر میں سمجھا" حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر کہا۔ "آپ مطمئن رہئے۔ میں اب نہیں پوچھوں گا۔ ویسے میں اتنا احمق بھی نہیں کہ آپ کے معاملات میں خواہ مخواہ دخل دوں۔"

"تم غلط سمجھے۔ خیر سنو۔ یہاں ایک ادارہ ہے جو خود کو روابط عامہ کا ادارہ کہتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس کی شاخیں سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ٹھہرو...... میں تمہیں اس کا ایک کاروباری اشتہار دکھاتا ہوں۔ اس سے سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔"

ماتھر نے اٹھ کر ایک میز کی دراز کھولی اور اس میں سے ایک اشتہار نکال کر حمید کے سامنے پھیلا دیا۔

جلی حروف میں سرخی تھی۔

"دشمن کو زیر کرنے کے لئے ہماری خدمات حاصل کیجئے۔"

"خوب......!" حمید سر ہلا کر بولا اور نیچے کا مضمون پڑھنے لگا۔

"اگر آپ اپنے کسی دشمن سے تنگ آگئے ہوں اور اس کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکتے ہوں تو ہم سے رجوع کیجئے۔ ہم مناسب معاوضے پر آپ کی طرف سے نپٹ لیں گے اور آپ قانون یا اخلاقی نقطہ نظر سے موردالزام بھی نہیں ہوں گے۔ تفصیل کے لئے ہمارا مطبوعہ طریق کار مفت طلب فرمایئے۔"

''کیا مسخرہ پن ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''مگر اس کا دفتر بڑا شاندار ہے۔ تقریباً تیس یا چالیس کلرک کام کرتے ہیں۔''

''محض بکواس ہے۔''

''پھر بھی۔''

''اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ہم وہ نفسیاتی طریقے اختیار کرتے ہیں کہ دشمن اپنی دشمنی بھول جاتا ہے۔ مصالحت کے لئے خود ہی ہاتھ بڑھاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

''اب تک کوئی ایسا ملا بھی جس کا کوئی دشمن زیر ہوا ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں شروع میں میں نے تفتیش کرائی تھی۔ نتیجے کے طور پر تین ایسے آدمی ملے جنہوں نے اس ادارے کی خدمات حاصل کی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس ادارہ کا دعویٰ غلط نہیں ہے۔ ان کے دشمن اب غلام بے دام ہیں۔ انہوں نے ان تینوں دشمنوں کے پتے بھی بتائے۔ ان دشمنوں میں ایک سب انسپکٹر پولیس بھی نکلا۔ میں نے اس سلسلے میں اُس سے سوالات کئے اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس نے ایک ایسے شخص کو معاف کردیا جس نے اس کی بھانجی کو اغواء کیا تھا۔ سب انسپکٹر کو اس کا بھی علم ہے کہ اس نے اس کے خیالات بدلنے کیلئے ادارہ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ بہر حال اب وہ بھی اس ادارہ کی کارکردگی کا مداح ہے۔ وہاں کوئی شخص ہے ڈاکٹر سلمان...... اسی نے سب انسپکٹر کے خیالات بدلے تھے۔ اس کے متعلق سنا جاتا ہے کہ وہ ماہر نفسیات ہے۔''

ماتھر خاموش ہوگیا۔ پھر حمید بولا۔ ''کیا اس ادارہ کا وجود غیر قانونی ہے۔''

''قطعی نہیں۔''

''پھر آپ کو کیوں پریشانی ہے۔''

''مجھے پریشانی نہیں ہے۔ لیکن مجھے یہ ادارہ بُری طرح کھٹکتا ہے اور ذہن اس کے فراڈ ہونے میں کوئی شبہ نہیں رکھتا۔''

''بعض اوقات ہماری چھٹی حس ہمیں دھوکا بھی دے جاتی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''بھئی ختم کرو یہ تذکرہ، مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میں صرف آفس ہی میں سپرنٹنڈنٹ ہوتا ہوں۔''

''تو پھر آیئے...... روحی کی باتیں کریں۔''

''نہیں...... مجھے فریدی کے متعلق کچھ بتاؤ۔ میں نے اُسے کافی عرصہ سے نہیں دیکھا۔''

''فریدی صاحب کا یہ حال ہے کہ پاس پڑوس میں ایک بھی عورت نہیں دکھائی دیتی۔ لوگوں نے اپنی بیویوں کو وہاں سے ہٹا دیا ہے۔''

''کیا مطلب......!''

''محض اس خیال سے کہ فریدی صاحب کی دل آزاری نہ ہو۔ ہمارے پڑوسی نہایت شریف ہیں۔''

''اوہ......!'' ماتھر ہنسنے لگا۔ ''اب غالباً حمید بول رہا ہے۔ کیوں بھئی...... یہ دل آزاری کس قسم کی ہے۔ میں بالکل نہیں سمجھا۔''

''عورتوں کو دیکھ کر ان کی دل آزاری ہوتی ہے۔ ان کا بس چلے تو شہر کی ساری عورتوں کے لئے ایک بہت بڑا کانجی ہاؤس بنوادیں۔''

ماتھر پھر ہنسنے لگا اور کچھ دیر بعد بولا۔ ''تمہاری کیسی نبھ رہی ہے۔''

''ہا...... ماتھر صاحب۔ آپ تو ایسے انداز میں پوچھ رہے ہیں جیسے فریدی صاحب میرے شوہر ہوں۔''

''ہمیشہ الٹی کھوپڑی والی باتیں کرتے ہو۔''

قبل اسکے کہ حمید کچھ کہتا فون کی گھنٹی بجی۔ ماتھر نے ریسیور اٹھا کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف سے قاسم چیخ رہا تھا۔ ''ڈاکٹر اوہان...... ڈاکٹر اوہان۔''

''ہاں جناب ڈاکٹر اوہان بول رہا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ابے ڈاکٹر اوہان...... تمہارے کمرے میں دھواں بھرا ہوا ہے۔ اب دروازہ توڑنے کی کوشش کی جارہی ہے۔''

''کیوں؟ وہاں باہر ہک پر کنجی موجود ہوگی۔''

''نہیں...... وہ بھی غائب ہوگئی ہے۔ تم جلدی آؤ...... روحی صاحبہ بھی یہی کہہ رہی ہیں۔''

''اچھا میں آرہا ہوں۔'' حمید نے کہا اور ریسیور کریڈل میں ڈال دیا۔

پھر اس نے بہت جلدی میں یہ اطلاع ماتھر کو دی اور وہاں سے ہوٹل دلکشا کیلئے روانہ ہو گیا۔

کمرہ خالی کرو

حمید اس وقت وہاں پہنچا جب اس کا کمرہ ایک اچھے خاصے کباڑ خانے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ دروازے توڑ دیئے گئے تھے لیکن وہاں اسے اپنی ایک بھی چیز ایسی نہ ملی جو کسی طرح بھی ضائع ہوئی ہو۔ البتہ کمرے میں بدنظمی اور بے ترتیبی ضرور نظر آ رہی تھی۔

دروازے پر قاسم کسی خون خوار چوکیدار کی طرح جما کھڑا تھا۔

"ڈاکٹر اوہان......گھپلا......" قاسم نے اپنے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"دھوئیں کا علم کیونکر ہوا تھا" حمید نے پوچھا۔

"ارے پورے کمرے میں گہرا دھواں بھرا ہوا تھا......اوپر روشندان سے نکل رہا تھا۔"

"مگر یہاں کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی حتیٰ کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں آگ بھی رہی ہے۔"

"تب پھر میں ہی دھواں چھوڑ رہا ہوں گا۔" قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

اتنے میں روحی آ گئی۔

"یہاں بڑی عجیب باتیں ہو رہی ہیں ڈاکٹر" اس نے کہا۔ "میں نے بھی روشندان سے دھوئیں کے بادل نکلتے دیکھے تھے لیکن جب دروازہ توڑا گیا تو اندر صرف دھواں ہی دھواں تھا۔ آگ کا نشان بھی نہیں تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

"کیا آپ مجھ سے خفا ہیں۔" روحی نے اس کے قریب آ کر پوچھا۔

"میں آپ کو نہیں پہچانتا۔" حمید نے بے رخی سے کہا اور زینوں کی طرف مڑ گیا۔

ڈائننگ ہال میں پہنچ کر اس نے ایک ویٹر سے منیجر کے متعلق پوچھا۔

منیجر اپنے کمرے میں موجود تھا۔ حمید سیدھا وہیں چلا گیا۔

"اوہ......ڈاکٹر صاحب۔" منیجر اٹھتا ہوا بولا۔ "جناب......میں تو پاگل ہو جاؤں گا۔ خدارا مجھے معاف کر دیجئے۔ پچھلی رات میں نے آپ کی شان میں گستاخیاں کی تھیں۔"

"کمرے کا دروازہ کس کی اجازت سے توڑا گیا ہے۔"

"اوہ دیکھئے......ایسی صورت میں جب کہ دروازہ کھولنے کے سارے ذرائع ختم ہو چکے تھے میں کیا کرتا۔ مگر......میں پاگل ہو جاؤں گا۔ وہاں آگ تو تھی ہی نہیں......صرف دھواں تھا۔"

"اگر میری کوئی چیز ضائع ہوئی ہوگی تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟"

"ارے صاحب کوئی کمرے کے اندر قدم ہی نہیں رکھ سکا۔ وہ دیوزاد دروازے پر اڑ گیا تھا۔ مجھے بڑی تشویش تھی جناب! وہ لوگ آپ کو کوتوالی لے گئے تھے۔ پولیس والے دوسروں کی پوزیشن کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں رکھتے۔"

"آپ مطمئن رہئے جناب......میری پوزیشن مضبوط اور محفوظ ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن جناب......اگر آپ اجازت دیں....!" منیجر خاموش ہو گیا۔

حمید خاموشی سے مستفسرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو ایک درخواست کروں۔"

"کیا بات ہے۔"

"اگر آپ یہاں سے کہیں اور تشریف لے جائیں تو میں زندگی بھر احسان مانوں گا۔"

"کیا بکواس ہے۔" حمید بگڑ گیا۔

"میرا بزنس تباہ ہو جائے گا جناب۔" منیجر گڑگڑایا۔

"کیوں......!"

"دوسروں کا خیال ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی شیطانی طاقت ہے۔"

حمید ہنسنے لگا۔ پھر اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ "آپ کا کیا خیال ہے۔"

"مم......میرا......پھر بتایئے آپ کے کمرے میں وہ دھواں کیسا تھا۔"

"آپ مجھے یہ بتایئے کہ روحی کا باڈی گارڈ کہاں گیا۔"

"جہنم میں۔" منیجر دفعتاً جھلا کر کھڑا ہوگیا۔ "آپ کو کمرہ چھوڑنا پڑے گا......آج اور ابھی......میں بہت خراب آدمی ہوں۔"

"صورت ہی سے ظاہر ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن کمرہ تمہارے فرشتے بھی نہیں خالی کراسکتے اور پچھلی رات تم نے مجھے عشق کی جو داستان سنائی تھی بالکل بنڈل تھی۔ تم روزانہ زندگی میں خود کو بیوقوف ظاہر کرنا چاہتے ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ تم انتہائی خطرناک آدمی ہو۔"

"ہاں میں خطرناک بھی ہوسکتا ہوں۔" منیجر اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ چند لمحے اپنی چکنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرتا رہا پھر کہنے لگا۔ "میں اس کے لئے پولیس کی مدد نہیں طلب کروں گا۔ لیکن تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔"

"تم اسی طرح رورو کر کہتے رہو۔ ہوسکتا ہے مجھے تم پر رحم آ ہی جائے۔" حمید نے مسکرا کر کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

ڈائننگ ہال سے گذر کر وہ زینوں کی طرف جا ہی رہا تھا کہ کاؤنٹر کلرک نے اسے رکنے کا اشارہ کرکے کہا۔ "آپ کی کال تھی جناب میں نے ان صاحب کے نمبر لکھ لئے ہیں۔ کوئی ضروری معاملہ تھا۔" حمید نے اس کے بتائے ہوئے نمبروں پر رنگ کیا۔ دوسری طرف سے ایس۔ پی ماتھر کی آواز آئی۔ وہ اس سے اس کے کمرے کی آگ کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

"حیرت انگیز......!" حمید نے جواب دیا۔ "لوگوں کا بیان ہے کہ کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا لیکن وہاں آگ کا نشان تک نہیں ملا۔ ساری چیزیں بے ترتیبی سے بکھری پڑی ہیں۔ کسی نے میرے سامان کی تلاشی لی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی۔"

"اچھا میں آرہا ہوں۔"

"ضروری نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے اُسے میں ضروری نہیں سمجھتا۔"

"اوہ......سمجھا......خیر......اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے مطلع کرنا۔"

"بہتر ہے......شکریہ۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوجانے پر حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

اور پھر جب وہ اوپر جانے کے لئے زینے طے کررہا تھا اس نے اپنے عقب میں قدموں کی آوازیں سنیں اور پھر دو آدمی اس کے ساتھ ہی ساتھ زینے طے کرنے لگے۔ حمید ان کے درمیان میں تھا۔

"آپ ابھی کمرہ خالی کریں گے۔" ایک نے کہا۔

"نہیں تو بے عزتی ہوگی۔" دوسرا بولا۔ لیکن حمید چپ چاپ زینے طے کرتا رہا۔

وہ اوپر پہنچ گئے۔ قاسم اب بھی کمرے کے سامنے موجود تھا اور خلاف توقع بہت اچھے موڈ میں نظر آرہا تھا۔ شاید روحی نے دیر تک اس سے گفتگو کی تھی۔

ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے پھر کہا۔ "کمرہ ابھی خالی ہونا چاہئے ورنہ ہم سامان نکال کر باہر پھینک دیں گے۔"

"کیا......؟" قاسم آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

"یہ مجھے اس کمرے سے نکالنے آئے ہیں۔ منیجر کے غنڈے ہیں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ زبان سنبھال کر بات کیجئے۔" دوسرے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہائیں! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"کمرہ خالی کرنا پڑے گا۔"

"ابے جاؤ......تمہارے باپ بھی خالی نہیں کراسکتے۔" قاسم نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

دونوں نے ایک ساتھ قاسم پر حملہ کردیا۔ قاسم کے ہاتھی جیسے ڈیل پر دو چار گھونسے پڑے اور پھر وہ کسی ہاتھی ہی کی طرح بے زنجیر ہوگیا۔ اُس نے ان دونوں کی گردنیں دبوچیں اور اس طرح ان کے سر ٹکرانے لگا جیسے وہ آدمی نہیں مٹی کے کھلونے ہوں۔ وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی سر توڑ کوشش کررہے تھے لیکن یہ آسان کام نہیں تھا۔ ان کی گردنیں ایک ایسے آدمی کے ہاتھوں

میں تھیں جو لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں موڑ دیتا تھا۔ موٹر سائیکل کو سوار سمیت اٹھا کر سڑک کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر رکھ دیتا تھا۔

شور سن کر لوگ اپنے کمروں سے نکل آئے۔ ان میں روحی بھی تھی اور حمید چپ چاپ کھڑا نہایت سنجیدگی سے ان دونوں کی بے بسی کا منظر دیکھ رہا تھا۔

قاسم انہیں گھسیٹتا ہوا زینے کی طرف لے گیا اور دھکا دیتا ہوا بولا۔ ''جاؤ اس سالے سے کہہ دینا کہ کمرہ خالی کرانے کے لئے کم از کم پچاس آدمی بھیجے۔''

ادھر حمید بلند آواز میں بڑبڑا رہا تھا۔ ''یہ ہوٹل بدمعاشوں کا مرکز ہے۔ یہاں شریفوں کی عزت کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ وہ مجھ سے اس طرح کمرہ خالی کرانا چاہتا ہے۔''

''کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب۔'' روحی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''منیجر...... کہتا ہے کہ میں کمرہ خالی کردوں۔ کیونکہ میرے قبضے میں شیطانی قوتیں ہیں۔ میں بھوت ہوں اس کے دوسرے گاہکوں سے چمٹ جاؤں گا۔''

''یہ تو بیہودگی ہے۔'' روحی نے کہا۔

''اس نے یہ دو غنڈے بھیجے تھے جنہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میرا سامان کمرے سے نکال کر باہر پھینک دیا جائے گا۔''

''یہ بڑا کمینہ پن ہے۔'' روحی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ایک لحظہ خاموش رہی پھر بولی۔ ''پھر آپ کا کیا ارادہ ہے...... ذرا ادھر آیئے...... میرے ساتھ۔''

حمید قاسم کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کرتا ہوا روحی کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا گیا۔

''ان حالات میں۔'' روحی نے آہستہ سے کہا۔ ''یہاں آپ کا قیام کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔''

''پھر...... کیا آپ بھی یہی چاہتی ہیں کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔'' حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''صرف آپ ہی نہیں بلکہ میں بھی، اس سلسلے میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ مجھ سے اتفاق کریں۔''

''کیا تجویز ہے۔''

''ہم لوگ جہاں بھی رہیں اکٹھے رہیں۔''

''کیوں......؟''

''اس سوال کا جواب دے سکتی ہوں لیکن ممکن ہے آپ اسے اپنی توہین خیال کریں۔''

''میں بہت جلدی میں ہوں۔ اگر آپ کم سے کم الفاظ میں مفہوم سمجھا دیں تو بہتر ہے۔''

''نہ جانے کیوں! میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ کی موجودگی میں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں رام گڈھ میں میری کوٹھی بھی موجود ہے اور میں ہر سال گرمیاں یہیں گذارتی ہوں۔''

''کوٹھی کرائے پر اٹھا دی ہوگی۔''

''اس کے صرف دو کمرے کرائے پر دیئے گئے ہیں۔ چھ کمرے میں اپنے لئے خالی رکھتی ہوں۔''

''پھر یہاں دلکشا ہوٹل میں قیام کرنے کی کیا وجہ تھی۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

''اس کی وجہ محض خوف سمجھ لیجئے۔ خیال تھا کہ ممکن ہے ہوٹل میں محفوظ رہ سکوں۔ لیکن یہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا کہ میرے دشمن کتنے دلیر ہیں۔''

''ہاں...... آں...... اچھا فی الحال مجھے اجازت دیجئے۔ میں سوچوں گا...... اس موضوع پر۔ ویسے یہ بھی میرے لئے بڑی توہین کی بات ہوگی کہ منیجر کے غنڈوں سے مرعوب ہوکر یہاں سے چلا جاؤں۔ جب کہ میری اتنی زندگی ہی کشت وخون میں گذری ہے۔''

''کشت وخون۔'' روحی نے حیرت سے دہرایا۔

''اوہ...... ہاں۔'' حمید فوراً سنبھل گیا۔ ''میری زندگی کا بیشتر حصہ افریقہ کی نیم وحشی اقوام میں گذرا ہے۔ میں ایسی جگہوں پر بھی رہا ہوں جہاں دوسرے منٹ کے لئے یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ خیریت سے گذرے گا۔''

حمید نے شاید ابھی اپنی بات ختم نہیں کی تھی کہ راہداری سے شور کی آواز آئی۔ وہ جھپٹ کر باہر نکلا۔

اس بار ان غنڈوں کی تعداد پانچ تھی اور وہ بیک وقت قاسم پر ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ لوگ جو

کچھ دیر قبل تماشائیوں کی حیثیت میں وہاں اکٹھے ہوگئے تھے ان میں سے ایک بھی راہداری میں نہیں دکھائی دیا۔ وہ سب خائف ہوکر اپنے کمروں میں جا گھسے تھے۔

قاسم پر دھڑا دھڑ گھونسے پڑ رہے تھے۔ لیکن اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ معصوم بچے اس سے خوش فعلیاں کر رہے تھے۔

حمید کے وہاں پہنچتے ہی اچانک ایک نے بڑا سا چاقو نکال لیا لیکن جیسے ہی اس نے قاسم پر حملہ کیا حمید نے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ کر اُسے پیچھے کھینچ لیا اور ناک پر پڑنے والے بھرپور گھونسے نے تو اسے تحت الثریٰ کی سیر کرادی۔

ذرا ہی سی دیر میں دو وہیں بیہوش پڑے تھے اور تین بھاگ نکلے تھے۔

"میں اب یہاں......نہیں رہوں گا۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

"کیوں......؟" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ ادھر والی سالیاں۔" قاسم نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "مجھے دیکھ کر اس طرح ہنستی ہیں جیسے میں اُلو کا پٹھا ہوں۔"

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ شاید قاسم ان ہنگاموں سے ڈر گیا ہے۔ لیکن اب اسے کیا کہا جائے کہ ہنگامے کے دوران میں بھی اسے وہ لڑکیاں یاد تھیں، جو اُسے دیکھ کر بیوقوف بنانے والے انداز میں ہنسا کرتی تھیں۔

"ہم یہاں نہیں رہیں گے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

روحی پھر اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

اچانک زینوں سے بھاری قدموں کی آوازیں آنے لگیں اور دوسرے ہی لمحے میں منیجر دو ڈیوٹی کانسٹیبلوں کے ساتھ دکھائی دیا۔

"آؤ......آؤ......بیٹا منیجر صاحب۔" قاسم اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا۔

"دیکھا آپ نے۔" منیجر کانسٹیبلوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "ایسے خطرناک ہیں یہ لوگ اور یہ دونوں بیچارے جو بیہوش پڑے ہیں پتہ نہیں کون ہیں۔"

"ایک تمہارا خالو ہے اور دوسرا میرا بھتیجا ہے۔" قاسم نے کانسٹیبلوں کو آنکھ مارنے کی

کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن کانسٹیبل روحی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے بیہوش آدمیوں کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔ آج انہیں اس ایکٹریس کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا جسے انہوں نے بار بار پردہ سیمیں پر دیکھا تھا۔

"یہ دونوں کمبخت......!" روحی نے بیہوش غنڈوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اپنے کئی آدمیوں سمیت یہاں گھس آئے تھے اور مجھے پریشان کر رہے تھے۔ اگر یہ شریف آدمی نہ ہوتے۔"

"پپ......پریشان کر رہے تھے۔" ایک کانسٹیبل نے احمقوں کی طرح دہرایا۔

"ہاں......ان شریف آدمیوں نے انہیں منع کیا اور بات بڑھ گئی۔"

"ارے......جان سے مار دینا تھا سالوں کو۔" دوسرے کانسٹیبل نے کہا۔

منیجر بوکھلا گیا۔ وہ شائد انہیں حمید اور قاسم کی زیادتیاں دکھانے کے لئے لایا تھا۔ بہرحال اس نے اس بات کا اعتراف نہیں کیا کہ وہ غنڈے اسی کے بھیجے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں پہچاننے سے بھی انکار کردیا۔

"بہرحال یہ ہوٹل شریفوں کے رہنے کی جگہ نہیں۔" روحی منیجر کو گھورتی ہوئی بولی۔ "ہم لوگ ابھی یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"مگر جانے سے پہلے۔" قاسم منیجر کو گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔ "تم سے اپنے وہ دس ہزار روپے وصول کرلیں گے۔ کیوں ڈاکٹر صاحب......؟ جو اس کمرے کا دروازہ توڑ کر نکالے گئے ہیں۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" منیجر گڑبڑا کر بولا۔

"میری عدم موجودگی میں دروازہ کیوں توڑا گیا۔" حمید دہاڑ کر بولا۔

"دھواں......!"

"اگر کوئی چیز ہو تو مجھے دکھاؤ......کہاں کا دھواں......کیسا دھواں۔ میری بعض قیمتی چیزیں غائب ہوگئیں۔"

"اور دس ہزار کے نوٹ......!" قاسم نے گرہ لگائی۔

"میں تمہاری اس حرکت کے خلاف رپورٹ درج کرانے جا رہا ہوں۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا قصہ ہے جناب۔" ایک کانسٹیبل نے پوچھا۔

"انہوں نے میری عدم موجودگی میں میرے کمرے کے دروازے توڑ دیئے۔"

"سینکڑوں آدمیوں نے اندر دھواں دیکھا تھا۔" منیجر نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"ذرا آپ لوگ بھی دیکھ لیجئے۔" حمید نے کانسٹیبلوں سے کہا۔ "کیا اس کمرے میں آگ لگی تھی۔"

کانسٹیبل اس کے دوبارہ کہنے پر کمرے کے اندر چلے گئے اور جلد ہی باہر نکل آئے۔

"کیا خیال ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آگ کا تو نشان بھی نہیں ہے۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔" حمید نے منیجر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں سینکڑوں آدمی موجود تھے۔"

"ختم کیجئے ڈاکٹر صاحب۔" روحی آگے بڑھ کر بولی۔ "ہمیں یہاں سے چلا جانا چاہئے۔"

"پولیس کو باقاعدہ اطلاع دیئے بغیر نہیں جائیں گے۔"

کانسٹیبلوں نے اس رائے سے اتفاق کیا اور منیجر ہکلا ہکلا کر حمید کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

دونوں بیہوش غنڈے ہوش میں آ گئے تھے۔

"کہاں چلے بے تم دونوں۔" قاسم انہیں کھسکنے کا ارادہ کرتے ہوئے دیکھ کر دہاڑا۔

"جانے دو۔" حمید نے کہا۔ "وہ اس کا اعتراف ہی نہ کریں گے کہ انہیں منیجر نے بھیجا تھا۔"

"آپ خواہ مخواہ اتہام لگا رہے ہیں۔" منیجر بولا۔

"یہ ہمارے ساتھ جائیں گے۔" ایک کانسٹیبل نے کہا۔ "آپ تھانے میں رپورٹ کر دیجئے۔"

پھر اس نے اس انداز میں روحی کی طرف دیکھا جیسے کوئی کتا کسی چوہے کا شکار کرنے کے بعد اپنے مالک سے داد طلب کرے۔

قاسم کا اغوا

روحی کی کوٹھی بڑی شاندار تھی۔ حمید اور قاسم دونوں اپنے سامان سمیت اس کے ساتھ یہیں آ گئے تھے۔ قاسم بہت خوش تھا اور اس کا خیال تھا کہ اب اس کی محنت وصول ہوئی ہے۔ خوشی اس بات کی نہیں تھی کہ روحی جیسی مشہور اداکارہ کے ساتھ اس کا قیام تھا بلکہ اس اتفاق پر سرور تھا کہ روحی کی کرایہ دار ایک لحیم شحیم عورت تھی۔ کوٹھی کے دو کمرے اس کے تصرف میں تھے۔ لیکن وہ اس طرح ان میں آ کر گھل مل بیٹھی جیسے وہ روحی کے خاندان کی ایک فرد ہو۔

اس کا نام نوشابہ تھا۔ رام گڈھ کے ایک گرلز ہائی سکول میں ہیڈ مسٹریس تھی لیکن اس کی طالبات اسے عموماً ہیڈ مونسٹریس کہتی تھیں۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ جسم کی بناوٹ ایسی تھی جسے قاسم کے علاوہ شاید ہی کوئی پسند کر سکتا۔ اس کا چہرہ اس کے جسم میں صرف ایک اضافہ معلوم ہوتا تھا اور کچھ نہیں۔ ناک واضح ترین تھی اور نچلا ہونٹ اپنے پھیلاؤ کی بناء پر نہ جانے کیوں کسی اداس خچر کا تصور پیش کرتا تھا۔ حالانکہ نوشابہ کے متعلق یہ سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ کبھی اداس بھی ہوتی ہوگی۔ اس میں سب سے زیادہ نمایاں چیز اس کی آواز تھی۔ آواز یقیناً ایسی تھی کہ حمید اس کی شکل دیکھے بغیر ہی اس پر بھی فریفتہ ہو جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ مگر جب وہ سامنے آئی تو حمید کے بجائے قاسم کی باچھیں کھل گئیں اور اس نے حمید کو الگ لے جا کر کہا۔

"دیکھو حمید بھائی! میں تمہاری عزت کروں گا اور تم میری عزت کرنا۔"

"لیکن ...... ڈفر...... تم حماقتوں پر نہیں اتر آؤ گے۔" حمید بولا۔

"کیسی حماقتیں۔"

"تم اپنا مداری پن نہیں دکھاؤ گے۔"

"ارے ...... وہ ...... تو ...... میں روحی کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں منہ سے لوہے کے گولے نکال سکتا تھا۔ سلاخیں موڑ سکتا ہوں۔ پیٹ پر پتھر تڑوا سکتا ہوں۔"

"تم گدھے ہو۔"

"اگر تم بھی جملہ کسی دوسرے کے سامنے دہراؤ گے تو میں تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔ حمید بھائی...... ہاں۔"

حمید نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ اس پر سراغ رسانی کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ فریدی کی موجودگی میں شاید وہ اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کرتا لیکن اس کے کمرے میں دھوئیں والی روایت روحی پر ہونے والے حملے سے زیادہ سنسنی خیز تھی۔ کیا دلکشا کا منیجر ہی اس کا ذمہ دار تھا۔ اسے قاسم کی بوکھلاہٹ بھی یاد تھی جب اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی غائب ہو جانے کا تذکرہ کیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت روحی پر حملہ بھی ہوا تھا لیکن اب وہ روحی کے معاملے کو اس کی گفتگو کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا، جو اس کے اور ماتھر کے درمیان میں ہوئی تھی۔ ماتھر کا خیال ہے کہ ان حملوں کی ذمہ دار خود روحی ہے۔

پہلے تو حمید اسے واقعات کا صرف ایک امکانی پہلو سمجھا تھا مگر اب اسے روحی کا رویہ یاد آ رہا تھا۔ ان حالات میں اس کا رویہ یقینی طور پر قطعی خلاف فطرت تھا۔ یعنی اسے اپنے چچا زاد بھائی اور باڈی گارڈ کی اچانک گمشدگی پر ذرہ برابر بھی تشویش نہیں تھی۔ اس کے دو ہی معنی ہو سکتے تھے یا تو باڈی گارڈ ہی اس حملے کا ذمہ دار تھا یا پھر روحی نے سچ مچ کسی قسم کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔

حمید سوچتا رہا لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔

ویسے شام کی چائے پر اس نے ایک بار پھر وہی تذکرے چھیڑ دیئے۔

"جی ہاں۔" روحی بولی۔ "میرے لئے یہ بہت مشکل ہے کہ میں کسی خاص آدمی کے خلاف اپنا شبہ ظاہر کروں۔ ویسے میرا چہرہ بگاڑ دینے کی کوشش کئی بار کی جا چکی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ آپ اس سلسلے میں کسی خاص آدمی کا نام نہیں بتا سکتیں۔"

"ناممکن ہے...... جب تک شبہات حقیقت کی سرحدوں کو نہ چھونے لگیں میں کسی کا بھی نام نہیں لے سکتی۔ آپ سمجھتے ہیں نا میرا مطلب۔"

"جی ہاں...... میں سمجھتا ہوں۔" حمید نے کہا اور پھر ایک لحظہ خاموش رہ کر بولا۔

"آپ کو اپنے باڈی گارڈ کی گمشدگی پر تشویش نہیں ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مجھے تشویش نہیں ہے۔ لیکن میں تشویش کر کے کروں گی کیا۔"

"آہا...... تب تو یہ حرکت اسی کی ہوگی۔"

"میں وثوق کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتی۔"

"آپ مجھے اپنے ساتھ کیوں لائی ہیں۔"

"اس سوال کا جواب مشکل ہے۔" روحی مسکرا کر بولی۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ میری ہی طرح آپ بھی کچھ نامعلوم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔"

"نہیں میرے دشمن ایسے نہیں جنہیں نامعلوم کہا جا سکے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"وہ غنڈے منیجر ہی کے بھیجے ہوئے تھے لیکن یہ تو بتایئے کہ سارا الزام آپ نے اپنے سر کیوں لے لیا تھا۔"

"یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں جس کے لئے آپ الجھن میں مبتلا ہوں۔"

"ارے...... ہپ......!" قاسم کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

اس کے بعد چائے خاموشی ہی سے ختم ہوگئی۔ پھر جب وہ باہر پائیں باغ میں آئے تو وہاں نوشابہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ پہلے وہ انہیں دیکھ کر ہنسی اور پھر الفاظ کا بحر ذخار موجیں مارنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بیک وقت کئی عورتیں بول رہی ہوں۔ گفتگو کے ساتھ ہی ساتھ وہ ہنسنے کی بھی عادی تھی اس طرح باتیں کرتے وقت کئی قسم کی آوازوں کا احساس ہوتا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ قاسم اور نوشابہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے خود کو پوز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نوشابہ میں اس کی صلاحیت تھی لیکن قاسم...... وہ حد درجہ مضحکہ خیز نظر آنے لگا تھا۔ پہلے اس نے فوجیوں کے سے انداز میں کھڑے ہونے کی کوشش کی پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ خود بھی کوئی خامی محسوس کر رہا ہو۔

ان کا تعارف تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ لیکن ان دونوں نے براہ راست ایک بار بھی گفتگو نہیں کی تھی۔

نوشابہ بے تحاشہ باتیں کر رہی تھی۔ رام گڈھ کے موسم کی باتیں۔ بہار میں پھولنے والے درختوں کی باتیں، درختوں سے جست لگا کر دنیا کے جغرافیہ کی باتیں پھر وہ جغرافیہ سے بیک وقت محکمہ تعلیم کی نالائقیوں پر اتر آئی...... بہر حال یہ گفتگو اس کے اپنے موٹاپے کی پیدا کردہ

مصیبتوں پر ختم ہوگئی۔

"ہی ہی......!" دفعتاً قاسم ہنسا۔"موٹا ہونا تو بڑی......اچھی بات ہے۔"

"کیا اچھی بات ہے......آدمی کسی کام کا نہیں رہتا۔" نوشابہ نے کہا۔

"واہ رہتا کیوں نہیں......کیا میں کسی سے کم موٹا ہوں۔لیکن میں کیا نہیں کرسکتا۔لو ہے موٹی موٹی......اُوپ......!"

دفعتاً اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اسے یاد آ گیا تھا کہ حمید نے اُسے اپنے مداری کے اظہار سے باز رہنے کی تاکید کی تھی۔

"ہوگا جناب......آپ کر سکتے ہوں گے۔لیکن مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا۔"

"ہی......ہی......ہی......!" قاسم احمقوں کی طرح ہنس کر خاموش ہوگیا۔

حمید اور روحی خاموش تھے۔

سورج دور کی پہاڑیوں میں غروب ہو رہا تھا اور رات سکوت کے پرچم اڑاتی ہوئی مغربی افق میں پرواز کررہی تھی۔

"مس روحی آپ نے بہت اچھا کیا کہ یہاں چلی آئیں۔" نوشابہ نے کہا۔

"اوہ......وہ......!" روحی بڑبڑائی۔وہ سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اچانک اس نے حمید سے کہا۔"ڈاکٹر......وہ شائد کوئی کار ادھر ہی آرہی ہے۔"

سڑک بلندی پر تھی اور یہاں سے کار صاف نظر آرہی تھی۔مگر روحی کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی کہ کار اس کی کوٹھی ہی کی طرف آرہی ہے۔تھوڑی دیر چہل قدمی کرنے کے بعد وہ برآمدے میں آبیٹھے۔

اب قاسم بھی اچھی طرح چہکنے لگا تھا۔لیکن اُسے حیرت تھی کہ آخر اتنی خوبصورت عورت کی موجودگی میں بھی حمید پر سنجیدگی کیوں طاری ہے۔

نوشابہ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئی۔اس دوران میں روحی حمید کو بہت غور سے دیکھتی رہی تھی اور حمید کا مرکز نگاہ قاسم تھا۔

نوشابہ کے جاتے ہی وہ روحی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"میں نے آپ کو یہاں لاکر آپ کے ساتھ زیادتی تو نہیں کی۔" روحی نے کہا۔

"فی الحال اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔" حمید معنی خیز انداز میں مسکرایا اور روحی جلدی سے بولی۔"نہ جانے کیوں میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ کے ساتھ میں محفوظ رہوں گی۔اب آپ اسے خودغرضی ہی کہہ لیجئے کہ میں اس کے لئے آپ کو ہوٹل کی تفریحات سے نکال لائی۔"

"اگر آپ یہ محسوس کرتی ہیں تو میں آپ کا دل نہیں توڑوں گا۔مگر ایک شرط کے ساتھ......نہ آپ مجھے میرے کسی شغل پر ٹوکیں گی اور نہ میرے دوست مسٹر قاسم کو......ہوسکتا ہے کہ انہیں آپ کی کرایہ دار سے عشق ہوجائے۔"

"ار......ام......" قاسم غصیلے لہجے میں ہکلایا۔"مم......مذاخ نہیں پاسند کرتا۔"

"میں مجبور ہوں قاسم صاحب......آپ کے ستارے......!"

"ستارے کہہ رہے ہیں۔" قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

روحی بے تحاشہ ہنسنے لگی۔کیونکہ قاسم نے شرما کر سر جھکا لیا تھا۔بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی ہاتھی دوہرا ہوگیا ہو۔

"آپ کے کیا مشاغل ہوں گے ڈاکٹر اوہان۔" روحی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ارے......ان کے مشاغل......ہی ہی ہی......!" قاسم بے تحاشہ ہنسنے لگا اور حمید کی روح فنا ہوگئی۔کہیں موڈ میں آکر سب کچھ اگل نہ دے......مگر ایسا نہیں ہوا۔قاسم کی ہنسی گہری سنجیدگی پر ختم ہوگئی۔بالکل اسی طرح جیسے کسی موٹر کا انجن اسٹارٹ ہوکر یک بیک رک جائے۔

حمید نے اطمینان کی سانس کے ساتھ ہی ساتھ دو چار فالتو قسم کی سانس بھی لیں اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" روحی نے کہا۔

"میرے مشاغل کا انحصار مواقع پر ہے۔"

"میں مبہم جواب نہیں چاہتی۔"

"آپ مبہم جواب نہیں چاہتیں۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔"میرے مشاغل ستاروں کی چال پر منحصر ہیں۔آپ خود ہی دیکھ لیں گی۔"

"آپ تو ڈرا رہے ہیں...... مجھے......اس طرح نہ دیکھئے میری طرف۔"

"کسی دوسری طرف دیکھئے۔" قاسم نے مخلصانہ انداز میں مشورہ دیا۔

پھر قاسم کچھ بے چین سا نظر آنے لگا اور اس کی وجہ بھی حمید کی سمجھ میں آ گئی۔

نوشابہ قریب ہی کے کمرے میں گنگنا رہی تھی۔ دفعتاً روحی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ذرا علیحدگی میں......کیا آپ میری ایک بات سن لیں گے۔"

"ضرور......یقیناً......!" حمید بھی اٹھ گیا۔

قاسم وہیں بیٹھا رہا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اُن کے اٹھ جانے کی ذرا برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

روحی حمید کو ایک کمرے میں لائی۔ یہاں مختلف قسم کے ساز اِدھر اُدھر بکھرے نظر آ رہے تھے۔ نیچے قالین کا فرش تھا۔ یہاں فرنیچر نہیں تھا۔ روحی چند لمحے حمید کو عجیب انداز میں دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔

"اگر آپ پہچان لئے گئے ہوں تو۔"

"میں نہیں سمجھا......!" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ......!"

"کیا جانتی ہیں کہ میں......!" حمید بھی اسی لہجے میں کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"کیا آپ کا تعلق ادارہ روابط عامہ سے نہیں ہے؟" روحی کی مسکراہٹ کا انداز فاتحانہ تھا۔

حمید اس نام پر چونک پڑا کیونکہ آج ہی ماتھر نے اس سے اس ادارے کا تذکرہ کیا تھا۔ یہ سوال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوند گیا۔ کیا روحی نے بھی اپنے دشمنوں پر قابو پانے کے لئے اس ادارے سے مدد طلب کی ہے؟

"کیوں؟ کیا آپ میری بات کا جواب نہیں دیں گے۔ میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ میں نے دلکشا سے یہاں آنے میں غلطی تو نہیں کی۔"

حمید نے قالین سے ایک وائلن اٹھا لیا اور روحی کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس کے تار ہلانے لگا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ بہر حال اس نے جلد ہی اس کا

فیصلہ کر لیا۔

"آپ ان جھگڑوں میں نہ پڑیئے۔" اس نے تاروں پر قوس پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو یہاں لا کر آپ کی اسکیم میں خلل انداز تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں......!" حمید کا مختصر سا جواب تھا۔

اس نے وائلن پر ایک گت چھیڑ دی تھی۔

"اوہ......آپ تو بہت اچھا بجاتے ہیں۔" روحی نے کہا اور حمید نے وائلن کو قالین پر ڈال دیا۔

"بجائیے نا......!" روحی جلدی سے بولی۔

"آپ کو کچھ اور بھی پوچھنا ہے۔"

"بس اتنا ہی کہ آپ کو سچ مچ نجوم میں دخل ہے یا وہ بھی محض حکمت عملی تھی۔"

"اگر دخل نہ ہوتا تو میں آپ کو بلی کے متعلق کیسے بتا سکتا۔"

"مجھے اس کے غائب ہو جانے کا بے حد افسوس ہے۔"

"آپ نے ادارہ کو اپنے دشمنوں کے نام کیوں نہیں بتائے۔" حمید نے پوچھا۔

"نام میں جانتی ہی نہیں۔ میں صحیح اندازہ نہیں کر پائی کہ میرا دشمن کون ہو سکتا ہے۔ رام گڈھ والے دفتر کے انچارج ڈاکٹر سلمان نے کہا تھا وہ خود ہی دشمنوں کو تلاش بھی کر لیں گے۔"

پھر حمید یہ پوچھتے پوچھتے رک گیا کہ اس کے لئے معاوضہ طے ہوا تھا۔ اس نے ایک بار پھر گمشدہ باڈی گارڈ کا تذکرہ چھیڑنا چاہا لیکن دور اندیشی نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔ روحی کی نظروں میں اب اس کی حیثیت یکسر بدل چکی تھی۔ لہٰذا اب بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔

روحی آہستہ سے بولی۔ "ایک حملہ آپ کی موجودگی میں بھی ہوا ہے لیکن کیا آپ مجھے میرے دشمن کا نشان پتہ بتا سکیں گے۔"

"نہیں......!"

"بتانا نہیں چاہتے یا آپ کو علم ہی نہیں ہو سکا۔"

"میں نہیں جانتا کہ حملہ آور کون تھا۔ ویسے شبہہ ہے کہ وہ آپ کا باڈی گارڈ بھی ہو سکتا ہے۔"

"خدا جانے۔"

"ڈاکٹر سلمان سے آپ کی کیا گفتگو ہوئی تھی۔"

"اوہ......!" روحی چونک کر اُسے گھورنے لگی اور حمید کو فوراً ہی احساس ہوگیا کہ اس کا یہ سوال قطعی بے محل تھا۔

وہ جلدی سے بولا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آپ کو جو احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کو کہا تھا آپ نے اس پر کہاں تک عمل کیا ہے۔"

"میں ابھی تک ان کے مشوروں کی پابند رہی ہوں۔"

"یہی پوچھنا تھا۔" حمید نے کہا اور بیٹھ کر طبلہ بجانے لگا۔

"آپ کو موسیقی سے بہت زیادہ دلچسپی ہے شائد۔"

"بہت......!" حمید ہاتھ روک کر بولا۔ "طالب علمی کے زمانے میں کالج کے ڈراموں میں ڈانس ڈائریکٹ کیا کرتا تھا۔ آج میرے پاس ناچوں کی ایسی گتیں ہیں جن کا جواب شائد ہی کہیں مل سکے۔"

"اوہو......!" روحی مسکرائی۔ "دعویٰ کر رہے ہیں آپ۔"

"ہاں...... یہ میرا دعویٰ ہے...... خصوصاً رقص نجوم...... ستاروں کا ناچ۔"

"شائد آپ ستارے پکا کر کھاتے بھی ہوں۔" روحی ہنس پڑی۔

"پرواہ نہیں...... اگر آپ اسے بکواس سمجھتی ہیں تو میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں...... خیر...... نہیں...... جانے دیجئے۔"

حمید کے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار نظر آنے لگے اور اس نے گرج کر کہا۔ "آپ کی تباہی نزدیک ہے۔ میرا تعلق کسی ادارے سے نہیں یہ اتنی گفتگو میں نے محض اس لئے کی تھی کہ معلوم کرسکوں کہ آپ کس قسم کے جال میں پھنسی ہوئی ہیں۔"

روحی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"کیسے جال میں پھنسی ہوئی ہوں۔" اس نے خالی خالی آواز میں پوچھا۔

"میں بہت کچھ بتا سکتا ہوں...... بشرطیکہ آپ مجھ سے کچھ نہ چھپائیں۔"

روحی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "آپ کا تعلق ادارہ روابط عامہ سے نہیں ہے۔"

"نہیں...... مجھے اس ادارے سے دلچسپی ضرور ہے کیونکہ یہ ادارہ ساری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔"

"پھر آپ نے کیوں کہا تھا کہ آپ کا تعلق اسی ادارہ سے ہے۔"

"یہ میں نے نہیں آپ نے کہا تھا۔" حمید بولا۔ "بس میں نے تھوڑی دیر کے لئے فرض کرلیا تھا کہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

روحی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے اس کے پاس الفاظ ہی نہ ہوں۔ پھر وہ کچھ کہنے والی تھی کہ اچانک انہوں نے کسی کی چیخیں سنی۔ حمید اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا کیونکہ وہ چیخیں قاسم کے علاوہ کسی کی نہیں ہوسکتی تھیں۔

راہداری میں نوشابہ ملی۔ جو بدحواسی میں اسی طرف دوڑی آرہی تھی۔

"باہر...... پپ...... پائیں باغ میں۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

حمید بے تحاشہ دوڑ رہا تھا۔ اس نے اس کا جملہ پورا ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ اس وقت وہ خاکی پتلون اور کتھئی رنگ کے جیکٹ میں تھا اور اس کی جیب میں ریوالور بھی موجود تھا۔ جیکٹ کے نیچے کارتوسوں کی پیٹی تھی۔ ہوٹل سے چلتے وقت ہی اسے احساس ہوگیا تھا کہ وہ عنقریب انجانے خطرات میں گھر جائے گا ورنہ اسکے کمرے میں دھوئیں کا کیا مطلب تھا۔ پائیں باغ میں اسے کوئی نظر نہیں آیا لیکن سامنے سڑک پر ایک ٹرک کھڑا ہوا دکھائی دیا اور پھر وہ فوراً ہی چل پڑا۔

ایک بار پھر حمید نے قاسم کی دہاڑ سنی۔ یہ آواز اسی ٹرک سے آئی تھی۔ حمید سڑک تک دوڑتا چلا گیا۔ مگر ٹرک اس سے پہلے ہی اگلے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہوچکا تھا۔

فادر آگیا

وہ پھر اسی طرح دوڑتا ہوا پائیں باغ میں واپس آیا۔ روحی اور نوشابہ وہاں موجود تھیں۔

نوشابہ اپنے مخصوص لہجے میں چنگھاڑ رہی تھی۔ شاید وہ روحی کو قاسم کے متعلق کچھ بتا رہی تھی۔

"کوئی گاڑی ہے یہاں" حمید نے تیزی سے پوچھا۔ وہ بُری طرح بے چین نظر آ رہا تھا۔

"ہے گیراج میں...... ایک اسٹیشن ویگن۔"

"گیراج کدھر ہے۔"

روحی تقریباً دوڑتی ہوئی اس کے ساتھ گیراج کی طرف جا رہی تھی۔

اسٹیشن ویگن حالانکہ بہت دنوں سے استعمال میں نہیں تھی لیکن آرڈر میں تھی۔

"بیٹھو......!" حمید نے روحی کو اسٹیشن ویگن میں دھکیلتے ہوئے کہا۔

"میں...... میں......!" روحی ہکلائی۔

"ہاں...... میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔"

"کیوں......!" روحی نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"راستے میں بتاؤں گا۔"

حمید نے انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی گیراج سے باہر نکلی اور پائیں باغ سے گذر کر سڑک پر آ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ اس سڑک پر کوئی بڑا ٹرک تیزی سے نہ چلا سکیں گے۔" حمید نے کہا اور روحی بولی۔ "لیکن آپ مجھے اس خطرناک مہم پر کیوں لے جا رہے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ اس میں بھی ان لوگوں کی کوئی چال ہو۔ مجھے اس بہانے سے باہر نکال کر تم پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد تم اور نوشابہ وہاں تنہا رہ جاتیں۔ ابھی تمہارے نوکر بھی وہاں نہیں پہنچے۔ شام کی چائے تم نے ہی بنائی تھی۔"

"مگر اب اندھیرا پھیلتا جا رہا ہے اور آپ تنہا ہیں۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔" حمید نے کہا۔ "ہاں نوشابہ نے کیا بتایا تھا۔"

"قاسم صاحب پائیں باغ میں تھے۔ نوشابہ بھی وہیں تھی اچانک رسی کا ایک پھندا قاسم صاحب کی گردن میں آ پھنسا اور وہ زمین میں گر پڑے۔ پھر پانچ چھ آدمی ان پر آ گرے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتی۔ یہ دیکھنے کے لئے وہ وہاں رکی ہی نہیں کہ وہ انہیں کہاں لے گئے۔

ویسے اس نے اس واقعے سے کچھ دیر قبل سڑک پر ایک ٹرک رکتے ضرور دیکھی تھی۔ کہیں یہ لوگ انہیں غنڈوں کے ساتھی نہ ہوں جن کی مرمت آپ لوگوں نے دلکشا میں کی تھی۔"

"ہوسکتا ہے۔"

اسٹیشن ویگن پہاڑی سڑک پر چکراتی رہی۔

"اگر وہ سب ہم پر آ پڑے تو آپ کیا کریں گے۔" روحی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"پٹی کا آخری کارتوس بھی پھونک دوں گا اس کے بعد جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"کارتوس...... کیا آپ کے پاس ریوالور بھی ہے۔"

"ڈرو نہیں...... اس کا لائسنس بھی ہے۔" حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"اب کافی اندھیرا پھیل گیا تھا...... حمید کو ہیڈ لائیٹس روشن کردینی پڑیں۔"

"کیا نوشابہ بھی تنہا رہتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ارے انتہائی درجہ کنجوس ہے۔ ایک نوکر بھی نہیں رکھ سکتی۔ کھانا خود پکاتی ہے۔ ویسے کپڑے اتنے شاندار پہنتی ہے کہ بس دیکھتے ہی رہ جائیے۔ دن میں کئی بار لباس تبدیل کرتی ہے۔"

"اوہو...... ہم تو شہر کے قریب آ پہنچے۔" حمید نے کہا...... "لیکن مگر ٹھہرو مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں اس دوسری سڑک کو شہر والی سڑک سمجھا تھا۔ نہیں وہ قاسم کو ایسی حالت میں شہر کی طرف لانے کی ہمت نہیں کریں گے۔"

"کیوں......؟"

"اوہو...... اس آدمی کو دیر تک قابو میں رکھنا آسان کام نہیں ہے۔ خیر اب ادھر آئے ہیں تو اس واقعہ کی رپورٹ پولیس کو بھی دیتے چلیں۔"

روحی کچھ نہ بولی۔ بہر حال اب اس کے چہرے پر خوف یا الجھن کے آثار نہیں تھے۔ ہوسکتا ہے وہ ان نامعلوم آدمیوں اور حمید کے ٹکراؤ سے ڈرتی رہی ہو اور اب اس کے امکانات نہ دیکھ کر مطمئن ہوگئی ہو۔

کوتوالی میں رپورٹ درج کرانے کے بعد حمید روحی سمیت کیپٹن ماتھر کے بنگلے کی طرف روانہ ہوگیا۔

ماتھر سے ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ موجود نہیں تھا...... لیکن کوتوالی میں روحی کی آمد ایسی نہیں تھی کہ وہاں کی فضا پرسکون رہ جاتی۔ لوگ اپنے کام چھوڑ چھوڑ کر اسے دیکھنے کے لئے اکٹھا ہو گئے۔

یہ حالت دیکھ کر حمید کو ماتھر کے بنگلے ہی میں پناہ لینی پڑی۔

لیکن یہ ایک زبردست غلطی تھی۔ اسے کم از کم ماتھر کی عدم موجودگی میں اس کے بنگلے میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا۔

ماتھر کے گھر والے اسے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ انہوں نے جب اس کے ساتھ روحی کو دیکھا تو سارے کے سارے ڈرائینگ روم میں اکٹھا ہو گئے۔ ادھر ادھر کی باتیں چھڑ گئیں اور روحی حیرت سے ان کی گفتگو سنتی رہی۔ ماتھر کی بیوی بار بار اسے کیپٹن حمید کے نام سے مخاطب کر رہی تھی اور حمید کا یہ عالم تھا جیسے اسے بھرے بازار میں ننگا کر دیا گیا ہو۔

اس دوران میں کرنل فریدی کے تذکرے بھی ہوتے رہے۔ روحی کبھی حیرت سے حمید کی طرف دیکھتی اور کبھی ان لوگوں کی طرف۔

دفعتاً حمید نے اس سے کہا۔ ''آپ نوشابہ کو فون کر دیجئے کہ آپ صبح سے پہلے واپس نہیں آئیں گی۔''

''کیوں......!''

''ماتھر صاحب کے آ جانے پر میں فورس لے کر قاسم کی تلاش میں جاؤں گا اور آپ یہیں رہیں گی۔''

''اوہ...... ہمیں بڑی خوشی ہو گی۔'' ماتھر کی سالی نے کہا۔

''نہیں میں اتنی تکلیف نہیں دے سکتی۔ حرج کیا ہے۔ میں واپس چلی جاؤں گی۔''

''میں اس کا مشورہ ہرگز نہیں دوں گا۔''

روحی خاموش ہو گئی اور پھر تجویز کے مطابق اس نے نوشابہ کو فون کر دیا۔ نوشابہ بہت فکرمند تھی مگر اتنی خائف بھی نہیں تھی کہ تنہا رات نہ گذار سکتی۔

آدھے گھنٹے بعد ماتھر واپس آ گیا۔ روحی اس کی سالیوں کے ساتھ اندر چلی گئی۔

''تم کیا کرتے پھر رہے ہو کپتان صاحب۔'' ماتھر نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا

اس پر اُس نے سارے واقعات دہراتے ہوئے کہا۔ ''میں قاسم کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ کم از کم پانچ مسلح کانسٹیبل ہونے چاہئیں۔''

''لے جاؤ...... کہو تو میں بھی ساتھ چلوں۔ ویسے مجھے امید نہیں ہے کہ قاسم کو پا سکو...... وہ ایک موٹی مرغی ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''رام گڈھ آج کل لاقانونیت کا مرکز بن گیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ اُسی گروہ کا کام ہے جس کا سراغ پانے میں ہم ابھی تک ناکام رہے ہیں۔ اس گروہ کا طریق کار ہے کہ شہر کے متمول ترین آدمیوں کو اغواء کیا جاتا ہے پھر ان کے ورثاء سے بھاری رقموں کے مطالبے کئے جاتے ہیں۔ جب تک رقم وصول نہیں ہو جاتی وہ اغواء کئے ہوئے آدمی کو چھوڑتے نہیں۔ بعض اوقات تو رقمیں وصول ہو جانے کے بعد بھی نہیں چھوڑتے اور مزید رقم کا مطالبہ کر بیٹھتے ہیں۔''

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''تب تو وہ یقیناً ایک موٹی مرغی ہے۔ آپ نے خان بہادر عاصم کا نام تو سنا ہی ہو گا۔''

''ہاں...... کیوں نہیں۔''

''قاسم انہیں کا لڑکا ہے۔''

''آہا...... تب تو اس کی طرف سے مایوس ہو جاؤ۔''

''مگر یہ ناممکن ہے کہ میں صبر کر کے بیٹھ جاؤں۔''

''اچھا ہے بیٹھو...... یہ تو بہت اچھا ہوا کہ تمہارا ایک دوست ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا جن سے رام گڈھ کی پولیس تنگ آ گئی ہے۔''

حمید کچھ نہیں بولا۔ اُس نے دس مسلح کانسٹیبلوں کے ساتھ سارا علاقہ چھان مارا جہاں سے قاسم کی بازیابی کے امکانات ہو سکتے تھے لیکن دو بجے رات تک بھٹکتے رہنے کے باوجود بھی اس کا سراغ نہ ملا اور حمید تھک ہار کر واپس آ گیا۔

رات ماتھر کے ہاں بسر کی اور صبح کو وہ دونوں کوٹھی کیلئے روانہ ہو گئے۔ روحی خاموش تھی۔

''کیوں کیا تم اب مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتیں؟''

"میری ایک بہت بڑی الجھن رفع ہوگئی۔" روحی دلآویز انداز میں مسکرائی۔ چند لِ
خاموش رہی پھر بولی۔ "یہ حقیقت ہے کہ میں ابھی تک آپ کی طرف سے مطمئن نہیں تھی۔"

"کیا سمجھتی تھیں۔"

"کوئی بہت بڑا فراڈ......!"

"وہ تو میں اب بھی ہوں۔ چونکہ میں قانون کی حفاظت کے لئے فراڈ کرتا ہوں۔ اس لِ
اس فراڈ کو حکمت عملی کہیں گے۔ اگر کوئی عام آدمی مقصد براری کے لئے یہی طریقہ اختیار کرے
وہ قانون کی نظر میں فراڈ ہوگا۔"

"اب آپ قاسم صاحب کے لئے کیا کریں گے۔"

"دیکھا جائے گا۔" ان کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اسکے باپ سے ایک لمبی رقم وصول کریں۔"

"قاسم صاحب کون ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارا حسن اس کا شرمندہ احسان بھی ہے۔"

"کیا مطلب...... میں نہیں سمجھی۔"

"تمہارے جسم پر اس وقت اسی کے ملوں کے کپڑے ہیں۔ سارے ملک میں اس کے
ملوں سے بہتر کپڑے کوئی دوسرا مل نہیں نکال رہا ہے۔"

"کون سے مل۔"

"عاصم ٹیکسٹائل۔"

"اوہو......!" روحی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی۔

کچھ دیر خاموش رہی پھر روحی نے کہا۔ "آپ نے ڈاکٹر اوہان کا بہروپ کیوں بنایا تھا۔"

"ہمارے محکمے کے لوگ پبلک زندگی میں اپنی اصلیت کے ساتھ کبھی نہیں آتے۔"

"مگر آپ کا یہ روپ بے مقصد نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ آپ اس طر
دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر بلی والا معاملہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اوہ میری ستارہ شناسی بہرحال اپنی جگہ پر اٹل ہے۔"

روحی کچھ نہیں بولی۔ نہ جانے کیوں وہ پھر کچھ فکرمند سی نظر آنے لگی تھی۔

وہ کوٹھی پہنچ گئے۔ نوشابہ موجود تھی لیکن اس کا چہرہ بالکل زرد تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ برسوں سے خوف کی حالت میں زندگی گذار رہی ہو۔ اس نے ایک بے جان سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔

"اوہو...... آپ لوگ آگئے۔ پچھلی رات میں بوڑھی ہوگئی۔"

"کیا بات ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اندر چلئے...... اطمینان سے بتاؤں گی۔"

روحی بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نوشابہ نے ان کے بیٹھنے کا انتظار نہیں کیا۔

"آپ کا فون آنے سے پہلے مجھے صرف تشویش تھی۔" اس نے روحی سے کہا۔ "لیکن آپ کے متعلق معلوم ہوجانے کے بعد ہی سے پریشانی شروع ہوگئی۔ آپ جانتی ہیں کہ میں ہمیشہ یہاں تنہا رہی ہوں اور کبھی میرا وزن ایک اونس بھی کم نہیں ہوا۔ لیکن میرا دعویٰ ہے......!"

وہ خاموش ہوکر مسکرائی اور پھر بولی۔ "میرا دعویٰ ہے کہ رات سے اب تک کم از کم دس پونڈ ضرور کم ہوگئی ہوں گی۔"

"ایک افسوس ناک خسارہ۔" حمید روحی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔ لیکن نوشابہ اس ریمارک سے بے پرواہ بولتی رہی۔ "میں نے خود اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کو دیکھا ہے۔ وہ کچھ تلاش کررہے تھے۔ ان کا ایک آدمی میرے سر پر مسلط تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ پھر جب وہ چلے گئے تو میں نے پوری کوٹھی کا چکر لگایا۔ انہوں نے صرف ڈاکٹر اوہان اور ان کے دوست کا سامان الٹ پلٹ ڈالا تھا۔ اس کے علاوہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اب آپ خود سوچئے کہ باقی رات کس طرح گذاری ہوگی میں نے...... وہ تعداد میں پانچ تھے اور انہوں نے اپنے چہرے نقابوں سے چھپا رکھے تھے۔"

"ڈاکٹر اوہان کا ستارہ گردش میں ہے۔" حمید بڑبڑایا اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ حقیقتاً ایک بار پھر ہوٹل ہی کی طرح اس کا سامان بکھرا ہوا نظر آیا۔ یعنی شاید دوسری بار کسی نے اس کے سامان کی تلاشی لی تھی۔ لیکن سامان کی تلاشی سے حمید کی شخصیت کے متعلق اندازہ کرلینا ناممکنات میں سے تھا۔ اس نے اپنے پاس کوئی ایسی چیز رکھی ہی نہیں تھی جس سے اس کی

اصلیت پر روشنی پڑسکتی۔ لیکن قاسم کے سامان کے متعلق حمید کو علم نہیں ہوسکتا تھا کہ تلاشی لینے والوں نے قاسم کے متعلق معلومات حاصل ہی کرلی ہوں۔ ویسے خود اس کی زبان سے کچھ اگلوالینا آسان کام نہیں تھا۔

وہ اپنی چیزیں ترتیب سے لگانے لگا۔ اتنے میں روحی بھی وہاں پہنچ کر اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔

"مگر......!" حمید بڑبڑایا۔ "اب مجھے یہاں سے رخصت ہوجانا چاہیے۔"

"کیا...... یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔" روحی نے کہا۔ "آپ مجھے اس مصیبت میں چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاسکتے۔"

"میرا فادر بڑا خطرناک آدمی ہے۔" حمید بولا۔ "اگر اُسے معلوم ہوگیا کہ میں ایک خوبصورت سی فلم اسٹار کے ساتھ مقیم ہوں تو وہ میری آئندہ نسلوں کو یتیم کردے گا۔"

"جی نہیں...... میں انہیں سمجھالوں گی۔"

"تم سمجھالوگی...... کرنل ہارڈاسٹون کو...... ہاہا...... کیا بات کہی ہے۔"

"کرنل ہارڈسٹون...... آپ کے باپ...... میں نہیں سمجھی۔ یہ نام تو کسی انگریز یا عیسائی کا ہوسکتا ہے۔"

"یہ نام نہیں صفت ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ کو یہیں قیام کرنا ہوگا۔"

"اور اگر کسی نے تمہارے دھوکے میں مجھ پر تیزاب ڈال دیا تو میں کیا کروں گا۔ پھر ہوسکے گی میری شادی۔"

"خیر آپ کی شادی تو ویسے بھی نہ ہوگی۔"

"کیوں......؟"

"آپ صورت سے شوہر کبھی نہ معلوم ہوں گے...... مجھے یقین ہے۔"

"لیکن چند بچوں کا فادر ضرور معلوم ہوں گا۔"

"میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی...... لیکن آپ مجھے اس طرح چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔"

"پھر جس طرح کہو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

دفعتاً باہر سے کسی نے دستک دی۔

"ہام...... کون ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں آجاؤں۔" نوشابہ کی آواز آئی۔

"آیئے......!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور کچھ اس طرح منہ بنایا کہ روحی بیساختہ ہنس پڑی۔

"وہ کوئی صاحب فون پر مسخرہ پن فرمارہے ہیں۔" نوشابہ نے کہا۔

"کیا بات ہے۔"

"پتہ نہیں کون ہے...... کہتا ہے کہ یہاں کوئی کیپٹن حمید ہے۔ اُسے فون پر بلا دیا جائے۔"

"وہ کہاں سے بول رہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ نہیں بتایا۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ فون پر اُسے جس کی بھی آواز سنائی دی ہو لیکن روحی یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی کہ حمید کچھ بوکھلا سا گیا ہے۔

"جی ہاں......!" وہ ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔ "میں یہیں ہوں۔ آپ نے ٹھیک سنا ہے۔ ارے باپ رے...... مگر سنئے تو سہی...... وہ محض مذاق تھا...... محض تفریح...... لیکن آپ کیوں اور کیسے آگئے...... میں بڑی مشکل میں ہوں...... یہ ناممکن ہے...... وہ اس پر تیار نہیں ہے...... ارے باپ رے...... پھر بتایئے میں کیا کروں...... آپ قسم لے لیجئے...... مرگیا...... اچھا میں ابھی آؤں گا...... مگر تنہا نہیں...... آپ سنئے تو سہی...... جی ہاں...... جی ہاں۔"

حمید ریسیور رکھ کر دھڑام سے دوسری طرف الٹ گیا۔ روحی اور نوشابہ گھبرا کر اس کی طرف جھپٹیں لیکن وہ پھر اٹھ کر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ لیکن شاید دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ لیکن حمید ماؤتھ پیس میں "فادر فادر" چیختا رہا پھر ریسیور رکھ کر پیشانی رگڑنے لگا۔

"کیا بات ہے۔" روحی نے حیرت سے پوچھا۔

"فادر آگیا ہے۔" حمید نے پھٹی پھٹی سی آواز میں کہا۔ "اب میں یہاں نہ رک سکوں گا۔"

روحی اور نوشابہ نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور حمید بکتا رہا۔ "اس فادر

کے بچے کو بھی چین نہیں ہے۔ کبھی یہاں کبھی وہاں...... میرے ستارے۔"

کوئلے کا مجسمہ

روحی پر یہ بات بہت دیر بعد واضح ہوئی کہ حمید کا "فادر" کرنل فریدی ہے۔ اور پھر وہ کرنل فریدی سے ملنے کے لئے بُری طرح بے چین نظر آنے لگی۔

"تم کیوں ملنا چاہتی ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"لوگ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔" روحی نے سوال کیا۔

"کیونکہ تم ایک خوبصورت عورت ہو۔"

"یعنی میں لوگوں کے لئے کشش رکھتی ہوں۔"

"قطعی......!"

"بس اسی طرح کرنل فریدی بلکہ صرف یہ نام میرے لئے اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے۔ میں اس آدمی کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں جس سے بعض اوقات معجزے سرزد ہوتے ہیں۔"

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "ستارے! خیر...... ہاں...... مگر وہ تم سے نہیں مل سکیں گے۔"

"کیوں......؟"

"تمہارا نام ہی سن کر وہ اس قابل نہ رہ جائیں گے کہ تمہیں دیکھ سکیں۔"

"آپ مذاق بہت اچھا کر لیتے ہیں۔" روحی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کون ہے!"

"وہی نالائق......!" حمید نے جواب دیا۔ "آپ بتاتے کیوں نہیں کہ یک بیک یہاں

کیسے پہنچ گئے۔"

"کل دوپہر کو ماتھر نے میرے لئے ٹرنک کال کی تھی...... ڈاکٹر اوہان کے بچے میں تمہاری اچھی طرح خبر لوں گا...... روحی سے پوچھو کہ اس نے ادارہ روابط عامہ سے کب مدد لی تھی۔ پہلے حملے سے قبل یا بعد میں۔"

حمید نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر روحی سے فریدی کا سوال دہرایا۔

"کون ہے۔" روحی نے پوچھا۔

"فادر ولیم......!"

"اوہ...... کرنل فریدی ان سے کہہ دیجئے کہ پہلے حملے کے بعد ہی میں نے اس ادارے سے مدد طلب کی تھی مگر انہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"رات میں نے ماتھر سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔" حمید نے کہا اور فریدی تک روحی کا جواب پہنچا دیا۔

"کیا وہ خود ہی وہاں گئی تھی یا کسی نے اُسے مشورہ دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے پھر روحی سے پوچھ کر اُسے جواب دیا۔ "ایک دوست نے مشورہ دیا تھا۔"

"مجھے اس دوست کا نام اور پتہ چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

"آخر آپ آتے ہی روحی میں کیوں اتنی دلچسپی لینے لگے۔"

"یہ قاسم کا کیس ہے، جو محض تمہاری حماقتوں کی بناء پر مصیبت میں پھنس گیا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں۔" روحی نے لہک کر پوچھا۔

"تمہارے سلسلے سے وہ قاسم تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تمہارے کیس سے انہیں ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں۔ ویسے ہوسکتا ہے کہ لگے ہاتھوں تمہاری مقصد براری بھی ہوجائے اسلئے اپنے اس دوست کا نام اور پتہ بتاؤ جس نے تمہیں ادارہ سے گفت وشنید کرنے کا مشورہ دیا تھا۔"

"اتنی دیر......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "جلدی کرو۔"

"بس فوراً" حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا اور روحی کی طرف دیکھنے لگا جو اب کچھ پریشان نظر آرہی تھی۔

''وہی آدمی جسے آپ نے دلکشا کے ڈائننگ ہال میں باڈی گارڈ کے ساتھ دیکھا تھا یہاں کا ایک سربرآوردہ آدمی ہے۔''

''فادر ولیم...... سربرآوردہ آدمیوں کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتے۔ فادر ولیم کئی بڑ سرمایہ داروں کے گالوں پر تھپڑ تک رسید کر چکے ہیں۔''

روحی نے اسے اس آدمی کے متعلق تفصیل سے بتایا اور حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا

''سردار شکوہ نام ہے۔ پتہ ایک سو گیارہ کٹل بالا...... یہاں کے سربرآوردہ آدمیوں میں ہے...... مگر فادر...... میں بہت اداس ہوں۔''

''تمہاری اداسی دور ہونے کی صرف ایک ہی صورت ہے۔''

''فرمایئے۔''

''اس وقت تک تم پر مار پڑتی رہے جب تک کہ کھال نہ گر جائے۔''

''میں اپنی کھال کھنچوا کر آپ کو روانہ کردوں گا۔ مگر آپ مجھے یہیں رہنے دیجئے ورنہ روحی کا ہارٹ فیل ہو جائے گا...... اور...... ملک ایک بہت بڑی فنکارہ سے محروم ہو جائے گا۔''

حمید اور نہ جانے کیا کیا بکتا رہا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

''یہ سب کیوں کہہ رہے تھے آپ۔'' روحی نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''فادر سے کوئی بات چھپانا شامت کو دعوت دینے سے کم نہیں۔''

''مجھے ملایئے کرنل سے...... مگر ٹھہریئے۔ آخر آپ لوگ ادارہ روابط عامہ کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔''

''ادارہ روابط عامہ فراڈ ہے۔ اگر اب بھی اس کی حرکت آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو آپ کو کسی گزیٹیڈ آفیسر سے شادی کر لینی چاہئے۔''

''کیسی حرکت......!''

''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ پر اب تک جتنے بھی حملے ہوئے ہیں ان میں اسی ادارہ کا ہاتھ رہا ہو۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ خواہ مخواہ تہمت تراشی کر رہے ہیں۔''

''پہلے آپ مجھے یہ بتایئے کہ آپ اب تک اس ادارہ کو کتنی رقم دے چکی ہیں۔''

''پچیس ہزار......!''

''گڈ گاڈ...... اور اس کے باوجود بھی آپ کی اپر چیمبر اب تک مقفل ہے۔''

فون کی گھنٹی نے اس گفتگو کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔

اس بار روحی نے ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو......!''

''کون روحی صاحبہ۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں روحی ہوں۔''

''میں سلمان بول رہا ہوں...... ادارہ روابط عامہ سے۔''

''اوہ...... ڈاکٹر سلمان...... کہئے۔''

''کیا یہ ضروری ہے کہ آپ اجنبیوں پر اعتماد کرلیں۔''

''اوہ...... وہ دیکھئے...... میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر اوہان کے متعلق کچھ کہہ رہے ہیں۔''

''ٹھیک سمجھیں آپ...... کیا آپ اس آدمی کو پہلے سے جانتی ہیں۔''

روحی ہچکچائی لیکن حمید جلدی سے بولا ''تم اُسے بتا دو کہ میں کون ہوں۔''

لیکن روحی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''میں ڈاکٹر اوہان کو پہلے سے جانتی ہوں۔''

''آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں مس روحی۔ آپ اس دن اس سے واقف ہوئی تھیں جس رات آپ کی بلی نے آپ پر حملہ کیا تھا۔''

''ہوسکتا ہے یہی بات ہو ڈاکٹر سلمان۔'' روحی جھنجھلا گئی۔

''اس لئے ادارہ روابط عامہ آپ کی خدمت سے قاصر ہے۔''

''ادارہ روابط عامہ نے اب تک کون سا کارنامہ انجام دیا ہے میرے لئے۔''

''محترمہ روحی! ڈاکٹر سلمان کی روحانی قوت ہی تھی جس نے آج تک کوئی حملہ کامیاب نہ ہونے دیا۔ اگر مجھے آپکے دشمن کی صحیح شخصیت کا علم ہوتا تو وہ کب کا آپ کے قدموں پر آ گرا ہوتا۔''

''خیر اسے جانے دیجئے۔'' روحی نے کہا۔ ''کیا آپ کو علم ہے کہ میرا باڈی گارڈ حملے والی

رات سے غائب ہو گیا تھا۔"

"مجھے علم ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ قطعی بے قصور ہے۔ اسے اغواء کیا گیا تھا محض اس لئے کہ اس حملے کا الزام اس کے سر آئے۔"

"تب تو آپ اغواء کرنے والوں کو بھی جانتے ہوں گے۔"

"نہیں...... میں صرف آدمی ہوں۔ کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں۔ آپ کے باڈی گارڈ شاہد کو اس بات کا علم تھا کہ آپ نے ہم سے مدد طلب کی ہے اور ہم آپ کے لئے کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا شاہد نے ہمارے پاس آ کر ساری روداد بیان کی ہے۔ لیکن چونکہ آپ اس کی طرف سے غیر مطمئن ہوں گی اس لئے وہ آپ سے نہیں ملا۔ اغواء کرنے والے اسے ایک کار میں ڈال کر رام گڑھ سے دس میل کے فاصلے پر چھوڑ آئے ہیں۔ اس غریب کو وہاں سے پیدل آنا پڑا اور اس مضحکہ خیز اغواء کا مطلب بھی اس کی سمجھ میں آ گیا۔ لہٰذا وہ آپ کے پاس آنے کی ہمت نہیں کر سکا اور خود پولیس کی نظروں سے بھی چھپا رہا ہے۔ میں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اس واقعہ کی رپورٹ باقاعدہ طور پر درج کرائے لیکن اس کی ہمت ہی نہیں پڑی۔"

"وہ کہاں ہے۔" روحی نے پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ وہ اب بھی وہیں ہو جہاں پہلے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم سے رجوع کرنے کے بعد اس نے اپنی وہ قیام گاہ چھوڑ دی ہو۔ یقیناً چھوڑ دی ہو گی۔ جبکہ وہ اتنا ڈرپوک ہے۔"

"پھر بھی وہ پہلے کہاں تھا۔"

"کٹل بالا کے ایک چھوٹے سے ہوٹل اٹالیانو میں۔"

"شکریہ......! میں دیکھوں گی کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"محترمہ روحی! آپ تباہی کی طرف جا رہی ہیں۔ بغیر سمجھے بوجھے اجنبیوں پر اعتماد نہ کیجئے۔"

"آپ یہاں کے سپرنٹنڈنٹ پولیس کیپٹن ماتھر کو جانتے ہیں۔" روحی نے پوچھا۔

"انہیں کون نہ جانے گا۔"

"کیپٹن ماتھر کا خیال ہے کہ ڈاکٹر اوہان سرکاری طور پر کیپٹن حمید کہلاتے ہیں اور مرکزی سی آئی ڈی کے ایک ذمہ دار آفیسر ہیں۔"

"اوہو...... کیپٹن حمید...... شاید میں یہ نام پہلے بھی سن چکا ہوں...... ہاں...... اچھا...... یہ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ تو نہیں ہیں۔"

"آپ ٹھیک سمجھے۔"

"تب تو محترمہ روحی آپ کی عقلمندی کی داد دوں گا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اس بار آپ نے صحیح آدمی کا انتخاب کیا ہے۔"

"شکریہ...... اور اب اسی لئے میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتی۔"

"کوئی بات نہیں مس روحی...... اس صورت میں آپ کی آدھی رقم واپس ہو سکتی ہے...... یعنی ساڑھے بارہ ہزار۔"

"رقم کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ خواہ آپ واپس کریں خواہ نہ واپس کریں۔"

"آپ بڑی دریا دل ہیں محترمہ روحی...... مگر یہ ساڑھے بارہ ہزار تو آپ کو واپس کئے ہی جائیں گے...... یہی ہمارا اصول ہے۔"

"آپ کی مرضی......!" روحی نے لاپروائی سے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

"ڈاکٹر سلمان......!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور روحی کو غور سے دیکھنے لگا۔

روحی نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"بڑے شریف لوگ ہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "ساڑھے بارہ ہزار واپس کر دیں گے۔"

اس کے بعد اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ روحی کے ملازمین آ گئے تھے اور وہ کوٹھی کو رہائش کے قابل بنانے کے لئے روحی کی ہدایات کے مطابق ادھر اُدھر مصروف تھے۔

وہ دونوں باہر برآمدے میں بیٹھ گئے۔

آسمان میں سفید بادل صبح ہی سے منڈلا رہے تھے۔ اب اس وقت ہلکا سا ترشح بھی شروع ہو گیا تھا۔

"روحی......!" حمید نے اُسے بڑے پیار سے مخاطب کیا۔

"فرمایئے۔" روحی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"میری آخری خواہش پوری کرو...... اس کے بعد پھر پتہ نہیں میں کہاں ہوں۔"

"یعنی......!" روحی نے اسے غصیلی نظروں سے دیکھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو۔" حمید اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں وائلن پر ایک گیت چھیڑوں اور تمہارے پیروں میں گھونگھرو ہوں۔ یہ ہے میری آخری خواہش اور یقین رکھو کہ رقص ختم ہونے سے پہلے ہی میں مر جاؤں گا۔"

"اور پھر پولیس تحقیقات شروع کردے گی......کیوں؟" روحی مسکرائی۔

اچانک حمید نے اپنی کرسی سے چھلانگ لگائی اور بے تحاشہ اندر کی طرف بھاگا۔

ظاہر ہے کہ روحی بھی اس کی حرکت پر بوکھلا گئی ہوگی۔ اس نے بھی اس کا ساتھ دیا لیکن ساتھ ہی ہسٹریائی انداز میں چیخ چیخ کر پوچھتی بھی جارہی تھی۔ "کیا ہوا......کیا ہوا۔"

"فادر آگیا......؟" دفعتاً حمید نے اس کی طرف مڑ کر کہا اور اپنے کمرے میں گھس گیا۔

روحی جہاں تھی بُرا سا منہ بنائے ہوئے وہیں رک گئی۔ وہ حمید کے کمرے میں جانے کی بجائے پھر باہر جانے کے لئے دوسری طرف مڑ گئی۔

برآمدے میں پہنچتے ہی اس کی نظر پولیس کار پر پڑی جس سے ایک ایسا آدمی اُتر رہا تھا جو کم از کم اس عمر کا تو ہرگز نہیں تھا کہ حمید اسے فادر کہہ سکتا۔

روحی صرف ایک ہی بار اس سے نظر ملا سکی......دوسری بار اس کے چہرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی۔ وہ ایسا ہی باوقار اور پر رعب چہرہ تھا......خصوصاً آنکھیں تو بجلیوں کا خزانہ معلوم ہورہی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا برآمدے کی طرف آیا۔

"مس روحی آپ ہیں۔" اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"جج......جی ہاں......!" روحی ہکلائی۔

"کیپٹن حمید کہاں ہے۔"

"وہ......اندر ہیں۔"

"براہِ کرم بلوا دیجئے۔"

"ان......اندر تشریف لے چلئے......آپ بھی۔"

"ہوسکتا ہے آپ کسی غلط آدمی کو مدعو کررہی ہوں۔" اس نے کہا۔

"مم......میں جانتی ہوں......آپ......فف......فریدی صاحب ہیں۔"

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "میں یہیں ہوں آپ اسے بلوا دیجئے۔"

روحی اندر چلی گئی......حمید اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"آپ کے فادر آپ کو یاد فرمارہے ہیں۔" روحی نے مسکرا کر کہا۔

"میں جانتا ہوں لہٰذا جانے سے پہلے تمہیں ایک وصیت کروں گا۔ میری لاش کے ساتھ ایک وائلن اور اپنے گھونگھروؤں کی ایک جوڑی دفن کردینا۔ کیونکہ تم نے میری آخری خواہش پوری نہیں کی اس وقت میرے ستارے شائد حقہ پی رہے ہیں۔"

"جلدی کیجئے......وہ شائد زیادہ غصے میں ہیں۔"

"غصے میں ہیں تو شائد کفن مہیا کرنے کی بھی مہلت نہ ملے۔ لہٰذا مجھے اپنی کسی پھٹی پرانی ساری میں لپیٹ کر دفن کردینا۔"

"کیا بیکار باتیں کررہے ہیں......آپ چلئے۔" روحی اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔

برآمدے میں پہنچنے سے پہلے ہی حمید نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ یہاں فریدی نوشابہ سے قاسم کے متعلق گفتگو کررہا تھا۔

نوشابہ بھی کچھ بوکھلائی ہوئی سی نظر آرہی تھی اور اس کی قینچی کی طرح چلنے والی زبان ایک ایک لفظ پر لڑکھڑا رہی تھی۔ ویسے گفتگو میں ہنسنے کا سا انداز اب بھی شامل تھا۔

فریدی نے اس سے بہتیرے سوالات کئے۔ لیکن کسی بات پر تبصرہ نہیں کیا۔

پھر وہ پولیس کار کی طرف اشارہ کرکے حمید سے بولا۔ "چلو......!"

"اور سامان......!" حمید نے پوچھا۔

"اُسے یہیں رہنے دو۔"

"آپ چائے پئیں گے یا کافی۔" روحی نے پوچھا۔

"میری چائے یا کافی آپ پر اُدھار رہی۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "پھر سہی۔"

حمید چپ چاپ جا کر کار میں بیٹھ گیا۔ اگلی سیٹ پر ڈرائیور موجود تھا پھر فریدی بھی بیٹھ گیا اور کار پائیں باغ سے سڑک پر نکل آئی۔ حمید خاموش ہی رہا۔ فریدی بھی کچھ نہیں بولا...... کار چلتی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ شہر میں پہنچ گئے۔ لیکن کار ان راستوں کو چھوڑتی جا رہی تھی جو کوتوالی کی طرف جاتے تھے۔

پھر وہ ایک عظیم الشان عمارت کے سامنے رک گئے۔ پھاٹک پر کھڑے ہوئے دو مسلح پہرے داروں نے ان کا استقبال کیا۔

اور پھر عمارت کے ڈرائنگ روم میں ایک سوگوار سی عورت انہیں ملی اس کی عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ چہرہ صحت مند لیکن غم کے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ آنکھیں کچھ ایسی ویران سی تھیں جیسے روتے روتے خشک ہوگئی ہوں۔

"کرنل......!" اس نے بھرائی ہوئی آواز یں کہا۔ "میں آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے کیپٹن ماتھر کی درخواست پر تکلیف کی۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو تو اسے اپنی توہین نہ سمجھئے گا۔ تین دن سے...... پورے تین دن گذرے...... میں نہیں سمجھ سکتی کہ میرا جسم برف ہے یا پتھر۔ میرے ساتھ آیئے میں آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دوں گی۔"

وہ دوسرے کمرے میں جانے کے لئے مڑی۔ فریدی خاموشی سے اس کے پیچھے ہولیا اور حمید شاید الجھن کے باوجود بھی اس کے ساتھ چلتا رہا۔ ایک طویل راہداری سے گذرنے کے بعد وہ ایک کمرے کے بند دروازے پر رک گئے۔

عورت فریدی کی طرف مڑ کر بولی۔ "اب مجھ میں اتنی سکت نہیں رہ گئی کہ اسے بار بار دیکھ سکوں۔ آپ اندر تشریف لے جایئے۔"

فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ اس کے ساتھ ہی حمید بھی کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی دروازے کے قریب ہی رک کر سیاہ رنگ کے ایک مجسمے کو دیکھنے لگا جو دروازے سے ڈیڑھ گز کے فاصلے پر دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ وہ کسی برہنہ عورت کا مجسمہ تھا لیکن اُسے تراشنے والے نے سر پر بال نہ بنا کر اس کا سارا حسن ختم کر دیا تھا۔ فریدی اس کے بازو پر اپنی انگلی رگڑ کر

دیکھنے لگا۔ اس کی انگلی میں سیاہی چھوٹ آئی تھی۔

شعلہ لپکا تھا

حمید حیرت سے اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا اس نے آج تک اتنا مکمل مجسمہ نہیں دیکھا تھا۔ ایسا مجسمہ جسے تراش کر منظر عام پر رکھنے کی ہمت کوئی بھی نہ کر سکتا۔ اچانک فریدی نے جیب سے قلم تراش چاقو نکالا اور اُسے کھول کر بعض جگہوں پر اس کی سطح کھرچنے لگا۔

"ہائیں......!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "یہ تو کوئلے کا معلوم ہوتا ہے۔"

"ذرا صبر کرو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "شور نہ مچاؤ۔"

حمید نے پھر اُسے غور سے دیکھا۔ مجسمے کے پیروں میں سفید سویٹ کے سینڈل تھے۔ بے داغ سینڈل جیسے وہ الگ سے پہنائے گئے ہوں۔ پھر اس نے فریدی کو مجسمے کے پیروں کے پاس بیٹھے دیکھا۔ وہ بھی اس کے سفید سینڈلوں کو ٹٹول رہا تھا۔

پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر مخالف سمت کی دیوار کے روشندان کی طرف دیکھنے لگا جس کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"کیا یہ مجسمہ اپنی عریانیت کی بناء پر قانون کی گرفت میں نہیں آتا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں......!" فریدی نے کہا اور سامنے والی میز کی طرف چلا گیا۔ یہ لکھنے پڑھنے کی میز تھی۔ اس کی داہنی جانب ایک شلف میں کتابیں لگی ہوئی تھیں۔ فریدی حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل آیا۔

راہداری کے دوسرے سرے پر وہی سوگوار عورت موجود تھی، جو انہیں یہاں تک لائی تھی۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانک رکھا تھا۔

"آپ نے دیکھ لیا۔" ان کے قریب پہنچنے پر اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں......!" فریدی نے ایک طویل سانس لی۔

عورت خاموشی سے چلنے لگی۔ وہ دونوں اس کے ساتھ ہی چل پڑے۔ حمید کا دم گھٹ رہا تھا۔ اُسے محسوس ہورہا تھا جیسے وہ ہزار ہا سال پرانے کسی مقبرے میں چل رہا ہو۔

وہ پھر ڈرائینگ روم میں آگئے۔ عورت انہیں بیٹھنے کو کہے بغیر خود ایک صوفے پر گرگئی۔ اس کی حالت عجیب تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے خواب میں حرکت کررہی ہو۔ اپنے گردوپیش سے بےخبر جو بول تو سکتی ہو لیکن سوچنے کی صلاحیت کھو بیٹھی ہو۔

فریدی خود ہی بیٹھ گیا اور اس نے حمید کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''بارات باہر موجود ہے۔'' عورت ان کی طرف دیکھے بغیر بڑبڑائی۔ ''اب کون ہے اب کس پر بجلی گرے گی۔''

''کیا آپ میرے چند سوالات کا جواب دیں گی۔'' فریدی بولا اور وہ اس طرح چونک پڑی جیسے اب تک ان کی موجودگی سے بےخبر رہی ہو۔

''ضرور جواب دوں گی۔'' اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

''کیا...... آپ کے اعزہ میں سے کوئی اور بھی امیدوار تھا۔''

''میں نہیں جانتی۔ اگر رہا بھی ہو تو میرے علم میں نہیں تھا۔''

''صاحبزادی کو یہ رشتہ منظور تھا۔''

''جہاں تک میرے علم میں ہے اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔''

''اسکی سہیلی کے متعلق آپ کیسے خیالات رکھتی ہیں۔ جو اس وقت کمرے میں موجود تھی۔''

''بہت اچھے خیالات۔ میں اسے اس وقت سے جانتی ہوں جب وہ آٹھ برس کی تھی۔''

''میں صاحب زادی کے مرد دوستوں کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

''یہی کہ کوئی ایسا بھی تھا جس کا شمار گہرے دوستوں میں کیا جاسکے۔''

''اس کا کوئی مرد دوست تھا ہی نہیں۔''

''یہ آپ کس بناء پر کہہ سکتی ہیں۔''

''میں نے اُسے آج تک کسی مرد کے ساتھ نہیں دیکھا۔''

''اعزہ میں بھی کوئی ایسا نہیں تھا۔''

''نہیں...... کوئی اس کا ہمسن ایسا نہیں تھا۔''

''پھر......!'' فریدی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''پھر میں کیا بتاؤں...... ماتھر صاحب نے آپ کا نام لیا تھا کہ اس سلسلے میں کچھ کرسکیں گے۔ بتایئے آپ کیا کرسکتے ہیں۔''

''ابھی میں کچھ بھی نہیں کرسکتا محترمہ......!''

''پھر آپ کو ماتھر صاحب نے خواہ مخواہ تکلیف دی۔ میں تنہائی چاہتی ہوں۔''

عورت کے لہجے میں بیزاری تھی۔ فریدی نے حمید کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ عورت ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

فریدی کسی قسم کی رسمی گفتگو کے بغیر ڈرائینگ روم سے نکل آیا۔ کار کمپاؤنڈ کے باہر تھی۔

فریدی نے خاموشی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر حمید کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ پھر خود بھی بیٹھ کر دروازہ بند کردیا۔

''دلکشا......!'' اس نے ڈرائیور سے کہا۔

''دلکشا......!'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''میرا قیام وہیں ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''کس نام سے۔''

''احمد کمال فریدی۔''

''آپ نے غلطی کی ہے۔ قاسم والے معاملے میں دلکشا بھی مشتبہ ہے۔''

''ہوگا...... مجھے فی الحال قاسم کی فکر نہیں ہے۔ اس کے لئے تم بھگتو...... اس کی سو فیصدی ذمہ داری تم پر ہے۔''

''مجھ پر کیوں ہے...... وہ کوئی دودھ پیتا بچہ ہے۔''

''اس سے بھی بدتر...... تم اُسے بندر کی طرح نچاتے ہو۔''

''اغواء کرنے والے اس کے باپ سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کریں گے۔''

فریدی کچھ نہیں بولا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اس نے ڈرائیور سے کہا۔ ''گاڑی روکو۔''
لیکن کار بدستور اسی رفتار سے چلتی رہی۔

''کیا تم نے سنا نہیں۔'' فریدی غرایا۔

''میں بہرا ہوں جناب......'' ڈرائیور نے چیخ کر کہا اور کار کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز کردی۔

''گاڑی روک دو۔''

''روکنے کی ترکیب مجھے بالکل یاد نہیں......بھول جانے کے مرض کا پرانا شکار ہوں۔''

''میں تمہاری ہڈیاں چور کردوں گا۔''

''کوشش کر کے دیکھو......'' ڈرائیور نے جواب دیا۔ ''شائد کار بھی چور چور ہو جائے۔ میرے سینے پر لال نشان ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ ضرورت پڑے تو اپنی زندگی کی حفاظت کرنا بھی چھوڑ دو......اگر تم بات زیادہ بڑھاؤ گے تو کار کو کسی بلڈنگ سے ٹکرا کر خود بھی فنا ہو جاؤں گا۔''

''نہیں دوست اس کے بجائے تم ایل۔ ایم کے طیارے سے میڈرڈ تک کا خوشگوار سفر کرسکتے ہو۔'' حمید نے کہا۔

ڈرائیور نے کوئی جواب نہ دیا۔ کار چلتی رہی۔ وہ ایسی سڑک پر چل رہی تھی جس پر ٹریفک بھی کم تھا اور ابھی تک کوئی چوراہا بھی نہیں ملا تھا۔

''وہ موٹا آدمی یقیناً کوئی دودھ پیتا بچہ ہے۔'' ڈرائیور نے کہا۔ ''لیکن تم لوگ کافی عقلمند معلوم ہوتے ہو۔''

فریدی کچھ نہیں بولا۔ لیکن حمید نے کہا۔ ''جہاں لے جا رہے ہو وہاں لڑکیوں کی پیداوار کیسی ہے۔''

''بہت اچھی......گھاس پھوس کی طرح اگتی ہیں۔''

''اب نہایت صبر و سکون کے ساتھ چلوں گا۔ تم مطمئن رہو۔''

''شکریہ۔'' ڈرائیور نے جواب دیا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسی صورت میں کیا ہو سکے گا لیکن فریدی اتنے اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

''اب کیا ہوگا......!'' حمید نے بے بسی سے کہا۔

''تمہاری شادیاں......وہاں لڑکیاں گھاس پھوس کی طرح اگتی ہیں۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''ضروری نہیں کہ یہ حضرت سچ ہی بول رہے ہوں۔''

''اگر یہ جھوٹ ثابت ہوا تو پھر میں ان سے سمجھ لوں گا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

کار شہر سے نکل آئی تھی اور اب ایک ایسی سڑک پر چل رہی تھی جس کی بائیں جانب سینکڑوں فٹ گہری کھائیاں تھیں۔

حمید بالکل ہی مایوس ہو چکا تھا وہ جانتا تھا کہ اب یہ کار وہیں رکے گی جہاں ڈرائیور لے جانا چاہتا ہے۔

''کیوں دوست......!'' اس نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ ''ہمارے پہنچنے کی رسید بھی کسی کو ملے گی یا نہیں۔''

''اب میں بالکل بہرا ہو گیا ہوں......لہٰذا کسی بات کا جواب نہیں ملے گا۔''

''مگر یہ تو بتانا ہی پڑے گا کہ قیام و طعام کے مصارف کس کے ذمہ ہوں گے۔''

''بہتر یہی ہے کہ خاموش بیٹھو۔'' ڈرائیور نے مشورہ دیا لیکن فریدی نے اسے اشارہ کیا کہ وہ اُسے باتوں میں الجھائے رہے۔

''مانا کہ تم ہمارے دشمن ہو۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم لوگ خاموش بیٹھیں۔ اگر تم بھٹاریوں کی طرح تو تو میں میں کرنا چاہتے ہو تو کوئی اچھا سا فلمی گیت سناؤ۔''

''اچھا تو سنو......میں تمہیں نثر میں کچھ سناتا ہوں۔ تم دونوں موت کے منہ میں جا رہے ہو کہ تمہاری ہڈیاں بھی نہ مل سکیں گی۔''

''یہ خبر ہے یا پیشین گوئی۔ اگر پیشین گوئی ہے تو مجھ جیسا ستارہ شناس اسے غلط قرار دیتا ہے۔ ویسے تم کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنسنے والے ہو......سمجھے!''

''بشرطیکہ وہ مصیبت موت سے زیادہ تکلیف دہ ہو۔''

"تو کیا سچ مچ تم یہ کار کسی کھڈ میں گرا سکتے ہو۔"

"تم مجھے روکنے کی کوشش کر کے دیکھ لو۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھا جو پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر ایک پیر پائیدان پر رکھ چکا تھا اور اب کار ایک ایسی جگہ سے گذر رہی تھی جہاں دونوں طرف اونچی اونچی چٹانیں تھیں۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سڑک کے جوڑ ہی سے دونوں طرف دیواریں سی اٹھا دی گئی ہوں۔ حمید نہیں سمجھ سکا کہ فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔

ساتھ ہی ڈرائیور نے کہا۔ "کیوں دوست کیا ارادے ہیں۔"

"چھلانگ لگاؤں گا خواہ سر کے ہزار ٹکڑے ہو جائیں۔" فریدی نے کہا اور ساتھ ہی ایک زوردار دھاکہ ہوا اور کار گویا اچھل سی گئی۔ ڈرائیور نے پورے بریک لگا دیئے مگر فریدی بریک لگنے سے پہلے ہی اندر پہنچ چکا تھا۔ ورنہ سچ مچ اس کا سر کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ ڈرائیور کی سمجھ میں کچھ نہ آسکا۔ ویسے کار روک دینے کا فعل اس سے بالکل اسی طرح سرزد ہوا تھا جیسے کوئی تنہا آدمی کسی تیز قسم کی آواز پر بیساختہ چونک پڑے۔ بہرحال اب اس کی گردن فریدی کی گرفت میں تھی اور وہ اسے بڑی بے دردی سے گھونٹ رہا تھا۔ ڈرائیور کی آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔

حمید اس کا سر سہلانے لگا۔

"گھبراؤ نہیں...... ڈرو نہیں۔ فوراً مشکل آسان ہو جائے گی۔" وہ دلاسہ دینے والے انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔

جلد ہی ڈرائیور نے ہاتھ ڈال دیئے۔ وہ دونوں یہی سمجھے کہ وہ بیہوش ہو گیا ہے۔ لیکن وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں رینگ گیا ہے۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ ہاتھ جیب سے نکل کر اس کے ہونٹوں کی طرف گیا اور ایک کان پھاڑ دینے والی آواز فضا میں منتشر ہو کر رہ گئی۔ اتنی تیز سیٹی کسی ریلوے انجن کی بھی نہ ہوتی ہو گی۔

فریدی نے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ لیکن وہ چیز اسے نظر نہ آسکی جو وہ اپنے ہونٹوں تک لے گیا تھا۔

"منہ میں ہے...... اس کے۔" حمید نے کہا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کوئی بڑی سی چیز نگلنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس کے حلق سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم میں تشنج شروع ہو گیا۔

ایک منٹ کے اندر ہی اندر ان کے سامنے ایک اکڑی ہوئی لاش پڑی تھی۔

فریدی نے حمید کو کھینچتے ہوئے کہا۔ "نیچے اترو...... یہ سیٹی کوئی نئی مصیبت لا رہی ہو گی۔"

فریدی اسے نیچے کھینچ کر اترائی کی طرف دوڑنے لگا۔

"کار ہی پر کیوں نہ نکل چلیے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ...... احمق...... وہ تو پہلے ہی بیکار ہو چکی ہے۔ میں نے بائیں ہاتھ سے گولی چلا کر اس کا اگلا ٹائر پھاڑ دیا تھا۔"

"تب تو معاملہ خلاص۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔ وہ یقیناً خطرے کی سیٹی تھی۔ وہ دوڑتے رہے اور ایک طرف کی چٹانوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مگر نیچے اترنا آسان کام نہیں تھا۔

اچانک کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور گولی قریب ہی کی ایک چٹان سے ٹکرائی۔ وہ دونوں بڑی پھرتی سے سڑک پر لیٹ گئے اور کھسکتے ہوئے دوسری طرف کی چٹانوں سے جا لگے۔ اوپر سے پھر دو تین فائر ہوئے لیکن وہ ان کی زد پر نہیں تھے۔

"حمید صاحب......!" فریدی اپنا ریوالور نکالتا ہوا بولا۔ "اس میں بس چھ گولیاں ہیں۔"

"میرے پاس دو ریوالور اور ڈیڑھ سو گولیاں ہیں۔" حمید چہک کر بولا۔

"شاباش...... اب تم کام کے آدمی ہوئے ہو۔ ایسے خطرات میں بھی اب تمہارا مسخرہ پن جاگتا رہتا ہے۔"

"مسخرہ پن...... ارے جناب میں سچ عرض کر رہا ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس وقت آخری مسخرہ پن میری بیہوشی ہوتی۔ کیا آپ نے میرے جیکٹ پر غور نہیں کیا۔ یہ وہی جیکٹ ہے جس کے استر میں کارتوس رکھنے کے لئے ڈیڑھ سو خانے ہیں۔"

"میں نے تمہاری ساری خطائیں معاف کر دیں فرزند......!" فریدی اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا

بولا۔ ''اب دوسری طرف منہ کرکے میری پشت سے پشت ملالو۔ بڑی شاندار تفریح رہے گی۔ ہوسکتا ہے کہ دوسری طرف سے بھی حملہ ہو۔ اپنی نظر اوپر ہی رکھنا۔

حمید نے جلدی جلدی کچھ کارتوس نکال کر فریدی کو دیئے اور اس کی پشت سے پشت ملا کر بیٹھ گیا۔ دیر سے فائر نہیں ہوا تھا۔ یہ چیز باعث تشویش تھی۔ اچانک فریدی کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ کھائیوں کے پار ایک پہاڑی پر دو تین آدمی نظر آئے۔

کھسکو...... کھسکو......!'' فریدی اسے دوسری طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ پھر وہ دونوں اٹھ کر بھاگے اور بیک وقت دو تین فائر ہوئے۔ وہ لوگ ریوالور کی مار سے باہر تھے اور ان کے پاس رائفلیں تھیں۔ لیکن یہ ان دونوں کی خوش قسمتی ہی تھی کہ انہیں ایک بڑے پتھر کی آڑ مل گئی۔ مگر اب دوسری طرف کی چٹانیں پہلے سے بھی زیادہ مخدوش ہوگئی تھیں۔ رائفل والوں سے بچنے کے لئے انہیں ان کے پیچھے سے ہٹنا پڑا تھا۔ اچانک فریدی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور اوپر سے ایک آدمی نیچے ٹپک پڑا۔ مگر وہاں کئی اور بھی تھے۔ فریدی نے پھر فائر کیا۔ اوپر سے بھی کئی فائر ہوئے اور ان کے جسم چھلنی ہی ہو جاتے اگر فریدی حمید کو کھینچتا ہوا دوسری طرف نہ کود جاتا...... اونچائی زیادہ تھی۔ دونوں کے چوٹیں آئیں۔ ادھر پہاڑی سے رائفلوں نے باڑھ ماری لیکن ان کے فائر خالی گئے۔ یہاں سڑک کے نیچے اوٹ کے لئے بے شمار چٹانیں بکھری پڑی تھیں۔ وہ پہاڑی والے دشمنوں سے بھی محفوظ ہوگئے۔

''حمید تمہارے پاس دو ریوالور ہیں نا'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں......!''

''اچھا تو تم اسی چٹان کی اوٹ سے پہاڑی کی طرف تھوڑی تھوڑی دیر بعد فائر کرتے رہو۔ کبھی کبھی ایک آدھ فائر سڑک کی سمت بھی کر دینا۔ میں ان تینوں آدمیوں سے تو نپٹ ہی لوں جو پہاڑی پر ہیں۔ وہ بالکل کھلے میں ہیں۔ مطمئن ہیں کہ اتنی دور سے ہم ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکیں گے۔'' اتنا کہہ کر فریدی داہنی طرف کے نشیب میں اتر گیا۔

حمید پہاڑی کی طرف فائر کرتا رہا اور ادھر سے بھی فائر ہوتے رہے۔ سڑک کی طرف سے بھی اکثر ایک آدھ فائر کی آواز آجاتی تھی۔ حمید بھی کبھی کبھی دوسرے ریوالور سے ادھر فائر کر دیتا

لیکن اسے سب سے زیادہ خدشہ سڑک ہی کی طرف سے تھا۔ اگر وہ لوگ چٹانوں سے سڑک پر اتر آئے تو جان بچانا مشکل ہوگا۔ یہ سوچ کر حمید کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ دونوں کے حملوں سے بچ سکتا۔

وہ جلد ہی کامیاب ہوگیا۔ اُسے ایک ایسی چٹان مل گئی جس کے درمیان میں ایک کافی چوڑی دراڑ تھی۔

دفعتاً پہاڑی کی طرف سے پھر باڑھ ماری گئی۔ لیکن شائد اس کا جواب فریدی کے پے درپے فائروں نے دیا اور ساتھ ہی کئی چیخیں بھی فضا میں لہرائیں۔ حمید پہاڑی کی طرف سے ویسے بھی مطمئن تھا۔ لیکن سڑک کی سمت محفوظ نہیں تھا۔

یک بیک اسے سڑک پر کسی کا سر نظر آیا تھا۔ شاید کوئی سڑک پر اوندھا لیٹ کر نیچے کا جائزہ لے رہا تھا۔

حمید نے فائر جھونک دیا۔ گولی نشانے پر بیٹھی اور وہ آدمی اچھل کر نیچے آرہا اور پھر شائد اسے تڑپنے کی مہلت بھی نہیں ملی کیونکہ گولی ٹھیک تالو پر بیٹھی تھی۔

اتنے میں اسے فریدی دکھائی دیا جو اوپر آرہا تھا۔ حمید نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا اور پھر سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ ساتھ ہی اس نے جھانک کر سڑک کی طرف بھی دیکھا لیکن وہاں سناٹا تھا۔ دیر سے فائر بھی نہیں ہوا تھا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد وہ سینے کے بل کھسکتا ہوا باہر نکلا اور نشیب میں اترتا چلا گیا۔

''اب نکل چلو چپ چاپ۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

وہ دونوں چٹانوں کی اوٹ میں ایک طرف چلتے رہے۔ پہاڑی کے نیچے حمید کو تین لاشیں دکھائی دیں۔ فریدی نے وہاں رک کر دو رائفلیں اور کارتوسوں کی دو پیٹیاں اٹھائیں۔

''ہوسکتا ہے ابھی گلوخلاصی نہ ہوئی ہو...... اس لئے رائفلیں بھی ضروری ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے ایک رائفل لے لی اور چلتا رہا۔

کچھ دیر بعد پھر بہت سے فائر ہوئے۔ آواز دور کی تھی۔

''اب شائد وہ ہوا سے لڑ رہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''شائد......!'' فریدی بڑبڑایا۔''میرا خیال ہے کہ اب پھر کوئی بہت بڑا فتنہ اٹھنے والا ہے

''اگر یہ لوگ وہی تھے جنہوں نے قاسم کو اغواء کیا تھا تو انہیں حیرت انگیز طور پر منظم ہو نا چاہئے۔ کیا اپنی زندگی میں پہلے بھی کبھی تم نے اتنی تیز آواز والی سیٹی سنی تھی۔ وہ سیٹی جس کی آواز کا دارومدار آدمی کی سانس پر ہو۔''

''نہیں......وہ یقیناً حیرت انگیز تھی۔''

''اور پھر وہ اُسے نگل گیا تھا......اس کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ وہ سیٹی ہمارے ہاتھ نہ لگ پائے اور اسے نگلتے ہی وہ مر گیا تھا۔ معمولی چوروں اور ڈاکوؤں میں گروہ کے لئے قربانی کا جذبہ نہیں پایا جاتا۔''

''ہاں......یہ بات بھی قابل غور ہے۔''

''معمولی ڈاکوؤں میں اتنی ہمت نہیں ہوسکتی کہ وہ اتنی دیدہ دلیری سے پولیس کار استعمال کرسکیں۔''

''کار آپ نے کوتوالی ہی سے لی تھی۔''

''نہیں......ماتھر کو اس کے لئے دلکشا سے فون کیا تھا۔''

''اوہ......تو کار وہیں آ گئی تھی۔''

''ہاں......!''

''پھر اب کیا خیال ہے دلکشا کے متعلق......!''

''قیام تو وہیں رہے گا حمید صاحب......ویسے اب مجھے بھی یقین ہو چلا ہے کہ ان لوگوں کا کچھ نہ کچھ تعلق دلکشا سے ضرور ہے۔''

''اس کے منیجر کو نگرانی میں ضرور رکھیے گا۔ وہ ہزاروں سؤروں کا ایک سؤر ہے۔''

پھر وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ اب بھی احتیاطاً وہ چھپتے چھپاتے چل رہے تھے۔ جیسے انہیں یقین ہو کہ ان کا تعاقب کیا جارہا ہوگا۔

''حمید......!'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔''اس واقعے سے بھی زیادہ حیرت انگیز لاش تھی۔''

''کون سی لاش......!''

''وہی مجسمہ جسے تم اخلاقی اعتبار سے غیر قانونی کہہ رہے تھے۔''

''وہ لاش تھی۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ پھر ہنس کر بولا۔''نہیں......آپ شائد مذاق کے موڈ میں ہیں۔''

''نہیں برخوردار سنجیدہ ہوں......وہ لاش ہی تھی ایک حیرت انگیز لاش۔ دنیا میں پہلی مثال......ایک جلی ہوئی لاش جس کے خدوخال میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ تم نے اب تک درجنوں جھلسی ہوئی لاشیں دیکھی ہوں گی لیکن کیا وہ اس قابل تھیں کہ انہیں شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔''

''نہیں......اگر وہ لاش ہی تھی تو اس سے بڑا عجوبہ شائد روئے زمین پر نہ ملے۔''

''اس لڑکی کی بارات آئی تھی۔ نکاح ہونے ہی جارہا تھا کہ وہ کوئلے کے مجسمے میں تبدیل ہوگئی۔ یہ واقعہ اسی کمرے میں پیش آیا تھا۔ لڑکی کے ساتھ اس کی ایک سہیلی بھی تھی جس کا بیان ہے کہ اسے روشندان میں ایک شعلہ سا دکھائی دیا تھا۔ پھر اُسی شعلے سے آگ کی ایک باریک سی لکیر نکل کر لڑکی کے سر پر پڑی تھی۔ سہیلی کے بیان کے مطابق پہلے وہ نیچے سے اوپر تک کسی تپے ہوئے لوہے کی طرح سرخ ہوگئی پھر اُسی طرح آہستہ آہستہ وہ سرخی غائب ہوتی رہی جیسے لوہا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ سرخی ختم ہوجانے کے بعد وہاں لڑکی کے بجائے سیاہ رنگ کا ایک مجسمہ نظر آیا۔

''کہیں وہ عورت ہمیں بیوقوف تو نہیں بنا رہی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔''

''ماتھر نے اسی لئے آپ کو بلایا تھا۔''

''ہاں......بلایا تو اسی لئے تھا لیکن پھر یہاں پہنچنے پر تمہاری حرکتوں کا علم ہوا۔''

''اور اس کے باوجود بھی آپ دلکشا میں جا پہنچے۔''

''حالات کا علم ہوجانے کے بعد تو وہاں قیام کرنا بہت ضروری ہوگیا تھا......میں دیکھوں گا کہ وہاں کیا ہورہا ہے۔''

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 57

دوسرا شعلہ

(دوسرا حصہ)

تاریک راستے

وہ کچھ دیر تک خاموشی سے چلتے رہے پھر دفعتاً فریدی ایک جگہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم نرغے میں لئے جا رہے ہیں۔"

"کیوں......؟ کیسے معلوم ہوا آپ کو......؟"

"چھٹی حس...... ٹھہرو یہاں اس جگہ ہم اپنا بچاؤ کر سکیں گے۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ہوسکتا ہے آگے ہم کسی کھلی جگہ پر پہنچ جائیں...... وہ دیکھو......!"

فریدی نے بائیں جانب والی چٹانوں کے سلسلے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا...... میں نہیں سمجھا......!"

"وہ دیکھو......!"

"اوہ...... وہ دھواں۔"

"ہاں...... ایسا ہی دھواں جیسے کوئی سگریٹ پی رہا ہو۔"

"پھر کیا کیا جائے۔"

"کچھ نہیں...... ادھر نشیب میں اتر چلو...... یہاں ہم اپنا بچاؤ کر سکیں گے۔ اب ہمارے پاس

دور رائفلیں بھی ہیں۔"

پھر وہ ڈھلوان میں اترتے چلے گئے۔ اس طرح ان کا ایک پہلو محفوظ ہوگیا۔ اب صرف ا طرف کی چٹانوں سے انہیں خطرہ ہوسکتا تھا جدھر انہوں نے سگریٹ کا دھواں دیکھا تھا۔ حمید اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچ سکا۔

وہ کافی دیر تک ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چھپے رہے لیکن دھوئیں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ ا کے سروں پر ایک پہاڑی عقاب چکر لگاتا ہوا تیز آوازیں نکال رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہیں کہیں قریب ہی اس کا گھونسلا رہا ہو۔

حمید نے دھوئیں کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔ "اسکی سگریٹ ختم ہی ہونے کو نہیں آتی۔"

"یہ سگریٹ کا دھواں نہیں ہوسکتا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"پھر...... ابھی تو آپ ہی نے کہا تھا۔"

"کہا تھا...... جب تک غور نہ کیا جائے یہی کہا جاسکتا ہے۔ مگر میں اسے دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ دھواں اوپر اٹھنے کے وقفے نپے تلے معلوم ہوتے ہیں کسی آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ہر تیس سیکنڈ کے بعد سگریٹ کے کش لے گا۔ حمید صاحب، اکتیسواں سیکنڈ بھی نہیں ہونے پاتا۔ میں کافی دیر سے دیکھ رہا ہوں۔"

"پھر یہ دھواں کیسا ہے۔"

"مشینی...... سو فیصدی مشینی۔"

"مگر اس کا حجم تو زیادہ نہیں تھا۔"

"حجم کی کمی یا زیادتی سے کیا سروکار۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی بہت ہی چھوٹے سوراخ سے نکل رہا ہو۔"

"تو پھر ہمیں اپنی راہ کھوٹی نہ کرنی چاہئے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "ہم خواہ مخواہ یہاں بیٹھے مکھیاں مار رہے ہیں۔"

"حمید صاحب! اگر ہم اس ڈھلان کی بجائے دوسری طرف کی ڈھلان میں اترتے تو مکھیاں ہمیں مار لیتیں۔"

"کیوں......؟ میں نہیں سمجھا۔"

"یہ دھواں دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اسے دیکھ لینے کے بعد ہم پر قدرتی ردعمل یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم دوسری جانب والی ڈھلان میں اتر جاتے لیکن ہم اسی طرف چلے آئے۔ میرا دعویٰ ہے کہ دوسری جانب والی ڈھلان میں کئی آدمی ہماری تاک میں ہوں گے۔"

"میں اس دعوے کا ثبوت نہیں مانگوں گا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "بس اب چپ چاپ نکل ہی چلئے...... اسی میں عافیت ہے۔"

"اُلو......!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ایسے دلچسپ مواقع اتفاق ہی سے ہاتھ آتے ہیں۔"

"ارے تو کفن بھی روز روز نہیں نصیب ہوتا۔" حمید جھلا گیا۔

"ڈرو نہیں۔ اگر تم مر بھی گئے تو میں تمہاری قبر پر ایک بڑی شاندار عمارت بنواؤں گا۔"

"اور اس پر لکھوا دیجئے گا سرکاری بوچڑ خانہ...... اب چلئے بھی یہاں سے۔"

"چلو......!" فریدی پتھر کی اوٹ سے نکل کر ایک طرف چلنے لگا لیکن وہ اب بھی ڈھلوان ہی میں چل رہے تھے۔ کافی دور نکل جانے کے بعد بھی حمید مڑ مڑ کر اس دھوئیں کو دیکھتا رہا، جو اب بھی پہلے ہی کی طرح فضاء میں ابھرتا اور منتشر ہوجاتا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کو علم ہے کہ ہم دونوں ادھر ہی سے گذریں گے۔ کیا یہ ممکن ہے؟ اگر نہیں تو پھر اسی جگہ یہ دھواں کیوں دکھائی دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں حمید اسے فریدی کا وہم سمجھنے پر مجبور ہوگیا۔ اگر انہیں معلوم تھا کہ ہم ادھر ہی سے گذر رہے ہیں تو اس شعبدے بازی سے کیا فائدہ گھیر کر مار کیوں نہیں لیتے۔

اچانک فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

"آج آپ کوئی زبردست غلطی کریں گے۔" حمید بولا۔

"اگر وہ غلطی ہی ہوئی تو افسوس کرنے کا موقع نصیب نہ ہوگا...... وہ دیکھو...... ادھر...... تین جگہوں پر ویسا ہی دھواں...... اُف فوہ...... اب ہم پوری طرح گھر گئے۔ مگر ٹھہرو۔"

وہ خاموش ہوکر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے بچاؤ کے راستے تلاش کر رہا ہو مگر پھر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر بولا۔ "اچھی طرح گھر گئے...... ذرا ہوش و حواس درست رکھنا۔"

وہ پھر پیچھے مڑے لیکن اس بار حمید کو یقین ہوگیا کہ یہ آخری سفر ہے۔ کیونکہ چاروں طرف کی چٹانیں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازوں سے گونجنے لگی تھیں۔ دفعتاً فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر

کھینچا اور پتلی سی دراڑ میں اترتا چلا گیا۔ یہ سوچے بغیر کہ اس اقدام کا انجام کیا ہوگا۔ دراڑ اتنی تنگ تھی کہ حمید کے شانے دونوں طرف سے رگڑ کھا رہے تھے اور دم تو اسی وقت گھٹنے لگا تھا جب اس نے اس میں قدم رکھا تھا۔ سامنے گہرا اندھیرا تھا اور یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ان کا اگلا قدم انہیں تحت الثریٰ میں لے جائے گا یا وہ اسی طرح آسانی سے چلتے رہیں گے۔

"ڈرو نہیں چلے آؤ" فریدی نے آہستہ سے کہا اور حمید نے اس کے ہاتھ میں ننھی سی ٹارچ دیکھ لی جو ہمیشہ اس کی جیب میں پڑی رہا کرتی تھی۔ یہ وہی ٹارچ تھی جو فریدی خانہ تلاشیوں میں استعمال کیا کرتا تھا۔

اب حمید کی جان میں جان آئی۔ لیکن پشت کی طرف سے بدستور خطرہ باقی تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس دراڑ میں ان کی نظر بھی پڑسکتی ہے۔ مگر پھر خیال آیا کہ اتنی تنگ دراڑ میں گھسنے کا خطرہ شاید ہی کوئی مول لے سکے۔

وہ چلتے رہے ان کے پیروں کے نیچے ناہموار زمین ضرور تھی لیکن ایسی بھی نہیں کہ انہیں چلنے میں دشواری ہوتی۔ ایک جگہ فریدی رک گیا۔ یہاں اتنی کشادگی تھی کہ وہ دونوں برابر سے بہ آسانی کھڑے ہوسکتے تھے۔

یہاں پہنچ کر حمید نے اپنے چہرے پر سرد ہوا کے جھونکے محسوس کئے لیکن فریدی کی ٹارچ ایک گہرے غار کی طرف اشارہ کررہی تھی۔ آگے راستہ نہیں تھا۔ نیچے تاریکی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور ان کے سامنے کی خلاء بھی شائد کافی وسیع تھی۔ کیونکہ ٹارچ کی روشنی کی رسائی سامنے کی چٹانوں تک نہیں ہوسکی تھی۔ اب فریدی نے دائیں بائیں بھی روشنی ڈالنی شروع کی۔ بائیں طرف پاؤں رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی لیکن دائیں جانب انہیں ایک کشادہ چٹان مل گئی۔

"ادھر......!" فریدی آہستہ سے بولا اور ٹارچ کی روشنی اس چٹان پر پڑی وہ دونوں تنگ دراڑ سے اس چٹان پر رینگ گئے۔

"میں تو بیٹھتا ہوں اب......!" حمید بڑبڑایا۔

"تم لیٹ بھی سکتے ہو" فریدی نے جواب دیا۔ اُس کی آواز میں اب بھی پہلے ہی کی سی شگفتگی موجود تھی۔

حمید سچ مچ اس چٹان پر لیٹ گیا۔ اس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ بہرحال اب گھٹن کا

احساس باقی نہیں رہا تھا کیونکہ دائیں جانب سے سرد ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے برابر آرہے تھے۔

حمید نے ہاتھ پیر پھیلا کر ایک طویل انگڑائی لی اور دردناک آواز میں کراہا۔ "یہ مصیبت خود میں نے ہی گلے لگائی ہے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "تمہاری درد بھری داستان پھر کبھی سن لوں گا۔"

"مگر یہ تو بتا ہی دیجئے کہ میں زندہ ہوں یا......!"

"تم پیدا ہوتے ہی مر گئے تھے۔ پرواہ نہ کرو۔ بس یہیں چپ چاپ پڑے رہنا میں آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں۔"

فریدی اُسی کشادہ چٹان پر چلنے لگا۔ پھر رک کر بولا۔ "دراڑ کے دہانے پر خیال رکھنا۔ بیک وقت دو آدمیوں سے زیادہ تمہارے سامنے نہ آسکیں گے اور دو آدمیوں کو روکنے کی ہمت تم میں ضرور ہوگی۔"

"میں اس وقت پونے دو آدمیوں سے بھی نپٹنے کی سکت نہیں رکھتا۔ پہاڑی آب و ہوا کا جانور نہیں ہوں۔ میری پرورش کولتار کی شفاف اور سپاٹ سڑکوں پر ہوئی ہے۔"

فریدی جواب دینے کی زحمت گوارا کئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

حمید چند لمحے یونہی بے حس و حرکت پڑا رہا پھر جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رخ دراڑ کے دہانے کی طرف کردیا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ اس نے اپنی ذہنی اور جسمانی کیفیت کے متعلق فریدی سے جو کچھ کہا تھا غلط نہیں تھا۔ اور اب یہاں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے نہ جانے کیوں اسے اسی طرح تھپکنا شروع کردیا تھا جیسے وہ شراب پئے رہا ہو۔ کچھ عجیب سی نیم غنودہ قسم کی کیفیت اس کے ذہن پر طاری تھی ورنہ اسے کم از کم اس ہلکی سی آواز کا احساس تو ہو ہی جاتا جو دراڑ کے دہانے کی طرف سے آئی تھی۔ ویسے وہ اس وقت چونکا جب کسی بہت ہی طاقتور ٹارچ کی روشنی اس پر پڑی۔ پھر اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا اور نہ یہی اس کی سمجھ میں آسکا کہ حملہ آور تعداد میں کتنے ہیں۔ اس کے ذہن کی نیم غنودہ سی کیفیت گہری نیند میں تبدیل ہوگئی البتہ اس نے کسی کو یہ کہتے ضرور سنا تھا۔

"آہا...... یہ تو وہی ہے۔"

اس نے کچھ اور بھی کہا تھا لیکن اس کے الفاظ سوتے ہوئے ذہن کے دھندلکوں میں مدغم ہو گئے تھے۔

فریدی چلتا رہا...... اسے ایک جگہ بھی رکنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ کیونکہ زمین کی سطح ہموار تھی جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا ہوا کے جھونکوں میں شدت محسوس ہو رہی تھی البتہ تاریکی کا وہی عالم تھا۔ ٹارچ چھوٹی تھی اس لئے اس کی روشنی دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

فریدی کی رفتار تیز تھی۔ لیکن پیروں میں کریپ سول جوتے ہونے کی وجہ سے قدموں کی آواز تقریباً معدوم ہی سی ہو کر رہ گئی تھی۔

کئی بار چلتے چلتے رکا بھی...... شائد وہ آہٹ لے رہا تھا۔ اکثر اسے محسوس ہوتا جیسے تاریکی میں چھپی ہوئی کچھ آنکھیں اس کی نگرانی کر رہی ہوں۔

آج کے واقعات اُسے خواب کی باتیں معلوم ہو رہی تھیں اس پر اتنا منظم حملہ آج تک نہیں ہوا تھا۔ وہ مجرموں کے متعلق سوچنے لگا اگر یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے قاسم کو اغوا کیا ہے تو یہ معمولی قسم کے بدمعاش نہیں ہو سکتے۔ پھر کیا قاسم کا اغواء کسی خاص مقصد کے تحت عمل میں آیا تھا۔

اچانک وہ رک گیا اس وقت بھی وہ کوئی غیبی ہی طاقت تھی جس نے اس کے قدم روک لئے تھے۔ ورنہ وہ دوسرے ہی لمحے میں تحت الثریٰ کی سیر کر رہا ہوتا۔ وہ اس خیال سے ٹارچ کو کم استعمال کر رہا تھا کہ کہیں وہ کسی انتہائی اہم موقع پر دھوکا ہی نہ دے جائے۔ اس نے ٹارچ کی روشنی کی اور جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔

نادانستگی میں اس کا دوسرا قدم اسے موت ہی کی طرف لے جاتا۔

آگے پھر راستہ مفقود تھا۔ لیکن فریدی نے مایوس ہونا سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس نے چٹان کے کنارے پر بیٹھ کر نیچے روشنی ڈالی۔ تقریباً ایک گز نیچے ایسی جگہ نظر آئی جہاں وہ قدم رکھ سکتا تھا۔ روشنی کا دائرہ چاروں طرف تیزی سے گھوما اور فریدی نے اندازہ کر لیا کہ وہ نیچے اتر سکتا ہے۔

پھر وہ کچھ دور تک اترا بھی...... مگر...... اس کا اندازہ کرنا دشوار ہو گیا کہ وہ گہرائی کہاں پر ختم

ہوگی اور وہ راہ فرار ثابت بھی ہو سکے گی یا نہیں۔ ویسے یہ جگہ چھپنے کے لئے بہترین تھی۔ یہاں کسی ایک آدمی کو تلاش کرنے کے لئے پوری بٹالین بھی ناکافی ہوتی کیونکہ یہاں صدہا چھوٹے چھوٹے غار بھی موجود تھے اور گھٹن کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ یہاں بھی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ فریدی نے ان کی سمت کا تعین تو کر لیا تھا لیکن گہری تاریکی کی وجہ سے نگاہ کام نہیں کرتی تھی۔ وہ یہ سوچ کر پلٹ پڑا کہ حمید کو بھی ساتھ لے کر واپس آئے گا۔

مسطح چٹان پر پہنچ کر وہ ایک لحظے کیلئے رکا اور پھر اسی طرف چلنے لگا جہاں حمید کو چھوڑ آیا تھا۔

اچانک کسی چیز کی ٹھوکر کھا کر وہ گرتے گرتے بچا۔ مگر کہاں...... دو تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ دو تین آدمی...... فریدی دو تین آدمیوں کے بس کا نہیں تھا۔ ایک کی گردن اس کے بائیں بازو اور پسلی کے درمیان تھی اور دوسرا اس کے داہنے ہاتھ میں اپنا گلا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً تیسرے نے ٹارچ روشن کر لی اور ساتھ ہی گرج کر بولا۔ ”خود کو چپ چاپ ہمارے حوالے کر دو...... ورنہ انجام......!“

”میں تھک گیا ہوں۔“ فریدی نے مضمحل آواز میں کہا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھ لیا تھا کہ دھمکی دینے والے کے ہاتھ میں ریوالور بھی موجود ہے۔ ساتھ ہی بچاؤ کا راستہ بھی اُسے نظر آ گیا۔ وہ مسطح چٹان کے سرے سے دور نہیں تھا۔ اس کی ذرا سی غفلت اسے ایک لامحدود گہرائی میں پہنچا سکتی تھی۔ فریدی یہ بھی سمجھتا تھا کہ اگر دو آدمی اس کی گرفت میں نہ ہوتے تو اب تک فائر کر دیا گیا ہوتا۔

اس نے ان دونوں پر اپنی گرفت اور سخت کر دی۔ ان کی گردنیں اس کے دونوں بازوؤں میں تھیں اور وہ دونوں اسے گرا دینے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

”انہیں چھوڑ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“ ٹارچ والا غرایا۔

”مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے گولی نہ مارو گے۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔“

”لو...... چھوڑتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور ساتھ ہی اچھل کر اس کے پیٹ پر ایک لات رسید کر دی۔ پھر اپنے دونوں شکاروں سمیت چٹان پر گرتے وقت اس نے ایک طویل اور بھیانک چیخ کی جو بڑی تیزی سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ ٹارچ والے کے پیر چٹان سے اکھڑ گئے تھے۔ ظاہر ہے

کہ اس کے بعد وہ سیدھا سینکڑوں فٹ گہری کھڈ میں جا پڑا ہوگا۔ اب یہ دونوں بڑے وحشیانہ انداز میں فریدی کو نوچ رہے تھے۔

فریدی نے ایک ایک کر کے انہیں بھی ان کے ساتھی کے پاس پہنچا دیا۔ پھر وہ اٹھ ہی رہا کہ اس کا ہاتھ کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا اور اس کا دل مسرت سے جھوم اٹھا۔ یہ حملہ آوروں کی بڑ ٹارچ تھی جس کے متعلق فریدی نے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ وہ بہت زیادہ طاقت کی ہے۔

اس نے ٹارچ اٹھالی اور پھر اسی طرف چلنے لگا جہاں حمید کو چھوڑا تھا۔ مگر اس نے ٹارچ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ خطرے سے باہر نہیں ہے۔ لیکن حمید! ان لوگوں کی یہاں موجودگی کا مطلب تو یہی ہوسکتا تھا کہ یا تو حمید پکڑلیا گیا ہوگا یا گولی ہی ماردی گ ہوگی۔ دوسرا خیال فریدی کے لئے بڑا اذیت ناک تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ اچانک کچھ فاصلے سے آواز آئی۔ ''کون ہے۔''

مگر یہ آواز حمید کی نہیں تھی۔ دوبارہ پھر اسی آواز نے یہی سوال دہرایا اور اس بار فریدی نے آواز کی سمت فائر کردیا۔

ایک چیخ گونجی اور پھر بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ فریدی اس سے پہلے ہی چٹان پر نہ صرف لیٹ گیا تھا بلکہ سینے کے بل کھسکتا ہوا بڑی تیزی سے دوسری طرف جارہا تھا۔ فائر برابر ہوتے رہے لیکن حملہ آوروں نے ٹارچ روشن کرنے کی ہمت نہیں کی۔ ویسے فریدی کے بائیں ہاتھ میں اب بھی بڑی ٹارچ موجود تھی اور وہ بڑی تیزی سے اس کھڈ کی طرف کھسک رہا تھا جہاں کچھ دیر قبل اس نے صدہا چھوٹے چھوٹے غار دیکھے تھے۔

موت جھپٹتی ہے

آنکھ کھل جانے کے باوجود بڑی دیر تک حمید کو ایسا محسوس ہوتا رہا جیسے وہ گہرے دھوئیں میں

گھر گیا ہو۔ اتنے گہرے دھوئیں میں کہ ایک فٹ کی چیز بھی بمشکل تمام دکھائی دے سکے۔

آہستہ آہستہ دھند چھٹتی گئی اور حمید کو گرد و پیش کی چیزیں صاف نظر آنے لگیں۔ وہ کسی چھت کے نیچے تھا لیکن شائد اس کے نیچے کھردرا فرش ہی تھا اس نے کراہ کر کروٹ بدلی اور پھر یک بیک اٹھ بیٹھا۔ اس کے چاروں طرف پتھر کی ننگی دیواریں تھیں۔ ایک طرف ایک دروازہ بھی نظر آیا......مگر وہ بند تھا اوپر ایک روشندان تھا اور اس کی اونچائی فرش سے تیرہ چودہ فٹ ضرور رہی ہوگی۔ اس کمرے میں حمید کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ یہ بات اس کی اونگھتے ہوئے ذہن ہی نے سوچی تھی کہ کمرے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اگر فرنیچر ہوتا تو وہ اپنے ساتھ اسے بھی شامل کر لیتا کیونکہ وہ جس حالت میں تھا وہ اسے جانداروں سے الگ کئے دے رہی تھی اور حمید سوچ رہا تھا کہ وہ اس وقت ایک ٹوٹی ہوئی کرسی سی بھی بدتر ہے۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک فرش پر چت پڑا رہا۔ اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ پھر جب کسی نے دروازہ کھولا تو اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ کہیں زبان نہ ہلانی پڑجائے۔

اچانک اسے بہت زور سے چھینک آئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی ناک میں کوئی چیز گھس رہی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اسے ہنسی آ گئی۔ کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر اسے ایک بندر نظر آیا جس کے ہاتھ میں کاغذ کی ایک لمبی سی بتی تھی۔ شائد اسی نے اس کی ناک میں بتی چلائی تھی۔

بندر کے پیروں میں گھونگھرو پڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہی حمید اٹھ کر بیٹھا بندر ناچنے لگا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اسے چڑھا رہا ہو۔

حمید اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا اور وہ چھلانگیں مارتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ حمید اس کے پیچھے دوڑتا ہی رہا وہ اس کمرے سے نکل کر دوسرے میں پہنچا۔ یہاں بندر اچھل کر روشندان میں جا بیٹھا۔ حمید کی طرف دیکھ کر اس نے اس طرح دانت نکال دیئے جیسے کہہ رہا ہو۔ ''آؤ بیٹا اگر ہمت ہو تو اچھل کر آؤ یہاں۔''

پھر وہ دوسری طرف اتر گیا۔ اس کمرے کا دروازہ بند تھا البتہ اس کے اوپری حصے پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اس لئے دوسری طرف بہ آسانی دیکھا جاسکتا تھا۔

حمید نے دروازے کے قریب جا کر دوسری طرف جھانکا اور اس کی باچھیں کھل گئیں۔

دوسرے کمرے کے فرش پر ایک آدمی چت پڑا سو رہا تھا اور یہ آدمی قاسم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکا تھا۔

اس نے دیکھا کہ بندر اس پر جھکا ہوا اس کی ناک میں بتی کر رہا ہے۔ اچانک قاسم کو اس زور سے چھینک آئی کہ پورا کمرہ جھنجھنا اٹھا۔ ساتھ ہی وہ دہاڑ کر اٹھ بیٹھا۔ بندر اچھل کر دوسرے روشندان پر جا چڑھا اب وہ وہاں کھڑا ناچ رہا تھا۔

''ابے او حرام زادے۔'' قاسم گھونسہ تان کر دوڑتا ہوا چنگھاڑا۔ ''جان سے مار دوں گا۔''

بندر دانت نکال کر چچیایا اور پھر ناچنے لگا۔ حمید کو بھی اس کے گھونگھروؤں کی ''چھنک چھنک'' زہر ہی لگ رہی تھی۔

قاسم نے غصے میں اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا اور پھر حمید کو بے تحاشہ ہنسی آ گئی کیونکہ قاسم کی آواز میں روہانسا پن پیدا ہو گیا تھا اور وہ اس بندر کو کسی الم رسیدہ بیوہ کی طرح صلواتیں سنا رہا تھا۔ شائد اس نے اسے تنگ کر ڈالا تھا۔

''قاسم......!'' دفعتاً حمید نے آواز دی۔

''آ......آئیں......!'' قاسم چونک کر مڑا لیکن اسے صرف اس کی پیشانی اور آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں اور شاید وہ اس کی آواز بھی نہیں پہچان سکا تھا۔

''قون ہے۔'' اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ پھر دروازے کے قریب آ کر اس نے زور سے قہقہہ لگایا کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔

''ارے غمید بھائی...... ہاہا...... ہاہا......!''

''دروازہ کھولو......!'' حمید نے کہا۔

''دروازہ نہیں کھلتا۔'' قاسم نے مایوسی سے کہا۔

''توڑ ڈالو......!''

''نہیں ٹوٹتا...... سالا...... کئی بار کوشش کر چکا ہوں۔''

''تم یہاں کیوں لائے گئے ہو۔''

''ارے...... کباڑا کر دیا سالوں نے...... اب تک مجھ سے ڈیڑھ لاکھ کے چیکوں پر دستخط لے چکے ہیں۔ میری چیک بک ان کے پاس ہے۔''

''اوہ......!'' حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''میں دستخط نہیں کرتا تو کھانا نہیں ملتا...... ادھر یہ سالا بندر...... قاسم پھر گھونسا تان کر مڑا۔

بندر اب بھی روشندان میں بیٹھا انہیں منہ چڑھا رہا تھا۔

''او قاسم......!'' حمید بڑبڑایا۔ ''دماغ ٹھنڈا رکھو۔''

''ارے کیا...... اب تو میں ان کی بوٹیاں اڑا دوں گا۔ تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔''

''آہا...... تم شائد یہ سمجھ رہے ہو کہ ہم نے چھاپہ مارا ہے۔''

''ہاں...... اور کیا......!''

''نہیں بیٹے...... میں بھی تمہاری ہی طرح پکڑ کر لایا گیا ہوں۔ پتہ نہیں فریدی صاحب کا کیا حشر ہوا۔ ہم دونوں ساتھ تھے۔''

''تب تو پھر بن گئی تمہاری بھی حجامت......!'' قاسم نے قہقہہ لگایا۔ ''چیک بک تمہارے پاس ہے۔''

''میں تمہاری طرح سرمایہ دار نہیں ہوں۔ مجھے تو وہ اپنی حجامت بنوانے کے لئے لائے ہیں۔ تم نے طلسم ہوشربا پڑھی ہے۔''

''نہیں تو......!''

''اس میں ایک کردار ہے عمرو عیار...... جہاں اس کے قدم جاتے تھے وہ سرزمین تباہ و برباد ہو جاتی تھی اور میں اپنے بارے میں بھی ابھی تک یہی دیکھتا آیا ہوں جس نے مجھے پکڑا اس کا بیڑا غرق ہوا۔''

''یہاں تمہارا ہی بیڑا غرق ہو جائے گا۔ ہائے ہائے۔'' قاسم نے مسکرا کر ہونٹوں پر زبان پھیری۔ یہی نہیں بلکہ مزے میں آ کر آنکھ مارنے کی بھی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اُسے آنکھ مارنے کا بھی سلیقہ نہیں تھا۔

''کیوں کیا بات ہے۔'' حمید نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

''یلا یلیاں...... قل قلوٹیاں...... ہی ہی ہی۔'' قاسم آنکھیں بند کر کے ہنسا۔

بندر جا چکا تھا اور اب اس کے گھونگھروؤں کی ''چھنک چھنک'' نہیں سنائی دے رہی تھی۔

''کہاں ہیں۔''

"یہیں ہیں......حمید بھائی۔" قاسم اس طرح چہک کر بولا جیسے ڈیڑھ لاکھ گنوا بیٹھنے کا ذرہ بھی افسوس نہیں۔

"تم نے دیکھا ہے انہیں۔"

"ارے یہاں آتی ہیں میرے پاس۔ مرغ مسلم کھلاتی ہیں۔ بکرے کی ران۔" قاسم ندیدے کی طرح منہ چلانے لگا پھر پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ "مگر یہ سالا بندر میری زندگی تلخ کئے ہوئے ہے۔ سامنے سے روٹیاں لے بھاگتا ہے۔ سالن کی رکابیں الٹ دیتا ہے۔"

"ہوں......!" حمید کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "کیا انہوں نے ابھی تک تم سے صرف چیکوں پر دستخط لئے ہیں۔"

"ہاں......اس سالے بندر کے علاوہ اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

"کوئی تکلیف نہیں ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "ارے تم یہاں کھردرے فرش پر بستر کے بغیر پڑے رہتے ہو۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہاں کھانے پینے کا آرام ہے۔ وہ مجھ سے گھر کے لئے خطوط بھی لکھواتی ہیں۔"

"کیسے خطوط۔"

"یہی کہ میں رام گڈھ میں ہوں۔ خیریت سے ہوں اور یہاں تقریباً دو ماہ قیام رہے گا۔"

"مرد نہیں آتے۔"

"آتے ہیں جب میں چیکوں پر دستخط کرنے سے انکار کردیتا ہوں۔ پھر بندر بھی آنے لگتا ہے اور میری نیند حرام ہوجاتی ہے جہاں سویا کم بخت نے آکر ناک میں بتی کردی۔ اس کی ایسی کی تیسی......جس دن بھی ہاتھ آ گیا گردن مروڑ دوں گا۔"

"کیا تم نے ابھی حال میں ہی کسی چیک پر دستخط کرنے سے انکار کردیا ہے۔"

"ہاں...... یار کہاں تک کروں......ڈیڑھ لاکھ تو گئے۔"

"تم گدھے ہو۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "تم نے دستخط کئے ہی کیوں۔"

"مجھ سے بھوک نہیں برداشت ہوتی۔"

"چیک کس کے نام کے ہوتے ہیں۔"

"نام نہیں لکھا جاتا......صرف رقم لکھ کر مجھ سے دستخط لے لئے جاتے ہیں۔"

"کس بنک کی چیک بک ہے۔"

"بینک آف کیناڈا کی۔"

"تو بیٹا...... یاد رکھو......تمہارا سارا بیلنس صاف ہوجائے گا۔ صرف بینک آف کیناڈا ہی کی چیک بک ساتھ لائے تھے۔"

"ہاں اور وہ روحی کے یہاں تھی۔ میرے سوٹ کیس میں۔"

"آہا......تب تو وہ لوگ وہاں تمہاری چیک بک ہی تلاش کرتے رہے ہوں گے۔ جس شام وہ تمہیں لے گئے تھے اسی رات کو نوشابہ نے وہاں کچھ آدمی دیکھے تھے۔"

"نوشابہ......!" قاسم نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "کیا وہ مجھے یاد کرتی تھی۔"

"بے حد......بے تحاشہ آہیں بھرتی ہے۔ اتنی کہ روحی کی کار کی دو پہیوں میں ہوا بھروانے کے لئے شہر نہیں جانا پڑتا۔"

"نہیں......!" قاسم جھینپے ہوئے انداز میں مسکرایا۔

"وہ تو کہہ رہی تھی کہ اگر قاسم صاحب نہ ملے تو میں خودکشی کرلوں گی۔"

"ارے نہیں......ہی ہی ہی۔"

"ہاں...... ہاں......گھنٹوں تمہارے سوٹ کیس سے لپٹ کر روتی رہی۔"

"لاقسم......اُس کے بغیر میں بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"پھر یہاں سے نکل چلنے کی کوشش کرو۔ ورنہ کیا فائدہ کہ وہ بیچاری مایوس ہوکر خودکشی کرلے۔"

"تم ہی بتاؤ کیسے نکل چلوں۔ مجھے تدبیر بتاؤ جو کچھ کہو گے وہی کروں گا۔ مگر یہاں کی بلائیاں، حمید بھائی کیا بتاؤں......تم خود دیکھ لو گے۔"

"مگر وہ تمہیں بیوقوف بنا کر لمبی لمبی رقمیں اینٹھ رہی تھیں۔ نوشابہ محبت کرتی ہے۔"

"ہائے......وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" قاسم رو دینے والی آواز میں بولا۔

"وہ لڑکیاں کس وقت آتی ہیں۔"

"کھانے کے وقت۔"

"دیکھوں مجھے بھی کھانا ملتا ہے یا نہیں۔"

"اگر تمہاری چیک بک بھی ان کے پاس ہوئی تو ضرور ملے گا۔"

اچانک حمید نے عجیب قسم کی گھڑگھڑاہٹ سنی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کمرے کے فرش کے نیچے سے آرہی ہو۔ پھر یک بیک فرش اسی طرح ہلنے لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔

فریدی غار میں اتر گیا۔ اب وہ اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا لیکن حملہ آوروں نے اب بھی ٹارچ روشن کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ فریدی چونکہ ایک بار راستہ دیکھ چکا تھا اس لئے اندھیرے ہی میں بہ آسانی نیچے اترتا چلا گیا۔ لیکن چھپنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش ٹارچ روشن کئے بغیر ناممکن تھی۔

بڑی ٹارچ اس نے جیب میں ڈال لی اور وقت ضرورت کے لئے چھوٹی ٹارچ ہاتھ میں رکھی۔ اسے اطمینان تھا کہ وہ غیر مسلح نہیں ہے۔ رائفل اس کے شانے سے لٹک رہی تھی اور داہنے ہاتھ میں ریوالور۔ دونوں ہی کے کافی راؤنڈ اس کے پاس موجود تھے۔ وہ خاموشی سے نیچے اترتا رہا...... اوپر سے قدموں کی آوازیں آنی بند ہوگئی تھیں۔ شائد وہ لوگ چٹان کے سرے پر رک کر حالات کا اندازہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

فریدی جلد از جلد ایک ایسی جگہ تلاش کر لینا چاہتا تھا جہاں وہ کچھ دیر کے لئے چھپ سکے لیکن...... اچانک اس پر ایک تیز قسم کی روشنی پڑی۔ اگر وہ بندر کی سی پھرتی سے کود کر ایک طرف نہ ہو جاتا تو اس کے جسم میں بیک وقت ایک درجن گولیاں درآئی ہوتیں۔

وہ پھر ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ دفعتاً اس کے ہاتھ ایک چھوٹے سے غار کے دہانے سے جا لگے۔ ساتھ ہی سامنے پھر روشنی دکھائی دی۔ لیکن اب وہ روشنی کی زد سے باہر تھا۔ اس نے اپنی چھوٹی سی ٹارچ کی روشنی غار میں ڈالی لیکن وہ تجربہ مایوس کن اور ڈراؤنا ثابت ہوا۔ غار میں ایک بڑا سانپ کی مادہ انڈوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ پھن کاڑھ کر پھپھکارتی ہوئی ٹارچ کی روشنی کی طرف جھپٹی۔

انڈوں پر بیٹھی ہوئی مادہ اگر چھیڑ دی جائے تو انتہائی خطرناک ہو جاتی ہے اس وقت تک چھیڑنے والے کا پیچھا نہیں چھوڑتی جب تک کہ ڈس نہ لے۔ اوپر سے پھر شائد رائفلوں کی باڑھ ماری گئی۔ فریدی کے تیزی سے سوچتے ہوئے ذہن نے ایک فوری فیصلہ کیا وہ یہ کہ اس بگڑی ہوئی مادہ کو ٹھکانے لگا دیا جائے ورنہ اندھیرے میں اس سے بچنا ناممکن ہوگا۔ گولیوں کی باڑھ سے بچنا اتنا مشکل نہیں ہوسکتا تھا جتنا کہ اس سانپ سے خود کو بچانا۔ فریدی نے اپنی ٹارچ روشن رکھی اور پھر جیسے ہی سانپ کا پھن دوسری بار دکھائی دیا اس نے فائر کر دیا۔ اس فائر کے جواب میں اوپر سے باڑھ ماری گئی اور کئی ٹارچوں کی روشنیاں غار میں چکرانے لگیں۔

سانپ اندر پتھروں پر سر پٹخ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹھنڈا ہو گیا اور ساتھ ہی فریدی نے اس غار میں اترنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ ہوسکتا تھا کہ اس میں اور بھی سانپ رہے ہوں۔ آدمیوں سے بچنے کے لئے سانپوں کا شکار ہو جانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

وہ پتھروں سے لگتا ہوا مخالف سمت میں چلنے لگا۔ اب اُسے اطمینان تھا کہ وہ لوگ نیچے اترے بغیر اسے نہ پا سکیں گے لہٰذا انہیں اوپر ہی روکے رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً ہوائی فائر کرتا رہے۔

فائروں کے جواب میں فائر ہوتے رہے لیکن اب اندھیرے میں چلتے رہنا قریب قریب ناممکن ہو چکا تھا۔ فریدی نے سوچا ممکن ہے کہ وہ کسی غار میں جا گرے۔ اس نے چھوٹی ٹارچ روشن کر لی جس کی روشنی ایک محدود دائرے میں پھیلتی تھی۔

یہاں پھر اترائی شروع ہوگئی تھی اس لئے ضروری تھا کہ ٹارچ برابر روشن رہے۔ دوسری طرف یہ خیال بھی تھا کہ اگر ان لوگوں نے آلیا تو یہاں بچاؤ بھی نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ اترائی ناہموار تھی۔

یہاں گھٹن کا احساس بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ہوا کے جھونکے مفقود ہو چکے تھے۔ جنہوں نے اُسے ابھی تک سنبھالے رکھا تھا۔

اب وہ فائر نہیں کر رہا تھا۔ حملہ آور بھی خاموش تھے۔ مصلحت اسی میں تھی کہ اب وہ فائر نہ کرے۔ ورنہ حملہ آور فرار کی سمت معلوم کر لیتے اور یہ ایک ایسا واقعہ ہوتا جس پر فریدی کو مرنے کے بعد بھی افسوس کرنا پڑتا۔

وہ چھوٹی ٹارچ کی مدہم روشنی میں آگے بڑھتا رہا۔

وہ بڑی دیر سے ایک عجیب قسم کا شور سن رہا تھا۔ جواب آہستہ آہستہ تیز ہوتا جا رہا تھا اور پھر اس کی حقیقت اس پر واضح ہوگئی۔ وہ پانی بہنے کا شور تھا۔ یہاں شائد کوئی تیز رو نالا تھا۔ پھر وہ اس شور سے قریب ہوتا گیا حتیٰ کہ اسے اپنے چہرے پر پانی کی ہلکی سی پھواریں محسوس ہونے لگیں۔

اب اس نے بڑی ٹارچ روشن کی اور ایسا معلوم ہوا جیسے اس لامتناہی اندھیری میں روشنی کا طوفان آ گیا ہو۔ اس نے فوراً ہی ٹارچ بجھادی۔ نالا اس سے تقریباً پانچ یا چھ فٹ کے فاصلے پر رہا ہوگا جس کے درمیان ایک بڑی سی ابھری ہوئی چٹان تھی اور تیز رفتار پانی اسی سے ٹکرا کر پھواروں کی شکل میں ادھر اُدھر منتشر ہو رہا تھا۔

اچانک پھر فائر ہوئے۔ فریدی بڑی پھرتی سے نیچے گر گیا۔ کیونکہ فائروں کا رخ اسی طرف تھا مگر وہ غلط جگہ گرا تھا۔ جس چٹان پر اس نے چھلانگ لگائی تھی وہ شائد اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی۔ اس کا بوجھ نہ سنبھال سکی اور فریدی چٹان سمیت نالے میں جاپڑا

نالا انتہائی تیز رفتار تھا۔ فریدی کو پیر جمانے کی بھی مہلت نہ ملی۔ ویسے وہ زیادہ گہرا نہیں تھا۔ مگر بہاؤ خدا کی پناہ۔ وہ ایک حقیر سے تنکے کی طرح بہتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن ابھی اس کے اوسان خطا نہیں ہوئے تھے۔ دفعتاً اس پر ٹارچوں کی روشنیاں پڑیں اور پھر باڑھ ماری گئی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے بائیں بازو میں کوئی دہکتا ہوا انگارہ گھس گیا ہو اور پھر یک بیک اس کا ذہن اتھاہ تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

ہزاروں سال پہلے

کمرے کا فرش پہلے تو ہلتا رہا پھر حمید نے محسوس کیا جیسے وہ نیچے دھنس رہا ہو۔ اس نے بھاگ کر اس کمرے میں جانا چاہا جس کے دروازے سے نکل کر یہاں آیا تھا لیکن جب تک وہ دروازے تک پہنچا دروازہ اس سے گزوں اونچا ہوگیا۔ فرش بڑی تیزی سے نیچے جا رہا تھا۔ حمید بے بس ہو کر

بیٹھ گیا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی روح کھوپڑی توڑ کر کسی انجن کے دھوئیں کی طرح جسم سے آہستہ آہستہ خارج ہوئی جا رہی ہو اور پھر جب وہ فرش پر رکا تو اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے روح کے ساتھ ہی ساتھ جسم ہزاروں فٹ اونچا اچھل گیا ہو۔

کئی منٹ تک تو گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا رہا۔ یہ سفر ہی ایسا تھا۔ عام طور پر "لمبے" یا "مختصر" سفر ہوا کرتے ہیں مگر حمید نے سینکڑوں فٹ گہرا سفر کیا تھا اس لئے اب وہ سوچ رہا تھا کہ آئن اسٹائن کا نظریہ اضافیت بنڈل ہے۔ کیونکہ اسی نے پانچویں بعد کا پتہ لگا لیا تھا...... اور یہ بُعد تھا دراصل معدے اور کھوپڑی کا درمیانی فاصلہ...... تقریباً پانچ فٹ بعد اس نے سر اٹھایا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سامنے قدیم مصری طرز تعمیر کی ایک بلند و بالا محراب تھی اور اس کے آگے ایک طویل و عریض ہال تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسے وہ ہالی وڈ کی ان فلموں میں بار بار دیکھ چکا تھا جو قدیم مصر کی کہانیاں پیش کرتی تھیں۔ فراعنہ مصر کا شاہی دربار...... سامنے ڈیڑھ درجن سیڑھیوں کے اوپر تخت شاہی تھا اور نچلی سیڑھی اپنے پھیلاؤ کی بناء پر ایک طویل و عریض پلیٹ فارم معلوم ہوتی تھی۔ تخت شاہی خالی تھا لیکن دربار آدمیوں سے بھرا تھا۔ یہ سب قدیم مصریوں کے سے لباس میں تھے۔ ٹخنوں تک پہنچنے والی رنگین قبائیں جن پر دیوتاؤں کی تصویریں نظر آ رہی تھیں۔ تین طرف فوجیوں کی قطاریں دیواروں سے لگی کھڑی تھیں۔ ان کے لباس بھی قدیم مصری فوجیوں کے سے تھے۔ حتیٰ کہ اسلحے بھی اسی دور کی یاد دلاتے تھے چوڑے اور چھوٹے تیغے ترکش اور کمانیں۔ سروں سے اونچے نیزے اور زمین سے کمر کے اوپر تک پہنچنے والی مستطیل ڈھالیں۔ بڑے بڑے بخور دانوں میں خوشبوئیں سلگ رہی تھیں۔ دفعتاً ایک عجیب قسم کے شور سے سارا ہال گونجنے لگا اور حاضرین بالکل رکوع کے سے انداز میں جھک گئے۔ ان کے سر تخت شاہی کی طرف تھے لیکن حمید کو اس تخت پر کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ شور کی آواز ختم ہوئی اور پھر نوبت اور نقاروں کی آوازیں آنے لگیں جن میں صدہا بوق و قرنا کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا جلوس گزر رہا ہو۔ لیکن جلوس کا کہیں پتہ نہیں تھا...... اور حاضرین...... وہ تو اب بھی پہلے ہی کی طرح جھکے کھڑے تھے۔

حمید نے جھرجھری سی لی وہ بہت شدت سے مرعوب ہوگیا تھا اور یہ شور...... یہ تو اسے اپنے ہر بُن مو سے نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر اچانک موت کی سی خاموشی طاری ہوگئی اور حاضرین سیدھے کھڑے ہوگئے۔ پھر ایک ہونق سا آدمی اسٹیج نما سیڑھی پر نمودار ہوا اس کے جسم پر سرخ رنگ کا

لبادہ تھا گلے میں بے شمار ہار پڑے ہوئے تھے۔ پھولوں کے نہیں رنگ رنگ کے جواہرات کے
سے کرنیں سی پھوٹتی معلوم ہورہی تھیں۔

تخت شاہی اب بھی خالی پڑا تھا۔ لیکن وہ آدمی تخت شاہی کی طرف رخ کر کے خفیف سا
اور پھر حاضرین کی طرف سر گھماتا ہوا گرجدار آواز میں بولا۔

"میں اپنے اور تمام درباریوں کی جانب سے اپنی حکمرانی کی ہزارویں سالگرہ پر مبارک
پیش کرتا ہوں۔" پھر تخت شاہی کی طرف دیکھ کر بولا "ملکہ علیاء ہماری حقیر نذریں قبول فرمائیں۔"

"ہماری طرف سے اجازت ہے۔" خالی تخت سے ایک انتہائی سریلی اور نسوانی قسم کی آو
آئی اور حمید کی عقل کھوپڑی سے نکل کر ہوا میں ناچنے لگی۔ نذریں گذرنے لگیں اور وہ ہونق سا آ
جو شائد وزیراعظم کا رول ادا کر رہا تھا ہر پیش کئے جانے والے خوان پر ہاتھ رکھ کر کہتا۔ "ملکہ کائنا
کی خدمت میں۔"

تقریباً بیس منٹ تک نذریں گذرتی رہیں۔ پھر یہ سلسلہ ختم ہوگیا اور تخت شاہی سے آو
آئی۔

"ارے میرے پرستارو...... میں تمہیں ارتقاء کی اس کڑی پر مبارک باد پیش کرتی ہوں
اس لئے قابل مبارک باد ہو کہ ارتقا کا صحیح مفہوم سمجھتے ہو۔ تمہارے جسموں پر ہزاروں سال پرانا لبا
ہے لیکن زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے تمہارے پاس جدید ترین وسائل ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ زندگی
آگے بڑھانے کے لئے تخریب ضروری ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ آج کا آدمی ہزاروں سال پرانے آد
سے ذرہ برابر بھی مختلف نہیں ہے۔ وہ آج بھی اتنا ہی خونخوار ہے جتنا ہزاروں سال پہلے تھا۔ البتہ
آگے بڑھنے کے لئے اس کا طریق کار بدل گیا ہے۔ میں تمہیں اس لئے مبارک باد دیتی ہوں کہ
سچے ہو۔ انسانیت کا ڈھول نہیں پیٹتے۔ عظیم الشان دفتروں میں بیٹھ کر قلم سے لوگوں کی گردنیں نہیں
کاٹتے بلکہ خس و خاشاک کو فنا کر کے صرف اُن درختوں کو پنپنے کا موقع دیتے ہو جن میں تناور بننے
صلاحیت ہو۔ تم اپنے سیاسی جوڑ توڑ سے قوموں کا بیڑہ غرق کر کے انسانیت کی اقدار پر تقریریں نہیں
کرتے۔ تم جسے فنا کرنا چاہتے ہو علانیہ فنا کر دیتے ہو اور اُسے درست سمجھتے ہو۔ میں تمہیں اس لئے
مبارک باد دیتی ہوں کہ تم طاقت کے پرستار ہو۔ اب لاؤ نئے سال کی تحقیقی نذر...... میں بذات خو
اُسے قبول کروں۔"

وزیراعظم تخت کے سامنے جھک کر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "ملکہ کائنات ہمارا نیا ہربہ زیرو تھری۔"

"یعنی تین صفر......!" تخت شاہی سے آواز آئی۔

"ملکہ کائنات......!" وزیراعظم جھک کر بولا۔

"اچھا مظاہرہ کیا جائے۔"

وزیراعظم نے تالی بجائی۔ ایک طرف کا رنگین پردہ سرکا اور تین آدمی ایک ٹرالی دھکیلتے ہوئے دربار میں لائے۔ ٹرالی پر ایک عجیب وضع کی مشین رکھی ہوئی تھی جس میں تاروں کے تانے بانے سے تھے۔ ٹرالی دربار کے وسط میں رک گئی۔ اس کے ساتھ ایک معمر آدمی بھی تھا لیکن اس کا لباس درباریوں کا سا نہیں تھا۔ یہ ایک میلی سی پتلون اور خاکی قمیض میں ملبوس تھا۔ سر اور ڈاڑھی کے بال بے ترتیب اور الجھے ہوئے تھے۔

"ملکہ کائنات کی اجازت سے۔" وزیراعظم نے ہاتھ اٹھا کر گونجیلی آواز میں کہا۔

ساتھ ہی وہ بوڑھا اس مشین پر جھک پڑا۔

ادھر حمید اس ماحول میں کچھ اس طرح کھو گیا تھا جیسے کوئی بہت ہی دلچسپ فلم دیکھ رہا ہو۔ فلم سے زیادہ سب کچھ اسے خواب معلوم ہورہا تھا۔ اچانک اس نے محسوس کیا جیسے کوئی غیر مرئی قوت اُسے اس کی جگہ سے اٹھانے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر دفعتاً وہ فرش سے تقریباً پانچ فٹ بلند ہوگیا اور اسی حالت میں جیسے بیٹھا ہوا تھا۔ اب اس نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اپنے پیر پھیلا کر فرش پر جمادے مگر ممکن نہ ہوا۔ اس کے پیر پھیل ہی نہ سکے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہ رہ گئی ہو۔ اس کے کانوں میں سیٹیاں سی گونج رہی تھیں اور وہ فضا میں معلق تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ خلاء میں تیرتا ہوا تخت شاہی کی جانب چلا۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک حقیر سا تنکا ہوا کے تیز و تند بہاؤ سے چکراتا پھر رہا ہو۔

پھر اچانک وہ وزیر کے پیروں کے پاس دھم سے جا گرا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے پیٹھ کی ہڈیاں چور ہوگئی ہوں۔

"بہت خوب ہے۔" تخت شاہی سے آواز آئی۔ "میرا خیال ہے کہ یہ تجربہ ابھی اپنے ابتدائی دور میں ہے۔"

"درست ہے ملکہ کائنات۔" وزیر اعظم نے ادب سے جواب دیا۔ "بڑے پیمانے پر اس کی شکل دوسری ہوگی۔"

"اچھا اور کوئی خاص بات۔" تخت شاہی سے آواز آئی۔

"اور کوئی ایسی اہم بات نہیں جس کے لئے علیاء حضرت کا وقت برباد کیا جائے۔" وزیر اعظم نے قریب قریب زمین بوس ہوکر جواب دیا۔

"دربار برخواست......!" تخت شاہی سے آواز آئی۔ پھر ملبوسات کی سرسراہٹ سنائی دی۔ جیسے کوئی تخت سے اٹھا ہو اور اس کے بعد وہی باجوں گاجوں کا شور۔ حاضرین دربار پھر احتراماً جھک گئے اور اس وقت تک جھکے رہے جب تک کہ جلوس کا شور ختم نہیں ہوگیا۔

حمید ایک بار پھر فضا میں معلق ہوا اور پہلے ہی کی طرح خلاء میں تیرتا ہوا محراب سے گذر کر سنگی فرش پر جا گرا۔ اس بار اس کا سر دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ نتیجے کے طور پر پہلے تو بصارت غبار آلود ہوگئی پھر یہ غبار گہرا ہوتے ہوتے اندھیرے میں تبدیل ہوگیا۔

بعض لوگ بڑے سخت جان ہوتے ہیں۔ مگر یہ انہیں آدمیوں کے لئے کہا جاسکتا ہے جو ناپسندیدگی سے دیکھے جاتے ہوں۔ اچھے آدمی ایسے معاملات میں قسمت کے دھنی کہلاتے ہیں۔ کم از کم فریدی کے متعلق تو یہی کہا جاسکتا ہے۔ وہ ایک نہیں سینکڑوں بار ایسے ایسے خطرات سے بچ نکلا تھا کہ اسے زندہ دیکھ کر اس سے تعلق رکھنے والے ہفتوں کیا مہینوں اسے فریدی کا بھوت سمجھتے رہے تھے۔

مگر اس بار جو واقعہ پیش آیا تھا اس نے خود فریدی ہی کو مجبور کردیا کہ ہوش میں آنے کے بعد خود کو کافی دیر تک بھوت سمجھتا رہے۔ ایک طرف تو نالے کی طوفانی بہاؤ نے اس کے پیر اکھاڑ دیئے تھے اور دوسری طرف گولیوں کی بوچھاڑ۔ جب اس نے اپنے بائیں بازو میں گھستے ہوئے انگارے کی جلن محسوس کی تو اسے یقین ہوگیا کہ یہ تکلیف کا آخری احساس ہے۔

ہوش آنے پر اُسے بہت دیر تک یہی نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ اسی نالے میں بہہ رہا ہے یا ہوا

میں تیر رہا ہے۔ کچھ دیر بعد اسے ابر آلود آسمان نظر آیا اور خنکی کا احساس بھی ہوا۔ چاروں طرف اونچے پہاڑ تھے جن کی چوٹیاں بادلوں سے ٹکراتی معلوم ہو رہی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ چت پڑا فضا میں تیرتا رہا پھر یہ سوچ کر شائد اس کی روح عالم ارواح میں بھٹکتی پھر رہی ہے اس نے اپنے بائیں بازو میں چٹکی لی لیکن پھر اُسے محسوس ہوا کہ بازو تو پہلے ہی سے دکھ رہا تھا۔

وہ ابر آلود نیلگوں آسمان کی وسعتوں میں نظر دوڑاتا ہوا تیرتا رہا۔ اُسے اپنا جسم بہت ہلکا معلوم ہو رہا تھا۔ ہوا سائیں سائیں کرتی اس کے جسم سے ٹکراتی ہوئی گذرتی رہی۔ اسے فرشتوں کے پروں کے سائے نظر آرہے تھے۔ عجیب سی خوشبوئیں اسے اپنے گرد و پیش محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کا ذہن عظمت رب السموات کے گیت گانے لگا۔ مگر کیا اس کی روح حقیقتاً عالم ارواح میں پرواز کر رہی تھی۔ وہ جسم و روح کے تعلق کے بارے میں سوچنے لگا اگر وہ عالم ارواح میں پرواز کر رہی تھی تو بائیں بازو کی تکلیف کیسی۔ احساس تو دراصل جسم و روح کے ربط ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ روح نے جسم کو چھوڑا اور تکلیف کا احساس بھی فنا ہوگیا۔

اس کا ذہن آہستہ آہستہ صاف ہوتا جارہا تھا۔ اب وہ ہوا کی سائیں سائیں کے ساتھ ہی ساتھ دوسری آوازیں بھی سننے لگا تھا۔ یہ بھاری قدموں کی آوازیں تھیں۔ لاتعداد قدموں کی آوازیں۔

اب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ ایک اسٹریچر پر پڑا ہے اور کچھ لوگ اسے اٹھائے ہوئے چل رہے ہیں۔

آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے تیر رہے تھے۔ مگر یہ پانی سے خالی تھے۔ سفید بادل کچھ بھی ہو وہ دھوپ کی شدت سے تو بچا ہی سکتے تھے۔ ان کی چھاؤں بڑی خوشگوار تھی۔ فریدی بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اب وہ دراصل اپنی رہی سہی قوت کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ وہ حملہ آوروں ہی کے ہاتھوں میں پڑ گیا ہو۔ لہٰذا ایسی صورت میں اسے دوبارہ کٹ مرنا پڑتا۔ وہ کسی چوہے کے بچے کی طرح بے بس ہو جانا کبھی پسند نہ کرتا۔ اس نے ریوالور کے لئے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ لیکن اب وہاں جیبیں کہاں تھیں۔ بہر حال کافی غور کرنے پر اُسے معلوم ہوا کہ وہ اوپر سے نیچے تک ایک اونی لبادے میں ملبوس ہے۔ بس یہیں سے اس کا منطقی شعور جاگ اٹھا۔ اگر وہ حملہ آور ہی ہوتے تو بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر خشک لبادہ کیوں پہناتے۔ اسے وہیں ختم کر دیتے۔ اسٹریچر پر لاد کر کہیں

لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن پھر خیال آیا ممکن ہے حمید بچ نکلا ہو اور وہ آسانی سے دوبارہ اُس پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اسے زندہ ہی رکھنا چاہتے ہوں...... فریدی مطمئن ہو گیا۔ دونوں ہی صورتیں اس کے لئے اطمینان بخش تھیں۔

وہ چپ چاپ آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ پھر شائد سفر ختم ہونے میں ایک گھنٹے کا عرصہ لگا۔ اسٹریچر ایک جگہ اتار کر زمین پر رکھ دیا گیا۔ فریدی نے آنکھیں بند رکھیں۔ البتہ ایک بار پلکوں میں خفیف سا درہ کر کے گرد و پیش کا جائزہ لینے کی کوشش ضرور کی۔

وہ ایک خیمے میں تھا اس کے قریب ہی دو تین آدمی سرگوشیاں کر رہے تھے لیکن فریدی کچھ نہ سمجھ نہ سکا۔

پھر اسے ایک عورت کی آواز بھی سنائی دی۔ وہ کچھ اونچی آواز میں بول رہی تھی۔ اس کی آواز میں ایسی کھنک تھی جس کے متعلق کہا جاسکتا تھا کہ وہ کافی سیکس اپیل رکھتی تھی۔ فریدی کی بجائے اگر حمید ہوتا تو یہی رائے قائم کرتا۔

فریدی نے اس کی آواز سنی اور گفتگو بھی سمجھنے کی کوشش کی زبان میں اجنبیت محسوس ہوتی تھی لیکن پھر کچھ دیر بعد الفاظ کی اجنبیت رخصت ہو گئی۔ ویسے فریدی سوچ رہا تھا بُرے پھنسے...... اس وقت شائد آزاد علاقہ وادی کراغال میں تھا جس کی سرحدیں رام گڈھ سے ملتی تھیں۔ اس وادی کے باشندے اپنے علاقے میں اجنبیوں کا وجود نہیں برداشت کر سکتے تھے۔ فریدی سوچنے لگا یہاں تو وہی مثل صادق آئی ہے کہ دیو سے بچے تو سمندر میں ڈوبے۔

اس نے سوچا کہ اب اٹھ ہی جانا چاہیے۔ وہ تھوڑی بہت کراغالی جانتا تھا۔ دوسروں کی باتیں سمجھ کر اپنا مافی الضمیر واضح کر سکتا تھا۔ اس نے کراہ کراہ کر کروٹ بدلی اور آنکھیں کھول دیں۔

وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ فریدی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھا اور اٹھ بیٹھا۔

"لیٹے رہو لیٹے رہو۔" عورت نے جلدی سے کہا۔

"ایک معزز خاتون کی موجودگی میں لیٹے رہنا بدتمیزی ہے۔" فریدی نے کراغالی میں جواب دیا۔

ایک بوڑھے اور قوی الجثہ آدمی نے معنی خیز نظروں سے عورت کی طرف دیکھا۔

عورت خوش شکل جوان اور غیر معمولی طور پر قوی ہیکل تھی اور اس کی آنکھوں سے نسوانی صنف

کی بجائے مردانہ پن جھانک رہا تھا۔

"تم زخمی ہو اجنبی......!" عورت نے نرم لہجے میں کہا۔ "تمہارے بازو سے رائفل کی گولی نکالی گئی ہے۔ ہڈی محفوظ ہے۔ اطمینان رکھو...... لیٹ جاؤ۔"

"میں آپ کی ہمدردی کا شکر گذار ہوں مگر مجھے حیرت ہے کہ میں زندہ کیسے بچا۔"

"کیا تم نے خانم کا حکم نہیں سنا۔" بوڑھا غرایا۔ "لیٹ جاؤ۔"

"میں ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور لیٹ گیا۔

"تم کیسے زخمی ہوئے تھے۔" عورت نے پوچھا۔

"مجھے درجنوں آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔ میں تنہا تھا۔ زخمی ہو کر ایک پہاڑی نالے میں جا گرا۔ مجھے حیرت ہے کہ میں کراغال تک زندہ کیسے پہنچ گیا۔"

"اللہ کی حکمت......!" عورت آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔ "تم ندی کے کنارے ایک چٹان پر پڑے ہوئے تھے۔ مگر تم لڑے کہاں تھے۔"

"رام گڈھ میں۔"

"اوہو...... تم ادھر کے ہو۔"

"ہاں محترمہ......!"

"مگر ادھر کا قانون تو اس قسم کی لڑائی بھڑائی کی اجازت نہیں دیتا۔"

"قانون توڑنے والے ہر جگہ ہوتے ہیں محترمہ۔ کیا آپ کراغال کی خانم ہیں۔"

"ہاں...... میں خانم ہوں۔ مگر شاید تم کراغال کے متعلق بہت کچھ جانتے ہو۔ کراغالی بھی بول سکتے ہو۔"

"ہاں محترمہ...... میں دنیا کی بہتیری زبانیں بول اور سمجھ سکتا ہوں۔"

بوڑھے نے پھر اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور عورت بولی۔ "غالباً تم اجنبیوں کے سلسلے میں کراغال کے دستور سے واقف بھی ہو گے۔"

"ہاں محترمہ...... میں جانتا ہوں کہ یہاں اجنبی نہیں آنے پاتے۔ اگر آگئے تو ختم کر دیئے جاتے ہیں یا پھر ان کی واپسی ناممکن ہوتی ہے۔ مگر محترمہ آپ جانتی ہیں کہ میں کن حالات میں یہاں تک پہنچا۔"

"خیر یہ قصہ فی الحال یہیں رہنے دو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"میں ایک بار پھر فراخ دل خانم کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ یہاں ب ساتھ دوستانہ برتاؤ ہوگا۔"

"کیوں......!" خانم بے ساختہ چونک پڑی۔

"کچھ نہیں ...... میں جانتا ہوں کہ کراغالی...... مہمان نواز...... شریف...... اور عالی ہوتے ہیں۔"

ایک پاگل دوسرا قیدی

پتہ نہیں کتنی دیر بعد حمید کو ہوش آیا۔ وہ اب اسی کمرے میں تھا جس سے اس کا گہرائی والا شروع ہوا تھا۔ اگر اس کی پیٹھ کی ہڈیوں کی چوٹ دکھ نہ رہی ہوتی تو وہ یہی سمجھتا کہ اس نے خواب دیکھا ہوگا۔ مگر ایسی صورت میں......؟

وہ کافی دیر تک گم سم فرش پر پڑا رہا۔ سر کی چوٹ بھی دکھ رہی تھی اس نے سر پر ہاتھ پھیرا اسے کسی قسم کی ٹوٹ پھوٹ کا احساس نہیں ہوا۔ کھوپڑی کی ہڈیاں محفوظ تھیں۔ اگر محفوظ نہ ہوتیں تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ اسی طرح گم سم پڑا رہتا۔ بات یہ تھی کہ اس دربار اور اس عجیب و غریب مشین زیروتھری نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ ایسے مجرم جن کے یہ ٹھاٹ ہوں اُسے آج تک خواب میں بھی دکھائی نہیں دیئے تھے اور پھر وہ پراسرار ملکہ جس کی صرف آواز سنی جاسکتی ہے اس شاہانہ جلوس جو نظروں سے یکسر غائب رہا تھا۔ تخت شاہی خالی پڑا تھا مگر اسی تخت سے ملکہ کی آواز اٹھ کر ہال میں منتشر ہو رہی تھی۔ کیا وہ بھوتوں کا دربار تھا؟ لیکن یہی لوگ قاسم سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھ رہے تھے اور شائد روحی پر حملوں کے ذمہ دار بھی یہی تھے۔ پھر اُسے دلکشا ہوٹل والا واقعہ یاد آ گیا۔ قاسم نے اُسے اپنے کمرے کی کھڑکی کے غائب ہو جانے کے متعلق بتایا تھا۔ ممکن ہے اس کا بیان

درست ہی رہا ہو۔ جب کسی کمرے کا فرش سینکڑوں فٹ نیچے جاسکتا ہے تو اس کی کھڑکی کا غائب ہو جانا ناممکنات میں سے نہیں ہوسکتا۔

اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ ایک اہم سوال تھا اور شائد اسی پر اس کی زندگی کا انحصار بھی تھا۔ وہ بڑے عجیب لوگوں میں آ پھنسا تھا۔ اُسے کوئلے کا مجسمہ بھی یاد آیا جو اس نے فریدی کے ساتھ ایک عمارت میں دیکھا تھا۔ جو لوگ زیروتھری جیسی مشینیں بنا سکتے ہیں ان کے لئے کچھ ناممکن نہیں۔ مگر کیا اس کی حکومت انہیں شکست دے سکے گی۔ فریدی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس عجیب و غریب تنظیم کے سامنے اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ فریدی بھی گوشت پوست ہی سے بنا ہے۔

اسے بھی زیروتھری جیسی مشینیں کسی حقیر سے تنکے کی طرح فضا میں نچا سکتی ہیں۔

حمید کی کنپٹیاں تڑخنے لگیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کیا اسے اس دربار کی سیر اسی لئے کرائی گئی تھی کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جائے۔ یقیناً...... یہی بات ہوسکتی ہے ورنہ دوسری صورت میں قاسم کو بھی ان عجائبات کے درشن کرائے جاتے۔ حمید کو یقین تھا کہ قاسم کو اس قسم کے کسی بھی واقعے سے دوچار نہ ہونا پڑا ہوگا ورنہ وہ تذکرہ ضرور کرتا۔ اُسے تو صرف چند لڑکیوں کے چکر میں الجھا کر بڑی بڑی رقمیں وصول کی جا رہی تھیں۔

اس نے ان سب خیالات کو پرے جھٹک کر پھر اپنے آئندہ طرز عمل کے متعلق سوچنا شروع کر دیا۔ اس کی جگہ اور کوئی ہوتا تو یہ سب کچھ دیکھ کر پاگل ہو گیا ہوتا۔ پاگل کر دینے والی بات ہی تھی۔

"پاگل......!" حمید کے ذہن نے تین چار بار دہرایا۔ بس پاگل ہو جانا ہی زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ بہترین تدبیر۔ کیونکہ اس پاگل پن کا جواز بھی موجود تھا۔ پراسرار دربار کی سیر؟ ایک نظر نہ آنے والی عورت کی آوازیں اور پھر اس کا ہوا میں اڑ کر تخت کے نیچے جا گرنا۔ کیا یہ سب کچھ پاگل کر دینے کیلئے کافی نہیں تھا۔ یقیناً کافی سے بھی زیادہ تھا۔ اس صورت میں وہ ان کے سوالات کا صحیح جواب دینے پر بھی مجبور نہ ہوگا۔

پھر وہ پاگل پنے کی باتیں سوچنے لگا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار وہ پاگل بن چکا تھا اور اس نے ہفتوں اتنی شاندار ایکٹنگ کی تھی کہ پاگل خانے کے ڈاکٹر بھی چکر میں پڑ گئے تھے۔[1]

ایک بات اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس وقت دن تھا یا رات۔ ان کمروں میں چھت کے قریب دیواروں سے روشنی پھوٹتی تھی اور یہ روشنی یقیناً مصنوعی تھی۔ سورج سے اس کا کوئی

[1] اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "لاشوں کا آبشار" جلد نمبر 9 ملاحظہ فرمائیے۔

تعلق نہیں تھا۔ ورنہ اس میں ہلکی سی نیلاہٹ کیوں ہوتی۔

پہلی بار ہوش آنے سے اب تک وہ ایسی ہی روشنی دیکھتا رہا تھا اس کی گھڑی تو پہلے ہی بند ہو چکی تھی۔

بھوک کے مارے اس کا دم نکل رہا تھا۔ لیکن وہ کہاں جاتا۔ کسے پکارتا۔ پھر اسے قاسم کا خیال آیا وہ اٹھا اور دروازے کے قریب گیا جہاں سے وہ قاسم کے کمرے کا جائزہ لے سکتا تھا۔ یہاں اس نے قاسم کو دیکھا جو ایک لمبے چوڑے دستر خوان پر تنہا پڑا کر رہا تھا۔ بکرے کی مسلم ران، مرغ مسلم بڑی بڑی رقابیوں میں شوربہ اور روٹیوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر۔

"قاسم......!" حمید نے اُسے آواز دی۔

"اوہا......اغے......غمید......بھاغی......!" وہ بھاڑ سا منہ پھاڑتا ہوا بولا' جس میں ایک بہت بڑا لقمہ تھا۔ "آؤ......آؤ......!"

"اچھا...... اچھا......!" قاسم نے کچھ روٹیاں اٹھائیں ان پر کچھ بوٹیاں رکھیں اور اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا لیکن اچانک نہ جانے کس روشندان سے بندر نے اس پر چھلانگ لگائی اور وہ سب کچھ فرش پر آ رہا۔ قاسم گالیاں بکتا ہوا اس کی طرف دوڑا۔ لیکن وہ پھر ایک روشندان پر جا چڑھا تھا اور کھڑے ہو کر پھر وہی "چھنک چھنک" شروع کر دی اس واقعے پر حمید سچ مچ پاگل ہو گیا۔ وہ بھی اس بندر کو اس انداز میں گالیاں دینے لگا جیسے اس سے ان کے جواب کی توقع رکھتا ہو اور پھر جواب ملتے ہی باقاعدہ طور پر لڑ پڑے گا۔

پھر قاسم اور حمید دونوں ایک دوسرے سے پھوہڑ عورتوں کی طرح گلے شکوے کرنے لگے۔ شائد دونوں ہی پاگل ہو گئے تھے۔ بندر ایک بار پھر چپ چاپ نیچے اترا، اتنی آہستگی سے کہ گھونگھروؤں میں ہلکی سی چھنک بھی نہیں پیدا ہو سکی اور پھر اس نے دستر خوان پر رکھی ہوئی رقابیں الٹ دیں۔

"وہ دیکھو......!" حمید دہاڑا۔

جب تک قاسم وہاں پہنچتا وہ پھر جست لگا کر روشندان پر جا چڑھا اور پھر وہی ناچ شروع ہو گیا۔ "چھنک، چھنک......" حمید کو زہر لگ رہی تھی یہ آواز۔ دفعتاً قاسم نے ایک بڑی سی ہڈی اس پر کھینچ ماری جو روشندان سے گذر کر دوسری طرف چلی گئی۔ بندر بدستور ناچتا رہا۔ "چھنک چھنک"۔

اس پر قاسم نے ایک قاب پر طبع آزمائی کی اور پھر اس کا دماغ باقاعدہ طور پر الٹ گیا۔ چپاتیاں...... ہڈیاں...... پلیٹیں...... رقابیں...... روشندان سے گذر گذر کر دوسری طرف جاتی رہیں۔ مگر بندر کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قاسم کی چشم تصور اب بھی اسے دیکھ رہی ہو۔

اچانک ایک گھڑگھڑاہٹ سی سنائی دی اور سامنے والی دیوار میں ایک چھوٹی سی خلاء نظر آئی۔ اتنی چھوٹی کہ اس سے ایک دبلا پتلا آدمی بھی بمشکل گذر سکتا تھا۔

اس خلاء میں ایک آدمی کا چہرہ دکھائی دیا اور اس نے گرج کر قاسم سے پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"اسی سالے چھنک چھنک سے پوچھو کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"بندر......!" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"نہیں تمہارا باپ......!" قاسم دہاڑا۔

"تم سمجھتے ہو کہ جب تک تم چیک پر دستخط نہیں کرو گے یہی ہوتا رہے گا۔" اس آدمی نے نرم لہجے میں کہا۔

قاسم خاموش ہو گیا۔ وہ اس مسئلے پر سنجیدگی سے سوچنا چاہتا تھا۔ ابھی تک ڈیڑھ لاکھ کی رقم گنوا چکا تھا

دفعتاً حمید نے ہانک لگائی۔ "ارے مری جان ادھر تو دیکھو۔"

"کیوں شور مچا رہے ہو۔" وہ آدمی جھلا گیا۔

"چار بنڈل...... چار بنڈل......!" حمید نے قہقہہ لگایا اور اس کے حلق سے بیک وقت سینکڑوں قسم کی آوازیں نکلتی معلوم ہوئیں۔ پھر اس نے مرغوں کی طرح بانگ دینی شروع کر دی۔

قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑا تھا۔

"میری جان ملکہ کائنات کگڑوں کوں...... کگڑوں کوں...... وزیر اعظم کگڑوں کوں......زیرو تھری...... کگڑوں کوں...... قاسم بیٹا کگڑوں کوں......"

"تم خود کگڑوں کوں۔" قاسم ہنسنے لگا۔

مگر حمید ملکہ کائنات اور وزیر اعظم کا نام لے لے کر اس طرح "کگڑوں کوں" کرتا رہا جیسے زندہ باد کے نعرے لگا رہا ہو۔

وادی کراغال کی خانم اپنی شکارگاہ میں تھی جس کا فاصلہ اس کے محل سے تقریباً بیس میل تھا۔ یہیں اسے فریدی ندی کے کنارے ایک چٹان پر بیہوش ملا تھا۔

اس کے خیمے سے واپس آنے کے بعد خانم نے اپنے بوڑھے مشیر کو طلب کیا اس کے سر کے بال برف کی طرح سفید تھے اور چہرے پر گھنی سفید مونچھیں تھیں۔ مگر جسم کی ساخت جوانوں کی سی تھی اور وہ اس عمر میں بھی سینہ تان کر چلتا تھا۔

''تم کیا کہتے ہو۔'' خانم نے اس سے سوال کیا۔

''آپ مالک ہیں۔ مگر میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ کوئی اجنبی محل میں قدم رکھے۔''

''مجھے وہ ایماندار آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''مگر آپ بھول رہی ہیں کہ وہ ان پہاڑوں کے ادھر رہتا ہے۔'' بوڑھے نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

خانم سوچ میں پڑ گئی اور بوڑھا بولا۔ ''ادھر کوئی ایماندار آدمی پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ کیا ہم ان لوگوں کے ہاتھوں تنگ نہیں آ گئے۔ ہمارے دشمنوں کے پاس رائفلیں کہاں سے آتی ہیں۔ دھماکے والے گولے کہاں سے آتے ہیں۔ سب وہیں سے آتے ہیں مالک۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہیں یہ آدمی ادھر کا جاسوس نہ ہو۔''

''کچھ بھی ہو۔'' خانم تھوڑی دیر بعد بولی۔ ''وہ زخمی ہے۔ اُسے اس حال میں یہاں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پھر اگر وہ جاسوس ہی ثابت ہوا تو اسے ایک اچھا سبق دیا جائے گا تاکہ پھر کوئی ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکے۔''

''آپ مالک ہیں...... جو اللہ کی مرضی...... وہی خانم کی مرضی۔''

''ٹھیک ہے......'' خانم نے کہا۔ ''اب ہم واپس چلیں گے۔ موسم خراب ہو گیا ہے۔ شکار کے لئے موزوں نہیں۔''

بوڑھا ادب سے جھکا اور باہر نکل گیا۔

پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر کوچ کی تیاری ہو گئی۔ فریدی کے لئے پھر اسٹریچر لایا گیا۔ مگر

اب اس نے اسٹریچر پر سفر کرنے سے انکار کر دیا۔

''میں اپنے ہی جیسے آدمیوں پر بار نہیں بننا چاہتا۔''

''تم زخمی ہو۔'' خانم نے کہا۔

''مگر اتنا کمزور بھی نہیں ہوں۔''

''ہماری پاس کوئی فالتو گھوڑا نہیں ہے۔'' خانم مسکرائی۔

''پرواہ نہیں...... میں پیدل چلوں گا۔''

بوڑھا اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ خانم نے اسے کچھ اشارہ کیا۔ جواب میں بوڑھے نے ایک سوار کی طرف دیکھا اور وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کی لگام پکڑے ہوئے فریدی کے قریب لایا۔

فریدی ایک ہی جست میں گھوڑے کی پشت پر تھا مگر گھوڑا ابدک گیا۔ منہ زوری کرنے لگا اور پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر سوار کو گرانے کی کوشش کی مگر اس کی پشت پر اس صدی کا سب سے زیادہ چالاک آدمی سوار تھا۔ اس نے دو ہی تین رگڑوں میں اُسے چوہا بنا دیا۔ خانم اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ آخر اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں بوڑھے سے کہا۔ ''کیا تمہیں علم نہیں تھا کہ گھوڑا شریر ہے۔''

''نہیں مالک...... میں نہیں جانتا تھا۔ ویسے یہ گھوڑا شریر نہیں ہے کیوں۔'' اُس نے گھوڑے کے مالک کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔

''نہیں مالک...... یہ تو بڑا سیدھا جانور ہے۔'' گھوڑے کا مالک بولا۔

''بات یہ ہے مالک۔'' بوڑھے نے کہا۔ ''کراغال کے گھوڑے بھی اجنبیوں سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔''

''نہیں...... یہ غلطی پر تھا۔'' فریدی نے اپنی ایک آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب اسے یاد آ گیا ہے کہ ہم دونوں ایک ہی کارخانے میں ڈھالے گئے تھے۔''

شائد گھوڑے کے مالک کو بھی اس کے رام ہو جانے پر حیرت تھی۔ وہ بار بار اس کی طرف دیکھ کر پلکیں جھپکاتا رہا۔

پھر تیس افراد کا یہ قافلہ چل پڑا۔ پیچھے چند باربردار خچروں پر خیمے اور راوٹیاں بار تھیں۔ کچھ

لوگ پیدل بھی تھے۔

راہ میں ایک جگہ پھر فریدی کا گھوڑا شرارت پر اتر آیا۔ مگر فریدی نے اپنی رانوں سے اس کی پسلیاں اس زور سے دبائیں کہ اس کی زبان نکل پڑی۔ اس موقعہ پر اگر حمید ہوتا تو ضرور پوچھ بیٹھتا۔ ''آخر آپ خود کتنے ہارس پاور کے ہیں۔'' فریدی اس وقت بھی حمید کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کہیں حملہ آوروں نے اسے ہلاک نہ کردیا ہو۔ مگر وہ کرہی کیا سکتا تھا۔ خود اس کی زندگی کسی معجزے کے تحت بچ تو گئی تھی مگر اب وہ ایسے لوگوں میں آپھنسا تھا جن سے گلو خلاصی قریب قریب ناممکن تھی۔ اگر ناممکن نہیں تو آسان بھی نہیں تھی۔ خود فریدی جیسا آدمی اس سلسلے میں کوئی یقینی بات نہیں سوچ سکتا تھا۔

خانم کا گھوڑا اس وقت اس کے گھوڑے کے برابر چل رہا تھا اور وہ بار بار اس کی طرف دیکھنے لگی تھی مگر فریدی اپنی گتھیوں میں الجھا ہوا تھا۔

''تمہارے زخم میں تکلیف ضرور ہورہی ہوگی۔'' خانم نے کہا۔

''کوئی ایسی خاص نہیں ہے۔''

''تمہارے دیس کے لوگ آخر ہمیں غلام کیوں بنانا چاہتے ہیں۔'' خانم نے پوچھا۔

''میرے دیس کے لوگ۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں تو...... میں نے کبھی نہیں سنا کہ ہماری حکومت نے کبھی آزاد علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہو۔''

''پھر ہمارے دشمنوں کو اسلحہ کہاں سے ملتا ہے۔''

''ہماری حکومت سے انہیں کوئی مدد نہ ملتی ہوگی۔ آپ یقین کیجئے۔''

''تم کیا جانو...... حکومتوں کے راز عام آدمیوں کو نہیں معلوم ہوتے۔''

''ہاں یہ درست ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''مگر عام آدمی اپنی عقل تو استعمال کرہی سکتے ہیں۔ اتنا تو میں بھی سوچ سکتا ہوں کہ ہماری بقا کے لئے کراغال کا وجود ضروری ہے۔''

''اسی لئے تم چاہتے ہو کہ کراغال پر تمہارا تسلط ہوجائے۔''

''ہرگز نہیں...... البتہ ہم مضبوط ترین کراغال ضرور چاہتے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی غلطی ہوگی اگر ہم کراغال کے دشمنوں کا ساتھ دیں۔ ویسے انہیں اسلحہ دوسرے ممالک سے بھی مل سکتا ہے، جو ہم دونوں کے یکساں مخالف ہیں۔''

''مگر میں نے ایسی رائفلیں کبھی نہیں دیکھیں۔ ایک محل میں پڑی ہوگی۔ میں تمہیں دکھاؤں گی۔''

پھر وہ خاموش ہوکر سوچنے لگی۔ ادھر فریدی بھی سوچ رہا تھا کہ یہ کسی نہ کسی بہانے سے اُسے قید کرلینے کی فکر میں ہے۔ اس نے گھوڑے کے سلسلے میں بوڑھے مشیر کا طنز بھی محسوس کیا تھا۔ کراغالیوں کے ہتھے چڑھ جانے کا مطلب یا تو موت تھا یا عمر قید۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح وہ ان پہاڑوں کی داستانوں کو باہر پھیلنے سے روکتے تھے۔ فریدی نے کچھ دیر بعد خانم سے پوچھا۔ ''مگر آپ کے دشمن ہیں کون؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ کراغالی ہی ہیں۔'' خانم نے جواب دیا۔ ''مگر ان کے پاس عجیب و غریب چیزیں ہیں۔ حیرت انگیز اسلحہ جات...... ان کے پاس ایک ایسی سیٹی ہے جس کی آواز میلوں پھیلتی ہے۔''

''کیا......؟'' فریدی یک بیک چونک پڑا۔

''ہاں ان کے ہر آدمی کے پاس ایک ایسی ہی سیٹی ہوتی ہے۔ جب وہ خطرے میں ہوتا ہے تو اسے بجاتا ہے۔ پھر نگل لیتا ہے۔''

''کیا نگل لیتا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''سیٹی...... اُسے نگلتے ہی وہ مرجاتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس کے جسم کے چیتھڑے اڑ جاتے ہیں۔ شائد وہ سیٹی اس کے پیٹ میں کسی بم کی طرح پھٹ جاتی ہے۔''

''آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔''

''ایک بار ایک مشتبہ آدمی اس علاقے میں دیکھا گیا تھا۔ میرے آدمیوں نے اُسے گھیر کر پکڑ لیا۔ اس نے سیٹی بجائی اور پھر اسے نگل گیا۔ سیٹی کی آواز پھیلتے ہی کچھ دیر بعد اُن پر چاروں طرف سے گولیاں برسنے لگیں۔ پندرہ میں سے صرف دو آدمی بچے تھے اور ایک نے اس لاش کے چیتھڑے اڑتے دیکھے تھے۔''

''حملہ آور سامنے نہیں آئے تھے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں...... یہ پہاڑ ایسے ہیں کہ ان میں پوری پوری فوجیں چھپ سکتی ہیں۔''

پھر خانم نے چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ ''میرے آدمیوں کا خیال ہے کہ تم انہیں لوگوں کے جاسوس ہو۔ اس لئے وہ تمہیں زندہ نہیں دیکھنا چاہتے۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی حقیقت سے آگاہ کردو۔''

پاگل کا امتحان

حمید نے وہ غل غپاڑا مچایا کہ قاسم بدحواس ہوگیا اور اس آدمی پر پتہ نہیں کیا گذری جو دیوار خلاء سے جھانک رہا تھا۔ لیکن اب خلاء برابر ہو چکی تھی۔ حمید اس کے باوجود بھی اسی انداز میں چ رہا۔

"کیوں میرا دماغ خراب کر رہے ہو۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس سے کیا فائدہ۔"

"شٹ اپ...... سالے...... اُلو کے پٹھے۔" حمید نے اسی انداز میں اسے ڈانٹ پلادی۔

"ابے زبان سنبھال کے...... تم خود سالے اُلو کے پٹھے...... شٹ اپ وغیرہ۔"

اس پر حمید نے اسے دو چار گندی گندی گالیاں دیں اور قاسم آپے سے باہر ہوگیا۔ اس نے جھلاہٹ میں دو چار ٹکریں دروازے پر بھی ماریں لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ اتنے میں قاسم کے کانوں میں چھنک چھنک کی آواز بھی آئی، وہ اور بھی پاگل ہوگیا۔ حمید کو چھوڑ کر وہ اس طرف متوجہ ہوگیا۔ بندر روشندان میں کھڑا ناچ رہا تھا۔

اس بار قاسم اس طرح آؤٹ آف کھوپڑی ہوگیا تھا کہ خود اس نے بھی جھلاہٹ میں بندر کی طرح ناچنا شروع کر دیا۔

دوسری طرف حمید کے کمرے کا فرش نیچے کی طرف دھنسنے لگا اور اس نے سمجھ لیا کہ آنے والے لمحات فیصلہ کن ہوں گے۔ اس نے اپنی قمیض تار تار کر ڈالی اور ٹائی کھول کر اسے اس طرح اپنی گردن میں لپیٹ لیا جیسے دونوں سرے کھینچ کر خودکشی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

جیسے ہی فرش کی حرکت تھمی حمید نے اپنا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اچانک اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے گئے۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا۔ تین آدمی اُسے کھینچتے ہوئے محراب سے نکال کر اُسی وسیع ہال میں لے جا رہے تھے جہاں اس سے قبل اس نے ایک پراسرار دربار کے مناظر دیکھے تھے۔

"چھوڑو بدتمیزو...... مجھے سجدہ کرو...... میں ملکہ کائنات کا پٹھا ہوں۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا اور اسی جگہ مچلنے لگا۔ لیکن وہ لوگ اُسے وسط ہال تک کھینچتے رہے۔ پھر چھوڑ دیا۔ حمید نے چھوٹتے ہی کس

زخمی گوریلے کی طرح اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے ان تین آدمیوں کی موجودگی کا احساس تک نہ ہو۔

وہ تینوں اسے حیرت سے دیکھتے رہے۔ پھر اچانک ایک محراب سے پردہ ہٹا اور ایک پروقار آدمی آہستہ آہستہ چلتا ہوا حمید کی طرف آیا۔ اس کے جسم پر جدید طرز کا لباس تھا لیکن چہرے پر گھنی سیاہ ڈاڑھی تھی اور وہ تین آدمی بھی آج کل کے معمولی ہی لباس میں تھے۔ ان کی کسی بات سے بھی قدامت نہیں ظاہر ہوتی تھی۔

"کیا بات ہے۔" ڈاڑھی والے نے گرجدار آواز میں کہا۔

حمید اچھل کود ترک کر کے بے حس و حرکت کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر بلا کی وحشت طاری تھی اور آنکھوں کی چمک تو خدا کی پناہ۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ حمید ایک شاندار ایکٹر تھا۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ کسی وقت بھی تمہاری موت آسکتی ہے۔" ڈاڑھی والے نے اُسے گھور کر کہا۔

"میرے داہنے ہاتھ میں موت ہے اور بائیں میں حیات۔ تم مجھے سولی دو۔ میں آسمان پر اٹھا لیا جاؤں گا۔"

"کرنل فریدی کہاں مل سکے گا۔ ہم لوگ بڑے مہمان نواز ہیں۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

"کرنل فریدی آکسفورڈ ڈکشنری کے پندرہویں صفحہ پر ملے گا۔ فریدی ناؤن ہے۔ اس کا ایڈجیکٹو فریدل ہے...... دل دل...... فریدل...... فر فر...... دلی دل...... ہائے تیری گھوڑی چنے کے کھیت میں۔"

حمید نے ٹھمک ٹھمک کر ناچنا شروع کر دیا۔ "نندی تیری گھوڑی چنے کے کھیت میں۔"

ڈاڑھی والا اُسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

"اور بکو......!" حمید کچھ دیر خاموش رہ کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "اگر تم میری قابلیت کا امتحان لینا چاہتے ہو تو یہ بھی سہی۔ میں دنیا کے سارے علوم کے متعلق تمہیں چیلنج کر سکتا ہوں۔"

ڈاڑھی والے کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ اس نے ان تینوں آدمیوں سے کہا۔

"اسے ریڈ وارڈ میں لے چلو۔"

حمید اب پھر گھسیٹا جانے لگا۔ لیکن اب وہ گالیاں بکنے کے بجائے کسی دیش سیوک کی طرح حب الوطنی پر تقریر کررہا تھا۔ آخر اس نے بڑے شاندار لہجے میں کہا۔ ”تم نے ایک کو سولی دی، ایک کو زہر پلایا تھا، ایک کے سینے میں خنجر اُتارا تھا...... لیکن میں نہ زہر سے مرسکتا ہوں اور نہ خنجر سے۔ میں تمہاری موت کا پیام ہوں۔“

ہال سے گذر کر وہ ایک طویل سرنگ میں چلتے رہے پھر ایک محراب میں داخل ہوکر ایک بڑے کمرے میں آئے جو اپنے لوازمات کی بناء پر کسی قسم کی لیبارٹری معلوم ہورہا تھا۔

یہاں پانچ یا چھ سنجیدہ صورت آدمی پہلے ہی سے موجود تھے۔ اُن میں سے ایک کو حمید نے فوراً ہی پہچان لیا۔ وہی بوڑھا تھا جس نے دربار میں زیروتھری نامی مشین کا مظاہرہ کیا تھا۔

ڈاڑھی والے کو دیکھ کر وہ سب مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہوگئے۔

”اس آدمی کی ذہنی حالت کی رپورٹ چاہئے۔“ اس نے حمید کی طرف اشارہ کیا اور لیبارٹری سے نکل گیا۔ وہ تین آدمی جو حمید کو یہاں تک لائے تھے موجود رہے۔

حمید نے سوچا یہ بہت بُرا ہوا۔ اب پول کھل جائے گی۔ جن لوگوں کے پاس زیروتھری جیسی حیرت انگیز مشینیں ہوں ان کے پاس ذہنی حالت پرکھنے کے اعلیٰ ترین آلات کی کیا کمی ہوسکتی ہے۔ حمید کو فوراً ہی ایک دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کمرے میں عجیب طرح کی روشنی تھی جو نہ روشنی معلوم ہوتی تھی اور نہ تاریکی۔

حمید کو ایکسرے سے ملتی جلتی ایک مشین میں کھڑا کردیا گیا۔ مشین میں ہلکی سی گھرگھراہٹ پیدا ہوئی اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا ذہن خود اسی پر آئینہ ہوگیا ہو۔ گرمی کے مارے اس کا دم گھٹنے لگا۔ حلق خشک ہوگیا اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اس پر غشی طاری ہوتی جارہی ہو۔ شائد تین منٹ بعد اسے مشین سے نکال لیا گیا اور حمید نے پھر اپنی بکواس شروع کردی۔ لیکن سب فضول...... وہ سوچ رہا تھا کہ ابھی ساری حقیقت ظاہر ہوجائے گی اور انجام...... انجام خدا جانے کیا ہو۔

کمرے سے وہ پھر لیبارٹری میں لایا گیا۔ اب اس نے دیکھا کہ اس کی ذہنی حالت کی جانچ کرنے والا بھی وہی بوڑھا تھا جس نے اُسے زیروتھری نامی مشین کے کرتب دکھائے تھے۔

اس نے جلدی جلدی ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر ایک آدمی کے حوالے کیا جو فوراً ہی لیبارٹری سے باہر چلا گیا۔ حمید کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں میں سے اب دو ہی باقی رہ گئے تھے۔

شاید پانچ یا چھ منٹ بعد وہ آدمی واپس آ گیا اور اس نے کاغذ بوڑھے کو واپس کردیا۔ بوڑھے نے پشت پر لکھی ہوئی عبارت پڑھی اور اُن آدمیوں سے بولا۔

”اسے میرے ساتھ لاؤ۔“

حمید کو پھر ایک طویل سرنگ سے گذرنا پڑا لیکن نہ تو یہاں گرمی تھی اور نہ گھٹن کا احساس...... وہ رہے۔ سرنگ کے دائیں اور بائیں جانب دروازوں اور کھڑکیوں کی قطاریں نظر آرہی تھیں۔ یہ سب بھی کمرے ہی میں تھے۔ اس کی عقل کام نہیں کررہی تھی۔ وہ ان لوگوں سے بہت زیادہ ب ہوگیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا کبھی کوئی ان لوگوں کو شکست دے سکے گا۔ ایک کمرے کا دروازہ ے نے کھول کر حمید کو اندر دھکا دے دیا اور پھر دروازہ باہر سے بند کرلیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد زہ پھر کھلا اور بوڑھا اندر داخل ہوا۔

”کیوں...... کیا خیال ہے۔“ اس نے مسکرا کر حمید سے پوچھا۔ ”یہ کھیل جاری ہی رکھو گے یا ال وقتی طور پر مہلت چاہتے ہو۔“

حمید نے جواب میں ”ککڑوں کوں“ کی ہانک لگائی اور یہ سلسلہ جاری ہی رکھنا چاہتا تھا کہ ے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”مجھے بیوقوف بنانا مشکل ہے۔ ویسے میں نے رپورٹ میں یہی لکھا ہے کی اچانک ذہنی دھچکے نے مخبوط الحواس کردیا مگر میرا دعویٰ ہے کہ تم قطعی صحیح الدماغ ہو۔ ویسے یں ایک شاندار ایکٹر ضرور کہا جاسکتا ہے۔“

حمید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا کچھ بولا نہیں۔

خانم کا محل بڑا شاندار تھا۔ یہاں پہنچ کر فریدی کو معلوم ہوا کہ وہ کراغالیوں پر پوری طرح ران ہے۔ فریدی کو ایک کشادہ اور آرام دہ کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ لیکن وہ محسوس کررہا تھا کہ اس حیثیت قیدیوں کی سی ہے۔ وہ کمرے سے تنہا باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ کمرے کے سامنے تین مسلح ڑیوں کا پہرہ تھا جب بھی وہ باہر نکلتا وہ اس کے ساتھ ہوجاتے۔

سرپہر کو پھر اس کی طلبی خانم کے سامنے ہوئی۔ وہ ایک جابر حکمران تھی۔ فریدی نے بھی یہی

انداز ہ لگایا تھا۔ اس وقت وہ ایک بڑے اور اعلیٰ فرنیچر سے آراستہ کمرے میں تنہا تھی۔ اُر دھانی رنگ کے سلک کا ایک لبادہ تھا اور بال کھلے ہوئے تھے اور بلاشبہ وہ حسین نظر آرہی حسین، نزاکت اس میں نام کو بھی نہیں تھی۔

اس نے سر کی جنبش سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ خاموشی سے کمرے میں ٹہلتی رہی پھر یک بیک رک کر بولی۔

"مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے اس سے پہلے تمہیں کہاں دیکھا تھا۔ ویسے میرا خیال میں نے تمہیں بہت دیکھا ہے۔"

"میں کیا عرض کرسکتا ہوں۔ میں نے تو پہلی بار کراغال میں آنکھیں کھولی ہیں۔ آنکھ ہی زیادہ موزوں لفظ ہے۔ کیونکہ میرے یہاں پہنچنے میں ارادے کو دخل نہیں تھا۔"

"ادھر دیکھو......!" دفعتاً خانم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کراغالی ناقابلِ تسخیر ہیں قوت نے ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی تو اسے پچھتانا پڑے گا۔ ہمارے پہاڑ اچھی طرح ہماری کرسکتے ہیں۔ ایک بار ہمارے سات آدمیوں نے ڈھائی سو سفید فام فوجیوں کا خاتمہ کردیا فوجی جدید ترین اسلحہ سے لیس تھے۔ ان کے پاس بھاری گولے پھینکنے والی توپیں بھی تھیں۔ ہوائی جہاز تھے لیکن ہمارے صرف سات آدمیوں نے انہیں بھاگنے پر مجبور کردیا تھا اور اب نے ہماری طرف دیکھنا شروع کیا ہے جو دراصل اب بھی سفید فاموں کے محتاج ہو۔"

"اگر آپ کو اب بھی میری نیت پر شبہ ہے تو میں کسی قسم کی صفائی پیش کرنا فضول سمجھتا ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"اس صورت میں انجام بخیر نہیں ہوسکتا۔"

"یہ بھی کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس کے لئے مجھے پریشانی ہو۔ میری نظروں میں صرف اس حادثے کا نام ہوگا جو پوری زمین کے چیتھڑے اڑادے۔ نہ صرف زمین بلکہ کائنات کے خاتمے کا نام انجام ہوسکتا ہے۔"

"بہت اونچی باتیں کرلیتے ہو۔" خانم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اونچی نہیں یہ تو بہت معمولی باتیں ہیں۔ ایک میرے مرنے سے زندگی کا خاتمہ نہیں ہو گا۔"

"میں نے تمہیں اس لئے طلب نہیں کیا کہ تم مجھے فلسفہ پڑھاؤ۔"

"یہ ایک سیدھی سادی بات تھی۔ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ میری نظروں میں موت کی نہیں ہے۔"

"تم پہاڑوں کے پیچھے والے دیس کے جاسوس ہو۔"

"میں کچھ بھی ہوں لیکن مجھے کراغالیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"تو تم اسے تسلیم کرتے ہو کہ تم جاسوس ہو۔"

"میں کوئی ایسی بات تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں جس کا آپ سے کوئی سروکار نہ ہو۔"

"تم کراغال کی خانم سے گفتگو کررہے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ مجھ سے ابھی تک کوئی گستاخی سرزد نہیں ہوئی۔ ویسے میں ایک پیشین گوئی کروں گا۔"

"کیا......؟"

"آپ کے وہ نامعلوم دشمن جن کی حیرت انگیز سیٹی کا تذکرہ آپ نے کیا تھا عنقریب آپ کے لئے مصیبت بننے والے ہیں۔"

"کیا مطلب......؟"

"وہ ایک ایسے علاقے کی تلاش میں ہیں جہاں سے ہماری حکومت کے خلاف فتنے لیں۔"

"پھر......!"

"پھر یہ کہ اگر کراغالی کی خانم نے دانش مندی سے کام نہ لیا تو کراغال کا بھی وہی حشر ہوگا جو مقلان کا ہوا تھا۔ بوڑھا خان اعظم آج بھی اپنے جوان بیٹے کا داغ سینے پر لئے زندہ ہے۔"

"تم نصرت خان کا تذکرہ کررہے ہو شائد۔"

"ہاں......میں اسی کا تذکرہ کررہا ہوں۔ وہ ایک سیدھا سادہ مگر دلیر آدمی تھا۔ چند شیطانوں نے اپنا الّو سیدھا کرنے کے لئے اسے غلط راستوں پر ڈال دیا۔ مقصد یہی تھا کہ قلعہ مقلان پر ان کا ہوجائے۔"

"ہاں......ہاں......یہ داستانیں میرے کانوں تک پہنچی ہیں۔"

"اس تنظیم کا سرغنہ مار ڈالا گیا تھا لیکن تنظیم بدستور قائم تھی اور میرا خیال ہے کہ ا
پکڑتی جا رہی ہے۔"

"تو یہ حیرت انگیز سیٹی والے......؟"

"میرا خیال ہے کہ یہ اسی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں اور ہاں...... آپ نے مجھے
دکھانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"مگر تم یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو۔"

"میں اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ میں بھی انہیں کے ہاتھوں زخمی ہوا تھا۔"

"میں نہیں سمجھتی کہ تمہارے بیان پر کیوں یقین کرلیا جائے۔"

"نہ کیا جائے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور خانم پھر جھنجلا گئی۔ شاید اسے ا
فریدی خود کو خطرے میں دیکھ کر رو دے گا۔ گڑگڑائے گا۔ رحم کی بھیک مانگے گا اپنی معصو
کرنے کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دے گا۔

"کرانامالی فوراً ہی ہلاک نہیں کر دیتے۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"اذیتیں دے کر مارتے ہوں گے۔" فریدی نے پھر لاپروائی کا اظہار کیا اور خانم
میں دیکھنے لگا۔ لیکن خانم زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکی وہ بغلیں جھانکنے لگی۔ پھر اس نے تالی بجا
خادم پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا۔

"یوسف خان سے کہو کہ وہ رائفل پیش کرے۔" خانم نے کہا۔ خادم تعظیماً جھکا اور ا
باہر نکل گیا۔

"ایک رائفل ہی پر کیا منحصر ہے۔ معزز خانم...... ان لوگوں کے پاس حیرت ا
ہیں۔ وہ آدمیوں کو کوئلوں کے بتوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔"

"کیا......؟" دفعتاً خانم چیخ کر کھڑی ہوگئی۔ اسکی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی ہوئی

"ہاں...... میں غلط نہیں کہتا...... ان کے پاس دنیا کے بہترین دماغ ہیں جو ش
کے لئے محنت کرتے ہیں۔ شاید وہ لوگ قوت میں آنے کے بعد ساری دنیا پر چھا جائیں۔

"لیکن تم نے ابھی کوئلے کے مجسمے کے بارے میں کیا کہا تھا۔"

"یہی کہا تھا کہ ان کے اسلحے آدمی کو کوئلے کے مجسمے میں تبدیل کر سکتے ہیں۔"

"تمہیں کیا معلوم...... کیا تم کسی ایسے حربے سے واقف ہو۔"

"نہیں...... لیکن ایک ایسا مجسمہ دیکھ چکا ہوں۔"

خانم سر پکڑ کر کرسی میں گر گئی۔ اس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ اس تذکرے سے آپ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچی ہے۔"

فریدی نرم لہجے میں بولا۔

خانم نے ہاتھ ہلا کر اُسے جانے کا اشارہ کیا۔ فریدی اس کے اس رویہ پر متحیر رہ گیا۔ کوئلے کے مجسموں کا نام سنتے ہی وہ چیخی تھی اور پھر بے حس و حرکت ہو کر کرسی میں گر گئی تھی۔

فریدی چپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔ دونوں سنتری کمرے کے باہر موجود تھے۔ وہ ان کے ساتھ بھی خاموشی ہی سے چلتا رہا۔ خانم کا رویہ عجیب و غریب تھا۔ اس نے شائد وہی رائفل طلب کی تھی لیکن کوئلے کے مجسمے کا تذکرہ آتے ہی اس طرح بدحواس کیوں ہوگئی۔

فریدی الجھن میں پڑ گیا۔

محل میں شور

حمید اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ بوڑھے کی بات فوراً ہی تسلیم کر لیتا۔ اس نے مسکرا کر سینہ پیٹتے ہوئے اُسے آنکھ ماری اور دو تین عاشقانہ اشعار پڑھ دیئے۔

"میں تمہارا ہمدرد ہوں۔" بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے ہمدرد کا باپ ہوں...... آگے چلو۔"

"تم پاگل نہیں ہو۔" بوڑھا مسکرایا۔

"تم بھی پاگل نہیں ہو۔" حمید بھی اُسی انداز میں کہہ کر مسکرایا۔

"اگر تم نے سیدھی طرح مجھ سے گفتگو نہ کی تو بھگتو گے۔"

"اگر تم نے مجھ سے گفتگو کی طرح سیدھی نہ کی تو...... بھگتو...... بھگتو...... بھگتو......ا ر بھگتو......بھئی بھگتو......بھگتو......بھگتو گے۔"

وہ "بھگتو، بھگتو" کی گردان کرتا ہوا ناچنے بھی لگا تھا۔ ویسے اس گھٹیا پن پر اس کا دل رو رہا تھا۔

"تو تم یوں نہیں مانو گے۔"

"پھر کیسے مانوں گا۔" حمید نے غرا کر سوال کیا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔"

"جلدی بتاؤ...... بتاؤ جلدی......اتنی دیر۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم خطرناک پاگلوں میں سے نہیں ہو۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم خطرناک پاگلوں میں سے نہیں ہو۔" حمید نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"اچھا ٹھہرو......!" بوڑھے نے کہا اور کمرے کا دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

حمید سخت الجھن میں تھا کہ وہ اسے جان سے نہیں مارنا چاہتے ورنہ اتنی دیر تک زندہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر صرف فریدی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے زندہ رکھنا بھی سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔

بہر حال اس نے تہیہ کرلیا کہ جب تک اوسان بجا رہیں گے ہر طرح ان کا مقابلہ کرتا رہے گا۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا۔ لیکن اس بار حمید کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ آنے والی ایک لڑکی تھی اور یہ کہنا حماقت ہی ہوگی کہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ دنیا کی ساری لڑکیاں خوبصورت ہی ہوتی ہیں کم از کم حمید کی نظروں سے تو آج تک کوئی بدصورت لڑکی نہیں گذری تھی۔

یہ واقعی امتحان کا وقت تھا۔ حمید بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پتھر کے بت کی طرح...... حتیٰ کہ اس کی آنکھیں بھی متحرک نہیں تھیں۔

لڑکی آہستہ آہستہ اس کے قریب آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "اب یہ قصہ ختم کردیجئے۔ ہم آپ کو کسی طرح بھی ضائع نہ ہونے دیں گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن اب اس کی پلکیں جھپکنے لگی تھیں۔

"میں آپ سے استدعا کرتی ہوں۔ ویسے آپ شوق سے پاگل بنے رہئے گا۔ اسی میں آپ کی بہتری ہے لیکن میں اور ڈاکٹر زبیری آپ کے دوست ہیں۔ ہم سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں

ہم جانتے ہیں کہ آپ کیپٹن حمید ہیں اور کرنل فریدی ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگے۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ اس کے ذہن پر سے گویا ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔

"ان کا دعویٰ ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "کہ انہوں نے کرنل کو گولی ماردی لیکن انہیں لاش نہیں مل سکی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بچ نکلے ہوں گے۔"

حمید اب بھی خاموش رہا۔

"آپ بولتے کیوں نہیں۔"

"میں آدمی نہیں ہوں۔" حمید نے بھرائی ہوئی دردناک آواز میں کہا۔ "میں پرندہ ہوں۔ ننھا سا پرندہ میری ماں مجھے گھونسلے میں چھوڑ کر چلی جاتی تھی۔ دن بھر اڑتی رہتی تھی۔ پھر شام کو واپس آتی۔ ہم کئی ننھے ننھے بچے گھونسلے سے سر نکال کر اپنی چونچیں پھیلا دیتے اور کپکپاتے رہتے...... چیختے رہے۔ حتیٰ کہ وہ ہمارا پیٹ بھر دیتی۔ میری ماں ملکہ کائنات ہے۔ پھر مجھے ڈاڑھی والوں نے پکڑ لیا ماں......ملکہ کائنات...... مجھے بچالو...... بچالو۔" حمید دردناک آواز میں چیختا کراہتا رہا۔

لڑکی کے چہرے پر کچھ ایسے آثار نظر آنے لگے جیسے اسے بھی حمید کے پاگل پن پر یقین آ گیا ہو۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں مایوسی کے گہرے بادل دیکھے اور وہ سوچنے لگا ممکن ہے یہ لڑکی تنظیم کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوگئی ہو۔ ہوسکتا ہے بوڑھا انجینئر بھی ان زیر زمین فضاؤں میں تنگ آ گیا ہو اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اس بھیڑ میں سبھی خوشی سے کام کررہے ہوں۔ بہتیرے ایسے بھی ہوں گے جنہیں زبردستی مجبور کیا گیا ہوگا۔

حمید نے پھر لڑکی کی طرف دیکھا جو اب خوفزدہ بھی نظر آنے لگی تھی اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھسک رہی تھی۔

"ٹھہرو......تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

لڑکی رک گئی۔

"صرف یہ کہ آپ پاگل نہیں ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب اخلاقاً مجھے بھی کہنا پڑے گا کہ تم بھی پاگل نہیں ہو۔"

لڑکی ہنس پڑی۔

"اب اخلاقاً مجھے بھی ہنسنا پڑے گا۔" حمید نے کہا اور ہنسنے لگا۔ لڑکی اور زور سے ہنسی۔ حمید کی

ہنسی بھی اُسے مناسبت سے تیز ہوگئی۔ ٹھیک اسی وقت بوڑھا انجینئر بھی کمرے میں داخل ہوا لیکن ان دونوں کو پاگلوں کی طرح ہنستے دیکھ کر دروازے ہی پر ٹھٹک گیا۔

"کیا یہ حضرت اب بھی راہ پر نہیں آئے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا اور حمید نے اپنی ہنسی میں بریک لگا دیا اور دوسرے ہی لمحے میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ہنسی تو الگ رہی وہ سالہا سال سے مسکرایا بھی نہ ہو۔

"کیپٹن......!" بوڑھے نے کہا۔ "یقین کرو ہم دونوں تمہارے دوست ہیں۔"

"یقین کرلوں۔"

"ہاں کیپٹن۔"

"اچھا......تو کرلیا یقین......پھر......!"

لڑکی جو اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی بولی۔ "یہاں اس زیرِ زمین دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی مرضی سے یہاں نہیں آئے۔"

"ہوسکتا ہے۔"

"ان کی خواہش ہے کہ وہ اس جنجال سے نکل جائیں۔"

"تو انہیں نکل جانا چاہئے۔" حمید نے بڑی سادگی سے کہا۔

"یہ آسان کام نہیں ہے کیپٹن۔" لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ "اگر یہ ہمارے امکان میں ہوتا تو کبھی کے نکل گئے ہوتے۔"

"تو پھر مجھ سے ہمدردی کرنے کا کیا مقصد ہے۔ کیا یہ میرے امکان میں ہے۔"

"ہے قطعی ہے۔" بوڑھا بولا۔ "تم یہ نہ سمجھو کہ تم یہاں مار ڈالے جانے کے لئے لائے گئے ہو۔ اگر یہ بات ہوتی تو یہاں تک لانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

"پھر یہاں لانے کا کیا مقصد ہے۔"

"تم یہ بھی جانتے ہو کپتان کہ تم کن لوگوں میں ہو۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"حالانکہ پہلے بھی تم لوگ ان لوگوں سے ٹکرا چکے ہو۔"

"اچھا......!" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم نہیں سمجھ سکے۔" بوڑھے نے پوچھا۔

حمید جواب نہیں دے پایا تھا کہ اچانک کمرے کے کسی گوشے سے ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز آئی اور بوڑھا یک بیک حمید پر ٹوٹ پڑا۔ پہلے اس نے دو چار مکے مارے اور پھر نیچے گرا دینے کی کوشش کرنے لگا۔ حمید اس اچانک حملے پر بوکھلا گیا ساتھ ہی اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ بوڑھا کمزور بھی نہیں ہے۔

اب وہ دونوں اچھی طرح ایک دوسرے سے لپٹ پڑے تھے اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ لڑکی چیخ رہی تھی۔

اچانک باہر سے کسی نے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ لڑکی نے بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں دروازہ کھولا اور دو مسلح آدمی اندر گھس آئے۔

انہوں نے بمشکل تمام دونوں کو الگ کیا۔

بوڑھا ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "لے جاؤ......اسے تین نمبر میں رکھو...... یہ خطرناک ہوتا جارہا ہے۔ انتہائی خطرناک۔"

حمید بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

فریدی کے سگار کیس میں آخری سگار رہ گیا تھا۔ اس نے اسے بڑی حسرت سے دیکھا اور سگار کیس ایک طرف ڈال دیا۔ اس نے خانم کے محل میں ابھی تک کسی کو تمباکو پیتے نہیں دیکھا تھا۔ ایسی صورت میں اُسے حقیقتاً تھوڑی بہت تکلیف اٹھانی پڑتی۔ وہ تھوڑی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا پھر ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اب وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مگر گلوخلاصی کی کیا صورت ہوگی۔ یہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

خانم بڑی سفاک عورت معلوم ہوتی تھی اور اس کے آدمی چالاک تھے۔ پھرتیلے تھے۔ وہ عقاب کی سی آنکھیں رکھتے تھے۔ پچھلی رات ان کی مستعدی کا اندازہ کرنے ہی کے لئے فریدی نہیں سویا تھا۔ وہ بار بار اٹھ کر کھڑکی کے قریب آتا اور سنتریوں کو ٹہلتا ہوا پاتا۔ رات کو ان کی تعداد تین

سے بڑھا کر دس کر دی گئی تھی، نہ وہ آپس میں گفتگو کرتے اور نہ برآمدے سے ہٹ کر کہیں جاتے۔ اس سے فریدی نے اندازہ کر لیا تھا کہ خانم ایک بہت اچھی منتظم ہے اور اس کے آدمی سے خائف رہتے ہیں۔

ابھی تک فریدی کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس کی ہر ضرورت ایک اشار پوری ہو جاتی۔

فریدی نے سوچا اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ کراغالی بیرونی دنیا سے بھی کچھ تعلق رکھتے ہیں خود ہی اپنے کفیل ہیں۔ سنی ہوئی باتیں اکثر غلط بھی ہوتی ہیں۔ بہر حال سگار ہی کا مسئلہ اس پر روشنی ڈال سکتا تھا۔ اگر اسے یہاں سگار دستیاب ہو جائیں تو یقینی طور پر یہ کہا جا سکے گا کہ کراغالی بیرونی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔

وہ ابھی ابھی خانم سے مل کر واپس آیا تھا اور خانم کے رویئے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہتا تھا۔ اس پر تو اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کے شکار وادی کراغال سے زیادہ دور نہیں ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کراغال کے پہاڑوں میں بھی انہوں نے اپنے مسکن بنا رکھے ہوں۔ اسے اس پر بھی یقین تھا کہ گڈھ کی پہاڑیوں سے یہاں تک وہ زیادہ دور نہ بہا ہوگا اگر کسی طرح یہاں سے رہائی کی صورت ممکن ہوتی تو وہ ندی پر چھان بین کرتا۔ فریدی سوچتا رہا اور بے خیالی میں اکلوتا سگار لگا لیا۔ جس کے بعد اچھا تمباکو نصیب ہونے کی توقع نہیں تھی۔

اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ......!" فریدی نے کہا۔

دوسرے لمحے میں خانم کا بوڑھا مشیر یوسف خاں کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے تیور اچھے نہ تھے۔

"میں تم سے کھلی ہوئی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" یوسف خاں غرایا۔

"میں کھلی سے بھی زیادہ کے لئے تیار ہوں...... خان۔" فریدی نے لاپروائی سے سگار کا دھواں منتشر کرتے ہوئے کہا۔ "مگر دیکھو خاں...... یہ میرا آخری سگار ہے۔ اس کے بعد مجھے کافی پریشانی اٹھانی پڑے گی۔"

"منگوا دیا جائے گا۔" یوسف خاں نے بیزاری سے کہا۔

"خیر...... ہاں تو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"تم نے خانم سے کیا کہا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں...... ہم دونوں گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً خانم نے چلے جانے کو کہا اور میں وجہ پوچھے بغیر چلا آیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ انہوں نے مجھے اس طرح کیوں اٹھا دیا تھا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے۔"

"کس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔"

"بس یہی میری موجودہ حالت کے متعلق۔ خانم مجھے اب بھی اپنے کسی دشمن کا ایجنٹ سمجھتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اب میں اس سلسلے میں کوئی گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتا۔ تم لوگ یقین کرو گے نہیں۔ پھر میں اپنا وقت کیوں برباد کروں۔"

"ہم اگر یقین نہ کریں تو اس صورت میں کیا ہوگا...... جانتے ہو......؟" یوسف خاں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں آں......!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اس صورت میں تم لوگ مجھے مار ڈالنے کی کوشش کرو گے۔"

"کوشش نہیں کریں گے بلکہ مار ڈالیں گے۔"

"اُسی طرح جیسے ایک حقیر سی چیونٹی کو مار ڈالتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"یقیناً اسی طرح۔"

"لیکن میں چیونٹی نہیں ہوں یوسف خاں...... تمہارے دیس میں تنہا ہوں پھر بھی میں خود کو چیونٹی نہیں سمجھ سکتا۔"

"اچھا...... ہم یہ بھی دیکھ لیں گے۔" یوسف خاں نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

"آہا...... ٹھہرو...... یوسف خاں...... اب یاد آ گیا۔ خانم گفتگو کرتے کرتے اچانک کچھ پریشان سی ہو گئی تھیں اور میں اس وقت کوئلے کے مجسموں کا تذکرہ کر رہا تھا۔"

"کوئلے کے مجسمے...... میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ ایک ایسا مجسمہ جو ہو بہو تمہاری تصویر ہو لیکن وہ کوئلے کو تراش کر بنایا گیا ہو۔"

خان یوسف جھنجھلاہٹ کے باوجود بھی مسکرا پڑا اور پھر بولا۔ "اب تم شائد یہ ظاہر کرنا چاہتے

ہو کہ تمہارے دماغ میں فتور ہے۔ مگر اس طرح تم اپنی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے تمہیں اس چیز کا شبہ ہو سکے۔ (خانم) نے تو وہ بات کہی تھی جس پر خانم پریشان ہو گئی تھیں۔"

"بہر حال......!" خان یوسف تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تمہیں صرف چوبیس گھنٹے اور دیئے ہیں۔ اگر تم نے ہمیں اپنی اصلیت سے آگاہ نہ کیا تو چوبیسویں گھنٹے کے بعد کبھی نہ آگاہ کر سکو گے۔"

"یعنی پچیسواں گھنٹہ شروع ہوتے ہی قبر میں ہوں گا۔"

"نہیں......!" یوسف خان نے لاپروائی سے کہا۔ "خانم کے خونخوار کتے ہمیں قبر کھودنے کی محنت سے بچا لیتے ہیں۔"

"اچھا......!" فریدی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "لیکن کتوں کی غذا بننے سے پہلے مجھے ابا لنا مت بھولنا ورنہ ان کا ہاضمہ خراب ہو جائے گا۔ میں کچھ اس قسم کا آدمی ہوں۔"

"مجھ سے کام کی بات کرو۔" یوسف خاں جھلا گیا۔

"کیا میں نے ابھی تک تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں...... ہمیں اس کے علاوہ اور کسی بات سے سروکار نہیں ہے کہ تم یہاں کیوں کر آئے ہو۔"

"اللہ کی مرضی......اپنے پیروں سے چل کر تو آیا نہیں۔"

"یہ ایک بڑا اچھا بہانہ ہے۔" خان یوسف نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "مگر اب بہت پرانا ہو چکا ہے۔ جب تمہارے دیس پر سفید کتوں کی حکومت تھی اس وقت بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ سفید کتوں کا ایک غلام ہماری جاسوسی کی غرض سے یہاں آ گھسا تھا اس کے جسم پر سینکڑوں زخم تھے اور وہ جاں بلب ہو رہا تھا۔ ہم ترس کھا کر اسے اٹھا لائے اور اس نے ہوش میں آنے کے بعد بتایا کہ اسے دور کے پہاڑوں میں بھیڑیوں کے ایک جھنڈ نے گھیر لیا تھا۔ ہم نے اس کی باتوں پر یقین کر لیا۔ اس کی تیمار داری کرتے رہے۔ اس کے آرام و آرائش کا خیال رکھا۔ مگر اس کتے کی حقیقت بعد میں ظاہر ہوئی۔ وہ سفید فاموں کا جاسوس تھا۔ کراغال میں بغاوت کرانا چاہتا تھا۔ ہمیں تباہی کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ جس دسترخوان پر اس کا پیٹ بھرا جاتا تھا اس پر اس نے غلاظت پھیلانے کی کوشش کی......اب تم آئے ہو۔"

"پھر تم نے اسے کیا سزا دی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"خانم کے خون خوار کتے اگر زبان رکھتے ہوتے تو تمہیں بتاتے۔"

"اچھی بات ہے اگر تم مجھے کراغال کے لئے خطرہ سمجھتے ہو تو ان خونخوار کتوں کے لئے ایک مثال اور قائم کر دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"زبانی طراریاں بھول جاؤ گے۔" خان یوسف غرایا۔ "میں تمہیں صرف چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔"

وہ اٹھا اور پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ فریدی نے بجھا ہوا سگار دوبارہ سلگایا۔ دو تین گہرے گہرے کش لئے اور آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ اس کے بائیں بازو کا زخم دکھ رہا تھا۔

اچانک اس نے شور کی آواز سنی۔ محل ہی کے کسی گوشے میں شور ہو رہا تھا۔ کمرے میں ٹہلنے والے سنتری سنبھل کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ شور کچھ اسی قسم کا تھا کہ سنتریوں کو دریافت حال کے لئے دوڑنا چاہئے تھا لیکن شائد وہ اپنا فرض بجا لانے کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ شور دم بدم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آہستہ آہستہ پورے محل میں پھیلتا جا رہا ہو۔

برج میں ہنگامہ

حمید اب سچ مچ پاگل ہو جانے کے "موڈ" میں تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جو بھی سامنے پڑ جائے اس کے ٹکڑے اڑا دے۔

وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ اس زیر زمین دنیا کے دو افراد اس کے ہمدرد ہو گئے ہیں لیکن شائد یہ بھی ان کی کوئی چال تھی۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔

اسے اب ایک کٹہرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ کٹہرا بالکل ویسا ہی تھا جیسے چڑیا گھروں میں خونخوار جانوروں کے رکھنے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اس پر اسے اور زیادہ غصہ آیا۔ یہ جگہ کچھ نیم

تاریک سی تھی اس لئے حمید نے سمجھا کہ شائد وہ یہاں تنہا ہی ہوگا لیکن تھوڑی دیر بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوگئیں تو اس نے محسوس کیا کہ وہاں تنہا نہیں ہے۔ یہاں ویسے درجنوں کٹہرے تھے اور شائد ان میں آدمی ہی بند تھے۔ کچھ دیر بعد رہا سہا شبہ بھی زائل ہوگیا۔ ان کٹہروں میں آدمی ہی تھے۔

یک بیک اندھیرے میں چیخ لہرائی اور کسی کٹہرے ہی سے کوئی آدمی حلق پھاڑنے لگا۔ "کائنات کی ایسی کی تیسی..... سب فراڈ ہے..... تم سب فراڈ ہو..... میرے بیٹے..... میرے بیٹے۔"

پھر وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگا اور تھوڑی دیر بعد پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہوگیا۔ حمید سخت الجھن میں تھا۔ اتنے بڑے مجرم آج تک اس کی نظروں سے نہیں گذرے تھے۔ کبھی کبھی یہ بھی سوچنے لگتا کہ کہیں یہ سب ایک طویل اور مسلسل خواب تو نہیں ہے مگر خواب میں بھی ایسے مجرموں کے وجود پر یقین نہ آتا۔

وہ رات بھر مختلف قسم کی چیخیں سنتا رہا۔ لیکن نیند بہرحال نیند ٹھہری۔ پھانسی کے تختے پر بھی آجاتی ہے۔ دوسری صبح جب وہ جاگا تو نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے ابھی ابھی پیدا ہوا ہو۔ اسے اپنے گردوپیش کی ہر چیز بالکل نئی اور عجیب معلوم ہورہی تھی۔ حالانکہ اب بھی وہ اسی کٹہرے میں تھا جس میں پچھلی رات بند کیا گیا تھا۔ اب اس وقت اسے سارے کٹہرے نظر آرہے تھے۔ ان میں آدمی ہی تھے مرد اور عورتیں۔ ان کی حالت تباہ تھی اور آنکھوں سے ایسی وحشت جھلکتی تھی جیسے وہ سچ مچ جانور ہی ہوں۔ ایک کٹہرے میں حمید کو ایک جانور بھی نظر آیا۔ یہ گدھا تھا۔ اس کی موجودگی حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ ویسے تو کچھ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہ سب ذہنی فتور ہی میں مبتلا ہیں۔ مگر گدھا کیوں..... اس کا کیا مقصد ہے؟

اچانک بچوں کی ایک فوج وہاں گھس آئی۔ وہ سب دس گیارہ سال سے زیادہ کے نہ رہے ہوں گے۔ انکے جسموں پر سیاہ قمیصیں اور سفید ہاف پینٹ تھے۔ ایک آدمی بھی ان کے ساتھ تھا۔

ان بچوں نے اپنے ہاتھوں میں ننھی ننھی جھابیاں لٹکا رکھی تھیں جن میں پھل تھے۔

"یہ کون ہے..... یہ کون ہے۔" بچوں نے حمید کے کٹہرے کے سامنے رک کر شور مچایا۔

"یہ.....!" ان کے ساتھ کے آدمی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کرتے ہوئے کہا۔ "نیا آدمی آیا ہے۔"

"اس کا نام کیا ہے۔" بچوں نے پوچھا۔

"کیپٹن حمید.....!" آدمی نے گدھے کے کٹہرے کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "یہ بھی اسی کی ترقی یافتہ نسل سے ہے۔ اب تم بتاؤ کہ ترقی کسے کہتے ہیں..... اے..... تم بتاؤ۔"

جس لڑکے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس نے کہا۔ "یہ ایک لفظ ہے جس کے معنی ہیں دھوکا۔ ترقی یافتہ گدھا اسے کہتے ہیں جو اصل مقصد کو تاریکی میں رکھ کر دیدہ دانستہ اس کی غلط دلیلیں پیش کرے۔"

"ٹھیک..... اس نسل کی گدھوں کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟"

"ان کا طرز حکومت جمہوری کہلاتا ہے۔ جس کے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مغز چند آدمیوں کے حصے میں آئے اور ہڈیاں عوام کے آگے ڈال دی جائیں۔ یہ اپنے مسائل طاقت ہی سے حل کرتے ہیں مگر اُسے اشتراک باہمی کا نام دیتے ہیں۔ اس کے حاکم خود کو عوام کا نمائندہ کہتے ہیں۔ عوام ہی انہیں حکومت کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ لیکن یہاں کی مالی قوت ہی ہوتی ہے جو انہیں اقتدار کی کرسی پر پہنچاتی ہے۔ لیکن وہ اسے عوام کی قوت اور رائے عامہ کہتے ہیں۔ حالانکہ رائے عامہ مالی قوت ہی سے خریدی جاتی ہے۔ انہیں منتخب ہونے کے لئے اپنے مخالفوں کے خلاف بڑے بڑے محاذ قائم کرنے پڑتے ہیں۔ ایک خطرناک قسم کی جدوجہد شروع ہوتی ہے اور اس جنگ کو "رائے عامہ ہموار کرنا" کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی طاقت ہی کارفرما ہوتی ہے۔ آخر ایک آدمی مخالفوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔"

"صاحب زادے۔" دفعتاً حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "کیا تم اپنی پیدائش کے حادثے پر بھی روشنی ڈال سکو گے۔ تم بڑے حقیقت پسند ہو۔ مجھے اس کے متعلق بھی بتاؤ۔"

لڑکا خاموش ہوکر اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس نے سوالات کئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حمید کا سوال اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا ہو۔ اس آدمی نے حمید کی طرف مسکرا کر دیکھا اور حمید کو یاد آگیا کہ وہ تو پاگل تھا۔ یہ چال بھی اس کے امتحان ہی کے لئے چلی گئی ہو۔ یک بیک اس نے کٹہرے کی دو سلاخوں کو مضبوطی سے پکڑ کر آگے کی طرف جھکتے ہوئے کتوں کی طرح بھونکنا شروع کردیا۔

لڑکے تالیاں بجا بجا کر ہنسنے لگے۔ انہوں نے پھلوں سے اس پر نشانے لگائے اور کٹہرے میں

کافی پھل اکٹھا ہو گئے۔ حمید رات سے بھوکا تھا۔ لیکن اس نے ان میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ دوسرے کٹہروں سے شور ہونے لگا۔ "ادھر آؤ...... ادھر آؤ۔"

شاید وہ لوگ بھی بھوکے تھے اور انہیں اسی طرح کھانے کو کچھ مل جاتا تھا۔

بچوں نے دوسرے کٹہروں میں بھی پھل پھینکنے شروع کر دیئے اور وہ لوگ سچ مچ جانوروں کی طرح ان پھلوں پر ٹوٹ پڑے۔ بندروں ہی کی طرح جلدی جلدی انہیں کچلتے ہوئے حلق سے اتارنے لگے۔

اسی شور میں گدھے نے بھی رینکنا شروع کر دیا۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ حمید کا دل ان آدمیوں کے لئے درد سے بھر گیا جو کٹہروں میں مقید جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ وہ گم سم کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ شور آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

بچوں کی فوج تھوڑی دیر بعد وہاں سے چلی گئی اب وہاں پھر سناٹے کی حکمرانی تھی۔ وہ لوگ سچ مچ جانور ہی معلوم ہوتے تھے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور یا تو منہ پھیر لیتے یا سر کھجانے لگتے۔ انکی آنکھوں میں اداسی تھی اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے سخت بیزار معلوم ہوتے تھے۔

حمید کے سامنے والے کٹہرے میں ایک معمولی شکل صورت والی لڑکی تھی۔ اس نے اوروں کی طرح پھل نہیں کھائے تھے۔ گھٹنوں میں سر دیئے ایک طرف بیٹھی تھی۔ وہ کٹہرا حمید کے کٹہرے سے بہت قریب تھا اس لئے حمید نے سوچا کہ اس لڑکی سے گفتگو کا آغاز کیا جائے۔ وہ یہ جاننے کے لئے بے چین تھا کہ انہیں کٹہروں میں کیوں رکھا گیا ہے۔

بڑی دیر بعد وہ اس لڑکی کو اپنے طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کی آنکھوں میں ایک کرب انگیز سی بے چینی تھی۔

"یہ لوگ اور تم ان کٹہروں میں کیوں ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی سوال آپ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"اوہ...... میں۔" حمید نے جلدی سے کہا "مجھے ابھی نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے مجھے پکڑا کیوں ہے۔ تم شائد زیادہ دنوں سے یہاں ہوں۔"

"جی ہاں...... میں بہت دنوں سے ہوں۔"

"پھر تم مجھے یہ تو بتا ہی سکو گی۔"

"میں نہیں جانتی کہ میرا کیا قصور ہے۔ ویسے انہوں نے مجھ پر پاگل ہو جانے کی تہمت رکھ کر یہاں بند کر رکھا ہے۔"

"پکڑا کیوں تھا۔"

"میں نہیں جانتی۔ میں ایک ریڈیو سنگر ہوں۔ گانے نشر کرنا میرا ذریعہ معاش تھا۔ یہ لوگ مجھے پکڑ لائے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ ہمیں ایک گانے والی کی ضرورت ہے۔ میں نے اس پر احتجاج کیا تو مجھے پاگل قرار دے دیا گیا۔ اب تاوقتیکہ میں اس کا اعتراف نہ کرلوں کہ میرے ساتھ انصاف کیا گیا ہے مجھے اس کٹہرے میں بند رہنا پڑے گا۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ کیا انصاف ہے۔ مجھے بیکراں نیلے آسمان کی خوشگوار چھاؤں سے محروم کر دیا گیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں خود ہی منطقی استدلال سے یہ ثابت کر دوں کہ انہوں نے وہی کیا ہے جو حقیقتاً ہونا چاہئے اور یہ بے انصافی نہیں ہے؟ کیا یہ لوگ صحیح الدماغ ہیں۔"

"تم تسلیم کر لو جو کچھ کہتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں کروں گی...... خواہ یہیں سسک سسک کر مر جاؤں۔"

حمید مغموم انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ آہستہ آہستہ اس خطرناک گروہ کی اصلیت کو پہنچ رہا تھا۔

فریدی نے پہرے داروں سے پوچھا لیکن انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ معلوم کریں۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ پھر فریدی ان کی فرض شناسی پر حیران رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ قبائل ان کے دیس میں نیم وحشی سمجھے جاتے ہیں مگر ان کے اندر نظم و ضبط کی جتنی صلاحیت ہے شائد ہی کسی مذہب قوم میں ہو۔

اچانک اس کی نظر یوسف خان پر پڑی جو سراسیمگی کے عالم میں ایک طرف دوڑا جا رہا تھا۔ فریدی نے اسے روکنا چاہا لیکن اس نے رک کر صرف اتنا ہی کہا کہ تمہارے ساتھ بہت جلد انصاف کیا جائے گا۔

پھر وہ چلا گیا۔ مسلح کراناتالی محل کی چھتوں پر چڑھ رہے تھے۔ دفعتاً گولیاں چلنے لگیں۔ فریدی

بے چین ہو گیا۔ ایسے حالات میں نچلا بیٹھنا اس کے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

پھر اس نے دو کنیزوں کی گفتگو سے اندازہ کیا کہ کسی دشمن قبیلے نے حملہ کیا ہے۔

"کیا تم لوگ مجھے خانم تک نہیں پہنچا سکتے۔" اس نے پہرہ داروں سے کہا۔

"بہتر یہی ہے کہ تم اپنے کمرے میں واپس چلو۔" پہرہ داروں کا انچارج بولا۔

"ورنہ خان یوسف بُری طرح پیش آئیں گے۔"

پھر یک بیک خان یوسف ہی نظر آ گیا۔ اس کے ساتھ دو مسلح سپاہی تھے۔ اس نے آتے ہی فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا اور سپاہیوں کو گرج کر کہا۔ "لے چلو۔"

"کیوں کیا گود میں اٹھا کر لے چلنے کا ارادہ ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں......!" خان یوسف کے منہ سے بے اختیارانہ طور پر نکل گیا۔

"تو چلو...... میں چل رہا ہوں۔ تم خواہ مخواہ بدحواس ہو جاتے ہو۔ میری نیت صاف ہے اس لئے میں تم لوگوں سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔"

وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اوپری منزل پر جانے کے لئے زینے طے کر رہے تھے اوپر پہنچ کر انہیں پھر زینے طے کرنے پڑے وہ ایک کشادہ بُرج تھا اوپر پہنچ کر فریدی نے خانم کو دیکھا جو ایک سوراخ سے باہر فائر کر رہی تھی اس کے ساتھ پانچ آدمی اور بھی تھے۔

فریدی کو دیکھ کر اس نے رائفل رکھ دی اور اسے قہر آلود نظروں سے گھور کر بولی۔

"اب مجھے دیکھنا ہے کہ تم کس طرح ان لوگوں کی مدد کرتے ہو۔"

"میں...... شاید مرتے دم تک آپ کی غلط فہمی نہ رفع کر سکوں۔"

"یوسف خان......!" خانم نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "چار آدمیوں سے کہو کہ اُسے جھولے دے کر حملہ آوروں کی طرف اچھال دیں۔"

"چار کیا شاید دس آدمیوں سے بھی یہ نہ ہو سکے۔" فریدی غرایا۔ "آپ خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہی ہیں۔"

فریدی کی بے باکی خانم اور اس کے مشیر یوسف کو بہت گراں گذری تھی۔ خان یوسف نے پاس کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا اور وہ فریدی کی طرف بڑھے۔

"اچھا اب جو کچھ بھی ہو گا اس کی ذمہ داری خود تم لوگوں پر ہو گی۔" فریدی اپنی جگہ سے ہٹے

بغیر بولا اور جیسے ہی وہ دونوں آدمی اس کے قریب پہنچے اس نے بڑی پھرتی سے ان کے ہولسٹروں پر ہاتھ ڈال دیئے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ خود ہی دونوں کچھ نہ سمجھ سکے۔ ویسے اب وہ زینوں کے قریب پڑے ہوئے تھے اور ان کے ریوالور فریدی کے دونوں ہاتھوں میں تھے جن میں ایک کا رخ خانم کی طرف تھا اور دوسرے کا خود ان دونوں کی طرف۔

"میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔" فریدی نے گرج کر کہا۔ "اپنی رائفلیں چھوڑ کر ہٹ جاؤ۔ ورنہ میں خانم کو گولی مار دوں گا۔ نہیں خان یوسف تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔ اگر میں تم لوگوں کا دشمن ہوں تو سمجھ لو کہ تمہاری شکست ہو گئی۔"

بُرج میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ پانچوں آدمی رائفلیں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"خانم کیا آپ اب بھی زندگی کی توقع رکھتی ہیں۔" فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

خانم کچھ نہ بولی۔ وہ بھی رائفل چھوڑ کر ہٹ آئی تھی۔

دفعتاً فریدی نے دونوں ریوالور زمین پر ڈال دیئے اور مسکراتا ہوا بولا۔

"اب اپنا کام جاری رکھئے اور اگر آپ ایک بے گناہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا ہی چاہتی ہیں تو انہیں حکم دیجئے میرا جسم چھلنی کر دیں۔"

اُن میں سے ہر ایک بت بنا کھڑا رہا۔ نیچے خانم کے آدمیوں نے مورچہ سنبھال رکھا تھا۔ برابر گولیاں چل رہی تھیں۔

"وقت نہ برباد کیجئے۔" فریدی نے رائفلوں کی طرف اشارہ کیا۔

وہ پانچوں پھر اپنی جگہ واپس آ کر فائر کرنے لگے۔ دشمن سامنے والی چٹانوں کی اوٹ سے فائر کر رہے تھے۔ لیکن شائد ان میں بھی پیش قدمی کی ہمت نہیں تھی۔

"مجھے افسوس ہے مہمان۔" خانم آہستہ سے بڑبڑائی۔ اس کی آنکھوں میں خجالت تھی اور چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ خان یوسف اس طرح منہ پھاڑے کھڑا تھا جیسے جسم سے جان نکلتے وقت منہ بند کرنے کی بھی مہلت نہ ملی ہو۔

"تمہارے ذخیرے میں دستی بم نہیں ہیں۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں......!" خان یوسف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بارود ہے...... صرف چار تھیلے...... میں انہیں ابھی پسپا کئے دیتا ہوں۔"

"بارود سے کیا ہوگا۔" خان یوسف نے پوچھا۔

"بس دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔

خان یوسف نے ان دونوں سے بارود کے چار تھیلوں کیلئے کہا اور وہ زینے طے کرتے ہو نیچے چلے گئے۔

"ذرا آپ ایک کارتوس دیجئے۔" فریدی نے خانم سے کہا۔

خانم نے اپنی پیٹی سے ایک کارتوس نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

نہ جانے کیوں اب وہ فریدی سے آنکھیں نہیں ملا رہی تھی۔

فریدی نے کارتوس لے کر دیکھا اور پھر اُسے واپس کرتا ہوا بولا۔ "نہیں یہ کارآمد نہیں ثابت ہوگا۔ وہ دیکھئے جب میں آپ کو بیہوش ملا ہوں گا اس وقت میرے جسم پر کارتوسوں کی دو پیٹیاں رہی ہوں گے۔"

"تھیں شائد......!" خان یوسف بولا۔

"ان میں سے مجھے صرف چار کارتوس منگوادو۔"

"ان کے لئے شاید مجھے ہی جانا پڑے گا۔"

"تو پھر دیر نہ کرو خان۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ لوگ پیش قدمی پر آمادہ ہیں۔"

"تم کیا جانو......!" خانم مڑ کر بولی۔ "تم تو وہاں کھڑے ہو۔"

"میرا تجربہ......آپ کے آدمی ست پڑ رہے ہیں۔ ادھر وہی زور شور ہے۔"

پھر اُس نے یوسف خان سے دوبارہ کہا۔ "جلدی کرو۔"

یوسف خان نیچے چلا گیا۔ خانم پھر مڑ کر فائر کرنے لگی۔ اس کے پانچوں آدمی برابر فائر کئے جا رہے تھے۔

"بارود کیا کرو گے تم......!" خانم نے پھر مڑ کر کہا۔

"آ جانے دیجئے......آپ خود دیکھ لیں گی۔ ویسے کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق آپ نے مجھے بتایا تھا۔"

"نہیں...... یہ ہمارے خراج گذار تھے۔ باغی ہوگئے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ خان کی عدم موجودگی میں خانم کو زیر کرلیں گے۔ حالانکہ ہر کراغالی خان ہی کی طرح دلیر ہے۔"

"انہوں نے پیش قدمی کی ہے۔ چڑھ کر آئے ہیں اس لئے انہیں ضرور سزا ملنی چاہئے۔"

اتنے میں وہ دونوں آدمی واپس آگئے اور ان کے ساتھ بارود کے چار بڑے بڑے تھیلے تھے۔

فریدی نے بارود ڈسٹ کی اور سر ہلا کر بولا۔

"ان تھیلوں کو نیچے والی چھت پر لے چلو......اب تک خان یوسف واپس نہیں آئے۔ ایک سیٹی بھی چاہئے خانم۔"

خانم حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "بگل مل سکے گا۔ میرے سپاہیوں کے سیٹی نہیں ہوتی۔"

"خیر بگل ہی سہی۔"

خانم کی آنکھوں میں پھر بے یقینی جھانکنے لگی تھی۔

دوسرے شعلے کا شکار

اس لڑکی کی گفتگو پر حمید کو بیساختہ کنور شمشاد یاد آ گیا۔ جس نے کہا تھا کہ اس کے مر جانے سے تنظیم نہیں مر سکتی۔ اس کے مرنے پر کوئی دوسرا ہی اس کی جگہ لے لے گا۔ یقیناً یہ وہی لوگ ہیں اور اب ان پر کوئی عورت حکومت کر رہی تھی اور یہ اس سے واقف نہیں ہیں۔

دربار میں اس کی آواز یقینی طور پر کوئی مشینی کارنامہ تھا۔ کنور شمشاد نے بھی اپنے مکان میں بیٹھے ہی بیٹھے فریدی کو نہ جانے کہاں کہاں سیر کرائی تھی۔ تو وہ "طاقت" تھی۔ "طاقت" کو "ملکہ کائنات" کہنا بڑا فلسفیانہ خیال ہے۔ شاید یہ عورت کنور شمشاد سے بھی زیادہ چالاک ہے۔ نہ صرف چالاک بلکہ مغرور بھی کیونکہ اس نے دربار میں نہ تو اُسے مخاطب کیا تھا اور نہ اس کے متعلق کسی سے کچھ پوچھا۔ گویا اس کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ جب اہمیت نہیں تھی تو پھر انہیں پکڑنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی۔

حمید سوچتا رہا۔ سامنے والے کٹہرے کی لڑکی اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "آپ کون ہیں اور یہاں کیوں لائے گئے ہیں۔"

"میں ایک مصور ہوں۔ ان کے ایک آدمی نے مجھ سے اپنی تصویر بنوائی تھی۔ جب تصویر ہوگئی تو مجھ سے کہا گیا کہ اس میں ایک دم لگادو۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ اب آنکھ کھلی تو یہاں کھلی۔ مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ دم کی فرمائش پر میں ہنسا کیوں تھا۔ میں کہتا ہوں وہ ایک مضحکہ خیز فرمائش نہیں تھی۔ اس پر یہ لوگ خفا ہوتے ہیں مجھ سے کہتے ہیں کہ میں ہی ظاہر کروں کہ وہ ایک مضحکہ خیز فرمائش نہیں تھی۔"

لڑکی حیرت سے منہ کھولے سنتی رہی پھر بولی۔ "کیا یہ پاگلوں کا گروہ ہے۔"

"تم نے اُس بچے کی گفتگو سنی تھی۔"

"سنی تھی...... میرا خیال ہے کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی بھی روانی سے ایسے موضوع پر نہیں بول سکتا۔"

"پھر بھی تم انہیں پاگل سمجھتی ہو۔"

"خدا جانے کیا جنجال ہے۔"

"کچھ بھی ہو لیکن اس جنجال سے نکلنا چاہئے۔"

"کیسے نکل سکیں گے۔" لڑکی مایوسانہ انداز میں بولی۔

"تم کچھ کر سکتی ہو...... بہت کچھ......!"

"میں کیا کر سکتی ہوں...... بتایئے۔"

"صبح جو آدمی آیا تھا...... غالباً اس کی پیٹی سے لٹکا ہوا گچھا انہیں کنجیوں کا تھا۔"

"ہاں تو پھر......!"

"تم اسے کسی طرح......!"

"نہیں جناب......!" وہ جلدی سے بول پڑی۔ "یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ میں اس کٹہرے میں مرجانا پسند کروں گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس سلسلے میں اب اور کچھ کہنا بیکار ہی تھا۔ ویسے بھی وہ تجویز فضول ہی تھی۔ اگر وہ کٹہرے سے نکل بھی جاتا تب بھی کیا ہوتا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ بیرونی دنیا تک اس کی رسائی

ہو ہی جاتی۔

لڑکی اس طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی تھی۔ یہاں پھر سناٹا ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی کسی کے چھینکنے یا کھانسنے کی آواز آتی اور پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہو جاتا۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ کم از کم حمید نے کسی کو بھی کسی دوسرے کو مخاطب کرتے نہیں دیکھا تھا۔

حمید بھی تھوڑی دیر بعد اونگھنے لگا۔ اس کے قریب بہت سے پھل پڑے ہوئے تھے لیکن اس نے انہیں چھوا بھی نہیں۔ بھوک بہت شدت سے لگی ہوئی تھی لیکن کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ وہ اونگھتا رہا اور اسی دوران میں وہاں تین آدمی آئے۔ ایک حمید کے کٹہرے کا قفل کھولنے لگا...... وہ چونک پڑا اور ان آدمیوں کو دیکھتے ہی اسے یاد آ گیا کہ وہ پاگل ہے۔

"ڈرائیور سے کہو گیراج سے کار نکالے۔" اس نے اس آدمی سے کہا، جو کٹہرے کا قفل کھول رہا تھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے آدمی نے حمید سے کہا۔

"باہر نکلو......!"

"میں اڑ جاؤں گا۔" حمید نے جواب دیا۔ وہ پیچھے کی طرف کھسک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کٹہرے سے نکلنے پر آمادہ نہ ہو۔

"باہر نکلو ورنہ ہم تمہیں بجلی کے ہنٹر سے ماریں گے۔"

"نہیں بھائی صاحب...... ایسا نہ کرنا...... میں ایڈورڈ ہشتم ہوں۔"

"تم ملکہ وکٹوریہ ہو...... مگر باہر نکل آؤ۔"

"میں ملکہ کائنات کا سالا ہوں...... باہر نہیں نکلوں گا۔ ورنہ تم لوگ مجھے ذبح کر کے کھا جاؤ گے۔ ہرگز نہیں نکلوں گا۔"

انہوں نے اسے کھینچ کر باہر نکال لیا اور وہاں سے نکل کر ایک طرف چل پڑے۔ حمید کو ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آسمان کے نیچے چل رہا ہو کیونکہ راستے میں پھیلی ہوئی روشنی دھوپ سے بہت مشابہ تھی۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ وہاں کے آسمان کی اونچائی فرش سے زیادہ سے زیادہ بیس فٹ رہی ہو۔

یہ تھی تو ٹیوب ہی کی روشنی لیکن اس میں دھوپ کی سی قابل برداشت تمازت بھی تھی۔ وہ چلتے

رہے۔ حتیٰ کہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے۔ شائد یہ ڈسپنسری تھی کیونکہ یہاں چاروں طرف الماریاں اور دواؤں کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔

یہاں حمید کو ایک انجکشن دیا گیا اور وہ لوگ اسے ساتھ لے کر پھر چل پڑے۔ حمید کو اس عظیم الشان تہہ خانے پر حیرت ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں اس میں کتنا پھیلاؤ تھا۔ حمید اندازہ نہ کر سکا۔ کئی جگہ اب بھی پتھر تراشنے کا کام ہو رہا تھا۔ اس نے کئی نامکمل کمرے بھی دیکھے تھے لیکن طریقہ کار بھی انوکھا اور کم وقت لینے والا تھا۔ ایک عجیب وغریب مشین جو پتھر کو اس طرح تراشتی چلی جاتی جیسے موم کے ڈھیر سے تار گذرتا چلا جائے۔ اس کی شکل زمین کھودنے اور برابر کرنے والی آہنی گاڑی کی سی تھی۔ لیکن اس میں لگا ہوا طویل اور دھار دار پھل انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ جب وہ پتھر پر لگتا تو آگ کی سرخی میں تبدیلی ہو جاتی اور پھر وہ پتھر میں دھنستا چلا جاتا۔

حمید کو پھر اسی تجربہ گاہ میں لایا گیا جہاں اس کی ذہنی حالت کی جانچ پڑتال ہوئی تھی۔ وہاں اُسے وہ بوڑھا انجینئر بھی نظر آیا جس نے اس کے ساتھ عجیب وغریب برتاؤ کیا تھا۔

"کیوں کیا حال ہے۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔ جواب میں حمید نے اُسے منہ چڑھا دیا۔ اب تو اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتا تھا کہ اپنا پاگل پن کس طرح برقرار رکھے۔ بھوک نے اس کا دماغ ٹھکانے کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" بوڑھے نے دوسرے آدمیوں سے کہا جو اپنے کام چھوڑ کر حمید کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ "کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کب تک ٹھیک ہو سکے گا یا پھر اب اگر یہ کسی ایسے واقعے سے دوچار ہو جو پچھلے واقعات سے زیادہ تکلیف دہ اور حیرت انگیز ہو تب ممکن ہے کہ اس کی پچھلی ذہنی حالت واپس آ جائے۔"

اس کے بعد ایک بار پھر حمید کو مشینی امتحانات سے گذرنا پڑا۔ وہ اور بوڑھا مشینوں والے کمرے میں تنہا تھے۔

بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔ "تم نے بہت اچھا کیا کہ پاگل پن برقرار رکھا۔ پچھلی رات ایک مجبوری تھی جو پھر کبھی بتاؤں گا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ تمہیں کم سے کم تکلیف ہو۔ لیکن پاگل پن میں اعتدال ضروری ہے۔ مار پیٹ وغیرہ سے بچنا ورنہ ہو سکتا ہے کہ پھر اسی کٹہرے میں بھیج دیئے جاؤ گے۔"

"اور اگر اس دوران میں میں سچ مچ پاگل ہو گیا تو۔"

"نہیں تم اتنے کمزور دماغ کے نہیں ہو۔" بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

"آخر تم مجھ پر مہربان کیوں ہو گئے ہو۔"

"میں اس تنظیم کو آگے بڑھتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"پھر اس کے لئے کام کیوں کر رہے ہو۔"

"مجبوری...... تم نہیں سمجھ سکتے۔ پھر بتاؤں گا۔ اطمینان سے...... اچھا بس۔"

وہ اسے ساتھ لے کر تجربہ گاہ میں واپس آ گیا اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر ان آدمیوں میں سے ایک کو دیا، جو حمید کو یہاں لائے تھے۔

وہ پھر باہر نکل کر ایک طرف چلنے لگے۔

بہرحال حمید کو دوبارہ کٹہرے میں نہیں لے جایا گیا۔ اس بار اسے ایک ایسا کمرہ ملا جس کی ایک دیوار میں جیل کے کمرے کی سی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک مسہری ایک میز اور ایک کرسی تھی۔ کمرے سے ملا ہوا ایک غسل خانہ تھا۔ حمید مسہری پر گر گیا اور اس طرح گھوڑے بیچ کر سویا جیسے کئی راتوں سے سونا نصیب نہ ہوا تھا۔

پھر اُس کی آنکھ شاید کسی کے جگانے ہی پر کھلی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ اُسے سامنے وہی لڑکی نظر آئی جس سے بوڑھے کے کمرے میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے چائے کی بو بھی محسوس کی۔ بھوک نے اس کی قوت شامہ کو چمکا دیا تھا۔ میز پر ناشتے کی کشتی رکھی ہوئی دکھائی دی۔ حمید زبردستی مسکرایا اور پھر بڑے سعادت مندانہ انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔ "میں نے کئی ہزار گھنٹوں سے تمباکو نہیں پیا...... میرا دم اکھڑ رہا ہے۔"

"سگریٹ......!" لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں پائپ کا تمباکو...... پائپ میری جیب میں موجود ہے۔ مگر تمباکو کی پاؤچ کہیں گر گئی۔"

"لیکن تم پاگل ہو...... اگر کہیں تم نے اپنے کپڑوں میں آگ لگا لی تو۔"

"اچھا تو کوئی ایسا تمباکو لا دو جسے پانی میں گھول کر پیا جا سکے۔ ورنہ میری موت واقع ہو جائے گی۔"

"فی الحال چائے پیو ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

"چائے کے بعد تو تمباکو کے بغیر میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔تمہارا نام کیا ہے۔"

"رجنی......!"

"بہت واہیات نام ہے۔تمہارا نام تو ورجینا ہونا چاہئے تھا تاکہ اسی سے کچھ تسکین ہوتی۔"

"باتیں نہ بناؤ ورنہ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

"اچھا تو رجنی صرف ایک بات بتادو......پچھلی رات وہ بوڑھا مجھ سے یک بیک لپٹ کیوں پڑا تھا۔"

"اوہ......وہ تم نہیں جانتے۔یہاں کے حالات سے واقف نہیں ہو۔یہاں ایسی حیرت انگیز مشینیں موجود ہیں جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

اچانک رجنی کے وینٹی بیگ سے عجیب طرح کی آواز آئی اور وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"چائے پیو۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔"بکواس مت کرو......ورنہ اس بار اس سے بھی زیادہ اذیت دی جائے گی۔سمجھے......ان کمروں سے بھی زیادہ تکلیف دہ جگہیں یہاں موجود ہیں۔"

حمید حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھتا رہا اور اس نے باہر نکل کر دروازہ مقفل کر دیا۔

خان یوسف واپس آ گیا۔اُس نے پوری پیٹی فریدی کی طرف بڑھا دی۔لیکن فریدی نے صرف چار کارتوس نکال کر پیٹی اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے چار تھیلے نچلی چھت پر بھجوا دیئے ہیں تم وہاں جا کر انہیں ان چٹانوں کی طرف پھینکو جہاں سے فائر ہو رہے ہیں۔لیکن جیسے وہ پھینکا جائے مجھے اس کی اطلاع ملنی چاہئے۔اس کے لئے تم بگل یا سیٹی سے کام لینا۔"

"کیا بات ہوئی۔" خانم بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"ابھی آپ دیکھ لیں گی۔"

"کیا دیکھ لیں گی۔"

"اچھا میری بات سنئے۔اپنے دو آدمیوں سے کہہ دیجئے کہ جیسے ہی آپ کی بارود ضائع ہو

مجھے گولی مار دیں۔میں نہتا ہوں۔اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

خانم چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر خان یوسف سے بولی۔"جاؤ......عمل کرو۔"

"ٹھہرو......" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔"ٹھیک دشمنوں کے سروں پر پھینکنا ورنہ اس کے ضائع ہو جانے کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی۔"

"خانم یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" خان یوسف نے جھنجھلا کر کہا۔

خانم کچھ نہیں بولی۔خان یوسف کہتا رہا۔"مگر بارود ان کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسے ہمارے ہی خلاف استعمال کریں گے۔"

"اگر بارود ان کے ہاتھ لگ گئی تو میں خودکشی کرلوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"جاؤ جو کچھ کہا جا رہا ہے کرو۔" خانم بولی۔

خان یوسف نیچے چلا گیا۔خانم پھر سوراخ سے دشمنوں کی طرف گولیاں چلانے لگی۔فریدی نے اس سے کہا۔"مجھے ایک رائفل بھی چاہئے۔"

خانم نے اپنی ہی رائفل اس کی طرف بڑھا دی۔فریدی نے اس کا میگزین الگ کر کے اپنے کارتوسوں میں سے ایک چڑھا دیا۔

اتنے میں بگل کی آواز آئی۔فریدی رائفل لے کر سوراخوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔جیسے ہی پھینکا ہوا تھیلا چٹانوں کے اوپر پہنچا فریدی نے فائر کر دیا۔گولی تھیلے پر پڑی ایک زوردار آواز آئی اور تیز قسم کی روشنی کا جھماکا۔دشمنوں پر گویا آگ برس گئی۔دوسری طرف کی رائفلیں یک بیک خاموش ہو گئیں۔

"جاؤ......!" فریدی نے ایک آدمی سے کہا۔"جلدی کرو......ان سے کہو کہ تھیلے برابر پھینکتے رہیں۔"

وہ اپنی رائفل چھوڑ کر دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔

"کمال کر دیا تم نے۔" خانم فریدی کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرا کر بولی۔

فریدی پھر سوراخوں سے باہر دیکھنے لگا۔دشمن کی رائفلیں اب بھی خاموش تھیں۔شاید خوفزدہ ہو گئے تھے۔فریدی نے پھر بگل کی آواز سنی اور پھر فائر کیا۔آگ چٹانوں پر پھیل گئی۔اس بار دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔جیسے ہی وہ چٹانوں کی اوٹ سے نکل کر دوسری طرف بھاگے نیچے سے خانم کے

سپاہیوں نے باڑھ ماری۔ دو چار وہیں ڈھیر ہو گئے۔ بھاگنے والوں کا ساتھ نہ دے سکے۔

جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے خانم کے سپاہی برابر فائر کرتے رہے۔ ہر باڑھ پر وہ چار کو گرا دیتے۔ پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر میدان صاف ہو گیا۔ خانم کی فوج بھاگنے والوں تعاقب کر رہی تھی۔

ایک گھنٹے کے بعد خانم کو اطلاع ملی بھاگنے والوں میں سے بہت کم دشمن اپنی جانیں بچا میں کامیاب ہو سکے ہیں۔

فریدی اپنے کمرے میں واپس آ گیا تھا لیکن اب بھی اس کے کمرے کے سامنے پہرہ دار موجود تھے۔

رات کو فریدی کی طلبی ہوئی۔ خانم ہال میں تنہا تھی۔ فریدی احتراماً خفیف سا جھکا اور خانم کے اشارے پر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہمیں افسوس ہے مہمان...... اپنے رویئے پر...... مگر ہم مجبور تھے۔"

"مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ کی جگہ میں ہوتا تو مجھے بھی یہی کرنا پڑتا۔"

"میں تمہارے متعلق سب کچھ جاننا چاہتی ہوں مگر اب مطمح نظر وہ نہیں جو پہلے تھا اور نہ جا کیوں اب بھی مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں۔"

"آپ نے مجھے کہاں دیکھا ہوگا...... یہ ناممکن ہے۔ کیا آپ کبھی کراغال سے باہر گئی ہیں۔"

"کبھی نہیں۔"

"پھر یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ میں نے اس سے پہلے کبھی وادی کراغال میں قدم نہیں رکھا۔ ہاں اب میں آپ کو اپنے متعلق بتا سکتا ہوں۔ میں بلاشبہ اپنی حکومت کا جاسوس ہوں لیکن وادی کراغال سے مجھے یا میری حکومت کو کوئی سروکار نہیں۔ یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ میں یہاں آ پہنچا۔ حقیقتاً میرے شکار وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ آپ نے کیا تھا۔ وہی عجیب و غریب سیٹیوں والے۔"

"تو پھر ہمارا خیال غلط نہیں تھا کہ تم جاسوس ہو۔" خانم مسکرائی۔

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اب آپ مجھے اپنے متعلق کچھ بتایئے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" خانم نے پوچھا۔

"احمد کمال۔"

"ہمارے ہم مذہب بھی ہو۔" خانم نے کہا۔

"خانم...... آپ مجھے صرف ایک بات بتا دیجئے۔"

"ہاں پوچھو......!"

"اس دن آپ کوئلے کے مجسموں کے تذکرے پر پریشان ہو گئی تھیں۔"

خانم کا چہرہ پھر اتر گیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ "میں ایک بہت بڑی الجھن میں پڑ گئی ہوں۔ اگر تم کوئلے کے مجسموں کا تذکرہ نہ کرتے تو......!"

خانم خاموش ہو گئی۔ فریدی غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آؤ...... اٹھو...... میرے ساتھ آؤ۔ اس تذکرے پر میری زبان میں اتنی قوت نہیں رہ جاتی کہ زیادہ دیر گفتگو کر سکوں۔"

فریدی اٹھ گیا۔ خانم باہر نکلی۔ سنتریوں نے اُس کے ساتھ ہونا چاہا لیکن اس نے انہیں وہیں ٹھہرنے کو کہا۔ وہ دونوں چلتے رہے۔ خانم فریدی سے کہہ رہی تھی۔

"لیکن یہ ایک راز ہے اور تم اسے اپنے ہی تک محدود رکھو گے۔ اس کا ظاہر ہو جانا کراغال کی لئے تباہ کن ثابت ہوگا۔"

"لیکن ٹھہریئے...... کیا یہ اُسی مجسمے کے متعلق ہے۔"

"ہاں اور میں اپنے دل پر سے یہ بار بھی ہٹانا چاہتی ہوں۔ تم دانش مند ہو مجھے کوئی مشورہ دو گے۔"

"میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔"

خانم چلتی رہی۔ محل بہت وسیع تھا۔ تقریباً میل کے رقبے میں پھیلا ہوا تھا۔ محل سے زیادہ اُسے ایک مستحکم قلعہ کہنا چاہئے۔ حکومت کراغال کی پوری فوج یہیں رہتی تھی۔ معززین اور عمائدین کی رہائش گاہیں بھی یہیں تھیں۔

لیکن اس وقت فریدی کو زیادہ نہیں چلنا پڑا۔ خانم نے ایک جگہ رک کر ایک دروازے کے قفل میں کنجی لگائی دروازہ کھلا...... اندر اندھیرا تھا...... مگر فضا ایک تیز قسم کی خوشبو سے بوجھل معلوم ہو رہی تھی۔

خانم نے دو تین کافوری شمعیں روشن کر کے دروازہ بند کر دیا۔

یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ بہت شاندار......شاہانہ انداز میں سجی ہوئی۔

"یہ کراغال کے خان میرے شوہر کی خواب گاہ ہے۔" خانم نے کہا۔ چند لمحے خاموش کھڑی ہانپتی رہی پھر بولی۔ "یہیں مجھے کوئلے کا وہ مجسمہ ملا جو خان سے مشابہت رکھتا تھا بلکہ ہو بہو خان کی تصویر تھا۔"

"اوہ......!" فریدی حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا۔

خانم اس طرح ہانپ رہی تھی جیسے ایک بڑی چڑھائی چڑھ کر یہاں تک پہنچی ہو۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "پہلے میں یہ سمجھی تھی کہ شائد خان نے مجھ سے مذاق کیا ہے۔ وہ اکثر اسی طرح پراسرار طریقے پر غائب ہو جاتے تھے۔ عرصے تک غائب رہتے اور پھر واپس آ جاتے۔ سارے کراغال اس بات کو جانتے ہیں لہٰذا آج کل بھی وہ یہی سمجھتے ہیں کہ خان ان کے لئے چائے، استرے، کپڑے اور تمباکو مہیا کرنے گئے ہیں۔ میں نے اس مجسمے کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ وہ یہیں کے تہہ خانے میں اس وقت بھی موجود ہے۔"

"کیا خان کا تعلق بیرونی دنیا سے بھی تھا۔"

"ہاں......وہ بہت دانش مند آدمی تھے۔ ان کے ایجنٹ بہتیرے ممالک میں موجود ہیں، جو کراغال کے لئے اشیاء مہیا کر کے بھیجتے ہیں۔ مگر یہ نہیں بتا سکتی کہ وہ چیزیں کس راستے سے آتی ہیں۔ راستوں کا علم خان یا ان کے خصوصی آدمیوں کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں اور نہ میں یہی جانتی ہوں کہ وہ مخصوص آدمی کون ہیں۔"

"مجسمہ یہیں ملا تھا۔"

"ہاں......!"

"کس جگہ......!"

خانم نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں دیوار سے لگا کھڑا تھا۔"

فریدی نے سامنے نظر اٹھائی۔ ٹھیک اسی جگہ کے سامنے دیوار میں ایک کشادہ روشندان تھا۔

"خانم......!" فریدی نے مغموم آواز میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔"

"خدارا یہ نہ کہو......مجھے یہ باور کرانے کی کوشش نہ کرو۔ کراغال تباہ ہو جائے گا۔"

"خانم میں اپنے پچھلے تجربات کی بناء پر یہ کہہ رہا ہوں۔ مگر کراغال کا مستقبل آپ کے رویہ پر منحصر ہے۔"

"تم بتاؤ......میں کیا کروں۔"

"میں آپ کو بتاؤں گا، جو کچھ میرے امکان میں ہے اس سے کوتاہی نہ کروں گا۔ لیکن کیا میں اس مجسمے کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں۔"

"ہاں......میں تمہیں دکھاؤں گی......لیکن یہ چیز صرف تم تک محدود رہے گی۔"

"آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔"

خانم نے کمرے کے ایک حصے کا قالین الٹ دیا۔ پھر ایک طرف سے تختہ ہٹا کر موم شمع کی روشنی خلاء میں ڈالی۔ نیچے سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔

"ایک شمع اٹھا لو۔" خانم نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔

فریدی شمع اٹھا کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ زینے طے کر کے وہ ایک تہہ خانے میں پہنچے۔ فریدی کی نظر مجسمے پر پڑی جو بالکل برہنہ نہیں تھا۔ اس کے گرد ایک کپڑا لپیٹ دیا گیا تھا۔

وہاں ایک بوجھل سا سناٹا طاری رہا۔ دونوں کی سانسیں اس سکوت میں گونج رہی تھیں۔

"خانم......!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہ چہرہ مجھے کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا ہے۔"

خانم نے اپنی مغموم آنکھیں فریدی کی طرف اٹھائیں۔ شمع کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ اس سرخ سی روشنی میں بڑی حسین نظر آ رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "اب مجھے یاد آ گیا کہ میں نے تمہیں کہاں دیکھا تھا۔ خان کے البم میں تمہاری ایک تصویر موجود ہے......خان کے ساتھ۔"

داستانیں

رجنی چلی گئی اور حمید گم سم بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر میز پر آیا جہاں چائے کی ٹرے رکھی ہوئی تھی۔ چائے پیتے وقت بھی رجنی کے رویہ پر غور کرتا رہا۔ یک بیک اس نے آنکھیں کیوں بدل لی تھیں۔ پھر اس کا ذہن اس آواز کی طرف منتقل ہو گیا جو اس کے وینٹی بیگ سے آئی تھی۔ بالکل ویسی ہی

آواز اُس رات بوڑھے کے کمرے میں بھی اس نے سنی تھی اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ اچانک ا
روبیہ بھی تبدیل ہو گیا تھا۔

حمید کو یہ چیز بڑی اہم معلوم ہوئی۔ وہ بہر حال فریدی کا شاگرد تھا جب سنجیدگی کے موڈ
ہوتا تو ہمیشہ بہت دور کی کوڑی لاتا۔

ان دونوں کے اچانک بدلتے ہوئے رویئے کا یہی مطلب تھا کہ کوئی ان کے حال سے واقف ہونے کی کوشش کرتا ہے اور وہ دونوں آوازیں بھی ایسی ہی تھیں جیسے ٹرانسمیٹر کہیں کی آواز کیچ کر کرتے رہ جائے۔ حمید کو یاد آیا کہ کنور شمشاد نے فریدی کو گھر بیٹھے ٹیلی ویژن پر اپنے کارخانوں سیر کرائی تھی۔ ہوسکتا ہے یہاں بھی کوئی اسی قسم کی مشین موجود ہو جس پر کوئی اس زمین دوز دنیا حالات معلوم کرتا ہو۔ ہوسکتا ہے بوڑھے نے بھی کوئی چیز ایجاد کرلی ہو جو اسے اس سے باخبر کرتی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کمرے میں پھیلی ہوئی عجیب وغریب روشنی یہاں کی فضا کو ٹیلی ویژن کے پردے پر منتقل کردیتی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ان چھتوں میں ٹیلی ویژن کے کیمرے بھی پوشیدہ ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی دیواروں میں آواز جذب کرنے کی مشینی صلاحیت بھی موجود ہو۔ حمید سوچ رہا اور سوچتے سوچتے اس نے چائے دانی خالی کردی۔ چائے کے ساتھ کھانے کے لئے پیسٹریاں بھی موجود تھیں۔ پلیٹ بھی صاف ہوگئی لیکن اب اُسے تمباکو کی یاد بُری طرح ستا رہی تھی۔ اگر وہ ایک پائپ کی تمباکو کہیں سے حاصل کرسکتا تو شاید...... شاید وہ نہ جانے کیا کرگذرتا۔

دفعتاً کمرے کا دروازہ پھر کھلا اور رجنی اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

"تم مجھے پاگل سمجھتے ہوگے کیپٹن۔"

"نہیں لڑکیاں پاگل نہیں ہوتیں۔ پاگل بنا دیتی ہیں۔ چائے کا بہت بہت شکریہ۔ مگر تمباکو۔"

اس نے وینٹی بیگ سے چمڑے کی ایک پاؤچ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"احتیاط سے خرچ کرنا۔ آج کل پرنس ہنری کا تمباکو مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔"

"ہائیں تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں پرنس ہنری کا تمباکو پیتا ہوں۔"

"ہم کیا نہیں جانتے۔"

"کیا اس بار تمہارے وینٹی بیگ میں وہ چیز نہیں ہے جو تمہیں بروقت ہوشیار کردیتی ہے۔"

"اوہ...... تم کیا جانو۔"

"میں کیا نہیں جانتا۔"

"اچھا بدلہ لیا تم نے......" رجنی ہنسنے لگی۔

"میں بدلہ ضرور لیتا ہوں۔"

"کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ تم کن لوگوں میں ہو۔"

"ہاں...... شاید میں طاقت والی تنظیم کے چکر میں آپڑا ہوں۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" رجنی کی آواز میں حیرت تھی۔

"میں اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں...... کہو تو یہ بھی بتادوں کہ آج کل ان پر ایک عورت حکمران ہے۔"

"تم تو سب کچھ جانتے ہو۔"

"اور میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کوئی روح نہیں ہے اس کا دربار ایک فراڈ ہے۔ تخت شاہی وغیرہ میں مائیکروفون فٹ ہیں جن سے اس کی آواز نشر ہوتی ہے۔"

"لیکن تم یہ نہ جانتے ہوگے کہ یہاں کیوں لائے گئے ہو۔"

"میں نہیں جانتا اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہاں مجھے بہت آرام ہے۔ تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کے ہاتھوں سے چائے نصیب ہوتی ہے۔ غالباً کھانا بھی تمہیں کھلاؤ گی۔ عرصہ سے مجھے ایک ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو میری دیکھ بھال کرسکے۔ اب میں اپنی بقیہ زندگی اگر زندہ رہ گیا تو یہیں اسی زمین دوز دنیا میں بسر کروں گا۔ پاگل بننے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔"

"مگر تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔"

"تب تو یہ لوگ بڑے کمینے ہیں۔ پھر آخر مجھے اس طرح پکڑنے کے سلسلے میں اتنے آدمیوں کی جانیں ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہاں جانوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سنو ان کی اسکیم یہ ہے کہ وہ کھل کر حکومت کے سامنے آجائیں۔ دراصل وہ اپنی قوت آزمانا چاہتے ہیں۔ وہ تمہیں چھوڑ دیں گے۔ مگر اس طرح کہ تم اپنی حکومت کے لئے وبال جان بن جاؤ گے۔ موجودہ حکمران ملکہ کائنات پچھلے حکمران سے زیادہ دانش مند ہے۔ وہ تمہاری حکومت کی مشینری ہی ٹھپ کردینے کے درپے ہے۔ سائنٹیفک طور پر

حکومت کے ذمہ دار آدمیوں کی ذہنیتیں تبدیل کر دی جائیں گی اور وہ خود ہی حکومت کو بیخ اکھاڑ کر پھینک دیں گے۔ پہلا تجربہ تم دونوں پر کیا جانے والا تھا مگر کرنل فریدی نکل گئے۔ اب تم پر تجربہ کیا جائے گا اور تم یہاں سے نکال دیئے جاؤ گے۔"

"میں صحیح الدماغ ہی رہوں گا۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی صحیح الدماغ لیکن تمہارے نظریات یکسر بدل جائیں گے۔ تم اب تک جن کے رہے ہو اُن سے بے وفائی کرو گے۔ ہوسکتا ہے کہ کرنل فریدی کو تمہارے ہی ہاتھوں موت نصیب ہو۔"

"پھر تمہاری ہمدردی کس کام آئے گی۔"

"یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے لیکن ہم اس کوشش میں ہیں کہ ملکہ کائنات کی تجویز بار آور ہونے پائے۔"

"آخر کیوں...... تمہارے دماغ کیوں الٹ گئے ہیں کیا ان پر کوئی ایسا سائنٹیفک تجربہ نہیں گیا۔"

"نہیں ان کی دانست میں ہم لوگ یونہی بے بس ہیں کبھی ان کے پنجوں سے رہائی نہ پاسکتے۔ کچھ لوگ یہاں اپنی خوشی سے کام کر رہے ہیں اور کچھ لوگوں سے زبردستی کام لیا جا ہے۔ یہاں ملک کے بہترین دماغ اکٹھا کئے گئے ہیں کچھ غیر ملکی بھی ہیں لیکن غیر ملکی زیادہ پروپیگنڈے کا شکار ہوکر اس طرف آئے ہیں۔ غیر ملکیوں میں جرمن نازیوں کی تعداد زیادہ ہے۔"

"ڈاکٹر زبیری کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"وہ ایک بڑے سائنسدان ہیں۔ آئے تو تھے اپنی خوشی سے لیکن اب انہیں محسوس ہوا ہے کہ غلطی پر ہیں۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح اس تنظیم کا خاتمہ ہوجائے۔"

"پھر تم مجھے اس سکیم سے کس طرح بچاؤ گی۔"

"وہ تجربہ تم پر ڈاکٹر زبیری ہی کریں گے۔ مگر پہلے تمہیں کچھ دن یہاں آرام کرنا پڑے گا آہستہ آہستہ تم صحیح الدماغ ہوتے جاؤ گے اور اپنے چہرے پر کچھ اس طرح کے تاثرات پیدا کرو گے جیسے بہت زیادہ خوفزدہ ہو۔ بہر حال یہ ایک لمبی چوڑی اسکیم ہے جس کے متعلق پھر کبھی بتایا جائے گا اب مجھے جانے دو۔"

"اچھا صرف ایک بات اور بتادو...... میرے موٹے ساتھی کو یہاں کیوں لایا گیا ہے۔"

"کیا وہ بہت مالدار نہیں ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ اس وقت تک اس کا سارا بینک بیلنس صاف ہو چکا ہے۔ اب اسے چھوڑ دیا جائے گا تاکہ وہ پھر تنظیم کی خدمت کرنے کے لئے کچھ سرمایہ اکٹھا کرسکے۔ اس کا باپ بھی بڑا مالدار ہے کیا وہ اس کی مدد نہ کرے گا۔ تم خود سوچو کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ کیسے چل رہا ہے، روپے مہیا کرنے کے یہی ذرائع ہیں۔"

"اچھا رام گڈھ میں کوئی ادارہ روابط عامہ بھی ہے جس کا تعلق اسی تنظیم سے ہو۔"

"مجھے اس کا علم نہیں...... مگر روپیہ حاصل کرنے کے لئے یہ لوگ مجرمانہ طریقے اختیار کرتے ہیں...... یہ مجھے معلوم ہے۔"

"موٹا کب چھوڑ دیا جائے گا۔"

"بہت جلد...... لیکن اسے تمہارے ساتھ نہیں چھوڑا جائے گا۔ سنو یہ ایک طرح سے تمہاری حکومت کو تنظیم کی طرف سے کھلا ہوا چیلنج ہوگا۔ ظاہر ہے کہ موٹا پولیس کو ضرور اطلاع دے گا اور پولیس یہاں ان پہاڑوں میں سر پٹختی پھرے گی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ پولیس کو کامیابی ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ پولیس مشکل میں پڑ جائے گی۔"

"بالکل ٹھیک......" رجنی سر ہلا کر بولی۔ "ایک بار ملکہ کائنات نے حکم دیا تھا کہ ہم سب مل کر باہر نکلنے کا راستہ تلاش کریں لیکن تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اڑتالیس گھنٹے سر مارنے کے باوجود بھی کامیابی نہ ہوئی۔ یہاں کے ذہین ترین آدمیوں کی کوششیں بھی بار آور نہ ہوئیں۔"

"کیا کوئی نہیں جانتا راستہ۔"

"صرف ایک آدمی جانتا ہے...... ہم اُسے بارن کے نام سے جانتے ہیں۔ وہی سیاہ ڈاڑھی والا جس نے تمہیں ڈاکٹر زبیری کے سپرد کیا تھا۔"

وہ خاموش ہوگئی۔ حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

فریدی حیرت سے خانم کو دیکھتا رہا۔ خانم بھی خاموش ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پر اضمحلال طاری تھا۔

"میری تصویر خان کے ساتھ کیسے ہوسکتی ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "مگر ٹھہر
شائد یہاں زیادہ دیر رکنا نہیں چاہتیں۔ اس کے متعلق پھر گفتگو کریں گے۔"

وہ آگے بڑھ کر مجسمے کو دیکھنے لگا۔ خانم منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔ فریدی نے مجسمے پر سے
وہ بالکل برہنہ تھا۔ اس کی کمر میں چمڑے کی پٹی تھی اور پیروں میں جوتے۔ کچھ دیر تک دیکھ
کے بعد اس نے اسے پھر کپڑے سے ڈھانک دیا۔

"چلئے...... واپس چلیں۔" اس نے کہا۔ "میں نے دیکھ لیا۔"

خانم خاموشی سے زینوں کی طرف مڑ گئی۔ وہ پھر خان کی خواب گاہ میں آگئے۔

"اس مجسمے میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی تو نہیں کی گئی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں...... سوائے اس کے کہ اسے کپڑے سے ڈھانک دیا گیا ہے۔"

"خان نے آپ کو کبھی یہ بھی بتایا تھا کہ وہ کہاں غائب ہوجاتے ہیں۔"

"کبھی نہیں...... وہ شروع ہی سے میرے لئے ایک پراسرار آدمی رہے ہیں۔ اپنی مصر
کے متعلق کبھی کچھ نہیں بتاتے تھے۔"

"ہوں......!" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

خانم نے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ "لندن میں تم اور خان ہم جماعت تھے۔"

"کیا......!" فریدی چونک پڑا "اوہ اب مجھے یاد آگیا۔ اوہو...... کیا خان عیسٰی ہی کرا
کے خان تھے۔ مگر مجھے اس کا علم پہلے بھی نہیں تھا۔ انہوں نے شاید اپنا تعلق سرحدی صوبے
کیا تھا۔"

"خان بچپن ہی سے ایسے تھے۔ انہوں نے لندن میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اگر وہ خود کو کرا
ظاہر کرتے تو شاید لندن تک ان کی رسائی بھی نہ ہوسکتی۔"

"تب تو مجھے خان عیسٰی کے لئے ...... اوہ خانم مجھے بڑا افسوس ہے کہ ہماری ملاقات
حالات میں ہوئی۔ بہرحال میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنی آخری سانسوں تک کراغال
حفاظت کروں گا۔ میں اور عیسٰی خان گہرے دوست تھے۔"

"تم کرنل فریدی ہو...... تم نے مجھے اپنا نام غلط بتایا تھا۔"

"نہیں میرا پورا نام احمد کمال فریدی ہے۔ میں نے غلط نہیں بتایا تھا۔"

"خان اکثر تمہارا تذکرہ کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ تمہاری حیثیت بین الاقوامی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی لکیریں تھیں۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "آخر ان لوگوں سے خان عیسٰی کا کیا تعلق۔ انہوں نے ان پر ہی اپنا حربہ کیوں آزمایا۔"

"میں خود یہی سوچ رہی تھی۔"

"اس کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ جب چاہیں نہایت آسانی سے محل میں داخل ہوسکتے ہیں۔ یعنی کسی کو کانوں کان خبر ہوئے بغیر۔"

"ہاں...... اس صورت میں تو یہی کہا جاسکتا ہے۔"

فریدی نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن اس پر خوف کے آثار نہیں تھے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "خان چالاک آدمی تھے۔ اس لئے ختم کردیئے گئے۔ اس کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ وہ جب چاہیں کراغال کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرسکیں۔"

فریدی نے پھر اس کے چہرے پر نظر ڈالی لیکن خانم کی آنکھوں سے صرف غم جھانک رہا تھا۔ اس میں تشویش یا خوف کے آثار نہیں تھے۔

"تو پھر اب مجھے خود کو بیوہ سمجھنا چاہئے۔" اُس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"میں کیا کہوں۔" فریدی تشویش ناک لہجے میں بولا۔ "لیکن خدارا...... اسے ظاہر نہ کیجئے گا۔"

"میں سمجھتی ہوں...... یہ چیز کراغال کے لئے تباہ کن ہوگی۔ قرب و جوار کے قبائل چاروں طرف سے یورش کردیں گے۔ ویسے ان پر خان کی ہیبت طاری رہتی ہے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ خان اُن لوگوں کے کسی راز سے واقف ہوگئے تھے۔ اسی لئے انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا یا پھر دوسری ہی بات تھی۔ یعنی وہ کراغال کی باگ ڈور کسی دانش مند آدمی کے ہاتھ میں نہیں دیکھنا چاہتے۔"

"وہ کچھ بھی ہو لیکن اس نقصان کی تلافی کیسے ہوگی۔ میں کیا کروں۔"

"صبر کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے خانم! ویسے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کسی عورت کی حکومت وادی کراغال کے خلاف ہے۔ اگر کسی کو خان کے متعلق شبہ بھی ہوا تو حکومت خان کے کسی بھائی

یا بھتیجے کی طرف منتقل ہو جائے گی۔"

"میں ہر وقت حکومت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں لیکن کراغال تباہ ہو جائے گا ظاہر کرنا ہی تباہی کو دعوت دینا ہوگا کہ کراغال سے خان کا سایہ اٹھ گیا۔ خان کا بھتیجا خان میز قابل نہیں ہے کہ اسے کراغال کی باگ ڈور سونپی جاسکے۔ اس کا اعلان ہوتے ہی بربادی اِدھر کا کرلے گی۔"

"بس تو پھر مصلحت اسی میں ہے کہ خان کا نام کم از کم اس وقت تک زندہ رکھا جائے تک کہ ان کے قاتل اپنی سزا کو نہ پہنچ لیں۔"

خانم کچھ نہ بولی۔ فریدی بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

بیک وقت دو خیال اس کے ذہن میں تھے یا تو خان اُن لوگوں کے کسی راز سے واقف تھا یا پھر ضیغم نے حکومت حاصل کرنے کے لئے ان کی مدد سے خان کو ختم کردیا۔ اُسے وہ مجسمہ بھی آ گیا جو اس نے رام گڑھ کی عمارت میں دیکھا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کا مجسمہ جس کی بارات درواز پر کھڑی تھی۔ ایسے موقع پر اسے کیوں ختم کیا گیا۔ بظاہر وجہ یہی ہوسکتی تھی کہ اس کی شادی کسی کو نا گذری تھی۔

"اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔" خانم اٹھتی ہوئی بولی۔

فریدی بھی اٹھ گیا۔ لیکن اس دوران میں فریدی کی عقابی آنکھیں خان کی خواب گاہ کا جا ئیتی رہی تھیں۔

قید خانہ

تین دن حمید آرام کرتا رہا لیکن ڈاکٹر زبیری کی ہدایت کے مطابق وہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جارہا تھا۔ ایک بار اُس ڈاڑھی والے سے بھی مڈبھیڑ ہوئی لیکن حمید نے اپنی کسی بھی حرکت سے پاگل

پن نہیں ظاہر کیا۔

"تم اب ٹھیک ہو۔" ڈاڑھی والے نے پوچھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں...... لیکن اگر مجھے اپنی گرفتاری کی وجہ نہ معلوم ہوئی تو شاید میں پھر ہوش وحواس کھو بیٹھوں۔"

ڈاڑھی والا جواباً مسکرایا تھا۔

"میں یہاں کیوں لایا گیا ہوں۔"

"کیا یہ زمین دوز دنیا تمہیں دلکش معلوم نہیں ہوتی۔"

"بہت دلکش...... لیکن میں ایسی بے آسمان دنیا کے خواب سے بھی خوف کھاؤں گا۔"

"بہرحال تمہیں یہاں صرف اس لئے لایا گیا تھا کہ تمہاری معلومات میں ایک نیا اضافہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا۔"

"میں کن لوگوں میں ہوں...... یہ بھی جاننا چاہوں گا۔"

"تم آدمیوں ہی میں ہو...... غالباً اتنا بتا دینا کافی ہوگا۔"

"میں نے ملکہ کائنات کا دربار دیکھا تھا...... وہ خواب تھا یا حقیقت۔"

"سو فیصدی حقیقت......!"

"کیا ملکہ کائنات کوئی روح ہے۔"

"واحد روح جو کائنات کے ایک ایک ذرے میں جاری وساری ہے۔ وہ روح جب ایٹم سے علیحدہ ہوتی ہے تو پورے پورے شہر آن واحد میں تباہ ہو جاتے ہیں۔"

"تم بڑی فلسفیانہ باتیں کر رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"نہیں یہ تو کوئی خاص بات نہیں۔ میں نے ایک عام بات کہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ طاقت ہی ہے جو کائنات کے ذرے میں جاری وساری ہے۔ ہم پر طاقت کی حکومت ہے۔ طاقت ہی ملکہ کائنات ہے۔"

"میرے خدا......!" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا تھا۔ "طاقت...... وہ...... وہ طاقت والی تنظیم۔"

"ہاں...... وہی۔" جواب ملا تھا۔ "ہمارا پچھلا حکمران ایک بیوقوف آدمی تھا جو ایک حقیر کیڑے

کے ہاتھوں فنا ہوگیا۔ اسے ضرورت ہی کیا تھی کہ خود تم لوگوں سے الجھنے کی کوشش کرتا۔ تمہارا خا
تنظیم کا ایک کیچوا بھی کر سکتا تھا۔"

حمید اس کی گفتگو پر سراسیمہ ہوگیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی حالت سنبھل بھی گ
تھی۔ کیونکہ ڈاڑھی والے نے بڑے پیار سے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا تھا۔ "پرواہ نہ کرو۔۔۔
ہمارے لئے اس احمق حکمران سے زیادہ اہم ہو۔ ہوسکتا ہے کبھی ہمارا فلسفہ تمہاری سمجھ میں آجائے ا
تم ہماری تنظیم کے اعلیٰ رکن بن سکو۔"

اس کے بعد وہ مزید کچھ کہے بغیر چلا گیا تھا۔

پھر آج اچانک قاسم اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

"ہائیں...... حمید بھائی...... تم ابھی یہیں ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری چیک بک بھی آ گئی ہے۔"

"نہیں...... میں یہاں خیر سگالی کے مشن پر آیا تھا۔"

"یا اللہ قسم...... میں تو برباد ہوگیا۔ چھ لاکھ روپیہ۔"

"کیا مطلب......!"

"سب لے لیا سالوں نے۔" قاسم ہنسنے لگا۔

"اگر تمہارے والد کو علم ہوگیا تو۔"

"یہاں سے واپس کون جاتا ہے حمید بھائی! مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ایک خوب تگڑی عو
مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔ وہ کہتی ہے قاسم پیارے...... میں مرجاؤں گی اگر تم چلے گئے۔"

قاسم اُس عورت کی نقل اتارنے کے سلسلے میں لچکنے لگا۔

"اور اگر زبردستی یہاں سے نکال دیئے گئے تو۔"

"کون نکالے گا زبردستی۔"

"تم گھاس کھا گئے ہو کیا...... اب تمہارے پاس کیا ہے کہ وہ تمہیں یہاں رکھیں گے۔"

"ارے جاؤ یار...... کیا باتیں کرتے ہو۔ روپیہ تو وہ تجارت میں لگائیں گے اور مجھے
منافع دیتے رہیں گے۔ میں کوئی اُلو ہوں۔"

"نہیں اُلو تو اتنا بھاری بھرکم نہیں ہوتا۔"

"دیکھو اگر تم میرا مذاق اڑاؤ گے تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"کیا کرو گے تم......!"

"تمہاری گردن مروڑ دوں گا ہاں...... تم اپنے کو سمجھتے کیا ہو۔"

"میں کیپٹن حمید ہوں۔"

"ابے جاؤ کیپٹن حمید دیکھ لی سالی بہادری، چوہوں کی طرح پکڑوا لیا ملکہ صاحبہ نے۔"

"کون ملکہ صاحبہ۔"

"وہ جو سارے عالم کی ملکہ ہیں...... طاقت بیگم۔"

"کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔"

"ابے...... ادب سے نام لو...... ورنہ منہ توڑ دوں گا۔"

"وہ تمہاری چچی لگتی ہے۔"

"ارے تم نہیں مانو گے۔" قاسم گھونسہ تان کر حمید کی طرف جھپٹا۔ حمید ایک طرف ہٹ گیا۔
قاسم کا گھونسہ دیوار پر پڑا۔ وہ بلبلا کر پلٹا لیکن موٹاپے کی وجہ سے اس میں پھرتی نہیں تھی۔ حمید نے
اسے نچا مارا اور پھر وہ زمین پر بیٹھ کر گدھوں کی طرح ہانپنے لگا۔ منہ سے زبان نکل پڑی۔

"کیوں...... اب کہو تو چھرا مار کر تمہاری توند برابر کردوں۔" حمید نے کہا۔

دفعتاً ایک موٹی سی عورت کمرے میں گھس آئی۔ اُسے دیکھتے ہی قاسم بوکھلا کر کھڑا ہوگیا اور
اس طرح ہنسنے لگا جیسے وہ اُس سے یہاں کی موجودگی پر سختی سے جواب طلب کرے گی۔

"یہاں کیا کر رہے ہو ڈارلنگ۔" اُس نے کسی پھوہڑ طوائف کی طرح لپک کر پوچھا۔

"ہاہا...... کچھ نہیں...... یہ میرے دوست ہیں۔" حمید نے قاسم کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں میں اس کا سرپرست ہوں۔" قاسم جھلا گیا۔

"ان کی سرپرست تو میں ہوں جناب۔" عورت نے کہا۔ پھر قاسم کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں ڈارلنگ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔"

"تم بالکل غلط کہہ رہی ہو۔" حمید بولا۔ "اس کی سرپرست تم نہیں ہوسکتیں کیونکہ یہ شادی شدہ
ہے۔"

"ابے......!" قاسم شور مچانے والے انداز میں بولا۔ "تم جھوٹ کیوں بولتے ہو۔"

"کیا یہ جھوٹ ہے کہ تم شادی شدہ ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"بالکل جھوٹ ہے...... قطعی جھوٹ ہے۔"

"کیوں خواہ مخواہ اس بھولی بھالی عورت کو دھوکا دے رہے ہو۔"

"ارے تم خود بھولے بھالے...... شٹ اپ۔" قاسم ہونٹ بھینچ کر حمید کو گھونسہ دکھانے لگا۔

"البتہ میری شادی ابھی نہیں ہوئی۔" حمید بولا۔ "اسلئے اگر چاہو تو مجھے ڈارلنگ کہہ سکتی ہو۔"

عورت نے شرما کر سر جھکا لیا اور قاسم گھبرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"مجھ سے محبت کرو گی تو فائدے میں رہو گی۔" حمید نے کہا۔

"غمید بھائی۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ عورت حمید کے اس جملے پر اور زیادہ شرما کر دوہری ہو جانے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن چونکہ موٹی زیادہ تھی اس لئے آکہری ہی رہی۔

"حمید بھائی......!" دفعتاً قاسم پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔

"بولو...... کیا کہتی ہو۔" حمید نے پھر اُسے مخاطب کیا۔

عورت نے سر اٹھا کر شرمیلی نظروں سے حمید کی طرف دیکھا...... اور پھر شرما کر سر جھکا لیا۔

"میں سب دیکھ رہا ہوں ہاں۔" قاسم دہاڑا۔

"دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں...... دیکھتے رہو۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مگر کسی سے کہنا نہیں۔"

"ارے غارت ہو جاؤ تم۔" قاسم نے دانت پیس کر حمید پر چھلانگ لگائی اور حمید عورت کے قریب سے کترا کر نکل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم کی نو من کی لاش عورت پر آ پڑی اور دونوں چیختے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ عورت کے منہ سے گالیاں نکلیں اور اس کے دوہتھڑ قاسم کے سر پر پڑنے لگے۔ دونوں کے شور سے چھت اڑی جا رہی تھی۔ دونوں ہی زمین سے اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ حمید کمرے سے نکل گیا اب وہ آزادانہ طور پر جہاں چاہتا تھا جا سکتا تھا۔ رجنی نے اسے بتایا تھا کہ پالیسی یہ ہے کہ حمید پر اس تنظیم کا رعب پڑے اور وہ بیرونی دنیا پر جا کر بے بسوں کی طرح ہاتھ پیر مارے لیکن دوبارہ یہاں تک رسائی نہ ہو سکے۔ حکومت انہیں تلاش کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر دے لیکن کامیابی نہ ہو۔ موجودہ حکمران کے خیال کے مطابق خطرات میں پڑے بغیر تنظیم آگے نہیں بڑھ سکتی۔

اور پھر حمید کو ابھی تو اس تجربے کا بھی انتظار تھا، جو اس پر کیا جانے والا تھا۔ ڈاکٹر زبیری سے ابھی تک اس کی تفصیلات نہیں معلوم ہو سکی تھیں۔ ویسے رجنی نے اسے اتنا ہی بتایا تھا کہ اُس تجربے کے بعد اس کے خیالات بدل جائیں گے اور وہ اپنے ہی آدمیوں کا دشمن ہو جائے گا۔ غالباً فریدی کو اس طرح شکست دینے کا خیال تھا۔

دوسری صبح خانم کے محل میں فریدی کی حیثیت بدل گئی تھی۔ سپاہی اسے احترام کی نظروں سے دیکھتے، عمائدین عزت کرتے اور خانم کا مشیر بوڑھا خان یوسف تو بچھا جا رہا تھا۔ البتہ صرف ایک آدمی کی آنکھوں میں اب بھی فریدی کے لئے نفرت تھی اور یہ تھا کراغال کے خان کا بھیجا خان ضیغم۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتا کہ اسے فریدی پر اعتماد نہیں ہے۔ وہ یقیناً کسی دشمن ملک کا جاسوس ہے اگر اس نے حملہ آوروں کو پسپا کرنے میں مدد دی تو اس میں نہ اس کا کوئی فائدہ تھا اور نہ نقصان۔ یہ تو اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ کراغالیوں کا اعتماد حاصل کر سکے۔

دوپہر کو خانم نے فریدی کو پھر طلب کیا۔ اس وقت بھی وہ کمرے میں تنہا تھی۔

"تم نے سنا...... ضیغم کیا پروپیگنڈا کر رہا ہے۔" خانم نے پوچھا۔

"جی ہاں...... میں نے سنا ہے۔ لیکن آپ نے میرے نام کا اعلان تو نہیں کر دیا۔"

"نہیں...... مجھ سے ایسی حماقت سرزد نہیں ہو سکتی۔ یہ چیز میرے لئے بھی باعث حیرت ہے کہ اُن لوگوں کی رسائی میرے محل میں کیسے ہوئی۔"

"یہ سوال حقیقتاً قابل غور ہے۔" فریدی بولا۔ "کیا آپ نے خان یوسف کو بھی میرے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"

"ہرگز نہیں...... میرے علاوہ اور کوئی تمہارے نام سے واقف نہیں ہے۔"

"شکریہ...... اب میں دیکھوں گا کہ اس سازش کی پشت پر کون ہے۔ آپ آج شام کو یہ خبر مشہور کرا دیجئے گا کہ میں حیرت انگیز طور پر غائب ہو گیا ہوں۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ خان ضیغم کے مشاغل کس قسم کے ہیں۔"

"اوہو......اچھا......تم چھپ کر دیکھنا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں یہی بات ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر خانم نے کہا۔ "میں پچھلی رات سو نہیں سکی۔ میرے خدا...... کیسی مجبوری ہے کہ میں سوگ بھی نہیں منا سکتی۔"

"آپ ایک دلیر خاتون ہیں اور دلیر ہستیاں سوگ منا کر انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں کرتیں۔"

"ہاں......وہ آگ تو میرا وجود پھونکے دے رہی ہے۔"

"بس تو اب آپ کی آنکھوں میں اداسی بھی نہ ہونی چاہئے۔"

"میں ایک دلیر عورت بننے کی کوشش کروں گی۔ مگر کرنل......جسم کے اندر دل بھی ہوتا ہے۔"

"دل ہی میں دلیری بھی پرورش پاتی ہے۔ اس کا تعلق آسمانوں سے نہیں۔"

"تم مجھے بڑا سہارا دے رہے ہو۔ میں تمہاری شکر گذار ہوں۔"

"آپ خان عیسٰی کی بیوی ہیں جو لندن میں میرا بہترین دوست تھا۔ کاش میں آپ کے لئے کچھ کر سکوں۔"

"میری وجہ سے تمہیں تکلیف بھی پہنچی ہے۔"

"اس کے علاوہ نہیں کہ مجھے اڑتالیس گھنٹوں سے سگار نہیں ملا۔"

"تمباکو نوشی اچھی عادت نہیں ہے۔" خانم کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"زیادہ سوچنے والوں کے لئے بُری بھی نہیں ہے۔"

"سگار تمہیں جلدی ملیں گے۔ خان اپنی تمباکو کا ذخیرہ مجھ سے چھپائے رکھتے تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں تمہارے لئے سگار مہیا کر سکوں گی۔"

"ویسے اب مجھے باہر نکلنے کی اجازت بھی دیجئے تاکہ میں ان لوگوں کا پتہ لگاؤں جن کے ہاتھوں زخمی ہو کر یہاں پہنچا تھا۔"

"مگر تم مجھے ان حالات میں چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکتے۔" خانم نے مسکرا کر کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ کراغال سے زیادہ دور نہیں ہیں۔"

"مگر تم انہیں کہاں تلاش کرتے پھرو گے۔"

"تلاش تو محل ہی سے شروع ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ خان کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں کیا خان ضیغم فرشتہ ہیں۔"

"اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جب تک کہ مجھے اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل جائے۔ میرے خیالات اس کی طرف سے اچھے ہی رہیں گے۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ ضیغم ہی کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ اس نے اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں قائم کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ضیغم جیسے لوگ سب کچھ کر گذرنے پر تیار رہتے ہیں اور ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب یک بیک بدل جائیں گے۔

فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اچھا خانم......کیا اب مجھے محل سے باہر نکلنے کی اجازت مل سکے گی۔ مجھے اپنے ساتھی کیپٹن حمید کی خبر لینی ہے۔ پتہ نہیں وہ زندہ ہے یا حملہ آوروں کی نذر ہو گیا ہے۔"

"میں کیا بتاؤں۔ ضیغم کے رویہ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ڈر ہے کہ کہیں وہ اس سے کوئی نئی بات نہ پیدا کر دے۔ کراغالی اجنبیوں اور بدیسیوں کو قطعی پسند نہیں کرتے۔ اُن کے خیالات تمہاری طرف سے کچھ بہتر ہوئے تھے کہ ضیغم نے انہیں دوسری بات سمجھانی شروع کر دی۔ تم نے ان پر لاکھ احسان کیا لیکن اجنبیوں سے ان کی وحشت اپنی جگہ پر ہے۔ وہ صبح شام تمہاری پوجا کر سکتے ہیں لیکن تمہیں کراغال سے باہر نہیں جانے دیں گے۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ میں اب بھی قیدی ہوں۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" خانم کی آواز دردناک تھی۔ "میں تمہیں نہیں روکنا چاہتی لیکن ضیغم تمہارے چلے جانے پر اسی بہانے کراغالیوں کو میرے خلاف اکسا سکتا ہے اور اگر خان کی موت میں ضیغم ہی کا ہاتھ ہے تو وہ ضرور ایسا کرے گا۔"

"میں سمجھتا ہوں......مگر یہ بھی ضروری ہے، جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ میرے اور خان کے تعلقات نجی تھے۔ لیکن مجھ پر ایک حکومت کا ملازم ہونے کی حیثیت سے کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں اور وہ ذمہ داریاں نجی تعلقات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ میں تمہارا ہر مشورہ قبول کرنے کو تیار ہوں۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”آپ کے یہاں کوئی باقاعدہ قسم کا جیل بھی ہے۔“

”ہے...... کیوں۔“ خانم نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

”تو پھر...... مجھ پر کوئی سنگین الزام لگا کر قید کر دیجئے۔“

”ارے...... یہ کیوں۔“

”جیل خانے سے نکل جانا میرا کام ہوگا...... اور آپ پر کوئی الزام بھی نہ آسکے گا۔“

”آہا...... ٹھہرو...... مجھے سوچنے دو۔“

خانم خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ”میں نے سوچ لیا۔ یہ تدبیر کافی کارگر رہے گی۔ خان کا ایک مخصوص جیل خانہ ہے جس کا علم یوں تو سارے کراغال کو ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ علاوہ تین ہستیوں کے...... خان جانتے تھے۔ میں جانتی ہوں اور بوڑھا خان یوسف۔ وہ جیل خانہ خطرناک قسم کے باغیوں کے لئے استعمال ہوتا آیا ہے۔ اس کا نام ہی سن کر لوگ کانپنے لگتے ہیں کیونکہ اس کے قیدی نے دوبارہ پھر کبھی آسمان نہیں دیکھا۔ وہ زیادہ دنوں تک زندہ ہی نہیں رہتا کیونکہ خورد ونوش کے لئے صرف تین دن کی رسد ساتھ کی جاتی ہے۔ میں تم پر کوئی الزام لگا کر تمہیں وہاں بھجوا دوں گی۔ پھر رات کو...... باہر۔“

”مناسب ہے مگر میں اس صورت میں......“ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”کہو کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”کچھ نہیں...... ٹھیک ہے۔“

پھر دونوں میں آہستہ آہستہ گفتگو ہونے لگی۔ آواز سرگوشیوں سے زیادہ نہیں ابھری۔

اسی رات کو فریدی جب محل کی ایک دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا خانم کے پہرے داروں نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے جدوجہد بھی نہیں کی کیونکہ یہ سب کچھ اسی کی اسکیم کے ماتحت ہو رہا تھا۔

پھر دوسری صبح وہ خانم کے مختصر سے دربار میں پیش کیا گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔

”تم پچھلی رات کو کیا کرنا چاہتے تھے۔“ خانم نے گرج کر پوچھا۔

”م...... میں کچھ نہیں۔ آپ کے پہرہ داروں کو غلط فہمی ہوئی تھی۔“

”ٹھیک ہے...... تم پہرہ داروں کو جھٹلا سکتے ہو مجھے نہیں...... میں نے خود تمہیں دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔ اب تم پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ تم نے ایک بار ہماری مدد کی تھی مگر ظاہر ہے کہ اس مدد سے تمہارے کسی مقصد میں خلل آنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ تم جس حکومت کے جاسوس ہو اس کا نام ظاہر کرو۔“

”میں کسی حکومت کا جاسوس نہیں ہوں کس طرح یقین دلاؤں۔“

”خان یوسف......!“ دفعتاً خانم بوڑھے کی طرف مڑ کر بولی۔ ”یہ خان کے سیہ خانے کا قیدی ہے۔ اسے لے جاؤ۔“

سارے دربار میں سناٹا چھا گیا تھا۔ خان یوسف آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور رسی کا سرا پکڑتا ہوا فریدی سے بولا۔ ”چلو۔“

اس نے ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال کر اس کی کمر سے لگا دیا تھا۔ فریدی مضمحل قدموں سے چلنے لگا۔

”یہ تمہیں کیا سوجھی تھی؟ کیا یہ اعزاز و اکرام تمہیں گراں گذرتا تھا۔“ خان یوسف نے کہا۔

”یہ سراسر الزام ہے۔“ فریدی غرایا۔ ”تم لوگ احسان فراموش ہو۔ تم مجھے مار ڈالنا چاہتے ہو، مار ڈالو گے۔“

خان یوسف پھر کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک تنگ و تاریک سرنگ میں داخل ہو رہے تھے۔ یہاں قریب و دور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ حقیقتاً یہ کوئی خطرناک جگہ تھی۔

”پھر بھی۔“ خان یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”نہ جانے کیوں مجھے تمہارے لئے افسوس ہے۔“

”افسوس ظاہر کرنے کا طریقہ بھی خوب ہے۔ میں جانتا ہوں کہ خان کا سیہ خانہ کوئی خطرناک جگہ ہوگی۔“

”ہاں...... آج تمہیں صرف تین دن کی رسد ملے گی۔ ظاہر ہے کہ تمہاری بقیہ زندگی اس پر بسر ہونے سے رہی۔“

”خیر دیکھا جائے گا......“ فریدی نے غصیلے لہجے میں کہا اور خاموش ہو گیا۔

خان یوسف نے ایک طرف اندھیرے میں اسے دھکا دیا۔ پھر فریدی نے دھاتوں کے بجنے

ئی آواز سنی۔ شائد دروازہ کسی دھات کا تھا۔

پھر خان یوسف نے کہا۔ ''ٹھہرو میں مشعل جلاتا ہوں اور تم اُس رسی سے خود پیچھا چھڑا سکو گے۔''

فرار

کچھ دیر بعد وہاں مشعل کی سرخ روشنی پھیل گئی۔ خان یوسف کا چہرہ اس روشنی میں عجیب لگ رہا تھا۔

''نہ جانے کیوں۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولا۔ ''میرا دل نہیں چاہتا کہ تم اس طرح سسک کر مر جاؤ۔ مجھ پر تمہارا ایک احسان ہے...... مگر میں کیا کروں۔''

''مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی تم پر کوئی احسان کیا ہو۔''

''اس برج میں جب تم نے ہم پر ریوالور تانے تھے بڑی آسانی سے ہمارا خاتمہ کر سکتے تھے۔''

''جاؤ......!'' فریدی جھلائے ہوئے انداز میں ہاتھ جھٹک کر بولا۔ ''میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگ سکتا۔''

''مانگو بھی تو میں بے بس ہوں۔'' خان یوسف نے مایوسی سے کہا۔ ''میں خانم سے غداری نہیں کر سکتا۔''

فریدی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور خان یوسف بولا۔

''وہ ادھر بائیں طرف ایک دھار دار تیغہ نصب ہے۔ اس سے اپنی رسیاں کاٹ ڈالو... دیکھو میں حتی الامکان تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔ روزانہ تمہیں کم از کم اتنا کھانا ضرور پہنچے گا جس سے تم اپنی زندگی برقرار رکھ سکو۔''

''مجھے بھیک نہیں چاہئے۔ تم جا سکتے ہو۔ میں بھی پٹھان ہوں خان یوسف۔''

''میں تمہیں یہاں کے خطرات سے آگاہ کئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ دیکھو ادھر بائیں طرف ایک

گہری کھڈ ہے۔ اس کی گہرائی کا آج تک کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکا۔ نیچے بہتا ہوا پانی ہے۔ تم اس کی مدھم آواز سن رہے ہو گے۔ دریائے کراغال کی ایک شاخ یہاں زمین کے نیچے بہتی ہوئی نہ جانے کہاں جاتی ہے۔''

''تب تو پھر میں خود کو قیدی نہیں سمجھ سکتا۔ یہی میری راہ فرار ہوگی۔ خان یوسف......'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں اسے خودکشی کہوں گا۔'' خان یوسف نے کہا۔

فریدی دیوار سے نصب شدہ تیغے سے اپنی رسیاں کاٹ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آزاد ہو گیا اور خان یوسف کی طرف مڑ کر مسکراتا ہوا بولا۔ ''اچھا دوست...... الوداع...... میرے لئے یہی کافی ہے کہ تم اس ظلم پر مغموم ہو۔''

''دیکھو...... جلد بازی اچھی چیز نہیں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں خورد و نوش کا سامان ملتا رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ میں خانم کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''میں خانم جیسی احسان فراموش عورتوں کا احسان لینا پسند نہیں کروں گا۔ اب تم جاؤ میں تنہائی چاہتا ہوں۔''

''خدا کی قسم تم عجیب ہو۔ میں نے ایسا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ تم کراغال کے خان سے بھی زیادہ پراسرار ہو۔''

اس دوران میں فریدی مشعل اٹھا کر اس کھڈ کا جائزہ لینے لگا۔ خان یوسف سلاخوں دار دروازے کی دوسری طرف کھڑا اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ کھڈ بہت گہری تھی۔ اس کی تہہ تک مشعل کی روشنی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ البتہ فریدی پانی بہنے کی آواز صاف سن رہا تھا۔ لیکن یہ آواز کافی گہرائی سے آ رہی تھی۔ بہت ہی ہلکی آواز۔

''تم ایسا نہیں کرو گے لڑکے...... میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔''

''اچھا نہیں کروں گا...... اب تم خدا کے لئے جاؤ۔ میں تنہائی چاہتا ہوں۔''

خان یوسف چلا گیا۔ فریدی کی اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا کہ وہ ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہتا۔ ایک بار خان یوسف پھر آیا۔ وہ خورد و نوش کے لئے چیزیں لایا تھا۔

فریدی نے اس سے بات بھی نہ کی۔ آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ ویسے خان یوسف تسکین آمیز

باتیں کئے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر واپس چلا گیا۔ فریدی رات کا منتظر تھا اور بار بار اپنی گھڑی کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

دن گذر گیا۔ پھر رات آئی لیکن وہاں تو دن بھر مشعل جلتی رہی تھی۔ لہٰذا اگر گھڑی نہ ہوتی تو رات دن کی تقسیم بھی مشکل ہو جاتی۔ بوڑھے خان یوسف نے حتی الامکان اس کے لئے آسانیاں بہم پہنچائی تھیں۔ وہ مشعلوں میں جلنے والے تیل کی کافی مقدار وہاں چھوڑ گیا تھا۔ ویسے فریدی کو وہاں گھٹن کا احساس تو ہوتا ہی رہا تھا مگر اب مشعل کے دھوئیں نے اسے قریب قریب ناقابل برداشت بنا دیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ مشعل نہیں بجھانا چاہتا تھا۔ معلوم نہیں کیوں؟

ٹھیک ڈیڑھ بجے رات کو خانم آئی۔ وہ سیاہ لباس میں تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا شکاری تھیلا تھا۔ اُس نے قید خانہ کا دروازہ کھولا اور اندر آ گئی۔ اس کے چہرے پر اداسی کے گہرے بادل تھے۔

"کیا تم تیار ہو۔" اس نے مضمحل آواز میں پوچھا اور پھر بولی۔ "اس تھیلے میں کراغال کا لباس ہے۔ دو ریوالور...... کارتوس کچھ کھانے کا سامان...... لیکن میں دوبارہ بھی تم سے ملنے کی متمنی رہوں گی۔"

اُس کی آواز میں بڑا درد تھا۔ فریدی کھڑا ہو گیا۔ مشعل کی سرخ روشنی غار نما تہہ خانے میں پھیلی ہوئی تھی اور اس ماحول میں خانم ہزاروں سال پہلے کی کوئی عورت معلوم ہو رہی تھی۔ دلکش اور پراسرار...... فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ صدیوں پہلے کی فضا میں سانس لے رہا ہو۔

"تم پھر آؤ گے کبھی۔" خانم کی غم ناک مگر مترنم آواز پھر اس کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ چونک پڑا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"میں ضرور آؤں گا...... اب مجھ پر کراغال کی حفاظت بھی فرض ہو گئی ہے۔ میں اسے ان لوگوں کا پاکٹ نہیں بننے دوں گا۔"

"چلو...... میں تمہارے لئے بہت مضطرب رہوں گا۔ کیا تم اپنے چہرے میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔"

"کر سکتا ہوں مگر یہاں سامان کہاں ملے گا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"سامان موجود ہے...... خان کو بھیس بدلنے میں کمال حاصل تھا۔ اسی لئے وہ قرب و جوار

میں ہونے والی سازشوں سے باخبر رہتے تھے۔"

فریدی کو یاد آ گیا کہ زمانہ حصول علم میں اس نے جس اطالوی ایکٹر سے میک اپ کی ٹریننگ لی تھی اس سے خان عیسٰی کے تعلقات بھی تھے۔ ہو سکتا ہے اس نے بھی یہ فن اُسی سے سیکھا ہو۔ وہ دونوں قید خانے سے باہر آ گئے۔ خانم نے دروازہ بند کر کے قفل میں کنجی گھمائی اور چلنے کے لئے مڑی۔ فریدی ہاتھ میں مشعل اٹھائے ہوئے تھا۔

"تم آج محل کے اس راز میں شریک ہونے جا رہے ہو۔" خانم نے کہا۔ "جس سے کوئی چوتھا آدمی واقف نہیں تھا۔ میں تمہیں پوشیدہ سرنگوں سے باہر لے جاؤں گی۔ تم وہ تہہ خانہ دیکھو گے جسے خان اپنی خاص قسم کی مہمات کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان جگہوں سے میرے خان اور یوسف کے علاوہ کوئی واقف نہیں۔"

"میں شکر گذار ہوں خانم......!"

"تمہاری شکر گذاری کا اظہار دراصل تمہاری واپسی ہو گی۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے تم میرے خاندان ہی کے ایک فرد ہو۔ خان مرحوم تمہارا تذکرہ بڑے پیار سے کرتے تھے۔"

"میں آؤں گا خانم...... ضرورت پڑی تو خان عیسٰی ہی کی شکل میں آؤں گا اور اس کی ضرورت پڑے گی ایک دن۔ میں جانتا ہوں میں نے خان کی خواب گاہ میں ایک ٹرانسمیٹر دیکھا تھا جرمن ساخت کا۔ اگر آپ اس کے استعمال سے واقف ہوں تو میں آپ سے برابر رابطہ قائم کر سکتا ہوں۔"

"میں واقف ہوں استعمال سے۔" خانم کی آواز میں مسرت انگیز کپکپاہٹ تھی۔ "اوہ...... مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ انتہائی مسرت۔ میں خود کو دشمنوں میں تنہا نہیں محسوس کروں گی۔"

"اسے اپنی خواب گاہ میں رکھوا لیجئے۔"

"میں ضرور رکھوں گی۔"

وہ ایک طویل سرنگ تھی جس میں وہ اس وقت چل رہے تھے۔ اچانک خانم ایک جگہ رک گئی۔ وہ ایک مقفل دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے جیب سے کنجی نکال کر قفل کھولا اور دروازے کو دھکا دے کر کھولتی ہوئی اندر گھسی۔ فریدی نے مشعل کی روشنی میں دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑا اسلحہ خانہ ہے۔ چاروں دیواروں پر مختلف قسم کی رائفلیں لٹکی نظر آ رہی تھیں۔ خانم نے ایک رائفل کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہی وہ رائفل ہے جس کا تذکرہ میں نے تم سے کیا تھا۔"

یہ لمبائی میں دو فٹ سے زیادہ لمبی نہیں تھی۔ فریدی نے اُسے اتار لیا۔ چند لمحے الٹ
اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اس ساخت کی رائفل میرے لئے نئی ہے۔"

وہاں ایک طرف میک اپ کا سامان موجود تھا۔ فریدی نے سب سے پہلے جلدی جلد
کیونکہ اُسے شیو کرنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔ ڈاڑھی کافی بڑھی ہوئی تھی۔ خانم مشعل اٹھائے
تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ ایک خالص کراغالی نظر آرہا تھا۔ خانم کا لایا ہوا لباس
پہن چکا تھا۔

"بالکل کراغالی...... سو فیصدی۔" خانم نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔

"کیا میں یہاں سے رائفل بھی لے سکتا ہوں۔" فریدی نے پوچھا۔

"بڑی خوشی سے۔" خانم نے جواب دیا۔ "تم خان کے دوست ہو۔ اس لئے ان کی چ
تمہارا حق ہے۔ اگر تم ان کی زندگی میں آئے ہوتے تو......" خانم کی آواز گلوگیر ہوگئی۔

وہ پھر اس کمرے سے نکلے اور خانم دروازہ مقفل کرنے کے بعد ایک طرف چل پڑی۔

"ہمیں تقریباً ڈیڑھ میل چلنا پڑے گا۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"آپ تھک جائیں گی۔"

"کراغال کی کسی عورت سے کبھی یہ نہ کہنا۔" خانم مسکرائی۔

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔

کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے پھر خانم نے کہا۔ "تمہارے بچے پریشان ہونگے اور بیوی بھی

"بیوی تو پہلے بھی کبھی نہیں تھی البتہ بچے لاتعداد ہیں۔ ایک بوڑھا بچہ میں یہیں چھوڑ
ہوں۔ خان یوسف...... کل وہ بیچارہ مجھے سیہ خانے میں نہ پا کر بہت مغموم ہوگا۔ میں نے اس
تھا کہ میں اس کھڈ میں چھلانگ لگاؤں گا۔"

پھر خانم کے استفسار پر اُس نے پورا واقعہ دہرایا۔

"یہ بہت اچھا ہے۔" خانم بولی۔ "اگر اُسے اس پر یقین آجائے۔ اس راز میں میں نے
بھی نہیں شریک کیا۔"

"ٹھیک ہے...... اچھا خانم...... آپ مجھے کس وقت مخاطب کیا کریں گی۔"

"جس وقت تم کہو۔ مگر میں تمہیں تمہارے نام سے نہیں مخاطب کرنا چاہتی۔ کوئی تیسرا بھی ہماری گفتگو سن سکتا ہے۔"

"ہوں...... خیال درست ہے...... اچھا آپ مجھے کرنل ہارڈ سٹون کے نام سے مخاطب کر سکتی ہیں۔"

دفعتاً فریدی کا دل بیٹھنے لگا۔ یہ نام حمید نے اسے دیا تھا۔ پتہ نہیں وہ کس حال میں ہو۔ خدا جانے...... زندہ ہو یا...... فریدی اس سے آگے نہ سوچ سکا۔ حمید کی موت خود اس کی موت ہوتی۔ اسے اُس سے ایسی ہی محبت تھی۔

"تم خاموش کیوں ہوگئے۔ کیا میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے۔" خانم نے کہا۔

"نہیں کچھ نہیں۔ مجھے اپنا ساتھی یاد آگیا تھا۔ پتہ نہیں اس کا کیا حشر ہوا ہو۔ ہاں مگر آپ مجھے کراغالی ہی زبان میں مخاطب کریں گی' یہ بھی خطرناک ہے۔ اگر ضیغم کا تعلق ان لوگوں سے ہوا تو یہ چیز آپ کے لئے مصیبت بھی بن سکتی ہے۔"

"میں کراغالی نہیں استعمال کروں گی۔ انگریزی بھی بول سکتی ہوں۔ خان نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔"

"یہ بہت اچھا ہے...... میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں گا۔"

"ہارڈ اسٹون کی مناسبت سے کچھ ہونا چاہئے۔" خانم مسکرائی۔

"روبی کیسا رہے گا۔"

"مناسب ہے۔"

مشعل کی روشنی کم ہوتی جارہی تھی۔ خدشہ تھا کہ وہ تھوڑی ہی دیر بعد بجھ جائے گی۔ خانم نے اسے محسوس کرلیا اور بولی۔ "تھیلے میں ایک ٹارچ بھی موجود ہے۔ ویسے مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے لئے سگار نہ مہیا کرسکی۔ مگر شاید تم عادی نہیں ہو، ورنہ تمہارے چہرے پر اس کا اثر ضرور پڑا ہوتا۔ تمباکو نہ ملنے پر میں نے بہتیرے بے نور چہرے دیکھے ہیں۔"

"میں سو فیصدی عادی ہوں...... لیکن پابند نہیں۔ میں مہینوں تمباکو کے بغیر بھی رہ سکتا ہوں۔"

"پھر اس عادت کو ترک ہی کیوں نہیں کردیتے۔"

"چاہوں تو ترک بھی کرسکتا ہوں۔"

"اچھا کرنل ...... سرنگ کے دہانے پر تمہیں ایک گھوڑا ملے گا۔ وہ تمہیں شکارگاہ لے جائے گا۔ تم خود کو اُسی کی مرضی پر چھوڑ دینا۔ ان گھوڑوں میں سے ہے جنہیں خود خان ہی نے سدھایا ہے یہ گھوڑا شکارگاہ کے لئے مخصوص ہے۔ لہٰذا تم اس پر اعتماد کر سکتے ہو۔ وہ شکارگاہ سے خود ہی واپس آجائے گا۔ ویسے اگر تم اسے آگے بھی لے جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

فریدی کی خواہش تھی کہ اب خانم خاموش ہی رہے تو بہتر ہے کیونکہ وہ اب اپنا لائحہ عمل مرتب کر رہا تھا۔ سرنگ طے کرنے میں آدھا گھنٹہ صرف ہوا لیکن فریدی یہ نہیں دیکھ سکا کہ دہانے پر رکی ہوئی چٹان کس طرح ہٹی تھی۔ چٹان کے ہٹتے ہی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا در آیا۔

"کیا یہ چٹان میکنزم پر تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں...... یہ میکنزم ہی ہے۔"

وہ دونوں سرنگ سے نکل آئے۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جس کے گرد اونچی چٹانیں تھیں۔ ا... زمین مسطح تھی۔ وہیں قریب ہی ایک گھوڑا سفر کے لئے تیار موجود تھا۔

مشعل ابھی بجھی نہیں تھی وہ دونوں خاموش کھڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خانم نے کہا۔ "تمہیں یہاں جتنی بھی تکلیف پہنچی ہو ان کے لئے معافی چاہتی ہوں۔"

"مجھے شرمندگی ہے خانم......" فریدی بولا۔ "میری وجہ سے آپ نہ جانے کتنی الجھنوں شکار رہی ہیں۔"

"الوداع......!" خانم ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "صبح ہونے سے پہلے ہی تمہیں شکارگاہ تک پہنچ جانا چاہئے۔ جہاں سے بھی گھوڑے کو چھوڑنا ہو اس کا ساز اتار کر پھینک دینا۔ اگر یہ زین سمیت واپس آیا تو ہوسکتا ہے کہ لوگ شبہات میں مبتلا ہو جائیں۔"

"بہتر ہے...... میں زین اتار کر دریا میں ڈال دوں گا۔"

خانم کچھ کہے بغیر مشعل سنبھالے ہوئے سرنگ کے دہانے میں چلی گئی۔ فریدی نے چٹان کھسکنے کی آواز سنی اس کے بعد پھر وہی پہلے کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔

فریدی چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر راس ڈھیلی چھوڑ دی۔

تھوڑی دیر بعد گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ آسمان میں ابر ہونے کی وجہ سے چاندنی دھندلی تھی لیکن گھوڑا اپنے دیکھے بھالے راستے پر بے تکان دوڑ رہا تھا۔

ٹھیک ساڑھے چار بجے وہ شکارگاہ میں پہنچ گیا۔ یہ گھوڑا فریدی کے لئے کم حیرت انگیز نہیں تھا۔ وہ یکساں رفتار سے یہاں تک آیا تھا۔ فریدی اسے دریا کی طرف لیتا چلا آیا۔ پھر اس نے اس کی زین اتاری اور دریا میں ڈال دی۔ یہ فعل غیر دانشمندانہ ضرور تھا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ راستہ نہ ملنے کی صورت میں دوبارہ محل کی طرف واپسی ناممکن تھی۔ اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ گھوڑے کو واپس ہی کر دیا جائے۔ حالانکہ وہ ایک کراغالی کے بھیس میں تھا لیکن زبان پر قدرت نہ ہونے کی بناء پر وہ یہاں خود کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ وہ دریا کے کنارے چلنے لگا۔ بادل چھٹ گئے تھے اور چاندنی بکھر گئی تھی۔

فریدی چلتا رہا...... اُسے کراغالیوں سے زیادہ اُن لوگوں کی فکر تھی جن کی بدولت یہاں تک پہنچا تھا۔ خانم کے بیان کے مطابق وہ کراغال کے پہاڑوں میں آزادانہ رہتے تھے۔ ایک آدھ بار خانم کے سپاہیوں سے ان کی جھڑپیں بھی ہو چکی تھیں۔ لہٰذا ایک کراغالی کی حیثیت سے بھی وہ خطرے میں تھا۔

وہ خیالات میں ڈوبا ہوا چل رہا تھا۔ اس لئے اندازہ نہیں کر سکا کہ منزل مقصود پر پہنچنے میں کتنی دیر لگی تھی۔

بہرحال اب وہ اس مقام پر تھا جہاں سے دریا ایک تنگ سے درے سے نکل کر وادی کراغال میں داخل ہوا تھا۔ فریدی نے درے میں ٹارچ کی روشنی ڈالی لیکن کہیں بھی قدم جمانے کی جگہ نظر نہ آئی۔ اب اُس نے گہرائی کا اندازہ کرنے کے لئے رائفل کو پانی میں ڈالا اور دوسرے لمحے میں اپنی توقعات پر مسرور ہونے کا موقع مل گیا۔ اُس جگہ بمشکل تمام گھٹنوں تک پانی رہا ہوگا۔ لیکن بہاؤ بہت تیز تھا۔ پھر بھی فریدی نے قدم رکھ ہی دیا۔ درہ اتنا تنگ تھا کہ دو آدمی بمشکل تمام برابر سے گذر سکتے تھے۔ فریدی نے داہنے ہاتھ سے رائفل اور بائیں ہاتھ سے ٹارچ پکڑ رکھی تھی اور بایاں شانہ چٹان سے لگائے وہ آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

فریدی ہی جیسے جفاکش اور مشاق آدمی کا کام تھا اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کے قدم اکھڑ گئے ہوتے۔ غنیمت یہی تھا کہ گہرائی ابھی تک یکساں ہی ملی تھی ورنہ دشواری بڑھ جاتی۔ مگر اب درہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی چوڑائی اتنی ہی رہ گئی تھی کہ ایک ہی آدمی گذر سکتا تھا۔ گہرائی بدستور وہی تھی۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ گہرائی شائد یہاں سے اُس غار تک یکساں ہی ہے ورنہ بیہوش

ہو کر گرنے کے بعد وادی کراغال تک پہنچتے پہنچتے اس کے پرخچے اڑ گئے ہوتے۔

مگر اچانک آگے راہ مسدود ہو گئی۔ وہ درہ ایک ٹھوس چٹان سے مل کر ختم ہو گیا تھا۔ لیکن تیز رفتار پانی اب بھی فریدی کے پیروں میں بہہ رہا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی نیچے ڈالی۔ پانی ایک بڑے سوراخ سے نکل رہا تھا لیکن اس سوراخ میں گھسنا کم از کم کسی ذی ہوش کے بس کی بات نہیں تھی۔ اگر بہاؤ دوسری طرف ہوتا تو شاید ایسا کیا بھی جاسکتا تھا۔ یوں سوراخ کافی کشادہ تھا لیکن چونکہ پانی کی سطح اس سے نیچی نہیں تھی اس لئے اس میں داخل ہونے کی کوشش کرنا پاگل پن ہی ہوتا۔

فریدی چٹان سے ٹک کر کھڑا ہو گیا وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اتنی محنت رائیگاں ہی جائے گی۔ کچھ دیر بعد اس نے ٹارچ کی روشنی اوپر ڈالی۔ تقریباً آٹھ یا دس فٹ کی بلندی پر اُسے ایک سوراخ اور نظر آیا۔ اس کا قطر کم از کم چار فٹ ضرور رہا ہو گا مگر وہاں تک پہنچنا بھی آسان کام نہیں تھا۔ ٹارچ کی روشنی دور تک رینگتی چلی گئی۔ پھر اُسے یاد آیا کہ جہاں سے وہ درے میں داخل ہوا تھا اگر وہیں سے اوپر چڑھے تو ممکن ہے کہ اس غار تک رسائی ہو جائے کیونکہ وہاں کی چٹانیں اس قابل تھیں۔

وہ پھر واپس ہوا اور جب درے سے باہر نکلا تو چاندنی مدہم ہو چکی تھی۔ ستارے بھی ایک ایک کر کے ڈوبتے جارہے تھے اور فضا میں پانی بہنے کے شور کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ فریدی چٹانوں پر پیر جماتا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ کیا خانم سچ مچ ہمدردی سے پیش آئی تھی۔ کیا اسے رام گڈھ تک پہنچنے کے دوسرے راستوں کا علم نہ ہوگا لیکن اس سلسلے میں اس نے راز داری ہی برتی تھی اور اس نے اسے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ محل والی سرنگ کا دہانہ باہر سے کس طرح کھل سکے گا۔ اس کا رویہ فریدی کی سمجھ میں نہ آسکا۔

ویسے وہ اس وقت اس پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ چٹانوں پر قدم رکھتا ہوا اوپر چڑھتا رہا۔ زرد اور بے نور چاند مشرق کی طرف جھک گیا تھا اور آسمان میں اکا دکا ستارے جماہیاں لے رہے تھے۔

وہ غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ ٹھیک اُسی وقت اُسے آوازیں سنائی دیں۔ جیسے بہت سے آدمی کسی اونچی چھت والے کمرے میں چل رہے ہوں۔ قدموں کی گونجیلی آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ پھر وہ دور ہوتی چلی گئیں۔ حتیٰ کہ پھر پہلے ہی جیسا سکوت طاری ہو گیا۔ آوازیں آ

…ارے آئی تھیں۔ فریدی کو تقریباً آدھے گھنٹے تک وہیں کھڑے رہنا پڑا۔ اب ستارے بھی غائب ہو گئے تھے اور اچھی طرح اجالا پھیل گیا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی غار میں ڈالی وہ کسی ڈھلوان سڑک کی طرح ناہموار گہرائیوں میں اترتا چلا گیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس میں اُتر گیا۔ وہ جیسے جیسے نیچے اتر رہا تھا پانی بہنے کی آواز واضح ہوتی جارہی تھی اور پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے خود کو اُس جگہ پر پایا جہاں اس کے بائیں بازو پر گولی لگی تھی۔

نالا ویسے ہی زور و شور کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ درمیان میں ایک ابھری ہوئی چٹان تھی جس پر وہ ایک ہی جست میں پہنچ سکتا تھا اور دوسری جست اسے دوسرے کنارے پر لے جاتی جہاں سے آگے بڑھ کر رام گڈھ کی پہاڑیوں تک پہنچنے کا راستہ بخوبی یاد تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 58

تیسرا شعلہ

(تیسرا حصہ)

مل گئے

ٹارچ کی روشنی ادھر اُدھر اندھیرے میں رینگتی رہی۔ پھر فریدی ایک ہی چھلانگ میں نالے کے درمیان ابھری ہوئی چٹان پر پہنچ گیا۔

اور واپسی کا سفر جاری رہا۔ اس چڑھائی تک پہنچنے کے بعد جو بیرونی دراڑ تک جاتی تھی وہ رک گیا۔ لیکن یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ اس طرح اپنی تھکن مٹا رہا ہے۔ یا رکنے کا مقصد کچھ اور تھا۔

اس نے اپنی پشت پر لگا ہوا تھیلا اتار کر نیچے رکھ دیا۔ پھر اس میں سے اپنے کپڑے نکالے۔ اس کے جسم پر ابھی تک کراغالیوں ہی کا لباس تھا۔ اس نے اسے اتار کر اپنے کپڑے پہن لئے لیکن میک اپ بدستور قائم رکھا۔

اب وہ ٹارچ روشن کئے بغیر مسطح چٹان پر چل رہا تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی دوبارہ وہ اس چٹان پر چل چکا تھا۔ اس لئے کم از کم اس کے لئے اندازے کی غلطی کا امکان نہیں تھا۔

پھر وہ اس پتلی سی دراڑ میں داخل ہوا، جو حقیقتاً اس حیرت انگیز سفر کا باعث بنی تھی۔ یہیں اس نے حمید کو کھویا تھا۔ یہاں پہنچتے ہی ایک بار پھر حمید بڑی شدت سے یاد آیا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ اسے دوبارہ زندہ دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔ ان لوگوں نے اسے زندہ نہ چھوڑا ہوگا۔

دراڑ سے نکلتے ہی صبح کی خوشگوار ہوا کے لطیف جھونکوں نے اس کا استقبال کیا۔ حالانکہ سردی شدید تھی لیکن پھر بھی وہ اسے موسم بہار ہی کی ہوا کے جھونکے محسوس ہو رہے تھے۔ مشرقی افق میں سرخی پھیل گئی تھی اور دور تک بکھری ہوئی چٹانیں ملگجے اجالے میں انگڑائیاں سی لیتی معلوم ہو رہی

تھیں۔

فریدی جنوب کی طرف بڑھتا رہا۔ نیند کے بادل اس کی آنکھوں سے گزر رہے تھے
چلتے رک گیا۔ اس کی پشت سے لگے ہوئے تھیلے میں ایک تھرموس بھی تھا اس میں شاید کافی تھی
نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ تھیلے میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہیں لیکن ابھی تک اسے اس
ہی نہیں آیا تھا۔ تھرموس میں یقیناً کافی ہوگی۔ وہ سوچنے لگا اگر وہ کافی ہی ہوئی تو وہ پیدل ہی
بے تکان زام گڈھ تک پہنچ سکے گا۔ وہ اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ ابھی اور اسی وقت ان پراسرار
کی کمین گاہ تلاش کرنے لگتا۔ وہ ایک ایسی جگہ رکا تھا جس کے گرد چھوٹی چھوٹی چٹانیں طرح
ہوئے تھیں۔ اس نے پشت سے تھیلا اتارا۔ تھرموس دیکھ کر ہی اس کے چہرے پر تازگی لہرا
تھی۔

کافی اور باسی پارچوں کے سینڈوچ کھا کر اس نے سگار سلگایا اور ایک چٹان سے ٹک کر
ہلکے کش لینے لگا۔

افق میں پھیلی ہوئی سرخیوں سے سورج ابھر رہا تھا۔ پہلی کرن فریدی کو اپنی روح کی گہرا
میں اترتی محسوس ہوئی ایک عجیب قسم کی لذت آمیز سی لہر اس کے جسم میں دوڑتی پھر رہی تھی
سے بھیگی ہوئی ٹھنڈی چٹان پر اس نے اپنا داہنا گال رکھ دیا۔ اب خنکی تکلیف دہ نہیں رہ گئی تھی
اونگھنے لگا لیکن یہ کیفیت اضمحلال کا نتیجہ نہیں تھی۔ بلکہ کئی دن بعد اسے سگار نصیب ہوا تھا
صورت میں پتھر کا آدمی بھی اونگھنے لگتا۔ لیکن اس کا ذہن اب بھی اس کے قابو میں تھا۔ صرف
کہ تھکن دور کرنے کے لئے اس نے اسے آزاد چھوڑ دیا تھا۔

دفعتاً اس نے کسی کے دوڑنے کی آواز سنی اور کسی اونگھتے ہوئے درندے کی طرح چونک
چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قریب ہی کہیں بڑے بڑے پتھر لڑھک رہے ہوں۔

اس نے چٹانوں کی اوٹ سے سر نکال کر آواز کی طرف دیکھا۔ نشیب میں ایک آدمی
جا رہا تھا اور اس کے پیچھے بڑے بڑے پتھر لڑھک رہے تھے۔

پھر ایک اور آدمی چیختا چنگھاڑتا ہوا ایک طرف سے نمودار ہوا۔ حیرت سے فریدی کے ہ
کھل گئے۔ یہ قاسم تھا اور نشیب میں بڑے بڑے پتھر لڑھکا رہا تھا۔

نشیب میں دوڑنے والے نے بھی اب ایک چٹان کی اوٹ لے کر اوپر کی طرف پتھر ا

شروع کر دیا تھا۔

"میں تمہیں مار ڈالوں گا سالے۔" قاسم حلق پھاڑ کر دھاڑا اور لفظ "سالے" کو اس وقت تک کھینچتا رہا جب تک کہ آواز حلق میں گھٹ کر نہیں رہ گئی۔

"میں تمہیں پتھر مار مار کر پھٹا ہوا تربوز بنا دوں گا۔" نیچے سے آواز آئی اور چھوٹے چھوٹے پتھر بھی برابر آتے رہے۔

یک بیک فریدی کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے حمید کی آواز صاف پہچان لی تھی۔

"اس نے جلدی جلدی سارا سامان سمیٹ کر تھیلے میں ٹھونسا اور نیچے اترنے لگا۔

دفعتاً قاسم کی نظر اس پر پڑی اور وہ جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ وہ فریدی کو پہچان نہیں سکا تھا۔ پتھر ڈھلیتے ڈھلیتے رک کر سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے عجیب انداز میں پلکیں جھپکائیں اور فریدی نے کہا۔ "میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"قوں......!" قاسم نے بھاڑ سا منہ پھاڑ دیا۔

"تم سرکاری پتھر برباد کر رہے ہو۔ میں ان کا محافظ ہوں۔"

"سرکار کی تو اب چٹنی بنے گی...... بہت جلد۔" قاسم اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

"تم باغی معلوم ہوتے ہو۔"

"ہاں میں باغی ہوں...... جاؤ اپنا راستہ ناپو ورنہ...... دیکھ لوں گا تمہیں بھی۔"

فریدی نے کاندھے سے رائفل اتاری۔ میگزین درست کی اور قاسم کے سر کا نشانہ لے کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی شاید مذاق ہی کے موڈ میں تھا۔

"ارے...... ارے......!" قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں فائر ہوا اور قاسم کی فلٹ ہیٹ اڑ گئی۔

"ارے باپ رے۔" قاسم کی بے ساختہ قسم کی چیخ چٹانوں سے ٹکرا کر دور تک پھیلتی چلی گئی۔ وہ چاروں شانے چت گرا تھا اور اس طرح اپنا سر ٹٹول رہا تھا جیسے وہ سچ مچ اس کے جسم سے الگ ہو گیا ہو۔

"خبردار......!" فریدی ہنسی ضبط کرتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ پڑے رہنا ورنہ سچ مچ دوسری دنیا

کے سفر پر روانہ کر دیئے جاؤ گے۔"

قاسم بے حس و حرکت پڑا رہا۔ دفعتاً ایک پتھر کا ٹکڑا رائفل کے کندے سے ٹکرایا غالباً نشانہ کے ہاتھ کا لیا گیا تھا۔ مگر اندازے کی غلطی نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔

فریدی نے نشیب میں چھلانگ لگائی اور حمید ایک پتھر کی اوٹ سے اچھل کر بھاگا۔

"ٹھہرو......!" فریدی نے اسے للکارا۔ "ورنہ گولی مار دوں گا۔"

حمید رک گیا اور اس کی طرف مڑ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"تم لوگ سرکاری پتھر برباد کر رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"تم کون ہو......؟" حمید نے پوچھا۔

"سرحد کا نگہبان۔"

"تو پیارے سرحد کے نگہبان تم نے ایک سرکاری آدمی کو خواہ مخواہ مار ڈالا۔ تمہیں اس کے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"اوپر چلو......تم دونوں کی لاشیں ایک ہی جگہ سے اٹھوانے میں زیادہ آسانی ہوگی۔"

"میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔"

"یہ ثابت کرنے کے لئے تمہیں میدان حشر میں کافی وقت ملے گا......اوپر چلو۔"

حمید ہاتھ اٹھائے ہوئے چپ چاپ چلنے لگا۔ قاسم تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ اب بھی ا مسطح چٹان پر چت پڑا کسی خوف زدہ پرندے کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"قاسم......تم زندہ ہو۔" حمید نے اُسے آواز دی۔

"غاں......!" قاسم اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکا۔

"تم بھی کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے قاسم سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

قاسم اٹھنے کے لئے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ لیکن اٹھ نہ سکا۔

"تم اس کی مدد کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید اسے اٹھانے کے لئے جھکا اور بڑی دقت سے کامیاب ہو سکا۔ اب وہ دونوں اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے۔

"تم دونوں کیوں لڑ رہے تھے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"مم......مذاخ......کار رہے تھے۔" قاسم ہکلایا۔

"تم بتاؤ۔"

"بکواس مت کرو۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر تم نے ہمیں کوئی گزند پہنچایا تو تمہیں اس کے لئے بھگتنا پڑے گا۔"

"کچھ نہیں......میرے صرف دو کارتوس خرچ ہوں گے اور اگر تم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر کھڑے ہو جاؤ تو ایک ہی سے کام چل جائے گا۔ چلو شاباش۔"

"شش......شابش......!" قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

حمید نے یک بیک قاسم کے پیچھے جا کر اس کی کمر پکڑ لی اور اسے فریدی کی طرف دھکیلنے لگا۔ اس طرح کہ خود اس کے پیچھے مکمل طور پر چھپ گیا تھا۔

"اس سے کیا فائدہ......!" فریدی مسکرایا "میں ایک شرط پر تم دونوں کو معاف کر سکتا ہوں۔"

"جالدی بتاؤ شرط۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم دونوں آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرنے کا وعدہ کرو۔"

"قیوں......!"

"قیوں......؟" فریدی مسکرایا۔ "وعدہ کرو......ورنہ......!"

اس نے پھر رائفل سیدھی کر لی اور قاسم بوکھلا کر چیخا۔ "وعدہ......وعدہ۔"

فریدی نے رائفل نیچے جھکا دی۔ حمید جو اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا اب بھی نہ پہچان

"تم لوگ کہاں جا رہے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"رام گڈھ......!" قاسم نے جواب دیا۔

"چلو میں بھی وہیں جا رہا تھا۔"

"پیدل......!" قاسم نے برجستہ سوال کیا۔

"ہاں پیدل......کیوں۔ یہاں سے ہمیں صرف بیس میل تک پیدل چلنا پڑے گا۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم سر پکڑ کر بیٹھ گیا لیکن زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکا کیونکہ توندیں تک اکڑوں بیٹھنے سے وبال جان ہو جاتی ہیں۔ قاسم کے ڈیل ڈول کی مناسبت سے ا

تو نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن اگر کسی ہاتھی کے لئے اکڑوں بیٹھنا ممکن ہوتا تو قاسم کو ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوتی۔ بہر حال وہ پھر کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ نشیب میں اتر رہے تھے۔

"تم لوگ یہاں کیا کر رہے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"سلاجیت ڈھونڈھنے نکلے تھے۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہم لوگ سلاج آڑھت کرتے ہیں۔ تم نے اس دیو سے میرا پیچھا چھڑا کر مجھے ہمیشہ کے لئے ایک شیشی میں ہے۔ لہٰذا میں تمہیں ازراہِ تشکر اصلی سلاجیت استعمال کرنے کا مشورہ دوں گا اگر دوسری جگہ نہ میری دوکان کا پتہ یاد رکھنا۔ شم پشتم میڈیکل ہال ...... فائدہ نہ ہونے کی صورت میں ایمان سے لکھ دینے پر آدھی قیمت واپس۔ میں کوراج وئیدراج فلاں فلاں کا شاگرد رشید ہوں۔"

"اماں کیا بے پر کی اڑا رہے ہو۔" قاسم منہ بنا کر ہنسا۔

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ ان پہاڑیوں سے نکل جانے سے پہلے اپنا میک اپ بگاڑنا چاہتا تھا۔

فریدی کے رویئے کی بناء پر حمید کو یقین آ گیا تھا کہ یہ انہیں لوگوں میں سے ہے جنہوں پچھلی رات اسے اور قاسم کو بے ہوش کر کے زمین دوز دنیا سے باہر نکال دیا تھا۔ قاسم سے پہلے اسے ہوش آ گیا تھا اور حمید اب سوچ رہا تھا کہ اگر قاسم کو اس سے پہلے ہوش آیا ہوتا تو شاید خود ہوش میں آنے کا موقع کبھی نہ نصیب ہو سکتا کیونکہ قاسم آنکھیں کھولتے ہی اس پر جھپٹ پڑا تھا۔ کا خیال تھا کہ شائد حمید ہی اسے اس زمین دوز جنت سے نکال لایا ہے۔ حالانکہ وہ پہلے ہی واضح کر چکا تھا کہ وہ وہاں سے نہیں نکلنا چاہتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کا چھ لاکھ کا بینک صاف ہو گیا تھا جس کی صفائی اس کے باپ کو یقینی طور پر گراں گذرتی اور وہ اس کے عوض اس گوشت پر سے کھال صاف کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ اب بھی بلا تکلف ہنٹر لے کر قاسم پر پل پڑ اور ایسے مواقع کے متعلق قاسم کا خیال تھا کہ اسے سو تک کی گنتی بھی نہیں یاد آتی۔

وہاں سے نکلنے پر آمادگی ظاہر نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہاں کئی تگڑی تگڑی لڑکیاں سے خاصی بے تکلف ہو گئی تھیں۔

حمید نے چلتے چلتے ایک بار پھر اپنے اجنبی ساتھی پر قہر آلود نظر ڈالی اور خون کے گھونٹ پی کر

گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب یہ آدمی ہمیشہ اس کے سر پر مسلط رہے گا۔ یہ بات قرین قیاس بھی تھی کیونکہ وہ لوگ جو اس پر ایک نئے قسم کا تجربہ کر چکے تھے نتائج سے آگاہ ہوتے رہنے کے لئے کسی نہ کسی کو اس کے پیچھے ضرور لگائیں گے۔

وہ تجربہ بڑا عجیب و غریب تھا لیکن ڈاکٹر زبیری نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ حقیقتاً وہ سب کچھ ایک ڈھونگ ہی ہوگا کیونکہ وہ تجربہ ڈاکٹر زبیری ہی کو کرنا تھا۔ وہ تجربہ عجیب و غریب اس لئے تھا کہ ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی حمید کو اس کی تفصیل یاد نہ آئی۔ اس کے ذہن میں اس سے متعلق اس قسم کی کوئی خلش بھی نہیں پائی جاتی تھی، جو اکثر کسی بھولے ہوئے خواب کو یاد کرتے وقت پیدا ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس کے فرشتوں کو بھی اس تجربے کی نوعیت کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ ویسے ڈاکٹر زبیری کے بتائے ہوئے پروگرام کے مطابق خود کو نیلے آسمان کے نیچے پا کر اس نے سوچا تھا کہ وہ اس تجربے کے بعد ہی وہاں سے نکالا گیا ہوگا۔ ڈاکٹر زبیری نے اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ خواہ کچھ بھی کرے اسے بعض اوقات اس قسم کی حرکتیں بھی کرنی پڑیں گی جو اس کے بدلے ہوئے نظریات کی ترجمانی کر سکیں۔ اس کی اسی بات سے حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ لوگ بہت قریب سے اس کی نگرانی کریں گے۔

حمید چپ چاپ چلتا رہا۔ وہ آئندہ کے لئے اپنا پروگرام مرتب کر رہا تھا۔ اکثر اسے اپنی بے بسی پر ہنسی بھی آنے لگتی۔ لیکن بے بسی پر ہنسی آنے سے حالات نہیں بدلا کرتے۔ اسے ہر حال میں جم کر مقابلہ کرنا تھا۔ دفعتاً اُسے فریدی یاد آ گیا۔ پتہ نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگا اگر حمید کا بس چلتا تو وہ اس کے لئے زمین و آسمان ایک کر دیتا۔ بعض اوقات اس کے ذہن میں بُرے خیالات بھی چکرانے لگتے اور وہ یہ سوچ کر لرز جاتا کہ کہیں فریدی ان کی گولیوں ہی کا شکار نہ ہو گیا ہو۔

مگر اب...... بظاہر اسے فریدی کا دشمن بننا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ملاقات ہونے پر وہ اسے اس سے آگاہ کرے یا نہ کرے۔

"ہا...... ہہ ہہ۔" دفعتاً قاسم نے چلتے چلتے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ وہ چل نہیں بلکہ لڑھک رہا تھا۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا جیسے اب گر ہی پڑے گا۔ ایسے موقع پر اس کے حلق سے بیک وقت کئی طرح کی آوازیں نکلتیں۔

تھوڑی دیر بعد خاموشی حمید کو کھلنے لگی۔ بہت دنوں بعد اسے کھلی فضا ملی تھی اور پھر قاسم کا تھا۔ ایسی صورت میں واپسی کے سفر کا سوگوار انداز گراں گزرنے لگا۔

''وہ......ٹلنی بالا...... مجھے بے حد یاد کرتی ہوگی۔'' اس نے قاسم سے کہا۔

''تمہاری ایسی کی تیسی۔'' قاسم جھلائے ہوئے انداز میں رک گیا اور پھر دہاڑا۔ ''میں تم بھوسہ بنادوں گا۔''

''ہائیں...... ہائیں...... پھر شروع کردیا تم لوگوں نے۔'' فریدی دونوں کو گھورنے لگا۔

''یہ کیوں اپنی ٹلنی خالہ کا نام لے رہا ہے۔'' قاسم پھر دہاڑا۔

''خالہ تو وہ تمہاری ہے بھانجے۔ پچھلی رات وہ میرے کمرے میں رہی تھی۔'' حمید نے آہ سے کہا۔

''تمہارے باپ کے بھی کمرے میں نہیں رہ سکتی۔'' قاسم نے حمید پر دو ہتھڑ چلایا اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ نتیجہ قاسم کو اوندھے منہ زمین پر چلا آنا پڑا

اور پھر وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بلبلایا۔ ''مارو...... گولی...... سالے کو...... اسی نے چھیڑا تھا۔''

''میں سچ مچ گولی ماردوں گا۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''میں تم سے کمزور نہیں ہوں دوست۔'' حمید نے اکڑ کر جواب دیا۔ ''مجھے کسی چٹان کی آڑ لینے دو۔ پھر تمہاری گولیاں اور میرے پتھر۔''

''نہیں...... تم اسے پکڑ کر میرے حوالے کردو۔'' قاسم نے فریدی سے ملتجیانہ انداز میں کہا ''میں اس کی طرح اچھل کود نہیں کرسکتا ورنہ خود ہی پکڑ لیتا۔''

فریدی کو ہنسی آگئی اور قاسم جھلاہٹ میں اسے منہ چڑھانے لگا۔

''یہ ٹلنی بالا کون ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''میری محبوبہ......!'' حمید جلدی سے بول پڑا۔

''تیرے باپ کی محبوبہ ہے۔'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا اور اسے کھانسی آنے لگی۔ ٹلنی بالا ای موٹی عورت تھی جس کیلئے ایک بار زمین دوز دنیا میں بھی ان دونوں نے خاصی ہڑبونگ مچائی تھی۔

''میرے باپ کی نہیں...... میری محبوبہ ہے۔'' حمید نے پھر کہا۔

اور قاسم دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے لگا۔ بال نوچنے لگا۔ فریدی ایک بڑے پتھر پر بیٹھ

تھا۔ قاسم اور حمید ایک دوسرے سے الجھتے رہے۔ قاسم شاید بہت تھک گیا تھا۔ اس لئے اس کی صرف زبان ہی چل رہی تھی۔ یک بیک وہ خاموش ہوکر اپنا منہ چلانے لگا۔ کیونکہ اس نے فریدی کو سینڈوچ کھاتے دیکھ لیا تھا۔

حمید کو اس کی اس حرکت پر ہنسی آگئی اور وہ جھینپے ہوئے انداز میں اسے پھر برا بھلا کہنے لگا...... اور فریدی مسکرا کر بولا۔

''تمہارے لئے کم از کم دس سیر سینڈوچوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ اتنے میرے پاس نہیں ہیں۔''

''نہیں تم کھاؤ۔'' قاسم ایک طرف منہ پھر کر تھوک کر پچکاری مارتا ہوا بولا۔

''اور تم......!'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھا۔

''میں ہفتے میں ایک بار کھالیتا ہوں۔''

''نہیں...... تم دو سینڈوچ لوگے ورنہ میں تمہیں گولی ماردوں گا۔''

''تم اسے صرف ایک سینڈوچ دے کر چار بار گولی مار سکتے ہو۔'' حمید نے قاسم کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

قاسم نے اس بار جھلا کر ایک بہت بڑا پتھر حمید پر کھینچ مارا اور وہ بال بال بچا۔

فریدی بڑی مشکل سے اس ہڑبونگ پر قابو پاسکا۔ اس کے لئے اسے سارے سینڈوچ بچی کھچی کافی قاسم کے حوالے کرنی پڑی۔ بہرحال اس سے اتنا ہوا کہ قاسم کا چڑچڑاپن کسی حد تک دور ہوگیا اور وہ پھر چل پڑے۔ رام گڈھ والی سڑک پر پہنچ کر وہ پھر ستانے کے لئے رکے۔ دراصل قاسم پیدل چلنے کے معاملے میں صفر تھا۔ صفر نہیں بلکہ پہاڑ کہنا چاہئے۔

کچھ دیر ستانے کے بعد وہ پھر چلے اور شائد اب تقدیر اُن پر مہربان ہوگئی تھی کیونکہ تھوڑی ہی دور چلنے پر انہیں ایک ایسا ٹرک دکھائی دیا جس میں کوئی نقص پیدا ہوگیا تھا اور ڈرائیور انجن پر جھکا ہوا اُسے ٹھیک کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

فریدی اس سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے رکا...... اور ڈرائیور کی ایماء پر وہ بھی اس کا ہاتھ بٹانے پر تیار ہوگیا۔ انجن کے درست ہونے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ ٹرک ڈرائیور رام گڈھ ہی جارہا تھا۔ ڈرائیور نے بڑی خندہ پیشانی سے انہیں رام گڈھ تک کے سفر کی

اجازت دے دی۔

فریدی حمید کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا لیکن نہ جانے کیوں اُ[س] نے خود کو ظاہر نہیں کیا اور اب وہ اس طرح خاموش تھا جیسے اُن دونوں سے واقف ہی نہ ہو۔ البتہ حمید اسے رہ رہ کر گھورنے لگتا تھا۔ مگر اسی خیال کے تحت کہ وہ انہیں مجرموں میں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے اُسے زمین دوز دنیا کی سیر کرائی تھی۔

دفعتاً فریدی نے حمید سے کہا۔ ''میں تم لوگوں کی طرف سے مطمئن ہوں، لیکن ضابطے کی خانہ پری تو کرنی ہی پڑے گی۔''

''یعنی......!''

''میں تمہیں اپنے ساتھ کوتوالی لے جاؤں گا اور تمہیں وہاں اپنا بیان درج کرانا پڑے گا کہ تم وہاں کیا کر رہے تھے۔ مگر اس موٹے کو وہاں نہ لے جانا ورنہ وہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے گا جو پولیس کی نظر میں یقیناً مشتبہ ہوگی۔ کیا یہ پاگل ہے؟''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی جرأت پر صرف عش عش کرتا رہا۔ ویسے اس نے اس کے مشورے سے اختلاف نہیں کیا۔ شہر پہنچ کر اس نے قاسم کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ روحی کے گھر چلا جائے جہاں نوشابہ اس کے عشق میں ہتھنی ہوگئی ہوگی۔ قاسم کے لئے اس سے بہتر اور کیا مشورہ ہوتا وہ بے چون و چرا راضی ہوگیا۔

فریدی حمید کو ایک ریستوران میں لایا۔

''کیا یہ کوتوالی ہے۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں فرزند......!'' فریدی نے اپنے اصل لہجے میں کہا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا سر گردن سے علیحدہ ہو کر فضا میں ناچنے لگا ہو۔

''آپ......!'' اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ہاں......میں۔''

''یقین نہیں آتا۔''

''یہی حال میرا بھی ہے۔''

پھر ذرا ہی سی دیر میں حمید نے کسی حیرت زدہ بچے کی طرح زمین دوز دنیا کی ''الف لیلیٰ'' چھیڑ

دی لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ فریدی کے چہرے پر استعجاب کے آثار نہیں ہیں۔ پوری کہانی سن لینے کے بعد اس نے اتنا ہی کہا کہ اسے ان واقعات میں اُسی تنظیم کی جھلک پہلے بھی نظر آئی تھی۔ اپنے متعلق حمید کو اس سے زیادہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کسی نہ کسی صورت سے بچ نکلا تھا۔ وادی کرانال کے تجربات کا تذکرہ نہیں کیا۔

''مگر جناب......!'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''مجھے توقع نہیں ہے کہ اس بار ہمیں کامیابی ہو۔''

''مایوسی میرے مذہب میں حرام ہے۔''

''خیر چھوڑیئے......اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''تمہیں......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''انہیں مایوس نہ کرنا چاہئے۔ وقتاً فوقتاً ان کی توقعات پوری کرتے رہنا۔''

''یعنی......!''

''فریدی پر ناکام حملے۔''

''گویا آپ ان کے مقابلے میں شکست کا اعلان کر رہے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ آپ اس تجویز پر مجھے گولی مار دیں گے۔''

''نہیں......تم اسی طرح میرے کام آؤ گے جس طرح وہ لوگ چاہتے ہیں......اچھا دیکھو اب یہاں فی الحال تین آدمی ہماری لسٹ پر ہیں۔ سردار شکوہ......ڈاکٹر سلمان اور دلکشا کا منیجر۔ سردار شکوہ اور منیجر تو مجھے معمولی قسم کے ایجنٹ معلوم ہوتے ہیں لیکن ڈاکٹر سلمان۔''

''اب تو مجھے روحی پر بھی شبہ ہو رہا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

فریدی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ ریستوران کے باہر دیکھ رہا تھا جہاں فٹ پاتھ پر ایک ادھیڑ عمر کا آدمی کھڑا اپنی انگلیوں کی پوروں پر کسی چیز کا شمار کر رہا تھا۔

مرمت

فریدی اُسے دیکھتا رہا۔ دفعتاً حمید کی نظر بھی اُس طرف اٹھ گئی اور وہ ادھیڑ عمر آدمی نہ
کیوں اسے جانا پہچانا سا معلوم ہونے لگا۔ اس کے ذہن میں کچھ اسی قسم کی خلش پیدا ہوگئی جیسے
بھولا ہوا خواب یاد آتے آتے رہ جائے...... اس کی آنکھیں...... وہ جانی پہچانی سی تھیں۔

"میں اب ریالٹو میں قیام کروں گا۔" فریدی حمید کی طرف مڑا اور اُسے بھی اسی نشـ
والے آدمی کی طرف دیکھتا پا کر مسکرایا۔

"کیوں...... تم اسے گھور رہے ہو جب کہ اس کی توجہ ہماری طرف نہیں ہے۔"

"اوہ......!" حمید چونک پڑا پھر آہستہ سے بولا۔ "اسکی آنکھیں کچھ جانی پہچانی سی ہیں۔"

"ہیں نا...... مگر مجھے حیرت ہے کہ تم صرف آنکھوں ہی تک محدود رہے اس کے ہاتھوں
کرو...... داہنے ہاتھ کا انگوٹھا۔"

"اوہو...... کیا انور...... یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کیا آ
نے اسے بھی بلالیا ہے۔"

"نہیں...... مجھے اس کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ خیر اچھا تو اب میں تمہیں یہی مشورہ دو
کہ تم روحی کے پاس جاؤ اور وہیں قیام کرو۔"

"تو کیا آپ بھی اُس پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"نہیں ابھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔"

"لیکن اسے ذہن میں ضرور رکھئے گا کہ موجودہ طاقت کوئی عورت ہے۔"

"عورت بجائے خود ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ اتنی بڑی کہ مرد پیدا کرتی ہے۔" فریـ
مسکرایا۔

"اچھی بات ہے...... میں جا رہا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"جاؤ...... میں تمہیں فون کروں گا اور اپنا فون نمبر بھی بتاؤں گا۔"

حمید جیسے ہی باہر نکلا ادھیڑ عمر آدمی اس کے پیچھے لگ گیا۔ فریدی نے بیرے کو طلب کر کے

ادا کیا اور وہ بھی ریستوران سے اٹھ کر اسی سمت چل پڑا جدھر وہ دونوں گئے تھے۔ حمید ٹیکسیوں کے اڈے پر پہنچ کر شاید روحی کی کوٹھی تک پہنچنے کا انتظام کرنے لگا تھا۔ فریدی نے تعاقب کرنے والے کو بھی ایک ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھا اور اس نے رفتار تیز کردی۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی فریدی ادھیڑ آدمی کے برابر پچھلی نشست پر تھا۔

ڈرائیور نے مڑ کر دیکھا۔

"کلل بالا......!" فریدی نے برجستہ کہا اور ادھیڑ آدمی اسے گھورنے لگا۔ حمید کی ٹیکسی سڑک پر نکل کر آگے بڑھ گئی تھی۔

"کیا مطلب......!" ادھیڑ آدمی جھلا گیا۔

"نہیں برخوردار......!" فریدی مسکرایا۔ "حمید کا تعاقب کرنے سے کیا فائدہ۔ خدا کی زمین بہت وسیع ہے...... اور ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں۔"

"اوہ...... تو یہ آپ ہیں۔" انور کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نہ ہوتا تو تمہیں پہچانتا کون۔" فریدی نے کہا اور ڈرائیور کو پھر کلل بالا چلنے کی ہدایت کی۔

اس بار انور نے بھی اس کا ساتھ دیا اور کار سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔

"مگر...... تم......!" فریدی نے انور سے کہا۔ "یہاں کیوں نظر آ رہے ہو۔"

"اپنے ایک موکل کے لئے۔" انور نے جواب دیا۔

"لیکن حمید کا اُس سے کیا تعلق......!"

"میرے موکل کا یہی خیال ہے کہ اُسکے معاملات کا تعلق حمید ہی کی ذات سے ہو سکتا ہے۔"

"قاسم کا معاملہ تو نہیں۔"

"آپ ٹھیک سمجھے۔ میں اس کی بیوی کے لئے کام کر رہا ہوں۔ وہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ یک بیک قاسم کا بنک بیلنس کیسے صاف ہو گیا۔ چھ لاکھ کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔"

"اس سلسلے میں تم نے کیا معلوم کیا۔"

"یہی کہ وہ دونوں فلم اسٹار روحی کے یہاں مقیم تھے۔" انور نے جواب دیا۔

"اور قاسم نے ساری رقم روحی پر خرچ کردی۔" فریدی مسکرایا۔

"میں اتنی جلدی نتائج اخذ کرنے کا عادی نہیں ہوں اور پھر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کچھ

نامعلوم آدمی قاسم کو زبردستی پکڑ لے گئے تھے۔"

"میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ اس چکر میں نہ پڑو۔" فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اگر تم نے معلوم بھی کرلیا کہ اس نے چھ لاکھ کہاں گنوائے ہیں تو اس پر کسی کو یقین نہیں آئے گا۔"

"کیوں......؟"

"طاقت کی تنظیم پھر جاگ پڑی ہے۔"

"نہیں......!" انور متحیر نظر آنے لگا۔

"ہاں......اور اس بار کی رپورٹیں پہلے سے کہیں زیادہ تشویش ناک ہیں۔"

"ٹھہریئے......مگر قاسم کے چھ لاکھ سے اس کا کیا تعلق۔"

"ہر تنظیم کی ریڑھ کی ہڈی روپیہ ہوتا ہے......لہٰذا یہ تنظیم بھی اس کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ مگر چونکہ یہ ایک خفیہ تنظیم ہے اس لئے کھل کر سامنے نہیں آ سکتی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں اس کے مالی وسائل غیر قانونی ہی ہوں گے۔ وہ لوگ قاسم کو پکڑ لے گئے......اسے کچھ دنوں تک اپنے ساتھ رکھا۔ اس کے معیار کی عورتیں پیش کیں اور سادہ چیکوں پر دستخط لیتے رہے اور پھر......اُسے دھکا دے دیا۔"

"میں نہیں سمجھا......!"

"اب وہ تمہیں پھر روحی کی کوٹھی میں ملے گا۔"

"اوہ......!"

"اسی لئے میرا مشورہ ہے کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔ اس کی بیوی اس داستان پر ہرگز یقین نہیں کرے گی۔ تم اسے کسی طرح یہ بات نہ سمجھا سکو گے کہ بنک بیلنس کی اس صفائی میں روحی کا ہاتھ نہیں ہے۔"

انور کسی سوچ میں پڑ گیا......کار کھل بالا والی سڑک پر رینگ رہی تھی۔ کھل بالا کافی بلندی پر واقع تھا۔

"کیا قاسم ان لوگوں کی نشان دہی نہیں کر سکتا۔"

"حشر تک نہیں......شاید حمید بھی نہ کر سکے، جو اُن لوگوں میں کچھ دن گذار آیا ہے۔"

"وہ کس طرح۔"

فریدی نے اسے اتنا ہی بتایا تھا جتنا ضروری سمجھا۔ اپنے کراغال جا پہنچنے کا تذکرہ اس سے بھی نہیں کیا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "اب تم میرے لئے بھی تھوڑا سا کام کرو۔"

"فرمایئے۔"

"کل صبح یہاں سے جہاز جائے گا......تم واپس جاؤ......اور میرا کچھ سامان لے کر جہاز ہی سے واپس آ جاؤ۔"

"لیکن قاسم کی بیوی سے کیا کہوں گا۔"

"میں نہیں چاہتا کہ یہ بات اپنی اصلیت سمیت پھیلے۔ تم اسے یہی سمجھنے دو کہ روحی نے قاسم کو ٹھگ لیا۔ مگر ٹھہرو......کیا اُسے علم ہو گیا ہے کہ وہ روحی کے یہاں مقیم تھا۔"

"نہیں میں نے ابھی تک اسے رپورٹ نہیں دی۔ ویسے اُسے اس کا علم ہے کہ وہ حمید کے ساتھ یہاں آیا تھا۔"

"تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ وہ دونوں رام گڈھ میں نہیں ملے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بڑبڑایا۔ "مگر کہیں ماتھر نے اس کے باپ کو اس کی گمشدگی کی اطلاع نہ دے دی ہو۔"

"آپ ماتھر سے کب سے نہیں ملے۔"

"کئی دن گزرے......خیر ہٹاؤ۔ تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ تمہیں کامیابی نہیں ہوئی۔"

کھل بالا پہنچ کر ڈرائیور نے پوچھا۔ "کہاں لے چلوں۔"

"شکوہ محل......!" فریدی نے جواب دیا۔ "ہم واپس بھی جائیں گے۔"

انور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اس ڈاڑھی میں آپ مہذب لباس میں ہونے کے باوجود بھی کسی غیر مہذب قبیلے کے فرد معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں تمہاری ذہانت کا پہلے ہی قائل ہوں۔" فریدی مسکرایا۔ "ہاں یہ میک اپ ایک قبائلی ہی کا ہے۔"

شکوہ محل ایک چھوٹی سی خوبصورت عمارت تھی۔ ایسی چھوٹی بھی نہیں تھی لیکن لفظ 'محل' کے ساتھ ایک اچھا خاصہ مسخرا پن ضرور تھی......کار پھاٹک پر رک گئی۔

"تم میرا انتظار کرو گے۔" فریدی نے انور سے کہا۔ "بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ گاڑی یہاں سے

کچھ دور کھڑی کراؤ۔"

وہ نیچے اتر کر پھاٹک میں داخل ہوگیا۔ فی الحال وہ صرف اس بات کا اندازہ لگانا چاہتا سردار شکوہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اس کے لئے اس نے سوچا تھا کہ وہ خود کو روحی کا نیا باڈی گا کر کے اُس تک اس کا کوئی اوٹ پٹانگ پیغام پہنچائے گا...... اس طرح وہ اس کا ردعمل بھی دیکھ گا۔

سردار شکوہ گھر ہی پر موجود تھا۔ فریدی نے ایک نوکر سے کہلوایا کہ روحی کا آدمی اس چاہتا ہے پھر وہ جلد ہی اندر بلوالیا گیا۔ لیکن سردار شکوہ اُسے دیکھتے ہی بے ساختہ چونک پڑا۔

"تم...... تم......" وہ اس کی طرف انگلی اٹھا کر ہکلایا۔ اور تھوک نگل کر رہ گیا۔ اُس کے رویہ پر فریدی کو حیرت ضرور ہوئی لیکن اپنے چہرے سے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ ویسے وہ رہا تھا کہ سردار شکوہ کی اس بوکھلاہٹ کی وجہ کیا ہوسکتی ہے۔

"روحی خانم...... بولے...... شام...... اس کو...... مل جاؤ۔" فریدی نے کسی غیر ملکی کی ط اردو بولنے کی کوشش کی۔ لہجہ قبائلیوں کا سا تھا۔

"تم کون ہو۔" سردار شکوہ کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"اس کا نوکر۔"

"بیٹھ جاؤ۔" سردار شکوہ نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "تم کب سے ہو...... اُس کے یہاں۔"

"آج سے۔"

"روحی کے گھر کون کون ہے۔" سردار شکوہ نے اس انداز میں پوچھا، جیسے اس کا امتحان رہا ہو۔

"ایک موٹا عوریت...... ایک موٹا مرد...... ایک بالکل مرد...... جیسا ہم بالکل مرد...... جیسا بالکل مرد۔"

"تم کس قبیلے سے ہو۔"

"کس واسطے بتائے۔ نہیں بتائے گا۔" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

اچانک سردار شکوہ نے ریوالور نکال کر اس کا رخ فریدی کی طرف کرتے ہوئے کراغالی زبان میں کہا۔ "اگر تم پہلے بچ بھی گئے تھے تو اب نہیں بچ سکتے۔"

بڑی خلاف توقع بات تھی۔ فریدی اس کیلئے تیار نہیں تھا اُسے وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ رام گڈھ میں کوئی اُسے کراغالی زبان میں مخاطب کرے گا اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

"کراغالیوں کا داخلہ یہاں سرکاری طور پر ممنوع ہے۔" سردار شکوہ مسکرا کر بولا۔

"اگر میں تمہیں گولی مار کر شارع عام پر بھی ڈال دوں تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا...... سمجھے۔"

"مگر تم ایسا نہیں کرسکو گے۔" فریدی نے کراغالی ہی میں جواب دیا اور لہجے کی خامی چھپانے کے لئے بڑی شد و مد سے کھانسنے لگا۔ پھر کھانستے کھانستے اُسے دوہرا ہو جانا پڑا۔ سردار شکوہ کا ذہن اس کی کھانسیوں کی طرف بھٹک گیا تھا۔ دفعتاً فریدی نے اس پر چھلانگ لگادی اور پہلے ہی حملے میں ریوالور سردار شکوہ کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔

سردار شکوہ بھی ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ اس لئے اس کی مدافعت کسی طرح بھی کمزور نہیں تھی۔ مگر فریدی دور ہی سے لڑنا چاہتا تھا۔ لپٹ پڑنے کی صورت میں اس کی مصنوعی ڈاڑھی خطرے میں پڑجاتی۔ سردار شکوہ کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح ریوالور تک پہنچ جائے لیکن ہر بار فریدی کا گھونسہ اُسے پیچھے دھکیل دیتا تھا۔

اچانک فریدی کو اُسی لڑائی کے دوران میں یاد آ گیا کہ اس نے اپنی شکل خانم کے مشیر خان یوسف سے ملتی جلتی بنائی تھی۔ خان یوسف ہی نے اسے ایک بار بتایا تھا کہ اس کا ایک چھوٹا بھائی جو قریب قریب اس کا ہم شکل تھا ایک مہم میں کام آ گیا تھا۔

فریدی نے میک اپ کرتے ہوئے خان یوسف کے چہرے کی ساخت کا خیال رکھا تھا۔ پھر آئینے پر نظر ڈال کر خود بھی اعتراف کیا تھا کہ وہ جوان خان یوسف معلوم ہوتا ہے۔ خانم شاید جلدی میں تھی اس نے اس پر غور کر کے رائے زنی ضروری نہیں سمجھی تھی۔

فریدی نے جلد ہی اسے قابو میں کرلیا لیکن یہ سردار شکوہ کا گھر تھا اور کسی لمحے میں بھی حالات بدل سکتے تھے۔ فریدی نے اسے گریبان سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کرتے ہوئے کراغالی میں کہا۔ "تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔"

ساتھ ہی ریوالور کی نال اس کے پہلو سے لگاتا ہوا بولا۔ "میری جیب میں ریوالور ہے اور انگلی ٹریگر پر...... تم اسی طرح چپ چاپ میرے ساتھ چلو گے۔"

سردار شکوہ آگے بڑھا۔ فریدی اس سے لگا ہوا چل رہا تھا۔ اس کا ہاتھ جیب میں تھا اور جیب

میں پڑے ہوئے ریوالور کی نال سردار شکوہ کی بائیں پسلی میں چبھ رہی تھی۔

"تم مجھے کہاں لے جاؤ گے۔" سردار شکوہ نے آہستہ سے پوچھا۔ لیکن وہ خوفزدہ نہیں ہو رہا تھا۔

"چپ چاپ چلتے رہو۔" فریدی کے لہجے میں سختی تھی۔ سردار شکوہ کے ملازم انہیں مشتبہ نظ سے دیکھ رہے تھے، لیکن فریدی نے اسے کسی قسم کا اشارہ کرنے کا بھی موقع نہیں دیا۔

کمپاؤنڈ سے باہر نکل کر فریدی نے اسے ٹیکسی کی طرف چلنے کو کہا، جو تھوڑے ہی فا موجود تھی۔

"تم اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔" سردار شکوہ بڑبڑایا۔

لیکن فریدی اس طرح چلتا رہا جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔ ٹیکسی کے قریب پہنچ کر اس بائیں ہاتھ سے ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھول کر سردار شکوہ کو اپنے شانے سے دھکا دیا۔ انور دو طرف کھسک گیا۔

سردار شکوہ انور اور فریدی کے درمیان تھا اور اس کی بائیں پسلی میں اب بھی ریوالور کی چبھ رہی تھی۔

"تم واپس چلے گا...... ڈرائیور۔" فریدی نے ڈرائیور سے کہا اور انور گفتگو کے اس بد ہوئے انداز پر چونک پڑا۔ لیکن خاموش ہی رہا۔ اب سردار شکوہ کے چہرے پر بھی اضطراب ظا ہونے لگا تھا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ وہ تینوں خاموش تھے۔ کچھ دیر بعد فریدی نے انور سے کہا۔ "تم روحی خا کے گھار...... امارہ انتی زار کرے گا...... ام...... ایدھر...... راہ میں اُترے گا۔"

"اچھا...... اچھا......!" انور سر ہلا کر بولا اور ٹیکسی اترائیوں میں فراٹے بھرتی رہی۔

"تم مجھے کہاں لے جاؤ گے۔" سردار شکوہ نے کراغالی زبان میں پوچھا۔

"توم چوپ بیٹھنے کا......!"

"تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ اگر یہ مذاق ہے تو میں بھی دل کھول کر قہقہے لگانے میں کس سے پیچھے نہ رہوں گا...... لیکن کیا تم یہ پوچھ گچھ روحی کی ایماء پر کر رہے ہو۔"

"چوپ راؤ......!" فریدی نے گرج کر کہا۔

تقریباً دو میل چلنے کے بعد فریدی نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا۔ ٹیکسی رک گئی اور فریدی نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے سردار شکوہ کو دھکیل کر کار سے نیچے اتارا۔

یہ ایک ویرانہ تھا۔ یہاں بھورے رنگ کی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔

"اب تم جاؤ......" پتہ نہیں فریدی نے ڈرائیور کو مخاطب کیا تھا یا انور کو...... بہرحال دوسرے ہی لمحے میں ٹیکسی انہیں وہیں چھوڑ گئی۔

"سردار شکوہ......!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اس ویرانے میں اگر میں تمہیں قتل بھی کر دوں تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔"

"مجھے مار ڈالنا آسان نہیں ہوگا...... خان یامین۔" سردار شکوہ کے لہجے میں تلخی تھی۔ "میں خان عیسیٰ کے ساتھیوں میں سے ہوں۔"

خان عیسیٰ کا نام جس کا سیاہ مجسمہ فریدی وادی کراغال میں دیکھ چکا تھا کافی سنسنی خیز تھا۔ فریدی کو بہت زیادہ محتاط ہو جانا پڑا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"مگر تم نے خان عیسیٰ کے ساتھ غداری کی۔"

"خان عیسیٰ مجھ سے بڑا غدار تھا۔"

"آہا تو خان عیسیٰ بھی اسی سیاہ تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"تم نابدان کے کیڑے اسے سیاہ تنظیم کہہ رہے ہو۔" سردار شکوہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "تم جو ہمیشہ بہت نیک کام کرتے رہے ہو۔ کیا تم دونوں بھائی خان ضیغم کو برسر اقتدار نہیں لانا چاہتے تھے۔"

"ہاں...... ہم اب بھی یہی چاہتے ہیں۔" فریدی نے فخریہ انداز میں کہا۔ "وہ کراغال سے غداری کر کے کسی سیاہ تنظیم کو پروان نہیں چڑھانا چاہتا۔"

"خانم اس سے بھی زیادہ نیک اور شریف عورت ہے۔ تم اس کا ساتھ کیوں نہیں دیتے۔" سردار شکوہ کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"وہ عورت ہے، کوئی عورت کراغالیوں پر حکومت نہیں کر سکتی۔"

"تو تم لوگ خان عیسیٰ کی موت کے راز سے واقف ہو گئے ہو حالانکہ خانم اسے چھپانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔"

"میں نے وہ مجسمہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ایک دن تم سب سیاہ مجسموں میں تبدیل ہو جاؤ گے۔" سردار شکوہ نے مسکرا کر کہا۔ پھر دفعتاً وہ چونک پڑا اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا جیسے ابھی تک خواب دیکھتا رہا ہو۔

"تم......!" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم کراغالی ہرگز نہیں ہو سکتے...... تمہارا لہجہ۔"

فریدی نے اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔ سردار شکوہ اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہ تھا۔ فریدی کا ہاتھ پڑتے ہی دوسری طرف الٹ گیا۔ فریدی نے اسے دوبارہ اٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ پے در پے ٹھوکریں رسید کرتا رہا۔ حتیٰ کہ سردار شکوہ کی ناک اور منہ سے خون بہنے لگا اور اس نے اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش ترک کر دی۔

"ہاں...... میں کراغالی نہیں۔" اس نے قہقہہ لگایا۔ "لیکن اب تمہیں مجھے بہت سی کہانیاں سنانی پڑیں گی...... ورنہ موت بھی تم سے پناہ مانگے گی۔"

"تت...... تم کون ہو۔" سردار شکوہ نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"وہی جس نے نصرت خان، کنور شمشاد اور زوبی کو موت کی آغوش میں سلا دیا تھا۔"

"کک...... کرنل فریدی۔"

"ہاں...... اب تم مجھے ادارہ روابط عامہ کے متعلق بتاؤ۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

فریدی نے شکار کے تھیلے سے چاقو نکالتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ہڈیوں سے گوشت الگ کر دوں گا۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے...... یہ کس قانون......!"

"قانون کا نام مت لو اپنی زبان سے...... میری بات کا جواب دو۔"

"تم مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکو گے۔"

"تم نے روحی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ادارہ روابط عامہ سے مدد طلب کرے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ارے تم یہ بھی نہیں جانتے جس کا اعتراف خود روحی کر چکی ہے۔"

"میں کسی روحی کو نہیں جانتا۔"

"حالانکہ تم نے گھر پر روحی کے متعلق بہت سے سوالات کئے تھے۔"

سردار شکوہ کچھ نہ بولا۔

"میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ رام گڈھ کی اس معصوم لڑکی نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جس کو اس کی شادی کے دن سیاہ مجسمے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

فریدی نے اسکے بازو میں چاقو اتار دیا اور سردار شکوہ کسی چوپائے کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔

"بتاتا ہوں۔"

"بتاؤ...... مجھے اس کالی تنظیم کے چوہے پر بھی رحم نہیں آ سکتا۔"

"اس کے چچا زاد بھائی نے...... تنظیم کے فنڈ میں تین لاکھ کا اضافہ کیا تھا۔" سردار شکوہ کراہ کر بولا۔

"گویا تنظیم کا فنڈ اسی طرح کے جرائم سے بڑھایا جاتا ہے...... اس کے چچا زاد بھائی کا نام اور پتہ۔"

"اس کا ایک ہی چچا زاد بھائی ہے میں نام سے واقف نہیں ہوں۔"

"کیا وہ اپنے چچا کی جائیداد حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

"ہاں...... اُف...... میرا خیال ہے ہک...... اُف......"

"خیر چھوڑو...... اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی...... اب ادارہ روابط عامہ......!"

لیکن سردار شکوہ جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی بیہوش ہو گیا

"تم بیہوش نہیں ہوئے سردار شکوہ...... میں زندگی بھر تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کر سکتا ہوں۔ تم شوق سے بیہوش ہو جاؤ۔ مجھے تم پر بالکل رحم نہ آئے گا۔ میں کچھ دن پہلے بھی سرحدی پہاڑیوں میں تمہارے تقریباً ایک درجن آدمیوں کو موت کی نیند سلا چکا ہوں۔ اب آنکھیں کھولو ورنہ اس بار یہ چاقو تمہاری ناک پر چلے گا۔"

سردار شکوہ نے آنکھیں کھول دیں اور ہولے ہولے کراہنے لگا۔

"روحی کا باڈی گارڈ شاہد اجمل کہاں ہے؟"

"نشاط ہوٹل کے ایک تہہ خانے میں۔"

"بہت خوب...... اب ادارہ روابط عامہ کی اصلیت مجھ پر ظاہر ہو گئی۔ تمہیں اس کے متعلق

تکلیف نہیں دوں گا کیونکہ ڈاکٹر سلمان نے روحی سے کہا تھا کہ وہ کھل بالا کے ایک ہوٹل میں
اب میں تم سے نشاط ہوٹل اور اس کے منیجر کے متعلق بھی کچھ نہیں پوچھوں گا۔ لیکن اب تمہارے کیا کروں۔ تمہیں پولیس کے حوالے کرنا بھی فضول ہی ہوگا...... کیونکہ ہوسکتا ہے تمہاری سیاہ تنظیم آدمی اس محکمے میں بھی موجود ہوں اور تم مفت میں طبی امداد حاصل کر کے صحت یاب ہونے کے جیل سے فرار ہو جاؤ۔ اچھا تم ہی بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کروں۔“

سردار شکوہ کراہتا رہا۔

”اچھا سنو...... تم اٹھ کر مجھ پر حملہ کرو تا کہ میں تمہیں موجودہ تکلیف سے نجات دلا دوں۔“

”نہیں......!“ سردار شکوہ دونوں ہاتھ آگے پھیلا کر ہذیانی انداز میں چیخا۔

”میں غلطی پر تھا...... سردار شکوہ مجھے تم پر رحم نہ کھانا چاہئے۔ کیا تم کسی زخمی سانپ پر رحم کھا اسے چھوڑ دو گے۔“

”نہیں...... نہیں۔“ وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ ”مجھے مت مارو۔“

”کیا تم تنظیم سے قطع تعلق کر سکتے ہو۔“ فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

سردار شکوہ کچھ نہیں بولا۔

”نہیں کر سکتے۔“ فریدی مسکرایا۔ ”اگر انہیں اس کا شبہ بھی ہو گیا تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑ گے۔ پھر کیوں نہ تم میرے ہی ہاتھوں مرنا پسند کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں زیادہ تکلیف ہوگی۔ ٹھیک دل پر فائر کروں گا۔“

”نہیں...... نہیں...... خدا کے لئے۔“

”آہا...... تم لوگوں کو خدا بھی یاد آسکتا ہے۔“

”میں مرنا نہیں چاہتا...... رحم کرو۔“ سردار شکوہ گڑگڑایا۔

”تمہیں اس معصوم لڑکی پر بھی رحم آیا تھا جس کا سیاہ مجسمہ اب بھی ماں کی چھاتی سے چمٹا ہے۔“

”میں نے کچھ نہیں کیا...... کچھ نہیں کیا۔“

”کراغال کی خانم نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ اوہ...... ٹھہرو...... میں نے عیسیٰ خان کے متعلق کچھ پوچھا ہی نہیں۔ کیا وہ تنظیم سے متعلق تھا۔“

”ہاں......!“

”پھر اسے کیوں سیاہ مجسمے میں تبدیل کر دیا گیا۔“

”اس نے تنظیم سے غداری کی تھی۔“

”وہ کس طرح۔“

”تنظیم کے خلاف یہاں کی حکومت سے ساز باز کر رہا تھا۔“

”خان یوسف کا بھائی...... خان یامین کس طرح مارا گیا تھا۔“

”اسے خان عیسیٰ ہی نے مار ڈالا تھا۔ لیکن شاید کراغال میں کسی کو بھی اس کا علم نہ ہو۔ خان یامین غالباً اسی لئے مارا گیا تھا کہ اسے تنظیم کے متعلق کوئی خاص بات معلوم ہو گئی تھی۔“

”خیر...... اسے بھی چھوڑو۔ کیا تنظیم خان ضیغم یعنی کراغال کے والی کے بھتیجے کو مسند اقتدار پر دیکھنا چاہتی ہے۔“

”تنظیم کو کراغال حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”ڈاکٹر سلمان حقیقتاً کون ہے۔“

”میں نہیں جانتا...... میں اسے صرف ڈاکٹر سلمان ہی کے نام سے جانتا ہوں۔“

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”کیا تم میرے اس احسان کو یاد رکھو گے کہ میں نے تمہیں جان سے نہیں مارا۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

”یاد رکھوں گا......!“ سردار شکوہ کراہا اور اپنے زخمی ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

”تم بھی کراغالی ہو......؟“

”نہیں......!“

”کیا پہلے تم خان عیسیٰ کے ایجنٹ تھے؟“

”تم سب کچھ جانتے ہو۔ پھر مجھے بولنے پر کیوں مجبور کر رہے ہو۔ میری زبان کئی جگہ سے کٹ گئی ہے۔“

”تم دوسروں سے رحم اور انسانیت کی توقع کیوں رکھتے ہو جب کہ بہیمیت پر تمہارا ایمان ہے۔ مجھے اس معصوم لڑکی کا سیاہ مجسمہ ہر وقت یاد رہتا ہے۔“

"اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں عائد ہوسکتی۔"

"تم پر عائد ہوتی ہے۔ تنظیم کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔ تم سب قاتل سازشی اور غدار ہو۔ جانتے ہو میں تمہیں کیوں نہیں مارنا چاہتا۔"

سردار شکوہ خاموش ہی رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "تم لوگ مجھے بے بس کر کے مار ڈالنے کا پروگرام بنا چکے ہو۔ اس لئے میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔"

"میں بالکل بے قصور ہوں۔"

"تمہارے ذمے کیا کام ہے۔"

"میں...... میں...... ادارہ روابط عامہ کے لئے کام کرتا ہوں۔ اور بس......!"

"لوگوں کو اس کے کارنامے بتا کر اُس سے مدد لینے پر اکساتے ہو۔"

"ہاں...... میرے ہاتھ تشدد سے پاک ہیں۔"

"میں تمہیں اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ تم اپنی تنظیم کو فریدی کے خطرے سے آگاہ کرو۔ اپنے سرگروہ کو بتادو کہ فریدی بہت کچھ جانتا ہے۔"

"میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔" سردار شکوہ گڑگڑایا۔

"کیوں......؟"

"میں احسان فراموش نہیں ہوں۔"

"تمہارا موجودہ حکمران کون ہے؟"

"کوئی عورت...... اسے کوئی نہیں جانتا۔"

"مجھے بھی کوئی نہیں جانتا سردار شکوہ...... جو جانتے ہیں وہ بھی نہیں جانتے۔ اس بار میں اس تنظیم کو بنیادوں سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا۔"

"مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔" سردار شکوہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اٹھو......!" فریدی اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھاتا ہوا بولا۔ "ادھر یہاں اس پتھر پر بیٹھ جاؤ...... تھوڑی دیر بعد کنل بالا کی بس آئے گی۔"

وہ اسے اس پتھر پر حیرت زدہ چھوڑ کر سڑک کی بائیں جانب والی ڈھلان میں اترتا چلا گیا۔ سردار شکوہ میں اتنی بھی ہمت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ کھڑا ہو کر اسے جاتے دیکھتا۔

قاسم اور پراٹھے

قاسم سب سے پہلے روحی کے یہاں پہنچا۔ روحی گھر پر موجود نہیں تھی۔ لیکن نوشابہ تھی۔ قاسم کو دیکھ کر اس نے دہاڑتے ہوئے خوش آمدید کہی۔

"آپ...... اُفوہ...... کہاں تھے آپ؟"

"خوچھ نہیں...... کچھ نہیں...... کوئی بات نہیں...... ہی ہی ہی...... لیکن مجھے بھوخ...... لگ رہی ہے۔"

"اوہو...... ضرور...... ادھر چلئے...... میرے کمروں میں...... روحی صاحبہ تو ہیں نہیں۔"

"آپ تو ہیں...... ہی ہی ہی۔"

وہ اسے ایک کمرے میں لائی اور اسے وہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ "ٹھہریئے...... میں آپ کے لئے چائے تیار کردوں اور کھانا تو آپ کا دیکھ ہی چکی ہوں۔"

"میں بھی وہیں چل رہا ہوں...... باورچی خانے میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا۔"

"اوہو...... آپ......!" نوشابہ نے اپنی گونجیلی آواز میں حیرت ظاہر کی۔

"ارے میں...... میں تو بڑی اچھی چپاتیاں پکاتا ہوں...... ہی ہی ہی......"

قاسم سر جھکا کر کسی شرمیلی لڑکی کی طرح اپنی انگلیاں مروڑ رہا تھا۔

"نہیں آپ یہیں بیٹھئے۔" نوشابہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔ قاسم اداس ہوگیا۔ وہ بار بار ٹھنڈی آہیں بھرتا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگتا۔ وہ اس لئے اداس نہیں تھا کہ نوشابہ اسے تنہا چھوڑ گئی تھی بلکہ اس لئے مغموم ہوگیا تھا کہ فرائی پین میں تلے جانے والے پراٹھوں کی بو سے محروم ہوجائے گا۔ اسے کچھ اسی شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس وقت نہ اسے زمین دوز دنیا یاد تھی اور نہ وہاں کی تنگڑی تنگڑی لڑکیاں۔ اس وقت تو اس کے ذہن پر بکرے کی ران مسلط تھی۔ اسے اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ وہ چھ لاکھ روپے گنوا چکا ہے۔

آدھے گھنٹے تک اسے نوشابہ کی واپسی کا منتظر رہنا پڑا۔ لیکن یہ انتظار نتیجے کے اعتبار سے کچھ

ایسا مہنگا بھی نہیں پڑا کیونکہ چائے کی کشتی بہت وزنی تھی۔ اس میں تقریباً بیس عدد پراٹھے اور
درجن نیم برشت انڈے موجود تھے۔

''آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا۔''

''قوئی.....کوئی بات نہیں۔'' قاسم کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلاتا ہوا بولا۔

اور پھر وہ اتنے انہماک سے اس کشتی پر ہاتھ صاف کرنے لگا کہ نوشابہ کی موجودگی بھی یاد نہ رہی۔

''آپ کو وہاں کھانے پینے کی تکلیف ضرور رہی ہوگی۔'' نوشابہ نے کہا۔

''جی.....!'' قاسم اس طرح چونکا کہ نوالہ ہاتھ سے چھوٹ پڑا لیکن پھر فوراً ہی اسے اٹھا کر منہ میں ڈالتا ہوا بولا۔ ''نہیں..... بالکل نہیں..... داؤں..... داؤں..... مگر وہ سالا..... چھنک چھنک.....داؤں.....داؤں.....ہی ہی ہی۔''

''میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''ارے.....وہ کچھ نہیں.....بندر تھا بندر.....!''

نوشابہ نے کچھ اس انداز میں بوکھلا کر قاسم کی طرف دیکھا جیسے اس کے صحیح الدماغ ہونے پر شبہ ہو۔ ساتھ ہی قاسم کو یاد آ گیا۔ حمید نے چلتے وقت تاکید کی تھی کہ زمین دوز دنیا کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے ورنہ لوگ اسے پاگل سمجھیں گے۔ کسی کو یقین نہ آئے گا۔ پھر قاسم نے یہ بھی سوچا کہ وہاں لڑکیاں بھی تھیں۔ ممکن ہے کہ ان کا تذکرہ آ جائے اور پھر نوشابہ سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔ اس نے دفعتاً چپ سادھ لی۔ لیکن یہ خاموشی بھی اسے نامناسب معلوم ہونے لگی۔ ممکن ہے نوشابہ سوچے کہ وہ اسے کچھ بتانا نہیں چاہتا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ روحی کمرے میں داخل ہوئی۔

''اغ.....اغ.....!'' قاسم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھئے.....بیٹھئے..... مجھے ابھی ملازموں سے معلوم ہوا کہ آپ آ گئے ہیں۔ کیسے آئے..... کہاں تھے.....حمید صاحب بھی لاپتہ ہو گئے ہیں۔''

قاسم بیٹھ کر پھر پراٹھوں کے ساتھ انصاف کرنے لگا۔ وہ اسے کیا بتاتا۔ حمید نے منع کر دیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کے بجائے کیا کہے گا۔

''وہ سالے بدمعاش تھے۔'' اس نے کچھ دیر بعد کہا اور مزید کہنے کے لئے سوچنے لگا۔ ا

خود پر غصہ آیا کہ اسے بات بنانا بھی نہیں آتا۔

''لے کیوں گئے تھے آپ کو.....؟'' روحی نے پوچھا۔

یہ سوال قاسم جیسے کوڑھ مغز کے لئے بھی غیر متوقع نہیں تھا اور وہ پہلے ہی سے اس کا کوئی معقول سا جواب سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ارے.....وہ.....کوئی خاص بات نہیں۔ ان بدمعاشوں نے مجھ سے چھ لاکھ روپے وصول کر لئے۔''

''کتنے.....!'' نوشابہ کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

''چھ لاکھ..... یہ پراٹھے بڑے.....سچ.....لذیذ ہیں۔''

''کیا آپ کے پاس اتنی رقم موجود تھی۔'' روحی نے پوچھا۔

''چیک بک.....انہیں میری چیک بک مل گئی تھی۔''

''میرے خدا.....!'' نوشابہ نے ایک طویل سانس لی۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ''تو اس رات وہ لوگ شاید آپ کی چیک بک تلاش کر رہے تھے۔''

''ہاں.....ہاں.....ضرور.....یہی بات ہے۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''چیک بک میرے سوٹ کیس میں تھی۔''

''کیا انہوں نے آپ پر تشدد کیا تھا.....؟'' روحی نے پوچھا۔

''نہیں وہ سالا چھنک چھنک مجھے کھانا نہیں کھانے دیتا تھا۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

قاسم پھر سنبھل گیا۔ مگر اسے کیا کرتا کہ ''سالا چھنک چھنک'' مستقل طور پر اس کے ذہن سے چپک گیا تھا۔ اس کی گول مول باتوں سے روحی اندازہ نہ کر سکی۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ بھی اسے اسی انداز میں دیکھنے لگی جیسے وہ صحیح الدماغ نہیں ہو۔ دونوں کبھی ایک دوسرے کو دیکھتیں اور کبھی قاسم کو دیکھنے لگتیں۔ جو سر جھکائے انڈوں اور پراٹھوں سے نپٹ رہا تھا۔

پھر چائے انڈیلتے وقت اس کی ذہنی رو بہک گئی اور اس نے پھر ''چھنک چھنک'' کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

''وہ ایک بندر تھا..... بندر یعنی کہ بندر.....آپ سمجھتی ہیں نا..... جب میں چیک پر دستخط

کرنے سے انکار کردیتا تھا تو وہ سالا مجھے کھانا نہیں کھانے دیتا تھا۔ میں بھوک کے علاوہ اور کچھ برداشت کرسکتا ہوں۔ اگر میرے بنک بیلنس میں چھ ہزار لاکھ ہوتے تب بھی میں خالی ہاتھ آتا۔"

"تو اس بندر کی وجہ سے آپ نے......!"

"ہاں......وہ بڑا موذی تھا۔ ہاتھ نہیں آیا ورنہ ٹانگیں چیر کر پھینک دیتا۔"

"فریدی اور حمید صاحبان کو بھی آپ کی تلاش تھی۔"

"صاحبان کون......؟"

"میرا مطلب ہے وہ دونوں صاحب۔"

"ارے حمید بھی تو تھا میرے ساتھ۔" قاسم نے آہستہ سے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"کیا......نہیں۔" روحی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ارے ہاں......اسے بھی تو پکڑ لے گئے تھے وہ لوگ۔"

ان دونوں نے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے انہیں یقین نہ آیا ہو۔

"اسے تو کٹہرے میں بھی بند کردیا گیا تھا......ہاں......!"

اچانک اسی وقت حمید اسی کمرے میں دراتا چلا آیا۔ شاید اس نے قاسم کا آخری جملہ سن لیا تھا۔ قاسم اسے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"اررر......تم......حمید بھائی۔"

چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "اٹھو......اپنا سامان اٹھاؤ اور چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ محض تمہاری وجہ سے ہم لوگوں کو اتنی پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔"

"ارے واہ......!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "تم خود اٹھاؤ سامان...... یہاں سے اور چلے جاؤ بڑے آئے دھونس جمانے والے......ابے ہاں......تم کٹہرے میں بند کردیئے گئے تھے......تم میں اڑے تھے......اُس نے مجھے بتایا تھا......کیا نام......!"

دفعتاً حمید بہت زیادہ مغموم نظر آنے لگا اور پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ روحی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

"تم نے دیکھا۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"شاید اُن لوگوں نے اسے بہت زیادہ اذیتیں دی ہیں۔"

"آپ کہاں تھے؟"

"اوہ......میں......میں اسی کی تلاش میں تھا۔ لیکن ان لوگوں نے شاید اسے خود ہی چھوڑ دیا۔ مگر اس کے عوض انہوں نے اس کے باپ سے بھاری رقم وصول کی ہوگی۔"

"مگر وہ تو کہتے ہیں کہ ان سے بیشمار چیکوں پر دستخط لئے گئے تھے۔ ان کا اندازہ ہے کہ تقریباً چھ لاکھ کا بینک بیلنس صاف ہوگیا۔"

"بکواس ہے......اس کا کوئی ذاتی بیلنس نہیں تھا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ ان کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔"

"مجھے یقین ہے۔ کیا آپ اس کی بے سروپا باتوں سے اندازہ نہیں کرسکتیں۔ مجھے وہ اس وقت ملا تھا جب کسی خیالی بندر پر پتھراؤ کررہا تھا۔"

"بندر......ہاں......وہ کسی بندر کا بھی تذکرہ کررہے تھے۔"

اتنے میں ایک ملازم نے آکر اطلاع دی کہ فون پر حمید کی کال ہے۔

روحی اور حمید ساتھ ہی اس کمرے میں آئے جہاں فون تھا۔ حمید اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا تھا کہ دوسری طرف فریدی ہی ہوگا۔ مگر وہ انور نکلا اور حمید کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ انور فریدی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا وہ کہاں ہیں۔"

"اچھا جب آئیں تو لالہ زار کے لئے رنگ کرنا میں وہیں مقیم ہوں۔ روم نمبر ۲۷ میں۔"

"دیکھا جائے گا" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ انور کی اچانک آمد اُسے اچھی نہیں لگی تھی۔

پھر وہ روحی کی طرف مڑ کر بولا۔ "تم اپنی سناؤ......تم پر پھر کوئی حملہ تو نہیں ہوا۔"

"نہیں ابھی تک تو محفوظ ہوں......مگر آپ اچانک اس طرح غائب کہاں ہوگئے تھے۔"

"رام گڈھ سے باہر نہیں گیا تھا۔ یہی ہے ہماری زندگی جو عام آدمیوں کو بڑی پرکشش نظر آتی ہے مگر حقیقت کوئی مجھ سے پوچھے۔"

"فریدی صاحب کہاں ہیں؟"

"ہاں......!" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ چند لمحے ہونٹ بھینچے...... روحی کو گھورتا رہا پھر شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "میں نہیں جانتا ہوں کہاں ہیں۔ تم ان کے متعلق مجھ سے کچھ نہ پوچھا کرو۔"

"کیوں......؟"

"میری طبیعت متنفر ہوتی ہے ان کے تذکرے سے۔" حمید نے خلاء میں گھورتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "میں خود نہیں سمجھ سکتا کہ مجھ میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی ہے۔"

میں کرنل فریدی کے پسینے کی جگہ خون بہانے کو تیار رہتا تھا۔ مگر اب...... میں نہیں سمجھ سکتا۔

وہ اس طرح اپنی پیشانی رگڑنے لگا جیسے کسی الجھن میں ہو۔ بولنے کا انداز بھی ایسا ہی تھا جیسے اسے وہاں روحی کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔

"کیا بات ہے۔ میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

حمید چونک کر اسے گھورنے لگا۔ پھر تیز قسم کی سرگوشی میں بولا۔ "میں...... میں کرنل فریدی کو قتل کردوں گا۔ میں اسے نہیں پسند کرتا کہ تم بار بار اُس کا تذکرہ چھیڑو۔"

فریدی کا دشمن

فریدی ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے انور کو فون کر رہا تھا۔ اس نے پہلے حمید کو فون کیا تھا اور اس سے انور کا پتہ معلوم کرنے کے بعد اب اسے یہاں سے واپس جانے کے متعلق ہدایات دے رہا تھا۔ اس نے اپنی ضروریات کی بہتیری چیزیں منگوائی تھیں جن میں جرمن ساخت کا ایک ٹرانسمیٹر بھی تھا کیونکہ سردار شکوہ سے اتنی معلومات حاصل ہو جانے کے بعد وہ ہر حال میں کراغال کی خانم سے رابطہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔

ریسیور ہک سے لگا کر وہ باہر نکل آیا۔ اس نے اب اپنے چہرے سے ڈاڑھی الگ کر دی تھی لیکن خدوخال اب بھی کراغال ہی کے سے برقرار رکھے تھے۔

رات تاریک اور سرد تھی۔ اس نے السٹر کے کالر کھڑے کر لئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکاتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

اگر کسی دوسرے کو اس کی اس حرکت کا علم ہو جاتا کہ اس نے سردار شکوہ کو ان اہم ترین اعترافات کے بعد بھی چھوڑ دیا تو وہ اسے یقینی طور پر پاگل سمجھتا۔ کیا سردار شکوہ کو سلطانی گواہ بنا کر ادارہ روابط عامہ کے خلاف قانونی کاروائی نہیں کی جاسکتی تھی؟ ضرور کی جاسکتی تھی...... مگر فریدی اتنا جلد باز نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سردار شکوہ عدالت میں حاضر ہو کر ان الزامات کے اعترافات ہرگز نہ کرے گا۔ اسے ہر لحظہ خدشہ لاحق رہے گا کہ بر سر عدالت میں بھی اسے گولی ماری جاسکتی ہے۔ وہ معمولی ڈاکوؤں اور اچکوں کی تنظیم تو تھی نہیں۔ یقیناً ان لوگوں کے وسائل لامحدود ہوں گے جو ایک بڑی حکومت سے ٹکرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہی نہیں ان کے حوصلے بین الاقوامی بھی تھے۔

ایسے موقعہ پر اگر فریدی کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اس کے ہاتھ پیر پھول جاتے۔ لیکن اس کے سکون میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ وہ سب کچھ اپنی سوچی سمجھی اسکیموں کے ماتحت کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس سلسلے میں زیادہ شور و شر مچانا فضول ہی ہوگا کیونکہ مجرموں کے حوصلے بلند ہیں۔ وہ یقیناً خود کو اتنا محفوظ اور مضبوط سمجھتے ہیں۔ حمید کا اس طرح چھوڑ دیا جانا ہی ان کی دیدہ دلیری کی ایک کھلی ہوئی دلیل تھی کہ اس قسم کی حرکت کرسکیں۔ کیا یہ حکومت کو ایک کھلا ہوا چیلنج نہیں تھا جس کا مقصد یہی ہوسکتا تھا کہ اس خبر سے ملک میں سراسیمگی اور انتشار پھیلے۔

وہ پیدل ہی چلتا رہا۔ سردار شکوہ سے نپٹنے کے بعد اس نے ادارہ روابط عامہ کے متعلق معلومات حاصل کرنی شروع کر دی تھیں۔ ڈاکٹر سلمان جو ادارہ کا انچارج تھا رام گڈھ ہی میں رہتا تھا اور وہاں کے متمول اور باعزت لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ فی الحال فریدی نے ڈاکٹر سلمان ہی کو تختہ مشق بنانے کی اسکیم تیار کی تھی۔ مگر اس کا یہ طریق کار اس کے محکمے کو ایک آنکھ نہ بھاتا۔ کیونکہ اس میں ضابطے کی کاروائیاں شامل نہ تھیں۔

ویسے فریدی کو یقین تھا کہ اگر ضابطے کی کاروائی شروع کی گئی تو قیامت تک کامیابی نہیں ہوسکے گی۔

وہ فیریز ڈریم (Fairy's Dream) کی عمارت کے قریب رک گیا۔ یہ یہاں کا سب

سے زیادہ شاندار نائٹ کلب تھا اور اسے توقع تھی کہ وہ یہاں کچھ نہ کچھ کام ضرور کر سکے گا۔ اس لئے تھی کہ ڈاکٹر سلمان یہاں کا مستقل ممبر تھا۔

یہ عمارت ایک بڑی پرفضا جگہ پر واقع تھی۔ اس کی روشنیاں پکھی تال کے پرسکون لہریے بناتی رہتی تھیں۔

فریدی نے کلوک روم میں جا کر السٹر اتارا، فلٹ ہیٹ ریک پر رکھی اور وسیع ہال میں داخل ہوگیا۔ گو اس کے چہرے پر رام گڈھ کے باشندوں کے لئے اجنبیت تھی لیکن لباس سے حیثیت آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

ہال میں آرکسٹرا کی مدہم موسیقی گونج رہی تھی اور مرکزی ٹیوب کی دودھیا روشنی میں خوا چہروں پر پھٹکاری سی برس رہی تھی۔ کم از کم فریدی کا یہی خیال تھا کہ اس قسم کی روشنی کسی میوزیم خانے ہی کے لئے موزوں ہو سکتی ہے۔

وہاں ابھی بہتیری میزیں خالی تھیں۔ فریدی نے سرسری طور پر ہال کا جائزہ لیا اور اچانک جگہ اس کی نگاہ رک گئی۔ وہ منظر یقیناً غیر متوقع تھا اس نے ایک میز پر حمید کو دیکھا۔ وہاں موجودگی غیر متوقع یا حیرت انگیز نہیں تھی۔ مگر وہ تنہا نہیں تھا اور وہ دوسرا آدمی جس سے وہ گفتگو تھا ڈاکٹر سلمان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ دراز قد اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ چہرے پر کٹ ڈاڑھی اور باریک تراشی ہوئی مونچھیں تھیں۔ آنکھوں پر رم لس فریم کی عینک اس کے خد سے کافی ہم آہنگ معلوم ہوتی تھی۔

فریدی کو حمید پر بڑا غصہ آیا۔ اسے ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میز پر آیا جو ان سے زیادہ دور نہیں تھی اور وہ یہاں سے ان کی گفتگو بہ آسانی سن سکتا تھا۔

وہ ان کی طرف پشت کر کے بیٹھ گیا۔

حمید ڈاکٹر سلمان سے کہہ رہا تھا۔ "آپ حیران نہ ہوں ڈاکٹر صاحب۔ میں بہت دنوں سے آپ کی تلاش میں تھا۔ آپ کے لئے اجنبی ضرور ہوں مگر ذرا سی دیر میں ہم ایک دوسرے کے اجنبی نہ رہ جائیں گے۔ آپ نے کبھی نہ کبھی میرا نام ضرور سنا ہوگا۔"

"اگر نہ سنا ہو تب بھی مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔" ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں سکون ٹھہراؤ تھا۔ "زیادہ مجھ سے اجنبی ہی ملتے ہیں۔"

"میرا کارڈ......!" حمید نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور فریدی کی الجھن بڑھ گئی۔ مگر وہ خاموش سنتا رہا۔

"آہا...... اوہ...... کیپٹن حمید۔" ڈاکٹر سلمان بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "ہاں مجھے علم تھا کہ آپ یہیں مقیم ہیں...... غالباً...... ہاں روحی صاحبہ نے تذکرہ کیا تھا۔ آپ شاید انہیں کے ساتھ ہیں۔"

"جی ہاں...... میں وہیں ہوں...... روحی کے ساتھ......!"

"کیا آپ اسی مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔"

"نہیں...... میں صرف اسلئے آپ سے ملنے کا خواہش مند تھا کہ آپ ماہر نفسیات ہیں۔"

"میں نہیں جانتا کہ میں ہوں بھی یا نہیں۔" ڈاکٹر سلمان نے خاکسارانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

"نہیں...... میں نے آپ کی تعریف متعدد آدمیوں سے سنی ہے۔ آپ کا ادارہ ملک وقوم کی گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس نوعیت کے ادارے تو شائد ان ممالک میں بھی نہ ملیں جو خود کو ہر معاملے میں دنیا کا امام سمجھتے ہیں۔"

"حوصلہ افزائی ہے آپ کی۔"

"اب ان باتوں کو چھوڑ کر میرے معاملے کی طرف آیئے...... میں بہت پریشان ہوں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ پھر وہ بائیں ہتھیلی سے اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "آج صبح سے میں خود میں ایک عجیب وغریب تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔"

"اچھا...... کس قسم کی تبدیلی......؟"

"کس طرح بیان کروں۔" حمید اس انداز میں بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔

"کہہ ڈالئے...... فضول سے فضول بات بھی حقیقتاً بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی کوئی نہ کوئی نفسیاتی وجہ ضرور ہوتی ہے۔"

"آج دن میں کئی بار میں نے سوچا ہے کہ کرنل فریدی کو قتل کر دوں۔"

ڈاکٹر سلمان ہکا بکا رہ گیا۔ پھر اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار نظر آنے لگے جیسے اسے اس بات سے بڑا صدمہ پہنچا ہو۔

فریدی نے اب اپنا رخ بدل دیا تھا۔ اب وہ اس پوزیشن میں تھا کہ انہیں بہ آسانی دیکھ

سکتا تھا۔

''کیا آپ میری قابلیت کا امتحان لے رہے ہیں۔'' ڈاکٹر سلمان کچھ دیر بعد مسکرا کر لیکن یہ مسکراہٹ جاندار نہیں تھی۔

''اسی لئے مجھے پس و پیش تھا۔'' حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

''میں خود بھی یقین نہیں کر سکتا کہ کبھی فریدی صاحب کی طرف سے میرے دل میں ا کے خیالات بھی پیدا ہو سکیں گے۔ مگر میں اسے خیال نہیں کہہ سکتا۔ یہ تو جنون تھا۔ کھلا ہوا جنون۔

''اگر آپ اسے جنون تسلیم کرتے ہیں تب تو وہ ہرگز جنون نہیں تھا۔'' ڈاکٹر سلمان ا آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''ٹھہرئیے...... کیا آپ کی دانست میں اس کی کوئی وجہ بھی ہے۔''

''نہیں کوئی نہیں...... ہمارے تعلقات ہمیشہ بہت اچھے رہے ہیں۔''

''تعلقات کو چھوڑئیے...... جب ہم ایسے معاملات پر کسی بات کی وجہ دریافت کرنے ہیں تو تعلقات کی حیثیت یونہی سطحی سی ہوتی ہے کیونکہ تعلقات منطقی شعور کے رہین منت ہوتے ہ ان کا تعلق لاشعور سے نہیں ہوتا۔ یہ تو آپ کی کوئی لاشعوری گرہ ہے جس نے یک بیک ایک نئ اختیار کر لی ہے۔''

حمید اس طرح منہ کھولے بیٹھا رہا جیسے اس گفتگو کا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔

''آپ نہیں سمجھے۔'' ڈاکٹر نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی نہیں...... بالکل نہیں۔''

''اچھا ٹھہرئیے۔ کیا واقعی آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کبھی آپ کا ہاتھ کرنل فریدی پر اٹھ جائے گا۔''

''میرے خدا......!'' حمید پھر اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ ''میں کس طرح کہوں کہ اگر آج میرے سامنے ہوتے تو شائد...... اُف......!''

حمید آنکھیں بند کر کے خاموش ہو گیا۔ ڈاکٹر سلمان اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ حمید۔ کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں اور فریدی دل ہی دل میں اس کی اس شاندار ایکٹنگ کی تعریف کر لگا۔ حمید کی آنکھیں کچھ ایسی لگ رہی تھیں جیسے وہ کافی لمبی نیند کے بعد جاگا ہو۔ اس نے بھرائی ہ

آواز میں کہا۔ ''میں اسے قتل کر دوں گا...... سب بکواس ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ میں اسے قتل کر دوں گا...... دنیا کی کوئی طاقت مجھے باز نہیں رکھ سکتی۔''

وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا اور اس طرح دروازے کی طرف بڑھنے لگا جیسے اندھا ہو۔ پھر وہ ایک میز سے ٹکرا کر گرتے گرتے بچا۔ میز الٹ گئی۔ لوگ چونک پڑے لیکن حمید اس سے لاپرواہ دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

کلب کے محافظوں نے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا لیکن ڈاکٹر سلمان نے انہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ جس میز سے حمید ٹکرایا تھا وہ خالی تھی۔ مگر ایک اعلیٰ قسم کے گلدان کا نقصان ضرور ہوا تھا۔

''میں گلدان کی قیمت ادا کر دوں گا۔'' ڈاکٹر سلمان نے محافظوں سے کہا۔

''وہ میرے دوست تھے...... نشہ زیادہ تھا...... جاؤ...... کلرک سے کہہ دو...... میرے حساب میں ڈال دے۔''

محافظ چپ چاپ واپس چلے گئے۔ ڈاکٹر سلمان نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا۔ ایک سگریٹ منتخب کی اور اسے سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

فریدی بڑی دلچسپی سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ حمید پر اس کی محنت ضائع نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر سلمان نے ایک ویٹر سے کچھ کہا اور وہ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ جو تھوڑی دیر بعد ٹرے میں ایک گلاس اور ایک بوتل لے کر واپس آیا۔

فریدی نے تھوڑی ہی دیر بعد محسوس کر لیا کہ ڈاکٹر بلانوشوں میں سے ہے۔

فریدی کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔ ڈاکٹر سلمان کی شخصیت اس کے لئے کافی دلچسپ تھی۔ وہ اسے اور زیادہ قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔

ہال میں موسیقی کی لہریں نقرئی قہقہوں سے ہم آہنگ ہوتی رہیں۔ کچھ دیر بعد فریدی کو ڈاکٹر سلمان کی میز کے قریب ایک جانا پہچانا سا چہرہ نظر آیا۔ یہ دلکشا کا منیجر تھا۔ ڈاکٹر سلمان نے سر ہلا کر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فریدی دلکشا کے منیجر کے انداز میں احساس کمتری کی جھلکیاں محسوس کر رہا تھا۔

''کیا خبر ہے؟'' ڈاکٹر سلمان نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"آج کسی نے سردار شکوہ کو بہت بُری طرح زدوکوب کیا ہے۔"

"کیا مطلب......؟" ڈاکٹر سلمان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کون تھا۔ خود سردار شکوہ نے بتایا۔"

"کیا وہ حملہ آور کو پہچانتا نہیں تھا۔"

"نہیں......اس کے بیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی جانا پہچانا آدمی تھا۔"

"کیا تمہارے دونوں جملوں میں کسی قسم کا ربط موجود ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دیکھئے میں عرض کرتا ہوں۔"

"جلدی کرو۔"

"اسے جس نے بھی پیٹا ہے بُری طرح پیٹا ہے۔"

"اور آئندہ کے لئے اسے تاکید کردو کہ ہمیشہ اچھی طرح پیٹا کرے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرا کر بولا۔ پھر انتہائی خشک لہجے میں کہنے لگا۔ "وہ لوگ جو کم سے کم الفاظ میں اپنا مافی الضمیر نہیں بیان کر سکتے انہیں مر ہی جانا چاہئے۔ کیونکہ جب وہ زبان ہلانے کے آرٹ سے ناواقف ہیں تو ان سے کوئی اچھی توقع کس طرح کی جاسکتی ہے۔"

"سردار شکوہ کہتا ہے کہ یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ اس لئے میں اس کی تفصیلات میں جانا پسند نہیں کرتا۔ اس واقعے کا تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔"

"پھر شاید اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد دلکشا کے منیجر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اس نے جو کچھ بھی کہا ہے اس سے بغاوت کی بو آتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ تنظیم میں شامل ہو جانے کے بعد آدمی کا کوئی بھی معاملہ انفرادی نوعیت کا حامل نہیں رہ جاتا۔ اس کے جسم کی ایک ایک حرکت تنظیم کی امانت ہوتی ہے۔"

"کیا آپ کٹل بالا جائیں گے؟"

"جانا ہی پڑے گا......اور میں اسی وقت جاؤں گا۔"

ڈاکٹر سلمان اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی دلکشا کا منیجر بھی اٹھا اور دونوں ہال سے چلے گئے۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

نئے ساتھی

سردار شکوہ کی حالت ابتر تھی۔ جب بس وہاں پہنچی تو اس نے پتھر پر بیٹھے ہی بیٹھے ہاتھ اٹھا کر ڈرائیور کو روکنے کا اشارہ کیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں یہ بات بھی اس پر روشن ہوگئی کہ اب اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہو سکے گا کیونکہ شاید اس کا ایک ٹخنہ بھی اتر گیا تھا۔

وہ کٹل بالا کی جانی پہچانی ہوئی شخصیتوں میں سے تھا۔ شاید بس کے کچھ مسافر اسے پہچانتے تھے۔ انہوں نے اسے بس پر بیٹھنے میں مدد دی۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کو اس واقعے پر حیرت ہوئی ہوگی۔ لیکن وہ سردار شکوہ سے صحیح بات نہیں معلوم کر سکے۔

بہرحال اس کی حالت ایسی تھی کہ اسے ایک ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں یہ خبر چاروں طرف مشہور ہوگئی......کہ سردار شکوہ ایک ویرانے میں زخمی پایا گیا ہے۔

یہ خبر تنظیم سے تعلق رکھنے والے کسی آدمی کے ذریعہ دلکشا ہوٹل کے منیجر تک بھی پہنچی اور وہ استفسار حال کے لئے کٹل بالا آیا۔ لیکن سردار شکوہ نے اسے بھی اصلیت سے آگاہ نہیں کیا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان کو اس واقعے کی اطلاع دی۔ فیریز ڈریم میں فریدی بھی موجود تھا۔ اس طرح دلکشا کے منیجر کے متعلق رہے سہے شکوک بھی رفع ہو گئے اور اس کا شمار بھی انہیں لوگوں میں کرنے لگا جن سے اسے نپٹنا تھا۔

فریدی نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ دونوں اب سیدھے کٹل بالا ہی جائیں گے۔ اس لئے وہ بھی فیریز ڈریم سے نکل آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ انہیں بھی راہ میں روک کر حیرت زدہ کیا جائے۔ مگر پھر یہ خیال ترک کردیا۔ وہ سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سردار شکوہ ڈاکٹر سلمان سے کیا بتاتا ہے۔

اس نے باہر نکلتے ہی ایک ٹیکسی لی اور ککل بالا کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے دیکھا دور کسی کار کی ہیڈ لائٹس نظر آرہی تھیں اور وہ شائد ڈاکٹر سلمان ہی کی کار تھی......اس راستے پر صرف دو ہی کاریں دوڑ رہی تھیں۔

ککل بالا تک کار اس کی ٹیکسی کے پیچھے ہی پیچھے رہی تھی۔ ککل بالا پہنچ کر فریدی کی ٹیکی کے عقب میں ہونا پڑا اور فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔

"اسی کار کے پیچھے لگے رہو۔"

جب ڈاکٹر سلمان کی کار ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہونے لگی تو فریدی نے ٹیکسی سڑک پر رکوادی اور ڈرائیور کے ہاتھ میں دس دس کے تین نوٹ دیتا ہوا بولا۔ "میرا انتظار کرنا۔"

"اچھا صاب......!" ڈرائیور نے پر مسرت لہجے میں کہا۔ رام گڈھ سے ککل بالا تک بڑ تمام سات روپے بنتے لیکن اس مسافر کی فیاضی پر اسے حیرت بھی ہوئی اور شبہ بھی۔ لیکن اے سے کیا سروکار ہوسکتا تھا۔

فریدی کار سے اتر کر چپ چاپ ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔ دلکشا کا منیجر ڈا سلمان کو پرائیویٹ وارڈ کی طرف لے جارہا تھا۔ فریدی ان کے ساتھ ہی چلتا رہا اور انہیں شائد ا پر شبہ کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔

جیسے ہی وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے فریدی چکر کاٹ کر وارڈ کی پشت پر پہنچ گیا۔ کمرا کی ساخت سے اس نے پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا کہ ہر کمرے میں عقبی کھڑکی ضرور ہوگی......وارڈ پشت پر چیڑ کا گھنا جنگل تھا......فریدی کھڑکی کے نیچے دبک گیا......کھڑکی سے آنے والی روشنی ایک درخت کی شاخوں پر پڑ رہی تھی اور نیچے گہرا اندھیرا تھا۔

اس نے سردار شکوہ کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "میں تنگ آ گیا ہوں اپنے ہمدردوں سے...... اور میرا دل چاہتا ہے کہ خودکشی کرلوں......میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیا بتاؤں۔"

"لیکن تم مجھے بتاؤ گے۔" یہ ڈاکٹر سلمان کی آواز تھی۔

"آپ کو تو بتانا پڑے گا لیکن یہ میرا نجی معاملہ ہے......قطعی نجی۔"

"تمہارا کچھ بھی تمہارا نہیں ہے......تم سب کچھ تنظیم کے لئے وقف کر چکے ہو۔"

"میری خدمات......میری دولت......ان کے علاوہ آپ اور کس چیز کی توقع رکھتے ہیں۔ کیا

میں اپنی محبت......اپنی نفرت......اور دشمنی کے جذبات بھی تنظیم کیلئے وقف کر چکا ہوں۔"

"تم باہر ٹھہرو......!" ڈاکٹر سلمان نے غالباً دلکشا کے منیجر سے کہا تھا۔

فریدی نے قدموں کی آواز سنی جو بتدریج دور ہوتی ہوئی سناٹے میں مدغم ہو گئی۔

"یہ سب کچھ ایک عورت کے لئے ہوا ہے ڈاکٹر......!" سردار شکوہ کی آواز آئی۔

فریدی ایک طویل سانس لے کر مسکرانے لگا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "اوہ......تم اپنی عادتوں سے باز نہیں آؤ گے۔"

"میں مجبور ہوں ڈاکٹر......نفسیاتی طور پر......میری تفریح عورت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مجھے سب کچھ ایک عورت میں مل جاتا ہے اور جب عورت نہیں ملتی تو میری روح کسی شیر خوار بچے کی طرح بلکتی رہتی ہے۔"

"تمہیں شاید ماں باپ کا پیار نہیں ملا۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔

"ہاں جب میں ایک سال کا تھا......میری ماں مرگئی تھی۔"

"تو وہ تمہارا کوئی رقیب تھا۔"

"ہاں......ڈاکٹر......یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ میں اُس سے سمجھ لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "تنظیم سے اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن میں ذاتی طور پر تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"شکریہ......مجھے آپ سے یہی توقع تھی لیکن میں خود ہی نپٹ لوں گا۔ میرے لئے باعث شرم ہے کہ میں اس چھوٹے سے معاملے کے لئے آپ سے مدد طلب کروں۔ بس میں دھوکے میں مارلیا گیا......وہ کئی تھے۔"

ایک بار پھر فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے دراصل اس لئے تشویش تھی کہ اس وقت وہ خونخوار بھیڑیا ہماری نظر میں نہیں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب کیا کر بیٹھے۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"خونخوار بھیڑیا......میں نہیں سمجھا۔"

"فریدی۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا اور تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔

ٹھیک اسی وقت فریدی نے فیصلہ کیا کہ اب حمید سے دور ہی رہے گا۔ کیونکہ ایسے حالات میں

اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا عقلمندی سے بعید ہوگا۔

ایک طویل خاموشی کے بعد ڈاکٹر سلمان کی آواز پھر سنائی دی۔ وہ اب زخموں کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

فریدی چپ چاپ وہیں جما رہا۔ لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں وقت برباد کرنا فضول ہے کیونکہ ان کی گفتگو زیادہ تر رسمی تھی۔ فریدی سمجھا تھا شاید اب وہ تنظیم کے متعلق بھی کچھ گفتگو کریں گے مگر شائد وہ اس مسئلے پر بہت زیادہ محتاط تھے۔ بہر حال فریدی اس وقت تک وہیں رہا جب تک کہ ڈاکٹر سلمان رخصت نہیں ہوگیا۔

وہاں سے نکل کر فریدی پھر ٹیکسی کی طرف واپس آیا اور ڈرائیور سے ریالٹو کی طرف چلنے کو کہہ کر پچھلی نشست کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن ذہن جاگ رہا تھا۔ سردار شکوہ کے متعلق سوچنے لگا۔ اس کے بارے میں بھی اس سے اندازے کی غلطی نہیں سرزد ہوئی تھی۔ سردار شکوہ نے اس کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ ڈاکٹر سلمان اسے زندہ چھوڑتا وہ یہ سوچتا کہ فریدی نے اسے صرف زدوکوب ہی کر کے چھوڑ دیا۔ اگر اسے اس پر شبہ تھا باضابطہ کاروائی کیوں نہیں کی۔ سوچتے سوچتے وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا کہ فریدی نے سردار شکوہ پر تشدد کر کے اس سے کچھ اگلوالیا ہے اور پھر مزید کاروائی کی ضرورت نہ سمجھ کر اُسے زخمی حالت میں چھوڑ گیا۔ غالباً سردار شکوہ نے بھی یہی سوچا ہوگا۔ اسی لئے اس نے کسی خیالی رقابت کا قصہ چھیڑ دیا تھا۔

بہر حال اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا فریدی کے حق میں بہتر ہی ہوا تھا۔

ریالٹو پہنچ کر اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو دس کا ایک نوٹ اور دیا ٹیکسی چلی گئی۔ فریدی ریالٹو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا...... یہ ہوٹل بالا کا سب سے اچھا ہوٹل تھا۔

فریدی نے یہاں رات کا کھانا کھایا اور واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی نظر ڈاکٹر سلمان پر پڑی۔ شاید وہ پینے کیلئے یہاں رک گیا تھا۔ لیکن اب دلکشا کا منیجر اس کے ساتھ نہیں تھا۔

فریدی نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر سلمان بے تحاشہ پیتا ہے۔ اس نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ ویسے اس کا خیال تھا کہ ریالٹو کے ویٹروں کے لئے ڈاکٹر سلمان کی شخصیت نئی نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے قریب سے گذرتے وقت نہایت ادب سے سلام کرتے تھے۔

فریدی سگار سلگا کر قرب و جوار کی میزوں کا جائزہ لینے [illegible] نداز ایسا تھا جیسے لڑکیوں کو گھور رہا

ہو۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ ان لوگوں میں سراسیمگی ہی پھیلائی جائے۔

ڈاکٹر سلمان جلد اٹھتا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اس نے کافی مقدار میں شراب طلب کی تھی اور اب اس کی میز پر پیشہ ور قسم کی دو لڑکیاں بھی پہنچ گئی تھیں۔ انداز سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہوٹل میں ٹیبل پارٹنر بننے والی لڑکیاں ہیں ویسے ہوسکتا تھا کہ وہ بھی تنظیم کے متعلق رہی ہوں۔

فریدی بل ادا کر کے باہر آیا...... چند لمحے کمپاؤنڈ میں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ڈاکٹر سلمان کی کار کے قریب آ کر اس کے ڈیش بورڈ کو ٹٹولنے لگا۔ ڈاکٹر نے شاید کھڑکیوں کو مقفل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ فریدی نے نہایت اطمینان سے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں کار کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ رام گڈھ والی سڑک پر موڑ دی گئی۔

رات آدھی گذر چکی تھی۔ کار فلک بوس پہاڑوں کے دامن میں دوڑتی رہی۔ رام گڈھ پہنچ کر فریدی نے دفتر روابط عامہ کا رخ کیا۔ یہ ایک بڑی عمارت میں واقع تھا۔ عمارت کے تین کمرے ادارہ کے اسٹاف کے لئے وقف تھے اور بقیہ حصے میں ڈاکٹر سلمان خود رہتا تھا۔

فریدی نے کار پھاٹک کے سامنے روک دی۔ پھاٹک بند تھا......اور کمپاؤنڈ میں بھی روشنی نہیں نظر آرہی تھی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ ڈاکٹر سلمان عموماً راتیں گھر سے باہر گذارتا ہے۔ کار روک کر وہ پھاٹک پر آیا اور چند لمحے ٹھہر کر اندازہ کرتا رہا۔ کہ اندر کوئی چوکیدار تو موجود نہیں ہے لیکن اندر سے کسی قسم کی آواز نہیں آئی۔ فریدی کار پشت پر لے آیا۔ ڈکے کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ مقفل تھا۔ اس نے جیب سے ایک باریک سا اوزار نکالا...... پھر ڈکے کا قفل کھولنے میں ایک منٹ سے زیادہ وقت بھی نہیں صرف ہوا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔

یہاں بھی اس کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ وہاں پٹرول کے کئی ٹن موجود تھے۔ فریدی نے انہیں نکال کر کار پر انڈیلنا شروع کر دیا۔ دو یا تین منٹ بعد وہ کار سے آٹھ یا دس گز کے فاصلے پر کھڑا تھا اور کار سے یہاں تک بہتے ہوئے پٹرول کی ایک لکیر اس کے پیروں کے قریب پہنچی ہی تھی کہ اس نے دیاسلائی کھینچ کر اس پر پھینک دی اور خود پوری قوت سے دوسری طرف دوڑنے لگا۔

جب تک وہ ڈھال سے نیچے نہیں اتر آیا اسے برابر روشنی دکھائی دیتی رہی۔ تقریباً چار فرلانگ تک دوڑنے کے بعد وہ رک گیا۔ دستانے اتار کر جیب میں رکھے اور پھر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

اب وہ اپنی قیام گاہ کی طرف واپس جا رہا تھا۔

اس نے آج ہی اپنے قیام کا انتظام بھی کرلیا تھا۔ چند ہی گھنٹوں میں کچھ دوست بھی بنا لئے تھے لیکن یہ قیام گاہ بھی خطرناک تھی اور دوست بھی اچھے آدمی نہیں تھے۔ رام گڈھ کے چھٹے ہوئے بدمعاش اور یہ قیام گاہ بھی افضل خان کی سرائے۔ سرائے ایسی جگہ واقع تھی جہاں سے بھوری پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا اور بھوری پہاڑیوں کو پولیس کی اصطلاح میں مجرموں کی آغوشِ مادر کہا جاتا تھا۔ رام گڈھ کے مفرور ملزم ہمیشہ انہیں پہاڑیوں کا رخ کرتے اور پولیس کے لئے انہیں دوبارہ ڈھونڈھ نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا تھا۔

فریدی نے پہلے ریالٹو میں قیام کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن سردار شکوہ سے نپٹنے کے بعد اس نے سوچا کہ کوئی غیر معروف اور گھٹیا سی جگہ زیادہ مناسب رہے گی۔ افضل خان کی سرائے ''غیر معروف'' تو نہیں تھی لیکن اس کے متعلق یہ نہیں سوچا جاسکتا تھا کہ وہاں فریدی جیسا آدمی بھی قیام کر سکے گا۔

سرائے پہنچ کر وہ اپنی کوٹھری میں چلا گیا۔ نہ اسے یہاں کی گندگی کی پرواہ تھی اور نہ گھٹن کی۔ وہ اپنے گھر پر ایک انتہائی نفاست پسند آدمی نظر آتا تھا لیکن یہاں اسے دیکھنے والے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ نچلے ہی طبقے کا ایک فرد نہیں ہے۔ ویسے اس کے عمدہ سلے ہوئے سوٹ کے متعلق ان کا یہی خیال تھا کہ وہ اندھیری رات کی کسی مہم میں ہاتھ آیا ہوگا...... وہ اس کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس سے کچھ پوچھتا۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اسے سراغ رساں سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ان کی ٹوہ میں آیا ہے لیکن پھر سوچتے کہ اگر یہ بات ہوتی تو اتنا اچھا سوٹ پہن کر اس سڑی سی سرائے میں قیام نہ کرتا...... بلکہ ایسے پھٹے حالوں یہاں آتا کہ انہیں اس پر شبہ بھی نہ ہو سکتا۔

فریدی نے ایک گوشے میں پڑا ہوا کمبل اٹھایا اور اسے زمین پر بچھا کر تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا...... پھر ایک سگار سلگا کر لیٹ گیا۔ اس کے چہرے پر گہرے سکون کے آثار تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس کی اپنی خواب گاہ میں نفیس ترین بستر پر آرام کرتے وقت ہوا کرتے تھے۔

یہ فریدی تھا۔ اپنے وقت کا پراسرار ترین آدمی، جس کی زندگی کے ہزار ہا پہلو اب بھی پردہ راز میں تھے۔ شائد کیپٹن حمید بھی ان سے ناواقف تھا۔ صرف ایک ہی حیرت انگیز دریافت اس کے حیران رہ جانے کیلئے کافی تھی اور وہی اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ یہ تھی فریدی کی بلیک

فورس...... وہ نہیں جانتا تھا کہ اس میں کتنے آدمی ہیں اور یہ کس قسم کی تنظیم ہے۔ وہ لوگ فریدی کے لئے مفت کام کرتے ہیں یا انہیں اس کا معاوضہ ملتا ہے۔ معاوضہ ملتا ہے تو کہاں سے؟ کیا اس کا بار فریدی کی اپنی جیب پر ہے مگر یہ بات قرین قیاس نہیں تھی۔ کیونکہ فریدی کے بیانات سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ بلیک فورس میں لاتعداد آدمی ہیں۔

فریدی لیمپ کی روشنی کم کرنے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''کون ہے؟''

''کھولو یار...... تم بھی بس۔'' باہر سے آواز آئی۔

فریدی نے دروازہ کھول دیا۔ باہر ایک بے ہنگم سا آدمی کھڑا دانت نکالے اسے گھور رہا تھا۔

''میں نے کہا کیا کچھ چال پھیر کا بھی شوق ہے؟'' اس نے ہتھیلی پر ہتھیلی رگڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... آں ہے کیوں نہیں۔'' فریدی بھی اسی انداز میں ہنس کر بولا۔ ''مگر میں ہمیشہ لمبا کھیل کھیلتا ہوں۔''

''او...... ہو...... کتنا لمبا......؟''

''جتنا بھی لمبا ہو سکے۔''

''تو آؤ......!'' وہ آدمی ہاتھ جھٹک کر بولا۔

فریدی نے باہر نکل کر دروازہ مقفل کیا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔ اس نے ابھی تک کپڑے نہیں اتارے تھے۔

وہ ایک بوسیدہ سے دلان میں آئے جہاں ایک بڑا سا لیمپ روشن تھا اور زمین پر پڑی ہوئی دری پر چار آدمی بیٹھے تھے۔ درمیان میں تاش کے پتے بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں سے تین کو فریدی پہچانتا تھا۔ وہ یہیں سرائے ہی میں رہتے تھے۔ چوتھا اجنبی تھا۔ شائد وہ اسے کہیں باہر سے پھانس کر لائے تھے۔ آدمی مالدار معلوم ہوتا تھا۔ لیکن صورت سے شریف یا سیدھا سادہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے مکاری ٹپکتی تھی۔

ان لوگوں نے فریدی کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا۔

کھیل شروع ہو گیا اور ان میلے کچیلے خستہ حال بدمعاشوں کی جیبوں سے سو سو کے نوٹ نکلنے لگے

اچانک تھوڑی دیر بعد فریدی نے اپنے پتے رکھ دیئے اور داؤں پر پڑے ہوئے نوٹو ایک اٹھا کر لیمپ کی روشنی میں دیکھنے لگا۔ یہ نوٹ اسی اجنبی کے جیب سے نکلا تھا۔ دوسرے لو اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور اجنبی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہر قسم کے حالا سامنا کرنے کے لئے خود کو تیار کر رہا ہو۔

"کیوں بے۔" دفعتاً فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "استادوں سے استادی۔"

"کیا مطلب......؟" وہ پیچھے کھسکنے لگا۔

"ہمیں لوٹنے آئے ہو......جعلی نوٹ۔"

"بکواس ہے۔"

فریدی نے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ بقیہ چار حیرت سے منہ کھولے انہیں دیکھ تھے۔ مار کھا کر اس آدمی نے چھرا نکال لیا اور پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگا۔

"اگر کوئی میرے قریب آیا......تو......" وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"مار ڈالو سالے کو۔" چاروں بیک وقت چیخے۔

"ٹھہرو......!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کے پاس لمبی رقم معلوم ہوتی ہے......مگر جعلی......تم لوگ چپ چاپ بیٹھے رہو۔ میں دیکھتا ہوں۔"

فریدی آہستہ آہستہ خونخوار اجنبی کی طرف بڑھنے لگا۔

"آؤ......آؤ......تمہاری موت ادھر لا رہی ہے۔" اس نے کہا۔

فریدی اس سے ایک گز کے فاصلے پر رک گیا۔ اچانک اجنبی نے اس پر جست لگائی لیکن ا کا چاقو والا ہاتھ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کی آہنی گرفت میں تھا......اور پھر وہ فریدی کی کمر لگتا ہوا کسی شہتیر کی طرح چاروں خانے چت فرش پر گرا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا تھا۔

اور اب پھر اس میں اتنی سکت کہاں رہ گئی تھی کہ فریدی کا گھٹنا اپنے سینے پر سے ہٹا سکتا۔

"بڑے جیالے ہو۔" فریدی اس کے گال پر تھپڑ مارتا ہوا بولا۔

چاروں بے تحاشہ ہنس رہے تھے......فریدی نے دوسرا تھپڑ مارتے ہوئے اسے سیدھا کر کر دیا۔

"اگر تم نے ذرا بھی ہاتھ پیر ہلائے تو اپنے پیروں سے چل کر یہاں سے نہیں جا سکو گے۔ ہم غریبوں کو لوٹنے آئے تھے۔ ہماری ہار اور جیت دونوں ہی افسوس ناک ہوتیں۔" پھر اس نے ان چاروں سے کہا۔ "ارے یارو کیا دیکھتے ہو......اس کی تلاشی لو۔"

یہ کام بڑے سکون کے ساتھ ہو گیا۔ اس کی جیبوں سے تیس ہزار کے جعلی نوٹ برآمد ہوئے۔ کچھ اچھی کرنسی بھی تھی۔ لیکن اس کی تعداد اڑھائی سو سے آگے نہیں بڑھی اور جسے فریدی نے اسی وقت ان چاروں آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔

"اب بتاؤ۔" فریدی پھر اس کے چہرے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "یہ نوٹ تمہیں کہاں سے ملے تھے؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ اس طرح چپ سادھ لی تھی جیسے گونگا ہو۔

فریدی نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ بقیہ چاروں اب اسے شبہے کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔ دفعتاً وہ ان کی طرف مڑ کر بولا۔ "کمائی کیلئے یہ بہترین موقع ہے اسے کہیں بند کر دینا چاہئے۔"

"کیا کرو گے؟"

"پہلے اسے کہیں بند تو کر دیں پھر بتائیں گے۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" اجنبی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کمائی کیا کرو گے؟"

"ہم کر لیں گے بیٹا......تم اپنی چونچ بند رکھو۔" فریدی نے ایک بھدا سا قہقہہ لگایا۔

اتنے میں سرائے والی غل غپاڑہ مچاتی ہوئی وہاں آ گئی۔

"کیا شور مچا رکھا ہے تم لوگوں نے۔"

"ارے......جاؤ......کچھ نہیں ہم لوگ بگڑی بنا رہے ہیں یہ لو۔" فریدی اسے دس دس کے تین نوٹ دیتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ جا کر سو جاؤ۔"

"ابھی کیسے سو جاؤں......کئی حرامیوں لاخیروں نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔"

"اچھا......بس اب جاؤ۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔

"یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔" دفعتاً اجنبی نے چیخ کر کہا۔

"تو تم یہاں آئے کیوں ہو......حرام کے جنو۔" اس نے لاپروائی سے کہا اور مٹکتی ہوئی چلی گئی......پھر ان لوگوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اجنبی کو دھکیل کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

اسکے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا تاکہ وہ شور نہ مچا سکے۔

پھر وہ چاروں فریدی کے بولنے کا انتظار کرنے لگے۔

"سنو دوستو!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایسے مواقع روز روز ہاتھ نہیں آتے...... اگر ہم نے ان لوگوں کو جکڑ لیا تو مالا مال ہو جائیں گے۔ ہمیشہ لمبے ہاتھ مارنے کی فکر میں رہا کرو۔"

"بات بھی تو بتا یار مرے۔" ایک نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہمیں ان لوگوں کا پتہ لگانا پڑے گا جو نقلی نوٹ بناتے ہیں۔"

"تب پھر تم ہمیں پولیس میں بھرتی کرادو۔" دوسرے نے قہقہہ لگایا۔

"تم سمجھتے نہیں...... ہم پولیس کو اسکی ہوا بھی نہ لگنے دیں گے۔ خود کمائی کریں گے کیا سمجھے۔"

"کچھ نہیں سمجھے یار...... پھر کوشش کرو۔" ایک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ہم تمہیں اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ تم جاسوس ہو...... اور اب یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے۔"

وہ فخریہ انداز میں سینہ تانے فریدی کے سامنے کھڑا تھا اور اس کے بقیہ تین ساتھیوں نے اپنی دانست میں فرار کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔

"تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر میں جانا چاہوں تو تمہارے فرشتے بھی نہ روک سکیں گے۔ ہماری دوستی بالکل نئی ہے۔ اگر تم لوگ میرے ہاتھوں زخمی ہوئے تو مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔"

سامنے کھڑے آدمی نے فریدی پر ہاتھ چھوڑ دیا لیکن وہ اسی کے ایک ساتھی کے سر پر پڑا۔ فریدی ان کے نرغے سے دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ایک بار پھر اس نے کہا۔ "وہم میں نہ پڑو...... اب بھی میرا دل تمہاری طرف سے بُرا نہیں ہوا۔ ویسے تم مجھے کبھی نہ پاسکو گے۔ میں تم جیسے چالیس آدمیوں کو اسی طرح جھکاتا ہوا بھوری پہاڑیوں تک پہنچ جاؤں گا۔"

وہ چاروں بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ فریدی پھر بولا۔ "میں کوشش کرتا ہوں کہ قتل سے بچ سکوں مگر میری تقدیر...... میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تم لوگ مجھے اس پر مجبور کر دو گے اور مجھے زندگی بھر کوفت رہے گی کہ میں نے کسی کو دوست کہہ کر قتل کر دیا۔"

اس نے جیب سے چاقو نکال کر کھولا...... کرکراہٹ کی آواز سناٹے میں گونج کر رہ گئی۔ پھر

ے کہا۔ "تم لوگ بھی اپنے چاقو نکال لو...... میں تمہیں ایک شاندار کھیل دکھاؤں گا۔"

"نہیں دوست......!" لمبے آدمی نے آہستہ سے کہا۔ "چاقو رکھ لو۔ ہم غلطی پر تھے۔"

فریدی چاقو کا پھل چوم کر اسے بند کرتا ہوا بولا۔ "خدا کا شکر ہے۔"

"خدا کا شکر ہے۔" چاروں نے بیک وقت دہرایا۔ پھر ایک ایک کر کے وہ چاروں اس سے ل گیر ہوئے۔

"اب پھر ہمیں معاملے کی بات کرنی چاہئے۔" فریدی نے دری پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں نے شہ لمبے ہاتھ مارے ہیں۔ بہت اونچے قسم کے معاملات میں شریک رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ڈی ان لوگوں کے لئے صرف کام کرتا ہوگا جو جعلی نوٹ بناتے ہیں۔ بنانے والے خود کبھی انہیں زار میں نہیں پھیلاتے۔ یہ کام ان کے ایجنٹ کرتے ہیں۔ بنانے والوں کا کام تو نقلی کے عوض اصلی رقمی سمیٹنا ہوتا ہے۔ اگر کسی طرح ہم ان لوگوں تک پہنچ جائیں تو انہیں بلیک میل کر سکتے ہیں۔"

"بلیک میل کیا ہوتا ہے۔" لمبے آدمی نے پوچھا۔

"کسی کو ڈرا دھمکا کر روپیہ وصول کرنے کو کہتے ہیں۔ ہم انہیں پولیس کا خوف دلا کر ان سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھیں گے...... کیا سمجھے۔"

"اگر انہوں نے نقلی ہی نوٹ تھما دیئے تو۔"

"میں کہیں مر گیا ہوں...... تم نے دیکھا کہ میں نے ایک ہی جھلک دیکھ کر تاڑ لیا تھا کہ نوٹ نقلی ہیں۔"

"اچھا...... اور...... تیس ہزار۔"

"انہیں جلا دیں گے...... کچا کام کبھی نہ کرنا چاہئے۔ پولیس سے بچنا ہی چاہئے۔"

"ٹھیک ہے...... اچھا تو چلو اس سے پوچھیں۔"

"ٹھہرو...... پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لو۔"

"کہہ ڈالو......!" لمبے آدمی نے کہا۔

"تمہیں ہر حال میں میری بات ماننی پڑے گی تم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکو گے۔"

"منظور ہے پارٹنر......!" وہ فریدی کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ "ایسے دوست کہاں ملتے ہیں۔"

نئی راہ پر

حمید نے اخبار اٹھایا اور اس کی نظر سب سے بڑی سرخی پر جم گئی۔

"دشمنوں کو دوست بنانے والا خود ہی کسی کی دشمنی کا شکار ہوگیا۔" اور پھر نیچے دی ہوئی بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ یہ ڈاکٹر سلمان کی کار کی پراسرار کہانی تھی جسے کوئی کھل بالا سے لے تھا...... ڈاکٹر سلمان کو وہاں سے گھر تک ٹیکسی میں آنا پڑا اور جب وہ گھر پہنچا تو اسے پھاٹک سامنے اپنی کار جلی ہوئی ملی...... حمید کا خیال فریدی کی طرف گیا۔ وہ یقین کرنے پر مجبور تھا حرکت فریدی ہی کی تھی۔ وہ اکثر ایسے ہی بے تکے کام کر گذرتا تھا...... بظاہر وہ بے تکے ہوتے حمید کی نظر سے آج تک کوئی ایسا واقعہ نہیں گذرا تھا جس کے نتائج دور رس نہ ثابت ہوئے ہوں حمید نے اس خبر کو کئی بار پڑھا...... پھر باہر جانے کے لئے تیاری کرنے لگا۔ لیکن اسی دوران میں اس طرح خیالات میں گم ہوا کہ آدھے کپڑے جسم پر اور آدھے کرسی کی پشت گاہ پر پڑے رہ وہ سوچ رہا تھا کہ اب ایک دلچسپ ڈرامہ ہوا ہے۔ ایسا دلچسپ کہ شائد زندگی میں ایک ہی بار سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔ وہ خود کو کرنل فریدی کا دشمن ظاہر کر رہا تھا مگر وہ تجربہ کیا تھا اس پر اس زمین دوز دنیا میں کیا گیا تھا۔ وہ لوگ سارے کام سائنٹیفک اصولوں پر کرتے تھے۔ یہ کس اصول کے تحت ہوسکتا ہے کہ حمید صرف ایک آدمی سے سالہا سال کے تعلقات ختم کر کے دشمن ہوجاتا۔ یہ کسی جادوگر کا کمال تو ہوسکتا ہے لیکن شائد سائنس سے اس کا دور کا بھی علاقہ ہوتا...... کافی سوچ بچار کے بعد یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ اس تجربے کا مقصد پچھلی ذہنی زندگی متاثر کرنا بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی پچھلے تمام تر تعلقات کے سلسلے میں دشمنی کے جذبات کا ابھارنا...... اس طرح صرف فریدی کے خلاف بغض و عناد کا اظہار یقیناً بے تکا ہوتا۔ اس نے سوچا کہ اب سارے پرانے تعلقات پر دشمنوں کی طرح نظر ڈالنی چاہئے کیوں نہ اس سلسلے میں روحی ہی سے شروعات کی جائے۔ یقیناً اس چیز کی بے تحاشہ پبلسٹی ہوگی اور اس کا مطمع نظر بھی یہی تھا کہ کسی طرح تنظیم کے آدمیوں تک اس کے بدلتے ہوئے رجحانات کی اطلاع پہنچ جائے۔

وہ تھوڑی دیر خاموش بیٹھا رہا...... پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی۔

بلیرڈ روم سے بلیرڈ کھیلنے کی ایک لکڑی حاصل کی اور باہر برآمدے میں آ گیا۔ جہاں روحی، نوشابہ اور قاسم تاش کھیل رہے تھے۔ وہ حمید کو بھی اپنی تفریحات میں شریک کرنا چاہتے مگر حمید انکار دیتا۔ ان سے الگ تھلگ گم سم بیٹھا رہتا۔ قاسم کو بھی اس کے اس رویہ پر حیرت تھی...... بہرحال وہ روحی اور نوشابہ کا بلاشرکت غیرے مالک بن بیٹھا تھا...... روحی بہت کم گھر سے نکلتی...... زیادہ انہیں لوگوں میں گذارتی۔ شاید اسی کی خاطر نوشابہ نے بھی اپنے اسکول سے ایک ماہ کی چھٹی لی تھی۔

اس وقت بھی انہوں نے حمید کو برآمدے میں آتے دیکھ کر چہکارتی ہوئی آوازوں سے اس کا استقبال کیا لیکن حمید کی پیشانی پر پڑی ہوئی سلوٹیں کسی طرح بھی رفع نہ ہوئیں۔

وہ چپ چاپ قاسم کی کرسی کی پشت پر کھڑا ہوگیا۔ وہ لوگ کھیلتے رہے۔ دفعتاً حمید نے روحی سے کہا۔ "یہ اُلو کا پٹھا...... تمہارے کارڈ دیکھ رہا ہے۔"

"قون......!" قاسم چونک پڑا پھر ہنس کر بولا۔ "نہیں تم کیوں جھوٹ بولتے ہو۔"

مگر اس کی ہنسی دیر تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ حمید کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قاسم کو گالیاں دیتے دیتے خاموش ہوگیا ہو۔ قاسم کو فوراً ہی یاد آ گیا کہ حمید نے اسے اُلو کا پٹھا کہا تھا۔ اس نے جھینپی ہوئی نظروں سے نوشابہ اور روحی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی متحیر انداز میں حمید کو دیکھ رہی تھیں۔ حمید قاسم کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے چوری سے کسی کے کارڈ دیکھ لینا قتل کردینے کے مترادف ہو۔

"اے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" قاسم غرا کر کھڑا ہوگیا۔

"چپ رہو بدتمیز......!" حمید نے چھوٹتے ہی لکڑی اس کے سر پر رسید کردی۔

"ہائیں......!" قاسم نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے نکلتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ ان پر حیرت اور غصے نے بیک وقت حملہ کیا تھا۔

نوشابہ اور روحی بھی بوکھلا کر کھڑی ہوگئیں تھیں۔

"کمینے...... کتے۔" حمید نے دوبارہ لکڑی گھمائی اور وہ اس بار قاسم کے شانے پر پڑی اور قاسم کوپڑی سے باہر ہوگیا۔

"مار ڈالوں گا......!" وہ دہاڑتا ہوا حمید کی طرف لپکا۔ لیکن حمید نے جھکائی دے کر پھر ایک

لکڑی رسید کردی۔

"ابے پاگل ہوگیا ہے...... مار ڈالوں گا۔" اس بار قاسم نے پوری قوت سے حملہ کیا لیکن لکڑی بھی اس کے مقدر میں تھی۔

"یہ کیا ہوگیا ہے آپ کو۔" روحی نے چیخ کر کہا۔

"شٹ اپ......!" حمید نے اس کی طرف بھی لکڑی گھمائی اور وہ برآمدے کے بڑی۔ قاسم کا دوسرا حملہ اسے برآمدے سے نیچے لے گیا۔ جیسے ہی قاسم زمین پر گرا...... حمید تین لکڑیاں اور رسید کردیں۔

غصے کی وجہ سے قاسم کی حالت دگرگوں تھی۔ وہ پھر اٹھا اور زمین سے بڑے بڑے پتھر حمید پر پھینکنے لگا۔ وہ حمید کی طرح اچھل کود نہیں سکتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حمید نے ریوالور نکال برآمدے میں کھڑی ہوئی عورتیں چیخنے لگیں۔ حمید نے فائر کردیا۔ قاسم چیختا ہوا زمین پر ڈھیر حالانکہ یہ حقیقت تھی کہ گولی اس کے سر سے ایک فٹ اونچی گئی تھی۔

پھر اس نے ایک فائر برآمدے کی طرف بھی کیا۔ کسی دروازے کا شیشہ جھنجھنا کر چور ہو دونوں عورتیں چیختی ہوئی ایک دوسرے پر گرنے لگیں۔

اس کے بعد حمید دو ہی تین جستوں کے بعد پائیں باغ کے باہر تھا۔ وہ پوری قوت سے پر دوڑتا رہا لیکن اس کے پیچھے دوڑنے والا کوئی نہیں تھا۔ روحی کے نوکران لوگوں کو سنبھالنے میں گئے تھے۔

تقریباً دو تین فرلانگ تک وہ ایک ہی رفتار سے دوڑتا رہا...... پھر اس کی سانس پھول چونکہ وہ اترائی تھی اس لئے اتنی دور تک چلا بھی آیا تھا۔ ورنہ چڑھائی پر اس طرح دوڑنا ناممکن ہوتا...... وہ سڑک کے کنارے ایک چٹان سے ٹک کر دم لینے لگا۔

یہاں سے شہر تک پہنچنا بھی ایک مشکل مسئلہ تھا۔ وہ جلد از جلد ان اطراف سے نکل جانا تھا۔ اسے یقین تھا کہ روحی اس واقعے کی اطلاع ماتھر کو ضرور دے گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اب تک مطلع کر بھی چکی ہو کیونکہ کوٹھی میں فون موجود تھا۔

وہ پھر اٹھا اور چلنے لگا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں قاسم ہی اس کی تلاش میں نہ چل پڑے۔ اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان لوگوں سے دوبارہ مڈھبیڑ ہو۔ لہٰذا وہ سڑک کے بائیں جانب والے

میں اترنے لگا۔ دفعتاً اسے کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ مگر وہ کسی ٹرک ہی کی کرخت آواز ہوسکتی تھی۔ روحی کی اسٹیشن ویگن بے آواز تھی۔ حمید چلتے چلتے رک گیا۔ موڑ پر اسے ٹرک کا اگلا حصہ دکھائی دیا اور حمید پھر بڑی پھرتی سے سڑک پر آ گیا۔ ہاتھ اٹھا کر ٹرک رکوائی اور جھنجھلائے ہوئے ڈرائیور کو کسی نہ کسی طرح اس بات پر آمادہ کرہی لیا کہ وہ اسے شہر پہنچا دے اور اس کے عوض اس نے دس دس کے دو نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اس نے اسے اپنے پاس ہی بٹھا لیا اور حمید بڑبڑانے لگا۔ "یہ سالے دوست بھی بڑے کمینے ہوتے ہیں۔ ایسا مذاق کرتے ہیں کہ گولی مار دینے کو جی چاہتا ہے۔"

ڈرائیور جو اسے شبہے کی نظر سے دیکھ رہا تھا بولا۔ "کیوں صاحب......"

"ارے ہم جارہے تھے پکنک پر جھلوار...... راستے میں پیشاب کے لئے مجھے اترنا پڑا۔ کم بخت گاڑی نکال لے گئے۔ میں وہیں کا وہیں رہ گیا۔ خدا غارت کرے۔"

ڈرائیور ہنسنے لگا اور غالباً اس کے شکوک وشبہات ختم ہوگئے۔

شہر پہنچ کر حمید نے ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی کی راہ لی۔ چار بج چکے تھے اسے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگی کیونکہ شہر پہنچتے ہی اس نے ایک ٹیکسی لے لی تھی۔ آتش زدہ کار اب بھی پھاٹک کے سامنے موجود تھی۔ اسے اس جگہ سے ہٹا کر کہیں اور نہیں لے جایا گیا تھا۔ حمید ٹیکسی سے اتر کر پھاٹک کی طرف بڑھا اور نہایت اطمینان سے باغ کی روش پر ٹہلتا ہوا پورچ کی طرف جانے لگا۔ پوری عمارت پرسکون طاری تھا۔ شاید ادارہ روابط عامہ کا دفتر بھی بند ہوچکا تھا۔

حمید نے جیسے ہی پورچ میں قدم رکھا اس کی عاقبت روشن ہوگئی۔ پام کے بڑے گملے پر ایک پیر رکھے اور ستون سے ٹیک لگائے ایک بڑی خوبصورت لڑکی خلاء میں گھور رہی تھی۔ وہ یقیناً خوبصورت تھی اور اس کی آنکھیں خواب ناک سی تھیں۔ خفیف سے کھلے ہوئے ہونٹوں کے درمیان سفید دانتوں کی چمکدار لکیر جھانک رہی تھی اور ایک آوارہ سی لٹ اس کے بائیں گال پر جھول گئی تھی۔

حمید کو دیکھ کر وہ سیدھی کھڑی ہوگئی۔

"میں ڈاکٹر سے ملنا چاہتا ہوں۔" حمید نے بڑی شائستگی سے کہا۔

لڑکی چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر بولی۔ "کیوں ملنا چاہتے ہیں؟"

اس کا لہجہ حمید کو اچھا نہیں لگا لیکن پھر بھی اس نے اپنی پہلی سی شائستگی کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ انہیں معلوم ہے۔"

"وہ گھر میں موجود ہیں مگر نہیں ملیں گے۔" لڑکی نے کہا اور برابر بولتی رہی۔ دم لئے بغیر پھر ایک لمحے کے لئے رکی اور اس طرح سر جھکا کر گردن اکڑائی جیسے تھوک نگلنے کے لئے رکی ہو۔ اس کے بعد پھر زبان چل پڑی۔ "آدمی کتے سے برتر نہیں ہوتا۔ مجھے آدمیوں سے نفرت ہے۔ بھائی جان ماہر نفسیات ہیں۔ اخبار والے بھی اتنے کتے ہیں کہ ان پر طنز کر رہے ہیں۔ دشمنوں کو دوست بنانے والا خود ہی کسی کی دشمنی کا شکار ہو گیا۔ لعنت ہے اس کالی صحافت پر، ہمدردی ظاہر کرنے کے بجائے طنز کرتے ہیں کتے...... آپ تشریف لے جایئے۔ بھائی جان...... آپ سے نہیں ملیں گے۔"

"آپ آدمی کو کتا سمجھتی ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں...... میں سمجھتی ہوں...... پھر......!"

"تب ہم دونوں کے خیالات میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ میں آدمی کو گدھا سمجھتا ہوں۔"

"آپ غلط سمجھے...... ہمارے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"کیوں...... میں غلط کیوں سمجھا ہوں۔"

"گدھے ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے۔"

"معاف کیجئے گا...... آپ گدھوں کے متعلق کچھ نہیں جانتیں۔"

"آپ کیا بکواس کر رہے ہیں۔" لڑکی کی آواز غصیلی ہو گئی۔ "آپ میری معلومات کو چیلنج نہیں کر سکتے۔"

"میں کر سکتا ہوں...... میں گدھوں پر اتھارٹی ہوں۔ خیر اگر آپ کی معلومات گدھوں کے متعلق بہت وسیع ہیں تو یہی بتا دیجئے گا کہ گدھے کس عمر میں بالغ ہوتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتی...... آپ چلے جایئے۔" وہ جھنجھلا گئی۔

"میں ڈاکٹر سلمان سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

لڑکی پیر پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔ حمید سمجھا شاید وہ ڈاکٹر سلمان کو اطلاع دینے گئی ہے لیکن جب پانچ منٹ تک اسے یونہی کھڑا رہنا پڑا تو اس نے یہ خیال ترک کر دیا کہ لڑکی نے ڈاکٹر سلمان سے اس کا تذکرہ بھی کیا ہوگا۔

وہ پھر برآمدے میں پہنچ کر گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔ جلد ہی دروازے میں ایک ملازم کی شکل

ائی دی۔ حمید نے اسے اپنا کارڈ دیا۔ پھر اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نوکر نے واپس کر اسے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا۔

ڈاکٹر سلمان بھی ڈرائنگ روم میں جلد ہی آ گیا۔ حسب معمول اس وقت بھی اس کا چہرہ کھلا اتھا۔

"کہئے کیپٹن کیسے تکلیف فرمائی۔" اس نے حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو میں آپ کے اس نقصان پر افسوس ظاہر کروں گا۔"

"اوہ......!" ڈاکٹر سلمان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "جانے بھی دیجئے...... اگر ایک آدمی یا یوں کو اسی سے کچھ قلبی سکون حاصل ہوا ہو تو یہ سودا میرے لئے مہنگا نہیں۔"

"آپ سچ مچ دیوتا ہیں۔" حمید اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"نہیں کیپٹن میں صرف انسان ہوں۔"

"اگر انسان بھی ہیں تو میں آپ کو سپر مین کہوں گا۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ ہاں فرمایئے...... میرے لائق ئی خدمت۔"

حمید کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ آہستہ سے بولا "میں تو سمجھا تھا کہ آپ ج مجھ سے نہ ملیں گے۔"

"کیوں......؟" ڈاکٹر سلمان چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"وہ ایک صاحبہ باہر ملی تھیں۔ بڑی دیر تک مجھے دھتکارتی رہیں۔ پھر اندر چلی گئیں۔ وہ کہہ ہی تھیں کہ آپ اب کسی سے نہ ملیں گے اور آدمی دراصل کتا ہے۔"

"اوہ......!" ڈاکٹر سلمان یک بیک مغموم نظر آنے لگا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"مجھے افسوس ہے کیپٹن...... وہ میری بہن ساحرہ رہی ہوں گی۔ جتنا میں انسان ہوں، اتنی ہی تا ہے وہ۔"

"کوئی بات نہیں...... کوئی بات نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"نہیں کیپٹن...... میں اس کے لئے بہت مغموم رہتا ہوں۔"

پھر کمرے کی فضا پر گہری خاموشی مسلط ہو گئی۔

”میں دراصل......!“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔”اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔“

”نہیں......ایسا نہ کہئے۔قوم کی بہت سی امیدیں آپ کی ذات سے وابستہ ہیں۔“

”اس لئے میں خودکشی کر لینا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے تمام دوستوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ ہر ایک کے متعلق سوچتا ہوں کہ اسے کوئی نہ کوئی نقصان پہنچا دوں۔“

”آپ صرف اپنے ماحول سے اکتاہٹ کے شکار معلوم ہوتے ہیں اور یہ کوئی مستقل مرض نہیں ہے جس کے لئے آپ پریشان ہوں۔“

”یہاں میں آپ سے متفق نہیں ہو سکوں گا۔آپ مجھے کسی طرح بھی مطمئن نہ کر سکیں گے کیونکہ ماحول سے اکتائے ہوئے لوگ کوئی خطرناک قدم نہیں اٹھا سکتے۔“

”میں نہیں سمجھا کیپٹن۔“ ڈاکٹر سلمان اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

”آج میں نے اپنے تین دوستوں پر گولیاں چلائی ہیں اور میں نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے۔“

”نہیں......؟“ ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہاں ڈاکٹر......یقین کیجئے، کچھ تعجب نہیں کہ اس وقت تک رام گڈھ کی پولیس میرے خلاف حرکت میں آ گئی ہو......میں نے روحی، اس کی کرایہ دار نوشابہ اور اپنے دوست قاسم پر گولیاں چلائی تھیں۔“

”کہاں......؟“

”روحی کی کوٹھی میں......میرا قیام چند گھنٹے پہلے وہیں تھا۔“

”اوہ تب تو یہ واقعی بہت برا ہوا......ٹھہرئیے......میں فون......!“

”نہیں ڈاکٹر......آپ پوچھ گچھ کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔اگر آپ کو میرے بیان پر شبہ ہے تو وہ کل صبح تک رفع ہو جائے گا۔اخبارات میں خبر ضرور آئے گی۔“

”خیر جانے دیجئے......ہو سکتا ہے پولیس کو کسی قسم کا شبہ ہو جائے۔“

”یہی مطلب ہے اور پھر کرنل فریدی بھی یہیں کہیں مقیم ہے۔اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میں کہاں ہوں تو میرا رخ ٹھیک پھانسی گھر کی طرف ہوگا۔“

”کرنل فریدی ہیں کہاں......؟“

”کاش میں جانتا ہوتا......وہ اب تک مجھ سے فراڈ کرتا رہا ہے۔ مجھے ہر خطرناک موقع پر قربانی کا بکرا بناتا رہا ہے۔میں جب اس کی پچھلی حرکتوں پر غور کرتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔“

”تو کیا آپ کرنل فریدی پر بھی اسی طرح حملہ کر سکتے ہیں۔“

”ہاں ڈاکٹر......میں یہی محسوس کرتا ہوں۔وہ جب بھی سامنے آیا اس کی کھوپڑی اڑا دوں گا......خواہ شارع عام ہی پر مجھے ریوالور نکالنا پڑے۔“

ڈاکٹر سلمان کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔”اگر یہ صحیح ہے کہ آپ نے ان تینوں پر گولیاں چلائی ہیں تو اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔“

”مجھے پولیس سے چھپنا پڑے گا اس وقت تک جب تک کہ فریدی کا کام تمام نہیں کر لیتا۔اس کے بعد خواہ مجھے کتوں سے نچوا ڈالا جائے مجھے پرواہ نہ ہوگی۔“

”کیپٹن میں تمہارا علاج کروں گا۔یہ کیس میرے لئے بالکل انوکھا ہے۔اس کیلئے میں پولیس کا خطرہ بھی مول لے سکتا ہوں۔یعنی آپ یہیں قیام کریں گے۔“

”نہیں ڈاکٹر میں آپ کو کسی مصیبت میں نہیں پھنسانا چاہتا۔“

”دیکھئے۔اگر میں آپ کو مجرم سمجھتا ہوتا تو آپ اس وقت یہاں نہ دکھائی دیتے۔مگر میں سمجھتا ہوں کہ جس وقت آپ نے ان لوگوں پر گولی چلائی تھی ہوش میں نہیں تھے۔“

”قطعی نہیں......مجھے بس اتنا ہی یاد ہے کہ میں نے ان پر فائر جھونک مارے تھے اور اس کے بعد وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔میرا سارا سامان بھی وہیں رہ گیا ہے۔“

”تو آپ یہاں رام گڈھ کس طرح پہنچے۔کیا پیدل آئے ہیں؟“

”نہیں......اتفاقاً ایک ٹرک مل گیا تھا۔“

”اچھا تو بس اب آپ کہیں نہیں جائیں گے۔“ ڈاکٹر سلمان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”جیسی آپ کی مرضی۔“ حمید آہستہ سے بولا۔

”مگر کیپٹن......!“ ڈاکٹر سلمان کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔”آپ سیدھے یہیں کیوں چلے آئے۔آپ کو یقین تھا کہ آپ کے ساتھ یہی برتاؤ کروں گا۔“

”ہاں مجھے یقین تھا۔“

”آخر کس بناء پر......؟“

''میں نہیں جانتا...... میرا دل کہتا تھا کہ آپ اس حال میں بھی مجھ سے انسانیت ہی کا برتاؤ کریں گے۔''

''گویا...... یہاں بھی آپ بیہوشی ہی کے عالم میں آئے ہیں۔'' ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

''کیوں...... نہیں تو...... بھلا میں بیہوشی کے عالم میں ٹرک ڈرائیور سے باتیں کیسے بناتا۔''

پھر حمید نے اسے بتایا کہ اس نے کس طرح ٹرک ڈرائیور کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے چند دوست اسے وہاں شرارتاً چھوڑ گئے تھے۔

''یہ ایک بہت زیادہ الجھا ہوا نفسیاتی کیس ہوگا۔'' ڈاکٹر سلمان نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ''کیا کبھی آپ کے دل میں میرے خلاف نفرت کے جذبات بھی پیدا ہوئے تھے۔''

''بلاشبہ پیدا ہوئے تھے۔'' حمید نے اعتراف کیا۔

''کیوں......؟''

''میرا خیال تھا کہ ادارہ روابط عامہ فراڈ ہے۔ آپ نے روحی سے روپے وصول کرنے کے لئے خود ہی اس پر حملے کرائے تھے۔ یقیناً اس وقت دل میں آپ کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوئے تھے۔ مگر اب نہ جانے کیوں میں سوچتا ہوں کہ آپ تو دیوتا ہیں۔ بیسویں صدی کے گوتم بدھ۔''

''میرے خدا......!'' ڈاکٹر سلمان ہنسنے لگا۔ ''آپ میری طرف سے اتنے بدگمان تھے۔''

''مجھے انتہائی ندامت ہے ڈاکٹر۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ بات آپ پر کیوں ظاہر کی۔ شائد میں اب بھی ہوش میں نہیں ہوں۔''

حمید خاموش ہو کر مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''اب میں سوچ رہا ہوں کہ دوسری بات بھی آپ کو بتاؤں یا نہ بتاؤں۔''

''دوسری بات کون سی ہے۔'' ڈاکٹر سلمان آگے جھک آیا۔

''کرنل فریدی سے متعلق ہے۔''

''ضرور بتایئے۔''

''اس نے آپ کے متعلق ایک بہت بڑا شبہ ظاہر کیا تھا۔''

''وہ کیا......؟''

''یہی کہ آپ طاقت کی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا...... طاقت کی تنظیم...... کیا مطلب......؟''

''میں نہ جانے کیا بک رہا ہوں ڈاکٹر...... کچھ نہیں...... یہ سب کچھ آپ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔'' حمید دفعتاً اپنے بال نوچنے لگا۔

''اوہو...... اوہو......!'' ڈاکٹر سلمان جلدی سے اٹھ کر اس کے ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ ''مت سوچئے وہ باتیں...... جن سے آپ کو الجھن ہوتی ہے۔ چلئے میں آپ کو وہ کمرہ دکھادوں جہاں آپ کا قیام ہوگا۔''

دوسری آگ

فریدی نے اس جعلساز کو اس لئے نہیں پکڑا تھا کہ ان بدمعاشوں پر اس کا رعب پڑے۔ بلکہ آج کئی ماہ سے اس قسم کے جعلی نوٹ بازار میں پھیل رہے تھے لیکن ابھی تک کوئی ایسا آدمی نہیں پکڑا جاسکا تھا جس کے پاس سے زیادہ تعداد میں نوٹ برآمد ہوتے۔ ویسے لاکھوں روپیوں کی جعلی کرنسی بازار میں موجود تھی۔

طاقت کی تنظیم کا دوبارہ سراغ ملتے ہی فریدی نے سوچا تھا ممکن ہے اس حرکت کا تعلق بھی اُسی سے ہو۔ کیونکہ اتنے پراسرار طریقے پر جعلی کرنسی کا پھیلا دینا معمولی آدمیوں کے بس کا روگ نہیں اور پھر وہ جعلی کرنسی بھی ایسی ہی تھی کہ ماہرین کے علاوہ شائد ہی کوئی اس کی شناخت کرسکتا۔

بہرحال یہ پہلا ہی آدمی تھا جس کے پاس اتنی زیادہ تعداد میں اُسی قسم کے جعلی نوٹ ملے تھے۔ پچھلی رات اس نے اس آدمی کو مجبور کردیا تھا کہ وہ سب کچھ اگل دے اور اس کی تدابیر اس سلسلے میں کارگر ہی ہوئی تھیں۔

اس نے صبح تک اُسے بند رکھا اور پھر چھوڑ دیا مگر نوٹ اسے واپس نہیں کئے۔ صرف اتنا بتا اسے دیا گیا تھا کہ وہ رام گڈھ سے باہر چلا جائے اور فریدی نے سرائے ہی کے بدمعاشوں میں سے ایک کو اس کے پیچھے لگا دیا تھا کہ وہ اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھے۔ یعنی وہ اس کے مشورے پر رام گڈھ سے باہر جاتا بھی ہے یا نہیں۔

اُس نے ایک عمارت کا پتہ بتایا تھا جہاں سے جعلی نوٹ آدھی قیمت پر دستیاب ہوئے تھے۔ اب فریدی نے ان چاروں آدمیوں کو اس نئے کام سے متعلق ٹریننگ دینی شروع کی اور جلد ہی اندازہ کر لیا کہ وہ کام کے ثابت ہو سکیں گے۔

وہ عمارت جس کا پتہ اس نے بتایا تھا سرائے سے زیادہ دور نہیں تھی اور وہاں رام گڈھ کی ایک بدنام ترین متمول عورت رہتی تھی۔ وہ چاروں تو اس کا نام ہی سن کر کانپ گئے تھے انہوں نے اسے بتایا کہ وہ ایک خطرناک عورت ہے۔ رام گڈھ کے حکام اس کے قبضے میں ہیں اور وہ روزانہ درجنوں غیر قانونی کام کر ڈالتی ہے۔ رام گڈھ کے اونچے اونچے بدمعاش اس کی مٹھی میں ہیں۔ اس کا نام سن کر انہوں نے فریدی کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ انہیں پہچانتی ہے۔ بمشکل تمام فریدی نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ لوگ پس منظر ہی میں رہ کر اس کے لئے کام کریں گے۔

فریدی اس عورت تاریہ کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ انہیں چاروں کی زبانی اسے بہتیرے حالات معلوم ہوئے۔ وہ ایک مقامی رئیس کی بیوہ تھی لیکن بوریا کی رہنے والی تھی۔ نہ صرف اردو بلکہ مشرق کی کئی زبانیں بے تکان بول سکتی تھی۔ کافی دولت مند تھی اور کئی مقامی حکام اس کے قرض دار تھے۔

فریدی کو اس کی شخصیت بڑی دلچسپ معلوم ہوئی۔

یہ اسی شام کی بات ہے جب حمید نے ڈاکٹر سلمان کے یہاں پناہ لی تھی۔ فریدی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ ''تم ڈرو نہیں...... میں رام گڈھ کے اونچے سے اونچے بدمعاش سے ٹکرانے کی ہمت رکھتا ہوں۔''

''اگر پولیس سے مڈبھیڑ ہو گئی تو'' ایک نے کہا۔ ''تاریہ کے خلاف نہیں جائے گی پولیس۔''

''پولیس کس چڑیا کا نام ہے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''کبھی رن پڑے تو پھر دیکھنا

کمال۔''

''یار تم بڑے تیس مار خاں بنتے ہو۔'' لمبے آدمی رانو نے کہا۔

''رانو...... تم مجھے نہیں جانتے۔ میں خاندانی آدمی ہوں کبھی سلطانہ ڈاکو کا نام سنا ہے۔''

''ارے واہ...... کس نے نہ سنا ہوگا۔''

''وہ میرا چچا لگتا تھا۔''

''نہیں......!'' رانو کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں دوست! یہ سب کچھ خاندانی فیض ہے۔ چچا نے کئی گر مجھے سکھائے تھے جو آج میرے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم۔ پولیس سے کس طرح بچنا چاہئے اگر ساتھی غداری کریں تو انہیں مار ڈالنے کا سب سے آسان تدبیر کیا ہو سکتی ہے۔ پانی میں کم از کم آٹھ گھنٹے تک ڈوبے رہنے کے باوجود بھی زندہ رہنا...... بہتیری باتیں رانو...... اور یہ سارے گر مجھ سے وہی حاصل کر سکے گا جو میرا چہیتا ہو...... آخر وقت تک میرے لئے جان لڑاتا رہے۔''

وہ چاروں خاموش رہے ابھی تک ان کی حیرت رفع نہیں ہوئی تھی۔

اسکیم کے مطابق فریدی کو سات بجے سرائے چھوڑ دینی تھی۔ ساڑھے چھ بجے وہ آدمی واپس آیا جسے اس جواری کے پیچھے لگایا گیا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ جواری نے رام گڈھ چھوڑ دیا ہے۔ وہ خود اسے ٹرین پر بیٹھتے دیکھ چکا تھا۔

فریدی ٹھیک سات بجے سرائے سے نکل گیا۔ وہ ابھی تک اُسی پرانے میک اپ میں تھا۔ یہاں پر اس کے پاس میک اپ کا دوسرا کوئی سامان نہیں تھا ورنہ وہ اسی جواری کے میک اپ کو ترجیح دیتا۔ حقیقتاً اسے اس وقت جو کچھ بھی کرنا تھا اسی جواری کی حیثیت سے کرنا تھا۔ اس نے اسے جعلی نوٹ حاصل کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے سارے مراحل سے آگاہ کر دیا تھا۔

وہ ریجنٹ سینما کے قریب پہنچا۔ اس جگہ بہت سی کاریں کھڑی تھیں پھر وہ ساڑھے سات بجے کا انتظار کرتا رہا۔ ابھی دس منٹ باقی تھے۔ اس نے ایک سگریٹ سلگایا اور بجلی کے کھمبے سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔

ٹھیک ساڑھے سات بجے اس نے ہونٹ سکوڑ کر تین بار سیٹی بجائی۔ پاس ہی کی ایک کار سے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا گیا۔ کار میں ڈرائیور کی سیٹ پر ایک ہی آدمی تھا۔ فریدی اس کا دروازہ

کھول کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد کار پھر رکی اور وہ ر
کی بستی میں تھا۔ ڈرائیور نے ایک بالا خانے کے زینوں کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی دروازہ کو
نیچے اترا اور کار آگے بڑھ گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ زینے طے کرتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی ج
میں تھے اوپر ایک ادھیڑ عمر عورت نے اس کا استقبال کیا۔

"تشریف رکھئے جناب۔" وہ اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتی ہوئی بولی۔ "آپ نے غلط
انتخاب نہیں کیا۔ ہم اعلیٰ پیمانے پر آرام و آسائش کا انتظام رکھتے ہیں۔ جس قوم یا نسل کی لڑکی
کو پسند ہو مجھے آگاہ کریں۔"

"میں ایسی لڑکی چاہتا ہوں جس کا نام "ت" سے شروع ہوتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ...... اچھا...... ٹھہریئے۔" اس نے ایک میز کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ میز پر جھک کر کچھ لکھنے لگی۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جسے اس
کچھ کہے بغیر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ۔" فریدی پرزے پر نظر ڈالتا ہوا بولا اور الٹے پاؤں زینوں سے نیچے اترتا چلا
سڑک پر پہنچ کر اس نے ایک ٹیکسی لی اور ڈرائیور سے "پیتل وار" چلنے کو کہتا ہوا پچھلی نشست پ
گیا۔ "پیتل وار" میں زیادہ تر نچلے طبقے کے لوگ آباد تھے خال خال کوئی بڑی عمارت نظر آجا
اور انہیں بڑی عمارتوں میں سے ایک کا پتہ لکھ کر اس عورت نے فریدی کو دیا تھا۔ "پیتل وار"
پہنچنے میں ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ ٹھیک اسی عمارت کے سامنے ٹیکسی رک گئی جہاں فریدی کو پہنچنا تھا۔

عمارت بڑی ضرور تھی لیکن اس کے سامنے پائیں باغ نہیں تھا۔ حالانکہ یہ چیز کم از کم
گڈھ کے ماحول کے خلاف تھی جہاں معمولی سے معمولی عمارت بھی پائیں باغ سے محروم نظر نہیں
تھی۔ رام گڈھ والوں کو پھولوں اور ہریالی سے عشق تھا۔ وہ لوگ جو گلی سڑی لکڑی کی جھونپڑیوں
رہتے تھے وہ بھی کم از کم ان پر عشق پیچاں کی ایک آدھ بیل ضرور چڑھا دیتے تھے۔

فریدی نے ٹیکسی واپسی پر کی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ وہ اُسے عما
کے سامنے چھوڑ کر کچھ آگے بڑھ جائے گا...... اور وہیں اس کی واپسی کا منتظر رہے گا۔

صدر دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی۔ دروازہ کھلا لیکن اندھیرا ہونے کی بنا

دروازہ کھولنے والے کی شکل نہیں دیکھ سکا۔

"کیا بات ہے......؟" اندھیرے سے آواز آئی۔

"پانچ سو پچپن......!" فریدی نے جواب دیا۔

"ایک نکال دو۔" اندھیرے میں کہا گیا۔

"چار سو چوالیس......!" فریدی نے شائد جواباً کہا کیونکہ لہجہ جواب ہی دینے کا سا تھا۔

"آجاؤ......!" اندھیرے سے کہا گیا اور طویل راہداری میں فریدی کو ٹارچ کی روشنی دکھائی
دی...... وہ اندر داخل ہو گیا...... مگر اس کے دونوں ہاتھ اب بھی کوٹ کی جیبوں میں تھے۔

راہداری طے کر کے وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں بہت ہی گھٹیا قسم کا فرنیچر موجود تھا
اور فرش پر پڑے ہوئے قالین سالخوردہ تھے مگر وہاں بہت زیادہ قوت کے بلب روشن تھے اور اس تیز
روشنی میں وہاں کا گھٹیا سامان اور زیادہ بدنما معلوم ہوتا تھا...... کمرے میں فریدی اور اس کے راہبر
کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

اب فریدی نے اس آدمی کو روشنی میں دیکھا جس نے دروازہ کھولا تھا۔ ایک لمبا تڑنگا اور
مضبوط ہاتھ پیر کا آدمی تھا۔ گردن اور چہرے کی بناوٹ خصوصیت سے کسی گینڈے کی یاد دلاتی
تھی...... وہ فریدی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"ہوں......!" اس نے اس طرح کہا جیسے آمد کا مقصد معلوم کرنا چاہتا ہو۔ مگر فریدی نے اس
کی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی بے یقینی صاف پڑھ لی تھی۔

فریدی مسکرا کر بولا۔ "بزنس......!"

"اچھا...... اچھا...... تم یہیں ٹھہرو...... میں اطلاع کرتا ہوں۔"

وہ دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ فریدی انتظار کرتا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ اب بھی کوٹ
کی جیبوں میں تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ ایک آدمی کے ساتھ واپس آیا اور دوسرا آدمی بھی آتے ہی
فریدی کو گھورنے لگا۔ یہ متوسط اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر بھی تیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

"کیوں...... بزنس......!" اس نے آہستہ سے کہا۔ لیکن اس کی تیز آنکھیں فریدی ہی کے
چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم لوگ وقت کیوں برباد کر رہے ہو میرا۔" فریدی نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آج

دلیپ نہیں آسکا...... میں آیا ہوں...... میں اس کا پارٹنر ہوں۔"

"تم پارٹنر ہو۔" گرانڈیل آدمی مسکرایا۔

"اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو۔" نئے آنے والے نے دفعتاً ریوالور نکال لیا۔

"مجھے یہ نہیں بتایا تھا دلیپ نے۔" فریدی جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اب ہم بتادیں گے، ہاتھ اٹھاؤ...... ورنہ گولی ماردوں گا۔"

فریدی کا بایاں ہاتھ جیب سے نکلا اور ساتھ ہی داہنی جیب سے ایک فائر ہوا۔ یہ سب اتنے غیر متوقع طور پر ہوا کہ چوٹ کھائے ہوئے آدمی کو چیخنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ ریوالور اچھل دور جا پڑا تھا اور وہ خود اپنا زخمی ہاتھ دبائے ہوئے فرش پر آرہا۔

فریدی ریوالور کا رخ گرانڈیل گینڈے کی طرف کئے ہوئے وہاں آیا، جہاں دوسرا ریوالور گ تھا اور اسے اٹھا کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "میرا بزنس اسی طرح صاف ہوتا ہے اور ہاں مجھے یہ یقی دلانے کی کوشش نہ کرنا کہ اس عمارت میں تم دونوں کے علاوہ بھی کوئی اور موجود ہے۔"

گرانڈیل آدمی کچھ نہ بولا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے اور زخمی آدمی ا داہنا ہاتھ دبائے کھڑا تھا۔ گولی کھال پھاڑتی ہوئی دوسری طرف کی دیوار سے جا ٹکرائی تھی اور اب فرش پر پڑے ہوئے قالین داغدار ہوتے جارہے تھے۔

"آدمی پہچان کر ریوالور نکالا کرو دوستو۔" فریدی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"تم کون ہو......؟" گرانڈیل آدمی غرایا۔

"میں دلیپ کا پارٹنر نہیں ہوں بلکہ اس کی ہڈیاں توڑ کر یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں اور میں بزنس کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے پچپن ہزار کی اصلی کرنسی چاہئے۔ وہ نہیں جو بازار میں پھیلاتے ہو...... غالباً اب تم میرے بزنس کی نوعیت سمجھ گئے ہوگے۔"

وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔ زخمی آدمی کا چہرہ زرد پڑتا جارہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے ذہن سے لڑ رہا ہو۔ بہرحال اسکے متعلق فریدی کا اندازہ تھا کہ کافی جاندار آدمی ہے۔

"بزنس...... مجھے جلدی ہے۔"

"تم کون ہو؟" گرانڈیل آدمی نے پھر پوچھا۔

"میں کوئی مشہور آدمی نہیں ہوں کہ نام بتانے سے تم مجھے پہچان لو۔ اس لئے اس کے چکر میں

نہ پڑو۔ میں پچپن ہزار کی اصلی کرنسی طلب کررہا ہوں۔ وہ مجھے ملنے چاہئے ورنہ تمہارا سارا بزنس خاک میں مل جائے گا۔"

"ریوالور جیب میں رکھ لو۔" گرانڈیل آدمی نے نرم لہجے میں کہا۔ "ہم معاملے کی بات کریں گے۔"

"میں ریوالور کی نال ہی پر معاملے کی بات کرتا ہوں۔"

"تب پھر کوئی بات نہیں ہوسکتی۔"

"بات تو ہوکر رہے گی دوستو! میں جان پر کھیل کر یہاں تک پہنچا ہوں۔ خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا...... ہاں اگر تم کل تک بھی پچپن ہزار دینے کا وعدہ کرو تو یہ ممکن ہے۔"

"ہم غیر دوستانہ ماحول میں کوئی بات نہیں کریں گے۔" گرانڈیل آدمی نے کہا۔

"قطعی دوستانہ ماحول ہے۔ ریوالور کی پرواہ مت کرو۔" فریدی بولا۔

"اچھا تو سنو! تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہارے یا دلیپ کے کہنے پر پولیس یہاں تک آنے کی زحمت نہیں گوارا کرے گی کیونکہ یہ عمارت ایک معزز عورت کی ملکیت ہے۔"

"میں ایک غیر معزز آدمی ہوں۔ اس لئے پولیس کے پاس کبھی نہ جاؤں گا۔"

"پھر کیا کرو گے؟"

"تمہارا بزنس چوپٹ کروں گا۔ میں ایک غیر معروف آدمی ضرور ہوں لیکن تاریہ جیسی درجنوں عورتیں میری داشتاؤں کی حیثیت سے رہ چکی ہیں۔ اب سمجھے تم۔"

"تم بکواس کررہے ہو۔ پتہ نہیں کس بزنس کی بات کررہے ہو۔ میں مادام تاریہ کی غیر منقولہ جائیداد کا منیجر ہوں۔"

"اور تم لوگ اتنے گدھے ہو کہ تمہارے گاہکوں کو بھی اس کا علم ہے۔ یعنی وہ جانتے ہیں کہ اس بزنس کی پشت پر کون ہے۔"

"جانتے ہوں گے۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "جاؤ تم پولیس کو بھی آزما دیکھو۔"

"تم آخری میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہاری بات...... تم اپنی بات سمیت یہاں سے دفع ہوجاؤ۔ ورنہ تھوڑی دیر بعد تمہیں یہیں

دفن ہونا پڑے گا۔"

"یعنی کچھ لوگ باہر سے آجائیں گے۔"

"یقیناً......!"

"ارے یار...... بڑے احمق معلوم ہوتے ہو۔ تب تو مجھے ادھر اُدھر کی باتوں میں الجھا رہنا تھا۔ میں نہایت آسانی سے تمہارے رازوں سمیت دفن ہو جاتا۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"دفن ہو جاؤ گے۔" گرانڈیل آدمی نے اپنے لہجے میں خود اعتمادی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"پچپن ہزار کی بات کرو۔" دفعتاً فریدی کے لہجے میں سفاکی جھلکنے لگی۔

گرانڈیل آدمی اسے گھورتا رہا۔

اب فریدی دوسرے آدمی سے مخاطب ہوا جس کے پیر کانپ رہے تھے اور زخم سے برابر خون بہے جارہا تھا۔

"تم یہاں اس قالین پر لیٹ جاؤ۔"

لیکن وہ سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"چلو جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔ ورنہ انجام ہر حال میں خطرناک ہوگا۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے...... چلو جلدی کرو۔"

وہ چپ چاپ قالین پر لیٹ گیا۔ گرانڈیل آدمی کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔

فریدی نے قالین پر لیٹے ہوئے آدمی سے کہا۔ "اب قالین کا گوشہ اپنے اوپر ڈال کر الٹے چلے جاؤ...... جلدی کرو۔"

"کیا کر رہے ہو تم......!" گرانڈیل آدمی غرایا۔

"بنڈل بنا رہا ہوں...... تم خاموش رہو۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا۔ پھر دوسرے آدمی سے کہا۔ "جلدی کرو، ورنہ ٹھوکر رسید کردوں گا۔"

وہ اپنے اوپر قالین ڈال کر الٹتا چلا گیا۔ نتیجے کے طور پر بنڈل تیار تھا۔ فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "بس آرام سے پڑے رہو اگر کسی موقع پر اٹھنے کی کوشش کرو گے تو تمہاری زندگی کی ضمانت نہ دی جاسکے گی۔"

پھر وہ گرانڈیل آدمی کی طرف بڑھا اور ریوالور کی نال اس کے سینے پر رکھ کر اس کی جامہ تلاشی

لینے لگا۔ لیکن اس کے پاس سے ریوالور یا چاقو برآمد نہیں ہوا۔

پھر وہ اس سے چھ قدم کے فاصلے پر ہٹ کر اپنا ریوالور جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "آؤ اب دوستانہ فضا میں دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ میں یہاں سے خالی ہاتھ ہرگز نہ جاؤں گا۔ تم لوگوں نے بے تحاشہ دولت پیدا کی ہے۔ اس لئے کم از کم چوتھائی تو مجھے ملنا ہی چاہئے اور میں برابر وصول کرتا رہوں گا۔ مطمئن رہو۔"

"تم لوٹنے آئے ہو ہمیں۔" گرانڈیل آدمی جو اپنے ہاتھ گرا چکا تھا۔ تھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہاں...... یہی سمجھ لو...... کچھ تو سمجھو۔ اتنی دیر ہوگئی سمجھاتے سمجھاتے۔"

"تم ایسا نہیں کرسکو گے۔"

"اچھا تو روک لو مجھے۔"

اچانک گرانڈیل آدمی نے فریدی پر چھلانگ لگائی۔ فریدی ایک طرف ہٹ گیا اور وہ منہ کے بل فرش پر چلا آیا۔ فریدی نے اس کے سر پر پے در پے تین ٹھوکریں رسید کیں اور اسے اٹھنے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔ وہ کسی بھینسے کی طرح فرش پر پڑا ڈکراتا رہا...... اور پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز دبتی گئی۔

قالین میں لپٹا ہوا آدمی پہلے ہی بیہوش ہو چکا تھا۔ دوسرے نے بھی جلد ہی ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ پھر پانچ منٹ کے اندر ہی اندر فریدی نے انہیں ایک ایسی کوٹھری میں بند کردیا جس میں صرف ایک ہی دروازہ تھا۔

ان سے نپٹنے کے بعد اس نے ایک بار سارے بیرونی دروازوں کا جائزہ لے کر اطمینان کرلیا کہ اس کے کام میں کوئی مخل نہ ہو سکے گا۔

پھر عمارت کی تلاشی شروع ہوگئی۔ فریدی ایک ایک چیز اور ایک ایک گوشے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے ایک زمین دوز تجوری کا پتہ لگالیا اس کا قفل کھولنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ فریدی ایک مشاق قفل توڑنے والا تھا۔ اس کی انہیں صلاحیتوں کی بناء پر اکثر کیپٹن حمید نے سوچا تھا کہ اگر فریدی غلط راستوں پر نکل گیا ہوتا تو حکومت کے لئے مستقل دردِ سر بن جاتا۔

تجوری خالی نہیں تھی۔ اس میں بڑے نوٹوں کی بے شمار گڈیاں تھیں۔ فریدی انہیں نکال نکال کر فرش پر ڈھیر کرتا رہا۔ ان میں سے تقریباً چالیس ہزار کے نوٹ اصلی ثابت ہوئے اور بقیہ سب جعلی۔

فریدی نے جعلی نوٹوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان میں آگ لگادی اور اصلی نوٹ اپنی جیبوں میں ٹھونس لئے۔لیکن اب بھی اس کی تشفی نہیں ہوئی۔اسے کسی ایسے ثبوت کی تلاش تھی جس کی بنا پر اپنی ان حرکات کو حق بجانب قرار دے سکتا۔یعنی ابھی تک وہ یہ نہیں ثابت کر سکا تھا کہ ان لوگوں کا تعلق بھی "طاقت" ہی کی تنظیم سے ہے۔

نوٹ آگ میں جل رہے تھے اور فریدی ان پر نظر جمائے سوچ رہا تھا کہ اگر آج کی جدوجہد کا اتنا ہی نتیجہ نکلنا تھا تو کچھ بھی نہ ہوا۔

اچانک برابر والے کمرے میں گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔فریدی جھپٹ کر وہاں پہنچا۔میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

فریدی ریسیور اٹھا کر بُری طرح کھانسنے لگا۔

"ہیلو کون ہے؟" دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔

فریدی نے کھانسیوں ہی کے دوران میں کچھ کہا۔اس طرح کہ اس کے قریب کھڑا ہوا آدمی بھی کچھ نہ سمجھ سکتا۔

"کون......شارٹی کیا بات ہے۔"

"یس مام......حلق میں خراش......!" اور وہ پھر کھانسنے لگا۔

"ڈاکٹر سلمان کو تمہاری ضرورت ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور فریدی کا چہرہ چمک اٹھا۔

"مگر......میری طبیعت......مام......!" فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خیر......رہنے دو......کسی اور کو بھیجا جائے گا۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔اب فریدی یک بیک آدمی سے کسی تیز رفتار مشین میں تبدیل ہو گیا تھا۔

عجیب لڑکی

کیپٹن حمید نے صبح کا ناشتہ اپنے کمرے ہی میں رکھا۔اسے توقع تھی کہ ڈاکٹر سلمان اسے گھر کی میز پر طلب کرے گا لیکن اس کا ناشتہ کمرے ہی میں بھجوا دیا گیا تھا۔پچھلی رات وہ سو فیصدی

اکٹر کی بہن کے خیال میں کھویا رہا تھا۔ایک بار بھی آئندہ کے پروگرام کے متعلق سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی۔سب سے زیادہ الجھن اس بات کی تھی کہ آخر لڑکی ہے کس قسم کی۔واقعی جھکی ہے یا پچھلی شام اسے اُلو بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔اتنے میں راہداری سے قدموں کی آواز آئی جو بتدریج نزدیک آتی گئی۔پھر دروازے میں ڈاکٹر سلمان دکھائی دیا جو غالباً کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔

"بیٹھئے......بیٹھئے۔" اس نے حمید سے کہا۔جو کرسی سے اٹھ رہا تھا۔"میں آپ کو پھر ایک عجیب خبر سنانے آیا ہوں۔"

"فرمائیے......کیا بات ہے۔کیا ان میں سے کوئی چل بسا......؟"

"نہیں......وہ سب زندہ ہیں۔" ڈاکٹر سلمان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔"البتہ آپ کا دوست قاسم زخمی ہو گیا ہے۔آپ نے اس پر لکڑیاں جو برسائی تھیں۔سر میں زخم آیا ہے۔گولی کسی کے بھی نہیں لگی......ویسے اخبارات میں اس کے متعلق کچھ نہیں آیا۔"

"ماتھر نے احتیاطاً نہ آنے دیا ہوگا۔" حمید نے جواب دیا۔چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"اس کے علاوہ آپ اور کون سی خبر سنانے جا رہے تھے۔"

ڈاکٹر سلمان بیٹھتا ہوا بولا۔"ادارہ روابط عامہ یا اس کے لئے کام کرنے والے پتہ نہیں کس کی آنکھوں میں کھٹک رہے ہیں۔"

"کیوں......کیا ہوا؟"

"رات کسی نے تاریہ کی پیتل والی عمارت میں آگ لگادی۔"

"تاریہ......کیا چیز ہے......کیا بلدیہ قسم کی کوئی چیز؟"

"آپ تاریہ کو نہیں جانتے۔"

حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے سر کو جنبش دی۔

"تاریہ......رام گڈھ کی ایک معزز عورت ہے اور ہمارے ادارے کی ایک مددگار بھی۔رات کسی نے اس کی ایک عمارت میں آگ لگادی۔اس کے دو ملازم عمارت میں رہتے تھے۔وہ سڑک پر بیہوش پائے گئے۔ان کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ایک کا سر زخمی تھا اور دوسرے کا ہاتھ۔جس

کے متعلق خیال ہے کہ پستول کی گولی کا زخم ہے...... وہ دونوں ہوش میں آ گئے ہیں لیکن ہوش کی باتیں نہیں کر رہے ہیں۔ یہ خبر آپ کو اس لئے دے رہا ہوں کہ آپ ادارے کے لئے کیا کر سکیں گے۔ ادارے کی افادیت کا اعتراف آپ کو بھی ہے۔"

"یعنی کوئی ادارے کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔ پہلے میری کار جلائی گئی۔ پھر ادارے کی ایک مدد گار کو نقصان پہنچایا گیا۔ دونوں واقعات ایک ہی قسم کے ہیں۔"

"ہاں ...... ہیں تو۔" حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کیا میں پتہ لگاؤں کہ وہ کون ہے۔"

"میں آپ کا مشکور ہوں گا اگر آپ ایسا کر سکیں۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"مگر پتہ نہیں...... رام گڈھ کی پولیس میرے متعلق کیا سوچ رہی ہو۔" حمید نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"روحی وغیرہ کے معاملے کی طرف اشارہ۔"

"ارے وہ کچھ نہیں۔" ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا۔ "اسے تو بڑی آسانی سے برابر کیا جا سکتا ہے۔"

"کس طرح؟"

"ارے آپ جیسا فہیم اور زیرک آدمی مجھ سے یہ سوال کر رہا ہے۔"

"ڈاکٹر...... میری ساری صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔"

"خیال ہے آپ کا...... مگر یہ سوچنا چھوڑ دیجئے۔ ورنہ سچ مچ ختم ہو جائیں گی۔"

"خیر......!" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں ہر امکانی کوشش کروں گا ویسے میرا ارادہ ہے کہ میں ماتھر سے مل ہی لوں۔"

"ماتھر سے ملئے گا۔" ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں...... آں...... جب ان میں سے کوئی مرا نہیں تو میرے لئے بھی کوئی خاص خطرہ نہیں باقی رہ جاتا۔ میں ماتھر کو شیشے میں اتار لوں گا۔ میں اس سے یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کسی اور پر

گولیاں چلائی تھیں درمیان میں یہ لوگ آئے چونکہ انہوں نے اسے چھپے ہوئے آدمی کو نہیں دیکھا اس لئے یہی سمجھے کہ میں نے ان پر گولی چلائی تھی۔"

"قطعی...... دیکھئے...... آپ نے خود ہی جواب سوچ لیا نا۔ آپ تو کہہ رہے تھے کہ میری صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔"

"بعض اوقات میں بالکل خالی الذہن ہو جاتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"آپ قطعی خالی الذہن نہیں ہوتے۔ خالی الذہن کی ترکیب ہی غلط ہے۔ کبھی کوئی آدمی خالی الذہن نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ سوتے وقت بھی خالی الذہن نہیں ہوتا۔"

حمید نے بات بڑھتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "آہم...... دیکھئے آپ مجھے میک اپ کا سامان منگوا دیجئے۔ یہاں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے ورنہ آپ کو تکلیف نہ دیتا۔"

"میک اپ کا سامان کیا کیجئے گا۔"

"یہ حقیقت ہے ڈاکٹر صاحب کہ میں رام گڈھ کی پولیس کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا حالات کا تقاضہ یہی ہے۔"

"کیسے حالات......؟"

"میرا نجی معاملہ ہے ورنہ میں حالات پر ضرور روشنی ڈالتا۔"

"کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا۔

اور حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اسکے چہرے پر پھر الجھن کے آثار پائے جانے لگے تھے۔

پھر کچھ دیر بعد اس نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ "نہیں ڈاکٹر میں غلطی پر تھا میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ آپ کی حیثیت ایک ڈاکٹر کی سی ہے اور آپ کسی مریض کی کمزوریوں کی تشہیر کبھی نہ کریں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اب میں اپنے عہدے پر واپس نہیں جانا چاہتا کبھی نہیں۔ مجھے اس کام سے نفرت ہو گئی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اگر دوبارہ مجھے واپس جانا ہی پڑا تو محکمے کو میری ذات سے نقصان پہنچے گا...... فائدہ نہیں۔"

"نہیں آپ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "آپ میرے زیر علاج ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کچھ دنوں کے بعد آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔ کسی غیر متوقع ذہنی جھٹکے نے آپ کے اعصابی سسٹم پر بُرا اثر ڈالا ہے۔ اور یہ بدلتی ہوئی ذہنیت دراصل اسی جھٹکے کی بازگشت ہے ایک مختصر سا

ذہنی درد...... آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"بہر حال کچھ بھی ہو...... میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ ادارہ کے دشمنوں کا قلع قمع کروں گا
میں وعدہ کرتا ہوں لیکن آپ میرے لئے میک اپ کا سامان مہیا کریں گے۔"

"مگر کیپٹن۔"

"کیپٹن نہیں...... صرف حمید...... مجھے اب اس لفظ کیپٹن سے بھی نفرت ہوگئی ہے۔ مجھے
ایک ماہ پہلے کے حمید سے بھی نفرت ہوگئی ہے۔ شائد میں اپنا نام ہی بدل دوں۔"

"اچھا...... اچھا...... میں آپ کے لئے میک اپ کا سامان مہیا کروں گا فی الحال اجازت
دیجئے۔ ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔"

حمید بھی اٹھ کر اس کے ساتھ دروازے تک آیا۔

اب وہ پھر ڈاکٹر کی بہن ساحرہ کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ سچ مچ ساحرہ تھی۔ اس کی آنکھیں دلکش تھیں جیسے گہری نیند سے جاگی ہو۔ ان آنکھوں میں کتنا سکون اور کتنی گہرائی تھی۔ ابھی حال میں وہ ملک کی ایک مشہور فلم اسٹار کے ساتھ بھی رہ چکا تھا لیکن اس کے لئے اس نے اپنی بے نہیں محسوس کی تھی۔ روحی کے ہر انداز میں بناوٹ ہوتی تھی گو کہ وہ گھریلو زندگی سادگی ہی سے کرتی تھی لیکن بات بات پر پوز کرنے کی فلمی عادت اس میں بھی پائی جاتی تھی...... اس کے برخلا یہ ساحرہ جو مشینوں کی طرح بولتی تھی۔ بولتی ہی چلی جاتی تھی اور پھر جب ایک لحظہ کے لئے رکتی گردن اکڑا کر تھوک نگلتی تو حمید کو نہ جانے کیا محسوس ہوتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ غالب کی محبو ہوتی تو وہ اس تھوک نگلنے کے انداز کو کن الفاظ میں نظم کرتے۔ یقیناً اس انداز میں بڑی سیکس اپ تھی، جو کم از کم غالب جیسے معاملہ فہم کی نظر سے پوشیدہ نہ رہ سکتی۔ حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبا پھیر کر پائپ سلگانے لگا۔ شائد ساحرہ کو سچ مچ مردوں کی پرواہ نہیں تھی۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کر لباس تبدیل کیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا لائبریری میں آیا۔ نوکر سے اسے پہلے ہی معلوم ہو چکا کہ ساحرہ اپنا زیادہ تر وقت لائبریری ہی میں گذارتی ہے۔

ساحرہ لائبریری میں ٹہل رہی تھی۔ کچھ اس انداز میں جیسے ابھی تک فیصلہ نہ کر پائی ہو کہ الماری سے کون سی کتاب نکالے۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ رک گئی۔

"کیوں......؟" اس نے غصیلے انداز میں کہا۔ "آپ کون ہیں اور یہاں کیوں گھسے چلے آئے۔"

"اوہ...... تو کیا مہمانوں کو لائبریری میں نہ آنا چاہئے۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"مہمان...... میں نہیں سمجھی۔ میرا خیال ہے کہ میں پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکی ہوں۔"

"جی ہاں...... کل شام آپ نے مجھے دیکھا تھا۔ میں ڈاکٹر سلمان کا مہمان ہوں۔"

"اوہ...... سلمان اور مہمان کے قوافی خوب ہیں۔ کیا آپ شاعر بھی ہیں؟"

"جی ہاں...... میں شاعر بھی ہوں۔" حمید نے ایک طویل سانس لی۔

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔" ساحرہ نے مغموم لہجے میں کہا۔ انداز بالکل ایسا تھا جیسے اسے کوئی دردناک اطلاع ملی ہو۔

حمید نے اسے گھور کر دیکھا لیکن وہ دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ ایک کرسی پر صبح کا اخبار دیکھنے لگا۔ لیکن اسے وہ خبر کہیں بھی نہ دکھائی دی جس کے متعلق اسے ڈاکٹر سلمان معلوم ہوا تھا۔ اس کی دانست میں وہ بھی فریدی ہی کا کام ہو سکتا تھا۔ اس نے سوچا شائد وہ اس م کو ہراس پھیلا کر متزلزل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس کی فطرت سے کسی حد تک آگاہ تھا۔ لہٰذا یہ باور لینے میں اسے کیا تامل ہو سکتا تھا کہ فریدی صرف ایک ہستی کی تلاش میں ہوگا اور وہ ہستی تنظیم کی براہ "ملکہ کائنات" ہی ہو سکتی ہے۔

تاریہ کا تذکرہ ڈاکٹر سلمان کی زبانی سن کر اس کے کان کھڑے ہوئے تھے اور اس نے اس ت بھی اس پراسرار عورت "ملکہ کائنات" کے متعلق سوچا تھا۔

"کیا تم یہاں...... صرف اخبار پڑھنے آئے تھے۔" دفعتاً ساحرہ نے پوچھا۔

اور حمید نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، جو اس انداز سے کمر پر ہاتھ رکھے اور سر آگے کی رف نکالے کھڑی تھی جیسے لڑنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

"جی ہاں...... میں اخبار دیکھ رہا ہوں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔"

"آپ نے کیا پوچھا تھا......؟"

"میں نے پوچھا تھا...... کیا تم یہاں صرف اخبار پڑھنے آئے تھے؟"

"تم...... نہیں آپ...... میں بے تکلفی نہیں پسند کرتا۔" دفعتاً حمید کا موڈ بگڑ گیا۔

"اوہ...... آپ...... ایک ہی بات ہے۔"

"نہیں......ایک ہی بات ہے۔"

"مجھے تکلفات پسند نہیں ہیں۔" ساحرہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"بس یہی فرق ہے آدمی اور کتے میں......آدمی تکلفات کا عادی ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

ساحرہ لاجواب سی ہو کر بغلیں جھانکنے لگی۔

حمید پھر اخبار پڑھنے میں بظاہر مشغول ہو گیا۔ حالانکہ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی تھا اور اخبار کے حروف تک اسے نہیں نظر آ رہے تھے۔ یہ کس قسم کی لڑکی ہے؟ یہ کس قسم کی لڑکی اس کا ذہن بار بار دہرا رہا تھا۔

"میرے سوال کا جواب مجھے نہیں ملا۔" ساحرہ میز پر ہاتھ مار کر بولی۔

"ہاں......میں اخبار دیکھنے کیلئے یہاں آیا ہوں۔" حمید ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"تب آپ اخبار اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ آپکی موجودگی یہاں ضروری نہیں ہے۔"

"میں یہیں بیٹھ کر پڑھوں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "آپ فکر نہ کیجئے۔ مجھے یہاں کو تکلیف نہیں ہے......جی ہاں۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں......میں تنہائی چاہتی ہوں۔"

"تو آپ خود چلی جایئے یہاں سے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ کیا بک رہے ہیں۔" ساحرہ کی آواز میں حیرت اور جھلاہٹ دونوں تھیں۔

"بک نہیں رہا......فرما رہا ہوں......ایک بار آپ سے کہہ چکا کہ مجھے بے تکلفی پ نہیں ہے۔"

"یہ میرا مکان ہے......آپ جانتے ہیں۔" ساحرہ جھلا گئی۔

"تو میں اسے کہاں اٹھائے جا رہا ہوں۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔"

"میرا نام ساجد حمید ہے۔"

"ہوگا......!" ساحرہ غصیلی آواز میں بولی۔

"ہوگا نہیں بلکہ ہے......آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"آپ جھکی ہیں۔"

"جھکی......!" حمید نے حیرت سے دوہرایا۔ "میں جانتا ہوں۔ جھکی کسے کہتے ہیں۔ میرا تخلص شباب ہے۔"

"تو آپ شاعر ہیں۔" ساحرہ اپنا ہونٹ بھینچ کر بولی۔ "اسی لئے اتنی بکواس کر رہے ہیں۔ کوئی شریف آدمی ہوتا تو اب تک اٹھ کر چلا بھی گیا ہوتا......جایئے یہاں سے۔"

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا......ڈاکٹر سلمان نے مجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ لائبریری مہمانوں کے لئے نہیں ہے۔"

"مکان میری نگرانی میں ہے۔ ان معاملات میں بھائی جان دخیل نہیں ہو سکتے۔"

"پھر بھی میں نہیں جاؤں گا۔ میں ڈاکٹر سلمان کا مہمان ہوں......آپ کا نہیں......میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں اور اس مکان میں کس کی اجازت سے داخل ہوئی ہیں۔ براہِ کرم آپ یہاں سے چلی جایئے کیوں خواہ مخواہ مجھے ڈسٹرب کر رہی ہیں۔"

ساحرہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ حمید پھر اخبار دیکھنے لگا اور ساحرہ نے تھوڑی دیر بعد نرم لہجے میں کہا۔ "ادھر دیکھئے۔"

"کہئے......کیا بات ہے۔" حمید سر اٹھا کر بولا۔

"میری آنکھیں کیسی لگتی ہیں آپ کو......؟"

"بالکل واہیات......میں نے ایک ایک بالشت کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں مجھے کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔"

"اچھا میرے ہونٹ......!"

"بیکار......بالکل لغو......دوسری بار دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔"

"اچھا میرے بال......؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے ان میں......معمولی ہیں۔"

ساحرہ قہقہہ مار کر ہنسی پھر بولی۔ "تب آپ شاعر نہیں ہیں۔ آپ جھوٹ بول رہے تھے۔"

"کیوں......؟"

"نہیں آپ شاعر نہیں ہیں۔ یہاں بھائی جان کے آفس میں ایک شاعر تھا وہ مجھ سے کہتا تھا تمہاری آنکھیں صنوبر کے سائے میں سوئی ہوئی جھیل ہیں......اور ہونٹ شفق کے تراشے......بالوں

کو وہ سلونی شام کہا کرتا تھا۔ بھائی جان نے اسے آفس سے نکال دیا۔ وہ لوگ جو مجھ سے
کچھ دنوں کے بعد ایسی ہی باتیں کرنے لگتے ہیں اور پھر بھائی جان مجھے ان سے نہیں ملنے
اسی لئے میں نہیں چاہتی کہ جہاں میں ہوں وہاں آپ بھی آئیں۔ مگر اب کوئی خطرہ نہیں ہے
کو مجھ میں کوئی خاص بات نہیں نظر آتی۔"

"بالکل نہیں...... اگر ہوتی تو ضرور اطلاع دیتا۔"

"آپ کیا کرتے ہیں؟"

"عموماً اداس رہا کرتا ہوں۔"

"اداس کیوں رہتے ہیں۔"

"کیونکہ والد صاحب مجھے ڈاڑھی نہیں رکھنے دیتے۔"

"کیوں نہیں رکھنے دیتے۔ آپ پر بھائی جان کی سی ڈاڑھی بہت اچھی لگے گی۔"

"ایک بار میں نے رکھ لی تھی۔" حمید مغموم لہجے میں بولا۔ "والد صاحب بگڑ گئے۔ کہ
برابر کرتا ہے میری۔"

"واہ تو آپ ان کی زندگی میں ڈاڑھی رکھ ہی نہ سکیں گے۔"

"جی نہیں۔"

"آپ...... مجھے عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"خبردار...... لفظ عجیب سے مجھے چڑھ ہوگئی ہے۔ براہِ کرم اب اسے نہ دہرایئے گا۔"

"آپ یہاں کب تک رہیں گے؟"

"جب تک میرا دل چاہے گا۔"

"یہ تو بڑا اچھا ہے۔ میں یہاں بالکل تنہا رہتی ہوں۔ دل اکتا جاتا ہے تنہائی سے......
بھائی جان سے کہوں گی کہ آپ نے مجھے بالکل واہیات قرار دے دیا ہے۔ اس لئے آپ یقیناً
آدمی ہیں۔ وہ کہتے ہیں جو لوگ آنکھوں، ہونٹوں اور گھونگھریالے بالوں کی باتیں کرتے ہیں ا
آدمی نہیں ہوتے۔"

"ان سے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں......؟"

"بس یونہی...... میں کہہ رہا ہوں نا۔" حمید نے آنکھیں نکال کر غصیلے لہجے میں کہا۔

"نہیں کروں گی۔" ساحرہ نے مردہ سی آواز میں کہا۔

نہ جانے کیوں حمید کو اس لڑکی پر رحم آنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر سلمان جیسے ماہر
یات کے گھر میں ایک ایسا کیس قرین قیاس نہیں ہوسکتا۔ یہ لڑکی یا تو پکی مکار تھی یا پھر اس کی ذہنی
پانچ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اور اگر اس بالغ لڑکی کی ذہنی عمر صرف پانچ سال تھی تو اسے عجوبہ
کہا جاسکتا ہے۔ پھر وہ سوچنے لگا...... ہوسکتا ہے کہ یہ لڑکی بھی کسی ماہر نفسیات کے تجربے ہی کا نتیجہ
یعنی اس کی ذہنی عمر پانچ سال سے آگے بڑھنے ہی نہ دی گئی ہو۔"

"آپ کیا سوچنے لگے۔" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... میں یہ سوچ رہا تھا کہ کل آپ نے مجھ سے فلسفیوں کی سی باتیں کی تھیں مگر
ج بچوں کی طرح گفتگو کررہی ہیں۔"

ساحرہ ہنسنے لگی پھر بولی۔ "ہاں...... میں بھی اکثر یہی سوچتی ہوں۔ پتہ نہیں کیوں۔
بعض اوقات مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ میری اپنی
آواز مجھے اجنبی سی معلوم ہوتی ہے اور میں سوچنے لگتی ہوں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ ایسے اوقات میں
جو کچھ کہتی ہوں وہ خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔"

"اوہ...... بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ کیا آپ نے ڈاکٹر سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟"

"وہ جانتے ہیں...... بلکہ جب وہ مجھ سے کہنے لگتے ہیں کہ تم سو رہی ہو گہری نیند سو رہی ہو۔
تمہاری نیند گہری ہوتی جارہی ہے۔ اسی وقت میں یہ محسوس کرتی ہوں اور پھر شاید مجھے سچ مچ نیند
آجاتی ہے۔"

حمید اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "کیا وہ روزانہ ایسا
کہتے ہیں؟"

"نہیں...... کبھی کبھی؟"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ پھر اس لڑکی کے بارے میں الجھن سی محسوس کرنے لگا تھا۔

"آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے؟" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کہیں تک بھی نہیں...... نہ میں لکھ سکتی ہوں نہ پڑھ سکتی ہوں۔"

"تب یقیناً...... ڈاکٹر سلمان نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا
"تب پھر آپ لائبریری میں کیا کرتی ہیں؟"

"مجھے یہاں بڑا سکون ملتا ہے۔"

دفعتاً ایک نوکر نے لائبریری میں آ کر ساحرہ سے کہا۔ "آپ کا بے بی رو رہا ہے۔"

"ارے بے بی رو رہا ہے۔" وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ پھر حمید سے بولی۔ "میں ابھی آئی
وہ جا چکی تھی اور حمید اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ یہ اتنی بھولی بھی بنتی ہے، اور بے بی بھی
ہے، اسے خود پر غصہ آنے لگا۔

مشورے

رانو اور اس کے ساتھی بہت خوش تھے کیونکہ اب ان کے جسموں پر چیتھڑوں کی بجائے ع
کے سوٹ نظر آنے لگے تھے اور ان کی جیبیں پانچ پانچ ہزار کے نوٹوں سے کافی وزنی ہوگئی تھیں
اب وہ اپنے سردار کے ایک اشارے پر دم ہلانے لگتے تھے۔ وہ اب اس گندی سی سرائے میں
نہیں تھے کیونکہ فریدی نے ایک گھنی آبادی والی بستی میں عمارت کرائے پر حاصل کر لی تھی۔

انور اس کا سامان لے کر واپس آ گیا تھا جس میں ایک جرمن ساخت کا ٹرانسمیٹر بھی تھا
اس نے کرا غال کی خانم سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے منگوایا تھا۔

ٹھیک پانچ بجے اس نے اسے مخاطب کیا۔ "روبی...... روبی...... تم سن رہی ہو؟"

"اوہ...... آج......!" دوسری طرف سے کپکپاتی ہوئی آواز آئی۔ "میں کتنی شدت سے ا
کر رہی تھی ہارڈ اسٹون...... اوور......!"

"کیسے حالات ہیں؟...... اوور......!"

"ابھی تک تو ٹھیک ہیں...... اوور......!"

"ایک بات بتاؤ۔ اس رات میں جس میک اپ میں تھا کیا وہ تمہارے مشیر کے چھوٹے
کے حلئے سے ملتا جلتا تھا...... اوور......!"

"ہاں...... مجھے بھی حیرت تھی۔ لیکن میں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا...... کیوں! تم

ے خیال آیا...... اوور......!"

"کچھ نہیں...... یونہی...... وہ کن حالات میں مرا تھا...... اوور......!"

"تمہارے دوست کے ہاتھوں...... اوور......!"

"وجہ بھی بتائی تھی اس نے......؟ اوور......!"

"نہیں...... اس کی عادت تھی کہ جو بات چھپانا چاہتا تھا کسی پر بھی ظاہر نہیں کرتا تھا......
اوور......!"

"اور کوئی خاص بات...... اوور......!"

"نہیں کوئی نہیں...... مگر تم کب آؤ گے...... اوور......!"

"یہ حالات پر منحصر ہے...... اوور......!"

"میں بہت بے چینی سے تمہاری منتظر ہوں...... اوور......!"

"ایک نہ ایک دن ضرور آؤں گا...... اوور......!"

"میں ہر وقت تمہارے متعلق سوچتی رہتی ہوں۔ تمہیں یہاں بہت تکالیف پہنچی تھیں......
اوور۔"

"میں تکالیف کا عادی ہوں۔ جب تکالیف نہیں ہوتیں تو میں خود کو بیمار محسوس کرنے لگتا
ہوں...... اوور۔"

"تم اپنے دوست سے بھی زیادہ عجیب ہو۔ میں نے تمہاری تصویر اس کے البم سے الگ کر لی
ہے...... کہیں کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔ اوور......!"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا...... اسے جلا دو...... اوور......!"

"ہرگز نہیں...... یہ میرے لئے ناممکن ہے...... اوور......!"

"اچھا روبی...... مجھے باخبر رکھنا...... اوور......!"

"میں...... تمہیں باخبر رکھوں گی۔ کاش تم سے پھر جلد ہی ملاقات ہو سکے نہ جانے کیوں میں ہر
وقت تمہارے متعلق ہی سوچتی رہتی ہوں...... اوور......!"

"میں آؤں گا...... اوور اینڈ آل......" فریدی نے سوئچ آف کر دیا۔

انور دوسرے کمرے میں اس کا منتظر تھا۔ شائد اس کے پاس کوئی نئی اطلاع تھی۔

فریدی کو دیکھتے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو......بیٹھو......کوئی نئی بات۔"

"جی ہاں......!" انور بیٹھتا ہوا بولا۔ "آج تاریہ کے یہاں ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں کی میٹنگ ہے۔"

"کس وقت......؟"

"نو بجے رات کو......!"

"ٹھیک یہ ایک اچھی اطلاع ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ایک بات......کیا آپ مجھے اجازت دیں گے؟" انور کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"آپ کا یہ طریق کار میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے آپ کو کبھی ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ آپ کے پاس قانون کی قوت ہے......پھر آپ......میرا مطلب ہے......مجرمانہ انداز کیوں اختیار کئے ہوئے ہیں۔"

فریدی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "ضابطے کی کاروائیاں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ تاریہ ڈاکٹر سلمان یا سردار شکوہ کے خلاف تم کیا کر سکو گے؟"

"تاریہ کے خلاف آپ کے پاس وافر مواد موجود تھا۔"

"ہرگز نہیں۔ وہ ان جعلی نوٹوں کے متعلق لاعلمی ظاہر کر کے صاف الگ ہو جاتی۔ الزام ان ملازموں کے سر جاتا اور ہو سکتا تھا کہ وہ دونوں بھی اس معاملے کو اپنی ذات سے آگے بڑھنے ہی نہ دیتے۔ بُرے آدمیوں میں بھی وفاداری کا جذبہ پایا جاتا ہے۔"

انور خاموش ہو گیا۔ لیکن فریدی کہتا رہا۔ "یہ طریقہ کار بظاہر قابل اعتراض ضرور ہے لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو لوگ اس وقت ہماری نظروں میں ہیں، تنظیم کے متعلق زیادہ نہیں جانتے، یہ تنظیم کے لئے مختلف ذرائع سے صرف روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ میں اس کانٹے دار پودے کے کانٹے جھاڑنے نہیں بیٹھوں گا بلکہ اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں ہوں۔ شمشاد تنظیم کا سربراہ تھا لیکن اس کی موت سے کیا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ اب تنظیم پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گئی ہے۔ میں ان لوگوں میں ہراس پھیلتا دیکھ کر ایک طرح کا سکون محسوس کرتا ہوں۔"

انور خاموش ہی رہا۔ وہ حیرت سے اس آہنی عزم والے انسان کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ذہن

کے کسی تاریک گوشے میں یہ خیال موجود تھا کہ جیت ہر حال میں اسی کی ہوگی۔

فریدی نے پھر کہا۔ "حمید کے متعلق کیا اطلاع ہے؟"

"وہ بدستور ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی میں مقیم ہے۔"

"اور یقیناً کوئی بڑا کام انجام دے گا۔"

"مجھے یقین نہیں ہے۔" انور بولا۔

"کیوں......؟"

"ڈاکٹر سلمان کی بہن ساحرہ بڑی حسین ہے اور اب تو مجھے اس میں بھی شبہ ہے کہ وہ کسی کام کے سلسلے میں وہاں تک پہنچا ہو۔"

"تم حمید کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ میرے سامنے وہ یقیناً بچوں کی سی باتیں کرتا رہتا ہے لیکن مجھ سے دور رہ کر اس نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی۔"

انور پھر خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حمید کے متعلق گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتا۔ فریدی بھی چند لمحے خاموشی سے سگار کے کش لیتا رہا پھر کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا بولا۔ "آج رات ہمیں تاریہ کی قیام گاہ میں کچھ کرنا ہے وہاں میں یہ بھی دیکھ سکوں گا کہ ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں میں اور کون کون ہے۔"

"ان چار آدمیوں سے آپ کیا کام لیں گے۔ میرا خیال ہے کہ انہیں آپ الگ ہی کر دیں۔ پولیس نے ان پر نظر رکھنی شروع کر دی ہے۔ ان کے حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہوئے ہیں اس لئے پولیس کو تشویش ہونی ہی چاہئے۔"

"پرواہ نہ کرو......میرا مقصد بھی یہی ہے کہ پولیس کو تشویش ہو۔"

انور شائد اب کوئی سوال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ سلگانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی پارٹنر رشیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

"کیوں......کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"خان بہادر عاصم رام گڈھ پہنچ گیا ہے اور اس نے آپ اور حمید کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے کہ آپ نے اس کے بے وقوف لڑکے کو پھسلا کر چھ لاکھ روپے خرد برد کرادیئے۔"

"میں جانتا تھا۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "ایک دن یہ ضرور ہوگا۔ قاسم کا کیا خیا
ہے؟"

"وہ کوتوالی میں دھاڑ رہا تھا کہ یہ غلط ہے۔ ان دونوں سے کوئی غرض نہیں۔ چیکوں
دوسرے لوگوں نے دستخط لئے تھے۔ پھر اس نے کسی زمین دوز دنیا کے عجائبات کا تذکرہ شروع کر
اور اسی پوائنٹ پر ڈی۔ ایس۔ پی نے اسے خبطی تسلیم کرلیا۔"

"ماتھر موجود تھا کوتوالی میں۔"

"نہیں...... وہ آج کل ایک ماہ کی رخصت پر چلے گئے تھے۔"

"ہوں...... خیر...... اسے بھی دیکھیں گے۔"

"گویا یہ ساری مصیبتیں حمید صاحب ہی کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"نہیں......!" فریدی اتنا ہی کہہ کر خاموش ہوگیا۔

رشیدہ انور کی طرف دیکھنے لگی لیکن انور شائد حمید کے متعلق کچھ سوچ ہی نہیں رہا تھا۔ دفع
فریدی نے رشیدہ سے کہا۔ "تم میرے لئے کیا کرسکتی ہو؟"

"جو کچھ آپ فرمائیں۔"

"لیکن وہ آسان کام نہیں ہوگا۔"

"کیا میں نے پہلے بھی آپ کے لئے مشکل ترین کام انجام نہیں دیئے۔"

"ٹھیک ہے...... مگر اس بار ہمارا سابقہ ایک تنظیم سے ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس تنظیم کے خلاف آپ کی کچھ نہ کچھ خدمت پہلے بھی کرچکی ہوں۔"

"اس وقت تم نے بیک گراؤنڈ ہی میں رہ کر سب کچھ کیا تھا...... لیکن اب تمہیں اس م
نمایاں حصہ لینا پڑے گا۔"

"میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے اس قابل تو سمجھا۔" رشیدہ مسکرائی اور انور کے ہونٹ
سکڑ گئے۔ اسے رشیدہ کی اس پر اخلاق مسکراہٹ سے بڑی نفرت تھی۔

"میں تمہیں کام بتاؤں گا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر انور کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔

"اب یہاں سے میری تفریح شروع ہوگی۔ اس تنظیم کے مقابلے میں ایک دوسری تنظیم کھڑ
کرنے جا رہا ہوں۔"

"شاندار......!" رشیدہ دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولی۔ "خدا کی قسم مزہ آجائے گا۔"

انور خاموش ہی رہا اور رشیدہ کو اس کی خاموشی کھلنے لگی۔

پھر انور نے آہستہ سے کہا۔ "آپ جانتے ہیں مجھے...... میں آپ کی مخالفت بھی کرسکتا ہوں۔"

"قطعی...... بالکل۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اسی سے میں نے یہ تذکرہ چھیڑا ہے۔"

"میں اسے تضیع اوقات سمجھتا ہوں۔" انور بولا۔

"اچھا تو پھر میں تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلوں گا۔" فریدی مسکرایا۔ "میری رہنمائی کرو۔"

"دیکھئے میں ابھی تک اس کے متعلق کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوچ سکا۔ لیکن آپ کا یہ طریقہ کار مجھے عجیب سا لگتا ہے۔"

"عجیب سا نہیں بلکہ بچکانہ کہو۔" فریدی مسکرایا۔ "کسی سنجیدہ آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔"

"آپ غلط سمجھے...... میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ خواہ مخواہ انرجی کیوں برباد کی جائے۔" انور جلدی سے بولا۔

"تم اپنی انرجی اپنے پاس رکھو۔" رشیدہ نے اسے للکارا۔

"نہیں......!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم لوگ جھگڑا نہیں شروع کرو گے۔ انور نے یہ نہیں کہا کہ وہ میری اسکیم میں حصہ نہیں لے گا۔"

"آپ مجھے بتایئے۔" رشیدہ نے کہا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی نے انور سے کہا۔ "تم ان چاروں پر نظر رکھو۔"

انور سمجھ گیا کہ وہ فی الحال وہاں اس کی موجودگی ضروری نہیں سمجھتا۔ لہٰذا وہ اٹھ کر باہر چلا گیا...... غالباً فریدی نے اسے اسی لئے اٹھا دیا تھا کہ کہیں ان دونوں میں پھر جھڑپیں نہ ہونے لگیں...... وہ تقریباً پندرہ منٹ تک رشیدہ سے آہستہ آہستہ کچھ کہتا رہا۔

ساحرہ کا بے بی

حمید ساحرہ کے بے بی کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ وہ کافی دیر تک لائبریری میں اداس بیٹھا رہا۔ پھر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ساحرہ آ گئی۔ اس نے کہا۔ ''میں نے واپس آنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے آ گئی۔ مگر اب پھر جا رہی ہوں۔ بے بی بہت رو رہا ہے۔''

''آپ کی شادی کب ہوئی تھی؟''

''ہٹیئے......!'' ساحرہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ''ابھی کہاں ہوئی ہے میری شادی۔''

''پھر یہ بے بی......!''

''آپ احمق ہیں۔'' ساحرہ نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا......اور لائبریری سے چلی گئی۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور برا سا منہ بنائے ہوئے لائبریری میں ٹہلنے لگا۔ اس کا منہ بگڑتا جا رہا تھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کسی نے زبردستی کوئی کڑوی یا کسیلی چیز کھلا دی ہو۔

وہ ٹہلتا رہا۔ پھر اکتا کر کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لینے لگا۔ دیکھتے دیکھتے یونہی بے خیالی میں ایک کتاب کھینچ لی لیکن اس کا نام پڑھ کر اسے دوبارہ الماری میں رکھنے ہی جا رہا تھا کہ وہ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس وقت حمید کچھ ایسے موڈ میں تھا کہ جھک کر اسے فرش سے اٹھانا بھی گراں گذرا۔ اٹھاتے وقت کتاب کھل گئی......حمید کی نظر صفحات پر پڑی جن کے حواشی پر جا بجا پنسل کی تحریریں تھیں اور تحریر کے نیچے ساحرہ کے دستخط تھے۔

یہ کتاب دراصل فلسفے کی تاریخ تھی اور حمید نے بڑی حیرت سے یہ بات نوٹ کی کہ ساحرہ نے بعض فلسفیانہ مسائل پر بڑی شاندار پھبتیاں لکھی تھیں۔ حمید صفحات الٹتا رہا۔ آخری صفحے پر پنسل سے اسی طرز تحریر میں ''ہمبگ'' لکھا ہوا نظر آیا۔

یہاں بھی ساحرہ نے اپنے دستخط کئے تھے۔ حمید نے کتاب بند کر کے الماری میں رکھ دی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس لڑکی کو کیا سمجھے۔ اگر وہ سارے ریمارک اسی کے لکھے ہوئے تھے تو وہ یقیناً غیر معمولی طور پر تعلیم یافتہ تھی۔ اگر تعلیم یافتہ ہے تو پھر خود کو جاہل ظاہر کرنے میں کیا مصلحت

گئی ہے۔ حمید اسی گتھی میں الجھا ہوا لائبریری سے نکل آیا۔ پھر وہ اپنے کمرے کی طرف جا ہی رہا تھا راہداری میں ساحرہ مل گئی۔ جو اپنے بے بی کو کپڑوں میں لپیٹے بازوؤں میں جھلاتی پھر رہی تھی۔

''ہوں......ہوں......ہوں......لل......لل......لا......چپ ہو جاؤ۔''

مگر بے بی کی چیخیں سن کر ایک بار پھر حمید کھوپڑی سے باہر ہو گیا۔ کیونکہ وہ چیخیں؟ دفعتاً ساحرہ نے کپڑا ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھئے......میرا بے بی کتنا پیارا ہے۔''

اسپینیل کتے کا ایک ننھا سا پلا اس کی گود میں ''ٹیاؤں ٹیاؤں'' کر رہا تھا۔

''میں بے بی کے فادر سے ملنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے اپنے نتھنے پھلا کر کہا۔

''فادر کیا؟ میں نہیں سمجھی......ہوں......ہوں......لل......لل......لا۔''

''آخر آپ مجھے الو کیوں سمجھتی ہیں۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اسے سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ پھر وہ وہاں رکے بغیر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نامعقول لڑکی سے کیسا برتاؤ کرے، جو اسے اس بری طرح بے وقوف بنا رہی تھی......اسے یعنی......کیپٹن حمید کو؟ اس کے لئے کم از کم ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ کوئی لڑکی اسے الو بنائے۔ دو ہی تین منٹ بعد ساحرہ بھی وہاں موجود تھی لیکن اب کتے کا پلا اس کی گود میں نہیں تھا۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گفتگو کا آغاز کرنے کے لئے اسے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

''وہ......دیکھئے آپ نہ جانے کیوں خفا ہو گئے۔'' ساحرہ رک رک کر بولی۔

''آپ اتنے اچھے آدمی ہیں......اگر آپ بھی خفا ہو جائیں گے۔''

''خدا کے لئے جاؤ......میرا پیچھا چھوڑو۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

''آخر کیوں......؟''

''کچھ نہیں......میں بے وقوف بننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''میں نے کیا بیوقوف بنایا ہے؟''

حمید چند لمحے خاموشی سے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تمہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا؟''

''بالکل نہیں آتا......آپ بھائی جان سے پوچھ لیجئے۔''

''کیا یہاں ساحرہ کسی اور کا بھی نام ہے؟''

''نہیں......واہ ایک گھر میں ایک ہی نام کے دو آدمی کیسے ہو سکتے ہیں۔''

"پھر لائبریری کی بعض کتابوں پر پنسل سے نوٹ کس نے لکھے ہیں؟"

"میں نہیں جانتی۔" لڑکی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ کتابوں کے متعلق صرف بھائی جان سے گفتگو کرلیا کیجئے۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"ڈیکارٹس کی فلاسفی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ڈیکارٹس...... کی فلاسفی...... میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"تمہیں فلسفے سے دلچسپی نہیں ہے؟"

"فلسفہ...... یہ سب کیا ہے۔ میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"بے بی والا مسخرہ پن آپ کو مجھ سے نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"میرے خدا...... مجھے کیا کرنا چاہئے تھا...... آپکی تو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"بس اب جائیے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

"دیکھئے...... آپ بہت اچھے ہیں لیکن اس وقت آپ کو نہ جانے کیا ہوگیا ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں...... شکریہ اور آپ جاسکتی ہیں۔"

"میں اس وقت تک نہیں جاؤں گی...... جب تک آپ کی خفگی دور نہ ہوجائے۔"

"دور ہوگئی بھائی۔" حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

"کیا میں آپ کو کھل رہی ہوں۔" ساحرہ نے سوال کیا۔

"بالکل نہیں...... بس تم فی الحال چلی ہی جاؤ۔"

ساحرہ اسے گھور گھور کر بسورتی رہی پھر یک بیک اس طرح زار و قطار رونا شروع کردیا کہ حمید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"ارے...... یہ کیا کر رہی ہیں......؟" حمید ہکلایا۔

"اب آپ کو دکھائی بھی نہیں دیتا...... ارے میں رو رہی ہوں۔"

"جی ہاں...... جی ہاں......" حمید کی بوکھلاہٹ بدستور قائم رہی۔

"کیا میں جھوٹ بول رہی تھی۔" اب ساحرہ کی ہچکیاں لگ گئی تھیں۔

"نن...... نہیں بالکل نہیں۔" حمید نے پھر ہکلانا شروع کردیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس لڑکی کو کس طرح چپ کرائے۔ کیونکہ اس کی گریہ زاری اب آہستہ آہستہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔

"اچھا...... اچھا...... اب چپ بھی رہو۔"

"میں روتے روتے مرجاؤں گی۔ آپ نے یہ کیسے سوچا کہ میں آپ کو بے وقوف بنا رہی ں۔ بے وقوف پیدا ہوتے ہیں...... بنائے نہیں جاتے۔"

حمید ایک بار پھر سناٹے میں آگیا۔ یہ جملہ تو کسی بہت بڑے آدمی کا قول معلوم ہوتا ہے کہ بے وقوف پیدا ہوتے ہیں بنائے نہیں جاتے۔ وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔ ایک طرف یہ لڑکی خود کو جاہل تسلیم کرالینے پر مصر ہے اور دوسری طرف ایسے شاندار جملے بھی اس کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔

"اچھا...... میں مان گیا آپ کی بات۔" حمید نے زچ ہوکر کہا۔

"اب تو آپ اس قسم کی گفتگو نہیں کریں گے۔"

"نہیں...... نہیں...... قطعی نہیں۔"

لڑکی خاموش ہوگئی۔ روتے روتے اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ اس نے دوپٹے کے آنچل سے آنسو خشک کئے اور اس طرح خاموش بیٹھی رہی جیسے گریہ و زاری کی دوسری قسط شروع کرنے کے لئے کسی دوسرے جملے کی منتظر ہو۔ لیکن اب حمید نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے تھے۔

"اب بھی آپ کے دل میں وہی ہے۔" ساحرہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں ہے...... قطعی نہیں ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"نہیں آپ کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔"

"میں اپنے چہرے کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔" حمید پھر جھلا گیا۔

"دیکھا...... دیکھا میں نہ کہتی تھی۔ ارے میری قسمت ہی ایسی ہے۔" ساحرہ پھر باقاعدہ طور پر اسٹارٹ لے کر رونے لگی۔

"حمید بوکھلا کر جانے کے لئے اٹھا اور وہ تڑپ کر بولی۔

"جاؤ تو...... خدا کرے میں یہیں مرجاؤں...... اچھا جاؤ...... میں دیوار سے اپنا سر ٹکرا دوں گی۔"

حمید فرش پر دو زانو بیٹھ کر اپنا سر پیٹنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر سلمان کمرے میں داخل ہوا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے دروازے

ہی پر ٹھٹک گیا۔ حمید نے سوچا یہ تو بہت بُرا ہوا۔ ڈاکٹر کیا سمجھے گا۔ بہرحال اس کے ہاتھ اور تیزی سے چلنے لگے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" دفعتاً ڈاکٹر سلمان کی گرجدار آواز کمرے میں گونجی۔

ساحرہ جو پہلے ہی سہم کر خاموش ہوگئی تھی یک بیک اچھلی اور دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

حمید بھی اپنے ہاتھ روک کر پاگلوں کے سے انداز میں ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" ڈاکٹر سلمان نے دو تین قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"یہ لل.....لڑکی...... مجھے پاگل بنادے گی۔ خدا کیلئے مجھے کوئی دوسری جگہ بتایئے ڈاکٹر۔"

"کیا بات ہوئی تھی۔"

"ایک دو نہیں ہزاروں باتیں ہوگئیں جناب.....خدا کے لئے۔"

"کیپٹن حمید.....آپ ہوش میں بھی ہیں یا نہیں۔" ڈاکٹر سلمان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

حمید نے سوچا کہ اب فوراً ہی پینترہ بدلنا چاہئے ورنہ حجامت ہو جائے گی۔

اس نے آہستہ سے کہا۔ "ڈاکٹر.....یہ لڑکی صحیح الدماغ بھی ہے یا نہیں؟"

"آپ بات بھی بتائیں گے یا یونہی بے سروپا ہوتی رہے گی؟"

"بات ...... پہلے انہوں نے مجھے اپنا بے بی دکھایا۔ لیکن وہ اتنا ہنس مکھ بھی نہیں ثابت ہوا جتنا کہ اسپیشیل پلے کو ہونا چاہئے۔ پھر جناب...... انہوں نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ غیر تعلیم یافتہ ہیں۔"

"ہاں......یہ درست ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتی۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "لیکن آخر یہ کیا ہو رہا تھا۔"

"میں سر پیٹ رہا تھا......اور وہ رو رہی تھی۔" حمید بولا۔ "کیا اب یہ بھی بتانا پڑے گا کہ میں سر کیوں پیٹ رہا تھا؟"

ڈاکٹر سلمان بدستور اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

"جب انہوں نے بہت عاجز کردیا تو میں نے سر پیٹنا شروع کر دیا...... مجھے یقین ہے کہ دوسری ملاقات پر میں بالکل پاگل ہو جاؤں گا۔"

"دیکھئے جناب......" ڈاکٹر سلمان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "آپ اپنے کام سے کام رکھیں

اگر آپ کو یہ نامنظور ہو تو مجھے آگاہ کر دیجئے۔"

"بہت بہتر......میں اپنے کام سے کام رکھوں گا۔"

"یک اپ کا سامان آگیا ہے لیکن آپ کے لئے ایک بُری خبر بھی لایا ہوں۔ وہ آپ کا ت ہے ناجوروجی کے ساتھ مقیم ہے۔ آج اس کے باپ نے کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے ں رپورٹ درج کرائی ہے کہ ان دونوں نے اسکے لڑکے کو پھسلا کر چھ لاکھ روپے اینٹھ لئے۔"

"میرے خدا......!" حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

تیسرا شعلہ

مادام تاریہ ایک بلند قامت اور وجیہہ عورت تھی۔ عمر چالیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ جسم ساخت بھی ایسی ہی تھی کہ اگر قاسم دیکھ پاتا تو اسے نوشابہ بھی یاد نہ رہ جاتی۔ وہ ایک شاندار ارت میں رہتی تھی اور رام گڈھ میں اس کی دوسری بھی کئی عمارتیں بھاری کرایوں پر اٹھی ہوئی تھیں۔ ک کے مختلف صنعتی اداروں میں اس کا وافر سرمایہ بھی لگا ہوا تھا۔ بہرحال وہ رام گڈھ کی متمول تیوں میں شمار کی جاتی تھی۔

اور اب فریدی نے اس کی ایک ڈھکی چھپی حیثیت سے بھی پردہ اٹھا دیا تھا۔ لیکن اس کا علم اس یت صرف چھ ہستیوں کو تھا اور رشیدہ اور اس کے چاروں نئے ساتھی جانتے تھے کہ تاریہ کے ہاتھ علی نوٹوں کے بزنس میں بھی ملوث ہیں لیکن ان چاروں کو ان باتوں کا علم نہیں تھا، جو انور اور رشیدہ ریدی سے معلوم ہوئی تھیں۔

تاریہ اس کے علاوہ بھی کئی طرح کے جرائم کرگزرتی تھی اور اس ۔ اس کے طبقے کے لوگوں کُنل ہونے پاتا تھا۔

آج اس کے یہاں ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں کی میٹنگ تھی۔ میٹنگ نو بجے شروع ہونے

والی تھی۔ اب آٹھ بج رہے تھے۔ تاریہ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر اسٹڈی میں آ بیٹھی یہیں کافی پی رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو.....!" اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"یا..... ہیلو..... تاریہ" دوسری طرف سے بھی کسی عورت ہی کی آواز آئی۔

"کون ہے؟"

"تھریسیا بمبل آف بوہیمیا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میں نہیں جانتی کون ہو۔"

"اسی طرح چند سال پہلے تمہیں بھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ تم کون ہو۔"

"کیا بکواس ہے۔" تاریہ جھلا گئی۔

"بدتمیز عورت..... میں تیری ہڈیاں چبا جاؤں گی۔ اپنی اصلیت کو نہ بھول۔ میں جانتی تیری حقیقت..... کتیا۔"

"او..... سؤر کی بچی تو ہے کون؟"

"سور تو تیرا باپ تھا..... جس نے تیری ماں سے شادی نہیں کی تھی۔" دوسری طرف سے آئی۔

"شٹ اپ.....!"

"شٹ اپ کی بچی..... اب بھی وقت ہے..... فیصلہ کر لے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"تو بکواس بند کرے گی یا نہیں؟" تاریہ دہاڑی۔

"نہیں..... میرا مطالبہ سات لاکھ ہے اور تو اب تک تقریباً تیس کروڑ کے جعلی نوٹ ملک پھیلا چکی ہے، میرے پاس ایسے ثبوت ہیں جو تجھے دن کو تارے دکھا دیں گے۔"

"خاموش رہ گندی بلی۔" تاریہ غرائی۔ "تو میرا کچھ نہیں کر سکتی۔"

لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل کر بولی۔ "تو نہ جانے کہاں کی بکواس لے بیٹھی ہے، کیسے نوٹ..... کیا خواب دیکھ رہی تھی۔"

"حوالات میں آنکھیں کھلنے پر تجھے اپنے خواب بہت یاد آئیں گے تاریہ۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یقیناً تو نشے میں ہے۔" یک بیک تاریہ ہنس پڑی اور اس کے قہقہے سے کمرے کی دیواریں ... اٹھی تھیں۔

"میں کہتی ہوں اگر تو نے تین دن کے اندر اندر سات لاکھ کی اصلی کرنسی بہم نہ پہنچائی تو تیرے ... شاید رام گڑھ کی پہاڑیاں بھی چیخیں اور کراہیں۔ میرے ایک آدمی نے تیرے دو لفنگوں کو ... کر کے تیری عمارت میں آگ لگا دی تھی۔ کیا تجھے یاد نہیں۔"

"اوہ..... تو تم وہ لوگ ہو۔"

"ہاں..... میں تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں صرف تین ... کی مہلت دیتی ہوں سات لاکھ کے لئے۔ اس کے بعد میری کمپنی تم میں دلچسپی لینا چھوڑ دے ... گیا سمجھی.....؟"

"تھریسیا شائد تو نہیں جانتی کہ تو کس سے گفتگو کر رہی ہے۔ رام گڑھ کی ایک معزز ترین عورت۔"

"یعنی پولیس تیرے خلاف کوئی کاروائی نہ کرے گی؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"پولیس میرا کھلونا ہے عورت۔" تاریہ نے فخریہ انداز میں کہا۔ "وہ میرے خلاف ایک قدم ... نہ اٹھا سکے گی۔"

"تب پھر تم سے بزور قوت سات لاکھ روپے وصول کئے جائیں گے۔ تم آج ہی سے تیار رہنا۔"

"میں ہر وقت ہر معاملے کے لئے تیار رہتی ہوں۔" تاریہ نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ریسیور کو کریڈل میں ... ڈالتے وقت تاریہ کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے سے ممبروں کی آمد شروع ہو گئی۔ تاریہ سمیت یہ ... تھے۔ گیارہواں ایک اجنبی تھا جو پہلی بار ڈاکٹر سلمان کے ساتھ آیا تھا۔ اس کی شکل کسی حد تک ڈاکٹر سلمان سے ملتی جلتی تھی۔ ڈاڑھی تو ہو بہو اسی کی تھی۔ یہ حمید کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ خود ڈاکٹر سلمان نے اس کے میک اپ کی بے تحاشہ تعریف کی تھی اور یہاں اسے اپنے خالہ زاد بھائی کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔

میٹنگ کی کاروائی شروع ہوئی اور حمید شدت سے بوریت محسوس کرنے لگا کیونکہ یہ سو فیصدی کی ادارہ کے کارکنان کی میٹنگ تھی اور ابھی تک کسی کی بھی زبان سے ایسی کوئی بات نہیں نکلی تھی جو

حمید کے نکتہ نظر سے قابل گرفت ہوتی۔ ادارہ کے مالیاتی بحران پر بحثیں ہوتی رہیں۔ پھر تیم... باری آئی۔ اس کے بعد آمدنی کے مزید ذرائع پیدا کرنے کے امکانات پر غور کیا جانے لگا...... مسئلہ آخیر میں چھڑا جس سے حمید کو دلچسپی ہو سکتی تھی۔ یہ مسئلہ تھا ڈاکٹر سلمان کی کار اور تار... بلڈنگ کی آتش زدگی کا۔"

"میرے خیال سے یہ کوئی دیوانہ یا فاتر العقل آدمی ہے جو اس قسم کی حرکتیں کر رہا ہے۔" ڈا... سلمان نے کہا۔

"پہلے میں بھی یہی سوچتی تھی۔" تاریہ بولی۔ "مگر اب خیال بدل دینا پڑا ہے۔ کوئی عو... ہے تھریسیا بمبل بی آف بی۔ اسے ادارہ کی مالیات کی ساتویں ذریعے پر اعتراض ہے۔ اس... آدمی یہ حرکتیں کر رہے ہیں۔"

"آپ نشے میں تو نہیں ہیں مادام تاریہ۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "کیا رام گڈھ میں کسی ا... عورت کا وجود بھی ہو سکتا ہے۔"

"ابھی ایک گھنٹہ قبل اس نے مجھ سے ٹیلی فون پر گفتگو کر کے سات لاکھ کا مطالبہ کیا تھا۔"

"اوہ......!" ڈاکٹر سلمان کے ہونٹ ایک چھوٹا سا دائرہ بنا کر رہ گئے۔

پھر کمرے کی فضا پر سکوت طاری ہو گیا......اور

ٹھیک اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک ہاتھ دکھائی دیا جس میں ریوالور تھا۔ وہ سب چونک کھڑے ہو گئے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" دروازے سے آواز آئی اور ساتھ ہی بولنے والا بھی ان کے سا... آ گیا۔ اس کے جسم پر سیاہ سوٹ تھا اور چہرے پر سیاہ نقاب۔

"آپ حضرات کو اس میٹنگ پر مبارک باد دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"تم کون ہو؟" کسی نے پوچھا۔

"یہ سوال بڑا احمقانہ ہے۔ اگر یہی بتانا ہوتا تو چہرے پر نقاب کیوں ہوتی۔ کیا آپ لو... کامن سنس استعمال نہیں کر سکتے۔"

وہ سب ہاتھ اٹھائے کھڑے رہے لیکن حمید کے پیر کانپ رہے تھے۔ اس نے بولنے کی آوا... میں فریدی کے انداز گفتگو کی جھلکیاں پائی تھیں۔ وہ بھی چپ چاپ ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا۔

"تم کیا جانتے ہو۔" ڈاکٹر سلمان نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"سات لاکھ...... میں مادام تھریسیا کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔"

"یہ مادام تھریسیا کیا بلا ہے؟" ڈاکٹر سلمان نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

"مادام تاریہ سے بھی افضل ترین خاتون۔ وہ جس سے یورپ کے بڑے بڑے آدمی کانپتے ...ں مادام تھریسیا جو کہتی ہیں کر گذرتی ہیں۔ اگر تین دن کے اندر اندر سات لاکھ فراہم نہ کئے گئے تو ...دام تھریسیا کے حکم کے مطابق تاریہ کی ناک کاٹ دی جائے گی۔"

"کیا بک رہے ہو......؟" ڈاکٹر سلمان گرجا۔

"ہاں ڈاکٹر...... میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم بہت رحم دل ہو۔ تمہیں ناک کاٹنے کی دھمکی ...نے یقیناً گہرا صدمہ پہنچایا ہوگا۔ مگر ہم کیا کریں...... ہمارا اصول یہی ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہاں سے بچ کر چلے جاؤ گے؟" تاریہ غرائی۔

"یقیناً...... ورنہ آتا ہی کیوں۔" نقاب پوش نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔

دفعتاً عقب سے کسی نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن وہ اس کی پشت سے شانے پر ہوتا ہوا اچھل کر ان لوگوں کے درمیان آ گرا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور نقاب پوش نے مسکرا کر کہا۔ "جلد بازی بُری چیز ہے۔"

پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے در و دیوار سے آدمی نکلنے لگے ہوں۔ نقاب پوش نے چھلانگ لگائی اور کھڑکی سے گذرتا ہوا راہداری میں پہنچ گیا۔

"نکل کر جانے نہ پائے۔" ڈاکٹر سلمان نے چیخ کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں ڈاکٹر...... اب اس عمارت سے ایک پرندہ بھی باہر نہیں جا سکتا۔"

یہ تاریہ کی آواز تھی۔

حمید بوکھلا گیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اب وہاں تقریباً چالیس آدمی نظر آ رہے تھے اور فریدی تنہا تھا۔ تاریہ نے کسی اطمینان پر ہی کہا ہوگا کہ وہ باہر نہیں نکل سکتا۔ اس افراتفری میں حمید ڈاکٹر سلمان وغیرہ سے الگ ہو گیا تھا اور عمارت کے ایک ایک گوشے میں فریدی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے سے بیک وقت کئی فائر ہوئے اور حمید بے تحاشہ اس طرف دوڑا۔

ایک کھڑکی پر پے در پے فائر ہو رہے تھے اور گاہ بگاہ کھڑکی سے بھی فائر ہو جاتے۔ حمید اُ
کرنے لگا کہ کسی طرح اس کمرے میں پہنچ جائے جس کی کھڑکی سے فائر ہو رہے تھے لیکن ا
کامیاب نہ ہوئی۔ اس وقت سراسیمگی کے عالم میں یہ چیز بھی اس کے ذہن سے نکل گئی تھی کہ
یہاں کس حیثیت سے آیا تھا اور ایسے حالات میں اس کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔ وہ تو فریدی کو خطرے
میں دیکھ کر سراسیمگی کی آخری سرحدیں چھونے لگا تھا۔

اچانک کھڑکی سے فائر ہونے بند ہو گئے اور پھر اسی راہداری سے ایک فائر ہوا۔ دوسرے
کرنے والوں میں سے کسی کی چیخ فضا میں لہرائی اور بھاگنے والا صاف نکلا چلا گیا۔ حمید دیوار سے
ہوا آگے بڑھنے لگا۔

پوری عمارت کچھ نیم تاریک سی تھی۔ اس لئے حمید کو توقع تھی کہ فریدی باہر نکل جانے میں
کامیاب ہو جائے گا لیکن تھوڑی ہی دیر میں تاریکی کا سہارا بھی اجالے کے سیلاب میں ڈوب گیا
دفعتاً پوری عمارت روشن ہو گئی تھی۔ جابجا دودھیا روشنی کے ٹیوب نظر آنے لگے تھے۔

پھر کسی گوشے سے فائروں کی آوازیں آئیں...... اچانک کسی نے حمید کا شانہ پکڑ لیا۔ وہ
چونک کر مڑا...... سامنے تاریہ کھڑی تھی۔

"آپ کہاں بھاگتے پھر رہے ہیں مسٹر سہیل۔" اس نے کہا۔ حمید کا تعارف اسی نام سے کرایا
گیا تھا۔

"میں سلمان بھائی کو ڈھونڈھ رہا تھا" حمید نے جواب دیا۔

"نہیں...... وہ جہاں بھی ہوں گے محفوظ ہی ہوں گے۔ لیکن آپ کی زندگی ضرور خطرے میں
پڑ جائے گی۔ کیونکہ آپ اس عمارت سے واقف نہیں...... ہو سکتا ہے میرے ہی آدمیوں سے آپ
نقصان پہنچ جائے۔"

"میں سلمان بھائی کے لئے پریشان ہوں۔"

"کیا آپ ڈاکٹر سلمان سے واقف نہیں ہیں؟"

"وہ میری کزن ہیں...... مادام......!" حمید نے کہا۔

"اس کے باوجود بھی آپ ڈاکٹر سلمان کو نہیں جانتے۔ آپ اس وقت ڈاکٹر سلمان کو یاد بھی
نہ ہوں گے۔ اس وقت تک ڈاکٹر اپنے وجود کو بھی بھولا رہے گا جب تک کہ اس نقاب پوش کی لاش

اسے نہیں نظر آ جائے گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ایک بار اس نے یہ بھی سوچا کہ کیوں نہ اس عورت ہی کا گلا گھونٹ دے۔ ایک
تو کم ہو لیکن اسے اس کا موقع ہی نہ مل سکا۔ کیونکہ تاریہ کے آدمی چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔

"آپ کی عمر کیا ہوگی مسٹر سہیل۔" تاریہ نے پوچھا اور حمید کو فائروں کی گونج میں اس کا یہ
سوال بڑا عجیب معلوم ہوا۔

"مجھے اپنی صحیح عمر کا علم نہیں ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"آپ بھی تیس سے زیادہ کے نہیں معلوم ہوتے۔" اس نے حمید کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"خدا جانے۔" حمید کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

"اوہ...... تم اتنا بنتے کیوں ہو؟" تاریہ نے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "ادھر اندھیرا ہے۔"

حمید کی کھوپڑی نے ایک ہی سیکنڈ میں ساڑھے سات سو چکر پورے کر لئے۔ فائر برابر ہو رہے
تھے۔ مگر یہ عورت...... سردی کے باوجود حمید کا جسم پسینے سے چپچپانے لگا۔

"سلمان بھائی" حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بڑبڑایا اور ایک
طرف دوڑنے لگا۔

پھر اسے یک بیک ایسا محسوس ہوا جیسے پوری عمارت میں سناٹا چھا گیا ہو اس کے کانوں میں
صرف اپنے دوڑتے ہوئے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔

جلد ہی اسے اس سناٹے کی وجہ معلوم ہو گئی۔ نقاب پوش نے ایک جگہ پھر ان لوگوں کو پستول
کی نال پر لے لیا تھا۔ سات آدمی اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے اور نقاب پوش کی پشت پر ایک
کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انہیں ڈاج دے کر اس کھڑکی سے نکل جائے گا۔

اس نے ایک ہاتھ کھڑکی میں ڈالا ہی تھا کہ اوپر سے آگ کی ایک باریک سی دھار اس پر
آ گری۔ ہاتھ اٹھائے ہوئے آدمیوں نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ اور اسی آواز میں حمید کی دلخراش چیخ بھی
شامل تھی۔ نقاب پوش کے سر سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا لباس جل کر خاک
ہو گیا اور اب وہاں سیاہ رنگ کا ایک مجسمہ کھڑا تھا۔

حمید صرف دیکھ سکتا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا نچلا دھڑ بالکل بیکار ہو گیا ہو اور
اب وہ کبھی وہاں سے ہل بھی نہ سکے گا اور سر ہوا میں تیرتا محسوس ہو رہا تھا۔

دفعتاً اس سیاہ مجسمے کا داہنا ہاتھ اٹھا جس میں اب بھی ریوالور موجود تھا۔ پھر اس کھڑکی کی طرف ایک فائر ہوا جس سے آگ کی دھار آئی تھی۔ ایک چیخ فضا میں لہرائی اور ایک آدمی کھڑکی سے نیچے گر کر تڑپنے لگا۔

"ہاہا.....!" سیاہ مجسمے سے آواز آئی۔ "مادام تھریسیا بمبل بی.....زندہ باد۔"

"ڈرو..........دوستو.......تھریسیا سے ڈرو.......وہ بڑی خطرناک ہے۔ اس نے تمہارا یہ حربہ بیکار کر دیا۔ جس پر تمہیں بڑا ناز تھا۔"

پھر اس سیاہ اور برہنہ مجسمے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ یہاں کسی میں اتنی سکت بھی نہیں معلوم ہوئی تھی کہ وہ اپنے ہونٹوں ہی کو جنبش دے سکتا۔

حمید پسینے میں نہایا ہوا کھڑا تھا۔ وہ تقریباً پانچ منٹ تک اسی طرح گم سم کھڑے رہے پھر حمید نے تاریہ کو بھرائی ہوئی آواز میں کہتے سنا۔ "یقین نہیں آتا۔"

پھر وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ "نہیں......وہ آدمی نہیں بھوت تھا۔ تھریسیا بمبل بی کوئی بُری روح تھی......بمبل بی......بمبل بی......وہ کوئی بُری روح تھی۔"

حمید نے ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اداسی تھی اور وہ بار بار اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ڈاکٹر" تاریہ نے سلمان کو مخاطب کیا۔ لیکن وہ کچھ نہیں بولا۔

"شائیں......کھٹاک۔" ایک خنجر کھڑکی سے گذرتا ہوا سامنے والے دروازے میں دھنستا چلا گیا۔ ایک منٹ تک وہ لوگ بے حس و حرکت کھڑے رہے کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر اس خنجر کو دروازے سے نکالتا۔

پھر اس بار حمید ہی نے پہل کی۔ آگے بڑھ کر دروازے سے خنجر کھینچا۔ جس کے دستے سے کاغذ کا ایک پرزہ لپٹا ہوا تھا۔ حمید نے اس کی تہہ کھولی۔

اور! کاغذ کے پرزے پر تحریر تھا

"مطالبہ......سات لاکھ سکہ رائج الوقت! مہلت
......تین دن...... جو میڈیکل سرٹیفکیٹ داخل
کرنے پر بھی نہ بڑھ سکے گی۔

الداعی

تھریسیا بمبل بی اینڈ کو......!"

حمید نے اسے ڈاکٹر سلمان کی طرف بڑھا دیا اور ڈاکٹر سلمان نے اسے پڑھ کر سب کو سناتے ہوئے کہا۔ "جلد بازی......بہت بُری چیز ہے۔"

"کیا مطلب......؟" تاریہ جلدی سے بول پڑی۔

"تم تو بس خاموش ہی رہو۔" ڈاکٹر سلمان بگڑ گیا۔ "تم سے کس گدھے نے کہا تھا کہ پش فائر استعمال کی جائے۔"

تاریہ نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور حمید کو بڑی میٹھی نظروں سے دیکھنے لگی۔

حمید بھی جواباً خفیف سا مسکرا دیا......اور اب وہ اُن سب کی موجودگی میں اسے بے تکے قسم کے اشارے کرنے لگی تھی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 59

جہنم کا شعلہ

(چوتھا حصہ)

جہنم میں جاؤ

ان پر کچھ اس قسم کا سکوت طاری تھا جیسے وہ کسی ایسی لاش کے گرد کھڑے ہوں جسے قبرستان لے جانے سے پہلے ''آخری دیدار'' کے لئے رکھا گیا ہو۔

ڈاکٹر سلمان بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیتا تھا۔ نہ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے اور نہ صدمے کے۔ البتہ پیشانی کی لکیریں گہری تشویش کا اظہار کر رہی تھیں۔ وہ دفعتاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ معاملہ یہیں ختم کیا جاتا ہے۔''

سب خاموش کھڑے رہے۔ تاریہ نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے لیکن پھر خاموش ہی رہ گئی۔ ڈاکٹر سلمان کے دوسرے اشارے پر مجمع برخواست ہو گیا۔ پانچ منٹ کے اندر ہی اندر کمرے میں تین نفوس کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گیا۔

یہ ڈاکٹر سلمان، حمید اور تاریہ تھے۔ ڈاکٹر سلمان غور سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس نے کہا۔ ''یہ کون ہو سکتا ہے۔''

''میں......!'' حمید کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔ ''شبے میں مبتلا ہو گیا ہوں۔''

''اظہار کر دیجئے اپنے شبے کا۔''

حمید تاریہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"خیر...... پھر دیکھیں گے۔" ڈاکٹر سلمان نے جیب سے سگریٹ کیس نکال کر ا... ہوئے کہا۔ لیکن کافی دیر تک سگریٹ اس کی انگلیوں میں دبی رہی۔ شائد اسے یاد ہی نہیں ر... سگریٹ اس کی انگلیوں میں دبی ہوئی ہے۔

"تاریہ میں پیاسا ہوں۔" اس نے تاریہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اور میں یونہی خواہ مخواہ کھڑی ہوئی ہوں۔ آخر ہم بیٹھتے کیوں نہیں۔"

"اوہ...... ہاں......" ڈاکٹر سلمان نے اس لاش کی طرف دیکھا جو اوپر کی کھڑکی سے ... تھی۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ "اوہ...... مگر اس کے پاس پش فائر موجود نہیں ہے۔"

"شارٹی نے اسے سنبھال لیا ہوگا۔" تاریہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم کریک ہو...... سو فیصدی کریک۔" ڈاکٹر سلمان تاریہ کو گھورتا ہوا بولا۔ "کس نے کہا تم سے کہ پش فائر استعمال کیا جائے۔"

"ارے ختم بھی کرو۔" تاریہ ہاتھ ہلا کر بولی۔ "تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کوئلے کا مجسمہ دوبا... چھلانگ لگا کر کھڑکی کے باہر کیسے جاسکا تھا۔ گفتگو کیسے کی تھی اس نے۔ چلو یہاں کب تک کھڑ... ہیں گے۔"

حمید کو ان دونوں کی گفتگو عجیب لگ رہی تھی کیونکہ ان کے سامنے ایک لاش بھی موجود تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

تاریہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لائی جہاں میز پر سوڈے کا ایک بڑا سائفن رکھا ہوا تھا۔ چ... گلاس تھے اور تین چار شمپین کی بوتلیں۔

اس نے کمرے میں پہنچتے ہی دو گلاسوں میں شراب انڈیلی اور تیسرے میں انڈیلنے جارہی تھ... کہ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نہیں پیتا۔"

"تمہیں جاننا ہی چاہئے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔

"کیوں جاننا چاہئے۔" تاریہ چونک کر حمید کو گھورنے لگی۔

"تم سہیل کو نہیں جانتی۔" ڈاکٹر سلمان مسکراتا رہا۔ "ان کے آجانے سے ہمارے ہاتھ بہت مضبوط ہوگئے ہیں۔"

"پہلے یہ کہاں تھے۔"

"رام گڈھ میں تھے اور بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ ملکہ کائنات کو علم ہوگا کہ یہ اس سے پہلے کہاں تھے۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ تمہارے کزن ہیں۔"

"ہاں میں نے غلط نہیں کہا تھا اور آج سے دو دن پہلے بھی مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ بھی ہم میں سے ایک ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کے چہرے پر ایک بار حیرت کے آثار ضرور نظر آئے تھے۔ لیکن پھر اس نے اپنی حالت پر قابو پانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ سو فیصدی دکھاوا تھا۔ اسے ان کی گفتگو سے قطعی حیرت نہیں تھی۔ مگر وہ ڈاکٹر سلمان کی پوزیشن کے متعلق ضرور الجھن میں پڑ گیا تھا۔

"خیر......!" تاریہ کچھ دیر بعد بولی۔ "میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔ یہ تھریسیا بمبل بی ہے کیا بلا۔"

"تھریسیا بمبل بی...... ایک خطرناک بوہیمین عورت جس نے پورے فرانس کو ہلا کر پھینک دیا تھا۔ شروع میں اس کی حیثیت ایک بدمعاش کی سی تھی۔ یہ اور اس کا ساتھی الفانسے ڈاکے ڈالتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ان دونوں نے ایک طاقتور گروہ بنالیا۔ پھر دوسری جنگ عظیم شروع ہونے سے پہلے ہی تھریسیا اور الفانسے کو ایک موقع پر جرمنی کی طرف بھاگنا پڑا اور وہاں انہیں نازی سیکرٹ سروس میں جگہ مل گئی۔ پھر انہیں دوبارہ فرانس آنا پڑا۔ لیکن اب حیثیت دوسری تھی۔ اب وہ ڈاکے نہیں ڈالتے تھے۔ بلکہ فرانس کے فوجی راز جرمنی پہنچانے کے لئے کام کررہے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ فرانس میں یہ جرمن سیکرٹ سروس کے سرغنہ تھے۔ فرانس پر جرمن کی فتح کے بعد انہیں کہیں اور بھیجا جارہا تھا۔ مگر اس جہاز کو جس پر یہ تھے اتحادیوں نے ڈبو دیا۔"

"تب تو پھر...... یہ تھریسیا فراڈ ہے۔" تاریہ نے کہا۔

"ہوسکتا ہے...... مگر یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں اس جہاز پر نہ رہے ہوں۔"

"تمہیں شاید نشہ ہوگیا ہے۔" تاریہ نے آنکھیں بند کرکے قہقہہ لگایا۔ "خود ہی کہتے ہو کہ وہ جہاز میں تھے اور جہاز ڈوب گیا تھا...... اور خود ہی کہتے ہو کہ......!"

"میں دونوں باتیں اپنی معلومات کی بناء پر کہہ رہا ہوں جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے

تھریسیا اور الفانسے کا جہاز ڈبو دیا تھا وہی آج بھی ان کی تلاش میں ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دونوں اسی جہاز پر تھے اور انہیں لوگوں کو ان کی تلاش بھی ہے۔“

”یعنی وہ خود بھی کوئی واضح بات نہیں کہہ سکتے۔“ تاریہ نے کہا۔

”یقیناً......!“ ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا اور اپنا پائپ سلگانے لگا۔

کچھ دیر کے لئے پھر کمرے پر خاموشی مسلط ہوگئی۔ حمید اس دوران میں خاموش ہی رہا تھا۔ وہ خواہ مخواہ دخل انداز بھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اسے تو اب سوچ سمجھ کر کام کرنا تھا۔ معاملات کافی آگے بڑھ چکے تھے۔ یہاں اس کی موجودگی میں اس کھلی ہوئی گفتگو کا یہی مطلب ہوسکتا تھا کہ ڈاکٹر سلمان اس پر اعتماد کرنے لگا ہے۔

تاریہ نے اپنے لئے ایک گلاس تیار کیا۔ ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں چوتھا گلاس تھا...... حمید کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نہ تو اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پی رہا ہے اور نہ آنکھیں یہ ظاہر کرتی تھیں۔ چوتھا گلاس ختم کرکے اس نے رومال سے ہونٹ خشک کئے اور تاریہ کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر اچانک ایسا لگا جیسے تاریہ کو کچھ یاد آ گیا ہو۔ وہ آہستہ سے بولی۔

”اوہ...... وہ لاش...... ٹھہرو...... میں ابھی آتی ہوں۔“

وہ چلی گئی لیکن ڈاکٹر سلمان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اسے اس لاش سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

”کیپٹن......!“ اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تکلف برطرف میں جانتا ہوں کہ تمہارے دل میں تنظیم کے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوگیا ہے۔“

”شکریہ۔ میں اس الجھن میں تھا کہ اس تذکرے کو کس عنوان سے چھیڑوں۔ سوچتا تھا کہ کہیں آپ اسے مکر نہ سمجھیں۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ تنظیم کے فلسفے نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔“

”یقیناً...... ہر باشعور آدمی ہمارے فلسفے سے آگاہ ہونے کے بعد ہماری طرف آنا پسند کرے گا۔ مگر فی الحال اس کے لئے حالات سازگار نہیں ہیں کہ باقاعدہ طور پر اس کی اشاعت کی جاسکے۔“

”مگر اب میں سوچتا ہوں کہ کرنل فریدی کے اندازے کبھی غلط ثابت نہیں ہوئے۔ اس نے روحی کے حالات سے آگاہ ہوتے ہی کہہ دیا تھا کہ ادارہ روابط عامہ فراڈ ہے۔“

”ہوں......!“ ڈاکٹر سلمان کچھ سوچنے لگا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔ ”تم نے وہاں کوئی شبہ ظاہر کیا تھا۔ میں نے تاریہ کی موجودگی میں گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ کس بات کا شبہ تھا تمہیں...... اس دی ہے۔“

”میں سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ کرنل فریدی نہ ہو۔“

”ہوسکتا ہے...... دراصل میں اسی پر اتنی دیر سے غور کر رہا تھا۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

”مگر یہ صرف شبہ ہے۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ آہا ٹھہریئے۔“ ایسا معلوم ہوا جیسے حمید کو یک بیک کچھ یاد آ گیا ہو۔ اس کی آنکھیں بھی چمکنے لگی تھیں۔ پھر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”ذرا اپنے حربے پش فائر کی تو خبر لیجئے۔ اگر وہ آدمی فریدی ہی تھا تو......!“

”کیا مطلب......!“

”آپ کا وہ حربہ کم از کم اس عمارت میں تو موجود نہ ہوگا۔“

”صاف صاف کہو۔“

”میں فریدی کے طریق کار سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہاں سے نکل جانے کے بعد باہر سے خنجر پھینک کر دوبارہ سات لاکھ روپوں کے بارے میں یاد دہانی ضروری نہیں تھی۔ اگر وہ فریدی ہی تھا تو یقین کیجئے کہ اس کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ ہم لوگ کچھ دیر تک اس کمرے میں ٹھہرے رہیں...... اور وہ کسی طرح سے پش فائر پر ہاتھ صاف کردے۔ کیا اس کا اندازہ غلط تھا۔ کیا ہمیں سانپ نہیں سونگھ گیا تھا۔ ڈاکٹر وہ ذہنی اور جسمانی دونوں طرح کی لڑائیوں کا ماہر ہے۔ وہ اپنے مدمقابل پر ہر زاویئے سے نظر رکھنے کا عادی ہے۔ اگر وہ فریدی ہی تھا تو پش فائر سے ہاتھ دھو رکھئے۔“

”ٹھہرو...... میں دیکھتا ہوں۔“ ڈاکٹر سلمان بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور باہر نکل گیا۔

حمید کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ تھی۔ لیکن یہ مسکراہٹ زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی کیونکہ دوسرے دروازے سے تاریہ اندر داخل ہوئی۔

”ڈاکٹر کہاں ہیں۔“ اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کہیں گئے ہیں۔“

”تم نے میری دعوت رد کردی تھی...... کیوں؟“ وہ مسکراتی ہوئی حمید کی طرف بڑھی اور حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔

"تم کھسک کیوں رہے ہو۔" وہ اس کے پاس صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "تم آخر اتنا بڑ[ے] کیوں ہو۔ کیا اب تک عورتوں سے دور ہی رہے ہو۔"

"نن...... نہیں تو...... وہ دیکھو بات دراصل یہ ہے کہ کوئی بات نہیں...... اور......!"

"کیا بات ہوئی۔"

"پتہ نہیں۔" حمید دوسری طرف کھسکتا ہوا بولا۔ "مجھے دراصل...... یعنی کہ......!"

"تم بالکل گدھے ہو۔" وہ حمید کا بازو پکڑ کر جھٹکا دیتی ہوئی بڑبڑائی۔ "بالکل گدھے...... کہ میں تمہیں کھا جاؤں گی۔ نہیں تمہیں میرے ساتھ شراب پینی پڑے گی۔"

حمید کو اس وقت سچ مچ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے آج سے پہلے کبھی کسی عورت کی شکل تک نہ دیکھی ہو۔

"وہ دراصل بات یہ ہے......!"

"دراصل بات صرف اتنی ہے کہ تم بالکل اُلو ہو۔" تاریہ نے قہقہہ لگایا۔

"اچھا پہلے اس کا فیصلہ کرلو کہ میں اُلو ہوں یا گدھا۔" حمید نے سنبھالا لیا۔

"اس کے بعد میں سوچوں گا کہ ہماری دوستی کیسی رہے گی۔"

"تمہیں پینی پڑے گی...... تم میری دعوت رد نہیں کر سکتے۔ آج تک کسی میں اتنی جرأت نہیں ہوئی۔"

"اُف فوہ......! اس معاملے میں تم میرے باپ سے بھی زیادہ تیز مزاج معلوم ہوتی ہو۔ ایک بار انہوں نے شراب پینے پر مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔"

تاریہ نے شاید سنا بھی نہ ہو کہ حمید نے کیا کہا تھا۔ کیونکہ وہ میز کی طرف جا کر دو گلاسوں میں شراب انڈیلنے لگی تھی۔

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے گھورتا رہا۔ زندگی میں پہلی بار کسی ایسی بے جھجک عورت سے سابقہ پڑا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا اب پینی ہی پڑے گی۔ مگر مصیبت تو یہ تھی کہ نشے میں اسے اپنے ذہن پر قابو پانا دشوار ہو جاتا تھا اور دماغ گرم ہو جانے کے بعد یہ بھی ممکن نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھ جائے۔ وہ شراب کا عادی نہیں تھا کبھی کبھار کسی چکر میں پڑ کر پی لیتا اور بات تھی ویسے اکثر فریدی کو چڑانے کے لئے بھی اُس نے پی تھی ورنہ یہ حقیقت تھی کہ وہ تمباکو کے

ادا ہر قسم کے نشے کو بُری نظروں سے دیکھتا تھا۔ تاریہ دونوں گلاس لئے ہوئے صوفے کی طرف پس آ گئی۔

"پیو...... تم نہیں جانتے کہ تم کتنے بڑے اعزاز کو ٹھکراتے رہے ہو۔ تاریہ کے ہاتھ سے جسے راب ملے اسے رام گڈھ میں خوش قسمت کہتے ہیں۔"

"مجھے رام گڈھ میں چغد کہتے ہیں۔ لاؤ......!" حمید نے ہاتھ بڑھا کر گلاس لے لیا۔

"میں نے پہلی نظر میں پہچان لیا تھا کہ تم وہی ہو۔" تاریہ مسکرا کر آہستہ سے بولی۔

"کون ہوں......!" حمید بوکھلا گیا۔

"وہی جس کا مجھے سالہا سال سے انتظار تھا۔" تاریہ نے آنکھیں بھینچ کر قربان ہو جانے والے انداز میں کہا اور اس کی طرف جھکنے لگی۔

"ٹھ...... ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔" حمید نے بے بسی میں ہاتھ ہلائے کیونکہ اب پیچھے کھسکنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔ وہ صوفے کے ہتھے سے ٹکا ہوا تھا۔

اچانک اسی وقت ڈاکٹر سلمان کمرے میں داخل ہوا۔ تاریہ پیچھے ہٹ آئی اور حمید کے ہاتھوں سے شراب کا گلاس پہلے ہی گر گیا تھا۔ ڈاکٹر سلمان نے انہیں گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ تاریہ کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔

"سہیل اب ہمیں واپس چلنا چاہئے۔" ڈاکٹر سلمان بولا اور حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"سہیل آج میرے مہمان رہیں گے۔" تاریہ غرائی۔ ڈاکٹر سلمان نے حمید کی طرف دیکھا۔ لیکن حمید کی آنکھیں پہلے ہی سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ ڈاکٹر سلمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی پرچھائیں نظر آئی اور اس نے کہا۔ "نہیں تاریہ...... آج رات ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں۔ میں مجبور ہوں۔ سہیل کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" تاریہ نے جھلاہٹ میں اپنا گلاس دیوار پر کھینچ مارا۔ شیشے کے ٹکڑے فرش پر گر کر جھنجھنائے۔

باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "پش فائر محفوظ ہے اور اب میں نے اسے ایک محفوظ مقام پر بھجوا دیا ہے۔"

"اوہ تب تو...... وہ ہرگز فریدی نہیں تھا اور اس طرح خنجر پھینکنا قطعی لایعنی تھا۔ میں فریدی

جیسے آدمی سے کسی لاحاصل حرکت کی توقع نہیں رکھتا...... مگر ڈاکٹر یہ تاریہ...... خدارا اب مجھے یہاں آنے پر مجبور نہ کیجئے گا۔"

تاریہ کے نام پر ڈاکٹر سلمان ہنسنے لگا۔ لیکن جواب میں کچھ بولا نہیں۔

سلمان کا دشمن

ڈاکٹر سلمان کار ڈرائیو کررہا تھا اور حمید اس کے قریب اگلی ہی سیٹ پر تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہے پھر ڈاکٹر سلمان بولا۔ "کیوں کیپٹن...... کیا تمہیں یقین ہے کہ فریدی زندہ ہے۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

"کیوں......! کیا اسے کوئی حادثہ پیش آیا۔"

"ڈاکٹر اب ان تکلفات کو چھوڑیئے...... مجھے الجھن ہوتی ہے۔ کیا آپ اس حادثے سے واقف نہیں ہیں۔"

"میں......!" ڈاکٹر سلمان نے حیرت سے کہا۔ "میں کیا جانوں۔"

"کیا آپ نہیں جانتے کہ میں تنظیم کے ہیڈ کوارٹر کی سیر کرچکا ہوں۔"

"کیا...... نہیں۔" اس کا لہجہ اب بھی تحیر زدہ تھا۔

"تب پھر آپ نے مجھ پر کیسے اعتماد کرلیا۔"

"طاقت کا حکم۔" ڈاکٹر سلمان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اس حکم کے آگے سر جھکا دینا ہی پڑتا ہے ورنہ مجھے تم پر اب بھی اعتماد نہیں ہے۔"

"کیا یہ طاقت حقیقتاً کوئی روح ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آخر اسے میرے ذہنی انقلاب کا کیسے علم ہوا۔"

"اسی لئے ہم سر جھکانے پر مجبور ہیں کیپٹن۔" ڈاکٹر بولا۔ "میں پندرہ سال سے تنظیم

کا ممبر ہوں۔ لیکن میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے کہ ہیڈ کوارٹر ہے کہاں۔"

"ویسے میرا خیال ہے کہ اس میٹنگ میں آپ کی حیثیت سب سے برتر تھی۔"

"قطعی...... کم از کم رام گڈھ کی پارٹی کو میں ہی کنٹرول کرتا ہوں۔"

"میں نے طاقت کا دربار بھی دیکھا ہے۔" حمید نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اب تم مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کررہے ہو۔" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں حقیقت بیان کررہا ہوں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو پاگل ہوجاتا۔ انہوں نے مجھے پکڑا...... کچھ دنوں تک زمین دوز دنیا میں رکھا پھر باہر نکال دیا۔"

"زمین دوز دنیا......!" ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

حمید چند لمحے خاموش رہا۔ پھر وہ واقعہ دہرانے لگا جو انہیں کچھ دنوں پہلے پیش آیا تھا۔ کس طرح تنظیم کا ایک آدمی انہیں پولیس کار میں لئے پھر رہا تھا۔ پھر کس طرح وہ انہیں ویران علاقے کی طرف لے گیا اور وہ حیرت انگیز سیٹی! نامعلوم آدمیوں سے مڈبھیڑ۔ فریدی کے کارنامے۔ پھر کس طرح فریدی اسے ایک دراڑ میں لے گیا اور اسے ایک جگہ چھوڑ کر خود باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے چلا گیا پھر کس طرح اچانک اس پر کئی آدمی ٹوٹ پڑے تھے...... اور ہوش آنے پر اس نے خود کو اس پراسرار زمین دوز دنیا میں پایا تھا۔

"اب......!" وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "ایسے حالات میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ فریدی بھی اب تک اسی زمین دوز دنیا کی سیر کررہا ہو...... اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے دوسری دنیا کا سفر اختیار کرنا پڑا ہو۔ میں نے اپنے دورانِ قیام میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس کا کیا حشر ہوا لیکن نہیں معلوم ہوسکا۔"

"ہاں......!" ڈاکٹر سلمان نے کھوئی کھوئی سی آواز میں کہا۔ "بعض اوقات طاقت کے کرشمے خواب کی باتیں معلوم ہوتے ہیں۔"

"مگر میں انہیں خواب نہیں سمجھتا۔" حمید بڑبڑایا۔ "میں نے سب کچھ بحالت بیداری دیکھا ہے۔ اس کا زندہ ثبوت میرا اگرانڈیل دوست قاسم ہے جس کے باپ نے ہم پر چھ لاکھ روپے خرد برد کرنے کا الزام لگایا ہے۔"

"کیا مطلب...... میں نہیں سمجھا۔"

"قاسم بھی وہاں تھا اور اس سے وہاں سادہ چیکوں پر دستخط لئے گئے تھے۔ سادہ چیک
چاہئے۔ کیونکہ ان پر رقومات درج ہوتی ہیں...... اور قاسم نے وہیں حساب لگا کر کہہ دیا تھا کہ اس
بینک بیلنس صاف ہو چکا ہے۔"

ڈاکٹر سلمان کچھ نہ بولا۔ حمید بڑبڑاتا رہا۔ "اگر فریدی زندہ ہے تو تنظیم یقیناً خطرے میں ہے۔ فریدی کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے ہمیشہ تنہا کرتا ہے۔ اس کے ذرائع لامحدود ہیں۔"

ڈاکٹر سلمان ہنسنے لگا۔ لیکن حمید نے اس سے اس طرح ہنسنے کی وجہ نہیں پوچھی۔

آخر ڈاکٹر خود ہی بولا۔ "خیال ہے تمہارا...... پچھلی باتوں کو بھول جاؤ۔ اس وقت ہم اتنے باشعور نہیں تھے۔ کنور شمشاد کا طریق کار گھٹیا تھا۔ موجودہ حکمران اس سے کہیں زیادہ دانش مند ہے پھر اب تنظیم بہت مستحکم ہو گئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

بارہ بج چکے تھے۔ رام گڈھ کی سڑکیں ویران ہو گئی تھیں۔ آج سردی بھی زیادہ تھی۔ دفعتاً ان کی کار کا عقبی حصہ کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس سے چمک اٹھا۔

حمید نے مڑ کر دیکھا ایک گاڑی کافی تیز رفتار سے ان کے پیچھے آ رہی تھی۔ انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان کی کار سے آگے نکلنا چاہتی ہو۔ ڈاکٹر سلمان نے کار ایک طرف کر لی لیکن رفتار میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

اچانک پچھلی کار سے دو فائر ہوئے۔ دو دھماکے اور وہ کار آگے نکل گئی۔ لیکن ڈاکٹر سلمان کی کار بیل گاڑی بن گئی تھی۔ پچھلے دونوں ٹائر برسٹ ہو چکے تھے۔

حمید نے پہلی بار ڈاکٹر سلمان جیسے مہذب آدمی کی زبان سے گندی گندی گالیاں سنیں۔ اس وقت غصے میں کوئی گھٹیا قسم کا لفنگا معلوم ہو رہا تھا یا کوئی ایسی بیوہ عورت جو پڑوسیوں کی چھیڑ چھاڑ سے تنگ آ گئی ہو۔

دوسری صبح کے اخبارات نے اس خبر کو بری طرح اچھالا۔ سرخی تھی۔

ڈاکٹر سلمان کا ستم ظریف دشمن

خبر تھی کہ کسی نے پچھلی رات ڈاکٹر سلمان کی دوسری کار کے پچھلے دونوں ٹائر پر فائر کر کے بیکار کر دیئے جب کہ وہ مادام تاریہ کی طرف سے دیئے گئے ڈنر سے واپس جا رہے تھے۔ خبر رساں ایجنسی نیو اسٹار کے رپورٹر نے انہیں بے بسی کے عالم میں ایک ویران سڑک پر دیکھا۔ رپورٹر جھنوار سے واپس آ رہا تھا۔ اس نے اپنی کار میں ڈاکٹر سلمان اور ان کے ساتھی کو ان کی کوٹھی تک پہنچایا۔

لیکن آج اخبارات کا رویہ اس سلسلے میں ہمدردانہ تھا۔ آج تقریباً سبھی نے ادارہ روابط عامہ کی خدمات کو سراہتے ہوئے ڈاکٹر کے نامعلوم دشمن پر بے پناہ بوچھاڑیں کی تھیں۔ لیکن اس کی دشمنی کی وجہ پر بھی کوئی روشنی نہیں ڈال سکا تھا۔ ویسے اس پر حیرت ضرور ظاہر کی گئی تھی کہ آخر نزلہ ڈاکٹر کی کاروں ہی پر کیوں گر رہا ہے۔

لیکن حقیقت سے صرف ڈاکٹر سلمان آگاہ تھا اور پچھلی رات کے حملے کا مقصد بھی آج ہی صبح ظاہر ہو گیا تھا۔ ادارہ روابط عامہ کا دفتر جب آج کھولا گیا تو لوگ متحیر رہ گئے کیونکہ انہیں کمرے کے وسط میں جلے ہوئے کاغذات کا ایک ڈھیر نظر آ رہا تھا۔ ساری الماریاں الٹ پلٹ ڈالی گئی تھیں۔ کوئی چیز اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ ڈاکٹر سلمان نے یہ سب کچھ دیکھا اور دم بخود رہ گیا۔

"کیا یہ تھریسیا......!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"میرے ساتھ آؤ کیپٹن۔" ڈاکٹر سلمان نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ وہ دونوں دفتر سے نکل کر عمارت کے رہائشی حصہ میں آئے۔ ڈاکٹر سلمان اسے لائبریری کی طرف لیتا چلا گیا۔ وہاں اس وقت بھی ساحرہ موجود تھی حمید نے اسے بے چینی کے عالم میں ٹہلتے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار تھے جیسے کوئی گمشدہ چیز تلاش کرتے وقت پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ انہیں دیکھ کر ٹھٹک گئی اور ڈاکٹر سلمان نے اسے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ ساحرہ ان دونوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالتی ہوئی باہر چلی گئی۔ حمید اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔

"اب تنظیم کو تمہاری صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں ہر طرح تیار ہوں۔"

"یہ تھریسیا بمبل بی۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "ان لوگوں کا وجود تنظیم کے لئے خطرناک ہے اُ
انہوں نے اپنی معلومات پولیس تک پہنچا دیں۔"

"پولیس کو الگ ہی رکھو۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "پولیس کو تو ہم نے بہت دنوں پہلے سے
کر رکھا ہے۔ یہ تھریسیا بمبل بی ممکن ہے ہمارے کام میں حارج ہو۔"

"تیور تو یہی کہتے ہیں ڈاکٹر...... مگر وہ آخر چاہتی کیا ہے۔"

"سیدھے سادھے الفاظ میں روپیہ۔" ڈاکٹر سلمان نے جواب دیا۔ "یا یوں بھی کہہ سکتے ہو ک
وہ ہمیں بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔"

حمید نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "تنظیم کو بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔ اس
جماعت کو جو ساری دنیا پر چھا جانے کا پروگرام بنا چکی ہے۔"

"نہیں...... دشمن کو حقیر سمجھنا نادانی ہے۔" ڈاکٹر سلمان تشویش کن لہجے میں بولا۔ "ہم نہیں
جانتے کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ یقیناً اس کے ذرائع قابل اطمینان ہوں گے۔ ورنہ وہ خود ہی
سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرتی۔"

"ان کے متعلق اس طرح گفتگو کر رہے ہیں جیسے آپ کو یقین ہو کہ وہ حقیقتاً تھریسیا ہی کا گر
ہے۔ میں تو فی الحال یقین کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"وہ جو کوئی بھی ہو...... اس سے بحث نہیں۔ لیکن جس انداز میں وہ سامنے آئے ہیں
تشویش ناک ہے۔ وہ کوئی بھی ہوں...... ان کا خاتمہ ہر صورت میں ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

اتنے میں ایک ملازم نے آ کر کسی کا کارڈ دیا اور ڈاکٹر سلمان یہ کہتا ہوا اٹھ گیا۔ "اس پر غور کرو۔"

حمید غور کرتا رہا۔ اسے سو فیصدی یقین تھا کہ تھریسیا والا اسکینڈل فریدی ہی نے کھڑا کیا ہے
ظاہر ہے کہ وہ مکھیاں تو مار نہ رہا ہوگا۔ مگر یہ طریق کار اس کی سمجھ میں نہ آ سکا۔ پھر وہ اس عورت
متعلق سوچنے لگا جو تھریسیا کا رول ادا کر رہی تھی۔ وہ کون ہو سکتی ہے...... ممکن ہے...... فریدی
بلیک فورس کی کوئی عورت ہو۔ بلیک فورس میں عورتیں بھی تھیں اور حمید کو اس کا علم تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ......!" وہ ساحرہ کی آواز سن کر چونک پڑا جو چپ چاپ آ کر اس
پشت پر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اوہو...... کیوں کیا بات ہے۔" حمید نے گھور کر پوچھا۔

"آپ تو خفا ہو گئے...... لیجئے...... چلی جاتی ہوں۔"

"نہیں ٹھہرو...... کیا بات ہے۔"

"بات تو ہے......" وہ سر جھکا کر سینڈل کی ٹو سے فرش پر ہلکی ہلکی ٹھوکریں لگاتی ہوئی بولی۔
"مگر کہیں آپ خفا نہ ہو جائیں...... بُرا نہ مان جائیں۔"

"تم بات بھی تو بتاؤ۔"

"نہیں پہلے آپ وعدہ کیجئے کہ بُرا نہ مانیں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"

ساحرہ نے اپنے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈالتے وقت ایک طویل سانس لی اور جب وہ
ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک خوبصورت سی انگشتری تھی۔

"یہ میں آپ کو دینا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا اور پھر کچھ اس انداز میں اس کے چہرے کی
طرف دیکھنے لگی جیسے اندازہ کرنا چاہتی ہو کہ اس نے بُرا تو نہیں مانا۔

"ہائیں......!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "اس میں بُرا ماننے کی کیا بات تھی۔"

"اوہ...... میں نے کہا شائد...... آپ پتہ نہیں کیا سمجھیں۔"

"کیا سمجھتا میں۔"

"اوہ...... وہ...... کچھ نہیں...... میں نے سوچا تھا...... کہیں آپ یہ نہ سمجھیں۔"

"کیا نہ سمجھوں۔"

"اونہہ! چھوڑیئے...... بہرحال آپ بُرا نہیں مانیں گے۔"

"نہیں اب مجھے اس مسئلے پر غور کرنا پڑے گا۔"

"کس مسئلے پر۔"

"اسی پر کہ مجھے بُرا ماننا چاہئے یا نہ ماننا چاہئے۔"

"اوہ......!" ساحرہ یک بیک اداس ہو گئی اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔

"اچھا آپ غور کر لیجئے۔"

پھر وہ جانے کیلئے مڑی ہی تھی کہ حمید نے کہا۔ "ٹھہرو...... ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔"

وہ رک گئی۔ لیکن اس کی پلکیں نیچے ہی جھکی رہیں۔

"ظاہر ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "تم یہ انگشتری مجھے اس لئے دے رہی ہو کہ میں ا[سے] استعمال کروں۔"

"جی ہاں......!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"لیکن اگر تمہارے بھائی نے اس پر اعتراض کیا تو۔"

"ارے...... وہ کیا جانیں۔" وہ ہاتھ ہلا کر بولی۔ "یہ تو میں نے کل ہی آپ کے لئے خرید[ی] تھی۔ میں دراصل...... میں کیا بتاؤں...... کل میرا دل چاہا تھا کہ آپ کیلئے اور بھی چیزیں خریدوں آپ کا یہ سویٹر اچھا نہیں ہے۔ میں نے ایک بڑا اچھا سویٹر دیکھا ہے۔ پھر میں نے سوچا ممکن ہے کہ آپ بُرا مانائیں۔ میں آپ کیلئے اپنی پسند کے جوتے بھی خریدنے جارہی تھی۔"

"اوہ...... میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

"تو آپ بُرا نہیں مانیں گے اگر میں یہ ساری چیزیں آپ کیلئے خریدوں۔"

"نہیں میں بُرا نہیں مانوں گا۔ لیکن فی الحال میرے لئے اور کچھ نہ خریدنا۔ یہ انگشتری بہت خوبصورت ہے۔"

"پسند ہے نا آپ کو۔" وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح خوش ہو کر بولی۔ "میں جانتی تھی کہ آپ ک[و] ضرور پسند آئے گی۔"

حمید نے انگشتری کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور جب اسے انگلی میں پہن رہا تھا ساحرہ دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔

حمید نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اس کے جسم پر ہلکی سی لرزش نظر آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہنس رہی ہو۔ حمید کو یک بیک غصہ آ گیا کہ وہ اسے اتنی دیر سے اُلو بنا رہی تھی۔ وہ جھپٹ کر اٹھا لیکن جیسے ہی اس کے سامنے پہنچا ششدر رہ گیا۔ وہ رو رہی تھی۔ موٹے موٹے آنسو اسکے رخساروں پر ڈھلک رہے تھے۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"یہ...... یہ کیا...... تت...... تم۔" حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں ہکلایا۔

"مجھے جانے دیجئے۔" وہ اسے ایک طرف دھکیلتے ہوئے لائبریری سے بھاگ گئی۔ حمید اپنا سر ہلاتا رہ گیا۔ یہ لڑکی نہ جانے کیا بلا تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے انگشتری پر نظر ڈالی جس پر ہیرے کا ایک بڑا سا نگینہ جگمگا رہا تھا۔ وہ یقیناً ایک بیش قیمت انگشتری تھی۔

حمید اسے کافی دیر تک...... الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے محسوس ہونے لگا جیسے وہ جگمگاتا ہوا پتھر بھی شفاف آنسو کا قطرہ ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ نیچے گرا دیا اور ساحرہ کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ڈاکٹر سلمان جیسے ماہر نفسیات نے اس کی ذہنی حالت سدھانے کی کوشش نہ کی ہوگی۔ پھر وہ ایسی کیوں ہے۔

حمید لائبریری ہی میں بیٹھا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر سلمان پھر وہاں آیا۔

"ارے...... تم ابھی تک یہیں ہو کیپٹن۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "میں تمہیں تمہارے کمروں میں دیکھ رہا تھا۔"

"ہاں...... الجھنیں...... آج کل مجھے سر پیر کا ہوش نہیں ہے۔"

"کوئی نئی الجھن۔" ڈاکٹر سلمان معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا۔"

"اوہ...... لیکن تم اس کے سلسلے میں کام کا آغاز کہاں سے کرو گے۔ ہمیں ان کے ٹھکانوں کا علم تو ہے نہیں۔"

"میں اسی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اندھیرے میں تیر مارنے سے کیا فائدہ۔"

"اندھیرے میں کیوں...... کیا تمہیں اب تک اجالا نظر نہیں آیا۔"

"فی الحال نہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی آدمی تاریہ کے لوگوں میں آ ملا ہے اور محض اسی کی وجہ سے وہ پچھلی رات وہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہوا تھا۔ ورنہ تاریہ کی کوٹھی تو ایسی نہیں جس سے کوئی اتنی آسانی سے گلوخلاصی حاصل کر لے۔"

"ہوسکتا ہے...... ممکن ہے میں نے وہاں خاصی بھیڑ دیکھی تھی۔ کیا وہ سب تاریہ کے جانے پہچانے آدمی ہیں۔"

"اسے معلوم کرنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں وہیں سے تفتیش کا آغاز کرنا چاہئے۔"

"وہیں سے۔" حمید بوکھلا گیا۔ "یعنی پھر تاریہ کی کوٹھی میں جانا پڑے گا۔"

"ڈرو نہیں۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "اسے ہینڈل کرنے کے دوسرے طریقے بھی ہیں۔"

حمید کچھ بولا نہیں۔ جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر سلمان تھوڑے توقف کے ساتھ پھر بولا۔ "تاریہ صنفی عجوبہ ہے۔ جنسی بے راہ روی کے بہتیرے رجحانات بیک وقت اس میں موجود ہیں۔ وہ نمفومینیک بھی ہے اور مساکٹ بھی ہے۔ اگر تم اسے نت نئی اذیتیں دے سکو تو وہ وحشیانہ پن کا مظاہرہ کرنا ترک کردے گی۔"

"اوہ.....!" حمید ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا..... اور سلمان بولا۔

"تمہیں بہرحال یہ کام کرنا ہے اور تاریہ سے محفوظ رہنا یہ خود تمہاری ذہانت پر منحصر ہے۔"

"آہا..... تب میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"خیر..... ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ پولیس تھریسیا کے پیچھے لگ گئی ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی شخصیت کا علم ہوگیا ہے۔ لیکن اب انہیں اسے ڈھونڈ نکالنے میں بہتیری دشواریاں نظر آرہی ہیں۔"

"اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ یہاں کی پولیس بالکل نکمی ہے۔ اگر اسے اس کا پتہ نہیں معلوم تو اسکی معلومات کا ذریعہ یقیناً عجیب ہوگا اور اگر یہ پتہ معلوم ہے تو دشواری کا نام بھی نہ لینا چاہئے۔"

"اسے کچھ ایسے کاغذات ملے ہیں جن سے ان لوگوں پر روشنی پڑتی ہے۔"

"کاغذات کہاں سے ملے ہیں؟"

"ٹھہرو میں بتاتا ہوں..... پوری بات بتائے بغیر میں تمہیں مطمئن نہیں کرسکوں گا۔ پولیس ایسے چار آدمیوں کی نگرانی کررہی ہے جن کے پاس کل تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی لیکن آج ان کے جسموں پر بہترین قسم کے سوٹ موجود ہیں۔ جہاں ان کا قیام تھا اس عمارت پر پولیس نے اچانک چھاپا مارا اور کئی ایسی چیزیں برآمد کرلیں جن کا رکھنا غیر قانونی ہے۔ ان چاروں کے بیان کے مطابق وہاں ایک ٹرانسمیٹر بھی تھا جو پولیس کے ہاتھ نہیں لگ سکا۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں ایک عورت تھی اور دو مرد جو دو دن سے وہاں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مردوں میں ایک نے انہیں ملازم رکھا تھا اور عمدہ قسم کے کپڑے اسی نے بنوادیئے تھے۔

"یہ چاروں ہیں کون۔" حمید نے پوچھا۔

"رام گڈھ کے چھٹے ہوئے بدمعاش۔"

"وہیں سے کاغذات بھی برآمد ہوئے تھے۔"

"ہاں.....!"

"ظاہر ہے کہ اب وہ تینوں وہاں آنے سے رہے۔"

"کون جانے۔" ڈاکٹر سلمان خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "یہ تھریسیا بمبل بی میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"ہاں..... آں..... لیکن میں دیکھوں گا آپ کا یہ خیال کسی حد تک صحیح بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی آدمی تاریہ کے لوگوں میں آملا ہے۔ ورنہ پچھلی رات وہ آدمی اتنی آسانی سے فرار نہ ہوسکتا۔ یقیناً اندر سے اس کی مدد کی گئی ہوگی۔"

ڈاکٹر سلمان خاموش رہا۔

اجنبی کی آمد

یہ دوسرا دن تھا اور تھریسیا بمبل بی کی طرف سے صرف تین دن کی مہلت دی گئی تھی۔ اس دوران میں پھر کوئی نیا واقعہ نہیں ہوا تھا۔ تاریہ اور اس کے آدمیوں میں کافی بے چینی پائی جاتی تھی یہ اور بات ہے کہ وہ اس کا اظہار نہ ہونے دیتے رہے ہوں۔

حمید اب بھی الجھن میں تھا اور قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ تھریسیا کی پشت پر فریدی ہی ہوگا۔ حالات ہی ایسے تھے۔

بہرحال وہ ڈاکٹر سلمان کی تجویز کے مطابق سہیل کی حیثیت میں تاریہ کے یہاں تنہا جا پہنچا۔ وہ اس وقت بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس کے جسم پر براؤن چمڑے کی جیکٹ اور خاکی گابرڈین کی

پتلون تھی اور ہاتھوں میں چمڑے کے دستانے۔ تاریہ اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

"میں جانتی تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔" اس نے ایک شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ کمرے میں دو آدمی پہلے سے موجود تھے۔ شاید وہ اس کے ملازموں ہی میں سے تھے کیونکہ اس کے اشارے پر وہ بڑے سعادت مندانہ انداز میں وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

"تم بیٹھتے کیوں نہیں۔" تاریہ پھر بولی۔

"ضروری نہیں ہے۔" حمید نے چڑچڑے آدمی کی طرح کہا۔

"کیا مطلب......!"

"تم بکواس بہت کرتی ہو اور مجھے یہ پسند نہیں ہے۔"

"ہائیں......!" تاریہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی۔ شاید اسے حمید سے اس لب ولہجے کی توقع نہیں تھی اور یہ حقیقت بھی تھی کہ بڑے بڑے اس کے سامنے آکر کانپنے لگتے تھے۔ حمید نے ابھی تک صرف ڈاکٹر سلمان ہی کو اس سے بے تکلفانہ انداز میں گفتگو کرتے دیکھا تھا اور وہ اس سے کچھ دبتی بھی تھی۔

"مجھے اس عمارت میں رہنے والوں کی لسٹ چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ کس سے گفتگو کر رہے ہو۔" تاریہ غضب ناک ہو کر بولی۔

"میں طاقت کا نمائندہ ہوں اور تم سے اس مکان میں رہنے والوں کی لسٹ طلب کر رہا ہوں۔ اس رات کی باتیں بھول جاؤ۔ میں صرف یہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے نرمی برت رہا تھا...... ورنہ میں بہت سخت آدمی ہوں۔"

"بکواس بند کرو۔" تاریہ حلق پھاڑ کر بولی۔

دفعتاً حمید کا داہنا ہاتھ پتلون کی جیب میں گیا اور جب باہر آیا تو اس میں چمڑے کا ایک چابک تھا۔

"شائیں......!" اس نے تاریہ کے بازو پر ایک چابک رسید کر دیا۔ تاریہ جہاں تھی وہیں رہ گئی۔ اس کا منہ پھیل گیا تھا اور داہنا ہاتھ چوٹ کھائے ہوئے بازو کو مسل رہا تھا۔

"میں تم سے لسٹ طلب کر رہا ہوں۔" حمید نے پھر دہرایا۔

لیکن تاریہ کچھ نہیں بولی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر کچھ اس

قسم کے آثار تھے جیسے اس چوٹ کو مسلنے میں بڑی لذت مل رہی ہو۔

"کیا تمہیں سنائی نہیں دیتا۔" حمید دھاڑا۔

"نہیں......!" تاریہ نے آہستہ سے سسکاری لی اور بڑے دلآویز انداز میں مسکرانے لگی۔ اس کی آنکھیں کچھ ایسی لگ رہی تھیں جیسے ابھی ابھی سو کر اٹھی ہو۔

حمید نے دوبارہ چابک گھمایا اور اس بار اس کی رانوں پر پڑا۔

"اوہ...... اُف......!" وہ ہولے ہولے کراہتی ہوئی صوفے پر گر پڑی۔ تیسرا چابک پھر پڑا...... اور وہ کراہی "بڑے ظالم ہو...... میں لسٹ نہیں دوں گی۔"

حمید کا ہاتھ پھر چل گیا۔

آخر تیرہ چابک کھا چکنے کے بعد وہ کراہتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ اب اس کے خدوخال پھیکے نظر آنے لگے تھے اور آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ انداز سے کسل مندی ظاہر ہو رہی تھی۔ جیسے بہت زیادہ محنت نے اسے تھکا دیا ہو۔

اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور آہستہ سے بولی۔

"سچ مچ تم بڑے بے درد ہو...... مگر...... مگر...... میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔"

"پھر تم نے بکواس شروع کر دی ہے۔"

"لسٹ کیوں چاہئے۔"

"کیا میں پھر چابک اٹھاؤں۔"

"نہیں...... اب بس...... حد ہوتی ہے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"میں تمہارے ایک ایک آدمی کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے شبہ ہے کہ یہاں تھریسیا کا بھی کوئی آدمی موجود ہے۔"

"نہیں...... یہ ناممکن ہے۔ سارے آدمی میرے جانے پہچانے ہوئے ہیں۔"

"تمہاری کھوپڑی میں مغز کی بجائے بھس بھرا ہوا ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تھریسیا میک اپ کی ماہر ہے۔ مگر تم کیا جانو...... پتہ نہیں تنظیم تک تمہاری رسائی کیسے ہو گئی۔"

"تم خواہ مخواہ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔" تاریہ پھر جھنجھلا گئی۔ "عمارت تمہارے سامنے ہے۔ سارے آدمی بھی موجود ہیں جا کر جھک مارو۔ کس کی مجال ہے کہ تاریہ کو دھوکا دے کر یہاں رہ سکے۔ میں

نے نہ جانے کیوں تمہیں اس وقت معاف کردیا ورنہ تمہاری ایک بوٹی کا بھی پتہ نہ چلتا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں انہیں چیک کرنے جارہا ہوں۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "لیکن اگر کسی نے دخل اندازی کی تو اس کی موت کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔"

"یہاں موت اور زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اب تم میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔"

حمید کمرے سے نکل گیا۔

کام جلدی ختم ہونے والا نہیں تھا۔ حمید کو کافی دیر لگی...... لیکن اس کے اندازے کے مطابق یہاں ایک آدمی بھی باہر کا ثابت نہ ہوسکا۔ وہ سب ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچانتے تھے اور حمید کو خیر اس کا سلیقہ تو تھا ہی کہ اصل اور مصنوعی چہروں میں تمیز کرسکتا۔ وہاں اسے کوئی بھی میک اپ میں نہ ملا۔

اسے اگر ایک طرف ناکامی ہوئی تھی تو دوسری طرف معلومات میں اضافہ بھی ہوا تھا۔ کیونکہ اسی دوران میں اسے اس عمارت کو دیکھنے کا بھی تو موقع مل گیا تھا۔ اس لئے وہ آج کی مہم کو ناکام نہیں قرار دے سکتا تھا۔

وہ پھر اسی کمرے میں واپس آ گیا جہاں تاریہ پر چابک برسائے تھے۔ تاریہ یہاں اب بھی موجود تھی لیکن اس تاریہ سے بالکل مختلف نظر آ رہی تھی جو کچھ دیر پہلے حمید کے ہاتھوں پٹ چکی تھی۔

اب اس کے خدوخال میں پھر وہی پہلا سا تیکھا پن آ گیا تھا۔ حمید کو دیکھ کر وہ کچھ اور زیادہ برافروختہ نظر آنے لگی۔

"تم نے کیا سمجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہاں سے زندہ واپس جاؤ گے۔"

تاریہ غرائی۔

"ہاں...... میں یہاں سے زندہ واپس جاؤں گا اور کل پھر تم مجھے یہاں دیکھو گی۔ جب ایک سڑا سا مجرم پش فائر کو بیکار کرکے یہاں سے واپس جاسکتا ہے تو پھر میں تو طاقت کا نمائندہ ہوں۔"

"طاقت......!" تاریہ منہ بگاڑ کر بولی۔ "جاؤ یہاں سے اب کبھی تمہاری شکل نہ دکھائی دے۔"

"یہ تو مجھ سے بہت ظلم ہوگا تاریہ ڈارلنگ......" حمید مسکرایا۔ "تم پہلی عورت ہو جس نے اتنے سکون کے ساتھ میرے ہاتھوں مار کھائی ہے۔ میں تمہیں کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

تاریہ کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آنے لگے پھر اس نے سنبھل کر کہا۔ "کیا بکواس ہے۔"

"اوہ تم...... میری افتادِ طبع سے واقف نہیں ہو۔ گداز جسم والی عورتوں پر چابک برسا کر مجھے سکون ملتا ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس لذت کو کن الفاظ میں بیان کرنا چاہئے۔ اب اسی وقت دل چاہ رہا تھا کہ تمہارا سارا جسم داغدار کردوں۔ اس وقت تک چابک برساتا رہوں جب تک کہ ...رنہ جاؤ۔ تاریہ ڈارلنگ۔"

"نہیں......!" تاریہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"یہ حقیقت ہے۔"

"خطرناک آدمی ہو۔" تاریہ مسکرائی۔ لیکن وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے اس کی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کررہی ہو۔

اتنے میں ایک نوکر نے آکر کسی کا وزیٹنگ کارڈ پیش کیا۔

"اوہ...... یہ...... اس وقت...... کیوں آیا ہے۔" تاریہ بڑبڑائی۔ پھر نوکر سے بولی۔ "بٹھاؤ۔"

"وہ کہہ رہے ہیں کہ آدھے منٹ کی دیر بھی خطرناک ثابت ہوگی۔"

"کیوں......؟" تاریہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ "اچھا اسے یہیں لاؤ۔"

نوکر چلا گیا...... تاریہ نے حمید سے کہا۔

"چلو...... ادھر قاعدے سے بیٹھ جاؤ۔ میں اپنے ملازموں کے سامنے بے تکلفی کی اجازت ...ہیں دوں گی۔"

"اوہ...... تم مطمئن رہو۔" حمید مسکرا کر ایک طرف بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں کسی تیسرے کی ...وجودگی میں تم پر کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔"

"تم گدھے ہو...... منہ بند رکھو۔"

دوسرے ہی لمحے میں کاریڈر سے قدموں کی آواز آنے لگی اور پھر ایک ادھیڑ عمر آدمی کمرے ...میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" تاریہ نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مادام...... کیا عرض کروں...... سب کچھ قطعی اچانک ہوا اور اب حالات میرے قابو سے باہر ہیں۔"

"اصلی واقعہ بیان کرو۔" تاریہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"جھلموار والے کارخانے کے مزدوروں نے ہڑتال کر دی ہے۔"

"کرنے دو...... وہ جھک مار رہے ہیں۔ جب ایک بار کہہ دیا گیا کہ ان کے مطالبات ہمدردی سے غور کیا جائے گا پھر وہ اتنی بے صبری کیوں ظاہر کر رہے ہیں۔"

"وہ کہتے ہیں کہ ہم مادام سے براہِ راست گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

"انہیں بکنے دو...... تم کیسے گدھے ہو کہ اتنی سی بات پر دوڑے چلے آئے۔ کیا تم انہیں کنٹرول نہیں کر سکتے۔"

"مادام مجھے افسوس ہے کہ نہ کر سکا۔" اس نے کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر شکایت آمیز لہجے میں بولا۔ "کیا آپ نے کبھی مزدوروں کو یہ محسوس ہونے دیا ہے کہ میں ان پر حاکم ہوں۔ ہر موقع پر آپ دخل اندازی کرتی رہی ہیں لہٰذا پہلے کی ہی طرح وہ آج بھی صرف آپ ہی سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی جرأت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ آپ کو جھلموار میں طلب کر رہے ہیں۔ دھمکی ہے کہ اگر آپ دو بجے تک جھلموار نہ پہنچیں تو وہ کم از کم ایک ہفتہ کی ہڑتال کریں گے اور آپ جانتی ہیں کہ آنے والا ہفتہ کاروبار کے لئے کتنا اہم ہوگا۔"

"یقیناً ہڑتال ہمارے لئے بُری ثابت ہوگی۔" تاریہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "اچھا میں چلوں گی۔"

آنے والا کچھ نہیں بولا۔ وہ ابھی تک بیٹھا بھی نہیں تھا۔ تاریہ نے سر کی جنبش سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور حمید سے بولی۔ "کیا تم میرے ساتھ جھلموار چل سکو گے۔"

"ضرور چلوں گا۔"

"تو پھر اب دیر نہ کیجئے مادام......!"

"اب اپنا منہ بند رکھو۔" تاریہ جھلا گئی۔

پھر حمید اور نووارد کو تقریباً پندرہ منٹ تک تاریہ کا انتظار کرنا پڑا۔ کیونکہ وہ لباس تبدیل کرنے کے لئے چلی گئی تھی۔

نووارد اپنی کار پر آیا تھا اور خود ہی ڈرائیو بھی کر رہا تھا۔ تاریہ کی کار پر صرف حمید اور تاریہ تھے۔ تاریہ نے اور کسی کو ساتھ نہیں لیا تھا...... حمید ہی اس کی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ تاریہ اس کے پاس اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

شہر سے نکل کر وہ جھلموار والی سڑک پر ہو لئے۔ اسی سڑک پر روحی کی کوٹھی بھی تھی۔ حمید قاسم ...علق سوچنے لگا تھا۔ کئی دنوں سے اسے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوا تھا۔ پھر قاسم سے اس کا ...ن ساحرہ کی طرف بھٹک گیا۔ آج کل وہ اس کے متعلق بہت سوچتا تھا۔ وہ عجیب ترین تھی۔ نہ یہی ...ہا جا سکتا تھا کہ وہ پاگل ہے اور نہ اسے صحیح الدماغ ہی سمجھا جا سکتا تھا۔

"او...... کیا تم گونگے ہو گئے ہو۔" تاریہ نے حمید کی بائیں ران میں چٹکی لی۔

"اوہ...... یہ کیا حرکت۔" حمید تلملا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا...... "میں بھیڑیئے کے دانت رکھتا ...ں...... ایسی حرکتیں نہ کرو کہ بعد میں سسک سسک کر مرنا پڑے۔ ابھی تم نے مجھے اذیت رسانی ...ے جنون میں مبتلا نہیں دیکھا۔ تمہارے جسم کا ایک ایک ریشہ الگ کر دوں گا۔"

تاریہ ہنس پڑی اور پھر آنکھیں بند کر کے اس طرح ہولے ہولے کراہنے لگی جیسے سچ مچ حمید ...ں کے جسم کی دھجیاں اڑا دینے پر تل گیا ہو۔

حمید کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھے اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ نووارد کی کار آگے ...ھی وہ تاریہ کے ایک کارخانے کا منیجر تھا...... تاریہ سے حمید کو یہی معلوم ہوا تھا۔

تاریہ کچھ دیر تک اسی انداز میں کراہتی رہی۔ پھر بولی۔

"تم...... وہیں سلمان کے ساتھ رہتے ہو۔"

"ہاں...... میں سلمان کے ساتھ رہتا ہوں۔"

"وہ تمہارے چچا کا لڑکا ہے۔"

"نہیں...... میں اس کے چچا کا لڑکا ہوں۔"

"کیا تم اپنی کزن ساحرہ کو پسند کرتے ہو۔ وہ بہت خوبصورت لڑکی ہے۔"

"میں اسے بالکل پسند نہیں کرتا، حالانکہ وہ تمہارے خیال کے مطابق بہت حسین ہے۔"

"کیوں نہیں پسند کرتے...... اس سے تو تمہاری شادی بھی ہو سکتی ہے۔"

"صرف یہی تو نہیں ہو سکتی اور سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"کیوں شادی کیوں نہیں ہو سکتی؟"

"دماغ مت چاٹو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "ہمارے خاندان میں شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔ کیوں کہ ہمارے یہاں لڑکیاں عموماً ساحرہ کی طرح کریک ہوتی ہیں۔ کہیں باہر سے لڑکی لاؤ تو وہ

بھی کریک ہوجاتی ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ دنیا کی ہر عورت بنیادی طور پر بیوی کریک ہوتی ہے۔"

تاریہ ہنسنے لگی۔

"تم ہنس رہی ہو۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔ "میرے خاندان کی ایک بہت بڑی ٹریجڈی پر ہنس رہی ہو۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

"ٹریجڈی......!" تاریہ نے حیرت سے کہا۔ "میں نہیں سمجھی۔"

"کیا کرو گی سمجھ کر۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میری ماں کی وجہ سے میرے باپ نے خودکشی کرلی تھی۔"

"اوہ......کیوں......؟" تاریہ یک بیک چونک پڑی۔

"میری ماں کریک تھی۔ جاہل تھی۔ اپنے دستخط تک نہیں کرسکتی تھی لیکن میرے باپ کو احمق سمجھتی تھی۔ سمجھتی نہیں تھی بلکہ علانیہ بے وقوف کہتی تھی اور میرا باپ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھا۔ اس کے پاس درجنوں سرٹیفکیٹ اور درجنوں ڈگریاں تھیں۔ لیکن میری جاہل ماں اسے علانیہ بے وقوف کہتی تھی۔ اسے میرے باپ کی ہر بات میں عیب نظر آتے تھے۔ آخر ایک دن اس مظلوم نے سارے سرٹیفکیٹ اور ساری ڈگریاں اپنے سینے پر باندھیں اور کنویں میں چھلانگ لگادی۔"

"نہیں......!" تاریہ حیرت سے بولی۔

"ہاں......تمہیں کیوں یقین آنے لگا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے شوہر نے بھی خودکشی ہی کی ہو۔"

"بکواس مت کرو......تم بالکل گدھے ہو......شٹ اپ۔"

دفعتاً تاریہ کے منیجر نے کی کار رک گئی اور وہ انہیں بھی رکنے کا اشارہ کرتا ہوا اپنی گاڑی کے پچھلے حصے کی طرف آیا اور جیب سے کنجی نکال کر ڈکے کا قفل کھولنے لگا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"پٹرول ختم ہوگیا جناب......لیکن میرے پاس کئی گیلن پٹرول موجود ہے۔" اس نے جواب دیا۔ پھر جھنجھلائے ہوئے انداز میں بڑبڑایا۔ "کیا ہوگیا ہے کم بخت قفل کو۔"

دو منٹ گزر گئے لیکن قفل نہ کھلا۔

"کیا کر رہے ہو تم۔" تاریہ نے غصیلی آواز میں اُسے مخاطب کیا۔

وہ سیدھا کھڑا ہو کر خجالت آمیز انداز میں اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "نہ جانے کنجی کیوں نہیں لگ رہی ہے مادام۔"

"تم بھی یار بیوی کے شکار معلوم ہوتے ہو۔" حمید نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔ "لاؤ...... میں دیکھوں۔"

وہ اس کی کار کے قریب آیا اس سے کنجی لی اور قفل کھولنے کے لئے جھک پڑا۔ لیکن دوسرے لمحے میں اچھل کر الگ ہٹ جانا پڑا کیونکہ تاریہ کے منیجر نے اس کی پتلون کے جیب میں ہاتھ ڈال کر اس کا ریوالور نکال لیا تھا۔

"یہ کیا حرکت۔" حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

"آپ اس کی فکر نہ کیجئے جناب...... براہ کرم قفل کھولئے۔ میں آپ کو اسی ڈکے میں بند کر کے آرام سے چلوں گا۔"

"اچھا......!" حمید جھلا کر تاریہ کی طرف مڑا۔ وہ بھی کار سے اتر آئی تھی۔

اس نے اس سے کہا۔ "کیوں......تاریہ کیا تم ملکہ کائنات سے ٹکرانے کی جرأت کرسکو گی۔"

"ہرگز نہیں......!" تاریہ جلدی سے بولی۔ "میں نہیں جانتی کیا معاملہ ہے۔"

"ہاں تم نہ جانتی ہوگی۔" پھر اس کے منیجر نے کہا۔ "لیکن یہ ممکن ہے کہ میں تم دونوں کی جان نہیں چھوڑ جاؤں......اے دوست......اگر تم نے ذرہ برابر بھی چالاک بننے کی کوشش کی تو اپنی کھوپڑی کے سوراخ کے ذمہ دار خود ہوگے۔"

حمید اسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا۔ منیجر بولا۔ "بہتر تو یہی ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو ورنہ ہوسکتا ہے کہ ٹریگر دب ہی جائے۔"

حمید نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"میں تم سے نہیں کہوں گا۔" منیجر تاریہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"آخر اس نمک حرامی کی وجہ۔" تاریہ پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

"صرف اس لئے کہ تم کل سات لاکھ ادا کرنا نہ بھولو۔"

"کیا مطلب......اوہ تم بھی......ان دغابازوں سے مل گئے ہو۔"

"کون میں۔" منیجر نے حیرت سے کہا۔ پھر ہنس کر بولا۔ "نہیں......تاریہ تم اس غلط فہمی میں

نہ پڑو کہ میں تمہارا کوئی نمک خوار ہوں۔ تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا کا وہی ادنیٰ خادم ہے تمہار
ایک آدمی نے کوئلے کے مجسمے میں تبدیل کر دیا تھا۔''

''اوہو......!'' تاریہ کا منہ پھیل گیا اور پھر وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

''میں اس وقت تم پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ تم کسی صورت سے بھی بچ نہیں سکتیں تمہیں ہر حال میں کل چھ بجے شام تک سات لاکھ ادا کرنے پڑیں گے۔ کیش اور اصلی کرنسی میں۔''

''تم سات اکنیاں بھی نہ پا سکو گے۔'' حمید نے اسے للکارا۔

''تھریسیا کے خادم کیلئے یہ بالکل نئی بات ہوگی۔ اگر وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ نہ پہنائے'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر تاریہ سے بولا۔ ''عدم ادائیگی کی صورت میں تم چھ بج کر پانچ منٹ زندہ نہیں رہو گی۔ اور یہ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ تم ہر وقت اور ہر جگہ میرے رحم و کرم پر ہو۔''

تاریہ کچھ نہ بولی۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔

''تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو۔'' حمید نے تشویش کن لہجے میں پوچھا۔

''ہم بھی اطمینان اور آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''تم فراڈ کر کے کروڑوں روپے سالانہ کماتے ہو۔''

''پھر......؟'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''ظاہر ہے کہ اس میں ہمارا حصہ بھی ہونا چاہئے۔'' اس نے لاپرواہی سے کہا۔

''ایک کوڑی بھی نہیں ملے گی۔''

''اچھی بات ہے تو میں دونوں کو یہیں ختم کئے دیتا ہوں۔'' تھریسیا کا ساتھی غرایا۔

''ٹھہرو......!'' تاریہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''میں اس پر غور کر رہی ہوں۔''

''کب تک غور کرتی رہو گی۔''

''تم کل چھ بجے تک کی مہلت دے چکے ہو۔''

''ہاں...... میں اپنے قول سے پھروں گا نہیں۔ چھ بج کر پانچ منٹ نہ ہو جائیں۔ ٹھیک بجے پوری رقم لے کر بھوری پہاڑیوں کے قریب پہنچو۔ مگر تمہیں تنہا ہونا چاہئے۔ تم تنہا آؤ گی۔ اصلی ہو۔ اگر ایک نوٹ بھی جعلی نکلا تو بربادی کر دی جائے گی...... سمجھیں۔''

''تم پاگل ہوگئی ہو...... تاریہ۔'' حمید بولا۔ ''اگر ان لوگوں نے ایک بار بھی تم سے کو

ل کر لی تو تمہیں ساری زندگی سر پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑے گا۔''

وہ شائد ابھی کچھ اور کہتا لیکن اچانک تھریسیا کے ساتھی نے اس پر فائر کر دیا اور تاریہ کی چیخ ے میں دور تک پھیلتی چلی گئی۔

دوہری چوٹ

حمید زمین پر چت پڑا تھا اور تاریہ کی چیخ کسی ریلوے انجن کی سیٹی کی طرح اس کے کانوں ں گونج رہی تھی۔ اس کی فلٹ ہیٹ کئی گز کے فاصلے پر پڑی شاید اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ حمید نے ی پیشانی ٹٹولی لیکن اسے سوراخ نہیں محسوس ہوا۔ البتہ پتھریلی زمین پر گرنے کی وجہ سے اس کا مغز ا ہوا سا معلوم ہو رہا تھا۔ گولی غالباً فلٹ ہیٹ کے اوپری حصے پر پڑی تھی۔

تاریہ اس کی طرف جھپٹی۔ لیکن تھریسیا کے ساتھی نے اسے ڈانٹ دیا۔

''ٹھہرو......!''

تاریہ رک گئی۔ حمید چپ چاپ پڑا رہا۔ اسے یقین تھا کہ فلٹ ہیٹ والا خطرناک مذاق ساری دنیا میں فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس نے چپ چاپ آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں کھلی رکھنے کی صورت میں کچھ نہ کچھ اظہار شجاعت کرنا ہی پڑتا اور پھر ویسے بھی اسے تاریہ یا اس نامعقول تنظیم سے دلچسپی ہی کیا ہو سکتی تھی۔

''تم...... ابھی فیصلہ کرو۔'' تھریسیا کے ساتھی نے گرج کر کہا۔ ''ہاں یا نہیں۔ سات لاکھ پہنچ جائیں گے بھوری پہاڑیوں کے قریب۔''

''ہاں......!'' تاریہ کے حلق سے پھٹی پھٹی سی آواز نکلی۔

''تم تنہا آؤ گی۔''

''ہاں......!''

"اگر اس میں فرق پڑا تو......!"

"نہیں پڑے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ تم خوب سمجھتی ہو کہ میں ہر جگہ تمہیں نہایت آسانی سے مار ڈالوں گا۔ آج تک دنیا کی کوئی چیز الفانسے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنی۔"

وہ ریوالور کا رخ تاریہ کی طرف کئے ہوئے اپنی کار میں جا بیٹھا اور دوسرے ہی لمحے میں کار فراٹے بھرنے لگی۔ ویسے وہ جاتے وقت حمید کا ریوالور تاریہ کی طرف اچھال گیا تھا اور وہ ایک طرف نہ ہٹ جاتی تو وہ اس کے چہرے ہی پر پڑا ہوتا۔

تاریہ حمید کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جواب بھی اسی طرح آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ وہ زخمی نہیں ہوا ہے تاریہ نے ایک طویل سانس لی...... اطمینان کی سانس۔

اور پھر اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ اگر یہ تدبیریں کچھ دیر اور جاری رہیں تو اسے ساری زندگی سر پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑے گا...... اور وہ اپنی پہلی فرصت میں ہوش میں آیا۔

"تم بڑے کمزور دل کے نکلے......!" تاریہ ہانپتی ہوئی مسکرائی۔

"اوہ......!" حمید اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر سر کا پچھلا حصہ سہلاتا ہوا بولا۔

"میری پھرتی کی داد نہ دوگی کہ میں کس صفائی سے بچ گیا۔ اس نے سر کا نشانہ لیا تھا۔"

"تاریہ نے اٹھ کر اسکی فلٹ ہیٹ اٹھائی جس کے اوپری حصے میں ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔

"یہ تمہاری فلٹ ہیٹ بہت وزنی ہے۔" تاریہ نے اسے ہاتھ میں تولتے ہوئے کہا۔ "اگر وزنی نہ ہوتی۔" حمید نے جواب دیا۔ "تو یہ سوراخ یہاں ہوتا۔"

اس نے اپنے سر پر انگلی سے اشارہ کیا۔

"بلٹ پروف......!"

"ہاں ایک بلٹ پروف کور اس کے استر کے نیچے موجود ہے۔"

"تم بہت چالاک ہو...... چلو...... وہ اپنا ریوالور اٹھاؤ...... اس سے عجیب آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا...... اوہ...... وہ کتنا دلیر اور بے باک ہے۔"

"تم تنظیم کے ایک دشمن کی شان میں قصیدہ خوانی کر رہی ہو۔" حمید برا سا منہ بنا کر بولا۔

"یہ میرا نجی معاملہ ہے۔"

"کیا تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں قطعی ہوش میں ہوں۔" تاریہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "تنظیم کے لئے میری خدمات وقف ہیں...... لیکن......!"

"لیکن کیا......!"

"کچھ نہیں۔" تاریہ غصیلے انداز میں بولی۔ "تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"اچھی بات ہے...... میں تمہیں دیکھ لوں گا" حمید نے زمین سے اپنا ریوالور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میں تاریہ ہوں سمجھے۔"

"میں سہیل ہوں...... جس سے ڈاکٹر سلمان تک کانپتا ہے۔"

"تم دونوں گدھے ہو۔"

حمید نے جواب میں اس کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا اور وہ بھی بھوکی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹ پڑی۔ حمید نے دوسرا ہاتھ رسید کیا اور تاریہ نے اس کا داہنا شانہ منہ میں بھر لیا۔ حمید کو اس کے دانت گوشت میں اترتے محسوس ہوئے اور اس نے اس کی ہنسلی کی ہڈی میں اپنی چار انگلیاں ڈال کر اتنی قوت صرف کر دی کہ تاریہ کو چیختے ہوئے اس کا شانہ چھوڑ دینا پڑا۔

دوسرے ہی لمحے میں حمید اچھل کر پیچھے ہٹ چکا تھا۔

"شائیں......!" چمڑے کا چابک خلاء میں چکرایا۔ تاریہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ "میں یہیں تمہاری کھال گرا دوں گا۔"

تاریہ کار کی طرف بھاگی۔ حمید پیچھے سے شڑاپ...... شڑاپ...... چابک برساتا رہا۔

کار کے قریب پہنچ کر وہ گرتے گرتے بچی۔ اب وہ پھر کسی مظلوم کی طرح چیخنے کراہنے لگی تھی۔ لیکن شاید وہ اس فکر میں تھی کہ حمید کو یہیں چھوڑ کر نکل جائے۔

"تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" حمید نے اس کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

وہ چیخ کر اس پر آ رہی۔ "نہیں...... نہیں۔" وہ کراہی۔ حمید نے اس کے منہ میں انگلیاں

ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”کانوں تک پھاڑ دوں گا۔ تمہاری باچھیں۔“

”میں...... ہار گئی...... اُف...... چھوڑ دو...... خدا کے لئے۔“

حمید نے بڑی بے دردی سے اسے کار پر دھکیل دیا۔

”تم بڑے ظالم ہو۔“ وہ اپنا منہ دبا کر زمین پر بیٹھ گئی۔ شاید زبان دانتوں کے درمیان آ کر کٹ گئی تھی۔

پھر وہ تقریباً دو منٹ تک خون تھوکتی رہی۔ اس کی زبان سچ مچ زخمی ہو گئی تھی۔

لیکن نہ جانے کیوں حمید کے دل میں اس کے لئے رحم کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ طاقت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی چیونٹی کو بھی وہ مسلے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ یہاں تو اسے اچھا خاصا بہانہ ہاتھ آیا تھا۔ تاریہ کے لئے ایذا رسانی کی تجویز خود ڈاکٹر سلمان ہی نے پیش کی تھی۔ اگر تاریہ فی الحقیقت مساکٹ تھی تو ساری دنیا میں اس سے بہتر کلاسیکل مثال ملنی دشوار تھی۔

حمید نے اسے کھینچ کھانچ کر کار میں بٹھایا اور خود ڈرائیو کرنے لگا۔ اب وہ پھر رام گڈھ کی طرف واپس جا رہے تھے۔

”اب میں کبھی تمہاری زبان سے الفانسے کی تعریف نہ سنوں۔“ اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

تاریہ کچھ نہ بولی۔ اب وہ اس انداز میں مزے لے لے کر ہولے ہولے کراہ رہی تھی جیسے کوئی اس کا بدن دبا رہا ہو۔ پھر دفعتاً وہ خاموش ہو کر اس طرح کانپنے لگی جیسے سردی لگ رہی ہو۔ حمید کچھ بولے بغیر اسٹیئر کرتا رہا۔

پھر وہ اس طرح ساکت ہو گئی جیسے مر رہی ہو۔ حمید نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

وہ اسے مزید چھیڑے بغیر ڈرائیو کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد تاریہ خراٹے لینے لگی۔ اسے گہری نیند آ رہی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے سو رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی نے اس سے کسی قسم کا رابطہ کیوں نہیں قائم کیا۔ حمید کے پاس اس کے لئے بہتیری اطلاعات تھیں مگر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے لئے اہم ہی ہوتیں۔

فریدی کی دنیا ہی الگ تھی۔ اس کے لئے اہم ترین باتیں بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی تھیں اور اکثر غیر اہم قسم کی باتیں اس کے لئے نشان منزل بن جاتی تھیں۔ بہر حال یہ فریدی کا معاملہ تھا۔ اور

فریدی کے معاملات میں کسی کی بھی دخل اندازی اس کے لئے باعث شرمندگی ہی ہوتی تھی...... وہ اپنی مرضی کا مالک تھا۔ جو کچھ بھی چاہتا کر گزرتا۔ کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی اور حمید فریدی کے متعلق سوچتا رہا۔ تاریہ اب بھی خراٹے لے رہی تھی۔

اس کے ذہن نے فریدی سے تاریہ اور تاریہ سے ساحرہ پر جست لگائی۔ آخر ڈاکٹر سلمان ساحرہ کی خبر کیوں نہیں لیتا۔ وہ ایک ماہر نفسیات ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے قدرتی طور پر نفسیاتی کیسوں سے دلچسپی ہونی چاہئے۔ تجربات میں بھی اضافہ کرنے کے لئے ساحرہ کا کیس اپنی مثال آپ ہے۔ مگر نہ جانے کیوں ڈاکٹر سلمان کو اس کی قطعی پرواہ نہیں تھی۔

رام گڈھ پہنچ کر حمید نے کار کا رخ تاریہ کی کوٹھی کی سمت کر دیا۔ وہ اب بھی سو رہی تھی۔ گہری نیند...... بالکل اسی بچے کی طرح جو روتے روتے نڈھال ہو کر سو گیا ہو...... اس وقت اس کے چہرے پر بڑی معصومیت تھی۔ خدوخال کا تیکھا پن نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ سخت گیر طبیعت کی غماز پیشانی کی سلوٹیں بھی معدوم ہو گئی تھیں اور حمید بار بار اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہی حمید نے اسے جھنجھوڑا...... اور وہ بوکھلا کر جاگ پڑی۔

”کیا ہے...... کیا ہوا؟“

حمید نے کار روک کر پورچ کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہ......!“ وہ جماہی لے کر مسکرائی۔ ”میں سو گئی تھی۔“

پھر چاروں طرف دیکھتی ہوئی کار سے اتر گئی اور حمید سے بولی۔ ”اب تم کہاں جاؤ گے۔“

”فی الحال تم سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔“ حمید نے جواب دیا۔

”اوہ......!“ وہ پیشانی پر بل ڈال کر رہ گئی۔ چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ ”تم خود کو کیا سمجھتے ہو۔“

”تمہارا مالک......!“

”تم گدھے ہو۔“

”اسی لفظ پر کچھ پہلے......!“

پھر حمید چپ چاپ کار سے اُترا۔ چند لمحے تک تاریہ کو گھورتا رہا پھر عجیب انداز میں شانوں کو جنبش دے کر پھاٹک کی طرف مڑ گیا۔

پھاٹک سے نکل کر کچھ دور چلنے کے بعد ایک ٹیکسی مل گئی اور ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ساحرہ شام کی چائے کے لئے اس کی منتظر ہوگی۔ ساحرہ کی موجودگی میں وہ بھول جاتا تھا کہ ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی میں اس کے قیام کا مقصد کیا ہے...... وہ اسے اپنی معصوم مگر پراسرار گفتگو میں الجھا لیتی...... لیکن کبھی کبھی اسے ایسا بھی محسوس ہونے لگتا جیسے ساحرہ اسے بے وقوف بنا رہی ہو۔ وہ ڈاکٹر سلمان سے کبھی ساحرہ کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ممکن ہے ڈاکٹر سلمان ان دونوں کا مل بیٹھنا پسند نہ کرے۔

کوٹھی پہنچ کر جیسے ہی اس نے اپنے کمرے میں قدم رکھا اسے دوبارہ باہر نکل آنا پڑا۔ شاید وہ کسی دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ لیکن کاریڈر میں کھڑے ہو کر چند لمحے غور کرنے کے بعد اسے یہ خیال ترک کر دینا پڑا کہ اس سے غلطی ہوئی تھی۔ کمرہ سو فیصدی وہی تھا جس میں اس کا قیام تھا۔ مگر اس کی ہیئت کیسے بدل گئی تھی۔ آج صبح تک نہ تو اس کی دیواروں پر فریم میں لگی ہوئی تصویریں تھیں اور نہ کتابوں کی وہ شلف جو نیچے سے اوپر تک بہترین قسم کی گٹ اپ والی کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔ پہلے وہاں کوئی الماری بھی نہیں تھی۔ بہرحال وہاں اسے بہتیری ایسی تبدیلیاں نظر آئیں جو اس کے لئے حیرت انگیز تھیں۔ وہ پھر کمرے میں گھسا اور ساتھ ہی اسے ساحرہ کا قہقہہ سنائی دیا۔ وہ چونک کر مڑا۔ ساحرہ سامنے والے کمرے کے دروازے سے سر نکالے ہنس رہی تھی۔

"کیوں......!" اس نے پوچھا۔ "کیا یہ سب کچھ آپ کو ناپسند ہے۔"

"ہوں......تو یہ تم ہو۔"

"نہیں بتائیے...... کیا اب آپ کو یہ کمرہ بُرا لگ رہا ہے۔"

"تم نے ڈاکٹر سے پوچھ کر یہ ساری تبدیلیاں کی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں تو......!"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے بھی ان آدمیوں کی طرح نکلواؤ گی جو تمہاری آنکھوں ہونٹوں اور زلفوں کی باتیں کیا کرتے تھے۔"

ساحرہ پہلے تو ہنسی لیکن...... پھر یک بیک سنجیدہ ہوگئی اس کے چہرے سے ایک غم آلود سی کسلمندی کا اظہار ہونے لگا اور آنکھیں کسی خوفزدہ خرگوش کی آنکھوں سے مشابہ نظر آنے لگی تھیں۔ پھر اس کے ہونٹوں میں ایک ہلکی سی کپکپاہٹ دکھائی دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا

چاہتی ہو۔

"کیوں......!" حمید آہستہ سے بولا۔ "کیا تم ڈر گئی ہو۔"

"جی......!" وہ چونک پڑی۔

"کیا تم ڈر گئی ہو۔"

"کس سے ڈروں گی۔" اس نے اس انداز میں پوچھا جیسے اس موضوع پر پہلے کوئی گفتگو ہی نہ ہوئی ہو۔

"ڈاکٹر سے۔"

"میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم نے اس کمرے کی ہیئت کیوں بدل ڈالی۔"

"کیا آپ کو پسند نہیں ہے۔" اس نے مایوسانہ انداز میں پوچھا۔

"بہت پسند ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"اوہ...... کیا آپ نے...... آپ نے ابھی چائے نہ پی ہوگی۔"

"ہاں...... ابھی نہیں پی...... ڈاکٹر کہاں ہیں۔"

"پتہ نہیں...... وہ صبح سے نہیں ہیں۔"

"اوہ...... اچھا......!"

دفعتاً حمید نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ کیونکہ آج وہ اپنے چہرے کی مرمت کئے بغیر ہی کوٹھی میں داخل ہوگیا تھا۔ یعنی اب بھی میک اپ میں تھا۔ اس کی دانست میں ساحرہ اس کی دوسری شخصیت سے ناواقف تھی۔ لیکن یہ محسوس کر کے اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ساحرہ نے اس پر حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے تھے۔ یا تو ڈاکٹر سلمان اسے سب کچھ بتاتا رہتا تھا یا پھر وہ خود ہی اتنی چالاک تھی کہ حمید کو میک اپ میں بھی پہچان سکتی تھی۔ دونوں ہی صورتیں غیر معمولی تھیں۔ حمید اسے غور سے دیکھتا رہا۔

"اوہ...... میں چائے کے لئے کہہ دوں۔" ساحرہ نے کہا اور دوسری طرف مڑ گئی۔

"ٹھہرو......!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

وہ رک گئی اور حمید چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم نے مجھے کیسے پہچان لیا۔"

ساحرہ ہنسنے لگی۔ لیکن جلد ہی سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ "یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"یعنی......!"

"ارے بھائی جان کا کام ہی یہی ہے۔ لوگوں کے دشمنوں کا پتہ لگانے کے سلسلے میں انہیں بھیس بھی بدلنا پڑتا ہے۔ میں نے آپ کو پرسوں رات بھی اسی بھیس میں دیکھا تھا۔ جب آپ بھائی جان کے ساتھ کہیں جارہے تھے۔ مگر آپ اس بھیس میں بھائی جان کے چھوٹے بھائی معلوم ہوتے ہیں۔"

بڑی موٹی سی بات تھی۔ حمید کو اس سلسلے میں متحیر نہ ہونا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے کہ ادارہ روابط عامہ کا کام ہی سراغ رسانی تھا۔ حمید پھر خیالات میں کھو گیا اور ساحرہ چلی گئی۔ پھر وہ اپنے کمرے میں جانے ہی والا تھا کہ کاریڈر کے سرے پر ڈاکٹر سلمان دکھائی دیا۔ جو بڑی تیزی سے اس کی طرف آرہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر اس نے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔

"تم کہاں سے آرہے ہو کیپٹن......!" اس نے پوچھا۔

"تاریہ کے ساتھ میں نے آج ایک دلچسپ دن گزارا ہے۔ جس میں فلٹ کا یہ سوراخ بھی شامل ہے۔" حمید نے فلٹ ہیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے علم ہے۔" ڈاکٹر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "میں تو یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تاریہ کو تم نے کہاں چھوڑا تھا۔"

"اس کی کوٹھی کے پاس باغ میں۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "کیا وہاں اس کی لاش پائی گئی تھی۔"

"اوہ......نہیں۔" ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے سر کو جنبش دی۔

"پھر کیا بات ہے۔"

"وہ لٹ گئی۔"

"کیا مطلب......!"

"ابھی اس کا فون آیا تھا۔ کوئی اس کی تجوری صاف کر لے گیا۔ اسی دوران میں جب وہ تمہارے ساتھ جھلموار کا سفر کر رہی تھی۔ تجوری سے اس کے انتہائی بیش قیمت جواہرات غائب ہیں اور ان کی جگہ ایک پرچہ ملا ہے جس پر تحریر تھا (جواہرات بطور ضمانت لے جائے جارہے ہیں۔ سات

لاکھ کی وصول یابی پر واپس کر دیئے جائیں گے۔ جواہرات کی قیمت کا اندازہ پندرہ لاکھ سے بھی زائد ہے) تاریہ کو یہ تجوری کھلی ہوئی ملی تھی اور سب سے زیادہ حیرت انگیز بیان اس کی ملازمہ کا بیان ہے۔ وہ کہتی ہے کہ خود تاریہ نے بیس منٹ قبل اسی کے سامنے تجوری کھولی تھی۔"

"اوہ......!" حمید متحیرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی دوسری عورت تاریہ کی شکل میں ملازموں کو دھوکہ دے گئی۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان آہستہ سے بولا۔

تاریہ اور دھماکہ

دوسرے دن شام کو حمید اور ڈاکٹر سلمان بھوری پہاڑیوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ حمید نے ڈاکٹر سلمان کو یقین دلایا تھا کہ تاریہ سات لاکھ روپے لے کر یہاں ضرور بالضرور آئے گی۔ ویسے ڈاکٹر سلمان نے تاریہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ جواہرات کو صبر کرلے اور مزید نقصان اٹھانے کے چکر میں نہ پڑے کیوں کہ اسے سات لاکھ گنوانے کے بعد بھی جواہرات کی واپسی کی توقع نہیں تھی۔ تاریہ نے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ اس کے مشورے پر عمل کرے گی۔ لیکن حمید کو یقین نہیں آیا تھا۔ کیونکہ وہ اس آدمی الفانسے کی دلیری کی مداح تھی اور پھر حمید اس کے جنون سے بھی واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی عورتیں مردوں کے معاملے میں کیسی ہوتی ہیں۔ دولت تو بڑی حقیر چیز ہے وہ جان کی بھی پرواہ نہیں کرتیں۔

بہرحال حمید نے ڈاکٹر سلمان کو اس کے خلاف ابھار دیا تھا اور پھر وہ ان لوگوں کی مرمت بھی کروانا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر سلمان کو یہ مہم زندگی بھر یاد رہے گی۔

"یہ بھوری پہاڑیاں......!" ڈاکٹر سلمان چلتے چلتے رک کر بولا۔ پھر کچھ سوچنے لگا اور تھوڑی دیر بعد کہنے لگا۔ "یہاں اس طرح بھٹکنے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔" حمید بڑبڑایا۔ "مگر میری دانست میں الفانسے نے کسی جگہ کا تعین نہیں کیا تھا۔"

"پھر...... ہم یہاں سو فیصدی جھک مار رہے ہیں۔" ڈاکٹر سلمان ناخوشگوار لہجے میں بولا "مجھے یقین ہے تاریہ کبھی نہ آئے گی۔"

"ہوسکتا ہے الفانسے نے جگہ کا تعین بعد میں کیا ہو۔"

"تاریہ مجھے اطلاع ضرور دیتی۔"

"آپ ماہر نفسیات ہیں ڈاکٹر۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "عورتوں کے متعلق آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہوں گے۔"

"یہ تنظیم کا معاملہ ہے کیپٹن۔ یہاں عورتوں اور مردوں کی حیثیت مشینوں سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔ ان کے ذہنی جالے تنظیم کے کاموں میں رکاوٹ نہیں بنتے اور اگر بنتے ہیں...... تو......!"

ڈاکٹر سلمان خاموش ہوگیا۔ لیکن حمید کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ ڈاکٹر کے پورے جملے کا مفہوم کیا ہوسکتا ہے۔ یہ اس کی کوئی اندھی چال تھی۔ بلکہ تنظیم ہی سے تعلق رکھنے والے ایک فرد نے اسے شطرنج کے مہرے کی طرح آگے بڑھایا تھا۔

"ڈاکٹر ہمارے آدمی کہاں ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"آدمیوں کی پرواہ نہ کرو...... ضرورت پڑنے پر وہ ہمارے ساتھ ہوں گے۔ پہاڑیاں ان کی دیکھی بھالی ہوئی ہیں اور وہ اس وقت بھی ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوں گے۔"

"آہا......!" دفعتاً حمید چلتے چلتے رک گیا۔ اس کے ہاتھ میں دوربین تھی۔ وہ اسے آنکھوں تک اٹھا کر ایک طرف دیکھنے لگا۔

"ڈاکٹر......!" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے اندازے مشکل ہی سے غلط ثابت ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر سلمان کی دوربین بھی اسی طرف اٹھ گئی بہت دور سبز رنگ کا ایک دھبہ سا متحرک نظر آرہا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ ایک دھندلے پس منظر میں آیا اس کی تفاصیل واضح ہوگئیں۔ وہ کوئی عورت تھی۔ سبز رنگ کی ساڑھی میں۔

"مگر نہیں۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "سبز رنگ کی عبا میں کوئی درویش بھی

ہوسکتا ہے...... کیوں ڈاکٹر۔"

سلمان کچھ نہ بولا۔ اس کی دوربین بدستور اسی طرف اٹھی رہی۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تاریہ ہی ہوگی۔"

"ڈاکٹر......!" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "کبھی آپ نے کسی سے محبت بھی کی ہے۔"

"کیوں نہیں...... دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا دل ہو جسے محبت سے خالی کہا جاسکے۔"

"وہ یقیناً ہزار ہا خوبیاں رکھتی ہوگی۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یقیناً......!"

"وہ کون ہے۔"

"طاقت......!" ڈاکٹر سلمان نے آنکھوں پر سے دوربین ہٹاتے ہوئے کہا۔

"یعنی موجودہ حکمران......!"

"نہیں وہ حکمران جس کی حکمرانی ازل سے ابد تک رہے گی۔ موجودہ حکمران ایک فنا ہوجانے والی عورت ہے۔ جس کی وہ نمائندگی کرتی ہے۔ وہ غیر فانی ہے۔"

"آپ نے تو فلسفہ چھیڑ دیا...... میں عورت کی بات کر رہا تھا۔"

"نہیں عورت میری منزل نہیں ہے۔"

"دوسرا فریدی بول رہا ہے۔" حمید خوفزدہ انداز میں بڑبڑایا۔ "ایسے آدمیوں سے کہیں چھٹکارا نہیں۔"

"کیا مطلب......!"

"اسے بھی عورتوں سے دلچسپی نہیں تھی۔"

"اسی لئے وہ اتنا خطرناک ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"ہے یا تھا...... کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ زندہ ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"یہ بات اس کے متعلق...... میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کی موت پر اس وقت تک مجھے یقین نہیں آسکتا جب تک کہ اس کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لوں۔"

"مگر...... وہاں...... اس زمین دوز دنیا میں...... اس لڑکی نے...... نام نہیں یاد آرہا ہے...... اوہ...... رجنی...... رجنی...... اس نے بتایا تھا کہ فریدی کو گولی ماردی گئی تھی۔"

"مگر اس کی لاش نہیں مل سکی۔"

"وہ کسی پہاڑی نالے میں گرا تھا۔" حمید نے کہا۔

"گرا ہوگا۔" ڈاکٹر سلمان نے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ اگر وہ زندہ بھی ہے تو مجھے پرواہ نہیں۔ مگر تم نے اس الفانسے کے متعلق شبہ ظاہر کیا تھا۔"

"پھر......!"

"مگر...... پھر سوچتا ہوں کہ اسے کیا پڑی ہے جو اتنا گھٹیا طریقہ اختیار کرے گا۔ کیا اس کی پشت پر قانون نہیں ہے۔"

"قانون تو میری پشت پر بھی ہے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "کیا میں اس ملک کا ایک باعزت شہری نہیں ہوں۔"

"اوہو...... اب دیکھئے۔" دفعتاً حمید نے کہا۔ "وہ دوربین لگائے اسی سمت دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر سلمان نے بھی اپنی دوربین اٹھائی اور آہستہ سے بولا۔ "وہ بلاشبہ تاریہ ہے...... اوہ...... یہ کیا۔"

"اس نے کوئی چیز نیچے پھینکی ہے۔" حمید بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا چرمی ہینڈ بیگ تھا۔"

ڈاکٹر سلمان نہ بولا۔ پھر وہ ایک چٹان کی اوٹ میں ہوگئے۔ کیونکہ تاریہ اب اس طرف آرہی تھی۔ اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور قرب و جوار کی پہاڑیاں جھنجھنا اٹھیں۔ تاریہ بے تحاشہ دوڑتی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔ ایک جگہ لڑکھڑا کر وہ گری بھی لیکن پھر اٹھ کر دوڑنے لگی۔

"یہ کیا ہوا۔" ڈاکٹر سلمان آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اوہ ہمیں...... اس کی مدد کرنی چاہئے۔" حمید نے چٹان کی اوٹ سے نکلنا چاہا۔

"ٹھہرو......!" سلمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "وہ ادھر ہی آرہی ہے۔"

تاریہ اس چٹان کے قریب پہنچ کر یوں ہی دوسری طرف جانے کے لئے مڑی۔ ڈاکٹر سلمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور پھر اگر دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر نہ جم گیا ہوتا تو تاریہ کی بے خیالی میں نکلی ہوئی چیخ دور دور تک پھیل جاتی۔

"اوہم......!" وہ اپنے منہ پر سے اس کا ہاتھ اٹھا کر ہانپتی ہوئی بولی۔ "ٹائم بم"

"ٹھہرو...... دم لے لو۔" سلمان اس کا شانہ تھپتھپا کر بولا۔

"میں نے سوٹ کیس میں نوٹوں کی بجائے ٹائم بم رکھا تھا۔" وہ بدستور ہانپتی رہی۔

"بہت عمدہ......!" ڈاکٹر سلمان حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "مجھے تمہاری ذہانت سے یہی امید تھی...... کیا وہ نیچے موجود تھا۔"

"موجود تھا......!"

"چلو ٹھیک ہے۔"

"مگر تم یہاں کیسے!"

"مجھے یقین تھا کہ تم میرے مشورے پر عمل نہ کروگی۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔

تاریہ حمید کی طرف دیکھنے لگی جو اسے گھور رہا تھا۔

"تم گری تھیں...... چوٹ تو نہیں آئی۔" حمید نے پوچھا۔

لیکن تاریہ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر پھر ڈاکٹر سلمان کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ ٹھیک اسی وقت انہوں نے شور سنا پھر فائروں کی آوازیں بھی آئیں۔

ڈاکٹر سلمان نے حمید کی طرف دیکھا۔

"شاید ٹکراؤ ہوگیا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں "ریٹ...... ٹیٹ...... ریٹ...... ٹیٹ" کی آوازوں پر ڈاکٹر سلمان بری طرح بوکھلا گیا۔

"یہ تو ٹامی گن کی آواز ہے۔" اس نے کہا اور آواز کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"میرے کسی بھی آدمی کے پاس ٹامی گن نہیں تھی۔"

"ٹھہریئے...... جلدی نہ کیجئے۔" حمید نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی تاریہ ہی کی طرح عقل مند رہا ہو۔ یعنی ہماری نادانستگی میں اس کے پاس ٹامی گن بھی رہی ہو۔"

"نہیں میں جانتا ہوں۔" ڈاکٹر سلمان نے بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔ وہ آواز کی سمت دوڑ رہا تھا۔ مجبوراً حمید کو بھی دوڑنا پڑا...... لیکن ڈاکٹر سلمان نے مڑ کر کہا۔ "تم وہیں ٹھہرو...... تاریہ کے پاس۔"

"ہام......!" حمید تاریہ کے پاس پہنچ کر بولا۔ "تم اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہو۔ مجھے

اپنی مادری زبان میں ایک گیت سناؤ۔"

"سناؤں گی۔" تاریہ دانت پیس کر بولی۔ "ذرا اس ہنگامے کو اس طرف آ جانے دو۔"

"ہاں...... آں...... خیر کوئی بات نہیں...... مگر اس سوٹ کیس میں ٹائم بم نہیں تھا۔"

"نہ رہا ہوگا۔" تاریہ نے لاپروائی سے کہا۔

"تمہیں معلوم تھا کہ ہم لوگ یہاں ضرور آئیں گے۔"

"پھر......!"

"اس کے باوجود بھی تم سات لاکھ لے کر چلی آئیں۔"

"اور پھر وہ سات لاکھ ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گئے۔" تاریہ ہنس پڑی۔ فائروں کی آوازیں ابھی تک آ رہی تھیں۔ ان آوازوں میں تاریہ کا قہقہہ بڑا عجیب معلوم ہوا۔

"کیا الفانسے نے پچھلی رات فون پر تم سے گفتگو نہیں کی تھی۔" حمید نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

"ہوئی تھی...... پھر...... تم سے مطلب۔"

اس نے تمہیں اس مقام کا پتہ دیا تھا۔ لیکن تم احتیاطاً اپنے ساتھ ایک دستی بم لیتی آ تھیں...... کیوں...... میں کیا غلط کہہ رہا ہوں۔"

تاریہ کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔ مگر حمید نے جلدی سے کہا۔ "تم اس کی پرواہ نہ کر یہ بات صرف مجھ تک محدود رہے گی۔ دل سے مجبور ہوں۔ تاریہ تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔ میں سو ہوں اگر ڈاکٹر سلمان نے مار ڈالا تو پھر میں چابک کس پر برساؤں گا۔ کون ہے جو میرے ہاتھوں پسند کرے گی۔ تاریہ میں نے تمہیں دستی بم پھینکتے دیکھا تھا...... ڈاکٹر نہیں دیکھ پایا۔ تم نے ہمیں د لینے کے بعد ہی دستی بم پھینکا تھا اور دوڑنے لگی تھیں۔ مگر ڈارلنگ...... میری زبان ہمیشہ بند رہے گ کیا میں تمہارے گال پر ایک تھپڑ رسید کر سکتا ہوں۔"

"میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

دفعتاً حمید کو ڈاکٹر سلمان نظر آیا جو دوڑتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا اور اس کا بایاں بازو سرخ آ رہا تھا۔ شاید اس کے گولی لگی تھی۔

"اپنا ریوالور پھینکو......!" اس نے چیخ کر کہا۔ "میرا ریوالور گر گیا۔"

حمید نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کی طرف اچھال دیا اور وہ اسے ہاتھوں میں روک

ڑ میں اتر گیا۔

پناہ گاہ

تاریہ ڈاکٹر سلمان کو دوڑتے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"یہ بہت بڑی حماقت ہے۔ اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہئے۔ ورنہ سرحدی پولیس چوکی ہاں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ہے اور فائروں کی آوازیں دور دور تک پھیل رہی ہوں گی۔"

"میں ڈاکٹر سلمان کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ تم جا سکتی ہو۔ مگر نہیں تم بھی نہیں جا سکتیں۔ ڈاکٹر لمان نے مجھ سے صرف یہ کہا تھا کہ تمہارے پاس ٹھہروں۔"

"میں تمہارے پاس تو ٹھہرنا ہی نہیں چاہتی۔" تاریہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "خواہ میرا جسم گولیوں سے چھلنی ہو جائے۔"

"کیوں؟ کیا میں تمہیں کھا جاؤں گا۔"

"نہیں...... تم مجھ پر بے سروپا اور بے بنیاد الزام رکھتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ میرا کوئی الزام بے بنیاد نہیں تھا۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔ "تم اتنی احمق ہیں ہو کہ اس سے اپنے بیش قیمت جواہرات وصول کئے بغیر اسے ٹائم بم کا نشانہ بنا دو۔"

"مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔ مجھے اندازہ نہیں کہ میرے پاس کتنی دولت ہے۔ میں نے بھی معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور وہ جواہرات تو میری نظروں میں کوئی وقعت ہی نہیں رکھتے۔ میں تو الفانسے یا اس کتیا تھریسیا سے اپنی توہین کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔"

"چلو ختم کرو...... مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر تم جیسی ہزار عورتیں بھی تنظیم سے غداری کریں تو تنظیم کا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

"پھر تم نے بکواس شروع کر دی۔ کیا میں تنظیم سے غداری کر سکتی ہوں۔ میں جو گردن تک

جرائم میں پھنسی ہوئی ہوں۔"

"جرائم......!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "یہ لفظ بھی غدارانہ ہے۔ گویا تنظیم جرائم کی مرتکب ہو رہی ہے۔ تنظیم سے باہر رہ کر تم یہ الفاظ استعمال کر سکتی ہو۔"

"تم باتوں کو بڑھاوا نہ کرو۔" تاریہ جھنجھلا گئی۔ "اس ملک کی پولیس کا نکتہ نظر کیا ہوگا۔ کیا اسے تنظیم سے ہمدردی ہو سکتی ہے۔"

"ایک دن ہو کر رہے گی۔" حمید نے سینہ تان کر کہا۔

"بس بس......!" تاریہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "میں کسی قسم کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔"

دفعتاً ڈاکٹر سلمان پھر دکھائی دیا۔ وہ انہیں اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ حمید نے یہ محسوس کیا کہ اب فائروں کی آوازوں سے فضا میں پہلا سا انتشار باقی نہیں رہا۔ وہ دونوں ڈاکٹر سلمان کی طرف بڑھے۔

"سرحدی پولیس......!" ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے کہا اور انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا نشیب میں اتر گیا۔

اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ چلتے رہے تاریہ جیسی بھاری بھرکم عورت کے لئے ایسے پہاڑی مقام پر پیدل چلنا جوئے شیر لانے سے کم نہ ہونا چاہئے تھا۔ مگر حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کے پیروں میں ڈگمگاہٹ کے بجائے کسی ہلکے جسم والے کے پیروں کی سی چستی تھی اور کچھ دیر پہلے اس نے اسے انہیں ناہموار چٹانوں پر دوڑتے بھی دیکھا تھا۔ یقیناً یہ ایک حیرت انگیز بات تھی اس وقت بھی وہ تھکن کا شکوہ کئے بغیر اسی رفتار سے چل رہی تھی جس رفتار سے وہ دونوں چل رہے تھے۔

"ہمارے آدمی کہاں ہیں۔" حمید نے ڈاکٹر سلمان سے پوچھا۔

"اوہ......ان کی پرواہ نہ کرو۔ انہیں کوئی نہ پا سکے گا۔"

وہ ایک تنگ سے درے میں داخل ہو رہے تھے اور اب آہستہ آہستہ دن کی روشنی غائب ہوتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر سلمان خاموش تھا۔ لیکن اسکے پیر برابر اٹھ رہے تھے۔ زخمی بازو اس میں حارج نہیں ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ سے اسے دبائے رہا ہو۔ اس کے چہرے پر اب وہ پہلی سی تازگی بھی نہیں تھی۔ ہونٹ خشک اور آنکھیں ویران ویران سی نظر آنے لگی تھیں۔

"کیا میں آپ کو سہارا دوں ڈاکٹر......!" حمید نے کہا۔

"نہیں......!" ڈاکٹر سلمان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں۔"

"وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں۔"

"ہمیں خاموشی سے راستہ طے کرنا چاہئے۔" ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا۔ "ہم جلد ہی کسی جگہ بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔"

اب وہ پھر ایک ڈھلان پر اتر رہے تھے اور یہاں دراڑ کچھ کشادہ ہو گئی تھی۔ ورنہ دھندلکا تاریکی میں تبدیل ہو گیا ہوتا اور نتیجے کے طور پر انہیں ٹھوکریں کھانی پڑتیں۔ تاریہ حمید سے لگی ہوئی چل رہی تھی۔ ڈاکٹر سلمان آگے تھا۔ چلتے چلتے دفعتاً وہ گہری تاریکی میں پہنچ گئے اور ڈاکٹر سلمان نے جیب سے دیا سلائی نکال کر جلائی اور اسے سر سے اونچا اٹھاتے ہوئے بولا۔

"وہیں رک جاؤ۔"

حمید اور تاریہ رک گئے۔ دیا سلائی بجھ چکی تھی۔ انہوں نے دوبارہ اندھیرے میں ڈاکٹر کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "وہیں ٹھہرو......جب تک کہ میں واپس نہ آجاؤں۔"

پھر ایسی آوازیں آئیں جیسے ڈاکٹر بہت احتیاط سے چل رہا ہو۔ لیکن اس نے ایک بار لمبی چھلانگ ضرور لگائی تھی۔ حمید کو یقین تھا۔

پھر سناٹا طاری ہو گیا اور حمید تاریہ کی چڑھتی ہوئی سانسوں کی آوازیں سنتا رہا۔ تقریباً پانچ منٹ تک وہ اسی طرح کھڑے رہے۔ پھر اچانک کچھ فاصلے پر مدھم سی روشنی دکھائی دی دوسرے ہی لمحے میں ڈاکٹر ان سے کچھ فاصلے پر ہاتھ میں ایک مومی شمع لئے کھڑا تھا۔ اس نے اسے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آجاؤ...... نیچے...... دیکھتے ہوئے...... یہاں ایک تین فٹ چوڑی دراڑ ہے۔" اس نے مومی شمع کو نیچے جھکایا اور کہا۔ "یہ رہی لیکن شاید تاریہ اسے نہ پھلانگ سکے۔"

"اوہ......یہ کچھ بھی نہیں ہے......تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔"

"اچھا تو آؤ۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر یہ مومی شمع کہاں سے نکل پڑی۔ وہ دونوں آگے بڑھے اور تاریہ نے دراڑ نہایت آسانی سے پار کر لی۔ ڈاکٹر سلمان انہیں راستہ دکھا رہا تھا۔ وہ دائیں طرف مڑے اور حمید

کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ ایک مستطیل تراشے ہوئے دروازے سے گزر رہا ہے۔

جیسے وہ آگے بڑھا اسے اپنی پشت پر ایک عجیب قسم کی آواز سنائی دی۔ وہ چلتے چلتے رک کر مڑا...... ڈاکٹر پیچھے ہی رہ گیا تھا۔

دروازہ غائب تھا اور ڈاکٹر سلمان اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک چوکور کمرے میں تھے جس میں نہ کھڑکیاں نہ دروازے۔ ڈاکٹر نے چار شمعیں اور روشن کر دیں۔ اب یہاں اتنی کافی روشنی تھی کہ حمید پورے کمرے کا جائزہ لے سکتا تھا۔ اسے یہاں مختلف قسم کا سامان نظر آیا۔ تین میزیں، دو الماریاں، سات کرسیاں اور ایک پلنگ جس پر زرد رنگ کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ حمید نے تاریہ کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بھی پہلی بار یہاں آئی ہو۔“

”بیٹھو......!“ ڈاکٹر نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ پھر ان کے بیٹھ جانے کے بعد بولا۔

”اب مجھے اپنے زخم کو دیکھنا چاہئے۔“

”لائیے...... میں ڈریسنگ کروں۔“ حمید جلدی سے بولا۔ مگر پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہنے لگا۔ ”کیا یہاں فرسٹ ایڈ کا سامان مل سکے گا۔“

”تھرڈ ایڈ تک سامان مل سکتا ہے۔“ ڈاکٹر سلمان نے اپنے مخصوص انداز میں مسکرانے کی کوشش کی۔

گولی بازو کو چھیدتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔ لیکن ہڈی پر کسی قسم کی ضرب نہیں آئی تھی۔ حمید نے ڈریسنگ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

”شکریہ......!“ ڈاکٹر سلمان نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ”آج کا معرکہ عجیب تھا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ تاریہ نے بم کس پر پھینکا تھا...... خیر...... کل کے اخبارات سے اس کا نتیجہ ظاہر ہی ہو جائے گا۔ کیونکہ سرحدی پولیس موقع واردات پر پہنچ گئی تھی۔“

”وہ لوگ کتنے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”زیادہ سے زیادہ تین...... جنہوں نے کم از کم پانچ آدمیوں کو یقینی طور پر زخمی کیا ہے۔“

”ہمارے آدمی کہاں ہیں۔“

”محفوظ ہیں...... ان کی فکر مت کرو۔“ ڈاکٹر سلمان اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے ایک الماری کھول

کر اس میں سے شمپین کی بوتل اور دو گلاس نکالے اور انہیں میز پر رکھتا ہوا تاریہ کی طرف مڑا جو اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

”صرف ہم تین آدمی اس پناہ گاہ سے واقف ہیں۔“ اس نے تاریہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں اس جملے کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”اوہ...... کوئی خاص بات نہیں۔ کیا تم دو گلاس تیار نہیں کر سکتیں۔“

”نہیں...... میں بہت تھک گئی ہوں لیکن شراب نہیں پیوں گی۔“

”مت پیو......!“ ڈاکٹر سلمان نے لاپروائی سے کہا اور خود اٹھ کر گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔ حمید کو اس وقت اس کی آنکھیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ ضرور تھی لیکن آنکھیں اس مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

وہ گلاس ہاتھ میں لئے ہوئے تاریہ کے سامنے آ بیٹھا پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

”کیا تم اتنی دوڑ دھوپ کے بعد بھی ایک گلاس لینا پسند نہ کرو گے۔ میں تو ہمیشہ خالص شراب پیتا ہوں۔“

”شکریہ......!“ حمید مسکرایا۔ ”میں ضروری نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ ایک بُری عادت کا اضافہ کر لوں۔“

”تم بہت بااصول آدمی ہو...... میں تمہیں بے حد پسند کرنے لگا ہوں۔“

”دوسری بار شکریہ ڈاکٹر......!“

ڈاکٹر سلمان تاریہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا شراب کی ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا رہا پھر یک بیک گلاس کو ایک طرف فرش پر رکھ کر سیدھا بیٹھ گیا۔

وہ اور تاریہ ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ پلکیں جھپکائے بغیر...... قندیلوں کی روشنی ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی اس صندوق نما کمرے میں یہ روشنی ایسی لگ رہی تھی جیسے کسی تابوت کے گرد مومی قندیلیں روشن کی گئی ہوں اور پھر اس ماحول میں وہ دونوں...... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کی آنکھیں پتھر کی ہوں۔ دفعتاً ڈاکٹر سلمان کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔ ”تاریہ تم سو رہی ہو۔“

”ہاں...... مجھے نیند آ رہی ہے۔“ تاریہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ انداز بالکل ایسا ہی تھا

جیسے کہا ہو۔ "ہاں ڈوب رہی ہوں۔"

"تم......سو رہی ہو......گہری نیند۔"

"ہاں......!" تاریہ کی پلکیں آہستہ آہستہ جھکنے لگیں۔

"تم سو گئیں تاریہ۔" ڈاکٹر سلمان نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"مم......!" تاریہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ وہ گہری گہری سانس لے رہی تھی۔

دفعتاً ڈاکٹر سلمان اس طرح چونکا جیسے ابھی تک خود بھی سوتا رہا ہو۔ اس نے دو تین بار پلکیں جھپکائیں آنکھوں کو مسلتا رہا پھر فرش سے گلاس اٹھا کر دو تین لمبے لمبے گھونٹ لئے اور حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تمہیں حیرت ہو گی۔"

"قطعی نہیں۔" حمید بھی جواباً مسکرایا۔ "کبھی مجھے بھی ہپناٹزم کا خبط رہ چکا ہے۔ مگر آپ اس کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ اتنی جلدی آسانی سے اسے ٹرانس میں لے آئے۔"

"ہاں......اس کی ضرورت تھی۔"

"اوہ......سمجھا شائد آپ کا بھی یہ خیال ہے کہ اس سوٹ کیس میں سات لاکھ کے نوٹ ہی تھے۔"

"تم بہت ذہین آدمی ہو کیپٹن......ہاں میرا یہی خیال ہے۔"

"قبل اس سے کہ آپ اس سے معلومات حاصل کریں میں ہی آپ کو کچھ بتا دوں۔"

"بتاؤ......!" ڈاکٹر سلمان نے کہا اور گلاس خالی کر دیا۔

وہ دھماکہ ہینڈ بم کا تھا جو تاریہ نے ہمیں دیکھ لینے کے بعد نیچے پھینکا تھا۔

"بہت اچھے۔ تو میرا خیال غلط نہیں تھا۔ تمہاری نگاہ بہت تیز ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تمہارے اضافے سے تنظیم کے ہاتھ بہت مضبوط ہو گئے ہیں۔" اس نے تاریہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اگر یہ ضائع ہو جائے تو تنظیم خسارے میں نہیں رہے گی۔"

وہ خاموش ہو کر تاریہ کو گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ "یہ اپنی خواہشات کی غلام ہے۔ لہٰذا الفانسے جیسے لوگ اس کی جنسیت کو اپنی طرف متوجہ کر سکتے ہیں۔ آہا......کیپٹن اگر ہمارا خیال صحیح نکلا تو تاریہ ایک اہم مقصد کے حصول کے لئے استعمال کیا جا سکے گی۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے۔"

"میں سمجھ گیا......آپ اس کے ذریعے الفانسے پر ہاتھ ڈالیں گے۔"

"بالکل ٹھیک......اب کچھ دیر کے لئے خاموش ہو جاؤ۔ میں تاریہ کو دیکھوں گا۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر سوئی ہوئی تاریہ کو مخاطب کر کے بولا۔ "تاریہ تم میرے سوالات کا جواب دو۔"

"اچھا......!" تاریہ کے ہونٹ خفیف سے ہلے اور ایسا معلوم ہوا جیسے ان سے نکلی ہوئی آواز بہت دور سے آئی ہو۔

"تم نے جو سوٹ کیس نیچے پھینکا تھا اس میں کیا تھا۔"

"سات لاکھ روپیوں کے نوٹ......!"

"پھر تم نے ہمیں دیکھ کر ہینڈ بم پھینکا تھا۔"

"میں نے پھینکا تھا۔"

"الفانسے کے لئے۔"

"ہاں الفانسے کے لئے۔"

"تمہیں منع کیا گیا تھا۔"

"منع کیا گیا تھا مگر الفانسے میرا محبوب ہے۔"

"جگہ کا تعین کیسے ہوا تھا......؟"

"الفانسے نے فون پر مجھ سے گفتگو کی تھی۔"

"کیا تم اس سے اپنے جواہرات واپس لو گی۔"

"نہیں......!"

"اب میں تم سے کوئی جواب نہیں چاہتا۔ تم میری کسی بات کا جواب نہ دو گی۔" ڈاکٹر سلمان نے چند لمحے خاموش رہ کر تاریہ کو مخاطب کیا۔ "تاریہ۔"

لیکن اس بار تاریہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈاکٹر سلمان کہتا رہا۔ "تم اس سے محبت کرو گی۔ اس سے ملو گی، چاہو گی کہ وہ ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو جائے۔ لیکن تاریہ تم اسے اپنے ہاتھوں سے زہر دو گی۔ تم اسے زہر دو گی۔"

دفعتاً ڈاکٹر سلمان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں حلقوں سے اُبلتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ وہ

برابر کہے جا رہا تھا۔ "تم الفانسے کو زہر دو گی..... تم الفانسے کو زہر دو گی..... تم الفانسے کو زہر دو گی۔"

حمید کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

ڈاکٹر سلمان خاموش ہو کر اندھوں کی طرح خلاء میں گھور رہا تھا۔ پھر وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس میز کی طرف آیا جس پر شراب رکھی ہوئی تھی۔ اس نے دوسرے گلاس میں شراب انڈیلی اور اسے لے کر پھر وہیں آ بیٹھا جہاں پہلے بیٹھا ہوا تھا۔ تاریہ بدستور سوتی رہی۔

دو تین گھونٹ لینے کے بعد وہ اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اسی کے ساتھ حمید کو بھی اپنا پائپ یاد آیا۔ متواتر تین گھنٹوں سے اس نے تمباکو نہیں پی تھی۔

ڈاکٹر سلمان کا چہرہ اب پھر پہلے ہی کی طرح پرسکون نظر آنے لگا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ اس کا بایاں بازو زخمی تھا۔ لیکن حمید نے اب تک اس کی ہلکی سی کراہ بھی نہیں سنی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ گولی کا زخم کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کچھ دیر پہلے اسے اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نظر آ رہے تھے مگر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اپنے بازو پر گولی کا زخم لئے بیٹھا ہے۔

"کیپٹن.....!" اس نے تھوڑی دیر بعد حمید کو مخاطب کیا۔ "اب مجھے بہت سخت ہو جانا پڑے گا۔"

"یقیناً..... آخر ہم ابھی تک سخت کیوں نہیں ہوئے تھے۔"

"یہ لوگ..... تنظیم کے درپے ہیں۔"

"اور میرا خیال ہے کہ ان کے ساتھ کوئی جماعت بھی نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ..... میرا مطلب ہے ان چاروں آدمیوں کا بیان جنہیں پولیس نے پکڑا تھا۔ انہوں نے یہی تو بتایا ہے کہ ان میں دو مرد تھے اور ایک عورت تھی۔"

"ضروری نہیں کہ ان چاروں کو ان کے سارے حالات کا علم رہا ہو۔"

"پولیس..... میرا مطلب ہے کہ رام گڈھ کی پولیس جاگ اٹھی ہے اور تھریسیا کی تلاش جاری ہے۔ مگر ڈاکٹر..... اس کے باوجود بھی تھریسیا اپنی سرگرمیوں سے باز نہیں آئی۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا۔ "میں بھی دشمن کو حقیر نہیں سمجھتا۔ خواہ وہ ایک ننھی سی چیونٹی ہی کیوں نہ ہو۔"

"مگر ڈاکٹر.....!" حمید تاریہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ طریقہ کچھ جچا نہیں۔ کیا یہ ضروری ہے الفانسے تک اس کی رسائی ہو ہی جائے۔"

"میرا خیال ہے ایسا ہو کر رہے گا۔" ڈاکٹر سلمان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "تاریہ جو چاہتی ہے کر گزرتی ہے۔ تم نے اسی وقت اسے دیکھا ہے کہ میرے منع کرنے کے باوجود بھی..... ہائیں یہ کیا۔"

دفعتاً وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ حمید کی نظر بھی اسی طرف اٹھ گئی جدھر ڈاکٹر سلمان دیکھ رہا تھا۔ اس جگہ جہاں دروازہ تھا ایک چھوٹی سی چمکدار ڈبیہ فرش پر پڑی قندیلوں کی روشنی میں جگمگا رہی تھی۔ حمید نے پہلے بھی اسے دیکھا تھا۔ لیکن کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ ڈاکٹر سلمان ایک قندیل اٹھا کر اس کی طرف بڑھا۔

پھر دھماکہ

اس کے قریب پہنچ کر حمید کو معلوم ہوا کہ وہ ایک چھوٹا سا مائیک تھا جس کا تار دروازے کی خلاء میں حائل ہو جانے والی چٹان کے نیچے ایک پتلی سی دراڑ میں غائب ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر سلمان نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حمید سمجھ گیا کہ ان کی گفتگو سنی جا چکی ہے۔ لیکن اسے حیرت تھی کہ آخر یہ ڈکٹافون یہاں آیا کس طرح۔ کیا یہ اسی وقت باہر سے کسی نے پھینکا تھا جب ڈاکٹر سلمان اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر رہا تھا۔ لیکن آنے والا ان کے ساتھ ہی یہاں تک آیا ہوگا۔ کیونکہ دروازہ بند ہونے سے پہلے ڈکٹافون کے مائیک کو اندر ڈال دینے کا تو یہی مطلب ہو سکتا تھا۔ مگر وہ آدمی نہ رہا ہوگا۔ کیونکہ اس تنگ سے درے میں کسی چوتھے آدمی کی موجودگی کا احساس ہو جانا ناممکنات میں سے نہیں تھا اور پھر ایسی صورت جب کہ ڈاکٹر سلمان کا ہر قدم بڑی احتیاط سے اٹھ رہا تھا۔ لہٰذا اگر وہ آدمی ہی تھا تو

اس کے پاس عمرو عیار کی گلیم ضرور ہی ہوگی۔ جسے اوڑھ کر وہ ان کی نظروں سے غائب ہوگیا ہوگا۔

ڈاکٹر سلمان نے جیب سے ایک بڑا سا چاقو نکالا اور مائیک کو ہاتھ میں اٹھا کر تار کاٹنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ حمید نے اسے اچھل کر پیچھے آتے دیکھا چاروں خانے چت...... بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہو...... حمید بوکھلا کر اس کی طرف دوڑا۔

ڈاکٹر سلمان گندی گندی گالیاں بکتا ہوا فرش سے اٹھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا بایاں ہاتھ اب بالکل ہی بیکار ہوگیا ہو۔

"اِس میں کرنٹ موجود ہے۔" وہ دانت پیس کر بولا۔

اچانک مائیک سے عجیب طرح کی آوازیں آئیں۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی ہنس رہا ہو۔ بہت دھیمی آواز تھی۔ وہ دونوں بے اختیارانہ طور پر پھر اس کی طرف بڑھے۔

آواز دھیمی مگر صاف تھی۔ کوئی عورت کہہ رہی تھی۔ "ڈاکٹر سلمان تمہیں ہر قدم پر شکست دی جائے گی۔ تم خود کو دنیا کا چالاک ترین آدمی سمجھتے ہو۔ حالانکہ تم سے آدمی تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا کے ادنیٰ غلاموں میں بھی نہیں ملیں گے۔ ابھی صرف ایک الفانسے سے مقابلہ ہے لیکن تمہاری پوری تنظیم سے نپٹنے کے لئے میرے صرف چار آدمی کافی ہوں گے اور جب میں بذاتِ خود اس میں ہاتھ ڈالوں گی تو تمہاری ملکہ کائنات رام گڈھ کی سڑکوں پر بلبلاتی پھرے گی۔ ہاں تمہاری بقا کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ تم لوگ میرے مطالبات پورے کرتے رہو۔ فی الحال اسی سات لاکھ پر قناعت کروں گی۔ تاریہ کے جواہرات دوسرے نیک کاموں میں صرف کئے جائیں گے۔ اگر تم کچھ کہنا چاہو تو کہہ سکتے ہو تمہاری آواز مجھ تک پہنچ جائے گی۔"

"تم اسے باتوں میں الجھاؤ۔" ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔ "میں باہر نکل کر دیکھتا ہوں۔"

"تمہاری موت تمہیں اس سرزمین میں لے آئی ہے۔" حمید گرج کر بولا۔ "یہ محض اتفاق ہے کہ تم ابھی تک بچی ہوئی ہو۔ لیکن اب میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ میں نہیں جانتا کہ تم کیسی ہو۔ کبھی سامنے آؤ...... ممکن ہے اس طرح میں تم سے شادی کی درخواست کر بیٹھوں۔"

دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ "تم لوگ اس وقت ہمارے رحم و کرم پر ہو۔ تہہ خانہ تمہارا مقبرہ بھی بن سکتا ہے۔"

"اوہ......!" ڈاکٹر سلمان دانت پیس کر بولا۔ "ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔"

مائیک سے پھر قہقہے کی آواز آئی۔

"ڈاکٹر سلمان......!" عورت کہہ رہی تھی۔ "تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا سے مقابلہ ہے۔"

"تھریسیا کا انجام نزدیک ہے۔" ڈاکٹر سلمان دانت پیس کر غرایا۔

"تم جیسا بیوقوف آدمی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" مائیک سے آواز آئی۔ "تم نے ابھی تک ن تاریہ قسم کی عورتیں دیکھی ہیں۔"

"عنقریب تم جیسی عورتوں کو بھی دیکھوں گا۔" ڈاکٹر سلمان نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

اس کے انداز میں جھنجھلاہٹ باقی نہیں تھی۔

"تم واقعی احمق ہو ڈاکٹر سلمان۔" مائیک سے آواز آئی۔ "کیا تم اسے جانتے ہو کہ تاریہ کے ...وہ تمہارے ساتھ اور کون ہے۔"

ڈاکٹر سلمان حمید کو آنکھ مار کر مسکرایا۔

"کیوں......!" اس نے مائیک پر جھک کر کہا۔ "کیا میں اپنے کزن سہیل کو نہ پہچانوں گا۔"

"کزن سہیل......؟" تھریسیا پھر ہنسی۔ "کزن سہیل ہوسکتا ہے کہ کسی جیل میں ہو ڈاکٹر......!"

"شاید اب تم پاگل ہونے والی ہو۔" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔

"تم صرف احمق ہی نہیں احمقوں کے شہنشاہ بھی ہو۔"

"بکواس بند کرو۔ حقیر عورت۔" حمید دھاڑا۔

"آہا...... تو اب کزن سہیل بول رہا ہے۔" تھریسیا پھر ہنس پڑی۔ ہنستی رہی پھر بولی۔ "ڈاکٹر سلمان...... میں تم پر ایک احسان کرنے جارہی ہوں۔ اسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ تم سہیل کے بھیس میں محکمہ سراغ رسانی کے ایک مشہور آفیسر کو ساتھ لئے پھر رہے ہو۔"

"بس...... اتنی سی بات۔" ڈاکٹر سلمان طنزیہ لہجے میں بولا۔ "بڑا تیر مارا تم نے...... ننھی ناگن۔ یقیناً میں بڑا بیوقوف آدمی ہوں۔ لیکن تم اسے ثابت نہیں کرسکتیں جو کچھ کہہ رہی ہو۔"

"میں ثابت کرسکتی ہوں...... وہ شاید تمہارے کزن سہیل کے میک اپ میں ہے۔"

"اچھا...... ثابت کرو...... میں منتظر ہوں۔"

"کیا تم میں اتنا سلیقہ نہیں ہے کہ اس کی اصلی شکل دیکھ سکو......!"

"مجھے بالکل سلیقہ نہیں تھریسیا! کیا تم مجھے سلیقہ شعار بنانے کی کوشش کرو گی۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"جلد ہی تمہاری یہ خواہش پوری کی جائے گی۔" دوسری طرف سے ایک قہقہے کے ساتھ کہا گیا۔ "مگر اسی صورت میں جب تم اس مقبرہ سے باہر نکل سکو۔"

"اوہو......اس کی پرواہ نہ کرو۔"

"شش......!" دفعتاً حمید نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ڈاکٹر سلمان اسے جواب طلب نظروں سے گھور رہا تھا۔

حمید نے آگے بڑھ کر آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو دوسری باتوں میں الجھا کر تنظیم کا تذکرہ چھیڑنا چاہتی ہے۔ اس لئے محتاط رہئے۔ ہوسکتا ہے پولیس نے ہی یہ جال بچھایا ہو۔ آپ کے خیال کے مطابق جب فریدی زندہ ہے تو آپ کو ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہئے۔"

ڈاکٹر سلمان نے اعتراف میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا خیال درست ہوسکتا ہے۔ اس دوران میں تاریہ بھی بیدار ہوکر انہیں گھور رہی تھی۔ ڈاکٹر سلمان نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"میکنزم کی خرابی میں انہیں لوگوں کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"سو فیصدی۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "لیکن اس کی پرواہ نہ کرو۔"

پھر اس نے تاریہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ایک الماری کھولی جس میں کارتوسوں کا ذخیرہ تھا۔ اس نے اپنی جیبیں بھر لیں۔ پھر حمید کو بھی کافی تعداد میں کارتوس دیتا ہوا بولا...... "اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔ تھریسیا سمجھتی ہے شاید اس نے ہمیں بے بس کر دیا ہے۔"

یہ سب کچھ اس نے سرگوشیوں میں کہا تھا۔

پھر وہ ایک گوشے کی طرف بڑھا۔ حمید تاریہ کی طرف متوجہ ہوگیا تھا جس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور آنکھوں سے ہلکا سا خوف مترشح تھا۔

دفعتاً ڈاکٹر سلمان نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ دوسرے سرے پر ایک کھلے ہوئے دروازے کے قریب کھڑا انہیں اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

اسکے ہاتھ میں ایک مومی قندیل تھی۔ حمید تاریہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا اس طرف بڑھا۔

دوسرے لمحے میں وہ ایک غار میں تھے۔ حمید نے اپنی پشت پر چٹان سرکنے کی آواز سنی۔ غالباً دروازہ بند ہوا تھا لیکن وہ دیکھنے کے لئے نہیں مڑا۔

غار سے باہر نکل کر ڈاکٹر نے قندیل بجھا دی......اور آہستہ سے بولا۔ "تم لوگ اسی راستے پر چلتے رہو۔ کچھ دیر بعد میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔"

حمید اور تاریہ تاروں کی چھاؤں میں آگے بڑھ گئے۔ باہر کھلے میں انہیں شدید ترین سردی کا احساس ہوا۔ تاریہ تو بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"کیا میں تم پر اپنا کوٹ ڈال دوں...... تاریہ ڈارلنگ......!" حمید نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں شکریہ۔" وہ اس سے اپنا بازو چھڑاتی ہوئی زہریلے لہجے میں بولی۔

"دیکھو...... یہ بیکراں فضائیں کہہ رہی ہیں۔ آؤ ہم تاروں کی چھاؤں میں مستقبل کے لئے کچھ عہد و پیاں کریں۔ ایسا اتھاہ سناٹا ہمیں پھر کبھی نصیب نہ ہوگا۔ ویسے تاریہ ڈارلنگ تم بہت تھک گئی ہو۔ بتاؤ میں کیا کروں۔ تم اتنی ہلکی بھی نہیں ہو کہ تمہیں اٹھا سکوں۔ لوگ اپنی محبوباؤں کو پھول سے تشبیہ دیتے ہیں تم بھی پھول ہو ڈارلنگ......مگر گوبھی کا۔"

"تم اپنی بکواس بند رکھو...... سمجھے۔" تاریہ چلتے چلتے رک کر بولی۔

"تم مجھے ہمیشہ اداس کر دیتی ہو۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور پھر چلنے لگا۔ تاریہ اس سے آگے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"دیکھو ستارے بھی اداس ہوگئے ہیں تاریہ۔" حمید بولا۔ "شاعروں نے ان کی عادات خراب کر دی ہیں۔ یہ دو دلوں کو عہد و پیان کرتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر تم بڑی ظالم ہو......ستاروں کا دل نہ توڑو۔"

تاریہ جھلا کر پلٹ پڑی۔ لیکن اس کا دوہتڑ ایک چٹان پر پڑا۔

"یہ نہ صرف غیر شاعرانہ ...... بلکہ ...... یہ حرکت غیر محبوبانہ بھی ہے۔ تاریہ ڈارلنگ...... ماشوقوں سے لفنگا پن نہیں کرتے۔ بُری عادت ہے۔ اس وقت تم نے صدہا سال پرانی روایات پر لات ماری ہے۔"

تاریہ کھڑی اپنے چوٹ کھائے ہوئے پنجے مسل رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ حمید کو کچا ہی چبا

جاتی اور پھر اس کی اپنی دانست میں وہ اس کے راز سے بھی واقف ہو گیا تھا۔

"چلو چلتی رہو......!" حمید آہستہ سے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ ایک دن تم مجھے دھوکے سے گولی مار دو گی۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں دوسری دنیا میں بھی تمہارا منتظر رہوں گا۔ کیا تم نے بھی رائیڈر ہیگرڈ کا کوئی رومانس پڑھا ہے۔"

تاریہ جواب دیئے بغیر پھر چل پڑی۔ اچانک اسی وقت قریب ہی کہیں ایک زوردار دھماکہ ہوا اور وہ دونوں منہ کے بل گرتے گرتے بچے۔ تاریہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی اور اس کے ہاتھ زمین پر ٹکے ہوئے تھے۔

"اٹھو...... بھاگو......!" حمید اسے کھینچ کر سیدھا کھڑا کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ وہ اٹھی لیکن اس کے پیر پھر لڑکھڑا گئے۔ وہ دبی ہوئی آواز میں گالیاں بک رہی تھی۔

دفعتاً انہیں ڈاکٹر سلمان کی آواز سنائی دی۔ "چلتے رہو......کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے اس پناہ گاہ کو برباد کر دیا ہے۔"

پھر وہ ان کے قریب پہنچ کر بولا۔ "میں نہیں چاہتا کہ میری پناہ گاہوں پر دوسروں کی نظر پڑے۔ ہاں بس سیدھے ہی چلو......ہمیں زیادہ نہیں چلنا پڑے گا۔"

ریکریئیشن ہال میں

وہ ایک اداس شام تھی۔ شام صرف شام ہوتی ہے۔ وقت کو اداسی یا خوشی سے کیا سروکار۔ اداس تو حمید تھا اسی بھیڑیئے کی طرح جو اپنے جھنڈ سے الگ ہو گیا ہو۔ یا جس کی مادہ کسی شکاری کی رائفل کی نظر ہو گئی ہو۔

اب اسے اس ماحول میں بڑی گھٹن محسوس ہوتی تھی۔ بعض اوقات تو اسے یقین ہی آجاتا تھا کہ وہ سچ مچ اپنے راستے سے بھٹک گیا ہے۔ بھوری پہاڑیوں کے ہنگامے کے بعد دو دن تک اس

سان نہیں دیکھا۔ موڈ ہی کچھ ایسا تھا دن بھر اپنے کمرے میں پڑا رہتا۔ کمرے سے نکلتا بھی تو ے زیادہ لائبریری تک کی دوڑ ہو جاتی، وہاں اس توقع پر جاتا کہ کچھ دیر ساحرہ ہی سے گفتگو لیکن آج کل ساحرہ عجیب سے عجیب تر ہو گئی تھی۔ وہ لائبریری کے فرش پر کتابوں کے ڈھیر ے دوزانو بیٹھی انہیں گھورتی رہتی۔ اگر کوئی اس کی اس مصروفیت میں مخل ہوتا تو اس کے چہرے پر ی کرب کے آثار صاف نظر آنے لگتے۔

وہ حمید کی طرف مڑی اس کی آنکھوں میں ایک غم ناک سا احتجاج ہوتا لیکن ہونٹوں پر بے ی مسکراہٹ نظر آتی اور وہ کہتی۔ "سہیل...... مجھے بتاؤ ان کتابوں میں کیا ہے...... میں ہو جاؤں گی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ ساری کتابیں میں پڑھ چکی ہوں لیکن میں ان یک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتی ہوں۔"

پھر وہ آنکھیں بند کر کے اپنی پیشانی رگڑنے لگتی۔

آج کل اس کا بے بی ساری کوٹھی میں ٹیاؤں ٹیاؤں کرتا پھرتا لیکن وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا بھی نہ دیکھتی۔

آج حمید کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا اور دوپہر کے کھانے کے بعد ساحرہ میز سے اٹھ گئی۔ د نے اس کا تذکرہ ڈاکٹر سلمان سے چھیڑ دیا۔

"میں کیا بتاؤں کیپٹن۔" ڈاکٹر سلمان نے غمگین آواز میں جواب دیا۔ "وہ بچپن ہی سے ایسی ہے۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اس کے مرض کو سمجھ سکوں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ بہتیرے ماہرین یات نے اسے دیکھا ہے ان کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ نقص پیدائشی ہے۔"

"کیا آپ اس نقص کو ہپناٹزم کے ذریعے نہیں دور کر سکتے۔"

"شاید ہپناٹزم کے متعلق تمہاری معلومات وسیع نہیں ہیں۔" ڈاکٹر سلمان کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ہپناٹزم کے ذریعہ صرف لاشعوری گرہیں کھولی جاسکتی ہیں۔ برین یا مغز کی کوئی خامی نہیں دور کی اسکتی۔ مثال کے طور پر مبڈ بولا...... مگر چھوڑو...... ایک لمبی گفتگو چھڑ جائے گی۔ بہرحال اسے یوں سمجھ لو کہ پیدائشی اندھوں کو کسی قسم کا بھی علاج بینا نہیں کر سکتا۔"

ڈاکٹر مجھے اس پر بہت رحم آتا ہے۔

ڈاکٹر سلمان کچھ نہ بولا۔ ویسے اس کے انداز سے یہی مترشح ہو رہا تھا جیسے وہ اس تذکرے کو

یہیں ختم کر دینا چاہتا ہو۔

"لیکن آپ نے اس پر اتنی پابندیاں کیوں عائد کر رکھی ہیں۔"

"پابندیاں......نہیں تو......کیا وہ خود کہہ رہی تھی۔"

"نہیں اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ مجھ سے زیادہ تر کتابوں یا اپنے "بے بی" کی گفتگو کرتی ہے۔"

"کسی قسم کی بھی پابندیاں نہیں ہیں۔ میں اس سے اکثر کہتا ہوں کہ کچھ دیر کے لئے باہر بھی جایا کرے۔ مگر جائے کہاں۔ اس کی کسی سے جان پہچان ہی نہیں ہے۔ وہ خود ہی کسی سے ملنا پسند نہیں کرتی۔"

"میں آج شام اسے اپنے ساتھ باہر لے جاؤں گا۔"

ڈاکٹر کے چہرے پر پہلے تو ہچکچاہٹ کے آثار نظر آئے پھر بولا۔ "لے جاؤ مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ تم سے کافی حد تک مانوس ہوگئی ہے۔ ورنہ بعض اوقات تو میں اپنے لئے بھی اس کی آنکھوں میں نفرت دیکھتا ہوں۔"

"میں......!" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اس کی بچکانہ باتوں کو بھی بہت اہمیت دیتا ہوں۔ میں اسے احساس نہیں ہونے دیتا کہ وہ ذہنی اعتبار سے مجھ سے کمتر ہے۔"

"اس ہمدردی کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں......کیپٹن۔"

پھر یہ بات آگے نہیں بڑھی۔

بہر حال وہ ایک اداس شام تھی۔ اداس یوں کہ حمید کے ساتھ ایک بڑی دل کش لڑکی تھی مگر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ حمید کے ساتھ ایک دلکش لڑکی ہو اور جس شام یہ واقعہ پیش آئے اسے بھلا دو۔ اداس کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔ بات سو فیصدی حیرت انگیز ہو سکتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ حمید بہت اداس تھا۔ اداسی کی وجہ یہ تھی کہ وہ دل کش تھی مگر بے جان۔ اس میں وہ ذہنی طراریاں نہیں تھیں جن کا حمید خوگر تھا۔ وہ چالاک اور عیار قسم کی لڑکیوں میں خوش رہتا تھا۔ اس کے لئے وہ لڑکیاں بڑی دلچسپ ہوتی تھیں جنہیں قابو میں رکھنے کے لئے اُسے ہر لحہ ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔ وہ انہیں بہت پسند کرتا تھا جو اسے ہر لحہ نئی چوٹ دینے کی تاک میں رہتی تھیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ عیار ترین لڑکیوں کو بیوقوف بنانے میں اسے جو مسرت حاصل ہوتی تھی وہی اس کی تفریح تھی اور

یہی تفریح سے وہ آج کل محروم تھا۔

جب اس نے ساحرہ سے کہا کہ وہ آج اسے باہر لے جائے گا تو اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "نہیں......میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔"

"میں یہاں سے کیوں چلا جاؤں گا۔"

"بھائی جان آپ کو یہاں نہیں رہنے دیں گے۔"

"کیوں......؟"

"اوہ......آپ نہیں سمجھتے۔"

"کیا نہیں سمجھتا۔"

"مجھ سے بحث نہ کرو......میں نہیں جاؤں گی۔"

"تمہیں چلنا پڑے گا۔" حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"میں بھائی جان سے بالکل نہیں ڈرتی۔ مگر وہ آپ کو یہاں نہیں رہنے دیں گے۔"

"تو کیا بگڑے گا میرا......میں کہیں اور جا رہوں گا۔"

"آپ نہیں جا سکتے......کبھی نہیں ہرگز نہیں۔"

"تم لباس تبدیل کرو اپنا......ہم فیریز ڈریم چل رہے ہیں۔"

"فیریز ڈریم......!" ساحرہ نے حیرت سے کہا۔ "وہ جہاں مرد اور عورتیں ناچتے ہیں۔"

"ہاں وہیں۔"

"نہیں......وہاں تو بھائی جان بیٹھتے ہیں۔ میں جانتی ہوں۔"

"تم کیا جانو۔"

"وہاں سے اکثر ان کے فون آتے ہیں۔"

"اچھا تو کہیں اور چلیں گے۔"

"آپ نہیں سمجھتے......بھائی جان کو کسی نہ کسی طرح معلوم ہو جائے گا۔"

"میں نے ڈاکٹر سے اجازت لے لی ہے۔"

"نہیں......!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں ہاں......تم اتنی ڈرپوک کیوں ہو۔"

"میں ڈرپوک نہیں ہوں......لیکن اگر انہوں نے آپ کو......!"

"وہ مجھے قیامت تک نہیں نکال سکتے۔ کیونکہ میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا تھا۔"

"کیا کہہ دیا تھا۔"

"یہی کہ ساحرہ بڑی بدصورت لڑکی ہے۔ اس کے سر پر بال ہی نہیں ہیں اور آنکھیں ہیں بٹن۔ ہونٹ نہ ہوتے تو اچھا تھا۔ کان ایک ایک بالشت کے ہونے چاہئے تھے اور ساحرہ کی ناک بالکل چپٹی ہے......اور ساحرہ......!"

"بس بس......!" ساحرہ ہنسنے لگی۔ "آپ جھوٹے ہیں۔ آپ نے یہ سب کچھ کبھی نہ کہا ہوگا۔"

"تم چلتی ہو یا نہیں۔"

"آپ تو سمجھتے ہی نہیں۔"

"میں کہتا ہوں تم اپنا لباس تبدیل کرو......ورنہ میں......!"

"اچھا آپ نہیں سمجھتے۔ میں چل رہی ہوں۔ لیکن اگر بھائی جان نے آپ کو یہاں سے نکالا میں خودکشی کرلوں گا۔"

وہ چلی گئی۔ حمید اس کی واپسی کا منتظر رہا۔ اسے اپنے ساتھ لے جانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ حمید اسے سمجھ سکے۔ یہ لڑکی اس کے لئے ایک سوال تھی ایک مسئلہ تھی۔ وہ جو تاریخ فلسفہ جیسی کتابوں کے حواشی پر ریمارک لکھ سکتی تھی......لیکن خود کو غیر تعلیم یافتہ ظاہر کرتی تھی۔ وہ جو کبھی کبھی بچوں کی سی باتیں کرتی ہوئی بہک کر فلسفیانہ انداز میں بولنے لگتی تھی۔ حمید اسے ہر زاویئے سے دیکھنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لباس تبدیل کر کے واپس آ گئی۔ حمید نے اسے حیرت سے دیکھا۔ وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن حمید اداس تھا اور اسے شام بڑی اداس معلوم ہو رہی تھی۔

حمید نے پہلے ہی سوچا تھا کہ فیریز ڈریم جائے گا مگر ساحرہ کے یاد دلانے پر خیال آیا کہ ڈاکٹر وہاں کے مستقل ممبروں میں سے ہے۔

فیریز ڈریم کے علاوہ رام گڈھ میں دوسری تفریح گاہیں بھی تھیں مگر فیریز ڈریم کی بات ہی اور تھی۔ بہرحال حمید نے وہاں جانے کا خیال ترک کر دیا۔

وہ دونوں تھری کیسلس میں آئے اور حمید نے دفعتاً محسوس کیا کہ ساحرہ مسرور نظر آنے لگی؟

نہ جانے کتنی نگاہیں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں لیکن وہ حمید کے علاوہ اور کسی کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

وہ دونوں ایک خالی میز پر جا بیٹھے۔

"تم شراب پیتے ہو۔" ساحرہ نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"کیوں......؟" حمید اسے گھورنے لگا۔

"یونہی پوچھ رہی ہوں۔"

"نہیں میں شراب نہیں پیتا۔"

"تم سچ مچ بہت اچھے ہو......بہت اچھے......مجھے شرابیوں سے بڑی نفرت ہے۔ میں جانتی ہوں بھائی جان بھی پیتے ہیں......مگر میں کیا کرسکتی ہوں۔"

"تم اپنے بھائی جان کی کتنی بُری عادتوں سے واقف ہو۔"

"بس یہی جانتی ہوں کہ وہ بہت پیتے ہیں۔ ان کے کمرے میں چاروں طرف بوتلیں ہی بوتلیں نظر آتی ہیں۔ مگر میں نے انہیں نشے میں کبھی نہیں دیکھا۔ اور کیا یہاں ناچ نہیں ہوتا۔"

"ہوتا ہے دوسری طرف......ابھی شروع نہیں ہوا۔ کیا تم ناچنا جانتی ہو۔"

"نہیں......مجھے نہیں آتا۔"

"سیکھو گی۔"

"نہیں......کیا کروں گی سیکھ کر۔ آج چلی آئی ہوں تمہارے ساتھ، روز تھوڑا ہی آؤں گی۔"

"میں روز لاؤں گا تمہیں۔"

"واہ......اچھی زبردستی ہے۔"

"بےکار باتیں نہ کرو......وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔ ڈاکٹر سلمان میری بات نہیں ٹال سکتے۔"

"آخر کیوں؟ میں اکثر سوچتی ہوں کہ بھائی جان آپ کا اتنا خیال کیوں کرتے ہیں۔"

"وہ اس پر مجبور ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیونکہ ادارہ روابط عامہ میرے بغیر نہیں چل سکتا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ساحرہ سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کرے۔ اسے سب سے زیادہ فکر تنظیم کی سربراہ "ملکہ کائنات" کی تھی۔ پہلے اس کا خیال تاریہ کی طرف گیا تھا لیکن پھر الفانسے والے واقعے نے اس کی تردید کر دی تھی۔ تنظیم کی سربراہ اس قسم کی کوئی عورت ہرگز

نہیں ہوسکتی۔ وہ عورت بھی یقیناً بہتیرے مردوں سے برتر ہوگی۔ تاریہ تو ایک جنس زدہ عورت کی
خواہشات کی غلام...... مساکسٹ عورتیں تو چاہتی ہیں کہ ان پر سختی سے حکومت کی جائے۔ ان م
دوسروں پر حکومت کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"ڈاکٹر نے شادی نہیں کی۔"

"نہیں......!"

"ان کی دوست بہتیری عورتیں ہوں گی۔"

"ہوں گی...... مجھے علم نہیں۔"

"کوٹھی میں کبھی کوئی نہیں آتی۔"

"کوئی نہیں...... میرا خیال ہے ان کے دوستوں میں کوئی عورت نہیں ہے۔ لیکن تم نے یہ تذکرہ کیوں چھیڑ دیا۔"

"کچھ نہیں...... یونہی۔"

"تم کبھی مجھ سے صاف صاف گفتگو نہیں کرتے۔"

"میں نہیں سمجھا کہ صاف صاف گفتگو کرنے سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"تم نے بھائی جان کا تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔"

"آہا...... تم ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ میں نے ان کی شادی کہیں طے کردی ہے۔"

"ارے ذرا ادھر دیکھو......!" ساحرہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک طرف اشارہ کیا۔

"وہ آدمی مجھے اس طرح گھور رہا ہے جیسے میں نے اسے گالی دی ہو۔"

"تمہاری شادی کب ہوگی۔"

"یہ آج تمہیں کیا ہوگیا ہے۔" ساحرہ اسے گھورنے لگی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔
"نہیں اب کبھی تمہارے ساتھ نہ آؤں گی۔"

"کیوں......؟"

"تم بے کار باتیں لے بیٹھتے ہو۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک آدمی ان کی میز کے قریب آ کر کھڑا ہوگیا۔ پہلے تو ایسا معلوم

جیسے وہ کسی غلط جگہ پر چلا آیا ہو۔ اس وقت تمام میزیں بھر چکی تھیں۔ وہ شاید کسی مناسب جگہ کی
ش میں تھا۔ پھر اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"جناب عالی اگر بُرا نہ مانیں تو کچھ دیر یہاں بیٹھنے کی اجازت طلب کروں۔"

"ضرور تشریف رکھئے جناب۔" حمید نے مسکرا کر جواب دیا۔ "مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ
پ ہم سے جان پہچان پیدا کرنے کی کوشش کریں۔"

"اوہو...... شکریہ۔" وہ بیٹھتا ہوا بولا۔ "مگر جناب یہ کیسے ممکن ہے کہ میں آپ کی میز پر
موش بیٹھوں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ آدمی حیوان ناطق کہلاتا ہے۔ تنہائی میں بھی اس سے خاموش
ہیں رہا جاتا۔ وہ گانے لگتا ہے خواہ آواز ایسی ہی کیوں نہ ہو کہ پڑوسیوں کو کسی کانجی ہاؤز کا دروازہ
ٹ جانے کا شبہہ ہونے لگے۔"

"بلاشبہ آپ اچھا خاصا بول لیتے ہیں۔"

"آپ لوگ کیا پئیں گے۔"

"شکریہ...... ہم لوگ کچھ نہیں پئیں گے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

ساحرہ آنے والے کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ حمید کو یہ بات بھی کھلنے لگی۔ وہ سوچ رہا
تھا کہ اب یہاں سے اٹھ ہی جانا چاہئے۔

اتنے میں ریکریئشن ہال میں موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید نے ساحرہ سے کہا۔

"چلو ادھر چلیں۔"

"چلو......!" ساحرہ کھڑی ہوگئی۔

"اوہو ٹھہریئے۔" اجنبی نے افسوس ظاہر کرنے والے انداز میں کہا۔ "میری وجہ سے آپ
لوگ اٹھ رہے ہیں، میں جا رہا ہوں۔ آپ تشریف رکھئے۔"

حمید ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اسے بیٹھنا ہی پڑا۔ اگر سامنے سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوتی
ہی ہوتی تب بھی وہ وہیں بیٹھ جاتا کیونکہ اجنبی اپنی ٹھیک آواز میں بولا تھا اور وہ آواز فریدی ہی کی
ہوسکتی تھی

"بیٹھ جاؤ......!" اس نے ساحرہ سے کہا۔ "واقعی مجھ سے بداخلاقی سرزد ہوئے جارہی تھی۔"

اجنبی سگار سلگانے لگا تھا۔ ساحرہ بیٹھ گئی۔ لیکن وہ اجنبی کے بجائے حمید کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ کچھ پلانے جارہے تھے۔" حمید نے اجنبی سے کہا۔

"ٹھنڈا پانی۔" اجنبی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ پھر فرانسیسی زبان میں بولا۔ "تم مرف کھیاں مار رہے ہو۔ تم نے اب تک کیا کیا۔"

"ابھی تک تو کچھ بھی نہیں کیا۔ مجھے اس لڑکی سے صرف ہمدردی ہے۔"

"لڑکی کے بچے......کیا تمہیں......!"

"اوہو......ٹھہریئے......آپ خفا کیوں ہورہے ہیں۔ آج کل میں صرف عورتوں میں کام کررہا ہوں تاکہ تنظیم کی سربراہ تک پہنچ سکوں۔ مگر یہ تھریسیا بمبل بی کون ہے۔"

"میں نے بھی سنا ہے لیکن مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ویسے وہ لوگ نہ جانے کیوں ڈاکٹر سلمان سے الجھ گئے ہیں۔" اجنبی نے کہا۔

"تو پھر اس کا مطلب ہے کہ میں تھریسیا اور اس کے ساتھیوں سے بھی نپٹ سکتا ہوں۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اسلئے اس تذکرے کو آگے نہ بڑھاؤ۔ یہ لڑکی کون ہے۔"

"ڈاکٹر سلمان کی بہن۔"

"خیر تم جو چاہو کرو......مجھے اس سے سروکار نہیں۔ لیکن اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔"

ساحرہ حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ فرانسیسی زبان اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

حمید چند لمحے اجنبی کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "تاریہ الفانسے کو زہر دے گی۔ ڈاکٹر نے اسے ٹرانس میں لاکر یہ سجیشن دیا تھا۔"

"یہ الفانسے کیا بلا ہے۔"

"شاید وہ بلا میرے سامنے ہی بیٹھی ہوئی ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"فضول باتوں میں مت پڑو......کام کرو......وقت بہت کم ہے۔ فی الحال تھریسیا نے الجھا لیا ہے۔ ورنہ وہ کوئی بہت بڑی حرکت کر بیٹھتے۔ وہ فاشی انقلاب کی تیاریاں کررہے ہیں۔"

حمید کو یہ سن کر حیرت ہوئی۔ کیونکہ ڈاکٹر سلمان نے اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔

"اوہ......اچھا......تو پھر اب مجھے سنجیدگی اختیار کرنی چاہئے......مگر ہاں یہ تو بتایئے کہ قاسم والے معاملے کا کیا بنا۔"

"اس کا باپ واپس چلا گیا۔ اس نے اپنی رپورٹ واپس لے لی ہے۔ قاسم یہیں ہے روحی کے ساتھ۔"

"کیا بوڑھا اسے واپس نہیں لے گیا۔"

"نہیں چھپ گیا تھا......لیکن اب تم قاسم واسم کے چکر میں نہ پڑو......سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میں تھریسیا سے ملنا چاہتا ہوں۔"

اجنبی اس کا جواب دیئے بغیر اٹھ گیا۔

ساحرہ چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ "تم کس زبان میں گفتگو کررہے تھے۔ یہ کون تھا۔"

"ایک آوارہ فرانسیسی......وہ ہمیں بھی فرانسیسی ہی سمجھا تھا۔ یہ میری فرنچ کٹ ڈاڑھی دیکھ رہی ہونا......وہ کہہ رہا تھا کہ تم بہت واہیات ہو۔ مجھ سے بولا کہ ایسی بدصورت لڑکی کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

"اس نے کہا تھا۔" ساحرہ نے غمگین انداز میں ایک سسکی لی۔

"کہا تھا......لیکن میں نے اس کا دماغ درست کردیا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔"

"نہیں......!" ساحرہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسی پھر بولی۔ "ہم ادھر جارہے تھے جہاں رقص ہونے والا ہے۔"

"ہاں......آں چلو......!" حمید اٹھ گیا۔ وہ ریکریئیشن ہال میں آئے۔

یہاں آرکسٹرا نے موسیقی شروع کردی تھی۔ لیکن رقص میں ابھی دیر تھی۔

دفعتاً حمید چلتے چلتے رک گیا۔ اس کا منہ حیرت کے اظہار میں پھیل گیا تھا۔

کلب میں ہنگامہ

"اب یہاں کیوں رک گئے ہو۔" ساحرہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "ادھر کی ساری میزیں بھری جارہی ہیں۔"

"آ...... ہاں......!" حمید چونک کر اس کی طرف مڑا۔ "اچھا دیکھو...... تم وہاں کسی خالی میز پر بیٹھ جاؤ...... میں ابھی آرہا ہوں۔"

"میں اکیلے کبھی نہ بیٹھوں گی...... مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"یہاں بھیڑیے نہیں ہیں جو تمہیں کھا جائیں گے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"تم کہاں جارہے ہو۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "اچھا میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں پھر ڈائننگ ہال میں واپس آگئے۔

حمید اسے اسی میز پر بٹھا کر جہاں وہ کچھ دیر پہلے بیٹھے ہوئے تھے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔
یہاں اس نے فون پر ڈاکٹر سلمان کے نمبر ڈائیل کئے لیکن وہ کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار نظر آنے لگے۔ مگر پھر اسے یاد آیا کہ وہ اس وقت فیریز ڈریم میں ہوگا۔

اس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ ڈاکٹر وہیں موجود تھا۔

"ہیلو...... ڈاکٹر...... میں سہیل ہوں۔ تھری کیٹس سے بول رہا ہوں۔"

"اوہو...... مجھے توقع تھی کہ تم یہاں آؤ گے...... کیوں کیا بات ہے۔"

"آپ فوراً یہاں آئیے۔"

"کیوں......؟"

"فون...... پر نہیں بتاؤں گا...... بہرحال آپ کا پہنچنا ضروری ہے۔ یہ میں صرف ساحرہ کے لئے کہہ رہا ہوں۔ اگر تنہا ہوتا تو آپ کو تکلیف نہ دیتا۔"

"میں آرہا ہوں......!" ڈاکٹر نے کہا اور سلسلہ منقطع کردیا۔

حمید پھر واپس میز پر آگیا۔

"کیا بات ہے۔ تم نے کس کو فون کیا تھا۔"

"ڈاکٹر کو میں نے یہاں بلایا ہے۔"

"کیوں......؟"

"ان کی موجودگی میں تمہیں رقص سکھاؤں گا۔"

"کیا مطلب......؟"

"کہو تو اس جملے کا انگریزی میں ترجمہ کردوں۔"

"تم نے بھائی جان کو کیوں بلایا ہے؟"

"ایک بار کہہ دیا اب خاموش رہو۔"

ساحرہ کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "جب تم مجھے پریشان کرتے ہو تو دل چاہتا ہے کہ تمہارے تھپڑ لگاؤں۔"

"کوشش کر کے دیکھو۔" حمید مسکرایا۔

"میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ تم بہت بے درد آدمی ہو۔"

"تم مجھے الزام دے رہی ہو...... ساحرہ...... کیا تم اسے ثابت کرسکو گی۔"

ساحرہ کچھ نہ بولی۔

حمید نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا اور ساحرہ کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔ "اگر تم شراب پینا چاہو تو......!"

"مت بولو مجھ سے۔" ساحرہ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"کل سے نہیں بولوں گا۔ اس وقت تو بولنے ہی دو۔ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ آج ہم اس وقت آخری بار گفتگو کررہے ہیں۔"

ساحرہ اُسے گھورنے لگی۔

"کل میں رام گڈھ سے چلا جاؤں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں......!"

"ہاں...... کل ہی۔"

"تم نہیں جاسکتے...... ہرگز نہیں۔"

اتنے میں کافی آ گئی...... ساحرہ کا جملہ پورا نہ ہو سکا۔

"تم نہیں جا سکتے...... میں تمہیں آگاہ کر رہی ہوں۔" اس نے ویٹر کے چلے جانے پر کہا "اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ میں اپنی زندگی سے عاجز آ گئی ہوں۔"

"چلو...... کافی بناؤ" حمید نے ٹرے اس کی طرف کھسکا دی۔

"میں...... پاگل ہو جاؤں گی...... اس ویران عمارت میں۔"

"ویران کیوں...... نصف درجن سے زائد تو نوکر ہیں تمہارے۔"

"دیکھو...... اب میں پاگلوں ہی کی طرح چیخنا شروع کر دوں گی۔ تم مجھے غصہ دلا رہے ہو۔"

"تم اس وقت بھی پاگلوں ہی کی سی باتیں کر رہی ہو۔ کیا نوکروں کا تذکرہ تمہیں پاگل کر دیتا ہے۔"

"تم آخر...... میری بات سمجھتے کیوں نہیں۔" ساحرہ نے ایک طویل سانس لے کر بے بسی سے کہا۔ "کیا میں نوکروں کے کمروں میں صفائی کر سکتی ہوں؟ ان کی چیزوں کی دیکھ بھال کر سکتی ہوں؟ چائے یا کھانے پر ان کا انتظار کر سکتی ہوں۔ ان کے لئے چیزیں خرید سکتی ہوں؟ بتاؤ خاموش کیوں ہو۔"

حمید کرسی کی پشت سے ٹک کر اُسے گھورنے لگا۔

ساحرہ نے کافی کی پیالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کیا میں نوکروں کے انتظار میں رات گئے تک جاگ سکتی ہوں۔ میں کبھی تمہارے آنے سے پہلے نہیں سوئی۔"

"ارے...... مجھے نہیں معلوم تھا۔"

"تم کیا جانو......!" وہ شکایت آمیز لہجے میں بولی۔ "میں باہر برآمدے میں پام کے بڑے گملوں کی اوٹ میں کھڑی رہتی ہوں جب دیکھتی ہوں کہ تم آ رہے ہو تو چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔"

"تم ایسا کیوں کرتی ہو۔"

"نہ جانے کیوں...... میں خود اکثر سوچتی ہوں۔ میں نہیں بتا سکتی کہ میں کیوں ایسا کرتی ہوں اور تم بھی نہیں سمجھ سکتے۔ پہلے جب تم نہیں آئے تھے تو میں "بے بی" کے لئے پریشان رہا کرتی تھی۔ مگر اب مجھے اس کی بالکل پرواہ نہیں ہے۔ اکثر سوچتی ہوں مگر تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ تم ہنسو گے مجھ

مجھے خود بھی ہنسی آتی ہے۔"

وہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنے لگی۔

"نہیں...... تم بتاؤ...... میں نہیں ہنسوں گا۔"

"تم میرا مضحکہ اڑاؤ گے۔ میں نہیں بتاؤں گی۔"

"نہیں میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"اوہ...... وہ......!" ساحرہ سر جھکا کر اپنی انگلیاں مروڑتی ہوئی بولی۔ "میں سوچتی ہوں کاش تم ایک...... نہیں نہیں...... میں نہیں بتاؤں گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر ہنسنے لگی حمید اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

ساحرہ اسی طرح منہ پر ہاتھ رکھے ہنستی رہی پھر اس ہنسی میں شرمیلا پن بھی شامل تھا اور وہ اس وقت پہلے سے بھی زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔

"تم نہیں بتاؤ گی۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ب...... بتاتی ہوں...... مگر تم خفا نہیں ہو گے۔"

"میں اب چپ چاپ اٹھ کر چلا جاؤں گا...... تم خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کر رہی ہو۔"

"پھر خفا ہو گئے تم...... میں دراصل سوچتی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "کاش تم ایک ننھے سے بچے ہوتے۔ میں تمہیں تھپک تھپک کر سلاتی۔ تمہارے لئے ننھے ننھے سویٹر بنتی، ننھے ننھے کپڑے چھوٹی سی قمیض...... ننھی سی نیکر......!"

اس کی آنکھیں پھر ویسی ہی ہو گئیں تھیں جیسے بیداری میں خواب دیکھ رہی ہو۔

وہ کہتی رہی۔ "کاش...... تم ایک ننھے سے بچے ہوتے...... تم روٹھتے...... ضد کرتے...... میں تمہیں مناتی...... اور میں تمہارے لئے ساری کی ساری رات جاگ کر گزار دیتی۔ کاش تم......؟"

اس نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ رو رہی ہے۔ اس کے رخساروں پر بڑے بڑے آنسو ڈھلک آئے تھے۔

"ساحرہ یہ کیا کر رہی ہو تم۔ یہاں تم ایک بڑے مجمعے میں ہو۔ لوگ دیکھیں گے تمہیں۔"

وہ یک بیک اس طرح چونک پڑی جیسے ابھی تک خود کو تنہا محسوس کر رہی ہو۔

"میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپاتی ہوئی بولی۔ پھر اس نے

جلدی جلدی رومال سے آنسو خشک کئے اور کافی کی پیالی پر جھک گئی حمید خاموش تھا۔ اب وہ ا حد تک سمجھ رہا تھا۔ مگر یہ بے بسی وہ اس بے چارگی میں کیوں مبتلا ہے۔ حمید سوچتا رہا اور اس کی کا ٹھنڈی ہوگئی۔ وہ اس لڑکی کے لئے صحیح معنوں میں موم ہو گیا تھا۔ لیکن یہ سوال بھی اس کے ذہن برابر ہتھوڑے چلا رہا تھا کہ وہ آخر اس بے چارگی میں کیوں مبتلا ہے؟

کچھ دیر بعد ڈاکٹر سلمان وہاں پہنچ گیا۔ جسے دیکھ کر ساحرہ سچ مچ متحیر رہ گئی۔ اس نے حمید طرف شکایت آمیز انداز میں دیکھا۔ ڈاکٹر سلمان ان کی میز کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے ان دونوں کو باری باری سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ساحرہ کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "انہوں نے کہا تھا کہ... آپ نے اجازت دے دی ہے۔"

"کیا ہم فرانسیسی میں گفتگو کر سکتے ہیں۔" حمید نے ڈاکٹر سلمان سے انگریزی میں کہا۔

"ہاں کیا بات ہے؟" ڈاکٹر نے فرانسیسی میں کہا۔ حمید کو اس پر حیرت ہوئی۔ کیونکہ اس کا لہ بھی فرانسیسیوں ہی کا تھا۔

"وہاں ریکریئشن ہال میں تاریہ کے کئی آدمی موجود ہیں۔" حمید نے کہا تھا۔

"تو پھر......!"

"میرا مطلب ہے وہ ان گھٹیا قسم کے لوگوں میں سے ہیں جن کی موجودگی یہاں حیرت انگیز ہے۔ انہیں لباس تک پہننے کا سلیقہ نہیں ہے۔"

"پھر میں کیا کروں۔" ڈاکٹر سلمان جھنجھلا گیا۔ "بس اتنی ہی سی بات کے لئے تم نے مجھے یہاں تک دوڑایا ہے۔"

"آپ پوری بات بھی تو سنئے...... مجھے شبہ ہے کہ وہ گھر سے یہاں تک میرا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہیں۔ شبہ نہیں بلکہ مجھے یقین ہے۔"

"وہم ہے تمہارا...... آخر تم کس بناء پر اس وہم کا شکار ہوئے ہو۔"

"اس کی وجہ معقول ہے جب آپ بھوری پہاڑیوں میں تھریسیا کے آدمیوں کا مقابلہ کر رہے تھے میں نے تاریہ سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اسے دستی بم پھینکتے دیکھا تھا؟"

"یہ تم نے کیا حماقت کی تھی۔" ڈاکٹر سلمان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوہو مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ اس سلسلے میں کسی قسم کی حکمت عملی کو دخل دیں گے۔ میں تو سمجھا تھا کہ تاریہ کو فی الفور سزا دی جائے گی۔"

"تو پھر تمہیں اس وقت تذکرہ کرنا چاہئے تھا جب میں اسے ٹرانس میں لا کر اس سے سوالات کر رہا تھا۔"

"بس میں کیا کروں...... مجھ سے اکثر اس قسم کی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ویسے میں نے تاریہ کو اطمینان دلا دیا تھا کہ میں ڈاکٹر سلمان سے اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔"

"یہ اور زیادہ احمقانہ بات تھی۔"

"وہ دیکھئے...... دراصل اسے قابو میں رکھنے کے لئے میں نے اسے یقین دلایا تھا کہ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اگر وہ الفانسے کا خیال دل سے نکال دے تو میں ڈاکٹر سلمان سے اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔"

"اور تم نہ کرتے کیوں؟" ڈاکٹر سلمان اسے گھورنے لگا۔

"یقیناً کرتا...... مگر مجھے تو خیال تھا کہ آپ نے بھی اسے دستی بم پھینکتے ہوئے دیکھا ہوگا۔"

"تمہاری گفتگو مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔ کیا میں سمجھ لوں کہ تمہارے خیالات پھر بدل رہے ہیں۔"

"قطعی نہیں...... میرے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ دوسری بات بھی میرے ذہن میں تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر تاریہ اسی طرح راہ پر آجائے تو آپ تک یہ بات کیوں پہنچائی جائے۔ تاریہ کی علیحدگی کسی حد تک تنظیم کو کمزور کر سکتی ہے۔"

"ہرگز نہیں......!" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "تاریہ کی کیا حیثیت ہے...... تم نہیں جانتے کہ تنظیم کی پشت پر کتنی بڑی ہستیاں ہیں۔"

"مجھے علم نہیں ہے لیکن تاریہ دردسر تو بن سکتی ہے۔"

"ہاں دردسر تو بن سکتی ہے۔ اس صورت میں ہمارا مقابلہ تین مختلف پارٹیوں سے ہو جائے گا۔"

"تین......!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "تین کون کون سی۔"

"تھریسیا، فریدی، تاریہ۔"

"تھریسیا اور فریدی کو آپ الگ کیوں کر رہے ہیں۔"

"حالات......اگر تھریسیا کا تعلق فریدی سے ہوتا تو وہ کبھی مجھ پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرتی کہ تم دھوکہ دے کر ہم میں آ ملے ہو۔"

"آ...... ہاں...... یہ بات تو ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ظاہر ہے کہ فریدی سے ابھی تک تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔"

"قطعی نہیں......مگر پھر اس صورت میں آپ کو فریدی کا مسئلہ الگ ہی رکھنا پڑے گا۔"

"کیوں......؟"

"اگر تھریسیا فریدی ہی کی اسسٹنٹ نہیں ہے تو پھر کہنے دیجئے کہ فریدی عرصہ ہوا دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہو چکا ہے۔"

"میں اسے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔"

"خیر اس بحث کو چھوڑیئے۔ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ ساحرہ کو اپنے ساتھ لے جایئے۔ میں تاریہ کے آدمیوں سے نپٹ لوں گا۔"

"تنہا......!"

"ہاں......آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔"

"اچھا......!" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "میں تمہاری یہ صلاحیت بھی آزمانا چاہتا ہوں۔"

"شوق سے۔ میں اس قسم کے شکار کھیلنے کا عادی ہوں۔ اگر ان میں کوئی مارا بھی گیا تو مجھے افسوس نہ ہوگا۔"

"اٹھو......!" ڈاکٹر سلمان نے ساحرہ سے کہا۔

"میں اپنی خوشی سے نہیں آئی۔" ساحرہ گڑگڑائی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"اوہو...... آج سردی زیادہ ہے۔ اس لئے واپس چلو...... مجھے تمہارے آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرا کر بولا۔

ڈاکٹر سلمان اسے ساتھ لے کر ہال سے نکل گیا۔ حمید کی دانست میں تاریہ کا ایک آدمی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ حمید نے وہیں بیٹھے بیٹھے مزید کافی طلب کی۔ تاریہ کا ایک آدمی وہیں موجود رہا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ اسے ڈاکٹر سلمان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ حمید نے اس بار کافی ختم کرنے میں تقریباً بیس منٹ لئے۔

اس کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اسے بہرحال نہ صرف ان لوگوں کے نرغے سے نکل جانا تھا بلکہ تاریہ کو بھی ایک اچھا سبق دینا تھا۔

کافی ختم کر کے حمید نے بل ادا کیا اور اٹھ کر ریکریئیشن ہال میں چلا آیا۔ یہاں رمبا کا دور چل رہا تھا۔ گیلریوں کی میزوں پر صرف مرد نظر آ رہے تھے ان کی تعداد بھی برائے نام ہی تھی۔ زیادہ تر رقص کر رہے تھے۔

حمید کو تاریہ کے چار آدمی بھی ایک گیلری میں نظر آئے۔ وہ گھٹیا قسم کے لوگ تھے۔ غیر تعلیم یافتہ، معمولی قسم کے لفنگے، لیکن ان کے جسموں پر قیمتی لباس تھے تاکہ اس ماحول میں کھپ سکیں۔ ورنہ ان میں نہ رقص کا سلیقہ تھا اور نہ اونچے طبقے سے رکھ رکھاؤ کا۔ اس لئے حمید کو اپنے اسی خیال پر قائم رہنا پڑا تھا جو کچھ دیر قبل اس کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ یعنی یہ لوگ وہاں اس کے چکر میں آئے تھے۔

پانچواں آدمی اب بھی اس سے تھوڑے فاصلے پر چل رہا تھا۔

حمید سیدھا اسی میز کی طرف چلا گیا جس کے گرد وہ چاروں بیٹھے ہوئے تھے۔

شائد انہیں اس کی توقع نہیں تھی۔ اس لئے ان کا بوکھلا جانا یقینی تھا۔ وہ یک بیک کھڑے ہو گئے۔

"اوہو......بیٹھو بیٹھو......!" حمید آہستہ سے سر ہلا کر بولا اور ایک کرسی کھینچ کر اسی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ چاروں بھی بیٹھ گئے۔

"اچھا ہوا تم لوگ یہاں مل گئے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "مجھے تم سے ایک کام لینا ہے۔ یہاں کچھ ایسے آدمی موجود ہیں جن سے نپٹنا ضروری ہے۔ لڑکی کو میں نے ڈاکٹر کے ساتھ گھر روانہ کر دیا ہے۔"

وہ چاروں خاموشی سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے۔

"کیوں کیا خیال ہے......اگر تمہیں کوئی پس و پیش ہو تو تاریہ کو فون کر دوں۔"

"ہم......!" ایک نے کھکھار کر کہا۔ "دراصل چھٹی پر ہیں جناب۔"

اتنے میں حمید نے ایک ویٹر کو بلا کر ایک بوتل وہائٹ ہارس اور پانچ گلاسوں کا آرڈر کر دیا۔

ان میں سے کئی نے اپنے ہونٹ چبائے اور زبانیں اندر کر لیں۔

"خیر......!" حمید بولا۔ "میں کوئی دوسرا انتظام کر لوں گا۔ آج نہ سہی پھر سہی۔ یا میں تنہا ہی

نپٹ لوں گا۔ تاریہ اس وقت کہاں ہوگی۔"

"پتہ نہیں جناب۔"

"گھر ہی پر ہوگی۔" دوسرے نے جواب دیا۔ جو ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بار بار گیلری ک سرے پر نظر دوڑانے لگتا تھا۔ شاید اسے ویٹر کا انتظار تھا۔

"آپ نے پانچ گلاس طلب کیے ہیں مگر ہم نہیں پئیں گے۔" پہلا بولا۔

"کیوں...... کیا تم نہیں پیتے۔"

"پیتے ہیں...... مگر اس وقت نہیں پئیں گے۔"

"تم چھٹی پر ہو۔"

"پئیں گے صاحب...... آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"کیا بکواس ہے۔" پہلے نے دوسرے کو ڈانٹا۔

"کیا......!" دفعتاً حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تمہاری اتنی جرأت کہ میرے سامنے او آواز میں بول سکو۔"

اتنے میں ویٹر ایک بڑی ٹرے اٹھائے ہوئے میز کی طرف آتا دکھائی دیا۔ جیسے ہی اس ٹرے میز پر رکھی وہ پانچواں آدمی بھی لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا میز کی طرف بڑھا جو ہال سے حمید تعاقب کرتا ہوا آکر گیلری کے سرے پر رک گیا تھا۔

"آؤ...... آؤ......!" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہاں پانچ گلاس ہیں۔"

پہلا آدمی کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر کسی نے بھی شراب پی تو......!"

"تو کیا ہوگا......!" حمید بھی کھڑا ہوگیا۔

"آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔" پہلا بولا۔

"ابے تیرا دماغ چل گیا ہے...... کیا...... بیٹھتا کیوں نہیں۔" دوسرے نے اس کا ہاتھ پکڑ بٹھانے کی کوشش کی۔

لیکن اس نے جھلاہٹ میں اس کے منہ پر ہاتھ رسید کردیا۔ وہ بلبلا کر اٹھا تو میز تیسرے آ پر جا رہی۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا ان میں سے دو لڑ پڑے تھے اور بقیہ تین انہیں الگ کرنے کوشش کر رہے تھے۔ لیکن پھر انہوں نے بھی ان میں سے ایک پر ہاتھ چھوڑ دیئے۔

اس ہلڑ میں یک بیک موسیقی بند ہوگئی اور لوگ اس گیلری کی طرف دوڑنے لگے۔ رقص تھم چکا ایک ریلا آیا اور حمید کھسکتا ہوا گیلری کے نیچے پہنچ گیا۔

اب اسے کیا ضرورت تھی کہ خواہ مخواہ وہاں رک کر وقت خراب کرتا۔ وہ بڑی تیزی سے نگ ہال میں آیا...... اور نہایت اطمینان سے باہر نکلا چلا گیا۔

اس کا ارادہ تو دراصل یہ تھا کہ وہ ان پانچوں کو حلق تک لبریز کرکے چپ چاپ یہاں سے نکل ے گا لیکن حالات نے دوسرا رخ اختیار کرلیا تھا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ حمید کو یہ رخ سب سے ادہ پسند آیا ہو۔ ظاہر تھا کہ کچھ دیر بعد ان پانچوں کو قریبی تھانہ تک لے جانے کی زحمت تو یقیناً دی تی...... اور پھر جو کچھ بھی ہوتا تاریہ کے لئے خوش گوار نہ ہوتا۔

حمید نے کچھ دور چلنے کے بعد ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے تاریہ کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری ف سے فوراً جواب ملا۔ بولنے والی "تاریہ" تھی۔ حمید نے دو چار بار کھانس کر بھرائی ہوئی آواز ں کہا۔ "تاریہ...... میں الفانسے ہوں...... بھوری پہاڑیوں تک فوراً پہنچو۔ کسی کو ساتھ لانے کی رورت نہیں۔ سرائے کے پاس تمہیں ضرور موجود ہونا چاہئے۔"

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

ایک رات ایک صبح

حمید نے ٹیکسی سرائے سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر چھوڑی اور آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا سرائے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ تاریہ کو اگر ڈاکٹر سے باقاعدہ طور پر لڑا دیا جائے تو اس کے لئے ایک نئی الجھن پیدا ہو جائے گی۔ جس کا خدشہ خود اسے بھی لاحق تھا اور غالباً اسی لئے الفانسے والا واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس نے کھلم کھلا اس کے خلاف کارروائی نہیں کی تھی۔

حمید نے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکا لیا۔

اسے یقین تھا کہ الفانسے فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے عادت کے مطابق حمید کو تاریکی ہی میں رکھنے کی کوشش کی ہو۔ بہر حال اگر فریدی ہی تھا تو وہ بھی چاہتا تھا کہ تاریہ اور سلمان آپس میں ٹکرا جائیں۔ پھر حمید ہی اس نیک کام میں پہل کیوں نہ کرتا۔ سوچ رہا تھا کہ اگر حالات نے کوئی دوسرا رخ اختیار کر لیا تو وہ ان دونوں کو مجبور کر دے گا کہ وہ کھلم کھلا ایک دوسرے کے مقابلے میں آ جائیں۔ فریدی سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ انقلاب کی تیاریاں کر رہے ہیں اس لئے انہیں آپس کی الجھنوں میں مبتلا کر دینا بہت ضروری تھا۔

سرائے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ دور، دور تک روشنی نہیں نظر آ رہی تھی۔ سرائے کی پشت پر کوئی کھڑکی بھی نہیں کھلتی تھی۔ اس لئے اندر کی روشنی اس طرف نہیں آ سکتی تھی۔

اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سڑک پر کسی کار کی اگلی روشنیاں دکھائی دیں اور حمید ان کے دائرہ انعکاس سے پیچھے ہٹ گیا۔

لیکن اس نے اوور کوٹ کی جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال کر اسے تیزی سے تین بار روشن کر کے پھر جیب میں ڈال لیا۔

کار میں پورے بریک لگائے گئے اور وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ انجن بند ہوا۔ ہیڈ لائٹس گل ہوئیں اور دھندلا سا سایہ حمید کی طرف بڑھنے لگا۔

"الفانسے۔" ایک تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی۔

"تاریہ......!" حمید نے بھی آہستہ سے کہا اور سایہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"کیا بات ہے الفانسے۔"

"تمہارے آدمیوں نے سہیل کو قتل کر دیا۔"

"مجھے ان سے یہی توقع تھی۔"

دوسرے ہی لمحے میں تاریہ کے گال پر ایک بھرپور ہاتھ پڑا اور وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"الفانسے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"چچا سہیل کہو۔" حمید ہنس پڑا۔

تاریہ پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گئی۔

"تم خود کو بہت چالاک سمجھتی ہو......کیوں......؟"

تاریہ کچھ نہ بولی۔ حمید کہتا رہا۔ "تمہارے وہ پانچوں آدمی اس وقت اپنے ہاتھ پیر گنوا بیٹھے ہوں گے۔ تم میں عقل بالکل نہیں ہے۔ ایسے آدمی کیوں لگائے تھے میرے پیچھے جنہیں میں پہچانتا تھا۔"

"تو کیا تم اس وقت مجھے مار ڈالو گے۔" دفعتاً تاریہ نے سوال کیا۔ حمید لہجے سے اندازہ نہ لگا سکا کہ اس سوال کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔

"کیا نہیں مار سکتا۔" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں......!"

"کیوں......؟"

"کوشش کر کے دیکھ لو......!"

اچانک حمید کو تاروں کی روشنی میں ایک دھندلی سی چمک نظر آئی۔ تاریہ کے ہاتھ میں غالباً خنجر تھا۔

"میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا۔" اس نے کہا۔ "بس یہ ایک تھپڑ ہی کافی ہے۔ بلکہ اس وقت کا تھپڑ ہمارے لئے تنظیم کی طرف سے ایک چیلنج ہے۔ یعنی کہ تنظیم سے برگشتہ ہو کر تم اپنے لئے ایک مستقل عذاب مول لے رہی ہو۔"

"میں تم سب کو دیکھ لوں گی۔"

"ضرور دیکھ لینا......لیکن اس سے پہلے ہی میں تمہیں آگاہ کر دوں کہ ڈاکٹر سلمان کو تمہاری حرکات کا علم ہو چکا ہے۔"

"اوہ......ڈاکٹر سلمان......وہ میرا کیا بگاڑ لے گا۔"

"اچھا بس اب دور ہو جاؤ۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت اس کے پاس ریوالور ہوتا تو کبھی کی اس پر فائر کر چکی ہوتی۔ لہٰذا وہ نہایت اطمینان سے سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔

تاریہ جانے کے لئے کار کی طرف مڑی اور حمید وہیں کھڑا رہا۔

اس کی کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ لیکن اب حمید کو گھر تک پیدل ہی جانا تھا کیونکہ اس سنسان سڑک پر کسی سواری کے ملنے کی توقع دیوانے کے خواب سے کم نہیں تھی۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک چلتے رہنے کے بعد وہ گھر تک پہنچ گیا۔

دوسری صبح کے اخبارات میں تھری کیٹس کے ہنگامے کی خبر آئی تھی۔ پانچوں آدمی زخمی حالت میں ہسپتال پہنچا دیئے گئے تھے اور پولیس تفتیش کر رہی تھی۔ ہنگامے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ بہرحال ان پانچوں نے تو یہی بیان دیا تھا کہ وہ نشے کی حالت میں لڑ پڑے تھے۔ کلب کے ایک ویٹر کا بیان تھا کہ اس نے اس میز پر پانچ ہی آدمی دیکھے تھے لیکن جس نے وہائٹ ہارس کا آرڈر دیا تھا وہ ڈاڑھی والا تھا۔ لیکن زخمیوں میں سے ایک کے بھی ڈاڑھی نہیں تھی۔ ویسے ان پانچوں نے کسی ڈاڑھی والے کے وجود سے لاعلمی ہی ظاہر کی تھی۔

حمید بستر سے اٹھ کر ناشتے کے لئے نیچے جانے ہی والا تھا کہ ساحرہ ناشتے کی ٹرے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ شاید وہی صبح ہی صبح اس کے کمرے میں اخبار بھی پھینک گئی تھی۔

"کیوں...... آج کیوں لائیں ناشتہ......!" حمید نے پوچھا۔

"کیا کرتی...... بھائی جان تو ہیں ہی نہیں۔" اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں گئے۔"

"پتہ نہیں...... وہ مجھ سے کبھی نہیں بتاتے۔ میں نے تو جاتے بھی نہیں دیکھا۔"

"ہام...... بیٹھ جاؤ۔" حمید ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "پچھلی رات انہوں نے کچھ کہا تو نہیں تھا۔"

"نہیں کچھ نہیں...... لیکن تم نے انہیں وہاں کیوں بلایا تھا۔ ان سے کیا گفتگو کر رہے تھے اور پھر خود وہیں کیوں رہ گئے تھے۔ اگر بھائی جان نہ ہوتے تو میں تمہیں وہاں تنہا نہ چھوڑتی۔"

"کیوں......؟"

"بس یونہی...... وہاں بہت سی عورتیں تھیں۔ تم ان کے ساتھ ناچتے رہو گے میں تو کبھی نہ دیکھ سکتی تھی۔"

"کیوں......؟"

"پتہ نہیں کیوں...... بس نہ دیکھ سکتی۔ مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ بس یہ سوچ سوچ کر غصہ آرہا تھا کہ تم دوسری عورتوں کے ساتھ ناچ رہے ہو گے۔"

"اس میں غصہ آنے کی کیا بات ہے۔"

"مجھ سے بحث نہ کرو۔" ساحرہ جھلا گئی۔

حمید خاموش ہو گیا اور ساحرہ چائے بنانے لگی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"مجھے بھی ناچنا سکھا دو۔"

"نہیں سکھاؤں گا۔"

"کیوں......؟"

"بس یونہی...... میں تمہارے ساتھ نہیں ناچوں گا۔"

"آخر کیوں......؟"

"مجھ سے بحث نہ کرو۔" حمید نے ساحرہ کے لہجے کی نقل اتاری اور ساحرہ ہنس پڑی۔ کچھ دیر چپ رہی پھر بولی۔ "مجھے بھائی جان کا عجیب و غریب پیشہ بالکل پسند نہیں ہے۔"

"پھر میں وجہ پوچھوں گا تو کہو گی مجھ سے بحث نہ کرو۔ لہٰذا ایسی باتیں ہی نہ چھیڑو۔"

"نہیں میں اس پر بحث کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"کرو بحث......!"

"تم اعتراض کرو گے میرے خیال پر۔"

"کل کروں گا فی الحال چائے پیو۔ تم میرا دماغ چاٹ ڈالتی ہو۔"

"میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں گولی ماردوں اور اپنے بھی مار لوں...... وجہ نہ پوچھنا۔ بہتیری باتوں کی وجہ میرے دماغ میں نہیں آتی۔"

"ماردو گولی اور خود بھی مر جاؤ...... میں وجہ نہیں پوچھوں گا لیکن تمہیں اپنے بھائی جان کے اس طرح غائب ہو جانے پر تشویش نہیں ہوتی۔"

"نہ جانے کیوں مجھے خوشی ہوتی ہے اگر وہ مر جائیں تو اور زیادہ خوشی ہو۔"

حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا کیونکہ اس نے یہ بات سنجیدگی سے کہی تھی۔

"تم مجھے اس خیال سے برا بھلا کہو گے۔ میں جانتی ہوں اور بعض اوقات مجھے بھی ایسے

حالات سے نفرت معلوم ہوتی ہے مگر میں نے تمہیں حقیقت بتائی ہے۔ مجھے بھائی جان سے بڑی نفرت ہے۔"

"تم آخر مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کیوں کرتی ہو۔"

"نہیں تو......!"

"تمہیں ڈاکٹر سلمان سے نفرت ہے۔"

"ہاں مجھے ان سے گہری نفرت ہے۔ مجھے بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انہوں نے مجھ پر کوئی بہت بڑا ظلم کیا ہو۔"

"تمہیں صرف محسوس ہوتا ہے اس لئے یہ محض وہم ہے۔"

"ہوسکتا ہے وہم ہی ہو......لیکن نفرت ہے مجھے۔"

"میں تمہیں آج تک نہیں سمجھ سکا۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے بیوقوف بنا رہی ہو اور کبھی تم مجھے دنیا کی سب سے زیادہ معصوم ہستی نظر آئی۔ مجھے بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سمجھوں۔"

"جو تمہارا دل چاہے۔" ساحرہ نے لاپروائی سے کہا اور یک بیک مغموم نظر آنے لگی۔

"میں نے دو باتیں کہی تھیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "لہٰذا کسی ایک سے اثر لینا درست نہ ہوگا۔"

"تمہارا اور جو کچھ دل چاہے کہہ دو۔ میرے غم کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں کچھ بھول گئی ہوں جو مجھے یاد نہیں آتا۔ اسی کی الجھن کیا کم ہے اور یہ الجھن کسی دن میرا خاتمہ کردے گی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"جب میں خود ہی نہیں سمجھ سکتی تو تمہیں کیا سمجھاؤں۔"

"تم کیا بھول گئی ہو۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کوئی بہت بڑی بات ہے جو میری لئے بہت اہم تھی...... مجھے یہی محسوس ہوتا ہے۔"

حمید سوچنے لگا کہ اگر یہ لڑکی سچ کہہ رہی ہے تو......

"دوہری شخصیت......!" کا کیس ہے۔ کیا یہ چیز ڈاکٹر سلمان کی سمجھ میں نہ آئی ہوگی۔ اگر وہ کوشش کرتا تو نفسیاتی تجزیئے کے ذریعے اس کی وجہ بھی معلوم کرسکتا تھا۔ پھر آخر وہ اسے اس طرح نظر انداز کیوں کرتا رہا۔

ساحرہ بڑبڑا رہی تھی۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پہلے کبھی میرے سارے جسم پر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں۔ آنکھیں ہی آنکھیں۔ میں نے نہ جانے کیا کیا دیکھا تھا۔ مجھے ہر چیز کی ہلکی ہلکی جھلکیاں سی نظر آتی ہیں۔ پھر قبل اس کے کہ میں انہیں سمجھ سکوں وہ میری نظروں سے غائب ہو جاتی ہیں۔"

حمید الجھن محسوس کرنے لگا۔ ایک بار اس نے سوچا کہیں یہ لڑکی اسے اُلو تو نہیں بنا رہی ہے۔ بہرحال وہ ڈاکٹر کی بہن تھی۔

ناشتہ ختم کر چکنے کے بعد بھی ساحرہ وہیں جمی رہی اور حمید نے بہت شدت سے بور ہو کر چپ سادھ لی۔

"تم کچھ بولتے کیوں نہیں۔"

"کیا بولوں؟"

"جو دل چاہے۔"

"نہیں بولوں گا۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"تو صرف میں ہی کتیوں کی طرح بھونکتی رہوں۔"

"ارے بابا......تم سے کون کہتا ہے۔"

"یعنی تم نہیں چاہتے کہ میں بولوں۔"

"تم شوق سے بولو......لیکن مجھے بولنے پر مجبور نہ کرو۔"

"یعنی میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ تم میری بات کا جواب دینا پسند کرو۔"

"اوہ......میرے خدا۔" حمید اپنے بال نوچتا ہوا چیخا۔ "کس وبال میں پھنس گیا ہوں۔"

"میں وبال ہوں...... ہائیں...... بولو......میں وبال ہوں۔"

ساحرہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جیسے بہت دیر سے بھری بیٹھی ہو۔

"ارے......ارے...... ہائیں۔" حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"میں......وبال...... سچ مچ......اپنے گولی مارلوں گی۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ عورتوں کو روتے دیکھ کر وہ ہمیشہ نروس ہو جاتا تھا۔ پہلے تو وہ احمقانہ انداز میں اُسے چپ کرانے کی کوشش کرتا رہا پھر بے ساختہ اچھل کر وہاں سے

بھاگ نکلا۔

زینے پر ایک نوکر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ جو اس کی فون کال کی اطلاع لے کر اس کے پاس جارہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ یہاں اسے فون کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔ فریدی خارج از بحث تھا کیونکہ وہ کبھی ایسی حماقت نہ کرتا۔ رہ گئی تاریہ تو شائد ایسا سوچنے کی بھی ہمت نہ کرسکتی۔"

وہ بڑی تیزی سے اس کمرے میں آیا جہاں فون رکھا ہوا تھا۔ حمید اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔ لیکن ڈاکٹر سلمان کے نوکر اسے سہیل کے نام سے جانتے تھے۔ انہوں نے اسے بدلی ہوئی شکل میں دیکھا تھا۔ لیکن یہ ان کے لئے کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ادارہ روابط عامہ میں کام کرنے والے اکثر بھیس بدل کر اپنے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔

"ہیلو......!" حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو......کون مسٹر سہیل۔" دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔

"ہاں......میں ہی ہوں......آپ کون۔"

"تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا۔"

"آچ......چھا......پھر......!"

"کیا میں پولیس کو مطلع کردوں کہ تم یہاں چھپے بیٹھے ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یہ ارتھمیٹک کا کوئی سوال نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں......بمبل بی......لیکن......!"

"تم نے موٹے آدمی کا سر پھاڑ دیا ہے......اس ایکٹریس اور ہیڈ مسٹریس پر ریوالور سے فائر کئے تھے۔ پولیس آج بھی اس رپورٹ میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"پولیس کی اس سعادت مندی سے میں بہت خوش ہوں بمبل بی۔ مگر تم چاہتی کیا ہو۔"

"ڈاکٹر سلمان کا پتہ......وہ یکا یک کہاں غائب ہوگیا ہے۔"

"مجھے علم نہیں......مگر بمبل بی......میں تمہیں قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ ویسے تمہاری آواز تو بڑی حسین ہے۔"

"میں خود بھی حسین ہوں......تم دیکھ کر خوش ہوجاؤ گے۔"

"تو پھر کب اور کہاں۔"

"فی الحال تم مجھے ڈاکٹر کا پتہ بتاؤ۔"

"کوئی دوسری شرط پیش کرو......بمبل بی ڈارلنگ۔ مجھے علم نہیں ہے کہ ڈاکٹر کہاں ہے۔"

"یہ معلوم کرنا ضروری ہے کیپٹن۔"

"کیوں کیا تم اس سے کوئی اچھا برتاؤ کروگی۔"

"میں کسی سے بھی بُری طرح پیش نہیں آتی۔ ویسے پیسوں کی ضرورت ہر ایک کو درپیش رہتی ہے۔"

"تو اب ڈاکٹر پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ ہے۔"

"قطعی کیپٹن......ہمارے اخراجات بہت وسیع ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کی کفالت کے لئے تاریہ ہی کافی ہے۔"

"نہیں کیپٹن تمہارا خیال غلط ہے۔"

اچانک حمید نے محسوس کیا کہ وہ تاریہ ہی کی آواز ہے وہ آواز بدل کر بولنے کی کوشش کررہی تھی۔ شروع میں اسے کامیابی ہوئی تھی۔ لیکن پھر اصل آواز اور لہجے کو بگاڑنا ناممکن ہوگیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اسے بولتے سنا اور رہا سہا شبہ بھی یقین میں تبدیل ہوگیا۔ کیونکہ اس بار دوسری طرف سے بولنے والی ہنسی بھی تھی اور اب تو آواز پر بالکل ہی قابو نہیں رہ گیا تھا۔ حمید نے سلسلہ منقطع کردیا۔

تاریہ نے اسے کیپٹن کہہ کر مخاطب کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اسے بھی اس کی شخصیت کا علم ہوگیا تھا۔ اچانک ایک نیا خیال حمید کے ذہن میں ابھرا......اور اسی کی بناء پر اس نے سوچا کہ اب یہاں سے بھاگ جانا چاہئے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ غفلت میں ٹھکانے ہی لگادیا جائے۔

خونخوار چرواہا

وہ بڑی جلدی میں اپنے کمرے میں پہنچا۔ ساحرہ جاچکی تھی۔ اس نے اپنے کپڑے اور میک اپ کا سامان سوٹ کیس میں ٹھونسا اور ایک خط لکھنے کے لئے میز پر بیٹھ گئی۔

وہ جلدی جلدی گھسیٹ رہا تھا۔

''ڈاکٹر!

میں جلدی میں یہاں سے رخصت ہو رہا ہوں۔ ابھی تاریہ نے فون پر تھریسیا بن کر مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا تھا۔ یقیناً وہ گہری سازش کر رہی ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا ہے۔ آپ کچھ فکر نہ کیجئے گا۔ میں آپ سے وقتاً فوقتاً ملتا رہوں گا۔''

پھر اس نے نیچے سہیل لکھا اور کاغذ کو ایک لفافے میں رکھتا ہوا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ساحرہ سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ نہایت اطمینان سے کمپاؤنڈ میں آ گیا۔ یہاں اس نے ادارہ کے دفتر میں وہ لفافہ ڈاکٹر کے معتمد کے حوالے کیا اور خود باہر نکل گیا۔

مگر یہاں ٹیکسیاں بھی نہیں ملتی تھیں اور وہ اس وقت اپنی اصلی شکل میں تھا۔ بہرحال وہ تیزی سے چلتا رہا۔ اسے تھکن کا بھی احساس نہیں تھا۔ مسئلہ ہی ایسا درپیش تھا۔ اسے سو فیصدی یقین تھا کہ الفانسے فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تھریسیا نے اگر اس پہاڑی پناہ گاہ میں ڈاکٹر کو اس کی اصلیت سے آگاہ کیا تھا تو یہ اسی کے حق میں بہتر تھا۔ اس طرح ڈاکٹر کو یقین آ جاتا کہ تھریسیا فریدی ہی کا کوئی اسسٹنٹ نہیں ہے۔ مگر تاریہ کو حمید کی اصلیت سے آگاہ کرنے والا فریدی یا الفانسے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی یہ حرکت قطعی بے مقصد ہوتی اور فریدی سے بے مقصد حرکات کی توقع کرنا ہی فضول تھا کیونکہ اس کی کوئی حرکت بے مقصد نہیں ہوا کرتی۔ پھر تاریہ کو اس کی اصلیت کا علم کیسے ہوا۔ جب کہ خود ڈاکٹر ہی نے اس پر اس کا راز نہیں ظاہر کیا تھا۔ دوسری صورت یہی ہو سکتی تھی کہ اب خود ڈاکٹر ہی تاریہ کی پشت میں موجود تھا۔ یہ ناممکن بھی نہیں تھا۔ کیوں حمید نے پچھلی رات ہی ڈاکٹر کی آنکھوں میں شبہے کی جھلک دیکھی تھی۔ اس نے دراصل اس سے تاریہ سے بم پھینکنے والے واقعے کا تذکرہ کر کے سخت غلطی کی تھی۔ اسے اس مسئلے پر خاموش ہی رہنا چاہئے تھا۔ مگر وہ کرتا بھی کیا۔ حالات ہی ایسے پیش آ گئے تھے۔ اس نے تاریہ کے آدمیوں سے نپٹنے سے پہلے ساحرہ کو وہاں سے کھسکا دینا ہی مناسب سمجھا تھا ورنہ ہو سکتا تھا کہ اس کی حفاظت کرنے میں خود مار کھا جاتا۔ پھر ڈاکٹر کو طلب کرنے کے بعد اسے یہ بھی بتانا پڑا کہ تاریہ کے آدمی اس کے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں۔

لہٰذا ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر کو شبہ ہو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پش فائر کے بیکار ہو جانے پر اسے

تنظیم کے مشینی کارناموں پر اعتماد ہی نہ رہ گیا ہو۔ اس نے سوچا کہ ممکن ہے حمید پر کیا جانے والا ... کامیاب نہ ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اسے دھوکا دے رہا ہو۔

اب پھر اس نے تاریہ سے گٹھ جوڑ کر کے اپنے شبہات رفع کرنے کی کوشش کی ہو۔ اور تاریہ نے تھریسیا بن کر اسے فون کیا تھا۔ اس کا یہی مقصد ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر کے متعلق حمید کے صحیح خیالات معلوم کئے جائیں۔

وہ سڑک کے نیچے اتر کر چٹانوں کی اوٹ لیتا ہوا چلتا رہا۔ سڑک ہی ایسی تھی کہ اس پر ٹیکسیوں کی آمدورفت عام طور پر نہیں رہتی تھی۔ مگر وہ سوچ رہا تھا کہ جائے گا کہاں۔ فی الحال وہ کسی ایسی جگہ قیام نہیں کرنا چاہتا تھا جہاں ڈاکٹر یا اس کے آدمیوں سے ٹکراؤ کا خدشہ ہو۔ دفعتاً اسے اس سرائے کا خیال آیا جس کے قریب پچھلی رات کو اس کی ملاقات تاریہ سے ہوئی تھی۔ اس کی دانست میں وہ ایک محفوظ جگہ تھی۔ جہاں رہ کر وہ اپنے کام جاری رکھ سکتا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اب صرف تاریہ سے ... بنا چاہتا تھا اور اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ ڈاکٹر سلمان کے متعلق اس کا خیال کس حد تک درست ہے۔

اس نے یہی طے کر لیا کہ وہ سرائے ہی میں قیام کرے گا۔ مگر دشواری یہ تھی کہ اس کے پاس معمولی قسم کا لباس نہیں تھا۔ ایسا لباس جس سے وہ سرائے کے ماحول میں کھپ سکتا۔ میک اپ کا سامان تو سوٹ کیس ہی میں موجود تھا۔ مگر لباس...... لباس کہاں سے لائے۔ ویسے لباس بھی مہیا ہو سکتا تھا لیکن اس کے لئے اسے شہر تک جانا پڑتا۔

اچانک اسے ایک چرواہا نظر آیا جو دو چار بھیڑیں ساتھ لئے تقریباً بیس بائیس فٹ کی گہرائی میں چل رہا تھا۔

حمید نے اسے آواز دی اور رکنے کا اشارہ کرتا ہوا نیچے اترنے کے لئے کوئی معقول راستہ تلاش کرنے لگا۔

چرواہا رک کر اوپر دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی حمید نیچے پہنچا اس نے چرواہے کی آنکھوں میں تمسخر کی جھلک دیکھی اور جھنجھلا گیا۔ لیکن اسے بہرحال اپنا کام نکالنا تھا۔

''مجھے پہاڑیوں سے محبت ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''اکثر سوچتا ہوں کہ کاش میں بھی چرواہا ہوتا۔ تمہارے یہ اونچے اونچے پہاڑ میرے لئے بڑی کشش رکھتے ہیں۔''

''پھر......؟''

"میں تمہیں ایک گرم پتلون اور گرم قمیض دینا چاہتا ہوں۔"

"کس خوشی میں۔" چرواہے نے پوچھا اور حمید بوکھلا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسے اس سے اتنی اچھی اردو بولنے کی توقع نہیں تھی۔

"بس تم اپنے کپڑے مجھے دے دو اور اس کے عوض میں تمہیں ایک گرم قمیض اور ایک گرم پتلون دوں گا۔"

"اوہ...... اچھا۔" چرواہے نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اپنی پیوند لگی ہوئی قمیض اتارنے جا رہا ہو...... لیکن...... حمید اگر اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو......!

چرواہے کے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا چاقو چمک رہا تھا۔

"ہائیں یہ کیا......؟" حمید سنبھل کر بولا۔

"تم کوئی ٹھگ ہو۔"

"اچھا تو آؤ......!" حمید سوٹ کیس زمین پر ڈالتا ہوا بولا۔

دوسرے ہی لمحے میں چرواہے نے اس پر چھلانگ لگائی اور حمید نے ڈاج دے کر دوسری طرف نکل جانا چاہا لیکن ممکن نہ ہوا کیونکہ چرواہا کسی اڑتے ہوئے عقاب کی طرح اس پر چھا گیا تھا۔

حمید کو کچھ سمجھنے کی مہلت نہ ملی کہ اسے کس طرح اتنی آسانی سے دبوچ لیا گیا تھا۔ اس نے اپنی پشت پر چاقو کی چبھن محسوس کی، وہ دم بخود ہو گیا۔

"بس......!" چرواہے نے قہقہہ لگایا۔ "اسی بساط پر دنیا فتح کرنے نکلے تھے سکندر اعظم۔"

دفعتاً حمید کو تاریہ اور ڈاکٹر سلمان کا خیال آیا۔

"میں تو مذاق کر رہا تھا دوست......!" حمید بڑبڑایا۔ "تم ذرا یہ چاقو ہٹاؤ تو بتاؤں تمہیں کہ۔"

"کیا بتاؤ گے...... یہی نا کہ ابھی خوبصورت لڑکی کے پہلو سے اٹھ کر آ رہے ہو۔"

"تم کون ہو میرے دوست۔"

"تمہاری عقل کا پتھر...... عورتوں کی صحبت اسی طرح دماغ ماؤف کر دیتی ہے۔" وہ اسے چھوڑ کر ہنستا ہوا بولا اور اس بار حمید اس کی آواز پہچان سکا۔ وہ فریدی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا جو حمید کو چشم زدن میں اس طرح بے بس کر دیتا۔

"اور آپ بھیڑیں چرا رہے ہیں...... ہاہا۔" حمید نے ایک طویل اور ہذیانی سا قہقہہ لگایا۔

"ابھی تمہاری موت بہت دور ہے۔ اسی لئے میں بھیڑیں چرا رہا تھا۔ میری بجائے اور کوئی ہوتا تو تم کہیں اور ہوتے۔ کیا اتنے دنوں تک تم محض مکھیاں مارتے رہے ہو۔ خدا کی قسم اس وقت ایک تھرڈ ریٹ لفنگے سے زیادہ نہیں معلوم ہوتے۔ ایڈیٹ......!"

"آپ نہیں جانتے کہ میں کس مشکل میں پھنس گیا ہوں۔"

"سوائے اس کے کہ تمہاری کسی نادانی کی بناء پر بساط الٹ گئی ہوگی اور کیا ہو سکتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ سرائے کے پاس والے واقعے کے بعد تاریہ نے ڈاکٹر سلمان سے ایک طویل گفتگو کی تھی۔"

"کی تھی نا......؟" حمید چہک کر بولا۔ پھر کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"جو کچھ بھی ہوا ٹھیک ہی ہوا۔ مجھے موجودہ مہم میں تمہاری ضرورت محسوس ہوگی...... چلتے رہو۔"

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی کسی پیشہ ور چرواہے کی طرح بھیڑوں کو ہانکتا ہوا چل رہا ہے۔ شائد ایک چرواہا بھی اسے سوانگ کہنے پر تیار نہ ہوتا جس کی عمر ہی اس پیشے میں گزری ہو۔

وہ چلتے رہے۔ پھر ایک جگہ فریدی رک گیا۔ یہاں چاروں طرف کافی اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور جگہ زیادہ کشادہ نہیں تھی۔

فریدی نے اپنے پشت سے ایک وزنی تھیلا اتارا اور ایک پتھر کے ٹکڑے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "تم اپنے کپڑے اتار دو...... میں تمہیں دوسرا لباس دوں گا...... ویسا ہی جیسا تم چاہتے تھے...... اس کے بعد ہم اطمینان سے گفتگو کر سکیں گے۔"

"مگر یہ بھیڑیں......!"

"ہماری گفتگو میں دخل نہیں دیں گی۔ تم مطمئن رہو۔ یہ صرف سنسکرت ہی بول سکتی ہیں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے تھیلے میں سے کپڑوں کا جوڑا نکالا۔ وہ بھی اسی قسم کا تھا جیسا فریدی کے جسم پر موجود تھا۔

ساری تیاریاں مکمل ہو جانے کے بعد حمید کا سوٹ کیس ایک چھوٹے سے غار میں چھپا دیا گیا۔ حمید نے جو جوتے پہن رکھے تھے فریدی نے چاقو سے انہیں چھیل چھیل کر بدوضع کر دیا اور اب وہاں ایک کے بجائے دو چرواہے نظر آ رہے تھے۔

حمید کے چہرے پر ایک بے ڈھنگی سی ڈاڑھی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

ان کا سفر بھی شروع ہوگیا۔ چٹانیں دھوپ میں سڑ رہی تھیں۔ اس سنسان ویرانے کا سناٹا بڑا پرہول معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی کے ایماء پر حمید نے تاریہ کی داستان چھیڑ دی اور جب وہ ساری تفصیلات ختم کر چکا تو فریدی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ ''تم نے اچھا کیا کہ وہاں سے چلے آئے ورنہ ہوسکتا تھا کہ تمہیں کسی دوسرے مشینی تجربے کا شکار ہو جانا پڑتا۔ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ ڈاکٹر کسی خاص طریقے سے تمہاری ذہنی حالت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا۔''

''مگر جناب...... ہم جا کہاں رہے ہیں۔''

''پرواہ مت کرو۔''

''سچ کہتا ہوں میرے لئے یہ پیشہ بھی بڑا شاندار رہتا۔'' حمید بھیڑوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''تمہیں اس کا سلیقہ بھی نہیں ہے فرزند...... تم ان سات بھیڑوں کو بھی کنٹرول میں نہیں رکھ سکتے۔''

''میں ایک اریسٹوکریٹ فیملی کا فرد ہوں۔'' حمید اکڑ کر بولا۔

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ بھی تھی۔ اس کی پشت پر ایک وزنی سا تھیلا تھا جس میں اب حمید کے سامان کا بھی اضافہ ہوگیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید بہت شدت سے بوریت محسوس کرنے لگا۔ پہاڑی راستوں پر مسلسل چلتے رہنا آسان کام نہیں۔ حمید کا سارا جسم پسینے میں ڈوب گیا تھا۔

آخر ایک جگہ وہ بیٹھتا ہوا بولا۔ ''دو بھیڑیں مجھ پر سوار کر دیجئے تنہا نہیں چلا جاتا۔''

''بس......!'' فریدی مسکرایا۔ ''عورتوں کی ہم نشینی سے خدا ہر شریف آدمی کو محفوظ رکھے۔''

''بلکہ خدا کسی مرد کو عورت کے بطن سے پیدا نہ کرے۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

فریدی پھر ہنسنے لگا۔ وہ بہت اچھے موڈ میں معلوم ہوتا تھا۔

''الفانسے......!'' حمید دانت پیس کر بڑبڑایا اور فریدی ہنستا ہوا اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔

''تم پر الفانسے...... اس بُرے طرح کیوں سوار ہے۔''

''تنظیم سے تعلق رکھنے والے ہر فرد پر الفانسے اسی طرح سوار ہے۔''

''خیر...... تنظیم سے نپٹنے کے بعد ان لوگوں سے بھی سمجھوں گا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید کا منہ اور زیادہ بگڑ گیا تھا۔

''آپ کے تھیلے میں میرا پائپ اور تمباکو کی پاؤچ ہے۔''

''اسے احتیاط سے رکھوں گا...... مطمئن رہو۔ اپنے چرواہے پائپ نہیں چلم پیا کرتے ہیں اور اب ہم جہاں جانے والے ہیں وہاں تمباکو عنقا ہے۔ اس لئے ویسے بھی اسے احتیاط سے خرچ ا پڑے گا۔ میرے پاس تو تقریباً ڈھائی سو سگار ہیں۔''

''مگر آپ یہ نہ بتائیں گے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔''

''تم اسے اپنی روحانی زبان میں خوابوں کی سرزمین بھی کہہ سکتے ہو۔''

''میں اب کچھ نہیں پوچھوں گا......'' حمید نے بیزاری سے کہا اور اپنی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ برنے لگا۔ بھیڑیں ادھر اُدھر بھاگتی پھر رہی تھیں اور فریدی اپنے حلق سے طرح طرح کی آوازیں ال کر انہیں اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔

یک بیک بے تحاشہ ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''خدا بداعمالیوں کی سزا اسی طرح دیتا ہے۔ لاکھوں کا دی بھیڑیں چرا رہا ہے۔''

فریدی ایک خشک سگار توڑ کر اس کی تمباکو کو ننھے ننھے ٹکڑوں میں تبدیل کر رہا تھا۔

پھر اس نے جیب سے مٹی کی ایک چھوٹی سی چلم نکال کر اس میں وہی تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ''میں لاکھوں کا آدمی ہوں لیکن بعض اوقات مجھے یہ تبدیلیاں بہت ہی حسین اور پرکشش معلوم ہوتی ہیں۔ کاش تم اس وقت میرے ذہن میں جھانک سکتے۔''

''میں صرف لڑکیوں میں جھانکنا پسند کرتا ہوں۔''

''اور ایسے غبار سے پھٹتے ہیں جن سے تمہارے حلق تک سیاہی بھر جاتی ہے۔''

''ایسے مواقع پر آپ ذہن میں جھانکنے کی کوشش کریں۔'' حمید نے کہا۔ پھر یک بیک سنجیدہ ظر آنے لگا۔ دراصل پش فائر اور الفانسے والا واقعہ یاد آ گیا تھا۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ کوئلے کے مجسمے کس طرح عالم وجود میں آتے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''مجھے اچھی طرح علم ہے۔'' فریدی نے کہا اور چلم میں رکھے ہوئے تمباکو کو چلانے لگا۔

''لیکن میں نے اس حربے کو بے کار ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔''

"تم پیش قائز کی بات کر رہے ہو۔"

"اوہ۔۔۔ آپ نام سے بھی واقف ہیں۔"

"کیوں۔۔۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ میں اتنے دن جھک نہیں مارتا رہا۔"

"کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں صرف جھک مارتا ہوں۔" حمید پھر جھنجھلا گیا۔ وہ اصل میں اس سے اعتراف کرانا چاہتا تھا کہ تھریسیا بمبل بی اسی کی اسسٹنٹ ہے۔

"مجھے علم ہے تم صرف جھک مارتے رہے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم شاید یہ بھی نہ بتا سکو کہ ڈاکٹر سلمان نے تاریہ کی غداری سے واقف ہو جانے کے باوجود بھی اسے ختم کیوں نہیں کر دیا۔"

"مجھے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں تو ملکہ کائنات کے چکر میں تھا اور اس فکر میں تھا کہ کسی طرح زمین دوز دنیا کا راستہ معلوم ہو جائے۔"

"لیکن ان دونوں میں سے ایک بھی نہ ہو سکا۔ ہاتھ آئی ڈاکٹر کی بہن اور تم اسے نائٹ کلبوں میں لئے پھرتے رہے۔"

"اوہ۔۔۔ وہ۔۔۔ کاش میں اس کے متعلق کچھ معلوم کر سکتا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

حمید نے اسے ساحرہ کے متعلق بتایا۔ لیکن فریدی نے اس پر رائے زنی نہیں کی۔ اس کے تذکرے کے ختم ہوتے ہی وہ پھر تاریہ اور ڈاکٹر سلمان کے تعلقات کے متعلق گفتگو کرنے لگا۔

"تاریہ آج بھی کیوں محفوظ ہے بتا سکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ سلمان کو اس پر ملکہ کائنات ہونے کا شبہ ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"بکواس۔۔۔!" فریدی بولا۔ "پیش قائز تاریہ کے قبضے میں ہے۔ ڈاکٹر سلمان اسے حاصل کئے بغیر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ لیکن تم نے اپنی حماقتوں کی بناء پر انہیں پھر یکجا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر سلمان کو تم پر ذرہ برابر بھی اعتماد نہیں رہ گیا۔ اب اس سے دور ہی دور رہنا۔"

"دیکھا جائے گا۔۔۔ میں تو اب تھریسیا کے چکر میں ہوں۔"

"فضول۔۔۔ اس سے تمہیں کچھ بھی نہیں حاصل ہو سکے گا۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ کو اس کا بھی علم ہوگا کہ القانسے نے کس طرح پیش

قائز کو بے کار کر دیا تھا۔"

"ہاں مجھے اس کا بھی علم ہے۔"

"اس پر اس حیرت انگیز حربے کا اثر کیوں نہیں ہوا تھا۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"بہرحال آپ اعتراف نہیں کریں گے۔"

"کس بات کا۔"

"یہی کہ القانسے کا رول آپ ہی ادا کرتے رہے ہیں۔"

"ہم حقائق سے دوچار ہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "کوئی جاسوسی ناول نہیں اسٹیج کر رہے ہیں۔ اب اٹھو۔۔۔ ہمیں ابھی بہت چلنا ہے۔"

فریدی نے چلم کی راکھ ایک طرف جھاڑ کر اسے جیب میں ڈال لیا۔

اور یہ سفر پھر جاری ہو گیا۔ شام ہوتے ہوتے وہ اسی جگہ پر پہنچ گئے جہاں ایک بار حمید کو ایک تجربے سے دوچار ہونا پڑا تھا اور جس کے نتیجے کے طور پر اسے زمین دوز دنیا کی سیر کرنی پڑی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ فریدی نے اس کا راستہ معلوم کر لیا ہے۔ لیکن فریدی کسی سوال کا جواب دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ دوسری بار سفر شروع کرنے سے اب تک وہ خاموش رہا تھا یا قطعی غیر متعلق گفتگو کی تھی۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور خنکی بھی بڑھ گئی تھی۔ فریدی نے بھیڑیں ایک غار میں ہانک دیں اور حمید کو اس کی پتلی سی دراڑ کی طرف بڑھنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اسی دراڑ میں داخل ہو رہے تھے جہاں کچھ دنوں پہلے ان دونوں نے الگ الگ حالتوں پر زندگی کی بقاء کے لئے جدوجہد کی تھی۔ ایک بار پھر وہ اسی گہری تاریکی میں تھے جس نے انہیں دو مختلف جہانوں کی سیر کرائی تھی۔ فریدی تو حمید کے تجربات سے واقف تھا لیکن حمید اس کے تجربے سے لاعلم تھا۔

شکار گاہ

فریدی حمید کا ہاتھ پکڑے چلتا رہا۔ وزنی تھیلا اب بھی اس کی پشت پر موجود تھا۔ اس۔ ٹارچ روشن نہیں کی تھی۔ اپنے سابقہ تجربات اور یادداشت کی مدد سے وہ اندھیرے میں آگے بڑ رہا۔

پھر وہ اس جگہ پہنچے جہاں سے اترائی شروع ہوئی تھی۔ یہاں فریدی نے اپنی ننھی سی ٹار روشن کی۔ حمید نیچے اترنے لگا۔ مگر اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

"کیا آپ نے ان کے تہہ خانوں کے راستے کا پتہ لگا لیا ہے۔" اس نے سرگوشی کی۔

"بس چپ چاپ چلتے رہو۔ یہاں گفتگو کا موقع نہیں ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

وہ چلتے رہے پھر حمید نے پانی بہنے کی آواز سنی۔

یہاں پھر فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ پہاڑی نالا زور شور کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ فریدی۔ درمیان میں ابھری ہوئی چٹان پر روشنی ڈالی اور آہستہ سے بولا۔ "کیا تم اتنی لمبی چھلانگ لگا سکتے ہو۔"

"ہاں مگر ٹانگوں میں ہاف ڈنکی پاور کا انجن لینے کے بعد۔ اتنی تھکن کے بعد آپ مجھ سے ا کی توقع رکھتے ہیں۔ دنیا کا ہر آدمی فریدی نہیں ہو سکتا۔ مگر نہیں ٹھہریئے میں کوشش کروں گا۔ کیونکہ کھیل میری ہی ذات سے شروع ہوا تھا۔ نہ میں روحی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا اور نہ مصیبت نازل ہوتی۔"

"کھیل ہر حال میں شروع ہوتا حمید صاحب۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سیاہ مجسمے والا واقعہ مجھے ا طرف متوجہ نہ کر لیتا۔ اصل واقعہ تو اسی مجسمے سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بات اور ہے کہ تم بھی نادانستہ میں انہیں لوگوں سے جا کر ٹکرائے ہو۔"

"کیا آپ نے محکمے کو ان واقعات سے آگاہ کر دیا ہے۔"

"ہرگز نہیں...... میں کھیل نہیں بگاڑنا چاہتا اور محکمے کو آگاہ کر دینے کی صورت میں کسی ایک ا لغزش سارا کھیل بگاڑ سکتی ہے۔ پھر کیوں نہ میں ایسے آدمیوں سے کام لوں جن کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا۔"

"میں نہیں سمجھا...... آپ کن آدمیوں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

"میری بلیک فورس کے آدمی۔"

"آپ ان سے کام لے رہے ہیں۔"

"قطعی۔ میں نے اسی تنظیم کے مقابلے پر ایک نئی تنظیم پیدا کی ہے۔"

"جس کی سربراہ تھریسیا بمبل بی ہے...... کیوں؟"

"تھریسیا بُری طرح تمہارے ذہن پر سوار ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"اور اس وقت تک سوار رہے گی جب تک آپ اس کی عمر کم از کم پینسٹھ سال نہ ثابت کر دیں۔"

"ختم کرو......!" فریدی بیزاری سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "چلو لگاؤ چھلانگ تم اتنے کمزور بھی تو نہیں ہو۔"

حمید نے ایک بار پھر فاصلے کا اندازہ لگایا۔ اتنی لمبی چھلانگ تو وہ مرنے سے ایک گھنٹہ قبل بھی لگا سکتا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس چٹان پر تھا۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فریدی اس وزنی تھیلے سمیت چھلانگ لگا سکے گا۔ فریدی نے ایک بار پھر ٹارچ روشن کی۔ حمید نے اسے بجھتے دیکھا اور پھر اسے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ فریدی کب اس کے پاس پہنچ گیا۔

اب اس کی ٹارچ کی روشنی دوسرے کنارے پر پڑ رہی تھی۔

"چلو...... شاباش...... اب پھر چھلانگ لگاؤ۔ اس کے بعد پھر کوئی ایسی دشواری نہیں پیش آئے گی۔" اس نے کہا۔

حمید نے ٹارچ کی روشنی میں پھر چھلانگ لگائی اور دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ جب فریدی بھی دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تو حمید ہانپتا ہوا بولا۔ "اب ایک قدم بھی نہیں۔ کم از کم ایک گھنٹہ آرام کے بعد...... میں نے صبح معمولی سا ناشتہ کیا تھا اور اس کے بعد اب تک......!"

"بس تھوڑی ہی دور۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اس کے بعد ہم آرام بھی کریں گے اور شاید پھر پیدل بھی نہ چلنا پڑے گا۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر چل پڑا۔ اب اس میں بڑبڑانے کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد چڑھائی شروع ہوگئی۔ حمید فریدی کی ہدایت پر اس کے کرتے کا پچھلا حصہ پکڑے آگے بڑھتا رہا۔ یہاں اس نے ایک بار بھی ٹارچ نہیں روشن کی تھی۔

آخر ایک جگہ فریدی رک گیا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے حمید نے اپنے کپڑوں میں پھڑپھڑاہٹ محسوس کی وہ ایک بڑے سوراخ کے سامنے کھڑے تھے جس سے تاروں بھرا آسمان نظر آرہا تھا۔

"چلو......!" فریدی نے اشارہ کیا اور وہ دنوں دوسرے ہی لمحے کھلے آسمان کے نیچے آگئے اور حمید کا جسم سردی کی شدت سے کانپنے لگا۔

اب پھر اترائی شروع ہوگئی تھی۔ حمید آخری نچلی چٹان پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

"خیر......!" فریدی بھی بیٹھتا ہوا بولا۔ "مگر یہاں ...... نہ تم لباس تبدیل کرسکتے ہو اور نہ تمہارا پیٹ ہی بھر سکتا ہے۔"

"اور نہ ہی دفن ہوسکتا ہوں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "کیونکہ زمین پتھریلی ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "تم اس وقت ایک کلاسیکل قسم کی بیوی معلوم ہو رہے ہو جو اپنے شوہر کی لاپرواہیوں اور ناعاقبت اندیشیوں کا شکار ہوگئی ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ زیادہ بولنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے بولنے سے تھکن اور زیادہ بڑھ جائے گی۔

"چلو اٹھو......!" فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "وہ سامنے جو چٹانیں نظر آرہی ہیں وہاں ہم کافی دیر تک آرام کریں گے۔ فاصلہ آدھے فرلانگ سے بھی کم ہے۔"

"چلئے......!" حمید بے بسی سے بولا اور اٹھ کر لنگڑاتا ہوا چلنے لگا۔

"ویسے کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس وقت کس سرزمین پر ہو۔"

"شامت آباد...... میں......!" حمید کا مختصر سا جواب تھا۔

وہ کسی نہ کسی طرح فریدی کا ساتھ دیتا رہا۔ اگر اس کا معدہ بالکل ہی خالی نہ ہوتا تو شاید وہ اتنی ابتر حالت کو کبھی نہ پہنچتا۔

پھر وہ چٹانوں میں داخل ہوئے جن کی طرف فریدی نے بڑی ٹارچ روشن کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے یہاں کسی خاص جگہ کی تلاش ہو۔ حمید خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ اچانک کہیں

ب ہی سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے گھوڑے اکثر اپنی باچھوں سے نکالتے ہیں۔ فریدی چونک کر اسی طرف مڑا۔ اس کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ حمید بھی ساتھ دیتا رہا۔ لیکن اب اس کی ستی کسی حد تک ختم ہوگئی تھی۔ کیونکہ اسے کسی نئے اور خوش گوار وقوعے کا خدشہ لاحق ہوگیا تھا۔

گھوڑے کی فرفراہٹ پھر سنائی دی اس بار آواز بہت قریب کی تھی اور سمت کا تعین بھی وثوق کے ساتھ کیا جاسکتا تھا۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ ایک غار کے دہانے میں رینگ گیا اور پھر ان دونوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

غار کافی کشادہ تھا۔ وہاں حمید کو گھوڑا نظر آیا جس پر زین موجود تھی۔ اس نے شبہ بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ لیکن فریدی کو اطمینان سے تھیلا اتار کر ایک طرف ڈالتے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ گھوڑے کی گردن میں رسی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چند منٹ کے لئے اسے یہاں چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہو اور اب اس کی واپسی یقینی ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اسے کہیں باندھ کر گیا ہوتا۔

"بیٹھ جاؤ......!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "فی الحال یہی ہماری منزل ہے۔"

"اور یہ گھوڑا!"

"یہ گھوڑا ہمیں منزل مقصود تک لے جائے گا۔"

حمید ایک طویل سانس لے کر بیٹھ گیا۔ فریدی گھوڑے کے قریب جا کر اس کی پیٹھ تھپتھپانے لگا۔ گھوڑے نے زمین پر ٹاپیں ماریں۔ لیکن اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

پھر فریدی حمید کے پاس آبیٹھا۔ وہ اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے وہاں دو موی شمعیں روشن کردیں۔ پھر تھیلے سے کھانے کا سامان نکالا۔ تھیلے میں پانی کی بوتل اور کافی کا تھرماس بھی تھا۔

"میں اب آپ سے یہ بھی نہ پوچھوں گا کہ جہنم کا راستہ ہے یا جنت کا۔" حمید کھانے پر ٹوٹتا ہوا بولا۔

"ذرا سنبھل کر فرزند۔" فریدی مسکرایا۔ "ابھی ہمیں پھر سفر کرنا ہے۔"

"فکر نہ کیجئے۔" حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔ "اب میں گھوڑے کی دم میں لٹک کر بھی سفر جاری رکھ سکتا ہوں۔"

فریدی نے صرف تین ٹھنڈی پائیاں کھائیں اور پانی کے دو گھونٹ لینے کے بعد تھرماس سے کافی انڈیلنے لگا۔

حمید دل نہیں بلکہ معدہ کھول کر کھاتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ کافی ختم کر کے پائپ سلگانے لگا۔ پھر دو تین ہی کش اسے عالم بالا میں لے گئے۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے تمباکو کے کش لینے کی بجائے چرس کے دم لگائے ہوں۔ اس کی پلکیں وزنی ہو کر نیچے جھکتی جا رہی تھیں اور سر ہوا میں اڑ رہا تھا۔ فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"اگر تم خود کو سمجھنے کی کوشش کرو تب بھی کام کے آدمی ہو سکتے ہو۔" اس نے کہا۔

"میں...... میں......!" حمید نے زبردستی آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "خود کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔"

"جسمانی تھکن کی حالت میں اگر زیادہ ٹھہرو تو بس سو ہی جانے کو دل چاہتا ہے۔"

"ارے تو کیا سو جانا حرام کاری ہے۔" حمید ہاتھ نچا کر بولا۔ "نیند آئے گی تو سو ہی جاؤں گا۔"

"میں تم پر گھوڑا چڑھا دوں گا...... سمجھے۔"

"یہی مناسب بھی ہے۔ ورنہ میرے چڑھنے کے لئے دوسرا گھوڑا کہاں سے آئے گا۔"

"تم اس وقت وادی کراغال میں ہو فرزند......!"

"میں اس وقت عدنان کی جنت میں بھی ہوں تو مجھے سونے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔"

"خیر......!" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔ "تب تمہارا جسم گولیوں سے چھلنی ہو جائے تو آواز دینا۔ اگر میں زندہ ہوا تو دو لاتیں میں بھی رسید کر دوں گا۔"

"کر دیجئے گا۔" حمید نے پائپ کی راکھ ایک طرف جھاڑتے ہوئے کہا۔ پھر ایک چٹان سے ٹک کر آنکھیں بند کرتا ہوا بولا۔ "شب بخیر۔"

"کیا تم نے نہیں سنا کہ ہم وادی کراغال میں ہیں۔" فریدی نے اس کے بال پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"کہاں......!" حمید یک بیک سیدھا ہو کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے پہلے اس نے سنا

ہی نہیں۔

"وادی کراغال میں۔"

"ارے باپ رے۔" حمید کی آنکھیں پھیل گئیں اور ان میں نیند کا سایہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں...... یہاں تمہیں ہر ہر قدم پر محتاط رہنا پڑے گا۔"

"مگر آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔"

"ایک لمبی داستان ہے۔"

"اور اب میں کسی داستان میں دلچسپی نہ لے سکوں گا۔"

"کیوں......!"

"میں نے کراغال اور کراغالیوں کے متعلق بہت کچھ سن رکھا ہے۔"

"میرا پہلا سفر نہیں ہے حمید صاحب۔"

"یعنی آپ پہلے بھی یہاں آ چکے ہیں۔"

"نہ صرف یہاں آیا ہوں بلکہ یہاں کے حکمران کا مہمان بھی رہا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ کراغال کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ وہاں کے باشندے اپنی زمین پر کسی غیر کا وجود نہیں برداشت کر سکتے۔

"تمہیں اس لئے حیرت ہے کہ وہ اجنبیوں کو کراغال میں داخل نہیں ہونے دیتے۔"

"ہاں...... میں نے یہی سنا ہے اور وہ سو فیصدی درندے ہیں۔"

"غلط سنا ہے تم نے...... وہ کافی مہذب ہیں۔ ویسے اتنے چالاک بھی نہیں ہیں کہ اپنی درندگیوں کو فلسفے یا سائنٹیفک نظریات کی چادر میں لپیٹ کر پیش کریں۔"

"تو کیا یہ غلط ہے کہ وہ اجنبیوں کو مار ڈالتے ہیں۔"

"قطعی درست ہے...... وہ یقیناً مار ڈالتے ہیں۔"

"اوہو...... تو پھر آپ کسی کراغالی کے بھیس میں رہے ہوں گے۔"

"ہرگز نہیں...... میں اپنی اصلی حیثیت میں ان لوگوں تک پہنچا تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر اپنے کراغال پہنچنے کا واقعہ دہرانے لگا۔ حمید کی آنکھیں بار بار حیرت سے پھیل جاتی تھیں۔ پھر فریدی موجودہ حالات کی طرف گریز کرتا ہوا بولا۔ "آج ہی مجھے خانم نے ٹرانسمیٹر پر اطلاع دی ہے کہ وہ

بہت بڑے خطرے میں گھری ہوئی ہے اور نہیں کہہ سکتی کہ آنے والے لمحات اس کے لئے کیسے ہوں گے۔"

"بغاوت......!" حمید بولا۔

"ہوسکتا ہے خان ضیغم جو خانم کے شوہر کا بھتیجا ہے خود حکومت کی باگ ڈور سنبھالنا چاہتا ہو۔ خان کا سیاہ مجسمہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ خانم کا بیان ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور اس راز سے واقف نہیں۔ دوسری طرف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خان مرحوم خان عیسیٰ خان کے خلاف کوئی کراغال میں سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔ لہٰذا اب سر اٹھانے والا لازمی طور پر جانتا ہے کہ خان عیسیٰ اس سے باز پرس کے لئے اس دنیا میں واپس نہیں آئے گا۔ اگر وہ یہ جانتا ہے تو پھر اس میں شبہ نہ کرنا چاہئے کہ وہ خان عیسیٰ کے قاتلوں سے ملا ہوا تھا اور خان عیسیٰ کے قاتل کون ہوسکتے ہیں یہ وہ سیاہ مجسمہ ہی بتا سکتا ہے۔ اس لئے یہ سو فیصدی فریدی کا کیس ہے حمید صاحب۔"

"ٹھیک ہے...... مگر صرف ہم دو آدمی کیا کرسکیں گے۔"

"یہ میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں تنہا کیا کرسکوں گا یا کیا نہ کرسکوں گا۔"

"کم از کم مجھے تو سوچنے دیا کیجئے۔"

"ہم دونوں وحدت بناتے ہیں۔ تم میرے ہی جسم کا ایک حصہ ہو۔ کیا سمجھے۔"

"آپ کے یہ مسائل تصوف مجھے کسی دن جہنم میں تو پہنچا ہی دیں گے۔"

"اور وہاں تمہیں دنیا کی حسین ترین عورتیں ملیں گی پھر کس بات کا غم ہے۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ لیکن اب وہ زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس نے آج تک موت کے جبڑوں میں بھی فریدی کا ساتھ دیا تھا۔ ویسے نہ وہ اس کی طرح ذہین تھا اور نہ اس کی سی قوت رکھتا تھا۔ لیکن یہ بات ضرور تھی کہ فریدی کی موجودگی میں اس کی خوداعتمادی میں فرق نہیں آنے پاتا تھا۔ اس کے ساتھ اسے یہی محسوس ہوتا کہ وہ دونوں مل کر ایک بار موت کا منہ بھی پھیر دیں گے۔

حمید نے فریدی سے اس گھوڑے کے متعلق پوچھا۔

"یہ گھوڑا شاہی اصطبل کا ہے اور خانم نے اسے پوشیدہ طور پر میرے لئے بھجوایا ہے۔ مجھے چونکہ تنہا یہاں آنا تھا اس لئے ایک ہی گھوڑا آیا ہے۔ تم تو اتفاقاً مل گئے تھے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میں

تمہاری طرف سے غافل تھا۔ آج بارہ بجے تک تمہیں کسی نہ کسی طرح اس کا علم ہوجاتا کہ اب تم کو ڈاکٹر سے ہوشیار رہنا چاہئے۔"

"کس طرح علم ہوجاتا۔"

"بس ہوجاتا...... کیا یہ سمجھتے ہو کہ رام گڈھ میں اس وقت بھی کام نہ ہو رہا ہوگا۔"

"کیا انور سے بھی کام لے رہے ہیں۔"

"ہاں......اور رشیدہ بھی کام کررہی ہے۔"

"رشیدہ......!" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ "آہا......تب تو۔"

"کیا......؟"

"رشیدہ......اوہ......میں کتنا احمق ہوں۔ تھریسیا رشیدہ کے علاوہ اور کون ہوسکتی ہے۔"

"پھر تھریسیا۔"

"خیر......چھوڑیئے...... ہاں تو......" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اب ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"سب سے پہلے ہم حالت درست کریں گے۔" فریدی نے جواب دیا اور اپنی بے ڈھنگی سی ڈاڑھی کے بال چہرے سے الگ کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں اپنی اصلی حالت پر آگئے لیکن فریدی شاید اصلی حیثیت میں یہ سفر نہیں جاری رکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نے پھر میک اپ کا سامان نکال لیا تھا۔ اس نے تھیلے سے تین شمعیں نکالیں اور انہیں بھی روشن کردیا۔ غار میں کافی روشنی پھیل گئی تھی۔ اسی روشنی میں آئینہ سامنے رکھ کر وہ پھر میک اپ کرنے لگا۔ حمید کے چہرے پر بھی اس نے خفیف سی تبدیلیاں کیں۔ بہرحال وہ دونوں خدوخال کے اعتبار سے کراغالی ہی معلوم ہو رہے تھے اور انکے جسموں پر پھٹے پرانے لباس کی بجائے انکے اپنے گرم سوٹ تھے۔

"کیا کراغالی سوٹ پہنتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اکثر لوگوں کو میں نے سوٹ میں بھی دیکھا ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "معززین اور شاہی خاندان کے افراد عموماً سوٹ پہنتے ہیں اور غالباً یہ عیسیٰ خان کی جدت بھی تھی۔ تمہیں یہ سن کر اور زیادہ حیرت ہوگی کہ عیسیٰ خان نے انگلینڈ میں تعلیم حاصل کی تھی اور میرا کلاس فیلو تھا۔"

"اوہ......تو کہیئے اس لئے آپ شاہی مہمان تھے۔"

"نہیں اس وقت تک مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ عیسیٰ خان ہی کراغال کا خان تھا۔ انگلینڈ میں

بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کراغالی ہے۔ یہ بات تو یہاں آ کر معلوم ہوئی تھی۔

کال کوٹھڑی

کچھ دیر بعد وہ دونوں اسی گھوڑے پر شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھوڑا بڑا جاندار تھا دو آدمیوں کے بار کے باوجود بھی اس کی تیز رفتاری حیرت انگیز تھی۔ وہ گویا ہوا سے باتیں کر رہا تھا اور اس کے سموں پر اس قسم کے چرمی غلاف چڑھے ہوئے تھے کہ ٹاپوں کی آواز دور تک نہیں پھیل سکتی تھی۔

حمید کو یہ سفر پچھلے سفر سے بھی زیادہ طویل معلوم ہو رہا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ جلد از جلد اس رومینٹک اور پراسرار ماحول میں پہنچ جانا چاہتا تھا جس کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا۔

"کچھ دیر بعد مطلع ابر آلود ہو گیا اور تاریکی بڑھ گئی۔ لیکن گھوڑے کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔

"کیا آپ کو زمین سجھائی دے رہی ہے۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

"نہیں.....!" فریدی نے جواب دیا۔

"ارے باپ رے.....تب تو پھر اسے آہستہ چلایئے۔"

"میں نے لگام چھوڑ رکھی ہے.....میرے چلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

حمید نے یہ سن کر بڑی مضبوطی سے فریدی کی کمر پکڑ لی۔

"تم ڈرو مت.....یہ گھوڑا صرف اسی راہ کے لئے مخصوص ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر تم اس وقت اس کی آنکھوں پر دھوپ کی عینک لگا دو تب بھی یہ اسی رفتار سے دوڑتا رہے

"اگر اس نے صحیح سلامت پہنچا دیا تو میں اسے ایک درجن عینکیں خرید دوں گا۔" حمید دانت پر

ت جما کر بولا اور فریدی ہنسنے لگا۔

حمید تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔ "کیا آپ کراغالی بول سکتے ہیں۔"

"ہاں اب تو میں خاصی روانی کے ساتھ بول سکتا ہوں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"مگر تم اس کی فکر نہ کرو......خانم انگریزی بھی بول اور سمجھ سکتی ہے۔"

"لیکن آپ نے کراغالی کب سیکھی۔"

"تھوڑی بہت پہلے سے جانتا تھا لیکن مشاقی اسی دوران بہم پہنچائی ہے۔ سردار شکوہ بہت اچھی کراغالی بول سکتا ہے۔"

"سردار شکوہ۔" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"میرا سب سے پہلا شکار۔" فریدی نے جواب دیا اور پھر اس نے واقعہ بتایا کہ کیسے اس نے سردار شکوہ کی مرمت کی تھی۔

"اس کے بعد سے سردار شکوہ نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں کہ اگر وہ یہ بات تنظیم کے کسی رکن پر ظاہر کر دے کہ وہ فریدی کے ہاتھوں پٹا تھا تو اس کی زندگی محال ہو جائے گی۔ وہ لوگ کبھی اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"اوہ......میں سمجھ گیا۔ مگر میں سردار شکوہ کو ایسا آدمی نہیں سمجھتا جس پر اعتماد کیا جا سکے۔"

"خیر......ہمیں ضرورت ہی کیا ہے کہ اس پر اعتماد کریں۔ میرا مقصد تو یہ تھا کہ اس سے اس کی اصلیت معلوم کروں۔ وہ میں نے معلوم کر لی۔ تنظیم کے لئے روپیہ فراہم کرنا ہی اس کا کام ہے۔ روحی کو اس نے ادارہ روابط عامہ سے مدد حاصل کرنے کی ترغیب دی تھی اور خود ہی اس پر حملے کراتا رہا تھا۔"

"پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔" حمید نے کہا۔ "جب میں ادارہ کی اصلیت سے واقف بھی نہیں تھا۔"

"بہرحال سردار شکوہ میرے لئے اسی حد تک کارآمد ثابت ہوا ہے۔ اس سے نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ملکہ کائنات کون ہے اور نہ یہی پتہ چل سکا کہ تنظیم کا مرکز کہاں ہے۔ ویسے اتنا مجھے معلوم ہے کہ رام گڈھ والوں کو ملکہ کائنات کے پیغامات ڈاکٹر سلمان کے توسط سے ملتے ہیں۔"

"اور ڈاکٹر سلمان ایک ماہر ہپناٹسٹ بھی ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر وہ خاموش ہو گئے۔ گھوڑا اب بھی اسی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ کبھی بادلوں سے ستاروں کی مدھم سی روشنی چھنتی اور کبھی پھر پہلے ہی کی سی گہری تاریکی چھا جاتی۔ ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے حمید کو بدحال کیے دے رہے تھے اور اب پھر اسے بولتے ہوئے کاہلی محسوس ہو رہی تھی۔

یہ سفر کافی دیر تک جاری رہا۔ پھر گھوڑے کی رفتار سست ہونے لگی۔

"شاید اب ہم منزل مقصود پر پہنچ رہے ہیں۔" فریدی بڑبڑایا۔ وہ اندھیرے میں چاروں طرف آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

"بڑا عجیب گھوڑا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یقیناً گھوڑوں کو اس طرح سدھانا بڑا مشکل کام ہے۔"

گھوڑا اب دوڑ نہیں رہا تھا۔ آخر کار ایک چڑھائی پر وہ رک گیا۔ فریدی اترتا ہوا بولا۔ "بس آ گئے۔"

وہ بہت آہستہ سے بولا تھا۔ حمید بھی آہستگی سے نیچے اتر گیا۔ فریدی نے گھوڑے کی زین اتاری اور پھر زمین پر بیٹھ کر اس کے سموں پر چڑھے ہوئے غلاف اتارنے لگا۔ حمید نے ایک بار پھر خود کو اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان پایا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھور رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی اور چونک کر اس کی طرف مڑا۔ گھوڑا آہستہ آہستہ نیچے اترتا چلا جا رہا تھا۔

فریدی نے حمید سے زین سمیٹنے کو کہا۔ وہ خود اپنا تھیلا سنبھالے ہوئے تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر رکے۔ فریدی نے تھیلا اتار کر نیچے رکھ دیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ پھر اس نے اسے اپنی ننھی سی ٹارچ روشن کرتے دیکھا۔ وہ زمین پر جھکا ہوا شاید کچھ تلاش کر رہا تھا۔ لیکن جو کچھ بھی تلاش کر رہا تھا وہ اسے دس منٹ گزر جانے کے بعد بھی نہیں ملا تھا۔ آخر حمید بھی اکتا کر اس کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کچھ نہیں...... ٹھہرو...... وہیں ٹھہرو...... ورنہ اس چٹان سے ٹکرا کر چپٹے ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہ اپنی جگہ سے کھسکنے والی ہے۔"

حمید بوکھلا کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ چٹان سچ مچ اپنی جگہ سے کھسک گئی۔ بہت ہی ہلکی سی آواز کے ساتھ۔ حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی نے اسے الو بنایا ہے۔ خواہ مخواہ اس نے ایک خواب کی سی داستان دہرائی تھی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسے تنظیم کی زمین دوز دنیا کا راستہ معلوم ہو گیا ہے اور وہ اس کے اندر جانے کا ارادہ کر رہا ہے۔ مگر پھر اسے وہ گھوڑا یاد آ گیا۔ وہ گھوڑا پھر کہاں سے آیا تھا۔ لیکن وہ اس سے زیادہ نہیں سوچ سکا کیونکہ فریدی اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ مگر پھر شاید کسی دوسرے خیال کے تحت وہ خود ہی اس کے قریب چلا آیا۔

"زین اٹھاؤ......!" فریدی اپنا تھیلا اٹھاتا ہوا بولا۔

حمید نے زین اٹھائی۔ فریدی کی ٹارچ کی روشنی ایک چوکور سی قد آور خلاء میں پڑ رہی تھی۔

"چلو...... اندر چلو......!" فریدی بولا۔

حمید کچھ کہے بغیر خلاء میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد فریدی اندر پہنچا۔ حمید نے پھر چٹان کھسکنے کی آواز سنی لیکن مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسے فریدی پر غصہ آ رہا تھا۔ کیونکہ اس کی دانست میں اس نے ابھی تک اسے الف لیلیٰ کی ایک داستان میں الجھائے رکھا تھا اس کے خیال کے مطابق یہی درست تھا کہ وہ اس وقت زمین دوز دنیا میں داخل ہو رہا ہے۔ جس کا تجربہ اسے ایک بار پہلے بھی ہو چکا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتا رہا۔ اب فریدی اس کے آگے تھا۔

کچھ دور چل کر وہ پھر رکا اور حمید نے محسوس کیا کہ اس نے تھیلا بھی زمین پر رکھ دیا۔ یہاں گہری تاریکی تھی۔ فریدی نے ٹارچ نہیں روشن کی تھی اور حمید کے دونوں ہاتھ گھوڑے کی زین میں پھنسے ہوئے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زین اپنے سر پر رکھ کر اور رکابوں میں پیر ڈال کر گھوڑے کی طرح ہنہناتا ہوا جدھر سینگ سمائے بھاگتا چلا جائے۔

دفعتاً اسے اندھیرے میں روشنی کی ایک پتلی سی لکیر نظر آئی۔ یہ فریدی کی چھوٹی ٹارچ کی روشنی تھی جو غالباً کسی دروازے کے قفل پر جم گئی تھی۔ پھر روشنی کی لکیر غائب ہو گئی اور ایک ہلکا سا کھٹکا سنائی دیا۔ کچھ دیر بعد روشنی کی لکیر حمید کی طرف رینگ آئی۔ فریدی اسے آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

حمید آگے بڑھا اور پھر وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ فریدی نے دروازہ بند کر کے بڑی ٹارچ روشن کر لی تھی اور اس کا دائرہ چاروں طرف رینگتا پھر رہا تھا۔ حمید نے دیواروں پر بے شمار رائفلیں لٹکی ہوئی دیکھیں۔ یہ یقیناً کوئی اسلحہ خانہ تھا۔ بارود کے ڈرم اور تھیلے ایک طرف چنے ہوئے

تھے۔ کمروں میں دو چار کرسیاں بھی تھیں اور ایک بڑی میز جس کے سرے پر بڑا سا آئینہ نصب تھا اس پر حمید کو میک اپ کرنے کا سامان بھی نظر آیا۔

"اب پھر یہاں کچھ دیر ستا لو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "لیکن یہاں تم تمباکو نہیں پی سکو گے۔ کیونکہ ان تھیلوں اور ڈرموں میں بارود ہے اب اس کے بعد سے ہمارے قدم خطرات کی طرف اٹھیں گے۔ ہمیں خانم تک پہنچنا ہے پھر ہم دیکھیں گے کہ اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ ابھی مجھے پورے حالات کا بھی علم نہیں ہے ورنہ اس سے ملے بغیر بھی کام شروع کیا جا سکتا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن ابھی اس کا شبہ رفع نہیں ہوا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔ فریدی بھی بیٹھ گیا تھا۔ تقریباً بیس منٹ تک کمرے کی فضا ساکت رہی۔ ساکت یوں رہی کہ حمید سو گیا تھا۔ پہلے فریدی نے اسے آوازیں دیں لیکن وہ اتنا ہی تھک گیا تھا کہ یہ آوازیں اس کی نیند میں خلل انداز نہ ہو سکیں۔

آخر فریدی نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

"اُف...... ابھی تک میں بہت اچھا تھا۔" حمید بڑبڑایا۔ "وہ لڑکی ساحرہ میرے لئے بُری طرح رو رہی ہوگی۔"

"اُٹھو......!" فریدی نے اسے کالر سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

"اٹھوں گا نہیں تو جاؤں گا کہاں۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔

"ریوالور ہے تمہارے پاس......!"

"نہیں......!"

"یہ رکھو...... اور کچھ زائد راؤنڈز......!"

"لائیے......!" حمید کی آواز میں زندگی نہیں تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ تھکن نے اسے نڈھال کر رکھا تھا۔ ورنہ وہ تو بزدل تھا اور نہ کام چور۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ فریدی کے سامنے وہ بچہ ہی بن جاتا رہا ہو۔

اپنا سامان انہوں نے اس کمرے ہی میں چھوڑ دیا اور پھر اسی طویل سرنگ میں پہنچ گئے جس سے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

فریدی نے ٹارچ روشن کر لی اور وہ دونوں چلتے رہے۔ حمید کو یقین ہوتا جا رہا تھا کہ وہ ایک بار

زمین دوز دنیا کی سیر کرنے جا رہا ہے لیکن اس بار حالات پہلے سے مختلف ہوں گے۔

تقریباً بیس منٹ تک چلتے رہے۔ پھر یک بیک حمید کو سرنگ کا اختتام نظر آیا۔ آگے راہ نہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سرنگ یہیں ختم ہو گئی ہو۔

"ب سے پہلے میں تمہیں وہ خوفناک جیل دکھاؤں گا جہاں مجھے خانم کے حکم سے ڈال دیا گیا" یدی نے کہا۔

"اچھا تو کیا ابھی ہم کسی خوشگوار عشرت کدے میں ہیں۔" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں

یدی ایک طرف کی دیوار ٹٹول رہا تھا۔ دفعتاً حمید نے ویسی ہی آواز سنی جیسی بیرونی چٹان قت سنی تھی۔ اب سامنے پھر خلاء نظر آنے لگی۔ لیکن فریدی نے ٹارچ بجھا دی تھی۔ وہ ے میں آگے بڑھے۔ حمید فریدی کے قدموں کی آواز پر چل رہا تھا۔ یک بیک فریدی رک ہ اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ آخر اس کے ہاتھ فریدی سے ٹکرائے اور فریدی کان کے قریب منہ لا کر آہستہ سے بولا۔ "بس یہیں رکے رہو...... میری چھٹی حس کہہ رہی ارے علاوہ بھی یہاں کوئی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ویسے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی اور بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔

کچھ دیر تک اسی طرح خاموش کھڑے رہے۔ پھر حمید نے فریدی کو کچھ بڑبڑاتے سنا۔ لیکن ھ سکا کہ وہ کس زبان میں بڑبڑایا تھا۔ اس کے بعد پھر وہی سناٹا۔

"کچھ نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "وہم بھی ہو سکتا ہے۔"

س نے ٹارچ روشن کی اور روشنی کا دائرہ ایک سلاخوں دار دروازے پر پڑا۔

کتا ہے ...... اوہ دیکھو...... یہ کتنا بھیانک ہے۔ یہاں کے قیدی کو کبھی آسمان دیکھنا یں ہوتا۔"

یدی ٹارچ روشن کئے ہوئے آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید نے تحیر آمیز آواز سلاخوں سے لٹکا ہوا کھڑا اس کال کوٹھری میں روشنی ڈال رہا تھا۔ حمید بھی تیزی سے آگے ر اس کی آنکھیں بھی حیرت سے بھر گئیں۔ اندر فرش پر ایک عورت چت پڑی تھی۔ اس کے

جسم پر سیاہ لبادہ تھا۔ بال کھلے ہوئے تھے اور اس کا چہرہ...... ایسے چہرے حمید نے عموماً قدیم
فن مصوری کے نوادرات میں دیکھے تھے۔ حمید نے محسوس کیا جیسے وہ سچ مچ خواب دیکھ رہا ہو۔ یا
گزر یونان کے کسی ہزاروں سال پرانے مقبرے میں ہوا ہو۔ سانسوں کے ساتھ اسکے سینے کا
ہی اسکی زندگی کا ثبوت تھا۔ ورنہ پہلی نظر میں تو وہ اسے مردہ ہی سمجھا تھا۔

"خانم......!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "شاید وہ لوگ کامیاب ہو گئے۔"

"خانم...... کیا مطلب......!"

"کراغال کی خانم......!" فریدی نے مضمحل آواز میں کہا۔ "اگر باغیوں کو کامیابی نہ ہوتی تو وہ یہاں کیوں نظر آتی۔ شکر ہے کہ انہوں نے اسے مار نہیں ڈالا۔"

فریدی نے جھک کر دروازے کے قفل پر روشنی ڈالی اور جیب سے ایک باریک اوزار نکا
اس کے سوراخ میں ڈال دیا۔ قفل کھلنے میں آدھ منٹ سے زیادہ وقت نہیں صرف ہوا۔ فریدی
ٹارچ حمید کو دے دی اور خود دروازے کو دھکیل کر کھولنے لگا۔ دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ
اور خانم بے ساختہ اچھل پڑی۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی وحشت
آنکھیں حمید کو ہزاروں سال پرانی کہانیاں سنا رہی تھیں۔

"ڈریئے نہیں۔" فریدی نے انگریزی میں کہا۔ "ہارڈ اسٹون......!"

"اوہ...... تم......!" وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس طرح فریدی پر آ رہی جیسے کسی نے
سے دھکیل دیا ہو۔

فریدی اگر اسے بازوؤں میں نہ سنبھال لیتا تو وہ یقینی طور پر گر جاتی۔

"انہوں نے کراغال پر قبضہ کر لیا۔ بُرے آدمیوں نے...... یہاں اس پاک سرزمین پر شرا
ن سینکڑوں بوتلیں آئی ہیں۔ کرنل کراغال کو بچاؤ...... خدا کے لئے۔"

"آپ فکر نہ کیجئے...... چلئے نکلئے یہاں سے۔"

"نہیں جب تک کہ کراغال ان ناپاکیوں میں مبتلا رہے گا میں یہاں سے نہیں جا سکتی۔
یہیں مر جاؤں گی۔"

"نہیں یہ وقت جذبات کی رو میں بہنے کا نہیں۔ چلئے ہم وہاں اسلحہ خانے میں بیٹھ کر ش
کریں گے۔"

تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے۔"

میرا ہی ساتھی ہے جس کے لئے میں پریشان تھا۔ بس اب چلئے یہاں سے۔"

م چند لمحے سوچتی رہی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کوٹھڑی سے باہر نکل آئی۔

یدی نے دروازے کو کھینچ کر بند کرتے ہوئے پھر قفل چڑھا دیا۔

کچھ دیر بعد وہ اسلحہ خانے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ فریدی نے وہاں دو موی شمعیں روشن
ں جو پہلے ہی سے وہاں موجود تھیں۔

خانم کہہ رہی تھی۔ "یہ سب کچھ ایک آدمی کی وجہ سے ہوا۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں سے آیا
غالی اسے باکمال بزرگ سمجھ کر اس کی پرستش کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ شراب کی
بوتلیں بھی آئی ہیں۔ حالانکہ شراب یہاں ہمیشہ ممنوع رہی ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ بوتلیں اسی کے ساتھ آئی ہیں۔" فریدی بولا۔

"میں یہی محسوس کر رہی ہوں۔ وہ مجھے کوئی مکار معلوم ہوتا ہے۔ کراغالی باہر کی چیزوں کے
گئے ہیں۔ خان ان کے لئے دوسرے ممالک سے آسائش کا سامان مہیا کرتے رہتے تھے۔
ر کچھ دنوں سے ان چیزوں کی قلت ہو گئی تھی اور ضیغم عام آدمیوں کے کان بھر رہا تھا۔ اس
یقین دلایا کہ خان عیسیٰ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ بس انہوں نے بغاوت کر دی...... پھر......
فقیر بھی آ گیا۔ وہ بھی ضیغم ہی کا حامی بن بیٹھا۔ پھر ضیغم کو نہ جانے کہاں سے باہر کی چیزیں
ہو گئیں اور اس نے انہیں کراغال میں مفت تقسیم کر دیا۔

"کیسی چیزیں......!"

"مشینوں سے بنے ہوئے کمبل، چھریاں، تمباکو اور کپڑے وغیرہ۔ آخر اسے یہ سارا سامان
سے ملا ہے۔ میں نے یہی سب تیاریاں دیکھ کر تمہیں اس سے مطلع کیا تھا اور صبح کو شکار گاہ کا
زہ بھی کھلوا دیا تھا...... خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے۔"

"لیکن آپ کو یہاں اس کال کوٹھری میں دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی ہے۔ آپ نے تو کہا
ا سے میرے اور خان کے علاوہ کوئی تیسرا واقف نہیں۔"

"یہاں تم کچھ بھول رہے ہو۔ تمہیں اس تہہ خانے میں کس نے پہنچایا تھا۔"

"تو کیا خان یوسف نے غداری کی۔" فریدی خانم کو گھورتا ہوا بولا۔

"نہیں......وہ غریب تو کام آ گیا۔ ضیغم نے اس پر تشدد کی حد کردی۔ اس سے تہہ خا راستہ معلوم کیا اور پھر اسے گولی ماردی۔"

"تو پھر مجھے یہی سمجھنا چاہئے کہ یہ کمرہ بھی محفوظ نہیں ہے۔"

"نہیں......انہیں اس سرنگ کا علم نہیں ہوسکا اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تمہیں یہاں تمہاری زندگی خطرے میں نہ ڈالتی۔ مجھے یقین ہے کہ خان یوسف نے انہیں اس کے متعلق ہوگا......ورنہ اب تک یہ اسلحہ خانہ بالکل صاف ہوگیا ہوتا۔"

"کیا فقیر کسی آزاد ہی علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں مجھے تو نہیں معلوم ہوتا۔" خانم بولی۔

"کیوں......یہ آپ کس بناء پر کہہ رہی ہیں۔"

"میں انگریزی زبان میں گفتگو کررہی ہوں لیکن کیا میرا لہجہ بھی انگریزی کا سا ہے۔ اسی طر وہ مقلاقی زبان میں گفتگو کرتا ہے جو کراغالی سے بہت کچھ مشابہت رکھتی ہے لیکن اس کا لہجہ مقلاقی کا سا نہیں ہے۔ اگر تم کراغالی میں گفتگو کرو......!"

"ہاں......میں کراغالی ہی میں گفتگو کروں گا۔" فریدی مسکرایا۔ "لیکن آپ میرے لہجے ٹوک نہیں سکیں گی۔"

"یہ ناممکن ہے۔" خانم بھی مسکرائی۔ "تم ہماری طرح کراغالی نہیں بول سکتے۔"

فریدی نے کراغالی میں اس سے پوچھا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ خان یوسف کو قتل کردیا گیا۔"

"مجھے یقین ہے۔ کیونکہ میں نے اسے یہیں تہہ خانے کے سامنے تڑپتے دیکھا ہے وہ یہاں انہیں راستہ دکھانے آیا تھا لیکن مجھے بند کرنے کے بعد انہوں نے اس کو گولی ماردی۔ کیا تم نے فر پر خون نہیں دیکھا تھا۔"

"نہیں......میری نظر نہیں پڑی۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ کوئی کراغالی تمہیں غیر کراغالی نہیں سمجھ سکتا۔ تمہارے لہجے میں ابھی تک کوئی خامی نہیں پا سکی۔"

"آپ کو یقین ہے کہ میرے لہجے میں کوئی خامی نہیں ہے۔"

"ہاں میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں۔"

"تب تو پھر میری کامیابی یقینی ہے......آپ قطعی پریشان نہ ہوں۔"

حمید کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار دیکھ کر فریدی نے پھر انگریزی میں گفتگو شروع کردی۔

"پھر تم کیا کرو گے۔" خانم نے کہا۔

"جو کچھ بھی کرنا ہے......کافی سمجھ کر ورنہ ہماری معمولی سی غلطی بھی سارا کھیل بگاڑ دے گی۔ سب سے پہلے اس فقیر کی زیارت کرنا چاہوں گا جس کا تذکرہ آپ نے کیا ہے۔"

"میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ اب بھی قلعے میں موجود ہے یا نہیں۔"

"دوسری بات یہ ہے کہ......کیا ضیغم حقیقتاً کراغالیوں میں اتنا ہی مقبول ہے کہ آپ کی حکومت کا تختہ الٹ سکے۔"

"نہیں اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن اپنا آرام سب کو عزیز ہے۔ کراغالی سوچتے ہیں کہ اگر خان سچ مچ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں تو پھر کل ان کی آسائش کی چیزیں کون مہیا کرے گا۔ ویسے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس سازش میں پراسرار فقیر ایک اہم رول ادا کررہا ہے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اب آپ کیا کہتی ہیں۔ یہ قضیہ ایک رات میں تو طے ہونے سے رہا۔ ہمیں فی الحال یہاں سے کہیں اور چلنا چاہئے۔"

"میں بھی یہی مناسب سمجھتی ہوں۔ پتہ نہیں کب ان کا رخ ادھر بھی ہوجائے۔ ضیغم خان سارے راز معلوم کرلینے کی فکر میں ہے۔"

"کیا آپ مجھے رازوں سے آگاہ کرنا مناسب سمجھیں گی۔"

"جتنے رازوں سے واقف ہوں تمہیں آگاہ کرچکی ہوں۔ یہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر خان کی ایک پناہ گاہ ہے جس کا علم میرے اور خان کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ اگر تم وہاں چلو تو بہتر ہے۔ یوں تو کئی پناہ گاہیں اور بھی ہیں۔ لیکن یہ سب سے نزدیک ہے۔"

کچھ دیر بعد وہ تینوں سرنگ سے نکل کر چٹانوں کے درمیان پہنچ گئے۔ فریدی نے اپنا اوور کوٹ خانم پر ڈال دیا تھا۔

ان کی رفتار سست تھی۔ کیونکہ خانم زیادہ تیزی سے نہیں چل سکتی تھی اور وہی ان کی رہنمائی کررہی تھی۔

حمید دل ہی دل میں اپنے مقدر کو گالیاں دیتا ہوا سوچ رہا تھا کہ دیکھئے کب اس سفر سے نجات

ملتی ہے۔ ویسے وہ خانم سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔ یہ خیال بھی اس کے ذہن میں بُری طرح کچوکے لگا رہا تھا کہ فریدی سے ہمیشہ اونچی ہی قسم کی عورتیں ٹکراتی ہیں۔

ڈیڑھ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ یہ پناہ گاہ دراصل ایک غار تھا۔ جس کے چھوٹے سے دہانے کو کانٹے دار جھاڑیاں گھیرے ہوئے تھیں۔

غار اندر سے کافی کشادہ تھا اور وہاں پتھر کی کئی بڑی بڑی سلیں پڑی ہوئی تھیں جن پر پیال کے ڈھیر تھے اور یہ غالباً سونے کے لئے استعمال کی جاتی رہی ہوں گی۔

خانم نے ایک سل پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں سب کچھ موجود ہے۔'' پھر ایک طرف اشارہ کرکے بولی۔ ''اس پتھر کے پیچھے کمبل ہوں گے۔''

حمید نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ کمبل کے نام ہی سے اسے نیند کے جھونکے آنے لگے۔ وہ اسی طرف لپکا جدھر خانم نے اشارہ کیا تھا۔ پتھر کے پیچھے سات آٹھ کمبل تہہ کئے ہوئے پڑے تھے۔ حمید نے وہ کھینچ لئے۔ ایک سل پر پڑا ہوا پیال برابر کرکے اس پر کمبل بچھا دیا اور دوسرا کمبل اپنے اوپر تانتا ہوا جوتوں سمیت دراز ہو گیا۔ فریدی موم شمعیں روشن کرکے اسے رکھنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ حمید کی بوکھلاہٹ پر وہ ہنستا ہوا بولا۔

''او ڈفر یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''بالکل مناسب ہو رہا ہے۔ فکر نہ کیجئے...... انشاء اللہ صبح ملاقات پھر ہوگی۔''

حالانکہ خانم اردو نہیں سمجھ سکتی تھی لیکن پھر بھی وہ اس کے بولنے کے انداز پر ہنس پڑی۔

حمید نے کمبل سے سر نکال کر انگریزی میں کہا۔ ''میں سونے کا سپیشلسٹ ہوں، اس لئے شب بخیر۔''

پھر اس نے دوسری کروٹ لے کر آنکھیں بند کرلیں۔

واپسی

دوسری صبح وہ فریدی کے جھنجھوڑنے ہی پر بیدار ہوا۔ خانم بھی بیدار ہو چکی تھی اور اس وقت وہ رات سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ حمید اٹھتے ہی گنگنانے لگا۔

شب وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
تیرے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

فریدی اس پر چراغ پا ہو گیا۔ لیکن حمید بدستور گنگناتا رہا۔ پھر بولا۔ ''آپ خفا کیوں ہوتے ہیں۔ جن صاحب کا یہ شعر ہے اب وہ بھی عورتوں سے عشق کرنے لگے ہیں۔ خدا آپ کو بھی توفیق عطا فرمائے۔''

''بکواس مت کرو۔''

''بہتر ہے میرا کیا بگڑتا ہے۔ لیکن مجھے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں ٹھہرا الّنڈورا...... اس لئے شعر سنانے کے علاوہ آپ کی اور کیا خدمت کرسکوں گا۔ ویسے خدا کا شکر ہے یہ عورت بہت مناسب ہے جی ہاں۔''

''تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا۔''

''اور میں اس کھال کے جوتے بنوا کر محترمہ کی خدمت میں پیش کردوں گا۔''

دفعتاً خانم بولی۔ ''ساری گفتگو اس زبان میں ہونی چاہئے جسے میں بھی سمجھ سکوں۔''

حمید نے انگریزی میں کہا۔ ''میں کرنل صاحب سے کہہ رہا تھا کہ ہم ناشتے میں بھنے ہوئے پتھر چبائیں گے۔''

''یہ مسئلہ واقعی غور طلب ہے۔'' خانم تشویش کن لہجے میں بولی۔

''ہے نا......!'' حمید نے کہا اور کمبل سے باہر نکل آیا۔

دن بھر وہ اسی غار میں رہے۔ خانم مختلف قسم کی تجاویز پیش کرتی۔ لیکن فریدی انہیں رد کردیتا۔ وہ ایک ایسا طریق کار اختیار کرنا چاہتا تھا جس سے حالات حیرت انگیز طور پر بدل جائیں ورنہ تنہا پورے کراغال کو چیلنج کرنا حماقت ہی ہوتی۔

بہرحال شام تک کوئی خاص فیصلہ نہ ہو سکا۔ آج کا دن انہوں نے خشک پھلوں پر گزارا تھا اور پھل فریدی کے تھیلے سے برآمد ہوئے تھے۔ تھیلے میں گوشت اور مچھلیوں کے ڈبے بھی تھے لیکن خانم نے انہیں کھانے سے انکار کردیا تھا۔ حمید نے بھی یہ سوچ کر پتہ نہیں کب تک اسی حال میں رہنا پڑے انہیں ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

رات ہوتے ہی فریدی تنہا باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

"میں بھی چلوں گی۔" خانم نے کہا۔

"نہیں ......آپ یہیں ٹھہریں گی۔ آج میں محل میں گھسنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تاکہ حالات کا جائزہ لے سکوں پھر میں دیکھوں گا کہ کیا کرسکتا ہوں۔"

"کیا مجھے بھی یہیں رہنا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں......!" فریدی نے اردو میں جواب دیا۔ "لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا کہ یہ ایک ملک کی حکمران ہے۔"

"اور کرنل ہارڈ اسٹون کو لپ آف ویکس بنانے والی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" فریدی نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔

خانم کے روکنے کے باوجود بھی فریدی تنہا ہی چلا گیا اور خانم نے حمید سے کہا۔

"ایسا ضدی آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"میں آدمی ہی نہیں سمجھتا۔" حمید نے لاپرواہی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"تمہارا ان سے کیا رشتہ ہے۔" خانم نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں......بس اس خیال سے ساتھ رہتا ہوں کہ کہیں اسے کوئی مار نہ ڈالے۔"

"تمہارا کیا نام ہے۔"

"حمید یوف......نسلاً روسی ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور شاید خانم کو یقین بھی آ گیا۔ کیونکہ اس کے بعد وہ کچھ بھی نہیں بولی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"مجھے کرنل کے متعلق کچھ بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں۔" حمید غم ناک انداز میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

خانم جواب کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن حمید نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کرلئے۔

"تم خاموش ہوگئے......کیوں؟"

"آپ کرنل کے بارے میں کیا معلوم کرنا چاہتی ہیں۔"

"وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"ہر قسم کا سمجھئے......میں خود بھی آج تک نہیں سمجھ پایا کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"یہ فرصت کے اوقات میں کیا کیا کرتے ہیں۔"

"میں آج تک اس کا اندازہ ہی نہیں کرسکا کہ فرصت کے اوقات کب شروع ہوئے اور کب ختم ہوگئے۔ میں نے انہیں کبھی بے کار بیٹھے نہیں دیکھا۔"

"میں ہر آدمی کو اس کی آنکھوں میں پڑھ سکتی ہوں لیکن کرنل کو سمجھنا واقعی بہت دشوار ہے۔"

"میرے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"تمہارے متعلق......!" خانم ہنس پڑی۔ اس نے پتھر پر سے مومی قندیل اٹھائی اور حمید کے چہرے پر روشنی ڈالتی ہوئی بڑبڑائی۔ "تم اگر میں نہیں غلطی کررہی ہوں۔ ایک کھلنڈرے آدمی ہو...... اپنا داہنا ہاتھ ادھر لاؤ......میں تمہیں تمہارے متعلق سب کچھ بتادوں گی۔"

حمید نے ہاتھ بڑھادیا۔ لیکن جیسے ہی خانم نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ موم کے کسی بڑے ڈھیر کی طرح پگھلتا چلا جارہا ہو۔

خانم نے اس کی ہتھیلی پر نظر جمائے ہوئے کہا۔ "تم......لاابالی طبیعت رکھتے ہو۔ تلون طبعی کافی ہے تم میں......عورتوں کی صحبت کے شائق لیکن جلد اکتا جانے والے......ایماندار بھی ہو۔ دوستوں کے لئے جان بھی دے سکتے ہو......انتقامی جذبہ ابھر آئے تو جان پر کھیل جاؤ گے۔ کرنل کی طرح ضدی اور اٹل نہیں ہو......اور کیا بتاؤں۔"

"بس اتنا ہی کافی ہے۔" حمید نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کرنل فریدی سے بھی زیادہ عجیب ہیں۔"

"کیوں تم نے مجھ میں کون سی عجیب بات دیکھی ہے۔"

"کل تک آپ ایک قوم پر حکومت کرتی تھیں......آج ایک غار میں فرد کش ہیں......کل معلوم نہیں کیا ہو۔ لیکن آپ کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں معلوم ہوتی۔"

خانم ہنس پڑی پھر بولی۔ "کیا تم نے مجھے تہہ خانے میں دیکھا تھا۔"

"دیکھا تھا......!"

"کیا میں خوفزدہ نہیں تھی۔ کسی ننھی سی بچی کی طرح۔"

"میں نے غور نہیں کیا تھا۔"

"میں خوفزدہ تھی لیکن یہ آدمی...... ہارڈ اسٹون...... میں اکثر سوچتی ہوں کہ یہ اس دنیا کا آدمی نہیں ہے۔ اس کی موجودگی میں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میری پشت پر ایک بہت بڑی فوج

موجود ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے ذہن میں ایک نیا شبہ سر ابھار رہا تھا۔ کہیں یہی عورت تو "ملکہ کائنات" نہیں ہے۔ حمید نے ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا۔ شمع کی سرخ روشنی میں اس کا چہرہ انگارے کی طرح دہکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ یک بیک اس نے اپنی گھنیری پلکیں اوپر اٹھائیں اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ قدیم مصر کے کسی معبد کی کنواری پجارن سے گفتگو کر رہا ہو۔

"تم خاموش کیوں ہوگئے۔" اس نے کہا۔

"کچھ نہیں......کوئی خاص بات نہیں۔" حمید مسکرایا۔

"میں کرنل کے لئے فکر مند ہوں۔ کراغالی غیر کی بو سونگھ کر فائر کر دیتے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تم کیا دیکھ رہے ہو۔"

"میں کیا بتاؤں کہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ آپ کے چہرے پر تھکن کے آثار ہیں جنہیں دور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ لیکن اس کا واحد علاج یہی ہے کہ آپ سو جائیے۔"

"کیا تم بھی چلے جانا چاہتے ہو۔" خانم مسکرائی۔

"نہیں......میں کرنل کے حکم کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

خانم پیال کے بستر پر بیٹھی ہوئی بولی۔ "محل کرنل کا دیکھا ہوا ہے۔ وہ کہیں پہنچنے میں غلطی نہیں کرسکتے۔ کاش وہ تنہا جانے سے باز رہتے۔" پھر کچھ دیر خاموش رہ کر لیٹتے ہوئے کہا۔ "میں سچ مچ بڑی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ آج مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آدمی سچ مچ بے بس ہے کل تک میں ہزاروں پر حکمران تھی لیکن آج وہ میرے خون کے پیاسے ہیں......خیر......!"

اس نے کمبل کھینچ کر خود کو گردن تک ڈھانپ لیا اور حمید کی طرف کروٹ لیتی ہوئی بولی۔

"معمولی آدمی ہونا کتنا اچھا ہے۔"

"میں نے کبھی موت کے منہ میں بھی یہ نہیں سوچا کہ معمولی آدمی ہونا کتنا اچھا ہے۔"

"تم ہارڈ اسٹون کے ساتھی ہونا۔ وہ جو صرف تین فائر کرتا ہے اور سینکڑوں کی جمعیت خوفزدہ ہو کر بھاگ جاتی ہے۔"

"اچھا......وہ بارود کے تھیلوں والا قصہ۔"

"ہاں......وہی قصہ......میرے خدا......وہ کتنے پھرتیلے ہیں۔ جتنی تیزی سے ہاتھ چلتے ہیں اتنی ہی تیزی سے ان کا ذہن سوچ بھی سکتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس سے زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ نہ جانے کیوں اس عورت کے سامنے وہ اپنی شخصیت میں ہلکا پن محسوس کرنے لگتا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ حمید بھی نہایت اطمینان سے کمبل اوڑھ کر پیال کے بستر پر دراز ہوگیا تھا۔

"کیا سو گئے۔" خانم نے اسے مخاطب کیا۔

"میں سو کیسے سکتا ہوں......جب کہ آپ جاگ رہی ہوں۔ ہاں......کیا کراغال میں اب ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو آپ کی حمایت کر سکے۔"

"قانون......قانون ہے۔" خانم نے کہا۔ "کراغالیوں کو یقین دلایا گیا ہے کہ خان کا انتقال ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے قانون کے مطابق کوئی عورت حکومت نہیں کر سکتی۔"

"لیکن آپ اس قانون کے حق میں نہیں ہیں۔"

"میں سو فیصدی اس کے حق میں ہوں لیکن کراغال پر میں کسی بُرے آدمی کی حکومت نہیں برداشت کر سکتی۔ ضیغم لاپرواہ اور عیش پسند ہے۔ وہ قوم کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ شاہی خاندان میں اس سے بہتر افراد موجود ہیں۔"

"خان سے اس کے تعلقات کیسے تھے۔"

"بہت اچھے تھے......ان کی موجودگی میں اس نے کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔"

"آپ کو اس سیاہ مجسمے کو دفن کرا دینا چاہئے۔"

"اس سے کیا ہوتا......میرا خیال ہے کہ ضیغم نے انہیں لوگوں سے ساز باز کی ہے جنہوں نے خان کو......!"

خانم کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ کیونکہ حمید یک بیک اچھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔ اس نے غار کے باہر کی جھاڑیوں میں سرسراہٹ سنی تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے موی قندیل بجھا دی اور ریوالور کے دستے کو مضبوطی سے گرفت میں لئے ہوئے غار کے دہانے سے آ لگا۔

پانچ منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اس نے اپنی گردن پر گرم گرم سانسیں محسوس کیں اور خانم کی سرگوشی سنی۔ "کیا بات ہے۔"

"مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی ادھر آیا ہے۔ آپ لیٹئے جاکر...... مجھے اتنے اطمینان سے نہ لیٹنا چاہئے ورنہ ہوسکتا ہے نیند ہی آجائے۔"

اس نے خانم کے جانے کی آواز سنی اور پھر اسی پتھر سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں بے شمار سوالات تھے۔ بار بار اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجتیں اور انہیں کے درمیان کوئی کہتا۔ "یہی ہے...... تنظیم کی سربراہ...... موجودہ طاقت اور ملکہ کائنات یہی عورت ہے...... فریب دے رہی ہے...... اپنا اطمینان کرنا چاہتی ہے کہ دشمنوں میں رہ کر بھی وہ محفوظ رہ سکتی ہے۔ اس عورت کا اس سے بڑا کمال اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس نے تم کو دوسرے معاملات میں الجھا لیا ہے۔ اس وقت جو کچھ بھی ہو رہا ہے ایک شاندار ڈرامہ ہے۔ اس کا حقیقت سے ذرہ برابر بھی لگاؤ نہیں ہے۔"

حمید سوچتا رہا اور اونگھتا رہا اور شاید اس پتھر سے ٹکا ہوا سو بھی گیا۔ کیونکہ دوسری بار ہوش میں آنے کے بعد اسے چند لمحوں تک یہی نہیں معلوم ہوسکا کہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے...... ویسے کسی نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

"میں آہٹیں سن رہی ہوں۔" یہ خانم کی سرگوشی تھی۔

"فکر نہ کیجئے۔" حمید نے کچھ سوچے بغیر کہا اور ریوالور کے دستے پر پھر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ اب وہ بھی آہٹیں سن سکتا تھا اور یہ ایک سے زیادہ قدموں کی آہٹیں تھیں۔ اس نے ریوالور نکال کر اس کا رخ غار کے دہانے کی طرف کردیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کے کھانسنے کا انداز پہچان لیا۔ ہوسکتا ہے اس نے بھی سوچا ہوگا کہ کہیں حمید اندر سے فائر ہی نہ کر بیٹھے۔ پھر بھی جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا حمید نے اسکے سینے پر ریوالور کی نال رکھ دی۔

"ہٹ جاؤ......!" فریدی آہستہ سے بولا اور ساتھ ہی اس نے ٹارچ روشن کرلی۔ خانم بھی حمید کے پیچھے ہی تھی۔ فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں کراغالی میں اس سے کچھ کہا۔ اور وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ پھر حمید نے اسے مومی شمعیں روشن کرتے دیکھا۔

غار میں روشنی ہوگئی۔ فریدی کا چہرہ اوورکوٹ کے کالر میں چھپا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے دو آدمی ایک بھاری وزن اٹھائے کھڑے تھے۔ فریدی نے مڑ کر انہیں اسے زمین پر ڈال دینے کا اشارہ کیا۔ اسکے بعد وہ دونوں خانم کے سامنے خفیف سا جھکے پھر سیدھے کھڑے ہوگئے۔ خانم نے کچھ کہا جس کے جواب میں حمید نے ان دونوں کی ہکلاہٹ محسوس کرلی۔ فریدی نے اوورکوٹ کے کالر گرا دیئے

ام کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ اگر فریدی نے آگے بڑھ کر اسے سنبھال نہ لیا ہوتا تو گر ہی
ہوتی۔ پھر وہ دونوں تھوڑی دیر تک کراغالی میں گفتگو کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خانم
بات سے انکار کر رہی ہو۔ ذرا سی ہی دیر میں حمید الجھن محسوس کرنے لگا کیونکہ وہ ان کی گفتگو
سمجھ سکتا تھا۔ مگر خاموش ہی رہا۔ کیونکہ وہ دونوں اجنبی اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً
ی نے ان کی طرف مڑ کر کچھ کہا تھا اور پھر وہ چاروں بھی غوغائی پرندوں کی طرح "ٹائیں ٹائیں"
نے لگے۔ حمید کی نظروں میں وہ محض "ٹائیں ٹائیں" ہی تھی کیونکہ وہ اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا تھا۔
مگر حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ جب اس نے خانم کو اوورکوٹ پہن کر ان دونوں
ساتھ باہر جاتے دیکھا۔ فریدی وہیں کھڑا رہا۔ وہ اس میک اپ میں نہیں تھا جس سے پہلی بار
ں سے رخصت ہوا تھا۔ خانم کے جانے کے بعد وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

"یہ کیا ہوا" حمید نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ ذرا اس گٹھڑی کو کھولو۔" اس نے گٹھڑی کی طرف اشارہ کیا جو دونوں آدمی
اٹھا کر لائے تھے۔ لیکن اس کے چہرے سے کپڑا ہٹتے ہی حمید کے حلق سے ایک تحیر زدہ سی چیخ نکلی
اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ بے ہوش آدمی گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

جنگ

فریدی حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔"

"آپ جانتے ہیں یہ کون ہے۔"

"ہاں...... وہی فقیر جس کا تذکرہ خانم نے کیا تھا۔ میں اسے اسکی خواب گاہ سے اٹھا لایا ہوں۔"

"اس کے علاوہ آپ اور کیا جانتے ہیں...... اس کے بارے میں۔"

"تم جو کچھ جانتے ہو بتاؤ۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ بارن ہے۔"

"میں نہیں جانتا یہ بارن کیا بلا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ آدمی جس کی حکومت طاقت کی زمین دوز دنیا پر ہے۔ جس کے متعلق وہاں کہا جاتا تھا کہ باہر نکلنے کے راستوں سے صرف وہی واقف ہے۔"

"تمہاری نظر دھوکہ تو نہیں کھا رہی ہے۔"

"ہرگز نہیں......" حمید نے جواب دیا۔ "میں اسے لاکھوں ڈاڑھی والوں میں پہچان سکتا ہوں۔"

"ہوں......!" فریدی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "تو میری محنت برباد نہیں ہوئی۔ حالانکہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنا اہم آدمی ہے۔"

"مگر شائد آپ اس سے راستہ نہ معلوم کرسکیں...... یہ کم بخت کہیں گھر جانے پر خودکشی کرلیتے ہیں۔ لیکن اپنا کوئی راز ہرگز نہیں بتاتے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

"مگر خانم کہاں گئی۔"

یہ بھی ایک طویل قصہ ہے۔ میں کم سے کم الفاظ میں اسے دہرانے کی کوشش کروں گا۔ کراغالی محض اس بناء پر باغی ہوگئے تھے کہ انہیں خان کی موت کا علم ہوگیا تھا۔ مرحوم خان عیسیٰ سے وہ اب بھی کانپتے ہیں۔ میں اس وقت دراصل خان عیسیٰ کے میک اپ میں ہوں۔ تمہیں وہ سرنگ والا کمرہ یاد ہوگا جہاں سے ہم اسلحہ لائے تھے۔ وہاں میک اپ کا سامان بھی رہتا ہے۔ غالباً میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ آکسفورڈ میں ہم دونوں ساتھ رہے تھے اور میک اپ کرنا ہم نے ایک ہی آدمی سے سیکھا تھا۔ خان عیسیٰ نے بھی اس فن میں خاصی مہارت بہم پہنچائی تھی۔ بہرحال میں اسی کا میک اپ کرکے شاہی محل میں داخل ہوا...... تم نے اسے اندر سے نہیں دیکھا۔ اسے محل نہیں بلکہ قلعہ کہنا چاہئے۔ بہرحال وہاں اندر فوج بھی رہتی ہے۔ یہ دو آدمی جو ابھی میرے ساتھ آئے تھے کراغالی فوج کے دو اعلیٰ آفیسر تھے۔ میں جانتا تھا کہ خان عیسیٰ کی موت کی خبر ہی نے ضیغم کو ابھرنے کا موقع دیا ہے۔ ورنہ کراغالی اسے پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ ظالم اور عیاش طبع آدمی ہے۔ بہرحال میں چھاؤنی کی طرف بھی سوچ کر گیا تھا کہ ایسے حالات میں یقینی طور پر وہاں خان عیسیٰ کے بہتیرے حامی پیدا ہوجائیں گے۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ بہتیرے آفیسروں نے اس وقت میرے سامنے قسمیں کھائی

ہیں کہ وہ خان ضیغم کی حکومت کا تختہ الٹ دیں گے۔ میں نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ میں فی الحال منظر عام پر نہیں آسکتا۔ اس پر انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ خانم کو میرا قائم مقام سمجھتے رہیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خان عیسیٰ کے قائم مقام کی حیثیت سے کراغال پر حکومت کرے گی۔"

"اسے آپ یہاں کیسے اٹھا لائے۔" حمید نے بے ہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ "کیا آپ پہلے سے اس کے متعلق جانتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں......لیکن اس کا علم مجھے ان دونوں آفیسروں سے ہوا کہ یہ فقیر اکثر خان عیسیٰ کو شکارگاہ میں ملا کرتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے بڑی حیرت کے ساتھ کہا تھا کہ آپ کے دوست نے اس انقلاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے یہ دوست طاقت کی تنظیم ہی سے تعلق رکھتا ہو۔ اب تم یہ اطلاع دیتے ہو کہ یہ بہت ہی اہم آدمی ہے۔"

"کیا یہ کراغال کی خانم...... ملکہ کائنات نہیں ہوسکتی۔"

"ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو۔ کیا اب یہاں میری شکست ہوسکتی ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں...... اگر خانم ہی ملکہ کائنات ہے تو ہم ہر وقت اس کی مٹھی میں ہیں۔"

"اول تو وہ ہے نہیں۔ اگر ہے بھی تو میں اس سے ٹکرانے کی قوت رکھتا ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ یہاں سے ایک فرلانگ کے اندر ہی اندر میرے آدمی موجود ہیں۔"

"فریدی کے اس دعوےٰ پر حمید کو بڑی حیرت ہوئی۔ لیکن وہ کچھ نہ بولا۔ شاید فریدی بھی اس دعوےٰ کے ثبوت میں کچھ پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس نے تھیلے سے ایک چھوٹا سا کیمرہ نکالا۔ حمید پہلی نظر میں اسے کیمرہ ہی سمجھا تھا۔ لیکن وہ حقیقتاً ٹرانسمیٹر تھا۔ چھوٹے براؤنی کیمرے سے کچھ بڑا...... فریدی نے اس کے میکنزم میں کچھ تبدیلی کی اور اسے منہ کے قریب لے جاکر بولا۔ "ہیلو...... کرنل اسپیکنگ...... تم لوگ نشان سے کتنی دور ہو...... اوور......!"

"ایک فرلانگ کے فاصلے پر...... اوور......!" مدھم سی آواز آئی اور حمید کھوپڑی سہلانے لگا۔

"فی الحال وہیں ٹھہرو...... اوور اینڈ آل۔" فریدی نے کہا۔

اس نے ٹرانسمیٹر پھر تھیلے میں ڈال دیا۔

"تھریسیا کے آدمی ہیں یا سرکاری۔" حمید نے پوچھا۔ لیکن فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے

بے ہوش آدمی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ جس نے کراہ کر کروٹ لی تھی۔ فریدی نے اپنے کوٹ کے کالر کھڑے کر لئے اور حمید غار کے دہانے پر جم گیا۔ اس نے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔

دفعتاً بے ہوش آدمی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پہلے اس نے فریدی کی طرف دیکھا اور پھر حمید کی طرف جو اپنی اصلی شکل و شباہت میں نہیں تھا۔

"بارن......!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تم کون ہو۔" بارن نے انگریزی میں پوچھا۔ پھر اس نے کراغالی زبان میں بھی دہرایا۔

دفعتاً فریدی نے اپنے اوور کوٹ کے کالر گرا دیئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ اوپر اٹھا دیا۔

دوسرے ہی لمحے میں بارن اپنی جگہ سے اچھل کر ایک پتھر سے جا ٹکا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر فریدی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"اب کیا خیال ہے۔" فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں انگریزی میں کہا۔

بارن کے ہونٹ ہلے اور وہ پاگلوں کی طرح بڑبڑانے لگا۔ "میں یقین نہیں کر سکتا۔"

"ابھی میں تمہیں ننھے سے پرندے کی طرح ذبح کر دوں گا۔" فریدی مسکرایا۔

"تم خان عیسیٰ نہیں ہو...... ہرگز نہیں ہو۔"

"اگر نہیں ہوں...... تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یعنی تمہاری تقدیر نہیں بدل سکتی۔"

"تم کون ہو......!" بارن نے پھر دہرایا۔

"اگر تمہیں یقین آ جائے تو میں یہ بھی بتا دوں گا۔ مگر اسے سننے کے لئے تم اپنا دل مضبوط کر لو۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ پھر میرے کسی سوال کا جواب دینے کے قابل ہی نہ رہ جاؤ۔"

بارن کچھ نہ بولا۔ صرف اس کی پلکیں جھپکتی رہیں۔

"کیوں! تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"کچھ نہیں......!" بارن نے اپنے لہجے میں لاپرواہی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ "تم کوئی بھی ہو مجھے تمہاری موت پر افسوس نہیں ہوگا۔"

"تم شاید اب بھی خواب دیکھ رہے ہو۔ تم اپنی اسی سیٹی کے متعلق سوچ رہے ہو گے جس کی آواز میلوں تک پھیلتی ہے۔ مگر نہیں تم اس کے متعلق نہیں سوچ سکتے۔ کیونکہ وہ نہ صرف سیٹی بلکہ ایک قسم کا ٹائم بم بھی ہے۔ جو سیٹی کی حیثیت سے پھونکے جانے کے کچھ دیر بعد پھٹ جاتا ہے۔ تم چونکہ

میں ایک مخصوص اہمیت رکھتے ہو اس لئے تمہارا جسم چیتھڑے اڑنے کے لئے نہیں ہے۔"

"تم کون ہو......!"

"وہی جسے تم ہر بار بڑی آسانی سے مار ڈالتے ہو۔"

"میں نہیں سمجھا صاف صاف کہو...... ہو سکتا ہے کہ تم نے مجھے اس طرح پکڑ کر غلطی کی ہو۔"

"میں ڈاکٹر سلمان ہوں اور میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

"میں کسی ڈاکٹر سلمان کو نہیں جانتا۔ مجھے جانے دو۔" وہ غار کے دہانے کی طرف مڑا۔ حمید پتھر کے بت کی طرح ساکت و سامت کھڑا تھا اب اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی نہیں تھا۔ اس کا گھونسہ بارن کے جبڑے پر پڑا اور بارن لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی آگے بڑھ کر سنبھال نہ لیتا تو اس کی کھوپڑی پتھریلی زمین کے رومان سے ضرور واقف ہو جاتی۔

"وہ آدمی گونگا اور بہرہ ہے۔" فریدی نے بارن کا جبڑا سہلاتے ہوئے کہا۔ تم کچھ خیال مت ویسے یہ بھی تمہاری ہی ایک حماقت کا نتیجہ ہے۔ تم نے اسے کسی مشینی تجربے کا شکار بنا کر اپنے ایک فرینکسٹین تیار کر لیا ہے اور وہ اب تمہاری قبروں تک تمہارا تعاقب کرے گا۔"

"تم لوگ سچ مچ پاگل ہو۔" بارن غرایا۔

"میں نہیں......!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "صرف وہ...... جسے کیپٹن حمید کہتے ہیں۔" بارن ساختہ اچھل پڑا اور پھر ہکلایا۔ "یعنی...... تم...... تم......!"

"مجھے لازمی طور پر کرنل فریدی کہتے ہوں گے۔" فریدی نے اسی انداز میں مسکرا کر کہا۔

بارن ایک بے جان بت کی طرح کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس میں ہلنے جلنے کی ت ہی نہ رہ گئی ہو۔

دفعتاً فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں تمہاری پوجا نہیں کروں گا۔ بارن تم جانتے ہی گے کہ اب کیا ہوگا۔ لیکن جو کچھ بھی ہوگا اس کی تمام تر ذمہ داری صرف تم پر ہوگی۔ لہٰذا اگر تم چاہو تو رائی بھی سکتی ہے۔"

"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔" بارن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر تم نے تنظیم کا راستہ نہ بتایا تو تمہیں زندہ درگور ہو جانا پڑے گا۔ وں پر جب میرا ہاتھ اٹھ جاتا ہے تو پھر بڑی مشکل سے رکتا ہے۔"

اچانک بارن کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا اور اس نے گرج کر کہا۔ ”یہ کراغال ہے...... یہاں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

”یقیناً......!“ فریدی مسکرایا۔ ”یہاں کا قانون میری نہیں سنے گا۔ لیکن میرے ہاتھ ایسے مقامات پر جیسے قوانین چاہتے ہیں بہ آسانی وضع کر لیتے ہیں اس لئے اس کی پرواہ قطعی نہ کرو۔“

”بھول ہے تمہاری۔“ بارن زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”تم دونوں مل کر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

”میں تم جیسے دو ٹکے کے آدمیوں پر ہاتھ اٹھانا بھی پسند نہ کروں گا۔ لیکن کیپٹن حمید بھی اپنی مرضی کا مختار ہے۔“

حمید سمجھ گیا کہ وہ بارن کو اس کے ہاتھوں سے پٹوانا چاہتا ہے۔ وہ آگے بڑھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی بارن نے اس پر حملہ کر دیا۔ حمید بہت اچھے موڈ میں تھا اور پھر فریدی کی موجودگی، اس نے بارن کو گھونسوں پر رکھ لیا۔ لیکن خود بھی دو چار بہت ہی گہرے قسم کے ہاتھ کھائے جو اسے اور زیادہ مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھے۔ بارن کو شاید اس بات کا خطرہ بھی لاحق تھا کہ کہیں فریدی اسے دھوکے میں رکھ کر کوئی اس سے بھی زیادہ سخت اقدام نہ کر بیٹھے۔ اس لئے وہ اکثر اس کی طرف بھی متوجہ ہو جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر حمید کا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا اور وہ کراہ کر ڈھیر ہوگیا۔ پھر پتھریلی زمین نے کھوپڑی کی بھی خاصی آؤ بھگت کی اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہوگیا۔

”تم بالکل گدھے ہو۔“ فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ”اب وہ اس قابل بھی نہیں رہ گیا کہ میرے سوالات کا جواب دے سکے۔ میں نے کب یہ کہا تھا کہ اتنا مارو۔“

”میرا دعویٰ ہے کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں بتائے گا۔ یہ کم بخت مر جاتے ہیں لیکن تنظیم سے غداری نہیں کرتے۔“

”فضول قسم کا خیال ہے۔ سردار شکوہ بھی اسی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے لیکن کیا میں نے اس سے بہت کچھ معلوم نہیں کر لیا تھا۔“

”لیکن وہ کسی اونچے مقام پر نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے اسے تنظیم کے متعلق اتنی معلومات بھی نہ ہوں جتنی مجھ کو ہیں۔ نہیں آپ اس آدمی کا مقابلہ سردار شکوہ سے نہیں کر سکتے۔ دونوں کی حیثیتوں میں بڑا فرق ہے۔“

”خیر دیکھا جائے گا......“ فریدی نے کہا اور ایک بار پھر ٹرانسمیٹر نکال کر پیغامات نشر کئے۔

حمید کافی تھک گیا تھا اور نیند کا خمار الگ جان پر آیا ہوا تھا۔ وہ پیال کے بستر پر نیم دراز ہو کر ...ونے لگا۔ پھر دوسری صبح ہی کو اس کی آنکھ کھلی۔ فریدی بھی غار ہی میں موجود تھا۔ لیکن بارن کہیں نہ ...ائی دیا۔ پھر اس کے استفسار پر فریدی نے بتایا کہ وہ اسکے آدمیوں کی نگرانی میں ہے۔

اسی دن ٹھیک دس بجے اُنہیں ایک غیر متوقع حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ دونوں غار کے ...انے کے قریب ہی بیٹھے آئندہ کے پروگرام پر غور کر رہے تھے کہ انہیں بے شمار گھوڑوں کی ٹاپوں کی ...ازیں سنائی دیں۔ آوازیں دور کی تھیں۔ فریدی بڑی تیزی سے اٹھا اور تھیلے سے دوربین نکال کر ...بد کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا لیکن واپسی میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

”چلو...... جلدی کرو...... میرا خیال ہے کہ راز فاش ہوگیا ہے۔ یہ خان ضیغم کے آدمی معلوم ...تے ہیں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں...... اس کی موت ہی انہیں ادھر لا رہی ہے۔“

”کتنی تعداد میں ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے ڈیڑھ سو سے زیادہ نہیں ہیں۔“ فریدی کے لہجے میں لاپرواہی تھی۔ حمید جھلا ...گیا۔

”اور ہم دو ہزار ہیں۔“ وہ دانت پیس کر بولا اور فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ اس نے اپنی ...رائفل اٹھائی اور حمید کی رائفل اسے دی اور اپنا وزنی تھیلا اٹھا کر باہر نکل گیا۔

”جھکے ہوئے چلے آؤ۔“ اس نے پلٹ کر کہا۔ ”انہیں اوپر آنے میں پندرہ منٹ صرف ہوں ...گے ویسے وہ ابھی کافی دور ہیں۔“

حمید کو نہیں معلوم کہ اس نے کس طرح اس دوڑ میں فریدی کا ساتھ دیا۔ آخر فریدی ایک جگہ ...رک گیا۔ نیچے ایک تنگ سا میدان تھا اور اس کے چاروں طرف اونچی اونچی مگر قابل عبور چٹانیں تھیں ...اس میدان کی دوسری سمت بے شمار سوار دکھائی دے رہے تھے۔

”ہم تک پہنچنے کے لئے انہیں لازمی طور پر اس میدان سے گزرنا پڑے گا۔“ فریدی آہستہ ...سے بولا۔

اور پھر تھیلے سے ٹرانسمیٹر نکال کر اسے منہ کے قریب لاتا ہوا بولا۔ ”تم نے ان سواروں کو ...دیکھا...... ٹھیک...... آہستہ آہستہ پھیلتے ہوئے...... انہیں چاروں طرف سے گھیر لو...... جب وہ غار ...کے نیچے والے میدان میں آ جائیں...... لیکن میرے فائر کا انتظار کرنا...... اوور اینڈ آل۔“

اب حمید کو قدرے سکون ہوا۔ اس نے جلدی جلدی اپنی رائفل کی میگزین درست کی اور
کراغالیوں کا انتظار کرنے لگا۔ میدان میں داخل ہونے کا راستہ تنگ تھا۔ دو، دو کی ٹولیوں میں
میدان میں داخل ہونے لگے۔

"شروع ہو جاؤ......!" فریدی نے کہا اور دونوں نے ایک ساتھ فائر کئے۔ دوسرے ہی لمحے
میں نیچے سے بھی درجنوں فائر ہوئے اور پھر یہ لوگ بھی برابر فائر کرتے رہے۔ لیکن ان کی پیش قدمی
جاری ہی رہی۔ لیکن پھر اچانک ان میں سراسیمگی پھیل گئی۔ کیونکہ اب چاروں طرف سے فائر ہونے
لگے تھے۔ گھوڑوں کی زینیں تیزی سے خالی ہونے لگیں۔

"اوہو...... خان ضیغم خود آیا ہے...... کیوں نہ ہو۔ اسے خان عیسیٰ کو ختم کرنا ہے ورنہ خود اسے
ختم ہونا پڑے گا۔" حمید کے استفسار پر اس نے ایک کراغالی کی طرف اشارہ کیا جس کا لباس
دوسروں سے مختلف تھا۔

"اچھا تو خان ضیغم...... اب تم بھی جاؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور حمید نے خان ضیغم کو
گھوڑے کی پشت سے گرتے دیکھا۔ گولی ٹھیک پیشانی پر پڑی تھی۔ اس کے گرتے ہی پوری طرح
کراغالیوں میں ابتری پھیل گئی اور انہوں نے رائفلیں پھینک پھینک کر اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔

جہنم کا شعلہ

وہ تعداد میں پچیس تھے اور ان کے چہروں پر سیاہ نقابیں تھیں۔ حمید انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا
اور سوچ رہا تھا کہ کاش وہ ان کے چہرے بھی دیکھ سکتا۔ یہ لازمی طور پر فریدی کی بلیک فورس ہی کے
آدمی تھے۔ وہ کراغالیوں کو اپنے نرغے میں لئے ہوئے شاہی محل کی طرف جا رہے تھے۔ آگے حمید
اور فریدی تھے۔ فریدی اس وقت بھی خان عیسیٰ کے میک اپ میں تھا۔ ایک گھوڑے پر خان ضیغم کی
لاش پڑی ہوئی تھی۔

پھاٹک کھل گیا۔ یہ خبر پہلے ہی پھیل چکی تھی کہ خان عیسیٰ واپس آ گیا ہے۔

اس حادثے کی وجوہات بعد میں معلوم ہوئیں۔ دراصل ان سرداروں میں سے ایک نے پھر غداری کی تھی جنہیں فریدی نے اپنے یا دوسرے الفاظ میں خان عیسیٰ کی حمایت میں ہموار کرلیا تھا۔ اس نے ضیغم کو غار کا پتہ بتایا۔ لیکن ضیغم کراغال کی خانم کو پانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ سردار جو خانم کو اپنے ساتھ لے گئے تھے روپوش ہو گئے تھے۔ پھر جب خان ضیغم کی شکست کی خبر سارے کراغال میں پھیل گئی تو وہ دونوں خانم سمیت حاضر ہوئے۔

حالات معمول پر آ گئے تھے۔ کراغال پر دوبارہ خانم کا اقتدار قائم ہو گیا تھا۔

"یہ تو قصہ خانم طائی ہو گیا جناب۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "چلے تھے شہزادی کا پانچواں سوال پورا کرنے کہ راستے میں زار و قطار رونے والا شہزادہ مل گیا جس نے بتایا کہ اس کے پاس بھی ساڑھے سات سوال پہلے سے موجود ہیں۔ اگر خانم مدد کرے تو بیڑا پار ہو جائے گا۔ ورنہ اس کی محبوبہ کسی گزٹیڈ یا کمیشنڈ آفیسر سے شادی کرلے گی۔ لہٰذا وہی حال ہمارا ہوا ہے۔ چلے تھے طاقت کی تنظیم کا خاتمہ کرنے راہ میں ایک ملک کی ملکہ مل گئی۔"

"بس کرو......!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اگر ہم یہاں نہ آتے تو بارن کبھی ہاتھ نہ لگتا۔ تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ میں نے فی الحقیقت تنظیم کی کمر توڑ دی ہے۔ ان کی آخری پناہ گاہ کراغال بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔

"مگر...... آپ بارن سے کچھ نہ معلوم کرسکیں گے۔ میرا دعویٰ ہے۔"

"بس دیکھتے جاؤ...... تم بھی کیا یاد کرو گے۔"

اسی شام کو وہ محل سے رخصت ہو گئے۔ خانم فریدی کو رخصت کرتے وقت بُری طرح رو رہی تھی اور حمید دل ہی دل میں کباب ہو رہا تھا۔ آج تک کوئی عورت اس کیلئے اس طرح نہیں روئی تھی۔

راستے میں اس نے فریدی سے پوچھا۔ "وہ خان عیسیٰ کی موت کب تک چھپائے گی۔"

اب وہ چھپانا بھی نہیں چاہتی۔ لیکن فی الحال چھپانا ہی مناسب ہے۔ میں نے تمام سرداروں کو سمجھا دیا ہے کہ میں فی الحال ایک مہم میں الجھا ہوا ہوں۔ اس لئے میں زیادہ دیر تک کراغال میں نہیں ٹھہر سکوں گا۔ لیکن جب بھی کوئی فتنہ اٹھا میں اسی طرح ان کے سروں پر مسلط نظر آؤں گا اور خانم کو سمجھا دیا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد وہ خان عیسیٰ کی موت کا اعلان کر کے کسی کے حق میں حکومت

سے دستبردار ہو جائے۔ اس طرح اس کی بزرگی اور عظمت بھی قائم رہے گی جس کے حق میں دستبردار ہوگی وہ بھی بہر حال اس کا احترام کرے گا۔

"آپ کو شیکسپیئر کے کسی ڈرامے کا ہیرو ہونا چاہئے تھا۔"

فریدی نے اس بے تکی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

پھر وہ کمین گاہ میں پہنچے، جہاں بلیک فورس کے آدمیوں کا قیام تھا۔ اب حمید کو ان کی صحیح تعداد کا علم ہوا۔ یہ تیس تھے۔ پچیس نے اس مہم میں حصہ لیا تھا اور پانچ بارن کی نگرانی کرتے رہے تھے۔ بارن کی حالت ابتر تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بحالت بیداری کوئی بہت ہی بھیانک خواب دیکھ رہا ہو۔ فریدی نے اس کے گال پر تھپڑ رسید کر کے کہا۔

"دیکھا تم نے...... تمہاری یہ اسکیم خاک میں مل گئی۔ ان پچیس دلیروں نے ضیغم کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ تم کراغال کو تنظیم کا پاکٹ بنانا چاہتے تھے سنو! جس طاقت کو تم غلط سمجھتے ہو وہ صرف خدا کی طاقت ہے جو ہمیں اور تمہیں طاقت عطا کر کے رحم کرنا سکھاتی ہے۔ طاقت کا صحیح مظاہرہ یہ نہیں ہے کہ تم کمزوروں کو مسل دو...... بلکہ طاقت کا صحیح مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ اپنے اندر بپھرے ہوئے وحشی کو ابھرنے نہیں دیتے۔ جب تک افراد کی داخلی تنظیم اس نظریئے کے تحت نہ ہوگی بہتر سے بہتر نظام حیات بھی دیرپا نہ ثابت ہو سکے گا۔ تم آج ایک نظام سے اکتا کر دوسرے نظام کی بنیادیں رکھتے ہو مگر کل وہ بھی ڈھیر ہو جائے گا۔ کیونکہ بنیاد اسی پرانی زمین پر رکھ رہے ہو جس کے نیچے آتش فشاں پہاڑ ہوتے ہیں۔ پہلے اس آتش فشاں کو ٹھنڈا کرو۔"

"تم مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکو گے...... کبھی نہیں۔" بارن ہذیانی انداز میں چیخا۔ "تم مجھے اخلاقیات کا سبق دے رہے ہو۔ مجھ پر رحم کیوں نہیں کرتے۔"

"انسانیت کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ کسی سردی کھائے ہوئے سانپ کو چھاتی سے لگا کر گرمی پہنچائی جائے۔ تم پر رحم کھانا لاتعداد آدمیوں پر ظلم ڈھانے کے مترادف ہوگا۔ سنو بارن کیا تمہیں اس معصوم لڑکی پر رحم آیا تھا جسے تم نے اس کی شادی کی رات کوئلے کے مجسمے میں تبدیل کر دیا تھا۔"

"میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

"تمہیں ان تہہ خانوں کا راستہ بتانا ہی پڑے گا۔ خواہ مجھے تمہارے جسم کی ایک ایک بوٹی ہی

کیوں نہ الگ کرنا پڑے۔"

بارن کچھ نہ بولا

"میں تمہیں صرف پندرہ منٹ کی مہلت دیتا ہوں اس کے بعد تم اتنے شدید عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے کہ تمہارا شیطان بھی پناہ مانگے گا۔"

بارن ویران آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "موت تو بڑی آسان چیز ہے لیکن وہ زندگی جو موت سے بدتر ہو جائے تم خود سوچ سکتے ہو۔ فرض کرو میں تمہارے دونوں ہاتھ کاٹ دوں اور ان پر ہر پانچ منٹ کے بعد نمک چھڑکا جائے؛ یا میں ہتھوڑے سے تمہارے دانت توڑ دوں۔"

"نہیں......!" بارن دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

فریدی خاموش رہا۔ لیکن بارن نے آہستہ سے کہا۔ "پھر میرا کیا حشر ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے کہ سلطانی گواہ بننے کے بعد تم پھانسی سے بھی بچ جاؤ...... یہ تو یقینی بات ہے کہ اب اس کالی تنظیم کے دن پورے ہو گئے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ اگر تم راہ پر نہیں آؤ گے تو تمہارے لئے پھانسی کا پھندا ہے۔ ورنہ میں تو تہہ خانوں کے راستے کا سراغ بھی پا ہی لوں گا خواہ کچھ دیر ہی کیوں نہ لگے۔"

بارن تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"میں بتا دوں گا۔"

فریدی خاموش ہی رہا۔

بارن نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "راستہ...... ڈاکٹر...... سلمان کی کوٹھی سے ہے۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی کچھ سوچتا ہوا سر ہلا کر بولا۔

"تم بکواس کر رہے ہو...... کیا تم رام گڈھ سے کراغال آئے تھے۔"

"میں نے یہ نہیں کہا کہ صرف ایک ہی راستہ ہے۔"

"تو تم نے اسی راستے کا تذکرہ کیوں کیا۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیونکہ ساری مصیبتوں کی جڑ ڈاکٹر سلمان ہی ہے۔ کم از کم اپنے متعلق تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس تنظیم کے متعلق مجھے اسی سے معلوم ہوا تھا اور اسی کی وساطت سے میں اس تنظیم میں شامل بھی

ہوا تھا۔"

"ڈاکٹر سلمان کی حیثیت کیا ہے۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ ہمارے لئے یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ کس کے ذمے کون سا کام ہے۔"

"ڈاکٹر سلمان کے کام کے متعلق تو تم جانتے ہی ہو گے۔"

"جانتا ہوں...... وہ ادارہ روابط عامہ کا مینیجنگ ڈائریکٹر ہے۔ ادارہ روابط عامہ کا کام کیا ہے۔ یہ مجھے نہیں معلوم۔ اس پر میں روشنی نہیں ڈال سکوں گا۔"

"جس پر روشنی نہ ڈال سکو اسے یکسر بھول جاؤ۔ اچھا ملکہ کائنات کون ہو سکتی ہے۔"

"اس کا علم شاید ڈاکٹر سلمان کو بھی نہ ہو۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔"

"خیر...... اب مجھے دوسرے راستوں کے متعلق بتاؤ۔"

"دوسرے راستے۔" بارن نے کراہ کر ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "دوسرا راستہ کراغال کے شاہی محل سے ہے۔"

"اور تیسرا راستہ......!"

"فی الحال تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"لیکن اگر میں نے کوئی تیسرا تلاش کر ہی لیا تو......!"

"میں خوشی سے پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔"

"نہیں...... میں ہی کیوں نہ تمہارا گلا گھونٹ دوں۔" حمید بول پڑا اور بارن صرف اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

حمید پھر بولا۔ "کیا مجھے ڈاکٹر سلمان ہی کی کوٹھی والے راستے سے لے جایا گیا تھا۔"

"میں نہیں جانتا کہ تمہیں کس راستے سے لے جایا گیا تھا۔ مجھے بس ملکہ کائنات کی طرف سے ایک پیغام ملا تھا ایک آدمی بھیجا جا رہا ہے اور بس اس سے زیادہ اور میں کچھ نہیں جانتا۔"

"اس کا دماغ بالکل ماؤف ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "اور یہ اچھی طرح جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔"

"تم مجھے مار ڈالو تب بھی سچ نہیں بولوں گا۔" بارن آہستہ سے بولا۔

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ پھر ایک نقاب پوش سے بولا۔ "آگ جلاؤ...... اور دو تین چاقو کے پھل گرم کرو۔"

"یہ دیکھو......!" بارن مسکرایا۔ "یہ ہونٹ اب بالکل بند ہو رہے ہیں۔"

نقاب پوش نے آگ جلائی اور دو تین چاقوؤں کے پھل تپائے جانے لگے۔

لیکن دفعتاً ان کی محنتوں پر پانی پڑ گیا۔ جو کچھ بھی ہوا ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ہوا اور وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ جہاں بارن بیٹھا ہوا تھا اس سے چار پانچ فٹ کے فاصلے پر ایک کافی گہری کھڈ تھی۔ اس نے اسی میں چھلانگ لگا دی اور پھر قبل اسکے کہ وہ اس تک پہنچتے بارن ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اس طرح وہ قافلہ کراغال سے بے نیل و مرام واپس ہوا۔ مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

"اب کیا پروگرام ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"تھوڑی دیر ضرور لگے گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ کامیابی حاصل ہوگی۔"

"دیکھئے...... میرا خیال ہے کہ راستہ وہیں کہیں ہوگا جہاں ان لوگوں نے ہمیں گھیرا تھا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں حمید...... مگر کیا تمہیں یقین ہے کہ بارن کے علاوہ اس راستے سے اور کوئی واقف نہیں ہے۔"

"ڈاکٹر زبیری...... اور ظلی نے بھی بتایا تھا۔ ظاہر ہے جب انہوں نے میری مدد کی تھی تو پھر اس سلسلے میں وہ کیوں جھوٹ بولنے لگے۔ ڈاکٹر نے تو یہاں تک بتایا تھا کہ ایک بار تین دن سارے کے سارے آدمی نکاسی کا راستہ تلاش کرتے رہے تھے لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ویسے یہ بات انہیں دونوں نے بتائی تھی کہ بارن ہی نکاسی کے راستے سے واقف تھا۔"

وہ چلتے رہے۔ اب فریدی جلدی سے جلدی اس غار تک پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں سے ایک بار حمید نے زمین دوز دنیا کی سیر کی تھی اور فریدی نے کراغال کی۔ چونکہ اب یہ سفر پیدل ہی جاری رکھا گیا تھا اس لئے شکار گاہ تک پہنچنے کے لئے تقریباً چار گھنٹے صرف ہوئے۔ حمید اب بھی انہیں نقاب پوشوں کو گھورے جا رہا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات تو اس پر تھی کہ اس نے اس دوران میں انہیں بولتے نہیں سنا تھا۔ وہ آپس میں بھی نہیں بولتے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی تو کسی معاملے میں اپنی رائے ظاہر کی تھی اور نہ فریدی ہی نے کسی بحث پر حصہ لینے پر مجبور کیا تھا۔ بس ایسا معلوم ہوتا

تھا جیسے وہ مشینیں ہوں اور ان کے ہینڈل فریدی کے ہاتھ میں ہوں۔ کیوں کہ وہ اس کے ایک ہی اشارے پر حرکت میں آجاتے تھے۔ اب وہ معاملہ ہی ختم ہو چکا تھا جس کے لئے وہ وہاں گئے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ شروع سے اب تک ساری محنت برباد ہو گئی...... فریدی بھی کچھ خاموش ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔

وہ نہایت خاموشی کے ساتھ اس غار کے دہانے میں داخل ہوئے جس کے ذریعے وہ رام گڈھ کی حدود میں داخل ہو سکتے تھے۔

پہاڑی نالے کے قریب پہنچ کر فریدی رک گیا۔ بیک وقت تین عدد ٹارچوں کی روشنیاں چاروں طرف چکرانے لگیں۔

"آپ نے کراغال کے محل ہی میں راستہ تلاش کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" حمید نے اس سے پوچھا۔

"میں وہاں زیادہ دیر تک رکنا نہیں چاہتا تھا؟" فریدی نے جواب دیا۔

اس کے کئی راستے ہوں گے مجھے یقین ہے۔ بارن نے جن دو راستوں کا تذکرہ کیا تھا ہو سکتا ہے کہ ان کا وجود ہو۔ لیکن وہ یقیناً خطرناک ہوں گے۔ ورنہ وہ ان کے متعلق ہمیں نہ بتاتا کیونکہ یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ اس کی نیت میں فتور تھا اور وہ ہمیں کسی نئے معاملے میں الجھا دینا چاہتا تھا...... ورنہ اس نے خودکشی کیوں کر لی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اس غار میں راستہ تلاش کرنے کی کوشش فضول ثابت ہو گی مگر اسے یقین تھا کہ اس غار ہی میں کوئی نہ کوئی راستہ ضرور موجود ہے۔ ورنہ وہ یک بیک یہاں پہنچ کیسے گئے تھے۔

تمہیں دو باتوں میں سے ایک تسلیم کرنی پڑے گی۔ فریدی بولا۔ "یا تو ڈاکٹر زبیری نے جھوٹ کہا تھا کہ بارن کے علاوہ اور کوئی راستہ سے واقف نہیں ہے یا پھر یہاں راستہ موجود ہے؟"

"دونوں باتوں میں مجھے تعلق نظر نہیں آتا؟"

اگر وہ لوگ تہہ خانوں سے آئے تھے تو پھر وہ بھی راستے سے واقف ہوں گے اور اگر ان کا تعلق تہہ خانے سے نہیں تھا تو تمہیں ایک ہی آدمی اٹھا کر اندر لے گیا ہوگا کیونکہ قاسم کے لئے ایسا ممکن نہیں ہے۔ اسے دنیا کا کوئی آدمی تنہا نہیں اٹھا سکتا میرا دعویٰ ہے؟"

"پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ صرف بارن ہی راستے سے واقف نہیں تھا؟"

"اور یہاں اس غار میں کسی راستے کے وجود کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا؟"

"پھر ہم یہاں جھک مار رہے ہیں؟" حمید جھنجھلا گیا پھر بولا۔ "اس زمین دوز دنیا میں پہنچ کر ...ریں گے بھی کیا اور وہاں رہنے والے چوہوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بہتیرے ...ے ہیں جنہوں نے بیس سال سے آسمان نہیں دیکھا۔ آپ کو تو ان کی فکر میں رہنا چاہئے جو ان ...اری حرکتوں کے ذمہ دار ہیں؟"

"ہاں...... میں اسی کی فکر میں ہوں جو اس ملکہ کائنات پر بھی حاکم ہے اور اگر کسی ایسے فرد یا ...راد کا وجود نہیں ہے تو سربراہ کا انتخاب کون کرتا ہے؟"

"یک نہ شد دو شد...... سربراہ کے چکر میں یہ حال ہوا۔ اب یہ اس سے بھی بڑا کوئی اور نکل ...ا ہے؟"

"شروع ہی سے میں اس کی تلاش میں ہوں۔ اس عورت سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں جس کی ...از تم نے تہہ خانوں میں سنی تھی؟"

"ہائیں تو کیا آپ کو دنیا کی کسی عورت سے دلچسپی نہیں؟"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چلتے رہے۔ اوپری چٹان پر پہنچ کر حمید پیچھے مڑا۔

"وہ لوگ کہاں رہ گئے؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ان کی فکر مت کرو...... وہ میری دم سے نہیں بندھے پھرتے؟"

"انہوں نے اپنے چہرے کیوں چھپا رکھے تھے؟"

"اگر تم ان سے واقف ہو جاؤ تو وہ بلیک فورس کیوں کہلائے؟"

حمید کچھ نہ بولا۔ اب اس میں چلنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ دراڑ سے باہر نکلنے کے بعد وہ ایک ...ر پر بیٹھ گیا۔ رات ہو چکی تھی۔

"یقیناً تھک گئے ہو گے؟" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"دیکھئے...... مجھے اس پر بڑا ناز تھا کہ دنیا میں صرف میں ہی ایک آدمی ہوں جسے کرنل فریدی

کی خارجی اور داخلی زندگی کا پورا علم ہے لیکن کیا میں غلطی پر نہیں تھا۔"

"تھے اور بھی اور نہیں بھی تھے۔"

"نہیں میں غلطی پر تھا۔"

"تم غلطی پر نہیں تھے...... تم سے مجھے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا لیکن اس کی بھی حدود ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی ایک چٹان سے ٹک کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے تھیلے سے مچھلی کے تین ڈبے نکالے لیکن انہیں کھولنے کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ یک بیک انہیں ایک آنچ سی محسوس ہوئی جو بتدریج بڑھتی جارہی تھی۔ وہ دونوں بے تحاشہ اٹھے۔

"چلو......!" فریدی اسے ایک طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ ساتھ ہی انہوں نے بہت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ فریدی حمید کا ہاتھ پکڑے ہوئے دوڑ رہا تھا۔ آنچ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جیتے جی جہنم میں پھینک دیا گیا ہو۔

وہ اپنی پوری قوت سے دوڑتے رہے۔ لیکن حمید ایک لمحے کے لئے بھی یہ نہیں بھولا کہ کچھ آدمی اس کے پیچھے بھی دوڑ رہے ہیں۔ غنیمت یہی تھا کہ وہ نشیب میں دوڑ رہے تھے اور راستہ ہموار نہیں تھا۔ ورنہ ہاتھ پیر سلامت نہ رہتے۔ فریدی ٹارچ روشن کرنا نہیں بھولا تھا...... رفتہ رفتہ انہیں پھر خنکی کا احساس ہونے لگا اور وہ ایک جگہ رک گئے۔ دفعتاً حمید کو بلیک فورس والے یاد آگئے۔ ہوسکتا تھا کہ دوسرے دوڑنے والے وہی رہے ہوں۔ مگر اب ان کے قدموں کی آوازیں دور ہوتی جارہی تھیں۔

"اوہ......" اچانک فریدی کی تحیر آمیز آواز نے اسے متوجہ کرلیا اور پھر اسے سامنے ایک عجیب منظر دکھائی دیا جہاں سے وہ بھاگ کر آئے تھے وہاں بڑی بڑی چٹانیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پگھلی ہوئی آگ میں تبدیل ہو کر نشیب میں بہنے لگیں ایک بار پھر وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔

آخری معرکہ

وہ دوڑتے رہے۔ فریدی حمید کو چڑھائی کی طرف کھینچ رہا تھا۔ لیکن اب حمید میں بالکل دم نہیں رہ گیا تھا۔ فریدی اسے محسوس کر کے جھکا اور حمید کو اپنے ہاتھوں پر اٹھالیا اب وہ کافی بلندی پر تھا اور وہاں سے وہ جگہ نیچی معلوم ہوتی تھی جہاں سے آگ کا بہاؤ شروع ہوا تھا۔ نشیب میں پگھلی ہوئی چٹانیں کسی آتش فشاں کے لاوے کی طرح بہتی رہیں۔ فریدی نے حمید کو ہاتھوں سے اتار دیا۔ حمید بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"وہاں اس غار میں یقیناً تہہ خانوں کا کوئی راستہ تھا جسے اس طرح بند کردیا گیا۔" فریدی نے کہا۔ "اور اب شائد اس غار ہی کا سراغ نہ مل سکے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ شاید اس نے سنا ہی نہیں تھا کہ فریدی نے کیا کہا ہے۔

دفعتاً پشت سے بیک وقت کئی آدمیوں نے حملہ کردیا۔ شاید وہ ان دونوں کی گھات ہی میں تھے۔ حملہ چونکہ بے خبری میں ہوا تھا اس لئے انہیں سنبھلنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ فریدی نے گرتے گرتے دو کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ وہ بلندی سے لڑھکتے ہوئے اسی لاوے میں جاگرے جو نشیب میں اب بھی بہہ رہا تھا۔ ان کی چیخیں بھی بڑی بھیانک تھیں۔

حمید نے ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کی لیکن ممکن نہ ہوا۔ کیونکہ وہ تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا اور پھر شاید کئی آدمی اس پر سوار تھے۔ وہ یہ بھی محسوس کررہا تھا کہ اس کے پیر باندھے جارہے ہیں۔ کسی کا ہاتھ اتنی مضبوطی سے اس کے منہ پر جما ہوا تھا کہ اسے سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہو رہی تھی...... آہستہ آہستہ اس کے حواس جواب دیتے رہے اور پھر اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

دوبارہ ہوش میں آنے پر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک گھنٹے بعد ہوش میں آیا ہے۔ یا ایک دن بعد۔ اگر وہ بے ہوش نہ ہوتا تو تب بھی اس کے حواس بجا نہ رہتے۔ وہ احساس نہ کرپاتا کہ دن ہے یا رات۔ زمین اپنے محور پر قائم ہے یا قیامت آگئی۔ کیونکہ اس کے سامنے ایک ہیبت ناک منظر تھا۔ چار جانے پہچانے چہرے...... لیکن ان کے ساتھ ان کے جسم نہیں تھے۔ جسم تھے تو لیکن چہروں سے کافی فاصلے پر تھے۔ وہ چار سر تھے جو جسموں سے الگ کر کے ایک طرف رکھ دیئے گئے

تھے۔

ایک سر تاریہ کا تھا دوسرا سردار شکوہ کا تیسرا ڈاکٹر زبیری کا اور چوتھا غلنی کا۔ یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا اور یہاں تیز قسم کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

بہت دیر بعد حمید محسوس کر سکا کہ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں اور پھر اسے فریدی کا خیال آیا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن جیسے ہی اس نے دوسری طرف گردن گھمائی اسے فریدی کی آواز سنائی دی۔ جو کہہ رہا تھا۔ "ادھر دیکھو۔"

حمید کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ بائیں طرف مڑ گئی۔ فریدی اس کے قریب ہی بندھا پڑا ہوا تھا۔

"ان دو کو میں نہیں پہچانتا......!" اس نے کہا۔ "مگر میرا خیال ہے کہ یہ ڈاکٹر زبیری اور غلنی کے سر ہیں۔"

"ہاں......!" حمید کے حلق سے پھٹی پھٹی سی آواز نکلی۔

"تمہارا دم کیوں نکل رہا ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں نے سنا ہے کہ دوسری دنیا میں شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔" حمید نے رو دینے والی آواز میں کہا پھر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"دماغ ٹھنڈا رکھو۔"

"خود ہی ٹھنڈا ہو جائے گا تھوڑی دیر بعد۔ ان چار دماغوں کے متعلق کیا ہے۔" حمید نے کٹے ہوئے سروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہاں ابھی چھ سر نظر آئیں گے۔" کسی نے قریب ہی سے کہا اور پھر بولنے والا انہیں نظر آ گیا۔ یہ ڈاکٹر سلمان تھا۔

"کراغال کا خان عیسٰی......!" ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔ "تھریسیا کا خادم الفانسے اور طاقت کی تنظیم کا ہمدرد کیپٹن حمید۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔

"تم بہت دلیر ہو فریدی۔ مجھے اس کا اعتراف ہے۔ لیکن ڈاکٹر سلمان کو سمجھنے میں تم نے غلطی کی تھی۔"

"میں نے ڈاکٹر سلمان کو سمجھنے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔" فریدی نے لاپروائی سے

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہاں دو سر قطعی بے جوڑ ہو جائیں گے۔ تاریہ اور الفانسے کے سر اور زبیری کے سر لیکن بھلا کیپٹن حمید اور سردار شکوہ کے سروں کا کیا جوڑ ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "مجھے علم ہے کہ پہلے بھی کئی مواقع پر تم لوگ بال بال بچے ہو۔ لیکن ری نہیں ہے کہ ہمیشہ بچتے ہی رہو۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ کیوں نہ تم اس بار بھی بچ جاؤ۔"

فریدی پھر بھی خاموش رہا۔

"تم بہت خاموش ہو کرنل کیا بات ہے۔" ڈاکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں بہت کم بولتا ہوں......!" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ بہت بری عادت ہے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "خیر یہ تو بتا ہی دو گے کہ تاریہ کے سات اور جواہرات کیا ہوئے۔"

"کیوں......؟"

"تنظیم کو ہمیشہ مالی امداد کی ضرورت درپیش رہتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے ڈاکٹر سلمان۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس رقم کا مصرف اس کے علاوہ اور نہیں ہو سکتا کہ قاسم کا خسارہ پورا کیا جائے......رہ گئے جواہرات تو......وہ تھریسیا کے خادموں پر نہ ہو گئے۔ جن کی تعداد رام گڈھ میں تین سو سے کسی طرح کم نہیں ہے۔"

"تب پھر تمہارا جنازہ بہت دھوم سے اٹھے گا۔" ڈاکٹر سلمان ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ تمہاری خواہش ضرور پوری ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

ڈاکٹر سلمان چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا دل نہیں چاہتا کہ تم دونوں کو ایک سیکنڈ کے لئے زندہ رہنے دوں۔ لیکن میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔"

"مجھے بڑی خوشی ہوگی ڈاکٹر سلمان......اس کے بعد میں بڑے سکون سے مر سکوں گا۔"

"تمہاری لاپروائی مجھے غصہ دلاتی ہے۔"

"تو پھر کیا تم فریدی سے اس کے متوقع ہو کہ وہ تم سے رحم کی بھیک مانگے گا۔"

ڈاکٹر سلمان اسے چند لمحے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر آگے بڑھا اور حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس جگہ سمیت کھسک رہا ہے جہاں پڑا ہوا تھا۔ وہ دراصل ایک ٹرالی تھی جس پر انہیں باندھ کر ڈال دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سلمان ٹرالی کو دھکیلتا ہوا ایک دوسرے کمرے میں لایا جس کے سرے پر مختلف قسم کی مشینیں نصب تھیں۔ پھر وہ اس ٹرالی کو وہیں چھوڑ کر دوسرے دروازے سے نکل گیا۔

"میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ورنہ اس سے پہلے کہہ دیتا کہ ملکہ کائنات پر بھی حکمران ہے۔ طاقت کی تنظیم کی پشت پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"آپ اس کا دل نہیں توڑنا چاہتے لیکن وہ ابھی ہماری گردنیں توڑ کر رکھ دے گا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"جو شخص پہلے سے یہ جانتا ہو کہ طاقت کی تنظیم پر کون ہے اس کی گردن توڑ دینا آسان کام نہیں ہے۔"

"آپ کیا کرلیں گے۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" فریدی کا جواب تھا۔

دفعتاً اس کمرے میں ایک ٹرالی داخل ہوئی جس پر ساحرہ پڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اس حال میں بڑی معصوم نظر آرہی تھی۔ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

ڈاکٹر سلمان اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "تم اسے اچھی طرح پہچانتے ہو۔"

"ہاں اچھی طرح...... لیکن......!"

"لیکن کا جواب ابھی مل جائے گا۔ تم مجھ سے بار بار سوال کر چکے ہو کہ کیا ساحرہ تعلیم یافتہ ہے۔ اب میں اس کا جواب دوں گا۔ ساحرہ بلاشبہ تعلیم یافتہ ہے۔ اس نے فلسفے میں ایم۔اے کیا تھا۔ لیکن جب میں چاہتا ہوں وہ تعلیم یافتہ ہوجاتی ہے...... اور جب نہیں چاہتا تو کسی زبان کا ایک حرف بھی نہیں پہچان سکتی۔"

حمید تشریح کا انتظار کرتا رہا۔ ڈاکٹر سلمان چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "عمل تنویم کے ذریعے میں تمہارا دماغ بھی پلٹ سکتا ہوں۔"

"کوشش کر کے دیکھو......!" فریدی بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مضبوط قوت ارادی کے مالک ہو۔ میں نے یہ جملہ صرف کیپٹن حمید کے لئے کہا تھا۔"

"ڈاکٹر تم میرا دماغ ضرور پلٹ دو۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے کسی کام نہ آسکا۔ مجھے اب بھی تنظیم سے بڑی ہمدردی ہے۔"

"مکار ہو تم...... خاموش رہو...... ہاں تو یہ لڑکی ساحرہ عالم بیداری میں اپنی اصلی شخصیت بھلا دیتی ہے۔ وہ ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتی۔ تم اگر اس سے یہ پوچھو کہ فلسفہ کسے کہتے ہیں تو وہ احمقوں کی طرح منہ کھول دے گی۔ لیکن خواب کی حالت میں اسے اپنی اصلی حیثیت کا پورا پورا احساس ہوتا ہے...... ٹھہرو...... میں تمہیں دکھاتا ہوں۔" ڈاکٹر سلمان بے ہوش لڑکی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"ساحرہ......!" اس نے آواز دی۔

"جی......!" بے ہوش لڑکی نے جواب دیا۔

"تم نے کس سبجیکٹ میں ایم۔اے کیا تھا۔"

"فلسفہ میں۔" بے ہوش لڑکی کے ہونٹ ہلے اور اس کی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔

"فرقہ کلبیہ کا پیش رو کون تھا۔"

"ڈایا جینز......!" بے ہوش لڑکی نے جواب دیا۔

"فلسفے کی تاریخ میں سب سے اہم اسکپٹک کون ہے۔"

"ڈیوڈ ہیوم......!" بے ہوش لڑکی کا جواب تھا۔

"فرقہ لذیۃ کے پیش رو کا نام بتاؤ۔"

"ایپیکیورس......!"

"ڈیکارٹس اپنا وجود کیسے ثابت کرتا ہے۔"

"میں سوچتا ہوں...... اس لئے میرا وجود ہے۔" بے ہوش لڑکی نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر ایک منٹ......!" حمید جلدی سے بول پڑا۔

"کیوں...... کیا بات ہے۔" ڈاکٹر اس کی طرف مڑا۔

"یہ بھی پوچھیے کہ یہ فلسفے کو ہمبگ کیوں سمجھتی ہے۔"

"اوہ...... اچھا......!" ڈاکٹر سلمان نے مسکرا کر حمید کا سوال دہرایا۔

"میں فلسفے کو اس لئے ہمبگ سمجھتی ہوں کہ وہ محض الفاظ کا کھیل ہے۔ دنیا میں مختلف قسم کے فلسفوں نے بڑی تباہی پھیلائی ہے۔ فلسفہ ذہین آدمی کے احساس کمتری کی تخلیق ہے۔ جب وہ کسی خاص ماحول میں خود کو دوسروں سے کمتر محسوس کرتا ہے تو اس کا ذہن اس ماحول اور نظام کے خلاف ایک نیا فلسفہ ڈھالنا شروع کر دیتا ہے۔"

"میں اس لڑکی سے سو فیصدی متفق ہوں ڈاکٹر......!" فریدی نے کہا۔ "مگر یہ فلسفے کی کلاس نہیں ہے کام کی باتیں کرو...... میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بچ جاؤ گے۔" ڈاکٹر جھلا کر اس کی طرف مڑا۔

"ہرگز نہیں...... تم غلط سمجھے۔" فریدی مسکرایا۔ "میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مجھے مار ڈالنے میں جتنی جلدی کر سکو اتنا ہی اچھا ہے۔ مگر للہ اپنی وہ بلیش فائر ہرگز نہ استعمال کرنا۔ مجھے بڑی مایوسی ہوتی ہے۔"

"اوہ...... تم اسے اپنا بہت بڑا کارنامہ سمجھتے ہو۔" ڈاکٹر برا سا منہ بنا کر بولا۔ "حالانکہ ایک احمق بھی سیاہ مجسموں کو دیکھنے سے اسی نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔ بلیش فائر کی شعاع سیاہ رنگ کے چمڑے پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ تم اس رات سر سے پیر تک سیاہ چمڑے کے لباس میں تھے۔"

"لیکن پھر بھی ذاتی طور پر تجربہ کئے بغیر شاید ہی کوئی اس قسم کا خطرہ مول لے سکے۔" فریدی بولا۔

"ہاں...... مجھے اس کا اعتراف ہے کہ تم بہت دلیر ہو۔"

ڈاکٹر اس گوشے کی طرف چلا گیا جہاں مشینیں نصب تھیں۔ اس کے ہاتھ لگاتے ہی ان میں سے کئی حرکت میں آ گئیں اور ایک میں دھندلا سا اسکرین نظر آنے لگا۔ شاید اس دھندلے شیشے کے پیچھے کوئی بلب روشن ہو گیا تھا۔ دفعتاً اس شیشے پر کچھ رنگین سی متحرک تصویریں نظر آئیں۔ حمید نے غور سے دیکھا تو وہی دربار تھا جو اس نے زمین دوز دنیا میں دیکھا تھا۔

"کیوں ڈاکٹر۔" فریدی بیزاری سے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم اس لڑکی کو پپنوٹائیز کر کے ملکہ کائنات بنا دیتے ہو اور اس سے جو کچھ کہلوانا چاہتے ہو یہ کہہ دیتی ہے اور اس کی آواز ان مشینوں کے ذریعے وہاں تک جا پہنچتی ہے۔ شاہی جلوس کی دھوم دھام کے لئے تم گراموفون اور ریکارڈ استعمال کرتے ہو گے۔ مجھے دراصل تنظیم کے ان کارکنوں سے دلچسپی ہے جو ان تہہ خانوں میں موجود ہیں۔ یعنی وہ مشینیں جو چٹانوں کو ہوا بنا دیتی ہیں جو چٹانوں کو موم کی طرح تراشتی ہیں ان سے اعلیٰ

پیمانے پر تعمیری کام لئے جا سکتے ہیں۔"

"کیا تنظیم ان سے تخریبی کام لے رہی ہے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔

"چھوڑو کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔ آؤ...... اب ہمیں مار ڈالو۔"

حمید پاگل ہوا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ شاید بدحواسی نے فریدی کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ورنہ وہ بھی اس کی طرح رسیوں میں جکڑا پڑا تھا۔

"یقیناً......!" ڈاکٹر سلمان دانت پیس کر بولا۔ "میں تمہیں اسی طرح ذبح کروں گا جیسے ان چار غداروں کو کر چکا ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے میں حمید نے اسے ایک بڑا چاقو کھولتے دیکھا۔ حمید کا حلق خشک ہو گیا اور زبان تالو سے جا لگی۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور پیر بھی جکڑے ہوئے تھے۔ یہی حال فریدی کا تھا۔

ڈاکٹر سلمان چاقو لئے ان کی طرف بڑھا۔

پھر وہ فریدی پر جھکا ہی تھا کہ فریدی کا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا اور وہ چاقو سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ پھر فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ حمید نے دیکھا کہ اس کے پیر اب بھی بندھے ہوئے ہیں۔ لیکن دونوں ہاتھ حیرت انگیز طور پر آزاد ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر سلمان اٹھ نہ سکا کیونکہ فریدی نے اس پر گرتے ہی اسے دونوں ہاتھوں سے جکڑ لیا تھا۔

چاقو دور پڑا چمک رہا تھا۔

حمید نے ایک طویل قہقہہ لگایا اور پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"ڈاکٹر معاف کرنا...... میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں ورنہ تمہاری مدد ضرور کرتا۔"

ڈاکٹر سلمان کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی کی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے انتہائی زور صرف کر رہا تھا۔

"اور میرے پیر بندھے ہوئے ہیں۔" فریدی بولا۔ "ورنہ اس سے زیادہ خدمت کرتا۔ مگر ڈاکٹر یقین نہیں آتا کہ تم طاقت کی تنظیم کے سربراہ ہو۔ کیونکہ تم میں اتنی طاقت بھی نہیں ہے کہ خود کو میری گرفت سے آزاد کرا سکو۔ تمہاری بہن نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ فلسفہ ہمبگ ہے کیونکہ وہ ذہین آدمیوں کے احساس کمتری کی پیداوار ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

دفعتاً ڈاکٹر سلمان کے حلق سے بے ساختہ قسم کی کراہیں نکلنے لگیں اور اس نے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوتی گئیں اور پھر شاید وہ بیہوش ہی ہوگیا۔ فریدی اس پر سے اٹھ آیا اور بیٹھ کر اپنے پیروں کی رسی کھولنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اس نے حمید کی چیخ سنی اور پھر اسے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر سلمان نے اس پر چھلانگ لگائی تھی۔ فریدی نے اسے ہاتھوں پر روکا۔ اس کے پیروں کی رسی کی گرہ تو کھل گئی تھی لیکن رسی ابھی لپٹی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر سلمان کا یہ حملہ بڑا شدید تھا۔ فریدی نے اٹھنا چاہا لیکن پیروں کی رسی میں الجھ کر ڈھیر ہوگیا۔ اب ڈاکٹر سلمان اس پر سوار تھا...... وہ حقیقتاً بے ہوش نہیں ہوا تھا بلکہ فریدی کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوگیا تھا۔

اچانک ساحرہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی تو یہی نیند اچٹ گئی تھی وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے ان دونوں کو گھورتی رہی۔

"ساحرہ تم ادھر آؤ...... میں سہیل ہوں" حمید نے اسے آواز دی۔

ساحرہ آواز پہچان کر اس کی طرف جھپٹی۔

"ساحرہ...... خبر دار......!" ڈاکٹر سلمان چیخا۔

"انہیں بکنے دو......!" حمید آہستہ سے بولا۔ "وہ نشے میں ہے۔ اس بدمعاش نے مجھے باندھ کر ڈال دیا ہے اور انہیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ وہ دیکھو، چاقو...... وہاں پڑا ہے...... تم جلدی سے میری رسیاں کاٹ دو...... پھر میں اس بدمعاش سے سمجھ لوں گا۔"

ساحرہ نے دوڑ کر چاقو اٹھالیا۔

"ساحرہ......!" ڈاکٹر سلمان پھر دہاڑا۔

"اوہ...... جلدی کرو...... وہ اتنی پی گئے ہیں کہ انہیں دوست دشمن کی تمیز نہیں رہ گئی۔ وہ بدمعاش انہیں مار ڈالے گا" حمید نے آہستہ سے کہا اور ساحرہ اس کی رسیاں کاٹنے لگی۔ ادھر ڈاکٹر سلمان نے فریدی کو چھوڑ کر ہٹنا چاہا لیکن فریدی نے اسے اس کا موقع ہی نہ دیا۔

حمید آزاد ہو چکا تھا۔ اس نے ساحرہ کے ہاتھ سے چاقو لے کر اس کی نوک ڈاکٹر سلمان کی گردن سے لگادی۔

"چپ چاپ اٹھ آؤ پیارے ڈاکٹر...... ورنہ تمہاری گردن میں سوراخ ہو جائے گا۔"

"یہ کیا کر رہے ہو تم......" ساحرہ چیخی۔ لیکن حمید نے کوئی جواب نہ دیا، ڈاکٹر سلمان دونوں اوپر اٹھائے ہوئے فریدی پر سے اٹھ آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اسے رسیوں سے جکڑ رہے تھے اور ساحرہ حلق پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔

"تم دھوکے باز ہو سہیل، کمینے، کتے ہو...... تم نے بھائی جان سے دغا کیا...... خدا تمہیں
ت کردے۔"

دوسری صبح رام گڈھ والوں کے لئے بڑی تہلکہ خیز خبر تھی۔ فریدی نے زمین دوز تہہ خانوں کا
بھی لگالیا تھا۔ اس کا راستہ ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی کے اسی تہہ خانے سے شروع ہوتا تھا جہاں انہوں
چار لاشیں دیکھی تھیں۔ زمین دوز تہہ خانوں سے تقریباً ساڑھے سات سو افراد برآمد ہوئے جن
بچے بوڑھے اور جوان سبھی طرح کے لوگ تھے۔ عورتیں بھی تھیں پولیس نے مختلف اقسام کی
ینیں برآمد کیں۔

پھر گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ جتنے لوگوں کو حمید تاریہ کے یہاں ایک مخصوص میٹنگ میں دیکھ
ا تھا حراست میں لے لئے گئے۔ پھر تقریباً ساڑھے تین سو افراد ایسے بھی گرفتار کئے گئے جنہیں کسی
مین دوز دنیا کا علم نہیں تھا اور وہ تنظیم کے لئے مختلف قسم کا کام انجام دیتے تھے۔

اس طرح فریدی اس تنظیم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں کامیاب ہوا جس کی داغ بیل حقیقتاً ڈاکٹر
لمان ہی نے ڈالی تھی۔

شام تک فریدی کے محکمے کے اعلیٰ آفیسر فضائی راستے سے رام گڈھ پہنچ گئے اور فریدی انہیں
سارے حالات بتاتا ہوا بولا۔ "میں نے دو مجسمے دیکھے تھے اور دونوں میں یہ بات محسوس کی تھی کہ جسم
کے وہ حصے جو سیاہ رنگ کے چمڑے کے نیچے تھے کوئلے میں نہیں تبدیل ہوئے تھے لیکن چونکہ وہ
کاربن میں دبے ہوئے تھے اس لئے سڑے بھی نہیں تھے۔ یعنی جسم کے ان حصوں کے درمیان تھے
جو کوئلے میں تبدیل ہو چکے تھے۔ بہرحال میں نے اسی بناء پر ایک خطرہ مول لیا۔ مگر میرا خیال غلط
نہیں ثابت ہوا۔ میرے چمڑے کے لباس پر پش فائر کی خطرناک شعاع کا اثر نہیں ہوا۔"

پھر اس نے انہیں بتایا کہ اس نے کس طرح تنظیم کے مقابلے پر تھریسیا بمبل بی کی ایک تنظیم
کھڑی کردی تھی اور خود الفانسے کے روپ میں تاریہ کے یہاں جا گھسا تھا۔

پھر اس سے یہ سوال کیا گیا کہ اس نے براہِ راست محکمے کو اطلاع کیوں نہیں دی تھی اس پر

فریدی نے کہا کہ وہ اپنا اطمینان کر لینے سے پہلے معاملے کو آگے نہیں بڑھانا چاہتا تھا مگر اسے کیا جائے کہ وہ اسی اسٹیج میں نپٹ گیا۔ پھر اس نے تھریسیا بمبل بی کا تعارف کرایا جو رشیدہ کے علاوہ کون ہوسکتی تھی۔ انور بھی ان آفیسروں کے سامنے پیش کیا گیا لیکن فریدی کی بلیک فورس کا ذکر نہیں آنے پایا۔ ویسے اس نے یہ ضرور کہا کہ اس نے تھریسیا کے لئے کچھ آدمی کرائے پر رکھے اور ان سے بھی کام لیتا رہا تھا۔

"مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ یک بیک تمہارے ہاتھ کیسے آزاد ہو گئے تھے۔" ڈی آئی جی نے پوچھا۔

"میں حمید کی طرح بے ہوش نہیں ہوا تھا جناب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جب وہ مجھے بے بس کر کے میرے ہاتھ باندھ رہے تھے میں نے کلائیاں ایک دوسرے سے فاصلے پر رکھی تھیں لیکن بوکھلائے ہوئے دشمنوں کو اس کا احساس نہیں ہو سکا تھا۔ بہرحال کلائیوں میں فاصلہ ہونے کی بنا بندش ڈھیلی رہ گئی تھی۔ جس سے ہاتھ نکال لینا مشکل نہیں تھا۔"

پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر اس نے کہا۔ "کچھ بھی ہو مجھے اس لڑکی ساحرہ سے گہری ہمدردی ہے۔ ڈاکٹر سلمان نے ہپناٹیزم کے ذریعہ اس کا دماغ الٹ دیا ہے اور وہ اپنی اصلی شخصیت کھو بیٹھی ہے۔ اب کوئی اعلیٰ قسم کا ماہر نفسیات ہی اس کی زندگی سدھار سکے گا۔"

پھر انہوں نے روحی کے معاملے پر بحث شروع کی۔ کیونکہ واقعات کی ابتداء اس سے تھی۔ فریدی نے کہا۔ "اس کا باڈی گارڈ شاہد دل کشا ہوٹل کے مالک کے دوسرے ہوٹل نشاط برآمد کر لیا گیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اسے سردار شکوہ نے بے بس کر کے نشاط ہوٹل تک پہنچایا تھا روحی کا تعلق اس واقعہ سے صرف اتنا ہی ہے کہ ادارہ روابط عامہ اس سے لمبی لمبی رقمیں وصول تھا۔ شاہد کو اس لئے اغواء کیا گیا تھا کہ روحی اس پر شک کرے اور اسے تلاش کرانے کے سلسلے ادارہ کو مزید رقومات دیتی رہے۔"

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
19

جاسوسی دنیا

60- زہریلے تیر

61- پانی کا دھواں

62- لاش کا قہقہہ

63- ڈاکٹر ڈریڈ

پیشرس

ابن صفی کی جاسوسی دنیا کا بہترین سیٹ ''زہریلے تیر، پانی کا دھواں، لاش کا قہقہہ اور ڈاکٹر ڈریڈ'' ملاحظہ فرمائیے۔

ڈاکٹر ڈریڈ اور فنچ ان کہانیوں کے مرکزی مجرم ہیں۔ خصوصاً ڈاکٹر ڈریڈ پس پردہ کاروائیاں کرتا ہے اور فنچ کی اچھل کود، عیاری، پھرتی اور چالاکی سنگ ہی کی یاد دلاتی ہے۔ بہت سی دوسری خوبیوں کے علاوہ فنچ کا کردار سب سے انوکھا اور نرالا ہے۔ یہ ایسا مجرم ہے جس سے ہمدردی ہوتی ہے مگر نفرت کے ساتھ! اسی لئے اس کا انجام بھی روایتی ہونے کی بجائے الگ اور ہٹ کر ہے۔ وہ انتقام کا بھوکا تھا اور اپنی خواہش انتقام کی تکمیل کے بعد غائب ہو جاتا ہے۔ یہی اس کا انجام ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے خودکشی کرلی ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پھر سے شریفانہ زندگی گزارنے لگا ہو۔ بہر حال یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ واقعات کے پس منظر کا مطالعہ کے بعد جو بھی نتیجہ چاہیں نکال سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ڈریڈ کا کردار مکمل اور بھرپور ہے۔ ڈاکٹر جیسا مجرم اگرچہ اپنی بڑائی کا دعویٰ کرتا ہے مگر سب سے بڑی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اگر اس کی قدرت ''ہر فرعون را موسیٰ'' کے مقولے کے مطابق ہر زہر کا تریاق پیدا نہ کرتی تو یہ دنیا ایسے مجرموں کی ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے جہنم بن چکی ہوتی۔ خدا تعالیٰ نے ایک سرکس کے ''جوکر'' جس کی پروردہ لڑکی کو ڈاکٹر ڈریڈ کے مظالم نے موت کی نیند سلا دیا تھا اور جس کو ڈاکٹر ایک معمولی حیثیت دینے کو بھی تیار نہیں تھا ''فنچ'' کے ہاتھوں زندگی سے عاجز کر دیا اور آخر اس کے ہاتھوں ڈاکٹر ڈریڈ جہنم واصل ہوا۔

''زہریلے تیر'' کی کہانی اس وقت کتنی دلچسپ اور سنسنی خیز ہو جاتی ہے جب تارا نائیڈو اور کہکشاں کے چکر میں حمید الجھ کر رہ جاتا ہے۔ لاش کا قہقہہ میں پروپیگنڈہ کے فراڈ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شخصی پروپیگنڈہ کس طرح جرائم کی راہ کھول سکتا ہے اس کی تشریح سعیدہ رحمان کے کردار سے ہوتی ہے۔ کس طرح لوگ اس کی بے اندازہ دولت کی کہانی سے متاثر ہو کر اس کے شیدائی بن جاتے ہیں۔ کہانی کا یہ اخلاقی پہلو آج کی پوری سوسائٹی کے لئے مشعل راہ بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ موجودہ دور میں حقائق سے زیادہ پروپیگنڈا پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔

قاسم کے ساتھ ساتھ انور اور رشیدہ کی جھڑپیں، حمید اور ریکھا کی نوک جھونک بھی ہے۔ یوں تو حمید کا وجود ہی قہقہہ انگیز اور تبسم آمیز ہوتا ہے۔ لیکن ''ڈنکی ٹیلس'' نے تو قیامت ڈھادی ہے۔ نفسیات سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے فنچ، میری سدگلٹن اور زرد پوش فرشتہ معرکے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آخر میں یہ کہے بنا چارہ نہیں کہ ابن صفی کے ناولوں کا مرکزی خیال ہمیشہ یہی رہا ہے کہ مجرم خواہ کتنا ہی ذہین اور ہوشیار کیوں نہ ہو آخر ایک روز قانون سے شکست کھا کر کیفر کردار کو پہنچتا ہے۔

پبلشر

جاسوسی دنیا نمبر 60

زہریلے تیر

(پہلا حصہ)

دھوئیں میں لاش!

کیپٹن حمید آرلکچو کی رقص گاہ سے نکل ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ چونک کر مڑا اور پھر ایک ایسے آدمی کو جسے وہ پہچانتا نہیں تھا دیکھ کر اُسے غصہ آ گیا۔ مخاطب کرنے کے اس انداز سے اُسے بڑی نفرت تھی۔ وہ ایسے آدمیوں کو بڑی حقارت سے دیکھتا جو اس کے جسم کو چھو کر اسے مخاطب کرتے تھے۔

"کیوں....؟" وہ اُسے نیچے سے اوپر تک گھور کر رہ گیا۔

"میں اس بے تکلفی کی معافی چاہتا ہوں جناب۔" اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "دراصل اس وقت میرے ہاتھ پیر قابو میں نہیں ہیں۔"

حمید نے ایک بار پھر اُسے غور سے دیکھا۔ یہ ایک وجیہہ نوجوان تھا عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ ظاہری حالت سے بھی وہ کسی گری پڑی حیثیت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن حمید کو اس کی آنکھیں خوفزدہ سی نظر آئیں۔ چہرہ زرد تھا اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"میں آپ کو پہچانتا ہوں جناب۔" وہ پھر آہستہ سے بولا۔ "اسی لئے مجھے یہ جسارت کرنی ہی

بڑی۔ ہو سکتا ہے اس وقت یہاں آپ کی موجودگی میرے لئے نیک فال ہو۔ ورنہ آنے والے چند گھنٹوں میں مجھے زندگی کی توقع نہیں ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" دفعتاً حمید نرم پڑ گیا۔

"میں چند گھنٹے آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟ کوئی وجہ؟"

"میری زندگی خطرے میں ہے۔"

"آپ نے ضرورت سے زیادہ تو نہیں پی۔"

"نہیں جناب! میں بالکل ہوش میں ہوں۔"

"تین چار دن پہلے کی بات ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "یہیں آرلکچو میں ایک صاحب فرما رہے تھے کہ مجھے خدا نے ایک خاص مشن پر بھیجا ہے لیکن میں کرسی سے اٹھ نہیں سکتا۔ ان کی میز پر جن کی دو خالی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔"

"میں خطرے میں ہوں جناب۔ خدا کے لئے مجھے بچایئے۔" اس نے خوفزدہ آواز میں کہا اور پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے اس کا کوئی دشمن وہیں موجود ہو۔

"آپ مجھے پہچانتے ہیں۔" حمید نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ میرے وقت کی بربادی....!"

"جناب والا.... آپ یقین کیجئے۔ پھر آپ کا ہاتھ تو ہر وقت مجھ تک پہنچ سکتا ہے۔"

"آیئے....!" حمید نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا۔ "میں آپ سے معلوم کروں گا کہ آپ اس وہم میں کیوں مبتلا ہو گئے ہیں۔"

اجنبی ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے میز کیطرف بڑھا اور حمید کو یقین ہو گیا کہ وہ پئے ہوئے ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اسے ایک اچھا سبق دینا چاہئے۔ اجنبی بیٹھ چکا تھا۔ حمید بھی اسکے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں آپ کو صرف پانچ منٹ دے سکتا ہوں اگر آپ مجھے اس طرح روکنے کی کوئی معقول وجہ نہ بتا سکے تو نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہونگے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں جناب لیکن فی الحال میرے پاس اپنے بیان کی صداقت ثابت کرنے

کے لئے کچھ نہیں ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری زندگی خطرے میں ہے۔"

"چلئے... میں نے تسلیم کر لیا۔" حمید اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"یا تو مجھے اپنے ساتھ رکھئے یا گرفتار کر کے جیل میں ڈلوا دیجئے۔ وہاں شائد میں محفوظ رہ سکوں۔ آپ یقین کیجئے جناب آخر میں خواہ مخواہ آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔"

"یہ بھی ناممکن نہیں ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "مگر میں یہ ضرور پوچھوں گا آپ کس سے خوفزدہ ہیں۔"

"وہ ایک گروہ ہے جناب۔ ابھی اس کا ایک آدمی یہاں نظر آیا تھا لیکن وہ جلد ہی غائب بھی ہو گیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میری ہی تاک میں ہے۔"

"کس بناء پر یقین ہے آپ کو۔"

"میں شائد کسی حد تک اُن کے مقاصد سے واقف ہوں۔"

"سیدھی بات۔ گھماؤ پھراؤ مجھے پسند نہیں ہے۔" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"آپ میری قیام گاہ تک چلئے میرے ساتھ۔ پھر میں وہاں آپ کو بہت کچھ بتا سکوں گا۔"

"اور اگر میں یہیں سب کچھ سننے پر اصرار کروں تو۔"

"میں وہاں اُن لوگوں کے خلاف دستاویزی ثبوت بہم پہنچاؤں گا۔ میرے پاس بہت کچھ ہے۔"

حمید پھر اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ چند ایسے لوگوں سے خائف ہیں جن کے خلاف آپ کے پاس دستاویزی ثبوت موجود ہیں اور آپ ان سے اسی لئے خائف ہیں کہ انہیں اس کا علم ہے۔"

"جی ہاں! میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن وہ دستاویزی ثبوت آپ کے گھر پر محفوظ ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن وہ لوگ اُن دستاویزی ثبوت کو حاصل کرنے کی بجائے آپ کو مار ڈالنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"بات سمجھ میں نہیں آتی.... فرض کیجئے۔ وہ اس دوران میں ان دستاویزی ثبوتوں کو آپ کے گھر سے اڑا لیں....!"

"یہی تو اُن کے بس کا روگ نہیں ہے۔ وہ بارہا اس کی کوشش کر چکے ہیں۔"

"اور اب ناکامی کی صورت میں آپ کو مار ڈالنا چاہتے ہیں۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔"

"اچھا تو..... میں آپ کی صرف اتنی ہی خدمت کرسکتا ہوں کہ ایک پگ وہسکی پیش کردوں۔"

"آپ کو یقین نہیں آیا۔" اجنبی نے مایوسی سے کہا۔

"بالکل یقین آگیا ہے۔ اب اجازت دیجئے۔"

دفعتاً اجنبی کے چہرے کی حالت بدل گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے بہت شدت سے غصہ آگیا ہو۔ وہ چند لمحے غصیلی نظروں سے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "خیر..... میں چاہتا تھا کہ کسی قسم کا ہنگامہ برپا کیئے بغیر کام ہو جائے۔ لیکن آپ شائد دنیا کے سب سے زیادہ محتاط آدمی ہیں۔ میں خواہ مخواہ آپ کے ساتھ اپنا وقت برباد کر رہا تھا۔"

حمید نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور خالی خالی نظروں سے اجنبی کو دیکھتا رہا۔

"اب جو کچھ بھی ہوگا۔" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "اس کی ذمہ داری سراسر آپ پر ہوگی۔"

حمید پائپ کے کش لیتا رہا اور اجنبی اٹھ گیا لیکن آنکھیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ دفعتاً حمید نے پائپ کی جلی ہوئی تمباکو ایش ٹرے میں جھاڑ کر پائپ کو جیب میں ڈال لیا..... اجنبی بار کی طرف جا رہا تھا۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر وہ رکا۔ پھر حمید نے اُسے کاؤنٹر پر رکھی ہوئی ایک بوتل اٹھاتے دیکھا..... اور یہ بھی دیکھا کہ وہ بوتل بار مین کے سر پر توڑ دی گئی۔ بار مین کی چیخ ہال میں گونجی اور لوگ کاؤنٹر کی طرف جھپٹنے لگے۔ اجنبی گھونسے چلا رہا تھا۔ کئی آدمی اپنی ٹھوڑیاں دبائے ہوئے بھیڑ سے الگ ہوگئے۔

حمید بھی اٹھا اور اس وقت کاؤنٹر کے قریب پہنچا جب کچھ لوگ اجنبی کو فرش پر گرا کر اس کے ہاتھ باندھ رہے تھے۔

کسی نے فون پر پولیس کو اطلاع دی۔ اس علاقے کا تھانہ آرلکچو سے زیادہ دور نہیں تھا۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر پولیس آگئی، حمید دور کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا تھا۔ پھر جب پولیس

اجنبی کو لے جا رہی تھی حمید صدر دروازے کے قریب کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر حمید پر پڑی وہ بڑے فخریہ انداز میں مسکرایا اور حمید کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو "تم نے دیکھا.....؟"

حمید اب اس میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ پولیس والوں کے ساتھ ہی ساتھ وہ پھر باہر سڑک پر آگیا۔ تھانہ چونکہ قریب ہی تھا اس لئے ملزم کو کسی سواری پر لے جانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ حمید ان سے تھوڑے فاصلے پر چل رہا تھا۔ لیکن اب یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ متواتر اس پراسرار آدمی پر نظر ہی جمائے رہتا۔ وہ تو بس اُن کے پیچھے چل رہا تھا۔ ملزم کی طرف اس کی توجہ نہیں تھی۔ وہ تو دراصل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ تھانے میں پہنچ کر کیا کرتا ہے۔

دفعتاً اس نے ایک چیخ سنی اور چونک کر آواز کی طرف متوجہ ہوگیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اجنبی ہتھکڑیوں سمیت زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ حمید تقریباً دوڑتا ہوا اس طرف جھپٹا۔ کانسٹیبل اُسے زمین سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید کی نظر اس کے داہنے بازو پر پڑی جس میں ایک تیر پیوست تھا۔

"ارے..... یہ تو..... ختم ہوگیا۔" ہیڈ کانسٹیبل ہکلایا۔ پھر حمید سے بولا۔ "ہٹو..... پیچھے ہٹو..... تم کون ہو۔"

حمید مرنے والے پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ "کیپٹن حمید فرام انٹیلی جنس بیورو۔"

"اوہ..... معاف کیجئے گا۔ میں پہچانتا نہیں تھا جناب کپتان صاحب۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید دوسری طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر وہ اسی طرف تیزی سے چلنے لگا۔ شائد وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تیر کہاں سے آیا تھا۔

لیکن بمشکل تمام سو قدم چلا ہوگا کہ ایک دھماکہ سنائی دیا۔ وہ بوکھلا کر مڑا۔ لوگ بے تحاشہ اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ اس جگہ گہرا دھواں طاری تھا جہاں اجنبی گرا تھا۔ حمید نے اپنی آنکھوں میں ہلکی سی جلن محسوس کی اور دھوئیں کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ دھوئیں کا [illegible] آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ سڑک کی پوری چوڑائی پر مسلط ہوگیا۔ دوسری طرف کی روشنیاں تک نہیں دکھائی دیتی تھیں۔ حمید آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا رہا کیونکہ اس کی آنکھوں کی جلن بڑھتی

جا رہی تھی اور اب وہ دھواں بھی ہوا کے ساتھ منتشر ہونے لگا تھا۔

ٹریفک رک گیا۔ کافی دور تک ہیجان پھیل گیا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد فضا صاف ہوئی۔ مرنے والا اب بھی وہیں پڑا ہوا تھا۔ جہاں حمید نے اسے پہلے دیکھا تھا لیکن اب اس کے جسم پر کپڑے نہیں تھے۔ وہ بالکل برہنہ تھا اور اب اس کے بازو میں تیر بھی نہیں نظر آرہا تھا کسی نے اس پر چادر ڈال دی.... اور اب پھر اس کے گرد بھیڑ اکٹھی ہونے لگی تھی۔

حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں پہنچا جیسے ہی ہیڈ کانسٹیبل کی نظر اس پر پڑی وہ کسی بدحواس چوپائے کی طرح ہانپنے لگا۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے جناب کپتان صاحب۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"لاش سے تین تین گز چاروں طرف سڑک گھیر لو۔ تمہارے ساتھ پانچ آدمی ہیں۔ یہ کافی ہوں گے۔ میں تمہارے پولیس اسٹیشن اور کوتوالی کو فون کئے دیتا ہوں۔"

"بہت بہتر جناب۔" ہیڈ کانسٹیبل نے ایک طویل سانس لی۔ وہ کچھ اس انداز میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا جیسے اُسے خبیث روحیں نظر آرہی ہوں۔

حمید نے ایک دوکان سے دو تین جگہوں کے نمبر ڈائیل کئے۔ کوتوالی اطلاع دی۔ اپنے محکمے کے اس آفیسر سے رابطہ قائم کیا جو اس وقت ڈیوٹی پر تھا لیکن فریدی کہیں نہ مل سکا۔ گھر کے علاوہ بھی حمید نے کئی ایسی جگہوں آزمایا جہاں فریدی کی موجودگی کے امکانات ہوسکتے تھے مگر وہ نہ ملا۔

پانچ منٹ بعد وہ پھر جائے واردات پر پہنچ گیا لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے اسے خاصی جدوجہد کرنی پڑی کیونکہ چاروں طرف آدمیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور پانچوں کانسٹیبلوں کو لاش کے گرد حلقہ قائم رکھنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ بھیڑ بڑھتی ہی جارہی تھی۔

حمید کی الجھن بڑھنے لگی۔ اب وہ یہاں سے ہٹ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ واقعہ پراسرار تھا لیکن یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ کیپٹن حمید خواہ مخواہ اپنی ٹانگ اڑاتا۔ وہ فریدی کی طرح مصروفیت کا بھوکا نہیں تھا۔ بیکاری اسے اکثر بہت دلکش معلوم ہوتی تھی اور یہ وہی زمانہ تھا جب کام میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ سردیاں شباب پر تھیں اور شہر کی تفریح گاہوں میں رات بھر رونق رہتی تھی لیکن یہ موقعہ ایسا بھی نہیں تھا کہ حمید شہر کی تفریح گاہوں کے متعلق کچھ سوچتا۔

بہر حال اُسے تو اب یہاں ٹھہر کر اپنے محکمے کے آدمیوں کا انتظار کرنا تھا کیونکہ وہ اپنا بیان

دیئے بغیر یہاں سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔

بھیڑ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ ذرا سی ہی دیر میں پھر ٹریفک رک گیا۔ دو تین ڈیوٹی کانسٹیبل جو اس سڑک پر موجود تھے مجمع منتشر کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ لیکن یہ ان کے بس کا روگ نہیں تھا۔

سب سے پہلے قریبی تھانے کا انچارج وہاں پہنچا۔ اس کے ساتھ بھی دو تین کانسٹیبل آئے تھے۔ مگر وہ بھی مجمع کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ ویسے اتنا ضرور ہوا کہ لاش کے گرد جو حصار قائم کیا گیا تھا اُسے مزید تقویت حاصل ہوگئی۔

کچھ دیر بعد محکمہ سراغ رسانی کے فوٹوگرافر بھی پہنچ گئے لیکن ابھی تک لاش پر سے کپڑا نہیں ہٹایا گیا تھا۔ حمید بور ہوتا رہا۔ اب ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کا انتظار تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی آمد پر لاش پر سے کپڑا ہٹایا گیا اور حمید بھونچکارہ گیا۔ کیونکہ یہ تو اُس آدمی کی لاش نہیں معلوم ہوتی تھی جسے اس نے تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ دھواں صاف ہوجانے کے بعد تک لاش میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی تھی۔ مگر اب اس کے چہرے پر اتنا زیادہ ورم آگیا تھا کہ اصلی خدوخال مسخ ہوکر رہ گئے تھے۔ پھر حمید نے اسکے جسم پر نظر ڈالی۔ چہرے ہی کی مناسبت سے وہ بھی متورم نظر آرہا تھا۔

حمید نے اس کانسٹیبل کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی اسے ہوائیاں اڑتی نظر آئیں۔

مگر حمید اتنی زیادہ اکتاہٹ محسوس کررہا تھا کہ یہ حیرت انگیز تبدیلی بھی اُسے وہاں نہ روک سکی اور وہ اپنا بیان دے کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔

دوسرا تیر

فریدی کی لنکن بڑی تیز رفتاری سے ریکسن اسٹریٹ میں دوڑ رہی تھی، اور لیڈی انسپکٹر مس ریکھا سوچ رہی تھی کہ کہیں کوئی حادثہ نہ ہوجائے کیونکہ ریکسن اسٹریٹ شہر کی سب سے زیادہ بھری پُری سڑکوں میں سے تھی مگر فریدی کی مہارت نے اُسے ایک بار بھی چیخنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

ریکھا کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس بھاگ دوڑ کا مقصد کیا ہے؟ بس وہ اتنا ہی جانتی تھی کہ فریدی اس سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ اسے کام کی نوعیت کا بھی علم نہیں تھا۔

"کیا ہم محض تفریحاً باہر نکلے ہیں۔" ریکھا نے پوچھا۔

"تفریحاً....!" فریدی بڑبڑایا۔ "نہیں میں تنہا تفریح کرنے کا عادی ہوں۔"

ریکھا اس جواب پر کچھ جھینپ سی گئی۔ ویسے بھی اس کا سوال تشنہ تھا۔ فریدی پھر خاموش ہوگیا۔ ریکھا بھی خاموش ہی رہی۔

آخر کچھ دیر بعد کار چیتھم روڈ پر مڑ رہی تھی، فریدی بولا۔ "چائنیز کارنر میں تمہیں جانا پڑے گا.... اور یہ لو.... اسے اپنے کوٹ کے کالر میں بائیں جانب پن کرلو۔"

اس نے جیب سے کچھ نکال کر ریکھا کو دیا۔ اس کا داہنا ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا اور آنکھیں سامنے سڑک پر۔

وہ سرخ رنگ کا ایک مصنوعی گلاب تھا۔ ریکھا نے اسے حیرت سے دیکھا۔ وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ اسکا مقصد کیا تھا۔ چند لمحے ذہن پر زور دیتی رہی پھر ہکلائی۔ "مم... میں نہیں سمجھی... یہ پھول۔"

"یہ گلاب کا پھول ہے، اسے اپنے بائیں کالر میں پن کرلو۔"

"اوہ.... شکریہ۔" یک بیک ریکھا کھل گئی۔

"تم غلط سمجھیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ تحفہ پیش نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ میں ایک تجربہ کرنے جارہا ہوں۔ تم یہ پھول لگا کر چائنیز کارنر میں جاؤ گی۔ ہم دونوں وہاں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی ہوں گے۔ میں صرف یہ دیکھوں گا کہ اس پھول کی وجہ سے تمہیں کن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔"

"اوہ....!" ریکھا ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔ اس کے چہرے کی تازگی رخصت ہوگئی تھی۔ وہ اکثر غلط فہمی میں مبتلا رہ جاتی تھی کہ فریدی اس کی طرف جھک رہا ہے۔ حمید اسے محسوس کرکے بغلیں بجاتا اور پیشین گوئی کرتا کہ وہ آئندہ سال تک ٹی۔ بی میں مبتلا ہوکر مرجائے گی۔

فریدی کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اب تک نہ جانے کتنی عورتیں اس کے خبط میں مبتلا رہ کر مایوس ہوچکی تھیں۔ ریکھا بھی اُن میں سے ایک تھی، لیکن ابھی اس کا ذہن مایوسی کی سرحدیں نہیں چھو سکا تھا۔ اسے توقع تھی کہ وہ ایک نہ ایک دن فریدی کا دل جیتنے میں کامیاب ہوجائے گی.... مگر اس وقت کا ذہنی جھٹکا اس کے لئے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا تھا۔ کیونکہ اس جھٹکے میں خجالت کا زور بھی شامل تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کیا سچ مچ اس آدمی کے سینے میں پتھر کا ٹکڑا ہی ہے۔

دفعتاً فریدی پھر بولا۔ "کیا تم ہچکچا رہی ہو۔"

"کس بات سے۔"

"اسی تجربے سے۔"

"نہیں تو....!" ریکھا زبردستی ہنس کر بولی۔ "آپ مجھے اتنی ڈرپوک کیوں سمجھتے ہیں۔ اگر میں ایسے ہی کمزور دل کی ہوتی تو اس محکمے میں کیوں آتی۔"

"پتہ نہیں کیوں! بہتیرے یونہی آجاتے ہیں۔"

فریدی کا یہ ریمارک بھی ریکھا کو کھل گیا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ دل ہی دل میں جھلتی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ "مگر آپ جو کچھ کرنے جارہے ہیں کم از کم اس کے مقصد سے تو آگاہ کردیجئے۔"

"بس تمہیں وہاں کسی خالی میز پر بیٹھ کر واقعات کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"کس قسم کے واقعات۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ پھول کسی نہ کسی کو تمہارے قریب ضرور لائے گا۔ پھر میں دیکھوں گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"

"آپ آج کل چھٹی پر ہیں۔"

"میں کبھی چھٹی پر نہیں ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ پھر آپ چھٹی لیتے ہی کیوں ہیں۔"

"کیا میں تنخواہ نہیں لیتا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "سارے ہی کام ضابطے کے اندر کرتا ہوں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی کیس میں اسی وقت دلچسپی لوں جب وہ محکمے کی طرف سے میرے سپرد کیا جائے۔"

"کیا یہ کوئی اہم کیس ہے جس کے سلسلے میں آپ کوئی تجربہ کرنے جارہے ہیں۔"

"اہم بھی ہوسکتا ہے۔"

"اس کی نوعیت کیا ہے۔"

"نوعیت ابھی تک روشنی میں نہیں آسکی۔"

ریکھا خاموش ہوگئی۔ وہ حمید سے بھی سن چکی تھی کہ فریدی سے کچھ معلوم کرلینا آسان کام نہیں ہے۔

"خیر....!" ریکھا ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "مجھے اور کیا کرنا ہوگا۔"

"تم خود ہی کافی ذہین ہو۔" فریدی نے جواب دیا۔ "اس لئے مجھے توقع ہے کہ کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گی۔ دراصل یہ پھول ایک طرح کا شناختی نشان ہے جس کے ذریعہ دو مختلف پارٹیوں میں پیغام رسانی ہوتی ہے۔ یہ میرا خیال ہے جسے یقین کی حد تک پہنچانے کے لئے تجربہ کرنے

جا رہا ہوں۔"

"اچھا میں سمجھ گئی۔ آپ ان پارٹیوں میں سے کسی ایک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔"

"دھوکا غیر مناسب لفظ ہے۔ جب قانون کے محافظ اس قسم کی کوئی چال چلتے ہیں تو اُسے حکمت عملی کہا جاتا ہے۔" فریدی کے لہجے میں بڑی تلخی تھی۔

پھر چائینیز کارنر سے کچھ فاصلے پر اس نے کار روکتے ہوئے کہا۔ "اب تم اتر جاؤ۔ ایک بار پھر سن لو کہ ہم دونوں وہاں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی ہوں گے۔"

"جی ہاں! مجھے یاد ہے۔" ریکھا کہتی ہوئی اُتر گئی۔

فریدی نے کار دوسری سڑک پر موڑ دی اور ایک بڑی عمارت کا چکر لگا کر چائینیز کارنر کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ شہر کے بڑے ریستورانوں میں سے تھا اور اس کا مالک ایک چینی فوہی تھا۔

ریکھا اندر جا چکی تھی۔ فریدی بھی کار سے اتر کر ریستوران میں داخل ہوا۔ یہاں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ ریکھا ایک میز پر تنہا نظر آئی۔ اس کے قریب ہی دوسری میز بھی خالی تھی۔

فریدی نے اپنے لئے وہی میز منتخب کی۔ تقریباً بیس منٹ گذر گئے لیکن توقع کے مطابق ریکھا کی طرف کوئی بھی متوجہ نہ ہوا۔ ریکھا کافی پی چکی تھی اور اب اس انداز میں بیٹھی ہوئی تھی جیسے بہت تھک گئی ہو۔ اس کے چہرے سے یہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی منتظر ہے۔

پچیس منٹ گذر جانے کے بعد ریکھا کے ذہن پر اکتاہٹ نے حملہ کر دیا۔ لیکن وہ کرتی بھی کیا، ویسے اُسے علم تھا کہ فریدی اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود ہے مگر اُس نے اس دوران میں ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

دفعتاً ریکھا کا دل دھڑکنے لگا کیونکہ ایک آدمی اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک گوشے کی میز سے اٹھا تھا اور اس نے اُسے اُسی وقت دیکھا تھا جب وہ یہاں داخل ہوئی تھی۔ وہ تھا بھی کچھ اسی قسم کا آدمی کہ اُس پر خاص طور سے نظر پڑ سکتی تھی۔ وہ ایک دبلا پتلا اور چھوٹے سے قد کا آدمی تھا۔ آنکھیں چھوٹی اور نیلی تھیں۔ جبڑے بندروں کے سے تھے اور پیشانی پر سایہ کیئے ہوئے چھوٹے چھوٹے بھورے بال بھی پہلی نظر میں اُسے بندروں ہی کی کسی ترقی یافتہ نسل کا ایک فرد ثابت کرتے تھے۔ چہرے پر بے شمار جھریاں تھیں لیکن لباس سے وہ کمتر حیثیت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ گھڑی کی زنجیر میں مختلف رنگوں کے جواہرات نظر آ رہے تھے۔

"آپ کی اجازت سے۔" وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور....!" ریکھا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اُس نے اس آدمی کو غور سے

دیکھا۔ حقیقتاً وہ سو فیصدی بندر معلوم ہوتا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ویسی ہی مسکراہٹ تھی جیسے بندر دانت نکالتے ہیں۔

"میرا نام فنچ ہے.... فنچ.... صوتی اعتبار سے بھی میری شخصیت سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہے۔ کیا خیال ہے مس.... اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ ابھی مس ہی ہیں۔"

"ضروری نہیں ہے کہ میں بھی آپ کو اپنا نام بتاؤں۔" ریکھا نے خشک لہجے میں کہا۔

"ضروری تو نہیں ہے۔" فنچ آہستہ سے بولا۔ "لیکن ایک دوسرے سے جان پہچان پیدا کرنے کے لئے پھر اور کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔"

دفعتاً ریکھا سنبھل گئی۔ وہ بہر حال کسی مقصد کے تحت یہاں آئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ اس کے اس رویہ کی بناء پر حصول مقصد میں ناکامی ہوتی۔

وہ پیشہ ور عورتوں کے سے انداز میں مسکرائی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ریکھا.... میرا نام ریکھا ہے۔"

"تو.... مس ریکھا۔ کیا آپ یہاں اس کارنر میں اکثر آتی رہتی ہیں۔" فنچ نے پوچھا۔

"مجھے یاد نہیں کہ میں یہاں کتنی بار آئی ہوں۔"

"شے.... ار.... کیا آپ کو گلاب بہت پسند ہیں۔"

"ہاں... ہیں تو.... لیکن بہت جلد کمھلا جاتے ہیں اسلئے میں انکی نقل زیادہ پسند کرتی ہوں۔"

"میرے پاس ایک ایسا لوشن ہے...." فنچ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "جو گلابوں کو کم از کم ایک ہفتے تک تر و تازہ رکھتا ہے۔"

"اوہ....!" ریکھا حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ "میں ایسے لوشن کے لئے اپنی آدھی سلطنت دے سکتی ہوں۔"

"میں آپکو اس لوشن کی ایک بڑی مقدار دے سکتا ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ چل سکیں گی۔"

"اوہ.... میں ضرور چلوں گی۔" ریکھا نے بے پایاں مسرت کا اظہار کیا۔

فنچ اٹھ گیا۔ ریکھا بھی اٹھی۔ فریدی ان کی طرف پشت کیئے بیٹھا اخبار پر جھکا ہوا تھا۔

ریکھا اس پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ وہ باہر آئے، فنچ اُسے جس کار کی طرف لے جا رہا تھا وہ بڑی شاندار تھی۔ ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی سیڈان۔

سیڈان ہموار سڑک پر تیرنے لگی۔

ریکھا نے کئی بار سوچا کہ مڑ کر دیکھے مگر پھر ایسا نہ کر سکی۔ ویسے اُسے یقین تھا کہ فریدی کی

لیکن اس سیڈان سے زیادہ دور نہ ہوگی۔ فنچ خاموش تھا۔ ریکھا کا دل دھڑک رہا تھا مگر اس دھڑکن کا تعلق خوف سے نہیں تھا بلکہ وہ سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ یقیناً کوئی گہرا معاملہ ہے۔ ورنہ فریدی اُسے اس طرح کسی تجربے کی بھینٹ نہ چڑھاتا۔

سیڈان مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ریکھا نے راستے کی تفصیل ذہن میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ قدرتی بات تھی کیونکہ وہ کسی نامعلوم منزل کی طرف جارہی تھی۔ آخر یہ سفر بیس منٹ بعد ختم ہوگیا۔ کار ایک عظیم الشان عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہورہی تھی۔

پھر وہ پورچ میں پہنچ کر رک گئی۔ فنچ نے نیچے اُتر کر دروازہ کھولا۔ نہ جانے کیوں نیچے اترتے وقت ریکھا کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اب بھی خوفزدہ نہیں تھی۔

"اس طرف" فنچ نے بڑے ادب سے زینوں کی طرف اشارہ کیا۔

پھر وہ اور ریکھا ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"میں یہیں رہتا ہوں۔" فنچ بولا۔

"ہوں۔" ریکھا نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا۔ فنچ ابھی تک انگریزی ہی میں گفتگو کرتا رہا تھا اور ریکھا اندازہ نہیں کرپائی تھی کہ وہ کس قوم اور نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ نہ وہ انگریز معلوم ہوتا تھا اور نہ مقامی باشندہ۔

چال ڈھال سے بہت زیادہ پھرتیلا معلوم ہوتا تھا۔

وہ ایک بہت کمرے میں آئے جسے ہال ہی کہنا مناسب ہوگا۔ ریکھا متحیر تھی، کیونکہ ابھی تک اسے اس بڑی عمارت میں ایک متنفس بھی نہیں نظر آیا تھا۔

فنچ چلتے چلتے رک گیا۔ وہ دونوں ہال کے وسط میں کھڑے تھے۔

دفعتاً ریکھا نے قدموں کی آہٹ سنی اور ایک دروازے سے ایک دراز قد آدمی ہال میں داخل ہوا۔ یہ سچ مچ اتنا ہی لمبا تھا کہ وہ اور فنچ ساتھ مل کر "ڈیڑھ" کا عدد بنا سکتے تھے۔

اس نے تیز نظروں سے ریکھا کا جائزہ لیا اور فنچ کی طرف دیکھنے لگا۔

فنچ نے اُس سے کچھ کہا لیکن ریکھا نہ سمجھ سکی کیونکہ اس نے جو کچھ بھی کہا تھا ایسی زبان میں کہا تھا جو ریکھا کی سمجھ سے باہر تھی۔

دراز قد آدمی نے جواب میں بھی کچھ کہا اور ریکھا کو ایک بار پھر نیچے سے اوپر تک دیکھ کر واپس جانے کے لئے مڑا لیکن ابھی بمشکل دو ہی تین قدم چلا تھا کہ یک بیک چیخ کر منہ کے بل ڈھیر ہوگیا۔ اس کی پشت میں ایک بڑا سا تیر پیوست تھا۔ فنچ اچھل کر بھاگا۔ ریکھا بھی غیر ارادی

طور پر اسی کے پیچھے جھپٹی۔ شائد۔ اب بھی خوفزدہ نہیں تھی۔ اس کا یہ فعل سو فیصدی اضطراری تھا۔ وہ فنچ کے پیچھے دوڑتی رہی لیکن ایک بار ایسا بھی ہوا کہ فنچ اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا اور وہ صرف اس کے قدموں کی آواز کی سمت دوڑتی رہی۔ یہ ایک تاریک راہداری تھی۔

پھر فنچ کے قدموں کی آواز بھی سناٹے میں گم ہوگئی لیکن ریکھا اسی طرح دوڑتی رہی۔ دفعتاً وہ ایک دیوار سے ٹکرائی۔ آگے راستہ نہیں تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اندھیرے میں اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگے۔ بائیں جانب اسے خلاء محسوس ہوئی اور وہ اُدھر ہی مڑ گئی۔ ٹھیک اسی وقت اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور اس کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کی آواز سنی "کیا بات ہے؟"

غیر ملکی سفر

کچھ دیر بعد ریکھا نے محسوس کیا کہ وہ فریدی کے بازو پر ٹکی ہوئی بُری طرح کانپ رہی ہے۔

"وہ.....وہاں.....!" ریکھا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "ایک لاش ہے۔"

فریدی اپنا بازو ہٹاتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی کہ اس محکمے میں عورتوں کو کیوں جگہ دی جاتی ہے۔"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ نہ جانے اُسے کیا ہوگیا تھا۔ وہ اُسی وقت اپنا ذہن کریدنے لگی۔ وہ خوفزدہ تو نہیں تھی۔ پھر فریدی کی آواز سنتے ہی یک بیک وہ اس طرح ڈر کیوں گئی تھی۔ اس کا جسم کیوں کانپنے لگا تھا۔ اگر فریدی نے آگے بڑھ کر بازو کا سہارا نہ دیتا تو وہ گر ہی پڑی ہوتی۔

"وہ بندر کہاں ہے۔ تم بھاگ کیوں رہی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہ بھاگ گیا۔" ریکھا نے اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اور اُس کے ایک ساتھی کو کسی نے قتل کردیا۔"

"اوہو.....!"

کچھ دیر بعد ریکھا اُسے محض یادداشت کے بھروسے پر اس کمرے کی طرف لے جارہی تھی جہاں اُس نے لمبے آدمی کو تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ راہداری کے سرے پر پہنچتے ہی انہیں روشنی نظر آنے لگی۔ عمارت کا روشن حصہ اب بھی روشن تھا مگر وہاں زندگی کے آثار نہیں معلوم

ہوتے تھے۔ وہ دونوں صرف اپنے قدموں کی آوازیں سن رہے تھے۔

ریکھا اس بڑے کمرے کو تلاش کرنے میں جلد ہی کامیاب ہوگئی جہاں سے وہ چیخ کے ساتھ بدحواسی میں بھاگی تھی۔ لیکن دروازے میں داخل ہوتے ہی وہ بوکھلا کر پلٹ پڑی۔ فریدی اگر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو وہ اس سے بُری طرح ٹکرائی ہوتی۔ اس بدحواسی کی وجہ یہ تھی کہ اب فرش پر پڑے ہوئے آدمی کے جسم پر کپڑے نہیں تھے۔ فریدی اُس سے کچھ پوچھے بغیر آگے بڑھا اور ایک دروازے کا پردہ کھینچ کر لاش پر ڈال دیا۔ اس کا اندازہ تو اس نے پہلی ہی نظر میں کرلیا تھا کہ وہ لاش ہی تھی۔

پھر وہ ریکھا کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا تم نے پہلے بھی لاش ہی دیکھی تھی۔"

اس پر ریکھا نے لاش کی طرف مڑے بغیر جلدی جلدی پورا واقعہ دہرا دیا۔

"میں نے اس پر کپڑا ڈال دیا ہے۔" فریدی نے کہا.... لیکن پھر بھی ریکھا لاش کی طرف مڑتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

"یہ.... یہ...." ریکھا لاش کے چہرے کی طرف دیکھ کر ہکلائی اور پھر دم بخود رہ گئی جس کے تیر لگا تھا وہ اتنا موٹا آدمی نہیں تھا۔ اس کا چہرہ تو فٹ بال معلوم ہو رہا تھا اور یہ بتانا دشوار تھا کہ ناک کہاں پر ختم ہوئی تھی اور ہونٹوں کی شروعات کہاں سے ہوئی تھی۔ پیشانی کے گوشت نے آنکھیں ڈھانپ لی تھیں۔

"کیا کہنا چاہتی ہو۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ اس آدمی کی لاش نہیں ہے، جسے میں نے گرتے دیکھا تھا۔"

لاش کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ فریدی جھک کر دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "ورم ہے.... اس کے پورے جسم پر ورم ہے۔"

پھر وہ لاش کے نیچے سے بہے ہوئے خون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"وہ آدمی یقیناً اتنا ہی لمبا تھا.... مگر....!" ریکھا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ لاش پر جھکا ہوا تھا۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ "دیکھو....! یہاں کہیں فون بھی ہے۔ مگر نہیں ٹھہرو.... میں بھی چلتا ہوں۔ ذرا ایک نظر اس عمارت پر بھی ڈال لی جائے۔ کیا یہاں صرف دو ہی آدمی تھے۔"

"لیکن اگر یہ وہی آدمی ہے تو اس کے کپڑے کس نے اتارے اور تیر بھی شائد غائب ہے۔ اس کی پشت میں پیوست ہوتا ہوا نظر آیا تھا۔" ریکھا نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ کوئی بہت بڑا الجھاؤ پیدا کرے گا۔"

"وہ اس کمرے سے نکل کر عمارت کے دوسرے گوشوں میں چکرانے لگا۔ لیکن انہیں اپنے علاوہ ایک بھی متنفس نظر نہ آیا۔ ریکھا اس بڑی عمارت اور اس کے ساز و سامان کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

وہ پوری عمارت میں گھوم پھر کر اُس کمرے میں آئے جہاں انہوں نے فون دیکھا تھا۔ فریدی نے اپنے آفس کے نمبر ڈائیل کئے۔

ریکھا اُسے گفتگو کرتے سنتی رہی لیکن فریدی کے چہرے پر اُسے حیرت کے آثار نظر آرہے تھے۔ جب وہ ریسیور رکھ کر ریکھا کی طرف مڑا تو اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک دکھائی دی جس کا مفہوم سمجھنا کم از کم ریکھا کے بس کی بات نہیں تھی۔

"یقیناً یہ واقعات الجھاوے پیدا کریں گے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں نہیں سمجھی۔ آپ نے کچھ دیر پہلے بھی یہی بات کہی تھی۔"

"یہ وہی آدمی ہو سکتا ہے جسے تم نے تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔"

"مگر اس کی شکل مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" ریکھا بولی۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی کچھ دیر قبل ایسا ہی ایک واقعہ حمید کو بھی پیش آیا ہے۔" آر لکچو کے قریب کسی نامعلوم آدمی نے ایک آدمی پر تیر سے حملہ کیا اور پھر اس کے کپڑے اتار لے جانے کے لئے دھوئیں کا بم پھینکا گیا۔"

"کپڑے اتارنے کے لئے۔"

"ہاں.... کیوں؟ کیا یہ آدمی جو اس کمرے میں ہے گرتے وقت برہنہ تھا۔"

"نہیں۔"

"تو پھر اس کے کپڑے اتار لئے گئے ہیں۔ یہ کام شارع عام پر مشکل تھا اس لئے بم پھینکا گیا اور اُسی دھوئیں کی آڑ میں وہ لوگ اپنا کام کر گئے۔"

"مگر کپڑے اتار لینے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"خدا جانے....!" فریدی آہستہ سے بولا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا اور پھر لاش والے کمرے میں واپس آگئے۔

"ابھی فون پر میں نے محکمے کے فوٹو گرافروں کو طلب کیا تھا۔" فریدی لاش پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ "مگر فوٹو گرافر اس وقت آر لکچو کے قریب مصروف ہے۔"

"تو دوسرے واقعہ کی اطلاع آپ کو فون پر ملی ہے۔"

"ہاں.... ابھی.... ابھی.... وہ لاش بھی کچھ دیر بعد متورم ہو گئی تھی۔ بالکل اسی انداز میں کہ حمید کو اُسے شناخت کرنے میں تامل ہوا تھا۔"

"تیر اور لباس وہاں بھی غائب ہے۔" ریکھا نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

ریکھا کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر اُس نے پوچھا۔ "کیا آپ کو اس حادثے کی توقع تھی۔"

"ہر گز نہیں.... میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"پھر آپ کا تجربہ....!"

"اوہ.... وہ اس سے مختلف تھا۔ ٹھہرو۔ کیا تم جانتی ہو کہ اس عمارت میں کون رہتا ہے۔"

"نہیں! میں نہیں جانتی۔"

"ایک غیر ملک کا سفیر یہاں رہتا ہے۔ ہمارے یہاں کی ایک سیاسی پارٹی اس ملک کی ہمدرد ہے۔ مجھے شبہہ تھا کہ اس پارٹی کے بعض افراد حکومت کے راز حاصل کر کے اس ملک کے سفارت خانے تک پہنچاتے ہیں اور طریق کار یہی ہوتا ہے۔ وہ سرخ گلاب لگا کر چائنیز کارنر میں جاتے ہیں اور وہاں سے کوئی آدمی انہیں سفیر تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ سرخ گلاب دراصل شناخت کا نشان ہے۔"

"تو وہ.... چھوٹا آدمی فنچ اسی سفارت خانے سے تعلق رکھتا ہے۔" ریکھا نے پوچھا۔

"پتہ نہیں.... ویسے میں نے اُسے وہاں کبھی نہیں دیکھا۔"

"یہ فنچ کیسا نام ہے۔ وہ انگریز تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"میرا خیال ہے کہ پرتگیز گوون ہے۔ مگر یہ چیز میرے لئے بڑی متحیر کن ہے کہ یہاں ایک ملازم بھی نظر نہیں آتا۔"

"اور سفیر کا بھی پتہ نہیں ہے۔" ریکھا بڑبڑائی۔

"یہ کوئی خطرناک کھیل ہے۔" فریدی لاش کو گھورتا ہوا بولا۔ "محکمہ خارجہ کیلئے دردِ سر۔"

ٹھیک اُسی وقت کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر چار سفید فام غیر ملکی ہال میں داخل ہوئے لیکن ان دونوں کو دیکھ کر انہیں دروازے کے قریب ہی ٹھٹک جانا پڑا۔ فریدی نے اپنی فلٹ ہیٹ اتاری اور ریکھا نے بھی ان میں سے سفیر کو پہچان لیا۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔" سفیر نے آگے بڑھ کر غصیلے لہجے میں پوچھا اور پھر لاش پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

سفیر کے تینوں ساتھی مسلح تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ ہولسٹروں پر رکھ لئے۔ پھر جیسے ہی فریدی نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ایک آدمی اپنا ریوالور نکالتا ہوا بولا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔"

لیکن اتنی دیر میں فریدی وزیٹنگ کارڈ جیب سے نکال چکا تھا۔ اس نے اس آدمی کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی جس نے ریوالور نکالا تھا۔

"میرا کارڈ....!" فریدی نے کارڈ سفیر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سفیر نے کارڈ لیا لیکن اس کی نظر بدستور لاش پر جمی رہی اور پھر وہ اس وقت چونکا جب اس کا ساتھی فریدی سے دوبارہ ہاتھ اٹھانے کو کہہ رہا تھا۔

سب سے پہلے اس نے کارڈ پر چھپا ہوا نام پڑھا پھر اپنے مسلح ساتھیوں کی طرف مڑ کر کچھ کہا۔

ریکھا نہ سمجھ سکی کہ اس نے کیا کہا تھا۔ بہر حال اس نے دیکھا کہ ریوالور پھر ہولسٹر میں ڈال لیا گیا۔

"آپ کا یہاں کیا کام کرنل فریدی۔" سفیر نے انگریزی میں پوچھا۔ اس کا لہجہ نرم تھا۔

فریدی لاش کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "اس سلسلے میں.... لیکن آپ یہ نہ کہہ سکیں گے کہ میں یہاں غیر قانونی طور پر داخل ہوا ہوں۔"

"میں کہہ سکتا ہوں کرنل فریدی اور یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ یہ لاش....!"

"میں نے یہاں ڈالی ہے۔" فریدی نے مسکرا کر جملہ پورا کر دیا۔

سفیر کے ہونٹ کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ غالباً وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر کسی فوری خیال کے تحت خاموش ہو گیا تھا۔

"کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ لڑکی یہاں کیوں لائی گئی تھی۔" فریدی نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"کیوں لائی گئی تھی۔" سفیر نے حیرت سے دہرایا۔ "میں آپ کی ایک بات بھی نہیں سمجھ سکا ہوں۔"

"میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔" فریدی لاش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ کون ہیں۔"

"یقیناً....!" سفیر مسکرا کر بولا۔ "اگر وہ بھی آپ ہی کی طرح اپنا وزیٹنگ کارڈ پیش کر سکے۔"

فریدی کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "آپ نے مجھے کیوں طلب

فرمایا تھا۔"

"میں نے! کون کہتا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"میں کیوں بلاؤں گا آپ کو۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔ آپ نے مجھے فون کیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے کی بات ہے جب میں یہاں آیا تو پھاٹک پر سنتری موجود نہیں تھا۔ مجھے ایک نوکر بھی نہ مل سکا جس سے میں اپنا وزیٹنگ کارڈ آپ تک بھجواتا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے یور ایکسیلنسی....!"

سفیر خاموش رہا۔ فریدی بولا۔ "پھر میں نے محسوس کیا کہ عمارت ویران ہے جہاں سے مجھے سنتری کی غیر حاضری کا احساس ہوا تھا، وہیں سے میرے فرائض کی حدود شروع ہو گئی تھی۔ میں آپ کی اجازت حاصل کئے بغیر بھی عمارت میں داخل ہو سکتا تھا۔ جب میں اندر آیا تو یہ لاش ملی۔ پوری عمارت ویران پڑی تھی۔"

"اور یہ لڑکی....؟" سفیر نے سوال کیا۔

"لیڈی انسپکٹر ریکھا فرام انٹیلی جنس بیوریو۔"

"کیا مطلب....!" سفیر چونک کر بولا۔ "ابھی آپ نے کہا تھا کہ یہ لڑکی یہاں زبردستی لائی گئی تھی۔"

"نہیں تو.... آپ نے غلط سنا ہوگا۔"

سفیر کے ساتھیوں میں سے ایک نے کھسکنا چاہا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ یہیں ٹھہریئے جناب۔ آپ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہل سکیں گے جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔"

"کیا بکواس ہے۔" دفعتاً سفیر کو غصہ آگیا۔ "تمہاری حکومت کو اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"اس سے پہلے آپ کو جواب دہ ہونا پڑے گا کہ وہ سنتری کہاں ہے جو آپ کی حفاظت کے لئے ہماری حکومت کی طرف سے متعین کیا جاتا ہے۔"

"صرف وہی سنتری جواب دہ ہو سکتا ہے جو ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہے اور تم ان لوگوں کو روک نہیں سکتے۔ عقلمندی کو دخل دو۔ ہو سکتا ہے تم پر کوئی بڑی معیبت ٹوٹ پڑے۔"

"فی الحال ایسا تو کوئی پروگرام نہیں ہے کہ میں کسی بڑی معیبت میں پھنس سکوں، یہ بھی

ممکن نہیں ہے کہ آپ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکیں کیونکہ میں تھوڑی ہی دیر پہلے محکمے سے رابطہ قائم کرنے کے لئے آپ کا فون استعمال کر چکا ہوں اور میرے آفیسر جانتے ہیں کہ میں اس وقت یہاں موجود ہوں۔"

سفیر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کچھ سوچنے لگا۔ اس کے دونوں ساتھی بُری طرح مضطرب نظر آرہے تھے۔

"اچھا....!" سفیر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "ہم کہیں بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں یور ایکسیلنسی۔ میں فی الحال یہاں سے جنبش نہیں کر سکتا۔ یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب پولیس یہاں پہنچ جائے۔"

"تم سچ مچ کسی کچھوے کی طرح مضبوط پشت رکھتے ہو۔" سفیر نے مسکرا کر کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر سنجیدگی سے بولا۔ "میں نے تمہیں بلایا تھا میں اس وقت ایک سفارت خانے کی دعوت سے واپس آیا ہوں۔ مجھے بھی پھاٹک پر سنتری نہیں ملا تھا۔ ملازمین نہ جانے کہاں گئے اور پھر اب میں یہاں ایک لاش دیکھ رہا ہوں۔"

سفیر خاموش ہو کر فخریہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور پھر لاش کی طرف دیکھنے لگا۔ سفیر اور اس کے تینوں ساتھی وہیں کھڑے رہے۔

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے میں گھنٹی بجی اور سفیر کے ساتھیوں میں سے ایک نے پھر وہاں سے جانا چاہا لیکن فریدی اُسے روکتا ہوا ریکھا سے بولا۔ "تم دیکھو.... شائد پولیس آگئی ہے۔"

ریکھا کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پولیس آئی سب کے بیانات ہوئے۔ اگر فریدی اپنا بیان پہلے نہ دیتا تو ریکھا بڑی الجھن میں پڑ جاتی۔ کیونکہ فریدی کچھ ہی دیر پہلے سفیر سے کئی قسم کی باتیں کر چکا تھا۔ بہر حال اس نے فریدی ہی کے بیان کو دہرا دیا۔ یعنی وہ فریدی کی کوٹھی میں موجود تھی، جب سفیر کا فون فریدی کے لئے آیا تھا اس نے اس سے استدعا کی تھی کہ وہ فوری طور پر اس کی کوٹھی میں پہنچ جائے کیونکہ وہ خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہے اور پھر جب وہ فریدی کے ساتھ یہاں پہنچی تو کوٹھی ویران پڑی تھی۔ باہر پھاٹک پر سنتری بھی موجود نہیں تھا۔ پھر یہاں اسے وہ لاش نظر آئی۔ فریدی نے کوتوالی فون کیا اور اپنے محکمے کو اطلاع دی۔ اس کے بعد ہی سفیر بھی آگیا جس کے ساتھ تین آدمی تھے۔"

سفیر کا بیان تھا کہ وہ چھ بجے ناروے کے سفارت خانے کی طرف سے دی گئی ایک دعوت

میں شرکت کرنے کے لئے گیا تھا اسے نہیں معلوم کہ اس کی عدم موجودگی میں وہاں کیا ہوا واپسی پر اسے ایک لاش ملی اور یہ دونوں نظر آئے، جو قطعی غیر قانونی طور پر عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ اس نے لاش کو پہچاننے سے انکار کردیا۔ ریکھا کو حیرت تھی کہ آخر فریدی نے فنچ تذکرہ کیوں نہیں چھیڑا۔

کچھ دیر بعد لاش وہاں سے اٹھوادی گئی۔ واپسی پر ریکھا نے فریدی سے کہا۔ "بڑا عجیب تجربہ تھا"

"جو نامکمل رہا۔" فریدی نے آہستہ سے جواب دیا۔ "مگر سنتری کا کیا بنا جب تم اندر پہنچ تھیں تو پھاٹک پر سنتری موجود تھا یا نہیں۔"

"کوئی بھی نہیں تھا۔ مجھے خود بھی حیرت تھی کہ اتنی بڑی عمارت اسطرح ویران پڑی ہوئی ہے"

"مگر یہ سب ہوا کیا۔"

"کچھ بھی نہ ہوا۔ فنچ نکل گیا اور اس کا ساتھی مارا گیا۔ دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو وہ خو اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا یا کوئی دوسری پارٹی ان معاملات میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"مگر معاملات ہیں کیا؟"

"معاملات جو کچھ بھی ہوں ابھی میرے ذہن میں صاف نہیں ہیں۔ فی الحال میں اتنا کہہ سک ہوں کہ یہ سفارت خانہ ایک مقامی سیاسی پارٹی کو ورغلا رہا ہے اور مصنوعی گلاب اس تحریک نشان ہے۔"

"تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ فنچ اور اس کا ساتھی اسی سفارت خانے سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"ٹھہرو.... مجھے سوچنے دو۔" دفعتاً فریدی بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔

"سنتری غائب ہے.... ملازمین غائب۔ کیا آج یہاں کوئی اہم بات ہونے والی تھی۔ اوہو۔ ہمیں پھر چائنیز کارنر کی طرف واپس چلنا چاہئے۔ تم آج کسی اور کے دھوکے میں سفیر قیام گاہ تک لے جائی گئی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری جگہ لینے والی عورت اب بھی وہاں فنچ یا دوسرے آدمی کی منتظر ہو۔ تم اب یہ پھول اپنے کالر سے نکال لو.... گاڑی لے کر میرے گ جاؤ۔ حمید سے کہنا کہ وہ گھر ہی پر رہے میں اُسے کسی وقت بھی فون کرسکتا ہوں۔"

بے آواز فائر

ریکھا جا چکی تھی۔ فریدی نے اپنی کار سے اترتے ہی ایک ٹیکسی لے لی تھی اور اب چا

کارنر کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں تک پہنچنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔

جیسے ہی وہ کارنر میں داخل ہوا اس کی نظر ایک خوبصورت سی لڑکی پر پڑی جس کی عمر سترہ یا اٹھارہ سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ وہ کسی کالج کی طالبہ معلوم ہوتی تھی اور اس کے کوٹ کے کالر پر مصنوعی سرخ گلاب نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کا انتظار کرتے کرتے اکتا گئی ہو۔ اس کے چہرے پر بیزاری اور اکتاہٹ کے آثار تھے۔

فریدی سیدھا اس کی میز کی طرف چلا گیا۔

"آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا۔" وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"جی نہیں۔" لڑکی زبردستی مسکرائی۔ "دراصل میں خود ہی پندرہ منٹ بعد پہنچی تھی۔"

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ مجھے بھی آج دیر ہوگئی۔ آیئے اب دیر نہ کرنی چاہئے۔" فریدی کے ساتھ وہ بھی اٹھ گئی۔

لیکن دروازے سے گذرتے وقت اچانک لڑکی نے فریدی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "نہیں میں نہیں جاؤں گی مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے تو اب اس گلاب کو اپنے کالر سے نکال دو۔"

لڑکی نے گلاب پر اپنا داہنا ہاتھ رکھ لیا اور پھر جب فریدی اسے ایک ٹیکسی میں بٹھا رہا تھا اس نے کانپتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں جاؤں گی۔"

"حماقت کی بات نہ کرو۔" فریدی نے آہستہ سے اُسے پچھلی سیٹ پر دھکا دیا اور پھر خود بھی بیٹھتا ہوا دروازہ بند کر کے بولا۔ "آخر تم ڈر کیوں رہی ہو۔"

"مجھے بتایا گیا تھا کہ.... ایک چھوٹے قد کا آدمی....!"

"اکثر تبدیلیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ وہ چھوٹے قد کا بندر اچانک بیمار ہوگیا ہے۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ فریدی نے ڈرائیور کو اپنی کوٹھی کا پتہ بتایا تھا۔ فریدی نے لڑکی سے پھر کچھ نہیں پوچھا اور نہ خود ہی بولی۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور وہ بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیتا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ٹیکسی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ فریدی نے لڑکی سے نیچے اترنے کو کہا.... نہ جانے وہ کیوں کانپ رہی تھی۔ اس نے بے چون و چرا تعمیل کی۔ فریدی نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دیا اور پورچ کی طرف اشارہ کر کے لڑکی سے بولا۔ "چلو۔"

حمید اور ریکھا سے برآمدے میں مڈبھیڑ ہوئی۔ ریکھا شائد واپس جا رہی تھی۔ فریدی کے

ساتھ ایک خوبصورت لڑکی دیکھ کر حمید کی جو کیفیت ہوئی ہوگی اس کا اظہار ہی فضول ہے۔

ریکھا بھی رک گئی لیکن فریدی ان کی طرف توجہ دیئے بغیر لڑکی کو اندر لیتا چلا گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے نشست کے کمرے میں پہنچ کر ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکی خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شائد اسے شبہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی غلط آدمی کے ہاتھوں میں پڑگئی ہے۔ فریدی کے دوسری بار کہنے پر وہ بیٹھ گئی۔

اتنے میں ریکھا اور حمید بھی وہاں پہنچ گئے۔ لڑکی ان کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن فریدی اب بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ دفعتاً اس نے لڑکی سے کہا۔

"اس وقت تم سے انٹیلی جنس بیورو کا کرنل فریدی ہم کلام ہے۔"

"نہیں....!" لڑکی کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ بُری طرح کانپنے لگی۔

"تم کب سے ان لوگوں کے لئے کام کر رہی ہو۔" فریدی نے اس کی چیخ کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

لڑکی کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بیہوش ہو جائے گی۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں کچھ.... نہیں.... جانتی۔" لڑکی ہکلائی۔

"لیکن وہ سرخ گلاب....!"

لڑکی پھر کچھ نہ بولی۔

"تمہاری خاموشی اب تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔" فریدی بولا۔ "کیونکہ تم اس چھوٹے قد کے بندر کا تذکرہ پہلے ہی کر چکی ہو۔"

دفعتاً لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔

"بہت ہو لیا! جناب!" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "آپ خواہ مخواہ اس ننھی سی بچی کو پریشان کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس بیچاری کو دھوکا دیا گیا ہے۔"

"جج.... جی ہاں.... دھوکا.... دھوکا....!" لڑکی ہچکیوں کے درمیان بولنے کی کوشش کرنے لگی۔ "مم.... میں.... بے قصور.... ہوں۔"

"دیکھا....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "میں پہلے ہی جانتا تھا۔ دیکھوں.... وہ پھول مجھے تو دینا۔"

لڑکی نے جیب سے پھول نکالا اور حمید اسے اس کے ہاتھ سے لیتا ہوا بولا۔ "ہاں یہ وہی پھول ہے۔"

پھر اس نے فریدی کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "واقعی یہ بیچاری دھوکا کھا گئی ہے۔ یہ پھول۔!"

اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔ لڑکی دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے سسکیاں لیتی رہی۔ یک بیک فریدی اٹھا اور ریکھا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم اس مصیبت میں پھنس گئیں۔ میں کوشش کروں گا کہ کرنل صاحب تمہیں مصیبت سے بچالیں۔"

"میں ہمیشہ احسان مند رہوں گی جناب۔" لڑکی نے جواب دیا۔ آہستہ آہستہ اس کی ہچکیاں کم ہوتی جارہی تھیں۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بہت شریف لڑکی ہو۔ تم مجھے اس کا پتہ بتاؤ جس نے تمہیں اس دلدل میں پھنسایا ہے۔"

"میرے کالج کی ایک لیکچرار نے۔"

"تم کس کالج میں پڑھتی ہو۔"

"نیشنل گرلز کالج میں۔" لڑکی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں ایک غریب لڑکی ہوں جناب۔ میرا باپ اندھا ہے۔ اس کی قلیل پنشن پر خاندان کا گذارہ ہے میری تین چھوٹی بہنیں اور بھی ہیں۔ بھائی ایک بھی نہیں ہے۔ میں زیر تعلیم ہوں۔ آپ خود سوچئے کہ ان دنوں کمائی کی وجہ سے کتنی مشکلات کا سامنا پڑتا ہے۔ بہر حال مجھے ایک اچھے سے ٹیوشن کی تلاش تھی۔ میرے کالج میں ایک لیکچرار ہیں مس ورما۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے لئے مزید آمدنی کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور نکالیں گی۔ آج انہوں نے مجھے ایک خط دیا جو لفافے میں بند تھا اور کہا کہ میں ٹھیک نو بجے چائنیز کارنر میں پہنچ جاؤں۔ وہاں مجھے ایک چھوٹے قد کا غیر ملکی ملے گا اور وہ مجھے ایک دوسرے آدمی کے پاس لے جائے گا۔ میں وہ خط اُسے دوں گی اور مجھے کام مل جائے گا۔ مس ورما نے بتایا کہ ایک غیر ملکی سفیر اپنے بچوں کو اردو پڑھوانا چاہتا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ لازمی طور پر بڑی اچھی تنخواہ ملے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پاپا کی پنشن سے بھی زیادہ ہو۔ مگر جناب مس ورما نے مجھے یہ پھول دیا اور کہا کہ اسے اپنے کوٹ کے کالر میں لگا لو ورنہ اس آدمی کو تمہیں پہچاننے میں دشواری ہوگی تو میں ٹھٹک گئی۔ آخر اس اتنے سے معاملے کے لئے اتنے الجھاوے کیوں؟ کیا وہ مجھے اس آدمی کا پتہ نہیں بتا سکتی تھیں۔ میں خود ہی جا کر اسے مل لیتی۔ آخر یہ ملاقات کسی ریستوران میں کیوں قرار پائی تھی۔ میں جتنا بھی اس مسئلے پر غور کرتی میری الجھن بڑھتی جاتی۔ میں نے مس ورما کے متعلق یہ بھی سن رکھا تھا کہ وہ کسی زمانے میں ایک دہشت پسند

پارٹی کی سرگرم کارکن رہ چکی ہیں اور پھر انہوں نے جو لفافہ مجھے دیا تھا اس پر لاکھ کی مہریں لگی ہوئی تھیں یعنی اگر میں لفافے کو کھول کر خط پڑھنا چاہتی تو یہ بھی ممکن نہ ہوتا۔ آپ خود سوچئے ایک سفارشی خط کے لئے اتنا اہتمام کیوں۔ اتنی احتیاط کیوں کہ اسے لاکھ سے سیل کر دیا جائے۔"

"ہاں.... یہ بات غور طلب ہے۔"

"مگر جناب.... یہ سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی میں اس چکر میں پھنس ہی گئی۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے میرے اندیشے غلط ہوں۔ بُرا ہوا اس اقتصادی بدحالی کا کہ میں سارے اندیشوں کو ٹھکراتی ہوئی اس راہ پر چل نکلی۔ جب ان صاحب نے یہ کہا کہ میں کرنل کیا نام.... میں بھول گئی۔ لیکن یہ یاد ہے انٹیلی جنس بیوریو۔ جب ان صاحب نے انٹیلی جنس بیوریو کا حوالہ دیا تو مجھے خیال آیا کہ میرے اندیشے غلط نہیں تھے۔ میں یقیناً کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ مگر آپ یقین کیجئے مجھے اب بھی اس بات کا علم نہیں ہے کہ مجھ سے کیا کام لیا جانے والا تھا۔"

"وہ خط کہاں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ٹھہریئے.... دیتی ہوں۔" لڑکی نے کہا اور اپنا پہلو ٹٹولنے لگی پھر کھڑی ہو گئی۔ ساتھ ہی اُس کے چہرے پر ہوائیاں بھی اڑنے لگیں اور وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

"میرا پرس.... اوہ.... شائد.... وہ ٹیکسی ہی میں رہ گیا۔"

حمید اُسے گھورنے لگا لیکن اسے لڑکی کے چہرے پر مکاری کی جھلکیاں نہیں دکھائی دیں۔ وہ بڑی معصوم لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔

"وہ خط میرے پاس پرس میں تھا جناب۔"

"تم کہاں رہتی ہو۔"

"شرما اسٹریٹ میں۔"

"اور مس ورما کہاں رہتی ہے۔"

"کالج ہوسٹل میں۔ وہ وہاں کی وارڈن بھی ہے۔ خدا کے لئے مجھے میرے گھر پہنچا دیجئے جناب۔ اب میں کس طرح اپنی بے گناہی ثابت کروں۔ وہ خط بھی میرے قبضے میں نہیں رہا۔"

"پرواہ مت کرو۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

"میرا کیا بنے گا۔"

"کچھ بھی نہیں چلو.... میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔ لیکن تم دو تین دنوں تک گھر سے باہر نہیں نکلو گی اور نہ اس واقعے کا تذکرہ کسی سے کرو گی۔"

"ہرگز نہیں جناب۔ جیسا آپ کہیں گے اس پر عمل کروں گی۔"

"تمہارا نام کیا ہے۔"

"تارا نائیڈو....!"

"کس ایئر میں پڑھتی ہو۔"

"تھرڈ ایئر میں۔"

پھر حمید اُسے ساتھ لے کر برآمدے میں آیا۔ فریدی اور ریکھا یہاں موجود تھے۔ حمید نے فریدی کو لڑکی کے بیان سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں انہیں ان کے گھر پہنچانے جا رہا ہوں۔"

"نہیں آپ تکلیف نہ فرمایئے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا پھر لڑکی سے پوچھا۔ "کیا تمہیں مس ورما نے اس آدمی کے پہنچنے کا وقت نہیں بتایا تھا۔"

"بتایا تھا جناب... انہوں نے کہا تھا کہ وہ ٹھیک نو بجے ملے گا۔ مگر میں پندرہ منٹ بعد پہنچی۔"

"تب پھر تم بارہ بجے تک اس کا انتظار کیوں کرتی رہیں۔ کیا تم یہ سوچ نہیں سکتی تھیں کہ وہ دس منٹ تک تمہارا انتظار کرنے کے بعد واپس چلا گیا ہوگا۔"

"شائد میں پاگل ہو گئی تھی جناب۔ میں اتنا نہیں سوچ سکتی تھی۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو لڑکی۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور حمید کو اس پر غصہ آنے لگا۔

دفعتاً لڑکی کے حلق سے ایک بھیانک.... چیخ نکلی اور وہ دوسری طرف الٹ گئی۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا۔ فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اندھا دھند پھاٹک کی طرف دوڑ رہا تھا۔

وہ یقیناً کوئی بے آواز رائفل تھی جو پھاٹک کے باہر سے چلائی گئی تھی کیونکہ ان لوگوں نے فائر کی آواز نہیں سنی تھی۔

حمید نے جھپٹ کر برآمدے کی روشنی گل کر دی اور پھر وہ پھاٹک کی طرف دوڑنے لگا۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا اور باہر سڑک پر سناٹے کی حکمرانی تھی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ تقریباً دو تین منٹ تک وہ وہیں کھڑا رہا پھر اُسے اپنے حماقت کا احساس ہوا۔ پتہ نہیں وہ لڑکی زندہ ہے یا مر گئی۔ اس نے مڑ کر برآمدے کی طرف دیکھا۔ وہاں اب بھی تاریکی تھی۔

وہ پھر دوڑتا ہوا برآمدے میں آیا۔

"کون ہے؟" اس نے ریکھا کی آواز سنی۔

"میں ہوں۔" حمید کہتا ہوا سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا اور دوسرے ہی لمحے میں برآمدہ پھر

روشن ہوگیا۔ ریکھا لڑکی کی لاش سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی تھی۔ پہلی ہی نظر میں حمید نے اندازہ کرلیا کہ لڑکی مرچکی ہے۔ فرش پر دور تک خون پھیلا ہوا تھا۔

ریکھا کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت کھڑی لاش کو گھور رہی تھی۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

"تم اندر جاؤ۔"

"کیوں؟" ریکھا ایک بیک چونک پڑی۔

"کچھ نہیں یونہی۔ تم اس وقت یہ دوسری لاش دیکھ رہی ہو۔"

"میں کوئی گھریلو عورت نہیں ہوں۔ اس محکمے سے میرا تعلق ہے جہاں ہر وقت ہی ایک آدھ لاش سے سابقہ پڑتا ہے۔"

"میرا مطلب ہے تیسری لاش کے لئے کوتوالی فون کردو۔"

ریکھا خاموشی سے اندر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد فریدی برآمدے میں داخل ہوا اور ریکھا بھی فون کر کے واپس آگئی۔ فریدی کی آنکھیں گہرے تفکر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"ریکھا نے کوتوالی فون کردیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ ایک آرام کرسی میں گر گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "حالات بہت زیادہ پیچیدہ ہوگئے ہیں۔ ریکھا ذرا تم اس لاش کی تلاشی لو۔ شائد کچھ ہاتھ آسکے۔"

لیکن تلاشی سے کچھ بھی نہ حاصل ہوسکا۔ اس کے پاس سے کوئی بھی ایسی چیز برآمد نہ ہوسکی جس سے کچھ اس کی یا اس کے قاتلوں کی شخصیت پر روشنی پڑسکتی۔

"کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ حرکت اسی سفارت خانہ والوں کی ہے۔" فریدی نے ریکھا سے کہا۔

"ان کے علاوہ اور کس کی ہوسکتی ہے۔" ریکھا نے جواب دیا۔ "اپنی غلطی کا احساس ہوجانے کے بعد انہیں اصل عورت کی فکر ہوئی ہوگی۔ مگر کیا وہ لوگ بھی اس عورت کو نہیں پہچانتے؟ جس سے انہیں کوئی پیغام ملنے والا تھا۔"

"یہی ہوسکتا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ پھر حمید سے بولا۔ "تم نیشنل گرلز کالج کے ہوسٹل کی کسی مس ورما کو اسی وقت تلاش کرو۔ ویسے مجھے توقع نہیں ہے۔"

"پھر کیوں خواہ مخواہ مجھے دوڑا رہے ہیں۔"

"احتیاطاً....!"

وہ کون تھی

نیشنل کالج تک پہنچنے میں تو حمید کو کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن رات کو دو بجے ہوسٹل کی وارڈن تک پہنچنا یقیناً بڑا مشکل کام تھا۔ کسی نہ کسی طرح وہ اس سے بالمشافہ گفتگو کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ وارڈن ادھیڑ عمر کی عورت تھی اُسے اتنی رات جگایا جانا بہت گراں گزرا تھا۔ اگر حمید کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے نہ ہوتا تو شائد اس نے اسے کالج کے کمپاؤنڈ سے باہر پھنکوا دیا ہوتا۔ لیکن وہ مس ورما نہیں تھی۔ اس نے بتایا کہ کالج میں اس نام کی کوئی لیکچرار کبھی نہیں رہی۔

حمید بے نیل و مرام واپس ہوا۔ گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے تین بج گئے۔ یہاں اب سناٹا تھا۔ حمید نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اگر فریدی موجود ہوتا تو یقینی طور پر آنے والی صبح کا سورج حمید کی کھوپڑی ہی سے طلوع ہوتا۔ اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کے سلسلے میں مزید وقت برباد کئے بغیر اُسے سوٹ اور جوتوں سمیت لحاف میں جا گھسنا پڑا۔

یہ اور بات ہے کہ اُسے آٹھ بجے سے پہلے ہی اٹھا دیا گیا ہو۔ فریدی اُسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔

"ہاں...ہاں... سب ٹھیک ہے۔" حمید نے آنکھیں کھولے بغیر بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدلی۔

فریدی نے اُس کی گردن دبوچی اور اٹھا کر فرش پر کھڑا کردیا۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "اگر آپ کو آرام سے نفرت ہے.... تو....!"

"شٹ اپ....!"

"نہیں خاموش رہوں گا۔ میں صرف سراغ رسانی کے لئے نہیں پیدا ہوا۔"

"تم پیدا ہی کب ہوئے تھے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "پیدا ہونے والے زندہ رہتے ہیں اور زندگی سردیوں میں لحاف کا نہیں بلکہ ٹھنڈے پانی کا نام ہے۔ تمہیں اس وقت ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا پڑے گا۔"

"مت بور کیجئے، ورنہ میں دیوار سے سر ٹکرا لوں گا۔"

"یہی کر کے دکھاؤ۔ کچھ تو کرو.... مگر ٹھنڈے پانی سے غسل....!"

"کیوں....!"

"تم جوتوں اور کپڑوں سمیت سو گئے تھے۔"

"تو کیا ان جوتوں اور کپڑوں نے مجھ پر پیشاب کر دیا ہے۔ کیوں غسل کروں ٹھنڈے پانی سے۔"

"کاہلی کی سزا....!"

حمید نے سوچا دماغ ٹھنڈا رکھنا چاہئے۔ ورنہ وہ اُسے کپڑوں سمیت ٹھنڈے پانی کے ٹب میں پھینک آئے گا۔ ایک بار پہلے بھی ایسا ہو چکا تھا۔ سردیوں کا زمانہ تھا اور حمید اُسی طرح کپڑوں سمیت سو گیا تھا۔ دوسری صبح فریدی نے اُسے ٹھنڈے پانی کے ٹب میں غوطے دیئے تھے۔ فریدی کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ اسے کسی معاملے میں بھی بے قاعدگی پسند نہیں تھی۔ حمید نے یہی مناسب سمجھا کہ فی الحال فریدی کا دھیان دوسری طرف بٹا دیا جائے۔

"اوہو.... میں تو بھول ہی گیا تھا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "نیشنل گرلز کالج میں مس ورما نام کی کوئی عورت نہیں ہے۔ پہلے بھی کبھی نہیں رہی۔"

"بہت خوب۔" فریدی مسکرایا۔ "اتر آئے سراغ رسانی پر۔ ابھی تو کہہ رہے تھے۔"

"میں غلط کہہ رہا تھا۔" حمید دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نیند میں تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں صرف سراغ رسانی کے لئے پیدا ہوا تھا۔"

"تمہیں بہر حال ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا پڑے گا۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"گولی مار دیجئے نا مجھے۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

دفعتاً فریدی کی خواب گاہ میں فون کی گھنٹی بجی اور اس طرح حمید ٹھنڈے پانی سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہو گیا۔ اُسے سردیوں میں ٹھنڈے پانی کے نام ہی سے چکر آنے لگتے تھے۔

اس نے بڑی تیزی سے دانت صاف کئے اور کچن میں جا گھسا۔ وہ صبح کی پہلی چائے بھی دانت صاف کئے بغیر نہیں پیتا تھا۔

جب وہ ضروریات سے فارغ ہو چکا تھا تو ایک بار پھر فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"اس لڑکی کا سراغ مل گیا۔" فریدی نے کہا۔

"کس لڑکی کا.... میری لسٹ پر ہر وقت کم از کم دو درجن لڑکیاں رہی ہیں۔"

فریدی جھنجھلا کر کوئی سخت بات کہنے ہی والا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی اور حمید سر سہلاتا ہوا ناشتے کی میز کی طرف چلا گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد فریدی خواب گاہ سے واپس آیا۔

"میرا خیال ہے آپ مقتولہ کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"ہاں.... آں...." فریدی بیٹھ کر کافی انڈیلنے لگا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید نے بھی چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ عافیت اسی میں نظر آئی کہ وہ خاموشی سے ناشتہ ختم کر لے۔

کچھ دیر بعد فریدی ناشتہ ختم کر کے سگار سلگانے لگا۔ حمید سر جھکائے کافی پیتا رہا۔

"وہ شرما اسٹریٹ میں نہیں رہتی تھی اور یہ بھی غلط ہے کسی نے اُسے دھوکا دیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو اسی وقت ثابت ہو گیا تھا جب گرلز کالج میں کوئی مس ورما نہیں ملی تھی۔"

"کیا خیال ہے۔ اگر اُسے گولی نہ ماری جاتی تو۔"

"ظاہر ہے کہ وہ بعد میں بھی ہماری گرفت میں آسکتی تھی۔ میں نے تو اسکے بیان پر یقین کر لیا تھا میں اس کو اسکے بتائے ہوئے پتہ پر چھوڑ بھی آتا لیکن مس ورما کی اصلیت ظاہر ہوتے ہی....!"

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "اسکے بعد تمہارے فرشتے بھی اس تک نہ پہنچ سکتے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن اس کے متعلق آپ نے اور کیا معلوم کیا۔"

"اس کی بڑی بہن راجرس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ اُس سے کیا معلوم کر سکتے ہیں۔ تم ناشتہ کتنی دیر میں ختم کرو گے۔"

کچھ دیر بعد وہ راجرس اسٹریٹ کی طرف جا رہے تھے۔

"میں اس آدمی کو کبھی نہیں بھول سکوں گا۔" حمید نے کہا۔ "جو مجھے پچھلی شام آرلکچو میں ملا تھا۔ کاش میں اُسے بچا سکتا۔"

"تم اُسے کسی طرح نہ بچا سکتے۔ وہ یقیناً ان لوگوں کے کسی راز سے واقف تھا۔"

"مگر وہ اسے ننگا کیوں کر گئے تھے۔ یقیناً یہ ایک ایسا کام تھا جس میں ذرا سی لغزش بھی ان کے لئے پھانسی کا پھندہ بن سکتی تھی۔ انہوں نے محض اس کے کپڑے اتارنے کے لئے دھوئیں کا بم پھینکا تھا۔ آخر کیوں! کپڑے اُتارنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"کپڑے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "نہیں میرا خیال ہے کہ کپڑوں سے زیادہ اس تیر کی اہمیت ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے تیر پولیس تک پہنچ سکیں۔ سفارت خانے کی عمارت میں بھی یہی ہوا تھا۔ تیر نہیں مل سکا۔ حالانکہ ریکھا نے خود اسے تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔"

"کپڑے اس کے بھی اتار لئے گئے تھے۔" حمید نے اس طرح کہا جیسے تیروں پر کپڑوں کو اہمیت دینا چاہتا ہو۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ کپڑوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" فریدی بولا۔ "ہو سکتا ہے مگر نہیں

سو فیصدی یہی بات ہے۔ دونوں ہی لاشیں اس حال کو پہنچ گئی تھیں کہ ان کی شناخت ناممکن تھی لہٰذا کپڑے اتار لینے کا یہی مقصد ہو سکتا ہے کہ کپڑوں ہی کے ذریعہ لاشوں کی شناخت کا امکان باقی نہ رہے۔ اور حمید صاحب.... میں ایک ایسے زہر کے وجود سے بھی واقف ہوں جس سے شکار کی لاش پر ورم آجاتا ہے، یعنی جسم کے وہ حصے متورم ہو جاتے، جو کھلے رہ جائیں۔ اگر لاش ننگی ہو تو پورے جسم پر بھی اس حد تک ورم آسکتا ہے جتنے پھیلاؤ کی صلاحیت گوشت میں موجود ہو۔"

"یہ کیسا زہر ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "اس قسم کے کسی زہر کے متعلق میں نے آج تک نہیں سنا۔"

"تم نے سنا ہی کیا ہے۔ میکسیکو کی بعض خشک پہاڑیوں میں ایک کانٹوں دار پودا اگتا ہے۔ اس کا ایک کانٹا بھی اگر جسم کے کسی حصے میں چبھ جائے تو آدمی ایک منٹ کے اندر ہی اندر ختم ہو سکتا ہے اور جسم کے کھلے ہوئے حصے متورم ہو جائیں گے۔ میکسیکو کے قدیم باشندے اس پودے کو اپنے ایک قاہر دیوتا کی ڈاڑھی کہتے ہیں۔"

"کانٹے میں زہر۔" حمید کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

"زہر تو دراصل اس پورے پودے ہی میں ہوتا ہے۔ سفید رنگ کا سفوف سا جو پودے کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے۔ حقیقتاً وہ پودے کے مسامات سے خارج ہونے والی ایک طرح کی رطوبت ہوتی ہے جو خشک ہونے کے بعد سفید رنگ کے سفوف کی شکل اختیار کر لیتی ہے اگر تمہارے جسم کے کسی زخم پر اس سفوف کے ذرات پڑ جائیں تو اس کا نتیجہ بھی وہی ہوگا جو کانٹا لگنے کا ہو سکتا ہے۔ موت اس سفوف ہی کی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔ جو کانٹوں کے ساتھ جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ فریدی کے معاملے میں اس ذہنی اسٹیج سے بھی گذر چکا تھا۔ جہاں اس کی معلومات پر عش عش کر سکتا۔

راجرس اسٹریٹ میں پہنچ کر فریدی نے کار ایک عمارت کے سامنے روک دی۔

"اس عمارت کے اٹھارویں فلیٹ میں وہ رہتی ہے۔ مقتولہ کی بہن" فریدی۔ ہنی جا
کی ایک عمارت کی طرف اشارہ کیا۔

"مگر آپ کو اتنی جلد اس کا علم کیسے ہو گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"محض اتفاق۔" فریدی نے کہا۔ "پچھلی رات لاش کے فوٹو لئے گئے تھے۔ خیال تھا کہ آج ایک فوٹو شام کے اخبارات میں دیا جائے گا۔ مگر فنگر پرنٹ سیکشن کے ایک آدمی نے لاش شناخت کر لی۔ اسی سے اس کی قیام گاہ کا پتہ بھی معلوم ہوا۔ وہ اس کی بڑی بہن کو جانتا ہے۔"

وہ دونوں کار سے اتر کر اُس عمارت کے قریب پہنچے۔ اٹھارواں فلیٹ تیسری منزل پر تھا۔ فریدی نے بند دروازے پر دستک دی لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔ تین چار بار دستک دینے کے بعد فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا لیکن شائد وہ اندر سے مقفل تھا۔ پھر اس کے اشارے پر حمید نے برابر والے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ کسی نے جلدی ہی دروازہ کھولا۔ وہ ایک ادھیڑ عورت تھی۔

"فرمائیے....!" اس نے حیرت سے کہا۔

"کیا یہاں مسز گپتا رہتی ہیں۔"

"جی نہیں باجو والا فلیٹ ہے۔" عورت نے اُسی فلیٹ کی طرف اشارہ کیا جس کے دروازے پر وہ کئی بار دستک دے چکے تھے۔

"تب تو ہم نے غلطی نہیں کی تھی۔" فریدی بڑبڑایا۔ پھر اس عورت سے بولا۔ "مگر اندر سے جواب نہیں ملتا۔ کیا مسز گپتا دیر تک سونے کی عادی ہیں۔"

"پتہ نہیں۔" عورت بولی۔ "مسز گپتا تو ہسپتال میں ہیں۔ اندر ان کی نوکرانی ہو گی جو اونچا سنتی ہے۔"

"ہسپتال میں کیوں.... پتہ نہیں.... کیوں.... کیا....!" فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

"آپ مسز گپتا سے کب سے نہیں ملے۔" عورت نے پوچھا۔

"ارے ابھی پچھلے ہی ہفتے ملاقات ہوئی تھی۔"

"اچھا ایک بات بتائیے! کیا آپ نے پچھلی ملاقات پر یہ محسوس کیا تھا کہ یہ عورت عنقریب پاگل ہو جائے گی۔"

"نہیں تو۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کیا۔ "کیوں کیا بات ہے؟"

"آج صبح چار بجے اسکے چند عزیز اُسے یہاں سے لے گئے وہ جانوروں کی طرح چیخ رہی تھیں۔"

"ممکن ہے اور کوئی تکلیف رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی نہیں.... ان کے کزن نے مجھے یہی بتایا تھا کہ اکثر ان پر پاگل پن کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔"

"وہ کب سے آپ کی پڑوسی ہیں۔"

"میرا خیال ہے پچھلے تین برسوں سے۔"

"کیا اس سے پہلے بھی کبھی ان پر اس قسم کا کوئی دورہ پڑا تھا۔"

"میرے علم میں تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے پڑا ہو۔"

"ملازمہ سے کس طرح گفتگو کی جائے۔ ویسے آپ کو تو معلوم نہ ہوگا کہ وہ کس ہسپتال لے جائی گئی ہیں۔"

"جی نہیں.... مجھے نہیں معلوم۔"

"آہا.... ان کی ایک بہن بھی تو ہیں مس شیلا۔ کیا وہ بھی موجود نہ ہوں گی۔"

"ارے.... وہ....!" عورت بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"کیوں.... انہیں کیا ہوا....؟" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"ایک آوارہ عورت کی بدولت ان دونوں بہنوں میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ مسز گپتا کا کہنا تھا کہ اس عورت سے قطع تعلق کر لے لیکن شیلا اس پر کسی طرح تیار نہ ہوئی اور دونوں میں ہو گیا۔ شیلا اب اسی عورت کے ساتھ رہتی ہے۔"

"اُف.... فوہ.... غالباً اسی حادثے نے مسز گپتا کا دماغ الٹ دیا ہے۔" فریدی تشویش لہجے میں بولا۔

"ہو سکتا ہے.... مسز گپتا بہت شریف عورت ہیں۔"

"پھر کیا.... کیا جائے۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔ "میرے خیال سے بہ ہوگا کہ مس شیلا کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔"

"قطعی.... یہ بہت ضروری ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

فریدی نے عورت سے کہا۔ "یہ کیسے معلوم ہو کہ وہ عورت کہاں رہتی ہے۔"

"میں آپ کو بتا سکوں گی۔ میں نے اپنے طور پر پتہ لگایا تھا کہ وہ واقعی بہت خراب ع ہے۔ صورت سے کوئی نہیں اندازہ لگا سکتا کہ وہ اتنی بدچلن عورت ہو گی۔"

"وہ کہاں رہتی ہے۔"

"شرما اسٹریٹ میں۔ اس کا نام تارا نائیڈو ہے۔"

حمید یک بیک چونک پڑا کیونکہ پچھلی رات مقتولہ نے نہ صرف اپنا نام یہی بتایا تھا بلکہ کہا تھا کہ وہ شرما اسٹریٹ میں رہتی ہے۔

"شرما اسٹریٹ....!" فریدی عورت کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "شرما اسٹریٹ درجنوں عمارتیں ہیں اُسے کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔"

"وہ دیکھئے.... وہاں کیفے شبستان ہے۔ ٹھیک اسی کے سامنے والی عمارت کے کسی فلیٹ میں رہتی ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... بہت بہت شکریہ۔ اتنا کافی ہے۔ اب ہم اس تک پہنچ جائیں گے۔ تکلیف دہی کی معافی چاہتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں جناب۔"

فریدی اور حمید نیچے آئے۔ حمید نے اس سے کہا۔ "اس کی ملازمہ سے گفتگو کئے بغیر ہم واپس آ گئے۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔ مگر تارا نائیڈو اور شرما اسٹریٹ کے نام سن کر تمہارے پیٹ میں چوہے ضرور کودنے لگے ہوں گے۔"

دھمکی

فریدی کی لنکن پھر شہر کی بھری پُری سڑکوں پر نکل آئی تھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ اب فریدی فکرمند نہیں ہے.... وہ اس تبدیلی کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔

"کیا.... وہ عورت سچ مچ پاگل ہو گئی ہو گی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی نہیں.... میرا خیال ہے۔ انہوں نے اُسے بھی اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ جو لوگ کسی کو میری چھت کے نیچے قتل کر سکتے ہیں۔ اُن کے لئے یہ مشکل کام نہیں ہو سکتا۔"

"اب دیکھنا ہے کہ اس عورت تارا نائیڈو پر کیا افتاد پڑتی ہے۔"

"جو کچھ بھی ہونا ہے اب تک ہو چکا ہو گا۔ یا پھر وہ بالکل محفوظ ہو گی۔"

"کیوں.... یہ دو متضاد باتیں کیوں۔"

"وہ اُن لوگوں کے لئے خطرناک ہو گی یا انہیں میں سے ہو گی یا پھر بالکل ہی بے تعلق ہو گی۔ ممکن ہے اس کا اس سلسلے میں کوئی تعلق ہی نہ ہو۔"

"کچھ ہو یا نہ ہو۔ خدا کرے جوان ہو حسین ہو۔" حمید بڑبڑا کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

کار شرما اسٹریٹ میں داخل ہو کر دوسری سڑک پر نکل آئی۔

"کیوں آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"میں اس وقت صرف سڑک پیمائی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور وہ تارا نائیڈو۔"

"فکر نہ کرو۔ مجھے سب سے زیادہ اس عورت کی فکر ہے جو پاگل ہو گئی ہے۔"

"کیوں؟"

"اسلئے کہ وہ یقیناً بوڑھی ہو گی اور دنیا کا کوئی حمید اس کیلئے دردِ سر مول لینے کو تیار نہ ہو گا"

"اُسے لے جانے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے وہ بھی ان لوگوں کے کسی راز سے واقف پھر ایسی صورت میں انہوں نے اُسے زندہ ہی کیوں رکھا ہو گا۔"

"کبھی کبھی دوسرے ہماری طرح نہیں سوچتے۔"

"مگر آپ اُسے تلاش کہاں کریں گے۔"

"تلاش....!" فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر رہ گیا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں آئیں تھیں اور آنکھوں میں ذہنی الجھن کے آثار تھے۔

آخر کار گاڑی ایک جگہ رک گئی۔ حمید نے کھڑکی کے باہر سر نکال کر چائینز کارنر کا پڑھا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ فریدی یہاں سے کس طرح معلومات حاصل کر سکے گا۔ سے زیادہ یہاں فنچ کے متعلق یہ معلوم کر سکتا تھا کہ وہ روزانہ کا گاہک ہے یا کبھی کبھی آتا ہے۔ ہے کہ فنچ جیسے لوگ دوسروں کو اپنے بارے میں لاعلم ہی رکھتے ہیں۔

بہر حال وہ بھی فریدی کے ساتھ کار سے اتر گیا۔ وہ کارنر سے داخل ہوئے اس وقت اکا دکا آدمی نظر آ رہے تھے۔ فریدی نے کاؤنٹر کے قریب رک کر چاروں طرف اچٹتی ڈالی۔ پھر کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی کی طرف مڑا جو شائد ان کے آرڈر کا منتظر تھا۔

"مسٹر فنچ نہیں آئے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کون مسٹر فنچ.... جناب.... میں نہیں جانتا۔"

"وہ.... ننھے سے آدمی۔" فریدی مسکرا کر آہستہ سے بولا۔

"اوہ.... نہیں جناب۔ وہ عموماً رات ہی کو آتے ہیں۔" وہ آدمی بھی معنی خیز انداز مسکرایا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "مسٹر فنچ کے علاوہ بھی یہاں کچھ اور آدمی ہیں اور ان کے پاس ایسے مال ہیں کہ مسٹر فنچ نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے۔"

"اچھا....!" فریدی کاؤنٹر پر کہنیاں ٹکا کر اس کی طرف جھکتا ہوا رازدارانہ لہجے میں "فنچ کی لڑکیاں تو گلاب لگاتی ہیں۔"

اس کے جواب میں اس نے ایک ایسی گندی بات کہی جو مضحکہ خیز نہ ہوتی تو حمید نے اس کے گال پر تھپڑ ہی رسید کر دیا ہوتا۔

پھر اُس نے کہا۔ "وہ ہمیشہ ایک رات میں ایک ہی لڑکی سپلائی کرتا ہے لیکن پچھلی رات یہاں دو تھیں ایک کو وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا اور دوسری آپ کے ساتھ گئی تھی۔"

"اوہو....!" فریدی اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔ "تو تمہیں یاد ہے۔ ویسے کیا روزانہ اس کی لڑکیاں یہاں آتی ہیں۔"

"جی نہیں.... کبھی کبھی۔ ویسے وہ خود روزانہ یہاں آتا ہے۔"

"مسٹر فوہی سے دوستی ہو گی۔"

"مسٹر فوہی.... جی ہاں.... یہی سمجھ لیجئے۔"

"مسٹر فوہی سے اس وقت کہاں ملاقات ہو سکے گی۔"

"یہ بتانا مشکل ہے۔ مسٹر فوہی کے پیروں میں چکر ہے۔ وہ کسی ایک جگہ رکنا جانتے ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اوپری منزل پر اپنے کمرے میں ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شہر کے دوسرے سرے کے کسی شراب خانے میں۔"

"بڑا رنگین آدمی ہے یہ فوہی بھی۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "اس کے پاس بھی بڑی عمدہ لڑکیاں ہیں۔"

"آپ کس سے کم ہیں جناب۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"او.... ہاں.... اچھا چلو! ہم مسٹر فوہی کو دیکھتے ہیں۔" فریدی نے کہا پھر اس آدمی سے پوچھا۔ "کس نمبر کا کمرہ ہے۔"

"گیارہ نمبر جناب۔"

فریدی زینوں کی طرف بڑھا۔ حمید نے بھی قدم بڑھائے۔

گیارہویں کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حمید کو اندر ایک فربہ اندام اور دراز قد چینی نظر آیا۔ چینیوں میں اتنا نکلتا قد شاذونادر ہی نظر آتا ہے جتنا کہ اس کا تھا۔ فریدی کو دروازے کے سامنے رکتے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

فریدی اجازت طلب کئے بغیر کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ لیکن چینی کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"آپ کون ہیں؟" وہ انگریزی میں غرایا۔

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"میں نہیں پہچانتا۔"

فریدی نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے کارڈ لے کر اس پر ایک اچٹتی ہ نظر ڈالی اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے۔" وہ پھر اسی انداز میں غرایا۔ "آپ اس طرح بغیر اجاز درانہ میرے کمرے میں گھستے چلے آرہے ہیں۔ یہ کہاں کی انسانیت ہے۔"

"مجھے فنچ کا پتہ چاہئے۔"

"میں کسی فنچ کو نہیں جانتا۔ آپ خواہ مخواہ مجھے پریشان نہیں کر سکتے۔"

"تم جانتے ہو اس لئے لازمی طور پر پریشان کئے جاؤ گے۔"

"بڑی مصیبت ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "اگر میں کوئی غیر قانونی کام کرتا ہوتا تو رشوت بھ دے سکتا تھا۔"

"اوہو.... تو میں تم سے رشوت وصول کرنے آیا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں وصول کروں اس سے رشوت۔" حمید نے غصیلے لہجے میں اردو میں پوچھا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا پھر فوہی سے بولا۔ "میں اس کمرے کی تلاشی لی چاہتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں.... تلاشی کا وارنٹ ہے آپ کے پاس۔"

"میں خود ہی وارنٹ ہوں۔"

"تب آپ نہیں لے سکتے تلاشی۔"

"ہم تمہیں پھانسی بھی دے سکتے ہیں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کوشش کر کے دیکھئے۔" فوہی نے لاپروائی سے کہا۔

"حمید تمہیں یہاں سے کوکین برآمد کرنی ہے۔" فریدی سرد لہجے میں بولا۔

حمید الماریوں کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی فوہی نے بھی آگے بڑھنا چاہا۔ لیکن دوسر لمحے میں فریدی کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر جہاں تھا وہیں رک گیا۔

حمید نے بڑی تیزی سے کمرے کی چیزیں الٹنی پلٹنی شروع کر دیں۔

"تم حد سے بڑھ رہے ہو کرنل فریدی۔ میں کوئی گیا گزرا آدمی نہیں ہوں۔" فوہی غرایا

"نہیں تم بہت معزز آدمی ہو۔ میں تمہیں جوتے سے نہیں ماروں گا۔ مطمئن رہو۔" فری

نے لاپروائی سے جواب دیا۔

پندرہ منٹ تک حمید نے سر مارا لیکن کوکین نہ برآمد کر سکا۔ آخر تھک ہار کر اس نے فریدی سے کہا۔ "کوئی دوسرا چارج لگائیے۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ میری جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر فوہی کے لگا دو۔"

"مذاق ہے۔ یونہی لگا دو گے ہتھکڑیاں۔ تمہارا راج ہے۔" فوہی پاگلوں کی طرح چیخا۔

"ہاں اس شہر پر میرا راج ہے۔ حمید جلدی کرو۔"

حمید نے فریدی کی جیب سے ہتھکڑیاں نکالیں اور فوہی کی طرف بڑھا۔

"اچھی بات ہے تم لگاؤ ہتھکڑیاں لیکن اسے لکھ لو کہ یہ تم دونوں کے وقار کا آخری دن ہے۔"

"ہمارا وقار ہر وقت خطرے میں رہتا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔" فریدی بولا۔

حمید فوہی کے ہتھکڑیاں لگا چکا تھا۔

چند لمحے فریدی اور فوہی ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب بھی غنیمت ہے کہ فنچ کا پتہ بتا دو ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اگر میں نے کوکین برآمد کر لی تو پھر کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

"میں کسی فنچ کو نہیں جانتا۔ جو دل چاہے کرو۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھا۔ پھر سامنے والی دیوار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ وہ دیوار سے لگے ہوئے ایک فریم والی تصویر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً فوہی کے حلق سے عجیب قسم کی آواز نکلی جسے نہ کھانسی کہا جا سکتا تھا اور نہ یہی کہا جا سکتا تھا کہ اس نے کھکار کر اپنا گلا صاف کیا ہے اور پھر حمید نے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھیں۔

فریدی بڑی میز کو گھسیٹ کر دیوار سے لگا رہا تھا۔ اس نے میز پر ایک کرسی رکھی اور پھر میز پر چڑھ ہی رہا تھا کہ فوہی بڑبڑایا۔ "ٹھہرو۔ میں بتا دوں گا۔"

"اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔" فریدی نے اس کی طرف مڑے بغیر کہا۔

کرسی پر کھڑے ہو کر اس نے فریم کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ پھر حمید نے دوسرے ہی لمحے میں اس فریم کو کسی الماری کے ڈھکن کی طرح کھلتے دیکھا۔ ایک تاریک سی خلاء نمایاں ہو گئی۔

"بات کو آگے نہ بڑھاؤ۔ میں بتا دوں گا۔" فوہی نے پھر کہا۔

"بات بڑھ چکی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اب تم کچھ بتاؤ۔"

"میں اس کے عوض منہ مانگی رقم دے سکتا ہوں۔" فوہی کی آواز کسی دائم المریض کی طرح

سرد اور بے جان ہو گئی تھی۔

"تم واقعی ایک معزز آدمی ہو۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔"

"اگر تم نے اس فریم پر میری نظر پڑنے سے پہلے درخواست کی ہوتی تو میں تمہیں معاف کر دیتا۔"

"میں فنچ کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ اس کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں۔"

"اور اس کے بعد فنچ کو بھی مطلع کر سکتے ہو کہ تم نے مجھے اس کا پتہ دیا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ لڑکیوں کے بیوپار سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ بس وہ میرا دوست ہے۔ میں جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مصیبت میں پڑے گا۔"

"ہتھکڑیاں نکال دو۔" فریدی نے فوہی کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے حمید سے کہا۔

فوراً ہی تعمیل کی گئی۔ فریدی ریوالور جیب میں ڈال چکا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

فوہی کرسی میں ڈھیر ہو کر ہانپنے لگا۔ اس کے چہرے پر کچھ اسی قسم کے آثار تھے۔ جیسے غیر متوقع طور پر موت کے منہ سے نکل آیا ہو۔

"فنچ لڑکیوں کا بیوپار کرتا ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

فوہی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے تھا۔ شائد اس طرح وہ اپنی چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"منہ سے بولو۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"وہ لڑکیوں کا بیوپار کرتا ہے خود کو پیٹنٹ دواؤں کا دلال ظاہر کرتا ہے لیکن حقیقتاً وہ لڑکیوں کا دلال ہے۔"

"تمہیں اس کا پتہ معلوم ہے۔"

"معلوم ہے جناب۔ وہ اپنا پتہ کسی کو بھی نہیں بتاتا لیکن میں نے ایک بار معلوم کر لیا تھا۔"

"اس نے خود تمہیں نہیں بتایا۔"

"جی نہیں لیکن وہ میرے گہرے دوستوں میں سے ہے۔"

"خیر اس کا پتہ بتاؤ۔"

"تھرٹین پیراماؤنٹ لین۔"

فریدی نے حمید کو پتہ نوٹ کرنے کا اشارہ کر کے فوہی سے کہا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ لڑکیوں کی تجارت کرتا ہے۔"

"جی ہاں.... مجھے یقین ہے لیکن اس کا طریقہ عجیب ہے۔ اسی بناء پر مجھے سوچنا پڑا ہے کہ اس تجارت کی پشت پر کوئی اور ہے۔ فنچ کی حیثیت ایک ایجنٹ سے زیادہ نہیں ہے۔"

"کیوں؟ یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔"

"کیونکہ وہ لڑکیاں اس کے لئے اجنبی ہوتی ہیں اگر وہ اپنے کالروں میں سرخ گلاب نہ لگائیں تو شائد فنچ انہیں پہچان بھی نہ سکے۔ ہر بار ایک نیا چہرہ نظر آتا ہے۔ میں نے کسی بھی لڑکی کو دوسری بار نہیں دیکھا۔ فنچ انہیں یہاں سے کہیں لے جاتا ہے۔ مگر پچھلی رات مجھے اطلاع ملی تھی کہ کل دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے آئی تھیں۔ حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"تو گویا روزانہ نئی لڑکیاں یہاں آتی ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں جناب کبھی کبھی۔ نہ فنچ یہاں روزانہ آتا ہے اور نہ لڑکیاں۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن تم اپنی زبان بند رکھو گے۔"

"میں اپنا اتنا بڑا کاروبار چھوڑ کر اس شہر سے بھاگ نہیں سکتا۔"

"سمجھدار آدمی ہو۔" فریدی مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

باہر آ کر حمید بولا۔ "اس فریم کے پیچھے کیا تھا۔"

"وہ فریم نہیں بلکہ الماری کا دروازہ تھا۔ ایسے تصویری فریم کون لگاتا ہے جو دیوار سے چپکے رہیں۔ چلو بیٹھو....!"

وہ کار میں بیٹھ گئے۔

وہ عورت

حمید بور ہو رہا تھا جیسے ہی کار حرکت میں آئی وہ آنکھیں بند کر کے پشت گاہ سے ٹک گیا۔ پچھلی رات کی دو لاشیں اس کے ذہن پر بُری طرح مسلط تھیں۔ وہ چھوٹے قد کی خوبصورت سی گڑیا کتنی دلکش تھی جس کے سینے میں ایک بدنما سا سوراخ ہو گیا تھا وہ خوفزدہ تھی۔ ہو سکتا تھا شائد اسے انہیں لوگوں کا خوف رہا ہو جنہوں نے اسے اتنی بے رحمی سے قتل کر دیا تھا۔ شائد وہ سرکاری

سراغ رسانوں سے پیچھا چھڑا کر اس شہر ہی سے نکل بھاگنا چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے اپنا نام تارا نائیڈو بتایا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ شرما اسٹریٹ میں رہتی ہے۔ مقصد یہی رہا ہوگا کہ وہ اس طرح اس عورت کو پولیس کے چکر میں پھنسا دے گی جس کی وجہ سے اسے ان پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑا تھا۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ لوگ اس سے زیادہ ہوش مند تھے۔ حمید نے سوچا اب تارا نائیڈو کے خلاف ثبوت مہیا کرنا بھی آسان نہ ہوگا۔

پھر وہ اس آدمی کے متعلق سوچنے لگا جو ایک پُر اسرار تیر کا شکار ہو کر اپنے خدوخال تک کھو بیٹھا تھا۔ حمید اس کے لئے بھی مغموم تھا کیونکہ اس نے اس سے اپنی زندگی کی حفاظت کی درخواست کی تھی۔ مگر حمید.... سمجھا تھا کہ وہ اسے کسی چکر میں پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر کیا ہوا؟ تھوڑی ہی دیر بعد حمید کو اپنے شبہات پر نادم ہونا پڑا۔ دوسری طرف فریدی سرخ گلابوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ بظاہر دونوں معاملے بالکل الگ الگ تھے لیکن پھر اسی زہریلے تیر کی کار فرمائی وہاں بھی نظر آئی۔ اور اب انہیں اس کا فیصلہ کرنا تھا کہ وہ دو معاملات حقیقتاً الگ الگ تھے یا وہ ایک ہی اصلیت کے دو مختلف پہلو کہے جا سکتے تھے۔

"کیا اب فنچ تک پہنچنے کا ارادہ ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"اس کی توقع کم ہے کہ ہم اس تک پہنچ سکیں۔ اُسے سفارت خانے کی طرف سے ہوشیار کر دیا گیا ہوگا۔"

"پھر بھی اگر ہم تھرٹین پیراماؤنٹ اسٹریٹ کو دیکھ ہی لیں تو کیا حرج ہے۔"

"اوہو.... ضرور.... مجھے علم ہے کہ آج کل پیراماؤنٹ اسٹریٹ کی ایک لڑکی سے تمہارا معاشقہ چل رہا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری ایکٹنگ نے اسے تم سے قریب کر دیا تھا۔"

"نہیں.... کیا؟" حمید حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس نے تمہیں اپنا نام کہکشاں بتایا تھا۔ وہ کہتی ہے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ وہ نسلی امتیاز وطنیت اور قومیت میں یقین نہیں رکھتی۔ وہ عورتوں اور مردوں کے درمیان کسی قسم کا تکلف جائز نہیں سمجھتی اور بتاؤں۔"

"تو آپ میری ٹوہ میں رہا کرتے ہیں۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اب میں اُن معلومات کو کیا کروں جو اپنے پیروں چل کر مجھ تک پہنچ جاتی ہیں۔"

حمید کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "آپ کے طرز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام کہکشاں نہیں ہے۔"

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔"

حمید پھر خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا آخر فریدی کو اس کی اطلاع کیسے ہو گئی۔ خیر اس کے متعلق علم ہو جانا اتنا حیرت انگیز نہیں تھا۔ مگر اسے وہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں جو اُن دونوں کے درمیان ہوئی تھیں۔

کہکشاں اُسے ایک غیر معروف سے ریستوران میں ملی تھی۔ حمید کا خیال تھا کہ اس کی احمقانہ انداز رکھنے والی حرکتوں نے اُسے اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔

وہ اتوار کی شام تھی اور حمید اس طرح شہر میں چکراتا پھر رہا تھا جیسے کوئی خزاں رسیدہ پتہ خشک اور بے کیف ہواؤں کے جھکڑ میں جا پڑے۔ خزاں رسیدہ پتے کی تشبیہ اس لئے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حمید ان دنوں اپنے ہی الفاظ میں خود کو "بنجر" محسوس کر رہا تھا اور وہ اسی صورت میں خود کو بنجر محسوس کر رہا تھا جب شام کے بیکار لمحات گذارنے کے لئے کوئی نئی لڑکی نہیں ملتی تھی۔ پرانی شناسا لڑکیاں اسے ہمیشہ بور معلوم ہوتی تھیں۔ اگر وہ کبھی کہیں نظر بھی آتیں تو وہ کترا کر نکل جانا ہی بہتر سمجھتا تھا۔

بہرحال اس شام حمید تنہا اور اداس تھا اور اداسی میں پیدل ٹہلنا اس کی پرانی عادتوں میں سے تھا۔ جب وہ تھک گیا تو قریب کے ایک کیفے میں جا گھسا۔ وہاں بمشکل دس منٹ گذارے ہوں گے کہ ایک لڑکی اندر آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ بس ایسی ہی تھی کہ حمید نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ حمید کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہے اور وہ نہ ہو۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔ اس نے جلد ہی اپنی غیر معمولی حرکات و سکنات سے لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ بھی اپنی میز پر تنہا ہی تھی اور متواتر حمید کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ حمید نے ایک ویٹر کو بلا کر اس سے ایک پیکٹ سگریٹ لانے کو کہا اور پرس سے کچھ اس انداز میں ایک نوٹ نکالا کہ دو نوٹ اس کی مصنوعی بے خبری میں فرش پر گر پڑے۔ اس نے یہ حرکت اس طرح کی تھی کہ ویٹر کی نظر نہیں پڑ سکی ورنہ وہ خود ہی اسے باخبر کر دیتا۔ ویٹر چلا گیا اور حمید نے پرس جیب میں ڈال لیا۔ سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی نے نوٹوں کو گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر حمید کو مخاطب کر کے بولی۔

"آپ کے نوٹ گر گئے ہیں جناب۔"

"جی....!" حمید چونک پڑا۔ لڑکی نے فرش کی طرف اشارہ کیا اور حمید کچھ ایسے بوکھلائے ہوئے انداز میں نیچے جھکا جیسے پیروں کے پاس سانپ بیٹھا ہو۔

لڑکی بے اختیار مسکرا پڑی اور حمید کھڑا ہو کر احمقانہ انداز میں بولا۔ ''یہاں کسی صاحب کے نوٹ گر گئے ہیں۔''

لڑکی بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ یہاں اُن کے علاوہ صرف دو آدمی اور تھے وہ غیر ارادی طور پر اپنی جیبیں ٹٹولنے لگے۔ مگر لڑکی نے کہا۔ ''یہ نوٹ آپ ہی کے ہیں۔''

''میرے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں تو۔''

''میں نے آپ کے پرس سے گرتے دیکھے تھے۔''

''کیا آپ مجھے گدھا سمجھتی ہیں۔ کیا میں بچہ ہوں کہ نوٹ گرادوں گا۔''

لڑکی اپنی میز سے اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

حمید نے اب بھی نوٹ فرش سے نہیں اٹھائے تھے۔

''نوٹ اٹھا لیجئے۔'' لڑکی آہستہ سے بولی۔

''آپ خود نہ اٹھا لیجئے۔ میں کیوں خواہ مخواہ کسی مصیبت میں پڑوں۔''

لڑکی نے جھک کر نوٹ اٹھا لئے اور اپنے وینٹی بیگ سے ایک نوٹ بک نکالتی ہوئی بولی۔ ''یہ دس دس کے دو نوٹ ہیں۔ ہمارے کالج میں ایک ڈرامہ ہونے والا ہے۔ ان نوٹوں کے عوض میں آپ کو اس کے دو ٹکٹ دے رہی ہوں۔''

''میں نے ایک بار کہہ دیا آپ سے کہ وہ میرے نوٹ نہیں ہیں۔'' حمید جھنجلا گیا۔ ''آپ کیوں خواہ مخواہ کسی دوسرے کا وبال میرے گلے لگا رہی ہیں۔''

''آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔'' لڑکی بڑے خلوص سے مسکرائی۔ ''وبال میرے ہی سر رہے گا میں تو آپ کو ٹکٹ دے رہی ہوں۔ ڈرامہ کل نو بجے رات کو ہوگا۔ اپنی بیگم صاحبہ سمیت تشریف لائیے۔ ایک ٹکٹ پر دو بچے فری۔ گویا آپ چار بچے اپنے ساتھ لا سکتے ہیں۔ اگر چار سے زائد ہوں تب بھی پرواہ نہ کیجئے۔ میں دس روپے والے کلاس کے گیٹ ہی پر آپ کو ملوں گی۔''

''آپ خواہ مخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔''

''کل ٹھیک نو بجے.... ماڈرن کالج میں.... میں آپ کا انتظار کروں گی۔''

لڑکی اپنا وینٹی بیگ سنبھالتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

''دیکھئے آنا نہ بھولئے گا۔'' اس نے چلتے چلتے ایک بار پھر کہا۔

پھر حمید دوسری رات ماڈرن گرلز کالج جا پہنچا۔ کہکشاں سے وہاں بھی ملاقات ہوئی اور دو ہی تین گھنٹوں میں وہ اس سے بہت زیادہ گھل مل گئی اور پھر وہ تقریباً روز ہی شہر کی کسی نہ کسی تفریح

گاہ میں ملتے رہے۔ حمید کی دانست میں کہکشاں اسے کریک اور بدھو سمجھتی تھی۔ حمید نے خود کو اسی انداز میں پیش کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج کل سراغ رسانی کے موڈ میں نہیں تھا۔ ویسے وہ کام سے تو ہمیشہ ہی دور بھاگتا تھا۔

فریدی نے کار ایک جگہ روک دی اور حمید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے نیچے اُتر گیا۔ سامنے ہی ایک پبلک کال بوتھ تھا۔ اس نے اس میں داخل ہو کر کچھ نمبروں پر فون کئے اور پھر کار میں واپس آگیا۔

''تم گھبراؤ نہیں۔'' اس نے مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''اب ہم پیراماؤنٹ اسٹریٹ ہی کی طرف جائیں گے۔''

''نہیں مجھے گھبرانے دیجئے۔ گھبرانے سے خون صاف ہوتا ہے۔ صفائی سے مطلب سفیدی نہیں ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار چل پڑی اور حمید بڑبڑاتا رہا۔ ''میرا دل چاہتا ہے کہ اب بچے جننا شروع کر دوں۔ اس طرح کچھ دن تو آرام کا موقع ملے گا۔ ویسے چھٹیاں بھی برباد ہی ہوتی ہیں۔ پچھلی بار چھٹی لی تھی تو ''طاقت'' کا کیس سر پر سوار ہو گیا تھا اور اب یہ۔''

''نہیں پچھلی بار روحی ملی تھی لیکن تفصیح اوقات کا موقع نہ مل سکا تھا اور اس بار کہکشاں کے ساتھ ہی ساتھ گلابوں اور تیروں کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔''

''میں کہتا ہوں آخر آپ خواہ مخواہ ہر معاملے میں کیوں کود پڑتے ہیں۔''

''سنو فرزند! یہ قصہ آج کا نہیں ہے۔ گلابوں کا معاملہ عرصہ سے درپیش ہے۔ جن معاملات کے متعلق مجھے یقین ہوتا ہے کہ ہاتھ لگائے بغیر کام نہیں چلے گا ان کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے اور بعد میں تو سب کچھ ہی سر پر آ پڑتا ہے۔ بہر حال میں عرصہ سے ان گلابوں کی فکر میں تھا۔ مگر یہ تیر بالکل نئی چیز ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہم دونوں ایک رات میں مختلف حالات میں اس سے دوچار ہوئے۔''

''آپ دوچار ہوں گے۔ میں تو چار آٹھ ہو گیا تھا۔ ویسے دل تو یہی چاہا تھا کہ نو دو گیارہ ہو جاؤں مگر اس خیال سے رک جانا پڑا کہ....!''

کار ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی اور حمید کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ داہنی جانب والے موڑ سے اچانک ایک کار سامنے آ گئی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر رکی تھیں۔

دوسری کار ایک عورت ڈرائیو کر رہی تھی۔

حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "دو آدمی بیک وقت مرتے محترمہ۔ آپ اکیلی مرتیں اور ہمیں بالکل افسوس نہ ہوتا۔"

عورت نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ فریدی اپنی کار آگے نکال لے گیا۔

"یہ عورتیں خوب کار ڈرائیو کرتی ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔ "لیکن میں نے آج تک کسی عورت کو تانگہ ہانکتے نہیں دیکھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس پر شائد سوچنے کا دورہ پڑا تھا۔ حمید اُسے "دورہ" ہی کہتا تھا۔

کچھ دیر بعد کار پیر اماؤنٹ اسٹریٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ تیرھویں عمارت کے سامنے فریدی نے کار روک دی۔

عمارت کافی بڑی تھی۔ یہاں پہنچ کر انہیں احساس ہوا کہ عمارت میں فنچ کو تلاش کر لینا آسان کام نہ ہوگا کیونکہ اس کی ساخت بھی شہر کی دوسری کرایہ پر دی جانے والی عمارتوں کی سی تھی۔ اسی عمارت میں کم و بیش پچیس یا تیس فلیٹ ضرور رہے ہوں گے۔

وہ دونوں کار سے اُترے اور فریدی اس بڑے پھاٹک کی طرف بڑھا جس کے اندر والی راہداری سے دونوں طرف اوپری منزلوں کے زینے تھے۔ پھاٹک پر ایک موٹے اور بھدے جسم والا چوکیدار موجود تھا۔

"کیوں! وہ بوڑھا بندر کس منزل پر رہتا ہے۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"بوڑھا بندر....!" چوکیدار نے حیرت سے دہرایا۔ پھر یک بیک ہنس پڑا۔

"پنچ صاحب کو پوچھ رہے ہیں شائد۔" اس نے کہا۔

"ہاں.... فنچ....!"

"پانچویں کے تیسرے میں۔"

فریدی آگے بڑھ گیا۔ پھر جب وہ زینے طے کر رہے تھے حمید بولا۔ "یعنی پانچویں منزل پر.... خدا کی پناہ:.... دم اکھڑ جائے گا۔ ٹھہریئے۔" فریدی رک گیا۔

"آپ اوپر جایئے۔ میں نیچے ہی ٹھہر کر آپ کی واپسی کے لئے دعا کروں گا۔"

"چلو....!" فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر بیک وقت دو تین زینے طے کرا دیئے۔

پہلی منزل کی گیلری میں ایک خوبصورت سی لڑکی نظر آئی۔

"مجھے یہیں رہ جانے دیجئے۔" حمید مغموم آواز میں بولا۔ "میں یہاں سے بھی آپ کے لئے

دعا کر سکتا ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔ خاموشی سے چلتے رہو۔"

حمید نے اس خیال سے قدم بڑھا دیئے کہ کہیں اس خوبصورت لڑکی کے سامنے ہی فریدی اس کی گردن نہ پکڑ لے۔

پانچویں منزل پر پہنچ کر وہ تیسرے فلیٹ کے سامنے رکے۔ دروازہ باہر سے مقفل نہیں تھا۔

فریدی نے دستک دی۔

"بھاگ جاؤ.... ورنہ میں تم پر کتے چھوڑ دوں گی۔" اندر سے کسی عورت کی چنگھاڑتی ہوئی آواز آئی۔ یہ جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا اور وہ یقیناً کوئی کیم شحیم عورت تھی۔ آواز یہی ظاہر کر رہی تھی۔

"ہمیں مسٹر فنچ سے ملنا ہے۔" فریدی نے بڑے شریفانہ لہجے میں کہا۔

"اررر.... ہش!" کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے وہ عورت اپنے رویہ پر متاسف ہو اور پھر دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ ایک لمبی تڑنگی سفید فام عورت انکے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے متحیرانہ انداز میں اپنی پلکیں جھپکائیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اندر تشریف لایئے جناب۔"

کمرے میں معمولی قسم کا فرنیچر تھا۔

"تشریف رکھئے۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ "میں سمجھی تھی پڑوس کے شریر بچے ہیں۔ بہت پریشان کرتے ہیں جناب۔ میں تنگ آگئی ہوں۔ مجھے آج تک بچے بھی شریف نہیں ملے۔ آپ آرام سے بیٹھئے جناب۔ جوانی میں مجھے مشرق سے عشق تھا مگر اب میں سوچتی ہوں کہ آدمی کو قطبین میں بھی سکون نہیں نصیب ہو سکتا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "مسٹر فنچ کہاں ہیں۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسے شرفا فنچ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگ تو تاجر بھی معلوم نہیں ہوتے۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ صرف تاجر ہی قسم کے آدمیوں سے مسٹر فنچ کی جان پہچان ہو۔"

"اگر میں فنچ کو سمجھی ہوں تو یہی ہونا چاہئے۔"

"آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔ ہم لوگ نئے نئے کاروباری دنیا میں داخل ہوئے ہیں۔"

"اور فنچ سے زیادہ جان پہچان بھی نہیں ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔"

"اگر آپ فنچ کو قریب سے جانتے ہوتے تو آپ کو اس کا بھی علم ہوتا کہ وہ گھر پر کبھی نہیں ملتا۔ وہ صرف پیسہ پیدا کرنے کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ ایک ساڑھے چار فٹ کے آدمی سے اس سے زیادہ اور کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ جس کام میں لگے اسی کا ہو کر رہ جائے۔"

حمید اس موٹی عورت کی اس باریک بات پر دنگ رہ گیا۔

"آپ کا مسٹر فنچ سے کیا رشتہ ہے۔" اس نے پوچھا۔

"وہ رشتہ جس کی اہمیت اس کی نظروں میں کچھ بھی نہیں ہے۔ لوگ مجھے مسز فنچ کہتے ہیں۔"

"ہائیں....!" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا پھر اس نے اردو میں یہ مصرعہ پڑھا۔

"کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے"

"جی....!" عورت اُسے گھورنے لگی۔

"مطلب یہ ہے کہ....!"

"میں سمجھتی ہوں مطلب۔ آپ ہمارا مذاق اڑانا چاہتے ہیں۔" عورت مسکرائی۔ "مگر میں اس کی عادی ہو چکی ہوں۔ مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہوگا۔ جب ہماری شادی ہوئی تھی تو ایک لطیفہ بن کر رہ گئے تھے۔"

"مسٹر فنچ سے ملنا بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"گھر حاضر ہے۔ اکثر لوگ فنچ سے ملاقات کرنے کیلئے یہاں پندرہ پندرہ دن قیام کرتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"فنچ کے ملاقاتی عموماً دوسرے شہروں سے یہاں آتے ہیں اپنے سامان سمیت.... فنچ سے ملاقات نہیں ہوتی اور وہ یہیں ٹھہر جاتے ہیں۔ فنچ کو تلاش کرتے ہیں جب وہ مل جاتا ہے تو سامان لے کر وہیں چلے جاتے ہیں جہاں وہ مقیم ہوتا ہے۔ ابھی کل ہی دوپہر کو ایک صاحب آئے تھے سامان رکھ کر جو غائب ہوئے ہیں تو ابھی تک شکل نہیں دکھائی آپ یقین کیجئے کہ ایسے مواقع میں بڑی اذیت میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کئی کئی مہمان یکے بعد دیگرے آجاتے ہیں۔ اس فلیٹ میں صرف تین کمرے ہیں آپ خود سوچئے کہ کس طرح انتظام کیا جاسکتا ہے ایک کمرہ میں نے ایسے لوگوں کے لئے خالی کر دیا ہے۔ وہ آتے ہیں اور فرش پر اپنا بستر جماتے ہیں۔"

"خیر ہم اپنا سامان اسٹیشن ہی پر چھوڑ آئے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو آپ ٹھہریں گے۔" عورت نے بے دلی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ یہ رات تو یہیں گذارنی پڑے گی۔"

"آخر آپ لوگ کسی اچھے ہوٹل میں قیام کیوں نہیں کرتے۔ ذی حیثیت معلوم ہوتے ہیں آپ لوگ۔"

"اب ہم اسے کیا کریں کہ مسٹر فنچ کی ہدایات یہی ہے۔"

"خیر چلئے۔ آپ لوگ تو اپنے بستر بھی نہیں لائے۔ کمرے میں صرف چٹائیاں ہیں۔"

"اوہ.... آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ہم تاجر لوگ ہر قسم کی زندگی کے عادی ہوتے ہیں۔"

عورت انہیں ایک کمرے کے دروازے تک لائی۔ فریدی نے دروازے کو دھکا دیا اور عورت کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہم آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دیں گے۔"

عورت کچھ کہے بغیر واپس جانے کے لئے مڑ گئی۔

دوسری عورت

کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ عورت کے بیان کے مطابق وہاں سچ مچ جوٹ کی چٹائیاں پڑی ہوئی تھیں اور ایک طرف ایک سوٹ کیس اور ایک مختصر سا ہولڈال رکھا ہوا تھا۔ یہ شائد اُسی آدمی کا سامان تھا جو عورت کے بیان کے مطابق پچھلی دوپہر کو یہاں آیا تھا اور غالباً فنچ کو ابھی تک شہر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

فریدی چٹائی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بیٹھو.... فرزند.... بیٹھو.... کسی کا مہمان ہونا بھی کتنی اچھی بات ہے۔ مگر اس شریف عورت نے یہ نہیں بتایا کہ کھانے پینے کی کیا رہے گی میرا خیال ہے کہ اس کی فکر ہمیں ہی کرنی پڑے گی۔"

"آپ سنجیدہ ہیں۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کیا تم نے کبھی کسی موقع پر مجھے غیر سنجیدہ بھی دیکھا ہے۔"

"تو پھر آپ ہی قیام فرمائیے۔ میں اپنے قیام کے لئے کسی یتیم خانے کو ترجیح دوں گا۔"

"بکواس مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔"

"میری پتلون کی فٹنگ اس کی اجازت نہیں دے گی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ چند لمحے خاموشی سے غور و فکر کرتے رہنے کے بعد اٹھا اور دروازہ بند کر کے اس کے شیشوں سے باہر دیکھنے لگا۔

"ادھر آؤ.....!" اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

حمید بُرا سامنہ بنائے ہوئے اسکے پاس پہنچا اور فریدی اس کی گردن پکڑ کر شیشوں کے قریب کرتا ہوا بولا۔ "تم اس عورت پر نظر رکھو۔ میں ذرا اس سوٹ کیس اور ہولڈال کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

حمید نے اپنی ناک شیشے سے لگا دی۔ فریدی جو کچھ بھی کرنے جا رہا تھا حمید اُسے تفصیلی اوقات تو نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں حاصل ہوئے گا۔ ویسے اب اُسے فنچ کی شخصیت اور زیادہ پُر اسرار معلوم ہونے لگی تھی مگر وہ تو اس وقت بھی کہکشاں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جس سے آج ہوٹل نیاگرہ میں ملاقات ہونے کی توقع تھی لیکن اگر فریدی کا پروگرام طویل ہو گیا تو اُسے یہ شام کسی مدقوق کی طرح گذارنی پڑے گی جسے زندگی کی خواہش نہیں رہ جاتی لیکن جینا پڑتا ہے۔

وہ شیشوں سے باہر دیکھتا رہا۔ نزدیک و دور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس نے ایک بار بھی مڑ کر فریدی کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ اس کے ذہن پر صرف کہکشاں مسلط تھی۔ ایک شوخ اور چنچل لڑکی جو اُسے احمق سمجھتی تھی اور اس کی کسی بات کا بُرا نہیں مانتی تھی۔

تقریباً دس منٹ بعد اس نے فریدی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "اب واپس آ جاؤ۔"

حمید اس کی طرف دیکھے بغیر مڑا اور آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔

"کیا ہو گیا تمہیں۔" اس نے پوچھا۔

"مجھے جاسوسی جھٹکا ہو گیا ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر دردناک آواز میں کہا۔

"ہم یہاں صرف پندرہ منٹ اور ٹھہریں گے۔ مطمئن رہو۔" فریدی بولا۔

"اگر آپ مجھے پانچ بجے تک چھٹی دے دینے کا وعدہ کریں تو میں آگ کے سمندر میں بھی چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں تھا اور نظریں اسی کاغذ پر تھیں۔ حمید نے اس کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ کی مسکراہٹ دیکھی جو فوراً ہی غائب بھی ہو گئی اس کی انگلیوں کے درمیان ایک لفافہ بھی دبا ہوا تھا۔ یہ خط اسی سوٹ کیس سے برآمد ہوا تھا۔

"خدا ان لڑکیوں کو عقل دے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"سب کو نہیں..... ورنہ میرا کیا حشر ہو گا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"ذرا یہ خط دیکھو۔" فریدی نے خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ خط کسی شہلا نے کسی تنویر کے نام لکھا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ وہ اس کی تصویر واپس کر رہی ہے۔ اس کی بیوفائی اور لاپرواہیوں کی بناء پر اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اس کی تصویر واپس کر دے اور بھی بہتیرے اقسام کے شکوے تھے۔

"کیا ان صاحبزادے کی تصویر بھی ہے لفافے میں۔" حمید نے پوچھا۔

"ہے۔" فریدی نے لفافہ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

حمید نے لفافے سے تصویر نکالی اور دفعتاً لفافہ اور تصویر دونوں ہی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ پڑے۔

"کیوں.... کیا بات ہے۔"

"یہ.... یہ آدمی۔"

"کیا تم اسے پہچانتے ہو۔"

"اچھی طرح۔ مجھے یقین ہے اس معاملے میں میری یادداشت مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔"

"یہ کون ہے۔ خواہ مخواہ بات نہ بڑھاؤ۔"

"یہ وہی آدمی ہے جو پچھلی رات مجھے ہوٹل میں ملا تھا۔"

"اوہ...!" فریدی نے جھک کر لفافہ اور تصویر فرش سے اٹھا لئے۔ اسکی پیشانی پر سلوٹیں تھیں۔ وہ لفافہ کی تحریر اور خط کی تحریر کا موازنہ کرنے لگا۔ پھر ان سب کو جیب میں ٹھونستا ہوا بولا۔ "چلو.... اب ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔"

وہ دونوں کمرے سے نکلے۔ آگے راستہ نہیں تھا کیونکہ راہداری سے گذرے بغیر وہ باہر نہیں نکل سکتے تھے اور راہداری کا دروازہ دوسری طرف سے بند کر لیا گیا تھا۔

فریدی نے دروازہ تھپتھپایا۔ دوسری طرف سے جلد ہی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر دروازہ کھلا۔ موٹی عورت کے چہرے پر اس وقت خوش اخلاقی کے آثار نہیں تھے۔

"کیوں کیا بات ہے۔" اس نے خشک اور کھردرے لہجے میں پوچھا۔

"اوہ.... آپ کو تکلیف ہوئی۔" فریدی اظہار افسوس کرتا ہوا بولا۔ "ہم نے سوچا کہ ہمیں اس طرح بیکار بیٹھنے کی بجائے مسٹر فنچ کو تلاش کرنا چاہئے۔"

عورت زبان سے کچھ کہے بغیر ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ دونوں فلیٹ سے باہر آئے۔ زینوں پر حمید بولا۔ "اب کہاں۔"

"اگر لفافے پر لکھا ہوا پتہ غلط نہیں ہے تو ہم اس تنویر کی اصل جائے قیام تک تو پہنچ ہی سکتے ہیں۔ اس نے تم سے یہی تو کہا تھا کہ اسکے پاس چند خطرناک آدمیوں کے خلاف بعض ثبوت ہیں۔"

"اوہ.... ہاں.... اس نے یہی کہا تھا اور وہ سارے ثبوت اس کے گھر ہی پر کہیں چھپا کر رکھے گئے ہیں۔"

"بس تو پھر ہم وہیں جا رہے ہیں۔"

"کیا آپ کو کامیابی کا یقین ہے۔"

"ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ثبوت ان لوگوں کے ہاتھ لگ ہی گئے ہوں۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "کیا اس سوٹ کیس میں اور کچھ نہیں ملا۔"

"ہاں.... ایک چیز اور ملی ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دی۔ وہ لوگ نیچے پہنچ چکے تھے۔

کار پھر چل پڑی۔ حمید اس ڈبیہ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اسے کھول ڈالا اور اس کی مایوسی کی انتہا نہ رہی۔ وہ سمجھا تھا کہ اس ڈبیہ میں یقیناً کوئی عجیب و غریب چیز ہوگی مگر لوہے کی وہ چھوٹی نلکی اُسے نہ تو عجیب معلوم ہوئی اور نہ وہ یہی سمجھ سکا کہ فریدی نے اُسے اتنی اہمیت کیوں دی ہے۔ اس چیز سے زیادہ اس کے بارے میں فریدی کا رویہ عجیب تھا۔

"یہ کیا بلا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔" فریدی نے جواب دیا۔

"لیکن اسکی اہمیت کا احساس کئے بغیر آپ نے اسے سوٹ کیس سے نکالنا کیوں ضروری سمجھا۔"

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ کتنی احتیاط سے اس ڈبیہ میں رکھی گئی ہے۔"

"محض اسی بناء پر آپ نے اسے سوٹ کیس سے نکال لیا۔"

"محض اسی بناء پر....!"

"فرض کیجئے یہ محض حماقت نکلے تو۔"

"تو میرا کیا نقصان ہوگا۔ میں اسے اٹھا کر سڑک پر پھینک دوں گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ پھر بولا۔ "کیا تم نے اس کی بناوٹ پر غور نہیں کیا۔"

"فی الحال میں اپنی کھوپڑی کی بناوٹ پر غور کر رہا ہوں۔"

"کسی نتیجے پر پہنچنے کا امکان ہے۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"یہی کہ اگر میں اس کو سو سے ضرب دے دوں تو حاصل ضرب کچھ آئے گا بھی یا نہیں۔"

"حاصل ضرب ہوگا گوبر کا ڈھیر۔"

"آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

"تمہاری کھوپڑی میں گوبر یا بھس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"خیر.... ہوگا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

فریدی راہ میں ایک جگہ پھر فون کرنے کے لئے اُترا۔ پبلک فون بوتھ میں اس نے تقریباً دس منٹ صرف کئے اور پھر کار میں واپس آ گیا۔

"کئی خبریں ہیں حمید صاحب۔" اس نے مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"میں پوری طرح دلچسپی لے رہا ہوں کیونکہ پانچ بجے تک مجھے رہا کر دینے کا وعدہ کر چکے ہیں۔"

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "وہ سنتری مل گیا ہے جس کی ڈیوٹی پچھلی رات اس سفیر کی قیام گاہ پر تھی۔ اس کا بیان ہے کہ وہ ڈیوٹی پر جانے کے لئے ارجن پورے کی ایک تاریک گلی سے گذر رہا تھا کہ کسی نے اس کے سر پر کسی وزنی چیز سے حملہ کیا اور آج صبح اس نے خود کو منٹو پارک میں بیہوش پڑا پایا۔ اس کے سر پر گہرا زخم ہے۔"

"کیا سفارت خانہ کی طرف سے رپورٹ بھی نہیں کی گئی کہ سنتری ڈیوٹی پر نہیں پہنچا۔" حمید نے سوال کیا۔

"یہ بھی ایک عجیب دلچسپ بات ہے۔ آٹھ بجے ڈیوٹی تبدیل ہونی تھی۔ آٹھ بج کر پانچ منٹ تک صبح کی ڈیوٹی والے سنتری نے اس کا انتظار کیا تھا پھر اس کے بعد وہ سفیر کے پرسنل سیکریٹری سے آٹھ بج کر پانچ منٹ کی روانگی پر دستخط لے کر چلا گیا تھا۔ سیکریٹری نے آٹھ بج کر دس منٹ پر کوتوالی فون کیا کہ رات کی ڈیوٹی والا سنتری ابھی تک نہیں پہنچا۔ مگر کوتوالی والوں نے لاپروائی برتی اس کے خلاف رپورٹ تو درج کر لی گئی لیکن پھر سفارت خانہ سے نہیں پوچھا گیا کہ سنتری پہنچا یا نہیں۔ وہ لوگ صرف اس خیال میں رہے کہ وہ کسی وجہ سے دیر میں پہنچا ہوگا لہٰذا اس سے جواب طلب کر لیا جائے گا۔"

"سفارت خانہ سے بھی پھر فون نہیں کیا گیا۔"

"نہیں....؟"

"کیا یہ بات قابل اعتراض نہیں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی ہے لیکن اس کے لئے بھی جواز پیش کر دیا گیا ہے۔ پرسنل سیکریٹری آج صبح تک کسی نشہ آور دوا کے اثر سے بیہوش پڑا رہا ہے۔"

"یعنی.... جس نے اس سنتری پر حملہ کیا....!"

"ہاں.... بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حرکتیں ایک ہی آدمی یا گروہ کی ہیں۔ ایک طرف انہوں نے سنتری کو ڈیوٹی پر جانے سے روکا اور دوسری طرف پرسنل سیکریٹری کو کوئی خ آور دوا دے دی کہ وہ صبح تک غفلت میں پڑا رہے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سنتری کی غیر حاضری کی اطلاع دوبارہ نہ دے سکے۔"

"پھر بھی سفیر کیلئے کئی ایسے سوالات تیار کئے جا سکتے ہیں جن کا جواب دینے پر وہ مجبور ہوگا۔"

"ضروری نہیں ہے وہ ہر بات پر اپنی لاعلمی اور حیرت ظاہر کر سکتا ہے اور اُسے ان سوالات کے جواب پر مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ سب کچھ سنتری کی عدم موجودگی میں ہوا تھا ارے بھئی وہ تو ابھی تک اس حیرت انگیز لاش پر سر پیٹ رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ان واقعات پر حیرت کے عالم میں پاگل بھی ہو سکتا ہے۔"

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ نے ان واقعات کی روشنی میں کیا رائے قائم کی ہے۔"

"میری رائے.... ابھی میں اپنی رائے نہیں قائم کرتا۔ ویسے یہ سب کچھ دو مختلف گروہوں کے تصادم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔"

"اور سفارت خانہ اس میں سے ایک پارٹی ہے۔"

"یہی خیال ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑا کر رہ گیا۔ پھر بولا۔ "ہاں.... ارجن پورے میں ایک عورت کی لاش بھی ملی ہے جسے ابھی شناخت نہیں کیا جا سکا۔ میں نے فنگر پرنٹ سیکشن کے اس آدمی کو لاش دیکھنے کے لئے فون کیا ہے جس نے شیلا کی لاش شناخت کی تھی اور مسز گپتا کی پڑوسن کو بھی کوتوالی بلوایا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مسز گپتا ہی کی لاش ہو۔"

حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"میں لاشیں دیکھتے دیکھتے اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ کار سے کود جاؤ۔ میں جواب دہی کر لوں گا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے پشت گاہ سے ٹک کر آنکھیں بند کر لی تھیں اور سنجیدگی سے مسئلے پر غور کر رہا تھا کہ کیوں نہ اس پیشے سے دستکش ہی ہو جائے۔ دن رات لاشیں دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ ہمہ وقت لاشوں کے تذکرے سنتے سنتے کان پک گئے تھے۔

فریدی کی کار تیزی سے فرّاٹے بھرتی رہی اور حمید اونگھتا رہا۔ جوزف لین کی عمارت کے

سامنے اس نے کار روک دی۔

یہ عمارت بھی کافی بڑی تھی اور اس میں بھی بے شمار فلیٹ تھے۔ فریدی نے ایک بار پھر جیب سے لفافہ نکالا اور اس پر لکھے ہوئے پتہ پر نظر ڈال کر کار سے اُتر گیا۔

وہ دونوں کچھ دیر بعد اسی فلیٹ کے سامنے کھڑے تھے جہاں انہیں پہنچنا تھا۔ دروازے پر ایس تنویر کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی مگر دروازہ مقفل تھا۔ فریدی نے چاروں طرف دیکھا۔ پوری گیلری سنسان پڑی تھی۔

"کیوں! کیا ارادہ ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"قفل کھولنا ہے۔"

"دن ہے۔ جناب کرنل صاحب۔ رات نہیں۔ کیا آپ کے پاس خانہ تلاشی کا وارنٹ ہے۔"

"میں خود وارنٹ ہوں۔" فریدی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ قفل پر جھکا ہوا تھا۔ قفل کھولنے کے اس باریک سے اوزار کی مدد سے جو اس کی جیب میں ہر وقت پڑا رہتا تھا اس نے ایک منٹ کے اندر ہی اندر قفل کھول لیا۔

وہ دونوں اندر داخل ہوئے اور فریدی نے دروازہ بند کر لینے میں دیر نہیں لگائی۔

وہ فلیٹ نہیں کباڑ خانہ معلوم ہوتا تھا۔ چاروں طرف چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ صندوق کھلے ہوئے تھے اور ان میں رکھی ہوئی اشیاء فرش پر ڈھیر تھیں۔ الماریوں کے دروازے ٹوٹے ہوئے تھے۔ غرضیکہ مکمل ابتری اور بدنظمی کا نقشہ تھا۔

"اگر تم نے تنویر کی مدد کی ہوتی....!" فریدی بڑبڑا کر رہ گیا۔

وہ متجسسانہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس نے کسی چیز میں بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ یہ فلیٹ فنچ کے فلیٹ سے زیادہ بڑا تھا۔ اس میں چار کمرے تھے۔ کبھی یہ اچھی طرح آراستہ بھی رہا ہوگا۔ مگر اب تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی شیشہ گر کی دوکان میں کوئی بیل گھس کر تباہی پھیلا گیا ہو۔

ان کمروں کی ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ تین کمرے ایک لائن میں آ گئے تھے اور دوسری طرف ان سے متوازی ایک بڑا کمرہ تھا۔ دونوں سلسلوں کے درمیان ایک طویل کاریڈر تھا۔ بڑے کمرے کے ساتھ کچن اور باتھ روم تھے۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر انہوں نے پورا فلیٹ دیکھ ڈالا۔ لیکن انہیں اس کا کوئی حصہ ایسا نہیں ملا جس میں ابتری نہ نظر آئی ہو۔

پہلی بار فریدی نے فلیٹ پر ایک سرسری نظر ڈالی تھی اور اب پوری توجہ سے ایک کمرہ دیکھ

رہا تھا۔ کبھی وہ فرش پر جگہ جگہ پیر مارتا اور کبھی دیواریں تھپتھپانے لگتا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک اس کا سلسلہ جاری رہا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

"نہ جانے آپ کس دھن میں ہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "آپ کس بناء پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ چیزیں جن کا حوالہ تنویر نے دیا تھا اب بھی یہاں موجود ہوں گی۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی یہیں موجود ہیں۔"

"خیر....!" حمید نے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ "تلاش کیجئے۔ میں یقین کی وجہ بھی نہیں پوچھوں گا۔"

"وجہ میں تم سے پوچھوں گا۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"مجھ سے.... کیوں؟ کیا میں آپ کو یہاں لایا تھا۔"

"نہیں میں تمہیں یہاں لایا تھا۔ مگر اس لئے نہیں لایا تھا کہ تم کسی کمیاب نسل کے مینڈک ہو اور میں تمہیں کسی مرتبان کی زینت بنانا چاہتا ہوں۔"

حمید بیزاری سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔

فریدی پھر بولا۔ "میں تمہیں اس لئے لایا تھا کہ تم سے اپنے اس یقین کی وجہ پوچھوں اور تمہیں وجہ بتانی پڑے گی۔"

"میں آپ کی طرح اجناء کی نسل سے نہیں ہوں۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ وجہ تمہیں ہی بتانی پڑے گی کیونکہ وجہ تمہیں صاف نظر آرہی ہے۔ اندھے نہیں ہو۔"

حمید نے اُسے غور سے دیکھا اس کی آنکھیں خش مگین نظر آرہی تھیں۔ بالکل اسی اسکول ماسٹر کی آنکھوں کی طرح جس کے کسی شاگرد نے پچھلا سبق بھلا دیا ہو۔

حمید نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا۔ چند لمحے سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

"بے شک آپ کا خیال درست ہے۔"

"کیوں؟"

"یہ ابتری یہی ظاہر کرتی ہے۔ اگر مجھے اس فلیٹ کی ایک چیز بھی اپنی جگہ پر نظر آتی تو میں کہہ سکتا تھا کہ وہ ان چیزوں کو پالینے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔"

"گڈ....!" فریدی نے چٹکی بجائی۔ "تمہیں جو گاؤدی سمجھے وہ خود گاؤدی ہے۔ بس برائی یہ ہے کہ تم تن آسانی کی تلاش میں اپنی ذہانت کا خون کررہے ہو۔"

"شکریہ....!"

"اب آؤ.... میں تمہیں وہ جگہ دکھاؤں جہاں وہ چیزیں ہوسکتی ہیں۔"

"کیا مطلب.... یعنی.... کہ آپ کو جگہ بھی معلوم ہوگئی ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ میرا خیال درست ہو۔ یہ صرف خیال ہے۔ دعویٰ نہیں۔"

وہ اس حصے میں آئے جہاں کچن اور باتھ روم تھے۔ فریدی کچن کے دروازے پر رک کر چوکھٹ کے داہنے بازو پر جھک گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے سوراخ میں کچھ دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے جیب سے وہی باریک سا اوزار نکالا جس سے بیرونی قفل کھولا تھا اور اسے سوراخ میں ڈال کر گردش دینے لگا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔

"کیوں وقت برباد کررہے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"بس دیکھتے رہو۔ اب میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ چیزیں یہیں ملیں گی۔"

اس نے اوزار جیب میں ڈال لیا اور پر کوئی دوسری چیز اس سوراخ میں ڈالی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہلکا سا کھٹکا ہوا اور دیوار میں چوکھٹ کے قریب ہی ایک دو فٹ لمبی اور تقریباً ایک بالشت چوڑی خلاء نظر آنے لگی۔

حمید نے حیرت سے فریدی کی طرف دیکھا مگر کچھ بولا نہیں۔ اس خلاء میں اُسے بہتیری چیزیں نظر آئیں۔ جڑاؤ زیورات، بڑے نوٹوں کی کئی گڈیاں کچھ خطوط اور ایک تیر۔"

فریدی نے تیر اس میں سے نکال لیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ حمید دوسری چیزیں الٹنے پلٹنے لگا تھا۔ اس نے وہ خطوط نکال لئے جو بڑی احتیاط سے رکھے ہوئے تھے۔ اور پھر انہیں پڑھنے میں اتنا محو ہوگیا کہ فریدی کی موجودگی کا احساس بھی نہ رہا۔

"یہ سب کیا ہے؟" کچھ دیر بعد اس نے فریدی کی آواز سنی اور چونک پڑا۔

"اوہ.... یہ تنویر.... غالباً بلیک میلر بھی تھا۔ یہ مختلف لڑکیوں کے خطوط مختلف آدمیوں کے نام ہیں۔"

"انہیں الگ پھینکو۔ میرے لئے بیکار ہیں۔ یہیں رکھ دو۔"

حمید نے ان خطوط کو اسی خلاء میں رکھ دیا اور فریدی نے جیسے ہی اپنی انگلی اس سیاہ سی چیز پر رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دیوار برق کی سی سرعت کے ساتھ برابر ہوگئی۔ اب حمید نے غور سے اس چیز کو دیکھا تو یہ وہی لوہے کی نلکی تھی جو فریدی کو تنویر کے سوٹ کیس میں ملی تھی۔ فریدی نے اسے سوراخ سے نکال کر جیب میں ڈال لیا۔

"یہ تیر.....!" فریدی جلدی سے بولا۔ "دیکھو خبردار اس کی نوک سے ہوشیار رہنا۔ اس پر ڈاکٹر ڈریڈ تحریر ہے۔ مگر یہاں ڈاکٹر کا کیا کام۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ۔" حمید پیشانی پر شکنیں ڈال کر بڑبڑایا۔ "یہ نام تو کچھ سنا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔"

"شمالی امریکہ کا خطرناک ترین آدمی۔ زہروں کا ماہر۔ پندرہ سال سے وہاں کی پولیس اس کے چکر میں ہے لیکن اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکی۔"

حمید خاموشی سے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"پھنس گئے۔ بُری طرح پھنس گئے دلدل میں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ تیر کا پھل دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی۔

"اندر کون ہے۔" ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ حمید دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"ٹھہرو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ پھر پنجوں کے بل آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے تک گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ ایک رخنے سے باہر جھانک رہا ہے۔ دروازہ برابر پیٹا جا رہا تھا۔ پھر کسی نے چیخ کر کہا۔ "اندر چور ہے۔"

فریدی فوراً ہی حمید کی طرف مڑ گیا اور اسے بھی اشارہ کیا کہ وہ اپنی پشت دروازے کی طرف کرلے۔ باہر شور بڑھتا جا رہا تھا اور "چور چور" کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ فریدی نے حمید دوسرے کمرے کیطرف کھینچا۔ وہ اس وقت راہداری میں تھے۔ راہداری سے بڑے کمرے میں مڑ گئے۔

"یہ کیا مصیبت آ گئی۔" حمید بڑبڑایا۔

"فکر مت کرو۔ پولیس آئے گی۔"

"مگر اس سے پہلے ہی ہماری کافی آؤ بھگت ہو جائیگی۔ میرا خیال ہے کہ مجمع بڑھتا جا رہا ہے۔"

"مت سوچو۔ اس کے متعلق کچھ مت سوچو۔ ابھی ایک دلچسپ واقعہ پیش آئے گا۔"

"وہ یقیناً دلچسپ ہوگا۔ اخبارات کے لئے..... خصوصیت کے ساتھ کتنی شاندار سرخیاں ہوں گی۔ محکمہ سراغ رسانی کے دو آفیسر چوروں کے دھوکے میں پٹ گئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اچھی بات ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں تو گولی مار دوں گا ایک آدھ کو۔"

"شائد اس کی ضرورت نہ پیش آئے کیونکہ وہ پولیس کو ضرور طلب کریں گے۔ پو

پرنسٹن کے تھانے ہی سے آئے گی۔"

"مگر ہم قانونی طور پر یہاں نہیں داخل ہوئے۔"

"جس نے بھی دروازے پر دستک دے کر چور چور کا شور بلند کیا ہے صحیح آدمی نہ ہوگا۔"

"ممکن ہے وہ تنویر کا کوئی عزیز ہو۔"

"اچھا..... مگر اُسے یہ کیا معلوم کہ تنویر کے علاوہ اور کوئی ہو سکتا ہے۔ اگر معلوم ہے کہ تنویر مر چکا ہے تو اُسے کم از کم پولیس کو تو اطلاع دینی ہی چاہئے تھی۔ کیونکہ پولیس کو کسی ایسے آدمی کی تلاش ہے جو تنویر کی لاش شناخت کر سکے۔"

"ارے جب ہاتھ اٹھ جاتے ہیں لوگوں کے تو منطق اور فلسفہ سب دھرا رہ جاتا ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "وہ نادانستگی میں ہمیں پیٹ دیں گے اور ہم کچھ کر بھی نہ سکیں گے۔"

"بیٹھو خاموشی سے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔" حمید ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ تقریباً بیس منٹ گذر گئے۔ اب باہر سے آوازیں بھی نہیں آرہی تھیں۔

بڑے کمرے سے وہ پھر راہداری میں آئے۔ باہر سناٹا تھا۔ فریدی پنجوں کے بل دروازے تک گیا اور پھر مڑ کر آہستہ سے بولا۔

"عجیب بات ہے۔ اب یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔"

"خدا کا شکر ہے۔ عجیب بات کیوں۔"

"شائد میں دھوکا کھا گیا۔"

"گھونسہ کھانے سے بہتر ہے خدا کرے آپ دھوکا کھا گئے ہوں۔"

فریدی نے اس تیر کو پرانے اخبار میں لپیٹ لیا تھا اور اب اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلے گا۔

اس نے یہی کیا بھی۔ دوسرے لمحے میں وہ باہر گیلری میں کھڑے ہوئے تھے اور یہ گیلری پہلے ہی کی طرح ویران نظر آ رہی تھی۔ فریدی نے جھک کر قفل لگایا۔ حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے خوف تھا کہ کہیں کسی طرف سے لوگ ٹوٹ نہ پڑیں۔ لیکن ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا تھا۔

فریدی نے آگے بڑھ کر تنویر کے پڑوسی کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر آیا۔

"فرمایئے جناب۔"

"ابھی یہاں کہیں چور چور کا شور بلند ہوا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ.... جناب....!" وہ آدمی ہنس کر بولا۔ "کوئی بات نہیں تھی۔ محض غلط فہمی۔"

"غلط فہمی کا کیا مطلب۔"

"اندر سے کھڑبڑاہٹ سن کر دو آدمی دستک دے رہے تھے اور پھر کوئی جواب نہ پا کر انہوں نے چور چور کا شور مچا دیا۔ لوگ اکٹھا ہو گئے۔ پھر ایک تیسرا آدمی آیا۔ اس نے ہنس کر کہا کوئی بات نہیں اندر تنویر صاحب کے چچا ہوں گے۔ جن کے کان بالکل بیکار ہیں۔ وہ اس وقت تک نہیں سن سکتے جب تک کہ آلہ سماعت نہ استعمال کریں۔ وہ دونوں آدمی جو دستک دے رہے تھے بڑ ہوئے چلے گئے۔"

اوہ.... لاحول ولا قوۃ۔ مگر یہ تنویر صاحب کہاں ہیں۔"

"پتہ نہیں جناب۔ یہ بتانا بڑا مشکل ہے۔"

"خیر معاف کیجئے گا۔" فریدی کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

"آپ نے کیا سوچ رکھا تھا جناب والا۔" حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"کچھ نہ پوچھو.... کچھ بھی نہ ہوا.... خیر.... میں سمجھا تھا کہ وہ پولیس کی مدد ضرور حاصل کریں گے۔"

"تو اس سے کیا ہوتا۔"

"اپنا داخلہ غیر قانونی تھا۔ اس صورت میں انہیں لوگوں کی گردن لیتا اور پھر اس داخلے کی حیثیت غیر قانونی نہ رہ جاتی۔"

"آپ کی دانست میں وہ لوگ کون تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"یا تو وہ لوگ جو اس تیر کی تلاش میں تھے یا پھر وہ لوگ تنویر کی پارٹی سے تعلق رکھنے والے ہوں گے۔"

"تنویر کی بھی کوئی پارٹی ہو سکتی ہے۔"

"کیوں نہیں وہ تو صاف ظاہر ہے۔ فنچ کے یہاں تنویر کا سامان پہنچنے کا کیا مطلب ہو ہے۔ وہ صریحاً فنچ کی پارٹی سے تعلق رکھتا تھا اور فنچ لازمی طور پر سفارت خانے سے متعلق ہے۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان کسی بناء پر ٹھن گئی ہے۔"

وہ عمارت سے باہر آئے اور حمید نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "پانچ بجنے میں صرف آ

گھنٹہ اور باقی ہے۔"

"اوہ.... دفع ہو جاؤ۔"

"دفع کہاں ہو جاؤں۔ ذرا مجھے آر لکچو کے سامنے اتار دیجئے گا۔" حمید کار میں بیٹھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو.... میں ذرا فون کروں گا۔" فریدی نے کہا اور ایک دوا فروش کی دوکان کی طرف بڑھا۔ حمید کار میں بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ اب وہ صرف کہکشاں کے متعلق سوچ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔ سیٹ پر بیٹھتے وقت اس نے ایک طویل سانس لی۔

"ان ظالموں نے ایک اچھے گواہ کا خاتمہ کر دیا۔"

"کیا مطلب۔"

"شیلا کی بہن مسز گپتا۔"

"اوہ تو وہ لاش اسی کی تھی۔"

"ہاں....!"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ تارا نائیڈو کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔"

"اسے مت چھیڑنا.... بلکہ اس کی طرف رخ بھی نہ کرنا۔ ہو سکتا ہے کھیل بگڑ جائے۔ سفارت خانہ سے تعلق رکھنے والے سارے مجرم میری نظر میں ہیں۔"

"تارا نائیڈو بھی۔"

"ہاں وہ بھی.... آج سے نہیں بہت دنوں سے۔"

"پھر انتظار کس بات کا ہے۔"

"ثبوت.... تم جانتے ہو کہ ثبوت فراہم کئے بغیر میں کوئی اقدام نہیں کرتا۔"

"کیا آپ نے لیڈی انسپکٹر ریکھا کو گلاب والی لڑکی بنا کر ثبوت نہیں فراہم کیا۔"

"وہ کچھ بھی نہیں ہے حمید صاحب۔ اس سلسلے میں ان پر کوئی بڑا چارج نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ لوگ یہ کہہ کر واقعات کو دوسرا رنگ دے سکتے ہیں کہ ان کا پیشہ لڑکیاں سپلائی کرنا ہے۔ وہ سفارت خانہ والوں کے لئے لڑکیاں مہیا کرتے ہیں۔"

"مگر اس کے لئے اتنا پیچیدہ طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سوال بھی تو کیا جا سکتا ہے۔"

"تارا نائیڈو اس کا جواب بھی دے سکے گی۔"

"کیا جواب دے سکے گی۔"

"کچھ بھی کہہ سکتی ہے۔ بہرحال عدالت میں طریقہ کار زیر بحث نہیں آسکتا۔ ایسی صورت میں جب کہ وہ اعتراف ہی کرلیں کہ وہ لڑکیوں کا کاروبار کرتے ہیں۔"

"مگر جناب.... وہ لاش.... سفارت خانہ اس لاش کے متعلق کیا کہے گا۔"

"یہی کہہ سکتا ہے کہ جو لوگ لڑکیاں لاتے تھے کوئی ان کی تاک میں تھا اور اس نے منتقمانہ کاروائی کی تھی۔"

"اچھا.... اچھا.... آپ ثبوت تلاش کیجئے۔ میں سکون کی تلاش میں جارہا ہوں۔"

"قبر کی تلاش کہو۔"

"قبر ہی سہی۔ آپ نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ عورت ہی جنم دیتی ہے اور عورت ہی قبر بنتی ہے۔"

"اور تم جیسے لوگ عقل کے اندھے کہلاتے ہیں۔"

"کہلاتے ہوں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔

فریدی نے پھر کچھ نہیں کہا۔ حمید کی یہ حرکتیں اس کے لئے نئی نہیں تھیں اور اب وہ ا مسئلے پر شاذونادر ہی گفتگو کرتا تھا لیکن جب حمید کام کے وقت بھی اپنی مصروفیات کو خیرباد کہنے تیار نہیں ہوتا تھا تو اسے غصہ آہی جاتا تھا۔ مگر آج نہ جانے کیوں اس نے اُسے آرلکچنو کے پھاٹ پر اتار ہی دیا۔

حمید نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا۔ ٹائی کی گرہ درست کی اور گھڑی پر نظر ڈ ہوا آرلکچنو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوگیا۔ کہکشاں نے ٹھیک پانچ بجے یہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ہال میں موجود تھی۔ حمید کو دیکھ کر اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں مسکرائی بالکل اسی طر جیسے اسے بہت حقیر سمجھتی ہو یا کوئی معمر آدمی کسی بچے کو دیکھ کر مسکرائے۔

"ہلو....!" حمید اسی میز پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بدھو کے معنی سمجھتی ہو۔"

"یہ لفظ بجائے خود اتنا پیارا ہے کہ معنی پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"لاطینی میں شوہر کو کہتے ہیں۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"آج عقلمندوں کی طرح بول رہے ہو۔ کیا بات ہے۔"

"آج مجھے احساس ہوا ہے کہ میں واقعی الو ہوں۔"

"لیکن اس احساس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"میں ایسی ہی باتیں کرسکتا ہوں جیسی اس وقت کررہا ہوں۔ ابھی ابھی میں ایک کتاب کر آرہا ہوں جس میں لکھا ہوا تھا کہ عورتوں سے اکڑ کر رہنا چاہئے۔"

"خوب....!" کہکشاں مسکرائی۔ "مگر تم اکڑے ہوئے نظر نہیں آتے۔"

"واہ.... تم کیا جانو.... یہ مطلب تھوڑا ہے کہ جسم اکڑائے رہنا چاہئے۔" حمید احمقانہ انداز میں ہنسا۔

"پھر....!"

"مطلب یہ کہ.... بس.... اکڑنا.... یعنی کہ.... کس طرح سمجھاؤں۔"

"نہ سمجھاؤ۔ لیکن اپنے متعلق ضرور بتاؤ کہ تم کیا کرتے ہو۔ کہاں رہتے ہو۔ ذریعہ معاش کیا ہے۔"

"کیوں.... یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہی ہو۔"

"واہ.... یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہم اتنے گہرے دوست ہیں اور ایک دوسرے کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

"نہ جاننا ہی اچھا ہوتا ہے ورنہ عموماً بڑی کوفت ہوتی ہے۔"

"کیوں! کوفت کیوں ہوتی ہے۔"

"بس ختم کرو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اگر اس سلسلے میں کچھ اور بتاؤں گا تو تم مجھے زیادہ اُلو سمجھو گی۔"

"میں نہیں سمجھوں گی۔ آخر تم چھپاتے کیوں ہو کہ تم کون ہو۔"

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"خیر نہ بتاؤ۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ تم مجھ سے بہت کچھ چھپاتے ہو۔"

"یقیناً چھپاتا ہوں۔ مجھے اس سے انکار کب ہے۔ میں تم سے یہی چھپاتا ہوں کہ میرا نام عبدالقدوس ہے۔"

"ہائیں.... تو اس معاملے میں بھی تم جھوٹ ہی بولے تھے۔ تم نے اپنا نام جمیل بتایا تھا۔"

"جمیل تو تخلص ہے۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ لوگ مجھے جمیل چڑچڑالوی کہتے ہیں۔"

"چڑچڑالوی کیا بلا ہے۔"

"تم خود ہوگی بلا.... چڑچڑالوی کیوں ہو۔ بس اسی لئے تو میں عورتوں سے دور بھاگتا ہوں۔ یہ کیا ہے.... وہ کیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا۔ ویسا کیوں ہوا۔"

"میں تمہارا گھر دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"گھر بھی میں نہیں دکھا سکتا۔"

"ہاں! میں جانتی ہوں کہ کوئی بہت بڑے آدمی ہو۔ مگر پُراسرار۔"

"کیوں یہ تم کس بناء پر کہہ رہی ہو۔"

"میں نے تمہیں کئی بار ایک ایئر کنڈیشنڈ لنکن گاڑی میں دیکھا ہے۔" کہکشاں نے کہا۔ "شہر میں شائد پانچ یا چھ لنکن گاڑیاں ہوں۔"

"ہو سکتا ہے میں کسی بڑے آدمی کا موٹر ڈرائیور ہوں۔"

"موٹر ڈرائیور اتنے قیمتی سوٹوں میں نہیں رہتے۔ میں تمہیں ہر بار نئے سوٹ میں دیکھتی ہوں"

"چھوڑو.... ختم کرو۔ اس قصے کو۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "نہ تمہیں فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ مجھے۔"

حمید نے پائپ میں تمباکو بھر کر اُسے میز پر رکھ دیا۔ چند لمحے خالی خالی نظروں سے سامنے دیوار کی طرف دیکھتا رہا پھر پائپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "لو....!"

"میں کیا کروں۔" کہکشاں حیرت سے بولی۔

"پیئو....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

کہکشاں ہنسنے لگی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ارے واہ....!"

"اس جملے کے کیا معنی ہوئے۔" حمید نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

کہکشاں ہنسنے لگی۔

"کرسی اٹھا کر پٹخ دوں گا تمہارے سر پر۔ میں پوچھتا ہوں پائپ پینے میں کیا حرج ہے۔"

"عورتیں پائپ نہیں پیتیں۔"

"پینا پڑے گا عورتوں۔" حمید میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ "عورتوں کی فوج بن سکتی عورتیں ڈپٹی کلکٹر ہو سکتی ہیں۔ عورتیں طیارے اڑا سکتی ہیں۔ عورتیں رائفل چلا سکتی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ عورتیں پائپ نہ پئیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تم مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو میں تمہیں حقہ تک پلا چھوڑوں۔"

"آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔" کہکشاں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"آج مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میں واقعی اُلو ہوں۔" حمید نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"اچھا میں جا رہی ہوں۔ اب تم سے نہیں ملوں گی۔"

"مجھے تمہارا گھر معلوم ہے۔"

"نہیں میں کسی اُلو سے ملنا پسند نہیں کرتی۔"

"اچھا.... میں عہد کرتا ہوں کہ قبر تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

ان دونوں میں نو بجے رات تک اوٹ پٹانگ قسم کی بحثیں ہوتی رہیں۔ پھر وہ ریکریشن ہال میں جانے کے لئے اٹھے تھے کہ حمید کو سارجنٹ رمیش نظر آیا۔ وہ اُسے اشارے سے بلا رہا تھا۔

"ٹھہرو.... میں ابھی آیا۔" حمید نے کہکشاں سے کہا اور رمیش کی طرف بڑھ گیا۔

"کرنل صاحب نے تمہیں فوراً طلب کیا ہے۔" رمیش نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ان سے کہہ دینا کہ میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تم سو فیصدی ڈیوٹی پر ہو محکمے نے تم لوگوں کو طلب کر لیا ہے۔ بقیہ رخصت منسوخ کر دی گئی۔"

"محکمے کی ایسی کی تیسی۔ دو ایک راؤنڈ ناچے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔"

"تمہیں چلنا ہی پڑے گا۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری لاش کی شناخت نہ ہو سکے۔ ابھی کچھ ہی دیر قبل کرنل صاحب اس زہریلے تیر سے بال بال بچے ہیں۔ بس قضا ہی نہیں آئی تھی۔"

"کیا ہوا تھا....؟"

"مجھے تفصیل کا علم نہیں ہے۔ بہر حال تمہیں ابھی میرے ساتھ واپس چلنا ہے۔"

"اوہ.... اچھا ٹھہرو۔" حمید نے کہا اور دوڑتا ہوا کہکشاں کے پاس آیا۔

"دیکھو ڈیئر....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "میرے فادر کے پیر میں بچھو نے ڈنک مار دیا ہے اور مجھے فوراً گھر پہنچنا ہے۔ کہیں وہ اوٹ پٹانگ قسم کا وصیت نامہ نہ مرتب کر ڈالیں۔ جلد ہی ملاقات ہوگی۔ تم فکر نہ کرنا۔ اچھا.... ٹاٹا....!"

حمید مجنونانہ انداز میں چلتا ہوا ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے رمیش تھا۔

کلاک نے ایک بجایا اور حمید ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ وہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس وقت وہ بہت زیادہ سنجیدہ تھا۔ اسے یہ بات گراں گذری تھی کہ فریدی رات گئے تنہا باہر گیا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ باہر جانا چاہتا تھا لیکن فریدی کے آگے ایک نہ چلی۔ یہ حقیقت تھی حمید اس کے لئے کافی مضطرب تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کام سے جان چھڑانے ہی کی فکر میں رہا کرتا تھا۔ مگر ایسے حالات میں جب اُسے فریدی کی زندگی خطرے میں نظر آتی تھی وہ بہت زیادہ چاق و چوبند نظر آنے لگتا تھا۔

آج جب وہ اس لڑکی کے ساتھ آرلکچو میں تفریح کر رہا تھا۔ فریدی پر حملہ ہوا اسے آرل میں اس کی اطلاع ملی تھی اور وہ اپنی تفریحات کو خیر باد کہہ کر گھر چلا آیا تھا۔ یہاں آکر معلوم ہ کہ حملہ اسی خوفناک تیر سے ہوا تھا جس کا ایک شکار حمید کی آنکھوں کے سامنے ہی اپنے بھیانک انجام کو پہنچا تھا۔ اس نے یہ سب کچھ سنا اور لرز گیا۔ فریدی پر کسی ویرانے میں حملہ نہیں ہوا بلکہ شہر کی ایک بارونق سڑک تھی وہ اپنی کار سے اتر کر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہو تھا کہ کوئی چیز سنسناتی ہوئی اس کے داہنے کان کے قریب سے گذر کر ایک کھٹاکے کے ساتھ لکڑی کے بوتھ میں پیوست ہوگئی۔ وہ ایک تیر تھا بالکل اسی ساخت کا جیسا فریدی نے تنویر کے فلیٹ سے برآمد کیا تھا۔ پھر ہوشیار ہو جانے کے بعد یہ کہاں ممکن تھا کہ کوئی فریدی پر ہاتھ ڈا سکتا۔ مگر فریدی نے یہ بھی دیکھا کہ ایک نامعلوم آدمی اپنی جان پر کھیل کر اس تیر کو بوتھ کی دیوار سے نکال لے گیا۔ یہ اور بات ہے کہ فریدی کے ریوالور سے نکلنے والے شعلے نے اُسے پچ قدم سے زیادہ نہ چلنے دیا ہو۔

گولی اس کے پیر میں لگی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور چاروں طرف سے راہ گیر دوڑ پڑے۔ پھر اچانک پانچ چھ آدمی زخمی ہو کر گر پڑے۔ لیکن جب تک فریدی وہاں پہنچا تیر غائب ہو چکا تھا۔ بھیڑ زیا ہونے کی بناء پر پتہ نہ چل سکا کہ تیر کس نے وہاں سے غائب کیا۔ البتہ جو اسے بوتھ کی دیوار نکال کر بھاگا تھا اب وہ زندہ آدمیوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مگر کیا اس کی موت ریوالور کی گو سے واقع ہوئی تھی۔ بعد کی تحقیقات نے اس کی تردید کر دی کیونکہ مرنے والے کی کلائی میں ایک چھوٹا سا زخم تھا اور اس کے جسم کے کھلے حصوں پر اتنا زیادہ ورم آگیا تھا کہ ان کی شناخت ہی بدل گ تھی۔ ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا تھا کہ وہ زخم اس زہریلے تیر کا تھا۔ غالباً تیر غائب کر دینے والے نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ اسے ختم ہی کر دے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ فریدی ان لوگوں کی راہ پر لگ جاتا۔ جو ان تیروں کے ذریعہ اب تک تین زندگیاں ختم کر چکے تھے۔

فریدی نے حمید کو یہ سب کچھ بتایا اور محتاط رہنے کی ہدایت کی۔ پھر خود تنہا باہر چلا گیا۔ ح نے انتہائی کوشش کی کہ وہ اُسے بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ لیکن فریدی نے یہ کہہ کر ا ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا کہ وہ وہیں ٹھہر کر فون پر اس کے پیغامات کا انتظار کرے۔

اب حالات کچھ اور تھے اس لئے حمید بھی پوری طرح ہوشیار ہو گیا تھا اُسے یقین تھا کہ معاملہ بہت آگے بڑھ جائے گا۔ فریدی ایسے مجرموں کے لئے دن رات ایک کر دیتا تھا جو راست قانون کے محافظوں سے ٹکرانے کی کوشش کرتے تھے۔ دوسری طرف حمید کو اس کی

فکر تھی کہ اگر وہ سچ مچ ڈاکٹر ڈریڈ ہی کا معاملہ تھا تو اس میں ناکامی کے امکانات بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈریڈ ایک بین الاقوامی مجرم تھا اور امریکہ کی پولیس آج تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ وہ بلاشبہ ایک پُر اسرار اور خطرناک آدمی تھا۔

حمید ٹہلتا اور سوچتا رہا۔ ڈاکٹر ڈریڈ وہ آدمی تھا جس نے ایک بار امریکی سینٹ کے تین ممبروں کو بیک وقت ہلاک کر دیا تھا۔ وہ مجمع عام نہیں تھا بلکہ وہاں صرف سرکاری آدمی تھے۔ بیک وقت تین لاشیں فرش پر گریں اور تقریباً پانچ منٹ کے اندر اندر تقریب گاہ کے سارے دروازے بند کرا دیئے گئے لیکن سوائے اس کے اور کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ حملہ آور ڈاکٹر ڈریڈ کا ہی طریق کار تھا کہ وہ اپنے شکاروں کے قریب اپنا وزیٹنگ کارڈ ڈال دیا کرتا تھا۔ مرنے والے تین آدمیوں پر بغیر آواز کے ریوالور سے گولیاں چلائی گئی تھیں اور وہ ریوالور وہیں پڑا مل بھی گیا تھا۔

یہ تھا ڈاکٹر ڈریڈ۔ امریکہ کی پولیس کے پاس اس کے ایک نہیں ہزاروں فوٹو تھے لیکن وہ ابھی تک اُسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

یہاں بھی یہ ہنگامے اگر ڈاکٹر ڈریڈ ہی کی ذات سے ہو رہے تھے تو اس نے اپنا طریق کار یقینی طور پر بدل دیا تھا جو اس کے مخصوص انداز کے برعکس تھا۔ امریکہ میں اس نے اب تک جتنی بھی وارداتیں کی تھیں ان کے متعلق اس نے کسی نہ کسی طرح جتا دیا تھا کہ اسی کی ذات سے تعلق رکھتی تھیں مگر یہاں وہ بڑی رازداری سے کام لے رہا تھا۔ حالانکہ ان میں سے ایک پر فریدی نے اس کا نام بھی لکھا ہوا دیکھا تھا۔ تیر پر نام تحریر ہونے کا یہی مقصد ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ اپنے جرائم کا پروپیگنڈا چاہتا ہے۔ لیکن پھر بھی تیر غائب کرا دیئے تھے۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ فی الحال ان معاملات میں اپنا نام نہیں ظاہر کرنا چاہتا۔

یہ ساری باتیں حمید کے ذہن میں چکراتی رہیں اور ٹہلتا رہا۔ ایک بج کر بیس منٹ پر فون جاگا۔ سناٹے میں اسکی گھنٹی کی آواز حمید کے ذہن پر گراں گذری لیکن اس نے جھپٹ کر ریسیور اٹھالیا۔

"حمید....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم تیار ہونا۔"

"بالکل تیار ہوں۔"

"مگر ابھی تمہیں وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ فی الحال ایک بلڈ ہاؤنڈ کتا خانے سے نکلوالو اور میری دوسری کال کا انتظار کرو۔"

"بہت بہتر.... کیا آپ تنہا ہیں۔"

"نہیں میرے ساتھ میرے عزائم بھی ہیں۔" فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے کتے خانے سے ایک بہترین قسم کا بلڈ ہاؤنڈ نکلوایا۔ وہ ایک تربیت یافتہ کتا تھا اور اپنے شکار کو سمندر کی تہہ میں بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ حمید سوچنے لگا کیا فریدی اُن میں سے کسی کی کوئی چیز پا گیا ہے۔

کتا اس نے وہیں کمرے ہی میں منگوالیا تھا۔ جو اس کے پیروں کے قریب بیٹھا اپنی سرخ زبان لٹکائے ہانپ رہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد فون کی گھنٹی پھر بجی اور دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ "بس اب آجاؤ۔ میں پرنسٹن کے چوراہے پر تمہارا منتظر ہوں۔ گیراج سے وہ گاڑی نکالو جس کے نمبر تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔ کتا اپنے ساتھ لانا۔"

حمید نے فوراً تعمیل کی۔ وہ تھوڑی دیر بعد گیراج سے چھوٹی آسٹن نکال رہا تھا۔ یہ کار شاذ نادر ہی استعمال کی جاتی تھی۔ خاص قسم کی مہمات کے علاوہ اسے اور کسی مصرف میں نہیں لایا جاتا تھا۔ اس کی نمبر پلیٹ بہ آسانی تبدیل کی جاسکتی تھی۔

وہ بلڈ ہاؤنڈ سمیت پرنسٹن کے چوراہے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس وقت دو بج رہے تھے۔ سردی شباب پر تھی اور شہر میں اُلو بول رہے تھے۔ "یہ تو "محاورے" کی بات رہی ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اتنی شدید سردی میں اُلو بھی اپنی پناہ گاہوں سے باہر نکل کر بولنے کی ہمت نہیں کرسکتے تھے۔ چھوٹی آسٹن سنسان سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ پھر پرنسٹن کا چوراہا آگیا۔ فریدی یہاں موجود تھا۔ مگر تنہا۔ اس نے اپنی لنکن خدا جانے کہاں چھوڑی تھی اور رات گئے کسی آوارہ گرد کی طرح سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ وہ کار میں آبیٹھا۔

"چلو....!"

"کہاں چلوں۔" حمید نے پوچھا۔

"لاوڈر روڈ۔ فکر نہ کرو۔ اگر ناکامی ہوئی تب بھی مجھے افسوس نہ ہوگا۔"

"کیوں؟"

"کیوں.... اب میں جو کچھ بھی کرنے جارہا ہوں وہ ایسا ہی ہوگا جیسے سانپ کی لکیر پیٹنا۔"

"کیا بات ہے۔ کچھ تو مجھے بھی بتادیجئے۔"

"میرا خیال ہے کہ مرنے والے کے گرد جو مجمع اکٹھا ہو گیا تھا اس میں سے ایک آدمی میں نے پہچان لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت نادانستگی میں اسی سے ٹکرا گیا ہوں۔"

"وہ ہے کہاں۔"

"پتہ نہیں۔ اب یہ بلڈ ہاؤنڈ اُسے ڈھونڈھ نکالے گا۔"

"کیا اس کی کوئی چیز ہاتھ آگئی ہے۔"

"ہاں.... ایک رومال۔ جو کثرت استعمال سے بہت میلا ہو گیا ہے۔"

فریدی نے وہ رومال جیب سے نکال کر پچھلی سیٹ پر پڑے ہوئے کتے کے آگے ڈال دیا اور وہ اُسے سونگھتا رہا۔ حمید یہ سب کچھ بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

"چلو بھئی.... کیا سوچنے لگے۔" فریدی نے اسکے پہلو میں کہنی سے ٹھوکا دیا اور کار چل پڑی۔

"وہ کہاں ملا تھا آپ کو۔" حمید نے پوچھا۔

"ہوٹل ڈی فرانس کے پھاٹک پر جہاں سے وہ فنچ کے ایک ساتھی کا تعاقب شروع کررہا تھا۔"

"فنچ اور اُس کے ساتھیوں کے متعلق آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔"

"وہ سب میری نظر میں ہیں۔"

"اگر وہ ڈاکٹر ڈریڈ ہی ہے تو اتنی راز داری سے کیوں کام لے رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ امریکہ میں اپنے نام کے اعلان کے ساتھ جرائم کرتا رہا ہے۔"

"اوہو.... تو تیروں کے غائب کرادینے کا مقصد تمہاری سمجھ میں آگیا ہے۔"

"ہاں.... اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے، مقصد کہ وہ اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ مگر آخر تیر پر نام ہونے کا کیا مقصد ہے۔ اگر ان تیروں پر اس کا نام تحریر نہ ہو تو میرا خیال ہے کہ انہیں غائب کرانے کی بھی ضرورت نہ پیش آئے۔"

"تیروں پر نام ہی ہونا تو سب سے بڑا مقصد ہے حمید صاحب۔ تم ڈاکٹر ڈریڈ اور اس کے کارناموں سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔"

"میں لاکھ واقف ہوں لیکن یہ موٹی سی بات ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ بالکل گدھا ہے۔ تیروں پر اپنا نام لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ وہ راز داری کے لئے تیر غائب کرادینا چاہتا ہے۔ اگر نام تیروں پر موجود نہ ہو تو انہیں غائب کرانے کی بھی ضرورت نہیں۔"

"تم نہیں سمجھے۔ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ جب تک ڈاکٹر ڈریڈ سے اچھی طرح واقف نہ ہو۔ وہ جہاں بھی جاتا ہے تنہا جاتا ہے اور وہیں کے مقامی آدمیوں کا ایک گروہ ترتیب دیتا ہے۔ اُن آدمیوں کو ترتیب دینے کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ انہیں طریقوں سے انہیں تربیت دیتا ہے۔ مثلاً تیروں پر اپنا نام لکھوادیا اور گروہ والوں کو تاکید ہے کہ کسی طرح اس کا نام نہ ظاہر ہونے پائے لہٰذا وہ پھینکے ہوئے تیروں کو حاصل کرنے کے لئے جان کی بازی لگادیتے ہیں۔ ایک بار اس

نے یہی طریقہ جنوبی افریقہ میں بھی استعمال کیا تھا۔ بس یہ اتفاق ہی ہے کہ ایک تیر میرے لگ گیا۔ لیکن اس سے ڈاکٹر ڈریڈ کا کیا بگڑتا ہے۔“

”پھر اس تیر کو حاصل کرنے کے لئے اتنی جدوجہد کیوں جاری تھی۔“

”ڈاکٹر ڈریڈ کا کھیل۔ محض اپنے آدمیوں کو ترتیب دینے کا ایک طریقہ۔ سنو فرزند۔ یہ ایسا نہیں ہے جس پر آسانی سے ہاتھ ڈالا جا سکے۔ امریکہ کے بچے بچے کے ذہن میں ڈاکٹر ڈریڈ تصویر ہے۔ لیکن پھر وہاں کی پولیس آج تک اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکی۔ امریکہ کے اخبارات آئے دن اس کی تصاویر کی اشاعت ہوتی رہتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی دنیا کے ان گنے چنے آدمیوں میں سے ہے جنہیں اپنی تصاویر کی تعداد اشاعت پر ناز ہو سکتا ہے۔“

”تب تو پھر....!“

”تب تو پھر کیا۔“

”کچھ نہیں.... اللہ مالک ہے۔“

”میں اس سے استدعا کرونگا کہ تم پر کوئی زہریلی عورت پھینک مارے۔“ فریدی نے قہقہہ لگا

”اگر ایسا ہو تو.... میں اس وقت بھی مرنے کے لئے تیار ہوں۔“

کچھ دیر تک وہ خاموش رہے پھر فریدی نے کہا۔ ”کار بائیں جانب والی گلی میں کھڑی کر دو۔“ حمید کار بتائے ہوئے مقام پر کھڑی کر کے نیچے اُتر گیا۔ وہ بلڈ ہاؤنڈ کی زنجیر تھامے ہ تھا۔ ہوٹل ڈی فرانس یہاں سے دور نہیں تھا۔ اچانک ایک جگہ کتا رک کر مخالف سمت میں جا کے لئے زور کرنے لگا۔ وہ بار بار زمین سونگھ کر غرا رہا تھا۔

”پٹے سے زنجیر نکال لو۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ بو پا گیا ہے۔“

”اگر اس نے دوڑنا شروع کر دیا تو۔“

”میں تمہیں اس کی دم سے باندھ دوں گا۔“

”نہیں واقعی۔ میں اس کتے کے پیچھے نہ دوڑ سکوں گا۔ کیوں نہ ہم کار ہی میں رہیں ا رہنمائی کرے۔“

”میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔“

حمید نے پٹے سے زنجیر نکال دی اور کتا زمین سونگھتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

اس کی رفتار تیز نہیں تھی۔ حمید اور فریدی اس کے پیچھے چلتے رہے۔ وہ کوئنس رو گذرتا ہوا ریکسٹن اسٹریٹ میں مڑ گیا اور چلتا رہا۔

”کیا یہ ضروری ہے کہ وہ آدمی اپنی منزل مقصود تک پیدل ہی گیا ہو۔“

”فکر مت کرو۔ یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ نہ گیا ہو۔“

حمید خاموش ہو گیا۔

سارا شہر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ سڑک کے کنارے روشنی کے ستون اونگھتے ہوئے سے معلوم ہو رہے تھے اور شائد پورے موسم کی سردی بحیثیت مجموعی آج ہی ختم ہو جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ ریکسٹن اسٹریٹ سے وہ تلک روڈ پر آئے۔ یہاں اس سڑک پر روشنی کی لائین فیل ہو گئی تھی۔ پوری سڑک تاریک تھی۔ فریدی کو اپنی ٹارچ روشن کرنی پڑی۔

کتا ایک چوراہے پر رک گیا۔ یہاں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کتا فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ اس کا شکار کس طرف گیا تھا۔

شائد آدھے منٹ کے بعد ہی وہ پھر ایک طرف چل پڑا۔ اس کا رخ دیکھ کر فریدی نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔ بالکل اُسی انداز میں جیسے اُسے یقین رہا ہو کہ وہ اسی سمت جائے گا۔ کتا ارجن پورے کی طرف جا رہا تھا۔

”میرے خدا.... کیا یہ سگ نجس پورے شہر میں در در پھرائے گا۔“ حمید کراہ کر بولا۔

دفعتاً کتے نے سڑک پر ایک چکر لگایا اور پھر اُسی طرف مڑا جدھر سے ابھی چلتا آیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر چل رہا تھا۔ پھر وہ ایک پبلک پیشاب خانہ کے دروازے پر رک گیا۔

”کیا یہ آپ سے مذاق کا کوئی رشتہ رکھتا ہے کرنل صاحب۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ لیکن کتا دوسرے ہی لمحے میں غراتا ہوا پیشاب خانے میں گھس چکا تھا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے ہی جھپٹا۔ حمید نے بس اتنا ہی دیکھا کہ فریدی نے جھک کر اس کا پٹہ پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ حمید کے ہاتھ میں ٹارچ روشن تھی اور وہ بخوبی دیکھ رہا تھا کہ کتا فریدی کی گرفت سے نکل کر اس لاش پر جھپٹ پڑنا چاہتا تھا جو پیشاب خانے کے فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

لاش کا چہرہ بگاڑ دیا گیا تھا اور اُسے کسی دھار دار حربے سے قتل کیا گیا تھا۔ فرش پر چاروں طرف خون کی سرخی نظر آ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقوعہ کے بعد سے کوئی اس پیشاب خانے میں نہیں آیا تھا یا ممکن ہے آیا بھی ہو۔

فریدی کتے کو کھینچتا ہوا پیشاب خانے سے نکل آیا۔

”زنجیر ڈال دو۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"کیا یہ وہی آدمی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"چہرہ بگاڑ دیا گیا ہے لیکن ہے وہی آدمی اس کے جسم پر وہی لباس موجود ہے جو میں نے کچھ دیر پہلے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کارنامہ فنچ کی پارٹی کا ہے۔ یہ آدمی فنچ میرے لئے ڈاکٹر ڈریڈ سے بھی زیادہ پُر اسرار ہے۔"

"کیا وہ چھوٹا آدمی....!"

"ہاں وہی.... ٹھہرو.... میرا خیال ہے کہ یہاں سے قریب ہی ایک میونسپل شفاخانہ ہے۔ ہمیں وہاں سے کوتوالی فون کرنا چاہئے۔"

"کیا ہم دونوں تنہا ہی ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی....!"

"میں سمجھا تھا ہمارے ساتھ پوشیدہ طور پر کچھ آدمی اور بھی ہوں گے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے تنہا نکلیں گے۔"

"میں خود کو اس کے مقابلے کے لئے اتنا کمتر نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ اپنے ساتھ ایک فوج لئے پھروں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ ایسی ہی باتوں پر اکثر اُسے فریدی خلل دماغ کا شکار معلوم ہونے لگتا تھا۔

میونسپل شفاخانے سے کوتوالی کیلئے فون کرنیکے بعد وہ پھر اُسی جگہ پہنچ گئے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ پھر صبح پانچ بجے تک انہیں وہیں ٹھہرنا پڑا۔ واپسی پر فریدی کچھ متفکر سا نظر آ رہا تھا۔

گھر پہنچ کر ناشتے کے بعد فریدی نے کہا کہ وہ کچھ دیر سونا چاہتا ہے۔ حمید کے لئے یہ بات بالکل نئی تھی۔ اس نے آج تک اُسے دن میں سوتے نہیں دیکھا تھا۔

دن کو وہ کبھی نہیں سوتا تھا خواہ پچھلی راتیں جاگ کر ہی کیوں نہ گذاری ہوں۔

حمید کے ذہن پر اس بُری طرح نیند حاوی تھی کہ اس نے اس تبدیلی کی وجہ بھی نہ پوچھی۔

وہ تقریباً چار بجے تک سوتا رہا۔ احتیاطاً اس نے اپنا کمرہ اندر سے مقفل کر لیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فریدی سوتے وقت اس تک پہنچ سکے۔ لیکن چار بجے وہ فریدی ہی کی وجہ سے بیدار ہوا جو بہت بری طرح اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔

اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"ابھی تک نیند ہی نہیں پوری ہو سکی۔" فریدی نے کہا۔

"ہو گئی۔" حمید نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لئے جگایا ہے کہ کہکشاں مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔"

"ہائیں۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "تب پھر جگانے کی کیا ضرورت تھی۔ سوتے ہی میں زہر کا انجکشن دے دیا ہوتا۔"

"نہیں رقیب کے بغیر عشق کہاں۔ بقول مرزا رسوا۔

سامنے اس کے نہ کہتے مگر اب کہتے ہیں
لذت عشق گئی غیر کے مر جانے سے"

"ارے آپ تو پیشہ ور قسم کے عاشق معلوم ہوتے ہیں۔"

"ختم کرو۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "اس وقت ہمیں اسی سفارت خانے کی ایک دعوت میں چلنا ہے جس کا کیس ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

"یہ کس تقریب میں۔"

"ان کی حکومت کا جشن سالگرہ ہے۔"

"آپ کے پاس آیا ہے دعوت نامہ۔"

"ہاں بھئی اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم یونہی چلے جائیں گے۔"

"اوہو.... پہلے تو کبھی کسی سفارت خانے کی دعوت میں ہمیں نہیں مدعو کیا گیا۔"

"نہیں.... ہمیں کبھی کوئی فراموش نہیں کرتا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم عدیم الفرصتی کی بناء پر شرکت نہ کر سکیں۔"

فریدی اُسے تیار رہنے کی تاکید کرتا ہوا چلا گیا.... حمید کو اس دعوت پر حیرت تھی اور یہ حیرت اس وقت تک برقرار رہی جب تک کہ وہ دونوں وہاں پہنچ گئے۔ دراصل بات یہ تھی کہ سفارت خانہ نے اس جشن کے سلسلے میں سرکاری طور پر کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کی خدمات حاصل کی تھیں۔ خیال یہ تھا کہ کہیں اس جشن کے دوران میں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ پھر فریدی نے مزید وضاحت کر دی۔

"دیکھو.... فرزند....!" اس نے کہا۔ "یہ سفیر بڑا شاطر آدمی معلوم ہوتا ہے۔ ہماری ہی خدمات حاصل کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے ان نامعلوم دشمنوں سے خائف ہے۔ جنہوں نے سفارت خانہ کو بدنام کرنے کے لئے وہاں ایک قتل کر دیا تھا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ مغرب میں آج کل ٹھنڈی جنگ جاری ہے۔ لہٰذا ہماری حکومت اسے باور کر لے گی کہ کوئی تیسرا

ملک ہم دونوں کے تعلقات خراب کرانا چاہتا ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔

"یہ بہت اچھا ہوا۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ "ورنہ تمہارے ساتھ تو عموماً کا تک سر مارنا پڑتا ہے۔"

فریدی نے اپنے عملہ کے تین سب انسپکٹر بھی وہاں لگا رکھے تھے مختلف مقامات پر انکی ڈیو رکھی گئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کو یقین ہو کہ اس جشن میں ہڑبونگ ضرور ہو گ

"کیا آپ کو یہاں فنچ کی پارٹی کا بھی کوئی آدمی نظر آیا ہے۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں.... اُن میں سے تو کوئی بھی نہیں دکھائی دیا جنہیں میں جانتا ہوں۔"

"کاش میری ناک چپٹی ہوتی۔" حمید نے بڑے دردناک لہجے میں کہا۔

"کیوں۔"

"وہ چینی لڑکی مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے۔" حمید نے سر کی جنبش سے ایک طرف اشارہ کیا

"اوہو....!" فریدی کی آواز تحیر آمیز تھی۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس چینی لڑ دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی تھی۔

"حمید.... اُس آدمی کو دیکھ رہے ہو جو اس لڑکے کے پیچھے کھڑا ہے۔" اس نے کہا۔

"آ.... ہاں.... کیوں....!"

"اس کے ہاتھ میں کتنی خوبصورت چھڑی ہے۔"

"کیا بات ہوئی جناب۔ مجھے تو اُس میں کوئی خاص بات نہیں نظر آئی۔ ایک معمولی سا جس پر رنگین تار لپٹے ہوئے ہیں۔"

"کیا پہلے کبھی اس قسم کا کوئی بید تمہاری نظروں سے گذر چکا ہے۔"

"مجھے یاد نہیں۔" حمید چڑھ کر بولا۔ "آخر آپ یہ کیسا تذکرہ لے بیٹھے ہیں۔"

"کچھ نہیں یونہی۔" فریدی نے کہا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس آدمی کے پاس پہنچ گیا۔

حمید نے دیکھا کہ اب بھی اس کی نظر اسی آدمی کی چھڑی پر جمی ہوئی ہے۔ فریدی کے ا انہماک پر حمید کی دلچسپی بھی بڑھ گئی۔ اس نے ایک بار قریب سے بھی بغور اس چھڑی کا جائزہ لیکن اپنے ظاہر کردہ خیال سے ایک انچ بھی نہ ہٹ سکا یعنی وہ ایک معمولی سا بید تھا جسے مختلف رنگوں کے تار لپیٹ کر آراستہ کیا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ آج تک اسی قسم کی کوئی دوسر چھڑی اس کی نظروں سے نہیں گذری تھی۔ لیکن وہ اُسے اس بناء پر غیر معمولی بھی نہیں قرا

دے سکتا تھا کیونکہ وہ بہر حال لٹک چھڑی تھی۔ بناوٹ کے اعتبار سے وہ خواہ کیسی ہی رہی ہو۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسے اس چھڑی یا اس کے مالک کے متعلق کچھ بھی یاد نہ رہ گیا اور وہ یہ بھی بھول گیا کہ اس کے ساتھ فریدی بھی تھا۔ اس از خود رفتگی کی وجہ یہ تھی کہ اب بال شروع ہو گیا تھا۔ سارا ہال موسیقی کے طوفان میں بہا جا رہا تھا۔ نوخیز جوڑے چوبی فرش پر تھرکتے پھر رہے تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انسانوں کا سمندر موجیں مار رہا ہو۔

حمید دل ہی دل میں اپنا سر پیٹنے لگا۔ کاش وہ ڈیوٹی پر نہ ہوتا۔ یہاں اس وقت کئی قوموں کی خوبصورت اور شوخ لڑکیاں موجود تھیں۔ ایسا "بین الاقوامی موقعہ" اس طرح ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ حمید کا کلیجہ خون ہو گیا۔ اور قبل اس کے کہ وہ کوئی درد بھرا شعر موزوں کرنے کی کوشش کرتا اس کی نظر فریدی پر پڑی جو دور کھڑا اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

حمید بڑی بے دلی سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے ایک طرف چلنے لگا تھا۔ حمید جلد ہی اس کے برابر پہنچ گیا۔

"اس آدمی پر نظر رکھو۔" فریدی بولا اور حمید کی نظر اسی آدمی پر پڑی جس کے ہاتھ میں دبی ہوئی چھڑی نے فریدی کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

"کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں آپ اس غریب کے۔ اگر صرف چھڑی پسند آئی ہو تو میں اس سے استدعا کروں گا کہ...."

"بکواس مت کرو۔" فریدی نے اُسے جملہ نہیں پورا کرنے دیا۔

وہ آدمی ٹہلنے کے سے انداز میں چلتا ہوا زینوں کی طرف جا رہا تھا۔ یہ زینے ہال کی اوپری گیلری کو فرش سے ملاتے تھے۔

وہ زینوں پر چڑھنے لگا۔ لیکن وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے آگے پیچھے اور لوگ بھی تھے۔ دراصل بہتیرے مہمان اوپر گیلری سے رقص دیکھ رہے تھے اور کچھ اب اسی مقصد کے تحت اوپر جا رہے تھے۔

فریدی اور حمید بھی اسی بھیڑ میں شامل ہو گئے۔ ویسے ان کی نظریں اب بھی اسی آدمی پر تھیں۔ وہ اسی کے پیچھے لگے رہے۔ اب حمید بھی اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ کیونکہ یہ آدمی اگر تماشائیوں میں سے ہوتا تو گیلری کا رخ کرتا۔ لیکن وہ تو گیلری کی دوسری جانب والے صحن کی طرف جا رہا تھا۔

یہ ہال جہاں رقص ہو رہا تھا نصف دائرے کی شکل کا تھا اور اوپر کی گیلری کی شکل بھی یہی

تھی اور دوسری طرف صحن میں جانے کے لئے اس میں متعدد دروازے لگے ہوئے تھے۔ صحن میں پہنچ کر انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے استوائی خطے سے یک بیک قطبین میں پہنچ گئے ہو ان کے جسم کے کھلے ہوئے حصے سردی سے ٹھٹھرنے لگے۔

صحن میں اندھیرا تھا لیکن تاروں کی چھاؤں میں وہ اس آدمی کا دھندلا مجسمہ بہ آسانی دیکھ تھے۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا اور پھر چلنے لگا۔ پھر انہوں نے اسے گیلری کے آخری درواز میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ دونوں پنجوں کے بل تیزی سے چلتے ہوئے اس طرف بڑھے اور حمید نے جو منظر دیکھا اس نے فریدی کی عظمت اس کی نظروں میں اور زیادہ بڑھا دی۔ اب ا چھڑی کی اہمیت واضح ہوگئی تھی۔ اس میں لپٹا ہوا ایک تار کھل گیا تھا اور وہ درمیان سے لچک کمان کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ حمید سناٹے میں آگیا۔ پتہ نہیں کون اس تیر کا نشانہ بننے والا جو بڑی احتیاط سے اس کمان پر چڑھایا جا رہا تھا۔ گیلری کا یہ حصہ نیم روشن اور ویران تھا۔ وجہ تھی کہ یہ گیلری اس جگہ پڑے ہوئے پردوں کی بناء پر کئی حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ اتفاقاً وقت اس حصے کا پردہ کھنچا ہوا تھا اور یہ آدمی اسی لئے دوسری طرف بیٹھے ہوئے آدمیوں کی نگاہ سے محفوظ ہو گیا تھا۔

"بچوں کا یہ کھیل خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔" دفعتاً فریدی نے آگے بڑھ کر کھنچی ہوئی کما پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

وہ آدمی وحشیانہ انداز میں پلٹ پڑا۔ تیر اور کمان اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑے تھے۔

فریدی کا گھونسہ اس کی پیشانی پر پڑا۔ وہ پہلے تو گیلری کی ریلنگ سے ٹکرایا پھر دوسری طرف میں الٹ گیا اور پھر وہ چیخ تو بہرحال موسیقی کی لہروں پر بھاری تھی ہی۔ یک بیک ایسا معلوم ہوا کائنات کی نبض رک گئی ہو۔ ایک لمحے کیلئے موت کی سی خاموشی طاری ہوگئی.... پھر شور ہونے ل

فریدی نے جھک کر فرش سے تیر اور کمان اٹھالئے۔

پھر وہ نیچے آئے۔ یہاں ہر طرف ابتری کے آثار نظر آرہے تھے۔ لوگ بھاگ رہے ت عورتیں چیخ رہی تھیں۔ اچانک کوئی چیز بڑی قوت کے ساتھ کیپٹن حمید کے جسم سے ٹکرائی او اچھل پڑا۔ ایک تیر اس کے قدموں کے پاس پڑا ہوا تھا دوسرے ہی لمحے میں اس نے ریوالور نک لیا۔ اگر اس نے اپنے لباس کے نیچے بلٹ پروف نہ پہن رکھے ہوتے تو دوسری دنیا کا سفر انتہ آسان ہو جاتا۔

پھر یک بیک پورا ہال تاریک ہوگیا۔ چیخیں بلند ہونے لگیں۔ حمید ایک طرف سمٹ کر دب

سے جا لگا۔ اب وہ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔ اس افراتفری میں حمید کو سمتوں کا احساس بھی نہیں رہ گیا تھا۔ ورنہ وہ باہر نکلنے کی کوشش کرتا۔

شور بڑھتا جا رہا تھا۔ شائد لوگ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے لگتے تھے۔

تقریباً تین منٹ تک اندھیرا رہا۔ پھر یک بیک روشنی ہوگئی۔ لوگ گرتے پڑتے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ دفعتاً اس نے مائیک پر فریدی کی آواز سنی۔

"ٹھہریئے۔ اس طرح آپ نقصان اٹھا سکتے ہیں۔"

لوگ ایک لحظہ کے لئے رکے اور پھر بھاگنے لگے۔

دو منٹ کے اندر ہی اندر ہال خالی ہو گیا۔ یہاں تین لاشیں نظر آرہی تھیں۔ ایک تو اسی آدمی کی تھی جسے فریدی نے اوپر گیلری سے نیچے پھینکا تھا اور دو لاشیں ان سب انسپکٹروں کی تھیں جو فریدی کے ساتھ یہاں آئے تھے حالانکہ ان کے لباس کے نیچے بھی بلٹ پروف موجود تھے لیکن ان کی قضا ہی آگئی تھی۔ زہریلا تیر ایک کی گردن میں لگا ہوا تھا اور دوسرے کی پیشانی پر پڑ کر اُچٹ گیا تھا۔ لیکن چونکہ تیر کا پھل گوشت کاٹ چکا تھا اس لئے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ فریدی نے انہیں ان کے لباس سے پہچانا ورنہ ان کے چہرے تو غیر معمولی ورم کی وجہ سے بگڑ ہی چکے تھے۔

دس منٹ بعد ہی پولیس کا ایک مسلح دستہ ہال میں گھس آیا۔

"بڑی عجیب..... ب..... بات.....!" حمید فریدی کی طرف دیکھ کر ہکلایا۔

فریدی خاموش ہی رہا۔ وہ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے آتے ہی سارے دروازے بند کرا دیئے تھے۔

"اب یہ حضرت کیا کریں گے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

ڈی۔ ایس۔ پی سٹی شائد اس کا منتظر تھا کہ فریدی خود ہی آگے بڑھ کر اُسے کچھ بتائے گا لیکن فریدی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

اتنے میں ایک دروازہ کھلا اور سفیر چند آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ پہلے وہ ڈی۔ ایس۔ پی سے کچھ کہتا رہا تھا پھر فریدی کی طرف بڑھا۔

"میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ فنچ کو میرے حوالے کر دیا جائے۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ حالات اس سے بھی بدتر ہو سکتے ہیں۔"

"میں کسی فنچ کو نہیں جانتا کرنل فریدی۔ یقین کرو۔"

فریدی نے لاپروائی ظاہر کرنے کیلئے اپنے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

دس بج گئے تھے۔ ضابطے کی کارروائیوں سے فراغت پاکر وہ باہر نکلے اور فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "جانتے ہو اس زہریلے تیر کا نشانہ کون تھا۔"

"نہیں میں دیکھ ہی نہیں سکا تھا۔"

"فنچ....!"

"نہیں....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "اور آپ نے اُسے نکل جانے دیا۔"

"بس وہ نکل ہی گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اُسے اسی وقت دیکھا جب وہ کمان میں تیر لگا چکا تھا۔ فنچ اوپری گیلری ہی میں تھا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کس قسم کا رول ادا کر رہا ہے۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے ڈاکٹر ڈریڈ کو فضول ہی چھیڑا۔"

"آہا.... تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کے زہریلے تیر مجھے ہٹا دیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ میں وقتی طور پر اس سے ہاتھ اٹھالوں لیکن یہ خیال کہ اس کے خیال سے باز آجاؤں گا فضول ہے۔ ویسے فنچ اور ڈاکٹر ڈریڈ کے درمیان جو کچھ بھی ہو رہا ہے مجھے اس کی قطعی پرواہ نہیں ہے۔ میں دراصل اب بھی سرخ گلابوں ہی کی فکر میں ہوں کیونکہ میری تفتیش کا آغاز وہیں سے ہوا تھا۔"

"آپ نے تارانائیڈو کو بھی نہ چیک کیا۔"

"اُسے چیک کرنے سے فائدہ ہی کیا۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ وہ اپنی بچت کی صورت بہر حال نکال سکتی ہے۔"

"پھر اُسے گرفت میں لینے کی کیا صورت ہوگی۔"

"کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی تم اس کے لئے فکر مند نہ ہو۔"

کار سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "مجھے آرلکچو میں اتار دیجئے گا۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔ میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں اپنے ان دونوں ساتھیوں کی لاشیں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"نہیں.... اب سیدھے گھر ہی چلو ورنہ ہو سکتا ہے اس بار وہ تیر تمہاری گردن ہی چھید کر رکھ دے۔"

"اوہ.... مجھے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے لیکن گھر اس وقت مجھے کھا جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی بولا۔

"آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں تفریح کے موڈ میں ہوں۔ بس میں اس وقت اپنے طور پر وقت گزارنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" فریدی بولا۔ "میں خود بھی اس کا قائل نہیں ہوں کہ خطرات سے دوچار ہونے کے بجائے آدمی چوہے کے بلوں میں دبکتا پھرے۔"

آرلکچو کے قریب فریدی نے اسے اتار دیا۔ حمید سچ مچ اس وقت تفریح کے موڈ میں نہیں تھا۔ بس وہ کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت کے واقعات ہی کا ذہنی رد عمل رہا ہو۔

وہ جیسے ہی آرلکچو میں داخل ہوا اس کی نظر کہکشاں پر پڑی اور اس نے الٹے پاؤں واپس ہونا چاہا لیکن کہکشاں اٹھ کر اس کی طرف بڑھی اور حمید کو طوعاً و کرہاً رکنا پڑا۔

"ارے.... تم مجھے دیکھ کر بھاگے کیوں جا رہے تھے۔' اس نے اس کا بازو چھو کر کہا۔

"آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا بات ہے۔"

"پتہ نہیں۔" حمید کہتا ہوا اسی میز کی طرف بڑھا جس سے کہکشاں اٹھی تھی۔

وہ دونوں بیٹھ گئے۔

"مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ خواہ مخواہ میرے کان نہ کھاؤ۔"

"میں کھانا کھا چکی ہوں ورنہ تمہیں ہی کھا جاتی۔ کان تو کان ہی ہیں۔"

"میں کافی پیئوں گا۔ بہت تھک گیا ہوں۔"

"تم میرا خون بھی پی سکتے ہو۔ مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ مگر مجھ سے ایسے خشک لہجے میں گفتگو نہ کیا کرو۔"

کہکشاں نے ایک ویٹر کو بلا کر کافی کے لئے کہا اور حمید سے بولی۔ "کافی پی لو پھر میں تمہیں اپنی ایک سہیلی سے ملاؤں گی، جو تم سے ملنے کی بے حد مشتاق ہے۔"

"کیا وہ مشتاق ہے؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں....!"

"اور وہ تمہاری سہیلی ہے۔"

"ہاں.... لیکن تمہیں حیرت کیوں ہے۔"

"کیونکہ میں نے آج تک کسی عورت کا نام مشتاق نہیں سنا۔"

کہکشاں ہنس پڑی اور حمید اُسے گھورتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کافی آ گئی اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔

"تمہاری سہیلی مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اُسے سنکی قسم کے آدمی بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"میں سنکی ہوں۔" حمید نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

کہکشاں پھر ہنسنے لگی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ دل کچھ بہلنے تو لگا ہے۔ چلو اس کی سہیلی کو بھی دیکھ لیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس سے زیادہ دلچسپ ثابت ہو۔

کافی ختم ہو گئی۔ حمید نے پائپ سلگایا۔ کہکشاں نے اپنے وینٹی بیگ سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور حمید اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔ کل تم نے کہا تھا کہ میں تمباکو پیا کروں۔" کہکشاں نے بڑے بھولے پن سے کہا۔

"آج میں کہتا ہوں کہ کنوئیں میں کود پڑو لہٰذا مجھے کل صبح تمہاری لاش تیار ملنی چاہئے۔"

"بڑے بے درد ہو۔" کہکشاں بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "عورتوں سے اسطرح گفتگو کی جاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اسی طرح کرنا چاہئے کیونکہ میں عورتوں اور مردوں میں فرق کرنے کا عادی نہیں ہوں اور کیوں فرق کروں جب کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کا دعویٰ رکھتی ہیں۔"

"بحث کرو گے۔"

"بس عورتوں سے بحث نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ مردوں کے دوش بدوش ہونے کے باوجود بھی بحث کے دوران اپنی عورت پن جتائے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"میں سمجھ گئی۔" کہکشاں ہنس کر بولی۔ "آج بھی تمہیں اپنے اُلو ہونے کا احساس ہوا ہے۔"

"آج کل میں ہر وقت اُلو رہتا ہوں۔ بس چلو۔ دیکھوں وہ تمہاری دوست کس رفتار سے دماغ چاٹ سکتی ہے۔"

"ٹھہرو.... میں فون کر کے معلوم کر لوں کہ وہ جاگ رہی ہے یا سو گئی۔" کہکشاں نے کہا اٹھ کر چلی گئی۔

حمید کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے پائپ پیتا رہا۔

تین یا چار منٹ بعد کہکشاں واپس آ گئی۔ وہ آرلکچنو سے باہر آئے۔

"اوہ.... کیا اپنی گاڑی نہیں لائے۔" کہکشاں نے مایوسی سے پوچھا۔

"نہیں میں ٹیکسی میں آیا تھا۔"

"خیر تو پھر ٹیکسی ہی میں چلیں گے۔ ویسے تمہاری گاڑی ہوتی تو اچھا رہتا۔ کیونکہ میں نے صوفیہ سے بتایا تھا کہ تمہاری گاڑی بہت شاندار ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے ایک ٹیکسی کی اور کہکشاں نے ڈرائیور سے کہا۔ "ولماٹ ہاؤز۔"

"ولماٹ.... ہاؤز....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "وہاں تو شائد کوئی غیر ملکی تاجر رہتا ہے۔"

"ہاں.... صوفیہ.... ایک فرنچ لڑکی ہے۔"

"اوہ....!" حمید خاموش ہو گیا۔

ٹیکسی نے جلد ہی ولماٹ پہنچا دیا۔ یہ ایک بہت شاندار عمارت تھی۔ کہکشاں نے ٹیکسی پھاٹک ہی پر رکوا دی تھی۔ حمید نے ڈرائیور کو پیسے دیئے۔

پھر وہ ایک طویل روش سے گذر کر عمارت میں آئے۔ برآمدہ ٹیوب لائٹ سے روشن تھا، ایک باوردی ملازم انہیں دیکھ کر نہایت ادب سے آگے بڑھا۔ کہکشاں نے اُسے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیتے ہوئے کہا۔ "مدموزئیل صوفیہ۔"

نوکر کارڈ لے کر اندر چلا گیا۔ پھر دو تین منٹ بعد واپس آ کر اس نے ان سے اندر چلنے کی درخواست کی۔ حمید اس عمارت میں پہلی بار داخل ہوا تھا۔ نوکر نے انہیں اندر لا کر ایک اعلیٰ قسم کی سجاوٹ والے کمرے میں بٹھایا اور خود واپس چلا گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"یہ کیا....!" وہ کہکشاں کو گھورتا ہوا بولا۔ "شائد اس نے دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا ہے۔"

"کیوں.... نہیں بھئی.... اس کا کیا مطلب۔ نہیں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"تم خود دیکھ لو۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ کہکشاں اٹھی اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن وہ حقیقتاً باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

"کیوں؟ کیا مطلب ہے اس کا۔" حمید غرایا۔

"میں کیا بتاؤں.... ٹھہرو.... دیکھو.... شائد صوفیہ نے مذاق کیا ہے۔"

"دیکھو.... ضرور دیکھو۔ لیکن میرے مذاق کا انجام ہمیشہ موت پر ہوتا ہے۔"

"ارے بس۔ ذرا سے میں دم نکلنے لگا۔ یہ مذاق ہی ہے۔ یہ مذاق ہی ہے۔ ابھی سننا صوفیہ کا قہقہہ۔"

ٹھیک اسی وقت باہر سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "کوکشاں.... کوکشاں۔"

"صوفیہ....!" کہکشاں اندر سے چیخی۔

"کیا وہ.... ہے تمہارے ساتھ۔"

"ہاں.... اور تم پر خفا ہو رہا ہے کیونکہ اس قسم کے مذاق کا عادی نہیں ہے۔"

"اسے جلدی معلوم ہو جائے گا کہ عادی ہونے میں کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ مجھے افسوس ہے ک میں نے تمہیں دھوکا دے کر اُسے بلوایا۔ یہ دراصل ہم لوگوں کا ایک بہت بڑا دشمن ہے۔ اس لئ اب اس کے زندہ رہنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔"

"ارے کیوں۔ ایسا بے تکا مذاق کرتی ہو۔" کہکشاں خوفزدہ انداز میں ہنسی۔

"میں مذاق نہیں کرتی۔ تمہیں ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ لیکن سنو! اس کام معاوضہ میں تمہیں یہی دے سکتی ہوں کہ تمہارا کام تمام نہ کیا جائے۔"

"اوہو! تو یہ کسی ڈرامے کا ریہرسل ہے۔" کہکشاں پھر ہنسنے لگی۔ لیکن اس بار جواب ن اُسے صرف قدموں کی دور ہوتی ہوئی آوازیں سنائی دیں۔

"میرے خدا تو کیا وہ سچ کہہ رہی ہے۔"

"آخر کیوں! تم نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "مگر اتنا یاد رکھو کہ یہاں خون کی ندیاں جائیں گی۔"

"دیکھو....!" وہ گلوگیر آواز میں بولی۔ "ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مذاق ہی ہے۔"

دفعتاً حمید کی نظر میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون پر پڑی اور اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ مگر وہ ٹیلی ف کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کہکشاں نے اسے للکارا۔ "خبردار اگر تم نے فون میں ہاتھ لگایا تو مار دوں گی۔"

"ہائیں۔" حمید بوکھلا کر مڑا اور اُسے کہکشاں کے ہاتھ میں اپنا ہی ریوالور نظر آیا۔ شائد نے اس کی بے خبری میں کسی وقت اس کی جیب سے نکال لیا تھا۔

"تم فون نہیں کر سکتے۔" کہکشاں پہلے سے بہت مختلف نظر آنے لگی تھی۔ اب اس چہرے پر معصومیت کی بجائے کسی کٹکھنی کتیا کا سا انداز پایا جاتا تھا۔ اس نے پھر کہا۔ "تم ک فریدی کو فون نہیں کر سکتے۔ ان گدھوں کو میں کیا کہوں کہ اس کمرے میں چھوڑ گئے جہاں فون موجود ہے۔"

"اوہ.... دیکھو.... سنو....!" حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے اس کی طرف بڑ

لگا۔ "میں نے.... تمہارا.... کیا بگاڑا ہے.... تم میری گہری دوست تھیں نا....!"

کہکشاں پیچھے ہٹتی رہی اور پھر حمید نے یک بیک اس پر چھلانگ لگا دی۔ دوسرے ہی لمحے میں ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا اور کہکشاں فرش پر پڑی اسے خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اب تم بتاؤ.... اگر حلق سے ہلکی سی آواز بھی نکلی تو اپنا کام تمام سمجھنا۔"

"اس نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کئے ہوئے فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔ یہ اُس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ فریدی گھر پر موجود تھا۔ حمید نے جلدی جلدی اُسے بتایا کہ وہ ولماٹ ہاؤز میں پھنس گیا ہے اور پھر وہ اس داستان کو دہرا ہی رہا تھا کہ اس کے سر پر پشت سے کسی نے کوئی وزنی چیز رسید کر دی۔ گرتے گرتے حمید نے فائر کر دیا لیکن بے سود۔ گولی کسی کے بھی نہ لگ سکی۔ وہ بیہوش ہو گیا تھا۔

جب ہوش میں آیا تو اُسے محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں اُڑا جا رہا ہو۔ لیکن پھر جلد ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہ وہ کسی تیز رفتار بند گاڑی میں سفر کر رہا ہے۔

یہ سفر بھی جلد ہی ختم ہو گیا۔ گاڑی کسی جگہ رک گئی تھی۔ حمید کے ہاتھ پیر آزاد تھے۔ دفعتاً روشنی کا ایک بڑا دھبہ گاڑی کے اندر رینگ آیا۔ شائد دروازہ کھولا گیا تھا۔ پھر کسی نے اُسے اترنے کو کہا۔ حمید چپ چاپ اٹھا اور گاڑی سے باہر آ گیا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ گاڑی ایک بہت وسیع کمرے میں کھڑی ہے۔ یہ ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی وین تھی۔ اُس کمرے میں وین کے ڈرائیور سمیت چھ نفوس تھے۔ ان میں سے دو کو حمید بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ایک تو کہکشاں تھی اور دوسرا وہ سفیر جسے شائد اس فساد کی جڑ ہی کہنا مناسب ہوگا۔ وہ حمید کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"ہلو مائی ڈیئر کیپٹن حمید....!" کہکشاں مسکرائی۔ "تم لوگ بہت چالاک ہو۔"

"ہاں! محترمہ ہم لوگ کافی چالاک ہیں۔" حمید بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"ابھی وہ حضرت بھی اسی طرح لائے جا رہے ہوں گے۔ جو تم سے بھی زیادہ چالاک ہیں۔"

"کرنل فریدی۔" حمید نے سوال کیا۔

"ہاں کرنل فریدی۔ مگر نہ کہنا کیپٹن یہ چال کتنی شاندار تھی۔ دنیا میں کون ایسا گدھا ہے جو اپنے شکار کو ایسے کمرے میں بند کر دے جہاں فون موجود ہو۔ فریدی نے فون پر تمہاری چیخ اور فائر کی آواز بھی سنی ہوگی۔ کیا یہ سب کچھ اُسے ولماٹ ہاؤز پر چڑھ دوڑنے پر مجبور نہیں کر دے گا اور ولماٹ ہاؤز جو اب بالکل ویران ہے کیا اس کے لئے چوہے دان نہیں بن جائے گا۔"

"میرے خدا۔" حمید اپنی پیشانی رگڑ کر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اور پھر...!" کہکشاں مزے لے لے کر بولی۔ "تم دونوں موت کے گھاٹ اتار دیئے جاؤ گے"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سفیر کی طرف دیکھنے لگا تھا جس کے ہونٹوں پر اب بھی وہی طنزیہ مسکراہٹ موجود تھی۔

"یور ایکسیلنسی آخر ہم تینوں کا قصور.....!" حمید نے اُسے مخاطب کیا۔

"ہر معاملے میں ٹانگ اڑا بیٹھنا بہت بُرا ہوتا ہے۔" سفیر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ بھی ڈاکٹر ڈریڈ کے تیروں کا شکار بننا چاہتے ہیں۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ....!" سفیر نے حیرت سے کہا۔ "تم جانتے ہو۔"

"عظیم فریدی کیا نہیں جانتا۔"

کچھ دیر کے لئے سکوت طاری ہو گیا۔

پھر حمید نے کہا۔ "یہ عورت مجھ سے شادی کرنے والی تھی، لہٰذا اس کی بیوگی کا خیال تو رکھنا ہی چاہئے۔ اگر یہ شادی سے پہلے ہی بیوہ ہو گئی تو مجھے بڑا افسوس ہوگا۔"

"بکواس مت کرو۔ تم اپنی دانست میں مجھے بیوقوف بنا رہے تھے۔"

"بیوقوف تو تم اب بھی بن رہی ہو۔ کہکشاں ڈارلنگ۔ خیر تم نہیں سمجھ سکو گی۔ لیکن اتنا یا کہ اگر تم لوگوں نے فریدی کو قتل کرنے سے پہلے مجھے قتل کر دیا تو بڑے خسارے میں رہو گے۔"

"کیوں....؟" سفیر نے سوال کیا۔

"فریدی نے ابھی تک تم لوگوں کے متعلق اپنی رپورٹ پیش نہیں کی لیکن وہ جانتا ہے اس نے سارے کاغذات مکمل کر لئے ہیں اور یہ صرف میں جانتا ہوں کہ وہ ایسے کا کہاں رکھتا ہے۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو۔" سفیر نے بے چینی کے ساتھ پوچھا۔

"یہی کہ فریدی کے قتل سے پہلے مجھے نہ قتل کرنا۔ ورنہ وہ کاغذات بہر حال محکمے کے ہا جائیں گے۔ تم اُسے مار بھی ڈالو گے، تب بھی وہ ان کاغذات کا پتہ تمہیں نہ بتائے گا۔ وہ ا آدمی ہے۔ کاغذات تمہیں صرف مجھ سے مل سکیں گے۔ ورنہ پھر وہ محکمے کے ہاتھ لگیں گے۔"

ٹھیک اسی وقت ایک اور وین کمرے میں گھستی چلی گئی۔ یہ بھی سیاہ رنگ کی تھی اور بھی اسی وین کی سی تھی جس پر حمید لایا گیا تھا۔

"لے آئے....!" کہکشاں پُر مسرت لہجے میں چیخی۔

"لے آئے۔" ڈرائیور کی سیٹ سے آواز آئی۔

"شاباش.... اتارو اُسے۔"

وین کا دروازہ کھولا گیا اور دو آدمی ایک ایسے آدمی کو اٹھائے ہوئے باہر آئے جس کے ہاتھ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے اور اُس کے سر پر سیاہ رنگ کا اتنا بڑا غلاف منڈھا ہوا تھا کہ چہرہ چھپ گیا تھا۔

کہکشاں نے آگے بڑھ کر اس کے سر سے غلاف کھینچ لیا لیکن ساتھ ہی اس کے حلق سے عجیب قسم کی آواز بھی نکلی اور وہ کسی غضب ناک بلی کی طرح غرائی۔ "کیا تم لوگ گھاس کھا گئے ہو۔ یہ تو اپنا ہی آدمی ہے۔"

وہ دونوں بوکھلا کر اس کی طرف دوڑے لیکن اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس طرح ڈھیلے پڑ گئے جیسے یک بیک غباروں سے ہوا نکل گئی ہو۔

حمید نے قہقہہ لگایا اور پھر کہا۔ "دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ تم اَب بھی بیوقوف بن رہی ہو۔"

"اچھا تو تم جاؤ۔" کہکشاں نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول نکالتے ہوئے کہا۔

"ٹھائیں۔" ایک فائر ہوا لیکن حمید اُسی طرح کھڑا رہا جیسے پہلے کھڑا تھا البتہ کہکشاں کا پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا تھا اور بائیں ہاتھ سے اس طرح داہنا ہاتھ دبائے ہوئے تھی جیسے اس کے کلائی کے نکل بھاگنے کا خدشہ ہو۔

"ایسا بھی کیا مس تارا نائیڈو۔" کمرے کی خاموش فضا میں فریدی کی آواز گونجی جو بعد میں آنے والی وین سے نکل رہا تھا۔ "یہ اتنا بودا بھی نہیں ہے کہ کسی عورت کے ہاتھوں مر سکے۔ ویسے یہ خود بُری طرح مرتا ہے عورتوں پر۔"

تارا نائیڈو کا نام سن کر حمید کی آنکھیں پھیل گئیں۔

فریدی آٹھ آدمیوں میں تنہا کھڑا تھا، لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کی طرف قدم بھی بڑھا سکتا کیونکہ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے اور بارہ راؤنڈ میں سے صرف ایک راؤنڈ چلایا گیا تھا۔ گیارہ راؤنڈ ابھی باقی تھے۔

"میں ذرا ڈاکٹر ڈریڈ کے چکر میں پڑ گیا تھا یور ایکسیلنسی۔" فریدی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "ورنہ یہ کھیل بہت پہلے ختم ہو جاتا۔ سرخ گلاب بہت عرصے سے میری نظروں میں تھے اور عورت تارا نائیڈو بھی۔ یہ بیچاری اپنے متعلق بہتیری غلط فہمیوں میں مبتلا

ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ خود کو بہت چالاک اور دور اندیش سمجھتی ہے۔ اسی ل
اس نے کیپٹن حمید پر ڈورے ڈالے تھے۔ لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ اس حرکت سے خو
خسارے میں رہے گی۔ اس نے صرف یہ سن رکھا تھا کہ کیپٹن حمید عورتوں کا کیڑا ہے لیکن
نہیں جانتی تھی کہ اس سے کسی قسم کی معلومات حاصل کر لینا آسان کام نہیں ہے۔ کیا اب !
سرخ گلابوں کی کہانی بھی شروع کر دوں۔ مگر نہیں اس سے پہلے میں معلوم کرنا چاہوں گا کہ ڈا
ڈریڈ کو تم لوگوں سے کیا سروکار۔"

کسی نے جواب نہ دیا۔ آخر فریدی نے کہا۔ "اگر ڈاکٹر ڈریڈ خود ہی تم سے آٹکرایا ہے تو اس
وجہ بھی بڑی شاندار ہو گی۔ کیوں کیا ارادہ ہے۔ اس کے متعلق کچھ بتاؤ گے۔"

"تم خواہ مخواہ چند صلح پسند شہریوں پر تشدد کر رہے ہو۔" کہکشاں یا تارا نائیڈو نے کہا۔

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر سفیر سے بولا۔ "یور ایکسیلنسی آپ کی پوزیشن خراب ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ آپ کی حیثیت سے واقف ہو جانے کے بعد میں آپکے ہتھکڑیاں لگا سکتا لیکن فرض کیجئے اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں آپ کو پہچانتا ہی نہیں ہوں تو آپ چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح کٹہرے کے پیچھے ہوں گے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر ڈریڈ کا ان واقعات یا سفارت خانے سے کیا تعلق ہے۔

"اس کا تعلق نہ ان معاملات سے ہے اور نہ سفارت خانہ سے۔ فنچ کا اور اس کا کوئی ذاتی
ہے جس کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔"

"کیا یہ فنچ سفارت خانہ ہی سے تعلق رکھتا ہے۔"

"نہیں....!"

"وہ کہاں ملے گا۔"

"ہمیں اس کا پتہ معلوم نہیں۔ وہ ایک بُرا آدمی ہے۔ سفارت خانے کے عملہ کا اخلا
کرتا ہے۔ ان کے لئے کرائے کی لڑکیاں مہیا کرتا ہے۔"

"اور وہ لڑکیاں اس عورت کے توسط سے آتی ہیں۔" فریدی نے تارا نائیڈو کی طرف اشارہ

"ہرگز نہیں۔ یہ تو بہت اچھی لڑکی ہے۔ میرے سیکریٹری کی اسٹینو ہے۔"

"پھر آخر ہم لوگ یہاں کیوں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

لیکن اس کا جواب کسی سے بھی نہ بن پڑا۔

"حمید....!" فریدی بولا۔ "ہز ایکسیلنسی کے علاوہ اور سب کے ہاتھ ان کی ٹائیوں سے باندھ دو اور تارا نائیڈو کے لئے اپنی ٹائی استعمال کرو۔"

دفعتاً فریدی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور ایک آدمی چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا ہاتھ جیب کی طرف جا رہا تھا۔

"میں سب کو یہیں ختم کر دوں گا، ورنہ خاموشی سے اپنے ہاتھ بندھوالو۔ تمہارے جرائم کے لئے اتنے ثبوت میں نے مہیا کر لئے ہیں کہ دنیا کی کوئی عدالت تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔ تین خون تمہاری گردنوں پر ہیں۔"

"کشت و خون سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔" سفیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ سب کچھ محض فنچ کی ذات سے ہوتا رہا ہے اور فنچ سے سفارت خانے کا کوئی تعلق کبھی نہیں رہا۔ وہ ایک سیلانی آدمی ہے اور اوباش بھی۔"

"مگر سرخ گلاب والی لڑکیاں وہ ہی سفارت خانے تک پہنچایا کرتا ہے۔"

"ہاں.... آں.... وہ لڑکیوں کا کاروباری ہے۔"

"یور ایکسیلنسی.... پلیز.... اب میں جھوٹ برداشت نہیں کروں گا لہٰذا محتاط رہئے ورنہ ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات ہو جائے جو آپ کی شان کے خلاف ہو۔ بہرحال میں آپ لوگوں پر چارج لگائے بغیر یہاں سے نہیں لے جاؤں گا۔ میں آپ کے سفارت خانے پر الزام لگاتا ہوں کہ وہ ہماری حکومت کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اس کام کے لئے تارا نائیڈو ایسی لڑکیوں کو تربیت دیتی تھی، جو خوبصورت اور تعلیم یافتہ ہوں۔ پھر وہ انہیں ایک ایک کر کے فنچ کے توسط سے آپ تک پہنچاتی تھی اور سفارت خانہ سے انہیں اس کام کی نوعیت معلوم ہوتی تھی جس کے لئے وہ تارا سے ٹریننگ لے کر آتی تھیں اور پھر یہ لڑکیاں حکومت کے سربرآوردہ لوگوں پر ڈورے ڈال کر انہیں اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش کرتی تھیں تاکہ اُن سے حکومت کے راز معلوم کر سکیں۔ اس طرح آپ کے سفارت خانہ سے ہمارے ملک کو زبردست نقصانات پہنچے ہیں۔ اس رات جب میں اتفاق سے سفارت خانہ کی طرف جا نکلا تھا ایک لڑکی شیلا وہاں آنے والی تھی، جسے فنچ پہچانتا نہیں تھا تو یہ بیچاری یہاں بھی دھوکا کھا گئی۔ نہ یہ ایسا طریقہ رکھتی اور نہ میں اس راز سے واقف ہو سکتا اور نہ لیڈی انسپکٹر ریکھا شیلا کی جگہ لے سکتی۔ ویسے تارا نائیڈو کے لئے کام کرنے والے بڑے ہوشیار معلوم ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ سفارت خانے کے پھاٹک پر رات کو ڈیوٹی میں آنے والا سنتری شیلا کا پڑوسی ہے اسی لئے انہوں نے اُسے

ڈیوٹی پر پہنچنے ہی نہیں دیا تھا کیا آپ ان الزامات سے انکار کر سکتے ہیں۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ تارا نائیڈو کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔

"میں تم لوگوں پر الزام لگاتا ہوں کہ تم شیلا اور اُس کی بڑی بہن کے قاتل ہو۔ میں تم پر اس آدمی کے قتل کا بھی الزام لگاتا ہوں جس کی لاش دو دن پہلے ارجن پورے کے ایک پبلک پیشاب خانے میں ملی تھی۔ میں تم پر الزام لگاتا ہوں کہ تم فنچ نامی ایک بہت بڑے مجرم کو قانون کی دسترس سے بچانا چاہتے ہو۔ یہ بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔"

"ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ فنچ کہاں رہتا ہے۔" تارا بولی۔

"خیر دیکھا جائے گا۔ حمید.... کیا تم اپنا کام کر چکے۔"

"جی ہاں.... مگر تارا نائیڈو۔"

"اس کے لئے تمہیں اپنی ٹائی کھولنی پڑے گی۔"

دوسری صبح حمید گھر پر فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ پچھلی رات ان کی آخری ملاقات کوتوالی میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک فریدی غائب تھا۔ حمید کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ مجرموں کا کیا حشر ہوا۔ وہ تو یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھا کہ فریدی وہاں تک کیونکر پہنچا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر فریدی کو ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو حمید دوسری دنیا میں ہو کیونکہ تارا نے کچھ اس طرح یک بیک پستول نکال لیا تھا کہ حمید کو سنبھلنے تک کا موقع نہ مل سکتا ساتھ ہی اگر فریدی کا نشانہ خطا کر جاتا تب بھی نتیجہ وہی برآمد ہوتا جس کے لئے کم از کم حمی جوان العمری میں تو تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

دن ڈھلے فریدی گھر واپس آیا اور حمید کچھ اس طرح اپنے سوالات سمیت اس پر ٹوٹ پڑا کہ فریدی سچ مچ بوکھلا گیا۔ لیکن اب اس اسٹیج پر حمید سے پیچھا چھڑانا مشکل تھا۔

"ارے بھئی۔" فریدی نے کہا۔ "وہاں اس طرح جا پہنچنا معجزات میں سے نہیں تھا۔ جب مجھے پہلے ہی سے اس کا علم تھا کہ تارا ہی کہکشاں ہے تو پھر میں کس طرح مطمئن ہو سکتا۔ ویسے میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ عقل کی پتلی کرنا کیا چاہتی ہے چونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کی مصروفیات میں صرف میں ہی حارج ہو سکتا ہوں لہٰذا اس نے ہم سے قریب آنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اسے اس سلسلے میں مایوسی ہوئی۔ اگر تم اس سے بحیثیت کیپٹن حمید ملے ہوتے تب تو یقینی طور پر کسی نہ کسی طرح تمہارے پیٹ میں اتر جاتی۔ مگر دشواری یہ آ پڑی تھی کہ تم نے خود کو نیم دیوانہ پوز کرنا شروع کر دیا تھا۔ بہر حال مجھے اطلاع ملی کہ وہ تمہیں ولمات ہاؤز لے گئی۔

میں بھی اسی طرف آنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ تمہارا فون ملا جس میں تمہاری چیخ سنی۔ پھر فائر کی آواز سنی میں سمجھ گیا کہ یہ ہمارے لئے جال بچھایا جا رہا ہے پھر کچھ دیر بعد اطلاع ملی کہ تم اردن لاج پہنچا دیئے گئے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ولمات ہاؤز اس وقت بالکل ویران پڑا ہوا ہے۔ جس وقت میں ولمات پہنچا تارا کے آدمی پائیں باغ میں اِدھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے۔ میری موجودگی میں انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو زخمی کر کے باندھ لیا۔ پائیں باغ میں اندھیرا تھا۔ ان گدھوں نے اس بیچارے کو بولنے کا بھی موقع نہ دیا اور میرے دھوکے میں باندھ لے گئے۔ ایک بڑی سی سیاہ وین وہاں موجود تھی جس میں اس بیچارے کو ٹھونس دیا گیا۔ ایک بار پھر وہ دونوں شائد کسی کام سے عمارت کے اندر چلے گئے اور مجھے موقع مل گیا کہ میں بھی اسی وین میں بیٹھ جاؤں۔ وین کے اندر ایک گوشے میں تین چار چھولداریاں تہہ کی ہوئی رکھی تھیں۔ میں انکے پیچھے چھپ گیا۔ بس اس طرح وہاں تک میری رسائی ہوئی۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اور ڈاکٹر ڈریڈ۔"

"فی الحال اُسے جہنم میں جھونکو... جب اس کیلئے کام شروع کر دوں گا تب اسکی گفتگو کرنا۔"

"فنچ بھی نکل ہی گیا۔"

"ہاں.... یہ فنچ البتہ میرے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اور کچھ سوچنے لگا۔

جاسوسی دنیا نمبر61

پانی کا دھواں

(دوسرا حصہ)

وہ لڑکی

حمید کا بکرا اگر آدمی ہوتا تو وہ یا تو اب تک خودکشی کر چکا ہوتا یا نقاد ہو جاتا اور اُردو غزل کے متعلق یہی خیال ظاہر کرتا کہ "اس" نیم وحشی صنفِ سخن کی گردن بے تکان مار دینی چاہئے کیونکہ حمید اس وقت بھی اُسے ایک غزل ہی سنا رہا تھا۔

مگر بکرے نہ تو خودکشی کرتے ہیں اور نہ تنقید۔ ویسے وہ اگر آدمی ہوتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ غزل کی گردن مارنے کی بجائے حمید ہی کی گردن اڑا دیتا۔

حمید نے دوسری غزل شروع کی اور بکرے نے ہری ہری دوب پر منہ مارنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور غزل مکمل نہ ہو سکی۔ کیونکہ حمید نے اب نثر شروع کر دی۔ "ابے فلٹ ہیٹ پہن کر گھاس کھاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ چینیوں نے اتنی ترقی کی۔ جاپانی اتنے بڑھ گئے۔ مگر تو ہمیشہ بکرا ہی رہے گا۔"

تھوڑے ہی فاصلے پر فریدی بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ سردیوں کی ایک صبح تھی اور ابھی نو بجے تھے۔ لان پر بکھری ہوئی دھوپ بڑی خوش گوار معلوم ہو رہی تھی۔

حمید کا خیال تھا کہ اگر اخبارات بھی اتنے انہماک کے ساتھ دیکھے جانے لگیں تو دنیا کی کم از کم آدھی آبادی پاگل ہو سکتی ہے۔ اس لئے پہلے تو وہ کچھ دیر تک بکرے کو غزلیں سناتا رہا پھر اخلاقیات پر لیکچر شروع کر دیا۔

فریدی نے ایک بار سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک طویل سانس لی اور اخبار ٹی پائی پر رکھ کر سگار سلگانے لگا۔

حمید بکرے سے کہہ رہا تھا۔ "بکریوں کے پیچھے مارے مارے پھرنا اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔ آئندہ اگر میں نے تجھے کسی بکری کو آنکھ مارتے دیکھا تو تیری کھال کھینچ کر کسی یتیم خانے کو بھجوادوں گا۔"

"گدھوں کی نصیحت سے بکرے اثر نہیں لیتے۔" فریدی بولا۔

"اسی لئے میں نے آج تک کوئی گدھا نہیں پالا۔" حمید نے جواب دیا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور اگلی سیٹ پر نظر پڑتے ہ حمید نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر لیں اور زبان نکال کر فریدی کی طرف مڑ گیا۔

کار سے اترنے والی ایک نوخیز لڑکی تھی، جس کی عمر زیادہ سے زیادہ سولہ سال رہی ہو گی۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی آہستہ سے غرایا اور حمید نے زبان اندر کر لی۔ ویسے اس کے ہا اب بھی آنکھوں ہی پر تھے۔

لڑکی کار کے قریب کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔ ایک بار اس نے ان کی طرف بڑھنا چاہا۔ رک گئی اور وہیں سے کھڑے کھڑے کہا۔ "میں کرنل فریدی سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کیپٹن حمید سے ملنے کوئی نہیں آتا۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "خدا کرے دنیا کی سا لڑکیاں پاگل ہو جائیں۔"

"ہاتھ نیچے گراؤ۔" فریدی نے دانت پیس کر کہا پھر لڑکی سے بولا۔ "ادھر تشریف لائیے"

لڑکی کچھ بوکھلائی ہوئی آگے بڑھی۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے لان چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

"مم.... میں.... فریدی صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔" لڑکی ہکلائی۔

پھر اس نے کنکھیوں سے اس بکرے کی طرف دیکھا جس کے سر پر فلٹ ہیٹ اس ط جمائی گئی تھی کہ سینگیں باہر نکل آئی تھیں۔ گلے میں ٹائی لٹک رہی تھی اور پچھلی ٹانگوں پر کمر سرخ بلیزر کا پاجامہ تھا۔

"فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"کرنل صاحب سے ملا دیجئے۔"

"آپ فریدی ہی سے ہم کلام ہیں۔"

حمید بکرے کا کان پکڑ کر اُسے پورچ کی طرف لے جا رہا تھا۔

"اوہو....!" لڑکی چونک سی پڑی۔ "معاف.... کک.... کیجئے گا۔"

"کوئی بات نہیں.... ہاں.... آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں۔"

"ہم.... ایک بڑی مصیبت.... میں پھنس گئے ہیں جناب۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر لڑکی کے سر پر تھی اور لڑکی سر جھکائے سینڈل کی نوک سے زمین پر پڑی ہوئی دیا سلائی کی ڈبیہ کو ادھر ادھر کر رہی تھی۔

"آپ سر فیاض سے واقف ہوں گے۔"

"سر فیاض۔ جی ہاں.... میں انہیں جانتا ہوں۔"

"وہ میرے دادا ہیں۔" لڑکی بولی۔

"اوہ.... اچھا....!" فریدی نے اس انداز میں کہا جیسے وہ ابھی کچھ اور بھی سننا چاہتا ہو۔

"دراصل میں انہیں کے لئے آئی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قصے کو کہاں سے شروع کروں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں غلطی پر نہیں ہوں اور آپ کی مدد کے بغیر حالات درست نہیں ہو سکتے۔"

"میں حالات ہی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھئے میں بتاتی ہوں۔ پچھلی شام ہم لوگ اپنی ذاتی لانچ میں فن آئی لینڈ گئے تھے۔ ہمارے ساتھ دادا جان بھی تھے۔ جب ہم فن آئی لینڈ کے ساحل پر پہنچے تو ہماری لانچ ایک سفید رنگ کی ڑی کشتی کے قریب رکی۔"

"سفید کشتی۔" فریدی یک بیک چونک پڑا۔

"جی ہاں.... اور دفعتاً دادا جان بُری طرح کانپنے لگے۔ اُنکے منہ سے عجیب طرح کی آواز نکل ہی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی خوفزدہ بچہ کچھ کہنا چاہے لیکن زبان ساتھ نہ دے۔"

"ہوں.... اُوں.... میں سن رہا ہوں۔ آپ کہتی رہئے۔"

"پھر وہ بیہوش ہو گئے اور ہمیں واپس آنا پڑا۔ میرا خیال ہے کہ اس سفید کشتی پر کسی کو دیکھ کر

ان کی یہ حالت ہوئی تھی۔ اب میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ محض میرا شبہہ تھا یا حقیقت۔ اس کشتی پر ایک لمبے چوڑے آدمی نے اس طرح اپنی فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکانے کی کوشش کی تھی جیسے وہ کسی شناسا کی نظروں سے بچنا چاہتا ہو۔"

"آپ کا خیال درست بھی ہو سکتا ہے.... پھر کیا ہوا....؟"

"ہم انہیں گھر لے آئے تقریباً تین گھنٹے بعد انہیں ہوش آسکا لیکن اب تک ان کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہوئی۔"

"کیوں؟ ذہنی حالت ٹھیک نہ ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے۔"

"وہ رہ رہ کر چیخ اٹھتے ہیں۔ ارے بوند آئی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیسی بوند، تو اپنے سر پر انگلی رگڑ کر کہتے ہیں.... یہ رہی۔"

"اوہ....!" فریدی نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"اب سے تین ماہ پہلے کی بات ہے کہ ان کا دماغ اسی طرح الٹ گیا تھا اور یہی رٹا کرتے تھے ارے بوند آئی۔ پھر کافی دنوں تک علاج ہوتے رہنے پر حالت سدھر گئی تھی۔"

"اچھا پچھلا واقعہ کیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ پانچ یا چھ دنوں کیلئے تارجام گئے تھے۔ وہاں سے اس حالت میں واپس آئے۔"

"یعنی واپسی ہی اس دماغی خلل کی حالت میں ہوئی تھی۔"

"جی ہاں....!"

فریدی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "کیا وہ تارجام سے تنہا واپس آئے تھے۔"

"جی نہیں۔ ہمارے ایک کارخانے کا منیجر انہیں لایا تھا۔"

"تارجام میں وہ کہاں رہے تھے۔"

"کہیں بھی نہیں۔ جس دن وہ وہاں پہنچے اسی دن منیجر انہیں واپس لایا تھا۔"

"ابھی تو آپ نے پانچ یا چھ دن کہے تھے۔"

"جی ہاں۔ یہاں سے جانے کے چھٹویں دن ہی وہ واپس آئے تھے لیکن منیجر کے بیان مطابق وہ اسی دن وہاں پہنچے تھے اور ان کی ذہنی حالت درست نہیں تھی۔"

"اوہ... تو آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ وہ پانچ دن انہوں نے کسی نامعلوم جگہ پر گذارے تھے"

"جی ہاں.... یہ بات آج تک نہ معلوم ہو سکی کہ وہ کہاں رہے تھے۔"

"کیا وہ تنہا گئے تھے۔"

"جی ہاں.... ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ ڈرائیور بھی نہیں۔ کار انہوں نے خود ہی ڈرائیو کی تھی۔"

"انہوں نے کچھ نہیں بتایا کہ وہ پانچ دن کہاں گذارے تھے۔"

"جی نہیں۔ ذہنی حالت درست ہو جانے پر انہیں یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ وہ تارجام کے لئے گھر سے روانہ ہوئے تھے۔"

"اچھا وہ اس منیجر تک کس طرح پہنچے تھے۔"

"منیجر اس کے متعلق اتنا ہی بتا سکا تھا کہ وہ تارجام والے آفس میں یہی چیختے ہوئے گھسے تھے۔ "ارے بوند آئی۔" اور باہر ان کی کار موجود تھی۔"

"تو گویا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ خود ہی کار ڈرائیور کرتے ہوئے وہاں تک پہنچے تھے یا کوئی دوسرا پہنچا گیا تھا۔"

"جی ہاں.... وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لڑکی بار بار پورچ کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ جہاں حمید بکرے کے پاس کھڑا غالباً اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"اچھا....!" کچھ دیر بعد فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "دماغی خلل کی حالت میں وہ اور کیا کہتے ہیں۔"

"ارے بوند کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ان سے لاکھ پوچھا جاتا ہے کہ کیسی بوند۔ لیکن وہ کچھ نہیں بتاتے؟"

"خیر میں دیکھوں گا کہ کیا معاملہ ہے۔"

"کیا آپ ساتھ نہیں چل سکتے۔" لڑکی نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"چل سکتا ہوں۔"

"اوہ.... بہت بہت شکریہ جناب۔"

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی اور حمید اپنی کار میں سر فیاض کی قیام گاہ ارون لاج کی طرف جا رہے تھے۔ یہ شہر کی معدودے چند شاندار عمارتوں میں سے تھی اس کا مالک سر فیاض بڑے سرمایہ داروں میں سے تھا۔

حمید نے پوچھا۔ "یہ لڑکی ہمیں کہاں لے جا رہی ہے۔"

"اپنے گھر....!"

لڑکی کی کار آگے تھی۔ حمید نے پائپ کا ایک لمبا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"ہم وہاں کتنے دن قیام کریں گے۔"

"جتنے دن تم چاہو۔"

"اس کی بڑی بہنیں بھی ہوں گی۔"

"زبان بند رکھو۔ اگر تم نے اس بکرے کو جلد ہی گھر سے نہ ہٹایا تو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"آپ پہلے اپنے کتوں کا انتظام کیجئے۔ میں بکرے کے معاملے میں بہت زیادہ حساس واقع ہوا ہوں، لہٰذا مجھے توقع ہے کہ آپ اس مسئلے پر آئندہ بہت احتیاط سے گفتگو کریں گے۔"

"میں بہت احتیاط سے تمہیں چانٹا مار دوں گا۔"

"آپ کچھ بھی کیجئے بکرا وہیں رہے گا جہاں اب ہے ویسے میرا خیال ہے کہ آپ اس لڑکی کے تذکرے پر بکرے کے تذکرے کو ترجیح دیتے ہیں۔"

"حمید تمہیں کب عقل آئے گی۔ اس قسم کی گھٹیا حرکتیں سارا وقار خاک میں ملا دیتی ہیں۔"

"مجھے وقار سے قطعی دلچسپی نہیں ہے۔ میں معمولی آدمیوں کی طرح زندہ رہنا چاہتا ہوں وقار کے جراثیم ٹی۔بی کے جراثیم سے بھی زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔"

"اچھا بکواس بند کرو۔" فریدی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا اور حمید خاموش ہو گیا۔

وہ اگلی کار والی لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ لڑکی کافی دلکش تھی اور اس کی آواز میں بڑی جنسی کشش تھی۔

لیکن فریدی نے ابھی تک اس کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ ویسے حمید کا اندازہ تھا کہ کسی اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔

اگلی کار ارون لاج کے پھاٹک میں مڑ گئی۔

"ہائیں.... یہ تو ارون لاج ہے۔" حمید یک بیک اچھل پڑا۔

"ہاں.... اور وہ سر فیاض کی پوتی ہے۔"

"سر فیاض کی پوتی۔" حمید ہکا بکا رہ گیا۔ پھر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ اتنے میں ان کی کار بھی ارون لاج کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

"کیوں.... تم ہنسے کیوں؟"

"کچھ نہیں...." حمید کی شرارت آمیز مسکراہٹ ابھی برقرار تھی۔

فریدی کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ کار سے اتر گیا۔

"آیئے... اِدھر آیئے۔" لڑکی نے کہا، جو اپنی گاڑی سے اتر کر پورچ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

فریدی اور حمید آگے بڑھے۔

"بس چلے آیئے۔ یہ تکلفات کا موقع نہیں ہے۔ میں آپ کو سیدھے دادا جان کی خواب گاہ تک لے چلوں گی۔"

فریدی نے پھر حمید کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ دیکھی۔

وہ عمارت میں داخل ہو رہے تھے، لڑکی آگے بڑھی۔ حمید اب بھی مسکرا رہا تھا، اور فریدی اسے بار بار کچھ اس انداز میں دیکھنے لگتا تھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

لڑکی ایک جگہ رک گئی۔ وہ ایک کمرے کے سامنے تھے جس کے دروازے پر ایک کشادہ قامت اور صحت مند آدمی اس انداز میں کھڑا نظر آ رہا تھا جیسے وہ انہیں آگے نہیں جانے دے گا۔

"یہ کرنل فریدی ہیں۔" لڑکی نے اس آدمی سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"یہ دادا جان سے ملیں گے۔"

اس کی پیشانی پر تین چار شکنیں ابھریں اور پھر غائب ہو گئیں۔ اس نے بڑے ادب سے فریدی سے پوچھا۔ "کیا سر فیاض آپ سے بخوبی واقف ہیں۔"

"نہیں ہم ایک دوسرے کے شناسا نہیں ہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تب تو میں معافی چاہتا ہوں جناب۔" اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔ "ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ انہیں اجنبیوں سے دور رکھا جائے۔"

دفعتاً اندر سے ایک روتی ہوئی سی آواز آئی۔ "بوند.... ارے بوند آئی۔"

فریدی لڑکی کی طرف مڑا اور لڑکی اس آدمی کو کھانے دوڑی۔ "ہٹ جاؤ سامنے سے ہم لوگ اندر جائیں گے۔ کرنل صاحب میری درخواست پر یہاں آئے ہیں۔"

"میں مجبور ہوں محترمہ۔" وہ دروازے پر جم گیا۔

"ارے بوند آئی.... مجھے ہٹاؤ.... ہٹاؤ یہاں سے۔" اندر سے پھر آواز آئی۔

"ہم اندر جائیں گے۔" لڑکی مٹھی باندھ کر ہاتھ جھٹکتی ہوئی بولی۔

"صرف آپ جا سکتی ہیں محترمہ۔"

فریدی بڑی توجہ سے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

"اچھا....!" لڑکی نے غصیلی آواز میں کہا اور کمرے میں گھستی چلی گئی۔ فریدی اور حمید

وہیں کھڑے رہے۔

دفعتاً حمید نے اس آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔ "ہمارے وقت کی بربادی اس عمارت پر تباہی بھی لا سکتی ہے۔"

فریدی نے اُسے حیرت سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ اس آدمی کی پیشانی پر پھر سلوٹیں ابھریں اور اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی مسکرایا "غالباً صاحب زادی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ شاید میں ان کے دادا جان کی علالت کے سلسلے میں کچھ کر سکوں۔"

"اوہ.... کیا آپ ڈاکٹر ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں...." فریدی نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور پھر اس کی طرف اپنا وزیٹنگ کارڈ بڑھاتا ہوا بولا۔ "آپ کا سر فیاض سے کیا تعلق ہے۔"

"میں ان کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں جناب۔" اس نے کارڈ پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "مگر جناب مجھے حیرت ہے کہ محترمہ شکیلہ نے آپ کو کیوں تکلیف دی۔"

فریدی نے پھر حمید کے ہونٹوں پر وہی غصہ دلانے والی مسکراہٹ دیکھی۔

اتنے میں لڑکی بھی واپس آگئی، اس کے چہرے پر جھلاہٹ اور مایوسی کے ملے جلے آثار تھے۔

"انہیں نیند آگئی ہے۔" اس نے فریدی سے کہا۔

"ہم ہمیشہ جاگتے رہتے ہیں۔ پھر کبھی آئیے گا۔" فریدی بولا۔

"میں کیا بتاؤں۔ مجھے یقین ہے۔" لڑکی نے کچھ اور بھی کہنا چاہا لیکن فریدی واپس جانے کے لئے مڑ چکا تھا۔

وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ حمید دونوں کے پیچھے تھا۔

لڑکی کہہ رہی تھی۔ "مجھے یقین ہے کہ دادا جان کی علالت قدرتی نہیں ہے۔ وہ کسی چکر میں پھنس گئے ہیں۔"

"کس چکر میں۔" فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔

"اگر مجھے یہی معلوم ہوتا تو آپ کو اس طرح کیوں تکلیف دیتی۔"

دفعتاً حمید بولا۔ "کیا آپ کو وہ بھکارن یاد ہے محترمہ شکیلہ جو ایک رات اپنے ساتھ ایک نوجوان خوانچہ فروش کو ہارون الرشید کے محل میں لے گئی تھی اور دوسری صبح وہ خوانچہ والا شہر میں اپنے لئے ایک دوکان تلاش کرتا پھر رہا تھا۔"

لڑکی چلتے چلتے رک گئی۔ اس نے حمید کو نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر مسکرا کر بولی۔ "آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔"

فریدی بھی رک گیا۔ وہ حمید کو گھور رہا تھا۔

"مگر شکیلہ صاحبہ!" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "نہ ہم خوانچہ فروش ہیں اور نہ ہمیں کسی ہارون الرشید کا دربار متحیر کر سکتا ہے۔ آپ نے ہمارا بہت قیمتی وقت برباد کرایا ہے۔ اُسے ہمیشہ یاد رکھئے گا۔"

بندر کا تعاقب

لڑکی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اس نے مسکرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

فریدی اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"د.... دیکھئے.... آپ غلط سمجھے۔" لڑکی ہانپتی ہوئی بولی۔ "میں سنجیدہ ہوں۔"

"سنجیدگی ہی کسی مذاق میں جان ڈالتی ہے۔" حمید کے لہجے کی خشکی بدستور برقرار تھی۔

"یہ مذاق نہیں تھا۔ آپ یقین کیجئے۔"

حمید فریدی کی طرف فاتحانہ انداز مین دیکھ کر مسکرایا۔ "لیکن فریدی نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ دونوں چلتے چلتے رک کیوں گئے ہیں۔"

"یہ مذاق نہیں تھا۔ میں بھی سمجھتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "پھر.... اب آپ کیا چاہتی ہیں۔"

"میں معذرت کرنا چاہتی ہوں۔" لڑکی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "ہو سکتا ہے میں غلطی ہی پر ہوں۔"

"ضروری نہیں کہ آپ غلطی ہی پر ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "میں ہر وقت اس کیس پر ہمدردی سے غور کر سکتا ہوں۔"

"تو آپ اُسے کیس تسلیم کرتے ہیں۔" لڑکی جلدی سے بولی۔

"ممکن ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہاں وہ سفید کشتی فن آئی لینڈ کے کس ساحل پر دیکھی تھی آپ نے۔"

حمید سفید کشتی کے تذکرے پر فریدی کو گھورنے لگا۔

"جی ہاں۔"

"آپ کا کیا خیال ہے.... کیا وہ کسی بحری فوج سے متعلق تھی۔"

"میں نے اس پر اس قسم کا کوئی نشان نہیں دیکھا جسکی بناء پر اسے بحری فوج کی کشتی سمجھ سکتی

"کیا وہ آپ کی لانچ سے بڑی تھی۔"

"جی ہاں.... وہ ہماری لانچ سے چار گناہ زیادہ بڑی رہی ہو گی۔"

"بادبانی کشتی؟"

"جی نہیں.... اس میں موٹر ہی تھا.... اوہ.... ہم یہاں کھڑے کیوں ہیں۔ اسٹڈی میں چلئے

"نہیں.... شکریہ۔" فریدی نے کہا۔ "آپ کی لانچ اس وقت کہاں ہو گی۔"

"وہ ساحل ہی پر رہتی ہے۔ اس وقت بھی ہو گی۔ کرائے پر چلنے والی لانچ نہیں ہے۔"

"کیا آپ فن آئی لینڈ تک چل سکیں گی۔ میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں آپ کو سفید کشتی نظر آئی تھی۔"

"میں ضرور چلوں گی۔"

"تو آیئے۔"

حمید متحیر تھا۔ اُسے علم تھا کہ فریدی عرصہ سے کسی سفید کشتی کی فکر میں ہے، لیکن یہاں اس کا تذکرہ کیا معنی رکھتا تھا۔ اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ گھر پر اُن دونوں میں کس مسئلے پر گفتگو ہوئی تھی، کیونکہ وہ تو اپنے بکرے سمیت وہاں سے ٹل ہی گیا تھا۔

وہ عمارت سے باہر آئے۔ فریدی نے لڑکی سے کہا۔ "میری ہی گاڑی میں چلئے۔ میں آپ کو یہاں چھوڑ جاؤں گا۔"

حمید کی حیرت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ لڑکی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ حمید فریدی کے ساتھ ہی بیٹھا اور کار بندر گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

"کیا سر فیاض کا سیکریٹری ان کے معاملات میں بہت زیادہ دخیل ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہت زیادہ....!" لڑکی نے جواب دیا۔

"یہ کتنے دنوں سے ان کی ملازمت میں ہے۔"

"تین سال سے۔ مگر آپکو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ انکے معاملات میں بہت زیادہ دخیل ہے۔"

"یہ میرا اندازہ ہے۔"

"کمال ہے۔" لڑکی نے حیرت ظاہر کی۔

"ارون لاج میں سر فیاض کے کتنے اعزہ رہتے ہیں۔"

"میں ہوں۔ میری ممی اور ڈیڈی۔ میری دو چھوٹی بہنیں۔"

"مگر مجھے حیرت ہے کہ سر فیاض کی تیمارداری صرف سیکریٹری کو کرنی پڑتی ہے۔"

"دادا جان بیچارے بہت سیدھے آدمی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مردود انہیں بلیک میل کر رہا ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"انداز کچھ ایسا ہی ہے۔" لڑکی طویل سانس لے کر بولی۔ "وہ ان پر چھایا ہوا ہے۔ آخر اس کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہئے۔ وہ حقیقتاً اس سے خائف رہتے ہیں۔ خود انہوں نے گھر بھر کو تاکید کر رکھی ہے کہ مخدوم کے معاملات میں کوئی دخل نہ دے۔ مخدوم اس کا نام ہے۔"

"اوہو.... تب تو واقعی آپ کا خیال درست بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ مجھے بہت ذہین معلوم ہوتی ہیں۔"

لڑکی کچھ نہ بولی اور حمید ہولے ہولے کراہنے لگا۔ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"انہیں سب وجوہات کی بناء پر میں نے آپ کو تکلیف دی تھی۔"

"کیا اس دن لانچ پر آپ لوگوں کے ساتھ سیکریٹری بھی تھا۔"

"جی ہاں.... وہ بھی تھا۔"

"یہ تو آپ جانتی ہی ہوں گی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔"

"ہمیشہ ارون لاج ہی میں رہتا ہے۔ اس تین سال کے عرصے میں میں نے اُسے کبھی چھٹی لیتے بھی نہیں دیکھا۔ اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا۔"

"آپ کے متعلق بھی تو کوئی کچھ نہیں جانتا۔" حمید بول پڑا۔

"دیکھئے آپ نہ جانے کیا سمجھ رہے ہیں۔ ان معاملات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"کن معاملات کا۔" فریدی نے پوچھا اور لڑکی ہنسنے لگی۔

"یہ معاملات آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔" حمید نے منہ بنا کر خشک لہجے میں کہا۔

فریدی نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ شائد وہ اس لڑکی کی موجودگی میں حمید سے نہیں الجھنا چاہتا تھا۔

کار بندر گاہ کے علاقے میں داخل ہو رہی تھی۔

"مغربی گوشے کی طرف چلئے۔" لڑکی نے کہا۔ "ہماری لانچ اُدھر ہی رہتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ کشتی بان موجود ہی مل جائے۔"

"کوئی دوسرا لانچ لے لیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"مگر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ سفید کشتی اس وقت بھی ہمیں وہاں موجود مل جائے۔" نے کہا۔

"نہیں.... ضروری نہیں ہے۔ میں تو صرف وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں وہ اس دن آئی تھی۔"

"ہاں.... یہ بھی اپنی یادداشت کی مدد سے بتا سکوں گی۔"

فن آئی لینڈ ساحل سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ چھوٹا سا جزیرہ درا ایک عمدہ تفریح گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ شہری لوگ یہاں آوٹنگ کے لئے آتے تھے۔ اس رونق کیلئے کوئی دن مخصوص نہیں تھا۔ تقریباً روز ہی یہاں شہری مصروفیتوں سے اکتائے ہو لوگوں کے جم غفیر نظر آتے تھے۔

وہ تینوں ایک لانچ میں بیٹھ کر فن آئی لینڈ کے لئے روانہ ہوگئے۔

"آپ کس ایئر میں پڑھتی ہیں۔" فریدی لڑکی سے پوچھ رہا تھا۔

"سیکنڈ ایئر میں۔ دراصل مجھے پڑھنے سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔"

"پھر کیوں وقت برباد کر رہی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"وقت گزارنے کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ ابھی تک ہاتھ نہیں آیا۔"

"آپ مجھ سے ملی ہوتیں۔" حمید نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ "میں اب تک درجنوں کا پار کر چکا ہوں۔"

"کیا مطلب۔"

"اوہ.... کچھ نہیں.... بس سماجی خدمت.... ماحول سے اکتائی ہوئی لڑکیوں کو راہِ راس پر لگا دیتا ہوں۔"

"میں ماحول سے اکتائی نہیں ہوں۔"

"تب تو پھر ٹھیک ہے۔"

"آپ اکثر یہاں آتی رہتی ہوں گی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اس سے پہلے کبھی آپ کو وہاں وہ کشتی نظر آئی تھی۔"

"اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتی۔ وہ تو اُس دن واقعہ ہی ایسا پیش آیا تھا کہ وہ کش

میرے ذہن میں محفوظ ہوگئی۔ ورنہ کتنی ہی کشتیاں نظروں سے گذرتی رہتی ہیں۔"

حمید کشتی کے تذکرے سے اکتا گیا تھا۔

"یہ مذاق کتنی دیر میں ختم ہوگا شکیلہ صاحبہ۔" اس نے کھردرے لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ یہ مذاق نہیں ہے۔"

"تم بہت دیر سے کسی مذاق کا تذکرہ کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"الف لیلیٰ کی داستان ہے۔" حمید نے کہا اور لڑکی ہنسنے لگی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر حمید بولا۔ "سردیوں کی ایک رات تھی۔ کوئنس روڈ پر ایک خوانچے والا مونگ پھلی بیچ رہا تھا کہ نوجوان بھکارن اس کے قریب آئی۔ بھکارن بڑی خوبصورت تھی۔ اس کے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح نازک تھے اور آنکھوں سے ستارے جھانکتے تھے۔"

"فضول باتیں۔" لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر شرمیلے انداز میں کہا۔

حمید فریدی کو آنکھ مار کر مسکراتا ہوا بولا۔ "بھکارن خوف زدہ تھی۔ اس نے خوانچے والے سے کہا کہ وہ اسے اس کے ٹھکانے تک پہنچا دے کیونکہ اسے ایک آدمی کی طرف سے خطرہ ہے۔ خوانچے والے کی رال ٹپک پڑی۔"

"آپ پھر بے کار باتیں کرنے لگے۔" لڑکی نے غصیلے انداز میں کہا۔

"بہر حال وہ خوانچے والا اسے اس کے گھر تک پہنچانے پر آمادہ ہوگیا۔ مگر جب وہ عظیم الشان عمارت کے سامنے پہنچا تو اس کے قدم رکنے لگے۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ اس کی اندھی ماں اسی کمپاؤنڈ میں ایک جھونپڑی میں رہتی ہے۔ مالک مکان ایک شریف آدمی ہے، جس نے رحم کھا کر رہنے کو جگہ دے دی ہے۔ خوانچے والے کو اطمینان نہ ہوا۔ اس کی جیب میں دن بھر کے کمائے ہوئے تین چار روپے تھے وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ کسی بدمعاش کی کارندہ نہ ہو۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا۔ دو تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔"

فریدی بہت زیادہ توجہ اور دلچسپی سے سن رہا تھا۔ اس نے ایک بار لڑکی پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید پائپ کے دو تین کش لے کر بولا۔ "تھوڑی ہی دیر بعد اس نے خود کو ایک بہت بڑے کمرے میں پایا جہاں قرونِ وسطیٰ کے کسی شہنشاہ کی سی محفل گرم تھی۔ ناچ ہو رہا تھا اور دو رویہ چند لوگ بیٹھے سر دھن رہے تھے، جیسے ہی وہ وہاں پہنچا تخت پر بیٹھے ہوئے شہنشاہ نے ناچ رکوا دیا اور بولا۔ ارے یہ باختر کا شہزادہ کہاں سے آگیا۔ غرضیکہ اس بیچارے نے ایک الف لیلوی رات

گذاردی۔ بہترین قسم کے کھانے کھائے۔ عہد قدیم کا قیمتی لباس پہنا اور جب صبح ہونے کو آ
اس کی اچھی طرح مرمت کرنے کے بعد اسے پانچ ہزار روپے دیئے گئے اور مونگ پھلیوں کا خو
ضبط کرلیا گیا۔ دو دن تک تو وہ تقریباً نیم دیوانہ سا رہا پھر جب اُسے یقین آگیا کہ وہ پانچ ہزار اسی
ہیں تو اس نے اپنے نئے بزنس کی بنیاد ڈالی اور اب وہ شہر کے بڑے جنرل مرچنٹس میں سے ہے۔

لڑکی ہنستی رہی پھر بولی۔ ''کسی زمانے میں ہماری تفریحات کچھ اسی قسم کی ہوا کرتی تھیں
یہاں ایک نہیں کئی تاجر ہماری تفریحات ہی کی بناء پر اپنی موجودہ حیثیت بنا سکے ہیں۔ اوہو
کتنی دلچسپ چیز ہوتی تھی ان لوگوں کی بوکھلاہٹ ان میں سے کئی لوگوں کو تو میں نے اپنے جسم
میں بار بار چٹکیاں لیتے بھی دیکھا تھا۔ جیسے انہیں اپنی بیداری پر یقین ہی نہ ہو۔''

وہ ہنستی رہی اور حمید بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا پھر بولا۔ ''مجھے تو اس وقت علم ہوا جب آ
لوگ اپنے یہ طریقہ تفریح ترک کر چکے ہیں۔ ورنہ ایک ہی رات زندگی بھر کے لئے کافی ہوتی

''کیا ہماری یہ حرکتیں غیر قانونی تھیں۔'' لڑکی نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مگر آپ لوگوں کے خلاف کیس ضرور بن
تھا۔ بشرطیکہ تفریح کا شکار ہونے والا کوئی آدمی اس پر تیار ہو جاتا۔''

لڑکی نے اس جملے کی وضاحت نہیں چاہی۔ غالباً وہ اس مسئلے پر فریدی سے متفق تھی۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ ''آج تک ایسی کوئی مثال میری نظروں سے
گزری جب کسی دادا نے اپنی تفریح کے لئے پوتی کو استعمال کیا ہو۔''

''آج تک میں نے کوئی ایسا پڑھا لکھا آدمی نہیں دیکھا، جو بکروں سے دل بہلاتا ہو۔'' ا
نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''گو مجھے کیپٹن حمید صاحب سے ملنے کا شرف پہلے کبھی نہیں حاصل
لیکن ان کے متعلق میری معلومات وسیع ہیں۔''

''ہیں نا....!'' حمید چہک کر بولا۔ ''پھر آپ خود ہی سمجھتی ہوں گی کہ کیپٹن حمید کو بیو تو
بنانے کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔''

''کیا آپ لوگوں کو اب تک یہی شبہ ہے کہ میں آپ کا وقت برباد کر رہی ہوں۔''

''ایسے حالات میں شبہ ہو بھی سکتا ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''ہو سکتا ہے یہ بھی
رومانٹک ڈرامہ ہو۔''

''میں کس طرح یقین دلاؤں۔'' لڑکی نے بے بسی سے کہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولی۔

''آپ ان ڈاکٹروں سے معلوم کر سکتے ہیں جو دادا جان کا علاج کر رہے ہیں۔ کیا کرنل ر

غیر سنجیدہ آدمی ہیں۔ کیا ڈاکٹر مکرجی ہمارے کسی مذاق میں شریک ہو سکتے ہیں.... کیا ڈاکٹر۔''

''اوہ....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں نے صرف خیال ظاہر کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب
نہیں کہ میرا خیال درست ہی ہو۔''

''آپ مجھے بتائیے کہ فی الحال کون سی مہم درپیش ہے۔'' حمید نے فریدی سے کہا۔ ''پھر میں
فیصلہ کر سکوں گا کہ اصلیت کیا ہے۔''

فریدی نے کم از کم الفاظ میں لڑکی کی داستان دہرائی اور پھر بولا۔ ''فی الحال تم کوئی فیصلہ نہ
کر سکو گے۔''

''کیوں نہ کر سکوں گا۔ یہ داستان بھی کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ معلوم ہوتی ہے۔''

''جاسوسی ناولوں کے پلاٹ بھی انسانی ذہن کی پیداوار ہوتے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''میں تو یقین نہیں کر سکتا۔ آپ کیجئے۔'' حمید بولا۔

''میرا خیال ہے کہ آپکے یقین یا بے یقینی کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔'' لڑکی چڑھ کر بولی۔

''کیا؟ یہ آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں۔ یعنی کیپٹن حمید سے۔''

''جی ہاں آپ سے کہہ رہی ہوں۔''

''اوہو.... ہم پہنچ گئے۔'' فریدی بولا۔

وہ فن آئی لینڈ سے بہت قریب تھے۔ فریدی نے لڑکی سے کہا۔ ''اب آپ بتائیے لانچ کدھر
لڑی کی جائے۔ میں صرف وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں آپ کو سفید کشتی نظر آئی تھی۔''

لانچ کی رفتار بہت سست ہو گئی۔ لڑکی کے اشارے پر لانچ کا رخ موڑا گیا اور پھر لڑکی کے
بیان کے مطابق لانچ ٹھیک اسی جگہ پر رک گئی جہاں اس نے سفید کشتی دیکھی تھی۔

وہ لانچ سے اتر گئے۔ جزیرہ بناوٹ کے اعتبار سے کسی پہاڑی علاقے کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا
تھا۔ کہیں غار تھے اور کہیں اونچے اونچے ٹیلے۔ جہاں کہیں بھی مسطح زمین ملی تھی، عمارتیں بنادی گئی
تھیں۔ پارک اور باغات ترتیب دیئے گئے تھے، اکثر باربردار جہازی کمپنیوں کے دفاتر بھی یہیں تھے۔

اچانک حمید نے فریدی کو ایک جانب نشیب میں تیزی سے اترتے دیکھا اور قبل اس کے حمید
آگے بڑھتا وہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ نشیب کے کسی غار میں
جا گرا ہو۔ حمید کے پیچھے لڑکی بھی دوڑی اور بدستور دوڑتی رہی پھر وہ مسطح زمین پر پہنچ گئے لیکن
فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

حمید نے ان غاروں کی طرف دیکھا جنہیں وہ اوپر چھوڑ آیا تھا لیکن آخر فریدی ان غاروں

میں کیوں اترنے لگا۔ حمید آج پہلی بار یہاں نہیں آیا تھا۔ پورا جزیرہ اس کا دیکھا ہوا تھا۔ اُسے کہ یہ غار سانپوں اور دوسرے زہریلے کیڑوں مکوڑوں سے پُر ہیں۔

"کیا فریدی صاحب کو بندروں سے اتنی ہی دلچسپی ہے۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"وہ ایک بندر کے پیچھے دوڑے تھے۔"

"دیکھئے.... میں ایسے مواقع پر مذاق نہیں پسند کرتا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"ارے.... آپ کو ہو کیا گیا ہے آخر۔ یہاں جو بات بھی زبان سے نکلی۔ مذاق مذا سمجھتے ہیں آپ۔ میں دن رات مذاق ہی کیا کرتی ہوں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ حالانکہ اس جزیرے میں بندروں کی کثرت تھی۔ لیکن ابھی اس وقت قریب و جوار میں ایک بھی بندر نہیں نظر آیا تھا۔ بندر عموماً کناروں سے دور ہی دور رہتے سوچ میں پڑ گیا لڑکی متجسسانہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ کس کے مشورہ پر ہم لوگوں کے پاس آئی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نے کسی سے مشورہ نہیں لیا تھا۔" لڑکی نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "آخر میری بات پر یقین کیوں نہیں آتا۔ کیا آپ کی تفریحات عام آدمیوں کی تفریحات سے نہیں ہوتیں۔ پھر آپ ایک ذمہ دار آفیسر کیوں ہیں۔ آپ کا محکمہ آپ پر کیسے اعتماد کر آدمی اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں تو غیر سنجیدہ نہیں رہتا۔"

"میری بات الگ ہے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "مجھے بچپن ہی میں پاگل کتے نے کاٹا تھ

"اب کیا یہ بات آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ وقت اچھا گزر سکتا ہے۔ اُسے کے دادا کی پر اسرار علالت سے دلچسپی تھی اور نہ اس سفید کشتی سے جس کے لئے فریدی تک آیا تھا البتہ اگر لڑکی کا بیان درست تھا تو وہ اس بندر میں ضرور دلچسپی لے سکتا تھا جس فریدی نے دوڑ لگائی تھی۔

"آپ نے کچھ دیر پہلے میرے بکرے کا تذکرہ بہت بدتمیزی سے کیا تھا۔" حمید نے آواز میں کہا۔

"آپ شائد مجھ سے جھگڑا کرنا چاہتے ہیں۔" لڑکی مسکرائی۔ "لڑنا جھگڑنا میرا محبوب مشغلہ

"آپ اس وقت دنیا کی ساری عورتوں کی نمائندگی کر رہی ہیں۔"

"اوہ.... وہ....!" دفعتاً لڑکی نے چونک کر ایک طرف اشارہ کیا۔ حمید ادھر دیکھنے لگا۔ اوپر کے ایک غار سے فریدی باہر آ رہا تھا۔ وہ جلد ہی ان تک پہنچ گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" اس نے لڑکی سے کہا۔ "میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکوں گا۔ اگر آپ واپس لی جائیں تو بہتر ہے۔ ویسے اگر آپ چاہیں تو میری کار استعمال کر سکتی ہیں۔ میں واپسی پر اُسے ون لاج سے لے لوں گا۔"

ننھا آدمی

لڑکی خاموش رہی۔ اس نے کچھ کہنے کیلئے ہونٹ ضرور ہلائے تھے لیکن پھر چپ ہی رہی تھی۔

"پھر آپ نے وعدہ کیوں کیا تھا۔" حمید نے کچھ اس انداز میں کہا جیسے اس وعدہ خلافی کی بناء لاکھوں کا نقصان ہو گیا ہو۔

"کوئی بات نہیں ہے جناب۔" لڑکی جلدی سے بولی۔ "میں تنہا چلی جاؤں گی۔ آپ کی گاڑی لے جانے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں ساحل سے ٹیکسی کر لوں گی۔ مگر آپ شائد کسی بندر کے پیچھے دوڑے تھے۔"

"ہاں....!" فریدی ہنسنے لگا۔ "مجھے بندر بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"کیا؟" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"بندر.... بس....!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میرے خیال میں یہ وہی بڑا بندر تھا جسے لوگوں نے اکثر سگریٹ پیتے بھی دیکھا ہے۔" لڑکی بولی۔

"میں نے تو سنا ہے کہ وہ یونیورسٹی سے فلسفے کی کلاس بھی لیتا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

فریدی چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم انہیں ارون لاج چھوڑ کر گھر چلے جانا۔"

"اور اگر میں ان کے ساتھ ارون لاج ہی میں رہ جاؤں تو آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"اعتراض مجھے ہونا چاہئے۔" لڑکی ہنسنے لگی۔ "کرنل صاحب کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"بس جاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

وہ دونوں چل پڑے۔ فریدی وہیں رہا اوپر پہنچ کر حمید نے کہا۔ "یہاں کے ریستوران میں جھینگے بہت اچھے فرائی کئے جاتے ہیں۔"

"جھینگے مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔"

"تو پھر ایک ایسا ہوٹل بھی ہے یہاں جہاں بھینس مسلم بھی مل جائے گی۔"

"میں صرف کافی پینا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر آیئے۔ مجھے یہ جزیرہ بہت پسند ہے۔ اگر یہاں زمین مل سکتی تو ایک چھوٹا بنگلہ کراتا۔"

"کاش مجھے یہاں ایک قبر ہی زمین مل سکتی۔ مجھے بھی یہ جزیرہ بہت پسند ہے۔"

"آپ کس عمر میں مرنا پسند کریں گی۔"

"جس عمر میں بھی کوئی ایسا ساتھی مل گیا جو میرے ساتھ ہی مرنا پسند کرے ورنہ اا دنیا کی تنہائی مجھے کھا جائے گی۔ اب آج کل میں بہت شدت سے بور ہوں۔"

"کیوں بور ہیں؟"

"دادا جان کی علالت۔ ہم دونوں بہترین ساتھی تھے۔"

"ایسے سعادت مند داداؤں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے

"میرا دادا تو بڑا خونخوار آدمی تھا۔ پتہ نہیں جنت میں فرشتوں سے اس کی کیسے بنتی ہوگی۔"

"اوہو....! آپ بڑے بے درد آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ مرے ہوئے لوگوں کا تذکر طرح نہیں کرتے۔"

"میں مجبور ہوں۔ اس دادا کی وجہ سے میری زندگی برباد ہوگئی۔"

"کیوں....؟"

"کچھ نہیں۔ وہ خود فوج میں جمعدار تھا۔ جب میں بی۔اے کر چکا تو مجھے کمیشن دلو دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا لیکن جنگ چھ ماہ سے زیادہ نہ چل سکی۔ پھر میں نہیں جانتا کہ مجھ سے محکمہ سراغ رسانی میں کیوں دھکیل دیا گیا۔"

"اوہ.... تو آپ کو یہ زندگی پسند نہیں۔"

"قطعی نہیں....!"

"حالانکہ کسی دوسرے شعبے میں آپ اتنی شہرت نہیں حاصل کر سکتے تھے۔"

"خیال ہے.... آپ کا.... اگر مجھے لڑکیوں کا سپہ سالار بنا دیا جائے تو میں ساری دنیا غرق کر سکتا ہوں۔ پھر اس شہرت کا کیا پوچھنا۔"

وہ ایک ریسٹوران میں داخل ہوئے۔ حمید نے جھینگوں اور کافی کا آرڈر دیا۔

بیٹھتے ہی پچھلا تذکرہ پھر چھڑ گیا۔

"یہ کرنل فریدی کس طرح آئے تھے اس محکمے میں۔ کیا وہ بھی فوج میں تھے۔"

"یہ دماغی فتور کا نتیجہ ہے۔ آکسفورڈ سے ایم اے کیا۔ کرمنالوجی پر عرصہ تک تحقیق کرتے ہے۔ کچھ دن لیبورٹری ورک بھی کیا اور اس کے بعد تھانیدار ہوگئے.... خدا کی پناہ۔"

"تھانے دار ہوگئے کیا مطلب....!"

"پولیس ٹریننگ میں چلے گئے جس کے لئے ہمارے میٹرک پاس نوجوان بے تاب رہا کرتے ں، بہر حال کچھ دن تھانے دار رہے پھر محکمہ سراغ رسانی میں چلے آئے۔ اس وقت سے اب تک ں ہیں اور مرنے کے بعد شاید دفتر ہی کے کسی حصے میں دفن کر دیئے جائیں۔"

"بیوی بچے کیوں نہیں ہیں۔"

"ہاں....!" حمید ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "اس سوال کا جواب ذرا مشکل ہے۔" وہ ا سکوڑ کر مسکرایا۔ پھر آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔ "بچے اس لئے نہیں ہیں کہ بیوی نہیں ۔ بیوی کیوں نہیں ہے اس کا جواب وہ خود ہی دے سکیں گے۔"

"آپ اپنی کہیئے۔" لڑکی مسکرائی۔

"میں....!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور دردناک آواز میں بولا۔ "ایک ایسے آدمی کے ٹنٹ سے کون شادی کرے گا جو بندر پکڑنے دوڑتا ہو۔"

اس کے لہجے پر لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی پھر بولی۔ "مجھے خود بھی حیرت ہے کہ فریدی ب اس بندر کے پیچھے کیوں دوڑے تھے انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے وہ اسے پکڑنا چاہتے ہوں۔"

"بس یہی باتیں ہیں جن کی بناء پر کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ مگر .... آپ نے اس بندر کے متعلق کچھ کہا تھا شاید یہی کہ وہ سگریٹ بھی پیتا ہے۔"

"جی ہاں.... میں اُسے یہاں کئی بار دیکھ چکی ہوں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بہت پرانا بندر ۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا قد چار فٹ سے بھی زیادہ ہو۔ معمولی بندروں سے بہت بڑا۔ لوگ اُسے نے کو دیتے ہیں اور وہ سگریٹ بھی پیتا ہے۔ اکثر اشارے سے سگریٹ مانگتا ہے۔"

"میں بھی اکثر یہاں آیا ہوں۔ لیکن ایسا کوئی بندر مجھے نہیں دکھائی دیا۔"

"ابھی کچھ ہی دنوں سے دکھائی دینے لگا ہے۔ مشہور ہے کہ وہ کسی جہاز سے اس جزیرے میں آیا تھا۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ لڑکی اسے غور سے دیکھ رہی تھی، اتنے میں ویٹر طلب کی ہوئی چیزیں

میز پر لگانے لگا۔ اس کے چلے جانے پر لڑکی بولی۔

"میں نے آج تک جھینگے نہیں کھائے۔"

"آج کھا کر دیکھو۔ بعض لوگ جھینگوں سے نفرت کرتے ہیں مگر وہی لوگ بکروں اوجھڑیاں تک کھا جاتے ہیں۔"

"میں نہیں کھاؤں گی۔ میں گوشت بہت کم کھاتی ہوں۔"

"یہ بڑی اچھی عادت ہے.... خیر ہاں.... کچھ نہیں.... دراصل میں ابھی تک یہی ن سوچ سکا کہ ہمیں کس قسم کی گفتگو کرنی چاہئے۔"

"اسی قسم کی گفتگو کہ اگر آپ کو لڑکیوں کا سپہ سالار بنادیا جائے تو آپ ساری دنیا کا بیڑہ غ کردیں۔ آپ بیٹھے کیوں ہیں.... کافی بنائیے۔"

"میں نے آج تک کسی لڑکی کے لئے یہ نہیں کیا۔"

"میں لڑکا ہوں۔"

"وہ تو میں شروع ہی سے محسوس کررہا ہوں۔ لیکن کافی آپ ہی کو بنانی پڑے گی۔"

"میرا نام شکیلہ ہے حمید صاحب۔"

"صورت بھی ایسی ہی ہے۔ اتنی حسین آنکھیں میں نے آج تک نہیں دیکھیں۔"

"مجھے اس قسم کی شاعرانہ باتوں سے دلچسپی نہیں ہے۔"

حمید خاموشی سے جھینگے کھاتا رہا اور کافی ٹھنڈی ہوگئی۔ شکیلہ کو شاید اس کی اس حر غصہ آرہا تھا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ ویسے اس کے چہرے پر اچھے آثار نہیں تھے۔

"شام بھی یہیں گذارنے کو دل چاہتا ہے۔" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

میں تو اب جاؤں گی۔"

"آپ جاسکتی ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

اور شکیلہ سچ مچ اٹھ گئی۔ حمید اسے باہر جاتے دیکھتا رہا۔ اس نے کافی نہیں پی تھی۔ نظروں سے اوجھل ہوگئی تو حمید نے ویٹر کو بلا کر دوسری کافی لانے کو کہا۔

پہلے اس کا ارادہ تھا کہ شکیلہ کے ساتھ ہی شہر واپس جائے گا مگر اب اس بندر کے ت نے اسے رکنے پر مجبور کردیا تھا۔ ظاہر ہے کہ فریدی اسی بندر کے لئے یہاں رک گیا تھا اور کشتی کا تو کہیں پتہ بھی نہیں تھا ان اطراف میں اسے سفید رنگ کی کوئی کشتی نہیں نظر آ سفید کشتی کا واقعہ بھی کافی پُراسرار تھا۔ ادھر تقریباً ایک ماہ سے وہ کشتی ساحل کے قرب د

دیکھی جارہی تھی اور وہ جب بھی کالا گھاٹ کے قریب سے گزرتی اس کے آدھ ہی گھنٹے بعد ایک برہنہ لاش ساحل سے آلگتی۔ اب تک کی رپورٹ یہی تھی تقریباً آٹھ لاشیں اب تک مل چکی تھیں اور آٹھوں بار وہ کشتی کالا گھاٹ کے قریب دیکھی گئی تھی۔

فریدی کو ان دنوں سفید کشتی کا مینیا ہوگیا تھا۔ وہ جب بھی کسی سفید کشتی کا تذکرہ سنتا پوری طرح متوجہ ہوجاتا اور کبھی کبھی اس سلسلے میں کافی بھاگ دوڑ بھی رہتی۔ چنانچہ آج بھی ایک سفید کشتی کا تذکرہ ہی ان دونوں کو یہاں تک لایا تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ کسی بندر کا وجود بھی اس کشتی سے متعلق ہو۔ حمید سوچتا رہا۔ اس کے خیال کے مطابق یہ بھی ممکن تھا کہ فریدی کی توجہ بندر کی غیر معمولی جسامت نے اپنی طرف منعطف کرائی ہو۔

اس نے کافی ختم کی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ریستوران کے باہر کافی چہل پہل نظر آرہی تھی۔ آج اتوار ہونے کی بناء پر صبح ہی سے یہاں خاصی بھیڑ ہوگئی تھی۔

تمباکو نوشی کے بعد وہ اٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا ممکن ہے فریدی واپس ہی چلا گیا ہو۔ مگر پھر خیال آیا کہ اگر جلد ہی واپسی کا امکان ہوتا تو فریدی اسے لڑکی کے ساتھ نہ جانے دیتا۔

بہر حال وہ ریستوران سے باہر نکلا اور اب وہ پھر اسی طرف جارہا تھا جہاں فریدی کو چھوڑ کر آیا تھا۔ مگر اس نے جلد ہی محسوس کرلیا کہ اس کا تعاقب کیا جارہا ہے۔ وہ ایک دبلا پتلا اور دراز قد آدمی تھا۔ حمید نے اُسے ریستوران میں بھی دیکھا تھا اس نے سوچا ممکن ہے یہ اتفاق ہو۔ مگر نہ جانے کیوں وہ اسے سرسری طور پر نہ ٹال سکا۔ وہ اس سلسلے میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا تھا۔ اس کا اندازہ کرلینا مشکل نہیں تھا۔ حمید یونہی بے مقصد ایک طرف مڑا اور پیچھے دیکھے بغیر چلتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ رکا اور پتھر پر بیٹھ کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ تعاقب کرنے والا تھوڑے ہی فاصلے پر ایک اخبار فروش سے گفتگو کرتا ہوا نظر آیا۔ حمید نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی تک پہنچنے کا خیال ترک کردینا چاہئے۔ پتہ نہیں یہ کیا معاملہ ہے۔ اگر فریدی نے اسے حالات سے باخبر رکھا ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اس وقت کسی نہ کسی طرح اس کا ہاتھ بٹاتا۔

حمید بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ وہ آدمی بھی ایک اخبار خرید کر اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھ گیا تھا اور اخبار کو اس طرح اٹھائے ہوئے پڑھ رہا تھا کہ حمید اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

یہاں اس جگہ صرف وہی دونوں نہیں تھے بلکہ بہتیرے لوگ چلتے چلتے تھک کر اِدھر اُدھر بیٹھے تکان دور کررہے تھے۔ حمید نے سوچا کہ کچھ دیر یہاں ضرور بیٹھے گا۔

پھر وہ آدھے گھنٹے سے پہلے نہیں اٹھا۔ تعاقب کرنے والا بھی بدستور اسی انداز میں اخبار پڑھتا رہا تھا۔ اٹھتے وقت حمید نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ بھی اٹھا تھا یا نہیں، لیکن جب گھاٹ پر پہنچ کر وہ ایک لانچ میں بیٹھنے لگا تو کنارے پر اسے وہی آدمی دکھائی دیا لیکن اس کے انداز سے یہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی کسی لانچ میں بیٹھے گا۔

دس منٹ بعد لانچ نے کنارا چھوڑ دیا لیکن تعاقب کرنے والا بدستور کنارے ہی پر کھڑا رہا گویا وہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ حمید جزیرے سے جا چکا ہے۔

حمید سمجھا تھا کہ شاید یہ تعاقب جاری ہی رہے گا لیکن اسے اس پر حیرت بھی نہیں تھی ممکن ہے صرف جزیرے ہی کی حد تک اس کی موجودگی کسی کے لئے باعث تشویش رہی ہو۔

حمید آج بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ آج بہت دنوں بعد شکیلہ جیسی کسی اسمارٹ لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایسی لڑکیوں کی ہم نشینی گو اس کے ذہن کے باریک ترین ریشوں پر اثر انداز ہوتی تھی مگر تفریح ضرور ہو جاتی تھی اور ایسی تفریح کو وہ ہمیشہ صحت مند تفریح کا نام دیا کرتا تھا۔

لانچ سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ اس پر کئی مسافر بھی تھے۔ دو تین لڑکیاں تھیں۔ حمید نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن شاید وہ یا تو انتہائی کوڑھ مغز تھیں یا انتہائی شریف۔ آخر تھک ہار کر حمید نے ان کے ساتھ کی ایک چھوٹی بچی کو گاہے گاہے چڑھانا شروع کر دیا۔ بچی بھی جواباً اُسے منہ چڑھاتی اور کھل کھلا کر ہنس پڑتی۔

دفعتاً ایک لڑکی نے دوسری کو مخاطب کر کے بلند آواز میں کہا۔ "شکیلہ جیسی لفنگیوں کے ساتھ دیکھا جانے والا کوئی شریف آدمی نہیں ہو سکتا۔"

حمید نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ.... شکیلہ....!" دوسری نے کہا۔ "تم اسے لکھ لو۔ وہ کبھی نہ کبھی جیل ضرور جائے گی۔"

"کیوں.... جیل کیوں جائے گی۔" تیسری نے پوچھا۔

"وہ ارجن پورے کے ایک گھٹیا سے مکان میں رہتی ہے لیکن کالج کار میں آتی ہے اور دیکھئے نئی کار۔"

"آوارہ ہے؟" تیسری نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ڈاکوؤں کے کسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔"

پہلی لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی اور پھر بولی۔ "تم دونوں جھک مار رہی ہو۔"

"کیوں؟" دونوں لڑکیاں بیک وقت بولیں۔

"وہ یہاں کے بہت بڑے سرمایہ دار فیاض کی پوتی ہے۔"

"بکواس....!" دوسری لڑکی بولی۔

"تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔" پہلی نے کہا۔

"مزید بکواس...." دوسری لڑکی مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسی اور پھر بولی۔ "تم شائد افیون کھا گئی ہو۔ ارے میں نے اُسے درجنوں بار ارجن پورے کے ایک مکان سے نکلتے دیکھا ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہاں اُس کا کوئی دوست رہتا ہو۔"

"سر فیاض کی پوتی کا دوست ارجن پورے میں رہے گا؟ شاید بھنگ پی رکھی ہے تم نے۔"

"بھنگ پینے والی کو کیا کہا جا سکتا ہے۔" تیسری لڑکی نے پوچھا۔

"بھنگن....!" دوسری لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی۔

پہلی لڑکی نے بُرا سا منہ بنایا اور وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس وقفے میں ایک بار اس کی نظر حمید پر بھی پڑی۔ وہ اب بھی ننھی بچی کو منہ چڑھا رہا تھا۔

"آج شام کو چلو میرے ساتھ۔" دوسری لڑکی نے کہا۔ "میں تمہیں اُسے ارجن پورے میں دکھا دوں گی۔"

"جہنم میں جھونکو۔" پہلی لڑکی جھلائے ہوئے انداز میں بولی۔ "مجھے کیا پڑی ہے کہ اس کے لئے جھک مارتی پھروں۔"

پھر لانچ ساحل سے جا لگا۔ سارے مسافر اتر گئے اور لڑکیاں مختلف راستوں پر ہو لیں۔

حمید اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا جس نے شکیلہ کے متعلق خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ ڈاکوؤں کے کسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مقصد یہ نہیں تھا کہ حمید اس کے بیان کو صداقت کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ وہ شکیلہ کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزار سکا تھا۔ اس لئے چاہتا تھا کہ اتوار کا دن بے کاری میں نہ گذرے۔

ایک جگہ اس نے لڑکی کے قریب پہنچ کر کہا۔ "کیا آپ میری ایک بات سنیں گی۔"

لڑکی چونک کر مڑی اور وہیں رک گئی۔ وہ شاید اب تک اس تعاقب سے بے خبر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف اور حیرت کے ملے جلے آثار نظر آ رہے تھے۔

"کیا بات ہے۔" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"شکیلہ کے متعلق کچھ گفتگو کریں گے۔ غالباً آپ نے اُسے میرے ساتھ فن آئی لینڈ میں

دیکھا ہوگا۔"

"جی ہاں.... دیکھا تھا۔"

"یہ بہت ضروری اور اہم بات ہے یعنی کہ میرے مستقبل کا انحصار اس پر ہے۔"

"مگر میں کسی شکیلہ کو نہیں جانتی۔"

"اوہ....!" حمید کی آواز دردناک ہوگئی۔ "ابھی آپ اعتراف کر چکی ہیں کہ آپ مجھے وہاں شکیلہ کے ساتھ دیکھ چکی ہیں۔"

"اوہ.... میں کہنا چاہتی تھی کہ میں شکیلہ کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔"

"لیکن لانچ میں آپ نے اس کے متعلق بعض بہت ہی عجیب قسم کے انکشافات کئے تھے، جو کم از کم میرے لئے دل ہلا دینے والے تھے۔"

لڑکی چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔

"آپ کا شکیلہ سے کیا تعلق ہے۔"

"ارے وہ میری منگیتر ہے اور آپ کی زبانی یہ معلوم کر کے وہ ارجن پورے کے کسی مکان میں رہتی ہے میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔"

"اوہ.... واقعی آپ کو صدمہ پہنچا ہوگا۔" لڑکی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"بہت زیادہ.... میں آپ کا مشکور ہوں گا اگر آپ مجھے تفصیل سے آگاہ کر دیں۔"

"ضرور.... ضرور.... میں جو کچھ بھی جانتی ہوں آپ کو بتاؤں گی۔"

"آئیے تو پھر کہیں چل کر بیٹھیں۔"

"کہاں۔"

"کسی ریستوران میں۔"

"نہیں.... یہ مناسب نہیں۔ اگر میرے کسی عزیز نے دیکھ لیا تو.... آپ تو جانتے ہی ہیں کہ متوسط طبقے کے لوگ کتنے تنگ نظر ہوتے ہیں۔"

"بے شک.... بے شک۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "بے حد تنگ نظر ہوتے ہیں۔ مگر میں نے صرف سنا ہے تجربہ نہیں ہے کیونکہ میرا تعلق متوسط طبقے سے نہیں ہے۔ اچھا خیر! اسے جانے دیجئے۔ کیوں نہ ہم کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر شہر کے چکر لگاتے رہیں۔"

"اوہ.... مگر وہ اور زیادہ خطرناک ہوگا۔"

"کچھ بھی ہو۔ کوئی ہمیں دیکھ ہی نہ سکے گا۔ میں کھڑکی کے پردے کھینچ دوں گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" لڑکی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

تقریباً دس منٹ انتظار کرنے کے بعد انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ حمید نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیئے۔ ڈرائیور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

ٹیکسی چل پڑی اور حمید نے پھر وہی تذکرہ چھیڑ دیا۔

"شکیلہ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ سر فیاض کی پوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ میں بھی سر افضال کا لڑکا ہوں۔ شاید آپ نے نصیر آباد کے سر افضال کا نام سنا ہو۔ نہیں سنا خیر بہرحال ہم لوگوں کی پوزیشن بھی سر فیاض سے کسی طرح کم نہیں ہے۔"

"آپ خود بتائیے کہ آخر سر فیاض کی پوتی ارجن پورے میں کیوں رہے گی۔ میں آپ کو اس کا مکان بھی دکھا سکتی ہوں۔"

"ضرور.... ضرور.... میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔"

"بس اب معاملہ میری سمجھ میں آگیا۔" لڑکی سر ہلا کر بولی۔ "وہ آپ ہی جیسے بڑے آدمیوں کو پھانس کر کالج میں یہ جتاتی پھرتی ہے کہ اس کا تعلق بھی ایک بڑے گھرانے سے ہے۔ وہ آپ لوگوں کی کاریں بھی استعمال کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ آئے دن نئی نئی کاروں میں کالج آتی رہتی ہے۔"

"اوہ.... میرے خدا.... میرا سر چکرا رہا ہے۔" حمید نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کہا۔

"اگر آپ اس کے باپ کو دیکھ لیں تو ہنستے ہنستے آپ کا بُرا حال ہو جائے۔"

"باپ....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیا وہ بھی وہیں ارجن پورے میں رہتا ہے۔"

"جی ہاں.... اور وہ اس کا باپ نہیں بلکہ بچہ معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں....؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اس کا قد بہت چھوٹا ہے اور اتنا دبلا پتلا۔ ٹڈے جیسا آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اس کے چہرے پر اتنی جھریاں ہیں کہ خدا کی پناہ لیکن اس کی آنکھیں بہت چمکدار ہیں۔"

یک بیک حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یہ تو ایک ایسے آدمی کا حلیہ بیان کر رہی تھی جس کی تلاش فریدی کو عرصہ سے ہے۔ مگر شکیلہ سے اس کا کیا تعلق؟ حمید نے ذہن میں بیک وقت ہزاروں بجلی کے پنکھے چلنے لگے۔

"دیکھئے....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہمیں حقیقتاً ارجن پورے ہی کی طرف چلنا چاہئے۔ آپ مجھے وہ مکان دکھا دیجئے۔"

"چلئے۔"

حمید نے ڈرائیور سے ارجن پورے کی طرف چلنے کو کہا۔

حمید کو یاد آیا کہ اس سے ایک غلطی بھی ہو چکی ہے۔ اس نے ساحل پر اتر کر ان لڑکیوں کا تعاقب شروع کر دیا تھا اور یہ بات اس کے ذہن سے اتر گئی تھی کہ فریدی کی کار ساحل ہی پر موجود ہے۔ فریدی نے اس سے کہا تھا کہ واپسی پر وہ کار لیتا جائے گا۔ ہو سکتا ہے فریدی نے پھر اس حصے کی طرف رخ ہی نہ کیا ہو جہاں کار چھوڑی تھی۔ حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ آج کل شہر میں کاروں کی چوری کی وارداتیں بہت زیادہ ہو رہی تھیں۔

ارجن پورے میں پہنچ کر اس نے وہ مکان دیکھا۔ مگر اس وقت وہ باہر سے مقفل تھا۔

"میں آپ کا بہت شکر گذار ہوں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "اب آپ جہاں فرمائیں آپ کو پہنچا دیا جائے۔"

"میں سولہ جیمس اسٹریٹ میں رہتی ہوں۔ مگر آپ مجھے ریکسٹن اسٹریٹ میں اتار دیجئے گا۔"

"بہت بہتر۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اور نام پوچھنا تو یقیناً بدتمیزی میں شمار ہوگا۔"

"اوہ نہیں۔" لڑکی بھی مسکرائی۔ "میرا نام سعیدہ ہے۔"

"شکریہ۔"

حمید نے اُسے ریکسٹن اسٹریٹ میں اتار دیا اور اب وہ پھر جلد سے جلد بندرگاہ کے علاقے میں پہنچنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد ٹیکسی بندرگاہ کی طرف جا رہی تھی۔

فریدی کی کار اُسے دور ہی سے نظر آ گئی۔ مگر اس کے اندر کوئی موجود تھا۔ حمید ٹیکسی رکوا کر اتر پڑا۔ ڈرائیور کو کرایہ ادا کرنے کے بعد وہ پیدل ہی فریدی کی کار کی جانب چل پڑا۔ قریب پہنچ کر وہ متحیر رہ گیا کیونکہ کار کی پچھلی نشست پر شکیلہ نیم دراز تھی۔ وہ سو نہیں رہی تھی لیکن اس نے حمید کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی۔

"اے محترمہ....!" حمید نے اس کا شانہ پکڑ کر ہلایا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"آپ یہاں اس طرح کب سے بیٹھی ہیں۔"

"شروع ہی سے۔ میں فریدی صاحب کی منتظر ہوں۔"

"کیوں....؟"

"میں انہیں بتانا چاہتی ہوں کہ کیپٹن حمید صاحب سو فیصدی ناکارہ قسم کے آدمی ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی بھی مٹی پلید ہو رہی ہے۔"

"کیا تمہیں میری ناکارگی کا تجربہ ہوا ہے۔"

"ہاں کیپٹن حمید صاحب۔ میں فریدی صاحب کو یہ بتاؤں گی کہ جزیرے میں ایک آدمی حمید صاحب کا تعاقب کرتا رہا تھا اور حمید صاحب اس سے بالکل لاعلم تھے۔"

"یہ تعاقب کب تک جاری رہا تھا۔"

"جب تک حمید صاحب کا لانچ جزیرے سے رخصت نہیں ہو گیا تھا۔"

حمید اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورتا رہا۔

جال

شکیلہ فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ انداز فاتحانہ ہوتا۔ تب بھی اُس وقت کی مسکراہٹ حمید کو دلکش نہ معلوم ہوتی۔ نہ جانے کیوں اس لڑکی کو وہاں موجود پا کر اُسے تاؤ آ گیا تھا۔

"ہاں.... کیپٹن اور کچھ.... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔" اس نے چڑھانے والے انداز میں کہا۔

حمید کو بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا مگر وہ مسکرا کر بولا۔ "تم ان فضولیات میں نہ پڑو۔ بڑی خشک اور اکتا دینے والی باتیں ہیں۔ مجھے اس تعاقب کا علم ہے۔ میں نے اسے جزیرے میں ہی چھوڑا تھا۔ کیا اس کی چال میں ہلکی سی لنگراہٹ نہیں تھی۔"

"اوہ....!" لڑکی نے حیرت سے کہا۔ "پھر آپ نے اسکے خلاف کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا۔"

"اگر لڑکی ہوتا تو چپل مار دیتا.... اور اس سے کہتا کیوں او خدائی خوار پرائی بہو بیٹیوں کا تعاقب کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ خدا تجھے اتنی بہو بیٹیاں عطا کرے کہ تجھے گھبرا کر خودکشی کرلینی پڑے وغیرہ وغیرہ۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اپنے محکمے سے صرف باتیں بنانے کی تنخواہ وصول کرتے ہیں۔"

"ارے ہٹاؤ بھی یہ قصہ۔ شہر واپس چل رہی ہو۔"

"نہیں.... میں کرنل صاحب کا انتظار کروں گی۔"

"تو پھر گاڑی سے اتر جاؤ۔ میں واپس جا رہا ہوں۔"

"ابھی تک کہاں تھے؟"

"کہیں بھی نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور اگلی نشست کا دروازہ کھول کر اسٹیئ
کے سامنے بیٹھ گیا اور مشین اسٹارٹ کی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!"

"بس دیکھتی رہئے۔" حمید نے کہا اور کار حرکت میں آ گئی۔

"آپ زیادتی کر رہے ہیں میں کرنل صاحب سے ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کار کی رفتار تیز ہو گئی تھی اور اب اترنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا ت

"کیا مقصد ہے۔" شکیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کو رومینٹک قسم کی تفریحات پسند ہیں نا۔"

"ہاں.... ہیں تو پھر....!"

"بس یہ سمجھ لیجئے کہ اس وقت کی تفریح آپ کو زندگی بھر یاد رہے گی۔"

"آ.... چھا.... چلئے یہی سہی۔" لڑکی نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے کسی بچے ۔
کر رہی ہو۔

حمید اور زیادہ چڑھ گیا لیکن خاموش ہی رہا۔ کار ارجن پورے کی طرف جا رہی تھی۔

ی دیر بعد وہ اس مکان کے سامنے رک گئی جس کے متعلق حمید کو بتایا گیا تھا کہ شکیلہ و
دیکھی گئی ہے۔ مکان اب بھی مقفل ہی تھا۔

"ہم کچھ دیر کے لئے اس مکان کے اندر چلیں گے۔"

"کیا مطلب....!" شکیلہ نے ناخوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"مکان کے اندر چلنا ہے ہمیں۔ کیا آپ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں چاہتی ہیں"

"آپ بدتمیز ہیں۔"

"میں تمہیں ابھی اور اسی وقت پولیس کی حراست میں دے سکتا ہوں۔" حمید نے غ
میں کہا۔

"یہ کس خوشی میں جناب کپتان صاحب۔" شکیلہ نے زہر خند کے ساتھ پوچھا۔

"یہ تو میں اس مکان میں چلنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔" حمید نے سخت لہجے میں کہ
یقین ہے کہ اس میں پڑے قفل کی کنجی تمہارے وینٹی بیگ ہی میں موجود ہوگی۔"

"اوہ....!" لڑکی سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک گئی۔ اس کے ہونٹوں پر غصہ دلانے والی مسکراہٹ تھی۔

"کنجی نکالو.... ورنہ میں قفل توڑ دوں گا۔"

"تکلیف نہ اٹھائیے کپتان صاحب۔" شکیلہ اپنا وینٹی بیگ کھولتی ہوئی بولی۔ "کنجی حاضر ہے۔ پچھلے زمانے میں ایک بزرگ لال بجھکڑ بھی گزرے ہیں۔ مگر اُن دنوں کپتانی کا عہدہ نہیں ہوا کرتا تھا۔"

حمید نے کنجی لیتے ہوئے کہا۔ "نیچے اتر آؤ۔ میں تنہا نہیں جاؤں گا۔"

"چلئے کپتان صاحب۔" شکیلہ کار سے اتر آئی۔ "آپ سچ مچ اس وقت شرلاک ہومز ہو رہے ہیں۔"

"میں بعض اوقات جھلاہٹ میں تھپڑ بھی مار دیا کرتا ہوں۔" حمید آپے سے باہر ہو گیا۔

"میں یونہی تفریحاً منہ بھی نوچ لیا کرتی ہوں۔"

حمید اپنا نچلا ہونٹ چباتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا۔ اُسے اتنی شدت سے غصہ آیا تھا کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی رخصت ہو گئی۔ اُس نے قفل میں کنجی گھمائی اور دروازہ کھول کر اندر گھس پڑا۔

اُسی کے ساتھ ہی شکیلہ بھی داخل ہوئی اور وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ سامنے دالان تھا اور اس کے دونوں جانب دو کوٹھریاں تھیں۔

حمید کو دراصل اس چھوٹے قد کے آدمی کی تلاش تھی جس کا تذکرہ وہ اس لڑکی سعیدہ سے سن چکا تھا۔ اُس نے دائیں جانب والی کوٹھری کے کواڑوں کو دھکا دیا وہ کھل گئے، حمید بالکل اسی انداز میں اندر داخل ہوا جیسے اپنے شکار کی موجودگی کا یقین ہو مگر کوٹھری خالی پڑی تھی۔ حمید الٹے پاؤں باہر آیا۔ اب دوسری کوٹھری پر اس کی نظر تھی۔ شکیلہ مسکرا رہی تھی۔ حمید کچھ اسی طرح بوکھلایا ہوا سا نظر آ رہا تھا کہ دیکھنے والوں کو اُسی پر ہنسی ہی آ سکتی تھی۔ اس بار شکیلہ بھی اس کے ساتھ کوٹھری میں گھس پڑی۔ اس کوٹھری میں ایک طرف ایک الماری پر حمید کو کچھ کاغذات نظر آئے اور وہ جھپٹ کر انہیں الٹنے پلٹنے لگا۔

"آخر کس چیز کی تلاش ہے کپتان صاحب کو۔" شکیلہ نے اپنے مخصوص غصہ دلانے والے لہجے میں کہا۔ مگر حمید شائد کسی واضح ثبوت کے ہاتھ آ جانے سے پہلے غصہ کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ اب تک اُسے کچا ہی چبا گیا ہوتا۔

دفعتاً اس نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور اچھل کر مڑا۔ دروازہ حقیقتاً کسی نے باہر سے

بند کیا مگر کس نے؟ شکیلہ تو وہیں اس کے پاس کھڑی تھی۔ اور اس کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے۔ دفعتاً اس نے کہا۔ "اوہ! میں سمجھی لیکن....!"

دوسرے ہی لمحے میں اُس نے اپنے وینٹی بیگ سے پستول نکالتے ہوئے جملہ پورا کر دیا۔ "تم نے مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو بے دریغ فائر کر دوں گی۔"

سیاہ رنگ کے ننھے سے پستول کا رخ حمید کی طرف تھا۔ حمید نے دو تین بار پلکیں جھپکائیں بند دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

باہر کی آہٹوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کئی آدمی ہیں۔

"تم کیا سمجھتی ہو۔ اب جو کچھ بھی ہوگا اسکی تمام تر ذمہ داری تم پر ہوگی۔" حمید نے جھلا کر کہا

"میری طرف ایک قدم بڑھا کر دیکھو۔"

"میں یہیں کھڑے کھڑے تمہیں جہنم میں دھکیل سکتا ہوں۔" حمید دانت پیس کر بولا پھر اس نے بھی اپنا ریوالور نکال لیا۔

"ایک چوہیا پستول دکھا کر مجھے بے بس نہیں کر سکتی۔"

شکیلہ نے حیرت سے اُسے دیکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "کیا تم سنجیدہ ہو۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوا ہے لڑکی۔ تم کیپٹن حمید سے گفتگو کر رہی ہو۔"

"تب پھر شاید ہم دونوں کے دماغ خراب ہو گئے ہیں۔" لڑکی نے بے بسی سے کہا۔

"باہر کتنے آدمی ہیں۔" حمید نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔ میں کیا بتا سکتی ہوں۔"

"ان سے کہو دروازہ کھول دیں، ورنہ یہ مذاق انہیں بہت مہنگا پڑے گا۔"

"خدا کی قسم میں کچھ نہیں جانتی اور یہ کیا ہو رہا ہے میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھے پریشان کرنا چاہتے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اب بھی دروازے ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ریوالور جیب میں ڈال کر اپنی ناک مضبوطی سے بند کر لی۔ اس نے سنتھلک گیس کی بو محسوس کی تھی تاہم.... وہ زیادہ دیر تک ناک بند نہ رکھ سکا۔ کیونکہ ویسے ہی دم گھٹنے لگا تھا۔ اُس نے شکیلہ کو چکرا کر گرتے دیکھا پھر تھوڑی دیر میں اس پر بھی بے بسی اور بے ہوشی طاری ہو گئی۔

غشی کے بعد ہوش میں آنا آسان ہی ہوتا ہے لیکن ہوش آنے کے بعد کی ذہنی حالت کو یقینی طور پر ہوش نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ہوش تو حواس خمسہ کی بیداری کا نام ہے مگر جس ظاہری

تبدیلی کو ہوش کہا جاتا اسے حواس خمسہ کی بیداری نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً حمید کی آنکھیں کھل گئی تھیں وہ چاروں طرف دیکھ سکتا تھا۔ نزدیک و دور کی آوازیں سن سکتا تھا لیکن اسے اس چوٹ کا احساس نہیں تھا جو اُس کے سر کے پچھلے حصے میں آئی تھی وہ بول بھی نہیں سکتا تھا۔ کافی دیر تک یہی کیفیت رہی پھر آہستہ آہستہ اُسے سر کی چوٹ کا احساس ہوتا گیا اور زبان جو کچھ دیر پہلے منہ کے اندر پتھر کا ٹکڑا معلوم ہو رہی تھی خشک ہونٹوں تک آنے لگی۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر شکیلہ پڑی ہوئی تھی اور اُسے اب تک ہوش نہیں آیا تھا۔ حمید اُٹھ کر بیٹھ گیا سر کے دکھتے ہوئے حصے پر انگلیاں رکھیں تھوڑی سی جگہ خون سے چپچپا رہی تھی۔ یہ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا مگر یہاں ارجن پورے والے مکان کی کوٹھری کی سی گھٹن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اوپر چاروں طرف روشن دان تھے اور ان سے ہوا آ رہی تھی۔

حمید کے لئے اب یہ سمجھنا دشوار تھا کہ وہ کن حالات کا شکار ہوا ہے۔ اس لڑکی کی حیثیت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کیا اس نے اسے پھنسایا تھا۔ یا وہ خود بھی کسی بہت بڑے فریب میں مبتلا تھی۔ اگر وہ خود ہی ان حالات کی ذمہ دار تھی تو اُس کا مقصد کیا تھا، وہ خود ہی تو نہیں انہیں اپنے ساتھ لائی تھی۔

حمید فریدی کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ پتہ نہیں کہاں اور کس حال میں ہوگا۔ ہو سکتا ہے اس کا بھی یہی انجام ہوا ہو۔ پھر اُسے وہ بندر یاد آیا جس کے پیچھے فریدی دوڑا تھا۔

اس نے شکیلہ کی طرف دیکھا جس نے کراہ کر کروٹ لی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں متحیرانہ انداز میں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ حمید ہی کی طرف دیکھ رہی تھی، پھر وہ اٹھ بیٹھی کچھ دیر تک آنکھیں ملتی رہی پھر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ تقریباً دس منٹ تک دونوں خاموش رہے۔

"یہ تم نے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔ میں کہاں ہوں۔" شکیلہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ سینکڑوں بار ایسے حالات سے دوچار ہو چکا ہوں۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

شکیلہ چند لمحے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "شاید ہم دونوں ہی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔"

کچھ دیر پہلے حمید نے اس کے امکانات پر غور کیا تھا۔ اس لئے اس نے کہا۔ "کیسی غلط فہمی۔"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ آپ نے مجھے کسی چکر میں پھنسایا ہے اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس کی ذمہ دار ہوں۔"

"میں یہی سمجھتا ہوں کہ ابھی تک تم لوگوں کا مذاق جاری ہے۔"

"اس خیال کو دل سے نکال دیجئے۔ میں نہیں جانتی کہ یہ کن لوگوں کی حرکت ہے۔" یہ
نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ٹھہریئے۔ آپ کو اس مکان کے متعلق کیسے معلوم ہوا تھا۔"

"کیا یہ اسی مکان کا کوئی حصہ ہے۔" حمید نے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر سوال کیا

"نہیں....!"

کچھ دیر کیلئے سکوت طاری ہو گیا۔ پھر حمید نے اُسے بتایا کہ کس طرح اُس نے لانچ پر
ہوئی لڑکیوں کی گفتگو سنی اور کس طرح ایک لڑکی نے ارجن پورے کے اس مکان کا پتہ بتایا۔

"تب تو یہ یقیناً کوئی سازش ہے۔ اس مکان میں کوئی ایسا آدمی نہیں رہتا تھا جس کا حلیہ
بیان کر رہے ہیں اور نہ میں کسی ایسے آدمی سے واقف ہوں۔ آپ وہاں آس پاس کے آ
سے بھی دریافت کر سکتے ہیں اس مکان میں دراصل ایک نابینا غریب عورت رہتی تھی
پچھلے ہفتے انتقال ہو گیا۔ وہ شہر کے ایک فٹ پاتھ پر بھیک مانگا کرتی تھی میں نے اُسے ماں
اس مکان میں لے گئی... چلئے... اگر آپ اُسے بھی میری تفریح ہی سمجھتے ہیں تو مجھے کوئی ا
نہیں۔ لیکن وہاں ایسا کوئی آدمی نہیں تھا جس کا قد ساڑھے چار فٹ یا اس سے کچھ زیادہ رہا ہو

حمید خاموش رہا۔ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"اگر یہ سازش ہے تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"مقصد۔ خدا جانے.... لیکن.... اگر یہ دادا جان کی علالت ہی کے سلسلے کی کوئی کڑی
یہ محکمہ سراغ رسانی کے لئے ایک عجیب و غریب کیس ہو گا۔"

"سر فیاض کی علالت کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے۔" حمید اُسے ٹٹولنے والی
سے دیکھتا ہوا بولا۔

"بس یہی کہ وہ قدرتی نہیں ہے۔ لیکن میں اس کے لئے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں رکھ

"غیر قدرتی سمجھنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"وجہ.... دیکھئے جب پہلی بار ان پر اس قسم کی کیفیت طاری ہوئی تھی تو وہ اس سے
قبل غائب رہے تھے۔ یعنی جس دن انہیں تا... پہنچ جانا چاہئے تھا اس سے تین دن بعد
اور وہ ہوش میں نہیں تھے۔ ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ پھر دوسری بار۔"

"مجھے معلوم ہے تم بتا چکی ہو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"مگر اب اس قید کا کیا مطلب۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُسے لڑکی کے بیان پر اب بھی شبہ تھا۔ دوسری طرف شکیلہ کچھ خوفزدہ سی
نظر آنے لگی تھی۔ وہ بار بار کچھ کہنے کا ارادہ کرتی مگر پھر خاموش رہ جاتی، حمید اُسے محسوس کر رہا
تھا لیکن اس نے اس سے کچھ پوچھا نہیں۔ وہ کافی دیر تک خاموش رہ کر سوچتا رہا اور پھر یہ فیصلہ کیا
کہ بیکار نہ بیٹھنا چاہئے کچھ نہ کچھ شروع کر دینے کے بعد ہی ان معاملات میں شکیلہ کی پوزیشن واضح
ہو سکتی ہے۔ وہ اُس کے متعلق یقین اور شبے کی کشمکش میں مبتلا نہیں رہنا چاہتا تھا۔

وہ اٹھا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ یہاں بہت ہی معمولی قسم کا فرنیچر نظر آ رہا تھا۔ چھ کرسیاں
تھیں اور ایک بڑی میز جس میں متعدد درازیں تھیں۔ غالباً وہ لکھنے کی میز تھی کیونکہ اُس پر قلم
ان کچھ کاغذات اور شیشے کے دو تین پیپر ویٹ رکھے ہوئے تھے۔ میز کے بائیں جانب ایک
الماری تھی جس میں بڑا سا قفل لٹکا ہوا تھا۔

حمید آگے بڑھ کر میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے لگا۔ ان پر تحریریں تھیں لیکن حمید
نہیں سمجھ نہیں سکا کیونکہ وہ کسی ایسی زبان میں تھیں جس سے وہ قطعی نابلد تھا ویسے حروف
رومن ہی کے تھے۔ انگریزی کے علاوہ حمید فرنچ اور جرمن بھی جانتا تھا۔ لیکن وہ تحریریں نہ تو
فرنچ میں تھیں اور نہ جرمن میں۔

وہ میز پر جھکا دوسری چیزیں بھی دیکھتا رہا لیکن لڑکی کی طرف سے غافل نہیں ہوا۔ دفعتاً اس
نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور چونک کر مڑا۔ لیکن اس کمرے کے سارے دروازے بند تھے مگر
شاید اس سے ملا ہوا کوئی دوسرا کمرہ بھی تھا کیونکہ ایک دروازے کے اُدھر سے قدموں کی آوازیں
آ رہی تھیں۔

"کیا وہ ہوش میں آ گئے۔" کسی نے انگریزی میں پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" دوسری آواز آئی۔ "اب دیکھیں گے۔"

حمید بڑی پھرتی سے فرش پر لیٹ گیا اور شکیلہ کو بھی اپنی تقلید کا اشارہ کرتے ہوئے آنکھیں
بند کر لیں۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور کسی نے کہا۔ "مگر یہ فریدی تو نہیں ہے۔"

"اس کا اسسٹنٹ ہے۔" جواب دیا گیا۔ "یہ محض اتفاق ہے کہ وہ نہیں پھنس سکا اور لڑکی پھر
بیچ میں آ کودی۔ ہمیں یقین تھا کہ یہ فریدی کو حالات سے مطلع کر دے گی اور پھر یہ دونوں اس
مکان میں داخل ہوں گے۔ مگر یہ لڑکی۔"

"کیا تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔"

"نہیں.... ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر وقت حکم ہی کے منتظر رہا کریں۔"

"تم نے ایک زبردست غلطی کی ہے، اگر ان لوگوں کو چھیڑا تھا تو دونوں کو لائے ہوتے ورنہ....!" وہ آدمی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

تلاش

کرنل فریدی نے فون کا ریسیور رکھ کر سگار سلگایا۔ دو تین کش لئے اور پر اُسے ایش میں مسلتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو!" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "شکیلہ واپس آئی.... اوہ.... ابھی نہیں.... حمید بھی ابھی تک نہیں آئے.... جی ہاں.... میں شکیلہ کی عادتوں سے بخوبی واقف ہوں اسی لئے تشویش ہے.... اور میرا اسسٹنٹ بھی کم شریر نہیں ہے، ویسے آپ مطمئن رہئے۔ آدمی بھی نہیں ہے.... جی نہیں.... اوہ کوئی بات نہیں.... اگر آپ لوگ مطمئن ہیں کہ غیر معمولی حالات کا شکار نہیں ہوئے تو میں بھی مطمئن ہو جاؤں گا۔ ویسے میں نے یہ اقدام آپ کے خاندان کے ایک فرد کی شکایت ہی پر کیا تھا۔ ہاں اگر یہ شکیلہ صاحبہ کی شرارت تو.... خیر چلئے.... درگذر کرتا ہوں.... ویسے انہیں سمجھائیے کہ پولیس سے اس شرارت کا نتیجہ تفریح کی شکل میں کبھی نہیں ظاہر ہوتا۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔ ایک ملازم طشتری میں کسی کا وزیٹنگ کارڈ لئے کھڑا تھا۔

"اوہ.... یہیں بھیج دو۔" فریدی نے کارڈ دیکھ کر نوکر سے کہا۔ وہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا نے سگار کیس سے سگار نکالا اور اس کا کونہ توڑ ہی رہا تھا کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا کمرے میں داخل ہوئی

فریدی نے سر کی جنبش سے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا میں اپنی رپورٹ پیش کروں۔" ریکھا نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور.... مگر بعض اوقات تمہارے انداز گفتگو سے تمسخر جھلکنے لگتا ہے۔"

"ارے.... نہیں۔" ریکھا سنجیدہ نظر آنے لگی اور ساتھ ہی کچھ خفیف سی مسکراہٹ

"رپورٹ....!" فریدی نے دروازے کے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی کار دو بجے تک وہیں دیکھی گئی ہے جہاں آپ نے کھڑی کی تھی لیکن اُس میں

لڑکی تھی۔ یونہی بیکار بیٹھی نظر آرہی تھی۔ دو بجے ایک نوجوان وہاں آیا اور کار کو لے گیا۔ لڑکی اس وقت بھی پچھلی نشست پر موجود تھی۔ نوجوان کا حلیہ وہی تھا جو کیپٹن حمید کا ہو سکتا ہے۔ لڑکی کی عمر پندرہ اور بیس کے درمیان ہو گی وہ کشمشی رنگ کی پتلون اور سبز جیکٹ میں تھی۔"

"شکیلہ....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"لیکن.... آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"پریشانی کی بات۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں واقعات کا علم نہیں ہے۔"

اس نے آج صبح کا واقعہ دہرایا کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "پریشانی کی بات یہ ہے کہ جزیرے میں مجھے ایک بندر کا تعاقب کرنا پڑا۔"

"بندر کا تعاقب.... پریشانی کی بات۔" ریکھا نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.... وہ معمولی بندر سے بہت بڑا تھا۔ یعنی اس کا قد ساڑھے چار فٹ ضرور رہا ہوگا۔"

"اوہ.... تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ جزیرے کے اس بندر کے متعلق میں نے بھی سنا ہے۔ رنگت معمولی بندروں کی سی ہے لیکن قد سے وہ کوئی چھوٹا سا گوریلا معلوم ہوتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "اور کیا سنا ہے۔ اُسکے متعلق۔"

غالباً وہ کسی غیر ملکی جہاز سے جزیرے میں کود گیا تھا۔ اکثر و بیشتر لوگوں نے اُسے پکڑنے کی بھی کوشش کی ہے لیکن وہ کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔ بیضرر لوگوں کے قریب بھی آجاتا ہے اور ان سے سگریٹ بھی مانگتا ہے۔ میں نے تو نہیں دیکھا لیکن سنا ہے کہ وہ بالکل آدمیوں ہی کی طرح سگریٹ پیتا ہے۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے اٹھ گیا۔

ٹیلی فون پر کسی سے ایک طویل گفتگو ہوئی مگر ریکھا اُسے سمجھ نہیں سکی۔ کیونکہ فریدی نے بہت کم سوالات کئے تھے زیادہ تر سنتا ہی رہا تھا۔ پھر اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کار کا پتہ تو چل گیا۔"

"کہاں ہے۔"

"ارجن پورے کے ایک حصے میں۔ یہ لڑکی تو دردسر ہو گئی۔ کیا تم میرے ساتھ چلو گی۔"

"ضرور....!" ریکھا اٹھتی ہوئی بولی۔ "وہ تو چاہتی تھی کہ کسی طرح فریدی کے ساتھ کچھ وقت گذارنے کا بہانہ ہاتھ آجائے۔"

وہ باہر آئے۔ حالانکہ گیراج میں دو کاریں اور بھی موجود تھیں۔ لیکن فریدی پیدل ہی چل پڑا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور وہ ارجن پورے کیطرف روانہ ہو گئے۔

"آپ نے شاید شکیلہ کے متعلق کچھ کہا تھا۔" ریکھا نے کہا۔

"ہاں.... وہ دونوں کار کھڑی کر کے ایک مکان میں گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک دوس کار وہاں آئی۔ اُس میں چار آدمی تھے وہ بھی اندر گئے اور تقریباً بیس منٹ بعد دو بڑے اور تھیلے اٹھائے ہوئے باہر آئے اور وہاں سے چلے بھی گئے۔ میری کار ابھی وہیں موجود ہے۔"

"تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں اب بھی وہیں ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اب وہاں ان کی گرد بھی نہ ہوگی۔"

"کیوں....!"

"وہ چار آدمی....؟"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ فریدی کہتا رہا۔ "اُس مکان میں ایک اندھی عورت رہتی تھی۔ جسے ؤ وہاں لے گئی تھی اُس کے لئے ایک ملازم رکھا بھی تھا۔ شکیلہ روزانہ وہاں جاتی تھی۔ کچھ ہوئے اُس عورت کا انتقال ہوگیا۔ وہاں کے لوگوں کا بیان ہے کہ شکیلہ اس دن کے بعد سے ہی وہاں نظر آئی تھی۔"

"یہ شکیلہ بڑی عجیب لڑکی معلوم ہوتی ہے۔" ریکھا نے کہا۔

فریدی خاموش ہوگیا۔ ٹیکسی ارجن پورے کے علاقے میں داخل ہوئی اور فریدی راس اور گلیوں کے متعلق ڈرائیور کو بتاتا رہا۔ پھر وہ اُسی جگہ پہنچ گئے جہاں فریدی کی لنکن کھڑی سارجنٹ رمیش وہاں موجود تھا۔ فریدی نے ٹیکسی سے اتر کر کرایہ ادا کیا اور سارجنٹ رمیش طرف متوجہ ہوگیا۔

"کیا وہ چاروں کبھی پہلے بھی یہاں نظر آئے تھے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ آس پاس کے لوگوں کا بیان ہے کہ وہ چاروں یہاں پہلی بار نظر آئے تھے ا آدمی جو لڑکی کے ساتھ تھا وہ بھی پہلی ہی بار دیکھا گیا تھا۔"

"تم اندر گئے تھے۔"

"میں آپ کا منتظر تھا۔"

"ٹھیک! اچھا تم دونوں یہیں ٹھہرو۔" فریدی کہتا ہوا اندر چلا گیا۔

"یہ حضرت بھی آئے دن کوئی نہ کوئی نئی حرکت کر بیٹھتے ہیں۔" ریکھا نے سارجنٹ ر سے کہا۔

"جی ہاں۔" رمیش نے سعادت مندانہ انداز میں جواب دیا۔ ریکھا کا عہدہ اُس سے بڑا

مگر ویسے بھی وہ عورتوں کے معاملے میں بہت ہی برخوردار قسم کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔

فریدی نے کچھ دیر بعد دروازے پر آکر ریکھا کو آواز دی اور رمیش کو بھی اندر آنے کا اشارہ کیا جیسے ہی وہ قریب آیا اس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹونی سے واقف ہو۔"

"ٹونی....!" رمیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ عیسائی جس کے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کٹی ہوئی ہے۔"

"ہاں.... وہی.... معلوم کرو کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔"

رمیش کے انداز میں ہچکچاہٹ محسوس کر کے اس نے پھر کہا۔ "وہ اس وقت یا تو چائنیز کارنر میں ملے گا یا سنگ بار میں۔ ان دونوں جگہوں پر نہ ملے تو مجھے اطلاع دینا۔ میں پندرہ منٹ بعد ہائی سرکل نائٹ کلب میں ملوں گا۔"

رمیش چلا گیا۔ فریدی چند لمحے خاموش کھڑا چاروں طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یہاں کچھ بھی نہیں ہے سوائے ان نشانات کے۔"

اُس نے صحن کے کچے فرش کی طرف اشارہ کیا۔ مگر ریکھا کو کچھ بھی نہ دکھائی دیا۔ آخر فریدی بولا۔ "کیا تمہیں یہ نشانات نہیں دکھائی دیتے۔"

"اوہ.... یہ.... کسی چیز سے کہیں کہیں زمین کھودی گئی ہے۔"

"تم انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ فریدی چند لمحے جواب طلب انداز میں مسکراتا رہا پھر بولا۔

"ان چاروں آدمیوں میں ایک ایسا ضرور تھا جسے جوتے کی ایڑی سے زمین کھودتے رہنے کی عادت ہے۔ اِدھر آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔ دالان کا فرش بھی کچا ہے، وہاں بھی تمہیں متعدد جگہ ایسے ہی نشانات ملیں گے۔"

"تو کیا آپ نے اسی سے کوئی نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"ہاں.... شہر کے جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک کو میں جانتا ہوں، جو غیر شعوری طور پر اپنے داہنے پیر کی ایڑی زمین پر مارتا رہتا ہے۔ بس آؤ چلیں۔ میں نے رمیش کو اس کی تلاش میں روانہ کیا ہے۔"

فریدی نے باہر نکل کر مکان کو مقفل کر دیا۔ قفل اور کنجی اندر ہی ملے تھے۔

تھوڑی دیر بعد لنکن ہائی سرکل نائٹ کلب کی طرف جا رہی تھی اور فریدی کہہ رہا تھا۔ "جب

بھی کسی مجرم کو اسٹڈی کرنے کا موقع ملے اس کی ایسی عادت معلوم کرنے کی کوشش کرو جس
احساس اُسے خود بھی نہ ہو۔ یہ عادتیں دراصل اضطراری ہوتی ہیں مثلاً بیٹھے بیٹھے یوں ہی ب
مقصد پیر ہلانا۔ خلا میں انگلی اٹھا کر اپنے خیالی دستخط بنانا، جوتے کی نوک یا ایڑی سے زمین کھو
رہنا۔ کاغذ پنسل یا قلم سامنے ہونے پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہنا یا مخصوص قسم کے نشانات بنانا
وغیرہ تم کسی بھی آدمی کو غور سے دیکھو تو تمہیں اُس میں ایسی بہتیری عادات مل جائیں گی، ج
احساس خود اُسے بھی نہ ہوگا۔ جرائم پیشہ لوگوں کے اضطراری فعل سے ہمیں انکا کھوج نکالنے
بڑی مدد ملتی ہے۔ اب اسی وقت کے معاملے کو لے لو۔ میں جانتا ہوں کہ ٹونی اضطراری طور پر ا
پیر کی ایڑی سے زمین کھودنے کا عادی ہے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں وہ بھی رہا ہو۔"

"اور اگر نہ رہا ہو تو۔"

"کوئی بات نہیں۔ سراغ رساں سے معجزے نہیں سرزد ہوا کرتے۔ وہ محض امکانا
کے سہارے آگے بڑھتا ہے کہیں دھوکا کھاتا ہے کہیں اُسے کامیابی ہوتی ہے۔"

"لیکن میں نے کبھی آپ کو دھوکا کھاتے نہیں دیکھا۔" ریکھا مسکرا کر بولی۔

"میں دھوکا کھانے کے بعد صبر کرنے کا عادی ہوں۔" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔ "کب
اس کا تذکرہ نہیں کرتا۔"

"میں یقین ہی نہیں کر سکتی۔"

فریدی مسکراتا رہا پھر بولا۔ "اگر وہ ٹونی ہی ہے تو مجھے ایک اور آدمی کو چیک کرنا ہے
دنوں اُس کے ساتھ بہت زیادہ دیکھا جاتا رہا ہے۔ اسی لئے میں ہائی سرکل نائٹ کلب جا رہا ہو

شام کے پانچ بج چکے تھے اور اب کچھ کچھ خنکی ہو چلی تھی۔

"تم نے اس بندر کو کبھی دیکھا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... میں نے صرف سنا ہے۔ پچھلے چھ ماہ سے فن آئی لینڈ جانے کا اتفاق نہیں

"تم اسے دیکھ چکی ہو۔" فریدی نے بڑے اعتماد سے کہا اور ریکھا اُسے حیرت سے دیکھنے

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔ "تم اسے دیکھ چکی ہو۔ کیا تمہیں وہ
چار فٹ اونچا بندر یاد نہیں جسے تم نے چائنیز کارنر میں دیکھا تھا۔"

"نہیں.... !" ریکھا بے ساختہ اچھل پڑی۔ "آپ فنچ کے بارے میں تو نہیں کہہ رہے

"ہاں، وہ بندر فنچ ہی تھا۔"

"مگر وہ بندر کسطرح ہو سکتا ہے۔ میں نے یہ نہیں سنا کہ جزیرے والا بندر سوٹ بھی پہنتا

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ میری آنکھیں بہت کم دھوکا کھاتی ہیں اور اب تو میرے پاس فنچ
کے متعلق بہتیری معلومات ہیں۔ وہ نیو میکسیکو کا باشندہ ہے اور نسلاً پرتگالی ہے۔ جانوروں کا
بہروپ بھرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ نیو میکسیکو میں اس کا ذریعہ معاش یہی تھا وہ سنتانے کے
ایک سرکس ملازم تھا۔"

ریکھا خاموشی سے سنتی رہی۔ فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا "اور ڈاکٹر ڈریڈ کا ہیڈ کوارٹر
بھی سنتانے ہی تھا۔"

"آہا.... پھر وہی ڈاکٹر ڈریڈ۔"

"ہاں.... اب وہ ساری دنیا میں اپنی قوت آزماتا پھر رہا ہے۔ یہاں فنچ کی موجودگی ثابت کرتی
ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ اب بھی یہیں مقیم ہے۔"

"اوہ.... ہاں.... سفارت خانے والے کیس میں یہ بات سامنے آئی تھی کہ فنچ اور ڈاکٹر ڈریڈ
بھی یہیں ہیں۔"

"یہ فنچ جیسا بے حقیقت آدمی ڈاکٹر ڈریڈ سے کیسے ٹکرا گیا۔"

"اوہ.... کیا تم اسے اس کے حقیر سے قد کی بناء پر بے حقیقت کہہ رہی ہو۔" فریدی بولا۔
"یقیناً اس کا قد اور جثہ ہی تمہارے ذہن میں ہے مگر اسے ہمیشہ یاد رکھو کہ آدمی کی حقیقت اس کا
جسم نہیں بلکہ دماغ ہے۔ گوشت اور ہڈیوں کا ڈھیر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ آدمی کا دماغ ہی اُسے
سربلند کرتا ہے۔ دنیا اُس کے قدموں پر جھکتی ہے اور جب یہی دماغ ناکارہ ہو جاتا ہے تو قدموں پر
جھکنے والے اسی گوشت اور ہڈیوں کے ڈھیر کو پکڑ کر کسی پاگل خانے میں بند کر دیتے ہیں اور وہاں دو
پیسے کے آدمی اس پر ڈنڈے برسایا کرتے ہیں۔ اوہ.... میں بہک گیا.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا
کہ فنچ جسمانی اعتبار سے ایک حقیر کیڑا سہی لیکن ذہنی صلاحیتوں کا یہ عالم ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ جیسا
خطرناک آدمی بھی آج تک اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" ریکھا نے آہستہ سے کہا۔

فریدی کی لنکن ہائی سرکل نائٹ کلب میں داخل ہو رہی تھی۔ فریدی نے پورچ کے قریب
اُسے روک کر انجن بند کیا اور وہ دونوں نیچے اتر گئے۔

منیجر اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر جہاں تھا وہیں رک گیا پہلے تو اس کے
چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے مگر پھر اُس نے مسکرا کر ایک شعر پڑھا۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت

"ہزاروں بار سن چکا ہوں۔" فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "اندر چلو۔"

منیجر کے چہرے پر پھر ذہنی انتشار کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔

"تشریف رکھئے جناب والا۔" اس نے الٹے پاؤں اپنے دفتر میں داخل ہو کر کہا۔

"قیام کرنیوالے گاہکوں کا رجسٹر لاؤ۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ اس نے ریکھا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"لیکن اپنے قیام کے وہ خود ذمہ دار ہوتے ہیں جناب۔" منیجر نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "کسی کی پیشانی پر کچھ لکھا نہیں ہوتا۔"

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔" فریدی نے رجسٹر لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

منیجر بڑبڑاتا رہا۔ "میرا تو دل چاہتا ہے کہ یہ کاروبار بند ہی کردوں۔ خواہ مخواہ اپنی حیثیت م مشکوک معلوم ہوتی ہے، مگر پھر میرے اہل وعیال کا کیا ہوگا۔ بقول شاعر ے

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر رجسٹر کے اوراق الٹتا رہا۔ ریکھا بھی رجسٹر پر جھ ہوئی تھی۔ ایک صفحے کو وہ دیر تک دیکھتا رہا پھر رجسٹر بند کر کے اُسے میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ "نہ تم م گے اور نہ رسوا ہو گے، ویسے غرق دریا ہونا چاہتے ہو تو پھر وہی اپنا پرانا کاروبار شروع کردو۔ م وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں سانس لینے کی بھی مہلت نہ ملے گی۔"

"میں نے عہد کیا ہے جناب کہ بقیہ زندگی یاد الٰہی میں گذاردوں گا۔" منیجر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ منیجر نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور فریدی کی طرف بڑھ ہوا بولا۔ "آپ کا فون ہے جناب....!"

فریدی نے ریسیور لے کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ "رمیش۔"

"جی ہاں وہ چائنیز کارنر میں نہیں ملا۔ میں اب سنگ سنگ بار کی طرف جا رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب مجھے ریالٹو میں فون کرنا۔" فریدی نے کہا اور ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ پھر ریکھا کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آؤ۔" اور منیجر سے کہا۔ "تم ہر معاملے میں اپنی زبان بند رکھو گے۔ یعنی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے کہ میں نے تمہارا رجسٹر چیک کیا تھا سمجھے!"

"بہت بہتر جناب۔ آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔"

وہ باہر آئے۔ فریدی نے کہا۔ "دوسری منزل پر کمرہ نمبر تیرہ میں چارلس براؤن نام کا ا امریکی مقیم ہے۔ اس پر نظر رکھو۔ آدمی کی ضرورت ہو تو ہیڈ کوارٹر سے طلب کرلو۔ کیونکہ ا سے ملنے جلنے والوں کے متعلق بھی معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"چارلس براؤن۔" ریکھا نے آہستہ سے کہا۔ "آپ نے اسی آدمی کے ساتھ ٹونی کو دیکھا تھا۔"

"ہاں.... بس اب ہال میں جاؤ۔"

فریدی ریکھا کو وہیں چھوڑ کر کیفے ریالٹو کی طرف روانہ ہو گیا۔

ریالٹو ایک بڑا اور شاندار کیفے تھا۔ فریدی وہاں پہنچ کر سیدھا بار کے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ مین شائد اُسے پہچانتا تھا۔ اس نے بڑے ادب سے اُسے سلام کیا۔

"تم کیپٹن حمید کو بھی پہچانتے ہو۔"

"جی ہاں.... میں انہیں پہچانتا ہوں۔"

"پچھلی رات اُس نے یہیں شراب پی تھی۔"

"نہیں! حضور.... وہ تو بہت عرصہ سے یہاں تشریف نہیں لائے۔"

"گیسپر کہاں ملے گا۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ بارٹنڈر نے ریسیور اٹھایا اور پھر اسے فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو....!" فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"میں رمیش ہوں۔ اس کا سنگ سنگ بار میں بھی پتہ نہیں چل سکا۔"

"خیر اب تم وہاں جاؤ جہاں تھوڑی دیر پہلے مجھے فون آیا تھا۔ وہاں تمہاری ضرورت ہے۔ اگر رورت ہوئی تو وہیں تمہیں فون کروں گا۔"

اُس نے ریسیور رکھ کر بارمین سے کہا۔ "تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ اس سے رض نہیں ہے کہ وہ ریالٹو میں کب سے نہیں آیا۔"

"اوہ.... آپ اس کی قیام گاہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ دیکھئے آج سے دو ماہ قبل وہ کیفے شبستان کے اوپر والے فلیٹ میں رہتا تھا۔ اس کے بعد کی اطلاع مجھے نہیں ہے۔ ایک بار وہ اتنی زیادہ پی گیا تھا کہ اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ میری ڈیوٹی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ سے اس کی قیام گاہ تک پہنچا دوں۔ اس طرح مجھے وہاں تک پہنچنے کا اتفاق پیش آیا تھا۔"

فریدی مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "وہ کسی جرم میں ماخوذ نہیں ہے۔ مجھے بس اس سے ایک دوسرے آدمی کے متعلق تھوڑی سی معلومات حاصل کرنی ہیں ویسے بھی تم جھوٹ بول کر خسارے ہی میں رہو گے۔ میں اس یقین کے ساتھ یہاں آیا ہوں کہ تم مجھے صحیح پتہ بتادو گے۔"

"میں ایسے آدمیوں سے بہت ڈرتا ہوں جناب۔ اگر اُسے معلوم ہو گیا کہ اس کا پتہ میں نے بتایا تھا تو....!"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ اُسے نہیں معلوم ہو سکے گا۔ ہاں! اگر تم خود ہی میرے جانے کے بع
اُسے فون کر بیٹھنے کی حماقت کر ڈالو تو۔۔۔۔"

"اوہ۔۔۔۔! میں پاگل نہیں ہوں جناب۔"

"میں تمہاری حفاظت کی ذمہ داری بھی لیتا ہوں۔"

"دیکھئے۔" بارٹنڈر آہستہ سے بولا۔ "گیسپر آج کل ٹونی کے ساتھ رہ رہا ہے۔ ٹونی کو آ
جانتے ہی ہوں گے اور ٹونی وہاں رہتا ہے۔۔۔۔ کیا نام ہے۔۔۔۔ اس کا۔۔۔۔ گرٹروڈا اسکوائر میں
پندرہ گرٹروڈا اسکوائر۔"

فریدی چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اپنی زبان بند ہی رکھنا۔"

"بہت بہتر جناب۔ مجھے اپنی زندگی اس عمر میں گراں نہیں گزرتی۔"

فریدی ریالٹو سے نکل کر اپنی کار میں بیٹھا اور اب وہ گرٹروڈا اسکوائر کی طرف جا رہا تھا۔ وہا
پہنچ کر بھی اس نے بارمین کے بیان کی تصدیق کی اور پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر وہ عمارت
اس حصے کے سامنے موجود تھا جہاں ٹونی رہتا تھا۔

اس نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے!" اندر سے کوئی دھاڑا۔

فریدی نے انگریزی میں کچھ کہا۔ لہجہ آئر لینڈ والوں کا سا تھا۔ اکھڑا، اکھڑا اور اکھڑ سا۔

دروازہ کھلا اور دروازہ کھولنے والا اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے پیچھے ہی ایک آدمی اور
تھا اور دونوں کی نظریں فریدی کے ریوالور پر تھیں وہ اندر گھستا چلا گیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ ا
اٹھا لئے تھے۔

"شرافت کی زندگی میں بھی آپ چین نہیں لینے دیتے۔" ٹیڑھی ناک والے دراز قد آ
نے کہا۔ یہی ٹونی تھا۔

"شرافت کی زندگی۔" فریدی نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تم یہ سمجھتے ہو کہ
غیر قانونی حرکت کر کے محفوظ رہو گے۔"

"کیسی غیر قانونی حرکت۔" گیسپر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

فریدی نے اس جملے کی طرف دھیان دیئے بغیر ٹونی سے پوچھا۔ "کیا تم کیپٹن حمید کو پہچانتے ہو
اس نے دونوں کے چہروں پر سراسیمگی کے آثار دیکھے۔

وحشت

حمید چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ شکیلہ بھی اسی کی طرح بے حس و حرکت پڑی
ہوئی ہے۔ دفعتاً دوسرے آدمی نے کہا۔ "یہ سرفیاض کی پوتی ہے۔ آج صبح یہ ان دونوں کو اپنے گھر
لے گئی تھی۔ پھر وہاں سے جزیرے تک لائی تھی۔"

"اوہ۔۔۔۔!" دوسرے آدمی نے تھوڑے توقف کے ساتھ کہا۔ "تو کیا وہ کچھ جانتی ہے۔"

"یقیناً ورنہ حالات ایسے کیوں ہوتے۔"

"ٹھیک ہے۔ اچھا فی الحال انہیں یہیں چھوڑو۔"

انہوں نے دور ہوتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ کچھ دیر تک
حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ پھر شکیلہ اچھل کر بیٹھ گئی۔

حمید اسی حالت میں چت پڑا رہا لیکن اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"آپ نے سنا۔" شکیلہ آنکھیں پھاڑ کر آہستہ سے بولی۔

"سن لیا۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "سرفیاض کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہ کسی ڈرامے کو
حقیقت کا رنگ دینے کے سلسلے میں ہزاروں خرچ کر دیا کرتے ہیں۔"

"اب میں اپنا سر پیٹ لوں گی۔" شکیلہ جھلا کر بولی۔ "آپ کو کسی طرح یقین ہی نہیں آتا۔"

"تمہیں سر پیٹتے دیکھ کر مجھے عبرت ہوگی۔ ضرور پیٹو۔"

"اچھی بات ہے۔ دیکھ لوں گی۔" شکیلہ دانت پیس کر رہ گئی۔

کمرے میں اندھیرا پھیل گیا تھا۔ حمید نے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ کر روشنی کر دی۔ پھر
فرش پر اکڑوں بیٹھتا ہوا بولا۔ "کیا اب میں تمہیں کھاؤں۔"

"کیوں! کیا مطلب۔!"

"بھوک لگ رہی ہے۔"

شکیلہ کچھ نہ بولی۔ بولتی بھی کیا۔ اُسے تو دوپہر کا کھانا بھی نہیں نصیب ہوا تھا۔ حمید نے
جزیرے والے ریستوران میں جھینگے کھائے تھے اور کافی پی تھی۔

"یہاں کب تک اس طرح پڑے رہیں گے۔" شکیلہ نے کچھ دیر بعد کہا۔

"خط استوا پر کافی گرمی پڑتی ہے اور روزانہ بارش ہوتی ہے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اس وقت

جغرافیہ یاد آ رہا ہے۔"

شکیلہ اُسے اس طرح دیکھنے لگی جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔

حمید بڑبڑاتا رہا۔ "میں نے چھٹویں کلاس میں پڑھا تھا کہ کنگرو اور اود بلاؤ میں صرف سمجھ کا ز ہے اگر تم اود بلاؤ کو کنگرو کہو تو حکومت کو اس پر اعتراض نہ ہونا چاہئے کیونکہ بین الاقوامی سیار میں زیادہ تر اود بلاؤ ہی دلچسپی لیتے ہیں، میرے والد صاحب آج کل بہت اداس ہیں کیونکہ ان پانچویں شادی سوئیز کینال پر حملے کی بناء پر رک گئی۔ اسلئے میرا خیال ہے کہ بین الاقوامی سیار محض بنڈل ہے۔ بھیڑیئے بھیڑوں کے نگہبان بننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تیندوے اور چیتے کہتے کہ نہیں یہ فرض منجانب اللہ ان پر عائد کیا گیا ہے۔ بھیڑیئے تو بھیڑوں کے کھلے ہوئے د ہیں۔ ہم ثقافتی اعتبار سے بھیڑوں سے بہت قریب ہیں اور اب ہم گھاس کھانے کی بھی پر کر رہے ہیں۔ تم میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ آنکھیں بند کرو۔ ورنہ میں تمہیں چیر پھاڑ کر کھا جاؤں گا۔"

شکیلہ ہنس پڑی مگر انداز میں بے بسی تھی۔

"ہنستی ہے۔" حمید دہاڑا۔ "مجھے اُلو کا پٹھا سمجھتی ہے۔"

شکیلہ یک بیک سہم گئی۔ اسے حمید کی آنکھیں ڈراؤنی معلوم ہونے لگیں کیونکہ اُن وحشت تھی۔

"کیا سمجھتی ہے۔" حمید پھر دہاڑا۔

"آپ تمیز سے گفتگو کیجئے نا۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمیز سے.... شٹ اپ۔" اس نے اس کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا اور بال پکڑنے لئے ہاتھ بڑھایا تھا کہ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اور پیچھے ہٹی۔ حمید نے اس پر چھلانگ لگائی درمیان میں ایک کرسی تھی وہ اسی پر ڈھیر ہو گیا۔ شکیلہ چیختی ہوئی دروازے کی طرف بھاگی۔

"ارے بچاؤ.... بچاؤ۔" وہ دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخنے لگی۔ ادھر حمید نے ایک کرسی اٹھا اس پر پھینک ماری۔ جو اس کے قریب ہی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گئی، شکیلہ پھر اچھلی اور حلق پھاڑ کر چیخنے لگی۔ حمید نے دوسری کرسی اٹھائی۔

"ارے.... بچاؤ.... ارے مری.... ری ی۔"

کرسی اس کے قریب ہی گری اور وہ پھر اچھل کر دروازے کی طرف بھاگی۔ تیسری کر بچ اس پر پڑی ہوتی اگر وہ ذرا سی بھی غفلت کرتی۔ وہ پھر دروازہ پیٹنے لگی، حمید وحشیانہ انداز میں رہا تھا۔ "پتلون پہنتی ہو۔ مجھے غصہ دلاتی ہو یہیں مار مار کر دفن کر دوں گا۔"

کسی نے دروازہ کھولا اور شکیلہ اچھل کر اس پر جا پڑی۔

"وہ پاگل ہو گیا ہے۔ بچاؤ۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"یہ خود پاگل ہو گئی ہے۔ اس کے قریب نہ جانا۔ یہ مخمل کھاتی ہے۔" حمید نے بندروں کی طرح اچھل کر کہا پھر اس نے اس آدمی پر بھی کرسی کھینچ ماری۔ لیکن وہ دروازے سے گزر جانے کی بجائے اس کے اوپری حصے سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔

دروازہ بند کر دیا گیا۔ حمید تنہا رہ گیا تھا۔ لیکن اس نے اپنا شغل جاری رکھا۔ میز سے دوات اٹھائی اور اس میں انگلی ڈبو ڈبو کر دیواریں خراب کرنے لگا۔ وہ لکھ رہا تھا۔ "اور جب وہ زمین پر آیا تو یہ زمین جنت بن گئی لیکن فرشتوں نے اسے سولی پر چڑھا دیا۔ فرشتوں نے اس کا سارا اثاثہ لوٹ لیا۔ وہ پھر واپس آئے گا۔"

دوسری جگہ لکھا۔ "بہت جلد آ رہا ہے۔ پیار کا ہنڈولا۔ اداکارا ثریا، گوپ، شیخ مختار، برٹرانڈ رسل، اسٹیفن اسپنڈر، پبلو نرودا، ککو، ناصر خاں۔"

تیسری جگہ لکھنے لگا۔ "جب دنیا کا خاتمہ ہونے لگے گا جب تم بے یار و مددگار ہو گے.... سینما کی کھڑکی کے نیچے بہت لمبی لائن ہو گی۔ تمہیں بلیک سے ٹکٹ خریدنے پڑیں گے۔ اس دن تمہیں کانن بالا یاد آئے گی۔ مادھوری یاد آئے گی۔ امیر کرناٹکی یاد آئے گی۔ ماسٹر نثار ہارمونیم بجائے گا۔ ماسٹر وٹھل کی ٹھائیں ٹھائیں ہو گی۔ انقلاب زندہ باد۔"

پھر اس نے اس قسم کی گالیاں لکھنی شروع کر دیں جیسے اکثر پبلک پیشاب خانے میں نظر آتی ہیں۔ اس نے میز الٹ دی۔ اس پر رکھی ہوئی چیزیں چاروں طرف بکھر گئیں اور وہ اُن پر کرسیاں پٹخ پٹخ کر انہیں چور کرنے لگا۔

یک بیک دروازہ کھلا اور پانچ آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ دیسی ہی تھے۔ حمید نے اپنا شغل جاری رکھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے ان کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

"کیا کر رہے ہو تم....!" ایک نے گرج کر کہا۔

حمید کے ہاتھ رک گئے، وہ ان کی طرف مڑا۔ چند لمحے انہیں قہر آلود نظروں سے دیکھتا رہا پھر یک بیک کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"میں برلن کو تباہ کر رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "یہ دیکھو۔ یہ ہٹلر کی لاش ہے۔ مگر وہ حرام زادی فرار ہو گئی۔ تم لوگ کہاں سے آئے ہو۔ کیا میرا پیغام مسٹر چرچل تک پہنچا دو گے۔"

وہ لوگ دیوار کی تحریریں دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

"یہ تو خواہ مخواہ پاگل ہو گیا۔" ایک نے کہا۔

"تم خود پاگل ہو گئے ہو سالے۔" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "میں برطانیہ کا وزیر اعظم ایڈن ہوں۔"

"وزیر اعظم صاحب ہم آپ کا جلوس نکالیں گے گھبرایئے نہیں۔"

حمید نے ہاتھ اٹھا کر تقریر کرنے کے سے انداز میں کہنا شروع کیا۔ "مجھے آپ سے پوری پوری ہمدردی ہے، میری حکومت کوشش کر رہی ہے کہ آپ کی ساری شکایات رفع کر دی جائیں، مگر اسے ہمیشہ یاد رکھئے کہ بھوکے رہنے سے معدہ کبھی خراب نہیں ہوتا اور ننگے رہنے سے جسم میں قوت آتی ہے۔ ہر وقت کھلی اور تازہ ہوا نصیب ہوتی ہے اس لئے خود بھی ننگے رہئے اور اپنے بال بچوں کو بھی ننگا رکھئے.... دانتوں میں درد ہو پانی لگتا ہو، مسوڑھوں سے پیپ آتی ہو کالے خان کا منجن استعمال کیجئے، جمے ہوئے دانت ہل جائیں گے، ہاتھ اٹھا کر مانگئے.... چار آنے.... چار آنے.... اب میرے پاس ایک دوسرا سانپ ہے۔ یہ سانپ ہزار برس کے بعد اڑتا ہے۔ اُڑ کر صندل دیپ چلا جاتا ہے۔ صندل کے جھاڑ میں لپٹ کر ایک ہزار سال تک پروردگار کی عبادت کرتا ہے۔ پھر وہ پاک بے نیاز اُسے ایک حسین و جمیل عورت بنا دیتا ہے۔ جمیل احمد میرے ماموں زاد خالو کا نام ہے۔ کچہری میں واصل باقی نویس ہیں۔ نانا فرنولیر سے ان کا کوئی رشتہ نہیں۔ دشمنوں نے اڑائی ہو گی۔ اب میں آپ لوگوں کو ایک ٹھمری سناتا ہوں۔"

حمید نے ٹھمری شروع کر دی اور دو یا تین منٹ تک گاتا رہا۔ ان آدمیوں میں کچھ دیر سرگوشیاں ہوتی رہیں۔ پھر ایک باہر چلا گیا۔

حمید اب خاموش ہو کر سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا اس کا سر جھکا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ باہر جانے والا آدمی کچھ دیر بعد واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریشم کی ڈور کا ایک لچھا تھا۔ وہ آگے بڑھے اور انہوں نے حمید کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حمید کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا وہ اب بھی اسی طرح آنکھیں بند کئے کھڑا تھا۔

انہوں نے اس کے ہاتھ سینے سے ہٹا کر پشت پر کر دیئے اور انہیں ریشم کی ڈور سے باندھنے لگے، لیکن حمید نے جنبش بھی نہ کی، اسی طرح آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔

"چلئے وزیر اعظم صاحب۔" ایک نے اُسے دھکا دیا اور حمید چلنے لگا۔ لیکن اس کا رخ دروازے کی بجائے دیوار کی طرف تھا۔

"ارے اس کی تو آنکھیں بند ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"آنکھیں کھول دیجئے وزیر اعظم صاحب۔" دوسرا بولا۔

"۱۹۵۷ء وزیر اعظم کے لئے آنکھیں بند رکھنے کا سال ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"چلو....!" اُسے شانے سے پکڑ کر دھکیلا جانے لگا۔ اس طرح وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں لائے یہاں شکیلہ موجود تھی۔ اس کے علاوہ تین آدمی اور بھی تھے جنہوں نے اپنے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔ اس کے برعکس جو لوگ حمید کو اس کمرے میں لائے تھے کہیں بھی پہچانے جا سکتے تھے کیونکہ ان کے چہروں پر نقابیں نہیں تھیں۔

"کیا قصہ ہے۔" نقاب پوشوں میں سے ایک نے انگریزی میں پوچھا۔

"یہ پاگل ہو گیا ہے۔" جواب دیا گیا۔

"کیوں....!"

"کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی جناب۔ کوئی سختی بھی نہیں کی گئی۔"

حمید آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔

"تم بتاؤ۔ کیا بات ہے۔" نقاب پوش نے شکیلہ سے پوچھا۔

"اس نے یک بیک مجھ پر کرسیاں پھینکنی شروع کر دی تھیں۔"

"تم ان لوگوں کو اپنے گھر کیوں لے گئی تھیں۔"

"اوہو! تو میں اب سمجھی۔" شکیلہ نے بڑی دلیری سے کہا۔ "تو وہ تمہیں لوگ ہو جو ہمیں دھمکیاں دیتے رہے ہو۔"

"کیسی دھمکیاں۔"

"یہی کہ اگر ایک لاکھ روپیہ ادا نہ کیا گیا تو تم ہم میں سے کسی کو اغوا کر کے جان سے مار دو گے۔"

"یہ بکواس ہے۔" نقاب پوش نے کہا۔

"پھر ہمیں اغوا کیوں کیا گیا ہے۔"

نقاب پوش کچھ نہ بولا۔ وہ دوسروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو تم اسی لئے انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئی تھیں۔" دوسرے نقاب پوش نے پوچھا۔

"ہاں میں نے انہیں وہ خط دکھائے تھے۔"

"لیکن تم انہیں یہاں کیوں لائی تھیں۔"

"کہاں!" شکیلہ نے پوچھا۔

"فن آئی لینڈ میں۔"

حمید نے جھرجھری سی لی گویا وہ فن آئی لینڈ ہی کی کسی عمارت میں تھے۔ "میرا خیال ہے کہ

ہمیں دھمکیاں دینے والے فن آئی لینڈ ہی میں رہتے ہیں کیونکہ ایک خط مجھے یہاں بھی ملا تھا۔ ایک دن سیر کے لئے آئی تھی کہ ایک چھوٹے سے بچے نے مجھے لفافہ دیا اور دوڑتا ہوا ایک طر چلا گیا۔ یہ خط انہیں لوگوں کی طرف سے تھا۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر نقاب پوش نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اسے کسی کمرے میں بند کر دو۔ غالباً یہ سنتھلک گیس کا اثر ہے۔ جو خود ہی زائل ہو جائے گا۔"

حمید کو پھر دھکیلا جانے لگا۔ لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

دوستوں کی دشمنی

فریدی انہیں گھورتا رہا وہ دم بخود کھڑے تھے آخر ٹونی اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر مسکرا

"میں انہیں پہچانتا ہوں کرنل صاحب۔" اس نے کہا۔

"وہ اس وقت کہاں ہے۔ میں جھوٹ نہیں سنوں گا۔"

ٹونی نے اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن فریدی کی عق نظروں کو دھوکا دینا آسان نہیں تھا۔

"تم اس پر حیرت ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ خواہ مخواہ..." گیسپر بول پڑا "کوئی الزام رکھ کر ستانا چاہتے ہوں تو بات ہی دوسری ہے"

فریدی کا الٹا ہاتھ اسکے منہ پر پڑا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ اُس کے منہ سے ا گندی سی گالی نکلی۔ لیکن اسی انداز میں جیسے وہ گالی اس دیوار کو دی گئی ہو جس سے وہ ٹکرایا تھا۔

فریدی ٹونی کی طرف متوجہ ہو گیا، جو بہت بُرا سا منہ بنائے کھڑا تھا، جو احساس تنفر اور خو ہی کا نتیجہ ہو سکتا تھا۔

"بتاؤ کیپٹن حمید.... اور وہ لڑکی کہاں ہیں۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں کیا جانوں۔ آپ خواہ مخواہ ظلم پر آمادہ ہو گئے ہیں۔"

"کیا تم آج دوپہر کو ارجن پورہ نہیں گئے تھے۔"

"گیا تھا۔ مگر اس سے کیا۔"

"میں مندر کے سامنے والے مکان کی بات کر رہا ہوں۔"

"کون سا مندر۔ میں کسی مکان میں نہیں گیا تھا۔ اُدھر سے گذرا ضرور تھا۔ یقیناً آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ریوالور جیب میں رکھ لیجئے مجھے بتایئے کیا معاملہ ہے کیا آپ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا بھی موقع نہیں دیں گے۔"

"موقع ضرور دیا جائے گا۔" فریدی نے ریوالور جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس دوران میں حمید یا اُس لڑکی کو کوئی گزند پہنچا تو میں شارع عام پر تم دونوں کو ذبح کر دوں گا۔"

ٹھیک اسی وقت گیسپر نے فریدی پر چھلانگ لگائی۔ لیکن شاید فریدی نے اُسے چاقو نکالتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اپنی مخصوص قسم کی تفریح کے موڈ میں بھی تھا۔

گیسپر کو نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کس طرح فریدی پر سے اچھلتا ہوا ٹونی پر جا پڑا تھا۔ دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے اور ٹونی کی چیخ سے کمرہ جھنجھنا اٹھا۔ کیونکہ گیسپر کا چاقو اس کے بازو میں پیوست ہو گیا تھا۔

پھر ٹونی نے اُس کے سینے پر اس زور کی لات رسید کی کہ وہ کئی فٹ دور جا گرا۔ فریدی انہیں اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے دو مرغے لڑ پڑے ہوں۔

ٹونی اپنا بازو پکڑے ہوئے لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ انگلیوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ گیسپر شاید ہوش ہی میں تھا۔ لیکن اس حماقت کے بعد اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ چپ چاپ آنکھیں بند کئے پڑا رہے۔

"پھر نہ کہنا کہ میں نے تمہیں سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں دیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کرنل.... یہ گیسپر بالکل اُلو کا پٹھا ہے۔" ٹونی کراہا۔

"چاقو اب بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔" فریدی بولا۔ "اس بار کہیں یہ تمہارے سینے ہی میں نہ اتر جائے۔"

ٹونی نے آگے بڑھ کر غصے میں دو لاتیں گیسپر کے رسید کیں اور گیسپر سچ مچ اس پر چڑھ دوڑا۔ اگر ٹونی اپنا زخمی بازو چھوڑ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑ لیتا تو فریدی کی پیشینگوئی پوری اترتی۔

اس نے کسی نہ کسی طرح چاقو گیسپر کے ہاتھ سے نکال دیا۔ لیکن وہ اب بھی جنگلی بھینسوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ چاقو ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ اور ان سے ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح چاقو اس کے ہاتھ لگ جائے۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی اور وہ انہیں بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ یہ جنگ طویل ہوتی جا رہی تھی۔ آخر فریدی نے آگے بڑھ کر چاقو اٹھا لیا اور اُسے بند کر کے جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "اب تم دونوں علیحدہ ہو جاؤ.... ورنہ مجھے اپنا فرض ادا کرنا پڑے گا۔"

لیکن اس کے باوجود بھی دونوں گتھے رہے۔ فریدی نے گھونسے مار مار کر انہیں الگ کیا۔

"یہ.... کرنل.... یہ سور کا بچہ۔" ٹونی گیسپر کی طرف انگلی اٹھا کر ہانپتا ہوا بولا۔ "جا.... کہ کیپٹن اور لڑکی کہاں ہیں۔"

گیسپر نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ فریدی کا تھپڑ پھر اس کے منہ پر پڑا۔

"ہاں ٹونی تم بیان جاری رکھو۔ نہیں.... ٹھہرو.... اندر چلو۔"

ٹونی جھومتا ہوا آگے بڑھا۔ فریدی نے گیسپر کی گردن دبوچ لی اور اسے دھکیلتا ہوا دو کمرے میں لے جانے لگا۔

"تم اگر چاہو تو سانس درست کرنے کے لئے کچھ پی سکتے ہو ٹونی۔"

"شکریہ جناب۔" اس نے میز پر رکھی ہوئی بوتل سے گلاس میں بیئر انڈیلی اور د سانسوں میں گلاس خالی کر دیا۔ پھر ایک کرسی میں گرتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ سور کا بچہ مجھے دھوکا د لے گیا تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ آپ لوگوں کا معاملہ ہے تو میں گھر سے قدم ہی نہ نکالتا۔

فریدی نے گیسپر کی گردن چھوڑ دی تھی اور اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

"اس نے کہا کہ ارجن پورے کے ایک مکان سے شاید دو آدمیوں کو اٹھانا پڑے کسی آدمی کا کام ہے، اس لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یقین کیجئے مجھے ابھی آپ سے یہ معلوم ہوا ہے کیپٹن اور کوئی لڑکی تھے۔ میں صحن میں تھا اور انہوں نے کوٹھری سے دو بڑے بڑے تھیلے تھے۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ انہیں کہاں لے جایا گیا ہے۔"

"کیوں....!" فریدی نے گیسپر کو مخاطب کیا۔

"یہ جھوٹا ہے۔"

"اٹھوں۔" ٹونی اسے خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"اٹھو نا.... اس بار تمہاری پسلیاں توڑ دوں گا۔"

فریدی کا تھپڑ پھر اس کے منہ پر پڑا اور وہ فریدی سے لپٹ پڑا۔

گیسپر بھی اچھی خاصی جسمانی قوت رکھتا تھا۔ مگر فریدی نے تین ہی منٹ میں اس کے بل نکال دیئے اور پھر جب ٹونی ہی نے اُسے زمین سے اٹھایا تو وہ اٹھ سکا۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا بُری طرح ہانپ رہا تھا اور منہ سے بہتے ہوئے خون کو بار بار آ سے خشک کرنے لگتا تھا.... فریدی کھڑا اُسے گھورتا رہا۔

"گیسپر!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اس چھت کے نیچے تمہاری موت بھی واقع ہو سکتی ہے"

گیسپر نے میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے جھکتے ہوئے زبان نکالی جس سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ وہ کسی مرتے ہوئے کتے کی طرح ہانپ رہا تھا اور اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

"ٹونی۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "مجھے احساس ہے کہ تم بھی زخمی ہو لیکن پھر بھی میں تمہیں تکلیف دے رہا ہوں اس کا منہ صاف کر کے اسے پینے کے لئے کچھ دو۔"

"برانڈی؟" ٹونی نے پوچھا۔

"ہاں.... شکریہ۔"

ٹونی نے جگ میں پانی لا کر اس کا منہ صاف کیا۔ گیسپر خاموشی سے بیٹھا رہا۔ پھر ٹونی نے ایک گلاس میں اسے برانڈی دی جسے وہ ایک ہی سانس میں حلق سے نیچے اتار گیا۔

"میں اپنی راہ میں آنے والوں سے نپٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے گیسپر کو مخاطب کرتے ہوئے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور کہا۔ "تمہیں صرف پانچ منٹ دیئے جاتے ہیں چھٹویں منٹ پر تم اس دنیا میں تو نہیں ہو گے اور میں جس طرح یہاں پہنچا ہوں اسی طرح وہاں بھی پہنچ سکتا ہوں جہاں وہ دونوں لے جائے گئے ہیں۔ کیا تم سن نہیں رہے ہو۔"

"سن رہا ہوں۔" گیسپر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "سب کچھ سن رہا ہوں۔ لیکن اب تم مجھے مار ہی ڈالو۔"

"یہ کام میں انجام دوں گا۔" ٹونی غرا کر کھڑا ہو گیا۔ "میں نے تجھ پر احسان کیا، رہنے کو جگہ دی، قرض خواہوں سے بچایا اور تو نے یہ بدلہ دیا۔ اگر تو مجھ سے بتا دیتا کہ کسے اٹھانا ہے تو میں اس کام میں ہاتھ ہی نہ ڈالتا۔ اَبے ہم بُرے آدمیوں میں بھی آپس داری کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔"

گیسپر کچھ نہ بولا۔ اس نے سر جھکا لیا تھا۔

"اب بہتری اسی میں ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے اس پر عمل کرو۔" ٹونی پھر بولا۔

"اس مکان میں پہنچنے سے پہلے مجھے بھی علم نہیں تھا۔" گیسپر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں نے وہاں پہنچ کر انہیں دیکھا تھا۔"

"تمہیں کس نے اس حرکت پر آمادہ کیا۔"

"چارلی نے.... اور اسے اس بات کا بھی علم ہے کہ انہیں کہاں لے جایا گیا ہے۔"

"تم نہیں جانتے۔"

"نہیں.... میں نہیں جانتا۔"

"اوہ.... یہی تو میں کہوں گا۔" ٹونی بول پڑا۔ "گیسپر سے مجھے ایسی امید نہیں تھی۔"

پھر اس نے گیسپر کے لئے بیئر کا گلاس لبریز کیا اور اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "پی جاؤ دوست ہم لوگ خواہ مخواہ ایک دوسرے کے غصے کا شکار ہوئے۔"

"ہماری دوستی آج ختم ہوگئی۔" گیسپر نے گلاس کو دوسری طرف کھسکاتے ہوئے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تمہاری مرضی۔" ٹونی نے کھسیانے انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور میز کے پاس سے ہٹ گیا۔

فریدی گیسپر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "چارلی کہاں ملے گا۔ میں ایک نیا نام رہا ہوں۔"

"وہ فن آئی لینڈ کے فریز بار کا بار ٹنڈر ہے۔"

"اچھا۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی اور جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال کر گیسپر کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔ پھر ٹونی سے بولا۔ "یہ تمہاری نگرانی میں رہے گا اور یہ تو تم جانتے ہو کہ یہ سے دوستی ترک کر چکا ہے۔"

"جانتا ہوں۔" ٹونی سنجیدگی سے بولا۔ "ہم میں دوستی ختم ہونے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے چاقو خون کی پیاس سے تڑپتے رہیں۔ آپ مطمئن رہئے۔ یہ میری نگرانی میں رہے گا۔"

فریدی انہیں وہیں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔

ایک پبلک فون بوتھ سے ہائی سرکل نائٹ کلب کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف رمیش موجود تھا۔ فریدی نے اُسے ٹونی کے گھر کا پتہ بتا کر کہا کہ وہ وہاں سے گیسپر کو لے جائے۔

"اور ریکھا کہاں ہے۔" اس نے پوچھا۔

"ہال میں ہے۔"

"کچھ دیر کے لئے تم اس کی جگہ لے کر اُسے فون پر بھیج دو اور منیجر کو وہاں سے ہٹا لے جاؤ یعنی ریکھا سے گفتگو کے وقت وہ فون کے قریب نہ ہو۔"

فریدی کو دو منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دوسری طرف سے ریکھا کی آواز آئی۔

"تم دس سادہ لباس والوں کو فن آئی لینڈ بھیج دو۔ انہیں پوری طرح مسلح ہونا چاہئے اور اس امریکن کے متعلق کیا رپورٹ ہے۔"

"وہ کمرے میں موجود ہے۔ ابھی اس سے ایک آدمی ملنے آیا تھا جس کے متعلق آپ دلچسپی سے سنیں گے۔"

"کون آدمی۔"

"سر فیاض کا پرائیویٹ سیکریٹری مخدوم۔"

"اوہو۔ رمیش کو ابھی وہیں روکو اور سادہ لباس والوں کو بھی.... دوسری اطلاع تک جزیرے میں بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

فریدی نے بڑی تیزی سے ریسیور ہک سے لٹکایا اور باہر نکل آیا۔ وہ قریب قریب دوڑتا ہوا ٹونی کے گھر کی طرف جا رہا تھا کیونکہ ٹونی اور گیسپر بچ کر نکلے جا رہے تھے، ان دونوں ہی نے بڑے شاندار طریقہ پر اُسے دھوکا دینے کی کوشش کی تھی، وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ دونوں نکل گئے تو اسے ایک بہت ہی گھٹیا قسم کی شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

سانپ

اُن دونوں کے ڈرامے میں پھنس کر وہ یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ ان دنوں ٹونی کو ایک امریکن کے ساتھ دیکھتا رہا تھا اور اب اس امریکن کی شخصیت بھی کسی حد تک روشنی میں آگئی تھی۔ یعنی سر فیاض کے سیکریٹری سے اس کا ملنا جلنا تھا۔

فریدی بڑی تیز رفتاری سے چلتا رہا اور ٹھیک اس وقت وہاں پہنچا جب ٹونی اور گیسپر گھر سے نکل رہے تھے۔ فریدی کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔ گیسپر کے جسم پر ایک لمبا کوٹ پڑا ہوا تھا لیکن ہاتھ آستینوں میں ڈالے بغیر نیچے سے اوپر تک بٹن لگا دیئے گئے اس طرح وہ ہتھکڑیاں پڑے ہوئے ہاتھوں کو چھپانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"بہت اچھے۔" فریدی اپنے مخصوص خونخوار انداز میں مسکرایا۔

دفعتاً ٹونی نے گیسپر کی گردن دبوچ لی اور بولا۔ "تو نے پھر مجھے ذلیل کرایا۔ گیسپر اب میں کس طرح صفائی پیش کروں گا۔"

"کیوں کیا اسے اپنی کسی مالدار خالہ کی آخری وصیت سننی تھی۔"

"جی نہیں۔ جیل جانے سے پہلے روزیٹی سے ملنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ تین منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے جی ہاں تین گھروں کے بعد اس کا مکان ہے۔"

"اندر چلو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں روزیٹی کو یہیں بلوائے لیتا ہوں۔"

گیسپر دروازے میں مڑ گیا۔ فریدی ان کے بعد داخل ہوا اور اس نے دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا۔

"ٹونی تم اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دیوار کی طرف مڑ جاؤ۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کے ریوالور کا رخ ٹونی کے سینے کی طرف تھا۔

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔ ورنہ میں فائر کر دوں گا۔"

"بہت بہتر.... مگر سنئے تو....!"

بظاہر اس کے انداز سے یہی معلوم ہوا کہ وہ ہاتھ اٹھانے جا رہا ہے لیکن حقیقتاً اس کا داہنا ہاتھ جیب کی طرف گیا تھا۔ فریدی کے ریوالور کی سرخ زبان نکل پڑی اور ٹونی دیوار سے جا لگا۔ گولی اس کی انگلیوں کو چھوتی ہوئی دوسری طرف کی دیوار میں دھنس گئی تھی۔

ٹونی نے خوفزدہ انداز میں اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ گیسپر خاموش گہری گہری سانسیں لے رہا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر ٹونی کی جیبوں سے دو چھوٹے چھوٹے ہینڈ بم برآمد کئے۔

"غالباً کسی امن کانفرنس میں شرکت کا ارادہ تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ٹونی کچھ نہ بولا۔ اس کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور آنکھیں کسی ایسے چوپائے کی آنکھوں سے مشابہ نظر آ رہی تھیں جو کسی درندے کے حملے کا منتظر ہو۔

"تمہاری اڑان کی حدود ختم ہو گئیں۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ "کیپٹن حمید کہاں ہے۔"

"وہ فن آئی لینڈ لے جائے گئے تھے۔ میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ سونا گھاٹ سے ایک سفید انہیں لے گئی تھی۔ ہم دراصل شہر ہی چھوڑ دینے کے خیال سے باہر نکلے تھے اور گیسپر نے اطلاع بھی غلط نہیں دی تھی کہ آپ کو چارلی سے بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔"

"اگر یہ جھوٹ ہوا تو میں تمہیں جیل سے نکال کر قتل کر دوں گا۔"

"دیکھئے جیل کی بات نہ کیجئے۔" ٹونی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ کو علم ہے کہ ضمانت پر ہوں۔"

اگر یہ دستی بم تمہارے پاس سے برآمد نہ ہوئے ہوتے تو میں اس پر غور کرتا ویسے کیا سکتے ہو کہ ہائی سرکل نائٹ کلب والے امریکن سے تمہاری دوستی کتنی پرانی ہے۔"

ایک بار پھر ٹونی کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ فریدی بھی شائد اب وقت نہیں برباد کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے گفتگو کا سلسلہ آگے نہیں بڑھنے

ایک بار پھر اس نے رمیش اور ریکھا کو فون کیا۔ اب گیسپر کی ہتھکڑیوں میں ٹونی بھی شریک کر دیا گیا تھا۔ انہیں دو ڈیوٹی کانسٹیبلوں کے چارج میں دے کر فریدی بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن کا مسئلہ اہم تھا مگر وہ اس کے متعلق گفتگو کو طول دے کر حمید کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ ویسے اسے اطمینان تھا کہ وہ دونوں زندہ ہی ہوں گے کیونکہ اگر مار ڈالنا ہی مقصود ہوتا تو وہ انہیں اس مکان سے اٹھا لے جانے کا خطرہ کیوں مول لیتے۔

بندرگاہ سے وہ جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب شام ہو چکی تھی اور سورج پانی میں ڈوبتا ہوا ایک بہت بڑا آگ کا گولا معلوم ہو رہا تھا۔

اسکے جزیرے میں پہنچنے کے پانچ ہی منٹ بعد دس سادہ لباس والے بھی پہنچ گئے۔ فریدی نے انہیں کچھ ہدایات دے کر مختلف سمتوں میں پھیلا دیا۔ دو آدمی فریز بار کے سامنے بھی ٹھہرے۔

فریدی بار میں داخل ہوا سب سے پہلے اس کی نظر بار ٹنڈر ہی پر پڑی۔ جو کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا اُسے دیکھ کر پلکیں جھپکا رہا تھا۔ یہ گٹھیلے جسم کا ایک پستہ قد یوریشن تھا۔

فریدی کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ چارلی سیدھا کھڑا تھا اور اس کے اعضاء بے حس و حرکت تھے۔ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور دونوں کی پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا تھا۔

"اب تمہیں لامحالہ میری ضرورت ہو گی۔" فریدی کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔

"میں فریدی ہوں۔"

چارلی سکتے کی سی حالت میں کھڑا رہا پھر سنبھل کر بولا۔ "فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ وہائٹ بریڈ پیل ایل کے بیرل آج ہی آئے ہیں۔ مگر بہت سے لوگ اُسے پسند نہیں کرتے۔ اوہ ٹھہریئے.... کیا میں آپ کے لئے گولڈن ایگل پیش کروں۔ اس بار میں آپ کو صرف بیئر ہی مل سکے گی۔"

"کیپٹن حمید اور سرفیاض کی پوتی کہاں ہے۔" فریدی نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں سمجھا آپ کیا فرما رہے ہیں۔"

"ٹونی اور گیسپر کے ذریعہ یہاں تک پہنچا ہوں۔"

دفعتاً چارلی نے پلٹ کر کاؤنٹر کے پیچھے کھلے ہوئے دروازے میں چھلانگ لگائی۔ فریدی نے کاؤنٹر پر ہاتھ ٹیکے اور دوسری طرف کود گیا۔

چارلی نکل جانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ البتہ وہ دیوار سے لگے ہوئے ایک بٹن کو بار بار دباتا ہوا پکڑا گیا تھا۔ اس وقت فریدی نے اس کی اس حرکت پر دھیان نہیں دیا۔

"کیا تم نہیں بتاؤ گے۔" فریدی اس کی گردن دبوچے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بتاتا ہوں.... "وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ "وہ.... وہ.... !"

اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکا۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں اور ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے فریدی سوچ رہا تھا کہ وہ اتنی جلدی بیہوش ہو سکتا ہے جسم کی بناوٹ تو ایسی نہیں تھی جس پر کسی قسم کی کمزوری کا شبہ بھی ہو سکتا تو پھر شاید یہ مکاری تھی۔

مگر یہ مکاری کافی دیر جاری رہی۔ لوگ کاؤنٹر پر کھڑے اندر کی طرف جھانک رہے تھے لیکن سادہ لباس والوں نے انہیں اندر نہیں داخل ہونے دیا۔ بار کا مالک ایک پارسی تھا جب اسے معلوم ہوا کہ بار میں پولیس موجود ہے تو اس کی دھندلی آنکھوں سے بہت زیادہ مقدار میں پانی بہنے لگا۔ وہ دبلے پتلے ڈیل کا آدمی تھا اور شاید اعصابی اختلاج کا مریض بھی.... اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کاؤنٹر ہی تک جا سکتا۔

فریدی نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی راہداری تھی جس کا اختتام ایک دروازے پر ہوا تھا۔ یہ دروازہ بند تھا۔ دونوں دروازے بند ہونے کی بناء پر یہاں اندھیرا ہو گیا فریدی کاؤنٹر کی جانب کا دروازہ بند کر کے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا لیکن ابھی اس کا ہاتھ سوئچ بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس نے چارلی کی چیخ سنی۔

"ارے مار ڈالا۔"

"چٹ۔" راہداری میں روشنی ہوگئی اور پھر اگر فریدی ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو بڑے سانپ نے اُسے ڈس ہی لیا تھا، جو چارلی کے جسم پر سے اس پر جھپٹا تھا۔

فریدی نے راہداری کے دوسرے سرے کی طرف چھلانگ لگائی اور مڑتے مڑتے سانپ کے پھن پر فائر کر دیا۔ سانپ دروازے سے ٹکرا کر دھپ سے فرش پر جا گرا۔ دو تین لہریں لیں اور ٹھنڈا ہو گیا۔

چارلی اپنی پنڈلی دبائے کسی خوفزدہ بچے کی طرح سسکیاں لے رہا تھا۔

"میں نے خطرے کی گھنٹی بجائی تھی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ سب اس عمارت میں ہیں اوپری منزل پر.... انہوں نے.... مم.... مجھے مار.... ڈالا.... لا.... بچ.... !"

اس کے منہ اور ناک سے خون کی بوچھاڑ سی نکل کر دیوار پر پڑی اور پھر فریدی نے اسے دم توڑتے دیکھا۔ دوسری طرف کا دروازہ بند تھا۔ فریدی نے اُسے دھکا دیا لیکن کھولنے میں کامیاب ہو سکا۔ اس نے کاؤنٹر کی طرف کا دروازہ کھولا۔ پانچ چھ آدمی سراسیمگی کے عالم میں کھڑے

انہیں سادہ لباس والوں نے باہر نہیں نکلنے دیا تھا۔

"اندر ایک لاش ہے۔" فریدی نے بلند آواز میں کہا۔ "کوئی ادھر نہیں جائے گا۔"

لیکن فریدی کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اب وہ مجرموں کو نہ پا سکے گا۔ اوپری منزل پر جانے سے پہلے ہی اس کے علم میں لایا گیا کچھ دیر پہلے پانچ یا چھ آدمی نیچے کھڑی ہوئی ایک اسٹیشن ویگن میں فرار ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا کہ وہ زبردستی کہیں لے جایا جا رہا ہے ان لوگوں کے پاس کوئی سامان بھی نہیں تھا۔

فریدی تین سادہ لباس والوں کے ساتھ اوپری منزل پر پہنچا، لیکن یہاں چاروں طرف سناٹے کی حکمرانی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں کے مکین کہیں بے خبر سو رہے ہوں کسی جگہ بھی انتشار یا بدنظمی کے آثار نہیں دکھائی دیئے۔ فریدی یہاں اس توقع پر آیا تھا کہ ممکن ہے حمید اور شکیلہ یہیں ہوں۔

اُسے مایوسی نہیں ہوئی۔ سب سے پہلے اُسے شکیلہ ملی، جو ایک کمرے میں بند تھی۔ اُس سے اُسے معلوم ہوا کہ حمید کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے اور وہ بھی یہیں کہیں بند ہوگا۔ شکیلہ بُری طرح سہمی ہوئی تھی اور بار بار فریدی کو اس طرح گھورنے لگتی تھی جیسے اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

یہاں سات کمرے تھے۔ ایک میں حمید نظر آیا۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"حمید....!" فریدی نے اُس کا شانہ ہلا کر آواز دی۔

"میرا نام نربدا پرشاد ہے۔" حمید نے آہستہ سے جواب دیا۔

"تب تو ٹھیک ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اب دماغ ٹھیک ہو جانا چاہئے ورنہ اٹھا کر نیچے پھینک دوں گا۔"

"کیا وہ.... لڑکی موجود ہے۔" حمید نے آنکھیں بند کئے ہوئے پوچھا۔

"کیوں!"

"میں پھر پاگل ہو جاؤں گا۔"

فریدی نے اُسے دروازے کی طرف دھکا دیا اور حمید نے آنکھیں کھول دیں۔ شکیلہ اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

حمید نے اپنی بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "یہ میری تفریح تھی۔"

فریدی کمروں کی تلاشی لینے لگا لیکن حمید کچھ اسطرح لاپرواہ نظر آرہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

کچھ دیر بعد فریدی دوسری طرف کے زینوں سے نیچے اتر رہا تھا۔ جن کا اختتام ایک دروازے کے قریب ہوا تھا۔ بولٹ نیچے گرا کر اس نے دروازہ کھولا۔ اب وہ اسی راہداری میں تھا جہاں اس نے چارلی کی لاش چھوڑی تھی۔ وہ اب بھی وہیں پڑی تھی۔

بار کے پارسی مالک کو غش پر غش آرہے تھے۔ فریدی اس کی طرف بڑھا۔ وہ سادہ لباس والوں کو اسٹیشن ویگن کی تلاش میں روانہ کر چکا تھا جس میں مجرم فرار ہوئے تھے۔

بوڑھے پارسی کو گفتگو کرنے کے لئے کافی دیر لگی۔

"یہ عمارت میری ہی ملکیت ہے۔" پارسی کہہ رہا تھا۔ "ایک ماہ پہلے کی بات ہے کہ غیر ملکی سیاحوں نے اوپری منزل کرائے پر لی تھی۔ وہ آرٹسٹ تھے، جلد ہی ان کا حلقہ احباب گیا اور بہت زیادہ لوگ یہاں آنے جانے لگے۔"

"چارلی تمہارے پاس کب سے تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ایک سال سے۔"

"وہ سیاح کس ملک کے باشندے تھے۔"

"اٹلی کے، انہوں نے یہی بتایا تھا۔"

"کیا ان لوگوں کے پاس ان کی ذاتی کشتی بھی تھی۔"

"مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں ہے جناب۔"

"مکان کرایہ پر لینے کے سلسلے میں کوئی تحریری معاہدہ ہوا تھا۔"

"نہیں جناب، چونکہ میرے ایک معتمد ملازم نے ان کی ضمانت دی تھی اس لئے میں نے کسی قسم کی تحریری کاروائی کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"وہ معتمد ملازم کہاں ہے۔"

"چارلی۔"

"اوہ.... آپ کو اس پر اعتماد تھا۔"

"بہت زیادہ۔ اس نے آج تک مجھے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔"

تفتیش کا سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا کیونکہ پارسی کی معلومات محدود تھیں۔ وہ یہ بھی نہ بتا سکا کہ چارلی کون تھا۔ کہاں سے آیا تھا اور اس کے خاندان کے دوسرے افراد کہاں ہیں۔ ویسے وہ اسی عمارت کے ایک کمرے میں تنہا رہتا تھا۔"

چارلی کی لاش ضروری کاروائیوں کے بعد اٹھوادی گئی اور عمارت پر پولیس کا پہرہ قائم کر دیا گیا۔

ان کی واپسی تقریباً دس بجے ہوئی۔ شکیلہ کو پہلے ہی دو سادہ لباس والوں کے ساتھ شہر بھجوا دیا گیا تھا۔ روانگی سے قبل فریدی نے اس سے بھی سوالات کئے تھے اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سر فیاض کی حیثیت ان معاملات میں کافی اہمیت رکھتی ہے۔

اُس نے حمید سے بھی سارے واقعات سنے اور بولا۔ "میرا خیال ہے انہیں توقع تھی کہ ہم دونوں ارجن پورے والے مکان میں ضرور جائیں گے۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہیں کہ شکیلہ ہمیں سر فیاض کی قیام گاہ پر کیوں لے گئی تھی۔"

"اس کی شامت نے پکارا تھا، اسی لئے لے گئی تھی۔" حمید نے جواب دیا۔

"لڑکی کافی ذہین معلوم ہوتی ہے۔ حمید صاحب اسے تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"کیا تسلیم کر لینے پر میں دو چار بچوں کا باپ ہو جاؤں گا۔ چلئے تسلیم کر لیا۔"

"بس تمہیں ایک آرٹ آتا ہے صاحبزادے۔ جہاں دیکھا بس نہیں چلتا۔ پاگل بن گئے، کبھی دھوکا بھی کھا جاؤ گے۔"

"اگر وہ سنتھیلک گیس نہ استعمال کرتے تو میں اس کا قصد بھی نہ کرتا۔ سنتھیلک گیس کی زیادہ مقدار دماغ ماؤف بھی کر سکتی ہے۔"

"موت سے بھی ہم کنار کر سکتی ہے، حمید صاحب مگر لڑکی نے خاصی بات بنائی انہیں اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی کہ وہ ہمیں اپنے گھر کیوں لے گئی تھی۔ اوہ.... مگر فضول، انہیں حقیقت کا علم ہو ہی جائے گا کیونکہ سر فیاض کا سکریٹری مخدوم بھی اس نامعلوم سازش کا شریک خیال کیا جا سکتا ہے۔"

"کیوں....؟"

فریدی نے اُسے اس امریکن کے متعلق بتایا جو ہائی سرکل نائٹ کلب میں مقیم تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "آخر یہ چارلی کیسے مر گیا۔ ان لوگوں نے اسی وقت اس کے لئے راہداری میں سانپ ڈالا ہوگا۔"

"یہ قرین قیاس نہیں ہے اگر وہ اسی وقت سانپ ڈال سکتے تھے تو مجھ پر فائر کر دینے میں کیا دشواری ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ جس وقت میں کاؤنٹر کی طرف کا دروازہ بند کر رہا تھا اسی وقت سانپ بھی ڈالا گیا ہوگا۔ اسی وقت مجھ پر بھی فائر کیا جا سکتا تھا کیونکہ میری پشت اسی دروازے کی طرف تھی جس سے سانپ راہداری میں ڈالا گیا ہوگا۔ نہیں حمید صاحب کہانی ہی اور ہے وہ اس وقت کوئی ڈرامہ تو اسٹیج ہو نہیں رہا تھا کہ اس میں دلچسپی قائم رکھنے کے لئے سراغ رساں کو آخیر

تک زندہ رکھنے کی ضرورت ہوتی۔ وہ میرا کام تمام کر کے قصہ ہی ختم کر سکتے تھے۔"

"پھر سانپ کہاں سے آیا۔"

"کہیں سے نہیں۔ وہ وہیں رہتا تھا اور حقیقتاً وہ اسی لئے وہاں رکھا گیا تھا کہ خطرے کی گ بجانے والے کو ڈس لے۔ گھنٹی کے اوپر ایک خفیہ خانہ تھا جو گھنٹی کا بٹن دبانے سے کھل جاتا تھا بعد کی تفتیش کے دوران میں معلوم ہوا حمید صاحب یہ طریق کار خود ہی چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ ا معاملات میں ڈاکٹر ڈریڈ کے علاوہ اور کسی کی ذہانت کو دخل نہیں ہو سکتا۔ خطرے کی گھنٹی اس لگائی تھی کہ وہ ہر وقت ہوشیار ہو سکیں، لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ خطرے کی اطلاع دینے بھی بچ نکلتا۔ اس لئے اس کا مر جانا ہی ان کے لئے مفید ہو سکتا تھا۔ بہر حال گھنٹی کا بٹن دبتے خفیہ خانہ کھلا اور اُس میں سے سانپ نکل کر چارلی پر آرہا۔"

"آخر سر فیاض کا کیا قصہ ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اُسے دیکھنا پڑے گا۔ ابھی تو ٹونی سے بہتیری معلومات ف کرنی ہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ اب بھی یہیں موجود ہے۔"

پھر اس نے حمید کو فنچ کے متعلق بتایا اور حمید حیرت زدہ ہو گیا۔

مہم

دوسری صبح حمید کو فریدی ناشتے کی میز پر نہیں ملا۔ وہ ناشتہ کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی حلق سے اترتا ہوا نوالہ پھر منہ میں واپس آگیا۔ وہ سمجھا کہ فون لازمی طور پر فریدی ہی کا ہ ظاہر ہے ایسی صورت میں یہی غنیمت تھا کہ نوالہ منہ کے اندر ہی رہے۔ ورنہ اُسے تو باہر آ جانا چا تھا کیونکہ آج حمید سو فیصدی آرام کے موڈ میں تھا۔ اُس نے رو دینے والی آواز میں "ہیلو" کہا۔

"کون صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "آواز نسوانی تھی۔"

"کیپٹن حمید۔" حمید نے پُر وقار آواز میں جواب دیا۔

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ اب حمید نے شکی آوز پہچان لی تھی۔

"تو یہ تم ہو شکیلہ۔" حمید غصیلی آواز میں بولا۔

"جی ہاں۔ فریدی صاحب کے لئے ایک اطلاع ہے۔"

"مگر فریدی صاحب موجود نہیں ہیں، لہٰذا وہ اطلاع محفوظ رکھو۔"

"آپ انہیں مطلع کر دیجئے۔"

"بھئی تم اپنی اطلاعات اپنے پاس ہی رکھو تو بہتر ہے۔" حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ کیلہ ہنس پڑی۔

"آپ بہت خائف ہیں کیوں۔ مگر مجھ پر تو کل کے واقعات کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں پڑا۔"

"کیا اطلاع ہے۔" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"مخدوم پچھلی رات سے غائب ہے۔"

"اچھا میں آج رات تک اُسے قتل کر دوں گا۔" حمید نے بڑی لاپروائی سے کہا۔ "اور کچھ۔"

"تم سے فون پر گفتگو کرنا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ اچھا میں خود ہی آرہی ہوں۔"

"پھاٹک پر دو تین خونخوار قسم کے کتے تمہارے منتظر رہیں گے۔"

"میں انہیں بھی دیکھ لوں گی۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حمید دراصل فنچ کی فکر میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی ڈاکٹر ڈریڈ کے چکر میں ہے کیوں نہ ہ فنچ کی تلاش جاری رکھے۔ وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ فریدی کی مدد کے بغیر کوئی بڑا کام انجام ے ڈالے۔

وہ کمرے سے نکل کر فریدی کی تجربہ گاہ میں آیا۔

کچھ دیر بعد وہ ادھیڑ آدمی کے میک اپ میں تجربہ گاہ سے نکل رہا تھا۔ عادی قسم کے رابیوں کی طرح اس کی پلکیں سرخ اور قدرے متورم نظر آرہی تھیں۔

پھر وہ باہر جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ملازم نے شکیلہ کا وزیٹنگ کارڈ دیا اور حمید ڈرائنگ وم کی طرف چلا آیا۔

شکیلہ نے اُسے دیکھا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑی ہو گئی۔

"کل تم خوفزدہ نہیں تھیں۔" حمید نے آواز بدلے بغیر پوچھا۔

شکیلہ چونک پڑی پھر تحیر آمیز ہنسی کے ساتھ بولی۔ "تو یہ آپ ہیں۔"

"میری بات کا جواب دو۔"

"نہیں میں خوفزدہ نہیں تھی۔"

"پھر ایسے کسی تجربے سے دوچار ہونے کی ہمت ہے۔"

"ہے کیوں نہیں۔"

"چلو گی۔ مگر جگہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا جائے گا۔"

"چلوں گی۔ کیا تم مجھے ڈرپوک سمجھتے ہو۔"

"میک اپ میں چلنا پڑے گا۔"

"اوہ....!" دفعتاً شکیلہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ تقریباً ہانپتی ہوئی بولی "مجھے اس کا بڑا شوق ہے میں ضرور چلوں گی۔"

"شلوار.... اتار کر اسکرٹ پہننا پڑے گا۔"

"میرے پاس اسکرٹ بھی ہیں۔"

"اونہہ.... میرے پاس بھی ہیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"یہاں.... اسکرٹ....!" شکیلہ حیرت سے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی عورت نہیں ہے۔"

"تو گویا دنیا کی ساری نعمتیں صرف عورتوں ہی کے لئے ہیں۔" حمید نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ارے نہیں صاحب۔" شکیلہ سنجیدگی سے بولی۔ "دوپٹہ بھی آپ کے لئے ہے، فراک بھی آپ کے لئے۔ غرارہ بھی آپ کے لئے ہے۔"

"اچھا.... بس اب زیادہ فیاضی سے کام نہ لو میرے ساتھ آؤ۔"

حمید اسے تجربہ گاہ میں لایا اور بڑی الماری کا دروازہ کھولنے لگا جو مقفل تھا۔ لیکن جیسے ہی دروازہ کھلا شکیلہ متحیر رہ گئی کیونکہ وہ حقیقتاً الماری نہیں تھی بلکہ ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ تھا۔

حمید اسے دروازے میں دھکیلتا ہوا بولا۔ "جاؤ.... وہاں تمہیں ہر قسم کا لباس ملے گا کوئی اچھا سا اسکرٹ منتخب کر لینا۔"

اس نے دروازہ بند کر دیا اور تجربہ گاہ میں ٹہلنے لگا۔ مشکل سے تین منٹ گزرے ہوں گے کہ باہر سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور فریدی اندر داخل ہوا، وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "شکیلہ کہاں ہے۔"

"آج میں کام کے موڈ میں ہوں۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ "اُسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

"لیکن اُسے یہاں تجربہ گاہ میں لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اوہو.... وہ تو اس وقت ڈریسنگ روم میں ایک اچھا سا اسکرٹ تلاش کر رہی ہے۔"

"حمید تمہیں قتل کر دوں گا۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔

"میں منٹوں میں قاتل کا سراغ نکال کر قانون کے حوالے کر دوں گا۔"

"اُسے باہر نکالو۔"

"خود ہی آ جائے گی۔ معلوم نہیں کس پوزیشن میں ہو۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ اندر سے دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی لیکن شکیلہ فریدی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"کیا کل کا تجربہ محتاط رہنے کیلئے کافی نہیں تھا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "باہر آؤ۔"

شکیلہ چپ چاپ نکل آئی اور سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ "انہوں نے کہا تھا۔"

"کل کا تجربہ تمہیں ساری زندگی یاد رہنا چاہئے۔ بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

شکیلہ بیٹھ گئی۔

"کیا تم مخدوم کے متعلق اور کچھ نہیں بتا سکتیں۔"

"میں اسی کے متعلق ایک بات بتانے کے لئے آئی تھی۔"

"کیا....؟"

"وہ کل رات سے غائب ہے اور دادا جان نہ صرف ہوش میں آ گئے ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ رہی ہو۔ انہیں اپنی بیہوشی قطعی یاد نہیں ہے یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔"

"تم یہ اپنا میک اپ ختم کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ اور پھر شکیلہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آج رات کو وہ ایک جگہ مدعو ہیں۔ وہاں ضرور جائیں گے حالانکہ ہم لوگ نہیں چاہتے۔" شکیلہ نے کہا اور خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگی، جو واش بیسن پر جھکا ہوا کسی عرق سے اپنا چہرہ صاف کر رہا تھا۔

"کہاں مدعو ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"رائے شیکھر کے یہاں۔ وہاں وہ تین دن تک قیام کریں گے۔"

"تین دن تک۔"

"ہاں.... رائے شیکھر ہمارے یہاں آئے تھے، وہ انہیں مدعو کر گئے ہیں۔ آج رات کو ان

کی شہری قیام گاہ پر ایک تقریب ہے،اس کے بعد وہ چند دوستوں کے ساتھ اپنے دیہی مکان پر جائیں گے وہاں تین دن تک قیام رہے گا۔ یونہی تفریحاً۔"

"دیہی قیام گاہ کہاں ہے۔"

"سونا گھاٹ کے قریب کہیں ہے۔"

"اوہ....!"

فریدی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے شکیلہ سے کہا۔"اب تم جاؤ۔ اگر تم نے اس سلسلے میں مزید حماقتیں کیں تو نتیجے کی خود ذمہ دار ہو گی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ان معاملات میں سکوت اختیار کرو۔ ہم سے ملنے کی کوشش نہ کرو۔ اگر کوئی خاص بات تو فون پر مطلع کرو۔ ہم میں سے کوئی گھر پر موجود ہو یا نہ ہو۔ اپنا پیغام پہنچا دو۔ وہ ہم تک پہنچ جائے گا۔ اس سے ضرور مطلع کرنا کہ مخدوم کب اور کس وقت گھر آتا تھا اس پر گہری نظر رکھو۔"

"بہر حال دادا جان کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔" شکیلہ نے ایک طویل سانس لیکر کہا "اور اس وقت کے حالات تو یہی کہتے ہیں لیکن تم مجھ سے کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کرو گی۔ بس اب جاؤ۔"

"بس اب جاؤ۔" حمید نے دردناک آواز میں دہرایا۔

شکیلہ شرارت آمیز انداز میں مسکراتی ہوئی تجربہ گاہ سے نکل گئی۔

فریدی خلاء میں ...ور رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور داہنے ہاتھ کی انگلیاں جیب پڑے ہوئے ... پر ہولے ہولے رینگ رہی تھیں۔ دفعتاً اس نے کہا۔

"حمید تم سونا گھاٹ میں رائے شیکھر کا مکان تلاش کرو گے۔ یہ کام اسی وقت سے ہو گا۔ کسی طرح اس مکان میں اپنے لئے جگہ بنانے کی کوشش کرو۔"

"را... شیکھر وہی نا.... جس کی پلاٹینم کی کانیں ہیں۔"

"... ایک امریکی سرمایہ دار چارلس براؤن سے کسی قسم کے تجارتی تعلقات پیدا کر... رہا ہے۔ چارلس براؤن جو ہائی سرکل نائٹ کلب میں مقیم ہے۔" کا ایک بڑا سرمایہ دار ہے۔"

"وہی امریکن جس کی آپ نگرانی کر رہے ہیں۔"

"ہاں وہی۔ رائے شیکھر اس سے چند معاملات کرنے والا ہے۔ سر فیاض کے بک

مخدوم سے بھی ملتا جلتا ہے اور دوسری طرف ٹونی بھی اکثر اس کے ساتھ دیکھا گیا ہے لیکن ٹونی کا کہنا ہے کہ چارلس براؤن سے وہ خود ہی ملا تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اگر وہ اس پر کسی طرح ہاتھ صاف کر سکے تو.... ٹونی پہلے بھی اکثر غیر ملکیوں کو بعض معاملات میں ٹھگتا رہا ہے۔ لہٰذا اس کے بیان کو جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا۔ تم لوگوں کے اغواء کا الزام اس نے سر بسر چارلی پر ڈال دیا ہے۔"

"مگر یہ کس قسم کی سازش ہو سکتی ہے۔"

"کس سلسلے میں.... کہو.... سازش کی اقسام کا علم شاید ارسطو کو بھی نہیں تھا تمہیں بولنا کب آئے گا۔"

"شادی کے بعد، اس سے پہلے کوی راج فلانے دھمکانے کا ہدایت نامہ خسرو، خوشدامن پڑھنا ضروری ہے۔ ورنہ ہارٹ فیل ہو جانے کی گارنٹی نہ دی جا سکے گی۔"

"وقت برباد نہ کرو۔ تمہیں ابھی اور اسی وقت سونا گھاٹ کے لئے روانہ ہو جانا چاہئے۔ مجھے وہ عمارت معلوم ہے جسے رائے شیکھر اپنا دیہی مکان کہتا ہے مگر میں وہاں کس طرح قدم جما سکوں گا۔ شکیلہ کو بھی آپ نے ٹرخا دیا ورنہ اس سے بڑی مدد ملتی۔"

"کیا مدد ملتی۔"

"کہیں بھی قدم جمانے کے لئے عورت ضروری ہوتی ہے۔ ٹھہریئے۔ درمیان میں نہ بولئے۔ مجھے اپنا نقطہ نظر واضح کرنے دیجئے۔ فرض کیجئے میں نوکروں کے بھیس میں وہاں گھسنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہاں کے نوکر مجھے قدم جمانے دیں گے، میرا تو خیال ہے کہ شاید وہ کمپاؤنڈ میں قدم بھی نہ رکھنے دیں۔ لیکن ایک عورت.... ہاہا.... صرف ایک عورت پورا نقشہ بدل سکتی ہے۔ سر پر بیٹھا لیا جاؤں گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔"اس کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔"

"کیا انتظام کیا جا سکتا ہے۔"

"ریکھا۔"

"ارے توبہ توبہ۔" حمید کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔"میں اس کے ساتھ ایک منٹ بھی زندہ نہ رہ سکوں گا۔"

"سنجیدگی اختیار کرو۔ میں ریکھا کو فون کرنے جا رہا ہوں۔"

"کیجئے۔" حمید نے بے بسی سے کہا اور ایک کرسی میں گر گیا۔ فریدی باہر جا چکا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کس قسم کا میک اپ کرنا چاہئے، ویسے ابھی لیڈی انسپکٹر ریکھا کا مسئلہ بھی باقی تھا

کہ وہ کس قسم کے میک اپ میں ہو گی۔

تقریباً دس منٹ بعد فریدی واپس آ گیا اور حمید کے چہرے کو دوبارہ کئی قسم کے لوشنوں سے دوچار ہونا پڑا۔ خود فریدی ہی اس کا میک اپ کر رہا تھا۔

اسی دوران میں ریکھا بھی آ گئی اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کچھ ایسے حلیے میں نظر آئے کہ اُن کے والدین بھی انہیں نہ پہچان سکتے۔ ریکھا ایک الہڑ قسم کی دہقانی لڑکی کے روپ میں کھڑی تھی اور حمید ایک گاؤدی قسم کا دہقان معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی نے ان پر الوداعی نظریں ڈالتے ہوئے بڑے آسودہ انداز میں سر ہلایا۔

خط

سونا گھاٹ کے شیکھر محل کے گرد وہ دونوں چکر لگا رہے تھے۔ حمید کی اسکیم یہ تھی کہ یہاں کے کسی ایک ملازم کی حمایت حاصل کرلے گا۔

شام ہو گئی تھی اور موسم کافی خوشگوار تھا۔ حمید نے ریکھا کی طرف اتنے پیار سے دیکھا کہ بوکھلا گئی۔

"آؤ ہم تم اسی طرف سے بندرا بن نکل چلیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اس سے پہلے تم کسی یتیم خانے میں داخلہ لے کر بھیک مانگنے کی مشق بہم پہنچالو۔" ریکھا نے جواب دیا۔ "ویسے اگر تم زیادہ بدتمیزی کرو گے تو بھگتو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ بہت کم بدتمیزی کروں گا۔"

"شٹ اپ....!"

"ہائیں.... کیا تم اس حلیے میں انگریزی بولو گی۔ ذرا سنبھل کر، ورنہ یہ حلیہ رکھا ہی رہ جائے گا اور تم حلوہ بنالی جاؤ گی۔"

"بکواس مت کرو، ورنہ چانٹا مار دوں گی۔"

"اور پھر میں ڈنڈوں سے تمہاری خبر لوں گا۔ تمہارا گھر والا ٹھہرا اور دہقانی بھی۔"

یہ جھک جھک ہو ہی رہی تھی کہ پھاٹک سے ایک آدمی نکلا جو وضع قطع سے ملازم ہی معلوم ہوتا تھا اس نے چاہا کہ ریکھا کو گھورتا ہوا قریب سے نکل جائے حمید نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا

چونکہ وہ ریکھا کو گھور رہا تھا اس لئے حمید کی اس غیر متوقع حرکت پر بوکھلا گیا۔

"ہم پردیسیوں کی بھی سن لے بھائی۔" حمید نے کہا۔

یہ جملہ بھی غیر متوقع ہی تھا۔ وہ نوکر اور زیادہ چغد نظر آنے لگا۔

"ہم بھکاری نہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ارے نہیں جی بھکاری کیوں۔" نوکر جلدی سے بولا۔

"ہمیں نوکری چاہئے ورنہ ہم دونوں پردیس میں بھوکے مر جائیں گے یار۔"

"نوکری....!" ملازم نے تشویش کن نظروں سے دونوں کو باری باری دیکھا اور اپنے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "یہاں جرورت تو نہیں ہے پر میں.... دیکھو.... میں بتاؤں سرکار آج آئیں گے.... پر بہت رات گئے.... ٹھہرو.... ایک ترکیب ہے.... میری پھوپھی کے لڑکے بن جاؤ.... یہ گھر والی ہے نا تمہاری۔"

"ہاں بھیا۔"

"بس تو پھر تم میری پھوپھی کے لڑکے بن جاؤ۔ سپارش کروں گا صاحب سے۔"

"واہ.... بھیا بڑے دیالو ہو۔ بھگوان بھلا کرے تمہارا۔"

"تو چلو میرے ساتھ.... آؤ۔" اس نے کہا۔ وہ بار بار للچائی ہوئی نظروں سے ریکھا کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

وہ انہیں شیکھر محل کی کمپاؤنڈ میں لایا اور چلتے چلتے رک کر بولا۔ "پر دیکھو دوست جاہر نہ ہونے پائے کسو پر کہ تم میری پھوپھی کے لڑکے نہیں ہو۔"

"ارے نہیں یار ایسا بھی کیا۔" حمید جلدی سے بولا۔ "بھوکا تھوڑے ہی مرنا ہے۔"

پھر نوکر نے اس قسم کی گفتگو شروع کر دی جیسے اس سے زیادہ نیک آدمی پچھلی کئی صدیوں سے پیدا ہی نہ ہوا ہو۔ حمید سر ہلا ہلا کر ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ ریکھا دل ہی دل میں کباب ہو رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو اس نوکر کی گردن ہی اڑا دیتی جس کی زبان تو متبرک پانیوں سے دھلی ہوئی معلوم ہوتی تھی مگر آنکھیں.... ان میں کتنی شدید بھوک تھی وہ بار بار کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

وہ انہیں شاگرد پیشہ کے ایک کمرے میں لایا اور بولا۔ "تم دونوں یہیں رہنا اور میں کہیں اور پڑ رہوں گا۔ ہاں بھابی دیکھو کسی بات کی تکلیف مت اٹھانا۔ تمہارا ہی گھر ہے۔"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ لیکن حمید بہت زور زور سے گردن ہلاتا ہوا بولا۔ "جرور۔ جرور۔"

جب وہ چلا گیا تو ریکھا بُرا سا منہ بنائے ہوئے بڑبڑانے لگی۔

"یہ سب مجھ سے نہیں ہوگا۔ ہاں.... کیا مصیبت۔"

"ارے واہ.... کیا تم سچ مچ خود کو میرے گھر والی سمجھنے لگی ہو۔ یہ سب نہیں ہو سکتا تو پھر کیوں آئی تھیں اس محکمے میں۔"

ریکھا کچھ نہ بولی اور حمید نے کہا۔ "تم ڈرتی کیوں ہو۔"

وہ رات انہوں نے اسی کوٹھری میں بسر کی۔ رات کا کھانا ان کا "پھوپھی زاد" بھائی وہیں لے گیا تھا اور اسی سے یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ "صاحب" اپنے مہمانوں سمیت آگیا ہے۔

دوسری صبح ان دونوں کو نوکری مل گئی۔ حمید نے مہمانوں میں سے ایک ایک کو پہچانا سرفیاض بیمار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ ایک طویل القامت اور قوی الجثہ بوڑھا تھا۔ مہمانوں میں کے تین بڑے سرمایہ دار بھی تھے۔ سیٹھ نورانی، سیٹھ نوشیرواں اور میجر سعید۔ دو بڑے وکلا طارق اور مسٹر جعفری سپریم کرٹ کے ایک جج جسٹس شرما کی شخصیت بھی خاصی نمایاں تھی۔

وہ سب غالباً تبدیلی آب و ہوا کے لئے یہاں آئے تھے۔ رائے شیکھر یہاں کے متمول ترین آدمیوں میں سے تھا۔ وہ اکثر اپنے اس دیہی محل میں پُر تکلف دعوتیں دیتا رہتا تھا۔ مہمان آتے اور کئی کئی دن ٹھہرتے۔ مختلف قسم کی تفریحات ہوتیں۔ شطرنج سے لے کر "عورت" تک قسم کے کھیل موجود تھے۔

شام کو وہ سب لان پر نکل آئے۔ میجر سعید بڑا اچھا نشانہ باز تھا وہ اپنے جوہر دکھانے لگا۔ کے ہاتھ میں ایک عمدہ قسم کی رائفل تھی جس سے وہ پائیں باغ کے پھلدار درختوں پر نشانہ تھا جس پھل کی طرف دیکھنے والوں کا اشارہ ہوتا اسی پر نشانہ لگایا جاتا اور وہ دوسرے ہی لمحے زمین پر دکھائی دیتا۔ واقعی بڑا مشکل کام تھا۔ پھل داغدار ہوئے بغیر زمین پر آ رہتا۔ عورتیں لگا رہی تھیں۔ میجر سعید ان کی تعریفوں سے خوش ہو کر اور زیادہ مشاقی کے ثبوت پیش کر رہا

ٹھیک اسی وقت ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی وہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کا ایک سفید فام غیر ملکی اترا۔ وہ لوگ اسے خوش آمدید کہنے کے لئے آگے بڑھے۔

حمید میجر سعید کے کارتوسوں کی پیٹی اٹھائے ہوئے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

آنے والا اجنبی مہمان شاید موجودہ مہمانوں سے زیادہ بلند مرتبہ تھا کیونکہ شیکھر اس کے لئے گویا بچھا جا رہا تھا۔

شام کی چائے لان پر سرد کی گئی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ سچ مچ وقت کی بربادی ہی

زیدی آدمی ہی ہے اور اندازے کی غلطی اس سے بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے یہ سب کچھ محض ریب نظر ہو، وہم ہو۔ ٹونی اگر امریکن کے ساتھ دیکھا گیا تھا تو اس کے پاس اس کا جواب بھی وجود تھا یعنی اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس سے کچھ روپیہ ہتھیا لے۔ اس لئے پہلے بھی کئی بار وہ غیر ملکیوں کو ٹھگنے اور دھوکا دینے کے جرم میں ماخوذ ہو چکا تھا۔

اگر مخدوم چارلس براؤن سے ملتا رہا تھا تو یہ بھی کوئی انہونی بات نہیں تھی کیونکہ چارلس براؤن ایک غیر ملکی سرمایہ دار تھا اور اسی غرض سے یہاں آیا تھا کہ یہاں کی صنعتوں میں اپنا سرمایہ لگائے، سرفیاض بھی شہر کے بڑے سرمایہ داروں میں سے تھا۔ ممکن تھا کہ مخدوم کا چارلس براؤن سے ملنا جلنا کاروباری ہی حیثیت رکھتا رہا ہو۔

بہر حال جتنا کچھ حمید کے علم میں تھا اس کی بناء پر کوئی یقینی صورت سامنے نہیں آسکتی تھی، سکتا تھا کہ فریدی نے اب تک اُسے اصلیت سے آگاہ ہی نہ کیا ہو۔

اس وقت یہاں آنے والا چارلس براؤن ہی تھا۔ حمید کو اس کا نام اس وقت معلوم ہوا جب رائے شیکھر اپنے بعض دوستوں سے اس کا تعارف کرا رہا تھا۔ مرد شاید اسے پہلے ہی سے جانتے تھے اس لئے یہ تعارف عورتوں ہی تک محدود رہا۔ ان کی گفتگو سے حمید نے اندازہ لگایا کہ چارلس [illegible] ہی میں [illegible]

[illegible] یہاں رہ پر لر نا لیا تھا۔ کیونکہ فریدی نے اس کے متعلق کچھ نہیں [illegible] تھا۔ وہ تو صرف [illegible] رہا تھا کہ اس [illegible] داخلہ شیکھر محل میں ضروری ہے۔

رات ہوئی اور وہ پھر اُسی کمرے میں آگیا جہاں پچھلی رات گذاری تھی ریکھا موجود تھی اور زیادہ بیزار نظر آ رہی تھی۔

حمید نے کراہ کر چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کلو کی ماں ذرا حقہ بھر دے۔"

"میں تمہارے منہ میں جلتی ہوئی لکڑی ٹھونس دوں گی۔"

"ارے واہ! اگر میں ایسے میں سب کے سامنے تمہیں پیٹنا شروع کر دوں تو تم میرا کیا کر لو گی۔ محل کے بڑے آدمی مجھے گنوار سمجھ کر ٹال جائیں گے اور یہ نوکر صرف دور ہی سے ہال کریں گے، پاس کوئی بھی نہیں آئے گا۔ مگر کیا تم یہ کہہ سکو گی کہ تم لیڈی انسپکٹر ریکھا ہو یا میں کیپٹن حمید ہوں۔"

"میں تمہاری گردن اپنے دانتوں سے ادھیڑ دوں گی۔"

"بڑی اذیت پسند معلوم ہوتی ہو۔ باہر بڑی حسین چاندنی بکھری ہوئی ہے۔ کلو کی ماں کتنے

دن ہوئے ہم نے چاندنی میں گھاس نہیں کھائی۔"

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔" ریکھا نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہم لوگ چاند کو شہد میں ڈبو کر کھائیں گے، یعنی ہنی مون منائیں گے، کلو کی ماں اِن پرواہ نہیں کہ کلو موجود ہے یا نہیں۔"

ریکھا کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر دیوار سے لگ گئی۔ حمید ہنستا رہا۔

کمرے میں ایک چارپائی تھی اور پچھلی رات بھی ریکھا کو زمین ہی پر سونا پڑا تھا اور حمید چارپائی پر خراٹے لئے تھے وہ کم از کم ریکھا کے لئے اتنی تکلیف نہیں اٹھا سکتا تھا کہ خود زمین سوتا۔ وہ بہت مغرور تھی اور حمید کو اسے نیچا دکھانے میں ہمیشہ بڑی لذت محسوس ہوتی تھی۔

"تم ابھی تک کرنل فریدی کو نہیں سمجھ سکیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب....!" ریکھا نے کہا جو کانوں سے انگلی نکال چکی تھی۔

"یہ میری نہیں بلکہ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ کرنل فریدی کا دماغ کسی وقت بھی خر ہو سکتا ہے۔"

ریکھا کچھ نہیں بولی۔ حمید نے پھر کہا۔ "یہ تو خود ہی معلوم کرنا پڑے گا کہ ہم یہاں کیوں گئے ہیں۔ فریدی صاحب نے آج تک قبل از وقت کچھ نہیں بتایا اور یہ قبل از وقت بعض او مجھے قبل از مرگ معلوم ہونے لگتا ہے، مگر کیا کیا جائے اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"کیا کرو گی سمجھ کر، تن بہ تقدیر بیٹھو۔ زندگی ہے تو شادی بیاہ بھی ہو جائے گا تمہارا۔ بھی خوشی ہو گی کلو کی ماں۔"

"خدا غارت کرے تمہیں۔" ریکھا زمین پر لگے ہوئے بستر پر جا پڑی اور کمبل کھینچ لیا۔

"میرے ساتھ تم بھی غارت ہو جاؤ گی میں کسی بڑے خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں۔"

"یعنی....!" ریکھا اٹھ بیٹھی۔

"یہاں کے سارے ملازموں کی نظر تم پر ہے۔"

ریکھا دانت پیستی ہوئی لیٹ گئی۔ پھر اس نے کمبل سے منہ نکال کر کہا۔ "ذرا یہا فرصت ملے پھر تمہیں دیکھوں گی۔"

"چلو میری طرف سے فرصت ہی فرصت ہے۔ دیکھ لو۔"

ریکھا نے پھر کمبل منہ پر ڈال لیا۔

حمید نے پائپ سلگایا اور پھر خیالات کی وادیوں میں بھٹکنے لگا۔ یہ کہانی کہاں سے شروع ہوئی تھی۔ وہ اپنے بکرے کو غزلیں سنا رہا تھا۔ ایک لڑکی آئی اس کا دادا پاگل ہو گیا تھا۔ لڑکی کا خیال تھا کہ ذہنی فتور قدرتی نہیں ہے۔ یہ خیال اس لئے پیدا ہوا تھا کہ ایک سفید کشتی میں کسی آدمی کو دیکھ کر اُس کی حالت غیر ہو گئی تھی اور پھر اس کے بعد ہی اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا تھا۔ لڑکی کے ساتھ وہ فن آئی لینڈ گئے وہاں فریدی ایک بندر کے پیچھے دوڑا۔ اسی جگہ سے فنچ کی کہانی اُبھری اور فریدی کو ڈاکٹر ڈریڈ کا خیال آیا۔ اب یہاں سے دو مختلف راستے شروع ہو گئے پتہ نہیں وہ دونوں اس بناء پر ارجن پورے والے مکان سے اٹھالئے گئے تھے کہ فریدی کو فنچ کے متعلق کچھ معلوم ہو گیا تھا یا وہ واقعہ اس لئے پیش آیا تھا کہ وہ لڑکی انہیں اپنے گھر لے گئی تھی، ہو سکتا ہے کہ سرفیاض کی حیثیت اس کہانی میں محض بھلاوا ہو۔ وہ خواہ مخواہ اس طرح سامنے آ گیا ہو کہ اس پر بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہونے کا شبہ کیا جا سکے۔ اکثر ایسے اتفاقات پیش آتے ہیں لیکن ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اصل معاملات سے ان کا دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ اب رہا ڈاکٹر ڈریڈ کا مسئلہ تو یہ بھی حمید کی دانست میں محض خیال ہی خیال تھا۔ فریدی کے پاس اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ بھی یہیں موجود ہے وہ تو صرف فنچ کی موجودگی کی بناء پر قیاس کر بیٹھا تھا۔ حمید اُسے قیاس ہی سمجھ رہا تھا۔

اس نے ریکھا کی طرف دیکھا جو کمبل سے منہ نکالے اُسے گھور رہی تھی۔

"سو جاؤ.... کلو کی ماں۔" حمید بڑے پیار سے بولا۔

ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "حمید مجھے سنجیدگی سے بتاؤ کہ یہاں ہماری موجودگی کا کیا مقصد ہے۔"

"کیا تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں ہے۔"

"تم کبھی سنجیدگی سے گفتگو نہیں کرتے۔"

"میں اس وقت قطعی سنجیدہ ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ میں بھی یہاں اس طرح آنے کے مقصد سے ناواقف ہوں۔"

"آخر فریدی صاحب تمہیں بھی اس طرح تاریکی میں کیوں رکھتے ہیں۔"

"ممکن ہے یہ بھی کسی قسم کا تجربہ ہو۔ ہو سکتا ہے وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ بے بسی کی موت کے وقت آدمی قاتل سے کالی نوس کا منجن مانگتا ہے یا ہدایت نامہ خاوند۔"

"پھر بکواس شروع کر دی تم نے۔" ریکھا ہنسنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ "سر فیاض تو چہرے سے

بیمار معلوم ہی نہیں ہوتا۔"

"ارے یہ لوگ تو مرنے کے بعد بھی بیمار نہیں معلوم ہوتے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر ریکھا نے ہلکی سی کراہ کے ساتھ جماہی لی۔

"کاٹو گی کیا کلو کی ماں؟" حمید سہم کر پیچھے ہٹا اور ریکھا ہنس پڑی۔

"اب اگر تم نے کلو....!"

ریکھا کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا اور وہ بے ساختہ اچھل پڑی۔ حمید کا بھی یہی حال ہوا دروازے کی جھری سے کوئی چیز کھڑکھڑاتی ہوئی فرش پر آگری تھی۔ حمید اس کی طرف جھپٹا۔ یہ ایک لفافہ تھا۔ اسے چاک کرنے پر کاغذ کا ایک ٹکڑا برآمد ہوا جس پر تحریر تھا۔

"حمید توقع ہے کہ تم بہت زیادہ بور نہ ہوئے ہوگے، عمارت کے بائیں بازو سے ملا ہوا جو نیب کا درخت ہے اس پر چڑھ کر کھڑکی تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ تمہیں مسلح ہونا چاہئے۔ ریکھا سے کہو کہ کمرے سے باہر نہ نکلے.... کمرے کے اندر بیٹھ کر اسے کسی قسم کی تشویش نہ ہونی چاہئے۔ وہ ہر طرح محفوظ رہے گی۔"

تحریر فریدی کی تھی۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اور خط ریکھا کے سامنے ڈالتا ہوا بولا

"اور اُس نیب کے درخت سے میں آسمان پر اٹھالیا جاؤں گا۔"

پانچ کروڑ

ریکھا نے کئی بار وہ تحریر دہرائی اور پھر جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

حمید نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ "میں کیا بتا سکتا ہوں۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم اگلے ماہ کی تنخواہ نیب کے درخت ہی پر وصول کروں گا یا وہ قبر میں پہنچائی جائے گی۔ البتہ تم تک کمرے میں رہو گی محفوظ رہو گی۔ بروز قیامت مجھے بتانا کہ پھر آسمان دیکھنا نصیب ہوا یا نہیں کلو کی ماں۔"

"خدا سمجھے تم سے۔" ریکھا نے دانت پیس کر کہا۔ "تم ایسے مواقع پر بھی سنجیدگی اختیار کر سکتے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اپنے ریوالور کے چیمبر بھر رہا تھا۔ اس نے بہت سے فالتو راؤنڈ میلی واسکٹ کی جیبوں میں ٹھونسے۔ ریوالور کو اندرونی صدری کی جیب میں ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔

"میں یہ مان ہی نہیں سکتی کہ تم حالات سے بے خبر ہو۔"

"کیوں نہیں مان سکتیں۔"

"یہ خط یہی بتاتا ہے کہ تمہیں پوری پچویشن کا علم ہے۔"

"سنو یہ کرنل فریدی کا معاملہ ہے اور تم کرنل کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتیں۔ میرا دن رات کا ساتھ ہے، لیکن میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ میں انہیں پہچان سکا ہوں، بس صرف ایک بات کی نصیحت کروں گا تمہیں اگر فریدی صاحب کے ساتھ کام کرنے کا شوق ہے تو اس سے زیادہ نہ کرو جتنا کہا گیا ہو، ورنہ موت تم سے زیادہ دور نہ ہوگی، ذرا سا چوکیں اور ماری گئیں۔"

"مجھے کب تک اس کمرے میں مقید رہنا پڑے گا۔"

"جب تک وہ پُر اسرار آدمی چاہے۔ تمہیں یہاں لانے کا مقصد اتنا ہی تھا کہ میری رسائی ہوجائے۔ اگر تم نہ ہوتیں تو اتنی آسانی سے یہاں جگہ بنالینا ممکن نہ ہوتا۔ اب صبر کرو۔ کلو کی ماں اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔"

ریکھا اُسے چند لمحے گھورتی رہی پھر بولی۔ "جاؤ.... دفع ہوجاؤ۔ میں اتنی کمزور دل کی نہیں ہوں جتنی تم سمجھتے ہو۔ میں صرف معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔"

حمید کچھ کہے بغیر باہر نکل آیا۔

پائیں باغ میں اندھیرا تھا۔ کچھ دیر پہلے چاندنی کی گفتگو دراصل عشقیہ طرز تکلم کی پیروڈی تھی۔ ورنہ یہ تو قمری مہینے کی آخری راتیں تھیں۔ کہاں کا چاند اور کہاں کی چاندنی۔ حمید کے پیروں میں جوتے نہیں تھے اور وہ دبے پاؤں عمارت کے بائیں بازو کی طرف بڑھتا رہا۔ ابھی رات زیادہ نہیں گئی تھی، مگر چونکہ سردیوں کا زمانہ تھا اس لئے چاروں طرف صرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ بس غنیمت یہی تھا کہ یہاں کتے نہیں تھے۔ ورنہ حمید اس طرح باہر نکلنے کی ہمت نہ کرسکتا، اور شاید اسی صورت میں فریدی بھی اس قسم کی کوئی اسکیم تیار نہ کرتا۔

سردی مزاج پوچھ رہی تھی۔ تقریباً دس منٹ بعد حمید نیب کے درخت تک پہنچ سکا۔ درخت کی ایک گھنی اور موٹی شاخ کھڑکی تک چلی گئی تھی چونکہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اس لئے اندر کی روشنی کی وجہ سے اس شاخ کا کچھ حصہ صاف نظر آرہا تھا۔

حمید بڑی آسانی سے درخت پر چڑھتا چلا گیا اس کے لئے اس نے خاصی مشق بہم پہنچائی تھی

مگر کھڑکی تک پہنچنا مشکل کام تھا کیونکہ شاخ کا کچھ حصہ روشنی میں تھا۔ حمید چند لمحے غور کرتا رہا پھر ایک دوسری شاخ پر اتر گیا جو اسی شاخ کے نیچے تھی۔ اس شاخ پر قدم جمائے ہوئے اوپری شاخ کے سہارے وہ کھڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔ کبھی کبھی متحرک پرچھائیاں شاخ کے روشن حصے پر دکھائی دیتیں اس سے حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ کمرہ خالی نہیں ہے۔

آخر کار وہ کھڑکی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

کمرے میں تین آدمی تھے، جسٹس شرما اور سیٹھ نورانی شطرنج کھیل رہے تھے، تیسرا آدمی کھڑا ان کا کھیل دیکھ رہا تھا۔ یہ بیرسٹر طارق تھا۔

حمید سوچنے لگا کہیں فریدی نے مذاق تو نہیں کیا۔ یہ شریف آدمی شطرنج کھیل رہے ہیں بھلا یہاں ایک سراغ رساں کا کیا کام۔

حمید واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دروازے میں شیکھر دکھائی دیا۔

"کیوں شرما بازی ختم نہیں ہوئی۔" اس نے پوچھا۔

"ارے تمہیں تو ہر بات کی جلدی ہی پڑ جاتی ہے۔ کون سی آفت آ گئی ہے۔"

جسٹس شرما نے بساط پر نظر ہٹائے بغیر کہا۔ "بازی لمبی ہوتی جا رہی ہے یہ نورانی بڑا کھلاڑی ہے۔ بازی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم یہیں آ جاؤ نا۔"

"کچھ دیر پہلے ہم یہیں تو تھے۔ تم نے کہا بازی ختم کرنے کے بعد۔"

"کیوں....!" جسٹس شرما نے سیٹھ نورانی کو مخاطب کر کے کہا۔ "کیا خیال ہے، مہرے رہنے دیں اور یہ کام بھی ہو جائے۔ نہ جانے اسے اتنی جلدی کیوں ہے نہ کہیں وہ بھاگا جاتا ہے نہ کہیں وہ بھاگی جاتی ہے۔"

"کر لیجئے.... کر لیجئے۔" سیٹھ نورانی سر ہلا کر بولا۔ "بازی جمی رہے گی۔"

"مسودہ تمہیں بنانا ہے، ورنہ میں خود ہی کر لیتا۔" رائے شیکھر نے کہا۔

"لاؤ بھی یار۔ جاؤ۔" جسٹس شرما نے کہا۔

رائے شیکھر چلا گیا۔

"مگر یار.... سیٹھ نورانی۔" جسٹس شرما بولا۔ "میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سر فیاض رائے شیکھر کا مقروض ہو گا اور حیرت ہے شیکھر پر جس نے یونہی کسی لکھا پڑھی کے بغیر پانچ کروڑ دے دیئے تھے۔"

"اپنا اپنا بیوپار ہے جج صاحب۔" سیٹھ نورانی بولا۔

"کمال ہے بھئی۔ میں تو پانچ ہزار بھی اتنے اعتماد کے ساتھ کسی کو نہیں دے سکتا۔"

"آپ بزنس مین نہیں ہیں۔" سیٹھ نورانی ہنس کر بولا۔

"اچھا ہی ہے کہ نہیں ہوں، ورنہ میں اس طرح پانچ کروڑ قرض دے کر وصول کرنے میں امیاب نہ ہوتا۔ یہ سر فیاض کی شرافت ہے کہ وہ اپنے قرض دار ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ تم ھے اس طرح پانچ کروڑ قرض دے کر دیکھو۔"

سیٹھ نورانی ہنسنے لگا۔

"نہیں۔ میں نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ میری نیت بگڑ جائے گی مجھے یقین ہے۔"

"ہمارا کروڑوں کا بزنس محض اعتبار پر چلتا ہے۔" سیٹھ نورانی نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اتنے میں بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور رائے شیکھر کئی آدمیوں کے ساتھ ل ہوا۔ یہ سر فیاض، بیرسٹر جعفری، سیٹھ نوشیرواں اور میجر سعید تھے۔ حمید جسٹس شرما اور ھ نورانی کی گفتگو سے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سر فیاض اس وقت لازمی طور پر نشے میں ہو گا اور اسی کروڑ کی آڑ لے کر اس سے کسی قسم کی تحریر لی جائے گی، مگر سر فیاض کو دیکھ کر اُسے یہ خیال کر دینا پڑا کیونکہ وہ نشے میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ رفتار و گفتار سے قطع نظر کر کے آنکھوں بھی نشے کی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے، لیکن اس کی آنکھوں سے بھی کسی ایسی کیفیت کا اظہار ا ہو رہا تھا جس کی بناء پر اس کا نشے میں ہونا ثابت ہو سکتا۔"

"یار فیاض.... یہ کیا قصہ ہے۔" جسٹس شرما نے پوچھا۔

"قصہ کیا ہوتا.... میں پانچ کروڑ کے عوض اپنی ٹرینی گام والی کان شیکھر کے نام منتقل ا ہوں۔"

"تم نے دس کروڑ روپے مجھ سے بھی تو لئے تھے۔" جسٹس شرما نے کہا۔ "اپنی دو چار کانیں ے نام بھی منتقل کر دو۔"

"ضرور.... ضرور....!" سر فیاض نے ہنس کر کہا۔ "مگر اب اس کے بعد ایک ہی تو رہ ے گی میرے پاس۔"

پھر وہ شیکھر کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہاں شیکھر.... میں ایک بار پھر سب کے سامنے دہراتا کہ ابھی اس کی کھدائی شروع ہوئی ہے۔ کچھ برآمد نہیں ہوا۔ میں یہ ابھی سے جتائے دیتا کہ اگر تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہو گی۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ یہ اپنا اپنا مقدر ہے۔"

"نہیں..... میں نے کہا معاملہ صاف ہو جائے تو بہتر ہے، ورنہ بعد کو تم کہو کہ مجھے ... دیا گیا۔"

"یار بڑے چالاک ہو۔" جسٹس شرما نے کہا۔ "یہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ابھی کان سے ... بر آمد نہیں ہوا۔"

"اب اس میں چالاکی کہاں رہ گئی۔ جب میں نے کاروائی شروع ہونے سے قبل ہی حق... سے آگاہ کر دیا۔"

"آج کل میں جواریوں کی اسپرٹ میں کام کر رہا ہوں۔ شرما صاحب۔" شیکھر بولا۔

"کرو بھئی۔ ہاں تو مسودہ۔ مگر مسودہ مجھ سے بہتر طارق اور جعفری بنا سکتے ہیں۔"

"نہیں جناب۔" طارق بولا۔ "جائے استاد خالی است۔ آپ ہم سے زیادہ تجربہ کار اور ... دان ہیں۔"

آخر شرما نے مسودہ ڈکٹیٹ کرانا شروع کیا۔ جعفری لکھ رہا تھا۔ مسودہ تیار ہو جانے ... اسے اسٹامپ پر منتقل کیا گیا اور سر فیاض نے اس پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

پھر حاضرین نے بحیثیت گواہان دستخط کیئے اور کاروائی ختم ہو گئی۔

"مگر یہ بازی ختم نہ ہو گی۔" جسٹس شرما نے بساط کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہیئے تو ختم ہی ہو جائے۔"

"نہیں بھئی۔"

"اب زندگی بھر کھیلو شطرنج مجھے تو نیند آ رہی ہے۔" شیکھر نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا

تھوڑی دیر بعد اُن دونوں کے علاوہ اور سب وہاں سے چلے گئے۔

حمید کا دل چاہا کہ درخت پر سے چھلانگ لگا دے اسے فریدی پر غصہ آ رہا تھا خواہ مخواہ ... تک سردی میں ذبح کرتا رہا۔ یہاں ہوا ہی کیا تھا۔ یہ تو بالکل ہی کھلی ہوئی بات تھی کہ خود ... ہی اُلو بن گیا تھا۔ ایک ایسی کان جس سے ابھی کچھ بھی بر آمد نہ ہوا کان ہی نہیں کہلائی ...

دفعتاً حمید کو وہ مجرم یاد آ گیا جسے وہ شروع سے آخری تک مظلوم ہی سمجھتا رہا تھا، لیکن حقیقت ... کے برعکس تھی، وہ تو اس سے زیادہ خطرناک نکلا تھا جسے حمید مجرم سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

یہاں بھی بالکل ویسا ہی معاملہ در پیش تھا۔ ابھی تک وہ سر فیاض کو مظلوم سمجھتا رہا تھا ... وقت اُسے شیکھر پر بے تحاشہ رحم آیا تھا پہلے اس کا خیال تھا کہ سر فیاض کو دل کھول کر

اس حیرت انگیز کہانی کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول جلد نمبر 14 (پُر ہول سناٹا) ملاحظہ فرمائیے۔

ہے اور اب اس سے کسی مسودہ پر دستخط لئے جائیں گے، لیکن اسکے برعکس اسے شیکھر ہی نشے میں معلوم ہو رہا تھا اور وہ سب کے سب بھی شیکھر کے اس مال کے قتل میں برابر کے شریک تھے۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ باغ کے کسی گوشے سے اُلو کی صدا ابھری تھی۔ وہ آواز پھر سنائی دی لیکن حمید ان کی گفتگو سننے کے لئے رک گیا ویسے اسے معلوم تھا کہ وہ فریدی ہی کی طرف سے ایک طرح کا سگنل ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ خطرہ ٹل گیا یعنی اب وہ درخت سے اتر کر اپنے کمرے میں جا سکتا ہے۔

"یہ اُلو بولا تھا کیا۔" جسٹس شرما نے چونک کر کہا۔

"شیکھر سے حماقت ہی ایسی ہوئی ہے۔" سیٹھ نورانی مسکرایا۔ "اُلو نہ بولے گا تو پھر کیا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت بہت زیادہ پی گیا ہے۔"

وہ پھر کھیل میں مشغول ہو گئے اور حمید درخت سے اُتر آیا۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں دیکھ نہ لیا جائے۔ اس لئے تقریباً پندرہ منٹ بعد کمرے تک پہنچ سکا، اس نے دروازے پر دستک دی اور آہستہ سے بولا۔ "ریکھا دروازہ کھولو۔"

ریکھا شاید جاگ ہی رہی تھی کیونکہ حمید کو دوسری بار دستک دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ دروازہ کھل گیا اور حمید اندر داخل ہوا۔

"کیا ہوا۔" ریکھا نے پوچھا۔

"ڈبل نمونیہ۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ اس پر ریکھا نے اُسے ایک لفافہ نکال کر دیا۔ یہ فریدی کی دوسری تحریر تھی۔ بس اتنا ہی لکھا تھا "تم لوگ دوسری ہدایت تک یہیں قیام کرو گے۔"

"اب انتقال ہو گیا۔" حمید نے اُسے پرچہ واپس کرتے ہوئے کہا۔ "کلو کی ماں اگر میں سچ مچ مر جاؤں تو کلو کو میرے ساتھ ہی دفن کر دینا اور تم فلمسٹار ہو جانا۔"

"کیا بک رہے ہو۔ بتاؤ کیا ہوا۔"

"میں نہیں سمجھ سکا کہ کیا ہوا۔ بس یہ سمجھ لو برق سی اک چمک گئی میرے سر نیاز میں۔"

"بکواس ہی کیئے جاؤ گے۔"

حمید چارپائی پر گر کر لحاف میں دبک گیا۔ ریکھا کھڑی رہی۔ کچھ دیر بعد جب سردی کا احساس کچھ کم ہوا تو حمید نے لحاف سے منہ نکال کر کہا۔ "میں پھر پاگل ہو گیا ہوں۔"

"کیوں.....!"

حمید نے مختصراً پوری روئداد دہراتے ہوئے کہا۔ "اب تم خود ہی بتاؤ۔ میں بکواس نہ کروں تو

کیا دل ہی دل میں جھلس کر ٹی بی مول لوں۔"

"واقعی یہ معاملہ حیرت انگیز ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ سب بھی پاگل ہو گئے ہیں۔ یہ شیکھر محل نہیں بلکہ خچر محل ہے۔ اتنا غصہ آیا ہے مجھ کو اس وقت کہ اگر پھانسی کا ڈر نہ ہوتا تو اپنے کو گولی مار لیتا۔ یہ سالا.... سرفیاض ابھی دو دن پہلے بڑا چیخا کرتا تھا.... ارے بوند.... آئی.... ارے بوند.... آئی۔"

"کیا مطلب۔"

"اب سو بھی جاؤ۔ کلو کی ماں۔"

حمید نے لحاف اوپر کھینچ لیا۔

دوسری صبح حالات معمول پر تھے۔ حمید کو کوئی خاص فرق نہیں محسوس ہوا۔ لیکن پھر کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ اب سرفیاض شیکھر محل میں موجود نہیں ہے۔ وہ کسی ضروری کام کے یاد آجانے کی بناء پر وقت سے پہلے ہی چلا گیا تھا، ورنہ وہاں کم از کم پانچ دن قیام کرنے کا پروگرام تھا۔

حمید کو اب اندر ہی رہنا پڑتا تھا کیونکہ اسے جسٹس شرما کی خدمت پر مامور کر دیا گیا تھا۔ اس وقت جب کہ وہ ان کے کپڑوں میں تہہ لگا رہا تھا شیکھر بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"چوری۔" اس نے آتے ہی کہا۔

"کیا؟" جسٹس شرما چونک پڑے۔

"کسی نے سیف کا تالا توڑ دیا۔"

"اوہ.... اور سیف خالی ہے۔"

"نہیں صرف کاغذات غائب ہیں جو پچھلی رات مرتب کئے گئے تھے۔"

"اور خلاف توقع سرفیاض بھی چلا گیا۔"

"ہاں.... وہ بھی گیا۔ مگر اس پر شبہہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

"کیوں؟ ہو سکتا ہے.... بعد میں اس کی نیت میں فتور آگیا ہو۔ تم نے وہ پانچ کروڑ پرونوٹ پر تو دیئے نہیں تھے۔ ممکن ہے اس نے سوچا ہو کہ اس طرح یہ روپے ہضم ہی کر لئے جائیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ فیاض ایسا آدمی نہیں ہے اور پھر میں نے ابھی اس سے فون پر گفتگو کی ہے؟ وہ کہتا ہے پرواہ نہ کرو۔ دوسرے کاغذات تیار ہو جائیں گے، کہو تو ابھی آجاؤں۔"

"تب پھر پریشانی کی کیا بات ہے۔" شرما نے جھلا کر کہا۔ "کاغذات بھی دوبارہ تیار ہو جائیں گے اور سیف کی دوسری چیزیں بھی محفوظ ہیں۔"

"کچھ نہیں فکر صرف اس بات کی ہے کہ آخر ان کاغذات کی چوری کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"کیا ان کی چوری سے تمہیں نقصان کا خدشہ ہے۔"

"قطعی نہیں۔"

"تب پھر وہ کسی ایسے آدمی کی حرکت ہے جو تم سے زیادہ پاگل ہے۔"

"مجھ سے زیادہ۔ میں نہیں سمجھا۔" شیکھر نے حیرت سے کہا۔

"کیا تم پاگل نہیں ہو۔ ایک ایسی کان پانچ کروڑ کے عوض خرید رہے ہو جس سے ابھی کچھ بھی نہیں برآمد ہو سکا۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ آج کل میں اندھی چال چل رہا ہوں۔ میرے ستارے آج کل کچھ ایسے ہی جا رہے ہیں۔ ابھی تک کسی اندھی چال میں دھوکا نہیں کھایا۔"

جسٹس شرما خاموش ہو گئے۔ رائے شیکھر تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

حمید کپڑے تہہ کر کے سوٹ کیس میں رکھ چکا تھا اس لئے اسے بھی باہر آجانا پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس چوری کا شبہہ اس پر نہ کیا جائے کیونکہ وہ وہاں بالکل نیا تھا لیکن شاید شیکھر کو اس کا علم ہی نہیں تھا کہ وہ نیا ہے یا پرانا۔ اس نے اس چوری کے متعلق نوکروں سے بھی کچھ نہیں سنا۔ بہرحال وہ پھر دن بھر ادھر اُدھر جھک مارتا پھرا۔

ریکھا الگ بور نظر آرہی تھی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اگر حمید بات بات پر اُسے چھیڑ کر ہنساتا نہ رہتا تو شائد وہ پاگل ہی ہو جاتی۔

رات کو حمید نے پھر فریدی کی ایک تحریر پائی۔

"آج آخری سین کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بہت ہوشیار رہنا۔ ہو سکتا ہے آج تم موقعہ واردات پر موجود ہو۔"

دھواں

نو بجے حمید کو اندر جانا پڑا کیونکہ کھانے کے بعد جسٹس شرما کے کمرے میں کافی پہنچانی تھی۔ پورچ میں سرفیاض ملا جس کے ساتھ اس کا پرائیویٹ سیکریٹری مخدوم بھی تھا۔ وہ ابھی ابھی

اپنی کار سے اترا تھا اور کچھ اتنا مضمحل اور کمزور نظر آرہا تھا کہ چلنے کے لئے اسے مخدوم کے سہارے کی ضرورت تھی۔ حمید اس پر متحیر رہ گیا۔ پچھلی رات تو وہ خاصا تروتازہ نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جوانی دوبارہ لوٹ آئی ہو۔ حمید انہیں پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ کچن سے کافی لے کر جسٹس شرما کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

نہ جانے کیوں جسٹس شرما نے کافی پی چکنے کے بعد اسے وہیں روک کے رکھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ پہچان تو نہیں لیا گیا۔ ریوالور اس کی صدری کی جیب میں موجود تھا اسے اطمینان تھا اگر پہچان بھی لیا گیا ہو تو کم از کم مقابلہ تو کر ہی سکے گا۔

تھوڑی دیر بعد شیکھر کمرے میں آیا اور اس نے بتایا کہ کاغذات پھر تیار کر لئے گئے صرف گواہوں کے دستخط ہونے باقی ہیں۔ جسٹس شرما نے اٹھتے اٹھتے حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور آج اس محفل میں صرف ایک کا اضافہ تھا لیکن چونکہ یہ ایک گھریلو قسم کا معاملہ اس لئے اس میں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ آج شاید وہ انہیں لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا اس لئے اب بھی وہیں موجود تھا جہاں سب لوگ تھے۔

سرفیاض کو دیکھ کر ایک بار پھر حمید حیرت زدہ ہو گیا۔ یہ وہ سرفیاض ہرگز نہیں ہو جسے حمید نے کچھ دیر پہلے پورچ میں دیکھا تھا۔ وہ جو کچھ دیر پہلے سالہا سال کا مریض معلوم اس وقت کسی تندرست اور توانا آدمی کی طرح چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔

سب سے پہلے اس نے اسٹامپ دستخط کئے پھر گواہوں نے یکے بعد دیگرے کل ہی کی اپنی شہادتیں ثبت کیں۔ پھر رائے شیکھر اسے اٹھانے ہی والا تھا کہ میجر سعید نے اس پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی نہیں۔"

"کیا مطلب....!" دفعتاً رائے شیکھر چونک پڑا۔

"کچھ نہیں۔ صرف آدھے گھنٹے تک یہ کاغذ میرے ہاتھ کے نیچے دبا رہے گا۔"

"کیا تم زیادہ پی گئے ہو میجر سعید۔" رائے شیکھر نے ایسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اعصابی کھنچاؤ ہی کا نتیجہ کہا جا سکتا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔" میجر سعید نے کہا اور اسٹامپ اٹھا کر اپنی جیب میں ٹھونس لیا۔

رائے شیکھر اُسے اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آرہا ہو۔

"اوہ.... آپ چلئے۔" مخدوم نے سرفیاض کی طرف جھک کر کہا۔ "زیادہ دیر تک بیٹھنا آپ کے لئے مضر ہے۔"

"سرفیاض کو آدھے گھنٹے تک یہیں اسی جگہ بیٹھنا پڑے گا۔" میجر سعید بولا۔

"کیوں....!" سرفیاض نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"کیونکہ آدھے گھنٹے بعد سرفیاض اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دیں گے۔"

"سعید تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" رائے شیکھر غرایا۔ "لاؤ دستاویز مجھے دو۔ ورنہ تم میری ہی چھت کے نیچے ہو۔"

"اور یہ واقعی ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہو گی۔ اگر تمہاری ہی چھت کے نیچے تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑ گئیں۔"

"ہوش کی دوا کرو۔" رائے شیکھر بپھر گیا۔

اب حمید نے فریدی کی آواز پہچان لی تھی۔ یہ میجر سعید نہیں بلکہ فریدی تھا۔

دفعتاً اس نے اپنی صدری کی جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔"

"یہ کیسا پاگل پن پھیل گیا ہے۔" رائے شیکھر میز پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"یور لارڈ شپ....!" فریدی نے جسٹس شرما کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کاروائی جاری رہے۔" جسٹس شرما کے لہجے میں بڑی تلخی تھی۔

رائے شیکھر بُری طرح بوکھلا گیا تھا لیکن فریدی کی نظریں چارلس پر تھیں جو ایسے بے تعلقانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا جیسے وہاں کسی ڈرامے کا ریہرسل ہو رہا ہو۔

"تم چارلس براؤن۔ کیا اپنی جامہ تلاشی دے سکو گے۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور....!" چارلس براؤن اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا اور پھر مسکرا کر بولا۔ "اس وقت میرے جیب میں زیادہ رقم نہیں ہے۔"

فریدی اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس نے کہا ٹھہرو۔ "مجھے ایک گلاس پانی پی لینے دو۔" ساتھ ہی اس نے میز پر رکھا ہوا گلاس اٹھا لیا جس میں پانی تھا وہ اسے منہ تک لیجاتا ہوا فریدی کو ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھتا رہا تھا۔ اس نے گلاس ہونٹوں تک لے جا کر پھر میز پر رکھ دیا اور ہنس کے بولا "میں جا رہا ہوں۔"

فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی لیکن ٹھیک اسی وقت میز پر رکھے ہوئے گلاس نے دھوئیں کا ایک بھپکا سا اٹھا اور میز کی سطح سے چار فٹ کی بلندی پر پہنچ کر اس نے اتنے حیرت انگیز طور پر وسعت اختیار کی کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکے۔ چشم زدن میں سارا کمرہ دھوئیں سے بھر گیا۔

پھر کسی کو ہوش نہیں کہ کون کدھر گیا۔

حمید بھی جدھر منہ اٹھا نکل گیا لیکن وہ اس فکر میں تھا کہ کوئی نکل کر نہ جانے پائے وہ تو یہ بھی نہ جانتا تھا کہ ان میں سے کوئی ایک مجرم تھا وہ سب ہی ایک مقصد کے تحت وہاں اکٹھے ہوئے تھے وہ مختلف کمروں میں چکراتا ہوا باہر نکل آیا۔

یہاں پہنچ کر اسے احساس ہوا کہ فریدی پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ مگر آیا کہاں سے تھا؟ تو شروع ہی سے یہاں رہا تھا۔

جیسے ہی اس نے دروازے سے باہر قدم نکالنا چاہا ایک ریوالور کی نال اس کے سینے سے آلگی۔ وہ ایک سادہ لباس والا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کیا ہر دروازے پر یہی انتظام ہے۔"

حمید کی آواز پہچانتے ہی اس نے ریوالور ہٹا کر کہا۔ "جی ہاں۔"

"کیا کوئی نکل کر بھی گیا ہے۔"

"میں نے تو نہیں دیکھا۔ مگر ٹھہریئے۔ میں نے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنی تھیں، لیکن اندازہ نہیں کر سکا کہ کون کدھر جا رہا ہے۔"

"تو پھر کیا تم جھک مارنے کے لئے یہاں کھڑے ہو۔"

"جناب والا.... یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہے تھے۔"

حمید پھر واپس آگیا۔ وہ ننگے پیر ہی چل رہا تھا۔ اس لئے اس کے پیروں کی آواز قریب سے بھی نہیں سنی جا سکتی تھی۔

اس نے ایک کمرے میں مخدوم کی آواز سنی اور پھر وہ دوسری طرف منہ کئے ہوئے الٹا ہوا دروازے سے نکلا اور پھر دروازہ بند ہی کرنے جا رہا تھا کہ حمید نے اُسے پکڑ لیا۔ مخدوم ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ دوسروں کو اس کی زد میں لے کر فرار ہو جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

حمید نے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ مگر مخدوم کی گرفت مضبوط تھی۔ اس جدوجہد میں ریوالور چل گیا اور ایک بڑے تصویری فریم کا شیشہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فرش پر بکھر گیا۔ حمید اُسے گرا لیا تھا لیکن اس سے ریوالور چھیننے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوا تھا۔

کمرے سے دوسرے لوگ بھی نکلنے لگے اور انہوں نے حمید کے احتجاج کے باوجود مخدوم پر دھاوا بول دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کے ہوش ہی اڑ گئے ہوں گے۔ ریوالور کا دھیان کہاں سے رہ جاتا۔ ذرا ہی سی دیر میں اُسے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا گیا۔

سر فیاض ایک آرام کرسی پر پڑا ہوا یہ سب کچھ بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگتا۔

حمید نے رائے شیکھر کی طرف دیکھا، جو سر جھکائے دم بخود کھڑا تھا۔

"کرنل فریدی کہاں ہیں۔" جسٹس شرما نے حمید کو مخاطب کیا۔

"مجھے علم نہیں ہے جناب والا! ممکن ہے وہ اس کے تعاقب میں ہوں۔"

"وہ حقیقتاً کون تھا۔"

"یہ بھی کرنل صاحب ہی بتا سکیں گے۔"

دفعتاً سر فیاض نے ایک جھرجھری سی لی اور آنکھیں بند کر کے گردن ایک طرف ڈال دی اس کے چہرے کا رنگ اڑتا جا رہا تھا پھر انہوں نے ایک ہلکی سی کراہ سنی۔

وہ پھر مریض معلوم ہونے لگا تھا۔ تقریباً دس منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اس نے ایک کراہ کے ساتھ آنکھیں کھولیں اور حیران حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"ہائیں.... یہ مخدوم کو کیا ہوا؟" اس نے سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اُس نے رائے شیکھر کو مخاطب کیا۔ "یہ کیا ہے رائے شیکھر! تم نے مجھے کیوں بلوایا تھا۔ کب کی دشمنی نکالی ہے کیا کبھی میرا اور تمہارا کوئی جھگڑا ہوا ہے۔"

رائے شیکھر اسی انداز میں سر جھکائے کھڑا رہا۔ غالباً اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

دفعتاً کرنل فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ اب اس کے چہرے پر میجر سعید کی فرنچ کٹ ڈاڑھی اور گھنی مونچھیں نہیں تھیں۔ وہ اپنی اصلی شکل میں تھا۔

"کیوں....؟" شرما نے پوچھا۔

"وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ ایک گلاس پانی سے اتنا فائدہ اٹھائے گا۔"

"وہ دھواں کیسا تھا۔"

"خدا جانے۔" اس نے لاپروائی سے کہا اور سر فیاض کی طرف دیکھنے لگا۔

"سر فیاض۔ کیا آپ بھی رائے شیکھر کے پانچ کروڑ کے مقروض بھی رہے ہیں۔"

"کون کہتا ہے۔" سر فیاض نے حیرت سے کہا۔ "کیا اس قسم کی کوئی لغویات رائے شیکھر نے لکھی ہے۔"

"نہیں.... اس کا تحریری اعتراف تو خود آپ ہی نے کیا ہے۔"

"میں نے۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "کیا تم لوگ میرا مذاق اڑانے پر تل گئے ہو۔ یہ کیا بکواس ہے۔"

فریدی نے جیب سے وہی دستاویز نکال کر اس کی طرف بڑھادی۔ سر فیاض اسے دیکھتا رہا پھر یک بیک چیخنے لگا۔

"یہ جعلی ہے۔ فریب ہے۔ تم لوگ ٹھگ ہو۔ مجھے برباد کر دیا۔ ٹرینی گام والی کان۔ میرے خدا۔ مخدوم.... او مخدوم.... یہ کیا قصہ ہے۔"

مخدوم بھی خاموش ہی رہا۔

"جسٹس شرما۔ کیا آپ بھی ان ٹھگوں کے ساتھ ہیں۔" سر فیاض نے بڑے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں سر فیاض۔ لیکن آپ نے میرے سامنے اس پر دستخط کئے تھے۔"

"مخدوم.... ارے بولتا کیوں نہیں مجھے یہاں کیوں لایا تھا۔"

"کیا آپ کو اس سے انکار ہے۔ کہ یہ آپ کے دستخط ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں یہ میرے ہی دستخط ہیں اور کسی انتہائی مشاق آدمی نے بنائے ہیں۔ میں اس دستاویز کو عدالت میں چیلنج کروں گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ ایکسپرٹ آپ کی مخالفت میں فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ یہ دستخط آپ نے اپنے ہاتھ سے کئے ہیں۔"

"تم کون ہو؟"

"محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر۔ کرنل فریدی۔"

"کرنل فریدی۔" سر فیاض نے حیرت سے کہا۔ "تمہارے متعلق تو میں نے سنا تھا کہ تم شریف اور ایمان دار آدمی ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے ٹھیک ہی سنا ہے۔" جسٹس شرما نے کہا۔ "آپ ایک بہت بڑی سازش کا شکار ہوتے ہوتے بچ گئے۔ یہ کرنل فریدی ہی کی ذہانت تھی جس نے آپ کو بچالیا۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا۔ پتہ نہیں کس قسم کی گفتگو ہو رہی ہے۔" سر فیاض نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ اب پہلے کی نسبت زیادہ بوڑھا معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ کہانی آپ مخدوم ہی سے سنئے گا۔" فریدی نے کہا اور حمید سے بولا۔ "مخدوم کو کھڑا کرو۔"

مخدوم بہت دیر بعد بولنے پر آمادہ ہوا۔ یہ بھی کرنل فریدی ہی تھا جس نے اپنے مخصوص

نفسیاتی طریقوں سے اعتراف جرم کرالیا ورنہ کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں تھی۔ مخدوم نے بتایا کہ ٹرینی گام والی کان کی کھدائی اسی کی نگرانی میں شروع ہوئی تھی۔ ایک غیر ملکی انجینئر ٹیکنیکل معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اچانک ایک دن اُس نے مخدوم کو اطلاع دی کہ اس کان سے پلاٹینم برآمد ہونے کی توقع ہے۔ اُس کے ساتھ یہ آدمی چارلس براؤن بھی آیا تھا۔ اس نے مخدوم کو سمجھانا شروع کیا کہ آدمی کو موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ پھر اس نے یہ اسکیم بنائی جس کے تحت وہ کان مفت میں ہاتھ آتی۔ اس اسکیم میں چارلس براؤن مخدوم ٹیکنیکل مشیر سیل پیٹرک اور رائے شیکھر شریک تھے۔ رائے شیکھر کو اس لئے منتخب کیا گیا تھا کہ بعد میں عدالت کو باور کرانے میں دشواری پیش نہ آئے کیونکہ وہ ایک مقامی سرمایہ دار تھا۔

سر فیاض سے دستاویز لکھوانے کے لئے بہت پاپڑ بیلنے پڑے۔ جس کیفیت کے تحت اس نے دستاویز پر دستخط کئے تھے وہ ایک انجکشن کا اثر تھا اس کیفیت کے زائل ہو جانے کے بعد وہ قطعی بھول جاتا تھا کہ وہ اس ذہنی دور میں کیا کر چکا ہے۔ جو کچھ اس کے ذہن نشین کرایا جاتا وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کر سکتا۔ اس انجکشن کو اس کے سسٹم پر اثر انداز کرانے کے لئے کئی تجربات سے گزارنا پڑا تھا۔ کئی ماہ قبل جب اسے پہلا انجکشن دیا گیا تو اس کے ہاتھ پیر ایک کرسی سے باندھ دیئے گئے تھے۔ سر پر ایک ہانڈی اس طرح لٹکائی گئی تھی کہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے پانی کی ایک بوند اس کے سر پر ٹپکتی رہے وہ وہی موقع تھا جب وہ تارجام جانے کے لئے کہیں غائب ہو گیا تھا۔ بہرحال جب انجکشن کئی بار کے تجربات سے اس کے سسٹم پر اچھی طرح اثر انداز ہو گیا تو دستاویز پر دستخط لینے کی مہم شروع کی گئی۔ رائے شیکھر نے اپنے چند معزز دوستوں کے ساتھ سر فیاض کو مدعو کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی موجودگی میں کاغذات مرتب کئے جائیں۔ ججوں اور بیرسٹروں کی ان پر شہادت ہو تاکہ انہیں کسی طرح بھی باطل قرار نہ دیا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ رائے شیکھر کے یہ معزز دوست اس سازش سے آگاہ نہیں تھے۔ انہوں نے اُسے ہوش و حواس میں کاغذات پر دستخط کرتے دیکھا تھا۔ ایسی صورت میں سر فیاض دنیا کی کسی عدالت سے بھی اپنے حق میں فیصلہ نہ کرا سکتا اور پلاٹینم کی کان ان لوگوں کے ہاتھ لگتی۔

سر فیاض چکرا گیا۔ کبھی وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مخدوم کی طرف دیکھتا اور کبھی رائے شیکھر کی طرف۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "میرے گناہوں کا ثمرہ.... یہ مخدوم.... میرا ہی لڑکا ہے.... مگر غیر قانونی....!"

"اوہ.... چپ رہو سور....!" مخدوم گرجا۔ "میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔ اگر تم نے دوبارہ

یہ الفاظ زبان سے نکالے۔"

دفعتاً فریدی کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے سر فیاض کو گھور کر دیکھا۔

پھر اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تمہاری جائز اولاد، ٹرینی گام کی پلاٹینم کی کان کی حقدار ہے لہٰذا ناجائز اولاد نے اُسے حاصل کرنے کے لئے ناجائز طریقہ اختیار کیا۔ ناجائز ا سے تم اور کس بات کی توقع رکھتے ہو سر فیاض۔ یہ تو پورا پورا انصاف ہو رہا تھا تمہارے سا کیپٹن حمید مخدوم کو کھول دو۔"

"ہائیں.... ہائیں.... یہ کیا....!" جسٹس شرما بے ساختہ بولے۔

"انصاف می لارڈ....!"

"کس قانون کی رو سے۔"

"یہ اسی قانون کی رو سے می لارڈ۔ جس قانون کی رو سے اس ناجائزہ اولاد نے جنم لیا تھ یہ زبردستی عالم وجود میں آ گیا تھا۔"

"تم شاعری کرنے لگے۔"

"اسے آپ جو کچھ بھی سمجھیں دونوں دستاویزیں میرے ہی پاس ہیں اور یہ ہر حال میں کے حق میں استعمال کی جائیں گی۔ سر فیاض کو کھلی ہوئی اجازت ہے کہ وہ عدالتوں میں صف پیش کرتے پھریں۔ جب تک میرے دم میں دم ہے ٹرینی گام کی کان انکے ہاتھ نہ آ سکے گی۔

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"می لارڈ.... جو کچھ آپ سمجھیں۔"

"کچھ نہیں....!" سر فیاض مجنونانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے نہ چاہئے.... چاہئے۔" پھر اس نے مخدوم کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میرے بیٹے.... مجھے معاف کرنا خود رفتگی میں یہ بات میری زبان سے نکل گئی تھی.... مجھے کچھ نہ چاہئے۔ مجھے کسی سے کوئی نہیں ہے۔ کسی سے بھی نہیں۔ میں کسی عدالت میں صفائی نہیں پیش کروں گا۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

مخدوم نے اس کی طرف بڑھنا چاہا۔ مگر فریدی اُسے روک کر بولا۔ "ٹھہرو! ٹرینی گا علاوہ بھی ایک معاملہ اور ہے۔ اس دن سفید کشتی میں کسے دیکھ کر سر فیاض کی حالت بگڑ گئی تھی

"چارلس براؤن کو۔ وہ اس وقت انجکشن کے اثر میں نہیں تھے۔ لیکن اب انہیں یہ بھی یاد ہے کہ انہوں نے کسی کشتی میں کسی کو دیکھا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس ذہنی تبدیلی کی وجہ کیا تھی

"میں تمہیں صرف اس جرم میں حراست میں لیتا ہوں کہ تم ایک بین الاقوامی مجرم ڈاکٹر ڈریڈ کے مددگار رہے ہو۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ....!" ہر ایک کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کیا وہ ڈاکٹر ڈریڈ تھا۔" جسٹس شرما نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں اور اس کا احساس مجھے اس وقت ہو سکا جب گلاس سے دھواں اٹھا تھا۔ اس قسم کے شعبدوں کے لئے وہ خاص طور پر مشہور ہے اور یہی شعبدے اسے اب تک قانون کے شکنجوں سے بچاتے رہے ہیں۔ خیر۔ رائے شیکھر مجھے افسوس ہے کہ آپ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ میں مجبور ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ لوگ عدالت میں بری ہو جائیں۔ اس وقت تک یہ دستاویزیں ہز لارڈ شپ کے پاس رہیں گی۔"

"میں اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔" جسٹس شرما نے کہا۔

"پھر یہ فی الحال کسی بینک میں رہیں گی۔"

"کیوں نہ اس قصے ہی کو ختم کر دو۔ سر فیاض ہی کو جب کسی سے کوئی شکایت نہیں رہ گئی تو قصہ آگے کیوں بڑھے اور ڈاکٹر ڈریڈ بھی نکل ہی گیا۔ ظاہر ہے یہ لوگ یہ نہ جانتے رہے ہوں کہ وہ ڈاکٹر ڈریڈ تھا۔"

"قطعی نہیں حضور والا۔" مخدوم بولا۔

"پھر کیا رائے ہے۔" جسٹس شرما نے فریدی سے پوچھا۔

"جو آپ مناسب سمجھیں۔ ٹرینی گام کی کان سے تو مخدوم ہی کو فائدہ پہنچتا ہے۔"

"نہیں! اس قصے کو بھی ختم کر دو۔ کیوں مخدوم۔ دستاویزیں ضائع کر دی جائیں نا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے جناب عالی۔"

"چلو.... ختم کرو۔"

جسٹس شرما نے دستاویزیں فریدی سے لے کر آتش دان میں ڈال دیں۔

دوسرے دن حمید کو معلوم ہو سکا کہ میجر سعید فریدی کے گہرے دوستوں میں سے تھا اور اُس نے بڑی خوشی سے اجازت دے دی تھی کہ وہ اسکا رول ادا کرے اور خود روپوش ہو گیا تھا۔

حمید ریکھا کو اب بھی کلو کی ماں کہتا ہے اور وہ سر تا بقدم آتش فشاں بن جاتی ہے۔

جاسوسی دنیا نمبر 62

لاش کا قہقہہ

(تیسرا حصہ)

اغواء

یہ بھی ممکن تھا کہ یہ واقعہ ہی نہ ہوتا.... یا ہو ہی جاتا.... وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔ آرلکچنو میں وہ ہنگامہ قطعی اتفاقیہ تھا۔ یعنی اگر یہ کہا جائے کہ ہنگامہ اسی لئے ہوا تھا کہ اسی کی آڑ میں کوئی اپنا کام کرجائے تو یہ بالکل بیکارسی بات ہوگی۔ کیونکہ جس کی وجہ سے ہنگامہ ہوتا وہ خواہ مخواہ اپنی گردن کیوں پھنساتا۔ ویسے اُسکی گردن ہر اعتبار سے بہت موٹی تھی۔ وہ خود بھی موٹا تھا۔ غیر معمولی طور پر موٹا اور اتنا ہی غیر معمولی طور پر لمبا بھی.... یعنی اس حلئے کا آدمی گرانڈیل احمق قاسم کے علاوہ اور کون ہوسکتا تھا۔

ہنگامے کی وجہ بہت معمولی سی تھی۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ قاسم کے لئے بھی معمولی ہی رہی ہو۔ ہوا یہ کہ نوجوان جوڑا اُس کی میز کے قریب ہی کی ایک میز پر آیا۔ قاسم بڑے انہماک سے کھانے پر ہاتھ صاف کررہا تھا۔ اس کے سامنے متعدد پلیٹیں تھیں اور ایک خالی پلیٹ میں ہڈیوں کا اہرام تعمیر ہورہا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ شوربے سے بھرے ہوئے تھے۔ آنے والوں میں ایک انتہائی خوبصورت لڑکی تھی اور دوسرا ایک نوجوان مرد۔ مرد کو قاسم اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ شہر کے ایک سرمایہ دار کا لڑکا تھا۔ غالباً وہ بھی قاسم سے واقف تھا۔ کیونکہ دونوں کا تعلق ایک ہی طبقے سے تھا۔

قاسم لڑکی کو نہیں پہچانتا تھا لیکن پہلی ہی نظر میں وہ اُسے بے حد پسند آئی کیونکہ حسین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اچھی صحت بھی رکھتی تھی۔ وہ اس معیار پر پوری نہیں اترتی تھی جس کے لئے قاسم کی

''رومانی'' لغات میں صرف ایک ہی لفظ ہوسکتا تھا۔ ''ٹگڑی'' مگر..... پھر بھی اُس کے چہرے مہرے
ڈیل ڈول میں اتنی ہم آہنگی تھی کہ قاسم اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

لڑکی بھی اُسے دیکھ کر مسکرائی اور نوجوان آہستہ آہستہ اُس سے کچھ کہنے لگا۔ ساتھ ہی وہ قا
کنکھیوں سے دیکھتا بھی جارہا تھا.... پھر اُن دونوں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

قاسم کو تاؤ آگیا۔ کھلی ہوئی بات تھی۔ وہ قاسم کا مضحکہ اڑانا چاہتے تھے۔ اگر لڑکی تنہا ہوتی تو
کوئی بات نہیں تھی وہ قاسم کے گلے میں جوتیوں کے ہار بھی ڈال سکتی تھی۔ مگر وہ مرد..... وہ ''ا
پٹھا'' کیوں ہنسا تھا اُسے دیکھ کر۔ قاسم کا اسکریو ڈھیلا ہوگیا اور دوسرے ہی لمحے میں شوربے کی
اس نوجوان کے منہ پر پڑی.... اُس کے ساتھ بھی ایک لڑکی تھی اور کسی لڑکی کی موجودگی میں اُس کا
معمولی سی توہین بھی نہیں برداشت کرسکتا۔

اُس نے قاسم پر چھلانگ لگائی۔ کرسی ٹوٹنے کی چرچراہٹ ڈائننگ ہال میں گونج کر رہ گئی۔
چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ اس دوران میں قاسم اُسے میز پر اچھال چکا تھا۔ میز سمیت وہ د
طرف الٹ گیا۔

دفعتاً اُسی وقت پورا ہال تاریک ہوگیا۔

کسی لڑکی کی چیخ اندھیرے میں لہرائی۔

''چھوڑ دو..... چھوڑ دو..... چھوپ۔'' ایسا معلوم ہوا جیسے اُس کا منہ دبالیا گیا ہو۔ میزیں الٹ
تھیں۔ لوگ چیخ رہے تھے اور قاسم بُری طرح بدحواس ہوگیا تھا..... نہ جانے کتنے بھاگتے ہوئے
اُس سے ٹکرائے۔ نہ جانے وہ کتنی بار گرا۔ گر کر اٹھنے نہیں پایا کہ دو چار اور آگرے اُس پر۔ ظاہر
جب وہ دوبارہ اٹھ کر بھاگتے ہوں گے تو قاسم کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ بہرحال وہ بُری طرح کچلا اور رو
گیا۔ لیکن اُسی بدحواسی کے عالم میں نہ جانے کیسے اُس کے ذہن کی دلدل میں روشنی کی ایک کر
لو دے اٹھی۔ اُس نے سوچا کہ اس ہنگامے کی ساری ذمہ داری اُسی پر عائد ہوگی۔ لہٰذا روشنی ہونے
قبل ہی کھسک جانا چاہئے۔

وہ بمشکل تمام اٹھا اور اندازے سے ایک دروازے کی سمت بڑھنے لگا۔

اندھیرے میں اب بھی لوگ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ میزوں اور کرسیوں سے الجھ کر
رہے تھے۔ برتنوں کے ٹوٹنے کی آوازیں نسوانی چیخوں سے ہم آہنگ ہوکر کچھ عجیب سی لگتیں۔

قاسم کسی نہ کسی طرح دروازے تک پہنچ گیا لیکن باہر نکلنا آسان کام نہیں تھا کیونکہ اب باہر سے
ہی ایک جم غفیر اندر گھسنے کی کوشش کررہا تھا۔

''بہ ہزار خرابی وہ کمپاؤنڈ تک پہنچ گیا۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ وہ کس طرح اپنی کار میں بیٹھا تھا اور کس
طرح اُسے ڈرائیو کرتا ہوا گھر تک پہنچا تھا۔

اُس کے کپڑے شوربے کے بڑے بڑے دھبوں سے زعفران زار بنے ہوئے تھے۔ ننھی منی بیوی
نے اس کی ہیئت دیکھی اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''کیا کسی نے باورچی خانے میں بند کر کے مارا تھا'' اُس نے ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے
ہوئے کہا اور قاسم ناچ گیا۔

''دیخو'' وہ انگلی اٹھا کر آنکھیں نکالتا ہوا بولا۔ ''تم مجھ سے بے تکی باتیں نہ کیا کرو۔''

''تم تھے کہاں۔'' دفعتاً اُس کی بیوی کا موڈ بگڑ گیا۔ ''میرا خیال ہے کہ آج کسی شریف آدمی نے
تمہیں اپنے گھر میں داخل ہوتے دیکھ لیا ہوگا۔''

''دیخ لیا تھا'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''تم سے مطلب.... تم جہنم میں جاؤ۔''

''تم خود جاؤ.... مجھ سے اس طرح اکڑ کر گفتگو نہ کیا کرو۔ تمہاری لونڈی ہوں کیا۔''

''ہزار بار کہوں گا.... تم میری لونڈی ہو.... ہاں۔''

''زبان سنبھال کے.... بڑے آئے.... کہیں کے۔''

''تم بکواس نہ کیا کرو.... کیا میں تم سے بولا تھا'' قاسم دہاڑا۔

''تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم کہاں تھے۔''

''میں چانڈو خانے میں چرس پی رہا تھا۔ تم سے مطلب۔''

''میں ابھی چچا جان کو فون کرتی ہوں۔ پھر انہیں سے مطلب پوچھنا۔''

''کردو'' قاسم رو میں بولا۔ پھر یک بیک سنبھل کر ہکلانے لگا۔ ''تم.... ب.... بیکار.... میرے
پپ.... پیچھے.... پپ پڑ رہی ہو.... میں تو میلاد میں گیا تھا.... ہاں۔''

''پھر یہ شوربے کے دھبے کیسے ہیں۔''

''میں نے میلاد سننے والوں کے لئے سالن پکایا تھا.... ارر.... ہام.... نن.... نہیں.... سنو تو سہی۔''

''تمہیں شرم نہیں آتی۔ خاندان کا نام اچھالتے پھرتے ہو۔''

''اب آئے گی.... اب آئے گی۔'' قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

''تم ابا جان کو فون مت کرنا.... ہاں.... مجھے ذرا غصہ آ گیا تھا۔''

''اور غصے میں تم نے قورمے کی پلیٹ میں چھلانگ لگا دی۔''

''ارے تم سنو تو سہی.... مجھے اُس پر غصہ آ گیا تھا.... پرویز کے بچے پر۔''

''کون پرویز....!''

''سرسلیمان کا لڑکا.... اُلو کا پٹھا.... مجھے دیکھ کر ہنستا ہے.... میں نے اُس کے منہ پر پلیٹ مار وہ لڑنے پر تیار ہوا تو اٹھا کر پھینک دیا سالے کو۔''

''کہاں لڑے تھے۔''

''آرلکچو میں۔''

قاسم کی بیوی نے ایک طویل سانس لی اور بولی۔ ''اب ہوگی مقدمہ بازی چچا جان اور سر میں ویسے ہی ٹھنی رہتی ہے۔''

''مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ ٹھنی رہتی ہے ورنہ مار ہی ڈالتا سالے کو۔''

''اپنی خیر مناؤ۔ چچا جان کو لازمی طور پر اس کا علم ہو جائے گا۔''

''اے چچا جان کی بھتیجی کبھی تم دونوں سے پیچھا بھی چھوٹے گا میرا۔'' قاسم جھلا گیا۔

''مجھے تم زہر دے دو۔ لیکن بوڑھے باپ کو کیوں کوستے ہو۔''

''دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔'' قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ ''ایک بھی باپ نہیں ہے.... اور کوئی بھی نہیں ہے۔ یعنی کہ تمہیں کسی دن سچ مچ زہر دے دوں گا۔''

''کوشش کر کے دیکھو۔'' قاسم کی بیوی نے بُرا سا منہ بنایا۔

قاسم پیر پٹختا ہوا اپنی خواب گاہ کی طرف چلا گیا۔

✿

شام ہی سے آسمان بادلوں سے ڈھکا رہا تھا۔ دس بجے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ آ پانی ساتھ آئے تھے۔ شہر کے بہتیرے حصے بجلی کے تار ٹوٹ جانے کی بناء پر تاریک ہو گئے۔ ویران پڑ گئی تھیں۔

دفعتاً ایک کار کرنل فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور سیدھی پورچ کی طرف چلی گئی۔

اترنے والا محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔

نوکروں نے اُسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر فریدی کو اطلاع دی اور فریدی شب خوابی کے لباس ہی میں ملنے چلا آیا۔

''کیسے تکلیف فرمائی جناب۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ وہ ایک بااصول آدمی تھا۔ اس لئے اونچی پوزیشن کا مالک ہونے کے باوجود بھی اپنے آفیسروں کا احترام کرتا تھا۔ پھر ویسے بھی سپرنٹنڈنٹ ایک معمر آدمی تھا اور ابھی حال ہی میں کسی دوسری جگہ سے تبدیل ہو کر یہاں آیا تھا۔

''ایک نئی مصیبت کرنل....!'' سپرنٹنڈنٹ نے رک رک کر کہا۔

''فرمایئے....! تشریف رکھئے۔'' فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔

''میں نے فون کرنا چاہا لیکن لائن خراب تھی۔ میرے خدا.... اب تک اُسی رفتار سے بارش ہو رہی ہے جس رفتار سے شروع ہوئی تھی۔''

اتنے میں ایک نوکر اندر آیا۔

''کافی....!'' فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

''ارے نہیں بھئی.... اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

''آپ ٹھنڈی ہواؤں سے گذر کر یہاں تک آئے ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔ ''کافی ضرور پیجئے۔''

''خیر.... ہاں.... تو میں اسلئے آیا تھا کہ اس طوفان میں شائد تمہیں گھر سے باہر نکلنا پڑے۔ مگر میں کیا کروں۔ معاملہ اتنا ہی اہم ہے۔ کسی دوسرے کو اس معاملے میں ڈال کر وقت برباد کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ سب سے پہلے میں آئی جی صاحب کے بنگلے پر گیا تھا۔ اُنکا بھی یہی خیال ہے کہ تم ہی کچھ کر سکو گے۔''

''فرمایئے.... موسم کی فکر نہ کیجئے.... موسم بھی اُسی جہانِ آب و گل کی پیداوار ہیں جس نے آدمی کو جنم دیا ہے۔''

سپرنٹنڈنٹ چند لمحے اُس کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔

''تم نے بھی سعیدہ رحمان کے متعلق سنا ہوگا۔''

''کون سعیدہ رحمان۔''

''جو ایک ہفتہ پہلے جیمس اینڈ بارٹلے کی فرم میں ٹائپسٹ تھی۔ لیکن اب ایک ارب پتی لڑکی ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس معجزے کے متعلق ابھی تک کچھ نہیں سنا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''ہاں معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ مجھے خود بھی حیرت ہے۔ اس قسم کے واقعات اور کردار صرف کہانیوں ہی میں ملا کرتے تھے۔ اُس کا ایک مالدار چچا حال ہی میں فوت ہوا ہے اور اس کی ساری دولت اُس کے حصے میں آئی ہے.... لہٰذا یہاں کے سارے سرمایہ دار یک بیک اُس کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔''

سپرنٹنڈنٹ سانس لینے کے لئے رکا اور پھر بولا۔ ''آج شام کو وہ سرسلیمان کے لڑکے پرویز کے ساتھ آرلکچنو میں تھی۔ وہاں خان بہادر عاصم کے لڑکے سے پرویز کا جھگڑا ہوگیا۔''

''جھگڑا کیوں ہوگیا۔''

''پرویز کا بیان ہے کہ اُس نے بس یونہی بیٹھے بیٹھے شوربے کی پلیٹ اُس کے منہ پر کھینچ ماری تھی. ان میں کوئی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ اسی دوران میں ہال کا فیوز اڑ گیا اور پرویز نے سعیدہ رحمان کی چیخیں سنیں۔ روشنی ہونے پر نہ وہاں سعیدہ تھی اور نہ قاسم۔ پرویز نے ہر وہ جگہ دیکھ ڈالی جہاں سعیدہ کے ملنے کے امکانات ہوسکتے تھے۔ لیکن وہ نہ ملی۔ سرسلیمان نے براہ راست آئی جی سے گفت وشنید کی ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ لڑکی کو اغوا کیا گیا ہے۔''

''شبہہ قاسم کی طرف ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''ہاں یہی تو بات ہے۔ خان بہادر عاصم بھی آئی جی کے دوستوں میں سے ہیں۔ اسی لئے ہاں۔ عاصم اور سلیمان کے تعلقات پہلے ہی سے ناخوشگوار ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن اگر آپ یہ کام مجھے سونپنا چاہتے ہیں تو میں عرض کردوں۔'' فریدی جملہ پورا نہیں کرپایا تھا کہ کافی آگئی۔

''ہاں.... کہو.... کیا کہہ رہے تھے۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

''مطلب یہ کہ اگر یہ واقعی اغواء کا کیس ہے اور اس میں قاسم ہی کا ہاتھ ثابت ہوا تو آئی جی صاحب کی دوستی عاصم کے کام نہ آسکے گی۔''

''میں سمجھتا ہوں۔ آئی جی صاحب بھی سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ تفتیش تم ہی کرو۔ اُن کا خیال ہے کہ عاصم کا لڑکا اس قسم کی حرکتوں کی صلاحیت نہیں رکھتا۔''

فریدی نے کافی بنا کر پیالی اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں قاسم سے اچھی طرح واقف ہوں.... دوسروں کا آلہ کار بننے کی صلاحیت اُس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ خیر میں دیکھوں گا.... ہاں اب آپ مجھے اُس لڑکی کے متعلق بتایئے۔ اُس کا چچا کہاں تھا۔''

''جمیکا میں.... وہ وہیں پر آباد ہوگیا تھا۔ وہاں اُس کا کروڑوں روپیوں کا کاروبار تھا۔ اور لاکھوں کی جائیداد۔ اُس کی وارث یہی لڑکی سعیدہ رحمان قرار پائی ہے کیونکہ قریبی عزیزوں میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اُسے یہ اطلاع یہاں کے ایک وکیل کی وساطت سے ملی تھی اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ لڑکی کو اس کا علم نہیں تھا کہ اُس کا کوئی چچا اتنا مالدار بھی ہوسکتا ہے۔ ویسے اس کا بیان ہے کہ اُس کا ایک چچا تھا جو بچپن میں گھر سے نکل گیا تھا۔''

''اوہ.... یہ واقعی کوئی دلچسپ کہانی معلوم ہوتی ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''ہاں بھئی! بعض اوقات تو اس لڑکی کے مقدر پر رشک آنے لگتا ہے۔''

''اُس کے چچا کا کیا نام تھا۔''

''کرم رحمان۔'' سپرنٹنڈنٹ بولا۔ ''نچلے طبقے کے لوگ ہیں لیکن .... دولت.... لڑکی کے والدین بھی مرچکے ہیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہے۔ گریجویٹ۔''

''کیا اُسے کچھ روپیہ مل بھی گیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ ضرور ملا ہے۔ کیونکہ اب وہ پرنسٹن کے ایک شاندار بنگلے میں رہتی ہے۔''

''کس وکیل کی وساطت سے اُسے اپنے مالدار ہوجانے کی اطلاع ملی تھی۔''

''کیلاش ورما کی وساطت سے اور وہ اس کا قانونی مشیر بھی ہے۔''

''کیا یہ بھی معلوم ہوسکے گا کہ اُس لڑکی میں کتنے لوگ دلچسپی لے رہے تھے۔''

''ہاں.... میرا خیال ہے کہ پرویز ہی اُس کے متعلق بتاسکے گا۔''

''بہت بہتر۔ میں اسی وقت سے کام شروع کرتا ہوں۔ کیا خان بہادر عاصم کو اس واقعے کی اطلاع مل چکی ہے۔''

''مل چکی ہے۔ آئی جی صاحب نے انہیں میرے ہی سامنے فون کیا تھا۔''

''اصولاً غلط ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اگر حقیقتاً اس میں قاسم ہی کا ہاتھ ہے تو.... اسے روپوش کردیا جائے گا۔''

سپرنٹنڈنٹ نے اُس کے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ پھر فریدی کا پیش کیا ہوا سگار سلگانے لگا۔

اتنے میں پورچ سے ہارن کی آواز آئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد حمید کی آواز بھی سنائی دی۔ شائد وہ باہر سے آیا تھا اور نوکروں کو متوجہ کرنے کے لئے اُس نے ہارن بجایا تھا۔

پھر وہ راہداری سے گذر ہی رہا تھا کہ فریدی نے اُسے آواز دی۔ وہ مڑا لیکن سپرنٹنڈنٹ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا.... پھر وہ اُسے سلام کرتا ہوا ڈرائینگ روم میں چلا آیا۔

''بیٹھو....!'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور تیسرے کپ میں کافی انڈیلنے لگا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ سپرنٹنڈنٹ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا تو اب میں چلوں گا۔''

''آپ مطمئن رہئے۔ کام اسی وقت سے شروع کردیا جائے گا۔''

کام کا نام سنتے ہی حمید کا کام تمام ہوگیا۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ کو رخصت کرنے کے لئے پورچ تک آنا ہی پڑا۔

سپرنٹنڈنٹ کی کار چلی گئی۔

''سنا ہے بارش میں بھیگنے سے اکثر نمونیہ بھی ہوجاتا ہے۔''

''ٹھیک سنا ہے۔''

''تو پھر میں چلا بھیگنے۔''

''بکواس مت کرو۔ یہ کام بہت معمولی سا ہے۔ ویسے اگر لیٹنے ہی کو دل چاہتا ہے تو مجھ رجوع کرو۔ مجھے عرصہ سے کسی کے ہاتھ پیر توڑنے کا موقعہ نہیں ملا۔''

''کیا قصہ ہے۔''

''دلچسپ ہے۔ تمہیں پسند آئے گا۔ آؤ اندر چلیں۔''

پھر وہ ڈرائینگ روم میں واپس آئے اور فریدی کو سپرنٹنڈنٹ سے جو کچھ بھی معلوم ہوا تھا اُسے دہراتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا قاسم اُس لڑکی کے چکر میں تھا۔''

''پتہ نہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ قاسم میں اس قسم کے کاموں کی صلاحیت نہیں ہے۔''

''مگر وہ کسی کا آلۂ کار تو بن ہی سکتا ہے۔''

''ہاں یہ ممکن ہے۔ مگر وہ بھی اسی صورت میں جب کہ اُسے سازش کا علم نہ ہو۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نے مقصد بتائے بغیر اُسے پرویز کے خلاف اکسایا ہو۔ مگر یہ لڑکی۔ میں نے بھی دو تین ہوئے اُس کا تذکرہ سنا تھا۔''

''کوشش کرو۔ اس سے شادی کرکے تم شہر کے بہت بڑے آدمی ہوسکتے ہو۔ وہ اُرب پتی ہے۔''

تفتیش

حمید فریدی کی ہدائت کے مطابق قاسم کے گھر پہنچا۔ حالانکہ بارش اُسی زوروشور کیساتھ جاری تھی۔

پھاٹک ہی پر قاسم کے باپ سے ملاقات ہوگئی۔ حمید کی کار اندر جارہی تھی اور اُس کی کار باہر نکل رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے پر رک گئیں۔

''کون صاحب ہیں۔'' کار سے آواز آئی۔ حمید نے آواز پہچان لی۔ وہ قاسم کا باپ ہی تھا۔

''کیپٹن حمید! بسلسلہ تفتیش....!'' حمید نے جواب دیا۔

''اوہ.... یہ بہت اچھا ہوا.... وہ مجھے کچھ نہیں بتاتا۔ کیا یہ کیس آپ ہی لوگوں کے پاس ہے۔''

''جی ہاں۔''

''بہت اچھا ہے۔ اَب میں مطمئن ہوں۔ آپ ذرا اپنی گاڑی پیچھے ہٹائیے۔ میں واپس جارہا ہوں۔''

حمید نے کار بیک کی اور خان بہادر عاصم کی کار نکل گئی۔ پھر حمید اپنی کار پورچ کی طرف لیتا چلا گیا.... قاسم کی بیوی شائد عاصم صاحب کو رخصت کرنے کیلئے برآمدے تک آئی تھی اور کسی دوسری کار کی ہیڈ لائیٹس دیکھ کر وہیں رک گئی تھی اور پھر جب اُس نے حمید کو دیکھا تو بے ساختہ ہنس پڑی۔

''کیوں! آپ ہنسیں کیوں....!'' حمید نے سوال کیا۔

''آپ بھی تشریف لے آئیے.... آئیے آئیے۔ میں آپ کو ایک عبرت ناک منظر دکھاؤں۔''

''میں تفتیش کے سلسلے میں آیا ہوں۔ مگر قاسم کو کیا ملے گا سعیدہ رحمان کے اغواء سے۔''

''یہ انہیں سے پوچھئے گا۔''

''وہ ہے کہاں!''

''وہیں لے جارہی ہوں۔ کیا آپ اس وقت اُن کے ساتھ نہیں تھے۔''

''کیا میں اُس کی دُم سے بندھا پھرتا ہوں۔''

قاسم کی بیوی ہنس پڑی لیکن حمید نے محسوس کیا کہ وہ اُس کی بات پر نہیں ہنسی.... انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے کسی مضحکہ خیز بات کے یاد آنے پر ہنس پڑی ہو۔

وہ اُسے قاسم کی خواب گاہ میں لائی۔ واقعی وہ ایک عبرت ناک منظر تھا۔ اتنا عبرت ناک کہ وہ تو

خیر پہلے ہی ہنس رہی تھی۔ حمید بھی ہنس پڑا۔

قاسم اپنی مسہری پر آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اپنی مرضی سے کروٹ لینے کے قابل بھی نہ رہا ہو۔ کیوں کہ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے۔

ان دونوں کو ہنستے دیکھ کر وہ پاگلوں کی طرح چیخا۔

''میں غولی ماردوں گا۔''

''تم ہل بھی نہیں سکتے اپنی جگہ سے۔ جھوٹ نہ بولو۔'' حمید نے کہا۔

''تم قیوں.... کیوں آئے ہو! یہاں!''

''تمہارے ہتھکڑیاں لگانے کے لئے۔ سعیدہ رحمان بالکل لاوارث لڑکی ہے۔ اُس کا آخری بھی مرگیا۔''

قاسم کی بیوی نے قہقہہ لگایا اور قاسم آتی ہوئی چھینک روک کر دھاڑا۔ ''ارے چپ.... خدا کر تمہارا منہ سڑ جائے۔''

قاسم کی بیوی شائد اُسے جلانے کے لئے اس وقت بے تحاشہ قہقہے لگا رہی تھی۔ ویسے حمید اُسے بہت کم ہنستے دیکھا تھا۔

''تم خواہ مخواہ غصہ کر کے اپنی صحت نہ برباد کرو۔ پیارے قاسم....!'' حمید اُس کے سر پر ہاتھ ہوا بولا۔

''ہٹ جاؤ۔'' قاسم نے کسی کٹکھنے کتے کی طرح دانت نکال کر گردن کو جھٹکا دیا۔

''حمید بھائی.... میں آپ کے لئے کافی بنواؤں۔'' قاسم کی بیوی نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں کوئی ضرورت نہیں۔'' قاسم غرایا۔

''حمید بھائی.... کافی کے ساتھ آپ انڈوں کا حلوہ پسند کریں گے یا لوزبادام....!''

قاسم غیر شعوری طور پر منہ چلانے لگا اور حمید مسکرا کر بولا۔ ''دونوں۔''

قاسم کی بیوی کمرے سے چلی گئی۔

حمید چند لمحے قاسم کو دیکھتا رہا پھر مغموم لہجے میں بولا۔ ''قاسم میں مغموم ہوں۔''

''خدا ایسا باپ گدھے کو بھی نصیب نہ کرے۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''کیا وہ تمہیں باندھ گئے ہیں۔''

''ارے یہ عورت۔'' قاسم دانت پیس کر بولا۔ ''اس کی تو میں ہڈیاں چبا جاؤں گا۔ اسی نے مشورہ دیا ہوگا۔ حمید بھائی تم مجھے غائب کردو۔ ایک دم غائب کردو۔ دو چار سال کے لئے۔''

''مگر یہ سعیدہ رحمان کا کیا قصہ ہے۔''

''ارے یار کچھ نہیں بس غصہ آ گیا تھا۔''

''کیا ہوا تھا۔''

''میں اُس سالی کو پہچانتا بھی نہیں تھا.... وہ پرویز کے ساتھ آئی تھی اور وہ پرویز الو کا پٹھا مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا۔ پتہ نہیں چپکے چپکے اُس سے کیا کہہ رہا تھا۔ وہ بھی ہنس رہی تھی۔ خود بھی ہنس رہا تھا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے اُس کے منہ پر پلیٹ کھینچ ماری۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ خود بخود ہال میں اندھیرا ہوگیا اور میں اندھیرے ہی میں گھر واپس آ گیا.... اب یہ قصہ.... میں کیا جانوں وہ سالی کون ہے۔''

''تمہیں کس نے اکسایا تھا۔''

''کسی نے نہیں۔ اکساتا کون۔ کیا میں بیوقوف ہوں۔''

''نہیں پیارے تم تو بقراط ہو۔''

''تم خود ہوگے بقراط۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''میں اس وقت مذاخ کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''کیا میں تمہیں آزاد کردوں۔''

قاسم تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''نہیں۔''

''کیوں....!''

''ارے وہ بڈھا میرے جسم پر سے کھال اُتار دے گا۔ وہ اس اُلو کی پٹھی سے کہہ گیا ہے کہ جب میں فون کروں تب ہی ہاتھ پیر کھولے جائیں۔''

''تم مجھے باپ بنالو قاسم.... اُس پر لعنت بھیجو۔''

''اچھا....!'' قاسم رو میں کہہ گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ''کیا کہا۔''

''کچھ نہیں.... ہاں تو تم نے سعیدہ رحمان کے متعلق پہلے کچھ نہ کچھ ضرور سنا ہوگا۔''

''ہاں.... سنا تھا۔ مگر سن کر کرتا بھی کیا.... میری شادی تو ہوچکی ہے۔''

''آہا.... تو یہ خیال تھا دل میں.... کیوں قاسم؟ کیا تم اب فراڈ کرنا سیکھ رہے ہو۔''

''کیوں.....!''

''اس اغواء میں تمہارا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

''دیکھو! یہ کیس فریدی صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ذرہ برابر بھی مروت نہ کریں گے۔ ویسے اگر تم لڑکی کا پتہ بتادو تو شائد معاملہ دبا دیا جائے۔''

قاسم خاموشی سے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ''میں کس طرح یقین دلاؤں کہ مجھے اغواء کے متعلق کچھ نہیں معلوم۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ قاسم کی بیوی کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

''مرتی بھی نہیں کسی صورت سے۔'' قاسم بڑبڑانے لگا۔

''مرنے ہی جا رہی ہوں۔ اس وقت اتنا ہی کھاؤں گی جتنا تم کھاتے ہو۔''

قاسم نے آنکھیں بند کر لیں۔ حمید نے اُس کے سرہانے رکھی ہوئی گول میز کھسکائی اور قاسم کی بیوی نے ٹرے اُس پر رکھ دی۔ پلیٹوں میں کئی طرح کی چیزیں تھیں۔ حمید کو بھوک نہیں تھی مگر معاملہ چونکہ قاسم کو غصہ دلانے والا تھا اس لئے وہ صحیح معنوں میں ٹرے پر ٹوٹ پڑا۔

''آپ بھی آیئے نا مگر پیالیاں تو دو ہی لائی ہیں آپ.....!''

''تیسری کس کے لئے لاتی۔'' قاسم کی بیوی نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''اپنے باوا کے کفن کے لئے۔'' قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

اور قاسم کی بیوی کچھ اس انداز میں ہنسنے لگی جیسے قاسم کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔

ان دونوں میں کسی طرح کی بھی مطابقت نہیں تھی۔ نہ ذہنی نہ جسمانی۔ قاسم پہاڑ تھا اور وہ گلہری۔ قاسم کی اپر چیمبر بالکل ہی خالی تھی لیکن وہ خاصی ذہین عورت تھی۔ بلکہ اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو اُسے عورت کی بجائے لڑکی ہی کہنا چاہئے۔ عمر اٹھارہ سال سے کسی طرح زیادہ نہیں تھی.... اور یہ خود قاسم ہی کا بیان تھا کہ وہ آج تک اُس کی بیوی نہیں بن سکی۔

وہ اُس کے چچا کی لڑکی تھی۔ یہ بے جوڑ شادی اس لئے ہوئی تھی کہ گھر کی دولت گھر ہی رہ جائے ورنہ شائد کوئی بھک منگا بھی ایسی بے جوڑ شادی کو پسند نہ کرتا.... بہر حال شائد یہ مایوسانہ جنسی زندگی

ردِ عمل تھا کہ وہ اُسے اس طرح زچ کیا کرتی تھی اور اُسے تکلیف میں دیکھ کر اُسے ذرہ برابر بھی رحم نہیں آتا تھا۔

وہ دونوں ہنس ہنس کر کافی پیتے رہے اور پلیٹوں پر ہاتھ صاف کرتے رہے۔

''اَبے حمید کے بچے۔'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ ''میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔''

''کیوں بھئی! کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''میں یہاں ایک تفتیش کے سلسلے میں آیا ہوں۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''خدا غارت کرے تمہیں۔'' قاسم نے کہا پھر اپنی بیوی پر غرایا۔ ''میں قروٹ.... کروٹ بدلنا چاہتا ہوں۔''

''بدل لو.... میں نے کب منع کیا ہے۔'' اُس نے لاپروائی سے کہا۔

''میں کیا کروں.... یا اللہ.....!'' قاسم نے جھلاہٹ میں سر اٹھا کر مسہری پر دے مارا۔

''اے.... رسیاں ڈھیلی نہ ہونے پائیں ورنہ چچا جان کو فون کر دوں گی۔''

قاسم دانت پیس کر رہ گیا۔ اُس کا بس چلتا تو وہ اُس کی گردن مروڑ کر کھڑکی کے باہر پھینک دیتا۔

حمید نے کافی ختم کر کے پائپ سلگایا اور قاسم کی طرف دیکھ کر اُس کی بیوی سے بولا۔ ''مجھ سے ان کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔''

''مجھ سے بھی نہیں دیکھی جاتی۔ اس لئے میں آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر نوکروں سمیت یہاں سے چلی جاؤں گی۔''

''ٹانگیں توڑ دوں گا اگر گھر کے باہر قدم نکالا۔'' قاسم نے گرج کر کہا۔

''ذرا زبان سنبھال کر۔ ورنہ میں چچا جان کی دوسری تجویز پر بھی عمل شروع کرا دوں گی۔''

''کیسی تجویز۔''

''یہی کہ ہر پندرہ منٹ بعد تم پر ایک بالٹی ٹھنڈا پانی ڈالا جائے۔''

''ارے خدا غارت کرے جھوٹوں کو۔ یہ کب کہا تھا۔''

''کہا تھا۔'' قاسم کی بیوی سر ہلا کر بولی۔ ''الگ لے جا کر کہا تھا۔''

''جھوٹ.... جھوٹ.... اللہ قسم۔ بالکل جھوٹ۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''فون اٹھا دوں.... پوچھ لو۔''

"میں نہیں پوچھتا....حمید بھائی بس اب مجھے کھول دو۔ حد ہوچکی ....ایسا باپ....ارے باپ رے باپ۔ اللہ قسم تہلکہ مچادوں گا۔ میں قسی سے نہیں ڈرتا۔ ابھی سیدھا کسی رنڈی کے کوٹھے پر جاؤں گا۔ اتنی پیوں گا کہ پھٹ جائے۔ کھول دو حمید بھائی۔ میں استبدا کرتا ہوں۔"

"استبدا کیا۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"اے خوشامد۔" قاسم جھنجھلا کر چیخا۔

"خوشامد اسی طرح کی جاتی ہے۔"

قاسم خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا اور ہونٹ ہلاتا رہا پھر بولا۔ "کھول دو حمید بھائی! میرے بڑے بھائی ہو۔ اب میں تمہیں کبھی بُرا بھلا نہیں کہوں گا....اور....اور....وہ سعیدہ رحمان کا بھی بتادوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ ایک کوٹھری نہیں کوٹھی....اررر یعنی کہ ایک جگہ بند کردی گئی ہے۔"

"میں سچ کہتی ہوں حمید بھائی۔ یہ محض بکواس ہے۔ آپ ہرگز نہ کھولئے گا۔ ورنہ چچا جان....!"

"خاموش....!" قاسم اتنے زور سے دہاڑا کہ آواز پھٹ گئی اور اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ انہیں کھانسیوں کے درمیان وہ اپنی بیوی کے والدین کی خبر بھی لیتا جا رہا تھا۔

حمید آگے بڑھ کر اُسے کھولنے لگا اور قاسم کی بیوی میز سے ٹرے اٹھا کر کھسکنے لگی۔

"بھاگی کہاں جاتی ہو۔ ٹھہرو نا....رک جاؤ۔" قاسم جلے کٹے لہجے میں بولا۔

لیکن اب وہ کہاں رکنے والی تھی۔

❁

فریدی کی کار اُس عمارت کے سامنے رکی۔ جہاں سر سلیمان کے لڑکے پرویز کے ملنے کی توقع کی جاسکتی تھی۔ اس عمارت میں پرویز تنہا رہتا تھا بقیہ خاندان والوں سے الگ تھلگ۔ وہ ایک عیاش طبع آدمی تھا اور اس سلسلے میں کافی بدنام بھی۔

کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ لیکن فریدی نے کار باہر ہی چھوڑ دی۔ دو تین جگہ اندھیرے میں اُس کے پیر کیچڑ میں پڑے۔ بارش اب تھم گئی تھی۔ بادل پھٹ گئے تھے اور ان کی دراڑوں سے جگہ جگہ تاروں کے جھنڈ جھانک رہے تھے۔

کمپاؤنڈ تاریک پڑی تھی لیکن عمارت کی بعض کھڑکیاں روشن تھیں۔ وہ برآمدے میں پہنچ کر رک گیا۔ یہاں بھی تاریکی تھی۔ اُس نے ٹارچ روشن کی اور اُس کا دائرہ مختلف اطراف میں رینگتا رہا۔ پھر اس نے کال بل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

دو منٹ بعد دروازہ کھلا۔ راہداری میں خود پرویز کھڑا تھا۔ فریدی نے اُسے پہچان لیا اور شائد وہ بھی فریدی کو پہچانتا تھا۔

"اُوہو! کرنل صاحب۔ تشریف لائیے....تشریف لائیے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کیس آپ ہی کے سپرد کیا جائے گا۔ میری خوش قسمتی۔"

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ اُسے نشست کے کمرے میں لایا۔

"تشریف رکھئے جناب۔ اب اس وقت میں آپ کی کیا خاطر کروں۔ شرابوں میں بھی صرف اسکاچ ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں۔"

"شکریہ....میں شراب نہیں پیتا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تب میں معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "آپ دونوں کی دوستی کتنی پرانی تھی۔"

"اوہ....!" پرویز بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ "آج چوتھا دن تھا۔"

"کیا اُس سے پہلی ملاقات اتفاقیہ تھی۔"

"نہیں....میں خود ہی ملا تھا۔"

"آج کیا آپ اُسے اُس کے گھر سے لائے تھے۔"

"نہیں....شہر میں ملاقات ہوگئی تھی۔"

"آپ اُسے آرلکچنو لے گئے تھے یا خود اُسی نے وہاں چلنے کی فرمائش کی تھی۔"

"جی نہیں....میں اُسے لے گیا تھا۔ مگر ان سوالات سے کیا حاصل۔"

"پھر آپ ہی فرمایئے کہ کس قسم کے سوالات کروں۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

پرویز گڑبڑا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "معاف کیجئے گا۔ میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی۔ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔"

"قاسم سے پہلے بھی کبھی آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔"

"جھگڑے کی بنیاد بھی تعلقات ہی پر ہوتی ہے۔ میں نے کبھی اُسے منہ ہی نہیں لگایا جھگڑا کیا ہوتا۔"

"اور آج اُس نے خواہ مخواہ آپ پر پلیٹ کھینچ ماری۔"

"جی ہاں....خواہ مخواہ....ہم میں کبھی بول چال بھی نہیں رہی۔ کبھی رسمی طور پر بھی ہم نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی نہیں کی۔"

"سعیدہ کے یہاں کبھی قاسم بھی نظر آیا تھا آپ کو۔"

"کبھی نہیں۔"

"کیا آج سعیدہ نے اُس سے کوئی گفتگو کی تھی۔"

"جی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ سعیدہ اُسے جانتی بھی نہیں۔"

"سعیدہ کے ملنے والوں میں کن لوگوں کو آپ جانتے ہیں۔"

"میں کسی کو نہیں جانتا۔"

"کیا اُس نے کبھی اپنے دوستوں کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا۔"

"جی نہیں۔"

"تو آپ کا خیال ہے کہ اس اغواء میں قاسم کا ہاتھ ہے۔"

"میرا کچھ بھی خیال نہیں ہے۔ جس طرح یہ واقعہ پیش آیا تھا آپ کے علم میں آچکا ہے۔ نتائج آپ ہی اخذ کر سکتے ہیں۔ نہ میں کسی پر شبہ ظاہر کر سکتا ہوں۔"

"آپ کی شادی ہو چکی ہے۔"

"نہیں....!" پرویز نے کچھ اس انداز میں جواب دیا جیسے یہ سوال ناگوار گذرا ہو۔

"آپ ہی کی طرح شہر کے بہتیرے کنوارے اُس سے شادی کے خواہش مند ہوں گے۔"

پرویز کچھ نہ بولا۔ فریدی بہت غور سے اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ "قاسم کنوارہ نہیں ہے۔"

"مگر وہ کسی دوسرے کا آلہ کار تو بن سکتا ہے۔" پرویز بولا۔

"ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ کسی کے خلاف شبہ نہ ظاہر کریں گے۔" فریدی مسکرایا۔

"دیکھئے اَب میں صاف صاف عرض کر دوں۔ والد صاحب اور خان بہادر عاصم کے تعلقا اچھے نہیں۔ عاصم انہیں ہر میدان میں شکست دینے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔"

"تب پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس میدان میں آپ کے والد صاحب نے اُسے شکست دی کوشش کی ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں کچھ سمجھانے کے لئے نہیں آیا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "بلکہ سمجھنے....کیا آپ مجھے جھنے کا موقع دیں گے۔"

"میں پھر نہیں سمجھا۔"

فریدی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ "میں تین بجے تک پھر آؤں گا یا پھر فون کروں گا۔ کیا آپ جاگتے ہیں گے۔"

"ایسے واقعہ سے دوچار ہونے کے بعد کون سو سکتا ہے کرنل صاحب۔ مگر آپ مجھے ایک نئی الجھن بتلا کئے جا رہے ہیں۔"

فریدی یہ پوچھے بغیر اٹھ گیا کہ وہ نئی الجھن کس قسم کی ہو سکتی ہے۔

وزیٹنگ کارڈس

حمید نے لحاف سے سر نکال کر فون کو گالی دی جس کی گھنٹی کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ لیاں سننے کے باوجود بھی بجتی ہی رہی۔ حمید دہاڑتا ہوا بستر سے اٹھا اور فون پر ٹوٹ پڑا۔

دوسری طرف سے بولنے والا فریدی ہی تھا.... اور ستم یہ کہ وہ اپنی خواب گاہ سے بول رہا تھا۔ یعنی تنے فاصلے سے جتنا کسی دیوار کے درمیان میں حائل ہو جانے سے پیدا ہو سکتا ہے۔ دونوں کی خواب اہوں میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" حمید ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ "میں یہ فون اپنی چھاتی پر باندھ کر یا کروں۔"

"شکریہ! تم نے یہ نئی بات سجھائی۔ یقیناً تمہیں یہی کرنا چاہئے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "گر تم مجھے رپورٹ دیئے بغیر سو کیوں گئے تھے۔"

"مر تو نہیں گیا تھا۔"

"اُس صورت میں قبر سے اُکھاڑ کر رپورٹ نہ طلب کی جاتی۔"

"رپورٹ بھی اس وقت سو رہی ہوگی۔"

"بکواس بند....رپورٹ۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

''ہلو.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''قاسم، سعیدہ کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔''

''اُسے کس نے اکسایا تھا۔''

''کسی نے بھی نہیں۔ میری ہی طرح اُسے بھی غصہ آ گیا تھا۔ اُس نے پلیٹ پرویز کے منہ پر ماری تھی.....اور میں.....اور میں یہ ریسیور اپنے سر پر مارنے جا رہا ہوں۔''

''کس بات پر غصہ آ گیا تھا۔''

حمید نے گردن ہلا کر ایک طویل سانس لی اور بولا ''وہ دونوں اُسے دیکھ کر ہنسے تھے۔''

''ہوں.....قاسم اس وقت کیا کر رہا تھا جب تم پہنچے تھے۔''

''مزے کر رہا تھا..... بڑا خوش قسمت آدمی ہے۔''

''پھر بکواس شروع کر دی۔''

''ارے جناب.....وہ جس حال میں بھی تھا کم از کم سو تو سکتا تھا۔ اُس کے باپ نے اُسے سے باندھ دیا تھا۔''

''کیوں!''

''کیا اب اسی وقت یہ بھی معلوم کرنا پڑے گا۔''

''جواب دو۔'' فریدی جھلا گیا۔

''نہ میں نے وجہ پوچھی اور نہ اُس نے بتایا۔ البتہ میں اُسے کھول ضرور آیا تھا۔ ہرگز نہ کھولتا مگر گدھے نے مجھے اس وقت اُلو ہی بنا دیا۔ کہنے لگا میں جانتا ہوں جہاں سعیدہ لے جائی گئی ہے مگر نے شرط یہ رکھی تھی کہ کھول دینے ہی پر بتائے گا۔ بہر حال میں نے کھول دیا..... ظاہر ہے کہ وہ محض تھی۔ وہ اُس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ میں کہتا ہوں آخر یہ مصیبتیں ہم پر ہی کیوں نازل ہیں۔ اگر صرف ہم ہی رہ گئے ہیں تو بقیہ عملہ برخواست کیوں نہیں کر دیا جاتا۔''

''اگر بقیہ عملہ ابھی سے برخواست کر دیا گیا تو پھر تمہاری بارات میں کون شرکت کرے گا اُس مال دار لڑکی سے تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں اور سنو میں اس وقت بستر میں نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کہ آپ کارنس پر بیٹھے ہوں گے۔ مگر کیا کروں آپ کا غصہ فضول ہے۔''

''کپڑے تبدیل کرو۔''

''نہیں آپ مجھے انہیں کپڑوں میں دفن کر دیجئے۔ مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔''

''جلدی کرو۔ میں نے ابھی پرویز کو فون کیا تھا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔''

حمید نے گھڑی کی طرف دیکھا سوا تین بجے تھے۔ اُس نے کہا۔ ''کیا پرویز بھی آپکا اسسٹنٹ ہے۔''

''حمید وقت نہ برباد کرو۔''

حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخ کر ڈریسنگ الماری کھولی اور کپڑے نکالنے لگا۔ وہ اس وقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ رہا تھا کہ وہ خود ہی اُلو کا پٹھا ہے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر وہ گھر سے روانہ ہو گئے۔ بارش ڈیڑھ بجے ختم ہو چکی تھی اور اب آسمان کھل گیا تھا۔ لیکن سڑکوں پر اب بھی پانی نظر آ رہا تھا۔

فریدی نے اس وقت جیپ کار نکالی تھی۔

''پرویز سے تو آپ مل آئے تھے۔ پھر اب.....!'' حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی درمیان ہی میں بول پڑا۔ ''میں نے اُس سے کہا تھا کہ وہ تین بجے تک میرا یا میری کال کا انتظار کرے۔''

''کیوں.....!''

''بس یونہی..... میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس طرح میرا یا میری کال کا انتظار کرتا ہے یعنی کس حال میں۔''

''اوہو..... تو کیا آپ کو توقع تھی کہ وہ سر کے بل کھڑا ہو کر آپ کا انتظار کرے گا۔''

''نہیں..... میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ میں جو کچھ بھی دیکھنا چاہتا تھا شائد اب نہ دیکھ سکوں چونکہ مجھے فون کئے بغیر ہی وہاں پہنچنا چاہئے تھا۔''

''میں سمجھا۔ آپ شائد سوچ رہے ہیں کہ یہ خود اُسی کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔''

''امکانات ہیں۔ وہ لڑکی تو سونے کی چڑیا ہے۔ ہر ایک اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔''

''مگر یہ صورت پرویز کے لئے فائدہ مند کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ زبردستی اس سے شادی تو نہ کر سکے گا۔''

''کیوں کیا ہوا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے فی الحال اُس نے اُسے غائب کر دیا ہو اور کچھ دنوں بعد وہ میاں بیوی کی حیثیت سے منظر عام پر آ جائیں۔''

"زبردستی اغواء کرنا اور بات ہے اور زبردستی شادی کرنا اور.... کیا یہ ضروری ہے کہ سعیدہ ا آمادہ ہی ہوجائے۔"

"میں اس مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ یہ ابھی محض خیال ہی ہے۔ وہ بھی اس بناء پر کہ اس کے طلب گار تھے۔ ممکن ہے پرویز کو اُن میں سے کسی کے کامیاب ہوجانے کا خدشہ رہا ہو۔ پرویز یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ اس طرح اُسے اپنا سکے گا اور پھر یہ تو بتاؤ اگر ایک عورت کی زندگی زبردستی برباد کر جائے اور پھر وہی آدمی اُس سے شادی کی درخواست کرے۔ ایسی صورت میں کیا وہ عورت ا کردے گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ مان جائے گی۔"

"دیکھئے.... اس معاملے میں آپکے خیال کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی کیونکہ آپ عورتوں متعلق کچھ نہیں جانتے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "فرض کیجئے سعیدہ رحمان شریف عورت ہے۔ یعنی جنس بے راہ روی اُسکے نزدیک کوئی بُری بات نہیں ہے۔ پھر آپکی فطرت شناسی کیا کہے گی

"دم بخود رہ جائے گی۔" فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ "لیکن اُس صورت میں بھ وہ اُس سے شادی ضرور کرلے گی۔ کیا بعض شادی شدہ عورتیں بھی جنسی بے راہ روی کا شکار ہوتیں۔ اغواء ایک دھبہ ہے حمید صاحب جو زندگی بھر اپنا اعلان کرتا رہتا ہے۔ اس لئے کوئی بُری ع بھی ایسے مواقع پر شادی ہی کو ترجیح دے گی۔ وہ عورتیں جن کی برائیاں چھپی ہوئی ہوں خاص طو بھی چاہیں گی کہ کسی ایک سے ان کے تعلقات کا اعلان ہوجائے.... رہی سعیدہ تو میرا خیال ہے ک میں اگر برائیاں تھیں تو منظر عام پر نہیں آئی تھیں۔ ورنہ اُس کے طلب گاروں میں تھوڑی بہت ہچک ضرور پائی جاتی۔"

"ہوگا.... مجھے کیا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر اُس نے پوچھا۔ "کیا اس بے سروپا کیس میں آپ کا دل لگ رہا

"میں نے اسے اپنی خوشی سے نہیں لیا۔ یہ تو زبردستی آیا ہے۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی آپ میری اور اپنی نیندیں برباد کررہے ہیں۔"

"وقتی ضرورت۔ یہ کسی بینک کی ڈکیتی کا قصہ تو ہے نہیں۔ ایک ذی روح لڑکی کے اغواء کا قصہ

"ٹھہریئے۔" حمید بول پڑا۔ "دیکھئے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ حرکت لڑکی کے کسی غریب عاشق کی

"یہ بھی ممکن ہے۔ اس زاویئے سے بھی اس پر غور کرچکا ہوں۔ وہ پہلے ایک معمولی سی لڑکی تھی

ہے کسی معمولی سے آدمی سے اُس کے تعلقات رہے ہوں۔"

"محبت کا نام نہیں آئے گا زبان پر...." حمید نے جلے بھنے لہجے میں کہا اور فریدی ہنس پڑا۔

"چلو محبت ہی سہی۔" اُس نے کہا۔ "ہوسکتا ہے اچانک دولت مند ہوجانے کے بعد وہ کسی اونچے قسم کے شوہر کے خواب دیکھنے لگی ہو اور اُس معمولی آدمی کو یہ بات گراں گزری ہو۔"

"بس پھر واپس چلیئے۔ چل کر سوجائیں۔ صبح اُس معمولی سے آدمی کو تلاش کریں گے۔"

وہ پرویز کی قیام گاہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ فریدی نے کار تھوڑے فاصلے ہی پر روک دی۔

وہ دونوں کار سے اتر گئے۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا اور پائیں باغ سنسان پڑا تھا۔ ایک آدھ کھڑکی میں روشنی بھی نظر آرہی تھی۔

برآمدے میں تاریکی نظر آئی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کرکے کال بل کا بٹن دبایا۔ دباتا ہی رہا لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔

"اوہ.... اُس نے کہا تھا کہ میں آپ کے انتظار میں رات بھر جاگتا رہوں گا۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں پھر عرض کروں گا کہ وہ آپ کا اسسٹنٹ نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "کیا یہاں ملازمین بھی نہیں رہتے۔"

"پتہ نہیں۔ پہلی بار جب میں آیا تھا تب بھی کوئی نہیں نظر آیا تھا۔"

"پھر اَب کیا ارادہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر ہم یونہی چلے چلیں تو اُسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور یہی مناسب بھی ہے۔"

"چلئے صاحب!" حمید نے ایک طویل سانس لی۔

"اوہ.... یہ دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "پھاٹک بھی بند نہیں تھا۔"

وہ عمارت میں داخل ہوئے۔ چاروں طرف سکوت طاری تھا۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ سارے کمرے خالی پڑے ہوئے تھے۔ عمارت میں انہیں ایک بھی متنفس نظر نہ آیا۔

پھر وہ باہر نکل آئے۔ ساری کمپاؤنڈ چھان ماری اور اُسی دوران میں انہیں معلوم ہوا کہ نوکروں کے کوارٹر عمارت کی پشت پر موجود تھے۔

نوکروں کو جگایا گیا۔ لیکن انہوں نے بھی پرویز کی موجودگی یا عدم موجودگی سے لاعلمی ظاہر کی۔

انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اُس کی خدمت کے سلسلے میں کسی خاص وقت کے پابند نہیں ہیں۔ اکثر کئی کئی دن پرویز وہاں نہیں آتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُس کی آمد اور روانگی کا انہیں علم تک نہیں ہوتا۔

''اب کیا خیال ہے۔'' فریدی نے واپسی پر حمید سے سوال کیا۔

''کچھ بھی نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم کسی معقول آدمی کو تلاش کریں، لیکن کیا آپ سعیدہ کی قیام گاہ پر بھی گئے تھے۔''

''اب وہیں جانے کا ارادہ ہے۔''

''مر گئے۔'' حمید کراہا۔

سعیدہ پرنسٹن کے علاقے کے ایک شاندار مکان میں رہتی تھی۔ یہ مکان بھی اُس وکیل ہی کی وساطت سے اُسے ملا تھا جس نے اُس کے چچا کے کاغذات اُس کے سپرد کئے تھے۔ ورنہ وہ پہلے متوسط طبقہ کے لوگوں میں رہتی تھی۔ فریدی کی جیپ ایک عمارت کے سامنے رک گئی اور اُس نے اُتر کر کال بل کا بٹن دبایا۔ دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ غالباً وہ ملازم ہی تھا۔

''اوہو.... تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔'' فریدی نے اُس سے کہا۔

''ج.... جی ہاں.... مگر میں نے.... پہچانا نہیں حضور کو۔'' نوکر نے رک رک کر متحیرانہ انداز میں کہا۔

''اوہ.... ہم یہاں پہلی بار آئے ہیں۔ سعیدہ صاحبہ کو ہمارا کارڈ دو۔''

''وہ تو موجود نہیں ہیں جناب۔''

''کیا اس وقت.... ارے کیا وہ رات بھر یہاں تھیں ہی نہیں۔''

''نہیں جناب۔''

''ہم پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذرا ہم مکان کو اندر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''یہ کیا معاملہ ہے حضور! ابھی ایک گھنٹہ پہلے ایک صاحب آئے تھے۔ تھانیدار تھے شائد وہ بھی دیکھ کر گئے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ بی بی جی کہیں غائب ہوگئی ہیں۔''

''اوہ.... کیا وہ تھانے دار صاحب وردی میں تھے۔''

''جی ہاں.... جناب۔''

''یہیں کے تھانے سے آئے تھے۔''

''نہیں جناب! کوتوالی سے آئے تھے۔ انہوں نے یہی کہا تھا۔''

''یہاں فون ہے۔''

''ہے.... جناب۔''

''میں کوتوالی فون کروں گا۔''

''آیئے.... اِدھر تشریف لے چلئے۔'' وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

فریدی نے کوتوالی فون کیا لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ کوئی سب انسپکٹر سعیدہ رحمان کے گھر پر نہیں بھیجا گیا تھا۔ فریدی ریسیور رکھ کر ملازم کی طرف مڑا۔

''انسپکٹر نے کیا دیکھا تھا۔''

''بی بی جی کے سونے کا کمرہ۔''

''تم ساتھ تھے۔''

''جی ہاں جناب۔''

''اُس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ تنہائی چاہتا ہے۔''

''نہیں جناب۔''

''اُس نے کچھ سوالات بھی کئے ہوں گے تم سے۔''

''جی ہاں ملنے جلنے والوں کے بارے میں پوچھا تھا.... اور جی ہاں.... وہ ملاقاتیوں کے کارڈ بھی لے گئے۔''

''کیا مطلب....!''

''وہ کارڈ جو ملنے والے اندر بھجواتے تھے۔ ہر نئے ملاقاتی کا کارڈ بی بی جی بہت احتیاط سے رکھتی تھیں۔''

''اوہ....!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''کیا اُس نے کارڈ مانگے تھے۔''

''جی نہیں انہوں نے ملنے جلنے والوں کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ لیکن چونکہ میں کسی کے بھی نام نہیں جانتا اسلئے نہ بتا سکا۔ پھر مجھے یاد آ گیا کہ بی بی جی تو اُنکے کارڈ بہت احتیاط سے رکھتی تھیں۔''

''تو تم نے خود ہی کارڈوں کا تذکرہ کیا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''کارڈوں کی تعداد کیا تھی۔''

''میں نے گنے نہیں تھے مگر میرا خیال ہے کہ بیس پچیس ضرور رہے ہوں گے۔''

''کیا تم اُن میں سے کسی کا نام بتا سکتے ہو۔''

''نہیں حضور! ایک کا بھی نہیں۔''

''اچھا.... کیا آج شام کو وہ کسی کے ساتھ باہر گئی تھیں۔''

''جی نہیں.... تنہا۔''

''کیا یہاں کبھی کوئی ایسا آدمی بھی آیا ہے جو بہت زیادہ لمبا اور بہت زیادہ موٹا رہا ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں جناب....! ایسا تو کوئی آدمی کبھی نہیں آیا۔''

فریدی نے حمید کو اس طرح گھور کر دیکھا جیسے اُس کی دخل اندازی پسند نہ آئی ہو۔ حمید نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔

''سعیدہ کے سارے ملنے والے بڑے آدمی ہوں گے۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں صاحب! اکثر بی بی جی کے دفتر کے لوگ بھی آتے ہیں۔ پہلے بی بی جی دفتر میں کام کرتی تھیں نا۔''

''تم اُن میں سے کسی کا نام بتا سکو گے۔''

''نہیں حضور! نام تو کسی کا بھی نہیں جانتا۔''

''اُن میں کوئی ایسا بھی ہے جو بہت زیادہ آتا ہو۔''

''جی ہاں! ایک صاحب ہیں لیکن نام اُن کا بھی نہیں جانتا۔ وہ بہت اچھا گاتے ہیں۔ بی بی اکثر اُن کا گانا سنا کرتی تھیں۔''

''اُسی دفتر کا کوئی آدمی ہے۔''

''جی ہاں! بی بی جی نے یہی بتایا تھا۔ وہ اپنے دفتر کے لوگوں کا بہت خیال رکھتی ہیں۔''

''تم سعیدہ کے ساتھ کب سے ہو۔''

''جب سے وہ اس مکان میں آئی ہیں۔''

''تمہارے علاوہ اور کتنے ملازم ہیں۔''

''تین مرد اور ایک عورت.... ہم کل پانچ ہیں۔''

''سعیدہ کا کوئی عزیز بھی یہاں رہتا ہے۔''

''نہیں جناب! اُن کے بیان کے مطابق اُن کا کوئی عزیز نہیں ہے۔''

''اچھا.... کیا اُس انسپکٹر نے عمارت کا کوئی حصہ خاص طور سے دیکھا تھا۔''

''جی نہیں! بس وہ صرف ٹہلتے رہے تھے۔ پھر اُن کے سونے کے کمرے میں آ بیٹھے تھے۔ قریب قریب اسی قسم کے سوالات انہوں نے بھی کئے تھے جیسے آپ کر رہے ہیں۔''

فریدی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اُس نے دوسرے نوکروں کو بھی طلب کیا اور اُن سے بھی علیحدہ علیحدہ مختلف قسم کے سوالات کرتا رہا۔

حمید اندازہ نہیں کر پایا کہ فریدی کیس کے متعلق کس نکتہ نظر کو ذہن میں رکھ کر یہ ساری پوچھ گچھ کر رہا ہے۔ وہ خاموشی سے ساری کاروائی دیکھتا رہا۔

پھر کچھ دیر بعد اُس نے پوری عمارت کی معمولی سی تلاشی لی اور اس تلاشی کے دوران میں حمید نے محسوس کیا کہ وہ سعیدہ کے نام آئے ہوئے خطوط پر زیادہ دھیان دے رہا ہے۔ لیکن اب اُسے اس معاملے سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی کیونکہ اُس کی پلکیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔

واپسی پر جیپ میں بیٹھتے وقت اس نے بڑے دردناک لہجے میں کہا۔ ''ہائے صبح ہو گئی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ لیکن ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں نے حمید کی نیند غائب کر دی۔

''آخر آپ اتنی دیر تک کیا کرتے رہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''کھیل لمبا ہو جائے گا شائد۔'' فریدی بڑبڑایا۔ ''آخر وزیٹنگ کارڈ لے جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے اور پھر آنے والا پولیس کی وردی میں تھا۔''

دوسری صبح پرویز کی کار فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ وہ عجیب حالت میں تھا۔ لباس تار تار، بال اُلجھے ہوئے اور چہرے پر بڑی بڑی خراشیں۔

نوکروں نے اُسے اگر ایک شاندار گاڑی سے نہ اترتے دیکھا ہوتا تو شائد دھکے مار مار کر کمپاؤنڈ سے باہر کر دیتے۔

''میرے پاس اس وقت میرا کارڈ نہیں ہے۔'' اُس نے ایک نوکر سے کہا۔ ''کرنل صاحب سے

کہو پرویز صاحب ہیں.... جلدی کرو۔"

نوکر اندر چلا گیا اور جلد ہی واپس آ کر اس نے اندر چلنے کو کہا۔

فریدی نے بھی ڈرائنگ روم میں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ اس کی آنکھیں خمار آلود ضرور تھیں لیکن وہ شب خوابی کے لباس میں نہیں تھا۔

پرویز کی حالت دیکھ کر اُس نے حیرت نہیں ظاہر کی۔

"بیٹھ جایئے۔" اس نے خود بھی بیٹھتے ہوئے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا آپ کو مجھے اس حال میں دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی۔" پرویز نے کہا۔

"اس سے زیادہ بُرے حالات میری نظروں سے گذرتے رہتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میرے خدا۔" پرویز مضطربانہ انداز میں اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ آپ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"کیسا شبہ مسٹر پرویز....!"

"کچھ نہیں آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تین بجے آؤں گا یا فون کروں گا۔"

"ہاں مسٹر پرویز.... میں نے فون بھی کیا تھا.... اور گیا بھی تھا۔" فریدی کا لہجہ حد درجہ سرد تھا۔

"اور اب میں اس حال میں آپ کے سامنے ہوں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"مجھے کچھ لوگ زبردستی میری قیام گاہ سے لے گئے تھے۔ یہ ڈھائی بجے کا واقعہ ہے۔"

فریدی خاموش رہا.... صرف جواب طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ پرویز بولا

"انہوں نے زبردستی کی۔ میں لڑ گیا۔ وہ پانچ تھے اور میں تنہا۔ انہوں نے میرے منہ میں کپڑا ٹھ آنکھوں پر پٹیاں باندھیں اور نہ جانے کہاں لے گئے۔ کچھ دیر بعد میں نے خود کو ایک عمارت میں لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ شہر کے کس حصے میں تھا۔ انہوں نے میرے کپڑے پھاڑے میرا منہ نوچا.... پھر.... مجھے شراب پلائی.... اور میرے پاس دو لڑکیاں چھوڑ گئے جو مجھے تھوڑے تھوڑے وقفے شراب پلاتی رہیں۔ میرا دل بہلانے کے لئے مدہم سروں میں گیت گاتی رہیں۔ میں ایک ستون بندھا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ مجھ سے لگاوٹ کی باتیں کرتی رہیں پھر میرے گالوں پر تھپڑ مارنے ش کر دیئے۔ کبھی وہ روتیں اور کبھی ہنستیں، کبھی مجھے پیار کرتیں اور کبھی تھپڑ مارنے لگتیں۔"

"پھر اتنے میں سندباد جہازی داخل ہو کر کورنش بجالایا اور مجرا کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ریڈیو اسٹیشن سے قوالیاں نشر ہونے لگیں اور اُس نے مجرا کرنے کا ارادہ ترک کر کے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔"

پرویز خاموش ہو کر کیپٹن حمید کو گھورنے لگا تھا جو دروازے میں کھڑا مضحکانہ انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر کہہ رہا تھا۔

"پھر سندباد نے صندوق پیش کیا جس میں صندلیپ کی شہزادی بیٹھی لوڈو کھیل رہی تھی۔"

"میں جانتا تھا کہ کوئی میری کہانی پر یقین نہیں کرے گا۔" پرویز نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دس بجے تک سعیدہ رحمان کو گھر پہنچ جانا چاہئے مسٹر پرویز۔" حمید گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

"مجھے علم ہے کہ قاسم آپ کے دوستوں میں سے ہے۔" پرویز غرایا۔ "کیس غلط آدمیوں کو دیا گیا ہے۔"

"اور اب آپ اُسے صحیح آدمیوں کے سپرد کرائیں گے۔ کیوں مسٹر پرویز۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یقیناً....!"

"بہتر ہے تشریف لیجایئے۔" حمید بولا۔

"نہیں....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "آپ کی کہانی پر یقین کیا جا سکتا ہے مسٹر پرویز۔"

"کیا جائے.... یا نہ کیا جائے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"لیکن واقعے کی رپورٹ تو آپ ہی کی طرف سے دی گئی تھی۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "اس لئے آپ کو پرواہ ہونی چاہئے۔"

"کیپٹن حمید میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔"

"آپ اب غسل کیجئے۔ یہ کپڑے اتاریئے۔ حمید انہیں اندر لے جاؤ۔ جب یہ غسل کر لیں تو انہیں اُس کمرے میں لے جاؤ جہاں شرابوں کا اسٹاک رہتا ہے۔ الماریوں کی کنجیاں ان کے حوالے کر دو۔ جتنی دل چاہے پئیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" پرویز نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کیا آپ نے یہ سوال ان لوگوں سے بھی کیا تھا۔"

"کیا تھا۔"

"کیا جواب ملا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"لہٰذا آپ بے چوں و چرا وہی کیجئے جو آپ سے کہا جا رہا ہے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" پرویز بڑبڑایا۔

"پاگل ہو جانے کے بعد بھی اگر آپ اس الزام سے گردن بچا سکیں تو مجھے حیرت ہوگی۔" فریدی نے کہا۔ "عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ سعیدہ رحمان کے اغواء کا تعلق آپ ہی کی ذات سے ہے اور اگر یہ بے تکی کہانی اخبارات میں آ جائے تو پھر کیا ہوگا۔ آپ جانتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔ اسے کوئی بھی باور نہ کرے گا۔"

"اس لئے یہ کہانی اخبارات میں ضرور آئے گی۔"

پرویز خاموشی سے فریدی کو گھورتا رہا۔ اب تو سچ مچ اُس کی آنکھوں سے دیوانگی سی جھلکنے لگی تھی۔ حمید بھی متحیرانہ انداز میں فریدی ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا رویہ اُس کیلئے کسی معمے سے کم نہیں تھا۔

"اور آپ....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "علانیہ لوگوں سے یہ کہتے پھریں گے کہ اس اغواء کا تعلق خان بہادر عاصم کے علاوہ اور کسی سے نہیں ہو سکتا۔ جایئے! غسل کیجئے۔"

چیلنج

دن بھر کی تھکن کے باوجود بھی حمید نیاگرہ میں بڑی شاندار اسکیٹنگ کر رہا تھا۔

اس تھکن کے عالم میں وہ کسی تفریح گاہ کا رخ ہرگز نہ کرتا لیکن اُسے تو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گا لہٰذا اُس ذہنی انتشار سے پیچھا چھڑانے کے لئے اُسے نیاگرا ہوٹل کا رخ کرنا پڑا تھا۔ ذہنی انتشار کا باعث فریدی ہی تھا۔

اُس نے پرویز کو شراب پلائی اور اس دوران میں اُسے خان بہادر عاصم کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ پرویز نے نشے کے عالم میں کہا کہ وہ عاصم کو قتل کر دے گا۔ اس پر فریدی نے اُسے مشورہ دیا کہ اس کے بجائے اُسے عاصم کی بے عزتی کرنی چاہئے۔ طریقہ کار یہ تجویز کیا کہ وہ سڑک پر کھڑا ہو کر اس کے کمپاؤنڈ میں پتھراؤ کرے اور ساتھ ہی سعیدہ رحمان کو باہر نکالنے کا مطالبہ بھی کرتا رہے۔

پرویز نے ہامی بھرلی اور حمید اُسے کار میں بٹھا کر خان بہادر عاصم کی کوٹھی کے قریب چھوڑ آیا تھا۔

انجام دیکھنے کے لئے وہ وہاں رک نہیں سکتا تھا۔

پھر اُسے ایک ہی گھنٹہ بعد اطلاع ملی کہ عاصم رائفل لے کر باہر نکل آیا تھا۔ لیکن لوگوں نے یہ کہہ کر بیچ بچاؤ کرادیا کہ پرویز نشے میں ہے۔ ویسے عاصم نے پولیس ضرور طلب کر لی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد پرویز کو یقینی طور پر حوالات ہی نصیب ہوئی ہوگی۔ لیکن نہ جانے کیوں پرویز نے یہ نہیں ظاہر کیا کہ اُس نے فریدی کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

حمید لاکھ سر مارتا رہا کہ فریدی کم از کم اس حرکت کا مقصد تو بتا ہی دے لیکن اُس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

آخر حمید نیاگرا کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ تنہا تھا۔ کوئی ایسا ساتھی بھی نہیں مل سکا تھا جس سے ذہنی کوفت ہی دور کرنے میں مدد ملتی۔ لہٰذا اس نے اسکیٹنگ شروع کردی۔ وہاں شائد صرف وہی تنہا اسکیٹنگ کر رہا تھا ورنہ عموماً جوڑے ہی ریکریئیشن ہال کے فرش پر تیرتے نظر آتے تھے۔

وہ اس طرح تنہا اسکیٹنگ کرنے میں بھی بڑی بوریت محسوس کر رہا تھا لیکن کرتا بھی کیا۔ اُس کے گردوپیش سریلے قہقہے فضا میں لہرا رہے تھے۔ کبھی کبھی نسوانی چیخیں آرکسٹرا سے ہم آہنگ ہوتیں اور پھر قہقہوں میں تبدیل ہو جاتیں۔

پہلا راؤنڈ ختم ہو گیا۔ حمید گیلری میں آ بیٹھا۔ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا اسے کہیں بھی کوئی "لاوارث" لڑکی نظر نہ آئی جس سے وہ اپنا پارٹنر بننے کی درخواست کر سکتا۔

وہ آج بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ پچھلی رات کی نیند اب بھی اُس پر اُدھار تھی کیونکہ دن میں بھی دو گھنٹے سے زیادہ نہیں سو سکا تھا۔

اگلی میز کے قریب بھی تین لڑکیاں تھیں مگر بیکار کیونکہ ان کے ساتھ تین مرد بھی تھے۔ حمید آنکھیں بند کرکے کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ لیکن جلد ہی اُس کے کان اُن تین جوڑوں کی گفتگو کی طرف لگ گئے۔ تذکرہ سعیدہ رحمان کا تھا۔ لڑکیاں اُس کی خوش قسمتی اور بدنصیبی پر رائے زنی کر رہی تھیں۔

"یہ کام پرویز ہی کا ہے۔" مرد نے کہا۔

"کسی کی بھی حرکت ہو۔ میں اسے فضول سمجھتا ہوں۔" دوسرا بولا۔ "اس حرکت سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔"

"میں سعیدہ کو بہت قریب سے جانتی ہوں۔" ایک لڑکی نے کہا۔ "وہ بہت ضدی اور خودسر ہے۔"

ایک بار اُس نے جیمس اینڈ بارٹلے کے اکاؤنٹنٹ پر پیپرویٹ کھینچ مارا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اُس کی ملازمت بحال رہی تھی۔

"کیوں....؟" ایک نے پوچھا۔

"دراصل منیجر اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔"

"کیوں.... کیا یہ حرکت اُس کے کسی پرانے دوست کی نہیں ہوسکتی۔" ایک مرد نے کہا۔

"ہوسکتی ہے۔ میں بھی اُس آفس میں کچھ دن کام کر چکی ہوں۔ لیکن وہاں کی غنڈہ گردیوں سے تنگ آ کر میں نے ملازمت ترک کر دی تھی۔ وہاں کئی بڑے آدمی ہیں۔ خصوصیت سے ایک آدمی آرتھر.... یہ ایک دیسی عیسائی ہے۔ فلم ایکٹروں کے سے انداز میں رہتا ہے۔ کچھ گا بھی لیتا ہے سعید سے اس کی بہت گہری دوستی تھی۔"

"اوہ.... ہٹاؤ۔" ایک مرد ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ہمیں اس بکواس سے کیا سروکار۔ سعیدہ تم سے زیادہ حسین نہیں ہے۔"

دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید نے پھر اسکیٹ پہنے اور نیچے فرش پر اتر گیا۔ ا... کے تین چکر لگانے کے بعد اُسے ایک لڑکی نظر آئی یہ بھی تنہا اسکیٹنگ کر رہی تھی۔ ایک دبلی پتلی اور کم... لڑکی۔ اُس کے چہرے پر گہرے سرخ ہونٹ ایسے لگ رہے تھے جیسے کسی تربوز میں شگاف دے کر اُ... کی اندرونی سرخی تھوڑی سی جگہ پر ابھار دی گئی ہو۔

حمید نے سوچا چلو یہی سہی۔

وہ ایک بار اُس کے قریب سے بہت تیزی سے گذرا اور اس انداز میں جیسے اس سے ٹکرا جا... ارادہ رکھتا ہو۔ لڑکی اُسے دور تک گھورتی چلی گئی۔ حمید اس چکر میں تھا کہ کسی بار وہ خود ہی اُسے اپنا... پیش کرے۔

تین بار وہ اُس کے قریب سے گذرا اور چوتھی بار اس طرح چڑھ دوڑا جیسے سچ مچ ٹکرا جائے... لڑکی نے بچ کر نکلنا چاہا لیکن گڑبڑا گئی۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ بے بسی سے ہلائے۔

"اوہ.... اوہ.... سنبھلئے۔" حمید اُس کے دونوں ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ وہ دور تک اُس کے ساتھ... چلی گئی۔

حمید نے اُس کے ہاتھ پھر نہیں چھوڑے۔ لڑکی قہقہے لگاتی رہی۔ اُس کی آواز بڑی سریلی تھی۔

کہ اگر حمید اُس کی شکل دیکھے بغیر آواز سنتا تو مہینوں صرف دیکھ ہی لینے کے چکر میں گذر جاتے۔ وہ دونوں خاموشی سے اسکیٹنگ کرتے رہے۔ حمید کا چہرہ نہ جانے کیوں بالکل سپاٹ نظر آنے لگا تھا اور آنکھیں پتھرائی ہوئی سی تھیں۔ ویسی ہی جیسی اندھوں کی ہوتی ہیں۔

چونکہ حمید نے ابھی تک اُس سے گفتگو نہیں کی تھی اس لئے لڑکی شائد اُس سے بات کرنے میں ہچکچا رہی تھی۔

"آپ بہت اچھی اسکیٹنگ کرتے ہیں۔" لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔

"جی.... او.... ہاں.... پتہ نہیں کیسی کرتا ہوں۔ سب یہی کہتے ہیں۔"

"میں تو ڈر گئی تھی کہ کہیں آپ مجھے گرا نہ دیں۔"

"اوہ بعض اوقات غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ آپ سچ مچ گر پڑی ہوتیں۔ میں نے یک بیک یہی محسوس کیا تھا۔"

"لیکن آپ نے سنبھال لیا۔ شکریہ۔"

"شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ایک اندھا کسی کے کام آسکے تو اُسے خوشی ہوگی۔"

"اندھا۔" لڑکی نے حیرت سے کہا۔ "میں نہیں سمجھی۔"

"میں اندھا ہوں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں خود کو محسوس کر سکتا ہوں دیکھ نہیں سکتا۔"

لڑکی ہنسنے لگی۔

"اوہ.... شائد آپ کو یقین نہیں آیا۔ جو لوگ مجھے نہیں جانتے وہ اسی طرح ہنسنے لگتے ہیں۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ کوئی اندھا اسکیٹنگ کیسے کر سکتا ہے۔ آپ بھی یہی سوچ رہی ہوں گی لیکن میں آپ کی حیرت رفع کر سکتا ہوں۔ مجھے آپ دکھائی دیتی ہیں مگر ایک پرچھائیں کی طرح زرد رنگ کے پس منظر میں ایک تاریک پرچھائیں۔ اس وقت میرے گرد و پیش بے شمار پرچھائیاں بھاگ دوڑ کر رہی ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اُن کے خدوخال کیسے ہیں۔"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں۔"

"میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔" حمید نے بھرائی ہوئی غمناک آواز میں کہا۔

"کیا ہمیشہ سے آپ کی آنکھیں ایسی ہی ہیں۔"

"نہیں پندرہ سال کی عمر تک میں نے دنیا دیکھی ہے۔ اس کے بعد اچانک بیمار پڑا اور یہ حالت

ہوگئی۔ اب ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں اپریشن ہو سکے گا۔ اُس وقت تک مجھے تاریکی میں رہنا ہے۔ اسکیٹنگ سے مجھے عشق ہے۔ دس سال کی عمر سے اسکیٹنگ کرتا آیا ہوں۔''

''آپ یہاں تک تنہا آتے ہیں۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''کبھی تنہا آتا ہوں اور کبھی ایک نوکر ساتھ ہوتا ہے۔ میں چل سکتا ہوں لیکن روشنی ہی میں۔ اندھیرے میں ایک قدم بھی نہ چل سکوں گا۔''

''میرا دل کڑھتا ہے آپ کے لئے۔''

''آپ بہت اچھی ہیں کاش میں آپ کو دیکھ سکتا۔''

لڑکی کچھ نہ بولی اور پھر یہ راؤنڈ بھی ختم ہوگیا۔ حمید ایک کنارے کھڑا ہو کر چاروں طرف سر گھماتا رہا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''بائیں طرف کی گیلری میں.... چھٹویں میز۔''

''کیا میں آپ کا ہاتھ پکڑ لوں۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں بس میرے ساتھ چلئے۔ میرے ساتھ بیٹھئے۔ اندھے کو کوئی بھی منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔''

''چلئے! میں بیٹھوں گی آپ کے ساتھ۔''

وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر گیلری میں لے آئی اور چھٹویں میز پر وہ دونوں بیٹھ گئے۔

وہ لڑکی ایسی ہی بدصورت تھی کہ حمید مستقل طور پر اندھا بنا رہنا چاہتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُسے آدمی کی فطرت پر غصہ آ رہا تھا۔ آدمی جو تنہا نہیں رہنا چاہتا۔ تنہائی رفع کرنے کے لئے کوئی بھی مل جائے خواہ بعد کو وہ آدمی کے بجائے ٹین کا کنستر ہی کیوں نہ ثابت ہو۔

''آپ کے گھر میں اور کون کون ہے۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''کتے.... بلیاں.... پرندے اور ملازمین۔''

''والدین۔''

''نبراسکا میں ہیں۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''پاپا آئس کریم پر ریسرچ کر رہے ہیں اور ممی پرورشِ اطفال کی ٹریننگ لے رہی ہیں۔''

''بھائی بہن۔''

''پتہ نہیں۔ اب اس تذکرے کو ختم کیجئے۔''

''آپ مجھے بہت دیر سے بیوقوف بنا رہے ہیں۔'' لڑکی ہنسنے لگی۔

''آپ نے کم بیوقوف بنایا ہے مجھے۔'' حمید اسکیٹس اتارتا ہوا بولا۔ اُسے الجھن ہونے لگی تھی اور اب وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

''میں نے کیا بیوقوف بنایا ہے۔''

''آپ کیا بیوقوف بنائیں گی۔ بیوقوف یا عقل مند پیدائشی ہوا کرتے ہیں۔''

''تو آپ اندھے نہیں ہیں۔''

''آپ خود ہوں گی اندھی۔'' حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ لڑکی ہکا بکا رہ گئی۔ پھر اُس نے جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنا شروع کر دیا۔ پھر حمید بھی ہنسنے لگا اور اُس نے کہا۔ ''جو لڑکیاں مجھے منہ چڑھاتی ہیں اُن سے میں اسی طرح بدلہ لیتا ہوں۔''

''میں نے کب منہ چڑھایا تھا۔'' لڑکی بھی جھنجھلا گئی۔

''چڑھایا تھا.... میں اندھا نہیں ہوں۔''

''آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' لڑکی نے کہا اور میز سے اٹھ گئی۔ حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ ویسے اب اُسے افسوس بھی ہو رہا تھا کہ اُس نے ایک بدصورت لڑکی کا دل توڑ دیا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر ضمیر کا بوجھ ہلکا ہوگیا کہ اگر وہ خود بدصورت ہوتا تو کوئی کانی، لنگڑی، لولی لڑکی بھی اُسے لفٹ دینا پسند نہ کرتی۔

پھر اب وہ کیا کرے.... کہاں جائے.... نیند سے تھکا ہوا ذہن تفریح سے بھی بہت جلد بیزار ہو جاتا ہے۔ لیکن نیند کہاں، نیند کی تلاش میں گھر ہی کی راہ لی جا سکتی تھی اور گھر پر موت تو آ سکتی تھی مگر نیند.... کبھی نہیں.... جب تک اُس کے کمرے میں فون موجود تھا وہ سو نہیں سکتا تھا۔

اُس نے دو چار اوٹ پٹانگ قسم کی گالیاں اپنے مقدر کو دیں اور وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ ٹیکسی پر یہاں تک آیا تھا۔ لہٰذا اب اُسے کسی ایسی ٹیکسی کا انتظار کرنا تھا جو یہاں خالی ہو کر شہر کی طرف واپس جائے۔ نیاگرہ شہر سے تقریباً چھ یا سات میل کے فاصلے پر تھا۔

یہاں ٹیکسیاں کمپاؤنڈ میں نہیں داخل ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا حمید کو پھاٹک پر آ جانا پڑا۔ دور تک سڑک ویران پڑی تھی۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خلاء میں گھورنے لگا۔

کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی دور تک سڑک پر پھیل رہی تھی اور کار کے اندر اندھیرا تھا۔ باہر سے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس میں کتنے آدمی ہوں گے۔ ویسے بھی رات کافی تاریک تھی۔ اگر آسمان میں بادل نہ ہوتے تو تاروں کی چھاؤں بڑی خوشگوار ہوتی۔

''اوہو.... یہ کون تھا.... ذرا آہستہ چلو۔'' کسی نے کہا۔ ''اور گاڑی کو پھر بائیں جانب تھوڑا سا ترچھا کرو۔''

ہیڈ لائیٹس کی روشنی درختوں کے تنوں سے رینگ کر نیاگرا کے پھاٹک پر پڑی اور پھر اُسی آدمی کی آواز آئی۔ ''بلاشبہ وہی ہے۔''

''کون؟'' کسی دوسرے نے سوال کیا۔

''کیپٹن حمید.... آج اس کا یہاں کیا کام۔''

''اوہ.... تو کیا.... تو انہیں علم ہے کہ....!''

''اگر ہے تو کیا۔ نہیں ہے تو کیا۔ یہ لوگ ذہین ضرور ہیں مگر.... اے.... کار آگے نکال لے چلو۔''

کار نیاگرا کے پھاٹک کے سامنے سے گذر گئی۔

کچھ دور چلنے کے بعد کار رکوادی گئی اور کسی نے کہا۔ ''ڈکسن! تم دیکھو! کیا قصہ ہے۔''

ایک آدمی کار سے اترا چند لمحے کھڑا نیاگرہ کے پھاٹک کی طرف دیکھتا رہا پھر چل پڑا۔ وہ حمید کے قریب ہی سے گذر کر پھاٹک میں داخل ہوا تھا۔ وہ کسی مغربی ملک کا باشندہ تھا۔

حمید نے اُس کی طرف توجہ نہ دی۔ اس دوران میں نہ جانے کتنے اُس کے قریب سے گذر کر پھاٹک میں داخل ہوئے تھے۔

وہ غیر ملکی آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر شائد اندر داخل ہونے ہی والا تھا کہ اُس کے قریب سے ایک گذرنے والے نے اُسے دھکا دیا.... وہ اس توقع پر اس کی طرف مڑا کہ شائد اب وہ معذرت کرے گا لیکن معذرت کرنے کی بجائے وہ سانپ کی طرح پھپھکارا۔

''چپ چاپ میرے ساتھ چلو ورنہ میرے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کا رخ تمہاری طرف ہے اور ایسی صورت میں اگر انگلی بھی ٹریگر پر نہ ہو تو میں خود کو چڑی مار سمجھوں گا۔''

اُس کو دھمکانے والا بھی سفید فام ہی تھا.... اس نے پھر کہا۔ ''سیدھے چلو۔''

کار سے اُترنے والا چپ چاپ دوسری طرف مڑ گیا۔ اُسکے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

دوسری منزل کے زینوں کے قریب پہنچ کر دھمکانے والا بولا۔ ''اوپر.... ہاں ٹھیک ہے سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

دونوں زینے طے کرنے لگے۔ دھمکانے والا اُس کے برابر ہی تھا اور اب اُس کے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کی نال دوسرے آدمی کے پہلو سے لگی ہوئی تھی۔

''آج موسم کل سے بہتر ہے۔'' اس نے کچھ اس انداز میں کہا جیسے دوسرے آدمی کو صرف یہی اطلاع دینے کیلئے اوپر لے جا رہا ہو۔

کار سے اترنے والا کچھ بولے بغیر زینے طے کرتا رہا۔ اوپر پہنچ کر اُسے بائیں جانب مڑنے کو کہا گیا۔ اُس نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔ پھر وہ ایک دروازے کے سامنے رک گئے۔

دھمکانے والے نے آہستہ آہستہ دروازے پر دستک دی اور دروازہ اندر سے کھول دیا گیا۔

کار سے اترنے والے کو اندر دھکا دیتے ہوئے کہا گیا۔ ''شکار۔''

کمرے میں تین آدمی تھے۔ ''شکار'' کو دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے۔ یہ بھی غیر ملکی ہی تھے۔

''آہا.... یہ تو ڈکسن ہے۔'' ایک نے شکار کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔ ''فنچ کا ساتھی۔''

''پتہ نہیں تم لوگ کس غلط فہمی میں مبتلا ہو۔'' ڈکسن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہم غلط فہمی ہی میں مبتلا ہوں گے۔'' دوسرا آدمی بولا۔ ''لیکن تم یہ ضرور بتاؤ کہ فنچ کہاں ہے۔''

''میں کسی فنچ کو نہیں جانتا۔''

''تمہاری لاش بھی کسی کو نہ مل سکے گی۔'' ایک آدمی بولا۔

''تم لوگ خواہ مخواہ ایک امن پسند آدمی سے الجھ رہے ہو۔'' ڈکسن نے کہا۔

''اس کے کپڑے اتار کر ٹھنڈا پانی ڈالو'' ایک آدمی نے مشورہ دیا۔

ٹھیک اُسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی۔ وہ لوگ چونک کر مڑے ہی تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک بہت لمبا آدمی جھک کر اندر داخل ہوا۔ شائد وہ باہر سے قفل کھول کر اندر آیا تھا کیونکہ ڈکسن کے اندر آجانے پر دروازہ مقفل کر دیا گیا تھا۔ لمبے آدمی نے اپنے اوورکوٹ کا کالر اٹھا رکھا تھا۔ اسلئے اس کا چہرہ صاف نہیں نظر آرہا تھا۔ ہاتھ میں ریوالور تھا جس کی نال اُن لوگوں کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

''فنچ حاضر ہے دوستو۔'' اُس نے چبھتی ہوئی سی آواز میں کہا۔

"فنچ....!" چاروں نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر قہقہے لگائے۔

"تم شائد اس معجزے پر ہنس رہے ہو۔" لمبے آدمی نے سرد لہجے میں کہا۔ "فنچ تو ننھا سا تھا....کیوں؟ اچھا ادھر دیکھو۔"

اُس نے اپنے کوٹ کا کالر گرا دیا اور جو چہرہ روشنی میں آیا وہ فنچ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو تھا۔ چھوٹا سا چہرہ جس پر لاتعداد جھریاں تھیں۔

"تم اپنا ہاتھ جیب کی طرف لے جا رہے ہو۔ یہ بُری بات ہے۔" لمبے آدمی نے کہا۔ "ہاتھ اٹھائے رکھو اور تم ڈکسن کمرے کی تلاشی لو۔ آج کل ہم لوگ مفلسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ڈا ڈریڈ بہت دولت مند آدمی ہے کیوں دوستو!"

کوئی کچھ نہ بولا۔ ڈکسن نے کمرے میں رکھے ہوئے سوٹ کیس کھولنے شروع کر دیئے۔ پا منٹ کے اندر ہی اندر کمرے کے وسط میں پڑی ہوئی میز پر نوٹوں کی کئی گڈیاں نظر آنے لگیں۔ یہ بڑے نوٹ تھے۔ رقم تیس چالیس ہزار سے کم نہ رہی ہوگی۔

"نہیں میری جیبوں میں رکھ کر.... تم کمرے سے باہر نکل جاؤ ڈکسن۔" لمبے آدمی کہا۔ ڈکسن نے یہی کیا۔ وہ چاروں حیرت سے منہ کھولے کھڑے رہے۔ کبھی وہ لمبے آدمی کا دیکھتے اور کبھی اُس کے قد کا جائزہ لینے لگتے۔

"سنو دوستو!" لمبے آدمی نے انہیں مخاطب کیا۔ "ڈاکٹر ڈریڈ جہاں کہیں بھی ہو اُسے میرا پیغا دو۔ اس سے کہنا۔ فنچ نے کہا تھا کہ تمہارے زوال کے دن قریب آ گئے ہیں۔ ایک حقیر سا کیڑا سرکس میں کام کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا دنیا کے خوفناک ترین آدمی ڈاکٹر ڈریڈ کے پرخچے اڑا دے گا۔"

دفعتاً اُس کے ریوالور کی نال سے دھواں نکلا اور وہ چاروں اُس کے خطرناک نتائج سے ہونے کے لئے تنہا رہ گئے۔

بلیک میلر

دوسری صبح نیاگرہ کے منیجر کے لئے بڑی پریشان کن تھی جب کمرہ نمبر ۵۳ سے تین قریب آدمیوں کے ساتھ ایک لاش بھی برآمد ہوئی۔

وہ تینوں اس قابل نہیں تھے کہ بیان دے سکتے۔ معاملہ چونکہ غیر ملکیوں کا تھا اس لئے

پولیس حرکت میں آ گئی۔ محکمہ سراغرسانی سے لیڈی انسپکٹر ریکھا اور لیفٹیننٹ سنگھ جائے واردات پر پہنچے۔

تین آدمیوں کو طبی امداد کے لئے وہاں سے ہٹایا جا چکا تھا۔ البتہ لاش اب تک وہیں پڑی تھی اور پولیس ہاسپٹل کا انچارج اُس کے قریب موجود تھا۔

اُس نے اُسے بتایا کہ موت کسی زہریلی گیس کی بناء پر واقع ہوئی تھی۔

ریکھا اور سنگھ نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سارے صندوق کھلے پڑے تھے۔ اکثر کا سامان بھی فرش پر بکھرا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے منیجر کو طلب کیا۔

"اس واقعہ کی اطلاع آپ کو کس طرح ہوئی تھی۔" ریکھا نے اُس سے پوچھا۔

"کوئی صاحب ملنا چاہتے تھے۔ اُن کی کال آئی تھی کمرہ نمبر ۵۳ کے لئے۔ کمرہ نمبر ۵۳ سے سلسلہ ملا دیا۔ کچھ دیر بعد ان صاحب نے آپریٹر کو مخاطب کر کے کہا کہ کمرہ نمبر ۵۳ سے جواب نہیں مل رہا۔ ایک ویٹر اُس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے اوپر گیا اور اُس نے دروازہ کھلا ہوا دیکھا۔ ایک آدمی آدھا کمرے کے اندر اور آدھا باہر پڑا ہوا تھا۔

"قریب و جوار کے کسی آدمی نے کسی غیر معمولی واقعہ کی اطلاع نہیں دی تھی؟" سنگھ نے پوچھا۔

"نہیں جناب! میرا خیال ہے کہ اُس آدمی نے ویٹر کے پہنچنے سے کچھ ہی دیر قبل دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کی تھی۔"

"یہ کب سے یہاں تھے۔"

"تقریباً دو ماہ سے۔ دراصل کمرہ تو ایک ہی آدمی نے لیا تھا۔ لیکن پھر تین آدمی اور آ گئے تھے۔"

"کیا یہاں کا یہی قاعدہ ہے کہ ایک کمرے میں.... مگر ٹھہریئے۔ یہاں مسہری تو ایک ہی ہے۔" سنگھ نے حیرت ظاہر کی۔

"بقیہ آدمی شائد فرش پر سوتے تھے۔" منیجر بولا۔

"کیا نیاگرا جیسے بڑے ہوٹلوں میں یہ بھی ہوتا ہے۔"

"نہیں جناب ہوتا تو نہیں ہے۔ مگر مجبوری.... یہ لوگ اسی پر مصر تھے کہ ایک ہی کمرے میں رہیں گے۔"

"کیا یہ حفظانِ صحت کے قوانین کی خلاف ورزی نہیں ہے۔"

منیجر کچھ نہ بولا۔

ریکھا نے اُسے مخاطب کیا۔ ''کیا رجسٹروں میں ان لوگوں کے اندراجات باقاعدہ طور پر ہوئے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''پاسپورٹوں کے متعلق تفصیلات آپ کے رجسٹروں میں موجود ہیں۔''

''جی ہاں! موجود ہیں۔''

''رجسٹر منگوایئے۔''

منیجر فون کی طرف بڑھا اور ریکھا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''نہیں یہاں آپ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔''

''اوہ.... معاف کیجئے گا مجھے خیال نہیں تھا۔ میں خود ہی لا رہا ہوں رجسٹر۔''

انہوں نے اسے جانے سے نہیں روکا۔

''کیا خیال ہے؟'' سنگھ نے ریکھا سے پوچھا۔

''فی الحال کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ اپنی ہی کسی حماقت کا شکار ہوئے ہیں۔'' سنگھ نے کہا۔

''میں نہیں سمجھی۔''

''ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کسی خطرناک قسم کی گیس سے خود ہی شغل کیا ہو۔''

''ہاں.... آں.... یہ بھی ممکن ہے۔ لیکن مجھے ابھی تک یہاں کوئی ایسی چیز نہیں نظر آئی جسے گیسوں کو مقید رکھنے کا آلہ سمجھا جاسکے۔ اگر اُن کے پاس کسی قسم کی گیس تھی تو انہوں نے کس طرح اُسے محفوظ رکھا تھا۔''

''اوہو! اس کا تو خیال ہی نہیں تھا۔'' سنگھ جلدی سے بولا۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو۔''

''تاوقتیکہ ان میں سے کوئی بیان دینے کے قابل نہ ہوجائے ہم اندھیرے ہی میں رہیں گے۔'' ریکھا بولی۔

''افسوس کہ حمید یہاں موجود نہیں ہے ورنہ اس اندھیرے سے بہت فائدہ اٹھاتا۔'' سنگھ مسکرایا۔

ریکھا کچھ نہ بولی۔ وہ اُس لاش کو گھور رہی تھی جواب بھی وہاں موجود تھی۔ البتہ ڈاکٹر جاچکا تھا۔

وہ دونوں کمرے سے راہداری میں چلے آئے۔

تھوڑی دیر بعد منیجر بھی رجسٹر سمیت آگیا۔ لیکن اس بار وہ بہت زیادہ بوکھلایا ہوا نظر آرہا تھا اور اُس کی سانس پھول رہی تھی۔

''کیا بات ہے!'' سنگھ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''وہ تینوں بھی مرگئے جناب۔'' منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

''ارے....!''

''جی ہاں.... ابھی ابھی اطلاع ملی ہے۔''

چند لمحے وہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر سنگھ نے اُس کے ہاتھ سے رجسٹر لے لیا۔ ان چاروں کے متعلق تفصیلات دیکھیں اور رجسٹر کو ریکھا کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''ان کے متعلق ویزا سیکشن سے معلوم کرو۔''

ریکھا رجسٹر لئے ہوئے نیچے چلی گئی۔ سنگھ پھر کمرے میں آیا اور نئے سرے سے دیکھ بھال شروع کردی۔ اُسے دراصل اُن چاروں کے پاسپورٹوں کی تلاش تھی لیکن پندرہ یا بیس منٹ تک جھک مارنے کے باوجود بھی پاسپورٹ نہ مل سکے.... اتنے میں ریکھا بھی واپس آگئی۔

''یہ لوگ تو فراڈ تھے۔'' اس نے کہا۔

''کیا....؟''

''میں نے ویزا سیکشن کو فون کیا تھا۔ وہاں ان لوگوں کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے مگر ہوٹل کے رجسٹر کے اندراجات کہتے ہیں کہ وہ دو ماہ پہلے کینا ڈا سے آئے تھے۔''

''چلو.... جان چھوٹی....!'' سنگھ نے ایک طویل سانس لی۔

''کیوں جان کیوں چھوٹی۔''

''یہ سوفیصدی کرنل فریدی کا کیس بن گیا ہے۔ ایسے کیس ہمیں ملتے ہی کب ہیں۔''

''نہیں شائد یہ ہمارا ہی کیس ہے کیونکہ ان کے پاس سعیدہ رحمان کا کیس ہے۔''

''وہ کسی اور کو مل جائیگا۔ اُسمیں کوئی خاص پیچیدگی بھی نہیں ہے۔ سیدھا سادہ اغوا کا کیس ہے۔''

کرنل فریدی بیرسٹر کیلاش ورما کے آفس میں داخل ہوا۔ بیرسٹر نے بڑی گرم جوشی سے اُسے خوش آمدید کہی اور کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''تشریف رکھئے جناب! کیسے تکلیف فرمائی۔''

''سعیدہ رحمان کے سلسلے میں۔''

''یہ واقعہ میرے لئے بہت تکلیف دہ ثابت ہوا ہے۔''

''ہونا بھی چاہئے کیونکہ وہ آپ کی موکلہ تھی۔''

''صرف یہی نہیں کرنل.....وہ میری بچی تھی.....اُسکی تعلیم وتربیت میرے ہی ہاتھوں سے ہوئی تھی۔''

''اس سلسلے میں یہ نئی بات سن رہا ہوں۔ وہ کس طرح جناب؟''

''اُس کا باپ میرے یہاں منشی تھا۔ یہ بچی چھوٹی ہی تھی کہ اس کی ماں مرگئی۔ منشی نے دو شادی نہیں کی۔ وہ بڑا نیک آدمی تھا۔ میری بیوی نے بچی اُس سے لے لی اور ہمارے ہی بچوں ساتھ اُس کی پرورش بھی ہونے لگی۔ جب وہ دس سال کی ہوئی تو بیچارہ منشی بھی چل بسا لیکن ہمارے ہی ساتھ رہی۔ پھر سن بلوغ کو پہنچنے پر وہ خود ہی ہم سے علیحدہ ہوگئی۔ ہمیں اس کا ملال بھی ہوا۔ ہم نے سوچا ممکن ہے ہمارے ساتھ رہنے سے اُس کے مستقبل پر کوئی بُرا اثر پڑے مگر وہ دن میرے لئے بڑا سنسنی خیز تھا۔''

کیلاش ورما کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ چند لمحے اسی انداز میں میں فریدی کی طرف دیکھتا کرسی کی پشت سے ٹکتا ہوا بولا۔''وہ دن جب جمیکا کے ایک وکیل کا بیان موصول ہوا کہ سعیدہ ایک بہت ہی مالدار چچا کی وارث قرار پائی ہے۔ کرنل آپ سوچئے تو سہی کتنی حیرت انگیز بات۔ سعیدہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُس کا وہ آوارہ گرد چچا جو بچپن ہی میں گھر سے فرار ہوگیا تھا اتنی بڑی خوش نصیبی کا باعث بنے گا۔''

''کبھی سعیدہ کے باپ نے بھی اپنے کسی بھائی کا تذکرہ کیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''اگر کیا بھی ہو تو مجھے یاد نہیں کرنل.....لیکن سعیدہ کا بیان ہے کہ وہ اکثر اُس بھائی کا تذ کرتا تھا۔''

''کیا آپ اُس وکیل سے ذاتی طور پر واقف ہیں جس کا پیغام آپ کو موصول ہوا تھا۔''

''ہرگز نہیں۔ اس بات پر تو اور زیادہ حیرت بھی ہے اور پھر میں کسی بین الاقوامی حیثیت کا بھی نہیں کہ ساری دنیا کے لوگ مجھ سے واقف ہوں۔''

''پھر آپ اس سے کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔''

''ان حالات کے پیش نظر یہی کہا جاسکتا ہے کہ کرم رحمان اپنی بھائی اور بھتیجی کے متعلق ہر

زین معلومات فراہم کرتا رہتا تھا۔ یعنی اُسے معلوم تھا کہ بھائی مرچکا ہے اور بھتیجی فلاں جگہ پر سے پناہی جیمس آلڈن نے مجھے یہی لکھا ہے کہ کرم رحمان کے مرتب کئے ہوئے وصیت نامے کے مطابق اس کی ہی ساری املاک سعیدہ رحمان کے نام منتقل کردی گئی ہے۔''

''کچھ رقم ملی بھی ہے اُسے۔''

''جی ہاں.....فی الحال تیس ہزار روپے ملے ہیں الائیڈ بنک کے توسط سے۔ ویسے حقیقتاً یہ لڑکی اب پتی ہوگئی ہے۔ فی الحال ایسی دشواریاں آپڑی ہیں جن کی بناء پر تھوڑا ہی سرمایہ اس طرف منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ویسے اگر سعیدہ جمیکا چلی جائے تو اسے حقوق شہریت بھی مل جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ سعیدہ کو یہی کرنا پڑے گا۔ خود جیمس آلڈن کا بھی یہی خیال ہے کیونکہ وہاں کی حکومت اتنا بڑا سرمایہ ہرگز وہاں سے منتقل نہ ہونے دے گی۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔''کیا آپ وہ کاغذات مجھے دکھا سکیں گے۔''

''ضرور ضرور.....!'' کیلاش ورما نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا۔

''قریشی صاحب سے سعیدہ رحمان کا فائیل لاؤ۔''

فریدی خاموشی سے اُس کے حرکات وسکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ چپراسی جاچکا تھا۔ کبھی کبھی کیلاش ورما بھی فریدی پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالتا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگتا۔

تھوڑی دیر بعد فائیل آگیا اور کیلاش نے اس میں سے کچھ کاغذات نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دئے۔ فریدی انہیں دیکھتا رہا پھر یک بیک اٹھتا ہوا بولا۔

''اچھا بہت بہت شکریہ۔''

وہ کیلاش ورما کو حیرت زدہ چھوڑ کر باہر جاچکا تھا۔

گھر پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا دیر سے اُس کی منتظر ہے۔ وہ سیدھا ڈرائینگ روم میں چلا گیا۔

فریدی کو پہلے ہی سے علم تھا کہ وہ اور سنگھ نیا گرا کے کسی کیس کی تفتیش کررہے ہیں۔

''میں اس وقت آپ کو تکلیف نہ دیتی۔'' ریکھا نے کہا۔''مگر اتفاق سے یہ آپ ہی کا کیس بن گیا ہے۔''

"کیوں میرا.... کیسے....!"

ریکھا نے مختصراً اُسے ان چار لاشوں کے متعلق بتا۔تے ہوئے کہا۔"تین ڈاکٹروں کا بیان ہے آدمی مرنے سے قبل بڑبڑایا تھا۔"

فریدی خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

"اُس نے کہا تھا۔" ریکھا چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔"بہت لمبا ہوگیا ہے.....اوہو.....فنچ لمبا ہوگیا ہے۔"

"فنچ.....!" فریدی آہستہ سے بولا۔"اگر ڈاکٹروں نے غلط نہیں سنا تو یہ سو فیصدی میرا کیس۔ فنچ کا کیس اب بھی میرے ہی پاس ہے۔"

"لیکن چاروں آدمیوں کا کوئی ریکارڈ ہمارے یہاں نہیں ہے۔ ویسے ہوٹل کے رجسٹر میں اندراجات ہیں اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کینیڈا سے آئے تھے۔"

"اُن کے سامان سے کوئی ایسی چیز بھی برآمد ہوئی جس سے ان کی اصلیت پر روشنی پڑ سکے۔"

"ایسی کوئی چیز نہ مل سکی۔"

"کیا وہ کمرہ سیل کرادیا گیا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"یہ بہت اچھا کیا۔اب میرے لئے بھی ضروری ہوگیا ہے کہ اُسے ایک نظر دیکھ لوں۔"

"مگر اس جملے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔اوہو فنچ بہت لمبا ہوگیا ہے۔"

"ممکن ہے۔ یہ ہذیان ہو کیونکہ فنچ کے لمبے ہوجانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ معمولی طور پر پستہ قد ہے۔میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ مرنے والوں میں سے ایک کی پر فنچ کا نام آیا تھا۔"

ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔"میں شروع سے دیکھ رہی ہوں کہ آپ ڈاکٹر ڈر مقابلے میں فنچ کو زیادہ اہمیت دیتے رہے ہیں۔"

"وہ میرے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والا ایک ننھا منا سا آدمی ڈاکٹر ڈریڈ تو وہ ایک ویسا ہی شعبدہ گر ہے جیسے بارہا میرے ہاتھوں سے انجام کو پہنچے ہیں۔" اتنا بھیانک نہیں ہے جتنا کہ امریکہ کی پولیس نے اُسے بنادیا ہے اور پھر ڈاکٹر ڈریڈ کے آج تک

رہنے کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اُسے امریکہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کی پشت پناہی حاصل رہی ہے۔ وہ اُن کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔مگر یہ فنچ مجھے سنگ ہی کی یاد دلاتا ہے اور سنگ ہی جیسا مجرم آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔"

ریکھا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ حمید کمرے میں داخل ہوا۔

"اوہو....!" اُس نے اتنا ہی کہا اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔

فریدی جواب طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حمید نے بڑے بے تعلقانہ انداز میں ایک طویل انگڑائی لی اور بڑبڑانے لگا۔

"کلو کی ماں جب کلو جوان ہوجائے تو تم مجھے گولی مار دینا۔"

"میں ابھی تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کردوں گی۔" ریکھا چنچنائی۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے غصیلے انداز میں کہا۔

"کیا آپ لوگ مجھ سے کچھ کہہ رہے ہیں۔" حمید چونک کر بولا۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔" فریدی بگڑ گیا۔

"اگر یہ حکم کم از کم ایک ہفتے کے لئے بھی ہو تو میں سر کے بل چلے جانے کی کوشش کروں گا۔لیکن جیمس اینڈ بارٹلے کی فرم کا ایک گویا مجھے حشر تک یاد رہے گا۔"

فریدی ریکھا کی طرف متوجہ ہوگیا جو اُسے اُن چاروں کے متعلق کچھ اور بتانے لگی تھی لیکن یہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ حمید وہاں سے اٹھ کر چلا جائے۔مگر حمید عورتوں کے معاملے میں اتنا حیا دار نہیں تھا کہ کسی کی بے رخی اُسے دکھ پہنچاتی۔ وہ نہایت اطمینان سے صوفے میں دراز اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

ریکھا اپنی گفتگو ختم کرکے خاموش ہوگئی اور فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد بولا۔"ہاں تم جیمس اینڈ بارٹلے کے کسی گویئے کا تذکرہ کررہے تھے۔"

"کرنا چاہتا تھا مگر اب وہ بات ہی ختم ہوگئی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ سلگانے لگا۔

"میں آدمیوں کا ایک کانجی ہاؤس قائم کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے ریکھا سے کہا۔

"یہ عمارت بہت موزوں رہے گی۔" حمید نے کہا"اور اُس کی منتظمہ اگر کوئی عورت بنائی جائے تو تجربہ"

''کیا خواہ مخواہ بکواس کرنے والے آدمی لاوارث جانوروں سے بہتر ہوتے ہیں۔'' فریدی نے ریکھا سے پوچھا۔

''بدتر....!'' ریکھا نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

حمید بڑی بے تعلقی سے پائپ پیتا رہا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے جیب سے ایک تصویر نکالی اور اُسے فریدی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

''دیکھئے کتنا بانکا سجیدہ نوجوان ہے۔''

فریدی نے تصویر لے لی۔ اُسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''کیا آپ اسے پہچان سکتے ہیں۔''

''نہیں....کیونکہ اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک ہے۔''

''اور گھنی مونچھیں بھی نہیں ہیں۔''

''کیا مطلب....!''

''مطلب یہ کہ اس آدمی کی آنکھوں پر عموماً تاریک شیشوں کی عینک ہوتی ہے اور اُس نے اپنی مونچھیں صاف کرادی ہیں۔''

''ٹھہرو....ناک اور دہانے کی بناوٹ کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہوتی ہے۔ اوہو....یہ تو سنگرام ہے۔''

''خیر پہچان لیا آپ نے۔''

''کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے۔''

''یقیناً دیکھا ہے ورنہ اُس کی تصویر کیوں لئے پھرتا۔ یہ تصویر مجھے سعیدہ رحمان کے یہاں سے ملی ہے۔''

''اوہ....تم نے اسے کہاں دیکھا ہے۔''

''جیمسن اینڈ بارٹلے کے یہاں کلرک ہے۔ یہ وہی آدمی ہے جس کے متعلق سعیدہ کے ملازم نے بتایا تھا کہ اکثر سعیدہ اُس سے گیت سنا کرتی تھی۔ اس کا موجودہ نام آرتھر ہے۔''

''اوہ....یہ خبر بھی میرے لئے دلچسپ ہے۔''

''سنگرام کون ہے۔!'' ریکھا نے پوچھا۔

''ایک بلیک میلر جس کی تلاش پولیس کو عرصہ سے ہے۔ تلاش تو ہے لیکن آج تک اُس کے

جرم نہیں ثابت ہوسکا۔ تلاش یوں ہے کہ پولیس اس پر نظر رکھنا چاہتی ہے۔''

فریدی انہیں وہیں بیٹھا چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

''ہا....ریکھا مانتی ہو....تا....!'' حمید نے قہقہہ لگایا۔ ''اب آؤ ہم تم دیوداس کے ڈائیلاگ بولیں۔''

''کیا بیہودگی ہے۔'' ریکھا اٹھتی ہوئی بولی۔

''تم جا نہیں سکتیں۔''

''دیکھتی ہوں کیسے روکتے ہو۔''

''اگر جاؤ تو خدا کرے تمہارے ماں باپ مرجائیں۔''

''تم خود فنا ہو جاؤ۔ تمہارا سارا خاندان۔'' ریکھا بہت زور سے بگڑی۔

''میرا خاندان تو فنا ہو چکا ہے۔ خدا کرے تمہارا منگیتر کوڑھی ہو جائے۔'' حمید نے کچھ اس انداز کہا کہ ریکھا پاگل نظر آنے لگی۔ کیونکہ وہ غصے میں بھی تھی اور اُسے ہنسی بھی آ گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ کیا نی ہوگی۔

حمید نے اٹھ کر دروازہ بند کردیا۔

''میں دونوں سینڈل تم پر توڑ دوں گی۔''

''پرواہ نہیں۔ میں دوسری خرید دوں گا۔ اب اتنا مفلس بھی نہیں ہوں۔''

ریکھا بے بسی سے صوفے میں گر گئی اور دانت پیس کر بولی۔ ''دروازہ کھول دو۔ میں نہیں جاؤں گی۔''

حمید نے دروازہ کھول دیا اور اُس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''بس میں یہ چاہتا تھا کہ تم بیٹھی رہو اور میں تمہیں دیکھا کروں۔''

ریکھا کوئی جواب دینے کی بجائے اُسے گھورتی رہی۔

''اچھا مذاق ختم۔'' حمید نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تمہیں دراصل اس لئے روکا ہے کہ ہم لوگ کسی دوسرے کے پابند کیوں ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر ہم فریدی صاحب سے الگ ہی رہ کر کوئی کیس نپٹا سکیں تو کیسی رہے۔ مثلاً ڈاکٹر ڈریڈ ہی کا معاملہ لے لو۔''

''تم ڈاکٹر ڈریڈ کو نپٹاؤ گے۔'' ریکھا ہنس پڑی۔

''کیوں....کیا ہوا۔''

ریکھا کچھ کہنے والی تھی کہ ایک ملازم نے اندر آ کر ایک وزیٹنگ کارڈ پیش کیا۔

"ارے یہ کہاں.....آمرا" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کون ہے.....!" ریکھا نے پوچھا۔

"قاسم.....!" حمید نے کہا پھر نوکر سے بولا۔ "بھیج دو۔"

کچھ دیر بعد قاسم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ٹھٹک گیا۔ غیر متوقع طور پر ریکھا کو وہاں دیکھ کر وہ گڑبڑا گیا۔

"ارے آؤ نا.....!" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"آداب عرض۔ آداب عرض۔" قاسم بوکھلاہٹ میں ریکھا کو جھک جھک کر سلام کرتا ہوا صوفے میں ڈھیر ہو گیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"قق.....کچھ بھی نہیں۔"

"کچھ تو ہے۔ تمہارے معاملات بہت سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔"

"میرے ٹھینگے سے۔" قاسم کو یک بیک غصہ آ گیا۔ "میں اب اُسے سالے کو قتل ہی کر دوں گا۔"

"کسے.....!"

"پرویز.....کو.....دن بھر.....ٹرن ٹرن ٹرن.....اور گالیاں.....دن بھر گالیاں سننی پڑتی ہیں۔"

"کیا بات ہوئی۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"سمجھو.....!" قاسم غصے میں مکا ہلا کر بولا۔ "وہ دن بھر مجھے فون پر گالیاں دیتا رہتا ہے۔"

"اوہو.....تو کیا اُسے ضمانت پر رہا کرا لیا گیا ہے۔"

"ہاں.....اور اب وہ کبھی رہا نہ ہو سکے۔ وہاں سے تو نکل ہی نہ سکے گا۔"

"کہاں سے۔"

"قبر سے۔"

"تم ایک ذمہ دار آفیسر کے سامنے گفتگو کر رہے ہو۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"وہ چی ہوا ہوا تشریف لے گئے ہیں۔ تم اپنا مطلب بیان کرو۔"

"میں یہی کہنے آیا ہوں کہ پرویز کو قتل کر دوں گا۔"

"مگر پھانسی کوئی تگڑی سی لڑکی نہیں دے گی۔"

"اُے تم میرا..... مذاخ نہ اڑاؤ ورنہ بھگتا دوں گا۔" قاسم نے کہا اور اچانک چونک کر ریکھا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس دوران میں شائد وہ بھول گیا تھا کہ وہاں کوئی عورت بھی موجود ہے۔

"معاف کیجئے گا۔" وہ گھگھیایا۔ "میں غصہ میں تھا۔"

"ہونا ہی چاہئے۔" ریکھا نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔"

"مگر ان لوگوں کی سمجھ میں تو نہیں آتا۔"

"کیا سمجھ میں نہیں آتا۔" حمید نے پوچھا۔

"سمجھ میں آتا ہوتا تو وہ چھوڑا جاتا۔"

"ارے بھئی ضمانت پر چھوٹا ہے۔"

"کیوں چھوٹا ہے۔"

"قانون.....!"

"قانون کی ایسی کی تیسی۔ جو تم لوگ چاہتے ہو وہی قانون ہے۔"

"اچھا چلو یہی سہی۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ فون پر تمہیں گالیاں دیتا رہے۔"

"سن رہی ہیں آپ۔" قاسم نے ریکھا کو مخاطب کیا۔

"ارے کیا سن رہی ہوں۔" ریکھا نے ہنسی ضبط کر کے سنجیدگی اختیار کرنی چاہی۔ پھر بولی۔ "یہ تو آپ کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"آپ کے منہ پر تو تعریف بھی کر دیتے ہیں۔ مگر پیٹھ پیچھے.....کچھ نہ پوچھئے.....کیا کہتے ہیں۔"

"نہیں.....بتائیے.....بتائیے۔" قاسم حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ ریکھا اس وقت چوکے گی نہیں ہو سکتا ہے سر پھٹول کی نوبت آ جائے لیکن وہ اس طرح اُٹھنا بھی اپنی توہین سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ریکھا بعد کو بُری طرح اُس کا مذاق اڑاتی۔

"ہاں.....کیا کہتا ہوں پیٹھ پیچھے۔" حمید نے بڑی دلیری سے پوچھا لیکن ساتھ ہی وہ کنکھیوں سے قاسم کی طرف بھی دیکھتا رہا تھا کہ کہیں اُس کی بے خبری میں جھپٹ ہی نہ پڑے۔

"آپ انہیں گنوار نہیں کہتے۔"

"تم گنوار کے معنی بھی جانتی ہو۔"

"قاسم صاحب! مجھ سے بہتر معنی جانتے ہیں۔"

قاسم صرف گھورتا رہا۔ اُس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔ حمید نے سوچا جادو چل گیا ہے۔ ریکھا نے بھی قاسم کی حالت دیکھی اور اُس کے ہونٹوں کے کونے پھڑکنے لگے اور وہ اپنی مسکراہٹ نہ روک سکی۔

"اچھی بات ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔" قاسم غرایا۔ "میں تو ابھی تک تم کو دوست سمجھتا تھا۔"

"اور ایک بار جانگلو بھی کہا تھا۔"

"یہ خود ہوگا... جانگلو... سالا... والا۔" قاسم آؤٹ آف کھوپڑی ہوگیا۔

حمید ٹپٹا گیا۔ اب معاملہ بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ اس اسٹیج پر قاسم کو کنٹرول میں رکھنے کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ وہ خاموش رہے۔ اگر صفائی پیش کرنے کی کوشش کرتا تب بھی حالات بدتر ہی ہو سکتے تھے۔ بہتر نہیں۔ ریکھا تو اپنا وار کر چکی تھی۔

وہ خاموش بیٹھا رہا... اور قاسم گرجتا رہا... "بڑے... مجب بنتے ہو سالے... تم اپنے کو کیا سمجھتے ہو۔ جب دل چاہے سامنے آجاؤ... اٹھونا۔"

اتنے میں ایک نوکر نے آکر حمید سے کہا۔ "صاحب کا فون ہے۔"

"اچھا" حمید اٹھتا ہوا بولا اور چپ چاپ کمرے سے نکلا چلا گیا۔

کچھ دیر بعد قاسم نے ریکھا سے کہا۔ "معاف کیجئے گا۔ مجھے پھر غصہ آگیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" ریکھا مسکرا کر بولی۔ "مگر دیکھا آپ نے کیسا دم دبا کر چلا گیا میں غلط تھوڑی ہی کہہ رہی تھی۔"

"غصہ آگیا تھا... میں مار بیٹھتا... مگر...!"

"کیا فائدہ... یہاں مارنے سے کیا فائدہ۔ کون دیکھتا۔ کسی دن بیچ سڑک پر روک کر ماریے۔ بھرے بازار میں تاکہ کچھ بے عزتی بھی ہو۔ ورنہ اور نہ جانے کن کن آدمیوں کے سامنے آپ کے متعلق اسی قسم کے خیالات ظاہر کرتا رہے گا۔"

"ہاں... یہ بات ٹھیک ہے۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ پھر آہستہ سے پوچھا۔ "آپ کا کیا خیال ہے؟

کہاں بے عزتی کروں اس کی۔"

"کسی ایسی جگہ جہاں اس کی جان پہچان والے موجود ہوں ورنہ کون جانے گا کہ کون پٹا۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" قاسم نے رازدارانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں کہیں نہ کہیں اسے دیکھ لوں گا۔"

"میں بھی موجود ہوں تو بہتر ہے۔" ریکھا نے کہا۔

"ضرور ضرور...!" قاسم مسکرا کر بولا۔ "میں آپ کو فون کر دوں گا یا خط لکھ دوں گا نہیں تار دے دوں گا۔"

"میں خود ہی جگہ وغیرہ آپ کو بتادوں گی۔"

"یہ تو بہت عمدہ رہے گا۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔

بے نیل و مرام

فن آئی لینڈ معمول کے مطابق کافی پُر رونق نظر آرہا تھا۔ شام کے چار بجے تھے اور یہاں تفریح کرنے والوں کی بھیڑ بڑھتی جارہی تھی۔

مگر کرنل فریدی جزیرے کے ایک ایسے حصے میں نظر آرہا تھا جدھر کا رخ شائد ہی کبھی کوئی کرتا رہا ہو۔ یہاں کی زمین ناہموار تھی اور بعض جگہ بہت چوڑی چوڑی دراڑیں تھیں۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر نشیب میں لہریں ساحل سے ٹکراتی تھیں۔

وہ سینے کے بل زمین پر لیٹا ہوا ایک دراڑ میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دراڑ تقریباً سات یا آٹھ فٹ ضرور چوڑی رہی ہوگی اور گہرائی کا اندازہ کرنا تو مشکل ہی تھا کیونکہ نیچے تاریکی کے علاوہ اور کچھ نہیں نظر آتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور نشیب میں اترنے لگا اور پھر وہ اُس دراڑ کے دہانے پر جا پہنچا۔ لہریں اُس میں گھستی ہوئی معلوم ہورہی تھیں۔ یہاں دراڑ کی کشادگی چالیس فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی اور دراڑ کے اندر جہاں تک سورج کی روشنی پہنچ سکتی تھی پانی ہی پانی نظر آرہا تھا۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا اور پھر اوپر چلا آیا۔

اب وہ جزیرے کے سب سے اونچے ٹیلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ

کامیاب ہوگیا۔ یہاں سے قریب قریب پورا جزیرہ دکھائی دیتا تھا۔ لیکن وہ دراڑ یہاں سے نہیں نظر آتی تھی جس کے کنارے فریدی کچھ دیر لیٹا رہا تھا۔

اس نے سگار کا کونا توڑتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور سگار ہونٹوں میں دبالیا۔ لیکن وہ شاید دو یا تین منٹ تک یونہی ہونٹوں میں دبا رہا۔ فریدی کی آنکھوں سے گہرا تفکر مترشح تھا۔ پھر غالباً اُس نے سگار جلانے کا ارادہ ہی ترک کردیا کیونکہ اب وہ پھر اُس کی جیب میں واپس چلا گیا تھا۔

ٹیلے پر خودرو پھولوں کی اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں اور یہ اتنی گھنی تھیں کہ درجنوں آدمی دیکھ لئے جانے کے خوف سے بے نیاز ان میں نہایت آسانی سے چھپ سکتے تھے۔

فریدی پتھر کے ایک بڑے ٹکڑے پر بیٹھ گیا۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ اور پرندوں کے شور سے سارا جزیرہ گونج اٹھا تھا۔

اُس نے کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر ٹیلے سے اُترنے لگا۔ اُسے توقع تھی کہ اب حمید جزیرے میں پہنچ گیا ہوگا کیونکہ اُس نے اُسے ڈیڑھ گھنٹے قبل فون کیا تھا۔ ٹیلے سے اُتر کر وہ آباد حصے کی طرف چلنے لگا۔

پھر کارواں بار کے سامنے ہی حمید سے ملاقات ہوگئی۔ اُس نے اُسے یہیں آنیکی ہدایت کی تھی۔

"تمہارے.... اس آرتھر نے بہت چکر دیئے۔" اُس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کیوں....!"

"وہ بلاشبہ سنگرام ہی ہے۔ جیمسن اینڈ بارٹلے کے آفس سے وہ ڈھائی بجے ہی اٹھ گیا تھا۔ وہ دراصل یہیں اس جزیرے میں رہتا ہے۔"

"لیکن چکر کیسے دیا اُس نے۔"

"ابھی بتاتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بار میں لیتا چلا گیا۔

فریدی نے ایک کم آباد گوشہ منتخب کیا اور وہ بیٹھ گئے۔ یہاں اب ایک ہی آدھ میز خالی نظر آرہی تھی۔

"بار میں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔" حمید بڑبڑایا۔ "خواہ مخواہ آپ نے ایک میز گھیر لی ہے۔"

"بار والے کو اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔"

"اس کا نقصان تو ہوسکتا ہے۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔" فریدی نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "قصہ دراصل یہ سنگرام یا آرتھر کا تعلق ڈاکٹر ڈریڈ کے گروہ سے معلوم ہوتا ہے۔"

"خدا خیر کرے۔ یہ میں نے کیا کیا۔" حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے مارتے رہ گیا۔

"تم نے کچھ نہیں کیا۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔"

"آپ ہمیشہ دوسروں کی محنت کے پھل خود ہی کھانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"اگر میری نیت صاف نہ ہوتو پھلوں کی گٹھلیاں حلق میں اٹک جائیں لیکن ایسا آج تک نہیں مجھے سعیدہ کے دوستوں کی تلاش ہے۔ میں ایک ایک کو چیک کروں گا۔ لہٰذا سنگرام کا بھی سامنے آنا ضروری تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تم نے اُسے چیک کرلیا۔ لیکن یہ معلوم کرلینا کم از کم تمہارے فرشتوں کے بس کی بات نہیں تھی کہ سنگرام کا تعلق ڈریڈ کے گروہ سے ہے۔"

"آپ نے کیسے معلوم کرلیا۔"

"تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں اب تک سوتا رہا ہوں۔ ڈریڈ کے کم از کم پانچ آدمی میری نظروں میں ہیں۔"

"اور آپ اب تک اس فکر میں رہے ہیں کہ ان کے توسط سے آپ کی پہنچ ڈاکٹر ڈریڈ تک ہوجائے۔"

"تمہارا یہ جملہ قطعی غیر ضروری ہے۔"

"زبان کاٹ کر پھینک دیجئے میری۔ میں آپ کی طرح فلسفی نہیں ہوں۔ بعض اوقات میری زبان میں کھجلی ہوتی ہے اور میں بولنا چاہتا ہوں۔ خیالات خواہ ہلکے ہوں خواہ بھاری۔"

"مگر ہم تو سنگرام کی بات کررہے تھے۔"

"سنگرام انہیں پانچ آدمیوں کے ساتھ اسی جزیرے میں رہتا ہے۔"

"ارے تو پھر ہم یہاں کیا کررہے ہیں۔ شراب کی بو مجھے پاگل کردیتی ہے۔"

"بیٹھے رہو۔ چپ چاپ۔"

"ایسی صورت میں جب گلاس ہاتھ میں ہو۔ ٹھنڈے پانی ہی کا سہی۔"

فریدی خاموش رہا لیکن حمید کو الجھن ہونے لگی۔ یہاں کسی میز پر بھی اُس کی دلچسپی کا کوئی سامان نظر آرہا تھا۔ چاروں طرف مرد ہی مرد تھے۔

وہ بیٹھا بور ہوتا رہا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ذہنی کسل دور ہوگیا کیونکہ اُس نے بار میں آرتھر کو داخل

ہوتے دیکھا تھا۔ اُس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔

فریدی نے جھک کر سگار سلگاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''ان کی طرف مت دیکھو۔''

''شکریہ....آپ نے مجھے دیکھنے کی زحمت سے بھی بچالیا۔ مرد مجھ سے نہیں دیکھے جاتے خو... کسی خوبصورت لڑکی کے باپ ہی کیوں نہ ہوں۔''

''تم کس قسم کی لڑکی سے شادی کرنا پسند کرو گے۔'' فریدی نے غیر متوقع طور پر سوال کیا۔

''ایسی جو چھ ماہ بعد ہی طلاق کا مطالبہ کرنے لگے۔'' حمید نے بڑی سادگی سے جواب دیا... بولا۔ ''آخر آج آپ میری شادی کے مسئلے میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔''

''تاکہ تم کچھ نہ کچھ بکتے رہو۔''

''یہ آرتھر اس وقت بھی سیاہ عینک لگائے ہوئے ہے لیکن یہ ہمیں پہچانتا ہی ہوگا۔''

''اچھی طرح۔''

''پھر یہاں کھلے عام ہمارے بیٹھنے کا کیا مقصد ہے۔''

''بس بیٹھے رہو۔''

''نہیں میں تو لیٹوں گا۔'' حمید جھلا گیا۔

لیکن اتنے میں اُس نے فریدی ہی کو اٹھتے دیکھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف جار... لیکن چونکہ حمید سے کچھ نہیں کہا تھا اس لئے وہ بیٹھا ہی رہا۔ فریدی باہر جاچکا تھا۔

حمید نے اُس میز کی طرف نظر اٹھائی جہاں آرتھر اور اُس کے دونوں ساتھی بیٹھے تھے لیک... وہاں تین کے بجائے چار آدمی نظر آرہے تھے اور میز پر وہسکی کی دو بوتلیں بھی تھیں۔ سرو کرنے... ویٹروں کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاروں مستقل گاہکوں میں سے ہیں۔

تمباکو کے دھوئیں اور شراب کی ملی جلی بو حمید کو پینے پر اکسا رہی تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ اب... کرچکا تھا کہ کبھی شراب نہ پیئے گا۔

بیس منٹ گذر گئے لیکن فریدی واپس نہیں آیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس حرکت کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ کیا وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ اکتاہٹ... ہوکر کوئی ایسا اقدام کر بیٹھے جس کا ردعمل یقینی طور پر فریدی کیلئے سودمند ثابت ہو۔ اُسے ایسے کئی... مواقع یاد تھے جب فریدی نے اُسے تذبذب میں ڈال دیا تھا اور اسی تذبذب کے عالم میں حما...

حماقتیں سرزد ہوگئی تھیں لیکن اُن حماقتوں سے فریدی نے اس طرح فائدہ اٹھایا تھا جیسے اُسے حمید سے اس کی توقع رہی ہو۔

وہ سوچنے لگا اگر وہ کچھ کئے بغیر ہی یہاں سے اٹھ کر گھر کی راہ لے تو کیا ہو۔ لیکن اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ نہ تو کوئی حرکت کرے گا اور نہ یہاں سے اٹھے گا۔ خواہ آرتھر اور اُس کے ساتھی اٹھ ہی کیوں نہ جائیں۔

یہاں کا ماحول تھکا دینے والا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر یہاں عورتیں کیوں نہیں دکھائی دیتیں جب کہ جزیرے کے دوسرے کیفے اور بار اُن سے ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔

آرتھر اور اُس کے ساتھی بے تحاشہ پی رہے تھے اور اُن میں سے کوئی بھی حمید کی طرف متوجہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے پائپ سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹک کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ اُسے اس پر بھی حیرت تھی کہ ابھی تک کسی ویٹر نے اس کی طرف رخ بھی نہیں کیا تھا۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ ایک آدمی نشے میں بہک رہا تھا۔ ''روڈل....ڈوڈل....ڈوڈلی....ہی....!''

ایک تیز قسم کی کھرکھراہٹ سے ہال گونجنے لگا اور کاؤنٹر کے اوپر دیوار کے ایک بورڈ کے حروف روشن ہوگئے۔ ''براہِ کرم انسانیت کی حدود سے نہ گذریئے۔''

مگر شائد ''روڈل ڈوڈل'' کرنے والا اپنی کسی محبوبہ سے جھگڑا کرکے آیا تھا اُس پر اس روشن تحریر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور وہ ہوا میں مکا لہرا کر چیخا۔ ''انسانیت کی حد وہیں ختم ہوگئی تھی جہاں اُسے سولی پر چڑھایا گیا تھا۔''

اس پیغمبرانہ جملے پر حمید کا دل چاہا کہ بیئر کے کسی بیرل میں چھلانگ لگادے۔ مگر اب وہ بہکا ہوا شرابی کہہ رہا تھا۔ ''ڈوروتھی....عورت نہیں کتیا ہے....ہاہا....کتیا کا بھی آفاقی اَدب میں ایک مقام ہے۔ اَدب میں آفاقیت نہ ہو تو کتیا....زندہ باد....!''

اس ''زندہ باد'' پر دو چار ''زندہ بادیں'' اور بلند ہوئیں....پھر ذرا ہی سی دیر میں مچھلی بازار بن گیا۔

اسی دوران میں حمید نے آرتھر اور اُس کے ساتھیوں کو اٹھتے دیکھا اور غیر ارادی طور پر وہ بھی اٹھ گیا۔ پھر خیال آیا کہ کچھ دیر پہلے اُس نے اس کے برعکس کچھ سوچا تھا۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ اب تو اٹھ ہی چکا تھا۔

چاروں شائد بہت زیادہ پی گئے تھے۔ ان کی رفتار میں لغزش تھی۔ حمید اُن کے پیچھے چلتا رہا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا اور سمندر کی بوجھل ہوا کے جھونکے اُسکے چہرے سے ٹکرار ہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا اور اُسے ہوا میں ملے ہوئے نمک کی شوریت محسوس ہوتی۔

وہ چلتے رہے.... گھاٹ کے قریب پہنچ کر حمید نے محسوس کیا کہ وہ دوستانہ انداز میں گفتگو نہیں کرر ہے ہیں۔ اُن کی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی جارہی تھیں۔ اچانک اُن میں سے ایک نے دوسرے پر ہاتھ چھوڑ دیا اور پھر تین آدمی بیک وقت ایک آدمی پر ٹوٹ پڑے۔

حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ گھاٹ ویران نہیں تھا۔ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور انہیں الگ کر دیا گیا۔

حمید اُن میں دلچسپی لینے کی بجائے مجمع کو گھور رہا تھا اور اُسے فریدی کی تلاش تھی۔ وہ الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر فریدی کہاں گیا۔ اتنی دیر تک بار میں بیٹھنے کا کیا مقصد تھا۔ پھر اُسے کوئی ہدایت دیئے بغیر اس طرح اٹھ جانا۔

اچانک اُس نے آرتھر یا سنگرام کو مجمع سے الگ ہوتے دیکھا۔ یہاں کافی روشنی تھی اور حمید ہر ایک کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ آرتھر شائد وہاں سے کھسک جانے کی فکر میں تھا۔

حمید نے بھی اُدھر ہی قدم اٹھائے جدھر آرتھر کا رخ تھا لیکن وہ جزیرے کے ایک ویران حصے کی طرف جارہا تھا۔ حمید چلتا رہا۔ آخر وہ بڑے ٹیلے کے قریب پہنچ کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ یہاں بے شمار اونچے اونچے تودے بکھرے ہوئے تھے اور حمید اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں وہ اُسے صاف دیکھ رہا تھا۔

لیکن اب سوال یہ تھا کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت اِدھر آیا ہے۔ اُس بھیڑ سے پیچھا چھڑانے کے لئے اُس نے اِدھر کا رخ کیا تھا۔ آرتھر یا سنگرام پولیس سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتا کیونکہ اُس کا پچھلا ریکارڈ اچھا نہیں تھا۔ لہٰذا ممکن ہے اس جھگڑے میں پولیس کی مداخلت کے خوف سے وہ اِدھر چلا آیا ہو۔

کچھ بھی ہو اُسے فریدی پر تاؤ آرہا تھا اور یہ بھی کوئی نئی بات نہیں تھی اُسے دن میں متعدد بار فریدی پر تاؤ آتا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے آرتھر پتھر پر لیٹ گیا اور حمید کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے۔ آرتھر تو نشے میں

ٹھنڈی ہوا نے شائد نشہ اور زیادہ گہرا کر دیا تھا۔

مگر پھر حمید نے سوچا کہ اُس سے کہا کس نے تھا کہ وہ آرتھر کا تعاقب شروع کر دے۔

دفعتاً اُس کی نظر بڑے ٹیلے کی طرف اٹھ گئی اور اُسے جھپٹ کر دوسرے تودے کی اوٹ لینی پڑی ۔ ٹیلے پر ایک متحرک سایہ نظر آرہا تھا۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔ کوئی اوپر سے نیچے آرہا تھا۔

نیچے پہنچ کر وہ رکا۔ چند لمحے کھڑا رہا۔ پھر ایک طرف چلنے لگا۔ حمید نے اپنے مخصوص انداز میں سیٹی ۔ اور سایہ رک گیا۔ اب حمید کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اندھیرے میں کسی آدمی کے چلنے کا انداز یدی کا سا معلوم ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حقیقتاً فریدی ہی ہوگا۔ اُس نے سائے کو ایک ے کی اوٹ میں ہوتے دیکھا۔

حمید نے بھی اپنی پوزیشن تبدیل کی.... اور اب وہ کھسکتا ہوا اُس پتھر کی طرف بڑھنے لگا جس پر لیٹا ہوا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ اس تک پہنچ سکتا، سوئے ہوئے آرتھر کے چہرے پر روشنی کی ایک ی لکیر پڑی۔ سامنے والے تودے کے پیچھے کوئی موجود تھا۔ حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ نہ تو اُس نے تودے کی طرف بڑھنے کی کوشش کی جدھر سے روشنی آرہی تھی اور نہ آرتھر کی طرف۔

روشنی آنی بند ہوگئی۔ آرتھر شائد بے خبر سو رہا تھا۔ آخر حمید اس آنکھ مچولی سے تنگ آ گیا۔ وہ سوچ ا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو ہی جانا چاہئے ورنہ رات یونہی ختم ہو جائے گی۔

اُس نے جیب سے ریوالور نکال کر کہا۔ ''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... پولیس۔''

''ہائیں.... پپ.... پپ.... پولیس....!'' آرتھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر ہکلایا اور پتھر سے نیچے ل گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک لمبی کراہ کے ساتھ اُس کے حلق سے گندی سی گالی نکلی۔

تودے کے پیچھے جو کوئی بھی تھا اب سامنے آ گیا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' حمید کڑک کر بولا۔

''اور اگر میں انکار کر دوں تو۔'' بہت ہی سرد لہجے میں جواب ملا اور حمید کی جان میں جان آئی۔ یہ ری ہی تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔'' اُس نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں۔''

''بکومت۔ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ تم اُن میں سے کسی کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک

چلے آؤ۔ مگر اسے کیا ہوا۔"

"وہی جو زیادہ شراب پینے کے بعد ہوتا ہے۔" حمید نے بے دلی سے جواب دیا۔ اُس کا موڈ سوچ کر بہت زیادہ خراب ہو گیا کہ وہ فریدی کی دانست میں اتنی دیر سے جھک ہی مارتا رہا تھا۔

پھر پیؤ

آرتھر کو ہوش آنے پر محسوس ہوا کہ وہ کسی کمرے میں ہے۔ حالانکہ وہ فن آئی لینڈ کی ایک چٹان لیٹ کر سو گیا تھا۔ اُس نے پلنگ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا اور دروازے میں جو آدمی بھی اُسے نظر آیا وہ کم از کم اُس کے لئے کسی اچھے مستقبل کا پیغا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا..... نہ صرف پہچانتا تھا بلکہ ہمیشہ اُس سے دور ہی دور ر کی کوشش کیا کرتا تھا..... یہ کرنل فریدی تھا۔

"کیوں سنگرام..... کیا اب تم پوری طرح ہوش میں ہو۔" اُس نے پوچھا۔

"آپ میرے خلاف کچھ ثابت نہیں کر سکیں گے۔" سنگران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا

"اُو ہو..... بڑی مصیبت ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "کیا میں ہر ایک کے پیچھے اس لئے پھرا کرتا کہ اُس کے خلاف کچھ نہ کچھ ثابت ہی کر ڈالوں۔"

سنگرام کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظر فریدی کے چہرے پر تھی لیکن فریدی کے چہرے پر اُسے بُرے نہیں دکھائی دیئے۔ وہ بہت ہی دوستانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"تم وہاں بہت بُری حالت میں پڑے ہوئے تھے۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں سانپ ہی ڈ تو..... میں تمہیں یہاں اٹھا لایا۔ اب تم کہہ رہے ہو کہ میں تمہارے خلاف کچھ ثابت کر دوں۔ ہاں اس سے تمہارا کوئی مرض دور ہو سکے تو میں یہ بھی کر گزروں گا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ آپ سعیدہ رحمان والے سلسلے میں مجھ پر شبہہ کر رہے ہ

"تم بڑے اچھے طالب علم ہو سنگرام۔ بیٹھ جاؤ۔ سوال کرنے سے پہلے ہی جواب تیار رکھنے

فریدی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

آرتھر بیٹھتا ہوا بولا۔ "آپ میرے خلاف کچھ نہیں ثابت کر سکتے۔ میرا پورا نام آرتھر سنگرام

"اور مونچھیں تمہاری اپنی ملکیت ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"قطعی..... مجھے پورا پورا حق حاصل ہے جب چاہوں رکھوں جب چاہوں صاف کرا دوں۔"

"سنگرام تم بوکھلاہٹ میں بچوں کی سی اور مضحکہ خیز گفتگو کر رہے ہو۔ اپنے حواس کو یکجا کرو۔ ہارے خلاف میں کچھ نہیں ثابت کر سکتا۔"

"تو پھر اس کا مطلب۔" سنگرام چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

اتنے میں ایک ملازم ہاتھوں پر ایک کشتی اٹھائے اندر داخل ہوا۔ کشتی میز پر رکھ دی گئی۔ اس میں سائفن..... ایک گلاس اور اسکاچ کی بوتل تھی۔

ملازم باہر جا چکا تھا۔

"اپنی مدد آپ کرو۔" فریدی نے کشتی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "حواس کو یکجا کرنے کے لئے د ثابت ہوگی۔"

"آخر مقصد کیا ہے۔"

"اوہ..... سنگرام..... اچھی بات ہے۔ تم پھر اتنی ہی پیؤ۔ اتنے ہی مدہوش ہو جاؤ اور پھر میں تمہیں ے کی اُسی چٹان پر پھکوا دوں۔"

سنگرام کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ پلنگ ہی پر بیٹھا رہا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ شراب زہریلی ہے۔"

"نہیں.....!"

"پھر..... تم پیتے کیوں نہیں۔"

"کرنل فریدی کا کوئی اقدام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"آپ مجھے اس کا مقصد بتا دیجئے۔"

"کیا واقعی تم اُس چٹان پر خودکشی ہی کی نیت سے لیٹے تھے۔"

"نہیں میں نشے میں تھا۔"

"چلو..... اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ کچھ اور پیؤ مگر اتنی نہیں کہ پھر ویسے ہی ہو جاؤ۔"

"اچھا پھر اس کے بعد آپ کیا کریں گے۔"

"تمہیں رخصت کر دوں گا۔"

"میں کیسے یقین کرلوں۔" سنگرام نے کہا۔ مگر اب وہ میز کے قریب آ کر سائیفن سے سوڈا رہا تھا۔ خالی سوڈے کا ایک گلاس چڑھا لینے کے بعد اس نے کہا۔ "میرے حواس یکجا نہیں ہو سکتے۔"

"تھوڑی اسکاچ بھی لو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنی حالت بہتر محسوس کرو گے۔"

"شکریہ۔" سنگرام نے تین انگل اسکاچ ناپ کر لی اور اس میں سوڈا ملانے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ تک کمرے پر بوجھل سکوت طاری رہا۔ سنگرام گلاس خالی کر کے ٹرے میں رکھ چکا تھا۔

فریدی نے ایک بار اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ "کیوں.... کیا.... اَب بھی تم بہتر محسوس کر رہے ہو۔"

"میں اب ٹھیک ہوں۔"

"لیکن زیادہ دنوں تک ٹھیک نہ رہ سکو گے۔ ابھی تک پولیس تمہارے خلاف کچھ نہیں ثابت کر سکی لیکن اب یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ حالات کیا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ اگر اب تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔"

سنگرام کے چہرے پر ذہنی الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

"کیا آپ....!" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہو....!"

"کچھ نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔"

"مت کہو۔ یہ رعائت صرف رات بھر کے لئے ہے۔ آج کی رات میرے پاس تمہارے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن کل صبح کے لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"میں پھر نہیں سمجھا۔ صاف صاف کہئے۔"

"کچھ نہیں بھئی۔ اب مجھے نیند آ رہی ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر اس وقت نہ جانا چاہو تو یہیں آرام کرنا۔"

"میں رات بھر میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"مگر پاگل ہونے سے پہلے مجھے یہ ضرور بتا دینا کہ تمہیں کہاں کے پاگل خانے میں رکھا جائے۔"

سنگرام نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر ہونٹ بند کر لئے۔ سچ مچ اُسکی آنکھوں سے دیوانگی جھانکنے لگی

فریدی نے اُسے غور سے دیکھا اور پھر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ بڑے بے تعلقانہ انداز میں سگار سلگا رہا تھا۔

"آپ کل صبح میرے خلاف کیا ثابت کریں گے۔" سنگرام نے پوچھا۔

"اوہو.... تم ابھی تک اسی الجھن میں ہو۔ بیٹھو بیٹھو یہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر تم جیسا کوئی آدمی ہر وقت محتاط نہ رہے تو بڑی آسانی سے اس کی گردن پھنس سکتی ہے۔"

"خدارا مبہم قسم کی گفتگو نہ کیجئے۔"

"سنگرام! کیا یہ گفتگو تمہارے لئے مبہم ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ایسا کہہ رہے ہو۔ کیا تم آج کل غیر محتاط نہیں ہو۔"

سنگرام دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مختلف قسم کے خیالات نے اُس کے ذہن میں پراگندگی پیدا کر دی ہو۔

"کیا تم آج کل جس راستے پر چل رہے ہو ہمیشہ اُسی پر چلتے رہے ہو۔ آدمی کو اپنی لائن سے نہ ہٹنا چاہئے۔ یہ راستہ بلیک میلنگ سے زیادہ خطرناک ہے۔ تم تنہا رہ کر قانون کی گرفت سے بچے رہ سکتے ہو کیونکہ تم نے شروع سے اس کی مشق بہم پہنچائی ہے لیکن اس نئے راستے کے اناڑی مسافر۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم اب اندھیرے میں نہیں رہے۔ کم از کم میرے لئے روشنی میں آ چکے ہو۔"

سنگرام کی ٹھوڑی دونوں ہاتھوں پر ٹکی ہوئی تھی اور وہ کسی خوفزدہ بچے کی طرح فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی کہتا رہا۔ "ان میں سے کون ہے جو میری نظر میں نہ ہو۔ صفدر، سعید، ماتھر، مور یلی، رام سنگھ اور کتنے نام گنواؤں۔ میں ان سبھوں کو جس وقت چاہوں گرفت میں لے سکتا ہوں۔"

"م.... مجھے بھی.... کہنے دیجئے۔" سنگرام بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کہو! میں نے تمہیں روکا تو نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"میں نادانستہ طور پر ان لوگوں کے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ اور اب میری گردن اچھی طرح پھنس چکی ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ مجھ سے بھی بڑا بلیک میلر ہے۔ اسکے پاس میرے خلاف واضح ترین ثبوت ہیں۔"

"تو اس نے تمہیں بلیک میل کیا ہے۔"

"جی ہاں.... میں اُس کے احکامات کی تعمیل پر مجبور ہوں۔"

"تم کب سے اُس کے لئے کام کر رہے ہو۔"

"چار ماہ سے۔"

"جیمس اینڈ بارٹلے کے یہاں کب سے ملازم ہو۔"

"ایک سال سے۔"

"سعیدہ سے دوستی کتنی پرانی ہے۔"

"ظاہر ہے کہ ہم دونوں ایک ہی فرم میں کام کرتے تھے اس لئے وہاں جتنا پرانا میں ہوں اتنی ہی پرانی دوستی بھی ہوسکتی ہے۔"

"اس کے اغواء کا تمہیں علم ہے۔"

"نہیں....!"

"پھر تم ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے کیا کام کرتے رہے ہو۔"

"مختلف قسم کے کام۔ لیکن میں نے ابھی تک کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے....!"

"ارے چھوڑو.... گردن پھنسانے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ تم ڈاکٹر ڈریڈ کیلئے کام کرتے رہے ہو۔"

"میں یہ کب کہتا ہوں کہ آپ مجھے جہنم میں نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر سعیدہ کا اغواء ڈریڈ ہی کی ذات سے تعلق رکھتا ہے تو مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے۔"

"ڈریڈ کے لئے تم سے کون کام لیتا ہے۔"

"ماتھر....!"

"اُس نے تم سے سعیدہ کے متعلق کبھی کوئی گفتگو نہیں کی۔"

"گفتگو.... ٹھہریئے۔" سنگرام نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "یوں تو ہم ہر وقت ہی اُس کے متعلق کچھ نہ کچھ گفتگو کرتے رہتے تھے۔ میں دراصل آج کل ماتھر ہی کے ساتھ رہتا ہوں۔"

"مجھے علم ہے.... ہاں تو وہ گفتگو کس قسم کی ہوتی تھی۔"

"ماتھر کا خیال تھا کہ میں سعیدہ کو پھانس کر اُس سے شادی کرسکتا ہوں اور بھی ایسی ہی بہتیری باتیں جو سعیدہ سے تعلق رکھنے والا ہر آدمی سوچتا ہوگا کیونکہ وہ اچانک اتنی مالدار ہوگئی تھی.... اور غیر شادی شدہ تھی۔"

سنگرام خاموش ہوگیا۔ فریدی اُسے اس انداز سے گھور رہا تھا جیسے اُس کی آنکھوں سے اُس کے بیان کی تصدیق کرنا چاہتا ہو.... اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ "کیا تم بتا سکو گے کہ یہاں کے بڑے

دں میں سے کون کون اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔"

"میں صرف دو یا تین کو جانتا ہوں لیکن ویسے میرا خیال ہے کہ شہر کے سارے بڑے آدمی اُس لچپی لے رہے تھے۔ سرمایہ دار طبقہ کے ہر جوان آدمی کی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ سعیدہ کو حاصل نے میں کامیاب ہوجائے۔"

زیدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا تم نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ وہ ملاقاتیوں کے بہت احتیاط سے رکھا کرے۔"

"میرے خدا۔" سنگرام یک بیک اچھل پڑا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ ہاں میں نے ہی اُسے یہ ہ دیا تھا۔"

"اور تمہیں اس کا مشورہ ماتھر نے دیا تھا.... کیوں؟"

"یہ بھی صحیح ہے۔" سنگرام نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ اُسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"اُس نے تمہیں یہ مشورہ کیوں دیا تھا؟"

"میری ہی لائن کی ایک اسکیم تھی۔" سنگرام طویل سانس لے کر بولا۔ "اُس کا خیال تھا کہ میں کے امیر طلب گاروں کی فہرست مرتب کروں اور ان کے متعلق چھان بین کرتا رہوں۔ پھر جب ے کسی کی بات سعیدہ کے ساتھ پکی ہوجائے تو میں اُسے بلیک میل کروں۔ سرمایہ داروں میں شائد ئی ایسا ہو جس میں کمزوریاں نہ ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اُس کا ہونے والا شوہر بھی کسی ایسے جرم کا ب ثابت ہو جو اُسے سعیدہ کی نظروں سے گرا سکے۔ لہٰذا ایسی صورت میں بلیک میلنگ کے بہترین نع ہاتھ آسکتے ہیں.... ماتھر کی یہ تجویز بڑی شاندار تھی لیکن آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ سنگرام اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا لیکن فریدی نے اُسے نظر انداز کر کے ا۔ "تو تم نے فہرست مرتب کرلی ہے۔"

"جی ہاں....!"

"کتنے آدمی ہوں گے۔"

"تین....!"

"مگر ابھی تم نے کہا تھا کہ تم دو یا تین آدمیوں کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتے۔"

"جی ہاں.... یہ وہ تین آدمی ہیں جن کے متعلق میں چھان بین کرتا رہا ہوں۔"

''انہیں تین تک چھان بین کیوں محدود رکھی۔''

''کیونکہ انہیں سعیدہ پسند کرتی تھی۔''

''مجھے پوری فہرست چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''دیکھئے! میرا ابھی یہی خیال ہے کہ انہیں لوگوں میں سے کسی کا ہاتھ اس اغواء میں ہے۔''

''ہاتھ تو تمہارا بھی ہوسکتا ہے سنگرام۔ تم اُسے اغواء کر کے کسی بڑے گاہک کے ہاتھ فروخ کرسکتے ہو کسی بہت بڑی قیمت پر۔''

''اگر آپ مجھ پر شبہ ہی کر رہے ہیں تو میں آپ کو ایک مشورہ دوں گا۔''

''کیا....؟''

''مجھے گرفتار کر کے اُس وقت تک بند رکھئے جب تک کہ سعیدہ کا سراغ نہ مل جائے۔''

''تم مجھ سے بھاگ کر جاؤ گے کہاں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''البتہ دوسری دنیا تک میری پہنچ ہو سکے گی۔''

''پھر آپ کا شبہ رفع کرنے کی دوسری صورت کیا ہوسکتی ہے۔''

''اس کی فکر نہ کرو۔ مجھے اُن لوگوں کی فہرست چاہئے لیکن تم اس کا تذکرہ ماتھر سے نہیں کرو گے

''میں وہی کروں گا جو آپ فرمائیں گے۔ فہرست کل شام تک آپ کو مل جائے گی۔ لیکن فی الحال ڈریڈ سے روگردانی بھی میرے لئے مشکل ہوگی۔''

''میں کب کہتا ہوں کہ تم اُسے چھوڑ دو۔''

''مگر مجھے حیرت ہے جناب کہ آپ نے ڈریڈ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔''

''تم اس کے متعلق جانتے ہی کیا ہوگے۔ تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوگا کہ وہ کہاں رہتا ہے اچھا اب تم جاسکتے ہو۔''

کمرے پر بوجھل سا سکوت طاری ہوگیا۔

حمید بہت دیر سے اُچھل کود رہا تھا۔ آخر فریدی کو کہنا ہی پڑا۔ ''پوچھو۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو۔''

''پرویز اور قاسم کو لڑانے کی کوشش کیوں کی تھی۔''

''حقیقت معلوم کرنے کے لئے۔''

''کیسی حقیقت۔!''

''یہی کہ ان دونوں کا تعلق اس اغواء سے ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ حرکت خود پرویز ہی کی ہوتی تو وہ بھی اس طرح چڑھ کر عاصم پر نہ جاتا اور اگر حقیقتاً عاصم کا ہاتھ اس میں ہوتا تو وہ رائفل لے کر پرویز پر نہ دوڑتا۔ چور کا دل ہی کتنا۔''

''مگر پرویز نشے میں تھا۔''

''اتنا زیادہ بھی نہیں کہ بُرے بھلے کی تمیز نہ رہ جاتی۔''

''مگر اُس نے اپنے بیان میں یہ نہیں لکھوایا کہ اس کا مشورہ کرنل فریدی نے دیا تھا۔''

''وہ احمق نہیں ہے۔ اتنا سمجھتا ہے کہ اس بیان پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ بالکل اُسی طرح جیسے خود اس کی کہانی پر تمہیں یقین نہیں آیا۔''

''آپ کو آ گیا ہے۔''

''ہاں مجھے یقین ہے کسی نے اُسے آلہ کار بنانے کی کوشش کی ہے۔''

''مگر کس طرح۔ ارے اس کا کیا مقصد ہوسکتا ہے کہ اُسے اس کے گھر سے پکڑ لے گئے۔ اُس کی خاطر مدارت کی۔ دو لڑکیاں اس کی مرمت بھی کرتی رہیں اور سر بھی سہلاتی رہیں۔ یہ پرویز کا پٹھا مجھے افیونی معلوم ہوتا ہے۔''

''سب کچھ جلد ہی روشنی میں آ جائے گا گھبراتے کیوں ہو۔''

''اچھا....! پچھلی رات آپ مجھے بار میں چھوڑ کر اُس ٹیلے پر کیوں جا چڑھے تھے۔ کیا مریخ میں پہنچنے کا ارادہ تھا۔''

''پچھلی رات بھی ڈریڈ ہی کا چکر تھا۔ مجھے باہر سے اشارہ ملا تھا کہ ایک تیز رفتار سفید کشتی جزیرے کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ بہرحال مجھے اتنی جلدی میں اٹھنا پڑا تھا کہ تم سے کچھ نہ کہہ سکا۔''

''پھر اُس کشتی کا کیا ہوا۔''

''وہ شائد اطلاع دینے والے کا واہمہ تھا۔ کشتی دراصل بحری فوج کی تھی۔ کچھ بھی ہو پچھلی رات کچھ نہ کچھ کام تو ہوا ہی تھا۔ سنگرام کے متعلق پہلے سے کوئی پروگرام نہیں بنایا گیا تھا لیکن اُس سے گفتگو کرنے کے بعد ہی میں اس نتیجے پر پہنچ سکا کہ اس معاملے میں وہ کتنا اہم رول ادا کر رہا ہے۔ وہ وزیٹنگ کارڈ میرے ذہن میں بُری طرح کھٹک رہے ہیں جو ایک نامعلوم آدمی سعیدہ کے گھر سے

اڑا لے گیا تھا۔ وہ اتنے ہی اہم تھے حمید صاحب کہ اُس آدمی کو ایک پولیس انسپکٹر بن کر آنا پڑا تھا۔"

"ارے تو ان کی فہرست آپ کو مل ہی جائے گی۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی شائد حقیقت تک پہنچنے میں دشواری ہو۔"

دوسری پلیٹ

سنگرام چار بجے اپنے آفس سے نکلا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ریکسٹین اسٹریٹ پر مڑ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جلدی میں اُسے کہیں پہنچنا ہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک تپلی سی گلی میں مڑا۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے۔ لیکن اب اس کی رفتار سست ہوگئی تھی۔

یہاں دونوں طرف اونچی اونچی دیواریں تھیں اور ان میں چھوٹے بڑے نئے پرانے منقش اور بدوضع دروازے نصب تھے۔ سنگرام ایک دروازے پر رک گیا۔ وہ مقفل تھا اُس نے قفل کھولا اور دروازے کو دھکا دے کر اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی تنگ قسم کے زینے تھے جن کا سلسلہ اوپر کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے زینے طے کرنے لگا۔

زینے اُسے ایک کمرے میں لے گئے جہاں کے سامان سے کمرے کے مالک کی شکستہ حالی ظاہر تھی۔ ایک طرف ایک جھولدار پلنگ موجود تھا اور دیوار سے لگا ہوا ایک شلف رکھا تھا جس میں دو تین کتابوں کے علاوہ شیونگ کا سامان چائے کی چھوٹی پیالیاں سگرٹوں کے خالی پیکٹ اور دوسری چیزیں بھری ہوئی تھیں۔

ایک طرف ٹین کا ایک پرانا صندوق پڑا ہوا تھا اور گرد کی تہیں کہہ رہی تھیں کہ کمرے کو بہت دنوں سے استعمال نہیں کیا گیا۔

وہ ابھی بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ کسی نے نیچے سے دروازے پر دستک دی۔ سنگرام سناٹے میں آ گیا کیونکہ شائد اس مکان میں اُس کے لئے پہلا موقع تھا جب اُس نے کوئی دستک سنی تھی۔ شائد اُس کا مستقل قیام یہاں نہیں رہتا تھا۔

دستک برابر جاری رہی۔ کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا۔ اُسے اس طرح ہلا رہا تھا جیسے توڑ ہی ڈالے گا۔

سنگرام کو غصہ آ گیا۔ وہ دانت پیستا ہوا نیچے پہنچا اور ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک شکستہ حال آدمی کھڑا تھا جس کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی اور گرم کوٹ چیتھڑوں کی شکل میں اُس کے جسم

پر جھول رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں جیب کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا داہنا ہاتھ جیب میں تھا اور جیب سے ریوالور کی نال جھانک رہی تھی۔

سنگرام آنکھیں پھاڑے اُسے گھور رہا تھا۔ یہ ایک متوسط قد کا آدمی تھا اور اُس کے چہرے پر ڈاڑھی اس طرح بکھری ہوئی تھی جیسے کسی ویران زمین پر جھاڑیاں اُگ آئی ہوں۔ بے ترتیب اور الجھی ہوئی اُس نے سنگرام کو اوپر چلنے کا اشارہ کیا۔

سنگرام کی نظر پھر جیب سے جھانکتی ہوئی نال پر پڑی اور وہ زینوں کی طرف مڑ گیا۔ پھر اُس نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی لیکن دیکھنے کے لئے مڑا نہیں۔

اوپر پہنچ کر اُس نے اجنبی کی طرف مڑے بغیر کہا۔

"مقصد کیا ہے.... دوست....!"

لیکن اُسے جواب میں غیر متوقع طور پر غیر ملکی لہجے میں انگریزی سننی پڑی۔ اجنبی کہہ رہا تھا۔ "ہم انگریزی ہی میں گفتگو کریں گے۔ تم انگریزی بول اور سمجھ سکتے ہو۔"

"ہاں.... چلو انگریزی ہی سہی۔ مگر اس کا مقصد"

"میں فنچ ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

"تب تم بھوت ہو۔" سنگرام نے ہنس کر کہا۔ "ڈریڈ کے مرنے والے آدمیوں میں سے ایک نے تمہاری بہت زیادہ لمبائی کا تذکرہ کیا تھا۔ لیکن تم اس وقت متوسط قد کے ہو۔ لیکن عام حالات میں تمہارا قد ساڑھے چار فٹ سے زیادہ نہیں ہوتا۔"

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔" اجنبی نے کہا۔ "اس صندوق کو کھول کر سفری ٹرانسمیٹر نکالو۔"

"کیا مطلب....!" سنگرام اُسے گھورنے لگا۔

"تمہیں مطلب سے غرض نہ ہونی چاہئے۔ جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ ورنہ نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"سنو! اگر تم واقعی فنچ ہو تو مجھے اپنا چہرہ دکھاؤ۔ پھر میں ٹرانسمیٹر بھی نکال لوں گا۔"

"چہرہ.... اچھا دیکھو....!" اجنبی نے اپنے بکھرے ہوئے بالوں میں انگلیاں دوڑائیں اور دوسرے ہی لمحے میں ڈاڑھی سر کے بالوں سمیت کسی پھل کے چھلکے کی طرح چہرے سے الگ ہوگئی۔

سنگرام ایک بار پھر سناٹے میں آ گیا۔ فنچ کے حلیئے کے متعلق اُس نے جو کچھ بھی سنا تھا اُس میں سرِ مو فرق نہیں تھا۔ وہی جھریایا ہوا چھوٹا سا چہرہ۔ ننھی ننھی چمکدار آنکھیں اور بندروں کی سی پیشانی۔"

"لیکن فنچ کا یہاں کیا کام۔"

"ہاہا...!" فنچ نے قہقہہ لگایا۔ "اگر یہاں کوئی کام نہیں ہے تو تم فنچ میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔"

سنگرام کچھ نہ بولا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔

"فضول ہے۔" فنچ نے کہا۔ "صندوق کھولو۔"

سنگرام جھک کر صندوق کھولنے لگا۔ فنچ کی چمکیلی آنکھیں اُس پر سے ایک لحظہ کے لئے بھی نہ ہٹیں۔ سنگرام نے ٹرانسمیٹر نکال کر صندوق پر رکھ دیا۔

"ڈاکٹر ڈریڈ سے کہو کہ سعیدہ رحمان والا معاملہ فنچ کو معلوم ہے اور وہ اس سلسلے میں اپنا بھلا بھی چاہتا ہے۔ ورنہ اس دور دراز ملک میں وہ بیچارا اپنے جسم اور روح میں رابطہ کس طرح قائم رکھے گا۔"

"اوہ... تو کیا یہ حقیقت ہے کہ ڈریڈ اس کا ذمہ دار ہے۔"

"چلو...!" فنچ نے آگے بڑھ کر ریوالور کی نال اُس کی کنپٹی پر رکھ دی اور پھر بولا۔ "اُس سے کہہ دینا کہ تم ماتھر کے یہاں سے بول رہے ہو۔"

سنگرام نے ٹرانسمیٹر میں کہنا شروع کیا۔ "ہلو... ہلو... ڈی ڈی پلیز... سکس تھری... اسپیکنگ...!"

"ہلاؤ...!" ایک بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

"میری کنپٹی پر فنچ کا ریوالور رکھا ہوا ہے۔ میں ماتھر کے یہاں سے بول رہا ہوں۔"

"ماتھر کہاں ہے۔"

"وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ فنچ کہتا ہے کہ سعیدہ رحمان والے معاملے میں اس کا بھی بھلا ہونا چاہئے۔"

"وہ خود کیوں نہیں بولتا۔"

"ہٹ جاؤ۔" فنچ نے سنگرام کو ایک طرف دھکا دیا لیکن ریوالور کی نال بدستور اُسکی کنپٹی سے لگی رہی۔

"فنچ اسپیکنگ۔"

دوسری طرف کسی درندے کی سی غراہٹ سنائی دی۔ "کیا بک رہے تھے تم۔"

"دنیا کا یہ حقیر ترین چیونٹا تمہیں تیسری بار آگاہ کرتا ہے کہ تمہاری موت اُسی کے ہاتھوں واقع ہوگی۔"

دوسری طرف سے ایک تضحیک آمیز سی ہنسی کی آواز آئی۔

"اور... سعیدہ رحمان والے قصے میں مجھے معقول حصہ ملنا چاہئے ورنہ میں سارا طلسم توڑ دوں گا۔"

"فنچ...!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ابھی تک میں تجھے صرف ایک سرکس کا مسخرہ سمجھ کر معاف کرتا رہا مگر اب...!"

"میں زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔" فنچ نے بندروں کی طرح دانت نکالے۔ "اگر تم نے اس معاملے میں میرے حصے کا خیال نہ رکھا تو بھگتو گے۔ تمہارا ایک ایک آدمی میری نظروں میں ہے... اوور...!"

فنچ ٹرانسمیٹر کے پاس سے ہٹ آیا۔ دوسری طرف سے بھی کوئی آواز نہیں آئی۔

"اب کیا ارادہ ہے۔" سنگرام نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔

"کچھ نہیں... اب تم آرام کرو۔" فنچ کے غیر متوقع طور پر اُسکے سر پر ریوالور کا کندہ رسید کر دیا۔

سنگرام نے لڑکھڑا کر سنبھلنا چاہا لیکن دوسرا ہاتھ پڑا اور وہ چکرا کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پہلے تو اُس کمرے میں کالے کالے گنجان دائرے سے چکراتے معلوم ہوئے اور پھر گہرا اندھیرا چھا گیا۔

کیپٹن حمید ہائی سرکل نائٹ کلب میں بیٹھا سارجنٹ رمیش سے دنیا کی بدترین عورتوں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ مقصد شام کی تفریح نہیں تھا بلکہ وہ ڈریڈ کے ایک ساتھی صفدر کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا۔ ہو سکتا ہے فریدی کے علاوہ فنچ بھی اُس کی اصلیت سے واقف رہا ہو ورنہ عام آدمی تو اُسے کسی بڑی فرم کا کوئی کمیشن ایجنٹ سمجھتے تھے۔ وہ ایک خوش پوش اور بظاہر شائستہ آدمی تھا لیکن نہ خوش پوشی شرافت کا معیار ہے اور نہ شائستگی۔ بہرحال وہ ڈاکٹر ڈریڈ کے ساتھیوں میں سے تھا اور آج فریدی نے حمید کو اس کے پیچھے لگا دیا تھا۔ لیکن حمید کو مقصد کا علم نہیں تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ ڈریڈ کے ساتھیوں میں سے ہے۔

صفدر شہر کے ایک بڑے آدمی کے ساتھ تھا اور اُن کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دوستوں کی حیثیت سے گفتگو کر رہے ہوں۔ حمید ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن سکتا تھا کیونکہ وہ اُس کے پیچھے والی میز پر تھے۔

کچھ دیر بعد اُسے لیڈی انسپکٹر ریکھا اور قاسم نظر آئے۔ وہ ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ ریکھا کو قاسم کے ساتھ دیکھ کر حمید کو بڑی حیرت ہوئی اور رمیش نے بھی تعجب ظاہر کیا۔ لیکن وہ دونوں خاموش

بیٹھے رہے۔ قاسم اور ریکھا نے انہیں دیکھ تو لیا تھا لیکن ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔

حمید کھٹک گیا۔ وہ اس کی میز کے قریب ہی کی ایک میز پر آبیٹھے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اُ طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا عموماً اُسے زک دی تاک میں رہا کرتی ہے۔

قاسم نے شائد کھانے کا آرڈر دیا تھا کیونکہ اُس کی میز سے ایک میز اور ملائی جارہی تھی۔ اُس کھانے کا آرڈر عموماً اتنا ہی لمبا ہوا کرتا تھا کہ کم از کم دو میزیں یقینی طور پر بھر جاتی تھیں۔

ریکھا اور وہ دونوں آہستہ آہستہ گفتگو کرتے رہے۔ اُس کے برخلاف حمید اور رمیش ا آوازوں میں بول رہے تھے۔ لیکن اب بھی اُن میں سے کوئی بھی ریکھا یا قاسم سے مخاطب نہیں ہوا یہی حالت اُن دونوں کی بھی تھی۔

مگر حمید غافل نہیں تھا وہ سمجھتا تھا کہ ریکھا کی موجودگی یقینی طور پر کسی نہ کسی فتنے کا پیش خیمہ ہے

قاسم کی میزوں پر پلیٹیں لگائی جانے لگی تھیں اور ریکھا اُس سے ہنس ہنس کر گفتگو کررہی تھی۔ ا بچھا جارہا تھا۔ اُس کے ہر انداز سے مترشح تھا کہ یہیں اسی جگہ "قربان" ہوجائے گا۔

دونوں نے کھانا شروع کیا۔ لیکن حمید کی نظریں برابر قاسم کی طرف لگی رہیں۔

اچانک وہ بے تحاشہ اپنی میز پر اوندھا ہوگیا اور چاول کی ایک بڑی پلیٹ اُس کے اوپر سے گز ہوئی صفدر کے منہ پر پڑی۔

ہال میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ وہ میز تو الٹ ہی گئی جس پر صفدر تھا۔ لوگ چاروں طرف سے اٹھ اب حمید نے دیکھا تو ریکھا رفوچکر ہوچکی تھی اور قاسم حیرت سے منہ پھاڑے بیٹھا تھا اور منہ میں ٹھن ہوئے چاول اُس کی گود میں گر رہے تھے۔

"اب کیا سچ مچ تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" صفدر کا ساتھی گرج رہا تھا۔ "اُس دن پرویز پلیٹ پھینکی تھی.... اور آج....!"

"قاسم بدستور بیٹھا رہا اور اُس کے کھلے ہوئے منہ سے چاول گرتے رہے۔ حمید اور رمیش درمیا کی میز سے اٹھ گئے تھے۔

"یہ کیا ہوا۔" رمیش نے آہستہ سے پوچھا۔

"گول رہو۔" حمید نے جواب دیا اور رمیش کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بھیڑ سے نکالتا ہوا سھول کے

پیچھے آگیا۔

"پولیس....!" صفدر کا ساتھی دہاڑا۔ "پولیس کو فون کرو۔"

پولیس کا نام سن کر قاسم جلدی جلدی منہ چلانے لگا اور پھر بچے کھچے چاولوں کو حلق سے اُتار کر ہکلایا۔ "پپ.... پولیس ہی نے پلیٹ.... پھکوائی تھی۔"

"پاگل خانے بھجواؤ۔" بیک وقت کئی آوازیں آئیں۔

"قون سالا.... بھجوائے غا۔" قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا اور اسطرح اچھلتے وقت دونوں میزیں الٹ گئیں۔ قریب کے دو چار لوگ اگر بڑی پھرتی سے پیچھے نہ ہٹ گئے ہوتے تو انکا زخمی ہوجانا لازمی تھا۔

اتنے میں دو تین کانسٹیبل ہال میں گھس آئے۔ شائد منیجر نے سڑک پر سے ڈیوٹی کانسٹیبلوں کو بلوالیا تھا۔

"کھسک چلو اب یہاں سے ورنہ بدنامی ہوگی۔" حمید آہستہ سے بولا۔

اور وہ دونوں چپ چاپ باہر نکلے آئے۔

"یہ ریکھا کی بچی بڑی چالاک بنتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا اُسی نے اُس کو اکسایا تھا۔" رمیش نے پوچھا۔

"قطعی.... وہ پلیٹ دراصل مجھ پر پھیکی گئی تھی۔"

"آہا....!" رمیش ہنس پڑا۔ "اسی لئے وہ کھسک بھی گئی۔"

دوسری صبح کے اخبارات نے قاسم کو سچ مچ پاگل قرار دے دیا۔ کیونکہ اُس کی سنائی ہوئی کہانی پر کسی کو یقین نہیں آیا تھا۔ کون باور کرلیتا کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا نے کیپٹن حمید پر چاول کی پلیٹ پھکوائی ہوگی۔ بعض اخبارات نے قیاس آرائی بھی کی تھی کہ سعیدہ رحمان کے اغواء میں حقیقتاً قاسم ہی کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔ اسی لئے اب وہ دوسروں پر بھی پلیٹیں پھینک پھینک کر خود کو پاگل ثابت کرنا چاہتا ہے۔

لیکن اُسی شام کے ایک اخبار نے پرویز کا بیان شائع کردیا۔ جو اپنی نوعیت کا ایک ہی تھا۔ پرویز نے کہا تھا۔

"نہ قاسم پاگل ہے اور نہ میں ہی دیوانہ ہوں۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ محکمہ سراغ رسانی کے سب سے مشہور آفیسر کرنل فریدی کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ کیا میری اس کہانی پر کسی کو یقین آئے گا کہ اُسی آفیسر نے مجھے شراب

پلا کر خان بہادر عاصم کی کوٹھی پر بھیجا تھا اور ہدایت کی تھی کہ میں عاصم صاحب کی جتنی بے عزتی کر سکتا ہوں کروں۔ کوئی نہیں یقین کرے گا.... اخبارات اس بیان پر بھی شبہ ظاہر کریں گے اور ہو سکتا ہے کہ کوئی جیالا یہ بھی لکھ ڈالے کہ اس طرح میں اور قاسم سعیدہ رحمان کو بانٹ کھانا چاہتے ہیں۔ مگر میں محکمہ سراغ رسانی سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس دیوانگی کا مطلب سمجھایا جائے ورنہ ہو سکتا ہے کہ مجھے آگے کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے۔''

کرنل فریدی نے اس بیان کو پڑھ کر ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔ ''ریکھا نے سچ مچ پچھلی رات ایک بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا۔''

''اس پر حمید کے تلووں سے لگی اور سر پر بجھی۔'' اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''اگر یہی حرکت مجھ سے سرزد ہوتی تو میں پرلے سرے کا گاؤدی اور گھامڑ قرار دیا جاتا۔ ریکھا.... ریکھا ہی ٹھہری۔ میں اس کی طرح لچک کر نہیں چل سکتا۔ نگاہوں سے بجلیاں نہیں گرا سکتا۔ اس طرح نہیں مسکرا سکتا کہ بہاریں لہلہا اٹھیں۔''

''بہاریں نہیں کھیتیاں لہلہایا کرتی ہیں فرزند.....!''

''سند ہے۔ اردو کے عظیم شاعر فراق نے کہا ہے۔ بہار جیسے لہلہائے.... ویسے لہلہانا بجائے خود ایک مضحکہ خیز لفظ ہے۔''

''میں الفاظ پر بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''تو میں ریکھا کی شان میں قصیدے ہی پڑھتا رہوں۔ اچھا تو سنئے۔''

''بس.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''بکواس نہیں۔''

''کیا مصیبت ہے۔ شاعری پیش کردوں تو بکواس ہے۔ نثر میں کچھ کہنا چاہوں تو بکواس ہے۔ آخر آپ کیا چاہتے ہیں۔ کتوں کی طرح بھونکا کروں یا گدھوں کی طرح رینکا کروں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے سامنے سنگرام سے ملی ہوئی فہرست پڑی تھی۔

''تو یہ آدمی تھا پچھلی رات صفدر کے ساتھ۔'' اُس نے ایک نام پر پنسل سے نشان لگاتے ہوئے کہا۔ ''اس بُری طرح ماروں گا کہ ڈاکٹر ڈریڈ زندگی بھر یاد رکھے گا۔''

''ہائیں تو کیا سچ۔ اس اغواء میں اُسی کا ہاتھ ہے۔ مگر وہ اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟''

''جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔ بہت بڑا فائدہ۔''

لڑکی اور لاش

لیڈی انسپکٹر ریکھا نے قاسم کا بیان جھٹلا دیا اور فریدی نے پرویز کا۔ کئی دن تک اخباری بحثیں چلتی رہیں اور پھر سناٹا ہو گیا۔ فریدی نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ سعیدہ رحمان کے اغواء کے ذمہ دار قاسم اور پرویز دونوں ہی ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے ان دونوں نے مل کر کوئی اسکیم بنائی ہو۔

لیکن صفدر نے قاسم کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کی تھی۔ حمید کیلئے یہ چیز باعث حیرت تھی۔ ...ے وہ جانتا تھا کہ جب تک فریدی کی زبان نہیں کھلے گی اُس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہی رہیں گے۔

اور اب تو اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ فریدی اپنا زیادہ تر وقت کہاں گذارتا ہے وہ صبح آفس جاتا آفس سے جو غائب ہوتا تو پھر کافی رات گئے گھر پر ملاقات ہوتی۔ آج کل نہ وہ حمید کو کسی بات پر ...تا تھا اور نہ اس سے کوئی کام ہی لیتا تھا۔ غالباً اُسے اُس کو ٹوکنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔

حمید چین کر رہا تھا۔ راوی عیش لکھتا تھا ان دنوں۔

اور انہیں دنوں کی بات ہے کہ شہر میں فیشن ایبل بکروں کی بہتات ہو گئی تھی۔ کالجوں کے طلباء نے ...ے پالنے شروع کر دیئے تھے اور انہیں ان کے جدید ترین لوازمات سمیت ساتھ لئے پھرا کرتے ...۔ یہ بکرے کبھی کبھی سڑکوں پر لڑ پڑتے اور ٹریفک بند ہو جاتا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ یہ بکرے آؤٹ ... کنٹرول ہو جاتے اور اُن کے مالکوں کو خوانچہ فروشوں اور حلوائیوں کو تاوان بھی ادا کرنا پڑتا۔ مگر فیشن ...بکروں کی تعداد میں کمی نہیں ہوتی تھی۔

بہتیرے شرفا نے فلٹ ہیٹ پہننا اور ٹائی لگانا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ ایسی حالت میں بکروں سے ...یں نہیں چار کر سکتے تھے۔ ان بیچاروں کے پاس اتنے عمدہ فلٹ اور ٹائیاں نہیں تھیں کہ وہ بکروں کی ...نچ کا مقابلہ کر سکتے۔

وہ صرف اتنا ہی کر سکتے تھے کہ کیپٹن حمید کو بددعائیں دیتے رہیں جس سے یہ چلن نکلا تھا۔ سینما ...ل اور دوسری تفریح گاہوں کے منتظمین تو اُسے اٹھتے بیٹھتے گالیاں دیا کرتے تھے کیونکہ فیشن ایبل ...وں کی وجہ سے بعض اوقات انہیں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ طلباء مصر ہوتے کہ اُن کے ...اُن کے بکرے بھی راجکپور کی بے ہنگم اچھل کود سے محظوظ ہونے کا پورا پورا حق رکھتے ہیں وہ بھی

فلموں میں پیش کئے جانے والے سماجی مسائل پر سنجیدگی سے جگالی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی اُس غزل
آنسو بہانا چاہتے ہیں جو ہر فلم کی ہیروئن محبوب سے بچھڑ جانے پر سیاہ کپڑے پہن کر سناتی ہے۔

انہیں دنوں کی ایک شام کا ذکر ہے کہ حمید اپنے بکرے سمیت فریدی کی ایئر کنڈیشنڈ لنکن میں
کررہا تھا۔ بکرا پچھلی نشست کی کھڑکی سے سر نکالے ان بکروں پر حقارت بھری نظریں ڈالتا جا رہا
اُس کی طرح ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔ اچانک ایک خونخوار قسم کا السیشن کار
پیچھے دوڑنے لگا۔ چونکہ یہ شہر کی ایک بھری پُری سڑک کا واقعہ تھا اس لئے حمید کار کی رفتار تیز نہ کر سکا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بار کتے نے بکرے پر جھپٹا مارا۔ بکرے نے بوکھلا کر سر اندر کرنا چاہا لیکن اس
سینگیں کھڑکی کے اوپری حصے سے لگ کر رکاوٹ بن گئیں۔ وہ بڑی کربناک آواز میں چیخا اور حمید
کار سڑک کے کنارے لگا کر روک دی۔ کتا آدھے دھڑ سے کار میں گھس آیا اور بکرے نے کسی سہمی
محبوبہ کی طرح حمید کے بائیں شانے پر تھوتھنی رکھ دی۔

حمید نے کتے کے سر پر ایک زوردار گھونسہ رسید کر دیا اور کھڑکیوں کے شیشے چڑھا کر کار سے
اتر آیا۔ کتا اب بھی اچھل اچھل کر کار پر حملے کر رہا تھا۔ حمید چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا۔ کئی راہ گیر
رک گئے تھے۔ ان میں ایک آدھ بکروں کے ہمدرد بھی تھے۔ انہوں نے حمید سے کہا بھی کہ اُسے
فاشی کتے کے خلاف کوئی سخت کارروائی کرنی چاہئے لیکن حمید شائد کتے کے مالک کا منتظر تھا۔

یہ ایک اونچا السیشن کتا تھا اور اُس کے گلے میں پڑے ہوئے پٹے اور پیتل کے میونسپل پاس
ظاہر تھا کہ وہ کسی بڑے گھرانے کا فرد ہے۔

دفعتاً ایک چھوٹی سی کار وہاں آ کر رکی اور ایک ادھیڑ عمر کی سفید فام عورت کتے کو آواز دیتی
کار سے اُتر آئی۔

"معاف کیجئے گا۔" عورت نے حمید سے کہا۔ "یہ کتا کار سے کود کر بھاگا تھا۔"

لیکن جیسے ہی اُس کی نظر حمید کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے بکرے پر پڑی وہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔
حمید کو اب بکرے کتے اور اُس بوڑھی عورت سے کوئی دلچسپی نہ رہ گئی تھی کیونکہ عورت کی کار کی پچھلی نش
پر اُسے سنگرام نظر آ گیا تھا اور اُس کے برابر بیٹھی ہوئی لڑکی بلاشبہ بے حد حسین تھی لیکن وہ بھی غیر ملکی
تھی۔ سنگرام حمید کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کا اس طرح دیکھ لیا جانا اُسے پسند نہ آیا ہو۔
بوڑھی عورت کتے کا پٹہ پکڑے ہوئے اُسے اپنی کار کی طرف لے جا رہی تھی۔ اُس کی کار روانہ ہو

...کے پاس ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حمید نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کی اور اسی کے پیچھے چل پڑا۔

کچھ دیر کے بعد وہ کار آرلیکچو کی کمپاؤنڈ میں رکی۔ سنگرام کے ساتھ وہ لڑکی بھی اُتری۔ وہ تینوں
میں داخل ہوئے۔ کتے کو کار میں بند کر دیا گیا تھا۔ حمید نے اپنی کار اُسی کے قریب کھڑی کر دی اور
اتر کر کار کو مقفل کر دیا۔ کتا دوسری کار میں بے بسی سے اچھل کود رہا تھا اور بکرے نے کچھ اس انداز
سنجیدگی سے جگالی شروع کر دی تھی جیسے "بچوں کی باتوں کا بُرا نہیں مانا کرتے۔"

حمید نے ہال میں قدم رکھتے ہی چاروں طرف دیکھا لیکن اُن کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ریکریئیشن ہال سے
...قی کی مدہم سی آواز آ رہی تھی۔ حمید کے قدم اُدھر ہی اٹھ گئے۔ ممکن ہے وہ ریکریئیشن ہال ہی میں ہوں۔

اس کا خیال صحیح نکلا۔ وہ وہیں تھے۔ حمید نے انہیں بائیں جانب والی گیلری میں بیٹھے دیکھا اور خود
اُسی طرف چل پڑا۔ ان کے قریب ہی کی ایک میز خالی تھی۔ حمید نے سنگرام پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی
...ری کھینچ کر بیٹھ گیا۔ سنگرام کی پشت اس کی طرف ہو گئی تھی مگر وہ لڑکی سامنے ہی تھی۔ حمید پائپ میں
...بھرنے لگا۔ مگر لڑکی بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ وہاں بیٹھنا نہیں
...تی۔ اُس کے برخلاف بوڑھی عورت کا چہرہ بہت پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس کی نظر ایک بار حمید کی
...ٹھی۔ اس کے ہونٹ خفیف سے کھلے اور پھر وہ بے اختیار مسکرا پڑی۔ حمید نے اُسے آگے جھک
...ام سے کچھ کہتے دیکھا اور لڑکی اُسے غور سے دیکھنے لگی لیکن سنگرام اُس کی طرف نہیں مڑا۔

بوڑھی عورت حمید میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس سے گفتگو
...نے کے لئے بے چین ہو۔ ان کی میزوں میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

دفعتاً بوڑھی عورت نے کہا۔ "اگر آپ تنہا ہوں تو اس میز پر آ جائیے۔"

"اوہ شکریہ.....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ اس کی دانست میں اس کی ٹیلی پیتھی کام آ گئی تھی۔

وہ بوڑھی عورت کے قریب بیٹھ گیا۔ سنگرام کچھ نروس سا نظر آنے لگا تھا جس کی وجہ کم از کم حمید کی
سمجھ میں آ گئی کیونکہ سنگرام اس سے پہلے ہی فریدی کی لسٹ پر آ چکا تھا اور اسے اس کا علم بھی تھا۔

"آپ کی کار میں بکرا دیکھ کر مجھے بڑی ہنسی آئی تھی۔" بوڑھی عورت نے کہا۔

"لیکن آپ کی کار میں کتا دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔" حمید بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ لوگ کتا
پالتے ہیں۔"

"اچھا مجھے فی الحال اجازت دیجئے۔" سنگرام بول پڑا۔ "میں طبیعت میں کچھ گرانی محسوس کر رہا ہوں۔"

"اوہ بیٹھیے نا۔" بوڑھی عورت بولی۔

"کچھ دیر کے لئے کھلی ہوا چاہتا ہوں۔ پھر میں واپس آ جاؤں گا۔" سنگرام نے کہا اور جواب انتظار کئے بغیر اٹھ گیا۔ حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ اب اُس چہرے پر اضطراب کے آثار نہیں تھے۔

"یہ واقعی ایک دلچسپ جدت ہے۔" بوڑھی عورت نے حمید کو مخاطب کیا۔

"آپ کیا کرتے ہیں۔"

"میں ایک طالب علم ہوں۔"

"یہ میری بھتیجی سارہ نرگس ہے۔" بوڑھی نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اور میں حمید ہوں۔" حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ دونوں نے رسمی جملے سیدھے بیٹھ گئے۔

حمید نے بوڑھی سے کہا۔ "اب پڑھے لکھے لوگ عام طور پر بکرے پالنے لگے ہیں اور بکرا قیمتیں اونچی ہوگئی ہیں۔"

"میں نے اکثر نوجوان کے ساتھ بکرے دیکھے ہیں۔ مگر میں کسی نہ کسی سے اس کا مقصد کرنے کے لئے بیتاب تھی۔"

"بکرا پالنے سے دراصل بچت ہوتی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کیونکہ گوشت مقابلے میں گھاس بہت سستی ملتی ہے۔ کتا پالئے تو گوشت کا مسئلہ۔ پھر اُسے روزانہ نہلائیے دھ بکرے کو کبھی نہ نہلائیے۔ اُسے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ کہیں سفر میں ہوں اور کھانے کو کچھ ن بکرے کو ذبح کیجئے اور نہایت اطمینان سے کباب لگائیے۔ آپ روزانہ کتے کا پیٹ بھرتی ہیں وہ آپ کے لئے ایک وقت کا بھی کھانا مہیا کرسکتا ہے۔ ہرگز نہیں.... اور پھر بکرے کی صحبت آ اور بردبار بناتی ہے۔"

لڑکی بھی ہنس پڑی اور حمید دل ہی دل میں اپنے بکرے کو دعائیں دیتا رہا۔

"آپ بہت دلچسپ نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔"

"بس نوجوان معلوم ہی ہوتا ہوں ورنہ بکرے کی صحبت نے مجھے سقراط بنادیا ہے۔"

"آپ واقعی بے حد دلچسپ ہیں۔" لڑکی نے ہنستے ہوئے پہلو بدلا۔

"مجھے آج تک اس کا احساس نہیں ہوسکا۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مگر مجھے افسوس ہے کہ میرے آتے ہی آپ کے ایک ساتھی یہاں سے اٹھ گئے۔"

"اوہ...اس کی فکر نہ کیجئے۔" لڑکی مسکرائی۔ "مجھے دراصل نئے دوست بنانے کا بے حد شوق ہے۔"

"اگر آپ ایک بکرا پال لیں تو روزانہ نئے دوستوں کی تلاش میں زحمت نہ اٹھانی پڑے۔"

"وہ کیسے.... آپ تو مدلل گفتگو کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔"

"جی.... لیکن اس کے لئے میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ویسے میں محسوس یہی کرتا ہوں۔ جب سے بکرا ہاتھ آیا ہے میں نے دوست بنانا ترک کردیا ہے۔ گھر سے بہت کم نکلتا ہوں۔ جب میں اداس ہوتا ہوں تو مجھے اس کی آنکھوں میں اپنا مستقبل نظر آتا ہے۔ ان میں بہاریں رقص کرتی ہیں.... دراصل ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی سرگوشیوں میں کہہ رہا ہو یہی تمہاری منزل ہے واپس آ جاؤ.... واپس آجاؤ۔ پھر میرے کانوں میں گھنٹیاں سی بجتی ہیں۔ ہلکی ہلکی مترنم گھنٹیاں.... جو کبھی لوریاں بھی معلوم ہوتی ہیں اور میں اس کی سینگوں پر سر رکھ کر سو جاتا ہوں۔"

حمید بڑے رومانی انداز میں بک رہا تھا اور وہ دونوں ہنس رہی تھیں۔

رمبا کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید نے لڑکی سے رقص کی درخواست کی۔

"پہلے جاکر بکرے سے پوچھ آیئے۔" لڑکی کہتے کہتے ہنس پڑی۔

"چونکہ میں اس کے ساتھ رقص نہیں کرپاتا اس لئے اُس نے اجازت دے رکھی ہے۔ کئی بار میں نے کوشش کی ہے کہ اُسے اس ڈھب پر بھی لے آؤں لیکن وہ سیدھا کھڑا ہونے سے انکار کردیتا ہے۔"

لڑکی ہنستی ہوئی کھڑی ہوگئی اور وہ رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ حمید کا دماغ چوتھے آسمان پر تھا۔

کچھ دیر تک وہ خاموشی سے ناچتے رہے پھر لڑکی نے کہا۔ "ہمارے ساتھ جو یہ آدمی تھا کیا آپ اسے جانتے ہیں۔"

"نہیں تو.... میں کیا جانوں۔ اگر ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے تو وہ کبھی اس طرح اٹھ کر نہ جاتا۔" حمید نے جواب دیا۔

"معاف کیجئے گا۔ آپ بھی بار بار اُسے گھور رہے تھے۔ ویسے وہ بھی آپکو دیکھ کر پریشان ہوگیا تھا۔"

"بھئی مجھے اس کا احساس نہیں ہوسکا۔ ممکن ہے آپ درست کہہ رہی ہوں۔"

''آپ مجھے نہیں بتانا چاہتے۔'' لڑکی نے مغموم آواز میں کہا۔

''آپ بھی تو اُس کی موجودگی میں کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آ رہی تھیں لیکن اُس کے جاتے ہی آپ کے چہرے پر اطمینان بکھر گیا تھا۔ بولئے اب آپ خاموش کیوں ہیں۔'' حمید نے سوال کیا۔

لڑکی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ ''میں اُس سے ڈرتی ہوں اور وہ آپ سے ڈرتا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ آپ سے خائف ہو کر اُٹھ گیا تھا۔ تو پھر آپ کون ہیں۔''

''بکرے کا مالک اور ایک اُداس طالب علم.... آہا.... کہیں وہ میرے بکرے کو اڑا دینے کی تاک میں نہ ہو۔''

''اب آپ بات اڑا رہے ہیں۔ آپ بتائیے کہ آپ کون ہیں۔ وہ آپ سے کیوں ڈر گیا تھا۔''

''لیکن آپ اُس سے کیوں ڈرتی ہیں۔''

''وجہ ہے۔''

''تو اس کی بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہوگی۔''

''میں اُسے معلوم کرنا چاہتی ہوں۔''

''یہی جملہ میری طرف سے بھی اپنے لئے کہہ لیجئے۔''

''کیا آپ کوئی پولیس آفیسر ہیں۔'' لڑکی نے اچانک سوال کیا۔

''کیوں؟ کیا وہ کوئی بُرا آدمی تھا جو پولیس آفیسروں سے خائف ہو سکے۔''

''یقیناً وہ ایک بُرا آدمی ہے۔''

''اور آپ کو بلیک میل کرنے کے چکر میں ہے.... کیوں؟''

''تو آپ اُسے جانتے ہیں۔'' لڑکی نے ایک طویل سانس لی۔ ''اور وہ آپ سے خائف تھا اس لئے میں آپ کو کوئی بڑا پولیس آفیسر ہی سمجھ سکتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ پر اعتماد کر لوں۔ آپ مجھے اُس کی دستبرد سے بچا سکتے ہیں۔''

''یہ بکرے کی موجودگی ہی میں ممکن ہے ورنہ وہ مجھ سے شکوہ کرے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔ ''اگر میں ناچتے ناچتے آپ کو پرے دھکیل کر چیخنے لگوں تو کیسی رہے۔''

''اوہو....!'' حمید مسکرایا۔ ''آپ تو اس بلیک میلر کی بھی چچی معلوم ہوتی ہیں۔ خیر آپ بتائیے کہ

وہ آپ کو کیوں بلیک میل کر رہا ہے۔''

''پہلے آپ بتائیے کہ آپ کون ہیں۔''

''اگر میں یہی کہہ دوں کہ میں ایک پولیس آفیسر ہوں تو اس کیلئے میرے پاس دلیل کیا ہوگی۔ میری پیشانی پر تو اس قسم کی کوئی تحریر ہے نہیں جو میرے بیان کی تصدیق کر سکے۔ آپ کیسے یقین کر لیں گی۔''

''میں یقین کر لوں گی کیونکہ میرا دل بہت دیر سے یہی کہہ رہا ہے۔''

''اچھا تو میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ اور وہ بلیک میلر مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے۔''

''شکریہ! اَب میں آپ کو اپنی کہانی سنا سکتی ہوں۔ لیکن ساتھ ہی آپ کی شرافت سے یہ توقع بھی رکھوں گی کہ آپ اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کریں گے۔ میری پھوپھی کو اگر اس کا علم ہو گیا تو میرا مستقبل برباد ہو جائے گا۔''

''آپ مطمئن رہئے ایسا نہیں ہو سکے گا۔''

''میری پھوپھی... مسز بلفرائی ایک دولت مند خاتون ہیں۔ ممکن ہے آپ نے انکا نام پہلے بھی سنا ہو۔''

''میں نے سنا ہے۔ یہاں ان کے کئی کاروبار ہیں۔ اُوہو تو یہ مسز بلفرائی ہیں۔''

''جی ہاں.... میں اُن کی تنہا وارث ہوں.... وہ میری شادی لندن کے ایک متمول گھرانے میں کرنا چاہتی ہیں اور مجھے بھی یہ رشتہ برا نہیں لگتا کیونکہ نکی مجھے بہت پسند ہے۔ ہم ایک دوسرے کے گہرے دوست بھی ہیں اور نکی بھی مجھ سے شادی کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔''

''ہاں تو خاموش کیوں ہو گئیں۔''

''اس آدمی کے ہاتھ میرے کچھ خطوط لگ گئے ہیں۔ جن سے غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں حالانکہ وہ کسی بُرے ارادے سے نہیں لکھے گئے تھے۔ نکی سے پہلے بھی میرا ایک دوست تھا لیکن ہم دونوں میں صرف ذہنی رشتہ تھا۔ میں نے وہ خطوط اُسی کو لکھے تھے۔ بہرحال وہ کسی طرح اس آدمی کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر وہ خطوط منظر عام پر آ گئے تو نکی سے میری شادی نہ ہو سکے گی اور کچھ تعجب نہیں کہ میں پھوپھی کے ترکے سے بھی محروم ہو جاؤں کیونکہ وہ بھی اسے پسند نہ کریں گی۔ وہ ایک ضدی طبیعت کی عورت ہیں جو کچھ اُن کے ذہن میں بیٹھ جائے اس کا نکلنا قریب قریب ناممکن ہو جاتا ہے۔''

''وہ آپ کو کب سے بلیک میل کر رہا ہے۔''

"تقریباً چھ ماہ سے۔"

"کافی رقم اب تک وصول کر چکا ہوگا۔"

"کافی سے بھی زیادہ۔"

"خیر! اَب نہ کر سکے گا۔ اُسے جلد ہی آپ کی راہ سے ہٹا دیا جائے گا۔ لیکن آپ کی پھوپھی اُسے کس حیثیت سے جانتی ہیں۔"

"میرے ایک ملنے والے کی حیثیت سے۔ اور وہ اسی طرح میرے سر پر سوار رہتا ہے۔"

"بہت جلد.... آپ فکر نہ کیجئے۔"

"میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی۔"

"احسان مند رہنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔" حمید نے مایوسی سے کہا۔

"پھر.... پھر.... آپ کیا چاہتے ہیں۔" لڑکی ہکلائی۔

"ایک قربانی....!"

"کیا میں نہیں سمجھی۔" لڑکی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

"کتا فروخت کر کے ایک بکرا خرید لیجئے۔ اس طرح آپ مجھے لندن میں بھی یاد رکھ سکیں گی اور میری اس "بکرا پسند" تحریک کی اشاعت بھی ہوتی رہے گی۔"

لڑکی ہنسنے لگی.... اس نے کہا۔ "میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔"

"مگر بکرا نہیں رکھیں گی.... کیوں؟" حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

اچانک آرکسٹرا خاموش ہو گیا اور ہال کے ایک حصے میں بدنظمی سی نظر آنے لگی۔ پھر یہ بدنظمی ایک خاصے ہنگامے میں تبدیل ہو گئی۔

"قتل ہو گیا" ایک آدمی نے کہا اور دوڑتا ہوا حمید سے ٹکرا گیا تھا۔

"کیا؟" لڑکی نے حیرت سے کہا۔

"قتل ہو گیا" حمید نے جواب دیا۔

اچانک لاؤڈ سپیکر سے کسی کی آواز آئی۔ "خواتین و حضرات! آپ جہاں بھی ہیں وہیں تشریف رکھیں سارے دروازے پولیس نے بند کرا دیئے ہیں۔ آپ باہر نہ جا سکیں گے۔"

"کیوں نہ جا سکیں گے۔" بہت سی آوازیں بیک وقت ہال میں گونجیں۔

"اوپری منزل کے ایک غسل خانے سے ایک لاش برآمد ہوئی ہے۔" لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔

"میرے خدا قتل....!" لڑکی کانپنے لگی۔

"اب باہر جانا مشکل ہوگا۔ آپ وہیں اپنی میز پر بیٹھئے۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"ابھی آیا.... چلئے.... بیٹھئے۔"

حمید اُس کو بوڑھی کے پاس چھوڑ کر ڈائننگ ہال میں پہنچ گیا۔ یہاں سچ مچ پولیس موجود تھی۔

"انچارج کون ہے۔" حمید نے ایک کانسٹیبل سے پوچھا جو اُسے پہچانتا تھا۔

"جگدیش صاحب۔" اُس نے اُسے سلیوٹ کر کے جواب دیا۔ "وہ اوپر ہی ہیں جناب۔"

حمید زینے طے کر کے اوپر پہنچا۔ پہلی ہی منزل کی راہداری میں بھیڑ نظر آئی۔ وہیں ایک غسل نے میں لاش اوندھی پڑی ہوئی تھی اور ایک خنجر دل کے مقام پر دستے تک پیوست تھا۔ حمید کی آنکھیں ت سے پھیل گئی تھیں کیونکہ یہ سنگرام کی لاش تھی۔

وہ جگدیش کے کسی سوال کا جواب دیئے بغیر نیچے واپس آیا اور منیجر کے کمرے میں جا کر اُن مقامات نمبر ڈائیل کرنے کا ارادہ کیا جہاں فریدی سے ملاقات ہو سکتی تھی لیکن وہ خلاف توقع گھر ہی پر مل گیا۔

"سنگرام یہاں آرلکچو میں ابھی ابھی قتل کر دیا گیا۔" حمید نے کہا۔

"اوہ....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ابھی ابھی قتل کیا گیا ہے۔"

"کچھ دیر پہلے وہ اُسی میز سے اٹھا تھا جس پر میں تھا۔"

"کیا مطلب! تم اُس کے ساتھ تھے۔" فریدی کی آواز میں حیرت تھی۔

"نہیں وہ جس لڑکی کے ساتھ تھا میں اُس لڑکی....!"

"لڑکی کے بچے۔" فریدی غرایا۔ "تم میرا کام چوپٹ کرتے رہتے ہو۔ اُس کی موت کی تمام تر ذمہ داری تم پر ہے۔ وہیں ٹھہرو.... میں آرہا ہوں۔"

حمید بوکھلا کر منیجر کے کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ وہ لڑکی آ ٹکرائی شائد وہ اُسے تلاش کرتی پھر ہی تھی۔

"آپ کہاں ہیں۔ مجھے ڈر معلوم ہو رہا ہے۔"

"اب تم زندگی بھر کے لئے مطمئن ہو جاؤ۔ وہ مار ڈالا گیا۔ وہی جو تمہیں بلیک میل کر رہا تھا۔"

''نہیں....!'' لڑکی سناٹے میں آ گئی۔

''ہاں....وہی....لیکن اب تم خدا کے لئے اپنی میز پر جاؤ۔ میرا ظالم فادر آ رہا ہے۔ اگر وہ نہ آئے تب بھی اگر کسی نے اشارہ بھی کر دیا کہ وہ تمہاری میز سے اٹھا ہے تو تم لوگ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گی....جاؤ....جب دروازے کھلیں تو چپ چاپ نکل جانا۔''

لڑکی بوکھلائے ہوئے انداز میں چلی گئی۔

حمید فریدی کا انتظار کرتا رہا۔ وہ پندرہ منٹ بعد وہاں پہنچ گیا۔ لاش دیکھی اور پھر نیچے آ گیا۔

حمید نے خود ہی پوری داستان دہرائی۔ فریدی کا موڈ بہت زیادہ خراب نظر آ رہا تھا۔

''وہ دونوں کہاں ہیں۔''

''چلئے دکھاؤں۔'' حمید اُسے ریکریئیشن ہال کے دروازے تک لے گیا اور اشارے سے ا دونوں کو دکھا کر کہا۔ ''وہ رہیں....میں نہیں کہہ سکتا کہ لڑکی کے بیان میں کہاں تک صداقت ہے۔''

''ہاں....یہ مسز بلفرائی ہی ہے۔'' فریدی بڑبڑایا۔ ''خیر میں انہیں پھر دیکھوں گا۔ تم بالکل گدھے ہو۔ تمہیں علم تھا کہ میں سنگرام سے کام لے رہا ہوں۔''

''میں سنگرام کے چکر میں نہیں تھا۔''

''میں تم سے سمجھوں گا حمید۔ ایسی سزا دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔''

فریدی نے کہا اور اُسے وہیں چھوڑ کر پھر اوپری منزل کی طرف چلا گیا۔

حمید ایک میز سے ٹکا کھڑا اپنی پیشانی رگڑتا رہا۔

اور پھر کیا ہوا

حمید نے وہ رات نہ جانے کس طرح گذاری۔ فریدی رات بھر گھر سے غائب رہا۔ صبح واپس آیا اس کا موڈ پچھلی رات سے بھی زیادہ خراب تھا۔ نہ اُس نے حمید سے بات کی اور نہ اُسکی طرف متوجہ ہوا حمید نے بھی چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اُسے بھی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا۔ جب اُ معلوم تھا کہ فریدی اور سنگرام کے درمیان کسی قسم کا سمجھوتہ ہوا ہے تو اُسے اُس سے دور ہی رہنا چاہئے تھا مگر بُرا ہو اس حسن پرستی کا۔ اُس نے اُسے دو کوڑی کا آدمی بنا دیا تھا۔ ایسے ہی مواقع پر وہ تھوڑا دیر کے لئے عورتوں کے سلسلے میں فریدی کو ایک دانش مند ترین آدمی تسلیم کر لیتا تھا۔

فریدی اپنی خواب گاہ میں چلا گیا اور حمید کٹے ہوئے پتنگ کی طرح اِدھر اُدھر ڈولتا رہا۔

کچھ دیر بعد اُسے ایک نوکر نے اطلاع دی کہ کوئی لڑکی جس کا نام سارہ ٹرگیس ہے اُسے فون پر بلا رہی ہے۔

''سارہ ٹرگیس۔'' حمید نے ایک جھرجھری سی لی اور بولا۔ ''اُس سے کہہ دو....کیپٹن حمید کو گولی مار دی گئی۔''

''جی صاحب۔''

''ابے بھاگ....جی صاحب کا بچہ۔ جب بھی کسی عورت کا فون آئے کہہ دو کپتان صاحب مر گئے....ہاں....گٹ آؤٹ۔''

نوکر چپ چاپ چلا گیا۔ غالباً آج یہ اس کے لئے ایک بالکل ہی نئی بات تھی۔

حمید اب اُسی لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کون جانے سنگرام کے قتل میں اُسی کا ہاتھ ہو۔ وہ اُسے بلیک میل کر رہا تھا۔ ممکن ہے اُس سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پانے کے لئے وہ یہ بھی کر گذری ہو۔ جو لڑکی مالی اعتبار سے اتنی مضبوط ہو کہ چھ ماہ تک کسی بلیک میلر کے مطالبات پورے کر سکے وہ اُسے قتل کرا دینے کے لئے بھی معقول رقم خرچ کر سکتی ہے۔ لہٰذا فریدی کا یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ ہی اس قتل کا ذمہ دار ہے۔ اس نے فریدی کو سارہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا لیکن اُس نے اس سلسلے میں کیا کیا؟ حمید کو اس کا علم نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد وہ بھی اپنی خواب گاہ میں آ گھسا۔ لیکن ابھی اُسے آفس جانا تھا۔ ہمت نہیں پڑی کہ فریدی سے اُس کے پروگرام کے متعلق پوچھتا۔

دس بجے وہ آفس چلا گیا لیکن ایک گھنٹے بعد فریدی کا فون آیا۔ اُس نے اُسے گھر واپس بلایا تھا۔

گھر پہنچتے ہی فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی لیکن وہ اچھے موڈ میں تھا۔ حمید کو پہلے تو اس پر حیرت ہوئی مگر پھر اس کا وہ جملہ یاد آ گیا جو اُس نے پچھلی رات آرلکچنو میں کہا تھا یعنی وہ اسے کوئی سخت ترین سزا دے گا۔ ایسی جو زندگی بھر یاد رہے گی۔

''تمہیں فن آئی لینڈ جانا ہے۔'' فریدی نے اُس سے کہا۔

''چلا جاؤں گا۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''آپ نے سارہ ٹرگیس کو چیک کیا یا نہیں۔ وہ سنگرام کو قتل کرا دینے کی بڑی اہم وجہ رکھتی ہے۔''

"اسے چیک کیا جا رہا ہے۔ لیکن اُس کے قتل کا باعث ڈریڈ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ میری ہی طرح اُس نے بھی اُسے ایک کام کے لئے ڈریڈ کے خلاف استعمال کیا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ سنگرام ڈریڈ کے دوسرے ساتھیوں کی طرح کٹھ پتلی نہیں تھا بلکہ ڈریڈ سے اپنا پیچھا بھی چھڑانا چاہتا تھا۔ اُس کے لئے اُس نے ڈریڈ کے متعلق معلومات فراہم کرنے کی کوشش بھی کی تھی اور کیا تمہیں علم ہے کہ اس کی لاش کے نیچے سے ایک پنسل اور کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی برآمد ہوا تھا۔

"نہیں.... میں نہیں جانتا۔"

"وہ تمہارے لئے ایک چٹ لکھ رہا تھا۔"

"میرے لئے....!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا اور اُسے حمید کی طرف بڑھا دیا۔

پنسل سے تین لائنیں گھسیٹی گئی تھیں اور تیسری نامکمل تھی۔

"کپتان صاحب۔ آخر آپ کیوں میری
زندگی کے گاہک ہوئے ہیں۔ کیا کرنل صاحب کی
طرف سے آپ کو ہدایت ملی......

وہ غالباً "ہدایت" کے بعد "ملی...." لکھ رہا تھا اُسی وقت اس پر حملہ ہوا اور "ملی" کی "ی" دائرہ بنا سکی۔ دفعتاً حمید کے ذہن پر ہتھوڑے سے چلنے لگے اور وہ سچ مچ خود کو مجرم تصور کرنے لگا۔ سنگرام ایک بُرا آدمی سہی لیکن اُس نے ڈریڈ کے خلاف قانون کی مدد کرنے کا تہیہ کر لیا تھا حمید نے اس کے لئے ہمدردی کے جذبات محسوس کئے اور اُس کے چہرے پر اضمحلال نظر آنے لگا۔

"ڈریڈ اُسے قتل نہ کراتا۔" فریدی کہہ رہا تھا۔ "مگر وہ سعیدہ رحمان کے اغواء کے راز سے واقف ہو گیا تھا اس کی اطلاع اُسے فنچ سے ملی تھی۔"

"تو یہ فنچ حقیقتاً اب بھی یہاں موجود ہے۔"

"ہاں اُن دونوں کے درمیان کسی قسم کا جھگڑا چل رہا ہے۔"

کچھ دیر حمید خاموش رہا پھر بولا۔ "جزیرے میں مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"انتظار.... ایک اشارے کا منتظر رہنا پڑے گا تمہیں..... جو بڑے ٹیلے پر سے رات کو کسی وقت تمہیں ملے گا اور تم ٹیلے کے قریب پہنچنے کی کوشش کرو گے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈریڈ کا ہیڈ کوارٹر جزیرے

ہیں کہیں ہے اور شہر سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے وہی سفید کشتی استعمال کی جاتی ہے۔"

"میں آج آپ سے بحث نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن وہ اشارہ کس قسم کا ہوگا۔"

"سرخ روشنی۔" فریدی مسکرایا۔ "نہیں تم شوق سے بحث کرو۔ مجھے پچھلی رات تم پر بہت شدت ے غصہ آ گیا تھا لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ اس لئے نہیں مارا گیا کہ تم اُس کے ساتھ تھے۔ اگر یہ ت ہوتی تو قاتل یہ دیکھنے کی کوشش ضرور کرتا کہ وہ کاغذ پر کیا لکھ رہا تھا اور شائد کاغذ کا یہ ٹکڑا میرے ہ نہ لگ سکتا۔ وہ دراصل سعیدہ رحمان کے اغواء کے راز سے واقف ہو جانے کی بناء پر مارا گیا۔"

"شکر ہے۔" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میری گردن تو چھوٹی۔"

"تمہیں میک اپ میں فن آئی لینڈ جانا ہوگا۔" فریدی خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔

❁

رات تاریک تھی۔ حمید کی کلائی کی گھڑی نے دس بجائے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ مضطربانہ انداز ں بڑے ٹیلے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ فرائی فش ریستوران کی ایک ایسی کھڑکی کے قریب بیٹھا تھا جہاں ے بڑا ٹیلہ صاف نظر آتا تھا۔ چلتے وقت فریدی نے بھی اُس سے یہی کہا تھا کہ وہ فرائی فش ریستوران ے بڑے ٹیلے پر نظر رکھ سکے گا۔

ریستوران میں صرف تین میزیں بھری ہوئی تھیں بقیہ خالی ہو چکی تھیں نو بجے تک جزیرے میں دا چہل پہل رہا کرتی تھی اس کے بعد ہی سے وہ ویران ہونے لگتا تھا۔ لیکن یہاں بھی اکثر ایسے یستوران تھے جو رات بھر کھلے رہتے تھے۔ حمید شام سے یہیں بیٹھا رہا تھا اور اب اکتا گیا تھا۔ اُسے ل کا بھی علم نہیں تھا کہ اشارہ کس سے ملے گا اور پھر ٹیلے کے قریب پہنچ کر اُسے کیا کرنا پڑے گا۔ وہ بٹھا رہا.... پھر ٹھیک گیارہ بج کر پانچ منٹ پر اُسے ٹیلے پر سرخ روشنی نظر آئی اور وہ اٹھ کر ریستوران ے ٹیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُسے وہ رات یاد آ رہی تھی جب اُس نے سنگرام کا تعاقب کیا تھا اور یہ قیقت ہی تھی کہ آپس میں جھگڑا ہو جانے پر وہ بقیہ ساتھیوں سے اسی لئے کٹ گیا تھا کہ کہیں پولیس ے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ فریدی کو اس نے یہی بتایا تھا۔

حمید ٹیلے کے قریب پہنچ کر اوپر دیکھنے لگا۔ لیکن پھر یک بیک اچھل پڑا۔ کسی نے اس کے شانے پر اتھ رکھ دیا تھا۔

"ادھر آئیے۔!" اُس کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی نے ایک طرف چلتے ہوئے کہا۔

حمید آواز سے پہچان نہ سکا کہ وہ کون ہے۔ دفعتاً اُسے فریدی کی بلیک فورس کا خیال آیا۔ کیا اس سلسلے میں بھی اپنی پُر اسرار بلیک فورس ہی استعمال کر رہا ہے۔ وہ اُس کے ساتھ چلتا رہا۔ ٹیلے نیچے ہی نیچے چل کر وہ اُس مقام پر پہنچے جہاں سے پانی کی طرف ڈھلان شروع ہوئی تھی۔

حمید کو نیچے اترنے میں دشواری پیش آ رہی تھی کیونکہ اندھیرا تھا اور کہیں کہیں اُگی ہوئی جھاڑیاں تاریکی میں غاروں کے دہانے معلوم ہو رہی تھیں۔ پھر پانی کی سطح اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہ گئی۔ سمندر پُرسکون تھا۔ لیکن پانی کی بساندھ سے حمید کا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ بائیں جانب مڑ کر کنارے کنارے چلنے لگے۔ یہاں زمین ریتلی تھی اور حمید کو اپنے پیر دھنستے معلوم ہو رہے تھے۔

رہبر آگے چل رہا تھا۔ ایک جگہ وہ رکا۔ حمید بھی رک گیا۔ اُسے تھوڑے فاصلے پر پانی میں ایک لانچ نظر آئی اور رہبر آہستہ سے بولا۔ ''بیٹھ جائیے۔''

لانچ میں شائد کچھ آدمی اور بھی تھے۔ حمید لانچ پر بیٹھتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

''میں عرض کر رہا ہوں لانچ میں بیٹھ جائیے۔'' اس نے پھر کہا۔

حمید نے آگے قدم بڑھائے اور لانچ سے آواز آئی۔ ''کیوں دیر کر رہے ہو۔''

آواز فریدی کی تھی۔ حمید چپ چاپ لانچ میں اُتر گیا لیکن رہبر کنارے ہی کھڑا رہا اور لانچ چل پڑی۔ حمید کنارے کھڑے ہوئے تاریک سائے کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ یک بیک نظروں سے اوجھل ہو گیا جیسے اُسے زمین نگل گئی ہو۔ حمید نے سوچا ممکن ہے وہ لیٹ گیا ہو۔

اب اُس نے لانچ کے اندر کا جائزہ لیا۔ ایک آدمی مشین کے سامنے تھا اور اس کے پیچھے حمید کی نشست پر ایک آدمی اور تھا۔ لانچ میں کل چار آدمی تھے لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے حمید اپنے برابر بیٹھے ہوئے آدمی کے متعلق بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کون ہوگا۔ ویسے ان میں فریدی ہو تھا کیونکہ حمید نے اُس کی آواز صاف پہچانی تھی۔

لانچ چلتی رہی اور دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک گہرا اندھیرا ہو گیا ہو۔ وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن کچھ بھی سجھائی نہ دیا۔ پھر اُس نے اوپر دیکھا اور اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ لانچ اونچی اونچی دیواروں کے درمیان چل رہی ہو۔

حمید اوپر ہی کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی دونوں دیواروں کا درمیانی فاصلہ تنگ ہوتا ہوا معلوم ہونے لگتا۔ یہ لانچ بے آواز تھی۔

''آگے راستہ بند ہے جناب۔'' اگلی سیٹ سے آواز آئی۔

''روک دو۔'' حمید کے برابر بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔ یہ فریدی ہی تھا۔

لانچ کی اگلی روشنی جاگ اٹھی اور اس کا دائرہ سامنے کی جھاڑیوں پر پڑا۔ بڑی بڑی کانٹے دار جھاڑیاں اوپر سے اس طرح پانی پر جھک آئی تھیں کہ راستہ بند ہو گیا تھا۔

''ناممکن....!'' فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔ ''واپس لے چلو۔ ممکن ہے ہم اُسے پیچھے ہی چھوڑ آئے ہوں۔''

لانچ پھر واپس ہوئی۔ فریدی نے اپنی ٹارچ نکال لی تھی اور حمید سے اس کے لئے کہا۔ اس طرح دو ٹارچوں کی روشنیاں دراڑ کے دونوں اطراف میں پڑنے لگیں اس بار لانچ کی رفتار نسبتاً سست تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد دفعتاً فریدی نے پھر لانچ رکوادی۔ یہاں اس دراڑ میں سڑے ہوئے پانی کی بدبو ناقابل برداشت تھی۔ حمید ناک پر رومال رکھے رک رک کر سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان گندگیوں کا عادی ہو۔

''آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''ایک ایسی جگہ جہاں کوئی بڑی کشتی چھپائی جا سکے۔'' اس نے جواب دیا لیکن اُس کی ٹارچ کی روشنی کا دائرہ اِدھر اُدھر گردش کرتا رہا۔ پھر اچانک اُس نے ٹارچ بجھا دی۔

ٹھیک اسی وقت ایک ہلکی سی آواز آئی۔ حمید نے گھبرا کر اپنے پیر سکوڑ لئے کیونکہ آواز پیروں کے پاس ہی سے آئی تھی۔ مگر دوسری بار اُس نے محسوس کیا کہ وہاں ایک ٹرانسمیٹر موجود ہے جس نے کہیں سے نشر ہونے والا کوئی اشارہ ریسیور کیا تھا۔

''ہیلو....!'' فریدی بولا۔ ''ایف پلیز....!''

حمید دوسری طرف سے آنے والی آواز نہ سن سکا۔

''اوہ....!'' فریدی کہہ رہا تھا۔ ''تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا....اچھا....اچھا....اُدھر بھی دیکھتے ہیں۔ اُدھر تو آگے جانے کا راستہ نہیں ہے۔''

حمید سمجھ گیا کہ فریدی کافی انتظام کے ساتھ اس مہم پر آیا ہے۔ فریدی کے کہنے پر لانچ پھر چل پڑی۔ اگلی روشنی گل کر دی گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس دراڑ سے کھلے پانی میں آ گئے اور لانچ داہنی جانب مڑ گئی۔ اب اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ فریدی ٹرانسمیٹر سے نامعلوم آدمیوں کے لئے ہدایات نشر

کرز رہا تھا۔ کچھ دیر بعد لانچ پھر ایک دراڑ میں داخل ہوئی لیکن حمید کو اپنے سر کے بال کسی چیز سے الجھے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ جیسے اُس نے سر پر ہاتھ لے جانا چاہا "سی" کر کے رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو جیسے بیک وقت سیکڑوں کانٹے ہاتھ میں چبھ گئے ہوں۔

"جھک جاؤ..... جھک جاؤ..... جھاڑیاں ہیں۔" فریدی بولا۔ "رفتار بہت کم کر دو۔"

"اُس نے بھی ٹارچ روشن کر لی تھی۔ لیکن پھر وہ جلد ہی سیدھے بیٹھنے کے قابل ہو گئے۔

فریدی نے کہا۔ "روک دو۔" وہ ٹارچ کی روشنی میں پیچھے رہ جانے والی جھاڑیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ پانی کی سطح سے بمشکل تمام پانچ فٹ اونچی رہی ہوں گی۔ ان کے سلسلے دراڑ کے دونوں کناروں سے شروع ہو کر درمیان میں مل گئے تھے اور کسی سائبان کی طرح پانی پر چھا گئی تھیں۔ یہ سخت ڈنٹھلوں والی کانٹوں دار جھاڑیاں تھیں۔

"وہ کشتی اس کے نیچے سے گذر تو سکتی ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "خیر چلو۔ آگے بڑھاؤ۔"

لانچ پھر چل پڑی۔ لیکن اب فریدی ہی کی ہدایت پر اس کی ہیڈ لائٹ روشن کر دی گئی تھی۔ اچانک حمید نے پشت پر ایک گونجیلا قہقہہ سنا اور وہ سب ایک تیز قسم کی روشنی میں نہا گئے۔

اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک بڑی کشتی نظر آئی۔ یہ اسی کی ہیڈ لائٹ تھی۔

"تم سب اسٹین گنوں کی زد پر ہو۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" انگریزی میں کہا گیا لہجہ غیر ملکیوں کا تھا۔ حمید نے فریدی کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ حمید کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں اور اُسے اس روشنی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔

"روکنا مت" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جس رفتار سے چل رہی ہے چلنے دو۔ حمید تم ٹرانسمیٹر کو پیر سے بائیں جانب کھسکا دو۔" حمید نے بڑی پھرتی دکھائی۔

پھر فریدی نے گرج کر کہا۔ "تم لوگ کون ہو۔"

"ہم لوگ ہتھکڑیوں کے لئے اپنے ہاتھ پیش کرنے آئے ہیں پیارے کرنل۔" کشتی سے آواز آئی۔ "لہٰذا لانچ روک دو۔"

حمید نیچے جھکا لیکن اس کی اس حرکت کے متعلق کشتی سے کچھ بھی نہ کیا گیا۔

شائد فریدی نے بھی اُسے جھکتے نہیں دیکھا۔ اب وہ پچھلی نشست کی اوٹ میں تھا۔ اس نے جیب سے ریوالور نکالا۔ نال پچھلی نشست کی پشت گاہ پر رکھی اور ہیڈ لائٹ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ شیشہ

ٹوٹنے کی آواز آئی اور اب پھر وہی پہلے کا سا اندھیرا تھا۔

"کیا کام کیا ہے فرزند..... جیئو۔" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر جلدی سے بولا۔ "لیٹو..... سب لیٹ جاؤ..... رفتار بڑھاؤ..... چلتے رہو۔"

پھر شائد وہ اسٹین گن ہی کی آواز تھی جس سے فضا میں ہیجان سا برپا ہو گیا۔

بڑی کشتی سے ایک ٹارچ روشن ہوئی اور ساتھ ہی فریدی کے ریوالور سے ایک شعلہ بھی نکلا اور ٹارچ شائد ہمیشہ کے لئے بجھ گئی۔ کیونکہ اُس کے بجھنے اور کسی کے چیخنے میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

اسٹین گن بھی خاموش ہو گئی۔ لیکن یہ سناٹا دیر تک قائم نہیں رہ سکا اور حمید کی باچھیں بھی کھل گئیں کیونکہ بحری پولیس کی لانچوں کے ہوٹروں کی کرخت آوازیں تھیں جنہوں نے سناٹے کا سینہ چھلنی کر دیا تھا۔

پھر قریب ہی سے کچھ ایسی آوازیں آئیں جیسے پانی میں وزنی چیزیں پھینکی گئی ہوں۔

"یہ بُرا ہوا۔" فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "وہ کود گئے۔ کچھ بھی نہ ہوا۔"

اس نے ٹارچ روشن کی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سفید کشتی ٹھہری ہوئی تھی۔

"لانچ موڑو..... جلدی کرو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ ہوٹر اب بھی چیخ رہے تھے۔ لیکن شائد بحری پولیس کی کشتیاں دراڑ سے باہر ہی تھیں۔

لانچ کشتی کے قریب آ گئی اور فریدی نے لانچ پر سے کشتی پر چھلانگ لگا دی حمید نے بھی اُس کی تقلید کی۔ لیکن کشتی خالی پڑی تھی۔ وہ پھر لانچ پر جانے کے لئے واپس ہو رہے تھے کہ کچھ اس قسم کی آوازیں آئیں جیسے پانی میں دو چار کتے لڑ پڑے ہوں۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ آوازوں کی طرف جھک گیا۔ تین آدمی اس طرح بار بار پانی سے سر اُبھار رہے تھے جیسے غرقابی سے بچنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہوں۔

وہ کشتی کے قریب آ گئے اور اُن کے ہاتھ سہارا لینے کے لئے اٹھے۔ فریدی خاموشی سے کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر وہ کشتی پر چڑھ آئے۔ فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ اُن کی حالت ابتر تھی۔ وہ کھڑے نہ رہ سکے۔ اُن میں سے ایک تو شائد گرتے ہی ختم ہو گیا تھا اور دو چت پڑے ہوئے گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔

"ڈاکٹر ڈریڈ.....!" فریدی نے مردہ آدمی پر روشنی ڈالی۔

بحری پولیس کی لانچیں دراڑ میں داخل ہو رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد سفید کشتی کھلے پانی میں آئی۔ لیکن اب اُسے بحری پولیس کا ایک پائیلٹ اسٹیئر کر رہا تھا۔ دونوں مجرم اب ہوش میں آچکے تھے اور ڈاکٹر ڈریڈ کی لاش فریدی کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی تھی۔

فریدی، حمید سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ شائد ہماری اسکیم سے واقف ہو گیا تھا۔ لیکن اسے اس کا علم نہیں تھا کہ میرے آدمی جزیرے کے چپہ چپہ پر موجود ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ حیرت سے ڈاکٹر ڈریڈ کی لاش دیکھ رہا تھا.... وہ میک اپ میں نہیں تھا کیونکہ شکل انہیں تصاویر سے مشابہ تھی جنہیں وہ بارہا دیکھ چکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اتنا بڑا مجرم جس سے پورا براعظم امریکہ کانپتا تھا ایک حقیر سے چوہے کی طرح ڈوب کر مر گیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ یہ میرے ہاتھوں سے نہیں مرا۔'' فریدی بولا۔ ''میری چھ ماہ کی محنت برباد ہو گئی۔''

کشتی بحری پولیس کے گھاٹ سے آ لگی اور لاش اٹھانے کے لئے اسٹریچر لایا گیا۔ ڈریڈ کے دونوں ساتھیوں کے ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہ دونوں بھی غیر ملکی ہی تھے اور شائد ڈریڈ کے ہمراز بھی تھے ورنہ وہ اس کے ساتھ نہ ہوتے۔

لاش اسٹریچر پر رکھی گئی اور چار قلی اُسے اٹھائے ہوئے کشتی سے اترے۔ فریدی سب سے آخر میں اترا۔ قلی آگے بڑھ گئے تھے اور اب یہ لوگ گرفتار شدگان کے ساتھ چل رہے تھے.... دفعتاً سنائے میں ایک وحشت ناک قسم کا قہقہہ گونجا اور ساتھ ہی کئی چیخیں سنائی دیں۔

''ارے.... مار ڈالا.... دوڑو بچاؤ۔''

اور پھر دو قلی بے تحاشہ بھاگتے ہوئے ان لوگوں سے آ ٹکرائے۔ اُن پر کچھ اس قسم کی بدحواسی طاری تھی کہ وہ سنبھالنے کے باوجود بھی اپنے پیروں پر نہ کھڑے رہ سکے اور گرتے ہی بیہوش ہو گئے۔

فریدی اس طرف دوڑا جدھر سے وہ آئے تھے اور اس کے پیچھے سبھی دوڑنے لگے.... کچھ دور جا کر وہ رکا۔ یہاں بھی ایک قلی پر دوسرا ڈھیر تھا اور اسٹریچر اُن سے دور پڑا گویا انہیں منہ چڑھا رہا تھا۔

پھر ذرا سی ہی دیر میں پورے علاقے میں بھگدڑ مچ گئی کیونکہ قلیوں کا بیان جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ لاش یک بیک اچھل کر قہقہے لگانے لگی تھی اور پھر انہیں ہوش نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

فریدی اس طرح مضمحل نظر آنے لگا تھا جیسے برسوں کا بیمار ہو۔

''آپ خواہ مخواہ فکر کرتے ہیں۔'' حمید بولا۔ ''وہ جتنے حیرت انگیز طور پر ہمارے ہاتھ آیا تھا اتنے ہی پراسرار طور پر نکل بھی گیا۔''

''لیکن میں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ڈاکٹر ڈریڈ ہے اُسے اسکے حال پر کیوں چھوڑ دیا تھا۔''

''تو کیا آپ بھی اسی اسٹریچر پر لیٹ کر سفر کرتے۔ قبر میں بھی اس کے ساتھ جاتے.... جہنم میں جھونکئے۔''

''وہ کمبخت حبس دم کا بھی ماہر معلوم ہوتا ہے۔''

تقریباً تین چار گھنٹے تک ڈاکٹر ڈریڈ کی تلاش جاری رہی مگر اُس کا سایہ تک نہ مل سکا۔

اور پھر وہ دونوں بولنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ حقیقتاً ڈاکٹر ڈریڈ کے رازدار ہی ثابت ہوئے۔ انہوں نے اعتراف کر لیا کہ سعیدہ رحمان ڈاکٹر ڈریڈ ہی کے قبضے میں تھی۔ اُن کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچنے کے لئے ایک بار پھر انہیں فن آئی لینڈ کا سفر کرنا پڑا۔ لیکن اس بار اُن کے ساتھ اُن کے محکمے کا آئی جی بھی تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی تھا اور بھی چند بڑے پولیس آفیسرز کی معیت میں وہ وہاں پہنچے.... سعیدہ رحمان برآمد کر لی گئی۔

وہ بہت اچھی حالت میں تھی اُس نے انہیں بتایا کہ اُسے کسی قسم کی تکلیف نہیں دی گئی تھی۔

''کرنل! تمہارا یہ کارنامہ بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔'' آئی جی نے فریدی کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

''مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔ ڈریڈ تو نکل ہی گیا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''یہی کیا کم ہے کہ تم نے شہر کی ایک معزز خاتون کو اُس کے پنجے سے رہائی دلوائی۔''

''معزز....!'' فریدی مسکرا کر رہ گیا۔ لیکن اس کے لہجے نے آئی جی کو اُسے گھورنے پر مجبور کر دیا۔

''کیا مطلب....!''

''جناب والا۔ ذرا یہ تو خیال فرمائیے کہ ڈاکٹر ڈریڈ کو اس اغواء سے کیا فائدہ پہنچتا۔''

''جو کچھ ایک مالدار خاتون کے اغواء سے کسی کو پہنچ سکتا ہے۔''

''مالدار....!'' فریدی پھر اُسی انداز میں مسکرایا۔ ''اس بیچاری کی آمدنی تین ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ یعنی ڈھائی سو روپے ماہوار جو یہ اپنی ملازمت سے حاصل کرتی ہے۔''

''نہیں....!'' آئی جی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''پھر وہ جمیکا والا قصہ۔''

''اسکینڈل.... فراڈ....'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''ڈاکٹر ڈریڈ نے تیس ہزار کا خون کر کے لاکھوں بنانے کی اسکیم تیار کی تھی.... لیکن چوٹ کھا گیا۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' آئی جی کی حیرت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

''اس نے پہلے سعیدہ کے متعلق ساری معلومات بہم پہنچائی اور پھر جمیکا کے فراڈ سے رابطہ قائم کر کے اُس سے اُس کے نام یہاں کے ایک بینک میں تیس ہزار منتقل کرائے اور اُسی فراڈ نے جمیکا سے سعیدہ کے وکیل کی معرفت اُسے ایک بڑے آدمی کے وارث ہونے کی خوشخبری پہنچائی۔ بیرسٹر کیلاش ورما ایک اچھے آدمی ہیں انہوں نے سعیدہ کو اپنے بچوں کی طرح پالا تھا لہٰذا وہ بھی دھوکہ کھا گئے.... اور شہر کیا سارے ملک میں سعیدہ کے اچانک مالدار ہو جانے کی پبلسٹی ہو گئی۔ شہر کے بڑے آدمی اس کے گرد منڈلانے لگے۔ ڈاکٹر ڈریڈ یہی چاہتا تھا۔ جب اُس خواستگاروں کی فہرست خاصی طویل ہو گئی تو ڈاکٹر ڈریڈ نے اُسے آرلکچنو سے اٹھوالیا۔ اگر اُس دن قاسم کی ذات سے کوئی ہنگامہ نہ کھڑا ہوتا تب بھی وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے اٹھوالی جاتی۔''

''لیکن مقصد....!'' آئی جی مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا.... اور فریدی اس سلسلے کے بعض واقعات کو دہراتا ہوا بولا۔ ''میں اُسی وقت کھٹک گیا تھا جب مجھے اطلاع ملی تھی کہ ایک آدمی پولیس آفیسر کے بھیس میں سعیدہ کے مکان سے وہ وزیٹنگ کارڈ جھٹک لے گیا جو اُس نے اکٹھا کئے تھے۔ اگر اس سے یہ حماقت سرزد نہ ہوتی تو شائد میں ابھی تک اندھیرے ہی میں بھٹکتا ہوتا۔ بہر حال وہ کارڈ اسی لئے اڑا لئے گئے تھے کہ پولیس اس کے ملنے جلنے والوں کی شخصیتوں سے لاعلم رہے۔''

''مگر کیوں....!'' آئی جی نے بے چینی سے کہا۔ ''اصل بات بتاؤ۔''

''اصل بات یہ ہے کہ وہ اس کے خواستگاروں سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرنا چاہتا تھا۔ یقین کیجئے کہ اُس نے اس معصوم لڑکی پر جو تیس ہزار روپے خرچ کئے تھے ان سے کم از کم کروڑ پتی ضرور ہو جاتا۔ اس کی لسٹ پر تیس آدمی تھے۔ آج میں نے اُس کے جو دو عدد خطوط شہر کے دو بڑے آدمیوں سے حاصل کئے ان میں اس نے ہر ایک سے چار چار لاکھ کا مطالبہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ سعیدہ کو صرف آپ ہی کی ذات سے اس کی توقع ہے کہ اُس کی رہائی کے لئے چار لاکھ خرچ کر دیں گے۔ لیکن اگر اس کی اطلاع پولیس کو دی گئی تو آپ چالیس لاکھ میں بھی سعیدہ کو نہ حاصل کر سکیں گے اور وہ مار ڈالی جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ اُن تیسوں آدمیوں کو اسی قسم کے خطوط لکھے گئے ہوں گے۔ اب آپ خیال

رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک یہی سوچ رہا ہوگا کہ وہ سعیدہ کا دل جیتنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ تبھی تو ں نے خصوصیت سے اُسی کی ذات سے یہ توقع ظاہر کی ہے کہ وہ اُس کے لئے چار لاکھ خرچ کر دے گا.... پھر چار کیا.... وہ ایک ارب پتی لڑکی کے لئے چالیس لاکھ بھی خرچ کر سکتے ہیں۔''

''میرے خدا....!'' آئی جی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ ''تم ٹھیک کہتے ہو۔''

سعیدہ وہاں موجود تھی اور بہت بُرا سا منہ بنائے ہوئے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی ریدی خاموش ہوا اُس نے کہا۔ ''مگر میرے چچا کا کرم رحمان ہی نام تھا.... اور وہ بچپن ہی سے....!''

''ننھی بچی....!'' فریدی مغموم لہجے میں بولا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ہوائی قلعے مسمار دئے۔ پچھلے سو سال سے جمیکا میں کرم رحمان نام کا کوئی بڑا آدمی نہیں گزرا۔ ڈاکٹر ڈریڈ نے یہ تیس زار روپے اسی لئے صرف کئے تھے کہ پولیس بھی دھوکا کھا جائے اور جمیکا سے تحقیقات کرنے کی زحمت گوارا کرے۔ میں بھی قطعی نہ کرتا.... مگر.... وہ وزیٹنگ کارڈز.... اسی جگہ ڈاکٹر ڈریڈ جیسا چالاک آدمی ؤک گیا تھا.... اگر اُسے وزیٹنگ کارڈ حاصل ہی کرنے تھے تو کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتا.... لیکن وہ لیس آفیسر والا فراڈ.... فراڈ نہیں بلکہ ایک بچکانہ حرکت تھی۔''

''مگر پھر.... یہ قاسم اور پرویز کا کیا جھگڑا تھا۔'' آئی جی نے پوچھا۔

''وہ میری ہی ذات سے بڑھا تھا اور اس لئے بڑھا تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ کو دھوکے میں رکھنا مقصود تھا۔ وہ یہی سمجھتا رہا کہ پولیس انہیں دونوں میں سے کسی پر شک کر رہی ہے۔ اس طرح وہ بے احتیاط بھی ہو گی اور میں اس کے گرد اپنا جال بنتا رہا۔ ڈریڈ نے اُن دونوں بڑے آدمیوں کو بھی لکھا تھا کہ وہ قاسم اور پرویز کے معاملے سے تذبذب میں نہ پڑیں۔ وہ معاملہ تو محض پولیس کا دھیان اُدھر بٹا دینے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔''

آئی جی سعیدہ کو بہت حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ اب شائد وہ شہر کی ایک معزز خاتون نہیں رہی تھی۔ اب شائد وہ اس قابل بھی نہیں تھی کہ کوئی اس سے اتنا ہی پوچھ لیتا کہ تمہیں گھر تک پیدل تو نہ جانا پڑے گا۔ لیکن اب سے ایک گھنٹہ قبل اس کے لئے تجوریوں کے منہ کھلے ہوئے تھے۔

اس وقت وہ بھی ایک لاش ہی معلوم ہو رہی تھی لیکن اُس لاش میں قہقہہ لگانے کی سکت نہیں تھی۔

جاسوسی دنیا نمبر 63

ڈاکٹر ڈریڈ

(چوتھا حصہ)

پُر اسرار آواز

گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ پہیوں کے نیچے روڑیاں کڑکڑائی تھیں اور شاید گھوڑا زمین پر ٹاپیں مارنے لگا تھا۔ شاہینہ نے کھڑکی کھول دی لیکن باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں اُسے کچھ نہیں دکھائی دیا۔ اُس نے نوکروں کو تاکید کردی تھی کہ پورچ کی روشنی رات بھر گل نہ کی جائے۔ شاہینہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ آئی۔ اُس نے تہیہ کرلیا تھا کہ آج وہ اپنی ماں سے لڑ جائے گی۔

کئی راتوں سے وہ محسوس کررہی تھی کہ بیگم ارشاد کافی رات گئے تک گھر سے باہر رہتی ہے اور کار کی بجائے گھوڑا گاڑی استعمال کی جاتی ہے۔ رات گئے تک گھر سے باہر رہنا بھی بیگم ارشاد کے لئے خلاف معمول تھا لیکن کار کی بجائے گھوڑا استعمال کرنا خاص طور پر حیرت انگیز تھا کیونکہ اُس سے پہلے انہیں کبھی گھوڑا گاڑی استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا تھا۔ گھوڑا گاڑی دراصل شاہینہ ہی کو پسند تھی اور اکثر اس کی شام کی تفریح کے لئے استعمال میں رہا کرتی تھی۔

شاہینہ اپنے کمرے سے نکلی اور طویل راہداری سے گذرتی ہوئی بیرونی برآمدے میں آگئی۔ کوئی پورچ سے برآمدے میں داخل ہورہا تھا۔ آسمان کے پس منظر میں اُس کی پرچھائیں ہی نظر آرہی تھی۔

"کون ہے؟" شاہینہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا اور سایہ رک گیا۔

"کون ہے۔ جواب دو۔ ورنہ میں فائر کردوں گی۔"

"شاہینہ۔" اُس نے اپنی ماں کی بھرائی ہوئی سی آواز سنی۔

"کون .... ممی .... آپ ....!"

پرچھائیں اُس کے قریب سے گذرتی ہوئی راہداری کے اندھیرے میں گم ہو گئی۔ شاہینہ اُس کے پیچھے بڑھی اور پھر اُن کی ملاقات ایک روشن کمرے میں ہوئی۔

بیگم ارشاد سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی تھی لیکن اُس نے شاہینہ سے آنکھیں نہیں ملائیں۔ اُس کے ہونٹ خشک تھے اور چہرہ زرد نظر آرہا تھا۔

"ممی مجھے حیرت ہے۔" شاہینہ بڑبڑائی۔

"اوہ.... میں دراصل۔" بیگم ارشاد نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "میں ایک ضروری کام سے باہر گئی تھی۔"

"مگر آپ نے کبھی گھوڑا گاڑی نہیں استعمال کی۔"

"بس یونہی....!"

"میں کئی راتوں سے محسوس کررہی ہوں کہ آپ کافی رات گئے گھر واپس آتی ہیں۔"

"جاؤ.... سو جاؤ۔" بیگم ارشاد نے جھلا کر کہا۔ "تمہیں ان باتوں سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"اور آپ کو سروکار ہونا چاہئے۔ اگر میں نو بجے رات کو بھی گھر واپس آؤں۔"

"جاؤ.... لڑکی خدا کیلئے مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"میں آپ کو کئی دنوں سے پریشان دیکھ رہی ہوں۔"

"شاہینہ جاؤ.... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے بیٹی۔"

"ممی آپ مجھ سے کیا چھپا رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے آج تک مجھ سے کچھ نہیں چھپایا۔"

"میں.... کچھ نہیں چھپا رہی ہوں بیٹی! میں دراصل آج کل دل کی بیماری میں مبتلا ہو گئی ہوں۔" دفعتاً اُس کا چہرہ اس طرح معمول پر آگیا جیسے اُسے کوئی اچھا سا بہانہ ہاتھ آگیا ہو۔ پھر اُس نے طویل سانس لے کر کہا۔ "مجھے اکثر گھر سے وحشت سی ہونے لگتی ہے۔ میں گاڑی لے کر نکل جاتی ہوں۔" وہ چند لمحے خاموش رہ کر ہنسی اور بولی۔ "تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ گاڑی بھی میں خود ہی ہانکتی ہوں۔"

"لیکن آپ کسی ڈاکٹر سے کیوں نہیں رجوع کرتیں؟"

"یہ ایک وقتی ذہنی تبدیلی ہے۔ ویسے میں اچھی خاصی ہوں۔ مجھے ہوا کیا ہے۔"

ینہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئی اور اب اُسکی تشویش پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔
ؤ سو جاؤ۔" بیگم ارشاد نے پھر کہا اور شاہینہ اُس کی پیشانی چوم کر کمرے سے نکل آئی۔ وہ
ی روشنیاں گل کرتی ہوئی اپنی خواب گاہ کی طرف جا رہی تھی کہ اُس نے پھر کچھ آہٹیں
چلتے چلتے رک گئی۔
ے پھر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی صدر دروازے والی راہداری میں چل رہا ہو۔ شاہینہ
یں خاموشی سے کھڑی رہی۔
موں کی آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ شاہینہ بھی صدر دروازے کی طرف بڑھی لیکن اس بار
اہداریاں نہیں روشن کیں۔ پورچ میں پھر اُسے ایک تاریک سایہ نظر آیا اور بیگم ارشاد
اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا شاید وہ اب بھی اُسی سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی تھی۔
نہ دیوار سے لگی کھڑی رہی۔ سایہ پورچ سے نکل کر لان پر آگیا۔
پھر شاہینہ نے اُسے کمپاؤنڈ کے اُس حصے کی طرف مڑتے دیکھا جہاں پالتو جانوروں کے
ے۔ وہ بھی پورچ سے نکل آئی اور دیوار سے لگ کر چلنے لگی۔ بار بار اُس کا لباس مالتی کی
ے الجھتا اور وہ رک جاتی۔
نے اُس راستے کو اس لئے ترجیح دی تھی کہ بیگم ارشاد کی نظر اُس پر نہ پڑ سکے۔ قدِ آدم
کے دوسری طرف وہ بیگم ارشاد کو صاف دیکھ رہی تھی لیکن اگر بیگم ارشاد خاص طور پر
ی کوشش کرتی تو اسے اُس کے سر کے علاوہ اور کچھ نہ نظر آتا کیونکہ وہ مالتی کی بوڑھ
ما تھی۔
یوں کا سلسلہ جانوروں کے کٹھرے کے قریب ختم ہو گیا۔ دوسری طرف بیگم ارشاد
ی تھی۔
نا دیر کر دی" شاہینہ نے کسی مرد کی آواز سنی۔ جملہ انگریزی میں کہا گیا تھا۔ تھوڑی دیر
واز نہیں آئی۔ شاہینہ کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔
مجھے نہیں ہو سکتا۔" بیگم ارشاد کی آواز آئی۔
اں پر مجبور ہو۔" مرد نے کہا۔
یہ میں بیگم ارشاد کی آواز نہیں سنائی دی۔
.... خاموش کیوں ہو گئیں۔ کیا آج بھی کچھ نہیں ہو سکا؟"
لا....!" بیگم ارشاد کی آواز آئی۔

"تب تو تمہارے بُرے دن قریب آگئے ہیں۔"

"دیکھو۔ خدا کے لئے مجھے برباد نہ کرو۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔ اپنی بربادی کا باعث تم خود بنو گی۔"

"میرے خدا میں کیا کروں!"

"وہی جو کہا جا رہا ہے۔" مرد نے کہا۔ "ورنہ تم دیکھ رہی ہو میری قوت.... تم جیسی عورت شہر کی متعفن گلیوں میں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے۔"

"رحم کرو۔" بیگم ارشاد گڑگڑائی۔

"میں رحم بھی کر سکتا ہوں مگر اُسی صورت میں جب میرے کہنے پر عمل کیا جائے۔ اُسے کبھی نہ پا سکو گی۔ اس خیال میں نہ رہو کہ وہ مر چکا ہے۔"

پھر سکوت طاری ہو گیا۔ شاہینہ کو اپنے دل کی دھڑکنیں سر میں دھمکتی محسوس ہو رہی وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتی رہی لیکن اُسے اپنی ماں کے علاوہ اور کوئی نہ دکھائی دیا۔

پھر اُس نے اُسے بھی عمارت کی طرف واپس جاتے دیکھا۔ وہ چلی گئی اور شاہینہ نے بعد صدر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

وہ وہیں کھڑی رہی۔ اُسے سخت حیرت تھی کہ وہ آدمی کون ہے۔ گفتگو انگریزی ہی تھی اور اُس کا لہجہ غیر ملکیوں کا سا تھا۔

آخر وہ اُس کی ماں کو اس طرح خوفزدہ کیوں کر رہا تھا اور وہ کس لئے اُسے شہر کی متعف میں ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر رہا تھا۔ بیگم ارشاد ایک مالدار بیوہ تھی۔ شہر کی ذی عزت میں اُس کا شمار ہوتا تھا۔ وہ پارلیمنٹ کی ممبر بھی تھی۔ بیگم ارشاد ایم۔ پی سے شہر کا بچہ بچہ کیونکہ سماجی بہبود کے سارے کاموں کے سلسلے میں اُس کا نام سر فہرست ہوا کرتا تھا۔

شاہینہ خیالات میں کھوئی کھڑی رہی۔ اُسے اس کا احساس بھی نہیں تھا کہ صدر در سے بند ہو جانے کے بعد اپنی خواب گاہ تک پہنچنے کے لئے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے اُس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اُس جگہ جاتی جہاں اُس کی ماں نے کھڑی ہو کر اُس آدمی سے گفتگو کی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ عمارت کی طرف واپس ہوئی۔

خواب گاہ تک پہنچنے کے لئے اُسے کافی جدوجہد کرنی پڑی کیونکہ کھڑکی زمین سے تق فٹ اونچی تھی اور یہی غنیمت تھا کہ وہ اُسے کھلا چھوڑ آئی تھی۔ ورنہ یا تو اُسے رات بر آ بسر کرنی پڑتی، یا پھر بیگم ارشاد کو معلوم ہو جاتا کہ اُس نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

ات بھر ٹھیک سے نہ سو سکی۔ بار بار اُسے وہی واقعات یاد آتے اور ایک انجانا سا خوف اُس مسلط ہوتا جاتا۔ وہ جانتی تھی کہ بیگم ارشاد اُسے کچھ نہیں بتائے گی۔ اس لئے اُس کی زیادہ بڑھ گئی تھی۔

ری صبح اُس نے کرائم رپورٹر انور کو فون کیا جس کی اُس سے اچھی خاصی جان پہچان بھی جانتی تھی کہ انور اکثر لوگوں کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کسی طرح محض ایک نظر دیکھ لینے کی فیس بھی وصول کر لیتا رہا ہو۔

نے اُس سے درخواست کی کہ وہ صرف پندرہ منٹ کے لئے ارشاد منزل آجائے لیکن اف انکار کر دیا۔ اُس نے کہا کہ وہ چار بجے شام کو اپنے فلیٹ میں مل سکتا ہے۔

کو اُس پر بڑا غصہ آیا لیکن خاموش ہی رہ گئی کیونکہ اُسے اُس سے ایک کام لینا تھا۔ الٹرا موڈرن قسم کی لڑکی تھی۔ سوسائٹی کی روحِ رواں۔ شاید ہی کبھی کوئی اُس کی استدعا د۔

بجے وہ انور کے فلیٹ میں جا پہنچی۔ وہ موجود تھا۔ اُس نے واقعات سنے اور بُرا سا منہ بنا کر امیں پریشانی کی کیا بات ہے۔ جوانی کے رومان عموماً بڑھاپے ہی میں آدمی کو شاعری مجبور کرتے ہیں۔"

مطلب....؟"

مطلب صاف ہے۔ بیگم ارشاد جیسی ارب پتی عورتوں کے لئے کس قسم کے مسائل پیدا کر سکتے ہیں۔ کسی قسم کے لوگ انہیں شہر کی گندی گلیوں میں ٹھوکریں کھانے پر لتے ہیں۔ کیا وہ آدمی کوئی بلیک میلر نہیں ہو سکتا....؟"

ا تو تمہیں معلوم کرنا ہے۔"

اس کے بعد؟"

اکے خلاف قانونی کارروائی۔"

بیگم ارشاد خود ہی کوئی ایسا اقدام نہیں کر سکتیں؟"

نہیں۔"

ان حسین گھونگھریالے بالوں کے نیچے مغز نہیں ہے؟" انور نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ک جس قدر اپنے جسم کو سنوارتی ہو اُسی طرح ذہن کو بھی نکھارو تو کیا بُرائی ہے۔"

کی اسکول ماسٹر سے میٹرک پاس کرنے کا نسخہ معلوم کرنے کے لئے نہیں آئی۔"

شاہینہ بھی جھلا گئی۔

"تو جاؤ.... تمہیں روکا ہے کسی نے۔"

"تم بہت مغرور ہو گئے ہو۔"

"ہاں.... پہلے ہی سے تھا۔ میں اُس وقت بھی مغرور تھا جب اسی شہر میں اکثر میری فٹ پاتھوں پر گذری ہیں۔ ویسے مجھے خوش رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے کچھ نکال کر سامنے والی میز پر رکھ دو پھر مجھ سے گفتگو کرو۔"

شاہینہ چند لمحے اُسے تنفر آمیز نظروں سے گھورتی رہی پھر بیگ سے نوٹوں کی ایک نکال کر میز پر پھینکتی ہوئی بولی۔ "یہ ایک ہزار ہیں۔"

انور نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک لڑکا کمرے میں داخل ہوا اور انور نے اُ کہا۔ "چائے۔" پھر شاہینہ سے پوچھا۔ "محترمہ آپ چائے مناسب سمجھیں گی یا کافی؟"

"کچھ بھی نہیں۔ مجھے زیادہ نہ چڑھاؤ۔ کام کی بات کرو۔"

انور نے لڑکے کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں یہ عرض کر رہا تھا محترمہ کہ ا ارشاد اُس کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کر سکتیں تو انہیں شہر کی گندی گلیوں میں ٹھوکریں کی کیا ضرورت تھی۔"

"پھر کیا ہو سکے گا۔"

"یہ ممکن ہے کہ اُس بلیک میلر کو اُن کے راستے سے ہٹا دیا جائے۔ لیکن.... یہ ایک کام ہے۔ اخراجات.... بے تحاشہ ہوں گے۔"

"پھر وہی اخراجات....!" شاہینہ اُسے گھورنے لگی۔

"اوہو.... مجھے اطمینان ہے۔ شاہینہ ارشاد مجھ سے گفتگو کر رہی ہیں۔ ہاں تو آپ ہے کہ وہ کوئی غیر ملکی تھا؟"

"لہجے سے یہی معلوم ہوتا تھا۔"

"انگریز؟"

"مجھے اس کا سلیقہ نہیں ہے۔ بس ملکی اور غیر ملکی لہجے میں فرق کر سکتی ہوں۔"

"خیر! بیگم ارشاد کے ملنے جلنے والوں میں کسی غیر ملکی سے واقف ہیں آپ؟"

"بہتیرے ہیں.... لیکن....!" شاہینہ کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ "لیکن وہ دونوں۔"

"کون دونوں؟"

"میرا خیال ہے کہ اُن دونوں پر شبہہ کیا جا سکتا ہے۔ ممی انہیں پسند نہیں کرتیں لیکن پھر بھی وہ کبھی کبھی ہمارے گھر آتے رہتے ہیں۔"

"میں اب نہیں پوچھوں گا وہ کون ہیں۔" انور جھنجھلا گیا۔

"دو انگریز باپ بیٹے۔ راجر ڈنکی ٹیل اور ہنٹر ڈنکی ٹیل۔ یہ دونوں ابھی حال ہی میں انگلینڈ سے آئے ہیں اور ممی سے یہاں کی صنعتوں میں اشتراک کرنا چاہتے ہیں۔"

"بیگم ارشاد انہیں ناپسند کیوں کرتی ہیں؟"

"وہ سچ مچ ڈنکی ٹیل ہیں پرلے سرے کے گدھے۔"

"آپ اُن کی آوازیں تو پہچانتی ہی ہوں گی؟"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی۔"

"کیا پچھلی رات بولنے والا اُن میں سے کوئی تھا؟"

"میں اندازہ نہیں کر سکی۔ مجھے دراصل ہوش ہی نہیں تھا۔"

"اگر بیگم ارشاد کو معلوم ہو گیا کہ میں اُن کی ٹوہ میں ہوں تو وہ کیا کریں گی۔"

"کچھ بھی کریں لیکن اس سلسلے میں میرا نام نہ لیا جائے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ مجھے ان حالات سے لاعلم رکھنا چاہتی ہیں۔"

"اچھی بات ہے میں دیکھوں گا۔"

"پرسوں میری سالگرہ ہے۔" شاہینہ نے کہا۔ "میں تمہیں مدعو کروں گی۔ اُس بھیڑ میں ہیں کام کرنے کا بہترین موقع مل سکے گا۔"

انور چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔"

"تم یہ بتاؤ کہ معاوضہ کیا لو گے؟"

"یہ ایک ہزار خرچ ہو جانے کے بعد ہی اندازہ کر سکوں گا۔" انور نے میز پر پڑی ہوئی گڈی طرف اشارہ کیا۔

"تم آخر پیسوں پر اس بُری طرح کیوں جان دیتے ہو؟"

"پیسے....!" انور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کیونکہ یہ مجھ تک غیر متوقع طور پر پہنچتے ہیں۔ ج صبح ہی میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے مالک مکان کی بیوی سے عشق کرنا ہی پڑے گا کیونکہ چار ماہ ے فلیٹ کا کرایہ نہیں ادا ہو سکا تھا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میں آپ سے اس پر بحث نہیں کروں گا کیونکہ ابھی آپ سے مزید آمدنی کی توقع ہے۔"

"تو تم آج سے کام شروع کر رہے ہو؟"

"اسی وقت سے.... اور یہ کام چند سوالات سے شروع ہو جائے گا۔ پہلا سوال۔ کیا بیگم ارشاد کے کسی ایسے دوست کو آپ جانتی ہیں جو اُن کے طبقے سے تعلق نہ رکھتا ہو؟"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب یہ کہ ایسا دوست جس کی تلاش میں وہ شہر کی گندی گلیوں میں ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوں۔"

"میں سمجھتی ہوں تمہارا مطلب!" شاہینہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم ہمارا مذاق اڑانا چاہتے ہو۔"

"میں صرف معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتی۔"

"لیکن میرا یہ سوال تمہارے شبہات سے بہت قریب ہے کیوں؟"

"تم نے فرض کرلی ہے یہ بات؟"

"نہیں یہ حقیقت ہے۔ تم بھی وہی سوچتی ہو جو میرے ذہن میں ہے۔ ورنہ تم یہاں آنے کی بجائے محکمۂ سراغ رسانی کے آفیسر سے ملتیں۔"

شاہینہ کچھ نہ بولی۔ انور نے چند لمحے خاموش رہ کر کہا۔ "جوانی کی لغزشیں اکثر بڑھاپے میں پھانسی کا پھندہ بن جاتی ہیں۔"

"تم بدتمیز ہو۔"

"یقیناً! چونکہ تم سے مزید رقم ملنے کی توقع ہے اسلئے میں اس خیال کی تردید نہیں کروں گا۔"

"نہیں۔ میں کوئی اور ذریعہ تلاش کروں گی ورنہ تم اسی طرح ہماری توہین کرتے رہو گے۔"

"شوق سے۔ روپے اٹھاؤ اور راستے سے تو واقف ہی ہو۔ اسی لئے میں نے انہیں ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ورنہ شاید میں وعدہ کرلیتا کہ توہین نہیں کروں گا۔"

"تم سچ مچ کریک ہو۔"

"بات ختم ہوگئی۔ اس لئے اس خیال سے متفق نہیں ہو سکوں گا۔ تم جا سکتی ہو۔"

"میں کہتی ہوں تمہیں یہ کام کرنا ہی ہوگا۔ ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"چلتے چلاتے اتنی نصیحت ضرور کروں گا کہ آئندہ کسی مرد سے اس انداز میں گفتگو نہ کرنا۔

نہارے طبقے میں مرد ہوتے ہی کہاں ہیں۔"

"انور....!"

"میں سن رہا ہوں۔"

"خدا کے لئے میری مدد کرو۔ ممی خطرے میں ہیں۔ میں استدعا کرتی ہوں۔"

انور نے نوٹوں کی گڈی اٹھا کر جیب میں ڈال لی۔ چند لمحے اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر را کر بولا۔ "جاؤ.... کام شروع ہو چکا ہے۔ جلد ہی نتیجے سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ ہاں مجھے اپنی لگرہ کے موقع پر مدعو کرنا مت بھولنا۔"

شاہینہ خاموش رہی وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔

وحشت

کیپٹن حمید نے اپنی رفتار تیز کر دی مگر شاید وہ لڑکی چھلاوہ تھی۔ اگلے ہی موڑ پر وہ اس طرح ب ہوئی جیسے اُس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور اس طرح سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا جیسے اُس پر نبڑا ظلم ہوا ہو۔ وہ چند لمحے چوراہے پر کھڑا رہا پھر مخالف سمت میں چل پڑا۔

لڑکی کا تعاقب اُس کی اُفتادِ طبع کا نتیجہ تھا۔ بلکہ یہ اُس کی ڈیوٹی تھی۔ وہ آج تقریباً ایک ہفتے اُس لڑکی کے متعلق معلومات فراہم کر رہا تھا۔ لیکن اسطرح نہیں کہ اُس سے مل بیٹھتا۔ اُس آج تک اُس سے گفتگو بھی نہیں کی تھی۔ اس سلسلے میں فریدی کے سخت ترین آرڈر تھے۔ شاید حمید اب تک سینکڑوں بار اُسکے ساتھ شہر کی بہترین تفریح گاہوں میں رقص کر چکا ہوتا۔

لڑکی بڑی دلکش تھی لیکن حمید اب تک اندازہ نہیں کر پایا تھا کہ وہ کس ملک یا نسل سے تعلق تی ہے۔ ویسے اُس کی رنگت گوری تھی۔ آنکھیں سبز اور وہ یوروپینوں کی طرح اسکرٹ پہنتی حمید کا خیال تھا کہ اُس کی چال بھی بڑی دلکش ہے۔

ایک بات اور بھی پسند تھی وہ یہ کہ وہ لڑکی عام عورتوں کی طرح نہ تو لپ اسٹک استعمال تی اور نہ اُس کے ناخن بڑھے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی رخساروں پر ہلکا سا روژ نظر آتا تھا۔

حمید اُس کے متعلق سوچتا ہوا چلتا رہا۔ فریدی نے اس "نگرانی" کی غرض و غایت نہیں بتائی

تھی اور حمید کی معلومات ابھی تک اتنی ہی تھیں کہ وہ دلشاد بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں رہتی ہے ایک مقامی فرم میں کام کرتی ہے اور اُس کا نام میری سنگلٹن تھا۔ حلقہ احباب کے متعلق حمید کا یہی اندازہ تھا کہ وہ زیادہ وسیع نہیں ہے۔

ان چند باتوں کے علاوہ ابھی تک کچھ بھی نہیں معلوم کر سکا تھا۔ لیکن وہ لڑکی اُسے حقیقتاً پُراسرار معلوم ہوتی تھی۔

اور آج تو اُس نے کمال ہی کر دیا تھا۔ پتہ نہیں اُسے زمین نگل گئی تھی یا وہ ہوا میں تحلیل ہو گئی تھی۔ حمید نے اُسے کسی عمارت میں بھی داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اُسے علم ہو گیا ہے کہ اُس کی نگرانی ہو رہی ہے۔

آج کل فریدی پر "نگرانیوں" کا بھوت سوار تھا۔ وہ شہر کے تقریباً ڈیڑھ درجن افراد کی نگرانی کرا رہا تھا۔ مگر حمید اُس کا شکر گذار تھا کہ وہ لڑکی اُس کے حصے میں آئی تھی ورنہ نگرانی سے زیادہ اکتا دینے والا کام شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور پھر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کی طرف بڑھا۔

کچھ دیر بعد وہ لیڈی انسپکٹر ریکھا کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ گھر ہی پر ہو گی۔ اُس کا خیال غلط نہیں تھا۔ ریکھا مل گئی۔ اُس نے فریدی کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے ریکھا سے کہا کہ وہ پندرہ منٹ کے اندر اندر آرلکچو میں پہنچ جائے۔ ریکھا نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ اُسے کیوں طلب کر رہا ہے۔

ٹیلی فون بوتھ سے نکل کر حمید نے ایک ٹیکسی کی اور آرلکچو آ پہنچا مگر حقیقت تو یہ تھی کہ اب ان ہوٹلوں والی تفریحات سے اکتا گیا تھا۔ مگر کرتا بھی کیا۔ کہاں جاتا۔

تفریح اور لیڈی انسپکٹر ریکھا کے ساتھ؟ یہ بھی ایک سوال تھا کیونکہ وہ آج کل حمید سے بُری طرح خار کھائے ہوئے تھی۔ یہی وجہ تھی کہ فون کرتے وقت حمید کو فریدی کا رول ادا کرنا پڑا تھا.... وہ ایک ایسے گوشے میں بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگا جہاں داخل ہوتے ہی ریکھا کی نظر اُس پر نہ پڑ سکے۔

کچھ دیر بعد ریکھا صدر دروازے میں دکھائی دی۔ ہال کے وسط میں پہنچ کر وہ پھر رکی اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی نظر حمید پر پڑی اور حمید نے کچھ اس طرح منہ پھیر لیا جیسے وہاں اُس کی موجودگی اُسے کھل گئی ہو۔

ریکھا ریکریئشن ہال کی طرف بڑھ گئی۔ حمید جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر ڈائننگ

ہال میں واپس آئی۔ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر حمید کی میز کے قریب آ کر بولی۔ "کرنل صاحب کہاں ہیں؟"

"پتہ نہیں۔" حمید نے خلاف توقع بڑی سنجیدگی اور شرافت سے جواب دیا۔ "میں آدھے گھنٹے سے اُن کا منتظر ہوں۔ انہوں نے فون پر کہا تھا کہ آرلکچو میں ملو۔"

"مجھ سے بھی یہی کہا تھا۔" وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ غالباً سوچ رہی تھی کہ اسی میز پر بیٹھ جائے یا کوئی دوسری جگہ منتخب کرے۔

"بیٹھو....!" حمید نے کہا اور وہ غیر ارادی طور پر بیٹھ گئی۔

حمید خاموش ہی رہا اور اُس کے اس رویے کو ریکھا حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کب فون کیا تھا؟"

"شاید آدھ گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔"

"کیا حماقت ہے.... میں تو تنگ آ گیا ہوں اس ملازمت سے۔"

"ممکن ہے کسی وجہ سے ہماری موجودگی یہاں ضروری ہو۔"

"ان ممکنات اور ناممکنات نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔"

"تو پھر تم استعفےٰ کیوں نہیں دے دیتے؟"

"کیا اُس کے بعد جان بچ سکے گی۔ فادر ہارڈاسٹون مجھے زندہ رہنے دے گا؟"

"آج کل کیا چکر ہے؟"

"وہی پرانا چکر۔ کوئی ایسی لڑکی نہیں ملتی جو شادی کے لئے تیار نہ ہو۔"

"اب مجھے اٹھ جانا چاہئے۔" ریکھا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"پھر تم نے چکر کے متعلق کیا پوچھا تھا؟"

"میرا مقصد تھا کہ آج کل کون سا کیس ہے تم لوگوں کے پاس؟"

"سوٹ کیس....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اور اُس میں بچھو بھرے ہوئے ہیں۔ ریکھا تم کبھی بور نہیں ہوتیں؟"

"ہوتی ہوں۔ جب تم اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگتے ہو۔"

حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

ریکھا نے کچھ دیر بعد کہا۔ "لیکن آج کل تم بہت بجھے بجھے سے نظر آ رہے ہو؟"

"تمہیں کیا.... میں جہنم میں جاؤں۔"

”کچھ بھی نہیں.... ضرور جاؤ۔“

”وہاں بھی تمہارے لئے ٹھنڈی آہیں بھرتا رہوں گا۔“

”ضرور ضرور.....!“ ریکھا مسکرائی۔ ”کیا تم بھی ٹھنڈی آہیں بھرنا چاہتے ہو؟“

”اتنی زیادہ کہ اگر کبھی تمہاری سائیکل کی ہوا نکل جائے تو میرے پاس لانا۔“

”تم کب تک یہاں بیٹھو گے؟“

”جب تک کہ فادر ہارڈاسٹون نہ آجائے۔“

”مگر میرے لئے یہ پہلا اتفاق ہے۔“

”میں کب کہتا ہوں کہ تم دونوں روزانہ یہاں ملا کرتے ہو۔“

”پھر بکنے لگے۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ فریدی صاحب نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ مجھے بلا کر خود غائب ہو جائیں۔“

”تمہیں فون کرنے کے بعد کوئی دوسری مل گئی ہو گی۔“

”تم حد درجہ بدتمیز ہو۔“ ریکھا بگڑ گئی۔

”ذرا آہستہ بولو ورنہ آس پاس والے تمہیں کوئی بدمزاج بیوی سمجھ لیں گے اور میرا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ ابھی تو شہر کی لڑکیاں یہ سمجھتی ہیں کہ کنوارا ہے جائے گا کہاں۔“

”میں اب یہاں نہیں بیٹھوں گی۔“

”اس ضد پر جہاں بھی بیٹھو گی میرا جلوہ ہر حال میں قریب سے نظر آئے گا۔ لہٰذا مناسب ہے کہ یہیں بیٹھی رہو۔“

”تم گدھے ہو۔“

”بالکل....!“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”میں نے آج تک اس کی تردید نہیں کی لیکن پھر بھی کوئی لڑکی مجھے اپنا شوہر بنانا پسند نہیں کرتی۔“

”اس تذکرے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے تمہارے پاس؟“

”ہے کیوں نہیں۔ بینک بیلنس بھی ہے لیکن پھر بھی کوئی متوجہ نہیں ہوتی۔“

”اپنی شکل دیکھی ہے کبھی آئینے میں؟“

”صبح شام دیکھتا ہوں لیکن اپنی پیشانی پر تمہارا نام لکھا ہوا آج تک نہیں دیکھا۔“

”میرا نام میری چپلوں کے تلووں سے سروں پر چھپتا ہے۔“

”سبحان اللہ! تو آج کل تم چھاپہ خانہ ہو رہی ہو۔“

”اور آج کل تم ذہنی دیوالیہ پن کا شکار ہو رہے ہو۔“

”یہ بھی درست ہے۔ اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ آج تم دو ایک راؤنڈ میرے ساتھ ناچ ڈالو۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ میری ذہنی موت آج ہی واقع ہو جائے۔“

”مجھے ان لغویات سے دلچسپی نہیں ہے بلکہ ہنسی آتی ہے اُن گدھوں پر جو ناچتے ہیں۔“

”اس کے باوجود بھی کرنل ہارڈاسٹون کو تمہاری پرواہ نہیں ہو گی.... ارر.... ہمپ....!“

حمید چونک کر ایک طرف دیکھنے لگا۔ ریکھا بھی مڑی لیکن یہ نہ سمجھ سکی کہ حمید چونکا کیوں تھا۔

”کیا بات ہے؟“ اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

”یہ لڑکی انور کے ساتھ کیوں نظر آرہی ہے۔“ حمید بڑبڑایا۔

”کون لڑکی.... ہاں ہے تو.... مگر وہ کون ہے؟“

”ایک جوان اور خوبصورت لڑکی۔ ویسے بعض لڑکیاں بوڑھی بھی ہوتی ہیں اور بدصورت بھی۔“

”تم کوئی غصہ دلانے والی بات کہہ رہے تھے پھر پلٹ گئے۔“

”ہائے غصہ دلانے والی۔ تو وہی تذکرہ چھیڑوں۔ کرنل ہارڈاسٹون والا۔“

”تم بیہودے ہو۔“

”آخر مجھ میں کیا خرابی ہے؟“

”شٹ اَپ....!“

”ارے اگر وہ اس صدی کا سب سے عجیب آدمی ہے تو میں آنے والی صدیوں کا عجیب ترین آدمی بھی ہو سکتا ہوں۔ مگر فی الحال اس تذکرے کو یہیں رہنے دو۔ آخر یہ شاہینہ انور کے ساتھ کیوں ہے۔“

”تمہارے ساتھ ہونا چاہئے اسے؟“

”لاحول ولا قوۃ تمہاری موجودگی میں مجھے کوئی بوڑھی بکری بھی پسند نہیں آسکتی۔“

”اگر میں نے تمہیں یہیں مردانہ لہجے میں گالیاں دینی شروع کیں تو کیا ہو گا۔“

”بڑے مردانہ انداز میں میرے ہاتھ چلیں گے۔ شروع ہو جاؤ۔“

ریکھا انور اور شاہینہ کی طرف دیکھتی رہی۔ انور سیاہ سوٹ اور بے داغ سفید قمیض میں بڑا شاندار لگ رہا تھا اور شاہینہ اگر مرد ہوتی تو یقینی طور پر اُسے نمونیہ ہو گیا ہوتا۔ پتہ نہیں کیوں؟ حمید یہی سوچ رہا تھا۔ اُس نے ریکھا سے کہا۔ ”کیا یہ عورتیں انگارے کھاتی ہیں؟“

”کیوں؟“

"کتنی شدید سردی ہے اور یہ شاہینہ ایک بالشت کے بلاؤز میں ہے۔ آدھا پیٹ کھلا ہوا ہے۔"

"تو کیا یہ یونہی آئی ہوگی۔" ریکھا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اسکا کوٹ کلوک روم میں ہوگا۔"

"ارے تو کیا یہاں سردی نہیں ہے؟"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ حمید نے کچھ دیر بعد اُس سے کہا۔ "اگر آج تم میری ہم رقص نہ بنیں تو انتقام بڑا بھیانک ہوگا۔"

ریکھا نے اس طرح گردن جھٹک دی جیسے کوئی مچھر اُس کے کانوں کے قریب شیام کلیان اُلاپ رہا ہو۔

"تم نہیں سمجھتیں وہ انور کا پٹھا مجھے بہت حقیر سمجھے گا۔ اگر ایک راؤنڈ بھی اُس کبوتری کے ساتھ ناچ لیا۔"

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"

"اچھی زبردستی ہے۔" ریکھا جھنجھلا گئی۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

حمید وہاں سے اٹھا اور تیزی سے چلتا ہوا ریکریئشن ہال میں آگیا۔ لیکن ابھی یہاں سناٹا تھا۔

سچ مچ اُسے ریکھا پر تاؤ آگیا تھا لہٰذا وہ اُسے جتا دینا چاہتا تھا کہ آر لکچنو میں اُس کا وقت برباد کرانے والا وہ خود ہی تھا ظاہر ہے کہ یہ معلوم ہونے پر ریکھا بُری طرح چراغ پا ہوتی۔

وہ پھر ڈائننگ ہال میں واپس آیا۔ ریکھا بھی شاید اٹھنے ہی کا ارادہ کر رہی تھی۔

"تو تم میری ہم رقص نہیں بنو گی۔؟"

ریکھا کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے اٹھی۔

"پھر میں نے تمہیں کس لئے بلایا تھا؟"

"کیا مطلب....؟" ریکھا اُسے گھورنے لگی۔

"کیا میں کرنل کے لہجے کی نقل نہیں اُتار سکتا۔"

"خدا تمہیں غارت کرے۔" ریکھا ایک طویل سانس لے کر بیٹھ گئی۔

"اگر تم اسی لہجے میں بھی ہمیشہ مجھ سے گفتگو کرتی رہو تب بھی غنیمت ہے۔ تمہیں کیا پتہ کہ جب تم غصے کی حالت میں اپنا اوپری ہونٹ سکوڑتی ہو تو میرے دل کی دنیا کس طرح سکڑنے اور پھیلنے لگتی ہے۔"

"اُلو ہو تم....!" ریکھا غصے کی زیادتی میں رو دینے کے سے انداز میں بولی۔

"اُلو ہی سمجھ کر مجھے زندہ رہنے دو۔" حمید نے غم ناک لہجے میں کہا۔

ریکھا اپنا نچلا ہونٹ چباتی رہی۔ حمید پھر بولا۔ "آخر اس میں تمہارا نقصان کیا ہے۔ اگر کبھی مسکرا کر میری طرف بھی دیکھ لیا کرو۔"

"تم نے میرا وقت برباد کرایا ہے۔" ریکھا دانت پیس کر بولی۔

"اور تم میری زندگی برباد کر دینے پر تلی ہوئی ہو۔" حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔

"بکے جاؤ۔"

"مگر تم اٹھو گی نہیں۔"

"نہیں۔ آج یہاں کچھ ہو کر رہے گا۔"

"یعنی....!"

"بس دیکھ لینا۔ میں تمہارے ساتھ رقص کروں گی۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ریکھا کہیں ویسی ہی کوئی حرکت نہ کر بیٹھے جیسی ایک بار رکل نائٹ کلب میں کر ڈالی تھی۔

"کیوں.... دم نکل گیا نا۔" دفعتاً ریکھا ہنس پڑی۔

"اگر تم اسی طرح ہمیشہ ہنستے رہنے کا وعدہ کرو تو میں اپنی گردن کاٹ کر نیشنل میوزیم میں رکھ دوں۔"

"یہ لڑکی کون ہے؟" ریکھا نے شاہینہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"شاہینہ.... ارشاد بیگم کی لڑکی....!"

"اوہ.... اچھا یہ وہی شاہینہ ہے جس نے پچھلے سال بیڈمنٹن کی ٹرافی جیتی تھی۔"

"ہاں یہ وہی شاہینہ ہے۔"

"اسے انور کے ساتھ دیکھ کر تم متحیر کیوں ہوئے تھے؟"

"کچھ نہیں۔ انور اُس طبقے کا آدمی نہیں ہے جس سے وہ تعلق رکھتی ہے۔"

"تم بھی تو اُس طبقے کے آدمی نہیں ہو جس سے کرنل فریدی تعلق رکھتے ہیں۔"

"کرنل فریدی کسی طبقے کے آدمی نہیں ہیں۔ ویسے اگر تم انہیں کسی طبقے ہی میں رکھنا چاہتی ہو تو ابھی تک اُس طبقے نے جنم ہی نہیں لیا۔"

حمید گفتگو تو ریکھا سے کر رہا تھا لیکن اُس کی نظر شاہینہ کی طرف تھی۔ انور کئی بار کنکھیوں سے اُس کی طرف دیکھ چکا تھا لیکن پوری طرح متوجہ ہونے کی کوشش نہیں کی اور نہ حمید ہی نے

اُس کی پرواہ کی۔

"تم اُسے بُری طرح گھور رہے ہو۔" ریکھا نے کہا۔

"ہاں مجھے اُس پر غصہ آرہا ہے۔ آخر یہ اپنا پیٹ کیوں دکھاتی پھر رہی ہے۔ کیا بدمذاقی ہے۔ مجھے بڑی نفرت معلوم ہوتی ہے ایسی عورتوں سے جو اس قسم کے بلاؤز استعمال کرتی ہیں۔ اگر یہاں لنگوٹی لگا کر گھس آؤں تو سارے شہر میں شور ہو جائے گا۔ خیر مذاق چھوڑو سنجیدگی دیکھو۔ میرا خیال ہے کہ جسم کا سب سے بھدا حصہ پیٹ ہی ہے۔"

"اب تم بے تکی بکواس پر اُتر آئے۔ تمہاری کھوپڑی ہے یا سڑک کوٹنے کا انجن؟"

حمید اب بھی شاہینہ ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُن کی میز پر کھانے پینے کی کچھ چیزیں تھیں۔ اس وقت وہ دونوں کافی پی رہے تھے۔ شاہینہ کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بات پر جھنجھلا گئی ہو لیکن چونکہ اُن کی میزوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا اس لئے حمید اُن کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔ ویسے شاہینہ کے ہونٹ بہت تیزی سے ہل رہے تھے۔ ساتھ ہی آنکھیں سکڑتی تھیں اور کبھی پھیل جاتی تھیں۔ انور اس طرح اُس کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اُس کی با[تیں] اُس کے لئے حیرت انگیز اور غیر متوقع رہی ہوں۔

پھر اچانک "چٹاخ" کی آواز آئی اور حمید کی پلکیں ایک لحظہ کے لئے جھپک گئیں کیونکہ آواز اُس تھپڑ کی تھی جو انور کے گال پر پڑا تھا۔

انور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن وہ اتنا متحیر تھا کہ پھر وہاں سے ہٹ بھی نہ سکا۔

شاہینہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔ "ہاں سور کے بچے۔ میرے پانچ سو پچپن شوہر ہیں۔ تجھ سے مطلب۔ میں پانچ سو پچپن شوہروں کی بیوی ہوں.... کتے.... پھر تجھے کیا۔" پھر وہ اپنے کپڑے نوچنے لگی۔ خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کرسیاں خالی ہونے لگیں۔ اُن دونوں کے گرد بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ شاہینہ اب بھی چیخ چیخ کر اپنے پانچ سو پچپن شوہروں کا پروپیگنڈہ کر رہی تھی۔

دفعتاً حمید نے انور کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بھیڑ سے باہر کھینچ لیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"پتہ نہیں مجھے خود بھی حیرت ہے۔" انور نے پُر سکون لہجے میں جواب دیا۔ اُس کے [انداز] سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس واقعہ ہی سے بے تعلق ہو اور ایک تماشائی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا ہو۔

شاہینہ نے میز الٹ دی۔ مجمع پیچھے ہٹا۔ نہ صرف پیچھے ہٹا بلکہ کائی کی طرح پھٹنے لگا کیونکہ

شاہینہ ہاتھ میں آئی ہوئی ہر چیز مجمع پر پھینک رہی تھی۔

"دیکھو....!" حمید نے انور سے کہا۔ "یہ ہوش میں نہیں معلوم ہوتی۔ کیا تم نے اسے کہیں پلا دی تھی؟"

"نہیں....!" انور تشویش کن لہجے میں بولا۔ "کیا یہ کپڑے بھی اُتار پھینکے گی؟"

شاہینہ وحشیوں کی طرح اچھل کود رہی تھی۔ اُس کے بال بکھر گئے تھے اور جسم پر صرف پیٹی اور محرم رہ گئے تھے۔

حمید اور ریکھا

آرلکچو کا منیجر بوکھلایا ہوا چاروں طرف دوڑتا پھر رہا تھا۔ حمید نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔

"اس پر کسی قسم کا دورہ پڑا ہے۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ پھر بتایئے میں کیا کروں؟"

"ایک کمرہ خالی کرا دیجئے۔" انور بولا۔ "ورنہ دیکھئے آپ کا بزنس....!"

"جی ہاں.... جی ہاں۔" وہ پاگلوں کی طرح بولا اور ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

شاہینہ چنگھاڑتی ہوئی فرش پر بیٹھ گئی اور اب دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچ رہی تھی۔

"ہٹ جایئے۔ براہِ کرم۔ ہٹ جایئے۔" حمید مجمع کو ہٹانے لگا۔

لیکن بھلا اُس کی کون سنتا۔ لوگ الٹے اُس پر پھبتیاں کسنے لگے اور پھر اُس کی پیشانی پر تو [لکھا] نہیں تھا کہ وہ محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آفیسر ہے۔ ہو سکتا ہے اُس مجمع میں دو ایک اُس کی جان پہچان کے بھی رہے ہوں۔ مجبوراً حمید کو ہوٹل کا لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا پڑا۔

"خواتین و حضرات! براہِ کرم آپ مریضہ کے پاس سے ہٹ جایئے۔" اس کی آواز ہال میں گونجی۔ "ان خاتون پر اعصابی دورے پڑتے ہیں.... بہت بہت شکریہ.... مگر بائیں جانب ابھی بھی بھیڑ ہے براہِ کرم آپ لوگ بھی ہٹ جایئے۔"

بدقت تمام وہ مجمع ہٹانے میں کامیاب ہوا۔ اتنی دیر میں تین ڈیوٹی کانسٹیبل بھی سڑک پر سے آ گئے تھے اور شاہینہ اب فرش پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ ریکھا نے اُس کا جسم اُس کی

سادھی سے ڈھانک دیا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اُسے ایک اسٹریچر پر اٹھا کہ منیجر کے خالی کرائے ہوئے کمرے میں لے گئے۔ شاہینہ اب بھی بے ہوش تھی۔ حمید نے ڈاکٹر کے لئے رنگ کیا اور پھر کمرے میں ریکھا اور حمید کے علاوہ کوئی نہ رہ گیا۔ حمید انور کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"پانچ سو پچپن شوہروں کا کیا قصہ تھا؟" اُس نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔"

"تھپڑ مارنے سے قبل وہ کیا کہہ رہی تھی؟"

"یاد نہیں لیکن وہ گفتگو قطعی ہذیانی قسم کی تھی۔"

"کیا تم دونوں میں عرصہ سے دوستی ہے؟"

"مجھے یاد نہیں۔"

"تم زمین ہی پر ہونا؟" حمید غرایا۔

"ہاں....!" انور نے لاپروائی سے جواب دیا اور شاہینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ریکھا....!" حمید بولا۔ "ڈائریکٹری میں بیگم ارشاد کے نمبر دیکھ کر انہیں فون کردو۔"

"تم ایسا ہرگز نہیں کرسکتے۔" انور نے حمید کی طرف مڑے بغیر کہا۔

"میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں.... ریکھا.... جلدی کرو۔"

"خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" انور بڑبڑایا۔

"گٹ آؤٹ!" حمید نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"یہ حوصلے ہیں۔" انور اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔

"میں تمہیں حراست میں لیتا ہوں۔" حمید غرایا۔ "تم منشیات کی ناجائز تجارت کرتے ہو نے اُس لڑکی کو چرس پلائی تھی۔"

"بھنگ....!" انور نے مسکرا کر تصحیح کی۔

"ڈیوٹی کانسٹیبلوں کو اندر بلالو۔" حمید نے ریکھا سے کہا۔ ریکھا باہر چلی گئی۔

"کیوں شامت آئی ہے۔" انور حمید کو گھورنے لگا۔

"شٹ اَپ....!"

"اچھا....!" انور ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "میں شاید حوالات تک بھی نہ پہنچ سکوں لیکن اس کے بعد....!"

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی دروازہ کھلا اور ڈیوٹی کانسٹیبل اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے حمید لیوٹ کیا۔

"اس آدمی کو اپنی نگرانی میں رکھو۔" حمید نے انور کی طرف اشارہ کیا۔

"چلئے صاحب۔" ایک کانسٹیبل نے انور کو مخاطب کر کے کہا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت کمرے کا وازہ اس انداز میں کھلا جیسے کوئی سرکش بیل اندر گھسنے کی کوشش کر رہا ہو۔ مگر آنے والی بیگم شاد تھی۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میری بچی۔" اُس نے چیخ مار کر بے ہوش شاہینہ پر گرنا چاہا۔

"ٹھہریئے محترمہ....!" حمید نے اُس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ جھلائے ہوئے انداز میں ید کی طرف مڑی۔

"تم کرائم رپورٹر انور ہو؟" اس نے تقریباً چیخ کر پوچھا۔

"نہیں.... کیپٹن حمید فرام انٹیلی جنس بیورو۔"

"اوہ....!" بیگم ارشاد خوفزدہ نظر آنے لگی۔ حمید نے انور کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ کرائم رپورٹر انور ہے۔"

"تم میری بچی کو برباد کر رہے ہو۔" بیگم ارشاد نے دانت پیس کر کہا۔

"یہ میرے لئے بالکل نئی اطلاع ہے بیگم ارشاد۔ لیکن آپ مجھے پہچانتی بھی نہیں ہیں۔" انور کرا کر بولا۔

"تم اسے منشیات کا عادی بنا رہے ہو۔"

"مگر آپ کو اس واقعہ کی اطلاع کیسے ہوئی بیگم ارشاد۔" انور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہو گئی کسی طرح۔ اگر تم نے شاہینہ کا پیچھا نہ چھوڑا تو میں تمہارے خلاف کوئی سخت ترین روائی کروں گی۔"

انور نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور حمید بول پڑا۔

"یقیناً.... یقیناً بیگم ارشاد۔ میں اس شخص کو منشیات کی ناجائز تجارت کے سلسلے میں گرفتار رہا ہوں۔ ابھی ابھی اس کی جیب سے کوکین کا ایک پیکٹ برآمد کیا گیا ہے۔" پھر اُس نے نسٹیبلوں سے کہا۔ "لے جاؤ۔"

انور چپ چاپ اُن کے ساتھ چلا گیا۔

"میں آپ کی مشکور ہوں جناب۔" بیگم ارشاد حمید سے کہہ رہی تھی۔

"اب میں اسے گھر لے جانا چاہتی ہوں۔ کیا آپ اس سلسلے میں بھی میری مدد کریں گے؟"

"ضرور.... ضرور....!"

"میں ہمیشہ احسان مند رہوں گی۔"

"انور کے خلاف اور کیا کاروائی کی جائے؟"

"اوہ.... بس میں یہ چاہتی ہوں کہ وہ میری بچی سے نہ ملا کرے۔"

"میں اُسے اچھی طرح سمجھادوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔ لیکن میں نے ڈاکٹر کو بلوایا ہے۔"

"بیکار ہے کیپٹن حمید" بیگم ارشاد بڑبڑائی۔ "یہ کسی قسم کا مرض نہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُس سور نے اسے کسی نشے کا عادی بنالیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ اچھی بات ہے۔ بیگم ارشاد کیا آپ اپنی گاڑی لائی ہیں؟"

"جی ہاں.... میری گاڑی کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا اور پھر ریکھا سے بولا۔ "بیگم ارشاد کا ہاتھ بٹائیے مس ریکھا۔"

ریکھا اور بیگم ارشاد نے بیہوش لڑکی کو اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا اور دو کانسٹیبلوں کی مدد سے وہ بیگم ارشاد کی کار تک پہنچادی گئی۔

حمید اور ریکھا پھر اندر واپس آئے۔ بیگم ارشاد انہیں ڈاکٹر کے لئے فیس دے گئی تھی۔

"اب تم لوگ جاسکتے ہو۔" حمید نے کانسٹیبلوں سے کہا۔ "سب ٹھیک ہے۔"

انہوں نے انور کی طرف دیکھا اور حمید پھر بولا۔ "میں دیکھ لوں گا۔ تم لوگ جاؤ۔" کانسٹیبل چلے گئے۔

"کیوں دم نکل گیا نا۔" انور کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ تھی۔

"ہاں نکل گیا۔ اب تم بھی دفع ہو جاؤ۔"

"میرا نام انور ہے.... آنریری کیپٹن حمید۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ تمہارا نام چنچلا دیوی ہے.... دوغلے لینڈی ڈاگ۔"

"بوٹیاں نوچو اپنی۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ ریکھا اس دوران میں انہیں حیرت سے دیکھتی رہی تھی۔ انور کے چلے جانے کے بعد اُس نے کہا۔ "تمہارا رویہ اس سلسلے میں شروع ہی سے غیر متوقع رہا تھا۔"

"اوہ.... چھوڑو.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ....!"

لیکن جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی آر لکچو کا منیجر آدھمکا۔

"یہ سب کیا ہو گیا.... کپتان صاحب۔"

"بیٹھئے.... یہ بتانا تو مشکل ہے.... لیکن....!"

"میرا خیال ہے کہ وہ بھنگ پیئے ہوئے تھی۔"

"ممکن ہے۔"

"آر لکچو کا ریپوٹیشن بُری طرح خراب ہو رہا ہے۔" منیجر متفکرانہ لہجے میں بولا۔ "یہاں دن اونچے طبقے کے لوگ بالکل لوفروں کے سے انداز میں ہڑبونگ مچاتے ہیں۔ ابھی کچھ ہی پہلے یہاں ایک بڑے آدمی نے دوسرے بڑے آدمی پر شوربے کی پلیٹ کھینچ ماری تھی۔ اور لڑکی کا اغواء ہو گیا تھا۔"

"ہاں واقعی یہ بہت بُری بات ہے۔"

"پھر بتائیے میں کیا کروں۔ اگر یہی حالت رہی تو کچھ دنوں بعد یہاں اُلو بولنے لگیں گے۔"

"آپ باہر ایک بورڈ لگوادیجئے جس پر تحریر ہو۔ براہِ کرم خواتین بھنگ پی کر تشریف نہ لائیں۔"

منیجر ہنسنے لگا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "اوپری طبقہ اخلاقی حیثیت سے بالکل دیوالیہ ہوتا جارہا ہے۔"

"تب تو پھر آپ اسی عمارت میں اخلاقیات کا ایک اسکول قائم کردیجئے۔"

"کپتان صاحب! میں سنجیدگی سے آپ کا مشورہ چاہتا ہوں۔"

"سنجیدگی سے مشورہ یہ ہے کہ آپ یہاں شراب کے ساتھ ہی ساتھ بھنگ بھی فروخت کیا کیجئے۔ ظاہر ہے کہ اُس صورت میں اس قسم کے ہنگامے کوئی وقعت نہ رکھیں گے ورنہ آپ عورتوں کو تو روک ہی نہ سکیں گے جو باہر سے بھنگ پی کر یہاں آتی ہیں۔"

منیجر کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

"تم آج سچ مچ عجیب لگ رہے ہو۔" ریکھا مسکرا کر بولی۔

"اور عجیب آدمیوں پر لڑکیاں بُری طرح مرتی ہیں.... ہاہا.... یہ بھی عجیب لطیفہ ہے۔ اُن سے پوچھو کہ تم اُس پر کیوں مرتی ہو جواب ملے گا وہ کچھ کھویا کھویا سا رہتا ہے۔ انتہائی رومینٹک لیکن اگر اتفاق سے انہیں کوئی کھویا کھویا سا رہنے والا شوہر مل گیا تو وہ سو فیصدی اُلو کا پٹھا اور گاؤدی لگے گا نہ وہ انہیں عجیب لگے گا اور نہ رومینٹک۔ اُسے وہ سنکی اور جھکی کہیں گی۔"

"تم سے اتنی بکواس کرنے کو کس نے کہا تھا؟"

"ا.... ریکھا! بس ختم کرو۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ ہر وقت میرے ذہن میں چکراتے رہتے ہیں جب تم اپنی گھنیری پلکیں....!"

"شٹ اپ"

"ریکھا.... اٹھو..... رقص کے لئے موسیقی شروع ہوگئی ہے ایسے لمحات بار بار نہیں آتے۔ باہر یقینی طور پر چاندنی کھیت کر رہی ہوگی۔ ہوائیں خوشگوار ہوں گی اور چاند بادلوں کے ٹکڑوں میں اپنے ابا جان کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا ہوگا۔ اٹھو ورنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی۔"

"مجھے نیند آرہی ہے۔ میں اب گھر جاؤں گی۔ مگر ٹھہرو۔ یہ شاہینہ کا کیا قصہ تھا۔ تم انور بُری طرح تاؤ کھا گئے تھے پھر اُسے اتنی آسانی سے کیوں چلے جانے دیا۔"

"کچھ نہیں یونہی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "ان سب باتوں کا انحصار میرے موڈ پر ہے۔"

"مگر بیگم ارشاد سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ انور کی جیب سے کوکین کا پیکٹ برآمد ہوا ہے۔"

"زبان ہی تو ہلانی پڑی تھی۔ میرا کیا نقصان ہوا۔"

"لیکن اُس نے تو اُسے حقیقت ہی سمجھا تھا۔"

"مگر اس کے باوجود بھی وہ صرف اتنا ہی چاہتی ہے کہ انور اُس کی لڑکی سے نہ ملا کرے۔ ا نے اُس کے خلاف کسی قانونی کارروائی کا ارادہ نہیں ظاہر کیا تھا۔"

"ہاں یہ بات بھی عجیب ہے۔"

"پتہ نہیں عجیب ہے بھی یا نہیں۔ بہر حال میں اس سلسلے میں مغز کھپانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ تم بھی خواہ مخواہ خود کو بور نہ کرو۔"

ریکھا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ایک ویٹر میز کے قریب آکر حمید سے بولا۔ "آپ کا فون ہے جناب۔"

"اوہ.... اچھا!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

وہ منیجر کے کمرے میں چلا گیا۔ منیجر موجود نہیں تھا۔ شاید حمید کو اطلاع دلوانے کے بعد وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

"ہیلو....!"

"حمید....!" دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

"جی ہاں.... فرمائیے۔"

"تمہارا رول اس سلسلے میں تسلی بخش رہا۔"

"آپ کیا جانیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"تم اس قسم کے فضول سوال مجھ سے نہ کیا کرو۔"

"تو کیا آج کل پھر آپ نے اپنا جال سارے شہر میں پھیلا رکھا ہے۔"

"سنو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ریکھا کا پیچھا چھوڑو۔ اس وقت وہ لڑکی مے پول ایک آسٹرین کے ساتھ ناچ رہی ہے۔ اس وقت جو آدمی اُس کی نگرانی کر رہا ہے اُس کے لئے نہیں ہے۔"

"لہٰذا میں سر کے بل دوڑتا ہوا وہاں پہنچ جاؤں؟" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"نہیں ایسی حرکت نہ کرنا۔ وہاں پہنچنے کے لئے تم ٹیکسی استعمال کر سکتے ہو۔"

"ویسے بھی میں ہیلی کوپٹر نہ استعمال کرتا لیکن ریکھا کا کیا کروں؟"

"کیا وہ تمہاری دم سے بندھی ہوئی ہے؟" فریدی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"اچھا تو مے پول میں مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"نگرانی....!"

"میرے خدا....!" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں کسی بھینسے کی نگرانی کر سکتا ہوں کسی لڑکی کی نگرانی دور سے نہیں ہو سکتی۔ آپ خود سوچئے کہ کیسی دشواری ہوتی ہو گی۔ دل کو طرح سمجھاتا رہوں گا۔ مگر میرا دل آج کل اردو میں تو کچھ سمجھتا ہی نہیں۔"

"بکواس بند۔ مے پول جاؤ۔ اب دور سے نگرانی ضروری نہیں۔ تم اس سے قطعی مل سکتے ہو یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تم اُسے اپنا نام اور پتہ غلط بتاؤ۔"

"خدا آپ کو اس سے زیادہ ترقی عطا فرمائے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر اُسے لمبی لمبی دعائیں دینی شروع کر دیں لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

حمید پھر ہال میں واپس آگیا۔ ریکھا اب بھی اُسی میز پر موجود تھی۔

حمید نے اُس سے کہا۔ "میرے بھتیجے کی بیوی کے سالے کا انتقال ہو گیا ہے اس لئے مجھے دس منٹ کے اندر اندر ہی پہنچ جانا چاہئے۔"

"ارے.... وہ.... وہی تو نہیں جو.... وہاں رہتے تھے۔"

"ہاں وہی....!"

"تب تو میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ کیونکہ مرحوم سے میری بھی جان پہچان تھی۔"

"وہ دوسرے تھے تم انہیں نہیں پہچانتیں۔"

"میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ پچھلے ہی سال ہم دونوں ساتھ کام کرتے تھے۔"

"انہوں نے آج تک کوئی کام ہی نہیں کیا۔"

"تمہیں نہ بتایا ہوگا۔ میں بھی چلوں گی۔"

حمید سوچنے لگا۔ یہ کیا مصیبت آئی۔ ریکھا نے کہا۔ ”میں آج تمہیں تنہا کہیں نہ جانے دوں گی۔ تمہارے ستارے اچھے نہیں ہیں۔“

”بالکل ٹھیک ہے۔ تم مجھ سے زیادہ جیوتش نہیں جانتیں۔“

”جیوتش کی ایسی کی تیسی میں تو چلوں گی۔ ورنہ تم بڑے خسارے میں رہو گے۔ میں سچ کہتی ہوں یہیں کوئی دوسرا طوفان کھڑا ہو جائے گا اور تم اپنی گردن نہ چھڑا سکو گے۔“

”ارے باپ رے۔“ حمید کراہ کر کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ پھر چند لمحے بعد بولا۔ ”فری.... فریدی صاحب کا فون تھا۔ وہ مجھے ایک جگہ کام سے بھیجنا چاہتے ہیں۔“

”کچھ بھی ہو۔ میں چلوں گی۔“

”چلو گی؟“

”ہاں ضرور چلوں گی۔“

”اچھا تو دو منٹ ٹھہرو۔“ حمید نے اٹھنا چاہا لیکن ریکھا نے اُس کے کوٹ کا دامن پکڑ کر آہستہ سے کہا۔ ”کیا فائدہ میں سب کے سامنے گریبان میں ہاتھ ڈال دوں۔“

”مر گئے۔“ حمید بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ پھر تیزی سے بولا۔ ”اگر مجھے دیر ہوئی تو اس کے لئے تمہیں جواب دہی کرنی پڑے گی۔“

”میں کروں گی۔ تم فکر نہ کرو۔“

”اچھی بات ہے چلو۔“ حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔

اُس کے ساتھ ریکھا بھی اٹھ گئی۔ وہ دونوں باہر آئے۔

”میری گاڑی موجود ہے۔“ ریکھا نے کہا۔

”ہائیں! تمہارے پاس بھی گاڑی ہے؟“

”میری نہیں۔ میرے بھائی کی ہے۔“

”میں تو سمجھتا تھا کہ تم اس دنیا میں تنہا ہو اسی لئے مجھے تم سے اتنی ہمدردی تھی۔ اب تمہارا راستہ الگ ہے اور میرا الگ۔“

”کل سے۔ اس وقت تو دونوں ایک ہی راستے پر چلیں گے۔“

”فادر ہارڈاسٹون میرے سر کے ہزار ٹکڑے کر دے گا۔ اُس نے کہا تھا کہ ریکھا کو ساتھ نہ لے جانا۔“

”بکتے رہو۔ مجھے کچھ نہیں سنائی دیتا۔“

ریکھا اگلی سیٹ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ”آؤ۔“

”نہیں میں پیچھے ہی ٹھیک رہوں گا۔“ حمید پچھلی نشست پر ڈھیر ہو گیا۔

”کہاں چلوں؟“

”ارجن پورہ۔“ حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔

چبھن

جیسے ہی کار پارک لین میں گھسی حمید نکل بھاگنے کے لئے تیار ہو گیا۔ یہاں بھیڑ بہت زیادہ تھی۔ رفتار کم ہو گئی اور ریکھا کی توجہ بھی سڑک پر تھی۔ حمید نے باآہستگی دروازہ کھولا اور اُتر کر سامنے والی گلی میں ہو لیا۔ کچھ دور تک اُسے اتنی تیزی سے چلنا پڑا کہ کلیجہ حلق میں آ گیا۔

وہ ویسے بھی اب ریکھا سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا کیونکہ فریدی سے اُس لڑکی سے ربط و ضبط پیدا کرنے کی اجازت مل چکی تھی۔ پھر کسی نئی لڑکی کے مقابلے میں ریکھا کا کیا کام۔

اُس نے گلی سے نکل کر ایک ٹیکسی کی اور مے پول ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

انور اور شاہینہ والا واقعہ اُس کے ذہن سے اُتر چکا تھا اور اب وہ صرف اُسی لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

مے پول ہوٹل پہنچ کر اُس نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور اندر چلا آیا۔

ڈائننگ ہال قریب قریب سنسان پڑا ہوا تھا کیونکہ دوسری طرف ریکریئیشن ہال سے آرکسٹرا کی آواز منتشر ہو رہی تھی۔

اُس نے ریکریئیشن ہال کا ٹکٹ خریدا اور پھر زندگی کے اُس طوفان میں جا ڈوبا جہاں رنگ و نور و نکہت سبھی کچھ تھے لیکن اس بھیڑ میں اُس لڑکی کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا۔

لڑکی ملتی یا نہ ملتی مگر وہاں قاسم کو دیکھ کر اُس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ بائیں جانب والی گیلری کی ایک میز پر تنہا تھا اور اس طرح منہ کھولے ہوئے رقص دیکھ رہا تھا جیسے زندگی میں پہلی بار اتفاق ہوا ہو۔ حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کی پشت پر پہنچا۔ قاسم اتنا منہمک تھا کہ اُسے خبر

"ہاں....!" قاسم نے سر ہلا کر جواب دیا۔ پھر چونک کر مڑتا ہوا بولا۔ "قاؤن.... آہا.... آپ ہیں۔ جایئے.... جایئے.... ترشیف.... تشریف لے جایئے۔"

"کیوں پیارے بھائی۔ کیوں خفا ہو۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

"بس جاؤ۔ چلے جاؤ.... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ تم سالا ہماری بیوی کو خراب کرتا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"تم نے اُس سے کہا تھا کہ قاسم تمہیں دوستوں میں گالیاں دیتا پھرتا ہے۔"

"نہیں یہ تو تمہارے والد صاحب کے متعلق کہا تھا۔"

"قیا....!"

"یہی کہ تم دوستوں میں اپنے والد صاحب کو گالیاں دیتے ہو۔"

"اے تم دغاباز اور جھوٹے ہو۔"

"میں کیا جانوں یہ بات تمہاری بیوی نے مجھے بتائی تھی۔"

"جھک مارتی ہے سالی۔ تم نے یقین کیسے کر لیا۔"

"اب نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا اور قاسم اس طرح مطمئن ہو گیا جیسے کوئی بہت بڑا مسئلہ طے ہو گیا ہو۔ وہ دانت نکالے رقص کرتی ہوئی لچکیلی لڑکی کو دیکھتا رہا۔

"قاسم! تم نے کبھی رقص کیا ہے؟"

"بنتا ہی نہیں سالا....!"

"کوشش کرو۔"

"کس کے ساتھ کوشش کروں۔ کون ناچے گی میرے ساتھ۔ میں اپنے ڈیل ڈول پر بہت لعنت بھیجتا ہوں۔"

"مگر میں تمہیں سکھا سکتا ہوں۔"

"تو سکھا دو نا پیارے! الاقسم زندگی بھر احسان مانوں گا۔"

"لڑکی تم تلاش کرو۔"

"میں کہاں تلاش کروں۔" قاسم نے کسی یتیم بچے کی طرح بے بسی سے کہا۔

"اس بھیڑ سے کسی لڑکی کو منتخب کرو میں معاملہ طے کرا دوں گا۔"

"اماں.... نہیں۔!" قاسم بھاڑ سا منہ پھیلا کر ہنسنے لگا۔

"پرواہ نہ کرو۔ اگر میں نے دیکھا کہ اُسے غصہ آگیا ہے تو تمہیں ڈانٹ کر بھگا دوں گا۔"

"قیا....!" قاسم غرایا۔

"ابے بات کو سمجھنے کی کوشش کیا کر۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔ "جب میں تمہیں ڈانٹوں تو تم چپ چاپ وہاں سے کھسک جانا۔ کیا سمجھے۔"

"نہیں.... نہیں.... تم کچھ گھپلا کرنا چاہتے ہو۔"

"کوئی گھپلا نہیں پیارے۔ اگر وہ نہ ناچے گی تمہارے ساتھ تو اُس کی بڑی بہن ناچے گی۔ وہ اُدھر دیکھو۔ وہ لمبی تڑنگی عورت جو سبز رنگ کے پھول دار اسکرٹ میں ہے۔"

"کدھر....؟" قاسم کی باچھیں پھر کھل گئیں۔

"وہ دیکھو۔" حمید نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "وہ جو ایک مرغ نما آدمی کے ساتھ ناچ رہی ہے۔"

"اوہی.... ہی ہی ہی۔" قاسم اپنا جسم سکوڑ کر ہنسا پھر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ہے نا.... تگڑی۔" حمید نے پوچھا۔

"الاقسم.... بالکل فٹ۔"

قاسم کی نظریں اُس لمبی تڑنگی عورت کا تعاقب کرتی رہیں جو ایک دبلے پتلے آدمی کے ساتھ ناچ رہی تھی اور حمید دُوسری ہی فکر میں تھا۔ اُس نے کہا۔ "تم اس سے برابر یہی کہتے رہنا کہ تم اُس کے ساتھ رقص کرنا چاہتے ہو۔"

"اچھا تو پھر....؟" قاسم بہت زیادہ دلچسپی لینے لگا تھا۔

"میں تمہیں وہاں سے ڈانٹ کر بھگا دوں گا۔"

"نہیں۔ یہ گھپلے والی بات ہے۔"

"جب تک میں تمہیں ڈانٹوں گا نہیں وہ تگڑی عورت تمہاری طرف متوجہ بھی نہ ہو گی۔"

"ابے حمید بھائی! کیوں اُلو بناتا ہے مجھے۔"

"اچھا جانے دو۔ میں خود ہی باری باری سے دونوں کے ساتھ ناچ لوں گا۔"

"تمہاری بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"دیکھو.... قاسم بھائی صاحب یعنی کہ مطلب یہ ہے کہ دونوں بہنوں میں چلی ہوئی ہے۔ اگر میں تمہیں اُس کے پاس سے ڈانٹ کر بھگا دوں گا تو اُس کی بڑی بہن یعنی کہ وہ تگڑی والی عورت تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے گی۔ کیا سمجھے۔"

"اب سمجھ گیا۔" قاسم سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ "یعنی وہ اُس کی جلن میں میرے ساتھ ناچنے پر تیار ہو جائے گی۔"

"بالکل بالکل۔ خیر سمجھے تو تم.... مگر یار.... آج کل تم کچھ اُداس اُداس سے نظر آتے ہو۔ کیا بات ہے؟"

"کیا پوچھتے ہو حمید بھائی۔" قاسم نے ٹھنڈی آہ بھرنے کی بجائے ایک گرم سا جھونکا پھینکتے ہوئے کہا۔ "وہ سالی مجھے زندہ نہ رہنے دے گی۔"

"مگر میرا خیال ہے کہ تمہاری کوئی سالی اتنی تگڑی نہیں ہے۔"

"تم سمجھے نہیں۔ میں اُس خچرنی کی بات کر رہا ہوں جسے لوگ میری بیوی سمجھتے ہیں۔"

"کیوں کیا کوئی نئی بات؟"

"ہاں....!" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ "وہ ایک نوکر کا بچہ لے کر پال رہی ہے اور مجھے اُس کا ڈیڈی کہتی ہے۔ تم خود سوچو حمید بھائی.... کتنی تکلیپھ.... تکلیف.... تکلیف دہ بات ہے۔"

"تمہارا کیا بگڑتا ہے.... کہنے دو۔"

"ارے وہ میرا مذاق اڑاتی ہے.... اُلو کی پٹھی۔"

"چچا کی پٹھی۔" حمید نے تصحیح کی۔

"چچا خود اُلو کا پٹھا ہے۔ سالا۔ آخر اُس نے ایک چوہیا ہاتھی کے پلّے کیوں باندھ دی تھی۔"

"قاسم تم شاعر ہوتے جا رہے ہو۔"

"چھوڑو یار حمید بھائی۔ لعنت ہے اپنی زندگی پر۔ اب اُس سالی نے اپنی ایک خالہ کو بھی بلا کر گھر میں رکھ لیا ہے۔ دن میں کئی بار دل چاہتا ہے کہ اُس خالا کو غولی.... گولی مار دوں۔"

"کیوں؟ کیا عمر ہوگی خالہ کی؟"

"چھوڑو یار گولی مارو.... ہوگی کچھ....!"

"بوڑھی ہے؟"

"تم یہ قیوں پوچھ رہے ہو۔" قاسم اُسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں.... یونہی.... اوہ دیکھو۔ راؤنڈ ختم ہوگیا ہے اب اٹھو۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں جھپٹتے ہوئے بار کے کاؤنٹر کی طرف چلے کیونکہ وہ لڑکی اُسی طرف جا رہی تھی۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ وہاں سے شراب خرید کر پھر اپنی میز پر آجائے گی لیکن اُس کی اس توقع پر اوس پڑ گئی کیونکہ وہ شاید چند سیکنڈ کے لئے کاؤنٹر پر ہاتھ ٹیک کر بارمین کی طرف جھکی تھی اور پھر اُس کا رخ دروازے کی طرف ہوگیا تھا۔ حمید بے بسی سے اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ اُس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ حمید نے تعاقب کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ ویسے وہ یونہی بے خیالی میں ڈائننگ ہال تک

مڑ کر چلا آیا۔ دوسری طرف قاسم تھا کہ اُس کی سرگوشیاں کسی طرح رکنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ "گئی.... وہ مڑی.... وہ رکی.... یاالا.... چلی گئی۔" پھر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب کیا ہوگا حمید بھائی؟"

"میرا ابھرتا بنے گا۔" حمید جھلا کر اُسکی طرف مڑا۔ نہ جانے کیوں اُسے قاسم پر غصہ آگیا تھا۔

"اُس کی بڑی بہق.... بہن....!" قاسم کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

"جہنم میں جائے۔"

"ارے واہ۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "وہ سالی چلی گئی تو مارو گولی.... اُس کی بہن بے چاری نے کیا قصور کیا ہے۔"

حمید جواب دیئے بغیر ریکریئیشن ہال کی طرف مڑ گیا۔ قاسم گویا دم کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اس میز پر لایا جہاں سے وہ کچھ دیر پہلے اٹھے تھے۔

"بیٹھو.... پیارے حمید بھائی... الاقسم... بعض اوکات تم سے بڑی محبت معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں.... ہو سکتا ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُس نے لڑکی کا تعاقب کیوں نہ کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اُسے نظر میں رکھنا ضروری رہا ہو۔ ورنہ فریدی اُسے خصوصیت سے یہاں کیوں بھیجتا۔

"ارے.... غمید.... بھاغی....!" دفعتاً قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ دیکھو۔"

"کیا ہے یار....!" حمید جھنجھلا کر بولا اور اُسی طرف دیکھنے لگا جدھر قاسم دیکھ رہا تھا اور پھر اُس کی جھنجھلاہٹ بالکل ہی کافور ہوگئی کیونکہ وہی لڑکی پھر ریکریئیشن ہال میں داخل ہو رہی تھی لیکن اس بار وہ تنہا نہیں تھی۔ اُس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا۔

"چلو اٹھو....!" قاسم اُسے جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

"بیکار ہے بیٹا.... اب وہ تنہا نہیں ہے۔"

"تو اُس سے کیا.... وہ سالا بولے گا تو گردن توڑ دوں گا۔"

"بس بیٹھے رہو۔"

"اچھا اُس کی بہن۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی کھوپڑی پر اب بُری طرح برف پڑ گئی تھی۔ اُس نے جو کچھ سوچا تھا نہ ہو سکا۔

تیسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہونے والی تھی اور لڑکی کے ساتھ آنے والا آدمی

اُسی کی میز پر تھا۔ حمید نے پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا کہ لڑکی یہاں تنہا ہے کیونکہ فریدی نے جس آدمی کے متعلق فون پر کہا تھا اُس قسم کے کسی آدمی کے ساتھ حمید نے اُسے نہیں دیکھا تھا۔ اِس لئے وہ اتنی دیر تک قاسم کے ساتھ سر مارتا رہا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر قاسم اُس لڑکی کے ر... ہو گیا تو اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ پھر ایسے موقع پر اگر حمید اُسے قاسم سے "نجات" دلا سکتا تو اُس کی طرف لڑکی کا متوجہ ہو جانا لازمی تھا۔

مگر اب وہ کیا کرتا۔ اب تو وہ تنہا نہیں تھی۔ اُسے اُس آدمی پر بڑا غصہ آرہا تھا۔ وہ لڑکی کی طرح کوئی غیر ملکی نہیں تھا۔ تیس پینتیس سال کا ایک خوش رو اور صحت مند جوان تھا۔ خدوخال سے سخت گیری مترشح تھی۔ حمید اُسے گھورتا رہا۔

موسیقی شروع ہو گئی لیکن وہ دونوں بیٹھے ہی رہے۔ قاسم بڑبڑا رہا تھا۔ "ہائے اُس کی بڑی بہن.... وہ گئی.... وہ گئی.... نکل گئی۔"

حمید نے دوسری طرف دیکھا وہ لمبی تڑنگی عورت ایک آدمی کے ساتھ رقص کرنے کے لئے اٹھی تھی.... قاسم بُری طرح ہاتھ مل رہا تھا۔

"یار حمید بھائی۔ تم دل توڑ دیتے ہو۔" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔

"تمہاری قسمت ہی خراب ہے، میں کیا کروں۔"

"تم کچھ نہ کرو، اب میں خود ہی کچھ کروں گا۔"

"کیا کرو گے؟"

"آگ لگا دوں گا اپنے گھر میں۔"

"چلو! خاموش بیٹھو۔ خان بہادر صاحب کا ہنٹر اس وقت شاید بھول گئے ہو۔"

حمید نے قاسم کو خاموشی سے دانت پیستے دیکھا۔ رقص شروع ہو چکا تھا اور کبھی کبھی رقاصوں کی بھیڑ سے دوسری طرف کی گیلری میں بیٹھی ہوئی وہ لڑکی بھی نظر آجاتی تھی۔ دفعتاً ایک بار حمید کو ایسا لگا جیسے اب وہ اپنی میز پر تنہا ہو۔ وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ اب وہ دوسری طرف کی پوری گیلری صاف دیکھ سکتا تھا۔ اور یہ حقیقت تھی کہ اب وہ لڑکی اپنی میز پر تنہا تھی۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور دوسری گیلری کی طرف چل پڑا۔ قاسم اُسے پکارتا ہی رہ گیا۔ دوسری گیلری میں پہنچ کر وہ لڑکی کے قریب ہی کھڑا ہو گیا لیکن دفعتاً اُس نے محسوس کیا کہ وہ کچھ خوفزدہ سی ہے۔ حمید نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن وہ آدمی کہیں نظر نہ آیا جو کچھ دیر پہلے اُس کے ساتھ تھا۔

لڑکی خوفزدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ ایک بار دونوں کی نظریں ملیں اور پھر وہ مختلف سمتوں میں دیکھنے لگے۔ اچانک حمید آگے بڑھ کر آہستہ سے بولا۔ "کیا آپ میری ہم رقص بننا پسند کریں گی۔"

"جی۔!" وہ چونک پڑی اور پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "مجھے افسوس ہے، میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"تھکن تو زندگی کے ساتھ ہے۔" حمید فلسفیانہ انداز میں بولا۔ "خیر میں خودکشی کرلوں گا۔"

پھر اُس نے محسوس کیا کہ لڑکی نہ صرف اُسے شبے کی نظر سے دیکھ رہی تھی بلکہ اُس کے چہرے پر پھیلی ہوئی زردی کچھ اور گہری ہو گئی ہے۔

"آپ کچھ خوفزدہ سی ہیں۔" حمید اُس کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ.... نہیں تو.... کیوں؟" لڑکی اب متحیر نظر آنے لگی۔

"آپ خوفزدہ ہیں۔"

"پھر.... آپ نے اس بے تکلفی کی جرأت کیسے کی۔ میں کوئی سوسائٹی گرل نہیں ہوں۔"

"اور میں بھی کوئی لفنگا نہیں ہوں۔ ایک شریف آدمی۔" حمید مسکرایا۔

لڑکی کرسی کی پشت سے ٹک کر اُسے گھورنے لگی۔ حمید اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکراتا رہا۔

دفعتاً لڑکی آگے جھک کر میز پر کہنیاں ٹیکتی ہوئی آہستہ سے بولی۔ "کیا تم مجھے خوفزدہ کر سکتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ یہاں میرے حمایتی بھی موجود ہیں۔ تم کوئی حرکت کر کے دیکھو۔"

"تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں بیٹھ جاؤ۔" لڑکی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"نہیں....!"

"پھر....؟"

"پھر میں کیا بتاؤں! آج میرے اور تمہارے ستارے کچھ اسی قسم کے ہیں۔"

لڑکی کچھ کہنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن حمید نے اُسے یک بیک چونکتے دیکھا۔ وہ ہال کے صدر دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید بھی مڑا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس کے ہونٹ کھلے اور ایک ہلکی سی "سسکی" دانتوں سے باہر آگئی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے بازو میں سوئی چبھ گئی ہو۔ اُس کا بایاں ہاتھ بے اختیارانہ انداز میں بازو پر پڑا اور وہ پلٹ کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ لڑکی نے کچھ اس

انداز میں اپنی کرسی پیچھے کھسکائی جیسے یہ حرکت اُسی نے کی ہو۔ حمید کو اپنے سارے جسم میں گرم گرم لہریں سی محسوس ہو رہی تھیں اور جس جگہ سوئی کی چبھن سی محسوس ہوئی تھی وہاں اب اتنی تکلیف تھی جیسے وہ کوئی مواد بھرا پھوڑا ہو۔ لڑکی اٹھ گئی مگر حمید زبان بھی نہ ہلا سکا۔ وہ اُسے جاتے دیکھتا رہا لیکن اُس کا جسم بے حس و حرکت تھا۔ آرکسٹرا کی موسیقی اُسے ایسی لگ رہی تھی جیسے وہ کسی مچھلی مارکیٹ کا بے معنی شور ہو۔ اُس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن شاید پیروں میں دم ہی نہیں تھا۔

اُس کے سارے جسم سے ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اُس میں موجود تھی۔ اُس نے دوسری گیلری کی طرف دیکھا۔ قاسم اب بھی وہاں موجود تھا اور حمید ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حمید اُسے بلانے کے لئے زور زور سے سر ہلانے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اُس سے کہہ رہا تھا۔ ”قاسم مجھے گھر پہنچادو۔ خدا کی قسم میں اپنی قوت سے چل بھی نہیں سکتا۔ شائد تمہیں مجھ کو گود میں اٹھانا پڑے۔“

”اماں نہیں۔ کیوں مذاق کرتے ہو۔“ قاسم ہنسنے لگا۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں۔“ حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ”جلدی کرو یا پھر فریدی صاحب کو فون کردو۔“

خطرناک تحفہ

رشیدہ نے چائے کی ٹرے کے ساتھ ہی اخبار بھی میز پر رکھ دیا لیکن اس کے باوجود بھی جب انور نے چائے انڈیلتے وقت اخبار کا مطالبہ کیا تو اُسے غصہ آگیا۔

”تم اندھے ہو شاید“

”ہاں میں اندھا ہوں اس لئے آج سے خبریں بھی تم ہی پڑھ کر سناؤ گی۔“

”میں نوکر ہوں تمہاری؟“

”یہ ایک بہت پرانا سوال ہے جس کا جواب میں نے کبھی نہیں دیا۔“

”پچھلی رات کیا ہوا تھا؟“ رشیدہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

”کچھ بھی نہیں۔ جس بات کا تعلق تمہاری ذات سے نہ ہو اُسے نہ چھیڑا کرو۔“

”آبزرور کا اداریہ پڑھا ہے تم نے؟“

”میرے پاس برباد کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔“

”یہ بہت اچھا ہے۔ ورنہ تم اس وقت چائے میں شکر کی بجائے سنکھیا استعمال کرتے۔“

”کیوں....؟“

”کل تم نے آرلکچو میں کس لڑکی کو شراب پلائی تھی۔“

”اوہ.... تو کیا اُس کے متعلق کچھ ہے؟“

”ہاں.... آں.... تو یہ حقیقت ہے؟“

”کیا لکھا ہے اُس نے؟“

رشیدہ اخبار اٹھا کر پڑھنے لگی۔

”کرائم رپورٹر کے جرائم۔ ایک مقامی اخبار کا کرائم رپورٹر پچھلی رات ایک بڑے ہوٹل میں ب پی کر ننگا ناچتا رہا۔ یہ رپورٹر شہر میں خاصی شہرت رکھتا ہے اور اعلیٰ پولیس افسروں سے اس مراسم ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اخلاقی اور سماجی پابندیوں کا قائل نہیں ہے۔ اگر یہ حرکت اور سے سرزد ہوتی تو وہ اس وقت جیل میں ہوتا لیکن ظاہر ہے کہ وہ اُن لوگوں سے مراسم اہے جو قانون کے محافظ کہلاتے ہیں پچھلی رات آرلکچو میں جو ہنگامہ ہوا اگر دنیا کے کسی رے مہذب ملک میں ہوا ہوتا تو۔“

”بس بند کرو۔“ انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”تو یہ حقیقت ہے۔“ رشیدہ نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر بولی۔ ”اور وہ سرمایہ دار لڑکی تھی؟“

”شاہینہ.... اُس کے متعلق کیا ہے؟“

”وہ بھی برہنہ ہو کر اُس کرائم رپورٹر کے ساتھ ناچتی رہی۔“

”اور آبزرور کا ایڈیٹر اپنے دفتر میں سارنگی بجاتا رہا تھا۔ خیر اُس کی بھی شامت آگئی ہے۔“

”قصہ کیا تھا؟“

”شاہینہ پر کسی قسم کا دورہ پڑا تھا اور اُس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔“

”اور تم....؟“

”اور اب مجھ پر اس وقت دورہ پڑنے والا ہے۔“

”پرواہ مت کرو۔“ رشیدہ گردن جھٹک کر بولی۔ ”اس وقت بھی میرے پیروں میں باٹا کے ڈل ہیں۔ تم آخر شاہینہ کو وہاں لے کیوں گئے تھے؟“

"کیونکہ اُسی کی بدولت میرے قرض خواہوں نے پھر مجھ سے محبت شروع کر دی ہے۔"

"اوہ.... تو کیا.... وہ تم سے کوئی کام لے رہی ہے۔"

انور کچھ نہ بولا۔ رشیدہ چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔ "تم یہ بات مجھ سے کیوں چھپا رہے ہو؟"

"تم پر ظاہر ہی کون سی بات ہے۔"

"میں پوچھنا بھی نہیں چاہتی۔" رشیدہ چڑھ کر بولی۔

"شکریہ۔"

انور چائے پیتا رہا۔ اخبار اُس کے سامنے تھا۔ دفعتاً اُس کی نظر ایک دلچسپ خبر پر پڑی۔ خود اُس کا اخبار اُس خبر سے محروم ہی رہ گیا تھا۔ اگر پچھلی رات وہ خود بھی ایک معاملے میں نہ الجھ گیا ہوتا تو یہ خبر نامکمل صورت میں نہ شائع ہوئی ہوتی۔

خبر تھی۔ "محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کیپٹن حمید کا حیرت انگیز تجربہ۔ گذشتہ شب آفیسر مذکور کو ایک حیرت انگیز واقعہ سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ مئے پول رقص گاہ میں ایک غیر ملکی خاتون سے گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے اپنے داہنے بازو میں چبھن سی محسوس کی اور اُن کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا۔ اُن کا بیان ہے کہ چبھن محسوس ہونے سے قبل وہ اُس خاتون کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اس واقعہ میں اُن خاتون کا ہاتھ تھا! وہ بھی اس سے لاعلم تھیں۔ ذرا ہی دیر میں آفیسر مذکور کی حالت غیر ہو گئی۔ وہ اُن خاتون سے اپنی کیفیت بھی نہ بیان کر سکے اور وہ اٹھ کر چلی گئیں۔ اُن کی ملاقات اس واقعہ سے چند منٹ پہلے ہوئی تھی۔ آفیسر مذکور اُن کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ جس جگہ چبھن محسوس ہوئی تھی وہ ذرا ہی سی دیر میں کسی پھوڑے کی طرح دکھنے لگی۔ وہ اس طرح بے حس و حرکت ہو گئے تھے کہ اُن کے ایک دوست انہیں گود میں اٹھا کر رقص گاہ سے باہر لے گئے اور پھر جب وہ اُن کی کار پر گھر جا رہے تھے تیز اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے انہیں حیرت انگیز طور پر پہلے ہی سی حالت میں لے آئے۔ اُن کا جسم پہلے ہی کی طرح چاق و چوبند ہو گیا اور بازو کی تکلیف بھی اتنی ہی رہ گئی جتنی کسی سوئی کے چبھ جانے کی بناء پر ہو سکتی ہے۔ بعد کی اطلاع ہے کہ اُن کے طبی معائنے سے بس اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ بازو میں کوئی نوکیلی چیز چبھ گئی تھی۔ لیکن اُس کے خراب اثرات اُن کے خون میں نہیں مل سکے۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ وہ چبھنے والی چیز ایک معمولی سوئی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔"

"واہ بھئی! کیا بات ہوئی۔" انور بڑبڑایا۔

"کیا....؟" رشیدہ چونک پڑی۔

انور نے اخبار اُس کی طرف بڑھا دیا۔ جب رشیدہ پڑھ چکی تو اُس نے کہا۔ "آخر اس خبر کی اشاعت کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہے دلچسپ....!"

"مگر وہ تو آرلکچو میں تھا اور یہ خبر مئے پول سے تعلق رکھتی ہے۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور انور نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"انور....!" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"کون....؟"

"اوہ.... کپڑے پہن رکھے ہیں تم نے؟"

"انور خدا کے لئے میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔ اب شاید ہی تم کبھی مجھے گھر سے باہر دیکھ سکو۔"

"انور میں التجا کرتی ہوں کہ میری بات سن لو۔ اس قسم کا دورہ مجھ پر کبھی نہیں پڑا۔ میں کسی ذہنی مرض میں مبتلا نہیں ہوں۔"

"آرلکچو کے منیجر کا خیال ہے کہ تم بھنگ پی کر آئی تھیں۔"

"بکواس ہے۔ سگریٹ کے علاوہ اور میں ہر قسم کے نشے سے دور رہتی ہوں۔"

"خیر.... تو اب کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"ممی یقیناً کسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ وہ کچھ کھل رہی ہیں لیکن اسی حد تک کہ مجھے تم سے نہ ملنے دیں۔ اُن کا خیال ہے کہ یہ اُسی خطرناک آدمی کی حرکت تھی جو آج کل اُن کی پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔ اُس نے شاید انہیں اس سے آگاہ بھی کر دیا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ اگر اب اس گھر کے کسی فرد نے پولیس یا کسی پرائیویٹ سراغ رساں سے ساز باز کرنے کی کوشش کی تو اُسے اسی طرح ذلیل کیا جائے گا۔"

"اوہ.... لیکن تمہاری ممی کچھ بتانے پر تیار نہیں؟"

"نہیں قطعی نہیں.... وہ کہتی ہیں کہ اگر تم میری زندگی چاہتی ہو تو اپنی زبان ہر معاملے میں بند رکھو۔"

"یہ بہت بُری بات ہے۔ پھر اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں اب بھی وہی چاہتی ہوں جس کے لئے تم سے ملی تھی۔"

"اپنی ممی کی تنبیہہ کے باوجود بھی؟"

"تم وہ طریقہ کیوں نہیں اختیار کرتے کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو سکے۔"

"ہو سکتا ہے۔ مگر اُس طریقے کے اخراجات ذرا لمبے ہو جائیں گے۔" انور نے رشیدہ کو آنکھ مار کر کہا اور رشیدہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔

"اخراجات کی پرواہ نہ کرو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اور آج تم میری سالگرہ کی تقریب میں شرکت کر رہے ہو؟"

"آہا.... اوہ.... اچھا.... مگر تم مجھے پہچانو گی کیسے؟"

"بس جسے نہ پہچانتی ہوں گی وہی تم ہو گے۔"

"سب تمہارے جانے پہچانے آدمی ہوں گے؟"

"ہاں....!"

"اور تمہارے سبھی دوستوں سے تمہاری ممی واقف ہوں گی؟"

"نہیں بہتیروں کو نہیں جانتیں۔"

"بس ٹھیک ہے۔ میں آؤں گا۔"

"میں دراصل تمہیں اس لئے بلا رہی ہوں کہ تم اُن دونوں گدھوں کو دیکھ لو۔"

"ڈنکی ٹیلس کے متعلق کہہ رہی ہو؟"

"ہاں.... وہی دونوں۔ ہو سکتا ہے ممی کی پریشانیوں کی وجہ وہی ہوں۔"

"میں آؤں گا۔ اچھا.... بس....!"

"نہیں اور کچھ نہیں۔"

انور نے ریسیور رکھ دیا اور رشیدہ کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"سنا تم نے؟" اُس نے اس انداز میں کہا جیسے رشیدہ بہری ہو۔ "میں اس کیس کے اختتام پر ایک اچھی سی کار خرید رہا ہوں۔"

"وہ تو تم کئی کیسوں کے اختتام پر خرید چکے ہو۔"

"نہیں اس بار ضرور خرید لوں گا۔"

"دیکھوں گی۔"

انور ناشتہ ختم کر کے اُٹھ گیا۔ رشیدہ وہیں بیٹھی رہی۔ لیکن وہ انور سے کچھ برگشتہ سی معلوم ہو رہی تھی۔ اُسی شام کو انور میک اپ میں ارشاد منزل جا پہنچا۔ اس میک اپ میں وہ یوریشین

معلوم ہوتا تھا۔

ارشاد منزل کا بڑا ہال کافی نفاست کے ساتھ سجایا گیا تھا اور شاید اس وقت تک آدھے سے زیادہ مہمان وہاں پہنچ چکے تھے۔

انور نے شاہینہ کی جستجو میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔ انور نے سوچا شاید وہ پہچان نہ لیا جائے کیونکہ اُس کی موجودہ حیثیت میں وہاں اُس کا ایک بھی شناسا نہیں تھا۔

وہ شاہینہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ ویسے اُس بھیڑ میں کسے پڑی تھی کہ اُس کی طرف توجہ دیتا۔ یہ مجمع کسی پبلک جلسے کی سی نوعیت کا حامل تھا۔

لیکن آخر کار انور نے اندازے سے اُن باپ بیٹے کو پہچان لیا۔ جنہیں دکھانے کے لئے شاہینہ نے اُسے مدعو کیا تھا۔ وہ دونوں ایک میز کے قریب کھڑے کسی مسئلہ پر بحث کر رہے تھے۔

انور اُن کی پشت پر کھڑا ہو کر دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ دیکھنے لگا۔ معمر آدمی خاصا تنومند تھا اور اُس کی ڈاڑھی سرخی مائل تھی۔ اگر نوجوان کے چہرے پر بھی ویسی ہی ڈاڑھی ہوتی تو اُن کو پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ بیٹا اپنے باپ کی ہو بہو نقل تھا۔ فرق بس اتنا ہی تھا کہ اُس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں تھی۔

"جب عقل نہیں رکھتے تو بکواس کیوں کرتے ہو۔" بوڑھا نوجوان سے کہہ رہا تھا۔

"ڈیڈی میں تم سے زیادہ عقل رکھتا ہوں۔ جب دل چاہے کر لو عقل کا مقابلہ۔" نوجوان بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم گدھے ہو۔"

"میری رگوں میں تمہارا ہی خون دوڑ رہا ہے ڈیڈی۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے تم اس کے باوجود بھی گدھے ہو سکتے ہو۔"

بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ ٹھیک اُسی وقت شاہینہ اُدھر آ نکلی۔ وہ آج خلافِ معمول اسے اور فراک میں تھی۔

نوجوان ڈنکی ٹیل نے اپنے حلق سے عجیب سی آواز نکالی اور اُسے روک کر بولا۔ "مجھے معاف کرنا مس ارشاد تم اس لباس میں بہت اچھی لگتی ہو.... کیوں ڈیڈی۔"

"اوہ.... یقیناً....!" بوڑھا ڈنکی ٹیل سر ہلا کر شفقت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"شکریہ۔" شاہینہ بڑے دل آویز انداز میں مسکرائی اور انور پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"ڈیڈی۔" نوجوان ڈنکی ٹیل بولا۔ "یہ لڑکی مجھے خواب دکھاتی ہے۔"

"ہاں.... آں.... ہو سکتا ہے۔" بوڑھے نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم نے ٹھنڈی سانس کیوں لی ڈیڈی؟" نوجوان بولا۔

"ہنٹر.... میں تمہیں بہت پیٹوں گا گدھے۔"

"نہیں بتاؤ۔ کیا وہ تمہیں بھی اچھی لگتی ہے؟"

"ہنٹر... پلیز... ہولڈ یور ٹنگ۔ ورنہ مجھے یہاں اس تقریب کے موقع پر بھی غصہ آسکتا ہے۔"

"تمہیں بہت دنوں سے غصہ نہیں آیا ڈیڈی۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بکواس بند کرو۔" بوڑھے نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ ہنٹر ڈنکی ٹیل اس انداز میں اُس کے پیچھے چل رہا تھا جیسے سر پر چپت رسید کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

انور بھی وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ شاہینہ سے ملنا چاہتا تھا آخر وہ اُسے ایک جگہ مل ہی گئی۔

"مبارک ہو مس ارشاد۔" اُس نے کہا۔

"شکریہ.... شکریہ۔" شاہینہ گرم جوشی سے مصافحہ کرتی ہوئی بولی۔ وہ ٹہلتے ہوئے ایک طرف چلے گئے۔ شاہینہ نے کہا۔

"یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اگر تم اجنبی نہ ہوتے تو میں تمہیں نہ پہچان سکتی۔ واقعی کمال کرتے ہو تم بھی.... اُن دونوں کے قریب کھڑے تھے۔"

"ہاں.... میں نے انہیں دیکھا تھا اور وہ دونوں کافی دیر تک تمہارے حسن کی تعریف کر رہے تھے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ کس قسم کے باپ بیٹے ہیں۔"

"میں بھی نہیں سمجھ سکا۔"

"اچھا بس اب میں چلی۔"

"میں ذرا اُدھر بھی جاؤں گا جہاں اُس رات تم نے اپنی ممی کو کسی سے گفتگو کرتے سنا تھا۔"

"جہاں دل چاہے جاؤ مگر تمہارا نام کیا ہے؟"

"جوزف پیٹر....!"

"ڈنر ٹیبل پر تمہارا کارڈ لگوائے دیتی ہوں۔"

"ہاں.... آں.... مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ میں ڈنر تک یہاں ٹھہروں۔"

"او ہو ایسی غلطی مت کرنا۔ یقیناً وہ نامعلوم آدمی بہت چالاک ہے۔ ورنہ اُسے ہمارے متعلق

معلوم ہوتا۔"

"خیر جیسا مناسب سمجھوں گا ویسا کروں گا۔" انور نے کہا۔

وہ چلی گئی اور انور اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ ہال میں شراب کی ٹرالیاں چل رہی تھیں۔ ایک اُس کے پاس بھی رکی لیکن انور نے صرف لیمن پر قناعت کی۔ اگر وہ شراب پیتا بھی ہوتا تو کم از کم اس دفعہ پر ہرگز نہ پیتا۔

اس دوران میں ایک بار بیگم ارشاد سے بھی مڈبھیڑ ہوئی اور اُس نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں مبارک باد پیش کی لیکن بیگم ارشاد نے شکریہ ادا کرتے وقت یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اُسے پہچانتی نہیں ہے۔

انور نے سوچا کہ اب اس طرح دوسروں سے کٹے کٹے پھرنا مناسب نہیں ہے لہٰذا وہ نوجوانوں کے ایک جھنڈ میں جاملا۔ ان لوگوں نے نوجوان ڈنکی ٹیل کو گھیر رکھا تھا اور اُسے عرف عام میں بُری طرح "گھس" رہے تھے۔ انہوں نے شاید اُسکے نام پر بحث چھیڑ رکھی تھی اور ہنٹر ڈنکی ٹیل کہہ رہا تھا۔ آپ لوگ غلط سمجھتے ہیں۔ ہمارے نام کے ہجے وہ نہیں ہیں جو گدھے کی دم کے ہوتے ہیں، ڈی یو این کے آئی.... ڈنکی.... ٹی اے، ایل ای.... ٹیل.... (DANKITALE)!"

"لیکن اگر ہم اسے اپنی زبان میں لکھیں گے تو گدھے کی دم ہی پڑھیں گے۔" کسی نے کہا۔

"مجبوری ہے۔" ہنٹر ڈنکی ٹیل مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"آپ کے دوسرے بھائیوں کے کیا نام ہیں؟"

"ڈیڈی نے ایک ہی شادی کی تھی۔" ہنٹر نے آہستہ سے کہا۔ "اس لئے اور کوئی دوسرا بھائی نہیں ہے۔"

اس پر قہقہہ پڑا اور ہنٹر احمقانہ انداز میں ایک ایک کی صورت دیکھنے لگا۔

"تم اپنی پیدائش کے وقت کتنے بڑے تھے؟" کسی نے سوال کیا۔

"ٹھہریئے.... ڈیڈی سے پوچھ آؤں۔" ہنٹر نے کہا اور بھیڑ ہٹاتا ہوا نکلا چلا گیا۔

لوگ ہنستے رہے لیکن انور کی نظریں اُس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ اپنے ڈیڈی کے پاس جانے کے بجائے ایک دروازے میں مڑ گیا۔ اُس کا ڈیڈی راجر ڈنکی ٹیل شہر کے بڑے سرمایہ دار سے گفتگو کر رہا تھا۔ انور بھی ٹہلتا ہوا اُسی دروازے کی طرف چلا۔

لیکن ابھی دروازے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ کھانے کے لئے گانگ بجا۔ یہ حقیقت تھی کہ انور کھانے کے لئے وہاں نہیں رکنا چاہتا تھا۔ اُس نے تیزی سے قدم بڑھائے اور اُسی دروازے

سے گذر گیا جس سے ہنٹر ڈنکی ٹیل گذرا تھا۔ اُس نے خود کو راہداری میں پایا اور اس توقع پر آگے بڑھتا چلا گیا کہ ممکن ہے آگے جا کر اُسے عمارت سے باہر نکلنے کے لئے راستہ مل جائے۔

اس راہداری میں دونوں طرف دروازوں اور کھڑکیوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ اچانک ایک دروازے سے ایک آدمی کچھ اتنی تیزی سے نکلا کہ انور سے سے ٹکرا گیا اور اُس کے ہاتھوں میں دبا ہوا ڈبہ فرش پر گر پڑا۔ جسے اٹھانے کے لئے وہ بڑی پھرتی سے جھکا۔ یہ ہنٹر ڈنکی ٹیل تھا اور ڈبہ اٹھا لینے کے بعد کچھ اس انداز میں ہنسنے لگا تھا جیسے چوری کرتا ہوا پکڑا گیا ہو۔

"یہ .... یہ ....!" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "مس ارشاد کے لئے تحفہ ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔" انور اُسے گھورنے لگا۔

"اوہو .... دیکھئے میں اس ملک میں نووارد ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہاں کی لڑکیاں کیا پسند کرتی ہیں۔ اس لئے آپ ذرا اسے دیکھ لیجئے .... جی ہاں .... میں آپ کا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

پھر جیسے ہی اُس نے ڈبے کا ڈھکن کھولا انور اچھل کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ ڈبے میں ایک سیاہ رنگ کا سانپ پھن کاڑھے کھڑا بار بار اپنی سرخ زبان باہر نکال رہا تھا۔ انور کے ہونٹ بھنچ گئے اور بھنوئیں تن گئیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسرے ہی لمحے میں ڈنکی ٹیل پر حملہ کر بیٹھے گا۔

جرم یا مجرم

ڈنکی ٹیل کھڑا ہنس رہا تھا۔

"میں بتاؤں تمہیں۔" انور دانت پیس کر بولا۔

"میں شکریہ ادا کروں گا۔ پتہ نہیں وہ اس تحفے کو قبول کرے یا نہ کرے۔"

انور نے ہاتھ بڑھا کر اُس کا گریبان پکڑ لیا۔

"ارے .... ارے .... یہ کیا ....؟" ڈنکی ٹیل بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

"میں بھی مزاح کی حس رکھتا ہوں۔" انور نے گریبان پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ "اور میرا مزاح اسی قسم کا ہوتا ہے۔"

"یہ نقلی سانپ ہے دوست ....!" ڈنکی ٹیل نے قہقہہ لگایا۔

"کیا ....؟" انور کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

"ہاں ....!" ڈنکی ٹیل سانپ کا سر چھوتا ہوا مسکرایا۔ "ربر کا سانپ اور پارے کا بیلنس۔ یہ زبان کی حرکت پارے کے بیلنس کا نتیجہ ہے۔"

"واہ ....!" انور نے مسکرا کر گریبان چھوڑ دیا اور ڈبہ اپنے ہاتھوں میں لے کر سانپ کا جائزہ لینے لگا۔ وہ کاریگری کا ایک بہترین نمونہ تھا۔

"آؤ .... آؤ۔" ہنٹر ڈنکی ٹیل انور کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ "خاصی تفریح رہے گی۔"

انور نہایت اطمینان سے اُس کے ساتھ چلتا رہا .... لوگ ڈائیننگ ہال کی طرف جا رہے تھے۔

"ہائیں .... یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔" ڈنکی ٹیل نے حیرت ظاہر کی۔

"کھانے کے لئے گانگ بجا ہے۔"

"اوہو .... مگر ابھی کیک تو نہیں کاٹا گیا۔"

"اوہ .... یہ رسم اس گھر میں نہیں ہوتی۔" انور بولا۔

"تب پھر میں یہ تحفہ کس وقت دوں گا؟"

"کھانے کے بعد ....!"

"عجیب بے تکی بات ہے۔"

"یہ باسٹرڈ سالگرہ ہے۔ دوغلی .... یوریشین ....!" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"ہاہا ....!" ڈنکی ٹیل نے قہقہہ لگایا۔ "تم بھی تو یوریشین ہو۔ کیا تم باسٹرڈ کہو گے خود کو؟"

"یقیناً اگر میں یوریشین ہوں تو ضرور باسٹرڈ کہوں گا خود کو۔"

وہ دونوں بھی ڈائیننگ ہال میں آئے اور انور کو اپنی نشست تلاش کرنے میں تھوڑی دشواری ہوئی کیونکہ ہال میں تقریباً ڈیڑھ سو مہمان تھے۔

دو تین آدمی نشستوں کے چارٹ لئے پھر رہے تھے۔ ایک نے انور کی بھی مدد کی۔ ڈنکی ...ل ایک ہی میز پر تھے۔ کھانے کی ٹرالیاں گردش میں آگئیں۔

انور دونوں ڈنکی ٹیلوں کو گھور رہا تھا۔ لیکن شاید ہنٹر ڈنکی ٹیل اُسے بھول ہی گیا تھا کیونکہ اُس نے ...ایک بار بھی اُسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

دھیمے سروں میں آرکسٹرا بجتا رہا اور ہاتھ اٹھ اٹھ کر منہ کی طرف جا رہے تھے۔

اچانک پورا ہال تاریک ہو گیا اور بیک وقت بہتیری تحیر آمیز آوازیں سنی گئیں پھر کسی ...رت کی چیخیں سنائی دینے لگیں اور انور اچھل کر کھڑا ہو گیا پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی میز الٹ

گئی ہو۔ برتنوں کے ٹوٹنے کی آوازیں اندھیرے میں چکرائیں۔ آرکسٹرا تو اُسی وقت بند ہو گیا تھا جب روشنی غائب ہوئی تھی۔

شور بڑھ گیا۔ پھر روشنی بھی غائب ہو گئی تھی۔ لوگ حیران و سراسیمہ کھڑے تھے اور شاہینہ ایک جگہ اچھل اچھل کر اپنے بال نوچ رہی تھی۔ کپڑے پھاڑ رہی تھی۔

چند لمحے سب کے سب بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ پھر یک بیک سارا ہال گونجنے لگا جس کے منہ میں جو بھی آیا کہہ رہا تھا۔

انور نے بیگم ارشاد کو دیکھا جو بلبلاتی ہوئی شاہینہ کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ "میری بچی.... میری بچی۔"

لیکن شاہینہ کے ہاتھ اُسی رفتار سے کپڑوں پر چلتے رہے اور ذرا ہی سی دیر میں اُس کے جسم پر دھجیاں جھول رہی تھیں۔ تین چار عورتیں اُسے پکڑ کر بدقت تمام دوسرے کمرے میں لے گئیں۔

مہمان ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ انہیں کیا کرنا چاہئے؟ چونکہ یہ سب کچھ غیر متوقع طور پر ہوا تھا اس لئے شاید اُن کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی جواب دے گئی تھی۔

اور انور سوچ رہا تھا کہ وہ پہچان لیا گیا ہے ورنہ شاہینہ اس حال کو کیوں پہنچتی۔ لیکن اب یہ بھی دشوار تھا کہ انور باہر نکل جاتا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ اس واقعہ سے اُس کی ضدی طبیعت جاگ اٹھی ہو۔

دفعتاً اُسے دونوں ڈنکی ٹیلوں کا خیال آیا اور اُس کی نظریں بے چینی سے ہال میں چکرانے لگیں۔ آخر ایک جگہ اُسے ہنٹر ڈنکی ٹیل دکھائی دیا۔ لیکن بوڑھا ڈنکی ٹیل کہیں نہ نظر آیا۔

"خواتین و حضرات۔" بیگم ارشاد ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ "مجھے افسوس ہے کہ شاہینہ پر آج پھر دورہ پڑ گیا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار پڑ چکا ہے۔ ایسے حالات میں ہمدردی کی مستحق ہوں۔ مجھے انتہائی شرمندگی ہے۔"

اور پھر وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی کیونکہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔" چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔ "ہمیں افسوس ہے۔"

دو چار لوگ آگے بڑھے اور بیگم ارشاد بھی ڈائننگ ہال سے لے جائی جانے لگی۔ کچھ لوگ باہر جا رہے تھے۔ انور نے سوچا کہ اب اُس کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے لہٰذا وہ بھی دروازے کی طرف بڑھا پھر شاید ہنٹر ڈنکی ٹیل نے اُسے پہچان لیا اور آگے بڑھ کر بولا۔ "یہ کیا ہو گیا مسٹر اب میرے تحفے کا کیا ہو گا؟"

"آئندہ سالگرہ کے منتظر رہو۔" انور لاپروائی سے کہتا ہوا ڈائننگ ہال سے نکل آیا لیکن وہ ڈنکی ٹیلس کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

راہداری اتنی کشادہ نہیں تھی کہ ڈیڑھ سو آدمی بیک وقت اُس میں سے گذر سکتے۔ اس لئے وہاں بھیڑ معلوم ہونے لگی اور جب انور اپنے لئے راستہ بنا رہا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی بائیں ران میں سوئی چبھ گئی ہو۔

انور بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور ایک آدمی سے ٹکرا گیا۔

"ذرا دیکھ کر جناب۔" اُس نے کہا اور انور نے معذرت کر کے آگے بڑھنا چاہا مگر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کا جسم حیرت انگیز طور پر ہلکا ہو گیا ہو اور اگر اُس نے ایک پیر بھی زمین سے اٹھایا تو فضا میں معلق ہو جائے گا۔ سارے جسم میں گرم گرم سی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے میں اُسے وہ خبر یاد آ گئی جو اُس نے کیپٹن حمید کے متعلق آج ہی ایک مقامی روزنامے میں پڑھی تھی.... وہ کسی نہ کسی طرح دیوار سے جا لگا اور دوسرے لوگ اُسے گھورتے ہوئے گذرتے رہے۔ اُس نے دونوں ڈنکی ٹیلوں کو بھی دیکھا جو خراماں خراماں چلے جا رہے تھے لیکن اُس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ اپنی جگہ سے جنبش بھی کر سکتا۔

کچھ دیر بعد راہداری سنسان ہو گئی۔ اب انور کی ران میں تکلیف بھی بڑھنے لگی تھی جہاں کچھ دیر پہلے صرف ایک معمولی سی سوئی کی چبھن محسوس ہوئی تھی وہاں اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گولی لگی ہو۔ کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ داہنی جانب گر رہا ہے۔ لیکن خود کو گرنے سے روک نہ سکا۔

اور پھر وہ ایک بے بس چوپائے کی طرح زمین پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ ران کی تکلیف اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ بمشکل تمام اپنی کراہیں روک سکا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں زائل ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت کوئی ادھر آ نکلا تو اُسے ایک بار پھر بیگم ارشاد کی بکواس سننی پڑے گی۔ پھر اُس نے سوچا ممکن ہے اب بیگم ارشاد اِدھر آ ہی رہی ہو۔ شاہینہ کی حالت اسی لئے بگڑی تھی کہ وہ اُس وقت وہاں موجود تھا۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اُسے بے دست و پا کر دینے کا مقصد بھی یہی ہو کہ بیگم ارشاد اس بار اچھی طرح اُس کی خبر لے اور وہ پھر کبھی ادھر رخ کرنے کی بھی جرأت نہ کر سکے۔

انور نے غلط نہیں سوچا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد بیگم ارشاد اُس کے سر پر موجود تھی۔ اُس کے ساتھ چار ملازم بھی تھے۔

"مسٹر.... جوزف.... پیٹر....!" وہ رک رک کر دانت پیستی ہوئی بولی۔ پھر نوکروں سے کہا۔ "اسے اٹھاؤ۔"

انور کچھ نہ بولا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ بول ہی نہ سکتا تھا۔ کیونکہ اُس کی زبان بھی بقیہ جسم کی طرح حرکت نہیں کرسکتی تھی۔ مگر یہ بڑی عجیب بات تھی کہ وہ سوچ سکتا تھا۔

نوکر اُسے اٹھائے ہوئے ایک کمرے میں لائے اور بیگم ارشاد کے اشارے پر اُسے آرام کرسی میں ڈال دیا گیا۔ "اس کے کپڑے اُتار کر پنکھے کھول دو۔"

اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ جس آرام کرسی پر انور کو بٹھایا گیا تھا اُس کے تین طرف تین میزوں پر پنکھے رکھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انور کے جسم پر صرف زیر جامے رہ گئے اور تین پنکھوں کی تیز ہوا اُسے جسم کے اندر اترتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔

اور پھر وہ حیرت انگیز طور پر ٹھیک ہوتا گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ ران کی تکلیف بھی گھٹ کر سوئی کی چبھن ہی کے برابر رہ گئی تھی۔

"اب پنکھے بند کردو۔" انور نے نوکروں سے کہا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میرے کپڑے اٹھاؤ۔"

کپڑے اُسے دیئے گئے اور ایک نوکر باہر چلا گیا۔ انور سمجھتا تھا کہ وہ بیگم ارشاد کو اس کی اطلاع دینے گیا ہے۔ اُس نے بڑی تیزی سے کپڑے پہنے اور جیب سے سگریٹ کیس نکال کر ایک سگریٹ منتخب کی اور پھر اُسے ہونٹوں میں دبا کر سلگانے ہی والا تھا کہ بیگم ارشاد کمرے میں داخل ہوئی۔

"تم یہاں کیوں آئے تھے؟" وہ گرجی۔

انور نے سگریٹ سلگا کر لاپروائی سے دیاسلائی ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔ "مدعو کیا گیا تھا۔"

"میں تم پر کیس دائر کردوں گی۔ تم میری بچی کو بہلا پھسلا کر اُس سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھ رہے ہو۔"

"آہا.... مس شاہینہ میری قرض دار ہیں۔ وہ مجھ سے دس ہزار روپے قرض لے کر جوئے میں ہار چکی ہیں۔"

"میں.... دیکھو! میں تمہیں پھر سمجھاتی ہوں کہ اُس سے ملنا جلنا ترک کردو۔ ورنہ تمہارے انجام پر کوئی رونے والا بھی نہ ملے گا۔"

"شہر کی دو بڑی ماں بیٹی میری قبر پر دو آنسو ضرور گرائیں گی۔ مجھے یہی توقع ہے لیکن بیگم ارشاد مجھے حیرت ہے کہ آپ اس نئی بیماری کے علاج سے بخوبی واقف ہیں۔ پچھلی رات یہی بیماری محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کیپٹن حمید کو بھی ہوگئی تھی۔"

"ہوگئی ہوگی۔" بیگم ارشاد نے لاپرواہی سے کہا۔ "تم مجھے کسی طرح بھی دھمکا نہیں سکتے۔ میں جانتی ہوں کہ قانون کا سامنا کس طرح کرنا چاہئے۔"

"شاہینہ کا اب کیا حال ہے؟"

"بس اب تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کیا شاہینہ نے آپ کو جوزف پیٹر کی اصلیت سے آگاہ کیا تھا؟"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ اگر اب تم تین منٹ کے اندر ہی اندر یہاں سے نہ چلے گئے تو میں تمہیں سڑک پر پھینکوا دوں گی۔"

انور نے میز سے اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی اور ختم ہوتے ہوتے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگایا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "جب کوئی مصیبت پڑے مجھے ضرور یاد کیجئے گا بیگم ارشاد....!"

وہ دروازے کی طرف بڑھا لیکن پھر رک گیا اور بیگم ارشاد کی طرف مڑے بغیر بولا۔ "میری روح اس عمارت کے گرد ہمیشہ منڈلاتی رہے گی۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا عمارت کے باہر نکل آیا۔ کمپاؤنڈ میں کئی جگہ بلب روشن تھے اور شاید کسی گوشے میں بھی اندھیرا نہیں تھا وہ اب وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے اگر اندھیرا ہوتا تو اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ضرور کرتا۔ وہ سڑک پر آگیا۔

مگر اس طرح چپ چاپ چلے جانا اُس کی طبیعت کے خلاف تھا۔ اُس نے ایک ضدی طبیعت پائی تھی اور انتقام کا جذبہ دبا لینے میں اُسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ پچھلی رات آرلکچو میں بھی بیگم ارشاد نے سخت سست کہا تھا اور اب اس وقت بھی۔ حالانکہ اُس کے رویہ کا محرک کوئی اور تھا۔ کون تھا؟ انور فٹ پاتھ پر رک کر سوچنے لگا۔ ویسے اُسے یوں بھی کسی ٹیکسی کے انتظار میں رکنا ہی تھا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ آخر بیگم ارشاد شہر کی گندی گلیوں میں کیوں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ اُسے کون کس جرم کی سزائیں دے رہا ہے اور کیوں؟ وہ سب کچھ برداشت کر رہی ہے۔ لیکن پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتی۔ ویسے وہ پولیس سے بھی خائف نہیں معلوم ہوتی۔ اگر وہ پولیس سے خائف ہوتی تو انور کو اس حال میں اٹھوا کر سڑک پر پھینکوا دیتی۔ اُس نے اُس کے لئے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی اور پھر جب کہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر نہ صرف ایسے ہی ایک تجربے سے دوچار ہو چکا تھا بلکہ اخبارات کے ذریعہ اُس کی پبلسٹی بھی کرائی تھی۔ بیگم ارشاد نے اس قسم کا خطرہ کیوں مول لیا۔ ویسے یہ تو ظاہر ہے کہ اُس کے متعلق اُسی آدمی سے ہدایات ملی ہوں گی جو اس حرکت کا ذمہ دار تھا۔

کیا وہ یہاں رک کر اُس پُر اسرار آدمی کو تلاش کرے؟ مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اب بھی یہیں موجود ہوتا۔ پھر ایسی صورت میں یہاں رکنا ہی فضول تھا۔ انور نے فیصلہ کیا کہ اُس وقت تو اُسے ٹل ہی جانا چاہئے۔

اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس واقعہ کی اطلاع کرنل فریدی کو ضروری دینی چاہئے۔ چونکہ حمید کو بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آچکا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے کوئی فائدہ اٹھا سکے مگر بیگم ارشاد کے رویے نے اُسے پھر الجھن میں ڈال دیا۔ آخر اُس نے یہ جتانے کی کوشش کیوں کی تھی کہ وہ اس مرض کا علاج جانتی ہے۔ مگر ہو سکتا ہے اُسے اُسی پر مجبور کیا گیا ہو۔ انور اس خیال پر قائم نہ رہ سکا کیونکہ اگر وہ آدمی یہی چاہتا تھا تو اُس کا مطلب یہ تھا کہ وہ خود ہی اپنے پیچھے پولیس کو بھی لگانا چاہتا ہے۔ پھر آخر انور ہی سے بیر کیوں؟

وہ سوچتا رہا لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔

اچانک ایک موٹر سائیکل آکر فٹ پاتھ سے لگ گئی۔

"کیوں.... کیا نکلوا دیئے گئے؟" اُس نے رشیدہ کی طنز آمیز آواز سنی۔

"اگر کچھ دیر اور ٹھہرتا تو یہی حادثہ پیش آتا۔" انور آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "چلو.... پیچھے کیریئر پر چلو۔"

رشیدہ کیریئر پر چلی گئی۔ انور نے سیٹ پر بیٹھ کر مشین اسٹارٹ کی اور پھر موٹر سائیکل سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔

"کیوں کیا تم اسی انتظار میں تھے؟" رشیدہ نے اُس کی پشت پر چٹکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"چین سے بیٹھو ورنہ گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھا دوں گا۔"

"یہ ایک شاندار ایڈونچر ہوگا۔ ضرور ایسا کرو۔" رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔ لیکن موٹر سائیکل سڑک ہی پر دوڑتی رہی۔

"ہاں تو آج پھر اُس پر وہی کل کا سا دورہ پڑا تھا؟" رشیدہ نے کچھ دیر بعد کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میرے اپنے ذرائع بھی ہیں۔" رشیدہ اکڑ کر بولی۔ "اور یہ تقریب اس طرح ختم ہو گئی۔"

انور کچھ نہ بولا۔ موٹر سائیکل فریدی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ پھاٹک ابھی بند نہیں کیا گیا تھا۔ انور موٹر سائیکل کو پورچ میں لیتا چلا گیا۔

لیکن پھر اُسے یہ معلوم کر کے بڑی مایوسی ہوئی کہ فریدی اور حمید گھر پر موجود نہیں ہیں۔

"پھر اب کھڑے کیوں ہو؟ واپس چلو۔" رشیدہ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں انتظار کروں گا۔" انور نے کہا اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

انور میک اپ میں تھا۔ اس لئے اگر اُس کے ساتھ رشیدہ نہ ہوتی تو شاید وہ اتنی بے تکلفی ے ڈرائنگ روم میں داخل نہ ہو سکتا۔ فریدی کے ملازم رشیدہ کو پہچانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کوئی تعرض نہ کیا۔

"کیا تم اس واقعے کی اطلاع فریدی صاحب کو دے چکے ہو؟"

"کس واقعے کی اطلاع؟" انور نے پوچھا اور اُس ملازم کو گھورنے لگا جو دروازے میں کھڑا ے گھور رہا تھا۔ آخر اُس نے رشیدہ سے پوچھا۔ "انور صاحب کہاں ہیں۔"

"کیوں....؟"

"صاحب انہیں فون پر بلا رہے ہیں۔" نوکر نے کہا۔

رشیدہ اور انور حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے پھر انور اٹھا اور ملازم سے بولا۔

"چلو....!"

لیکن ملازم جو اُس کی آواز نہیں پہچان سکا تھا اس انداز میں اُسے دیکھنے لگا جیسے اُس کے اس اق پر بہت سخت وست کہے گا۔

"ارے چل نا....!"

"اوہ.... ہو.... آپ ہیں۔" نوکر ہنسنے لگا۔ پھر وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں فون ماہوا تھا۔

انور نے مضطربانہ انداز میں ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

"تم اگر مجھے یہ بتا بھی دو گے کہ تم بھی آج اُسی تجربے سے دوچار ہوئے ہو جو پچھلی رات رکو ہوا تھا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟"

"آپ جانتے ہیں!" انور نے حیرت سے دہرایا۔

"بالکل اسی طرح جیسے پانچوں انگلیاں ایک دوسری کو جانتی ہیں۔" فریدی کی آواز آئی۔ "اور ب تم یہ بھی سوچ رہے ہو کہ بیگم ارشاد نے تم سے پرخاش رکھنے کے باوجود بھی ہمدردانہ رویہ لا اختیار کیا تھا۔"

"ارے.... تو آپ یہ بھی جانتے ہیں؟"

"ہاں.... مجھے اس کا بھی علم ہے لیکن تم خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"نہیں جناب، میں اب تک شاہینہ سے دو ہزار روپے وصول کر چکا ہوں۔"

"لیکن اب شاید شاہینہ بھی تمہاری طرف رخ کرنے کی جرأت نہ کرے گی۔ ویسے مجھے تمہارے اس ناکارہ پن پر افسوس ہے کہ میک اپ کے باوجود بھی پہچان لئے جاتے ہو۔"

"مجھے اس کا اعتراف ہے۔"

"خیر تم اب اس چکر میں نہ پڑو۔"

"لیکن اگر شاہینہ نے مجبور کیا تو؟"

"پھر میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ جو کچھ بھی کرنا ہے کھل کر کرو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بیگم ارشاد سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہارے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کر سکے گی۔"

"دیکھئے.... پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ بیگم ارشاد رات گئے بھی گھوڑا گاڑی میں شہر کی گلیوں کے چکر کیوں لگاتی پھرتی ہے۔"

"نہیں میں ابھی اُس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"جرم سے زیادہ مجھے مجرم کی فکر ہے۔ اچھا بس اب تم گھر جا سکتے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

زردپوش فرشتہ

ٹھنڈک سے بچنے کے لئے حمید نے کانوں کو رومال سے جکڑ رکھا تھا۔ اس کے باوجود بھی اُس کے دانت بج رہے تھے اور برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا لوہا اُسے اپنے ہاتھوں میں چپکتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ اُس نے کارنس پر دونوں پیر جما کر نیچے دیکھا اور اُس کی روح فنا ہو گئی۔ وہ زمین سے تقریباً ساٹھ فٹ کی بلندی پر تھا اور اطمینان کی سانس لینے کے لئے ضروری تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح دس فٹ کی مزید بلندی طے کر کے چھت پر پہنچ جائے۔

یے اگر اُسے اپنی ہڈیوں کا سفوف دیکھنے کی خواہش ہوتی تو دونوں ہاتھوں سے سر ضرور لیکن اس وقت وہ اُس پائپ کو مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہتا تھا جس کے سہارے اُس نے ٹ کی بلندی طے کی تھی اور جو مزید دس فٹ کی بلندی طے کرانے کے بعد اُسے دوبارہ پہنچنے کا ضامن تھا۔ اُس نے یہ خطرناک سفر تنہا نہیں اختیار کیا تھا بلکہ شریک سفر "فادر ہارڈ ن" بھی تھا۔ لیکن اب وہ کہاں تھا؟

حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر اوپر چڑھنے لگا کیونکہ "فادر ہارڈ اسٹون" کی عرصہ سے ہیں آئی تھی۔ حقیقتاً یہ عرصہ تین منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا۔ مگر حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا وہ تین ہزار سال سے اس دیوار اور پائپ پر طبع آزمائی کرتا آیا ہو۔ صرف تین منٹ پہلے فریدی اوپر پہنچ گیا تھا اور شاید اتنی جلدی میں تھا کہ اُسے پلٹ کر حمید کی خبر لینے کی بھی نہ مل سکی تھی۔

حمید کسی نہ کسی طرح اوپر پہنچا۔ یہ تیسری منزل کی سپاٹ چھت تھی۔ اوپر پہنچتے ہی وہ چت لیا۔ اُس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر گانے لگے۔

ٹوئنکل ٹوئنکل لٹل اسٹار
ہاؤ آئی ونڈر وہاٹ یو آر

تقریباً دس منٹ تک وہ اسی حالت میں پڑا رہا۔ پھر سوچنے لگا۔ اب نیچے پہنچنے کی کیا صورت لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ کوئی دشوار مسئلہ ہوتا تو فریدی اُس کی راہنمائی کے لئے وہاں رکتا۔ وہ لیٹے ہی لیٹے چھت کے اُن کناروں کی طرف کھسکنے لگا۔ جہاں سے وہ نیچے پہنچنے کے ت کا جائزہ لے سکتا تھا۔ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ اُس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔ بلکہ ت تو یہ تھی کہ اب اُس کے "فرشتوں" نے "خبر" کے چکر میں پڑنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

دیوار کے کنارے پہنچ کر اُس نے نیچے جھانکا اور اُس کی باچھیں کھل گئیں کیونکہ صحن میں تھی اور نیچے پہنچنا بھی نہایت آسان تھا۔

سیڑھی دیکھ کر وہ اس لئے خوش ہوا تھا کہ معاملات یونہی سے معلوم ہوتے ہیں ورنہ فادر ہارڈ اسٹون گل کرانا نہ بھولتا۔ وہ کارنس پر پیر رکھ کر دھم سے صحن میں کود گیا۔

اور کمرے کے اندر سے آواز آئی "واہ.... وا.... دوسرا فرشتہ میں بہت خوش قسمت ہوں۔"

حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے کھلے ہوئے تھے۔

اُس نے فریدی کو دیکھا جو کمر پر دونوں ہاتھ رکھے سیدھا کھڑا تھا اور اُس کے ہونٹوں میں دبے ہوئے سگار کا دھواں فضا میں لہریئے بنا رہا تھا اور ایک دبلا پتلا آدمی جس کے جسم پر زرد رنگ کا لبادہ تھا ایک آرام کرسی میں نیم دراز تھا۔

حمید پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور جیسے ہی وہ وہاں پہنچا دبلا پتلا آدمی کرسی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آنکھیں دھندلی تھیں اور گال پچکے ہوئے تھے۔ لیکن عمر تیس سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"خوش آمدید.... اے متبرک فرشتے۔" وہ حمید کی طرف دونوں ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "میں بڑا خوش قسمت ہوں۔"

حمید نے بھی بالکل اُسی کے سے انداز میں ہاتھ آگے بڑھائے لیکن دوسرے ہی لمحے میں آدمی پھر آرام کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ اُس کی رنگت زرد تھی اور وہ خود ہی اپنی وضع قطع کے اعتبار سے فرشتہ معلوم ہو رہا تھا۔

"کیا آپ مجھے اپنا نام نہیں بتائیں گے؟" فریدی نے اُس سے کہا۔

"میرا نام وفادار کتا ہے۔" اُس آدمی نے جواب دیا۔

"میں آپ جیسے سنجیدہ آدمی سے سنجیدگی ہی کی توقع رکھتا ہوں۔"

"مجھے علم ہے کہ کسی کے متعلق کچھ معلوم کر لینا فرشتوں کیلئے ناممکن نہیں ہے۔" وہ مسکرایا

"آپ یہاں کب سے مقیم ہیں؟"

"ابتدائے آفرینش سے۔"

"میں اُس وقت کہاں تھا؟" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"بھائی ماروت.... تم تو میری ساتھ ہی لٹکائے گئے تھے۔" اُس نے حمید کی طرف دیکھ سنجیدگی سے کہا۔

"کیا فرمایا....؟" حمید اُس کی طرف مڑ کر گھورتا ہوا بولا۔

"آہ.... بھائی.... کیا تمہیں یونان کی زہرہ یاد نہیں؟"

"میں جاپان تک کی زہراؤں سے واقف ہوں۔ تم اپنا مطلب بیان کرو۔"

"یہ بتاؤ کہ تم اب تک کہاں رہے؟" اُس آدمی نے کہا۔ "مجھے تو اب صرف اتنا ہی یاد ہے کہ زلزلہ آیا تھا اور چاہ بابل کے پرخچے اڑ گئے تھے اور پھر ہوش میں آنے کے بعد تمہیں اپنے پہلو میں

پایا۔ اُف.... فوہ.... بھائی ماروت.... کیا تمہیں وہ پیاس یاد ہے۔ ہماری زبانیں نکلی پڑ رہی تھیں اور پانی صرف ایک بالشت کے فاصلے پر تھا۔"

"آہا....!" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "اور ہم الٹے لٹکے ہوئے تھے۔"

"خدا کا شکر ہے.... پیارے بھائی کہ تمہیں یاد تو آیا۔ اب تم کہاں رہتے ہو؟"

"زہرہ کے گھر۔" حمید فریدی کو آنکھ مار کر مسکرایا۔ لیکن فریدی شاید ان دونوں کی بکواس میں ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔

"کیا....؟" وہ آدمی یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تم زہرہ کے ساتھ رہتے ہو....؟"

"ہاں.... اور مریخ میرا سالا لگتا ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو تم نے بد عہدی کی ہے ماروت.... بہت بُرا کیا تم نے۔ میں تمہیں کبھی نہیں معاف کروں گا۔"

دفعتاً فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "غالباً تمہارا نام ہاروت ہے۔"

"اسی سے پوچھو۔" اُس نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں....!"

"ہاں.... یہ مسٹر ہاروت ہیں۔" حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ "ہم دونوں فرشتے تھے۔ لیکن زہرہ کے عشق میں گرفتار ہوئے اور چاہ بابل کے قیدی بنا دیئے گئے۔ آج کل میں جوتے بیچتا ہوں اور یہ شاید بک بائینڈر ہیں۔"

"میں ازل سے ہاروت ہوں اور ابد تک ہاروت رہوں گا۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "لیکن اسے وضعداری کے خلاف سمجھتا ہوں کہ آج لفنگا ہوں کل فرشتہ ہو جاؤں۔"

"تو پھر تم زہرہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گے۔ کیوں....؟" حمید نے کہا۔

"ختم کرو۔" فریدی جھلائے ہوئے لہجے میں بڑبڑایا۔ پھر اُس آدمی سے بولا۔ "زہرہ تمہیں مل جائے گی میں وعدہ کرتا ہوں۔ لیکن تم ہم فرشتوں کی آمد کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گے۔"

"ہاں....!" حمید فریدی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ بھائی عزرائیل ہیں۔"

"ڈلائیٹڈ سر....!" وہ جھک کر فریدی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "مجھے کیا پڑی ہے کہ میں کسی سے تذکرہ کروں۔"

فریدی نے حمید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔

"آپ حضرات کون سی شراب پسند کرتے ہیں؟" زرد پوش فرشتے نے اُن سے پوچھا۔

"جو بھی وقت پر مل جائے۔" فریدی بالکل اسی انداز میں جماہی لے کر بولا جیسے سچ مچ شراب کا عادی ہو اور دیر سے اُسے شراب نہ میسر آئی ہو۔

"کیا میں ایک بہت پرانی اور پرتگالی شراب پیش کرنے کا فخر حاصل کر سکتا ہوں؟"

"میں مشکور ہوں گا۔ لیکن میری عادت ہے کہ اپنے ساتھ پینے والوں کے لئے میں ہی کم کرتا ہوں۔"

"مجھے خوشی ہوگی اگر میں اپنے مہمانوں کی خواہشات کا احترام کر سکوں۔" زرد پوش فرشتے نے کہا اور اٹھ کر ایک الماری کھولی۔ پھر ذرا ہی دیر بعد میز پر تین گلاس ایک بوتل اور سوڈے کا سائفن نظر آنے لگے۔

حمید فریدی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ویسے اُس وقت اُس کی آنکھیں حلقوں سے نکلی پڑ رہی تھیں۔ جب فریدی تینوں گلاسوں میں شراب ڈال چکنے کے بعد سائفن سے سوڈے کی بوچھاڑیں کر رہا تھا۔

تینوں نے گلاس ٹکرائے اور ایک دوسرے کو ترقی و خوشحالی کی دعائیں دے کر گلاسوں کو ہونٹوں سے لگالیا۔ پہلے ہی گھونٹ نے حمید کی آنکھوں پر ٹھوکر ماری اور اُس کی کنپٹیاں گرم ہوگئیں۔ شراب واقعی بہت پرانی اور تیز تھی۔ اُس نے دیکھا کہ زرد پوش فرشتے نے دو ہی تین سانسوں میں اپنا گلاس ختم کر کے میز پر پٹخ دیا۔ حمید نے بھی اُسی کی تقلید کی لیکن اُس کے سینے کا جو حال تھا شاید پہلے کبھی نہیں ہوا۔ وہ اپنا گلاس میز پر پٹخ کر فاتحانہ انداز میں فریدی کی طرف مڑا جو خونخوار نظروں سے اُسے گھور رہا تھا۔

اب حمید نے دیکھا کہ فریدی کا گلاس جوں کا توں رکھا ہوا ہے۔ شاید اُس نے ایک ہلکی سی چسکی بھی نہیں لی تھی۔

حمید کے حواس غائب ہوگئے۔ وہ نہ جانے کس دھن میں سمجھ بیٹھا تھا کہ فریدی نے اپنے لئے بھی شراب پینے ہی کی غرض سے انڈیلی ہے۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" وہ کسی درندے کی طرح غرایا۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن ہکلا کر رہ گیا۔ نہ ذہن ساتھ دے رہا تھا اور نہ زبان۔

"وہ ضرور آئے گی۔ مجھے یقین ہے۔" زرد پوش فرشتہ کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا بڑبڑا رہا تھا اور اُس کی آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں۔

"صدیاں گذریں.... ہاں.... میں نے اُسے جھیل میں نہاتے دیکھا تھا۔" زرد پوش فرشتہ

انداز میں بڑبڑاتا رہا۔ "شفق اُس کے گالوں کو چھو رہی تھی۔ ایک سنہرا بجرا اُس کے قریب گذرا جیسے ہنس اپنے پروں پر اٹھائے ہوئے تھا.... اور.... ہاتھوں کے پھول ہوا میں تیر رہے تھے.... گو غمز غی.... غے.... غریسکی.... غروسعال.... غی....!"

پھر وہ نہ صرف بیہوش ہوگیا بلکہ اُس کی گردن بھی ایک طرف ڈھلک گئی۔ فریدی نے اٹھ کر اُسے ہلایا جلایا لیکن اُسے ہوش ہی نہیں تھا۔

پرانی شراب آہستہ آہستہ حمید کے ذہن پر سکہ جما رہی تھی لیکن ابھی اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ ہاتھ پیر قابو میں نہ رہے ہوں۔

اُس نے دیکھا کہ فریدی گلاس اور بوتل اٹھا اٹھا کر اُسی الماری میں رکھ رہا ہے جس سے وہ لے گئے تھے۔ پھر اُس نے بے ہوش فرشتے کو بھی اٹھا کر مسہری پر ڈال دیا اور حمید کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ "یہ شراب تیز اور پرانی معلوم ہوتی ہے اگر تم اوندھے ہوگئے تو کیا ہوگا؟"

"میں بھی فرشتہ ہوں اور اسی فرشتے کے ساتھ دفن ہو جاؤں گا۔" حمید نے مسہری کی طرف اشارہ کیا۔

"او بدبخت.... اب تم یہاں سے نکلو گے کیسے؟ کیا تم پائپ کے سہارے نیچے اُتر سکو گے۔"

"ہرگز نہیں۔" حمید مٹھیاں بھینچنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "ناممکن.... میں پائپ ہی نہ پکڑ سکوں گا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے کہا اور کمرے کی تلاشی لینے لگا یہاں تین کمرے تھے۔ ایک چھوٹا سا صحن تھا اور ایک برآمدہ.... ساز و سامان سے زرد پوش فرشتہ کوئی کم حیثیت آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید فریدی کے ساتھ لڑکھڑاتا پھرتا رہا۔ اور اب اس کے ذہن میں بے ربط اور اوٹ پٹانگ خیالات چکرانے لگے تھے۔

"مجھے یونان کی زہرہ کے والد سے ملا دیجئے۔" اُس نے فریدی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"پیچھے ہٹو....!" فریدی اُسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

"ارے.... واں.... میں کمزور ہوں کیا۔" حمید آستین چڑھانے لگا.... یہ حقیقت ہے کہ پرتگالی شراب نے اُس کا بھیجا کھوپڑی کے اوپر لا رکھا تھا۔

"میں بہت بُری طرح خبر لوں گا۔"

"میں اس سے بھی بُری طرح پیش آؤں گا۔" حمید ن سینہ ٹھوک کر جواب دیا۔

فریدی پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"بس دم نکل گیا نا.... ہاہاہا....!" حمید نے جھومتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

لیکن فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر دیکھا تک نہیں۔ حمید کی کھوپڑی آؤٹ ہی ہوتی رہ اور اُس نے بھی فریدی کی تقلید میں چیزیں اٹھا اٹھا کر ادھر کی اُدھر کرنی شروع کر دیں۔ مینٹ پیس سے گھڑی اٹھائی۔ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر کان سے لگا کر اُس کی "ٹک ٹک" سنتا رہا کچھ دیر بعد خود بھی ٹک ٹک شروع کر دی۔ بالکل اُسی انداز میں جیسے گھڑی کو چڑھا رہا ہو۔

"سالی کو ٹھیک سے چلنا بھی نہیں آتا۔" اُس نے جھلا کر کہا اور گھڑی کو فرش پر پٹخ دیا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" فریدی مڑ کر غرایا۔

"اے بڑے بھائی تم اپنا کام کرو۔" حمید دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر بولا۔ "ورنہ مجھے خواہ مخ غصہ آجائے گا۔ کیا تم مجھے اُلو سمجھتے ہو؟"

"اگر تم نشے میں نہ ہوتے تو میں تمہاری کھال کھینچ لیتا۔"

"میں نشے میں نہیں ہوں۔ ذرا کھینچو تو کھال۔ میں بھی دیکھوں کہ کتنے طاقت ور ہو۔"

فریدی بُرا سا منہ بنائے ہوئے ایک سوٹ کیس پر جھک پڑا۔ اتنے میں حمید کی نظر ملبوسات کی الماری کے بڑے آئینے پر پڑی اور وہ ٹھٹک گیا۔ پھر مٹھی باندھ کر دانت پیستا ہوا آئینے کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ "یو ایڈیٹ... اُلو کا پٹھا... سالا ہمارا بھیس بدل کر آیا ہے تم۔"

"تھڈ....!" اُس کا مکا آئینے پر پڑا اور پھر اُس کے چہرے پر یتیمی بکھر گئی کیونکہ آئینہ ا معمولی بھی نہیں تھا کہ ایک آدھ گھونسہ بھی نہ برداشت کر سکتا۔ ویسے کوئی حمید کے دل سے پوچھتا کہ اُس کے پنجے کی ہڈیوں کا کیا حشر ہوا تھا۔

"ارے کیوں پاگل ہوا ہے حمید کے بچے! کیوں شامت آئی ہے۔" فریدی اُس کی طرف م کر بولا۔

"میں اپنی توہین نہیں برداشت کر سکتا۔ تم خود حمید کے بچے۔" حمید نے کہا اور الماری سے کپڑے نکال نکال کر اُن کی دھجیاں بکھیرنے لگا۔

"ارے یہ کیا کر رہا ہے۔"

"مزے کر رہا ہوں۔" حمید کا جواب تھا۔

"اچھا تو کرو مزے۔" فریدی اُسکی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ حمید نے جھپٹ پڑنا چاہا لیکن فریدی نے اتنی پھرتی سے چپر اس ماری کہ دوسرے ہی لمحے میں وہ داہنے شانے کے بل زمین پر تھا۔

ارے باپ رے۔" وہ کسی زخمی بیل کی طرح کراہا۔ لیکن اُسے پھر اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ ی نے دو منٹ کے اندر ہی اندر اُسے بے بس کر دیا۔ اُس کی ٹائی کھول کر اُس نے اُس کے پیر باندھ دیئے تھے اور حمید زمین پر بیٹھا گرہیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جب گرہیں کسی طرح نہ کھلیں تو اُس نے کان پر ہاتھ رکھ کر گانا شروع کر دیا۔

بلبلو مت رو یہاں آنسو بہانا ہے منع
ان قفس کے قیدیوں کو غل مچانا ہے منع

"او بلبلوں کے بچے میں تمہارے حلق میں کپڑا ٹھونس دوں گا۔" فریدی پیر پٹخ کر بولا۔

"تم مجھے رونے بھی نہیں دیتے.... ہائے ہائے رے ظالم زمانہ۔" اُس نے کان پر ہاتھ رکھ لگائی اور فریدی نے آگے بڑھ کر اُس کے گالوں پر تھپڑ رسید کرنے شروع کر دیئے۔

"ارے.... ارے.... واہ بھئی۔" حمید ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کامیابی نہ اور اُس کے دونوں گال سرخ ہوگئے۔

"مارلو.... مارلو.... اچھی طرح مارلو.... اللہ تمہیں غارت کرے گا.... جیسے تم نے ایک دل دکھایا ہے" حمید سچ مچ بیوہ ہی کے سے انداز میں بلبلا کر بولا اور فرش پر لیٹ کر چہرہ ں میں چھپا لیا۔ فریدی کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

حمید اُس کے لئے اس وقت ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ اول تو وہ اُس کے کام میں حارج ہو رہا تھا دوسرے کچھ دیر بعد دوسری صورت میں وبال جان بننے والا تھا۔ وہ دونوں اسی لئے عمارت کی ے اندر داخل ہوئے تھے کہ صدر دروازے سے داخلہ ناممکن تھا۔ اور اب بھی باہر نکلنے کے صرف وہی راستہ استعمال کیا جا سکتا جس راستے سے وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ صدر دروازہ باہر مقفل تھا اور اُسے کھلوانا ناممکنات ہی میں سے تھا۔ اگر فریدی کو علم ہوتا کہ حمید سے شراب کی حماقت سرزد ہی ہو جائے گی تو وہ اُسے پہلے سے اشارہ کر دیتا۔ اُس کا مقصد تو دراصل اُس پوش فرشتے کو بے ہوش کر کے یہاں کی تلاشی لینا تھا۔ اُس کے گلاس میں اُس نے ایک بہت ریع الاثر قسم کی خواب آور دوا ملائی تھی۔ حمید کو اُسی حالت میں چھوڑ کر وہ پھر اپنے کام کی ف متوجہ ہوگیا۔ وہ کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ اُسے اس کی پرواہ نہیں تھی کہ پانچ منٹ بعد کیا گا۔ اُس نے ایک صندوق کھول ڈالا اور اُس میں رکھی ہوئی چیزیں الٹنے پلٹنے لگا۔ اس میں زیادہ تر توں کے استعمال کی چیزیں تھیں۔ یہاں کئی سوٹ کیسوں میں بھی اُسے زنانہ استعمال کے

ملبوسات ملے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہاں کوئی عورت بھی رہتی ہے تو اُسے اس کا علم پہلے سے کیوں نہیں ہوا۔ اُسے جو کچھ بھی اطلاعات ملی تھیں وہ صرف اتنی ہی تھیں کہ یہاں ایک فاترالعقل آدمی رہتا ہے۔ خبر گیری کے لئے دو آدمی ہیں جو مختلف اوقات میں اُس کی دیکھ بھال کر کے اُسے مکان میں مقفل کر جاتے ہیں۔ اس وقت بھی اُسے معلوم ہوا تھا کہ وہ مکان میں تنہا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو صدر دروازے کا قفل آسانی سے کھول سکتا تھا مگر شاید وہ اپنی آمد کے نشانات نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اُس نے دوسرے ہی طریقے کو ترجیح دی تھی۔ ویسے اب وہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ متعلقہ لوگوں کو اس خانہ تلاشی کا علم نہ ہو سکے گا کیونکہ حمید نے نشے کی حالت میں وہاں کچھ ایسی ابتری پھیلا دی تھی جس کا ازالہ تقریباً ناممکن ہی تھا۔

دفعتاً حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ "اللہ کرے تمہاری قبر سے دھواں اٹھے۔ تن تن کیڑے پڑیں....!" نہ جانے اُس کے ذہن میں کسی بیوہ کا تصور کہاں سے آگھسا تھا۔

"خدا کرے مرتے وقت کلمہ نہ نصیب ہو.... میں جنم جلی.... ہینہہ.... ہینہہ.... ہینہہ....!" وہ عورتوں کے سے انداز میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

شعبدوں کا جواب

فریدی کو بیساختہ ہنسی آگئی اور وہ مڑ کر بولا۔ "ذرا تم ہوش میں آجاؤ تو پھر مزاج پوچھوں گا۔"

"چھیڑو گے تو شور مچا دوں گی۔" حمید روتا ہوا ناک کے بل بولا۔

فریدی جلد سے جلد پورے مکان کو دیکھ ڈالنا چاہتا تھا۔ ابھی ایک کمرہ اور باقی تھا وہ حمید کو وہیں چھوڑ کر تیسرے کمرے میں چلا آیا لیکن بمشکل تمام ایک منٹ گذرا ہوگا کہ اُسے ایک عجیب قسم کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی داہنی جانب والی کھڑکی کے پاٹ لرزنے لگے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اُسے کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

فریدی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا ہوا دروازے کے قریب آگیا اور اُسے بہ آہستگی بند کر کے وہیں کھڑا رہا لیکن اُس کی ایک آنکھ خودکار قفل کے سوراخ سے لگی ہوئی تھی اور داہنا ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بلی شکار کے گھات میں ہو۔

اُس نے روشنی نہیں گل کی تھی اور قفل کے سوراخ سے ہلتی ہوئی کھڑکی صاف دکھائی دے

رہی تھی۔ دفعتاً اُس کے دونوں پاٹ کھل گئے اور ایک آدمی اندر کود آیا۔ اُس کے جسم پر سیاہ کپڑے تھے اور اُس نے اپنا چہرہ بھی سیاہ نقاب میں چھپا رکھا تھا۔

اُس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر بڑی احتیاط سے اُسی دروازے کی طرف دیکھنے لگا جس کے قریب فریدی کھڑا ہوا تھا۔

فریدی نے اُسے بہت غور سے دیکھا۔ آنے والا یا تو کوئی اناڑی تھا یا انتہائی بیباک آدمی جس نے روشنی گل کرنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ ویسے اُس کا داخلہ بھی اُسی راستے سے ہوا جس سے فریدی اور حمید یہاں تک پہنچے تھے۔ یہ دونوں تو سیدھے چھت پر نکل آئے تھے لیکن اس آنے والے نے چھت کی طرف جانے کی بجائے کارنس پر چل کر کھڑکی تک پہنچنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔

فریدی ایک طرف ہٹ کر دیوار سے چپک گیا۔ اُس نے صحن کی روشنی اُسی وقت گل کر دی تھی جب تلاشی کا آغاز کیا تھا۔

آنے والے نے بہ آہستگی دروازہ کھولا اور صحن میں آگیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کے ریوالور کی نال اُس کی گردن سے جا لگی۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور نقاب پوش کے ہاتھ بے اختیارانہ طور پر اوپر اٹھ گئے۔

"چلو.... آگے بڑھو....!" فریدی ریوالور کی نال پر تھوڑا زور صرف کرتا ہوا بولا۔

نقاب پوش نے بے چون وچرا تعمیل کی۔

"اندر چلو....!" فریدی بولا۔ وہ اُس کمرے کے دروازے پر تھے جہاں زرد پوش فرشتہ بے ہوش پڑا تھا۔ نقاب پوش نے پیر سے دروازے کو دھکا دیا اور دروازہ کھل گیا۔

لیکن فریدی کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ مسہری پر زرد پوش فرشتے کی بجائے کیپٹن حمید پڑا ہوا تھا اور زرد پوش فرشتہ سرے سے غائب۔

ابھی اُس کی حیرت دور نہیں ہوئی تھی کہ اُسے دوسرے حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ یعنی بے خبری میں کسی نے اُس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا۔ وہ بڑی تیزی سے مڑا لیکن بیک وقت تین ریوالوروں کی نالیں اُس کے سینے سے آلگیں۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" بولنے والا لہجے سے غیر ملکی معلوم ہوتا تھا اور جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا۔

فریدی نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ساتھ ہی اُسے اپنی پشت پر قہقہہ سنائی دیا۔

وہ نقاب پوش ہنس رہا تھا جس کی گردن پر کچھ دیر پہلے فریدی نے ریوالور رکھ دیا تھا۔

"ہلو.... مائی ڈیئر.... ہاؤڈویوڈو۔" اُس نے فریدی کی کمر تھپ تھپا کر کہا۔ "آؤ.... آؤ اندر آؤ۔ باہر کیوں کھڑے ہو۔ تمہارا اسسٹنٹ گہری نیند سو رہا ہے۔ اس لئے اُس کی نیند میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے۔"

فریدی چپ چاپ کمرے میں داخل ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" نقاب پوش نے آرام کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"اور اگر میں انکار کر دوں تو....؟" فریدی مسکرایا۔

"تب پھر تم سے زیادہ بدبخت آدمی روئے زمین پر نہ ملے گا۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈریڈ نے آج تک اتنی مہلت کسی کو نہیں دی۔"

"اوہ.... تو تم ڈاکٹر ڈریڈ ہو؟"

"اور تمہیں اس پر حیرت ہے؟"

"نہیں حیرت کیوں ہوتی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اس آدمی کے ہاتھوں زک اٹھانے میں مجھے قطعی شرمندگی نہ ہو گی جو دوبار میرے ہاتھوں ذلیل ہو چکا ہے۔"

"آہا.... وہ میری تفریح تھی کرنل۔"

"اور یہ میری تفریح ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"خیر مجھے معلوم ہے کہ تم بہت دلیر اور چالاک ہو۔" نقاب پوش نے سرد لہجے میں کہا۔ "لیکن تم میرے اصول سے واقف نہیں ہو۔ میں جب بھی کسی نئی سرزمین پر قدم رکھتا ہوں اپنے لئے لاتعداد خطرات خود ہی پیدا کرتا ہوں تاکہ خود کو وہاں کے ماحول سے ہم آہنگ کر سکوں۔ کیا سمجھے.... ورنہ جانتے ہو میرا ایک ہلکا سا اشارہ تمہاری موت کیلئے کافی ہوتا۔ کیا میری سنگلٹن حمید کے بازو میں کوئی ایسی زہریلی سوئی نہیں چبھو سکتی تھی جس سے اُس کی موت وہیں واقع ہو جاتی۔"

"چبھو سکتی تھی۔" فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ تم دونوں ابھی تک زندہ ہو؟"

"یہی کہ ہم دونوں نے فی الحال مر جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔" نقاب پوش نے مسکرا کر بولا۔

"ہم تمہیں الوداع کہنے ہوائی اڈے پر ضرور آئیں گے۔"

"تم غلط سمجھے یہ سرزمین مجھے بہت پسند آئی ہے۔ کیونکہ یہاں دولت حاصل کرنے کے

ائع دوسری جگہوں سے بہتر اور زیادہ ہیں۔ لہٰذا میں اب تم جیسے کانٹوں کو اپنی راہ سے ہٹا دینا ہتا ہوں۔"

"مگر اُس ننھی سی پھانس کے لئے کیا کرو گے جو تمہارے ذہن میں ہر وقت کھٹکتی ہے۔"

"غالباً تمہارا اشارہ فنچ کی طرف ہے۔" نقاب پوش بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"ارے وہ میرے دربار کا مسخرا ہے۔"

"بہت خوب۔" فریدی اس جملے سے محظوظ ہوا۔

"ادھر سنو....!" دفعتاً نقاب پوش کا لہجہ بدل گیا۔ "تمہاری حقیقت ہی کیا ہے۔ میری ایک مولی سی چال بھی تمہاری سمجھ میں نہ آ سکی۔ تم میری سنگلٹن کے پیچھے دوڑتے رہے۔ تم نے یہ وچا کہ وہ کیپٹن حمید کے بازو میں زہریلی سوئی چبھونے کے بعد بھی اعلانیہ کیوں گھومتی پھر رہی ہے۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ ویسا ہی ایک تجربہ اُس کرائم رپورٹر کو کیوں ہوا؟"

"اگر کرائم رپورٹر انور کو بھی ایسے ہی واقعے سے دوچار نہ ہونا پڑا ہوتا تو میں اس کے متعلق رور سوچتا۔" فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم لوگ میری سنگلٹن کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے اور تمہیں پڑوسیوں نے بتایا یہاں ایک پاگل آدمی رہتا ہے اور اُس کے متعلقین اُسے مقفل رکھتے ہیں۔" نقاب پوش مزہ لے لے کر کہتا رہا۔ "پھر ہم نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔ تمہارا اسسٹنٹ واقعی بڑا احمق ہے۔ اُس نے تمہارے لئے دوہری پریشانیاں پیدا کر دیں۔ اب تم سوچ رہے ہو گے کہ اگر میں کسی طرح ل بھی جاؤں تو اس گدھے کا کیا ہو گا۔"

"مائی ڈیئر ڈاکٹر ڈریڈ۔ تم حیرت انگیز آدمی ہو۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "تم نے رے دل کی بات کہہ دی لیکن سنو دوست تمہیں شاید اس کا علم نہیں ہے کہ میں عرصہ سے اری موت کا خواہاں ہوں۔"

"میرے لئے بالکل نئی اطلاع ہے۔"

"ہاں.... مگر تمہارا رویہ بڑا بزدلانہ ہے۔ میں بالکل نہتا ہو چکا ہوں۔ اس کے باوجود بھی ری طرف چار ریوالور اٹھے ہوئے ہیں۔"

"اصولاً تو غلط نہیں ہے۔"

"نہ ہو گا۔ مگر مجھے الجھن ہوتی ہے۔ اپنے ایک آدمی سے کہو کہ میری جامہ تلاشی لے ڈالے۔"

"کیوں....؟"

"تاکہ تم لوگ میری طرف سے مطمئن ہو کر ریوالور اپنی جیبوں میں رکھ لو۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ ہم وہی کریں جو تم چاہتے ہو۔"

"یقیناً اخلاق کا تو یہی تقاضہ ہونا چاہئے کہ تم اس وقت میری ہر خواہش پوری کرو۔ کیونکہ تمہارے ہی قول کے مطابق ہم تھوڑی ہی دیر کے مہمان ہیں۔ جب کسی مجرم کو سزائے موت دی جانے لگتی ہے تو اُس کی آخری خواہش بھی پوری کرنی پڑتی ہے۔"

نقاب پوش کچھ دیر خاموش رہا پھر اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اس کی جامہ تلاشی لو۔"

جامہ تلاشی شروع ہو گئی لیکن فریدی کے پاس سے کوئی ایسی چیز بر آمد نہ ہوئی جس سے اُن کو خطرہ ہوتا۔

فریدی آرام کرسی پر بیٹھ گیا.... اور کچھ دیر بعد بولا۔ "ہاں.... کہو.... اب کیا کہتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔ ابھی تم نے فنچ کے سلسلے میں مجھ پر طنز کیا تھا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں اُس وقت تک زندہ رکھا جائے جب تک کہ تم فنچ کا انجام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لو۔"

"مگر ڈاکٹر ڈریڈ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"

"کیوں....؟"

"بس یونہی۔ دل نہیں چاہتا۔ ایسی شکست کے بعد کون زندہ رہنا پسند کرے گا جیسی اس وقت مجھے نصیب ہوئی ہے۔"

نقاب پوش ہنسنے لگا لیکن فریدی کے چہرے پر بدستور مایوسی نظر آتی رہی۔

"نہیں....!" نقاب پوش بولا۔ "تمہیں اُس وقت تک ہماری قید میں رہنا پڑے گا جب تک کہ میں فنچ کو ایک حقیر کیڑے کی طرح مسل نہیں ڈالتا۔"

فریدی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنی جیبی گھڑی نکالی اور اُسے کان سے لگاتا ہوا بولا۔ "یہ کم بخت بھی آج خلاف معمول بند ہو گئی۔ کیا سچ مچ یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔"

فریدی اُس میں چابی دینے لگا پھر ڈاکٹر ڈریڈ سے بولا۔ "کیا وقت ہوا ہے؟"

نقاب پوش نے اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ڈھائی۔"

"شکریہ۔" فریدی اپنی گھڑی کی سوئیوں کو حرکت دیتا ہوا بولا۔ "مگر دوست ڈریڈ یہ پاگل آدمی کون تھا۔ میں اس میں بہت شدت سے دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"سونے کی چڑیا۔" نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔ "بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتایا جاسکتا۔

ں آدمی کے خون کی ہر بوند سے ایک تولہ سونا بناتا ہوں۔"

"تم واقعی بہت باکمال آدمی ہو۔ بہت زیادہ مگر یہ حقیقت ہے کہ ایک حقیر سے کیڑے فنچ نے ہاری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ تم دوسروں کو بلیک میل کر کے روپیہ اینٹھتے ہو اور وہ تمہیں بلیک بل کر کے اُس میں حصہ لگا لیتا ہے۔"

"شیر کا جھوٹا گیدڑ ہی کھاتے ہیں۔" نقاب پوش نے اپنے شانوں کو لاپروائی سے جنبش دی۔

"ہاں بھئی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔" فریدی اُسے تحسین آمیز نظروں ے دیکھتا ہوا بولا۔ "تم آدمیوں کے ساتھ ساتھ ہی الفاظ کے بھی شکاری ہو۔"

"ہاں....!" نقاب پوش نے سر ہلا کر کہا۔ پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ "ان دونوں کو قید کر دو۔"

"کیا یہیں قید کرو گے۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"قطعی.... لیکن۔" وہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "قید تو ذہنی ہو گی جسمانی طور پر ؛ بالکل آزاد ہو گے۔ باہر قفل نہیں ڈالا جائے گا۔ تم باہر جاسکو گے لیکن واپسی یہیں ہو گی۔"

"اوہ....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "میں بالکل نہیں سمجھا ڈاکٹر ڈریڈ۔"

"تم دونوں کو ایک خاص قسم کے انجکشن دیئے جائیں گے اور تم اپنی پچھلی زندگی کے متعلق ب کچھ بھول جاؤ گے۔"

"بہت دلچسپ۔" فریدی اپنی جیبی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا پھر یک بیک کھڑے ہو کر ں نے گھڑی چھت کی طرف اچھال دی اور قبل اس کے کہ وہ لوگ سنبھلتے ایک زوردار دھماکہ ہوا اور تیز قسم کی روشنی سے اُن کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

حمید چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ شاید اُس کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

چاروں نقاب پوش بے حس و حرکت ہو گئے تھے اور کمرہ جہنم کا نمونہ بنتا جارہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نظر نہ آنے والی آگ کی لپٹوں میں گھر گیا ہو۔

"ہاں ڈاکٹر ڈریڈ....!" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "اب آؤ۔ دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ تمہارے شعبدے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ لیکن کیا اس کا جواب پیش کر سکو گے؟"

گرمی کی شدت سے پریشان ہو کر وہ چاروں اپنے کپڑے نوچنے لگے اور ذرا ہی سی دیر میں اُن کے جسموں پر زیر جاموں کے علاوہ اور کچھ نہ رہ گیا۔ اُن کی نقابیں بھی دور پڑی ہوئی اُن کو منہ چڑھا رہی تھیں لیکن اُس کے برخلاف فریدی اور حمید پر اس گرمی کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید مسہری سے اٹھ کر فریدی کے پاس آکھڑا ہوا اور اُن چاروں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر

دیکھ رہا تھا۔

"یہ رائے شیکھر کی کوٹھی والے دھوئیں کا جواب ہے ڈاکٹر ڈریڈ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہائیں یہ ڈاکٹر ڈریڈ ہے۔" حمید آنکھیں مل مل کر اُن نیم برہنہ آدمیوں کو گھورتا ہوا بولا۔

"ہاں.... یہ ڈاکٹر ڈریڈ ہے۔" فریدی نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ارے تو پھر.... باندھ لونا.... کھڑے کھڑے کیا کر رہے ہیں ہم۔"

"نہیں....!" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ "ڈریڈ کو اپنی صلاحیتوں پر بڑا غرور ہے۔ اُس نے اپنی دانست میں ہمیں ڈھیل دے رکھی تھی۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ اپنے لئے دیدہ دانستہ خطرات پیدا کر کے اُن میں سے صحیح و سلامت نکل جانے کو تفریح سمجھتا ہے۔ میری سنگلٹن والا جال ہمیں پھانسنے ہی کے لئے اُس نے بچھایا تھا.... لہٰذا.... حمید صاحب فی الحال اُسے باندھ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔"

لیکن فریدی حمید کی طرف توجہ دیئے بغیر ڈاکٹر ڈریڈ سے بولا۔ "کیا اب تمہارے جسم میں اتنی سکت رہ گئی ہے کہ ہم پر حملہ کر سکو۔"

ڈاکٹر ڈریڈ کچھ نہ بولا۔

"اتنی سکت نہ ہوگی۔ اس لئے میں تمہیں اس حال میں گرفتار نہیں کر سکتا۔"

"اے جناب.... اے جناب۔" حمید دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "آپ کسی جاسوسی ناول کے ہیرو نہیں ہیں، ہوش میں آیئے۔"

"میں ہوش میں ہوں۔" فریدی نے اپنے شانے کو جنبش دے کر کہا۔ "اگر تم بے ہوش نہ ہوتے تو میں یہ شعبدہ ضائع کئے بغیر ہی ڈاکٹر ڈریڈ پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ مگر اس کا ایک شعبدہ مجھ پر اُدھار بھی تو تھا۔"

"میں شاید اب بھی نشے میں ہوں۔" حمید نے بڑبڑا کر اپنے بازو میں چٹکی لی اور "سی" کر کے رہ گیا۔ اُسے شاید اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ یقین بھی کیسے آتا۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ڈاکٹر ڈریڈ جیسے مجرم پر قابو پانے کے بعد اُسے چھوڑ دیتا۔

"آپ پھر غور کیجئے۔" حمید نے فریدی کا بازو چھو کر کہا۔

"آؤ چلیں۔" فریدی اُس کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

"میں.... میں۔" حمید پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا اور آہستہ سے بولا۔ "کیا

میرے بعد آپ نے بھی پی لی تھی؟"

"اَبے چل....!" فریدی نے دروازے کی طرف اُسے دھکا دیا۔

وہ دونوں باہر آئے اور فریدی نے دروازہ بند کر کے کہا۔ "اپنے کان تیزی سے ملو۔"

اور وہ بھی دونوں ہاتھوں سے اپنے کان ملنے لگا۔

حمید بے بسی سے اپنے کان ملتا ہوا منمنایا۔ "خود نشے میں ہوں تو کوئی بات نہیں۔ ہم سے غلطی ہو جائے تو جہنم میں جھونکنے پر تیار ہوئے۔"

"کچھ گرمی آئی کانوں میں؟" فریدی نے پوچھا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید نے جھلا کر کہا اور اپنے دونوں ہاتھ نیچے گرا دیئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی حمید کے کان مسل رہا تھا۔

"ارے خدا کے لئے چھوڑیئے۔"

"کانوں میں گرمی آئی یا نہیں؟"

"کباب ہوگئے سالے۔ بس اب چھوڑیئے۔ یا خدا۔"

"ٹھیک ہے آؤ۔" وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔ دروازے اب باہر سے مقفل نہیں تھے۔ وہ زینے طے کرتے ہوئے نیچے آئے اور اُس سمت پیدل چلنے لگے جہاں فریدی نے اپنی کار چھوڑی تھی۔ حمید اب نشے میں نہیں تھا۔ لیکن فریدی کے اس رویہ نے اُسے پاگل کر دیا تھا۔

"یہ کیا کیا آپ نے؟"

"وہی جو ہونا چاہئے تھا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ نے اتنے بڑے مجرم کو چھوڑ دیا۔"

"گھاس تو نہیں کھا گئے ہو؟"

"کیا مطلب....؟"

"وہ ڈاکٹر ڈریڈ نہیں تھا۔ جس طرح وہ لوگ مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اُسی طرح اگر میں بھی.... حمید صاحب میں بھی آدمی ہوں۔ اور دنیا کا ہر آدمی دوسرے پر اپنی برتری ضرور جتانا چاہتا ہے۔"

"لیکن آپ کسی ایسے آدمی کو کیا کہیں گے جو موقعہ سے فائدہ نہ اٹھائے۔"

"احمق....!"

"اس معاملے میں اپنے متعلق کیا خیال ہے؟"

"میں بھی ایک بہت بڑا احمق ہوں۔ یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے کہ میں نے بھی انہیں ایک شعبدہ دکھا کر چلتا کر دیا۔ اگر تم اس کا تذکرہ دوسروں سے کرو تو اس تذکرے کو لطیفہ کہیں گے۔"

"خدا کے لئے مجھے بتایئے۔ کیا آپ نے پی تھی؟"

"نہیں فرزند.... میں کبھی نہیں پیتا۔"

"پھر مجھے آپ کے صحیح الدماغ ہونے پر شبہ ہے۔"

"میں نہیں کہتا کہ تم اپنا شبہ دور کر دو۔"

وہ کار میں بیٹھ گئے اور کار چل پڑی۔

"لیکن وہ بے حس و حرکت کیوں ہو گئے تھے اور وہ دھماکہ کیسا تھا؟" حمید نے پوچھا۔

"ایک شعبدہ جو عرصہ سے جیب میں پڑا ہوا تھا۔ اسی توقع پر کہ کبھی نہ کبھی ڈاکٹر ڈریڈ یا اُس کے خاص آدمیوں سے ضرور ملاقات ہو گی۔"

"کیسا شعبدہ....؟"

"تیل مالش والا شعبدہ۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس وقت کرنل فریدی سے گفتگو کر رہا ہوں یا گرانڈیل احمق قاسم سے۔"

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "اسی تیل مالش کی وجہ سے تم اپنے پیروں پر کھڑے رہے تھے۔ ورنہ انہیں لوگوں جیسا حشر تمہارا بھی ہوتا۔"

"کیا مطلب....؟" حمید چونک کر بولا۔

"مطلب پوچھنے کا جنون ہو گیا ہے تمہیں۔"

"اُس کے علاوہ بھی کئی قسم کے جنونوں کا شکار ہوں۔ لیکن اب آخری جنون باقی رہ گیا ہے۔ وہ یہ کہ کسی دن آپ کو شوٹ کرنے کے بعد اپنے بھی گولی مار لوں۔"

"نہیں تم پہلے خود کو گولی مار لو۔ اگر میں نے ضرورت سمجھی تو اُس کے بعد تم سے استدعا کروں گا کہ اب مجھے بھی گولی مار دو۔ ڈیوٹ.... یہ تو بتاؤ کہ میں روزانہ تمہارے جسم میں ایک خاص قسم کے تیل کی مالش کیوں کراتا تھا؟"

"اوہ.... اوہ.... اُس کے متعلق تو میں نے فرض کر لیا تھا کہ ابھی حال ہی میں زچگی سے فارغ ہوا ہوں۔"

"وہ اُسی مالش کا اثر تھا کہ تمہارے اعضاء اُس شعبدے کی حدت نے بیکار نہیں کیے۔"

"میرے خدا....؟" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "آپ نے اتنے دن پہلے سے شعبدے کی تیاری کی تھی۔"

"فکر نہ کرو۔ آج کل دو چار شعبدے ہر وقت جیب میں پڑے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر ڈریڈ سے بلہ ہے نا۔"

"مگر یہ شعبدہ کیسا تھا۔"

"جیبی گھڑی کی ساخت کا ایک ٹائم بم جس میں ایک مخصوص قسم کا مادہ تھا۔"

"یہ آپ کی لیبارٹری کسی نہ کسی دن زوال ضرور لائے گی۔"

"جس دن وہ زوال لائی ہم دونوں بھی افسوس کرنے کے لئے زندہ نہیں ہوں گے۔"

"معاف کیجئے گا۔ اس وقت آپ نے بالکل شاکو عرف بہرام کا بیٹا والی حرکت کی ہے۔"

"بعض حقائق افسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتے ہیں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی ہی بولا۔ "میری سمگلنگ والے معاملے پر ہمیں غور کرنا ہے تھا۔ مگر خیر چھوڑو ڈاکٹر ڈریڈ کے شعبدوں کا جواب بھی تو ہونا ہی چاہئے تھا۔"

"لیکن آپ نے اُن لوگوں کو چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔"

"اوہ.... پھر ڈاکٹر ڈریڈ تک اس واقعہ کی خبر کون پہنچاتا۔"

"مگر ٹھہریئے.... ذرا یہ تو بتایئے کہ بیگم ارشاد کے یہاں انور کے کس نے سوئی چبھوئی تھی۔"

"خود بیگم ارشاد نے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "اور وہی ایک ایسا واقعہ تھا جس کی بناء پر میری سمگلنگ کے متعلق غور کر سکتے تھے۔"

"کیا آپ بیگم ارشاد سے جواب نہیں طلب کر سکتے؟"

"ضرور کروں گا۔ یہ بھی بہت ضروری ہے اور اسی وقت.... ابھی۔"

"آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے۔ جس دن میری باتیں تمہاری سمجھ میں آ گئیں تم برابری کا دعویٰ اٹھو گے۔"

"ہم بیگم ارشاد کے بارے میں کیا نہیں جانتے۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ ڈاکٹر ڈریڈ اُسے کیوں بلیک میل کر رہا ہے؟"

"نہیں....!"

"اچھا میں سمجھا۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم یہ جانتے ہو کہ شاہینہ اُس کی لڑکی ہے جوان ہے حسین ہے اور ابھی تک اُس کی شادی نہیں ہوئی۔ پانچ سو سگریٹ پیتی ہے اور فخریہ کہتی ہے کہ پانچ سو پچپن شوہر ہر وقت اُس کے بیگ میں پڑے رہتے ہیں۔"

"لڑکی عجیب ہے۔ اس میں شک نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"تم گدھے ہو.... اب مجھے سوچنے دو۔"

"سوچئے....!" حمید نے لاپروائی سے کہا اور کار کی پشت سے ٹک گیا۔

"مگر نہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے شراب کیوں پی تھی؟"

"اگر آپ پیش کریں تو میں مٹی کا تیل بھی پی سکتا ہوں۔ شراب کیا حقیقت رکھتی ہے۔"

"تم میں ابھی تک اتنا بھی سلقیہ نہیں پیدا ہو سکا کہ کسی سچویشن کو سمجھ سکو۔"

"میں نے جب بھی کسی سچویشن کو سمجھنے کی کوشش کی ہے میرا ہاضمہ ٹھیک نہیں رہا۔"

"بس اب خاموش رہو۔"

حمید پھر پشت گاہ سے ٹک کر اونگھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اُن کی کار ارشاد منزل کے پھاٹک پر رک گئی لیکن ٹھیک اُسی وقت ایک گھوڑا گاڑی بھی وہیں آکر رکی۔ فریدی نے اپنی کار بیک کی تاکہ گھوڑا اندر جاسکے مگر دفعتاً کوچوان نے گھوڑوں کو دوسری طرف سڑک پر موڑ دیا۔ ایسی موقعہ پر فریدی سے سستی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ وہ کار سے اترا اور جھپٹ کر گھوڑے کی راس پکڑلی۔

"کون ہے؟" کوچوان کی سیٹ سے ایک خوفزدہ سی آواز آئی اور یہ کسی عورت ہی کی آواز تھی۔

"اوہو.... بیگم ارشاد....!" فریدی نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ بڑا اچھا ہوا کہ باہر ہی آپ سے ملاقات ہو گئی۔ ورنہ خواہ مخواہ اندر اطلاع بھجوانے کی زحمت کرنی پڑتی۔"

"آپ کون ہیں؟"

"محکمہ سراغ رسانی کا کرنل فریدی۔"

"اوہ.... اتنی رات گئے.... فرمایئے؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سے اس حال میں ملاقات ہو گی۔"

"آپ مدعا بیان کیجئے۔ آپ کو میرے حالات سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"ایک صاحب مسٹر جوزف پیٹر نے آپ کی شکایت کی ہے۔"

"لیکن میں کسی جوزف پیٹر کو نہیں جانتی۔"

"وہ آپ کی صاحبزادی کی سالگرہ کے موقع پر مدعو تھے۔ آپ نے کسی بات پر خفا ہو کر ان

ے کپڑے اتروالئے اور انہیں اُسی حالت میں تین پنکھوں کے درمیان بیٹھنے پر مجبور کیا حالانکہ پ جانتی ہیں کہ اُس موسم میں وہ نمونیا کے شکار بھی ہو سکتے تھے۔"

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بیگم ارشاد کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ کچھ نہ بولی۔

تعاقب

"جواب دیجئے! محترمہ! میں آپ ہی سے مخاطب ہوں۔" فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں۔" بیگم ارشاد نے مضمحل آواز میں کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ میں نے سزا کے طور پر ایک آدمی کے کپڑے اتروالئے تھے لیکن کیا قانون اُسے جرم قرار ے گا؟"

"سزا دینے کا حق صرف عدالت ہائے عالیہ کو پہنچتا ہے۔ کسی بھی ملک کے شہریوں سے توقع یں کی جاسکتی کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں گے۔"

"وہ جوزف پیٹر نہیں بلکہ نیو اسٹار کا کرائم رپورٹر انور تھا۔"

"نہیں....!" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یقین کیجئے۔ وہ خواہ مخواہ میری بچی کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ ذرا ٹھہریئے۔ مجھے یاد کرنے دیجئے۔ ا.... مجھے نام نہیں یاد آرہا ہے بہر حال پچھلے دنوں ایک رات آرلکچو میں آپ ہی کے محکمے کے ب آفیسر کے سامنے اُسے تنبیہ کی تھی۔ آفیسر کا نام مجھے یاد نہیں آرہا ہے.... انور میری لڑکی ینز کو نشوں کی عادت ڈال رہا ہے۔ اس رات بھی خفیہ پولیس کے آفیسر نے اُس کی جیب سے ین برآمد کی تھی۔ پھر ہو سکتا ہے بات رشوت پر ختم ہو گئی ہو۔ بہر حال مجھے اُس سے کوئی ل نہیں۔ میں نے انور کو تنبیہ کی تھی کہ وہ شاہینہ سے نہ ملا کرے۔ لیکن اُس کے باوجود بھی ھیس بدل کر کوٹھی میں آگھسا۔ آپ بتایئے۔ آپ کیا کرتے ایسی کسی موقع پر۔"

"میں اُسے پولیس کے حوالہ کردیتا۔"

"ہاں مجھ سے غلطی ضرور ہوئی۔"

"مگر بیگم صاحبہ۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "میرے پاس ایسے شاہد موجود ہیں نوں نے ڈنر ٹیبل پر جوزف پیٹر کے نام کا کارڈ بھی دیکھا تھا۔"

"وہ گواہ آپ کو انور ہی کے توسط سے ملے ہوں گے۔" بیگم ارشاد نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"قدرتی بات ہے۔ گواہ ہمیشہ مدعی ہی کی طرف سے پیش ہوتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔ وہ گواہ جھوٹے ہیں۔"

"اسے تو عدالت ہی میں چیلنج کیجئے گا۔"

"عدالت....!" بیگم ارشاد کی آواز پھر کانپ گئی اور کچھ دیر کیلئے پھر سکوت طاری ہو گیا۔

"جی ہاں عدالت۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "وہ آپ پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کرنے جارہا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ آپ کی بیٹی نے اُسے اپنی سالگرہ کی تقریب میں شرکت پر مجبور کیا تھا۔ اُس نے کہا تھا.... آؤ ضرور خواہ بھیس ہی بدل کر آنا پڑے۔"

"یہ سراسر بہتان ہے۔"

"یہ بھی آپ عدالت ہی میں ثابت کیجئے گا۔"

"پھر آپ کس لئے تشریف لائے ہیں؟" بیگم ارشاد کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

"میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ایک دوسرا معاملہ بھی ہے۔ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ میرے اسسٹنٹ کیپٹن حمید کو مے پول میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا تھا۔ اُس نے اپنے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس کی اور کچھ دیر کے لئے اُس کا جسم بالکل بیکار ہو گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے یہ خبر دیکھی تھی۔"

"ویسا ہی واقعہ آپ کی کوٹھی میں انور کو بھی پیش آیا تھا۔ اُس نے اپنے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس کی اور کچھ دیر کے لئے اُس کا جسم بالکل بیکار ہو گیا۔"

"میرے خدا۔ وہ ہر زاویئے سے ایک نئی چال چل رہا ہے۔" بیگم ارشاد بڑبڑائی۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی صورت سے مجھے زک پہنچائے۔ ہاں اُس نے اور کیا کہا تھا؟"

"اُس نے کہا تھا کہ جب اُس کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا تو آپ اُسے ایک کمرے میں اٹھوا لے گئیں۔ وہاں آپ کے ملازموں نے اُس کے کپڑے اُتار کر تین پنکھے کھول دیئے اور پھر ہوا کے اُس طوفان میں اُس کی کھوئی ہوئی قوتیں آہستہ آہستہ واپس آنے لگیں۔ اس کے بعد وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔"

"اُف فوہ۔" بیگم ارشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کس کس طرح بات بنائی ہے اُس سور نے۔ وہ کسی نہ کسی طرح مجھے قانونی گرفت میں لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ یقین کیجئے

ل صاحب! بات صرف اتنی ہی ہے کہ میں نے غصے میں اُس کے کپڑے اُتروا لئے تھے اور بس! اس کا اعتراف ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہوں گی کہ میری جگہ جو بھی ہوتا یہی کرتا۔"

"تو دوسرا واقعہ غلط ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی غلط ہے جناب۔ آپ خود خیال کیجئے۔ مگر اُس کی ذہانت کی داد دینی پڑے گی کہ اُس کتنی احتیاط سے میرے خلاف یہ پلاٹ گڑھا ہے۔ اُف میرے خدا۔ میری تو عقل بھی وہاں نہ پہنچتی۔ اُس خبر میں تھا کہ اُن صاحب کی حالت ٹھنڈی ہوا لگنے سے بہتر ہو گئی تھی لہٰذا اُس بخت نے تین پنکھوں کا اضافہ کر دیا۔ میں پھر کہتی ہوں کہ کپڑے میں نے بلاشبہ اتروائے تھے یہ پلاٹ خدا کی پناہ....!"

"تو یہ غلط ہے؟"

"قطعی غلط ہے؟"

"شکریہ! محترمہ میں نے آپ کو بہت تکلیف دی۔" فریدی نے کہا اور گھوڑے کی راس چھوڑ گاڑی کے پاس سے ہٹ آیا۔ پھر کار میں بیٹھتے ہوئے اُس کی ٹارچ کی روشنی گاڑی پر پڑی۔

بیگم ارشاد سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی کوچوان کی سیٹ پر موجود تھی۔ ٹارچ بجھا گئی۔ پھر فریدی نے انجن اسٹارٹ کر کے کار بیک کی اور کچھ دیر بعد حمید نے کہا۔ "وقت کی اس بادی کا کیا مقصد تھا؟"

"بڑی گھاگ عورت ہے۔"

"ہے تو۔"

"لیکن آج ہم نے بھی اُسے اس حال میں دیکھ لیا۔ آخر وہ اس طرح کیا کرتی پھرتی ہے۔"

"اس پر قانون کوئی پابندی نہیں عائد کر سکتا۔"

"شاہینہ اُس کے لئے بہت پریشان معلوم ہوتی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار سڑک پر دوڑتی رہی۔ دفعتاً حمید نے کہا۔ "اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"وہیں جہاں سے یہ سفر شروع ہوا تھا۔ اب وہ اس قابل ہوئے ہوں گے کہ اپنی جگہ سے جنبش کر سکیں۔"

"تو آپ انہیں چھوڑ ہی کیوں آئے تھے؟"

"اتنی دیر میں ایک دوسرا کام بھی ہو گیا۔"

حمید نے بے بسی سے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سیٹ کی پشت سے ٹک گیا۔

چاروں کی حالت ابتر تھی۔ کچھ دیر وہ کھڑے رہے پھر بے جان ہو کر فرش پر گر گئے۔ اُن کی زبانیں نکلی پڑ رہی تھیں اور وہ چوپایوں کی طرح ہانپ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد اُن میں سے ایک بدقت تمام گھسٹتا ہوا دروازے تک پہنچ سکا۔ اُس کا ایک ہاتھ ہینڈل کی طرف اٹھا اور تھوڑی دیر تک اٹھا ہی رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہاتھ میں توازن کی حس ہی نہ رہ گئی ہو۔ وہ خلا میں جھولتا رہا۔ کئی بار وہ ہینڈل سے بھی ٹکرایا لیکن اُسے گرفت میں نہ لے سکا۔

آدھا گھنٹہ گذر گیا۔ کمرے کی فضا میں اچانک پیدا ہو جانے والی حدت ختم ہو گئی تھی اور اُن کے نیم برہنہ جسموں پر سردی کی لہریں اثر انداز ہونے لگی تھیں لیکن وہ اب بھی اس قابل نہیں تھے کہ اٹھ کر کپڑے پہن سکتے۔

"اب اٹھنے کی کوشش کرو۔" اُن میں سے ایک بولا۔

"مشکل... نڑیں... نہیں... اڈڈ... ڈ...!" دوسرے نے کچھ کہنا چاہا لیکن زبان اینٹھ گئی۔

اور پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہو گیا۔ دروازے کے قریب پڑا ہوا آدمی شاید بقیہ تین آدمیوں سے زیادہ طاقت ور تھا کیونکہ وہ دروازے کا ہینڈل پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ اٹھ گیا اور تھوڑی دیر تک دیوار سے ہاتھ ٹیکے کھڑا رہا۔ پھر اس طرح دوسروں کی طرف مڑا جیسے وہ انہیں بھی اسی حالت میں دیکھنا چاہتا ہو۔

پھر وہ دیوار پر ہاتھ رکھے ہی رکھے اُدھر بڑھنے لگا جہاں اُن کے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔

وہ کپڑے پہن لینے میں کامیاب ہو گیا اور دوسرے اسے اس انداز میں دیکھتے رہے جیسے رحم کی بھیک مانگ رہے ہوں۔

"ہمیں بھی سردی لگ رہی ہے۔" ایک نے کمزور سی آواز میں کہا۔

"ٹھہرو....!" وہ آدمی بولا۔ "میں تم سب کو کپڑے پہناؤں گا۔"

اور اس کام میں تقریباً بیس منٹ صرف ہوئے۔ وہ پھرتی سے اس کام کو انجام دینے کے قابل اب بھی نہیں ہو سکا تھا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ کپڑے پہن لینے کے بعد سے توانائی واپس آ رہی ہے۔" اس نے

روں کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر انہیں تشویش کن نظروں سے دیکھنے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ دونوں کیسے اپنے پیروں پر چل کر گئے ہوں گے۔" اس سر اٹھا کر بولا۔

اُس آدمی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس مسئلے پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور آنکھوں سے کینہ توزی جھلک رہی ہونٹوں کے گوشے تنفر آمیز انداز میں کچھ کر نیچے جھک گئے تھے اور اوپری ہونٹ نے قوس شکل اختیار کر لی تھی۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "یہ کھیل مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ میں اس کا قائل ہوں کہ جب دشمن سامنے آئے اس سے آگ کی زبان سے گفتگو کرنی چاہئے۔"

"مگر ہم کیا کریں۔" دوسرا بولا۔ "جو کچھ کہا گیا تھا اُسی کے مطابق عمل کر رہے تھے۔ مگر وہ ے دے گئے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُسکی جیبی گھڑی کوئی ایسا وقت بھی ہم پر لائے گی۔"

"اتفاق....!" وہ آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "خیر اب اس قصے کو دفن کرو۔ سوال یہ ہے کہ اب ں کیا کرنا چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"بہت معمولی سی بات ہے۔ کیا تم یقین کر سکتے ہو کہ وہ حقیقتاً ہمیں اتنی لاپروائی سے چھوڑ کر گیا ہوگا۔"

"یقیناً اب اُس کے آدمی نیچے موجود ہوں گے۔" دوسرا بولا۔

"پھر ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"ان ریوالوروں کو باہر پھینک دو۔ وہ ہمارے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہ کر سکے گا۔ ہم پورٹ پر یہاں آئے ہیں اور ہمارے ملک کا سفارت خانہ ہمارا ذمہ دار ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر یہاں تو کوئی قابل گرفت چیز موجود نہیں ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"تب تو اٹھو ہم بے خطر چلیں گے۔"

"لیکن ٹھہرو۔ گو کہ یہ عمارت میرے نام سے حاصل کی گئی تھی لیکن شاید ہی یہاں کسی نے ٹائک میری شکل دیکھی ہو۔ میری سنگلٹن یہاں آتی رہی ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ میری بھی سفید فام ہی ہے۔"

"اگر ہم یہیں ٹھہریں تو کیا مضائقہ ہے۔"

"تم گھاس کھا گئے ہو شاید۔ ہمیں ہر حال میں اس واقعہ کی خبر اسی وقت پہنچانی ہے۔ ورنہ ڈاکٹر کچا ہی چبا جائے گا۔"

ان الفاظ کے سنتے ہی پھر کسی نے کوئی نئی تجویز نہیں پیش کی۔ لیکن یہ سوال اب اُن کے ذہنوں کو ٹھوکے دے رہا تھا کہ یہ اطلاع پہنچائی کس طرح جائے گی۔

"مجھے یقین ہے۔" توانا آدمی بولا۔ "کہ اس وقت تک عمارت کا محاصرہ ہو چکا ہوگا اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ فریدی ہمارے فقرے میں نہیں آیا۔ وہ ہم میں سے کسی کو بھی ڈاکٹر سمجھنے پر تیار نہیں۔ لہٰذا اس طرح چپ چاپ چلے جانے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارا تعاقب کر کے ڈاکٹر تک پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

ایک بار پھر کمرے پر سکوت طاری ہو گیا۔

دفعتاً ایک آدمی نے اٹھ کر کہا۔ "میں اطلاع پہنچاؤں گا۔ تم تینوں یہیں ٹھہرو گے۔"

"کس طرح؟"

"بس آؤ میرے ساتھ۔"

وہ چاروں اُس کمرے میں آئے جس کا رخ سڑک کی جانب تھا۔ یہاں ایک بہت بڑی کھڑکی تھی جس میں دھندلے شیشے لگے ہوئے تھے۔ وہ آدمی جس نے کوئی راہ نکالنے کا خیال ظاہر کیا تھا اندھیرے ہی میں کرسیاں کھسکانے لگا۔

"خبردار.... سوئچ آن مت کرنا۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر بعد اُس نے آہستہ سے کہا۔ "ایک آدمی یہاں آئے۔ ادھر یہ میرا ہاتھ اُسے پکڑلو۔"

تین ہاتھ بیک وقت اُس کے ہاتھ سے مس ہوئے۔ لیکن اُس نے صرف ایک کو ا قریب کھینچ لیا اور بولا۔ "یہاں بیٹھ جاؤ۔"

اسی طرح اُس نے تینوں آدمیوں کو یکے بعد دیگرے کرسیوں پر بٹھا دیا۔

اور پھر جب کمرے میں روشنی ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ وہ آدمی زمین پر چت پڑا ہوا۔ چوتھی کرسی پر ایک تکیہ رکھا ہوا تھا اور تکیے پر ایک بیضوی شکل کا گلدان الٹ کر رکھ دیا گیا تھا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے۔" ایک نے حیرت سے پوچھا۔

زمین پر پڑے ہوئے آدمی نے بڑی کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "چار بیٹھے ہو

ہوں کے سائے۔"

حقیقتاً کھڑکی پر چار سائے نظر آرہے تھے۔ تکیے پر رکھا ہوا گلدان بھی سر اور شانوں کا سا سایہ پیش کر رہا تھا۔

"اب میں.... دوسری طرف سے نیچے اُتر جاؤں گا۔" زمین پر لیٹے ہوئے آدمی نے آہستہ سے کہا اور رینگتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔

"ارے صبح ہونے والی ہے جناب! کیا آپ اونگھ رہے ہیں؟" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا ہاتھ حمید کے بازو پر پڑا اور وہ اُسے دباتا ہوا بولا۔ "واہ بھئی ذرا دیکھنا تو۔"

وہ اُس بڑی کھڑکی کی طرف اشارہ کر رہا تھا جسکے دھندلے شیشوں پر پرچھائیاں نظر آرہی تھیں۔

"تو وہ نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"اوہ.... حمید.... ذرا دیکھنا۔ کیا بائیں گوشے والی پرچھائیں.... کسی ڈمی کی نہیں ہے۔ تین پرچھائیاں کبھی کبھی متحرک سی نظر آتی ہیں۔ مگر چوتھی.... آؤ۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ "اس شعبدے نے ان کی عقلوں پر پتھر ڈال دیئے ہیں۔ یہ نروس ہیں حمید.... اور اسی لئے ان سے یہ حماقت سرزد ہوئی ہے۔ عمارت میں فون نہیں ہے لہٰذا وہ یہیں بیٹھے بیٹھے ڈریڈ کو اس واقعہ کی اطلاع نہ دے سکیں گے۔"

وہ عمارت کی پشت پر آگئے۔

"آہا....!" فریدی نے پھر اُس کا بازو دبایا۔ "میرا خیال غلط نہیں تھا۔ وہ دیکھو۔"

تیسری منزل کی کھڑکی سے ایک سیاہ دھبہ سا باہر رینگ آیا تھا اور اب وہ فصیل پر چلتا ہوا پائپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"آپ اگر سڑک کنارے بیٹھ کر لوگوں کو اُن کی قسمت کا حال بتانے لگیں تب بھی آپ اتنے ہی مالدار رہیں گے۔"

وہ اُسے پائپ کے سہارے نیچے اُترتے دیکھتے رہے۔ نیچے پہنچتے ہی وہ دم لئے بغیر بڑی تیزی سے سڑک کی طرف مڑ گیا۔ وہ دونوں بھی بالکل اسی انداز میں آگے بڑھے جیسے شب گزار آوارہ گرد ہوں۔ اُن کے فلٹ ہیٹ پیشانیوں پر جھکے ہوئے تھے اور السٹروں کے کالر کانوں تک اٹھے

ہوئے تھے۔

"آہا.... پیدل نہیں جائے گا حمید صاحب.... جلدی کرو۔ وہاں اُس گلی میں میں نے ایک کار پہلے بھی دیکھی تھی۔ غالباً یہ لوگ اسی پر آئے تھے۔"

حمید دوڑتا ہوا اپنی کار کی طرف چلا گیا۔ اتنی دیر میں وہ کار اسٹارٹ ہو کر چل بھی پڑی تھی اور فریدی کھڑا بے بسی سے اپنے ہاتھ مل رہا تھا۔ حمید سے اُسے اتنی پھرتی کی توقع نہیں تھی کہ وہ وقت ہی پر کار وہاں لے آئے گا۔ لیکن اس وقت اُسے بھی ماننا پڑا کہ حمید بالکل ہی ناکارہ نہیں ہے۔ اگلی کار گلی کے آخری سرے پر مڑ ہی رہی تھی کہ اُس کی لنکن اُس کے قریب پہنچ گئی۔

"سیدھے چلو....!" فریدی دروازہ کھول کر حمید کے برابر بیٹھتا ہوا بولا۔

اور پھر کچھ دیر بعد وہ اگلی کار کے راستے پر لگ گئے۔

"میں کیا کروں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" حمید بڑبڑا رہا تھا۔

"کیا سمجھ میں نہیں آتا۔"

"یہ رات تو یونہی گئی۔ کیا میں دن کو سو سکوں گا؟"

"قطعی سو سکو گے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"مگر کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ ڈاکٹر ڈریڈ ہی کے آدمی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ فنچ کے آدمیوں نے ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے کوئی نئی الجھن پیدا کرنے کی کوشش کی ہو۔"

"فنچ نہیں.... ہرگز نہیں۔ فنچ ہمیشہ قانون سے کتراتا رہتا ہے۔ وہ بہت چالاک ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ کی طرح احمق نہیں ہے۔"

"آپ ڈاکٹر ڈریڈ کو احمق کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں وہ بلاشبہ احمق ہے۔ وہ مجرم جو قانون پر اپنی برتری جتانے کی کوشش کرتے ہیں میں انہیں احمق سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اُن کا اظہار برتری ہی اُن کے لئے پھانسی کا پھندہ بن جاتا ہے۔ فنچ جیسے لوگ عموماً محفوظ ہی رہتے ہیں۔"

"آخر یہ لوگ قانون پر اپنی برتری جتانے کی کوشش ہی کیوں کرتے ہیں؟"

"فطرت.... امتیازی خصوصیات کے حامل ہونے کا شوق۔ جس طرح عام آدمی کسی خاص معاملے میں شہرت حاصل کرنے کے متمنی ہوتے ہیں اُسی طرح بعض مجرم بھی عام روش سے ہٹ کر اپنی کوئی امتیازی خصوصیات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ عام مجرموں میں تو اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ قانون کے محافظوں کو چیلنج کر سکیں لیکن بعض مجرم ایسا بھی کر۔ تے ہیں۔ ڈاکٹر ڈریڈ دوس

قسم کے مجرموں میں سے ہے اور اسکی یہ عادت ہی ایک دن اُسکے انجام کا ذریعہ بن جائے گی۔"

"مگر یہ آج تک نہ معلوم ہو سکا کہ فنچ سے اُس کا جھگڑا کیوں چل رہا ہے۔"

"یہ تو اُسی وقت معلوم ہو سکے گا جب اُن دونوں میں سے کوئی ہاتھ آجائے۔" فریدی نے کہا پھر وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ دونوں کاریں آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد اگلی کار شہر کی اُس بستی میں داخل ہوئی جہاں غیر ملکی سفیروں کی کوٹھیاں ں....اور پھر وہ ایک عمارت کے سامنے رک گئی اور وہ آدمی اُتر کر کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھولنے لگا۔

فریدی کی کار آگے نکلی چلی گئی۔

"کیا مطلب....؟" حمید اُس وقت بڑبڑایا جب فریدی کی کار پھر اُسی راستے پر مڑنے لگی جس ،وہ یہاں تک آئے تھے۔

"کچھ نہیں اب گھر چل کر سوئیں گے۔"

"میں اسٹیئرنگ چھوڑ کر باہر چھلانگ لگا دوں گا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"بگڑو نہیں فرزند! کیا تم یہ چاہتے تھے کہ ہم بھی اُس کے ساتھ ہی عمارت میں گھس پڑیں ،۔یہ ایک غیر ملکی سفیر کی کوٹھی ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ بڑی مشکلوں سے گرفت میں آئے گا۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کبھی وہ آپ کی جیب میں رکھا رہتا ہے اور کبھی مشکل سے ہاتھ ا ہے۔ کبھی آپ فنچ کے لئے روتے چنگھاڑتے ہیں میری جوانی مفت میں برباد ہو رہی ہے۔"

فریدی ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر خاموش ہو گیا۔ اس کا مطلب جو کچھ بھی رہا ہو۔

ننھا شیطان

اُس آدمی نے کمپاؤنڈ طے کیا اور برآمدے میں پہنچ گیا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ اُس کا تعاقب ہوتا رہا ہے۔ وہ کچھ اتنا ہی بدحواس تھا کہ جب فریدی کی کار اُس کے قریب سے آگے نکلی تھی تو اُس نے اُس کی طرف دھیان تک نہیں دیا تھا۔ پھر اُسے اُس بے آواز موٹر سائیکل کا علم ہوتا جو فریدی کی کار نکل جانے کے بعد ٹھیک اُسی کی کار کے قریب رکی تھی۔

وہ بے تحاشہ عمارت کے اندر داخل ہوا اور راہداری میں رک کر اُس بٹن کو بار بار دبانے لگا لگے اور پر ایک ننھا سا سرخ رنگ کا بلب روشن تھا۔

سامنے والا دروازہ فوراً ہی کھلا اور ایک آدمی نے اُسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ یہ آدمی شاید جانتا تھا کہ اُسے کہاں جانا ہے کیونکہ وہ کسی راہبر کی مدد کے بغیر ہی مختلف سمتوں میں مڑتا رہا اور پھر کچھ دیر بعد وہ اوپری منزل کے زینے طے کرتا ہوا نظر آیا۔

یہ ایک بڑا کمرہ تھا جہاں رک کر وہ چاروں طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔ اس کمرے میں نہ تو کسی قسم کا فرنیچر ہی نظر آ رہا تھا اور نہ اس کی دیواریں ہی سجائی گئی تھیں۔ فرش پر البتہ ایک دبیز سا قالین پڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد بائیں جانب کا ایک دروازہ کھلا اور ایک دراز قد آدمی اندر داخل ہوا۔ اُس کا چہرہ سُتا ہوا تھا اور ہونٹ پتلے تھے۔ آنکھیں بہت چمکیلی تھیں۔

"تم نے ریڈ سگنل کیوں دیا تھا؟" اُس نے پُر سکون لہجے میں پوچھا۔

اُس آدمی نے ہانپتے ہوئے پوری داستان دہرا دی اور پھر بولا۔ "ڈاکٹر.... اگر میں یہ تدبیر نہ کرتا تو یہاں تک پہنچنا محال ہو جاتا۔"

"تدبیر....!" ڈاکٹر کے چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی۔ وہ چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "کیا تم مجھے یہ اطلاع کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے نہیں دے سکتے تھے یہاں دوڑے آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے.... سوچا.... سوچا....!" اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن سوچتا ہی رہ گیا۔

"بکو.... کیا بک رہے تھے۔ کیا فریدی ابھی تک اتنا ہی احمق ثابت ہوا ہے کہ تم اس کے ساتھ اس قسم کی کوئی چال چل سکو۔"

وہ آدمی کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر کہتا رہا۔ "اگر تم صبح تک وہیں ٹھہرتے تو کیا حرج تھا؟"

"مم.... میں نے سوچا۔"

"کچھ نہیں سوچا۔ تم میں سوچنے کا سلیقہ ہی نہیں ہے۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اسی بناء پر تمہیں حراست میں لے سکتا تھا کہ تمہارے پاس ریوالور رہتے تھے۔"

"اگر مجھ سے غلطی ہوئی تو میں شرمندہ ہوں جناب۔"

"تم بکواس کر رہے ہو۔ اگر تم لوگوں کو اپنی غلطیوں پر شرمندگی ہو تو انہیں کبھی نہ دہراؤ۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ سر جھکائے کھڑا رہا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "وہ تمہیں اسی لئے چھوڑ کر چلا گیا تھا کہ تمہارے ذریعہ مجھ تک پہنچ سکے۔"

"اوہ....!" وہ مجنونانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا ہوگا۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟"

"مجھے بھی مشورہ دو کہ یہاں سے اب نکل بھاگوں۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر نے پھر کہا۔ "تم لوگ اپنی عقلیں درست کرو ورنہ مجھے ہی درست کرنی پڑیں گی۔"

"ایک بار اور معاف کیجئے جناب۔" وہ گڑگڑایا۔ "دراصل اس گرمی کا اثر اب بھی میرے ذہن پر باقی ہے۔"

"میں نہ جانے کیوں اتنا رحم دل ہو گیا ہوں۔" ڈاکٹر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

ٹھیک اُسی وقت ایک کھڑکی کے پاٹ دیواروں سے ٹکرائے اور ایک ننھا سا آدمی اندر کود پڑا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل سیاہ تھا اور ہونٹ سرخ۔ جسم پر سیاہ لباس تھا اور سینے پر سفید حروف میں تحریر تھا۔ "شیطان ۲/۱ا۔"

"واقعی یہ بہت بُرا ہے۔" وہ گنگناتی ہوئی آواز میں بولا۔ "کہ تم اتنے رحم دل ہو گئے ہو لیکن مجھے دیکھ کر بے رحم ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ آج بہت دنوں کے بعد میں تمہیں اتنے قریب سے دیکھ رہا ہوں۔ لہٰذا اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

ڈاکٹر کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے اور دوسرے آدمی نے بھی اُس کی تقلید کی۔

"تمہارے آدمی سچ مچ بالکل گدھے ہو گئے ہیں۔ فریدی نے تمہاری رہائش کی جگہ دیکھی ہو یا نہ دیکھی ہو میں نے آج دیکھ لی۔"

"جاؤ.... میرا وقت نہ برباد کرو۔" ڈاکٹر ڈریڈ نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے کسی معمر آدمی نے کسی بچے کو مشورہ دیا ہو۔ اور اُس نے اپنے ہاتھ بھی نیچے گرا دیئے۔

"یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہے ڈاکٹر ڈریڈ.... اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" ننھے شیطان نے کہا۔

ڈاکٹر ڈریڈ نے پھر ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"میں سرکس کا ایک مسخرہ۔ آج تمہیں اس طرح قتل کروں گا کہ ساری دنیا انگشت بدنداں رہ جائے گی۔"

"بکواس بند کرو۔" ڈاکٹر ڈریڈ فرش پر اپنا داہنا پیر پٹخ کر گرجا اور ایک روشن دان سے کچھ پھولوں کی روشنی پھوٹنے لگی لیکن وہ روشنی صرف چھت تک محدود رہی اور کسی نے بھی اُس کی طرف دھیان نہیں دیا۔

ننھا شیطان کہہ رہا تھا۔ "بیکار ہے ڈاکٹر! تم مجھ سے اتنی زیادہ بلندی پر واقع ہوئے ہو کہ مجھ تک تمہاری یہ گرج تقریباً ایک ہزار دو سو پچھتر سال میں پہنچے گی لیکن اُس یتیم لڑکی کی چیخیں ہر وقت میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہیں جو صرف تیرہ سال کی تھی۔ تیرہ سال کی ننھی سی جان.... جسے تم نے بڑی ہی بے دردی سے اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھادیا تھا اور جس کی لاش دوسری صبح سڑک پر پڑی اونچی اونچی عمارتوں پر طنز کررہی تھی۔"

ڈاکٹر ڈریڈ نے اپنے ہاتھ نیچے گرادیئے اور بڑی لاپروائی سے اپنے آدمی سے بولا۔ "میں پچھلی رات بھی دیر تک جاگتا رہا ہوں اور اب اُس وقت تم نے میری نیند میں خلل ڈالا ہے۔ مجھے تم پر بہت غصہ آرہا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ اس کا ازالہ ہو جائے گا ڈاکٹر۔" ننھا شیطان چہک کر بولا۔ "میں تمہیں ایسی نیند سلاؤں گا کہ یہ گدھے پھر تمہیں نہ جگا سکیں گے۔ تمہارے کارنامے حیرت سے سنے جاتے ہیں۔ لہٰذا تمہاری موت بھی دوسروں کے لئے حیرت انگیز ہونی چاہئے۔ انتہائی حیرت انگیز۔ سرکس کے ایک ننھے سے مسخرے نے ڈاکٹر ڈریڈ کو مار ڈالا.... ہاہا.... سرکس کا بے ضرر مسخرہ...."

پھر وہ دانت پیس کر بولا۔ "میں ایک اچھا آدمی تھا محنت سے روزی کماتا تھا لیکن.... اُس ننھی سی بچی کی چیخوں نے مجھ جیسے حقیر آدمی کو ڈاکٹر ڈریڈ سے ٹکرادیا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ میں کیا نہیں کرسکتا۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہوں۔ میں سرکس میں بھکاریوں کی طرح کیوں پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوں۔ حرام خوروں کے لئے تفریح کیوں بنوں جب کہ میں اُن کی جمع کی ہوئی دولت پر بہ آسانی ہاتھ ڈال سکتا ہوں۔ ہاہا.... ڈاکٹر ڈریڈ.... اب مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

دفعتاً ننھے شیطان کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا لیکن خود اُس کا پورا جسم کانپ گیا۔ کیونکہ چھت میں نظر آنے والی روشنی آسمانی بجلی کی طرح پورے کمرے میں کوندتی ہوئی سی معلوم ہوئی تھی.... حقیقتاً ننھا شیطان چندھیا گیا تھا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں نشانہ کیوں نہ خطا کرتا۔ ویسے ننھا شیطان اچھل اچھل کر فائر کرتا ہی رہا۔ ہر فائر پر روشنی کا جھماکا ضرور ہوتا اور اس دوران میں ڈاکٹر ڈریڈ کے قہقہے بھی برابر گونجتے رہے۔

جب ریوالور کے سارے راؤنڈ ختم ہوگئے تو ڈاکٹر ڈریڈ نے گرج کر کہا۔ "پکڑلو اس خبیث کو۔"

دوسرا آدمی جو ابھی تک سہا ہوا کھڑا تھا ننھے شیطان پر جھپٹ پڑا۔ لیکن وہ اُسے اپنی گرفت میں نہ لے سکا۔ کیونکہ ننھے شیطان کے دونوں پیر اُس کے منہ پر پڑے تھے۔ وہ کراہ کر دوسری

ی الٹ گیا۔ پھر خود ڈاکٹر ڈریڈ نے اُس پر چھلانگ لگائی لیکن منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور ننھا ٹان دور کھڑا ایک بڑا سا چاقو کھول رہا تھا۔ ڈریڈ نے پھر اپنے آدمی کو للکارا۔ لیکن اس بار اُس اس پر جھپٹنے کی ہمت نہیں کی بلکہ اُس کے چاقو پر نظر جمائے ہوئے بہت احتیاط سے آگے ھنے لگا۔ ننھے آدمی کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں کسی ایسے سانپ کی آنکھوں سے مشابہہ نظر آرہی ں جو کسی پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو۔

اور پھر قبل اس کے ڈریڈ کا آدمی اُس تک پہنچتا اُس نے خود ہی اُس پر چھلانگ لگائی۔ ایک لی چیخ کمرے میں گونج کر رہ گئی۔ ٹھیک اُسی وقت کسی نے دروازہ پیٹنا شروع کردیا۔ ننھے شیطان کھڑکی کی طرف جست لگائی مگر ڈاکٹر ڈریڈ بھی حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اُس کے قریب گیا۔ ننھا شیطان پھر پلٹا لیکن اس بار چاقو کی نوک دیوار سے ٹکرائی۔ ڈاکٹر ڈریڈ بال بال بچا تھا۔ ازہ بدستور پیٹا جاتا رہا۔

جتنی دیر میں ڈاکٹر ڈریڈ سنبھلتا، ننھا شیطان غائب ہو چکا تھا۔ ڈریڈ کھڑکی پر جھکا اور باہر پھیلے ئے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

تقریباً دو منٹ تک وہ اُسی طرح کھڑا رہا۔ دروازہ پیٹنے کی آوازیں اب بھی اُس کے کانوں ٹکرا رہی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے اُس کی پرواہ ہی نہ ہو۔ پھر اُس نے مڑ کر ایک اہوئی سی نظر اُس آدمی پر ڈالی جس کے سینے سے خون بہہ بہہ کر قالین میں جذب ہوتا جارہا ر یہ دیکھے بغیر کہ وہ زندہ ہے یا مرگیا اُس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جسے دوسری طرف پیٹا جارہا تھا۔

اُس نے دروازہ کھولا۔ دوسری طرف سے ایک زرد پوش آدمی اُس پر آگرا۔

"اوہ....!" وہ اُسے جھنجھوڑ کر الگ ہٹاتا ہوا بولا۔ "تم دروازہ کیوں پیٹ رہے تھے؟"

زرد لبادے والا چند لمحے کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا پھر بولا۔ "میں فرشتہ ہوں۔ مجھ سے اونچی آواز گفتگو نہ کیا کرو۔ میں اپنے ساتھی فرشتے کی تلاش میں ہوں۔ جو کچھ دیر پہلے میرے ساتھ تھا۔ میری مدد کرسکو گے؟"

"جاؤ سو جاؤ۔" ڈاکٹر ڈریڈ ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تم ہمیشہ سوتے سوتے جاگ کر بکواس کرنے لگتے نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔"

"تم خود بکواس کررہے ہو۔ اُس کے ساتھ موت کا فرشتہ بھی تھا اور ہم تینوں نے ایک ہی راب پی تھی۔"

"تم جاتے ہو یا میں اپنا ہنٹر منگواؤں؟"

"میں جا رہا ہوں۔" زرد پوش فرشتہ دونوں ہاتھ ہلا کر بولا۔ "لیکن تمہیں بد دعا ضرور دوں گا۔ تمہاری کشتی ضرور ڈوبے گی۔ اسے لکھ لو۔ طوفان نوح پھر آئے گا تم سب غرق ہو جاؤ گے۔"

"جاؤ۔" ڈریڈ نے اُسے دھکا دے کر کہا اور دروازہ بند کر لیا۔

کلاک نے دن کے دس بجائے اور کیپٹن حمید نے اس طرح منہ بنا کر کروٹ لی جیسے کوئی اُس کی مرضی کے خلاف اُسے جگانے کی کوشش کر رہا ہو۔

تقریباً پانچ بجے وہ اور فریدی گھر پہنچے تھے اور حمید کپڑوں جوتوں سمیت ہی بستر میں جا گھسا تھا۔ گھنٹے کی آواز سے اُس کی نیند اچٹ گئی اور پھر وہ کوشش کے باوجود بھی نہ سو سکا۔ آخر اُسے اُٹھ ہی جانا پڑا۔ اور وہ ٹک ٹک کرتے ہوئے کلاک کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ "میں تیرے موجد پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔"

اور پھر اس طرح مطمئن نظر آنے لگا جیسے سچ مچ کلاک نے اُس کی بات سے بڑا اثر لیا ہو۔ باتھ روم کی طرف جاتے وقت فریدی سے ملاقات ہو گئی جو اندرونی برآمدے میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ لیکن یہ اخبار دیکھنے کا وقت نہ تھا اور فریدی کا وہاں اس وقت موجود ہونا بھی خلافِ معمول تھا کیونکہ وہ ٹھیک نو بج کر پینتالیس منٹ پر دفتر چلا جایا کرتا تھا۔

"ہائیں! تم جاگ کیوں پڑے۔" فریدی نے اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔

"ایک خواب اٹک گیا تھا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور غسل خانے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب واپس آیا تو فریدی وہاں نہیں تھا۔ نوکروں سے معلوم ہوا کہ وہ باہر جا چکا ہے۔ حمید کاہلوں اور سست آدمیوں کی طرح آہستہ آہستہ دن گذارنے کی تیاریاں کرتا رہا۔

ٹھیک گیارہ بجے فریدی کا فون آیا۔ وہ اُسے اُسی بستی میں طلب کر رہا تھا جہاں سفیروں کی کوٹھیاں تھیں، حمید بُری طرح جھلا گیا اور اُسی جھلاہٹ میں اُس نے چوڑے پائینچوں کا پاجامہ پہن لیا۔ پاجامہ پہننے کے بعد قد آدم آئینے پر نظر پڑی اور زیادہ غصہ آیا۔ اُسی غصے کے عالم میں اُس نے ایک صندوق الٹ پلٹ ڈالا اور وہ شیروانی نکالی جو آج سے پانچ سال قبل اُس کا ایک شاعر دوست اُس کے اُس سوٹ کے بدلے میں چھوڑ گیا تھا جسے حمید نے بڑے چاؤ سے سلوایا تھا لیکن ایک بار بھی پہننے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ہوا یہ کہ اُس عوامی شاعر پر ایک سرمایہ دار لڑکی ریجھ

ادر اُس نے اُسے چائے پر بلایا۔ ظاہر ہے ایسے موقع پر "عوامیت" کی ہوا نکل جانا لازمی تھی۔ راہ حمید کے پاس پہنچا اور اپنے کپڑے وہیں اُتار کر حمید کا سوٹ پہن کر جو غائب ہوا تو آج ہیں سال حمید کو اُس کی شیروانی یاد آئی۔

شیروانی پہن کر اُس نے پھر آئینے پر نظر ڈالی اور آپے سے باہر ہو گیا۔ صندوق پوری طرح پلٹ ہو گیا تھا اور ایک سرخ رنگ کی پھندنے دار ٹرکش کیپ اوپر ہی پڑی نظر آ رہی تھی۔ نے اُسے اٹھا کر سر پر منڈھ لیا اب اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ آئینے ہی کو پھوڑ ڈالے۔ لیکن اُس ایسا نہیں کیا۔

اب وہ کمرے میں رکنا ہی نہیں چاہتا تھا لہٰذا باہر نکل آیا لیکن جب نوکروں کو منہ پھیر ہنے دیکھا تو آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ "کیوں ہنستے ہو الّو کے پٹھو۔"

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر ادھر اُدھر ہو گئے۔

کچھ دیر بعد وہ موٹر سائیکل پر اُسی مقام کے لئے روانہ ہو گیا۔ جہاں فریدی نے طلب کیا تھا۔ اے کے پائینچے پھڑ پھڑا رہے تھے اور ٹرکش کیپ کا پھندا پشت پر لہراتا چلا جا رہا تھا۔

فریدی اُسے اُسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں نظر آیا جہاں پچھلی رات انہوں نے ڈاکٹر ڈریڈ کے لی کو داخل ہوتے دیکھا تھا لیکن فریدی تنہا نہیں تھا۔ کمپاؤنڈ میں کئی باوردی آدمی بھی موجود ے۔ حمید اپنی ہیئت پر بُری طرح جھینپا۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید فریدی تنہا ہو گا لیکن وہاں پولیس کا آئی جی بھی موجود تھا۔ اُن سب نے حمید کو حیرت سے دیکھا جو اُسے قریب سے جانتے تھے منہ پھیر کر کرانے لگے۔

مگر فریدی نے اس پر نہ تحیر کا اظہار کیا اور نہ غصے کا بلکہ اس انداز میں حمید سے گفتگو کرنے لگا ے حمید ہمیشہ سے اسی قسم کا لباس استعمال کرتا آیا ہو اور اُس کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہ ہ وہ اُس سے کسی لاش کے متعلق گفتگو کر رہا تھا اور حمید کا ذہن کہیں اور تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ا حرکت پر فریدی بہت سختی سے جواب طلب کرے گا۔

لیکن کچھ دیر بعد جب وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے عمارت میں لیجا رہا تھا اُس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ انہیں چاروں آدمیوں میں سے ایک کی لاش ہے۔"

"اوہ.... تو اُسے ڈاکٹر ڈریڈ ہی نے ختم کیا ہو گا۔" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اُس جگہ نہیں قتل کیا گیا جہاں اس وقت اُس کی لاش ملی ہے۔"

وہ ایک راہداری میں داخل ہوئے۔ لاش سامنے ہی پڑی ہوئی تھی۔

"یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں کہ اُسے یہاں نہیں قتل کیا گیا۔"

"اس کا لباس خون سے چپکتا ہوا ہے لیکن فرش پر خون کا ایک ہلکا سا دھبہ نظر آرہا ہے۔ ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں زیادہ مقدار میں خون بہا ہو۔"

"اور مقتول کے متعلق کیا بتایا گیا ہے؟"

"وہ سفارت خانے کے ایک اہلکار کا عزیز تھا اور ابھی حال میں باہر سے آیا تھا۔"

"اس کا پاسپورٹ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔"

"ہاں.... اور اُسے جعلی بھی نہیں کہا جاسکتا۔"

"جعلی کیسے ہو سکتا ہے جب کہ سفارت خانے ہی سے اُس کا تعلق ہے۔"

"یہ ضروری نہیں ہے۔"

"کیا آپ کا خیال ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ اب بھی یہیں موجود ہے۔"

"کیا میں نے پہلے کبھی یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ مجھے تو نہیں یاد پڑتا ہے کہ میں نے یہ کہا ہو کہ ڈاکٹر ڈریڈ اسی عمارت میں موجود ہے۔"

"پھر کیا یہ آدمی یہاں پچھلی رات جھک مارنے آیا تھا۔"

"یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی آدمی ہے جس کا تعاقب ہم نے پچھلی رات کیا تھا۔ کیا ہم اُس کی شکل دیکھ سکے تھے۔ البتہ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ انہیں چاروں میں سے ایک ہے۔"

"پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟"

"فی الحال کسی پر بھی نہیں.... تمہیں آخر نتیجے پر پہنچنے کی جلدی کیوں پڑ جاتی ہے۔"

"تاکہ جلد فیصلہ ہو اور اپنی گردن چھوٹے۔"

"جلد فیصلہ ہونے کا امکان نہیں ہے۔"

حمید صرف ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "لیکن آپ نے مجھے کیوں بلایا تھا۔"

"یہی دکھانے کیلئے۔ اگر میں پچھلی رات اس عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتا تو اِس لاش کا پتہ بھی نہ چلتا۔ یہ لوگ اسے اتنی دلیری سے یہاں ڈال کر پولیس کو اطلاع نہ دے سکتے۔"

"لیکن اس سے کیا فائدہ ہوا؟"

"یہ لوگ اچھی طرح روشنی میں آگئے ورنہ پہلے اس سفارت خانے میں یہ بھی سنا جاسکتا تھا کہ وہ اپنے کسی ملازم یا اُس کے اعزہ کی نجی زندگیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور ہو سکتا ہے کہ ہمیں اس پر یقین بھی آجاتا۔ لیکن....!"

فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا اور پھر بولا۔ "آؤ....!"

وہ عمارت سے پھر کمپاؤنڈ میں آگئے۔ حمید اُس سے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اس عمارت کی تلاشی لے سکیں؟"

"میں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں لیکن ڈاکٹر ڈریڈ یا اُس کا کوئی ساتھی یہاں نہیں دکھائی دیا البتہ اوپری منزل کے ایک کمرے کی دیواریں داغ دار ضرور ملی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ نشانات گولیوں ہی کے ہو سکتے ہیں۔"

"آہا تب تو....!"

"کچھ بھی نہیں حمید صاحب۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بناء پر اس عمارت کا رہنے والا گرفت میں آسکے۔ کیونکہ وہ خود بھی ریوالور رکھنے کا مجاز ہے اور اگر وہ ریوالور رکھتا ہے تو اُسے دنیا کا کوئی قانون عمارت کو چھلنی کر ڈالنے سے نہیں روک سکتا۔"

"تب پھر ہم اپنا وقت یہاں کیوں برباد کر رہے ہیں۔"

فریدی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔ حمید چپ چاپ کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ تقریباً سارے ہی آفیسر اُسے بُری طرح گھور رہے تھے۔

"اگر کہئے تو میں واپس جاؤں؟" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "وہ تو میں ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے جا ہی رہا تھا کہ آپ کا فون ملا۔ اور میں مشاعرے کی صدارت سے محروم ہو گیا۔"

"چونچ بند کرواپنی۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور پھر بڑی تیزی سے باہر نکل کر اپنی کار کی طرف چلا۔ حمید بھی جھپٹا لیکن اتنی دیر میں فریدی کی لنکن اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ حمید نے اُس تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔ کرتا بھی کیسے کیونکہ وہ خود موٹر سائیکل پر آیا تھا۔

فریدی کی کار آگے اور موٹر سائیکل اُس کے پیچھے فراٹے بھر رہی تھی ویسے یہ اور بات ہے کہ حمید اس کے رویے پر چراغ پا ہو گیا ہو۔ کار اور موٹر سائیکل سڑکوں پر دوڑتی رہیں۔ حمید نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ آخر یک بیک وہ کہاں کے لئے چل پڑا تھا۔ وہ موٹر

سائیکل پر تھا۔ ورنہ کم از کم اتنا تو معلوم ہی کر لیتا کہ اب کہاں رکنا پڑے گا۔

پچھلی رات فریدی نے جو کچھ بھی کیا تھا حمید اُس سے مطمئن نہیں تھا لیکن اُس کے باوجود بھی اُس کی موٹر سائیکل فریدی کی کار کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔

پھر وہی لڑکی

ایک بار حمید کی موٹر سائیکل کار کے برابر آگئی اور فریدی نے بلند آواز میں کہا۔ "تم دفع ہو جاؤ۔"

"بلایا کیوں تھا؟"

"اس لئے نہیں بلایا تھا کہ تم کسی محفل میں لکھنؤ کے بھانڈ کو شکست دینے کے ساز و سامان سمیت آؤ۔ یقین رکھو کہ آج کی اس حماقت کے لئے تمہیں کافی بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ تم نے ڈیوٹی کے اوقات میں ڈسپلن کو نظر انداز کیا ہے۔"

حمید نے اگلے ہی موڑ پر اپنی موٹر سائیکل گھما دی۔ اُس کے ذہن میں قاسم کا پیٹنٹ جملہ "میرے ٹھینگے سے" گونج رہا تھا اور اُس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اسی ہیئت میں آفس بھی جائے گا۔ آخر فریدی نے اُس کے لباس پر کیوں نکتہ چینی کی۔ اُسے ڈسپلن کے خلاف کیوں قرار دیا۔

وہ کسی بناسپتی اور مینڈک کا سا دماغ رکھنے والے لیڈر کی طرح قومی لباس کے مسئلے پر جھک مارنے لگا۔ ایک لمبی چوڑی تقریر تیار کی اور موٹر سائیکل فراٹے بھرتی رہی۔

آخر کار وہ دفتر پہنچ گیا اور اُسے جس نے بھی دیکھا ہنسی کے مارے دوہرا ہو گیا۔ لیکن کیا مجال کہ حمید کی سنجیدگی میں فرق آجاتا۔

وہ نہایت اطمینان سے سارا دن دفتر میں فائیلیں الٹتا پلٹتا رہا اور آفس بند ہونے کا وقت ہوتے ہی اٹھ گیا۔ لیڈی انسپکٹر ریکھا سے دن میں کئی بار ملاقات ہوئی تھی لیکن اُس نے اُس کے لباس کے متعلق اظہار خیال نہیں کیا تھا اور حمید کے اندازے سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے یہی لباس استعمال کرتا آیا ہو۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ آفس والوں نے آج تک اُسے پاجامے میں نہیں دیکھا تھا۔

شام کو جب وہ واپسی کے لئے موٹر سائیکل کی طرف جا رہا تھا ریکھا سے پھر مڈ بھیڑ ہو گئی اور

ں نے مسکرا کر کہا۔ "آج یہ نیا خبط کیسا؟"

"کیوں....؟" حمید پھاڑ کھانے والے انداز میں پلٹا۔

"اس لئے کہ ایک مولوی نے اپنا صندوق چوری ہو جانے کی رپورٹ درج کرائی ہے۔"

"تم میرے قومی لباس کا مذاق نہیں اڑا سکتیں۔" حمید کو سچ مچ غصہ آگیا۔

"کس قوم سے تعلق رکھتے ہو؟" ریکھا نے بڑے تلخ لہجے میں پوچھا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا قوم اور قومی چیزوں کا تذکرہ کرنے والے مسخروں میں سے تم بھی ہو۔"

"زبان کو لگام دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"تم اپنے قومی لباس میں بالکل ہدہد معلوم ہوتے ہو۔"

حمید نے جھلاہٹ میں موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔

"ارے.... ہاں.... قوم کے بیٹے.... تمہارے لئے ایک غیر قوم کی لڑکی کا پیغام ہے بری سنگلٹن....!"

"کیا....؟" حمید نے حیرت سے کہا اور مشین بند کر دی۔ میری سنگلٹن کے متعلق اُس کے فریدی کے علاوہ اور کسی کو علم نہیں تھا۔

"وہ آج نو بجے رات کو مئے پول میں ملے گی۔ تمہاری عدم موجودگی میں فون آیا تھا۔ میں بتانا بول گئی۔"

"شکریہ۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "اچھا.... چیریو....!"

وہ آفس سے گھر آگیا۔ فریدی موجود تھا۔ حمید سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا اور قومی لباس ے پیچھا چھڑانے کے بعد غسل خانے کی راہ لی۔ قومی بخار کی ابتداء تفریح سے ہوئی تھی لیکن دفتر ں تفریح اور بخار دونوں نے بیک وقت سرسام کی شکل اختیار کر لی تھی۔ جیسے جیسے لوگ ہنستے تھے رسام میں اضافہ ہوتا رہا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میری سنگلٹن کا تذکرہ آتے ہی وہ بالکل معمول پر گیا ہو۔ پھر نہ صرف اُس کا قومی لباس اُتر گیا بلکہ قوم پرستی کے سلسلے میں اُس نے دل ہی دل میں تقریریں تیار کی تھیں وہ بھی طاقِ نسیاں کی نذر ہو گئیں اور وہ سوچنے لگا۔ دنیا کے سارے آدمی ائی ہیں کوئی کالی مٹی سے بنا ہے اور کوئی سفید مٹی سے۔ زمین ایک ہی ہے اور اُس پر چھایا ہوا سمان بھی مختلف حصوں میں تقسیم نہیں ہے۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ میری سنگلٹن کی اصلیت کیا تھی۔ وہ یہ بھی بول گیا کہ خود ڈاکٹر ڈریڈ کے آدمیوں نے میری سنگلٹن کے متعلق بہت کچھ کہا تھا۔ یہ تو بہت

دور کی بات ہے۔ حمید خود ہی ایک بار اُس کی ذات سے ایک تلخ تجربے کا شکار ہو چکا تھا لہٰذا ایک صورت میں یہی کہنا چاہئے کہ اُس کے ستارے ہی گردش میں تھے۔

حمید آٹھ ہی بجے مے پول جا پہنچا۔ ضروری نہیں تھا کہ اُس وقت میری سنگلٹن بھی موجود ہی ملتی کیونکہ ریکھا کے بیان کے مطابق اُسے نو بجے کا وقت دیا تھا۔

یہ کہنا غلط ہوگا کہ حمید نے اس ملاقات کے بارے میں سرے سے کچھ سوچا ہی نہیں۔ اُس نے اس مسئلے پر کئی پہلوؤں سے غور کیا تھا لیکن چونکہ اُس نے پہلے ہی فرض کر لیا تھا کہ میری سنگلٹن معصوم ہے اس لئے وہ اس کے خلاف کچھ بھی نہ سوچ سکا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے کام ضرور کر رہی ہے لیکن نادانستگی میں۔ اُسے علم نہیں ہے کہ وہ کس کے لئے کام کر رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی حمید کی نظروں سے ایسی ہی صدہا مثالیں گذر چکی تھیں اس لئے وہ اپنے اسی خیال پر جما رہا۔

ٹھیک نو بجے اُسے میری سنگلٹن دکھائی دی۔ حمید نے اُسے اشارہ کیا اور وہ بڑے پُر اشتیاق انداز میں اُس کی طرف بڑھی۔ حمید اُس کی چال کو بڑے انہماک سے دیکھتا ہوا دل ہی دل میں قربان ہو رہا تھا۔ اُس لڑکی کے ہر انداز میں بڑی سیکس اپیل تھی۔

پہلے تو وہ اُسے دیکھ کر مسکرائی تھی لیکن قریب پہنچتے ہی کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آنے لگی۔

حمید نے بڑی پُر تپاک مسکراہٹ سے اُس کا استقبال کیا۔

"میں دراصل اقبالِ جرم کرنے آئی ہوں۔" اُس نے کپکپاتی ہوئی سی آواز میں کہا۔

"بھول جاؤ اُس واقعے کو۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن مجھے آپ کے اس رویہ پر حیرت ہے جناب۔"

"کیوں؟"

"ایک مجرم آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ تم دھوکے سے کسی کے جال میں پھنس گئی ہو۔"

"آپ کیا جانیں۔" میری نے حیرت سے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔"

"میں تو سمجھی تھی کہ اب گردن چھڑانا محال ہو جائے گا۔"

"تم نے ناحق کسی ایسے فضول خیال کو دل میں جگہ دی تھی۔ میں تو اُسی دن سمجھ گیا تھا۔"

"کس دن؟"

"جب تم نے میرے بازو میں سوئی چبھوئی تھی اور تم بُری طرح خوفزدہ تھیں۔"

"اور پھر جب میں نے اخبار میں آپ کا نام دیکھا تو میرا دم نکل گیا اور وہیں سے مجھے شبہ گیا کہ دھوکا دیا جا رہا ہے۔"

"کیوں تمہیں دھوکا کس طرح دیا گیا؟"

"میں دراصل ایک مذہبی خیال کی لڑکی ہوں۔ کٹر رومن کیتھولک پروٹسٹنٹ لوگوں کو دیکھ میرے جسم میں آگ لگ جاتی ہے۔ لیکن کچھ دن پہلے کی بات ہے میری ملاقات اپنے ہی فرقے کے ایک پادری سے ہوئی۔ ہم اکثر ملتے رہے اُس نے مجھے بتایا کہ پروٹسٹنٹ لوگوں کا ایک گروہ ہمارے فرقے کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ میں نے اس کیلئے کام کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ اُس رات ہمارے فرقے کا ایک آدمی میرے ساتھ تھا اور اُس نے خوفزدہ ہو کر بتایا تھا کہ یہاں مخالف فرقے کے کچھ خطرناک آدمی موجود ہیں اور غالباً ہماری ہی تاک میں یہاں بیٹھے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بات بڑھے اور جھگڑا ہو جائے۔ پھر اُس نے مجھے ایک سوئی دی اور کہا کہ اگر ایسا کوئی واقعہ آئے تو میں اُسے حملہ آور کے جسم میں کسی جگہ چبھو دوں۔ پھر آپ میری میز پر آ گئے اور میں یہی سمجھی کہ آپ بھی ہمارے دشمنوں ہی میں سے ہیں۔ یہ ہے پوری داستان۔"

"لیکن تمہیں شبہ کیوں ہوا اُن لوگوں پر۔ کیا انہوں نے خصوصیت سے میری ہی طرف اشارہ کیا تھا؟"

"نہیں.... آپ کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا۔"

"پھر شبہ کیوں اور کیسے ہوا؟"

"مجھے شرم آتی ہے بتاتے ہوئے۔ بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ بدمعاشوں کا کوئی گروہ ہے جو بھولی بھالی لڑکیوں کو اپنے جال میں پھانستا رہتا ہے۔"

"نہیں مجھے اس کے متعلق ضرور بتاؤ۔ تم جانتی ہی ہو کہ میرا تعلق کس محکمے سے ہے۔"

"وہ دیکھئے طارق روڈ پر ایک عمارت ہے تنویر بلڈنگ۔ اُس کی تیسری منزل پر ایک فرشتہ صورت آدمی رہتا ہے۔ اُس کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ وہ ہمارے ہی فرقے کا ایک بہت بڑا عالم ہے لیکن مخالف گروہ کے کسی بدبخت نے اُس کی زندگی برباد کر دی ہے۔ اُس پر کوئی ایسا زہر آزمایا گیا تھا جس نے اُسے ذہنی اعتبار سے مجہول کر دیا اور وہ فاتر العقلوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اُس کی دیکھ بھال کر سکوں تو یہ ایک کارِ ثواب ہوگا۔ میں نے منظور کر لیا۔ مگر آپ سے کیا بتاؤں۔ شرم کی وجہ سے میری زبان نہیں کھلتی۔"

"نہیں مجھے ضرور بتاؤ۔"

"اُس نے ایک دن مجھ پر حملہ کیا۔ میں اپنی پوری قوت سے اُس کے مقابلے میں تیار ہوگئی اور اُس نے ہنس کر کہا کہ روزانہ کتنی ہی لڑکیاں اسی بہانے سے اُس کے لئے لائی جاتی رہی ہیں۔ میں یہ سن کر سناٹے میں آگئی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس وحشی سے خود کو بچانے میں کامیابی نصیب ہوئی۔ دو دن تک اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد آج آپ سے ملی ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ میں انہیں ٹھیک کردونگا۔ کیا تم اُس مقام سے واقف ہو جہاں اُن کا قیام ہے؟"

"ہاں میں جانتی ہوں۔"

"مجھے بتاؤ۔ میں اسی وقت اُن کا قلع قمع کردوں گا۔"

"وہ ایک بڑی گندی سی بستی میں رہتے ہیں ارجن پورے میں۔"

"ارجن پورے میں؟" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں.... اُن کا کہنا ہے کہ وہ وہاں رہ کر غریب آدمیوں میں تبلیغ کرتے ہیں۔"

"پتہ بتاؤ؟"

"زبانی بتانا بڑا مشکل ہے۔ پیچ در پیچ گلیاں ہیں۔ لیکن میں آپ کو وہ مکان دکھا ضرور سکتی ہوں جہاں وہ رہتے ہیں۔"

"میں اسی وقت دیکھوں گا۔"

"میں ضرور چلوں گی آپکے ساتھ۔ اُن کے خلاف میرے سینے میں آگ بھری ہوئی ہے۔"

دفعتاً حمید کی نظر قاسم پر پڑی جو اُسی کی طرف آرہا تھا۔ اُس کا دم نکل گیا قبل اس کے کہ وہ میری سے اٹھنے کے لئے کہتا قاسم سر پر سوار تھا۔

"سامالیکم حمید بھائی۔" اس نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا اور میری کچھ نروس سی نظر آنے لگی۔ حمید کا بھی یہی حال ہوا تھا۔

"ارے حمید بھائی...ہی ہی... کتنا ڈھونڈا کہاں کہاں ڈھونڈا مگر تم ہو کہ تمہارا کہیں پتہ ہی نہیں۔"

"میں اس وقت اچھے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے آہستہ سے اردو میں کہا۔

"اردو نہیں سمجھتی کیا؟"

"نہیں تم اس وقت چلے جاؤ۔"

"اس کی بڑی بہن نہیں آئی کیا....؟"

"قاسم بکواس نہ کرو۔ چپ چاپ اٹھ جاؤ۔"

"میں تو نہیں اٹھوں گا.... ہی ہی.... دیکھتا ہوں تم کیا کرتے ہو.... ہی ہی۔"

قاسم آج بڑا بے جھجک ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ ورنہ وہ تو عورتوں کی موجودگی میں بعض اوقات ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔

"میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گا۔" حمید نے کہا۔

"تم مجھے پاگل کتوں کے حوالے کردو لیکن میں آج اس کی بڑی بہن سے ضرور ملوں گا۔ ملوادو نا....!"

"ارے تم غلط سمجھے۔ یہ اُس دن والی لڑکی نہیں ہے۔" دفعتاً حمید کا موڈ بدل گیا۔

"امے جاؤ۔ کسی اور کو اُلو بنانا۔"

"یقین کرو پیارے۔"

"کیوں یقین کروں۔ کیا میں اندھا ہوں۔"

"آؤ چلیں۔" حمید جھلا کر میری کی طرف مڑا۔

"یہ کون صاحب ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ارے یہ یونہی ہیں تم چلو۔"

"ابے تم خود ہی ہوگے یونہی۔ بلکہ جونہی.... تونہی وغیرہ۔" قاسم بگڑ گیا۔

"کیوں جناب! کیا بات ہے۔ آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں؟" میری نے قاسم کو مخاطب کیا۔

"خفا ہونے کی بات نہیں۔ یہ ایک چار سو بیس آدمی ہے۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اُس کے ساتھ کہیں نہ جایئے ورنہ یہ آپ کو کنوئیں میں دھکیل دے گا۔"

میری اُس کے لب و لہجے پر بے اختیار ہنسنے لگی۔ قاسم کا کلیجہ گز بھر کا ہوگیا اور حمید کی جان نکل گئی۔

"اٹھو جلدی کرو۔" اُس نے کہا۔

"نہیں یہ بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" میری بولی۔

قاسم کی باچھیں جو کھلنے سے باقی رہ گئی تھیں وہ بھی کھل گئیں اور اُس نے حمید سے کہا۔ "نہیں یہ تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جائیں گی۔ اگر تم زبردستی کرو گے تو خون خرابہ ہو جائے گا۔ بڑے آئے کہیں کے اجی واہ۔"

"قاسم گن گن کر بدلے لوں گا۔" حمید نے اردو میں کہا۔ اُسے حیرت تھی کہ آج قاسم کی کایا پلٹ کیسی ہوگئی۔

"میرے ٹھینگے سے۔ میں تم سے کمزور نہیں ہوں۔ کیا صرف تم ہی مزہ کرنا جانتے ہو۔"

میری نے اپنے بیگ سے چاکلیٹ کا پیکٹ نکالا اور قاسم اُس پر نظر جمائے ہوئے منہ چلانے لگا۔ اب حمید کو میری پر بھی غصہ آچلا تھا۔ آخر وہ اٹھتی کیوں نہیں۔ پھر قاسم کی طرف اُس نے دیکھا جو للچائی ہوئی نظروں سے چاکلیٹ کے پیکٹ کو گھور رہا تھا۔

میری نے پیکٹ پھاڑ کر چاکلیٹ نکالے اور کچھ حمید کی طرف بڑھا دیئے کچھ قاسم کی طرف۔ قاسم نے کچھ اس انداز میں جھپٹا مارا جیسے شبہ رہا ہو کہ کہیں حمید انہیں بھی نہ اُچک لے جائے۔ اُس نے بھاڑ سا منہ کھول کر سارے ٹکڑے ایک ساتھ رکھ لئے اور حمید اُسے غصیلی نظروں سے گھورتا رہا۔

"پھر انہیں بھی لے چلئے کیا حرج ہے۔" میری نے مسکرا کر کہا۔ "یہ آپ کے کوئی بے تکلف دوست معلوم ہوتے ہیں۔"

حمید چاکلیٹ کے ٹکڑوں کو ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔ اُس نے جھلا کر کہا۔ "نہیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"آپ کنوئیں میں گرنے جارہی ہیں سمجھیں۔" قاسم انگلی اٹھا کر بولا اور پھر چونک کر اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے نیند کے خلاف جدوجہد کر رہا ہو۔ دفعتاً لڑکی کھڑی ہو کر بولی۔

"چلئے۔"

مگر قاسم خاموشی سے بیٹھا رہا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُس پر سچ مچ شدید ترین نیند کا حملہ ہوا ہو۔

حمید نے محسوس کیا کہ لڑکی کچھ بوکھلا سی گئی ہے۔ اُس کا ماتھا ٹھنکا اور وہ کنکھیوں سے قاسم کو دیکھتا ہوا کلوک روم کی طرف بڑھا۔ کلوک روم کی تین بڑی کھڑکیاں ڈائیننگ ہال کی طرف کھلتی تھیں۔ حمید نے ہینگر پر سے اپنا السٹرا اُتارتے ہوئے دیکھا کہ قاسم کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا بے خبر سو رہا ہے۔

حمید کے ہاتھ میں اب بھی چاکلیٹ کے ٹکڑے دبے ہوئے تھے۔ وہ اُس نے جیب میں ڈال لئے پھر وہ دروازے کی طرف مڑا اور مسکرا کر بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ اُس احمق سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔"

"جج.... جی ہاں۔" میری چونک پڑی۔ "جی ہاں.... میں نے اتنا لمبا اور اتنا موٹا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"ہاں.... وہ ہر معاملے میں غیر معمولی ہے۔ آیئے۔"

ڈاکٹر ڈریڈ انتہائی غصے کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ لیکن اب وہ اُس عمارت میں نہیں تھا جہاں نے پچھلی رات گذاری تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں چاروں طرف لوہے کی الماریاں دیواروں سے لگی رکھی ں۔ یہاں اُن الماریوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

اُس نے ایک الماری کھولی۔ اُس کے اندر فون رکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے کسی کے نمبر ڈائیل کیئے اؤتھ پیس میں چنگھاڑنے لگا۔ "کون ہے.... اوہ.... کیا کر رہے ہو تم لوگ.... کریگ کو بھیجو۔"

اُس نے ریسیور رکھ کر پھر الماری بند کردی اور پہلے ہی کے سے انداز میں ٹہلنے لگا۔

کچھ دیر بعد دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا

"کیا خبر ہے؟" ڈاکٹر اُسے خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"سب ٹھیک ہے جناب میری سنگلٹن اُنہیں ضرور لائے گی۔ اس وقت تک کی رپورٹ ہے وہ دونوں مے پول سے باہر نکل آئے ہیں۔"

"لیکن فریدی کہاں ہے؟"

"وہ میرا خیال ہے کہ اُن دونوں کی نگرانی کر رہا ہوگا۔"

"ضروری نہیں ہے کہ وہ دھوکا کھا کر یہاں تک چلا ہی آئے۔ کریگ عقل استعمال کرنا سیکھو۔"

"مجھے یقین ہے جناب کہ کیپٹن حمید نے اُس سے اس دعوت نامے کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا۔ وہ بھی کیپٹن حمید کی طرح بے وقوف نہیں ہے۔ وہ یقیناً یہی سمجھے گا کہ ان لوگوں کے لئے کوئی ا بچھایا گیا ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں تک چلا ہی آئے۔"

"کچا کام....!" ڈاکٹر ڈریڈ نے بُرا سا منہ بنایا۔ "مگر تم کیا جانو کہ کس قسم کے آدمی سے بلہ ہے۔ کچھ بھی ہو مجھے دُودن کے اندر اندر فریدی اور فنچ کی لاشیں چاہئیں۔"

"ہم انتہائی کوشش کر رہے ہیں ڈاکٹر۔"

"اور یہ بھی غالباً کوشش ہی ہے۔" ڈاکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کہ تم نے اُس بے وقوف لی کو اس مہم پر روانہ کیا ہے۔"

"ہم تو آپ ہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔" کریگ کے لہجے میں بھی ڈاکٹر

ڈریڈ نے طنز کی تلخی محسوس کی اور اُسے حیرت سے گھورنے لگا۔

"میں نے غلط نہیں کہا ڈاکٹر۔" کریگ دلیری سے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ انصاف پسند ہیں۔ اس لئے آپ پر طنز کرنے کے بعد بھی زندہ رہوں گا۔"

"ہاں... میں انصاف پسند ہوں۔" ڈاکٹر ڈریڈ غصیلی آواز میں غرایا۔ "تم اپنا مطلب بیان کرو۔"

"کیا آپ سے غلطیاں نہیں ہوتیں؟"

"شاذ و نادر..... لیکن میں انہیں جلد ہی سنبھال لیتا ہوں۔"

"بہتیری ایسی بھی ہوں گی جنہیں آپ نہ سنبھال سکے ہوں گے۔"

"یہ بات جلد ہی ختم ہونی چاہئے۔ وضاحت کرو۔" ڈاکٹر غرایا۔

"جب میری سنگلٹن سے ایک غلطی ہو چکی تھی تو اُس غلطی کا اعادہ دوسری بار کیوں ہوا۔ میں زہریلی سوئی والے واقعے کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ آخر وہی سوئی بیگم ارشاد کے یہاں کرائم رپورٹر پر کیوں استعمال کی گئی جب کہ کرنل فریدی اس واقعہ کی پبلسٹی بھی کرا چکا تھا۔"

ڈاکٹر ڈریڈ کی غراہٹ قہقہے میں تبدیل ہو گئی اور وہ قہقہہ بھی طویل ہوتا چلا گیا لیکن کریگ بُری طرح کانپ رہا تھا۔

دفعتاً ڈاکٹر اس طرح خاموش ہو گیا جیسے کوئی مشین چلتے چلتے رک گئی ہو۔

پھر وہ دہاڑا۔ "تم مجھے احمق سمجھتے ہو۔ یہ غلطی نہیں حکمت عملی تھی۔ تم اُس عورت کو کیا سمجھتے ہو۔ ایسی عورتیں بہت کم میری نظروں سے گذری ہیں۔ وہ صرف قانون سے ڈرتی ہے اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ پولیس بھی اُس میں دلچسپی لینے لگے۔ اس طرح وہ بوکھلا جائے گی اور پھر..... پھر میں اُسے دیکھوں گا کہ اُس کے اعصاب فولاد کے ہیں یا پتھر کے۔ انور کے معاملے میں اُس کی تنبیہہ بھی محض فضول اور لغو تھی۔ وہ میرا کیا کر سکتا ہے۔ مقصد یہی تھا کہ اُسے چاروں طرف سے چھیڑا جائے اور وہ پریشان ہو کر میرے مطالبے پورے کرے۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو وہ آج بھی گھوڑے گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی گلیوں میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔"

"جج..... جی..... جی ہاں..... میں دیکھ رہا ہوں۔"

"دفع ہو جاؤ۔" ڈاکٹر ڈریڈ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

کریگ الٹے پاؤں چلتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ شاید اُسے خدشہ تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ کی طرف پشت ہوتے ہی موت آدبوچے گی۔

ڈاکٹر ڈریڈ پھر ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ چونک کر دروازے کی طرف مڑا۔ زرد پوش فرشتہ

پردے سے اندر جھانک رہا تھا۔ "ہی..... ہی..... ہی" وہ دانت نکالے ہنستا رہا پھر بولا۔ "کیا اندر آجاؤں؟"

"آجاؤ.....!" ڈریڈ اُسے گھورتا ہوا غرایا۔

"آج تین بجے چاند زمین پر اُتر آئے گا۔" زرد پوش فرشتے نے اندر آکر پیشین گوئی کی۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ "میرا چاند کہاں ہے۔ خدا کے لئے اُسے بلوا دو۔"

ڈاکٹر ڈریڈ مسکرایا اور بولا۔ "ایک نہیں دو چاند.....!"

"ہائے..... ہائے۔" زرد پوش فرشتہ اچھل اچھل کر اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ وہ اس وقت زرد لبادے اور ڈاڑھی میں بڑا عجیب لگ رہا تھا۔

ڈاکٹر ڈریڈ نے پھر فون والی الماری کھولی اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "کریگ..... ڈالی اور مونا کو یہاں بھیج دو۔ میں تفریح کے موڈ میں ہوں۔"

"ہائے..... ہائے..... ڈالی..... اور مونا۔" زرد پوش فرشتہ دانت پر دانت جمائے سسکاریاں لینے لگا۔

ڈاکٹر مسکراتا رہا۔ کچھ دیر بعد دو جوان اور سفید فام لڑکیاں اندر داخل ہوئیں۔ ایک نارنجی اسکرٹ میں تھی اور دوسری ہلکے نیلے اسکرٹ میں۔ ڈاکٹر ڈریڈ نے زرد فرشتے کی طرف اشارہ کیا جو خاموشی سے کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔

وہ دونوں اُس کے قریب پہنچ کر بولیں۔ "کیوں ڈارلنگ۔"

"ہی... ہی... ہی... تم دونوں... تم دونوں میری زندگی ہو۔ میری حیات ہو۔ آؤ... آؤ۔"

اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور ایک لڑکی بھی دونوں ہاتھ پھیلا کر جھپٹی لیکن قریب پہنچتے ہی زرد پوش فرشتے نے اُسے اپنی طرف کھینچنا چاہا اُس نے اُسکے گال پر تھپڑ رسید کر دیا۔

"ارے.....!" زرد پوش فرشتہ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ تم نے کیا کیا مونا.....!" دوسری لڑکی نے زرد پوش فرشتے کو پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم کمینی ہو۔"

پھر دوسری لڑکی اُس کا گال سہلانے لگی جس پر تھپڑ پڑا تھا۔

"تم خود کمینی ہو ڈالی۔ تمہیں کیا حق ہے کہ میرے محبوب کا گال سہلاؤ۔"

"جہنم میں جائے تمہارا محبوب۔" ڈالی نے بھی جھلا کر اُس کے گال پر تھپڑ جڑ دیا۔ زرد پوش پھر اچھل کر پیچھے ہٹا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گونگا ہو گیا ہو۔ مونا نے پھر اُسے پکڑ لیا تھا

لیکن اُس نے خود کو چھڑانے کی کوشش نہیں کی بلکہ حیرت سے ڈاکٹر ڈریڈ کی طرف دیکھتا رہا۔

"یہ چاند پسند آئے تمہیں۔" ڈاکٹر ڈریڈ نے مسکرا کر پوچھا۔

"اچھے تو ہیں۔" فرشتے نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "مگر مارتے کیوں ہیں؟"

اس بار مونا نے دو قدم پیچھے ہٹ کر اُس کی کمر پر لات رسید کر دی اور وہ منہ کے بل فرش پر جا گرا۔ پھر ڈالی نے اُسے اٹھنے نہیں دیا۔ اُس کی پشت پر سوار ہو کر دونوں ہاتھوں سے اُس کا سر سہلانے لگی تھی۔

دفعتاً الماری میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ ڈاکٹر ڈریڈ نے ریسیور اٹھا لیا۔ اِدھر دونوں چاند زرد پوش فرشتے کی کھوپڑی سے سورج طلوع کرتے رہے۔

"ہیلو.... کون.... کریگ.... کیا بات ہے؟"

"گڑبڑ ہو گئی ڈاکٹر۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیپٹن حمید ٹیکسی میں نہیں بیٹھا۔ وہ اُسے موٹر سائیکل پر لے گیا۔"

"اوہ....!" ڈریڈ غرایا اور شور مچاتی ہوئی لڑکیوں کی طرف مڑ کر دھاڑا۔ "اسے لے جاؤ یہاں سے۔" اور پھر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میں نے پہلے ہی تمہیں آگاہ کر دیا تھا تم سب گدھے ہو گئے ہو۔ کیا وہ اُسے گھر لے گیا ہے۔"

"ہاں... ڈاکٹر... پانچ اور گیارہ پوچھ رہے ہیں کیا ہم کرنل فریدی کی کوٹھی میں گھس جائیں۔"

"یقیناً... اگر وہ خونخوار کتوں کی غذا بننا پسند کریں۔"

"پھر کیا کیا جائے۔" کریگ بہت بوکھلایا ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔

"اب....!" ڈریڈ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "جو کچھ بھی ہو رہا ہے ہونے دو۔"

"وہ لڑکی....!"

"اُس سے میرا دل بھر گیا ہے۔ اس لئے اُس کے ضائع ہو جانے کا افسوس مجھے نہیں ہوگا مگر ٹھہرو۔ کیا وہ اس قیام گاہ سے واقف ہے؟"

"نہیں ڈاکٹر۔"

"بس ٹھیک ہے اُسے بھول جاؤ۔" ڈریڈ کا لہجہ بہت نرم تھا۔ "لیکن فنچ کے لئے جو تدبیر بتا ہوں اُسے غور سے سنو۔ وہ اسپرنگ کاٹج میں مقیم ہے۔ خیر.... سنو.... اس وقت تمہارے پا کتنے دیسی آدمی ہیں۔"

"فی الحال آٹھ ہیں۔"

"ٹھیک.... اُن میں سے دو کو گولڈن اسکور پین کے انجکشن دو۔ اُن کے پاس دو بھرے ے ریوالور بھی ہونے چاہئیں اور وہی پرانی تدبیر۔ انہیں اسپرنگ کاٹج کے سامنے اُتار دینا اور گ باہر چھپے رہنا۔ اُس واقعے کے بعد فنچ وہاں ہرگز نہیں رکے گا۔ جیسے ہی باہر نکلے.... جس ح مناسب سمجھو اُس کا خاتمہ کر دو۔ اگر میری یہ تدبیر تمہاری تساہلی کی بناء پر ناکام ہوئی تو.... ے ہو کہ نہیں.... میں ایک رات میں دو ناکامیاں نہیں برداشت کر سکوں گا۔"

"لیکن اگر وہ اسپرنگ کاٹج میں نہ ہوا تو؟"

"تب پھر کوئی بات نہیں۔"

"دو جانیں بیکار ضائع ہوں گی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بکواس بند۔" ڈریڈ غرایا۔ "اب تک ہزارہا جانیں میرے تجربات کی نذر ہو چکی ہیں۔"

نکل گیا

موٹر سائیکل فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور پیچھے بیٹھی ہوئی میری سنگلٹن گھبرا کر کہا۔ "تم مجھے کہاں لے آئے؟"

"میں نے کہا تمہیں اپنا گھر دکھا دوں۔" حمید نے کہا۔ موٹر سائیکل پورچ میں پہنچ کر رک تھی۔

"نہیں! میں یہاں نہیں ٹھہروں گی۔" وہ خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی گاڑی سے کود گئی۔

"تم قطعی نہ ٹھہرو۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "لیکن میں تمہیں پھاٹک تک چھوڑنے کیلئے جاؤں گا۔"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب یہ کہ اُدھر دیکھو۔" حمید نے دائیں جانب اشارہ کیا جہاں دس عدد خطرناک قسم بلڈ ہاؤنڈ کھڑے ہانپ رہے تھے۔ حمید نے پھر کہا۔ "تم میرے پاس سے ہٹیں اور یہ تمہارے ال کی داد دینا شروع کر دیں گے۔ خوبصورت لڑکیوں کا گوشت انہیں بے حد مرغوب ہے۔"

"ہائے میں کہیں کی بھی نہ رہی۔" لڑکی روہانسی ہو کر بولی۔ "تم نے بھی دھوکا دیا۔"

"نہیں ڈارلنگ میں تمہاری پوجا کروں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔" حمید اُس کا ہاتھ پکڑ کر

بر آمدے کی طرف کھینچنے لگا۔

"یہ کیا کرتے ہو۔ میں شور مچادوں گی۔"

"ضرور مچاؤ۔ کوئی یہاں قدم رکھنے کی بھی ہمت نہیں کرے گا۔ یہاں ہمارا راج ہے۔"

میری سنگلٹن بے بسی سے آگے بڑھ گئی۔ حمید اُسے اندر لیتا ہوا چلا گیا۔ فریدی اندرونی بر آمدے میں موجود تھا۔ اُس نے اُن دونوں کو حیرت سے دیکھا۔

"ہم دونوں چرچ سے سیدھے یہیں آرہے ہیں۔" حمید بڑے ادب سے بولا۔ "اب ہم دونوں کو آشیر واد دیجئے۔"

"کیا مطلب؟"

"پہلے میں نے کسی نکاح خواں ہی کو تلاش کیا تھا مگر جب کوئی نہیں ملا تو مجبوراً سول میرج کرلی۔"

"یہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں۔" میری گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "مجھے زبردستی پکڑ لائے ہیں۔"

"ہائیں.... تم یہ کیا کہہ رہی ہو ڈارلنگ میں سرٹیفکیٹ دکھا سکتا ہوں اور کوئی بھی عدالت اُسے صحیح تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرے گی۔"

حمید نے جیب سے وہی چاکلیٹ کے ٹکڑے نکال کر اُسے دکھائے جو اُسی نے دیئے تھے اور پھر بولا۔ "یہ ہے سرٹیفکیٹ اور تمہارا پہلا شوہر مئے پول ہوٹل میں بے ہوش پڑا ہے کیا سمجھیں۔ اب سکون سے بیٹھ جاؤ۔"

حمید نے اُسے ایک خالی کرسی میں دھکیل دیا۔

"کیا قصہ ہے؟" فریدی نے آہستہ سے پوچھا اور حمید نے قصہ وہیں سے شروع کردیا جہاں سے شروع ہوا تھا۔

یہ داستان حمید نے اردو میں چھیڑی تھی اور میری کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"اور تم مجھے بتائے بغیر چلے گئے تھے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔"

"نہیں تم نے بہت اچھا کیا تھا۔ ویسے اگر تم مجھ سے تذکرہ کرتے تب بھی یہی ہوتا۔ ڈریڈ نے اس بار بڑی گھٹیا قسم کی چال چلی تھی۔"

"کیا مطلب....؟ میں نہیں سمجھا۔"

"ظاہر ہے اس دعوت نامے پر میں تمہیں تنہا بھیجتا اور خود چھپ کر تمہاری نگرانی کرتا اور

ڈ کے آدمی میری نگرانی کرتے اور پھر کہیں نہ کہیں ہمارا پھنس جانا لازمی تھا۔ مگر ڈریڈ نے یہ سمجھ لیا کہ میں آنکھیں بند کر کے کنوئیں میں کود جاؤں گا۔"

پھر فریدی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جو خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ آخر اُس نے کہا۔ "میں تم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پوچھنا چاہتا کہ اُس رات تم کس سے خوفزدہ تھیں جب کیپٹن حمید زہریلی سوئی چبھوئی تھی۔"

"میں کیپٹن کو بتا چکی ہوں مخالف گروہ وہاں موجود تھا۔"

"مگر یہ خواب آور چاکلیٹ کیوں لئے پھر رہی ہو؟"

"اوہ.... تو یہ بات ہے۔" لڑکی ہنسنے لگی۔ "شاید میں نے غلطی سے خواب آور چاکلیٹ پیش ئے تھے۔ اسی لئے وہ موٹا آدمی ہمارے ساتھ نہیں آسکا۔ ورنہ وہ تو کیپٹن کو بھی دھمکیاں رہا تھا۔ بات یہ ہے جناب کہ مجھے بے خوابی کی شکایت ہے اور میں ایسے چاکلیٹ اپنے پاس تی ہوں جنہیں کھا کر سو سکوں۔"

"بس اسے تو مجھے ہی بخش دیجئے۔" حمید نے فریدی سے کہا لیکن فریدی دھیان دیئے بغیر رلی سے بولا۔ "میری بات کا صحیح جواب دو۔ اُس رات تم کس سے خوف زدہ تھیں۔"

"آپ لوگ پتہ نہیں کیا سمجھ رہے ہیں۔ میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔"

"میں اچھی کردوں گا۔" حمید بولا۔ "لیکن جب وہ کچھ نہ بولی تو اُس نے کہا۔ "ڈریڈ کے آدمی تمہاری نگرانی کرتے رہے ہوں گے۔ لیکن تم اس خیال میں نہ رہو کہ وہ یہاں اس عمارت میں م بھی رکھ سکیں گے۔ ڈریڈ دوبار میرے ہاتھوں سے شکست کھا چکا ہے۔ اگر یہ اُس کے بس ا ہوتا تو کسی صبح میری لاش بھی مسہری پر ملتی۔ لیکن وہ جانتا ہے کہ یہ نیو میکسیکو، ٹیکساس، اوکلا کنساس نہیں ہے۔"

لڑکی خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ اب اُس کے چہرے پر خوف کے آثار نظر نے لگے تھے۔

"اسے پھاٹک تک چھوڑ آؤ۔" دفعتاً فریدی حمید کی طرف مڑا۔

"کیوں....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں صرف ڈاکٹر ڈریڈ کو مردہ یا زندہ چاہتا ہوں اور اُس کے دو یا تین ساتھیوں کے علاوہ اور ئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔"

"یہ ضرور جانتی ہو گی۔"

"مجھے شبہ ہے۔"

"کیوں۔ تم ہمیں ڈاکٹر ڈریڈ کا پتہ بتاؤ۔ ممکن ہے تمہیں معاف کر دیا جائے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ لوگ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔"

"اسے باہر چھوڑ آؤ۔" فریدی گرج کر بولا۔ "میرا اور اپنا وقت برباد نہ کرو۔"

حمید اس تجویز پر پاگل ہو گیا تھا۔ مگر وہ چپ چاپ اٹھا اور میری سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اٹھو....!"

نہ جانے کیوں میری پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔

"اٹھتی کیوں نہیں چلو۔" حمید جھلا گیا۔

"نہیں.... میں نہیں جاؤں گی۔" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اب کیا میں اسے باہر لے جانے کے لئے اونٹ گاڑی کا انتظام کروں؟" حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس نے پھر کتاب اٹھالی تھی۔

"چلو.... خدا کے لئے اٹھو۔" حمید پھر اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ اس طرح جانے سے تو بہتر یہی ہے کہ میں یہیں خودکشی کرلوں۔"

"تو پھر وہ لوگ تو یہاں گھسنے کی ہمت نہیں کرسکیں گے۔ یہ بہت مشکل کام ہے کہ وہ اپنے کسی آدمی کو یہاں سے نکال لے جاسکیں۔" فریدی نے کتاب پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"وہ شخص جس کی معلومات اتنی وسیع ہوں۔" لڑکی بڑبڑائی۔ "اسے دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔"

حمید بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔

"لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جو کچھ میں پوچھوں اُس کا صحیح جواب دو۔" فریدی نے کہا لیکن اُس کی نظر اب بھی کتاب ہی پر تھی۔

"میں تیار ہوں۔" لڑکی نے بڑے خلوص سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلا کر مرغ کی بولی بولتا ہوا کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

"اُس رات تم کس سے خوفزدہ تھیں؟"

"فنچ اور اُس کے ساتھیوں سے۔"

"کیا وہ مئے پول میں موجود تھے؟"

"ہمارے شبہات کے مطابق وہ وہیں تھے۔"

"فنچ بھی تھا؟"

"ہاں.... وہ بھی تھا۔"

"مگر وہ تو اپنے قد کی بناء پر ہزاروں میں پہچانا جاسکتا ہے۔"

"پتہ نہیں وہ کس طرح اپنا قد لمبا کر لیتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں وہ کس طرح اپنے قد میں تبدیلی کرسکتا ہے۔"

"مجھے بھی بتائیے۔" حمید بول پڑا۔ "ورنہ میں اب گدھوں کی سی آوازیں نکالنا شروع کردوں گا۔"

"اُس کی عمر ہی سرکس کی ملازمت میں گذری ہے۔ کیا تم نے سرکس کے مسخروں کو بانسوں پر چلتے نہیں دیکھا۔ وہ اونچے بانس اپنے پیروں پر باندھ کر چلتے ہیں۔ نہ صرف چلتے ہیں بلکہ اکثر اتنی تیزی سے دوڑتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ فنچ اس فن کا ماہر ہے۔ اُس کے پاس لکڑی کے مصنوعی پیر ہیں انہیں کے ذریعہ وہ اپنا قد گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے۔"

"آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں ڈاکٹر کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اُس کی چال میں ذرہ برابر بھی بناوٹ نہیں محسوس ہوتی۔"

"وہ اس فن کا ماہر ہے۔" فریدی بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر اُس سے پوچھا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ اُن دونوں میں کیوں ٹھن گئی ہے۔"

"آپ کو اس کا بھی علم ہوگا۔"

"ہاں مجھے علم ہے اور آج ہی ہوا ہے۔ لیکن میں تصدیق چاہتا ہوں۔"

"فنچ نے ایک یتیم بچی کی پرورش کی تھی۔ اسے بھی اس نے سرکس کے لئے تربیت دی تھی اور اُسے اپنی ہی بیٹی سمجھتا تھا۔ ایک رات ڈریڈ کے آدمی نے اُسے سرکس سے اٹھالیا اور دوسری صبح اُس کی لاش سڑک پر پائی گئی۔"

"اور وہ صرف تیرہ سال کی تھی؟"

"ہاں یہ بھی صحیح ہے۔" لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے تھے۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ڈریڈ درندہ ہے میں اُس سے نفرت کرتی ہوں۔ لیکن اُس کے پھندے میں پھنسی ہوئی لڑکیاں کسی طرح بھی اُس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔"

"تم فنچ کے آدمیوں کی ٹوہ میں بھی تو رہی ہو؟"

"ہاں.... میں تھی۔ مگر مجھے اُس سے گہری ہمدردی ہے۔ میں مجبوراً اُس کے خلاف کام

کرتی رہی ہوں۔ آج ہی میں نے ڈاکٹر ڈریڈ کو اطلاع دی ہے کہ فنچ اسپرنگ کاٹیج میں ہے۔"

"کہاں؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"اسپرنگ کاٹیج میں۔ اگر ڈریڈ کا ایک آدمی میرے ساتھ نہ ہوتا تو میں ہرگز اُسے اُس کی اطلاع نہ دیتی۔"

"اس وقت تمہارا کیا پروگرام تھا؟"

"یہی کہ کیپٹن حمید کو ارجن پورے کے ایک مکان میں لے جاؤں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی۔ میرے بیگ میں دو طرح کے چاکلیٹ تھے۔ میں نے غلطی سے وہ پیکٹ نکال لیا جو بعد کے استعمال کے لئے تھا۔ اسکیم یہ تھی کہ میں کیپٹن کو ساتھ لے کر باہر آؤں گی اور وہاں ایک ٹیکسی پہلے سے موجود ہوگی۔ جسے ہمارا ہی ایک آدمی ڈرائیو کرتا ہوگا۔ پھر ٹیکسی میں بیٹھ جانے کے بعد میں کیپٹن کو خواب آور چاکلیٹ پیش کرتی لیکن کھیل بگڑ گیا۔ کیپٹن کسی طرح بھی اپنی موٹر سائیکل وہاں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ موٹر سائیکل ہی سے ارجن پورہ چلیں گے۔"

"تم نے فنچ کے متعلق کس وقت اطلاع دی تھی اور اطلاع دینے کا طریقہ کیا تھا؟"

"اس کے لئے میں نے ٹرانسمیٹر استعمال کیا تھا کیونکہ ڈریڈ نے پچھلی رات اپنی قیام گاہ تبدیل کردی تھی۔"

"پچھلی رات وہ کہاں تھا؟"

"لڑکی نے اُسی عمارت کا پتہ بتایا جہاں سے آج ایک لاش برآمد ہوئی تھی۔"

"موجودہ قیام گاہ کہاں ہے۔"

"اگر یہ معلوم ہوتا تو میں ٹرانسمیٹر کیوں استعمال کرتی۔"

"اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"یہاں سے چلے جانے کے علاوہ اور جو کچھ بھی ہوسکے۔"

فریدی نے حمید سے کہا۔ "اسے تیسری منزل کے کسی کمرے میں پہنچادو۔"

حمید اُسے ساتھ لے کر چلا گیا اور تقریباً بیس منٹ بعد پھر واپس آگیا۔

"میں دس منٹ بعد مر جاؤں گا۔" وہ کلائی کی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

"کیوں....؟"

"ہارٹ فیل ہوجائے گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "آپ یہ تو بتانے سے رہے کہ باہر

ہوادینے کی دھمکی اتنی کارگر کیوں ہوئی تھی۔"

"بہت معمولی سی بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "امریکہ کی مختلف ریاستوں کی پولیس نے ڈریڈ کو اُسی کے آدمیوں کے ذریعہ پکڑنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا اُس کا جو ساتھی بھی پولیس کے ہاتھوں میں پڑنے کے باوجود بھی کبھی آزاد دیکھا گیا مردہ ہی دیکھا گیا۔ ڈریڈ کا یہ اصول ہے کہ کسی ایسے ساتھی کا وجود برداشت نہیں کرسکتا جسے پولیس سزا دیئے بغیر چھوڑ دے۔"

"پھر اب ہم اس لڑکی کا حلوہ بنائیں گے یا اچار ڈالیں گے؟"

"اُٹھو.... ذرا اسپرنگ کاٹیج تک ہو آئیں۔"

"اور اگر وہ بھاگ گئی تو....؟"

"واپسی پر تم اس کا حشر دیکھ ہی لو گے۔"

اسپرنگ کاٹیج کے چھوٹے سے پھاٹک میں دو آدمی داخل ہوئے۔ سارا پائیں باغ دن کی طرح روشن تھا۔ برآمدے میں کھڑے ہوئے آدمی نے اُن دونوں کو کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے دیکھا اور تیزی سے اُن کی طرف بڑھا لیکن وہ برآمدے کی طرف جانے والی روش کی بجائے بائیں جانب مڑ کر چہار دیواری سے لگ گئے تھے۔ انہیں ایسا کرتے دیکھ کر اُس آدمی نے جیب سے ریوالور نکال لیا اور جھک کر چلنے لگا۔ چہار دیواری سے تقریباً تین چار فٹ ہٹ کر ڈوڈونیا کی باڑھ کا سلسلہ تھا۔ یہ وہ باڑھ کے پیچھے آچھپا۔ اُس کی نظر اُن دونوں پر تھی جو دیوار کے قریب جھکے کھڑے تھے۔

اُن میں سے ایک آدمی ٹارچ کی روشنی میں دیوار پر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے دوسرے سے کہا۔ "راستہ مل گیا۔"

"کہاں؟" دوسرے نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"یہ رہا....!" اُس نے انگلی سے دیوار کے ایک سوراخ کی طرف اشارہ کیا۔

"آہا.... تو چلو....!"

"نہیں پہلے تم....!"

"واہ بھئی.... پہلے تم....!"

"بیکار بحث کرکے وقت برباد نہ کرو.... چلو....!"

"میں تو پہلے ہرگز نہیں جاؤں گا جس نے راستہ دریافت کیا ہے پہلے وہی قدم رکھے۔"

باڑھ کے پیچھے چھپا ہوا آدمی حیرت سے انہیں دیکھتا رہا۔

"تم چاہتے ہو کہ میں دوسرا طریقہ اختیار کروں۔"

"کیا طریقہ اختیار کرو گے۔ میں بھی تو دیکھوں۔" دوسرے کو شاید غصہ آ گیا تھا چھپے ہوئے آدمی نے حیرت سے دیکھا کہ اُن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے اور دونوں کی نالیں ایک دوسرے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"تمہاری یہ جرأت۔" ایک بولا۔

"ہاں! کیا میں تم سے کمزور ہوں۔" دوسرے نے کہا اور بیک وقت دونوں کے ریوالوروں سے شعلے نکلے۔ باڑھ کے پیچھے چھپا ہوا آدمی اچھل کر عمارت کی طرف بھاگا۔ وہ درانہ اندر گھستا چلا گیا اور پھر اگر سنبھل نہ گیا ہوتا تو اُس چھوٹے سے آدمی سے ٹکرا جانا لازمی تھا جو خود بھی تقریباً دوڑتا ہوا صدر دروازے کی طرف آ رہا تھا۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا جناب۔" وہ آدمی گھبرا کر پیچھے ہٹا۔

"کیا بات ہے؟" چھوٹے آدمی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

اُس نے ہانپتے ہوئے جلدی جلدی پورا واقعہ دہرا دیا۔

"خطرہ....!" چھوٹا آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "دیکھو! باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔ دروازے بند کر دو۔ ہو سکتا ہے یہ جال پولیس ہی نے بچھایا ہو۔"

"مگر جناب! انہوں نے ایک دوسرے پر گولیاں چلائی تھیں اور ڈھیر ہو گئے تھے۔"

"تم نے انہیں صرف گرتے دیکھا ہو گا۔ ضروری نہیں کہ ریوالور اصلی ہی رہے ہوں چلو... خاموشی سے بیٹھو۔ میں جا رہا ہوں۔ پولیس تم لوگوں کے خلاف کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکتی۔"

ننھا آدمی کھڑکی سے دوسری طرف صحن میں کود گیا۔ کمپاؤنڈ سے پھر فائر کی آواز آئی اور وہ آدمی جہاں تھا چپ چاپ وہیں کھڑا رہا۔ پھر وہ صدر دروازے کی طرف دوڑا اور اُسے بند کرنے کے بعد کھڑکیاں بھی بند کرنے لگا۔ دو تین فائر اور کچھ چیخیں پھر سنائی دیں۔

عمارت میں اس کے علاوہ چار آدمی اور بھی تھے اور یہ بھی غیر ملکی ہی تھے۔

"کیا قصہ ہے؟" ایک نے اُس سے پوچھا۔

وہ اُسے بتانے لگا۔ دو فائر پھر ہوئے اور اُس نے اُس کے متعلق ننھے آدمی کی رائے ظاہر کی۔

"مگر پولیس کیوں؟" دوسرا آدمی بولا۔ "آخر اسے اس قسم کا ڈرامہ کھیلنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ وہ لازمی طور پر ڈریڈ ہی کے آدمی ہوں گے۔"

ایک گولی آ کر کھڑکی کے شیشے سے لگی اور وہ چکنا چور ہو گیا۔

"سنو!" وہ آدمی دوسرے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "وہ لوگ شہری علاقے میں دیر تک گولیاں نہیں چلا سکتے۔ یہ پولیس ہی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں ہمارے پاس جو اسلحہ ہیں اُن سے تو پیچھا چھڑانا ہی چاہئے۔"

وہ سب ایک بڑے کمرے میں آئے۔ اپنے ریوالور نکال کر میز پر رکھے اور ایک آدمی انہیں سمیٹ کر رومال میں باندھنے لگا۔ فائروں کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں اور پھر ساتھ ہی کسی نے صدر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔

"جلدی کرو۔" ایک آدمی بولا اور ریوالوروں کا رومال اٹھاتا ہوا صحن کی طرف بڑھا۔ دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔

اُس آدمی نے صحن میں کھڑے ہو کر ریوالوروں کو دوسری طرف پھینک دیا۔ اس سے پہلے اُس نے عقبی دروازے سے جھانک کر اطمینان کر لیا تھا۔ دوسری طرف سناٹا تھا۔ اس عمارت کی پشت پر آبادی نہیں تھی بلکہ دور تک کھیتوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ شاید اسی بناء پر اس عمارت کا نام اسپرنگ کاٹج تھا۔

وہ پھر اُسی کمرے میں واپس آ گیا۔ صدر دروازہ اب بھی پیٹا جا رہا تھا۔

"لیکن دوست....!" ایک آدمی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر وہ پولیس نہ ہوئی تو ہم کیا کریں گے؟ ریوالور بھی تم نے پھینکوا دیئے۔"

"دروازہ کھولو!" باہر سے ایک گرج دار آواز آئی۔ "ورنہ دروازہ توڑ دیا جائے گا۔"

وہ پانچوں بہت احتیاط سے صدر دروازے کی طرف بڑھے اور ایک نے بھاری آواز میں کہا۔ "کون ہے؟"

"پولیس!.... دروازہ کھولو۔" باہر سے آواز آئی۔

"ہم کیسے یقین کر لیں جبکہ باہر ڈاکو موجود ہیں۔ انہوں نے ہمیں لوٹنے کی کوشش کی تھی۔"

"تم دوسری طرف سے بھی نہیں نکل سکو گے۔" باہر سے آواز آئی۔ "مکان کا محاصرہ کیا جا چکا ہے۔"

"بڑی مصیبت ہے۔" وہ آدمی بلند آواز میں بڑبڑایا۔ "اس دیس میں آ کر جان سلامت لے جانا مشکل ہے۔"

"ہم دروازہ توڑ رہے ہیں۔" باہر سے آواز آئی اور ساتھ ہی دروازہ اس طرح ہلایا جانے لگا

جیسے سچ مچ توڑ ڈالا جائے گا۔

"ٹھہرو! ہم کھولتے ہیں۔" ایک آدمی کہہ کر آگے بڑھا۔

"نہیں ٹھہر جاؤ۔" دوسرا بولا۔ "انہیں دروازہ توڑنے دو۔ اگر یہ وہی ڈاکو ہوئے تو کیا ہوگا؟ جنہوں نے ہمیں خوفزدہ کرنے کے لئے فائر کئے تھے۔"

"یہاں دو لاشیں بھی ہیں جن کے لئے تمہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔" باہر سے آواز آئی۔

"ہمیں کسی لاش کا علم نہیں۔ وہ ہمارے آدمیوں میں سے بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم سب اندر موجود ہیں۔"

دروازے پر ضربیں لگائی جا رہی تھیں۔ یہ پانچوں خاموش کھڑے رہے۔ جس آدمی نے دروازہ کھولنا چاہا تھا بہت زیادہ نروس نظر آرہا تھا۔ آخر کار دروازہ ٹوٹ ہی گیا اور وہ پانچوں اچھل کر بھاگے۔

"خبردار.... ٹھہرو.... ورنہ ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔" کرنل فریدی نے کہا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ رک گئے۔

"اپنے ہاتھ اٹھالو۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور انہوں نے خاموشی سے تعمیل کی۔ اُس کے ساتھ کیپٹن حمید کے علاوہ تین آدمی اور بھی تھے۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" اُس نے اُن سے کہا اور اندر گھستا چلا گیا۔

"آخر ہم لٹ ہی گئے۔" ایک آدمی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا اور آہستہ سے پوچھا۔ "فنچ کہاں ہے دوستو؟"

"کیسا فنچ؟" اُس نے حیرت سے کہا۔ "ہم کسی فنچ کو نہیں جانتے۔"

"اچھی بات ہے۔ چپ چاپ کھڑے رہو۔" حمید بولا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "ان کی جامہ تلاشی لو۔"

"ہم نہیں سمجھ سکتے جناب کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔" ایک آدمی بولا۔ "ہم پر ہی ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ ہمیں ہی پولیس پریشان کر رہی ہے۔"

"چپ چاپ کھڑے رہو۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

کچھ دیر بعد فریدی واپس آگیا۔

"فنچ نکل گیا۔" اُس نے پانچوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "تم شریف آدمیوں

کو ہاتھ لگانا بھی مشکل ہوگا۔ کیوں! کیا خیال ہے؟"

"ہم بالکل نہیں سمجھے جناب۔"

"باہر دو لاشیں ہیں۔"

"میں اُنکے متعلق آپکو کچھ بتا سکوں گا مگر شاید آپ کو یقین نہ آئے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"یہ میں بعد کو سوچوں گا کہ یقین آنا چاہئے یا نہ آنا چاہئے۔"

اُس نے جو کچھ بھی دیکھا تھا بتایا اور کیپٹن حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ مگر فریدی کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آیا۔

"کیا فنچ اُس وقت یہاں موجود تھا؟" فریدی نے سوال کیا اور وہ آدمی جو حمید کے قہقہے پر نروس ہو گیا تھا رو میں کہہ گیا۔ "جی ہاں۔"

لیکن پھر سنبھلنے میں بھی دیر نہیں لگائی اور جلدی سے بولا۔ "کیا پوچھا تھا آپ نے؟"

"کچھ نہیں۔ اب صرف تم یہ بتا دو کہ فنچ یہاں سے کہاں گیا ہوگا؟"

"جناب والا۔ میں آپ سے استدعا کروں گا کہ اس نام کے متعلق ہمیں کچھ اور بھی بتائیے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آپ کس کے متعلق پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔"

"ان چاروں کو حراست میں لے لو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "ان کے پاس یقینی طور پر پاسپورٹ ہوں گے۔ لیکن چونکہ کمپاؤنڈ میں دو لاشیں پڑی ہوئی ہیں اس لئے ہم انہیں اُس وقت تک حراست میں رکھ سکتے ہیں جب تک کہ ان لاشوں کے متعلق تفتیش جاری رہے گی۔"

"یہ سراسر ظلم ہوگا جناب۔"

"کیوں؟ کیا تمہارے ملک میں مشتبہ آدمی بخش دیئے جاتے ہیں۔" فریدی نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔ "تم ابھی اور اسی وقت اپنے ہاتھوں سے اس مکان کو مقفل کر کے چپ چاپ پولیس کی گاڑی میں بیٹھ جاؤ گے۔ یہاں دو قتل ہوئے ہیں اور تم نے اختلاف بیانیوں سے کام لیا ہے۔"

"ہم نے اختلاف بیانی سے کام نہیں لیا۔"

"پہلے تم کہہ رہے تھے کہ یہاں ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا اور اس کے بعد ایک ناقابل یقین داستان دہرا دی۔"

"آپ یقین کیجئے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جیسے ہی وہ گرے میں اندر بھاگ آیا۔ پھر متعدد فائروں کی آوازیں آئیں اور ہم نے دروازہ بند کر لیا۔"

فریدی چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "کچھ بھی ہو میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

تھوڑی ہی دیر بعد وہ عمارت کو مقفل کرانے کے بعد انہیں اپنے ساتھ لے جارہا تھا۔ اُس کا ایک آدمی وہیں رک گیا تھا کیونکہ دونوں لاشیں ابھی وہیں پڑی ہوئی تھیں۔

وہ انہیں قریبی تھانے بھجوا کر اسپرنگ کاٹیج میں واپس آگیا۔

"آخر اب ڈریڈ کے ساتھیوں پر کیوں اتنے مہربان ہیں؟" حمید نے پوچھا۔ "آپ اُس کے آدمیوں کو نظرانداز کردیتے ہیں لیکن فنچ کے آدمی آپ سے نہ چھوڑے گئے۔ حالانکہ اب مجھے بھی اس چمرخ سے ہمدردی ہوگئی ہے اور آپ بھی اس کیلئے ہمدردی ہی کا جذبہ رکھتے ہوں گے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے کہا۔ "میں ڈریڈ کے صرف اُن آدمیوں کو نظرانداز کرتا ہوں جن کے متعلق مجھے یقین ہوتا ہے کہ وہ اُسکے بارے میں کچھ نہ جانتے ہونگے۔"

"اور اس وقت تو وہ صاف نکل گئے۔"

"ہاں.... آں....!"

"بس دھوکا کھا گیا۔ اندر سے دو فائروں کی آوازیں آئیں اور میں سمجھا شاید کھیل شروع ہوگیا ہے۔ اگر کچھ دیر اور خاموش رہتا تو اُن میں سے ایک بھی نکل کر نہیں جاسکتا تھا۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ فنچ کے آدمی اُس کی قیام گاہ سے واقف ہیں؟"

"فنچ کچھ دیر پہلے یہیں تھا اور وہ پچھلی دیوار سے کود کر فرار ہوا تھا۔ دوسری طرف نرم زمین پر اُس کے پیروں کے نشانات دیکھنے کے بعد میں نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

"یہ دونوں کم بخت بہت دنوں سے دردسر بنے ہوئے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

لیکن اُس نے دوسرے ہی لمحے میں فریدی کو اچھلتے دیکھا۔ اُس نے ڈڈونیا کی باڑھ کی دوسری طرف چھلانگ لگائی تھی۔ حمید بھی بے اختیارانہ انداز میں اُسی طرف جھپٹا لیکن پھر اچانک اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین نے اُس کے پیر پکڑ لئے ہوں۔ کیونکہ اُس نے ایک ننھے سے آدمی کو اچھل کر دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔ اگر وہاں اندھیرا ہوتا تو وہ اُسے کوئی بندر ہی سمجھتا۔

نیلا بیگ

حمید کو اس کی توقع نہیں تھی کہ پھاٹک تک پہنچنے میں جو وقت صرف ہوگا اُس کے بعد انہیں فنچ کا سایہ بھی مل سکے لیکن شاید فنچ ہی اس معاملے میں چوک گیا تھا۔ کیونکہ پھاٹک سے نکلتے نکلتے

ہی کی نظر اُس پر پڑ گئی تھی۔ مگر ٹھیک اُسی وقت فنچ نے آبادی کے پیچھے والی جھاڑیوں میں انگ لگائی۔ یہ دونوں بھی اپنی پوری قوت سے دوڑ رہے تھے۔

جھاڑیوں میں گھسے تو فنچ کھائی کے اُس پار نظر آیا۔

"ٹھہر جاؤ۔" فریدی حمید کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

حمید رک گیا۔ لیکن اُسے فریدی کی اس حرکت پر تعجب ضرور ہوا۔ اور پھر جب نظر اٹھائی تو ا پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کیونکہ فنچ بھی رک گیا تھا۔ اوپر کھائی کے اُس پار تاروں کی ہاؤں میں وہ صاف نظر آرہا تھا۔

حمید نے جیب سے ریوالور نکالا لیکن فریدی اُسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "نہیں۔"

"میں اسے نکلنے جارہا تھا۔" حمید جھلا گیا۔ "آپ خواہ مخواہ پریشان ہوگئے۔"

"بہت دلیر ہے حمید صاحب۔ بہت دلیر۔ میں اسے چھپ کر مارنا پسند نہیں کروں گا۔"

"نہیں آپ اسے کاک ٹیل پارٹی دیجئے۔ میرے باوا کا کیا جاتا ہے۔"

"ارے آؤ نا۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں نے بہت دنوں سے دوڑ نہیں لگائی۔ ا موقع ملا ہے تو تم لوگ ڈھیلے پڑ رہے ہو۔"

"ذرا سنئے۔ وہ مچھر کی اولاد چیلنج کررہا ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ حمید اور زیادہ جھلا کر بولا۔ "اگر آپ محکمہ سراغرسانی میں نہ ہوتے تو آپ ے صرف کسی پاگل خانے ہی میں ملاقات ہوسکتی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور پھر خاموش ہوگیا۔

فنچ جہاں پہلے تھا وہیں اب بھی کھڑا تھا۔

"ہائیں یہ کیا؟" دفعتاً حمید کے منہ سے بے اختیارانہ طور پر نکلا۔ نہ جانے کدھر سے نکل کر ا چار آدمیوں نے فنچ پر حملہ کردیا تھا۔

"کیا یہ آپ کے آدمی ہیں؟" حمید نے فریدی کا بازو پکڑ کر کہا۔

"نہیں.... اوہ....!" فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا اور ریوالور نکال کر فائر کردیا۔ ایک لمحے کے لئے ایسا معلوم ہوا جیسے اُن کے ہاتھ رک گئے ہوں لیکن پھر وہ کھیتوں میں کود گئے۔ کھیت اب میں تھے لہٰذا اب وہ انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

دفعتاً انہوں نے یکے بعد دیگرے تین چیخیں سنیں اور فریدی کھائی میں اُتر گیا۔ حمید نے بھی اکا ساتھ دینا چاہا لیکن جھاڑیوں میں الجھ کر منہ کے بل نیچے چلا گیا۔ پھر جتنی دیر میں وہ اٹھتا

فریدی نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔ وہ اٹھ کر پھر دوڑا۔ اُسے چوٹیں سہلانے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ وہ اپنی دانست میں حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ کھائی کے دوسری طرف پہنچا۔

لیکن یہاں اُسے صرف فریدی نظر آیا۔

"پانچ ہوئے۔" اُس نے کہا۔

"کیا پانچ ہوئے؟" حمید نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"مرنے والے۔" فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔

پھر حمید کی نظر اُن تین آدمیوں پر پڑی جو زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

"کیا یہ مر گئے؟" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"ہاں....!"

"مگر.... آپ نے شاید ہوائی فائر کیا تھا؟"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

حمید جھک کر لاشوں کو دیکھنے لگا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "انہیں خنجر سے ہلاک کیا گیا ہے اور یہ اتنے مشاق ہاتھوں کا کرشمہ ہے کہ یہ شاید ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکے۔ تینوں زخم دل کے مقام پر ہیں۔"

"اور یہ ہیں کون؟"

"ڈریڈ کے آدمیوں کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔"

"اُف.... فوہ.... تو یہ فنچ تھا۔ لیکن ہر حال میں اس کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے۔ آپ نے اُسے نکل جانے دیا۔"

"میں نے نکل جانے دیا؟" فریدی نے حیرت سے دہرایا۔

"یقیناً.... نہ آپ دیر لگاتے.... اور نہ....!"

"اور نہ ہم دونوں بھی زندہ رہتے۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔ "ڈریڈ کے آدمی یہاں چھپے ہوئے تھے۔ کیا تم اندھیرے سے آئے ہوئے تیر کا رخ موڑ سکتے ہو۔ میں تو کم از کم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ دھوکے سے کئے گئے حملے سے بھی بچ جاؤں گا۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اس وقت محض دماغ ٹھنڈا رکھنے کا عادی ہونے کی بناء پر بال بال بچ گیا۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اس موقعے پر تنہا ہوتا تو کیا ہوتا۔ شاید اس کا وہی انجام ہوتا جس کی طرف ابھی فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ فنچ کا چیلنج وہ کبھی نہ برداشت کر سکتا اور پھر

رہے جو کچھ بھی ہوتا۔

"یہ فنچ حقیقتاً ڈاکٹر ڈریڈ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ میرے اندازے آج تک غلط نہیں ہوئے۔"

حمید کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

"بیکار ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اب ہم اُس کی گرد کو بھی نہ پا سکیں گے۔ پہلے بھی اگر وہ چاہتا رار ہو سکتا تھا مگر نہ جانے کیوں وہ اسپرنگ کاٹج میں واپس آ گیا تھا۔ آہا ٹھہرو... کیا وہ وہاں سے کوئی خاص چیز لے جانا بھول گیا تھا۔ آؤ جلدی کرو۔ آخر وہ واپس کیوں آیا تھا اور شاید یہاں اس چیلنج کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ ہمیں جھکائیاں دے کر پھر اسپرنگ کاٹج میں جا گھسے۔"

انہوں نے بڑی تیزی سے کھائی پار کی اور اسپرنگ کاٹج کی طرف چل پڑے۔ حمید کے ذہن نی ہی سی دیر میں اچھی خاصی برف باری ہو گئی تھی اور اُس نے اب کچھ سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ رتا بھی کیا۔ حالات بڑی تیز رفتاری سے رخ بدل رہے تھے۔

وہ پھر اسپرنگ کاٹج میں واپس آئے۔ اُن کے محکمے کا وہ آدمی وہیں موجود تھا جہاں وہ اُسے ڑ کر گئے تھے۔

"ادھر کوئی آیا تو نہیں؟" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں جناب!" اُس نے جواب دیا۔

"آؤ....!" فریدی حمید سے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن پھر رکا اور مڑ کر اُس آدمی سے
ا۔ "کسی کو بھی کمپاؤنڈ میں قدم مت رکھنے دینا۔ خواہ وہ کوئی سرکاری آدمی ہو خواہ غیر سرکاری۔"

"بہت بہتر.... جناب....!" اُس نے کہا اور پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔

"مگر دروازہ تو آپ مقفل کرا چکے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"فکر مت کرو۔ اسی لئے میں نے اُسے یہ ہدایت دی ہے۔ قفل کھولنا پڑے گا۔"

برآمدے میں پہنچ کر فریدی نے وہاں کی روشنی بجھا دی۔

حمید جانتا تھا کہ اُسے قفل کھولنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کیونکہ اس قسم کے ر ہر وقت اُس کی جیب میں پڑے رہا کرتے تھے۔

دو منٹ کے اندر ہی اندر وہ عمارت میں تھے۔

ڈاکٹر ڈریڈ کسی زخمی بھیڑیئے کی طرح غرا رہا تھا اور کریگ اُس کے سامنے کھڑا اس طرح

کانپ رہا تھا جیسے اُسے دوسرے ہی لمحے سفر آخرت کا خدشہ ہو۔

"میں تم سب کو موت کے گھاٹ اُتار دوں گا۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ.... انصاف پسند ہے۔" کریگ کانپتا ہوا بولا۔

"ہاں میں پورا پورا انصاف کروں گا۔"

"دیکھئے ڈاکٹر.... آج فنچ ختم ہی ہو جاتا.... مگر وہ فریدی آکودا۔"

"وہ بھی تمہاری ہی وجہ سے آکودا۔ میں پورا پورا انصاف کروں گا۔"

"میری وجہ سے کیوں ڈاکٹر؟"

"میری سنگلٹن جانتی تھی کہ فنچ اسپرنگ کاٹج میں ہے۔"

"لیکن مجھے کیا علم کہ وہ جانتی تھی۔"

"تم نے مجھ سے مشورہ کئے بغیر وہ اسکیم بنائی ہی کیوں تھی میں انصاف پسند ہوں اور پورا پورا انصاف کروں گا۔"

دفعتاً الماری میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور ڈاکٹر ڈریڈ اُدھر متوجہ ہو گیا۔

"کون ہے؟" وہ ماؤتھ پیس میں غرایا۔

"سام اسپیکنگ ڈاکٹر....!"

"کیا بات ہے؟"

"جس نیلے بیگ کے متعلق آپ نے پوچھا تھا وہ صندوق میں موجود نہیں ہے۔"

"کیا بکتے ہو.... دوبارہ تلاش کرو۔"

"آپ سنئے تو سہی۔ اُس کی بجائے دفتی کا ایک ڈبہ ملا ہے جس پر تحریر ہے فنچ کی طرف سے ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے تحفہ۔ اور اُس ڈبے میں ایک سڑا ہوا آلو ہے۔"

"مگر اُس کی رسائی صندوق تک کیسے ہوئی؟" ڈریڈ دہاڑا۔

"اُس کا جواب کریگ ہی دے سکے گا ڈاکٹر۔ وہ بڑی لاپروائیاں برت رہا ہے اور ہر وقت ڈا... کے چکر میں رہتا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ دونوں اُودھم مچائے ہوئے تھے۔"

"اوہ.... تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فنچ اس قیام گاہ سے بھی واقف ہے؟"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے.... ڈاکٹر....!"

"اچھا....!" ڈریڈ ریسیور رکھ کر کریگ کی طرف مڑا لیکن جو کچھ بھی دیکھا کم از کم اُس کے لئے تو غیر متوقع ہی تھا۔ کریگ کے کانپتے ہوئے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ اب بھی بُری طرح

کانپ رہا تھا۔

"اب انصاف نہیں ہو سکے گا.... ڈاکٹر....!" اُس نے بالکل اسی طرح کانپتی ہوئی آواز میں کہا جیسے جاڑا دے کر بخار آ گیا ہو۔

"نہیں ہو گا۔" ڈاکٹر ڈریڈ مسکرایا۔ "تم اپنا ہاتھ تو دیکھو۔ کیا اس ہاتھ سے تم مجھ پر فائر کر سکو گے۔ ویسے میں تمہاری اس دلیری کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ ڈریڈ پر ریوالور اٹھانا آسان کام نہیں ہے۔ اس دلیری کے عوض میں نے تمہیں معاف کر دیا.... اور.... اس کے عوض.... ڈالی بھی تمہیں دی جاتی ہے۔"

کریگ حیرت سے منہ کھولے سنتا رہا۔

"میں اپنے بچے کھچے آدمیوں کو ضائع نہیں کرنا چاہتا ورنہ میں تنہا رہ جاؤں گا۔" ڈریڈ نرم لہجے میں بولا۔ "آئندہ جو کچھ بھی کرو سوچ سمجھ کر کرو۔"

"مم.... میں.... بہت محتاط رہوں گا ڈاکٹر....!" کریگ ہکلایا۔

"یقیناً.... ورنہ اب کوئی ٹھوکر ہم سب کو غارت کر دے گی۔ خیر ہاں.... اب فنچ کے لئے ایک ہی تدبیر رہ گئی ہے۔ تم وہ الماری کھول کر اوپری خانے سے وہ ٹیوب نکالو جس میں سرخ رنگ کا سیال بھرا ہوا ہے۔"

کریگ نے ریوالور جیب میں رکھ لیا اور بڑے سعادت مندانہ انداز میں الماری کی طرف بڑھا۔ اُس کا ہینڈل پکڑ کر دروازہ کھولا اور اوپری خانے میں ٹیوب تلاش کرنے لگا۔

"اوہ.... جی ہاں..!.. مل گیا۔" وہ شیشے کا ٹیوب لئے ہوئے مڑا جس میں سرخ رنگ کا سیال بھرا ہوا تھا۔

"ٹھیک.... اسے خوب ہلا کر روشنی کے رخ دیکھو کہ اس میں سفید ذرات ہیں یا نہیں۔"

وہ اُسے مٹھی میں پکڑ کر ہلانے لگا پھر بلب کی طرف اٹھا کر دیکھنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ ٹیوب ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ پھٹا اور سرخ سیال کی بوچھاڑ اُس کے چہرے پر پڑی۔

"آغ.... غاہ....!" وہ کسی جانور کی طرح چیخ کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اُس کے دونوں ہاتھ آنکھوں پر تھے اور وہ بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

"مار ڈالا.... سور.... کمینے.... کتے!" گالیاں اُس کے منہ سے ابلتی رہیں اور وہ تڑپتا رہا۔ ڈاکٹر ڈریڈ بے حس و حرکت کھڑا تھا اور اُس کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ تھی۔ کریگ کی طرح چیختا اور تڑپتا رہا۔

ڈاکٹر ڈریڈ کی آنکھوں میں کچھ اس قسم کی چمک لہریں لے رہی تھی جیسے وہ اُس کا مرغوب ترین کھیل ہو۔ کریگ کی آواز مضمحل ہوتی گئی اور آخر کار اُس کی گردن جھٹکے کے ساتھ ایک طرف جا پڑی۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اُس کی دونوں آنکھیں بہہ گئی تھیں۔

"ڈریڈ کا انصاف۔" ڈاکٹر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑاتا ہوا فون کی طرف مڑ گیا۔

"ہیلو.... سام....!" وہ ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔ "ہمیں یہ عمارت اسی وقت خالی کر دینی چاہیے۔ نمبر تین میں چلو۔ نیلا بیگ اگر نہ ملا تو سمجھو ساری محنت برباد ہو گئی۔ اب فنچ کو ہر قیمت پر مر جانا چاہیے۔ وہ اس قیام گاہ سے بھی واقف ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پولیس کی رہبری کے فرائض انجام دے ڈالے اور میں اُس وقت تک پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا جب تک بیگم ارشاد والا مسئلہ نہ طے ہو جائے.... تمہیں ڈالی پسند ہے نا....؟"

"نن.... نہیں.... جج.... جناب....!" دوسری طرف سے ہکلاہٹ سنائی دی۔

"نہیں وہ تمہیں پسند ہے۔ وہ تمہیں بطور انعام دی جاتی ہے۔"

"اوہ... ڈاکٹر.... میں کسطرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔ مگر کریگ میرا دشمن ہو جائے گا۔"

"کریگ....!" وہ مڑ کر لاش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ کریگ اب اس دنیا میں نہیں۔ نائین تھری کا ٹیوب ٹسٹ کرتے وقت اُس کی موت واقع ہو گئی۔ ٹیوب پھٹ گیا.... خیر.... ہاں تو.... نمبر تین میں شفٹ کرنے کی تیاری کرو۔"

"بہت.... بہت.... اچھا.... جناب!" دوسری طرف سے پھنسی پھنسی سی آواز آئی اور ڈاکٹر ڈریڈ نے ریسیور رکھ دیا۔

فریدی اور حمید نے اسپرنگ کاٹیج کی تلاشی لینی شروع کر دی تھی۔ لیکن یہ کام بہت احتیاط سے ہو رہا تھا۔ انہوں نے کمروں میں روشنی نہیں کی تھی بلکہ ٹارچوں کی مدھم سی روشنی میں دیکھ بھال کر رہے تھے۔

حمید کا دل اس کام میں ذرہ برابر بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اگر فریدی ساتھ نہ ہوتا تو شاید وہ بھاگ ہی نکلنے میں عافیت سمجھتا۔ یہ بات نہیں تھی کہ وہ ڈرپوک تھا۔ اُسے اُس کی پرواہ نہیں تھی کہ اندھیرے میں کسی کی گولی اُس کا مغز بھی پھاڑ سکتی ہے۔

وہ تو اکتایا ہوا تھا۔ یہ چیز اُس کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ اگر کوئی کام اُس کی مرضی یا توقع

طابق نہیں ہوتا تھا تو اُس کی اکتاہٹ ہمیشہ بڑھ جایا کرتی تھی۔

وہ سمجھتا تھا کہ فنچ اس وقت پکڑ لیا جائے گا مگر اُس کی توقعات کے مطابق وہ حقیر کیڑا نہ پکڑا اِس کے علاوہ چلتے چلاتے اُس کے چیلنج نے تو اُسے ذہنی طور پر بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ ایک ھے چار فٹ کا چرخ سا آدمی فریدی کو چیلنج کر کے نکل جائے۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کم از بدی کو تو گولی مار دے جس نے اس وقت عالمگیر شہرت کو بٹہ لگایا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ حمید ہیرو پرستی کے معاملے میں عام ذہنی سطح سے بلند نہیں تھا۔ وہ یہ نہیں پسند کرتا تھا کہ اُس ی پسندیدہ ہیرو کی شخصیت میں کسی قسم کی جھول نظر آ سکے۔

وہ بے دلی کے ساتھ اِدھر اُدھر چلتا رہا۔ آخر فریدی ہی نے کہا۔ "تم بہت سست نظر آ رہے ہو؟"

"جی ہاں۔ اس وقت میں نے ایک انتہائی دلیر آدمی کی مٹی پلید ہوتے دیکھی ہے۔"

"اوڈفر.... کیا تم مجھے ٹارزن یا ہنٹر والی کا بیٹا سمجھتے ہو؟" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"آپ کیلئے یہ بڑی بات نہ ہو گی۔ لیکن میں.... میرا دل چاہ رہا ہے کہ خودکشی کر لوں۔"

"یہاں نہیں.... پہلے ہی سے پانچ لاشوں کے اٹھوانے کی فکر ہے۔" فریدی نے کہا اور اُس رچ کی باریک سی شعاع اندھیرے میں اِدھر اُدھر رینگتی رہی۔

اچانک حمید نے ٹارچ اُس کے ہاتھ سے گرتے دیکھی اور دروازے کی طرف جھپٹا۔

"روشنی.... حمید....!" اُس نے دروازے کے باہر چھلانگ لگاتے ہوئے کہا۔

حمید ٹارچ اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ منہ کے بل نیچے چلا گیا۔ کسی نے اُس کی ٹانگوں میں پھنسا کر دھکا دیا تھا۔

"میں نے دیکھ لیا ہے فنچ ہے۔" فریدی نے کمرے کے باہر سے کہا۔ "تم کمرے سے نکل سکتے۔"

حمید بڑی پھرتی سے اٹھا۔ فنچ اُسی کمرے میں موجود تھا لیکن وہ ایک دیوار سے جالگا۔ کیونکہ مے میں گھپ اندھیرا تھا۔ ٹارچ بھی اُس کے ہاتھ نہیں آ سکی تھی۔ اُس نے اپنی ٹارچ کے لئے بم میں ہاتھ ڈالا لیکن وہاں نہ ٹارچ تھی اور نہ ریوالور۔ شاید اُسی وقت دونوں اُس کی جیب سے گے تھے جب وہ گرا تھا۔

"فنچ خود کو میرے حوالے کر دو۔" فریدی نے باہر سے کہا۔

"تم دروازے کے پاس سے ہٹ جاؤ دوست۔" حمید نے فنچ کی آواز سنی۔ "ورنہ تمہیں اپنے ی کی لاش بھی یہاں سے اٹھوانی پڑے گی تم لوگوں سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

حمید آہستہ آہستہ آواز کی طرف رینگنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے فریدی کی آواز سنی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ گرتے گرتے سنبھل گیا ہو۔

"فنچ میں گولی ماردوں گا.... ٹھہرو۔"

پھر دوڑنے کی آواز آئی اور حمید بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ عمارت کا عقبی دروازہ جو صحن کی ایک دیوار میں تھا کھلا ہوا ملا۔ حمید نے فریدی کو آوازیں دیں لیکن جواب ندارد۔ آخر وہ دروازے کے پاس ہی رک گیا۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے کہ فریدی اُسی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ یہاں بھی اندھیرا تھا لیکن تاروں کی چھاؤں میں وہ کم از کم فریدی کو تو پہچان ہی سکتا تھا۔

"دیکھو.... برآمدے میں سوئچ بورڈ ہے.... روشنی کردو.... وہ کم بخت میری ٹانگوں کے نیچے سے نکل گیا۔"

حمید نے جلد ہی سوئچ بورڈ تلاش کرلیا اور صحن میں روشنی پھیل گئی۔ اُس نے فریدی کو جھک کر کچھ اٹھاتے دیکھا۔ وہ بھی اُسکے قریب پہنچ گیا۔ یہ نیلے رنگ کے چمڑے کا ایک چھوٹا سا بیگ تھا۔

"وہ یہی لے جارہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن دیوار پر چڑھتے وقت یہ اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ خدا کی قسم وہ بڑا پھرتیلا ہے۔ بندروں سے بھی تیز۔ پہلے اُس نے میرے ہاتھ پر تھپڑ مار کر ٹارچ گرادی تھی اور پھر اُسی کمرے سے یہ بیگ لے بھاگا۔ کیوں؟ اس بار تو موقع ہی موقع تھا لیکن تم نے اُسے پکڑا کیوں نہیں؟

حمید کچھ نہ بولا۔ اور فریدی نے ہنس کر کہا۔ "کیا پہلے بھی کبھی کوئی ایسا مجرم نظروں سے گزرا ہے۔ بخدا مجھے تو بعض اوقات اس کی ان حرکتوں پر پیار آتا ہے.... کتنا بے جگر ہے۔"

ننھا فتنہ

بیگم ارشاد نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیئے اور شب خوابی کا لباس پہن کر مسہری کیطرف بڑھی لیکن پھر اُسے رک جانا پڑا کیونکہ ایک گوشے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

"ہیلو....!" اُس نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"کون ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بیگم ارشاد....!"

"اچھا.... انور بول رہا ہوں بیگم ارشاد۔"

"کیا بات ہے؟" بیگم ارشاد نے غیر متوقع طور پر نرم لہجے میں پوچھا۔

"میں وہ دو ہزار روپے واپس کرنا چاہتا ہوں جو شاہینہ نے مجھے دیئے تھے۔"

"مجھے روپوں سے کوئی سروکار نہیں۔"

"ظاہر ہے کہ جب میں شاہینہ کے لئے کام نہیں کررہا ہوں....!"

"کیوں نہیں کررہے ہو؟" بیگم ارشاد نے بات کاٹ دی۔

"نہیں! میں نہیں چاہتا کہ اُن پر پاگل پن کے دورے پڑتے رہیں۔"

"تمہارا جو دل چاہے کرتے رہو۔ لیکن کوٹھی کیطرف رخ نہ کرنا اور شاہینہ سے بھی مت ملو۔"

"پھر میں کیا کرسکوں گا بیگم ارشاد۔ مجھے واقعات کا بھی تو علم نہیں ہے۔"

"میں تمہیں دس ہزار کا آفر دیتی ہوں۔ ایک آدمی کو تلاش کرنا ہے۔"

"میں تیار ہوں۔"

"مگر پولیس کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔"

"کس بات کا علم؟"

"یہی کہ تم اُس آدمی کی تلاش میں ہو۔"

"ہوسکتا ہے بشرطیکہ اُس دس ہزار میں اُس کا قتل بھی شامل نہ ہو۔"

"نہیں یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس کے لئے قتل ضروری ہو۔"

"اُس کی تلاش کیوں ضروری ہے؟"

"دس ہزار روپے کا آفر اس لئے نہیں ہے کہ تمہیں غرض وغایت بھی بتائی جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں غرض وغایت سے کوئی سروکار نہیں رکھوں گا۔ آپ اُس آدمی کے ونشان سے تو مطلع کیجئے۔"

"نام.... مجھے یاد نہیں لیکن اُس کے داہنے ہاتھ پر روپے کے برابر ایک گہرا سرخ نشان ہے۔ تم اُسے ارجن پورہ یا شہر کی دوسری بستیوں میں تلاش کرسکتے ہو۔"

"بس اتنا ہی.... یا اور کچھ؟"

"اُس کے متعلق بس اتنا ہی مجھے معلوم ہے۔"

"تب تو دس ہزار بہت کم ہیں۔ بیگم ارشاد مجھے کم از کم تیرہ لاکھ آدمیوں کی آستینیں الٹنی

پڑیں گے۔ دو آنے فی کس تو دیجئے تاکہ میں بھی انکم ٹیکس ادا کرنے کے قابل ہو سکوں۔"

"کیا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟" بیگم ارشاد بگڑ گئی۔

"نہیں بیگم صاحبہ۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ آپ بھی تو اتنی راتوں سے بھٹکتی پھر رہی ہیں پھر کیا اُس کا سراغ مل سکا؟"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ مشکل کام ہے لیکن میں دس ہزار سے زیادہ کے آفر کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"میں آپ کا یہ کام مفت بھی کر سکتا ہوں مگر ٹھہریئے کیوں نہ میں اُس بلیک میلر ہی کی گردن لوں۔"

"بلیک میلر....!" بیگم ارشاد نے حیرت سے دہرایا۔ "کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

"نہیں.... لیکن اگر کوشش کروں تو یہ میرے لئے کوئی مشکل بات نہ ہو گی۔"

"تم نے کرنل فریدی سے بھی ان باتوں کا تذکرہ کیا تھا؟"

"نہیں.... لیکن آپ کے خلاف ایک رپورٹ ضرور لکھوائی تھی۔"

"کرنل فریدی اُس کے لئے یہاں پوچھ گچھ کرنے آیا تھا۔ کیا تم نے یہ بھی لکھوایا تھا کہ کوئی مجھے بلیک میل کر رہا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ یہ تو میرا کیس تھا۔ اس کا تذکرہ میں کیسے کر سکتا تھا۔ شاہینہ نے اُسی بلیک میلر کا پتہ لگانے کے لئے مجھے دو ہزار دیئے تھے۔ رپورٹ تو میں نے اس لئے لکھوائی تھی کہ آپ میرے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہ کر سکیں۔"

"خیر اس پر خاک ڈالو.... اب میں تم سے کہتی ہوں کہ اگر اُس بلیک میلر کا پتہ لگا سکو تو اس کے لئے تیس ہزار کا آفر ہے۔"

"آپ اُسے نہیں جانتیں؟"

"نہیں اب تک میں نے صرف اُس کی آواز سنی ہے۔"

"اور وہ لہجے سے کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا ہے۔"

"اوہ.... اُس کے متعلق تم مجھ سے کم نہیں جانتے۔" بیگم ارشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن انور.... تم اُس وقت تک کوٹھی میں قدم نہیں رکھو گے جب تک کہ وہ بلیک میلر تمہارے ہاتھ نہ آجائے۔"

"وہ آپ سے کتنی رقم طلب کر رہا ہے؟"

"دو کروڑ....!"

"اسکی چوتھائی مجھے قارون بنا سکتی ہے۔ کاش میں بھی کسی معاملے میں آپکو بلیک میل کر سکتا۔"

"اُسی بلیک میلر سے مل جاؤ۔" بیگم ارشاد نے تلخ لہجے میں کہا۔

انور ہنسا اور پھر بولا۔ "لیکن دعوت والی رات آپ نے یقیناً اُسے دیکھا ہو گا؟"

"حالات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے اُسے دیکھا ہو گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اُسے نہیں دیکھ سکی۔ اُس کا ایک خط مجھے ملا تھا اور اُسی کے ساتھ وہ سوئی بھی تھی۔ مجھے مجبوراً وہی کرنا پڑا جو کچھ خط میں تحریر تھا۔ اگر ایسا نہ کرتی تو اور نہ جانے کس بے عزتی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اُس وقت وہ تمہیں قتل کرنے کو بھی کہتا تو میں انکار نہ کر سکتی۔"

"شکریہ۔"

"تم خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو۔"

"لیکن یہ آپ نہ بتائیں گی کہ وہ کس سلسلے میں آپ کو بلیک میل کر رہا ہے؟"

"نہیں" بیگم ارشاد نے سخت لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

یہ ایک بڑی عمارت تھی اور اس کے چاروں طرف مختلف پھلوں کے باغات تھے۔ عمارت قدیم طرز کا نمونہ تھی مگر پھر بھی تھی شاندار۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا مکین مغربی ملک کا باشندہ ہو گا اور ڈاکٹر ڈریڈ کے متعلق بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ پرانے طرز معاشرت کا دلدادہ ایک مشرقی آدمی نہیں ہے۔ اُس کے چہرے پر گھنی سیاہ ڈاڑھی تھی اور جسم پر لمبا لبادہ۔ کبھی کبھی وہ عقال اور ہندیل استعمال کرتا تھا اور اس بڑی عمارت کے زیر سایہ رہنے والے "چھوٹے" آدمی اُسے کوئی عرب سمجھتے تھے۔

اُس کے ساتھیوں کی وضع قطع بھی عربوں ہی کی سی تھی اور اس کی محبوبائیں پردے میں رہتی تھیں۔ یہ عمارت ایک جاگیردار سے کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ ڈاکٹر کو یہ سب کچھ فنچ کی وجہ سے کرنا پڑا تھا۔ رہا پولیس کا معاملہ تو وہ دنیا بھر کی پولیس کو اپنا کھلونا سمجھتا تھا۔ حالانکہ فریدی کے ہاتھوں اُسے دو بار شکست ہو چکی تھی لیکن وہ اس سے اتنا زیادہ خائف نہیں تھا۔

وہ فنچ کو حقیر بھی سمجھتا تھا اور اُس سے خائف بھی تھا۔ اس وقت بھی اُسی کے متعلق خیالات

میں الجھا ہوا باغ میں ٹہل رہا تھا۔ اگر اُسے فنچ کی موجودہ جائے رہائش کا علم ہوتا تو اُسے فنا کرا دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا۔ اور وہ اس کی طرف سے بھی مطمئن نہیں تھا کہ فنچ کو اس کی موجودہ جائے قیام کا علم نہ ہوگا۔

"سام....!" اُس نے اُس شخص کو مخاطب کیا جو اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔

"ہاں ڈاکٹر....!"

"آخر فنچ کا مسئلہ کس طرح طے کیا جائے؟"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہم سب مل کر یا تو خود فنا ہو جائیں یا اُسے فـ کر دیں۔"

"اوہ....اب اتنی اہمیت نہ دو اُس کیڑے کو۔ اُسکی مثال اُس کوے کی سی ہے جو کسی بھیڑیئے کے سامنے سے ہڈی اٹھا لے جائے۔ وہ بیگم ارشاد والا بزنس خراب کر دینے پر تل گیا ہے۔"

"لیکن ڈاکٹر یہ بھی تو سوچئے کہ ابھی تک وہ ہمارے بہت ہی خاص قسم کے پندرہ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار چکا ہے۔"

"ہاں....آں....مجھے اس کا بھی قلق ہے۔" ڈاکٹر ڈریڈ نے لاپروائی سے کہا اور ہونٹوں میں ایک سگریٹ دبا کر سلگانے لگا۔

"بیگم ارشاد کے لئے اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے۔" اُس نے ایک کش لے کر کہا۔ "اُس کی لڑکی کو پکڑ لیا جائے جسے وہ بے حد چاہتی ہے۔ ورنہ ایسی صورت میں جب کہ نیلا بیگ بھی ہاتھ سے جاتا رہا ہم اُس کا کیا بگاڑ سکیں گے۔"

"یہ فنچ شاید سچ مچ کوئی خبیث روح ہے۔" سام نے کہا۔ "ورنہ نیلے بیگ کو اڑا لے جانا کسی آدمی کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔"

"چھوڑو....!" ڈریڈ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہ کریگ کی غفلت سے ہوا تھا۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ڈریڈ نے کہا۔ "مگر نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ اُس لڑکی کو اغواء کیا جائے۔ اس سے حالات پیچیدہ ہو جائیں گے۔ خیر دشواریوں اور پیچیدگیوں کی تو مجھے پرواہ نہیں ہے۔ مگر یہ فنچ....!"

ڈاکٹر ڈریڈ رک گیا۔ یہاں اس کنج میں وہ اکثر گھاس پر بیٹھا کرتا تھا۔ یہ جگہ چنبیلی کی جھاڑیوں

ری ہوئی تھی اور یہاں ہر وقت اُنکے پھولوں کی بھینی بھینی مہک چکراتی رہتی تھی۔

ڈریڈ ایک درخت کے آدھے کٹے ہوئے تنے پر کہنیاں ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی پیشانی پر تفکر کی وجہ سے ہلکی ہلکی سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔

سام دوسری طرف متوجہ تھا۔ دفعتاً ڈاکٹر اُس تنے سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا اور ٹھیک اُسی ایک فائر بھی ہوا۔ گولی ڈریڈ کے بائیں پہلو کے نیچے سے نکل گئی۔ وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تنا زمین پر لڑھکتا ہوا اُس کے طرف بڑھ رہا تھا۔

ڈریڈ نے پیچھے ہٹتے ہوئے تنے پر دو تین فائر کئے لیکن ایک بھی گولی اُس پر نہ پڑ سکی۔ پتہ ڈریڈ کا نشانہ خطا کر رہا تھا یا اُس لڑھکتے ہوئے تنے کی حرکت کچھ اس انداز کی تھی کہ اُس پر یاں نہ پڑ سکیں۔

"اوہ....سام....گدھے۔" ڈاکٹر ڈریڈ دانت پیس کر غرایا۔ "کھڑا کیا دیکھ رہا ہے۔ وہ اس کھلے تنے میں گھسا ہوا ہے۔"

دفعتاً فنچ اُس کے سامنے تھا۔ وہ اتنی ہی پھرتی سے اُس کھوکھلے تنے سے نکلا تھا جیسے کوئی چوہا سوراخ سے نکلے۔ اُس نے چھوٹتے ہی دو فائر ڈاکٹر ڈریڈ پر جھونک دیئے تھے۔ لیکن اُس کا نہ بھی غلط ہی رہا....اور پھر دوسرا فائر ڈاکٹر ڈریڈ کو دوسری دنیا کی سیر کرا ہی دیتا لیکن اُسی وقت نے اُس پر چھلانگ لگائی اور اُس کا ہاتھ بہک گیا۔ کچھ بھی ہو وہ سام کی گرفت میں نہیں ا۔ اُس کے نیچے سے نکلتے نکلتے اُس نے پھر ڈاکٹر ڈریڈ پر فائر کر دیا۔ ڈریڈ اپنا ریوالور خالی کر چکا ڑی مشکل سے وہ اس بار بچ سکا۔ اگر وہ خود کو زمین پر گرا نہ دیتا تو جسم کے کسی نہ کسی حصے پر ضرور لگی ہوتی۔ فنچ سمجھا شاید اس بار وہ کامیاب ہو گیا ہے لہٰذا اُس نے سام کو ریوالور کی زد پر ہوئے کہا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

سام نے بڑی مایوسی سے ڈاکٹر ڈریڈ کی طرف دیکھا جو زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

فنچ نے بائیں ہاتھ سے چاقو نکال کر اُس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "ڈریڈ کی ناک کاٹ لو۔ میں یہ ناک اُس ننھی سی قبر پر رکھوں گا جو آج بھی اس کے لئے بے چین ہو گی۔"

سام چاقو اٹھانے کے لئے جھکا۔ پھر کانپتا ہوا ڈریڈ کے پاس آیا اور ڈریڈ اب بھی اُسی طرح حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

شاید فنچ بھی ڈریڈ کی ناک کٹنے کا دل کشا منظر ہی دیکھنے کے لئے آگے بڑھ آیا تھا۔ لیکن اسے ہی لمحے میں اُسے اپنی اس از خود رفتگی پر پچھتانا پڑا۔ ڈریڈ لیٹے ہی لیٹے اُس پر جھپٹ پڑا تھا۔

ریوالور اُس کی گرفت سے نکل گیا اور وہ خود ڈریڈ کے نیچے دب کر رہ گیا۔

"سام چاقو.....!" ڈریڈ دہاڑا۔ "میں اسے بکرے کی طرح ذبح کروں گا۔"

لیکن پھر خود ہی کسی بھینسے کی طرح ڈکرا کر دوسری طرف الٹ گیا اور فنچ..... وہ ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہوا چہار دیواری کی طرف جا رہا تھا۔ سام اُس کے پیچھے دوڑا۔ لیکن وہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ فنچ بندروں کی طرح دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا۔

سام کو رک جانا پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ اب فنچ کو پالینا مشکل ہی ہوگا کیونکہ چہار دیواری کے اُس طرف کروندوں کا جنگل تھا۔ یہ عمارت دراصل شہر سے دس میل دور ایک گاؤں میں واقع تھی۔

پھر وہ کنج میں واپس آیا۔ ڈاکٹر ڈریڈ گھاس پر بیٹھا ہوا تھا اور اُس کا چہرہ کچھ اس طرح اُترا ہوا سا نظر آ رہا تھا جیسے جسم کے کسی حصے میں ناقابل برداشت قسم کا درد ہو رہا ہو۔

"تم..... نمک حرام.....!" وہ سام کی طرف انگلی اٹھا کر مضمحل آواز میں بولا۔ "میری ناک کاٹنے کا ارادہ رکھتے تھے۔"

"اوہ..... ڈاکٹر..... میں سمجھا تھا..... شاید..... آپ.....!"

"مر گئے.....!" ڈریڈ نے دہاڑنے کی کوشش کی لیکن پھر کراہ کر خاموش ہو گیا۔ اُس کی پلکیں جھکی جا رہی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سانس لینے سے بھی جی چرا رہا ہو۔

"اب..... پھر.....!" وہ ہاتھ اٹھاتا ہوا رک رک کر بولا۔ "یہاں سے بھی بھاگنے..... کی..... کوشش..... کرو..... جلدی..... مجھے..... اندر..... لے چلو۔"

وہ زمین پر چت لیٹ کر کراہنے لگا اور سام بوکھلا کر عمارت کی طرف بھاگا۔

بیگم ارشاد نے انور کو ہدایت تو کر دی تھی کہ وہ اُس کوٹھی سے دور ہی دور رہے لیکن انور کی دانست میں یہ ایک لغو بات تھی۔ کوٹھی سے دور رہ کر وہ اس بلیک میلر پر ہاتھ ڈال ہی نہیں سکتا تھا۔

لیکن وہ اس سلسلے میں احتیاط ضرور برت رہا تھا۔ اس بار اُس نے میک اپ بھی ایسا ہی کیا تھا جس کے بارے میں اُس کا خیال تھا کہ چالاک سے چالاک آدمی بھی اُسے نہیں پہچان سکے گا۔

اور وہ مستقل طور پر کوٹھی ہی میں رہ پڑا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ بیگم ارشاد کو شکار کے گوشت کا شوق تھا اور انہیں دنوں اُن کے یہاں کا شکاری بیمار پڑ گیا تھا۔ اس طرح انور کو اس کی لاعلمی میں وہاں قدم جمانے کا موقع مل گیا۔

جیسے ہی دونوں ڈنکی ٹیل کمپاؤنڈ میں قدم رکھتے وہ ہوشیار ہو جاتا۔ اس دوران میں اُس نے محسوس کیا تھا کہ بوڑھا ڈنکی ٹیل بیگم ارشاد سے فلرٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور نوجوان ڈنکی ٹیل شاہینہ سے۔

اس وقت بھی نوجوان ڈنکی ٹیل شاہینہ کے ساتھ لان پر ٹہل رہا تھا..... اور انور ایک ایسی جگہ چھپ گیا تھا جہاں سے دونوں کی گفتگو سن سکتا تھا۔

نوجوان ڈنکی ٹیل شاہینہ سے کہہ رہا تھا۔ "میرے ڈیڈی بالکل ڈفر ہیں۔ انہیں آج تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ کسی عورت سے کس طرح گفتگو کرنی چاہئے۔"

"تم انہیں سکھاتے نہیں۔" شاہینہ مسکرائی۔

"ارے توبہ۔" وہ اپنا کان پکڑ کر بولا۔ "اُس وقت تک نہیں سکھا سکتا جب تک کہ وہ اپنی مونچھیں نہ صاف کر دیں۔ ایک مونچھ کے بال میری ناک میں گھس گئے تھے اور چھینکتے چھینکتے میرا بُرا حال ہو گیا..... ڈیڈی ازائے پرفکٹ ڈفر..... یو سی۔"

شاہینہ نے بُرا سا منہ بنایا مگر کچھ بولی نہیں۔

"ایک بار وہ اپنی ایک دوست کی بڑی بہن سے کہنے لگے۔" ڈنکی ٹیل نے کہا اور ہنسنے لگا۔ پھر بدقت تمام ہنسی پر قابو پانے کے بعد بولا۔ "انہیں اپنی اُس دوست سے کچھ کچھ محبت ہو چلی تھی لیکن آپ ایک دن..... اُس کی بڑی بہن.....!"

"میں اُس کی بڑی بہن کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتی۔" شاہینہ جھلا گئی۔

"چلئے تو میں اسی کے متعلق بتاؤں گا۔ وہ بھی بڑا دلچسپ قصہ ہے۔"

شاہینہ کی جھلاہٹ اور بڑھی اور اُس نے چنچناتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ میرے ساتھ ضرور ٹہلیں؟"

"اوہ..... آپ خفا ہوتی ہیں۔" وہ دردناک آواز میں بولا۔ "آپ کو کیا معلوم.....!"

وہ اپنے سینے پر اس انداز میں ہاتھ رکھ کر خاموش ہو گیا جیسے خون کی قے ہونے والی ہو۔

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں.....؟"

"کاش میں ہوش میں ہوتا۔ جب سے آپ کو دیکھا ہے دوپہر کا کھانا رات کو کھاتا ہوں اور رات کا کھانا دوسرے دن دوپہر کو۔ اکثر دن میں دو بار شیو کر ڈالتا ہوں لیکن جب ہوش آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ میں ڈیڈی کا شیو کر رہا تھا اور ڈیڈی مسکرا کر میرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

"ڈنکی ٹیل..... تم اپنی بکواس بند کرو۔ ورنہ مجھے کسی نوکر کو بلانا پڑے گا۔"

"یقیناً بلایئے.... بشرطیکہ وہ مجھ سے زیادہ اچھا ہو۔"

شاہینہ جو آپے سے باہر ہو رہی تھی ہاتھ چھوڑ بیٹھی.... چٹاخ کی آواز اتنی ہلکی بھی نہیں تھی کہ دور دور تک نہ پھیلتی۔ لیکن ڈنکی ٹیل نے نہ تو گال سہلایا اور نہ اس کے چہرے ہی سے یہ ظاہر ہوا کہ اُس نے ابھی ایک عدد زوردار تھپڑ ریسیور کیا ہے۔

"اُس نے کہا تھا۔" وہ آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تم دوسرا بھی پیش کردو۔"

سچ مچ شاہینہ نے دوسرے گال پر بھی تھپڑ رسید کردیا اور ڈنکی ٹیل نے جیب سے رومال نکالتے ہوئے کہا۔ "لایئے.... میں آپ کا ہاتھ صاف کردوں۔ ہوسکتا ہے کہ میرے گال گندے رہے ہوں۔"

شاہینہ لاپروائی سے دوسری طرف مڑ گئی۔ وہ کافی تیز رفتاری سے عمارت کی طرف جا رہی تھی۔ انور نے ڈنکی ٹیل کے ہونٹوں پر ایک بڑی سفاک سی مسکراہٹ دیکھی۔

بھیانک رات

میری سنگلٹن کی ہیئت ہی بدل گئی تھی۔ نہ وہ اب سنگار کرتی اور نہ گھٹنوں تک کے اسکرٹ پہنتی بلکہ ایسے ہی لباس میں رہتی جس سے پورا جسم ڈھکا رہے۔ وہ ساڑھی زیادہ پسند کرتی تھی۔ اب اُس کے ہونٹوں پر نہ لپ اسٹک کی گہری تہہ نظر آتی اور نہ گالوں پر روژ کی سرخی لیکن وہ اس کے باوجود بھی دلکش نظر آتی تھی۔ پہلے کی میری اور اب کی میری میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اب تک پاکیزگی ہی کی زندگی بسر کرتی رہی ہو۔

حمید کے لئے میری سنگلٹن کی یہ حیرت انگیز تبدیلی عجیب تھی۔ وہ اُس کی اس کایاپلٹ کو دیکھتا اور عش عش کرتا۔ اول تو وہ اپنا زیادہ تر وقت بائبل پڑھنے میں صرف کرتی تھی اور اگر کبھی حمید کو اُس سے گفتگو کرنے کا موقع بھی ملتا تو ولیوں اور پاکباز بزرگوں کے قصے چھیڑ جاتے۔

آج حمید بڑی مشکل سے اُسے ڈھب پر لایا تھا اور وہ دل کھول کر ہنس رہی تھی۔ مگر کسی معصوم بچی کی طرح اس میں نہ بناوٹ تھی اور نہ ترغیب کی جھلکیاں۔ حمید کہہ رہا تھا۔ "میں آج بہت اُداس ہوں اور تم قہقہے لگا رہی ہو۔"

"کیوں تم اداس کیوں ہو؟"

"کیونکہ میں تمہاری طرح نیک نہیں بن سکتا۔"

"تم میں کون سی بُرائی ہے۔" میری سنگلٹن نے حیرت سے کہا۔ "نہ تم چور ہو، نہ ڈاکو، نہ شرابی.... نہ زانی۔"

"مگر میرا ابکرا تو مجھے اچھا نہیں سمجھتا۔"

میری ہنسنے لگی اور پھر سنجیدگی سے بولی۔ "نہیں تم دونوں فرشتے ہو۔ اپنی زندگی میں مجھے پہلے دو آدمی ملے ہیں جنہوں نے میری مرضی کے خلاف مجھے استعمال نہیں کیا۔ ویسے بھی یہاں میں نے عام طور پر محسوس کیا ہے کہ مشرق ابھی اخلاقی طور پر اتنا نہیں گرا جتنا مغرب گر چکا ہے۔"

"شکریہ....!" حمید بھی اس موضوع پر سنجیدہ ہوگیا کیونکہ یہ مشرق کے وقار کا سوال تھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم ہم جیسے فراڈ آدمیوں کے جال میں پھنسنے والی ہو۔" حمید نے پھر بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"کیوں....؟" میری چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

"ارے یہ فراڈ نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم نے تمہیں اس طرح پناہ دی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمہاری مدد سے ڈریڈ تک پہنچ سکیں۔"

"میری مدد سے؟" اُس نے حیرت سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "شاید آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ یہاں ڈریڈ کی تقریباً تین درجن پناہ گاہیں ہیں۔ مجھے صرف نو جگہوں کا علم ہے لیکن فریدی ایسی پچیس عمارتوں سے واقف ہیں جہاں ڈریڈ پناہ لے سکتا ہے۔ پھر میں ان کی کیا مدد کرسکوں گی۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ جگہوں سے واقف ہیں؟"

"انہوں نے خود ہی مجھے بتایا تھا۔"

حمید کے لئے یہ اطلاع بالکل نئی تھی۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ فریدی ڈریڈ کی مختلف پناہ گاہوں کا علم بھی رکھتا ہے۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم اُس زرد پوش آدمی کے متعلق کیا جانتی ہو جس کی دیکھ بھال تمہارے سپرد تھی۔"

"بس اُس کی دیکھ بھال ہی کرتی تھی۔ اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ کوئی صحیح الدماغ آدمی نہیں ہے۔"

"ڈریڈ کے ساتھیوں میں اُس کی کیا حیثیت ہے؟"

"میں یہ بھی نہ بتا سکوں گی۔ وہ پاگل ضرور ہے مگر عورتوں کے لئے ہر وقت اُس کی رال ٹپکتی رہتی ہے۔"

"ڈریڈ سے اُس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ ویسے اکثر میں نے دیکھا ہے کہ اُس نے ڈریڈ کے منہ پر بھی اُسے گالیاں دی ہیں اور وہ خلاف توقع سن سن کر ہنستا رہا ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ تمہیں فنچ سے ہمدردی ہے۔"

"بلاشبہ مجھے اُس سے ہمدردی ہے۔"

"کیا تم نہیں جانتیں کہ وہ کئی آدمیوں کا قاتل بھی ہے؟"

"ہوگا....!" میری نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ "پہلے وہ قاتل نہیں تھا۔ پہلے وہ ایک ایمان دار آدمی کی طرح محنت سے اپنی روزی کماتا تھا۔ پھر ڈریڈ سے بدلہ لینے کی دھن میں غلط راستوں پر نکل گیا اور اب وہ ڈریڈ ہی کی طرح ایک بُرا آدمی ہے۔ وہ بے دریغ دوسروں کے مال پر ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ بے دریغ لوگوں کو قتل کرتا ہے مگر اُسے نہ بھولو کہ پہلے وہ ایک بے ضرر اور ایمان دار آدمی تھا۔ اُسے اُس راہ پر ڈالنے والا ڈریڈ ہی ہے۔ لہٰذا ڈریڈ کے مقابلے میں مجھے اس سے ہمدردی ہی ہونی چاہئے کیا تم اس کے لئے ہمدردی نہیں محسوس کرتے؟"

"ہرگز نہیں۔ ہمارا کام تو مجرموں کو قانون کے حوالے کرنا ہے۔ خواہ اُن کے مجرم بن جانے کی وجہ کچھ ہو۔"

کچھ دیر خاموش رہی پھر حمید بولا۔ "کیا ڈاکٹر ڈریڈ یہاں کی کسی مال دار عورت کو بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟"

"ہاں.... لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ عورت کون ہے۔ البتہ یہ جانتی ہوں کہ اُس عورت سے اُس کا مطالبہ دو کروڑ کا ہے۔"

"میں رمبا ناچنا چاہتا ہوں۔!" حمید اس گفتگو سے اکتا کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے کیپٹن! میں عہد کر چکی ہوں کہ بقیہ زندگی کنواریوں کی طرح بسر کروں گی۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ چار نوکر لکڑی کا ایک بہت بڑا صندوق اٹھائے اندر داخل ہوئے اور اُسے اسٹور روم کی طرف لے جانے لگے۔ دفعتاً وہ صندوق ایک ستون سے ٹکرایا اور تھوڑی سی جگہ کا پلاسٹر اکھڑ گیا۔

"اوہ اندھو....!" حمید دہاڑا۔ "دیکھتے نہیں۔ کہیں یہ اُدھڑا ہوا پلاسٹر تمہاری کھالیں اُدھڑنے

سبب نہ بن جائے مگر یہ صندوق کیسا ہے؟"

"صاحب نے بھجوایا ہے۔" ایک نوکر نے جواب دیا۔

حمید پھر میری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم دیکھ رہی ہو۔ ستون کا تھوڑا سا پلاسٹر اُتر گیا ہے۔ ل صاحب ابھی تشریف لا رہے ہوں گے۔ سب سے پہلے اسی ستون پر نظر پڑے گی۔ ایک ایک ے پر نظر رہتی ہے اُس شخص کی۔ بھلا ایسے شخص کے ساتھ کون شادی کرنا پسند کرے گی؟"

"اتنا ہوش مند ہونا تو بڑی اچھی بات ہے۔"

"ہاں تم کہہ سکتی ہو کیونکہ تم بقیہ زندگی کنواریوں کی طرح بسر کرو گی۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بائبل کے ورق الٹ رہی تھی اور حمید بُرا سا منہ بنائے ے اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

ٹھیک چھ بجے فریدی وہاں آیا۔ وہ سیدھا اُسی طرف چلا آیا تھا۔ لیکن اُس نے آتے ہی وہی کیا کی پیشین گوئی حمید کچھ دیر پہلے کر چکا تھا۔ وہ ستون کے ادھڑے ہوئے پلاسٹر کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"یہ پلاسٹر کیسے اُدھڑ گیا....؟"

"صندوق سے پوچھئے۔" حمید نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "لیکن صندوق یہی جواب دے گا نوکر جانیں۔ نوکروں سے ہرگز کچھ نہ پوچھئے گا ورنہ وہ سوچیں گے اتنا بڑا آدمی ہو کر اتنی سی ت کے لئے جواب طلب کرتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ تم کس صندوق کا تذکرہ کر رہے ہو؟"

"وہی جو آپ نے بھجوایا تھا۔ اب یہی جملہ لاطینی میں دہراؤں؟"

"میں نے کوئی صندوق نہیں بھجوایا تھا۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا۔ "وہ اسٹور روم میں موجود ہے۔"

فریدی اُسی حصے کی طرف جھپٹا جہاں اسٹور روم تھا۔ حمید بھی تقریباً دوڑتا ہوا اُس کے اتھ چل رہا تھا۔

فریدی اسٹور روم میں گھس پڑا اور حمید نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کیا۔

یہ لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اُس کی اونچائی تقریباً ڈھائی فٹ تھی اور لمبائی چار فٹ، چوڑائی بھی لا فٹ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔

فریدی نے اُس کا ڈھکن اٹھا دیا لیکن صندوق خالی تھا۔

"اونہو....!" حمید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ شاید اتنا وزنی تھا کہ اسے چار آدمی اٹھا کر

اندر لائے تھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "سارے دروازے بند کرادو۔ نصیر سے کہو کہ وہ تین آدمیوں کو رائفلوں سمیت عقبی پارک میں لے جائے اور ادھر تو کتے چھوٹے ہی ہوئے ہیں۔"

"یعنی کوئی آدمی اس صندوق میں یہاں آیا ہے۔"

"جلدی کرو۔"

لیکن پھر فوراً ہی کسی خیال کے تحت اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے رکنے کا اشارہ کیا۔ اُس کی نظر ایک گوشے کی طرف تھی جہاں لکڑی کے پرانے صندوقوں کے ڈھیر تھے۔ اُس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود آہستہ آہستہ اُس گوشے کی طرف بڑھا اور پھر اچانک حمید نے صندوق ایک دوسرے پر گرتے دیکھے۔ فریدی نے کسی کی ٹانگ پکڑ رکھی تھی۔

حمید بوکھلا کر آگے بڑھا۔

فریدی نے جھٹکا مارا لیکن اُس آدمی نے کسی سانپ کی طرح زمین پکڑلی تھی اور پھر جب وہ پلٹا تو کسی ایسے سانپ ہی کی طرح پلٹا جس کی دم پکڑنے کی کوشش کی گئی ہو۔

حمید کے حلق سے ایک تحیر آمیز سی چیخ نکلی.... یہ فنچ تھا.... اور فریدی کے بازوؤں میں لٹکا ہوا کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اُس کی گردن اُس کے ہاتھوں میں آجائے۔

"پٹخ دیجئے.... سالے کی ہڈیاں چور ہو جائیں۔" حمید دہاڑا لیکن فریدی اس مشورے پر عمل نہ کر سکا۔ پتہ نہیں فنچ نے اُسے اس کا موقع نہیں دیا تھا یا خود اُس نے ہی ایسا کرنا مناسب نہیں سمجھ تھا۔ فنچ تھوڑی دیر تک تو جدوجہد کرتا رہا مگر پھر اُس نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی داہنے ہاتھ سے اُس کی گردن پکڑے کسی مردہ چھپکلی کی طرح لٹکائے ہوئے تھا.... اور اسی طرح وہ برآمدے تک چلا آیا۔ فنچ کی آنکھیں بند تھیں اور اُس کی سانسیں بھی رک گئی تھیں۔

جیسے ہی میری سنگلٹن کی نظر اُس پر پڑی وہ چیخ مار کر کھڑی ہوگئی۔ "یہ.... یہ.... فنچ....!"

"ہاں.... میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔

"یہ.... یہ شاید.... مر گیا۔" میری قریب آکر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتی ہوئی بولی۔

"ہاں.... شاید....!" فریدی نے اُس کو اُسی طرح لٹکائے ہوئے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "یہ اُسی نیلے بیگ کے چکر میں آیا تھا۔"

"میں اس کے لئے رنجیدہ ہوں۔" میری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس کی وہ خواہش پوری نہ ہو سکی جس کے لئے اس نے اس زندگی میں قدم رکھا تھا۔"

"مجھے بھی افسوس ہے۔" فریدی اُسے فرش پر ڈالتا ہوا بولا۔

فنچ کی لاش حمید کو عجیب سی لگ رہی تھی اور اُس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اُسے وہی فنچ تسلیم کرلے جس نے ایک رات اُن دونوں کو چیلنج کیا تھا۔ وہ تو اُسے بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی فٹ پاتھ پر کوئی مفلوج فقیر سردی سے اکڑ کر مر گیا ہو۔

"اس کے کارنامے مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے۔" فریدی میری سے کہہ رہا تھا۔ "آج تک ایسا دلیر اور بے باک مجرم میری نظروں سے نہیں گذرا۔ مگر اس کی اس جہالت پر اسکے کارنامے ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی ننھا سا بچہ مصنوعی مونچھیں لگا کر بوڑھا بننے کی کوشش کرے۔"

پھر نہ جانے کیوں حمید بھی اُس کے لئے رنجیدہ ہو گیا۔ نوکر صحن میں کھڑے پلکیں جھپکا رہے تھے اور پورے گھر پر کچھ ماتمی سی فضا طاری ہو گئی تھی۔

لیکن یک بیک سب کی آنکھوں میں بجلی کوند گئی۔ کیونکہ فنچ اچانک اچھل کر راہداری کے دروازے کے قریب جا گرا تھا۔ پھر اُس نے راہداری میں چھلانگ لگائی۔

"لینا....!" حمید دہاڑ کر خود بھی جھپٹا۔ فریدی بھی دوڑ پڑا تھا۔

پھر جیسے ہی فنچ پورچ سے نکل کر عقبی پارک کی طرف بھاگا آٹھ دس خونخوار قسم کے کتے اُس پر جھپٹ پڑے لیکن فنچ کی تیز رفتاری کی داد دینی پڑے گی کیونکہ وہ انہیں کافی پیچھے چھوڑ گیا تھا۔

مگر... پھر وہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرا اور کتوں نے اُسے جا لیا۔ فریدی وغیرہ دور کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ لیکن حمید نے محسوس کیا کہ فریدی کچھ مضطرب سا نظر آنے لگا ہے۔ ویسے بھی جب فنچ اسطرح دھوکا دے کر نکل بھاگا تھا تو اُس نے بڑے بے اختیار انداز میں قہقہہ لگایا تھا۔

اور یک بیک پھر اُس نے فریدی کو ہنستے دیکھا کیونکہ دوسری طرف فنچ نے کتوں سے باقاعدہ جنگ شروع کردی تھی۔ اُس کے ایک ہاتھ میں بڑا سا چاقو تھا اور دوسرے ہاتھ میں کوٹ جو اُس نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اپنے جسم سے اتارا تھا۔

اب تک کئی کتے بُری طرح زخمی ہو چکے تھے۔

"اگر.... یہ بچ کر نکل جائے تو مجھے ان قیمتی کتوں کے مرنے کا ذرہ برابر بھی افسوس نہ ہوگا۔" فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا اور پھر حمید کی طرف مڑا جو ریوالور نکال چکا تھا۔

"خبردار....!" وہ اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "تمہیں اسے اس طرح ہلاک کرتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔"

"آپ ان کتوں کو آواز دے کر ہٹاتے کیوں نہیں؟" میری نے روہانسی آواز سے کہا۔

"یہ اس وقت میری نہیں سنیں گے کیونکہ قریب قریب سبھی زخمی ہو چکے ہیں۔"

"میں اسے بچاؤں گی۔" میری مجنونانہ انداز میں آگے بڑھی لیکن فریدی نے اُس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "پاگل نہ بنو تمہاری بوٹیاں بھی ہمیں نہ ملیں گی۔"

"مجھے چھوڑ دو.... مجھے چھوڑ دو۔" وہ پاگلوں کی طرح چیختی رہی۔ شاید سچ مچ اُس کا دماغ الٹ گیا تھا۔ وہ بالکل ہسٹیرائی قسم کا کوئی دورہ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چیختی رہی۔ "فنچ.... فنچ.... میرے بچے.... میرے بیٹے.... میں آ رہی ہوں۔ میرے بیٹے.... میرے بیٹے۔"

اور پھر وہ بے ہوش ہو کر بازو پر جھول گئی۔

دوسری طرف فنچ اُسی جوش و خروش کے ساتھ کتوں سے لڑ رہا تھا۔ تین کتے بالکل ہی بیکار ہو کر چیختے ہوئے زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ فریدی نے بے ہوش لڑکی کو وہیں گھاس پر ڈال دیا۔ وہ اُس لڑائی میں اس طرح محو ہو گیا تھا جیسے کوئی بچہ کسی بازی گر کے کمالات دیکھ رہا ہو۔

صرف فریدی ہی کی یہ کیفیت نہیں تھی بلکہ جتنے بھی وہاں کھڑے تھے سب کا یہی حال تھا۔ اب کتے سست پڑنے لگے تھے۔ دفعتاً ایک بار فنچ نے ایک لمبی دوڑ لگائی اور کتوں کو جھکائی دے کر ایک درخت پر چڑھ گیا۔

"میرے خدا....!" فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ "بلیوں اور بندروں سے بھی زیادہ پھرتیلا۔"

اور پھر انہوں نے دیکھا کہ فنچ بندروں کی طرح ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتا ہوا چہار دیواری کی طرف نکلا جا رہا ہے۔ نیچے کتے اُس کے کوٹ کی دھجیاں اڑا رہے تھے اور تین کتے اُن درختوں کے نیچے اچھلتے پھر رہے تھے جن پر فنچ چھلانگ لگاتا تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں فنچ دیوار پر نظر آیا اور اُس نے سیدھے کھڑے ہو کر اس طرح اپنا ہاتھ ہلایا جیسے "ٹاٹا" کہہ رہا ہو.... پھر وہ دوسری طرف کود گیا۔

فریدی کی محویت ختم ہو گئی اور اُس نے ہنس کر کہا۔ "تم نے دیکھا؟"

اور پھر وہ اُن کتوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میری کو اندر لے جاؤ۔ ڈاکٹر کو فون کرو۔"

رات تاریک تھی۔ انور ارشاد منزل کے نوکروں کے کوارٹروں کے قریب ٹہل رہا تھا۔ ڈنکی

کی نگرانی کرتے ہوئے اُسے چوتھا دن تھا۔ وہ روزانہ بلاناغہ یہاں آتے تھے لیکن اُن کی آمد کا مقرر نہیں تھا۔ وہ کسی وقت بھی آ سکتے تھے لیکن انور نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ بیگم ارشاد نے بغیر انہیں واپس کر دیا ہو۔ البتہ شاہینہ اُن سے کتراتی تھی۔ اُنہیں دیکھتے ہی اُس کے ہونٹ سے سکڑ جاتے۔

ایک بار انور نے فون پر بیگم ارشاد سے ڈنکی ٹیلس کے متعلق پوچھا۔

اُس نے جواب دیا۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ دونوں کس قسم کے آدمی ہیں۔ ویسے سوال یہ کہ آخر یہ روزانہ کیوں آتے ہیں جب کہ بزنس کی بات بھی طے ہو چکی ہے۔ پہلے تو بہت میں تھے۔ انہیں عجلت میں انگلینڈ واپس جانا تھا۔ اسی لئے انہوں نے تجارتی معاہدوں کی میں جلدی کی تھی۔ مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہیں رہ پڑنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔"

"اُن کا قیام کہاں ہے؟"

"نیاگرا ہوٹل میں....!"

"ٹھیک....!" انور نے کہا تھا۔ "میں نے انہیں وہاں چیک کرنے کی کوشش کی ہے کئی .... لیکن وہ وہاں نہیں ملے۔ یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے کمرے ضرور لے رکھے ہیں مگر شاذ و ی وہاں جاتے ہیں۔ وہاں رات تو انہوں نے ایک بار بھی نہیں بسر کی۔"

"انور....!" بیگم ارشاد نے بڑے جوش سے کہا تھا۔ "تم سچ مچ کام کر رہے ہو مگر اُس بلیک کے ساتھ ہی ساتھ وہ آدمی بھی ضروری ہے جس کے بازو پر سرخ نشان ہے۔ چالیس ہزار ارے ہیں اور تم یہ سمجھو کہ وہ تمہارے ہی پاس ہیں۔ اخراجات کی رقم الگ۔ اُس سے کوئی ل نہیں۔"

"کہاں دو کروڑ.... کہاں صرف چالیس ہزار....!"

"وہ مجھ سے دو پیسے بھی نہیں لے سکتا۔ خواہ میں فنا ہو جاؤں۔"

اس کے بعد گفتگو ختم ہو گئی تھی اور انور ابھی تک اُن لوگوں کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ معلوم کر سکا تھا جو کچھ بیگم ارشاد کو بتایا تھا لیکن اُس کی تگ و دو جاری ہی رہی۔

آج شام ہی اُسے شبہ تھا کہ آج یہاں کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اُس نے کئی خاص نوٹ کی تھیں۔ نوکروں کے کوارٹروں کے پیچھے اُسے جھاڑیوں میں ربر کا ایک لمبا سا پائپ ہوا ملا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ وہ عرصہ سے وہیں پڑا رہا ہوگا۔ لیکن جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ لایا گیا تھا اور کم از کم ابھی تک دھوپ یا پانی سے محفوظ رہا ہے۔ دوسری طرف اس عمارت کی

پشت پر ایک جگہ جھاڑیوں میں اُسے کچھ ایسے اوزار پڑے ملے جن کی مدد سے دروازے اور قفل بہ آسانی کھولے جاسکتے تھے۔ انور نے انہیں بھی جوں کا توں پڑا رہنے دیا۔ لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا کرنل فریدی کو اس کی اطلاع دے۔ لیکن پھر اُس نے سوچا کہ ایسی صورت میں وہ اُن چالیس ہزار سے محروم ہو جائے گا جو کچھ ہی دنوں کے لئے سہی اُس کی زندگی شاندار ضرور بنا دیتے۔ مگر وہ تنہا کہیں کھیل ہی نہ بگاڑ دے۔

وہ کافی دیر تک اسی ادھیڑ پن میں رہا اور پھر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس کی اطلاع کرنل فریدی کو نہیں دے گا۔ وہ پہلے بھی کئی معرکے تنہا ہی سر کر چکا تھا۔ اُسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ حالات صرف دو ہی قسم کے ہو سکتے ہیں۔ یا کام بن جائے گا یا بگڑ جائے گا بن جانے کی صورت میں اُس کے چالیس ہزار کھرے ہو جائیں گے اور اگر کام بگڑ گیا تب بھی اُس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ بیگم ارشاد اُسے مظلوم نہیں معلوم ہوتی تھی۔ آخر وہ اُس آدمی کے وجود کو پولیس سے کیوں چھپانا چاہتی ہے جس کی تلاش میں ہے۔ وہ آدمی اُس کے لئے یقیناً بڑی اہمیت رکھتا ہے ورنہ وہ اُس کے لئے چالیس ہزار کیوں خرچ کرتی اور وہ اُسے قانون کی نظروں میں بھی نہیں لانا چاہتی۔ انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بلیک میلر سے بھی زیادہ پولیس سے خائف ہے۔ پھر ایسی صورت میں اگر وہ گڑھے میں جاگرتی ہے تو اُسے اُس سے ہمدردی کیوں ہو۔ وہ اپنی کسی غیر قانونی حرکت کی سزا ضرور بھگتے گی۔

بہر حال یہ انور کا فیصلہ تھا کہ وہ کسی کو بھی ان حالات کی اطلاع نہیں دے گا۔ رات ہوتے ہی وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا۔ اُس کا قیام بھی نوکروں کے کوارٹروں ہی میں سے ایک میں تھا۔ تقریباً گیارہ بجے جب سب ملازمین اپنے کوارٹروں میں پہنچ گئے تو انور آہستہ سے رینگتا ہوا اپنے کوارٹر سے باہر نکل آیا۔ یہاں گہرا اندھیرا تھا۔ کمپاؤنڈ کا یہ حصہ عموماً تاریک ہی رہا کرتا تھا۔ وہ کوارٹروں کے عقب میں آیا۔ زمین پر پڑے ہی پڑے ربر کے اُس پائپ کو ٹٹولنے لگا جسے سر شام ہی وہاں دیکھ چکا تھا لیکن اب اُس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر اُسی طرح آگے بڑھنے لگا لیکن کچھ دور چلنے کے باوجود اُس پائپ کا سراغ نہ ملا اور انور نے مزید آگے بڑھنے کا خیال ترک کر دیا۔ وہ اس اندھیرے میں زہریلے کیڑوں کا شکار بھی ہو سکتا تھا۔

لیکن وہ مڑ ہی رہا تھا کہ اُسے عجیب قسم کی بو محسوس ہوئی۔ کچھ میٹھی میٹھی سی دماغ پراگندہ کر دینے والی بو۔ وہ اپنی ناک دبا کر بڑی تیزی سے مڑا اور اُس وقت تک نہیں رکا جب تک کہ اُس کا دم نہیں گھٹنے لگا۔ اب اُس پائپ کا مقصد اچھی طرح واضح ہو گیا تھا۔ اُس پائپ کے ذریعہ کوارٹروں

سنتھلک گیس پہنچائی جارہی تھی تاکہ ملازمین بے ہوش ہو جائیں.... تو یقیناً یہ رات ہنگامہ خیز ثابت ہونے والی تھی۔

انور کوارٹروں سے بہت دور نکل آیا تھا۔ اُس نے مالتی کی جھاڑیوں کے قریب سیدھے کھڑے ہو کر دو تین گہرے گہرے سانس لئے۔ یہاں کی فضا میں گیس کا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اب وہ بڑی تیزی سے اصل عمارت کی پشت پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن یہاں بھی وہ دیر سے پہنچا۔ وہ پُر اسرار لوگ اپنا کام کر چکے تھے۔ اُسے عقبی دروازہ کھلا ہوا ملا۔ انور پھر رک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اندر جائے یا نہ جائے۔ کیا اُسے اندر داخل ہونے کیلئے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر سر ہلا کر اُسی دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک طویل راہداری تھی اور بالکل تاریک۔ شاید انور اُس رات بھی اس راہداری میں نکل آیا تھا۔ جب نوجوان ... ٹیل نے اُس سے سانپ والا مذاق کیا تھا۔ انور بے آواز چلتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ پھر ایک جگہ اُسے رکنا پڑا۔ کیونکہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کی روشنی راہداری میں بھی پھیل گئی تھی۔ ...ں نے آہٹ لی اور جلد ہی اُسے معلوم ہو گیا کہ کمرے کے اندر کوئی نہیں ہے۔ پھر وہ دوسرے ہی لمحے میں کمرے کے اندر تھا۔ یہاں بلب روشن تھا اور کمرہ بالکل خالی تھا۔ البتہ ایک چیز نے فوراً ہی ...ر کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔ یہ ٹیلی فون تھا اور اس کا ریسیور کریڈل میں ہونے کی بجائے ...ز پر پڑا ہوا تھا اور میز کے نیچے ایک سلیپر نظر آیا۔ زنانہ سلیپر جس کا استر نہایت نفیس قسم کے ...ل کا تھا۔ انور نے دوسرے سلیپر کیلئے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی لیکن وہ نہ مل سکا۔ تو گویا یہاں کوئی ...رت کسی کو فون کر رہی تھی.... ٹھیک اُسی وقت اُسے یہاں سے اٹھا لیا گیا۔ جس کا ایک سلیپر ...ہیں رہ گیا اور ریسیور میز پر پڑا رہا۔ انور بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ اُس نے اپنے جوتے اتار دیئے تھے ...ہوا کی طرح راہداری طے کر رہا تھا۔ اس راہداری کے اختتام پر پھر وہی بڑا ہال تھا جہاں ایک رات ...ں نے جشن سالگرہ میں شرکت کی تھی۔ ہال میں روشنی نظر آرہی تھی۔ انور ابھی اُس کے دروازے سے دور ہی تھا کہ اس کا پیر کسی نرم چیز پر پڑا اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اُسے اٹھانے کیلئے جھکا۔ یہ بھی ایک سلیپر ہی تھا اور انور نے محسوس کیا کہ اُس کا استر بھی مخمل ہی کا ہے۔

انور آگے بڑھ کر دروازے کے شیشوں سے اندر جھانکنے لگا اور جو کچھ بھی اُسے نظر آیا اُس کے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔ اُس نے نے ہال میں شاہینہ اور بیگم ارشاد کے علاوہ تین آدمی اور بھی دیکھے۔ دو کے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپے ہوئے تھے اور تیسرا کوئی مجہول سا آدمی تھا۔ دبلا پتلا اور ...بامسا۔ اُس کے چہرے پر ڈاڑھی بھی تھی مگر الجھی ہوئی سی۔ اُس کے چہرے پر نقاب نہیں تھی۔

جسم پر ایک لمبا سا زرد رنگ کا لبادہ تھا۔ بیگم ارشاد سونے کے لباس میں اور ننگے پیر تھی۔ شاید وہ دونوں سلیپر اُسی کے تھے جو انور کو کچھ دیر پہلے ملے تھے۔

"تم اپنا داہنا ہاتھ کھولو۔" ایک نقاب پوش اُس مجہول آدمی سے کہہ رہا تھا۔ اُس نے اپنے داہنے ہاتھ کی آستین اوپر چڑھالی اور انور بے ساختہ چونک پڑا۔ کیونکہ وہ سرخ نشان یہاں سے بھی صاف نظر آرہا تھا۔ وہ یقیناً روپے ہی کے برابر رہا ہوگا اور بہت واضح۔

"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔" بیگم ارشاد نے کہا اور انور نے اُس کی آواز میں کسی قسم کی کمزوری نہیں محسوس کی البتہ شاہینہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

"یہ محض دھمکی نہیں ہے بیگم ارشاد۔" نقاب پوش غرایا۔ "تمہارے وہ خطوط بھی میرے پاس موجود ہیں جو تم نے اُس بلیک میلر کو وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔"

بیگم ارشاد کچھ نہیں بولی۔ صرف اُسے گھورتی رہی اور وہ مجہول سا زرد پوش آدمی اپنے ہونٹ چاٹ چاٹ کر شاہینہ کو گھورتا رہا۔ شاہینہ بھی کبھی کبھی اُس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

"دیکھوں تو وہ خطوط کیسے ہیں؟" بیگم ارشاد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بڑی چالاک ہو۔" نقاب پوش سر ہلا کر بولا۔ "خطوط میں تمہارے حوالے کردوں گا۔ دو کروڑ کا انتظام کردو۔ تمہارے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے اور پھر ابھی تمہیں پتہ نہیں کتنے دن زندہ رہنا پڑے اور تمہاری لڑکی کا مستقبل....!"

"خبر دار لڑکی کا نام نہ لینا۔" ایک دروازے سے آواز آئی اور نوجوان ڈنکی ٹیل کا چہرہ دکھائی دیا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور پھر اُس کے پیچھے بوڑھا ڈنکی ٹیل بھی نظر آیا۔ وہ بھی خالی ہاتھ نہیں تھا۔

"آج یہ چور پکڑا گیا۔ بڑی بات ہوئی۔" بوڑھے نے نقاب پوشوں کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا کر کہا۔ پھر اپنے بیٹے سے بولا۔ "تم دونوں کے نقاب اُتار دو۔"

نوجوان ڈنکی ٹیل آگے بڑھا۔ انور اس ماجرے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ وہ بھی کود پڑے لیکن پھر اُس نے یہ ارادہ ترک کردیا۔ بوڑھا ڈنکی ٹیل غیر معمولی قسم کے لباس میں تھا اور اُس کی چمڑے کی پیٹی سے ایک بہت بڑا تھیلا لٹک رہا تھا۔ دونوں نقاب پوش ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے۔ نوجوان ڈنکی ٹیل نے بڑی تیزی سے انہیں بے نقاب کردیا۔

"آہا.... سام....!" بوڑھے نے کہا۔ "میں سمجھا تھا شاید تم کریگ ہو۔ او سام گدھے۔ یہ ڈاکٹر نہیں ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ میں ہوں۔ پچھلے سال سے میں نے روپوشی اختیار کررکھی تھی۔ یہ چور

لوگوں کو خواہ مخواہ دھوکا دیتا رہا۔ میں فنچ کے ہاتھوں ذلیل ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے بہتر سمجھا کہ کچھ دن خاموش بیٹھوں.... او سام گدھے۔ کیا دیکھتا ہے۔ مار اس چوٹٹے کو۔"

سام چپ چاپ کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔ اچانک دھم سے کوئی فرش پر آکودا اور انور کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

یہ ایک چھوٹا سا آدمی تھا اور اُس کی مٹھی میں چاقو دبا ہوا تھا۔ اُس نے بوڑھے ڈنکی ٹیل کو دیکھ کر بندروں کی طرح دانت نکالے اور اُس کی پرواہ کئے بغیر اُس پر چھلانگ لگادی کہ اُس کے ہاتھ میں ریوالور ہے۔

انور بوڑھے کی پھرتی پر دنگ رہ گیا بلکہ اُس کی سمجھ ہی میں نہ آسکا کہ وہ سب کچھ آن واحد میں کیسے ہوگیا۔ ریوالور کا رخ بھی اُن دونوں کی طرف رہا اور چھلانگ لگانے والا چھوٹا آدمی اُس تھیلے میں بھی پہنچ گیا جو ایک ہی لمحہ پہلے بوڑھے ڈنکی ٹیل کی کمر سے لٹکا ہوا تھا۔

بوڑھا تھیلے کے منہ کو بند کرتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "تو تم اب آرام کرو تھوڑی دیر۔ پھر تم سے بھی سمجھوں گا.... ہاں.... ہاں شوق سے تم اپنا چاقو اس تھیلے پر آزماؤ۔ اگر تم اسے کاٹ سکو تو میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

اُس نے تھیلے کو ایک طرف ڈال دیا اور پھر اُن دونوں کی طرف مڑ کر دہاڑا۔ "سام کے بچے تو کھڑا منہ دیکھ رہا ہے اسے مارتا کیوں نہیں جو تجھے ایک سال سے ذلیل کرتا رہا ہے۔"

"یہ جھوٹا ہے۔" دوسرے آدمی نے بوڑھے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں.... چور.... میں جھوٹا ہوں.... سام....!" اُس نے پھر سام کو للکارا اور سام یک بیک دوسرے آدمی پر ٹوٹ پڑا۔

"کیا کرتا ہے گدھے....!" دوسرے نے کہا۔

"تم چور ہو۔" سام دانت پیس کر بولا۔ "تم نے ڈاکٹر ڈریڈ کا میک اپ کررکھا ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ ایسا چوہا نہیں ہو سکتا جو فنچ جیسے حقیر کیڑے سے ڈر کر بھاگتا پھرے۔"

"میں تجھے مار ڈالوں گا سام! ہوش میں آ۔" دوسرا آدمی غرایا۔

پھر انور نے اُن دونوں کو ایک دوسرے پر جھپٹتے دیکھا۔ بڑا عجیب کھیل تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا۔ اُس کی جیب میں بھرا ہوا ریوالور موجود تھا اور اُسے اطمینان تھا کہ وہ یہیں کھڑے کھڑے بیگم ارشاد کی مدد کرسکے گا۔ اس دروازے کی اوٹ سے وہ اُن سبھوں کو ختم کرسکتا تھا۔ اُس نے اُس زرد پوش مجہول کی طرف بھی دیکھا جو کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں

طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس کی نظر تھیلے پر پڑی جو ادھر اُدھر اچھلتا پھر رہا تھا اور وہ دونوں لڑ رہے تھے۔ شاہینہ اور بیگم ارشاد ایک دوسرے سے چمٹی ہوئی بُری طرح کانپ رہی تھیں۔

پھر نہ جانے کیسے اُس تھیلے کا منہ کھل گیا اور وہ چھوٹا آدمی بجلی کی سی سرعت سے دونوں لڑنے والوں کے درمیان آگیا۔

پھر ایک چیخ ہال میں گونج گئی۔ ایک آدمی دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ ننھے آدمی نے چاقو ہاتھ سے پھینک دیا اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا بوڑھے ڈنکی ٹیل سے بولا۔ "اب تم مجھے شوق سے حراست میں لے لو.... کرنل فریدی۔"

ڈنکی ٹیل کا ریوالور والا ہاتھ نیچے جھک گیا۔

مرنے والے کا ساتھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بوڑھے ڈنکی ٹیل کو دیکھ رہا تھا۔ ہال میں تقریباً سبھی بھونچکے نظر آرہے تھے مگر زرد پوش مجہول کی پچھلی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی تھی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا فنچ....!" ڈنکی ٹیل غرایا۔

"میں نے جو کچھ بھی کیا ہے اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔" چھوٹے آدمی نے کہا اور اُسی طرح ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا حالانکہ اب ڈنکی ٹیل کا ریوالور اُس کی طرف نہیں اٹھا ہوا تھا۔ انور نے بھی اُس کی زبان سے کرنل فریدی کا نام سنا تھا اور سناٹے میں آگیا تھا۔ اگر فریدی کا نام نہ سنتا تو اس قتل کے بعد بے تحاشہ فائرنگ کرتا ہوا اندر گھس پڑتا۔ لیکن اب اُس نے نہایت اطمینان سے دروازہ کھولا اور ہال میں داخل ہو گیا۔

نوجوان ڈنکی ٹیل سام کے ہتھکڑیاں لگا رہا تھا۔

دفعتاً بیگم ارشاد کھڑی ہو گئی اور اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں بوڑھے ڈنکی ٹیل کو مخاطب کیا۔

"کیا آپ سچ مچ کرنل فریدی ہیں؟"

"ہاں بیگم ارشاد... کیا تمہیں وہ رات یاد ہے جب کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر ہماری ملاقات ہوئی تھی۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"اور تم اسی آدمی کی تلاش میں بھٹکتے رہنے کے بعد واپس آئی تھیں۔" فریدی نے زرد پوش آدمی کی طرف اشارہ کیا جواب بھی پہلے ہی کی طرح کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"اوہ.... تو آپ بھی یہی کہانی لے کر آئے ہیں۔" بیگم ارشاد نے مسکرانے کی کوشش کی۔

دفعتاً نوجوان ڈنکی ٹیل نے انور کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"تمہارا اچھا فرزند....!" انور نے اردو میں کہا۔

"گٹ آؤٹ....!" اُس نے ریوالور ہلا کر کہا۔

"انور....!" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ "تم بہت دنوں سے میرے پیچھے رہے ہو۔"

انور کچھ نہ بولا۔ وہ آگے بڑھ کر ڈاکٹر ڈریڈ کی لاش پر جھک گیا تھا۔

"زندہ ہے یا مر گیا؟" فریدی نے لاپروائی سے پوچھا۔

"ٹھنڈا ہو چکا ہے....!" انور نے جواب دیا۔

"فنچ کا ہاتھ تھا کرنل۔" فنچ نے بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر کہا۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے اُسے جھڑک دیا اور بیگم ارشاد سے بولا۔ "اگر تم بھی اپنے ہاتھ ہتھکڑیوں کے لئے پیش کر دو تو بہتر ہے۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں؟" بیگم ارشاد بپھر گئی۔

"تمہارے خطوط اور دوسرے کاغذات میرے پاس ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"فنچ نے وہ کاغذات ڈاکٹر ڈریڈ کے پاس سے اڑائے تھے اور پھر وہ میرے ہاتھ لگ گئے۔"

بیگم ارشاد پہلے تو کھڑی ہانپتی رہی پھر دوڑتی ہوئی ہال سے نکل گئی۔

"حمید اسے دیکھو۔" فریدی نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ نوجوان ڈنکی ٹیل بھی دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

شاہینہ نے بھی اٹھنا چاہا لیکن فریدی نے کہا۔ "تم جہاں ہو وہیں بیٹھی رہو گی۔"

شاہینہ اس طرح بیٹھ گئی جیسے اُس کے پیروں میں کھڑے ہونے کی قوت ہی نہ ہو۔

"اُن کاغذات میں تم کیوں دلچسپی لے رہے تھے؟" فریدی نے فنچ سے پوچھا۔

"محض اس لئے کہ ڈریڈ بھی اُن میں دلچسپی لے رہا تھا۔ میں کئی سال سے اُسے ہر کام پر شکست دیتا آیا ہوں۔ ایک دن وہ بھی تھا جب میری بچی کی لاش سڑک پر پڑی ہوئی تھی۔ میں لوگوں سے کہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ پولیس اسٹیشن تک چلیں۔ لیکن وہ اس طرح خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتے تھے جیسے ڈریڈ انہیں بھی مار ڈالے گا۔ میں بڑی بے بسی سے رویا تھا۔ مگر آج دیکھو.... وہ پڑا ہے ڈریڈ۔ ان چھوٹے چھوٹے نحیف ہاتھوں نے اُسے موت کی گھاٹ اتارا ہے.... ہاہاہا.... وہ بے بس فنچ کہاں ہے وہ اُس مظلوم بچی کے بعد ہی مر گیا تھا۔"

"خدا کے لئے مجھے بتایئے کرنل، یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ورنہ میرا دم نکل جائے گا۔"

"مجھے افسوس ہے شاہینہ وہ تمہارے لئے کوئی اچھی خبر نہ ہو گی۔" فریدی نے جواب دیا۔

شاہینہ اس طرح خاموش ہوگئی جیسے وہ کسی بُری خبر کے سننے سے ڈرتی ہو۔ انور اُس ننھے سے آدمی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً حمید دوڑتا ہوا اندر آیا۔

"اُس نے.... اُس نے.... عمارت میں آگ لگادی ہے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "آگ تیزی سے.... پھیل رہی ہے.... نہ جانے پٹرول کے کتنے ٹین الٹ دیئے ہیں۔"

"کدھر.... آگ کس حصے میں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"چاروں طرف....!"

"کیا بکتے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ اتنی جلدی؟"

"اوہ.... عمارت کے چاروں طرف دیوار سے ملی ہوئی پتلی سی نالیاں ہیں۔ انہیں میں پٹرول بہا کر اُس نے آگ لگادی ہے۔ آگ بہہ رہی ہے چاروں طرف۔"

"اوہ.... نکلو.... انور تم اس زرد لباس والے اور شاہینہ کو سنبھالو۔ حمید.... تم سام کو دیکھو.... اور" اُس نے فنچ کا ہاتھ پکڑلیا۔

"نہیں کرنل شکریہ۔ میں اپنی حفاظت آپ کرسکتا ہوں۔" اُس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم قیدی ہو.... چلو....!" فریدی غرایا۔

"ہاں.... میں قیدی ہوں لیکن اگر میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاؤں تو مجھ سے زیادہ احمق ساری دنیا میں نہ ملے گا۔"

پھر فریدی کو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی لیس دار مچھلی ہاتھ سے نکل گئی ہو۔ فنچ اچھل کر بھاگا۔

"تم لوگ نکلنے کی فکر کرو.... جاؤ۔" فریدی بقیہ لوگوں سے کہتا ہوا اُس کے پیچھے دوڑا۔

حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ فریدی کو ایسی صورت میں تنہا چھوڑدے لیکن اُس پر خود اُسی کی طرف سے ایک ذمہ داری عائد کردی گئی تھی۔ یعنی وہ سب کو صحیح و سلامت وہاں سے نکال لیجائے۔

وہ کچھ ہی دور چلے ہوں گے کہ انہیں آنچ محسوس ہونے لگی اور اسی دوران میں انور نے یہ بھی محسوس کیا کہ شاہینہ پر غشی طاری ہوتی جارہی ہے۔ پھر اگر وہ اُسے سنبھال نہ لیتا تو اُسی کیساتھ خود بھی گرا ہوتا۔ بدقت تمام اُس نے اُسے کاندھے پر ڈالا اور زرد پوش مجہول کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلتا رہا۔ لیکن اب اُس نے بھی بولنا شروع کردیا تھا۔ وہ دانت پر دانت جمائے کہہ رہا تھا۔

"اس لڑکی کو میرے کاندھے پر ڈال دو.... کتنی چھوٹی ہے.... ہائے.... ہائے۔"

"چل بے خاموشی سے۔" حمید پلٹ کر دہاڑا۔ "ورنہ گردن توڑدوں گا۔"

پھر وہ جدھر بھی گئے انہیں کھڑکیوں اور دروازوں سے آگ کی لپٹیں دکھائی دیں۔ کمپاؤنڈ میں لوگ چیخ رہے تھے اور اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ پھر کچھ لوگ کسی نہ کسی طرح اندر گھسے اور انہوں نے شدید ترین جدوجہد کے بعد انہیں باہر نکالا۔

حمید نے باہر نکلتے ہی فریدی کو آوازیں دیں لیکن کہیں جواب نہ ملا۔ دفعتاً اُسے قریبی تھانے کے کچھ کانسٹیبل نظر آئے۔ اُن کے ساتھ ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔ حمید نے جلدی جلدی اُسے کچھ نہ کچھ بتانے کی کوشش کی اور قیدیوں کو اُس کے سپرد کرکے اُس نے ایک بار پھر آگ میں چھلانگ دی۔

"فریدی صاحب.... فریدی صاحب۔" وہ چاروں طرف چیختا پھر رہا تھا۔ اور آگ اب آہستہ آہستہ اندر بھی اپنا تسلط جمانے لگی تھی۔

چیختے چیختے حمید کا حلق خشک ہوگیا لیکن جواب نہ ملا۔ وہ ایک ایسے کمرے میں پھنس گیا تھا جہاں ہر طرف آگ کی لپٹیں نظر آرہی تھیں۔ اس کا سارا جسم پسینے سے تر ہورہا تھا اور ذہن جواب دے رہا تھا۔ اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بہت دور سے اُسے آواز دے رہا ہو۔ اُس نے "ہاں" کہنے کے لئے حلق پر زور دیا مگر آواز نہ نکل سکی۔ آگ میں گھرے ہونے کے باوجود بھی اُس کے سامنے اب تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُس کے منہ میں جلتی ہوئی سلاخ ٹھونس رہا ہو۔

"اُم.... اُم.... نہیں۔" وہ اچھل پڑا اور کوئی چیز فرش پر گر کر چھنچھنائی۔

پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ وہ اپنی خواب گاہ میں تھا اور فریدی اس کی مسہری کے قریب بیٹھا ہوا شاید اُس کے حلق میں دوا اتارنے کی کوشش کررہا تھا۔

"فادر....!" حمید چنگھاڑ کر اُس کی گردن سے چمٹ گیا۔

"حمید گدھے! میں بہت خفا ہوں تم سے۔ تم باہر نکل آنے کے بعد پھر اندر کیوں چلے گئے تھے۔ میں تو نہایت آسانی سے پہلے ہی نکل گیا تھا۔ وہ نکل گیا نا سوٗر۔"

"فنچ نکل گیا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... وہ نکل گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے بندر پکڑنے کی مشق آج تک نہیں کی۔ اب کروں گا۔"

"مگر وہ مردود آپ کو پہچان گیا تھا۔"

"ہاں بعد میں پہچان لیا تھا۔ ورنہ پہلے تو وہ مجھے ڈاکٹر ڈریڈ ہی سمجھا تھا۔ اسے چھوڑو۔ خدا کی پناہ! تمہیں وہاں اُس آگ سے نکالنے میں کتنی دشواریاں پیش آئی تھیں۔ اگر مجھے ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو تم حمید مسلم بن گئے ہوتے۔"

"مگر میں شاید بالکل ٹھیک ہوں۔" حمید بوکھلا کر اپنا جسم ٹٹولتا ہوا بولا۔

"بالکل..... لیکن میرے پیر دیکھو۔"

حمید نے جھک کر دیکھا اور لرز گیا..... اُس کے دونوں پیر آبلوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

"میں سمجھا تھا شاید آپ کہیں گھر گئے ہیں۔" حمید نے کہا..... کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "بیگم ارشاد ملی تھی؟"

"ہاں..... لیکن کوئلے کی شکل میں۔ شاید اُس نے اپنے جسم پر بھی پٹرول چھڑک کر آگ لگالی تھی۔"

"لیکن اُس کا جرم کیا تھا؟"

"بہت بڑا جرم۔ مگر تھی بڑے گردے کی عورت، زندگی بھر کوئی نہ کوئی اُسے بلیک میل ہی کرتا رہا تھا۔ وہ زرد پوش فرشتہ اس کیس کی اہم ترین کڑی تھا۔ تم بتاؤ وہ کون ہو سکتا ہے۔ بیگم ارشاد کو اس کی تلاش تھی اور ڈریڈ اس کے سلسلے میں اُسے بلیک میل کر رہا تھا۔"

"اُس کا کوئی عاشق ہوگا۔"

"ہشت! وہ سر ارشاد کا لڑکا ہے۔ اوہو! تمہاری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ہاں حمید صاحب کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ وہ ایک ارب پتی کا لڑکا ہے۔ مگر گم نامی اور عسرت کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اگر مجھے وہ نیلا بیگ نہ ملتا تو شاید یہ کہانی پردہ راز ہی میں رہتی۔ ارشاد کی دو بیویاں تھیں۔ ایک اُس لڑکے کی ماں اور ایک یہ جو جل کر مر گئی۔ یہ کسی معمولی آدمی کی مطلقہ تھی اور شاہینہ دراصل اُسی آدمی کی لڑکی ہے۔ کسی طرح یہ ارشاد سے آٹکرائی اور اُس نے اس سے نکاح کر لیا۔ ارشاد کی پہلی بیوی سے ایک بچہ ہوا اور ایام زچگی میں وہ کسی وجہ سے پاگل ہو گئی۔ ایک صبح ارشاد کو معلوم ہوا کہ بیوی اور بچہ دونوں غائب ہیں حالانکہ دماغ ماؤف ہو جانے کے بعد سے بچہ اُس سے الگ ہی رکھا جاتا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ غائب ہو گیا۔ دو دن بعد وہ شہر کے ایک حصے میں مل گئی لیکن بچہ اُس کے ساتھ نہیں تھا لہٰذا خیال کیا گیا کہ ممکن ہے دیوانگی میں وہ اُسے کہیں پھینک آئی ہو۔ کافی عرصے تک بچے کی تلاش جاری رہی۔ اس سلسلے میں جو اشتہارات شائع ہوئے اُن میں اُس داغ کا حوالہ ضرور ہوتا تھا۔ اب ڈریڈ اُس کے بازو پر بیگم ارشاد کو دکھا رہا تھا۔ اب سنو! لڑکے پر یہ

گذری تھی کہ بیگم ارشاد نے اُسے اپنے کسی معتبر آدمی کے سپرد کر کے شاید مار ڈالنے کی اسکیم بنائی تھی۔ لیکن اس معتبر آدمی نے اُسے دھوکا دیا۔ بچے کو مار ڈالنے کی بجائے پرورش کر ڈالی اور زندگی بھر بیگم ارشاد کو بلیک میل کر کے لمبی لمبی رقمیں وصول کرتا رہا۔ اُس نیلے بیگ سے بیگم ارشاد کے خطوط بھی نکلے ہیں جن میں وہ بار بار اُس سے استدعا کرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ وہ اُس لڑکے کو مار ڈالے اور اُس کے معاوضے میں وہ ایک کروڑ کی رقم تک جا پہنچتی ہے۔"

"گڈ گاڈ.....!"

"اور پھر نہ جانے کس طرح یہ زرد پوش فرشتہ ڈاکٹر ڈریڈ کے ہاتھ لگتا ہے اور اب وہ اُسے بلیک میل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے اگر وہ لڑکا منظر عام پر آجاتا تو بیگم ارشاد جیل میں ہوتی اور شاہینہ دردر کی بھیک مانگتی پھرتی۔ اب کیا رہ گیا..... ڈریڈ اور بیگم ارشاد کی وجہ سے دو باتیں شاید کبھی نہ معلوم ہو سکیں۔ ایک تو یہ کہ وہ آدمی کون تھا جسے بیگم ارشاد نے بچے کو مار ڈالنے پر آمادہ کیا تھا اور دوسری بات یہ کہ ڈاکٹر ڈریڈ کو ان حالات کا علم کیسے ہوا تھا۔"

"ارے یہ تو زرد پوش فرشتے ہی سے معلوم ہو جائے گا۔"

"مشکل ہے۔" فریدی نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "ڈریڈ کے زہروں نے اُس کا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔ شاید وہ کبھی ٹھیک نہ ہو سکے۔ شاید اُسے اپنے قابو میں رکھنے کیلئے اُس نے ایسا کیا تھا۔"

"کیا وہ سر ارشاد کا لڑکا ثابت کیا جاسکے گا؟ جبکہ اُس آدمی کا بھی پتہ نہیں جس نے اُس کی پرورش کی تھی۔ مگر ممکن ہے ان واقعات کا اعلان ہو جانے پر وہ خود ہی سامنے آجائے۔"

"کیا ڈریڈ نے اُسے زندہ چھوڑا ہوگا؟ ہرگز نہیں حمید صاحب۔ یہ ثابت کرنا میرا کام ہے کہ وہ سر ارشاد کا لڑکا ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"اُف..... فوہ! کتنے دنوں تک ہم ڈنکی ٹیل بن کر جھک مارتے رہے ہیں۔ بعض اوقات تو سچ مچ خود کو گدھے کی دم تصور کرنے لگتا تھا اور اُس دن تو گدھے کا پٹھا ہو گیا تھا جب شاہینہ نے میرے گالوں پر تھپڑ مارے تھے۔ خدا کرے اُس کے ہاتھ میں کیڑے پڑیں۔"

"تم سے کس نے کہا تھا کہ اُس سے اظہار عشق کر بیٹھو۔"

"انور کا تو دم ہی نکل گیا تھا..... وہ بھی کیا یاد کرے گا۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ ورنہ اس بار ڈریڈ کا ہاتھ آنا مشکل ہی ہو جاتا۔"

"مگر اس کو فنچ نے ختم کیا۔"

"میں تو اُسے کبھی ہاتھ نہ لگاتا۔ اسکیم یہ تھی کہ اُسے سام کے ہاتھوں ختم کرادوں۔ وہ مجرم جو خود کو بادشاہ سمجھتے ہیں انہیں میں غلاموں سے پٹوانے کا عادی ہوں۔ اور فنچ جیسے لوگوں کے لئے تھیلے تیار کرتا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ڈریڈ کا تعاقب کرتا ہوا وہاں ضرور پہنچے گا۔"

"مگر آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا تھا کہ آج ڈریڈ وہاں آرہا ہے؟"

"مجھے اطلاع ملی تھی کہ اُس کے آدمی ارشاد منزل میں کچھ انتظامات کررہے ہیں۔ انتظامات کی تفصیل سے صاف ظاہر تھا کہ آج وہاں ضرور کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔"

کچھ دیر بعد حمید بولا۔ "آہا.... اُس کا کیا حال ہے؟.... میری کا....!"

"وہ.... اُس کی ذہنی حالت ابھی تک اعتدال پر نہیں آئی۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ اُسے پاگل خانے بھجوادیا جائے۔"

حمید ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ لیٹ گیا۔

(ختم شد)

ابنِ صفی

لد نمبر
20

جاسوسی دنیا

64- شیطان کی محبوبہ

65- انوکھے رقاص

66- پُراسرار موجد

پیشرس

ایک طویل عرصے کے بعد آپ ''شیطان کی محبوبہ'' کے روپ میں ایسی کہانی دیکھیں گے جس کا مزہ چٹخارہ، لطف و ذائقہ انوکھا ہے۔ اس کہانی کو پڑھ کر بے اختیار ابن صفی کی ایسی کہانیاں یاد آجاتی ہیں جن میں مونچھ مونڈنے والی، دوہرا قتل وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ شیطان کی محبوبہ اس لحاظ سے ابن صفی کے ان چند کارناموں سے ایک ہے جن میں ابن صفی کا مخصوص انداز ظرافت اور شگفتگی مکمل طور پر موجود ہے یا ''ابن صفیت'' کی جلوہ گری ہے۔

اس کہانی کے انوکھے پن اور خوبصورتی کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حمید اس میں شگوفے چھوڑنے والا آلۂ تفریح نہیں ہے بلکہ قریب قریب تین چوتھائی کیس اُسکا رہن منت ہے اور فریدی ایک ہدایت کار کی حیثیت سے نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حمید میدانِ عمل میں آئیگا تو قہقہوں کی بارش بھی ہوگی اور مسکراہٹوں کی پھلجھڑیاں بھی چھوٹیں گی۔

ادھر گذشتہ آٹھ مہینے سے مسلسل کہانیوں اور بھیانک مجرموں نے ایک ایسی فضا بنا دی تھی جو بہت سرد تھی ''شیطان کی محبوبہ'' برف کی طرح جمے ہوئے اس ماحول میں حرارت پیدا کرتی ہے۔ اس کی مسز شوخ کا کردار اپنی رنگینی اور دلکشی کے علاوہ ایسے نفسیاتی جھٹکے دیتا ہے کہ ہر قدم پر آدمی چونک اٹھتا ہے اور انتہا میں پہنچ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ مخصوص قسم کے کردار کی تخلیق میں جو ملکہ ابن صفی کو حاصل ہے اس کی گرد کو پانا بھی مشکل ہے۔

اس کہانی کو حمید کی کہانی یا حمید کا کارنامہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آخری صفحات تک اس طرح ابن صفی نے حمید کو اس بار پیش کیا ہے کہ ہم بے اختیار اس سے محبت کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ حمید کے کردار کا یہ رخ اُسے ہم سے اتنا قریب کردیتا ہے، اُسے اتنا مضبوط، دلکش اور خوبصورت کردار کا مالک بنادیتا ہے کہ واقعتاً یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ کسی ناول کا کردار نہیں بلکہ گوشت و پوست کا جیتا جاگتا آدمی ہے۔ انہیں خصوصیات کی بناء پر شیطان کی محبوبہ ناقابل فراموش کارنامہ بن گئی ہے۔

خون کی لکیر

نیاگرا کے ریکریئیشن ہال میں بیلے کی تیاریاں تھیں۔ ایک غیر ملکی پارٹی اپنے کمالات کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔ اسٹیج سے ابھی پردہ نہیں ہٹا تھا۔ ہال میں قمقمے جگمگا رہے تھے، قہقہے اچھل رہے تھے اور زندگی تمام رعنائیوں سمیت جلوہ فگن تھی۔

زندگی جلوہ فگن تھی اور قاسم کی طبیعت اتنی مگن تھی کہ وہ اس وقت قارون کی قبر پر بھی لات ماردیتا۔ وہ اب تک بیروں کو تقریباً پچاس روپے بطور بخشش دے چکا تھا، اور ریکریئیشن ہال ہی میں بیٹھے بیٹھے اتنا کھا چکا تھا کہ معمولی دل گردے والے کا پیٹ ہی پھٹ جاتا۔

بات صرف اتنی تھی کہ قریب ہی بیٹھی ہوئی ایک لڑکی نے شائد اپنے ساتھی کو ازراہ مذاق پیٹو کہہ کر اس کی اس صفت کو اپنی پسندیدگی کا باعث قرار دیا تھا۔

حمید نے قاسم کو لاکھ سمجھایا کہ اس نے اپنے ساتھی کو بیوقوف بنایا ہوگا۔ دنیا کی کوئی عورت کسی پیٹو آدمی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن وہ قاسم ہی کیا جس کا معدہ ذہن کی اطاعت قبول کرلے۔ وہ بڑی شدومد کے ساتھ اپنے پیٹو پن کا مظاہرہ کرتا رہا اور پھر آخر کار وہ لڑکی اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگئی۔

''ابے.... دیکھ رہی ہے حمید بھائی'' وہ جھک کر آہستہ سے حمید کے کان میں بولا۔

''خدا کرے اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں۔''

''تمہاری خود پھوٹ جائیں۔'' قاسم اس انداز میں بگڑ گیا جیسے اس لڑکی سے پرانی

شناسائی ہو۔

"قاسم...!"

"قیا ہے.....!" قاسم غرایا۔

"خدا تمہیں اتنی عقل دے کہ تم..... کہ تم..... کہ تم..... مم مم.....!"

"تم خود مم مم.....!" قاسم پھر جھلا گیا۔

مگر اس "مم مم" کی وجہ دراصل ایک دوسری عورت تھی جس پر اچانک حمید کی نظر پڑی اور وہ جملہ پورا نہ کرسکا۔ پھر قاسم کی نظر بھی اُدھر ہی اٹھ گئی۔

"ارے باپ رے..... حمید بھائی..... ارے..... یہ تو..... یہ تو.....!"

"قاسم.....!"

"کیا ہے..... پیارے بھائی..... اِی..... اِی.....!"

"میرے کفن دفن کا انتظام کرو۔"

"ارے..... کیوں پریشان کرتے ہو۔" قاسم اس طرح بوکھلا گیا جیسے سچ مچ حمید کا دم نکلنے والا ہو۔

ویسے وہ عورت اتنی ہی پرکشش تھی کہ حمید نے قدیم شاعری کے عاشقوں کی طرح اپنے لئے گوروکفن کا تذکرہ مناسب سمجھا۔ اس کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ متناسب الاعضا تھی اور سیکس اپیل رکھنے والے خدوخال کی مالک تھی۔ اس کی آنکھوں میں اتنی شوخی تھی کہ وہ سکوت کے عالم میں بھی بولتی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

اُس کے ساتھ ایک پروفیسر ٹائپ بوڑھا مرد تھا جس کے سر پر بمشکل تمام مٹھی بھر سفید بال رہے ہوں گے۔ ڈاڑھی بھی رکھتا تھا مگر انگریزی وضع کی۔ لباس بھی مغربی ہی تھا۔ عورت ہلکے نارنجی رنگ کے نائیلون کی ساری میں تھی۔

"قاسم.....!" حمید نے کہا۔ "ان کے قریب ہی دو تین سیٹیں خالی ہیں۔"

"بے شک..... خالی ہیں۔" قاسم بولا۔

"چلو تو ادھر ہی نکل چلیں۔" حمید نے کہا۔

"مگر..... یہ ادھر والی مجھے دیخ رہی ہے۔" قاسم بڑبڑایا۔

"اچھا تو تم یہیں بیٹھو.....!"

"یہ نہیں ہوسا کتا۔"

"اچھا تو تم بھی چلو۔"

"یہ بھی نہیں ہوسکتا۔"

"تب تم جہنم میں جاؤ..... میں جا رہا ہوں۔"

"میں ٹانگ پکڑ کر کھینچ لوں گا۔" قاسم نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"میں بالکل ہوش میں ہوں۔" قاسم ہنسنے لگا۔ "اچھا ٹانگ نہیں پڑوں گا مگر اُس کے ابا میاں کو آواز دوں گا کہ بچاؤ لونڈیا کو۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ آج شاید قاسم بھی موڈ میں تھا لیکن اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا۔ وہ سچ مچ بوڑھے کو آواز دے کر یہی جملہ کہہ بھی سکتا تھا۔ قاسم ہی ٹھہرا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر یک بیک بولا۔

"کیا سنا.....؟"

"وہ کیا کہہ رہی ہے۔"

"قون.....!"

"وہی جس کے لئے تم یہاں سے اٹھنا نہیں چاہتے۔"

"کیا کہہ رہی ہے۔" قاسم نے اس کی طرف جھک کر پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"کہہ رہی ہے کہ یہ کم بخت موٹا منحوس معلوم ہوتا ہے۔"

"نہیں.....!"

"میں نے خود سنا ہے اپنے کانوں سے۔ تم نے بھی سنا ہوگا۔ مگر تم اعتراف کیوں کرنے لگے۔"

"نہیں الاقسم میں نے نہیں سنا۔"

"اُس نے کہا تھا...... تم نے سنا تھا۔ تم جھوٹے ہو۔"

"میں نے نہیں سنا تھا۔ وہ خود ہوگی۔ سالی منحوس۔ صورت تو دیکھو جیسے ٹی بی ہو رہا ہو۔ مردگی تم مردگی۔"

حمید نہایت اطمینان سے اٹھا اور قاسم نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اُس عورت کے پاس چار کرسیاں خالی تھیں۔ حمید تو اُس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور قاسم اس کے بعد۔

عورت کے لباس سے ایووے کولون کی بھینی بھینی مہک اٹھ رہی تھی۔ قاسم نے نتھنے پھلائے اور اس طرح دم کھینچا جیسے ایک ہی کوشش میں ساری خوشبو سمیٹ لے جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

پھر اُس نے جھک کر پوچھا۔ "یہ بیلے کیا ہوتا ہے حمید بھائی۔"

"بلبل کا بچہ...... خاموش رہو۔"

"آپ بیلے نہیں جانتے۔" دفعتاً بوڑھے نے جھک کر پوچھا۔

"جی نہیں۔" قاسم نے دانت نکال دیئے۔

"کتھا کلی، سمجھتے ہیں۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"اوہا...... اچھا...... بیلے کی کلی...... گیا...... گیا۔"

عورت بے اختیار مسکرا پڑی۔ لیکن اس نے ان دونوں کی طرف نہیں دیکھا۔

"خیر ابھی دیکھ لیجئے گا کہ بیلے کیا چیز ہے۔" بوڑھے نے مسکرا کر کہا اور دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ حمید کو قاسم پر بہت شدت سے غصہ آیا تھا۔ مگر وہ خاموش ہی رہ گیا۔

کچھ دیر بعد پردہ سرکا اور پروگرام شروع ہوگیا۔

"ارے..... یہ تو گونگی ہیں۔" قاسم بڑبڑایا۔ "لاحول ولا قوۃ...... میرا دم گھٹ رہا ہے۔ کیا یہ گائیں گی نہیں۔"

"قاسم خاموش رہو۔" حمید اُس کے پیر پر پیر رکھ کر بولا۔

"نہیں خاموش رہوں گا میں بور ہو رہا ہوں۔ اس بیلے ویلے کی ایسی کی تیسی۔ میں سمجھتا تھا ناچ کے ساتھ گانا بھی ہوگا۔"

قاسم اس طرح خود بھی بور ہوتا رہا اور حمید کو بھی کرتا رہا۔ خدا خدا کر کے رقص ختم ہوا اور بوڑھا قاسم کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔ قاسم نے بھی دانت نکال دیئے۔ حمید نے کنکھیوں سے عورت کی طرف دیکھا وہ اب بھی اسٹیج ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

تماشائی اٹھ اٹھ کر ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگے۔ بوڑھا بھی اٹھا۔ وہ عورت بھی اٹھ گئی مگر حمید بیٹھا رہا۔ پتہ نہیں مقصد کیا تھا۔

"ارے تو کیا یہیں بیٹھے رہو گے۔" قاسم جھلا گیا۔

"بکواس مت کرو۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہیں کس نے روکا ہے۔"

قاسم کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ وہ عورت اُن کی طرف واپس آ رہی تھی اور تنہا تھی۔

قاسم ہکلانے لگا کیونکہ وہ انہیں ہی گھور رہی تھی۔

"شاید میرا پرس یہاں رہ گیا ہے۔" اُس نے کہا اور جھک کر اُس کرسی کے نیچے دیکھنے لگی جس پر کچھ دیر قبل خود بیٹھی ہوئی تھی۔

"پھر پتہ نہیں کہاں رہ گیا۔" وہ سیدھی کھڑی ہو کر تشویش کن لہجے میں بولی۔

"کیا آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ یہاں بیٹھتے وقت پرس آپ کے پاس ہی موجود تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں یاد ہے۔" عورت نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "اور آپ لوگ اب بھی یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"واقعی ہم بڑے احمق ہیں!" حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر ہم نے آپ کا پرس اڑایا تھا تو ہمیں آپ سے پہلے ہی کھسک جانا چاہئے تھا۔"

"جی ہاں!" عورت کا غصہ تیز ہی ہوتا رہا۔ "آپ پہلے اس طرف بیٹھے ہوئے تھے پھر ادھر آ گئے۔"

"آپ کا پرس اڑانے کے لئے۔" حمید نے مسکرا کر سوالیہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں! مجھے آپ پر شبہ ہے۔"

"اوہ......نونو......ڈارلنگ!" دفعتاً بوڑھے نے کہا، جو عورت کے پیچھے ہی پیچھے آیا تھا۔ لیکن حمید نے اُس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ لفظ ڈارلنگ پر وہ چونکا....تو وہ اسکی بیوی تھی۔

"مجھے اُن پر شبہ ہے۔" عورت نے کہا۔

"یقین تو نہیں ہے۔" بوڑھا بولا۔ "ختم کرو۔ یہ بیچارے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

لفظ بیچارے پر حمید کو بڑا تاؤ آیا لیکن خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

عورت بڑبڑاتی ہوئی مڑگئی۔ بوڑھے نے ان کی طرف دیکھ کر شائد معذرت طلب کی تھی۔ الفاظ وہ نہیں سن سکے۔ پھر بوڑھا بھی چلا گیا۔

"دیکھا سالی کو۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "اور تمہارے منہ میں بھی وہی جم گیا تھا۔ تم نے کہا کیوں نہیں کہ میں کیپٹن حمید آف کھفیہ ڈپارٹمنٹ ہوں۔"

"ابے تم مٹی کیوں پلید کررہے ہو میرے محکمے کی۔"

"میں تم کو پلید کردوں گا ورنہ چل کر اس سالے بڈھے ہی کو مارو جو ہمیں شریف آدمی کہہ رہا تھا۔"

"شریف ہونا بُری بات ہے۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"ہاں! میرے لئے شریف ہونا بُری بات ہے۔ میرا باپ شریف آدمی ہے۔ جس کی بیوی میری ماں تھی لیکن مجھے باپ کہنے والا کبھی پیدا نہ ہوسکے گا۔ خان بہادر عاصم کی ایسی کی تیسی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ آج کل قاسم تقریباً ہر وقت ہی اپنے باپ کی شان میں قصید پڑھتا رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ حال ہی میں اس کے ایک ماموں زاد بھائی کی شادی ہوئی تھی اور یہ جوڑا آپس میں ایک دوسرے سے گہری محبت رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ قاسم کے سینے پر سانپ لوٹتے رہے ہوں گے کیونکہ اُس کی ازدواجی زندگی سرے سے ناکام رہی تھی۔

حمید چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر وہ بھی ڈائننگ ہال کی طرف بڑھا۔ قاسم بڑبڑاتا ہوا

چل رہا تھا۔

"یہ اَ ں بھی شاید مذاق کرتے ہیں۔ اُس بڈھے مریل کی جورو اتنی تگڑی اور میری بیوی چوہیا کی اولاد......واہ......وا......کیا انصاف ہے۔"

"شٹ اپ یو کالا کافر۔" حمید رک کر مڑا۔ "یہ تمہارے باپ کا انصاف ورنہ کسی عورت کی پیشانی پر اُس کے ہونے والے شوہر کا نام نہیں لکھا رہتا۔"

"تم میری بات نہ کاٹا کرو سمجھے۔" قاسم کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہی عورت پھر آٹکرائی۔ وہ ابھی ڈائننگ ہال تک پہنچے بھی نہیں تھے۔

"دیکھئے......میں پھر کہتی ہوں کہ پرس واپس کردیجئے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" عورت نے کہا۔

"آپ خواہ مخواہ پیچھے پڑگئی ہیں۔" حمید مسکرایا۔

"اے تم مسکراتے کیوں ہو۔" قاسم جھلا گیا۔

"پھر کیا کروں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "مجھے ان پر لاکھ برس غصہ نہیں آسکتا۔ تم بھی مسکراؤ۔ قاسم نے مسکرانے کی کوشش کی۔ ہونٹ پھیلے اور پھر سکڑ گئے۔"

"میں آپ کو پولیس کے حوالے کردوں گی۔"

"شوق سے کردیجئے۔" حمید نے کہا۔

"ابے تم اپنا وزیٹنگ کارڈ کیوں نہیں نکالتے۔" قاسم پھر جھلا گیا۔

اور عورت ایک زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "نہیں آپ اپنا وزیٹنگ کارڈ اپنے پاس ہی رکھئے۔ دنیا کے سارے جیب کترے خود کو لارڈ کچز کا بھتیجا ظاہر کرتے ہیں۔"

"اے زبان سنبھال کے! تم خود ہوگی جیب کتری۔" قاسم جیب سے اپنا پرس نکالتا ہوا بولا۔ "کتنے روپے تھے آپ کے پرس میں۔"

"دو ہزار......!"

"قاسم نے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی کھینچی اور بیس نوٹ اس کی طرف بڑھادیئے۔"

''دو ہزار روپے میرے جوتے کی نوک پر رکھے رہتے ہیں۔'' عورت نتھنے پھلا کر بولی۔

''پھر آپ کیا چاہتی ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''آپ بتایئے پرس کس قسم کا تھا تاکہ وہ بھی خرید دیا جائے۔''

''آپ لوگ عجیب آدمی ہیں۔'' دفعتاً عورت روہانسی ہو کر بولی۔ ''میں اپنا پرس چاہتی ہوں۔''

''اگر ہمیں علم ہوتا تو اپنا وقت نہ برباد ہونے دیتے۔'' حمید نے کہا۔

''اُس پرس میں دو تین خطوط تھے۔''

''وہ لیٹر بکس ہی سہی...... لیکن ہمیں علم نہیں۔''

''میں برباد ہو جاؤں گی۔ تباہ ہو جاؤں گی۔ خدا کے لئے رحم کیجئے۔''

''ہاں...... پرس کی تلاش کے سلسلے میں ہم آپ کی مدد ضرور کر سکتے ہیں۔'' حمید نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

عورت نے وزیٹنگ کارڈ دیکھا اور پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''معاف کیجئے گا میری غلط فہمی کو۔'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں اب فرمایئے۔ چلئے میں اس جیب تراشی کی رپورٹ درج کرادوں۔''

''اوہ...... یہی تو میں نہیں کرنا چاہتی۔ ورنہ اب تک شاید آپ ہی کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کر بیٹھتی۔ اوہو...... اچھا خاموش رہئے پروفیسر آرہے ہیں۔''

بوڑھا تیزی سے اُن کی طرف لپکا آرہا تھا۔

''اوہ...... ڈارلنگ تم نہیں باز آؤ گی۔'' وہ قریب پہنچ کر بولا۔ ''میں کہتا ہوں، ختم کرو اس قصے کو۔ اگر یہ حرکت ان کی ہوتی تو یہ یہاں ٹھہرتے کیوں۔ تھوڑی عقل بھی استعمال کرو۔''

''اوہ...... ہاں ڈیئر۔'' عورت جلدی سے بولی۔ ''میں دراصل ان سے معافی مانگنے آئی تھی۔ یہ معزز اور شریف آدمی ہیں۔''

''کیوں...... دیکھا...... میں نہ کہتا تھا۔'' بوڑھا بچکانے انداز میں ہنسنے لگا۔

''کاش آپ حضرات میری دعوت قبول کر لیتے۔'' عورت نے ان دونوں کی طرف دیکھ

کر کہا۔ پھر بوڑھے سے بولی۔ ''میں نے کہا تھا اگر کوئی حرج نہ ہو تو کھانا ہمارے ہی ساتھ کھایئے۔''

''بالکل مناسب کہا تھا تم نے ڈارلنگ۔'' بوڑھا چہک کر بولا۔

''پھر آپ کیا کہتے ہیں۔'' عورت اُن کی طرف مڑی۔

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ...... شکریہ...... آیئے آیئے۔'' بوڑھا ڈائننگ ہال کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ یہ تینوں آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ وہ کافی آگے نکل گیا۔

''آپ کو اس ڈرامائی دعوت پر حیرت تو ہوئی ہوگی۔'' عورت نے آہستہ سے کہا۔

''ہونی ہی چاہئے۔'' حمید بولا۔

پتہ نہیں قاسم پر کیا بیت رہی تھی۔ ایک تگڑی سی عورت کا قرب اور دوسرے یہ دعوت۔ اس کے دل و معدے میں ہیجان تو یقیناً برپا ہو گیا ہوگا۔

''میں کیا بتاؤں کہ کتنی پریشان ہوں۔'' عورت نے کہا۔

لیکن حمید خاموشی سے چلتا رہا۔

وہ ڈائننگ ہال میں آئے۔ ان کی میز غالباً پہلے ہی سے ''مخصوص'' تھی۔ بوڑھا ان سے پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ اُس نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔

پھر کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ''اگر آپ حضرات اپنے تعارف کی زحمت گوارا کریں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''میں اقبال سلیم ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''تفریحی کتابوں کی تجارت ذریعہ معاش ہے اور یہ مسٹر قاسم ہیں۔ خان بہادر عاصم کے صاحبزادے۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔'' بوڑھا ہاتھ بڑھا کر بولا۔ ''لوگ مجھے پروفیسر شوخ کہتے ہیں اور یہ مسز شوخ ہیں۔''

''آپ دونوں سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔''

''ہوئی نا...... میں پہلے ہی کہتا تھا۔'' بوڑھا پھر بچکانے انداز میں ہنسا۔

"لیکن آپ پروفیسر کیوں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اوہ......کسی زمانے میں فلسفے کا پروفیسر تھا۔" بوڑھے نے ہنس کر کہا۔ "فلسفہ تاریخ اور پولیٹکل سائنس تینوں مضامین میں ڈاکٹریٹ کی تھی۔ آپ کے اس شہر میں کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے تین مضامین میں ڈاکٹریٹ لی ہو۔"

"چار...... پروفیسر صاحب! ایک میں ہی ہوں۔ نبراسکا یونیورسٹی کو مجھے چار مضامین میں ڈاکٹریٹ دینی پڑی تھی تب کہیں جا کر اُس کا پیچھا چھوٹا۔"

"نہیں......!" بوڑھے نے حیرت سے کہا۔ "کن مضامین میں۔"

"ٹیلرنگ، بک بائینڈنگ، آئس کریم فریزنگ اور پلاسٹک مولڈنگ۔"

"لاحول ولاقوۃ......" بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ بھی کوئی مضامین ہوئے۔"

"آپ کے مضامین پر میں دس بار لاحول ولاقوۃ بھیج سکتا ہوں۔"

"نہیں بھیج سکتے۔" قاسم بوڑھے کی حمایت پر آمادہ ہو گیا۔

"نہیں بھیج سکتے نا...... میں پہلے ہی کہتا تھا۔" بوڑھا ہنسنے لگا۔

"پھلسفہ......تاریخ......لوٹو میکل پائینس!" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "واہ واہ سبحان اللہ۔"

"پولیٹکل سائنس......!" بوڑھے نے تصحیح کی۔

"جی ہاں......جی ہاں۔ میں جلدی میں کہہ گیا تھا۔"

"اوہ......کھانا ڈارلنگ......!" دفعتاً بوڑھے نے عورت سے کہا۔

"ہاں! میں نے ویٹر سے کہہ دیا ہے۔"

"مگر یہ شوخ کیسا نام ہے پروفیسر صاحب۔" حمید خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ جاری رکھنا چاہتا تھا۔

"نام نہیں تخلص ہے......میں شاعر بھی ہوں۔"

حمید کی روح فنا ہو گئی کیونکہ شاعری تاریخ و فلسفہ اور سیاست سب پر حاوی ہو جاتی ہے اور شاعر سر پر سوار ہو جاتا ہے۔

"مجھے شاعری سے بالکل دلچسپی نہیں ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"ہونی بھی نہ چاہئے۔ بھلا پلاسٹک مولڈنگ اور شاعری میں کیا علاقہ۔"

حمید جواب میں کچھ کہنے کے لئے پنجے جھاڑ ہی رہا تھا کہ ایک ویٹر نے قریب آ کر بوڑھے سے کہا۔

"آپ کا فون ہے جناب۔"

"اوہ......اچھا......میں ابھی حاضر ہوا۔" بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔

حمید اُسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی چال مضحکہ خیز تھی۔ حمید نے پائپ نکالا اور تمباکو بھرنے لگا۔

"اوہ......اب کھانا آ ہی رہا ہوگا۔ آپ پائپ کیوں بھر رہے ہیں۔" عورت نے کہا۔

"کھانے کے بعد کیلئے بھر رہا ہوں......مگر شوخ صاحب زندہ دل آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"آپ اُن کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے تھے کیا یہ مناسب تھا اور آپ نے انہیں اپنا صحیح نام بھی نہیں بتایا۔"

"کیسے بتاتا جب کہ آپ خود ہی نہیں چاہتی تھیں۔"

"میں نہیں چاہتی تھی......یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"اگر آپ چاہتی ہوتیں تو خود ہی تعارف کرا دیتیں۔ آپ تو میرے نام سے واقف تھیں۔"

"جی نہیں......میں نے آپ کا کارڈ دیکھا تھا۔ لیکن اب اس وقت مجھے آپ کا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔"

"کیپٹن ساجد حمید فرام فیڈرل انٹیلی جنس بیورو۔"

"کیا یہ آپ کی پیشانی پر تحریر ہے۔" عورت نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے آپ کا یہ کارڈ جعلی ہو۔"

"پھر آپ نے ہمیں کیوں مدعو کیا ہے۔"

"ختم کیجئے......!" عورت ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "پروفیسر آ رہے ہیں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ بوڑھا بڑی تیزی سے میز کی طرف آیا۔ وہ کچھ پریشان سا تھا اور اس

کی سانس پھول رہی تھی۔

''اوہ...... ڈیئر...... داؤد زینوں سے گر گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ نہیں نہیں آپ حضرات تشریف رکھئے۔ تم بھی بیٹھو ڈیئر۔ میں دیکھ لوں گا۔''

''نہیں میں بھی چل رہی ہوں۔'' عورت اٹھتی ہوئی بولی۔

''نہیں! تم بیٹھو...... یہ بدتمیزی ہے کہ مدعو کر کے......!''

''نہیں جناب کوئی بات نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں آپ حضرات تشریف رکھئے۔'' بوڑھے نے کہا اور تیزی سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

''پروفیسر بہت سوشل آدمی ہیں۔'' عورت بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''ہمارا بھتیجا زینوں سے گر کر زخمی ہو گیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے اسے گوارا نہیں کیا کہ ان کے مہمان ان کے متعلق کوئی بُری رائے قائم کریں۔''

''اور آپ اتنے اچھے آدمی کو دھوکا دینا پسند کرتی ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''یہی کہ دو جیب کتروں کو ان پر بار بنا رہی ہیں۔''

''اے...... ذرا سوچ سمجھ کر۔'' یک بیک قاسم بولا۔ ''تم ہو گے جیب کترے میں تو نہیں ہوں۔''

''آپ غلط سمجھے...... آپ نہیں سمجھ سکتے۔ میں نے محض اسی لئے کہا تھا کہ پروفیسر کو کسی نئی الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں ایک بار پھر استدعا کروں گی مجھے صرف وہ خطوط دے دیجئے۔''

''وہ خطوط کیسے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''بس ایسے ہی کہ اُن سے پروفیسر کو دکھ پہنچ سکتا ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔ یعنی اگر وہ خطوط غلط ہاتھوں میں پہنچ جائیں تو آپ بلیک میل بھی لا جاسکتی ہیں۔''

''یہی سمجھ لیجئے۔'' عورت نے کہا اور پھر تھوڑے توقف کے ساتھ بولی۔ ''اگر پرس آپ کے پاس ہے تو آپ جو قیمت لگائیں میں ادا کرنے کو تیار ہوں اور اگر آپ واقعی محکمہ سراغ

رسانی سے تعلق رکھتے ہیں تو خدارا میری مدد کیجئے ورنہ...... ورنہ...... دیکھئے میں نہیں چاہتی کہ پروفیسر کی زندگی برباد ہو۔ حالانکہ اگر میں آپ کو حقیقت بتا دوں تو آپ بھی میرا مضحکہ اڑانے پر تیار ہو جائیں گے۔''

''بتا دیجئے حقیقت بھی تاکہ میں سچ مچ آپ کو بلیک میل کر سکوں۔''

''خدارا سنجیدگی اختیار کیجئے۔'' عورت نے کہا اور اتنے میں دو ویٹروں نے مز پر برتن لگانے شروع کر دیئے۔ قاسم بار بار منہ چلاتا ہوا پہلو بدل رہا تھا۔

ویٹر کھانا رکھ کر چلے گئے اور سلسلہ گفتگو پھر شروع ہو گیا۔

''کوئی سالا آپ کو بلیق میل نہیں کر سکتا۔'' قاسم بڑا سا نوالا حلق میں ٹھونستا ہوا بولا۔

''مجھے بتایئے میں ایک ایک کی گردن توڑ دوں گا۔''

وہ قاسم کی طرف شبہے کی نظر سے دیکھنے لگی۔

''میں انتہائی کوشش کروں گا۔'' حمید بولا۔ ''آپ کا کیا نام ہے۔''

''شوخی......!'' قاسم نے کہہ کر ایک بھدا سا قہقہہ لگایا۔

''آپ لوگ آخر اتنی بدتہذیبی سے کیوں پیش آ رہے ہیں۔''

''مم...... معاف...... کیجئے گا۔'' قاسم ہکلایا۔

''یہ میرے دوست تھوڑے سے کریک ہیں۔'' حمید بولا۔

''جی ہاں...... میں بالکل...... اُل...... اُل...... اُلو ہوں۔'' قاسم نے بڑی سعادتمندی سے اعتراف کیا۔

''اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں کہ مجھ سے ایک بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔ پرس یقیناً آپ ہی لوگوں کے پاس ہے اور میں نے آپ سے ان خطوط کی اہمیت کا تذکرہ کر دیا ہے۔''

''اور ہم لوگ اب آپ کو بلیک میل کریں گے...... کیوں؟''

''اور کیا کہا جا سکتا ہے۔'' عورت نے کہا اور دفعتاً اس طرح اچھل پڑی کہ نہ صرف ہاتھ سے نوالا چھوٹ گیا بلکہ ایک پلیٹ بھی الٹ گئی۔ اُس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور

آنکھوں سے شدید ترین تکلیف ظاہر ہو رہی تھی۔ پھر وہ نیچے جھکی اور داہنا پیر اٹھا کر ایک پنڈلی پر رکھ لیا۔

پنڈلی پر سے ساری سرکائی اور ایک ہلکی سی چیخ اُس کے حلق سے نکل گئی۔ حمید بھی جھکا۔ پنڈلی میں ایک بڑی سی سوئی چبھی ہوئی تھی جس کی نوک دوسری طرف نکل گئی تھی اور پچھلا حصہ اسی قدر گوشت سے باہر نکلا ہوا تھا کہ چٹکی سے پکڑا جا سکے۔

"میرے خدا...... میں مری۔" وہ دونوں آنکھیں بھینچ کر کراہی لیکن حمید دوسرے ہی لمحے میں سوئی کو گوشت سے کھینچ چکا تھا۔ خون کی ایک پتلی سی لکیر سفید پنڈلی پر متحرک نظر آ رہی تھی۔

منہ کا سانپ

قاسم اور حمید دونوں ہی اس واقعے پر بوکھلا گئے تھے۔ بوکھلاہٹ میں اضافہ اس لئے بھی ہو گیا تھا کہ لوگ اپنی اپنی میزوں سے اٹھ اٹھ کر ان کی طرف آنے لگے تھے۔ حمید نے رومال سے خون خشک کیا اور دوسرا رومال پانی میں بھگو کر زخم پر باندھ دیا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔" حمید نے دوسروں سے کہا۔ "آپ اپنی میزوں پر تشریف لے جائیں۔ معمولی سی چوٹ ہے۔"

لیکن چوٹ کے متعلق پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔ وہ اتنی ہی دلکش عورت تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ہمدردی کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ بدقت تمام حمید انہیں میز کے پاس سے کھسکانے میں کامیاب ہو سکا۔

عورت کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ اُس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ تکلیف برداشت کرنے کے لئے سخت ترین جدوجہد کر رہی ہے۔

"یہ کیسے ہوا۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں مگر کچھ نہیں بولی۔

"جی ہاں...... یہ کیسے ہوا۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں۔" عورت خوفزدہ آواز میں بولی۔ "آپ لوگ مجھے معاف فرمائیں۔ میں جانا چاہتی ہوں۔"

"آخر یہ سوئی۔" حمید نے کہا۔

"آپ کو اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔" عورت نے غصیلے لہجے میں کہا اور ویٹر کو اشارے سے بلا کر بل لانے کو کہا۔

"آپ جائیے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "بل میں ادا کر دوں گا۔"

"میں فقیر نہیں ہوں۔" عورت نے کہا۔

"ہم بھی بھک منگے نہیں ہیں۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "آپ دونوں میاں بیوی کریک معلوم ہوتے ہیں۔"

"تمیز سے بات کیجئے۔"

"ہاں تمیز سے گفتگو کرو۔ تم خود ہو گے کریک۔" قاسم عورت کا ساتھ دینے لگا۔

اتنے میں ویٹر بل لایا اور عورت نے کچھ نوٹ بلاؤز کے گریبان سے نکال کر طشتری میں رکھ دیئے۔

"یہ روپے بھی آپ نے پرس میں کیوں نہیں رکھے تھے" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم سے مطلب......!" قاسم اکڑ گیا۔

"تم خاموش رہو۔"

"نہیں خاموش رہوں گا۔ تم ایک لیڈی کی توہین کر رہے ہو۔"

عورت اٹھ گئی۔ حمید اُسے دروازے کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔

"وہ تو گئی حمید بھائی۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم میرے پیچھے نہیں آؤ گے سمجھے! ورنہ تمہارا انجام بہت بھیانک ہو گا۔" حمید بھی اٹھتا

ہوا بولا۔

''ارے واہ......!'' قاسم نے کہا اور اٹھنے کا ارادہ کیا مگر پُر کچھ سوچ کر رہ گیا۔

حمید کمپاؤنڈ میں پہنچ چکا تھا۔ اُس نے عورت کو گیرج کیطرف جاتے دیکھا اور وہ خود بھی آگے بڑھا۔ وہ اپنی واٹر کول انجن والی بے آواز موٹر سائیکل پر آیا تھا اور وہ بھی گیراج ہی میں تھی۔

حمید بھی بہت محتاط ہو گیا تھا کوشش یہی تھی کہ نظر اس پر نہ پڑنے پائے۔

عورت نے گیرج سے کار نکالی اور حمید اُس وقت تک اپنی موٹر سائیکل کے قریب کھڑا رہا جب تک کہ کار باہر نہیں نکل گئی۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

اگر سوئی والا واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو وہ اُن دونوں میاں بیوی کی جھکی سمجھ کر نظر انداز کر دیتا مگر وہ عورت اسی طرح اچھل پڑی تھی جیسے اچانک کوئی چیز آ لگی ہو۔

پھر سوئی بھی کیسی جو ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف نکل گئی تھی۔ یقیناً وہ بڑی قوت سے پھینکی گئی ہوگی۔ مگر کیسے......کیا انسانی ہاتھ اس قسم کا کوئی کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ حمید کو یہ ناممکن معلوم ہوئی اور وہ یہی سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر وہ سوئی پھینکی ہی گئی تھی تو اس کے لئے کسی قسم کی مشین استعمال کی گئی ہوگی۔ لیکن عورت نے اس کے متعلق کچھ بتانے کی بجائے چھپانے کی کیوں کوشش کی تھی۔ وہ خوفزدہ بھی تھی۔

عورت کی کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی اور حمید تعاقب کرتا رہا۔ نیا گرہ شہر کی آبادی سے بہت دور ایک پُر فضا مقام پر واقع تھا۔ اس لئے اس سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں رہتا تھا۔

حمید نے اپنی موٹر سائیکل کی ہیڈ لائیٹ بجھا رکھی تھی اور اس کا انجن تو بے آواز ہی تھا۔

وہ دونوں آگے پیچھے شہر میں داخل ہوئے اور تعاقب اب بھی جاری رہا۔ آخر تھوڑی دیر بعد وہ کار ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں مڑ گئی اور حمید اپنی گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے پھر اپنی موٹر سائیکل موڑی اور اُسے ایک جگہ روک کر اتر پڑا۔

اب وہ اسی عمارت کی طرف پیدل واپس آ رہا تھا جس میں کار داخل ہوئی تھی۔ وہ پھاٹک کے قریب رکا۔ بائیں جانب کسی کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ حمید جھک کر دیکھنے لگا۔ اُس پر

تحریر تھا۔ ''پروفیسر......اے......آر......شوخ۔''

حمید پیچھے ہٹ آیا۔ وہ تو اپنے ہی مکان میں داخل ہوئی تھی۔ حمید نے ایک بار پھر عمارت کا جائزہ لیا۔ عمارت بڑی شاندار تھی۔

وہ موٹر سائیکل کی طرف واپس آیا اور اب گھر جانے کے علاوہ اور کیا چارہ رہ گیا تھا۔

آج کل فریدی بھی شہر میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے اسے زیادہ تر گھر ہی پر رہنا پڑتا تھا۔ فریدی کی عدم موجودگی میں اس کے جانوروں کی دیکھ بھال حمید ہی کو کرنی پڑتی تھی اور یہ ایک ایسا کام تھا جس کے تصور ہی سے اُس کی روح فنا ہوتی تھی۔ صرف کتوں کا راشن تقسیم کرانے میں تقریباً دو گھنٹے صرف ہو جاتے اور وہ سوچتا تھا کہ آخر فریدی یہ سب کچھ کیسے کر لیتا ہے۔

گھر پہنچتے ہی اُس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور پروفیسر شوخ کے نمبر تلاش کرنے لگا جو جلد ہی مل گئے۔ اُس نے اُسے فون کر کے اس کے بھتیجے کی خیریت دریافت کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر ایسا نہیں کیا۔

کافی رات گئے تک وہ سوئی والی گتھی سلجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن اُسے ناکامی ہی ہوئی اور پھر وہ سو گیا۔

دوسری صبح اُس نے پروفیسر شوخ کے نمبر ڈائیل کئے۔

''یس ہیلو! میں پروفیسر شوخ ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہوا کرو۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''آپ کون صاحب ہیں!''

''محکمہ سراغ رسانی کا کیپٹن حمید۔''

''اوہ......جناب......فرمائیے......جناب۔''

''میں بیگم شوخ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور......ضرور......براہِ کرم ہولڈ آپ کیجئے۔ میں انہیں بھیجتا ہوں۔''

حمید منتظر رہا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ ''ہیلو''

"آپ کا پیر کیسا ہے بیگم صاحبہ۔" حمید نے پوچھا "اور ساتھ ہی میں آپ کے بھتیجے کی بھی خیریت دریافت کرنا چاہوں گا۔"

"اوہ.....تو آپ ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"آپ مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ اس خبط کو دل سے نکال دیجئے۔ میں خود ہی پروفیسر کو سب کچھ بتا دوں گی۔"

"میں نے اس وقت آپ کو اس لئے فون کیا ہے کہ براہِ کرم قانون کی مدد فرمائیے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ خود آپ کے خلاف مجھے کوئی قانونی کارروائی کرنی پڑے۔"

"کیا مطلب......!"

"میں اس سوئی کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں جو پچھلی رات میں نے آپ کی پنڈلی سے نکالی تھی۔"

"وہ ایک سوئی تھی۔" بیگم شوخ نے غصیلی آواز میں کہا۔

"وہ یقیناً ایک سوئی تھی۔ لیکن کس طرح پھینکی گئی تھی۔ میں جاننا چاہتا ہوں اور پھینکنے والا کون تھا......؟"

"میں کیا جانوں۔"

"محترمہ ہوش کی دوا کیجئے۔ کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے مکان پر باوردی آدمی بھیجوں۔ میرا خیال ہے کہ پروفیسر شوخ اس پر ہرگز تیار نہ ہوں گے۔"

"کیا واقعی آپ کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

"آپ کو اُسی وقت یقین ہوسکتا ہے جب کچھ باوردی لوگ پوچھ گچھ کیلئے وہاں پہنچ جائیں۔"

"دیکھئے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "آپ خواہ مخواہ مجھے دھمکا رہے ہیں۔ جی ہاں وہ سوئی میری پنڈلی میں چبھی ہوئی تھی آپ کا یہ خیال قطعی لغو ہے کہ کسی نے اُسے پھینکا تھا میں نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے چبھوئی تھی۔ اب فرمائیے کیا خیال ہے۔"

"آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں۔"

"اچھی بات ہے تو اُسے ثابت کیجئے کہ اس کا ذمہ دار میرے علاوہ اور کوئی ہے۔"

"میں ثابت کر دوں گا۔"

"مجھے بھی آگاہ فرمائیے گا۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حمید کو بڑا غصہ آیا۔ اس عورت کے لہجے سے اس کی جھلاہٹ پہلے ہی بڑھ گئی تھی۔ وہ ریسیور رکھ کر ہٹنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو......!"

"آئیں......غائیں......غمید بھائی۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور حمید کا غصہ پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گیا۔

"کیا ہے۔"

"آ کھری......دیدار کر جاؤ......میرا......!" قاسم کراہا۔

"کیا ہوا......؟"

"تھوڑی دیر بعد......نہیں......نہیں...... مجھے بچالو......حمید بھائی بچالو۔"

"ابے بتاتا کیوں نہیں۔"

"ہائے......تم بھی کھفا......ہو گئے۔" قاسم نے ہچکی لی۔ وہ سچ مچ رو رہا تھا اور اس زور شور کے ساتھ کہ حمید کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں لائین نہ خراب ہو جائے۔

"میں آ رہا ہوں۔" اس نے کہا اور جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں اس پر کیا افتاد پڑی ہے کیونکہ فون پر اُس سے اکثر حماقتیں سرزد تو ہوتی رہی تھیں لیکن آج تک وہ اس طرح رویا نہیں تھا۔

حمید نے لباس تبدیل کیا اور قاسم کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہاں اُسے ایک ہنگامہ نظر آیا۔ نوکر بدحواسی میں ادھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے اور قاسم کی دہاڑیں کمپاؤنڈ سے بھی سنی جا سکتی تھیں۔

کمپاؤنڈ میں اسے کئی کاریں بھی کھڑی نظر آئیں۔ اس نے ایک ملازم کو کارڈ دیا مگر وہ بوکھلا کر بولا۔

"چلئے حضور! اس وقت کارڈ کسے دوں گا۔"

"کیوں! کیا بات ہے۔"

"صاحب کے پیٹ میں درد ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔

"پانچ ڈاکٹر موجود ہیں سرکار۔ مگر صاحب یہی کہتے ہیں کہ ارے میرے ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

"بیگم صاحبہ کہاں ہیں۔"

"اندر ہیں...... چلئے حضور۔"

"کیا کروں گا چل کر۔"

"وہ آپ ہی کے لئے تو چیخ رہے ہیں۔"

اندر پہنچ کر حمید نے قاسم کو ایسے حال میں دیکھا کہ اگر ضبط نہ کرتا تو بے تحاشہ قہقہے لگاتا ہوا نظر آتا۔ وہ ایک مسہری پر چت پڑا تھا اور پیٹ پر ربر کی تین بوتلیں تولیوں میں لپٹی ہوئی رکھی تھیں۔ اس کی بیوی کے علاوہ وہاں شہر کے پانچ بڑے ڈاکٹر بھی موجود تھے۔

"حامید...... بھائی...... آ...... آئی......!" قاسم دونوں ہاتھ پھیلا کر چیخا۔

"اوہ آپ آ گئے۔" قاسم کی بیوی اس کی طرف مڑ کر طنزیہ لہجے میں بولی اور ساتھ ہی قاسم دہاڑا۔ "جاؤ...... تم سب دفع ہو جاؤ۔ میرا ڈاکٹر آ گیا۔"

"کیوں بکواس کرتے ہو۔" حمید قاسم کو گھورتا ہوا بولا۔ "کیا بات ہے۔"

"میں کہتا ہوں...... حمید بھائی کے علاوہ اور سب لوگ اس کمرے سے چلے جائیں۔" قاسم حمید کے سوال پر دھیان دیئے بغیر غرایا۔

قاسم کی بیوی چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر اس نے ڈاکٹروں کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھ گئے اور پھر کمرے میں صرف حمید ہی رہ گیا۔

"ہائے...... حمید بھائی...... اب کیا ہوگا۔" قاسم کراہا۔

"کچھ بکو گے بھی۔"

"پتہ نہیں۔ دل میں درد ہے کہ جگر میں...... اُلا جانے...... گردے میں ہو...... پھیپھڑوں میں ہو۔ حمید بھائی مجھے بچالو۔"

"میں کیسے بچا سکتا ہوں۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

یک بیک قاسم اچھل کر بیٹھ گیا۔ پیٹ پر رکھی ہوئی گرم پانی کی بوتلیں دھپ دھپ فرش پر گریں۔

"کا سے بچا سکتا ہوں۔" وہ عورتوں کے سے جلے کٹے انداز میں ہاتھ نچا کر بولا۔

"اپنے ساتھ لئے پھرو گے...... جو کام چاہو گے...... لو گے...... مگر بچا نہیں سکتے...... اے لعنت ہے تم پر حمید بھائی۔"

"کیا میرے ساتھ لئے پھرنے کی وجہ سے تم کسی تکلیف میں مبتلا ہوئے ہو۔"

"میں کہتا ہوں تم نے مجھے کل رات کیوں مجبور کیا تھا۔ میں تو اس سالی کے پاس نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔"

"ہاں......!" حمید نے آنکھیں نکال کر ایک طویل سانس لی۔ "تو اسی سلسلے میں یہ دردِ دل یا دردِ جگر کی کہانیاں ہیں۔ مگر تمہیں یہ مشورہ کس گدھے نے دیا تھا کہ دردِ دل یا دردِ جگر کے سلسلے میں گرم پانی کی بوتلیں۔"

"ارے سنو تو سہی۔ دروازہ بند کردو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" قاسم آہستہ سے بولا۔

"قاسم! کیا تمہاری شامت آئی ہے۔"

"آئی تھی۔" قاسم بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ "مگر تمہارے آتے ہی چلی گئی۔ دروازہ بند کردو۔ پیارے بھائی۔"

"حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر دروازہ بند کر دیا۔

"آؤ...... آؤ...... میرے قریب آؤ۔" قاسم مضطربانہ انداز میں بولا۔

"لیکن اگر وہ کوئی بے تکی بات ہوئی تو تمہاری بقیہ زندگی تلخ کردوں گا۔" حمید ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"ارے یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ وہ حرامزادی مجھے رات سے مارے ڈال رہی ہے۔"

"کون حرام زادی۔"

"وہی حرامزادی جو ابھی یہاں سے اپنے پانچ باواؤں کے ساتھ گئی ہے۔"

"ہام......اچھا......!"

"پچھلی رات وہ بھی نیاگرا گئی تھی اور اس نے ہمیں دیکھا تھا۔ بیگم کھوس کے ساتھ۔"

"بیگم شوخ......!" حمید نے تصحیح کی۔

"اونہہ......شوخ ہی سہی۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہ حرامزادی بیگم شوخ کو بھی جانتی ہے۔"

"اگر تم نے اُسے اب حرامزادی کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

"قیوں......!" قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔

"اپنے باپ کو گالیاں دو......اس کا کیا قصور ہے کیا اس نے تم سے شادی کی درخواست کی تھی۔"

"ہائیں......تو پھر کیا میں اپنے باپ کو حرامزادہ کہوں۔"

"یقیناً......!"

"ذرا زبان سنبھال کر۔"

"سنبھل گئی......ہاں تو تم ابھی کیا کہہ رہے تھے۔"

"حرامزادی کہہ رہا تھا۔" قاسم گردن اکڑا کر بولا۔

"حرامزای کیا کہہ رہی تھی۔"

"آہاں......ارے الاقسم۔" قاسم متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "وہ ایسی باتیں

کرتی ہے حمید بھائی کہ دم نکلنے لگتا ہے۔ رات بھر بور کرتی رہی اور پھر مجبوراً مجھے پیٹ میں درد کرنا پڑا۔"

"کیوں؟ کیا وہ باتیں بیگم شوخ کے متعلق تھیں۔"

"ارے......ہاں......ہاں......!" قاسم سر ہلا کر بولا۔

"کیسی باتیں۔"

"یہی کہ بیگم شوخ ڈائن ہے۔ جادوگرنی ہے۔ اُس کے منہ سے سانپ نکل آتے ہیں اور اسکے عاشق پاگل ہوجاتے ہیں۔ وہ ایک ایسے آدمی کو جانتی ہے جو پاگل ہوگیا ہے۔ اس کی [illegible] کے ماموں کے سالے کا بھتیجا ہے۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ ہم دونوں پاگل ہوجائیں گے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تمہاری بیوی پچھلی رات نیاگرہ میں تھی۔"

"ہاں پیارے بھائی! اُس نے ایک ایک بات بتائی ہے۔"

"ٹھہرو! میں اس سے گفتگو کرتا ہوں۔"

"ہائیں! امے کیوں شامت آئی ہے حمید بھائی۔ وہ ایسی دل ہلا دینے والی باتیں کرتی ہے کہ روح پھنا ہونے لگتی ہے......فنا......فنا ہونے لگتی ہے۔"

"میں اُس سے پوچھوں گا کہ وہ ایسی باتیں کیوں کرتی ہے۔ اگر سچ مچ تمہارا ہارٹ فیل ہوجائے تو کیا ہوگا۔"

"ہاں......دیکھو تو حمید بھائی۔" قاسم کی آواز مظلومیت کے اظہار میں گلوگیر ہوگئی۔

"اچھا تم ٹھہرو۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"اچھا......اچھا......!" قاسم نے جسم سکوڑ کر جمائی لی اور آہستہ آہستہ منہ چلانے لگا۔

حمید دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آیا اور راہداری ہی میں قاسم کی بیوی سے ملاقات ہوگئی جو بہت ہی غصے کے عالم میں تیزی سے ادھر ہی آرہی تھی۔

حمید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا لیکن انداز سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ ابھی چیخنے لگے گی۔

"نہیں۔" حمید نے کہا۔ "اگر وہ پھر بے قابو ہوگیا تو تمہیں سارے شہر کے ڈاکٹر اکٹھا کرنے پڑیں گے۔ میں نے بہت مشکل سے اُسے سیدھا کیا ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ حمید کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی رہی۔

آؤ..... حمید نے اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پنجوں کے بل قاسم کے کمرے کی سمت چلنے لگا۔ غیر ارادی طور پر وہ بھی اس کی تقلید کرنے لگی۔ وہ بھی اتنی ہی احتیاط سے چل رہی تھی کہ آواز پیدا نہ ہونے پائے۔

کمرے کے سامنے رک کر حمید نے دروازے کے شیشوں کے اندر جھانکنے کا اشارہ کیا۔ اس کے لئے قاسم کی بیوی کو پنجوں کے بل کھڑا ہونا پڑا لیکن اس کے باوجود بھی وہ شیشوں تک نہ پہنچ سکی۔ آخر اُسے قفل کے سوراخ سے جھانکنا پڑا۔

اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف مڑی۔

حمید مسکرا رہا تھا۔ پھر دفعتاً اُس نے دھکا دے کر دروازہ کھولا اور اندر گھستی چلی گئی۔ قاسم اچھل پڑا۔ اُس نے تکئے کے نیچے سے کوئی چیز نکال کر منہ میں رکھی تھی اور اب وہ ایک مضحکہ خیز پوزیشن میں تھا۔ ٹانگیں پلنگ سے نیچے لٹک رہی تھیں، ہاتھ پٹی پر تھے منہ پھولا ہوا ہونٹ بھنچے ہوئے اور صرف آنکھیں گردش کر رہی تھیں۔ کبھی وہ حمید کیطرف دیکھتا تھا اور کبھی اپنی بیوی کی طرف۔

دفعتاً وہ آگے بڑھی اور سرہانے سے تکیہ اٹھالیا جس کے نیچے ٹوٹے ہوئے بسکٹوں کا ڈھیر نظر آرہا تھا۔

"یہ درد ہو رہا تھا تمہارے پیٹ میں۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"خاں..... ہپ.....!" بسکٹ کے ٹکڑے اُس کے منہ سے اچھل کر دور جا گرے۔

قاسم جھلا گیا تھا۔ "اب میں زہر کھاؤں گا.....!" وہ دہاڑا۔

"میری طرف سے اینٹ اور پتھر بھی کھاؤ۔" اس کی بیوی چیخی۔

"ارے تم!" قاسم حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ "تم بڑے گداڑ..... غدار ہو۔"

"ابے میں نے کیا کیا ہے۔ تم پیٹ کے درد سے تڑپ رہے تھے۔ میں نے اسے درد

دل ثابت کر دیا۔ تمہاری تڑپن ختم ہوگئی۔" حمید نے کہا اور پھر قاسم کی بیوی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔ "درد دل کے لئے بسکٹ مضر نہیں ہیں۔"

"آپ خاموش رہئے براہِ کرم۔" قاسم کی بیوی جلے کٹے لہجے میں بولی۔

"ابے ہاں..... تم کیوں ہمارے بیچ میں ٹائیں ٹائیں کرتے ہو۔"

"اچھا تو کہہ دوں..... ابھی جو کہہ رہے تھے۔"

"کہہ دو..... کہہ دو..... کیا تم میرے بڑے دوست ہو۔ پچھلی رات تم نے مجھے اُس جادوگرنی کے چکر میں پھنسا دیا۔ پاگل ہو کر مرو گے..... دیکھنا۔"

"بکواس مت کرو۔ وہ ایک مجرمہ ہے اور میں خاص طور پر اس کی نگرانی کر رہا ہوں۔"

"آپ نگرانی کر رہے ہیں۔" قاسم کی بیوی نے پوچھا۔

"یقیناً کر رہا ہوں..... لیکن یہ بات اپنی ہی حد تک رکھنا۔"

"ارے واہ.....!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "میں ابھی اسے فون کرتا ہوں کہ یہ کیپٹن حمید ہماری نگرانی کر رہا ہے۔"

"کر کے دیکھو..... ناقابل ضمانت وارنٹ نکلواؤں گا اور میں اپنی بہن کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ وہ تم جیسے نالائق آدمی کے ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتی۔"

"قونسی بہن۔"

"کیپٹن حمید تمہارا سالا ہے نا لہٰذا یہ کیپٹن حمید کی بہن ہوئی۔ چلو تم میرے ساتھ۔"

"ارے جاؤ جاؤ۔" قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ "بڑے آئے بہن والے سالے۔"

"تم بدتمیزی کیوں کر رہے ہو۔" قاسم کی بیوی نے اُسے للکارا۔

"ہاں..... تو تم جاؤ گی بھائی کے ساتھ..... ذرا جا کر تو دیکھو۔"

"چلئے حمید بھائی۔"

"لاشیں گریں گی یہاں اگر تم نے گھر سے باہر قدم نکالا۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم یہاں بیٹھیں گے۔" حمید نے کہا اور قاسم کی بیوی کو بھی بیٹھنے کا

اشارہ کیا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی اور قاسم دونوں کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ پھر حمید نے اس کی بیوی سے کہا۔ ''تو آپا جان......!''

''ابے چوپ۔'' قاسم حلق کے بل دہاڑا۔ ''صرف آپا کہو...... جان نہیں۔''

قاسم کی بیوی بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

''اچھا آپا...... مجھے اُس عورت کے متعلق بتاؤ۔ تم اُسے کب سے اور کیسے جانتی ہو۔''

''میرے ایک ماموں زاد بھائی۔ سے پچھلے ہفتے وہ کہیں ملی تھی۔ وہ اُس پر ریجھ گئے۔ اُن سے ملتے رہے...... اور پھر ایک رات اُن کا بیان ہے کہ اس عورت کو کھانسی آئی اور اس کے منہ سے ایک ننھا سا سانپ گر کر فرش پر رینگنے لگا۔''

''ارے باپ رے۔'' قاسم سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر کراہا۔

''تمہیں یقین ہے کہ اُن حضرت کا بیان صحیح ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''مجھے یقین ہے...... ناصر بھائی جھوٹ نہیں بول سکتے۔''

''ان کا پتہ بتاؤ...... میں اُن سے ملوں گا۔''

''مجھے افسوس ہے کہ اب وہ آپ کے کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکیں گے۔''

''کیوں؟''

''اس واقعہ کے دو دن بعد اُن کا دماغ الٹ گیا۔''

''ہوں......!'' حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''ابے تم بھی پاگل ہو جاؤ گے۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں سمجھی تھی شاید آپ دونوں اُس کے چکر میں ہیں۔'' قاسم کی بیوی نے کہا۔

''صرف میں اس کے چکر میں تھا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''اور ایک بار پھر تم دونوں سے کہتا ہوں کہ ان باتوں کو اپنی ہی حد تک رکھنا۔''

پھر وہ وہاں سے چل دیا۔

بے سروپا تجربہ

بیگم شوخ کی شخصیت کافی دلچسپ ہوتی جا رہی تھی۔ حمید قاسم کے گھر سے روانہ ہو کر ایک طرف چل پڑا مگر پھر خیال آیا کہ اسے قاسم کی بیوی سے اس ناصر کا پتہ معلوم کر لینا چاہئے تھا۔ راہ میں ایک جگہ کار روک کر وہ اُتر پڑا اور پبلک ٹیلی فون بوتھ سے قاسم کے نمبر ڈائیل کیے۔ کال اس کی بیوی نے ریسیو کی لیکن حمید نے صرف پتہ ہی معلوم کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ احمد لاج کی طرف جا رہا تھا۔ قاسم کی بیوی کا ماموں زاد بھائی وہیں رہتا تھا۔ یہ لوگ بھی شہر کے متمول ہی طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔

عمارت کے قریب پہنچ کر حمید نے کار روکی اور اپنا کارڈ اندر بھجوایا۔

ڈرائنگ روم میں اسے تقریباً پانچ منٹ تک تنہا بیٹھنا پڑا پھر ایک معمر آدمی نے اُسے انتظار کی زحمت سے نجات دلائی۔

''فرمایئے جناب!'' بوڑھے نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مجھے مسٹر ناصر سے ملنا ہے۔''

''آپ...... ناصر۔'' بوڑھا کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔ ''جی ہاں...... وہ میرا لڑکا ہے...... مگر محکمہ سراغ رسانی......!''

''جی ہاں ایک سلسلے میں ان سے گفت وشنید کرنی ہے۔''

''کس سلسلے میں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں نہ بتا سکوں گا۔''

''تب مجھے بھی افسوس ہے جناب۔'' بوڑھا گلوگیر آواز میں بولا۔ ''آپ اُس سے گفتگو نہ کر سکیں گے۔''

''قانون کی مدد کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔''

''بشرطیکہ شہری صحیح الدماغ ہو۔'' بوڑھے نے کہا۔

"کیوں؟ میں نہیں سمجھا۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"ناصر ہوش میں نہیں ہے۔"

"مگر ایک ہفتہ پہلے تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

"جی ہاں......آج سے پانچ دن پہلے یک بیک اس کا دماغ الٹ گیا اور اب وہ مینٹل ہاسپٹل میں ہے۔"

"آپ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں اُسے آپ کے خلاف عدالت میں بھی......!"

"جی ہاں......قطعی۔" بوڑھا بات کاٹ کر بولا۔ "لیکن آخر ناصر کے سلسلے میں عدالت تذکرہ کیوں۔"

"وہ ایک ایسی عورت کیساتھ دیکھے جاتے رہے ہیں جسے قانون اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔"

بوڑھے نے ایک طویل سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"کیوں! کیا آپ بھی اس عورت کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔" حمید اسے گھورنے لگا۔

"ناصر کے پاگل پن کی وجہ ایک عورت ہی ہے۔"

"کون!"

"کوئی پروفیسر شوخ ہے......اُس کی بیوی۔"

"لیکن ناصر صاحب کو یہ حادثہ کیسے پیش آیا۔"

"میں نہیں جانتا۔" بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس کے چچا زاد بھائی کو بھیجتا ہوں وہ بتائے گا۔"

بوڑھا ڈرائنگ روم سے چلا گیا اور حمید بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک خوش پوش نوجوان اندر آیا۔ اس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ ر ہوگی۔ صورت ہی سے کھلنڈرا اور غیر سنجیدہ معلوم ہوتا تھا۔

"کیا آپ ہی مجھے ناصر کے متعلق بتائیں گے۔"

"جی ہاں! لیکن اس سے پہلے میں آپ کے بکرے کی خیریت پوچھوں گا۔" نوجوان نے

کر بولا۔ "کیونکہ میرا بکرا ابھی ایسوسی ایشن کا ممبر ہے۔"

"لیکن میں اس وقت بکروں کے لئے خیر سگالی کے مشن پر نہیں آیا ہوں۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا اور نوجوان یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔

"آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"ناصر نے آپ کو بیگم شوخ کے متعلق کیا بتایا تھا۔"

"یہی کہ وہ ایک قتالہ عالم ہے۔ قدم قدم پر فتنے جگاتی ہے۔"

"صاحبزادے مجھے شاعری سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"یہی بتایا تھا ناصر بھائی نے یقین کیجئے۔"

"ان کا دماغ کس طرح الٹ گیا۔"

"انہوں نے ایک واقعہ بتایا تو تھا مگر مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ پھر جب دو دن بعد وہ پاگل ہوگئے تو یقین کرنا ہی پڑا۔"

"واقعہ بتاؤ دوست۔" حمید اُسے چمکار کر بولا۔

"ایک رات وہ دونوں نیاگرا کے ایک فیملی کیبن میں تھے۔ بھائی ناصر نے تھوڑی سی پی رکھی تھی، لہٰذا موج میں تھے۔ انہوں نے اُس سے محبت کرنی چاہی لیکن اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا اور اسی دوران میں اس کے منہ سے ایک سانپ کا بچہ نکل کر میز پر رینگنے لگا۔ بھائی ناصر کا بیان ہے کہ انہوں نے اسے فوراً ہی مار ڈالا لیکن وہ خود بُری طرح خائف ہو گئے تھے۔ عورت نڈھال ہوگئی تھی۔ جب بھائی ناصر نے اُس سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ رونے لگی۔ اس نے کچھ بھی نہیں بتایا مگر برابر یہی کہتی رہی کہ مجھ سے دور بھاگو۔ میرا خیال دل سے نکال دو۔ میں ایک بدنصیب عورت ہوں......جاؤ۔"

"پھر......!"

"پھر یہ کہ بھائی ناصر کی محبت تو پہلے ہی ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ انہوں نے گھر کی راہ لی۔ دو دن تک بور ہوتے رہے پھر پاگل ہوگئے۔ منہ سے نکلنے والے سانپ نے اُن کے ذہن پر

بہت بُرا اثر ڈالا تھا۔"

"تم نے دیکھا ہے اس عورت کو۔"

"دیکھنے کی خواہش ضرور رکھتا ہوں۔"

"مینٹل ہاسپٹل میں پاگل ہوجانے کی وجہ درج کرائی گئی ہے۔"

"بات کا بتنگڑ بننے کے خیال سے اصلیت چھپائی گئی ہے۔" نوجوان نے کہا۔

"لہٰذا اب یہ بات بھی چھپانی ہی پڑے گی کہ محکمہ سراغ رسانی اس عورت میں دلچسپی لے رہا ہے۔"

"محکمہ سراغ رسانی یا صرف آپ...... معاف کیجئے گا۔ میں ذرا بے تکلف ہو رہا ہوں وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے تذکرے بہت سنے ہیں اور میرے ایک عزیز سے، آپ کے گہرے تعلقات ہیں۔"

"گہرے نہیں بلکہ لمبے چوڑے۔" حمید مسکرایا۔

"آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔"

"بیگم شوخ اور ناصر صاحب کی دوستی کتنی پرانی تھی۔"

"اس کا مجھے علم نہیں۔ ویسے انہوں نے اس کا تذکرہ ایک ہفتہ پہلے ہی کیا تھا۔ اور دوسرے دن پاگل ہوگئے تھے۔"

"آپ بڑی بیدردی سے اس ٹریجڈی کا تذکرہ کررہے ہیں۔"

"دیکھئے کپتان صاحب بات دراصل یہ ہے۔" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس پر یقین نہیں ہے۔"

"کس پر......!"

"اسی کہانی اور بھائی ناصر کے پاگل پن پر۔"

"کیوں!"

"بس یونہی...... وہ اس قسم کے آدمی ہیں۔ خاندان والوں میں سنسنی پھیلانے کے لئے

اس سے پہلے بھی مختلف قسم کی حرکتیں کرتے رہے ہیں...... مگر!"

"مگر کیا......؟"

"مگر آپ اُسی عورت کے سلسلے میں ان سے ملنے آئے ہیں۔"

"ہاں! اور اس کے متعلق آپ جتنی زیادہ معلومات فراہم کرسکیں بہتر ہے۔"

اس سے زیادہ اور کچھ نہ بتا سکوں گا۔"

"اس عورت کا پتہ بتایا تھا ناصر صاحب نے۔"

"نہیں کپتان صاحب۔" نوجوان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ورنہ اب تک میں بھی پاگل ہوچکا ہوتا۔"

"خیر...... شکریہ۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اسکا تذکرہ آپ لوگ کسی سے نہیں کریں گے۔"

اب اس کی کار پروفیسر شوخ کی قیام گاہ کی طرف جارہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اُن دونوں سے کس طرح پیش آئے۔ بیگم شوخ معمہ بنتی جارہی تھی۔ جیسے ہی اس کی کار عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی سامنے والی کھڑکی سے ایک سر باہر نکلا۔ یہ پروفیسر شوخ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کھڑکی سے جست لگائی اور باہر چلا آیا۔

"دیکھئے...... دیکھئے۔" وہ ہاتھ ہلا کر چیخا۔ "بائیں جانب موڑ کر پارک کیجئے ورنہ لان تباہ ہوجائے گا۔"

حمید نے اس کی ہدایت کے مطابق کار بائیں جانب روش پر موڑ کر انجن بند کردیا۔ پروفیسر شوخ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

حمید کار سے اتر کر اسکی طرف بڑھا۔ پروفیسر اسطرح پلکیں جھپکانے لگا جیسے اُسے پہچاننے کی کوشش کررہا ہو۔ لیکن پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر استفہامیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

"کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں آپکے بھتیجے کی خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔"

"میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔" بھتیجے کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اس وقت سو رہا ہے۔ مورفیا کے انجکشن کے بغیر وہ سو نہیں سکتا۔ کیا آپ اس کے دوستوں میں سے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ

میں پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

"پچھلی رات نیاگرہ میں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "ہم دونوں پنگ پانگ کھیل رہے تھے۔"

"تب تو آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے...... وہ کوئی اور ہوگا۔"

"کیا آپ پروفیسر شوخ نہیں ہیں۔"

"میرے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"کیا پچھلی رات ہم ایک سیٹ نہیں کھیلے تھے۔"

"خدا جانے مجھے تو یاد نہیں۔" پروفیسر نے جھنجھلا کر کہا۔

اتنے میں اچانک حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ مسز شوخ برآمدے میں کھڑی اُسے اشارہ کر رہی تھی۔ پروفیسر کی پشت برآمدے کی طرف تھی۔

مسز شوخ کبھی حمید کو بلاتی کبھی ہاتھ جوڑتی۔ پھر برآمدے سے اتر کر اُن کی طرف تیزی سے بڑھی۔

"اوہ...... ہلو...... کیپٹن۔" اس نے پر اشتیاق لہجے میں حمید کو مخاطب کیا۔

"ارے...... ہاں...... آپ کیپٹن حمید ہیں۔ پچھلی رات ہم نے نیاگرہ میں ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"اوہ...... لاحول ولاقوۃ۔" پروفیسر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "یہ حضرت فرما رہے تھے میں ان کے ساتھ پچھلی رات وہاں پنگ پانگ کھیلتا رہا۔"

"بہت دلچسپ آدمی ہیں ڈیئر۔"

پروفیسر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا گلاب کی کیاریوں کی طرف چلا گیا۔ اس طرح ایک بیلچہ اٹھا کر مٹی کی تہیں الٹنے لگا جیسے حمید کی آمد سے قبل وہ یہی کام کرتا رہا تھا۔

"آیئے...... اندر چلئے۔" مسز شوخ حمید کا ہاتھ پکڑ کر عمارت کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔

حمید خاموشی سے چلتا رہا۔

"آپ کی گاڑی بڑی شاندار ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "کاش میں بھی ایک ایئر کنڈیشنڈ

لنکن خرید سکتی۔"

"آپ چار خرید سکتی ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے...... مگر پروفیسر......!"

حمید نے اُس سے جملہ پورا کرنے کی استدعا نہیں کی۔ وہ اُسے ایک شاندار اسٹڈی میں لائی۔ کچھ دیر تک دونوں ہی خاموشی سے بیٹھے ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر حمید بولا۔

"میں ایک شخص کے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی......!" وہ چونک پڑی۔

"ناصر......!" حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کون ناصر......!"

"وہی...... ناصر...... جسے نیاگرہ میں منہ سے نکلنے والے سانپ کی پوجا کرنی پڑی تھی۔"

"اوہ......!" دفعتاً اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں نظر آئیں لیکن پھر شائد اس نے اپنے اعصاب پر قابو پالیا اور اُس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا آپ کوئی دلچسپ داستان سنائیں گے۔"

"اگر آپ اُسے دلچسپ سمجھ سکیں۔"

"شروع ہو جایئے۔"

حمید آنکھیں بند کر کے مسکرایا۔ اُس نے یک بیک اپنا پورا پلان بدل دیا تھا۔

"صنوبر کے سائے تلے۔" وہ آنکھیں کھولے بغیر بولا۔ "مگر نہیں...... میں غلط کہہ رہا ہوں۔ وہ تو نیاگرہ کا ریکریئیشن ہال تھا...... جہاں پہلے پہل...... ہا......!"

حمید آنکھیں کھول کر مر مٹنے والے انداز میں مسکرایا۔ پھر بولا۔ "مگر آپ اس وقت اشاروں ہی اشاروں میں میری خوشامدیں کیوں کر رہی تھیں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کہیں آپ اُس سوئی کا تذکرہ پروفیسر سے نہ کر دیں۔"

"چلئے میں نے نہیں کیا۔" حمید بولا۔ "لیکن اُس سانپ کی داستان بڑی بُری طرح پھیل رہی ہے۔ اگر پروفیسر کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچی تو کیا ہوگا۔"

"میں اُسے افواہ ثابت کرسکتی ہوں۔" اُس نے کہا اور پھر اس طرح زرد پڑگئی جیسے جملہ نادانستگی میں زبان سے نکل گیا ہو۔

"خیر اسے آپ افواہ ثابت کرسکتی ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن وہ سو زندگی بھر میرے دل میں پیوست رہے گی۔"

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔"

"میں صرف کبوتر اڑاتا ہوں بشرطیکہ وہ گرہ باز ہوں۔"

"پھر آپ کس لئے تشریف لائے ہیں۔"

"آپ کے بھتیجے داؤد کی خیریت دریافت کرنے کے لئے۔"

"ہڈی ہڈی جوڑ دی گئی ہے اور وہ اس وقت مورفیا کے زیر اثر ہے۔ مگر آپ ناصر کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"آپ جانتی ہیں اُسے۔"

"ہاں میں اُسے جانتی ہوں اور مجھے اعتراف ہے کہ اُسے ایک تحیر انگیز واقعہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔"

"تو یہ حقیقت ہے کہ سانپ آپ کے منہ سے نکلا تھا۔"

"حقیقت ہے۔"

"خدا کی پناہ..... محاورہ غلط ہوگیا۔"

"کیسا محاورہ!"

"آستین میں سانپ پالنا سنا تھا..... مگر پیٹ میں۔"

"بس خاموش رہئے۔ میرے ہی گھر میں بیٹھ کر آپ میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔"

"میں مضحکہ نہیں اڑا رہا ہوں بلکہ خود بھی آپ کا یہ کمال دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھئے نہ تو میں آپ کو اس کے متعلق کچھ بتا سکتی ہوں..... اور نہ.....!"

"ناصر پاگل ہوگیا ہے اور مینٹل ہاسٹل میں ہے۔ اُس کے اعزہ عنقریب آپ لوگوں پر چڑھ دوڑیں گے۔ وہ بھی اونچے ہی طبقے کے لوگ ہیں۔"

"یہ بات بُری ہوگی۔" بیگم شوخ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"بات ختم بھی ہوسکتی ہے۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر.....!"

"مگر کیا.....؟"

"اس کے متعلق سب کچھ میرے علم میں آنا چاہئے۔"

مسز شوخ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "لیکن زبان میرا ساتھ نہ دے تو!"

اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آرہے تھے اور چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

"زبان ضرور ساتھ دے گی۔"

"میرے خدا میں کیا کروں۔" بیگم شوخ نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے ابھی اپنے کپڑے چیر پھاڑ کر دیوانہ وار باہر نکل جائے گی۔

ٹھیک اُسی وقت ایک آدمی اسٹڈی میں داخل ہوا جس کے دونوں ہاتھوں میں کسی جانور کی بڑی بڑی ہڈیاں تھیں۔ اسکے بعد ہی پروفیسر بھی اندر آیا۔ اسکے ہاتھوں میں اب بھی بیلچہ تھا۔

"بیگم.....!" اُس نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ "یہ ذرا..... دیکھو..... یہ ہڈیاں..... ابھی ابھی گلابوں کی ایک کیاری سے برآمد ہوئی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ کم از کم پانچ سو سال پرانی ضرور ہیں۔"

"ہوں گی.....!" بڑی لاپروائی سے کہا گیا۔

"انہیں میں اپنی خواب گاہ میں لٹکاؤں گا۔"

"میرا موڈ اس وقت ٹھیک نہیں ہے۔" اس کی بیوی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا خیال ہے آپ کا۔" پروفیسر حمید سے مخاطب ہوگیا۔

"کیا ان ہڈیوں کے ساتھ کوئی تحریر نہیں برآمد ہوئی۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں تو......تحریر کیوں؟"

"ایسی چیزوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی تحریر بھی نکلا کرتی ہے۔ مثلاً میرے دادا جان ایک امرود کے کھیت میں......!"

"امرود کے کھیت......!" پروفیسر نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں......ہماری طرف امرود کے کھیت ہی ہوتے ہیں۔"

"یہ آپ کی طرف کدھر ہوتی ہے۔" پروفیسر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"اُدھر ہی جدھر پروفیسروں کا سورج غروب ہوتا ہے۔ آج کل میں نباتات پر ریسر کررہا ہوں اور عنقریب مجھے پانچویں ڈاکٹریٹ مل جائے گی اور آپ یہ ہڈیاں کیا لئے پھر ہیں۔ آپ یہ تک تو بتا نہیں سکتے کہ یہ شجرۃ الجن کی ہڈیاں ہیں یا شاہ بلوط کی۔"

"ہائیں...... ہائیں......!" پروفیسر آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا اور اس کی بیوی اسٹڈی چلی گئی۔

"جہالت کی باتیں نہ کرو۔" پروفیسر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا

"آپ کب عقلمندی کی باتیں کررہے ہیں۔ اگر آپ مجھے زیادہ بور کریں گے تو میر منہ سے سانپ نکل پڑے گا۔"

"یار تمہارے دماغ میں فتور معلوم ہوتا ہے۔" پروفیسر آنکھیں نکال کر بولا۔

"دنیا کے سارے بڑے آدمیوں کے متعلق عام آدمی یہی خیال رکھتے ہیں۔"

"میں عام آدمی ہوں۔" پروفیسر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"آم کیا میں آپ کو امرود بھی نہیں سمجھتا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"بیٹھو......بیٹھو۔" پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں تمہارے دماغ کے کیڑے جھاڑوں گا"

"گلاب کے پودوں کے کیڑے آپ کو زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔" حمید نے کہا اور اسٹڈی سے نکل آیا۔

پروفیسر کی بیوی پہلے ہی جا چکی تھی لہٰذا یہاں بیٹھنا دماغ کے کیڑے ہی جھڑوانے

مترادف ہوتا مگر اتنی گفتگو کے بعد یہ عورت اور زیادہ معمہ بن گئی تھی۔

حمید لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا کار کے قریب پہنچ گیا لیکن اُسے چونکنا پڑا کیونکہ پروفیسر کی حسین ترین بیوی پچھلی نشست پر نیم دراز تھی۔ اُس نے نیم باز آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور اس نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔

حمید اندر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔

کار پھاٹک سے سڑک پر نکل آئی لیکن وہ اسی طرح پچھلی سیٹ پر پڑی رہی۔ حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ البتہ اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

دفعتاً بیگم شوخ نے کہا۔ "مجھے کسی ایسی جگہ لے چلئے جہاں چھت نہ ہو۔ دیواریں نہ ہوں۔ درخت نہ ہوں۔ جھاڑیاں نہ ہوں۔ کسی چٹیل میدان میں لے چلئے۔ میں بھی آج امتحان کرنا چاہتی ہوں۔ تنگ آگئی ہوں اپنی زندگی سے۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں محترمہ۔"

"آسانی سے سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے جو کچھ میں کہہ رہی ہوں کیجئے۔"

"چٹیل میدان میں لے چلوں۔"

"ہاں......جہاں ہم میلوں تک دیکھ سکیں۔ اپنے گردوپیش آسانی سے نظر دوڑا سکیں۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے ایک طویل سانس لی۔

"آپ نے اس وقت پھر پروفیسر کی توہین کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ بالکل ڈفر ہے۔" حمید نے کہا۔

"دیکھئے آپ میری بھی توہین کررہے ہیں۔ وہ میرے شوہر ہیں۔"

"اگر وہ میرے شوہر ہوتے تو میں انہیں زہر دے کر بقیہ زندگی بحالت بیوگی گذار دیتا۔"

"نہیں آپ ایسا نہیں کہہ سکتے۔ خدا کے لئے خاموش رہئے۔"

"تو وہ آپ ہی کا انتخاب ہے۔"

"سوفیصدی۔"

"کیا میں اس انتخاب کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔"

"اگر کوئی عورت پوچھتی تو بتا دیتی۔"

"مجھے بھی مرد نہ سمجھئے۔"

"اگر آپ ہیں تو ضرور سمجھ جائیں گے۔"

"ہٹایئے یہ ایک فضول بحث ہے۔" حمید نے کہا۔ وہ اپنی کار جھریالی کے میدان کی طرف لے جا رہا تھا۔

"پچھلی رات آپ کے ساتھ وہ دیوزاد کون تھا۔" بیگم شوخ نے پوچھا۔

"آپ ہی کے گرفتاروں میں سے ایک۔"

"آپ نہ جانے کیسے آدمی ہیں۔" وہ بگڑ گئی۔ "شریف اور بازاری عورتوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ کیا گفتگو کا یہی طریقہ ہے۔"

"معاف کیجئے گا۔ آپ سمجھیں نہیں۔ وہ بھی ناصر کے عزیزوں میں سے ہے۔ آج جب اُسے سانپ والا واقعہ معلوم ہوا تو اُسکے دیوتا کوچ کر گئے اب وہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہے۔"

"لیکن آپ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔"

"ہم لوگ اگر ایسی باتوں سے متاثر ہونے لگیں تو پورا شہر ایک دن میں فنا ہو جائے۔"

"اوہ...... یہ میدان...... بالکل ٹھیک ہے۔" دفعتاً وہ پُرمسرت لہجے میں بولی۔ کار جھریالی کے میدان میں داخل ہو رہی تھی۔

"بس اب روک دیجئے۔" بیگم شوخ نے کہا۔

حمید نے کار روک دی اور بیگم شوخ اس سے پہلے ہی نیچے اتر گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید اُسے متحیرانہ انداز میں گھورتا ہوا نیچے اُتر آیا۔

"میں شیطان کی محبوبہ ہوں۔" وہ آنکھیں بند کئے ہوئے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔

"میں جب بھی اُس کا راز ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہوں تو مجھ پر کوئی نہ کوئی مصیبت

ٹوٹ پڑتی ہے۔ پچھلی رات والی سوئی ایسی ایک مصیبت تھی۔ اگر کوئی مجھ سے عشق جتانے کی کوشش کرے تو وہ اس بُری طرح ڈرایا جاتا ہے کہ پاگل ہو جاتا ہے۔"

پھر وہ آنکھیں کھول کر ہنسنے لگی لیکن ساتھ ہی خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتی بھی جا رہی تھی۔

"لیکن اس وقت مجھ پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی اور تم مجھ سے اظہار محبت کر کے دیکھ لو۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ تو صرف چھیڑ چھاڑ کا رسیا تھا۔

"م...... میں...... نہیں سمجھا۔" وہ ہانپنے لگا۔

"بس صرف اتنا کہہ دو کہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

"اس سے فائدہ۔"

"تجربے کے طور پر...... ورنہ میں ایک شریف عورت ہوں اور ایسی باتوں کو مزاجاً بھی نہیں برداشت کر سکتی...... کہہ دو...... صرف کہنے کی خاطر۔"

"مجھے تم سے محبت ہے۔" حمید خود کو چغد محسوس کرنے لگا۔

بیگم شوخ نے پھر چاروں طرف دیکھا اور بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

"اور اگر میں اسی طرح رونا شروع کر دوں تو۔" حمید نے جھینپ کر کہا۔

"میں لوریاں گا کر تمہیں سلا دوں گی۔ آؤ اب واپس چلیں کام ہو گیا۔"

حمید آنکھیں پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔

پُراسرار ذرّات

"میں سب کچھ بتا دوں گی۔ اب مجھے اس سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔ وہ کوئی آدمی ہی ہے۔ انتہائی چالاک اور پراسرار آدمی۔" مسز شوخ نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ "میرا نام حمید ہے محترمہ۔"

"اب پھر آپ اعلان جنگ کرنے والے ہیں۔" عورت مسکرائی۔ "میں آپ کو مطمئن کردوں گی۔"

اُس نے آگے بڑھ کر گاڑی کا اگلا دروازہ کھولا اور اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"کیا مجھے اب اپنی گاڑی میں میٹر لگانا پڑے گا۔" حمید نے اندر بیٹھ کر مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"کرایہ ادا کردوں۔" وہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔

حمید کچھ نہیں بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس عورت کو کیا سمجھے۔ لیکن اس کی باتوں کو مجذوب کی بڑ سمجھنے پر بھی تیار نہیں تھا۔

گاڑی کچے راستوں کے جال سے نکل کر پختہ سڑک پر آگئی تھی۔ مسز شوخ نے کہا۔ "اگر میرے منہ سے سانپ کا بچہ نکلا تھا تو کیا یہ کوئی جرم ہے۔"

"قطعی نہیں.... اگر آپکے منہ سے ہاتھی کا بچہ نکلے تب بھی قانون کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔"

"اگر میں نے خود ہی اپنی پنڈلی میں ایک سوئی چبھو رکھی تھی تو آپ مجھ پر کون سی فردِ جرم عائد کریں گے۔"

"پاگل پن اور آپ جانتی ہیں کہ قانون نے پاگلوں کیلئے جیل میں کوئی جگہ نہیں رکھی۔"

"بس تو پھر میں یہ ضروری نہیں سمجھتی کہ آپ کو حالات سے آگاہ کیا جائے۔ یہ میرے نجی معاملات ہیں۔"

"میں آپ کو مجبور نہیں کرتا کہ مجھے آگاہ کیجئے۔ ناصر کے اعزہ آپ سے سمجھ لیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ آپ نے اُسے کچھ کھلا دیا ہے۔"

"کیا کھلا دیا ہے۔"

"کوئی ایسی زہریلی چیز جس سے دماغ ماؤف ہوجائے۔"

"اس کے لئے انہیں طبی ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔"

"ہٹایئے...... مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔"

"پھر کیوں دوڑے آئے۔"

"غلطی ہوئی تھی۔ آپ صرف ہسٹریا کی مریض ہوسکتی ہیں اور اس کی لئے جواز بھی موجود ہے۔ بوڑھوں کی جوان بیویاں اکثر اس مرض میں مبتلا پائی گئی ہیں۔"

"بکواس ہے......!" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"میں آپ کی باتوں کا بُرا نہیں مان سکتا کیونکہ آپ اس وقت بھی دورے ہی کی حالت میں ہیں۔"

"آپ اپنی زبان بند رکھیں تو بہتر ہے۔"

"نہیں میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتا کیونکہ دورہ شدید نہیں ہے یعنی اگر میں نے اپنی بکواس جاری رکھی تو آپ مجھے نوچنے کھسوٹنے کی کوشش نہیں کریں گی۔ اس لئے مجھے بکنے دیجئے۔ اب کہاں چلوں...... نیاگرا...... یا کہیں اور۔"

"میں گھر واپس جانا چاہتی ہوں۔" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔ آپ نے میرا وقت برباد کیا ہے۔"

"پھر آپ کیا کریں گے۔"

"کچھ دیر میں بھی آپ کا وقت برباد کرونگا۔ اگر کہئے تو پروفیسر کا مستقبل بھی برباد کردوں۔"

"آپ سے میں عاجز آگئی ہوں لیکن کیا آپ دوسرے جملے کی وضاحت کریں گے۔"

"یہی کہ آپ کے چہرے پر تیزاب ڈال دوں۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور وہ سہم کر ایک طرف سمٹ گئی۔

حمید پھر بولا۔ "آپ بے حد حسین ہیں اور میں دنیا کی ہر حسین عورت کا چہرہ بگاڑ دینا چاہتا ہوں۔"

"کیوں......؟" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ایک بار ایک بدصورت عورت نے مجھے اس کی استدعا کی تھی۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"یہ نہ میرا قصور ہے اور نہ باتوں کا۔"

عورت تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "مجھے میرے گھر پہنچا دیجئے۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میں آپ کا وقت برباد کرنے کا عہد کر چکا ہوں۔"

"پھر اگر میرے منہ سے یا آپ کی جیب سے سانپ نکل آئے تو میں نہیں جانتی۔"

"تقریباً تین سو سانپوں کی نگہداشت میرے ذمے ہے۔ لہٰذا میری نظروں میں دو ا
سانپ تو کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ دیکھئے آپ کے گال پر چیونٹی ہے۔"

حمید نے اس کے گال پر ہلکی سی تھپکی دی۔

اس نے بُرا سا [illegible]یا لیکن خاموش رہی۔ حمید نے کہا۔ "شاید آپ کو میرے تین
سانپوں پر شبہ ہے۔"

وہ پھر بھی کچھ نہ بولی۔ اس کی آنکھوں سے خوف مترشح تھا۔

"پچھلی رات والے خطوط کا تذکرہ یاد ہے آپ کو۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں...... مجھے یاد ہے۔ وہ جس کے ہاتھ لگے ہوں گے.....!"

"میں پھر وہی کہانی سننا نہیں چاہتا۔" حمید نے بیچ ہی سے کاٹ دیا۔

"کاش میں سمجھ سکتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔" عورت نے ایک طویل سانس لی۔

"صرف حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی نامعلوم آدمی مجھے عشقیہ خطوط لکھتا رہتا ہے جن میں وہ اپنے نام کی جگہ شیطا
لکھتا ہے۔ اکثر اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ صرف ایک روح ہے اور دنیا کے ہر آدمی کو
دے سکتا ہے۔"

"اوہ......اب میں سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "لیکن اس وقت تک وہ آپ کو سزا نہ
دے سکا۔"

"نہیں دے سکا......اسی بناء پر میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہ

نہیں ہے۔"

"آپ نے اس سوئی کے متعلق کیا خیال ظاہر کیا تھا۔"

"یہی کہ وہ کسی مشین کے ذریعہ پھینکی گئی ہوگی۔"

"اُس کے متعلق اب میرا بھی یہی نظریہ ہے۔ ممکن ہے ہم لوگوں کا مل بیٹھنا اُسے گراں
گذرا ہو۔"

"مگر منہ سے نکلنے والے سانپ۔" حمید نے سوال کیا۔

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ میرے حلق سے ہی نکلا تھا۔ ہوسکتا ہے کہیں دوسری
طرف سے آیا ہو۔ ناصر گستاخ و بیباک ہوچلا تھا۔ ٹھیک اسی وقت سانپ والا واقعہ پیش آیا۔
کون جانے شیطان کو اُس کی بیباکی گراں گزری ہو۔ مگر......!" عورت خاموش ہوگئی۔

"آپ جملہ پورا کرنا بھول گئی ہیں شاید۔" حمید نے اُسے ٹوکا۔

"میں سوچتی ہوں اگر کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں ہے تو پھر کیا دن رات میرے پیچھے
ہی لگا رہتا ہے۔ اُسے دنیا کا اور کوئی کام نہیں ہے۔"

"عشق بجائے خود ایک بہت بڑا کام ہے۔ کیا آپ نے وہ شعر نہیں سنا۔"

دلوں کو فکر دو عالم سے کردیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

"آپ پھر مضحکہ اڑانے لگے۔" عورت جھلا گئی۔

"میں تو چارہ سازی کر رہا تھا۔ عاشقوں کے چارہ ساز بھی تو ہوتے ہیں۔ اردو شاعری میں
اگر نہ ہوں تو عاشقوں کے سامنے گھاس کون ڈالے۔"

"میں گھر جاؤں گی۔"

"تنہائی سے ہمیشہ دور بھاگئے ورنہ آپ کو بھی اُس شیطان سے عشق ہوجائے گا۔"

"مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں نے اُس شیطان کو پکڑ لیا ہو۔" عورت نے
ناخوشگوار لہجے میں کہا اور حمید نے محسوس کرلیا کہ اشارہ خود اُسی کی طرف ہے۔

"جب عاشقوں کی تعداد بڑھ جائے تو چالاک قسم کے عاشق اسکے علاوہ اور کیا کرسکتے ہیں۔"

"آپ بے شرم ہیں۔" عورت کی آواز غصہ سے کانپ رہی تھی۔

"باشرم عاشق تو کوئی مولوی ہی ہوسکتا ہے۔"

"میں آپ کے خلاف کیس دائر کروں گی۔ آپ اتنے دنوں تک مجھے خواہ مخواہ پریشان کرتے رہے۔"

"عاشقوں کو پھانسی نہیں ہوا کرتی۔"

"آپ بدتمیز ہیں۔ میں آپ سے نفرت کرتی ہوں۔"

"آپ کچھ بھی کہئے۔ میرا سایہ آپ کی قبر تک جائے گا۔"

"میں چیخنا شروع کردوں گی۔"

"یہاں دور دور تک آدمیوں کا پتہ نہیں ہے۔ ویسے اگر آپ ان درختوں کو محظوظ کرنا چاہتی ہوں تو مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں ہوسکتا۔"

"کار روک دو۔" عورت نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے کار روک دی۔

"تم میرا کچھ نہیں کرسکتے۔" عورت اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"میں کب کہتا ہوں کہ کرسکتا ہوں۔"

"پھر یہ سب کیا ہے۔"

"اس کا جواب وہی آدمی دے سکے گا جو اس وقت پاگل خانے میں ہے۔"

"ناصر......!"

"ہاں وہی......!"

"تمہیں پاگل خانے میں ہونا چاہئے تھا۔" عورت نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"مجھے کیوں ہونا چاہئے جبکہ میں ابھی تک نہ تو گستاخ ہوا ہوں اور نہ بیباک۔"

"تم اتنے دنوں تک مجھے خواہ مخواہ ڈراتے اور ستاتے رہے۔ تمہارے لکھے ہوئے خط میں پولیس کے حوالے کردوں گی۔"

"ہوش میں آیئے محترمہ۔ آپ ایک سرکاری آفیسر سے گفتگو کررہی ہیں۔"

عورت کی آنکھوں میں پھر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

"تو وہ آدمی آپ نہیں ہیں جو مجھے پریشان کرتا رہا ہے۔"

"پتہ نہیں کس آدمی کی طرف اشارہ ہے آپ کا۔ ویسے پچھلی رات سے شائد میں بھی آپ کو پریشان کررہا ہوں۔"

جہاں کار رکی تھی اُس کے دونوں طرف نشیب تھا اور پھر دور تک جوار کے گھنے کھیتوں کے سلسلے شروع ہوگئے تھے۔

اچانک دونوں اطراف کی ڈھلانوں سے کچھ آدمیوں نے سر ابھارا۔ ساتھ ہی اُن کے ہاتھ بھی اٹھے جن میں ریوالور تھے اور ان کے چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔

حمید اپنا سر سہلانے لگا کیونکہ وہ بالکل نہتا تھا۔

وہ لوگ سڑک پر پہنچ کر کار کو نرغے میں لے چکے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی عورت کا شانہ جھنجھوڑ کر غصیلے لہجے میں بولا۔ "سلیمہ تم نہیں باز آؤ گی۔"

"مم......میں......نن......!" سلیمہ ہکلا کر رہ گئی۔

"ہاں تم نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں۔ لیکن کیا تم اس تنبیہ کو مذاق سمجھی تھیں۔"

سلیمہ خاموش رہی۔ اُس آدمی نے پھر کہا۔ "میں تمہیں کسی دوسرے کیساتھ نہیں دیکھ سکتا۔"

"پروفیسر کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید بول پڑا۔

"تم خاموش بیٹھے رہو۔" وہ آدمی گرج کر بولا۔ "میں بہت زیادہ خون بہانے کا عادی نہیں ہوں ورنہ یہاں تمہاری لاش تڑپتی نظر آتی......سلیمہ میں تم سے گفتگو کررہا ہوں۔"

"میں نہیں جانتی کہ آپ کون ہیں۔" سلیمہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"میں کوئی بھی ہوں لیکن تمہیں اپنا پابند دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مگ......مگ......مگر......!"

"کسی سرکاری سراغ رساں سے تمہارا گٹھ جوڑ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اگر تم اسے کسی

قابل سمجھتی ہو تو میں تمہیں اس کی موجودگی میں کھینچ لے جاؤں گا۔''

''اچھا اب تم اپنی زبان بند کرو۔'' حمید کو غصہ آ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ا ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے آ لگی۔

''اتارلو اس عورت کو۔'' اُس آدمی نے گرج کر کہا اور سلیمہ بڑی بے بسی سے ''نہیں نہی کرنے لگی لیکن اُن لوگوں نے اُسے کھینچ کر اتار ہی لیا۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی اور اس آنکھیں حمید سے التجا کر رہی تھیں...... اور حمید جو فریدی کا شاگرد تھا سوچ رہا تھا کہ ایسے مو پر جب اپنے پاس بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہ ہو دلیری دکھانا حماقت ہی ہے۔ ہاں اگر حکمت کوئی نئی راہ دکھادے تو دوسری بات ہے۔ وہ نہتا تھا اور ان کی تعداد آٹھ تھی اور آٹھ ریوالوروں کی نالیں اُس کے لئے اپنے فن کا مظاہرہ کرسکتی تھیں لیکن خود حمید اپنا جسم چھلنی کرا کا دلدادہ نہیں تھا اس لئے وہ نہایت خاموشی سے بیٹھا رہا۔

اگر وہ کار کے باہر ہوتا تو شاید خاموشی اُسے گراں گزرنے لگتی اور وہ کچھ نہ کچھ ض کر گزرتا مگر اس صورت میں تو کار سے اترتے اترتے وہ دوسری دنیا کا سفر کرسکتا تھا۔

سلیمہ کو زمین پر گرا کر اُس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے۔ منہ میں کپڑا ٹھونسا گیا اور وہ ک ایسے خوفزدہ پرندے کی طرح بے بس ہانپتی رہی جو باز کے چنگل میں جا پھنسا ہو۔

حمید کی کنپٹی سے ابھی تک ریوالور کی نال لگی ہوئی تھی۔ دو آدمیوں نے سلیمہ کو اٹھایا بائیں جانب والے نشیب میں اتر گئے۔

ان کے بعد ہی دوسروں نے بھی اُدھر ہی چھلانگیں لگائیں لیکن وہ آدمی بدستور وہیں ک رہا جس نے حمید کی کنپٹی سے ریوالور کی نال لگا رکھی تھی۔

''اب کیا ارادہ ہے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کچھ نہیں بس اتنی دیر اور کہ وہ لوگ ایک خاص مقام تک پہنچ جائیں۔''

''یہ عورت واقعی بہت حسین ہے۔'' حمید نے کہا۔

وہ آدمی کچھ نہ بولا۔ حمید کہتا رہا۔ ''اگر تم لوگوں نے اُسے کوئی تکلیف پہنچائی تو خدا تمہ

غارت کرے گا۔''

وہ آدمی ہنس پڑا اور پھر بولا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ شاید تم لوگ ہم لوگوں کو غارت کردینے کا ارادہ ظاہر کرو گے۔''

''خدا غارت کرے گا۔''

''اب پولیس والے کوسنے لگے ہیں۔'' اُس آدمی نے قہقہہ لگایا۔ ٹھیک اُسی وقت حمید نے سر پیچھے ہٹا کر اُس کے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا۔ پھر دو تین جھٹکوں کے بعد حمید نے اُس کا ریوالور چھین لیا اور وہ آدمی اس سے ہاتھ چھیڑا کر بھاگا جتنی دیر میں وہ کار سے اترتا وہ آدمی نشیب میں چھلانگ لگا چکا تھا۔

حمید بھی اُدھر ہی لپکا لیکن پھر وہ جوار کے کھیتوں کو بُرا بھلا کہنے لگا جن میں کھڑی ہوئی قدِ آدم فصل اُس آدمی کو نگل گئی تھی۔

حمید کافی دیر تک کھیتوں میں بھٹکتا رہا پھر تھک ہار کر واپس آ گیا۔ وہ اب بھی غصیلی نظروں سے کھیتوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کار اسٹارٹ کی لیکن اب وہ شدید ترین الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا اگر شوخ کی کوٹھی کے کسی آدمی نے سلیمہ کو اس کی کار میں بیٹھے دیکھ لیا ہوگا تو اُس کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔

حالات اُس کی سمجھ سے باہر تھے۔ وہ شروع سے اب تک کے واقعات کا جائزہ لینے لگا۔ اگر سلیمہ کے بیان کے مطابق اس پُراسرار آدمی کو کوئی مافوق الفطرت ہستی سمجھ لیا جائے تو اس وقت کا واقعہ بے معنی ہو کر رہ جائے گا اور اگر یہ سمجھا جائے کہ سلیمہ کے اس تجربے کے بعد اُس نے بھی اپنا رویہ بدل دیا تب بھی اس کے مافوق الفطرت ہونے میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ایسی صورت میں یہ سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ اسے اس تجربہ کا علم کیسے ہوا؟ اور اس سوال کا جواب یہی ہونا چاہئے کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے ورنہ اُسے اس تجربے کا علم نہ ہوسکتا کیونکہ حمید کے خیال کے مطابق کسی نے ان کا تعاقب بھی نہیں کیا تھا۔

وہ اسی ادھیڑ بن میں گھر تک پہنچ گیا جیسے ہی کمپاؤنڈ میں کار پہنچی اُسے چکر سے آنے ل
کیونکہ برآمدے میں اُسے فریدی دکھائی دیا جو ایک نوکر سے کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ تین دن بعد گھر واپس آیا تھا۔ حمید کار گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔ واپسی پر بھی ا
نے فریدی کو برآمدے ہی میں موجود پایا۔

''کیوں؟ کیا قصہ ہے؟'' فریدی اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔ ''تمہار
چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔''

''کچھ نہیں......!'' حمید زبردستی ہنسا۔ ''آپ کہاں تھے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اندر جانے کے لئے مڑ گیا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ فریدی کو ا
واقعہ کی اطلاع دے یا نہ دے۔ کافی سوچ بچار کے بعد اُس نے طے کیا کہ اُسے خاموش
رہنا چاہئے۔ ممکن ہے سلیمہ اب تک گھر بھی پہنچ چکی ہو۔ اگر مقصد اس کا اغواء ہوتا تو آج ہی
ضروری تھا۔ یہ کام اس سے پہلے ہی ہو چکا ہوتا۔ ممکن ہے مجرموں نے اُسے وقتی طور
چڑھانے اور اشتعال دلانے کے لئے ایسا کیا ہو۔

وہ اندر آیا۔ یہاں نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی اوپر لیبارٹری میں ہے۔

حمید اوپر چلا گیا۔ تین دن بعد فریدی سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے اُسے ما
اسکوپ پر جھکے ہوئے دیکھا۔ حمید کی آہٹ پر وہ چونک پڑا۔ پھر اُس نے حمید کو اشارے
اپنے قریب بلایا۔

''دیکھو......!'' اُس نے مائیکرو اسکوپ کے لینس کی طرف اشارہ کیا۔ حمید نے شیشے
آنکھ لگا دی۔ سلائیڈ پر بے شمار چمکدار ذرات نظر آرہے تھے۔

''کیا دیکھا......!''

''پریاں ناچ رہی ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ڈالڈا کے ڈبے ہیں۔ اُررر...... نہیں
میرے خدا...... ان ذرات سے تو شعاعیں سی پھوٹ رہی ہیں۔ نیلی اور بنفشی۔ یہ کیا بلا ہے؟
حمید نے شیشے سے آنکھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہارے لئے ایک مصیبت ثابت ہونے والی ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''یعنی......!''

''ایک شاندار کیس......!'' فریدی کا جواب تھا۔

کھیتوں میں

کیس کا نام سن کر حمید کی جان نکل گئی اور وہ کراہ کر فرش پر بیٹھ گیا۔

''یہ ذرات......!'' فریدی کہتا رہا۔ ''تار جام کی لوہے کی ایک کان سے برآمد ہوئے ہیں جو لوہے کے ذرات ہرگز نہیں ہو سکتے۔''

''ارے تو یہ کیس ہو گیا۔'' حمید نے رونی آواز میں کہا۔

''کیونکہ کان کن کمپنی اسے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہی ہے حالانکہ اس کی اطلاع حکومت کو ہونی چاہئے...... اور یہ کان کن کمپنی غیر ملکی ہے۔''

''یہ ذرات آپ کو کب اور کہاں ملے؟''

''یہ میرے پاس تقریباً پندرہ دن سے ہیں اور آج میں ان سے دو طرح کی شعاعیں خارج کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔''

''آپ......!'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ہاں! کیوں؟ یہ اتنی بڑی تجربہ گاہ آخر کس لئے ہے۔''

''ان ذرات میں پہلے کیا خصوصیت تھی جس نے آپ کو دلچسپی لینے پر مجبور کیا۔''

''ہر ذرے کے گرد فالسئی رنگ کے دائرے سے معلوم ہوتے تھے۔''

''کاش وہ دائرے میرے لئے پھانسی کا پھندا بن جاتے مگر یہ آپ کے ہاتھ کیسے لگے۔''

''کمپنی کے ایک محب وطن دیسی ڈائریکٹر نے مجھے اطلاع دی تھی۔ پھر میں نے اپنے طور

پر یہ ذرات حاصل کرلئے چونکہ اس ڈائریکٹر کو علم الارض سے دلچسپی ہے۔ اس لئے اس کی تو اس طرف مبذول ہوگئی۔ دوسرے دیسی ڈائریکٹروں کو اس کا علم نہیں ہے۔"

"خدا اس دیسی ڈائریکٹر کی دس شادیاں کرادے تاکہ اُسے علم البقر کے علاوہ کسی او سے دلچسپی نہ رہ جائے۔"

فریدی ہنسنے لگا اور حمید بولا۔ "تو یہ ذرات مصیبت کیوں بنیں گے۔ کان کنی رکوائی بھ جاسکتی ہے۔"

"آسانی سے نہیں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "پہلے تحقیقات ہوگی اگر یہ ثابت ہوگیا تو کارروائی کی جاسکے گی ورنہ نہیں۔ لیکن اتنی دیر میں وہ لوگ حاصل کئے ہوئے ذخیرے کو با بھیجنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔"

"تو ذخیرے ہی پر کیوں نہ قبضہ کرلیا جائے۔"

"یہ تو مصیبت ہے کہ وہ جگہ ابھی تاریکی میں ہے جہاں اُن لوگوں نے اسکا ذخیرہ کیا ہے۔"

"کیا پتہ ذخیرہ یہاں سے منتقل بھی کیا جاچکا ہو۔"

"نہیں...... ابھی کوئی تدبیر ان کی سمجھ میں نہیں آسکی۔"

"ذخیرے کا علم آپ کو کیسے ہوا۔"

"یہ بھی اُسی دیسی ڈائریکٹر کی اطلاع ہے۔ اُس نے غیر ملکی ڈائریکٹروں کو اس مسئلے گفتگو کرتے سنا تھا۔"

"غالباً چھپ کر سنا ہوگا۔"

"یقیناً......!"

"دوسروں کی باتیں چھپ کر سننا اور پھر اُسے ادھر اُدھر کہتے پھرنا بہت بڑا گناہ ہے کبھی معاف نہیں ہوتا۔"

"اور ہم پرانے گناہ گار ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"میں تائب ہوجانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

فریدی پھر ذرات کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔

"آپ تارجام ہی میں تھے۔"

"ہاں...... اور کل پھر جاؤں گا۔ مگر تنہا نہیں تم بھی میرے ساتھ ہوگے۔"

"تارجام بڑی خشک جگہ ہے۔"

"نہیں اب وہاں کے ہوٹلوں میں بھی لڑکیاں نظر آنے لگی ہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"شکر ہے کہ ان پر آپ کی نظر تو پڑی۔"

"بس اب دفع ہوجاؤ۔ ورنہ یہ لیبارٹری اندرسبھا بن کر رہ جائے گی۔"

"آپ کا مقدر ہی بنجر ہے۔ کوئی کیا کرے؟" حمید نے کہا اور لیبارٹری سے چلا آیا۔

پھر بقیہ وقت سکون سے گذرا۔ نہ فریدی نے اُسے طلب کیا اور نہ حمید کو یہی معلوم ہوسکا کہ وہ گھر کے کس حصے میں کیا کررہا ہے۔

رات بھی چین سے گزری۔ یعنی طلب کرکے کسی مسئلے پر بحث نہیں کی گئی۔ ہر ایسے موقع پر جب فریدی کے ہاتھ میں کوئی کیس ہوتا تھا حمید خود ہی اس سے کترانے لگتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ آج کل وہ ذہنی جمناسٹک سے ذرا دور بھاگنے لگا تھا۔ البتہ ان کاموں کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا جن میں صرف جسمانی انرجی صرف ہوتی ہو۔

دوسری صبح وہ دیر سے اٹھا تھا۔ فریدی ناشتہ کرچکا تھا۔ حمید ناشتہ کرہی رہا تھا کہ ایک نوکر نے آکر اطلاع دی کہ فریدی نے اُسے ڈرائینگ روم میں طلب کیا ہے۔ اس نے جلدی جلدی ناشتہ ختم کیا۔

لیکن ڈرائینگ روم میں قدم رکھتے ہی اس کا دم نکل گیا کیونکہ سامنے ہی پروفیسر شوخ براجمان تھا اور بہت غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

"جی ہاں...... یہی حضرت ہیں۔" وہ حمید کو دیکھتے ہی اچھل کر دہاڑا۔ پھر حمید کو للکارا۔

"سلیمہ کہاں ہے؟"

"میں کیا جانوں۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔" حمید نے خود پر قابو پانے کی کوشش کر
ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

"آپ اُسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے بعد سے وہ گھر واپس نہیں آئی۔"

"میں نہیں لے گیا تھا بلکہ وہ خود گئی تھیں۔"

"وہ کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے جیمس اسٹریٹ میں اتار دینا۔"

"پھر......؟"

"پھر کیا......میں نے انہیں جیمس اسٹریٹ میں اتار دیا۔"

"آپ میرے یہاں آئے ہی کیوں تھے۔" پروفیسر چنگھاڑا۔

"انہوں نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں اُنکا کھویا ہوا پرس تلاش کرنے میں مدد دوں

"یہ قطعی بکواس ہے۔ سلیمہ نے یہ کبھی نہ کہا ہوگا جب کہ میں اُسے خاموش رہنے کا
دے چکا تھا۔"

"لیکن وہ خاموش نہیں رہیں۔" حمید نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔ اگر وہ شام تک واپس نہ آئی تو میں آپ کے خلاف ق
کارروائی کردوں گا۔"

"آپ میرے خلاف کچھ بھی نہیں کرسکتے۔" حمید کو بھی غصہ آگیا۔

"آپ ایک آوارہ آدمی ہیں۔ میں آپ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا۔"

"اب آپ اپنی زبان بند رکھیں گے۔"

"دھاندلی نہیں چلے گی۔" پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "قانون سب کے لئے یکساں
خواہ وہ کوئی پولیس آفیسر ہو، خواہ کوئی عام شہری۔"

"ٹھیک ہے پروفیسر۔" یک بیک فریدی نے کہا۔ "لیکن کیا وہ اکثر راتوں کو آپ
علم میں لائے بغیر گھر سے باہر رہتی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" پروفیسر اس کی طرف مڑا۔

"ابھی تو میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ کہنے نہ کہنے کا دارومدار میرے اس سوال پر ہے۔"

"ہاں......اکثر وہ رات کو باہر ہی رہ جاتی ہے۔"

"آپ کو اطلاع دیئے بغیر ہی۔"

"نہیں......وہ مجھے فون پر اطلاع دیا کرتی ہے یا کہہ کر جاتی ہے۔"

"کل دونوں ہی باتیں نہیں ہوئیں۔" فریدی نے سوال کیا۔

"ہاں کل نہ تو وہ مجھے بتا کر گئی اور نہ ہی فون پر اطلاع دی۔"

"پھر بھی آپ نے رات کسی تشویش کے بغیر گذاری۔"

"میں رات بھر سو نہیں سکا۔ جہاں جہاں اس کے ملنے کے امکانات ہوسکتے تھے۔ فون
کئے لیکن کہیں سے کوئی اطلاع نہ مل سکی۔"

"لیکن آپ نے کیپٹن حمید کو فون نہیں کیا۔"

"یہ تو مجھے آج صبح معلوم ہوا کہ وہ ان حضرت کے ساتھ گئی تھی۔ ایک ایسے نوکر نے
انہیں جاتے دیکھا تھا جو صرف دن کے لئے ہے۔ رات اپنے گھر پر بسر کرتا ہے۔"

"آپ اُس وقت کہاں تھے جب یہ دونوں گئے تھے۔"

"میں اندر تھا۔"

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "اچھی بات ہے پروفیسر اگر مزید دو گھنٹے
تک مزید ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے تو مجھے فون کیجئے گا۔"

"ضرور کروں گا۔" پروفیسر حمید کو گھورتا ہوا تلخ لہجے میں بولا۔ "اب میں سب سے پہلے
اُس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کراؤں گا۔"

"میں ابھی اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔" فریدی بولا۔

"کیا میں آپ کے مشورے کا پابند ہوں۔" پروفیسر نے جھلا کر کہا۔

"جاؤ درج کرادو رپورٹ۔" حمید ہاتھ ہلا کر غرایا۔ "بس اب چلے ہی جاؤ ورنہ اٹھا کر

کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔"

"دھمکی......اچھا اچھا دیکھ لوں گا۔" پروفیسر اٹھتا ہوا بولا۔

فریدی نے حمید کو ڈانٹا اور پروفیسر سے کہا۔ "پروفیسر! مجھے افسوس ہے کہ آپ اس سلسلے میں میرے اسسٹنٹ کا نام لے رہے ہیں۔ لہٰذا میں کوشش کروں گا۔"

"وہ تو کرنی ہی پڑے گی۔" پروفیسر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔

حمید اُسے پھاٹک سے گذرتے دیکھتا رہا۔

پھر وہ فریدی کی طرف مڑا جو اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

"یہ بھی ایک کیس ہی ہے کرنل صاحب۔" حمید دل کڑا کر کے بولا۔ "میں نے اُسے جیمس اسٹریٹ میں نہیں اتارا تھا بلکہ جھریالی کے میدان میں لے گیا تھا اور پھر جوار کے کھیت اُسے نگل گئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حمید کو متواتر گھورے جا رہا تھا۔ لہٰذا حمید نے اسی میں عافیت سمجھی کہ جلد از جلد اُسے حالات سے آگاہ کر دے۔

فریدی بہت توجہ اور دلچسپی سے سن رہا تھا اور اب اُس کے چہرے پر غصے کے آثار نہیں تھے۔

"تم نے مجھے کل ہی کیوں نہیں بتایا تھا" اس نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا تھا کہ وہ گھر پہنچ گئی ہوگی۔ اُن لوگوں نے مجھے تاؤ دلانے کیلئے ایسا کیا ہے۔"

"بڑی دلچسپ کہانی ہے بشرطیکہ تم نے غلط بیانی سے کام نہ لیا ہو۔"

"اس میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں ہے۔" حمید بولا۔ "کیا پہلے کبھی میں نے آپ سے جھوٹ بولنے کی کوشش کی ہے۔ تفریحی معاملات کی بات الگ ہے۔"

"اچھا تو اٹھو۔ میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں وہ واقعہ پیش آیا تھا۔"

کچھ دیر بعد فریدی کی لنکن کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ حمید نے کہا۔ "یہ پروفیسر ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔"

"شوہروں سے زیادہ بیویوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔" فریدی بولا۔

"تب تو پھر یہ معاملہ آپ سے نہیں سنبھلے گا۔"

"کیوں؟"

"ممکن ہے آپ شوہروں کے متعلق کچھ جانتے ہوں......لیکن بیویوں!"

"میں دونوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

"حالانکہ یہ صرف شوہر اور بیوی کا کیس معلوم ہوتا ہے۔"

"ممکن ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

کار شہری آبادی کو پیچھے چھوڑنے لگی۔ وہ جھریالی کی طرف جا رہے تھے اور حمید کا ذہن سلیمہ میں الجھا ہوا تھا۔ وہ پُراسرار عورت......شیطان کی محبوبہ......اس کے مقابلے میں وہ آدمی اُسے بے وقعت معلوم ہو رہے تھے جو اُسے اٹھا کر لے گئے تھے۔"

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ "وہ رپورٹ درج کرا دینے کی دھمکی دے کر گیا ہے۔"

"دھمکیوں سے میں نہیں ڈرتا۔ میرا بیان پہلے ہی سے تیار ہے۔ میں نے اُسے جیمس اسٹریٹ میں اسی کے کہنے پر اتار دیا تھا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر وہ اچانک خود ہی ظاہر ہو کر کوئی نئی کہانی سنائے تو تم کہاں پائے جاؤ گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ کہے کہ اس اغواء میں تمہارا ہی ہاتھ تھا۔"

"اگر وہ یہ کہہ دے تو مجھے دنیا کی ساری حسین عورتوں کو گولی مار دینی پڑے گی۔ نہیں وہ ایک مظلوم عورت ہے۔ ایک بوڑھے کی نوجوان بیوی اور بیرونی عشاق کی زبردستیوں کا شکار۔"

"تم اس پیشے سے علیحدگی اختیار کر کے کوئی اور دھندہ دیکھو تو بہتر ہے۔"

"کیوں......بس یہیں......یہیں روک دیجئے۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ہم کچھ آگے بڑھ آئے ہیں۔"

"یادداشت دھوکا تو نہیں دے رہی ہے۔"

"نہیں......ہم تقریباً دوسو گز آگے آگئے ہیں۔"

کار رک چکی تھی۔ وہ دونوں اُتر گئے۔

"ہاں یہ جگہ ایسے کاموں کے لئے بہت مناسب معلوم ہوتی ہے۔" فریدی نے چارو
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ اس جگہ آئے جہاں حمید کو تلخ تجربے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ حمید نے وہ سمت بتا
جدھر وہ لوگ سلیمہ کو لے کر گئے تھے۔

فریدی نشیب میں اُتر گیا لیکن حمید اوپر سڑک ہی پر کھڑا رہا۔ فریدی چاروں طرف د
ہوا آہستہ آہستہ کھیتوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ہوا تیز تھی اور جوار کے کھیتوں کی کھرکھراہٹ سے فضا گونجی، حمید نے فریدی کو ز
سے کوئی چیز اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ وہ کھیتوں میں پہنچ گیا تھا۔ شاید وہ کپڑے کا ٹکڑا تھا
فریدی نے جوار کے پودوں کے درمیان سے کھینچ کر نکالا تھا۔

حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ فریدی نے بھی اُسے اپنے پاس نہیں بلایا۔ اچانک حمی
بائیں جانب والے نشیب میں کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی اور وہ اُدھر جھپٹا لیکن دوسرے ہی
میں اگر وہ خود کو سڑک پر گرا نہ دیتا تو کھوپڑی صاف ہوگئی تھی۔ دوسری طرف کے نشیب می
آدمی تھے اور اُن میں سے ایک نے فائر کردیا تھا۔ حمید نے بھی ریوالور نکال کر ایک ہوائی
کیا کیونکہ وہ لوگ ابھی نشیب ہی میں تھے۔ فریدی شائد پہلے ہی فائر پر دوڑ پڑا تھا۔ وہ بھی
ہی کی طرح سڑک پر گر کر دوسرے کنارے کی طرف رینگنے لگا۔

"ہوشیاری سے۔" وہ بڑبڑایا۔ "وہ لوگ یقینی طور پر کھیتوں میں جا گھسے ہوں گے۔
درخت کے تنے کی آڑ لینے کی کوشش کرو۔ یہی مناسب ہے۔"

"اگر ادھر سے بھی ہوا تو۔" حمید نے دوسری طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "تم اُدھر جاؤ......میں اُدھر دیکھتا ہوں۔"

سڑک کے کناروں پر دو رویہ بڑے بڑے تناور درخت تھے۔ دونوں درختوں کے تنوں کی
اوٹ میں ہوگئے لیکن وہ اب بھی سینے کے بل زمین ہی پر پڑے ہوئے تھے اور یہاں سے وہ
کھیتوں کو بخوبی نظر میں رکھ سکتے تھے۔ ساتھ ہی وہ سڑک کی بھی نگرانی کررہے تھے۔

فریدی نے کھیتوں کی طرف دو فائر کے [illegible] سے بھی جواب میں فائر ہوئے جدھر حمید
تھا اُدھر سکون ہی رہا۔

تقریباً پندرہ منٹ تک دونوں طرف سے فائر ہوتے رہے۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

"ارے یہ دعوت ختم ہوئی یا نہیں۔" حمید بڑبڑایا۔ "سڑک چھاتی سے چمٹی جارہی ہے۔"

"گاڑی کی طرف جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"اسی طرح لیٹے لیٹے"

"ہاں......!"

"ارے باپ رے۔"

حمید کسی نہ کسی طرح گاڑی تک پہنچا اور اُسے اسٹارٹ کرکے وہاں لے آیا جہاں فریدی
درخت کے تنے کی اوٹ میں پڑا ہوا تھا۔

وہ بھی کار میں آبیٹھا اور کار چل پڑی۔

"اب......!" حمید نے سوالیہ انداز میں کہا اور خاموش ہوگیا۔

"تو یہ عورت خطرناک آدمیوں کے ہاتھ میں پڑی ہے۔" فریدی بولا۔

"اور شاید وہ کھیتوں ہی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"عورت......!" فریدی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"ہائیں......ہائیں......یہ کیا......آپ کو نمونیہ ہوجائے گا۔"

"میں تمہیں سینکڑوں بار سمجھا چکا ہوں کہ عورت کا چکر بُرا ہے۔"

"واقعی بُرا ہے اگر اُسی عورت نے مجھے جنم نہ دیا ہوتا تو جلتی ہوئی سڑکوں پر سینے کے بل
نہ پڑا رہتا مگر آپ نے اس فائرنگ کے متعلق اظہار خیال نہیں کیا۔"

"وہ پاگل پن کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے وہ اس عورت سے زیادہ تم
دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"مجھ میں کیوں؟"

"پتہ نہیں...... ورنہ اس طرح فائرنگ کر کے بھاگ جانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"مگر ان کے خلاف آپ کیا کریں گے۔"

"تم شاید یہ چاہتے تھے کہ میں کھیتوں میں جا گھستا۔"

"میرا دل تو یہی چاہتا تھا۔"

"ایسے افعال کا دوسرا نام خودکشی ہے۔"

پروفیسر کا شبہ

تین دن سے سلیمہ کی تلاش اعلیٰ پیمانے پر جاری تھی لیکن اس کا سراغ ابھی تک نہیں
تھا۔ پروفیسر نے باقاعدہ طور پر اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی تھی جس میں کیپٹن ح
نام واضح طور پر لیا گیا تھا۔ فریدی نے ان کھیتوں کو چھنوا ڈالا لیکن حملہ آوروں کا پتہ نہیں
سکا۔ یہ حمید کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ کھیتوں میں کسے تلاش کیا گیا تھا کیونکہ حمید ا
تک اپنے پچھلے ہی بیان پر قائم تھا کہ اس نے سلیمہ کو جیمس اسٹریٹ میں اتار دیا تھا۔

فریدی کی دوڑ دونوں طرف جاری تھی اگر صبح تارجام میں ہوتی تو شام شہر میں۔ حمید ا
دن بھر سرگرداں رہتا کیونکہ اب پروفیسر شوخ نے اُس پر گرجنے برسنے کی بجائے رو
گڑگڑانا شروع کر دیا تھا۔ حمید کی دانست میں وہ سلیمہ سے بے حد محبت کرتا تھا۔

"میں اُس کے بغیر مر جاؤں گا کیپٹن۔" وہ حمید سے کہہ رہا تھا۔

"تو آخر آپ کتنے دن زندہ رہو گے۔ یونہی عمر کافی ہوئی۔ ہو سکتا ہے سلیمہ کی گمشدگی

تمہاری موت کا بہانہ بن جائے۔"

"تم سنگدل ہو۔" بوڑھے پروفیسر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

اتنے میں اُس کا بھتیجا داؤد آ گیا جو پہیوں والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے ایک پیر پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ حمید نے اُسے آج پہلی ہی بار دیکھا تھا۔

داؤد اچھے ہاتھ پاؤں کا ایک لمبا تڑنگا جوان تھا۔ دل کا مضبوط بھی معلوم ہوتا تھا کیونکہ اُسکے چہرے پر حمید کو اضمحلال نہیں نظر آیا تھا۔ حالانکہ اُسکی ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اُسے تو بستر سے ہلنا بھی نہ چاہئے تھا مگر وہ پہیوں والی کرسی پر بیٹھا عمارت میں گھومتا پھر رہا تھا۔

"آپ کی تعریف انکل۔" اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر پروفیسر سے کہا۔

"محکمہ سراغ رسانی کے کیپٹن حمید۔"

"اوہ تو آپ ہی ہیں۔" داؤد حمید کو نیچے سے اوپر تک گھور رہا تھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ داؤد کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں جناب! آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔" اُس نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"جب تک خدا چاہے گا۔"

"یا آپ چاہیں گے۔"

"آپ مجھ پر اس قسم کا کوئی الزام نہیں رکھ سکتے مسٹر داؤد۔ کوئی بات زبان سے نکالنے سے پہلے اس پر غور کرلیا کیجئے۔"

"داؤد بیکار باتیں نہ کرو۔" پروفیسر اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"بس کیا بتاؤں کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوں ورنہ ایک ایک سے سمجھ لیتا۔" داؤد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا اشارہ میری طرف ہے۔" حمید کو بھی غصہ آ گیا۔ "اچھی بات ہے۔ میں آپ کے صحت یاب ہو جانے کا انتظار کروں گا۔"

"داؤد...... خدا کے لئے۔" پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جاؤ تم آرام کرو۔"

داؤد نے کرسی موڑی اور پہیوں کو پھراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"تم کچھ خیال نہ کرنا کیپٹن۔" پروفیسر نے حمید سے کہا۔ "یہ لڑکا بہت اکھڑ ہے۔"

"میں اکھڑ ترین ہوں۔"

"کیپٹن پلیز......!"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "آخر تم کسی کے خلاف شبہ کیوں ظاہر نہیں کرتے۔ ا کئے بغیر سراغ ملنا مشکل ہے۔ مجھے دو چار ایسے نام لکھوا دو جن پر تمہیں شبہ ہو۔"

"میں شبہ کس پر ظاہر کروں جبکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ جیمس اسٹریٹ کیوں گئی تھی۔"

"کیا وہاں کوئی شناسا نہیں رہتا۔" حمید نے کہا۔

"میرا کوئی شناسا نہیں رہتا۔" پروفیسر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہوسکتا ہے اس کا ہو لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔"

اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا جیسے وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آؤ...... آؤ...... میرے ساتھ۔" پروفیسر اس کا ہاتھ پکڑ کر مضطربانہ انداز میں بولا۔ اُسے ایک طرف لے جا رہا تھا۔ پھر انہوں نے بالائی منزل کے لئے زینے طے کئے اور او کر پروفیسر اسے ایک کمرے میں لے گیا۔ دروازہ بند کر دینے کے بعد وہ حمید کی طرف مڑا۔

"شبہ ظاہر کردوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"یقیناً...... اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔"

"مجھے داؤد پر شبہ ہے۔" پروفیسر نے بہت آہستہ سے کہا۔

"کمال ہے۔ کل تک آپ کو مجھ پر بھی شبہ تھا۔"

"شبہے کی وجہ ہے کیپٹن...... داؤد بے ایمان اور غاصب ہے۔ میں نظریں پہچانتا ہوں۔ وہ سلیمہ کو ان نظروں سے نہیں دیکھتا تھا جن سے چچی کو دیکھنا چاہئے۔"

"ہوسکتا ہے...... ممکن ہے......!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "لیکن وہ تو چل پھر نہیں سکتا۔"

"مجھے اس پر بھی شبہ ہے۔"

"کیوں......؟"

"میں اُسے ڈریسنگ ہوجانے کے بعد ہی دیکھ سکا تھا اور پھر میری عدم موجودگی میں پلاسٹر بھی چڑھا دیا گیا۔"

"جب وہ گرا ہوگا تو کوئی نہ کوئی عمارت میں ضرور موجود رہا ہوگا۔"

"تین نوکر تھے لیکن کسی نے بھی اُسے گرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ صرف اس کی چیخیں سن کر دوڑے تھے۔ وہ زینوں کے نیچے پڑا تڑپ رہا تھا حالانکہ اُسے بیہوش ہوجانا چاہئے تھا۔ پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی تھی کیپٹن...... مذاق نہیں ہے۔ میں نے بڑے بڑے پہلوانوں کو بیہوش ہوتے دیکھا ہے۔ داؤد کی کیا حقیقت ہے۔ آپ نے ابھی اُسے دیکھا تو تھا۔ کیا اُس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کے کسی حصے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں۔ ایسے بہتیرے آدمی میری نظر سے گذرے ہیں جو سینے پر گولی کھانے کے بعد بھی اُس وقت تک مسکراتے رہے ہیں جب تک کہ مر ہی نہیں گئے۔"

"آپ نے شبہ ظاہر کرنے کے لئے کہا تھا۔" پروفیسر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں نے ظاہر کردیا۔ اب دیکھنا ہے کہ آپ کیا کرتے ہیں۔"

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پروفیسر نے اُسے ٹوکا۔

"کیوں آپ کیا سوچنے لگے۔"

"کچھ نہیں داؤد ہی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ آپ صرف نظریں ہی پہچانتے ہیں یا آپ کی نظروں سے آج سے کوئی قابل اعتراض بات بھی گذری ہے۔"

"بس حد ہوگئی۔ اب میں اور زیادہ ذلیل نہیں ہونا چاہتا۔" پروفیسر دروازے کیطرف بڑھا۔

"ٹھہرو پروفیسر......!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"کیا ہے۔" پروفیسر اس کی طرف مڑے بغیر بولا۔

"مجھے اُس ڈاکٹر کا نام اور پتہ چاہئے جس نے داؤد کو دیکھا تھا۔"

"ڈاکٹر زیدی...... پارک اسٹریٹ...... وہ بھی کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔" پروفیسر نے

حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ ''صورت ہی سے اوباش معلوم ہوتا ہے۔''

''اچھا میں اسے چیک کروں گا۔'' حمید نے کہا۔

اور پھر وہ وہاں سے چلا آیا۔ وہ پروفیسر کے شبہے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نے بھی داؤد کو دیکھا تھا اور اس کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں قائم کی تھی۔

اُس کی موٹر سائیکل پارک اسٹریٹ میں داخل ہوئی اور پھر ڈاکٹر زیدی کے مطب سامنے رک گئی۔ اندر ڈاکٹر کی میز پر جو شخص نظر آیا اُسے حمید شہر کی اچھی تفریح گاہوں میں بار دیکھ چکا تھا اور وہ اُسے پسند نہیں کرتا تھا۔ اُس کا نام اُسے آج ہی معلوم ہوا۔ پہلے وہ کرتا تھا کہ وہ شہر کا کوئی اوباش رئیس ہے۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے کس طرح چیک کرے کہ اچانک اس کی نظر دوسری طرف کے ریستوران کی کھڑکی کی جانب اٹھ گئی اور اُس نے وہاں جو کچھ بھی دیکھا اس کیلئے کافی سنسنی خیز تھ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی کی آنکھوں میں بھی حیرت ہی دیکھے۔ اُس نے موٹر سا فٹ پاتھ سے لگا کر کھڑی کر دی اور ریستوران میں گھستا چلا گیا۔ فریدی میز پر تنہا ہی تھا۔

''کیوں......؟'' فریدی نے سوال کیا۔ حمید بیٹھ چکا تھا۔

''آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا میں کوئی لڑکی ہوں۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''اُس سے بھی بدتر۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

''میں ڈاکٹر زیدی کو ایک معاملے میں چیک کرنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''کس معاملے میں۔'' فریدی آگے جھک آیا۔

''اُس نے داؤد کے ٹوٹے ہوئے پیر پر پلاسٹر چڑھایا تھا۔''

''پھر......!''

''مجھے شبہ ہے کہ داؤد کا پیر سرے سے ٹوٹا ہی نہیں تھا۔''

''آخر کس بناء پر۔''

''خود پروفیسر نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے۔''

''خوب......اس کی کہانی کیا ہے۔''

پروفیسر نے جو کچھ بھی کہا تھا حمید نے دہرا دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر لا ''یہ چیز بھی دلچسپ ہے۔''

''آپ یہاں کیوں نظر آ رہے ہیں۔''

''تمہارا منتظر تھا۔'' فریدی مسکرایا۔ ''مجھے فرشتوں سے اطلاع ملی تھی کہ تم اس وقت ادھر آؤ گے۔''

''سراغ رسانی سے عشق حقیقی تک۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''عشق مجازی اپنے حصے میں آیا ہے۔ بر میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا کہ آپ یہاں اپنی موجودگی کی وجہ بتائیے۔''

''لو بھئی میں جا رہا ہوں لیکن زیدی سے کسی قسم کی گفت و شنید مت کرنا۔ اس پر صرف نظر رکھو۔ سائے کی طرح اس کا تعاقب کرو۔ اس کے خلاف نہ ہو۔'' فریدی نے کہا اور اٹھ کر ریستوران سے نکل گیا۔ حمید بیٹھا پلکیں جھپکاتا رہ گیا۔

اُسے وہاں تقریباً ڈھائی بجے تک بیٹھنا پڑا......اور جب ڈاکٹر زیدی اپنی کار میں بیٹھ چکا وہ بھی ریستوران سے نکلا۔

کچھ دیر بعد وہ اسکی کار کا تعاقب کر رہا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچ رہا تھا کہ بُرے پھنسے۔ سے صرف تعاقب کرتے رہنے سے اختلاج ہونے لگتا تھا اور اس وقت تو اختلاج کے علاوہ یدی کے رویہ سے پیدا ہو جانے والی الجھن بھی تھی۔ آخر وہ ڈاکٹر زیدی تک کیسے پہنچا جب لہ اس نے نہ تو داؤد کو دیکھا تھا اور نہ پروفیسر ہی سے ملا تھا۔ اسکی دانست میں وہ دونوں صرف لب ہی بار ملے تھے۔ اسی دن جب پروفیسر اس پر سلیمہ کے اغواء کا شبہ ظاہر کرنے کیلئے آیا تھا۔

کار شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی اور حمید جھک مارتا رہا۔ اُسے توقع تھی کہ ڈاکٹر زیدی طب سے اٹھ کر اپنی قیام گاہ پر جائے گا اور اسے اس تعاقب سے جلد ہی نجات مل جائے گی۔ ر ایسا نہ ہوا۔ وہ اس کے بجائے ہائی سرکل نائٹ کلب میں جا گھسا۔

ڈائننگ ہال میں برائے نام آدمی تھے۔ ڈاکٹر زیدی نے لنچ طلب کیا۔

اب تو حمید کو بیٹھنا ہی تھا لہٰذا اسے بھی لنچ ہی طلب کرنا پڑا۔ بلکہ وہ تو سوچ رہا تھا کہ
رات کا کھانا بھی یہیں نہ کھانا پڑے۔

ہال کا ماحول اس وقت انتہائی درجہ خشک تھا کیونکہ کہیں بھی کوئی ایسا چہرہ نظر نہیں آ
جسے دیکھ کر حمید دن بھر کی ذہنی تھکن دور کر سکتا۔

وہ خاموشی سے نوالے حلق سے اتارتا رہا۔ ڈاکٹر زیدی بھی کچھ تھکا تھکا سا نظر
تھا۔ ایک آدھ بار اس نے حمید کی طرف دیکھا بھی، مگر بالکل اسی انداز میں جیسے ہال
دوسرے لوگ ایک دوسرے کو بے تعلقی سے دیکھ لیتے تھے۔

لنچ ختم کر چکنے کے بعد ڈاکٹر زیدی لاؤنج میں چلا گیا۔ لیکن حمید نے اٹھنا منا
سمجھا۔ وہ چونکہ اسے دیکھ چکا تھا اس لئے احتیاط لازمی تھی۔ اگر اس اغواء میں حقیقتاً اسی کا
تھا تو حمید کو سر پر مسلط دیکھ کر اسے شبہ بھی ہو سکتا تھا۔

وہ اٹھ کر منیجر کے کمرے میں آیا لیکن وہ بھی موجود نہیں تھا۔ اس کمرے کی دوسری
میں ایک دوسرا کمرہ تھا جہاں منیجر آرام کیا کرتا تھا۔ حمید نے اس کا پردہ سرکایا لیکن وہ بھی
تھا۔ خالی مسہری دیکھ کر حمید انگڑائیاں لینے لگا۔ وہ بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ
جوتوں سمیت بھی اس مسہری پر سوتا ہوا پایا گیا تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

وہ اطمینان سے جا لیٹا۔ سونے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ تو صرف تھکن دور کرنا چاہتا تھا
بھی سوچ رہا تھا کہ اگر منیجر آ گیا تو کچھ دیر اسے بھی بور کرے گا۔

دفعتاً اُسے منیجر کے آفس میں قدموں کی چاپ سنائی دی لیکن وہ چپ چاپ لیٹا رہا
ایسی آواز آئی جیسے فون پر نمبر ڈائیل کئے جا رہے ہوں۔

پھر کوئی آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ ”ہیلو...... کون...... اچھا...... ہاں دیکھو...... ابھی
حمید یہاں دکھائی دیا تھا...... میں ہائی سرکل سے بول رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ
تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا یا پہلے ہی سے موجود تھا۔ خیر دیکھو یہ بھی معلوم ہو جائے
میں یہاں سے جا رہا ہوں۔“

پھر ریسیور رکھنے کی آواز آئی اور فون کرنے والے کی واپسی سے حمید لاعلم نہیں رہا۔ وہ
جا چکا تھا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ اس نے ڈاکٹر زیدی کی آواز صاف پہچانی تھی۔ رہے
سہے شبہات بھی یقین میں تبدیل ہو گئے۔ وہ چپ چاپ لیٹا رہا۔ ڈاکٹر زیدی ہوشیار ہو گیا تھا
لہٰذا اب اس اسٹیج پر اس سے دور ہی رہنا بہتر تھا۔

کچھ دیر بعد منیجر نے دروازے کا پردہ ہٹایا اور حمید کو وہاں دیکھ کر متحیر رہ گیا گو کہ حمید اس
سے انتہائی درجہ بے تکلف تھا لیکن اس طرح اس کے کمرے میں آنے کا پہلا اتفاق تھا۔

”اس وقت مجھے کامل رشید کا ایک شعر یاد آ رہا ہے۔“ حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ ”آؤ......
آؤ...... مری جان...... وہ شعر ہے کہ طبیعت پھڑک اٹھے گی۔“

مجھ کو سکتہ سا اُن کو حیرت سی
آئینہ بن گئی ہے یکجائی

منیجر سر پیٹنے لگا۔ ”واہ...... کیا شعر ہے...... ہے ہے...... آئینہ بن گئی ہے یکجائی۔ حمید
صاحب خدا آپ کا بھلا کرے...... ساری کوفت دور ہو گئی...... لیٹے رہیے...... لیٹے رہیے۔“

”کس کوفت میں مبتلا تھے۔“

”کیا عرض کروں جناب۔ شریف آدمیوں کو زندہ ہی نہ رہنا چاہیے۔“

”کیا ہوا مجھے بتاؤ۔ کسی لڑکی نے پریشان کیا ہے!“

”لڑکی......!“ منیجر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”نہیں جناب! میں کلب کے بعض
مستقل ممبروں سے تنگ آ گیا ہوں۔“

”ان میں یہ خاکسار تو نہیں ہے۔“

”نہیں جناب۔ آپ پر تو پیار بھی آتا ہے۔“ منیجر مسکرایا۔ ”لیکن اُن لوگوں پر صرف غصہ
آتا ہے۔“

”آخر بات کیا ہے۔ کیا انہوں نے تمہاری محبوباؤں کو چھیڑنا شروع کر دیا ہے۔“

”نہیں بلکہ وہ کلب کا ریپوٹیشن برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب مثال کے طور پر

ڈاکٹر زیدی ہی کو لے لیجئے۔"

"اوہ......!" حمید سنبھل کر بیٹھ گیا لیکن منیجر نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ وہ دیوار لگے ہوئے ایک تصویری فریم کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اُس نے سر ہلا کر کہا۔ "وہ حضرت آدمیوں کو اپنے ساتھ لاتے ہیں جن کی صحبت کوئی شریف آدمی پسند نہیں کر سکتا۔"

"وہ کیسے آدمی ہوتے ہیں۔"

"چھٹے ہوئے بدمعاش لفنگے......جنہیں آپ منہ لگانا بھی پسند نہیں کر سکتے۔"

"کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔"

"کیوں نہیں......ان میں سے ایک سمگلر ہے کئی بار بحری پولیس کی گولیوں سے زخمی ہو چکا ہے۔ مگر چونکہ بڑے آدمیوں کی سرپرستی اُسے حاصل ہے۔ اسلئے ہمیشہ آزاد ہو جاتا ہے۔"

"کون ہے......نام بتاؤ۔"

"پہلے لوگ اُسے راجو راجو پکارتے تھے مگر اب چند برسوں سے الفریڈ راج کہلانے لگا ہے۔"

"اوہ......اچھا......وہ جو برٹرام روڈ پر رہتا ہے۔"

"جی ہاں......وہی......وہی......!"

"تمہیں حق حاصل ہے کہ تم ڈاکٹر زیدی کو کلب کی رکنیت سے خارج کر دو۔"

"مگر ٹھکانہ کہاں ہوگا میرا۔ میں غنڈوں سے بہت ڈرتا ہوں......غنڈوں سے نہیں! بے عزتی سے۔"

"کس کی مجال ہے کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔" حمید بولا۔

"آپ کی ذات سے یہی توقع ہے آپ سے زیادہ میرا کون ہمدرد ہوگا۔"

"مگر ٹھہرو......چند دن اور ٹھہر جاؤ۔ اپنی زبان بالکل بند رکھو۔ میں ایک ضروری سے فرصت پا کر اُن لوگوں سے نپٹ لوں گا جب تک میں مشغول ہوں طرح دیتے رہو۔"

"بہت بہتر جناب......آپ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔ مجھے یقین ہے اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ مجھے کن بڑے آدمیوں کی حمایت حاصل ہے تو وہ ادھر کا رخ ہی نہیں کریں گے۔"

"کیا ڈاکٹر زیدی اس وقت بھی موجود ہے۔"

"کچھ دیر پہلے تھا۔ اب نہیں ہے۔" منیجر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اکثر اُس کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوتی ہوں گی۔"

"ہوتی ہیں۔ وہ بھی اس معاملے میں آپ ہی کی طرح خوش قسمت ہے کپتان صاحب۔ ایک بار میں نے اس کے ساتھ ایک اتنی حسین عورت دیکھی تھی کہ اُف شاید میں اُسے مرتے دم تک نہ بھلا سکوں۔ اس کے اوپری ہونٹ کے گوشے پر وہ تل قیامت تھا......بقول شاعر......!"

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ منیجر نے کون سا شعر پڑھا تھا کیونکہ اس نے اس حسین عورت کا جو حلیہ بتایا تھا وہ بیگم شوخ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں وہ شعر کی طرف کیا دھیان دیتا۔

سرخ رومال

حمید نے فون پر فریدی کو ان حالات کی اطلاع دینی چاہی لیکن وہ گھر پر نہیں ملا۔ بڑی مشکلوں سے اس کا سراغ مل سکا۔ وہ اس وقت برٹرام روڈ کی پولیس چوکی پر موجود تھا۔

سارے حالات سننے کے بعد بولا۔ شکریہ حمید۔ تم نے بڑا کام کیا۔ یہ راجو نیا آدمی لسٹ پر آ رہا ہے۔ تم آج کل بہت شاندار جا رہے ہو۔ عورتوں کے لئے تم نے ہمیشہ شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اچھا اب تم گھر واپس جاؤ۔ شام تک وہیں ملاقات ہوگی۔

مگر شام تک فریدی گھر نہیں آیا۔ حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ باہر جائے یا فریدی کا انتظار ہی کرتا رہے۔ اس نے اسی انداز میں اُسے گھر جانے کی ہدایات کی تھی جیسے اپنی آمد پر اُسکی موجودگی ضرور سمجھتا ہو۔ حمید بیٹھا جھک مارتا رہا۔ اسی دوران میں قاسم کی کال آئی۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بات نہیں بات کا باپ ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم سالے اس کے
بنے ہو۔ وہ مجھ پر غراتی ہے۔"

"چپلیں لگائے گی تمہارے......ابھی کیا ہے۔"

"ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔"

"اور میں تمہیں جیل میں سڑا دوں گا۔"

"ابے جاجا......ڈیل میں ٹھٹرا دیں گے۔" غالباً دوسری طرف سے قاسم اُسے منہ
رہا تھا۔

"تم چاہتے کیا ہو۔"

"تمہاری موت!"

"یہ ناممکن ہے۔ میں تم سے پہلے نہیں مروں گا ورنہ تمہاری لاش کون گھسیٹے گا۔"

"گھسیٹ کر دیکھو......کیا تماشا دکھاتا ہوں۔"

"تم آج رات کو مر جاؤ گے۔"

"ابے ہٹ......!" قاسم نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مسز شوخ کی پیشین گوئی ہے۔"

"ارے باپ رے......نہیں الاقسم......!"

"جب دم نکلنے لگے تو مجھے فون کرا دینا۔ کیا تمہیں اپنے سر کا پچھلا حصہ کچھ بھاری
سا لگ رہا ہے۔"

دوسری طرف خاموشی رہی پھر یک بیک قاسم کی آواز آئی۔ "غاں......بھاری لگ رہا

"خدا تم پر رحم کرے۔" حمید نے دردناک آواز میں کہا۔

"قیوں......قیوں......!"

"اس نے یہی علامت بتائی تھی۔"

"ابے حمید......سالے......!" قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "اگر میں مرگیا تو تمہیں

مار دوں گا۔"

"مجھے اس پر بھی خوشی ہوگی کیونکہ تمہارے مرنے سے میری بہن بیوہ ہوجائے گی اور پھر
کسی اچھے آدمی سے اس کی شادی بھی ہوسکے گی۔"

"چپ رہو۔" قاسم کی دہاڑ نے آخر کار فون کی لائن خراب کردی۔

مگر غنیمت یہی تھا کہ فریدی کی کوٹھی میں تین فون تھے اور ہر ایک کی لائن الگ تھی۔ نمبر بھی
مختلف تھے۔ تھوڑی دیر بعد لیبارٹری والے فون کی گھنٹی کی آواز آئی اور حمید دوڑتا ہوا اوپر آیا۔
کال فریدی کی تھی۔

"کیا ہے......خواب گاہ والے فون کی لائن خراب ہے کیا۔" اُس نے پوچھا۔

"شاید لائن ہی خراب ہے۔"

"ایک ملاح کے میک اپ میں تمہیں سونا گھاٹ پہنچنا ہے۔"

"لیکن پھر آپ میری ملاحیوں پر اعتراض نہ کیجئے گا۔"

"سنجیدگی اختیار کرو۔" فریدی نے درشت لہجے میں کہا۔

"کرلی......لیکن مقصد کیا ہے۔"

"مقصد وہیں بتاؤں گا۔"

"مگر سونا گھاٹ پر کس جگہ۔"

"جہاں ماہی گیروں کی کشتیاں رہتی ہیں۔"

"اچھی بات ہے......میں سمجھ گیا۔"

"کیا سمجھ گئے!"

"الفریڈ راج یا راجو کا چکر ہے۔"

"ہوسکتا ہے......ایسا ہی ہو۔ تمہیں ٹھیک آٹھ بجے وہاں پہنچ جانا چاہئے۔ تمہارے سر پر
سرخ رنگ کا رومال ہوگا۔"

"پہنچ جاؤں گا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا۔ مسز شوخ کا اغوا اسکی سمجھ سے باہر ہوتا جارہا
اس وقت چھ بجے تھے۔ اس نے میک اپ کیا اور اندھیرا گہرا ہونے کا انتظار کرنے
اُس نے ایک ریوالور اور ساٹھ راؤنڈ اپنے ساتھ رکھنے کا بھی انتظام کرلیا تھا۔

سونا گھاٹ پر زیادہ تر ماہی گیر آباد تھے۔ یہاں کچھ بڑی عمارتیں بھی تھیں جن میں ماہی گیر کمپنیوں کے دفاتر اور کولڈ اسٹوریج تھے۔ دو ایک گھٹیا قسم کے ہوٹل اور بار بھی تھے کے اکثر سرمایہ داروں نے اپنے لئے سمر ہاؤز بھی بنوا رکھے تھے۔

حمید ٹھیک اسی حصے میں رک گیا جہاں کچھ دور پانی میں بیشمار بادبانی کشتیاں تیر رہی تھیں کچھ دیر بعد ایک آدمی اس کے قریب سے کہتا ہوا گزر گیا۔ ''ڈریک بار پلیز......!''

وہ فریدی ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر فریدی ہوتا تو چال اور آواز بدلنے کی کیا ضرورت اس نے کشتیوں کے مستولوں سے لٹکنے والی لال ٹینوں کی دھندلی روشنی میں اُس کی ہلکی جھلک دیکھی تھی۔ وہ کچھ دیر تک نظر آتا رہا پھر چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی اُسے نگل گئی۔

حمید بھی بستی کی طرف چل پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈریک بار کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔ گھٹیا قسم کے نشہ باز جہاز راں ہوا کرتے تھے اور صرف نام کی بار تھی، ورنہ حقیقتاً وہاں شراب بجائے کشیدنی قسم کے نشوں کا غیر قانونی بیوپار ہوتا تھا۔

چرس اور افیون کے شائق غیر ملکی جہاز رانوں کے لئے یہ بہترین جگہ تھی۔ بیئر کے سامنے رکھ کر وہ چرس اور کشیدنی افیون کے سگریٹ پیا کرتے تھے۔ اس طرح پولیس کی مداخلت کا خدشہ بھی باقی نہیں رہتا تھا۔

حمید بار میں داخل ہوکر ایک خالی میز پر جم گیا۔ پھر ایک منٹ بھی نہیں گذرا تھا کہ آدمی اسکے سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ''اب رومال کھول کر جیب میں رکھ لو''

حمید بیساختہ چونک پڑا لیکن اس نے خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش شروع کردی۔ آدمی نے گھاٹ کے قریب اُسے ڈریک بار میں پہنچنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ تھا کون؟ الفریڈ یا راجو...... وہی جس کا نام سنتے ہی فریدی نے بڑے پرجوش انداز میں اسے شاباش دی تھی۔

حمید کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے دوست۔'' راجو نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

''تمہیں میرے نام سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''گڈ......!'' راجو نے اسے پسندیدگی سے دیکھتے ہوئے سر ہلایا پھر کچھ دیر ٹھہر کر بولا۔

''تمہیں کس نے بھیجا ہے۔''

''میں یہاں فضول بکواس سننے کے لئے نہیں آیا۔'' حمید نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو تم سے نہیں پوچھا کہ تم کون ہو یا تمہارا نام کیا ہے۔''

''وری گڈ......!'' راجو مسکرا کر بولا۔ ''کچھ پیو گے۔''

''نہیں......!'' حمید غرایا۔ ''میں صرف اسی صورت میں پیتا ہوں جب گھر پر پڑے رہنا ہو۔''

''بہت عمدہ۔ میں ایسا ہی آدمی چاہتا ہوں۔'' راجو بولا۔ ''تھوڑی دیر اور ٹھہرو پھر ہم یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُن میں تیسرے آدمی کا اضافہ ہوگیا۔ یہ بھی راجو ہی کی طرح جہاز رانوں کے سے لباس میں تھا لیکن اس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی۔ اُسکے آتے ہی راجو اٹھ گیا۔ حمید بھی اٹھا اور یہ لوگ گھاٹ کی طرف چل پڑے۔ نیا آنے والا ابھی تک ایک بار بھی نہیں بولا تھا۔

حمید کو کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہو۔ وہ بھی خاموشی سے چلتا رہا۔ گھاٹ پر پہنچ کر وہ ایک کشتی میں بیٹھ گئے۔ ہوا اس وقت زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس لئے بادبان کھول دیا گیا اور راجو نے چپو سنبھال لئے۔ سمندر کی سطح پرسکون تھی۔

''اب کیا دیر ہے۔'' نئے آنے والے نے پوچھا اور حمید یک بیک چونک پڑا۔ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو وہ دونوں ہی اس کے چہرے پر استعجاب کے آثار دیکھ لیتے کیونکہ یہ آواز پروفیسر شوخ کے بھتیجے داؤد کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہوسکتی تھی۔ داؤد جسے آج ہی حمید نے اپاہج آدمیوں کی پہیوں دار کرسی پر دیکھا تھا۔

یہ کیا قصہ تھا؟ حمید کی حیرت بڑھتی جارہی تھی۔ اس ایک عورت کے اغوا کے لئے اتنی سری۔ پورا ایک گروہ جس کے لئے سرگرم عمل تھا اور پھر اب وہ لوگ کیا چاہتے تھے۔

داؤد نے کتنا خطرہ مول لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت وہ پروفیسر کو دھوکے میں رکھ کر گھر سے باہر ہوگا۔

حمید سوچنے لگا کہ پروفیسر بھی نرا گاؤدی نہیں ہے۔ داؤد کے متعلق اس نے پہلے ہی شبہ ظاہر کردیا تھا۔ لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس وقت دھوکا ہی کھا گیا ہوگا۔ پھر؟ کیا داؤد سے ڈرتا ہے۔

کشتی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ رات کے سرمئی غبار میں راجو کی متحرک پرچھائیں سا نظر آرہی تھیں جو کشتی کھے رہا تھا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" داؤد نے پھر کہا۔

"دیکھئے...... یہ ایسا آسان کام تو ہے نہیں۔" حمید نے راجو کی آواز سنی۔ "بہرحال انتہائی جدوجہد کررہے ہیں۔"

"اس اسکیم کا کیا رہا۔"

"اس اسکیم کے لئے یہ صاحب آئے ہیں۔" غالباً حمید کی طرف اشارہ تھا۔

یہ کون ہیں۔"

"میں خود بھی نہیں جانتا لیکن کام کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا بات ہوئی۔" داؤد غرایا۔

"زیدی صاحب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا تھا جو آدمی وہ بھیجیں گے ہر لحاظ سے کارآمد ہوگا۔"

اب معاملہ حمید کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ سوچنے لگا شاید ان کی کسی اسکیم کا علم فریدی کو ہے۔ اسی لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ یہ کتنا خطرناک تھا۔ اگر حمید سے نادانستگی میں ذرا بھی لغزش ہوجاتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔ اُسے چاہئے تھا کہ صورتحال سے پہلے ہی آگاہ کردیتا

اب حمید اس فکر میں پڑ گیا کہ کھیل کسی طرح بگڑنے نہ پائے۔ اُسے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

"زیدی سے تم نے وضاحت نہیں طلب کی۔" داؤد نے پوچھا۔

"نہیں...... انہوں نے مزید کچھ بتانے سے انکار کردیا تھا۔"

"میں اسے درست نہیں سمجھتا۔" داؤد نے کہا۔ پھر حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

"کیوں جناب کیا آپ اپنے متعلق کچھ نہیں بتائیں گے۔"

"نہیں!" حمید کا لہجہ درشت تھا۔

"پھر کیسے کام چلے گا۔"

"میں کام کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یہ سوچنے کے لئے نہیں آیا کہ کام کیسے چلے گا۔"

"تم کیسے آدمی ہو۔" داؤد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اگر زیدی صاحب کا معاملہ نہ ہوتا تو اس لہجے کا مزہ چکھا دیتا۔" حمید غرایا۔

"آپ بات نہ بڑھایئے جناب۔" راجو نے داؤد سے کہا۔ "ہر آدمی کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔ مجھے یہ طریقہ بے حد پسند ہے۔ آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ ہمیں صرف کام سے غرض ہونی چاہئے۔"

داؤد خاموش ہوگیا اور حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ کشتی سمندر کا پرسکون سینہ چیرتی رہی، چپوؤں کی "شپاشپ" سے فضا مرتعش ہو رہی تھی۔

راجو کے بازو ابھی تک شل نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک مشاق قسم کا کشتی بان معلوم ہوتا تھا۔ کچھ دیر بعد کشتی فن آئی لینڈ کے ایک ویران ساحل سے جا لگی۔ راجو نے پتوار رکھ دیئے اور خشکی پر کود گیا۔ پھر وہ دونوں بھی اترے۔

اب جزیرے کے جس حصے میں وہ چل رہے تھے بالکل ویران اور تاریک تھا۔ حمید کا ذہن مختلف قسم کے خیالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔

دفعتاً وہ چلتے چلتے رک گیا۔ داؤد بھی رکا۔

"تو تم اپنے متعلق نہیں بتاؤ گے۔" راجو نے غصیلی آواز میں کہا۔

"نہیں......!" حمید کا لہجہ پرسکون اور سرد تھا۔

"اگر ہم تمہیں یہاں مار ڈالیں تو......!" راجو کا لہجہ اب بھی درشت تھا۔

"کوشش کر کے دیکھو۔"

راجو حمید کی طرف بڑھا لیکن حمید نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کے چہرا اس اور وہ داہنے بازو کے بل زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اُس کے حلق سے کراہ نکلی۔

"میرے ہاتھ میں بغیر آواز کا ریوالور ہے۔ تم لوگ اپنی جگہوں سے ہلنا بھی من حمید نے گرجدار آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔" راجو نے زمین پر پڑے ہوئے کہا۔

"شاید میرا ساتھ غلط آدمیوں سے پڑ گیا ہے۔" حمید نے اپنے لہجے میں سفا کی کرتے ہوئے کہا۔ "مگر میں اس کی پروا کم کرتا ہوں۔ بتاؤ تم لوگ کون ہو۔ ورنہ صبح یہاں لاشیں ملیں گی۔"

"ہم تمہارا امتحان کر رہے تھے دوست۔" راجو نے آہستہ سے کہا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو۔"

"بکواس ہے۔" حمید غرایا۔ "تم اب مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔"

"پھر تمہاری دانست میں ہم کون ہیں۔" راجو نے پوچھا۔

"پولیس......!"

اس پر نہ صرف راجو نے بلکہ داؤد نے بھی قہقہہ لگایا۔

"بس بس...... بالکل ٹھیک ہے۔ تم ایسے ہی آدمی معلوم ہوتے ہو کہ ہر قسم کا کام ا دے سکو گے۔" راجو نے کہا اور اٹھ بیٹھا۔ پھر بولا۔ "یہ ریوالور رکھ لو دوست...... میں تم بالکل مطمئن ہوں۔"

"لیکن مجھ سے معاوضے کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا۔" حمید بڑبڑایا۔

"پہلے تم کام سن لو...... اس کے بعد جو معاوضہ بھی مانگو گے دیا جائے گا۔"

"اٹھو......!" حمید ریوالور جیب میں رکھتا ہوا غرایا۔

راجو زمین سے اٹھ گیا۔

"کام کیا ہے۔" حمید نے درشت لہجے میں پوچھا "میرے پاس زیادہ وقت نہیں رہتا۔"

"چلو کچھ دور اور چلنا پڑے گا۔ پھر ہم بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کریں گے۔" راجو نے کہا۔

"کیا پھر کوئی امتحان۔"

"نہیں دوست!" راجو اس کا شانہ تھپتھپا کر بولا۔ "اتنا کافی ہے۔ ہم تم پر ہر طرح اعتماد کرسکتے ہیں۔"

حمید پھر اُن کے ساتھ چلنے لگا۔ ان دونوں کو سبق دینے کے بعد اس کی ذہنی اور جسمانی توانائی بڑھ گئی تھی اور وہ اتنی لاپروائی سے ان کے ساتھ چل رہا تھا جیسے کچھ دیر قبل ان سے چند ہی باتیں ہوئی ہوں۔ آبادی میں پہنچ کر راجو نے ایک چھوٹے سے مکان کا قفل کھولا اور وہ اندر داخل ہوئے۔

جس کمرے میں راجو نے ٹھہرنے کے لئے کہا وہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ درمیان میں ایک بڑی میز تھی جس کے گرد کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

جب وہ بیٹھ گئے تو راجو نے کہا۔ "یہ ایک آدمی کے اغواء کا مسئلہ ہے۔"

"اسے مسئلہ مت بناؤ۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "اغواء بھی کوئی مسئلہ ہے۔"

"ہاں! ہمارا یہ کام اب ایک دقت طلب مسئلہ ہی بن گیا ہے۔" راجو بولا۔

"تفصیل......!" حمید نے فرش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ آدمی آج کل پولیس کی حفاظت میں ہے۔"

"یعنی جیل یا حوالات میں۔" حمید نے فرش سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"نہیں اپنے گھر پر ہے لیکن اس کے گھر کے گرد پولیس کا پہرہ ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ راجو کہتا رہا۔ "یہ سادہ لباس والے ہیں اس لئے ان کو پہچاننا دشوار ہوگا۔ کیوں کیا تم یہ کام کرسکو گے۔"

"کچھ کر کے دکھاؤ......تم باتیں بہت لمبی چوڑی کر لیتے ہو۔" دفعتاً داؤد نے ناخوشگوار

بتاؤ۔ ممکن ہے میں کامیاب ہوجاؤں۔"

"تم ہمت ہار رہے ہو شاید۔" راجو مسکرایا۔

"میری توہین نہ کرو۔" حمید غرایا۔ "مجھے نام اور پتہ بتاؤ۔ تم لوگ مجھ سے واقف ہ

ورنہ اس توہین کا......!"

"سنو تو......تم بہت جلد غصے میں آجاتے ہو۔" راجو نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "نام ا

تصویر اس لفافے میں ہے۔ کیا تم پڑھ سکتے ہو۔"

اس نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور حمید نے کہا۔ "تحریر کس زبان میں ہے۔"

"اردو میں۔"

"پڑھ لوں گا......کیا اسے کھول ڈالوں۔"

"ظاہر ہے کہ یہ اسی لئے دیا گیا ہے۔"

حمید نے لفافہ کھول ڈالا۔ یہ ایک معمر آدمی کی تصویر تھی۔ نام کے ایل بھٹی تھا
۵۳/ا لنکس لین۔ حمید نے سوچا یقیناً کوئی بڑا آدمی ہوگا کیونکہ لنکس لین میں معمولی
کے لوگ نہیں رہتے تھے۔

حمید نے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔ وہ دونوں اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے
نے میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے جھکتے ہوئے کہا۔ "معاوضہ کتنا ہوگا۔"

"اگر تم کل رات کو اسی وقت اُسے یہاں لے آؤ تو دس ہزار لیکن اگر تم اپ
سرکاری سراغ رسانوں کو لگا لائے تو انجام کے ذمہ دار تم خود ہوگے۔"

"اور اسکی کیا گارنٹی ہے کہ کام بخوبی انجام پا جانے کے بعد مجھے دس ہزار مل ہی جائیں"

"تم کوئی فرشتے تو ہو نہیں کہ صبر کرلو گے۔" راجو مسکرایا۔

"صبر بھی کرلوں گا مگر اس صورت میں آس پاس کی زمین سرخ نظر آئے گی۔" د
لاپروائی سے کہا۔

"واقعی مسئلہ ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔ "نام

لہجے میں کہا۔

"کیا دیکھنا چاہتے ہو۔" حمید ایک زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "کیا تمہاری
داڑھی پر ہاتھ پھیر کر دکھاؤں۔ مگر شاید تم اسے پسند نہ کرو۔"

"میں بدتمیزوں کی زبان کھینچ لیا کرتا ہوں۔" داؤد غرایا اور حمید اپنی زبان نکال کر بیٹھ گیا۔
داؤد اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا۔

حمید زبان اندر کر کے بولا۔ "میں ہر وقت ہر ایک کا چیلنج قبول کرنے کو تیار رہتا ہوں۔"

"یار تمہیں مذاق بھی گراں گزرتا ہے۔" راجو نے ہنس کر کہا۔

"نہیں تو......میں بھی مذاق ہی کے موڈ میں ہوں۔" حمید نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

داؤد خاموش بیٹھا رہا لیکن اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا
تھا جیسے موقع ملتے ہی وہ حمید کو کچا چبا جائے گا۔

"کیا تم میں سے کوئی وہاں موجود ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہم میں سے کسی کی موجودگی وہاں ضروری نہیں ہے۔" راجو بولا۔

"اچھی بات ہے تو اب میں چلوں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" راجو نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ تم
یہ کام بہ آسانی کرلو گے۔"

"تمہیں سادہ لباس والوں کی وجہ سے تشویش ہے۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"یقیناً......اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اگر وہ تمہارا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک
پہنچ گئے تو کھیل ختم ہوجائے گا۔"

"اس کے لئے بہترین تدبیر یہ ہے کہ کسی ایسی عمارت کا انتخاب کرو جس کے متعلق کوئی
بتا نہ سکے کہ وہ کس کے قبضے میں ہے، میں اُسے وہیں لاؤں۔ تم لوگ قطعی الگ رہو۔ جب
تمہیں اچھی طرح اطمینان ہوجائے کہ کوئی خطرہ نہیں ہے تب اُس عمارت میں قدم رکھو۔"

"تجویز معقول ہے۔" راجو نے داؤد کی طرف دیکھ کر کہا۔

داؤد نے صرف سر ہلا دیا۔

پھر کچھ دیر بعد راجو نے کہا۔ "یہی عمارت مناسب رہے گی۔"

"تم جانو......!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مجھے جتنا بھی کرنا ہے کر ڈالوں گا۔"

حمید اٹھنے لگا اور راجو نے کہا۔ "یہ بڑی عجیب بات ہے کہ تم کچھ پیتے نہیں ہو۔"

"جو کچھ میں پیتا ہوں تم پلا نہیں سکو گے۔"

"کیا پیتے ہو۔"

"خون......!" حمید اپنی آنکھوں میں سفاکانہ چمک سی پیدا کر کے بولا۔

"یار......تم بڑے تیس مار خاں معلوم ہوتے ہو۔" راجو مسکرایا۔ "مجھے حیرت ہے ہی شہر میں رہنے کے باوجود بھی ہم پہلی بار ملے ہیں۔"

"تمہیں حیرت نہ ہونی چاہئے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو فخریہ اور اعلا پر اپنے لفنگے پن سے لوگوں کو مرعوب کرنے کے شائق ہوتے ہیں۔"

"گہرے معلوم ہوتے ہو۔"

"اچھا! اب میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" حمید نے کہا اور اُن کے جواب کا کئے بغیر مکان سے نکل آیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ساحل کی طرف جا رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی فکر بھی تھی کہ کہیں کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔

ساحل پر بھیڑ زیادہ تھی۔ لوگ لانچوں کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ آج نہ کیوں لانچیں بھی کم تھیں۔ دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اُس کے جیب میں ہاتھ دیا ہو۔ اس نے مڑ کر دیکھا مگر پیچھے ایک بھی ایسا آدمی نہیں نظر آیا جس پر وہ شبہ کر سکتا۔ اس کا ہاتھ اسی جیب میں رینگ گیا اور انگلیاں ایک مڑے تڑے کاغذ سے ٹکرائیں وہ اُ رہا لیکن جیب سے باہر نہیں نکالا۔

اُس کا اضطراب بڑھتا رہا اور آخر کار اُس نے فیصلہ کیا کہ اسے قریبی ریستوران

جا کر اس کاغذ کو دیکھنا چاہئے۔

ساحل پر ہی کئی ریستوران تھے۔ حمید نے ایک کی راہ لی۔ اتفاق سے اُسے ایک خالی میز بھی ایک گوشے میں مل گئی۔ یہ تفریح کرنے والوں کی واپسی کا وقت تھا۔ لہٰذا ریستوران خالی ہوتے جا رہے تھے۔ حمید نے کافی کا آرڈر دے کر جیب سے کاغذ نکالا جس پر تحریر تھا۔

"حمید......بہت اچھے جا رہے ہو لیکن اب تم گھر واپس نہیں جاؤ گے۔ ارجن پورے کی داس بلڈنگ کے پندرھویں فلیٹ میں تمہارا قیام ہوگا۔ یہ دوسری منزل پر ہے۔ داس بلڈنگ پانچویں گلی میں ہے۔ اُسے تلاش کرنے میں تمہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی۔ جس فلیٹ میں تمہیں قیام کرنا ہے وہاں ایک آدمی ہوگا تم اُسے صرف میرے نام سے آگاہ کر دینا اور وہ تمہارے لئے ساری سہولتیں بہم پہنچا دے گا۔"

لکھنے والے نے اپنا نام نہیں لکھا لیکن یہ تحریر فریدی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

حمید کاغذ کو جیب میں ٹھونس کر کافی پینے لگا۔

اجنبی لوگ

حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس ایک عورت کے لئے کیا کیا ہو رہا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بھٹی بھی اُس کے عاشقوں میں سے ہو۔ کوئی ایسا عاشق ہو جو اغواء کنندگان کے لئے پریشانی کا باعث بن سکتا ہو۔

وہ ارجن پور کی پانچویں گلی میں داخل ہوا۔ داس بلڈنگ کا پتہ لگانے میں دیر نہیں لگی۔ حمید نے دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھلا۔

"فریدی۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ وہ آدمی احتراماً خفیف سا جھکا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

حمید اندر آیا۔ وہ اس آدمی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کا لباس نچلے طبقے کے

آدمیوں کا سا تھا لیکن وہ خود نچلے طبقے کا آدمی ہرگز نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کا رنگ بہت صاف تھا۔ آنکھیں ہلکے سبز رنگ کی تھیں۔ بال گھنگھریالے جن کی رنگت گہری کتھئی تھی اور پیشانی فراخ۔ اس کے ہاتھ بھی محنت کشوں کے سے سخت اور کھردرے نہیں تھے۔

"آپ آرام سے رہیئے۔" اس نے یہ جملہ اردو ہی میں کہا لیکن لہجے کی اجنبیت پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ وہ کوئی غیر ملکی ہے۔

"شکریہ۔" حمید ایک خالی پلنگ پر دراز ہوتا ہوا بولا۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔

"کیا آپ کچھ کھائیں گے۔"

"نہیں شکریہ! حاجت نہیں ہے۔" حمید نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر بولا۔ "اردو بولنے میں آپ کو زحمت محسوس ہوتی ہے۔ آپ اپنی ہی زبان میں گفتگو کریں تو بہتر ہے۔"

حمید نے سوچا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ کوئی انگریزی، جرمن یا فرانسیسی ہوگا۔

اس کے جواب میں اس آدمی نے کچھ کہا لیکن حمید احمقوں کی طرح منہ پھاڑ کر رہ گیا کیونکہ اس نے جو زبان استعمال کی تھی وہ اس کے لئے بالکل نئی تھی۔

وہ آدمی مسکرایا۔ لیکن انداز مضحکہ اڑانے کا سا نہیں تھا۔

"آپ اردو ہی بولیں۔" حمید نے سر کھجا کر کہا۔

"اگر آپ سونا چاہیں تو بستر......!"

"نہیں شکریہ۔" حمید نے کہا۔ "میں ابھی سونا نہیں چاہتا۔"

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس سے پوچھے کہ تمہارا فریدی سے کیا تعلق ہے۔ لیکن پھر خیال کے تحت اس نے ایسا نہیں کیا۔

کچھ دیر بعد پھر دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اس آدمی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ اندر آنے والے نے اپنی کلائی کھول کر اُسے کچھ دکھایا اور وہ آدمی اتنا جھکا کہ اس پر رکوع کا گمان ہونے لگا۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر ایک طرف ہٹ گیا۔ نووارد ایک معمر آدمی تھا اور اس کا

لباس بھی نچلے ہی طبقے والوں کا سا تھا۔

حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

آنے والے نے کہا۔ "کیا بہت تھک گئے ہو۔"

اب حمید نے آواز سے اسے پہچانا۔ وہ فریدی تھا۔

"نہیں کچھ ایسی تھکن تو نہیں ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا اور فریدی ہنسنے لگا پھر بولا۔ "اس عمارت میں جو کچھ بھی گفتگو ہوئی تھی اس سے میں واقف ہوں۔ لہٰذا اس سے پہلے کی باتیں بتاؤ۔"

"عمارت کی گفتگو کا علم آپ کو کیسے ہوا۔"

"وہاں کئی ڈکٹافون موجود ہیں۔ لہٰذا وہاں ہونے والی ہر گفتگو مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔"

حمید نے سونا گھاٹ سے فن آئی لینڈ تک کے واقعات دہرائے اور پھر بولا۔ "اگر مجھ سے کوئی لغزش ہو جاتی تو......آپ کو صورت حال سے پہلے ہی آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔"

"میں تم میں خود اعتمادی پیدا کرنا چاہتا ہوں اگر انگلی پکڑ کر چلاتا رہا تو تمہاری صلاحیتیں زنگ آلود ہو جائیں گی۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اب تمہیں اسی طرح خطرات میں دھکیلتا رہوں گا۔"

"کیا اس میں بھی کوئی خطرہ تھا۔"

"کیوں نہیں! کیا تمہاری ذرا سی لغزش تمہیں موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتی تھی۔"

"مجھے لڑکیوں کے جھرمٹ میں دھکا دے دیجئے۔ تب البتہ پھر آپ کو وہاں سے میری لاش ہی اٹھانی پڑے گی۔ ویسے میں کافی سخت جان ہوں اور اسے لکھ لیجئے کہ میری موت میں کسی مرد کا ہاتھ ہرگز نہیں ہوگا۔"

"یہ بکواس کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھو۔ وہ لفافہ نکالو۔"

حمید نے لفافہ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

فریدی اسے دیکھتا رہا پھر حمید کو واپس کرتا ہوا بولا۔ "کل رات تم اسے وہاں سے لے جاؤ

گے۔"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ وہاں سادہ لباس والوں کا پہرہ ہے۔"

"ہاں...... یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ جائے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "وہ آدمی جسے سونا گھاٹ پہنچنا تھا اس کا کیا بنا"

"وہ حراست میں ہے۔"

"لیکن...... اگر...... شاید ڈاکٹر زیدی نے اُسے وہاں بھیجا تھا۔ اگر اُس کی وجہ سے بھانڈا پھوٹ گیا تو۔"

"وہ......!" فریدی مسکرایا۔ "وہ بیچارہ بھی میرے ڈر سے روپوش ہو گیا ہے۔ لیکن اگر داؤد سے فون پر گفتگو کر لیتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ بھی میری قید میں ہے لیکن داؤد سے فون پر گفتگو کرتا رہتا ہے اور اس وقت اس کی کھوپڑی پر پستول کی نال ہوتی ہے، جو کچھ اس سے کہا جاتا ہے وہی اسے کہنا پڑتا ہے۔"

"اوہ......!" حمید اپنا سر کھجاتا ہوا بولا۔ "وہ سچ مچ شیطان ہی کی محبوبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ معاملہ شیطان کی آنت کی طرح لمبا اور ناقابل فہم ہوتا جا رہا ہے۔"

"شیطان کی محبوبہ۔" فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "کیا وہ تمہیں بہت پسند ہے۔"

"بے حد...... کیوں میں شیطان کا رقیب بننے میں کافی فخر محسوس کروں گا۔"

فریدی نے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ ویسے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

حمید نے صاحب خانہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اس گفتگو کے دوران وہیں موجود رہا لیکن اُس کے چہرے سے بے تعلقی ظاہر ہو رہی تھی۔

حمید نے اشارے سے پوچھا کہ وہ کون ہے لیکن فریدی نے اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔ جب

ہ گیا کہ وہ اسکے سامنے اس کا تذکرہ نہیں چھیڑنا چاہتا مگر حمید کو اس پر حیرت ضرور ہوئی کہ وہ گفتگو کے دوران وہیں موجود رہا تھا بہر حال اس نے اسکے معاملے میں خاموشی اختیار کر لی۔

"لیکن......!" اس نے کچھ دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔ "آپ کو اس کا علم کیسے ہوا تھا کہ زیدی نے ان کے لئے کوئی مددگار تیار کیا ہے۔"

"فن آئی لینڈ والا وہ مکان حقیقتاً اُن کی مشورہ گاہ ہے۔ وہ وہیں اکٹھے ہو کر اپنے مسائل دور کرتے ہیں۔"

"میرے خدا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "وہ شیطان کی محبوبہ مسائل بھی رکھتی ہے۔"

"لاتعداد۔" فریدی مسکرایا۔ پھر بولا۔ "ڈاکٹر زیدی پر عرصہ سے میری نظر تھی۔ داؤد اور اکو تمہاری دریافت ہیں۔ اب دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ داؤد ہی اُن کا سرغنہ ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر زیدی کے علاوہ اور کوئی اس کی اصلیت سے واقف نہیں ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کے سامنے میک اپ میں آتا ہے۔"

"ایک عورت کے لئے۔" حمید پھر آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "میرا سر چکرا رہا ہے۔"

فریدی نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "ان لوگوں نے اسی وقت سے تمہاری نگرانی شروع کر دی ہے۔"

"نہیں......!"

"ہاں...... اور غالباً تمہاری لاف و گزاف نے انہیں اس بات پر مجبور کر دیا ہے۔"

"میں جس وقت یہاں پہنچا ہوں ایک آدمی عمارت کی نگرانی کر رہا تھا۔ وہ انہیں میں سے ایک ہے۔ میں اُسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اس کے جانے کے بعد ہی میں عمارت میں داخل ہوا تھا۔ بہر حال میرا خیال ہے کہ یہ نگرانی مسٹر بھٹی کے اغواء کے بعد تک جاری رہے گی۔ اس لئے تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"یہ بات آپ نے پہلے سے کیوں بتا دی۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"کیونکہ اس اسٹیج پر بگڑا ہوا کام کسی طرح نہیں سنبھلے گا۔ اگر آج رات والا کھیل بگڑ بھی

جاتا تو اُسے سنبھالا جا سکتا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس شخص مسٹر بھٹی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

آخر وہ اس کے بارے میں فریدی سے پوچھ ہی بیٹھا۔ اس پر فریدی نے ایک قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "کیا تم اس پر یقین کر لوگے کہ اصلی مسز شوخ وہی ہے۔"

"ہائیں......!" حمید منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"ہاں اس ناول کا نام بہرام کی خالہ عرف اداس چبوترہ ہے۔"

"عرفیت تو بڑی ترقی پسند قسم کی ہے۔"

فریدی سگار سلگانے لگا۔

"آپ بتانا نہیں چاہتے۔" حمید نے کہا۔

"بتا تو دیا۔"

حمید نے ہونٹ سکوڑ لئے۔ وہ بھی جیب میں تمباکو کا پاؤچ تلاش کر رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کیونکہ اندر سے ایک لڑکی پر کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ یہ بھی غیر ملکی ہی تھی اور قبول صورت۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارے اس کی ضرورت نہیں تھی بے بی۔" فریدی نے انگریزی میں کہا۔

"آپ لوگ بہت تھک گئے ہوں گے جناب۔" اس نے بڑے ادب سے جواب ٹرے میز پر رکھ کر پیالیاں سیدھی کرنے لگی۔ اب وہ تیسرا آدمی بھی ان کے قریب آ گیا وہ کافی پینے لگے۔ لڑکی بھی اُنہیں شامل تھی۔ کسی خوبصورت لڑکی کی موجودگی میں حمید کو کھلنے لگتی تھی اس نے لڑکی سے کہا۔ "آپ لوگوں کو اس گندی بستی میں بڑی تکلیف ہوتی

"نہیں کیپٹن! ایسا تو نہیں ہے۔" لڑکی مسکرائی اور حمید متحیر رہ گیا۔ تو وہ اسے جانتی

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کافی کے دو تین گھونٹ لینے کے بعد کرسی کی پشت سے ٹک سگار کے کش لے رہا تھا اور اس کی آنکھیں چھت کی طرف تھیں۔

"کیا آپ لوگ ہمیشہ یہیں رہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ایسا بھی نہیں ہے۔" لڑکی پھر مسکرائی۔ "کیا آپ ہم لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور لڑکی سے بولا۔ "ضروری نہیں ہے کہ کیپٹن حمید میرے ہر راز میں شریک ہو۔ اس پر ہی کیا منحصر ہے۔ دنیا کا کوئی آدمی میرے متعلق سب کچھ نہیں جانتا۔"

لڑکی اور اس کے ساتھی کے چہروں پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے لیکن حمید کو فریدی کے اس جملے میں اپنی توہین نظر آئی۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اگر وہ دونوں ں موجو نہ ہوتے تو وہ بلاشبہ فریدی سے الجھ پڑا ہوتا۔

کچھ دیر بعد فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا تو اب میں جا رہا ہوں۔ کیپٹن حمید یہیں رہیں گے اور تم۔" اُس نے مرد کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں فلیٹ سے باہر نکل گئے۔

لڑکی برتن سمیٹنے لگی اور حمید اٹھ کر اس کی مدد کرنے لگا۔

"اوہ...... آپ رہنے دیجئے کیپٹن۔" اس نے کہا۔

"مجھے گھریلو کاموں سے بہت دلچسپی ہے۔ میں اکثر اپنی پڑوس کی عورتوں کے ہاتھ بٹایا کرتا ہوں۔"

"نہیں......!" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں...... اُن کے بچوں کیلئے کپڑے دھوتا ہوں۔ انہیں کھانا پکانے میں مدد دیتا ہوں۔ پڑوس کی جس عورت کا بچہ بیمار ہوتا ہے وہ مجھے فون کر دیتی ہے پھر اُسے کچھ نہیں کرنا پڑتا۔"

"آپ دونوں کے شوق عجیب ہیں۔ آخر آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"دراصل مجھے خدمت خلق کا شوق ہے۔ لیکن اپنی بیوی کی خدمت...... خدمت نہیں بلکہ زن مریدی کہلاتی ہے یہاں میرے ملک میں...... میں تمہارے ملک کے متعلق نہیں جانتا۔"

"بہرحال مجھے ماؤں کا ہاتھ بٹانے سے بڑا سکون ملتا ہے۔"

"لیکن میں ماں تو نہیں ہوں۔" لڑکی ہنسنے لگی۔

"پھر آپ اُن صاحب کی کون ہیں، جو کچھ دیر پہلے یہاں تھے۔"

"ہشت......!" لڑکی شرمیلے انداز میں مسکرائی۔ "وہ میرا ساتھی ہے۔"

"شوہر......!"

"نہیں ساتھی......آپ نے بے تکی باتیں کیوں شروع کردیں۔"

"مجھے افسوس ہے اگر یہ باتیں آپ کو بے تکی معلوم ہوتی ہیں۔" حمید نے کہا اور پھر پنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے......کیا کوئی تکلیف ہے۔"

"ہاں سینے میں بہت درد ہے۔" حمید کراہتا ہوا لیٹ گیا۔ "ابھی ابھی اچانک اٹھا ہے۔ افی برازیل کی تھی۔"

"تھی تو برازیل ہی کی۔"

"اوہ......اسی لئے......میں جب بھی برازیل کی کافی پیتا ہوں یہی کیفیت ہوتی ہے۔"

"اچھا......دیکھئے میں ابھی آئی۔" اُس نے کہا اور برتن سمیٹ کر اندر چلی گئی۔

حمید مسکراتا ہوا اپنے سینے پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آئی۔ اس کے ہاتھ ں ایک شیشی تھی۔

"یہ دیکھئے......اسے آہستہ آہستہ سینے پر مل لیجئے۔" اُس نے حمید کی طرف شیشی ھاتے ہوئے کہا۔

"مگر میں کیسے ملوں گا......مجھ سے نہیں بنے گا۔" حمید نے مایوسی سے کہا۔

"بنے گا......آپ کوشش تو کیجئے۔"

"نہیں بنے گا......میں جانتا ہوں۔ ایسے کام خود اپنے ہاتھوں سے نہیں ہوپاتے۔"

"کوشش ناممکن کو بھی ممکن بنادیتی ہے۔ نپولین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کیجئے۔ اچھا ب بخیر۔" لڑکی نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ حمید اُلو کا سامنہ لے کر رہ گیا۔ ا سامنہ رہ جانا محاورہ ہے لیکن محاورے حمید کو عموماً غلط معلوم ہوا کرتے تھے۔ لہٰذا اس محاورے

اُلو والی تشبیہ خود اسی نے کی تھی۔ اسے توقع تھی کہ وہ اس لڑکی سے اپنے سینے پر مالش کرانے ں کامیاب ہوجائے گا۔ لیکن ع درد منتِ کش دوا نہ ہوا......اور دوسرے مصرعے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ بیمار ہی کب تھا۔

دوسرا اغوا

بھٹی کے اغواء کا مسئلہ ابھی تک حمید کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن بہر حال اسے وہ کام جام دینا تھا۔ فریدی نے دوسرے دن اُسے طریق کار سمجھا دیا۔

سات بجے شام تک حمید اور وہ غیرملکی جس کے فلیٹ میں اس کا قیام تھا کنگس لین پہنچ ئے۔ وہ دونوں ایک بڑی شاندار کار میں آئے تھے۔ حمید پچھلے ہی دن کے میک اپ میں تھا۔ ن آج اس کے جسم پر میلے کچیلے لباس کی بجائے بہترین قسم کا سوٹ تھا اور اس کا سفید فام اتھی کوئی ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا اُس کے ہاتھ میں ایک اسٹھوسکوپ تھا۔

کار پھاٹک کے اندر چلی گئی۔ حمید کو باہر کئی جانے پہچانے چہرے نظر آئے تھے۔ یہ اسی کے محکمے کے لوگ تھے۔ حمید نے اس کا اندازہ بھی کرلیا تھا کہ ان لوگوں نے انہیں شبہے کی نظر سے دیکھا تھا۔

کار سیدھی پورچ میں چلی گئی اور پھر حمید نے اُسے اس طرح موڑ کر اس کا پچھلا حصہ آمدے کی سیڑھیوں سے لگا دیا جیسے ڈکے سے کچھ سامان نکال کر برآمدے میں رکھنا ہو۔

وہ دونوں اُتر گئے۔ حمید کے ہاتھوں میں دواؤں کا بیگ تھا۔

پھر وہ نہایت اطمینان سے اندر گھستے چلے گئے۔

چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ لیکن سارے کمرے روشن تھے۔ فریدی کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق حمید کو خواب گاہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

لیکن اس کی توقعات کے خلاف وہاں بھی قبرستان کا سا ماحول نظر آیا۔ مسہری

چاپ پڑے ہوئے آدمی کو اس نے فوراً ہی پہچان لیا کیونکہ بھٹی کی تصویر اس وقت بھی

جیب میں پڑی ہوئی تھی اور اُس نے آج دن میں کئی بار اس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

مگر......! وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے د

”یہاں کوئی نوکر بھی نہیں نظر آتا۔“ حمید نے اپنے ساتھی سے کہا۔

”مجھے خود بھی حیرت ہے ویسے کرنل نے تو یہی کہا تھا کہ تم لوگ اُسے بہت آسا نکال لے جاؤ گے۔ ہوسکتا ہے ان کا اشارہ انہیں آسانیوں کی طرف رہا ہو۔“

حمید نے آگے بڑھ کر بھٹی کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا لیکن نہ تو وہ چونکا اور نہ آنکھیں ہی کھلیں۔

”یہ بیہوش ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”مجھے اس پر حیرت نہیں ہے۔“ سفید فام ساتھی بولا۔ ”کرنل کے کام ایسے ہی ہوتے

حمید نے دواؤں کا بکس کھول کر اُس میں سے ایک تھیلا نکالا۔

اور پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر مسہری خالی ہوگئی۔

”راہداری اور برآمدے کی روشنیاں گل کر آؤ۔“ حمید نے سفید فام ساتھی سے کہا چلا گیا...... حمید کھڑا اس تھیلے کو دیکھتا رہا جو اب خالی نہیں تھا۔

سفید فام ساتھی کی واپسی پر تھیلا اٹھایا گیا اور پھر وہ اندھیرے ہی میں برآمد آئے۔ سفید فام ساتھی نے ڈکے اٹھائی اور حمید نے تھیلا بڑی پھرتی سے اس میں ٹھونس د کار کو دھکیل کر اسکا رخ دوسری طرف کرتے ہوئے انہوں نے دروازے کھولے اور اندر بیٹھ

ٹھیک اُسی وقت برآمدہ پھر روشن ہوگیا اور ان کی کار پھاٹک سے نکلی چلی گئی۔ بڑ پہنچ کر حمید نے اُسے بائیں جانب موڑ دیا۔

”تعاقب کا خیال رکھنا۔“ اس نے مڑ کر سفید فام ساتھی سے کہا جو پچھلی نش دراز تھا۔ لیکن حمید نے خود ہی سادہ لباس والوں کو حرکت میں آتے دیکھ لیا۔ تین آدمیو

ٹر سائیکلیں سنبھال لی تھیں۔ حمید نے سوچا کافی منظم طور پر سارے کام ہو رہے ہیں۔

تین موٹر سائیکلیں کار کا تعاقب کرتی رہیں۔

”تعاقب شروع ہوگیا۔“ سفید فام ساتھی بڑبڑایا۔

”تین موٹر سائیکلیں۔ میں عقب نما آئینے میں دیکھ رہا ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”کیا ان کے پیچھے بھی کوئی ہے۔“

”ہاں...... ایک چھوٹی سی کار۔“ ساتھی نے جواب دیا۔

”اچھا جیسے ہی ہم ویرانے میں داخل ہوں...... تم......!“

”مجھے یاد ہے...... تم مطمئن رہو۔“ ساتھی بولا۔

موٹر سائیکلیں کار کا تعاقب کرتی رہیں۔ انکے پیچھے وہ چھوٹی کار بھی برابر نظر آتی رہی۔

کچھ دیر بعد حمید کی کار شہری آبادی سے نکل کر ویرانے میں داخل ہوئی۔

دفعتاً سفید فام ساتھی نے باہر ہاتھ نکال کر کوئی چیز سڑک پر پھینکی اور ایک زوردار دھماکہ ہوا اور دھوئیں کے گہرے بادل چاروں طرف پھیل گئے۔ حمید نے رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز کردی۔ سفید فام ساتھی نے دھوئیں کا بم پھینکا تھا اور جس کا دھواں خواب آور تھا۔

موٹر سائیکلیں رک گئیں کیونکہ دھوئیں کی دوسری طرف کچھ بجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہوں نے موٹر سائیکلیں ضرور روک دی تھیں لیکن انجن نہیں بند کئے تھے۔ اُن کے پیچھے والی کار نے راستہ کاٹ دیا اب وہ کچی سڑک پر اتر گئی تھی، جو کھیتوں کے درمیان سے گذرتی تھی۔ موٹر سائیکلیں بھی مڑ کر مخالف سمت میں دوڑنے لگیں۔ حمید کی کار فراٹے بھرتی رہی۔ اب اس کے پیچھے میدان صاف تھا۔

سونا گھاٹ پہنچ کر وہ کار کو اسی طرف لیتے چلے گئے جہاں ان کے لئے ایک لانچ پہلے ہی سے موجود تھی۔

تھیلا ڈکے سے نکال کر لانچ میں رکھا گیا اور سفید فام ساتھی کار لے کر پھر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔

دوسری طرف حمید خود ہی لانچ کو اسٹیئر کرتا ہوا فن آئی لینڈ کی جانب لے جا رہا تھا
رات تاریک تھی لیکن تاروں کے غبار نے رات کا سرمئی رنگ اکھاڑ دیا تھا۔

لانچ فن آئی لینڈ کی طرف بڑھتی رہی۔ اب حمید سوچ رہا تھا کہ وہاں پہنچ کر وہ اس کو عمارت تک کیسے لے جائے گا۔

ابھی اس نے آدھا راستہ بھی نہیں طے کیا تھا کہ پیچھے سے ایک لانچ آ کر اس کے برابر ہی چلنے لگی۔

"واہ دوست...... تم نے سچ مچ کمال ہی کر دیا۔" اس پر سے آواز آئی۔

"مگر کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ میں ہی جانتا ہوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"محنت کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ تم خوش کر دیئے جاؤ گے۔ مگر کیا وہ بیہوش ہے؟"

"جس وقت میں نے اُس کار کے ڈکے میں ٹھونسا تھا اس وقت تو بیہوش ہی تھا۔ اب نہیں کہہ سکتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔"

"ایسا نہ کہو پیارے...... اس کی موت سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔"

"لیکن اگر مر ہی گیا تو۔"

"تب پھر ہمیں گھنٹوں اس مسئلہ پر غور کرنا پڑے گا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ دونوں لانچیں جزیرے کی طرف بڑھتی رہیں۔

پھر جیسے ہی وہ ساحل سے لگیں دوسری لانچ سے تین آدمیوں نے اُتر کر حمید کو گھیر لیا۔ راجو نے کہا۔ "تم لوگ تھیلے کو اٹھاؤ۔"

"ہرگز نہیں......!" حمید غرایا۔ "پہلے دس ہزار میرے ہاتھ پر رکھ دو۔"

"اُف فوہ! اتنی بے صبری۔" راجو ہنسنے لگا۔

"اپنا وعدہ یاد کرو۔"

"میں نے یہ کب کہا تھا کہ ساحل ہی پر معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔ تم شاید بھول رہے ہو۔ میں نے کہا تھا کہ جس وقت تم اس عمارت میں اسے لاؤ گے دس ہزار ادا کر دیئے جائیں گے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا تم خود ہی اسے عمارت تک نہیں لے جا سکتے؟"

"دیکھو دوست......!" راجو اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ہم اپنا اطمینان کیئے بغیر اتنی بڑی رقم کیسے دے سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب صاف ہے۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہاں چل کر ہم دیکھیں گے کہ تم نے ہمیں دھوکہ تو نہیں دیا۔"

"اوہ...... اچھا چلو۔ تم سمجھتے ہو شاید میں بھٹی کے علاوہ اور کسی کو اٹھا لایا ہوں۔"

"میری جگہ تم ہوتے تو کیا سوچتے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں بھی اطمینان کیئے بغیر اتنی بڑی رقم کبھی نہ دیتا۔"

"گڈ...... اچھا تو اب چلو۔"

لانچوں کو وہیں چھوڑ کر وہ چاروں بستی کی طرف چل پڑے۔ تھیلے کو دو آدمیوں نے اٹھا رکھا تھا۔

عمارت میں داخل ہو کر راجو نے صدر دروازہ بند کر دیا اور پھر حمید سے بولا۔ "یار تم بہت کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں مستقل طور پر تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

"اس سے کیا ہوگا۔" حمید نے سوال کیا۔

"ہم دونوں ہی بہت زیادہ فائدے میں رہیں گے۔"

وہ ایک کمرے میں آئے اور راجو خاموش ہو گیا۔ یہاں پہلے ہی سے تین آدمی موجود تھے۔ ایک تو داؤد تھا اور اس وقت بھی وہ ڈاڑھی ہی والے میک اپ میں نظر آ رہا تھا۔ دو سفید فام غیر ملکی تھے۔ ان کے داخل ہوتے ہی تینوں کے چہرے چمک اٹھے۔

"کیا رہا۔" داؤد نے بے صبری سے پوچھا۔

"فتح۔" راجو نے فخریہ انداز میں کہا۔ تھیلا اتار کر میز پر رکھ دیا گیا اور حمید آگے بڑھ کر اُسے کھولنے لگا۔ تھیلے کا منہ کھلتے ہی راجو نے بیساختہ کہا۔ "ٹھیک ہے۔"

تھوڑی ہی دیر بعد بھٹی میز پر چت پڑا ہوا تھا اور اس طرح گہرے گہرے سانس لے رہا تھا جیسے اُسے بہت بڑی گھٹن سے نجات ملی ہو لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"یہ ہوش میں کیسے آئے گا۔" راجو نے حمید سے پوچھا۔

"خود بخود۔" حمید نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ایک گھنٹہ گذر چکا ہے اب اسے ہوش میں آجانا چاہئے۔ تم ذرہ وہ کھڑکی کھول دو۔"

"کھڑکی نہیں کھولی جاسکے گی۔" داؤد بولا۔

"ہوا کے بغیر اس کی بیہوشی طویل بھی ہوسکتی ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"کس چیز سے بیہوش کیا تھا۔"

"اب کیا میں دس ہزار میں اپنے راز بھی بتادوں گا۔"

داؤد اُسے گھورتا ہوا خاموش ہوگیا۔ وہ اس وقت بھی اسے پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔

حمید جھک کر بھٹی کے چہرے پر رومال جھلنے لگا۔ شائد وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑائے بھی جارہا تھا۔

کچھ دیر بعد بھٹی کے پپوٹوں میں حرکت ہوئی اور وہ منہ چلانے لگا پھر کراہ کر کروٹ بدلی وہ سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔

پانچ منٹ کے اندر ہی اندر بھٹی کو ہوش آگیا۔ وہ اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم لوگ اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکو گے۔"

"ہم کامیاب ہوگئے۔" داؤد نے قہقہہ لگایا اور بھٹی کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"دیکھو.....!" داؤد نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کتنی آسانی سے بلوالیا گیا حالانکہ تمہاری کوٹھی کے گرد سادہ لباس والوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اس طرح ہم چاہیں تمہیں قتل کرسکتے ہیں۔"

"نہیں.....!" بھٹی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم لوگ مجھ پر ظلم نہیں کرسکتے۔"

"تمہیں یہاں اس لئے نہیں لایا گیا ہے کہ تمہاری پوجا کی جائے گی۔" داؤد ایک زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت جھانک رہی تھی۔

"اب میرا حساب صاف کردو۔" دفعتاً حمید نے کہا۔

"نہیں ابھی ٹھہرو۔" داؤد نے کہا۔ "ہوسکتا ہے اس آدمی کو قتل ہی کرادینے کی نوبت آجائے۔"

"نہیں نہیں.....!" بھٹی بے بسی سی کراہا۔

"قتل کے بیس ہزار۔" حمید کے لہجے میں بڑی سفاکی تھی۔ "قتل کے لئے ہمیشہ اغواء کی رقم کا دوگنا وصول کرتا ہوں۔"

"بیس کیا اس آدمی کے قتل کیلئے چالیس ہزار بھی صرف کئے جاسکتے ہیں۔" داؤد بولا۔

"تب پھر میں ضرور رکوں گا۔" حمید نے کہا اور کرسی کھینچ کر برابر ہی بیٹھ گیا۔

"میں..... میں نہیں..... یہ نہیں..... تم لوگ کیا چاہتے ہو۔" بھٹی کانپتا ہوا ہکلایا۔

"ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم سے جو کچھ کہا جائے کرو اور اس کے بعد اپنی زبان بند رکھو ورنہ اس کے خلاف کرنے کا انجام قتل ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا ہم اس پر بھی خاک ڈالنے کو تیار ہیں، جو تم ابھی تک کرتے رہے ہو۔"

"مم..... میں..... مجبور تھا..... اس نے زبردستی کی تھی..... مجھے بتانا پڑا۔"

"خیر تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہم اس سے سمجھ لیں گے..... مگر تم....." داؤد جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ کاغذات نکالتا ہوا بولا۔ "ان پر اپنے دستخط کردو۔ تم خوب سمجھتے ہو کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ لہٰذا فضول قسم کی گفتگو کر کے وقت برباد نہ کرنا۔"

"مم..... میں سمجھتا ہوں۔"

"پھر شاباش جلدی سے دستخط کردو۔"

"لیکن اگر..... اگر..... اس کے بعد..... تم نے مجھے قتل کردیا۔"

"ہم اتنے احمق نہیں ہیں۔ تمہاری زندگی ہمارے لئے زیادہ مفید ہوگی مگر اُسی صورت

میں جب تم اپنی زبان بند رکھو۔"

"دستخط کر دینے کے بعد...... کیا میں اپنی زبان سے کچھ نکال سکوں گا۔"

"ٹھیک...... تم بہت سمجھدار ہو۔" داؤد مسکرا کر بولا۔ "دستخط کر دو۔"

بھٹی نے کاغذات میز پر پھیلا دیئے۔ داؤد نے قلم اس کی طرف بڑھاتے ہوئے

"یہ دستخط تمہارے لئے ایک شاندار مستقبل کا پیام لائیں گے۔"

بھٹی کاغذات پر دستخط کرنے لگا۔ حمید بُری طرح بیتاب تھا یہ معلوم کرنے کے لئے کاغذات کیسے ہیں۔

دو منٹ بعد بھٹی نے کاغذات اور قلم رکھ دیئے اور کرسی کی پشت سے ٹک کر ہانپنے لگا۔

داؤد نے کاغذات دونوں غیر ملکیوں کی طرف بڑھا دیئے۔ انہوں نے کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر ان میں سے ایک دہاڑا۔ "یہ تمہارے دستخط ہیں۔"

"ہاں......!" بھٹی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ کھلی ہوئی بکواس ہے۔" غیر ملکی نے داؤد کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ اس کے کاروباری دستخط نہیں ہیں۔"

داؤد کی خونخوار آنکھیں بھٹی کیطرف اٹھیں، جواب بھی کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا ہانپ رہا تھا

ہتھکڑیاں

بھٹی اسی طرح پڑا ہانپتا رہا۔

"کیا تم مرنا ہی چاہتے ہو۔" داؤد غرایا۔

بھٹی سیدھا ہو کر بولا۔ "میں کیا کروں۔"

"اتنا کچھ سمجھانے کے باوجود بھی تم ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"لاؤ......!" وہ کاغذات کیلئے ہاتھ پھیلا کر کراہا۔ کاغذات اسے پھر واپس کر دیئے گئے۔

لیکن خلاف توقع بھٹی نے انہیں تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"کیا مطلب......!" داؤد دہاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"کچھ نہیں بیٹھ جاؤ۔ کھیل ختم ہو گیا۔" بھٹی نے کہا اور اب اس کی آواز سن کر حمید ساختہ اچھل پڑا کیونکہ یہ فریدی کی آواز تھی...... سرد اور سفاکی کی جھلکیاں رکھنے والی آواز۔

جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر حمید کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

وہ دونوں غیر ملکی بھی کھڑے ہو گئے اور راجو اپنے ساتھیوں سمیت فریدی کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو۔" بھٹی کے روپ میں فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ راجو اور اس کے ساتھی رک گئے۔ دفعتاً حمید نے دیکھا کہ ایک غیر ملکی جیب سے ریوالور نکال رہا ہے۔

"خبردار۔" حمید نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

"کیا......!" راجو اس کی طرف پلٹ کر بولا۔

لیکن حمید کی نظر اس غیر ملکی ہی کی طرف تھی جس نے ریوالور نکالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اب اس کے دونوں ہاتھ میز پر رکھے ہوئے تھے اور وہ حمید کو گھور رہا تھا۔

"میں نے کہا ہے کہ تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو...... یہ ریوالور بے آواز ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔" راجو اپنے ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

"میں وہی چاہتا ہوں جو مسٹر بھٹی چاہتے ہیں۔"

"اوہ......!" داؤد پیر پٹخ کر دہاڑا۔ "زیدی نے دھوکا دیا۔"

"نہیں ننھے بچے وہ خود دھوکا کھا گیا۔" فریدی نے کہا۔

"تم خود کو محفوظ نہ سمجھو۔" داؤد آنکھیں نکال کر بولا۔ "ہم چھ ہیں اور تم صرف دو۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔" فریدی مسکرایا۔ "شاید تم نے ابھی تک مجھے پہچانا نہیں کسی ایسے آدمی ناممکن ہے جو کرنل فریدی کی حفاظت میں ہو۔"

"تم...... تم......!" راجو ہکلایا۔

"تعجب ہے کہ تم مجھے نہیں پہچانتے حالانکہ عام حالات میں میرے سامنے
بھاگنے کی کوشش کرتے ہو۔"

"کک......کرنل!" راجو ہکلایا۔

"کیا......؟" داؤد حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

پھر راجو حمید کی طرف مڑا اور حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر تم انہیں کرنل فریدی سمجھتے ہو
مجھے کیپٹن حمید سمجھنا پڑے گا۔"

"مر گئے۔" راجو کراہ کر دیوار سے جا لگا۔

"تم فریدی ہو۔" داؤد نے کہا۔

"اس میں تمہیں شبہ نہ ہونا چاہیے۔" فریدی مسکرایا۔

داؤد نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا۔

فریدی کا نام سنتے ہی دونوں غیر ملکیوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"کیا تم یہاں سے زندہ نکل سکو گے۔" داؤد نے فریدی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔
آنکھوں کی وحشیانہ چمک بڑی بھیانک لگ رہی تھی۔

"ہاں! اے دودھ پیتے بچے۔ نہ صرف میں زندہ نکلوں گا بلکہ اپنے ساتھ تمہیں
جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ سامنے والے سوئچ بورڈ پر ڈائنا میٹ کا سوئچ بھی ہے۔ تمہا
کی ایک خفیف سی حرکت اس پوری عمارت کے چیتھڑے اڑا دے گی اور میں اس ڈائنامائٹ
مقصد سے بھی واقف ہوں۔"

"کیا مقصد ہے۔" داؤد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"یہی کہ ضرورت پڑنے پر ان ذرات کا ذخیرہ برباد کر دیا جائے۔"

"اوہ...... ہاہاہاہا۔" داؤد نے پھر قہقہہ لگایا۔ "تم...... تم...... بہت ذہین ہو۔ تم
لوہے کا برادہ دیکھ پایا ہے جسے ہم یہاں اسٹاک کر رہے ہیں۔"

"چلو...... وہ لوہے کا برادہ ہی سہی۔" فریدی مسکرایا۔ "لیکن لوہے کے وہ گا

پورٹ کرنے کے لئے گودی والے گودام میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا تم بتا سکو گے کہ ان
ڈبے گارڈروں میں لوہے کا برادہ کیوں بھرا ہوا ہے۔"

قبل اس کے کہ فریدی کچھ کہتا داؤد اچھل کر سوئچ بورڈ کے قریب پہنچ گیا۔

"فائر مت کرنا۔" فریدی نے حمید سے کہا ورنہ اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے ہی والی تھی۔

داؤد نے سوئچ دبا دیا اور دونوں غیر ملکی حلق پھاڑ کر چیخے۔ "نہیں نہیں۔"

"ڈرو نہیں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میرے علم میں آ جانے کے بعد وہ قابل استعمال
رہ سکتا تھا۔ تم سب زندہ رہو گے اور ہتھکڑیاں پہنو گے۔"

دفعتاً داؤد نے غصہ سے پاگل ہو کر فریدی پر چھلانگ لگائی۔ حمید پھر ٹریگر دباتے
لیا۔ اُس نے سوچا کہیں ہاتھ بہک نہ جائے۔

فریدی کرسی سے نہیں اٹھا تھا اس نے بڑی پھرتی سے داؤد کو ہاتھوں پر روک کر دوسری
ف پھینک دیا۔ ایسا کرتے وقت بڑی میز الٹ گئی اور دونوں غیر ملکی بھی چیختے ہوئے دوسری
ف لڑھک گئے۔ میز ان پر ہی گری تھی۔ وہ اس کے نیچے دبے ہوئے چیختے رہے۔ داؤد پھر
ی کی طرف جھپٹا لیکن راجو اور اس کے دونوں ساتھی دیوار سے لگے بے حس و حرکت
ڑے رہے۔

"تم بیکار اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو۔" فریدی نے داؤد کے جبڑے پر گھونسہ رسید
تے ہوئے کہا۔ وہ پھر دوسری طرف کی دیوار سے جا لگا۔

"ہتھکڑیاں......!" دفعتاً فریدی نے بلند آواز میں کہا۔ بائیں جانب والا دروازہ کھلا اور
ہ آدمی اندر گھس آئے۔ داؤد پر دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر فریدی پر
کیا لیکن اب وہ کئی آدمیوں کی گرفت میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں چھ ایسے آدمی نظر آ رہے تھے جن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں
ل...... حمید نے آگے بڑھ کر داؤد کے چہرے سے ڈاڑھی الگ کر دی اور بولا۔ "میں نے
ا ہی وعدہ کیا تھا کہ تمہاری ڈاڑھی پر ہاتھ ضرور پھیروں گا۔ کاش اس وقت تمہاری چچی اماں

بھی موجود ہوتیں۔"

"شٹ اپ......!" داؤد حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ان کی چچی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیوں داؤد! کیا تم مجھے اتنا ہی احمق سمجھ
میں سلیمہ کے اغواء والے معاملے میں الجھ کر تم لوگوں کا پیچھا چھوڑ دوں گا۔"

"کیا مطلب......!" حمید فریدی کی طرف مڑا۔

"یہ ایک شاندار ڈھونگ تھا۔ جن دنوں میں اُن ذرات کے متعلق چھان بین کر
لوگوں کو اس کا علم ہوگیا اور انہوں نے ہماری توجہ دوسری طرف ہٹا دینے کی کوشش کی
لئے شیطان کی محبوبہ تخلیق کی گئی اور سب سے پہلے تمہیں اس معاملے میں الجھایا گیا
خیر......پھر اس کا اغواء اسی لئے عمل میں لایا گیا کہ پروفیسر شوخ تمہارے خلاف رپو
کرادے......اور میں تمہیں بچانے کے لئے اس کیس میں الجھ جاؤں۔ یہ صرف اتنا
چاہتے تھے کہ ان ذرات کو باہر بھیجنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔ پھر داؤد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ کاغذ جو اس وقت م
میں موجود ہیں انہیں اپنے تابوت میں آخری کیل سمجھو۔"

"تم ہمارے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کرسکو گے۔" داؤد غرایا۔ "زیادہ سے زیا
فریب دہی کا کیس چل جائے گا کیونکہ ہم کھوکھلے گارڈروں میں لوہے کا برادہ بھر دیتے

کیا تم میرے ملک کی ایک بہت بڑی دولت غیر قانونی طور پر ایک دوسرے ملک کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیا وہ ذرات......اگر انہیں لاسٹیک ایسڈ میں ڈال دیا جائے تو "اِری ڈیم" کے شفاف ذرے نکل آئیں گے یا نہیں؟"

"یہ......یہ......غغ......غلط ہے۔" ایک غیر ملکی ہکلایا لیکن فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتا رہا۔ "تم ان ذرات کو باہر بھیجنا چاہتے تھے۔ ایک غیر ملکی فرم سے اس کے لئے معاہدہ بھی ہوگیا تھا مگر معاہدہ تھا لوہے کے گارڈرز کے ایکسپورٹ کا۔ البتہ معاہدہ اُس وقت تک نامکمل سمجھا جاتا جب تک کہ تمہاری فرم کے ایک ڈائریکٹر مسٹر بھٹی کے دستخط اس پر نہ ہو جاتے۔ بھٹی کو تمہاری اسکیموں کا علم ہوگیا تھا لیکن وہ بیچارہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اُن ذرات کی نوعیت کیا ہے۔ اور نہ اُسے یہی معلوم تھا کہ ذخیرے کہاں ہیں۔ اگر بھٹی سچ مچ اس وقت تمہارے ہاتھ پڑ گیا ہوتا تو تم اس وقت تک اسے اپنی حراست میں رکھتے جب تک کہ سارا مال یہاں سے نکل نہ جاتا۔ بھٹی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ذرات یہاں سے بھیجے کس طرح جائیں گے لیکن اُس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ اب کسی نئے معاہدے پر دستخط نہیں کرے گا اور اسے یہ مشورہ میں نے ہی دیا تھا۔ اس لئے تمہیں اس کے اغواء کی بھی ضرورت پیش آئی......اور تم داؤد......تمہارے جرائم تو بہت ہی سنگین ہیں۔ اس دوران میں تمہاری اصلیت بھی ظاہر ہوگئی ہے۔ تم کافی عرصے سے ایک غیر ملک کے ایجنٹ کی حیثیت سے یہاں کام کرتے رہے ہو اور دوسرا جرم تو اتنا گھناؤنا ہے کہ تمہیں گولی مار دینے کو دل چاہتا ہے۔ تم اپنے چچا کی بیوی پر متصرف رہے ہو۔ وہ بوڑھا بھی اسے اچھی طرح سمجھتا تھا......لیکن بدنامی کے ڈر سے اس کی زبان بند تھی۔"

داؤد نے ہنس کر جواب دیا۔ "میں ایک بے حیا اور بے جگر آدمی ہوں۔ میری نظروں میں نہ تو رشتوں کا کوئی احترام ہے اور نہ پھانسی کے پھندے ہی سے ڈرتا ہوں۔ لہٰذا تم خواہ مخواہ اپنی زبان تھکا رہے ہو......بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں ہار گیا۔"

"مگر وہ شیطان کی محبوبہ ہے کہاں۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"باٹم روڈ کے ایک چھوٹے سے بنگلے میں...... بنگلہ نمبر تیرہ۔" فریدی نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد قیدیوں کا جلوس اس عمارت سے نکلا۔ فریدی اور حمید پیچھے تھے۔

"خدارا اب ایک بات اور بتا دیجئے۔" حمید نے کہا۔ "وہ ارجن پور کے فلیٹ والی لڑ کی کون تھی اور وہ آدمی کون تھا۔"

"بلیک فورس کے دو رکن۔"

"اوہ...... تو کیا اُس بلیک فورس میں غیر ملکی بھی ہیں۔"

"یقیناً ہیں...... لیکن ان کا تعلق ان دوست ممالک سے ہے جس کے اور ہمارے مفادات مختلف نہیں ہیں۔"

"یہ اریڈیم اپنے یہاں کیسے آ پہنچا۔"

"ہماری زمین کے سینے میں کیا نہیں ہے مگر ہم مفلس ہیں...... کاہل ہیں...... ہمیں با بنانی آتی ہیں۔ ہم تقریریں کر سکتے ہیں ایک دوسرے پر اپنی ذہنی برتری کا رعب ڈال سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے کے لئے اپنی بہترین ذہنی صلاحیتیں ضائع کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم سے تعمیری کام نہیں ہو سکتے۔"

شیطان اور محبوبہ

سلیمہ بے خبر سو رہی تھی۔ کمرے میں مدھم روشنی والا نیلا بلب روشن تھا۔ دفعتاً ایک کھ کھلی اور اس میں کسی بہت بڑے بندر کا چہرہ دکھائی دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ چھ فٹ کا کمرے میں تھا لیکن اس کے جسم پر ایک نہایت نفیس قسم کا سیاہ سوٹ تھا اور پیچھے لمبی سی دم ل رہی تھی جس کے سرے پر ایک ننھا سا بلب روشن تھا۔ اس کا چہرہ بندروں کا سا تھا۔ مگر جسم ہاتھ پیر آدمیوں کے سے تھے۔ اس نے ہولے ہولے سلیمہ کا گال تھپتھپایا۔ وہ جاگ پڑی۔

ر نے اسے چیخنے نہیں دیا کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ اس کے منہ پر تھا۔

"ہائیں۔" اس نے کہا۔ "تم شور مچانے جا رہی ہو میری جان۔ اپنے شیطان کو نہیں پہچانتیں۔"

بندر کی آواز کچھ بھرائی ہوئی سی تھی۔

"ہٹو......!" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھلائی۔ "تم نے مجھے ڈرا دیا داؤد۔"

"کون داؤد! کیا بکتی ہی عورت تو عزرائیل کے سامنے کسی پیغمبر کا نام نہیں لے سکتی۔ مل ہا تجھے کھا جاؤں گا۔ دیکھو میری دم پر ستارہ چمک رہا ہے۔"

شیطان نے اپنی دم اٹھا کر اُسے وہ بلب دکھایا جو اس کے سرے پر روشن تھا...... سلیمہ ہنستی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"تم بہت شریر ہو گئے ہو۔" وہ اس کی کمر پر دھپ رسید کرتی ہوئی بولی مگر پھر سنجیدگی سے کہا۔ "کیا تم کچھ بیمار ہو۔ تمہاری آواز اتنی بھرائی ہوئی ہے کہ پہچاننا مشکل ہے۔"

"میں آج کل شوپنہار پر ریسرچ کر رہا ہوں۔ اسی لئے روتے روتے گلا پڑ گیا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اس وقت اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں جہنم کی سیر کرادوں۔ کیا تم نے برنارڈ شاہ کا ڈرامہ مین اینڈ سپر مین پڑھا ہے۔"

"یہ آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو ڈیئر...... یہ نفرت انگیز خول اپنے چہرے سے اتار دو...... آدمی بنو۔"

"آدمی شیطان بن سکتا ہے لیکن شیطان کبھی آدمی نہیں بن سکتا۔"

"داؤد......!" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بچوں کی طرح ٹھنکی۔

"پھر وہی نام...... میں صرف شیطان ہوں...... جو اپنی چچی......!"

"شٹ اپ...... تم گدھے پن کی باتیں کیوں کر رہے ہو۔" وہ جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔

"گدھوں میں آدمیت نہیں ہوتی اسی لئے مجھے گدھے پسند ہیں۔"

"کیا تم نشے میں ہو داؤد۔"

"نہیں شائد تم نشے میں ہو۔" شیطان نے اپنے چہرے سے بندر کا خول اتارتے ہوئے کہا۔

سلیمہ کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور وہ مسہری پر گر کر ہانپنے لگی۔ کیپٹن حمید اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا اس نے بلٹ سے دم الگ کی اور اسے ایک طرف ہوا بولا۔ "تم جیسی عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔ مگر کھیل ختم ہو چکا ہے وغیرہ اس وقت حوالات میں ہیں اور اِری ڈیم کا ذخیرہ ہمارے قبضے میں ہے۔"

وہ اپنی حالت پر قابو پا چکی تھی۔ مسہری پر لیٹے ہی لیٹے اس نے انگڑائی لی اور بولی۔ "کیپٹن! تم اتنے بدھو کیوں ہو۔ کیا تم اتنے ذہین نہیں ہو کہ موقع سے فائدہ اٹھا سکو"

"نہیں! میں بالکل بدھو نہیں ہوں۔" حمید نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ "میں موقع سے فائدہ ہی اٹھانے کے لئے آیا ہوں۔"

"پھر...... وہ الماری کھول کر اسکاچ کی بوتل نکالو۔" اس نے پھر انگڑائی لی۔ "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔"

"پہلے میرا ایک حقیر تحفہ قبول کرلو ڈارلنگ۔" حمید نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے لئے جڑاؤ کنگن لایا ہوں۔"

اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کی جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکل پڑا۔

"تم مذاق کررہے ہو...... ڈیئر۔" وہ اٹھلائی۔

"خاموشی سے اسے پہن لو۔" حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اپنے ہاتھ آگے بڑھاؤ"

"نہیں......!" وہ پھر خوفزدہ نظر آنے لگی۔

"یقیناً میں تمہارے ہتھکڑیاں لگا کر یہاں سے پیدل کوتوالی تک لے جاؤں گا۔ ابھی صرف گیارہ بجے ہیں۔ سڑکیں جگمگا رہی ہیں اور......!"

"نہیں...... خدا کے لئے نہیں۔"

"شیطان کی محبوبہ کو خدا سے کیا سروکار۔ شاید تم نشے میں ہو۔"

"کیپٹن!" وہ اسکا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "اس طرح بے عزت نہ کرو۔"

"اوہ...... تم تو ایک دلیر عورت ہو۔ تم جو اپنی پنڈلی میں اپنے ہی ہاتھوں سے پوری سوئی پیوست کرلیتی ہو۔ ہوسکتا ہے عدالت تمہیں بری بھی کردے مگر میں تو اس وقت تمہیں ایک آوارہ کتیا کی طرح کھینچتا ہوا لے جاؤں گا۔"

"کیپٹن......!" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے۔

"شریف عورتوں کے آنسوؤں پر میں اپنا گلا بھی گھونٹ سکتا ہوں۔ تم شاید مجھے کوئی عیاش آدمی سمجھتی تھیں اسی لئے مجھے متوجہ کرنے کے لئے وہ ڈرامہ اسٹیج کیا تھا...... لیکن...... چلو...... ہتھکڑیاں پہن لو...... مجھے تشدد پر آمادہ نہ کرو...... میں صرف عورتوں سے دوستی کا شائق ہوں...... عیاش نہیں۔"

حمید نے اس کے ہتھکڑیاں لگادیں...... اور وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 65

انوکھے رقاص

(مکمل ناول)

حرفِ اوّل

ایک بڑا آرٹسٹ ایک عظیم فنکار یا مفکر اپنے دور کا نمائندہ بھی ہوتا ہے، ترجمان بھی ہوتا ہے اور خالق بھی۔ ابن صفی نے اپنے مخصوص اندازِ تحریر سے اردو میں ایک نئے دور کی تخلیق کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُن کی ہمیشہ سے یہ بھی خصوصیت رہی ہے کہ موجودہ مسائل کی بنیاد پر انہوں نے سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ کسی خشک ریاضی داں کی طرح مسئلے گنوا کر یا کسی نقارچی کی طرح چیخ چیخ کر انہوں نے کسی مسئلہ کو نہیں چھوا بلکہ ایک سچے حسن کار کی طرح انہیں خوبصورت اور ڈھنگ سے اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا سلیقہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے جہاں نفسیاتی نکتے سامنے رکھے، تجزیئے کئے اور تحلیل نفسی کے گر بتائے وہاں انہوں نے امن پر مغربی ممالک کی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور تباہ کن ایجادات پر بھی اپنے خیالات پیش کر کے رہنمائی کا حق ادا کیا!

موجودہ دور کا سب سے زیادہ بھیانک مسئلہ وہ تجربے ہیں

جنھوں نے انسانی زندگی میں زہر بھر دیا ہے۔ مشرق کے ہر گوشے سے نت نئی بیماریوں کی خبریں بیماروں کی تعداد مرنے والوں کی تفصیل ان ایٹمی اور ہائیڈروجنی تجربوں کا نتیجہ ہے۔ آج ساری انسانیت کراہ اٹھی ہے۔ شرافت، امن اور زندگی و اخلاق کے علمبردار ممالک ان تجربوں کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں۔ ابن صفی کو بھی ایک فن کار کی حیثیت سے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان تجربوں کے خلاف آواز بلند کریں۔ یہ آواز ''انوکھے رقاص'' کے ابتدائی صفحات میں اُبھری ہے۔ اس میں اتنی گہرائی اتنی شدت اور اتنا نوکیلا پن ہے کہ آپ اسے بھول نہیں سکتے۔ اُن کا یہ پیمبرانہ جملہ:

''جب ایک آدمی پاگل ہوجاتا ہے تو اُسے
پاگل خانے میں کیوں بند کردیتے ہیں اور جب پوری
قوم پاگل ہوجاتی ہے تو طاقتور کیوں کہلانے لگتی ہے۔''

فاشتی تکنیک اور مغرب کے استبدادی نظام پر اس سے بہتر طنز ممکن نہیں ہے۔ اس طرح کے جملے ''انوکھے رقاص'' میں بہت جگہوں پر آپکو ملیں گے۔ ان میں ''روح عصر'' (Zeitgeist) کی جلوہ گری ہے اور اسے دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ ابن صفی صرف ناول نگار ہی نہیں بلکہ ایک عظیم مفکر بھی ہیں۔

کہانی کے اعتبار سے اس ناول کو حمید کا ہی کارنامہ کہنا مناسب ہوگا۔ اس کی دلچسپی، اس کے قہقہے اور آخر میں اس کا چونکا دینے والا اختتام اسی انوکھے انداز کا ہے جس کیلئے ابن صفی مشہور ہیں۔

پبلشر

لڑکی کا حمایتی

سورج دور کی پہاڑیوں میں جھک رہا تھا اور نارنجی رنگ کی دھوپ میں خنکی سی پیدا ہوگئی
-ادھر کچھ دنوں سے بڑی سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ موسم صرف دن ڈھلے ہی اس قابل ہوتا تھا
دگ باہر نکل سکیں۔ شامیں اچھی گذرتیں اور راتیں حسب معمول ویسی ہی ہوتیں جن کے
رام گڈھ خاص طور سے مشہور تھا، لیکن دن میں اتنی گرمی رام گڈھ کے لئے بالکل نئی چیز
-وہاں کے باشندوں کا کہنا تھا کہ ان کے ہوش میں اتنی سخت گرمی نہیں پڑی۔

بہرحال میدانوں سے آئے ہوئے لوگ سوچ رہے تھے کہ اگر پورا سیزن اسی طرح گذرا
اچھے خاصے احمق کہلائیں گے۔ کیونکہ گرمی ہی سے بھاگ کر انہوں نے رام گڈھ کی
ب پہاڑیوں میں پناہ لی تھی۔

وہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کا تجربہ کرنے والوں کو گالیاں دیتے، جن کی وجہ سے ساری
میں غیر متوقع موسمی تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں، زہریلی ہوائیں چلنے لگی تھیں اور ایسی
ل ہونے لگی تھیں جن کے پانی سے جسم پر آبلے پڑ جاتے تھے۔ طرح طرح کی وبائی

بیماریاں پھیلتی تھیں۔ وہ بڑی طاقتوں کے نام کو روتے جو محض ایٹمی تجربات سے ایک دوسرے کو مرعوب کرنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن بھگتنا انہیں بھی پڑ رہا تھا جو "طاقت" یا "نا
سے بھی سروکار نہیں رکھنا چاہتے تھے۔

رام گڈھ کا نچلا طبقہ تو گویا بے موت مر رہا تھا۔ اُس کی روزی کا ذریعہ دراصل وہی لوگ ہوتے تھے جو سیزن میں باہر سے آتے تھے لیکن ایسے موسم میں تفریح کی کسے سوجھتی۔ تفریح بند اور رام گڈھ کے قلیوں کی آمدنی بند۔ سیزن ہی میں جو کچھ کماتے وہی سردیوں کے ایام میں بھی ان کے کام آتا۔ لیکن اب وہ سوچ رہے تھے کہ اگر سارا سیزن ایسا ہی رہا تو سردیاں نہ دیکھ سکیں گے۔ وہ اسے خدا کا غضب اور اپنے گناہوں کا ثمرہ تصور کرتے تھے۔ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کے تجربات ان کی سمجھ سے باہر تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ جب کوئی آدمی پاگل ہو جاتا ہے تو اسے پاگل خانے میں کیوں بند کر دیا جاتا ہے اور جب کوئی قوم پاگل ہو جاتی ہے تو "طاقتور" کیوں کہلانے لگتی ہے۔

رام گڈھ کے قلی یہ نہیں سوچ سکتے تھے لیکن کیپٹن حمید یہی سوچ رہا تھا۔ کیونکہ وہی تفریح کا بہانہ کر کے وہ فریدی کو یہاں تک دھکیل لایا تھا اور اب فریدی اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔

"جو کچھ تمہارے مقدر میں ہے۔" وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ "کہیں بھی جاؤ پورا ہو گا۔ تم نے خواہ مخواہ میری چھٹیاں برباد کرائیں۔ میں نے چھٹی صرف اسی لئے لی تھی کہ مطالعہ کروں گا۔ بہت دنوں سے مطالعہ کے لئے وقت نہیں نکال سکا تھا۔"

"اچھا آپ مطالعہ کیجئے، میں منہ کالا کرتا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہو۔"

"زندگی دراصل یہی ہے حمید صاحب۔" فریدی نے کہا اور ہاتھ میں دبی ہوئی کتاب کے اوراق الٹنے لگا۔ لیکن وہ کتاب کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر کھڑکی سے دور ویرانے میں بھٹک رہی تھی۔

"میں کب کہتا ہوں کہ آپ زندہ نہ رہئے۔ مگر کم از کم مجھے تو مرنے دیجئے۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"میں نے یہی پروگرام بنایا ہے کہ ہم دونوں ساتھ ہی مریں گے۔"

"لیکن اس طرح میں مر بھی نہیں سکوں گا۔ اگر آپ نے ملک الموت کو زندگی پر لیکچر پلانا شروع کر دیا تو میں بور ہو کر دوبارہ زندہ ہو جاؤں گا۔"

"تم کھسکو یہاں سے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نے تمہیں روکا نہیں ہے۔ مگر تم اس لڑکی سے نہیں ملو گے، جو اپنے جوڑے میں گلاب لگاتی ہے۔"

"اگر وہ جوڑے میں گلاب لگانا چھوڑ دے تو۔"

"بکواس مت کرو۔ گلاب کی بات نہیں ہے۔ کل ایک آدمی تمہیں کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا جب وہ تمہاری میز پر آئی تھی۔"

"اوہ..... تو میں ایک آدمی کے ڈر سے اس لڑکی سے ملنا چھوڑ دوں گا۔"

"نہیں.....!" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں اسے پسند نہیں کرتا کہ تم عورتوں کے لئے لفنگوں کی طرح جھگڑا کرتے پھرو۔"

"ارے بس رہنے دیجئے۔" حمید نے بھی ناخوشگوار لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

سورج اب غروب ہو چکا تھا اور افق میں کئی رنگوں کے لہریئے نظر آنے لگے تھے۔ ان دونوں کا قیام یہاں کے سب سے بڑے ہوٹل پیراڈائز میں تھا۔

حمید کمرے سے نکل کر سیدھا اس باغ کی طرف ہولیا تھا جہاں شام کی تفریحات کے لئے میزیں لگائی جاتی تھیں۔

اس کا موڈ فریدی کے الجھنے کے باوجود بھی خراب نہیں ہوا تھا اور پھر یہ کوئی نئی بات بھی نہیں تھی۔ فریدی ہر وقت ہی لڑکیوں کے متعلق اُسے بور کرتا رہتا تھا اور اب تو یہ حال ہو گیا تھا کہ اگر کوئی دن خالی جانے والا نظر آتا تو حمید خود ہی ایسے تذکرے چھیڑ دیتا کہ لڑکیوں کی بات نکل آتی۔

باغ کے کنارے کھڑے ہو کر اس نے دو چار گہری سانسیں لیں اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

رقص کے میدان کے چاروں طرف لاتعداد میزیں نظر آرہی تھیں۔ یہاں عموماً کھلے
ہوا کرتے تھے۔ رقص گاہ کا فرش پختہ اور بہت چکنا تھا۔ اس کے چاروں طرف بڑی
سے باغات ترتیب دیئے گئے تھے جن کے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ انہیں باغا
دوسری تفریح گاہیں بھی تھیں۔ نہانے کے لئے پختہ تالاب، ٹینس کورٹس اور ان کے علاو
بیرون خانہ تفریحات کی جگہیں۔

رقص گاہ میں حمید کی میز مستقل طور پر ''مخصوص'' تھی۔ لیکن وہ سیدھا اپنی میز کی ط
گیا۔ اُسے حقیقتاً اس لڑکی کی تلاش تھی جس کے متعلق ابھی ابھی فریدی سے جھڑپ ہو چ
اس ہوٹل میں قیام کرتے ہی اُس لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ بھی بالکل
پر۔ ایک رات حمید اس سے رقص کے لئے درخواست کر بیٹھا تھا اور پھر ان میں جان پہ
تھی۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں وہ حمید کو غیر معمولی طور پر دلچسپ اور دلکش معلوم ہوتی
کا نام زوبیا تھا۔ دیسی ہی تھی۔ مگر حمید نے اس کی قومیت کے بارے میں استفسار نہیں
اس کا خیال تھا کہ عورت بجائے خود ایک قوم ہے، مردوں کی طرح اُسے رنگ و نسل
سے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اس کا نظریہ تھا۔ لیکن وہ نظریئے پر بحث کرنے سے ہمیشہ
تھا۔ بہرحال اس نے زوبیا سے اس کے مذہب یا قومیت کے بارے میں کچھ نہیں پوچھ
وہ یہاں تنہا ہی مقیم تھی اور اس نے حمید کو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا تھا کہ ا
زوبیا ہے اور وہ سیزن گزارنے کے لئے یہاں آئی ہے اور نہ اس نے بتایا کہ وہ کہاں
تھی اور نہ یہی بتایا کہ وہ خود مختار تھی یا والدین کی پابند۔ عمر بمشکل بیس سال ہوگی اور حمید
تھا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے۔

اس سے حماقتیں بھی سرزد ہوتی تھیں...... دلچسپ حماقتیں اور اُن میں اتنی بر
تھی کہ حمید انہیں تصنع سمجھنے پر تیار نہیں تھا۔ ویسے عام طور پر اس کی حرکات و سکنات س
ظاہر ہوتا۔ صورت و شکل غیر معمولی نہیں تھی۔ بس وہ جوان تھی...... اور لڑکی...... ایسی
کر گھنٹوں گفتگو کرنے پر بھی حمید اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ یہی سب سے بڑی خوبی تھی

وہ اُسے رقص گاہ میں تلاش کرتا رہا۔ لیکن وہ نظر نہیں آئی۔ آخر تھک ہار کر اپنی میز پر
آ بیٹھا۔ درختوں کی شاخوں سے الجھے ہوئے رنگارنگ برقی قمقمے روشن ہو چکے تھے اور لاؤڈ سپیکر
پر مقامی دستکار اداروں کے اشتہارات نشر کئے جا رہے تھے۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھری اور اُسے سلگانے ہی جا رہا تھا کہ لاؤڈ سپیکر پر نشر کئے
جانے والے ایک اعلان نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

''رقاصوں کی پارٹی'' معلن کہہ رہا تھا۔ ''یہ ساری دنیا میں اپنے طرز کے انوکھے رقاص
۔ حیرت انگیز اور ہوش اڑا دینے والے۔ کل سے آپ ان کے پروگرام پیراڈائیز میں
ھیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسے حیرت انگیز کمالات آپ نے آج تک نہ دیکھے ہوں گے۔
میلات کا انتظار کیجیئے۔''

حمید نے پائپ سلگایا اور فضا میں دھوئیں کے لہریئے بکھیرتا ہوا کرسی کی پشت سے ٹک
یا۔ اس وقت موسم کافی خوشگوار ہو گیا تھا۔ دن کی تپش سے بچنے کے لئے کمروں میں بند ہو کر
ھنے والوں کے نزدیک اس وقت تاروں بھرا آسمان بڑی کشش رکھتا تھا اور وہ خود کو جنت ہی
ں محسوس کر رہے تھے۔

حمید نے کچھ دیر بعد پائپ کی راکھ جھاڑ کر آئس کریم کا آرڈر دیا۔ اسی وقت مائیکروفون
ضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگا۔ معلن کہہ رہا تھا ''مردہ رقاصوں کی ٹیم آپ کو حیرت زدہ
کردے گی۔ اتنا تیز ایکشن آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا...... یاد رکھئے...... مردہ رقاص...... جو
س سے پہلے اپنی جگہوں سے ہل بھی نہیں سکتے۔ رقص کی حالت میں آندھیوں اور طوفانوں
کے منہ پھیر دینے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ایک بار پھر سنئے...... مردہ رقاص......!''

حمید نے بہت بُرا سا منہ بنایا۔ مائیکروفون خاموش ہو چکا تھا اور اب پھر سریلے قہقہوں
کے ساتھ پہاڑی جھینگروں کی ''ریں ریں، ٹیں ٹیں'' شروع ہو گئی تھی۔

اُسے گھٹیا قسم کی اشتہار بازی سے بڑی نفرت تھی اور وہ اسے کم از کم پیراڈائیز کے شایان
شان نہیں سمجھتا تھا۔

کچھ دیر بعد آئس کریم آ گئی اور ٹھیک اسی وقت اس کی نظر زوبیا پر پڑی۔ وہ ان کے قریب ہی سے گذر کر گئی تھی۔ حمید نے سوچا ممکن ہے اس نے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔ وہ بیٹھا آئس کریم کھاتا رہا۔

زوبیا نارنجی ساری میں بہت جچ رہی تھی۔ حمید نے اسے یوں ہی بے مقصد ادھر چکراتے دیکھا۔ شاید اسے کسی کی تلاش بھی نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ اس نے حمید کو یہی بتایا اس کے علاوہ یہاں اور کسی سے اس کی جان پہچان نہیں ہے۔

حمید نے سوچا کہ وہ آئس کریم ختم کرکے ہی اٹھے گا۔ ایک بار اس نے یہ بھی محسوس کہ زوبیا اسے دیکھ چکی ہے۔ پھر کیا وہ اسے نظر انداز کر رہی تھی؟ یہ بھی اس کی دانست ناممکن ہی تھا۔ وہ تو ہمیشہ خود ہی لپک کر اس کی طرف آتی تھی۔

حمید نے آئس کریم ختم کی اور اٹھ گیا۔ زوبیا اب بھی بیٹھی نہیں تھی بلکہ ایک گوشے میں ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی، جو کاغذ کے بڑے غبارے کو اڑانے کیلئے اسمیں آگ لگا رہے تھے

حمید اس کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن زوبیا اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوئی۔

حمید سمجھا شاید یہ بھی کسی قسم کا غمزہ ہو گا۔ لیکن جب وہ بالکل ہی بے تعلقی ظاہر کرتی حمید نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"جی......!" وہ اس طرح چونکی جیسے اُسے وہاں اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"جی......!" اب اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ وہ چند لمحے حمید کو پھٹی پھٹی آنکھوں دیکھتی رہی اور پھر بولی۔ "معاف کیجئے گا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

حمید کو ہنسی آ گئی اور اس نے کہا۔ "بڑی اچھی ایکٹنگ کر لیتی ہیں آپ......!"

"آپ ضرورت سے زیادہ بدتمیز معلوم ہوتے ہیں۔" زوبیا نے آنکھیں نکالتے کہا۔ "ہماری کب کی جان پہچان ہے۔"

اس لہجے پر حمید سچ مچ شرمندہ ہو گیا۔

"معاف کیجئے گا۔ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے کہا اور ایڑیوں پر گھوم گیا۔

غصہ کے مارے اس کا حال بُرا ہو رہا تھا۔ وہ پھر اپنی میز پر آ بیٹھا اور کچھ ایسے انداز میں پائپ بھرنے لگا جیسے ریوالور میں کارتوس چڑھا رہا ہو۔ زوبیا اب بھی وہیں کھڑی تھی لیکن اب کبھی کبھی اس کی نظر حمید کی طرف بھی اٹھ جاتی تھی لیکن اسی طرح جیسے اُسے بھی اس پر غصہ آ گیا ہو۔

اچانک ایک لحیم شحیم آدمی آ کر حمید کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

حمید نے سر اٹھا کر اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"کیا وہ کوئی لاوارث لڑکی ہے۔" آنے والے نے کہا اور اس کی سرگوشی کسی سانپ کی پھنکار سے کم نہیں تھی۔

"کیا مطلب......!" حمید بھی کسی غصیلے بھیڑیئے کی طرح غرایا۔

"اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ میں کئی دن سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ نشے میں ہے۔ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"جاؤ اپنی راہ لو......میرا دماغ نہ خراب کرو۔"

"اگر تم نے اسے چھیڑا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

حمید نے پھر اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ ایک کافی مضبوط آدمی معلوم ہوتا تھا۔ قد حمید کے قد سے بھی کچھ نکلتا ہوا تھا اور کلائیوں کی ہڈیاں بہت چوڑی تھیں۔ پیشانی پر کئی جگہ چوٹ کے نشان تھے۔

"تم کیوں بکواس کر رہے ہو" حمید پائپ پھینک کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ......تم کیچوے میرا مقابلہ کرو گے۔" اُس نے تمسخر آمیز انداز میں کہا ہی تھا کہ حمید کا الٹا ہاتھ اُس کے منہ پر پڑا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

لیکن اس کا جوابی حملہ بڑا شدید تھا یہ اور بات ہے کہ اُسے میز پر ڈھیر ہو جانا پڑا۔ کیونکہ اس کے آگے بڑھتے ہی حمید نے میز میں ٹھوکر مار دی تھی۔ دوسری بار حمید نے اُسے بالوں سے

پکڑ کر سیدھا کیا اور اس کے ہاتھ اٹھنے سے پہلے ہی ٹھوڑی پر ایک مکا جڑ دیا۔ وہ اُسے
موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ حمید نے سوچا کہ اب بات بڑھ جائے گی
کم فریدی کے عتاب سے بچنے کا انتظام تو کر ہی لینا چاہئے۔ لوگوں کے قریب پہنچنے
ایک بار پھر وہ اس سے لپٹ پڑا۔ اور پھر انہیں دوسروں ہی نے الگ کیا۔

''یہ گرہ کٹ ہے۔'' حمید نے دوبارہ اس پر حملہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''جھوٹے...... دغا باز...... خاموش رہو۔''

''اس نے میری جیب سے پرس نکالا ہے۔'' حمید نے للکار کر کہا۔ ''وہ اس کے
موجود ہے۔''

لوگوں نے دراز قد آدمی کے گرد گھیرا ڈال دیا اور دونوں میں تکرار ہوتی رہی۔ پھر
دوسروں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''آپ لوگ اس کی تلاشی کیوں نہیں لیتے۔ میرے پرس میں
تصویر اور تین سو پچھتر روپے تھے۔''

دراز قد آدمی نے جھلا کر جامہ تلاشی کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے
آدمی اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ پھر بھلا یہ کہاں ممکن تھا کہ اس کی جیب سے حمید کا پرس
ہو جاتا۔ فریدی کے عتاب سے بچنے کا صرف یہی ایک طریقہ اس کی سمجھ میں آیا تھا۔

پرس سے سچ مچ تین سو پچھتر ہی نکلے اور اس میں حمید کا ایک فوٹو بھی موجود تھا۔

''پولیس کے حوالے کرو...... پولیس کے حوالے کرو۔ چاروں طرف سے آوازیں آ
''نہیں بس اتنا ہی کافی ہے۔'' حمید بولا۔ ''میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے
عدالتوں میں حاضری دیتا پھروں۔ آپ لوگ براہِ کرم اسے جانے دیجئے۔''

دراز قد آدمی خاموش کھڑا متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا تھا۔ بالکل ایسا معلوم
تھا جیسے وہ پاگل کر دینے والی الجھنوں میں گرفتار ہو گیا ہو۔

حمید اپنا پرس سنبھال کر پیچھے ہٹ آیا۔ دراز قد آدمی کے چہرے پر کئی خراشیں آ

کہنی سے خون رس رہا تھا۔

''ہم تو پولیس کو ضرور اطلاع دیں گے۔'' ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔

''لیکن میں اسے تسلیم نہیں کروں گا کہ پرس میری جیب سے نکالا گیا تھا۔''

''آپ عجیب آدمی ہیں۔''

''ہاں میں عجیب آدمی ہوں۔ براہِ کرم مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔''

اب ان لوگوں نے حمید کو گھیر لیا اور دراز قد آدمی کی طرف ان کی توجہ ہٹ گئی۔ حمید نے سوچا یہ نئی مصیبت آئی۔ لیکن اس کے اوسان خطا نہیں ہوئے وہ ترکی بہ ترکی انہیں جواب دیتا رہا۔ اور پھر جب ان لوگوں کو گرہ کٹ کا دھیان آیا تو اُس کی طرف مڑے۔

مگر...... اب وہ کہاں تھا؟ اس موقع کو مناسب سمجھ کر وہ پہلے ہی کھسک گیا تھا۔ لوگ اس پر اور زیادہ بگڑے اور سارا نزلہ حمید پر گرنے لگا۔

پھر وہ حمید کی تاویلات سے مطمئن ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں لیکن انہیں اسکے پاس سے ہٹ ہی جانا پڑا۔ وہ حمید کو اسکی قانون شکنی پر بُرا بھلا کہتے ہوئے اپنی اپنی میزوں پر چلے گئے۔

زوبیا قریب ہی کھڑی حمید کو گھور رہی تھی لیکن اس سے نظر ملتے ہی حمید نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اس کے سکڑے ہوئے ہونٹ چیخ چیخ کر اعلان کر رہے تھے کہ وہ زوبیا کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔

کچھ دیر بعد وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ مگر حمید فریدی کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ ذرا کچھ ہٹ کر اس کے پیچھے موجود تھا۔ جب حمید کے پاس سے بھیڑ ہٹ گئی تو اس نے آہستہ سے اُسے آواز دی۔ حمید چونک کر مڑا لیکن فریدی وہیں کھڑا رہا۔

حمید اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

''کیا قصہ تھا......؟'' فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

''کچھ نہیں...... نہ جانے کون لفنگا تھا اور اس نے چاہا تھا کہ میری جیب پر ہاتھ صاف کر دے۔''

"ہاں......آں...... میں نے بھی تمہارا پرس اس کی جیب سے برآمد ہوتے دیکھا
فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید کو گھورتا رہا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "تم مجھے کہیں اور کر
میں بھی چین نہیں لینے دیتے۔"

"ارے واہ......!" حمید تنک کر بولا۔ "کیا میں اپنی جیب صاف کرالیتا۔ ایسی شرا
لعنت بھیجتا ہوں۔"

"تمہاری شرافت میں نے بغور دیکھی تھی۔"

"اوہ......!" حمید بغلیں جھانکنے لگا۔

"تم اب حد سے زیادہ لفنگے پن پر اتر آئے ہو۔ میں اسے برداشت نہیں کرک
عورتوں کے لئے غنڈوں کی طرح لڑتے پھرو۔"

"پھر میں کیا کرتا......وہ کم بخت تو جان کو آ گیا تھا۔"

"میں نے تمہیں پہلے ہی آگاہ کردیا تھا۔"

"اوہ......تو یہ وہی آدمی تھا جس کا تذکرہ آپ نے کیا تھا......؟"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے مڑ گیا۔

حمید آہستہ آہستہ اپنا سر سہلاتا رہا اور زوبیا اب اُسے دوسری جگہ سے گھور رہی تھی۔

خونخوار بطخ

حمید رات گئے تک جاگتا رہا اور کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کی زندگی میں زوبیا پہلی
جس نے خود ہی اس سے کنارہ کیا تھا۔ وہ بھی ایسے انداز میں جو حمید کے لئے قطعی
تھا......کل تک یہی لڑکی ہوٹل کی تفریح گاہوں میں خود اُسے تلاش کیا کرتی تھی......مگر
نے اُسے پہچاننے سے انکار کردیا۔

کبھی کبھی اُس کے ذہن میں اس آدمی کی نفرت انگیز تصویر بھی ابھرتی جس سے زوبیا
سلے پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ مگر ان دنوں وہ اس سے کیوں نہیں الجھا تھا جب وہ اور زوبیا گھنٹوں
کی تفریح گاہوں میں نظر آیا کرتے تھے۔ وہ صرف انہیں کینہ توز نظروں سے دیکھنے ہی پر
اکتفا کرتا تھا اور آج جب زوبیا نے اُسے پہچاننے ہی سے انکار کردیا تو وہ اس طرح
رایا۔ کیا وہ دونوں ایک دوسرے سے کسی قسم کا تعلق رکھتے تھے؟

کسی نہ کسی طرح اُسے نیند آ گئی اور رات بھر گرہ کٹ اس کی جیبیں صاف کرتے رہے۔
وہ رات بھر اسی واقعہ کے متعلق خواب دیکھتا رہا۔ پتہ نہیں لاشعور کی کون سی گرہ اس واقعے
متاثر ہوئی تھی۔

دوسری صبح تالاب میں نہاتے وقت وہ آدمی پھر نظر آیا لیکن حمید کو اسے پہچاننے میں بڑی
واری پیش آئی۔ اُس نے اپنی گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھیں صاف کردی تھیں۔ حمید نے سوچا
لن ہے ان لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے اس نے ایسا کیا ہو جنہوں نے پچھلی رات
سے ایک گرہ کٹ کے روپ میں دیکھا تھا۔

حمید بظاہر اُسے نظر انداز کرکے تالاب میں تیرتا رہا۔ لیکن حقیقتاً اس کی طرف سے غافل
ہیں تھا۔ وہ آدمی بھی غسل کررہا تھا کئی بار وہ تیرتا ہوا حمید کے قریب سے بھی گذرا لیکن وہ خود
ی حمید سے بے تعلق سا نظر آرہا تھا۔

کچھ لڑکیاں تالاب میں ڈائیو کررہی تھیں چونکہ حمید کو اب کسی نئی دوست کی تلاش تھی اس
لئے اس نے سوچا کہ اُسے بھی ڈائیونگ میں حصہ لینا چاہئے۔ لڑکیوں کے علاوہ کچھ مرد بھی
ڈائیو کررہے تھے۔

حمید نے دیکھا کہ ڈائیو کرنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو چھلانگ لگا کر فضا میں
قلابازیاں کھاتا ہوا غوطے لگا سکے۔

وہ سیڑھیوں کے قریب آیا کچھ دیر تک گھاس پر بیٹھا رہا۔ پھر اوپر چڑھنے لگا۔ لوگوں کی
نظریں اس طرف اٹھ گئیں کیونکہ ڈائیو کرنے والوں میں ایک نئے آدمی کا اضافہ ہو رہا تھا۔ حمید

نے چھلانگ لگا کر ایک قلابازی کھائی اور تماشائی تالیاں بجانے لگے۔ حمید کسی مچھلی کی طر
کی سطح پر ابھرا اور تالاب کا چکر لگاتا ہوا پھر سیڑھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن اس بار ایک
نے بھی چھلانگ لگا کر فضا میں ایک قلابازی کھائی۔ پھر اُس لڑکی نے باقاعدہ طور پر ا
مقابلہ شروع کردیا لیکن وہ تین قلابازیوں سے آگے نہ بڑھ سکی اور حمید نے پانچ قلابازیا
بعد اعلان کردیا کہ "اتنی اونچائی سے پانچ قلابازیوں سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔"

وہ تالاب سے نکل کر اپنی چھتری کے نیچے آلیٹا۔ کچھ دیر بعد وہ لڑکی اس کی طر
دکھائی دی جس نے اُس سے ڈائیونگ میں مقابلہ کیا تھا۔ حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ بڑے شاندار رہے۔" اُس نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ یہ ایک
لڑکی تھی۔ متناسب الاعضاء اور بہت دلکش۔ اس کے بال سرخی مائل بھورے تھے اور آ
گہری نیلی تھیں۔

"مجھے زیادہ مشق نہیں ہے۔" حمید نے خاکساری ظاہر کی۔

"میرے خدا......!" لڑکی تحیر آمیز تمسخر کے ساتھ بولی۔ "زیادہ مشق کی صورت
آپ اڑتے پھریں گے۔"

حمید نے شرمانے کی ایکٹنگ شروع کردی۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"گھر سے......اررر......میرا مطلب ہے نصیر آباد سے۔"

"مجھے ڈالی پرکنس کہتے ہیں......!" لڑکی مسکرا کر بولی۔

"مم......میں......پرویز ہوں۔" حمید ہکلایا۔

انہوں نے معمول کے مطابق ہوٹل کے رجسٹر میں فرضی نام درج کرائے تھے۔

"کیا کرتے ہیں؟"

"مم......میں......شکاری ہوں۔"

"شکاری......!"

"ہاں......بڑے بالوں والی لومڑیاں اور سمور کا شکار میرا ذریعہ معاش ہے۔"

"اوہ......آپ ہر اعتبار سے دلچسپ آدمی ہیں۔"

حمید نے ایک ویٹر کو روک کر کافی کیلئے کہا جو پلیٹ فارم پر ناشتے کی ٹرالی لئے پھر رہا تھا۔

"آپ کہاں سے آئی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نارجام سے آئی ہوں۔"

"آپ کیا کرتی ہیں؟"

"میں کچھ بھی نہیں کرتی۔ میرے پاپا نیشنل آئرن فیکٹری میں انجینئر ہیں۔"

"میرے پاپا بھی زندہ ہوتے تو مجھے بھی کچھ نہ کرنا پڑتا۔"

"اوہ......یہ بات نہیں ہے۔ میں ابھی زیرِ تعلیم ہوں۔"

ویٹر نے کافی کی ٹرے ان کے سامنے رکھ دی اور حمید پیالیاں بھرنے لگا۔ دفعتاً اس کی
بائیں جانب اٹھ گئی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر زوبیا ایک چھتری کے نیچے بیٹھی انہیں گھور رہی
ا۔ حمید پھر ٹرالی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"بس تھوڑی ہی دیر میں دھوپ تیز ہوجائے گی۔" ڈالی کہہ رہی تھی۔ "اور ہمیں کمروں
ا بند ہونا پڑے گا۔"

"اگر آپ موسم کے متعلق گفتگو نہ کریں تو میں بے حد مشکور ہوں گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟"

"بس یونہی......مجھے الجھن ہوتی ہے۔"

"واقعی موسم کے متعلق کسی قسم کی بھی گفتگو بور معلوم ہوتی ہے۔" ڈالی ہنسنے لگی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر زوبیا کس قسم کی لڑکی ہے۔

ڈالی کافی پیتی رہی اور حمید کی کافی ٹھنڈی بھی ہوگئی۔

"کیا آپ کولڈ کافی کے عادی ہیں۔" ڈالی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"اوہ......!" حمید چونک کر کافی کی پیالی کی طرف دیکھنے لگا پھر ہنس کر بولا۔ "برازیل کی

کافی مجھے ہمیشہ خوابوں کے جزیرے میں پہنچا دیتی ہے۔"

"شکاری بھی خواب دیکھتے ہیں۔" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں......ارے شکاری۔" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "شکاریوں کے تو......!"

غیر ارادی طور پر حمید کی نظر زوبیا کی چھتری کی طرف اٹھ گئی اور وہ جملہ پورا کیونکہ اس کی چھتری کے قریب وہی آدمی موجود تھا جس سے پچھلی رات حمید کا جھگڑا لیکن وہ زوبیا کی طرف متوجہ نہیں تھا اور نہ ہی حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا وہ دونوں ہی اس کے لئے اجنبی ہوں۔ مگر زوبیا کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آرہی تھی۔

"آپ......!" ڈالی نے اُسے مخاطب کیا۔ "بات کرتے کرتے کچھ اور سوچنے لگتے

"ہاں......آں...... مجھے شکار گاہیں یاد آتی ہیں جہاں حد نظر تک برف ہی برف ہے اور ہم اسکائیز پر تیرتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی سفید بھیڑیوں سے مقابلہ ہوتا ہے قطبین کے سفید ریچھوں سے اوہ......وہ کتنا حسین ماحول ہوتا ہے۔"

"قطبین......!" ڈالی نے حیرت سے دہرایا۔ "آپ قطبین میں شکار کھیلتے ہیں۔"

"میں نے شاید جغرافیہ میں پڑھا تھا کہ قطبین کے ریچھ بڑے خطرناک ہوتے ہیں!"

"ارے کچھ بھی نہیں۔" حمید نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "میں نے ایک بار زندہ کھال کھینچ لی تھی۔"

ڈالی ہنسنے لگی اور حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آپ شاید اسے بکواس سمجھتی ہیں۔"

"نہیں......نہیں......!" ڈالی سنجیدگی اختیار کرتی ہوئی بولی۔ "مجھے وہ واقعہ ضرور سنا

"کون سا واقعہ؟"

"وہی کہ آپ نے زندہ ریچھ کی کھال کیسے کھینچی تھی۔"

"ہاں......آں......وہ واقعہ یوں ہے کہ ایک بار میں نے ساتھی شکاریوں بڑے دعوے سے کہہ دیا کہ میں زندہ ریچھ کی کھال کھینچ سکتا ہوں۔ وہ لوگ اسے مذاق

بڑھ گئی۔ ایک لمبی شرط کے بعد میں نے انہیں یہ تماشہ دکھانے کا انتظام شروع کر دیا۔ ایک قسم کے کارتوس بنائے جن میں گولی کی بجائے لمبی لمبی میخیں فٹ تھیں۔ میرا وہ دعویٰ سچ ذاق ہی میں ٹل گیا تھا۔ اُن میں سے کوئی بھی باور کرنے پر تیار نہ تھا کہ میں کسی زندہ ریچھ کی ال کھینچ لوں گا۔ اتفاق سے ایک دن ایک ریچھ مل ہی گیا جو برف کے ایک تودے پر بیٹھا ر بجا رہا تھا۔"

"ستار بجا رہا تھا......ریچھ۔" ڈالی ہنس پڑی۔

"اوہ......ٹھہریئے......شاید میں بھول رہا ہوں۔ ہاں دیکھئے ستار نہیں وہ تودے پر بیٹھا پی رہا تھا۔ میں نے اس کی دم کا نشانہ لے کر فائر کر دیا اور رائفل سے گولی کی بجائے میخ ل کر اُس کی دم چھیدتی ہوئی برف میں اتر گئی۔ ریچھ نے حقہ پھینک کر اچھلنا شروع کر دیا۔ راب وہ کہاں جاسکتا تھا۔ میں کوڑا نکال کر اس پر برسانے لگا۔ وہ خاموشی سے پٹتا رہا لیکن ب پٹتے پٹتے گھبرا گیا تو اسے کھال چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔"

ڈالی ہنسنے لگی اور کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "مگر ریچھوں کی دم کہاں ہوتی ہے۔"

"نہ ہوتی ہوگی۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "لیکن میں ہمیشہ دم دار ریچھوں کا شکار کرتا ول۔ بغیر دم کے ریچھ میرے ساتھی مارتے ہیں۔"

"کتنی بڑی ہوتی ہے ریچھ کی دم" ڈالی نے پوچھا۔

"کافی بڑی ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ خاندانی قسم کے ریچھوں کی دُمیں کافی سے زیادہ بڑی وتی ہیں۔"

حمید خاموش ہو گیا اور ڈالی کافی دیر تک ہنستی رہی۔

"آپ بڑے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر مجھے اس پر بھی شبہ ہے کہ آپ کوئی پیشہ ور شکاری ہیں۔"

"کیا آپ کے اس شبے کی بناء پر مجھے شکار ملنا بند ہو جائے گا۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ارے آپ تو ناراض ہو گئے۔" ڈالی جلدی سے بولی۔ "میں نے تو یونہی مذاقاً کہہ دیا تھا۔"

"خیر ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور کافی کی پیالی ایک طرف ہٹا کر پا تمباکو بھرنے لگا۔

زوبیا اب بھی وہیں تھی، لیکن وہ آدمی جا چکا تھا۔ اب حمید نے اس کے چہرے پر کے آثار دیکھے۔

"کیا آپ اس لڑکی کو جانتے ہیں۔" دفعتاً ڈالی نے پوچھا۔

"کیوں؟" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"وہ آپ کو بار بار اس انداز میں گھورتی ہے جیسے آپ نے اس کے ساتھ کوئی ز ہو۔" ڈالی نے ہنس کر کہا۔

"ہوسکتا ہے۔" [illegible] نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"یہ اپنے وینٹی بیگ میں ایک چھوٹا سا پستول رکھتی ہے۔"

"نہیں......!" حمید کے لہجے میں تحیر تھا۔

"ہاں...... ہاں...... میں نے خود دیکھا تھا۔ تین چار دن پہلے کی بات ہے۔ کے قریب جہاں بھورے رنگ کی بطخ تیرتی رہتی ہے اس کے ہاتھ سے وینٹی بیگ گرا شائد اسے کھول کر کوئی چیز نکال رہی تھی۔ وہ گرا اور اس کی چیزیں گھاس پر بکھر گئیں ایک چھوٹا سا پستول بھی تھا۔"

"ممکن ہے وہ سگریٹ لائٹر رہا ہو۔ آج کل پستول کی ساخت کے سگریٹ لائٹر

"ہوسکتا ہے مگر یہ لڑکی ویسے بھی بے حد پُراسرار معلوم ہوتی ہے۔"

"پُراسرار...... پُراسرار۔" حمید اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں آج تک یہ نہ یہ پُراسرار کیا بلا ہے۔"

"اگر کوئی ریچھ کسی برف کے تودے پر بیٹھا ستار بجاتا یا حقہ پیتا ہوا پایا جائے پُراسرار ریچھ کہیں گے۔" ڈالی نے کہا اور بیساختہ ہنس پڑی۔

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہی ہیں۔"

"اوہ...... آپ پھر بگڑ گئے۔ میں دراصل آپکو بتانا چاہتی تھی کہ پُراسرار کسے کہتے ہیں۔"

"دیکھئے! میں ایک سیدھا سادھا شکاری ہوں۔ مجھے الفاظ کی الٹ پھیر نہیں آتی۔"

"اسی لئے تو وہ ریچھ ستار بجا رہا تھا۔"

"بڑی مصیبت ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کہئے تو کسی آدمی کی کھال کھینچ کر دوں۔ ریچھ تو یہاں نہیں ملے گا۔"

"مگر آدمی کی دم کہاں ہوتی ہے۔"

"کیا آپ نے فلسفہ لے رکھا ہے۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"فلسفے کو دم کی تلاش نہیں رہتی۔" ڈالی سنجیدگی سے بولی۔

"حالانکہ فلسفی عموماً دم دار ہی ہوتے ہیں۔"

"بس تو پھر کسی فلسفی کی کھال کھینچ کر دکھا دیجئے۔"

"نہیں، یہ ناممکن ہے کیونکہ مجھے آپ پر رحم آتا ہے۔" حمید نے کہا اور ڈالی جھینپی ہوئی ساتھ دوسری طرف دیکھنے لگی۔

زوبیا وہاں سے جا چکی تھی۔ حمید ایک بے نام سی الجھن میں مبتلا ہوگیا۔

ڈالی حمید کو چھیڑتی رہی۔ لیکن حمید کچھ خاموش سا ہوگیا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ پہلی ہی ت میں زوبیا خود اُسے بھی پُراسرار معلوم ہوئی تھی۔

اب وہ بھی اٹھنا چاہتا تھا لیکن ڈالی جم سی گئی تھی۔

"مجھے بھی شکار کا بے حد شوق ہے۔" اس نے کہا۔

"ہر شریف عورت کو ہونا چاہئے۔"

"کیوں......؟"

"شریف عورتیں شوہر کو گولی نہیں مار سکتیں لیکن اکثر مار دینے کو دل چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر ہروں کے بجائے ریچھوں پر ہاتھ صاف کیا جائے تو قانون کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"تو کیا آپ بھی......!" وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بمشکل تمام کہہ سکی "شوہر سے مایوس

ہوکر ریچھوں کا شکار کرتے ہیں۔"

"نہیں! اب میں ریچھوں سے مایوس ہوکر بیوی کے باپ کی تلاش میں ہوں۔"

"کیا...... آپ کی بیوی ساتھ نہیں ہیں۔" ڈالی نے پوچھا۔

"آپ بہت موٹی عقل رکھتی ہیں۔ بغیر باپ کے بیوی کہاں سے پیدا کی جا سکتی... آپ کے والد صاحب نیشنل فیکٹری کے منیجر ہیں نا......!"

"آپ گدھے ہیں۔" ڈالی نے چڑ کر کہا۔

"اگر گدھے ہیں تو میں اسے اپنی خوش قسمتی تصور کروں گا۔"

"شٹ اپ......!" اُس نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا اور تالاب میں چھلانگ لگا...

حمید اُسے تیرتا دیکھتا رہا۔ پھر وہ بھی اٹھا...... کپڑے پہنے اور وہاں سے چل پڑا۔... وہ حوض پڑتا تھا جہاں بھورے رنگ کی بطخ ہر وقت تیرتی ہوئی پائی جاتی تھی۔ حمید اس... کہانی کئی بار سن چکا تھا اور اس کی ہنسی بھی اڑا چکا تھا۔ ویسے لڑکیاں اس میں عام طور پر... دلچسپی لیتی تھیں۔ کہانی ہی ایسی تھی کہ وہ بطخ بطخوں کی نسل کی لیلیٰ کہی جا سکتی تھی، ہیر کہ... تھی اور شاید سوہنی بھی۔ کبھی اس حوض میں بطخوں کا جوڑا تیرا کرتا تھا مگر ایک دن بطخ ک... نے ڈس لیا۔ پھر اس دن سے مادہ بطخ حوض سے باہر نکلتے نہیں دیکھی گئی۔ اگر کوئی ا... نکالنے کی کوشش کرتا تو وہ چونچ پھیلا کر کاٹنے کو دوڑتی اور اس کی آنکھوں سے پانی بہنے...

حوض کے قریب حمید کو زوبیا پھر نظر آئی۔ لیکن حمید کو دیکھتے ہی وہ آگے بڑھ گئی۔... بے تحاشہ غصہ آیا لیکن وہ غصہ رفتار پر اترا۔ یعنی وہ تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب سے... آگے نکل گیا۔

اسی دن تین بجے شام کی بات ہے۔ اچانک پیراڈائز میں سنسنی پھیل گئی اور اس... ذمہ دار بطخوں کی "سوہنی" تھی۔ حمید تک یہ واقعہ فریدی ہی کی زبانی پہنچا۔ کیونکہ صبح کے... بعد سے اس کی طبیعت کچھ بھاری سی ہوگئی تھی اور وہ تالاب سے واپسی پر اب تک اپنے... ہی میں رہا تھا۔ ممکن ہے اُسے خبر ہی نہ ہوتی لیکن چونکہ اس واقعہ کا تھوڑا بہت تعلق...

...بر 20
...سے بھی تھا اس لئے فریدی آندھی اور طوفان کی طرح اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"وہ مرگیا۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کون......؟"

"جس سے پہلی رات تمہارا جھگڑا ہوا تھا۔"

"میرا دل دکھانے والے اسی طرح مرجاتے ہیں۔" حمید بیوہ عورتوں کے سے انداز میں بولا۔

"بکواس مت کرو۔ تم نے خواہ مخواہ ایک الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"میں نے کیوں؟ اگر وہ مرگیا ہے تو یہ صرف میری بددعاؤں کا اثر ہوسکتا ہے۔ اور ...عاؤں سے قانون کو کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر آپ پوری بات بھی تو بتائیے۔"

"اسے بھوری بطخ نے زخمی کردیا تھا۔"

"ارے تو کیا وہ بھوری بطخ میری خالہ ہے۔" حمید جھنجلا گیا۔ پھر یک بیک چونک پڑا۔ ...ز پھر......!"

"وہ اپنے کمرے تک پہنچتے پہنچتے گر کر مرگیا۔"

"کیا بطخ نے اُس کی گردن پکڑ لی تھی۔"

"نہیں پنڈلی میں کاٹا تھا۔"

"آپ شاید ابھی سو کر اٹھے ہیں۔"

"اُس نے شاید پچھلی رات والے جھگڑے کی بناء پر اپنی مونچھیں صاف کردی تھیں۔"

"جھگڑا مونچھوں پر نہیں ہوا تھا۔"

"تم نہیں سمجھ سکتے کہ تم سے کون سی حماقت سرزد ہوئی ہے۔" فریدی نے غصیلے لہجے میں ...لہا۔ "وہ بطخ کے کاٹنے سے نہیں مرا۔ کوئی نہیں مرسکتا۔"

"پھر یہ سب کچھ افواہ ہوگی...... جائیے آرام کیجئے۔ آج میری طبیعت خلاف معمول ...ٹھیک نہیں ہے۔"

"اٹھو......!" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے ایک طویل سانس کے ساتھ بستر چھوڑ دیا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔

"کسی کو بھی یقین نہیں ہے کہ اس کی موت بطخ کے کاٹنے سے واقع ہوئی ہوگی۔ پچھلی رات والے جھگڑے کا بھی حوالہ دے رہے ہیں اور انہیں اس پر حیرت ہے کہ والے نے اتنی شاندار مونچھیں کیوں صاف کر دی تھیں۔"

حمید لباس تبدیل کر رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی اُس نے کہا۔ "شاید قبروں میں بھی قتل ہوں گے۔ شاعر نے شائد ہمارے ہی لئے کہا تھا کہ مر کر بھی چین کدھر جائیں گے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بہت غور سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس۔

"میرا خیال ہے کہ اب اس لڑکی سے تمہارے تعلقات قریب قریب ختم ہو چکے ہیں۔"

"ہاں یہ غلط نہیں ہے۔ پچھلی شام جب میں نے اُسے مخاطب کرنے کی کوشش کی نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا۔"

"اوہ......!"

"اور...... یہ حقیقت ہے کہ ہم اجنبیوں کیطرح ایک دوسرے کے قریب سے نکل جاتے ہیں۔"

"اس آدمی سے جھگڑا کس بات پر ہوا تھا......؟"

"اسی کے متعلق...... لیکن میں کبھی اسے زوبیا کے ساتھ نہیں دیکھا، اور نہ یہی معلوم تھا کہ ان دونوں میں دور کی بھی جان پہچان ہو سکتی ہے۔ لیکن اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ زوبیا کے پیچھے نہ پڑوں۔"

"اس لڑکی کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔"

"بس اتنا ہی کہ اس کا نام زوبیا ہے۔"

"کہاں سے آئی ہے؟"

"یہ اس نے نہیں بتایا۔ شاید میں نے یہ سب کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔"

"اچھا...... بیٹھ جاؤ......!" فریدی بھی بیٹھتا ہوا بولا۔

"میں سر کے بل کھڑا نہ ہو جاؤں۔" حمید تقریباً ناچتا ہوا بولا۔ "کھڑے ہو جاؤ...... کپڑے تبدیل کرو۔ بیٹھ جاؤ...... کیا میں کپڑے تبدیل کئے بغیر نہیں بیٹھ سکتا۔"

"میں نے لباس تبدیل کرنے کو نہیں کہا تھا۔" فریدی مسکرایا۔

"کھڑے ہو جاؤ...... کہنے کا انداز تو یہی تھا کہ کفن پہنو اور قبر میں چھلانگ لگا دو۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔ آپریٹر نے اطلاع دی کہ اُسکی کال ہے۔

"کنکٹ کرو۔" حمید نے کہا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں ایک نسوانی آواز آئی۔ "ہیلو مجھے تمہارا شکر گذار ہونا چاہئے کہ تم نے اُس موذی سے مجھے نجات دلا دی...... مگر میرے میں اسے کیسے بھلا سکوں گی کہ ایک آدمی نے میرے لئے دوسرے کی جان لے لی تھی۔"

"کیا......؟" حمید ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

نیلی شیشی

وہ ریسیور رکھ کر فریدی کی طرف مڑا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اس ایک بیک پلٹ کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو آپریٹر، یہ کال کہاں سے آئی تھی؟"

"اوہ...... یہ بتانا دشوار ہے جناب۔"

"کیا ہوٹل کے کسی کمرے سے۔"

"نہیں...... یہ کال یہاں کی نہیں ہو سکتی۔ شہر کی ہو سکتی ہے۔"

"تم سے غلطی تو نہیں ہوئی۔ یہ کال میری نہیں ہو سکتی۔"

"آپ روم نمبر ستاون ہی سے بول رہے ہیں نا۔"

"ہاں بھئی۔"

"تب تو یہ آپ ہی کی کال تھی۔ بولنے والے نے روم نمبر ستاون ہی مانگا تھا۔"

"تب پھر بولنے والی ہی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے جھنجھلا کر ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے اسے کال کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ "یہ آواز زوبیا کی نہیں ہو سکتی، مجھے یقین

"چلو...... میں نے بھی یقین کرلیا۔" فریدی مسکرایا۔ "اور تم نے یہ بھی اچھا کیا سے اس سلسلے میں اتنی بحث کر ڈالی۔ اب وہ اس کال کو کبھی نہ بھلا سکے گا۔ کیا بولنے تمہیں نام لے کر مخاطب کیا تھا؟"

"جی ہاں...... یقیناً۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس نے نام لیا تھا۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اگر تمہارے جھگڑے کی داستان پ پہنچی تو مزہ آجائے گا۔"

"اگر پھانسی پا جاؤں تو قوالی کرادیجئے گا تاکہ پڑوسیوں کو بھی مزہ آجائے۔" حمید

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم میری اجازت کے بغیر ایک منٹ بھی باہر نہیں جاؤ گے۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں اس لڑکی زوبیا کو چیک کروں گا۔ اگر وہ کال اسی کی تھی تو اُسے اس کے طور پر شہر جانا پڑا ہوگا اور شہر سے اتنی جلدی واپسی ناممکن ہے۔"

فریدی چلا گیا اور حمید بور ہوتا رہا۔ ویسے وہ اس حادثے کے متعلق بھی سوچ ر اس بطخ کی چونچ زہریلی ہے۔ لیکن اگر یہ بات ہوتی تو کوئی عورت حمید کو اس کیس م کی کوشش کیوں کرتی۔ بطخ صرف انہی لوگوں پر حملہ کرتی تھی جو اسے پانی سے نکالنے کرتے تھے۔ کیا اس آدمی نے بھی اس قسم کی کوئی حرکت کی تھی۔ اسی سلسلے میں حمید کو آ گیا کہ تالاب سے آتے وقت اسے زوبیا ملی تھی اور اس نے اسے بطخ والے حوض ک کھڑے دیکھا تھا۔ آخر وہ وہاں کیا کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ حمید چونک پڑا۔

"کون ہے؟ آجاؤ۔" حمید نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں ڈالی ازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اسکے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ حمید کرسی سے اٹھ گیا۔

"اوہ...... بیٹھو بیٹھو۔" ڈالی نے کہا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ ایک کرسی پر ڈھیر ہوئی بولی۔ "یہ کیا مصیبت ہے۔ آج ہی تو ہماری دوستی ہوئی تھی۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں بڑی مشکل سے آپ کا روم نمبر معلوم کر کے یہاں تک پہنچی ہوں۔ کیا آپ نے بطخ کا واقعہ سنا۔"

"ہاں مجھے معلوم ہوا ہے اس نے کسی آدمی پر حملہ کیا تھا اور وہ آدمی اتنا چوہا تھا کہ اس حملے کی تاب نہ لا کر چل بسا۔"

ڈالی حمید کو گھورنے لگی اور حمید کو اس کی آنکھوں سے شبہ جھانکتا ہوا نظر آیا۔

"مگر آپ نے ابھی اس نئی دوستی کا حوالہ کیوں دیا تھا۔" حمید نے پھر کہا۔

"وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ پچھلی شام اس کا شکاری پرویز سے جھگڑا ہو گیا تھا۔"

"اس لئے شکاری پرویز نے بطخ کا بھیس بدل کر اُسے ختم کر دیا۔" حمید نے بُرا سا منہ ۔ "کیا لوگوں نے یہ نہیں بتایا کہ جھگڑے کے وقت اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں۔ ا اب لاش سے مونچھیں بھی ندارد ہوگئی ہیں۔"

"ہاں...... ہاں...... وہ اس کے متعلق بھی کہہ رہے ہیں پولیس آگئی ہے۔"

"ڈاکٹر کا خیال ہے کہ اسکی موت کسی بہت ہی سریع الاثر قسم کے زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

"زہر......!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں...... اس کا سارا جسم نیلا پڑ گیا ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "تو آپ یہ سمجھتی ہیں اس میں میرا ہی ہاتھ ہے۔"

"نہیں......میں تو یہ نہیں سمجھتی۔ میں آپ کو اس کی اطلاع دینے آئی تھی۔"

"اچھا تو پھر مجھے اس حادثے سے اتنا بے تعلق سمجھتی ہیں کہ مجھے اسکی خبر ہی نہ ہونی چا

"میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی کہ میں کیوں دوڑی آئی ہوں۔"

حمید اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا اور اس نے پلکیں جھکالیں۔ پھر آہستہ سے

"آج تقریباً دس بجے اس نے مجھ سے گفتگو کی تھی۔"

"کس نے......؟"

"مرنے والے نے۔"

"اوہو......کیا گفتگو ہوئی تھی؟" حمید پر اشتیاق لہجے میں آگے جھک آیا۔

"اس نے یہی پوچھا تھا کہ کیا میں آپ کو بہت دنوں سے جانتی ہوں۔"

"پھر آپ نے کیا جواب دیا......؟"

"یہی کہ ہم آج ہی ملے تھے۔"

"پھر......؟"

"اس نے بہت بُرے لہجے میں کہا تھا کہ آپ ایک خطرناک آدمی ہیں۔"

حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "اور آپ اس کے باوجود بھی دوڑی آئیں۔"

"مجھے اسکی بکواس پر اب بھی یقین نہیں ہے۔ مگر اس سے آپکا جھگڑا کس بات پر ہ

"کیا ان گدھوں نے پولیس کو یہ نہیں بتایا کہ اس نے میری جیب سے پرس نکال

"جی ہاں اس کا بھی تذکرہ تھا۔"

"تو اب مجھے پولیس کا منتظر رہنا چاہیئے۔"

"یقیناً......!"

"تو بس پھر آپ فوراً یہاں سے چلی جایئے۔"

"کیوں......؟"

"ورنہ شاید آپ بھی اس معاملے میں الجھائی جائیں۔"

"آپ کو پولیس سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔" ڈالی نے پوچھا۔

"مجھے صرف اُن لڑکیوں سے خوف معلوم ہوتا ہے جو خود کو بیوقوف ظاہر کرنے کی کوشش ا ہیں۔"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب وہی لڑکیاں بتا سکیں گی۔"

ڈالی اُسے چند لمحے خاموشی سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "ڈاکٹر کا خیال ہے کہ زہر اُسی زخم ارے جسم میں پھیلا ہے۔"

"میں ڈاکٹر نہیں ہوں کہ اس کے خیال کی تائید یا تردید کرسکوں گا۔"

"اگر آپ شبہے کے تحت گرفتار کر لئے گئے تو......؟"

"کافی فائدہ ہوگا......وہ رقم بچے گی جو اس مہنگے ہوٹل میں صرف ہونے والی ہے۔ اس میں مفت سیزن گذار سکوں گا۔ ظاہر ہے کہ وہ مجھے رام گڈھ ہی کے جیل میں رکھیں گے۔"

"آہا......!" ڈالی مسکرائی۔ "تب تو میں یہاں ضرور ٹھہروں گی۔ میں دیکھوں گی کہ آپ ان سے کس طرح نپٹتے ہیں۔"

"میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

اس نے لاکھ کوشش کی کہ وہ چلی جائے لیکن ڈالی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حمید کو دراصل فریدی یال تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایسے میں فریدی آ گیا تو وہ اور زیادہ مشتعل ہو جائے گا۔

"آپ پولیس کو کیا بیان دیں گے؟" ڈالی پھر بول پڑی۔

"بیان......جو کچھ آپ بتائیں گی۔"

"اوہو......شاید آپ سچ مچ نہیں چاہتے کہ میں یہاں ٹھہروں۔"

"اس میں آپ کی بھلائی مضمر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ بھی پولیس کی لسٹ پر آ جائیں۔"

ڈالی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اٹھتی ہوئی بولی۔ "اچھی بات ہے۔ لیکن اگر آپ حراست مالے لئے گئے تو مجھے بے حد افسوس ہوگا۔"

"میں اس ہمدردی کے لئے مشکور ہوں۔" حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ وہ نہ
تھا کہ اس کی موجودگی میں فریدی کی واپسی ہو۔

ڈالی چلی گئی۔ حمید اب اس کے متعلق بھی الجھن میں پڑ گیا تھا۔ وہ تو ایک لڑکی
مواقع پر مرد بھی اُس سے کسی قسم کا تعلق ظاہر کرنے سے کتراتے۔ لیکن وہ اسے بتا
کہ پولیس اس پر شبہ کرسکتی ہے، حالانکہ ان کی جان پہچان کی عمر آدھے گھنٹے سے ز
تھی۔ پھر بھی اس نے گویا سالہا سال کے تعلقات کا ساحق ادا کردیا تھا۔

ڈالی کے جانے کے پندرہ منٹ بعد ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ حمید نے اٹھ
کھولا۔ سامنے ایک باوردی کانسٹیبل موجود تھا۔

"پرویز صاحب۔" اس نے پوچھا۔

حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ لیکن اس نے اپنے چہر
کے آثار پہلے ہی پیدا کر لئے تھے۔

"کیا آپ منیجر کے کمرے تک تکلیف کرسکیں گے؟"

"کیوں......؟" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ڈی ایس پی سٹی آپ سی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

حمید کو علم تھا کہ آج کل ڈی ایس پی سٹی ماتھر نہیں ہے۔ اُس کا یہاں سے
تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً اُسے فریدی نظر آیا جو اسی طرف آر
اُس نے آتے ہی کہا۔ "یہ خبر سچ ہی تھی کہ وہ آدمی مر گیا جس سے پچھلی رات تمہار
ہوا تھا۔"

"کیا بلغ ہی کے کاٹنے سے مرا ہے؟"

"ہاں...... پولیس شاید اس سلسلے میں تمہارا بیان چاہتی ہے۔"

"میرا بیان کیوں؟"

"پتہ نہیں...... میں بھی بیان ہی دے کر آرہا ہوں۔"

"آخر ہم سے کیا غرض۔"

"پتہ نہیں......اب جاؤ۔"

حمید کانسٹیبل کے ساتھ چلنے لگا۔

"آخر آپ لوگ میرا بیان کیوں چاہتے ہیں۔" حمید نے کانسٹیبل سے پوچھا۔

"پتہ نہیں جناب! ڈی ایس پی صاحب جانیں۔"

حمید منیجر کے کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں تین پولیس آفیسر موجود تھے۔ ایک ڈی ایس پی
دو سب انسپکٹر۔

ڈی ایس پی نے حمید کو نیچے سے اوپر تک گھور کر کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"تشریف رکھئے۔"

حمید کافی شریفانہ انداز میں اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

"آپ فیروز کو کب سے جانتے ہیں؟" ڈی ایس پی نے پوچھا۔

"کون فیروز......!" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"وہی جس سے پچھلی رات آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔"

"اوہ......وہ......گرہ کٹ۔"

"آپ اُسے کب سے جانتے ہیں۔"

"اگر میں پہلے سے جانتا ہوتا تو میرے قریب ہی کیوں آتا۔"

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ اُس نے آپ کی جیب سے پرس نکالا تھا۔"

"جن لوگوں نے آپ کو اس کی اطلاع دی ہے کیا انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔"

"آپ کسی ایسے آدمی کا نام لیجئے جو اس وقت وہاں موجود تھا۔"

"میں کسی کو بھی نہیں پہچانتا اور پھر اس وقت مجھے اتنا ہوش کہاں تھا کہ میں حاضرین کی
فہرست مرتب کرتا۔"

"تو آپ نشے میں تھے۔"

"نہیں......میں غصے میں تھا۔"

"اور آپ کا غصہ آج تک برقرار رہا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ پوچھنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کیا آپ کو علم ہے کہ وہ مرگیا؟"

"ہاں کچھ دیر پہلے میں نے سنا تھا۔"

"آپ کہاں تھے؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"کس وقت سے کس وقت تک آپ اپنے کمرے میں رہے۔"

"نو بجے سے اس وقت تک۔"

"درمیان میں آپ باہر نہیں نکلے۔"

"نہیں۔"

"ہم آپ کے سامان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" حمید نے جواب دیا۔ "کیا آپکے پاس تلاشی کا وارنٹ ہ

"اوہ......!" ڈی ایس پی مسکرایا۔ "آپ سمجھتے نہیں۔ یہ ایک ضمنی سی کارروائی ہے۔"

"کیسی بھی ہو۔ وارنٹ کے بغیر آپ میرے سامان میں ہاتھ بھی نہ لگا سکیں گے۔ قانون میں بھی جانتا ہوں۔"

"پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ قانون دانوں کے ساتھ ہم ذرہ برابر بھی رعا نہیں کرتے۔" ڈی ایس پی کی مسکراہٹ بدستور برقرار رہی۔

"نہیں...... مجھے اس کا علم نہیں تھا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اب ہو جائے گا۔" ڈی ایس پی نے خشک لہجے میں کہا۔ "ہم وارنٹ حاصل کئے محض شبہے کے تحت آپکو حراست میں لے سکتے ہیں۔ کیونکہ اسکی موت زہر کی وجہ سے واقع ہوئی ہ

"آہا......تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے بلیچ کا بھیس بدل کر اس پر حملہ کیا ہوگا۔"

"مسٹر......!" ڈی ایس پی غرایا۔ "ہوش میں آیئے۔ آپ اپنا بیان دے رہے ہیں اور آپ کے خلاف عدالت میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

"میں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جسے میں عدالت میں دہرا نہ سکوں۔"

ڈی ایس پی نے ایک سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔ "انہیں کوتوالی لے جاؤ اور حراست لو۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی تلاشی کے وارنٹ کے بغیر میرے سامان میں ہاتھ نہیں لگا سکیں ر تلاشی کے وقت میری موجودگی ضروری ہوگی اور اس سے قبل میں تلاشی لینے والوں کی لاشی لوں گا۔"

ٹھیک اسی وقت فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

"میں آپ کے ساتھی کو حراست میں لے رہا ہوں۔" ڈی ایس پی نے فریدی سے کہا۔

"جو آپ مناسب سمجھیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ مجھے قانون پڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"حالانکہ یہ قانون کی ابجد سے بھی نابلد ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"تشریف رکھئے۔" ڈی ایس پی نے اس سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "میں ان کے سامان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"تمہیں کیا اعتراض ہے؟" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"تلاشی کا وارنٹ۔"

"بکواس ہے۔" فریدی نے کہا۔ پھر ڈی ایس پی سے بولا۔ "نہیں جناب آپ لیجئے۔ پ کوئی کام خلاف قانون کیوں کرنے لگے۔"

حمید کچھ دیر تک اس کے خلاف احتجاج کرتا رہا۔ پھر اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

تھوڑی دیر بعد تلاشیاں شروع ہو گئیں۔ فریدی کا سامان بھی الٹ پلٹ کر ڈالا گیا لیکن ایس پی کے بیان کے مطابق کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہو سکی۔ ویسے اس نے ان

دونوں پر پابندی ضرور عائد کردی تھی کہ وہ اسکی اجازت کے بغیر رام گڈھ نہیں چھوڑ سکیں گ
اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ آئندہ حالات پوسٹ مارٹم کی رپورٹ پر منحصر ہیں۔ اس
بعد ہی وہ فیصلہ کر سکے گا کہ وہ دونوں کس پوزیشن میں ہیں۔

تقریباً آٹھ بجے رات کو پولیس والے پیراڈائیز سے رخصت ہوئے۔

فریدی حمید کے کمرے میں موجود تھا اور اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے وہ کوئی عج
پھر اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور اُسے حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''
شیشی تمہاری ہے؟''

حمید اُسے ہاتھ میں لیکر دیکھتا رہا۔ اس میں کسی قسم کا کوئی سیال تھا۔ شیشی نیلے رنگ کی

''نہیں......!'' اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''لیکن یہ مجھے اسی کمرے میں ملی تھی۔ اسی کرسی کے نیچے۔'' فریدی نے ایک کر
طرف اشارہ کیا۔

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا اور فریدی پھر بولا۔ ''لیکن تلاشی کے قبل ہی یہ میرے قبضے
آچکی تھی۔''

حمید نے پھر اسُ کرسی کی طرف دیکھا۔ ڈالی اسی کرسی پر کافی دیر تک بیٹھی رہی تھی۔

''آخر یہ ہے کیا بلا......؟''

''یہ سوچو کہ جب یہ تمہاری نہیں ہے تو اس کمرے میں کیسے آئی۔''

''آپ کے جانے کے بعد یہاں ایک لڑکی آئی تھی۔'' حمید ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا

''کون لڑکی......؟'' فریدی غرایا۔

''ایک یوریشین......ڈالی......اس کا باپ تارجام کی نیشنل آئرن فیکٹری کا منیجر ہے

''نیشنل آئرن فیکٹری۔'' فریدی بڑبڑایا۔ پھر غصیلی آواز میں بولا۔ ''کہیں تم گ
نہیں کھا گئے۔''

''گھاس نصیب ہوجاتی تو میں خدا کا شکر بجالاتا۔ شام کی چائے تو ان گدھوں کی نذر ہ

''تارجام میں کوئی نیشنل آئرن فیکٹری نہیں ہے۔'' فریدی بولا۔

''کیا؟'' حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''حمید کہیں مجھے سچ مچ تم پر پابندیاں نہ لگانی پڑیں۔''

''آپ خفا کیوں ہوتے ہیں۔ دیکھئے نا میری بدولت آپ کے لئے تفریح مہیا ہوگئی۔ کیا
ب شاندار کیس نہیں ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''اب دیکھنا یہ ہے کہ اس شیشی میں کیا ہے۔''

''ٹھہریئے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ ابھی تک نہ معلوم ہوسکا کہ بطخ نے حملہ کیسے کیا تھا۔''

''کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اُسے حوض سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''تب پھر کسی نے اس کا مشورہ دیا ہوگا۔''

''ضروری نہیں ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بطخ کی چونچ پہلے ہی زہر آلود کردی گئی ہوگی۔''

''پھر اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔''

''کیا بطخ اس صورت میں زندہ رہ سکتی ہے؟'' فریدی بولا۔

''پھر آخر...... یہ کیسے ہوا۔''

''کسی نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اگر اُس پر بطخ حملہ نہ کرتی تب بھی وہ آج ختم ہی کردیا
تا اور چونکہ پچھلی رات تم سے جھگڑا ہوچکا تھا اس لئے تم ہی اس کیس میں الجھائے جاتے لیکن
س کی پشت پر جو کوئی بھی ہے کافی ہوشیار معلوم ہوتا ہے۔ پہلے تمہارے لئے فون پر کال آئی
ر اس کے بعد یہ شیشی۔ کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ اس کمرے کی تلاشی کے بعد ہی ٹیلی فون
پریٹر نے پولیس کو اپنی رپورٹ دے دی تھی اور یہ رپورٹ اسی کال کے متعلق تھی۔''

''میرے خدا'' حمید اپنا سر سہلانے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''تو میں پھنس جاؤں گا۔''

''اب تم یوریشین لڑکی سے کترانے کی کوشش نہ کرنا۔''

''اب تو میں اسے دل کی ملکہ بناؤں گا......مگر وہ لڑکی......!''

"کیا اب اور کوئی بھی ہے۔" فریدی جھلا گیا۔

"وہ لڑکی جس کے لئے جھگڑا ہوا تھا۔"

"وہ تو اس پوزیشن سے بھی زیادہ پراسرار معلوم ہوتی ہے۔ تمہارے لئے کال آ
بعد میں اسی کو چیک کرنے گیا تھا لیکن وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔"

اچانک کسی نے دروازے کو دھکا دیا اور وہ دونوں چونک پڑے۔ دروازہ اندر
تھا۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

ڈالی سامنے کھڑی تھی۔ حمید پیچھے ہٹ آیا۔ وہ فریدی کو دیکھ کر ٹھٹکی مگر پھر اندر آ گئی

"اچھا بھئی! میں تو اب چلا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ......کیا میں مخل ہوئی ہوں۔" ڈالی نے حمید سے پوچھا۔

"قطعی نہیں......!" فریدی مسکرایا۔ "آپ تشریف رکھئے۔"

"یہ میرے ساتھی مسٹر سلیم ہیں۔" حمید نے دونوں کا تعارف کرایا۔ "اور آپ م
پرکنس ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی قدرے جھک کر بولا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

وہ تفریح گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ اس ٹریجڈی کے باوجود بھی پیراڈائیز کی رونق
فرق نہیں آیا تھا۔ تفریح گاہ حسب معمول قہقہوں سے گونج رہی تھی اور لاؤڈ اسپیکر پر اشتہ
نشر ہو رہے تھے۔

فریدی اس میز پر جا بیٹھا جو حمید کے لئے مخصوص تھی۔ وہ دراصل زوبیا کی تلاش مے
دفعتاً اسے آٹھ بیماروں کی کرسیاں نظر آئیں جنہیں آٹھ آدمی دھکیلتے ہوئے رقص
لائے تھے۔ ان پر تین عورتیں اور پانچ مرد نڈھال پڑے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا
وہ سالہا سال سے بیمار ہوں۔

ٹھیک اسی وقت لاؤڈ سپیکر کے ہارن سے آواز آئی۔ "یہ دیکھئے یہ آٹھ نیم مردہ
ہیں۔ یہاں قیام کرنے والوں میں کچھ ڈاکٹر بھی ہوں گے۔ اگر وہ چاہیں تو اُن کا طبی

ر کے خود کو مطمئن کر سکتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس حالت کو پہنچے ہوئے لوگ چار قدم بھی
یں چل سکتے لیکن یہ لوگ ایک ایک گلاس پٹرول پی کر آندھیوں کے منہ بھی موڑ دیں گے۔ کیا
کٹر صاحبان براہِ کرم تھوڑی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔

لوگ چاروں طرف سے اٹھنے لگے تھے۔ فریدی بھی اٹھا اور ان آٹھوں انولیلڈ چیئرز
ے گرد سینکڑوں آدمی نظر آ رہے تھے۔ لاؤڈ سپیکر سے پھر آواز آئی۔ "براہِ کرم اب اپنی میز پر
ریف لے جایئے۔ انہیں تازہ ہوا کی ضرورت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی چل
ے۔ صرف وہ ڈاکٹر صاحبان ٹھہریں جو ان کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں۔"

بھیڑ ہٹنے میں بھی تقریباً پندرہ منٹ صرف ہو گئے۔ فریدی نے انہیں دیکھا۔ وہ سچ مچ
ت زیادہ لاغر نظر آ رہے تھے۔ عورتیں کم عمر بھی تھیں اور حسین بھی لیکن ضعف نے ان کی ساری
ئی چھین لی تھی اور وہ مردوں سے بھی بدتر نظر آ رہی تھیں۔

اب ان کی کرسیوں کے پاس چھ آدمی نظر آ رہے تھے اور یہ لازمی طور پر ڈاکٹر تھے۔ وہ
ں دیکھتے رہے اور پھر جیسے ہی وہ اپنی میزوں کی طرف مڑے تو لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔
کیا آپ حضرات مائیک پر تشریف لانے کی زحمت گوارا کریں گے تاکہ دوسرے لوگ بھی
ائنے کے نتائج سے آگاہ ہو سکیں۔"

وہ لوگ جہاں تھے وہیں رک کر کچھ مشورہ کرنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک آدمی اس
رف چلا گیا جہاں مائیک تھا اور بقیہ لوگ اپنی میزوں کی طرف چلے آئے۔

تھوڑی دیر بعد لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔ "ہم چھ ڈاکٹروں نے ان لوگوں کو بغور دیکھا
ہے۔ یہ مختلف قسم کی بیماریوں سے نجات پائے ہوئے لوگ ہیں لیکن ابھی اتنے کمزور ہیں کہ
اید اپنے پیروں سے چل بھی نہ سکیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ آخر وہ رقص کس طرح کریں گے۔
ہر حال ان کے اعصاب کی جو حالت ہے اس کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ رقص کرنے کی کوشش
ا انہیں موت کے منہ میں لے جا سکتی ہے۔ ان کا ہارٹ فیل ہو سکتا ہے۔ ہم انہیں اس حالت
ں رقص کرنے کی اجازت کبھی نہ دیں گے۔"

ڈاکٹر کے بعد پھر معلن کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا "ڈاکٹرز کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ ا رقص کرنے کے قابل نہیں ہیں اور یہ فیصلہ ان ڈاکٹروں کا ہے جو ملک کے بہترین دماغ کئے جا چکے ہیں۔ اب آپ دیکھئے گا کہ وہ کس طرح رقص کرتے ہیں۔"

معلن کے آخری الفاظ رقص گاہ کے سکوت میں گم ہو گئے۔

دفعتاً ایک طرف سے ایک ٹرالی نمودار ہوئی جس پر ارغوانی رنگ کے کسی مشروب کے گلاس رکھے ہوئے تھے اور ایک بار پھر لاؤڈ سپیکر گرجنے لگا۔

"یہ دیکھئے...... ان بے جان مشینوں کا پٹرول آ گیا۔"

ٹرالی انویلڈ چیئرز کے پاس پہنچ چکی تھی۔ نیم مردہ رقاصوں کے ہونٹوں سے گلا دیئے گئے۔ شاید وہ اپنے ہاتھوں سے گلاس پکڑنے کی بھی سکت نہیں رکھتے تھے۔

انہوں نے چشم زدن میں گلاس خالی کر دیئے۔ فریدی بہت توجہ اور دلچسپی سے اا طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر آرکسٹرا موسیقی بکھیرنے لگا اور رقص گاہ میں چاروں طرف سے فوکس لائٹ لگی۔ پندرہ منٹ گذر گئے پھر جیسے موسیقی کلائمکس پر پہنچی ایک عورت انویلڈ چیئر سے چھلا کر فرش پر آ گئی اور گھنگھروؤں کی جھنکار دور تک پھیلتی چلی گئی۔

پھر گھنگھروؤں کی جھنکاروں کا طوفان آ گیا کیونکہ وہ سب پہیئے دار کرسیوں سے کو تھے اور حیرت انگیز رقص شروع ہو چکا تھا۔ جس کیلئے پچھلی رات سے اعلان ہوتے آ رہے

فریدی نے ان ڈاکٹروں کو رقاصوں کی طرف جاتے دیکھا جو کچھ دیر پہلے ان معائنہ کر چکے تھے۔ وہ بھی اٹھا۔ وہ ان رقاصوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔

"کیا آپ بھی ڈاکٹر ہیں۔" ایک آدمی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"ہاں...... پہلے میں اسے مذاق سمجھا تھا۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

رقاص سچ مچ طوفانی رقص کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ فریدی نے انہیں قریب سے اب ان کے چہروں پر اضمحلال کی بجائے صحت مند سرخی تھی اور آنکھیں حیرت انگیز طور

ی تھیں۔ وہ ناچتے رہے۔ رقص لحہ بہ لحہ تیز ہوتا رہا۔ دوسری طرف سازندوں کا بُرا حال تھا۔ ن کے چہرے پسینے سے بھیگ گئے تھے اور وہ بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ خصوصاً ان کی حالت ت ابتر تھی جو منہ سے پھونکے جانے والے ساز بجا رہے تھے۔ پیانسٹ کو اپنی انگلیاں ٹوٹی ی معلوم ہو رہی تھیں۔ وائیلنسٹ کے بازو شل ہو گئے تھے۔ رقاص ان کا ساتھ نہیں دے ہے تھے بلکہ انہیں رقاصوں کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ بیس منٹ گذرنے کے بعد ایک سازندہ اپنی ری پھینک کر کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ پیانسٹ نے ہاتھ روک لئے لیکن رقاصوں کے پیر نہ کے۔ اب وہ ایک رفتار پر جم گئے تھے۔ مگر یہ رفتار بھی شاید عام رقاصوں کے بس کی نہیں تھی۔

آدھے گھنٹے تک رقص ہوتا رہا اور پھر اچانک رقاصوں کے پیر رک گئے۔ آرکسٹرا بھی ہوش ہو گیا۔ وہ ایک قطار میں کھڑے تھے اور ڈاکٹر ایک بار پھر ان کا معائنہ کر رہے تھے۔ ریدی بھی ان میں شامل تھا۔ پتہ نہیں اُس بار اُس نے کیا رائے قائم کی تھی لیکن ڈاکٹروں کی ائے سے اسے بھی متفق ہونا پڑا کیونکہ ایک ڈاکٹر ہی کی حیثیت سے وہ ان رقاصوں کے قریب نچ چکا تھا۔ ورنہ شاید صدیاں گذر جاتیں لیکن وہ ان کے قریب نہ جا سکتا۔ کیونکہ ہوٹل کا عملہ ام آدمیوں کو ان کے قریب جانے سے روک رہا تھا۔ کچھ دیر بعد لاؤڈ سپیکر پھر چیخنے لگا۔ "اب نئے! ڈاکٹر کاظمی کیا فرماتے ہیں۔ ان حضرات نے رقص سے قبل بھی رقاصوں کا طبی معائنہ کیا ھا۔ اس وقت انکی رائے تھی کہ یہ لوگ اپنی جگہوں سے ہلنے کے قابل بھی نہیں ہیں لیکن اب سنئے ڈاکٹر صاحبان کیا فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر کاظمی جو کچھ بھی فرمائیں گے وہ بقیہ ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ ہو گا۔"

لاؤڈ سپیکر خاموش ہو گیا۔ رقاص رقص گاہ سے جا چکے تھے لیکن اُن کی انویلڈ چیئرز وہیں خالی پڑی تھیں۔ کیونکہ وہ اپنے پیروں سے چل کر گئے تھے۔

لاؤڈ سپیکر سے پھر آواز آئی۔ "حضرات میں ڈاکٹر کاظمی آپ سے مخاطب ہوں۔ میں عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ بیسویں صدی میں بھی معجزات کا ظہور ہو سکتا ہے۔ اب اگر کوئی دنیا کا بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی ان رقاصوں میں ایک فیصد بھی نقاہت بھی ثابت کر دے تو میں زندگی بھر کی لئے خط غلامی رکھ دوں گا۔ یقیناً یہ اُسی مشروب کا اثر معلوم ہوتا ہے جو رقص

سے پہلے ان لوگوں نے پیا تھا۔

کچھ دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ پھر معلن کی آواز آئی۔ ''آپ نے غور فرمایا۔ آ
مردہ جسموں میں زندگی کی لہر کیسے دوڑ سکی۔ کیا یہ واقعی کوئی معجزہ تھا۔ مگر نہیں یہ معجزات کا
نہیں ہے بلکہ سائنسی دور ہے۔ جب بے جان مشینیں حرکت کر سکتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ مشینوں
کو بنانے والا نقاہت کا شکار ہو کر چارپائی سے لگ جائے۔ اگر مشینوں کو پٹرول حرکت
لاسکتا ہے تو آدمی ایسی چیزیں بھی دریافت کر سکتا ہے جو مردہ جسموں کو حرکت میں لائیں
مشروب جسے یہ رقاص اپنا پٹرول کہتے ہیں دراصل اسی قسم کی ایک دریافت ہے اور اس در
کا سہرا ڈاکٹر اسفند یار کے سر ہے کون ایسا ہے جو اس پراسرار ڈاکٹر کے نام سے واقف ہو
عظیم انسان نے عوام کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر بھی انسانیت کی کتنی خدمت کی ہے
اندازہ ہر ایک کو ہے، نہ جانے کتنی لاعلاج بیماریوں کا علاج اس عظیم آدمی نے اب تک در
کیا ہے۔ کیا ہم میں سے کوئی بھی اس سے انکار کر سکتا ہے۔ یہ مشروب اب تجرباتی دور سے
چکا ہے۔ عنقریب اسے آپ انرجین کے نام سے ہر دوا فروش سے خرید سکیں گے۔''

''لاحول والا قوۃ۔'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''تو یہ اشتہار تھا۔''

اکثر جگہوں سے قہقہے بلند ہوئے اور ایک طرف سے آواز آئی۔ ''اعلان کرنے وا
ٹانگ پکڑ کر یہاں کھینچ لاؤ۔''

اس طرح کے بہتیرے جملے سنے جاتے رہے اور پھر کچھ دیر بعد رمبا کے لئے
شروع ہوگئی۔ اس سے پہلے حمید کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا لیکن اب وہ اسی لڑکی کے
اپنی میز کی طرف آتا دکھائی دیا جسے فریدی اس کے کمرے میں چھوڑ کر آیا تھا۔

فریدی بیٹھا رہا اور وہ دونوں بھی اُسی میز پر آ گئے۔

''کل میں اس رقص کے اعلان کو اپریل فول سمجھا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''میں اب بھی اسے اپریل فول ہی سمجھتا ہوں۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''اف فوہ۔'' ڈالی ہنس پڑی۔ ''اشتہار بازی کا بالکل نیا اور نفسیاتی طریقہ اس انز

کون بھلا سکے گا۔ لوگ اس کے مارکٹ میں آتے آتے صبر کا دامن چھوڑ بیٹھیں گے۔''

''اس میں تو شک نہیں۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ لیکن وہ ڈالی کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

رقص شروع ہونے والا تھا لوگ اٹھ اٹھ کر پختہ فرش کی طرف جا رہے تھے۔

حمید اور ڈالی بھی اٹھے۔ فریدی وہیں بیٹھا رہا۔ اُسے اب بھی زوبیا کی تلاش تھی مگر وہ
ہیں نظر نہ آئی۔

دفعتاً اس کی نظر اس آدمی پر پڑی جو ڈاکٹر کاظمی کے نام سے مائیکروفون پر رقاصوں کے
خلق اپنی رائے ظاہر کرتا رہا تھا۔ فریدی یہ دیکھ کر اٹھا کہ ڈاکٹر کاظمی اپنی میز پر تنہا ہے۔

''اوہ...... تشریف رکھئے۔'' ڈاکٹر کاظمی نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''آپ بھی تو
اید ہم لوگوں میں سے تھے۔''

''جی ہاں...... مجھے بھی یہ شرف حاصل ہوا تھا۔'' فریدی مسکرایا۔

''مجھے اپنی حماقت پر غصہ آ رہا ہے۔'' ڈاکٹر کاظمی نے کہا۔

''کیسی حماقت......؟''

''ارے یہی! مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ کسی قسم کا اشتہار ہوگا۔''

''لیکن ہماری رپورٹ غلط تو نہیں تھی۔''

''قطعی نہیں...... وہ لوگ حیرت انگیز طور پر کمزور تھے۔ حیرت انگیز اس لئے کہہ رہا ہوں
کہ نقاہت کی اس اسٹیج پر کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔''

''کیا وہ ڈاکٹر کبھی منظر عام پر نہیں آیا۔''

''نہیں...... اور نہ ہی معلوم کیا جا سکا ہے کہ وہ رہتا کہاں ہے۔ مگر یہ بھی ایک نئی چیز
ہے۔ کم از کم اسفند یار سے اس کی توقع نہیں رکھتا تھا کہ وہ اپنی کسی ایجاد کو شہرت دینے کے لئے
کوئی ایسا گھٹیا طریقہ اختیار کرے گا۔''

''اسے آپ گھٹیا تو نہیں کہہ سکتے۔'' فریدی بولا۔ ''بڑی ذہانت سے یہ سب کچھ کیا گیا
تھا۔ میرا خیال ہے اگر صرف مائیکروفون پر کسی دوا کے خواص گنوائے جاتے تو شاید کوئی اس پر

دھیان دینے کی بھی زحمت گوارا نہ کرتا..... مگر اب..... کیا یہاں بیٹھا ہوا کوئی آدمی کبھی کو فراموش کر سکے گا۔

''ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر کاظمی سر ہلا کر بولا۔

''مگر ڈاکٹر..... یہ تو سوچئے کہ لوگ کتنے عرصہ سے اس کی پبلسٹی کرتے رہے گے۔ لیکن ان کی نقاہت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اب بھی اس مشروب کے رہین منت ہ

''ہاں یہ چیز غور طلب ہے۔'' ڈاکٹر کاظمی نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

موسیقی کی لہریں فضا میں منتشر ہوتی رہیں۔ رمبا کا دور چلتا رہا۔ قطعی یہ نہیں معلوم کہ آج یہاں کوئی آدمی کسی حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ سب یا تو پاگل تھے یا چوپائے۔ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ہرنوں کے کسی جھنڈ پر کسی شکاری نے فائر کیا ہو۔ ایک گرا او بھاگ نکلے۔ پھر جہاں ان کے پیر تھمے وہیں دوبارہ چرنا چگنا شروع کر دیا۔ اپنے نقصا بے نیاز..... بے پرواہ۔

ساز چیخ رہے تھے۔ پیر متحرک تھے بھدے اور بے ڈول پیر۔ سُبک اور سڈول پنڈا لیکن وہ شاید جسم ہی جسم تھے۔ مشینوں کی طرح متحرک جسم لیکن..... دفعتاً ایسا معلوم ہوا ساز نے ''لیکن'' کہا ہو اور پھر دوسرے سازوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ ''بیسوی صدی ناچو..... ناچتے رہو..... ایک آدمی کی موت پر مغموم ہو کر کیا کرو گے۔ ہو سکتا ہے کل تم بھی جانوروں کی طرح مر جاؤ۔ ہائیڈروجن بموں کے تجربات سے پھیلنے والی وبائیں تمہیں کر جائیں۔ تم سب ایک ایسی کشتی میں سوار ہو جو ڈوبنے والی ہے۔ پھر کسی دوسرے کے سوچ کر کیا کرو گے۔ اپنی اپنی فکر کرو۔ تم مستقبل سے مایوس ہو، اس لئے تمہاری نظروں چیز کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔ تم سب اس بہت بڑے دھماکے کے منتظر ہو جس سے کر کہیں نہ جا سکو گے..... ناچو..... ناچتے رہو..... کل زمین کے چیتھڑے اڑ جائیں گے پانی کے چشموں سے زہر اُبلے گا..... ناچو..... مستقبل سے بے پرواہ ہو کر ناچو کیونکہ مستقبل ایک دھماکہ ہے۔ جس کی پشت پر دنیا کی بہترین عقلیں ہوں گی مگر وہ خود عقل سے بے نیاز

ب سائنسی دور کی جہالت کا شکار ہونے والے ہو۔ ناچو..... ناچتے رہو..... ناچو..... ناچو.....!''

ساز چیختے چیختے تھک گئے۔ ایک پل کے لئے چاروں طرف گہرا سناٹا چھا گیا اور اس کے بعد پھر وہی قہقہے اور قلقاریاں..... ناچنے والے اپنی میزوں کی طرف واپس جا رہے تھے۔

''اچھا ڈاکٹر.....!'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔

''اوہ ہو۔'' ڈاکٹر کاظمی نے چونک کر کہا۔ ''شب بخیر..... جناب۔''

فریدی رقص گاہ سے نکل کر ڈائننگ ہال کیطرف روانہ ہو گیا۔ وہ زوبیا کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ڈائننگ ہال میں بھی وہ نہیں دکھائی دی۔ اب وہ اسکے کمرے کی طرف چل پڑا۔ وہ اوپری منزل پر تھا۔ لیکن دفعتاً وہ زینوں پر ہی نظر آ گئی لیکن وہ فریدی کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ فریدی الٹے پاؤں واپس مڑا اور نیچے پہنچ کر بائیں جانب والے نیم تاریک گوشے میں چلا گیا۔

زوبیا اس سے بے خبر نیچے آئی اور صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے باہر نکل جانے پر فریدی بھی آگے بڑھا۔

اب وہ دالان میں چل رہی تھی لیکن اس کا رخ نہ تو رقص گاہ کی طرف تھا اور نہ ڈائننگ ہال کی جانب بلکہ وہ اس حصے کی طرف جا رہی تھی جہاں مقامی گاہک اپنی کاریں پارک کیا کرتے تھے۔ فریدی کراٹا کی باڑھ کی اوٹ سے اس کا تعاقب کرتا رہا۔ آج کے حادثے کے سلسلے میں اسے اس لڑکی کی پوزیشن بہت ہی اہم معلوم ہوئی تھی۔ وہی آدمی آج مار ڈالا گیا جو پچھلی رات اسی لڑکی کے لئے حمید سے لڑ گیا تھا اور خود فریدی نے پہلے بھی کئی بار یہ بات محسوس کی تھی کہ وہ آدمی اس سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رکھتا ہے۔

اندھیرا

وہ کاروں کے قریب رک گئی۔ دفعتاً ایک طرف سے ایک تاریک سایہ اس کی طرف بڑھا

اور دیکھتے ہی دیکھتے دو تین اور سائے تاروں بھرے آسمان کے پیش منظر میں دکھائی دیئے

"یہ کیا حرکت...... پیچھے ہٹو" فریدی نے لڑکی کی آواز سنی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایک کار میں دھکیل دیا گیا پھر جب تک فریدی پہنچتا کار حرکت میں آ گئی۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ رہ گیا تھا کہ وہ اس پہیئے پر فائر کر کے اسے بیکار کر دیتا۔

مگر اس کی جیب میں ریوالور تھا کہاں۔ اس نے چاروں طرف دیکھا ایک جگہ اُ موٹر سائیکل نظر آئی وہ اسی کو لے دوڑا۔ شاید کار والے بھی آگاہ ہو گئے تھے کہ ان کا تعا جا رہا ہے، اس لئے انہوں نے عقبی روشنی گل کر دی تھی۔

اس وقت فریدی کے پاس ریوالور بھی نہیں تھا لیکن وہ بہر حال فریدی تھا اس سب سے زیادہ چالاک اور دانش مند آدمی...... اگر اس کے پاس ریوالور ہوتا بھی تو وہ کھیل کو اسی اسٹیج پر ختم کر دینے کی کوشش کرتا۔

موٹر سائیکل کار کا تعاقب کرتی رہی۔ ایک جگہ فریدی نے راستہ کاٹا۔ اُسے یقین اس سڑک کے علاوہ اور کسی راستے پر کار نہ موڑ سکیں گے۔ رام گڑھ اور اس کے نواحی چپہ چپہ فریدی کا دیکھا ہوا تھا۔

موٹر سائیکل سڑک سے اُتار کر ایک تنگ راستے پر دوڑاتا رہا۔ اس خطرناک راستے سائیکل چلانا بھی اسی کا کام تھا اور پھر جب اس نے اُسے بائیں جانب والی چڑھائی بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اس نے موٹر سائیکل سمیت جست لگائی ہو۔

ایک بہت بڑی چٹان لڑھکتی ہوئی نشیب میں جا رہی تھی۔ یہی چٹان اس کی موت بھی بن سکتی تھی۔ لیکن یہ ماننا ہی پڑے گا کہ اس کے ستارے بھی اسی کی طرح حیرت انگ چٹان اس وقت اپنی جگہ سے کھسکی تھی جب موٹر سائیکل کا پچھلا پہیہ اس پر سے گذر چکا ورنہ چشم زدن میں وہ خود بھی اسی چٹان کی طرح لڑھکتا ہوا سینکڑوں فٹ نیچے جا گرا ہوتا مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو نہ تو اس کے سکون میں فرق

ٹر سائیکل کی رفتار ہی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔

پھر ذرا ہی دیر بعد وہ پھر اس سڑک پر تھا اور کار شاید بہت پیچھے رہ گئی۔ اُس نے اُدھر ہی سائیکل موڑ دی جدھر سے کار آنے والی تھی۔

موٹر سائیکل کی رفتار آہستہ آہستہ کم ہوتی رہی اور پھر اسے تاریک خلاء میں کار کی ہیڈ ں کی آڑی ترچھی لکیریں نظر آئیں۔ کار ابھی نشیب میں تھی۔

پھر وہ سامنے آ گئی۔ فریدی کی موٹر سائیکل سڑک پر چلتی رہی۔ کار سے ہارن دیا گیا اور ی رفتار بھی کم ہو گئی۔

"گھاتو کا پل ٹوٹ گیا ہے۔" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ "آگے راستہ نہیں ہے۔"

کار رک گئی اور موٹر سائیکل بائیں جانب والے پائیدار سے جا لگی۔ فریدی نے حتی الامکان ش کی تھی کہ اس کا چہرہ تاریکی ہی میں رہے۔

"پل ٹوٹ گیا" کسی نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔

اتنے میں فریدی کا ہاتھ کار کے اندر پہنچ چکا تھا۔ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کے ے سے عجیب سی آواز نکلی اور کسی نے کہا۔ "کیا بات ہے۔"

لیکن شاید جواب کے لئے اُسے کم از کم دو گھنٹے تک منتظر رہنا پڑتا۔ فریدی بیہوش جانے والے آدمی کی جیب سے ریوالور نکال چکا تھا۔ پھر اس نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ نکال روشنی کی اور ریوالور کا رخ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمیوں کی طرف کر دیا۔

وہ دو تھے۔ درمیان میں زدیا بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس کے منہ پر چمڑے کا تسمہ چڑھا ہوا ا اور وہ کسی بے بس پرندے کی طرح پلکیں جھپکا رہی تھی۔

"اس کے منہ سے تسمہ ہٹاؤ" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تم کون ہو؟" ایک آدمی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"جو کہا جا رہا ہے کرو" فریدی کا لہجہ بہت سرد تھا۔ اُن لوگوں نے ڈرائیور کی طرف دیکھا جو اسٹیرنگ پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

"کیا تم نے اُسے مار ڈالا......؟" ایک نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

"ہوسکتا ہے وہ مر ہی گیا ہو۔تم سے جو کہا جارہا ہے کرو، ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوسکتا

دفعتاً ایک آدمی نے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا۔فریدی نے اس کی ناک پر ٹارچ رسی اور وہ بلبلاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

دوسرے نے بڑی پھرتی سے زوبیا کے منہ پر سے چمڑے کا تسمہ ہٹانا شروع کردیا

"اب تم نیچے اتر آؤ لڑکی۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

وہ دوسری طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر گئی۔لیکن دوسرے ہی لمحے میں فر اس کی چیخ بھی سنی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے چیخ کر پوچھا لیکن جواب ندارد۔فریدی موٹر سائیکل گیا اور وہ سڑک پر جا گری۔لیکن وہ اس کی پرواہ کئے بغیر دوسری طرف جھپٹا۔

پھر اچانک وہ دونوں آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ریوالور فریدی کے ہاتھ سے گر گیا۔ کشمکش کا فیصلہ ہونے میں دیر نہیں لگی۔وہ دونوں بھی جلد ہی اپنے تیسرے ساتھی کی طرح وحرکت نظر آنے لگے۔فریدی انہیں سڑک پر ہی چھوڑ کر ٹارچ اور ریوالور تلاش کرنے لگا۔

لڑکی کا اس طرح چشم زدن میں غائب ہوجانا انتہائی حیرت انگیز تھا۔کچھ دیر بعد کی روشنی کا دائرہ ادھر اُدھر رینگنے لگا۔

دفعتاً بائیں جانب والے نشیب میں اُسے ایک زنانہ سینڈل نظر آیا اور وہ نیچے اتر گیا۔اس خیال نے اُسے مضطرب کردیا کہ کہیں وہ نیچے نہ گر گئی ہو۔ایسی صورت میں ا ہڈیاں بھی سلامت نہ رہتیں۔یہ ڈھلان کچھ ایسی ہی تھی کہ ذرا سی لغزش آدمی کو موت کے جبڑوں میں دھکیل سکتی تھی۔وہ ڈھلان کے اختتام پر پہنچ کر رکا۔لیکن زوبیا اُسے کہیں نظر نہ آ

وہ چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈال رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ خوفزدہ ہوکر کسی ط نکل تو نہیں گئی مگر اس نشیب پر دوڑنا آسان کام نہیں تھا۔وہ پھر اس جگہ لوٹ آیا جہاں پڑا دیکھا تھا۔وہ جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔اس کا تسمہ باقاعدہ طور پر بکل میں پھنسا ہوا تھا

سینڈل کا تسمہ اتنا ڈھیلا کبھی نہیں رکھا جاتا کہ وہ پیر سے نکل جائے۔

تو پھر ؟ اُسے کچھ لوگ دوبارہ اٹھا لے گئے ہیں؟ فریدی کے ذہن نے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا۔لیکن اگر یہ حقیقت ہی تھی تو اب ان چٹانوں میں بھٹکتے پھرنا ایک فضول سا فعل ہوتا۔اس نے سوچا کہ دوسری بار اغواء کرنیوالے بہت زیادہ محتاط ہوگئے ہوں گے۔

یہ سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی وہ کچھ دور تک بڑھتا چلا گیا۔ٹارچ کی روشنی ادھر اُدھر بکراتی پھر رہی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد اُس نے سوچا کہ اس طرح بھٹکنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔بہتر یہ ہے کہ اُن تینوں آدمیوں کو ہوش میں لاکران سے پوچھ گچھ کی جائے۔

پھر وہ سڑک کی طرف مڑا لیکن ابھی آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی......وہ دوڑنے لگا۔لیکن سڑک پر پہنچنے کے بعد اُسے ایک جھٹکے کے ساتھ رک جانا پڑا کیونکہ اب نہ تو وہاں موٹر سائیکل تھی اور نہ وہ کار۔تینوں بیہوش آدمی بھی غائب تھے۔

فریدی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں آئیں گے۔

پیراڈائیز یہاں سے تقریباً سات میل دور تھا۔وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر پیراڈائیز کی طرف چل پڑا۔پیدل چلنا اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔وہ اکثر تیس اور چالیس میل تک پیدل چل چکا تھا۔بہرحال اس کا موڈ اس خیال سے خراب نہیں ہوا تھا کہ اسے پیدل واپس جانا پڑے گا بلکہ موڈ کی خرابی کی وجہ دراصل موٹر سائیکل کی گمشدگی تھی۔پتہ نہیں وہ کس بیچارے کی رہی ہوگی۔ہوسکتا ہے وہ بھی کسی دوسرے سے عارتاً لایا ہو۔

وہ چلتے چلتے رک گیا۔وہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے گھاتو کا پل ٹوٹ جانے کی اطلاع کافی تشویش سے سنی تھی۔لہٰذا انہیں گھاتو کے پل سے آگے ہی جانا رہا ہوگا۔گھاتو کا پل یہاں سے ڈیڑھ میل دور تھا اور پھر اس سے ایک میل آگے چل کر شاہ پور کی چھاؤنی تھی۔یہاں کئی فوجی آفیسر اُس کے شناسا تھے۔اس نے سوچا کیوں نہ وہاں چل کر تفتیش جاری رکھی جائے۔

وہ گھاتو کے پل کی طرف چل پڑا۔ اُس کے جوتے بے آواز تھے۔ وہ بڑی تیز رفتاری سے کام لے رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے ذہن میں بہتیرے سوال تھے۔

اتنا تو وہ سمجھ ہی چکا تھا کہ زوبیا مرنے والے سے ناواقف نہیں تھی کیونکہ مرنے والا اُ کے لئے ایک بار حمید سے جھگڑا کر چکا تھا پھر حمید کو اس کیس میں الجھانے کی کوشش کی گئی کہ نامعلوم عورت کی کال اور وہ شیشی جو حمید کی نہیں تھی لیکن اس کمرے میں پائی گئی تھی۔ پھر ا لڑکی کا قصہ...... کیا وہی لوگ تھے جنہوں نے اس آدمی کو ختم کردیا تھا۔ ممکن ہے...... وہی ہو اور انہوں نے یہ حرکت اس لئے کی ہو کہ پولیس ایک اچھے گواہ سے محروم ہو جائے۔

اب تک صدہا ایسے کیس اس کی نظروں سے گذرے تھے جن میں مجرموں نے گواہوں یا تو مارڈالنے کی کوشش کی تھی یا ان کا اغوا کرلیا تھا۔

فریدی چلتا رہا۔ اب زمین تاروں کی چھاؤں سے محروم ہوگئی تھی۔ کیونکہ کچھ دیر مغربی افق سے بادلوں کے جھنڈ اُبھر کر چاروں طرف پھیلتے گئے تھے۔ ہوا میں زیادہ خنکی پیدا ہوگئی تھی جس سے صاف ظاہر تھا کہ بارش ضرور ہوگی۔

فریدی نے رفتار پہلے سے زیادہ تیز کردی۔ وہ بارش ہونے سے قبل ہی شاہ پور کی چھا میں پہنچ جانا چاہتا تھا اور پھر بارش ہوجانے پر گھاتو کا پل سچ مچ خطرناک ہوجاتا فریدی جانتا تھا بعض اوقات پانی پل پر بھی بہنے لگتا تھا اور بہاؤ اتنا تیز ہوتا ہے کہ قدم جمانا دشوار ہوجاتا ہے

اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ اسے بار بار خلاء میں آنکھیں پھاڑنی پڑتی تھیں لیکن اس نے بار بھی ٹارچ نہیں روشن کی۔

اچانک دو چار بڑی بڑی بوندیں آئیں اور اس کی رفتار سست پڑگئی۔ اب وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ دوسرے جھونکے کے ساتھ ہی بارش شروع ہوگئی اور اب اُسے کسی پناہ گ تلاش کے سلسلے میں ٹارچ روشن کرنی ہی پڑی۔

ایک بار پھر وہ بائیں جانب والی ڈھلان میں اتر رہا تھا وہ جانتا تھا کہ رام گڈ پہاڑیاں ایسے غاروں سے بھری پڑی ہیں جہاں وہ بارش سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اسے جلا

ایسی جگہ مل گئی۔

یہ ایک کافی کشادہ دراڑ تھی اور اس پر ایک چٹان اس طرح جھکی ہوئی تھی جیسے وہ کوئی بان ہو۔

فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں اس کا مختصر سا جائزہ لیا اور ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ بارش نوں میں چنگھاڑتی پھر رہی تھی۔ کبھی کبھی بادلوں کی گرج زلزلہ سا ڈال دیتی۔

دفعتاً فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس درے میں داخل ہوا ہو۔ پھر اس نے پتھریلی ن پر پڑنے والے بھاری قدموں کی آواز بھی سنی۔ وہ پیچھے ہٹا مگر بے سود کیونکہ آنے والے ٹارچ روشن کرلی تھی۔

"کیا کرتے ہو۔" فریدی غرایا۔ "آنکھوں پر روشنی نہ ڈالو۔"

"تم کون ہو؟" آنے والے نے پوچھا۔

"انتہائی احمقانہ سوال ہے۔ میں کیوں بتانے لگا کہ میں کون ہوں۔"

"اتنی رات گئے یہاں کیوں؟" آنے والے نے بیساختہ پوچھا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں الٹ گیا۔ تم پوچھنے والے کون ہو۔ کیا میں تمہارے گھر میں گھس آیا ہوں۔"

"اے...... ڈھنگ سے جواب دو جو کچھ پوچھا جائے۔" آنیوالے نے تیز آواز سے کہا۔

"کیوں تم کون ہو؟" فریدی کا لہجہ چیلنج کرنے کا سا تھا۔

"میں کوئی بھی ہوں...... تمہیں میرے سوال کا جواب دینا پڑے گا۔"

"اچھا......!" فریدی مسکرایا۔ "کرو سوالات لیکن وہ دس سے زیادہ نہ ہوں۔ میں اُن ما سے صرف پانچ منتخب سوالات کی جواب دوں گا۔"

"تم یوں نہیں مانو گے۔" اس آدمی نے کہا اور ٹارچ روشن کرلی۔ فریدی کو اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور نظر آیا۔

اس نے پھر کہا۔ "اب بتاؤ تم کون ہو اور یہاں کیا کررہے ہو؟"

"میں آدمی ہوں اس لئے بارش میں نہیں بھیگنا چاہتا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ ریوالور خالی نہیں ہے۔" وہ آدمی غرایا۔

"یہ ریوالور ہے۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"آگ اگلنا بھی جانتا ہے۔"

"ذرا دیکھوں تو۔" فریدی لہک کر بولا۔ "میں نے آج تک ریوالور اپنے ہاتھ میں کر نہیں دیکھا۔"

"پیچھے ہٹو۔" وہ آدمی دھاڑا۔

"یار...... کیوں خواہ مخواہ خفا ہوتے ہو۔ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ خواہ مخواہ جیب ریوالور نکال کر مجھے دکھاؤ۔ اب اگر میں اپنے ہاتھ ہی میں لے کر دیکھ لوں گا تو اس میں کو خرابی پیدا ہو جائے گی۔"

"اچھا تو میں فائر کرنے جا رہا ہوں۔"

"مگر جلدی واپس آ جانا۔ یہاں اکیلے دل گھبراتا ہے۔" فریدی نے بڑی سادگی سے

اس نے سچ مچ فائر کر دیا۔ گولی پتھر سے ٹکرا کر پلٹی اور وہ خود بال بال بچا۔ لیکن دو ہی لمحے ریوالور زمین پر تھا اور اس کا داہنا ہاتھ فریدی کی گرفت میں...... اور پھر وہ اس کے ہی جھٹکے میں منہ کے بل زمین پر چلا آیا۔

"اب تمہیں میرے بیس سوالات کے جواب دینے پڑیں گے۔" فریدی اس کی گر پیر رکھتا ہوا بولا۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ممکن نہ ہوا۔

"اب اسی طرح پڑے پڑے بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

"مم...... میں...... سرکاری سراغرساں ہوں۔" اس آدمی نے ہانپتے ہوئے غصیلی آواز میں

"تب تو میں تمہاری گردن توڑ ہی دوں گا۔" فریدی اس کی گردن پر مزید دباؤ ڈا بولا۔ "تم میری ہی تلاش میں آئے ہو گے۔ لیکن میں پولیس والوں کو بخشنا نہیں جانتا۔"

"میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔" وہ بوکھلا کر بولا۔

"میں لاکھ برس یقین نہیں کروں گا۔" فریدی کا جواب تھا۔

"کیا تم دوسروں کی دولت میں حصہ لگانے والوں میں سے ہو۔" اس آدمی نے پوچھا۔

"دوسروں کی دولت خود ہی میری منتظر رہتی ہے۔ تجوریاں میری آہٹ پر اپنے منہ کھول تی ہیں۔"

"اوہو! تب تو مجھے چھوڑ دو۔ پیر ہٹاؤ نا...... میں بھی تمہارا ہی ہم پیشہ ہوں۔"

"میں کیسے یقین کر لوں...... اکثر سراغ رساں ہماری صفوں پر گھس آتے ہیں اور ان کا یق کار بھی یہی ہوتا ہے جو تم نے اس وقت اختیار کیا ہے۔"

"نہیں دوست...... میں ثابت کر دوں گا کہ میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔"

فریدی نے اس کی گردن پر سے پیر ہٹا لیا اور وہ بیٹھ کر اپنی گردن ملنے لگا۔ فریدی ٹارچ ا روشنی میں اُسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ "تم واقعی بہت ہرے معلوم ہوتے ہو...... میں نے اتنا پھرتیلا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

آگ

بارش کے پہلے ہی چھینٹوں نے رقص گاہ میں ابتری پھیلا دی تھی۔ پھر سنبھلتے سنبھلتے سلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ بارش اچانک ہوئی تھی۔ پہلے سے آثار نہیں تھے اور اگر آثار تھے ی تو ایسے نہیں کہ رام گڈھ کے موسمی معمولات کے خلاف ہوتے۔ وہاں اکثر اسی طرح بادل یا کرتے تھے لیکن ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ہلکی ہلکی پھواروں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ ردیوں میں شاید یہی پھواریں برف کے ذرات کی شکل اختیار کر لیتی تھیں۔

مگر اس وقت شاید فطرت بھی مذاق کے موڈ میں تھی۔ اب فطرت کے علاوہ اور کون اس منظر سے لطف اندوز ہوتا...... لوگ بدحواسی میں ایک دوسرے پر گر رہے تھے اور سریلی چیخیں

شاید بادلوں کو بھی گدگدا رہی تھیں کیونکہ بارش کا زور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"ٹھہریئے! حواس قائم رکھئے۔" لاؤڈ سپیکر چیخنے لگا۔ "اسطرح آپ چوٹ بھی کھا سکتے ہیں"

"خدا غارت کرے۔" ڈالی گرتے گرتے سنبھل کر بولی۔ حمید نے اُسے اپنے ہاتھ پر روک لیا تھا۔ ورنہ وہ منہ کے بل گرتی۔

"ہائیں...... بارش ہی تو ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں بھیگ رہی ہوں۔"

"اور میں بالکل خشک ہوں۔ واقعی یہ بہت بڑا ظلم ہے۔"

"تم عجیب آدمی ہو، چلو بھاگو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔

"ہرگز نہیں۔ مجھ سے اتنی غیر منطقی حرکت نہیں سرزد ہو سکے گی۔ پانی سے بچنے کے ہاتھ منہ توڑ بیٹھنا کہاں کی عقلمندی ہے۔"

"تم احمق ہو۔" ڈالی نے کہا اور دوڑنے لگی۔ لیکن اس دوڑ میں حمید نے اس کا ساتھ دیا۔ وہ بہت اطمینان سے بھیگتا ہوا کمرے میں آیا لیکن یہاں کی حالت دیکھ کر وہ یہ بھی گیا کہ اس کے جسم میں بھیگے ہوئے کپڑے ہیں۔

پولیس کی تلاشی کے بعد اس نے بڑی دشواری سے اپنی چیزیں قرینے سے رکھی تھیں اب وہ اس سے بھی زیادہ ردی حالت میں نظر آئیں۔ کسی نے اس کی عدم موجودگی میں کمرے کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ بستر فرش پر پڑا تھا۔ تکیہ پھاڑ ڈالا گیا تھا۔ سوٹ کیس طرف پڑا تھا اور کپڑے کچھ یہاں تھے کچھ وہاں۔

سفر میں وہ چیک بک اور نقدی ہمیشہ جیبوں میں رکھا کرتا تھا۔ ورنہ ہو سکتا تھا وقت اسے اور زیادہ غصہ آتا۔

غصہ تو تھا مگر صرف فریدی پر۔ آخر اُس نے پولیس والوں سے اپنی اصلیت چھ کیوں تھی۔ ممکن ہے یہ حرکت کسی مقامی سراغ رساں کی رہی ہو۔ وہ دونوں خود بھی ہزار اس قسم کی بے ضابطہ تلاشیاں لے چکے تھے۔

اُس نے جھلاہٹ میں منیجر کو فون کیا لیکن وہ آفس میں موجود نہیں تھا۔ کسی کلرک نے ن ریسیو کر کے بتلایا کہ ایک کمرے میں چوری ہو گئی ہے۔ منیجر وہیں ہے۔

"میرے کمرے میں بھی چوری ہو گئی ہے۔" حمید غرایا۔ "منیجر کو فوراً بھیجو۔"

پھر اس نے اپنے کمرے کا نمبر بتایا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد ہی تین آدمی اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ ہوٹل کے اف ہی سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ان میں منیجر نہیں تھا۔ وہ اس سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔

"نہیں کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔" حمید نے جواب دیا۔ "لیکن یہ ہوٹل کس قدر غیر محفوظ ہے۔"

"پتہ نہیں کیا بات ہے جناب۔" ایک آدمی بولا۔ "مس ڈالی بھی کہتی ہیں کہ اُن کے رے سے کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔ لیکن سامان اسی طرح بکھرا پڑا ہے۔"

"کون مس ڈالی۔" حمید اسے گھورنے لگا۔

"ایک یوریشین ہیں۔" اس نے جواب دیا اور کمرے کا جو نمبر بتایا وہ ڈالی ہی کے کمرے کا تھا۔

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "میں اس کی رپورٹ پولیس کو دینا چاہتا ہوں۔"

"میں فون کرنے جا رہا ہوں۔" ایک آدمی نے کہا اور باہر چلا گیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد منیجر بھی آ گیا۔ وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"تکیہ اس کا بھی پھاڑ دیا گیا ہے۔" وہ تشویش کن لہجے میں بڑبڑایا۔ حمید کی تیز نظریں ا کے چہرے پر پڑیں، بالکل اسی انداز میں جیسے وہی بیچارہ اس کا ذمہ دار ہو۔

"جی ہاں۔" وہ حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "بالکل ایسا ہی ایک واقعہ اور بھی ہوا ہے۔ ایک احبہ کے کمرے کی بھی یہی حالت نظر آتی ہے اور ان کا تکیہ بھی اسی طرح پھاڑ ڈالا گیا ہے۔"

"مگر میں صاحبہ نہیں ہوں کہ صبر کر لوں گا۔"

"کیا کوئی چیز غائب بھی ہے؟"

"نہیں۔" حمید گردن جھٹک کر بولا۔

"اُن کے کمرے سے بھی کوئی چیز غائب نہیں ہوئی۔"

"کیا یہ یہاں قیام کرنے کا انعام ہے۔"

"کیا عرض کروں جناب۔ ایسی وارداتیں تو کبھی نہیں ہوئیں۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا مگر شاید فون منیجر کے لئے تھا۔

حمید نے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف کی گفتگو شاید ایسی ہی پریشان کن تھی کہ منیجر کے چہرے پر پسینہ آ گیا۔ نے ریسیور رکھ کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا مصیبت آ گئی ہے۔"

"کیوں......؟" یہ جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ایک کار اور ایک موٹر سائیکل غائب ہے۔ اس نے رومال سے چہرے کا پسینہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایسی باتیں تو یہاں کبھی نہیں ہوئیں۔ اچھا جناب! میں ابھی پولیس کرتا ہوں۔"

منیجر چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں کلرک بھی رخصت ہو گئے۔

حمید آرام کرسی کے ہتھے سے ٹک کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ آتے وقت اس فریدی کا کمرہ مقفل دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس کا کمرہ بھی اسی حالت میں ہوگا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے ڈالی بول رہی تھی۔

"ہیلو...... پرویز۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے کمرے میں کسی نے ابتری پھیلائی۔

"ٹھیک سنا ہے۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ میرے کمرے کی بھی یہی حالت ہوئی ہے؟"

"ہاں منیجر نے بتایا تھا۔"

"کتنی عجیب بات ہے۔"

"ہاں اتنی ہی عجیب جتنی کہ تار جام کی نیشنل آئرن فیکٹری۔"

"کیا مطلب......؟"

"کچھ بھی نہیں۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ تمہارے پاپا کو تحفے میں کیا بھیجوں۔"

"یہ کیسی اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دیں تم نے۔"

"کچھ نہیں...... تمہیں مجھ سے ہمدردی ہے نا۔ تم آج مجھے اس کی اطلاع دینے آئی تھیں پولیس مجھ پر شبہ کر رہی ہے، حالانکہ پولیس میری جیب میں پڑی رہتی ہے۔"

"کیا تم نے زیادہ مقدار میں پی لی ہے تمہارا لہجہ......!"

"ہاں...... میرے لہجے پر بہتوں کو پیار آتا ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" اس نے جھلا کر کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید پائپ سلگانے لگا۔ اب وہ پولیس کے آئے بغیر پلنگ پر بستر بھی نہیں ڈال سکتا تھا۔

"کیا مصیبت ہے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ "جہاں جاؤ شامت ہی گھیرتی ہے۔"

وہ کبھی کمرے میں ٹہلتا اور کبھی راہداری میں نکل آتا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ فریدی کا رہ بھی کھول کر دیکھا جائے۔ اس نے ہک سے کنجی اتاری اور کمرہ کھول کر اندر آیا۔ اس کا ازہ غلط نہیں تھا۔ یہاں بھی ویسی ہی ابتری نظر آئی۔ کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر نہیں تھی اور اس تکیہ پھاڑ ڈالا گیا تھا۔

اس نے کمرہ دوبارہ مقفل کیا اور اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد س بھی آ گئی۔ اس کے ساتھ مقامی سی آئی ڈی کا ایک انسپکٹر بھی تھا۔ اس نے فریدی اور حمید کمرے دیکھے۔ اس سے پہلے شاید وہ ڈالی کے کمرے کا بھی جائزہ لے چکا تھا۔

"کیا اس لڑکی سے آپ کی پرانی جان پہچان ہے۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"نہیں...... ہم آج ہی ملے تھے۔"

"آج تین بجے کس عورت نے آپ کا شکریہ ادا کیا تھا؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیا آپ کو اس سے انکار ہے کہ فون پر کسی عورت نے آپ کا شکریہ ادا کیا تھا۔"

"قطعی نہیں...... لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھی لہٰذا میں نے آپریٹر سے اس کے متعلق چھان بین کی تھی۔"

"لاش کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آ گئی ہے۔" اس نے حمید کے چہرے پر نظر جماتے ہو

حمید کچھ نہ بولا۔ انسپکٹر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ سانپ سے ہلاک ہوا ہے۔"

"او ہو.....!" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "تو وہ سانپ تھا بطخ کے بھیس

"جی نہیں۔" انسپکٹر نے تلخ لہجے میں کہا۔ "زہر اس زخم کے راستے جسم میں پہنچا تھا کے کاٹنے سے ہوا تھا۔"

"اچھا..... اب میں سمجھا۔ یعنی اس زخم پر کسی سانپ نے بھی طبع آزمائی کی تھی بدنصیب تھا بیچارہ مرنے والا۔"

"جی ہاں! بدنصیب ہی تھا کیونکہ پچھلی رات آپ نے بھی تو طبع آزمائی فرمائی تھی۔

"لیکن اس وقت میں بطخ کے بھیس میں نہیں تھا۔"

"ساری زبان طراریاں دھری رہ جائیں گی۔" انسپکٹر غصیلی آواز میں بولا۔ "اگر یہ ہو گیا کہ آپ بھی اس کے قریب تھے جب بطخ نے حملہ کیا تھا.....!"

"یہ ثابت ہونے سے پہلے میں رام گڈھ نہیں چھوڑوں گا۔ آپ کو اطمینان رکھنا چا

انسپکٹر اُس کی ترکی بہ ترکی پر بُری طرح جھلس رہا تھا۔ دفعتاً اس نے پوچھا۔ "آ ساتھی کہاں ہیں؟"

"وہ نابالغ نہیں ہے کہ ہر وقت ان کی آمد و رفت سے باخبر رہنا میرے لئے ضرور

"آپ آخر آدمیوں کی طرح گفتگو کیوں نہیں کرتے۔"

"کیا میں ابھی تک پرندوں کی طرح چہچہاتا رہا ہوں۔" حمید نے بڑی سادگی سے

"بہت جلدی معلوم ہو جائے گا۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ پھر موجود تھا۔

"آپ کے ساتھی کب سے غائب ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں۔ میں اس کی دم کے پیچھے نہیں لگا رہتا۔"

"میں ایک بار پھر آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ سوچ سمجھ کر گفتگو کیجئے۔"

"شکریہ! میں پہلے سے کافی محتاط ہوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"یہاں سے ایک کار اور ایک موٹر سائیکل بھی غائب ہو گئی ہے۔"

"اور میرا ساتھی بھی غائب ہے۔" حمید مسکرایا۔

"آپ.....!" وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر حمید کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔ پھر بولا۔ "کیا آپ سچ مچ اپنی بے عزتی کے خواہاں ہیں۔ آپ نے پچھلی رات پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی تھی کہ اُس نے آپ کا پرس اڑا لیا تھا۔"

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ برباد کیا جا سکے۔"

"پھر ہم اسے باور کر لینے پر تیار نہیں ہیں کہ اس نے آپ کی جیب کاٹی تھی۔"

"آپ کی مرضی۔ نہ میں نے اس کی شکایت کی تھی اور نہ اب آپ کو اس کا یقین دلانا ہتا ہوں۔ لیکن ذرا یہ تو فرمائیے کہ وہ بلاوجہ میرے ہاتھ سے پٹ گیا تھا تو خود اس نے ہی رے خلاف پولیس کو رپٹ کیوں نہیں دی اور جناب کیا آپ اس پر بھی روشنی ڈال سکیں گے کہ اس نے اپنی شاندار مونچھیں کیوں صاف کرا دی تھیں؟"

"اسکا جواب بھی آپ ہی دے سکیں گے۔" انسپکٹر ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"اچھا تو سنئے میرا جواب۔ اس نے حتیٰ الامکان اپنی ایک ایسی امتیازی خصوصیت ختم کردی تھی جس کی بناء پر لوگ اُسے پہچاننے میں تامل کرتے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک گرہ کٹ کی حیثیت سے اس پر انگلیاں اٹھیں۔ کیا سمجھے۔"

"لیکن وہ اتنا ڈھیٹ تھا کہ یہاں سے ٹلنا بھی نہیں چاہتا تھا۔" انسپکٹر مسکرایا۔

"اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"مسٹر پرویز..... آپ دلدل میں پھنس چکے ہیں۔"

"اس اطلاع کی لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"جھگڑا ایک لڑکی کے لئے ہوا تھا۔"

حمید تیکھی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا لیکن اس کے ہونٹ بند ہی رہے۔ انسپکٹر کہہ رہا

"جھگڑے کے وقت آپ دونوں وہاں تنہا ہی تھے۔"

"پھر......؟"

"ایک آدمی نے آپ دونوں کی گفتگو بھی سنی تھی۔"

"تب تو آپ اس لڑکی سے مل ہی چکے ہوں گے جس کے لئے جھگڑا ہوا تھا۔"

"ہاں! میں اس سے مل چکا ہوں۔" انسپکٹر نے کہا۔ لیکن حمید کو اس پر یقین نہیں آیا۔ فریدی کا صحبت یافتہ تھا۔ اُسے کم از کم اتنا سلیقہ تو تھا ہی کہ وہ جھوٹ اور سچ میں امتیاز کر سکے۔

"اچھی بات ہے۔ تو آپ براہِ کرم اُس لڑکی سے مزید معلومات حاصل کیجئے۔ مجھے آ رہی ہے۔"

انسپکٹر چند لمحے خاموش کھڑا اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "کیا وہ لڑکی ڈالی نہیں ہے؟"

"ہاں...... ڈالی لڑکی ہی ہے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ "بطخ کا طبی معائنہ بھی ہوا ہوگا"

"ہو چکا ہے...... وہ غیر معمولی نہیں ہے۔"

"تو اب میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کسی ایسے آدمی کو تلاش کریں جس نے اسے چھیڑنے پر اکسایا ہو۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ بطخ غیر معمولی نہیں تھی۔" انسپکٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں کب کہتا ہوں کہ تھی۔ ظاہر ہے کہ جب بطخ نے اس کی پنڈلی کی کھال ادھیڑ تو دو چار آدمی ضرور دوڑ پڑے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ان میں کوئی ایسا بھی رہا ہو جس۔ دیکھنے کے بہانے کوبرا کا زہر......!"

"اتنا میں بھی سوچ سکتا ہوں۔" انسپکٹر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"سوچ سکتے ہیں نا۔" حمید نے جل کر کہا۔ "لہٰذا اگر ان دو چار آدمیوں میں میرا ہو تو مجھے بے تکلف حراست میں لے لیجئے ورنہ پھر مجھے سونے دیجئے۔"

"اگر یہ ثابت ہو گیا تو آپ سلاخوں کے پیچھے ہوں گے۔"

"مجھے بھی کافی خوشی ہوگی اگر یہ ثابت ہو سکا۔" حمید نے انگڑائی لے کر لاپروائی سے کہا۔ ی کے پھندے کا تجربہ بھی سہی۔"

سب انسپکٹر جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ منیجر آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل وہ دونوں چونک کر اسی کی طرف مڑے۔

"آگ......!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "مرنے والے کے کمرے میں آگ لگ گئی ہے۔"

"کیا......؟" انسپکٹر غرایا۔

"جی ہاں...... آپ نے تلاشی کے بعد شاید ایک کھڑکی کھلی چھوڑ دی تھی۔"

بازیابی

فریدی کا شکار اب بھی زمین پر بیٹھا اپنی گردن ٹٹول رہا تھا اور فریدی اس طرح کھڑا تھا اس نے کسی شریر بچے کے دو چار چپتیں جھاڑ دی ہوں۔

"پولیس کیوں ہے تمہارے پیچھے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں نے چارٹرڈ بینک میں ڈاکہ ڈالا تھا۔ اس وقت بھی میری جیبیں نوٹوں سے بھری ہیں۔"

"اوہو......!" اُس آدمی نے حیرت سے کہا۔ "لیکن تمہیں اب تک کوئی محفوظ جگہ نہیں مل سکی۔"

"میرے لئے کوئی جگہ محفوظ نہیں ہے۔"

"تم اگر پسند کرو میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں۔"

"سلاخوں کے پیچھے۔ کیوں؟" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔ سُراغرساں اس سال یہ میرا پندرھواں قتل ہوگا۔"

"کیا مطلب......؟"

"تم یہاں سے زندہ نہیں جاسکتے۔" فریدی کے لہجے میں سفاکی تھی۔

"میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔"

"پچھلے سال بھی تم ہی جیسے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی تھی لیکن بیچاری پولیس اُس کی شناخت سے قاصر رہی تھی۔ میں عموماً چہرہ بگاڑ دیتا ہوں۔"

"میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔"

"کیا تم بزدل ہو؟"

"نہیں......میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔" اس آدمی نے حیرت سے کہا۔

"تم اسی صورت میں بچ سکتے ہو کہ جب مجھے مار ڈالو۔ اٹھو! میں الجھن پالنے کا نہیں ہوں۔"

"ارے یار کیوں خواہ مخواہ مذاق کررہے ہو۔" وہ آدمی خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ بولا

"اچھا تو پھر کسی چوہے کی طرح مرنے کو تیار ہوجاؤ۔"

"ختم بھی کرو۔ یار میں تمہیں ایک محفوظ جگہ لے چلوں گا۔ مگر ٹھہرو...... مجھے ایسا ہوتا ہے جیسے میں تمہیں کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

"پیراڈائیز میں۔" فریدی نے بڑی سادگی سے کہا۔

"اوہاں......مم......مگر......!" وہ ہکلایا۔

"تو تم نے مجھے پہچان لیا۔"

"شکاری سلیم!"

"گڈ......!" فریدی چٹکی بجا کر بولا۔ "اب چپ چاپ اس لڑکی کو میرے حوالے کر

"یہ ناممکن ہے۔ ہم نے بڑی محنت کی ہے۔ ویسے اگر تم دس ہزار دے دو یہ تو بھی ہوسکتا

"ایسی رقمیں صرف شریف آدمیوں سے وصول کی جاسکتی ہیں۔" فریدی نے خشک میں کہا۔

"تب پھر......اس کی واپسی بھی ممکن نہیں۔ ہمیں اس کام کیلئے دس ہزار ملنے والے ہیں۔"

"تم نے یہ کام کس کے لئے کیا ہے؟"

"ہم کام اور دام کے علاوہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے۔" اس آدمی نے کہا۔

"لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم کام لینے والوں کے متعلق ہر قسم کی معلومات فراہم کرتے پھریں۔"

"اوہ......تو تم اس سے واقف بھی نہیں ہو۔"

"نہیں! جب ہم سے سودا طے ہوا تھا تو وہ نقاب میں تھا۔"

"اور تم نے کچھ سمجھے بوجھے بغیر سودا طے کرلیا۔"

"ہمیں اس سے کیا غرض کہ وہ کون ہے۔"

"ممکن ہے تمہیں پکڑنے کے لئے پولیس نے جال بچھایا ہو۔"

"نہیں یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔" اس کے لہجے میں بے اعتمادی تھی۔

"خیر تم جہنم میں جاؤ۔ لڑکی کو چپ چاپ میرے حوالے کردو۔ کچھ دیر پہلے میں تمہارے آدمیوں کی مرمت کرچکا ہوں۔"

"اوہ......تو وہ تم ہی تھے۔"

"بھولے نہ بنو......شکاری سلیم کو تم جانتے ہو۔ لیکن......!" فریدی کہتے کہتے رک گیا۔

"بہت دنوں سے میں اسکے چکر میں ہوں۔ مگر تمہیں اس سے کوئی غرض نہ ہونی چاہئے۔" یدی نے کہا۔ "مگر اُسے دوبارہ کس نے اٹھایا۔ کیا تم لوگ یہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔"

"ہم تعداد میں پندرہ ہیں۔" اُس آدمی نے جواب دیا۔ "یہاں جگہ جگہ کچھ آدمی پہلے ہی ے لگادیئے گئے تھے تاکہ ضرورت پڑنے پر اُن تینوں کی مدد کی جاسکے۔"

"اب تم اسے کہاں لے جاؤ گے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کس طرح بتا دیا جائے۔ جب تمہارے ارادے نیک نہیں ہیں۔"

فریدی نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور اُس کے ہاتھ اٹھنے سے پہلے اس کا گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑا۔ پھر اُسے سنبھلنے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ پے در پے دس بار گھونسے کھانے

کے بعد وہ لیٹ گیا۔ اُس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔

"تم کیا چاہتے ہو۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"لڑکی......!" فریدی کا جواب تھا۔

"وہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

"تم مجھے اس تک پہنچا دو۔ پھر میں دیکھ لوں گا۔" فریدی نے کہا۔ "یا پھر ایک دوسری صورت ہے۔ تم مجھے وہاں لے چلو جہاں اُسے اس نامعلوم آدمی کے حوالے کرو گے۔"

"دونوں ہی صورتوں میں میرے ساتھی مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

"وہ لڑکی ابھی یہیں ہے؟"

"ہاں......!"

"کہاں؟"

وہ کچھ نہ بولا۔ اس بار فریدی نے اس انداز میں پیر اٹھایا جیسے اس کے سر پر ٹھوکر کا ارادہ رکھتا ہو۔

"ٹھہرو......!" اُس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "وہ یہیں ہے۔ قریب ہی۔ ہم یہاں تھے۔ میں لڑکی کو اٹھا لایا تھا۔ جب سڑک پر کوئی نہ رہ گیا تو میرا ساتھی اُن تینوں کو گا ڈال کر نکال لے گیا۔"

"موٹر سائیکل کیا ہوئی؟"

"وہ میرے پاس ہے۔"

"تو وہ لڑکی یہیں کہیں ہوگی۔"

"ہاں......میں اُسے ایک غار میں چھوڑ کر اپنے دوسرے ساتھیوں کی تلاش میں

"تمہارے گروہ کا سرغنہ کون ہے؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔"

"تمہاری مرضی......خیر اب تم مجھے اس لڑکی کے پاس لے چلو۔"

"تم میری زندگی کے خاتمے پر کیوں تل گئے ہو۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"دو... صورت میں......میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ویسے ممکن ہے کہ تم بچ جاؤ۔ تم اپنے غنہ سے کہہ سکتے ہو کہ جب اس نے تین آدمیوں کو بیکار کر دیا تھا تو ایک کی کیا حقیقت ہے۔"

بارش کا زور اب کم ہو گیا تھا۔ فریدی نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا لیکن اس بار اس ریوالور اٹھا کر جیب میں ڈالنا نہیں بھولا۔ اس کی جامہ تلاشی لینے پر کچھ فالتو راؤنڈ بھی ہاتھ ئے۔ پھر اُس نے اُسے دھکے دے دے کر غار سے باہر نکالا۔

"مجھے لڑکی کے پاس لے چلو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اسی پر تمہاری زندگی کا انحصار ہے۔"

کچھ دور چلنے کے بعد زخمی آدمی ایک غار میں مڑ گیا۔ فریدی کی ٹارچ روشن تھی۔ اس دبیا کو دیکھا جو ایک طرف پڑی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ وہیں موٹر سائیکل بھی موجود ی۔ شاید وہ بارش ہی کی وجہ سے رک گیا تھا ورنہ اسے بھی موٹر سائیکل پر نکال ہی لے گیا ہوتا۔

زوبیا کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں رومال ٹھونس دیا گیا تھا۔

"اسے کھولو۔" فریدی نے کہا۔

"دیکھو......تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔"

"کیا تمہیں اس لڑکی کے سامنے پٹتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔ آدمی بنو۔" فریدی نے کہا۔

مجبوراً اُسے زوبیا کو کھولنا ہی پڑا۔ وہ ہوش میں تھی۔

"سلیم صاحب۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"ہاں......اب تم محفوظ ہو۔ ذرا یہ ٹارچ لے کر یہاں کھڑی ہو جاؤ۔" اس نے ٹارچ زوبیا کی طرف بڑھا دی۔

پھر وہ اُسی ڈور سے جس سے زوبیا کے ہاتھ پیر باندھے گئے تھے اس آدمی کو جکڑ رہا تھا۔

"تم اپنے حق میں اچھا نہیں کر رہے۔" وہ غصیلی آواز میں بولا۔

"تم خاموشی اختیار نہ کرو گے تو مجبوراً مجھے تمہارا گلا گھونٹنا پڑے گا اور سنو تم لوگ خود کو محفوظ نہ سمجھو۔ میں تم میں سے ایک ایک کو مار ڈالوں گا۔ ورنہ میرے لئے کل تک اس آدمی کے

متعلق مکمل معلومات بہم پہنچاؤ۔ یہ قصہ اس سٹیج پر ہرگز ختم نہیں ہوسکتا۔ مگر مجھے اس لڑکی کو بحفاظت تمام واپس لے جانا ہے۔"

وہ آدمی کچھ نہ بولا۔

بارش تھم گئی تھی اور اب فریدی زوبیا کو کیریئر پر بٹھا کر رام گڈھ واپس جارہا تھا۔ مگر مو سائیکل کی رفتار تیز نہیں تھی کیونکہ کیریئر پر زوبیا بیٹھی ہوئی تھی۔ فریدی نے سوچا ممکن ہے موجودہ حالت میں موٹر سائیکل کی تیز رفتاری برداشت نہ کرسکے۔ وہ برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔

"تم وہاں اُن کاروں کے نزدیک کیوں گئی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے کسی نامعلوم آدمی نے خط لکھا تھا۔ اُس میں تحریر تھا کہ میں آپ اور پرویز۔ ہوشیار رہوں۔ ساتھ ہی اس نے لکھا تھا کہ اگر میں کاروں کے قریب پہنچ سکوں تو وہ مجھے ا بہت بڑے راز سے آگاہ کرے گا۔"

"اوہ...... تو کیا تمہیں بھی کسی راز کی جستجو تھی۔"

"جی ہاں۔" وہ عجیب انداز میں بولی۔ "میں صرف اپنا راز معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"مجھ سے کوئی راز وابستہ ہے، جو میرے لئے بھی راز ہے۔"

"کیا تم اس آدمی سے واقف تھیں جو آج لنچ کا شکار ہوگیا تھا۔"

"جی ہاں۔" وہ دردناک آواز میں بولی۔ "یہ میرے سلسلے میں تیسری موت تھی۔"

"بھئی تم پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔"

"آپ یقین کیجئے۔ میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ اُسے علم تھا کہ میرے لئے دو آد سے پہلے موت کا شکار ہوچکے ہیں لہٰذا وہ میرا راز دریافت کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں گ دوست تھے۔ جب پرویز صاحب سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے تاکید کردی کہ میں ا ہوشیار رہوں۔ لیکن میں اُن سے ملتی ہی رہی۔ آپ خود ہی سوچئے کہ آدمی کسی سے م بغیر کیسے زندگی گزار سکتا ہے۔ کل اس نے مجھ سے کہا کہ اگر میں نے پرویز صاحب سے ما

ں نہ کیا تو وہ پرویز صاحب کو قتل کردے گا۔ لہٰذا کل شام کو پرویز صاحب کو میرے رویئے ، بڑی تکلیف پہنچی۔ پھر اُن دونوں میں جھگڑا ہوگیا اور آج......!"

"کیا تم مجھے اس راز میں شریک کرسکو گی۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمہارے دوست کی ت کے سلسلے میں پولیس پرویز پر شبہ کررہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر پولیس کا شبہ رفع نہ ہوسکا تو ز بڑی مصیبت میں پھنس جائے گا۔"

"نہیں پرویز صاحب کا اس موت سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔"

"پھر اس کی پشت پر کون ہوسکتا ہے۔"

"یہی معمہ میں آج تک نہ حل کرسکی۔"

"مگر تمہارا راز کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتی کہ میرے اخراجات کون پورے کرتا ہے۔"

"تمہارے والدین۔"

"اوہ...... میں نہیں جانتی وہ کون تھے۔ کہاں تھے۔ کب تھے۔"

"ظاہر ہے کسی نہ کسی نے تمہاری پرورش ضرور کی ہوگی۔"

"وہ ایک گونگی عورت تھی، لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ میری ماں نہیں تھی۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ تمہاری ماں نہیں تھی۔"

"سارے پڑوس کہتے تھے۔"

"پھر آخر تم اس کے پاس کیسے پہنچی تھیں؟"

"نہ وہ خود بتا سکتی تھی اور نہ پڑوسی۔"

"اب وہ کہاں ہے۔"

"میں چھ سال کی تھی تب اس کا انتقال ہوگیا۔"

"پھر اس کی بعد تم کہاں رہی تھیں؟"

"وہیں...... اسی گھر میں...... اس کی علالت کے دوران ہی میں ایک بوڑھا آدمی وہاں

آ گیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اس گونگی کا بھائی ہے۔''

''لیکن یہ نہیں بتایا کہ تم اس گونگی کو کہاں سے ملی تھیں۔''

''نہیں...... اس نے نہیں بتایا۔ لیکن وہ مجھے اُس گونگی کا بھائی نہیں معلوم ہوتا تھا۔''

''یہ کیوں؟''

''گونگی نچلے طبقے کی معلوم ہوتی تھی لیکن وہ بوڑھا ہر لحاظ سے بلند آدمی تھا۔ وہ دول بھی تھا، ذی علم بھی تھا اور بہتیری خوبیاں تھیں اُس میں۔ گونگی کی موت کے بعد اس نے تعلیم و تربیت کی لیکن وہ ہمیشہ میرے والدین کے متعلق گفتگو کرتا رہتا تھا۔ ہر وقت مجھے احساس میں مبتلا رکھتا تھا کہ میں ایک بے سہارا نامعلوم والدین کی بیٹی ہوں۔''

''وہ بوڑھا کہاں مل سکے گا؟''

''خدا جانے...... آج سے دو سال پہلے وہ ایک دن اچانک غائب ہوگیا اور پھر آ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا۔''

''بڑی عجیب کہانی ہے۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر

''تمہارا مستقل قیام کہاں رہتا ہے۔''

''قائم آباد میں...... وہیں میں نے ہوش سنبھالا تھا اور وہیں اب بھی رہتی ہوں۔ مکان مختصر سا اور شکستہ حالت میں تھا۔ مگر اب اُسی زمین پر ایک شاندار عمارت موجود عمارت اسی بوڑھے نے بنوائی تھی۔''

''اب تمہارے اخراجات کیسے چلتے ہیں؟''

''ہر ماہ پانچ سو روپے کا چیک مل جاتا ہے اور میں اسے کیش کرالیتی ہوں لیکن جانتی کہ چیک کون بھیجتا ہے اس کے دستخط بھی سمجھ میں نہیں آتے۔''

''یہ تو بینک سے معلوم ہوسکتا ہے۔''

''لیکن مجھے نہیں معلوم ہوسکا۔ میں نے بہت کوشش کی ہے۔''

''میں معلوم کرلوں گا۔''

''میں زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔ یہ الجھن میری لئے سوہان روح بن کر رہ گئی ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ موٹر سائیکل سناٹے کا سینہ مجروح کرتی رہی۔

رقاصوں کا نگران

دوسری صبح کا سورج کچھ پھیکا پھیکا سا تھا۔ حمید نے انگڑائی لے کر کھڑکی پر دونوں ہاتھ دیئے۔ سورج پہاڑوں کے پیچھے سے ابھر چکا تھا اور خلاء میں چاروں طرف شعاعوں کے ارتے چلے گئے تھے، مگر حمید کو آج کی صبح کچھ اداس سی لگ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا وس ہو رہا تھا جیسے کچھ بھول گیا ہو۔ کچھ کھو بیٹھا ہو۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے دو تین گہری ری سانسیں لیں اور کھڑکی پر کہنیاں ٹیک کر جھک گیا۔

مقدر! وہ سوچ رہا تھا۔ سطح سمندر سے کئی فٹ کی بلندی پر بھی ساتھ نہیں چھوڑتا...... اگو...... بھاگتے رہو...... لیکن جس چیز سے بھاگو گے وہ ضرور تمہارا تعاقب کرے گی۔

وہ اپنی زندگی کے معمولات سے اُکتا کر رام گڈھ بھاگا تھا۔ مگر ان تھکا دینے والے مولات نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ پھر غیر معمولی حالات میں کسی کی موت...... پھر وہی ر...... اور پھر؟ کیا یہ ضروری تھا کہ زوبیا ہی سے اس کی ملاقات ہوتی اور ایک آدمی اس کیلئے اس سے لڑ جاتا۔ پھر دوسرے دن اس کی موت کسی قسم کے زہر سے واقع ہوجاتی۔ یہ مقدر ہی تو ا۔ اگر اب اس جنجال سے روگردانی بھی چاہتا تو نہ کرسکتا۔ کیونکہ پولیس خود اس پر شبہ کر رہی تھی۔ چہ اپنی اصلیت ظاہر کر کے رفع بھی کیا جاسکتا تھا مگر فریدی...... وہ قضائے مبرم کیطرح سر پر وار تھا وہ ہرگز اسکے حق میں نہیں تھا کہ اپنی اصلیت ظاہر کر کے پولیس کا شبہ رفع کیا جائے۔

وہ ان خیالات سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا لیکن وہ ایک نہیں دو لڑکیوں کا معاملہ تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ڈالی کا تعلق مجرموں سے ضرور ہے ورنہ اُس کے کمرے میں ابتری پھیلانے کا کیا

مقصد تھا۔ یقینی طور پر یہ اسی لئے کیا گیا تھا کہ اس پر کسی قسم کا شبہ نہ کیا جاسکے۔ یا پھر اس خلاف بھی شبہ برقرار ہی رکھنا چاہتے تھے۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔ دوپہر کے کھانے کے اس نے ڈائننگ ہال ہی کو ترجیح دی۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ وہ اور فریدی ساتھ ہی ڈا ہال میں داخل ہوئے اور سامنے والے دروازے میں وہی سراغ رساں نظر آیا جو پچھلی رات کو بور کرتا رہا تھا..... وہ تیر کی طرح اُن کی طرف آیا۔

"کیا آپ بتا سکیں گے کہ آپ پچھلی رات سے اب تک کہاں رہے تھے۔" اس فریدی سے پوچھا۔

"اوہ..... اچھا اچھا۔" فریدی سر ہلا کر مسکرایا۔ "ابھی تک ہم لوگوں کی طرف سے نہیں ہوا۔"

"آپ براہِ کرم میرے سوال کا جواب دیجئے۔"

"میں نے پچھلی رات نواب طاہر مرزا کے یہاں گذاری تھی۔"

"آپ ثابت کرسکیں گے۔"

"اگر آپ کو اُن کے ٹیلی فون نمبر نہ معلوم ہوں تو میں بتاؤں۔" فریدی نے کہا۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ آج کل ہر وقت گھر پر مل سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے حال چوتھی شادی کی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" سراغ رساں نے کہا۔ "میں ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ کچھ دیر بعد حمید نے اُسے ٹیلی فون ڈائریکٹ پلٹتے دیکھا۔

"آپ کہاں تھے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں ذرا ان حضرت کو دفع ہو جانے دو۔"

"ارے یہ جونک ہے۔"

"آدمی سمجھدار معلوم ہوتا ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ سراغ رساں فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ حمید اسے دیکھتا رہا۔ جلد ہی ریسیور رکھ کر ڈائننگ ہال سے چلا گیا۔

فریدی نے پچھلی رات کی داستان چھیڑ دی اور حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے سنتا رہا۔

"لیکن وہ اب کہاں ہے۔" حمید نے اس کے خاموش ہوتے ہی مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"فلم اسٹار روحی کے یہاں۔ وہ بھی آج کل یہیں مقیم ہے۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ زوبیا دوبارہ یہاں واپس آئے۔ روحی کا مکان ہی مجھے اس کے لئے محفوظ معلوم ہوا۔ میں نے اُسے سمجھا دیا ہے کہ وہ اُسے میری اصلیت سے آگاہ نہ کرے۔"

"کیا میں روحی سے مل سکتا ہوں۔"

"نہیں..... ابھی نہیں۔"

کچھ دیر بعد حمید نے بھی پچھلی رات کے واقعات دہراتے ہوئے کہا۔ "کسی نے مقتول کے کمرے میں پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی تھی۔ بڑی مشکل سے آگ پر قابو پایا جاسکا۔ لیے اس کے سامان کی ایک دھجی بھی صحیح و سلامت نہیں ملی۔"

"کاش میں اس کے سامان کی تلاشی لے سکا ہوتا۔"

"لیکن ہمارے کمروں پر کس نے ہاتھ صاف کیا۔"

"اگر ڈالی مجرموں کی ساتھی ہے تو یہ کسی سراغ رساں ہی کی حرکت ہوگی۔" فریدی بولا۔ "اور اگر مجرموں نے ہمارے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنے کیلئے یہ اقدام کیا تھا تو ڈالی ان کی ساتھی نہیں ہوسکتی۔ لیکن ڈالی مشتبہ ہے۔ کیونکہ اس نے تمہیں اپنا پتہ غلط بتایا تھا اور تمہارے کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ کیا تم سوچ سکتے ہو کہ اُس شیشی میں کیا رہا ہوگا۔"

"زہر.....؟" حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں..... کوبرا کا زہر۔"

"کوبرا کا زہر۔" حمید بیساختہ اچھل پڑا۔ پھر پوچھا۔ "کیا آپ کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا علم ہے؟"

"نہیں......؟"

"وہ کوبرا کے زہر سے ہلاک ہوا تھا۔"

"اوہ......تو یہ حقیقت ہے کہ ہمیں پھنسانے کی کوشش کی گئی تھی۔ میں نے آج ہی اس کا کیمیائی تجزیہ کرایا ہے۔ کوبرا کا زہر۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "ہوسکتا ہے کسی سراغرساں ہی نے اسی زہر کیلئے در تلاشی لی ہو۔ رہ گیا ڈالی کا مسئلہ تو ہوسکتا ہے کہ سراغرساں نے اسے تمہارے ساتھ دیکھ لیا ہو

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کی نظر فون پر تھی۔

"نواب طاہر مرزا کا کیا قصہ تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے یقین تھا کہ پولیس میری عدم موجودگی کے متعلق ضرور استفسار کرے گی لہٰذا نے طاہر مرزا کو جھوٹ بولنے پر آمادہ کرلیا۔"

"لیکن آخر آپ اتنے پاپڑ کیوں بیل رہے ہیں۔ کیا آپ اپنی اصلیت ظاہر کر کے کام انجام نہیں دے سکتے۔"

"نہیں...... میں پولیس کو اپنے پیچھے لگائے رکھنا چاہتا ہوں۔ فی الحال مجرموں کو دینے کے لئے یہی ایک طریقہ کارآمد ہوسکتا ہے۔"

"زوبیا کا معاملہ عجیب ہے۔ اگر اس نے راست گفتاری سے کام لیا تو......!"

"مجھے یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی ہے۔ خیر تھوڑی دیر ٹھہرو۔ ہم کسی حقیقت کے قریب پہنچ جائیں گے۔ میں نے قائم آباد کے محکمہ سراغ رسانی کو تار دیا۔ الائیڈز بینک کے اکاؤنٹ نمبر چار سو سترہ کے متعلق معلومات فراہم کرے۔"

حمید پھر کچھ کہنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "سائیکل کا کیا ہوا؟"

"پچھلی رات میں نے اُسے کوتوالی کے قریب چھوڑ دیا تھا۔ آج غالباً وہ اپنے ما پاس پہنچ بھی گئی ہوگی۔"

"کتنا عجیب کیس ہے۔ یہ زوبیا مجھے پہلے ہی عجیب معلوم ہوئی تھی۔"

"لیکن اس کے اس طرح اغواء کئے جانے کا مسئلہ عجیب ہے۔ وہ اپنے کسی ایسے دشمن کو ہیں جانتی جس سے اس قسم کا خدشہ ہو۔ ویسے اس کے لئے یہ بات حیرت انگیز ضرور ہے کہ جو س سے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے کسی نہ کسی طرح موت کے گھاٹ اُتر جاتا ہے۔"

"آہا......!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ کیس ہے۔ ایسے کیسوں کے لئے میں اپنی تفریح زبان کرسکتا ہوں مگر آپ نے اس کو کیوں چھوڑ دیا تھا؟"

"مجبوراً چھوڑ دینا پڑا حمید صاحب۔" فریدی بولا۔ "زوبیا کو روحی کی کوٹھی میں چھوڑ کر دوبارہ پھر اُدھر ہی کی دوڑ لگائی تھی، لیکن اتنی دیر میں میدان صاف ہو چکا ہے۔ خیر فکر نہ کرو۔ اگر ہم اس ہوٹل ہی میں مقیم رہے تو جلد ہی ان لوگوں سے ملاقات ہوگی اور ہاں یہ حقیقت ہے کہ زوبیا اپنے وینٹی بیگ میں اعشاریہ دو پانچ کا پستول رکھتی ہے۔ ڈالی نے صحیح اطلاع دی تھی۔ یہ ڈالی میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔"

"آپ کی سمجھ میں مشکل ہی سے آئے گی کیونکہ وہ جوان بھی ہے اور حسین بھی۔"

"تم اس پر اپنے شبہ کا اظہار نہ ہونے دینا۔"

"وہ تو ہو بھی چکا پچھلی رات۔"

"کیا مطلب......!"

حمید نے اُسے بتایا کہ کس طرح ڈالی سے فون پر جھڑپ ہوئی تھی اور اُس نے اس پر یہ بات واضح کردی تھی کہ تار جام میں کوئی آئرن فیکٹری اس نام کی نہیں ہے جو اس نے اپنے باپ سے منسوب کی تھی۔

"پرواہ نہ کرو۔ مگر اس کے بعد تم نے ڈالی کے رویہ میں تبدیلی پائی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں نہیں......آج وہ ابھی تک مجھ سے ملنے نہیں آئی۔" حمید نے جواب دیا۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید نے پوچھا۔ "کیا زوبیا اس پستول کا لائسنس رکھتی ہے۔"

"ہاں......اور اس کے لئے لائسنس جعفری نے حاصل کیا تھا۔"

''کون جعفری؟''

''وہی بلغ کا شکار۔ وہ قائم آباد کے متمول خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن زوبیا نے یہ بات میرے علاوہ اور کسی پر ظاہر نہیں کی۔''

دوپہر کے کھانے کے بعد حمید ڈالی کی تلاش میں نکلا۔ لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ اس کا کمرہ مقفل تھا۔ وہ پھر ڈائننگ ہال میں واپس آ گیا۔ فریدی اب بھی یہیں موجود تھا۔

''قائم آباد سے اطلاع ملی ہے حمید صاحب۔ وہ اکاؤنٹ جس سے زوبیا کو ہر ماہ روپے ادا کئے جاتے ہیں کسی ڈاکٹر ناصر کا ہے اب میں زوبیا سے معلوم کروں گا کہ وہ کسی ڈاکٹر ناصر سے واقف ہے یا نہیں۔''

پھر وہ اٹھ کر جانے لگا۔

''کہاں......؟''

''کسی پبلک کال بوتھ سے زوبیا کو فون کروں گا۔''

وہ چلا گیا اور حمید اُن نیم مردہ آرٹسٹوں کو دیکھنے لگا جو پہیئے دار کرسیوں پر ڈائننگ ہال میں لائے گئے تھے۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر انہیں یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اپنے کمروں میں کھانا کھا سکتے تھے مگر پھر خیال آیا کہ وہ تو اسطرح ایک دوا ''انرجین'' کی پبلسٹی کر رہے ہیں۔ آرٹسٹ کیساتھ ایک خبر گیری کرنیوالا بھی تھا۔ انکی کرسیاں وہی لوگ دھکیل کر یہاں لائے تھے۔

کچھ دیر بعد حمید نے انہیں نیم مردہ آرٹسٹوں کو کھانا کھلاتے دیکھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے کھانا بھی نہیں کھا سکتے تھے۔ ان آرٹسٹوں کے ساتھ ایک منتظم بھی تھا اور یہ خود بھی ایک شاندار آرٹسٹ ہی معلوم ہوتا تھا لیکن ان آرٹسٹوں کی طرح وہ نیم مردہ نہیں تھا۔ اس کا سینہ چوڑا تھا اور بازو مچھلیوں سے پُر تھے۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ آرٹسٹوں کی خبر گیری کرنے والے اسے ''ناگری صاحب'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

اس وقت وہ بھی آرٹسٹوں کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ حمید نے اُسے اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی، جو فوراً ہی شکریہ کے ساتھ قبول کر لی گئی۔ حمید کھانا کھا چکا تھا۔ ناگری نے بتایا کہ وہ بھی

کھانا کھا چکا ہے۔ آخر بات کافی پر ٹھہری۔ حمید نے کافی کے لئے آرڈر دیا۔ کچھ دیر تک حمید آرٹسٹوں اور اُس عجیب و غریب مشروب پر حیرت ظاہر کرتا رہا پھر بولا۔ ''مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان کی حالت اتنی ابتر کیوں رہتی ہے؟''

''اوہ دیکھئے نا جناب...... یہ لوگ دراصل انرجین کے اشتہار ہیں اور یہ مشروب بھی وقتی اثرات کا حامل ہے۔ اس میں انرجین کے وہ اجزاء شامل نہیں کئے گئے جو مستقل طور پر اعصاب کے لئے صحت بخش ہوتے ہیں۔''

''کیا ان کی یہ کیفیت قدرتی ہے۔''

''نہیں جناب! انہیں ایسی ادویات دی جاتی ہیں جن سے اعصاب بیحد کمزور ہو جاتے ہیں۔''

''مگر یہ تو ظلم ہے اور شاید جرم بھی؟''

''لیکن خود وہ لوگ نہ اُسے جرم سمجھتے ہیں اور نہ ظلم۔ انہیں اس کے لئے بہت بڑے بڑے معاوضے دیئے جاتے ہیں اور ان کی زندگیوں کی بھی ضمانت دی گئی ہے۔ ایک معینہ مدت کے بعد انہیں انرجین کا مکمل نسخہ استعمال کرایا جائے گا اور یہ معمول پر آ جائیں گے۔ ہم نے اس کے لئے باقاعدہ طور پر وزارت صحت سے اجازت نامہ حاصل کیا تھا۔''

''مجھے سخت حیرت ہے۔''

''ڈاکٹر اسفندیار کے لئے سب کچھ ممکن ہے جناب۔''

''میں نے یہ نام بہت سنا ہے لیکن کسی نے آج تک ڈاکٹر اسفندیار کو دیکھا بھی نہیں۔''

''یہ سعادت مجھے حاصل ہو چکی ہے جناب۔ ویسے حکومت کو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے کہ ڈاکٹر اسفندیار منظر عام پر کیوں نہیں آتے ہیں۔ اگر وہ منظر عام پر آنے لگیں تو اُن کا وقت کتنا برباد ہو۔ ایک جم غفیر ہر وقت اُن کی گرد رہے اور پھر وہ ملک و قوم کی خدمت نہ کر سکیں۔ وہ اب تک کئی وباؤں کا کامیاب علاج دریافت کر چکے ہیں۔ اس لئے وزارتِ صحت انکا ہر وقت ہر قسم کی مراعات دینے پر تیار رہتی ہے۔''

پھر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور ناگری کافی ختم کر کے اٹھ گیا۔ اس کے جاتے ہی

فریدی ہال میں داخل ہوا۔

"کیا رہا......؟" حمید نے پوچھا۔

"وہ کہتی ہے کہ ناصر تو اسی بوڑھے کا نام تھا جو گونگی عورت کی موت کے بعد اس کی
گیری کرتا تھا لیکن وہ نہیں جانتی کہ وہ ڈاکٹر بھی تھا۔"

"یہ آخر ہے کیا چکر۔" حمید اپنا سر سہلا کر بولا۔ لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔

لاری کی چھت پر

مقامی سی آئی ڈی انسپکٹر ابھی تک اسی چکر میں تھا کہ کسی طرح حمید کو ماخوذ کر لے اسے یہ ثابت کردینے میں ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا کہ بلنچ کے حملے کے وقت حمید حوض کے پاس ہی کہیں موجود تھا۔ حمید کو اُسے چھیڑنے میں بڑا لطف آتا۔

ڈالی اب بھی حمید کے گرد منڈلا رہی تھی۔ اس نے بڑے خلوص کے ساتھ اعتراف کہ وہ اپنی اصلیت کے بارے میں اس سے جھوٹ بولی تھی۔

"میری عادت ہے۔" اس نے کہا۔ "میں اپنے متعلق کسی کو صحیح بات نہیں بتاتی۔"

"تب پھر تمہارا نام بھی سالی ہوگا۔"

"کیوں......؟"

"سالی کو ڈالی میں تبدیل کردینا مشکل کام نہیں ہے۔"

"نہیں میں نے اپنا نام غلط نہیں بتایا۔"

"لیکن تم ایک ایسے آدمی سے ملتی ہی کیوں ہو، جس کی نگرانی پولیس کر رہی ہے؟"

"تم مجھے بہت پُراسرار معلوم ہوتے ہو۔"

"ہاں کسی حد تک۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

پھر بات آگے نہیں بڑھی۔ حمید اب اس میں صرف اسی حد تک دلچسپی لے رہا تھا کہ وہ یدی کی نظروں میں مشتبہ تھی لیکن وہ زوبیا کے متعلق ہر وقت سوچتا رہتا۔ کبھی کبھی خیال آتا کہ ز فریدی نے اس کے بیان کو سچ کیسے تسلیم کرلیا۔ ممکن ہے وہ بھی مجرمہ ہی ہو اور کسی مخالف روہ سے اس کے گروہ کی ٹھن گئی ہو اور مرنے والے کا تعلق بھی زوبیا ہی کے گروہ سے ہو۔

اس سے پہلے بھی کئی بار وہ ایسے ہی حالات سے دوچار ہو چکا تھا۔ دو گروہوں میں جنگ تی اور کمزور پڑنے والے گروہ کے کچھ آدمی پولیس کے ہاتھ لگ جاتے اور یہ لوگ پولیس پر ہی ظاہر کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ بے ضرر اور امن پسند شہری ہیں۔ لیکن وہ اس سے لاعلمی ہی ظاہر کرتے کہ وہ کس کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اپنے دشمنوں کی نشان دہی کردینے پر خود ان کی اصلیت ظاہر ہو جانے کا بھی خطرہ رہتا تھا۔

حمید سوچتا ہی رہا کیونکہ فریدی سے اس مسئلے پر بحث کرنا فضول ہی ہوتا۔ اس کی بات تو ر کی لکیر ہوتی تھی۔ وہ زوبیا کے متعلق جو نظریہ رکھتا تھا اسے تبدیل کرا دینا کم از کم حمید کے بس ا روگ نہیں تھا۔ وہ صبح سے شام تک فریدی کی بھاگ دوڑ دیکھتا رہتا لیکن نہ تو اس سے کچھ چھتا اور نہ ہی اس پر زور دیتا کہ وہ بھی اس کے ساتھ رام گڈھ کی خاک چھانے گا۔

جب سے بلنچ والا کیس ہوا تھا اس نے ہوٹل سے باہر قدم نہیں نکالے تھے۔ حالانکہ فریدی نے اس قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔

ویسے حقیقت اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھی کہ حمید کا موڈ ہی چوپٹ ہو گیا تھا۔ وہ یہاں آیا تو تفریح کی غرض سے لیکن اس کیس نے لفظ "تفریح" ہی کی مٹی پلید کر کے رکھ دی تھی۔

وہ شام کو بھی اپنے کمرے سے نہ نکلا۔ لیکن تقریباً سات بجے کسی نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ آنے والا وہی تھا جن پر خار کھا کھا کر حمید ببول کا درخت بن چکا تھا۔

فریدی نے کوٹ اتار کر ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی اور ایک آرام کرسی پر گر کر سگار سلگانے لگا۔

پے در پے تین کش لینے کے بعد اس نے حمید سے پوچھا۔ "آج کا تفریحی پروگرام کیا ہے۔"

"کیپٹن حمید ہمالیہ سے بحرِ عرب میں چھلانگ لگائے گا۔"

"موڈ خراب ہے۔" فریدی اس کی جھلاہٹ پر مسکرایا پھر آہستہ سے بولا۔ "وہ شاید آج کوئی دوسرا کارنامہ پیش کریں گے۔"

"خدا انہیں معاف کرے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیونکہ وہ دوسروں کے تفریح مہیا کرتے ہیں۔"

"چلو اٹھو! یہاں بہت گھٹن ہے۔"

"کہیں جھونکنا ہے۔"

"نہیں! میں آج تمہاری بارات نکالوں گا۔"

وہ شاید اُسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتا تھا۔ طوعاً و کرہاً حمید اٹھا اور لباس تبدیل کر کے کھڑے کھڑے اونگھنے لگا۔

"کیا تمہیں بھی انزجین کا ایک ڈوز دیا جائے؟" فریدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کسی اڑیل گدھے کی طرح آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

"آج ہاتھوں میں کھجلی ہو رہی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آج وہ مجھے چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں اور ان کی تعداد تیرہ سے کم نہیں ہے۔"

"وہی جنہوں نے زوبیا کو اغواء کیا تھا۔"

"ہاں...... آں...... اُن کے علاوہ اور کون ہوگا۔"

"تو کیا وہ یہاں موجود ہیں۔"

"قطعی...... کیا تم اپنے پیچھے قدموں کی آواز سن رہے ہو...... نہیں...... مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس چلتے رہو۔ فی الحال یہ صرف ایک آدمی ہے لیکن جیسے ہی ہم پہنچیں گے تعداد بڑھ جائے گی۔"

"اچھا تو آپ اپنے کمرے میں جائیے میں ان سے سمجھ لوں گا۔ صرف آپ کسی کی پہچان کرا دیجئے۔"

"اونچے اڑ رہے ہو فرزند۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ان لوگوں سے نہیں الجھنا چاہتا۔ مجھے تو آدمی چاہیئے جس نے انہیں اغواء کے لئے تیار کیا تھا۔"

"لیکن اگر وہ انتقامی کاروائی کر بیٹھے تو......؟ ظاہر ہے کہ آپ نے ان کا کھیل بگاڑا تھا۔"

"تب ہو سکتا ہے میرا ہاتھ ان پر اٹھ جائے۔ لیکن اس سے پہلے ممکن نہیں۔"

وہ دونوں عمارت سے باہر آ گئے اور اب وہ رقص گاہ کی طرف جا رہے تھے۔

"بس تم اس طرح چلتے رہو جیسے تمہیں اس بات کا علم نہیں۔" فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ یہ رات ڈھول دھپے کیلئے تو قطعی موزوں نہیں۔ آج دن بھر موسم بہت اچھا رہا تھا...... لہٰذا رات بھی خوشگوار تھی۔ پھر پیراڈائیز کا ماحول۔

وہ رقص گاہ پہنچ گئے۔ مائیکروفون سے ہلکی ہلکی موسیقی منتشر ہو رہی تھی لیکن ابھی آج کا پروگرام نہیں شروع ہوا تھا۔

موسیقی کا ریکارڈ ختم ہو جانے کے بعد معلن کی آواز آئی۔ "ہال سے پہلے آج پھر نیم مردہ رقاص آپ کی خدمت میں ایک پروگرام پیش کریں گے۔ انزجین کا ایک اور حیرت انگیز کرشمہ ملاحظہ فرمائیے۔ انزجین جو بہت جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہوگی۔ انزجین جو آپ کو ہر دوا فروش سے حاصل ہو سکے گی۔ اس انزجین کا کرشمہ......!"

دفعتاً لاؤڈ سپیکر کی آواز خراب ہو گئی اور پھر معلن نے جو کچھ بھی کہا وہ کسی کی سمجھ میں نہ آ سکا۔

"پبلسٹی کا کتنا شاندار طریقہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جہنم میں جھونکئے۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"یہیں ہیں اور سبھوں پر میری نظر ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ انزجین کا نیا کرشمہ دیکھو۔"

حمید کچھ نہ بولا اور پائپ سلگا کر سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نیم مردہ رقاصوں کا پروگرام شروع ہو گیا۔ آج وہ "محبت اور نفرت" پر ایک رقص پیش کرنے والے تھے۔ آرکسٹرا موسیقی بکھیر رہا تھا۔ رقاصوں پر چار جانب سے مختلف رنگوں کی روشنیاں پڑنے لگیں۔

رقص شروع ہوگیا۔ دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ دونوں ہی اس سے محبت کرتی تھیں مگر لڑکا صرف ایک طرف مائل تھا۔ دونوں اسے اپنی جانب کھینچنے کی کوشش کرتی ہیں کامیابی صرف ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی رقص کرتی ہوئی لڑکے کو رقص گاہ سے نکال جاتی۔ پھر شکست خوردہ لڑکی تنہا رہ جاتی ہے۔ حقیقتاً اس کا رقص ماسٹر پیس تھا جس میں وہ تنہائی کے بعد غصے اور نفرت کا اظہار کرتی ہے اس پر آہستہ آہستہ وحشت سی طاری ہوتی جاتی ہے پھر یک بیک ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے اسکا دماغ بالکل ہی الٹ گیا ہو۔ وہ فرش پر پڑے پتھر چبانے لگتی ہے اس وقت اس پر چاروں طرف سے بہت ہی تیز قسم کی روشنیاں ڈالی جاتی ہیں۔ نزدیک و دور کے لوگ اسے پتھر چباتے دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً مائیکروفون سے آواز آئی۔

"یہ انرجین کا دوسرا کرشمہ ملاحظہ فرمائیے جن صاحب کو بھی ان پتھروں کی اصلیت پر شبہ ہو قریب سے دیکھ سکتے ہیں انہیں پرکھ سکتے ہیں۔"

رقص ختم ہو چکا تھا لیکن رقص کرنے والی اب بھی وہیں موجود تھی۔ وہ جاتی بھی کیسے کیونکہ ایک جم غفیر نے اسے گھیر لیا تھا......لوگ اسے تحائف پیش کر رہے تھے۔ کچھ ان پتھروں کا معائنہ کر رہے تھے جو کچھ دیر پہلے مصری کی ڈلیوں کی طرح چبائے گئے تھے۔ حمید بھی بھیڑ میں شامل تھا لیکن فریدی نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔

ذرا ہی سی دیر میں رقاصہ کے آگے تحائف کے ڈھیر لگ گئے۔ کچھ لوگ اس کا آٹو گراف بھی چاہتے تھے۔

دو یا تین منٹ کے بعد مائیکروفون سے آواز آئی۔ "اب براہِ کرم آرٹسٹ کے پاس سے ہٹ آئیے۔"

بھیڑ ہٹ گئی لیکن حمید چپ چاپ سر جھکائے کھڑا رہا۔

"فرمائیے......جناب۔" رقاصہ نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ایک تحفہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"جلدی کیجئے......میں اب تھکن سی محسوس کر رہی ہوں۔"

"میری طرف سے شمال کا عظیم پہاڑی سلسلہ تحفتاً قبول فرمائیے۔" حمید نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ رقاصہ ہکا بکا رہ گئی۔ شاید یہ مزاح اس کے لئے غیر متوقع تھا۔ اس نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور سر کو پرغرور سا جھٹکا دے کر دوسری طرف مڑ گئی۔

حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنی میز کی طرف واپس جا رہا تھا لیکن دفعتاً اس کے قدم رک گئے اس نے فریدی کو دیکھا جو دو اجنبیوں کے بازوؤں کا سہارا لئے ایک طرف جا رہا تھا۔ انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے اس نے بہت زیادہ پی لی ہو۔

حمید اسے دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا اس کا مقصد کیا ہوسکتا ہے۔ دونوں اجنبی اسے بیرونی پھاٹک کی طرف لے جا رہے تھے۔ یکایک حمید کو خیال آیا کہ فریدی نے یہاں آتے وقت چند تعاقب کرنے والوں کا تذکرہ کیا تھا۔ تو پھر...... کیا وہ اس پر قابو پا گئے ہیں، لیکن یہ صرف دو آدمی ہیں......صرف دو......آدمی اور فریدی کو اس طرح لے جائیں؟ یقیناً انہوں نے کوئی خاص طریقہ اختیار کیا ہے۔ ممکن ہے اُسے کوئی چیز دھوکے سے دے دی گئی ہو۔ جس سے ذہن قابو میں نہ رہ جائے۔ پھر اسے یاد آیا کہ فریدی نے تعاقب کرنے والوں کی تعداد تیرہ بتائی تھی تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ دوسرے آدمی بھی یہیں موجود ہوں گے......لیکن......؟"

حمید نے مزید غور کرنا بیکار سمجھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا رخ باغات کی طرف ہوگیا۔ وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔ ویسے وہ باغات سے گذرتا ہوا پھاٹک تک بھی پہنچ سکتا تھا اور شاید ان لوگوں کو پیچھے بھی چھوڑ سکتا تھا، جو فریدی کو پھاٹک کی طرف لے جا رہے تھے۔ حمید کی رفتار بہت تیز تھی۔ پھاٹک پر پہنچنے سے قبل ہی وہ مطمئن ہوگیا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسے وہ دونوں آدمی نظر آئے جو فریدی کو سہارا دیئے ہوئے کہیں لے جا رہے تھے۔

دفعتاً اس نے فریدی کو کہتے سنا۔ "بھائی ذرا آہستہ......مجھے دکھائی نہیں دیتا۔"

وہ دونوں اس پر کچھ بولے نہیں، البتہ حمید نے محسوس کیا کہ وہ آہستہ چلنے لگے ہیں۔ ان

کا رخ ادھر ہی تھا جہاں گاڑیاں پارک کی جاتی تھیں۔

حمید بھی خود رو جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اسی طرف بڑھنے لگا تھا۔ وہ لوگ ایک لار قریب رک گئے۔ حمید جھاڑیوں سے نکل کر پارک کی ہوئی کاروں کے درمیان آ گیا۔ پ ہی فریدی کو لاری میں بٹھایا گیا پانچ آدمی اور لاری کے قریب پہنچ گئے۔ اب وہ تعد سات ہوگئے جب وہ بھی لاری میں بیٹھ چکے اور انجن اسٹارٹ کر دیا گیا تو حمید نے ایسی حیر انگیز پھرتی دکھائی جو شاید فریدی کے لئے بھی غیر متوقع ہوتی۔ یعنی لاری کے حرکت میں آ سے پہلے ہی وہ اس کی چھت پر پہنچ چکا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اوپر پہنچ جانے کے بع غیر متوقع طور پر کسی نئی مصیبت سے دوچار ہوگیا ہو۔ وہ داہنی کروٹ لیٹا ہی تھا کہ کوئی سخت چیز اس کے سینے میں آ لگی اور ساتھ ہی کسی نے سرگوشی کی۔ ''خبردار...... اگر آواز نکلی تو گ دوسری طرف نکل جائے گی۔''

حمید دم بخود رہ گیا۔ اس نے جلدی میں اُس لمبی اور سیاہ سی چیز پر دھیان ہی نہیں دیا جو پہلے ہی سے لاری کی چھت پر موجود تھی۔

لاری کی رفتار تیز ہوگئی اور حمید اپنے سینے پر ریوالور کی نال کا دباؤ محسوس کرتا رہا۔ مگ خوشبو کتنی دلکش تھی جس کی مہک اس کے ذہن کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جی خوشبو اس کے لئے نئی نہ ہو۔ وہ چپ چاپ پڑا رہا۔ لاری دوڑتی رہی لیکن شاید حمید کا ذہن سے بھی زیادہ تیز رفتاری پر مائل تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ کتنے چالاک ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ اس سے لاری کی چھ ملاقات ہوگی۔ لہٰذا انہوں نے اس کے تعاقب کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی اور اب ا صرف ایک ہی آدمی اس کے لئے کافی تھا۔ حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے ب

''کیا تمہارے پاس ایک کمبل بھی ہوگا دوست...... میں سردی محسوس کر رہا ہوں۔''

''چپ پڑے رہو۔'' حمید کے سینے پر ریوالور کا مزید دباؤ ڈالتے ہوئے کہا گیا۔ اس آواز سرگوشی سے کچھ بلند تھی لیکن حمید کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا کیونکہ وہ کسی عورت کی

ی۔ پھر اس نے سوچا ممکن ہے اسے دھوکا ہوا ہو، لہٰذا اسے چاہئے کہ ایک بار پھر اسے اسی رح بولنے پر مجبور کرے، اگر وہ کوئی عورت ہی ثابت ہوئی تو......؟

''اگر میں سو جاؤں تو تمہیں اس پر اعتراض تو نہ ہوگا'' حمید نے کہا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''چپ چاپ لیٹے رہو۔ کیا تم نے سنا نہیں۔'' اس بار پھر اس کی آواز سرگوشیوں کے چاک سے نکل آئی تھی۔

حمید نے معلوم کر کے کہ وہ کوئی عورت ہی ہے ایک طویل سانس لی اور پھر پے در پے ٹھنڈی سانس لیتا رہا۔ لیکن پستول یا ریوالور اس کے سینے سے نہیں ہٹایا گیا۔

''تم کون سا سینٹ استعمال کرتی ہو؟'' حمید نے پوچھا۔

عورت کچھ نہ بولی۔ لیکن حمید کے سینے پر دباؤ کچھ اور بڑھ گیا۔

''کیا تم مجھے اپنی عمر بتانے کی زحمت گوارا کرو گی؟''

''کیوں؟''

''اگر عمر زیادہ ہوئی تو میں تمہارے ہاتھوں مرنے پر یہاں سے چھلانگ لگا کر جان دینے کو ترجیح دوں گا۔''

عورت نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور حمید بے ساختہ چونک پڑا۔ یہ ہنسی بھی جانی پہچانی ہوئی سی تھی۔

''ڈالی۔'' اس نے متحیرانہ انداز میں دہرایا اور ریوالور کا دباؤ یک بیک بہت کم ہوگیا۔

حمید احمق ہی تھا۔ اگر اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاتا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے ریوالور اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

''تم...... تم...... کون ہو۔'' عورت نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

''وہی پرانا غوطہ خور...... پرویز......!''

عورت نے ایک طویل سانس لی۔

دوسری جھڑپ

کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش رہے پھر ڈالی نے کہا۔ ”تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

”ظاہر ہے کہ تمہارے سات آدمی نیچے موجود ہیں۔“ حمید بولا۔

”تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ میں ان سے واقف نہیں ہوں۔“

”پھر کیا تم یہاں لیٹی مونگ پھلیاں کھا رہی تھیں۔“

”نہیں...... میں نے چند آدمیوں کو آج گفتگو کرتے سنا تھا وہ یہاں سے کسی کو زبرد لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔“

”کیا تم انہیں پہلے سے جانتی تھیں؟“

”تمہیں اس سے کیا سروکار...... لیکن میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔ ”وہ کسے پکڑ کر لے جا رہے ہیں؟“

”میں یہ بھی نہیں جانتی...... مجھے تو ان کی قیام گاہ معلوم کرنی ہے۔“

”کیوں؟“

”تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔“

”کیوں نہ ہونا چاہئے۔ کیا وہ ساتوں میرے ساتھی نہیں ہیں۔“

”نہیں......!“ ڈالی کی آواز میں خوف تھا۔

”ہاں میری مکھن کی مورتی۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”میرے بھی مددگار ہیں۔“ ڈالی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

”ہوں گے۔“ حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ”بہتر ہے کہ تم انہیں اسی وقت بلا لو۔ د ہوسکتا ہے کہ تم کو کچھ دیر بعد کسی دیگ میں ڈالی کو بھون ڈالا جائے۔“

ڈالی کچھ نہ بولی، البتہ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ حمید نے کہا۔ ”تم اب تک مجھے د دیتی رہی ہو۔“

”مگر کیا تم دھوکا کھا گئے۔ کیا تمہیں پہلے ہی سے مجھ پر شبہ نہیں تھا؟“ ڈالی نے کہا۔

”اسی وقت سے جب تم نے اس لڑکی کے وینٹی بیگ میں پستول کی موجودگی کا تذکرہ کیا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مرنے والا تمہارے ہی ہاتھوں ختم ہوا تھا۔ پھر تم زہر کی شیشی میرے ے میں ڈال گئی تھیں، تا کہ میں......!“

”تم نشے میں تو نہیں ہو۔“ ڈالی بول پڑی۔ ”یہ سب بکواس ہے۔ تم نے ابھی جو کچھ کہا اس میں ذرا برابر بھی سچائی نہیں ہے۔ میں آخر اُسے زہر کیوں دینے لگی۔“

”اپنے مددگاروں کی خاطر۔“

”میرا کوئی مددگار نہیں ہے۔“

”پھر تم یہاں کیوں نظر آ رہی ہو۔“

”بس یونہی مجھے ایڈونچر کا شوق ہے۔“

”اگر میں تمہیں نیچے دھکیل دوں تو کیسی رہے؟“

”کک...... کیوں......!“ ڈالی ہکلائی۔

”بس یونہی...... ایڈونچر کی خاطر۔ میں بھی ایڈونچر کا عاشق زار ہوں۔“

”تمہیں میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔ میرا خیال ہے کہ تم ان لوگوں سے تعلق نہیں رکھتے۔“

”پھر میرا تعلق تمہارے مددگاروں سے ہوگا۔“

ڈالی کچھ نہ بولی۔ لاری کی رفتار کم ہو گئی۔ حمید سوچنے لگا کہ کہیں نیچے والوں نے آواز نہ سن لی ہو۔ ویسے لاری کا انجن تو اتنا شور مچا رہا تھا کہ ان کی آوازوں کے سن لئے جانے کا امکان نہیں تھا۔

حمید نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اندھیرے میں کچھ سجھائی نہ دیا لیکن یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ وہ آبادی میں نہیں ہیں۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ لاری کسی طرف مڑ رہی ہے۔ ویسے اگر وہ اٹھ کر بیٹھ سکتا تو اس کی ہیڈ لائٹس میں کم از کم یہ تو دیکھ ہی سکتا تھا کہ یہ سفر کس علاقے میں کیا جا رہا ہے۔ رام گڈھ اس کا بھی کئی بار کا دیکھا ہوا تھا۔

لاری کی رفتار پھر تیز ہوگئی۔ وہ شاید مڑنے ہی کے لئے آہستہ چلنے لگی تھی۔

''ہاں......اب بتاؤ تم کیا کہہ رہی تھیں۔'' حمید دوبارہ لیٹتا ہوا بولا۔

''تم حقیقتاً کون ہو؟''

''حقیقتاً میں ڈیم فول ہوں اور اس فکر میں ہوں کہ کسی طرح پولیس کو مطمئن کر سکوں سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا جغرافیہ کیا ہے۔''

''اگر تم ان لوگوں سے تعلق نہیں رکھتے تو یہاں نظر کیوں آرہے ہو۔'' ڈالی نے حمید جملہ دہرایا۔

''ایڈونچر، مائی سویٹ پی ہنی ڈیو مائیلڈ اسموک۔''

''کبھی کبھی تم لفنگوں کے انداز میں گفتگو کرنے لگتے ہو۔''

''پتہ نہیں کب کیسے آدمیوں کا ساتھ ہوجائے۔ اسی لئے میں بھانت بھانت کی بولیوں ماہر ہوں۔''

لاری کی رفتار پھر سست ہونے لگی تھی۔ بالآخر وہ رک ہی گئی۔

پھر کھڑکی کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ حمید خاموش ہی رہا۔ ڈالی کو بھی جیسے سونگھ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نے سر اٹھایا۔ یہاں چاروں طرف جھاڑیوں اور گھنے درختوں کے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک جگہ خشک لکڑیوں کے ڈھیر سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں اور وجہ سے کم از کم اتنی جگہ تو اچھی طرح روشن ہوگئی جہاں وہ ساتوں فریدی سمیت خاموش کھڑے تھے۔ فریدی اب ہوش میں نظر آرہا تھا لیکن اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

''ارے......تو یہ تمہارا ساتھی تھا۔'' ڈالی نے ایک طویل سانس لی۔

لاری ایک گھنیرے درخت کے نیچے کھڑی کی گئی تھی جس کی شاخیں اس کی چھت پر ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ دونوں دیکھ لئے جانے کے احتمال سے بے پروا سر اٹھائے دیکھ تھے۔ دفعتاً ایک طرف جھاڑیوں سے ایک نقاب پوش نمودار ہوا۔

اسے دیکھ کر وہ ساتوں الگ ہٹ گئے۔ نقاب پوش فریدی کے سامنے کھڑا اسے گھورتا پھر بولا۔ ''زوبیا کہاں ہے؟''

''جہاں بھی ہوگی باخیریت ہوگی۔ تم مطمئن رہو۔'' فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''زوبیا......زوبیا......!'' ڈالی مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔ ''یہ تو اسی لڑکی کا نام تھا۔''

''خاموش رہو۔'' حمید نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف نقاب پوش فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ''اگر تم نے زوبیا کا پتہ نہ بتایا تو میں ں اسی الاؤ میں بھون کر رکھ دوں گا۔''

''برفیلے میدانوں میں جب ہم سفید بھیڑیوں کا شکار کرتے ہیں تو آگ ہمارے لئے نعمت سے کم نہیں ہوتی۔'' فریدی کا جواب تھا۔

نقاب پوش نے ہاتھ اٹھایا۔ شاید وہ فریدی کے منہ پر تھپڑ مارنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن رے ہی لمحے میں فریدی کے دونوں پیر اس کے سینے پر پڑے اور وہ دور جا پڑا۔

''میرے خدا۔'' ڈالی آہستہ سے بولی۔ ''کتنا پھرتیلا ہے۔''

پھر اُن ساتوں نے فریدی پر یلغار کر دی۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے یکن حمید ششدر رہ گیا کیونکہ وہ ابھی تک اس سے بے خبر تھا کہ فریدی صرف پیروں سے لڑ سکتا ہے۔ وہ اچھل اچھل کر انہیں لاتیں رسید کر رہا تھا اور ان میں سے کوئی بھی ابھی تک ہاتھ بھی نہیں لگا پایا تھا۔ ڈالی نے حمید کو جھنجھوڑ کر کہا۔ ''تم یہاں پڑے کیا کر رہے ہو۔''

''عیش کر رہا ہوں۔ مزہ آرہا ہے۔ ایسی لڑائیاں روز روز نہیں نظر آتیں۔ ذرا دیکھو ے شیر کو۔ ہاتھ بندھے ہونے کے باوجود انہیں کس طرح ٹھیک کر رہا ہے۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ وہ بیچارہ تنہا ہے۔ لاؤ میرا پستول مجھے دو۔ میں اُن جھ لوں گی۔''

''ٹھہرو! جلدی نہ کرو۔''

''کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی خطرناک سچویشن ہو سکتی ہے۔''

"ارے...... یہ بھی کوئی سچویشن ہے۔ بات تو تب تھی کہ یہ اسکے پیر بھی باندھ دیتے۔"

"اوہ...... دیکھو...... اُس نقاب پوش نے ریوالور نکال لیا ہے۔" ڈالی حمید کو جھنجھوڑ کر بولی۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور نقاب پوش چیخ مار کر زمین پر گیا۔ گولی اس کے داہنے ہاتھ پر لگی تھی۔ پھر وہ سب بھی بوکھلا گئے جو فریدی پر قابو پا... کوشش کررہے تھے۔

"خبردار! کوئی بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔" حمید دہاڑا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو"

وہ سب جہاں تھے، وہیں رک گئے۔

"سلیم کے ہاتھ کھول دو۔" حمید نے پھر انہیں للکارا۔ "جلدی کرو...... تم سب نظروں میں ہو۔ ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

نقاب پوش نے زمین سے اٹھنا چاہا لیکن حمید نے ایک ہوائی فائر بھی کردیا۔ اُس... دانست میں ہوائی فائر کیا تھا لیکن اتفاق سے گولی نقاب پوش کی فلٹ ہیٹ پر پڑی اور ا... کرالاؤ میں جاپڑی...... نقاب پوش کھڑا سر سہلا رہا تھا۔

"چلو...... جلدی کھولو......!" حمید پھر دہاڑا۔

"تم کون ہو۔" نقاب پوش چیخ کر کراہا۔ اُس کے داہنے ہاتھ سے خون ٹپک رہا تھا

"پیراڈائیز میں دو شکاریوں کے علاوہ تیسرا کون تھا۔" حمید نے جواب دیا۔

وہ اُن لوگوں کی طرف مڑ کر چنگھاڑنے لگا جو دوسرے شکاری کو اپنے ساتھ لگالائے

دفعتاً حمید نے فریدی کو نقاب پوش پر چھلانگ لگاتے دیکھا۔ اُسے اُس کے دونو... بھی آزاد نظر آئے۔ شاید اسی جدوجہد کے دوران میں رسی کی بندش ڈھیلی ہوگئی تھی اور... ہاتھ کھول لینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

حمید نے بھی لاری کی چھت سے چھلانگ لگائی۔ دوسری طرف نقاب پوش... جھکائی دے کر ایک طرف بھاگ نکلا تھا۔ لیکن وہ ساتوں اب بھی وہیں کھڑے تھے ا... نظریں حمید کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور پر تھیں۔ فریدی نقاب پوش کے پیچھے دوڑا

"ڈالی۔" حمید نے آواز دی۔ "آؤ...... مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"اس سے کیا فائدہ ہوگا۔" اُن میں سے ایک آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ تو ...ہی گیا۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے۔"

"وہ میرا چھوٹا بھائی تھا۔ تم اس کی فکر مت کرو۔" حمید نے جواب دیا۔

ڈالی لاری کی چھت سے پہلے ہی اُتر آئی تھی۔ حمید کے آواز دینے سے قریب آ گئی۔

"تم ذرا پستول لے کر ان پر نظر رکھو۔" حمید نے اس کا پستول اُسے واپس کرتے ہوئے ...۔ "تاکہ میں انہیں پیک کرسکوں۔"

ڈالی نے پستول کا رخ اُن کی طرف کردیا اور حمید ہر ایک کی ٹائی کھول کر اُسی سے اُس... ہاتھ باندھنے لگا۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر اس نے ساتوں کے ہاتھ باندھ کر انہیں ذبح ...جانے والے مویشیوں کی طرح زمین پر گرادیا۔

"خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ پڑے رہو۔" اس نے کہا اور اپنی جیب میں تمباکو ...پاؤچ ٹٹولنے لگا۔

"ہم...... بالکل......!" ایک آدمی نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن حمید نے ٹھوکر مار کر اُسے ...وش کردیا۔

"اب ان کا کیا کرو گے؟" ڈالی نے پوچھا۔

"کسی اونچی چٹان سے نیچے پھینک دیں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تم قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔"

"اخاہ! تم اس طرح بول رہی ہو جیسے قانون کی نواسی یا بھتیجی ہو۔"

"انہیں میرے حوالے کردو۔"

"یا تمہیں ان کے حوالے کردوں۔"

"میرا پستول اس وقت میرے ہاتھ میں ہے یہ نہ بھولو۔"

"اوہ......!" حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"اب ایک ایک کرکے انہیں اٹھاؤ اور لاری میں لے چلو۔" ڈالی نے تحکمانہ لہجے میں کہا
"بب...... بہت اچھا" حمید خوفزدہ سی آواز میں ہکلایا۔ لیکن پھر یک بیک ڈالی کے پرے دوسری طرف دیکھتا ہوا پُرمسرت لہجے میں چیخا۔ "پکڑ لیا نا......!"

ڈالی بے ساختہ اُدھر مڑی لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید کا ہاتھ اس کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑ چکا تھا۔

ڈالی کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح پلٹ پڑی۔ مگر پستول تو اب حمید کی جیب میں پہنچ چکا تھا

"راوی اس کہانی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب کالے دیو نے نیلم پری کے ہاتھ پستول چھین لیا تو......!" حمید نے کہا۔ وہ کھانسنے لگا اور ساتھ ہی ڈالی کے حملے بھی روکتا رہا تھا۔ یہ کھیل چند منٹ تک جاری رہا پھر ڈالی تھک ہار کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی

"تمہیں پچھتانا پڑے گا" وہ اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"میں پچھتاوے کا عادی ہو چکا ہوں۔ کیونکہ مجھے دن میں سرکاری...... ارر...... مطلب یہ ہے کہ مجھے دن میں کئی بار پچھتانا پڑتا ہے...... آؤ...... قریب آؤ" حمید اس کا ہاتھ پکڑ کر طرف کھینچتا ہوا بولا۔

"چھوڑ دو مجھے۔"

"اس رات کو یادگار بنانے کیلئے ہم رمبا ناچیں گے۔ ریتم ٹیم...... ری تم...... ری ٹیتم...... ویتم...... ٹی...... تم۔" وہ اسے اپنی طرح کھینچ کر سچ مچ ناچنے لگا تھا۔

"ہٹو...... گدھے...... کمینے...... مجھے چھوڑ دو...... ورنہ۔" ڈالی اس کی گرفت سے کے لئے مچلتی رہی لیکن حمید ناچتا ہی رہا۔ یہی نہیں بلکہ وہ قیدیوں سے کہہ رہا تھا "تم گاؤ...... گاؤ ورنہ تمہاری شکلیں ایسی کردوں گا کہ برسوں پہچانے نہ جاسکو گے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" ڈالی دانت پیس کر بولی۔

"اگر تم یہی سمجھتی ہو تو تمہارا غصہ فضول ہے، حقیقتاً میرا دماغ الٹ گیا ہے اور اب نا ناچتے تمہیں لے کر کسی کھڈ میں کود جاؤں گا۔ تمہاری جیلی بن جائے اور میرا جام۔"

"ارے...... بچاؤ...... بچاؤ" یک بیک ڈالی بوکھلائے ہوئے انداز میں چیخنے لگی۔

"ارے...... بچاؤ...... بچاؤ" حمید بھی بالکل اسی انداز میں چیخا اور پھر دفعتاً انہوں نے رلی زمین پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔ جھاڑیاں سرسرائیں اور دوسرے ہی لمحے فریدی اُن کے سامنے کھڑا انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

حمید اسی طرح ناچتا رہا۔

"بچائیے...... مسٹر سلیم...... مجھے بچائیے۔" ڈالی تقریباً روتی ہوئی بولی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" فریدی ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ حمید خاموشی سے ڈالی کو ادھر ادھر دھکیلتا پھر رہا تھا۔ فریدی نے زبردستی انہیں الگ کیا۔ حمید آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "میں نام لے رہا ہوں۔ یہ لڑکی انہیں کی ساتھی ہے۔"

"یہ سراسر بکواس ہے۔" ڈالی نے کہا۔

"چلو......!" فریدی حمید کی گردن پکڑتا ہوا بولا۔ "انہیں لاری میں لے چلو۔"

حمید ایک ایک کو ٹھوکر مار کر اٹھانے لگا اور تھوڑی دیر بعد وہ سب لاری میں پہنچ گئے۔ حمید راستے کا اندازہ تھا لیکن خود اس نے گاڑی ڈرائیو کرنے کی پیش کش نہیں کی کیونکہ وہ ڈالی پر لحظہ نظر رکھنا چاہتا تھا۔

فریدی ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حمید اور ڈالی قیدیوں کے ساتھ رہے۔ فریدی نے بتایا کہ وہ نقاب پوش کو پکڑنے میں ناکام رہا تھا۔

حمید نے اُسے جرمن زبان میں ڈالی کے متعلق بتاتے ہوئے پوچھا۔ "آپ اتنی آسانی سے ان کے ہاتھ کیسے آ گئے تھے۔"

"بس اتفاق۔ وہ کافی جو میں نے منگوائی تھی نشہ آور کر دی گئی تھی اور یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ تم اپنی پیالی بھرے بغیر اٹھ کر رقاصہ کی طرف چلے گئے تھے۔ مگر تعجب ہے کہ انہوں نے تمہیں بالکل ہی نظر انداز کر دیا تھا۔"

دفعتاً فریدی نے پورے بریک لگا دیئے اور لاری ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ سامنے

سڑک پر تین آدمی اس طرح لیٹے ہوئے تھے کہ انہیں بچا کر لاری نکال لے جانا ناممکن تھا۔

وہ کون تھی

حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا اور ریوالور سمیت باہر آیا۔ شاید فریدی کے تو ریوالور تھا ہی نہیں۔ اُس نے بڑی تیزی سے گاڑی کی تمام روشنیاں گل کر دیں۔

"تڑاک...... تڑاک...... تڑاک۔" تین گولیاں لاری کے مختلف حصوں سے ٹکرا

حمید نے ڈالی کا پستول فریدی کو دیتے ہوئے کہا۔ "سنبھالئے۔"

"اوہ...... شکریہ...... مگر خواہ مخواہ گولیاں صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"خود کو ہمارے حوالے کر دو۔" باہر سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "ورنہ کوئی بھی زندہ نہ بچے

"تم شوق سے فائرنگ کرو۔" فریدی نے جواب دیا۔ "ہر کھڑکی پر تمہارا ہی ایک موجود ہے۔"

"نہیں...... نہیں۔" ساتوں قیدی بیک وقت چیخے اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

حمید نے محسوس کیا کہ ڈالی کانپ رہی ہے۔ اُس نے حمید کا بازو پکڑ لیا تھا۔

"بس دم نکلنے لگا۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "ایڈونچر کے عاشقوں کے لئے رائفلیں نہیں اگلتیں۔"

"میں تو ہنس رہی تھی۔" ڈالی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کیا تم سمجھے تھے کہ میں رہی ہوں۔"

"ذرا زور سے ہنسو ڈیئر تاکہ وہ گولیاں چلانے کی بجائے شاعری کرنے لگیں۔"

پھر کچھ گولیاں لاری سے ٹکرائیں اور قیدی پھر چیخنے لگے اور اسی اثناء میں لا حرکت میں آ گئی۔ مگر فریدی نے اس کی ہیڈ لائٹس نہیں روشن کی تھیں۔

فائر برابر ہوتے رہے تھے۔ حمید نے بھی اندازاً دو تین راؤنڈ چلائے۔ لیکن فریدی کے خیال کے مطابق وہ گولیاں ضائع کرنا ہی تھا۔ اچانک یکے بعد دیگرے دھماکے ہوئے اور لاری پچھلے پہیوں کے بل سڑک پر گھسٹنے لگی۔ حملہ آوروں نے اُس کے دونوں پچھلے پہیے بیکار کر دیئے تھے۔

مجبوراً لاری روک دینی پڑی لیکن حمید باہر قدم بھی نہیں رکھ سکا تھا کہ اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ صرف وہی نہیں بلکہ لاری میں بیٹھے ہوئے سبھی آدمی بُری طرح کھانس رہے تھے فضا میں ایک بوجھل سی بُو رقص کرتی پھر رہی تھی۔ ایسی بو جس سے دم گھٹتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ ڈالی کی گرفت حمید کے بازو پر سخت ہوتی گئی۔ شاید وہ کھانستے کھانستے تشنجی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی۔ حمید فریدی کو بھی کھانستے سن رہا تھا۔

حمید کا سر چکرا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ اپنے ذہن کو قابو میں نہ رکھ سکے گا۔ ساتھ ہی اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہونے لگے۔ پھر فضا میں چکرانے والی بو کا احساس بھی فنا ہو گیا۔ اس کا جسم بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔

پھر دوبارہ جب اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت واپس آئی تو وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکا کیونکہ اس کا سارا جسم رسی سے جکڑا ہوا تھا۔ وہ زبان بھی نہ ہلا سکا کیونکہ منہ میں حلق تک کپڑا ٹھسا ہوا تھا اور سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ سفر ہنوز جاری ہے۔ لیکن گاڑی میں اندھیرا تھا۔ ویسے یہ معلوم ہی کیا جا سکتا تھا کہ گاڑی بہت زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف جا رہی ہے۔ حمید فریدی اور ڈالی کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا وہ بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہوئے ہوں گے۔ اس نے کروٹ لینے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ چت پڑے رہنے سے اس کی پیٹھ بہت شدت سے دکھنے لگی تھی۔ اس نے سوچا ممکن ہے وہ کسی لاری کی پتلی سی سیٹ پر پڑا ہو اور کروٹ لیتے ہی نیچے جا گرے۔ رسی بُری طرح اس کے جسم میں چبھ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کس طرح وہ بیہوش ہو گیا؟ اُسے وہ بدبو یاد آئی۔ غالباً وہ کسی قسم کی گیس تھی۔ جس کے ذریعہ انہیں بیہوش کیا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد پھر تکلیف کا احساس ہونے لگا اور اس کا ذہن پھر تاریکیوں میں ڈوب گیا۔
دوسری بار ہوش آنے پر اس نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ اب وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی کر سکتا تھا اور ضرورت پڑنے پر فلمی گیت بھی گا سکتا تھا۔ کیونکہ نہ تو اب اس کا جسم رسی جکڑا ہوا تھا اور نہ ہی منہ میں کپڑا موجود تھا۔ کمرے میں ہلکی روشنی کا ایک بلب روشن تھا۔ ا فریدی اور ڈالی بھی نظر آئے۔ فریدی ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا سگار پی رہا تھا اور ڈ ابھی بیہوش تھی۔ حمید بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کمرے میں فرنیچر قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔ دیواروں پر تصویروں کے متعدد فریم نظر آ رہے تھے۔

فریدی حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور حمید ڈالی کی طرف دیکھ کر سر ہلانے لگا۔

"یہ کہاں آ پھنسے!" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہم اس آدمی کی قید میں ہیں جس نے زوبیا کو اغواء کرایا تھا۔

"اور مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ زوبیا کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

حمید نے ایک طویل سانس لیکر ڈالی کے چہرے پر نگاہ گاڑ دی۔ پھر فریدی سے بو

"کیا میں اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کروں۔"

"کیا ضرورت ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"یعنی یہ یوں ہی بیہوش پڑی رہے؟"

"یہی مناسب ہے ورنہ تم میری کھوپڑی کام کرنے کے قابل نہ رہنے دو گے۔"

حمید اٹھ کر ڈالی کے پاس پہنچ گیا اور فریدی اسے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا۔ لیکن کچھ نہیں...... حمید نے اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کر دیں۔

فریدی سگار کے کش لیتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے گھر ہی کے کسی کمر بیٹھا ہو۔ چہرے پر تشویش کا شائبہ تک نہیں تھا۔ آنکھوں سے لاپروائی مترشح تھی۔

کچھ دیر بعد حمید ڈالی کو ہوش میں لانے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھی پھر کچھ دیر بعد ایسا معلوم ہونے لگا جیسے

ؤں کو کچا ہی چبا جائے گی۔

"یہ جو کچھ بھی ہوا ہے۔" وہ گرج کر بولی۔ "اس کی سو فیصدی ذمہ داری پرویز پر ہے۔"

"وہ کس طرح مائی بٹر فلائی؟" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"شٹ اپ...... تمیز سے گفتگو کرو۔"

"ٹھہرو......!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر ڈالی سے کہنے لگا۔ "میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا ہتی ہو۔"

"میں نے پرویز سے کہا تھا کہ ان قیدیوں کو میرے حوالے کر دو۔ مگر یہ حضرت شرارت ہو گئے۔"

"تم کیا کرتیں ان قیدیوں کو......!"

"پولیس کے حوالے کر دیتی۔"

"یہ کام ہم بھی کر سکتے تھے؟"

"میرے کام کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔" ڈالی نے کہا۔

"ارر...... ٹھیک......!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "اب میں سمجھ گیا۔ یہ انہیں آنکھ مار کر مار ا۔ نہ کہیں جنازہ اٹھتا اور نہ کہیں مزار ہوتا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔"

"پھر تم بدتمیزی کرنے لگے۔" ڈالی غرائی۔

"یہی تو مصیبت ہے۔" حمید فریدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بھائی کی گی میں...... میں بدتمیزی نہیں کر سکتا ورنہ تم دیکھتیں۔"

"خاموش رہو۔" فریدی نے ڈانٹا۔

"بھائی سلیم۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مجھے بور نہ کرو۔ یہ ہماری زندگی کا آخری دن ہے۔ لکا دن ہے یا رات۔"

دفعتاً انہوں نے کسی کے کراہنے کی آواز سنی۔ آواز شاید برابر ہی کے کمرے سے آئی ما۔ وہ دروازہ جو اُن دونوں کے درمیان حائل تھا مقفل تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے

ہلانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ پھر جھک کر وہ کنجی کے سوراخ کو دیکھنے لگا۔ دو
طرف کمرہ ہی تھا اور آواز اسی کمرے سے آرہی تھی لیکن کراہنے والا کنجی کے سوراخ سے نظر
آ سکا۔ فریدی ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شاید اسے کسی چیز کی تلاش تھی۔

"کیا تم مجھے تھوڑی دیر کے لئے ہیئر پن دے سکتی ہو۔" اس نے ڈالی سے پوچھا۔

"کیوں......؟" ڈالی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"پتہ نہیں کس گدھے نے تمہیں محکمہ سراغ رسانی کے لئے منتخب کیا تھا۔"

"کیا مطلب......؟" حمید یک بیک اچھل پڑا اور ڈالی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں

"آپ قائم آباد برانچ کی ایک سب انسپکٹر ہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔
مونا گراہمس......!"

"اخاہ۔" حمید باچھیں پھاڑ کر بولا۔ "تب تو ان کے کباب بے حد لذیذ ہوں گے۔"

"ہیئر پن۔" فریدی ڈالی کی طرف ہاتھ بڑھا کر خشک لہجے میں بولا۔

ڈالی نے سر سے ہیئر پن نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے کب سے جانتے ہو؟"

"اسی رات سے جب تم نے اپنے کاغذات پیراڈائیز کے پارک میں ایک جگہ چھ
تھے۔ اس لئے چھپائے تھے کہ کہیں وہ رام گڑھ کے سراغ رسانوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں
اس کارنامے میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتی تھیں۔"

"کیسا کارنامہ......؟"

"انزجین۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"تم کون ہو۔" ڈالی خوفزدہ آواز میں بولی۔

"شکاری...... تمہارے کاغذات میرے پاس محفوظ ہیں۔"

"تمہارے پاس کیوں؟"

"میں نے انہیں وہاں نہیں رہنے دیا تھا جہاں تم نے چھپایا تھا۔"

"تمہیں اس کے لئے بھگتنا پڑے گا۔ یہ قانوناً جرم ہے کہ تم کسی سرکاری سراغ رسا

و میں رہو۔"

"سرکار، سراغ رساں۔" حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "ہم اس کمرے
میں جانا چاہتے ہیں، کسی کو ہماری مدد کی ضرورت ہے لہٰذا اس دروازے کو کھولنے کی کوشش کرو۔
سرکاری سراغ رساں تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔"

"اوہ...... ہیئر پن۔" ڈالی نے بیساختہ کہا اور کنجی کے سوراخ کی طرف دیکھنے لگی۔

"کوشش کرو۔" فریدی نے ہیئر پن اُسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

ڈالی ہیئر پن لے کر قفل پر جھک پڑی۔ لیکن تقریباً پانچ منٹ تک کوشش کرنے کے
باوجود بھی قفل کھولنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

"چلو...... ادھر ہٹو...... ہیئر پن مجھے دو۔"

فریدی نے ہیئر پن لے کر حمید کی طرف بڑھا دیا اور حمید نے قفل کھولنے میں دو منٹ
سے زیادہ نہیں لگائے۔

"اس طرح قفل کھول لینا چوروں اور اٹھائی گیروں کا کام ہوتا ہے۔" ڈالی بُرا سا منہ بنا
کر بڑبڑائی اور وہ دونوں ہنسنے لگے۔ پھر فریدی نے دروازہ کھولا۔ اس کمرے میں نیلے رنگ کا
بلب روشن تھا۔ فرنیچر معمولی قسم کی ایک میز، دو کرسیوں کا ایک شلف اور ایک پلنگ پر مشتمل تھا۔
پلنگ پر ایک بوڑھا آدمی سوتا نظر آیا۔ یہ کچھ بیمار سا معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی نے ایک اچٹتی ہوئی
کی نظر چاروں طرف ڈالی اور آہستہ آہستہ پلنگ کی طرف بڑھنے لگا۔

دفعتاً بوڑھا جاگ پڑا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُن تینوں کو دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم کون ہو؟"

"چور......؟" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "لیکن تم شور نہیں مچاؤ گے......
یہ پہلی اور آخری وارننگ ہے۔"

"چور......؟" بوڑھے نے آہستہ سے دہرایا اور نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر مسرت
کی لہر نظر آنے لگی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور آہستہ سے بولا۔ "بھائی چور مجھے یہاں سے کسی طرح

نکال دو۔اس کام کی منہ مانگی قیمت ادا کروں گا۔"

"اوہ......تو کیا تمہیں کسی نے قید کر رکھا ہے؟"

"ہاں......ایک احسان فراموش کتے نے۔تم مجھے کسی طرح یہاں سے نکال دو۔ویسے میرا خیال ہے کہ تمہیں یہاں کوئی قیمتی چیز نہ مل سکے گی۔کیونکہ یہ صرف میرا قید خانہ ہے۔"

"یہ شاید پاگل ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"نہیں میں قطعی صحیح الدماغ ہوں۔" بوڑھے کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"اچھا تو تم یہی بتا دو کہ تم اس وقت کہاں ہو۔کس شہر......کس محلے میں اور اس عمارت کا کیا نام ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"عمارت یا محلے کا نام نہیں بتا سکتا۔البتہ یہ قائم آباد ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

فریدی نے ایک طویل سانس کھینچی اور پھر پوچھا "تمہارا نام؟"

"ناصر......لوگ مجھے ڈاکٹر ناصر کہتے ہیں۔"

"تمہیں کس نے قید کیا ہے؟" ڈالی پوچھ بیٹھی۔

"اسے یہاں سے لے جاؤ" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیا؟ قطعی نہیں۔" ڈالی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ساری ع جیل میں سڑوا دوں گی۔"

"ارے بس آؤ بھی۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اسی کمرے میں لے آیا جہاں وہ کچھ دیر پہلے تھے۔

"تم لوگوں کے ساتھ ذرہ برابر بھی رعایت نہیں کی جائے گی۔" ڈالی دانت پیس کر بولی۔

"اس سے پہلے ہی میں تمہارے کباب لگاؤں گا۔ہم دونوں شکاری آدم خور ہیں۔"

"تم اپنے ہاتھوں اپنی قبریں کھود رہے ہو۔"

"تب تو ہم کمال کر رہے ہیں۔تم کوئی ایسی مثال نہیں پیش کر سکتیں جب کسی نے اپنی قبر کھودی ہو۔ویسے تم خواہ مخواہ بور ہو رہی ہو۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے بائیں جانب والا دروازہ کھولا۔

آنے والے چار آدمی تھے اور ان کے ہاتھوں میں ریوالور نظر آ رہے تھے۔لیکن دو ازے ہی پر ٹھٹک گئے۔شاید ان کی حیران آنکھیں فریدی کو تلاش کر رہی تھیں۔

"تیسرا کہاں ہے؟" ان میں سے ایک نے گرج کر پوچھا۔

اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے دوسرے کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا ہو۔وہ سوچ رہا تھا کہ ں ڈالی اس دروازے کی طرف نہ دیکھنے لگے جسے کھول کر وہ دوسرے کمرے میں پہنچے مگر ڈالی نے اس قسم کی کوئی حماقت سرزد نہیں کی۔حمید ان چاروں کو بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ انہیں نیم مردہ رقاصوں میں سے تھے جنہیں وہ پیراڈائیز میں دیکھ چکا ڈالی بھی کم متحیر نہیں معلوم ہوتی تھی۔دفعتاً ایک آدمی اور اندر آیا۔یہ وہی منتظم ناگری تھا ے ساتھ حمید نے ایک بار پیراڈائیز میں کافی پی تھی۔

"اوہ......مسٹر ناگری۔" حمید نے پرمسرت لہجے میں کہا۔

"ہاں......میں ہی ہوں۔" ناگری خشک لہجے میں بولا۔ "صبح ہونے سے پہلے ہی تم ل......ار......وہ کہاں ہے۔" ناگری چاروں طرف دیکھنے لگا۔پھر ہاتھ ہلا کر دہاڑا۔ "وہ ال ہے۔ورنہ میں تمہاری دھجیاں اڑا دوں گا۔"

"مائی ڈیئر......مسٹر ناگری یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہو۔میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ازجین ،تین گلاس پی گیا تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھواں بن کر روشندانوں سے باہر نکل گیا۔" حمید نے ہا اور ڈالی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیوں ڈارلنگ......؟"

ڈالی جھلا گئی اور انتہائی غصے کے عالم میں اس نے ناگری سے کہا۔ "وہ اُس کمرے میں ہے۔"

پتہ نہیں الفاظ تھے یا ناگری کیلئے بجلی کا ہنٹر۔کیونکہ وہ بیساختہ اچھل کر دروازے سے جا لگا۔

زوبیا کا راز

وہ اس طرح دروازے کو ہلا رہا تھا جیسے اُسے خبر ہی نہ ہو کہ وہ دوسری طرف سے بند کر دیا گیا ہے۔ دفعتاً وہ چیخنے لگا۔ ''اے...... باہر آؤ...... ورنہ میں ان دونوں کو جان ماردوں گا۔''

''میں اس بوڑھے کا گلا گھونٹ کر تمہارا کھیل ہی اس وقت ختم کر دوں گا۔'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی اور ناگری سناٹے میں آ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا جسم سے خالی ہو گیا ہو۔

''تم کون ہو......؟'' اس نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ایک شریف آدمی ...... جس کی بسر اوقات کا ذریعہ تم جیسے کمینے لوگ بن جاتے بولو...... زوبیا کیلئے کتنی رقم دے سکو گے۔ اس اسٹیج پر اگر ہمارا سودا طے ہو جائے تو زیادہ بہتر رہے گا''

ناگری نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں اور طرح ہانپ رہا تھا جیسے بہت دیر تک دوڑتا رہا ہو۔

''تم اپنا اندازہ بتاؤ کہ مجھے اس سلسلے میں کتنی رقم صرف کرنی چاہئے۔'' اُس نے کچھ دیر بعد

''پچیس ہزار سے کوڑی کم نہ لوں گا۔''

''یہ بہت زیادہ ہے...... اچھا چلو دس ہزار پر معاملہ کر لو۔''

''پچیس ہزار......!'' فریدی نے جواب دیا۔ ''ورنہ دوسری صورت میں ہم شاید اس بھی زیادہ کما سکیں۔''

''چلو...... منظور ہے باہر آؤ۔''

''یوں نہیں...... تم سب اپنے ریوالور میرے ساتھی کے حوالے کر دو۔ میں اناڑی تو نہیں ہوں''

''ریوالور تو نہیں دیئے جا سکتے۔''

''تب پھر مجبوری ہے۔ تم بھی صبر کرو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

ناگری کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''اپنے ریوالور اسے دے دو۔''

''پہلے تم اپنا نکالو۔'' حمید نے کہا۔

''میرے پاس نہیں ہے۔''

''میں تلاشی لئے بغیر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ تم اپنا داہنا ہاتھ استعمال نہ کر سکو گے کیونکہ وہ پہلے ہی زخمی ہو چکا ہے۔ لیکن بائیں ہاتھ کو کون روک سکے گا۔''

''تم میری جامہ تلاشی لے سکتے ہو۔'' ناگری نے کہا۔

حمید نے آگے بڑھ کر اُسے نیچے سے اوپر تک ٹٹولا اور پھر اس کے دوسرے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔ انہوں نے اپنے ریوالور اس کے حوالے کر دیئے۔ ڈالی خاموش کھڑی اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔

''انہوں نے ریوالور میرے حوالے کر دیئے ہیں۔'' حمید نے بلند آواز میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھلا اور فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نظر ناگری کے داہنے ہاتھ پر پڑی جو بینڈیج سے ڈھکا ہوا تھا۔

''تو وہ نقاب پوش تم ہی تھے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''کام کی بات کرو۔'' ناگری خشک لہجے میں بولا۔ ''چیک لو گے یا کیش؟''

''کیسا چیک اور کیسا کیش۔'' فریدی نے حیرت ظاہر کی۔ ''میں بالکل نہیں سمجھا۔''

''کیا مطلب......؟'' ناگری بوکھلا گیا۔ اس نے مضطربانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھا۔ حمید نے دو ریوالور تو جیبوں میں ڈال لئے تھے اور دو ریوالور میں سے ایک کا رخ ناگری کی طرف کر دیا تھا اور دوسرے کا اس کے چاروں ساتھیوں کی طرف۔

''دھوکا۔'' ناگری آہستہ سے بڑبڑایا۔

''مجبوری ہے دوست۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''اتفاق سے یہاں ایک سرکاری سراغ رساں بھی موجود ہے۔ ورنہ میں اتنا اچھا بزنس کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ اس سے ملو یہ ہیں

مس مونا گراہمس قائم آباد کی ایک سرکاری جاسوس۔ یہ دراصل تمہاری انرجین کی فکر میں تھی لیکن اس کے ساتھ ہی زوبیا کا قصہ نکل آیا۔"

"اوہ......اسے جہنم میں جھونکو۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی کہ یہ کہاں گئی۔ میں تمہیں لگاتا ہوں۔ زوبیا کا پتہ بتادو۔"

"نہیں پہلے میں اسے انرجین کے متعلق بتاؤں گا۔" فریدی نے ڈالی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہاں مس گراہمس! انرجین ایک نشہ آور مشروب ہے۔ جو دماغ ماؤف کر کے جسم میں بجلیاں سی بھر دیتا ہے۔ اس کی پبلسٹی کھلے عام کی جاتی ہے لیکن اس کا بزنس اسی طرح ہوتا ہے جیسے کوکین وغیرہ کا بیوپار کیا جاتا ہے۔ لوگ نیم مردہ رقاصوں کے کمالات دیکھ کر ان کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں ان سے اتنی زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی، جتنی کہ اس مشروب سے۔ بہر حال وہ ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور اس مشروب کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ آدمی اس کا عادی ہو جانے کے بعد اس کے بغیر منٹ بھی نہیں رہ سکتا۔ اور اگر وہ خود کر کے اسے ہاتھ نہ لگائے تو کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔ اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ چاق و چوبند رکھنے کے لئے اس مشروب کا استعمال جاری رکھے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" ناگری نے کہا۔ "انرجین بہت جلد بازار میں آجائے گی۔"

"ہوسکتا ہے لیکن وہ تمہارے اس مشروب سے بالکل مختلف ہوگی۔"

"ختم کرو۔" ناگری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں زوبیا کی قیمت پچاس ہزار لگا رہا ہوں۔"

"کیوں! تمہارا کیا خیال ہے۔" فریدی نے ڈالی سے پوچھا۔

"آپ ہر حال میں قانون کی مدد کیجئے سلیم صاحب۔" ڈالی نے کہا۔

"دیکھا......!" فریدی نے ناگری کو مخاطب کیا۔ "اب بتاؤ میں کیا کروں۔"

"ارے واہ......!" حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "گویا میرے ہاتھ میں ریوالور نہیں پٹاخے ہیں۔"

"میرے لئے وہ پٹاخوں سے بھی کمتر ہیں۔"

"شاید تم نے انرجین پی رکھی ہے۔"

"ان لوگوں نے ضرور پی رکھی ہے۔" ناگری چاروں رقاصوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "ان کے دماغ قابو میں نہیں ہیں۔ یہ صرف میرے اشاروں پر چل رہے ہیں۔ اگر میں انہیں حکم دے دوں تو تمہاری بوٹیوں کا بھی پتہ نہ چلے۔"

"اچھا تو انہیں حکم دے دو۔ میں بھی دیکھ لوں کہ اس مشروب میں کتنا زور ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور حمید سے بولا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو لیکن اس دروازے پر اڑے رہو۔ کوئی باہر نہ جانے پائے اور اگر کوئی باہر سے اندر آنے کی کوشش کرے تو اُسے بے دریغ گولی مار دینا۔ نہیں مس گراہمس تم احتجاج کرنے کے لئے منہ نہ کھولو۔"

حمید دروازے کے پاس جم گیا۔ لیکن اس نے ریوالور جیب میں نہیں ڈالے تھے۔ اچانک وہ چاروں فریدی پر آپڑے۔ ناگری نے انہیں حملہ کرنے کا اشارہ کیا تھا۔ فریدی نے ان کی کنپٹیاں سہلانی شروع کردیں۔ جس کنپٹی پر بھی گھونسہ پڑا وہیں ڈھیر ہوگیا۔ شاید دس ہی ت میں وہ چاروں فرش پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔

"آؤ......!" فریدی ناگری کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تمہارے لئے بھی میدان صاف ہے۔"

"کیوں خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو چلو......ایک لاکھ لے لو۔"

"ایک کروڑ پر بھی معاملہ طے نہیں ہوسکتا۔" فریدی بولا۔ "کیونکہ تم قاتل ہو۔ زوبیا کے تین دوستوں کا خون تمہاری گردن پر ہے اور ہاں......ہاں......ٹھہرو کیا تم مجھے ڈاکٹر اسفندیار کا پتہ بتا سکو گے۔"

"وہ کسی سے نہیں ملتے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بوڑھے ناصر نے اپنی زبان بند کر رکھی ہوگی۔"

"یہ قاتل ہے۔" دوسرے کمرے سے بوڑھا چیخا۔ "ڈاکٹر اسفندیار کا قاتل ہے اور مجھے اس نے سالہا سال اپنی قید میں رکھا ہے۔ زوبیا اسفندیار کی لڑکی ہے۔ ایک بہت بڑی دولت کی مالک۔ یہ اُس سے شادی کر کے قانونی طور پر اس دولت پر متصرف ہونا چاہتا تھا۔"

"اور......اسی لئے تم نے اتنے دنوں تک انتظار کیا تھا۔" فریدی ناگری کی طرف دیکھ کر

بولا۔ "تم چاہتے تھے کہ زوبیا بالغ ہو جائے تو تم کسی طرح اس سے شادی کرلو۔ لہٰذا ا
جس دوست پر تمہیں شبہ ہوا اُسے تم نے قتل کر دیا۔ تمہاری خواہش تھی کہ تم اس سے دو
آہستہ آہستہ اس کا دل جیتنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ لیکن تمہیں مایوسی ہی ہوئی۔ تم اسے اپ
متوجہ نہ کر سکے۔ تمہارا آخری شکار وہ آدمی تھا جس پر بطخ نے حملہ کیا تھا۔ یقیناً تم نے یا ت
کسی آدمی نے پنڈلی کے زخم پر کوبرا کا زہر لگا دیا اور اسی زہر کی ایک شیشی پرویز کے کمر
ڈلوا دی۔ تمہیں شبہ ہوا تھا کہ زوبیا پرویز کی طرف بھی جھک رہی ہے۔ لہٰذا اس طرح
ایک ہی حملے میں دو شکار کرنے چاہے۔ پرویز پر شبہ کیا جانا ضروری تھا کیونکہ ایک د
دونوں میں لڑائی ہو چکی تھی۔"

"یہ سب بکواس ہے۔" ناگری نے ایک ہزیانی سا قہقہہ لگایا۔ "تم کسی حالت
ثابت کر سکو گے۔"

"میں ثابت کر دوں گا۔" بوڑھے ناصر نے کہا۔ جواب اسی کمرے میں آچکا تھا۔

"جاؤ لیٹو...... تم پاگل ہو گئے ہو...... دفع ہو جاؤ۔" ناگری ہاتھ ہلا کر دھاڑا۔

"نمک حرام کتے تو پاگل ہے! اُس کا قاتل جس نے تجھے خاک سے اٹھا کر آسمان
دیا تھا۔ ڈاکٹر اسفندیار کی روح انتقام کیلئے تڑپ رہی ہے اور خدا کا انصاف دور نہیں ہے"

"آپ آرام کیجئے ناصر صاحب۔" فریدی نے کہا۔ "آپ بیمار ہیں، تھوڑی د
ہم آپ کو کھلی ہوا میں لے چلیں گے۔"

پھر اس نے حمید سے کہا۔ "ناگری کے ہاتھ باندھ دو اور مس گراہمس اب تم ج
چاہتی ہو کرو۔ تمہاری واپسی تک ہم یہیں ٹھہریں گے۔"

دوسرے دن فریدی اور حمید قائم آباد کے سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹر ناصر
اسفندیار کی کہانی سن رہے تھے۔

"ڈاکٹر اسفندیار۔" ناصر کہہ رہا تھا۔ "ایک عظیم آدمی تھے۔ انہوں نے خود کو قوم
وقف کر دیا تھا۔ نہ جانے کتنے لاعلاج امراض کے کامیاب علاج انہوں نے دریافت

بے حد اعتماد کرتے تھے اور میں نے کبھی ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگنے دی۔ وہ بے حد
ن آدمی تھے۔ ان کی لیبارٹری ہی اُن کے لئے سب کچھ تھی۔ اکثر وہ وہیں سو رہتے تھے۔
مرادیت نے انہیں کسی حد تک پُراسرار بھی بنا دیا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر وہ منظر عام پر
تو انہیں کام کرنے کا موقع نہیں ملے گا یہی وجہ ہے کہ لوگ صرف ان کا نام ہی سنتے رہے،
ے آشنا نہ ہو سکے۔ یہ ناگری ایک یتیم اور لاوارث لڑکا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کی پرورش کی
اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی اور کوشش کی تھی کہ وہ ان کا داہنا بازو بن سکے۔"

"میں اس لڑکی زوبیا کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اُسکی پرورش اتنے پراسرار طریقہ
ں ہوئی۔ اُسے یہ کیوں نہ معلوم ہو سکا کہ وہ ڈاکٹر اسفندیار کی لڑکی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"اس پر بھی وہ ایک تجربہ کر رہے تھے۔" ناصر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "دراصل اس
پیدا ہوتے ہی ڈاکٹر کی بیوی چل بسی تھی۔ اس سے پہلے ہی سے ڈاکٹر کسی ایسے بچے کی
میں تھے جسے اپنے والدین کے متعلق کچھ بھی علم نہ ہو۔ ہاں ٹھہریئے...... ساتھ ہی یہ بھی
ل کہ خود ڈاکٹر کی بیوی کو بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کا شوہر حقیقتاً کون ہے۔ وہ انہیں ڈاکٹر
دیار کی حیثیت سے نہیں جانتی تھیں۔ یہ فخر صرف دو آدمیوں کو حاصل تھا۔ مجھے اور ناگری
بہر حال ان کی بیوی صرف اتنا جانتی تھیں کہ ان کا شوہر ایک خاندانی رئیس ہیں اور اس
ت پر متصرف ہیں جو انہیں ترکے میں ملی تھی۔"

"لیکن وہ ایک ایسا بچہ کیوں چاہتے تھے جسے اپنے والدین کے متعلق کچھ بھی نہ معلوم
" حمید نے پوچھا۔

"وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ایسے بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما کیسے ہوتی ہے۔ ان
کے اعصاب پر اس احساس کا کیا اثر پڑتا ہے کہ وہ نامعلوم والدین کی اولاد ہیں۔ اس طرح وہ
نفسیات میں کسی نئے باب کا اضافہ کرنا چاہتے تھے۔ ہاں تو سب سے پہلے زوبیا کی پرورش
ایک گونگی عورت کے ذمہ ڈالی گئی جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ گونگی کے پڑوسی جانتے تھے کہ وہ
اس کی لڑکی نہیں ہے۔ زوبیا نے ہوش سنبھالا تو یہی آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں کہ وہ گونگی

کی لڑکی نہیں ہے لیکن اُسے یہ بتانے سے قاصر تھی کہ وہ کس کی لڑکی ہے۔ گونگی کی موت کے یہ ذمہ داری مجھ پر آ پڑی۔ میں نے زوبیا کو بتایا کہ میں گونگی کا بھائی ہوں، لیکن مجھے بھی علم ہے کہ اس نے اسے کہاں سے حاصل کیا تھا۔ اس دوران میں ڈاکٹر اسفندیار اس کی جسمانی حالت کا مشاہدہ کرتے رہے تھے اور زوبیا کو میں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی مجھے اس کی صحت کا بے حد خیال رہتا ہے۔ اس لئے میں ہر ہفتہ اس کا طبی معائنہ کرا ہوں۔ یہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ڈاکٹر اسفندیار کو صرف تجربات کی دھن رہتی تھی اور انہوں نے اپنا سارا سرمایہ بھی میرے نام منتقل کرادیا تھا۔ میرے ہی دستخط پر بینکوں سے دین ہوتا تھا۔ ویسے ڈاکٹر نے زوبیا کے حق میں ایک وصیت نامہ بھی مرتب کیا تھا اور اُس اعتراف پر میرے بھی دستخط تھے کہ یہ سارا سرمایہ ڈاکٹر اسفندریار کا ہے جو اس کی موت انکی لڑکی زوبیا کے نام منتقل کردیا جائیگا۔ وصیت نامہ ڈاکٹر کے قانونی مشیر کے پاس محفوظ

"لیکن تجربہ مکمل ہوجانے کے بعد بھی زوبیا کو اندھیرے میں کیوں رکھا گیا۔" حمید نے

"اوہ...... واقعی یہ ایک بہت بڑی ٹریجڈی تھی۔ ڈاکٹر نے تجربہ مکمل ہوجانے کے تھا کہ زوبیا پر سب کچھ ظاہر کردے مگر ناگری نے انہیں یہ سمجھایا کہ زوبیا ان سے نفرت لگے گی۔ وہ سوچے گی کہ اس کا باپ کتنا ظالم ہے کہ محض ایک تجربے کی خاطر اسے بچپن اب تک ایک قسم کی بے بسی میں رکھا۔ یہ بات ڈاکٹر کے دل میں اتر گئی اور انہوں نے کرلیا کہ اب اُن کی موت کے بعد ہی زوبیا کو اپنی حقیقت کا علم ہو۔ اُسی وقت انہو ناگری ہی کے مشورے پر وہ وصیت نامہ مرتب کیا تھا۔ وصیت نامہ مرتب ہوجانے کے ناگری نے انہیں زہر دے دیا اور مجھے اپنا قیدی بنالیا۔ مجھ پر جبر کر کے وہ چیکوں پر دستخط اور اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح زوبیا کو اپنی طرف مائل کرلے۔ اگر وہ اس میں کا ہوجاتا تو پھر ڈاکٹر کی دولت اُسی کی ہوتی۔ ویسے بھی وہ ڈاکٹر کے ایجاد کردہ نشہ آور مشروبا ناجائز تجارت سے کافی بڑی بڑی رقمیں بنا رہا تھا۔ ڈاکٹر کی وہ ایجادات دوسرے مقاص تھیں لیکن اس نے انہیں غلط طریقہ پر رواج دینے کی کوشش کی۔"

ڈاکٹر ناصر نے بولتے بولتے تھک کر آنکھیں بند کرلیں اور وہ دونوں کچھ دیر بعد اٹھ ہسپتال کے پھاٹک پر ڈالی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"میں آپ دونوں سے بے حد شرمندہ ہوں۔" اُس نے اپنی سانسوں پر قابو پانے کی ش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے ابھی ابھی سپرنٹنڈنٹ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ کون خدا کے لئے مجھے معاف کردیجئے۔ میں نے بہت بدتمیزیاں کی ہیں۔"

"اوہ..... اس کی فکر نہ کرو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "بہرحال یہ تمہارا کیس ہے۔ شام ریڈ ہوٹل میں آکر مکمل رپورٹ لے جانا۔ ہاں ناگری کا کیا رہا۔"

"اس نے اعتراف جرم کرلیا ہے جناب۔ اب زوبیا کو تار دیا گیا ہے کہ وہ قائم آباد پہنچ جائے۔ لڈہ کی پولیس سے بھی استدعا کی گئی ہے کہ زوبیا کو یہاں تک پہنچنے میں مدد دی جائے۔"

حمید بے حد سنجیدہ ہوگیا تھا اور اب اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

"آپ کو تو میں نے بہت کچھ کہا ہے کیپٹن۔" ڈالی نے اُسے مخاطب کیا۔

"کیا آپ مجھے معاف کردیں گے؟"

"دو چار دن اس پر غور کرنے کے بعد۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا۔

پھر ڈالی ہسپتال چلی گئی اور وہ سڑک پر آگئے۔

"اب میں بُری طرح تنگ آ گیا ہوں، اپنے محکمے سے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ یعنی کہ اب کسی نئی لڑکی سے ملاقات ہونے پر سب سے پہلے یہ پوچھنا پڑے گا کہ اس کا تعلق سراغ رسانی سے تو نہیں ہے...... خدا کی مار......؟"

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 66

پُراسرار موجد

(مکمل ناول)

پیشرس

"پُر اسرار موجد" اپنے نام ہی کی طرح پُراسرار ہے۔ اس کی سب سے اہم ہمیت یہی ہے کہ ابتداء سے انتہا تک یہ پتہ نہیں چل پاتا کہ مجرم کون ہے؟ اور ں کے برعکس اس میں کوئی گروہ نہیں ہے، بلکہ مجرم ایک ہی ہے! وہ اتنا ہوشیار ہے جب فریدی اس پر ہاتھ ڈالتا ہے تو ذہن کو یک بارگی جھٹکا لگتا ہے۔ ابن صفی کی دیگر نیوں میں بھی یہ خوبی پائی جاتی ہے مگر اس کہانی میں ایک نئے حسن کے ساتھ ہے۔ جاسوسی کہانیوں کے برعکس اس میں "جسمانی مشقت" کم ہے یعنی مار پیٹ گھونسے ا اور دندان شکن سوال و جواب وغیرہ اس کے بجائے ذہنی ورزش سائنٹیفک طریقہ نات، کرید، چھان بین پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسی بناء پر پُراسرار موجد کی کہانی ا روزانہ زندگی میں ہونے والے بہت سے جرائم سے ملتی جلتی ہے۔

حمید اس بار بھی بہت چاک و چوبند نظر آتا ہے۔ "بکرائیت" کی تبلیغ اور برخوردار خاں کا ساتھ اس کے ذہن کی منجمد تہیں کھول دیتا ہے اور ہم بے اختیار قہقہہ لگانے ار ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ مجھے جو بات سب سے زیادہ پسند ہے وہ صوفیہ نجمی کا کردار ہے۔

ابن صفی عظیم ناول نگار ہونے کے ساتھ بہت بڑے ماہر نفسیات ہیں۔ انہوں نے ار نفسیاتی شہ پارے تخلیق کئے ہیں۔ ان کے نام کہاں تک گنواؤں۔ یہاں صرف و لیجئے کہ صوفیہ کا کردار ان کرداروں میں ایک درخشندہ ستارے کی حیثیت رکھتا ۔ "اس کی معصومیت اور اس کی گھبراہٹ" باپ سے اس کی محبت ان انسانی ہمیات کو ظاہر کرتی ہے جن سے انسانیت عبارت ہے۔ اس کی ماں کا کردار، جو ا تضاد ہے۔ بڑی چابکدستی سے پیش کیا گیا ہے۔

پبلشر

لاش

کیپٹن حمید نے ٹائی کی گرہ درست کرنے کے بعد آئینے پر الوداعی نظر ڈالی اور دروا
کی طرف بڑھا۔ اتوار کی صبح تھی اور فریدی بھی گھر پر موجود نہیں تھا۔ لہٰذا اس کی واپسی۔
ہی کھسک جانا مناسب تھا۔

ایک قدم کمرے میں تھا اور دوسرا دروازے سے باہر کہ فون کی گھنٹی بجی۔

حمید جھلاہٹ میں سلیپر اٹھا کر فون کی طرف دوڑا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اگر کہیں
وقت اُلو کی آواز سنائی دے، بلی راستہ کاٹ جائے یا فون کی گھنٹی بج اٹھے تو اس کا مطلہ
نحوست۔ یعنی پھر کہیں جانے کا ارادہ ہرگز پورا نہیں ہوسکتا۔

''ہالو......!'' وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔

''میں رمیش ہوں...... حمید بھائی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''تم لنکا کے راون ہو...... خدا تمہیں غارت کرے۔''

''خواہ مخواہ مجھے تاؤ نہ دکھاؤ۔ میں نے کرنل صاحب کے حکم کے مطابق آپ کو فون کیا

''مگر کیوں کیا ہے۔''

''یہاں سینٹ جوزف کالونی میں ایک کیس ہوگیا ہے۔''

''یہ اتوار کو کیس کیوں ہوا کرتے ہیں۔ کیا کوئی مجھے بتائے گا۔'' حمید دانت پیس کر

''پتہ نوٹ کرو اور کرنل صاحب کے حکم کے مطابق یہاں پہنچ جاؤ...... نمبر ۳۲۱ سینٹ
ں کالونی۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا۔ حمید نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور کو کریڈل
لتے ہوئے اپنے مقدر کو دو چار سلواتیں سنائیں اور...... اور پھر اب اس کے علاوہ چارہ
تھا کہ وہ سینٹ جوزف کالونی کی طرف روانہ ہوجاتا۔ ویسے اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ
ے سیدھا ''خاموش کالونی'' کی طرف دوڑتا چلا جائے۔ لیکن اس نے چپ چاپ موٹر
اٹھائی اور سینٹ جوزف کالونی کی طرف روانہ ہوگیا۔

''اتواری کیسوں سے اسے بڑی نفرت تھی۔ وہ دل ہی دل میں جھلتا ہوا راستہ طے کرتا
بھی پچھلی ہی رات کو وہ فریدی کے ساتھ اس کے بعض فائلوں میں دو بجے تک سر کھپاتا رہا
ض کاغذات کو دوبارہ ترتیب دینے میں بہت وقت خراب ہوا تھا۔ خدا خدا کرکے ڈھائی
نا نصیب ہوا تو صبح تفریح کے بجائے یہ مصیبت...... گویا یہ کیس اتوار کے انتظار میں
لگائے بیٹھے ہی رہا کرتے ہیں۔

حمید نے لفظ کیس پر سات بار لعنت بھیجی، لیکن موٹر سائیکل دوڑتی ہی رہی۔ کیس پر لعنت بھیجنے
نہ تو موٹر سائیکل ہی رک سکتی تھی اور نہ یہی ہوسکتا تھا کہ وہ جوزف کالونی کا راستہ بھول جاتا۔

آخر کار وہ وہاں پہنچ ہی گیا وہ مکان بھی تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی جس کا نمبر
فون پر بتایا گیا تھا۔ باہر چار کانسٹیبل موجود تھے۔ دو پولیس کاریں کھڑی تھیں اور تیسری
ی کی لنکن تھی۔

کانسٹیبل اُسے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گئے اور وہ ایک کانسٹیبل کی رہنمائی میں موقعہ
ردات کی طرف روانہ ہوگیا۔ عمارت خاصی بڑی تھی اور ساز و سامان کے اعتبار سے اس کا مکین
فی اونچی حیثیت آدمی معلوم ہوتا تھا۔

وہ کئی راہداریوں سے گزرتا ہوا ایسی جگہ پر پہنچا جہاں دو تین سب انسپکٹر موجود تھے ایک
ادھیڑ عمر کی یوریشین عورت اور ایک نوجوان لڑکی بھی تھی۔ وہ سب خاموش تھے۔

ایک سب انسپکٹر نے ایک کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

حمید اندر آیا لیکن کمرے کا منظر اتنا متاثر کن تھا کہ وہ سناٹے میں آ گیا۔ وہ سب
دیکھ سکتا تھا لیکن خوبصورت لڑکیوں کی لاشیں اس سے نہیں دیکھی جاتی تھیں۔

اور وہ لاش تو یقیناً دل ہلا دینے والی تھی۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ چوبیس سال ر
ہوگی۔ ایک نازک سی یوریشین لڑکی جس کے خدوخال موت کے بعد بھی دلآویز تھے۔ اس کی
کنپٹی سے خون بہہ بہہ کر فرش پر پھیل گیا تھا اور آنکھیں کھلی ہوئی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
بھیانک خواب دیکھ کر جاگ پڑی ہو اور اعصابی اختلال نے پلکیں جھپکانے سے باز رکھا ہو۔

داہنے ہاتھ کے قریب ایک ریوالور پڑا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں اور کسی قسم کی
نہیں نظر آئی۔ ساری چیزیں قاعدے سے اپنی جگہوں پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ کمرہ غالباً خوا
کی حیثیت سے استعمال ہوتا رہا تھا۔ یہاں کے سازوسامان سے یہی ظاہر ہوتا تھا۔

محکمہ سراغ رسانی کے فوٹوگرافر پوشیدہ نشانات کے چکر میں تھے اور کرنل فریدی
شیشے سمیت ایک میز پر جھکا ہوا تھا۔ حمید کی آہٹ پر وہ چونک کر مڑا اور پھر میز پر جھک گیا
حمید لاش کے قریب آیا۔ جھک کر گولی کا زخم دیکھا اور پھر کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھ

"قتل......!" اس نے فریدی کے قریب پہنچ کر آہستہ سے پوچھا۔

"فی الحال خودکشی ہی سمجھو۔"

"یعنی قتل بھی ہو سکتا ہے۔"

"شاید......!" فریدی کی آنکھوں سے بے یقینی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ سید
ہو کر فوٹوگرافروں کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اس میز پر بھی پاؤڈر ڈالو۔"

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کیمرے کی شکل کی ایک چھوٹی سی مشین کا بٹن دبایا۔ ج
ایک سوراخ سے بھورے رنگ کا غبار نکل کر میز کی سطح پر منتشر ہونے لگا۔ فریدی نے اُ
اور مطمئن ہو کر سر کو خفیف سی جنبش دی۔ فوٹوگرافر میز کی طرف متوجہ ہو گیا۔

فریدی نے حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ دونوں ایک خالی کمرے میں جا

"یہ......!" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "پروفیسر نجمی کا مکان ہے۔ کیا تم نے
بھی یہ نام سنا ہے۔"

"نہیں......!"

"نہ سنا ہوگا۔ بہرحال یہ اپنی ایجادات کے خبط کی بناء پر تھوڑی بہت شہرت بھی رکھتا
مرنے والی اس کی سیکریٹری تھی۔ آج صبح اس کی لاش نجمی کی بیوی نے دریافت کی۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "واضح رہے کہ اس کی بیوی سے اس کے
ات اچھے نہیں ہیں اور وہ اسکے ساتھ نہیں رہتی۔ آج صبح وہ اس سے جھگڑا کرنے آئی تھی۔"

"کس سے۔"

"پروفیسر سے...... اس نے باہر کا دروازہ کھلا پایا اور بے دریغ اندر گھستی چلی آئی۔ یہ
حال اس کے شوہر کا مکان ہے۔ دونوں کے تعلقات خواہ کیسے ہی ہوں اس نے اندر کچھ اس
م کا سناٹا محسوس کیا جیسے یہاں کوئی موجود نہ ہو۔ وہ مختلف کمروں میں اپنے شوہر کی تلاش کرتی
رہی تھی۔ اچانک اس کمرے میں اس نے لڑکی کی لاش دیکھی۔ اس کے بعد بھی اس نے
فیسر نجمی کی تلاش کا سلسلہ جاری رکھا لیکن وہ کہیں نہ مل سکا۔"

"نوکر بھی موجود نہیں تھے۔"

"نہیں...... وہ تو اس وقت آئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ وہ صرف دن کو یہاں رہتے
ہیں۔ رات کیلئے ان کی چھٹی ہوتی ہے اور وہ اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ پروفیسر کی بیوی
نے یہیں سے فون پر اس حادثے کی اطلاع پولیس کو دی اور پھر اس وقت سے وہ یہیں ہے۔"

"وہ عورت تو نہیں، جو باہر ملی تھی۔"

"ہاں...... وہی!"

"وہ تو یوریشین ہے اور اس کے ساتھ ایک یوریشین لڑکی بھی تھی۔"

"وہ نجمی کی بیوی ہے اور دوسری اس کی لڑکی۔ لڑکی نجمی ہی سے ہے۔"

"اوہ......! تو یہ نجمی کوئی بوڑھا آدمی ہے۔"

"ہاں......غالباً۔"

"کیا آپ ذاتی طور پر اسے نہیں جانتے۔"

"نہیں۔"

"وہ اس وقت کہاں ہے۔"

"ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"اوہ......!" حمید ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "میں نے ابھی تک ٹھیک سے اس عورت کا
نہیں لیا۔ تم اسے یہاں بلاؤ۔"

حمید اٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھاری بھرکم یوریشین عورت کمرے میں داخل ہو

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

عورت بیٹھ گئی۔ موٹاپے کی وجہ سے اس کی سانس پھول رہی تھی اور آنکھیں بھوکی با
کی طرح چمک رہی تھیں۔

فریدی نے عورت سے پوچھا۔ "کیا صاحبزادی بھی آپ کے ساتھ تھیں جب آپ
لاش......!" وہ کہتے کہتے قصداً رک گیا۔

"نہیں جناب۔" عورت اپنے چہرے پر رومال جھلتی ہوئی بولی۔ "میں تنہا تھی۔ پولیـ
فون کر دینے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اب میں اس وقت تک یہاں سے ہل بھی نہیں سکتی
تک پولیس نہ آ جائے۔ لہٰذا میں نے اُسے بھی فون کر کے یہیں بلا لیا۔"

"آپ کا قیام اور کہیں ہے۔"

"ہم ہوٹل ڈی فرانس میں مقیم ہیں۔" عورت نے جواب دیا۔

"مستقل طور پر۔"

"جی نہیں! ہم پچھلی رات نصیر آباد سے آئے تھے۔ مستقل قیام وہیں ہے۔"

"اوہ......اچھا......کیا آپ بتا سکیں گی کہ نجمی صاحب کہاں ہیں۔"

"میں کیا بتا سکوں گی۔ یہ بات تو آپ کو نوکروں سے معلوم ہو سکتی ہے۔"

"آپ نے پوچھا۔"

"نہیں۔"

"آپ کو پوچھنا چاہئے تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کا یہ فعل غیر فطری نہ ہوتا۔"

"جی ہاں......قطعی فطری ہوتا لیکن ایسے حالات میں احتیاط بھی ضروری ہے۔ میں زیادہ
ؤکر کے پولیس کو اس بات کا موقعہ نہیں دینا چاہتی کہ وہ مجھ پر ہی شبہ کرنے لگے۔"

"آپ پر کیوں؟" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"دنیا جانتی ہے کہ ہماری ناچاقی کے اسباب کیا ہیں۔"

"پھر شاید میں دنیا میں نہیں ہوں۔" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"اوہ......دیکھئے......ہم دونوں کے صرف تعلقات خراب ہیں۔ ہم نے قانونی طور پر
رگی اختیار نہیں کی، لہٰذا میں پروفیسر کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہتی۔"

"ایسے کسی موقع پر بھی آپ اپنی زبان بند رکھیں گی۔ مجھے حیرت ہے۔"

عورت کچھ نہ بولی۔ فریدی نے کہا۔ "فرض کیجئے! پولیس آپ پر شبہ کرنے لگے تو۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں۔" عورت نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"آپ نصیر آباد سے کیوں آئی تھیں۔"

"یہ ایک بالکل نجی معاملہ ہے لہٰذا......!"

فریدی اس کے جواب کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ نجمی صاحب
ئیکریٹری کو آپ شبہے کی نظر سے دیکھتی رہی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ پچھلی رات کو
ہاں آئی ہوں......اور......پھر صبح بھی آئی ہوں۔"

عورت کے چہرے پر زردی پھیل گئی اور اس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔
"مل جانتی تھی ہماری ناچاقی کے اسباب سے پولیس بھی واقف ہوگی۔ لیکن آپ یقین کیجئے کہ
مانے اُسے قتل نہیں کیا۔ میرے خدا قتل؟ میں کبھی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ''میرے تعلقات اسی بناء پر خراب ہوگئے ہیں کہ
آوارہ عورتوں کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے۔ خوبصورت لڑکیاں رکھتا ہے۔ اب یہی لڑکی جو آرٹس
گریجویٹ تھی۔ سائنسی تحقیقات کے سلسلے میں اس کی کیا مدد کرسکتی ہوگی۔''

''اوہ، تو آپ اسی لڑکی کے سلسلے میں پروفیسر سے جھگڑا کرنے آئی تھیں۔''

''یہ قطعی غلط ہے۔ میں اس سے یہ کہنے آئی تھی کہ اگر ہم ساتھ نہیں رہ سکتے تو پھر قا
طور پر ہی علیحدگی کیوں نہ ہوجائے۔''

''لیکن جب آپ یہاں آئیں تو سیکریٹری سے آپ کا جھگڑا ہوگیا۔'' فریدی نے کہا

''اوہ میرے خدا۔'' عورت آنکھیں بند کرکے اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔ ''کیا آ
سچ مچ مجھے پھانسی دلوانا چاہتے ہیں۔''

''جھگڑا نہیں ہوا تھا آپ کا اس سے۔''

''ہرگز نہیں...... میں نے پچھلی رات اس کی شکل تک نہیں دیکھی۔ آپ ہوٹل ڈی فر
سے معلوم کرسکتے ہیں کہ ہم نے پچھلی رات وہیں گزاری تھی۔ البتہ میں بہت سویرے یہاں
لئے روانہ ہوگئی تھی۔ خیال یہ تھا کہ پروفیسر سے ملاقات ہوجائے۔''

''یہ لڑکی ان کے پاس کب سے تھی۔''

''شاید پچھلے سال سے۔''

''کیا آپ کسی ایسے آدمی سے بھی واقف ہیں جو اس لڑکی کو کسی بناء پر قتل کرسکتا ہو۔''

''یوں تو خود...... پروفیسر...... اوہ...... نہیں دیکھئے مسٹر۔ میری ذہنی حالت اس
ٹھیک نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔ آپ جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہیں صاف صاف کہئے اس سے صحیح نتائج
پکڑنے میں مدد ملتی ہے۔ ضروری نہیں کہ پروفیسر نے اسے قتل ہی کردیا ہو، لیکن
ہرزاویئے سے اس کیس پر نظر ڈالنی پڑے گی۔''

''نجمی......!'' عورت نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو۔ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں
وہ ایک عورت سے بہت جلد اکتا جاتا ہے۔ خود میری موجودگی میں نہ جانے کتنی عورتوں
کے مراسم رہے اور ختم ہوگئے۔''

''تو وہ اتنا ہی اکتا سکتا ہے کہ اپنی کسی داشتہ کو قتل کردے۔''

''اسکا جواب تو وہی دے سکے گا۔'' عورت نے بیزاری سے کہا۔ ''میں کیا بتا سکتی ہوں۔''

''اچھا شکریہ۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کو پھر تکلیف دی جائے۔'' فریدی نے کہا اور حمید کی
متوجہ ہوگیا۔ لیکن عورت دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچی تھی کہ وہ اسے روک کر بولا۔
پولیس کو اطلاع دیئے بغیر اس شہر سے باہر نہیں جاسکیں گی۔''

''کب تک۔'' عورت جھلا کر مڑی۔

''جب تک پولیس اس کی ضرورت سمجھے۔''

''میں یہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہر سکتی۔''

''مجبوری ہے محترمہ۔'' فریدی نے کہا اور حمید سے بولا ''کسی ایک نوکر کو بلاؤ۔''

عورت فرش پر پیر پٹختی ہوئی چلی گئی۔

''اس کی لڑکی کو کیوں نہ لاؤں۔'' حمید نے تجویز پیش کی۔

''جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔''

حمید چپ چاپ باہر کو چلا آیا اور پھر ایک نوکر کے ساتھ واپسی ہوئی۔

فریدی نے اس سے اس کا نام پوچھا۔ ملازمت کی مدت معلوم کی اور پھر پروفیسر نجمی کے
سوال کر بیٹھا۔

''وہ تو دو ماہ سے یہاں نہیں ہیں جناب۔''

''کہاں ہیں۔''

''ہمیں پتہ نہیں...... مس صاحب کو معلوم ہوگا۔''

''کون مس صاحب۔''

"وہی جن کی لاش......!" نوکر کی آواز بھرا گئی۔

"یہ سیکریٹری یہاں رات رہتی تھی۔"

"جی ہاں جناب! صاحب کی موجودگی میں سب کچھ مس صاحبہ کی نگرانی میں رہتا تھا۔"

"پچھلی رات تم کس وقت یہاں سے گئے تھے۔"

"نو بجے۔"

"اس وقت سیکریٹری کیا کر رہی تھی۔"

"پیانو بجا رہی تھیں۔"

"اور کون تھا اس کے ساتھ۔"

"کوئی بھی نہیں......وہ تنہا تھیں۔"

"اس کے مرد دوست بھی یہاں آتے رہے ہوں گے۔"

"میں نے آج تک کسی کو بھی نہیں دیکھا۔" نوکر نے جواب دیا۔ "وہ خود بھی بہت کم جاتی تھیں۔"

"تم میں سے کس کو زیادہ پسند کرتی تھی۔"

"ج......جی......!" نوکر ہکلا کر رہ گیا۔ وہ فریدی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"مطلب یہ کہ وہ کس پر سب سے زیادہ اعتماد کرتی تھی۔"

نوکر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "یہ بتانا بہت دشوار ہے۔"

"پروفیسر نجمی کس ملازم پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔"

"ارشاد پر جناب۔"

"کیا وہ یہاں موجود ہے۔"

"جی ہاں!"

"ارشاد کو بلاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا اور نوکر سے بولا۔ "تم جا سکتے ہو۔"

کچھ دیر بعد ارشاد وہاں موجود تھا۔

فریدی نے سب سے پہلے پروفیسر نجمی ہی کے متعلق سوال کیا لیکن اس نے بھی وہی جواب دیا جو اسے اس سے پہلے بھی مل چکا تھا۔ یعنی تقریباً دو ماہ سے پروفیسر غائب تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم بھی پروفیسر کے متعلق واضح طور پر کچھ نہیں بتا سکتے۔ جبکہ تمہارے بارے میں سنا جاتا ہے کہ تم پروفیسر کے نجی معاملات میں بھی دخیل ہو۔"

"یہ درست ہے جناب مگر انہوں نے مجھ سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ وہ کہاں گئے ہیں۔"

"روانگی کے وقت تم موجود تھے۔"

"نہیں جناب! وہ رات کو کسی وقت گئے تھے دوسرے دن مجھے مس صاحب سے معلوم ہوا کہ صاحب کہیں باہر گئے ہیں، لیکن شاید مس صاحبہ کو بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں کے لئے گئے ہوئے ہیں۔"

"پچھلی رات تم کس وقت یہاں سے گئے تھے۔"

"میں سب کے بعد گیا تھا۔ وقت شاید......شاید دس بج رہے ہوں گے۔"

"اچھا تو وہ تمہارے سامنے ہی گیا تھا۔"

"کون جناب۔" نوکر نے حیرت سے پوچھا۔

"سیکریٹری کا دوست......؟"

"نہیں جناب! میری موجودگی میں تو کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ مس صاحب تنہا تھیں۔"

"اچھی طرح یاد کرو۔"

"اچھی طرح یاد ہے جناب۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ان کا دوست نہیں تھا یا پھر میں ہی کسی ایسے آدمی سے واقف نہ ہوں گا جسے ان کا دوست کہہ سکوں۔"

"کیا وہ یہاں رات کو تنہا رہتی تھی۔"

"جی ہاں!"

"اب میں جو کچھ پوچھنے جا رہا ہوں اس کا جواب سوچ سمجھ کر دینا۔" فریدی نے اس کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا وہ صرف سیکریٹری تھی۔“

نوکر نے جواب میں کچھ کہنا چاہا مگر پھر ہونٹ بند کر لئے اور فریدی بولا۔ ”ہاں اچھی طرح سوچ لو۔“

مگر وہ صرف سوچتا ہی رہا۔ زبان نہیں کھولی۔

”کتنی دیر تک سوچو گے۔“ حمید نے اکتا کر کہا۔

”میں اس سوال کا کیا جواب دوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا...... حضور۔“

”کیا وہ صرف سیکریٹری تھی۔“ فریدی نے پھر سوال کیا۔

”اس کا جواب صاحب ہی دے سکیں گے۔“

”پولیس تمہیں جواب کے لئے مجبور بھی کر سکتی ہے۔“

”جی نہیں...... وہ صرف سیکریٹری نہیں تھیں۔“

”تمہیں اچھی طرح علم ہے۔“

”جی ہاں۔“

”کیا پروفیسر کی روانگی سے قبل دونوں میں جھگڑا ہوا تھا۔“

”مجھے علم نہیں ہے جناب...... ویسے صاحب جھگڑالو آدمی نہیں ہیں اور نہ میں نے صاحب ہی کو غصے میں دیکھا ہے۔“

”پروفیسر کہاں ہے...... تم یہ بھی جانتے ہو؟“

”نہیں حضور مجھے علم نہیں ہے۔ ممکن ہے صاحب کے وکیل کو علم ہو۔“

”وکیل...... وکیل کون ہے۔“

”تنویر صمدانی۔“

”پتہ......!“

”اٹھارہ گرین اسکوائر......!“

حمید نے نوٹ بک میں پتہ نوٹ کر لیا۔

فریدی نے کرسی کی پشت سے ٹک کر سگار سلگایا اور نوکر کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ”تم جا سکتے ہو۔“

پھر فریدی نے فرداً فرداً دوسرے نوکروں سے بھی سوالات کئے لیکن ان سے بھی کوئی نئی بات نہ معلوم ہو سکی۔ وہ چند لمحے سگار کے کش لیتا رہا پھر حمید سے بولا۔ ”اگر یہاں ٹیلی فون ڈائریکٹری مل سکے تو تنویر صمدانی کے نمبر تلاش کرو۔“

حمید کمرے سے نکل آیا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری اُسے جلد ہی مل گئی لیکن تنویر صمدانی کے نمبر تلاش کرنے میں ضرور دشواری پیش آئی کیونکہ نمبر تنویر صمدانی کے نام سے نہیں تھے بلکہ فرم کے نام تھے۔ بہر حال وہ آدھے گھنٹے کی مسلسل جدوجہد کے بعد اس میں کامیاب ہو سکا۔ اس نے فریدی کو اطلاع دی اور فریدی پھر لاش والے کمرے میں واپس آ گیا کیونکہ فون یہیں تھا۔ لاش اٹھوائی جا چکی تھی لیکن فرش پر خون کے دھبے اب بھی باقی تھے۔ اس نے تنویر صمدانی کے نمبر ڈائیل کئے۔ کال خود اسی نے ریسیو کی۔ فریدی نے پوچھا۔ ”آپ پروفیسر نجمی کے قانونی مشیر ہیں۔“

”جی ہاں...... آپ کون صاحب ہیں۔“

”میں محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر کرنل فریدی ہوں۔“

”اوہ...... کرنل صاحب...... فرمائیے...... فرمائیے۔“

”میں پروفیسر نجمی کی قیامگاہ سے بول رہا ہوں۔ یہاں اسکی سیکریٹری کی لاش پائی گئی ہے۔“

”نہیں......!“ تنویر متحیرانہ انداز میں چیخا۔ ”سیکریٹری کی لاش۔“

”آپ فوراً یہاں تشریف لائیے۔“ فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

وہ پھر تجسس آمیز نظریں چاروں طرف ڈال رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نظر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پڑی جس کا ایک گوشہ فون کے نیچے دبا ہوا تھا۔ شاید دوسرے اس کاغذ کے ٹکڑے کو نظر انداز کر دیتے کیونکہ اس پر کچھ نمبر درج تھے۔ ممکن ہے فون کے ہی نمبر رہے ہوں۔ لیکن فریدی انہیں ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ انہیں دیکھ کر کسی الجھن میں پڑ گیا ہو۔

بالآخر اس نے پھر ریسیور اٹھا لیا اور انکوائری کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً

ہی جواب ملا۔ فریدی نے بتایا کہ وہ کون ہے۔ پھر اس نے کاغذ پر لکھے ہوئے نمبر دہ
ہوئے کہا۔ "مجھے ان نمبروں کے نمبر اور پتے درکار ہیں۔"

"آپ کس نمبر کے فون سے گفتگو کر رہے ہیں۔" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

فریدی نے نیچے جھک کر پروفیسر کے نجی کے نمبر دیکھے اور آپریٹر کو بتاتا ہوا بولا۔ "ا
پر مجھے آگاہ کیا جائے۔"

"پندرہ منٹ ضرور صرف ہوں گے جناب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور ریسیور کریڈل میں رکھ دیا۔

"خدا کے لئے اُسے خودکشی ہی رہنے دیجئے۔" حمید بڑبڑایا۔

"کیوں......؟"

"اتنی خوبصورت لڑکی کو کوئی قتل نہیں کرسکتا۔"

فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے صرف بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

پندرہ منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کا
پنسل سنبھال لیا۔ اس نے بڑی تیزی سے پانچ نام اور پتے نوٹ کئے۔

موجد کی کہانی

ایک نوکر نے تنویر صمدانی کی آمد کا اعلان کیا۔ وہ ایک دراز قد اور دُبلا پتلا آدمی تھا۔
داڑھی مونچھوں سے بے نیاز اور سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ صرف نچلے حصے
نشیب میں تھوڑے سے بال تھے۔ جنہیں بڑی احتیاط سے گدی پر جمالیا گیا تھا۔

"غالباً ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں۔" فریدی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے
مسکرا کر کہا۔

"یقیناً...... یقیناً......!" وہ اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "لیکن یہ واقعہ...... ڈوروتھی کی

"میرے خدا...... یقین نہیں آتا...... لاش کہاں ہے۔"

"ہٹوادی گئی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"قتل......!" وہ فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا۔" فریدی نے جواب دیا۔ "لیکن یہ بھی نہیں کہا جاسکتا
ت کے اسباب قدرتی ہوں گے کیونکہ اس کی کنپٹی میں ایک سوراخ ہے اور فرش پر
پاس ہی ایک ریوالور پڑا ہوا ملا ہے۔"

"مگر اُسے کس نے قتل کیا۔" تنویر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ بڑی نیک لڑکی تھی کرنل
ب، خاموش اور سنجیدہ۔ ایسی نہیں تھی کہ اسکے قتل کا محرک کسی کا انتقامی جذبہ قرار دیا جاسکے۔"

"ہوسکتا ہے۔ اس نے خودکشی کی ہو۔" فریدی بولا۔ "مگر ٹھہریئے! میں فی الحال اس
یں نہیں پڑنا چاہتا۔ مجھے تو دراصل پروفیسر نجی کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"اوہ......!" دفعتاً تنویر کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آنے لگے پھر اس نے
ل پر زبان پھیر کر پوچھا۔ "کس قسم کی معلومات......!"

"وہ کہاں ہے! مجھے اس کا موجودہ پتہ چاہئے۔"

"اوہ...... پتہ...... دیکھئے...... میرے خدا مجھے کیا کرنا چاہئے۔" تنویر اسی طرح بڑبڑایا
خود سے مخاطب ہو۔

"ہاں...... یہ بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کو اس کا موجودہ پتہ معلوم ہو تو براہِ کرم قانون
امداد فرمایئے۔"

"میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔" تنویر نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ وہ بُری طرح نروس نظر
نے لگا تھا۔

"کیوں آپ کیوں الجھن میں پڑ گئے۔" فریدی اسے گھورنے لگا۔

"دیکھئے...... آپ جانتے ہیں کہ بزنس کا معاملہ کتنا نازک ہوتا ہے۔"

"میں صرف قانون جانتا ہوں۔ بزنس کے نازک مسائل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"پانچ منٹ......!" تنویر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے صرف پانچ منٹ دیجئے سوچنے کے لئے"

"آپ دس منٹ تک سوچئے لیکن میں آپ کے صرف اسی فیصلے کی قدر کر سکوں گا آپ ہر حال میں قانون کی مدد کریں گے۔"

"میں قانون اور اس کی اہمیت سے واقف ہوں۔" اس کے لہجے میں بھی تلخی کی جھلک پائی گئی۔

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اشارے سے اسے روک دیا۔

تنویر نے کچھ دیر بعد سر اٹھایا اور آہستہ سے بولا۔ "واقعی مجھے بتا دینا چاہئے۔ جب حالات ایسے ہوں تو......!" وہ پھر کچھ سوچنے لگا۔

حمید کو پھر اس پر غصہ آ گیا۔ اسے اس کی یہ حرکت کھل رہی تھی کہ وہ خواہ مخواہ اس گفتگو کو طول دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

"آپ وقت برباد کر رہے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ٹھہریئے جناب!" تنویر آہستہ سے بولا۔ "میں جس پوزیشن میں ہوں وہ......!"

وہ پھر خاموش ہو گیا۔ فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نہ تو جھلاہٹ کے آثار تھے اور نہ الجھن کے۔ اس نے حمید کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی زبان بالکل بند رکھے۔

وہ تھوڑی دیر سر جھکائے کھڑا رہا پھر فریدی کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "نجمی صاحب کی ہدایت تھی کہ ان کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔ وہ کچھ دن گھر سے باہر رہنا چاہتے ہیں...... کیوں؟ یہ میں بتاؤں یا نہ بتاؤں۔"

"وہ ہے کہاں؟" فریدی نے پوچھا۔

"دیکھئے ٹھہریئے میں بتاتا ہوں۔" تنویر اس انداز میں دیکھنے لگا جیسے بیٹھنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کر رہا ہو...... یہ واردات ہی والا کمرہ تھا۔

"آیئے میرے ساتھ۔" فریدی نے کہا۔ "آپ بہت زیادہ تھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"جی ہاں...... میں کئی دنوں سے علیل ہوں۔"

وہ اسی کمرے میں آئے جہاں فریدی نے نجمی کی بیوی وغیرہ سے گفتگو کی تھی۔ تنویر بیٹھ گیا۔ حمید پاؤچ سے تمباکو نکال کر پائپ میں بھرنے لگا۔

تنویر نے کچھ دیر بعد کہا۔ "ان کے خطوط روپ نگر سے آتے ہیں جنکے جواب میں روپ نگر کے پوسٹ ماسٹر کے توسط سے بھجواتا ہوں۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ انکا قیام کہاں ہے۔"

"اتنی راز داری۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "پھر خط و کتابت ہی کرنیکی کیا ضرورت ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ مجبوراً خط و کتابت کرتے ہیں ورنہ شاید مجھے بھی اطلاع نہ ہوتی کہ انہوں نے کس لئے روپوشی اختیار کی ہے۔"

"مجبوری کیسی......!"

"وہ اپنے ساتھ زیادہ رقم نہیں رکھ سکتے لہٰذا ان کے چیک میرے پاس آتے ہیں اور میں انہیں کیش کرا کے رقم روپ نگر کے پوسٹ ماسٹر کے توسط سے انہیں بھیج دیتا ہوں۔"

"اوہ...... مگر انہوں نے روپوشی کیوں اختیار کی ہے۔"

"یہی تو ایک مصیبت ہے۔" تنویر ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ "ان کی ہدایت ہے کہ ان کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔"

"خدارا اسے اپنی ہی حد تک رکھئے گا" اس نے حمید کیطرف دیکھتے ہوئے فریدی سے کہا۔

"آپ بہت دیر کر رہے ہیں۔" فریدی بولا۔

"آپ جانتے ہی ہوں گے کہ نجمی صاحب موجد ہیں۔ اب تک انہوں نے بہتیری چھوٹی موٹی ایجادات کی ہیں۔ آج کل بھی وہ ایک نئی ایجاد...... کی فکر میں ہیں لیکن......!"

"خدا کے لئے مجھے "لیکنوں" کی تعداد پہلے سے نوٹ کرا دیجئے۔" حمید بول پڑا۔

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"میں مجبور ہوں۔ اس سلسلے میں میری زبان نہیں کھلتی۔" تنویر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"براہِ کرم گفتگو کو مختصر کیجئے۔" اس بار فریدی نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا۔

"آپ نے کیپٹن برجیس قدر کا نام سنا ہوگا۔" تنویر اس کے لہجے سے متاثر ہو
بولا۔ "میں مجبوراً آپ کو سب کچھ بتا رہا ہوں۔ ورنہ یہ میرے ایک مؤکل کا راز ہے۔ میر
اگر آپ ہوتے تو آپ کا بھی یہی رویہ ہوتا۔ ہاں تو یہ برجیس بھی بہترین چھوٹی موٹی چیز
موجد ہے۔ آج سے پانچ سال پہلے پروفیسر نجمی اور کیپٹن برجیس قدر مشترکہ طور پر کام
تھے۔ لیکن ایک بار برجیس قدر نے بے ایمانی کی اس نے پروفیسر کی ایجاد چوری سے ا
پیٹنٹ کرالی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طویل جھگڑے کے بعد دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔ لیکن
قدر نے پروفیسر کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ایک بار وہ تنہا ایک مشین کے سلسلے میں کچھ نئے
کر رہے تھے۔ مشین کا ڈھانچہ مکمل ہو چکا تھا۔ لیکن ایک رات پروفیسر کی وہ مشین چرالی
پھر کچھ ہی دن بعد تھوڑی سی تبدیلیوں کے ساتھ اسے برجیس قدر کے نام سے پیٹنٹ
سنا گیا اور پھر جلد ہی وہ بازار میں فروخت کے لئے بھی آ گئی۔ اب آپ خود ہی فیصلہ
ایسا مظلوم ایسے اوقات میں روپوشی کے علاوہ اور کس چیز کا سہارا لے گا۔"

"پروفیسر نے اس کے خلاف قانونی کارروائی کیوں نہیں کی۔" حمید نے کہا۔

"قانونی کارروائی کیونکر ممکن تھی جب کہ...... ہاں سنئے۔ پروفیسر نے چوری کی
درج کرادی تھی۔ انہوں نے اپنی مشین کے متعلق جو تفصیل دی تھی اس کے اعتبار
دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ برجیس قدر کی مشین کچھ تبدیلیوں کے ساتھ آئی تھی۔ ڈھا
شکل تو بالکل ہی بدل گئی تھی۔"

فریدی چند لمحے وکیل کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مسٹر صمدانی...... کیا
کی بیوی کا گذارہ آپ ہی کی وساطت سے ادا کیا جا رہا ہے۔"

"جی ہاں...... قطعی......!"

"کیا وہ اس دوران میں آپ سے ملتی تھی۔"

"نہیں شاید پچھلے سال ان سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"آپ کو یہ بھی نہ معلوم ہوگا کہ لاش کی اطلاع بھی مسز نجمی ہی نے پولیس کو دی تھی۔"

"کیا......!" صمدانی یک بیک کھڑا ہو گیا۔ ان کا منہ کھل گیا تھا۔ "کک...... کچھ......!"

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے کہا۔ "آپ کو ان کی موجودگی پر اتنی حیرت کیوں ہے۔"

صمدانی ہکلاتا ہوا بیٹھ گیا۔ پھر دھیرے سے بولا۔

"حیرت!" وکیل بُری طرح نروس نظر آنے لگا تھا۔ "حیرت...... دراصل اس بات پر
انہوں نے لاش کی اطلاع کیسے دی...... کک...... کیا...... وہ یہاں اس گھر میں آئی
"

"ہاں اس کا بیان ہے کہ وہ پچھلی رات کو یہاں آئی۔ رات بھر ہوٹل ڈی فرانس میں قیام
صبح وہ اس گھر میں آئی۔ وہ نجمی سے ملنے آئی تھی۔"

"اوہ...... اچھا......!" وکیل کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ
بولا۔ "وہ...... میرا مطلب یہ ہے کہ میری موجودگی میں دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ
دوسرے سے دور رہیں گے۔ اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا، جو کچھ معلوم تھا وہ بتا چکا ہوں۔"

"خیر...... میں آپ کو مجبور نہیں کرتا لیکن براہِ کرم پروفیسر نجمی کو بذریعہ تار مطلع کیجئے کہ
ان کی موجودگی ضروری ہے۔ اشد ضروری۔"

"میں مطلع کر دوں گا۔"

صمدانی اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی فریدی اور حمید بھی اٹھے۔ انہیں باہر جانے کے لئے اس
کمرے کے سامنے سے گزرنا پڑا جس میں واردات ہوئی تھی۔

"ایک منٹ اور مسٹر صمدانی۔" فریدی نے اُسے کمرے کے دروازے کے سامنے روکتے
ہوئے کہا۔ "کیا اس لڑکی کی خودکشی کی بھی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔"

وکیل چونک کر رک گیا۔

"خودکشی۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "اگر ہو بھی تو مجھے کیا علم ہو سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اس لڑکی کو قریب سے جانتے تھے۔"

"اسی حد تک کہ میں نجمی صاحب کا قانونی مشیر ہوں اور وہ نجمی صاحب کی سیکریٹری تھ

"آپ اس کے کسی دوست سے بھی واقف ہیں۔"

"نہیں! میرا خیال ہے کہ وہ کوئی دوست نہیں رکھتی تھی۔ نجمی صاحب......!"

"آپ جملہ پورا نہیں کرتے، مجھے بڑی شکایت ہے۔" حمید پھر بول پڑا۔

"جی کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں، دراصل اس حادثے نے مجھے حواس باختہ کردیا ہے

"نہ صرف حادثے نے بلکہ کچھ انہونی باتوں نے بھی۔" فریدی اسکی طرف دیکھتا ہوا

"میں نہیں سمجھا۔"

"یہی کہ مسز نجمی صبح یہاں آئی تھی اور اس نے لاش کے بارے میں پولیس کو مطلع کیا

"ج...... جی ہاں۔"

"پھر آپ......!" فریدی کہتے کہتے رک گیا۔ وہ صمدانی کو گھور رہا تھا۔

صمدانی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "یہاں مجھے مسز تنویر کی موجودگی الجھن
رہی ہے۔"

"کیوں......؟ اوہ...... آپ نقاہت محسوس کررہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم بیٹھ
کریں۔" فریدی نے کہا اور پھر اسی کمرے کی طرف مڑ گیا جہاں سے کچھ دیر قبل اٹھا تھا
وہ پھر وہیں آبیٹھے۔ تنویر صمدانی کچھ توقف کے ساتھ بولا۔ "وہ ایک انتہائی غصہ
ہے۔ غصے کی حالت میں وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتی ہے۔ ایک بار اس نے غصے ہی
میں پروفیسر نجمی پر گوشت کاٹنے کی چھری پھینک ماری تھی اور پروفیسر بال بال بچے تھے۔

"شکریہ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اب آپ کام کی باتیں کررہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر میرا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ سیکریٹری کی قاتل وہی ہیں۔"

"ضروری نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پروفیسر خود بھی اس سے بہت زیادہ خائف رہتے تھے۔ وہ بہت چالاک عورت
طور پر علیحدگی کیلئے تیار نہیں ہوتی اور برابر چیختی رہتی ہے کہ گذارے کی رقم میں اضافہ کیا جا

"ویسے پروفیسر تو اس بات کا خواہش مند ہوگا کہ وہ اس کے ساتھ رہے۔"

"ہرگز نہیں...... مسز نجمی ایک بیماری ہے۔ کون پسند کریگا کہ کوئی بیماری اس سے چمٹی رہے۔"

"ایک منٹ......!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کیا مسز نجمی کو سیکریٹری پر بھی غصہ آسکتا ہے۔"

"کیوں نہیں۔ یقیناً آسکتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ پروفیسر محض خوبصورت سیکریٹریوں کی
ے اس میں دلچسپی نہیں لیتے اور وہ کئی بار کھلے ہوئے الفاظ میں پروفیسر پر آوارگی اور
ں کا الزام لگا چکی ہے۔"

"آپ کی دانست میں پروفیسر کیسے کیریکٹر کا آدمی ہے۔"

"جیسے دنیا کے سب آدمی ہوتے ہیں۔ دنیا کے ہر آدمی کی رال خوبصورت عورتوں کے
ٹپکتی رہتی ہے۔"

"تب پھر میں دنیا ہی میں نہ ہوں گا۔" حمید اپنی نبض ٹٹولتا ہوا بولا۔

"یہ ایک عام بات ہے کیپٹن۔ ویسے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ دنیا میں ایسے آدمی نہ
جنہیں عورت سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔"

"چلئے ٹھیک ہے...... ہاں تو پھر۔" فریدی نے کہا۔

"پروفیسر کو بھی خوبصورت عورتوں سے دلچسپی ہے۔ مجھے اس کا علم ہے لیکن سیکریٹری سے
ے تعلقات تھے اس کا علم مجھے نہیں ہے۔"

"بہرحال مسز نجمی سیکریٹریوں کو ہمیشہ بُری نظروں سے دیکھتی رہی ہے اور یہ بھی کہتی رہی
ہے کہ آخر وہ مرد سیکریٹری کیوں نہیں رکھتے۔"

"سیکریٹری اس گھر کی مختار کل تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں...... وہ اسی پر سارا گھر چھوڑ گئے تھے۔"

"عدم موجودگی کی بات نہیں کررہا ہوں۔ کیا پروفیسر کی موجودگی میں بھی اسے گھریلو
معاملات میں دخل رہتا تھا۔"

"اس کے متعلق تو ملازمین ہی بہتر بتا سکیں گے۔"

فریدی نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ اسکی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں اور حمید اکتایا اکتایا سا نظر آرہا تھا۔ دفعتاً تنویر صمدانی خود ہی بولا۔ ''میں نے مسز نجمی کے متعلق جو کچھ بتایا ہے اس میں ذرا برابر بھی مبالغہ نہیں ہے۔ غصے کی حالت میں اس سے دیوانوں کی سی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں۔''

''ہوں......!'' فریدی بہت غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا مسٹر صمدانی آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے حتیٰ الامکان میری مدد کی اور مجھے توقع ہے کہ آپ آئندہ بھی میرا ہاتھ بٹائیں گے۔ براہِ کرم پروفیسر کو جلد از جلد حالات سے مطلع کر کے یہاں بلوائیے۔''

''میں آج ہی انہیں تار دوں گا۔'' تنویر نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید واپس ہو رہے تھے۔ تنویر جا چکا تھا۔ کار کی رفتار زیادہ نہیں تھی۔ البتہ حمید ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جرائم اور مجرموں کو گالیاں دے رہا تھا۔ فریدی خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اسکی بکواس سن ہی نہ رہا ہو۔ پھر حمید خود بخود ہی آزاد ہو گیا۔ فریدی نے سول ہسپتال کے قریب کار روکی اور یہ کہہ کر اتر گیا۔ ''تم گھر جاؤ...... میں ابھی آرہا ہوں۔''

لیکن حمید نے سوچا کہ وہ گھر کیوں جائے۔ ہوٹل ڈی فرانس کیوں نہ جائے۔ ؟ پروفیسر نجمی کی بیوی اپنی لڑکی کے ساتھ مقیم تھی۔ اگر وہ تنہا مقیم ہوتی تو حمید اُسے معاف کر دیتا مگر ایسی صورت میں جبکہ وہ ایک خوبصورت لڑکی کی ماں تھی۔ حمید اس پر قاتلہ ہونے کا شبہ کر کے اس کی لڑکی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکتا تھا۔

اس نے کار اسٹارٹ کی اور گھر جانے کی بجائے ہوٹل ڈی فرانس پہنچ گیا۔ آدمی قضا و قدر کے ہاتھوں مجبور ہے۔ اگر تقدیر گھر پہنچانے کی بجائے کسی خوبصورت لڑکی کی طرف دھکیل دے تو وہ کیا کر سکتا ہے۔

مسز نجمی شاید اسے دور ہی سے پہچان گئی تھی۔ کیونکہ اسے دیکھتے ہی اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ وہ دونوں ماں بیٹی حمید کو ڈائننگ ہال میں دوپہر کے کھانے کی میز پر نظر آئیں۔

ایک خالی میز پر بیٹھ کر کھانا ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ ان سے زیادہ دور نہیں تھا۔

دفعتاً مسز نجمی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہیں آ جائیے نا۔''

حمید اٹھا اور شکریہ ادا کر کے اس کی میز پر جم گیا۔

''کیا آپ لنچ کر چکے ہیں۔'' مسز نجمی نے پوچھا۔

''جی ہاں شکریہ۔'' حمید نے کنکھیوں سے اس کی لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو اب لنچ میں دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔

''دیکھئے مسٹر......!'' اچانک مسز نجمی نے آگے جھک کر غیر متوقع طور پر [illegible]۔ آپ [illegible] خواہ مخواہ اپنا اور دوسروں کا وقت برباد کر رہے ہیں۔''

''کیوں......؟''

''مجھ پر قتل کا شبہ کر کے ثبوت کے لئے جھک مارنا وقت کی بربادی ہی ہے جبکہ تین بجے خود پروفیسر ہی گھر میں موجود تھا۔''

''کیا مطلب......؟''

''میرے پاس اس کے لئے کافی ثبوت ہے کہ پروفیسر نجمی تین بجے گھر آیا تھا۔''

حمید متحیرانہ انداز میں اسکی طرف دیکھنے لگا۔ اب وہ اسکی لڑکی میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔

قتل یا خودکشی

''ممی...... پلیز......!'' اس کی لڑکی بڑبڑائی لیکن مسز نجمی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتی رہی۔ ''مکان کی پشت پر ایک دیسی عیسائی عورت رہتی ہے اس نے پروفیسر کو پچھلی رات پچھلے دروازے سے عمارت میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔''

''کیا وہ تین بجے پروفیسر کا انتظار کر رہی تھی۔'' حمید نے کہا۔

"میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"مطلب یہ کہ وہ تین بجے رات کو کیا کر رہی تھی کہ پروفیسر اسے اس طرح نظر آیا۔"

"یہ آپ اسی سے پوچھئے گا۔" مسز نجمی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "اس کا نام لاڈیل ہے۔ ہمارے مکان کی پشت پر اس کا چھوٹا سا مکان ہے۔"

"خیر ہم اسے بھی چیک کریں گے۔" حمید نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مسز سر جھکائے کھاتی رہی۔ دفعتاً لڑکی نے حمید کو کچھ اشارہ کیا لیکن حمید نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اس نے دوبارہ استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس بار اس کی سمجھ آ گیا کہ وہ کچھ کہنے کے لئے اسے وہاں روکنا چاہتی ہے۔ حمید پھر مسز نجمی کی طرف دیکھنے جواب بھی اُسی طرح سر جھکائے کھا رہی تھی۔

"اس اطلاع پر میں آپ کا مشکور ہوں مسز نجمی...... میں دیکھ لوں گا کہ آپ کا بیان کہ تک صحیح ہے۔"

"مسز لاڈیل سے ضرور ملئے۔"

"اوہ...... ہاں ایک بات اور...... پروفیسر کا قانونی مشیر صمدانی کیسا آدمی ہے۔"

اٹھتے اٹھتے رک گیا۔

"میں سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ کہ کیا وہ قابل اعتماد آدمی ہے۔"

"اوہ...... تو کیا وہ آپ لوگوں کو میرے خلاف بہکانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔"

"نہیں! ابھی تک ہم اس سے ملے بھی نہیں۔" حمید نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ میرے خلاف زہر اُگلنے کی کوشش کرے کیونکہ وہ صرف مشیر قانو نہیں بلکہ پروفیسر کا دوست بھی ہے۔ وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتا رہا ہے کہ ہم دونوں میں طور پر علیحدگی ہو جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اسے بھی دیکھ لوں گا۔" حمید نے کہا اور اٹھ گیا...... بظاہر

میں ہوٹل سے چلا جانا چاہتا تھا۔ وہ باہر نکل کر دوسری طرف سے ہوٹل کی اوپر والی ر چلا گیا۔ اوپر کی گیلری میں بھی کچھ کیبن تھے جن میں سے کسی ایک میں بیٹھ کر وہ ان ر بخوبی نظر رکھ سکتا تھا۔

نچ ختم کر کے لڑکی اٹھ گئی۔ لیکن مسز نجمی بدستور بیٹھی رہی۔ حمید سوچنے لگا کہ وہ وہیں بیٹھے کے پیچھے جائے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے وہیں بیٹھنا چاہئے۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے لڑکی کو واپس آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ب تھا۔

وہ میز کے قریب آئی۔ مسز نجمی اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ شاید وہ تنہا کہیں جانے کے لئے تیار تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اٹھی اور ڈائننگ ہال اہر نکل گئی۔ لڑکی وہیں کھڑی چاروں طرف دیکھتی رہی۔ پھر حمید نے کیبن کے پردے سے کر اسے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔

نیچے آ کر اس نے کہا۔ "فرمائیے...... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"میرے ساتھ آئیے۔" وہ تیزی سے ایک طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ حمید اس کے ساتھ لگا وہ اسے اس کمرے میں لائی جہاں ان کا قیام تھا۔

"میں نے آپ کو...... اس لئے...... روکا تھا۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی اور ش ہوگئی۔ حمید خاموش رہا۔ لڑکی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "ممی بہت غصہ ور ہیں۔ غصے کی ت میں ان کی عقل سلب ہو جاتی ہے۔ وہ نہیں سمجھتیں کہ وہ کیا کر رہی ہیں یا کیا کہہ رہی ۔ پاپا سے ان کی لڑائی ہے اور وہ ہمیشہ ان پر خار کھاتی رہی ہیں اسلئے ابھی انہوں نے جو چھ کہا ہے آپ اس پر یقین نہ کیجئے گا۔"

"آپ کو پاپا سے ہمدردی ہے۔"

"کیوں نہ ہو! کیا دنیا کے کسی آدمی کو اپنے باپ سے ہمدردی نہیں ہو سکتی۔"

"پھر آپ ان سے علیحدہ کیوں ہوگئی ہیں۔"

''میں علیحدہ نہیں ہوئی اس کی تمام تر ذمہ داری ممی پر ہے۔ میں ان سے بہت ڈرتی ہوں اس لئے مجھے وہی کرنا پڑتا ہے جو وہ کہتی ہیں۔ انہوں نے علیحدگی اختیار کی اور مجھے بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لے گئیں۔''

''تو انہوں نے مسز لاڈیل کی جو کہانی سنائی ہے اسے میں غلط سمجھوں۔''

''ممکن ہے مسز لاڈیل کو دھوکہ ہوا ہو۔ وہ کوئی اور ہو جسے وہ پاپا سمجھ بیٹھی ہو۔''

''کیا مسز لاڈیل آپ کی ممی کی گہری دوست ہے۔''

''مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ ویسے، میں اتنا جانتی ہوں کہ ممی ویسی عورتوں سے بہت نفرت کرتی ہے۔ مسز لاڈیل ویسی ہی عورت ہے۔ لہٰذا میری دانست میں اس سے دوستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''شکریہ۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ بہت ذہین معلوم ہوتی ہیں۔''

''کیوں......؟''

''یہ آپ کا انداز گفتگو کہتا ہے ہم لوگوں کو اپنے سوالات کے اتنے واضح جواب نہیں ملتے۔ دیکھئے سوالات کو سمجھنا اور مناسب جواب دینا بھی بڑا مشکل فن ہے۔ اسی لئے میں آپ کو بہت زیادہ ذہین سمجھنے پر مجبور ہوں۔ اس کے برخلاف آپ کی ممی......مگر ہاں وہ غصہ ور ہیں۔ جواب دیتے وقت انہیں غصہ آجاتا ہے اس لئے ان کے جوابات واضح نہیں ہوتے۔''

''جی ہاں......یہی بات ہے۔ انہیں بہت شدت سے غصہ آتا ہے۔''

''اب اس سے زیادہ شدت اور کیا ہوگی کہ ایک بار انہوں نے نجمی صاحب پر چھری کھینچ ماری تھی۔'' حمید نے کہا اور لڑکی دفعتاً زرد ہوگئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر بدقت کہا۔ ''کسی نے آپ کو غلط اطلاع دی ہے۔''

''مگر یہ اطلاع ایک بہت ہی معتبر آدمی سے ملی تھی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''یہ......یہ......آخر کس نے یہ بات کس سلسلے میں آپ کو بتائی تھی۔'' لڑکی نے کہا۔ اس کے چہرے کی زردی بدستور قائم تھی۔

''یونہی برسبیل تذکرہ......کس نے بتائی تھی یہ میں نہ بتا سکوں گا۔''

لڑکی سوچنے لگی۔ پھر اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''نہیں یہ غلط ہے کسی نے آپ کو اہ پر لگانے کی کوشش کی ہے۔ غالباً وہ اس قتل کو ممی کے سر منڈھنا چاہتا ہے۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔''

''کیوں نہیں......جب وہ غصے میں پاپا پر چھری پھینک سکتی ہے تو غصے کی ہی حالت میں بڑی کو بھی قتل کر سکتی ہیں۔''

''آپ واقعی بے حد ذہین ہیں لیکن ہم ان لائنوں پر نہیں سوچ رہے ہیں آپ کی ممی تو رات آپ کے ساتھ ہی رہی تھیں۔ صرف اس بناء پر انہیں قاتل تو نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ رہیں۔ دنیا کے بہتیرے آدمی بہت زیادہ غصہ ور ہیں۔ لیکن وہ قتل تو نہیں کرتے پھرتے۔ میں تو اتفاقاً اُدھر آنکلا تھا مقصد یہ نہیں تھا کہ اس سلسلے میں آپ لوگوں سے گفتگو کی جائے۔''

لڑکی خاموش ہوگئی۔ اس وقت اسے لڑکی کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ لیکن وہ نہیں لگا سکا وہ کس قسم کی لڑکی ہے۔

لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''آخر پاپا اس طرح کسی کو اطلاع دیئے بغیر کہاں غائب ہوگئے ہیں۔''

''پتہ نہیں۔'' حمید بولا۔ پھر اس نے تھوڑے توقف سے کہا۔ ''آپ میرا فون نمبر نوٹ کر لیجئے ممکن ہے کبھی آپ مجھے کوئی نئی بات بتا سکیں۔''

لڑکی نے فون نمبر نوٹ کر لیا اور حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''اب اجازت دیجئے۔''

لڑکی کے چہرے سے تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر حمید سے مصافحہ کیا لیکن دروازے تک چھوڑنے نہیں آئی۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں الجھنیں دیکھی تھیں۔

ہوٹل سے نکل کر اس نے ایک دوا فروش کی دوکان سے فریدی کو فون کیا۔

سب سے پہلے اس نے سول ہسپتال ہی کے نمبر ڈائیل کئے۔ فریدی اب بھی وہیں تھا لہٰذا حمید کو کچھ دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ پھر فریدی کی آواز سنائی دی۔

''آپ ابھی تک یہیں ہیں۔'' حمید نے کہا۔

"ہاں میں کوشش کر رہا ہوں کہ پوسٹ مارٹم جلد ہو جائے۔ کیوں کیا بات ہے۔"

"پچھلی رات پروفیسر تقریباً تین بجے اپنے مکان کی پشت پر دیکھا گیا ہے۔"

"یہ خبر کہاں سے لائے۔"

"پروفیسر کے مکان کی پشت پر کوئی مسز لاڈیل رہتی ہے اس نے دیکھا تھا۔"

"بھئی یہ اطلاع کس سے ملی ہے۔"

"پروفیسر کی بیوی سے، مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ ہوٹل ڈی فرانس میں مقیم ہے بس ا ملاقات ہوگئی۔"

"ہاں! اگر وہ تنہا ہوتی تو شاید اس قسم کا اتفاق کبھی نہ ہوتا۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں

"مسز لاڈیل کو میں چیک کروں۔"

"نہیں میں اسے چیک کرلوں گا۔ تم فنگر پرنٹ سیکشن کو دیکھو۔ مجھے بہت جلد رپورٹ چا

"اچھی بات ہے، لیکن اب آپ کو کہاں فون کیا جائے۔"

"تم ریکھا کو فون کر کے اس سے معلوم کر سکو گے، میں اسے اپنے متعلق اطلاع دیتا ہوں

"یہ خدمت آپ نے کسی مرد کے سپرد کیوں نہیں کی۔"

لیکن فریدی نے اس کا جواب دیئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید دوا فروش کی دوکان سے نکل کر آفس کی طرف روانہ ہوگیا۔ فریدی کا مقصد شا تھا کہ حمید فنگر پرنٹ سیکشن والوں کے سر پر سوار ہو کر جلد از جلد رپورٹ تیار کرائے۔

رپورٹ مل گئی لیکن ساتھ ہی حمید کی باچھیں بھی کھل گئیں کیونکہ یہ سو فیصدی خودکشی کیس تھا۔ ریوالور کے دستے پر مرنے والی ہی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔

اس نے فون پر ریکھا کے نمبر ڈائیل کیے۔

"ہیلو......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اُف وہی آواز ہے...... بالکل وہی آواز ہے۔" حمید نے آواز بدل کر کہا۔

"کون ہے۔" ریکھا غرائی۔

20

"ڈنکی ٹیل......!" حمید نے قہقہہ لگایا۔

"ایک شعر سن لو...... تم اچھی خاصی اردو جانتی ہو۔"

ہزار جانِ گرامی فدا بہ ایں نسبت
کہ اپنی ذات سے میرا پتہ دیا تو نے

"بکواس مت کرو۔ کرنل صاحب تھری سکس ایٹ ناٹ پر ملیں گے۔"

"آج شام کو کہیں ملو۔ میں نے قوم کی بدنصیبی پر ایک تقریر تیار کی ہے۔"

ریکھا نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ حمید نے اس کے بتائے ہوئے نمبر ائے۔

"کرنل فریدی...... پلیز......!" حمید نے کال ریسیو کرنے والے سے کہا۔

"ہولڈ آن کیجیے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد کہا گیا۔ وہ نائین لس ایٹ پر ملیں گے۔

اب حمید نے ان نمبروں پر رنگ کیا۔ لیکن یہاں سے بھی ایک تیسرا نمبر بتا دیا گیا۔ آخر ریباً پانچ مختلف نمبروں پر رنگ کرنے کے بعد فریدی سے رابطہ قائم ہوسکا۔

حمید نے اُسے فنگر پرنٹ سیکشن کی رپورٹ سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس اب واپس آجایئے۔ کھیل ختم ہوگیا۔"

"کھیل تو اب شروع ہوا ہے فرزند۔" فریدی نے جواب دیا۔ "میں اب گھر ہی آرہا ...... وہیں چلو۔"

حمید نے سلسلہ منقطع کر کے گھر کی راہ لی۔ اس کے ذہن میں فریدی کا جملہ کھیل تو اب ع ہوا ہے۔ بار بار گونج رہا تھا۔ کبھی اس کے ہونٹ سکڑتے اور کبھی وہ دانت پیسنے لگتا۔ وہ رہا تھا کہ اب ایک بات زبان سے نکل گئی ہے خواہ ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے وہ بات پتھر یر کی طرح اٹل رہے گی۔ اگر وہ خودکشی ہی کا کیس ہوگا تب بھی اسے کھینچ تان کر قتل کے ر چڑھایا جائے گا۔

گھر پہنچ کر اس نے لباس تبدیل کیا اور ریڈیو کھول کر فرانسیسی موسیقی سے دل بہلانے لگا۔

جب اس سے بھی دل نہ بہلا تو جرمنی پر طبع آزمائی کی لیکن آخر کار بی بی سی کی خبریں آ ہی گئیں کچھ دیر تک تو وہ سنتا رہا مگر جب مینڈھے سے لڑنے لگے تو اس نے ریڈیو بند کر کے اس سے سر ٹکرا دینے کا ارادہ کیا۔ پتہ نہیں ریڈیو کا کیا حشر ہوتا لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی آ گیا۔ اس نے اسے کمرے سے آواز دی۔ حمید طوعاً و کرہاً اٹھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اب اس کا اس کمرے میں دل نہیں لگ رہا تھا۔

''کیوں بھئی۔'' فریدی اُسے دیکھ کر مسکرایا۔ ''تمہارے چہرے پر جانکنی کیوں سوار ہے؟''

''ملک الموت سے دوستی کرنے کا نتیجہ بھگت رہا ہوں۔''

''تم نے اس وقت بڑا کام کیا۔''

''کیا......؟''

''مسز لاڈیل کی دریافت...... یہ عورت کام کی معلوم ہوتی ہے۔''

''بڑھیا ہی تو کام کی ہوتی ہیں۔'' حمید نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

''اور ساتھ ہی وہ سیاہ فام بھی ہے۔''

''کرڈالئے شادی۔ آج کل میرا بکرا بہت اداس رہتا ہے۔''

''مسز لاڈیل کا بیان ہے کہ اس نے تین بجے شب کو اسے دیکھا تھا۔'' فریدی نے اس کی بکواس پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ ''وہ جیپ سے اتر کر عقبی دروازے کو کھول رہا تھا۔''

''ختم بھی کیجئے۔ ریوالور کے دستے پر مرنے والی نجمی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ آ آپ خواہ مخواہ اسے قتل کا کیس بنانے پر کیوں تل گئے ہیں۔''

''اگر وہ خودکشی ہی ہے تو تین بجے پروفیسر کی موجودگی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کیونکہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق موت تین اور چار بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔''

''ہوسکتا ہے کہ نجمی صرف پندرہ منٹ ٹھہر کر واپس چلا گیا ہو اور اس کے جانے کے دس منٹ بعد اس نے خودکشی کر لی ہو۔''

''پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو!''

ہی کہ اگر اس نے نجمی کی واپسی کے بعد خودکشی کی ہوگی تو اس سے نجمی پر کیا اثر پڑے گا۔''

کچھ نہیں سوائے اس کے کہ ایسی صورت میں نجمی کو خودکشی کے اسباب پر روشنی ڈالنی

اور اگر اس سے پہلے ہی خودکشی کر چکی تھی تو نجمی نے پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔''

ٹھہریئے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''آخر آپ نے لاڈیل کے بیان پر یقین کیسے

مکن ہے کہ مسز نجمی نے اسے اس غلط بیانی کے لئے تیار کیا ہو۔''

میں کب کہتا ہوں کہ ایسا نہ ہوا ہوگا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے پروفیسر کو پھانسی کا تہیہ کر لیا ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ اس قصے کو ختم کیجئے۔ ضروری نہیں کہ یہ قتل ہی ہو۔ آپ کبھی سیدھے پر چل ہی نہیں سکتے۔''

میں یہ بھی نہیں کہتا کہ یہ قتل ہی کا کیس ہے۔ مگر کیا خودکشی کے اسباب کا پتہ لگانا فرائض سے خارج ہے۔''

''خودکشی کی وجہ معدے کی گرانی بھی ہو سکتی ہے۔'' حمید بولا۔ ''آپ بینگن کا بھرتا کھا گھنٹے بعد یہی دل چاہے گا کہ خودکشی کر بیٹھو۔''

''چلو وہ معدے کی گرانی ہی سہی لیکن پھر آخر تمہارے نکتہ نظر کے مطابق نجمی کی بیوی نے ڈیل کو غلط بیانی پر کیوں آمادہ کیا؟''

''ممکن ہے وہ اسی طرح نجمی کا خاتمہ چاہتی ہو۔''

''پھر یہ سازش ہوئی نا...... اگر یہ سازش ہے تو محکمہ سراغ رسانی کا کوئی فرد اس کی طرف آنکھیں کیسے بند کر سکتا ہے۔''

''میری طرف سے آپ آنکھیں بھی کھلی رکھئے اور ضرورت پڑے تو عینک بھی استعمال

''حمید جھلا گیا۔ لیکن فریدی اس کی پرواہ کئے بغیر کہتا رہا۔ ''سیکریٹری پچھلی رات بڑے موڈ میں تھی۔ نوکروں کا بیان ہے کہ وہ اسے پیانو بجاتا ہوا چھوڑ کر گئے تھے۔ اگر خودکشی کسی کا نتیجہ ہوتی تو وہ اتنے اچھے موڈ میں نہ پائی گئی ہوتی اور اگر وہ کسی الجھن ہی کا نتیجہ تھی تو بہت

پہلے اسکے ذہن میں خودکشی کے خیال نے سر ابھارا ہوگا۔ ایسی صورت میں خودکشی کا فیصلہ اچانک ن
ہوتا۔ ہفتوں تو خیال ذہن ہی میں پکتا رہتا ہے۔ اگر وہ بہت دنوں سے خودکشی کیلئے سوچ رہی تھ
اس نے ریوالور کیوں استعمال کیا۔ جب کہ اُسے کئی قسم کے زہر آسانی سے مل سکتے تھے۔"

"زہر آسانی سے نہیں ملا کرتے۔" حمید نے کہا۔

"پروفیسر کی تجربہ گاہ میں پوٹاشیم سائنائیڈ تک موجود ہے اسے خریدنے کیلئے بازار ن
پڑتا۔ پھر دوسری بات یہ کہ بغیر لائسنس کا ریوالور رکھنا زہر حاصل کرنے سے زیادہ مشکل کام ہ

"میں سمجھا تھا کہ ریوالور پروفیسر کا ہوگا۔"

"نہیں...... آج تک اس کے نام سے ریوالور کا کوئی لائسنس نہیں ایشو کیا گیا۔" ف
نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر میں اسے خودکشی کا کیس تسلیم کرلوں تب بھی پیچھا نہیں چھ
گا۔ اس صورت میں ہمیں یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ اسے ریوالور ملا کہاں سے تھا اور اگر وہ
بغیر لائسنس کا ریوالور رکھتی تھی تو اسے یقیناً ایک خطرناک عورت تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"آپ اسے ہٹلر کی چچی تسلیم کیجئے۔ مجھے ذرہ برابر بھی تشویش نہ ہوگی۔"

فریدی کو حمید کی جھلاہٹ پر ہنسی آگئی اور اس نے کہا "ہر حال میں ہمیں یہ کیس
پڑے گا۔ خواہ وہ خودکشی ہو۔ خواہ قتل، بغیر لائسنس کے ریوالور کا مسئلہ ہمیں اس وقت
الجھائے رکھے گا جب تک کہ ہم یہ نہ معلوم کرلیں کہ وہ مرنے والی کو کیسے اور کہاں ملا تھا۔"

خستہ حال لڑکی

حمید اس سے الجھتا ہی رہا۔ مگر پھر فریدی نے مزید وضاحت نہیں کی، شائد وہ خود ہی
اس مسئلے پر کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوچ سکا تھا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح پروفیسر نجمی کا وکیل صدانی آگیا۔ اس نے فریدی کے سامنے

دیا جو اسے اپنے تار کے جواب میں پروفیسر کی طرف سے موصول ہوا تھا۔
پیغام تھا "میں نہیں آسکتا۔ ایک مفصل خط لکھ رہا ہوں۔ کرنل سے کہو کہ دو چار دن مجھے
مجبور نہ کریں۔ ورنہ میری ساری محنت برباد ہوجائے گی۔"

ریدی نے پیغام پڑھ کر فارم اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔ "پروفیسر کی واپسی بہت
ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے سختی نہ کرنی پڑے۔"

"میں کیا بتاؤں کرنل۔ پروفیسر بہت ضدی آدمی ہیں۔" صدانی نے کہا لیکن فریدی نے
یں کہا۔ حمید البتہ صدانی کو کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔

س نے کہا۔ "کیا آپ ہمیں سیکریٹری کی پچھلی زندگی سے متعلق کچھ بتا سکیں گے۔"

"نہیں جناب! میں بھلا اس کی پچھلی زندگی کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اس کا نام ڈوروتھی تھا۔"

"جی ہاں...... میں اسی نام سے جانتا ہوں۔"

"صدانی صاحب! کیا ڈوروتھی خودکشی بھی کرسکتی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"دنیا کا ہر آدمی خودکشی کرسکتا ہے، کرنل کیا خودکشی کے امکانات بھی ہوسکتے ہیں۔"

"نہیں...... ایک فیصد بھی نہیں۔ حالانکہ ریوالور کے دستے پر صرف اسی کی انگلیوں کے
لے ہیں اور ریوالور کا ایک ہی چیمبر خالی ہے۔ پانچ میں گولیاں موجود ہیں۔"

"اور آپ اسکے باوجود بھی اسے خودکشی کا کیس نہیں سمجھتے۔" صدانی نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں...... میں اسے خودکشی کا کیس نہیں سمجھتا کیونکہ میں نے ایک گولی کمرے کی
ے بھی نکالی ہے اور زخم کی حالت سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ گولی قریب سے چلائی گئی
کشی کرنیوالے عموماً ریوالور کی نالی کنپٹی پر رکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں زخم کے گرد
کے نشانات لازمی طور پر ملنے چاہئیں۔ لیکن مرنے والی کی کنپٹی کی کھال پر اس قسم کے
نہیں پائے گئے۔ زخم کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ گولی کافی فاصلے سے چلائی گئی۔"

"تب تو...... یقیناً...... مگر آخر اسے قتل کس نے کیا۔" صدانی نے تشویش کن لہجے میں

کہا۔ "جہاں تک مجھے علم ہے وہ ایک شریف اور سلیم الطبع لڑکی تھی۔ میں نے آج تک ا
کسی ملنے والے کو پروفیسر کی کوٹھی میں نہیں دیکھا۔"
"اب آپ نے بھی دوسری راہوں پر بھٹکنا شروع کر دیا مسٹر صمدانی۔" فریدی
بولا۔ "حالانکہ کل آپ نے مسز نجمی کے غصے کا تذکرہ کرتے وقت......"
"دیکھئے ٹھہریئے۔" صمدانی بول پڑا۔ "مجھے غلط نہ سمجھئے۔ میں نے یونہی برسبیل تذ
بات کہہ دی تھی۔ میرا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ مسز نجمی پر کسی قسم کا الزام رکھوں۔"
"آپ رکھئے یا نہ رکھئے وہ پرسوں رات تقریباً ڈیڑھ بجے ہوٹل سے باہر گئی تھی
وہاں چیک کر چکا ہوں۔"
"میرے خدا......!" یک بیک صمدانی کے ہونٹ خشک نظر آنے لگے۔
اور پھر اس کی واپسی تقریباً ساڑھے تین بجے ہوئی تھی۔ پچھلی رات خود اس
اعتراف کر لیا ہے کہ وہ ڈیڑھ سے ساڑھے تین بجے تک ہوٹل ڈی فرانس سے باہر رہی تھ
"اس نے اعتراف کر لیا ہے۔" صمدانی نے نحیف آواز میں کہا۔
"اگر نہ کرتی تو اس سے بھی کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ میں نے مقامی ہوٹلوں کے
نئے قوانین وضع کرائے ہیں جن کے تحت قیام کرنے والے مسافروں کے لئے لاز
ہے کہ وہ رات گئے باہر جاتے وقت اپنی روانگی ایک رجسٹر میں درج کریں جہاں جا
ہوں وہاں کا حوالہ دیں۔ کسی سے ملنا ہو تو اس کا نام اور پتہ تحریر کریں بہرحال وہ ا
دوست سے ملنے گئی تھی۔ اس نے اس کا نام اور پتہ تحریر کیا تھا۔"
"پھر آپ نے اس ملنے والے کو بھی چیک کیا ہوگا۔"
"یقیناً......وہ دو سے تین بجے تک اس کے ساتھ شراب پیتی رہی۔"
"اوہ......تب تو ٹھیک ہے۔"
"کیا ٹھیک ہے۔"
"بات دراصل یہ ہے کرنل...... میں پروفیسر کے خاندان کا خیر خواہ ہوں۔

پروفیسر کے لئے یہ ایک بہت بڑا داغ ہوگا اگر اس کی بیوی کے خلاف اس قسم کا کوئی
م ثابت ہو سکا۔"
"اب ہمیں کہاں جانا ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ صمدانی
ٹالنا چاہتا ہے۔
"آفس......!" حمید بولا۔
"اجازت ہے۔" صمدانی نے اٹھنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔
"اوہ......ضرور......لیکن ہو سکتا ہے کہ پھر کسی وقت آپ کو تکلیف دی جائے۔"
صمدانی چلا گیا۔ حمید خاموش ہو گیا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "تو اب یہ سچ مچ قتل کا
س بن گیا ہے۔"
"ہاں......اب اٹھو۔ آفس جانے سے پہلے مسز لاڈیل سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"اس سے آپ مل چکے ہیں۔"
"ہاں......آج پھر۔" فریدی بولا۔ "کل میں نے اس سے یونہی مختصر سی گفتگو کی تھی۔
لیکن آج دیکھوں گا کہ وہ بنائی ہوئی گواہ تو نہیں ہے۔"
"خیر اسے چھوڑیئے۔ آپ کہتے ہیں کہ مرنے والی کے ریوالور کا چیمبر خالی تھا۔ لیکن کیا
وہ گولی جو اس کی کھوپڑی سے نکالی گئی ہے اسی ریوالور کی نہیں تھی۔"
"اسی ساخت کے دوسرے ریوالور کی گولی بھی جا سکتی ہے۔ اس ریوالور کی نہیں ہو سکتی۔"
"تو گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اتفاق سے قاتل کے پاس بھی اسی ساخت کا ریوالور
موجود تھا اور ڈورتھی نے اس پر فائر کیا لیکن گولی دیوار پر لگی پھر قاتل نے فائر کر دیا اور گولی اس
کی کنپٹی پر لگی۔"
"فی الحال میرا یہی خیال ہے۔"
"لیکن قاتل نے خود سے اسے خودکشی کا کیس بنانے کی کوشش نہیں کی۔"
"تمہارا یہ خیال بھی درست ہے ورنہ وہ کم از کم دیوار والی گولی تو نکال ہی لے جاتا اور

کچھ دور کا پلاسٹر اس طرح اکھاڑ دیتا کہ وہ گولی کا نشان معلوم نہ ہوتا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔

"دیکھو......کون ہے۔" فریدی نے کہا۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو......!"

"ہیلو...... ہیلو......!" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔ "میں صوفیہ نجمی ہو

پروفیسر نجمی کی لڑکی۔ کل آپ نے مجھے اپنا فون نمبر دیا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ فون پر آپ ہیں یا اور کوئی ہے۔ میں آپ کا نام نہیں جانتی۔"

"ہاں میں ہی ہوں۔ کل میں نے آپ کو اپنا فون نمبر دیا تھا مجھے کیپٹن حمید کہتے ہیں۔

"اوہ......کیپٹن آپ نے کہا تھا کہ جب ضرورت ہو مجھے فون کر دینا۔"

"جی ہاں...... میں نے کہا تھا۔"

"میں بہت شدت سے آپ کی ضرورت محسوس کر رہی ہوں......فوراً آیئے۔"

حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر۔ اس وقت ساڑھے نو بجے ہیں۔ اگر آپ آدھے گھ

آئے تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔"

"بات کیا ہے۔"

"بات فون پر نہیں بتا سکتی۔ ویسے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

"میں آرہا ہوں۔"

"کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نجمی کی لڑکی۔ اس نے مجھے آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر بلایا ہے۔" حمید نے فریدی کو پوری پچویشن سے آگاہ کر دیا۔

"ممکن ہے اس سے کوئی نئی بات معلوم ہو سکے۔ تم جاؤ۔ میں لاڈیل کو چیک کروں

"گاڑی لے جاؤں۔"

"نہیں تم اسٹیشن ویگن نکال لو۔"

"خود لنکن پر چلیں گے اور میں چھکڑا نکال لوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں نکال لوں گا چھکڑا......اب تو دفع ہو جاؤ۔"

حمید نے باہر آ کر گیراج سے لنکن نکالی اور ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسے تھی کہ وہ ڈائننگ ہال ہی میں ملے گی۔ لیکن وہ وہاں کہیں نظر نہ آئی۔ اوپر کی گیلری میں بھی پھر ان کمروں کی طرف چل پڑا جہاں ان کا قیام تھا اور اسی کمرے کے سامنے رکا جس پر دن اس نے اس سے گفتگو کی تھی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک کا جواب بہت ہی دھیمی آواز ملا۔ پھر حمید نے قدموں کی آواز سنی۔

"کون ہے۔" صوفیہ نے آہستہ سے کہا۔ حمید اس کی آواز پہچان گیا تھا۔

"کیپٹن حمید۔"

"اوہ......کیپٹن!" صوفیہ نے جواب دیا۔ "یہ دروازہ باہر سے مقفل ہے۔ کنجی دیوار سے ہوگی۔ براہِ کرم قفل کھولئے۔"

حمید نے متحیرانہ انداز میں کنجی کے سوراخ کی طرف دیکھا پھر دیوار سے لٹکی ہوئی کنجی پر پڑی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

"کیپٹن......!" اندر سے کپکپاتی ہوئی سی آواز آئی۔ "آپ کیا کر رہے ہیں۔"

"اُو...... ہاں......!" حمید چونک کر بولا۔ "ٹھہریئے! میں قفل کھولنے جا رہا ہوں۔"

"شکریہ! جلدی کیجئے۔ صرف دس منٹ اور رہ گئے ہیں۔"

حمید نے قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکلی کیونکہ یہ پچھلے دن کی حسین صوفیہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بال الجھے ہوئے تھے۔ چہرے پر خراشیں تھیں اور کہیں کہیں نیل بھی نظر آرہے تھے اور شاید ٹھوڑی اور گردن پر کسی نے بڑی بے دردی سے اپنے تیز ناخن چبھائے تھے۔

"لے چلئے۔خدا کے لئے مجھے یہاں سے کہیں لے چلئے۔" اس نے مضطربانہ انداز میں کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"اب صرف آٹھ منٹ رہ گئے۔" لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔حمید راہداری میں آ گیا۔لڑکی نے بڑی تیزی سے جھک کر دروازے کو مقفل کیا اور کنجی پھر دیوار سے لٹکا دی۔

"چلئے! خدا کے لئے کسی ایسے راستے سے باہر نکلئے کہ کوئی ہمیں دیکھ نہ سکے۔" لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔"میں ایک ایسے راستے سے واقف ہوں۔وہ راستہ ان دنوں کھلا ہوگا۔رات کو بند کر دیا جاتا ہے۔"

وہ تیسری منزل کی ایک راہداری میں چل رہے تھے۔حمید اس وقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ رہا تھا کہ عنقریب وہ کسی بوکھلاہٹ کا شکار ہونیوالا ہے۔صوفیہ اسے اس طرح کھینچ رہی تھی جیسے کسی چٹیل میدان میں ژالہ باری شروع ہو جانے کے بعد کوئی پناہ گاہ تلاش کر رہی ہو۔ حمید اس راستے سے واقف تھا۔یہ ہوٹل کی عمارت کی پشت والی سڑک کیطرف لے جاتا تھا۔ دوسری منزل پر پہنچ کر وہ ایک لحظہ کے لئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔دونوں طرف دوسری منزل کی دو طویل راہداریاں تھیں۔

"میرے خدا......!" دفعتاً اس کے منہ سے نکلا اور وہ حمید کا ہاتھ چھوڑ کر داہنی جانب والی راہداری میں دوڑتی چلی گئی۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ ہونٹوں تک آنے سے پہلے ہی گھٹ کر رہ گئے۔کیونکہ اس نے صوفیہ کی ماں کو اوپر آتے دیکھ لیا تھا۔وہ سر جھکائے ہوئے زینے طے کرتی اسی طرف آ رہی تھی۔پھر اس کا سر بھی اٹھا اور حمید سے آنکھیں چار ہوئیں۔حمید تو رک ہی گیا۔ وہ جس زینے پر تھی دفعتاً اسی پر رک گئی۔اس کے ہونٹ کھلے اور پھر مضبوطی سے بند کر لئے گئے۔اتنی مضبوطی سے کہ جبڑوں پر لکیریں سی ابھر آئیں۔حمید اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ایک بار اس نے داہنی جانب والی راہداری کی طرف بھی نظر دوڑائی لیکن وہ دوسرے سرے تک سنسان پڑی تھی۔شاید صوفیہ وہاں سے بھی کسی دوسری راہداری میں مڑ گئی تھی۔

مسز نجمی نے دوسرا قدم اٹھایا اور پانچ یا چھ سیڑھیاں طے کر کے حمید کے قریب پہنچ گئی۔

"کیوں؟" اس نے کچھ بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔"آپ مجھے دیکھ کر رکی تھیں اسی لئے میں بھی رک گیا تھا۔کیا آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے۔"

"نہیں تو......جی نہیں......میں سمجھی تھی شاید آپ میرے ہی لئے یہاں آئے تھے۔"

"جی نہیں یہ میرا پسندیدہ ہوٹل ہے اور میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔" مسز نجمی نے کہا اور ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آگے بڑھ جائے گی لیکن وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔"یہ بھی ایک مضحکہ خیز اتفاق ہے کہ آپ لوگوں کے بات کو قوی کرنے کے لئے مجھ سے عجیب وغریب حرکتیں سرزد ہو رہی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"مثلاً واردات والی رات کو میں ڈیڑھ سے ساڑھے تین بجے رات تک اپنے ایک دوست کے ساتھ رہی تھی۔خیر میں بھی تن بہ تقدیر ہوں۔"

"مگر یہ ضروری تو نہیں ہے کہ محض اسی بناء پر آپ کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کر دی جائے۔دنیا کی کوئی عدالت صرف اتنی سی بات پر آپ کو قاتلہ نہیں قرار دے سکتی کہ آپ قتل والی رات کو کچھ دیر ہوٹل سے باہر رہی تھیں۔"

"خیر ہوگا۔" مسز نجمی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور آگے بڑھ گئی۔

پھر حمید نے ہوٹل کا ایک ایک گوشہ چھان مارا لیکن صوفیہ کا سراغ کہیں نہ ملا۔اس نے سوچا کہ اس کے کمروں کی طرف پھر واپس جائے۔لیکن پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔

بیان میں اضافہ

کچھ دیر بعد حمید سینٹ جوزف کالونی کی طرف جا رہا تھا اور صوفیہ کی شخصیت ایک سوال بن کر اس کے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ کیا وہ اسے کوئی اہم بات بتانے والی تھی؟ اس کے چہرے پر خراشیں کیوں تھیں؟ گالوں پر نیل کیوں تھے؟ اس کی پلکوں میں ورم کیسا تھا؟ کیا وہ بہت روئی تھی؟ آخر کیوں؟ اسے کمرے میں کس نے قید کیا تھا؟

آخری سوال کا جواب صاف تھا۔ وہ اپنی ماں کو دیکھتے ہی اس کا ہاتھ چھوڑ کر بھاگ نکلی تھی۔ لہٰذا یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے اس کی ہی واپسی کا خوف تھا اور شاید وہ اس کی واپسی سے قبل ہی ہوٹل چھوڑ دینا چاہتی تھی تو کیا اس کی اس خراب حالی کی ذمہ دار اس کی ماں ہی تھی؟ کیا اسی نے اسے نوچ کھسوٹ کر رکھ دیا تھا؟ آخر کیوں؟ اس "آخر کیوں" کا حمید کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

پھر یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ وہ اور فریدی ساتھ ہی مسز لاڈیل کے مکان کے سامنے پہنچے۔ فریدی اسٹیشن ویگن ہی میں آیا تھا۔

"کیوں؟ کیا خبر ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"بس اتنی ہے کہ مجھے کوئی خبر نہیں۔"

"کیا مطلب......!"

حمید نے لاڈیل کے مکان میں داخل ہونے سے قبل ہی مختصراً اسے سب کچھ بتا دیا۔

"کہانی دلچسپ ہے۔" وہ ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی۔ حمید سمجھ گیا اسے اس کہانی پر یقین نہیں آیا۔

"آپ یقین کیجئے۔" اس نے کہا۔

"آؤ......پھر سہی......میں کوشش کروں گا کہ مجھے اس کہانی پر یقین آجائے۔"

حمید خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔

یہ ایک متوسط طبقے کا گھرانہ تھا اس لئے یہاں نہ تو انہیں کال بل کا بٹن ملا اور نہ کوئی ... البتہ وہ ایک چھوٹے سے پائیں باغ سے گزر کر برآمدے تک پہنچے تھے۔ پائیں باغ ... دیوار کی بجائے بانسوں سے حد بندی کی گئی تھی۔ عمارت مختصر سی تھی۔ اس میں زیادہ سے ... تین کمرے رہے ہوں گے۔

فریدی نے انگلی سے ایک دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک سیاہ ...ت نے انہیں خوش آمدید کہا۔ یہ چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ قد ویسے تو ...ہی تھا لیکن بہت زیادہ موٹاپے کی وجہ سے پہلی نظر میں پستہ قد معلوم ہوتی تھی۔

انہیں ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھایا گیا۔ یہاں کی کرسیاں بید کی تھیں اور ان پر ...کپڑوں کے گدے پڑے ہوئے تھے۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے آج پھر آپ کو تکلیف دی۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں جناب......تکلیف کیسی۔ یہی فخر میرے لئے کیا کم ہے کہ آپ جیسے بڑے آدمی ...ان تک آنے کی تکلیف گوارا فرمائی۔ ورنہ آپ تو مجھے کوتوالی ہی میں طلب کر سکتے تھے۔"

"نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے شرفاء کی عزت کا بڑا خیال رہتا ہے۔"

"یہ آپ کی عالی ظرفی اور نیک نفسی ہے ورنہ پولیس والے تو نہ شاہ کو چھوڑتے ہیں اور نہ ..."

"کل آپ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ واردات والی رات کو آپ نے پروفیسر کو کیسے دیکھ پایا تھا۔"

"بات دراصل یہ ہے جناب کہ میں نے باہر باغیچے میں اناناس لگا رکھے ہیں لہٰذا مجھے ان ...والی کے لئے بیرونی برآمدے ہی میں سونا پڑتا ہے گو کہ یہاں آس پاس سبھی بڑے لوگ ...ہیں لیکن بعض بوڑھوں کی نیت بھی بچوں کی سی ہوتی ہے۔ میں بھی آپ سے یہ نہیں ...لگا کہ اس کی سزا پر میں اُسے اکثر بلیک میل کرتی رہی ہوں۔"

فریدی ہنسنے لگا پھر بولا۔ "وہ یقیناً بڑا ڈرپوک ہوگا۔ تبھی تو آپ کی دھمکیوں میں آجاتا ...لانکہ مجھے یقین ہے کہ آپ بہت شریف ہیں اور کسی کو بدنام نہیں کر سکتیں۔"

عورت نے بھی قہقہہ لگایا۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے کپڑے چیر پھاڑ کر کسی بگڑے ہوئے سانڈ کی طرح ڈکراتا بھاگتا چلا جائے۔

عورت کہہ رہی تھی۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ بلیک میلنگ بڑی شاندار ہے۔ میں اس سے کہتی ہوں کہ ناک سے زمین پر لکیر ڈالو، ورنہ میں سب سے کہہ دوں گی کہ تم میرے انناس چرا رہے تھے۔"

"تربوز نہیں لگائے آپ نے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"ضرور لگایئے۔ میں آپ کے تربوز چرانے آیا کروں گا۔"

عورت نے پھر قہقہہ لگایا اور بے ڈھنگے پن سے ہنستی رہی۔ فریدی نے فوراً ہی گفتگو کا رخ موڑ دیا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں حمید تفریح نہ شروع کردے۔

"ہاں تو جب اس کی جیپ یہاں پہنچی تو آپ کی آنکھ کھل گئی۔"

"جی ہاں...... اور مجھے حیرت بھی ہوئی کیونکہ اتنی رات گئے یہاں اس لائن میں کوئی اپنی گاڑی نہیں لاتا۔ وجہ یہ ہے کہ اول اس لائن والوں کے پاس گاڑیاں ہیں ہی نہیں۔ کیونکہ ادھر کے سبھی لوگ ہی میری کم حیثیت کے ہیں۔ رہے سامنے والی لائن کے بڑے لوگ تو ان کے گیراج بھی دوسری ہی طرف ہیں لہٰذا ادھر گاڑی لانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"مگر کیا آپ یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہیں کہ وہ پروفیسر ہی تھا۔"

"جی ہاں...... میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ وہ پروفیسر ہی تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ گلی تاریک ہی رہی ہوگی کیونکہ میں نے پوری گلی میں صرف الیکٹرک پول دیکھے ہیں۔ دونوں سروں پر نصب ہیں لہٰذا گلی کا یہ حصہ زیادہ روشن نہ رہا ہوگا۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے جناب! لیکن پروفیسر کا چہرہ میں نے اسی لئے دیکھا تھا کہ اس نے جیپ کا انجن بند کر کے اندر بیٹھے ہی بیٹھے سگریٹ سلگایا تھا۔"

"ممکن ہے آپ کو دھوکہ ہوا ہو۔ آپ سوتے سوتے جاگی تھیں۔"

"پروفیسر کے مضحکہ خیز چہرے کی ایک ہلکی سی جھلک ہی اس کی پہچان کرواسکتی ہے۔ اس کے چہرے پر بڑی بڑی اور بہت زیادہ گھنی مونچھیں ہزار میل کے فاصلے سے صاف نظر آتی ہیں۔"

"خیر......!" فریدی بولا۔ "آپ نے فائر کی آواز بھی سنی ہوگی۔"

"نہیں...... میں نے فائر کی آواز نہیں سنی کیونکہ میں پھر جلد ہی سوگئی تھی۔"

"یہ بڑی عجیب بات ہے کہ فائر کی آواز کسی پڑوسن نے نہیں سنی۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

مسز لاڈیل کچھ سوچنے لگی۔ پھر قبل اس کے فریدی کچھ کہتا اس نے کہا۔ "میں نے کل یہ پروفیسر کی بیوی کو بتائی تھی۔ اس وقت وہ صرف سنتی رہی تھی...... لیکن آج؟"

"ہاں...... آج کیا!" فریدی اسے غور سے دیکھنے لگا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے وہ یہیں تھی اور مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میں اپنے بیان میں تھوڑا سا اضافہ کردوں۔ اس کے عوض وہ مجھے دو ہزار روپے دے گی۔"

"خوب...!" فریدی آگے جھک آیا۔ "یہ ایک دلچسپ اطلاع ہے کیا اضافہ کرانا چاہتی ہے وہ۔"

"یہی کہ میں نے پروفیسر کے اندر چلے جانیکے تقریباً بیس منٹ بعد فائر کی آواز سنی تھی۔"

"آپ واقعی بہت شریف ہیں۔ آپ کی جگہ کوئی دوسری عورت ہوتی تو مفت ہاتھ آنے والے دو ہزار اسے گراں نہ گزرتے۔"

"میری نظروں میں قانون کا بہت احترام ہے جناب۔"

"ہونا بھی چاہئے۔ ہر شریف شہری قانون کا احترام کرتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ پھر پوچھا۔ "کیا آپ نے مسز نجمی سے اس کا وعدہ کرلیا تھا۔"

"جی ہاں میں نے وعدہ کرلیا تھا اور وعدہ کرتے وقت ہی یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اپنی پہلی فرصت میں آپ کو اس کی اطلاع دوں گی۔"

"میں بیحد شکر گزار ہوں۔ اچھا اب اتنا اور کیجئے کہ مسز نجمی کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔"

"نہیں...... میں اس سے یہی کہتی رہوں گی کہ میں نے اپنے بیان میں اضافہ کردیا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ اور اس طرح آپ اس سے دو ہزار بھی وصول کرسکیں گی۔"

"نہیں......!" مسز لاڈیل کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس وصول یابی کے بغیر آپ اسے یقین نہیں دلاسکیں گی کہ آپ نے اپنے بیان میں اس کا تجویز کردہ اضافہ کردیا ہے۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔"

"اگر آپ اس رقم کو اپنے لئے ناجائز تصور کرتی ہوں تو اسے سرکاری تحویل میں دے دیجئے گا۔ ورنہ میری طرف سے تو کھلی ہوئی اجازت ہے کہ آپ اس رقم سے اپنے اناسوں کاشت بڑھا سکتی ہیں۔"

"نہیں میں اسے اپنے لئے قطعی ناجائز تصور کرتی ہوں، ورنہ میں آپ کو بتاتی ہی کیوں"

مسز لاڈیل انہیں رخصت کرنے کے لئے گلی تک آئی لیکن فریدی اور حمید گاڑیوں بیٹھنے کی بجائے پروفیسر کے مکان کے عقبی دروازے کی طرف چلے گئے۔ مسز لاڈیل وا جاچکی تھی۔ فریدی نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھو اس طرف بھی موجود ہے۔ حالانکہ جب مکان خالی نہیں تھا تو یہ قفل قطعی غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ پروفیسر دوسروں کی لاعلمی میں یہاں اکثر آتا رہا ہے۔"

"قفل کی موجودگی کا یہی مطلب ہے۔ تم ٹھیک سمجھے ہو۔"

"مگر سیکریٹری نے اسکا تذکرہ کبھی کسی سے نہیں کیا ورنہ کم از کم ملازمین کو تو اس کا علم ہی۔ خصوصیت سے وہ ملازم تو لازمی طور پر جانتا ہوتا جس پر پروفیسر کو سب سے زیادہ اعتماد ہے۔"

"تمہارا یہ خیال بھی درست ہے۔ میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

"اچھا تو پھر اب کیا خیال ہے۔"

"مسز لاڈیل سے دو ایک باتیں اور دریافت کروں گا۔"

وہ دونوں پھر کار کی طرف پلٹ آئے۔ مسز لاڈیل ابھی تک بیرونی برآمدے ہی میں موجو

20

جیسے اس نے فریدی کو اپنی طرف متوجہ دیکھا خود ہی دوڑتی ہوئی پائیں باغ کی حدود سے آئی۔

"ایک ذرا سی تکلیف اور محترمہ۔" فریدی بولا۔

"ضرور جناب۔ آپ بالکل تکلف نہ فرمایئے۔ میں گھنٹوں اس جگہ کھڑی رہ کر آپ کے کے جواب دے سکتی ہوں۔"

"کیا پروفیسر اکثر اسی دروازے کو استعمال کرتا رہا ہے۔"

"نہیں...... پرسوں میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ دروازہ تو دراصل مہتر استعمال ہے اور قفل کی کنجی اس کے پاس رہتی ہے۔ یہ تو ایک چھوٹے سے صحن کا دروازہ ہے جس ڑا کرکٹ ڈالا جاتا ہے اور اس صحن کا اصل عمارت سے اتنا ہی تعلق ہے کہ اس سے ایک دوسری طرف بھی کھلتا ہے۔"

"اچھا شکریہ! اب بالکل تکلیف نہ دوں گا۔" فریدی نے کہا اور اسٹیشن ویگن میں بیٹھ پھر دونوں گاڑیاں آگے پیچھے گلی سے نکلیں۔

شام تک حمید دفتر میں بور ہوتا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ معاملات تیزی سے آگے بڑھیں۔ ہر ئی نئی سنسنی خیز خبر سنائی دے لیکن ایسا نہیں ہوا اور اس کی اکتاہٹ بڑھتی رہی۔ آج نہ نے کیوں اسے بھی سبھی مشغول نظر آرہے تھے۔ اس نے ایک آدھ چکر ریکھا کے کمرے کے لگائے لیکن لفٹ نہیں ملی۔ ریکھا بڑی تندہی سے فائلوں میں سر کھپا رہی تھی۔

چار بجے فریدی میز سے اٹھا اور حمید کی بھی جان چھوٹی۔ وہ دراصل صوفیہ کو تلاش کرنا تھا۔ لیکن فریدی نے ایک بار بھی اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا۔ حمید کو یقین تھا کہ وہ اسے مذاق ہے ورنہ اس کی طرف سے اتنی لاپروائی نہ برت سکتا۔

فس سے وہ دونوں گھر واپس آئے۔ فریدی کسی سوچ میں تھا۔

"میں ایک ہفتے کی چھٹی چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اتنی لمبی خاموشی کے بعد اس کی ال الجھنے لگی تھی۔"

"چھٹی کیوں چاہتے ہو۔" فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تاکہ ایک وصیت نامہ مرتب کرسکوں۔"

"بکواس مت کرو۔ کیا تمہیں کوئی کام نہیں ہے۔"

"کام...... ہے کیوں نہیں۔ لیکن اب کام کے ساتھ لفظ "تمام" کا اضافہ بھی ہونے ر
ہے۔" حمید جھلا گیا۔

"چلو خاموش بیٹھو۔" فریدی نے کہا۔ غالباً اس وقت وہ صرف سوچنا چاہتا تھا لیکن اس
یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ اسی وقت ایک نوکر نے اطلاع دی کہ پروفیسر نجمی کا وکیل تنویر صمدانی ا
سے ملنا چاہتا ہے۔

"ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"یہ بے وقوف شاید ہماری قبروں میں چھلانگ لگادے گا۔" حمید بڑبڑایا۔ "کسی طر
پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔"

فریدی اٹھ کر ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا اور حمید نے بھی اس توقع پر اس کی تق
کرڈالی کہ ممکن ہے اس وقت بھی وہ کوئی سنسنی خیز خبر لایا ہو۔ وہ اس وقت ڈرائنگ روم
داخل ہوا جب صمدانی ایک لفافہ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یہ خط شام
ڈاک سے ملا ہے۔ پروفیسر نے آپ کو میرے توسط سے بھیجا ہے۔"

فریدی لفافہ لے کر مہریں دیکھنے لگا۔ حمید بھی آگے بڑھ آیا۔ ٹکٹوں پر لگی ہوئی مہر روپ
کے پوسٹ آفس کی تھی اور مقامی پوسٹ آفس کی مہر میں آج ہی کی تاریخ تھی۔ فریدی۔
لفافے سے خط نکالا۔ مضمون انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا تھا اور نیچے نجمی کے دستخط تھے۔

اس میں لکھا تھا۔ "محترمی! میرے وکیل کی وساطت سے آپ کا پیغام ملا۔ میں ڈورو
کے لئے حقیقتاً بہت مغموم ہوں کیونکہ اب وہ ایک اچھی لڑکی بن گئی تھی۔ مگر محترم! مجھے توقع
کہ آپ مجھے سردست معاف رکھیں گے۔ میری نئی ایجاد بہت تیزی سے پایہ تکمیل کو پہنچ ر
ہے۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے کینسر کا کامیاب ترین طریقہ علاج دریافت کرلیا

سلسلہ میں ایک ایسی مشین تیار کرنے میں کامیاب ہوتا جارہا ہوں جس کے ذریعے چاند
کو ریڈیم کی شعاعوں کا بدل بنایا جاسکے گا۔ آپ خود سوچئے اس مشین سے کتنے بنی نوع
کا مفاد وابستہ ہوگا۔ ڈوروتھی کے متعلق جو کچھ میں آپ کو بتاسکوں گا وہ صرف اتنا ہی
ایک ماضی رکھتی تھی۔ ہوسکتا ہے آپ ہیری بکسٹن گروہ سے واقف ہوں۔ کسی زمانے
کا تعلق اسی گروہ سے تھا لیکن وہ اپنی مجرمانہ زندگی سے تنگ آگئی تھی۔ اُس نے مجھ سے
تھی، جو اُسے مل گئی۔ پھر اس نے تہیہ کیا کہ اب وہ شریف لڑکیوں کی سی زندگی بسر کرے
ر آپ سمجھتے ہیں کہ وہ قتل کی گئی ہے تو اس میں اس گروہ کے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہ ہوگا۔
بکسٹن دو یوریشین بدمعاش ہیں انہیں دونوں کے نام سے یہ گروہ غالباً اب بھی چل رہا
ں آپ کا انتہائی شکر گزار ہوں گا اگر آپ اس کے قاتل یا قاتلوں کو پکڑ کر قانون کے
رسکیں۔ میں سچ مچ ڈوروتھی کے لئے بے حد مغموم ہوں۔"

خط ختم کرکے فریدی نے اسے حمید کی طرف بڑھا دیا اور یہ خط اس کے لئے کسی حد تک
ز ثابت ہوا لیکن اس نے اس پر رائے زنی کرنے کی بجائے ایک ٹھنڈی سانس لی اور
ہوگیا۔

فریدی بھی خلاء میں گھور رہا تھا اور اس کی پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں۔

نئی کہانی

تقریباً دو منٹ تک کمرے پر بوجھل سا سکوت طاری رہا پھر تنویر صمدانی نے کھنکار کر پہلو
فریدی کی نظر چینی کے گلدان سے ہٹ کر اس کے چہرے پر جم گئی۔

"کیا آپ نے یہ خط دیکھا ہے۔" اس نے صمدانی سے پوچھا۔

"نہیں جناب! لفافہ تو آپ نے چاک کیا تھا۔"

"اوہ معاف کیجئے گا...... حمید! خط صمدانی صاحب کو دے دو۔"

صمدانی خط لے کر پڑھتا رہا پھر اس نے اسے حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ " خیال ہے کہ اب ہیری ہکسٹن گروہ اپنی پہلی سی شکل میں موجود نہیں ہے۔"

"یہی میں بھی کہنا چاہتا تھا کہ پروفیسر کی معلومات سیکنڈ ہینڈ ہیں۔" حمید بولا۔

"لیکن یہ چیز دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ڈوروتھی کا تعلق پہلے کن لوگوں سے تھا۔ خیر دیکھوں گا۔ ہیری ہکسٹن گروہ میرے ہی ہاتھوں ٹوٹا تھا۔ ہکسٹن پھانسی پا چکا ہے لیکن ہیری اب بھی سنٹرل جیل میں گفتگو کی جاسکتی ہے۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ڈوروتھی کا تعلق کبھی ایسے آدمیوں سے بھی رہا" صمدانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس اطلاع سے اُسے گہرا پہنچا ہو۔ اس نے پھر کہا۔ "میرے خدا وہ کتنی بھولی، نیک اور شریف تھی۔"

"شاید آپ بھول رہے ہیں کہ وہ پروفیسر کی داشتہ بھی تھی۔" حمید نے کہا۔

"رہی ہوگی۔" صمدانی لاپروائی سے بولا۔ "پتہ نہیں لوگ کردار کے دوسرے پہلو کیوں نظرانداز کردیتے ہیں۔ محض باعصمت ہونا ہی آدمی کو آدمی نہیں بناتا۔ میں تو یہاں تک سکتا ہوں کہ اگر وہ صرف کسی ایک کی پابند نہیں تھی تو اسے آبرو باختہ سمجھنے والے غلطی پر ہیں

"لیکن کیا آپ کسی ایسی عورت کو مرد کے ترکے سے کچھ دلوا سکتے ہیں وکیل صا حمید کا لہجہ تلخ تھا۔

"نہیں جناب! میں قانون کی بات نہیں کر رہا۔ یہ میرا اپنا نظریہ ہے۔"

"پروفیسر کو واپس آنا ہی پڑے گا صمدانی صاحب۔" فریدی بولا۔

"کاش مجھے اس کا صحیح پتہ معلوم ہوتا۔" صمدانی نے کہا۔

"فکر نہ کیجئے۔" حمید بولا۔ "ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ روپ نگر کے ماسٹر کے توسط سے اپنی ڈاک منگواتے ہیں۔"

"میرے لائق اور کوئی خدمت ہو تو بتایئے گا۔ اب اجازت دیجئے۔" صمدانی اٹھتا

ضرور...... ضرور۔" فریدی نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس تعاون بے حد شکر گزار ہوں۔"

صمدانی چلا گیا۔ حمید اس انداز سے سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے اس پر کوئی بہت بڑا ظلم ہوا ہو۔

"کیوں! کیا بات ہے۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"میں اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا ہوں، جو میرے ہاتھوں سے نکل گئی۔"

"کیا تم نے حقیقت بیان کی تھی۔"

"آخر آپ کو یقین کیوں نہیں آتا جبکہ نجمی کی بیوی اتنی زیادہ مشتبہ ہو چکی ہے۔ جب وہ زخمی بیان کے لئے دو ہزار کی پیش کش کر سکتی ہے تو......!"

"تو اپنی لڑکی کو بھی زخمی کر سکتی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"نہیں مجھے یہ کہنا چاہئے تھا جب وہ غصے کی حالت میں اپنے شوہر پر چھری پھینک سکتی لڑکی کو بھی زخمی کر سکتی ہے۔"

"ضروری نہیں ہے۔"

"غصہ منطق شعور کو کھا جاتا ہے۔" حمید بولا۔ "پھر آخر یہ بتایئے کہ وہ اپنی ماں کو دیکھتے ہاتھ چھوڑ کر بھاگ کیوں گئی تھی۔"

"فی الحال اس قصے کو چھوڑ دو۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے تمہارا درست ہو مگر تاوقتیکہ لڑکی سے گفتگو کرنے کا موقع نہ ملے اس کے متعلق سر کھپانا ہی ہوگا۔ ادھر بہت دنوں بعد ذہنی جمناسٹک کا موقع ملا ہے۔ ابھی تک صرف دو نفوس ایسے تھے جن پر کیا جاسکتا تھا۔ مگر اب تیسرے کے بھی امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔"

"تیسرا کون؟" حمید نے کہا۔ "میری دانست میں تو اب بھی دو ہی ہیں۔ پروفیسر اور اس کا۔ ویسے پروفیسر کی بیوی کے متعلق امکانات قوی ہیں۔ آخر وہ مسز لاڈیل کے بیان میں کی آواز کا اضافہ کیوں کرانا چاہتی تھی۔ اس کا کھلا ہوا مقصد یہی ہے کہ وہ اپنا جرم پروفیسر پر تھوپنا چاہتی ہے۔"

"ہاں...... آں...... یہ بھی ممکن ہے۔ ابھی وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں تم
تیسرے کے متعلق پوچھا ہے۔ اگر واقعی اس کا تعلق ہیری ہکسٹن گروہ سے رہا ہے تو اس لاڑ
بھی ہمیں تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی۔"

"کیوں! ابھی تو آپ نے کہا تھا......؟"

"ہاں وہ صرف ہیری اور ہکسٹن کی بات تھی۔" فریدی نے حمید کا جملہ پورا ہونے سے
کہا۔ ان میں سے ایک پھانسی پا چکا ہے اور دوسرا عمر قید کاٹ رہا ہے۔ مگر گروہ کے کئی افراد
تک لاپتہ ہیں۔ مثال کے طور پر زین ہی کو لے لو۔ کیا وہ کوئی معمولی مجرم تھا۔ آج بھی
زندہ یا مردہ حاضر کرنے والے کو سرکاری اعلان کے مطابق دو ہزار مل سکتے ہیں۔ ممکن ہے
یا گروہ کے کسی دوسرے فرد کو نجمی اور ڈوروتھی کے تعلقات گراں گزرے ہوں۔ اس
دوسری طرح بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ ڈوروتھی کے پاس بغیر لائسنس کے ریوالور کی موجو
وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اسے اس واردات کا خدشہ پہلے ہی سے لاحق رہا ہو۔ اب ان حالات
پروفیسر اور اس کی بیوی کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنے کی کوشش کرو۔"

"فیصلہ کیا کروں۔ اس نئی دلیل کی موجودگی میں تو دونوں ہی ہاتھ سے جا رہے ہیں۔"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ تم آخر ذہن پر زور کیوں نہیں دے رہے ہو۔"

"ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ کسی سڑے ہوئے تربوز کی طرح ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے۔
ذہن میں رہا ہی کیا ہے۔"

"خیر مجھ سے سنو...... اسے واردات کا خدشہ ضرور لاحق تھا لیکن کم از کم اسے یقین
تھا کہ وہ اسی رات کو قتل ہو جائے گی، ورنہ ملازم اسے پیانو بجاتے چھوڑ کر نہ جاتے۔"

"ٹھہریئے......!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر اسے پہلے ہی سے خدشہ لاحق تھا
نے پولیس کو کیوں نہیں اطلاع دی۔"

"اب تم سڑے ہوئے تربوز پر زور دینے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں یہی چاہتا تھا۔"
فریدی مسکرا کر بولا۔

رمایئے نا۔" حمید چہکا۔

چھا...... سنو...... ریوالور کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ اسے پہلے ہی سے خدشہ لاحق
یہ خدشہ پروفیسر کی بیوی کی طرف سے تھا تو اسے لازمی طور پر پولیس کو اطلاع کرنا
اگر پروفیسر سے خائف تھی تب بھی یہی بات ثابت ہونی چاہئے تھی۔ لیکن اس نے
یا؟ پھر اب اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ گروہ کا ہی کوئی آدمی ہوگا۔ پولیس
دیتے وقت اسے یہ بھی ظاہر کرنا پڑتا کہ وہ اس آدمی کو کیسے جانتی ہے۔ دشمنی کی وجہ کیا
؟ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہیری ہکسٹن گروہ والی لسٹ پر ڈوروتھی کا نام کبھی نہیں رہا۔
ہ گروہ سے متعلق بھی تھی تو پولیس کو اس کا علم نہیں تھا ورنہ وہ اس طرح شریف بن کر
زندگی بسر نہ کر سکتی۔ کیونکہ اس گروہ کے مفرور افراد کی بو پولیس آج بھی سونگھتی پھر
لہٰذا وہ ایسی صورت میں پولیس کو اطلاع نہیں دے سکتی تھی جب مقابلہ گروہ کے ہی کسی
رہا ہو۔ وہ کیوں خواہ مخواہ خود پر یہ مثل صادق لاتی کہ آسمان سے گرا اور کھجور سے اٹکا۔"

ر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "مگر یہ پروفیسر اپنی گردن کیوں پھنسا رہا ہے۔"

کیوں؟"

گر اسے علم تھا کہ ڈوروتھی ہیری ہکسٹن گروہ سے تعلق رکھتی ہے تو اس نے پولیس کو
ں نہیں دی۔ اگر پہلے اطلاع نہیں دی تھی تو اب کیوں اپنے لئے کنواں کھود بیٹھا ہے۔
بات اب ظاہر ہی نہ کرنی چاہئے تھی کہ ڈوروتھی ہیری ہکسٹن گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔"

مید تم بہت اچھے جا رہے ہو۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ پھر بولا۔ "تم ذہن سوزی
چراتے ہو۔ بات صرف اتنی ہی ہے۔ اچھا اٹھو! ہمیں جلدی کرنی چاہئے۔"

کیوں؟ کہاں۔"

سنٹرل جیل...... میں ہیری سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ کہیں پروفیسر نے اس سلسلے
بیانی نہ کی ہو۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ قاتل خود کو قانون کی دسترس سے دور رکھنے کے لئے

بڑی بڑی حماقتیں کرگزرتے ہیں اور وہی حماقتیں ان کے لئے پھانسی کا پھندا بن جاتی ہیں۔"

"تم پروفیسر کو قاتل سمجھتے ہو۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ابھی تک تو میرا یہی خیال ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"پھر اس کی بیوی کو کس خانے میں رکھو گے، جو لاڈیل کے بیان میں محض اس ا ترامیم کرانا چاہتی ہے کہ اس کا شوہر پھانسی کے تختے تک پہنچ جائے۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "چلئے! یہ کیس تو دماغ کی چولیں ہلائے دے رہا ہے۔"

وہ دونوں ڈرائنگ روم سے نکل کر گیراج کی طرف چل پڑے۔

راہ میں حمید نے پوچھا۔ "کیا آپ پروفیسر کے سلسلے میں اس کے سابق پارٹنر برجیس سے بھی ملے تھے۔"

"ہاں! میں اس سے صرف پروفیسر کی بعض عادتوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا

"کیسی عادتیں......!"

"جیسی بھی ہوں لیکن میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دونوں میں کسی عورت ہی کے میں جھگڑا ہوا تھا۔ برجیس قدر نے بڑی شدت سے اس بات پر زور دیا تھا کہ ڈوروتھی کا پروفیسر ہی ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے اسے شبہ ہوا ہو کہ ڈوروتھی کسی اور سے بھی تعلقات رکھتی اس نے یہ بھی بتایا کہ پروفیسر بڑا وہمی آدمی ہے۔ وہ اکثر اپنی مختلف داشتہ عورتوں دوسروں سے لڑتا رہا ہے۔"

فریدی نے کار روک دی اور نیچے اتر گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ تار گھر میں داخل ہے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ پھر واپس آ گیا۔

"میں نے پروفیسر کو تار دیا ہے کہ وہ فوراً آئے ورنہ اس کی گرفتاری کے وارنٹ کئے جاسکتے ہیں۔" فریدی نے اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے کہا۔

حمید خاموش رہا۔ کار پھر چل پڑی۔

کچھ دیر بعد حمید نے کہا۔ "مسز لاڈیل کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"کیسا خیال......!"

"یہی کہ وہ آپ کو پسند آئی ہو تو گفت وشنید کی جائے۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنایا لیکن کچھ بولا نہیں۔ حمید نے پھر کہا "آپ خود بھی عجیب ہیں۔ ں چاہتا ہوں کہ آپ کے بچے بھی عجیب ہوں۔ اگر آپ منظور کریں تو دنیا آدمی کی ایک نسل سے بھی روشناس ہوسکتی ہے۔"

"بکواس بند کرو۔ میں کچھ سوچ رہا ہوں۔"

اگر آپ اسی کے متعلق سوچ رہے ہیں تو میں ہمیشہ کیلئے بھی خاموش ہونے کو تیار ہوں۔

فریدی کو حد سے زیادہ سنجیدہ دیکھ کر حمید سچ مچ خاموش ہوگیا۔ کار تیزی سے راستہ طے ی تھی۔

سنٹرل جیل پہنچ کر انہیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ وہاں پہنچا دیئے گئے جہاں سے ملاقات ہوسکتی تھی۔

کٹہرے کی دوسری طرف ہیری کسی دیو کی طرح کھڑا تھا۔ چوڑا چکلا اور طویل قامت جس کی ڈاڑھی اور سر کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ اس کا قد فریدی کے قد سے نکلا ہوا تھا اور اس ہیئت میں وہ سچ مچ کوئی دیو ہی معلوم ہو رہا تھا۔

اس نے فریدی کو بڑی نفرت سے دیکھا۔

"میں تمہارے لئے ڈوروتھی کا ایک پیغام لایا ہوں۔"

"کون ڈوروتھی؟" ہیری غرایا۔

"سرخ بالوں والی لڑکی جس کے ہونٹ بڑے حسین ہیں۔"

"اسکا پیغام......!" ہیری نے حیرت سے کہا۔ "کیا وہ خود ہی اپنی گردن پھنسا رہی ہے۔"

"شاید تمہیں یہ سن کو خوشی ہو کر وہ ایک شریف لڑکی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔"

ہیری نے اس پر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر وہ ہنستا رہا پھر بولا۔ "ڈوروتھی اور شریف لڑکی۔"

"کیوں! کیا یہ ناممکن ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بات کیا ہے......کیا اس نے کسی کو کنگال کر دیا۔"

"نہیں......اس نے بتایا ہے کہ تم نے 1949ء میں سنٹرل بینک کا جو سونا لوٹا تھا وہ آج بھی محفوظ ہے اور تم اس جگہ سے واقف ہو، جہاں اسے رکھا گیا ہے۔"

"اوہ......وہ شیطان کی بچی۔" ہیری مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "وہ یہاں بھی مجھے چین نہیں لینے دیگی۔ وہ جھوٹی ہے۔ مکار ہے۔ ہم نے کبھی لوٹ کا مال سنبھال کر نہیں رکھا، کبھی نہیں۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "تم مجھے دیکھو۔ میں کس طرح تمہارے گروہ کے آدمیوں کو چوہے بلیوں کی طرح کھود کھود کر نکال رہا ہوں۔ اب اسی لڑکی کو لے لو۔ یہ میری لسٹ پر بھی نہیں رہی۔"

"اس کا تعلق میرے گروہ سے کبھی نہیں رہا۔ وہ تو میری محبوبہ تھی۔ میں نے اس سے زیادہ کسی کو نہیں چاہا۔ میں اس کے لئے جان دینے کو بھی تیار رہتا تھا لیکن کاش مجھے صرف ایک دن کے لئے چھوڑ دیا جائے صرف ایک دن کے لئے۔ تاکہ میں اسے قتل کر سکوں۔"

"کیوں! اپنی محبوبہ کو قتل کرو گے۔"

"ہاں......کیونکہ ہماری تباہی کا باعث وہی بنی تھی۔ اُف میرے خدا اس کے بھولے بھالے چہرے پر جس فتنہ پرور کھوپڑی کا سایہ ہے وہ کسی خبیث روح کو بھی میسر نہیں ہو سکتا۔ وہ تفریحاً دوسروں کو دھوکا دیتی ہے۔ اس سے زیادہ اذیت پسند عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔"

"تمہاری تباہی کا باعث وہ کیسے بنی تھی؟"

"جس رات ہم گرفتار ہوئے ہیں اس نے ہمیں ایسی شراب پلا دی تھی جس میں کوئی خواب آور دوا ملائی گئی تھی۔"

فریدی کو یاد آ گیا کہ وہ سب نشے کی حالت میں گرفتار ہوئے تھے اور اس گروہ کے متعلق اسے ساری معلومات کسی نامعلوم آدمی کے خطوط سے بہم پہنچا کرتی تھیں۔ ممکن ہے وہ نامعلوم ہستی ڈوروتھی ہی رہی ہو۔

"بہر حال اب وہ شرافت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے

"اس لئے میں اسے نہیں چھیڑنا چاہتا۔"

"کیا وہ کسی مالدار آدمی کے ساتھ ہے۔"

"ہاں......وہ ایک مالدار آدمی کی سیکریٹری کے فرائض انجام دے رہی ہے۔"

"سنئے کرنل۔" دفعتاً ہیری غرایا۔ "اس نے آپ کو محض اس لئے یہاں بھیجا ہے کہ آپ نئے مسئلہ میں الجھ جائیں اور اسے اس شریف آدمی پر ہاتھ صاف کرنیکا موقع مل جائے۔ گہری نظر رکھئے، ورنہ آپ کو پچھتانا پڑے گا۔ آپ مجھ سے زیادہ اسے نہیں جان سکتے۔"

"اچھی بات یہ ہے ہیری......میں دیکھوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھہرئیے۔" ہیری اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ نے ابھی مجھ سے کوئی سچی بات نہیں کی۔"

"تمہارا خیال بالکل صحیح ہے ہیری۔" فریدی نے جواب دیا۔ "ڈوروتھی کو کسی نے قتل کر دیا میں اس کے متعلق جو کچھ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کر چکا......شکریہ۔"

"وہ قتل کر دی گئی۔" ہیری نے آہستہ سے دہرایا اور اس کی آنکھیں اس طرح چمکنے لگیں جیسے وہ اس کے لئے بڑی پر مسرت خبر رہی ہو۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "کرنل تب تو اس کا قاتل وہی آدمی ہو سکتا ہے جس کی وہ سیکریٹری تھی۔ میں نے خود بھی اسے مار ڈالنے کا پروگرام بنایا تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی میں گرفتار کر لیا گیا۔ اگر صرف تین دن اور آزاد رہتا تو وہ اس دنیا میں نہ ہوتی......!"

فریدی نے پھر ایک طویل سانس لی۔

ڈاک بنگلہ

دوسری صبح فریدی بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہا تھا۔ حمید نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی

کوشش کی لیکن ناکام رہا آخر اس نے کہا۔ "اب تو پروفیسر ہی پر شبہ کیا جاسکتا ہے۔"

"اوں......!" فریدی چونک پڑا اور اس طرح اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے اُسے اس کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔ اس نے کہا۔ "کیا کہا تم نے۔"

حمید نے اپنا جملہ دہرایا۔

"بہتیری پیچیدگیاں اب بھی باقی ہیں۔"

"اب بھی پیچیدگیاں باقی ہیں۔" حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا

"خدا ہر شریف آدمی کو اس پیشے سے دور رکھے۔"

"اگر پروفیسر اس کی اصلیت سے واقف ہو گیا تھا تو پولیس کو اطلاع دے کر بخوبی ا سے اپنی جان چھڑا سکتا تھا۔ آخر اس نے قتل کرنے کا خطرہ کیوں مول لیا۔"

"ابھی تک میں نے اس کے متعلق جو اندازہ لگایا ہے اس کے مطابق وہ مجھے کوئی ج آدمی معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تم جھک کہتے ہو۔ میں تو اسے دیوانہ سمجھتا ہوں۔ اگر اس کے بجائے کوئی اور ہوتا تو فرصت میں یہاں پہنچ کر اپنے خلاف پیدا ہو جانے والے شبہات رفع کرنے کی کوشش کرتا۔"

"پھر آپ کس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں۔"

"فی الحال کسی پر بھی نہیں۔ حالات سامنے ہیں مگر بے ترتیب، میں انہیں ترتیب دینے کوشش کرتا ہوں مگر کہیں نہ کہیں سے ایک خلا سی نمودار ہو جاتی ہے اور کڑیاں مربوط نہیں ہو پاتیں۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ پروفیسر پولیس کو بھی اطلاع دے سکتا تھا لیکن وہ اگر اس طرف سے قسم کا خدشہ رکھتی تھی تو پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتی تھی۔ کیونکہ پروفیسر اس کا راز فا کرسکتا تھا۔ لہٰذا اس نے اس کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی اور اپنے پاس بغیر لائسنس کا ا ریوالور رکھنے لگی۔"

"ریوالور کی بات اب چھوڑ دو۔" فریدی بولا۔ "ہیری کے بیان سے اس کی اہمیت بھ ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اتنی ہی خطرناک عورت تھی تو اس نے یونہی بلا مقصد بھی ریوالور رکھ چھوڑا ہو

"میں دراصل اس کی بیوی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا تھا۔"

"کہو......!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"بس اتنا ہی کہنا ہے کہ وہ بھی اس کی قاتل ہو سکتی ہے۔"

"کافی پرانی بات ہو چکی ہے۔ لیکن اس قسم کا سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے میں کسی بات پر تکرار ہو گئی ہو اور اس نے غصے کی حالت میں اس پر فائر کر دیا ہو۔"

"یہی میرا بھی خیال ہے اور اب وہ مسٹر لاڈیل کے بیان میں ترامیم کرا کے پروفیسر کو چاہتی ہو۔"

"مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پروفیسر واردات والی رات کو تین بجے ل موجود تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "ممکن ہے یہ قتل اس کی موجودگی ہی میں ہوا ہو اور اس ت کی بربادی کے خیال سے پولیس کو اس کی اطلاع نہ دی ہو۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ فکر مند نظر آنے لگا تھا۔ حمید نے اپنے میں تمباکو بھری اور اُسے سلگا کر آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

وہ کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا پھر یک بیک سیدھا ہوتا ہوا بولا۔ "دیکھئے! میرا خیال یہ پروفیسر......آسانی سے واپس نہیں آئے گا۔ کیوں نہ میں ہی اسے جا کر کھینچ لاؤں۔"

"اس کی تلاش آسان نہ ہو گی حمید صاحب۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں......!"

"وہ روپ نگر کے پوسٹ ماسٹر کے توسط سے اپنی ڈاک منگواتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس ہائے رہائش کا پتہ آسانی سے معلوم ہو جائے۔"

"میرے خیال سے روپ نگر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے لہٰذا وہاں کسی ایسے آدمی کا سراغ الی سے مل جائے گا جو جیپ کار رکھتا ہو۔ مسز لاڈیل نے یہی تو بتایا تھا کہ پروفیسر جیپ کار باتھا۔"

"تمہارا خیال قطعی غلط ہے کہ روپ نگر کوئی قصبہ ہے۔ کبھی کوئی قصبہ ہی رہا ہوگا۔ لیکن پچھلی جنگ عظیم کے دوران میں اس کی آبادی بہت بڑھ گئی ہے اور اب تم اسے ایک چھوٹا سا شہر کہہ سکتے ہو۔ وہاں زیادہ تر ریٹائرڈ فوجی آفیسر آباد ہیں اور تم وہاں کم از کم پچاس جیپ کاریں ضرور پاؤ گے۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ یہاں سے نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ روپ نگر شہر سے صرف تیس میل کے فاصلے پر تھا لیکن اسے آج تک وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ویسے اس نے ان اطراف کے متعلق یہ ضرور سن رکھا تھا کہ وہاں حسن بکثرت پایا جاتا ہے۔

کچھ دیر خاموشی رہی، پھر دفعتاً فریدی مسکرا کر بولا۔ "ویسے اگر تم اپنی صلاحیتوں کو آزمانا چاہتے ہو تو میں تمہیں روکوں گا نہیں۔"

حمید اٹھا۔ بڑے ادب سے فریدی کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے بوسہ دیا اور جھکا کر بولا۔ "پیرو مرشد آپ کی اس فیاضی اور دریا دلی پر دل چاہتا ہے کہ قوالی شروع کر دوں مگر خیر اس تھوڑے سے وقت میں صرف ایک ٹھمری پر اکتفا کروں گا۔"

اس نے الاپنے کے سے انداز میں کان پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فریدی نے کان پکڑ کر اسے کمرے سے باہر کر دیا۔

حمید نے اسی وقت وہاں سے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ ایک گھنٹے بعد ایک جیپ میں وہ اپنے بکرے سمیت کمپاؤنڈ سے باہر آیا۔ اس کے ساتھ معمولی ضروریات کا سامان تھا۔ شہر سے باہر نکلتے ہی جیپ آندھی اور طوفان کی طرح راستہ طے کرنے لگی لیکن اس سے چلنے سے پہلے حمید نے بکرے کی چاروں ٹانگیں باندھ کر اسے پچھلی نشست پر ڈال دیا تھا۔

وہ حقیقتاً تفریح کے موڈ میں تھا اور یہ سوچ کر گھر سے چلا تھا کہ جس ہوٹل میں قیام کرے گا اس کے عملہ کے لئے بکرا دردسر ہو جائے گا۔

مگر روپ نگر سے دو میل ادھر ہی اسے ایک ڈاک بنگلہ نظر آیا اور اس نے بستی میں قیام کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔ نارنجی رنگ کی ٹھنڈی شعاعیں سرسبز میدانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ حمید کا بکرا چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی دیکھ کر بے قابو ہوگیا۔

حمید نے جیپ سڑک سے اتار کر ڈاک بنگلے کی طرف موڑ دی۔ اس نے سوچا کہ رات تو باہر کرنی چاہئے۔ پھر دوسری صبح بستی بھی دیکھ لی جائے گی۔

گاڑی کی آواز سن کر ایک آدمی باہر آیا۔ یہ غالباً یہاں کا ملازم تھا۔ اس نے بڑے ادب سے حمید کا استقبال کیا۔ لیکن گاڑی میں ایک ایسے بکرے کی موجودگی اس کے لئے حیرت انگیز تھی جس کے سر پر فلٹ ہیٹ منڈھا ہوا ہو اور گلے میں ٹائی لٹک رہی ہو۔ پھر اس کے پیر بھی بندھے ہوئے تھے۔

"اس کے لئے بھی انتظام کرنا پڑے گا۔" حمید نے بکرے کی طرف اشارہ کیا "یہ میرا شریک بھائی ہے۔ ہم دونوں نے ایک ہی بکری کا دودھ پیا تھا۔"

ملازم نے دانت نکال دیئے اور پھر آہستہ سے بولا۔ "صاحب یہاں ابھی ابھی ایک میم صاحب بھی آئی ہیں۔ پتہ نہیں وہ اسے پسند کریں یا نہ کریں۔"

"اے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ میں نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ تم اسے لے جا کر میم صاحب کی دم میں باندھ آؤ۔ کیا چرس پیتے ہو۔"

"نہیں حضور......!"

"چلو سامان اتارو۔"

حمید بکرے کے پیر کھول چکا تھا۔ وہ اسے کان سے پکڑے ہوئے اندر لایا لیکن نوکر کی ناکردہ "میم صاحب" کو دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ بھی جھپٹ کر اس کی طرف بڑھا۔ وہ پروفیسر نجمی کی لڑکی صوفیہ تھی اور اب بھی اس کے چہرے پر جہاں تہاں ہلکے نیل نظر آ رہے تھے۔ بکرے کا کان حمید کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"ارے کیپٹن حمید تم۔" وہ پرمسرت لہجے میں چیخی۔ "مگر کیا تم میرا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہو۔"

"کسی کی طرح بھی آیا ہوں لیکن تم یہاں کیسے نظر آ رہی ہو۔"

"میں پاپا کی تلاش میں آئی ہوں۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ یہاں ملیں گے۔"

"مم...... میں نے بڑی محنت سے یہ بات معلوم کی ہے۔ پہلے نوکروں کو ٹٹولا لیکن ا
سے کچھ نہ معلوم ہوسکا۔ پھر میں نے سوچا کہ پاپا کے وکیل سے معلوم کروں ممکن ہے وہ کچھ جا
ہو۔ میرا خیال بھی صحیح نکلا۔ اسے پاپا کے متعلق علم تھا۔ اس نے کہا جب میں سرکاری سرا
رساں کو بتا چکا ہوں تو تم سے کیوں پوشیدہ رکھوں۔ اب اس وقت بہت ضروری ہے کہ پروفی
واپس آجائیں۔ ورنہ پولیس کو سمجھانا بہت مشکل ہوجائے گا۔ اگر وہ تمہیں مل جائیں تو ا
واپس آنے پر مجبور کرو۔"

"کیا اس نے تمہیں پورا پتہ بتایا ہے۔"

"نہیں اس نے صرف بتایا ہے کہ وہ اپنی ڈاک یہاں کے پوسٹ ماسٹر کے پ
منگواتے ہیں۔"

"خیر ٹھہرو...... تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" حمید نے کہا اور نوکر کو ہدایت د
لگا۔ بکرا وہیں سر جھکائے کھڑا جگالی کر رہا تھا۔"

"یہ بکرا کیوں ساتھ لئے پھرتے ہو اور اس کا حلیہ۔" صوفیہ کہتے کہتے رک گئی۔

"ارر...... نہیں کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہہ بیٹھنا ورنہ میرے جذبات کو ٹھیس لگے گی
میرا دودھ شریک بھائی یعنی سٹپ برادر ہے۔"

صوفیہ ہنسنے لگی۔

کچھ دیر بعد حمید لباس تبدیل کر کے برآمدے میں آبیٹھا۔ صوفیہ بھی اس کے قری
موجود تھی۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ ملازم نے ایک لیمپ روشن کر کے برآمدے میں رکھ دیا۔

"ہاں! اب بتاؤ...... کل کیا قصہ تھا۔" حمید نے صوفیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیسا قصہ......!"

"کل تم اس طرح بھاگی کیوں تھیں۔"

"اگر میں نہ بتانا چاہوں تو۔"

"تو اپنی ماں کے لئے پھانسی کا پھندا تیار سمجھو۔"

"نہیں......!" وہ خوفزدہ آواز میں چیخی۔

"کیا یہ غلط ہے تمہاری ماں نے غصے میں تمہیں نوچ کھسوٹ ڈالا تھا۔"

"مم...... میں اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔"

"تم غلطی پر ہو۔ ایسا کر کے تم اپنی ممی اور پاپا دونوں کے حق میں کانٹے بو رہی ہو۔"

صوفیہ خاموش ہوگئی۔ حمید بھی چپ چاپ اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ بہت زیادہ
نظر آنے لگی۔ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی اور چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو
کوشش کرنے لگی۔

"تمہارا فرض ہے کہ مجھے صحیح حالات سے آگاہ کردو۔" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

"کیسے حالات۔"

"اچھا اب میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ارے تم تو خفا ہوگئے۔ پوچھو میں بتاؤں گی۔"

"تمہاری ممی نے تمہیں کیوں مارا پیٹا تھا۔"

"میں نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ قتل والی رات کو کہاں غائب رہی تھیں۔"

"نہیں......!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں......! میں نے پوچھا تھا۔"

"مگر تم نے اس دن مجھے تو اس کے متعلق نہیں بتایا تھا۔"

"مجھے خود بھی علم نہیں تھا کہ وہ رات کو غائب رہی تھیں۔ میں تو سو رہی تھی۔"

"پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"کاؤنٹر کلرک نے مجھے بتایا تھا کہ ایک پولیس آفیسر نے اس کے متعلق چھان بین کی
پھر اس نے مجھے وہ رجسٹر دکھایا جس میں ممی نے اپنی روانگی لکھی تھی۔ ہوٹل والے اچھی

طرح جان گئے ہیں کہ ہم کون ہیں۔"

"تو تمہارے دریافت کرنے پر وہ بگڑ گئیں۔"

"ہاں......وہ بہت غصہ ور ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ میں اب ان کیساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

"تمہارا کوئی دوست نہیں ہے۔"

"نہیں......!" صوفیہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"اچھا اب مجھے سچ سچ بتاؤ......کیا ایک بار انہوں نے غصے میں پروفیسر پر چھری نہیں کھ ماری تھی۔"

"یہ بالکل درست ہے۔ ہاں ایسا ہوا تھا۔"

"پروفیسر نے کیا کیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ اس کے بعد بھی ہنستے رہے تھے۔"

"کیا تمہیں علم ہے کہ تمہاری ممی......!" حمید اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ وہ دراصل ا مسز لاڈیل کے متعلق بتانے جا رہا تھا جس کے بیان میں مسز نجمی نے ترمیم کرانے کی کوشڑ تھی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے بات ہی اڑا دی اور بولا۔ "میں خود بھی اسی لئے آیا ہو تمہارے پاپا کو تلاش کروں لیکن وہ بہت ضدی معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو حقیقت ہے کہ ایک بار جو بات ان کی زبان سے نکل جائے اسے پتھر کی لکیر سمجھ

"ہم لوگوں کی خواہش تھی کہ وہ صرف ایک دن کے لئے شہر چلے آتے اور پولیس شبہات رفع کرنے کی کوشش کرتے۔"

"میں انہیں مجبور کروں گی کہ وہ واپس چلیں۔ وہ کم از کم میری بات نہیں ٹال سکیں گے۔"

"پتہ نہیں! تم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتیں کہ جو کچھ سوچ رہی ہو وہی ہوگا۔"

پھر وہ رات کے کھانے کے لئے اٹھ گئے۔ صوفیہ مغموم اور فکر مند نظر آ رہی تھی۔

حمید نے کھانے کے دوران میں اس سے پوچھا۔ "کیا تم اپنے پاپا کو بے گناہ سمجھتی

"یقیناً......وہ اتنے بُرے نہیں ہو سکتے کہ کسی کو قتل کر دیں۔"

"پھر کیا تمہاری ممی غصے میں اسے قتل کر سکتی ہیں۔"

"ممی کے غصے کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ غصے میں پاپا پر چھری بھی پھینک سکتی مجھے بھی اس طرح زخمی کر سکتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ وہ غصے میں اپنے ہوش و حواس کھو ں۔"

پھر حمید خود ہی اس تذکرے سے اکتا گیا اور کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح صوفیہ بھی ہنس انے لگے۔ اس نے ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں لیکن صوفیہ پر بدستور اضمحلال طاری نے کے بعد وہاں سے میز ہٹا دی گئی۔ کیونکہ اسی کمرے میں انہیں سونا بھی تھا۔ یہ ایک اور کشادہ کمرہ تھا۔ اس عمارت میں اس کے علاوہ دو برآمدے بھی تھے۔ ایک غسلخانہ تھا بیت الخلاء۔ ملازم کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ دونوں پہلے سے ایک دوسرے کے شناسا نہ اُسے ایک الجھن کا شکار ہونا پڑتا لیکن اب اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ وہ کس ل سونے کے استدعا کرے گا۔ اس نے حمید کے حکم کے مطابق اسی کمرے میں دو پلنگ یئے اور ان کے بستر لگا کر باہر جاتے وقت بکرے کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش لگا۔ مگر حمید نے اسے روک دیا۔

پھر جب سونے کی تیاری ہوئی تو حمید بکرے کو اپنے پلنگ پر لٹانے کی کوشش کرنے لگا اور بے ساختہ ہنس پڑی۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔" اس نے پوچھا۔

"میں اسے اپنے پاس ہی سلاتا ہوں۔ ورنہ اُسے بُرے بُرے خواب نظر آتے ہیں اور یہ بھر قوالی ہی الاپتا رہ جاتا ہے۔"

"تم بہت شریر ہو۔ آخر بکرا ساتھ لئے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"بکرے کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔"

"تمہاری اوٹ پٹانگ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"مگر یہ خوب سمجھتا ہے۔" حمید نے بکرے کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن بکرا کسی طرح بھی

اس کے پلنگ پر نہ ٹکا۔ آخر کار حمید نے اُسے تین لاتیں رسید کیں اور خود پلنگ پر ڈھیر ہو گیا۔ بکرا ایک گوشے میں بیٹھ کر جگالی کرنے لگا۔

تلاش

دوسری صبح صوفیہ کسی حد تک تر و تازہ نظر آ رہی تھی۔ حمید نے بھی اسے فکر مند ہونے موقع نہیں دیا۔ جاگنے سے ناشتے کے وقت تک تفریحی گفتگو کرتا رہا۔ پھر وہ دونوں قصبے باہر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

حمید نے بکرے کو بھی ساتھ لے جانا چاہا لیکن صوفیہ نے شدت سے اس کی مخالفت کی

”اگر بکرے کے بجائے کتا ہوتا تو۔“ حمید نے کہا۔

”کتے کی دوسری بات ہے۔“

”تو بکرے کی تیسری کیوں ہے۔“

”تم عجیب آدمی ہو۔“

”تم مجھ سے بھی زیادہ عجیب ہو لیکن میں تمہیں آدمی نہیں کہہ سکتا کیونکہ دنیا کا ہر آ معقولیت پسند ضرور ہوتا ہے۔ جب کتے ساتھ رکھے جاسکتے ہیں تو بکرے کیوں نہیں رکھے جاسکتے“

”بکرا تمہارے کسی دشمن سے تمہاری جان نہیں بچا سکتا۔“

”دشمن سے مقابلہ کرنے کیلئے میرے بازو کافی ہیں۔ لیکن کتا میرا پیٹ نہیں بھر سکتا۔“

”بکرا کیسے بھر سکتا ہے۔“

”میں اسے ذبح کر کے کھا سکتا ہوں اور اسکی وجہ سے کوئی بکری مجھ پر مہربان ہو سکتی ہے۔“

”بکری کے مہربان ہونے سے کیا ہوگا۔“ صوفیہ ہنس پڑی۔

”وہ مجھے اپنا دودھ پینے دے گی۔“

”چلو......! میں اسے ساتھ نہیں لے جانے دوں گی۔“

”خیر......!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”تمہاری مرضی۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا......!“

”کچھ نہیں، تم کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ چلو بیٹھو گاڑی میں۔“

وہ دونوں جیپ میں آ بیٹھے۔ حمید نے انجن اسٹارٹ کیا اور پھر گاڑی چل پڑی۔

”اگر تمہاری ماں بھی یہاں پہنچ گئیں تو کیا ہوگا۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں نہیں ہو سکتا۔ وکیل سے تمہیں پتہ معلوم ہوا تھا۔ وکیل ہی انہیں بھی بتا سکتا ہے۔“

”نہیں......مسٹر صمدانی مجھے بیٹی کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ میں نے ان سے استدعا کی وہ ممی کو اس کے متعلق کچھ نہ بتائیں۔ پاپا سے ان کے دوستانہ تعلقات بھی ہیں، اس لئے وہ بالکل پسند نہیں کرتے۔“

”اگر آ گئیں تو پھر تمہیں پٹنا پڑے گا۔“ حمید ہنسنے لگا۔

”میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔“ صوفیہ گلوگیر آواز میں بولی۔

”معاف کرنا۔ میں نے یونہی کہا تھا۔ تمہاری ممی کی درندگی مجھے بھی ناپسند ہے۔“

لیکن صوفیہ کے چہرے پر پھر اضمحلال طاری ہو گیا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ اس نے بُرا کیا۔ سے پہلے وہ بڑے اچھے موڈ میں تھے۔

”تمہاری دانست میں ہمیں کہاں سے شروعات کرنی چاہئے۔“ حمید نے کہا۔

”پوسٹ آفس سے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”فی الحال ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ ان کی پوسٹ ماسٹر کے توسط سے آتی ہے۔ مگر ممکن ہے آپ اس سے زیادہ جانتے ہوں۔“

”نہیں......میری معلومات بھی اتنی ہی ہیں جتنی صمدانی سے حاصل ہو سکتی تھیں۔“

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ پھر وہ ذرا ہی سی دیر میں بستی میں داخل ہو گئے۔ یہ حقیقتاً ایک چھوٹا سا اسے غیر ترقی یافتہ قصبہ قرار دینا زیادتی ہی ہوتی۔ یہاں دو ایک اچھے اور صاف ستھرے کان تھے۔ ایک چھوٹا سا پاور ہاؤس تھا۔ دو سینما ہال تھے۔ دو ہائی اسکول تھے اور ایک

انٹرمیڈیٹ کالج تھا۔

اکثر جگہ عمارتیں بھی شاندار نظر آئیں۔ لیکن وہاں کا پوسٹ آفس دیکھ کر حمید کو مایوسی ہوئی۔ وہ پوسٹ آفس سے زیادہ کسی کباڑی کا گودام معلوم ہو رہا تھا۔ دو ایک پوسٹ مین بیٹھے ڈاک چھانٹ رہے تھے اور بقیہ میزوں پر یا تو طبلہ بجا رہے تھے یا بیڑیوں کے دھوئیں کے بادل منہ سے نکالتے ہوئے غپیں ہانک رہے تھے۔ کاؤنٹر کلرکوں کی حالت ان سے بھی بدتر تھی کیونکہ وہ کام بھی کر رہے تھے اور اپنے دوستوں سے غپیں بھی لڑا رہے تھے۔ پبلک ٹیلی فون کے قریب حمید کو کئی لڑکیاں نظر آئیں۔ ممکن ہے کاؤنٹر کلرک کے دوست وہاں نظارہ بازی ہی کیلئے اکٹھے ہوئے ہوں۔

پوسٹ ماسٹر کی میز اس بڑے کمرے کے وسط میں تھی اور اس کا انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے وہ کم از کم ایک درجن شریر اور نالائق بچوں کی ماں ہو۔ کبھی وہ کسی کو ٹوکتا کبھی کسی کو ہدایت دیتا اور کبھی سامنے پڑے ہوئے رجسٹر کی ورق گردانی کرنے لگتا۔ کاؤنٹر کلرک اور ان کے دوستوں کی طرف بھی نظر اٹھتی اور پھر وہ ٹیلی فون کے قریب کھڑی ہوئی لڑکیوں کو تشویش کی نظروں سے دیکھنے لگتا۔ وہ بوڑھا تھا اور اس کے سر کے بال بھی برف کی طرح سفید تھے۔ اس کی آنکھیں ایمانداروں کی سی تھیں، جن میں اپنے نالائق ماتحتوں کیلئے تشویش اور ہمدردی پائی جاتی تھی۔

حمید نے دروازے ہی پر رک کر اس سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

”تشریف لایئے......تشریف لایئے۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا اور دوسری لڑکیوں کو گھورتی ہوئی آنکھیں صوفیہ کی طرف مڑ گئیں۔ صوفیہ ایک یوریشین عورت کی لڑکی تھی۔ اس لئے خود بھی یوریشین ہی معلوم ہوتی تھی۔

حمید نے پروفیسر نجمی کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی۔

”جی ہاں!“ پوسٹ ماسٹر نے کہا۔ ”ایک صاحب ہیں جو اسی طرح اپنے خطوط اور منی آرڈر منگواتے ہیں۔ جی ہاں...... دبلے پتلے سے بہت بڑی بڑی مونچھوں والے۔“

”اور اکثر ان کے ساتھ ایک انگریز عورت بھی ہوتی ہے۔“ ایک کلرک نے کہا جو دوران گفتگو میں ان کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔

انگریز عورت۔“ حمید نے حیرت سے دہرایا۔

جی ہاں۔“

ید سوچ میں پڑ گیا۔ پھر دفعتاً اس نے پوچھا۔ ”کیا آپ اس عورت کا حلیہ بتا سکتے ہیں۔“

عورت کا حلیہ......!“ کلرک اپنا سر کھجاتا ہوا بولا۔ ”دیکھئے جناب۔“ وہ مسکرایا۔ ”میری
ں عورت کا حلیہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ......!“

کہ وہ بہت حسین ہوتی ہے۔“ حمید اس کی بات کاٹ کر مسکرایا۔

چلئے یہی سہی۔“ کلرک جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

تا حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے سر ابھارا اور وہ جیبیں ٹٹولنے لگا۔
سے یاد آ گیا کہ ڈوروتھی کی ایک تصویر اس کی جیب میں پڑی ہوگی۔ اس نے تصویر نکالی
کو دکھاتا ہوا بولا۔

کیا یہی عورت تھی۔“

او...... جج...... جی ہاں...... بالکل بالکل۔“

وسٹ ماسٹر نے بھی تصویر دیکھ کر اس کے بیان کی تصدیق کی۔

”وہ پچھلی بار یہاں کب آئے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں...... دیکھئے ٹھہرئیے۔“ پوسٹ ماسٹر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”شاید تین یا چار دن گزرے۔“

”کیا یہ عورت ساتھ تھی۔“

”نہیں تنہا تھے۔“ کلرک بول پڑا۔

”کیا آپ انہیں اطلاع دلواتے ہیں کہ ان کی ڈاک آئی ہے۔“

”نہیں جناب......!“ پوسٹ ماسٹر نے کہا۔ ”وہ خود ہی آتے ہیں۔ مجھے علم نہیں ہے کہ
یام کہاں ہے۔“

”آپ ذرا ایک منٹ کے لئے ادھر آئیے۔“ حمید نے پوسٹ ماسٹر کو باہر چلنے کا اشارہ
صوفیہ سے بولا۔ ”تم یہیں ٹھہرو۔“

پوسٹ ماسٹر اور وہ برآمدے میں آئے۔

"فرمائیے جناب۔" پوسٹ ماسٹر نے کہا۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

حمید نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

کارڈ پر نظر ڈالتے وقت پوسٹ ماسٹر کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"اوہ...... جناب......!" وہ کارڈ واپس کرتا ہوا بولا۔ "کوئی گڑبڑ ہے۔"

"آپ بھی سرکاری آدمی ہیں۔ یہ بات اپنی ہی ذات تک محدود رکھئے گا۔ ہمارے ؏ اس آدمی کی تلاش ہے۔ یہ جب بھی آئے اسے یہاں روک کر کوتوالِ شہر کو فون کر دیجئے پیغام میں آپ صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں "بڑی مونچھیں کیپٹن حمید"۔ اس کے بعد آپ کو اس وقت تک روکے رکھنا پڑے گا جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔"

"میں کیسے روکوں گا جناب۔" پوسٹ ماسٹر کچھ خوف زدہ سا نظر آنے لگا۔

"یہاں آپکے پاس اتنے آدمی ہیں اور آپ ایک دبلے پتلے آدمی کو نہ روک سکیں گے"

"اگر اس نے فائر کر دیا تو۔"

"اوہ گھبرائیے نہیں۔ وہ کوئی بدمعاش نہیں ہے۔ ایک شریف آدمی ہے۔ بس وی میرا محکمہ اُس سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ آپ اگر اسے اتنی دیر باتوں ہی میں لگائے گے تو کام بن جائے گا۔"

"اچھی بات ہے جناب میں پوری پوری کوشش کروں گا۔"

"اچھا...... کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اس کی ڈاک کئی دن تک پڑی رہ گئی ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ وہ یا تو اسی دن پہنچ گئے ہیں جس دن ڈاک آئی ہے یا دوسرے دن۔ تیسرا دن تو میری یادداشت میں کبھی ہوا ہی نہیں۔ یہ سب کچھ مجھے اس لئے یاد ہے کہ میں اسے ایک حیرت انگیز بات سمجھتا ہوں۔ آخر انہیں کس طرح علم ہو جاتا ہے ہی ان کی ڈاک پہنچی ہے۔"

"آپ نے اس سے اس کے متعلق پوچھا ضرور ہوگا۔"

"جی، پوچھا تھا۔ لیکن انہوں نے بڑی لاپروائی سے جواب دیا تھا کہ اتفاقات ہیں۔"

"خیر اب آپ خیال رکھئے گا۔"

"یقیناً خیال رکھوں گا جناب۔"

وہ پھر کمرے میں واپس آ گئے۔ صوفیہ حمید کو شبہے کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

"آؤ چلیں۔" حمید نے اُسے کہا۔

وہ پھر گاڑی میں آ بیٹھے اور صوفیہ نے پوچھا۔ "تم اسے باہر کیوں لے گئے تھے۔"

"نہیں بتاتا کم بخت۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں کوشش کر رہا تھا کہ وہ پروفیسر کا پتہ بتا دے لیکن کم بخت نے نہیں بتایا۔"

"ممکن ہے وہ جانتا ہی نہ ہو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ پھر آخر پروفیسر کو اطلاع کیسے ہوتی ہے کہ ان کی ڈاک آئی ہے۔ سٹ آفس کا کوئی نہ کوئی آدمی انہیں ضرور اطلاع دیتا ہے۔"

"پھر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ پوسٹ ماسٹر ہی ہو۔"

"چھوڑو! کوئی اور بات کرو۔ مجھے یقین ہے کہ میں ان کا سراغ پالوں گا۔"

"اور کیا بات کروں...... میں جلد سے جلد پاپا کے پاس پہنچ جانا چاہتی ہوں۔ وہ کتنے اچھے ہیں۔ میں بیان نہیں کر سکتی۔ ممی ہمیشہ ان پر زیادتیاں کرتی رہی ہے۔"

"اگر تمہاری ممی کو سزا ہو گئی تو۔"

"اوہ...... تو کیا یہ بھی ہو سکتا ہے...... میرے خدا۔ کیا سچ مچ انہوں نے اُسے مار ڈالا ہوگا۔"

"تم خود ہی کہہ رہی تھیں کہ وہ غصے میں پاگل ہو جاتی ہیں۔"

"ہاں...... میں نے کہا تھا...... لیکن یقین کر لینے کو دل نہیں چاہتا کہ ایسا ہوا ہوگا۔" صوفیہ نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ "ہٹاؤ اس تذکرے کو میرا سر چکرانے لگتا ہے...... کوئی اور بات کرو۔"

"میں خود ہی کہہ رہا تھا کہ اس تذکرے کو ختم کردو۔ غلطی تمہاری ہی ہے۔ اگر بکرے ساتھ لائی ہوتیں تو تمہارا دل بھی بہلتا۔"

"مجھے بکروں سے نفرت ہے۔"

"اس کے باوجود بھی وہ تمہارا دل بہلاتا۔" حمید نے کہا۔ "جب وہ کسی بکری کو آنکھ مار تو تم بے حد خوش ہوتیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔" صوفیہ جھینپ گئی۔

"ہاں! یقین کرو۔ اکثر بکری والے میرے پاس اس کی شکایت لائے ہیں۔"

"تم مجھے اچھے خاصے مداری معلوم ہوتے ہو۔"

"لیکن بکرے کا خیال ہے کہ میں قوم کا خادم ہوں۔" حمید نے کہا۔ "کل سے میں سدھار کی اسکیم شروع کرنے جارہا ہوں۔"

صوفیہ کچھ نہیں بولی۔ وہ شاید ہنسنے کے موڈ میں تھی ہی نہیں۔

حمید روپ نگر کے مختلف حصوں میں جیپ دوڑاتا رہا اور ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر وہ صوفیہ کو ایک ہوٹل میں چھوڑ کر روپ نگر کی کوتوالی کی طرف چل پڑا۔ صوفیہ سے اس نے تھا کہ وہ اس کے لئے ایک سہیلی کی تلاش میں جارہا ہے۔ پتہ نہیں صوفیہ نے اس پر یقین کیا نہیں لیکن وہ کچھ بولی بھی نہیں تھی۔ حمید نے مکرر کہا تھا کہ وہ اس کے دوست کی بہن ہے یہیں ایک گرلز اسکول میں پڑھاتی ہے۔ اگر وہ مل گئی تو تینوں کا وقت اچھا گزرے گا۔"

کوتوالی پہنچ کر اس نے انچارج کو حالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ پوسٹ ماسٹر کی ط سے پیغام ملتے ہی اُسے بڑی ہوشیاری سے پروفیسر نجمی کو قابو میں کرنا ہوگا۔

اس کے بعد اس نے کوتوالی ہی سے فریدی کو ٹرنک کال کی۔ پھر تقریباً چھ منٹ تک پر گفتگو ہوتی رہی۔ فریدی نے بتایا کہ حمید کی رپورٹ اس کے لئے اطمینان بخش اور معنی تھی۔ لیکن اس سے زیادہ اس نے اور کچھ نہیں کہا۔

اس نے حمید کو تین دن دیئے جنہیں وہ پروفیسر کی تلاش میں صرف کرسکتا ہے۔

ہوٹل واپس آکر حمید نے صوفیہ کو اطلاع دی کہ اس کی وہ ملنے والی جس کی تلاش میں وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر شہر چلی گئی ہے۔ صوفیہ نے اس معاملے پر مزید رائے زنی نہیں کی۔

"کیا خیال ہے۔" حمید نے کہا۔ "کیوں نہ ہم یہیں کسی ہوٹل میں چلے آئیں۔"

"نہیں مجھے ڈاک بنگلے کی پرسکون فضا بہت پسند ہے۔" صوفیہ نے جواب دیا۔

"ہاں.....!" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ "چاروں طرف حسین مناظر بکھرے پڑے ہیں۔"

"چلو وہیں چلیں۔ میں یہاں اکتاہٹ محسوس کررہی ہوں۔ مجھے کھلی ہوا اور سناٹے سے ہے۔"

"میں نے ایک بار کھلی ہوا کو پیار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن مجھے منہ کے بل نیچے چلا آنا دن یہ بات میری سمجھ میں آئی تھی کہ کھلی ہوا کو پیار کرنے سے پہلے ایک عدد پیراشوٹ ام ضرور کرلینا چاہئے۔"

"پتہ نہیں تم کیا کہہ گئے۔ میں نے کچھ نہیں سنا۔"

"غالباً تم اس وقت خود کو کھلی ہوا میں محسوس کررہی ہو۔"

"نہیں بتاؤ کیا کہہ رہے تھے۔"

"ہام.....!" حمید نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ کھلی ہوا ہت اچھی چیز ہے۔ کیا تم نے کبھی کھلی ہوا میں پتنگ اڑانے کی کوشش کی ہے۔"

"یا تو تم بہت بڑے فلسفی ہو یا بالکل احمق۔ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"حالانکہ بکرے بھی میری باتیں سمجھ لیتے ہیں۔"

"تب تم بھی بکرے ہی ہو گے۔" صوفیہ نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور پھر ہرا جیسے یک بیک اسے سکتہ سا ہو گیا۔ اس کی نظر سامنے والی لمبی راہداری کی طرف تھی۔

"کیا بات ہے۔" حمید بوکھلا گیا۔

"پاپا" اس نے آہستہ سے کہا پھر اس طرح اٹھی جیسے کرسی نے اُسے اچھال دیا ہو۔ وہ تیر کی راہداری میں چلی جارہی تھی۔ پھر حمید نے اُسے آخری سرے والے دروازے میں رکتے دیکھا۔

چھلاوہ

یہ دروازہ دوسری جانب سڑک پر کھلتا تھا اور اس وقت بھی کھلا ہی ہوا تھا۔ حمید نے م
تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"آں......!" وہ چونک پڑی۔ چند لمحے حمید کی طرف دیکھتی رہی پھر جلدی جلدی
لگی۔ "وہ پاپا ہی تھے۔ میں نے صاف پہچانا تھا۔ وہ اسی راہداری کے کسی کیبن سے نکلے
اور پھر اس دروازے سے باہر چلے گئے۔"

"آخر ان میں کون سی خصوصیت ہے۔ جس کی بناء پر کوئی انہیں نظر انداز نہیں کرسکتا۔"

"ان کی مونچھیں......" صوفیہ نے ایک طویل سانس کے ساتھ کہا۔ "ان کے دُبلے
چہرے پر وہ ضرورت سے زیادہ بڑی مونچھیں عجیب لگتی ہیں۔"

"ٹھہرو...... میں اس ویٹر سے پوچھتا ہوں جو ان کیبنوں میں سرو کر رہا تھا۔" حمی
تیزی سے قدم بڑھائے اور ویٹر کو جالیا۔ جو شاید کچن کی طرف جا رہا تھا۔

"کیا یہاں بڑی مونچھوں والے کوئی صاحب تھے۔ لمبے سے دُبلے پتلے۔"

"جی ہاں تھے۔"

"کیا وہ یہاں اکثر آتے رہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ اکثر تشریف لاتے ہیں۔" ویٹر نے کہا اور استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے

"وہ میرے والد ہیں۔ گھر سے لڑ کر چلے آئے ہیں۔" حمید نے مغموم آواز میں کہا۔

"آپ ان سے ملنا چاہتے ہیں۔" ویٹر نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں بھئی کیوں نہیں۔"

"تو پھر آج شام کو آجایئے۔ وہ جب بھی دوپہر کا کھانا یہاں کھاتے ہیں رات
لازمی طور پر یہیں کھاتے ہیں۔"

"اوہ...... بھئی بہت بہت شکریہ۔" حمید نے جیب سے پانچ کا ایک نوٹ نکال کر ویٹر کی
ں میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ مگر انہیں اس کا علم نہ ہونے پائے کہ میں ان کی تلاش میں
۔ ورنہ وہ یہاں ایک سیکنڈ بھی نہ ٹھہریں گے۔"

"نہیں جناب آپ مطمئن رہئے ایسا نہ ہو سکے گا۔"

"لیکن اگر وہ آج شام کو نہ آئے تو۔"

"ابھی تک تو یہی ہوتا آیا ہے جناب کہ وہ جب بھی دوپہر کو تشریف لاتے ہیں تو شام کو
ر یہیں کھانا کھاتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے...... تو میں یہاں کس وقت آجاؤں۔"

"یہی سات بجے تک۔" ویٹر نے کہا۔

حمید اس کے چلے جانے کے بعد وہیں کھڑا رہا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" صوفیہ نے پوچھا۔ ان کی گفتگو اس نے نہیں سنی تھی۔ گفتگو کے
وسرے والے دروازے ہی پر کھڑی ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا خیال درست تھا۔ وہ تمہارے پاپا ہی تھے۔" حمید نے جواب دیا۔

"تھے نا...... میں انہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کرسکتی۔ مگر وہ اتنی جلدی کہاں غائب ہوگئے۔"

"کیا تم نے انہیں دروازے سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔ ایک لحظہ کے لئے پلکیں جھپک گئی تھیں لیکن وہ
زے کے قریب ضرور نظر آئے تھے۔ مجھے یقین ہے۔"

حمید پھر دروازے کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر رک گیا۔ دروازے کے قریب بائیں
پیشاب خانہ تھا۔

"اوہ......!" حمید صوفیہ کی طرف مڑا۔ وہ بھی شاید معاملہ کی تہہ تک پہنچ رہی تھی۔

"ہوسکتا ہے۔" حمید بولا۔ مگر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس نے پیشاب خانے کے کیواڑوں
کا دیا جو نہایت آسانی سے کھل گئے۔ دوسری طرف بھی دروازہ نظر آیا جس کے پاٹ

خفیف سے کھلے ہوئے تھے۔حمید نے اندر گھس کر انہیں بھی کھول دیا۔دوسری طرف ایک پتلی سی گلی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ پھر اپنی میز پر آبیٹھے۔حمید کہہ رہا تھا۔''وہ پیشاب خانے میں گھس کر اس گلی سے نکل گئے۔''

''مگر کیوں؟انہوں نے ایسا کیوں کیا۔''صوفیہ بولی۔

''شاید انہوں نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔''

''اوہ......تو کیا وہ مجھ سے بھی دور رہنا چاہتے ہیں۔''صوفیہ نے دردناک آواز میں کہا

''اس کا جواب وہ خود ہی دے سکیں گے۔''حمید نے کہا اور ایک ویٹر کو قریب بلا کر کے لئے ہدایت دینے لگا۔

''میں کیا کروں۔''صوفیہ پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔

حمید نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور شاید اس کے رویہ نے بھی صوفیہ کو تھوڑی سی تکلیف پہنچائی۔کچھ دیر بعد حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔''یہ بات میں سمجھنے سے قا ہوں کہ وہ اس طرح دور دور رہنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔میں نے مانا کہ ان کی مشینو کے پرزے چوری ہو جاتے ہیں۔لیکن کیا وہ اپنی مشینوں کے نمونے جیب میں لئے پھر ہیں۔مشینوں کے نمونے آدمیوں سے بھاگے بغیر بھی پوشیدہ رکھے جا سکتے ہیں اور پھر تم تو ان لڑکی ہی ہو۔کیا وہ تم پر بھی اعتماد نہیں کر سکتے۔''

''خدا جانے......میں سب کچھ سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔''

''نہیں شائد تم ان چوروں سے دوستی رکھتی ہو جو ایک بار پہلے بھی ان کی ایک مشین نمونہ چرا کر اپنے نام سے پیٹنٹ کرا چکے ہیں۔''

''پتہ نہیں تم کیا بات کر رہے ہو۔''صوفیہ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔''تم اس طرح مضحکہ نہ اڑاؤ۔''

''خیر اب میں اس کے متعلق کوئی گفتگو نہ کروں گا۔''حمید نے رومان کر کراہوتے دیکھ

تسلیم کر لی۔

لنچ کے بعد وہ پھر ڈاک بنگلے کی طرف روانہ ہو گئے۔حمید نے صوفیہ کی طرف دیکھا جس ے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔حمید دل ہی دل میں پروفیسر کو گالیاں دینے لگا جس نے ح اچانک ظاہر ہو کر اس کی تفریح برباد کر دی تھی۔اس کی دانست میں اب صوفیہ کو موڈ بہت مشکل کام ہو گیا تھا۔

وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے جیپ ڈرائیو کرتا رہا۔

''دیکھو ایک بات سمجھ میں آرہی ہے۔''صوفیہ نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔

''کیا......؟''

''پاپا......مجھے نہیں بلکہ تمہیں دیکھ کر اس طرح چلے گئے۔''

''کیوں......انہوں نے کوئی جرم کیا ہے؟''حمید آنکھیں نکال کر بولا،مگر پھر سنبھل گیا۔ ال آگیا کہ یہ طرز تخاطب اس کا موڈ خراب کر دے گا لہٰذا اس نے کہا''اوہ اچھا میں سمجھ وہ اس لئے کہ پولیس کے سامنے نہیں آنا چاہتے کہ کہیں ان کا کام کچھ دنوں کے لئے جائے۔غالباً وہ اپنی مشین مکمل کر لینے کے بعد ہی پولیس سے رابطہ قائم کرنے کا ارادہ یں۔ٹھیک بھی ہے۔پتہ نہیں یہ چکر کب تک چلتا رہے اور انہیں ادھوری مشین کو مکمل کا موقع نہ مل سکے۔''

''ہاں......!''صوفیہ کا چہرہ کھل گیا۔''میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی۔''

''تو اس میں فکر کی کیا بات ہے۔میں ان سے صرف دو یا تین باتیں پوچھوں گا۔اس کے ہول جاؤں گا کہ کبھی ان سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔''

''تم بہت اچھے ہو۔''صوفیہ نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''مگر یہ پاپا لوگ ہوتے ہیں پکے فراڈ۔''

''کیا مطلب......؟''

''میں تمہارے پاپا کو نہیں کہہ رہا ہوں۔اس وقت مجھے اپنا پاپا یاد آرہا ہے۔''

"کیوں.....؟" صوفیہ نے حیرت سے کہا۔ "تم بڑی بدتمیزی سے ان کا تذکرہ کررہے ہو۔"

"کیا کروں......ان کی ذات سے کچھ ایسی تلخ یادیں وابستہ ہیں۔"

"کیا وہ بہت ظالم تھے۔"

"یقیناً......اتنے ظالم کہ آج تک شادی کرنے کی ہمت مجھ میں نہیں پیدا ہوسکی۔"

"تم مجھے پہیلیاں نہ بجھایا کرو۔"

"ان کی تین بیویاں تھیں اور ساڑھے چار درجن بچے، جن میں سے ایک میں ہوں۔ مجھے وہ سب بچے آج بھی یاد ہیں۔ جس وقت وہ سب بچے پیار پر آمادہ ہوتے پاپا کو جان چھڑانی مشکل ہوجاتی۔ آخر ایک دن تنگ آ کر انہوں نے کنوئیں میں چھلانگ لگادی۔ تینوں بیویوں میں جنگ چھڑ گئی۔ ہر ایک دوسری پر الزام رکھتی کہ اسی کے بچوں سے تنگ آ کر پاپا نیک کام کر بیٹھے ہیں۔ پاپا اس وقت تک کنویں میں زندہ تھے۔ اچانک یہ تینوں کنوئیں پر آ گئیں اور لگیں چیخ چیخ کر پوچھنے کہ قصور کس کے بچوں کا تھا...... پاپا نے چیخ کر کہا 'ارے پہلے مجھے نکالو پھر میں بتاؤں گا کہ قصور دراصل ایک اشتہار باز یونانی دواخانے کا ہے' مگر ان تینوں نے نہ سنی۔ جب بات زیادہ بڑھی تو ان تینوں نے بھی ایک ساتھ کنوئیں میں چھلانگ لگادی۔ نتیجہ ہوا کہ پھر دوسری بار پاپا نہ ابھر سکے۔ وہ چار لاشیں مجھے اب بھی یاد ہیں اور اب میں سوچتا ہوں کہ پہلے ایک کنواں تیار کرالوں پھر شادی کروں۔ کیا خیال ہے۔"

"بہت شریر ہو۔" صوفیہ ہنستی ہوئی بولی۔ "کیا واقعی تم نے ابھی تک شادی نہیں کی۔"

"نہیں......ابھی میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ ایک کنواں کھدوا سکوں۔"

"تم ایک کھلنڈرے آدمی معلوم ہوتے ہو، ایسے لوگ کبھی شادی نہیں کرتے۔"

"ارے جاؤ...... ہٹلر جیسا کھلنڈرا آدمی بھی بیوی نہ سہی محبوبہ تو رکھتا ہی ہوگا۔"

"اور تم......کیا تمہاری ایک درجن سے کم محبوبائیں ہوں گی۔"

حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "تم ابھی تک اسی غلط فہمی میں مبتلا تھیں۔ ارے مجھے آج تک محبوبہ تو کیا اس کی کتیا بھی نصیب نہیں ہوئی۔ ویسے ملنی تو بہت

چار دن سے زیادہ کوئی نہیں ٹھہرتی۔ میں انہیں بور معلوم ہونے لگتا ہوں اور پھر وہ کوئی انہ تراش کر کھسک جاتی ہیں۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے ایک لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی وہ ی ملتی رہی کہیں ایک دن اتفاق سے باتوں ہی باتوں میں میں نے کہہ دیا کہ مجھے لنگڑا والی لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ بس دوسرے ہی دن سے اس نے لنگڑانا شروع کردیا۔"

وفیہ ہنسنے لگی اور پھر بولی۔ "تم مجھے بیوقوف کیوں بنارہے ہو۔"

سب لڑکیاں یہی کہتی ہیں اور میں غصے سے پاگل ہوجاتا ہوں۔"

وفیہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ جیپ ڈاک بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ یہاں ملازم ایک ڈنڈا لئے حمید کے بکرے کو دوڑاتا پھر رہا تھا۔

او عقل کے دشمن کیا ہورہا ہے۔" حمید دہاڑا۔

کر رک گیا اور اس نے کہا۔ "ارے صاحب کیاریاں برباد کردیں اس نے۔"

تو ڈنڈا لے کر......؟"

پھر کیا کروں صاحب۔" نوکر نے بیزاری سے کہا۔

کبھی کسی پڑھے لکھے اور سلیم الطبع بکرے سے سابقہ پڑا ہے۔"

سلیم صاحب بکرے نہیں پالتے۔" نوکر نے اور زیادہ بیزاری سے کہا۔

کون سلیم صاحب۔" حمید نے جیپ سے اترتے ہوئے کہا۔

وہی......ڈبلو ڈی کے اُوسیار۔"

ڈبلوڈی کے اُوسیار۔" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ "یہ کیا چیز ہے گا۔"

وہی جو سڑکیں بنواتے ہیں۔"

خدا غارت کرے......ارے وہ پی ڈبلیوڈی کا اُوورسیئر ہوگا۔"

ہاں......ہاں......اوورسُور، مجھے ٹھیک سے نہیں یاد رہتا۔"

اُوورسیئر......!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

ہوگا کچھ صاحب۔ مجھ سے نہیں بنتا۔" نوکر بالکل ہی بیزار نظر آنے لگا۔

"بہر حال یہ ایک خاندانی بکرا ہے سمجھے۔ آئندہ تم ایسی بدتمیزی سے پیش نہ آنا۔"

"صاحب لوگ کہتے ہیں باغ لگاؤ...... آپ بکرا ساتھ لائے ہیں۔"

حمید نے بکرے کا کان پکڑا اور اسے اندر لیتا چلا آیا۔

"کیوں بے۔" وہ اس کے منہ پر تھپڑ مارتا ہوا بولا۔ "تجھے کیا ہوگیا۔ شاعری کرتے کرتے پھول پتے چبانے لگے۔" پھر صوفیہ کی طرف مڑ کر بولا۔ "سنا تم نے یہ کہہ رہا ہے...... کہتا ہے کم بخت کہ حسن چبانے کے لئے ہے دیکھنے کے لئے نہیں۔"

"تم شاید زیادہ کھا گئے ہو۔" صوفیہ جل کر بولی۔ "اب کچھ دیر آرام کرلو۔ ورنہ دماغ بالکل ہی الٹ جائے گا۔"

شاید اب وہ بھی ہنستے ہنستے مضمحل ہوگئی تھی اور فی الحال حمید سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔

حمید لباس تبدیل کرکے برآمدے میں چلا آیا۔ صوفیہ کمرے میں ہی پڑی اونگھتی رہی۔

حمید دراصل اس کا دھیان بٹانے کے لئے اس قسم کی بکواس کرتا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کی مغموم آنکھیں اسے اپنے لئے تکلیف دہ معلوم ہونے لگی تھیں، لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ وہ کسی وقت بھی مغموم نہ نظر آئے۔

یہ سلسلہ ختم ہوتے ہی ایک بار پھر ڈوروتھی کے قتل کا کیس اس کے ذہن میں ہیجان برپا کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر پروفیسر نے اس طرح ڈاج دے کر نکل جانے کی کوشش کیوں کی تھی۔ کیا اُسے خوف نہیں ہے کہ ان حالات میں پولیس اس پر بھی شبہ کرسکتی ہے۔

فریدی اور صمدانی کی ہدایات اس تک پہنچ جانے کے بعد بھی اس کا یہ رویہ ذہنی توازن کی خرابی کی طرف اشارہ کرسکتا ہے۔ یا پھر وہ حقیقتاً مجرم ہی تھا۔ ہوسکتا ہے ڈوروتھی کی اصلیت معلوم ہوجانے کے بعد اسے اس پر اتنی ہی شدت سے غصہ آیا ہو کہ اس نے اسے قتل ہی کردیا ہو۔ لیکن یہاں تک سوچنے کے بعد پروفیسر کی بیوی ایک سوالیہ نشان بن کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اگر پروفیسر ہی ڈوروتھی کا قاتل ہے تو پھر یہ عورت کس قسم کا رول ادا کررہی ہے۔ اس نے لاڈیل کے بیان میں ترمیم کرانے کی کوشش کیوں کی اور پھر ایسی صورت میں جبکہ

بھی واردات والی رات کو اسی وقت ہوٹل ڈی فرانس سے غائب رہی تھی جس وقت کا قتل ہوا تھا۔ پھر اس لڑکی کا بیان ہے کہ وہ غصے کی حالت میں کسی کو قتل بھی کرسکتی ہے۔

حمید سوچتا رہا اور الجھنیں بڑھتی رہیں۔ لنچ کے بعد سچ مچ وہ معدے میں کچھ گرانی سی کرنے لگا تھا۔ وہ آرام کرسی میں پڑے پڑے سو گیا۔ پتہ نہیں وہ کب تک سوتا رہا۔ اگر اسے جھنجھوڑ کر نہ جگاتی تو شاید وہ رات تک سوتا ہی رہ جاتا۔

"اوہ تم سو رہے ہو۔ دیکھو چھ بج گئے ہیں، ہمیں سات بجے ہوٹل میں پہنچ جانا چاہئے۔"

حمید اٹھ بیٹھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں تمہارے پاپا کے نہ ہی آؤں۔"

"پھر کیسے کیا ہوگا۔"

"تم ہال میں ٹھہرنا اور میں باہر رہوں گا۔ ورنہ اگر وہ اس وقت بھی ڈاج دے کر نکل گئے دگا۔"

"تم اٹھو بھی تو...... لباس تبدیل کرو۔ وہ سب کچھ گاڑی میں بیٹھ جانیکے بعد سوچا جائیگا۔"

حمید نے جلدی جلدی غسل کیا اور لباس تبدیل کرنے لگا۔ شاید وہ بہت دنوں بعد دوپہر کو ا۔ اسی لئے اس کی طبیعت کچھ کسلمندی سی ہوگئی تھی۔ پھر بھی حمید اس موقعے کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتا تھا۔

اس نے کپڑے تبدیل کرکے ریوالور جیب میں ڈالا اور قصبے کی طرف جانے کے لئے گیا۔ صوفیہ بہت زیادہ مضطرب نظر آرہی تھی۔

اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں یہ تجویز بہت معقول ہے کہ میں ہال میں ٹھہروں تم باہر انتظار کرو گے۔ لیکن خدارا...... پاپا کے سلسلہ میں وہی کرنا جو تم پہلے کرچکے ہو!"

مصیبت آئی

وہ دونوں ساڑھے چھ بجے بستی میں پہنچ گئے لیکن حمید نے وہاں پہنچتے ہی ہوٹل کا رخ نہیں

کیا۔ اس نے کہا کہ انہیں سات بجے سے پہلے وہاں نہ جانا چاہئے۔ سات بجے تک اندھیرا پھیل جاتا اور حمید کو باہر سے نگرانی کرنے میں دشواری نہ ہوتی۔

وہ سات بجنے کے انتظار میں شہر کی سڑکوں کے چکر لگانے لگے۔ ایک جگہ حمید نے اتر ایک جنرل اسٹور سے پرنس ہنری کا تمباکو خریدا اور پھر گاڑی کی طرف واپس آ ہی رہا تھا اچانک روپ نگر کے بوڑھے پوسٹ ماسٹر سے ملاقات ہوگئی۔

وہ بھی حمید کو دیکھ کر رک گیا۔

"اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو آج آپ ہی تشریف لائے تھے۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں فرمایئے۔"

"آپ کے ساتھ ایک محترمہ بھی تھیں۔"

"جی ہاں تھیں تو...... فرمایئے۔"

"ان کے چہرے پر بعض جگہ نیلے نشانات تھے۔"

"جی ہاں یہ بھی صحیح ہے۔"

"آپ کے جانے کے بعد ایک معمر خاتون پوسٹ آفس میں تشریف لائی تھیں۔"

"پھر......!"

"انہوں نے بھی انہیں صاحب کے متعلق پوچھ گچھ کی تھی جس کی تلاش آپ کو۔ انہوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ یہاں کوئی یوریشین لڑکی تو نہیں آئی تھی۔"

"پھر آپ نے کیا کہا۔"

"میں چونکہ آپ کی شخصیت سے واقف ہو چکا تھا اس لئے میں نے لاعلمی ظاہر کی۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا جناب...... میں شکر گزار ہوں۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ ان کی تشفی نہیں ہوئی تھی۔"

"کیا وہ بھی کوئی یوریشین ہی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"ان سب معاملات کے متعلق اپنی زبان بند ہی رکھئے گا۔"

"قطعی جناب...... میں سمجھتا ہوں۔"

"شکریہ...... ہاں آج تو اس کی ڈاک نہیں آئی۔"

"نہیں جناب۔ میں نے آج خاص طور سے اس پر دھیان دیا تھا۔ لیکن آج ان کی نہیں آئی۔"

"بہر حال اس سلسلے میں آپ سے جو کچھ کہا جا چکا ہے وہی کیجئے گا۔"

"آپ مطمئن رہئے...... سر مو فرق نہ ہونے پائے گا۔"

"شکریہ۔" حمید نے کہا اور اس سے مصافحہ کر کے گاڑی کی طرف آ گیا۔

"کہاں رہ گئے تھے۔" صوفیہ نے پوچھا۔

"یہ نہ پوچھو...... تمہارے لئے کوئی اچھی اطلاع نہیں ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔" حمید نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ جیپ پھر چل پڑی اور حمید

"تمہاری ماں یہاں پہنچ گئی ہیں۔"

"نہیں......!" اس نے تحیر زدہ سی آواز میں کہا۔

"یقین کرو...... ابھی مجھے بوڑھا پوسٹ ماسٹر ملا تھا۔ وہ ہمارے بعد ہی پوسٹ آفس پہنچی تھیں ان نے نہ صرف پروفیسر کے متعلق پوچھ گچھ کی تھی بلکہ تمہارے بارے میں بھی پوچھا تھا۔"

"میرے بارے میں کیا پوچھا تھا۔"

"یہی کہ کیا کوئی ایسی لڑکی بھی پروفیسر کے بارے میں چھان بین کرنے آئی تھی جس چہرے پر ہلکے ہلکے نیل پڑے رہے ہوں۔"

صوفیہ خاموش ہوگئی۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تمہیں صدانی پر بڑا اعتماد تھا۔ آخر اُس نے بتا ہی دیا۔"

"میں یقین نہیں کر سکتی کہ انہوں نے بتایا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں کسی اور ذریعہ سے

معلوم ہوا ہو۔"

"ہوسکتا ہے...... پروفیسر کے متعلق کسی اور ذریعہ سے معلوم ہوا ہو۔لیکن تمہارے تو کس سے علم ہوسکتا ہے۔ظاہر ہے کہ اس کا علم صمدانی کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا کہ تم پروفیر تلاش میں یہاں آئی ہو۔"

صوفیہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔"میں اس پر یقین نہیں کرسکتی کہ مسٹر نے ممی کو میرے متعلق کچھ بتایا ہوگا۔البتہ یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس کا تذکرہ تمہا آفیسر سے کیا ہو۔"

حمید کو یاد آ گیا کہ آج اس نے ہی فریدی کو فون پر اس کی اطلاع دی تھی کہ صوفیہ یہاں کن حالات میں ملی ہے تو کیا فریدی ہی نے اسے بتایا ہوگا۔لیکن اس کا مقصد کیا ہوسکتا کیا یہی کہ پروفیسر خود کو چاروں طرف سے گھرا ہوا محسوس کرکے بوکھلاہٹ میں سامنے آجا

"کیوں تم خاموش کیوں ہوگئے۔" صوفیہ نے پوچھا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں ممکن ہے میرے آفیسر ہی سے انہیں اس کا علم ہوا ہو کیونکہ نے بھی کرنل کو تمہارے متعلق فون پر اطلاع دی تھی۔مگر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت ویسے تمہاری عمر کیا ہے۔"

"بائیس سال......!"

"اوہ تب تو تمہاری ماں تمہیں زبردستی اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتیں۔تم بالغ ہوچکی ہو۔

صوفیہ کچھ نہ بولی۔کچھ دیر بعد اس نے اس کی سسکیوں کی آوازیں سنیں۔

"ہائیں......تم رو رہی ہو۔" حمید بوکھلا گیا۔

صوفیہ روتی رہی۔

"کمال کرتی ہو۔" حمید بولا۔"ارے میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ ر مجبور نہیں کرسکیں گی۔"

اس کی سسکیاں اور تیز ہوگئیں اور حمید کی بوکھلاہٹ بدستور قائم رہی۔اس کی سمجھ م

ھا کہ وہ اسے کس طرح چپ کرائے۔اگر کسی نے اسے اس طرح روتے دیکھ لیا تو کیا ا۔حمید نے گاڑی ایسے راستوں پر موڑنی شروع کردی جہاں زیادہ روشنی نہ ہو اور پھر اس ں وہ راستہ بھٹک گیا۔روپ نگر اس کے لئے نئی جگہ تھی۔

اس طرح بھٹکتا ہوا وہ بستی سے باہر نکل آیا۔صوفیہ ابھی تک روئے جارہی تھی۔اب حمید ہٹ نے حملہ کیا۔اس نے جیپ روک کر ریڈیم ڈائیل والی گھڑی پر نظر ڈالی۔سوا سات تھے، حالانکہ ٹھیک سات بجے اسے ہوٹل میں ہونا چاہئے تھا۔

"کیوں......ہم کہاں آگئے۔" صوفیہ نے سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جنت میں۔" حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔"میں نے یہی مناسب سمجھا کہ جنت کا اجائے۔ورنہ تمہیں اس حال میں دیکھ کر یہ بھی ممکن تھا کہ لوگ مجھے جہنم میں پہنچا دیتے۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔سر بُری طرح چکرا رہا ہے۔میں اب کہیں نہ جاؤں گی۔ ک بنگلہ لے چلو۔"

"یہی مناسب بھی ہے۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کیا تم خفا ہوگئے ہو۔" صوفیہ نے بھی اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔

"نہیں میں بہت خوش ہوں۔اتنا خوش جیسے میرے پاپا نے پانچویں شادی کرلی ہو۔"

"میں کیا کروں؟" صوفیہ نے دردناک آواز میں کہا۔"کیا تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔"

"دیکھو! تم خواہ مخواہ پریشان ہورہی ہو۔" حمید نرم لہجے میں بولا۔"میں وعدہ کرتا ہوں اری مرضی کے خلاف کچھ نہ ہونے دوں گا۔"

"میں ڈرتی ہوں کہیں ممی کا سامنا نہ ہوجائے۔"

"اگر ہوا بھی تو کیا ہوگا۔"

"میں نہیں جانتی کیا ہوگا۔مگر میں نہیں چاہتی کہ اب ممی سے دوبدو ہونے کا کوئی موقع آئے۔"

"کیا ہمیشہ کے لئے۔"

"ہاں......ہمیشہ کے لئے۔پاپا کی زندگی ممی ہی نے برباد کی ہے۔اگر انہیں دوسری

عورتوں سے دلچسپی ہے تو اس کی ذمہ دار بھی ممی ہی قرار دی جاسکتی ہیں۔ تم خود سوچو......!"

حمید نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کر دیا اور اس کے شور میں صوفیہ کی آواز دب کر رہ گئی۔

"ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔" حمید نے اس وقت پوچھا جب گاڑی کو موڑ کر دوبارہ شہر کا رخ کر چکا تھا۔

"میں کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔"

"پاپا کی بربادی کی ذمہ دار ممی کو قرار دے رہی تھی۔"

"ختم کرو...... میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہوتی جارہی ہے۔ ڈاک بنگلے واپس چلو۔"

"میں وہیں چل رہا ہوں لیکن اس کے لئے بھی ہمیں دوبارہ بستی میں واپس جانا پڑے گا۔ میں راہ بھٹک گیا ہوں۔"

"کیا تم پہلی بار یہاں آئے ہو۔"

"ہاں......!"

صوفیہ پھر کچھ نہ بولی۔ حمید بدقت تمام اس سڑک تک پہنچ سکا جو ڈاک بنگلے کیطرف جاتی تھی۔

"پاپا وہاں ضرور آئے ہوں گے۔" دفعتاً صوفیہ نے کہا۔

"ہوسکتا ہے۔"

"تم سچ مچ خفا معلوم ہوتے ہو۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

تقریباً بیس منٹ بعد وہ ڈاک بنگلے میں پہنچ گئے۔

لیکن کمرے میں قدم رکھتے ہی دونوں پر گویا بجلی سی گر پڑی۔ سامنے ہی مسز نجمی آرام کرسی میں بیٹھی ہوئی دونوں کو خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔ بیٹھنے کا انداز ایک ایسی [illegible] کا سا تھا جو شکار کی تاک میں ہو۔

"کیوں...... کتیا۔" وہ صوفیہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "تجھے شرم نہیں آئی تھی۔"

حمید نے دیکھا کہ صوفیہ کی حالت یک بیک زیادہ ابتر ہوگئی۔ وہ کسی سردی کھائے [illegible]

[illegible] کانپ رہی تھی۔

"یہ [illegible] پناہ میں ہے۔" حمید نے گرج کر کہا۔ "تم اسے بھی قتل کر دینا چاہتی ہو...... کیوں؟"

"تم خاموش رہو۔ یہ میری بیٹی کا معاملہ ہے۔ اگر دخل اندازی کرو گے تو میں قانونی طور [illegible] نپٹ لوں گی۔ تم اسے پھسلا کر بھگا لائے ہو۔"

"ممی...... تم جھوٹی ہو۔" صوفیہ حلق کے بل چیخی۔

"یہ مجال تیری کہ میری بات رد کر دے۔" مسز نجمی صوفیہ کی طرف جھپٹی۔ لیکن [illegible] بان آگیا۔

"ہٹ جاؤ تم سامنے سے...... ہٹ جاؤ...... ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"میں ابھی تمہیں جیل بھجوا دونگا مسز نجمی۔ تم نے ایک بار پہلے بھی لڑکی پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔"

مسز نجمی رک گئی۔ لیکن حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور رہی تھی۔

"یہ میری لڑکی ہے۔" اس نے حلق پھاڑ کر کہا۔

"تم اسے ثابت نہ کرسکو گی۔ لیکن میں اسے اپنی بیوی ثابت کرسکتا ہوں۔"

"میں تمہارا خون پی لوں گی۔"

"برف ڈال کر پینا کیونکہ وہ بہت گرم ہے۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔

[illegible] صوفیہ کا بازو پکڑ کر اُسے دوسری آرام کرسی تک لے گیا۔

"تم اطمینان سے بیٹھو...... تمہاری ممی بہت غصے میں ہیں۔ میں ان کے لئے ٹھنڈے [illegible] کا انتظام کروں گا۔"

"نہیں...... خدا کے لئے انہیں اور زیادہ غصہ نہ دلاؤ۔" صوفیہ نے آہستہ سے کہا۔

حمید اُسے بٹھا کر مسز نجمی کی طرف مڑا۔ وہ اب بھی وہیں کھڑی تھی، لیکن کسی بت کی طرح بےحس و حرکت...... حتیٰ کہ اس کی آنکھیں بھی غیر متحرک نظر آرہی تھیں۔

حمید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ کسی قسم کی محویت سے چونکی اور اسی آرام کرسی کی طرف مڑ گئی جس پر سے اٹھی تھی۔

"اس وحشی پن کی مثال شاید جانوروں میں بھی نہ ملے مسز نجمی۔" حمید نے کہا۔

"وہ میری لڑکی ہے۔ کیا تم عقل کے اندھے ہو۔" مسز نجمی مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

"تب پھر تم اسے قتل کردو۔ قانون تمہیں ہر حال میں معاف کردیگا کیونکہ تم اس کی ماں ہو۔"

"تجھے ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ صوفیہ تو سن رہی ہے یا نہیں؟" اس ک ماں نے اُسے للکارا۔

"میں پاپا کے ساتھ رہوں گی۔" صوفیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ تیرا پاپا ہے۔" وہ حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخی۔

"اگر یہی بات ہوتی تو تم اتنی غصہ ور اور چڑچڑی نہ ہوتیں۔" حمید نے پھر مضحکہ اڑا والا انداز اختیار کیا۔

"میں تمہارا منہ نوچ لوں گی ورنہ خاموش رہو۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم ایسا ضرور کرو گی...... ایک مثال میرے سامنے موجود ہے۔"

"میں کہتی ہوں تم خاموش رہو مجھے اس کتیا سے گفتگو کرنے دو۔"

"اگر یہاں کوئی کتیا موجود ہوتی تو میں اُسے اور تمہیں کمرے سے باہر نکال دیتا۔ ک رات کو مجھے کتیوں اور کتوں کے مکالمے بالکل پسند نہیں آتے۔"

"خاموش رہو۔" وہ اتنے زور سے چیخی کہ اس کی آواز پھٹ گئی اور اس پر کھانسی دورہ پڑ گیا۔

"کیپٹن پلیز...... خدا کے لئے۔" صوفیہ نے ہاتھ اٹھا کر نحیف آواز میں کہا۔

"میں قطعی خاموش ہوں تم دونوں گفتگو کرو۔" حمید نے ملازم کی طرف دیکھ کر ج برآمدے میں کھڑا حیرت سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔ حمید نے ہاتھ ہلا کر اُسے وہاں سے جا اشارہ کیا۔

"ہاں بول کیوں آئی تھی یہاں۔" مسز نجمی نے حمید پر دانت پیستے ہوئے صوفیہ سے پو

"میں پاپا کی تلاش میں آئی تھی۔ مجھے...... مم...... مجھے...... اجازت......!"

"ہاں اب تجھے اجازت کی ضرورت نہیں رہی۔ تو اب بالغ ہوگئی ہے۔ یہی بات ہے۔ تو شاید بھول رہی ہے کہ میں کون ہوں۔"

"ممی خدا کے لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

"اسی حال پر چھوڑ سکتی ہوں، جب تیرا جسم روح سے خالی ہوجائے۔"

"تو پھر تم مجھے مار ہی ڈالو۔" صوفیہ نے سسکی لی۔

"میں تجھے سسکا سسکا کر ماروں گی۔"

"ارے...... تم ماں ہو اس کی۔" حمید بول پڑا۔

"پھر تم نے دخل دیا۔"

"ہاں...... میں یہاں قانون کا نمائندہ ہوں، تم میری موجودگی میں اسے قتل کی دھمکی کر آزاد نہیں رہ سکتیں۔"

"کیپٹن پلیز......!" صوفیہ نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "اب تم خاموش بہت ہوچکا میں کسی فرد کو نظر انداز نہیں کرسکتا، جس پر ڈوروتھی کے قاتل کا شبہ کیا جارہا ہو۔"

"اُسے ثابت کرنے میں دانتوں پسینہ آجائے گا۔" مسز نجمی نے زہرخند کے ساتھ کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے...... اگر میں کسی ستون کر دھکے مار مار کر گرانے کی کوشش کروں گا تو یقیناً ن کیا آنکھوں میں بھی پسینہ آسکتا ہے لیکن اگر میں اس کی بجائے ستون کو بنیاد سے کھودنا ع کردوں تو...... تب کیا ہوگا...... مسز نجمی۔"

"میں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" وہ شانوں کو جنبش دے کر لاپرواہی سے بولی۔

"میں تمہارے خلاف چھوٹے چھوٹے جرائم کے لئے ثبوت مہیا کروں گا۔ مثلاً ڈوروتھی کیس میں تم نے ایک گواہ کے بیان میں ترمیم کرانے کی کوشش کی تھی اور اس کے لئے دو اُفر تھا......!"

وہ یک بیک اچھل کر کھڑی ہوگئی...... اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح بے جان نے لگا تھا۔

خوفناک دھماکہ

یہ اطلاع صوفیہ کے لئے بھی شاید ڈراؤنی ہی تھی۔ وہی کیفیت اس کی بھی ہوئی لیکن اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ حیرت بھی تھی۔

''ممی......!'' وہ تھوک نگل کر بولی۔ لیکن اس کے آگے اور کچھ نہ کہہ سکی۔

''تم نے......!'' حمید نے مسز نجمی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ''مسز لاڈیل کے بیان میں ایک ایسا اضافہ کرانا چاہا جس کی بناء پر پروفیسر کے لئے پھانسی کے تختے کے علاوہ دنیا میں اور کوئی جگہ نہ ملتی۔''

''ممی......!'' صوفیہ ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

لیکن مسز نجمی کوئی جواب دیئے بغیر آرام کرسی میں ڈھیر ہوگئی۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی اور اس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

''یہ تم کیا کر رہی تھیں...... ممی......!'' صوفیہ پھر چیخی۔

''تم خاموش رہو۔'' حمید نے سخت لہجے میں کہا ''یہ ابھی اعتراف کریں گی کہ ڈوروتھی کی قاتلہ یہی ہیں۔''

''یہ غلط ہے...... بالکل غلط۔'' مسز نجمی نے ہاتھ اٹھا کر کمزور آواز میں کہا۔ پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔ ''لیکن اس کا اعتراف ہے کہ میں نے لاڈیل کے بیان میں فائر آواز کا اضافہ کرانے کی کوشش کی تھی۔''

''ممی...... تم کتنی ظالم ہو۔'' صوفیہ نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مسز نجمی رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ خشک کر رہی تھی۔ پھر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی ا ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھو میں پھر وہی پہلی سی چمک عود کر آئی اور جبڑوں کی رگیں ابھرنے لگیں۔ شاید اس نے بہت سے دانتوں پر دانت جمائے تھے۔

''ہاں...... میں ظالم ہوں۔ پھر...... کیا میں تم سے پوچھ سکتی ہوں کہ تم ظالم کیوں نہیں'' اس نے صوفیہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

''مجھے ظلم سے نفرت ہے۔''

''لیکن میں ظلم کئے بغیر سکون نہیں پا سکتی۔'' مسز نجمی نے کہا۔ ''میں نے تم سے کبھی یہ نہیں کہ تم ظلم سے نفرت کرو۔ تم دوسروں پر رحم کر کے سکون محسوس کرتی ہو۔ میں تم سے تمہارا نہیں چھیننا چاہتی۔ پھر تمہیں کب یہ حق پہنچتا ہے کہ تم مجھے سکون نہ ملنے دو۔''

''اس فلسفے کی راہ پھانسی کے تختے پر ختم ہوتی ہے۔'' حمید بولا۔

''جہنم ہی میں کیوں نہ ختم ہوتی ہو۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔''

''تو تم اعتراف کرتی ہو کہ تم نے ڈوروتھی کو قتل کیا تھا۔''

''میرے کس جملے سے تم نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا۔''

''خیر...... خیر...... تم اعتراف کر لوگی...... مجھے یقین ہے۔''

''ظلم کرنے والے ظلم برداشت کرنے کی قوت بھی رکھتے ہیں۔''

''آہا...... بہت خوب۔'' حمید ہنسنے لگا۔ ''کیا یہ کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔''

''نہیں...... بلکہ تم اپنے لئے کنواں کھود رہے ہو۔''

''یہ کس سلسلے میں محترمہ۔''

''یہ لڑکی نابالغ ہے اور تم اسے پھسلا کر لائے ہو۔''

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔'' حمید نے رو دینے والی آواز میں صوفیہ سے پوچھا صوفیہ صرف ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

''تم مجھے نہیں جانتے۔'' مسز نجمی غرائی۔

''یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔'' حمید اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے شہر کس کی اجازت سے چھوڑا۔ دوسرا جرم تم پر عائد ہو رہا ہے۔''

''میرے پاس کرنل فریدی کا اجازت نامہ موجود ہے۔''

"کیا مطلب؟" حمید اسے گھورنے لگا۔

"کیا تم دیکھو گے۔" مسز نجمی نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔

"میں ضرور دیکھوں گا..... اگر وہ جعلی ثابت ہوا تو تمہیں یہاں سے زیرِ حراست شہر واپس جانا پڑے گا۔"

مسز نجمی نے اپنے ہینڈ پرس سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا اور حمید کی طرف بڑھایا۔

حمید نے فریدی کے دستخط پہچان لئے اور اس کے طرزِ تحریر کو پہچاننا بھی اس کے لئے مشکل نہیں تھا۔ اجازت نامہ ٹائپ کیا ہوا نہیں تھا بلکہ خود ہی تحریر کیا تھا اور یہ اجازت نامہ روپ نگر کے لئے تھا۔

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا تھا کہ صوفیہ یہاں آئی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کرنل فریدی سے۔" اس نے بیزاری سے کہا۔ "اس پر تمہارے لئے ان کا ایک خط بھی لائی ہوں۔"

"لاؤ..... دیکھوں.....!" حمید نے ہاتھ بڑھا دیا۔

"تمہیں وہ نہیں مل سکتا اسے میں تمہارے خلاف عدالت میں استعمال کروں گی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کرنل نے جو کچھ بھی لکھا ہے، وہ تمہیں زبانی بتایا جاسکتا ہے۔"

"اچھا.....!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور کچھ سوچنے لگا۔

"انہوں نے لکھا ہے کہ حمید میں تم سے تنگ آ گیا ہوں۔ لڑکی کو مسز نجمی کے حوالے کرد ورنہ تمہیں اغواء کے الزام سے نہ بچا سکوں گا۔ مسز نجمی کے بیان کے مطابق لڑکی نابالغ ہے مجھے علم نہیں تھا کہ تم اسے مسز نجمی کی مرضی کے خلاف روپ نگر لے جا رہے ہو۔"

"میں اس بے سروپا بیان پر یقین نہیں کرسکتا۔"

"تم یقین کرو یا نہ کرو۔ یہ تحریر ایک دستاویز کی سی حیثیت رکھتی ہے اور کسی وقت بھی ا تمہارے خلاف استعمال کرسکتی ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسے میرے ساتھ جانے دو۔"

"یہ اپنے پاپا کے ساتھ رہنا چاہتی ہے، تم اسے اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور نہیں کرسکتیں۔"

"کیا تم نجمی کے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔" دفعتاً وہ صوفیہ کی طرف مڑی۔

"ہاں..... میں پاپا کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

"لیکن وہ تمہیں اپنی قبر میں نہیں رکھ سکے گا۔"

"یعنی.....!" حمید اُسے گھورنے لگا۔

"وہ ڈوروتھی کا قاتل ہے۔"

"نہیں..... یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ غلط ہے..... ممی..... خدا کے لئے۔" صوفیہ چیخی۔

"وہ ڈوروتھی کا قاتل ہے۔ اسے دنیا کی کوئی قوت نہیں بچا سکتی۔"

"کیا تم نے لاڈیل کے علاوہ بھی کوئی اور گواہ تیار کرلیا ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یقیناً.....!" وہ بھی بالکل اسی انداز میں مسکرائی۔ "میں نے اس بار ایک بڑے افسر کو دی ہے۔"

"اچھا.....!" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسا۔

"اور وہ آفیسر کرنل فریدی ہے۔"

"شاید تمہیں نیند آرہی ہے محترمہ۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہوسکتا ہے۔" مسز نجمی نے لاپروائی سے کہا اور صوفیہ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "تم چلنے لئے تیار ہوجاؤ، ورنہ تمہیں اپنی اس غلطی پر زندگی بھر افسوس رہے گا۔"

"مجھے خواہ مخواہ خوفزدہ کرنے کی کوشش نہ کرو ممی۔" صوفیہ روہانسی آواز میں بولی۔

ٹھیک اس وقت کمپاؤنڈ میں روشنی نظر آئی۔ شاید کوئی کار اندر آئی تھی۔ حمید اٹھ گیا۔ کار ے کے سامنے ہی رکی تھی۔ انجن بند کردیا گیا اور اگلی روشنیاں گل ہوگئیں۔ پھر کوئی کار زکر برآمدے کی طرف بڑھا اور جیسے ہی وہ برآمدے میں داخل ہوا لیمپ کی روشنی اس پر ار حمید بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

آنے والا کرنل فریدی تھا۔ اس نے کمرے میں آ کر چاروں طرف دیکھا اور صوفیہ کی

طرف اشارہ کرکے پوچھا۔ ”یہی لڑکی ہے مسز نجمی۔“

”جی ہاں......!“ مسز نجمی کھڑی ہوگئی تھیں۔

”بیٹھئے...... بیٹھئے۔“ وہ سر ہلا کر بولا۔

”کیا آپ نے میرے لئے انہیں کوئی خط دیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں تو...... کیوں کیسا خط۔“

حمید جواب دینے کی بجائے مسز نجمی کو گھورنے لگا۔ لیکن مسز نجمی ایسے بے تعلقانہ میں نظر آرہی تھی جیسے اسے اس بات سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

فریدی نے بھی اس کی طرف دیکھا اور پھر حمید سے پوچھا۔ ”کیا بات ہے۔“

”کچھ نہیں مجھے ا... رہی تھیں کہ میں نے انکی کسی نابالغ لڑکی کا اغواء کیا ہے۔ سلسلے میں آپکی کوئی تحریر بھی تھی انکے پاس۔ جسے یہ عدالت میں میرے خلاف استعمال کرتی

”کیوں مسز نجمی۔“

”کچھ بھی نہیں! میں اپنی لڑکی کو یہاں سے لے جانا چاہتی تھی۔“

”آپ کو کس نے روکا ہے۔“ فریدی نے حیرت سے کہا۔

”یہ صاحب خواہ مخواہ اُسے بہکا رہے ہیں۔“ مسز نجمی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مجھے کسی نے نہیں بہکایا۔“ صوفیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”تم خاموش رہو۔“ مسز نجمی دہاڑی۔

”نہیں خاموش رہوں گی۔“ صوفیہ ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگی۔ ”میں تمہارے سا رہنا چاہتی۔ تم مجھے مجبور نہیں کرسکتیں۔ میں بالغ ہوں، نہیں رہوں گی...... نہیں رہوں گی ظالم ہو۔ میں پاپا کے ساتھ رہوں گی۔“

”صبر...... لڑکی...... صبر۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”شور نہ مچاؤ۔“

”یہ بہت بُری طرح بہکائی گئی ہے۔“ مسز نجمی دانت پیس کر بولی۔

”ہمیں اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں۔ میں فی الحال آپ سے پروفیسر کے

ر 20

و کرنا چاہتا ہوں۔“

”تو کیا یہ...... یعنی میری لڑکی ہاتھ سے نکل جائے گی۔“

”یہ آپ کا نجی معاملہ ہے آپ جانئے۔“

”لیکن آپ کا اسسٹنٹ۔“

”خبردار...... اگر میرا نام اس تذکرے میں لائیں تو میں تم پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ وں گا۔“ حمید غرایا۔

”خاموش رہو۔“ فریدی اسے گھورنے لگا۔

چند لمحوں کے لئے کمرے کی فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط ہوگئی۔ پھر فریدی نے مسز نجمی رف دیکھ کر کہا۔ ”پچھلی رات میں نے پروفیسر کو شہر میں دیکھا تھا۔“

”کہاں......!“ حمید نے پوچھا۔

”اسی عمارت میں جہاں ڈوروتھی کی لاش ملی تھی۔“

”پھر...... پھر...... آپ نے روکا کیوں نہیں۔“ صوفیہ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”ایسے پھرتیلے آدمی بہت کم میری نظروں سے گزرے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس تیلے پن کی وجہ سے وہ میرے ہاتھ نہ آسکے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنا توازن کھو بیٹھے ہیں۔“

مسز نجمی بہت توجہ اور دلچسپی سے سن رہی تھی۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی اس نے ہا۔ ”کیا آپ پچھلی رات عمارت میں موجود تھے۔“

”ہاں...... مجھے کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس سے اس حادثے پر کوئی روشنی پڑ سکے اور شاید ر بھی کسی چیز کی تلاش ہی میں وہاں آئے تھے۔ بہرحال میں نے انہیں اسی وقت دیکھا وہ ایک کمرے کی دیوار میں لگی ہوئی ایک پوشیدہ تجوری کھولنے کی کوشش کررہے تھے۔“

”اوہ...... پوشیدہ تجوری۔“ مسز نجمی آگے جھک آئی، اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی لمہ نظر آنے لگی تھی۔

”میں نے انہیں رکنے کو کہا لیکن وہ نکل بھاگے۔ میں کیا بتاؤں کہ وہ کتنے پھرتیلے ہیں

جب تک میں گلی میں پہنچا وہ عقبی دروازے سے نکل کر اندھیرے میں غائب ہو چکے تھے۔"

مسز نجمی کے چہرے پر اس وقت زیادہ تازگی اور توانائی نظر آ رہی تھی۔ اس کے برخلا صوفیہ کی حالت غیر تھی۔ وہ آرام کرسی کی پشت سے ٹکی ہوئی ہانپ رہی تھی۔ اس کی زبان بار ہونٹوں پر تیرتی نظر آتی۔

"بہرحال میں انہیں پا نہ سکا لیکن اب یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ ڈوروتھی کے قاتل وہی ہیں

"نہیں.....!" صوفیہ دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخی۔ "نہیں..... نہیں..... نہیں۔"

وہ اسی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے "نہیں نہیں" کی تکرار کرتی رہی۔ بالکل ایسا ہی مع ہو رہا تھا جیسے اس پر ہسٹریا کا دورہ پڑا ہو۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز نحیف ہوتی گئی۔ اس پر جھکا ہوا اسے آوازیں دے رہا تھا۔ آخر وہ بالکل خاموش ہو گئی۔

"بیہوش ہو گئی۔" حمید نے سیدھے کھڑے ہو کر تشویش کن لہجے میں کہا۔

"وہ بہت جذباتی لڑکی ہے۔" مسز نجمی نے اپنی جگہ سے اٹھے بغیر لاپروائی سے کہا۔

"تمہاری ہی لڑکی ہے۔"

"یقیناً..... لیکن اپنے باپ کی طرح چور اور بزدل ہے۔"

فریدی حمید کو گھور رہا تھا۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا ورنہ اس کا تو دل چاہا تھا کہ ا اٹھا کر کھڑکی کے باہر پھینک دے۔

"آخر آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں کہ نجمی ہی اس کا قاتل ہے۔" مسز نجمی نے فر سے پوچھا۔

"میں نے وہ پوشیدہ تجوری کھول لی تھی۔ اس میں سے کچھ ایسی چیزیں برآمد ہوئیں مث کے طور پر کچھ خطوط جو ڈوروتھی کے کسی عاشق نے اسے لکھے تھے اور ایک تصویر جس میں ڈورا اپنے کسی عاشق کے بازو میں ہاتھ ڈالے کھڑی نظر آتی ہے۔ ان خطوط میں سے ایک میں ت تھا "مجھے بڑی خوشی ہے کہ تم اس موٹی آسامی پر اپنی معصومیت کا سکہ بٹھا کر اُسے دونوں ہاتھ سے لوٹ رہی ہو مگر دیکھو مستقبل کے لئے بھی کچھ بچا رکھو۔ پچھلی زندگی میں ہمیں بہت کچھ

مگر آج ہم قریباً کنگال ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب آپ خود ہی سوچئے کیا یہ خط پروفیسر کو تل کر دینے کے لئے کافی نہیں ہے۔"

"یقیناً..... یقیناً" مسز نجمی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ لیکن دفعتاً حمید نے فریدی کو لے دیکھا۔ وہ کھڑکی کی طرف جھپٹا تھا۔ ساتھ ہی باہر سے کچھ ایسی آواز آئی جیسے کوئی بلندی ودا ہو۔

"ٹھہرو..... پروفیسر..... ورنہ گولی ماردوں گا..... ٹھہرو" فریدی نے کہا اور دروازے رف جھپٹا۔ حمید بھی دوڑا اور دونوں دوڑتے ہوئے پھاٹک تک آئے وہ آگے بڑھنے ہی لے تھے۔ کچھ دور پر کوئی گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔ ایک لحظہ کے لئے عقبی روشنی نظر آئی اور پھر رے میں مدغم ہو گئی۔ گاڑی کی آواز دور ہونے لگی۔ فریدی پھر بھاگ کر کمپاؤنڈ میں آیا۔ ی جیپ ہی سامنے پڑی اور وہ اچھل کر اسٹیئرنگ کے سامنے جا بیٹھا۔ حمید نے بھی دیر نہیں

تھوڑی دیر بعد وہ اس گاڑی کے پیچھے تھے۔ اگلی گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی لیکن اس کا ہر کی طرف نہیں تھا۔

"آپ نے اندھیرے میں کیسے پہچان لیا۔" حمید نے پوچھا۔

"مونچھیں، کھڑکی میں لیمپ کی روشنی تھی۔ میں نے اس کی مونچھیں دیکھی تھیں۔"

حمید نے اسے آج کا واقعہ سنایا کہ کس طرح وہ انہیں ڈاج دے کر ہوٹل سے غائب ہو گیا یدی کچھ نہ بولا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔ پھر کچھ دور چل کر اگلی گاڑی کے بائیں جانب کچے راستے پر اتر گئی۔ وہ بھی جیپ ہی تھی اور اب اس کی ہیڈ لائیٹس تعمال کی جارہی تھیں، یہ راستہ اتنا ناہموار تھا کہ فریدی کو رفتار کم کر دینی پڑی۔ لیکن اگلی چھلتی کودتی اور ہچکولے لیتی بھاگی جارہی تھی۔ پھر اونچے نیچے ٹیلوں کے سلسلے شروع ہو گئے ہ اگلی جیپ ٹیلوں کے درمیان مڑتی ہوئی نظر آئی۔ پھر ایک دلخراش چیخ سناٹے میں دور لتی چلی گئی اور وہ دھماکہ تو بہت ہی لرزہ خیز تھا، جو اس کے بعد سنائی دیا۔ فریدی نے بڑی

عجلت سے اپنی گاڑی کے بریک لگائے اور وہ حقیقتاً الٹتے الٹتے بچی۔ انجن بند کر کے وہ نیچے کو
گیا۔ دونوں ہی پوری قوت سے اس طرف دوڑ رہے تھے جدھر اگلی جیپ مڑی تھی۔ فریدی نے
دوڑتے ہوئے ٹارچ روشن کی۔

وہ منظر بڑا ڈراؤنا تھا۔ تقریباً ساٹھ فٹ نیچے جیپ کے پچھلے حصے سے شعلے نکل رہے تھے
اور وہ آدھی سے زیادہ نشیب میں بہنے والی ندی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"یقیناً..... اس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا تھا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "بیچاری
صوفیہ پر کیا گزرے گی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بدقت تمام اس مقام پر پہنچنے میں کامیاب ہوئے
جہاں جیپ سمیت گرنے سے پہلے ہی پروفیسر کی آخری چیخ گھٹ کر رہ گئی تھی۔
جیپ ندی میں الٹی پڑی ہوئی تھی اور اب شعلے آہستہ آہستہ اپنا جوش و خروش کھوتے
جارہے تھے۔

"لاش کیسے نکالی جائے۔" حمید بڑبڑایا۔

"مجھے توقع نہیں ہے کہ لاش مل سکے۔ ندی کا بہاؤ نہیں دیکھتے۔"

"پھر بھی ہمیں کوشش تو کرنی ہی چاہئے۔"

"فضول ہے۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ واپس چلیں۔"

حمید کا دل نہیں چاہتا تھا مگر طوعاً و کرہاً اُسے واپس ہونا پڑا۔ صوفیہ کی وجہ سے اب اُ
پروفیسر سے ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس لئے اس کا یہ غیر متوقع انجام اس کے لئے
تکلیف دہ ثابت ہوا تھا اور وہ یک بیک اتنی تھکن محسوس کرنے لگا تھا جیسے سینکڑوں میل
پیدل چل کر آیا تھا۔

ڈاک بنگلے میں دونوں بے چینی سے ان کی منتظر تھیں۔

صوفیہ کو ہوش آ گیا تھا انہیں دیکھتے ہی وہ بیساختہ اچھل پڑی۔

"بولئے..... بتائیے..... وہ پاپا تھے۔ نہیں وہ پاپا نہیں رہے ہوں گے۔" اس نے

ے انداز میں کہا۔ "آپ بولتے کیوں نہیں۔"

"نہیں..... وہ کوئی چور تھا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اس تاک میں تھا کہ ہم سو
ئیں اور وہ ہمارا سامان لے کر چلتا بنے۔"

"دیکھا..... میں نہ کہتی تھی۔" وہ اپنی ماں کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی اور مسز نجمی کے
ے پر پھر وہی پہلے کا سا بڑھاپا طاری ہو گیا۔

دوسری صبح فریدی نے تنویر صمدانی کو فون کیا کہ پروفیسر ایک حادثے میں کام آ گیا ہے۔
وراً روپ نگر پہنچ جائے..... دوسری صبح ندی میں اس کی لاش کی تلاش جاری تھی لیکن وہاں
پ کے ڈھانچے کے علاوہ اور کچھ نہ مل سکا۔

حمید ڈاک بنگلے ہی میں تھا اور اس نے فریدی کی ہدایت کے مطابق ماں بیٹی کو حالات
ے بے خبر رکھا تھا۔ تقریباً گیارہ بجے فریدی بستی سے ڈاک بنگلے واپس آیا۔ اس نے صوفیہ
ے کہا۔ "میں تمہاری ماں کو بستی تک لے جا رہا ہوں۔ تم ہماری واپسی تک یہیں ٹھہرو گی۔"

"آپ کے کہنے سے میں ٹھہر جاؤں گی۔" صوفیہ نے جواب دیا۔

پھر وہ حمید اور مسز نجمی کے ساتھ اپنی کار میں بیٹھ گیا..... اور کار بستی میں پہنچ کر کوتوالی کی
ف مڑ گئی۔ جب وہ کوتوالی میں داخل ہو رہی تھی مسز نجمی نے چونک کر کہا۔

"یہ آپ مجھے کہاں لے جارہے ہیں۔"

"کیوں.....؟"

"بس یونہی..... پروفیسر کا وکیل بھی یہاں موجود ملے گا شاید..... ٹھہرو۔"

وہ کار روک کر نیچے اتر پڑا۔ حمید اور مسز نجمی بھی اترے۔

ایک بڑے کمرے میں تنویر صمدانی اور چار مقامی پولیس آفیسران کے منتظر تھے۔

بڑی میز کے گرد تین کرسیاں شاید انہیں کے لئے خالی تھیں۔ ان کے بیٹھتے ہی تنویر صمدانی
نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔ "پروفیسر کو کیا حادثہ پیش آیا ہے۔"

"پچھلی رات میں اُس کا تعاقب کر رہا تھا اس کی جیپ بے قابو ہو کر ندی کے پاس والے

ٹیلوں میں جا گری اور شاید وہ ساٹھ فیٹ کی بلندی سے جیپ سمیت ندی میں جا پڑا۔"

"اوہ......!" مسز نجمی کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ چہرہ سرخ ہوگیا اور آنکھیں لگیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے سینے میں ہزاروں قہقہوں کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہی

"تم واقعی بہت اذیت پسند ہو۔" فریدی اس کی طرف مڑ کر تنفر آمیز لہجے میں بولا۔

"اگر میں کسی کی موت پر قہقہے لگاؤں تو قانون میرا کیا بگاڑے گا۔"

"قانون تو کچھ نہیں بگاڑ سکے گا مگر انسانیت ضرور تم پر روئے گی۔"

"انسانیت تو ازل ہی سے روتی آئی ہے۔"

دوسرے پولیس آفیسر اُسے گھورنے لگے۔

"یہ اس کی بیوی ہے جناب۔" ایک نے پوچھا۔

"ہاں...... یہ اس کی بیوی ہے۔" فریدی نے کہا اور صمدانی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"کیا پروفیسر نے کبھی کوئی وصیت بھی مرتب کی تھی۔"

صمدانی نے نفی میں سر ہلا دیا اور رومال سے آنسو خشک کرنے لگا۔

"اندازاً کتنا بینک بیلنس ہوگا۔"

"مجھے...... اے...... اے...... ای...... اس کا بھی علم نہیں۔"

"براہِ کرم آپ دوسرے کمرے میں جا کر اچھی طرح رو آیئے پھر ہم گفتگو کریں۔"

"میرا بھائی...... میرا دوست دنیا سے اٹھ گیا۔" تنویر مجنونانہ انداز میں چیخا۔

"وہ تھپڑ رسید کروں گا کہ دونوں آنکھیں باہر آجائیں گی۔"

"جی...... کیا مطلب۔" صمدانی ہکا بکا رہ گیا۔

"میں پوچھتا ہوں کہ پروفیسر کا کتنا بینک بیلنس تھا۔"

"آپ تمیز سے گفتگو کیجئے مسٹر۔" صمدانی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوہ...... معاف کیجئے وکیل صاحب۔ آپکا غم دور کرنے کیلئے میں نے ایک نفسیاتی

یا تھا۔ اب دیکھئے نا آپکی آنکھیں اب آنسوؤں کی بجائے چنگاریاں برسا رہی ہیں۔"

ریدی کے اس رویہ پر حمید بھی متحیر رہ گیا۔ آخر اتنی سی بات کے لئے شہر کے ایک بڑے کیل کی توہین کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

"میں کیا جانوں کہ بینک بیلنس کتنا تھا۔" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چیک تو آپ ہی کیش کرا کے رقم بذریعہ منی آرڈر بھجواتے تھے۔"

"بیئرر چیک ہوتے تھے، کیش کرا لئے جاتے، مجھے اسکا علم کیسے ہو سکتا تھا کہ بیلنس کتنا ہے۔"

"ایک بات اور سمجھ میں نہیں آتی کہ جب یہاں بھی بینک موجود تھا تو پروفیسر نے یہیں رقم کیوں نہیں منتقل کرالی۔ آپ کو کیوں تکلیف دیتا رہا۔"

"اس کا جواب پروفیسر کے علاوہ اور کوئی نہیں دے سکتا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اسے دوبارہ نہ پیدا کرسکوں گا۔"

"آپ پتہ نہیں کیسی الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں۔ میں پروفیسر کا قانونی مشیر تھا اور اس ـ رہوں گا جب تک کہ اس کے ورثاء مجھے میرے فرائض سے سبکدوش نہ کردیں۔

اب میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ پروفیسر نے کتنا اثاثہ چھوڑا ہے۔"

ریدی چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "اب پتے پھینک دو۔ کل ہی پروفیسر کی لاش دریافت کی ہے۔"

"آپ کیوں مذاق اڑا رہے ہیں۔" تنویر چیخا۔ حمید کے علاوہ دوسرے بھی فریدی کو ے دیکھ رہے تھے۔

"ہاں...... مائی ڈیئر...... تنویر صمدانی...... ڈوروتھی پروفیسر کے روپوش ہونے سے پہلے ہی کے صحن میں ایک حوض بنوا رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ہنسوں کا ایک جوڑا حاصل ں میں ڈالے گی۔ یہ پروفیسر کے نوکروں کا بیان ہے۔"

عتاً تنویر کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی اور اس نے اٹھنا چاہا۔

"بیٹھو......!" فریدی غرایا...... اور آفیسروں نے اسے دبوچ کر بٹھا دیا۔

"تم خواہ مخواہ مجھے اور زیادہ پریشان کر رہے ہو۔" تنویر نے سنبھالا لیا۔ "دوست کی مو ہی کا صدمہ کیا کم ہے۔"

"تم دوست کا صدمہ آج لے بیٹھے ہو۔ حالانکہ دوست کی موت آج سے ڈیڑھ ماہ ق واقع ہوئی تھی۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" تنویر نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا اور فریدی کے چہرے قریب انگلی نچا نچا کر ہنستا ہی رہا۔

"کسی ماہر ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ کے بغیر تمہیں پاگل بھی نہیں قرار دیا جا سکتا تنویر۔" فر نے لاپروائی سے کہا۔ "تم دونوں کے جسم کی بناوٹ یکساں تھی۔ قد بھی یکساں تھا۔ اگر تم اتنی بڑی مصنوعی مونچھیں لگا لو تو دور سے دیکھنے والوں کو تم پر پروفیسر ہی کا دھوکا ہوگا۔ مگر تم تو ا مکمل میک اپ کرتے رہے ہو۔ اس لئے عام آدمی قریب سے بھی تمہیں پروفیسر ہی سمجھے۔ یہ تو بتاؤ کہ کون گدھا کسی کو قتل کرنے کے لئے شور مچانے والی جیپ میں بیٹھ کر کہیں جائے سینٹ جوزف کالونی تو بہت گھنی آبادی رکھتی ہے اور پھر وہ دوسری حماقت کرے گا یعنی ہی میں بیٹھے بیٹھے سگریٹ سلگاتا تاکہ جیپ کے شور سے جاگے ہوئے پڑوسی اس کے چہر جھلک دیکھ سکیں۔ تم نے پروفیسر کی آڑ لے کر ڈوروتھی کو قتل کر دیا۔ پھر مستقل طور پر مجھے یہ کرانے کی کوشش کرتے رہے کہ پروفیسر اسے قتل کر دینے کے لئے ایک بہانہ رکھتا تھا اور ہی پروفیسر کی زندگی کا ثبوت بھی پیش کرتے رہے البتہ پوشیدہ تجوری والے معاملے میں تم گئے۔ اس سے تمہارا مقصد یہی تھا کہ وہ خطوط میرے ہاتھ لگ جائیں اور میں یہ سمجھو پروفیسر انہیں تلف کر دینے کے لئے وہاں آیا تھا۔ ظاہر ہے ان خطوط کو دیکھ کر میں یہی سو تھا کہ پروفیسر ہی ڈوروتھی کا قاتل ہے اور اس لئے انہیں تلف کر دینا چاہتا تھا کہ کہیں و کے خلاف ثبوت کے طور پر نہ استعمال کئے جائیں۔ لیکن بوڑھے بیٹے تنویر...... تم اُس تجو اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ آئے تھے۔ ذرا احتیاط کی ہوتی۔ دستانے پہن لئے ہوتے۔"

"یہ جھوٹ ہے مجھے چھوڑ دو۔" تنویر آفیسروں کی گرفت سے نکلنے کے لئے تڑپا۔

"اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ کل تم خود کو دیکھا کر حمید اور صوفیہ کو ڈاج دے گئے تھے اور کل کو تم نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اب قصہ ہی ختم ہو گیا یعنی ڈوروتھی کا ختم ہی، دلیا، لہٰذا اس کیس کا فائل بند کر دیا جائے اور تم اطمینان سے ڈھائی لاکھ کی وہ رقم تصرف میں لا سکو گے جو پروفیسر نے ڈیڑھ ماہ قبل مختلف بینکوں سے نکالی تھی۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" صمدانی چیخا۔

"خاموش رہو۔ کسی بھی سازش کے لئے بہت بڑے دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ہر پر غور کر سکے۔ تم نے یہ نہ سوچا کہ اس سے پہلے پروفیسر اپنے نوکروں سے بھ اپنے چ ش کراتا رہا ہوگا اور انہیں بھی ان بینکوں کا علم رہا ہوگا جہاں جہاں پروفیسر کی رق ت جمع گی۔ میں نے ان سب بینکوں کو چیک کیا اور اس نتیجے پر پہنچا آج سے ڈیڑھ ماہ قبل ان ایک ہی دن اور ایک ہی تاریخ کو ساری رقومات نکالی گئی تھیں جن کی مجموعی تعداد ڈیڑھ لاکھ ۔ میں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ پروفیسر کے نمونے کے دستخط بھی دیکھے اور پھر بینک میں جہاں سے تم چیک کیش کرا کے پروفیسر کو روپ نگر کے پتہ پر منی آرڈر بھیجا کرتے تھے۔"

"یہ سب جھوٹ ہے۔" تنویر صمدانی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"سنتے جاؤ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہاں اس بینک میں حیرت انگیز انکشافات ہوئے۔ ہاں دس ہزار سے زائد کا اکاؤنٹ کھولا گیا تھا اور اس کے دوسرے ہی دن جب دوسرے نکوں سے ڈھائی لاکھ سمیٹے گئے تھے اور بتاؤں...... وہاں نمونہ کے دستخط پچھلے دستخطوں سے لکل مختلف تھے۔ تم نے اکاؤنٹ پروفیسر کے نام سے کھولا تھا لیکن نمونہ کے دستخط چونکہ خود کئے تھے اس لئے ان کا پروفیسر کے اصل دستخط سے مختلف ہونا لازمی تھا۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ پروفیسر کو تم نے قتل کیا تھا یا ڈوروتھی نے۔ لیکن تم دونوں ہی اس سازش میں شریک تھے۔ مشین کی ایجاد کے سلسلے میں روپوشی کا قصہ بھی غلط نہیں معلوم ہوتا۔ تم دونوں نے اسے رائے دی ہوگی کہ وہ مختلف بینکوں سے سارا روپیہ سمیٹ کر کسی ایک بینک میں جمع کرا دے۔ اس طرح منافع بھی معقول ملے گا اور اس کے بھیجے ہوئے چیکوں کو کیش کرا کے اسے رقومات

بھی بذریعہ منی آرڈر بھیجی جاتی رہیں گی۔ ممکن ہے مشین کی ایجاد اور روپوشی کی کہانی بھی تمہاری ذہنی اختراع ہو...... لیکن بہرحال پروفیسر کے لئے اتنا ہی کافی ہوسکتا تھا کہ اس کی بکھری ہوئی رقم یکجا ہوجانے سے زیادہ سود ملنے لگے گا۔ ہاں تو رقم اس رات گھر ہی میں رہی اور پروفیسر کو یہ سمجھایا گیا کہ وہ دوسرے دن جمع کرادی جائے گی اور پھر اسی رات کو پروفیسر ختم کردیا گیا۔ چونکہ اسکیم بہت پہلے بنائی گئی تھی اس لئے تمہیں حوض کا گڑھا بھی تیار ملا۔ تم نے نہایت اطمینان سے لاش اس میں دفن کردی اور دوسرے دن مزدوروں نے اس کی جوڑائی کرکے پلاسٹر کردیا۔ حوض تیار تھا اور اس میں ہنس کا جوڑا تیر رہا تھا۔ غالباً پہلے تمہاری اسکیم یہ رہی ہوگی کہ تم پروفیسر کی بیوی کو قتل کردو گے جس سے اس کے تعلقات خراب تھے اور پھر پولیس پروفیسر کے متعلق چھان بین کرے گی تو تم مشین کی ایجاد کے سلسلے میں پروفیسر کی روپوشی کی کہانی سناؤ گے پھر اسی طرح تم پروفیسر کا میک اپ کرکے کچھ دنوں تک پولیس کو چکر دیتے رہتے اور اسی طرح غرق ہوجاتے، چلئے کیس ختم اور فائیل بند۔ ڈھائی لاکھ روپیہ تم دونوں بانٹ لیتے۔ مگر پروفیسر کی بیوی کو قتل کرنے سے پہلے ہی شاید تم دونوں میں جھگڑا ہوگیا اور تم دونوں نے سوچا کہ کیوں نہ ڈوروتھی ہی کو قتل کرکے پروفیسر کو قاتل ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ شاید ڈوروتھی کو بھی خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ کہیں تم اس پر نہ ہاتھ صاف کردو۔ لہٰذا اس نے پروفیسر کے پانچ اعزہ کے فون نمبر نوٹ کرکے رکھے تھے لیکن وہ انہیں کچھ بتانے سے قبل ہی ختم کردی گئی۔ شاید اس نے تمہیں چوروں کی طرح داخل ہوتے دیکھ کر ہی فائر کردیا تھا لیکن تم بچ گئے اور تمہاری گولی اس کی کنپٹی پر بیٹھی۔ اس کے بعد تم نے جو قلابازیاں کھائی تھیں سب کے سامنے ہیں۔ مسز نجمی اتفاقیہ طور پر وہاں پہنچ گئی تھیں اس لئے تم کچھ تھوڑے بوکھلا بھی گئے تھے لیکن پھر اسے بھی اس کیس میں الجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ تدبیر تھی بھی بڑی شاندار۔ پولیس کچھ دنوں تک ذہنی جمناسٹک کرتی اور جب تم اس پر تھکن کے آثار دیکھ لیتے تو ایک دن اسی طرح جیپ میں بیٹھ کر ندی کی طرف بھاگ نکلتے اور پھر کسی موڑ پر رفتار کم کرکے خود اتر جاتے اور جیپ کافی اونچائی سے ندی میں جاگری...... مگر بُرا ہوا اس حوض کا جس میں ہنسوں کا جوڑا تیرتا تھا...... بُرا ہوا اس پوشیدہ تجوری کا جس پر تم بوکھلاہٹ میں اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ گئے تھے۔ اور پتھر پڑیں اس عقل پر جس نے بینکوں سے رقومات نکلوانے کے بعد ان کا ایک قلیل حصہ کسی دوسرے بینک میں جمع کرانے کا مشورہ دیا تھا۔ آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ تنویر، کیا پروفیسر روپ نگر میں اپنے پاس کیش نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے لئے تم سے کوئی بھی جواب طلب نہ کرتا کہ تم نے اسے اتنی رقم کیوں لے جانے دی بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ کوئی بینک کسی طرف دھیان بھی نہ دیتا۔ اگر تم یہ بتاتے کہ وہ روپ نگر سے تمہیں چیک بذریعہ ڈاک بھیجتا ہے اور تم اُسے کیش کرا کے رقم بذریعہ منی آرڈر بھیج دیتے ہو۔ یہ قصہ سن کر تو فوراً ہی یہ سوچنا پڑتا ہے کہ آخر پروفیسر نے وہیں کے بینک میں اپنی کچھ رقم کیوں نہیں منتقل کرالی۔

"انہوں نے لاڈیل کے بیان میں ترمیم کرنے کی کوشش کی تھی۔" حمید نے مسز نجمی کی طرف دیکھ کر فریدی کو یاد دلایا۔

"اس کے لئے انہیں عدالت میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔" فریدی بولا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ یہ حرکت صرف اس لئے کی گئی تھی کہ یہ اتفاقاً حادثے والی رات کو ہوٹل سے باہر چلی گئی تھیں۔ لہٰذا پولیس کے شبہے سے بچنے کے لئے انہوں نے بدحواسی میں یہ حرکت کرڈالی۔ ظاہر ہے کہ اگر لاڈیل اپنے بیان میں فائر کی آواز کا بھی اضافہ کردیتی تو ان کی طرف سے شبہات ختم ہوجانے کا بھی امکان تھا۔"

"ہم سب کتے ہیں۔" مسز نجمی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کوئی کاٹ لینے کی دھمکی دیتا ہے اور کوئی نہایت خاموشی سے کاٹ لیتا ہے۔ لیکن کتے احسان فراموش نہیں ہوتے۔"

اس نے تنویر کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ "یہ کتے سے بھی بدتر ہے۔ اسے کس نے تنویر مرانی بنایا تھا۔ کس نے اس کے لئے اتنا بڑا آفس مہیا کیا تھا۔ کس نے اسے سہارا دیا تھا۔ جب یہ ڈپلومہ لینے کی بعد در در کی خاک چھانتا پھر رہا تھا۔ تنویر کیا تم بھول گئے۔ احسان فراموش گندے کیڑے۔ میں تو اس کی کھلی ہوئی دشمن تھی۔ اس پر غصے میں چھری پھینک مارتی تھی...... تو مجھے ذلیل اور کمینہ کہتا تھا۔ اب میں تجھے کیا کہوں۔"

تنویر کی آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

پھر سارا کمرہ سکوت کے گہرے سمندر میں ڈوب گیا۔

دوسری صبح شہر میں ہوئی۔ حمید خود کو ذہنی طور پر مفلوج سا محسوس کرنے لگا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اسے صوفیہ کے خیال نے پریشان کر رکھا تھا جسے ابھی تک پروفیسر کی موت کے متعلق نہیں بتایا گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس خبر سے اس کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔ اس نے فریدی سے مشورہ کیا کہ اسے کس طرح اس کی اطلاع دی جائے۔

"بھئی یہ ایک ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ وہ بچہ تو ہے نہیں کہ اس سے یہ بات کافی عرصہ تک پوشیدہ رہے گی۔ دنیا کے ہر آدمی کو کسی نہ کسی کی موت کا صدمہ ضرور سہنا پڑتا ہے۔ بہتر ہے کہ اب تم اسے بتا ہی دو۔ ویسے اب وہ بہتر زندگی بسر کر سکے گی۔ تنویر نے اعتراف کر لیا ہے کہ اس نے دو لاکھ روپے مختلف بینکوں میں اپنے لڑکوں کے نام جمع کرائے ہیں اور اس کا کہنا ہے کہ اسے اس جرم پر ڈوروتھی ہی نے اکسایا تھا۔ پروفیسر کی موت کی بھی وہی ذمہ دار تھی۔ اس نے اسے پانی میں ایک بہت ہی سریع الاثر قسم کا زہر دیا تھا اور وہ کہتا ہے کہ اسے ڈوروتھی کی طرف سے خدشہ تھا کہ کہیں وہ اسے بھی نہ ختم کر دے۔ اسی لئے اس نے اسے قتل کر دیا۔ اگر وہ اس پر گولی نہ چلاتا تو اس کی دوسری گولی خود اسے ہی ختم کر دیتی۔"

"لیکن آپ اس حوض تک کیسے پہنچے تھے۔"

"نوکروں سے دوسری بار گفتگو کرتے وقت اس کا تذکرہ آ گیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا اور میں نے اسے کھدوا ڈالا۔ محنت برباد نہیں ہوئی۔ پروفیسر کی گلی سڑی لاش برآمد ہوگئی۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ صوفیہ کو ان حالات سے مطلع کرنے کا ناگوار فرض انجام دینے جا رہا تھا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر 21

جاسوسی دنیا

67- طوفان کا اغوا

68- رائفل کا نغمہ

69- ٹھنڈی آگ

پیشرس

جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "طوفان کا اغوا" ملاحظہ فرمائیے۔

ایک صاحب نے اپنے خط میں "تصوف" کے بارے میں خاصی طویل گفتگو فرمائی ہے۔ وہ "تصوف" کو افیون سمجھتے ہیں اور اس سے خار کھاتے ہیں۔ انہوں نے پیری، مریدی اور خانقاہوں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اپنی جگہ درست...... آہستہ آہستہ لوگ مقاصد کو بھولتے چلے جاتے ہیں اور محض رسومات کو اولیت دے دیتے ہیں۔ یہ بھی نظام فطرت ہی کے تحت ہوتا ہے۔ کچھ دن گزرنے کے بعد ہر شے کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ آدمی ہی کو دیکھئے! جوانی میں کچھ نظر آتا ہے اور بڑھاپے میں کچھ۔ کبھی کبھی تو جوانی کی شکل سے ہلکی سی مشابہت بھی باقی نہیں رہتی۔ تصوف نے خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کے درمیان راہ پائی تھی اور شہنشاہیت کے خلاف ایک پرامن عوامی تحریک کی شکل اختیار کرلی تھی۔ اس کی بنیاد "ہمہ از اوست" کے نظریئے پر رکھی گئی تھی۔ رہی "ہمہ اُوست" کی بات تو یہ شہنشاہیت کے حامیوں کی چلائی ہوئی جوابی تحریک تھی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ شہنشاہوں کے مظالم کے خلاف احتجاج تک نہ کیا جاسکے۔ جب "سب کچھ وہی" ہے تو ظالم بھی وہی اور مظلوم بھی وہی...... پھر غل غپاڑہ کیسا؟ خاموشی سے ظلم سہو اور ہمہ اوست کا دم بھرتے جاؤ۔ اُف فوہ...... آپ کے خط نے تو پٹری ہی بدلوادی۔ کہنے کا مطلب یہ کہ تصوف کے بارے میں مزید مطالعہ کے لئے سنی سنائی باتوں میں کیا رکھا ہے۔ کچھ نہیں تو کم از کم حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتاب کشف المحجوب ہی پڑھ لیجئے۔ ویسے ہم بیچارے اس قابل کہاں کہ ایسے موضوعات پر گفتگو کرسکیں۔ آپ نے ایک بات پوچھی تھی، سو اپنی فہم ناقص کے مطابق یہ چند سطور لکھ دیں۔

والسلام

ابن صفی

لال غبارہ

کیپٹن حمید نے کار روکی اور نیچے اُتر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ چاروں طرف اونچی نیچی چٹانوں کے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ چند لمحے یوں ہی کھڑا رہا پھر.... کار سے ربڑ کا ایک غبارہ نکالا جس میں گیس بھری ہوئی تھی۔ غبارے کا رنگ سرخ تھا۔

کار اُس نے سڑک سے اتار کر دو چٹانوں کے درمیان کھڑی کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جگہ پہلے ہی سے بنا کر تیار رکھی ہو۔ کیونکہ یہاں زمین ہموار تھی اور اس کے آگے کی ڈھلان تین چار بڑے بڑے پتھروں سے بند کردی گئی تھی۔

وہ غبارہ لئے ہوئے سڑک پر آیا اور پھر بڑی پھرتی سے سڑک پار کی، دوسرے لمحے میں وہ دوسری جانب والی ڈھلان میں اتر رہا تھا۔

اس کے جسم پر خاکی قمیض اور خاکی برجس تھے اور پیروں میں گھٹنوں تک پہنچنے والے رائیڈنگ بورڈ سر پر براؤن چمڑے کا خود منڈھا ہوا تھا جس میں چمڑے کی تہوں کے درمیان فولاد کی ٹوپی تھی۔ وہ اس طرح چٹانوں کی اوٹ لیتا ہوا ڈھلان میں اُتر رہا تھا جیسے دیکھ لئے جانے کا خدشہ ہو۔

سورج مغرب میں جھکنے لگا تھا اور دھوپ کی رنگت نارنجی ہو چلی تھی۔ اگست کی ہوا میں بھی اتنی خنکی ضرور تھی کہ حمید محنت نہ کررہا ہوتا تو اس کے دانت بجنے لگتے۔ کچھ دُور چلنے کے بعد وہ بائیں جانب مڑ گیا۔

یہ ایک تنگ سا درہ تھا۔ دونوں چٹانوں کا درمیان فاصلہ دو فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا لیکن آگے چل کر وہ بتدریج کشادہ ہوتا گیا تھا۔ اختتام پر تو دونوں چٹانوں کا فاصلہ بیس فٹ سے بھی

زیادہ نہ تھا اور یہ اختتام ایک ایسی چٹان پر ہوا تھا جس کی اونچائی راستے کی سطح سے تقریباً پانچ فٹ ضرور رہی ہوگی۔

حمید بہت احتیاط سے دوسری طرف جھانکنے لگا، یہاں بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے دیکھ لئے جانے کا خدشہ لاحق ہو۔

دوسری طرف نشیب ہی نشیب تھا اور اس کے بعد کی چڑھائی پر وہی اُسی سڑک کا ایک حصہ نظر آرہا تھا جس پر سے وہ گزر کر یہاں تک پہنچا تھا۔ اس جگہ سے اس کا فاصلہ تین فرلانگ سے زیادہ نہ رہا ہوگا لیکن اگر حمید دوبارہ کار پر بیٹھ کر سڑک کے اس حصے پر پہنچنے کی کوشش کرتا تو اسے کم از کم چار میل کا چکر ضرور لگانا پڑتا۔

اس نے غبارہ بائیں ہاتھ میں پکڑتے ہوئے داہنے ہاتھ سے دوربین نکالی جو اس کی برجس کی جیب میں موجود تھی۔

سڑک اس کی نظروں میں اور زیادہ واضح ہوگئی، وہ دوربین کا فوکس موزوں کرتا رہا۔ وہ دراصل اس سرنگ کی طرف دیکھ رہا تھا جس میں داخل ہو کر سڑک نظروں سے غائب ہو گئی تھی۔

اکثر وہ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ دفعتاً اس نے گیس سے بھرا ہوا غبارہ چھوڑ دیا اور وہ تیر کی طرح اوپر خلاء میں چڑھتا چلا گیا۔

دور سرنگ سے خچروں کی ایک قطار برآمد ہو رہی تھی۔

حمید غبارہ چھوڑ کر فوراً ہی وہاں سے ہٹ آیا۔ اب وہ پھر اُسی راستے پر چل رہا تھا جس سے پہنچا تھا۔

❁

خچروں پر سامان لدا ہوا تھا اور ان کی تعداد چالیس سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ ہر خچر پر ایک آدمی بھی موجود تھا۔ اگلے خچر والے کی نظر فضاء میں بلند ہوتے ہوئے غبارے پر پڑی اور اس کے ہاتھوں سے خچر کی باگ چھوٹ گئی۔

پھر وہ سنبھلا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں مجنونانہ انداز میں ہلانے لگا۔ پھر یک بیک پورے قافلے میں ابتری اور بدنظمی پھیل گئی۔ وہ لوگ جدھر سے آئے تھے ادھر ہی بھاگنے لگے۔ خچروں کی قطار درہم برہم ہوگئی۔

سرنگ میں گھس کر وہ دوسری طرف نکلے۔ خچر بھاگتے رہے۔ اچانک ایک جیپ کار سامنے آتی دکھائی دی۔ اس پر ایک چھوٹا سا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ خچر والوں میں سے کسی نے چیخ کر کہا ٹھہر جاؤ۔ بدقت تمام خچروں کو روکا جاسکا۔ جیپ کار اُن کے قریب آکر رک گئی۔ اُسے ایک بلڈاگ قسم کا آدمی ڈرائیو کر رہا تھا اور تنہا تھا۔ اپنی ہیئت کے اعتبار سے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر سخت گیری کے آثار تھے، بھاری بھرکم جبڑا ان آثار کو کچھ اور زیادہ تقویت سی دیتا معلوم ہوتا تھا۔

"کیوں! یہ کیا ہے؟" وہ غصیلی آواز میں چیخا۔ "مادھو تم کہاں مر گئے۔"

دفعتاً ایک آدمی نے اپنا خچر آگے بڑھایا اور جیپ کار کے قریب پہنچ کر بولا۔

"لال غبارہ"

"لال غبارہ....!" جیپ والے کے لہجے میں حیرت تھی۔

"لال غبارہ جناب۔" مادھو نے پھر کہا۔ "آج تک ایسا نہیں ہوا۔"

"تمہیں وہم ہوا ہوگا۔" جیپ والا بولا۔

مادھو نے مڑ کر آسمان کی طرف دیکھا۔ جیپ والے کی نظر بھی اٹھ گئی۔ سرخ غبارہ آہستہ آہستہ تارہ ہوا جا رہا تھا۔

"یہ کیا مصیبت ہے۔" جیپ والا بڑبڑایا اور ٹھیک اُسی وقت چاروں طرف سے فائر ہوئے لیکن شاید یہ ہوائی فائر تھے اور قافلے والوں کو صرف اتنا بتانے کے لئے کئے گئے تھے کہ وہ چاروں طرف گھیر لئے گئے ہیں۔

جیپ والا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ چاروں طرف بکھری ہوئی چٹانوں کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نہیں تھے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اشارے سے قافلے والوں کو نظم و ضبط قائم کرنے کو کہا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً چاروں طرف اُسے متعدد سرخ ٹوپیاں نظر آئیں اور پھر مسلح پولیس کانسٹیبل باقاعدہ طور پر اُن کے سامنے آگئے۔ اُن کی رائفلوں کا رخ قافلے کی جانب تھا سبھوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ پولیس پارٹی کی قیادت کیپٹن حمید کر رہا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں پورا قافلہ گھیر لیا گیا۔ پولیس کانسٹیبل خچروں کے قریب پہنچ گئے۔

"تم لوگ خچروں سے سامان اُتار کر سڑک پر ڈال دو۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔ "ورنہ کوئی لاشیں گننا بھی پسند نہ کرے گا۔"

"آخر کیوں۔" جیپ والا نیچے اُترتے ہوئے بولا۔

"بکواس مت کرو۔ تم کون ہو۔"

"اوہ.... سنئے تو سہی جناب.... آپ خفا کیوں ہوتے ہیں۔ ذرا الگ چلنے میں آپ کو سب کچھ سمجھا دوں گا۔" جیپ والے نے مسکرا کر کہا۔

"میں راشی نہیں ہوں۔ لہٰذا جو کچھ بھی کہنا ہے یہیں کہو۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا تو آپ جو کچھ بھی کرنے جارہے ہیں اُس کے لئے آپ کو پچھتانا پڑے گا۔"

"ہاں.... آں میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اس کی پشت پر کوئی بارسوخ آدمی ہوگا۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔" جیپ والا غصیلی آواز میں بولا۔

"ارے....!" حمید نے خچروں والوں کو مخاطب کیا۔ "کیا تم نے سنا نہیں.... سارا سامان سڑک پر اتار دو۔"

خچروں سے بڑے بڑے تھیلے گرائے جانے لگے اور جیپ والا کھڑا دانت پیستا رہا۔

کرنل فریدی نے فائل ایک طرف ڈال دیا اور جیب سے ڈائری نکال کر اس پر کچھ لکھنے لگا۔ آفس کا وقت ختم ہو چکا تھا اور دوسرے لوگ جا چکے تھے۔ لیکن فریدی کا کمرہ ابھی کھلا ہوا تھا اور باہر چپراسی اسٹول پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے قلم رکھ کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو....!"

"کرنل صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی.... "ہاں میں ہی ہوں۔"

"میں امر سنگھ ہوں جناب۔"

"ہاں.... کہو.... کیا بات ہے۔"

"کپتان صاحب کا تار ہے۔"

"کیا خبر ہے۔"

"انہوں نے ان سمگلروں کو پکڑ لیا ہے لیکن وہ خطرے میں ہیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا جناب۔ تحریر اتنی ہے کہ میں نے اُن سمگلروں کو پکڑ لیا ہے لیکن میں خطرے میں ہوں۔"

"تار کہاں سے آیا ہے۔"

"ٹیکم گڈھ ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... دیکھو امر سنگھ تم میرے لئے رات والے جہاز میں ایک سیٹ بک کرادو۔ کوشش یہی کرو کہ ایک سیٹ فوری طور پر بک ہو جائے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئی تھیں اور آنکھوں سے گہرا تفکر مترشح تھا۔ اس نے ڈائری بند کر کے جیب میں ڈال لی اور اٹھ گیا۔

چپراسی نے بہت لپک کر دروازہ کھولا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ فریدی اتنی جلدی اٹھ جائے گا۔

گھر پہنچ کر بھی وہ سوچ میں ڈوبا رہا۔ تقریباً چھ بجے وہ ایئر پورٹ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی اور پھر ریسیور اٹھاتے ہی وہ دوسری طرف سے بولنے والے کی شخصیت سے واقف ہو گیا۔ وہ محکمہ سراغ رسانی کا ڈی آئی جی تھا۔ فریدی کو بھی اس ناوقت دخل اندازی پر حیرت تھی لیکن اس نے اپنی حیرت ظاہر نہیں ہونے دی۔

"کیپٹن حمید کو ٹیکم گڈھ سے واپس بلالو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "یہ کیس دوسروں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

"مگر یہ تبدیلی کیوں ہوئی جناب۔"

"تم جانتے ہو کہ اس قسم کی تبدیلیاں عموماً اسی وقت ہوتی ہیں جب ان کے لئے اوپر سے احکامات آئیں۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"بس تم اسے واپس بلالو۔"

"بہتر ہے۔ میں اس جہاز سے ٹیکم گڈھ جارہا ہوں جو نو بجے رات کو یہاں سے جاتا ہے۔"

"کیوں.... تم کیوں جارہے ہو۔"

"حمید خطرے میں ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

اُس کا تار آیا ہے۔ اُس نے ان اسمگلروں کو پکڑ لیا ہے، لیکن خود خطرے میں ہے۔"

"اوہ.... دیکھو میرا خیال ہے کہ یہ تبدیلی محض اسی لئے ہوئی ہے کہ تم لوگ اس معاملے میں مداخلت نہ کرو۔"

"تو کیا میں حمید کو مر جانے دوں۔" فریدی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تم نہیں سمجھے میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم حمید کو ساتھ لے کر خاموشی سے واپس آجاؤ گے۔"

"بشرطیکہ مجھے خاموش رہنے دیا گیا۔"

"دیکھو بھئی! میں تمہارے ہی بھلے کو کہہ رہا ہوں۔"

"مجھے حیرت ہے، پہلے کبھی آپ نے اس قسم کی گفتگو نہیں کی۔"

ڈی۔ آئی۔ جی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا۔ فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور میز کے قریب ہی رک کر سوچنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے پھر ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کون ہے!"

"درجن.... تم کون ہو۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ پھر نمبر ڈائیل کررہا تھا۔

رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا۔ "نمبر تین.... نمبر تین۔"

"یس سر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"سانگلی ہاؤز میں درجن نامی آدمی پر نظر رکھو۔ وہ عمارت میں موجود ہے۔"

"ویری ویل سر۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور فریدی نے سلسلہ منقطع کردیا۔

اس نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ یک بیک گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو....!" فریدی نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"کرنل فریدی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"فریدی اسپیکنگ....!" فریدی نے کہا۔

لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا۔

فریدی نے ریسیور بڑی تیزی سے رکھا اور دوسرے کمرے میں چلا آیا۔ یہ کمرہ دراصل اس کا اسلحہ خانہ تھا۔ اس نے ایک ریوالور منتخب کیا اور کارتوسوں کا ایک پیکٹ جیب میں ٹھونستا ہوا باہر نکل آیا۔ پھر اس نے وہ سامان بھی وہیں چھوڑ دیا جو ساتھ لے جانے کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی چیک بک نکالنا نہیں بھولا۔ برآمدے میں آکر ڈرائیور کو آواز دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کی کار پھاٹک سے باہر نکلی۔

"ایئرپورٹ....!" فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔ روانگی سے پہلے اس نے ملازموں کو ہدایت کردی کہ اس کی واپسی تک سارے خطرناک قسم کے کتے ہر وقت کھلے رکھے جائیں۔

کار تیزی سے ایئرپورٹ کی طرف بڑھتی رہی۔ لیکن فریدی اس سے بھی لاعلم نہیں تھا کہ تعاقب برابر جاری ہے۔ پچھلی کار کی ہیڈلائیٹس صاف نظر آرہی تھیں۔

فریدی نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ وہ اب بھی پچھلی کار پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ دفعتاً خود اس کی کار زبردست دھچکے کے ساتھ رک گئی اور پھر اسے احساس ہوا کہ واقعہ کیا تھا۔ اس کی گاڑی سے ایک دوسری کار صرف ایک فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی اور اس کا ڈرائیور بُری طرح گالیاں بک رہا تھا۔ فریدی کا ڈرائیور کچھ گرم ہوا ہی تھا کہ اس کار سے دو تین آدمی نیچے کود پڑے۔

"کھینچ لو سالے کو۔" ایک نے کہا۔

"گاڑی بیک کرو۔" فریدی نے اپنے ڈرائیور سے کہا لیکن اب بیک کرنے کی بھی جگہ نہیں رہ گئی تھی کیونکہ تعاقب کرنے والی کار پیچھے آکر رک گئی تھی اور اس کا فاصلہ بھی فریدی کی کار سے شاید ایک ہی فٹ تھا۔

فریدی سوچنے لگا۔ کاش وہ خود ہی ڈرائیو کررہا ہوتا۔

لیکن وہ ڈرائیور بھی فریدی ہی کا تھا۔ اس نے اتنی ہی جگہ میں گاڑی موڑ کر بڑی بے دردی

سے ان لوگوں پر چڑھادی جو اگلی کار سے اُترے تھے۔ فریدی کی کار کا اگلا حصہ اگلی کار سے ٹکرایا۔ گاڑی مڑی ضرور لیکن سڑک سے نیچے نہ اتر سکی۔ ویسے وہ بوکھلا کر کافی دور ہٹ گئے تھے جنہوں نے اگلی کار سے اُتر کر ڈرائیور پر حملہ کرنا چاہا تھا۔

فریدی کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ اس نے کار سے چھلانگ لگادی۔ پچھلی کار سے بیک وقت کئی فائر ہوئے مگر بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے فریدی اندھیرے کے اتھاہ سمندر میں تیرتا سڑک کے بائیں جانب والے نشیب میں اُتر گیا ہو۔

سڑک سنسان پڑی تھی اور غالباً اس سناٹے کی وجہ سے اُسے یہاں گھیرا گیا تھا۔ دونوں کاروں سے اترنے والے نشیب میں دوڑتے چلے گئے۔

فریدی کے ڈرائیور کو جب اطمینان ہوگیا کہ اب دونوں کاروں میں ایک بھی آدمی باقی نہیں رہا تو وہ نیچے اُترا، اگلی کار کو دھکیل کر پیچھے کیا اور اتنی جگہ بنالی کہ وہ بہ آسانی اپنی گاڑی موڑ کر آگے نکال سکے۔

وہ فریدی کا ڈرائیور تھا اس لئے اتنے کم از کم اتنا سلیقہ تو تھا ہی کہ دونوں کاروں کا ایک ایک ٹائر بیکار کر کے انہیں مزید تعاقب کرنے کے قابل نہ رہنے دیتا۔

اسے یقین تھا کہ اسی سڑک پر کہیں نہ کہیں فریدی سے لازمی طور پر ملاقات ہوگی لہٰذا وہ گاڑی آگے بڑھالے گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ اکثر معرکوں میں فریدی کا ساتھی رہ چکا تھا۔

ہنگامہ

اسی رات کی بات ہے۔

کیپٹن حمید ٹیکم گڈھ کے ایک نائٹ کلب میں رنگ رلیاں منارہا تھا۔ اس کی رنگ رلیاں وہاں بھی جاری رہتی تھیں جہاں قدم قدم پر موت کا سامنا ہوتا تھا۔ لیکن یہ بتانا دشوار تھا کہ وہ ایسے مواقع پر خود کو فریب دینے لگتا تھا یا حقیقتاً وہ اتنا ہی نڈر اور لاپرواہ تھا۔

ان اسمگلروں کو گرفتار کرنے کے بعد سے اب تک اُس پر دو حملے ہو چکے تھے۔ لیکن حاضر دماغی آڑے آئی تھی ورنہ اس وقت اس کی روح عالم ارواح میں بھیک مانگتی پھر رہی ہوتی۔

اسے ٹیکم گڈھ میں اس وقت تک ٹھہرنا تھا جب تک کہ فریدی اسے واپسی کی ہدایت نہ کرتا۔

ان سمگلروں کو پکڑنے کے لئے اسے خاصی ذہنی جمناسٹک کرنی پڑی تھی۔ اس نے کئی دنوں تک چھپ چھپ کر ان راستوں کی نگرانی کی تھی اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اسمگلر بآسانی پکڑے جاسکتے ہیں لیکن شاید سرحد کے محافظ دیدہ دانستہ اس کی طرف سے غفلت برتتے تھے۔ ان گرفتاریوں کے سلسلہ میں غباروں والا معاملہ کافی دلچسپ ثابت ہوا تھا۔ حمید کا خیال تھا کہ فریدی اس کارنامے پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

دراصل ان غباروں ہی کی وجہ سے حمید کو اس راستے کا علم ہو سکا تھا جس سے اسمگلر مال لے جاتے تھے۔ ورنہ ان پہاڑوں میں قافلے تو الگ رہے پوری پوری پلٹنوں کا ڈھونڈ نکالنا آسان کام نہیں تھا۔ تو کیا وہ اسمگلر احمق تھے؟ خود ہی اپنی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالنا چاہتے تھے؟ یہ بات حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔

قصہ یہ تھا کہ ایک دن وہ انہیں اسمگلروں کی تلاش میں ٹیکم گڈھ کے پہاڑوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا کہ اچانک اسے فضا میں سبز رنگ کا ایک غبارہ اڑتا ہوا نظر آیا پہلے تو اس نے اُسے نظر انداز کردیا لیکن پھر سوچا کہ اس ویرانے میں غبارہ کس نے اڑایا۔ اس حصے میں تو شاید ٹورسٹ بھی نہیں آتے تھے۔ کچھ دیر کے لئے وہ الجھن میں پڑ گیا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ اس غبارے کے متعلق چھان بین کرنی چاہئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس نے خچروں کی ٹاپوں کی آوازیں سنیں جو آہستہ آہستہ قریب آتی جارہی تھیں۔ وہ ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔

خچروں کا قافلہ اس کے سامنے آچکا تھا اور وہ ایک ایسے آدمی کو دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں دوربین تھی اور وہ اس کے ذریعے غالباً اُسی سبز غبارے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے برابر چلنے والے سے غالباً اس غبارے کے متعلق کچھ کہا بھی تھا۔

بس اسی جگہ سے حمید کامیابی کی راہ پر لگا تھا۔ وہ کئی دن تک اس راہ کا جائزہ لیتا رہا جس سے قافلہ گذرا کرتا تھا۔ اس نے جو چیز خصوصیت سے مارک کی وہ یہی تھی کہ سب سے پہلے فضا میں سبز غبارہ بلند ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد ہی ایک قافلہ کسی طرف سے نمودار ہوتا ہے۔ جس دن سبز غبارہ نہ دکھائی دیتا اس دن وہ راہ صبح سے شام تک ویران ہی پڑی رہتی۔

حمید نے اس پر کافی غور کرنے کے بعد تہیہ کیا کہ وہ سرخ غبارہ اڑا کر انہیں آزمائے گا۔ لہٰذا اس نے یہی کیا۔ اسمگلر سرخ غبارے کو خطرے کا نشان سمجھ کر بھاگ نکلے اور انہیں وہ سرخ غبارہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی کیونکہ شاید ان کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس سے پہلے کبھی انہیں سرخ غبارہ نہیں دکھائی دیا تھا۔

بہر حال ان کی گرفتاری کے بعد حمید نے لاکھوں روپے کا ایسا سامان برآمد کیا جو غیر قانونی طور پر ملک کے باہر لے جایا جا رہا تھا۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ اسی رات اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس کے بعد ہی اسمگلروں پر سختی کی جانے لگی کہ وہ اس شخص کا نام ظاہر کر دیں جو اس اسمگلنگ کی پشت پر تھا۔ لیکن انہوں نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا خود حمید بھی ان کی زبانیں نہ کھلوا سکا۔ پھر اس طریقے کو فضول سمجھ کر اس نے دوسری راہ اختیار کی۔ رمیش اور چند دوسرے سادہ لباس والوں کو اپنی حفاظت پر مامور کر کے کھلے عام نکلنے بیٹھنے لگا لیکن جب سے اس نے یہ رویہ اختیار کیا تھا تیسرے حملے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

اس وقت بھی وہ ٹیکم گڈھ کے ایک بارونق نائٹ کلب میں بیٹھا رقص کرتے ہوئے جوڑوں کو گھور رہا تھا اور اس راؤنڈ کے خاتمے پر اس کا ارادہ تھا کہ کسی خوبصورت سی لڑکی سے ہم رقص بننے کی درخواست کرے گا۔ لیکن وہ کچھ تھوڑا سا بور بھی ہو رہا تھا۔ کیونکہ قاسم نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اتفاق سے اس وقت قاسم بھی فریدی کی کوٹھی میں موجود تھا۔ جب حمید ٹیکم گڈھ کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ لہٰذا جس دن حمید ٹیکم گڈھ پہنچا اس کے تیسرے ہی دن قاسم بھی وہاں موجود تھا۔ یہ تو اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ حمید کا قیام کس ہوٹل میں ہوگا۔

اس وقت وہ بھی اسی کلب میں موجود تھا لیکن ڈائننگ ہال میں اس کا خیال تھا کہ پہاڑوں پر بھوک اور زیادہ کھل جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی کھوپڑی کھل گئی تھی اور بھوک کھلنے کا مطلب کم از کم اس کے لئے تو یہی ہو سکتا تھا کہ وہ ایک میز دبائے۔ گھنٹوں بیٹھا رہے۔ ریکریئیشن ہال میں کئی تگڑی تگڑی سی لڑکیاں موجود تھیں لیکن بھوک کھل جانے پر اسے کسی تگڑے سے بکرے کی ران کے علاوہ دنیا کی کسی دوسری چیز سے دلچسپی نہیں رہ جاتی تھی۔

مگر حمید تو بور ہی ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ کب محسوس کر بیٹھے کہ اس کا پیٹ بھر چکا ہے اور پھر لڑکھڑاتا ہوا رقص گاہ میں پہنچ جائے، بہت زیادہ کھا جانے کے بعد عموماً اس کی حالت شرابیوں کی

سی ہو جایا کرتی تھی اور شاید وہ کھوپڑی کی بجائے معدے سے سوچنے لگتا تھا۔

حمید نہیں چاہتا تھا کہ قاسم کے معدے کا بار اس کے ذہن پر پڑے۔ لہٰذا اس کی بوریت برحق تھی مگر وہ کرتا بھی کیا۔ یہ ٹیکم گڈھ کا سب سے زیادہ بارونق نائٹ کلب تھا اور یہاں عموماً اونچے ہی قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ ظاہر ہے ان کے ساتھ اتنی ہی اونچی عورتیں بھی آتی ہوں گی۔

انگریزی کی کہاوت ہے کہ شیطان کا خیال آتے ہی شیطان سر پر مسلط ہو جاتا ہے۔ قاسم کے سلسلے میں بھی یہی ہوا۔ اس کے متعلق سوچا ہی تھا کہ وہ اپنے پہاڑ سے وجود سمیت وہاں موجود تھا۔

"ہائیں.... تم اکیلے بیٹھے ہو پیارے۔" اس نے حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے، تمیز سے بیٹھو۔" حمید اس کا ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔

قاسم جھینپ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں اسے خیال پیدا ہوا کہ کہیں حمید کی جھڑکی کسی نے سن نہ لی ہو۔ ورنہ اُسے اس کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ کون اس سے کس لہجے میں گفتگو کر رہا ہے۔

پھر حمید نے اس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

"پیارے آخر ناراض کیوں ہو۔" قاسم خلاف توقع گھگھیایا۔

"او بابا.... کیوں موت آئی ہے۔" حمید چڑھ کر بولا۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کچھ لوگ مجھے قتل کر دینے کے چکر میں ہیں، اگر کوئی گولی تمہاری طرف بھول پڑی تو تمہاری کنواری خانم ہمیشہ کے لئے خوش حال ہو جائیں گی۔"

"میں اُسے کبھی خوش حال نہیں ہونے دوں گا۔" قاسم غرایا۔

"لہٰذا چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"یعنی میں تم کو یہاں خطرے میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ نہیں حمید بھائی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں ان سالوں کا خون پی جاؤں گا کوئی نظر بھی تو آئے۔"

"نہیں تمہاری موت مجھے بہت گراں گذرے گی۔"

"گزرنے دو سالی کو میں موت ووت کی پرواہ نہیں کرتا۔"

"اچھا تو مرو۔" حمید نے جھلا کر میز پر دو ہتھڑ چلایا اور قاسم "ہی ہی" کرتا ہوا بیٹھ گیا۔

دفعتاً مائیکروفون کی موسیقی ایسے معلوم ہونے لگی جیسے بہت سے کتے کے پلے چیخ رہے

ہوں۔ رقص تھم گیا اور لوگ اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے بہت بڑی مصیبت آنے لگی ہو۔

یہ شور بدستور جاری رہا۔ حالانکہ سازندوں نے بھی اپنے ہاتھ روک لئے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ شور کم ہوتا گیا اور کسی نے انگریزی میں کہا، میں ڈاکٹر ہرمین آج پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی تفریحات میں مخل ہوتا ہوں اور میری وجہ سے سارے ملک کی براڈکاسٹنگ میں رخنہ پڑتا ہے۔ مگر پھر بتایئے میں آپ تک اپنے خیالات کیسے پہنچاؤں میں امن کا پجاری ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ سائنس کی ترقی انسانیت کی فلاح کے لئے کام آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا کے بہترین دماغ تخریب کی راہوں سے ہٹ جائیں۔ ایک بار پھر سنئے کہ میں کون ہوں۔ آپ کا خادم ڈاکٹر ہرمین جرمنی کے اُن گنے چنے سائنسدانوں میں سے ہوں جن پر نازی فوج کی ہار جیت کا دارومدار تھا لیکن آپ یقین کیجئے کہ پچھلی جنگ عظیم کی تباہ کاریوں نے مجھے گہرا صدمہ پہنچایا تھا۔ آج بھی اسے یاد کرتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے، پھر جرمنی کی شکست کے بعد جب فاتحین نے جرمنی کی دولت اور زمین کے ساتھ ہی ساتھ آدمی بھی بانٹنے شروع کئے تو میں کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل آیا۔ اب میں مشرق کی پرسکون اور امن پرور فضا میں سانس لے رہا ہوں۔ اگر میں یہاں باقاعدہ طور پر کھلم کھلا کچھ کام کرنا چاہتا تو حکومت مجھے کبھی اس کی اجازت نہ دیتی۔ اجازت دینا تو الگ رہا آپ کی حکومت مجھے قیدی بنا کر ان دو بڑی قوتوں میں سے کسی ایک کے سپرد کر دیتی جنہوں نے جرمنی کو بانٹ لیا ہے۔ بہرحال میں نے تہیہ کیا ہے کہ اب بنی نوع انسانی کے لئے کام کروں گا، میری ایک پیش کش کل ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گی۔ یعنی ٹیکم گڈھ میں.... آپ اس سے خوف نہ کھائیں۔ وہ آپ کا خادم ہو گا لیکن خدارا اسے پکڑنے کی کوشش نہ کیجئے گا ورنہ نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔ بس آپ اس کی خدمات سے فائدہ اٹھایئے۔

پھر سناٹا چھا گیا۔ سازندوں نے ساز چھیڑ دیئے۔ مائیک کام کرنے لگا تھا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ادھر تین ماہ سے اکثر ایسے واقعات رونما ہو رہے تھے۔ سارے ملک میں کسی ڈاکٹر ہرمین کی آواز سنائی دیتی، خیر ریڈیو کا معاملہ تو کسی حد تک معمولی ہی تھا۔ لیکن اس چیز نے خاص طور پر ٹیکنیشنز اور ملکی سائنسدانوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا کہ اس کی آواز مائیکرو فون پر بھی سنائی دیتی تھی۔ مثلاً آپ مائیکروفون پر کسی لیڈر کی تقریر یا کوئی اچھا سا ریکارڈ سن رہے

ہیں کہ یکایک تقریر یا گیت کتوں اور بلیوں کی آواز میں تبدیل ہو جائیں گے اور پھر تھوڑی دیر بعد آپ ڈاکٹر ہرمین کی آواز سنیں گے۔

ڈاکٹر ہرمین۔ یہ نام تقریباً ہر ایک کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا اور پولیس اس پُراسرار آدمی کی تلاش میں تھی۔ محکمہ سراغ رسانی کے بہترین دماغ، دن رات اسی فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ڈاکٹر ہرمین کا ٹھکانہ معلوم ہو جائے خود کرنل فریدی بھی کافی عرصہ اس کے لئے سرگرداں رہ چکا تھا مگر اب اس نے اس کے سلسلے میں دوڑ دھوپ ترک کر دی تھی اور کسی ایسے موقع کا منتظر تھا جب ڈاکٹر ہرمین سے کوئی لغزش ہو جائے۔

اس وقت یہاں اس نائٹ کلب میں بیٹھے بیٹھے حمید نے سوچا کہ اس وقت حقیقتاً ہرمین سے ایک لغزش ہو گئی ہے۔ آخر اس نے اپنی کسی پیش کش کے سلسلہ میں خصوصیت سے ٹیکم گڈھ ہی کا نام کیوں لیا تھا۔

ٹیکم گڈھ کی پہاڑیاں.... حمید نے سوچا اس قسم کے کاموں کے لئے بہت موزوں ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ یہیں کہیں ہو؟ مگر اس کی وہ پیش کش کیا ہو گی؟

"یہ سالا ہرمین...." قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ "کوئی جادوگر معلوم ہوتا ہے قیوں حمید بھائی۔"

پتہ نہیں! حمید نے لاپروائی کے اظہار کے لئے شانوں کو جنبش دی۔

"اماں.... وہ تمہیں یاد ہے.... وہ جو بندروں کو بن مانس بنا دیتا تھا۔ وہ بھی تو سائیٹفک تھا۔"

"سائنٹسٹ....!" حمید نے غرا کر تصحیح کی۔

"اماں تم کیوں پکڑتے ہو میری زبان، جو میرا دل چاہے گا کہوں گا۔ ہاں نہیں تو۔"

رقص پھر شروع ہو گیا تھا۔ حمید کو اس بار بھی موقع نہ مل سکا کہ وہ کسی سے رقص کی درخواست کرتا۔

"آج تو مکھیاں مار رہے ہو۔" قاسم نے کچھ دیر بعد ہنس کر کہا۔

"تمہاری نحوست ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہاری شکل دیکھی اور لڑکیوں کے لئے چغد ہو کر رہ گیا۔"

"تم خود.... چگد.... چغد....!"

"ابے میں اپنے ہی کو تو کہہ رہا تھا۔"

"نہیں تم نے مجھے کہا تھا۔"

"اچھا تمہیں ہی کہا تھا جو کچھ کرنا ہو کرلو۔" حمید نے کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ پھر وہ سیدھا رقاصوں کی بھیڑ میں آیا اور اکیلے ہی ناچنے لگا۔ مگر پوز وہی تھا جیسے کوئی لڑکی اس کے بازوؤں میں ہو۔ بہت سے قہقہے فضا میں لہرائے لیکن حمید کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

قاسم پیٹ پکڑے ہوئے قہقہے لگا رہا تھا۔ پھر جتنے جوڑے بھی رقص کرتے ہوئے حمید کے پاس سے گزرتے اس کی بیچارگی پر افسوس ضرور ظاہر کرتے لیکن جیسے اس سے دور ہوتے اس طرح ہنس پڑتے جیسے ڈھکے چھپے الفاظ میں اُسے کوئی گندی سی گالی دے گئے ہوں۔

دفعتاً ایک لڑکی نے حمید کا راستہ روک لیا۔ یہ تنہا تھی اور شاید گیلری سے اٹھ کر آئی تھی۔

"مجھے افسوس ہے.... میں آپ کے لئے مغموم ہوں۔" اس نے کہا۔

حمید رک گیا اور آہستہ سے بولا۔ "میرا مذاق مت اڑائیے۔ یہ میرا آخری رقص ہے اس کے بعد میں خودکشی کرلوں گا۔"

"نہیں....!" وہ زبردستی حمید کو دوبارہ رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں کھینچ لے گئی۔

یہ ایک متوسط قد اور متناسب الاعضاء لڑکی تھی۔ رنگت چمپئی تھی اور اس کی آنکھیں بڑی اور پرکشش تھیں۔

"آپ تو بہت اچھا ناچتی ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"پتہ نہیں۔" وہ مسکرائی۔ "آپ کے اس طرح اکیلے ناچنے میں کتنی جھلاہٹ تھی۔"

"تو کیا مجھے جھلانا نہیں چاہئے تھا۔"

"قطعی جھلانا چاہئے تھا۔" لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔ "شائد کئی لڑکیوں نے آپ کی درخواست رد کردی تھی۔"

"میں کبھی کسی سے درخواست نہیں کرتا۔"

"بہت مغرور ہیں.... کیوں؟" وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی اور حمید کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اس کی آنکھیں حقیقتاً بہت ہی سحر انگیز تھیں اور ان میں صحیح معنوں میں زندگی کی چمک پائی جاتی تھی۔ حمید نے ایسی آنکھیں بہت کم دیکھی تھیں۔

قاسم جو ابھی تک حیرت سے دیکھ رہا تھا یک بیک اپنی کھوپڑی سے باہر ہوگیا۔ اس نے سوچا

اگر وہ خود بھی اسی طرح تنہا ناچنا شروع کردے تو کوئی تگڑی سی لڑکی یقیناً اس پر رحم کھائے گی۔ وہ جھومتا ہوا اٹھا.... اور اسے ناچنا تو آتا نہیں تھا۔ بس وہ کسی شرابی کی طرح رقص گاہ کے فرش پر لڑکھڑانے لگا۔

دفعتاً ایک سریلی سی چیخ نے اس کے کانوں کے پردے پھاڑ دیئے۔ ایک لڑکی کے پاؤں پر اس کا پاؤں پڑ گیا تھا۔

لڑکی کا پارٹنر اس سے بھڑ گیا اور لوگ بھی دوڑے لیکن قاسم جو بہت اچھے موڈ میں تھا دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "براہِ کرم آپ لوگ دور ہی رہئے ان سے، مجھے اچھی طرح نپٹنے دیجئے میں نے ان کی معشوقہ کو تکلیف پہنچائی ہے۔"

لوگوں نے متحیرانہ انداز میں اس دیوزاد کے الفاظ سنے مگر وہ آدمی برابر اس پر گھونسے برسائے جارہا تھا۔ آرکسٹرا خاموش ہوگیا اور وہاں خاصی بھیڑ ہوگئی۔ قاسم آدمیوں کے اس سمندر میں سب سے اونچا نظر آرہا تھا۔

ڈرائیور کا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ شاید دو فرلانگ چلنے کے بعد ہی فریدی بیچ سڑک پر کھڑا نظر آیا۔ کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی اس پر پڑی اور ڈرائیور کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسری دنیا کا کوئی آدمی ہو۔ اس نے کار اس کے قریب روک دی۔

فریدی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "ٹھیک ہے چلو۔"

وہ فریدی ہی کا ڈرائیور تھا اس لئے اسے اس کے رویہ پر ذرہ برابر بھی حیرت نہ ہوئی۔ وہ اس طرح خاموشی سے آبیٹھا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ نہ چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے اور نہ لباس میں بے ترتیبی تھی۔ فلٹ ہیٹ بھی پہلے ہی کی طرح سر پر موجود تھی۔

ڈرائیور میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ اُس سے کچھ پوچھ سکتا۔ کار فراٹے بھرتی رہی۔ فریدی سوچ رہا تھا شائد انہیں علم ہوگیا ہے کہ اب وہ خود بھی ٹیکم گڈھ جارہا ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ ایئرپورٹ پر بھی ٹکراؤ ہوجائے۔ وہ ان کے لئے اپنے ہاتھوں کے ساتھ ہی ساتھ قانون بھی استعمال کرسکتا تھا۔ مگر وقت کہاں تھا۔ وہ تو اس وقت ٹیکم گڈھ جانا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے معاملے کو طول نہیں دیا تھا۔

ایئر پورٹ کے پھاٹک پر کار رکی۔ یہ جگہ کافی روشن تھی اور یہاں کسی قسم کے حملے کا امکان نہیں تھا۔ فریدی کار سے اترا۔ ایک سادہ لباس والے نے آگے بڑھ کر اُسے سلام کیا۔

"کیوں....؟" فریدی رک گیا۔

"در جن.... یہاں ویٹنگ روم میں موجود ہے جناب۔"

"بہت خوب۔" فریدی کی آنکھیں چمکنے لگیں اور اس نے کہا۔ "میں باہر جارہا ہوں لیکن تم اس پر ہمیشہ نظر رکھنا۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"میری عدم موجودگی میں اس کے متعلق ساری اطلاعات امر سنگھ کو دینا۔"

"بہتر جناب۔"

فریدی نے ڈرائیور کو اشارہ کیا کہ وہ کار واپس لے جائے اور خود اندر چلا گیا۔

یہاں امر سنگھ سیٹ کے ریزرویشن کی رسید لئے اس کا منتظر تھا۔ امر سنگھ ابھی حال ہی میں اس کی ماتحتی میں آیا تھا۔ یہ ایک نوجوان ذہین اور منچلا آدمی تھا۔

"امر یہاں ویٹنگ روم میں در جن موجود ہے۔ میں نے نمبر تین کو اس کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اس کی رپورٹ تم دیکھو گے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"اچھا اب تم جاؤ۔"

"لیکن یہاں در جن کی موجودگی.... جناب! میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے بھی وہ ایک بار آپ سے بدتمیزی سے پیش آچکا ہے۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرایا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"میرا دل تو چاہتا ہے کہ کسی دن اسے شارع عام پر بے عزت کروں۔"

"نہیں.... ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے۔ ہمارا فن ٹھنڈا دماغ مانگتا ہے۔"

امر کچھ نہ بولا۔ فریدی ویٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں اس وقت صرف تین آدمی تھے۔ فریدی نے اُن پر اچٹتی سی نظر ڈالی لیکن یہاں در جن نہیں تھا۔ پھر وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہاں بھی در جن نظر نہ آیا، آخر پھر ریستوران میں اُس سے مڈ بھیڑ ہوگئی۔

یہ ایک قوی ہیکل اور بدصورت آدمی تھا۔ چہرے سے سخت گیر طبیعت کا اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ بڑے اور بھدے تھے۔ ہاتھوں کی بناوٹ سے پتہ چلتا تھا۔ وزنی چیزیں اٹھانے کے عادی ہیں۔ اگر اس کے جسم پر نفیس قسم کا بیش قیمت سوٹ نہ ہوتا تو عام طور پر یہی سوچا جاسکتا تھا کہ وہ کوئی لوہار ہوگا۔

فریدی کو دیکھ کر وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ویسے اس کی آنکھیں نفرت ہی کا اظہار کررہی تھیں۔ فریدی کی مسکراہٹ بھی کسی مغرور آدمی کو غصہ دلانے کے لئے کم نہیں تھی۔

"اگر کہئے تو اس اتفاقیہ ملاقات کو کسی جشن کا رنگ دے دیا جائے۔" اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"نہیں جشن تو اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ میں نہ چاہوں۔ لیکن کسی دن ہوگا ضرور۔"

"کیا آپ کہیں جارہے ہیں۔"

"ہاں آں.... فی الحال ٹیکم گڈھ تک۔"

"کرنل صاحب! میں ایک بار پھر آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اس معاملے میں آپ نہ پڑیئے۔"

"کس معاملے میں۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "میں نہیں سمجھا۔ تمہارا اشارہ کس طرف ہے۔"

"مجھے بے حد افسوس ہوگا اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچا۔"

"اوہو.... میں سمجھا.... تو اس وقت تم یہاں افسوس کرنے کیلئے آئے تھے۔ مگر در جن مجھے افسوس ہے کہ تمہیں افسوس کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ وہ زیادہ سے زیادہ آٹھ یا دس آدمی رہے ہوں گے، کسی دن ایک پوری بٹالین لے کر آنا ممکن ہے تمہیں افسوس کرنے کا موقع مل ہی جائے۔"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"واپسی پر سمجھاؤں گا۔ آج ہی سمجھا دیتا مگر وقت کم ہے۔"

"آپ کی مرضی!" در جن نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

فریدی واپسی کیلئے مڑا ہی تھا کہ وہ پھر بولا۔ "سنئے تو سہی۔ کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے۔"

"قطعی اور آخری۔" فریدی مڑ کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ اُس آدمی کی شخصیت سے بھی واقف ہیں۔"

"قطعی واقف ہوں اور اسی لئے یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"تب تو آپ دیدہ دانستہ کنوئیں میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔" در جن نے کچھ سوچتے ہوئے

کہا۔ "آپ کا پورا محکمہ بے بس ہو جائے گا۔"

"میں بھی جانتا ہوں اور اسی لئے مجھے اس قسم کا فیصلہ کرنا پڑا ہے۔"

"جب آپ کا محکمہ ہی بے بس ہو جائے گا تو آپ کیا کریں گے۔"

"جب میں قانون کو بے بس دیکھتا ہوں تو پھر مجبوراً مجھے ہی قوانین وضع کرنے پڑتے ہیں اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ قوانین کی برتری کس طرح منوائی جاتی ہے۔" فریدی نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

بلی چیختی ہے

جب قاسم پر مکے برسانے والا تھک گیا اور اس کے ہاتھ سست پڑنے لگے تو قاسم نے ہنس کر کہا۔ "اچھا پیارے اب ایک ہاتھ میرا بھی سنبھالو۔"

اس نے اس کے سر پر ایک دو ہتھڑ رسید کیا اور وہ کسی مردہ چھپکلی کی طرح پٹ سے فرش پر گر گیا۔ لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ اس کی ہم رقص بُری طرح چیخ رہی تھی۔ قاسم کو پتہ نہیں کن زبانوں میں گالیاں سننی پڑ رہی تھیں۔ قاسم بھی اب بوکھلا گیا کیونکہ وہ اس کا کوٹ پکڑ کر جھٹکے دے رہی تھی۔

"امب.... امب.... سس سنئے تو سہی.... اچھا.... اچھا.... میں.... دیکھئے" قاسم نے جھک کر بے ہوش آدمی کو گود میں اٹھا لیا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کسی ننھے سے بچے کو گود میں اٹھا لیا ہو۔

حمید اور اس کی ہم رقص بھی اُسی بھیڑ میں موجود تھے لیکن حمید یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا وہ اب بھی کچھ نہ بولا۔

"قق.... قہاں.... لے چلوں۔" قاسم نے بے ہوش آدمی کی ہم رقص سے پوچھا۔

"پولیس سٹیشن....!" وہ دہاڑی۔ "یہاں اتنے لوگ موجود ہیں لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس بدمعاش سے سمجھ سکے۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔"

"اپنی ایسی کی تیسی میں جائے سالا۔" قاسم نے جھنجھلا کر اُسے پھر فرش پر ڈال دیا اور بولا۔

میں نے تو ایک ہی مارا تھا۔"

لوگ پھر ہنس پڑے۔ حالات ہی کچھ ایسے مضحکہ خیز تھے کہ کسی کو بھی بے ہوش آدمی سے ہمدردی نہیں تھی۔

اس کی ہم رقص پھر چیخنے لگی اور حمید آگے بڑھ کر بولا۔ "آپ نے ان صاحب کو پینے سے یوں نہیں روکا تھا۔"

"یہ نشے میں نہیں تھا۔"

"تھا کیوں نہیں اور اس وقت آپ کہاں تھیں جب یہ میرے قطب مینار پر گھونسے برسا رہا تھا۔"

"اے جبان سنبھال کے.... تم خود قطب مینار۔" قاسم سنک گیا۔

"دیکھا آپ نے.... کتنا سادہ لوح اور سیدھا آدمی ہے۔" حمید نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سادہ لوح کسے کہتے ہیں۔" قاسم نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"ختم کرو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم آخر شرابیوں کے منہ لگتے ہی کیوں ہو۔ آؤ... ادھر آؤ۔"

"پولیس.... پولیس....!" بیہوش آدمی کی ہم رقص چیخی۔

"کیا تم اسے جانتے ہو۔" حمید کی ہم رقص نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"ہاں.... یہ میرے سوتیلے دوست کا لڑکا ہے۔" حمید نے کہا اور قاسم کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتا لیتا چلا۔ بیہوش آدمی کی ہم رقص چنگھاڑتی ہی رہ گئی۔

حمید اسے اپنی میز پر لایا اور وہ بیٹھ گئے۔ حمید کی ہم رقص قاسم کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

"کیا قصہ تھا....!" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... میں نے سوچا جیسے اللہ نے تم پر کرم کیا ہے شائد مجھ پر بھی کر دے۔"

"کیا مطلب....!"

"میں بھی اکیلے ہی ناچنے جا رہا تھا۔"

حمید کی ہم رقص ہنس پڑی۔ قاسم کہتا رہا۔ "اس کی معشوقہ کے پیر پر میرا پیر پڑ گیا تھا۔ بس سالا بدک گیا۔ میں نے بھی کہا اچھا بیٹا مار۔ اب تو پھر کیا میں ایک ہاتھ میں نہ مارتا.... واہ بھئی۔"

دوسری طرف کچھ ویٹر بیہوش آدمی کو اٹھا رہے تھے اور اس کی ہم رقص شائد پولیس کو فون کرنے چلی گئی تھی۔

"نہیں! ایک کیا تم دس مارتے مگر اب.... اس نے پولیس کو سچ مچ فون کر دیا تو۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"تو قیا ہوگا۔" قاسم سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں پولیس کے باپ کا چھوٹا بھائی ہوں۔ قیوں حمید بھائی.... ہی ہی ہی۔"

وہ حمید کی ہم رقص کو انکھیوں سے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"اچھا اب بہتر یہی ہے کہ یہاں سے چپ چاپ کھسک جاؤ۔"

"یہ کاسے ہو سکتا ہے۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں.... اس مصیبت میں۔"

"کیوں! مجھ سے اس مصیبت کا کیا سروکار۔"

"ارے واہ.... جب وہ مجھے مکے مار رہا تھا تو اس کے چھرا کس نے مارا تھا؟"

"بکواس مت کرو۔"

"اچھی بات ہے۔" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ "تو اب تم مجھے پھنساؤ گے.... خیر.... چھرا تو تم نے ہی مارا تھا۔"

"چھرا....!" حمید کی ہم رقص نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں۔" قاسم شرارت پر آمادہ ہو گیا۔ "بڑے بھائی کا ہاتھ بڑا سچا ہے۔ بھیڑ بھاڑ میں بھی چھرا مار دیں تو کوئی پتہ نہیں پا سکتا کہ کس نے ہاتھ صاف کیا ہے۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔"

"معاف کیجئے!" حمید کی ہم رقص اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں خواہ مخواہ آپ کی گفتگو میں مخل ہو رہی ہوں۔"

"ارے آپ بیٹھئے.... یہ یونہی.... بب.... بکو.... ا.... س.... چلی گئی.... کیوں ابے لم ڈھینگ تو نے یہ کیا کیا۔"

حمید قاسم پر الٹ پڑا۔ لڑکی جا چکی تھی۔

قاسم پیٹ دبائے بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔

"میں تمہیں رلا دوں گا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"ابھی.... ابھی.... ہی ہی.... تو خود ہی ہی ہی.... رو رہے ہو پیارے.... ہاہاہا۔"

"خاموش رہو، ورنہ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

قاسم ہنستے ہنستے بیدم ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد کمزور آواز میں بولا۔ "میں تمہارا اسی طرح کباڑا کرتا رہوں غا۔ ورنہ میرے لئے بھی ایک ڈھونڈ لیا کرو۔ قیا سمجھے۔"

"تمہارا زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔"

"ہو جائے.... واہ کتنا لطف آیا ہے اس وقت۔"

"لطف کے بچے.... میں دیکھ لوں گا تمہیں۔"

"دیکھ لینا۔" قاسم پھر ہنس پڑا۔ حمید کا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ اُسے اور زیادہ غصہ دلا رہا تھا۔

حمید خاموش ہی رہا اس کی نظریں اب بھی اسی لڑکی کو تلاش کر رہی تھیں وہ اُسے بہت پسند آئی تھی۔ دفعتاً سات یا آٹھ آدمی نظر آئے جو غصے میں بھرے ہوئے اُس میز کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"بیٹے قاسم سنبھلو" حمید نے قاسم کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"قیا....!" قاسم چونک پڑا اور اس کی نظر بھی ان لوگوں کی طرف اٹھ گئی۔ وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

ان لوگوں میں سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "یہی تھے۔"

اور پھر یک بیک وہ سب ان دونوں پر آ پڑے۔

ادھر حمید کے ماتحت جو سادہ لباس میں اس کی حفاظت کرتے تھے وہ بھی دوڑ پڑے۔ وہ بھی تعداد میں آٹھ ہی تھے۔ ان کی وجہ سے حمید کو حملہ آوروں کے نرغے سے نکل جانے میں بڑی مدد ملی اور اُس نے ایک سادہ لباس والے کو اپنی طرف کھینچ کر آہستہ سے کہا۔

"کسی طرح اس بے ہوش آدمی کو یہاں سے ہٹا لے جاؤ۔ یہ لوگ اسی کے بہانے ہم پر آئے ہیں۔"

اس کے بعد حمید دور کھڑا صرف تماشا دیکھتا رہا۔ قاسم نے تین کو لٹا دیا تھا اور اب وہ لوگ اُس سے دور ہی دور رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس جنگ و جدل کی وجہ سے ریکریئشن ہال میں ابتری پھیل گئی۔ کچھ لوگ حمید کے گرد کھڑے ہوئے تھے اُن میں منیجر بھی تھا۔

"کیوں جناب! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" اُس نے غصیلی آواز میں کہا اور کسی کو چیخ کر مخاطب

کیا۔ "پولیس کو فون کرو۔"

"میں کیا جانوں کیا ہو رہا ہے۔ میں تو ازراہ ہمدردی اُس موٹے کو اپنی میز پر لے گیا تھا۔ اگر میرا بھی اس سے کوئی تعلق ہوتا تو آپ مجھے بھی وہیں دیکھتے۔"

اس نے یہ جملہ بلند آواز میں کہا تھا تاکہ قرب و جوار کے لوگ سن لیں اور پھر اُسے بور نہ کریں۔ کسی پبلک مقام پر اس قسم کے ہنگامے وبال جان ہی ہو جاتے ہیں۔ ویسے حمید کا خیال تھا کہ یہ ہنگامہ اس آدمی کی وجہ سے نہیں ہوا جو قاسم کا ہاتھ پڑتے ہی بیہوش ہو گیا تھا بلکہ پچھلے دنوں کے حملہ آوروں نے اس وقت موقعہ سے فائدہ اٹھایا تھا اور اس فکر میں تھے کہ اس کا کام تمام کر کے نکل جائیں۔

قاسم بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہاتھ گھما رہا تھا لیکن اب اتفاق ہی سے وہ کسی کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہوتا تھا کیونکہ وہ لوگ اُس کے سلسلے میں کافی محتاط ہو گئے تھے۔

البتہ حمید کے آدمیوں کو اکثر ایک آدھ ردے کا لطف آ جاتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح قاسم بھی اس بھیڑ سے الگ ہو جائے تاکہ وہ لوگ حملہ آوروں کو قابو کر سکیں لیکن قاسم انہیں بھی دشمن ہی سمجھ کر اپنے کرتب دکھا رہا تھا۔ اُسے علم نہیں تھا کہ حمید کے آدمی یہاں بھی موجود ہیں۔

کچھ دیر تک اسی قسم کی چھوٹ چلتی رہی پھر کچھ مسلح کانسٹیبل اندر گھس آئے اور انہوں نے لڑنے والوں کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

حمید کے ساتھیوں نے ہاتھ روک لئے اور حمید آگے بڑھ آیا۔

"ہتھکڑیاں۔" حمید نے سب انسپکٹر کو مخاطب کیا۔ "سات ہتھکڑیاں۔"

"آپ کون ہیں۔" سب انسپکٹر غرایا۔

حمید نے اپنا شناخت نامہ نکال کر اُسے دکھایا۔ لیکن دفعتاً اسی وقت پورا ہال تاریک ہو گیا۔ مختلف قسم کی آوازیں اندھیرے میں گونجنے لگیں۔ ان میں چیخیں بھی تھیں گالیاں بھی تھیں اور فائر کر دینے کی دھمکیاں بھی۔ پھر ٹارچ کی روشنیاں اندھیرے میں آڑھی ترچھی لکیریں بنانے لگیں۔ پولیس والوں کا گھیرا ٹوٹ چکا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب حملہ آوروں میں سے کسی کا ہاتھ آنا مشکل ہی ہے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہال پھر روشن ہو گیا اور پولیس والوں نے اب قاسم اور حمید کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔ جواب بھی وہیں موجود تھے۔ حمید نے سب انسپکٹر کو بتایا کہ وہ اس کے

آدمی ہیں۔ قاسم کے گرد بھی اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی تھی۔ سب انسپکٹر نے اس سلسلہ میں کچھ کہنا چاہا۔

"بیکار ہے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ سے بنیادی غلطی سرزد ہوئی ہے آپ کو فون پر بلوے ہی کی اطلاع ملی ہوگی۔ لیکن آپ نے احتیاط نہیں برتی۔"

"آئندہ جب کبھی کسی ہوٹل یا نائٹ کلب میں بلوے کی اطلاع ملے تو موقعہ واردات پر پہنچنے سے پہلے کم از کم ایک آدمی مین سوئچ بورڈ کے پاس ضرور چھوڑ دیجئے گا۔"

سب انسپکٹر کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد میدان خالی ہو گیا۔ یعنی پولیس والے ضابطے کی کاروائی کر کے چلے گئے لیکن حمید کا ناطقہ بند ہو گیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اسے واقعہ کی تفصیل معلوم ہو جائے۔ لوگوں کو اس پر بھی حیرت تھی کہ پولیس کسی کو ہاتھ لگائے بغیر ہی واپس چلی گئی۔

منیجر سے ایک بار پھر سامنا ہوا۔

"آپ کون ہیں۔" اس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"میں کوئی بھی ہوں اس سے آپ کو سروکار نہ ہونا چاہئے۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ نائٹ کلب لفنگوں کا اکھاڑا ہے سمجھے جناب۔"

"شروعات تو آپ کے ساتھی ہی نے کی تھی۔"

"ہاں اور اسی لئے کی تھی کہ یہاں کے لفنگے پکڑے جاسکیں لیکن عین وقت پر مین سوئچ آف کرا دینے کی ذمہ داری سراسر آپ پر عائد ہونی چاہئے۔"

"آپ خواہ مخواہ مجھے الزام نہیں دے سکتے۔"

"بس اب تشریف لے جائیے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

منیجر بڑبڑاتا ہوا رخصت ہو گیا۔

پھر حمید نے اپنے اس آدمی کو اشارے سے بلایا جسے اس نے ڈائننگ ہال میں بھیجا تھا۔ "کیا ہوا؟" حمید نے پوچھا۔

سب ٹھیک ہے جناب۔ وہ اس وقت بھی بیہوش تھا جب میں وہاں پہنچا تھا۔ لڑکی موجود تھی۔ میں نے اُس سے کہا کہ کچھ آدمی تمہاری حمائت میں ان لوگوں سے لڑ گئے ہیں اور ان کے بھی کچھ مزید آدمیوں کے آجانے کی وجہ سے اچھا خاصا بلوہ شروع ہو گیا ہے لہٰذا بہتری اس میں

ہے کہ تم اسے لے کر یہاں سے کھسک جاؤ۔ ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔ وہ نروس ہو گئی اور خود میں نے ہی اُس کے لئے ٹیکسی کا انتظام کیا۔ بہر حال پولیس کے آنے سے پہلے ہی میں انہیں کھسکا دینے میں کامیاب ہو گیا۔

"اچھا....!" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ "میں نے جو کچھ سوچا تھا وہ نہ ہو سکا۔ ان میں سے ایک بھی نہ پکڑا جا سکا۔"

"میرے خیال سے تو اب آپ اس طرح باہر ہی نہ نکلا کریں۔"

"کسی عورت کا میک اپ کر کے گھر بیٹھوں.... کیوں؟" حمید غرایا۔

"نن.... نہیں.... جناب.... مطلب....!"

"ختم کرو۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "میں ان کا کم از کم ایک آدمی چاہتا ہوں۔ صرف ایک ہی ہاتھ آجائے۔"

سادہ لباس والا کچھ نہ بولا۔ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔"

پھر وہ قاسم کی طرف متوجہ ہوا جو اس کی میز کے قریب بیٹھا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"تمہاری وجہ سے مجھے ہمیشہ دھکے کھانے پڑتے ہیں۔" حمید بھی بیٹھتا ہوا بولا۔

"قیوں کھاتے ہو دھکے میں نے کب کہا تھا۔ اکیلے ہی نپٹ لیتا سالوں سے۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ "کھانا کھا لینے کے بعد مجھ سے لڑائی بھڑائی نہیں ہو سکتی۔"

"تم آئے کیوں تھے یہاں۔"

"تمہاری دم سے بندھ کر آیا تھا.... اجی واہ.... آئے قیوں تھے.... ابے اللہ کی زمین ہے جہاں چاہیں گے جائیں گے، تم قون ہو ہمیں ٹوقنے.... ٹوکنے والے.... سالا...."

"پھر....!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "پھر بہکے.... کیوں شامت آئی ہے۔ میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ جاؤں گا اور تم کسی کی گولی کا نشانہ بن جاؤ گے۔ جانتے ہو یہ لوگ کون تھے۔"

"اسی سالے کے چچا بھتیجے اور کون، جو ایک تھپڑ بھی نہ سہہ سکا تھا۔"

"بکواس.... یہ وہ لوگ تھے جو اس سے پہلے بھی مجھ پر دوبار قاتلانہ حملہ کر چکے ہیں۔"

"نہیں....!" قاسم تھوک نگل کر رہ گیا۔

"ہاں.... بوڑھے بیٹے۔ ان کی انگلیاں ریوالور کے ٹریگر پر اسی طرح چلتی ہیں جیسے بچے

گولیاں کھیلتے ہیں۔" قاسم نے احمقانہ انداز میں دہرایا اور ٹھیک اسی وقت حمید کی ہم رقص پھر دکھائی دی۔ وہ انہیں کی طرف آ رہی تھی۔

"تمیز سے بیٹھنا....!" حمید نے آہستہ سے کہا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

لڑکی آ کر بڑی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں سا تھا اور آنکھوں میں بے چینی جھلکتی تھی۔

"وہ لوگ اس آدمی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کیا جانیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میں دونوں ہی سے واقف ہوں۔" اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "وہ جو.... وہاں گرا تھا.... جس کے آپ نے چاقو مارا تھا۔"

"ٹھہرئیے.... آپ اس کی باتوں میں آ گئیں۔" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ تو یونہی بکواس کر رہا تھا۔ اگر میں نے چاقو مارا ہوتا تو پولیس مجھے یہاں کیوں چھوڑ جاتی۔"

"آپ کوئی پولیس آفیسر ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "میں نے یہی اندازہ لگایا ہے۔ آپ نے سب انسپکٹر کو کوئی کاغذ دکھایا تھا۔"

"ٹھہرئیے.... آپ نے ابھی کہا تھا کہ آپ اُن لوگوں کو پہچانتی ہیں۔"

"جی ہاں وہ آدمی جو بیہوش ہوا تھا ایک شریف آدمی ہے۔ ایک مقامی کالج میں لیکچرار ہے۔ ایسے واہیات اور لفنگے اس کے ملنے والوں میں سے نہیں ہو سکتے۔"

"آپ ان لفنگوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"آپ پہلے یہ بتائیے کہ آپ پولیس آفیسر ہیں یا نہیں۔"

"نہیں.... ویسے میں ایک شریف آدمی ہوں۔ اس سب انسپکٹر سے جان پہچان ہے۔ میں نے اُسے کاغذ نہیں بلکہ سگریٹ کیس پیش کیا تھا۔"

"تب پھر....!" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں گھر کیسے واپس جاؤں گی۔ یہاں مجھے کوئی بھی نہیں جانتا۔ وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میرے خدا۔"

"آخر اس پریشانی کی وجہ۔"

"وہ اس واقعہ سے پہلے یہاں موجود تھے۔ انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ دیکھا ہوگا۔"

"تو اس سے کیا ہوگا۔ بہتیروں کو انہوں نے میرے ساتھ دیکھا ہوگا۔"

"میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں۔"

"نہیں سمجھائیے.... میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔"

"وہ اپنے دشمن کے ساتھیوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔"

"مگر محترمہ آپ نے اُن کے متعلق اتنی معلومات کیسے فراہم کر ڈالیں۔"

"اف فوہ.... دیکھئے میں بہت پریشان ہوں۔ اچھا یہی سمجھ لیجئے کہ میں انہیں بہت قریب سے جانتی ہوں۔"

"آخر آپ اُن بُرے آدمیوں کو قریب سے کیسے جانتی ہیں۔ میں نے تو آپ کے متعلق بھی یہ اندازہ لگایا تھا کہ آپ ایک اچھی لڑکی ہیں۔"

لڑکی مسکرائی اور اس مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر پائے جانے والے پریشانی کے آثار اس طرح ختم کردیئے جیسے گرد آلود آئینے پر مخمل کا ٹکڑا پھیر دیا جائے۔

"میں یقیناً ایک اچھی لڑکی ہوں.... ہاں کیپٹن کیونکہ ابھی میرا ضمیر مردہ نہیں ہوا۔"

لفظ کیپٹن پر حمید چونک پڑا اور لڑکی مسکرائی اور پھر بولی۔ "میں ان بُرے آدمیوں کے پنجے سے رہائی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے مجھے آج یہاں اسی لئے بھیجا تھا کہ میں تمہیں پھانس کر وہاں لے جاؤں جہاں وہ لوگ چاہتے ہیں لیکن اتفاقاً وہ قصہ اٹھ کھڑا ہوا اور انہوں نے اپنی اسکیم بدل دی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس آدمی کے حمایتی بن کر تمہیں یہیں سب کے سامنے ختم کرکے نکل جائیں گے۔ اس کا موقعہ اس وقت ملتا جب ہال کے سارے لوگ لڑنے والوں کو الگ کرانے کے لئے ہلہ بول دیتے لیکن کسی نے بھی مداخلت نہیں کی تمہارے آدمیوں نے ان کا کھیل ختم کردیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ تمہارے ساتھ اور لوگ بھی ہوتے ہیں۔"

"شکریہ....!" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اب پھر ان کی وہی پہلی اسکیم بروئے کار لائی جائے گی۔ یعنی میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔"

"تم نے بڑا کرم کیا.... ورنہ میں مفت میں مارا جاتا۔"

"ہاں.... بھائی....!" قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "مکدر ہے.... اپنا اپنا۔"

"کیا آپ کرنل فریدی ہیں۔" لڑکی نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید نے بہت بُرا سامنہ بنایا۔ "یہ تو.... یہ تو بس یونہی ہے۔"

"تم خود بس یونہی ہو۔" قاسم میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"خاموش رہو۔" حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور قاسم نہ جانے کیوں خاموش ہی ہوگیا۔ لیکن انداز.... کسی روٹھی ہوئی بیوی کا سا تھا۔

"اچھا تو پھر چلیں....!" حمید نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ٹھہریئے۔ ابھی تو دس ہی بجے ہیں۔ ہم ساڑھے گیارہ بجے وہاں پہنچیں گے۔"

"کیوں....!"

"یہی وقت دیا گیا ہے اور ہاں.... ٹھہریئے۔" وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگئی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ "انہوں نے دو آدمیوں کو یہیں چھوڑ دیا ہے۔ لیکن وہ یہاں سے کافی دور ہیں اچھا دیکھئے یہ جو آپ کے کالر میں گلاب کا پھول لگا ہوا ہے اسے میرے جوڑے میں لگا دیجئے۔ تاکہ انہیں اطمینان ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ میں آپ کو قابو کرنے میں کامیاب ہوگئی ہوں۔"

"اللہ....!" قاسم نے ٹھنڈی سانس کے ساتھ کہہ کر بے چینی سے پہلو بدلا اور لڑکی بیساختہ ہنس پڑی۔

حمید بھی ہنسنے لگا۔ پھر قاسم کی "ہی ہی ہی" بھی چل پڑی۔

"دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"بہت زیادہ۔" حمید بولا۔ "لیکن تم نے اس کی بکواس پر یقین کیسے کرلیا تھا۔ جب مجھ سے واقف تھیں۔"

"بس یونہی تفریحاً۔ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کو اپنی طرف اور زیادہ متوجہ کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت تک میرا یہی خیال تھا کہ ان کی اس اسکیم کو عملی جامہ پہنا ڈالوں۔ مگر پھر.... مجھے وہ ایک سال کی بے بس بچی یاد آگئی جو بارش میں سڑک پر پڑی چنگھاڑ رہی تھی اور اس کی ماں کی پیشانی سے خون ابل ابل کر بارش کے پانی میں بہہ رہا تھا۔"

لڑکی خاموش ہوگئی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بیداری میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو۔

"میں نہیں سمجھا.... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"اوہ.... میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ خون مٹی میں آج بھی محفوظ ہے اور اس وقت تک محفوظ رہے گا جب تک اس میں ان ناپاک آدمیوں کا خون نہ جا ملے جنہوں نے اسے زیرِ زمین پہنچایا تھا۔ آپ نہیں جانتے کہ اس طرح مرنے والی کون تھی۔ وہ میری ماں تھی اور بارش میں تنہا پڑی بلکنے والی بچی میں تھی۔"

"اوہ.... مگر یہ ٹریجڈی ہوئی کیسے تھی۔"

"ایک طویل داستان ہے پھر کبھی بتاؤں گی۔ آپ فی الحال اپنے آدمیوں کو تیار کیجئے کہ وہ آپ کا تعاقب کریں۔ آج کی رات آپ دونوں کے لئے بہت خطرناک ہے۔"

"ہائیں.... میں نے کیا کیا ہے۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

لڑکی اس طرح چونک پڑی جیسے اسے قاسم کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔ اس نے حمید سے پوچھا۔ "کیا یہ قابل اعتماد آدمی ہیں۔"

"ہاں.... تم مطمئن رہو۔ یہ گفتگو اس میز سے آگے نہیں بڑھے گی۔"

"ارے.... اللہ قسم میں بھلا کیوں کسی سے کہنے لگا۔ اب تو مجھے ان سالوں پر زیادہ غصہ آرہا ہے۔"

"خیر....!" لڑکی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "دونوں سے مراد یہ تھی کہ آپ اور کرنل فریدی۔"

"کیوں کرنل فریدی کیوں؟"

"اوہ.... کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ وہ نو بجے والے طیارے سے ٹیکم گڈھ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔"

"نہیں....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ابھی کچھ ہی دیر پہلے ان میں اس کا تذکرہ ہو رہا تھا، کچھ آدمی ہوائی اڈے پر بھی موجود ہوں گے، جو کرنل کا خاتمہ کر سکیں۔"

"میرے خدا.... مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ وہ آرہے ہیں۔"

"آرہے ہیں.... آپ ان کی بھی فکر کیجئے۔"

"یقیناً.... یقیناً.... ٹھہریئے۔"

حمید نے اپنے ایک آدمی کو آنکھوں کے اشارے سے متوجہ کیا اور خود اٹھ کر پیشاب خانوں

کی طرف چلا گیا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

لڑکی قاسم سے اس کے متعلق پوچھنے لگی اور قاسم نے بتایا کہ وہ واقعی بہت دلچسپ آدمی ہے۔ منہ سے لوہے کے گولے نکال سکتا ہے۔ موٹی موٹی سلاخیں موڑ سکتا ہے۔ اپنے سینے پر وزنی پتھر تڑوا سکتا ہے۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ وہ حمید کے ساتھ جانے سے احتراز کرے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ قاسم سر ہلا کر بولا۔ "ایسے خطرناک حالات میں میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ میں خود مر جاؤں گا مگر اسے نہیں مرنے دوں گا۔ اس سے زیادہ پیارا دوست ملنا مشکل ہے۔"

"اس میں انہیں کی بھلائی ہے۔ ممکن ہے آپ کی وجہ سے کام بگڑ جائے۔"

"میں لڑائی بھڑائی میں کس سے کم ہوں۔"

"لڑائی بھڑائی کے بغیر کام نکالنا ہے۔"

اتنے میں حمید بھی واپس آ گیا۔ قاسم نے اُس سے کہا کہ وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ اس پر لڑکی بولی۔ "انہیں سمجھایئے ورنہ ہو سکتا ہے کہ ہم کامیاب نہ ہو سکیں۔"

"قاسم! میں تمہاری محبت کے لئے شکر گذار ہوں لیکن اس معاملے میں ضد نہ کرو۔"

بدقت تمام وہ قاسم کو اس پر آمادہ کر سکے کہ وہ ان کے ساتھ نہ جائے۔ حمید سارے انتظامات مکمل کر چکا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو سمجھا دیا تھا کہ جب اس کا تعاقب شروع کر دیا جائے تب وہ اپنی جگہوں سے جنبش کریں۔ لڑکی کے بیان کے مطابق دو آدمی اب بھی وہاں موجود تھے۔ وہ یقینی طور پر تعاقب کرتے۔ ساڑھے گیارہ بجے وہ اٹھ گئے۔

دو بجے رات کو طیارہ ٹیکم گڈھ کے ہوائی اڈے پر اترا۔ فریدی نے سوچا کہ باہر جانے سے پہلے اُسے کم از کم ایک کپ کافی ضرور پینی چاہئے۔ جہاز پر اسے اچھی کافی نہ ملی تھی۔ اس نے ویٹنگ روم کا رخ کیا۔ لیکن تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد اسے رک جانا پڑا۔ کیونکہ جو آدمی لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا اس کی طرف آرہا تھا کوئی اجنبی نہیں تھا۔ یہ انہیں لوگوں میں سے تھا جو کیپٹن حمید کے ساتھ ٹیکم گڈھ آئے تھے۔ اس نے قریب آکر سلام کیا۔

"کیوں؟ کیا بات۔" فریدی نے حیرت سے کہا کیونکہ اس نے حمید کو اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی۔

"یہاں آپ کے لئے خطرہ ہے جناب.... کیپٹن نے کہلوایا ہے۔"

"اُسے میری آمد کی اطلاع کیسے ہوئی۔"

"پتہ نہیں جناب.... انہوں نے مجھ سے یہ نہیں بتایا۔"

"وہ اس قت ہے کہاں۔"

"میں انہیں سنگیت نائٹ کلب میں چھوڑ آیا تھا۔ مگر اب شاید وہ وہاں نہ ملیں۔ مجھ سے انہوں نے یہی کہا تھا کہ وہ ساڑھے گیارہ بجے کہیں چلے جائیں گے۔"

"کہاں چلے جائیں گے۔"

"یہ بھی نہیں بتایا جناب۔"

"اس پر پھر کوئی حملہ تو نہیں ہوا۔"

"جی ہاں.... آج ہی ہوا تھا۔ وہیں سنگیت نائٹ کلب میں۔ لیکن حملہ آوروں کے کسی ساتھی نے ٹھیک اس وقت مین سوئچ آف کر دیا جب پولیس انہیں گرفتار کرنے جا رہی تھی۔"

وہ ویٹنگ روم میں پہنچ گئے تھے۔

"بیٹھو....!" فریدی نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر کے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "پھر اس کے بعد کیا ہوا۔"

"پھر وہی لڑکی کپتان صاحب کی میز پر آ گئی جس کے ساتھ وہ ناچتے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ ٹیکم گڈھ تشریف لا رہے ہیں، اور خدانخواستہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"خطرے کی نوعیت....!"

"بہر حال اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔"

"قیام نشاط ہی میں ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! سولہویں کمرے میں اور ہم لوگ مختلف مقامات پر ٹھہرے ہیں۔"

فریدی نے ایک ویٹر کو بلا کر کافی کے لئے کہا اور اس کی تیاری کے متعلق چند ہدایات دیں۔
پھر ویٹر کے چلے جانے پر سادہ لباس والے سے بولا۔ "کیا وہ اس لڑکی کے ساتھ کہیں گیا ہوگا۔"

"جی ہاں قرینے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے کوٹ کے کالر سے گلاب نکال

اسکے جوڑے میں لگایا تھا اور ہاں ایک لمبا موٹا اور بے ڈول آدمی بھی ان کے ساتھ لگا رہتا ہے۔"

"اوہ.... وہ بھی ہے۔" فریدی کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

"جی ہاں.... میرا اندازہ ہے کہ کپتان صاحب اس کی موجودگی پسند نہیں کرتے لیکن وہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "آخر اُسے کیسے علم ہوا کہ میں آ رہا ہوں۔"

"پتہ نہیں جناب مجھے بھی حیرت ہے۔"

اب اس نے شروع سے وہ داستان دہرانی شروع کی کہ سنگیت نائٹ کلب کے ہنگامے کی روعات کیسے ہوئی تھی۔ فریدی کو حمید پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔ آخر ایسے حالات میں نائٹ بوں کی تفریحات کیوں جاری ہیں اور وہاں سے قاسم کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔

"کیا وہ لڑکی پہلے بھی کبھی حمید کے ساتھ دیکھی گئی تھی؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں جناب ہم نے تو نہیں دیکھا۔"

اتنے میں کافی آ گئی اور ویٹر نے دونوں کے درمیان ایک چھوٹی سی میز کھسکا کر اس پر ٹرے کھ دی۔ لیکن اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے، اور آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ ریدی اُسے بہت غور سے دیکھنے لگا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔

"صاحب! آج کی دنیا میں رہنے سے بہتر ہے کہ آدمی کنوئیں میں پھلانگ لگا دے۔" ویٹر نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"کیوں! کیا ہوا بھئی۔"

"صاحب! اس لفظ 'ساری' سے اتنی جان جلتی ہے کہ بس گردن کاٹ کر کہیں گے 'ساری' چلئے کوئی بات ہی نہیں آگے بڑھ گئے۔ اب اسی وقت لاٹ صاحب کے بچے میرے پیر پر چڑھ گئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ناک میں بھی انگلی گھسیڑ دی، جب تک میں سنبھلوں ساری کہہ کر چلتے بنے۔ بچ گیا ورنہ ان برتنوں کا خون اپنی گردن پر ہوتا۔"

"اوہ....!" فریدی نے تشویش کن انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"اور کچھ چاہئے جناب۔"

"نہیں...!" فریدی نے کہا اور کافی کی ٹرے کی طرف دیکھنے لگا۔ ویٹر دوسری طرف چلا گیا۔

سادہ لباس والے نے ٹرے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہرو...!" فریدی نے آہستہ سے کہا پھر مسکرا کر بولا۔ "خدا مجھے ابھی زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ دودھ بھی زندہ نہیں چھوڑے گا اگر اس کا ایک قطرہ بھی حلق سے اُتر گیا۔"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"ہو سکتا ہے کہ کوئی اس ویٹر سے جان بوجھ کر ٹکرایا ہو۔ دودھ کے برتن پر ڈھکن نہیں ہے۔ ٹکراتے وقت کوئی چیز اس میں بہ آسانی ڈالی جا سکتی ہے۔"

"اوہ...!" سادہ لباس والے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"مناسب یہی ہے کہ ہم یہاں کچھ نہ کھائیں پئیں.... اوہو.... دیکھو.... وہ ایک بلی ادھر کھڑکی میں بیٹھی ہوئی ہے.... دودھ کا برتن اٹھا کر نیچے رکھ دو۔"

سادہ لباس والے نے ایسا ہی کیا۔ اُس کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، بلی کھڑکی سے کود کر تیر کی طرح دودھ کے برتن کی طرف آئی۔ وہ اُسے دودھ پیتے دیکھتے رہے پھر یک بیک بلی نے چیخنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔ بلی کی چیخیں سن کر کچھ لوگ اندر آ گئے تھے ان میں وہ ویٹر بھی تھا جس نے کافی میز پر لگائی تھی۔ فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

وہ لڑکی

حمید کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ جب اس نے کار کے باہر چھ آدمیوں کو ریوالور لئے ہوئے دیکھا۔ ریوالوروں کی نالیں کار ہی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

حمید نے لڑکی کا شانہ چھو کر آہستہ سے کہا۔ "یہ کیا ہوا۔"

"تمہارے آدمی کہاں رہ گئے۔" لڑکی بڑبڑائی۔

"پتہ نہیں۔"

"تب پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ایک نہیں چھ ریوالور ہیں۔"

دفعتاً ایک آدمی نے کار کا دروازہ کھولا اور حمید کو گریبان سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ قدرت کی طرف سے حمید کو ایک شاندار موقع ملا تھا لہٰذا وہ اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتا۔ اس نے نیچے اترتے اترتے کالر پکڑنے والے کے پیروں میں اپنا داہنا پیر ڈال دیا۔ وہ لڑکھڑا کر حمید پر آ پڑا اور حمید نے اُسے دبوچ کر ریوالور والوں کے سامنے کر دیا اور مسکرا کر بولا۔ "بعض حسرتیں دل ہی میں رہ جاتی ہیں۔ اس طرح گولی مارو کہ اس کے سینے کے پار ہو کر میرے کلیجے کے پار ہو جائے۔ ورنہ میں تم سبھوں کا بیڑہ کھڑا کھڑا پار کر دوں گا۔ کیا سمجھے۔"

"چھوڑو.... اسے چھوڑ، ورنہ ہم سچ مچ تمہیں یہیں ختم کر دیں گے۔" ان میں سے کسی نے غرا کر کہا۔

"یہاں ختم کر دیا گھر لے جا کر.... یہ اب نہیں چھوٹ سکتا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ تم سب اپنے اپنے ریوالور پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

یہاں چاروں طرف اونچی نیچی چٹانوں کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ کار ایک ویرانے میں رُوکی گئی تھی۔

حمید کوشش کر رہا تھا کہ وہ اسے نرغے میں نہ لینے پائیں۔ اس سے پہلے ہی وہ اس آدمی کو پرے دھکیل کر کسی چٹان کی آڑ لے لینا چاہتا تھا۔

"دیکھتے کیا ہو۔" کسی نے گرج کر کہا۔ "ان دونوں کو زبردستی الگ کر دو۔"

حمید تو چاہتا ہی تھا کہ دو ایک اور قریب آ جائیں، جیسے ہی دو آدمی اس کی طرف بڑھے۔ اس نے اپنے شکار کو ان پر دھکیل دیا۔

اس طرح وہ سب کے سب ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئے اور حمید نے بے تحاشہ نشیب میں چھلانگ لگا دی۔ یہ سوچے اور دیکھے بغیر کہ وہاں سے زمین کی سطح کتنی نیچی ہے۔ شائد وہ ان میں سے کسی کی گولی سے مرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

اس کے پیر زمین سے ٹکرائے اور وہ گرتے گرتے بچا، اس کے چھلانگ لگاتے ہی تین فائر ہوئے تھے۔ لیکن اب تو وہ ایک چٹان کی آڑ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اطمینان سے ریوالور نکالا اور نئے حملے کا انتظار کرنے لگا۔

شائد ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سڑک سے نشیب میں اتر سکتے اور غالباً انہیں یقین نہیں تھا کہ حمید دور نکل گیا ہوگا۔

کچھ دیر بعد تاروں کی چھاؤں میں حمید کو سڑک پر ایک سایہ نظر آیا لیکن وہ سایہ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ یکایک کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور چشم زدن میں نہ جانے کتنی دور چلی گئی۔ یہ کار دراصل ٹیکسی تھی اور اس کا ڈرائیور اس اچانک واقع پر بوکھلا گیا تھا لیکن حالات بدلتے دیکھ کر اس نے نکل بھاگنے میں سستی نہیں دکھائی۔

حمید سوچ رہا تھا کیا اس لڑکی نے دھوکا دیا، مگر خود اس کے آدمی کہاں مر گئے تھے اور وہ کار کیا ہوئی جس پر وہی دونوں آدمی موجود تھے جن کے متعلق لڑکی نے نائٹ کلب میں بتایا تھا، انہوں نے کلب سے روانہ ہوتے ہی تعاقب شروع کردیا تھا۔ حمید انہیں راستے بھر دیکھتا آیا تھا۔ مگر اب ان کی کار کہاں تھی۔

اُسے یقین تھا کہ اس کار کے پیچھے اس کے آدمیوں کی گاڑی ہوگی۔

دس منٹ گذر گئے، نہ کوئی اوپر سے نیچے آیا اور نہ فائر ہوا۔ یہ صورت الجھن میں ڈالنے والی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اب بھی سڑک پر موجود ہوں اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ چوروں کی طرح کسی اور جگہ سے نشیب میں اترنے کی کوشش کر رہے ہوں تاکہ اسے گھیرے میں لے سکیں۔ دوسری صورت یقیناً صبر آزما ہوتی۔

حمید فوری طور پر فیصلہ نہ کرسکا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اس کے پاس ٹارچ بھی نہیں تھی کہ وہ سڑک چھوڑ کر کھائیاں اور نالے پھلانگنا شروع کردیتا۔ ایک بار تو مقدر نے ساتھ دیا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ دوسری حماقت بھی زمین ہی پر رکھتی۔

اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی تھا، لیکن اس نے جھک کر ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور ان لوگوں کی موجودگی یا عدم موجودگی کا اندازہ کرنے کے لئے اسے سڑک پر اچھال دیا۔ پتھر گرنے کی آواز اس نے صاف سنی لیکن پھر نہ تو اس کو قدموں کی آوازیں ہی سنائی دیں اور نہ دوسری طرف سے اس پر کوئی جوابی کاروائی ہوئی۔

پھر بھی وہ مطمئن نہیں ہوا۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے فیصلہ کیا کہ اسے ٹٹول ٹٹول کر نیچے ہی اترنا چاہئے، ممکن ہے رات بسر کرنے کے لئے کوئی معقول سی جگہ مل جائے۔ اب اس وقت شہر کی

انب رخ کرنا ممکنات ہی میں سے تھا، اول تو پتہ نہیں وہ شہر سے کتنی دور نکل آیا تھا۔ دوسرے شیب میں اتر جانے کے بعد سمتوں کا تعین کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا اور سمتوں کا تعین ئے بغیر شہر پہنچنا مشکل تھا۔

وہ بہت احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔ تھوڑی ہی دور چلا ہوگا کہ کسی کی سرگوشی پر چونک پڑا۔

"کون ہے؟"

سرگوشی کے ساتھ ہی خوشبو کی لپٹوں نے اس کا دماغ معطر کردیا، خوشبو اس کے لئے نئی نہیں تھی۔ کچھ ہی دیر پہلے اسی قسم کی خوشبو اس کے ذہن میں گونجتی رہی تھی۔

"میں ہوں۔" حمید نے بھی سرگوشی کی۔

"ٹھہرو.....!" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اب کیا ہوگا۔"

قبل اس کے حمید کچھ کہتا ایک سایہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ خوشبو کی لپٹیں کچھ اور تیز ہوگئیں۔ یہ اس لڑکی کے علاوہ اور کون ہوسکتا تھا جو حمید کو یہاں تک لائی تھی۔

"کون کیپٹن۔"

"نہیں! اب اس وقت میرا عہدہ کافی بڑھ گیا ہے اور تم مجھے کیپٹن کے بجائے میجر کہہ سکتی ہو۔ حالانکہ لفظ میجر سے کسی بہت لمبی ڈاڑھی کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے مگر خیر.... تم جیسی وفادار دوست کے لئے میں یہ بھی برداشت کرسکتا ہوں۔"

"اوہ.... تم شائد کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے ہو۔" لڑکی نے کہا "یقین کرو یہ ساری مصیبت محض اس لئے آئی کہ تمہارے آدمی وقت پر وہاں نہیں پہنچ سکے۔" وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"تم پہلے اپنی سانسیں درست کرلو پھر گفتگو کرنا۔ اتنی دیر میں، میں یہ بھی دیکھ لوں گا کہ سڑک پر کتنے آدمی موجود ہیں کیونکہ میں غفلت میں مارا جانا بالکل پسند نہیں کرتا۔"

"وہاں اب کوئی بھی نہیں ہے۔ یقین کرو وہ دم دبا کر بھاگ گئے۔ تم سے بہت بُری طرح خار بھی کھاتے ہیں اور خائف بھی ہیں۔ کیونکہ یہ ان کا چوتھا ناکام حملہ تھا۔"

"مگر تم کیوں رک گئی ہو، کیا وہ تم سے جواب نہیں طلب کریں گے۔"

"نہیں وہ سمجھتے ہوں گے کہ ٹیکسی ڈرائیور مجھے بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ لیکن میں ٹیکسی سے اس طرح اتری تھی کہ ڈرائیور کو بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔"

"میں نے پوچھا تھا تم رک کیوں گئیں۔"

"اس ہنگامے میں پھر اور کیا کرتی۔"

"تم ان کے ساتھ بھی جا سکتی تھیں۔"

"میں اس ویرانے میں ان پر اعتماد نہیں کر سکتی تھی۔"

"مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تم دن رات ان کے ساتھ رہتی ہو۔"

"یہ قطعی غلط ہے۔ ان میں صرف ایک آدمی ایسا ہے جس کے ساتھ میں رہتی ہوں۔ اس نے میری پرورش کی تھی اور بیٹی کی طرح عزیز رکھتا ہے۔"

"خوب اور تم سے اسی طرح کے کام بھی لیتا ہے۔"

"کوئی پناہ لینے کی جگہ تلاش کرو۔ پیارے کیپٹن طنز پھر کرنا۔" لڑکی نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "ورنہ ابھی یہاں آدمی ہی آدمی نظر آئیں گے۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ انہوں نے تمہارا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔ وہ اس وقت تمہیں اس ویرانے سے باہر نہیں جانے دیں گے۔"

"جب تک مجھ میں آخری سانس باقی رہے گی، وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔"

"وقت برباد نہ کرو... چلو۔" لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹنے لگی۔ حمید چلتا رہا۔ اسے لڑکی کی رفتار پر بھی حیرت ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان اونچے نیچے راستوں پر چلنے کی عادی ہو۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک چلتے رہے پھر ایک جگہ لڑکی رک گئی۔

"آؤ میں تمہیں ایک پناہ گاہ بتاؤں۔"

پھر وہ ایک غار میں اترتے چلے گئے جسے چاروں طرف سے اُبھری ہوئی چٹانوں نے گھیر رکھا تھا۔ لڑکی نے اپنے وینٹی بیگ سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال لی تھی۔

غار کیا یہ ایک تنگ سا راستہ تھا جس میں وہ دونوں برابر سے نہیں چل سکتے تھے۔ آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ ایک کشادہ سی جگہ پہنچ گئے۔ غار نے کافی پھیلاؤ اختیار کر لیا تھا۔

حمید نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ غار پہلے ہی سے آباد رہا ہو۔ روزمرہ کے استعمال کی بہتیری چیزیں یہاں نظر آئیں۔ ایک طرف پیال کا ایک بستر بھی پڑا ہوا تھا۔

"کیا اب اس غار میں بند کر کے مارنا ہے۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اس نے ٹارچ بجھا کر دیا سلائی کھینچی اور ایک مومی شمع روشن کر دی پھر ہنس کر بولی۔ "ہاں اب تم اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو۔ تھوڑی دیر بعد میں ریوالور بھی نکال لوں گی۔"

حمید پیال کے بستر پر بیٹھ گیا۔

"یہ میری لائبریری ہے۔" لڑکی چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"خوب.... مگر مجھے یہاں کتابیں تو کہیں بھی نہیں نظر آئیں۔"

"کتابیں.... کیا میں خود ہی ایک کتاب نہیں ہوں۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی علم نہیں ہے کہ آدمی کو سمجھنے کی کوشش کرے۔"

"آہا.... ایسی بات۔"

"قطعی.... میں یہاں تنہائی میں خود کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"اس کے برعکس مجھے ہنگاموں کے علاوہ اور کہیں عقل نہیں آتی۔"

"میں تم میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں محسوس کرتی، تم قانون کے نام پر خون بہاتے ہو اور وہ خود قانون کا خون بہاتے ہیں۔"

"کیا تم مجھے یہاں فلسفہ پڑھانے لائی ہو۔"

"اگر پڑھ سکو تو میں اپنے لئے باعث فخر سمجھوں گی۔"

"انہیں تمہاری اس لائبریری کا علم ہے۔"

"نہیں کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں نے یہاں اور بھی ایسے ہی کئی ٹھکانے بنا رکھے ہیں جن کا علم میرے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔"

"ان لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو تمہارے لئے ٹھنڈی آہیں بھرتا ہو۔"

"کئی ہیں.... لیکن وہ بابا سے بہت ڈرتے ہیں۔"

"یہ بابا کون بزرگوار ہیں۔"

"وہی جنہوں نے میری پرورش کی تھی۔ وہ بھی ان لوگوں سے بہت متنفر ہیں لیکن تم یہ نہ سمجھنا کہ انہیں اس پیشے سے بھی نفرت ہے، وہ بہت پرانے اسمگلر ہیں۔ انگریزوں کے وقتوں کے، مگر اب انہیں نئے اسمگلروں سے بڑی نفرت ہو گئی ہے کیونکہ یہ اس فن سے ناواقف ہیں۔"

"ہائیں.... کیا اسمگلنگ بھی فن ہے۔"

"کیوں نہیں۔ فن کسے کہتے ہیں۔ کسی کام کا سلیقہ ہی فن کہلاتا ہے۔ اب یہ کام سلیقے سے نہیں کیا جاتا اس لئے فن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تمہارے بابا کی دانست میں اسمگلنگ کا فن کسے کہتے ہیں۔"

"دوہری زندگی۔" لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بندرگاہ کے لوگ بابا کو ایک غریب کشتی راں سمجھتے تھے لیکن شہر میں ان کی تین تین کوٹھیاں تھیں اور وہ ایک معزز آدمی سمجھے جاتے تھے اور جب وہ کشتی رانی کرتے تھے تو ان کے جسم پر چیتھڑوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اکثر وہ چھ چھ ماہ انہیں چیتھڑوں اور دال دلیا میں نکال لے جاتے تھے خود ان کا بیان ہے کہ بعض اوقات تو انہیں ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے وہ سچ مچ کوئی غریب ملاح ہیں۔ ان کی دانست میں یہ تھا اسمگلنگ کا فن کہ آدمی کی دونوں شخصیتوں میں سے کسی ایک کا بھی راز نہ کھل سکے۔"

"اچھا تو کیا اب بھی ان کی دارالحکومت میں تین کوٹھیاں ہیں۔"

"نہیں زمانے کے انقلاب نے ان کے کس بل بھی نکال دیئے اب وہ قطعی گمنام شخصیت باقی رہ گئی ہے اب وہ صرف ایک غریب ملاح ہیں۔"

"لیکن تم مجھے سب کچھ کیوں بتا رہی ہو۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیا تمہیں اپنے بابا کی گرفتاری پر افسوس نہ ہوگا۔"

"میں دراصل یہ چاہتی ہوں کہ وہ شریف آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگیں۔ اُس کمینے آدمی کی ملازمت ترک کردیں جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"کیا مطلب....!"

"اب وہ ایک آدمی کے ملازم ہیں جس نے خود ہی انہیں تلاش کرا کے ملازم رکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے وہ قطعی آزاد تھا، یعنی یہ خود ہی کاروبار کرتے تھے اور نفع آپس میں برابر بانٹ لیتے تھے لیکن انگریزوں کے جاتے ہی ان کا کاروبار تباہ ہوگیا اور پھر مالی اعتبار سے اتنے کمزور ہوگئے کہ انہیں ایک بہت بڑے سمگلر کی ملازمت کرنی پڑی لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔"

اوہو تو تمہارے بابا کے تئیں وہ فنی اعتبار سے کیسے ہیں۔

"انہوں نے اس کے متعلق کبھی کوئی خیال نہیں ظاہر کیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ بہت

زیادہ سائنٹیفک ہے۔ اُسے ذرہ برابر بھی محنت نہیں کرنی پڑتی لیکن کاروبار کا سارا نفع اسے پہنچتا ہے اور وہ اس کا کچھ حصہ ان لوگوں کے سامنے اس طرح پھینک دیتا ہے جیسے کتے کو ٹکڑا ڈالا جائے۔"

وہ خاموش ہو کر کلائی کی گھڑی دیکھنے لگی پھر بولی۔ "دو بجے کرنل فریدی کا جہاز ایئرپورٹ پر پہنچے گا۔ دیکھو ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"میں ان کا ایک حقیر ترین شاگرد ہوں بس اسی سے اندازہ کرلو۔"

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اُن کے لئے زہر کی تجویز تھی۔"

"نہیں....!" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

"اسکیم یہ تھی کہ ایئرپورٹ سے مسافروں کو لے جانے والی گاڑیوں میں پہلے ہی سے کچھ نہ کچھ نقص پیدا کردیئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ مسافروں کو ان کی درستگی کا انتظار کرنا ہی پڑتا ہے۔ ایسے مواقع پر مسافروں کو کافی ضرور پیش کی جاتی ہے اور کافی کرنل کا پسندیدہ مشروب ہے.... ہاں تو کافی میں زہر.... کیا سمجھے۔"

"تم نے وہیں کیوں نہیں بتایا تھا۔" حمید مضطربانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے۔ مائی ڈیئر کپتان صاحب۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔ "تم یہ مت سمجھنا کہ مجھے تم لوگوں سے ہمدردی ہے۔ میں تو دراصل اس گروہ کو تباہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"لیکن ہماری مدد کئے بغیر تم کبھی کامیاب نہ ہوسکو گی۔" حمید نے کہا۔

"اُسی لئے تو میں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے اگر انہیں میری اس حرکت کا علم ہوجائے تو شائد میں دوسرے لمحے میں سانس بھی نہ لے سکوں۔"

"بہرحال تمہاری کامیابی کا انحصار صرف کرنل فریدی کی زندگی پر منحصر ہے۔"

"تمہاری زندگی پر کیوں نہیں ہے.... ڈیئر کیپٹن مکی ماؤس۔" لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔

"میں کھوپڑی کا استعمال بہت کم کرتا ہوں۔"

"تو کیا وہ کرنل کی کھوپڑی تھی جس نے سرخ غبارہ اڑایا تھا۔"

"نہیں وہ تو سو فیصدی میری ہی کھوپڑی تھی۔ ویسے کبھی کبھی چل بھی جاتی ہے۔ دیکھو مجھے باتوں میں مت الجھاؤ۔ مجھے فوراً واپس جانا چاہئے۔"

"اوہو! مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ تمہاری آخری رات نہ ہو۔"

"ہر رات میری آخری رات ہوتی ہے لیکن دوسرے ہی دن پھر کسی نئی لڑکی سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ میں تو اب تنگ آگیا ہوں کسی ایسی جگہ جانا چاہتا ہوں جہاں لڑکیاں نہ ہوں۔"

"سب سے قریب کی جگہ قبر ہے کپتان صاحب، دنیا کی سڑی سے سڑی لڑکی بھی تمہاری قبر میں داخل ہونا پسند نہ کرے گی۔"

"حالانکہ قبر کا راستہ بھی مجھے کوئی لڑکی ہی دکھائے گی۔ اے لڑکی خدا کے لئے کوئی تدبیر کرو کہ میں جہاز کے لینڈ کرنے سے پہلے ہی ایئر پورٹ پہنچ جاؤں اچھا تم اتنا ہی بتادو کہ شہر یہاں سے کتنی دور ہوگا۔"

"صرف دس میل....!"

"میرے خدا پیدل چل کر تو صبح تک بھی نہ پہنچ سکوں گا۔"

"ٹھہرو! مجھے سوچنے دو۔" لڑکی کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ "میں اس ویرانے میں تمہارے لئے بھی کار مہیا کر سکتی ہوں اور موٹر سائیکل بھی، لیکن میں تمہیں موت کے منہ میں نہیں جھونکنا چاہتی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب انہوں نے منظم طور پر تمہاری تلاش شروع کر دی ہوگی۔"

"کرنل کی زندگی میری زندگی سے زیادہ قیمتی ہے تم اس کی پرواہ مت کرو۔"

لڑکی کچھ دیر کے لئے غار سے چلی گئی۔ حمید اس کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے واپس آکر بتایا کہ ابھی تک چاروں طرف سناٹا ہی محسوس ہو رہا ہے دوسری بار وہ حمید کو بھی غار سے نکال لے گئی۔ پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد ایک غار میں داخل ہوئے اور یہاں پہنچ کر حمید کی آنکھیں کھل گئیں، شاید یہ اسمگلروں کا اسلحہ خانہ تھا۔ یہاں اُسے گیارہ عدد موٹر سائیکلیں بھی نظر آئیں۔

"میں تمہارا شکر گذار ہوں اور تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ تمہارا نام کیا ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"میں.... میرا نام.... نیلم ہے بس اب چپ چاپ کھسکو، چلو میں تمہیں وہ راستہ بھی دکھادوں جس سے تم بہ آسانی سڑک پر پہنچ سکو گے۔ لیکن خدارا سڑک پر پہنچے بغیر موٹر سائیکل اسٹارٹ نہ کرنا ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ ان کا کوئی آدمی

آس پاس موجود نہ ہو۔ خیر تم نے وعدہ کیا ہے کہ تم نیلم کو یاد رکھو گے۔"

بلی کی چیخ نے بہتیروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ مگر اب تو وہ بلی کی لاش تھی۔ لوگ فریدی سے اس کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور فریدی جلد از جلد نشاط ہوٹل پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ ویٹر بھی اب وہیں موجود تھا جس نے کافی میز پر لگائی تھی۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرات نظر آنے لگے تھے لیکن فریدی نے اس کی طرف دوبارہ نہیں دیکھا۔

اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ بلی کیسے مری تھی۔

پھر وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ حمید بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نظر بلی ہی پر پڑی جس کے قریب دودھ کا برتن ابھی تک فرش ہی پر موجود تھا۔

"ویری فائن....!" وہ بیساختہ ہنس پڑا۔

فریدی نے آنکھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کی تاکید کی اور اس طرح لپک کر اُس سے ملا جیسے اُسے اس کا ہی انتظار رہا ہو۔

حقیقت یہی تھی کہ ابھی سارے مسافر ایئر پورٹ ہی پر موجود تھے۔ کیونکہ اس وقت سروس میں صرف دو گاڑیاں تھیں اور دونوں ہی میں کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی اور یہ وہی وقت تھا جب مینجمنٹ کی طرف سے مسافروں کا غصہ کم کرنے کے لئے کافی تقسیم کی جا رہی تھی۔

"چلئے....!" حمید نے آہستہ سے کہا۔ مجھے علم ہے کہ گاڑیاں خراب ہو گئی ہیں، میں آپ کو موٹر سائیکل پر نشاط لے چلوں گا اور بیگ انہیں دے دیجئے۔"

حمید نے سادہ لباس والے کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی اُسے اپنا سفری بیگ دے کر اٹھ گیا۔ لیکن وہ ویٹر کو کافی کی قیمت ادا کرنا نہیں بھولا تھا۔

حمید موٹر سائیکل چلا رہا تھا اور فریدی پچھلی سیٹ پر تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ زہر والی اسکیم کا حال مجھے دیر سے معلوم ہوا۔" حمید بولا۔ "میرے خدا اگر وہ سور کے بچے کامیاب ہو گئے ہوتے تو....!"

"ایک نالائق آدمی سے تمہارا پیچھا چھوٹ جاتا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"بیکار بور نہ کیجئے۔ میرا دل ہی جانتا ہے کہ اس سازش کا علم ہوتے ہی مجھ پر کیا گذری تھی۔

بس زہر کا نام سن کر دم نکل گیا تھا۔ مگر کرنل فریدی کسی آدمی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک قوت ہے۔“

”قوت مؤنث ہے حمید صاحب اس کی آپ خود ہی نسبت دیجئے۔ مگر آخر آج کل آپ کن آسمانوں پر ہیں بے حد متحیر ہوں۔“

”ارے.... میں بیچارا....!“

”نہیں میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں تم روز بروز حیرت انگیز ہوتے جا رہے ہو۔ تمہیں میری آمد کی بھی خبر تھی اور پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجھے زہر دیا جانے والا ہے کچھ تو بتاؤ۔“

”مؤنث....!“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ لیکن موٹر سائیکل کے شور نے فریدی تک وہ ٹھنڈی سانس نہ پہنچنے دی۔

”اوہ تو کیا تم اس گروہ کی کسی عورت پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔“

”نہیں.... بلکہ ایک عورت مجھ پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے، اب چلئے اطمینان سے بتاؤں گا۔ مین نے واقعی بڑے لمبے لمبے تیر مارے ہیں۔ یہ موٹر بائیک بھی انہیں اسمگلروں کی ہے۔“

نشاط پہنچ کر حمید نے اپنے آدمیوں کو وہیں موجود پایا جنہیں اپنا تعاقب کرنے کو کہا تھا۔ وہ ان پر گرجنے برسنے لگا۔

”صاحب سنئے بھی تو سہی۔“ ایک نے کہا۔

”سناؤ....!“ وہ آنکھیں نکال کر دھاڑا۔

”ہم نے بڑی کامیابی سے آپ کا تعاقب کیا تھا لیکن ہمارے درمیان جو تیسری کار حائل تھی اس نے ہمیں بالکل بیکار کر دیا۔ ایک جگہ سڑک بہت پتلی تھی اور دوسری طرف ایک بہت گہری کھائی کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ بس وہیں ہم مات کھا گئے۔ وہ کم بخت وہاں اسی طرح کار روک کر غائب ہو گئے کہ راستہ ہی مسدود ہو گیا۔ واقعی جناب وہ عجیب سچویشن تھی۔ کافی دیر تک عقل لڑانے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ کار کو کھڈ میں گرائے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔“

”پہلے ہی کیوں نہیں پہنچے اس نتیجے پر۔“ حمید غرایا۔

”ختم کرو۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

کچھ دیر بعد جب وہ لوگ چلے گئے اور حمید کو جماہیاں آنے لگیں تو فریدی نے کہا۔ ”میں

صرف اس لئے آیا ہوں کہ مجھے تم پر حملوں کی اطلاع ملی تھی ورنہ یہ کیس تو اب ہمارے ہاتھ سے لیا جا چکا ہے۔“

”کیا مطلب....!“

”کسی اور کے سپرد کیا جائے گا کیونکہ تم نے غلطی سے ان اسمگلروں کو پکڑ لیا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”کیا مطلب.....!“

”کیا مطلب کا بھوت سوار ہو گیا ہے تم پر اچھا سو جاؤ۔ صبح بتاؤں گا۔“

”نہیں میں جاگ رہا ہوں، بات ہی سمجھ میں نہیں آئی۔“

”ان اسمگلروں کی پشت پر کوئی بہت بڑا آدمی ہے جس نے ہمارے محکمے کو بھی شیشے کے صندوق میں بند کر دیا ہے۔ صاف صاف یہ نہیں کہا گیا کہ اس کیس کا فائل بند کر دیا جائے گا بلکہ ہماری جگہ دوسرے کام کریں گے۔ لہٰذا اب اس میں مغز نہ مارو۔“

”تو کیا آپ ذاتی طور پر بھی باز آ جائیں گے۔“

”یہ حالات پر منحصر ہے۔“

”تو گویا کل ہماری واپسی ہو گی۔“

”نہیں.... میں ابھی یہاں قیام کروں گا۔ ہرمین کا کیس میرے ہی پاس ہے اور اس کے آج رات کے اعلان سے کچھ مترشح ہوتا ہے کہ وہ ٹیکم گڈھ ہی میں کہیں ہے۔ میں نے یہ اعلان طیارے میں سنا تھا کل وہ کوئی چیز پیش کرے گا۔ مگر خیر ہاں، وہ میں ضرور سنوں گا جو تم پر گذری ہے۔“

حمید نے اپنی داستان شروع کر دی اور جب سب کچھ کہہ چکا تو فریدی نے کہا۔ ”بہت ممکن ہے کہ اگلی چوکی کے حفاظتی دستے کے کچھ لوگ بھی ان سے مل گئے ہوں اور سبز غبارے ان ہی کی طرف سے چھوڑے جاتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ پورے دستے کو ملانا آسان کام نہیں ہے اور پورا دستہ ہر وقت ڈیوٹی پر رہتا ہے۔ کسی ڈیوٹی کے سپاہیوں کو ملایا ہو گا۔ لہٰذا میدان اسی وقت صاف ہوتا ہو گا جب ان کی ڈیوٹی ہو گی، مگر تم نے بھی سرخ غبارے کے امکانات پر غور کر کے کمال ہی کر دیا۔

فولادی

رات بڑی خوشگوار تھی، ٹیکم گڈھ کی شہری آبادی میں خوشگوار راتیں بڑی رونقیں لاتی تھیں، وہ بھی حسب معمول ویسی ہی ایک رات تھی، ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے، اس لئے سبھی سڑکیں بھری پُری نظر آرہی تھیں، ان میں مشن روڈ ایسی ہے جس پر گیارہ بجے تک تل رکھنے کی جگہ نہیں رہتی اس سڑک پر ٹھیک سوا آٹھ بجے بھگدڑ مچ گئی۔

ایک پر ایک گرنے لگا۔ نہ جانے کتنے بچے کچلے گئے، کتنی عورتوں کے چوٹیں آئیں۔ شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، اچانک ایک آواز اس شور سے ابھری اور اس کے آگے اُس شور کی حیثیت مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے زیادہ نہ رہ گئی۔ کوئی اس طرح بولا تھا جیسے مائیک میں بولا ہو۔

”ٹھہریئے۔ ٹھہریئے میں آپ کا دوست ہوں دشمن نہیں۔ میں آپ کی خدمت کروں گا۔ ٹھہر جایئے۔ خدا کے لئے اس طرح نہ دوڑیئے ورنہ حادثات ہوں گے۔“

”ٹھہر جایئے۔“

لیکن لوگ بھاگتے ہی رہے۔ تھوڑی دیر بعد مشن روڈ سنسان ہوگئی صرف مکانات کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں سر ہی سر نظر آرہے تھے۔

اب چوراہے کے ٹریفک کانسٹیبل کا کہیں نہ پتہ تھا اور نہ ڈیوٹی کانسٹیبلوں کا۔ جدھر جس کے سینگ سمائے تھے بھاگ نکلا تھا۔

پٹرول پمپ کے قریب لوہے کا ایک انسان نما ڈھانچہ کھڑا ہوا تھا، اسی ڈھانچے سے پھر آواز آئی۔ ”بڑے افسوس کی بات ہے، آپ آخر مجھ سے ڈرتے کیوں ہیں، میں آپ کا خادم فولادی۔ میرا خالق ڈاکٹر ہرمین ہے، میں آپ کی خدمت کروں گا.... اوہ.... یہ چوراہا بھی ویران پڑا ہے کتنے افسوس کی بات ہے۔“

لوہے کا ڈھانچہ بالکل آدمیوں کے انداز میں چلتا ہوا چوراہے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے سر سے بہت ہی تیز قسم کی روشنی نکل کر چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ اس روشنی کے سامنے سڑک کے ستونوں کی روشنیاں بالکل ایسی ہی لگ رہی تھیں جیسے کسی نے دھوپ میں چراغ رکھ دیا ہو۔

وہ چوراہے پر پہنچ کر رک گیا۔

چوراہے سے سگنل نہ ملنے کی وجہ سے چاروں طرف ٹریفک رک گئی تھی۔ ڈھانچے نے سگنل کے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک طرف کا سبز بلب روشن ہوگیا اور کاریں گذرنے لگیں، شاید ڈرائیو کرنے والوں کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ لیکن پھر یک بیک سرخ بلب کی سمت والی گاڑیوں سے لوگوں نے کود کود کر بھاگنا شروع کردیا۔

”ارے.... ارے....!“ ڈھانچے سے آواز آئی۔ ”بڑے افسوس کی بات ہے آدمی اور لوہے کے ڈھانچے سے اس قدر خائف.... ٹھہریئے.... خدا کے لئے ٹھہریئے۔ ذرا دیکھئے بھی تو کہ فولادی کس طرح ٹریفک کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہرمین آپ کا دشمن نہیں ہے وہ آپ کے فائدے کے لئے بہت کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔“

لیکن لوگ بھاگتے ہی رہے۔

اس نے پھر کہا۔ ”میں سمجھا تھا کہ آپ لوگ مجھ سے تعاون کریں گے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے، اچھا میں جا رہا ہوں۔“

وہ پھر سڑک پر اتر آیا اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ پھر خود بھی بڑی تیزی سے فضا میں بلند ہوتا چلا گیا اور چند ہی سیکنڈ میں اس کے سر سے نکلنے والی روشنی تارا نظر آنے لگی۔

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید ریڈیو پر خبریں سن رہے تھے۔ دفعتاً خبریں سنانے والے کی آواز کتوں اور بلیوں کی آوازوں میں تبدیل ہوگئی۔

فریدی نے سگار جلانے کا ارادہ ترک کرکے سگار لائیٹر میز پر رکھ دیا، وہ دونوں نشاط کے ڈائننگ ہال میں تھے، رات کا کھانا دونوں نے ساتھ ہی کھایا تھا اور اس کے بعد سے اب تک یہیں بیٹھے رہے تھے۔

ریڈیو سے آواز آئی۔ ”مجھے افسوس ہے کہ میں پھر مخل ہورہا ہوں۔ میں ڈاکٹر ہرمین آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ فولادی سے تعاون کیجئے وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، وہ آپ کا خادم ہے آپ صرف اُسے ایک ماہ کا موقع دیجئے۔ وہ ٹیکم گڈھ کو ایک مثالی شہر بنادے گا۔ وہ آپ کو مجبور کردے گا کہ آپ قانون کا احترام کریں، اور اب میں آپ کے براڈ کاسٹنگ سسٹم پر اثرانداز نہیں ہونا چاہتا۔ آپ آئندہ اپنے ریڈیو یا مائیکروفون پر میری آواز نہیں سنیں گے، جو

حضرات مجھ میں دلچسپی لے رہے ہیں صرف وہی میری آواز سن سکیں گے، گندھک کا تیزاب اور لال کسیس کا محلول تیار کیجئے۔ ایک اسٹیتھو سکوپ یعنی وہ آلہ لے لیجئے جس سے معالج سینہ ٹسٹ کرتے ہیں، اب اس کا نچلا حصہ جو سینے پر رکھا جاتا ہے تیار شدہ محلول میں ڈال دیجئے اور اوپری حصہ کانوں میں لگایئے، اس طرح آپ روزانہ ساڑھے سات بجے شام سے آٹھ بجے تک میری آواز سن سکیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ ملک کا نوجوان طبقہ مجھ سے محبت کرتا ہے میں آپ کے اس اعتماد اور محبت کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ میں اس ملک کی ترقی کا خواہاں ہوں، آپ مجھے روز بروز اپنی خدمت میں اور زیادہ مصروف پائیں گے۔"

"میں آپ کا خادم ہرمین۔"

آواز بند ہوگئی اور ایک بار پھر وہی کتوں اور بلیوں والا شور سنائی دیا اس کے بعد پھر وہی ریڈیو اسٹیشن کی موسیقی تھی۔

فریدی نے کرسی کی پشت سے ٹک کر سگار سلگایا! اسکی آنکھوں میں فکر کے بادل تیرتے نظر آئے۔

"کہیں.... یہ سابق نازی یہاں کسی انقلاب کی تیاری تو نہیں کر رہا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی، چند لمحے خاموش رہی پھر بولا۔ "بہر حال تو یہ خبر صحیح تھی کہ مشن روڈ کے چوراہے پر کسی لوہے کی پتلے نے ہنگامہ برپا کیا تھا، نام بھی کتنا معنی خیز ہے فولادمی.... یعنی فولاد کے آدمی کا مخفف۔"

"مجھے تو یہ غپ ہی معلوم ہوتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "لوہے کے متحرک پتلے پہلے بھی دیکھے ہیں، لیکن کسی ایسے پتلے کے متعلق آج تک نہیں سنا جو بولتا بھی رہا ہو۔ کمال ہے، اس نے ٹریفک کنٹرول کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ کیا بکواس ہے۔"

فریدی اس پر کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "تو آپ اسمگلنگ والے کیس سے دستبردار ہو چکے ہیں۔"

"فی الحال۔"

"میں تو فی الحال کے لئے بھی نہیں ہوں۔ مجھے ان لوگوں سے کچھ چڑھ سی ہو گئی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس غار پر چھاپہ ماروں جہاں سے ایک موٹر سائیکل ہاتھ لگی تھی۔"

"میں قطعی مشورہ نہ دوں گا۔ جب کیس ہی ہم سے لیا جا چکا ہے تو ہم کیوں جھک ماریں۔"

"پہلی بار آپ کی زبان سے ایسا جملہ سن رہا ہوں مجھے حیرت ہے۔"

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اب ہرمین کے علاوہ اور کسی کے متعلق سوچنا نہیں چاہتا۔ یہ کیس دلچسپ بھی ہوگا اور وقت طلب بھی۔ اسمگلروں کی پشت پ، جو کوئی بھی ...اسے میں ہر وقت پکڑ سکتا ہوں۔"

"کون ہے۔"

"یہ نہیں بتاؤں گا وہ وقت دور نہیں ہے جب اس کے متعلق میرا فائیل مکمل ہو جائے گا۔ یا تو وہ رہے گا یا میں۔"

"آپ نے کہا تھا کہ وہ کوئی بڑا آدمی ہے۔"

"یقیناً.... وہ ایک ذی اثر آدمی ہے۔ ذی اثر نہ ہوتا تو کیس ہمارے ہاتھ سے کیوں لیا جاتا۔ پر یا تم پر اتنے دلیرانہ اور منظم حملے کیوں ہوتے۔ اگر سرکاری طور پر ہماری جڑیں زیادہ گہرائی نہ ہوتیں تو شاید ہم محکمے ہی سے الگ کر دیئے جاتے۔"

"اس حد تک....!"

"یقیناً....!"

"خدا کے لئے مجھے بتایئے وہ کون ہے۔"

"کوئی لڑکی نہیں ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے اطمینان ہے کہ وہ کوئی لڑکی نہیں ہے ورنہ آپ اس کا تذکرہ اتنی شدومد سے نہ ...تے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

نیلم اپنے اس غار سے باہر آئی جسے وہ لائبریری کے نام سے موسوم کرتی تھی۔ باہر چٹانوں ... آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ وہ سیاہ پتلون، سیاہ جیکٹ اور سفید دستانوں میں تھی۔ غار سے نکل کر اس غار کی طرف چلنے لگی جہاں سے اس نے پچھلی رات کیپٹن حمید کے لئے موٹر سائیکل نکالی ...ی۔

کچھ دور چلنے کے بعد اچانک وہ ایک بہت ہی تیز قسم کی روشنی میں نہا گئی۔ اس کے چاروں طرف کچھ ایسی روشنی پھیلی ہوئی تھی جیسے سورج زمین پر اتر آیا ہو۔ بیساختہ اس نے اوپر کی طرف دیکھا اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک سیاہ فام عفریت جس کے سر سے کرنیں سی پھوٹ رہی تھیں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ نیلم کو سکتہ ہو گیا۔

"ڈرو نہیں لڑکی میں ڈاکٹر ہرمین کا فولادی ہوں، وہی پیش کش جس کا وعدہ اس نے پچھلی رات کو کیا تھا۔ مگر تم اتنی رات گئے اس ویرانے میں کیا کر رہی ہو۔"

نیلم کچھ نہ بولی۔ وہ بار بار اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ رہی تھی۔ لوہے کا ایک انسان نما ڈھانچہ جس کے سر سے چاروں طرف تیز قسم کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ سینے پر چار چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں سی تھیں جن میں چار مختلف رنگوں کے چھوٹے چھوٹے بلب کبھی روشن ہو جاتے تھے اور کبھی بجھ جاتے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ ان کے جلنے اور بجھنے کا وقفہ غیر متعین نہیں ہوتا بلکہ وہ دو قسم کی آوازیں جو یکے بعد دیگرے مسلسل پیدا ہوتی ہیں انہیں کے ساتھ ہی وہ جلتے اور بجھتے ہیں۔

"ٹرن.... ٹچ.... ٹرن.... ٹچ.... ان آوازوں کے ساتھ ایک مسلسل آواز بھی تھی۔ ایسی آواز جو کسی پٹرومیکس لیمپ سے خارج ہوتی رہتی ہے۔"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا لڑکی۔" فولادی نے کہا۔

دفعتاً نیلم قہقہہ مار کر ہنس پڑی اور ہنستی ہی رہی۔

"لڑکی میں بے حد خوش ہوں کہ تم مجھ سے خوفزدہ نہیں ہو۔" فولادی پھر بولا۔

"کرنل فریدی.... میں نے تمہیں پہچان لیا۔" نیلم نے انگلی اٹھا کر کہا۔ "تم بہت عظیم ہو۔ تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ خدا کی پناہ۔ کل تم کس طرح بچ گئے تھے کیا تم پُراسرار قوتوں کے مالک نہیں ہو۔ تم آسمان سے بھی اتر سکتے ہو۔ میں نے تمہاری حیرت انگیز داستانیں سنی ہیں۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں کرنل، براہِ کرم یہ لوہے کا نقاب اپنے چہرے سے الگ کر دو۔"

اس کی آواز بہت مدہم تھی، وہ کہتی رہی۔ "کیا کیپٹن نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں ان لوگوں سے کتنی نفرت کرتی ہوں.... کیا میں نے ہی.... یہ نہیں بتایا تھا۔"

"لڑکی.... لڑکی....!" فولادی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "شاید تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو....

آؤ.... اور قریب آؤ.... مجھے اچھی طرح دیکھ لو تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ میں کوئی آہن پوش آدمی ہوں۔ ڈرو نہیں.... آؤ.... قریب آؤ۔"

"میں ڈر کے ہجے نہیں جانتی۔" نیلم نے ہنس کر کہا۔

"اچھا تو آؤ.... مجھے دیکھو.... یہ شرف صرف تمہیں بخشا جا رہا ہے کہ تم مجھے قریب سے دیکھ سکو۔ شائد تمہارے علاوہ اور کوئی اتنا خوش قسمت نہ ثابت ہو سکے۔"

"مجھے کیوں یہ شرف بخشا جا رہا ہے؟"

"کیونکہ تم مجھ سے خائف نہیں ہو۔ ورنہ میں تو ابھی ایک ویران شہر دیکھ کر آ رہا ہوں، کتنی مضحکہ خیز بات ہے لوگ مجھے دیکھ کر اتنے بدحواس ہوئے کہ سر پیر کا ہوش نہ رہا۔ حالانکہ میں ایک آدمی کی ہی تخلیق ہوں۔"

نیلم نے پتلون کی جیبوں سے دونوں ہاتھ نکالے اور اس کی طرف بڑھ گئی۔ "بہت خوب" فولادی نے کہا۔ "تم سچ مچ ایک نڈر لڑکی ہو۔"

وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا اور نیلم ہر ہر زاویے سے اس کا جائزہ لیتی رہی، اندھیری رات سکوت کے اتھاہ سمندر میں تیرتی چلی جا رہی تھی۔

"اوہ....!" وہ کچھ دیر بعد ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "سچ مچ آدمی نہیں ہو۔"

"میں فولادی ہوں۔"

"فولادی کسے کہتے ہیں۔"

"مجھے....!" فولادی نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔ پھر بولا۔ "آج سے ہم تم گہرے دوست ہیں کیوں؟"

"اوہو.... تم دوستی بھی کر سکتے ہو۔"

"میں.... ہاں.... میں دوستی بھی کر سکتا ہوں، تمہارے متعلق سوچ بھی سکتا ہوں۔ ارے تم اس طرح مسکرا کیوں رہی ہو۔"

"فولادی.... تم نے یقیناً شہر میں ہراس پھیلایا ہوگا؟ آخر تمہارا مقصد کیا ہے۔ تم کس لئے بنائے گئے ہو۔ ہرمین تم سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔"

"فی الحال وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ کتنا عظیم سائنسدان ہے۔"

"پھر....!"

"پھر کچھ بھی نہیں۔ پھر وہ صرف خدمت کرنا چاہتا ہے۔"

"تم کس طرح خدمت کر سکو گے۔"

"مثلاً....اگر کوئی بھولی بھالی لڑکی راستہ بھٹک گئی ہے اور اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے تو میں اسے اس کے گھر پہنچادوں گا۔"

"تب تو تم بہت اچھے ہو۔ کیا تم کل صبح میرے ساتھ ناشتہ کر سکو گے۔ یہ رہا میرا وزیٹنگ کارڈ۔"اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر فولادی کی طرف بڑھادیا۔

"شکریہ۔"اس نے نیلم کے ہاتھ سے کارڈ لیتے ہوئے کہا۔"مگر مجھے افسوس ہے کہ میں آدمیوں کی طرح ناشتہ نہیں کر سکتا کیونکہ معدہ نہیں رکھتا۔"

"اس کے علاوہ اور سب کچھ آدمیوں کی طرح کر سکتے ہو۔"

"یقیناً....!"

"نہیں! تم میرا وزیٹنگ کارڈ بھی نہ پڑھ سکو گے۔"

"اوہ....!"اس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔"نیلم.... تیرہ مال روڈ، ٹیکم گڑھ۔"

"کمال ہے....!" نیلم سر ہلا کر بولی۔"واقعی ڈاکٹر ہرمین عظیم ترین سائنسدان ہے۔ لیکن فولادی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ حکومت بھی تمہارا وجود برداشت کرلے۔"

"مجھ سے غیر قانونی حرکت نہیں سرزد ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ حکومت یہاں ڈاکٹر ہرمین کی موجودگی ہی نہیں پسند کرتی۔"

"ہاں تمہارا خیال درست ہے۔"

"تب پھر مجھے خدشہ ہے کہ تم توڑ پھوڑ ڈالے جاؤ گے۔"

فولادی اس انداز میں ہنسا جیسے اُسے کسی ننھے سے بچے کی بات پر بیساختہ ہنسی آگئی ہو۔

"میں اپنی حفاظت بخوبی کر سکتا ہوں۔"اس نے کہا۔

"اگر تم پر گولے برسائے جائیں۔"

"مجھ سے تین فٹ کے فاصلے پر ہی وہ پلٹ جائیں گے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"سمجھنا چاہتی ہو۔"

"یقیناً....میں ہر نئی چیز کو سمجھنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا تو ایک پتھر اٹھا کر میری طرف پھینکو لیکن اُسے اتنی اونچائی پر پھینکنا کہ پھینکنے کے بعد زمین پر بیٹھ جاؤ، تو اس کی واپسی تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔"

"کیا میں سچ مچ ایسا ہی کروں۔"

"ہاں بھئی....میں اجازت دیتا ہوں۔"

نیلم نے جھک کر ایک بڑا سا پتھر اٹھایا۔

"ٹھہرو....یوں نہیں۔ مجھ سے کم از کم دس گز دور ہٹ جاؤ، ورنہ پتھر کی واپسی سے پہلے بیٹھ نہ سکو گی، بلکہ میرا خیال ہے کہ بیٹھ کر پھینکو، جتنی اونچائی پر وہ مجھ سے تین فٹ کے فاصلے پر آئے گا اتنی ہی اونچائی سے اس کی واپسی بھی ہوگی۔"

نیلم پیچھے ہٹی اور یک بیک فولادی آگ کا مجسمہ بن گیا بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی زمین دوز اسٹو کی لپٹیں بلند ہو گئی ہوں جتنا فولادی کا قد تھا۔

نیلم نے پوری قوت سے وہ پتھر اس پر کھینچ مارا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فولادی کے قول کی تصدیق ہوگئی، پتھر اس سے تین فٹ کے فاصلے پر ہی پلٹ کر دور جا گرا اور یہ حقیقت تھی کہ اگر وہ بیٹھی ہوئی نہ ہوتی تو وہ پلٹا ہوا پتھر خود اسی کا سر پاش پاش کر دیتا۔

فولادی پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔

"تم نے دیکھا نیلم....!"اس نے ہنس کر کہا۔

"ہاں....واقعی....تم۔"

"سینکڑوں توپوں کے دہانے بھی اگر مجھ سے پر کھول دیئے جائیں تب بھی میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میرا کام محض خدمت خلق ہے۔ لیکن مجھ میں تخریبی قوتیں بھی موجود ہیں۔"

"فولادی اگر کبھی تم غلط راستوں پر نکل گئے تو کیا ہوگا۔"

"بڑی تباہی پھیلے گی۔ لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کبھی میرے قدم غلط راستوں کی طرف بھی اٹھیں گے۔ اگر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کی گئی تو میں صرف اپنا دفاع کروں گا۔ جوابی کاروائی مجھ سے نہیں ہو سکے گی۔ مگر تم یہاں اس ویرانے میں اتنی رات گئے نظر

آ رہی ہو۔"

"میں.... مجھے ویرانے بہت پسند ہیں۔ آج ہی ادھر نکل آئی تھی۔ اب واپس جا رہی ہوں۔"

"اچھا.... میں کسی دن تمہارے گھر آؤں گا۔ شب بخیر۔"

پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضا میں بلند ہو گیا۔

وہ بوڑھا

نیلم جیسے ہی اس عمارت میں داخل ہوئی نہ جانے کیوں اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُسے خود بھی اس پر حیرت ہوئی کیونکہ وہ اسی عمارت میں رہتی تھی۔ یہ عمارت دراصل اسمگلروں کی ان کوٹھیوں میں سے ایک تھی جن میں اسمگل کیا ہوا یا کیا جانے والا مال رکھا جاتا تھا، لیکن پاس پڑوس والے بھی یہی سمجھتے تھے کہ نیلم کوئی رئیس زادی ہے اور وہ اتنی بڑی کوٹھی میں تنہا رہتی ہے عام آدمی کیا سمجھ پاتے کہ وہاں نظر آنے والی نوکروں کی فوج کا ہر آدمی اگر کوئی بڑا نہیں تو معمولی ہی قسم کا سانپ ضرور ہے۔

نیلم ان ملازمین کے درمیان شہزادیوں کی سی شان سے رہتی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ ان خانزادوں میں سے اکثر اُسے اپنا لینے کے خواب بھی دیکھتے رہے ہوں۔

وہ سب خطرناک آدمی تھے۔ جب مسکین صورت خانہ زاد اسمگلنگ کی کسی مہم پر روانہ ہوتے تو ان میں سے ہر ایک بھوکا بھیڑیا نظر آتا تھا، اکثر وہ ایسے مواقع پر آپس ہی میں لڑ جاتے اور دوسرے دن کہیں نہ کہیں ایک آدھ لاش ضرور ملتی۔ وہ ایسے ہی خطرناک اور وحشی تھے۔

لیکن نیلم ان سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں تھی وہ ان پر اسی طرح حکم چلاتی تھی جیسے وہ سچ مچ اس کے غلام ہوں۔ یہ سب کچھ وہ اسی بوڑھے کی تقویت پر کرتی تھی جس کا تذکرہ اس نے کیپٹن حمید سے بھی کیا تھا۔ یہ بوڑھا بھی اکثر انہیں ملازمین کی بھیڑ میں نظر آتا اور پڑوسی اُسے بھی کوئی نوکر ہی تصور کرتے۔ نیلم نے اُسے کبھی اچھے لباس میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ دوسروں پر اپنی برتری ضرور قائم رکھتا تھا۔ اس کے ساتھی اُس سے منفرد بھی رہتے۔ نیلم نے یہی محسوس کیا تھا لیکن اس نے ابھی تک کسی کو بھی کھلم کھلا نفرت کا اظہار کرتے نہیں دیکھا تھا۔

وہ راہداری سے گذر کر بڑے کمرے میں داخل ہوئی لیکن یہاں اندھیرا تھا اور اسی اندھیرے نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے۔

وہ اس کمرے میں روشنی کئے بغیر آگے بڑھ گئی۔ دوسری راہداری بھی تاریک ہی ملی تھی۔ کیا عمارت اس وقت بالکل خالی ہی ہے اگر ایسا تھا تو یہ بات اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھی کیونکہ اس سے پہلے کبھی عمارت خالی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اگر عمارت خالی ہی تھی تو صدر دروازہ کھلا کیوں رہنے دیا گیا تھا۔ وہ آگے بڑھتی رہی۔ آخر ایک کھڑکی میں اُسے روشنی نظر آئی۔

اب وہ پنجوں کے بل چلنے لگی تھی کیونکہ حالات معمول کے مطابق نہیں تھے۔ کھڑکی کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی چونکہ اس کی پشت پر اندھیرا تھا۔ اس لئے وہ کھڑکی کے قریب رہ کر بھی اس کمرے کا جائزہ لے سکتی تھی، وہ سوچنے لگی کیا یہ کوئی ایسی پرائیویٹ میٹنگ ہے جس میں اس کی شمولیت غیر ضروری تھی۔ اس نے دیکھا کہ ان لوگوں میں وہ بوڑھا بھی موجود ہے جسے وہ بابا کہتی تھی! اُسے ان لوگوں کے علاوہ جو اس عمارت میں رہتے تھے کچھ نئے چہرے بھی نظر آئے۔ بوڑھا غصے میں بھرا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ دفعتاً وہ گونجیلی آواز میں بولا۔ "تم لوگ خود ہی نالائق ہو.... نیلم کو الزام نہ دو۔"

"تم حد سے بڑھ جاتے ہو، بڑے میاں۔" ایک تیکھے نوجوان نے غصیلی آواز میں کہا۔ "کیا تم ہم پر حاکم ہو۔ اپنے الفاظ واپس لو، ورنہ میں آج تم سے نپٹ ہی لوں گا۔"

بوڑھا اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا لیکن کچھ نہ بولا۔ ادھر نیلم کا ہاتھ پتلون کی جیب میں رینگ گیا اور اس میں پڑے ہوئے اعشاریہ دو پانچ کے پستول پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

اس نے آج سے پہلے کبھی بوڑھے کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"میں اپنے الفاظ واپس نہیں لوں گا۔" بوڑھا اٹھتا ہوا بولا اور پھر اس نوجوان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "خصوصیت سے تم بڑے نالائق ہو گدھے ہو۔"

نوجوان نے اپنی جگہ سے جست لگائی اور کمرے کے وسط میں پہنچ گیا۔ بوڑھا جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

"میں تمہیں اس بدتمیزی کی سزا ضرور دوں گا۔" وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

نیلم کی عقل رخصت ہو گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان میں سے کوئی بوڑھے سے

اس طرح پیش آئے گا کیونکہ وہ ان پر بوڑھے کی برتری محسوس کرنے کی عادی ہو چکی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر ٹھوکر ماری اور دونوں پٹ کھل گئے۔ اب اس کا ریوالور اس کے داہنے ہاتھ میں تھا اور اس کی نالی اس گستاخ نوجوان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"ٹھہرو گندے کیڑے....!" وہ غرائی۔ "تم میں اتنی جرأت کہ تم بابا کی شان میں گستاخی کرسکو۔ پیچھے ہٹو، ورنہ گولی ماردوں گی۔"

کمرے کی فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط ہوگئی۔ نوجوان کے قدم رک گئے تھے اور وہ مڑ کر نیلم کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"کتے....!" وہ دانت پیس کر بولی۔ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"نیلم اسے جیب میں رکھ لو اور یہاں سے چلی جاؤ۔"

"کیا تم اس بدتمیز کو برداشت کرلو گے بابا۔"

"نہیں.... لیکن تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" بوڑھے کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

نیلم نے ایک جھرجھری سی لی اور پستول جیب میں ڈال لیا۔ بوڑھے نے کبھی اتنے سرد لہجے میں اُس سے گفتگو نہیں کی تھی، وہ چپ چاپ دروازے کی طرف مڑی اور باہر آکر بہ آہستگی دروازہ بند کردیا۔ مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ کھڑکی سے بھی نہ جھانکتی۔

ایک بار وہ پھر پہلے ہی کی طرح کھڑکی کے شیشوں سے کمرے کے اندر کا جائزہ لے رہی تھی۔ بات بڑھ گئی تھی۔ اس نے سوچا ممکن ہے بوڑھے کو اس کی مدد کی ضرورت ہو کیونکہ وہ سبھی اُس سے نفرت کرتے تھے۔

"ہاں آؤ.... مجھے میری بدتمیزی کی سزا دو۔ اگر تم مجھے سزا دے سکے تو میں تمہاری سربراہی سے دستبردار ہو جاؤں گا۔" بوڑھے نے کہا۔

"تم ہمارے سربراہ کب ہو۔" نوجوان نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔ "ہمارا سربراہ وہ ہے جس سے ہمیں احکامات ملتے ہیں۔"

"تمہارا سربراہ درجن ہے۔" بوڑھا نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن اُسے گھٹنوں کے بل چلنا میں نے ہی سکھایا تھا اور تم.... کیا تمہیں اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ میری ہی عقل تمہاری بھی رہنمائی کرتی ہے۔"

"تم خاموش رہو میں کسی کی بھی چودھراہٹ نہیں برداشت نہیں کر سکتا۔"

دفعتاً بوڑھا آگے بڑھا اور قبل اس کے کہ نوجوان کا ہاتھ اُس پر اٹھتا کمرہ "چٹاخ" کی آواز سے گونج اٹھا۔ نوجوان لڑکھڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں پر جا پڑا۔ بوڑھے کا تھپڑ اُس کے بائیں گال پر پڑا تھا۔

وہ خود سے نہ سنبھل سکا۔ دو آدمیوں نے سہارا دے کر اُسے کھڑا کرنا چاہا لیکن اس کا جسم گندھے ہوئے آٹے کے رول کی طرح دہرا ہو گیا۔ وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ رہا تھا جیسے اس کے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔ اس کی بائیں آنکھ گوشت کا لوتھڑا معلوم ہونے لگی تھی۔

خون میں ڈوبا ہوا گوشت کا لوتھڑا۔

آخر اسے زمین پر ڈال دیا گیا۔

بوڑھا اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارا کیس کرنل فریدی سے لے لیا گیا ہے۔ غالباً وہ کسی اور کو سونپ دیا جائے گا لہٰذا اب فی الحال تم لوگ ان دونوں کا پیچھا چھوڑ دو۔ تم دیکھ چکے ہو کہ وہ کتنے چالاک ہیں۔ اگر ہم ان سے بھڑے بغیر اپنا کام کرتے ہیں تو بہتر ہے، ویسے میرا دعویٰ ہے کہ کرنل فریدی ٹیکم گڈھ سے اس وقت تک واپس نہیں جاسکتا جب تک کہ ہرمین کا سراغ نہ پالے اور سبھی جانتے ہیں کہ ہرمین تک پہنچ جانا آسان کام نہ ہوگا۔ اس لئے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم بڑی آسانی سے اس پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کا وجود ہمارے لئے خطرناک ہے۔ وہ ضد پر آجاتا ہے تو سب کچھ کر گزرتا ہے، دنیا کی کوئی طاقت اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔"

"اوہ.... اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے۔" کسی نے کہا۔

"میں نے ابھی اپنی بات ختم نہیں کی۔" بوڑھا غرایا۔

"جہنم میں گئی تمہاری بات۔" ایک آدمی اپنی جگہ سے اٹھ کر فرش پر پڑے ہوئے آدمی کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ پھر یک بیک پاگلوں کی طرح چیخ اٹھا۔

"ارے.... یہ دم توڑ رہا ہے۔"

"شٹ اپ....!" بوڑھا آپے سے باہر ہو گیا۔ "اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔"

"وہ سچ مچ مر رہا ہے۔"

"مرنے دو میں اسلئے تھپڑ نہیں مارتا کہ مار کھانے والا تھوڑی دیر بعد مجھ سے معافی مانگ لے۔"

نیلم لرز گئی۔ اس کی سانس تیزی سے چلنے لگی تھی، اس نے بوڑھے کو کبھی اس رنگ میں نہیں دیکھا تھا۔

"چلو.... بیٹھو اور اگر تم بھی اس کا ساتھ دینا چاہتے ہو تو میں تمہاری یہ خواہش پوری کرسکتا ہوں۔"

"یہ نہیں برداشت کیا جاسکتا۔" سب نے بیک وقت کہا۔

"پھر.... تم میرا کیا کرو گے۔"

"یہ مر گیا ہے۔" کئی آدمی بیک وقت چیخے۔

"میں کب کہتا ہوں کہ نہیں مرا۔ میرا تھپڑ ایسا ہی ہوتا ہے گردن کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ چلو بیٹھو اپنی جگہوں پر اگر اس بغاوت اور دیدہ دلیری کی خبر درجن کو ہو گئی تو وہ ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ میں اس کے مقابلے میں زیادہ رحم دل ہوں۔"

نیلم نے دیکھا کہ وہ سب خاموشی سے اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے، اور نوجوان کی لاش وہیں پڑی رہی، مرنے سے پہلے اُسے خون کی بڑی سی قے ہوئی تھی۔

❁

"فولادی" فریدی نے کہا اور ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ "ایک حیرت انگیز ایجاد ہے۔ لیکن اسے صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ہر مین کے ارادے نیک ہی ہوں گے۔"

"میں بڑا گدھا ہوں کہ میں نے ہی اُسے اب تک نہیں دیکھا۔" حمید بولا۔

"میں لڑ جاؤں سالے سے کشتی۔" قاسم نے سوال کیا۔

"ٹانگیں چیر کر پھینک دے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔"

"میں کیا اس سے کمزور ہوں۔"

"ابے وہ لوہے کا ہے.... ہاتھی کے ہم زلف....!" حمید نے خواہ مخواہ دانت پیس کر کہا۔

"تم خود ہاتھی کے ہم جفل.... حلف.... فلج.... ہو گا کچھ اس کی ایسی کی تیسی۔ دیکھئے کرنل صاحب منع کر لیجئے۔"

"قاسم....!" تم اس کے ساتھ آئے کیوں تھے۔

"ارے الاقسم.... میں بالکل الگ آیا تھا۔ بس یہاں ملاکات.... قات.... ہو گئی۔"

"لیکن کیا یہ ضروری تھا کہ تم بھی نشاط ہی میں ٹھہرتے۔"

"میں ہمیشہ یہیں ٹھہرتا ہوں.... قرنل.... کرنل صاحب۔"

"میں صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ تم ہم لوگوں سے دور ہی دور رہو ورنہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ تمہیں بھی ہم ہی سے متعلق سمجھ کر کوئی نقصان پہنچادیں۔"

"مجھے کیا نقصان پہنچائیں گے میں صاف صاف کہہ دوں گا کہ میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"بے شرم کہیں کے۔" حمید غرایا۔ "تم یہ کیسے کہہ سکو گے۔"

"بے شرم کیوں.... ارے واہ۔" قاسم ہاتھ نچا کر عورتوں کے سے انداز میں بولا۔ "کیا میں تمہاری جورو ہوں۔"

"شاید تم اس وقت تنہائی چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں۔" قاسم نے کچھ سمجھے بوجھے بغیر جواب دیا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"تب.... بات.... یہ ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"بہت اچھا۔" قاسم ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا اور غصیلے انداز میں چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "پچھلی رات میں نے فولادی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ کوئی آہن پوش آدمی ہے۔"

"پھر وہ کیسے دیکھتا.... بولتا اور سنتا ہے۔"

"پہلے تم اسے کم از کم ایک بار دیکھ لو پھر میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

دفعتاً حمید کی نظر دروازے کی طرف اٹھ گئی، ادھر فریدی کی پشت تھی۔ لہٰذا وہ قاسم کو نہ دیکھ سکا جو راہداری میں کھڑا حمید کو گھونسہ دکھا رہا تھا۔

حمید کو بیساختہ ہنسی آگئی کیونکہ قاسم گھونسہ دکھانے کے ساتھ ہی طرح طرح کے منہ بنا کر آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔

حمید کو ہنستے دیکھ کر فریدی بھی مڑا۔ قاسم بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ میں گھونسہ اٹھا رہ گیا، آنکھیں بند ہو گئیں اور زبان نکل پڑی۔

"یہ کیا ہو گیا ہے اسے۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کچھ نہیں اس کی شامت آنے والی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج رات کو اسے پلا کر کسی نائٹ کلب میں چھوڑ آؤں، پھر دوسرے دن صبح آپ وہاں جا کر اس کی لاش کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔"

دوسرے ہی لمحے میں قاسم دھڑ دھڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔

"تم غارت ہو جاؤ گے۔" وہ حمید کی طرف انگلی اٹھا کر دھاڑا۔ "اللہ نے چاہا تو کیڑے پڑیں گے، دھواں اٹھے گا تمہاری قبر سے۔"

"کیا لغویت پھیلائی ہے۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ نہ بولئے وہ سالی مجھ کو کہتی ہے.... ہیلو ماموں جان.... ہیلو ماموں جان۔"

"کیا بک رہے ہو۔" فریدی بگڑ گیا۔

"اپنی کسی بھانجی کو سالی کہہ رہا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم خود.... بھانجی.... اغ.... الو.... کی بھانجی.... سس.... مرو.... اچھا.... نکلنا باہر۔" قاسم آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ عقل کھوپڑی کے اوپر لہرا رہی تھی، جو کچھ وہ کہنا چاہتا تھا غصے کی زیادتی کی وجہ سے نہ کہہ سکا اور حمید کو گھونسہ دکھاتا ہوا باہر چلا گیا۔

"بھئی میں تم سے عاجز آ گیا ہوں۔" فریدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تمہارے ملنے والے بھی میرے لئے وبال جان بن جاتے ہیں۔ آخر یہ کیا بک رہا ہے۔"

"ارے.... وہ کچھ نہیں تھا۔" حمید ہنس پڑا۔ پھر بولا "پچھلی رات ایک یوریشین لڑکی سے اس کا تعارف کرایا تھا۔ نام ماموں جان بتایا۔ اس وقت یہ الو کا پٹھا ہی ہی کر رہا تھا۔"

"میں سب سن رہا ہوں۔" راہداری سے آواز آئی اور پھر قاسم سامنے آ کر بولا۔ "تم خود الو کے پٹھے۔ تمہاری سات پشتیں الو کی پٹھیاں۔ اب تم باہر نکلو تمہاری چٹنی نہ بنائی تو کچھ نہ کیا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ حمید تو پہلے ہی سے ہنس رہا تھا۔

قاسم بڑبڑاتا ہوا چلا گیا، اس بار حمید بھی اٹھا۔

"بیٹھو.... بہت زیادہ بچپنا بھی گراں گزرنے لگتا ہے۔"

"میں کہیں جا نہیں رہا ہوں۔ ذرا دیکھوں وہ ہے یا چلا گیا ہے۔"

حمید دروازے تک گیا اور راہداری میں جھانک کر پھر واپس آ گیا۔

"چلا گیا۔"

"ختم کرو۔" فریدی بیزاری سے بولا۔

کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش بیٹھے رہے پھر فریدی بولا۔

"ہرمین کا مسئلہ اب کچھ وقت طلب ہو گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"پہلے جس ریسیونگ سیٹ پر ہم اس کی آواز سنتے تھے اس کا انٹینا شمال کی طرف اشارہ کرتا تھا اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ ٹیکم گڈھ ہمارے یہاں سے شمال کی طرف پڑتا ہے۔ بہر حال جب میں نے اس کا وہ اعلان سنا کہ وہ ٹیکم گڈھ والوں کے لئے اپنی کوئی ایجاد پیش کرنے والا ہے تو میں نے ان ماہرین کو ٹیکم گڈھ طلب کیا تھا جو اس کیس میں میرے ساتھ کام کر رہے تھے، یہاں وہ اس کی نشرگاہ کی سمت معلوم کر لیتے مگر اب اس نے دوسرا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ اب اس طرح اس کے پیغامات نہیں سنے جا سکیں گے جس طرح پہلے سنے جاتے تھے، لہٰذا اب میں نہیں کہہ سکتا کہ ماہرین نشرگاہ کی سمت معلوم کر سکیں گے یا نہیں۔"

"مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ساتھ کچھ ماہرین بھی کام کر رہے تھے۔"

"بھلا اس کے بغیر کیسے کام چلتا۔"

"بہر حال اب پھر کیا ہوگا۔ اب تو آپ اسٹیتھو سکوپ کے بغیر اس کی آواز نہ سن سکیں گے۔"

"یہی تو مشکل ہے۔"

"لیکن کیوں نہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس کا وعدہ ہے کہ وہ کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کرے گا۔ اب تو وہ ہماری نشریات میں بھی دخل انداز نہیں ہوگا۔"

"لیکن وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے قطعی غیر قانونی ہے۔ حکومت کی اجازت حاصل کئے بغیر اس قسم کے کام نہیں کئے جا سکتے اور پھر وہ ہمارے لئے خطرہ بھی بن سکتا ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ فی الحال تو ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پائپ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ کر دوبارہ تمباکو بھری۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر پائپ سلگا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اسمگلروں والا کیس اس طرح نہ چھوڑیئے۔"

"آرڈر.... آرڈر ہے۔ میں اس کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں۔"

"میں سچ کہتا ہوں کہ اب سارا کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔ وہ لڑکی نیلم ایک اچھی مددگار ثابت ہوگی۔"

"حمید صاحب! اگر وہ سارے اسمگلر پکڑ لئے گئے تب بھی میں اسے ایک ناکام ہی کیس سمجھوں گا۔"

"کیوں....؟"

"اس آدمی کے خلاف ثبوت مہیا کرنا بڑا مشکل کام ہوگا جس کی سرپرستی میں اسمگلنگ ہوتی ہے۔ شاید ان اسمگلروں کو بھی نہ معلوم ہو کہ وہ کون ہے۔"

"تو وہ اسی طرح ہمیشہ آزاد رہے گا۔"

"یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے کبھی نہ کبھی میں اسے گرفت میں لے ہی لوں۔ لیکن فوری طور پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑے گی۔"

"تو وہ لڑکی.... کار آمد نہیں ثابت ہو سکے گی۔"

"اگر وہ لڑکی ہے تو تمہارے لئے ضرور کار آمد ثابت ہوگی۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"آپ خواہ مخواہ بات کو ٹوئیسٹ کر رہے ہیں۔ میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"میں بھی سنجیدہ ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"میں کل ٹیکم گڈھ سے جا رہا ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے کیونکہ اب تم ہرمین والے کیس کو اسسٹ کر رہے ہو۔"

"مجھے اس کے لئے تحریری حکم نامہ نہیں ملا۔"

"اچھی بات ہے تم اسی وقت دفع ہو جاؤ۔ میں تمہارے بجائے امر سنگھ سے کام لوں گا۔"

"ضرور....!" حمید کا موڈ بگڑ گیا اور وہ اٹھنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کل گھاٹم پار کے میلے میں جانا چاہتے ہو۔ میں تمہیں کبھی اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے میں کل یقینی طور پر گھاٹم پار جاؤں گا۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان اسمگلروں نے تمہیں مار ڈالنے کا خیال ترک کر دیا ہوگا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ لڑکی....!"

"لڑکی کی بات نہ کیجئے۔ میں صرف کیس کی حد تک اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔"

"تم بہت شریف ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"کاش کسی لڑکی کے والد نے بھی کبھی یہ سوچا ہوتا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی، کچھ دیر تک منہ بنائے رہا پھر بولا۔ "کبھی کبھی مجھے اپنی زندگی کی ویرانی کا بہت شدت سے احساس ہوتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو ویران کر دوں۔"

"یہ بڑی اچھی علامت ہے اگر جنسی بھوک اس راستے پر لگ جائے تو آدمی کو ہٹلر اور نپولین بنا دیتی ہے۔ شاید اسی لئے تم آج کل اتنے بے جگر ہو رہے ہو۔"

حمید اٹھ کر باہر چلا آیا۔ وہ دراصل کوفت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اسمگلروں کے کیس میں اس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی لیکن عین اس وقت جب کہ اُسے کامیابی کا یقین ہو گیا تھا اس کی توقعات پر اُوس پڑ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس اسٹیج پر ایسے غیر متوقع حالات پیدا ہو جائیں گے۔ حمید کی یادداشت میں شاذ و نادر ہی اس کے پاس ایسے کیس آئے تھے جن میں اس نے حقیقتاً دلچسپی لی ہو یہ کیس بھی انہیں کی فہرست میں آ سکتا تھا۔ مگر اس کا انجام اس کے حوصلے پست کر دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ ان لوگوں سے انتقام بھی تو نہ لے سکا جنہوں نے چار بار اس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔

ویسے حمید کو فریدی سے توقع نہیں تھی کہ وہ ان لوگوں کا پیچھا چھوڑ دے گا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی کیسوں میں تفتیش کے دوران اعلیٰ حکام کی طرف سے رخنہ اندازی کی گئی تھی۔ لیکن وہ حقیقتاً ان کیسوں سے دست کش نہیں ہوا تھا اور پھر بعد کو حکام نے خود ہی اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی، لیکن اس کیس میں خود فریدی ہی نے کاندھے ڈال دیئے تھے۔

اس دن پھر وہ فریدی سے نہیں ملا اور دوسری صبح وہ گھاٹم پار کے لئے روانہ ہو گیا، یہ مقام ٹیکم گڈھ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔

لوگ جوق در جوق گھاٹم پار کی طرف جا رہے تھے۔ ان میں ٹورسٹ بھی تھے اور مقامی لوگ بھی۔

حمید نے اپنے چہرے میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں کی تھی صرف ایک عدد گھنی مونچھ کا اضافہ کیا تھا کہ قاسم سے محفوظ رہ سکے۔ قاسم آج کل ضرورت سے زیادہ خر دماغ ثابت ہو رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ قاسم بھی میلے کے لئے تیاریاں کر رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں گھاٹم پار کی طرف چل پڑی

تھیں، مطلع صبح ہی سے ابر آلود تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہلکی ہلکی پھواریں سی اڑنے لگتی تھ مقامی لوگ عموماً پیدل ہی نظر آرہے تھے۔ ٹورسٹ خچروں اور ٹٹوؤں اور ڈانڈیوں پر سفر کرر تھے، یہاں سے گھاٹم پار تک کوئی باقاعدہ سڑک نہیں تھی اس لئے کاریں اور جیپیں وہاں تک نہ پہنچ سکتی تھیں۔

نشاط کے ٹورسٹ ایک ساتھ روانہ ہوئے تھے کیونکہ ان کے لئے ہوٹل ہی کی طرف سے سواریوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن قاسم بیچارہ پیدل ہی چل رہا تھا۔ کیونکہ خچر یا ٹٹو اپنی نسل ابھی تک کوئی قاسم نہیں پیدا کر سکے تھے۔ وہ چل تو پڑا تھا مگر اس کی حالت قابل رحم تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی پہاڑی چوٹی سے ایک بہت بڑا پہیہ لڑھکا دیا گیا ہو۔

حمید اُس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہنسی کے مارے اس کے پیٹ میں بل پڑے جا رہے۔ دل چاہتا تھا کہ اپنی مصنوعی مونچھیں اکھاڑ پھینکے اور قاسم سے چھیڑ چھاڑ شروع کردے۔

لوگ اُسے دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے اور قاسم نیچے سے اوپر تک چقندر ہو رہا تھا۔ اگر ا بس چلتا تو وہ ایک ایک کی ہڈیاں توڑ کر رکھ دیتا۔ ہنسنے والوں میں لڑکیاں پیش پیش تھیں اور ان وہ یوریشین لڑکی بھی تھی جو قاسم کو ماموں جان مخاطب کرتی تھی۔

ایک بار اس کا ٹٹو قاسم کے ساتھ چلنے لگا۔

"ہیلو ماموں جان....!" اُس نے اُسے مخاطب کیا۔

لیکن قاسم منہ پھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا، انداز روٹھ جانے کا سا تھا اور ایسا معلوم تھا جیسے قاسم متوقع ہو کہ وہ ٹٹو سے اتر کر اُسے منا لے گی۔

"ماموں جان.... اگر تم تھک گئے ہو تو برانڈی پیش کروں۔" لڑکی نے پھر کہا۔ "مگر ساتھی ہے کہاں، وہ تو تمہاری طرح غصیلا نہیں ہے۔"

"اس سالے کی ایسی کی تیسی۔" قاسم یک بیک اردو میں دہاڑا۔

"میں نہیں سمجھی کہ تم نے کیا کہا ہے۔" لڑکی نے کہا اور قاسم اس سالے کی ایسی کی انگریزی میں ترجمہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ "سالے" کا ترجمہ "برادر ان لا" کیا لیکن "ا تیسی" میں ایسی گاڑی پھنسی کی قاسم کافی دیر تک ہکلاتا رہا۔

"پتہ نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔" قاسم نے جھلا کر اردو میں کہا۔ "کہ خدا کرے تمہیں ٹی۔بی ہو جائے، جس نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہو اللہ کرے اس سالے کی زبان سڑ جائے، میرا باپ بھی سالا مجھے ماموں جان نہیں کہہ سکتا۔ خون پی جاؤں۔"

"پتہ نہیں تم کیا بک رہے ہو۔" لڑکی نے کہا اور اپنا ٹٹو آگے نکال لے گئی۔

پتھر کا شکار

ہزاروں قہقہے حمید کے حلق میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ اس بے بسی کی وجہ یہ تھی کہ حمید خود کو قاسم سے بالکل ہی بے تعلق رکھنا چاہتا تھا۔

اچانک ایک جگہ نیلم دکھائی دی جو خاکی پتلون اور کتھئی جیکٹ میں ملبوس تھی۔ قاسم کو دیکھ کر وہ اپنے خچر سے اتر پڑی۔

"وہ تمہارا دوست کہاں ہے۔" اس نے چھوٹتے ہی قاسم سے سوال کیا اور قاسم کا موڈ پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گیا۔

"مر گیا....!" وہ غرایا۔

"کیا مطلب....!"

"میں نہیں جانتا مطلب وطلب....!" قاسم نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"میں کیپٹن حمید کے متعلق پوچھ رہی ہوں۔"

"کیا میں جیب میں لئے پھرتا ہوں اُسے... ہو گا کہیں۔ میں قیا.... کیا جانوں۔"

حمید اس وقت بھی انکے قریب ہی تھا اُسے تشویش ہو گئی کہ آخر وہ اسے کیوں پوچھ رہی ہے۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں، موٹے آدمی.... میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گی۔ تم دونوں نے اس رات میرے ساتھ فراڈ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

پولیس کے نام پر قاسم بغلیں جھانکنے لگا۔

"میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے میرے گھر پہنچا دے لیکن راستے میں اس کے آدمیوں نے ٹیکسی گھیر لی اور وہ خود ٹیکسی سے اتر گیا۔ پھر اگر ڈرائیور اپنے اوسان بجانہ رکھتا تو میں ڈوب ہی گئی ہوتی۔"

اب حمید نے غور کیا تو ان کے گرد اور بھی کئی آدمی نظر آئے جن میں ایک تو یقینی طو
پہچانا جاسکتا تھا۔ کیونکہ نائٹ کلب والے ہنگامے میں بھی وہ شریک تھا۔ حمید نے سوچا ممکن ہے
اب اس نے ان لوگوں کو اپنی طرف سے مطمئن کردینے کے لئے یہ جال بچھایا ہو۔ اس کی بے
صلاحیتوں کا اندازہ اسے پہلے ہی ہو چکا تھا۔

قاسم اور نیلم میں تکرار ہوتی رہی، معلوم نہیں کیوں قاسم اس وقت حمید کا پارٹ لے رہا تھا۔

"اچھی بات ہے۔" نیلم آخر کار بولی۔ "میں تم لوگوں سے سمجھ لوں گی۔"

"اے.... میں کچھ نہیں جانتا۔" قاسم پاگلوں کی طرح اپنے ہاتھ ہلانے لگا۔ "وہ تمہیں
میں ملے گا۔"

نیلم پھر خچر پر بیٹھ کر آگے بڑھ گئی۔ حمید نے بھی اپنا خچر آگے بڑھایا اور ان لوگوں کی
سے نکل گیا، جو نشاط سے روانہ ہوئے تھے۔

قاسم پیچھے رہ گیا۔

"تم اُلو بنانے میں بہت تیز ہو۔" اُس کے ساتھیوں میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

"کیوں میں نے کسے اُلو بنایا ہے۔"

"کیا وہ فولادی والی کہانی صحیح تھی۔"

"حرف بحرف....!" نیلم نے جواب دیا۔

"تم اس سے ڈری نہیں تھیں۔"

"میں ایک فولاد کے ڈھانچے سے ڈروں گی۔ کہیں تم بھنگ تو نہیں پی گئے۔"

"نہیں.... نہیں۔" دوسرا بولا۔ "تم تو رستم کی نواسی ہو۔"

"تم تو بات ہی نہ کیا کرو۔ ذرا ان کی شکل دیکھنا یہ بھی مردوں میں بول لیتے ہیں۔"

دوسرے ہنس پڑے اور وہ بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ پھر خود بھی ہنسنے لگا۔

نیلم نے گردن اکڑا کر کہا۔ "میں اس کی شاگرد ہوں جس کا ایک تھپڑ لوگوں کی گردن
دیتا ہے۔"

"کیا تمہیں اس پر افسوس نہیں ہوا تھا نیلم....!" ایک نے کہا۔

"افسوس ہوا تھا مگر وہ بھی تو حد سے بڑھ گیا تھا۔ تم میں سے کون ایسا ہے جس پر ا

احسانات نہ ہوں۔"

"ہاں.... آں.... مگر اتنی سخت سزا۔ میں کہتا ہوں کہ اب تمہارے بابا کا ذہنی توازن
بگڑنے لگا ہے اور عنقریب انہیں کوئی بہت بُرا دن دیکھنا پڑے گا۔"

"بُرے دن تو تم سبھوں کے لئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے.... ہم ہر وقت قانون کی زد پر رہتے ہیں، لیکن اگر ہم میں سے کسی کا ہاتھ ان پر
ٹھ گیا تو بعد میں ہمیں افسوس ہوگا۔ لہٰذا تم انہیں سمجھاؤ۔"

"یوں تو میں سبھوں کو سمجھاتی ہی رہتی ہوں۔"

"دیکھا۔" ایک آدمی چہک کر بولا۔ "اسے لکھ لو کہ یہ پولیس سے مل گئی ہے بوڑھے کو یقین
ں نہیں آتا۔"

"فضول بکواس نہ کرو۔" اس آدمی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا میں تمہیں اس بدتمیزی کا مزا چکھا دوں؟" نیلم نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"دیکھو! تم میرے سر نہ چڑھنا میں نے آج تک کسی عورت کا احترام نہیں کیا۔ میری ماں
ے اتنے بُرے الفاظ میں یاد کرتی تھی کہ خود اس کا کیرکٹر مشکوک ہو جاتا تھا۔" اس آدمی نے کہا۔

"میں الفاظ نہیں جوتے استعمال کرتی ہوں تمہاری ماں کے بازوؤں میں سکت نہ رہی ہوگی۔"

"بھئی نیلم خدا کے لئے یہاں راستے میں کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کر دینا۔" دوسرے آدمی نے کہا۔
م تو عقل استعمال کیا کرو۔"

"نہیں اسے ہنگامہ کرنے دو۔ میں بوڑھے سے ڈرتا ہوں نہ اسے کچھ سمجھتا ہوں۔"

"خاموش بھی رہو۔"

نیلم خاموش ہو گئی۔ وہ آدمی بھی چپ ہو گیا لیکن دونوں ہی ایک دوسرے کو خونخوار نظروں
ے گھور رہے تھے۔ حمید کی سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ لڑکی کس قسم کی ہے اور اپنے ساتھیوں میں اس
پوزیشن کیا ہے۔

پہاڑیاں خچروں کے ٹاپوں سے گونجتی رہیں۔ کہیں کہیں بادل پھٹ گئے تھے، نیلے آسمان کی
ملیاں بڑی دلکش معلوم ہو رہی تھیں۔

پہاڑی عورتوں کی ایک ٹولی گاتی ہوئی قریب سے گزر گئی۔ حمید نے اپنا خچر روک لیا تھا۔

وہ بھدی اور بے ہنگم عورتیں تھیں لیکن وہ اس وقت فطرت سے اتنی ہم آہنگ نظر آرہ تھیں کہ حمید انہیں دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ صدہا سال پرانی دنیا میں سانس لے رہا ہو، وہ بھول جانا چاہتا تھا کہ بیسویں صدی کا آدمی ہے، کتنا سکون تھا ان پہاڑی عورتوں کے چہرے پر، کتنی زندگی تھی ان کی آوازوں میں.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اساطیری چشمہ حیوان کا پانی پی کر امر ہو گئی ہوں۔

حمید کافی دیر تک وہیں کھڑا لوگوں کو گزرتے دیکھتا رہا۔ پھر جب قاسم لڑھکتا ہوا قریب آگ تو وہ بھی خچر سے اتر پڑا اور دفعتاً اسے ایک نئی شرارت سوجھی، اس نے ہاتھ اٹھا کر بڑے ادب سے قاسم کو سلام کیا۔

"والے کم سلام۔" قاسم نے گڑبڑا کر جواب دیا اور خواہ مخواہ دانت نکال دیئے۔

حمید نے اپنی آواز بدل کر کہا۔ "آپ بڑے خوش نصیب ہیں جناب۔"

"قیوں....!" قاسم چلتے چلتے رک گیا۔

"وہ پتلون والی لڑکی جو ابھی آپ سے جھگڑا کر رہی تھی نا....!"

"ہاں ہاں....!" قاسم نے بھاڑ سا منہ کھول کر سر ہلا دیا۔

"وہ آپ کے متعلق بڑی اچھی رائے رکھتی ہے، چلتے رہئے میں بھی اب پیدل چلوں گا۔"

"جرور.... ضرور.... جی ہاں.... مم.... مگر اچھی رائے۔ ہی ہی ہی، ہپ...." یک بیک قاسم نے "ہی ہی" میں بریک لگا دیا۔

"وہ ابھی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی تھی کہ آپ اُسے بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"نائیں....!" قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ چلتے چلتے رک گیا۔

"ہاں جناب.... مجھے آپ کی قسمت پر رشک آتا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کاش میں آپ ہی کی طرح لحیم شحیم ہوتا۔"

"ارے.... نہیں.... میں.... کیا.... ہی ہی ہی۔"

"نہیں جناب۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر وقت اس دیوزاد کو دیکھتی رہوں۔"

"اللہ قسم....!" قاسم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"یقین نہ ہو تو اُسی سے پوچھ لیجئے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ آپ اس قابل نہیں ہیں۔"

"قیا مطلب....!" قاسم کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

"مطلب کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی عورت کسی ایسے آدمی سے خوش رہ لتی ہے جو اس کا مزاج نہ پہچانتا ہو۔"

"واہ میں ہمیشہ سلام کے بعد مزاج شریف پوچھتا ہوں۔"

"لیکن وہ آپ سے جھگڑا کیوں کر رہی تھی۔"

"اوہ.... وہ میرا ایک دوست ہے نا حمید، اس نے اس لڑکی پر.... اوہ لڑکی سے مذاخ.... اخ.... مذاق کیا تھا۔ اسی پر وہ اتنی گرم ہو رہی تھی۔"

"کچھ بھی ہو۔ آپ اس موقع پر ضرور فائدہ اٹھائیے۔ کیونکہ وہ آپ سے جھگڑنے کے بعد ں آپ کی تعریف کر رہی تھی۔"

"کاسے.... فائدہ.... اٹھاؤں۔"

"اس سے قریب رہنے کی کوشش کیجئے اور ہمیشہ کہتے رہئے کہ آپ کو اُس سے عشق ہو گیا ہے۔"

"ارے باپ۔" قاسم نے کچھ اس طرح منہ بنا کر پیٹ پکڑ لیا جیسے بدہضمی ہو گئی ہو۔

"کیوں.... کیوں؟"

"اگر.... خفا.... خفا.... ہو گئی تو کیا ہو گا۔"

"تو کیا ہو گا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آپ بھی بڑے وہی معلوم ہوتے ہیں۔ ارے ب کو خفا ہونا ہی تو اچھا لگتا ہے۔"

قاسم منہ پھیلانے لگا۔ وہ دونوں پھر چلنے لگے تھے۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے وہ گھاٹم پار پہنچ گئے۔ حمید نے محسوس کیا کہ یہ ویسے بھی ایک اچھی تح گاہ ہے۔ پہاڑیاں سبزے سے ڈھکی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان ایک چھوٹی سی جھیل ما ایسی ہی لگ رہی تھی جیسے زمرد کے ڈھیر میں ایک ہیرا پڑا جگمگا رہا ہو۔

جھیل کے چاروں طرف لکڑی کے کیبن نظر آرہے تھے، ان میں کچھ تو دوکانوں کی حیثیت ے تھے اور کچھ رہائشی تھے۔ رہائشی کیبن دراصل ٹیکم گڈھ کے بڑے ہوٹلوں کی طرف سے اس مہیا کئے گئے تھے کہ سیاحوں کو تکلیف نہ ہو۔ مگر ان سے وہی سیاح فائدہ اٹھا سکتے تھے، جو ان

ہوٹلوں میں مقیم رہے ہوں۔

میلہ اس وقت بھی شباب پر تھا اور اس مزار کے گرد تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی جر
کے عرس کے سلسلے میں یہ میلہ ہوا کرتا تھا۔

عورتیں گا رہی تھیں، ڈھول پیٹے جا رہے تھے اور اکثر لوگ سیاہ رنگ کے جھنڈے اٹھا
ہوئے رقص کرتے ہوئے مزار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

مشرق کی طرف ڈھلان میں لاتعداد دوکانیں پھیلی ہوئی تھیں، یہ یا تو لکڑی کے فریم
کینوس منڈھ کر بنائی گئی تھیں یا ان میں صرف لکڑی استعمال ہوئی تھی۔

اس میلے کی تیاریاں تقریباً چھ ماہ پہلے سے شروع ہوتی تھیں اور میلہ تیرہ دن تک جاری رہ
تھا۔ کبھی کبھی بارہویں دن بھی ختم ہو جاتا تھا دراصل میلے کا اختتام پہلی چاند رات کو ہوتا تھا، لہٰ
شروع ہونے کی تاریخ سے اکثر ایک دن کا فرق بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن اس فرق کو مقامی باشندے
مزار والے پیر کے معتقدین بدشگونی تصور کرتے تھے جس سال بھی توقع ہوتی کہ چاند مہینے کے
انتیسویں دن دکھائی دے گا اُس سال بھی تو میلہ لگتا ہی تھا۔ لیکن ان لوگوں میں بڑی بے دلی پا
جاتی تھی جو حقیقتاً میلے کے روح رواں ہوتے تھے۔ گیت فضا میں لہراتے لیکن ان میں زندگی
ہوتی، کالے جھنڈے اٹھا کر ناچنے والے ناچتے مگر ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی کوڑے مار مار کر انہیں
ناچنے پر مجبور کر رہا ہو۔

چہل پہل میں بیساختگی نہ ہوتی اور مزار پر شہنائیاں بجانے والے صبح سے شام تک د
بھرے گیت فضاؤں میں بکھیرتے رہتے۔

اس سال تو میلے میں بڑی زندگی تھی، کیونکہ پچھلا چاند انتیس کا ہو چکا تھا لہٰذا توقع تھی
میلے کا اختتام تیسویں کے چاند پر ہوگا۔

حمید اپنا خچر اس طرف لیتا چلا گیا جہاں نشاط کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔ منتظم کو وہ کارڈ دیا جو اُ
روانگی کے وقت نشاط سے ملا تھا۔ اُسے فوراً ہی ایک کیبن میں پہنچا دیا گیا۔

کیبن اتنا بڑا تھا کہ اس میں ایک پلنگ ایک چھوٹی سی میز اور دو کرسیاں آ سکیں لیکن اس
سچویشن بڑی شاندار تھی، یہ جھیل پر جھکی ہوئی ایک مسطح چٹان پر واقع تھی اور کچھ دیر تک پانی
دیکھتے رہنے پر ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے وہ کوئی ہاؤس بوٹ ہو۔

حمید کوٹ اتار ہی رہا تھا کہ نشاط کے ایک ملازم نے آکر اطلاع دی کہ غلطی سے وہ کیبن
سے دیا گیا ہے۔ حقیقتاً وہ کسی اور کے لئے مخصوص تھا۔ حمید کو بڑا غصہ آیا اور اُس نے اُسے
چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا لیکن جب اس ہستی پر نظر پڑی جس کے لئے یہ کیبن پہلے ہی سے
مخصوص تھا تو ایک بیساختہ مسکراہٹ اس کی گھنی مونچھوں کی اوٹ میں اٹکھیلیاں کرنے لگی۔
کیونکہ یہ ہستی نیلم تھی۔

نیلم کیبن کے باہر کھڑی اس کے نکلنے کی منتظر تھی۔

"بھئی یہ کیا مصیبت ہے۔" وہ ہاتھ ہلا کر ملازم سے بولا۔ "آخر تم مجھے یہاں کیوں نہیں
رہنے دیتے۔ کیا میں اس چٹان سے جھیل میں چھلانگ لگا کر خودکشی کرلوں گا۔"

ویٹر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "پتہ نہیں جناب! یہ سپروائزر صاحب جانیں۔"

"جاؤ سپروائزر کو بھیج دو۔"

"جناب آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔" نیلم سامنے آکر بولی۔

"اوہا....!" حمید چونک پڑا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "آپ کی تعریف۔"

"کیبن آپ ہی کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔" ملازم نے جواب دیا۔

"اوہ.... بھئی تمہارا یہ سپروائزر آدمی ہے یا کسی جانور کی نقل جو عورت اور مرد میں تمیز
نہیں کر سکتا۔"

"آپ اسے خالی کریں گے یا نہیں۔" نیلم نے جھنجھلا کر کہا۔

"نہیں....!" حمید نے بھی اُسی لہجے میں جواب دیا۔

"تم باہر آجاؤ۔" نیلم نے ویٹر سے کہا۔

وہ چپ چاپ باہر آگیا اور نیلم اندر گھستی چلی گئی۔

"میں نے آپ کو نشاط میں کبھی نہیں دیکھا۔ پھر یہ کیبن آپ کو کیسے مل گیا۔" حمید نے اس
سے سوال کیا۔

"آپ براہِ کرم باہر نکل جائیے۔"

"تو کیا آپ یہاں تنہا رہیں گی۔"

"شٹ اپ....!" نیلم نے ہاتھ گھما دیا۔ لیکن ہاتھ کیبن کی دیوار پر پڑا اور حمید یا! کہتا ہوا

ایک طرف ہٹ گیا۔ "ذرا سنبھل کر کہیں میری مونچھوں کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے میں ان کا بیمہ کراچکا ہوں۔"

ملازم بوکھلا کر اندر گھس آیا۔

لیکن نیلم دفعتاً ٹھٹک گئی اور دوسرے حملے کے لئے اٹھا ہوا ہاتھ اٹھا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور حمید سوچ رہا تھا کہ شائد اس نے اُسے پہچان لیا ہے۔

اچانک نیلم نے ملازم سے کہا۔ "تم جاؤ.... ہم لوگ طے کرلیں گے۔"

ویٹر شاید جانا نہیں چاہتا تھا۔ قدرتی بات تھی کہ اُسے یقیناً کھوج پڑی رہتی کہ ان دونوں نے اس مسئلے کو کس طرح طے کیا۔

"کیا تم نے نہیں سنا۔" نیلم غرائی۔

ویٹر بوکھلا کر باہر نکل گیا اور پھر وہ وہاں رکا ہی نہیں۔

نیلم بُرا سا منہ بنائے حمید کو گھور رہی تھی۔

"کیا میں تمہاری مونچھیں اکھاڑ لوں۔" اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"اس سے پہلے اپنے دوستوں کو بلالو تو بہتر ہے ورنہ ہو سکتا ہے کہ یہ مونچھیں اکھڑنے کے بعد ہتھکڑیاں بن جائیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو.... اچھا ہوا کہ تم مل گئے۔"

"تم نے پہچان لیا آخر....!"

"مونچھوں کے علاوہ اور کیا بات ہے کہ نہ پہچانتی، ویسے آواز بدلنے میں تم اپنا جواب نہیں رکھتے۔"

"شکریہ.... لیکن تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہو۔"

"اوہ تو کیا تمہیں مجھ سے دوبارہ ملنے کی خواہش نہیں تھی۔"

"نہیں.... اس معاملے میں بہت بدقسمت ہوں، میں جس لڑکی سے بھی دوبارہ ملنے کی خواہش کرتا ہوں اس کی شادی ہو جاتی ہے۔" حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ نیلم ہنس پڑی۔

"اچھا خیر... میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کیا ہم لوگوں کا کیس تم سے لے لیا گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"بس یونہی.... میں اس کی تصدیق کرنا چاہتی ہوں۔"

"کس سے سنا ہے۔"

"تم آخر بحث کیوں کرنے لگتے ہو۔ میں ایک بات پوچھ رہی ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ہماری ذات سے ہے اس لئے ہم سارے معاملات کی کھوج میں رہتے ہی ہوں گے۔"

حمید چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم نے ٹھیک سنا ہے۔ بیٹھ جاؤ۔"

نیلم ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ حمید کھڑکی سے جھیل میں دیکھ رہا تھا اور اس الجھن میں مبتلا تھا کہ آخر یہ لڑکی کیا چاہتی ہے۔ دفعتاً اُسے ایک بات یاد آگئی اور اس نے نیلم کی طرف مڑ کر کہا۔

"اُس رات تمہاری کہانی ادھوری رہ گئی تھی میں اس کے متعلق اکثر سوچتا ہوں۔"

"کہانی کی بات چھوڑو.... تم دونوں اب بھی خطرے میں ہو۔ گروہ کا خیال ہے کہ ابھی تم ٹیکم گڈھ سے واپس نہیں جاسکتے۔"

"کمال ہے.... کیا اس گروہ میں فرشتے بھی شامل ہوگئے ہیں۔"

"نہیں.... بابا بہت باخبر آدمی ہے۔ اُس کا خیال ہے چونکہ فولادی بھی پہلی بار یہیں ظاہر ہوا ہے اس لئے کرنل فریدی ڈاکٹر ہرمین کو یہیں تلاش کرے گا۔"

"اوہ.... تو پھر....!"

"وہ کسی موقعہ پر تم دونوں کو دھوکے سے ماردیں گے۔"

"نیلم .... تم جانتی ہو کہ ہم ابھی تک نہیں مارے جاسکے۔ حالانکہ جتنے بھی حملے ہوئے دھوکے ہی میں رکھ کر کئے گئے تھے۔"

"اب اور بھی ہوشیار رہنا۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ لیکن تم آخر کیا بلا ہو۔"

میں ایک زخمی ناگن ہوں، جو نہ صرف زخمی کرنے والے کی تلاش میں ہے بلکہ اکثر انہیں بھی ڈس لیتی ہے جنہوں نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ میں مجبور ہوں کیپٹن۔ اپنی اصلاح کرنا چاہتی ہوں لیکن نہیں کرسکتی۔"

"اگر تمہارا گروہ گرفتار ہو گیا تو تمہارا حشر بھی اُن لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔"

"وہ آگ تو ٹھنڈی ہو جائے گی، جو ہوش سنبھالتے ہی میرے ریشے ریشے میں دہک اٹھی تھی۔"

"میں اُسی آگ کے متعلق جاننا چاہتا ہوں... آخر انہوں نے تمہاری ماں کو کیوں مار ڈالا تھا۔"

نیلم کچھ نہ بولی۔ حمید اس کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ نیلم نے ایک طویل سانس لی اور پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "میری ماں.... وہ بچی.... طوفان.... اوہ.... میرا باپ بھی اسمگلر تھا۔ ہر آدمی آزاد تھا۔ باہمی تعاون کے اصول پر وہ لوگ کام کرتے تھے اور نفع آپس میں تقسیم کرلیتے تھے۔ اتفاقاً ان میں سے ایک کا میرے باپ سے جھگڑا ہوگیا اور اس نے انہیں گولی مار کر ہلاک کردیا۔ اس پر میری ماں نے شاید ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ اس کی اطلاع پولیس کو دے گی کہ اس کا قتل کیوں ہوا ہے اور وہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک اندھیری رات تھی۔ جب میرے باپ کے قاتل نے میری ماں کو بھی ختم کردینا چاہا۔ وہ مجھے گود میں اٹھا کر مکان سے نکل گئی۔ اسی دوران میں بارش ہونے لگی اور میری ماں مکان سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ لیکن اس نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ آخر ایک ویران جگہ پر اس نے اُسے بھی گولی مار دی۔ بابا جسے اُس کے بُرے ارادے کی اطلاع ہوگئی تھی برابر اس کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ مگر وہ میری ماں کو موت کے منہ سے نہ بچاسکا۔ اُس نے پہلے ہی اُس آدمی کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ بارش ہو رہی تھی اور میں اپنی ماں کی لاش سے چمٹی ہوئی چیخ رہی تھی۔ یہ مجھے بابا ہی نے بتایا تھا ورنہ میں اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔ لیکن اب مجھے اُس ننھی سی بچی پر ترس آتا ہے، تم خود سوچو.... میرے خدا۔"

اُس کی آواز بھرا گئی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے بجائے ایک وحشیانہ سی چمک تھی۔ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "بابا مجھے نہیں بتاتا کہ وہ کون تھا۔ زندہ ہے یا مر گیا۔ اب گروہ سے متعلق ہے یا کہیں اور ہے۔ میں اُس وقت تک اسی طرح سلگتی رہوں گی جب تک کہ اُس ننھی سی بے بس بچی اور اُس مظلوم عورت کا انتقام نہ لے لوں جس کی لاش رات بھر بارش میں بھیگتی رہی تھی۔"

"اس سلسلے میں اگر کسی اسٹیج پر خدمت کی ضرورت محسوس ہو تو مجھے نہ بھولنا۔"

"شکریہ۔" نیلم نے کہا۔ "میں شاید اکیلے ہی یہ مسئلہ حل کرنا زیادہ پسند کروں گی۔"

"موٹے سے میرے متعلق کیا پوچھ رہی تھیں۔"

"اُن لوگوں کو شبہ ہوگیا تھا کہ میں تم لوگوں سے مل گئی ہوں۔"

"تمہارا طریق کار ہی شبہ میں مبتلا کردینے والا تھا۔"

"ہوگا۔" اُس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "مجھے ایسی باتوں کی پرواہ نہیں ہوتی۔"

"اور وہ.... فولادی کا کیا قصہ تھا۔"

"کچھ بھی نہیں.... میں نے تقریباً آدھے گھنٹے تک اُس سے گفتگو کی تھی۔ وہ یقیناً حیرت انگیز ہے اور اس کا خالق اگر بُرائی پر آمادہ ہوجائے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اُسے شکست نہیں دے سکتی۔"

پھر اُس نے وہ سب کچھ بھی بتایا جو اس سلسلے میں دیکھ چکی تھی۔ کس طرح وہ زمین پر اُترا تھا اور کس طرح وہ روشنی میں نہا گئی تھی اور فولادی کس طرح لوگوں کے حملے رد کرسکتا تھا۔

حمید حیرت سے سنتا رہا اور جب وہ خاموش ہوئی تو اس نے کہا۔ "میں ابھی تک اُسے نہیں دیکھ سکا۔"

"پھر تم لوگ ہرمین کو کیا تلاش کرسکو گے۔"

"میں ذاتی طور پر صرف تم لوگوں کی گھات میں ہوں۔"

"مشکل ہے.... اگر تم نے گروہ کو گرفتار بھی کرلیا تو کیا ہوگا۔ کیا تم اُس آدمی تک بھی پہنچ سکو گے جو سرغنہ ہے۔ پہلے بھی تو تم نے کچھ آدمیوں کو گرفتار کیا تھا۔ پھر کیا ہوا۔ کیا ضمانت پر رہا نہیں ہوگئے۔ جن لوگوں نے ضمانت دی تھی اب انہیں ٹٹولو.... لیکن وہاں کچھ بھی نہ ملے گا۔ بابا کا خیال ہے کہ سرغنہ تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

حمید اس پر کچھ بھی نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد نیلم اٹھتی ہوئی بولی کہ وہ اس سے کیبن نہیں خالی کرائے گی۔ حالانکہ حمید اب کیبن چھوڑ دینے پر تیار تھا۔

❁

فولادی عشرت روڈ کے چوراہے پر کھڑا تھا اور سڑک کے دونوں طرف میلہ سا لگا ہوا تھا۔ لوگ اُسے دیکھنے کے لئے پنجوں کے بل اچھل رہے تھے۔

چوراہا نو بجے کے بعد خالی ہوجاتا تھا کیونکہ اس وقت یہاں ٹریفک کا اژدہام نہیں ہوتا تھا۔ فولادی نے اس چوراہے پر پہنچتے ہی اعلان کیا تھا کہ وہ آزمائشی طور پر اس وقت ٹریفک کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔

لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ وہ بالکل کسی آدمی ہی کی طرح ٹریفک کو رکنے اور گذرنے کیلئے اشارہ کررہا تھا۔ اُس کے سر سے نکلنے والی روشنی چاروں طرف دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا جارہا تھا۔ "بڑے شرم کی بات ہے کہ آپ لوگ رفتار کا خیال نہیں رکھتے۔ ذرا ذرا سی باتیں ہی معاشرے کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔ خدا کے لئے پندرہ میل سے زیادہ رفتار نہ رکھئے۔ قانون کی پابندی ہر شہری کا فرض ہے۔"

ٹیکم گڈھ کے محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ واصف نے فریدی سے کہا۔ "آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں ہر مین کو اُس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے اچھا ہی کر رہا ہے۔"

"آپ ایک قانون کے محافظ کی حیثیت سے ایسا نہیں کہہ سکتے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"اوہ.... وہ دوسری صورت ہے۔ مگر یہ تو بتایئے کہ ہم کب تک بے بسی سے اُسے دیکھتے رہیں گے۔"

"جب تک کہ اس سے کوئی غیر قانونی حرکت نہیں سرزد ہوتی۔ حالانکہ یہ بجائے خود ایک غیر قانونی حرکت ہے لیکن کم از کم ہمیں اسے سمجھنے کا موقع تو ملنا ہی چاہیئے۔ آج میں اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"پھر کیا میں اسے ادھر بلاؤں۔"

"نہیں.... خواہ مخواہ بھیڑ اکٹھی ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "میں خود ہی جارہا ہوں۔"

وہ سڑک پار کر کے فولادی کے قریب پہنچ گیا۔ لوگ شور مچانے لگے کیونکہ آج تک کسی نے بھی اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

"فرمایئے جناب۔" فولادی نے فریدی کے قریب پہنچنے پر کہا۔

"میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"میرے لائق کوئی خدمت۔"

"ہاں تم دوسروں کو قانون کا احترام کرنا سکھاتے ہو لہٰذا میں قانون ہی کے نام پر تم سے کہتا ہوں کہ چپ چاپ اس پولیس کار میں بیٹھ جاؤ۔"

"کیوں جناب۔"

"ہم تمہیں پولیس اسٹیشن لے جاکر تم سے گفتگو کریں گے اگر تم ہمیں مطمئن کر سکے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا ورنہ وہی ہوگا جو مشتبہ آدمیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"

"میں آدمی تو نہیں ہوں جناب۔"

"ہم دراصل یہی دیکھنا چاہتے ہیں کہ تمہیں کس خانے میں رکھا جائے۔"

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ پولیس اسٹیشن پر کچھ ماہرین مجھے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔"

"تم میں رکھا ہی کیا ہے کہ سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

فولادی ہنسنے لگا پھر بولا۔ "ابھی تک مجھے صرف دو ہی آدمی ملے ہیں، جو مجھ سے خائف نہیں ہوئے۔ ایک تو ایک لڑکی تھی اور دوسرے آپ ہیں جناب۔ میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

"تم میرے ساتھ چلنے سے انکار کر رہے ہو۔"

"نہیں جناب.... میں تیار ہوں لیکن خطرے سے آپ کو پہلے ہی آگاہ کردوں۔ پہلی بات کسی کو بھی اجازت نہ ہوگی کہ وہ میرے قریب آکر میرے میکنزم کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اگر کسی نے بھی مجھے توڑنے پھوڑنے یا کسی اور قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو نتائج کی ذمہ داری سراسر آپ پر ہوگی۔ اگر آپ کو یہ منظور ہو تو ضرور لے چلئے مجھے۔"

"میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ اس قسم کی کوئی بات نہ ہونے پائے گی۔"

"چلئے.... میں تیار ہوں۔ لیکن اگر آپ اس کار میں لے جانے کے بجائے کسی کھلے ہوئے ٹرک کا انتظام کرتے تو بہتر تھا۔ آپ میرا قد تو دیکھ ہی رہے ہیں۔"

"ٹرک کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ تم ابھی یہیں ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور سڑک پار کر کے پھر واصف کے پاس آگیا۔

دو تین منٹ بعد انہیں ایک ٹرک مل گیا۔ فولادی کھلے ہوئے حصے پر جا چڑھا۔ واصف ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا لیکن فریدی فولادی ہی کے قریب رہا۔

راہ میں اُس نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ فولادی سے بھی آواز نہیں آئی۔ اُس کے سر سے نکلنے والی روشنی البتہ پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی اور دور دور تک پھیل رہی تھی۔

لوگ سڑکوں کے کنارے کھڑے حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔ انہیں شاید فولادی سے زیادہ فریدی پر حیرت تھی، جو فولادی کے قریب ہی ٹرک کے کنارے سے ٹکا ہوا تھا۔ کیونکہ عوام کے لئے گوشت و پوست کا پہلا آدمی تھا، جو فولادی سے اتنا قریب دیکھا جارہا تھا۔

کوتوالی پہنچ کر فریدی ٹرک سے کود گیا اور اسی کے حکم سے کوتوالی کا پھاٹک بند کر دیا گیا۔

"نیچے اُتر آؤ۔" اُس نے فولادی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ایک بار پھر میری شرائط یاد رکھیئے۔" فولادی نے کہا۔

"ارے.... آؤ بھی نیچے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تم میں رکھا ہی کیا ہے۔ کیا تمہارے ڈھانچے میں جابجا ٹیلیویژن کیمرے کے لینس نہیں ہیں اور یہ تمہاری کھوپڑی سے نکلنے والی روشنی اپنے حیطۂ عمل کی ساری چیزوں کا عکس اس پردے تک نہیں پہنچاتی۔ جہاں ایک چور بیٹھا ہوا تم سے کام لے رہا ہے۔"

فولادی سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ "نہیں دوست تم اپنے خادم ہرمین کو چور نہیں کہہ سکتے وہ تمہاری بھلائی کے لئے کام کر رہا ہے۔ اتنا یاد رکھو اگر تیسری جنگ ہوئی تو ایشیا کھنڈر ہو جائے گا۔ کیونکہ بڑی طاقتیں اس بار ایشیا ہی کو اکھاڑہ بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ مجھے سکون سے کام کرنے دو۔ میں سب کے دانت کھٹے کر دوں گا۔ مجھے جنگ اور جنگ بازوں سے نفرت ہو گئی ہے۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہے.... تم نیچے آجاؤ.... تفصیل سے گفتگو ہو گی۔"

"تم مجھے ایماندار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" فولادی سے آواز آئی اور وہ نیچے اتر آیا۔

فریدی نے وہیں کوتوالی کے صحن میں ایک بڑی میز ڈلوادی۔ کچھ کرسیاں رکھ دی گئیں اور فریدی چند بڑے آفیسروں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ فولادی مجرموں کی طرح سامنے کھڑا رہا۔

"ڈاکٹر ہرمین میں تم سے مخاطب ہوں۔" فریدی نے پر وقار لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کوئی بُرا ارادہ نہیں رکھتے لیکن اگر تم باقاعدہ طور پر ہماری حکومت سے تعاون کرو تو کیا ہرج ہے۔"

"تعاون.... نہیں.... یہ ناممکن ہے۔ ایشیا کے سارے ممالک کسی نہ کسی بڑی طاقت کے دوست ہیں۔ اُس سے مالی امداد لیتے ہیں اس لئے میں اعتماد نہیں کر سکتا۔"

"تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں.... قطعی.... لیکن تم ہر حال میں مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔"

"تم ہمارے دوست کس طرح ہوئے جب ہم پر اعتماد نہیں کر سکتے۔"

"تم پر اعتماد ہے لیکن ان سکوں پر اعتماد نہیں ہے جو تمہیں بطور مالی امداد بڑی طاقتوں سے ملتے ہیں۔"

"بہر حال میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ اگر تم نے پندرہ دن کے اندر اندر خود کو ظاہر نہ کر دیا تو بہت بُری طرح لائے جاؤ گے۔"

فولادی سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ "اچھی بات ہے۔ مجھے اس وارننگ پر غصہ نہیں آیا۔ میں تمہاری بھلائی کے لئے کام کرتا رہوں گا۔ یہاں ٹیکم گڈھ میں ایک نئی سڑک بنانے کا پلان مرتب کیا گیا ہے مگر جس علاقے سے سڑک نکالی جائے گی وہاں کے پہاڑ سخت ہیں ابھی تک یہ نہیں سوچا جاسکا کہ انہیں توڑنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس کے لئے میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ کسی دن وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔"

ٹھیک اُسی وقت فولادی سر سے پیر تک شعلہ ہو گیا اور ساتھ ہی کسی کی چیخ بلند ہوئی۔ دور کھڑے ہوئے کانسٹیبلوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ فولادی نے غرا کر کہا۔ "دیکھا تم نے.... کسی نے مجھ پر پتھر پھینکا تھا لیکن وہ پتھر اتنی ہی قوت سے واپس ہو گیا جتنی قوت سے پھینکا گیا تھا۔ لیکن میں نے غلط نہ کہا تھا کہ تم پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اب میں جارہا ہوں۔"

یک بیک فولادی اُسی طرح شعلہ جوالہ بنا ہوا فضا میں بلند ہو گیا۔ کچھ دور پر ایک کانسٹیبل زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ فولادی کی طرف سے لوٹا ہوا پتھر اس کے سر پر پڑا تھا۔ پتھر بہت وزنی تھا اور کافی قوت سے لگا تھا۔ اس لئے اس کی شکل بھی نہیں پہچانی جارہی تھی۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ پتھر کس نے پھینکا تھا۔

طوفان

میلے کی رونقیں شباب پر تھیں۔ چاند کی گیارہویں تھی اور مطلع بھی ابر آلود نہیں تھا۔ شفاف چاندنی کھیت کر رہی تھی اور قاسم اُس کھیت میں اونٹ کی طرح منہ اٹھائے کھڑا ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا۔ آہیں اس لئے بھر رہا تھا کہ اب نیلم اس بڑی مونچھوں والے میں دلچسپی لینے لگی تھی جس نے اُسے نیلم سے عشق کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

وہ انہیں ساتھ دیکھتا اور اس کے سینے پر سانپ نہیں بلکہ اژدھے لوٹ جاتے۔ اس وقت وہ ایک جگہ خاموش کھڑا نہ کچھ سوچ رہا تھا اور نہ کچھ کر بیٹھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس وقت تو حقیقتاً اُسے "غمید بھائی" کی یاد ستا رہی تھی۔ اُس کا خیال تھا اگر حمید یہاں موجود ہوتا تو اس کی مشکلیں یقینی طور پر آسان ہو جاتیں۔ کبھی اُسے اس بڑی مونچھوں والے پر غصہ آتا اور کبھی دل چاہتا کہ اُس سے بڑے شریفانہ انداز میں پوچھے کہ آخر اُس نے یہ کیا کیا؟ اگر خود اُسے ہی نیلم سے عشق کرنا تھا تو پھر خواہ مخواہ وہ ساری باتیں کیوں کہی تھیں؟

قاسم پر سچ مچ عشق سوار تھا۔ علامت اس کی یہ تھی کہ بعض اوقات اس کے ذہن میں اوٹ پٹانگ اشعار گونجنے لگتے تھے۔ وہ انہیں گنگنانے کی کوشش کرتا لیکن کامیابی نہ ہوتی۔ وہ سوچتا کہ یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اب اُسے راتوں کو نیند نہ آئے گی اور اس کی خوراک بھی کم ہو جائے گی کیونکہ عشق کے متعلق اس نے یہی سن رکھا تھا اور دو چار عاشق بھی اُس کی نظروں سے گزرے تھے ویسے یہ اور بات ہے کہ نشاط کا عملہ اس کی مزید کھلی ہوئی بھوک سے تنگ آ گیا ہو۔

لوگ رنگ رلیاں منا رہے تھے لیکن قاسم کسی بے آب و گیاہ پہاڑ کی طرح اداس کھڑا تھا قریب ہی لگے ہوئے جھولے کی چرغ چوں اُسے بہت گراں گزر رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جھولے پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی ٹانگیں پکڑے اور کھینچ کر جھیل میں پھینک دے۔

پھر اُس نے سوچا کیوں نہ یہی برتاؤ بڑی مونچھوں والے کے ساتھ کرے۔ اُس کے قدم اٹھ گئے۔ وہ حمید کے کیبن کی طرف جا رہا تھا۔

حمید کیبن کے دروازے پر کھڑا نظر آیا لیکن تنہا تھا۔ اُس نے قاسم کو آتے دیکھ لیا۔ وہ پہلے ہی محسوس کر چکا تھا کہ قاسم اُسے غصیلی نظروں سے گھورتا رہتا ہے۔

"سامالیکم بھائی صاحب۔" حمید نے بڑے جوش و خروش سے اُسے سلام کیا۔

"والے قم۔" قاسم نے غصیلی آواز میں جواب دیا اور اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"موسم بڑا حسین ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہوغا سالا....!" قاسم غرایا۔

"کچھ خفا ہو بڑے بھائی۔"

"کچھ کھفا.... ہو.... باڑے.... بھائی۔" قاسم نے ہاتھ نچا کر جلے بھنے انداز میں اُس

ملہ دہرایا۔

"ضرور خفا ہو.... آؤ چلو ٹہل آئیں۔"

"تت.... تم جھوٹے ہو.... دغا باز ہو۔"

"کیوں....؟"

"تم نے کہا تھا۔" قاسم کی آواز دردناک ہو گئی اور کسی باحیا عورت کی طرح سر جھکا کر اپنی نگلیاں مروڑتا ہوا بولا۔ "تم نے کہا تھا کہ وہ.... مم.... مجھ سے.... یعنی.... کہ.... مجھے پسند تی ہے۔"

"کون.... آپ کس کی بات کر رہے ہیں جناب۔"

"وہی پتلون والی۔"

"اوہ.... وہ....!" حمید خوش ہو کر بولا۔ "جی ہاں.... جی ہاں.... وہ بھی یہی کہتی ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"کیوں.... میں جھوٹا کیوں ہوں۔"

"تم اُسے ساتھ لئے پھرتے ہو۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"ارے واہ....!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "کچھ ہوتا ہی نہیں۔"

"ہاں.... کیا ہوتا ہے۔ میں تو اُسے مشورے دیا کرتا ہوں۔"

"کیسے مشورے۔"

"بھئی بات دراصل یہ ہے کہ تم بالکل پہاڑ خاں ہو اور اس لئے وہ تم سے ڈرتی بھی ہے۔ وہ ہتی ہے میں کس طرح اُس سے اظہار محبت کروں۔ اگر وہ خفا ہو گیا تو....!"

"ارے.... واہ.... الا قسم.... وہ کر کے بھی تو دیکھیں اظہار محوبت.... میں بالکل کھفا ہیں ہوں غا۔"

"اچھی بات ہے.... اب میں تمہارا پیغام اس تک پہنچا دوں گا۔ مگر یار تم خود ہی کیوں نہیں رتے اظہار محبت۔ وہ خوشی سے مر جائے گی۔"

"تم خود مر جاؤ۔"

"اے بڑے بھائی یہ محاورہ ہے۔ خوشی سے مر جانا۔ مطلب یہ کہ شادیٔ مرگ۔"

"شادی بھی کرلے گی۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔

"نہیں شادی تو شاید نہ کرے کیونکہ شادی وہ کسی ایسے آدمی سے کرنا چاہتی ہے جس بیوی ابھی زندہ ہو۔"

"اللہ قسم.... میری پہلی بیوی ابھی بالکل زندہ ہے۔" قاسم لہک کر بولا۔

"تب تو تمہاری چاندی ہی چاندی ہے۔ وہ تیار ہو جائے گی۔"

"پھر میں کیسے اظہار محوبت کروں۔"

"آؤ.... اندر بیٹھو.... اطمینان سے گفتگو ہوگی۔ میں تمہارے لئے سب کچھ کرسکتا تم خواہ مخواہ میری طرف سے بدگمان ہوگئے ہو۔"

"چلو.... چلو....!" قاسم اس انداز میں بولا۔ جیسے کچھ دیر پہلے اُسے اس پر غصہ ہی نہ وہ دونوں کیبن میں آبیٹھے۔

"تم خود ہی اس سے دور دور رہتے ہو۔ اسی لئے وہ تم سے بولتے ہوئے ڈرتی ہے۔" ح کہا۔ "ابھی آج ہی کہہ رہی تھی کہ کہیں میں مر ہی نہ جاؤں۔"

"ارے.... واہ.... مریں اس کے دشمن۔"

"بس پھر تم اظہار محبت کرڈالو، ورنہ وہ حقیقتاً مر جائے گی۔ وہ کہتی ہے پتہ نہیں تمہیں پرواہ ہے بھی یا نہیں۔"

"میں اظہار محبت کیسے کروں۔ مجھے کرنا نہیں آتا۔" قاسم گڑگڑایا۔

"ہائیں! تمہارے والدین نے تمہیں اظہار محبت کرنا بھی نہیں سکھایا۔"

"یہی تو مصیبت ہے پیارے بھائی۔ میں بالکل چھوٹا تھا۔ تب ہی والدین مر گئے تھے۔ نے خلاف توقع بڑی صفائی سے جھوٹ بولا اور حمید متحیر رہ گیا کیونکہ قاسم نہیں جانتا تھا کہ کیسے بولا جاتا ہے۔

"خیر ٹھہرو.... میں بتاتا ہوں۔ اظہار محبت کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ہو۔ چاندنی رات اور دریا کا کنارہ ہو تو کیا کہنا۔ یہاں یہ دونوں آسانیاں نصیب ہوسکیں گی چاندنی رات ہے اور سامنے یہ جھیل ہے۔ اسے جھیل کے کنارے لے جاکر ادھر اُدھر کی

کرتے رہنا۔ پھر دبی زبان سے کہہ دینا کہ مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم ہانپنے لگا پھر بولا۔ "پھر وہ کیا کہے گی۔"

"پھر اُسے جو کچھ بھی کہنا ہوگا کہے گی۔ ارے کہے گی کیا۔ یہی کہے گی کہ میں بھی آپ کے لئے دن رات ٹافیاں کھاتی رہتی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا.... ٹافیاں۔"

"مطلب یہ کہ میں بھی دن رات آپ کے لئے تڑپتی رہتی ہوں۔"

"الا قسم....!"

"ہاں بھئی۔"

"پھر کب.... یعنی کہ....!"

"ابھی اور اسی وقت۔" حمید نے کہا۔ "اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ ہوسکتا ہے کل آسمان بادلوں سے ڈھکا رہے لہٰذا اس حسین چاندنی سے فائدہ اٹھاؤ۔"

"پتہ نہیں کہاں.... وہ کہاں ہو۔" قاسم نے کہا اور اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"وہ اس وقت اپنے کیبن میں ہے۔"

"مگر وہ آنے ہی کیوں لگی۔"

"ہاں اس طرح تو نہیں آئے گی۔ تم اس سے یہ کہنا کہ بڑی مونچھوں والے نے بلایا ہے بس ہ سمجھ جائے گی۔"

"کیا سمجھ جائے گی۔"

"یہی کہ میں نے اس کی سفارش کردی ہے اور تم اظہار محبت کے لئے اُسے جھیل کے نارے لے جانا چاہتے ہو۔ تم اُس سے یہ کہنا کہ بڑی مونچھوں والا چاندنی رات میں جھیل کے نارے انتظار کررہا ہے۔"

"ابے دل دھڑکتا ہے پیارے بھائی۔" قاسم پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"مرد بنو.... جاؤ.... میں اس قسم کے مشورے ہر ایک کو نہیں دیتا۔ تم سے نہ جانے کیوں تئی محبت ہوگئی ہے۔"

"اچھا....!" قاسم نے دانت نکال دیئے۔

"بس اب جاؤ۔"

"قاسم باہر نکل کر نیلم کے کیبن کی طرف چل پڑا۔

نیلم نے جھیل کے کنارے پہنچ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کہاں ہے۔"

"وہ....وہ....ابھی تو یہیں تھا۔" قاسم ہکلایا۔

پھر اُس نے محسوس کیا کہ نیلم اُسے گھور رہی ہے۔ اُسے فوراً یاد آگیا کہ ہدایت کے مطا
اُسے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دینی چاہئیں۔

"وہ دیکھئے.... مطلب یہ کہ ادھر کی بات یہ ہے.... یہ جھیل ہے نا.... یہ چاند ہے نا..
اور اُدھر کی بات....یا....خدا....خدا جانے....اُدھر کی بات یعنی اِدھر اُدھر کی باتیں۔"

"کیا آپ نشے میں ہیں۔" نیلم نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔

"قسم لے لیجئے جو آج تک شراب چکھی بھی ہو۔"

"پھر افیون یا چانڈو سے شوق کرتے ہوں گے۔"

"ارے توبہ توبہ۔" قاسم زور زور سے اپنے گالوں پر تھپڑ مارنے لگا۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔" نیلم نے غصیلی آواز میں کہا۔

"ارے بھائی صاحب۔" قاسم نے بوکھلا کر شائد حمید کو آواز دی اور پھر دونوں ہاتھوں۔
منہ بند کر کے ہکلانے لگا۔

"دیکھئے....اِدھر....اُدھر کی باتیں تو کر چکا....اب دیکھئے....چاندنی کے کنارے..
جھیل ہو گیا ہے۔"

"آپ آدمی ہیں....یا ہونق....!"

"جی ہاں آدمی.... نہیں ہونق.... مم مگر.... ہونق کسے کہتے ہیں۔"

"آئینے میں شکل دیکھتے وقت سوچا کرو کہ ہونق کسے کہتے ہیں۔"

"بہت بہتر....اب سوچا کروں گا۔" قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اسے دراصل حمید کی

دوسری ہدایت یاد آگئی تھی۔ یعنی دبی زبان سے اظہار محبت کرنا۔

دبی زبان سے کیسے؟ اُس نے سوچا۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے میں دانتوں تلے زبان دبا کر
بولا۔ "آپ سے جُغ ہے۔"

"کیا.... میں نہیں سمجھی۔"

"آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا۔" قاسم نے زبان کو دانتوں کے دباؤ
سے آزاد کر کے کہا۔

"کیا کہا تھا ابھی آپ نے۔"

"جو کچھ کہا تھا دبی زبان سے کہا تھا.... جی ہاں.... جی ہاں.... اور آپ بالکل فکر نہ کیجئے
میری بیوی ابھی زندہ ہے۔"

نیلم دو چار قدم پیچھے ہٹی اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر بولی۔ "بتاؤ مجھے یہاں کیوں لائے تھے،
ورنہ سر کے بیس ٹکڑے کر دوں گی۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور پھر بڑی دردناک آواز میں کراہا۔ "اے....
پیارے بھائی۔"

"بتاؤ جلدی...." نیلم غرائی۔

"بب....بتاتا ہوں....اظہار محبت....جی ہاں۔"

"اوہ....!" نیلم ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اچھا.... زمین پر اوندھے لیٹ جاؤ۔ میں بھی اظہار
محبت کروں گی۔"

قاسم کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں۔ پتہ نہیں یہ خوشی کا اظہار تھا یا حیرت کا لیکن
ں نے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگائی، جیسے ہی وہ لیٹا نیلم اچھل کر اُس پر کھڑی ہو گئی۔

"ارے....ہائیں۔" قاسم کراہا۔

"پڑے رہو چپ چاپ۔ تم کیسے اُلو کے پٹھے عاشق ہو۔"

پھر وہ باقاعدہ طور پر اس پر اچھلنے کودنے لگی۔

"ارے....ارے....اترو....ہائیں۔"

"میں اسی طرح محبت کرتی ہوں۔ چپ چاپ پڑے رہو۔"

دفعتاً ایک طرف سے آواز آئی۔ "یہ کون ہے.... کیا ہو رہا ہے۔"

اور پھر ایک آدمی دوڑتا ہوا ان کے قریب آیا۔ یہ حمید تھا۔

"یہ دیکھو.... یہ ہو رہا ہے۔" نیلم اُسی طرح اچھلتی کودتی ہوئی بولی۔ "میں اظہار محبت کر رہی ہوں۔"

"ہٹو.... اترو۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ نیلم اُس پر سے اتر آئی اور قاسم جلدی سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک بار پھر ڈھیر ہو گیا۔

"اس کا دماغ چل گیا ہے۔" نیلم غرائی۔ "تمہاری وجہ سے صرف اتنی ہی سزا دی ہے ورنہ چھرا مار کر آنتیں نکال دیتی۔"

"ارے جاؤ.... جاؤ.... بڑی.... آئیں.... آنتیں نکالنے والی۔" قاسم ہانپتا ہوا غصیلی آواز میں بولا۔ "تم نے ابھی مجھے اُلو کا پٹھا کہا تھا۔ تم خود اُلو کی پٹھی۔"

"ارے ہاں ہاں۔" حمید بول پڑا۔

"تم چپ رہو ورنہ تمہاری مونچھیں اکھاڑ لوں گا۔"

"تم کیا اکھاڑو گے۔" نیلم نے کہا۔ "ذرا اکھاڑو تو.... اتنے ہاتھ پڑیں گے کہ واپسی کے لئے راستہ نہ سجھائی دے گا۔"

حمید نے سوچا کہ اب اس کی شامت آجائے گی۔ یعنی قاسم جھینپ مٹانے کے لئے اُس پر ٹوٹ پڑے گا لہٰذا وہ اچھل کر دور ہٹ گیا۔

"اب بھاگتے کیوں ہو بیٹا۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "کھڑے رہو نا.... میں تمہاری چٹنی بنا ڈالوں گا۔ تم نے مجھے دھوکا دیا۔"

ٹھیک اُسی وقت سناٹے میں ایک گرجدار آواز گونجی۔ "ہٹ جاؤ.... جھیل سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہٹ جاؤ۔ طوفان آرہا ہے۔ جھیل کے قریب والے کیبن خالی کر دو۔ طوفان ادھر ہی سے گذرے گا۔"

وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ آواز پھر آئی۔

"فولادی۔" نیلم بڑبڑائی۔ "یہ آواز فولادی ہی کی ہے بھاگو۔"

نیلم دوڑنے لگی۔ اس کے پیچھے حمید بھی دوڑا۔ قاسم کے لئے البتہ دشواری تھی۔ وہ تیز نہیں

دوڑ سکتا تھا۔ پھر بھی وہ گرتا پڑتا بھاگا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اُس نے دیکھا کہ لوگ کیبنوں سے نکل نکل کر بھاگ رہے ہیں۔ شور کی وجہ سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ قاسم بھی بھاگنے والوں کی بھیڑ میں جاملا۔

اچانک ایک تیز قسم کی روشنی جو چاندنی پر حاوی ہو گئی تھی۔ چاروں طرف پھیل گئی۔ ایک اونچی چٹان پر فولادی کھڑا کہہ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے تم طوفان کی زد سے نکل آئے ہو۔ لیکن اگر جھیل کے قریب والے کیبنوں میں کچھ لوگ رہ گئے ہیں تو انہیں اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو لینا چاہئے۔ پانچ منٹ بعد طوفان ان کے پرخچے اڑا دے گا۔ ادھر آجاؤ.... کیبن چھوڑ دو، یہ مذاق نہیں ہے میں بالکل صحیح اطلاع دے رہا ہوں۔"

قاسم کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس کے لئے بھی یہ پہلا ہی اتفاق تھا۔ ویسے اس نے فولادی کے متعلق ضرور سنا تھا۔ اچانک اس نے دو آدمیوں کو اس چٹان کی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہ نیلم اور حمید تھے۔ لوگ شور مچانے لگے۔

"ادھر کون آرہا ہے۔" فولادی سے آواز آئی۔ "دیکھو تم لوگ مجھ پر پتھر وغیرہ مت پھینکنا۔ تم دونوں ادھر کیوں آرہے ہو۔ اوہ.... تم ہو لڑکی.... آؤ آؤ.... یہ دوسرا کون ہے۔"

اُن دونوں نے جواب میں جو کچھ بھی کہا وہ کوئی نہ سن سکا کیونکہ مجمع اُن سے کافی دور تھا۔ البتہ فولادی کی آواز میلوں تک پھیلی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

قاسم کی کھوپڑی گھوم گئی۔ اُس نے سوچا کہ اگر وہ فولادی کو کشتی کے لئے للکار دے تو اس سے نیلم پر کافی رعب پڑے گا۔

وہ بھی اُسی طرف بڑھا اور لوگ اُسے گھورنے لگے۔

"اب کون آرہا ہے۔" فولادی سے آواز آئی۔ حمید اور نیلم اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"میں آرہا ہوں۔" قاسم دھاڑا۔ "تم سے کشتی لڑوں گا۔"

فولادی کے قہقہے کی آواز دور تک پھیلتی چلی گئی۔ قاسم بھی آگے بڑھتا رہا۔

"ابے کیوں شامت آئی ہے۔" قاسم نے حمید کی آواز سنی۔

"اس کے بعد تم سے نپٹوں گا۔" قاسم نے جواب دیا۔

"آنے دو.... آنے دو۔" نیلم نے کہا۔

"آرہاہوں۔"

"واپس جاؤ دوست۔" فولادمی سے آواز آئی۔ "میں تمہارا ڈیل ڈول دیکھ رہا ہوں لیکن فولاد سے کیا لڑ سکو گے۔ اگر اپنے ہاتھ پیر توڑ بیٹھے تو مجھے بھی افسوس ہوگا۔"

پھر قاسم کی آواز کوئی نہ سن سکا کیونکہ فولادمی دوبارہ گرجنے لگا تھا۔ "سنبھلو طوفان آرہا ہے لیٹ جاؤ... تم سب زمین پر لیٹ جاؤ۔ ورنہ تمہارے قدم ڈگمگا جائیں گے۔ تم کھڑے نہ رہ سکو گے۔"

اور پھر قیامت شروع ہوگئی۔ لکڑی کے کیبن اڑنے لگے۔ بڑی خوفناک آوازیں تھیں۔ ا معلوم ہورہا تھا۔ جیسے ظلمات کی اساطیری کہانیوں کی بلائیں اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑی ہوں لوگ اسی طرح چیخ رہے تھے۔ جیسے وہ بیدردی سے ذبح کئے جا رہے ہیں۔ پتہ نہیں وہ بارش کی بوچھاڑیں تھیں یا جھیل کا پانی طوفان کے زور میں آرہا تھا۔ جھیل کے کنارے والے کیبن ؟ زدن میں اُڑ گئے۔

"گھبراؤ نہیں.... گھبراؤ نہیں۔" فولادمی چیخ رہا تھا۔ "اگر ان کیبنوں سے سب نکل آ۔ تھے تو جانی نقصان کا احتمال نہیں ہے۔"

تقریباً دس منٹ تک ہنگامہ برپا رہا پھر سکون ہوگیا۔ فولادمی بڑی تیزی سے فضا میں بلند ہو جارہا تھا۔

سنگریزوں کی بارش

بے خبری کے عالم میں اگر اچانک کسی قسم کی غیر متوقع آواز سنائی دے تو لوگ چونک پڑتے ہیں۔ پھر وہ تو ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکہ۔ نہ جانے کتنے ہی کمزور دل کے لوگ بیہوش ہو کر سڑکوں پر گر گئے۔ جنہیں ذرا بھی ہوش تھا انہیں ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے ان کی ٹانگیں بقیہ جسم سے الگ ہو گئی ہوں۔ وہ پیر اٹھانا چاہتے ہیں لیکن کامیابی نہ ہوتی۔

پھر اس کے بعد ہی ایک دوسری مصیبت نازل ہوئی۔ نہ جانے کہاں سے ننھے ننھے سنگریزوں کے بادل ٹیکم گڈھ پر ٹوٹ پڑے۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ مکانوں کی چھتوں پر پڑتے ہوئے ٹین بج رہے تھے۔ لوگوں کے چہروں پر وہ سنگریزے اس طرح لگتے جیسے سوئیاں سی آ چبھ

ہوں۔ ذرا ہی سی دیر میں سڑکیں ویران ہو گئیں لیکن پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر پولیس حرکت میں آگئی۔ سڑکوں پر سنگریزے کاروں کی پہیوں کے نیچے ایسے معلوم ہوتے جیسے وہ کاریں کسی ریگستان میں چل رہی ہوں۔ زمین کی سطح پر اُن کی تہہ کم از کم دو انچ ضرور موٹی رہی ہوگی اور یہ سنگریزے رائی سے بڑے نہیں تھے۔

طوفان کی اطلاع میلے سے پولیس کے وائرلیس پر پہلے ہی بھیجی جا چکی تھی۔ لیکن طوفان کا رخ بستی کی طرف نہیں تھا۔ پھر یہ اتنے سنگریزے کہاں سے اور کیسے آئے۔ اگر وہ طوفان ہی کے ساتھ آئے تھے تو ہوا کا زور کیوں نہیں محسوس کیا جاسکا؟ طوفان ہی آیا ہوتا تو سنگریزوں کی تہیں کیسے جم جاتیں۔ ہوا کا زور انہیں بھی اڑائے چلا جاتا اور پھر وہ دھماکہ کیسا تھا؟ اور کہاں ہوا تھا؟

ٹھیک دس بجے لوگوں کی حیرت رفع ہوگئی۔ کیونکہ ایک بار پھر ڈاکٹر ہرمین ملکی براڈ کاسٹنگ میں خلل انداز ہورہا تھا۔ سارے ملک کے ریڈیو اس کی آواز ریسیو کرنے لگے وہ کہہ رہا تھا۔

"میں ڈاکٹر ہرمین آپ سے مخاطب ہوں۔ ٹیکم گڈھ کے شمال میں جو پہاڑ سڑک نکالنے کی اسکیم میں حارج ہورہا تھا اب اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں۔ ٹیکم گڈھ کے باشندوں نے کچھ دیر پہلے جو دھماکا سنا تھا اُس نے اُسے ریزہ ریزہ کردیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی جانی و مالی نقصان نہ ہوا ہوگا۔ البتہ ٹیکم گڈھ کے حکام کو تھوڑی سی عرق ریزی ضرور کرنی پڑے گی۔ شاید شہر کی صفائی میں تین دن لگ جائیں۔ ہزاروں ٹن سنگریزوں کا سمیٹنا آسان کام نہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اس صفائی پر جتنے بھی مصارف ہوں گے ان سے کہیں زیادہ قیمت ان سنگریزوں کی ہوگی۔ یہ سنگریزے عمارتوں کے پلاسٹر کے لئے بہترین ثابت ہوں گے۔ دریائی ریت کے پلاسٹر سے کہیں زیادہ مضبوط پلاسٹر ان سنگریزوں سے تیار کیا جاسکتا ہے۔ اب بھی اگر آپ ہرمین کو اپنا خادم نہ سمجھیں تو سراسر زیادتی ہوگی۔ آپ نہیں جانتے کہ اس پہاڑ کو توڑنے کے لئے مجھے کیا کیا کرنا پڑا ہے۔ ایک زبردست طوفان جو شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف جارہا تھا اس کا رخ موڑ کر ادھر لانا پڑا اور پھر اسی طوفان نے اس پہاڑ کے پرخچے اڑا دیئے۔ ٹھہریئے۔ ابھی کچھ دیر بعد آپ کا محکمہ موسمیات اس حیرت انگیز واقعہ کا اعلان کرے گا۔ اُسی وقت آپ میری بات پر یقین کر سکیں گے ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ اسے پریوں کے دیس کی کوئی کہانی سمجھیں۔

"میں آپ کی بھلائی کے لئے بہت کچھ کر رہا ہوں۔ دیکھئے.... اس بار اگر ملک کے کسی دریا

میں سیلاب آیا تو آپ اس کا بھی انجام دیکھ لیجئے گا۔ بس اب اجازت دیجئے۔"

کرنل فریدی کوتوالی میں تھا۔ جس وقت دوسرے لوگ ریڈیو کے گرد بھیڑ لگائے ہرمین کا ایک ایک لفظ ذہن نشین کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فریدی فون پر جھکا ہوا چنگھاڑ رہا تھا۔ "واصف صاحب.... نہیں ہیں۔ آپریشن روم سے کنکٹ کرو۔ فوراً.... اوہ.... اتنی دیر.... ہیلو.... اپریٹر.... زیرو نائین کا ریسیونگ سیٹ کھول دو.... جلدی.... اور.... آواز آ رہی ہے.... نہیں ماؤتھ پیس اُس کے قریب کردو.... میں خود سننا چاہتا ہوں.... شکریہ.... ہاں ٹھیک ہے.... یہ ہرمین ہی کی آواز ہے.... اب دیکھو.... انٹینا کدھر اشارہ کر رہا ہے.... زاویے پر بھی دھیان رکھو۔"

"انٹینا قطب نما کی سوئی کی طرح متحرک ہے جناب۔ اس لئے سمت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ وہ کسی ایک جگہ رکتا ہی نہیں۔"

"افسوس ہے کہ تم زیرو نائین کے استعمال سے ناواقف ہو.... نیچے.... دیکھو.... آٹھ سوئچ ہیں۔"

"جی ہاں جناب۔"

"بائیں طرف سے تیسرا سوئچ آن کردو...کردیا؟ ٹھیک اب دیکھو.... انٹینا کس پوزیشن میں ہے۔"

"جی ہاں.... جناب۔"

"بائیں طرف سے تیسرا سوئچ آن کردو۔ کردیا؟ ٹھیک اب دیکھو۔ انٹینا کس پوزیشن میں ہے۔"

"اوہ.... یہ رک گیا ہے جناب۔"

"سمت بتاؤ۔"

"شمال مغرب.... جناب اور پچھتر کا زاویہ ہے۔"

"گڈ.... دائیں جانب کا دوسرا سوئچ آن کردو۔"

"کردیا جناب۔"

"رزلٹ....!"

"تین رنگوں کی روشنی اسکرین پر کپکپا رہی ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ تین ہی رنگ ہیں۔"

"مجھے یقین ہے جناب۔"

"شاباش.... دونوں سوئچ آف کر کے مشین بند کردو شکریہ۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کردیا۔ ڈاکٹر ہرمین کہہ رہا تھا۔ "بس اب اجازت دیجئے۔"

فریدی جیسے ہی مڑا اُس کی نظر مقامی محکمہ سراغ رسانی کے ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پر پڑی جو ں کے پیچھے ہی کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔

"کیا سمت معلوم ہوگئی۔" اُس نے پوچھا۔

"نہ صرف سمت بلکہ فاصلہ بھی۔" فریدی نے جواب دیا۔

"سمت آپ کو انٹینا سے معلوم ہوئی ہوگی.... لیکن فاصلہ۔"

"نہ صرف فاصلہ بلکہ کسی حد تک محل وقوع بھی۔"

"شاید آپ خواب کی باتیں کر رہے ہیں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"زیرو نائین کا ریسیونگ سیٹ عام نہیں ہے۔ اس لئے ہر ایک اس کے متعلق نہیں جان نتا۔ تین رنگوں کی روشنی کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ریسیونگ سیٹ رکھا ہوا ہے وہاں سے نشرگاہ رف ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے اور پچھتر ڈگری کا زاویہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر رگاہ سے ریسیونگ سیٹ تک خط مستقیم کھینچا جائے تو وہ خط اپنے بیس سے پچھتر ڈگری کا زاویہ ئے گا۔ یعنی اس کیس میں نشرگاہ لازمی طور پر ریسیونگ سیٹ سے کافی نیچائی میں ہے۔"

"یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کیا اونچائی سے پچھتر ڈگری کا زاویہ نہیں بن سکتا۔"

"یقیناً بن سکتا ہے لیکن اُس صورت میں زیرو نائین کا انٹینا قطب نما کی سوئی کی طرح تھرائے گا نہیں۔ اس تھرتھراہٹ کا یہی مطلب ہے کہ نشرگاہ ریسیونگ سیٹ کی سطح سے بہت اہے۔"

"لیکن اتنا معلوم ہوجانے پر بھی کیا ہوسکے گا۔"

"فی الحال میں نے اس پر غور نہیں کیا ہے۔" فریدی نے کہا اور فون کے پاس سے ہٹ آیا۔

کوتوالی سے باہر آکر اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا کہ امر سنگھ نظر آیا جو لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا اُسی طرف آرہا تھا۔

"کیوں؟ سردار....!" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں پتہ لگتا جناب کہ فولادی پر کس نے پتھر چلایا تھا۔"

"بہت اچھے امر میں اسی لئے ہی تمہاری قدر کرتا ہوں۔"

"جی....!" امر سنگھ بوکھلا گیا۔

"میں تم پر طنز نہیں کر رہا ہوں۔ یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ تم نے آتے ہی اس دھماکے تذکرہ نہیں کیا بلکہ کام کی بات کی ہے۔ میں یہاں دوسروں کو دیکھتا ہوں جنہیں اس دھماکے نے اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تم بہت اچھے جا رہے ہو امر۔ محکمے کو حقیقتاً ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے.... خیر تو اس کے قریب کے لوگوں نے کیا بتایا۔"

"اُن کا کہنا ہے کہ مرنے والے نے پتھر نہیں پھینکا تھا بلکہ اُن میں سے کسی نے بھی حرکت نہ کی تھی۔ پتھر شاید اُن کی پشت سے آیا تھا، لیکن ابھی تک ایک بھی ایسا آدمی نہیں مل جو پتھر پھینکنے والے کے متعلق کچھ بتا سکتا۔"

"کوتوالی کا پھاٹک اس وقت بند تھا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور ہم لوگ صحن میں تھے پھر یہی ہو سکتا ہے کہ پتھر پھینکنے والا ہمارے ساتھ ہی کوتوالی میں داخل ہوا ہو۔"

"کیا اس کا امکان نہیں ہے کہ کوتوالی ہی کے کسی آدمی نے پتھر پھینکا ہو۔"

"یہ بھی ممکن ہے لیکن کسی باہری آدمی کے امکان کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ پتھر پھینکنے کا مقصد بھی تو ہونا چاہئے۔ یہ بچوں کا مجمع نہیں تھا۔ جدھر سے پتھر آیا تھا وہاں صرف یہیں آدمی تھے اُن میں ایک بھی آفیسر نہیں تھا۔ بڑے آفیسر سب میرے قریب تھے۔ لہٰذا ماتحتوں میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ آفیسروں کی موجودگی میں ایسی کوئی حرکت کر بیٹھیں۔"

"جی ہاں.... یہ تو ناممکن ہے۔"

"پھر ہمیں کسی باہری ہی آدمی کی تلاش ہونی چاہئے۔"

اتنے میں کوتوالی سے ایک کانسٹیبل نے آکر اطلاع دی۔ "فون پر فریدی صاحب کی کال آئی ہے۔"

"آؤ....!" فریدی نے امر سنگھ سے کہا اور پھاٹک کی طرف مڑ گیا۔

فون کا کمرہ خالی تھا۔ فریدی نے امر سنگھ سے باہر ہی ٹھہرنے کو کہا اور خود فون کے قریب آیا

"ہیلو....!"

"کون صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"فریدی۔"

"اوہ.... کرنل صاحب.... دیکھئے.... میں رانا صاحب ایم۔پی کا سیکریٹری ہوں۔ رانا صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"رانا صاحب ایم پی ملنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا وہ یہیں ہیں۔"

"جی ہیں۔ آج ہی تشریف لائے ہیں۔ کیا آپ تکلیف کریں گے۔"

"نہیں.... میں بہت مصروف ہوں۔" فریدی نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "فی الحال ایک گھنٹے تک کوتوالی میں رہوں گا۔ اگر وہ تشریف لانا چاہیں تو میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکال لوں گا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ فریدی ریسیور رکھتے وقت مسکرایا تھا۔

دھماکہ گھاٹم پار میں بھی سنائی دیا تھا اور وہاں بھی بدحواسی پھیل گئی تھی۔ اس سے قبل طوفان نے سراسیمگی پھیلائی تھی اور اب پیر صاحب کے معتقدین یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ شاید کسی نہ کسی سے مزار کی بے حرمتی ہوئی ہے۔ اسی لئے اس قسم کی بلائیں نازل ہو رہی ہیں۔

دھماکے کے بعد وہاں بھی ریت کی بارش ہوئی تھی لیکن حمید کو اس کی وجہ نہ معلوم ہو سکی۔ یہاں پولیس کیمپ بھی تھا لیکن وہ ابھی تک اُس سے بے تعلق رہا تھا۔

ریت کی بارش ہونے کے کچھ دیر بعد اُس نے پولیس کیمپ کی راہ لی۔ وہ دراصل ٹرانسمیٹر پر فریدی سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ آفیسر انچارج سے اس سلسلے میں گفتگو کرتا اُسے بعض لوگوں کی گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ ٹرانسمیٹر میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔

وہ پھر واپس ہوا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ رات کہاں بسر کرے گا۔ اس کا کیبن طوفان کی نظر ہو چکا تھا۔ قاسم کے کیبن کا بھی یہی حال ہوا تھا۔ ورنہ وہ اس کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتا اور نشاط کے منتظمین نے قطعی بیچارگی ظاہر کی تھی۔ ٹیکم گڈھ کے علاقے میں کبھی طوفان آتے ہی نہیں تھے۔ اس لئے حفظِ ماتقدم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بہر حال نشاط والے اس وقت کوئی

انتظام نہیں کر سکتے تھے۔

کیبن وہی تباہ ہوئے تھے جو جھیل کے کنارے بنائے گئے تھے۔ فولادی نے پہلے ہی پیش گوئی کی تھی کہ جھیل کے کنارے والے کیبن تباہ ہو جائیں گے اور اب حمید یہ سوچنے پر مج ہو گیا تھا۔ اس طوفان میں یقیناً کوئی غیر معمولی بات تھی۔ اسے وہ مشینی آندھیاں یاد آئیں جن ایک بار سرزمین مصر میں سابقہ پڑا تھا۔ لوہے کے وہ پتلے یاد آئے، جو فولادی کی طرح چل تھے، لیکن گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ خوفناک رات آئی جب وہ اور فریدی اُس ناقابل تسخیر گونگے بہرے دشمن کے پنجے سے بچنے کے لئے بھاگتے پھر رہے تھے۔[1]

وہ جھیل کے کنارے ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ چاندنی پہلے ہی کی طرح بکھری ہوئی تھی جھیل کی مرتعش سطح پر چاند کا عکس گل بوٹے بنا رہا تھا۔ نیچر اس سے لاپرواہ تھی کہ کچھ دیر یہاں کیا ہو چکا تھا۔

حمید نے جیب سے پائپ نکالا اور اس میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب نیچر ایسے حوادث سے بے تعلق ہے تو آدمی کیوں خواہ مخواہ بور ہوتا پھرے۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ کیونکہ پولیس کا مائیکروفون چیخ رہا تھا۔ "ڈاکٹر زیتو.... ڈاکٹر زیتو. جہاں کہیں بھی ہوں پولیس کیمپ میں تشریف لائیں۔ کرنل ہارڈاسٹون ان کا انتظار کر رہے ہیں"

حمید کو بڑی حیرت ہوئی۔ آخر یہ حضرت یہاں کیسے پہنچ گئے۔ وہ اٹھا اور پولیس کیمپ طرف چل پڑا کیونکہ ڈاکٹر زیتو اور کرنل ہارڈاسٹون ایک دوسرے کو خوب سمجھتے تھے۔

حقیقتاً وہ فریدی ہی تھا اور کیمپ میں اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"آپ....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں آؤ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ وہ دونوں خیمے سے باہر نکل آئے اور فریدی نے

"تم پر کیا گذری۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ کیبن اڑ گیا اور اپنے ساتھ ایک سوٹ کیس بھی لے گیا۔"

"اوہ.... تو تم یہ رات کہاں گذارو گے۔ میں نے سنا ہے ایسے لوگ فی الحال کسمپرسی کے میں ہیں۔"

[1] اس لرزہ خیز داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا "موت کی آندھی" ملاحظہ فرمائیے۔

"بھگت لوں گا.... اور کیا۔"

"نہیں تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ واپس چلو گے۔"

"صبح ہو جائے گی چلتے چلتے۔ اس وقت یہاں خچر بھی نہیں ملیں گے۔"

"میں ہیلی کوپٹر پر آیا ہوں اور تمہاری واپسی بھی اُسی کے ذریعہ ہوگی، فکر نہ کرو۔"

"یہ دھماکہ کیسا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں چلتے رہے اور پھر اُس جگہ جا پہنچے جہاں ہیلی کوپٹر اتارا گیا تھا۔

"یہ کم بخت فضائی موٹر سائیکل مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی۔ کان پھٹ جاتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"چلو بیٹھو....!"

وہ دونوں ہیلی کوپٹر میں بیٹھ گئے اور ہیلی کوپٹر فضا میں بلند ہونے لگا۔

فریدی نے حمید کو دھماکے کے متعلق بتانا شروع کیا اور اس کے بعد حمید نے فولادی کی استان دہراتے ہوئے کہا۔ "تو اسے 'طوفان کا اغوا' سمجھنا چاہئے۔"

"یقیناً اس وقت سارے ملک میں ہیجان برپا ہے۔ محکمہ موسمیات کے اعلان کے مطابق وفان کا رخ اس طرح بدل جانا ممکنات میں سے ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ شاید وہ اونگھنے لگا تھا۔

دفعتاً ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ "اے ہیلی کوپٹر.... پائیلٹ.... ہوشیار کمپاس پر نظر کھو۔ تمہارا رخ جنوب کی طرف ہونا چاہئے۔ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے آدمی چونک پڑے۔ آواز ر آئی۔ اگر تم ٹیکم گڈھ جانا چاہتے ہو تو جنوب کی طرف موڑ لو۔ مین رہنمائی کروں گا۔ ہرو.... میں تمہارے قریب پہنچ رہا ہوں۔"

"فولادی....!" حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ دوسرے ہی لمحے فولادی ہیلی کوپٹر کے برابر فضا میں تیر رہا تھا اور دونوں ار فتار یکساں تھی۔

"موڑو.... جنوب کی طرف۔ ادھر خطرہ ہے۔ تم سب اُسی پہاڑ کی طرف کھنچے چلے جاؤ گے کچھ دیر قبل ریزہ ریزہ ہو چکا ہے۔ ابھی تک ڈاکٹر ہرمین اُس کشش پر قابو نہیں پا سکا جس نے وفان کا رخ موڑا تھا۔"

فولادی کے سر سے خارج ہونے والی روشنی ہیلی کوپٹر کے اندر بھی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی کی ہدایت پر ہیلی کاپٹر کا رخ جنوب کی طرف موڑ دیا گیا۔

"اوہ.... تم دونوں کو تو میں پہچانتا ہوں۔" فولادی سے آواز آئی۔ "تم ابھی کچھ دیر پہلے نیلم کے ساتھ تھے اور تم مجھے پولیس اسٹیشن لے گئے تھے۔"

"اور وہاں کسی قانون کے دشمن نے تم پر پتھر چلایا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے اس پر بے حد افسوس ہے۔"

"میرا کیا بگڑا.... نقصان تمہارا ہی ہوا۔" فولادی نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر ہرمین.... تمہارے متعلق میری ایک پیشین گوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

پیشین گوئی میرے متعلق وہ کیا ہے؟"

"تمہارا طریق کار تمہیں لے ڈوبے گا۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ اگر تم انسانیت کی خدمت ہی کرنا چاہتے ہو تو منظر عام پر آجاؤ۔ ہم لوگ اتنے ناسپاس گذار نہیں ہیں کہ تمہارے شایان شان استقبال نہ کریں گے۔"

"یہ ناممکن ہے اپنے ہی ہاتھوں اپنی قبر نہیں کھود سکتا۔" فولادی سے آواز آئی۔

"تمہاری مرضی۔ لیکن اس وقت تم نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ قطعی غیر قانونی حیثیت رکھتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔"

"لیکن اس کے امکانات تھے۔"

"کسی بھی تعمیر کے سلسلے میں تھوڑی بہت تخریب ہوتی ہی ہے۔"

"اور وہ تخریب اُسی وقت برداشت کی جاسکتی ہے جب ملک کا قانون اس کی اجازت دیتا ہو۔

فولادی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ ہیلی کاپٹر کے ساتھ اس کی پرواز جاری رہی۔

"نیلم سے تمہاری بڑی گہری دوستی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں مجھے وہ بہت پسند ہے۔ ایک ننھی منی سی نڈر لڑکی۔ وہ مجھے بے حد پسند ہے۔ میں اُ دنیا کی عظیم ترین عورت بناؤں گا۔"

"اپنی زبان قابو میں رکھو ورنہ ایک ہی ٹکر اس اڑنے والی مشین کے پرخچے اڑا دے گی
فولادی کی آواز غصیلی تھی۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے حمید کے ہاتھ کو دبا کر آہستہ سے کہا۔

قیامت

تقریباً ایک ہفتے تک ٹیکم گڈھ سے ریت ہٹائی جاتی رہی۔ اسی دوران میں حکومت کو جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا بیان سے باہر تھیں۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے فولادی کو دیکھنے کے لئے آتے۔ شہر میں بھیڑ بڑھتے دیکھ کر باہر سے آنے والوں پر پابندی لگادی گئی۔ صرف وہی لوگ ٹیکم گڈھ کی حدود میں داخل ہو سکتے تھے جن کا یہاں آنا اشد ضروری ثابت ہو جاتا۔

فولادی اب بھی شہر میں گشت کرتا تھا لیکن اب اس کے آس پاس مسلح پولیس موجود ہوتی یا وہ فوجی سپاہی ہوتے، جو ٹیکم گڈھ کی صفائی کے لئے طلب کئے گئے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ کسی ایسی جگہ نمودار ہوتا جہاں نہ پولیس ہوتی اور نہ فوج۔ ایسے مقامات پر عام لوگ اُسے گھیر لیتے۔ وہ اب اُس سے خائف نہیں تھے۔

ایک رات فولادی کا گذر ایسی جگہ ہوا جہاں دو پارٹیوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا۔ معمولی جھگڑے نے بلوے کی صورت اختیار کرلی تھی۔ چند غیر مسلح کانسٹیبل دور کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ غالباً انہیں مسلح کانسٹیبلوں کا انتظار تھا۔

"ہٹ.... جاؤ.... ہٹ جاؤ۔" فولادی چیخا۔ "جھگڑا ختم کردو۔ ورنہ میں زبردستی دونوں پارٹیوں کو الگ کردوں گا۔ تمہارے چوٹیں آئیں گی۔"

لڑنے والوں نے دھیان نہ دیا۔ فولادی آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ اُن سے پچاس قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

"یہ دیکھو۔" اُس نے کہا اور ساتھ ہی اس کا ایک ہاتھ اٹھا۔

"اب بھی ہٹ جاؤ۔" اُس نے دوبارہ کہا لیکن لڑنے والوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔

دفعتاً اُس کے اٹھے ہوئے ہاتھ سے چنگاریوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔

بلوائی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"بس اب بھاگ جاؤ.... ورنہ تمہارے جسموں پر بڑے بڑے آبلے ہوں گے۔ بھاگو۔"

فولادی نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا اور وہ سچ مچ بھاگ نکلے۔

ایک بار اسی طرح اُس نے چند غنڈوں کی مرمت کی تھی جو راہ چلتی عورتوں کو چھیڑ رہے تھے۔ اکثر توانا و تندرست گداگروں کو راہ میں روک کر انہیں لعنت و ملامت کرتا۔ غرضیکہ ابھی تک وہ ہر طرح امن پسند ہی ثابت ہوتا رہا تھا۔

لیکن فریدی مطمئن نہیں تھا۔ اُس کے سامنے بیک وقت دو مسائل در پیش تھے۔ ایک ڈاکٹر ہرمین اور دوسرے وہ اسمگلر جن کے کیس کا فائیل اس سے لے لیا گیا تھا۔ حالانکہ اُس نے فی الحال انہیں نظرانداز ہی کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن خود انہیں کی طرف سے چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ اس دوران میں بھی اُس پر دو حملے ہو چکے تھے اور دوسرا حملہ یقیناً خطرناک تھا لیکن بعض درخت ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں بڑے سے بڑا طوفان بھی نہیں ہلا سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی چند شاخیں تیز و تند جھونکوں کی نظر ہو جاتی ہوں۔ یہی کیفیت فریدی کی بھی ہوئی تھی۔ اُس پر دستی بم پھینکا گیا تھا لیکن اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکا تھا کہ اُس کی پنڈلیوں میں دو چار ہلکے سے زخم آ گئے ہوں۔

اس حادثے کے بعد ہی حمید نے قسم کھائی تھی کہ جب بھی نیلم ہاتھ لگی اسے حراست میں لے کر کم از کم گروہ کا قلع قمع تو کر ہی ڈالے گا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اب تک اُسے بیوقوف بناتی رہی ہے۔ مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ کسی طرح فریدی پر قابو پایا جا سکے۔

نیلم ایک سوال تھی؟ غیر معمولی حالات میں اس سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ خود بھی اب تک غیر معمولی ہی ثابت ہوتی رہی تھی۔

گھاٹم کے میلے سے واپسی پر بھی ایک بار وہ حمید سے ملی تھی۔ لیکن پھر جب سے فریدی کا حملے شروع ہوئے تھے کہیں اس کی پرچھائیں بھی نہیں نظر آئی تھی۔

دوسری طرف ڈاکٹر ہرمین کی تلاش بھی جاری تھی۔ ٹیکم گڈھ کے قریب و جوار کے دیہی علاقے ہر وقت فوجیوں کے وزنی جوتوں کی دھمک سے گونجتے رہتے تھے۔

فریدی اور حمید کی تگ و دو بھی جاری تھی۔ ان کے ساتھ لاسلکی کے دو ماہرین بھی ہوتے تھے اور ان کا سفر صرف شمال مغرب ہی کی طرف ہوتا تھا۔ لیکن انہیں ابھی تک کامیابی ہو سکی تھی۔

ہرمین کی تقریریں روزانہ سنی جاتیں لیکن انہیں سننے کا طریقہ وہی تھا، جو ہرمین نے بتایا تھا۔ وہ اب ملکی نشریات میں خلل انداز نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس کی تقریر سننے کے خواہشمند اسٹیتھوسکوپ اور اُس کے بتائے ہوئے محلول کے ذریعے اپنی یہ خواہش پوری کرتے تھے۔

فریدی کے ساتھ کام کرنے والوں نے اسی فارمولے کے تحت ایک چھوٹا سا سیٹ بنا لیا تھا اور اب اس فکر میں تھے کہ کسی طرح وہ سیٹ بھی نشرگاہ کی سمت ظاہر کرنے کے قابل ہو جائے۔

فریدی کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ وہ اپنی بہترین صلاحیتیں ضائع کر رہا ہے۔ اگر اس نے محکمہ سراغرسانی کا رخ کرنے کی بجائے لاسلکی میں دلچسپی لی ہوتی تو شائد آج وہ بھی ایک موجد کی حیثیت سے پبلک میں روشناس ہوا ہوتا۔

اس وقت وہ چاروں ایک غار میں بیٹھے بارش تھمنے کا انتظار کر رہے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر یہیں رات ہو گئی تو صبح کوئی کفن دفن کرنے والا بھی نہ ملے گا۔ کیونکہ بارش کی وجہ سے اچھی خاصی سردی ہو گئی تھی اور اُسے اگست میں بھی دسمبر یا جنوری کا مزہ آ رہا تھا۔

وہ صبح سے اب تک چلتے ہی رہے تھے۔ اگر بارش نہ شروع ہو جاتی تو شاید اب بھی ان کا سفر جاری ہی رہتا۔

حمید تھک کر چور ہو گیا تھا اور وہ بارش اس کے لئے سچ مچ بارانِ رحمت ہی ثابت ہوئی تھی لیکن جب وہ کسی طرح رکنے کو نہ آئی تو وہ بور ہونے لگا۔ اس کے لئے واپسی کا سفر اتنا کٹھن نہ ہوتا جتنا کہ اُس غار میں رات بسر کرنا؟

"کیپٹن آپ خاموش نہ ہوا کریں تو بہتر ہے۔" جمیل نے کہا اور اس کے ساتھی نے بھی اس کی تائید کی۔

"ایک خاموشی ہزار بلائیں ٹالتی ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"خدا کیلئے خاموش ہی رہنا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں بھی ٹل جاؤں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور پائپ بھرنے لگا۔ فریدی نے ایک پتھر سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سگار اُس کی انگلیوں میں دبا ہوا سلگ رہا تھا اور دونوں ماہرین اس مسئلے میں الجھے ہوئے تھے کہ معدے کے لئے چائے مضر ہے یا پانی؟

"دونوں ہی مضر ہیں۔" حمید نے شاید بحث کا خاتمہ کرنے کے لئے کہا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" جمیل بولا۔

"کیونکہ فی الحال ان دونوں میں سے ایک بھی ہمیں نصیب نہیں۔" حمید نے جواب
"ورنہ میں اپنا معدہ تباہ کر کے آپ کو دکھا دیتا۔"

"تم بہت تھک گئے ہو اس لئے خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ مگر تھوڑی دیر بعد بولنا ہی پڑا کیونکہ وہ بہت شدت سے کافی یا چائے ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ "اگر اس وقت میں نے اپنا معدہ برباد نہ کیا تو زکام میں ہو جاؤں گا۔"

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر دونوں ماہروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ہم اب شمال مغرب میں تقریباً ساٹھ میل کا سفر کر چکے ہیں لیکن ابھی پہلا ہی دن ہے زیرونائین صرف سمت اور فاصلہ ہی معلوم ہو سکتا ہے لیکن ہم ساٹھ میل کے اندر دائرہ عمل نہیں مت کر سکے۔ اب اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ایسا سیٹ ہوتا جو نشرگاہ کی طرف اشارہ کر سکتا....

فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ حمید اُسے گھورنے لگا کیونکہ اُس کے لئے ب بات کہے بغیر خاموش ہو جانا خلاف معمول تھا۔ دونوں ماہرین بھی اس کی طرف دیکھنے لگے تھے

"کیا بات ہے۔" آخر حمید پوچھ ہی بیٹھا۔

"کچھ نہیں... میں یہ سوچنے لگا تھا کہ وہ لڑکی نیلم... اس سلسلے میں کارآمد ثابت ہو سکتی ہے"

"یہ بالکل انوکھی بات ہوئی ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"کیوں؟"

"کیا اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔"

"تجربے کے طور پر۔" فریدی نے جواب دیا۔

"میں اُسے آج تک سمجھ ہی نہیں سکا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ذہنی کشمکش کی ایک بہترین مثال ہے۔"

"لیکن آپ اُس سے کیا کام لیں گے۔"

"پہلے اُسے تلاش کرنے کی کوشش کرو۔"

"کیا یہ لڑکی سچ مچ دنیا کی بڑی عورت بننے والی ہے۔" حمید نے کہا اور پھر یک بیک با

اڑا دی۔ شاید کوئی شاندار پھبتی اُس کے ذہن میں کلبلائی تھی۔ لیکن پھر ان دونوں ماہرین کی موجودگی کا خیال آتے ہی اُسے اُگل دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"اُسے تلاش کرو۔" فریدی نے پھر کہا۔

"ضروری نہیں کہ وہ مل ہی جائے کیونکہ جب سے حملوں کا دور شروع ہوا ہے اُس کی شکل نہیں دکھائی دی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وقت گزرتا رہا اور بارش بدستور ہوتی رہی۔ دفعتاً حمید بڑبڑایا۔

"اب اتنی رات گئے کہاں تشریف لے جایئے گا۔ آرام کیجئے۔ اگر بھوک لگے تو پتھر حاضر ہیں۔ پیاس ہر حال میں بجھ جائے گی کیونکہ بادل اتنی دیر سے جھک نہیں مار رہے ہیں۔"

"ہاں.... رات تو اب یہیں بسر ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ پانی کے لئے بادلوں ہی کا ممنون ہونا پڑے گا لیکن تمہیں پتھر نہیں چبانے پڑیں گے۔ مطمئن رہو۔"

حمید جانتا تھا کہ فریدی کے چرمی تھیلے میں بہت کچھ ہے لیکن وہ اس سرد رات میں ٹھنڈے گوشت سے بچنا چاہتا تھا۔

"میں سڑی بسی اشیاء پر پتھروں کو ترجیح دیتا ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ وہ اور بھی نہ جانے کیا کیا بک جاتا مگر جمیل اور کرمانی کی موجودگی مانع رہی۔

کچھ دیر بعد سفری اسٹوو روشن ہو گیا اور اس پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا گیا۔ ان کے پاس خورد و نوش کے سارے لوازمات موجود تھے چونکہ سفر طویل ہو جانے کے امکانات بھی ہو سکتے تھے اس لئے فریدی تقریباً سارے ہی انتظامات کا خیال رکھتا تھا۔

دفعتاً ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ فریدی اس کی طرف متوجہ ہو گیا دوسرے ہی لمحے میں ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"کرنل.... فریدی.... کرنل فریدی.... واصف اسپیکنگ پلیز....!"

"فریدی اسپیکنگ.... ہیلو....!"

"آپ کہاں۔"

"یہ نہیں بتایا جا سکتا.... آپ مدعا بیان فرمایئے۔"

"فولادی نے یہاں تہلکہ مچا دیا ہے۔ ایک کار الٹ دی ہے۔ دو آدمیوں کو کچل دیا اور

اب.... شائد اُس کا ارادہ ہے کہ مشن روڈ کے سارے الیکٹرک پول اکھاڑ کر پھینک دے گا۔"

"یہ ہوا کیسے! کیا اُس پر حملہ کیا گیا تھا۔"

"نہیں اس قسم کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ یک بیک اُس نے ایک کار الٹ دی تھی۔ لوگ ڈ کر بھاگے تو وہ ان پر چڑھ دوڑا۔ نتیجے کے طور پر دو آدمی ہلاک ہوگئے۔ شہر سنسان ہوگیا ہے۔"

"پھر.... اب کیا ہو رہا ہے۔ کیا فوجیوں نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔"

"نہیں.... لیکن اب اُس پر چاروں طرف سے گولیاں برسائی جارہی ہیں۔"

"گولیوں کا حشر....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اُن سے لاتعداد فوجی زخمی ہوئے ہیں۔"

"اور اس کے باوجود بھی یہ کھیل جاری ہے۔" فریدی غرایا۔

"کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حکام نے شہر فوج کے حوالے کردیا ہے۔ اب تجویز یہ ہے اُس پر بھاری گولے پھینکنے والی گنیں آزمائی جائیں۔"

"ٹیکم گڈھ کھنڈر بن جائے گا۔ اس خبط سے انہیں باز رکھئے۔ اس کی بجائے یہ معلوم کیجئے اُس کے رویئے میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی۔"

"اب وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتا۔ گونگا اور بہرہ ہوچکا ہے۔ آج جب وہ وہاں پہنچا معمول کے مطابق نہ تو کسی سے گفتگو کی تھی اور نہ ٹریفک کانسٹیبل کو ہدایتیں ہی دی تھیں۔ بس ہی ایک کار الٹ دی اور کار میں کوئی معمولی آدمی بھی نہیں تھا بلکہ ہوم سکریٹری مسٹر چوہان۔

"مسٹر چوہان....!" فریدی نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں کرنل.... آپ جہاں کہیں بھی ہوں جلد از جلد ٹیکم گڈھ پہنچنے کی کوشش کریں

"بارش کا زور کم ہونے سے پہلے ناممکن ہے کیونکہ ایسی طوفانی بارش میں ہیلی کاپٹر ا کرنا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔"

"بہرحال جلدی کیجئے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور آواز آنی بند ہوگئی۔

"دیکھا....!" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ میں جا ایک نہ ایک دن اس کی نوبت ضرور آئے گی۔"

"ہرمین کی شرافت اور نیک نفسی کہاں گئی؟" حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اپنا سامان سمیٹ رہا تھا۔ جمیل اور کرمانی خاموش رہے۔ حمید نے غار کے دہانے پر آکر دیکھا۔ بارش کے زور میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ وہ پھر واپس آگیا۔

"کیا آپ واپسی کی تیاری کررہے ہیں۔" اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"ہاں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

"بارش کا وہی عالم ہے۔ پیدل جانے کا خیال ہی....!"

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ وہ پھر ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کرنل فریدی.... کرنل فریدی، واصف اسپیکنگ پلیز....!"

"فریدی اسپیکنگ....!"

"آپ کہاں ہیں۔"

"میں نے ایک بار کہہ دیا کہ یہ نہیں بتا سکتا۔"

"اوہ.... پھر آپ کتنی دیر بعد یہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"اس سے بھی اندازہ ہوجائے گا کہ ٹیکم گڈھ سے کتنی دور ہوں۔ لہٰذا اب سوال کا بھی جواب نہیں دے سکتا کیونکہ میں ابھی تک آواز سے آپ کو نہیں پہچان سکا۔"

"اوہ اچھا.... اچھا.... مگر پہنچنے میں جلدی کیجئے۔ اعلیٰ حکام آپ کی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر حمید کی طرف دیکھا۔ ٹرانسمیٹر سے آواز آنی بند ہوگئی۔

"یہ دھوکا بھی ہوسکتا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

لیکن قبل اس کے کہ فریدی اُسے سمجھاتا ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"سونا گھاٹ پر بحری فوج کے لئے جو بندرگاہ تعمیر کی جارہی ہے فوراً روک دی جائے ورنہ اس کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ میں ڈاکٹر ہرمین.... یہاں کی حکومت سے مخاطب ہوں۔ وہاں بحریہ کا اڈہ نہیں بن سکتا۔ سارے جنگی جہاز وہاں سے کل آٹھ بجے رات تک ہٹائے جائیں ورنہ نقصان کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہوجائے گا اور دوسری وارننگ.... اپنے جاسوسوں کو میری تلاش سے باز رکھو ورنہ تمہارے ہر شہر میں کم از کم ایک فولادی ضرور نظر آئے گا۔ اور یہ تو تم ابھی دیکھ ہی چکے ہو کہ صرف ایک فولادی پورے پورے بریگیڈ تباہ کرسکتا ہے۔ کل آٹھ بجے رات تک سونا گھاٹ

سے نیوی کے جہاز ہٹ جانے چاہئیں۔ کل آٹھ بجے رات تک.... ورنہ آٹھ بج کر پانچ منٹ پر یک بہت بڑے خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

آواز ختم ہو گئی اور فریدی کے ساتھی اپنا سامان ہی تلاش کرتے رہ گئے۔ وہ اس وقت بھی نشر گاہ کی سمت معلوم نہ کر سکے۔ زیرِ زمین ساخت کا سیٹ اُن کے ساتھ تھا لیکن اس کا ایک حصہ انہیں وقت پر نہ مل سکا۔ وہ اُسے تلاش کرتے رہ گئے۔

"کیا مصیبت ہے۔" جمیل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اسے بد نصیبی کہتے ہیں۔"

"پرواہ مت کیجئے۔" فریدی نے جواب دیا۔

کچھ دیر کے لئے سکوت طاری ہو گیا۔ لیکن کیپٹن حمید اس تقریر کے دوران میں بھی اسٹوو اور کافی کے برتن ہی کی طرف متوجہ رہا تھا۔

اُس نے برتن نیچے اتار کر اُس میں کافی ڈال دی اور نتھنے سکوڑ سکوڑ کر اس کی خوشگوار بو اپنے پھیپھڑوں میں بھرتا رہا۔

پھر اُس نے اُن تینوں کے لئے بھی پیالیاں تیار کیں۔

جمیل اور کرمانی ہچکچائے کیونکہ انہوں نے ابھی ایک بُری خبر سنی تھی اور وہ بھی نہ ہو پایا تھا جس کے لئے وہ ان ویران پہاڑیوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔

"ہاں.... لیجئے نا۔" فریدی مسکرایا۔ "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ اولادِ آدم پر جو کچھ بھی آتی ہے گذر ہی جاتی ہے۔"

انہوں نے پیالیاں اٹھائیں اور حمید تو پہلے ہی شروع کر چکا تھا۔ وہ دو تین گھونٹ لینے کے بعد پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب شائد ان کے زوال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ فولادی کے آگے کوئی ٹھہر سکتا تھا۔ ہر مین کا دعویٰ غلط نہیں تھا کہ ہر شہر کے لئے صرف ایک ایک فولادی کافی ہوگا۔

انہوں نے کافی ختم کی۔ اتنے میں ٹرانسمیٹر پر پھر اشارہ موصول ہوا۔ لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔ بولنے والے نے پھر اپنا نام واصف بتایا۔ فریدی اس پر بھی کچھ نہیں بولا۔ اس کے بع تھوڑی دیر تک کرنل فریدی کی پکار ہوتی رہی پھر ٹرانسمیٹر خاموش ہو گیا۔ فریدی نے اس بار اُ کا سوئچ آف کر دیا۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔ میں اُسے کتنی بار بتاؤں کہ بارش تیزی سے ہو رہی ہے۔ اسلئے سفر فی الحال ناممکن ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس عذر میں وزن نہیں محسوس کر رہا ہے۔

"غالباً کرنل صاحب کا خیال ہے کہ انہیں ٹریپ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" جمیل نے کہا۔

"آپ کا خیال کسی حد تک صحیح بھی ہو سکتا ہے۔" کرمانی سر ہلا کر بولا۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"بلکہ میرا خیال ہے کہ ہم کسی جال میں پھنس چکے ہیں۔ مجھے ہر مین سے توقع نہیں ہے کہ اتنی جلدی بدل جائے گا۔ مجھے وہ پتھر ابھی تک یاد ہے حمید صاحب جو کوتوالی میں فولادی پر پھینکا گیا تھا۔"

"مگر ہم جال میں کس طرح پھنس سکتے ہیں۔"

"میں اس وقت سمگلروں کی بات کر رہا ہوں۔"

"گڈ لارڈ.... وہ اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہمیں کیسے ٹریپ کریں گے۔"

"کر چکے فرزند! پہلے ہی مجھ سے غلطی ہو چکی ہے۔ میں نے پہلی کال کے جواب میں بھی احتیاط برتی تھی، لیکن پھر بھی ہیلی کوپٹر کا تذکرہ آ ہی گیا تھا۔"

"میں اس وقت بہت زیادہ غور کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"ہمارے ساتھ ہیلی کاپٹر ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ہم دشوار گذار پہاڑیوں میں سفر کر رہے ہیں اور دشوار گذار پہاڑیاں اس علاقے کے علاوہ ٹیکم گڈھ میں اور کہیں نہ ملیں گی۔"

حمید منہ کھول کر رہ گیا۔ دونوں ساتھی نہ صرف متحیر بلکہ خوفزدہ بھی نظر آ رہے تھے۔

"پھر اب کیا ہوگا۔" جمیل نے کہا۔ "ہم دونوں تو شاید صحیح طریقے سے ریوالور پکڑ بھی نہ سکیں۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "آپ سے اتنی توقع تو کی ہی جا سکتی ہے کہ جو کچھ آپ سے کہا جائے وہی کریں۔"

"آپ غلط سمجھے۔" کرمانی بول اٹھا۔ "ہم خائف نہیں ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ ہمیں جنگ و جدل کا تجربہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کی پریشانیوں میں اضافے ہی کا باعث بن جائیں۔"

"اس کی پرواہ نہ کیجئے۔"

"ارے اگر گولی لگ گئی۔ مارے گئے تو کیا پرواہ کرنے والے کرایہ پر مہیا کئے جائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"فضول بکواس نہ کرو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"یہی حضرات چاہتے ہیں کہ میں کبھی خاموش نہ ہوا کروں۔"

اُن دونوں کے ہونٹوں پر بیجان سی مسکراہٹیں نظر آئیں لیکن وہ کچھ بولے نہیں۔ فریدی نے پھر سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ دفعتاً اس نے حمید سے کہا۔ "تم یہ دیکھ ڈالو کہ اس غار کا کوئی دوسرا دہانہ بھی تو نہیں ہے۔"

حمید نے ٹارچ نکالی اور غار کا جائزہ لینے لگا۔ کرمانی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر حمید نے رپورٹ دے دی کہ اس غار میں کوئی دوسرا دہانہ نہیں تھا اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ وہ اس کے اندر محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔

کچھ دیر بعد بارش کا زور کم ہونے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ گھٹاٹوپ اندھیرے میں شاید چار ٹارچیں بھی ناکافی ہوں۔

فریدی غار کے دہانے تک آیا۔ حمید وغیرہ سامان اٹھا رہے تھے۔ فریدی کچھ دیر تک دہانے پر ٹھہرا اور پھر واپس آگیا۔

"ہو سکتا ہے میرے اندیشے بالکل ہی غلط ہوں۔" اس نے کہا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ انہوں نے اپنا اپنا سامان سنبھالا اور غار سے باہر نکل آئے۔ بارش اب صرف ہلکی سی پھواروں تک محدود رہ گئی تھی۔ وہ اس طرف چل پڑے جہاں ہیلی کوپٹر کھڑا کیا گیا تھا۔ خود فریدی ہی اُسے پائلٹ کر کے یہاں تک لایا تھا۔

ہیلی کوپٹر تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

حمید اُس وقت تک ریوالور سنبھالے رہا جب تک ہیلی کوپٹر فضا میں نہیں بلند ہو گیا۔ را گڈھ پہنچ کر حقیقتاً انہوں نے سارے بازار ویران دیکھے۔ البتہ گلی کوچوں میں بھی مسلح فوجی گشت

کر رہے تھے۔ جیسے ہی ہیلی کوپٹر شہر میں داخل ہوا ٹرانسمیٹر پر فوجی وائرلیس سے پوچھ گچھ ہونے لگی۔ فریدی نے اپنی شخصیت ظاہر کئے بغیر پرواز کی اہمیت بتائی۔

"آپ ایئرپورٹ کے علاوہ اور کہیں نہیں لینڈ کر سکتے۔" جواب ملا۔

فریدی نے ہیلی کوپٹر کا رخ ایئرپورٹ کی طرف پھیر دیا۔

"تو پھر وہ پیغام واصف ہی کا تھا۔" حمید نے کہا۔

"یقیناً اسی کا تھا۔ لیکن ٹرانسمیٹر پر میں نے اس کی آواز پہلی بار سنی تھی۔ اس لئے یقین کر لینے میں تامل ہوا۔"

انہوں نے فوجی ہدایت کے مطابق ہیلی کوپٹر ایئرپورٹ ہی پر اتارا۔ لیکن نشاط تک پہنچنے کا مرحلہ ابھی باقی تھا کیونکہ یہاں ایئرپورٹ کے باہر بھی فوجیوں کا کڑا پہرہ تھا اور مسافروں کو باہر نہیں نکلنے دے رہے تھے۔ یہیں انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ فولادمی پر گولے پھینکنے والی گنیں بھی استعمال کی گئی تھیں لیکن گولوں کا بھی وہی حشر ہوا جو گولیوں کا ہوا تھا۔ یعنی وہ بھی پلٹ گئے تھے اور ان کی واپسی سے بہتیری عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا۔ پھر ایک حادثہ اور ہوا جب فولادمی نے فضا میں پرواز شروع کی تو ایک جیٹ طیارہ اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ لیکن وہ پانچ ہی منٹ بعد زمین پر تھا۔ کسی کو نہ معلوم ہو سکا کہ یہ حادثہ کیسے ہوا تھا۔ پائلٹ بچا ہی نہیں تھا کہ تفصیل معلوم ہو سکتی۔

انہیں وہ رات ایئرپورٹ پر بسر کرنی پڑی۔ ویسے اگر فریدی چاہتا تو ایئرپورٹ سے واصف کو فون کر کے اپنی روانگی کا انتظام کرا سکتا تھا۔ لیکن اس نے خود ہی شہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

اس کی وجہ حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ استفسار پر فریدی نے اتنا ہی کہا۔

"فضول ہے۔ جو کچھ بھی ہونا تھا ہو چکا۔ اب کل آٹھ بجے رات سے پہلے کچھ نہیں ہو گا۔ دیکھیں ہرمین کس طرح اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہناتا ہے۔"

قاسم کی کہانی

سراسیمگی صرف ٹیکم گڈھ ہی تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ اس کا اثر ملک کے دور افتادہ حصوں پر بھی پڑا تھا چونکہ ہرمین کا اعلان ملک کے گوشے گوشے میں سنا گیا تھا۔ اسلئے ہیجان پھیلنا لازمی تھا۔

دوسرے ہی دن ٹیکم گڈھ فوجی علاقہ قرار دے دیا گیا۔ شہری آبادی ویران ہونے لگی۔ لوگ ٹیکم گڈھ سے نکل بھاگنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ لیکن اب چونکہ نظم و نسق فوج کے ہاتھ میں تھا اس لئے وہ روکے جانے پر احتجاج بھی نہیں کر سکتے تھے۔

فریدی اور حمید عضو معطل کی طرح محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں وقت گذار رہے تھے۔

سوپر واصف فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "اسی ٹیکم گڈھ میں کیا کیا نہیں ہوا۔ نیلی روشنی والا کیس مجھے آج بھی یاد ہے۔ آپ ہی تو تھے جس نے اس لایعنی اور بے سروپا کیس کی کڑیاں ملائی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہرمین بھی آپ ہی کے ہاتھوں شکست کھائے گا۔"

"ضروری نہیں۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "نیلی روشنی والا کیس اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ کیا اس سلسلے میں بھی اتنا ہی ہیجان پھیلا ہوا تھا۔"

واصف کچھ نہ بولا۔ فریدی نے کہا۔ "اگر سونا گھاٹ سے بحریہ کے جہاز نہ ہٹائے گئے تو حقیقتاً حکومت کو کسی بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"کس قسم کا خسارہ۔"

"یہ تو وقت آنے پر ہی معلوم ہو سکے گا۔"

"کیا آپ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔"

"فی الحال اتنا ہی کہ سونا گھاٹ سے سارے جہاز ہٹا لینے کا مشورہ دوں۔ میں نے ہیڈ آفس کو اس سلسلے میں ایک تار دیا ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ جہاز وہاں سے نہیں ہٹائے جائیں گے۔" حمید بول پڑا۔

"وہ ہٹائیں یا نہ ہٹائیں۔ میری ناقص رائے یہی ہے اور یہی رہے گی۔ فی الحال اپنا زیادہ سے زیادہ بچاؤ کرنا پڑے گا۔"

فریدی اپنی تاویلات پیش کر رہا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ہرمین کی دھمکی کا انجام دیکھے بغیر نئے سرے سے کام نہیں شروع کرنا چاہتا تھا۔

دوپہر ہونے سے پہلے ہی وہ نشاط میں واپس آ گئے۔ ان کا قیام اب بھی یہیں تھا۔ نشاط پہنچ کر حمید کو قاسم کی تلاش ہوئی کیونکہ وہ پچھلی رات سے اب تک بے تحاشہ بور ہوتا رہا تھا۔

قاسم ملا تو لیکن اُس کا موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی اُس کا منہ پہلے سے زیادہ

ٹیڑھا ہو گیا۔

"کیوں پیارے کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میں.... گھار جاؤں غا۔" قاسم غرایا۔

"تمہیں روکا ہے کسی نے؟"

"ہاں سب تمہاری ہی حرکت ہے۔"

"میں نے کیا کیا ہے۔"

"یہ باہر جو فوجی موجود ہیں۔"

"آ.... ہاں.... وہ تو ہمیں بھی روک رہے ہیں۔"

قاسم کچھ نہ بولا۔ حمید نے کہا۔ "تم خواہ مخواہ بور ہو رہے ہو۔ اتنی بڑی آبادی ہے کیا سبھی مر جائیں گے۔"

"میں مرنا چاہتا ہوں۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیوں.... کیوں.... خیریت۔"

"کچھ نہیں جاؤ.... میں بات نہیں کرنا چاہتا۔ چلے جاؤ۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "تم سالے بھیس بدل کر مجھے اُلو بناتے ہو۔"

"شاید تم نشے میں ہو۔"

"تم خود نشے میں ہو۔ مٹی کا تیل پی گئے ہو۔ مجھے نیلم نے بتایا تھا۔ خدا کرے مرتے وقت تمہیں کلمہ بھی نصیب نہ ہو۔"

"نہیں.... بڑی بی ایسا نہ کہو۔"

"بس اب چلے ہی جاؤ، ورنہ.... اچھا نہیں ہو گا۔"

"شاید تمہیں کسی نے بہکایا ہے.... نیلم تمہیں کب اور کہاں ملی تھی۔"

"ملی ہو گی کہیں.... میں اب اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتا۔"

"مجھے اُس کی تلاش ہے اگر مل گئی تو ایسی سزا دوں گا جو زندگی بھر یاد رہے۔"

"قیوں؟ قیوں؟"

"اُس نے مجھے دھوکا دیا۔ وہ پکی فراڈ ہے۔"

"کیسے دھوکا دیا۔"

"اس کا ایک ساتھی ہے بڑی مونچھوں والا۔"

"ارے بس....!" قاسم آنکھ نکال کر بولا۔ "اب زیادہ اُلو نہ بناؤ۔ وہ تم ہی تو تھے۔ اتنا یاد رکھنا.... میرا نام قاسم ہے۔"

"میں تمہارے باپ تک کے نام سے واقف ہوں۔ مگر تمہیں کسی نے بہکایا ہے۔ کیا اُسی نے بتایا تھا کہ وہ بڑی مونچھوں والا میں تھا۔"

"ہاں....!"

"اوہ.... کتنی مکار ہے۔ اسی طرح اُس نے مجھے بھی دھوکا دیا تھا۔ وہ بڑی مونچھوں والا مجھے جہاں بھی مل گیا گولی ماردوں گا۔"

"کیا دھوکا دیا تھا۔"

"یہ نہیں بتاؤں گا۔ بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لیکن تم بتاؤ کہ اُس سے اتنے بیزار کیوں ہو؟"

"ارے.... سالی نے کباڑا کردیا پیدل چلتے چلتے اس کی ایسی کی تیسی۔ جہاں بھی مل گئی گلا گھونٹ کر مارڈالوں گا۔"

"آخر کیوں؟"

"قیوں.... قیوں.... قیا قرتے ہو۔" قاسم جھلاہٹ میں کئی قاف بول گیا۔

"میں عنقریب اُسے حراست میں لینے والا ہوں۔"

"وہ سالی.... مجھے نہ جانے کہاں لے گئی تھی اور میں تے کرتے کرتے بیہوش ہو گیا تھا۔"

"کہاں لے گئی تھی.... کیسے لے گئی تھی۔"

"میلے سے لے گئی تھی۔ وہ جس رات کو طوفان آیا تھا اس کی دوسری رات بھی میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔"

قاسم نے اس کا بیان اُسی کے انداز میں دہرانے کے لئے پینترا بدلا اور اپنی آواز باریک کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "میں تم سے محوبت کاروں گی۔ چالو میرے ساتھ.... میری کار میں بیٹھ جاؤ۔"

"کار.... وہاں میلے میں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... سنو تو.... میں بالکل اُلو کا پٹھا ہو گیا تھا۔ مجھے یقین آگیا۔ میں نے کہا اگر تم اونٹ پر بھی بٹھاؤ تو بیٹھ جاؤں۔ چالو.... کہاں ہے کار۔ وہ مجھے وہاں لائی جہاں کار کھڑی تھی۔ میں اس کے ساتھ ہی اُس میں بیٹھ گیا۔ لیکن ڈرائیور کی سیٹ مجھے کہیں نہ دکھائی دی۔ میں نے اس سے پوچھا ہی تھا کہ کار ہوا میں اڑنے لگی اور میرا سر چکرانے لگا۔ میں نے جی بھر کر غل غپاڑہ مچایا۔ جس پر وہ بڑے پیار سے بولی۔"

قاسم خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔ پھر نیلم کی آواز کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

"فولادی ہمیں اپنے گھر لے جارہا ہے پیارے۔ وہ مجھے تنہا لے جارہا تھا لیکن میں نے سوچا اپنے پیارے قاسم کو بھی ساتھ لیتی چالوں۔ کچھ دیر بعد ہم لوغ واپس آجائیں گے۔"

"کار اڑنے لگی تھی۔" حمید نے بے اعتباری کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں اڑنے لگی تھی۔"

"تم نے فولادی کو دیکھا تھا۔"

"نہیں.... وہ تو بعد میں نظر آیا تھا جب ہم وہاں اترے تھے۔"

"کہاں اُترے تھے۔"

"تمہاری باپ کی سسرال میں۔" قاسم جھلا کر بولا۔ "ابے میں کیا جانوں کہاں اترے تھے۔"

"اچھا....!" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔ "تم اتنی دیر سے مجھے اُلو بنارہے تھے۔"

"نہیں میں سچ بول رہا ہوں۔ کیا وہاں کوئی آبادی تھی۔ سڑکیں تھیں۔ گلیاں تھیں کہ میں بتاؤں کہ فلاں محلے میں اترے تھے۔ فلاں سڑک پر اُترے تھے۔ فلاں گلی میں اترے تھے اور فلاں....!"

"ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔ وہ کوئی ویران جگہ رہی ہوگی۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"ویران کی بھی چچی۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "وہ ایسی واہیات جگہ تھی جہاں پتھروں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔"

"اور کیا تھا۔"

"ارے سنو تو سہی۔ میری طبیعت خراب تھی۔ جب وہ کار نیچے اتری تو فولادی بھی دکھائی دیا۔ وہ شاید کار کے اگلے حصے میں تھا۔ اُس نے نیلم سے کہا کہ اسے یہیں اتار دو۔ واپسی میں اسے

یہاں سے لے لیں گے۔ نیلم اس پر تیار نہیں ہوئی لیکن فولادی نے زبردستی کھینچ کر مجھے نیچے ا
دیا اور کار نیچے چلی گئی۔ میں نے نیلم کی چیخیں سنی تھیں لیکن تے کرتے کرتے میرے ہاتھ
کمزور ہو گئے تھے۔"

"کار نیچے چلی گئی....؟ کہاں.... نیچے اترتی چلی گئی تھی۔"

"ارے یار.... کیوں کان کھاتے ہو۔ جہاں میں اترا تھا اس کے نیچے بڑی گہرائی میں ز
تھی شاید ایک میل۔ شاید دو میل یا اس سے بھی زیادہ۔"

"تو وہ اُس گہرائی میں اتر گئی تھی۔"

"ہاں.... اور گائب ہو گئی.... یعنی کہ غائب.... غائب۔"

"پھر کیا ہوا۔"

"کباڑا ہوا۔ بارش ہونے لگی۔ کہیں سر چھپانے کو جگہ نہیں تھی۔ ادھر اُدھر بھاگتا رہا۔ پ
ایک غار مل گیا۔ خدا غارت کرے۔"

"واپسی پر تم پھر اُسی کار میں آئے ہو گے۔"

"مت جان جلاؤ ورنہ گھونسہ مار کر کھوپڑی پلپلی کر دوں گا۔"

"کیوں پیارے.... کیوں تاؤ کھا رہے ہو۔"

"پیارے مت کہو۔ پیارے کہنے والے پکے فراڈ ہوتے ہیں۔ اُس سالی نے بھی تو کہا
پیار.... پیار.... ے" قاسم پھر لپک گیا۔ "لیکن پیارا سالا بارش میں بھیگتا رہا۔ چوبیس گھنٹے تک
بھوکا رہا۔"

قاسم کی آواز دردناک ہو گئی اور اُس نے اس طرح اپنا پیٹ تھپتھپایا جیسے اس وقت بھی بھو
ہی ہو۔

"کیا وہ تمہیں واپس نہیں لائی تھی۔"

"نہیں.... میں وہاں بھٹکتا رہا۔ مجھے راستہ بھی نہیں معلوم تھا.... ایک چرواہے نے مجھے
یہاں تک پہنچایا۔ میں نے اسے پورے چار سو روپے دیئے کیونکہ پورے تین دن بعد یہاں تک
پہنچا ہوں۔ وہ بیچارہ اپنی بھیڑیں ذبح کرتا تھا اور بھون بھون کر مجھے کھلاتا تھا۔ مگر اللہ قسم کتنا لذیذ
گوشت ہوتا تھا۔ سبحان اللہ۔" قاسم خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔

"لیکن تم جس راستے سے پیدل آئے تھے کم از کم وہ تو تمہیں یاد ہی ہو گا۔"

"نہیں مجھے اتنا ہوش نہیں تھا کہ راستہ یاد رکھ سکتا۔"

"تم بالکل کوڑھ مغز ہوتے جا رہے ہو۔" حمید کو خواہ مخواہ غصہ آگیا۔

"اے.... جبان سنبھال کے راستہ میں بھولا ہوں یا تم۔ تم سے کیا مطلب۔ اب تو میں اسی
ضد پر گھر کا بھی راستہ بھول جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں کیا کر لیتے ہو میرا۔"

"تم بالکل گدھے ہو۔"

"تم گدھے کے باپ نہیں بلکہ دادا ہو۔ کھاموش رہو۔ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔ جاؤ میرا
پیچھا چھوڑو۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ قاسم کے بیان پر یقین کرے یا نہ کرے۔ وہ چند لمحے اُسے
گھورتا رہا پھر بولا۔ "یہ کہانی کتنی دیر میں تیار ہوئی تھی۔"

"تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔" قاسم غرایا۔

"افسانہ نگار جھوٹا نہیں کہلاتا اُسے فنکار کہتے ہیں۔"

"کچھ بھی کہتے ہوں تم جاؤ یہاں سے.... مجھے سوچنے دو۔"

"میں تو سنوں کیا سوچ رہے ہو۔"

"کیوں بتاؤں.... جاؤ۔"

"دیکھو! تم جو کچھ بھی سوچ رہے ہو اُس کا جواب چٹکی بجاتے دے سکتا ہوں۔ ویسے تم سوچتے
سوچتے مر جاؤ تب بھی تمہیں جواب نہ ملے گا۔"

"قیوں نہ ملے گا۔"

"دس میل پیدل چلنے سے کم از کم ایک ہفتہ تک دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا۔"

"نہیں....!" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"قطعی.... چین کے نامور ڈاکٹر چی چی چوں کا یہی خیال ہے اور پھر تم تو دس میل سے زیادہ
ہی چلے ہو گے۔"

"بہت زیادہ.... تین دن بعد یہاں پہنچا ہوں۔"

"اور پھر کچھ سوچنے کی کوشش کر رہے ہو۔ لعنت تم.... ار مجھ پر۔"

"نہیں.... نہیں.... کہہ دو تم پر۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "کہہ کر دیکھو کیسی گت بناتا ہوں۔"

"نہیں ڈیئر.... ہاں کیا سوچ رہے تھے۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ آخر یہ سالا فولادی کیسے محوبت کرتا ہوگا۔" قاسم ناک پر انگلی رکھ کر بولا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سمجھا تھا شاید کوئی ایسی بات سوچ رہا ہے جس سے ممکن ہے معلومات میں مزید اضافہ ہو سکے۔

"کیوں.... فولادی کی محبت کا خیال کیسے آیا۔" حمید نے کہا۔

"پھر وہ اُسے کیوں لے گیا تھا۔"

"اُس کے باپ سے پوچھ کر جواب دوں گا۔" حمید نے کہا اور قاسم کے کمرے سے چلا آیا۔ وہ جلد از جلد فریدی کو یہ کہانی سنانا چاہتا تھا۔

فریدی نے اُسے بہت سکون کے ساتھ سنا۔ وہ اکثر درمیان میں دو ایک سوال بھی کر بیٹھتا تھا۔ حمید جب کہانی سنا چکا تو اُس نے کہا۔ "قاسم کہاں ہے۔"

"اپنے کمرے میں۔"

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں اُس کی زبان سے سارے واقعات سننا چاہتا ہوں۔"

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ کہانی سناتے وقت بھی اُسے قاسم کی نیت میں فتور ہی محسوس ہوتا رہا تھا۔ وہ اب یہاں سے اٹھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ قاسم کے ساتھ کچھ دیر دل بہلائے گا لیکن ممکن نہ ہوا۔ ہوٹل کے باہر فوجیوں کا پہرہ تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے سارے شہری انہیں کی گولیوں کا نشانہ بن کر موت کی آغوش میں جا سوئے ہوں۔

ہوٹل میں بھی زندگی کے آثار مفقود تھے لوگ بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے۔ لڑکیاں جن کے قہقہے ہر وقت ڈائننگ یا ریکریشن ہال میں گونجا کرتے تھے اب مسکرائیں بھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خوفزدہ ہو کر ہونٹ پھیلا دیئے ہوں۔ جہاں ہر وقت آرکسٹرا نغمات بکھیرتا رہتا تھا وہاں اب مدھم سروں والی سیٹیاں بھی نہیں سنی جا سکتی تھیں۔

حمید بزدل نہیں تھا لیکن ماحول کا اثر اُس پر کیسے نہ پڑتا۔ وہ قاسم کے متعلق سوچنے لگا جس کے ذہن کی ساخت آج تک اُس کی سمجھ میں نہ آ سکی تھی۔ وہ ان حالات میں بھی سوچ رہا تھا کہ سالا فولادی کیسے محوبت کرتا ہوگا۔

حمید پائپ سلگا کر آرام کرسی میں لیٹ گیا اور اب قاسم کی کہانی اُس کے ذہن میں چکرانے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کہانی نہیں حقیقت ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیوں....!"

"وہ احمق ضرور ہے لیکن اتنا شاندار جھوٹ اُس کے بس کا روگ نہیں۔"

"مگر وہ راستہ ہی بھول گیا۔"

"چرواہا....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "قاسم کے بیان کے مطابق وہ انہیں اطراف میں کہیں رہتا ہے۔"

"پھر بھی اس کی تلاش آسان نہ ہوگی۔"

"نہیں.... قاسم نے جو حلیہ بتایا ہے اُس کے مطابق دشواری نہ ہونی چاہئے۔ دوسرے چرواہے اُس سے یقیناً واقف ہوں گے۔"

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ آپریٹر کو سوپر واصف کے نمبر بتائے۔ جلد ہی کنکشن مل گیا۔

"ہیلو.... واصف صاحب! میں فریدی بول رہا ہوں۔ ٹیکم گڈھ کے اطراف میں کسی ایسے چرواہے کو تلاش کرایئے جس کی بائیں آنکھ پر بد گوشت ہو۔ اتنا زیادہ کہ آنکھ بمشکل کھل سکتی ہو۔"

"کیوں؟ خیریت....؟"

"اشد ضروری ہے۔"

"مقصد نہیں بتائیں گے۔"

"ابھی نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔ ویسے یہ سب کچھ موجودہ کیس ہی کے متعلق ہو رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اس پہچان کو بنا پر پتہ لگانے میں آسانی ہوگی۔"

"شکریہ۔" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

اس کے بعد وہ پھر ٹیکم گڈھ کے نقشے پر جھک پڑا۔

"کیا آپ اس فضا میں گھٹن محسوس نہیں کرتے۔" حمید نے کہا۔

"میں اسی فضا کا کیڑا ہوں۔" فریدی نے لاپرواہی سے کہا اور ہونٹوں میں دبا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"اگر فولادی پر قابو نہ پایا جا سکا تو پھر آپ کو بھی دیکھ لوں گا۔" حمید نے جل کر کہا۔

"فولادی کی لگام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہے اور تم جانتے ہو کہ میں ہر قسم کے آدمیوں سے نپٹنا جانتا ہوں۔ بس آج کی رات اور ٹھہر جاؤ۔ میں دیکھ لوں کہ وہ اپنی دھمکی کو کیسے عملی جامہ پہناتا ہے۔"

مڈ بھیڑ

ڈاکٹر ہرمین کی دھمکی پوری ہو کر رہی۔ فریدی ٹرانسمیٹر پر جھکا ہوا تھا اور محکمہ سراغ رسانی کے آپریشن روم پر قبرستان کا سا سناٹا مسلط تھا۔

دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کرنل فریدی.... کرنل فریدی.... آپ کا خیال درست نکلا۔ نیوی کے ایک جہاز کے پرخچے اڑ گئے۔ اس کی وجہ سے دوسرے جہازوں کو بھی تھوڑا بہت نقصان پہنچا ہے۔ وہ جہاز سونا گھاٹ کی طرف آرہا تھا۔ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر اچانک پانی میں چند لکیریں سی نظر آئیں جسے جہاز کی روشنی کا عکس سمجھا گیا اور جہاز آگے بڑھتا رہا۔ لیکن جیسے ہی وہ ان چمکتی ہوئی لکیروں کے درمیان پہنچا بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے وہ بجلیوں میں گھر گیا ہو۔ اُس کے نیچے اور چاروں طرف بجلیاں سی کوندرہی تھیں۔"

پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ جہاز کے چیتھڑے اڑ گئے۔ قرب وجوار کی درجنوں کشتیاں اور لانچیں الٹ گئیں۔ ابھی تک جانی نقصان کا اندازہ نہیں لگایا جاسکا۔ کرنل فریدی.... کیا آپ سن رہے ہیں۔

"ہاں میں سن رہا ہوں۔" فریدی نے جواب دیا اور پھر دوسری طرف سے آواز آنی بند ہو گئی۔ ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کئے بغیر وہ سوپر واصف کی طرف مڑا۔

"دیکھا آپ نے۔"

"مجھے اطلاع مل چکی تھی کہ وہاں بہت سخت قسم کے انتظامات کئے گئے ہیں۔" واصف نے کہا۔ "غالباً اُن کا خیال تھا کہ وہاں بھی فولادی ہی نمودار ہوگا۔ لہٰذا سونا گھاٹ پر ایک پوری بٹالین موجود تھی، لیکن وہاں دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا۔ بعض اوقات تو ہرمین مجھے کوئی خبیث روح معلوم ہونے لگتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کیوں کرنل فریدی، تم نے سن لیا کہ اس از کا کیا انجام ہوا۔ میں ڈاکٹر ہرمین تم سے مخاطب ہوں۔ تم یہ معلوم کرنے کے لئے بہت بے ین تھے کہ ڈاکٹر ہرمین کی دھمکی کا کیا انجام ہوا۔ سن لیا تم نے۔"

"ہاں.... میں نے سن لیا۔ لیکن تم بھی اپنے لئے چند دردناک خبروں کے منتظر رہو۔" یدی نے پرسکون لہجہ میں کہا اور دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی پھر سناٹا چھا گیا۔

فریدی سوئچ آف کر کے آپریشن روم سے باہر آگیا۔ کیپٹن حمید بھی اُس کے ساتھ تھا۔

دوسری صبح اُس چرواہے کا سراغ مل گیا جس نے قاسم کو ٹیکم گڈھ پہنچایا تھا۔ قاسم نے بھی سے شناخت کر لیا۔ چرواہا اس طرح پکڑے جانے پر پریشان تھا اُس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"صاحب! انہوں نے روپے اپنی خوشی سے دیئے تھے۔"

"روپے تم رکھو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ ہمیں وہاں ک پہنچادو جہاں سے انہیں لائے تھے۔"

چرواہے نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ سمجھا تھا شاید قاسم سے ملے ہوئے روپے اُسے واپس کرنے یں گے۔ فریدی کا ارادہ تھا کہ اُسی دن روانہ ہو جائے گا۔ دشواری یہ آپڑی کہ بمبار طیارے جو ح سے ٹیکم گڈھ کی فضا میں منڈلا رہے تھے اچانک ویران علاقوں پر بھاری بم برسانے لگے۔

"یہ کیا حماقت شروع ہو گئی۔" حمید نے کہا۔

"ہونے دو.... تمہارا کیا نقصان ہے۔" فریدی بولا۔

"نقصان.... ارے جناب شاید یہ چرواہا بھی ہمارے ساتھ جانے پر تیار نہ ہو۔" حمید نے ہا۔ "اگر گیا بھی تو یہ بات قطعی غیر فطری ہوگی کیونکہ بمباری کے بعد شاید مہینوں اُن اطراف یں چرواہے نہ دکھائی پڑیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے.... خیر.... دیکھا جائے گا۔"

اُسی شام کو وہ نشاط کے ڈائننگ ہال میں کافی پی رہے تھے۔ اس وقت لوگ اتنے سراسیمہ نظر نہیں آرہے تھے جتنے دوپہر تک دکھائی دیتے تھے۔ مائیکروفون ریڈیو سے اٹیچ کر دیا گیا۔ ریڈیو سیلون سے فلمی ریکارڈ اور اشتہارات نشر ہو رہے تھے۔

دفعتاً لاؤڈ اسپیکر میں کوئی خرابی واقع ہو گئی اور ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سے کتے

لڑ پڑے ہوں۔ لیکن اب عام لوگ اس کے عادی ہو چکے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ہر مین ہی کی آوا[ز] سنائی دے گی۔

دوسرے ہی لمحے میں لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔ "میں ڈاکٹر ہر مین اس ملک کے عوام سے مخاطب ہوں۔ آپ فولادی سے قطعی نہ ڈریئے۔ اب وہ پھر پہلے ہی کی طرح آپ کا خادم ہے۔ ایک غلط فہمی کی بناء پر حالیہ ہنگامے ہوئے تھے۔ اب میں بالکل مطمئن ہوں۔ لیکن کیا آپ موجود[ہ] حکومت کو پسند کرتے ہیں؟ سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کیجئے۔ اس وقت بھی آپ کی موجود[ہ] پریشانی کا باعث آپ کی حکومت ہی ہے۔ کتنے احمق لوگ ہیں۔ خواہ مخواہ اتنے بم برباد کرا دیئے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ میں ٹیکم گڈھ ہی کے اطراف میں ملوں گا۔ میں غور سے دیکھ رہا ہوں۔ اگر میں نے محسوس کیا کہ یہ حکومت ناکارہ ثابت ہو رہی ہے تو مجبوراً مجھے عوام کی خاطر اسے ٹھکانے لگانا ہی پڑے گا۔ میں ہوں آپ کا خادم ہر مین۔"

"چور....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ ہال میں چند لمحے سناٹا رہا اور پھر ریڈیو سیلون کا پروگرام سنا جانے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ یک بیک بدل کیسے گیا۔" حمید نے کہا۔

"اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ سونا گھاٹ کو نیوی کے قبضے میں کیوں نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"ابھی تک آپ یہی سوچ رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے یہ بہت اہم ہے۔"

"میں آپ سے تفصیل نہیں پوچھوں گا۔" حمید بڑبڑایا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ نہیں بتائیں گے۔"

"سمجھدار ہو۔"

پھر وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ ریڈیو سیلون سے فلمی گیت اور اشتہارات نشر ہوتے رہے۔

آج دو دن سے قطعی سکون تھا۔ اس دوران میں فولادی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔ شہر کی حالت آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی تھی۔ سیاحوں کو واپسی کی اجازت مل گئی تھی لیکن مقامی باشندوں پر اب بھی پابندیاں عائد تھیں۔

فریدی نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس دوران میں اعلیٰ حکام کی طرف سے برابر اُس

کے نام پیغامات آتے رہے تھے اور وہ بھی انہیں مطلع کرتا رہا تھا کہ وہ غافل نہیں ہے۔

چھ چرواہوں کا ایک مختصر سا قافلہ ٹیکم گڈھ کے ویران علاقے کی طرف چل پڑا۔ اُن کی وضع قطع خانہ بدوشوں کی سی تھی۔ ان میں تین تو حقیقتاً چرواہے تھے اور بقیہ تین قاسم، حمید اور فریدی تھے۔ اس خیال سے قاسم کو ساتھ لینا پڑا تھا کہ کہیں وہ اُن کی عدم موجودگی میں اپنے تجربات نہ بیان کرتا پھرے گا۔ لیکن حقیقت بعد کو معلوم ہوئی تھی۔ اُس نے حمید کو بتایا کہ وہ تو دراصل تازہ ذبح کی ہوئی بھیڑوں کا بھنا ہوا گوشت کھانے کے لئے اُن کے ساتھ آیا تھا۔

وہ جس لئے بھی آیا ہو۔ فریدی خود ہی اُسے ٹیکم گڈھ میں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

ایک جگہ رہنما رک گیا۔ یہاں چاروں طرف بمباری کی تباہ کاریاں نظر آ رہی تھیں۔

"راستہ بند ہو گیا ہے جناب۔" اُس نے ایک درے کی طرف اشارہ کر کے کہا جس میں بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔

"یہ نقصان ہوا ہے بمباری سے۔" حمید بڑبڑایا۔

"بناؤں.... راستہ۔" قاسم نے فریدی سے پوچھا۔

"ٹھہرو....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہم تو کسی نہ کسی طرح گذر ہی جائیں گے لیکن ان بھیڑوں کا مسئلہ ٹیڑھا ہے۔"

"انہیں میں گود میں اٹھا اٹھا کر اُدھر پہنچا دوں گا۔" قاسم نے کہا۔

"سنو....!" فریدی نے چرواہے کو مخاطب کیا۔ "میرا خیال ہے کہ تم اپنے دونوں ساتھیوں کو یہیں چھوڑ دو۔ آٹھ یا دس بھیڑیں ساتھ لے چلو ان کی قیمت تمہیں ادا کر دی جائے گی۔"

"نہیں صاحب میں اکیلے تو کبھی نہ جاؤں گا۔ میرے دونوں بھائی ہر حال میں میرے ساتھ جائیں گے۔"

"تمہاری حفاظت کا ذمہ پہلے ہی لیا جا چکا ہے۔"

"کچھ بھی ہو بھائی جائیں گے۔"

"اچھا تو چلو.... ان بھیڑوں کو آگے بڑھاؤ۔"

چرواہا کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تھوڑا چکر ضرور پڑے گا۔ لیکن ہمیں راستہ مل جائے گا۔"

"کچھ کرو بھی تو.....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔

وہ پھر پیچھے لوٹے اور تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد چرواہے کے بیان کے مطابق راہ پر لگ گئے۔

"یہ آخر اپنے بھائیوں کو ساتھ لے جانے پر کیوں مصر ہے۔"

"بس دیکھتے رہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم محفوظ ہیں یا ہماری اسکیموں کی اطلاع دوسروں کو نہیں ہے۔"

"کیا مطلب.....!"

"مطلب یہ کہ ان دونوں چرواہوں سے ہوشیار رہنا۔ ان میں سے کم از کم ایک کو تو میں پہچان چکا ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں بھی میک اپ ہی میں ہیں۔"

حمید دونوں چرواہوں کو گھورنے لگا پھر بولا۔ "تو کیوں نہ ان سے یہیں سمجھ لیا جائے۔"

"نہیں چلنے دو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے کار آمد ہی ثابت ہو سکیں۔"

"آپ کے لئے تو سانپ کے بچے بھی کار آمد ہو سکتے ہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"یقیناً اکثر وہ بھی کام آئے ہیں۔" فریدی بولا۔

سفر جاری رہا۔ وہ ان ویرانوں میں ایک رات گذار چکے تھے۔ ادھر کے پہاڑوں کا عجیب حال تھا۔ کہیں تو بھورے رنگ کی ننگی چٹانیں ہی چٹانیں بکھری ہوئی نظر آتیں اور کہیں سبزے سے ڈھکے ہوئے پہاڑ تھے۔

حمید کو تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی "طلسم ہوشربائی علاقے" میں سفر کر رہا ہو۔

قاسم کی زبان تھکن کے باوجود بھی چلتی رہی لیکن تذکرہ یا تو تھکن کا ہوتا یا نہ مٹنے والی بھوک کا۔ زندہ اور چلتی بھیڑوں کو بھی وہ ایسی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا جیسے کھال سمیت چبا جائے گا۔

دوسری رات گذارنے کے لئے وہ ایک ایسے مقام پر رکے جہاں سطح زمین مشکل ہی سے نظر آتی تھی۔ چاروں طرف اونچی نیچی ناہموار سی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ انہیں کوئی غار بھی نہ مل سکا اس لئے رات کھلے ہی میں گذارنی تھی۔ ایک بھیڑ ذبح کی گئی اور اُن لکڑیوں پر بھونی جانے لگی جو خچروں پر بار کر کے لائی گئی تھیں۔ کھانے کے مسئلہ ڈبوں میں محفوظ کی ہوئی غذاؤں سے بھی حل ہو سکتا تھا مگر وہ تھوڑی سی تفریح بھی چاہتے تھے۔ پھر حمید کو ڈبوں والی غذاؤں سے اللہ

ٹے کا بیر تھا۔

پیٹ بھر جانے پر وہ سونے کے لئے لیٹ گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد خراٹوں کی آوازیں فضا منتشر ہونے لگیں، لیکن فریدی جاگ رہا تھا۔ وہ اور حمید باری باری سے سوتے تھے۔ مگر روں کو اس کا علم نہیں تھا۔

آسمان سیاہ بادلوں سے چھپا جا رہا تھا۔ کہیں اکا دکا ستارے دکھائی دیتے لیکن دن بھر کی تھکن ،میں بھی انہیں خوابوں کے جزیروں کی سیر کرا رہی تھی۔

فریدی نے کروٹ بدلی اور پھر یک بیک اچھل کر بیٹھ گیا۔ بائیں جانب والی ڈھلان سے نی نظر آئی تھی۔ حمید اُس کے قریب ہی تھا۔ اُس نے اسے جھنجھوڑا اور ساتھ ہی اُس کے منہ نھ بھی رکھ دیا۔

حمید بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"فولادی" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "آؤ..... چپ چاپ ادھر چلے آؤ۔" وہ اُسے ایک ا چٹان کے پیچھے کھینچ لے گیا۔

"اُس کی روشنی سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہی تدبیر ہے جسے اختیار کرنے پر ہم اُس سے بچ سکیں گے۔"

ذرا ہی سی دیر میں چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ کیونکہ یہ حقیقتاً فولادی ہی تھا اور نے نشیب سے سر ابھارا تھا۔

حمید کو اُس وقت ہوش آیا جب اُس نے اپنے کان کے پاس ہی گولی چلنے کی آواز سنی اور یک اندھیرا پھیل گیا۔

"وہ مارا۔" فریدی دبے ہوئے جوش کے ساتھ بڑبڑایا۔

"یعنی.....یعنی....."

"فولادی اندھا ہو گیا۔ اب وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے گا۔"

دفعتاً فولادی چنگھاڑنے لگا۔ "نمک حراموں یہ کیا ہوا۔ تم پڑے سو رہے ہو۔ یہ گولی کس نے تھی..... کس نے چلائی تھی۔"

اچانک ٹارچ کی روشنی فولادی پر پڑی۔ یہ ٹارچ ایک چرواہے کے ہاتھ میں تھی۔ قاسم بھی

اٹھ بیٹھا تھا۔

"جواب کیوں نہیں دیتے۔" فولادی چنگھاڑا۔

"پتہ نہیں۔" چرواہے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر اُس نے چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈالی، ساتھ ہی اس کا ریوالور بھی نکل آیا۔

"وہ دونوں کہاں ہیں۔" اُس نے قاسم سے گرج کر پوچھا۔

"میں کیا جانوں۔"

"یہ کون بولا تھا۔" فولادی نے پوچھا۔

"موٹا آدمی۔" چرواہے نے جواب دیا۔ "وہ دونوں غائب ہیں۔"

"اوہ.... میں تمہیں فنا کردوں گا۔ تمہاری ہی غفلت کی بناء پر اندھا ہو گیا۔"

"ابے نیلم کہاں ہے اندھی کے۔" قاسم دھاڑا۔

"اسے گولی ماردو۔" فولادی نے کہا۔ "میں اب بالکل بیکار ہو چکا ہوں۔ نہ چنگاریاں برسا ہوں اور نہ اس قابل بن سکتا ہوں کہ حملوں سے خود کو بچا سکوں۔"

شاید اس نے ٹریگر دبانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فریدی کے ریوالور سے پھر شعلہ نکلا اندھیرے میں ایک چیخ دور تک لہرائی چلی گئی۔

"آؤ....!" فریدی نے حمید سے کہا اور چٹان کی اوٹ سے نکل آیا۔ اُس کے داہنے ہاتھ ریوالور تھا اور بائیں میں ٹارچ۔

"تم دونوں اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ایک چرواہا اپنا داہنا ہاتھ بائیں سے دبائے ہوئے جھکا کھڑا تھا۔ اُس کے داہنے ہاتھ سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

"یہ کون ہے۔" فولادی سے آواز آئی۔

"تمہارا باپ ہے سالے۔" قاسم نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر زخمی چرواہے سے بولا۔ "کیوں.... درجن ہماری ملاقات کتنی دلچسپ ہے۔"

"درجن....!" حمید متحیرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "یعنی کہ....!"

"ہاں....!" فریدی بولا۔ "درجن! غالباً اب تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔"

"سب کچھ ممکن ہے۔ ابھی بہت کچھ دیکھو گے۔"

دفعتاً فولادی آگے بڑھا۔ لیکن کسی اندھے آدمی ہی کی طرح لڑکھڑاتا ہوا۔ اُن دونوں کے درمیان سے نکل گیا۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح ادھر اُدھر دوڑنے لگا۔ اُس کے ہاتھ اس طرح خلاء میں پھیلتے اور سمٹتے رہے، جیسے کوئی اندھا کسی کو ڈھونڈھ رہا ہو۔

قاسم نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "مجھے ٹارچ دکھاؤ۔"

"کیا کرو گے۔"

"بھرتا بناؤں گا۔"

حمید اُسے روشنی دکھانے لگا۔ قاسم کچھ ڈھونڈھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ جھک کر ایک بہت وزنی پتھر اٹھانے لگا اور حمید کی "ہائیں ہائیں" کے باوجود وہ پتھر اُس کے سر سے بلند ہو گیا۔

"ٹھہرو! ٹھہرو....!" فریدی بھی بول پڑا۔

مگر کون سنتا ہے۔ قاسم نے وہ پتھر فولادی پر دے مارا اور فولادی پتھر سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے سینے سے جھانکنے والی کئی رنگوں کی روشنیاں بھی غائب ہو چکی تھیں اور وہ بالکل خاموش تھا۔

لیکن ٹھیک اُسی وقت نشیب سے بے شمار قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ آنے والے شاید دوڑ رہے تھے۔

حمید انہیں وہیں چھوڑ کر نشیب کی طرف جھپٹا۔ سرے پر پہنچتے ہی اُس نے نیچے کی جانب دو تین فائر جھونک دیئے۔ وہ پے درپے فائر کرتا رہا۔ نیچے سے بھی فائر ہونے لگے۔

ادھر فریدی قاسم کی مدد سے ان دونوں کو باندھ رہا تھا۔

رات کا سناٹا فائروں کی آوازوں سے مجروح ہوتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فریدی نے محسوس کیا کہ وہ چاروں طرف سے گھر گئے ہیں۔

اُس نے بڑی پھرتی سے اپنا تھیلا تلاش کر کے اس میں سے سفری ٹرانسمیٹر نکالا اور جلدی جلدی کہنے لگا۔

"قریب آجاؤ۔ قریب آجاؤ۔ فریدی اسپیکنگ.... اب تم لوگ ان پر حملہ کر سکتے ہو۔"

خونخوار لڑکی

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ ہنگامہ کتنی دیر تک جاری رہا تھا۔ ویسے یہ ضرور ہوا کہ افراتفری میں فریدی کا ساتھ چھوٹ گیا۔ ویسے جس کا بھی ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا وہ اُسے ہوا ایک طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ خیال یہ تھا کہ وہ قاسم کے علاوہ اور کوئی نہ ہوگا۔

فائروں کی آوازیں اب نہیں آ رہی تھیں۔ لیکن وہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سن رہا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں وہ کئی بار گرتے گرتے بچا۔ دو ایک بار چٹانوں سے ٹکرایا.... اور پھر آخر اُسے رکنا پڑا۔

وہ ڈر کر نہیں بھاگا تھا بلکہ اُس کے قدم غیر ارادی طور پر ایک طرف اٹھ گئے تھے اور پھر اندھیرے میں کسی ایک جگہ ٹھہرنا حماقت ہی ہوتی۔ جب کہ اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ نے ٹرانسمیٹر پر کن آدمیوں کو مخاطب کیا تھا اور ان کا حملہ کس جانب سے ہوگا۔ حملہ آو رخ کدھر ہے۔

"قاسم....!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

لیکن جواب ندارد۔ حالانکہ اس کا ہاتھ اب بھی ہاتھ ہی میں تھا۔ حمید نے ہاتھ چھوڑ کر نکال لی۔ اور اب اس کی روشنی میں اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ یہ وہی چرواہا تھا جو رہنما کی سے ان کے ساتھ آیا تھا۔

دوسرے لمحے میں حمید نے ریوالور نکال کر اُس کے سینے پر رکھ دیا۔

"تم نے ہمیں دھوکا دیا۔" وہ اُسے لات مار کر ایک طرف گراتا ہوا بولا۔

"ارے.... حضور سنئے تو سہی۔ جیسے آپ نے راستہ دکھانے کے لئے روپے دیئے طرح انہوں نے بھی دیئے تھے۔ میں کیا جانوں سرکار کہ آپ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو نے انہیں اپنا بھائی کیوں ظاہر کیا تھا۔"

"انہوں نے یہی کہا تھا۔ میں نے اُن سے بتایا تھا کہ پولیس والے مجھے اپنے ساتھ لے ہیں میں کسی اور کو ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ لیکن انہوں نے اس سے زیادہ روپیہ دیا جتنا آ ملا تھا اور کہا کہ میں انہیں اپنا بھائی ظاہر کر کے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔"

"تیرے بھائیوں نے جو کچھ بھی کیا ہے اُس کا بدلہ تجھ سے لیا جا سکتا ہے۔"

چرواہا گڑگڑانے لگا.... اور اچانک حمید کسی شہتیر کی طرح زمین پر چلا آیا۔ کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی ساتھ ہی اُس نے چرواہے کی چیخیں بھی سنیں۔

چونکہ حملہ بے خبری میں ہوا تھا اس لئے حمید کو سنبھلنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔

حملہ آور پانچ یا چھ تھے یا ممکن ہے اس سے بھی زیادہ رہے ہوں۔ حمید کو صحیح اندازہ نہ ہو سکا اس کا سر بہت زور سے پتھریلی زمین پر پڑا تھا اور چوٹ ایسی نہ تھی کہ وہ تھوڑی ہی دیر تک ہوش میں رہ سکتا۔

اور جب ہوش آیا تو آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ کنپٹیاں تڑخنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر آ جائیں گی۔ اُس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔ اُسے اپنے چاروں طرف صدہا بلب روشن نظر آئے۔ انتہائی تیز روشنی والے بلب اور پھر کچھ دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ اُس کا سارا جسم پسینے میں ڈوبا ہوا ہے۔ کمرہ بے حد گرم تھا اور شاید یہ آنچ انہیں بلبوں سے خارج ہو رہی تھی۔

لیکن اُس کی تھکن حیرت انگیز طور پر زائل ہو گئی تھی۔ اُسے قطعی یہ نہیں معلوم رہا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے بیہوش رہا ہے۔ اُس نے پھر آنکھیں کھولیں لیکن اُس روشنی کی تاب نہ لا سکا۔ اُسے یاد آیا کہ اس کی جیب میں تاریک شیشوں کی ایک عینک بھی تھی۔ اُس نے اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں۔ عینک تو مل گئی لیکن ریوالور غائب تھا۔ مگر پھر یاد آیا کہ ریوالور تو اُس وقت اُس کے ہاتھ میں تھا جب کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔

اس نے عینک نکال کر آنکھوں پر لگالی اور اب وہ بخوبی چاروں طرف دیکھ سکتا تھا لیکن روشنی اب بھی خاصی تیز لگ رہی تھی۔

یہ ایک کافی وسیع کمرہ تھا لیکن حمید کو کہیں کھڑکی یا دروازہ نہیں دکھائی دیا۔ پھر یہ سوچ کر اُس کا دم گھٹنے لگا کہ وہ ایک بہت بڑے صندوق میں بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ گھٹن محض ذہنی تھی۔ جسمانی طور پر وہ ذرہ برابر تکان نہیں محسوس کر رہا تھا۔ لہٰذا زندہ رہنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ گھٹن کے احساس کو فنا کرنے کی کوشش کرتا۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے اپنے ذہن کو ادھر اُدھر بھٹکانا شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد اس کی پشت کی جانب ایک دیوار میں اچانک دروازہ نمودار ہوا۔ لیکن حمید کو اِ
کی خبر نہ ہو سکی۔ دروازے سے اندر آنے والی ایک عورت تھی جس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ اُ
کے اندر آتے ہی دیوار پھر برابر ہو گئی۔

اُس عورت کے قدموں کی آواز پر حمید چونک پڑا۔

عورت نے ہاتھ اٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اُس عورت نے بھی تاریک شیشو
کی عینک لگا رکھی تھی اور جب اُس نے اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹائی تو حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
یہ نیلم تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ لیکن اُس مسکراہٹ کا مفہ
سمجھنا مشکل ہی تھا۔ پتہ نہیں وہ طنزیہ مسکراہٹ تھی یا اس ملاقات پر خوشی کا اظہار تھا یا یونہی عا
ہونٹوں میں کھنچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اگر اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک نہ ہوتی تو حمید کو ا
مسکراہٹ پر الجھن میں نہ مبتلا ہونا پڑتا۔

"تم آخر آ ہی گئے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں.... لیکن یہ اب معلوم ہوا کہ ہرمین اور اسمگلروں میں کتنا گہرا تعلق تھا۔"

"تم نہیں سمجھے۔" نیلم نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میں ہرمین کے لئے بہت رنجیدہ ہوں۔
آدمی نہیں فرشتہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب نہ پوچھو۔" نیلم نے ٹھنڈی سانس لی۔ "بابا نے میرے ساتھ بھی فراڈ کیا۔"

"یعنی....!"

"یعنی.... مطلب" نیلم جھنجھلا گئی۔ "اپنی فکر کرو۔ تم زندہ نہیں بچو گے، بابا آج کل بہ
زیادہ خونخوار ہو رہا ہے۔"

"مجھے کوئی نہیں مار سکتا۔" حمید مسکرایا۔ "میں نے پچھلے سال ایک بوتل آب وفات پیا
تم مجھے ہرمین کے متعلق بتاؤ۔ آہا.... ٹھہرو۔ کیا کرنل بھی پکڑ لئے گئے ہیں۔"

"نہیں.... نہ وہ ہاتھ لگے اور نہ موٹا۔"

"تب تو تم اپنے بابا کے کفن دفن کا انتظام ابھی سے شروع کر دو۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ
وقت پر تمہیں پریشانی ہو۔"

"بابا پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہے۔ ویسے اب مجھے اُس سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔ وہ صرف
ا کام نکالنا جانتا ہے اور اُس کا کوئی اقدام مقصد سے خالی نہیں ہوتا۔ شاید اُس نے اسی دن کے
ئے میری پرورش کی تھی کہ میرے ذریعہ سے ہرمین جیسے کسی آدمی تک پہنچ سکے۔ اب اُسے
ست دنیا بہت مشکل ہے۔ وہ ساری دنیا کو تباہ کر سکتا ہے۔"

"فولادی کو ہم نے تباہ کر دیا۔"

"فولادی" نیلم ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اس کی کیا حقیقت تھی۔ یہاں اُس سے بھی زیادہ
ناک بلائیں موجود ہیں۔ ایسے حربے جو ریڈیائی لہروں سے کنٹرول ہوتے ہیں۔ صرف ایک
ے سے کاسموٹون نے جہاز کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ کیا تم بھول گئے کاسموٹونس سمجھتے ہو۔"

"نہیں.... پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"ایک ننھا سا بم جس میں کاسمک شعاعیں مقید تھیں اور اُسے سونا گھاٹ پر پہنچانے کے لئے
لادی کو استعمال کیا گیا تھا۔ پھر ریڈیو کنٹرول کے ذریعے یہیں بیٹھے بیٹھے وہ بم پھاڑ دیا گیا۔ جہاز
ے چیتھڑے اڑ گئے۔"

"لیکن ہرمین کیسے قابو میں آیا تھا۔"

"بابا نے مجھ سے کہا تھا کہ شاید ہرمین تم سے دوستی کرنا چاہتا ہے لہٰذا تمہیں بھی چاہئے کہ
ں تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں نے فولادی سے ایک دن خواہش ظاہر کی کہ میں اس کا گھر دیکھنا
تی ہوں۔ وہ تیار ہو گیا۔ لیکن میں تنہا نہیں جانا چاہتی تھی۔ بابا میلے سے جا چکا تھا اور گروہ والوں
سے بھی کوئی نہیں تھا۔ میری نظر موٹے پر پڑ گئی۔ میں نے سوچا کہ اسی کو ساتھ لے چلوں۔
ادی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک عجیب وضع کی گاڑی لایا تھا، جو اڑ بھی
تی۔ ایک جگہ فولادی نے موٹے کو اتار دیا۔ پھر میرے احتجاج پر بولا کہ واپسی میں اسے
تھ لے لیا جائے گا۔ بہر حال ہم ایک جگہ اترے جہاں دو آدمی پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے
ری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ تھوڑی دیر تک مجھے اندھوں کی طرح چلنا پڑا۔ اور پھر جب میری
ھوں سے پٹی ہٹائی گئی تو میں نے خود کو یہاں پایا۔ میرے گرد چھبیس آدمی تھے اور انہیں میں
ین بھی تھا۔ وہ سب مجھے دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ ہرمین نے بتایا کہ
س کے ساتھی تقریباً دس سال بعد کسی عورت کو اتنے قریب سے دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا میں ان

کی کسی غیر مہذب حرکت سے اثر نہ لوں۔ اُس نے کہا کہ وہ مجھے ایک جری اور باہمت لڑکی
ہے۔ ابھی یہی سب ہو رہا تھا کہ بابا اور اس کے دس ساتھی ہاتھوں میں ٹامی گنیں لئے
ہوئے۔ اُن لوگوں نے ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ ہمارا تعاقب کیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہرمین اور
کے ساتھی قیدی بنالئے گئے۔ کاش مجھے پہلے ہی یاد آجاتا کہ بابا کے پاس دو بے آواز ہیلی کوپٹر
ہیں تو کبھی میں ادھر کا رخ نہ کرتی۔“

”مگر ہرمین نے اُسے ان چیزوں کا استعمال کیسے بتادیا۔“

”ہرمین مرنا نہیں چاہتا۔ بابا نے اُسے ایسی اذیتیں دی ہیں کہ شیطان کا کلیجہ بھی پانی
ہے۔ اب وہ ایک بے بس کتے کی طرح اس کا ہر حکم بجالاتا ہے اور میں اب بابا کی شکل نہیں
چاہتی، لیکن میں نے اپنی نفرت اس پر نہیں ظاہر ہونے دی۔ اچھا.... اٹھو.... تیار ہو جاؤ
حکم ملا ہے کہ تمہیں اس کے سامنے پیش کروں۔“

نیلم نے ریوالور نکال لیا اور حمید نے مسکراتے ہوئے بائیں آنکھ دبا کر اپنے دونوں
اٹھا دیئے۔

”سیدھے چلو۔“ نیلم آہستہ سے بولی۔ ”میں مجبور ہوں لیکن حتی الامکان کوشش کر
کہ تمہیں بچالیا جائے۔“

”شکریہ۔ میں بچ جانے کے لئے کسی کا محتاج نہیں بن سکتا۔ تم مجھے اچھی طرح جانتی

”بابا بہت خطرناک ہے۔ وہ کرنل فریدی کو بھی طفلِ مکتب سمجھتا ہے۔“

حمید جیسے ہی دیوار کے قریب پہنچا دروازہ نمودار ہو گیا۔

”چلو.... چلتے رہو۔“ نیلم نے کہا۔ وہ ریوالور لئے ہوئے اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

حمید خاموشی سے چلتا رہا اور پھر وہ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے۔ حمید کے داخل
ہی اس کمرے کی دیوار بھی برابر ہو گئی اور یہ بھی ایک بہت بڑا صندوق معلوم ہونے لگا۔
آدمی نظر آئے ان میں وہ دونوں چرواہے بھی تھے جنہوں نے حمید اور فریدی کے ساتھ
تھا۔ زخمی چرواہے کا ہاتھ ابھی تک اُسی حالت میں تھا۔ اُس کی ڈریسنگ نہیں کی گئی تھی۔
اُس نے حمید کو دیکھ کر دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”اب میں دیکھوں گا کہ تم لوگ کتنے
اور طاقتور ہو۔“

”اگر تم نے یہ الفاظ کسی کھلی جگہ پر کہے ہوتے تو میں تمہاری کافی قدر کرتا۔“

حمید مسکرا کر بولا۔ ”صندوقوں میں مرنے یا جینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”میں گن گن کر سارے بدلے چکاؤں گا۔“

نیلم اُسے تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاروں طرف کسی ایسے
ندے کی طرح دیکھ رہا تھا جس کا پنجرہ تبدیل کیا گیا ہو۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ اس کا ذہن
یدی میں الجھا ہوا تھا۔ ان دونوں چرواہوں کی موجودگی کا مقصد تو یہی ہو سکتا تھا کہ فریدی اور
کے نامعلوم ساتھیوں کو شکست فاش ہوئی کیونکہ خود حمید اور قاسم نے ان دونوں چرواہوں کو
رہا تھا۔

دفعتاً سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک
ر غیر ملکی اور دوسرا دیسی تھا۔ دونوں ہی کے چہروں پر گھنی داڑھیاں تھیں۔ غیر ملکی کے ہاتھوں
ہتھ کڑیاں تھیں اور اس کی آنکھوں سے گہرا غم جھانک رہا تھا۔

دیسی بوڑھے نے حمید کو نیچے سے اوپر دیکھا اور پھر قہر آلود نظروں سے زخمی چرواہے کی
ف دیکھنے لگا۔

”درجن! تم اپنے لئے خود ہی کوئی سزا تجویز کرو۔“

”کیا مطلب....!“ درجن غصیلی آواز میں بولا۔ ”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ تمہیں بھی یہ
ت ہوئی کہ مجھ سے اس لہجے میں گفتگو کر سکو۔“

”شٹ اپ یور ڈرٹی سوائین۔“ بوڑھا غرایا۔ ”محض تمہاری وجہ سے فریدی کو علم ہوا تھا کہ
ی تجارت کی پشت پر کون ہے اور اب تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اُسے پکڑ کر یہاں تک
کتے۔ تمہاری وجہ سے فولادی جیسی کارآمد چیز تباہ ہوئی۔“

”میں تمہارے سامنے جوابدہ نہیں ہوں۔ تم اپنی زبان بند رکھو۔“

”درجن تجھے سزا ضرور ملے گی۔“

”کس میں ہمت ہے۔“ درجن سینہ تان کر بولا۔ ”کل تک تو میرا ماتحت تھا نمک حرام آج
پر آنکھیں نکال رہا ہے۔“

”تجھے گھٹنوں چلنا کس نے سکھایا تھا۔“ بوڑھے نے زہریلی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"میں صرف رانا صاحب کو جوابدہ ہوں اور تم سب میرے ماتحت ہو۔"

"او کتے کے پلے۔" بوڑھا غرایا۔ "تو ایک سرکاری سراغ رساں کے سامنے رانا صاحب کا نا لے رہا ہے۔"

"شٹ اپ.... ذلیل نمک حرام۔" درجن بھی اُسی انداز میں دہاڑا۔ "کیا یہ سراغ رسا اب آسمان دیکھ سکتا ہے۔"

"لیکن رانا صاحب کا نام تیری زبان پر کیسے آیا۔ تجھے اس کی سزا ضرور ملے گی۔" بوڑھے آہستہ سے کہا اور پھر نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نیلم تیرے باپ کا قاتل یہی ہے۔ تیری ماں اسی نے گولی چلائی تھی اور تو بارش میں پڑی چیختی رہ گئی تھی۔"

"بابا....!"

"ہاں نیلم.... بابا بُرا آدمی ضرور ہے لیکن وہ خواہ مخواہ جھوٹ نہیں بولتا۔"

"تو میرے باپ کا قاتل ہے۔" نیلم نے درجن کو مخاطب کیا۔

"مجھے یاد نہیں۔" درجن نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "میرے پاس مقتولوں فہرست کبھی نہیں رہی۔"

نیلم نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور پر نظر ڈالی، لیکن پھر اُسے یہ کہہ کر بوڑھے طرف اچھال دیا۔ "اتنی پیاس ہے بابا کہ مزے لے لے کر پینا چاہتی ہوں۔"

بوڑھے نے ریوالور اپنے ہاتھوں پر روک لیا۔ نیلم دوسرے ہی لمحے میں اپنی پیٹی سے نکال چکی تھی۔

"کیا تمہیں اس ننھی منی سی لڑکی پر رحم نہیں آتا۔" درجن نے بوڑھے سے کہا۔

"نیلم.... تیری تربیت میرے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔"

"ہاں.... بابا....!" نیلم نے کہا اور کسی شیرنی کی طرح درجن پر جھپٹ پڑی۔ درجن پہلا وار خالی دیا۔ وہ کسی دیوانے کی طرح ہنس رہا تھا۔ نیلم دور کھڑی دوسرے حملے کی تاک تھی۔ اس بار اُس نے چھلانگ لگائی۔ درجن نے پینترا بدلا لیکن حمید متحیر رہ گیا۔ پہلے ایسا معلو ہوا جیسے نیلم نے چھلانگ لگائی ہو لیکن حقیقت صرف اتنی تھی کہ اُس نے درجن کو دھوکا دیا چھلانگ تو حقیقتاً اس وقت لگائی تھی جب درجن پینترا بدل چکا تھا۔ نیلم خنجر کھینچ کر پیچھے ہٹ آئی

"بہت اچھے.... بہت اچھے۔" بوڑھا بیساختہ بولا۔

اس بار درجن ہی نیلم پر جھپٹ پڑا۔ لیکن نیلم اس کی بائیں پسلی پر وار کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

"واہ بھئی! کیا ہاتھ تھا.... جیو....!" حمید بیساختہ بول پڑا۔

"دیکھا درجن! دشمن بھی تعریف کرتے ہیں۔" بوڑھے نے ہنس کر کہا۔ "لیکن تم میری محنت کی داد نہیں دیتے۔"

درجن کھڑا آگے پیچھے جھول رہا تھا اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے دکھائی ہی نہ دیتا ہو۔ وہ یک بیک بوڑھے کی طرف جھپٹا لیکن نیلم نے اس کے بال پکڑ لئے اور جھٹکا دے کر داہنی پسلی پر بھی ایک وار کیا۔ اس بار درجن اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ فرش پر خون پھیل رہا تھا اور درجن کے ہاتھ اس طرح پھسل رہے تھے جیسے وہ دوبارہ اُسے اپنی رگوں میں بھر لینا چاہتا ہو۔

"اب تم اسی طرح سسکتے رہو۔" نیلم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "لیکن آخری اور فیصلہ کن وار ہرگز نہ کروں گی۔"

"شاباش.... تو بابا ہی کی بیٹی ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

نیلم کچھ نہ بولی۔ وہ کسی شریر بچے کی طرح زخمی درجن کی طرف دیکھ رہی تھی جس نے کسی تتلی کے پر نوچ کر اُسے فرش پر ڈال دیا ہو۔ اُس کے چہرے پر خوشی اور حیرت کے ملے جلے آثار تھے جیسے اُسے اپنے اس کارنامے پر یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

حمید خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیوں کیپٹن؟ کیا تم بھی اسی لڑکی کے ہاتھوں مرنا پسند کرو گے۔" بوڑھے نے مسکرا کر حمید کو مخاطب کیا۔

"ہرگز نہیں۔" حمید بھی جواباً مسکرایا۔ "مجھے اردو شاعری کے قاتل سے ہمیشہ نفرت رہی ہے لیکن میں ایک خاص قسم کی موت زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

"وہ خاص قسم کی موت کون سی ہے۔"

"تم گانا شروع کر دو۔ میرا نام عبدالرحمٰن۔ پستے والا میں ہوں پٹھان۔ بس میں یہیں پھڑک پھڑک کر جان دے دوں گا۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ یہاں سے بچ کر نکل جاؤ گے۔" بوڑھا جھلا گیا۔

"بس مری جان یہ جملہ نہ دہراؤ۔ یہ جملہ ہمیشہ سے منحوس ثابت ہوتا چلا آرہا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے درجن نے بھی یہی کہا تھا۔ اس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"نیلم.... اسے بھی ختم کردے۔" بوڑھے نے کہا۔

نیلم چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ "میری عقل ابھی اپنی جگہ پر ہے۔ یہ ایک غیر دانشمندانہ فعل ہوگا بابا۔"

"کیوں....؟"

"اسے فریدی کو پھانسنے کیلئے چارا کیوں نہ بناؤ۔ ویسے وہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ بڑا کائیاں ہے۔"

بوڑھا کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "تو ٹھیک کہہ رہی ہے نیلم۔"

حمید کی طرف دیکھ کر اُس نے کہا۔ "تم نے دیکھا اس لڑکی کو.... یہ ایسے حالات میں بھی عقل مندوں کی طرح سوچتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

ہنگاموں کی موت

بھاری بھرکم درجن کسی مرتے ہوئے بھینسے کی طرح ڈکرا رہا تھا.... اور نیلم ہنس رہی تھی چیخ رہی تھی۔ "میں نے آج تک کسی پرندے کا بھی خون نہیں بہایا۔ لیکن میں اس وقت اتنا مسرور ہوں جیسے میں نے کوئی بڑا نیک کام کیا ہو.... بابا کیا میں خوش نظر نہیں آتی۔"

"بہت زیادہ۔" بوڑھے نے کہا۔ "تم ہی نہیں میں بھی خوش ہوں کہ آج تمہیں تمہارے والدین کے قاتل سے ملا سکا۔"

"شکریہ بابا۔" نیلم نے کہا۔ لیکن حمید نے اس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی بھی محسوس کرلی۔ ابھی تک اس کی نظروں سے صدہا عجیب لڑکیاں گذری تھیں لیکن یہ لڑکی عجیب ترین تھی۔

دفعتاً بائیں جانب والی دیوار سے ایک دروازہ نما خلاء نمودار ہوئی اور حمید کو قاسم نظر آیا۔ دو آدمی دھکیل دھکیل کر آگے بڑھا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اسی کمرے میں آگیا۔ اُس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

حمید کو دیکھ کر اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ پتہ نہیں یہ خوشی کا اظہار تھا یا حیرت کا۔

بوڑھے نے ان آدمیوں کو مخاطب کیا جو قاسم کو لائے تھے۔

"وہ کہاں ہے۔"

"تلاش جاری ہے۔" ایک نے جواب دیا۔ "ہمیں یقین ہے کہ کچھ دیر بعد وہ بھی یہیں نظر آئے گا۔"

"جاؤ.... تلاش کرو۔" بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ سمجھا تھا شاید فریدی بھی ان کے ہتھے چڑھ گیا۔

اُس نے قاسم کی طرف دیکھا، جو آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا حمید کے قریب پہنچ گیا تھا۔ لیکن شاید اس نے نہ تو نیلم کی موجودگی محسوس کی تھی اور نہ اُس زخمی کو دیکھ سکا تھا، جو اب بیہوش تھا۔

"ارے باپ رے۔" نیلم پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل پڑا اور بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

"قیوں.... نیلم....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم گھبراؤ نہیں۔ میں ان سبھوں سے سمجھ لوں غا۔"

نیلم نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بوڑھے کی طرف دیکھ کر بولی۔ "یہ بیچارے یہی سمجھتے رہے تھے کہ میں تم لوگوں کے مظالم کی شکار ایک بے سہارا لڑکی ہوں۔"

"اور کیا....!" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "تم اس بیچاری کو چھوڑ دو۔ چاہے مجھے پھانسی دے دینا۔"

"قاسم ہوش میں آؤ...." حمید بولا۔ "ہم ابھی تک دھوکا کھاتے رہے ہیں۔ یہ لڑکی اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے.... اور وہ.... اُدھر دیکھو.... وہ لاش، اسے نیلم ہی نے ابھی ابھی تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کیا ہے۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم نے بوکھلا کر شاید پیٹ پر ہاتھ پھیرنا چاہا لیکن ہاتھ تو پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

"میں پیٹ پر ہاتھ پھیرنا چاہتا ہوں۔" اُس نے بوکھلا کر کہا۔ لیکن شائد اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوگیا۔ پھر اُس نے جو جھینپی ہوئی شکل بنا کر زور کیا ہے تو اُس کے ہاتھوں کے گرد رسی کے بل تڑاخ تڑاخ ٹوٹ گئے اور وہ سچ مچ پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"تم اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرو گے۔" بوڑھا ریوالور کا رخ اس کی طرف کرکے دہاڑا۔

"نہیں قروں غا۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"لیکن تم ان لوگوں کے ساتھ کیوں دھکے کھاتے پھر رہے ہو۔ تم شائد خان بہادر عا
لڑکے ہو۔"

"تم قون ہو۔"

"میں ساری دنیا کا بادشاہ ہوں۔"

"نہیں مجرا کرو۔" حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"مجھے مجرا کرنا نہیں آتا بھائی صاحب۔" قاسم بوکھلا کر بولا۔ "ارے بھائی بادشاہ صا

پھر وہ حمید پر الٹ پڑا۔ انداز بالکل بھٹیاروں کا سا تھا۔

"ابے تم خود کرو مجرا۔ میں رنڈی ہوں کیا کہ مجرا کرتا پھروں۔ تم خود رنڈی۔" بو
پڑا۔ نیلم بھی ہنسنے لگی۔

دفعتاً وہ غیر ملکی بُرا سامنہ بنا کر بولا۔ جواب تک خاموش کھڑا رہا تھا۔

"تم لوگ درندے ہو۔ بالکل درندے۔ اُسے مار ہی کیوں نہیں ڈالتے۔ ایسا برتاؤ تو
کے ساتھ بھی نہیں کرتے۔"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زخمی درجن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم بہت نرم دل ہو ہرمین۔" بوڑھے نے کہا۔ "اسی لئے تو میں تم پر نازل کیا گیا
لوگ اسی لئے پیدا ہوئے ہو کہ تمہارا علم ہم جیسوں کے کام آئے۔ تم میں ساری دنیا
کرنے کی طاقت ہے، لیکن تم اُس طاقت کے استعمال سے ناواقف ہو۔ مجھے دیکھنا کہ م
طاقت کو کس طرح مصرف میں لاتا ہوں۔ رحم دل آدمی دنیا میں کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ
دراصل چالاک بزدلوں کا تراشا ہوا ہے جس کام کی ہمت نہیں پڑتی اُسے رحم دلی کے
ڈال دیا جاتا ہے اور جس کام کے کر گذرنے کی سکت ہوتی ہے اُسے دوسرے خوبصورت
جاتے ہیں خواہ اس میں بربریت کی ہی حد کیوں نہ ہو جائے۔ یہ بیسویں صدی ہے، ؛
امن کے نام پر خون بہایا جاتا ہے۔ جو تم سے متفق نہ ہو نہایت اطمینان سے اس کی گ
اعلان کر دو کہ یہ امن عالم کے لئے بہت ضروری تھا۔ آدمیوں کی طرح سوچنا سیکھو ہر
بن کر آدمیوں میں رہنا مشکل ہے۔ افسوس کی علم کی روشنی تمہارے ذہن میں اجالا ن

اس لڑکی کے کارنامے کو درندگی قرار دیتے ہو۔ نہیں تم غلطی پر ہو۔ تلوار کے جوہر کسی کی گردن ہی پر آزمائے جاسکتے ہیں۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں یہ بات بیسویں صدی کے سود و زیاں والے معیار سے کیوں نہ سمجھاؤں جس طرح کسی کی گردن اڑا دینا امن عالم کے لئے ضروری ہوتا ہے، اُسی طرح اس لڑکی کا یہ فعل بھی بہت ضروری تھا ورنہ آئندہ وہ اس کے بدلے ہزاروں کو بھی قتل کر سکتی تھی۔ یہ جب شیر خوار ہی تھی تو اس کا باپ قتل کر دیا گیا۔ قاتل اس کی ماں کو بھی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ اسے گود میں اٹھا کر گھر سے نکل بھاگی لیکن قاتل کی گولی نے اُسے بھی نہ چھوڑا۔ وہ شارع عام پر مردہ پڑی تھی اور یہ اس کی چھاتی سے چمٹی ہوئی بلک رہی تھی اور ان دونوں پر سے بارش کا طوفان گذر رہا تھا۔ یہ بچی بچپن ہی سے یہ کہانی سنتی آئی ہے اور انتقام کی آگ اس کے ریشے ریشے میں سلگتی رہی ہے۔ اگر وہ قاتل اُسے نہ ملتا اور یہ اس سے انتقام نہ لے لیتی تو ہو سکتا تھا کہ یہ کبھی پورے معاشرے کے لئے خطرہ بن جاتی۔ لہٰذا اس وقت جو کچھ بھی ہوا ہے اُسے تم درندگی نہیں کہہ سکتے۔ یہ کل کی تباہی سے بچنے کے لئے بہت ضروری تھا۔ خیر ہٹاؤ... یہ شاید اب دم توڑ رہا ہے۔ اب تم اُسے خاک کر دو۔"

ہرمین کچھ نہ بولا۔ درجن سچ مچ تڑپ رہا تھا اور شاید یہ اُس کے اعصاب کا آخری کھنچاؤ تھا۔ دفعتاً اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ ڈھلک گئی۔ اب وہ بالکل ساکت تھا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے بابا۔" نیلم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تن کر کھڑی ہو جاؤ اور یہ سوچو کہ تمہیں اُسے ایک بار اور قتل کرنا ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے بابا۔" نیلم نے پہلے ہی کے سے انداز سے کہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے بوڑھے کی آواز سنی ہی نہ ہو۔

پھر وہ اندھوں کی طرح ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھی اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

وہ بالکل اسی طرح کانپ رہی تھی جیسے سردیوں کی بارش میں دیر تک بھیگتی رہی ہو۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا تھا۔ بوڑھے نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور ہرمین سے بولا۔

"کیا تم نے سنا نہیں.... چلو.... اس لاش کو راکھ کا ڈھیر بنادو۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے.... غمید بھائی۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ حمید کچھ نہ بولا۔

ہرمین آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دیوار کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے ہتھکڑی لگے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دیوار پر ایک جگہ انگلی رکھی اور دوسرے ہی لمحے میں عجیب قسم کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی۔ دائیں جانب والی دیوار شق ہوئی اور ایک بڑا سا سیاہ رنگ کا صندوق فرش پر پھسلتا ہوا کمرے کے وسط میں آ رکا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی کمپارٹمنٹ ریلوے لائن پر دوڑتے دوڑتے رک گیا ہو۔

ہرمین نے اُسے کھولا اور درجن کی لاش اٹھا کر اُس میں رکھ دی گئی۔ ڈھکن کے بند ہوتے ہی صندوق پھر پہلے ہی کی طرح پھسلتا ہوا کمرے سے چلا گیا اور دیوار بھی برابر ہو گئی۔

حمید ہرمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب ہی خاموش تھے۔ دفعتاً حمید نے ہرمین کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے۔ اُس کی نظر ایک دیوار کے اُس حصے پر تھی جہاں ایک سوئچ بورڈ پر سرخ رنگ کے تین بلب کبھی بجھتے تھے اور کبھی روشن ہو جاتے تھے۔

"کیا بات ہے۔" بوڑھے نے پوچھا۔ شاید اُس نے بھی اس کی آنکھوں میں کوئی تبدیلی پڑھ لی تھی۔

"کچھ نہیں۔" ہرمین نے کہا اور فرش پر پھیلے ہوئے خون پر نظر جما دی۔

"شاید دو منٹ بعد دیوار پھر شق ہوئی اور صندوق پھر کمرے کے وسط میں آ کر رک گیا۔

ہرمین نے آگے بڑھ کر ڈھکن اٹھایا لیکن اچانک اُس کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ صندوق میں کرنل فریدی کھڑا انہیں گھور رہا تھا اور اس کے ہاتھوں میں ٹامی گن تھی۔ وہ صندوق سے باہر آ کر بولا۔ "شاید آپ لوگوں کو میری آمد گراں گذرے اس لئے براہ کرم اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیجئے۔"

حمید اور قاسم کے علاوہ سب نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ حمید بوڑھے کو مخاطب کر کے بولا۔

"کیوں اب کیا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اس منحوس جملے کو نہ دہراؤ۔"

"ہرمین۔" بوڑھے نے کہا۔ "اگر تم نے ذرہ برابر بھی کمزوری دکھائی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

فریدی چونک کر بوڑھے کو گھورنے لگا۔ اُس نے شاید ابھی تک اُسے کوئی اہمیت نہ دی تھی۔

نیلم بھی اب کھڑی ہو گئی تھی۔ لیکن اُس کے چہرے پر اضمحلال طاری تھا۔ خدوخال میں پہلے سی تازگی یا زندگی باقی نہیں رہی تھی۔

"اوہو.... تو یہ جناب ہیں۔" فریدی نے بوڑھے کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

"کیا آپ اسے جانتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اچھی طرح حمید صاحب۔"

"ارے تو پھر بنا دوں چٹنی سالے کی۔" قاسم بول پڑا۔

"نہیں.... میں انہیں بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"پولیس....!" ہرمین نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "اوہ.... وہاں پولیس اسٹیشن.... تم ہی تو فولادی کو پولیس اسٹیشن لے گئے تھے۔"

"اور میں نے ہی فولادی کو اندھا کیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "فولادی ایک شاندار ایجاد تھی۔ مجھے اعتراف ہے اور اس کی بربادی پر افسوس بھی۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ فولادی کس طرح مار کھا سکتا ہے۔ اس کی روشنی میں آئی ہوئی ہر چیز یہاں ٹیلی ویژن کی اسکرین پر نمایاں ہو جاتی تھی اور تم اس کے بچاؤ کی تدبیر کر لیتے تھے۔ اس بناء پر بھاری توپیں بھی اُسے ختم کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ میں نے اس کی روشنی سے بچ کر روشن حصے پر گولی چلائی اور اُسے بیکار کر دیا۔ چونکہ میں روشنی میں نہیں تھا اس لئے تمہیں یہاں اسکرین پر نہیں نظر آ سکا۔ روشنی والا حصہ شیشے کا تھا اور بہت آسانی سے توڑا جا سکتا تھا۔"

"تم بہت چالاک ہو۔ میں پہلے ہی دن سمجھ گیا تھا۔" ہرمین بولا۔

"اور آپ....!" فریدی نے بوڑھے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ سونا گھاٹ پر نئی بندرگاہ کی تعمیر نہیں پسند کرتے تھے۔ اسی لئے ہرمین پر قابو پاتے ہی آپ نے سب سے پہلے اسی کا تصفیہ کرنا بہتر سمجھا۔ اگر سونا گھاٹ پر بحری فوج کا اڈہ بن جاتا تو پھر آپ کی ناجائز درآمد و برآمد کا کیا ہوتا۔ ظاہر ہے کہ سونا گھاٹ اس کام کے لئے ہمیشہ سے موزوں رہا ہے۔ کچھ تو بولئے جناب۔ آخر آپ خلاف معمول اتنے خاموش کیوں ہیں۔"

"تم اپنی بکواس بند کرو تو میں بھی بولوں۔"

"چلئے.... میں خاموش ہو گیا۔"

"تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"یہ مرض مجھے بہت کم ہوتا ہے۔"

"کیا ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"ایسا بھی کیا کہ اتنی پرانی جان پہچان والے ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن بیٹھیں۔ نہیں ں اس پر تیار نہیں ہو سکوں گا۔"

"اچھا تو تم میرا کیا کرلو گے۔"

"ابھی بتاتا ہوں.... پہلے کیپٹن سے آپ کا تعارف تو کرادوں۔ حمید صاحب آپ وہ بڑے آدمی جن کا تذکرہ میں اکثر کرتا رہا ہوں۔ رانا صاحب! ممبر آف پارلیمنٹ۔ آپ کا گروپ بہت تگڑا ہے اور آپ ایک بہت بڑے دیش بھگت اور دیش سیوک بھی ہیں اور ملک کے حاکم اعل صاحب جو دیش سیوکوں کے بھی سیوک ہیں آپ کی ذات بابرکات پر نہ صرف اعتماد کرتے ہ بلکہ اکثر غیروں کے سامنے فخر بھی کیا کرتے ہیں۔ شاید وہ آپ کے کرتوتوں سے واقف ہی نہ ہیں اس لئے دوسرے بڑے حکام نہ صرف آپ سے خوف کھاتے ہیں بلکہ اس طرح آپ کے آتے ہیں کہ اُن کی پولیس بھی منہ دیکھتی رہ جاتی ہے اور آپ بھی محفوظ ہی رہتے ہیں لیکن آ یاد ہوگا کہ فریدی آپ کو کئی بار وارننگ دے چکا ہے اور آج وہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں کر یہاں سے لے جائے گا رانا صاحب! آپ ہرمین پر قابو پاکر حکومت کا تختہ الٹنے کا پروگر رہے تھے۔ آپ کو شارع عام پر پھانسی دلواؤں گا.... اسے لکھ لیجئے۔"

"جھک مار رہے ہو۔" بوڑھے نے قہقہہ لگایا۔ "آج رات کی کہانی تم لوگوں کے ساتھ دفن ہو جائے گی۔"

"ارے.... اسے ہٹاؤ.... وہاں سے۔" دفعتاً ہرمین چیخا۔

لیکن قبل اس کے کہ فریدی سنبھلتا بوڑھے کو زمین نگل گئی۔ مگر شاید وہ فائر فریدی ن گیا تھا جس نے ہرمین کی کھوپڑی میں سوراخ کردیا۔

"وہ گیا۔" نیلم چیخی۔ "سب یہیں دفن ہو جائیں گے۔" اُس نے جگہ جگہ ڈائنامائیٹ ہیں اور ان کا سوئچ باہر ہے۔ بھاگو۔ میرے ساتھ آؤ۔"

اُس نے جھپٹ کر ایک سوئچ بورڈ کا بٹن دبایا اور دیوار ایک طرف سرکتی چلی گئی۔ وہ کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور بوڑھے کے دوسرے ساتھی اس وقت سیلاب کے سانپوں کی طر ہو گئے تھے۔ کوئی دوسرا موقع ہوتا تو حتی الامکان فریدی اور حمید کو زندہ نہ جانے دیتے

وقت وہ خود بھی اپنے بھیانک انجام سے خائف ہو کر انہیں دونوں کا ساتھ دے رہے تھے۔

نیلم ان کی رہنمائی کر رہی تھی اور وہ سب گرتے پڑتے بھاگے جا رہے تھے۔ آخر وہ متعدد صندوق نما کمروں کے جال سے نکل کر سرنگ میں دوڑنے لگے۔ سرنگ تاریک تھی لیکن شاید نیلم کی حاضر دماغی نے کہیں سے ایک ٹارچ اٹھا لینے میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ وہ سب سے آگے دوڑ رہی تھی۔ اگر ہاتھ میں ٹارچ نہ ہوتی تو شاید ان میں سے کئی کے ہاتھ منہ ٹوٹے ہوتے کیونکہ ان کے پیروں کے نیچے زمین ناہموار تھی۔

وہ بہت جلد کھلے آسمان کے نیچے آگئے لیکن نیلم کی رفتار اب زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا اُس کے پیچھے صرف قاسم تھا اور بوڑھے کے ساتھیوں میں سے جس کے جدھر سینگ سمائے تھے بھاگ نکلا تھا۔

تقریباً دو فرلانگ دوڑنے کے بعد نیلم رک گئی۔

اس کی ٹارچ کی روشنی اندھیرے میں رینگ گئی تھی۔

"وہ رہا.... وہ دیکھئے۔" نیلم کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "شاید سوئچ تلاش کر رہا ہے۔ جلدی میں سوئچ کا مقام بھول گیا۔"

ٹارچ کی روشنی پڑتے ہی بوڑھا اچھل کر بھاگا۔ فریدی کی ٹامی گن گولیاں اگلنے لگی۔ بوڑھا بھی ایک چٹان کی اوٹ سے فائر کرنے لگا تھا۔ فریدی نے ٹامی گن ایک طرف ڈال کر ریوالور نکال لیا۔ دونوں طرف سے فائر ہوتے رہے۔ حمید کے پاس ریوالور نہیں تھا۔ اس لئے وہ خاموش کھڑا رہا۔ دفعتاً نیلم بولی۔

"میں ہی اُسے قابو میں لاؤں گی۔"

وہ گھٹنوں کے بل چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"ٹھہرو.... یہ کیا کرتی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ارے.... ہائیں.... ہائیں۔" قاسم ہکلایا۔

اور دوسرے ہی لمحے میں وہ ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ حمید پر آگری۔ حمید نے بڑی پھرتی سے اُسے ہاتھوں پر سنبھال لیا۔

"نیلم کیا ہے.... کیا ہوا۔"

"گولی.... کیپٹن.... میرے شانے میں گولی لگی ہے.... اُف.... اوہ....!"

"حمید تم اسے دیکھو.... یہ ایسے قابو میں نہ آئے گا۔" فریدی نے کہا اور حمید کے منع کرنے کے باوجود بھی بائیں جانب تاریکی میں رینگ گیا۔

"کیپٹن یقین جانو۔" نیلم کراہی۔ "ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ خود ہی آقا بھی ہے اور خود ہی غلام بھی۔ تم نے درجن کی گفتگو سنی تھی.... وہ بھی اُف.... نہیں جانتا تھا۔"

"تم خاموش رہو نیلم.... قاسم ٹارچ روشن کرو۔"

"ٹارچ.... نہیں.... وہ برابر غولی چلا رہا ہے۔"

"پرواہ مت کرو۔ میں زخم دیکھوں گا۔ اُسے چلانے دو گولی۔ نیلم گھبراؤ نہیں۔"

"نہیں.... تم ٹارچ مت روشن کرنا۔ ٹھہرو.... کیپٹن.... یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ میں مرنے جارہی ہوں۔ میں نے ابھی ایک آدمی کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔ بابا بد طینت آدمی ہے۔ پتہ نہیں.... اُس نے جھوٹ کہا تھا یا سچ.... ہو سکتا ہے.... درجن نے غصے میں اسکی پرواہ نہ کی ہو کہ وہ اس پر جھوٹا الزام رکھ رہا ہے۔ میں نے بہت بُرا کیا کیپٹن.... اللہ مجھے معاف کرے۔"

"وہ بُرا آدمی تھا نیلم تم اس کی فکر نہ کرو۔ تم پر آنچ نہیں آئے گی۔ میں تمہیں حکومت سے انعام دلواؤں گا۔"

"انعام....!" شاید وہ ہنسی تھی۔ "میں گلے میں لعنت کا طوق ڈال کر دنیا سے رخصت ہورہی ہوں۔ میں نے بہت بُرا کیا کیپٹن.... وہ بُرا تھا تو میں ہی کہاں کی اچھی تھی.... میری ساری زندگی کشمکش میں گذر گئی۔ کبھی اچھی بننے کی کوشش کرتی تھی.... اور کبھی.... کیپٹن.... اچھے کیپٹن.... میں نے سوچا تھا کہ ہم دونوں گہرے دوست بن جائیں گے۔ اوہ.... تم یہاں ہو موٹے.... بھیا خدا کے لئے مجھے معاف کردو میں نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے۔ میرے بھیا۔"

قاسم دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

"نہیں.... نہیں.... ارے" اُس کے ہاتھ حمید کے گالوں پر رینگ گئے۔ "ارے تم بھی رو رہے ہو کیپٹن.... اللہ.... اللہ.... میں اکیلی نہیں ہوں۔ میرے لئے بھی رونے والے ہیں۔ اللہ.... اُوف.... مجھے بھینچ لو کیپٹن۔ تم میرے باپ ہو۔ تم میرے لئے رو رہے ہو۔ میرے بابا.... تم میری ماں ہو۔ مجھے بھینچ لو.... میرا جسم اکڑ رہا ہے.... بابا.... میرے.... بابا....

اوہ.... کتنی تیز بارش ہورہی ہے.... ماں.... مجھے بھینچ لو.... ماں مجھے بھینچ لو.... ماں بارش ماں.... بارش....!"

یک بیک وہ خاموش ہوگئی۔

"نیلم.... نیلم....!" حمید نے اُسے آہستہ سے ہلایا۔

لیکن نیلم کی آواز نہ سنی جاسکی۔ حمید نے بہ آہستگی اُسے زمین پر ڈال دیا۔

"حمید.... بھائی...." قاسم ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔

"ختم ہوگئی۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"قاسم کی ہچکیاں پھر دہاڑوں میں تبدیل ہوگئیں۔

اس دوران میں فائر برابر ہوتے رہے تھے لیکن اب ان کا رخ دوسری جانب تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔"

"میں تمہیں پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" دفعتاً انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔

"میں تجھے کسی کیچوے کی طرح مسل دوں گا۔" جواب ملا۔

انہوں نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں ایک فائر ہوا۔ پھر فوراً ہی ایک چیخ فضا میں ابھری اور دور تک پھیلتی چلی گئی۔

"کرنل.... کرنل....!" حمید چیخا۔

"ہاں میں بخیریت ہوں۔" نیچے سے آواز آئی۔ "تم ٹارچ لے کر نیچے آؤ۔"

حمید نے قاسم کو وہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور وہ خود ٹارچ لے کر نشیب میں اترتا چلا گیا۔

فریدی نے اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پھر حمید نے ایک ایسا منظر دیکھا جس سے اس کی کافی تسکین ہوئی اور وہ چند لمحے کے لئے یہ بھول گیا کہ ابھی ابھی نیلم کی لاش کے پاس سے اٹھ کر آرہا ہے۔

بوڑھا ایک چٹان پر چت پڑا ہوا تھا۔ اس کا جسم سرد ہوچکا تھا۔ گولی سر میں لگی تھی۔ فریدی اُسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔

"یہ قاسم کیوں چنگھاڑ رہا تھا۔"

"نیلم....!"

"کیا ہوا.... اُسے۔" فریدی کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"ختم ہوگئی۔"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے اتنا ہی نکلا اور وہ خاموش ہوگیا۔

اچانک انہوں نے قاسم کی چنگھاڑ سنی۔ "حمید بھائی.... ابے دوڑو.... جندہ ہے۔ الا غسم.... ابھی پانی مانگا تھا.... زندہ ہے.... الا غسم....!"

حمید بے تحاشہ دوڑا۔ فریدی بھی دوڑ رہا تھا لیکن حمید کی طرح بے سُدھ ہو کر نہیں دوڑا تھا۔

نیلم آنکھیں بند کیے کراہ رہی تھی۔

"میں زخم تو دیکھوں۔" فریدی اس کے سرہانے بیٹھتا ہوا بولا۔ بائیں شانے سے خون بہہ کر جم گیا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں زخم دیکھا اور کچھ دیر بعد بولا۔ "گولی شانے کی کھال پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی ہے۔ یہ دراصل بے ہوش ہوگئی ہوگی۔"

کچھ دیر بعد انہوں نے اپنی پشت پر آگ کی لپٹیں اٹھتی دیکھیں۔ آگ اتنی بلند تھی کہ دور تک کے علاقے نظر آرہے تھے۔ لیکن انہوں نے کوئی دھماکہ نہیں سنا تھا۔ آگ یقینی طور پر انہیں غاروں سے نکل رہی تھی جن میں کچھ دیر پہلے انہوں نے ایک خطرناک مجرم کے چہرے سے نقاب ہٹائی تھی۔ مگر آخر یہ کیسے ہوا۔ اگر انہوں نے ڈائنا میٹ استعمال کیے ہوتے تو دھماکے بھی یقینی طور پر ہوتے۔ یہ تو ایسا لگ رہا تھا جیسے پتھروں کو آگ لگ گئی ہو۔

حمید نے نیلم کو پشت پر لادا اور وہ لوگ وہاں سے چل پڑے۔ فریدی کے خیال کے مطابق قریب ہی ایک چشمہ بھی تھا۔ اُس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ وہ چشمے تک پہنچ گئے۔ فریدی نے نیلم کا زخم صاف کر کے ڈریسنگ کردی۔

نیلم کو ہوش آگیا تھا وہ چشمے تک پہنچ گئے۔ نیلم کو ہوش آگیا تھا۔

جب اُسے ساری سچویشن معلوم ہوئی تو اس نے مسکرا کر کہا۔ "میں اب بھی آپ کی مدد کرسکتی ہوں۔ مجھے وہ جگہ معلوم ہے جہاں اُس کے دونوں ہیلی کوپٹر چھپائے گئے تھے۔"

"بھئی مانتا ہوں.... تم واقعی بہت ذہین لڑکی ہو۔" فریدی نے کہا۔

وہ ہیلی کوپٹر کے ذریعہ ٹیکم گڈھ پہنچے۔ اپنے ساتھ وہ رانا کی لاش بھی لائے تھے۔ فریدی نے لاکھ چاہا کہ ابھی اس حادثہ کی خبر نہ مشہور ہو لیکن خبر تو پہلے ہی جنگل کی آگ کی طرح ٹیکم گڈھ میں پھیل چکی تھی۔ فوجیوں نے اس علاقے پر چھاپہ مارا جہاں یہ حادثات ہوئے تھے، لیکن چٹختے ہوئے پتھروں کے ڈھیروں کے علاوہ انہیں اور کچھ نہ ملا۔ ہرمین تو رانا ہی کی گولی کا شکار ہوگیا تھا اور رانا کے ساتھی غالباً فریدی کے ساتھ ہی نکل بھاگے تھے، جنہیں گرفتار کرلینا اب بھی مشکل نہیں تھا.... لیکن ہرمین کے پچیس ساتھی؟ ان کا کیا بنا؟ کیا وہ نکل گئے ہوں گے یا انہیں غاروں میں دب کر ہلاک ہوگئے تھے جن کی تخلیق خود انہوں نے کی تھی۔

فریدی کا یہ کارنامہ ہر فرد و بشر کی زبان پر تھا لیکن حقائق کا علم کسی کو بھی نہ ہوسکا تھا۔ رانا کی داستان اسی کے قول کے مطابق گویا سچ مچ انہیں غاروں میں دفن ہوگئی تھی۔ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ ان کی تباہ کاریوں کا ذمہ دار ہرمین تھا جسے پولیس نے شکست دے دی اور وہ اپنی ہزیمت سمیت اپنے ہی ہاتھوں بربادی کے غار میں جا سویا۔ رانا کی داستان حکومت نے نہ پھیلنے دی۔ مقصد غالباً یہی تھا کہ لوگوں میں رہنماؤں کی طرف سے بددلی نہ پیدا ہونے پائے۔

نیلم ہسپتال میں داخل کردی گئی تھی۔ فریدی کو فرصت ملنے پر حمید نے سوالات شروع کردیئے۔ کئی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

فریدی نے سب سے اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اُس ویرانے میں صرف ہم ہی تین آدمی تھے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میری بلیک فورس بھی وہاں کام کررہی تھی۔"

"تو پھر آپ نے ٹرانسمیٹر کے ذریعہ حملہ کا حکم کسے دیا تھا۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرایا۔ "میں جانتا تھا کہ حملہ آوروں کے پاس ٹرانسمیٹر ضرور ہوں گے اور یہ حقیقت بھی تھی۔ اگر وہ میرے ڈاج میں نہ آجاتے تو نقشہ دوسرا ہوتا۔ انہوں نے چاروں طرف سے گھیر ڈالا تھا۔ میرے اس ڈاج نے انہیں غلط فہمی میں مبتلا کردیا۔ وہ اندھیرے میں آپس میں ہی لڑ گئے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ انہیں اس طرح بھڑا کر چپ چاپ نکل جاؤں اور کہیں چھپ کر دیکھوں کہ وہ اس ہنگامے کے بعد جاتے کہاں ہیں۔ اس طرح میں ان غاروں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا۔ لیکن اتفاقاً میں ادھر جا نکلا جدھر ہرمین کے ساتھی قید تھے۔ اُن سے اصل واقعات کا علم ہوا۔ اتنے میں وہیں سے ایک سیاہ رنگ کا صندوق گذرا جس پر ان لوگوں نے حیرت

ظاہر کی۔ پھر انہوں نے مجھے اس کے روکنے کی تدبیر بتائی۔ میں نے اُسے روکا۔ اس میں درجن کی لاش تھی۔ تب انہوں نے بتایا کہ اُسے راکھ میں تبدیل کرنے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ وہ صندوق دراصل الیکٹرک کی بھٹی پر جاکر رک جاتا اور لاش پندرہ منٹ کے اندر اندر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتی۔ ویسے اس بھٹی اور صندوق نما گھاٹی کا مصرف دوسرا تھا۔ وہ دھاتوں کو پگھلانے کے کام میں لائی جاتی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس آدمی کو انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ یقینی طور پر کوئی خاص مسئلہ درپیش ہوگا اور وہ سب بُرے آدمی ایک ہی کمرے میں اکٹھا ہوں گے جہاں سے وہ صندوق روانہ کیا گیا تھا اور اب اُسے پھر وہیں واپس جانا ہوگا۔ بس میں نے درجن کی لاش نکا کر ایک طرف ڈال دی اور خود اس صندوق میں لیٹ گیا۔

"مگر میں سوچ رہا ہوں کہ اس کیس کا ہیرو میں ہوں یا آپ ہیں کیونکہ اگر نیلم نہ ہوتی تو اس وقت کہاں ہوتے۔"

"ہیرو....!" فریدی مسکرا کر بولا "ہیرو تو دراصل قاسم ہے۔ اگر اُس نے نیلم کی زندگی اطلاع نہ دی ہوتی تو اس وقت تمہارے چہرے پر پھٹکار برس رہی ہوتی۔"

"اوہ.... مگر اب اس بیچاری کا کیا ہوگا۔ اب وہ قطعی بے سہارا ہے۔"

"کیوں؟ کیا تم اس کی ماں نہیں ہو۔ اُس کا بابا نہیں ہو۔ قاسم اس واقعے کا تذکرہ کرتے وقت بُری طرح منہ دبا دبا کر ہنس رہا تھا۔"

"قاسم....!" حمید ہنس پڑا۔ "اُس نے تو کمال ہی کر دیا۔ بالکل اسی طرح رو رہا تھا جیسے کو بیوہ اپنی اکلوتی بچی کی لاش پر بین کر رہی ہو۔"

"میں سن رہا ہوں۔" راہداری سے قاسم کی آواز آئی۔ "ابے تم خود بیوہ کی بچی پر بین رہے تھے۔ سانپ نچا رہے تھے۔ سپیرے کی اولاد.... سالے نہیں تو...."

حمید کے قہقہوں سے کمرہ جھنجھنا اٹھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 68

رائفل کا نغمہ

(مکمل ناول)

پُراسرار موت

کیپٹن حمید نے ٹیکسی سے اترتے ہی بہت بُرا سامنہ بنایا کیونکہ نصیر آباد کے سی۔ آئی۔ ڈ
آفس کے سامنے رکی تھی۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ نصیر آباد کا سفر کیوں کرنا پڑا ہے۔ اسٹیشن
سامان ریجنٹ ہوٹل کے ایجنٹ کے سپرد کردیا گیا تھا۔ ایجنٹ نے انہیں کمروں کے نمبر نو
کرائے تھے اور پھر فریدی ایک ٹیکسی کر کے حمید کو بھی یہاں تک گھسیٹ لایا تھا۔

فریدی تار جام میں تھا۔ وہیں سے اس نے حمید کو بذریعہ تار مطلع کیا تھا کہ وہ فلاں دن فلا
ٹرین سے نصیر آباد کے لئے روانہ ہوجائے اور نصیر آباد کے اسٹیشن پر اس ٹرین کا انتظار کرے
تار جام سے فلاں وقت روانہ ہوتی ہے۔

حمید جس ٹرین سے آیا تھا اُس کے نصیر آباد پہنچنے کے پندرہ منٹ بعد ہی تار جام والی ٹ
آگئی تھی اور فریدی نے اُسے کچھ بتائے بغیر محکمہ سراغ رسانی کے دفتر کی راہ لی تھی۔

"چلئے" حمید نے نیچے اتر کر ٹیکسی کا دروازہ ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہ
آپ مجھے نصیر آباد کے یتیم خانے میں نہیں داخل کرائیں گے۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور برآمدے کی طرف مڑ گیا۔

"ٹھہریئے۔" حمید بولا۔ "آپ مجھے باہر ہی چھوڑ جایئے تو بہتر ہے۔ کیونکہ کسی ایسی جگ
کی ہوئی دعائے خیر مشکل ہی سے قبول ہوتی ہے جہاں سے آسمان نہ دکھائی دیتا ہو۔"

"چلو بکواس نہ کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

وہ اندر آئے اور جب شعبہ جرائم کی عمارت کیطرف جانے لگے تو ایک آدمی نے انہیں ٹوکا۔

"تم سپرنٹنڈنٹ فاروقی کے کمرے تک میرے ساتھ چلو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔
"اگر انہیں کوئی اعتراض ہو تو تم شوق سے ہمیں باہر کا راستہ دکھا دینا۔"

وہ آدمی حقیقتاً سپرنٹنڈنٹ فاروقی کے کمرے تک آیا اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوا جب
ب سپرنٹنڈنٹ فاروقی نے خود ہی اپنے کمرے سے نکل کر اُن کا استقبال نہیں کیا۔

سپرنٹنڈنٹ فاروقی ایک معمر آدمی تھا اس کے سر کے سارے بال سفید تھے۔ لیکن صحت
ت اچھی تھی اس کے بازو اس عمر میں بھی کافی مضبوط نظر آرہے تھے۔

وہ انہیں اپنے آفس میں لے آیا اور اسے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ وہ لوگ اسٹیشن
ے سیدھے یہیں آئے ہیں۔

"آپ کی کامیابی کا راز دراصل آپ کی اصول پسندی ہی میں مضمر ہے۔" اس نے کہا۔

پھر کچھ دیر تک رسمی گفتگو ہوتی رہی۔ حمید کافی سے زیادہ بوریت محسوس کر رہا تھا۔ دفعتاً
روقی نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

"ہم اسے خودکشی اس لئے نہیں کہہ سکتے۔ کہ آخر اسٹیج پر مرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اسی
نے کہا۔

"جی ہاں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "خودکشی کے امکانات پر غور کرنا ہی فضول ہے۔"

"اس لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ کسی نے اس کی لاعلمی میں رائفل لوڈ کردی تھی۔"

"کہا نہیں جاسکتا بلکہ یہی کہنا چاہئے۔"

"لیکن مرنے والا حقیقتاً اسٹیج کا مسخرہ نہیں تھا۔"

"پھر کون تھا۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

حمید نے سوچا کہ وہ اُلو کا پٹھا یقینی طور پر باختر کا شہزادہ رہا ہوگا کیونکہ اب ہم دونوں انتہائی
حکہ خیز انداز میں جاسوسی ناولوں کے سراغ رساں بنتے چلے جارہے ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ فاروقی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ شعبہ جرائم کا ایک انسپکٹر تھا۔"

"اوہ....!"

"جی ہاں.... اس کا خیال تھا کہ نگار تھیٹر جرائم کا اکھاڑہ ہے۔"

"کس قسم کے جرائم۔" فریدی نے پوچھا۔

"ٹھہریئے.... میں بتاتا ہوں۔" فاروقی نے کہہ کر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا۔

"انسپکٹر شاہد کو سلام دو۔" فاروقی نے اس سے کہا۔ "اور کہنا کہ نگار کا فائیل چاہیئے۔"

چپراسی چلا گیا۔ فاروقی نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔ "میں آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا۔"

کچھ دیر بعد ایک دراز قد آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"انسپکٹر شاہد۔" فاروقی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "نگار سے تعلق رکھنے والے کیسوں کی تفصیل چاہیئے۔"

"بہت بہتر جناب۔" انسپکٹر شاہد نے فائیل کے ورق الٹتے ہوئے کہا۔ "۳؍فروری کرنل شیر زاد کی موت پراسرار طور پر واقع ہوئی۔ وہ نگار تھیٹر سے باہر نکل کر اپنی کار کی طرف آرہا تھا کہ چکرا کر گرا اور اسی جگہ ختم ہو گیا، ۱۰؍مارچ.... لیڈی اقبال اپنے مکان کے زینوں پر چڑھتے وقت گریں اور ختم ہو گئیں۔ ان کی واپسی بھی نگار تھیٹر سے ہوئی تھی۔ ۲۳؍مارچ.... ڈاکٹر وی کے چڑجی نگار سے واپسی پر ایک نائٹ کلب میں مردہ پایا گیا.... کیپٹن کریگ....!"

"کیپٹن کریگ....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "وہی تو نہیں جس نے تین سال ہوئے گلہریوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے ایک فارم کی بنیاد ڈالی تھی اور پھر اس پر فریب دہی کا مقدمہ قائم ہو گیا تھا لیکن ثبوت ناکافی ہونے کی بناء پر اُسے سزا نہیں دی جا سکی تھی۔"

"وہی.... وہی....!" انسپکٹر شاہد نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد اس نے تیرہ مزید اموات کی لسٹ پیش کی جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح نگار تھیٹر سے ضرور بیان کیا گیا تھا۔

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور سوپر فاروق کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"لیکن ان اموات کی وجہ۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"یہ سبھی حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے مرے تھے۔" شاہد نے جواب دیا۔

"یعنی ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جس کی حرکت قلب مرنے کے بعد بھی جاری رہی ہو۔" حمید نے پوچھا اور شاہد رو میں "نہیں" کہہ گیا۔ پھر جب اس نے حمید کے جملے پر غور کیا

اروقی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی تو اسے غصہ آگیا۔

"یہ کیپٹن حمید ہیں.... اور آپ کرنل فریدی۔" فاروقی نے موقع کی نزاکت بھانپ کر فوراً ارف کرا دیا۔

"اوہ....!" شاہد کی آنکھوں میں پہلے تحیر نظر آیا اور پھر اس نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ ہا۔ "جملہ ہی کہہ رہا ہے کہ وہ کس کی زبان سے ادا ہوا ہے۔"

"ہاں تو.... پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں ایک دوسری سے مختلف نہیں ہیں۔" فریدی نے روقی سے پوچھا۔

"قطعی نہیں.... سب کے سب اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کی بناء پر مرے تھے۔"

"یہ نکتہ اہم ہے۔"

"بہت اہم ہے جناب۔" شاہد بولا۔

"کیا ابھی تک آپ ہی تفتیش کر رہے ہیں۔"

"نہیں۔" فاروقی نے کہا۔ "تفتیش اُسی انسپکٹر نے شروع کی تھی، جو اپنی رائفل کا خود ہی شکار اتھا۔"

"غالباً اس سے یہی خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ انسپکٹر پہچان لیا گیا ہو گا اسی لئے کسی نے اس کی نسگی میں رائفل لوڈ کر دی تھی۔"

"فی الحال یہی خیال ہے۔" فاروقی بولا۔

"لیکن اتنی احتیاط سے کام لینے والے ایسے احمق نہیں ہو سکتے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یعنی اگر ان وارداتوں میں نگار والوں کا ہاتھ ہوتا تو انسپکٹر کو پہچان لینے کے بعد ہرگز ایسی ت نہ کرتے۔ اس طرح تو ان کے خلاف شبہ یقین میں بدل جاتا ہے۔"

"آپ کا خیال بھی درست ہے۔"

"اگر انہوں نے اسے پہچان ہی لیا تھا تو وہ اُسے ٹھکانے لگانے کے لئے وہی نسخہ استعمال سکتے تھے جو دوسروں کے لئے کیا تھا۔ اس طرح ان کی گردن بھی سلامت رہتی، مگر!"

"ٹھہریئے! ظاہر ہے کہ ابھی تک آپ دوسری اموات کے سلسلے میں نگار والوں پر چارج

نہیں لگا سکے۔ طبی رپورٹیں صرف اتنا ہی بتاتی ہیں کہ وہ اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے مرتے تھے۔ نگار سے واپس آنے والے اگر بڑی تعداد میں بھی اسی طرح مرتے رہیں تو آپ صرف تفتیش کر سکتے ہیں کسی کو حراست میں نہیں لے سکتے۔ مگر رائفل کا واقعہ تو نگار میں قفل تک ڈلوا سکتا ہے۔"

"جی ہاں.... اور ایسا ہو بھی چکا ہے۔"

"لہٰذا نگار والے اتنے گدھے نہیں ہو سکتے کہ خواہ مخواہ کنویں میں کود پڑیں۔"

فاروقی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "بہر حال اب آپ کو یہ کیس دیکھنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "میں آپ کو صرف ایک تکلیف دوں گا۔"

"ضرور فرمایئے۔"

"کیپٹن کریگ کے متعلق معلومات، گلہریوں کا فارم بند ہونے کے بعد سے وہ اب تک ک کرتا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اس کا ذریعہ معاش کیا تھا اور ذرا آپ.... اپنی یہ لسٹ مجھے عنای فرمایئے گا۔"

شاہد نے لسٹ اس کی طرف بڑھا دی۔ فریدی اُسے دیکھتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

"کیپٹن کریگ والا واقعہ آخری تھا.... کیوں؟"

اس نے شاہد کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں.... موت کی نوعیت کے اعتبار سے آخری ہی کہا جائے گا۔"

"شکریہ" فریدی نے فائیل بند کر کے اس کی طرف بڑھا دیا اور پھر بولا۔ "اگر مرنے وال کی لسٹ آپ مجھے دے سکیں تو مشکور ہوں گا۔"

"ضرور، ضرور..... مگر یہ فائیل ہی آپ کے پاس رہے گی۔"

"مجھے فی الحال لسٹ چاہیئے اور کریگ کے متعلق مزید معلومات.... ہمارا قیام ریجنٹ اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں کمرے میں ہے۔"

"میں حاضر ہوں گا۔" شاہد نے کہا۔

"مگر آپ نے ریجنٹ میں کیوں قیام کیا۔" فاروقی نے کہا۔ "اس سلسلے میں آپ سے

شکایت ہے۔"

"دیکھئے نا....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر میں تفریحاً نصیر آباد آیا ہوتا تو ریجنٹ میں کبھی نہ ٹھہرتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کے یہاں مجھے آرام ملتا۔ لیکن آپ جانتے ہی ہیں کہ میں کام کے اوقات میں ہمیشہ آرام سے دور رہنا چاہتا ہوں۔"

"خیر اس کیس کے اختتام پر آپ کو لازمی طور پر میرے ساتھ چند دن قیام کرنا پڑے گا۔"

"ہاں اس وقت مجھے تامل نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ پھر شاہد کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ابھی تک اس کیس کے سلسلے میں آپ ہی تفتیش کرتے رہے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"تو بس یہ سمجھئے کہ میں صرف آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا۔ کیس کلی طور پر میں نے لینے سے انکار کر دیا ہے۔"

"کیوں....؟" فاروقی نے حیرت سے کہا۔

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں ہمیشہ یہی کوشش کرتا ہوں کہ لوگوں کا ہاتھ بٹاؤں۔"

"مگر میں تو....!" فاروقی نے تشویش آمیز لہجے میں کچھ کہنا چاہا۔

"نہیں جناب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میرے پاس تحریر موجود ہے۔ میں صرف اسی شرط پر وہ کیس لیتا ہوں جو دوسری جگہوں سے منتقل ہوتے ہیں۔ ہاں ان کیسوں کے فائیل میں ضرور رکھتا ہوں جو براہِ راست میرے پاس آتے ہیں۔"

"یعنی آپ ان لوگوں کا دل نہیں توڑنا چاہتے جن کے پاس سے کیسوں کی منتقلی ہوتی ہے۔" شاہد نے ہنس کر کہا۔

"یہی سمجھ لیجئے۔"

کچھ دیر تک اس کیس کے متعلق گفتگو ہوتی رہی پھر فریدی نے اٹھنے کے لئے کرسی کھسکائی اور شاہد سے بولا۔ "آج رات کا کھانا ریجنٹ میں میرے ساتھ کھایئے گا۔"

"شکریہ"

"اب اجازت دیجئے۔" فریدی نے فاروقی سے کہا۔

واپسی پر حمید اچھی طرح جھینکنے لگا تھا۔ پتہ نہیں وہ حقیقتاً اچھے موڈ میں تھا یا فریدی کو چڑھانا

چاہتا تھا۔ فریدی نے خود ہی اس کیس کا تذکرہ چھیڑ دیا جس کے متعلق کچھ دیر پہلے نصیر آباد برانچ کے دو آفیسروں سے گفتگو ہوئی تھی۔

"شاید تم اس کیس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔" فریدی نے کہا۔

"میرے جاننے نہ جاننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تم اخبارات میں صرف تفریحی پروگراموں کے اشتہار دیکھنے کے عادی ہو۔"

"اس عادت کی بناء پر معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوتا ہے اور پھر میں اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ حقیقت پسند واقع ہوا ہوں۔ اخبارات خبروں کے لئے نہیں نکالے جاتے کیونکہ خبروں کی قیمت زیادہ سے زیادہ دو آنے یا ڈھائی آنے ہوتی ہے اور اشتہارات.... خدا کی پناہ بیس روپے فی کالم انچ تک ہوتی ہے، بعض حالات میں اس سے بھی زیادہ لہٰذا میں وہی کیوں نہ پڑھوں جس کے لئے اخبارات کا اجراء عمل میں آتا ہے۔"

"تم نے نگار تھیٹر کے مسخرے کی موت کے متعلق پڑھا تھا یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ مسخروں کو موت بھی نہیں آتی۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "آدمی اسی وقت مر جاتا ہے جب اس کے قدم خود فریبی کی طرف اٹھتے ہیں۔ مسخرہ پن خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے۔"

"یہ ایک طویل بحث ہے جس سے میں بچنا ہی چاہوں گا۔" حمید نے کہا۔ "فی الحال آپ مجھے اُس مسخرے کی موت کے متعلق بتایئے۔"

"وہ اسٹیج کا مسخرہ تھا۔ ہر شو میں اس کا ایک خصوصی پروگرام ہوتا تھا اس پروگرام میں وہ زیادہ تر اپنی رائفل کو مزاح کا موضوع بناتا تھا۔ کبھی اُسے سارنگی کی طرح استعمال کرتا اور کبھی شہنائی کی طرح حادثے والی رات کو وہ رائفل کا دہانہ اپنے ہونٹوں میں دبائے ہوئے اس طرح اچھل کود رہا تھا جیسے سچ مچ آرکسٹرا کی شہنائی کی آواز اس رائفل ہی سے نکل رہی ہو۔ اچانک اسی حالت میں اس کی انگلی ٹریگر پر پڑ گئی اور وہ بے جان ہو کر اسٹیج پر گر گیا۔ رائفل کی نال سے نکلنے والی گولی اس کے حلق کے چیتھڑے اڑاتی ہوئی گدی سے دوسری طرف نکل گئی تھی۔ یہ تو اخبار کی خبر تھی لیکن یہ آج معلوم ہوا کہ مرنے والا کوئی پیشہ ور مسخرہ نہیں بلکہ ہمارے محکمے کا ایک انسپکٹر تھا۔"

"کیس حقیقتاً دلچسپ ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "سترہ مرنے والوں کی فہرست

مگر ٹھہریئے۔ آپ نے خصوصیت سے کیپٹن کریگ ہی کے متعلق کیوں معلومات حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

"کیونکہ ان میں کریگ ہی ایسا ہے جس میں پولیس نے ہمیشہ دلچسپی لی ہے۔ وہ ایک انتہائی چالاک قسم کا قانون شکن تھا۔ اس پر اکثر غیر قانونی حرکات کے سلسلے میں مقدمے چلتے رہتے تھے، لیکن اسے کبھی کسی عدالت سے سزا نہ ہو سکی، کیونکہ وہ ایک ماہر قانون دان تھا۔ عموماً اس کی ذہانت اور منطق موشگافیاں عدالت کو غلط راستے پر ڈال دیتی تھیں اور سنگین سے سنگین الزام سے بری ہو جاتا تھا۔"

"اور وہ بھی بالآخر موت کے گھاٹ اتر گیا۔"

"یہ بھی غور طلب ہے کہ کریگ کے بعد پھر کوئی ایسی موت نہیں ہوئی جس کا تعلق نگار سے رہا ہو۔ نہیں حمید صاحب! شروعات کے لئے کریگ سے بہتر اور کوئی نہیں ملے گا۔"

قمار خانہ

رات آہستہ آہستہ نڈھال ہوتی جا رہی تھی۔ ویسے رات کے نڈھال ہو جانے کا تذکرہ شاعری ہی میں معلوم ہوتا ہے۔ مگر جہاں راتیں نڈھال سی معلوم ہوتی ہیں وہاں شاعری کا تصور بھی نہیں ہوتا، جیسے جیسے رات گذرتی ہے ہنگامے سرد ہوتے جاتے ہیں۔ پینے والے بلانوشی کی اُن حدود میں ہوتے ہیں جہاں "ذہن بن جاتا ہے دلدل کسی ویرانے کی" لیکن "رات آغاز زمستاں کے پرندے کی طرح" نہ اپنے "پر تولتی ہے اور نہ چیختی" ہے بلکہ نڈھال ہو جاتی ہے۔ مگر ہیری کے قمار خانے کے باہر تو چاندنی میں لپٹی ہوئی رات کسی چنچل چھوکری کی شرارت انگیز انگڑائی معلوم ہو رہی تھی اور قمار خانے کے اندر لوسی کریگ محسوس کر رہی تھی جیسے رات کا دم اکھڑ رہا ہو۔ وہ آج بہت ہاری تھی۔ تقریباً ساڑھے تین ہزار۔ اس کے بعد وہ اٹھ ہی گئی تھی۔ اس کا مقابل تو یہی چاہتا تھا کہ وہ خود کو بھی داؤ پر لگا دے لیکن لوسی کریگ کوئی دو ٹکے کی لڑکی تو تھی نہیں۔ اس کے باپ کیپٹن سام کریگ نے بے اندازہ دولت چھوڑی تھی اور وہ اس دولت کی بلا شرکت غیرے مالک تھی۔

وہ تفریحاً جوا کھیلتی تھی اور شاذونادر ہی جیت میں رہتی تھی۔ مگر ہزاروں روپیوں میں صرف بارہ آنے کی جیت بھی اُسے قارون کا خزانہ معلوم ہوتی تھی، خواہ وہ بارہ آنے اُسی وقت ٹپ ہی میں کیوں نہ نکل جاتے ہوں۔ اُسے بڑی سے بڑی رقم گنوانے کا بھی غم نہیں ہوتا تھا۔ آج ہی وہ ساڑھے تین ہزار ہار گئی تھی لیکن اس وقت کھڑکی کے قریب ہو کر وہ اپنی اس ہار کے متعلق نہیں سوچ رہی تھی بلکہ باہر پھیلی ہوئی نیم بیدار سی چاندنی اُسے ماضی کے خواب یاد دلا رہی تھی کہ آخر یہاں ہی قمار خانے میں ڈھلتی ہوئی رات جانکنی میں کیوں مبتلا معلوم ہونے لگتی ہے۔

اچانک اس نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ مڑی اس کا اندازہ غلط نہیں تھا وہ ایک خوشرو نوجوان تھا اور اسی کی طرح یوریشین ہی معلوم ہوتا تھا لیکن ہیری کے قمار خانے میں شاید اُسے پہلی بار نظر آیا تھا کیونکہ ایسے چہرے ایک بار دیکھنے کے بعد بھلائے نہیں جاسکتے۔

لوسی کی آنکھوں میں استعجاب کے ساتھ ہی ساتھ ہلکا سا احتجاج بھی تھا۔

"اوہ.... کیا میں یہاں سے ہٹ جاؤں۔" نوجوان نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں.... لیکن میرا خیال ہے کہ آپ میرے لئے اجنبی ہیں۔" لوسی نے کہا۔

"جی ہاں.... آپ کا خیال درست لیکن آج آپ بہت ہاری ہیں۔"

"اوہ....!" لوسی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"یعنی آپ ہمیشہ اتنی بڑی بڑی رقمیں ہارتی رہتی ہیں۔"

"ہاں.... کچھ دیر بے فکری سے گذارنے کے لئے یہ بہت زیادہ تو نہیں ہے۔"

"لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ یہاں شارپنگ ہوتی ہے۔ کھیلنے والے سب قمار خانے ہی کے آدمی ہوتے ہیں۔"

"یہ بھی کوئی نئی بات نہیں ہے۔" لوسی مسکرائی۔ "لیکن آپ شائد یہاں بالکل نئے ہیں۔"

"جی ہاں.... میں آج ہی یہاں آیا تھا لیکن رنگ دیکھ کر کھیلنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔"

"اوہ تو آپ ضرورتاً کھیلنے والوں میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"یہی سمجھ لیجئے۔" نوجوان مسکرایا۔

"تب تو آپ کے لئے نہ کھیلنا ہی مفید ہے۔ یہاں لوگ ہمیشہ ہارنے ہی کے لئے آتے ہیں۔ کبھی کبھی جیت میں بھی رہتے ہیں، لیکن یہ جیت بہت بڑی نہیں ہوتی۔ پرسوں میں چار ہزار لے کر بیٹھی تھی اور ساری رات کھیلتے رہنے کے بعد دو روپے بارہ آنے کی جیت میں رہی تھی۔"

"دو روپے بارہ آنے۔" نوجوان ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "مگر اس کے باوجود بھی یہاں کافی بھیڑ نظر آتی ہے۔"

"لوگ اپنا پچھلا حساب برابر کرنا چاہتے ہیں۔" لوسی مسکرائی۔ "کل میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے آج دو روپے بارہ آنے کی بجائے ہزاروں کی جیت میں رہوں لیکن میں کل بھی ہاری اور آج بھی۔"

"کل میں بھی کھیلوں گا۔" نوجوان نے کہا۔

"کیوں کل کیوں؟"

"میں نے دیکھ لیا ہے کہ یہاں کس قسم کے تاش استعمال ہوتے ہیں۔"

لوسی نے قہقہہ لگایا۔ نوجوان خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

"آپ ویسے تاش اپنے ساتھ لائیں گے جیسے یہاں استعمال ہوتے ہیں۔" لوسی نے پوچھا۔

"یقیناً بے ایمانوں کے ساتھ بے ایمانی کرنی ہی پڑتی ہے۔"

"لیکن۔" لوسی پھر ہنس پڑی۔ "کوئی نہیں جانتا کہ کل یہاں کس برانڈ کے تاش استعمال ہوں گے۔ روزانہ نئی قسم کے تاش استعمال ہوتے ہیں۔"

نوجوان کے چہرے پر بے بسی نظر آنے لگی، مگر پھر بشاشت کے آثار دکھائی دیئے اور اس نے چہک کر کہا۔ "کوئی پرواہ نہیں کل میں ضرور کھیلوں گا۔"

"آپ شاید اس شہر ہی میں اجنبی ہیں ورنہ سب کو معلوم ہے کہ ہیری کے قمار خانے میں چالاکوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"ہیری کا قمار خانہ۔" نوجوان نے بُرا سا منہ بنایا۔ "میں دیکھوں گا ہیری کے قمار خانے کو۔"

"بہتر یہ ہوگا کہ پہلے ہیری کو دیکھ لیجئے۔" لوسی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"آپ مجھے تاؤ دلا رہی ہیں۔" نوجوان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "اگر آپ کہئے تو میں اسی وقت آپ کے ہارے ہوئے ساڑھے تین ہزار ہیری سے وصول کرلوں۔"

"کس طرح وصول کریں گے آپ۔"

"بس آپ کہہ دیکھئے میں وصول کرلوں گا۔"

"وصول کر لیجئے۔" لوسی کے ہونٹوں پر پھر وہی پہلے کی سی طنزیہ مسکراہٹ دکھائی دی۔

"اچھا ٹھہریئے! اگر آپ.... میں جارہا ہوں۔ آپ مجھے کہاں ملیں گی۔"

"آپ سنجیدہ ہیں۔"

"میں قطعی سنجیدہ ہوں۔ ایک گھنٹے کے اندر ان لوگوں سے ساڑھے تین ہزار وصول کرلوں گا۔"

"اگر نہ کرسکے تو پھر آپ کا پتہ تو معلوم ہی ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب....!"

"کل میں آپ کو قبرستان میں تلاش کروں گی۔"

"بس ختم کیجئے۔" نوجوان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر آپ یہاں سے جانا چاہتی ہوں تو چلی جایئے کیونکہ ابھی یہاں ایک زبردست ہنگامہ ہوگا لیکن میں آپ کو روپے کس پتہ پر پہنچاؤں گا۔"

"میرا وقت نہ برباد کیجئے۔ آپ میرا نام پوچھنا چاہتے ہیں اور اپنا نام بتانا چاہتے ہیں۔ میرا نام لوسی کریگ ہے اور آپ کا....!"

"میرے اور آپ کے ناموں میں کاف اور گاف کا فرق ہے۔" نوجوان مسکرایا۔ "آپ کریگ ہیں اور میں کریک۔"

"شکل ہی سے ظاہر ہے۔" لوسی نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب اپنا پتہ بھی بتادیجئے۔"

"کیوں....!"

"ساڑھے تین ہزار کہاں پہنچاؤں گا۔"

"میں گھر پر کسی سے بھی نہیں ملتی۔" لوسی نے کہا۔ "لہٰذا میرے ملازمین ملاقاتیوں سے اچھی طرح پیش نہیں آتے۔"

"فکر نہ کیجئے۔ انہیں بالکل زحمت نہیں دی جائے گی۔"

"کیا مطلب....!"

"یہ روپے بذریعہ ڈاک بھجوادیئے جائیں گے۔"

"اتنا ہی پتہ کافی ہوگا۔ ڈاٹر آف کیپٹن سام کریگ نصیر آباد۔"

"اچھا.... شکریہ۔" نوجوان نے کہا اور اس کے پاس سے ہٹ گیا۔ لوسی اُسے دروازے سے باہر جاتے دیکھتی رہی۔ وہ جو کوئی بھی تھا خاصی پرکشش پرسنالٹی کا مالک تھا۔ لوسی نے سوچا اور پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ قمار خانے کے ہنگامے سرد ہوچکے تھے مگر کھیلنے والے اب بھی میزوں پر موجود تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قیامت تک نہ اٹھنے کا عہد کر کے بیٹھے ہوں۔

لوسی ایک خالی میز پر جابیٹھی اور ویٹر کو بلا کر ایک پگ وہسکی طلب کی۔

وہ ابھی گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ ویسے بھی وہ گھر سے دور بھاگتی تھی کیونکہ وہاں اُسے ایماندار نوکروں سے سابقہ پڑتا تھا وہ سب اچھے آدمی تھے۔ لیکن لوسی کو اچھے آدمی ذرا بھی اچھے نہیں لگتے تھے کیونکہ اس کی ساری خامیاں اور کمزوریاں اظہر من الشمس تھیں۔ اُسے خود بھی خواہش نہیں تھی کہ اس کا شہر کے اونچے طبقے سے کوئی تعلق ہو۔

ویٹر نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ لوسی نے گلاس اٹھا کر سائیفن سے سوڈا لیا لیکن گلاس ہونٹوں تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ یک بیک شور اٹھا۔ نہ صرف شور اٹھا بلکہ لوگ بھی کرسیوں سے اٹھ گئے۔ سامنے ہیری کھڑا دہاڑ رہا تھا۔ لوسی نے اس کے چہرے پر کوئی چپچپی سی چیز دیکھی اور اس کا سر بائیں شانے پر جھکا ہوا تھا۔

"دیکھو....!" وہ گرج رہا تھا۔ "یہ کون سور کا بچہ تھا۔ نکل کر جانے نہ پائے.... بھا.... خاک" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی ناک دبالی اور آگے جھک آیا۔ اس بار لوسی نے بھی اس کی ناک پر انڈا لگتے دیکھا تھا۔

اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ کئی میزیں الٹ گئیں اور پھر وہاں اندھیرا ہوگیا۔ لوسی جلدی سے اٹھی اور دیوار سے جالگی۔ خدشہ تھا کہ کہیں کوئی اس پر نہ آگرے۔ شور برابر جاری رہا کئی ایک چیخیں بھی سنائی دیں۔ تقریباً دو منٹ تک اندھیرا رہا اور پھر سارے بلب روشن ہوگئے۔ قمار خانہ اتنی دیر میں کباڑ خانہ بن کر رہ گیا تھا اور ہیری کے دو آدمی ادھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے جو بہت ہی خاص قسم کے واقعہ پر حرکت میں آتے تھے۔

لوسی نے باہر جانا چاہا لیکن معلوم ہوا کہ سارے دروازے بند کرادیئے گئے ہیں۔ وہ پھر اپنی جگہ پر آبیٹھی۔ اس جیسے بہتیرے باہر نکلنا چاہتے تھے لیکن یہ اس وقت تک مشکل تھا جب تک کہ ہیری نہ چاہتا۔

ہیری کسی بپھرے ہوئے درندے کی طرح ہال میں ایک ایک کو گھورتا پھر رہا تھا۔ لوسی کے قریب سے بھی وہ گذر گیا۔ کچھ دیر بعد لوسی نے اُسے اپنے کسی آدمی سے کہتے سنا۔ ”یہاں کوئی بھی اجنبی نہیں ہے۔“

”لیکن دو ایک اجنبی بھی آج آئے تھے۔“ کسی نے کہا۔

”دروازے کب کھلیں گے۔“ کسی گوشے سے آواز آئی۔

”ٹھہرو.....!“ ہیری پھر بپھر گیا۔ یہ ایک اچھے تن و توش کا دراز قد آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ صورت ہی سے خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ پیشانی پر زخموں کے کئی نشانات تھے یک بیک وہ پھر لوسی کی میز کی طرف مڑا اور سیدھا وہیں چلا گیا۔

”تم پھر یہاں دکھائی دیں“ اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”کیا میں یہاں بھیک مانگنے آئی تھی۔“ لوسی جھلا کر بولی۔

”نہیں میں تمہیں غلط راہوں پر نہیں دیکھنا چاہتا۔ سام میرا دوست تھا۔“

”اور وہ سب تمہارے دشمن تھے جن کے بیٹے یہاں آکر ہر رات ہزاروں گنواتے ہیں۔“

”کل سے تم یہاں داخل نہیں ہونے پاؤ گی۔ سمجھیں۔“ ہیری نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

لوسی نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور گلاس اٹھا کر وہسکی کی چسکیاں لینے لگی۔ اب وہ اس نوجوان کے متعلق سوچ رہی تھی جس نے ساڑھے تین ہزار کی واپسی کا وعدہ کیا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازے کھلوا دیئے گئے۔ لوسی باہر آئی اور اپنی کار میں بیٹھ کر کریگ ولا کی طرف روانہ ہوگئی۔

وہ کچھ ایسی زیادہ نشے میں نہیں تھی کہ کار بھی نہ ڈرائیو کرسکتی۔ لیکن نہ جانے کیوں اب وہ سو جانا چاہتی تھی۔ وہ پُراسرار نوجوان بار بار اس کے ذہن کی سطح پر ابھرتا اور کانوں میں اس کے الفاظ گونجنے لگتے۔ وہ اُسے بالکل گدھا سمجھتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس طرح صرف جان پہچان پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اب سوچ رہی تھی کہ وہ کس قسم کا آدمی تھا۔ کیا وہ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ کیا حقیقتاً اُسے ساڑھے تین ہزار بذریعہ ڈاک واپس مل جائیں گے۔ اُسے روپیوں کی واپسی کی فکر نہیں تھی۔ وہ تو اب اس نوجوان ہی میں دلچسپی لینے لگی تھی۔

”اوہ....!“ وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ ”ممکن ہے۔ بستر درست کرنیوالی لائٹ بند کرنا بھول گئی ہو“

مگر خواب گاہ میں قدم رکھتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُسے ہزاروں فٹ کی بلندی سے نیچے پھینک دیا ہو۔ ہیری کے قمار خانے والا نوجوان سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”تم یہاں کیسے پہنچے۔“ لوسی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”پائپ کے ذریعہ چھت پر چڑھ کر“ بڑی سادگی سے جواب دیا گیا۔ ”تمہارے دونوں کتوں نے بہت پریشان کیا۔ مجبوراً انہیں گوشت کے ایسے ٹکڑے کھلانے پڑے جن پر بیہوشی کی دوا لگائی گئی تھی۔“

”میں کہتی ہوں تم نے ایسا کرنے کی جرأت کیسے کی۔“

”ویسے ہی جیسے ہیری کی ناک پر انڈوں سے نشانہ لگانے کی جرأت کی تھی۔“

”پھر.... پھر کیا ہوا؟“ لوسی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”پھر فیوز اڑا کر اچھی طرح ہاتھ صاف کیا۔ اس وقت میری جیب میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ ہی ہوں گے۔“

”تم نے اس طرح ڈاکہ ڈالا۔“ لوسی کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہاں“ اس نے جیب سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر گول میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”فرق ہی کیا ہے۔ البتہ اس میں جوئے سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اور لٹنے والا بھی مرنے مارنے پر تیار ہوجاتا ہے۔ مجھے دراصل یہی جوا زیادہ پسند ہے، کیونکہ اس میں جان کی بازی لگانی پڑتی ہے اور گرہ سے کچھ نہیں جاتا۔“

”میں یہ روپے نہیں لوں گی۔ انہیں واپس لے جاؤ۔“

”کیا...!“ نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”پھر تم نے خواہ مخواہ میرا وقت کیوں برباد کرایا تھا۔“

”میں مذاق سمجھی تھی۔“

”تم کیا سمجھی تھیں۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ اپنے ساڑھے تین ہزار گن کر نکال لو۔ میں اب واپس جانا چاہتا ہوں۔“

”تم اس طرح نہیں جاسکتے۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گی۔ خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کل اگر تم نے اسی طرح یہاں داخل ہو کر مجھ پر بھی ہاتھ صاف کردیا تو کیا ہوگا۔“

”کیا تم مجھے کوئی پیشہ ور ڈاکو سمجھتی ہو“ نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا اور کھڑکی کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو! اب تمہاری واپسی اُدھر سے نہیں ہو گی۔"

"مجھے کون روکے گا۔" نوجوان پلٹ کر غرایا۔

"تم غلط سمجھے۔ بیٹھ جاؤ۔ تم پہلے مرد ہو جو لوسی کریگ کی خواب گاہ میں داخل ہوئے ہو۔"

"صورت ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔" نوجوان نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر طنزیہ اندا میں کہا۔

"اے.... تم میری توہین نہیں کر سکتے۔" لوسی غصیلی آواز میں بولی۔

"کیوں؟ تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔ یہی نا کہ تم کافی دولت مند ہو لیکن دولت کا جو حشر میرے ہاتھوں ہو سکتا ہے تم دیکھ ہی رہی ہو۔"

لوسی اُسے چند لمحے گھورتی رہی پھر بولی۔ "تم نے ابھی کہا تھا کہ تم پیشہ ور لٹیرے نہیں ہو پھر تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے۔"

"جوتے گانٹھتا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ.... تم غصے میں معلوم ہوتے ہو۔" لوسی مسکرائی۔ لیکن دفعتاً اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ نوجوان نے بھی یہ تبدیلی محسوس کر لی اور اس کی نظریں لوسی کی نگاہوں کا تعاقب کرتی ہوئی اس ننھے سے سرخ رنگ کے بلب پر جم گئیں، جو مینٹل پیس کے ایک گوشے پر بار بار روشن ہو کر بجھ رہا تھا۔

بلب اور ہندسے

وہ اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں....!" نوجوان نے پوچھا۔ کیا یہ کسی قسم کا اشارہ ہے۔

"بیٹھ جاؤ۔" لوسی مضطربانہ انداز میں بولی۔

نوجوان بیٹھ گیا۔ وہ بھی اسی بلب کو دیکھے جا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارے آدمی آ رہے ہیں۔" اس نے لوسی کی طرف دیکھ کر غصیلی آوا میں کہا۔ "کیا اس بلب کا سلسلہ زینوں سے نہیں ہے۔"

"نہیں! تم غلط سمجھے ہو یہ بلب میرے لئے بھی ایک معمہ ہے۔"

"کیا تمہارے چہرے پر خوف کے آثار نہیں ہیں۔"

"نہیں.... الجھن کے آثار ہوں گے۔" لوسی نے کہا۔ "خوف میرے خمیر میں نہیں پڑا۔"

"یہ بلب تمہارے لئے معمہ کیوں ہے۔ کیا یہ تمہاری خواب گاہ میں نہیں ہے۔"

"یقیناً ہے۔ لیکن یہاں کے عجائبات....!"

"کیا تم نے یہ عمارت حال ہی میں خریدی ہے۔"

"نہیں یہ عمارت ڈیڈی نے بنوائی تھی اور یہ خواب گاہ بھی دراصل انہیں کی ہے لیکن ان کی موت کے بعد سے میں اسے استعمال کرنے لگی ہوں۔ بہت عرصہ سے خواہش تھی کہ اس خواب گاہ کو اندر سے دیکھ سکوں۔"

"کیا تم بہت زیادہ پی گئی ہو۔"

"نہیں! میں نشے میں نہیں ہوں۔ تمہیں یہ بات عجیب لگے گی۔ لیکن اب سوچتی ہوں کہ وہ ڈیڈی کی جھک نہیں تھی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ڈیڈی کی خواب گاہ ہمیشہ مقفل رہا کرتی تھی۔ کسی نے بھی اسے اندر سے نہیں دیکھا تھا وہ اپنے بستر کی چادریں اور تکیوں کے غلاف خود ہی بدلا کرتے تھے اور کمرے کی صفائی بھی خود ہی کر ڈالتے تھے۔ بہر حال ان کی موت کے بعد سب سے پہلے میں نے اسی پر دھیان دیا تھا لیکن میں نہیں جانتی کہ اس بلب کا کیا مقصد ہے اور اکثر خود بخود کیوں جلنے بجھنے لگتا ہے۔"

"اگر یہ کہانی درست ہے تو اسے حیرت انگیز ہی کہنا چاہئے۔" نوجوان متحیرانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

"یقین کرو....!" جواب ملا۔

"کر لیا....!" نوجوان مسکرایا۔

"یہی نہیں.... آؤ.... میں تمہیں کچھ اور بھی دکھاؤں گی۔" لوسی نے کہا اور اٹھ کر مینٹل پیس کے قریب پہنچ گئی۔ وہ بھی آگے بڑھ گیا۔

لوسی نے ٹھیک بلب کے نیچے مینٹل پیس کے نچلے حصے کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا خانہ تھا جس پر شیشے کا ڈھکنا تھا اور ہلکی سی روشنی اس کی سطح پر نظر آ رہی تھی اسی روشنی میں وہ

متحرک ہند سے صاف دکھائی دے رہے تھے، جو نیچے سے اٹھ کر شیشے کی چوڑائی طے کرتے اوپر جا کر غائب ہو جاتے۔

"تم اس کے مقصد سے واقف نہیں ہو۔" نوجوان نے کہا۔ "اس کی آنکھوں سے شبہ جھانک رہا تھا۔"

"نہیں....!" لوسی نے طویل سانس لے کر کہا پھر آہستہ سے بولی۔ "آؤ بیٹھو.... اُسے دیکھتے دیکھتے میرا دماغ پک گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ آخر ہے کیا بلا۔"

نوجوان پھر کرسی پر آبیٹھا اور لوسی بستر پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "میرے گردوپیش ایسی ہی بہتیری الجھنیں موجود ہیں لیکن میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتی۔ ڈیڈی کی موت پُر اسرار حالات میں ہوئی تھی۔"

"ہونی ہی چاہئے۔" نوجوان نے لاپروائی سے کہا۔

"کیوں؟" لوسی اُسے گھورنے لگی۔

"تم کیپٹن سام کریگ ہی کی بیٹی ہو نا۔"

"ہاں....!" اُس کی آنکھوں میں اب بھی سوال تھا۔

"مجھ جیسے آدمی سے کیپٹن سام کریگ یا ایسے ہی دوسرے افراد کے کارنامے کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔"

"کیا اب تم مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہو۔" لوسی آنکھیں نکال کر بولی۔

"بور مت کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ اگر مجھے پہلے یہ معلوم ہوتا کہ تم سام کریگ کی بیٹی ہو تو میں ہیری سے تمہاری رقم واپس دلوانے کا وعدہ ہرگز نہ کرتا۔ ظاہر ہے کہ سام کریگ کی دولت بھی ایمانداری کا نتیجہ نہیں ہے۔"

لوسی نے تکیئے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا پستول نکالا اور اس کا رخ نوجوان کی طرف کرتی ہوئی بولی۔ "میں تمہیں اپنی توہین کا مزہ بھی چکھا سکتی ہوں۔"

"سام کریگ ہی کی بیٹی ہو۔" نوجوان کا لہجہ سچ مچ غصہ دلانے والا تھا۔

"میں فائر کردوں گی۔"

"ضرور کردو.... لیکن میری موت اتنی پُر اسرار نہ ہوگی جتنی سام کریگ کی تھی۔"

لوسی چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر اس نے پستول تکیئے کے نیچے رکھ دیا۔

"اس کا استعمال بہت مشکل ہے۔" نوجوان نے مسکرا کر کہا، جواب میں وہ بھی مسکرائی۔ پھر ایک طویل انگڑائی لے کر تکیئے سے ٹک گئی۔ وہ عجیب نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھ رہی تھی، لیکن نوجوان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

آخر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "بڑے جیالے ہو۔"

"پھر....؟"

"اگر ڈاکہ زنی تمہارا پیشہ نہیں ہے تو زندگی کیسے بسر ہوتی ہے۔"

"ایک فرم کا ٹریولنگ ایجنٹ ہوں۔"

"کیا آمدنی ہو جاتی ہوگی۔"

"یہی.... ساڑھے تین یا چار سو۔"

"بس....!"

"بس کا کیا مطلب۔" نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تم جیسے آدمی کی یہ قیمت بہت کم ہے۔"

"صرف تم جیسی مالدار لڑکیوں کی نظروں میں۔ ورنہ چار سو میرے خدا.... ایک آدمی کے لئے بہت ہیں اور پھر میں بہت کم ہارتا ہوں۔ ان چار سو روپیوں میں سے صرف سو روپے کھیلنے کے لئے الگ کر لیتا ہوں اور یہ سو روپے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔"

"پیتے کون سی ہو۔"

"وہ بھی نہیں جو مفت ہاتھ آتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم کھیلتے ہو مگر پیتے نہیں۔"

"تمہیں حیرت نہ ہونی چاہئے کیونکہ جوئے کے ساتھ شراب صرف ہارنے ہی والے پیا کرتے ہیں۔"

"تب تو تم ایک بااصول جواری ہو۔"

"تم مجھے کیوں روک رہی ہو۔ اب میں جاؤں گا۔" دفعتاً نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اگر تمہیں کوئی ایسی ملازمت مل جائے جو موجودہ ملازمت

سے زیادہ منفعت بخش ہو تو تم کیا کرو گے۔"

"کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خوشی ظاہر کروں گا۔"

"کم از کم سات سو روپے ماہوار کی ملازمت....!"

"میرا مذاق نہ اڑاؤ۔"

"یقین کرو۔" لوسی مسکرائی۔ "میں ابھی اور اسی وقت تمہیں سات سو روپے ماہوار کی ملازمت دلوا سکتی ہوں۔"

"مجھے منظور ہے۔" نوجوان نے اس انداز میں کہا جیسے وہ اپنا مضحکہ اڑوانے پر تیار ہو گیا ہو۔

"تمہیں سام کریگ کی بیٹی کا پرائیویٹ سیکریٹری بننا پڑے گا۔"

"اگر ایمانداری کے پیسے ملیں تو میں کتے کے پلے کا پرائیویٹ سیکریٹری بننا بھی منظور کر لوں گا۔"

"تم پھر مجھ پر چوٹ کر رہے ہو۔"

"ہو سکتا ہے لیکن ابھی میں نے تمہاری ملازمت اختیار نہیں کی۔"

"کیا مطلب....!"

"ملازمت اختیار کرنے کے بعد تو مجھے تمہارا ادب کرنا ہی پڑے گا۔"

"تم بہت منہ پھٹ ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"ملازم ہو جانے کے بعد تم میرا سلیقہ بھی دیکھ لو گی۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر لوسی نے سگریٹ سلگا کر کہا۔ "لیکن اسے کان کھول کر سن لو کہ تم مجھ سے عشق کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"ہرگز نہیں.... عشق کرنا میری خاندانی روایات کے خلاف ہے۔ میرے والدین مرتے دم تک ایک دوسرے کو گالیاں دیتے رہے تھے۔ دادا صاحب کے متعلق بھی یہی سننے میں آیا ہے کہ وہ جس عورت سے شادی کرتے تھے اسے دوسرے ہی دن قتل کر دیتے تھے۔"

"پھر تمہارے باپ کہاں سے آئے تھے۔" لوسی ہنس پڑی، سگریٹ کا دھواں اس کے منہ میں تھا۔ لہٰذا وہ اس بے ترتیبی سے حلق کی طرف لوٹ گیا کہ اُسے کھانسی آنے لگی۔

"پتہ نہیں کہاں سے آئے تھے۔ میں نے اس کے متعلق کبھی غور نہیں کیا۔"

"ٹھہرو....!" لوسی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے یہ بات مذاقاً نہیں کہی تھی۔ میں نے

چا ممکن ہے تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاؤ۔ مجھے دراصل ان دنوں تم جیسے آدمی کی ضرورت ہے۔"

"ہاں! ہو سکتا ہے۔" نوجوان نے لاپروائی سے کہا۔

"تم یہ بھی جانتے ہو کہ ڈیڈی کس قسم کے آدمی تھے۔ اب ان کی موت کے بعد بعض افراد ے مختلف قسم کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔"

"کیسی دھمکیاں!"

"ڈیڈی نے خواہ کسی طرح بھی دولت جمع کی ہو۔ میں تو اس کی ذمہ دار نہیں۔ وہ دولت اثنا میری طرف منتقل ہوئی ہے تو کیا میں اس سے دستبردار ہو جاؤں۔"

"ہرگز نہیں۔"

"ادھر کسی نامعلوم آدمی نے دھمکیاں دینی شروع کی ہیں کہ میں اس مکان کو چپ چاپ خالی کے کسی دوسری عمارت میں منتقل ہو جاؤں ورنہ مجھے وراثت میں ملی ہوئی دولت کے بیشتر حصے ے محروم ہو جانا پڑے گا۔"

"واہ.... کمال ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ میرا ساتھ دینے والے یہاں کم ہی نکلیں گے۔"

"کیوں؟ دولت سے تم سب کچھ خرید سکتی ہو۔"

"لیکن اکثر خریدی ہوئی چیزوں پر اعتماد کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"مگر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"بہت کچھ کر سکتے ہو۔ وہ آدمی جو ہیری کے قمار خانے میں تنہا لوٹ مار کر سکتا ہو وہ کیا نہیں رسکے گا۔"

"خیر اگر تم مجھ سے کوئی کام ہی لینا چاہتی ہو تو میں تیار ہوں۔ ہاں.... کیا میں خود کو تمہارا لازم سمجھوں۔"

"قطعی.... لیکن یہ رقم۔" اس نے میز پر پڑی ہوئی نوٹوں کی گڈیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"سب سے پہلے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں مادام۔" نوجوان نے اٹھ کر قدرے جھکتے ہوئے لہا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "یہ رقم قطعی آپ کی ہے مطلب یہ کہ اس میں سے ساڑھے تین ہزار بقیہ ہیری کو کسی نہ کسی طرح واپس کر دیئے جائیں گے۔ اگر وہاں بے ایمانی ہوتے نہ دیکھتا تو

مجھ سے ایسی حرکت ہرگز نہ سرزد ہوتی۔"

"بس اسی بناء پر میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔ مطلب یہ کہ تم میرے ساتھ ایماند سے پیش آؤ گے۔"

"ہاں کسی حد تک۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہی ہے کہ اگر آپ مجھ سے کسی قسم کی بے ایمانی کرانا چاہیں گی تو میں ایمانداری سے پیش نہ آؤں گا۔"

"نہیں.... میں صرف اپنی حفاظت کرنے کی قائل ہوں۔"

"بس پھر میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

"تم رہتے کہاں ہو۔"

"ہوٹیل آرمیان میں۔"

"نام ابھی تک نہیں بتایا۔" لوسی مسکرائی۔

"نوبل کریک۔"

"بکواس ہے.... ٹھیک بتاؤ۔"

"لفظ کریک پر شاید آپ کو اعتراض ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ میرا خاندانی نام میرے باپ کا نام ڈمبل کریک تھا اور دادا کا بالکل کریک۔"

"بالکل....!"

"ہاں.... وہ دیسی تھے اس لئے نام بھی دیسی تھا۔"

"تم مسخرے ہو۔ میں یقین نہیں کر سکتی۔ خیر میں تمہیں کریک ہی کہوں گی مگر تم میرے ساتھ قیام نہیں کرو گے۔ وہیں آرمیان میں رہو۔ وہاں کے سارے اخراجات م ذمہ۔ تنخواہ سے کوئی مطلب نہیں۔"

"مجھے حیرت ہے۔"

"کس بات پر۔"

"آخر مجھے کون سا کارنامہ انجام دینا پڑے گا۔"

"اس شخص کا پتہ لگانا ہے جو مجھ سے یہ عمارت خالی کرانا چاہتا ہے کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔ یہ بھی معلوم کرنا ہوگا اور یہ بلب.... اور ہندسے جو مجھے مستقل طور پر الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔"

"کیا بلب خود بخود روشن ہوتا ہے۔"

"ہاں.... قطعی اور جیسے ہی یہ بلب روشن ہوتا ہے ہندسے بھی متحرک نظر آنے لگتے ہیں۔"

"آپ نے اس مینٹل پیس کو توڑ کیوں نہیں دیا۔"

"نہیں! میں یہ نہیں کرنا چاہتی۔"

"یہاں کی ساری وائرنگ انڈر گراؤنڈ معلوم ہوتی ہے۔" نوجوان نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں.... مسٹر کریک۔" لوسی نے طویل سانس لی۔ "ڈیڈی کو کئی قسم کے خبط تھے۔ اس پوری عمارت میں کہیں بھی تمہیں بجلی کے تار اوپر نہ ملیں گے۔ سب دیواروں کے اندر ہیں۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ اگر اس مینٹل پیس کو توڑ بھی ڈالوں تو اس بلب کا سلسلہ معلوم کرنے کے لئے ساری عمارت کھدوانی پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے...." نوجوان سر ہلا کر بولا۔ "خیر.... ہاں.... یہ تو بتائیے کہ وہ گمنام آدمی آپ کو دھمکیاں دینے کے لئے کون سا ذریعہ اختیار کرتا ہے۔"

"فون....!"

"مگر یہ مذاق بھی ہو سکتا ہے خیر! میں دیکھوں گا۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔"

قتل

کرنل فریدی سگار کو ایش ٹرے میں مسل کر میز پر پھیلے ہوئے کاغذات سمیٹنے لگا۔ انسپکٹر شاہد بھی کمرے میں موجود تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت دیر سے خاموش بیٹھا ہو۔

"مسٹر شاہد۔" فریدی نے کاغذات ایک طرف رکھ کر انہیں پیپر ویٹ سے دباتے ہوئے کہا۔ پھر شاہد کی طرف دیکھ کر بولا "ان کاغذات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ وہ انسپکٹر محض ان پراسرار اموات کے سلسلے میں نگار تھیٹر کی طرف متوجہ ہوا تھا۔"

"لیکن اُس نے محکمے کو یہی رپورٹ دی تھی۔" شاہد نے کہا۔

"پھر ان کاغذات میں اس کا تذکرہ کیوں نہیں ہے۔ یہ اسی کے ہاتھوں کے مرتب کئے ہوئے ہیں

"جی ہاں.... ہیں تو اور یہ اس کی موت کے بعد اس کے سوٹ کیس سے برآمد ہوئے تھے

"ان اموات کے متعلق کس نے چھان بین کی تھی۔"

"میں نے۔" شاہد نے جواب دیا۔

"یعنی سب سے پہلے آپ ہی کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن آپ صرف فائیلوں ہی تک محدود رہے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ تفتیش اس انسپکٹر نے شروع کی تھی جو پُر اسرار طور پر نگار میں کام آیا۔"

"جی ہاں! تفتیش اسی کے سپرد کی گئی تھی۔"

"آپ نے اپنی تفتیش مکمل کر کے مرنے والوں کی لسٹ کب پیش کی تھی۔"

"گیارہ اگست کو۔"

"اور اس کے بعد ہی اس انسپکٹر نے تفتیش شروع کی تھی؟"

"جی ہاں ظاہر ہے۔"

"مگر مسٹر شاہد.... ان کاغذات پر.... مگر ٹھہریئے۔ کیا آپ انہیں دیکھ چکے ہیں۔"

"جی نہیں.... یہ تو آپ کو براہِ راست سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ملے ہیں۔"

"اوہ.... شاید اسی لئے مجھے یہاں طلب کیا گیا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"یہ کاغذات روزنامچے کی شکل میں ہیں اور ان پر گیارہ اگست سے پہلے کی تاریخیں ہیں۔"

"نہیں....!" شاہد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... بہت پہلے کی تاریخیں یعنی پہلی موت سے پہلے کی تاریخیں۔"

"میرے خدا.... شاہد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔"

"جی ہاں.... گیارہ اگست تو آخری موت سے بہت بعد کی تاریخ ہے۔"

"لیکن.... میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔"

"اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ انسپکٹر پہلے ہی سے نگار تھیٹر میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن اس نے محکمے کو اس کی اطلاع نہیں دی تھی۔ پھر اُن اموات کی تفتیش باقاعدہ طور پر اُسی کے سپرد کر دی گئی۔"

"لیکن اُس نے محکمے کو مطلع کئے بغیر تفتیش کیوں شروع کر دی تھی۔"

"اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "خود میں نے بھی بعض اوقات یہی کیا ہے۔"

"مگر کم از کم اُس وقت تو اُسے محکمے کو مطلع ہی کرنا چاہئے تھا جب کیس باقاعدہ طور پر اُس کے سپرد کیا گیا تھا۔"

"ہاں.... آں.... خیر میں دیکھوں گا اچھا.... وہ کیپٹن کریگ کا معاملہ رہ ہی گیا۔"

"وہ کئی ملوں اور انشورنش کمپنیوں کا حصہ دار تھا۔ گلہریوں کی فارم والے مقدمے کے بعد سے اس نے خود اپنی ذمہ داری پر کوئی بزنس نہیں کیا تھا۔ اب اس کی وارث ایک لڑکی ہے۔ لوسی کریگ وہ بڑی بے دردی سے کریگ کی دولت صرف کر رہی ہے اور اُسے کبھی بھلے آدمیوں کے ساتھ نہیں دیکھا گیا۔"

"یہ ساری معلومات میرے لئے بیکار ہیں۔"

"پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی اس طرح سر ہلا کر مسکرایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔ لیکن پھر اُس نے شاہد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے کہا تھا کہ میں آپ کے مددگار کی حیثیت سے کام کروں گا لیکن الٹے آپ ہی کو تکلیف دے رہا ہوں۔"

"ارے.... نہیں جناب۔ میں تو آپ کا خادم ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ہی کے طفیل آگے بڑھ سکوں۔"

"ذرا ٹھہریئے۔" فریدی اٹھ کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اموات کے متعلق تفتیش کے دوران آپ نے اس کا خیال تو رکھا ہی ہوگا کہ مرنے والوں کا آپس میں تعلق دریافت کر سکیں۔"

"جی ہاں.... لیکن مجھے اس سلسلے میں مایوسی ہی ہوئی تھی۔"

"یعنی....!"

"وہ سبھی ایک دوسرے سے بے تعلق ثابت ہوئے تھے۔"

"آپ کو یقین ہے۔"

"جی ہاں.... اپنی تفتیش کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔"

"چلئے ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اب ہم کیس کے متعلق گفتگو یہیں ختم کر۔ ہیں۔ کچھ دوسری باتیں کیجئے۔"

"دوسری باتیں۔"

"ہاں! ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ بھول جائیں کہ ہمارا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے یا دونوں ایک، دوسرے سے بے تکلف نہیں ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا جناب" شاہد یک بیک بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا۔

"اوہ.... کچھ نہیں۔ کبھی کبھی معمولات سے دل اکتا جاتا ہے۔"

شاہد نے کیپٹن حمید کی طرف دیکھا جو آرام کرسی میں پڑا ہوا منہ پر اخبار رکھے غالباً سو رہا ۃ

"کیا حمید صاحب کچھ علیل ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ پھر خود اسی نے ادھر اُدھر کی باتیں ؛ دیں اور ذرا ہی سی دیر میں شاہد کھل گیا۔ اب وہ نصیر آباد کے نائٹ کلبوں کا تذکرہ لے بیٹھا تھا۔

"آدمی کے لئے کتنی الجھنیں اور جھنجھٹ ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تو کہتا ہوں اگر نصیر میں نائٹ کلب نہ ہوتے تو میں بے موت مر گیا ہوتا۔"

"لیکن میں کہتا ہوں۔" حمید اخبار پھینک کر سیدھا بیٹھ گیا اور تھوڑے توقف کے ر بولا۔ "اگر میں نہ ہوتا تو ساری دنیا کے نائٹ کلب ویران ہو جاتے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" شاہد مسکرا کر بولا۔

"مگر نصیر آباد کے نائٹ کلب۔" حمید مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "دو کوڑی کے نہیں ہیں۔"

"آپ دارالحکومت سے آئے ہیں۔ ظاہر ہے وہاں کے معیار اور یہاں کے معیار میں ز آسمان کا فرق ہوگا۔"

"حالانکہ زمین و آسمان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صدہا سال بعد گلیلیو نے ثابت کیا زمین گول ہے ہو سکتا ہے مزید صدہا سال گذرنے پر آسمان بھی گول ہو جائے۔"

"ہم نصیر آباد کے نائٹ کلبوں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔" فریدی نے شاہد کو ٹوکا اور ید کو اس طرح گھورنے لگا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

حمید نے پھر اخبار سے چہرہ ڈھانک لیا۔ فریدی اور شاہد کے درمیان نائٹ کلبوں کے فوائد اور ضانات پر گرما گرم بحثیں ہوتی رہیں۔

پھر کچھ دیر بعد شاہد اٹھ کر چلا گیا۔

اور حمید نے چہرے پر سے اخبار ہٹا کر ایک طویل انگڑائی لی۔ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا پھر لا۔ "آج میں نے پہلے پہل آپ کو وقت برباد کرتے دیکھا ہے۔"

"نہیں تو....!" فریدی مسکرایا۔ "میں نے وقت نہیں برباد کیا۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیس کے متعلق گفتگو کرتے کرتے ادھر اُدھر کی باتوں پر اُتر آنا ، قسم کی عقل مندی ہے۔"

فریدی پھر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "تم بھی ادھر اُدھر کی باتیں کرو۔ میں اس کیس کا نام ، سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"آ.... ہم.... تو میں اِدھر اُدھر کی باتیں کروں۔ اچھا سنئے تو ادھر کی باتیں یہ ہیں کہ ہم ،گی بھر کھیاں مارتے رہ جائیں گے اور اُدھر کی باتوں کا کیا پوچھنا۔

سینے اُبلتے میکدے اور ہونٹ پیمانوں کے لب
ٹخنوں پر بجتی جھانجھیں ہنستا ہسانا ہے بے سبب
لہنگوں کی لہروں کے تلے مکھن سے پاؤں رقص میں
پگڈنڈیوں کے اسطرف گاگر کی چھاؤں رقص میں

اور بہت سی باتیں.... بقول قاسم الاقسم حمید بھائی! اگر نرس حسین نہ ہوتی تو میں پیدا ہونے ،انکار کر دیتا۔"

"شاباش....!" فریدی مسکرایا۔ "اب اُسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ ادھر اُدھر کی باتوں میں ی ہمیشہ ننگا ہو جاتا ہے۔ یعنی تمہاری روح اور فرشتے ادھر اُدھر کی باتوں میں لازمی طور پر ظاہر جائیں گے.... تم.... ادھر اُدھر کی باتوں میں غیر شعوری طور پر اپنے کردار کی جھلکیاں ماتے چلے جاؤ گے۔ میں دراصل اس وقت یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شاہد کس قسم کا آدمی ہے۔"

"اوہ.... مگر کیوں؟" حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"مین اسے قابل اعتماد نہیں سمجھتا۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... کرنل۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کون صاحب۔"

"فاروقی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "کیا آپ نے کاغذات دیکھ لئے۔"

"جی ہاں۔"

"کیا خیال ہے۔"

"فی الحال کوئی خیال نہیں ہے۔ ویسے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ شاہد پر اعتماد کر۔ ہیں یا نہیں۔"

"کیوں....!"

"کیونکہ وہ مجھے فراڈ معلوم ہوتا ہے۔"

"اوہ....!"

"اور مجھے یقین ہے کہ نگار کے مسخرے نے آپ کے علم میں لائے بغیر کام نہ شروع کیا ہوگا۔"

"کمال ہے.... آخر آپ اتنی جلدی اس نتیجے پر کیسے پہنچ گئے۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہے اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو آپ اس کے مرنے کے بعد اس کیس تفتیش شاہد کے سپرد نہ کرتے۔ حالانکہ آپ کو ان اموات کے متعلق شاہد کو تفتیش جاری ر دینا چاہئے تھا۔ مگر آپ نے ان کی تفتیش بھی مرنے والے کے سپرد کی تھی۔"

"وہ تو پہلے ہی سے اس فکر میں تھا اسی لئے....!"

"نہیں جناب۔" فریدی بولا۔ "وہ ان اموات کی فکر میں نہیں تھا۔"

"پھر....!"

"یہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے۔"

"کرنل....!" فاروقی کی آواز کپکپا رہی تھی۔ "آپ واقعی حیرت انگیز صلاحیتوں کے ہیں، مگر آپ نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا کہ وہ اُن اموات کی فکر میں نہیں تھا۔"

"ان کاغذات سے جو آپ نے مجھے دیئے تھے۔"

"مگر اُن میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ اُن میں اپنی روزانہ کی مشغولیات ے متعلق لکھتا رہا ہے۔"

"کیا حقیقتاً آپ کو ان میں کچھ نہیں نظر آیا۔"

"نہیں اُن میں تو کچھ بھی نہیں نظر آیا۔ یقین کیجئے۔ میری دانست میں وہ کسی رومان پرست می کی ڈائری کے اوراق ہیں، جو تھیٹر کی رومان پرور فضا سے متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں، لیکن وہ یکٹر ایسا آدمی نہیں تھا۔"

"لیکن آپ کو احساس تھا کہ شاہد نے وہ رپورٹ نیک نیتی سے نہیں پیش کی۔"

"ہاں مجھے اُس رپورٹ کے متعلق شبہ تھا۔"

"کیوں؟"

"میں شاہد کی طرف سے کبھی مطمئن نہیں رہا۔"

"کیا کبھی اُس کے خلاف تحقیقات بھی کرائی تھی۔"

"نہیں اس کے خلاف کبھی ثبوت نہیں مل سکے لیکن یہ ضرور دیکھا گیا ہے کہ وہ خود سے اگر ی مسئلے میں ہاتھ لگاتا ہے تو سو فیصدی اپنے ہی فائدے کو مد نظر رکھ کر.... ورنہ عام حالات میں ں کی آنکھوں کے سامنے جرائم ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ اس وقت تک کسی معاملے میں دخل یں دیتا جب تک کہ محکمے کی طرف سے ہدایت نہ ملے۔"

"خیر.... ہم رات کو آٹھ بجے مل رہے ہیں۔ فون پر گفتگو کو طول نہیں دیا جاسکتا۔" فریدی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

دوسری طرف ویٹر آج کی ڈاک رکھ گیا اور حمید اُسے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ پاگلوں کے سے از میں آواز میں اُتار چڑھاؤ پیدا کئے بغیر ایک جگہ پڑھنے لگا۔

"ڈیئر بابا.... ڈیئر انکل.... میں یہاں تنہا نہیں رہ سکتی۔ بہت شدت سے بور ہو رہی ہوں۔ ذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اتوار کو نصیر آباد پہنچ جاؤں نیلم۔"

فریدی سگار کا گوشہ توڑ رہا تھا اس نے حمید کی طرف دھیان نہیں دیا۔

"میں کہتا ہوں آخر اُسے ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی کہ کسی یتیم خانے کے سپرد کر دی جاتی۔" فریدی نے جواب دیا۔

"آپ جانتے ہیں کہ آپ کے اس رویہ کے خلاف کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔"

"مجھے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ چہ میگوئیاں پر غور کر سکوں۔"

"آپ بدنام ہو رہے ہیں۔"

"لیکن میرا وزن ایک اونس بھی کم نہیں ہوا۔"

"ارے تو کیا وہ یہاں آکر بھی بور کرے گی۔" حمید جھلا کر بولا۔

"مجبوری ہے کیونکہ وہ مجھے انکل کہتی ہے اور تمہیں بابا۔" فریدی مسکرایا۔

"میرے خدا....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "یعنی یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارے ہی ساتھ رہے گی۔"

"کم از کم اس وقت تو یقینی طور پر رہے گی جب تک کہ اس کیلئے کوئی اچھا شوہر نہ مل جائے۔"

"تب تو کوئی بات نہیں ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں ایک ماہ کی چھٹی لے کر اُس کے لئے کوئی اچھا سا شوہر تلاش کروں گا۔"

اچانک ایک ویٹر بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"صاحب۔" وہ بُری طرح ہانپتا ہوا بولا۔ "انہیں.... کسی نے قتل کر دیا جو.... ابھی آپ کے پاس آئے تھے۔"

"کیا.... کون۔"

"وہ جو ابھی یہاں سے گئے تھے۔"

"شاہد....!" فریدی کی آواز میں تحیر تھا۔

شاہد کا راز

حمید نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ بارہ بج چکے تھے۔ لیکن فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ اسی وقت سے غائب تھا جب شاہد کی لاش ریجنٹ کے ایک پیشاب خانے سے اٹھوائی گئی تھی۔ حمید نے بھی لاش دیکھی تھی اور اُسے یقین نہیں آیا تھا کہ یہ وہی شاہد ہے جو کچھ دیر پہلے ان کے

ں سے اٹھ کر گیا تھا۔

کسی نے اس پر خنجر سے حملہ کیا تھا اور ہاتھ اتنا جچا تلا تھا کہ کسی نے شاہد کی آخری چیخ بھی ں سنی تھی یا پھر قاتل کو اطمینان تھا کہ کوئی دخل انداز نہ ہو سکے گا۔ دونوں ہی صورتیں حیرت ز تھیں۔ لاش اتفاقاً دریافت ہوئی تھی اگر وہ پیشاب خانہ استعمال نہ کیا جاتا تو لاش وہیں پڑی تی اور کسی کو علم بھی نہ ہوتا کہ ریجنٹ جیسے بھرے پرے ہوٹل میں بھی دن دہاڑے قتل کی دات ہو سکتی ہے۔

ڈیڑھ بجے حمید جھلا کر اٹھا اور باہر جانے کے لئے کپڑے پہننے لگا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت یدی کمرے میں داخل ہوا۔

"کیوں! تم کہاں چلے۔"

"ایک رپورٹ درج کرانے جا رہا تھا۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ایک آنریری کرنل ج رات کا کھانا بھول گیا ہے، لہٰذا جہاں کہیں بھی ملے، اُسے رات کا کھانا ضرور کھلایا جائے کیونکہ ب آنریری کیپٹن دوپہر سے بھوکا ہے۔"

"تم نے کیوں نہیں کھایا کھانا۔"

"کھانے کی بات نہیں ہے یہ بکواس تو اس حقیقت کی طرف اشارہ تھی کہ میرا دماغ ماؤف گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"میں کرنل فریدی کے اسسٹنٹ کے بجائے کسی شریف آدمی کی بیوہ معلوم ہوتا ہوں، جو زت آبرو لئے گھر میں بیٹھی رہ جاتی ہے۔"

"بیکار باتیں نہ کرو۔" فریدی نے کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔ "تم اس وقت کہیں نہ جاسکو گے۔"

"کیوں؟ میں کمروں میں بند ہو کر بیٹھنے نہیں آیا۔ آخر آپ مجھے یہیں ٹھہرنے کو کیوں کہہ لئے تھے۔"

"کیا تمہیں بے کار بیٹھنا پڑا تھا۔"

"نہیں.... مکھیاں مارنا کام بھی ہے اور شغل بھی۔"

"فاروقی کی طرف سے تمہیں کوئی پیغام نہیں ملا۔"

"نہیں....!" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور بیٹھ گیا۔

فریدی نے کوٹ ہینگر پر ڈالتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ ا
کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے۔ حمید اُسے بغور دیکھتا رہا پھر بولا۔ "آ
نے تو خود ہی فاروقی سے ملنے کا وعدہ کیا تھا پھر پیغام کیسا۔"

"تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ فاروقی نہیں تھا جس سے فون پر گفتگو ہوئی تھی۔"

"نہیں....!"

"ہاں.... فاروقی نے اس سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"مگر پھر اس نامعلوم آدمی کو اس کا علم کیسے ہوا کہ آپ کو کچھ کاغذات فاروقی سے ملے ہیں"

"شاہد کے قتل کے بعد یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے قتل میں جس کا
ہاتھ ہے اُسے شاہد ہی سے کاغذات کے بارے میں معلوم ہوا ہوگا اور شاہد کا قتل بھی اسی لئے
میں آیا کہ میں نے اس پر شبہ ظاہر کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ فون دراصل اس لئے کیا گیا تھا کہ
کاغذات کے متعلق میری رائے معلوم کی جاسکے، لیکن میں شاہد پر شبہ ظاہر کر بیٹھا لہٰذا ظاہر ہے

"تو یہ شاہد مجرموں سے ملا ہوا تھا۔"

"یقینی طور پر.... ورنہ قتل کیوں کیا جاتا۔ خیر بہرحال اب اسے ثابت کرنے کے لئے ز
جمناسٹک نہیں کرنی پڑے گی کہ شاہد کس قسم کا فراڈ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔"

"ذرا ٹھہریئے.... یہ بھی ممکن ہے کہ شاہد کو کسی غیرمتعلق آدمی نے قتل کیا ہو۔ فوا
گفتگو کرنے والے کو صرف کاغذات کے متعلق آپ کا نظریہ معلوم کرنے کی فکر رہی ہو۔"

"تمہارا خیال درست بھی ہوسکتا ہے لیکن یہاں تو صرف اس سے بحث ہے کہ اُن امو
کے بارے میں شاہد کی رپورٹ صحیح تھی یا غلط۔ اگر صحیح تھی تو خیر کوئی بات نہیں، لیکن اگر غلط
تو اس کا مقصد کیا تھا۔"

"لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوگیا کہ رپورٹ غلط ہی تھی۔"

"قتل کے بعد کی تفتیش کا ماحصل یہی ہے۔ میں نے اُن گواہوں سے پوچھ گچھ کی تھی ج
تذکرہ شاہد کی رپورٹ میں تھا۔"

"کیسے گواہ۔"

"وہ گواہ جن کے بیان کے مطابق مرنے والوں کا تعلق نگار تھیٹر سے ثابت ہوتا ہے۔ میں
ِ ان گواہوں پر یہ ظاہر کردیا تھا کہ شاہد قتل کردیا گیا ہے کیونکہ وہ ان اموات کے سلسلے میں
بش کررہا تھا۔ یقین کرو کہ ان سبھوں نے چھوٹتے ہی یہی کہا تھا کہ چلو جان بچی۔"

"کیا مطلب....!"

"وہ بنائے ہوئے گواہ تھے۔ انہیں مجبور کیا گیا تھا کہ وہ اس فرضی شہادت پر قائم رہیں کہ
ں آدمی کو فلاں وقت نگار تھیٹر سے نکلتے دیکھا گیا تھا۔"

"مگر اس لمبی چوڑی فہرست میں ایک نام ایسا بھی ہے جو نگار تھیٹر سے واپسی ہی پر مرا تھا۔"

"کون....!"

"کیپٹن سام کریگ نگار سے واپسی پر وہ سیدھا مون لٹ نائٹ کلب گیا تھا۔ وہاں اس نے
ب ویٹر کو شراب کا آرڈر دیا اور جب ویٹر شراب لایا تو اس نے دیکھا کہ کیپٹن سام کریگ مرچکا
ہ۔ ہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مرنے والوں کی لسٹ میں صرف سام کریگ ہی کا پوسٹ
ٹم ہوسکا تھا کیونکہ شاہد کی تفتیش کی گاڑی اسی کی موت کے بعد سے چلی تھی۔"

"تو پھر جس نے فون کیا تھا۔"

"اُسے فی الحال اس معاملے سے الگ ہی رکھو۔" فریدی نے کہا۔ "میں صرف یہ دیکھنا چاہتا
ں کہ شاہد نے یہ کیس کیوں بنایا تھا۔"

"مگر کیا آپ فاروقی کی آواز فون پر نہیں پہچان سکے تھے۔"

"کیا تم نے کل یہ نہیں محسوس کیا تھا کہ فاروقی کی آواز زکام کی وجہ سے بھاری ہورہی تھی۔
ن کرنے والے نے اسی سے فائدہ اٹھایا اور خالص قسم کی زکامی آواز میں مجھ سے گفتگو کرتا رہا۔
یسے بھی بعض اوقات فون پر مختلف قسم کی آوازوں میں تمیز نہیں کی جاسکتی۔"

"مگر سنئے تو.... وہ انسپکٹر جو مسخرے کے روپ میں نگار تھیٹر سے متعلق تھا اس کے روزنامچے
کے کاغذات میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

فریدی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "اس
کے باوجود بھی کسی نے اُن کاغذات کے متعلق میری رائے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ممکن ہے کاغذات اس کی نظروں سے گذرے ہی نہ ہوں۔"

"اگر یہ بات تھی تو اُسے کاغذات کا علم کیسے ہوا۔"

"فرض کر لیجئے شاہد ہی اس کی معلومات کا ذریعہ ہو۔"

"ایسی صورت میں اُسے یہ کام شاہد ہی پر چھوڑ دینا چاہئے تھا۔ یعنی وہ شاہد ہی کے ذریعہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ ان کاغذات میں کیا تھا۔ نہیں حمید صاحب! اگر شاہد نے سے ان کاغذات کا تذکرہ کیا ہوتا.... ٹھہرو! شاید کوئی آرہا ہے۔"

وہ دونوں خاموش ہوگئے۔ قدموں کی آہٹ دروازے کے پاس رک گئی تھی۔ دوسرے لمحے میں کسی نے دستک دی۔

"آجاؤ....!" فریدی نے کہا۔ دروازہ کھلا اور نصیر آباد برانچ کا سپرنٹنڈنٹ فاروقی کمرے میں داخل ہوا۔

"اوہ.... آپ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"تشریف رکھئے.... تشریف رکھئے۔" فاروقی مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولا اور خود کے گوشے پر ٹک گیا۔

"یہ آپ نے اس وقت فون پر گفتگو کے متعلق کیا پوچھا تھا۔" اس نے فریدی کو گھور ہوئے کہا۔

"کسی نے آپ کے زکام سے ناجائز فائدہ اٹھایا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"دیکھئے اس وقت میں بہت پریشان ہوں، مجھ سے خوش مزاجی کی توقع نہ رکھئے۔"

"میں خود بھی حقیقت عرض کررہا ہوں۔ خوش مزاجی ظاہر کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ مجھ کسی نے بھرائی ہوئی سی آواز میں آپ کے نام سے گفتگو کی تھی لہٰذا میں دھوکا کھا گیا۔ اس نے کاغذات کے بارے میں میری رائے معلوم کرنی چاہی تھی۔"

"اوہ....!"

"کیا شاہد کی موت کے اسباب آسانی سے معلوم ہوسکیں گے۔" فریدی نے موضوع بدل د

"خدا جانے مجھے بھی حیرت ہے۔"

"کیا آپ شاہد پر اعتماد کرتے تھے۔"

"کیا مطلب....!" فاروقی چونک پڑا۔

فریدی نے پھر یہی جملہ دہرایا۔

"میں نہیں سمجھ سکا۔" فاروقی نے بے بسی سے کہا۔

"نگار سے متعلق اموات کی رپورٹ شاہد ہی نے پیش کی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"پھر آپ نے اس کی تفتیش اسی کے سپرد کیوں نہیں کی تھی۔"

"اس نے خود ہی باقاعدہ طور پر یہ کیس لینے سے انکار کردیا تھا۔"

"کیوں؟"

"صحت کی خرابی کا بہانہ کیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ میڈیکل گراؤنڈ پر دو ماہ کی چھٹی لے گا اور اں ٹھہریے.... یہ حقیقت ہے کہ وہ انسپکٹر پہلے ہی سے نگار میں کام کررہا تھا اور اس کی اطلاع بھی شاہد ہی نے دی تھی۔ ویسے وہ انسپکٹر رخصت پر تھا اور آفس کو اس کی اطلاع نہیں تھی کہ وہ یا کررہا ہے، بہرحال میں نے اُسے طلب کیا۔ پہلے تو اُس نے کہا کہ اس کی رخصت کا مقصد یہی ھا کہ وہ اسٹیج کا تجربہ حاصل کرے، لیکن جب شاہد کی رپورٹ اس کے علم میں لائی گئی تو اُس نے ہنس کر کہا کہ وہ بھی اسی چکر میں تھا۔ کیوں نہ یہ کیس باضابطہ طور پر اس کے سپرد کردیا جائے لہٰذا ہی کیا گیا۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن.... آخر.... شاہد کو کس نے قتل کردیا.... کیوں قتل کردیا۔" فاروقی بڑبڑایا۔

"قتل سے کچھ دیر پہلے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے فون پر اس نامعلوم آدمی سے کہا تھا کہ شاہد ناقابل اعتماد اور پکا فراڈ ہے۔"

"یہ آپ نے کیوں کہا تھا۔" فاروقی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے اس لئے کہا تھا کہ یہی حقیقت تھی۔" فریدی نے کہا اور فاروقی کو بتانے لگا کہ کس طرح فرضی گواہوں کی مدد سے شاہد نے رپورٹ تیار کی تھی۔

"میرے خدا....!" فاروقی اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"اور میری نظروں میں وہ انسپکٹر صاحب بھی مشتبہ ہیں، جو نگار میں ایک مسخرے کی حیثیت

سے کام کر رہے ہیں۔"

"اس کے خلاف کیا چارج ہے۔"

"فی الحال میں اس کی وضاحت نہ کر سکوں گا۔ اس وقت کا انتظار کیجئے جب میرا شبہ یقین سے بدل جائے۔"

"نصیر آباد برانچ کی تاریخ میں یہ پہلے واقعات ہیں۔" فاروقی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"اس انسپکٹر کی ڈائری کے اوراق کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔" فاروقی بولا۔ "میری دانست میں وہ بالکل لغو اور محکمے کے لئے لایعنی ہیں۔"

"کیا شاہد کو اُن کاغذات کا علم تھا۔"

"نہیں۔ میں نے اُسی وقت تہیہ کر لیا تھا کہ مرکز کو آپ کے لئے لکھا جائے۔ لہٰذا میں نے کیس شاہد کے سپرد کر دیا تھا، لیکن اُس انسپکٹر سے متعلق جتنی بھی چیزیں تھیں وہ خصوصیت سے آپ کے لئے رکھ لی گئی تھیں اور اُن کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کیا گیا تھا۔"

فریدی کچھ سوچ رہا تھا.... اور حمید کبھی کا کمرے سے جا چکا تھا۔

مینٹل پیس

صبح خوشگوار تھی۔ لوسی نے بستر سے اٹھتے وقت یہی محسوس کیا تھا۔ حالانکہ پچھلی رات اس نے کثرت سے شراب پی تھی، لیکن اس کے باوجود بھی اُسے صبح خوشگوار معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر عقبی کھڑکی کھول دی۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آنکھوں کی سطح سے ٹکرایا اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ٹھنڈک اس کی روح میں اترتی چلی گئی ہو۔

پچھلی رات کے تجربات اُس کے ذہن پر اپنے دھندلے سے نقوش چھوڑ گئے تھے اور وہ اس وقت اُس پُر اسرار اجنبی کی شکل یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی جس نے کافی رات گئے تک اُسے اپنی انوکھی باتوں میں الجھائے رکھا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ یقیناً کوئی فلرٹ تھا اور اُس سے اس طرح تعارف حاصل کر کے غالباً قریب ہونا چاہتا تھا۔

اس نے میز کی طرف ہاتھ بڑھا کر سگریٹ کے ڈبے سے ایک سگریٹ نکالا اور اُسے

ہونٹوں میں دبا کر شاید سلگانا بھول گئی۔ وہ مسلسل اُسی نوجوان کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ اس نے ہر ہر طرح خود کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ کوئی فراڈ تھا اور اس طرح اُسے اپنے جال میں پھانس کر اُس کی دولت پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی نظر گول میز کی طرف بھی اٹھ جاتی جس پر اب بھی نوٹوں کی گڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔

سگریٹ کو ہونٹوں سے نکال کر اُس نے میز پر ڈال دیا اور الماری کھول کر شیری کی بوتل نکالی کیونکہ اُسے اپنے حلق میں پھندا سا محسوس ہو رہا تھا۔ چوتھائی گلاس شیری حلق میں انڈیلنے کے بعد اس نے سگریٹ سلگایا۔

باہر لان پر سورج کی پہلی کرن گلابی رنگ کی پچکاری مار رہی تھی اور رکھوالی کے السیشین اس انداز میں زبانیں نکالے ہانپ رہے تھے جیسے انہیں کی محنت نے سورج کو طلوع ہونے میں مدد دی ہو۔

سگریٹ کے دو تین کش لینے کے بعد اس نے اُسے باہر اچھال دیا اور صبح کی چائے کے لئے گھنٹی بجائی۔ چائے کا انتظار وہ کھڑکی ہی پر کھڑی ہو کر کرنا چاہتی تھی۔

دفعتاً اس کی نظر پھاٹک کی طرف اٹھ گئی۔ ایک آدمی باہر سے پھاٹک کھولنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ اس کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ نہ وہ دودھ والا معلوم ہوتا تھا اور نہ انڈے روٹی والا۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ وہ نوکروں میں سے کسی کا ملاقاتی ہو کیونکہ اس کے جسم پر بہترین تراش کا سوٹ موجود تھا اور گلے میں ٹائی بھی تھی۔ مونچھیں گھنی اور سیاہ تھیں۔

چوکیدار نے پھاٹک کھول دیا۔ لوسی اُسے چوکیدار سے گفتگو کرتے دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ چوکیدار کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر لوسی نے اُسے روش پر چل کر پورچ کی طرف آتے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ اسی سے ملنا چاہتا ہے.... مگر اتنے سویرے.... لوسی کے ہونٹ سکڑ گئے۔ وہ ابھی اس وقت کسی سے نہیں ملنا چاہتی تھی۔

ملازمہ چائے کی کشتی لائی اور میز پر رکھ کر چلی گئی۔

چائے انڈیل کر لوسی دوسرا سگریٹ سلگانے لگی، لیکن ٹھیک اُسی وقت باہر سے بھاری قدموں کی آواز آئی۔ پھر دروازے کا پردہ ہٹا اور بڑی مونچھوں والا اجنبی اس کے سامنے تھا۔

لوسی سگریٹ پھینک کر کھڑی ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"کس گدھے نے تمہیں یہاں آنے دیا ہے۔" وہ حلق کے بل چیخی۔

"گدھا کوئی نہیں ملا، ورنہ میں اسی پر بیٹھ کر آیا ہوتا کیونکہ آپ کا چوکیدار اونچا سنتا ہے۔ اس کے کانوں تک منہ لے جانے کے سلسلے میں ایک گدھے کی اونچائی کافی ہوتی۔"

"گٹ آؤٹ.... یو ریکل...." لوسی دانت پیس کر چیخی۔ "ورنہ دھکے دے کر نکال دیئے جاؤ گے۔"

"یہ میرا اپنا مقدر ہے، اس کے لئے بھی آپ کو تشویش نہ ہونی چاہئے۔"

لوسی نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہریئے...." اجنبی نے بھاری آواز میں کہا۔ "نوکروں کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے پچھلی رات مجھے بحیثیت پرائیویٹ سیکریٹری ملازم رکھا تھا۔ اس لئے میں نے اس کی جسارت کی، ورنہ بھلا کوئی شریف آدمی کہیں اس طرح جاتا ہے۔"

"اوہ....!" لوسی بے سدھ ہو کر کرسی میں گر گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے آنے والے کو دیکھ رہی تھی۔

"تم.... تم....!" وہ مسکرائی۔ "مگر تم.... کیا یہ میک اپ....!"

"یس مادام....!" اجنبی نے قدرے جھک کر کہا۔

"تم سچ مچ کریک ہو مسٹر کریک۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"قطعی ضرورت تھی مادام.... اس طرح میں نہایت اطمینان سے کام کر سکوں گا۔"

"شو.... کیا تم نے جاسوسی ناول بکثرت پڑھے ہیں۔" لوسی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں.... مادام.... آپ کا خیال درست ہے لیکن آپ حالات کی نوعیت پر غور کئے بغیر میرا مذاق نہیں اڑا سکتیں۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں ہر لحاظ سے بہتر کر رہا ہوں۔ آپ اس سے لاعلم ہیں کہ آپ کن خطرات میں گھری ہوئی ہیں۔ کیا آپ بھول گئیں کہ کیپٹن سام کریگ کی موت پُراسرار حالات میں ہوئی تھی۔"

"مگر پولیس کے لئے تو وہ صرف ہارٹ فیلیور کا کیس تھا۔ میں اُسے پُراسرار ہی سمجھتی ہوں کیونکہ ڈیڈی کبھی اتنی زیادہ نہیں پیتے تھے کہ پینے کی وجہ سے ان کے قلب کی حرکت بند ہو جاتی۔"

"آپ سمجھتی ہیں نا.... بس یہی کافی ہے۔ ویسے اب مجھے بھی علم ہے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں کثرت شراب نوشی ہی حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ ثابت کی گئی تھی۔"

"تو تم نے پچھلی رات ہی سے کام شروع کر دیا ہے۔"

"ہاں مادام....!"

"تم سچ مچ عجیب ہو۔ عجیب ترین۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے پریشان کرنے والا ہی ڈیڈی کی موت کے ذمہ دار ہیں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے۔"

"ممکن ہے۔"

"پھر ایسی صورت میں جب کہ مجھے کام کرنا ہے میں ان لوگوں پر اپنی اصلی شکل کیوں ظاہر کروں۔"

"ٹھیک ہے مگر میں تمہیں آواز سے بھی نہیں پہچان سکی تھی اور اب تمہاری آواز اس آواز سے مختلف ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہی آواز تمہاری اصلی آواز ہے کیونکہ پچھلی رات یہی آواز تھی۔"

"آپ آوازوں کے چکر میں نہ پڑیئے۔ ضرورت پڑنے پر میں گدھے کتے کی آواز میں بھی گفتگو کر سکتا ہوں۔ خیر دیکھئے.... یہ مینٹل پیس والا بلب اور ہندسے مجھے بالکل ناپسند ہیں۔ انہیں کسی طرح چھپانے کی کوشش کیجئے۔"

"کیوں....!"

"بس یونہی.... اب تو خواب گاہ عموماً کھلی ہی رہتی ہو گی۔"

"نہیں.... میں یہاں سے جاتے وقت اسے مقفل کرنا نہیں بھولتی۔"

"لیکن ملازم تو اندر آتے ہی ہوں گے۔"

"ہاں.... وہ تو آتے ہی ہیں۔"

"اگر اُن کی موجودگی میں کبھی بلب جل اٹھا اور ڈائیل پر ہندسے متحرک نظر آنے لگے تو یہ داستان تمام پھیل جائے گی۔"

"پھیل جائے۔" لوسی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"نہیں اسے اتنا غیر اہم نہ سمجھئے۔ ہو سکتا ہے کیپٹن سام کریگ اس کمرے کو اسی لئے مقفل

رکھتے رہے ہوں کہ ان چیزوں پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔"

"ہو سکتا ہے کوئی اور وجہ رہی ہو۔"

"کوئی اور وجہ نظر آئی تھی آپ کو۔" سیکریٹری نے پوچھا۔

"نن.... نہیں۔" وہ غور سے سیکریٹری کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"سام کریگ اس کمرے کو مقفل کر گئے تھے اور پھر ان کی موت ایک نائٹ کلب میں واقع ہوئی تھی۔ اگر یہاں کوئی اور چیز بھی ایسی ہوتی جسے چھپانے کے لئے وہ اس کمرے کو بند رکھتے رہے ہوں تو وہ چیز آپ کو ضرور ملنی چاہئے تھی کیونکہ انہیں اس چیز کو یہاں سے ہٹانے کی مہلت نہ ملی ہوگی۔"

"یہ بھی ممکن ہے۔"

"آپ مجھے بور کر رہی ہیں مادام....!" سیکریٹری آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"کیوں؟"

"آپ ایک بحث کا آغاز کر کے میرے پھیپھڑوں کا دم نکال لیتی ہیں اور پھر اتنی معصومیت سے اس کے امکان کا اعتراف کر لیتی ہیں جیسے.... جیسے.... یعنی کہ.... جیسے.... ہائیں اس وقت کوئی اچھی سی تشبیہہ نہیں سوجھ رہی ہے خیر ٹالئے۔ ہاں تو میں اس وقت یہ عرض کرنے آیا تھا کہ مجھے کیپٹن کریگ کے قریبی دوستوں کی فہرست چاہئے۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"اس سے یہ ہوگا محترمہ!" سیکریٹری اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "یہ ہوگا.... آ.... کہ میری جان پہچان والوں میں چند نئے آدمیوں کا اضافہ ہو جائے گا۔"

"مسٹر کریک تم کھل کر مجھ سے گفتگو نہیں کر رہے ہو۔"

"آپ کھل کر سن ہی نہیں رہی ہی۔ دیکھئے آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"کیا تم ناشتہ کر چکے ہو۔"

"نہیں میں ناشتہ جیسی غیر ضروری چیزوں کا عادی نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ میں چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار اپنے معدے کو تکلیف دیتا ہوں۔"

"اگر مجھے تمہاری ضرورت نہ ہوتی تو میں تمہیں چڑیا گھر کے کسی کٹہرے میں رکھوا دیتی۔"

"میرے لئے یہ بھی ممکن ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں کسی چڑیا گھر کے کٹہرے میں نہیں رہا۔"

"ایسا ہو چکا ہے محترمہ۔ ایک زمانہ تھا کہ پولیس میری تلاش میں تھی۔ ہاں شاید میں آپ کو یہ بتانا بھول گیا ہوں کہ میں بھی کسی زمانہ میں قانون شکنی کیا کرتا تھا، مضبوط سے مضبوط تجوریاں توڑ ڈالنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ میں نے کئی بنکوں میں چوریاں کی تھیں اور پولیس میرے پیچھے تھی۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ پولیس نے میرے مکان کے گرد گھیرا ڈال دیا ہے۔ اس اطلاع سے میرے ہاتھ پیر ڈھیلے ہو گئے۔ لیکن پھر فوراً ہی ایک تدبیر سوجھ گئی۔ مجھے یاد آیا کہ پچھلے دن ایک گوریلا چڑیا گھر سے فرار ہو گیا تھا جس کی تلاش اس وقت تک جاری تھی۔ میں نے جھٹ پٹ اپنے کپڑے اتار ڈالے اور گوریلے کی کھال اپنے جسم پر منڈھ لی۔"

"غپ.... جھوٹ.... بکواس۔" لوسی بڑبڑائی۔

"یقین کیجئے۔"

"تمہیں گوریلے کی کھال کہاں سے ملی تھی۔"

"اوہ.... گوریلے کی کھال.... وہ تو میرے پاس پہلے ہی سے تھی۔ اب میں کیا عرض کروں آپ سے کہ میں اُس زمانے میں کیسا آدمی تھا اور گوریلے کی کھال پہن کر میں نے کس قسم کے کارنامے انجام دیئے تھے۔ کسی وقت اطمینان سے بتاؤں گا۔ خیر قصہ مختصر یہ کہ میں کھال پہن کر پڑوس کی چھت پر جا چڑھا۔ بس پھر کیا تھا لوگ مجھے پکڑنے کے لئے دوڑ پڑے۔ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا۔ آہا کاش آپ مجھے اس وقت دیکھتیں۔ میں سو فیصدی بن مانس معلوم ہو رہا تھا۔ اُسی کی طرح غرانا اور سیٹیاں بجانا اور ٹانگیں خمیدہ کر کے چلنا۔"

دفعتاً سیکریٹری نے بن مانس کے غرانے اور سیٹیاں بجانے کی نقل شروع کر دی۔

"ارے.... بس.. ارے بس" لوسی آنکھیں بند کر کے کانوں میں انگلیاں ٹھونستی ہوئی بولی۔

"آہا.... تو پھر مجھے لے جا کر کٹہرے میں بند کر دیا گیا۔"

"کتنے دنوں تک بند رہے تھے.... مگر نکلے کیسے ہو گے۔"

"محافظ کے پاس سے قفل کی کنجی پار کر دی تھی۔ رات کو نہایت اطمینان سے قفل کھولا اور

باہر نکل آیا۔"

"اس میں کتنی سچائی ہے، مسٹر کریک۔"

"آپ کے یقین نہ کرنے سے میرا کیا بگڑے گا۔" سکریٹری نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"نہیں مجھے یقین دلاؤ ورنہ میں تمہاری مونچھیں اکھاڑ دوں گی۔"

سکریٹری بُرا سامنہ بنائے دوسری طرف دیکھتا رہا۔ اتنے میں وہی ملازمہ پھر آئی جو چائے کی ٹرے رکھ گئی تھی۔ اس نے کسی کا ملاقاتی کارڈ پیش کیا۔

"کرنل اے کے.... فریدی" لوسی نے بلند آواز سے پڑھ کر پیشانی پر شکنیں ڈال لیں اور پھر بڑبڑائی۔ "مگر میں اس آدمی کو نہیں جانتی۔"

"کرنل اے کے فریدی... اُم" سکریٹری جھک کر کارڈ پڑھتا ہوا بولا۔ "ارے باپ رے... کیا آپ اُسے نہیں جانتیں۔ میرے خدا یہاں کیسے ٹپک پڑا۔"

"کیوں یہ کون ہے!"

"وہ سرکاری سراغ رساں جو شیطان سے زیادہ مشہور ہے۔"

"ارے.... یہ.... وہ فریدی ہے۔" لوسی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مگر یہاں کیسے۔"

"ممکن ہے کیپٹن کی موت کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہو۔"

"تب تو میں اُس سے ضرور ملوں گی۔ چلو تم بھی چلو۔"

"میں.... نن.... نہیں۔ اگر اس نے پہچان لیا تو میرا مستقبل برباد ہو جائے گا۔"

"کیوں....؟"

"مین ایک روپوش مجرم ہوں محترمہ اور جرائم سے توبہ کر چکا ہوں، لیکن مجھے علم ہے کہ ابھی تک میرا فائیل بند نہیں ہوا۔"

"کیا میں اس سے بتادوں کہ کوئی نامعلوم آدمی مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"ہرگز نہیں.... یہ تو آپ کی زبان سے نکلنے ہی نہ پائے ورنہ آپ بڑی مشکلات میں پڑجائیں گی۔"

"کیوں؟"

"خدا کے لئے اس وقت مجھ سے بحث نہ کیجئے۔ جائیے.... اُسے جلد از جلد ٹالنے کی کوشش

کیجئے گا۔ ہاں ایک بات اور.... اگر وہ کیپٹن کے کاغذات وغیرہ دیکھنا چاہے تو دکھادیجئے گا۔ مگر اس کا گذر اس خواب گاہ میں نہ ہونے پائے جہاں پر بلب اور ہندسوں کا ڈائیل موجود ہے۔"

شاید لوسی نے پھر "کیوں" کہنے کے لئے ہونٹ کھولے تھے، لیکن اس نے اس بار سوال نہیں کیا بلکہ چپ چاپ اٹھ کر ڈریسنگ گاؤن پہنا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

پھر بیس منٹ بعد وہ واپس آگئی۔ سکریٹری اُسے گھورے جا رہا تھا۔

"اوہ مسٹر کریک.... وہ تو عجیب ترین تھا۔ تم سے بھی عجیب۔ میں سمجھی تھی کہ وہ کوئی ڈراؤنا آدمی ہوگا اور میں اس کے سامنے ہونٹ بھی نہ ہلا سکوں گی مگر وہ تو انتہائی رحم دل اور معصوم آدمی معلوم ہوتا ہے۔ گفتگو کا انداز کتنا شریفانہ تھا۔"

"کاش تم اُسے اس وقت بھی دیکھتیں، جب وہ کسی درندے کی طرح سرکش مجرموں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔"

"یقین نہیں آتا...." لوسی سر ہلا کر بولی۔ "ارے وہ تو فرشتہ ہے، فرشتہ.....!"

"اگر وہ فرشتہ ہے تو موت یا عذاب ہی کا فرشتہ ہو سکتا ہے۔ خیر ہٹائیے.... ہاں تو وہ کیوں آیا تھا۔"

"تمہارا خیال صحیح نکلا۔ اس کا خیال ہے کہ ڈیڈی کی موت معمولی حالات میں نہیں ہوئی مگر اس نے پوچھا تھا کہ ڈیڈی کے ہیری سے کیسے تعلقات تھے۔ کیا کبھی اُن دونوں نے کوئی بزنس بھی کیا تھا؟ کیا کبھی اُن دونوں میں جھگڑا ہوا تھا۔"

"اس کے علاوہ۔"

"اور کچھ بھی نہیں.... نہ تو اُس نے کاغذات دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور نہ ڈیڈی کا سامان دیکھنا چاہا تھا۔ وہ اس بات پر افسوس ظاہر کر رہا تھا کہ میں دنیا میں تنہا رہ گئی ہوں۔"

"مادام! میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔"

"کیا....؟"

"آپ کی جائیداد کا کچھ حصہ خطرے میں بھی پڑ سکتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص اس بات کی کوشش کرے کہ جائیداد کا کچھ حصہ اُسے قانونی

طور پر مل جائے تو کیا وہ کامیاب ہو سکے گا۔"

"ہر گز نہیں.... میں ڈیڈی کی وارث ہوں۔ ایسا کوئی آدمی نہیں ہے، جو اس قسم کا دعویٰ کر سکے۔ تم اس جھگڑے میں نہ پڑو۔ اس آدمی کا پتہ لگاؤ، جو مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"جب آپ جائیداد کی طرف سے مطمئن ہیں تو پھر آپ نے اس کی رپورٹ پولیس کو کیوں نہیں دی۔"

"میں خواہ مخواہ کسی قسم کی جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتی۔ پولیس اس کا پتہ نہیں لگا سکے گی آئے دن مجھے ہی پریشان کرتی رہے گی۔"

"مگر آپ نے پچھلی رات یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ آپ کے ڈیڈی کی ناجائز طور پر پیدا کی ہوئی دولت کا کچھ حصہ آپ کے ہاتھ سے نکل بھی سکتا ہے۔"

"پچھلی رات میں نشے میں تھی۔ اگر میں نے کہا بھی تھا تو غلط کہا تھا۔"

"خیر....!" سکریٹری نے ایک طویل سانس لی۔ وہ خاموش ہو کر اس مینٹل پیس کی طرف دیکھ رہا تھا، جس پر سرخ رنگ کا بلب نصب تھا۔ اچانک مینٹل پیس سے عجیب طرح کی آواز نکلی۔ وہ اُس مینٹل پیس کے لئے تو عجیب ہی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کوئی ٹائپ رائٹر ٹائپ کر رہا ہو۔ سکریٹری آگے بڑھا۔ آواز اب تک آرہی تھی۔ لوسی کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نظر آرہے تھے۔

سکریٹری تھوڑی دیر تک مینٹل پیس کا جائزہ لیتا رہا پھر اُس پر رکھی ہوئی چیزیں اُتار اُتار کر نیچے رکھنے لگا۔ اب آواز آنی بند ہو گئی تھی۔ دفعتاً لوسی نے مینٹل پیس کو دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا، درمیان میں تقریباً ایک فٹ چوڑی خلاء پیدا ہو گئی تھی۔ سکریٹری اس پر جھکا ہوا تھا۔

"اوہ.... ٹیلی پرنٹر....!" وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا اور دوسرے ہی لمحے میں اُس نے خلا کے اندر ہاتھ ڈال کر کاغذ کی ایک لمبی سی پٹی نکالی جس پر ٹائپ کے حروف میں تحریر تھا۔

"تشویش غلط تھی۔ سر مو فرق نہیں ہے۔ تین ہزار دو سو ستر عدد نکالے گئے ہیں۔"

لوسی اور سکریٹری کبھی اس تحریر کو دیکھتے تھے اور کبھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے تھے۔

ہیرے کی انگوٹھیاں

شام کو آخر کار نیلم پہنچ ہی گئی۔ حمید سمجھا تھا، شاید اُس نے اُسے چڑھانے کے لئے نصیر آباد پہنچنے کی دھمکی دی تھی۔ مگر جب وہ پہنچ ہی گئی تو مجبوراً اُسے خندہ پیشانی سے اُسے برداشت کرنا پڑا۔ وہ دراصل اٹھتے بیٹھتے ناک میں دم کئے رہتی تھی، بور کرنے کے لئے فریدی ہی کیا کم تھا۔ مگر اب دوسرے کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اُسے اس مسئلہ پر بہت زچ کرتی تھی کہ وہ روزانہ نئی نئی لڑکیوں کی تلاش میں رہتا ہے۔

یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے اس نے یہی پوچھا تھا۔

"کیوں بابا.... بہت اداس نظر آرہے ہو۔ کیا کوئی گدھی نہیں ملی۔"

"جان بابا....!" حمید دونوں آنکھیں بھینچ کر اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا تھا۔ "تم بابا کا پیچھا چھوڑ دو، ورنہ اس بابا سے بھی محروم ہو جاؤ گی۔ یہ بابا اُلّو کا پٹھا اب تک کئی بار خودکشی کا ارادہ کر کے ملتوی کر چکا ہے مگر اب یہ آخری ارادہ ہو گا۔"

"میں تمہیں آدمی بنانا چاہتی ہوں۔"

"بس بابا ہی رہنے دو۔ آدمی بننے کی تاب نہ لا سکوں گا۔" حمید نے پہلے تو ٹھنڈے دل سے کہا پھر تاؤ آگیا اور جھلا کر بولا۔ "ارے تم ٹھیکیدار ہو سارے زمانے کی۔ مجھ سے اس مسئلے پر گفتگو نہ کیا کرو۔ اب تو میں خود کو دنیا کی ہر جوان لڑکی کا بابا تصور کرنے لگا ہوں۔ خدا تمہیں غارت کرے۔"

"میں تمہیں انکل کی طرح کا آدمی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"اگر انکل آدمی ہے تو میں آدمیت کے مستقبل سے مایوس ہوں۔"

"تم جانتے ہی نہیں کہ آدمیت کس چڑیا کا نام ہے۔"

"میں چڑی مار نہیں ہوں۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"انکل کہاں ہیں۔"

"میں تمہارے انکل کی دم میں نہیں بندھا رہتا۔"

"بابا.... موڈ اتنا خراب کیوں ہے۔"

"بیٹھ جاؤ....." حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "میں تمہیں بتاؤں گا کہ کس طرح میری مٹی پلید ہو رہی ہے۔"

"ہوا کیا....!"

"بتاتا ہوں۔ مگر بتانے سے پہلے تمہیں آگاہ کردوں کہ تمہاری مٹی بھی اسی طرح پلید ہوگی۔ اسے لکھ لو۔ میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کہتا۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ شریف عورتوں کی طرح زندگی بسر کرو تو اس فن سے دور رہو، جو تمہیں تمہارا انکل اور میرا فادر سکھا رہا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کس قسم کی لڑکی ہو۔ تمہیں اپنے مستقبل کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں ہے۔"

"یہ مستقبل ہی کے لئے تو سب کچھ کررہی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میری پرورش کس ماحول میں ہوئی ہے۔ میں کسی شریف آدمی کی بیوی بن کر زندگی نہیں گذار سکتی کیونکہ شریف سے شریف آدمی بھی بیوی پر اپنی برتری ضرور جتاتا ہے اور میں کسی کی بھی برتری کی قائل نہیں۔ جرائم سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی ہے اس لئے میں یہی بہتر سمجھتی ہوں کہ اپنے پیروں پر کھڑی ہونے کی کوشش کروں۔"

"ارے تو اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر بھینسیں بھی چرا سکتی ہو۔ سراغ رسانی کا مشورہ کس گدھے نے دیا ہے تمہیں۔"

"نہیں..... یہ پیشہ مجھے بے حد پسند ہے۔ انکل کہہ رہے تھے کہ میں اس کے لئے بہت موزوں ہوں۔"

"انکل نے تو پچھلے سال ایک قوال سے بھی یہی کہا تھا اور دوسرے ہی دن وہ قوال اس حال میں دیکھا گیا کہ اس کا سر نیچے تھا اور ٹانگیں اوپر..... اے وا..... نیلم خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔ مجھے دیکھو..... کیا میں تمہیں پاگل معلوم ہوتا ہوں۔"

"صرف اُسی وقت جب اس قسم کی باتیں کرنے لگتے ہو۔"

"ہام.... اچھا.... اور انکل کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"انکل سپر مین ہیں۔"

"ہاں.... چلو.... یہ دیکھو.... کیا لکھا ہے۔"

حمید نے کاغذ کا ایک ٹکڑا نیلم کی طرف بڑھا دیا جس پر پنسل سے تحریر تھا۔

"آج قومی تہوار کا دن تھا۔ ہم سب خوش تھے اور مرجانہ ہمارے درمیان رقص کررہی تھی۔ بس یہی دل چاہتا تھا کہ نشے میں ڈوبتے چلے جاؤ۔"

نیلم نے بلند آواز سے اُسے پڑھا اور جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا سمجھیں؟" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں سمجھی.... یہ کیا بکواس ہے۔"

"تمہارے سپر مین انکل کی ہدایت ہے کہ میں اُن کی واپسی تک اسی کمرے میں بیٹھ کر اس عبارت پر غور کرتا رہوں۔"

"ہاں بے بی۔ میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں، خدا نے بڑا فضل کیا کہ تم بھی آگئیں۔ اب ہم دونوں مل کر اس عبارت پر غور کریں گے بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ تم مرجانہ کی طرح رقص شروع کردو اور میں رم کا ایک پیپہ منگوا کر اُس میں چھلانگ لگادوں۔"

"کیا یہ حقیقت ہے۔"

"بے بی ہوش میں آؤ ورنہ بابا اب تھپڑ رسید کردے گا۔"

"تب تو مجھے یقین ہے کہ اس عبارت میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہوگی۔"

"بے بی۔" حمید غرایا۔ "اگر تم نے آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس میں کوئی خاص بات نہ تلاش کی تو..... میں تو میں..... صبر کروں گا۔"

آخر میں اس کی آواز مردہ ہوگئی اور نڈھال سا ہو کر آرام کرسی میں گر گیا۔

"آخر معاملہ کیا ہے۔ کیس کیا ہے۔ تم کچھ بتاتے ہی نہیں، خواہ مخواہ اتنی دیر سے بور کررہے ہو۔"

"یہ کاغذ کا ٹکڑا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ درجنوں صفحات ہیں جن پر ایسی ہی تحریریں مجھ جیسے آدمی کو دن رات خودکشی پر مجبور کرتی رہتی ہیں۔ تمہارا انکل گڈ لارڈ خود بھی انہیں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور مجھے بھی بور کرتا ہے۔"

"تب تو میرا یقین اور پختہ ہوگیا ہے کہ اس میں کوئی خاص بات ہے۔"

"اچھا تو سنو..... کیا خاص بات ہے۔ آج صبح ہی سے مطلع ابر آلود رہا ہے۔ للی نے شوخ رنگ کی لپ اسٹک استعمال کی تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کچے چوہے چبا کر آئی ہو۔ میں کہتا ہوں للی تمہاری آنکھیں بہت حسین ہیں۔ وہ کہتی ہے..... اوں ہوں تم مجھے بے وقوف بنا رہے

ہو۔ میں کہتا ہوں، للی مجھ پر رحم کرو اور وہ مجھے اپنا سینڈل سونگھانے لگتی ہے، کاش وہ مجھے سمجھ سکتی۔ کاش وہ مجھے سمجھ سکتی۔ کاش وہ مجھے سٹیج کا مسخرہ سمجھ کر مجھ سے بے اعتنائی نہ کرتی وغیرہ وغیرہ بے بی۔ تمہارا انکل یہی سب کچھ پڑھتا ہے، کبھی اُس کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں اور کبھی وہ بھیڑیے کی طرح غراتا ہے.... بچالو.... بے بی.... خدا کے لئے مجھے بچالو۔"

حمید نے آنکھیں بند کر کے اس طرح دونوں ہاتھ آگے پھیلا دیئے تھے جیسے سچ مچ کسی حملہ کرتے ہوئے بھیڑیئے سے رحم کی بھیک مانگ رہا ہو۔

اتنے میں فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

"آہا.... نیلم تم آگئیں؟" اس نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"بھئی.... میں شدت سے تمہاری ضرورت محسوس کر رہا تھا۔"

"اوہ.... شکریہ.... انکل.... ڈیئر۔"

فریدی نے فلٹ ہیٹ میز پر ڈال دی اور کوٹ اتارنے لگا۔ نیلم نے بڑھ کر کوٹ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔ "بابا بے چارہ پاگل ہو گیا ہے۔"

"کب نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔

نیلم کوٹ ہنگر پر لٹکا کر حمید کو دیکھنے لگی، جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔

"کیوں؟" فریدی نے حمید سے غصیلی آواز میں پوچھا۔ "اُس تحریر سے کیا مطلب اخذ کیا۔"

"مطلب....!" حمید سر اٹھا کر ٹھنڈی سانس لیتا ہوا بولا۔ "آپ مرجانہ کو بلوا دیجئے۔ وہ یہاں ناچنا شروع کر دے اور مجھے دس بارہ بوتلیں وہسکی کی منگوا دیجئے۔ اگر مطلب نہ اخذ کر لوں تو گولی مار دیجئے گا۔"

"یہ سب کیا ہے انکل....!" نیلم نے حیرت ظاہر کی۔

"یہ کچھ نہیں.... تم بھی کوشش کرو۔"

"باس....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب تم کوشش کرو اور میں دوڑ کر آدھ سیر سنکھیا لے آؤں۔"

"نہیں تم باہر نہیں جا سکتے۔ ہر گز نہیں۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"کیوں؟"

"کیوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔"

"تو میں اب اپنی مرضی سے مر بھی نہیں سکتا۔"

"نہیں.... تم میری گود میں مرو گے اور میں اس لڑکی کو بُرا بھلا کہہ رہا ہوں گا جس کی ولت تمہیں موت نصیب ہوئی ہو گی۔"

"بعض لڑکیوں کے ابا میاں بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔" نیلم دیدے پھاڑ کر بولی۔ "کیوں ل....؟"

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ فریدی نے فون کا ریسیور اٹھا کر ویٹر طلب کیا۔

"دیکھئے تو انکل میں جب سے آئی ہوں اسی طرح بیٹھی ہوئی ہوں۔ نہ بابا نے لباس تبدیل نے کو کہا اور نہ چائے منگوائی۔"

"میں نے اسی لئے ویٹر کو کال کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے پائپ نہیں سلگایا بلکہ اُسے ایک طرف پھینک کر کھڑا ہو گیا۔ تیور بڑے خراب تھے، امعلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی پر حملہ کر بیٹھے گا۔ مگر اس کے بجائے اس نے اپنا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔

"ارے.... ہائیں.... بابا....!" نیلم اس کی طرف جھپٹی۔

"ہٹ جاؤ بے بی۔ آج میں تصفیہ کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا اور دوبارہ دیوار پر سر مارنے ہی رہا تھا کہ نیلم نے اس کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی۔

ٹھیک اُسی وقت کسی نے باہر دروازے پر دستک دی۔

نیلم نے حمید کی گردن چھوڑ دی اور حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے میز کے گوشے سے ٹک گیا۔

"آجاؤ....!" فریدی نے دروازے کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

ویٹر کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ یہ ایک تنومند آدمی تھا اور اس کے بازوؤں کی مچھلیاں آستینوں پر بھی اُبھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ مونچھیں گھنی اور اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ کافی کی ٹرے چھوٹی میز پر رکھ کر مڑا تو فریدی نے کہا۔ "ذرا سگار کا ڈبہ مجھے اٹھا دینا۔"

ویٹر نے بڑی میز سے سگار کا ڈبہ اٹھا کر بڑے ادب سے پیش کیا۔ فریدی کی نظر اُس کے

ہاتھوں پر تھی۔

"شکریہ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور ڈبہ ایک طرف رکھتا ہوا بولا۔ "تم یہاں کے سب سے زیادہ مالدار ویٹر ہو.... کیوں؟"

اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"اوہ.... کیوں جناب۔" ویٹر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"تمہارے بائیں ہاتھ کی دونوں انگوٹھیوں کے نگینے اصلی ہیں۔"

"اُرر.... اُو....!" ویٹر نے غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ پھر فوراً ہی سنبھالا لیا اور اکڑ کر بولا۔ "جی ہاں.... کیا ہیرے کی انگوٹھیاں صرف مالداروں ہی کا حصہ ہیں۔"

اس کا لہجہ غصہ دلانے والا تھا۔

"او گدھے کے بچے! میں تمہاری مونچھیں اکھاڑ لوں گا۔" حمید بگڑ گیا۔

"میں تمہیں اس کا مشورہ ضرور دوں گا۔" فریدی کا لہجہ حد درجہ سرد تھا۔

حمید نے ایک جھرجھری سی لی اور پھر اس نے فریدی کو بڑی پھرتی سے ریوالور نکالتے دیکھا۔

"نہیں تم اپنا ہاتھ جیب کی طرف نہیں لے جاؤ گے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

ویٹر نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

حمید نے نیلم کی آنکھوں میں عجیب سی چمک دیکھی اور اُسے اس بلی کی چمک یاد آ گئی جس نے تازہ شکار کیا ہو۔

"حمید اس کی مصنوعی مونچھیں کھینچ لو۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جناب۔" ویٹر تھوک نگل کر بولا۔

حمید نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے پر ہاتھ صاف کر دیا۔ مونچھیں مصنوعی ہی تھیں۔ اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "لاحول ولا قوۃ.... کاش یہ مونچھیں اصلی ہوتیں تب میں بتاتا کہ حجام کا احسان نہ لینے کا کیا طریقہ ہے۔"

"کیا جیب میں ریوالور رکھنا بھی ریجنٹ کے ویٹروں کے لئے ضروری ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حمید آگے بڑھ کر اس کی جیبیں ٹٹول رہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کی جیب میں ریوالور موجود تھا۔

"کیا تم اس کا لائسنس پیش کر سکو گے۔"

ویٹر اب بھی خاموش رہا۔

"میں تمہیں اس جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔"

دفعتاً ویٹر حمید سے لپٹ پڑا۔ حمید کے لئے یہ غیر متوقع تھا۔ اس لئے اُسے سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کے ہاتھ سے ویٹر کا ریوالور گر چکا تھا۔

"اب شوق سے گولی مار دو۔" ویٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ فریدی کے ریوالور کا رخ حمید کے سینے کی طرف تھا۔ نیلم ابھی تک ویٹر کے پیچھے خاموش کھڑی تھی اور ویٹر بھی اس کی طرف سے غافل تھا۔ اچانک نیلم نے اپنی انگلیاں اس کی گردن میں پیوست کر دیں۔ ویٹر جس نے حمید کی گردن پر قینچی لگا رکھی تھی بوکھلا گیا۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے ہوئے ہی تھے کہ حمید اس کی گرفت سے نکل گیا اور پھر تو اس کی شامت ہی آ گئی۔ حمید نے اُسے گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں وہ بے دم ہو کر گر پڑا۔

حمید کھڑا اپنے ہاتھ جھاڑ رہا تھا اور نیلم نے اتنا بُرا سا منہ بنا رکھا تھا جیسے اس کے اتنی جلدی بے ہوش ہو جانے پر اُسے بے حد مایوسی ہوئی ہو۔

کچھ دیر تک کمرے پر سکوت مسلط رہا پھر حمید جیب سے رومال نکال کر اپنے چہرے کو صاف کرتا ہوا فریدی سے بولا۔

"آج میں آپ کو ایک نئی راہ پر دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا؟"

"کیا مطلب....!"

"ظاہر ہے کہ یہ آدمی ہم لوگوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ آپ نے آج تک کسی ایسے آدمی پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ ہمیشہ ایسے آدمیوں کو پہچان لینے کے بعد ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔"

"ہاں.... اور پھر ان کے ذریعے سے اصل مجرم تک پہنچنے میں آسانی ہوتی تھی، لیکن حمید صاحب یہ معاملہ مختلف ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ آدمی اصل مجرم تک میری رہنمائی نہ کر سکے گا۔"

"یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔"

"وہ کاغذات جنہیں تم فضول سمجھتے ہو، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔"

"کس طرح۔"

"وہ کاغذات تھیٹر کے آرٹسٹوں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔"

"اسی لئے ان کی آپ کی نظروں میں اتنی اہمیت ہے، وہ کاغذات جو دلچسپی کے لئے مر والے کے حلقہ احباب میں علانیہ پڑھے جاتے تھے کسی بہت بڑے راز کے حامل تھے۔" حمید کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"ہاں انہیں درجنوں آدمی پڑھتے اور سنتے تھے کیونکہ تحریر میں بلا کی ادبی چاشنی موجود ہے انداز طربیہ اور رومانی ہے، کہیں کہیں تو ظالم نے نثر میں شاعری کر کے رکھ دی ہے مگر ا کاغذات میں ایسے پیغامات موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا اُس شخص سے واقف نہیں تھا جس کے لئے اُس نے وہ پیغامات ترتیب دیئے تھے، اسی لئے وہ کاغذات علانیہ پڑھے جاتے تھے اور ایسی جگہ رکھے رہتے تھے جہاں سے ہر ایک انہیں اٹھا کر پڑھ سکتا تھا اگر لکھنے والا ا شخص سے واقف ہوتا تو یہ طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ آدمی۔" فریدی ہوش ویٹر کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ "میں پچھلی رات سے اس کے پیچھے ہوں اور یہ غالباً ان کاغذات کے لئے ہماری نگرانی کرتا رہا ہے، جو ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ رات میں نے ا کوٹھری کی تلاشی لی تھی جس میں اس کا سامان رکھا ہوا ہے۔ مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔ وہاں سے نے دو تین ایسے ہی اوراق اور بھی برآمد کئے ہیں۔ یہ بھی پنسل ہی سے لکھے گئے ہیں اور طرز تح میں اُن کاغذات سے مختلف نہیں ہیں، جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہاں تو حمید صاحب! میرا خ ہے کہ جس گروہ کے لوگ پیغام رسانی کے لئے ایسے طریقے اختیار کرتے ہوں انہیں اس ش کے متعلق کیا معلوم ہوگا، جو ان پر حکومت کرتا ہے، لہٰذا یہ آدمی اس تک ہماری رہنمائی نہ کر گا۔ پھر کیوں نہ میں اسے اپنے کام میں لاؤں۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب ابھی نہ پوچھو۔ فی الحال اس پر کسی بوڑھے آدمی کا میک اپ کر دو۔ یہ ابھی ہوش ہے۔"

"مگر اس کے سر کے بال سیاہ ہیں۔"

"آنکھیں کھول کر دیکھو۔ یہ بال قطعی مصنوعی ہیں۔ یہ بھی نگار تھیٹر کے آرٹسٹوں میں

ہے۔ سر کے بال میک اپ ہی کے لئے عموماً صاف ہی رکھتا ہے۔"

"مگر انکل آپ یہ کیوں کر رہے ہیں۔" نیلم نے پوچھا۔ لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔

اسے مارو

لوسی ہیری کے قمار خانے میں خاموش بیٹھی تھی۔ آج اس نے جوا نہیں کھیلا تھا۔ بس تفریحاً ادھر آنکلی تھی۔ وہ شاید ادھر کا رخ بھی نہ کرتی مگر اس کے پُر اسرار سیکریٹری نے گفتگو کے دوران میں کہیں یہ کہہ دیا تھا کہ وہ آج رات کا کچھ حصہ ہیری کے قمار خانے میں بھی گزار دے گا۔ لہٰذا لوسی کے ادھر آنکلنے کی محرک دراصل یہی چیز ہوئی تھی۔ وہ اس کے متعلق سوچتی اور دریائے حیرت میں غوطے کھاتی رہ جاتی۔ اُسے اپنی خواب گاہ کا مینٹل پیس یاد آرہا تھا جسے وہ عرصہ سے دیکھتی آئی تھی، مگر اس حیرت انگیز بلب کی موجودگی میں بھی وہ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم کر سکی تھی، لیکن اس پُر اسرار نوجوان نے کتنی آسانی سے اس کا ایک نیا راز بھی دریافت کر لیا تھا۔ مگر وہ ٹیلی پرنٹر اور وہ پیغام! مگر وہ پیغام کس کے لئے تھا۔ کیا ڈیڈی کے لئے مگر ڈیڈی تو.... دنیا جانتی ہے کہ وہ کتنے دن پہلے مر چکے ہیں۔ پھر وہ پیغام کیسا۔ وہ سوچتی اور الجھتی رہی۔ پھر اس الجھن سے پیچھا چھڑانے کے لئے ہیری پر تاؤ کھانا شروع کر دیا جو کچھ ہی دیر پہلے اُسے بُرا بھلا کہہ گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ یہاں جوا کھیلے گی تو وہ اسے اٹھوا کر سڑک پر پھنکوا دے گا۔ وہاں بیٹھنے اور پینے پلانے پر اُسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لوسی نے اس کے سامنے شراب منگوائی تھی لیکن اس نے اس کے لئے کچھ نہیں کہا تھا۔

لوسی غصے میں پیتی ہی چلی گئی اور اُسے سچ مچ اچھا خاصہ نشہ ہو گیا اور پھر جب سیکریٹری سے ملاقات ہوئی تو وہ نشے ہی میں تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھا اور پلکیں جھکا کر مسکرائی۔ سیکریٹری اس وقت بھی اسی میک اپ میں تھا جس میں آج صبح اس سے ملاقات ہوئی تھی۔

"تم آگئے خان بہادر۔" وہ جھومتی ہوئی بولی۔

"مادام پلیز.... بھلا میں ان مونچھوں میں خان بہادر کیسے معلوم ہوتا ہوں۔"

"معلوم ہوتے ہو.... بیٹھ جاؤ اور میری بات سنو۔ اگر تم نے اس پر عمل نہ کیا تو میں تمہیں

ڈس.... مس کر دوں گی.... بالکل ڈس مس....!"

"کچھ کہہ کر بھی تو دیکھئے مادام.... مگر معاف کیجئے گا آپ اس وقت نشے میں ہیں۔"

"میں ہر وقت نشے میں رہتی ہوں، اس لئے معاف نہیں کر دوں گی۔ مارو آج ہیری کو ما
وہ اُلو کا پٹھا میری توہین کرتا ہے۔"

"آپ اُسے کسی لفافے میں بند کر کے میرے حوالے کر دیجئے۔ میں گھر لے جا کر اس
گھونٹ دوں گا۔"

"بزدل.... بکری کے بچے.... تم.... ڈس مس.... گٹ آؤٹ۔"

"اچھا سنئے.... میں ایک پھٹا پرانا جوتا ڈھونڈ لاؤں اور اسی طرح چھپ کر کہیں سے اُ
پھینک ماروں جیسے انڈے۔"

"انڈے کی ایسی کی تیسی.... جوتے کی ایسی کی تیسی۔ تم سب کے سامنے اسے للکار کر مارو
سیکریٹری نے ایک طویل سانس لی اور پھر بولا۔ "اچھا.... ٹھہریئے.... میں ایک مرتبا
انتظام کر لوں۔"

"کیوں مرتبان کیا کرو گے۔"

"جب اس کے آدمی میری چٹنی بنا دیں تو آپ نہایت احتیاط سے اسے مرتبان میں رکھ
گا۔ آئندہ کبھی کام آئے۔"

"اُو.... بزدل....!" لوسی دانت پیس کر بولی۔

"ٹھہریئے.... دیکھئے.... اُسے کیا ہو گیا ہے۔"

"کسے....!"

"ہیری کو....!"

ہیری اپنے آفس سے نکل کر ہال میں آیا تھا اور آفس کے دروازے کے قریب ہی
چاروں طرف گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ویسے اس کے چہرے پر پریشانی کے
صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

"جاؤ....!" لوسی دانت پیس کر آہستہ سے بولی۔ "مارو اُسے.... مارو.... ورنہ میں
مار بیٹھوں گی۔ یہیں سب کے سامنے اسے ذلیل کرو۔"

"ٹھہریئے.... دیکھئے.... وہ اسی طرف آ رہا ہے۔" سیکریٹری نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

ہیری اُن کی میز کے قریب پہنچ کر رک گیا تھا۔ لوسی نے بھی اُسے محسوس کر لیا۔ وہ سیکریٹری کو گھور رہا تھا۔

"یہ کون ہے بے بی۔" اُس نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"یہ....!" لوسی دانت پیس کر بولی۔ "میرا سیکریٹری ہے۔ میں اس سے کہہ رہی تھی....!"

"جی ہاں جناب.... میں نے عرض کیا۔" سیکریٹری جلدی سے بول پڑا۔ "تشریف رکھئے نا....!"

"او بد تمیز....!" لوسی غرائی۔ "تم خاموش رہو۔ مجھے گفتگو کرنے دو۔"

"یہ بہت زیادہ نشے میں ہیں جناب۔" سیکریٹری پھر بولا۔

"اُلو کے پٹھے.... تم خاموش نہیں رہو گے۔ مارو.... میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ مارو۔"

"بے بی! اس طرح شور مت مچاؤ ورنہ مجبوراً مجھے تم کو گھر بھجوانا پڑے گا۔"

"ارے تمہاری حقیقت کیا ہے۔" لوسی تن کر کھڑی ہو گئی۔ "میں تمہیں اپنے سیکریٹری سے پٹواؤں گی۔ وہ آج تم پر انڈے کی بجائے پھٹا پرانا۔"

"مادام.... مادام.... خدا کے لئے خاموش رہئے۔ آپ اتنے بڑے آدمی کی توہین کر رہی ہیں۔" سیکریٹری تقریباً رو کر بولا۔

"مادام کے بچے مارو اسے۔"

"لے جاؤ! اسے فوراً یہاں سی لے جاؤ۔" ہیری نے سیکریٹری کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"میرے سیکریٹری کو کیوں جھنجھوڑتا ہے اُلو کے پٹھے۔" لوسی چیخی۔

دفعتاً ہیری نے الٹا ہاتھ اسکے منہ پر رسید کر دیا اور وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گئی۔

"یہ آپ نے کیا کیا۔" سیکریٹری لوسی کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ اب اُسے بھی غصہ آ گیا تھا۔

لوسی خود ہی اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی اور اس کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

"تم اندھے ہو۔" سیکریٹری غرایا۔ "کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ مادام نشے میں ہیں۔"

"نشے کے بچے اب تم دونوں چپ چاپ کھسک جاؤ، ورنہ یہاں سے زندہ نہ جا سکو گے۔"

"ہیری.... اب میں تمہیں ضرور ماروں گا۔"

"کیا....!" ہیری حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"میں تمہیں ماروں گا.... تم نے مادام کی توہین کی ہے۔"

ہیری اس پر جھپٹ پڑا، لیکن سیکریٹری نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر چھلانگ لگا دی۔ ہیری اچھل کر منہ کے بل دور جا پڑا۔ پھر سیکریٹری نے اسے اٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ اس کی پشت پر کھڑا تھا۔ دو تین بار وہ اس پر اچھلا اور پھر دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔ ساتھ ہی اس کے ریوالور سے ایک شعلہ بھی نکلا۔ گولی ہال کے ایک بلب پر پڑی اور تاریک ہوگیا۔

شور وغل کا کیا پوچھنا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے یا تو زمین پھٹ گئی ہو یا آسمان ٹوٹ پڑا ہو۔ اندھیرے میں لوگ ایک دوسرے سے ٹکرا کر چیخ رہے تھے۔

ان غیر متوقع قسم کے ذہنی جھٹکوں کی بناء پر لوسی کا نشہ بالکل ہی زائل ہو چکا تھا۔ اس نے سوچا اگر ہیری کے آدمیوں نے دروازے بند کر دیئے تو شامت ہی آجائے گی۔ وہ جانتی تھی اس موقع پر ہیری کو کیپٹن کریگ سے اپنی دوستی ہرگز نہ یاد آئے گی۔ وہ اس قسم کا آدمی تھا جھلاہٹ میں اپنے باپ کو بھی قتل کر سکتا تھا۔

"اے.... وہ کتیا لوسی یہیں ہے۔" اس نے اندھیرے میں ہیری کی غراہٹ سنی اور ٹھنڈا پسینہ اس کے جسم سے پھوٹ نکلا۔ لیکن اس موقع پر بھی اُس نے حاضر دماغی ہی کا ثبوت دیا۔ اُسے یاد آیا کہ بائیں جانب سرے پر دیوار سے لگا ہوا عمارت کا عقبی پھاٹک ہے، جسے لو... سلاخوں کے جال سے مسدود کر دیا گیا ہے لیکن جال زمین سے تقریباً نو یا دس انچ اونچا ہے۔

وہ بہت تیزی سے دیوار تک پہنچی اور اسی کے سہارے آگے بڑھتی رہی۔ اس بھگدڑ میں تک کہیں ٹارچ کی روشنی بھی نہیں نظر آئی تھی۔

وہ سلاخوں والے پھاٹک تک پہنچ گئی اور پھر اُسے زمین پر لیٹ کر اس کے نیچے سے نکلنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

گلی بھی تاریک پڑی تھی لیکن اس نے سڑک کا رخ کرنے کی بجائے گلیوں ہی میں مناسب سمجھا۔ اُسے خود پر غصہ آرہا تھا۔ آخر اس نے وہاں اتنی زیادہ پی کیوں تھی۔ اگر پی ذہن کو قابو میں رکھتی۔

اس کے لئے یہ پہلا موقع تھا جب وہ اس طرح بہک گئی تھی۔ اُسے ہیری کا تھپڑ یاد آیا اور وہ آگ ہوگئی۔

کچھ دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ گلیوں کے جال میں الجھتی ہی جارہی ہے جس گلی میں بھی اس توقع پر مڑتی کہ وہ اسے سڑک تک لے جائیگی اس کا اختتام کسی دوسری گلی پر ہوتا، اسے پھر دائیں یا بائیں مڑنا پڑتا۔ اُسے کبھی شہر کی گلیوں میں بھٹکنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ خائف بھی تھی اور الجھن میں بھی مبتلا ہوگئی تھی۔

مگر اُسے بچ کر نکل آنے پر اتنا اطمینان تھا کہ اس نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز بھی نہیں سنی تھی حالانکہ کوئی اس کا تعاقب اُسی وقت سے کر تا رہا تھا جب وہ سلاخوں کے جال کے نیچے سے نکل کر گلی میں آئی تھی۔

اچانک ایک بار اس کا ذہن ان آوازوں کی طرف متوجہ ہوگیا اور پھر اُسے خیال آیا کہ وہ تو قدموں کی آوازیں شاید بہت دیر سے سن رہی ہے۔

غیر ارادی طور پر اس نے مڑ کر دیکھا اور ٹھٹک گئی۔ وہ اتنی بھی دلیر نہیں تھی کہ اس آدمی کو دیکھ کر وہ چونک نہ پڑتی۔ کیونکہ وہ ان گلیوں اور شکستہ مکانات کا باشندہ نہیں معلوم ہوتا تھا اور میونسپلٹی کی لالٹین کی دھندلی روشنی میں بھی اُس کا سیاہ سوٹ صاف نظر آرہا تھا۔

لوسی ٹھٹکی ہی تھی کہ آنے والے کی رفتار کچھ اور تیز ہوگئی اور پھر وہ اس کے قریب آکر رک ہی گیا۔ اُسی نے پیشانی پر جھکا ہوا فلٹ اوپر اٹھایا اور لوسی ایک تحیر زدہ سی آواز کے ساتھ دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

یہ کرنل فریدی تھا اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی لیکن آنکھیں چونکہ پھر فلٹ ہیٹ کے گوشے کی چھاؤں میں آگئی تھیں اس لئے لوسی اندازہ نہ کر پائی کہ اس مسکراہٹ کا مقصد کیا تھا۔ وہ مسکراہٹ اس کی بے بسی پر مسرت کا اظہار تھی یا اس مسکراہٹ میں طنز تھا۔ بہر حال کچھ بھی ہو زیادہ دیر تک اس مسئلے پر غور نہیں کیا جاسکتا تھا۔

"چلتی رہئے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ ان گلیوں سے ناواقف ہیں۔"

"جی.... جج.... جی ہاں....!" لوسی ہکلائی۔

"میرے لئے بھی یہ گلیاں نئی ہیں، مگر میرا خیال ہے کہ اگر ہم بائیں جانب والی گلی میں چلتے

رہیں تو شاید سڑک تک پہنچ جائیں۔"

"میں اتفاقاً ادھر سے گذرا تھا۔ آپ کو اس طرح باہر آتے دیکھا تو خواہ مخواہ حقیقت معلو کرنے کو دل چاہا۔"

"میری ذات سے وہاں فساد ہو گیا تھا۔ میں نشے میں تھی۔ میں نے ہیری کو بُرا بھلا کہا، بھی زیادتی پر آمادہ ہو گیا۔ اس لئے میرے سیکریٹری نے اس کی پٹائی کر دی۔ وہ تنہا تھا اس لئے اس کے بعد وہاں نہیں رکا۔"

لوسی نے کرنل کو بتایا کہ کس طرح وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا ہو گا اور کس طرح خو اس نے اپنی جان بچائی تھی۔

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔" فریدی نے کہا۔ لیکن لوسی نے اس کے لہجے کے طنزیہ اندا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگائی۔

وہ کچھ دور تک خاموشی سے چلتے رہے پھر لوسی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "آپ میر ڈیڈی کی موت کے متعلق تفتیش کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں....!"

"مگر ان کا ہارٹ فیلیور ہوا تھا۔"

"ٹھیک ہے ہارٹ فیلیور کی بہتیری وجوہات ہو سکتی ہیں۔ بہتیرے زہر ایسے ہیں جن ک شناخت ناممکن ہے اور اُن کا ردعمل بھی ہارٹ فیلیور ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔"

"ہاں جناب۔ میں جانتی ہوں۔ ڈیڈی کبھی اتنی زیادہ نہیں پیتے تھے کہ شراب کی مقدار دل بُرا اثر ڈال سکے۔"

"میں سام کریگ سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔"

"آپ کیوں نہ جانیں گے۔" لوسی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"کیا کریگ نے حال میں کوئی شرکت کا بزنس کیا تھا۔ میں آپ سے یہ سوال دوسری با کر رہا ہوں۔"

"میں ہر بار یہی عرض کروں گی کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ وہ مجھ سے کبھی اپنے کاروبار متعلق گفتگو نہیں کرتے تھے۔"

"ہوں کیپٹن کریگ ایک اچھا انجینئر بھی تھا.... کیوں؟"

"افسوس کہ وہ بہت کچھ تھے، لیکن انہوں نے مجھے کچھ بھی نہ دیا۔"

"کیوں.... اُس کی وارث تو آپ ہی ہیں۔"

"جی ہاں، مجھے خجالت اور شرمندگی ورثے میں ملی ہے۔"

"خیر چھوڑیئے.... ہاں تو.... ہیری سے بگاڑ پیدا کرنے کا نتیجہ تو جانتی ہی ہوں گی۔"

"میں جانتی ہوں کہ آج کی رات میرے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہے۔"

"ایسا بھی کیا۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "اب آپ کو تنہا چھوڑنا موت کے منہ میں وڑنے کے مترادف ہوگا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ ہے کہ آپ کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا۔ آپ مجھے ایک رپورٹ ہیری کے ف لکھ کر دے دیجئے۔ پھر میں سب کچھ سمجھ لوں گا۔"

لوسی کچھ نہ بولی پھر تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "میری کار وہیں رہ گئی ہے۔"

"اس کی فکر بھی مت کیجئے۔ وہ بھی آپ تک پہنچ جائے گی۔"

"میں ایک بُرے آدمی کی لڑکی ہوں۔ آخر آپ اتنی مہربانی سے کیوں پیش آ رہے ہیں۔"

"بُرے آدمی کی لڑکی ہونا بُرا نہیں ہے، لیکن اگر بُرے آدمی کی لڑکی بھی بُری بننے کی شش کرے تو وہ اس بُرے آدمی سے بھی زیادہ بُری سمجھی جائے گی۔"

"اور میں حقیقتاً بُری بننے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"یہ آپ جانئے.... مجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ میں اس مسئلہ پر آپ کو کوئی رائے ے سکوں۔"

سب کچھ غائب

لوسی کچھ نہیں بولی۔ اب وہ پھر شراب کی ضرورت محسوس کر رہی تھی، نہ جانے کیوں یدی سے گفتگو کرتے وقت اُس کی زبان لڑکھڑانے لگتی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ وہسکی کا ایک

بڑا ایک اس کمزوری پر قابو پانے میں مدد دے سکتا ہے۔

"ظاہر ہے کہ رپورٹ کے لئے مجھے آپ کے گھر تک چلنا پڑے گا۔"

"جج.... جی ہاں.... مگر آپ اتنی تکلیف کریں گے۔"

"ہاں.... یہ میرے فرائض میں داخل ہے۔"

لوسی پھر خاموش ہوگئی۔ پہلے تو اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی بات بات پر اس پر طنز کر رہا ہو لیکن پھر اسے اپنی غلط فہمی پر افسوس ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذہن میں بیٹھے ہوئے چور ہی نے اُسے یہ سوچنے پر مجبور کیا ہو۔

کچھ دیر بعد وہ ایک سڑک پر پہنچ گئے اور لوسی کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ اپنی کوٹھی سے زیادہ دور نہیں ہے۔

"ہاں.... آپ نے اپنے کسی سیکریٹری کا تذکرہ کیا تھا۔" فریدی بولا۔ "وہ کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں.... میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ نکل گیا یا وہیں پھنس گیا۔"

"یقیناً بڑے دل گردے کا آدمی ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہیری کے قمار خانے میں کسی قسم کا ہنگامہ برپا کرنا آسان کام نہیں ہے۔"

"وہ ایک پُر اسرار آدمی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ عجیب و غریب حالات میں مجھ سے ملا تھا۔" لوسی نے کہا اور سیکریٹری کی داستان چھیڑ دی۔ وہ کس طرح اُس سے ہیری کے قمار خانے ہی میں ملا تھا اور کس طرح اس نے وہاں ہنگامہ برپا کر کے ایک بڑی رقم اڑا لی تھی۔

جب وہ خاموش ہوئی تو فریدی نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اُس پر کیسے اعتماد کر لیا۔"

"وہ سارے روپے اب بھی میرے ہی پاس موجود ہیں اور وہ برابر تقاضہ کرتا رہتا ہے کہ یہ روپے ہیری کو واپس بھجوا دیے جائیں۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اکثر فراڈ قسم کے لوگ اس سے بھی زیادہ بڑی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔"

"اب جو کچھ بھی ہو۔ پتہ نہیں کیوں میرے دل نے کہا تھا کہ اس پر اعتماد کر لو۔" وہ کوٹھی

اخل ہوئے۔ نشست کے کمرے میں فریدی کو بٹھا کر لوسی اپنی خواب گاہ میں آئی۔ یہاں ٹری موجود تھا۔

"اوہ.... تم.... پہنچ گئے.... مگر تمہاری مونچھیں۔"

"وہ وہیں رہ گئیں۔" سیکریٹری نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"مگر یہ کیا گدھا پن ہے۔ تم میری خواب گاہ میں کیوں چلے آتے ہو۔"

"خواب گاہ میں اس لئے آتا ہوں مادام کہ ممکن ہے کوئی نئی چیز ہاتھ آئے، اب دیکھئے نا آپ وہ بلب اور ہندسوں کی پلیٹ ہی دیکھا کرتی تھیں اور میں نے ایک ٹیلی پرنٹر بھی دریافت ہو سکتا ہے کہ اسی طرح میں وہاں بھی جا پہنچوں جہاں سے یہ بلب روشن ہوتا ہے۔"

"مگر کرنل فریدی کا خیال ہے کہ تم فراڈ ہو۔"

"کیا مطلب.....!" سیکریٹری یک بیک چونک پڑا۔ "وہ میرے متعلق کیا جانے۔"

"میں نے بتایا تھا۔"

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا مادام۔ خیر اب آپ مجھے فوراً ڈس مس کر دیجئے تاکہ میں آپ اتھ کسی قسم کا فراڈ نہ کر سکوں۔"

"مگر میں نے تو نہیں کہا کہ تم فراڈ ہو۔" لوسی مسکرائی۔

"آپ بھی کہنے لگیں گی۔"

وسی کچھ نہ بولی۔ اُس نے میز پر سے رائٹنگ پیڈ اور فاؤنٹین پن اٹھائے۔

"کرنل فریدی اسٹڈی میں موجود ہے۔" اُس نے کہا۔ "میں اُسے ہیری کے خلاف ایک ن دینے جا رہی ہوں۔"

"یہ اس وقت کہاں سے ٹپک پڑا۔" سیکریٹری بوکھلا کر بولا۔

وسی نے اُسے اس کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ "میں سوچتی ہوں کیوں نہ اُسے اس بلب اور ٹر کے متعلق بتا دوں۔"

"آپ مجھ سے زیادہ عقلمند ہیں۔" سیکریٹری نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر لاپروائی سے جیسا آپ کا دل چاہے۔"

"تم بھی چلو.... میں تمہیں اس سے ملاؤں گی۔ اتنا شریف آدمی آج تک میری نظروں

سے نہیں نہیں گذرا۔"

"میں قطعی نہیں ملنا چاہتا۔ روز ایسے سینکڑوں شریف آدمی میری نظروں سے گذرتے رہتے ہیں۔"

"تب تو میں یہی سمجھوں گی کہ تم سچ مچ فراڈ ہو۔"

"مجھے فوراً ڈس مس کیجئے.... میں جارہا ہوں۔"

"ڈس مس کے بغیر بھی تم جاسکتے ہو۔" لوسی نے غصیلے لہجے میں کہا اور پیر پٹختی ہوئی خواب گاہ سے نکل آئی۔

خواب گاہ میں جاتے وقت وہ ایک ملازم سے کہتی گئی تھی کہ اسٹڈی میں وہسکی اور سوڈا پہنچا دیئے جائیں۔ اسٹڈی میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ بوتل اور گلاس جوں کے توں رکھے ہوئے ہیں۔

"ارے آپ یونہی بیٹھے ہوئے ہیں، جناب!" لوسی نے حیرت سے کہا۔ "یہ خانہ بے تکلف ہے۔"

"مگر میں شراب نہیں پیتا۔"

"نہیں....!" اس بار لوسی کے لہجے میں حقیقتاً حیرت تھی۔

"جی ہاں.... میں نہیں پیتا۔"

"ارے تفریحاً تو کبھی کبھی پیتے ہی ہوں گے۔"

"کبھی نہیں.... اگر آپ رپورٹ لکھنے میں جلدی کریں تو بہتر ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... مگر مجھے معاف کیجئے گا میں شراب کے بغیر ایک سطر بھی نہ لکھ سکوں گی۔"

"آپ پی سکتی ہیں۔"

"شکریہ۔"

لوسی نے گلاس میں وہسکی انڈیلی، سائفن سے سوڈا لیا اور دو تین چسکیاں لینے کے بعد سنبھالتی ہوئی بولی۔

"کیا لکھ دوں۔"

"جو آپ کا دل چاہے اگر میں کہیں ضرورت سمجھوں گا تو آپ کو رائے دے دوں گا۔"

لوسی لکھنے بیٹھ گئی۔ فریدی غور سے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا اور لوسی لکھنے

اس کا قلم تیزی سے کاغذ پر چل رہا تھا کبھی کبھی وہ ایک چسکی کے لئے رک بھی جاتی تھی۔

دیر بعد اس نے رائیٹنگ پیڈ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

ریدی اُسے پڑھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے رائیٹنگ پیڈ اپنے زانوؤں پر رکھتے ہوئے ایک سانس لی اور پھر بولا۔ "کیا یہ حقیقت ہے کہ کوئی گمنام آدمی آپ کو فون پر کوٹھی چھوڑ دینے ہ دیتا رہا ہے۔"

جی.... ج.... دیکھئے۔" لوسی پھر ہکلائی، لیکن اس بار اس نے پورا گلاس حلق میں انڈیل ے کے طور پر اُسے بُرے بُرے منہ ضرور بنانے پڑے، لیکن تھوڑی دیر بعد وہ محسوس لگی اور کہ اب وہ بے جھجکھو کر فریدی سے گفتگو کر سکے گی۔

کیا کوئی گمنام آدمی حقیقتاً آپ کو دھمکیاں دیتا رہا ہے۔"

جی ہاں....!"

لیکن آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔"

میں بھول گئی تھی۔"

کیا آپ کو شبہ ہے کہ وہ گمنام آدمی ہیری ہی ہوگا۔"

"قطعی نہیں.... ہیری کو کیا پڑی ہے۔ یہ تو میں نے اپنی رپورٹ میں زور پیدا کرنے کے ہ دیا ہے۔"

"ہیری سے کریگ کے کیسے تعلقات تھے۔"

"میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ویسے ہیری کہتا ہے کہ ڈیڈی اس کے دوست تھے۔"

"اسی لئے وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ اس کے قمار خانے میں جائیں۔"

"جی ہاں۔"

"کبھی ان دونوں نے شرکت میں کوئی بزنس کیا تھا۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ڈیڈی مجھ سے اپنے بزنس کی باتیں نہیں کرتے تھے۔"

"اچھی بات ہے، میں دیکھوں گا لیکن.... آخر کوئی آپ سے عمارت کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔"

"م.... میں.... نہیں سمجھ سکتی۔" وہ پھر ہکلانے لگی اور اس نے دوسرا گلاس لبریز کیا۔

فریدی غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ لوسی دوسرا گلاس خالی کر چکی تھی۔

"نہیں تو.... میں کچھ بھی نہیں چھپا رہی ہوں۔"

"اچھا کیا.... آپ مجھے اس عمارت کو دیکھنے کی اجازت دیں گی۔"

"کیوں؟"

"بس یونہی.... ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی آپ کے والدین کی موت پر کچھ پڑ سکے۔"

"میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔" لوسی نے کہا۔ "اُسے یاد آ گیا تھا کہ سیکر شروع ہی سے اس کی مخالفت کرتا رہا ہے۔ اگر سیکریٹری کا خیال نہ ہوتا تو وہ فریدی کو اجازت دے دیتی۔"

"دیکھئے اس کی ایک دوسری صورت بھی ہے کہ میں عدالت سے تلاشی کا وارنٹ کرلوں۔"

"آپ یہ کریں گے۔"

"مجبوراً.... ورنہ میں خواہ مخواہ دوسروں کو پریشان کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"میں نے آپ سے کب کہا تھا کہ میری مدد کیجئے۔"

"میں افراد کی نہیں بلکہ قانون کی مدد کرنے کے لئے اس عہدے پر فائز کیا گیا ہوں۔"

"قانون کو میری کوٹھی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"وہی جو کسی نامعلوم آدمی کو ہو سکتی ہے۔"

"کسی نے بھی مجھے دھمکی نہیں دی تھی۔ میں اس وقت نشے میں ہوں۔"

"آپ نشے میں ہرگز نہیں ہیں۔ آپ کو نشے کے معاملے میں خود پر قابو حاصل ہے۔"

"کچھ بھی ہو.... میں آپ کو کوٹھی کی تلاشی ہرگز نہیں لینے دوں گی۔"

"خیر ٹالئے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور قدرے توقف کے ساتھ بولا۔ "چلئے فون کر کے یہاں کے لئے کم از کم تین مسلح کانسٹیبل کو بلوا ہی لوں۔"

"شکریہ۔"

فون وہیں اسٹڈی میں تھا۔ فریدی نے کوتوالی کے نمبر ڈائیل کئے اور فوری طور پر تین مسلح ٹیبل طلب کر لئے۔ پھر وہ اس وقت تک وہیں بیٹھا رہا۔ جب تک کہ تین مسلح کانسٹیبل وہاں ں پہنچ گئے۔ اس کے بعد وہ بڑے شریفانہ انداز میں رخصت ہو گیا۔

لوسی اپنی خواب گاہ میں واپس آئی ہی تھی کہ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔ نکہ سامنے والی دیوار سے مینٹل پیس غائب تھا اور دیوار بالکل سپاٹ پڑی تھی وہ بوکھلا کر چاروں ف دیکھنے لگی۔ شاید اسے شبہ ہوا تھا کہ وہ کسی دوسرے کمرے میں آ گئی ہے مگر وہ سو فیصدی وہی ہ تھا جس کے مینٹل پیس کے ایک گوشے پر سرخ رنگ کا بلب نظر آیا کرتا تھا۔ مگر مینٹل پیس؟ ا کہاں؟ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھی اور دیوار ائزہ لینے لگی۔ کہیں ہلکا سا نشان بھی نہیں دکھائی دیا جیسے اس دیوار پر کبھی مینٹل پیس رہا ہی نہ ۔ وہ کچھ ایسے خوفزدہ انداز میں کمرے سے نکل کر بھاگی جیسے سچ مچ وہاں کوئی بھوت نظر آ گیا ہو۔

حیرت

وہ اسی طرح دوڑتی ہوئی زینوں تک آئی مگر پھر رک گئی۔ اس کا چہرہ پسینے کی ننھی ننھی بوندوں ، ڈھکا ہوا تھا اور سانس نتھنوں سے اس طرح خارج ہو رہی تھی، جیسے نتھنے معمول سے کچھ ٹے ہو گئے ہوں۔ دل کی دھڑکن سر میں ٹھوکریں مار رہی تھی۔ اس نے اپنے خشک ہوئے حلق ، نیچے تھوک اتارنا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

پھر آہستہ آہستہ وہ خود پر قابو پاتی گئی۔ رومال سے چہرے کا پسینہ خشک کیا۔ بلاؤز سے سگریٹ یکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگایا اور جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔

اُسے فریدی کا جملہ یاد آیا۔ اس نے کہا تھا کہ سام کریگ ایک اچھا انجینئر بھی تھا تو کیا یہ ممکن تا ہے کہ ڈیڈی نے اس عمارت پر اپنی مہارت صرف کی ہو۔ مگر کیوں؟ مقصد؟ لیکن آج سے لے اُسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ ڈیڈی انجینئر بھی تھے، آخر اس عمارت سے کون سا راز وابستہ ۔ ڈیڈی اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن خواب گاہ کی دیوار میں پوشیدہ ٹیلی پرنٹر پر اب بھی پیغامات صول ہوتے ہیں۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ پیغامات ڈیڈی کے لئے نہ ہوں، مگر کیا پیغام بھیجنے

والے کو ان کی موت کا علم نہیں ہے، مگر یہ کیسے ممکن ہے۔ ڈیڈی تو بہت مشہور آدمی تھے۔ ان کی موت کی خبر سارے ملک کے اخبارات میں شائع ہوئی تھی.... لہٰذا وہ پیغام یا تو کسی دوسرے ملک سے موصول ہوا تھا.... یا پھر.... لیکن اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں ہو سکتی۔ یقیناً پیغام کسی دوسرے ملک سے آیا تھا مگر اس کا مطلب کیا تھا۔ پیغام یہی تو تھا کہ تشویش غلط تھی؟ کس چیز میں سر مو فرق نہیں ہے۔ تین ہزار دو سو عدد کون سی بلائیں ہیں، جو نکالی گئی ہیں۔

لوسی سوچتی رہی اور سگریٹ کے کش پر کش لیتی رہی۔ وہ خیالات میں اس طرح کھوئی ہوئی تھی کہ اسی جگہ جم کر رہ گئی۔ دفعتاً اس نے خواب گاہ کے دروازے پر سے ہلکے دھوئیں کے مرغولے سے نکلتے دیکھے۔ ایک بار پھر اس کا دل بہت زور سے دھڑکا مگر پھر اس طرح ساکن ہو گیا جیسے ڈوبتے کو کنارہ مل گیا ہو کیونکہ خواب گاہ سے سیکریٹری برآمد ہوا تھا اور اس کے ہونٹوں میں سگریٹ دبا ہوا تھا۔

لوسی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر اُسے گھورنے لگی۔

”اوہ.... مادام....!“ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

”تم کہاں تھے!“ لوسی نے سرد لہجے میں پوچھا۔

”پچھلی کھڑکی سے نیچے گیا تھا۔“

”مجھے آمد و رفت کا یہ طریقہ بالکل پسند نہیں ہے۔“

آپ دیکھ رہی ہیں محترمہ کہ میں اپنی مونچھیں ہیری کے قمار خانے میں چھوڑ آیا ہوں، لہٰذا مجھے نوکروں سے چھپ کر یہاں آنا پڑا تھا۔ میں اپنی اصلی شکل میں اب آپ کے علاوہ اور کسی کے سامنے نہیں آنا چاہتا۔

لوسی چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر بولی ”چلو.... کمرے میں.... واپس چلو۔“

”چلئے مادام....!“ وہ مؤدبانہ انداز میں ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیتا ہوا بولا۔

لوسی آگے بڑھی اور وہ اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔

لوسی تیر کی طرح مینٹل پیس کی طرف گئی۔ مینٹل پیس دیوار ہی پر موجود تھا۔ وہ سیکریٹری کی طرف مڑی۔

”تم جھوٹے ہو۔“ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

”میں اپنے لئے یہ جملہ پہلی بار سن رہا ہوں۔“

”اگر تم نے ذرہ برابر بھی جھوٹ بولا تو بُری طرح خبر لوں گی۔ بتاؤ تم کہاں تھے۔“

”میں نیچے تھا محترمہ....!“

”جب تم نیچے گئے تھے تو یہ مینٹل پیس کہاں تھا۔“

”کیا....؟“ سیکریٹری آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”مینٹل پیس کہاں تھا۔“ وہ اُسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے لوسی کا دماغ چل گیا ہو۔

”ہاں مینٹل پیس، میں ابھی کچھ دیر پہلے یہاں آئی تھی تو یہ موجود نہیں تھا۔“

”آپ کو یقین ہے کہ آپ نے اچھی طرح دیکھا تھا۔“

”مجھے یقین ہے۔“

”تب تو محترمہ مجھے فوراً ڈس مس کر دیجئے۔ میں اب اس عمارت میں قدم نہیں رکھوں گا۔ اُفوہ کس جنجال میں پھنس گیا۔ نہیں مجھ سے آپ کی ملازمت نہیں ہو سکے گی۔“

”تم فراڈ ہو۔“

”یہ آپ پہلے بھی کہہ چکی ہیں۔“

”تم وہی آدمی ہو جو مجھے اکثر فون پر کوٹھی خالی کر دینے کا مشورہ دیتا رہا ہے۔“

”یہ دوسری ہوئی.... میں تو بے موت مر گیا محترمہ۔“

”بتاؤ.... تم کون ہو۔“

”میں آپ کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں محترمہ۔“

”میں تمہیں ابھی پولیس کے سپرد کئے دیتی ہوں۔“

”لیکن اس سے پہلے آپ کو مجھے ڈس مس کرنا پڑے گا اور جب میں آپ کا ملازم نہ رہوں گا پھر مجھے آپ کا گلا گھونٹ دینے سے کون روک سکے گا۔“

”میرا وقت برباد نہ کرو۔“ لوسی نے خشک لہجے میں کہا۔ ”میں تمہیں صرف پانچ منٹ دیتی ہوں، نیچے تین مسلح کانسٹیبل موجود ہیں جنہیں کرنل فریدی میری حفاظت کے لئے چھوڑ کر گیا ہے۔“

”میں یقین نہیں کر سکتا۔“

"ٹھہرو.... میں انہیں یہیں بلوائے لیتی ہوں۔" لوسی نے گھنٹی کے بٹن کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میری بھی تو سنئے۔" سیکریٹری اس کے اور میز کے درمیان آتا ہوا بولا۔ "آپ نے اچھا نہیں کیا، جو کانسٹیبلوں کو یہاں بلوایا ہے.... آپ پچھتائیں گی۔"

"تمہاری بلا سے۔ ہٹو ایک طرف۔" لوسی نے جھلا کر کہا لیکن سیکریٹری جہاں تھا وہیں رہا۔ اس طرح اس نے اُسے گھنٹی کا بٹن دبانے سے روک دیا۔

"آپ کا موڈ بہت زیادہ خراب معلوم ہوتا ہے کیا میں آپ کے لئے وہسکی انڈیلوں۔"

"نہیں.... بس تم سامنے سے ہٹ جاؤ۔ میں کانسٹیبل کو یہاں بلانا چاہتی ہوں۔"

"ضرور بلایئے۔" سیکریٹری نے لاپروائی سے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ مگر لوسی کا ہاتھ اس کے باوجود بھی گھنٹی کے بٹن تک نہ پہنچ سکا۔

"چلئے! دبایئے نا بٹن۔ میں اب آپ سے رحم کی بھیک نہ مانگوں گا۔"

لوسی نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"ہاں.... بولئے.... پھر آپ کیا کہتی ہیں۔ مجھے ڈس مس کریں گی یا نہیں۔"

"نہیں۔!" لوسی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "جہنم میں جاؤ۔"

"حقیقتاً وہ جہنم ہی تھا.... کتنی گرمی تھی۔ میرے خدا۔"

"کہاں....!"

"جہنم میں.... اور جہنم اسی کمرے کے نیچے ہے میں نیچے گیا تھا محترمہ.... یقین کیجئے۔"

سیکریٹری مسکرا رہا تھا۔

"کیا مطلب....!"

"اس کمرے کے نیچے.... کیا آپ میرے ساتھ چلیں گی۔"

"بکواس مت کرو.... ٹھیک ٹھیک بتاؤ کیا کر رہے ہو۔"

"آپ اُدھر منہ کر کے کھڑی ہو جایئے۔" سیکریٹری نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ مینٹل پیس ابھی پل بھر میں غائب ہو جائے گا۔"

لوسی غیر ارادی طور پر دوسری طرف مڑ گئی، ساتھ ہی اس نے ایک ہلکا سا کھٹکا سنا۔

"دیکھئے.... ادھر دیکھئے....!" سیکریٹری نے کہا۔

لوسی مضطربانہ انداز میں مڑی۔ مینٹل پیس سچ مچ غائب تھا۔

"اور اب اپنی مسہری کے نیچے جھانکئے۔"

مسہری کے نیچے تقریباً چار فٹ لمبی اور تین فٹ چوڑی خلاء فرش پر نظر آنے لگی تھی۔ یہ تاریک نہیں تھی بلکہ اس میں ہلکی سی روشنی بھی موجود تھی۔

"اب دیکھئے میں نیچے جا رہا ہوں۔ آپ کا دل چاہے تو آپ بھی آیئے۔ بڑی صاف ستھری جگہ ہے۔ مگر گرمی خدا کی پناہ...." سیکریٹری نے کہا اور مسہری کے نیچے رینگ گیا۔ لوسی دروازے کی طرف جھپٹی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد اس نے عقبی کھڑکی بھی بند کی اور مسہری کے نیچے رینگ گئی۔

خلاء اب اچھی طرح روشن ہو گئی تھی اور لوسی کو زینے صاف نظر آ رہے تھے، جو نہ معلوم کتنی گہرائی میں چلے گئے تھے۔

"سیکریٹری....!" اس نے آواز دی۔

"آ جایئے.... آ جایئے۔" نیچے سے ایسی ہی آواز آئی جیسے کوئی کنوئیں میں بول رہا ہو۔

لوسی زینوں پر اُتر گئی۔ پھر بائیس سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اس کے پیر فرش سے لگے۔ وہ ایک کافی کشادہ تہہ خانے میں تھی اور سیکریٹری اُس کے قریب ہی کھڑا کہہ رہا تھا۔

"کیا میں نے جھوٹ کہا تھا مادام....!"

"مگر تم نے یہ راستہ کیسے بنایا۔"

"یہ اس وقت بتاؤں گا جب آپ مجھے پہلی تنخواہ دیں گی۔"

لوسی کچھ نہ بولی۔ وہ تحیر آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس تہہ خانے کی دیواریں ہارڈ بورڈ سے بنائی گئی ہوں۔

فرش صاف ستھرا تھا۔ دیواروں پر مکڑیوں کے جالے نہیں تھے اور نہ یہاں ایسی بدبو ہی محسوس ہو رہی تھی جیسے عموماً تہہ خانوں میں گونجا کرتی ہے۔

وسط میں ایک میز پڑی ہوئی تھی اور دو کرسیاں تھیں۔ میز خالی تھی۔

دفعتاً سیکریٹری کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور پھر وہ بولا۔ "یہی تو میں کہہ رہا تھا کہ

جہاں برقی لیمپ موجود ہو، وہاں پنکھے کی غیر موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔"

"کیا مطلب.....!"

"یہاں پنکھا بھی موجود ہے۔ وہ دیکھئے دیوار میں ایک گول سا سوراخ نظر آرہا ہے۔ اس اندر پنکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس میز پر بڑی اچھی ہوا رہتی ہو گی۔"

سوراخ کا قطر ڈیڑھ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ سکریٹری نے اس کے قریب پہنچ آخر کار اس کا سوئچ تلاش کر ہی لیا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پنکھا تیزی سے گردش کرتا ہوا سوراخ سے تقریباً ایک بالشت آگیا۔ حقیقتاً میز پر بہت تیز ہوا تھی۔ لوسی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بیٹھو.....!" وہ دوسری کرسی کی طرف اشارہ کر کے مسکرائی۔

"شکریہ۔" سکریٹری بھی بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سزا دوں۔"

"کہیں میری شادی کرا دیجئے۔" سکریٹری نے مضمحل آواز میں کہا۔ "اس سے زیادہ بھیا سزا میرے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

لوسی ہنسنے لگی۔ وہ اب بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"میرے خیال سے یہاں تک تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مینٹل پیس کے سرخ بلب اور متحر ہندسوں کا معمہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔"

"تم مجھے یہی بتاؤ کہ اس دن ٹیلی پرنٹر پر جو پیغام آیا تھا..... اس کا کیا مطلب تھا۔"

"مطلب سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔" سکریٹری کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن وہ پیغام تھا، کر کے لئے۔ کیا پیغام بھیجنے والے کو کیپٹن کریگ کی اطلاع نہ ملی ہو گی۔"

"میں بھی اسی الجھن میں ہوں۔" لوسی نے کہا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے جب آپ اسٹڈی میں گئی تھیں ایک پیغام اور موصول ہوا ہے۔" سکریٹری نے کہا اور جیب سے ایک چٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دی، جس پر تحریر تھا۔ "را صاف ہے، بائیس پونڈ۔"

"میرے خدا یہ سب کیا کرتے رہے ہیں ڈیڈی۔"

"کاش میں اُن سے ملا ہوتا۔" سکریٹری نے ٹھنڈے سانس لی۔

"مل کر کیا کرتے۔"

"ان کی شادی کرتا۔"

"یعنی تم بھی بُرے آدمی ہو جاتے۔"

"تو میں اچھا کب ہوں۔"

"میں تمہیں بُرا نہیں سمجھتی۔" لوسی نے مسکرا کر کہا اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ارے باپ رے۔" سکریٹری نے اس طرح اپنا ہاتھ کھینچا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"گدھے.....!"

"جی ہاں..... جی ہاں.....!"

"تم پہلے مرد ہو جسے میں پسند کرنے لگی ہوں۔" لوسی آہستہ سے بولی۔

"مجھے شرم آتی ہے۔" سکریٹری نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "فوراً ڈس مس کیجئے مجھے..... فوراً۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گی۔ میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔" لوسی کو غصہ آ گیا۔

"مجھے مار ڈالئے، لیکن خدارا پسند نہ کیجئے۔ میرے باپ کو جوانی میں ایک لڑکی نے پسند کیا تھا، لہٰذا وہ زندگی بھر جونک کی طرح اس سے چمٹی رہی۔ باپ نے کنوئیں میں چھلانگ لگائی، وہ بھی اسی کے ساتھ کود گئی۔ دونوں نکالے گئے وہ زندہ تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ مجھے پسند کر رہی ہیں۔ اب پہلی ہی تنخواہ پر مجھے ایک کنواں کھدوانا پڑے گا۔"

"شٹ اپ.....!"

روانگی

"او نیلم کی بچی۔" آخر کار حمید دانت پیس کر دہاڑا۔

"غلط..... بابا کی بچی۔" نیلم نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔ وہ ان کاغذات میں الجھی ہوئی

تھی، جو اُسے فریدی سے ملے تھے۔ یہ وہی پنسل سے لکھے ہوئے کاغذات تھے جو نگار تھیٹر کے مسخرے کے سامان سے برآمد ہوئے تھے۔ اب نیلم ان پر اپنی ذہنی قوت صرف کر رہی تھی اور حمید کا خیال تھا کہ وہ پاگل ہو جائے گی۔

"او نیلم، تیری شامت آئی ہے کیا۔"

"اب تک ہر قسم کے باباشامت ہی بن کر نازل ہوئے ہیں مجھ پر.... لہٰذا اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔"

"اس ویٹر کا کیا بنا تھا جس کا میک اپ کرنے کے بعد میں نے فوراً ہی یہاں سے اپنا منہ کالا کیا تھا۔"

"اُوہ.... بابا.... ڈیئرسٹ.... میں کیا بتاؤں کہ وہ ہوش میں آنے پر کتنا متحیر ہوا تھا۔ انکل نے اُسے اٹھا کر آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا اور وہ اپنی شکل دیکھ کر بھونچکارہ گیا۔ میں سچ کہتی ہوں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ گونگا ہو گیا ہو۔ پھر انکل اس کے پہلو میں کھڑے ہو کر بولے، میری داہنی جیب میں پستول ہے اور اس کی نال تمہاری بائیں پسلی سے چبھ رہی ہے۔ تمہیں اسی طرح میرے ساتھ چلنا پڑے گا اگر تم نے ذرہ برابر بھی ادھر اُدھر ہٹنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ ٹریگر دبادوں گا۔ اگر میں تمہیں شارع عام پر بھی گولی ماردوں تو مجھے کوئی ٹوکنے والا نہیں ہوگا۔ ویسے میں نے تم پر یہ احسان کیا ہے کہ تمہارے ہتھکڑیاں لگا کر یہاں سے نہیں لے جا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہتھکڑی لگا کر لے جانا تمہاری موت ہی کا پیغام ثابت ہوگا۔ بس بابا.... وہ چپ چاپ انکل کے ساتھ چلنے لگا تھا۔ مگر انکل نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ اُسے کہاں اور کیوں لے گئے تھے۔"

"میں سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"کیا سمجھ گئے۔"

"دورہ پڑا ہے۔"

"کیسا دورہ۔"

"سال میں کم از کم ایک بار ضرور پڑتا ہے۔"

"بابا.... بتاؤ گے ڈھنگ سے یا میں کوئی اور طریقہ اختیار کروں۔"

"پچھلے سال۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "وہ اسی طرح ایک مزدور کو پکڑ لائے تھے۔ پہلے تو مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا۔ پھر زبردستی اُسے غسل دلوا کر ایک بہترین سا سوٹ پہنوایا اور کسی بوڑھے آدمی کا میک اپ کرنے لگے۔ مزدور بیچارہ حیرت کی زیادتی کی وجہ سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ جب اسے ایک بوڑھے کی شکل میں تبدیل کر چکے تو بڑے پیار سے بولے۔ "بھائی جان" اور وہ بے چارہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ آپ نے پھر فرمایا خاموش رہو۔ تم میرے بڑے بھائی ہو۔ یاد کرو تم ہمالیہ کی ترائی میں ریچھوں کا شکار کیا کرتے تھے۔ وہ بے چارہ سر پیٹ کر بولا سرکار میرا نام جمن ہے۔ میرے باپ نے بھی کبھی ریچھ کا شکار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا بکواس بند کرو۔ تم میرے بڑے بھائی ہو اور تمہارا نام انور جمال فریدی ہے۔ وہ پچھاڑیں کھانے لگا اور اپنے مقدر کو کوسنے لگا اور کہنے لگا کہ آج صبح ہی منگل کی ماں کا منہ دیکھا تھا۔ وہ حرافہ ایسی ہی منحوس ہے۔ اس پر آپ نے دو چار چانٹے جھاڑ کر فرمایا گستاخ ہماری بھاوج محترمہ کی توہین کرتا ہے۔ اس پر تو وہ بے چارہ پاگل ہی ہو گیا۔ پہلے تو کچھ دیر تک حلق پھاڑ پھاڑ کر دھاڑتا رہا پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔"

"تم جھوٹے ہو بابا۔" نیلم ہنسنے لگی۔ "انکل کے منہ پر ایسی ہی باتیں کرو تو بتاؤں۔"

"اوہ! تم جھوٹ سمجھتی ہو؟"

"پہلے اپنی خیر مناؤ بابا۔ تم ادھر اُدھر بھاگتے پھر رہے ہو۔ انکل کا خیال ہے کہ وہ اب تمہیں اپنی ماتحتی میں نہیں رکھیں گے، وہ کہہ رہے تھے کہ مجھے محکمے میں جگہ دلوائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں جوانی میں بوڑھی بیٹی کا داغ بھی سہہ لوں گا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر اداس لہجے میں کہا۔

"انکل کا خیال ہے کہ تم کام چور، بزدل اور نکمے ہوتے جا رہے ہو۔"

"انکل دی گریٹ کا خیال بالکل درست ہے، اب میں فارورڈنگ اور کلیرنگ کا کاروبار کروں گا۔ تم بھی دیکھو۔ مجھے اس ملازمت سے کیا فائدہ ہوا ہے۔ میرے پاس میری نجی گاڑی بھی نہیں ہے۔"

"مگر انکل تمہیں کس بات سے روکتے ہیں بابا۔ میرا خیال ہے کہ ان کی ساری چیزیں تمہاری ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن مجھے بور کیوں کرتے ہیں۔"

"وہ کیا بور کرتے ہیں۔"

"کیا یہ بوریت نہیں ہے۔ حمید نے ان کاغذات کی طرف اشارہ کیا جو نیلم کے سامنے میز پر

بکھرے ہوئے تھے۔"

"ان میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہے بابا۔ میرا دل کہتا ہے۔"

"اگر مجھ سے کہے تمہارا دل تو میں اس کے تھپڑ رسید کردوں۔ یہی غنیمت ہے کہ وہ صرف تم سے کہتا ہے۔"

نیلم مسکرا کر پھر کاغذات کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"اچھا سناؤ کیا پڑھ رہی ہو۔" حمید نے کہا۔

"سنو.... میں بہت اداس ہوں۔ بہت اداس ہوں۔ صبح سے ہوا میں بھاری پن سا محسوس ہو رہا ہے۔ یہ اداسی میرے رگ وپے میں سرایت کرتی جارہی ہے۔ پتہ نہیں یہ موسم کا اثر ہے یا رات والے واقعات کی پرچھائیاں۔ میری روح پر پڑ رہی ہیں۔ رات اس نے میرا دل توڑ دیا۔ کتنی بڑی بات تھی۔ اس کا کیا بگڑتا اگر میری اتنی سی بات مان لیتی۔"

"بس بس! بند کرو۔" حمید غصیلی آواز میں بولا۔ "اسی لئے تم ان کاغذات میں کھوئی رہتی ہو۔ لعنت ہے تم پر۔ ارے اس بکواس میں کیا رکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عشقیہ تحریریں انسان کے کس جذبے کی تسکین کرتی ہیں۔ مجھے تو ہمیشہ ان پر غصہ آتا ہے۔"

وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن ٹھیک اُسی وقت فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے جسم پر شب خوابی کا لباس تھا مگر اس کی آنکھوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ سو کر اٹھا ہے۔

"نیلم! رپورٹ....؟" اس نے نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔ حمید کی جانب توجہ تک نہ دی۔

"یس انکل پلیز، پچھلی رات میں نے ان کا تعاقب سام کریگ کے مکان تک کیا تھا، مکان کی پشت پر مغرب کی جانب ایک چھوٹی سی عمارت اور بھی ہے لیکن اس کے گرد کافی اونچی گھنی جھاڑیاں ہیں اور بادی النظر میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کوئی عمارت ہوگی کیونکہ اس کی چھت ان جھاڑیوں سے بھی نیچی ہے، لیکن وہ ایک چھوٹی سی عمارت ہے جس کا رقبہ کم از کم اسی مربع گز ضرور ہوگا۔ بہر حال وہ لوگ اسی عمارت میں گئے تھے۔ میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ میں اندر جاکر دیکھوں، لیکن آپ کی ہدایات کے مطابق مجھے خود کو قابو میں رکھنا پڑا۔"

"ان کی تعداد کیا تھی۔"

"آٹھ تھے، جب کار میں بیٹھے تھے تو ان کے چہرے پر نقابیں نہیں تھیں لیکن جب وہ اس

عمارت میں داخل ہونے لگے تھے تو ان کے چہروں پر نقابیں نظر آئی تھیں۔"

"اندھیرے میں تم نے نقابیں کیسے دیکھ لی تھیں۔"

"اس عمارت کی کھڑکیوں سے روشنی باہر آرہی تھی۔"

"عمارت میں روشنی پہلے ہی سے تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ پہلے ہی سے تھی اور وہاں کوئی موجود تھا۔"

"ہیری تھا اُن میں۔"

"جی ہاں۔"

"تم کب تک وہاں ٹھہری تھیں۔"

"ان کے واپس آتے ہی میں نے پھر تعاقب شروع کردیا تھا اور قمار خانے تک آئی تھی۔"

"وہ کتنی دیر اندر رہے تھے۔"

"ڈیڑھ گھنٹے تک۔"

"واپسی پر اُن کی تعداد کیا تھی۔"

"وہی آٹھ۔"

"ان میں سے کوئی رہائشی عمارت کی طرف بھی گیا تھا۔"

"جی نہیں.... کوئی بھی نہیں۔"

"تمہیں یقین ہے۔"

"جی ہاں، مجھے یقین ہے۔ میں ایسی جگہ پر کھڑی تھی، جہاں سے ایک بلی پر بھی نظر رکھ سکتی تھی۔"

"گڈ.... نیلم تم بہت اچھی جارہی ہو۔ مگر اس عمارت کے متعلق تم نے اور کیا معلوم کیا۔"

"اور تو کچھ بھی نہیں۔"

"وہ عمارت سام کریگ نے کرائے پر دے رکھی تھی۔ تم نے دراصل اس عمارت کے پچھلے حصے کو دیکھا ہے۔ وہ یقیناً اونچی جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ لیکن یہ مت سمجھنا کہ وہ جھاڑیاں اس عمارت کو چھپانے ہی کے لئے لگائی گئی ہوں گی۔"

"پھر....؟"

"سنو.... تمہیں چاہئے تھا کہ آج جاکر اس عمارت کے متعلق معلومات حاصل کرتیں۔ کیا

اس چیز نے بھی تمہارے جذبہ تجسس کو نہیں ابھارا کہ ان لوگوں نے عمارت میں داخل ہونے سے پہلے اپنے چہرے نقابوں میں چھپالئے تھے۔"

"مجھے اس عمارت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی فکر تھی مگر چونکہ آپ نے اس کے متعلق کوئی ہدایت نہیں دی تھی اس لئے....!"

"اوہ.... اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بہر حال آئندہ خیال رکھنا تم میں خود مختاری بھی ہونی چاہئے۔ اس کے بغیر تم اس فن سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکو گی۔"

"بہت بہتر.... میں آئندہ خیال رکھوں گی۔"

"اس عمارت کا صدر دروازہ سڑک کی طرف ہے اور ایک سائن بورڈ موجود ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مرمت طلب موٹر سائیکلوں کا کارخانہ ہے۔"

"اوہ.... لیکن وہاں چند ایسے لوگ جو نقاب پوش تھے عقبی دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔"

"ہاں.... بس آج رات کو آخری کھیل ہوگا بے بی۔ تیار رہنا۔" فریدی نے کہا اور حمید کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے چلا گیا۔

"کیوں بابا.... انکل تم سے ناراض ہیں۔"

"ہاں.... ناراض ہی ہوں گے تو میں ان کا کیا بگاڑ لوں گا۔ تم اس کی فکر میں نہ پڑو بے بی۔ میرا خیال ہے.... میرا خیال ہے.... خیر ہٹاؤ۔"

"کہو.... کہو.... کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آخری کھیل واقعی دلچسپ ہوگا۔"

"کیا مطلب....!" نیلم اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"آخری کھیل مطلب یہ ہے کہ دو چار لاشیں ضرور گریں گی اور فادر ہارڈاسٹون کی پیاس بجھ جائے گی۔ یہ حضرت مجھے نظر انداز کرنے کی کوشش کررہے ہیں، خیر....!"

"بابا.... تم غصے میں معلوم ہوتے ہو۔"

"یہی تو مصیبت ہے کہ مجھے غصہ نہیں آتا ورنہ اپنے پیٹ میں چھرا مار کر آنتیں باہر نکال لوں۔"

نیلم ہنسنے لگی اور کچھ دیر بعد حمید پھر باہر نکل گیا۔

نیلم شام تک ان کاغذات میں سر کھپاتی رہی لیکن کچھ بھی پلے نہ پڑا۔ لیکن وہ فریدی پر اندھا

دھند اعتقاد رکھتی تھی، اس لئے یہ نہ سوچ سکی کہ وہ تحریریں کوئی پوشیدہ مفہوم نہیں رکھتیں۔

تقریباً نو بجے رات کو فریدی نے اپنے کمرے سے فون پر اُسے مخاطب کیا۔

"کیوں بے بی تم کتنی دیر میں تیار ہو جاؤ گی۔"

"بہت جلد انکل، مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"ایسے لباس میں چلو، جو تمہیں تیز دوڑنے سے باز نہ رکھ سکے۔"

"اوہ....!"

"ہاں.... یہ مہم تمہاری پسند کے مطابق ہوگی۔"

"اور بابا....!"

"وہ ہے کہاں۔"

"پتہ نہیں۔"

"پھر اُسے جہنم میں جھونکو۔ وہ آج کل کام کرنے کے موڈ میں نہیں ہے شاید۔ مجھے موڈی آدمی پسند نہیں ہیں۔ لیکن اس کی بعض خوبیاں.... خیر تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور نیلم لباس تبدیل کرنے لگی۔ اس نے جیکٹ اور پتلون کا انتخاب کیا تھا۔

روانگی کے وقت وہ دو پانچ کا براؤنی پستول رکھنا نہیں بھولی تھی۔ ایک ٹیکسی اُن دونوں کو چیتھم پارک تک لے آئی۔ وہ اُتر کر پارک میں چلے آئے۔ ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا جا چکا تھا۔

"کیا ہمیں یہیں تک آنا تھا۔" نیلم نے حیرت سے کہا۔

"نہیں.... یہاں میں ایک پیغام کا انتظار کروں گا۔" فریدی نے جواب دیا۔

وہ ایک ویران گوشے میں پہنچ چکے تھے۔ فریدی نے ایک چھوٹا سا سفری ٹرانسمیٹر نکالا جس کے متعلق وہ اُسے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اس کا دائرہ عمل کم از کم دس میل ہے اور اس میں ٹارچ کی معمولی بیٹریاں استعمال ہوتی ہیں۔

"امر سنگھ.... امر سنگھ۔" اس نے اپنے ایک اسسٹنٹ کا نام لیا اور پھر بولا۔

"تم اس وقت کہاں ہو.... ٹھیک.... اوہ.... کسی کو قتل کردیا.... تمہیں یقین ہے.... مگر.... تمہیں کیسے معلوم ہوا.... اندازہ.... خیر.... تم جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔ میں آرہا

ہوں.... اُوور۔"

وہ خاموش ہو گیا۔

"کیا قصہ ہے۔" نیلم نے آہستہ سے پوچھا۔

"وہ لوگ اس وقت پھر اُسی عمارت میں داخل ہوئے ہیں۔ امر سنگھ کا بھی خیال ہے کہ وہاں کوئی پہلے ہی سے موجود تھا، جسے شاید انہوں نے قتل کر دیا ہے۔"

"اوہ....!"

"اٹھو! ہمیں جلدی کرنی چاہئے۔"

راستہ

ٹیکسی انہوں نے عمارت سے کافی فاصلے پر چھوڑی تھی اور اب پیدل ہی چل رہے تھے۔ فریدی نے سڑک بھی چھوڑ دی۔ نیلم نے محسوس کیا کہ وہ اسی طرف جا رہا ہے جہاں سے پچھلی رات وہ اُن آٹھوں آدمیوں کی نگرانی کرتی رہی تھی۔

جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ یک بیک نیلم چونک پڑی اور پھر اُسے ہنسی آ گئی کیونکہ چیل کی سی آواز نکالنے والا فریدی ہی تھا۔ مگر کون کہہ سکتا تھا کہ وہ چیل کی آواز کی نقل تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کسی چیل نے.... سوتے سوتے چونک کر ہلکی سی آواز نکالی ہو اور پھر فوراً ہی اس کا مقصد بھی ظاہر ہو گیا۔ امر سنگھ اُن کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کیوں....؟" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کوئی باہر نہیں نکلا۔"

"کتنے ہیں۔"

"آٹھ....!"

"ہیری....!"

"جی ہاں.... وہ بھی ان میں.... مگر اب کھڑکی کے شیشوں میں روشنی نہیں دکھائی دیتی۔"

"آؤ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ عمارت سنسان پڑی تھی اور تقریباً

ڈیڑھ یا دو فرلانگ کے فاصلے پر رہائشی عمارت کے قریب رکھوالی کے السیشین بھونک رہے تھے۔

فریدی عقبی کھڑکی تک پہنچ گیا تھا اس نے اس کے شیشوں پر ہاتھ پھیرا۔ اوپری شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس نے اندر ہاتھ ڈال کر بہ آہستگی چٹخنی گرائی اور کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیئے۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ اندر تھا۔ پھر نیلم اور امر سنگھ نے بھی یکے بعد دیگرے اس کی تقلید کی۔ اندر جھینگروں کی جھائیں جھائیں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں تھی۔

فریدی نے محدود روشنی والی ننھی سی ٹارچ روشن کی اور روشنی کا دائرہ سب سے پہلے ایک آدمی پر پڑا جو بے حس و حرکت فرش پر لیٹا ہوا تھا۔

وہ مر چکا تھا۔ زخم خنجر ہی کا تھا۔ آنتیں باہر آ گئی تھیں اور فرش پر خون پھیلا ہوا تھا۔

فریدی کچھ دیر تک لاش کو دیکھتا رہا پھر دوسری جانب متوجہ ہو گیا۔ یہ پوری عمارت صرف دو کمروں پر مشتمل تھی۔ سڑک کی جانب کا کمرہ پچھلے کمرے سے بڑا تھا اور یہاں دو تین ٹوٹی پھوٹی موٹر سائیکلیں موجود تھیں۔ کئی جگہ اوزاروں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی قسم کی چیزیں ادھر اُدھر بے ترتیبی سے بکھری پڑی تھیں۔

"میرا دعویٰ ہے جناب۔" امر سنگھ آہستہ سے بولا۔ "ایک پرندہ بھی یہاں سے نکل کر نہیں گیا۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم غلط نہیں کہہ رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

اچانک نیلم اچھل کر پیچھے ہٹ گئی ورنہ وہ تینوں موٹر سائیکلیں اسی پر گری ہوتیں۔ لیکن وہ خود بھی نہ سنبھل سکی اور لڑکھڑاتی ہوئی اوزاروں کے ڈھیر پر جا گری۔ گری ہوئی موٹر سائیکلوں کے پیچھے سے ایک نقاب پوش برآمد ہوا تھا، جس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا اور بائیں میں ٹارچ۔ ٹارچ کی روشنی فریدی اور امر سنگھ پر پڑ رہی تھی۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" وہ سانپ کی طرح پھپھکارا۔

نیلم کو یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ فریدی نے اپنے دونوں ہاتھ بے چوں و چرا اٹھا دیئے تھے۔

نیلم اب اوزاروں کے ڈھیر سے کھسک کر دوسری جانب چلی گئی تھی اور شاید نقاب پوش نے بھی اُسے نظر انداز کر دیا تھا۔

نقاب پوش آہستہ آہستہ ٹارچ والا ہاتھ دیوار کی طرف بڑھا رہا تھا۔ نیلم نے نہایت اطمینان

سے اپنا براؤنی نکالا اور نقاب پوش پر فائر کر دیا۔ نقاب پوش کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ پڑی اور ساتھ ہی نیلم نے فریدی کی آواز سنی جس نے اسی کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ "یہ کیا کر رہی ہو.... نہیں۔"

ٹارچ بجھ گئی تھی اور اب نیلم اوزاروں کے بکھرنے اور چیزوں کے ٹوٹنے کی آوازیں سن رہی تھی۔

"امر سنگھ اسے سنبھالو....!" فریدی کی آواز اندھیرے میں گونجی۔

اور اب وہ ٹارچ نیلم کے ہاتھ آگئی تھی جو نقاب پوش کے ہاتھ سے گری تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں کمرہ روشن ہو گیا۔

فریدی نے نقاب پوش کو دبوچ رکھا تھا۔ شاید نیلم کا وار خالی گیا تھا اور فریدی کو اسے قابو میں کرنے کے لئے جدوجہد کرنی پڑی تھی۔

امر سنگھ نے نقاب پوش کو کھینچ کر اٹھانا چاہا لیکن وہ اس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی پھر گر پڑا۔ وہ دراصل بیہوش ہو چکا تھا۔ فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کہا۔ "میرا خیال صحیح تھا۔ گولی نہیں لگی۔ مگر نیلم اس طرح فائر نہ جھونک مارا کرو۔"

"پھر کیا کرتی.... اگر وہ آپ پر فائر کر دیتا تو۔"

"میں غافل نہیں تھا.... خیر.... ہاں امر تم کھڑکی کے پاس ٹھہرو۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہاں تنہا جھک نہیں مار رہا تھا۔"

امر سنگھ کچھ کہے بغیر دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔

فریدی اب اس دیوار کا جائزہ لے رہا تھا جس کی طرف کچھ دیر پہلے نقاب پوش نے اس انداز میں ہاتھ بڑھایا تھا جیسے کسی چیز کو ٹٹول رہا ہو۔

"آہا....!" وہ بڑبڑایا۔ "یہ تو گھنٹی کا بٹن معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن یہاں کہیں بجلی کے تار نہیں دکھائی دیتے۔" نیلم نے کہا۔

"وائرنگ دیواروں کے اندر ہو گی ورنہ پھر.... یہ؟" فریدی نے چھت کی طرف اشارہ کر کے اُسے بلب دکھاتے ہوئے کہا۔

"تو وہ اسی بٹن کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہی بات ہو گی۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مگر سوچے سمجھے بغیر اس بٹن

کو آزمانا بھی درست نہ ہو گا۔ اُوہ.... ٹھہرو۔"

وہ بے ہوش نقاب پوش پر جھک پڑا۔ اس کے چہرے سے نقاب اتاری۔ وہ ایک خوش شکل نوجوان تھا۔

"امر کو بلاؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور نیلم دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

امر سنگھ کی مدد سے فریدی نے بے ہوش آدمی کے ہاتھ پیر باندھے اور حلق میں رومال ٹھونس کر ترپالوں کے ڈھیر کے پیچھے ڈال دیا۔

پھر وہ نقاب فریدی کے چہرے پر نظر آنے لگا۔ نقاب ایسی تھی کہ اس کا پورا چہرہ چھپ گیا تھا۔ چونکہ بے ہوش آدمی بھی کالے ہی سوٹ میں تھا اس لئے لباس کا مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔ فریدی کے جسم پر سیاہ سوٹ ہی تھا۔

نیلم حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ فریدی نے ریوالور کا رخ نیلم اور امر سنگھ کی طرف کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "تم دونوں اپنے ہاتھ اٹھا دو۔"

اُن دونوں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے، لیکن دونوں ہی کچھ غیر مطمئن سے نظر آرہے تھے۔

فریدی نے دیوار سے لگے ہوئے بٹن پر انگلی رکھ دی اور وہ اس کے دباؤ سے پیچھے کھسک گیا پھر وہ اسے برابر دباتا ہی گیا اور نیلم سوچتی رہی کہ وقت برباد کیا جا رہا ہے۔

دفعتاً ایک ہلکے سے شور کے ساتھ اسی دیوار میں ایک قد آدم اور تقریباً تین فٹ چوڑی خلاء پیدا ہو گئی۔ اس سے پہلے ہی فریدی نے کمرے کا بلب بھی روشن کر دیا تھا۔

دیوار سے پیدا ہو جانے والی خلاء سے دو آدمی بر آمد ہوئے۔

"یہ کون ہیں؟" اُن میں سے ایک نے نیلم اور امر سنگھ کو گھورتے ہوئے پوچھا اور فریدی پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ پچھلی کھڑکی سے آئے تھے اور یہاں کچھ تلاش کر رہے تھے۔"

"اوہ.... تم کون ہو دوستو۔" نیلم اور امر سنگھ سے پوچھا گیا۔

لیکن یہ دونوں خاموش ہی رہے۔

ان دونوں نے بھی ریوالور نکال لئے اور ایک نے دیوار کی خلاء کی طرف اشارہ کر کے کہا چلو۔

"چلو....!" فریدی بھی بھرائی ہوئی آواز میں غرا کر کھانسنے لگا۔

یہ دونوں خلاء کی طرف بڑھے اور فریدی ریوالور والوں کو روک کر بولا "ان کی تلاشی لے لو، کہیں ان کے پاس ریوالور نہ ہوں۔"

"ہاں ٹھہرو....!"

امر سنگھ اور نیلم رک گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے اُن دونوں پر جست لگائی اور سب سے پہلے اُن کے ریوالوروں ہی پر ہاتھ مارے۔ وہ دونوں غافل تھے۔ ریوالور اُن کے ہاتھوں سے نکل کر دور جاگرے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ ان دونوں کے منہ سے آوازیں بھی نہ نکل سکیں اور پھر اُن کا بھی وہی حشر ہوا جو کچھ دیر پہلے ایک نقاب پوش کا ہو چکا تھا۔

پھر فریدی نے دیوار والی خلاء میں جھانک کر دیکھا اور اس طرح سر کو جنبش دی جیسے وہ مطمئن ہو۔ امر سنگھ نے ان دونوں کو بھی پہلے نقاب پوش کے پاس پہنچا دیا۔

اور اب وہ اس خلاء میں داخل ہوئے، نیچے کافی گہرائی میں زینے چلے گئے تھے۔ لیکن اوپر سے اس کا اندازہ کرنا مشکل تھا کہ ان کا اختتام کہاں ہوا ہوگا۔

جیسے ہی پہلے زینے سے آخری آدمی کے قدم ہٹے دیوار برابر ہو گئی۔ فریدی چوتھے زینے پر تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور پھر نیچے اترنے لگا۔ یہاں ہلکی ہلکی سی روشنی تھی، جو نیچے ہی سے آ رہی تھی۔ وہ زینے طے کرتے رہے اور پھر جیسے ہی ان کے قدم فرش سے لگے انہیں اپنے سامنے ایک طویل اور نیم تاریک سرنگ نظر آئی۔

"انکل.... ہم کہاں جا رہے ہیں.... کیا کوئی دوسرا ہرمین پیدا ہو گیا ہے۔" نیلم نے کہا۔

"اب میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں ساتھ لے جانا مناسب ہے یا نہیں۔"

"میں تو ہر حال میں چلوں گی، انکل خواہ وہاں آگ ہی کی بارش کیوں نہ ہو رہی ہو۔"

"تم بہت ضدی ہو.... خیر.... چلو.... مگر خیال رہے کہ اُس وقت تک فائر کرنے سے احتراز کرنا جب تک یقین نہ ہو جائے کہ اب تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔"

"میں یہی کروں گی انکل۔" نیلم بولی اور وہ چلتے رہے۔ سرنگ سنسان پڑی تھی۔ کچھ دیر بعد انہیں ایک دروازہ نظر آیا اور اسی دروازے پر سرنگ کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

فریدی نے دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا۔ مگر وہ دوسری طرف سے بند تھا اور دوسری طرف سے کسی متحرک مشین کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اب فریدی نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دروازہ

نہیں تھا بلکہ پتھر کی سل ان کی راہ میں حائل تھی لیکن اُس پر کیا ہوا رنگ ہی ایسا تھا کہ لکڑی کا دروازہ معلوم ہو رہا تھا۔ شاید وہ اس کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رہتا لیکن اُس میں کسی جھری کی تلاش کے سلسلے میں اُسے حقیقت معلوم ہو گئی۔ اب سوال تھا کہ اس رکاوٹ کا دفعیہ کس طرح کیا جائے۔ اس نے اُسے ہلانے ڈلانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ نیلم اور امر سنگھ بھی اسی کے متعلق سوچ رہے تھے۔

"یہ یقیناً دروازہ ہی تھا۔" نیلم نے کہا۔ "اور اسے ادھر سے کھولنے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور ہوگا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بنظر غائر دروازے اور اس کے قریب کی دیوار کا جائزہ لے رہا تھا۔

اچانک دروازہ خود ہی کھل گیا اور دوسری طرف نظر آنے والے آدمی کے حلق سے ایک تحیر آمیز سی آواز نکلی۔

"خاموشی سے اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" فریدی نے کہا۔ اسکے چہرے پر اب بھی نقاب تھی۔

اس آدمی نے ہاتھ نہیں اٹھائے اس کے چہرے پر بھی نقاب تھی اور وہ نیلم اور امر سنگھ کو گھور رہا تھا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" فریدی دوبارہ غرایا لیکن نقاب پوش نے فریدی پر چھلانگ لگا دی۔

فریدی ایک طرف ہٹا اور نقاب پوش امر سنگھ سے جا ٹکرایا۔ خود امر اس کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے دونوں ہی زمین پر ڈھیر ہو گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں امر نے اُسے اپنی ٹانگوں پر رکھ کر اچھال دیا۔ وہ اس پر سے گذرتا ہوا دوسری طرف جا گرا۔ پھر اگر وہ بجلی کی سی سرعت سے اٹھ کر اُس پر نہ جا پڑا ہوتا تو اس نے ریوالور نکال کر فائر کر دیا ہوتا۔ امر نے پہلے اس کے ہاتھ سے ریوالور چھینا اور پھر اس کا گلا گھونٹنے لگا۔ امر سنگھ ایک دلیر اور کافی چالاک نوجوان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حریفوں پر کب اور کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔ معمولی حالات میں وہ ٹھنڈے مزاج کا آدمی ثابت ہوتا تھا۔ اس وقت بھی نہ تو اُسے غصہ ہی آیا تھا اور نہ وہ یہی نیت رکھتا تھا کہ گلا گھونٹ کر اُسے مار ہی ڈالے۔ اس وقت تک اس نے اپنی گرفت ڈھیلی نہیں کی جب تک کہ نقاب پوش کے حواس جواب نہیں دے گئے۔ لیکن جب وہ اسے چھوڑ کر مڑا تو اس نے دیکھا کہ دروازے میں کئی آدمی کھڑے فریدی کو کینہ توز نظروں سے گھور رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے اور

فریدی ان سے کہہ رہا تھا۔ "پیچھے ہٹو.... الٹے چلتے رہو۔ اگر کسی نے مڑ کر پیچھے دیکھنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا چلو۔"

وہ الٹے چلنے لگے تھے۔ فریدی نیلم اور امر سنگھ آگے بڑھتے رہے۔ مشین چلنے کی آواز اب بہت صاف سنائی دے رہی تھی۔ آخر کار وہ ایک کشادہ کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں دو آدمی رسیوں سے جکڑے ایک طرف پڑے ہوئے تھے اور دو آدمی مشین پر کام کر رہے تھے۔"

"گڈ....!" فریدی مسکرایا۔ "تو یہ کاروبار ہوتا ہے یہاں۔ شاباش.... بہت اچھے امر.... انہیں سنبھالو۔"

"ٹھہرو....!" ہاتھ اٹھائے ہوئے نقاب پوشوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تم کون ہو۔"

"تم مجھے نہ پہچانو تو بہتر ہے۔" فریدی بولا۔ "اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے ہیری کو پہچان لیا ہے۔ اُسے پہچان لیا ہے جس پر انسپکٹر شاہد اور مسخرے کے قتل کا الزام لگایا جاسکتا ہے، جو نگار کے اسٹیج کا نغمہ پیش کیا کرتا تھا۔"

"اوہ.... پولیس....!" نقاب پوش غرایا۔

"ہاں.... ہیری! آج رات تم نے کتنے نوٹ چھاپے ہیں.... امر.... چلو میری جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر اس کے ہاتھوں میں لگادو۔"

"کون لگائے گا ہتھکڑیاں.... تم دونوں.... اور یہ عورت! ہوہ۔" نقاب پوش نے حقارت سے کہا اور اپنے ہاتھ نیچے گرادیئے، ٹھیک اسی وقت لوہے کا ایک وزنی سا اوزار فریدی کے ہاتھوں پر آکر لگا اور اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ پڑا۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ سب اُن تینوں پر آٹوٹے۔

"نیلم.... پیچھے ہٹ جاؤ۔" نیلم نے فریدی کی آواز سنی۔

"نیلم دیوار سے جالگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ پستول نکال کر فائر کرنا شروع کردے۔ مگر اس ہنگامے میں فائر کرنا مناسب نہیں تھا کہ فریدی یا امر سنگھ زخمی ہوجاتے۔ لیکن اس نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول کو مضبوطی سے گرفت میں لے لیا۔ ہوسکتا تھا کہ اُسے اپنی ہی حفاظت کرنی پڑے۔"

اچانک اس کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی کیونکہ اُسے اپنی پشت سے دیوار سرکتی

معلوم ہوئی تھی۔ وہ سنبھل نہ سکی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ فرش پر چت پڑی ہوئی تھی۔

اس دیوار میں بھی ایک خلاء پیدا ہوگئی تھی اور وہ اسی خلاء سے گذرتی ہوئی دوسری طرف جاگری تھی۔ اس کے سر کی طرف ایک عورت اور ایک مرد کو کھڑے دیکھا۔ دونوں ہی یوریشین معلوم ہوتے تھے۔ مرد کی مونچھیں گھنی اور براؤن رنگ کی تھیں۔

وہ نیلم پر جھکا ہوا حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً نیلم کا براؤنی جیب سے باہر نکل آیا اور یوریشین عورت بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی۔ بڑی مونچھوں والا بھی سیدھا کھڑا ہوگیا۔ نیلم بڑی پھرتی سے اٹھی اور ان دونوں کو پستول کی زد میں لیتی ہوئی بولی۔ "ہم صرف تین ہیں، لیکن تم دیکھو گے کہ کس طرح تمہاری مٹی پلید ہوتی ہے۔"

"وہاں.... ڈرامہ ہو رہا ہے مادام...." بڑی مونچھوں والے نے یوریشین عورت سے کہا۔

"یہ لوگ کون ہیں۔" عورت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"یہ لوگ، جو ان تینوں پر یورش کر رہے ہیں مسٹر کریگ کے قاتل ہی ہوسکتے ہیں کیونکہ میں اس لڑکی کو اچھی طرح پہچانتا ہوں، یہ کرنل فریدی کے ساتھیوں میں سے ہے۔"

"سیکریٹری....!" عورت تشویش کن لہجے میں بولی۔ "تب تو ہمیں ان کی مدد کرنی چاہئے۔"

"یقیناً مادام.... اوپاگل لڑکی تم اپنے پستول کا رخ اُدھر کردو۔"

"تم مجھے بے وقوف نہیں بناسکتے۔" نیلم غرائی۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھادو۔"

"ارے.... فریدی گرا۔" دفعتاً لوسی کریگ کا سیکریٹری چیخ اٹھا۔ نیلم بوکھلا کر مڑی اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا پستول سیکریٹری کے ہاتھ میں تھا۔

"اب بتاؤ.... بے وقوف لڑکی۔" سیکریٹری ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور لوسی کریگ اس کی پیٹھ ٹھونکنے لگی۔

"چلو....!" سیکریٹری نیلم کو دھکیلتا ہوا اسی کمرے میں لے آیا جہاں فریدی اور امر سنگھ مجرموں کی مرمت کر رہے تھے اور ان میں سے کسی کو بھی ابھی تک ریوالور نکال لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔

سیکریٹری نے اپنا ریوالور بھی نکال لیا۔ ایک فائر ہوا اور پھر صرف سیکریٹری ہی کی آواز سنی گئی جو کہہ رہا تھا۔ "خبر.... دار.... تم سب الگ ہٹ جاؤ۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور مادام آپ براہِ

کرم ان سبھوں کے چہروں سے نقابیں ہٹا دیجئے۔"

وہ سب جہاں تھے وہیں رک گئے اور انہوں نے اپنے ہاتھ بھی اٹھا دیئے تھے۔ فریدی اور امر سنگھ کے ہاتھ بھی نیچے نہیں تھے۔

ایک آدمی کا ہاتھ جیب کی طرف جا ہی رہا تھا کہ سکریٹری کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور وہ آدمی کراہ کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

"ابھی میرے پاس دس فالتو راؤنڈ موجود ہیں۔" سکریٹری نے سرد لہجے میں کہا۔ "اور کارتوسوں کی بچت میرے مدنظر نہیں رہتی۔ ہاں مادام ان کی نقابیں الگ کیجئے.... اوہ.... مگر ان میں کرنل فریدی نہیں۔"

"تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا۔" لوسی کریگ نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... اس لڑکی کا نام نیلم ہے اور.... وہ امر سنگھ ہے، امر سنگھ تم ہی ان سبھوں کی نقابیں الگ کر دو۔ جلدی کرو، ورنہ تمہیں تو میں آنکھ مار کر مار ڈالوں گا۔"

یک بیک نیلم چونک پڑی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سکریٹری کو گھور رہی تھی۔

"چلو.... جلدی.... امر سنگھ۔"

لوسی کریگ نے بھی محسوس کیا کہ اب اس کے سکریری کی آواز بالکل بدل گئی ہے۔

امر سنگھ بڑی تیزی سے مجرموں کی نقابیں اتار رہا تھا۔ دفعتاً لوسی کریگ چیخی۔ "ارے یہ تم ہو! مسٹر ہیری.... کیپٹن سام کریگ کے دوست۔"

"ہاں....!" ہیری غرایا۔ "اور میں تمہیں اس حرکت کا مزہ چکھا دوں گا۔"

"ہیری.... کیا تم پھر پلٹنا چاہتے ہو۔" سکریٹری نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

ایک کے علاوہ اور سبھوں کی نقابیں اُتر چکی تھیں۔ سکریٹری نے ایک طویل سانس لی اور نقاب پوش کی طرف دیکھنے لگا۔ اب نقاب پوش نے خود ہی اپنی نقاب الگ کر دی۔

"کرنل....!" لوسی کریگ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"ہاں اور تم اس کاروبار سے واقف تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"کس کاروبار سے۔"

"یہاں سو روپے کے نوٹ چھاپے جاتے رہے ہیں۔"

"میں نہیں جانتی تھی کرنل یقین کیجئے۔ میرے سکریٹری سے پوچھ لیجئے۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس عمارت کے نیچے تہہ خانے ہیں۔ یہ تہہ خانے بھی میرے سکریٹری ہی نے دریافت کئے تھے۔"

"سکریٹری سے میں بعد میں سمجھوں گا۔ فی الحال تمہیں بھی یہیں سے قیدیوں کی طرح میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔"

ہیری کا قہقہہ تہہ خانے کی فضا میں گونج اٹھا۔ اس وقت امر سنگھ اس کے ہتھکڑیاں لگا رہا تھا۔ اس نے اس کے خلاف ذرہ برابر بھی جدوجہد نہیں کی۔

"آپ مجھے مجرموں کی طرح کیوں لے جائیں گے۔" لوسی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اگر آپ مجرموں کی طرح جائیں گی تو میں یہیں خودکشی کر لوں گا۔" سکریٹری نے نیلم والا پستول اپنی بائیں کنپٹی سے لگاتے ہوئے کہا۔

"اوہ....!" فریدی نے مجرموں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جن کے ہتھکڑیاں لگائی جا چکی تھیں۔ "نہیں.... میں تمہیں خودکشی کا مشورہ نہیں دوں گا۔ امر سنگھ اس کے بھی ہتھکڑیاں لگا دو۔"

"یہ کپتان صاحب ہیں جناب.... میں نے پہچان لیا ہے۔" امر سنگھ بولا۔

"کوئی صاحب بھی ہوں۔" فریدی کا لہجہ بہت سرد تھا۔ "یہ مجرموں ہی کی طرح کوتوالی تک لے جائے جائیں گے کیونکہ میں انہیں صرف لوسی کریگ کے سکریٹری کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ ویسے اگر یہ اپنے متعلق محکمے کے سپرنٹنڈنٹ کو اطمینان دلا سکے تو ان کی ہتھکڑیاں نکال دی جائیں گی۔"

دفعتاً سکریٹری نے گرج کر کہا۔ "ہینڈز اپ" اور فریدی نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔ نیلم اور امر سنگھ نے بھی تقلید کی۔

"مادام واپس چلئے۔" سکریٹری نے کہا اور پچھلی دیوار کی خلاء کی طرف ہٹنے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خلاء میں داخل ہوئے اور دیوار برابر ہو گئی۔ ہیری حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بالکل ہی گدھا نہیں ہے۔" فریدی مسکرایا۔

وہ کون تھے

دوسری صبح سام کریگ کی کوٹھی پولیس والوں کے بھاری بھرکم جوتوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔ فریدی نے سارے تہہ خانے کے راستے کھول کر رکھ دیئے تھے۔ لوسی کریگ کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں پولیس کے نصب کئے ہوئے ایک خیمے میں مقیم تھی۔

سپرنٹنڈنٹ فاروقی بہت زیادہ مشغول نظر آرہا تھا۔ وہاں دو مجسٹریٹ بھی موجود تھے جو تہہ خانوں سے برآمد کی ہوئی اشیاء کی فہرست تیار کررہے تھے، لیکن وہ سب ہی فریدی کی مفصل رپورٹ کے لئے بے چین تھے۔

اور فریدی باہر ٹینٹ میں لوسی کریگ سے گفتگو کررہا تھا۔

"میں آپ سے زیادہ آپ کے اسسٹنٹ کی ممنون ہوں کرنل صاحب! انہوں نے کس طرح مجھے مجبور کردیا تھا کہ میں ان پر اعتماد کروں، ورنہ دنیا کی کوئی قوت مجھ سے اس پُراسرار مینٹل پیس کے متعلق کچھ نہ معلوم کرسکتی جس پر سرخ رنگ کا بلب لگا ہوا تھا۔"

"لیکن آپ نے مجھے اس کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا۔ کیا آپ پر قانون سے تعاون نہ کرنے کا الزام عائد نہیں ہوسکتا۔"

"مجبور تھی جناب! آپ کے اسسٹنٹ ہی نے مجھے اس سے باز رکھا تھا۔ ورنہ میں نے تو تہیہ کرلیا تھا کہ آپ کو اپنے باپ کی پُراسرار خواب گاہ کے متعلق ضرور بتادوں گی۔"

"خیر....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کو یقین ہے نا کہ آپ اپنے بیان میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہ محسوس کریں گی۔"

"میرا بیان حقیقت پر مبنی ہے اس لئے اس میں کبھی تبدیلی نہ ہوسکے گی۔"

"مجھے خدشہ ہے کہ آپ کو یہ عمارت چھوڑنی پڑے گی۔"

"میں سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہوں۔ اپنی محنت سے روزی حاصل کرکے زندگی بسر کروں گی۔"

"نہیں... میرا خیال ہے کہ صرف یہ کوٹھی سازوسامان سمیت ضبط ہوجائے گی۔"

"مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

فریدی پھر عمارت میں واپس آگیا۔ سوپر فاروقی بہت بے چینی سے اس کا انتظار کررہا تھا۔

لنچ کے بعد وہ سب اسٹڈی میں جمع ہوئے اور فریدی نے انہیں تفصیل سے بتانا شروع کیا۔

"سام کریگ نے بڑی چالاکی سے اپنا گروہ ترتیب دیا تھا۔ اس کے ساتھی اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ وہ ان سے الگ رہ کر بھی اس بزنس کو کنٹرول کرسکتا تھا۔ آپ نے دیکھا ہے کہ یہاں جعلی نوٹ چھاپے جاتے تھے، جو یہاں سے ایک ہمسایہ ملک میں اسمگل کردیئے جاتے تھے اور وہاں سے ان کے عوض سونا اسمگل ہوتا تھا۔ وہاں سے وہ نوٹ مشرق وسطیٰ میں جاتے تھے جہاں اُن کی قیمت اصل سے ڈیڑھ گنی بڑھ جاتی تھی۔ سام کریگ ان کے عوض سونا وصول کرلیتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ نوٹ یہاں نہیں چلائے جاتے تھے ورنہ سام کریگ کا بزنس اتنے دنوں تک نہ پھولتا پھلتا رہتا۔ سام کریگ کے آدمی جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے ذمہ مختلف کام ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ محکمہ سراغ رسانی تک میں اس کے آدمی موجود تھے۔ نگار کا مسخرہ اسی کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن وہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر بھی تھا اور وہ حقیقتاً وہاں سام کریگ ہی کے لئے کام کررہا تھا۔ اب سنئے.... مجرموں کے ایک دوسرے گروہ کو کسی طرح اس منفعت بخش بزنس کا علم ہوگیا اور اس نے کوشش شروع کردی کہ کسی طرح اس پر وہ خود قابض ہوجائے۔ اس گروہ کا سربراہ ہیری تھا۔ اور بدقسمتی سے اس کے گروہ کا ایک آدمی بھی محکمہ سراغ رسانی سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ میرا اشارہ انسپکٹر شاہد کی طرف ہے۔ اُسے علم تھا کہ سرکس کا مسخرہ جعلی نوٹوں کا بزنس کرنے والوں ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اُدھر سام کریگ کو بھی شاید علم ہوگیا تھا کہ ہیری اس کے بزنس پر نظر رکھتا ہے، لہٰذا اس نے اس کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنے گروہ کا کچھ حصہ وقف کردیا۔ یہ لوگ ان جگہوں پر پھیل گئے جہاں جہاں ہیری کی ریشہ دوانیوں کا امکان ہوسکتا تھا۔ چنانچہ نگار تھیٹر بھی ایک ایسی ہی جگہ تھی۔ نگار تھیٹر کا منیجر سام کریگ کا آدمی ہے اور وہ بھی اس بزنس میں شریک رہا ہے۔ تھیٹر کے مسخرے کا کام یہ تھا کہ وہ علانیہ اپنی رپورٹ کسی ایسے آدمی کو دیتا تھا جسے وہ جانتا نہیں تھا۔ ہاں سام کریگ کے گروہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کے آدمی ایک دوسرے کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ مثلاً اگر کسی کو ایک کام سونپا گیا ہے تو وہ صرف اسی کو کرتا رہے گا لیکن اسے اس کا علم نہیں ہوگا کہ اس کام کی اطلاع دوسروں تک پہنچانے والا کون ہوگا۔ مثال کے طور پر اسٹیج کے مسخرے ہی کو لے لیجئے۔ وہ دن بھر کی رپورٹ رومانی روزنامچے کی شکل میں پیش کرتا تھا۔ جسے اس کے ساتھی بڑی دلچسپی

سے پڑھتے تھے اور ان ہی میں ایک آدمی ایسا بھی تھا جو اس تحریر سے مخصوص قسم کے پیغامات نوٹ کرتا تھا لیکن مسخرہ اس آدمی سے واقف نہیں تھا ورنہ وہ اتنی محنت سے وہ روزنامچہ کیوں مرتب کرتا۔ ظاہر ہے کہ وہ روزنامچے آسانی سے نہیں لکھے جاسکتے۔ ہاں اگر وہ اس آدمی سے واقف ہوتا تو اتنے پاپڑ بیلنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ وہ خود ہی بالمشافہ اُسے اپنی رپورٹ دے سکتا تھا۔ ان رپورٹوں میں صرف منیجر ہی کے متعلق ساری باتیں ہوتی تھیں، بہر حال میں اُن سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کچھ آدمی نگار کے منیجر کے پیچھے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہیری ہی کے آدمی رہے ہوں گے۔ دراصل سام کریگ نے یہ انتظام اس لئے کیا تھا کہ منیجر کی حفاظت کی جاسکے۔“

فریدی سانس لینے کے لئے رکا ہی تھا کہ فاروقی بول پڑا۔ ”خدا کے لئے اب تو بتادیجئے کہ ان کاغذات میں رپورٹیں کہاں ہیں۔“

”ٹھہریئے۔“ فریدی مسکرا کر اپنا فائیل الٹتا ہوا بولا۔ ”یہ لیجئے.... اس صفحے کی تحریر کو بلند آواز سے پڑھ جایئے۔ پھر میں بتاؤں گا۔“

فاروقی نے کاغذ لے کر پڑھنا شروع کردیا۔ یہ ایک عشقیہ بکواس تھی لکھنے والے نے کسی رات کا تذکرہ کیا تھا جب اس کی محبوبہ نے اس کے ساتھ شراب پینے اور رقص کرنے سے انکار کردیا تھا۔

سننے والوں نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور فریدی کو اس طرح گھورنے لگے جیسے اس کا دماغ خراب ہوگیا ہو۔

”اب مجھ سے سنئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”پیغام یہ ہے۔ پچھلی رات ٹونی اور بلنگر منیجر کے دفتر میں گھسے تھے اور اس کے سارے کاغذات الٹ پلٹ ڈالے تھے، لیکن شاید انہیں وہ چیز نہیں ملی جس کی تلاش تھی۔“

”اس میں یہ پیغام کہاں ہے؟“ فاروقی بیساختہ بولا۔

”ہے۔“ فریدی مسکرایا۔ ”یہ سارے صفحات پنسل سے تحریر کئے گئے ہیں۔ ذرا غور کیجئے۔ بعض الفاظ کے اکثر حروف دبا کر لکھے گئے ہیں یعنی تحریر روشن ہے اور بعض حروف بہت ہلکے ہیں۔ صرف روشن حروف کو علیحدہ کرکے ایک جگہ اکٹھا کردیجئے۔ یہی پیغام بن جائے گا جو میں نے ابھی عرض کیا ہے۔“

”میرے خدا....!“ فاروقی بے ساختہ اچھل پڑا۔ ”کتنی معمولی سی بات تھی، لیکن میری سمجھ میں نہ آسکی۔“

”اس طرح اور بہتیرے پیغامات ہیں۔“ فریدی بولا۔ ”اور اُن سبھی میں ہیری کے قمار خانے کی جانب اشارے ملتے ہیں۔ بہر حال ان کاغذات کی اہمیت مجھ پر اسی وقت واضح ہوئی تھی جب شاہد قتل کردیا گیا تھا اور کسی نے ان کاغذات کے بارے میں میری رائے معلوم کرنی چاہی تھی اور فون پر خود کو سپرنٹنڈنٹ فاروقی ظاہر کیا تھا۔ خیر شاہد تو اس لئے قتل کیا گیا تھا کہ میں نے ان کے متعلق شبہ ظاہر کیا تھا۔ بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ گھبرا کر نگار تھیٹر سے بھاگ کھڑا ہوا اور نگار تھیٹر کے خلاف جو کیس بنایا گیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ نگار کا منیجر سراسیمہ ہوجائے اور اس سے ایسی حرکتیں سرزد ہوں، جو اس مقام تک ہیری کے گروہ کی رہنمائی کرسکیں جہاں نوٹ چھاپنے کی مشین تھی یا جو بزنس کا مرکز تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ انہیں دنوں سام کریگ مر ہی گیا اور اس کی موت حقیقتاً نگار ہی سے واپسی پر واقع ہوئی۔ شاہد نے وہیں سے ایک کیس بنا ڈالا ورنہ میرا خیال ہے کہ ہیری کو بھی محض شبہ ہی تھا کہ سام کریگ اس بزنس کا ہیڈ ہے یقین نہیں تھا اُسے، ورنہ وہ اُسے کسی نہ کسی طرح قابو میں کرنے کی کوشش کرتا۔ اُسے دراصل شبہ ہوا تھا۔ سام کریگ کی موت کے بعد جب کسی مشتبہ آدمی کو اس نے سام کریگ کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ بس اُسی کے پیچھے لگ کر وہ اس مقام تک پہنچ گیا جہاں نوٹ چھاپنے کی مشین لگی ہوئی تھی۔“

”لیکن یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سام کریگ کے آدمی یہ نہیں جانتے تھے کہ وہی ان کا سربراہ ہے“ کسی نے سوال کیا۔

”کیونکہ سام کریگ کی موت کے بعد بھی اس کی خواب گاہ میں چھپے ہوئے ٹیلی پرنٹر پر اس کے لئے پیغامات آتے رہے تھے لیکن ٹھہریئے میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ سارے ہی آدمی اس سے ناواقف تھے، زیادہ تر ناواقف تھے۔ مجھے ابھی تک پچاس آدمیوں میں سے صرف دو ایسے مل سکے ہیں جو جانتے تھے کہ سام کریگ ہی اُن کا ہیڈ ہے۔ ایک ہے نگار کا منیجر اور دوسرا ایک معمولی حیثیت کا آدمی۔ سام کریگ نے اس کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں ایک معمولی سی عمارت بنوائی تھی جو صرف دو کمروں پر مشتمل ہے۔ اُسے کریگ نے ایک آدمی کو کرائے پر دے دیا، جو موٹر سائیکلوں

کی مرمت کا کام کرتا تھا اور یہ دوسرا آدمی موٹر سائیکل کی مرمت کے کارخانے میں ایک گھٹیا سی حیثیت کا ملازم تھا، لیکن نوٹ اس کی نگرانی میں چھپتے تھے اور اس عمارت کی کنجی اس آدمی کے پاس رہتی تھی اور یہ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ اس عمارت سے تہہ خانوں کا راستہ شروع ہوتا ہے۔ سام کریگ بظاہر خود کو اس دھندے سے بالکل الگ تھلگ رکھتا تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ ایک ایک چیز پر اس کی نگاہ رہتی تھی۔ اپنی خواب گاہ میں بیٹھے بیٹھے ہی اُسے علم ہو جاتا تھا کہ نوٹ چھاپنے کا کام کب شروع کیا گیا اور کتنے نوٹ چھاپے گئے۔ جیسے ہی نیچے مشین حرکت میں آتی خواب گاہ کے مینٹل پیس والا سرخ بلب روشن ہو جاتا اور حرکت کرتے ہوئے ہندسے چھپنے والے نوٹوں کی تعداد بتاتے رہتے۔“

”مگر ہیری کے متعلق آپ کو یقین کیسے ہوا تھا کہ وہی دوسرے گروہ کا سربراہ ہے۔“ سوپر فاروقی نے پوچھا۔

”وہ.... وہ ویٹر جو آپ کی قید میں ہے.... دراصل اس بے چارے نے اس کیس کے سلسلے میں میرا بہت ہاتھ بٹایا ہے۔ وہ بھی سام کریگ ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا اور میرے پیچھے اس لئے لگا تھا کہ ان کاغذات کو اڑا دے۔“

فریدی نے ویٹر کے متعلق بتانا شروع کیا کہ کس طرح وہ اُسے پکڑ کر ریجنٹ ہوٹل سے ایک کیفے میں لے گیا تھا۔

”اوہ پھر....!“ اس نے کہا۔ ”یہ حقیقت ہے کہ وہ میرے اس رویہ پر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔ ہر وہ چیز جو کسی آدمی کے لئے قطعی غیر متوقع ہوتی ہے اس کے اعصاب پر ایک خاص قسم کا اثر ڈالتی ہے جس کے تحت وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی اصلیت سے ہٹ جاتا ہے۔ یعنی مثال کے طور پر کوئی آدمی آپ کے خلاف بھرا بیٹھا ہے اور اسے توقع ہے کہ آپ آتے ہی اس پر ہاتھ چھوڑ دیں گے لیکن اس کے برخلاف آپ نہایت محبت کے ساتھ اُسے سگریٹ پیش کرتے ہیں وہ فوراً ہی جذباتی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ابھی تک وہ آپ کے لئے غصہ اور نفرت لئے بیٹھا تھا لیکن آپ کے رویے نے ان جذبات کے برعکس ایک تیسرا جذبہ اس کے ذہن پر مسلط کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس فوری جذباتی تغیر کا اثر سسٹم پر ضرور پڑے گا اور اس کے رویے میں بہتیری تبدیلیاں ظاہر ہوں گی۔ مثلاً وہ ہکلائے گا۔ جھینپے گا اور کبھی اس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے کی

جھلاہٹ کا پرتو نظر آئے گا۔ وہ خود بھی اپنے اندر ان تبدیلیوں کو محسوس کرے گا لیکن جتنا بھی وہ ان کے متعلق سوچے گا اتنا ہی نروس ہوتا چلا جائے گا پھر اسے ذہنی کرب سے پیچھا چھڑانے کی صرف ایک ہی صورت نظر آئے گی۔ وہ یہ کہ وہ آپ سے ہم آہنگ ہو جائے۔ خود کو آپ کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔ یہی حال اس ویٹر کا بھی ہوا وہ سمجھا تھا کہ ہوش میں آنے پر وہ اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھے گا لیکن اس کے بجائے اس نے اپنا حلیہ ہی تبدیل پایا.... اور پھر.... جب میں اُسے ایک دوسرے ریستوران میں لا کر اس کی خاطر مدارت کرنے لگا تو وہ بالکل ہی نروس ہو گیا بس پھر میں نے سیسہ پگھلتے دیکھ کر اُسے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نے اس کی شکل اس لئے تبدیل کر دی ہے کہ وہ اپنے ہی کسی آدمی کی گولی سے محفوظ رہے۔ اس پر اس نے بتایا کہ میرا خیال صحیح تھا۔ گروہ کا ہر فرد جانتا ہے کہ وہ جب بھی پولیس کے ہاتھوں میں پڑا، بیان دینے سے پہلے ہی کسی نہ کسی طرح مار ڈالا جائے گا۔ اس کے بعد اس نے سب کچھ اگل دیا، لیکن وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ گروہ کا ہیڈ سام کریگ ہے.... لیکن ہیری اور اس کے ارادوں سے واقف تھا۔ ہیری بھی جانتا تھا کہ گروہ والے عام طور پر اپنے سربراہ سے واقف نہیں ہیں اس لئے اگر بزنس پر آسانی سے اس کا قبضہ ہو جاتا تو گروہ والوں کو اس تبدیلی کا بھی علم نہ ہوتا۔“

بقیہ لوگ خاموشی سے فریدی کی تقریر سن رہے تھے جب وہ خاموش ہوا تو فاروقی نے کہا۔ ”ان لوگوں نے بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر سونا اسمگل کیا ہے تہہ خانوں سے جو سونا برآمد ہوا ہے، اس کی قیمت کم از کم ڈھائی کروڑ ضرور ہو گی۔“

”ابھی نہ جانے کتنی گرفتاریاں باقی ہیں۔“ فریدی بولا ”لیکن واضح رہے کہ وہ ویٹر جو آپ کی قید میں ہے وعدہ معاف گواہ بنایا جائے گا۔“

”تو نگار والے قتل کا ذمہ دار آپ کسے ٹھہراتے ہیں۔“

”سو فیصدی ہیری کو.... جب شاہد کو اس کی اصلیت کا علم ہو گیا تھا تو اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ہیری ہی کے کسی آدمی نے رائفل لوڈ کی ہو گی۔“

اس کے بعد پھر ضابطے کی کارروائیاں شروع ہو گئیں اور فریدی جس کا کام قریب قریب ختم ہو چکا تھا ہوٹل واپس آ گیا۔ لیکن حمید سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ تو اس ڈر سے بھاگا بھاگا پھر رہا تھا کہ فریدی کہیں سختی سے باز پرس نہ کرے کہ اس نے اُسے اطلاع دیئے بغیر لوسی پر

ڈورے کیوں ڈالے تھے۔

نیلم موجود تھی، فریدی کو دیکھتے ہی وہ مسکرائی۔

"میرے خیال سے آپ بابا کو معاف کر دیجئے۔" اس نے کہا۔

"وہ ہے کہاں؟"

"پتہ نہیں.... مگر.....!"

"میں اب اچھی طرح اس کی خبر لوں گا۔ تنگ آگیا ہوں۔ اگر میں کسی کام پر لگاتا ہوں تو دم نکلنے لگتا ہے اور خود مجھے اطلاع دیئے بغیر کنوئیں میں چھلانگ لگادے گا۔ آگ میں کود پڑے گا۔ اگر اس نے مجھے سام کریگ کی خواب گاہ کے مینٹل پیس کے متعلق پہلے ہی بتادیا ہوتا تو اس کیس میں اتنی دیر کیوں لگتی اور پھر یہ کیس ایسا تھا کہ اُسے اپنی تفتیش کی رپورٹ باضابطہ طور پر دینی چاہئے تھی۔ کیونکہ اس میں محکمے کے دو آفیسر بھی ملوث تھے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر پچھلی رات وہ وہاں سے کھسک ہی نہ گیا ہوتا تو مجھے س کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں ڈالنی پڑتیں۔"

"اوہ.... تو اسی لئے آپ نے کہا تھا کہ بالکل گدھا نہیں ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا.... وہ سگار سلگانے لگا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 69

ٹھنڈی آگ

(مکمل ناول)

پیش رس

اس کتاب کا پیشرس کسی کے اس مقولے سے شروع کررہا ہوں کہ

"دیر آید درست آید"

فی الحال جو کچھ بھی ہے حاضر ہے۔

میں ان تمام دوستوں کا بیحد مشکور ہوں جنہوں نے لاہور کے ایک پبلشر کی اس غیر قانونی حرکت کے سلسلے میں مجھے خطوط لکھے ہیں کہ اس نے میرا ناول "طوفان کا اغواء" بعض ناموں کی تبدیلی کے ساتھ پیش کر کے شرافت کا نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ اس نے یہ اقدام میری اجازت حاصل کئے بغیر کیا تھا اور اس سلسلے میں ان تمام لوگوں کے خلاف قانونی کاروائی کی جارہی ہے۔ جنہوں نے غیر قانونی طور پر اس کتاب کی طباعت اشاعت اور فروخت میں حصہ لیا ہے۔

خیر چھوڑیئے یہ سب تو ہوتا ہی رہتا ہے.... اس بار آپ کیپٹن حمید سے براہِ راست گفتگو کرسکیں گے۔ کیوں کہ وہ خود ہی براہِ راست آپ کو مخاطب کر رہا ہے۔ اپنے مخصوص انداز میں اس نے کیسی پھل جھڑیاں چھوڑی ہیں۔ اس کا اندازہ تو آپ کہانی پڑھ کر ہی لگا سکیں گے۔ کہانی بھی حیرت زدہ کردینے والی ہے۔ اس کہانی سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوسکے گا کہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کس طرح یکجا ہوئے تھے۔ یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور بڑی حد تک دردانگیز بھی۔ مگر حمید ہی اس ٹریجڈی کا پس منظر بھی آپ پر واضح کردے گا۔

ابن صفی

۶/اکتوبر ۱۹۵۷ء

میز پر لاش

یقین کیجئے یا نہ کیجئے کہ آج میں.... یعنی کیپٹن حمید آپ سے براہِ راست مخاطب ہوں.... براہِ راست مخاطب کرنے کی یوں ضرورت پیش آئی کہ تذکرہ نویسوں نے (میں ان کی نیت پر شبہ نہیں کرتا) یا تو میرے ساتھ پورا پورا انصاف نہیں کیا یا پھر آپ ہی نے ان کی تحریروں سے غلط مطالب اخذ کئے ہوں۔ ویسے میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اکثر میری تفریحات کے تذکرے مبالغہ آمیز ہوجاتے ہیں۔ مگر آپ یہ تو سوچئے کہ زیب داستان کے لئے بھی تو کچھ نہ کچھ ہونا ہی چاہئے۔ لہٰذا مجھے اپنے تذکرہ نویس صاحب سے اس سلسلے میں کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں تو دراصل یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے متعلق کوئی غلط رائے نہ قائم کریں۔ ویسے اگر آپ نے کر بھی لی تو میرا کیا بگاڑ لیں گے.... جی ہاں۔

خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمہید کے طور پر بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔ اب یوں ہی گفتگو کیسے شروع کردی جائے۔ پھر کیا میں یہ لکھتا کہ اپنی یہ کہانی میں خود ہی بیان کروں گا۔ جو کچھ کرنا ہے کرلیجئے؟ کیا میں آپ سے کمزور ہوں۔ آپ خود سوچئے اپنی کہانی اپنی زبانی سے بیان کرنے میں کتنا لطف آتا ہے اور کون نہیں چاہتا کہ دس آدمیوں میں بیٹھ کر اپنی انیاں بیان کرے.... جس کے پاس اپنی کہانیاں نہیں ہوتیں وہ گھڑتا ہے ایسی کہانیاں جو کسی ناملے میں دوسروں کو مرعوب کرسکیں۔ مثلاً اگر آپ جوان ہیں تو اپنے عشق کی ایسی داستانیں نائیں گے کہ سننے والے اپنا دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر بیٹھیں۔ اگر آپ بوڑھے ہیں تو پنے ایام تحصیلداری کے ایسے قصے سنائیں گے کہ جیسے آپ سے بڑا تحصیلدار آج تک پیدا ہی نہ

ہوا ہو۔ اگر آپ بچے ہیں تو اپنی بہادری کی ڈینگیں اس طرح مارتے پھریں گے جیسے آپ وہی ہیر
جسے سیمرغ اپنے گھونسلے میں اٹھالے گیا تھا اور بعد کو آپ رستم کے پردادا کہلائے تھے۔

بہرحال بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنی کہانی خود ہی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بہتیرے حضرات یہ جاننا چاہتے ہیں کہ میں اور کرنل کب اور کن حالات میں یکجا ہوئے تھے۔ چلئے پہلے یہی سن لیجئے۔ میں نے بی۔اے کیا تھا اور ایم اے میں پڑھ رہا تھا کہ تیسری جنگ شروع ہوگئی۔ میرے باپ ایک بہت بڑے زمیندار اور تاج برطانیہ کے وفادار ترین لوگوں میں سے تھے انہوں نے گاؤں سے رنگروٹ بھرتی کرانے شروع کئے۔ وہ فخریہ لوگوں سے کہتے کہ وہ حکومت کے اتنے وفادار ہیں کہ اس کی مدد کے لئے سب کچھ کرسکتے ہیں۔ ایک بار کسی ہم چشم نے کہہ دیا کہ خان صاحب تمہارا بھی تو جوان بیٹا ہے اسے فوج میں بھرتی کراؤ۔ تب ہم دیکھیں گے کہ کتنے وفادار ہو۔ چنانچہ آ گیا جلال خان صاحب کو اور مجھے اسی دن حکم دیا کہ میں کمیشن لے لوں۔ میں نے قسمیں کھائیں کہ میں قطعی اس قابل نہیں ہوں.... یقین نہ آئے تو استاد تشنہ مرادآبادی سے پوچھ لیجئے کہ میں نے حال میں شاعری شروع کی ہے اور استاد بن خاں سے ستار بجانا بھی سیکھ رہا ہوں مگر کون سنتا ہے فغانِ درویش۔

کمیشن لینا پڑا.... جب تک کسی محاذ جنگ پر نہیں جانا پڑا دل کھول کر عیش کئے۔ یقین کیجئے کہ کئی سال ادھر اُدھر کیمپوں میں بسر ہوتی رہی، اور میں دعائیں مانگتا رہا کہ کسی طرح لڑائی ختم ہوجائے اور میں میدان جنگ کی صورت دیکھے بغیر ہی غازی ساجد حمید بن جاؤں.... مگر توبہ کیجئے۔ ایک دن کھلونے بنانے والا جاپان بھی جنگ میں کود پڑا اور مشرق بعید میں بھی محاذ جنگ قائم ہوگیا۔

بہرحال مجھے تو اسی وقت یقین ہوا کہ کھلونے بنانے والا جاپان بھی جنگ میں کود سکتا ہے جبکہ میرے یونٹ کو مشرق کے کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ کیا جانے لگا۔

گھروں میں بیٹھ کر جنگ کی خبریں سننا اور پڑھنا اور بات ہے لیکن آپ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ میدان جنگ کس چڑیا کا نام ہے۔ آپ کسی کی فتح اور شکست پر بغلیں تو بجا سکتے ہیں لیکن شکست کھانے والے تو الگ رہے خود فاتحین سے پوچھئے کہ ان پر کیا گذری ہے۔ کیا ان کے ہاتھ اس قابل رہ گئے ہیں کہ وہ بغلیں ہی بجانے کے کام آسکیں۔

آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ اب میں میدان جنگ کا نقشہ کھینچ کر آپ کو بور کروں گا میں تو یہ بتانا
چاہتا ہوں کہ میں ایسا کیوں ہوں۔ میں ہر وقت قہقہے لگانا کیوں چاہتا ہوں۔ مجھے ہر وقت تفریح کی
لاش کیوں رہتی ہے۔ میں اکثر سنجیدگی کے مواقع پر بھی غیر سنجیدہ کیوں نظر آتا ہوں؟ ادھر
یئے ذرا میری پچھلی زندگی میں جھانکنے کی کوشش کیجئے۔

میں جس نے شاعری شروع کی تھی.... میں جو آرٹسٹک خیالات رکھتا تھا۔ میں جس نے
تار سیکھنا شروع کیا تھا۔ زبردستی جنگ کے میدان میں دھکیل دیا گیا۔ میں نے طالب علمی کی
ندگی میں کبھی بھولے سے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ فوجی بنوں گا۔ (یہ اور بات ہے کہ فلمی ہیرو
بننے کے خواب میں نے بکثرت دیکھے ہوں) ہاں تو بالکل غیر متوقع طور پر اور دل پر جبر کرکے میں
نے یہ لائن اختیار کی تھی۔ اگر نہ کرتا تو میرے والد خان اپنی دھمکی کے مطابق نہ زندگی بھر میری
ل دیکھتے اور نہ میری شادی پھمن پور کے جاگیردار کی لڑکی سے ہوسکتی جو مجھے بہت اچھی لگتی
ی۔ وہ میری شکل دیکھتے یا نہ دیکھتے اور میں کسی دوسرے جاگیردار کی لڑکی سے شادی بھی کرسکتا
ا کیونکہ ہر لڑکی لڑکی ہی ہوتی ہے لڑکا نہیں۔ رہا اچھی لگنے کا سوال تو کچھ دنوں کے بعد ہر لڑکی
بھی لگنے لگتی ہے خواہ وہ کولتار کا پیپہ ہی کیوں نہ ہو۔ میں دراصل صرف ایک بات سے ڈرتا
ا.... وہ صرف اتنی سی تھی کہ اگر جیب خرچ بند ہوگیا تو میں کیا کروں گا۔ والد خان کچھ ایسے ہی
دی تھے جو کہتے کر گذرتے تھے بلکہ پہلے کر گذرتے تھے پھر کہتے تھے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ کشت و خون قتل و غارت گری نے میری زندگی میں مایوسیاں بھر
یں۔ میں بے تحاشہ شراب پینے لگا تھا اور عورتیں میری زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی تھیں۔
پ یقین کیجئے میں اتنا بدنام ہوگیا تھا کہ سزا کے طور پر میرا درجہ گھٹا دیا گیا۔ یعنی سیکنڈ لیفٹیننٹ
ے سارجنٹ بنا دیا گیا۔ لیکن مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ کیونکہ میری انگلی سے مضراب نکال
راسے زبردستی رائفل کے ٹریگر پر رکھ دیا گیا تھا۔ اسی دوران میں سنگاپور میں تین لڑکیاں
کرائیں۔ اتفاق سے وہ جاپانی جاسوس تھیں۔ ان کا راز اتفاقاً مجھے معلوم ہوا۔ اس میں میری
رششوں کو دخل نہیں تھا۔ اس کے بعد ہی مجھے ملٹری کی سیکرٹ سروس میں لے لیا گیا۔ مگر عہدہ
ی رہا سارجنٹ کا۔ ان لڑکیوں کے ذریعہ ایک بہت بڑے گروہ کی گرفتاری عمل میں آئی جو منظم
ور پر جاپان کے لئے کام کر رہا تھا۔ پھر کچھ ہی دنوں کے بعد جنگ ختم ہوگئی اور مجھ جیسے ہزاروں

تیس مار خاں غازی کہلائے۔

لیکن یقین کیجئے کہ میں پھر گھر واپس نہیں گیا۔ سنگاپور سے واپسی پر میرے ایک شناسا نے جو میرے ہی گاؤں سے تعلق رکھتا تھا اپنی اور میری واپسی کی اطلاع اپنے گھر والوں کو دی تھی۔ والد خان جن سے عرصہ سے خط و کتابت بند تھی اس اطلاع پر مجھے ریسیو کرنے دوڑے چلے آئے، مگر میں نے انہیں نہیں پہچانا۔ پہچاننے سے انکار ہی کر دیا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا کہ میں نے انہیں اس سے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں اگر انہوں نے خواہ مخواہ میرا باپ بننے کی کوشش کی تو میں ان کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر دوں گا۔ والد خان اس پر بغلیں جھانکنے لگے.... یقیناً یہ خبر ان کے لئے ایٹم بم سے کم کسی طرح نہ رہی ہو گی.... آپ مجھے بُرا کہیں گے۔ لیکن میری بھی سنئے.... والد خان کو کیا حق حاصل تھا کہ مجھے اپنی آن پر بھینٹ چڑھادیں۔ مجھ میں اس وقت اتنی کمزوری تھی کہ میں صرف والد خان ہی کو ان داتا تصور کرتا تھا۔ یہ سوچتا تھا کہ اگر انہوں نے اپنی پٹھانی آن کے مقابلے میں میری نافرمانی کو کمتر سمجھا تو مجھے در در کی ٹھوکریں کھانا پڑیں گی اور ہو سکتا ہے کہ میں ایک بہت بڑی جائیداد سے بھی محروم ہو جاؤں۔ مگر اب تو میری دنیا ہی بدل چکی تھی۔ میں ایک ہولناک جنگ دیکھ چکا تھا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ آدمی کتنا بے وقعت جانور ہے۔ وہ گرتی ہوئی عمارتوں کے نیچے دب کر کس طرح چیختا اور کراہتا ہے۔ وہ کس طرح چوہے دان میں پھنسے ہوئے چوہوں کی مانند بے بسی سے مر جاتا ہے۔ میں نے کیا نہیں دیکھا تھا۔ سب کچھ دیکھا تھا.... اور جو کچھ بھی دیکھا تھا اسی کی پرچھائیں میرا مستقبل بننے والی تھیں اور مستقبل میری نظروں میں کیا تھا۔ اک بیکراں تاریکی.... اک ابدی سناٹا۔ جس کے تصور ہی سے ذہن شل ہو کر رہ جائیں۔ خیر ختم کیجئے اس خشک سی بکواس سے میں آپ کو بور نہیں کرنا چاہتا۔

ہاں تو جب والد خاں میرے باپ ہونے پر مصر تھے اور میں اس کی تردید کر رہا تھا۔ میری نظر ایک آدمی پر پڑی جو بہت دلچسپی سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک وجیہہ اور تجیم شجیم نوجوان تھا۔ شخصیت ایسی پرکشش تھی کہ دوسری بار دیکھنے کو بھی دل چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں عجیب تھیں بڑی بڑی پلکیں اور اس طرح نیچے جھکی آرہی تھیں جیسے وہ اسی جگہ کھڑے کھڑے سو جائے گا۔ جیسے ہی ہماری آنکھیں چار ہوئیں اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور

مسکراہٹ بھی ایسی ہی تھی جیسے وہ مجھ سے واقف رہا ہو۔

مجھے شرارت سوجھی.... والد خاں سے بھی پیچھا چھڑانا چاہتا تھا جو جان کو آگئے تھے.... ں یوں ہی خواہ مخواہ میں "بھائی جان" کہہ کر اس آدمی کی طرف لپکا۔

لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے "جیتے رہو.... خوش رہو۔" کہہ کر مجھے بھینچ اور پھر میری پیٹھ ٹھونک کر بولا۔ "ارے منے تو تو اب ایک دم جوان ہو گیا ہے۔"

والد خان قریب ہی کھڑے آنکھیں مل مل کر ہم دونوں کو گھور رہے تھے۔ مجھے حیرت ضرور ں اور میں اس آدمی کے رویئے پر الجھن میں ضرور مبتلا ہو گیا تھا لیکن یہ یقین تھا کہ اب والد ں سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔ یہی ہوا.... والد خان جھینپے ہوئے انداز میں آگے بڑھے اور تہ سے بولے۔ "معاف کیجئے گا.... مجھے غلط فہمی ہوئی تھی مگر میرا لڑکا آپ کا ہم شکل ہے۔"

"ہو سکتا ہے.... کوئی بات نہیں۔" اس آدمی نے لاپروائی سے کہا اور والد خان اپنے ستوں اور اعزہ سمیت وہاں سے چلے گئے۔

اب میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک طرف چلنے ۔ میں بھی تن بہ تقدیر چلا جا رہا تھا۔

ریلوے اسٹیشن سے باہر آکر اس نے ایک کار کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر موش رہا۔ کہتا بھی کیا۔ اس نے جس انداز میں اس مذاق کو حقیقت کا رنگ دے دیا تھا اپنی مثال پ تھا۔

اور اسی وقت میں نے سوچا کہ دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ ستم ظریف لوگ کم نہ ہوں گے۔

کار تیز رفتاری سے شہر کی سڑکیں ناپ رہی تھی اور ہم دونوں خاموش تھے۔ ویسے میں بار بار ھیں پھاڑ کر اُسے گھورتا.... اور سوچتا کہ وہ آخر گونگا کیوں ہو گیا ہے۔

آخر گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ یہ کوٹھی بہت بڑی اور شاندار تھی۔ اس ا پائیں باغ کے ساتھ ہی ساتھ عقبی پارک بھی تھا اور ان کے گرد ہزاروں مربع گز کا احاطہ ۔ میں نے سوچا یا خدا اصلی باپ تو اس حیثیت کا نہیں تھا مگر نقلی بھائی.... نقلی بھائی مجھے ایک ندار کیڈیلاک کار میں یہاں تک لایا تھا۔ میں پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ بھی نہ پڑھ سکا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک ملازم سے کہہ رہا تھا۔ "انہیں باتھ روم وغیرہ دکھاؤ اور ان کا سامان

مہمان خانے میں پہنچادو۔"

اور پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ کون تھا۔ آج کا کرنل فریدی جو اس وقت انسپکٹر فریدی کہلاتا تھا۔ مگر ایک انسپکٹر کے یہ ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ یہ آدمی آخر کتنا بڑا راشی ہے اور اسے کتنی رشوت ملتی ہے۔ کیا حکام بالا کو اس تزک و احتشام کی خبر ہی نہیں ہے۔

شام تک میں نے کرنل سے سچی بات کہہ دی۔ وہ سن کر کافی محظوظ ہوئے۔ لیکن انہوں نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ مجھے اپنے باپ سے ملنا چاہئے۔ یا میں نے غلطی کی ہے۔

میرے سامنے مستقبل کے لئے کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اگر نہیں تھا تو مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ میں تو ان دنوں خود کو قدیم یونان کے فرقہ کلبیہ کا ایک فرد سمجھنے لگا تھا۔

خود کرنل ہی نے میرے سامنے مستقبل کے لئے ایک پلان رکھا۔ ان کا خیال تھا چونکہ میں ملٹری کی سیکرٹ سروس سے منسلک رہ چکا ہوں اس لئے ان کے محکمے میں میرے لئے ضرور گنجائش نکل آئے گی۔

اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے اسسٹنٹ سب انسپکٹر کا رینک مل گیا۔ لیکن ملٹری کے عہدے کے مطابق میں سارجنٹ حمید ہی کہلاتا رہا۔ کرنل نے مجھے شروع ہی سے اپنی ماتحتی میں رکھا تھا۔ ملازمت ملنے کے بعد ہی میں نے ایک علیحدہ مکان کرایہ پر حاصل کرلیا اور وہیں رہنے لگا۔ لیکن زیادہ دنوں تک ایسا نہیں ہوسکا۔ کرنل نے مجھے مجبور ہی کردیا کہ میں رہوں بھی ان کے ساتھ۔

اور پھر اس کے بعد کی زندگی سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ لیکن شاید آپ کو یہ نہ معلوم ہو کہ ایک بار کرنل ہی مجھے میرے گھر لے گئے تھے اور والد خان نے اس سلسلے میں ایک بہت بڑا جشن برپا کیا تھا۔ صلح صفائی ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب گھربار سے طبیعت اچاٹ ہوگئی تھی۔

پھر آہستہ آہستہ میری کایا پلٹ ہوتی گئی۔ میں کرنل کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے مجھے آدمی بنادیا۔ غالباً اسی لئے انہوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ میری اصلاح کے لئے ایسے نفسیاتی پہلو اختیار کرتے کہ مجھے بھی خبر نہ ہوتی۔ شراب چھوٹی اور ان مایوسیوں کے تانے بانے میرے ذہن سے غائب ہوئے جن کا تعلق مستقبل سے تھا۔

مگر صرف ایک بات پر آج تک ان سے متفق نہ ہوسکا وہ بات آپ سے بھی پوشیدہ نہیں۔

ی ہاں.... وہی یلا یلیوں والا معاملہ.... اور یہ بھی سن لیجئے کہ اپنے قلم سے اس کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے شرم نہیں آتی۔ شرم یوں نہیں آتی کہ آج تک میرے قدم دوستی سے آگے نہیں ڑھے۔ میں لڑکیوں میں بیٹھ کر گپیں مارنے کا شائق ہوں۔ مجھے ان سے عشق نہیں ہوجاتا۔

اوہو مگر ٹھہریئے۔ شاید آپ شہناز کی مثال پیش کریں۔ تو میں آپ کی خدمت میں یہ طلاع پیش کرتا ہوں کہ میں اس زمانے میں جب شہناز سے ملاقات ہوئی تھی بالکل اناڑی تھا۔ پھر ھی میں اس سے شادی کر ہی لیتا۔ مگر خدا ان وکیل صاحب کو (مرنے کے بعد) جنت نصیب رے جنہوں نے مجھے بال بال بچالیا.... شہناز کو وہ اڑا لے گئے۔ میرے دوست ہی تھے میں نے ا شہناز سے ان کا تعارف کرایا تھا۔ شہناز نے محسوس کیا کہ وہ اس وکیل کے ساتھ زیادہ خوش ہے گی جو ہزاروں روپئے ماہوار کماتا تھا۔ میں بیچارہ تو ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر تھا۔ اور آج تک ں.... یہ اور بات ہے کہ حکومت کے صرف خاص سے مجھے اب اتنے الاؤنسز ملتے ہوں کہ ری تنخواہ اپنے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی کی تنخواہ سے بڑھ گئی ہو۔ مگر شاباش ہے کرنل کو، وہ آج ی اتنی ہی تنخواہ لے رہے ہیں جتنی ایک انسپکٹر کی ہوتی ہے انہوں نے الاؤنسز لینا بھی منظور یں کیا۔ ورنہ ان کی تنخواہ آئی جی سے بھی زیادہ ہوتی۔

ہاں تو میں شہناز کا تذکرہ کررہا تھا۔ وہ تو بہت خوش رہتی ہے لیکن وکیل صاحب ہر وقت اس لی کا سامنہ بنائے رہتے ہیں جیسے حلوہ سوہن کے بجائے دھوکے میں بارسوپ خرید کر کھانا شروع دیا تھا۔

بہرحال یقین کیجئے کہ میرا وہ عشق جذباتی بوکھلاہٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا.... جی ا.... چلئے یہی سہی.... انگور کھٹے ہیں۔ اگر میٹھے بھی ہوتے تو آپ کا کیا بھلا ہوتا۔

چلئے میں جھیپ ہی مٹا رہا ہوں۔ اچھا بس اب خاموش۔ کہانی سنئے جس کے لئے اتنے صفحات ے کئے ہیں۔

وہ ایک حسین شام تھی.... جی ہاں گھبرایئے نہیں۔ میں اسی طرح لکھنے کی کوشش کروں گا ے ناول نویس حضرات لکھتے ہیں.... یعنی وہ ایک ایسی شام تھی جو کسی ناول نویس ہی کو اپنی رف متوجہ کرسکتی تھی۔ ورنہ عام آدمی کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ شفق کا عطر کشید کرکے ملکہ ب کے لباس زرنگار میں لگائے۔ یا شفق کے رنگ اسے ایسے معلوم ہوں جیسے افق نے اس کی

محبوبہ خاص الخاص کی اوڑھنی چرالی ہو۔ یا اور کچھ..... شام پر تو شاعری ہوتی ہے۔ نثر میں بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر زبان سے نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ آپ یہی سب کچھ کسی چوراہے پر کھڑے ہو کر کہنا شروع کر دیں تو ٹریفک کانسٹیبل کسی قریبی دوا فروش کی دوکان سے تھانے کو ضرور فون کرے گا کہ یہاں ایک بزرگوار ٹریفک کی نقل و حرکت میں خلل انداز ہو رہے ہیں اور پھر آپ کو وہاں پہنچا دیا جائے گا جہاں آپ ہی جیسے ہزاروں بھلے آدمی موجود ہوں گے۔ لیکن آپ ان کی نثر سنتے سنتے تنگ آکر شاعری شروع کر دیں گے۔ لیجئے میں پھر بہک گیا۔ بس اپنی کہانی خود ہی لکھتے وقت یہی دشواری آپڑتی ہے۔ مگر میں بہر حال لکھنا چاہتا ہوں۔ خواہ آپ بور ہوں خواہ پڑھ کر بغلیں بجائیں۔

وہ ایک شام ہی تھی اور مجھ پر گھر سے نکل بھاگنے کا جنون طاری تھا۔ کرنل لائبریری میں تھے اور نیلم میرے سر پر سوار تھی۔ نہ جانے کیوں کرنل نے مجھے گھر پر روک رکھا تھا۔ نیلم نے میری زندگی تلخ کر کے رکھ دی تھی اور میرا یہی دل چاہتا تھا کہ اسے یا تو جان سے مار دوں یا خود اپنی ہی گردن میں پھندا ڈال کر ہمیشہ کے لئے اس سے پیچھا چھڑالوں۔

اب آپ ہی بتایئے ایسی باتیں کس طرح برداشت کی جاسکتی ہیں۔ کچھ دن پہلے کی بات ہے میں ہائی سرکل نائٹ کلب میں ایک نئی دوست بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایک یوریشین لڑکی تھی اور اس کے ہونٹ مجھے بہت پسند تھے۔ وہ جب مسکراتی تو اس کے گالوں میں خفیف سے گڑھے پڑ جاتے تھے۔ مجھے ایسی مسکراہٹ والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی تھی۔ پتہ نہیں کیوں۔

بہر حال میں اور وہ ایک میز پر تھے اور ہم میں کتوں کی اقسام پر گفتگو ہو رہی تھی کہ یکایک نیلم آٹپکی۔ مجھے دیکھتے ہی لپک کر میز کی طرف آئی اور بولی۔

"اوہ.... فادر.... میں تمہیں کہاں کہاں ڈھونڈھ آئی ہوں۔"

میں بوکھلا گیا۔ ہزاروں بار سمجھا چکا تھا کہ باہر مجھے فادر یا بابا کہہ کر مخاطب نہ کیا کرے۔ مگر وہ نیلم ہی کیا جو چکنا گھڑا نہ ہو۔ آپ خود سوچئے۔ آپ ایک جوان آدمی ہیں اور ایک جوان لڑکی آپ کو بابا کہنے لگے۔ کیا آپ یہ نہ سوچیں گے کہ کاش آپ بابا ہونے سے پہلے ہی مر جاتے۔ یا اتنی لمبی چوڑی بے بی سرے سے پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔

نیلم کے لہجے میں سنجیدگی تھی اس لئے وہ یوریشین لڑکی متحیر نظر آنے لگی۔ کبھی وہ میری

رف دیکھتی اور کبھی نیلم کی طرف۔ میرا دل چاہا کہ نیلم کی دونوں چوٹیاں پکڑ کر اس وقت زور تار ہوں جب تک کہ اس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف نہ ہو جائے۔

اگر بات یہیں ختم ہو گئی ہوتی تو میں اسے اپنے قہقہوں پر رکھ کر برابر کرنے کی کوشش تا.... مگر وہ تو مر جانے کی حد تک بور کرنے کا تہیہ کر کے آئی تھی۔

اتنی جلدی اس نے اپنے چہرے کے آثار بدلے کہ میں متحیر رہ گیا۔ اس کے ہونٹ کانپ ہے تھے اور چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "پاپا ممی پر ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ وہ ایک تہ سے زیادہ نہ چلیں گی اور تم یہاں تفریح کر رہے ہو۔ پاپا.... اتنے ظالم نہ بنو۔"

یوریشین لڑکی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی میں خود ہی بوکھلا اٹھ گیا۔

"معاف کرنا....!" میں نے اس سے کہا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

اور نیلم کو پیچھے ہی چھوڑ کر خود وہاں سے نکل آیا.... پھر میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ یں رکی تھی یا میرے پیچھے لوٹ آئی تھی۔

اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔ کرنل کو وہ انکل کہتی ہے اور اُن کا بے حد احترام کرتی ہے۔ لیکن مجھے پاپا کہنے کے باوجود بھی چٹکیوں میں اڑاتی ہے۔ ویسے میں اس سے صرف اتنا ہی چاہتا ں کہ گھر پر وہ مجھے بابا، نانا، دادا یا جو کچھ بھی دل چاہے کہہ سکتی ہے۔ مگر باہر اسے اس معاملے ل سنجیدہ رہنا چاہئے۔ نہیں سنتی، نہیں مانتی۔ اب میں نے سوچا ہے کہ اس سے دور چلا اؤں.... بہت دور.... افق کے پار وغیرہ.... جہاں.... لاحول ولا قوۃ پھر بہک گیا۔ میں تو پ کو ایک کہانی سنانے جا رہا تھا۔

بہر حال وہی شام تھی جب اس کہانی کا آغاز ہوا۔ مجھے یہی اطلاع ملی تھی کہ کرنل اس وقت ائبریری میں موجود ہیں۔ لیکن انہوں نے مجھے تجربہ گاہ سے بلوا بھیجا۔ ان کی تجربہ گاہ اوپری نزل پر ہے۔

میں اوپر پہنچا لیکن تجربہ گاہ میں قدم رکھتے ہی چکر سا آگیا۔ سامنے ہی بڑی میز پر ایک آدمی لاش پڑی ہوئی تھی جس کا پیٹ پھٹ گیا تھا۔ آنتیں باہر آگئی تھیں اور تازہ تازہ خون میز پر

چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔

لاش کی انگڑائی

میں جہاں تھا وہیں رک گیا۔ کبھی میں کرنل کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی لاش کی طرف۔ کرنل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ اتنے مزے میں سگار کے کش لے لے کر دھواں بکھیر رہے تھے جیسے انواع و اقسام کی شیرینی کے کسی خوان کے قریب کھڑے ہوں۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ مطلب یہ تھا کہ اُن کے قریب آ جاؤں۔

"اس لاش کے متعلق کیا خیال ہے۔" انہوں نے کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا۔ پھر لاش کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔

"لاشوں کے متعلق کیا خیال ظاہر کروں۔ مگر یہ یہاں کیسے آئی۔"

اور پھر دفعتاً اچھل کر میں پیچھے ہٹ آیا۔ کیونکہ لاش کے ہاتھوں میں حرکت ہوئی تھی۔

میری آنکھیں حلقوں سے ابل پڑیں۔ لاش کے ہاتھ باہر نکلی ہوئی آنتیں سمیٹ سمیٹ کر پھٹے ہوئے پیٹ میں بھر رہے تھے۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کانپنے لگوں یا چیخ مار کر بیہوش ہو جاؤں۔ دوسری ہی صورت بہتر معلوم ہوئی۔ بیہوش ہی ہو جانے میں عافیت تھی۔ کیونکہ اگر وہ لاش اپنی آنتیں پیٹ میں بھر لینے کے بعد "مان مرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار" گانا شروع کر دیتی تو میں کیا کرتا۔

"کک.... کیا میں بیہوش ہو جاؤں۔" میں نے کرنل سے پوچھا۔

کرنل ہنس پڑے۔ پتہ نہیں میری بوکھلاہٹ پر ہنسے تھے یا کوئی اور بات تھی۔

اب میں نے دیکھا لاش اپنا پیٹ برابر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دونوں ہاتھ بڑی سرعت سے پیٹ پر مالش سی کر رہے تھے اور پھر وہ میز پر اس طرح آ ٹکے جیسے لاش اٹھ کر بیٹھنے والی ہو۔

ر آنکھیں بند تھیں۔

اور میں یکلخت بھاگ نکلنے کی پوز میں آ گیا تھا۔

کرنل نے مجھے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور وہ لاش کی طرف بڑی دلچسپی سے دیکھتے رہے۔ ں نے کچھ کہنا چاہا لیکن آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس منظر کو تفریح ے کس خانے میں فٹ کروں۔ کیونکہ کرنل کے چہرے پر تو اس قسم کے آثار تھے جیسے وہ اس ے بہت زیادہ لطف اندوز ہو رہے ہوں۔

میں نے ایک بار پھر کنکھیوں سے لاش کی طرف دیکھا۔ اس کی آنتیں پیٹ کے اندر جا چکی ں اور پیٹ کی سطح حیرت انگیز طور پر برابر ہو گئی تھی۔ کہیں بھی شگاف یا زخم کا نشان نہیں نظر تھا۔

اس شخص کے خدوخال چینیوں کے سے تھے۔ جسم گٹھیلا اور قد معمول سے کچھ چھوٹا تھا۔ عمر رازہ لگانا مشکل تھا کیونکہ کبھی وہ نوجوان معلوم ہوتا تھا اور کبھی ادھیڑ۔

دفعتاً اس نے آنکھیں کھول دیں اور حمید کو دیکھ کر کچھ چونک سا پڑا۔

"میرے اسسٹنٹ کیپٹن حمید.... مسٹر چیانگ....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اوہ....!" چینی نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دی پھر ایک ں انگڑائی کے ساتھ جمائی لیتا ہوا بولا۔ "یہ اور ایسے بہتیرے شعبدے کرنل۔ آپ کا کیا اہے۔"

"بہت خوب۔" کرنل مسکرائے۔ "مگر مسٹر چیانگ یہ کتنا بڑا عذاب ہے کہ خواہ مخواہ ایک وزن اٹھائے پھرو۔"

"میں عادی ہو گیا ہوں کرنل۔"

"حمید! آپ فارموسا کی سیکرٹ سروس کے چیف مسٹر کاؤ پی چانگ ہیں.... میرے پرانے ت۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" میں لمبی لمبی سانسیں لیتا ہوا بولا۔ "لیکن کیا ابھی یہ آپ کو یقین دلانے شش کر رہے تھے کہ یہ اب بھی دوست ہیں۔"

"اوہو.... ہو.... ہو...." چینی ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں لا کر ہنسا۔ پھر بولا۔ "یہ تو

ایک شعبدہ تھا۔"

پھر وہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ میز سے اتر کر وہ ایک کرسی پر آبیٹھا اور میں اسے اس طرح دیکھتا رہا جیسے وہ ابھی ہوا میں تحلیل ہو جائے گا۔

جس کرسی پر وہ بیٹھا تھا اسی کے قریب ہی ایک چھوٹا سا ہینڈ بیگ رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر کھولا اور ایک عجیب وضع کا پائپ نکال کر اس میں سیاہ رنگ کی ایک گولی ڈالی اور پھر دیا سلائی لگاتے ہی سارا کمرہ تیز قسم کی بو سے بس گیا۔ دھوئیں کے کثیف بادل اس کے ہونٹوں سے نکل کر فضا میں منتشر ہو گئے۔

اس نے پے در پے دو تین گولیاں پی ڈالیں اور پھر کرسی کی پشت سے ٹک کر آستین سے ہونٹ صاف کیے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

وہ کرنل کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت وہ نجانے کیوں سو فیصدی احمق معلوم ہو رہا تھا۔

کچھ بھی ہو امیں بھی تک اسی الجھن میں مبتلا تھا۔ ایک لاش جس کی آنتیں باہر نکل آئی ہوں اور.... وہ لاش اب ہنس رہی تھی۔ افیون پی رہی تھی۔ گفتگو کر رہی تھی اور کرنل نے اس لاش کا نام کاؤپی چانگ بتایا تھا۔ میں نے میز کی طرف دیکھا جس پر اب بھی خون پھیلا ہوا تھا۔

کرنل حسب معمول سگار پی رہے تھے اور کچھ سوچ رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے چانگ کو مخاطب کر کے کہا۔ "یہی وہ آدمی ہے جس کا تذکرہ میں نے آپ سے کیا تھا۔ مسٹر چانگ۔"

چانگ نے مجھے اس طرح دیکھنا شروع کیا جیسے اب پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

"ہاں....!" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ان میں مجھے کچھ ایسی ہی خصوصیات نظر آ رہی ہیں کرنل کیا یہ ایک مستقل مزاج آدمی ہیں۔"

"ہوں یا نہ ہوں۔" کرنل میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائے۔ "لیکن اس معاملے میں بے حد مستقل مزاج ثابت ہوں گے۔"

"کس معاملے میں۔" میں نے پوچھا۔

"ٹھہریے....!" کاؤپی چانگ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کیا آپ عشق کر سکتے ہیں۔"

"پندرہ ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار سے۔" میں نے جواب دیا۔

"اجنبی عورتوں سے گفتگو کرتے وقت ہکلاتے تو نہیں ہیں۔"

"نہیں....!" میں نے کہا۔ "بشرطیکہ ان کی آنتیں پیٹ کے باہر نہ ہوں۔"

وہ پھر "ہو ہو" کر کے ہنسا۔ اس کے ہنسنے کا انداز مجھے قطعی پسند نہیں آیا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ کام ان کے علاوہ اور کوئی انجام نہ دے سکے گا۔" کرنل نے کہا۔

میں نے سوچا آج تو ایک انہونی ہو رہی ہے۔ یعنی کرنل میرے متعلق کسی کو یقین دلا رہے ہیں کہ میں یعنی حمید (جس کا دماغ ہر وقت کھوپڑی کے گرد منڈلایا کرتا ہے) کوئی کام بھی انجام دے سکوں گا.... لیکن میں نے وضاحت نہیں چاہی۔ ضرورت بھی کیا تھی۔ اگر کرنل کوئی کام مجھ سے لینا ہی چاہتے ہوں تو میرے فرشتے بھی اس سے پہلو تہی نہیں کر سکتے۔ پھر وضاحت کے لئے بے چینی فضول تھی۔ مگر وہ لاش.... مگر یہ کاؤپی چانگ کیا بلا تھا۔

"لیکن کرنل....!" کاؤ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مجھے توقع تھی کہ آپ خود ہی اس میں دلچسپی لیں گے۔"

"میں یقیناً دلچسپی لے رہا ہوں مسٹر چانگ۔" کرنل نے کہا۔ "مگر اس سلسلے کے کچھ کام صرف کیپٹن حمید ہی کر سکیں گے۔ مثلاً یہ کہ مجھے عشق کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ کیپٹن حمید آئے دن ریکارڈ توڑتے رہتے ہیں۔"

"گراموفون کے" میں نے آہستہ سے کہا اور پھر مجھے مسٹر کاؤپی چانگ کی "ہو ہو" سننی پڑی۔

میں نے تہیہ کر لیا کہ اب کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جس پر مسٹر کاؤپی چانگ کو ہنسنا پڑے۔ مگر میری الجھن بڑھتی جا رہی تھی اور میں بار بار اس خون کی طرف دیکھ رہا تھا جو میز پر پھیلا ہوا تھا۔

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔" مسٹر چانگ نے پوچھا۔

"آپ کیپٹن کو اپنے ساتھ لے جائیے۔"

"لیکن میں اپنی آنتیں دوبارہ اپنے پیٹ میں بھر لینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔" میں بول پڑا۔

"اوہ.... تم اس کی پرواہ نہ کرو۔" کرنل نے مجھ سے کہا۔ "وہ محض اک شعبدہ تھا۔ مسٹر کاؤ مس دم کے ماہر ہیں۔ وہ گھنٹوں مردوں کی طرح پڑے رہ سکتے ہیں.... اور....!"

کرنل خاموش ہو کر مسکرائے.... پھر بولے۔ "اور یہ دوہرا پیٹ رکھتے ہیں۔"

گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔ کاؤ نے پھر "ہو ہو" شروع کر دی تھی۔ تھوڑی دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "کیپٹن ادھر دیکھئے۔"

اس نے پیٹ کھول دیا تھا۔ ناف میں دو انگلیاں ڈال کر اسے کھینچتا چلا گیا اور ایک بار پھر اس کی آنتیں باہر نکل پڑیں۔ میں کانپ گیا۔ وہ پھر ہنسنے لگا تھا۔

ایک بار تو میں نے آنکھیں بند ہی کر لیں۔ میں خائف نہیں تھا بلکہ اس منظر سے کراہت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے پھر آنتیں سمیٹ کر اندر کر لیں اور جس سوراخ سے آنتیں باہر آئی تھیں اس نے سمٹ کر ناف کی شکل اختیار کر لی۔

"یہ پلاسٹک کا مصنوعی پیٹ ہے اور آنتیں بھی پلاسٹک ہی کی ہیں۔" کرنل بولے۔ "اور اس پلاسٹک کے پیٹ میں بکرے کا خون بھرا ہوا تھا۔"

کاؤ اٹھ کر دوسری طرف مڑ گیا اور اس نے پشت سے قمیض اٹھائی۔ اس کی پشت پر تین پٹیاں سی نظر آئیں اور کرنل بولے۔ "یہ مصنوعی پیٹ اس طرح اصل پیٹ پر منڈھ لیا جاتا ہے۔"

"مگر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"مائی ڈیئر کیپٹن" کاؤ میری طرف مڑ کر بولا۔ "اسی پیٹ نے کئی بار میری جان بچائی ہے۔ جب نیشلسٹ چین کا زوال ہو رہا تھا ایک بار میں ایک ندی کے کنارے دشمنوں میں گھر گیا۔ تھوڑی دیر تک تو لڑتا رہا پھر آنتیں نکال کر ڈھیر ہو گیا۔ انہوں نے مردہ سمجھ کر ندی میں پھینک دیا اور پھر میرا یہ مصنوعی پیٹ لائف بیلٹ بن گیا۔"

"لائف بیلٹ....!" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں لائف بیلٹ.... یہ دیکھئے۔"

اس نے پھر قمیض اٹھا کر ناف میں پوری انگلی ڈال دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اندر کوئی چیز ٹٹول رہا ہو۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک پتلی سی ربر کی نلکی باہر نکلتی چلی آ رہی ہے۔ اس نے نلکی کا سرا ہونٹوں میں دبا کر پھونکنا شروع کیا اور اس کا پیٹ پھولنے لگا۔ پھر اچھی خاصی توند نکل آئی اب اس نے نلکی میں ایک گرہ دے کر چھوڑ دیا۔

"یہ دیکھئے" اس نے کہا۔ "اگر تیرتے تیرتے بازو شل ہو جائیں اور میں ہاتھ روک لوں تب بھی نہیں ڈوب سکتا۔ یہ حاملہ کا پیٹ مجھے پانی کی سطح پر ہی رکھے گا۔"

اور پھر اس نے "ہو ہو" شروع کر دی۔ یوں ہی خواہ مخواہ ہنستا رہا اور میں سوچتا رہا کہ کاش میں ں کے حلق میں کپڑا ٹھونس سکتا۔

"تو کیپٹن آپ میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کہاں....!"

"جہاں میں لے چلوں۔"

"مگر میرے پاس ایسی لائف بیلٹ نہیں ہے جو حاملہ کا پیٹ بن کر میری جان بچا سکے۔" یں نے کہا۔

میں نے یہ بات کہنے کو تو کہہ دی مگر پھر بے حد افسوس ہوا۔ کیونکہ اس کی "ہو ہو" ایک بار ہر "چالو" ہو گئی تھی۔

"تم اپنے ساتھ اپنے بہترین سوٹ لے جاؤ۔" کرنل بولے۔ "اور جتنی بھی آرائشی صنوعات لے جا سکتے ہو ضرور لے جاؤ۔"

میں نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔

"بس جاؤ تیاری کرو۔ تمہیں جو کچھ بھی کرنا ہے وہ مسٹر چانگ سے معلوم ہو جائے گا۔"

طبیعت جھنجھلا گئی اور میں نے سوچا اچھا بیٹا چانگ تم بھی کیا یاد کرو گے.... یاد کرو گے اور سر پکڑ کر روؤ گے.... تمہیں بھی مرنے کے لئے یہی جگہ پسند آئی تھی۔

پتہ نہیں کیا قصہ تھا۔ کہاں جانا تھا۔ کس سے عشق کرنا تھا اگر وہ کوئی چینی ہی لڑکی ہوئی تو کیا کروں گا۔

"میں نیچے آ کر روانگی کی تیاری کرنے لگا۔ یہ تیاری بھی ایسی ہی تھی جیسے ہزاروں میل لمبا فر در پیش ہو۔ ایسی صورت میں جب کچھ معلوم ہی نہ ہو، اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ نہ کام کی نوعیت کا علم تھا اور نہ یہی پتہ تھا کہ جانا کہاں ہے۔ شروع شروع میں مجھے کرنل کا یہ طریق کار سخت ناپسند تھا۔ مگر آہستہ آہستہ مجھے احساس ہوتا گیا کہ کرنل ہر معاملے میں نفسیاتی طریقوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اگر کسی کیس کی تفصیلات کا علم پہلے ہی سے ہو جائے تو پھر کام کرنے میں وہ سرگرمی باقی نہیں رہ جاتی جو کسی الجھی ہوئی ڈور کے سلجھانے کے سلسلے میں ہونی چاہئے۔ آج میں آپ کو حقیقت بتا رہا ہوں کہ کرنل کے ساتھ کام کرنے میں مجھے

وہی لطف حاصل ہوتا ہے جو آپ کو کسی اچھی قسم کے جاسوسی ناول سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک ایک کر کے گرہیں کھلتی ہیں۔ ایک کھلی کہ دوسری سامنے موجود ہے۔ اب اسے بھی کھولئے کہ تیسری حاضر ہے۔ بہر حال یہ ساری گرہیں غیر متوقع طور پر سامنے آتی چلی جاتی ہیں اور سرگرمی بڑھتی رہتی ہے۔ اگر ان گرہوں کی مجموعی تعداد کا علم پہلے ہی سے ہو جائے تو کیا یہ دلچسپی باقی رہے۔ میرا خیال ہے کہ میں تو بور ہو کر مر جاؤں.... بس یہ ناول کا سا انداز ہی مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ویسے میں بظاہر کرنل پر تاؤ ہی کھاتا رہتا ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنا یہ پیشہ بے حد پسند ہے۔

آپ مجھے کام چور سمجھتے ہیں۔ اس کی تمام تر ذمہ داری ہمارے تذکرہ نویس صاحب پر ہے۔ ممکن ہے انہوں نے مجھے غلط سمجھا ہو۔ یا محض صفحات بھرنے کی خاطر میری اکتاہٹوں اور کام چوری کا تذکرہ لے بیٹھے ہوں۔ میں نے جب بھی ان سے شکایت کی یہی بولے کہ جناب.... زیب داستان کے لئے بھی تو کچھ ہونا ہی چاہئے۔ عام طور پر پڑھنے والے آپ کو کسی فلمی مسخرے ہی کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں جو مار دھاڑ کی فلموں میں ہیرو کے ساتھ لگا رہتا ہے۔

بڑا غصہ آتا ہے ان کی اس بات پر لیکن کیا کروں خود کرنل ہی ان کا بہت خیال رکھتے ہیں اور انہوں نے آج تک اس پر اعتراض نہیں کیا کہ یہ حمید کا پٹھا آخر فلمی مسخرہ بن کر کیوں رہ جاتا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ مجھے ہنسنے ہنسانے سے عشق ہے لیکن میں کرنل کو اتنا بور بھی نہیں کرتا جتنا ہمارے تذکرہ نویس صاحب بیان کر ڈالتے ہیں۔ خیر چھوڑیئے نہ وہ میری قبر میں لیٹیں گے اور نہ میں ان کی قبر میں لیٹوں گا۔

ہاں تو میں کاؤ پی چانگ کی بات کر رہا تھا۔ کیا مجھے یہ نہ سوچنا چاہئے تھا کہ آخر کاؤ مجھے یا کسی ملازم کو نظر آئے بغیر اوپر تجربہ گاہ میں کیسے پہنچ گیا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد میری حیرت رفع ہو گئی جب میں نے اس بوڑھے کو دیکھا جو اکثر کرنل کے پاس آتا رہتا تھا اور میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ ان کے والد مرحوم کا کوئی دوست ہوگا۔ کرنل اپنے والد کے دوستوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ بہر حال اب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا کون تھا۔ وہ "چانگ ہی تھا۔ اور ایک بوڑھے دیسی آدمی کے میک اپ میں کرنل سے ملتا رہتا تھا۔ اب آپ خود ہی سوچئے کہ میری کھوجی طبیعت کتنی بے چین ہوئی ہوگی۔

یہ تھا کرنل کا طریق کار.... اب اگر اس وقت میں بستر مرگ پر بھی پڑا ہوتا تو یہی دل چاہتا کہ اس کاؤ پی چانگ کے پٹھے کے ساتھ ضرور جاؤں خواہ زندگی بھر ہی اس کی "ہو ہو" کیوں نہ سننی پڑے۔

چانگ کی کار کمپاؤنڈ میں موجود تھی۔ ایک معمولی سی گاڑی تھی بہر حال اس میں اس بوڑھے کی موجودگی سے شتر گربگی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

میں چانگ کے ساتھ کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہم دونوں ہی خاموش تھے۔ میرا خیال تھا کہ ابھی یہ گاڑی شہر سے نکل کر کسی ویران راستے پر لگ جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ راجرس اسٹریٹ کی ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔ خود چانگ ہی اُسے ڈرائیو کر کے یہاں تک لایا تھا۔

"اتر چلو کیپٹن....!" چانگ آہستہ سے بولا اور میں اپنا سوٹ کیس سنبھالتا ہوا نیچے اتر آیا۔

ہم ایک شاندار عمارت کے برآمدے میں کھڑے تھے۔ چانگ نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا اور عمارت کے کسی دور افتادہ حصے سے "ٹرن.... ٹرن!" کی مدھم سی آواز آئی۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک مجہول سے آدمی نے سر نکال کر باہر جھانکا اور پھر ایک طرف ہٹ گیا۔ ہم دونوں عمارت میں داخل ہوئے۔ پی چانگ نے چینی زبان میں اس آدمی سے دو منٹ تک گفتگو کی اور پھر آگے بڑھتا چلا گیا۔ دروازہ کھولنے والے نے سوٹ کیس میرے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ یہ ایک طویل راہداری تھی۔ دفعتاً پی چانگ نے میری طرف مڑ کر کہا۔ "کیپٹن آپ اس کے ساتھ اپنے کمرے میں جایئے، میں کچھ دیر بعد آپ سے وہیں ملوں گا۔"

ملازم مجھے جس کمرے میں لایا وہ صاف ستھرا اور کافی کشادہ تھا۔ ایک طرف ایک مسہری موجود تھی۔ جس پر شفاف بستر تھا۔ دو الماریاں تھیں۔ ایک میز.... ایک لکھنے کی کرسی اور دو آرام کرسیاں۔ ملازم نے سوٹ کیس ایک طرف رکھ دیا اور اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے میرے کسی حکم کا منتظر ہو۔ میرے خیال سے وہ بھی چینی ہی تھا۔ لیکن میک اپ نے اسے اسی طرف کا آدمی بنا دیا تھا یہ اور بات ہے کہ آنکھوں کی اصلاح کسی طرح بھی نہ ہو سکی ہو۔

"کیا ہے۔" میں نے جھنجھلا کر پوچھا۔ مجھے نہ جانے کیوں اس کی موجودگی گراں گزر رہی تھی۔

"میں سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں آپ شغل کرنا پسند کریں یا نہ کریں۔" اس نے انگریزی میں

جواب دیا۔

"کیسا شغل....!" میں اسے گھورنے لگا۔

"افیون....!"

"نہیں.... میں افیونی نہیں ہوں۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم جاسکتے ہو۔"

میرے افیونی نہ ہونے پر اسے اتنی حیرت ہوئی کہ اس کا منہ کھل گیا اور اس کے پھپھوند لگے ہوئے زرد دانتوں پر نظر پڑتے ہی مجھے ابکائیاں سی آنے لگیں۔

"جاؤ.... خدا کے لئے۔" میں ہاتھ ہلا کر بولا۔

"بہت اچھا.... جناب" وہ مسکرایا۔ "مگر اسے یاد رکھئے گا کہ یہ ماسٹر چانگ کا مکان ہے اور یہاں انہیں کا حکم چلتا ہے۔ آج تک کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ ماسٹر چانگ کی پیشکش ٹھکرا سکے۔"

وہ چلا گیا اور میں بیٹھا اس پر دانت پیستا رہا۔

شہزادے کی منگیتر

چانگ کی "کچھ دیر" کا خاتمہ تقریباً دو گھنٹے بعد ہوا۔ میں اس دوران میں یہی محسوس کرتا رہا تھا جیسے میں نے سچ مچ افیون کی چسکی لگالی ہو۔

چانگ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ لیکن اس نے میک اپ میں تبدیلی نہیں کی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں شاید اس نے ابھی ابھی کشیدنی افیون کے دم لگائے تھے۔

"ہاں.... کیپٹن.... ارے آپ نے ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا۔"

"کیسا لباس؟" مجھے غصہ آگیا۔

"ارے.... کیا اس مردود نے آپ کو اطلاع نہیں دی تھی کہ ہم ہوٹل ڈی فرانس میں کھانا کھائیں گے۔"

"مجھے کسی مردود نے اطلاع نہیں دی۔"

"اوہ....!" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا۔ "آپ بہت اچھے ہیں کیپٹن کہ آپ

کو افیون سے رغبت نہیں ہے۔ وہ کمبخت پنک میں آپ کو اطلاع دینا بھول گیا ہوگا۔ بہر حال ہم اس وقت ہوٹل ڈی فرانس میں کھانا کھائیں گے۔ میں بے حد شکر گذار ہوں گا اگر آپ لباس تبدیل کرلیں۔"

"میں یقیناً لباس تبدیل کرلوں گا۔ لیکن مسٹر چانگ کیا یہ سفر صرف ہوٹل ڈی فرانس کے کھانے ہی تک محدود رہے گا۔"

"نہیں کیپٹن.... آپ چلئے تو۔ اگر آپ عاشق مزاج ہیں تو.... ہو ہو.... ہو ہو۔"

لعنت ہے میرے عاشق مزاج ہونے پر.... اگر میں کسی عشق کے لئے متواتر اس قسم کی "ہو ہو" سنتا رہوں۔ لیکن میں خاموش ہی رہا کیونکہ کرنل نے اس کا تعارف اپنے ایک پرانے دوست کی حیثیت سے کرایا تھا۔ ورنہ میں اسے بتاتا کہ کس طرح ہنسنا چاہئے۔ اس کی ہنسی مجھے غصہ بھی دلاتی تھی اور کوفت میں مبتلا بھی کرتی تھی۔ گفتگو کرتے وقت جیسے ہی اس کے ہونٹ دائرے کی شکل اختیار کرتے میرا دم نکل جاتا۔

ہم ٹھیک نو بجے ہوٹل ڈی فرانس پہنچے۔ چانگ نے شاید پہلے ہی سے میز مخصوص کرالی تھی۔ میز پر ریزرویشن کارڈ موجود تھا جس پر تحریر تھا۔ "مسٹر پی۔ اے پنکھا والا۔"

"مسٹر پی۔ اے پنکھا والا۔" میں نے آہستہ سے کہا اور اس کے ہونٹ دائرے کی شکل میں آنے کے لئے سکڑے ہی تھے کہ میں نے ہاتھ اٹھا کر جلدی سے کہا۔ "ٹھہریئے مسٹر چانگ آپ کو ہنسی نہ آئے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"کیوں؟" اس کی آنکھوں سے حیرت جھانک رہی تھی۔

"بہت زیادہ ہنسنے والوں پر مجھے بے حد غصہ آتا ہے۔"

"مگر کرنل نے تو بتایا تھا کہ آپ ہنسنے ہنسانے کی بے حد شائق ہیں۔"

"آج ساڑھے چار بجے تک یقیناً تھا۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ.... یہ کہ....!" سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں۔ کیا اس سے یہ کہہ دیتا کہ وہ ہونٹ سکوڑ کر ہنسنے کی بجائے باچھیں پھاڑ کر اور دانت نکال کر ہنسا کرے۔ یقیناً یہ بات اسے گہرا صدمہ پہنچاتی۔ لہٰذا میں نے کہا۔ "بات دراصل یہ ہے.... مسٹر چانگ کہ جب مجھے کوئی کام کرنا

ہوتا ہے تو میں بے حد سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔"

"مگر اس کام میں تو سنجیدگی سے کام نہ چلے گا۔" چانگ نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"خیر.... میں سوچوں گا۔ فی الحال مجھے کھانے سے فراغت پا لینے دیجئے۔"

کھانے کے دوران میں اس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کا معاملہ تھا جو ہنسنے ہنسانے کی بے حد شائق ہے۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ اگر وہ ہنسنا ہنسانا پسند کرتی ہے تو میں اسے ہنسا ہنسا کر مار ڈالوں گا۔ مگر اسے اطمینان نہیں ہوا۔ میں نے دل میں کہا۔ "جہنم میں جاؤ.... پہلے میں اس لڑکی کو تو دیکھ لوں ہو سکتا ہے اسے دیکھ لینے کے بعد خود مجھے ہی کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانی پڑے۔"

جی ہاں.... اگر وہ کوئی چینی یا جاپانی لڑکی ہوتی تو.... کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں.... خیر زندہ تو رہتا لیکن شاید زندگی بھر ہنسی نہ آتی۔

"مسٹر چانگ....!" میں نے پوچھا۔ "کیا وہ کوئی چینی یا جاپانی لڑکی ہے۔"

"نہیں.... وہ ایک فرانسیسی لڑکی ہے۔" چانگ نے فرانسیسی زبان میں جواب دیا۔

"اوہ.... تب تو ٹھیک ہے۔" میں نے بھی فرانسیسی ہی میں کہا۔

"کرنل نے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ فرانسیسی بول سکتے ہیں.... اوہ.... وہ آ گئی.... کیپٹن۔"

میری نظر بائیں جانب اٹھ گئی۔ وہ بھی اُدھر ہی دیکھ رہا تھا۔ میں نے کیا.... دیکھا؟ میرے خدا.... وہ کتنی حسین تھی۔ اگر میں حاتم طائی کے زمانے کا کوئی شہزادہ ہوتا تو یقیناً میں نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا ہوتا۔ کوئی اور نہ ملتا تو مسٹر چانگ ہی کو اٹھا کو پٹخ دیتا پھر اس زور کا نعرہ مارتا کہ شہر بھر کی چھتیں اڑ جاتیں۔ لیکن نہ وہ حاتم طائی کا زمانہ تھا اور نہ مسٹر چانگ ہی اس بات پر تیار ہوتے کہ میں انہیں اٹھا کر پٹخ دوں۔

بہر حال وہ ایسی ہی حسین تھی کہ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ بہت حسین تھی۔ اس کے ساتھ دو مرد بھی تھے۔ پہلے میں ان دونوں کو چینی ہی سمجھا تھا مگر مسٹر چانگ نے بتایا کہ وہ انڈو چائنیز تھے۔ وہ جو کچھ بھی ہوتے میں انہیں اس خوبصورت لڑکی کے ساتھ دیکھنا پسند نہ کرتا۔

"کیپٹن اسے اپنی طرف متوجہ کیجئے۔ اس سے ملئے.... عشق کیجئے.... یہ یونان کی سائیکی

ہے۔" چانگ آہستہ سے بولا۔

"افیون سے تو شوق نہیں کرتی۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں.... ہرگز نہیں۔ اگر یہ افیون استعمال کرتی ہوتی تو اس کی رنگت میں اتنا نکھار نہ وتا۔ اوہ کیپٹن آپ اسے بہت آسانی سے اپنی طرف متوجہ کر سکیں گے۔ یہ انگریزی اور فرانسیسی ساں طور پر بول سکتی ہے۔"

"لیکن سوال یہ ہے مسٹر چانگ کہ میں اس سے اپنے لئے عشق کروں گا یا آپ کے لئے۔"

چانگ نے ہنسنے کے لئے ہونٹ سکوڑے ہی تھے کہ میں نے بوکھلا کر کہا۔ "مسٹر چانگ کیا پ اپنے ہنسنے کا انداز نہیں بدل سکتے۔"

"کیا مطلب....!" چانگ پھر متحیر نظر آنے لگا۔ لیکن مجھے فوراً ہی جواب سوجھ گیا۔ میں نے ہا۔ "مسٹر چانگ آخر آپ کو میک اپ میں رہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے۔"

"کیوں نہ ہو۔" چانگ کے لہجے میں اب بھی حیرت کا عنصر موجود تھا۔ "میں اس لئے میک پ میں رہتا ہوں کہ بعض لوگ مجھے پہچان نہ سکیں۔"

"کیا آدمی اپنے اطوار و عادات سے نہیں پہچانا جا سکتا۔"

"مثلاً....!" چانگ اب بھی متحیر تھا۔

"مثلاً آپ ہونٹ سکوڑ کر ہنستے ہیں۔ یہ ایک غیر معمولی عادت ہے۔ جو عام آدمیوں میں یں پائی جاتی کیا آپ میک اپ میں باچھیں پھاڑ کر نہیں ہنس سکتے۔"

"اوہ....!" چانگ یک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد آہستہ سے بولا۔ "میں یقیناً لطی پر تھا۔ آخر آپ کرنل ہی کے اسسٹنٹ تو ہیں۔"

پھر اس نے کرنل کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیئے۔ حالانکہ سے یہ خیال میں نے دلایا تھا۔ مگر سارا کریڈٹ کرنل کو جا رہا تھا۔ جائیے.... مجھے اس کی پرواہ نہ کی۔ میں تو متواتر اس لڑکی کو دیکھے جا رہا تھا جو اب ایک میز پر بیٹھ گئی تھی۔ لیکن اس کے دونوں ماتھی اس کے پیچھے والی میز پر تھے۔ وہ اس کے ساتھ نہیں بیٹھے تھے اور اس پر مجھے کافی خوشی وئی تھی۔

"کیا وہ اس کے ملازم ہیں۔" میں نے چانگ سے پوچھا۔

"ہاں.... باڈی گارڈ....!"

وہ لڑکی اپنی میز پر تنہا تھی اور میرے دل میں گدگدیاں سی ہو رہی تھیں۔

"کیا اسے کسی کا انتظار ہے۔" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" چانگ سر ہلا کر بولا۔ "وہ پچھلے کئی دنوں سے تنہا بیٹھ رہی ہے۔"

"اور اس سے پہلے۔"

"اس سے پہلے اس کے ساتھ ایک بوڑھا فرانسیسی ہوا کرتا تھا۔"

"اس کا باپ....!"

"پتہ نہیں۔"

میں نے سوچا کہ اس سے تفصیل کا تقاضہ کروں مگر پھر خاموش ہی رہا۔ کیونکہ ممکن تھا کرنل ہی نے اسے تفصیل بتانے سے روک دیا ہو۔

"اچھا تو مسٹر چانگ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

"مسکرانا چاہیئے۔" چانگ میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا شرارت آمیز لہجے میں بولا۔ "ہنسنا چاہیئے.... قہقہے لگانا چاہیئے۔ اگر اس کے ساتھ دو تین راتیں بھی بسر کرلیں تو آپ امر ہو جائیں گے کیپٹن۔"

اس نے پھر ہنسنے کے لئے ہونٹ سکوڑے ہی تھے کہ میں نے ٹوک دیا اور اس بیچارے ۔ بڑی بے بسی سے اپنے ہونٹ بند کر لئے۔

میں نے کہا۔ "مسٹر چانگ عشق ممکن ہے لیکن راتیں گذارنے کے لئے مجھے اپنے والا صاحب سے اجازت حاصل کرنی پڑے گی۔"

وہ بیساختہ ہنس پڑا اور اس کی حالت مضحکہ خیز تھی۔ کبھی وہ باچھیں پھاڑ لیتا تھا اور کبھی ہونٹ سکوڑ لیتا تھا۔ بدقت تمام وہ خاموش ہوا اور بولا۔ "آپ اسے پھانس لینے میں کامیاب ہو جائیں گے.... مجھے یقین ہے۔"

"لیکن میں اسے پھانس کر کروں گا کیا۔ کہیں اتنا بڑا فرائینگ پین بھی نہیں ملے گا کہ اسی میں ڈال کر تل ڈالوں۔"

"بس....!" وہ منہ پر دونوں ہاتھ رکھتا ہوا بولا "اب نہ ہنسایئے! میرے لئے بہت مشکل ہے

کہ میں باچھیں پھاڑ کر ہنسوں.... بہت مشکل۔"

"مائی ڈیئر.... مسٹر چانگ اتنا معلوم کیئے بغیر تو میں ہرگز نہ رہوں گا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔"

"مقصد....!" چانگ سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس لڑکی کی پشت پر کون ہے۔ میں پولینڈ سے اس کا تعاقب کرتا آیا ہوں۔"

پولینڈ سے۔"

"ہاں کیپٹن.... اور یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ حقیقتاً اس کی پشت پر کون ہے۔"

"کیا آپ کو شبہ ہے کہ اس کی پشت پر کوہان ہو گا۔"

اس نے ہنسنا چاہا۔ مگر پھر رک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "وہ ایک پُراسرار لڑکی ہے کیپٹن.... انتہائی پُراسرار.... اوہ میرے خدا.... وہ دیکھو.... اُدھر.... داہنی جانب جہاں ایک لڑکی کے سر پر گلاب کے پھول نظر آ رہے ہیں وہ آدمی اُسے کس طرح گھور رہا ہے۔ وہ روزانہ اسے اسی طرح گھورتا ہے۔ میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں اور وہ اسی میز پر ہمیشہ بیٹھتا ہے۔"

میں نے اس کی بتائی ہوئی سمت میں دیکھا۔ حقیقتاً ایک آدمی اسے گھور رہا تھا۔ مگر یہ بکواس تھی وہاں تو سبھی اسے گھور رہے تھے۔ حتیٰ کہ عورتیں بھی.... شاید وہ اس کے مقابلے میں خود کو کمتر محسوس کر رہی تھیں۔

"اب یہ یہاں کھانا کھا کر ہائی سرکل نائٹ کلب جائے گی۔" چانگ نے کہا۔ "اور یہ آدمی اس کا تعاقب کرے گا۔"

"اچھا....!"

ہم کھانا ختم کر چکے تھے۔ چانگ نیپکن سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ اتنے میں وہ لڑکی اپنی جگہ سے اٹھی اُس کے باڈی گارڈ بھی اٹھے۔ وہ ریکریئیشن ہال کی طرف جا رہی تھی۔

"اس نے کھانا تو نہیں کھایا۔" میں نے کہا۔

"پتہ نہیں۔" چانگ سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کی نگاہ برابر لڑکی کا تعاقب کرتی رہی۔

"مگر اس کا نام کیا ہے.... مسٹر چانگ۔"

"نام....!" چانگ نے ایک طویل سانس لی۔ "پولینڈ میں اس کا نام اینا پاولوا تھا۔ بلجیم میں

برتھا واگین۔ فرانس میں تاتانیا نتورا.... انگلینڈ میں گریٹا سوئیزن اور یہاں اس کا نام ہے سوفیا د
گارہم۔"

"بس.... قبر کے لئے بھی کچھ چھوڑیئے...." میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اس کی پشت پر کون ہے۔" چانگ کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "اس کٹھ پتلی کی ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔"

"آپ نے بہت دیر سے افیون نہیں پی مسٹر چانگ۔"

"اوہ.... ہاں ابھی ہم لاؤنج میں چلیں گے۔ مگر کیپٹن اب میرا خیال ہے کہ آپ اپنا کا
کیجئے۔ میں واپس جاؤں گا۔ آپ کی واپسی بھی اسی عمارت میں ہوگی جہاں میں مقیم ہوں۔ کرنل نے کہا ہے کہ میں جتنے دن چاہوں آپ کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں۔"

"آپ جاسکتے ہیں مسٹر چانگ۔ میں سب کچھ دیکھ لوں گا۔" میں نے کہا۔ حقیقتاً میں چانگ سے اکتا گیا تھا۔ وہ مجھے بالکل ڈفر معلوم ہوتا تھا۔

"شکریہ کیپٹن۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے توقع نہیں تھی کہ آپ اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑ دیں گے۔ میں دراصل اس وقت اس داستان کے دہرانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ویسے کرنل کو سب کچھ معلوم ہے۔"

"میں کچھ بھی معلوم کرنا نہیں چاہتا۔ سوائے اس کے کہ وہ لڑکی کیسا ناچتی ہے۔" میں نے کہا۔

چانگ نے میرا یہ جملہ اپنا منہ دبا کر بہت پسند کیا۔ اگر فوراً ہی اٹھ نہ گیا ہوتا تو میرے کانوں کو ایک بار پھر اس کی "ہو ہو" ہضم کرنی پڑتی۔

اس کے جاتے ہی میں نے ریکریئیشن ہال کی راہ لی۔ یہاں حسب معمول رونق ہی رونق تھی۔ یعنی بے شمار لڑکیاں نظر آرہی تھیں۔ میری نظریں اسے تلاش کررہی تھیں.... اُف.... فوہ.... وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس سے عشق کرنے کی اجازت فادر ہارڈاسٹون سے بھی مل چکی تھی۔

آرکسٹرا موسیقی بکھیر رہا تھا۔ لیکن ابھی رقص شروع نہیں ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آخر اسے ہم رقص بنانے کیلئے کونسا راستہ اختیار کیا جائے، اس کے طلب گار تو سیکڑوں رہے ہوں گے۔

کئی منٹ تک ذہن پر زور دیتا رہا لیکن کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ ویسے وہ لڑکی تو نظر آگئی تھی اور یہاں بھی وہ اپنی میز پر تنہا نظر آرہی تھی اور اس کے پیچھے کی میز پر اس کے باڈی گارڈ

ہوئے تھے۔ جن کی جیبوں میں یقینی طور پر پستول رہے ہوں گے۔ میں نے آؤ بھی دیکھا اور
بھی دیکھا لیکن سیدھا اس کی میز کی طرف چلا گیا اور اتنے اطمینان سے کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا
بہت پرانی بے تکلفی ہو۔ یک بیک میں نے اس کی آنکھوں میں غصے اور حیرت کے آثار
ے۔ اس کے باڈی گارڈ بھی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہوگئے تھے۔

میں نے بڑی تیزی سے اپنے چہرے پر بیچارگی اور حماقت کے آثار پیدا کئے اور کپکپاتی ہوئی
میں آہستہ سے بولا۔ "معاف فرمایئے گا معاف فرمایئے گا.... میں اس وقت خطرے میں ہوں۔"

"کیوں؟" وہ مجھے گھورتی ہوئی بولی اور پلٹ کر باڈی گارڈز کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

"میری منگیتر نے مجھے یہاں دیکھ لیا ہے۔ اگر میں تنہا رہا تو مجھے اس کے ساتھ ناچنا پڑے گا۔"

"میں نہیں سمجھی۔" اس کی آواز میں بھی بلا کی سکس اپیل تھی۔

"اوہ.... میں کیسے سمجھاؤں۔"

"منگیتر سے بھاگتے ہو۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں....!"

"یہ بات تھی تو منگیتر بنایا ہی کیوں تھا۔"

"یہی تو یوروپین سمجھتے نہیں۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ہمارے یہاں کے رسم
ج تمہارے معاشرے کے رسم و رواج سے بالکل مختلف ہیں۔ ہمارے یہاں لڑکی یا لڑکے کا
ب والدین کرتے ہیں۔"

"اوہ.... ہاں.... میں جانتی ہوں۔"

"مجھے وہ لڑکی بالکل پسند نہیں ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"بس تھوڑی دیر مجھے یہاں بیٹھنے دیجئے۔ آپ کے پاس مجھے دیکھ کر وہ کبھی ادھر کا رخ نہ
ے گی۔"

"اور دل ہی دل میں مجھے گالیاں دے گی.... کیوں؟" وہ مسکرائی۔ اور کسی قدیم ناول نویس
قول کے مطابق میرے خرمنِ ہوش و حواس پر بجلیاں سی گرادیں۔ حقیقتاً اس کی مسکراہٹ
ادلکش تھی۔

"کچھ بھی ہو مجھے یہاں تھوڑی دیر بیٹھنے دیجئے۔"

"خصوصیت سے یہیں کیوں؟" وہ میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ "یہاں کئی میزوں پر تنہا لڑکیاں نظر آ رہی ہیں۔"

"لیکن سب سے پہلے آپ ہی نظر آئی تھیں اور پھر یہ دیسی لڑکیاں بڑی تنگ نظر ہوتی ہیں۔ میں ان سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس وقت اگر آپ کی جگہ کوئی دیسی لڑکی ہوتی تو میری شامت آ گئی ہوتی۔ وہ طوفان بدتمیزی پھیلاتا کہ خدا کی پناہ۔"

"سچی بات۔" وہ وارننگ دینے کے انداز میں انگلی اٹھا کر بولی۔ "اتنا سلیقہ مجھے بھی ہے کہ میں جھوٹ اور سچ میں امتیاز کر سکوں اور اب تم اسی صورت میں صحیح و سلامت اس کرسی سے اٹھ سکو گے جب سچی بات بتا دو۔ میری باڈی گارڈ بہت زیادہ شریف نہیں ہیں۔"

یک بیک میں نے اپنے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار پیدا کئے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "لڑکی ہوش میں آؤ۔ تم میری توہین کر رہی ہو۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں۔ میری رگوں میں شاہی نسل کا خون دوڑ رہا ہے اور لوگ مجھے پرنس داراب کہتے ہیں۔ یہاں کس میں ہمت ہے کہ مجھ سے آنکھ ملا سکے۔ پچھلے سال میں نے فرانس میں تین ڈوئیل لڑے تھے۔ میں اپنے باپ مہاراجہ سرخاب کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ میری منگیتر جس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں وہ بھی کوئی معمولی لڑکی نہیں۔ ریاست چڑیمار پور کی شہزادی ہے۔"

مجھے غصے میں دیکھ کر اس کے باڈی گارڈز پھر کھڑے ہو گئے۔ لیکن اس نے مڑ کر انہیں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "معاف کیجئے گا شہزادے صاحب مگر تعارف حاصل کرنے کا یہ ایک گھٹیا سا طریقہ ہے۔"

"تم برابر میری توہین کئے جا رہی ہو۔ میں تم پر لعنت بھیجتا ہوں۔" میں نے کہا اور اٹھ گیا۔

"بیٹھو بیٹھو! ورنہ سچ مچ یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ میرے باڈی گارڈز کو شبہ ہو گیا ہے کہ تم میرے دشمنوں سے تعلق رکھتے ہو۔ یہ میری ایک نہ سنیں گے کیونکہ یہ کسی دوسرے کے جوابدہ ہیں۔ ٹھہرو میں نے تمہاری توہین نہیں کی.... تم مجھے بے حد دلچسپ آدمی معلوم ہوئے ہو کیونکہ آج تک مجھ سے کسی نے بھی ایسے لہجے میں گفتگو نہیں کی جس لہجے میں تم کر رہے ہو۔"

میں بیٹھ گیا۔ لیکن اپنے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار باقی رکھے اور بولا۔ "تم لڑکیوں میں یہ

بڑی کمزوری ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ ہر ایک کو فلرٹ سمجھنے لگتی ہو۔ میں تم سے رقص کی
است نہیں کروں گا۔ حالانکہ یہاں نہ جانے کتنے اس کے خواہش مند ہوں گے۔ میں صرف
ہی دیر اس میز پر بیٹھنا چاہتا ہوں جتنی دیر وہ یہاں موجود ہے۔"

"وہ کہاں ہے.... مجھے بھی دکھاؤ۔"

"آچ.... چھا....!" میں نے کہا۔ مگر یہ مسئلہ ٹیڑھا تھا۔ حالانکہ دور ہی سے دکھانا تھا جو کسی
ح بھی خطرناک نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر سوال تھا کسی ایسی لڑکی کا جو شہزادیوں کی سی شان رکھتی
جلد ہی مشکل آسان ہو گئی۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اسے وہاں بیشتر عورتیں اور لڑکیاں
طور رہی تھیں۔ انہیں میں ایک گنبد نما لڑکی نظر آ گئی۔ شاید آپ "گنبد نما" پر چونک پڑیں۔
ن رہئے وہ لڑکی ہی تھی۔ کوئی مقبرہ نہیں۔ میں نے اسے گنبد نما اس لئے کہا ہے کہ اس نے
بال اوپر سمیٹ کر جوڑا لگایا تھا اور جوڑے کے گرد چنبیلی کے پھولوں کا ایک ہار لپٹا ہوا تھا اور
ے کے اوپر ایک بڑا سا گلاب نظر آ رہا تھا۔ لباس اس کا یوریشین تھا۔ یعنی پیٹ اور کمر کھلے
ے تھے۔ مگر پتہ نہیں اس نے لنگوٹی پر ساری کو کیوں ترجیح دی تھی۔ وہ اسے گھور رہی تھی۔

"وہ دیکھو وہ رہی....!" میں نے اس سے کہا۔

پھر جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں گنبد نما لڑکی میری طرف دیکھنے لگی۔ چلئے قصہ تمام ہوا۔

"اوہ.... وہ کافی خوبصورت ہے۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"مگر مجھے تو پرستان کی بھینس معلوم ہوتی ہے۔" میں نے جھنجھلا کر کہا اور وہ ہنسنے لگی۔ اب
ل ہنسی کی کیفیت کیا بیان کروں۔ اتنی دیر تک چانگ کی ہنسی سنتے سنتے کان پک گئے تھے
ا نہیں پکے ہوئے کانوں میں اس نقرئی ہنسی کی آواز گویا امرت کی پچکاری معلوم ہوئی اور
داراب ولد مہاراجہ سرخاب سجدہ شکر بجالانے کا ارادہ کرنے لگا۔ مگر ارادہ پورا نہ ہوا
اس لڑکی نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ اب بڑی تیزی سے میرا دماغ چاٹ رہی تھی۔

"تم بہت بدذوق آدمی معلوم ہوتے ہو۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اس نے کتنے حیرت انگیز طور
ے بال سجائے ہیں۔ اگر یہ پیرس میں ہوتی تو ہزاروں اس کے لئے جانیں دینے پر تیار
تے۔"

"تو پھر عنقریب میں اسے پیرس بھجوانے کا انتظام کروں گا اور خود بھی وہیں جا کر کفن دفن

کرنے والی ایک فرم قائم کروں گا جس کے سائن بورڈ پر تحریر ہو گا شہزادی دردانہ پر جان دینے والے ہم سے تجہیز و تکفین کرائیں۔ ہم انہیں ان کے شایانِ شان دفن کر سکیں گے۔"

وہ ہنسنے لگی۔ کافی دیر تک ہنستی رہی پھر بولی۔ "تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔"

میں اس کا اعتراف کرنے ہی والا تھا کہ رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی۔ لوگ اٹھنے لگے اور گنبد نما لڑکی بھی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ چوبی فرش پر اتر گئی۔

"بس.... بہت بہت.... شکریہ۔" میں اس انداز میں اٹھا جیسے سر پر پیر رکھ کر بھاگ لوں گا۔

"اوہ.... ٹھہرو.....!" اس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ہم ناچیں گے۔"

"نہیں.... اس وقت نہیں.... پھر کبھی۔"

"ابھی اور اسی وقت۔"

تھوڑی سی ردوقدح کے بعد میں ناچنے پر تیار ہو گیا اور ہم بھی رقاصوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ پہلے ہی راؤنڈ میں وہ مجھ سے کافی بے تکلف ہو گئی۔ ہم متواتر تین راؤنڈ ناچے پی چانگ کا خیال بالکل صحیح تھا وہ شاید ہنسنے ہنسانے والوں کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی جب ہم بہت زیادہ تھک گئے تو دوسرے دن ملنے کے وعدے پر ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کہی۔

میں اس عمارت میں واپس آیا جہاں چانگ مقیم تھا۔ ابھی گھنٹی کا بٹن دبا ہی رہا تھا کہ کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور ساتھ ہی چانگ کی "ہوہو" بھی سنائی دی۔ پھر وہ بیتابانہ انداز میں بولا۔ "اوہ کیپٹن آپ حیرت انگیز ہیں۔ اتنی جلدی.... اتنی جلدی۔ صرف چند منٹ میں اتنی بے تکلفی.... آپ جادوگر ہیں۔ میں سب دیکھ رہا تھا۔"

چانگ میرے ہاتھ چومنے لگا۔ کشیدنی افیون کی بدبو کی وجہ سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

بھتیجی کا چچا

صبح بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہا۔ پچھلی رات تقریباً ڈھائی بجے سویا تھا اور سوتے وقت بھی اس لڑکی کے ساتھ کبھی کبھی ناچتا رہا تھا اور جب آنکھ کھلی تھی اس وقت ویسی ہی خوشگوار خوشبو محسوس ہوئی تھی جیسی پچھلی رات اس کے بالوں سے نکل رہی تھی۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی

یدنی افیون کی بدبو یاد آئی اور کانوں میں پی چانگ کی "ہوہو" گونجنے لگی۔ پھر یاد آیا کہ شاید بعض قات خواب میں بھی یہ "ہوہو" پریشان کرتی رہی تھی۔

میں نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن اب نیند کہاں تھی۔ خواب کی خوشبوئیں ذہن میں رانے لگی تھیں اور کبھی افیون کے دھوئیں کی بو انہیں چھوتی ہوئی ذہن کی لامحدود گہرائیوں میں ہو جاتی۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور چانگ کا خبط الحواس بوڑھا ملازم ہاتھوں پر ایک چھوٹی سی کشتی اٹھائے ئے اندر داخل ہوا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ وہ قریب آ گیا۔ کشتی میں چاندی کی ایک چھوٹی سی کٹوری ی ہوئی تھی جس میں سیاہ رنگ کی کوئی سیال شے تھی۔

"یہ کیا ہے....!" میں نے پوچھا۔

"افیون جناب....!" نہایت ادب سے جواب دیا گیا۔

مجھے اس کی اس سادگی پر تاؤ آ گیا۔ میں پچھلے ہی دن سے بتا چکا تھا کہ میں افیونی نہیں ہوں۔

"اسے ادھر رکھ دو۔" میں نے میز کی طرف اشارہ کیا اور خود مسہری سے اُتر آیا۔

پھر وہ افیون رکھ کر سیدھا بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ میں نے اُسے اٹھا کر پٹخ دیا۔ وہ کسی پاگل کی طرح چیخنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں میں اس کے سینے پر سوار تھا۔ اس کے کھلے ہوئے منہ میں نے کٹوری کی افیون انڈیل دی اور اس کے حلق سے خرخراہٹ بلند ہونے لگی۔

چانگ بڑی بدحواسی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہمیں ا رہا۔ جب ساری افیون بوڑھے کے حلق سے اتر گئی تو میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

چانگ سوالیہ انداز میں مجھے گھور رہا تھا۔

"میں اسے افیون پلا رہا تھا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

چانگ نے اس کٹوری اور کشتی کی طرف دیکھا اور ملازم پر برس پڑا۔ پتہ نہیں وہ کیا بک رہا ۔ تھوڑی دیر تک دونوں "چوں چوں چاں چاں" کرتے رہے اور پھر بوڑھا ملازم میرا شکریہ ادا کے چلا گیا۔

"آپ نے بہت بُرا کیا کیپٹن۔" چانگ بولا۔

"میں نے کل ہی اس گدھے کو بتا دیا تھا کہ میں افیون استعمال نہیں کرتا۔"

"ارے آپ اسے قتل کر دیتے! مگر اب وہ سور کا بچہ ہر دوسرے گھنٹے پر یہ بھول جائے گا آپ افیون استعمال نہیں کرتے اور میری نہایت نفیس قسم کی افیون اس حرام زادے کے ناپاک حلق سے اترتی رہے گی۔"

مجھے ہنسی آگئی اور چانگ بولا۔ "کبھی نہیں اسے ہمیشہ پہلے دو جوتے لگائیے پھر بات کیجئے۔ کا دماغ بالکل درست رہے گا اور وہ کوئی بات نہ بھولے گا۔"

میں نے اس کے مشورے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ میرے جوتے انشورڈ نہیں ت

"خیر....." چانگ سر ہلا کر بولا۔ "میں دراصل اس لئے آیا تھا کہ آپ کو آپ کے کارنا کا نتیجہ سنادوں۔"

"کون سا کارنامہ۔"

"پچھلی رات کا کارنامہ۔" چانگ ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ "آپ کی نگرانی شروع ہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ پچھلی رات ہی کو آپ کا تعاقب کیا گیا تھا۔"

"کیوں؟"

"صبح سے ایک آدمی عمارت کے سامنے موجود ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ اسی لڑکی آدمیوں میں سے ہے۔"

"اوہ..... تو کیا اس لڑکی کو مجھ پر شبہ ہو گیا ہو گا۔"

"ضروری نہیں ہے۔ لیکن اس آدمی کو ضرور شبہ ہو سکتا ہے جو اس کی پشت پناہی ہے۔" چانگ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"آہا..... تب تو اس بیچاری کا کوئی قصور نہیں۔ وہ انتہائی شریف اور نیک لڑکی معلوم ہے۔"

چانگ اس پر اس طرح چونکا جیسے میں نے اسے کوئی گندی سی گالی دی ہو۔

"اس خیال کو دل سے نکال دیجئے کیپٹن۔" چانگ نے مغموم لہجے میں کہا۔ "ورنہ یہ چانگ دوہرا پیٹ رکھنے کے باوجود بھی جہنم میں پہنچ جائے گا۔ کیا آپ سچ مچ اس کے عشق میں ہو گئے ہیں۔"

میں نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔ چانگ نے بھی ایک لمبی سانس لی اس کے چہرے

لوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی ابھی اپنے اکلوتے بیٹے کو دفن کر کے آیا ہو۔ میں بھی اس طرح موش ہو گیا جیسے میں اس سلسلے میں اس کی کوئی بات نہ سننا چاہتا ہوں۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"مجھے کرنل نے یقین دلایا تھا کہ آپ کو سچ مچ کسی سے عشق نہیں ہو سکتا۔ آپ صرف اسے وقوف بنائیں گے۔"

"مسٹر چانگ مجھے افسوس ہے کہ میں اس لڑکی کو بیوقوف نہیں بنا سکوں گا۔"

"تب تو میں ڈوب گیا۔" چانگ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہے مسٹر چانگ کہ میں اس آدمی کو جو اس کی پشت پر ہے آپ کے حوالے کے اس سے شادی کر لوں۔"

"نہیں..... میں اسے بھی قابو میں کرنا چاہتا ہوں۔ آخر آپ اسے کیا سمجھتے ہیں۔"

"اوہ اُسے۔" میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آہستہ سے بولا۔ "میں اسے سفید افیون جھتا ہوں مسٹر چانگ..... مگر افسوس نہ تو میں اسے پائپ میں رکھ کر پی سکتا ہوں اور نہ گھول کر سکتا ہوں میں کیا کروں میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اچھا..... اچھا.....!" چانگ غمگین آواز میں بولا۔ "آپ اس سے شادی کر لیجئے گا مگر مجھے علوم ہونا چاہئے کہ وہ کون آدمی ہے جو اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔"

"شکریہ..... مسٹر چانگ..... یہ آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اس عمارت میں پرنس داراب کی نیم پلیٹ لگوا دوں۔"

"یہ بہت اچھا خیال ہے۔ میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ اب یہ ضروری ہے کہ میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں۔ کیونکہ اس نے مکان کی نگرانی شروع کرا دی ہے۔"

"مجھے اس کی "ہو ہو" یاد آگئی اور میں نے خلوص نیت سے اس کے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ آپ اپنے آدمیوں کو بھی لے جائیے۔ ملازموں کا انتظام میں کر لوں گا۔

وہ اس تجویز پر بے حد خوش ہوا اور مجھے اس بات پر بے حد خوشی ہوئی کہ اس نے اپنی خوشی کا اظہار "ہو ہو" کر کے نہیں کیا۔

شام تک وہ اپنے آدمیوں سمیت وہاں سے چلا گیا۔ لیکن جب وہ وہاں سے جا رہا تھا کوئی بھی ایسا آدمی نظر نہیں آیا جس پر مکان کی نگرانی کرنے کا شبہ کیا جاسکتا۔

اس کے بعد میں نے اپنے تین ماتحتوں کو وہاں طلب کر لیا اور پھاٹک پر پرنس داراب کے نام کی تختی لگادی گئی۔ کرنل نے اپنی لنکن بھی مجھے ہی بھجوادی تھی۔ انہوں نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا تھا کہ چانگ وہاں سے چلا جائے۔ لیکن انہوں نے مجھے اب بھی کچھ نہ بتایا۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ چانگ نے انہیں سارے حالات سے آگاہ کیا ہوگا۔ مگر کرنل کا مقولہ تھا کہ اگر آدمی کا دائرہ معلومات اس کی قوت عمل سے زیادہ ہو تو وہ اپاہج ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ باتیں تو بڑی لمبی چوڑی کرتا ہے لیکن عملی اعتبار سے صفر ہی رہتا ہے۔ میں نے کرنل کو پچھلی رات کے واقعات سے بھی مطلع کر دیا تھا اور ان سے مجھے ہدایت ملی تھی کہ میں اپنی ملاقاتیں جاری رکھوں۔

ہاں شاید میں نے ابھی تک اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ میں بھی میک اپ میں تھا۔ چانگ کے ساتھ روانہ کرنے سے قبل کرنل نے میرے چہرے کی تھوڑی سی مرمت کی تھی۔

رات کو میں پھر ہوٹل ڈی فرانس میں تھا۔ لیکن گیارہ بجے تک وہ نہیں آئی۔ میں ریکریئشن ہال کی اسی میز پر اس کا انتظار کرتا رہا جس پر ہم دونوں پچھلی رات تھے۔ رقص کے دوران میں اچانک اعلان کرنے والے مائیک سے آواز آئی۔

"پرنس داراب پلیز.... جناب والا.... آپ کی کال ہے۔ منیجر کے کمرے میں تشریف لائیے۔"

میں اٹھ کر منیجر کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں میں نے جس سے فون پر بات کی وہ سوفیا ہی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ بعض وجوہ کی بناء پر ہوتیل دی فرانس نہیں آسکی لیکن اب وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں میرا انتظار کر رہی ہے۔

میں باہر آیا.... اور لنکن میں بیٹھ کر ہائی سرکل کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔

مجھے یقین ہے کہ میرا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ اب پتہ نہیں تعاقب کرنے والا چانگ تھا یا اور کوئی۔ تعاقب کا یقین اس وقت ہو گیا جب میں نے اپنی گاڑی غیر ضروری طور پر ادھر اُدھر کی گلیوں اور سڑکوں پر بھٹکانی شروع کر دی کیونکہ پیچھے لگی ہوئی کار ایک بار بھی کسی دوسرے راستے پر نہیں مڑی۔ بس اس نے مجھے کلب تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ جب میری گاڑی کلب کی کمپونڈ میں داخل ہو رہی تھی پچھلی کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے چلی گئی۔

سوفیا ڈائننگ ہال میں موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر بڑے دل آویز انداز میں مسکرائی آج بھی دونوں گارڈ اسکے ساتھ تھے۔ میں نے محسوس کیا وہ کینہ توز نظروں سے میری طرف دیکھ رہے ہیں۔

میں سیدھا اس کی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"ہلو پرنس....!" اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ کیونکہ میں کسی قسم کی گرمجوشی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"یہ بڑا غلط طریقہ تھا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیسا طریقہ میں نہیں سمجھی.... بیٹھو....!"

"اس طرح فون کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر آج ہم نہ ملتے تو دنیا کے جغرافیہ میں کون سی تبدیلی واقع ہو جاتی۔"

"اوہ کیا تم نہیں آنا چاہتے تھے۔"

"آنا چاہتا تھا لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی پبلک مقام پر میرا نام مائیکرو فون پر لیا جائے۔"

"کیوں....!"

"تم خود سوچو! کتنی بدنامی کی بات ہے.... پرنس داراب اور ہوٹل ڈی فرانس جیسا گھٹیا ہوٹل....!"

"اوہ.... مگر وہ تو ایک شاندار ہوٹل ہے۔"

"میری نظروں میں نہیں ہے۔"

"ختم کرو۔ میں آج دن بھر تمہارے متعلق سوچتی رہی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم پہلے بھی کہیں ملے ہوں۔"

"ہو سکتا ہے" میں نے لاپروائی سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ حقیقت بیان کر رہی ہے یا چانگ کے خیال کے مطابق اسے مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا ہے یا پھر وہ اسی آدمی کی ہدایت پر مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کر رہی ہے جو چانگ کے بیان کے مطابق اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ وہ خود کتنی بھولی اور بے ضرر معلوم ہوتی ہے بعض اوقات تو چانگ کے اندیشوں کا مضحکہ اڑانے کو دل چاہتا تھا۔

"تم کون ہو۔" میں نے اس سے پوچھا۔ "کہاں سے آئی ہو.... کیا مجھے اپنے متعلق کچھ نہ بتاؤ گی۔"

"میں بھی پسند نہیں کرتی کہ لوگ مجھے پہچانیں۔"

"کیوں....؟" میں اسے گھورنے لگا۔ کیا وہ مجھے اپنی اصلیت بتانے جا رہی تھی؟

"میں فرانس کے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہوں جو بہت معزز ہے۔"

"تو کیا میں گدھوں کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔" میں نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"شاید....!" وہ میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ "تم نے ابھی تک تو اپنے آدمی ہونے کا ثبوت دیا نہیں۔"

"اگر میں یہ میز الٹ دوں تو تم کہاں ہوگی۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"جہاں بھی ہوں گی وہاں تم بھی پہنچ جاؤ گے۔ میرے باڈی گارڈز یہاں موجود ہیں۔"

"ان دونوں کو بیک وقت چیلنج کر سکتا ہوں۔"

"کیوں؟ کیا ہوا ہے تمہیں۔ کل تو تم اچھے خاصے تھے۔"

"تو آج ہی کونسا شیو بڑھا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں آج بھی اچھا لگ رہا ہوں گا۔"

"کیا تم کریک ہو..... میں تمہیں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔"

"لڑکیوں کے بس کا روگ نہیں ہوں۔ پچاسی سال کی بوڑھیاں بھی مجھے سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں۔ تم خود ہوگی کریک۔"

"پھر بھی تم مجھے دلچسپ معلوم ہوتے ہو۔" وہ ہنسنے لگی اور نہ جانے کیوں مجھے چانگ کی ہنسی یاد آگئی۔

میرے خدا وہ کس بُری طرح میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔ بعض اوقات تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے میں بھی کسی موقع پر غیر شعوری طور پر اسی طرح "ہو ہو" کر سکتا ہوں۔

میں خاموش ہو گیا۔

دفعتاً میری نظر اس راہداری کی طرف اٹھ گئی جس سے پیشاب خانوں کی طرف راستہ جاتا تھا۔ وہاں مجھے کرنل نظر آئے۔ جیسے ہی ہماری نظریں ملیں وہ راہداری میں مڑ گئے۔ سوفیا کی پشت اسی طرف تھی اس لئے وہ نہ دیکھ سکی۔ اگر دیکھ بھی لیتی تب بھی کوئی ایسی خاص بات نہ تھی۔ کرنل کے مخصوص قسم کے اشاروں کو سمجھنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ انہیں اس وقت درجنوں آدمیوں نے دیکھا ہوگا لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ انہوں نے مجھے کس قسم کا اشارہ

تھا۔ یہ تو صرف میں جانتا تھا کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ میں اُس طرف آؤں۔

"اوہ.... میں ذرا باتھ روم تک جاؤں گا۔ ابھی آیا۔" میں نے سوفیا سے کہا اور اٹھ گیا۔ ی رفتار بھی کچھ ایسی ہی تھی جیسے اگر میں نے باتھ روم تک پہنچنے میں جلدی نہ کی تو کوئی حادثہ جائے گا۔

اس حصے میں سناٹا تھا کرنل نے مجھے ہلکی سی سیٹی سے اپنی طرف متوجہ کیا وہ دیوار سے لگے ے تھے۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر وہ تمہیں کہیں لے جانا چاہے تو بے خوف چلے جانا۔" وں نے کہا۔

"بس اتنی سی بات کے لئے.....!" میں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں نے سوچا تم حالات مد نظر رکھتے ہوئے اسے ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔"

"حالات والات آپ کے ساتھ ہوتے ہوں گے۔ میں تو ایک ٹانگ پر اچھلتا ہوا جاتا موت ف ایک بار آتی ہے.... اور خوبصورت لڑکیاں بار بار ملتی ہیں۔ لہٰذا میں ایک بار والے معاملے بالکل پرواہ نہیں کرتا۔"

کرنل اس انداز میں مسکرائے جیسے زندگی میں پہلی بار میری کوئی بات پسند آئی ہو۔

"دفع ہو جاؤ۔" انہوں نے کہا اور عقبی دروازے کی طرف مڑ گئے۔

میں ہال میں واپس آگیا۔ سوفیا مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت بے ی سے میرا انتظار کرتی رہی ہو۔

میں خوش ہو گیا خوشی کی بات بھی تھی۔ اگر آپ یہ محسوس کر لیں کہ کوئی لڑکی آپ کا انتظار کر سکتی ہے تو آپ کا کیا حال ہوگا۔ اس کی پرواہ نہیں کہ وہ لڑکی بھینس کی نواسی ہے یا گینڈے بھتیجی۔

میں بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک میرے چہرے کا جائزہ لیتی رہی پھر بولی۔ "کیا پیو گے۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"وہسکی سوڈا یا اور کچھ۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"میں اس بے تکلفی کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔" میں نے پھر نتھنے پھلائے اور وہ انداز میں ہنسنے لگی جیسے مجھے چڑا رہی ہو۔

"اے سوفیا میں بہت بُرا آدمی ہوں۔" میں نے غصیلا لہجہ برقرار رکھا۔

"تم کیا کر لو گے میرا۔"

"میں نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔"

لیکن وہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "خفا ہو گئے؟"

کہنے کے انداز میں اتنی لگاوٹ تھی کہ بے اختیار وہیں شہید ہو جانے کو دل چاہا۔ لیکن پھر خیال سے شہید ہو جانے کا ارادہ ترک کر دینا پڑا کہ اس قسم کی شہادت فادر ہارڈ اسٹون کو میری قبر تک میں گھس آنے پر مجبور کر دے گی۔

"میرا موڈ خراب ہو گیا ہے۔" میں نے چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"تم سنو تو سہی تمہاری وجہ سے میں بہت الجھن میں پڑ گئی ہوں۔ کیا تم فرانسیسی سمجھ سکتے ہو۔"

"بول بھی سکتا ہوں۔"

"نہیں....!" اس نے خوشی اور حیرت ظاہر کی۔

"یقین کرو کہ میں فرانسیسی بول سکتا ہوں۔" میں نے فرانسیسی میں کہا۔

"میرے خدا.... تب تو تم میری مدد کر سکو گے۔"

"کیا مطلب....!"

"اب ہم فرانسیسی میں گفتگو کریں گے۔ کیونکہ میرے باڈی گارڈز فرانسیسی نہیں سمجھ سکتے۔"

"ہوں....!" میں نے دلچسپی ظاہر کی۔

اس کے چہرے پر الجھن کے آثار پائے جانے لگے۔ یا تو وہ سوچ رہی تھی کہ بات کا آغاز کیسے کرے یا پھر اس ادھیڑ بن میں مبتلا تھی کہ وہ بات مجھے بتائے یا نہ بتائے۔ کچھ دیر بعد اس نے طویل سانس لی اور آہستہ سے بولی۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ میں کن حالات سے دوچار ہوں.... میر چچا.... اوہ.... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ بات کہاں سے شروع کروں.... ٹھہرو.... پہلے تو تم بھی سوچو گے کہ میں نے یہ بات تم سے کیوں کہی۔ ابھی کل ہی تو ہماری ملاقات ہوئی

ہے مگر اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ فرض کرو تم میرے چچا ہو۔"

"یہ فرض کرنے سے پہلے میں مر جانا زیادہ پسند کروں گا۔" میں جلدی سے بول پڑا۔

"میری بات سنو۔" وہ جھلا گئی اور اس جھلاہٹ میں بچکانیت کا انداز تھا۔ اس نے کہا "مجھے بات کرنی نہیں آتی۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ میرے چچا نے مجھے تم سے ملنے سے نہیں روکا۔ حالانکہ اس سے پہلے جب بھی کسی نوجوان نے میرے قریب آنے کی کوشش کی ہے تو وہ بہت خفا ہوا ہے اور دوسری بار اس سے نہیں ملنے دیا۔ لیکن تمہیں اس نے کل بھی دیکھا تھا اور آج بھی دیکھ رہا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ تم سے نہ ملوں۔ میں نہیں سمجھ سکتی.... وہ مجھ سے ہمیشہ دور دور رہتا ہے۔ میرے ساتھ نہیں رہتا.... مگر میں اس کی غلام سے بدتر ہوں۔"

"وہ یہاں کہاں ہے۔"

"بائیں جانب دیکھو.... وہ جس کے بال الجھے ہوئے سے ہیں۔ خبیث صورت.... خدا اس پر عذاب نازل کرے۔" اس نے بائیں جانب دیکھے بغیر کہا اور میں نے بھی مناسب نہیں سمجھا کہ فوراً ہی بائیں جانب دیکھنے لگوں۔ میں سوفیا ہی کی طرف دیکھتا ہوا کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھری اور بائیں جانب جھک کر سلگانے لگا۔ اسی دوران میں نے بائیں جانب نظر بھی دوڑائی اور آخر مجھے ایک الجھے ہوئے بالوں والا خبیث صورت غیر ملکی نظر آ ہی گیا۔ اس نے غلط نہیں کہا تھا کہ وہ خبیث صورت تھا۔ اس کے جبڑے بھاری تھے اور تھوتھنی سور کی سی تھی۔

"ہاں.... وہ مجھے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔"

"خدا اسے غرقاب کرے۔ پتہ نہیں وہ میرا چچا ہے بھی یا نہیں۔"

خطرہ ہے

مجھے اس پر بے حد حیرت ہوئی اور میں نے حیرت ظاہر کی.... بلکہ اسے یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا کہ میں اس کے اس عجیب وغریب بیان کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتا۔

"ارے تم سنو تو سہی میں ایک یتیم اور بے سہارا لڑکی ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں

فرانس کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہوں لیکن اب اس خاندان میں میرے چچا کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں بچا۔ وہ بھی ڈچ گی آنا کا باشندہ ہے۔ ڈیڑھ سال قبل وہ فرانس آیا تھا اس نے مجھے بتایا کہ وہ میرا چچا ہے۔ ویسے میں نے اپنے دور کے عزیزوں سے سنا تھا کہ میرا چچا ڈچ گی آنا میں رہتا ہے جو بچپن ہی میں گھر سے چلا گیا تھا۔ وہ مجھ سے ملنے آیا۔ لیکن میں یقین نہ کر سکی کہ میرا چچا ہی ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میرے دور کے اعزہ میں ایک بہت بوڑھا آدمی زندہ ہے جس نے بچپن میں اسے یقینی طور پر دیکھا ہوگا۔ میں اپنے اس چچا کو اس کے پاس لے گئی اور وہ بوڑھا آدمی اسے بہت دیر بعد پہچان سکا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس وقت بہت چھوٹا تھا جب اس نے اسے دیکھا تھا۔ لیکن وہ میرا چچا ہی ہے۔ مجھے اس لئے اور بھی یقین کرنا پڑا کہ میری حالت اچھی نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ بھلا کسی غریب لڑکی کو بھتیجی بنانے سے کیا فائدہ اور پھر وہ ایک مالدار آدمی تھا۔ اس لئے میں نے سوچا ممکن ہے وہ سچ کہہ رہا ہو۔ میں نے اسے اپنا چچا تسلیم کر لیا۔ اس نے یورپ کی سیاحت کا پروگرام بنایا تھا۔ مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں بھی اس کا ساتھ دوں۔ میں ساتھ ہو گئی۔ مفت کی سیاحت تھی اور ایک مالدار چچا۔ لیکن فرانس سے باہر نکلتے ہی وہ عجیب غریب ثابت ہونے لگا۔ میرے لئے دو باڈی گارڈ مقرر کر دیئے اور جس ہوٹل میں مجھے ٹھہراتا تھا وہاں خود نہیں قیام کرتا تھا۔ کسی دوسرے ہوٹل میں اس کا قیام ہوا کرتا تھا.... مجھ پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی سوائے اس کے کہ اگر اسے کہیں باہر دیکھ لوں تو اس سے مخاطب ہونے کی کوشش نہ کروں۔"

"تم نے اس پر احتجاج نہیں کیا۔" میں نے پوچھا۔

"کیا تھا لیکن اس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ نہیں بتایا پھر میں نے سوچا حرج ہی کیا ہے۔ پہلے میں مفلسی کی زندگی بسر کرتی تھی اب عیش کر رہی ہوں اور ابھی تک مجھے کوئی ایسا کام بھی نہیں کرنا پڑا جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا۔ لہٰذا میں خاموش ہو رہی۔ لیکن الجھن.... خود سوچو.... ایسی حالت میں کتنی الجھن ہو سکتی ہے۔ یورپ کی سیاحت ختم کر چکنے کے بعد اس نے ایشیا کی سیاحت کا پروگرام بنایا۔ اب ہم یہاں آئے ہیں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس سیاحت کا مقصد کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایشیا کی سیاحت کے بعد وہ مجھے ڈچ گی آنا لے جائے گا۔ جہاں اس کا بہت بڑا بزنس اور کروڑوں کی جائیداد ہے اور میں ہی دراصل اس کی وارث ہوں۔ کیونکہ د

ہے۔ اس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔"

"تب تو تم بڑی خوش قسمت ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"میرے خدا.... میں لعنت بھیجتی ہوں ایسی خوش قسمتی پر.... تم یہ تو دیکھو کہ وہ اسی طرح ے ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے اور ہم اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ لیکن ا مقصد نہیں معلوم ہوتا۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اس پر میں یقین نہیں کر سکتی۔"

"کیا کہتا ہے۔"

"یہی کہ ڈچ گی آنا ایک عجیب و غریب ملک ہے۔ میں تمہیں وہاں کی زندگی کیلئے ٹریننگ دے دوں۔ لیکن جب پوچھتی ہوں کہ کیسی ہے وہاں کی زندگی تو جواب ملتا ہے کہ خود ہی دیکھ لو گی۔"

"اور وہ کسی نوجوان کو تمہارے قریب نہیں آنے دیتا۔"

"نہیں.... لیکن تمہارے متعلق اس نے ابھی تک کچھ نہیں کہا۔"

"اور تم پہلی بار کسی کو یہ داستان سنا رہی ہو۔"

"پہلی بار.... یقین کرو.... میں تنگ آ گئی ہوں اس الجھن سے۔ میں اس کے بہت بڑے س اور کروڑوں کی جائیداد پر لعنت بھیج کر فرانس واپس جانا چاہتی ہوں۔ ایسی الجھن سے میں ا اپنی مفلسی کی زندگی میں بھی دوچار نہیں ہوئی۔"

"واقعی یہ داستان عجیب ہے۔"

"اب بتاؤ تم میری کیا مدد کر سکتے ہو۔"

"یہی سوچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ میں حقیقتاً سوچ رہا تھا کہ اس کے متعلق کیا کرنا چاہئے۔ بات تو چانگ نے بھی کہی تھی کہ وہ کسی کے ہاتھوں کٹھ پتلی ہو رہی ہے اور چانگ اس آدمی کا پتہ انا چاہتا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ چانگ نے آج ہی صبح کسی ایسے آدمی کا تذکرہ کیا تھا جو ہماری رہائش گاہ ا نگرانی کر رہا تھا۔ یہ خیال بھی چانگ ہی نے ظاہر کیا تھا کہ ہو سکتا ہے سوفیا اس سے بے خبر ہو اور س آدمی نے نگرانی شروع کرائی ہو۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ چانگ تو یورپ کی سیاحت کے دوران ہی سے ان کا تعاقب کرتا رہا ہوگا لہٰذا یہ آدمی جسے وہ اپنا چچا بتا رہی تھی کئی بار اس کی نظروں سے گذرا ہوگا۔ لہٰذا اسے اس کے متعلق بھی چھان بین کرنی ہی چاہئے تھی میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ بولی۔

"تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ بعض اوقات میں اسے پہچان ہی نہیں سکتی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ اپنی صورت تبدیل کرلیتا ہے اور مجھے آگاہ کردیتا ہے کہ فلاں جگہ موجود ہوں او شکل میں ہوں تم وہاں پہنچو۔ لیکن اگر تم سے کوئی غیر ذمہ دارانہ حرکت سرزد ہوئی تو نتیجہ خود ذمہ دار ہوگی۔"

"اوہ.... تو کیا اس وقت بھی وہ میک اپ میں ہے۔"

"ہاں.... وہ میک اپ ہی میں ہے۔"

"اور تمہیں خود کو پہچنوا دیا ہے۔"

"ہاں یہ بات بھی مجھے الجھن میں ڈالتی ہے۔ اگر وہ میری نگرانی کرتا رہتا ہے تو مجھے ہ اسی بات سے آگاہ کردے کہ وہ فلاں جگہ موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ میں اس سے خوف کھاؤ اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہی کروں گی پھر آخر خود کو پہچنوانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"بات غور طلب ہے۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔

"پھر تم میری کیا مدد کرسکتے ہو۔"

"میں پتہ لگاؤں گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"

"نہیں تم یہاں کی پولیس کو اس کی اطلاع دے دو۔ خدا کے لئے جو کچھ بھی کرنا ہے ؟ کرو۔ اب مجھے بہت خوف معلوم ہونے لگا ہے۔"

"ارے بس....!" میں نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "عیش کرو عیش....!"

"یہ عیش مجھے پاگل بنادے گا۔"

"تب تو میں تمہیں فرانس واپس نہیں جانے دوں گا۔"

"کیوں؟"

"عرصہ سے میری خواہش تھی کہ کسی پاگل لڑکی سے شادی کروں پتہ نہیں کیوں دل ہے کہ کبھی کوئی لڑکی مجھے کاٹنے دوڑے اور میں چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالوں۔"

"شرم نہیں آتی کسی بے بس لڑکی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے۔" اس نے غمگین آواز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بے بس نہیں ہو۔ جس وقت چاہو اسے قتل کرسکتی ہو۔"

"میرے خدا.... قتل!"

"ہاں.... کونسی بڑی بات ہے۔ میں ابھی اسے یہیں قتل کراسکتا ہوں۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو کہ وہ کیسے مرگیا۔ بس یہیں اسی کرسی پر ڈھیر ہوجائے گا۔ میں پرنس داراب ہوں لڑکی۔ جس کے نام سے پولیس بھی کانپتی ہے اور یہاں کے بدمعاش بھی لرزتے ہیں اور مجھے ہر وقت خدشہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں مجھے گولی نہ ماردی جائے۔"

"کیوں....!" وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگی۔

"اسی لئے کہ پولیس بھی میری دشمن ہے اور یہاں کے بدمعاش بھی۔ لیکن میں پھر بھی آزادانہ گھومتا ہوں۔"

"کمال کرتے ہو.... نہیں تم جھوٹ بولتے ہو۔" وہ ہنسنے لگی مگر اب بھی خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

"اچھا تو تم دیکھو گی میرا کمال۔ میں ابھی پندرہ منٹ کے اندر اندر اس بوڑھے کا خاتمہ کرائے دیتا ہوں۔"

"کیسے.... کس طرح۔"

"بلو پائپ کے ذریعے۔"

"بلو پائپ کیا....؟"

"ایک پتلی سی نلکی جس میں زہریلی سوئی ہوتی ہے۔ اسے ہونٹوں میں دبا کر پھونکتے ہیں اور سوئی اس میں سے نکل کر شکار کے جسم میں جا چبھتی ہے اور وہ چشم زدن میں ختم ہوجاتا ہے۔ لڑکی میں ایک پُراسرار شہزادہ ہوں۔ یہاں میرے آٹھ آدمی موجود ہیں جو ہر وقت میری حفاظت کرتے رہتے ہیں اور اکثر میرے دشمنوں کی موت انہیں کے ہاتھوں واقع ہوتی ہے۔ ان کے پاس بلو پائپ ہوتے ہیں۔ ننھے ننھے سانپ ہوتے ہیں جب جہاں جیسا موقع ہوا.... کیا سمجھیں۔"

وہ اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی.... میں نے کہا۔ "مگر میں اسے ختم نہیں کروں گا۔ میں یہ دیکھوں گا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ وہ کیوں تمہارا چچا بن گیا ہے۔"

"جب تک تم دیکھو گے میں مرجاؤں گی۔"

"نہیں اب میرے آدمی تمہاری بھی نگرانی کرتے رہیں گے۔ تمہیں ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہونا چاہئے۔"

"اب مجھے اور زیادہ خوف معلوم ہونے لگا ہے۔"

"تم ٹھہری کہاں ہو۔"

"آر لکچو.... روم تھرٹین۔"

"اور.... وہ....!"

"میں نہیں جانتی.... وہ اب اپنی جائے قیام کے متعلق کچھ نہیں بتاتا۔ بس فون پر ا اطلاع دیتا ہے کہ آج کہاں جانا ہے۔"

"لیکن میک اپ میں خود کو پہچنوانے کا کیا طریقہ ہے۔"

"اس کے بائیں ہاتھ میں ایک انگشتری ہے جس پر نگینے کی جگہ شیر کا سر بنا ہوا ہے بس وہ ک نہ کسی طرح انگشتری میرے سامنے کر دیتا ہے اور میں اسے پہچان لیتی ہوں۔ لیکن ایسا کبھی نہ ہوا کہ کہیں اس نے یہ نہ جتایا ہو کہ وہ وہاں موجود ہے۔ خود کو مجھ پر ضرور ظاہر کر دیتا ہے۔"

"یہ چیز الجھن میں ڈالنے والی ہے۔" میں نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ وہ بھی خاموش ہو تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ ان حالات کی اطلاع کرنل کو دوں گا اور چانگ کو توفی الحال اس کی ہوا نہ لگنے دی جائے چونکہ کسی جرم کا ارتکاب خود ہمارے ملک میں ہونے والا تھا۔ اس لئے ہمارا فر تھا کہ پہلے ہم اسے اپنے نکتہ نظر سے دیکھتے۔ غالباً کرنل بھی میرے اس خیال کی تردید نہ کر چانگ حقیقتاً کسی چکر میں تھا۔ اس کا علم ممکن ہے کرنل کو رہا ہو۔ مجھے تو نہیں تھا۔ لہٰذا مجھے محتاط رہنا چاہئے۔ پھر میں نے سوچا کیا چانگ یہاں بھی موجود ہو گا۔ پچھلی رات تو وہ میرے پیچھے ہی رہا تھا۔ اگر وہ حقیقتاً یہاں موجود ہے تو مجھے سوفیا کے چچا کا تعاقب کرنا چاہئے یا نہ کرنا چاہئے۔

"کیا سوچنے لگے" سوفیا نے ٹوکا۔

"کچھ نہیں! اب تمہارے معاملے کے علاوہ اور کیا سوچوں گا۔ ویسے اگر تم کوئی نئی بات سو کا مشورہ دینا چاہو تو وہی اسٹارٹ کر دوں.... آہاں.... ٹھہرو.... بات دراصل یہ ہے کہ تمہاری یہ کہانی کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ معلوم ہوتی ہے۔"

"خود مجھے بھی معلوم ہوتی ہے۔"

"آخر میں اس پر یقین کروں یا نہ کروں۔"

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"پھر کیا صورت ہو سکتی ہے مجھے یقین دلانے کی۔"

"یہی کہ اب میں ہی کسی اور کے ذریعہ یہاں کی پولیس کو اس سے باخبر کرانے کی کوشش روں۔"

"ابھی نہیں.... جب میں یہ دیکھوں گا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا اس وقت میں بھی سوچوں گا پولیس کو مطلع کر دیا جائے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ اس کے چہرہ پر تھکن اور اکتاہٹ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم پاسپورٹ پر یہاں آئی ہو یا غیر قانونی طور پر۔"

"پاسپورٹ پر.... لیکن میرے یہاں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میرا ماموں یہاں کی ایک فرم ل منیجر تھا جو پچھلے ماہ ہیضے کا شکار ہو کر چل بسا۔ میں اسی ماموں کا سامان سمیٹنے آئی ہوں۔"

"کیا حقیقتاً ایسا ہی ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں جانتی بھی نہیں کہ وہ کم بخت کون تھا۔ مجھ سے جو کچھ بھی کہا گیا تھا میں نے اس کی طلاع فرانسیسی سفارت خانہ کو دے دی ہے۔ میں نے سفیر کو یہی بتایا ہے کہ میں ڈکسن راجر کمپنی کے سابق منیجر موسیو تکل دریکساں کی بھانجی ہوں اور ان کی موت کے سلسلے میں یہاں آئی ہوں۔ ہذا اس کے سامان پر مجھے قبضہ دلوایا جائے۔"

"اور تم اب بھی نہیں سمجھیں کہ تمہارا چچا کیا چاہتا ہے۔"

"نہیں.... میں نے سمجھنے کی کوشش کی تھی لیکن نہیں سمجھ سکی۔ تم یہی سوچو گے نا کہ وہ یری آڑ لے کر کسی شریف آدمی کا ترکہ ہتھیانا چاہتا ہے۔"

"یقیناً....!"

"لیکن تکل دریکساں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ اس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک یاش طبع آدمی تھا جو کچھ بھی کماتا تھا اڑا دیتا تھا۔ بینک میں اس کی کل پونجی ستائیس روپے بارہ آنے بچی تھی سامان بھی کوئی ایسا قیمتی نہیں ہے اور میرے چچا نے بھی اس کے متعلق کوئی خاص بے چینی نہیں ظاہر کی تھی۔ ارے اسے ہٹاؤ.... میں کہتی ہوں یورپ کی سیاحت کا کیا مقصد تھا۔ ہاں بھی اس کا رویہ یہی تھا جو یہاں ہے کسی بات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔"

میں پھر سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا سوچنے لگے۔"

"یہی کہ ممکن ہے وہ اسی تکل دریگساں کو یورپ میں تلاش کر رہا ہو اور اب یہاں اس کا سراغ ملا ہو۔"

"لیکن اب بھی اس کی پرانی حرکتیں جاری ہیں۔"

"خیر میں اس مسئلے پر اطمینان سے غور کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور اسی وقت میں نے اس کے چچا کو اٹھ کر ہال سے باہر جاتے دیکھا۔ سوفیا نے اس پر حیرت ظاہر کی کیونکہ اس کی یادداشت میں پہلی بار اس نے ایسا کیا تھا۔ ورنہ وہ کسی تفریح گاہ میں اسے تنہا نہیں چھوڑتا تھا۔ سوفیا کے بیان کے مطابق جب اسے کہیں سے اٹھنا ہوتا تھا تو وہ کسی نہ کسی طرح سوفیا کو اپنے ارادے سے آگاہ کر دیتا تھا اور دونوں آگے پیچھے ہی وہاں سے رخصت ہوئے تھے مگر آج ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے مطلع کئے بغیر اٹھ گیا تھا اور اب سوفیا کہہ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا وہ بھی اٹھ جائے۔ مگر اس نے اٹھنے کا اشارہ نہیں کیا تھا۔ ہم اس پر ابھی بحث کر ہی رہے تھے کہ لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا۔

"پرنس داراب پلیز... آپ کی فون کال ہے... براہِ کرم منیجر کے کمرے میں تشریف لائیے۔"

میں نے سوچا ممکن ہے کرنل ہوں لیکن میں نے تو انہیں ابھی تک پرنس داراب کی کہانی نہیں سنائی تھی۔ میں اٹھ کر منیجر کے کمرے میں آیا اور فون پر پہلی ہی بار مخاطب کی آواز پہچان لی۔ دوسری طرف سے چانگ بول رہا تھا۔ "کیپٹن تم خطرے میں ہو۔ میں کلب کے باہر والے فون بوتھ سے بول رہا ہوں۔ ابھی ابھی ایک بوڑھا یوروپین باہر آیا ہے اور اس نے تین آدمیوں کو تمہارے متعلق کچھ ہدایات دی ہیں۔ میں صاف نہیں سن سکا۔ لیکن تم ہوشیار رہو۔ اگر وہ لڑکی تمہیں کہیں لے جانا چاہے تو ہرگز نہ جانا۔ ویسے اس کا قیام آرلکچو میں ہے لیکن یہ بوڑھا یوروپین مجھے پہلی بار دکھائی دیا ہے۔"

"اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"یہی کہ وہ اسی لڑکی کے ساتھیوں میں سے ہو سکتا ہے۔"

"میں ابھی یہاں بیٹھوں گا تم فکر نہ کرو۔"

"بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے کیپٹن میں پھر تمہیں آگاہ کرتا ہوں۔"

"شکریہ ڈیئر.... ٹاٹا....!" میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔

شعلے کی ٹھنڈک

میں نے سوچا یہ چانگ بھی بڑا مستعد آدمی ہے۔ مگر کرنل.... بھلا میں کس طرح سمجھ لیتا کہ انہوں نے یہ کیس مکمل طور پر میرے سپرد کر دیا ہے۔ انہوں نے کچھ دیر پہلے مجھے جو ہدایت دی تھی اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مجھے بٹیروں کی پالی میں چھوڑ کر خود دور سے حالات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ پھر میں چانگ کی ہدایت پر کیسے عمل کرتا۔

میں پھر ہال میں واپس آ گیا۔ سوفیا وہیں موجود تھی اور اس کے باڈی گارڈز شراب پی رہے تھے۔ اسی سے میں نے اندازہ کر لیا کہ ان کی نظروں میں سوفیا کا کوئی احترام نہیں ہے۔

"تم نے دیکھا۔" سوفیا آہستہ سے بولی۔ "یہ میرے باڈی گارڈز ہیں۔ میرے چچا کے ملازم۔ تم انہیں دیکھو یہ کس بے باکانہ انداز میں شراب نوشی کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں کسی بدمعاش آدمی کے چنگل میں پھنس گئی ہوں یہ میرا چچا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ وہ اس وقت بھی میک اپ میں رہا ہو جب وہ میرے چچا کی حیثیت سے سامنے آیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی ممکن ہے وہ میرے چچا سے واقف ہو جو ڈچ گی آنا میں رہتا ہے اور اسی واقفیت سے فائدہ اٹھا رہا ہو۔ کاش مجھے اپنے چچا کا پتہ معلوم ہوتا۔ کاش میں یہ معلوم کر سکتی کہ وہ ڈچ گی آنا میں کہاں رہتا ہے۔"

میں بہت زیادہ بکواس کر چکا تھا لہٰذا اب میں نے خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا۔ کاش کرنل یا چانگ مجھے سارے حالات سے آگاہ کر دیتے پھر میں دیکھتا کہ میں تنہا کیا کر سکتا تھا۔

کرنل شاید یہ سمجھتے ہیں کہ میں نرا ڈیوٹ ہوں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے کہ ان کی موجودگی میں بچہ بن جانے کو دل چاہتا ہے۔ بس یہی خواہش ہوتی ہے کہ حماقتوں پر حماقتیں کئے جاؤ۔ لیکن

آپ واقف ہی ہیں کہ ان کی عدم موجودگی میں مجھ سے بھی اکثر کتنے شاندار کارنامے "سرزد" ہو جاتے ہیں۔

"تم کیا سوچنے لگے۔" سوفیا کی آواز پر میں چونک پڑا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے کیا سوچنا چاہئے۔"

"میری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔ آخر وہ اٹھ کیوں گیا۔ کیا اب واپس نہیں آئے گا۔ کیا میں ساری رات یہیں بیٹھی رہ جاؤں گی۔"

"چلو میں تمہیں آر لکچو پہنچا دوں۔"

"نہیں میں اس وقت یہاں سے نہیں اٹھ سکتی جب تک کہ اس کی طرف سے اٹھ جانے اشارہ نہ ملے۔"

"تم ڈرتی کیوں ہو.... چلو میں ہوں تمہارے ساتھ.... اطمینان رکھو۔ تمہیں کوئی بھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"میں اس سے بہت ڈرتی ہوں.... بے حد.... پرنس اب میں چاہتی ہوں کہ مر ہی جاؤں۔"

"تھوڑی ہمت کرو.... میں چٹکی بجاتے اس سے رہائی دلوا دوں گا۔"

دفعتاً وہ چونک پڑی۔ میں نے کنکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔ بوڑھا یوروپین ہال میں داخل ہو رہا تھا۔

وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "اشارہ مل گیا میں جا رہی ہوں۔"

میں کچھ نہ بولا۔ وہ اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی دونوں باڈی گارڈ بھی اٹھ گئے۔ لیکن یوروپین بیٹھا رہا۔ مجھے چانگ کی گفتگو یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ بوڑھا پہلی بار اس کی نظروں سے گذ ہے۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ ان میں سے بہتیروں کا صورت آشنا تھا۔ ویسے شاید اس کو اس آد کی تلاش تھی جسے سوفیا کی وساطت سے میں نے دریافت کر لیا تھا۔ یہ تو آج کی بات تھی لیکن آئندہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ میرے قریب سے گذر جائے اور میں نہ پہچان سکوں کیونکہ سو کے بیان کے مطابق وہ ہمیشہ ایک ہی حلیے میں نہیں رہتا تھا۔ پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اگر میں نے آج اس بوڑھے کا تعاقب نہ کیا تو ہو سکتا ہے وہ کبھی ہاتھ نہ آئے۔

پچھلی رات اس نے سوفیا کے بیان کے مطابق مجھے طرح دی تھی۔ لیکن آج چانگ نے فو

کسی سازش کی کہانی سنائی تھی۔ گویا اب وہ مجھ پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ لیکن سوفیا نے یہ نہیں بتایا کہ کبھی اس سے پہلے بھی اس کے کسی ملنے والے پر ہاتھ صاف کیا گیا تھا یا نہیں۔ اس نے یہی کہا تھا۔ صرف کہا ہی نہیں تھا بلکہ اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی کہ اسے مجھ سے ملنے سے نہیں روکا گیا تھا۔ حالانکہ پہلے کئی بار اسے ایسی ملاقاتوں سے روکا گیا تھا.... پھر.... اگر اب کسی نئے ملنے والے کے خلاف کسی قسم کی سازش بھی کی جائے تو یہی سوچا جا سکتا ہے کہ وہ ملنے والا کسی قسم کی کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا میرے ساتھ کون سی اہمیت ہو سکتی تھی۔ سوائے اس کے کہ میں محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر تھا۔ اگر اس بوڑھے نے اسی اہمیت کو مدنظر رکھ کر میرے خلاف کوئی سازش کی تھی تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ وہ ایک بہت زیادہ باخبر آدمی ہے اور میں میک اپ میں بھی پہچان لیا گیا ہوں۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد میں نے سوچا کہ کرنل کو اس کی اطلاع ضرور دی جائے، ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں کسی مصیبت میں پڑنے کے بعد بھی کسی اُلو کا لخت جگر سمجھا جاؤں۔ حالانکہ آج تک کسی اُلو نے مجھے اپنا لخت جگر نہیں سمجھا۔

میں نے منیجر کے کمرے میں جا کر کرنل کے لئے رنگ کیا۔ لیکن وہ گھر پر نہیں ملے۔ ہر وہ مقام فون پر کھنگال ڈالا جہاں ان کے ملنے کے امکانات ہو سکتے تھے مگر مایوسی ہی ہوئی۔ پھر کوشش کی کہ امر سنگھ یا ریمش ہی میں سے کوئی مل جائے لیکن توبہ کیجئے.... اس رات تو سر پر چھپکلی سوار تھی۔ میں یہی کہوں گا کیونکہ مجھے چانگ کا گھر نہیں یاد آیا جہاں میں خود رہتا تھا اور میرے تین آدمی اس وقت بھی موجود تھے۔ اس عمارت میں فون بھی تھا۔ لیکن یقین کیجئے اس عمارت کو سرے سے بھول ہی گیا تھا۔

جب میرے سر پر چھپکلی سوار ہوتی ہے تو عموماً یہی ہوتا ہے۔ جوش شجاعت میں کچھ ایسی حماقتیں سرزد ہوتی ہیں جن کا جواب مشکل ہے۔ مگر کبھی کبھی اسی چھپکلی نے جو میرے سر پر سوار ہوتی ہے مجھے تیس مار خاں بھی بنا دیا ہے۔ نہیں سمجھے۔ بھئی یہ تیس مار خاں کا لطیفہ بھی عجیب ہے ہم آپ بات بات پر تیس مار خاں بنتے ہیں۔ لیکن اس کی کہانی شاید ہی عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو۔ آپ کہیں گے ادھر اُدھر کی کہانیاں سنانے بیٹھ گیا۔ میں کہتا ہوں ہرج ہی کیا ہے۔ اب میں تذکرہ نویس صاحب کی طرح رنگ آمیزیاں تو کر نہیں سکتا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح اس کہانی کو

دلچسپ بنانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ آپ کہیں گے کہ بس حمید صاحب آپ کا جو کام ہے وہی کیا کیجئے ہاتھ میں قلم لینا آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ ویسے آپ مطمئن رہئے میں ابھی آپ کے دل کو سرور اور آنکھوں کو نور اس خبر سے بخش دوں گا کہ اس رات کیسی مرمت ہوئی تھی۔

ہاں تو قصہ تیس مار خاں کا یہ ہے کہ کسی شہر میں دو میاں بیوی رہتے تھے۔ رہتے نہیں تھے بلکہ انہیں رہنا پڑتا تھا۔ نہ رہتے تو جاتے کہاں۔ نہ اکیلا مرد میاں ہو سکتا ہے اور نہ اکیلی عورت بیوی۔ حالانکہ میاں بیوی ہو جانے کے بعد وہ اکثر سوچتے ہیں کہ اکیلے ہی ہوتے تو بہتر تھا۔ اس لئے یہی عرض کروں گا کہ انہیں رہنا پڑتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بیزار تھے۔ بیزاری کی وجہ یہ تھی کہ بیوی میاں صاحب کو باکار بنانا چاہتی تھی لیکن میاں صاحب بے کار ہی رہنے پر مصر تھے۔ وہ انہیں لاکھ لاکھ غیرت دلاتی۔ اسلاف کے کارنامے گنوا کر اُن کا خون گرمانے کی کوشش کرتی مگر میاں ٹس سے مس نہ ہوتے۔ آخر بیوی نے تنگ آکر فیصلہ کیا کہ اب اس سے پیچھا چھڑانا چاہئے۔ نہ یہ کمائے گا اور نہ میرا ہی پیچھا چھوڑے گا۔ لہٰذا اس نے ایک دن میاں صاحب کو بھنگ پلادی اور پھر ان کے خون کو گرمانا شروع کیا۔ خون گرم ہو گیا جناب۔ آپ نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ میں شاہی فوج کے لائق ہوں۔ یقیناً مجھے کوئی عہدہ ملنا چاہئے۔ بیوی نے کہیں سے ایک تلوار مہیا کی اور انہیں دربار شاہی کا راستہ بتادیا۔ اس ملک کا بادشاہ چونکہ بے حد قوالی پسند آدمی تھا۔ اس لئے ہر ایک کو مجرا کرنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ جس وقت میرا شیر ہنکارتا ہوا دربار میں پہنچا۔ وہاں قوالی ہی ہو رہی تھی۔ بادشاہ سلامت بحالت وجد نہ جانے کیا کر رہے تھے کہ میاں صاحب نے للکار کر کہا۔ "میں شاہی فوج میں سپہ سالاری کے لائق ہوں۔" بادشاہ سلامت سمجھے کہ شاید اسے بھی حال آ گیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے بحالت وجد کہا ہم نے تمہیں سپہ سالار مقرر کیا۔ تمہارا نام کیا ہے۔ جواب میں میاں صاحب نے اکڑ کر فرمایا۔ ہم تیس مار خاں ہیں۔ یعنی ایک حملے میں تیس آدمیوں کا صفایا کر دینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بادشاہ سلامت اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے قوالی رکوادی اور وزیر سے فرمایا کہ اسے ہم نے سپہ سالار مقرر کیا۔ وزیر نے عرض کی حضور یہ یہاں ہماری محفل میں نہیں تھا۔ باہر سے آیا ہے۔ بولے کچھ پرواہ نہیں جو ہم نے کہہ دیا اٹل ہے۔

بس جناب وہ سپاہ سالار بنا دیئے گئے اور اس سے پہلے والا سپہ سالار جو خود بھی قوالی کا بے حد

ئق تھا سجدہ شکر بجالایا یعنی اس کی گلو خلاصی ہو گئی۔ اور وہ اس کے بعد سے اپنے گلے میں ہار نیم لٹکائے نظر آنے لگا۔ وہ ملک ایسا ہی تھا کہ فوج پڑے پڑے کھایا کرتی تھی۔ قریب کی مملکتیں ں ملک پر قبضہ کرنے کے متعلق اس لئے نہیں سوچتی تھیں کہ کہیں خود ان کی فوجیں بھی نہ الی کا شکار ہو جائیں۔ اگر کبھی کسی ملک کو کچھ اینٹھنا ہوتا تو وہ پہلے تو الٹی میٹم دیتا اور جب قوالی پسند ے کی فوجیں سرحدوں پر خندق نشین ہو جاتیں تو وہ اپنے ہوائی جہاز سے پیراشوٹ کے ذریعہ الوں کی پارٹیاں اتار دیتا اور وہ پارٹیاں اوپر ہی سے الاپنا شروع کر دیتیں۔ پھر حالت یہ ہوتی کہ اہی خندقوں سے نکل کر ان کے گرد اکٹھا ہونے لگتے۔ محاذ جنگ پر چاروں طرف محفلیں جم تیں اور "اہے وا" پھر حملہ آور ملک کی فوج بے دریغ اندر گھستی چلی جاتی اور لوٹ مار کر کے ے سکون کیساتھ واپس بھی چلی جاتی۔ لیکن قوالی پسند فوجوں کو اتنا ہوش کہاں کہ معاملات ان سمجھ میں آسکیں۔ پھر قوال بھی رخصت ہوتے وقت ان سے کافی لمبی لمبی رقمیں اینٹھ لے جاتے۔

مگر ایک بار ایسا ہوا کہ کسی دور دراز ملک کی فوج نے سرحد کے قریب ڈیرہ ڈال دیا۔ بادشاہ لامت بوکھلا گئے۔ انہوں نے وزیر سے کہا کہ اے باتدبیر یہ کیسا حملہ ہے نہ قوال اُترے نہ قوالی دئی.... اور یہ لوگ چڑھ دوڑنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ یعنی اگر ہم نے ان کے مطالبات رے نہ کئے تو صبح وہ حملہ کر دیں گے اور تم جانتے ہو وزیر باتدبیر کہ ہم کسی سے دبنا تو جانتے ہی ہیں۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ وہ قوالی کرائیں اور ہم بحالت وجد انہیں نہ ٹوکیں کہ وہ کیا کر رہے ں۔ شاہی خزانہ کیوں لوٹ رہے ہیں۔ مگر کچھ تو بتاؤ اب ہم کیا کریں۔ ہم نے سنا ہے کہ ان کی ج میں ایک بھی قوال نہیں ہے۔ وزیر نے مشورہ دیا کہ اس موقع پر تیس مار خاں کو نہ بھولنا ہئے جس نے ایک حملہ میں تیس آدمی مارنے کا دعویٰ کیا تھا۔ بادشاہ سلامت اچھل پڑے اور وہ س خبر سے قوالی ہی کا سا اثر لینے کی تیاری کر رہے تھے کہ وزیر باتدبیر نے انہیں ہوشیار رہنے کا شورہ دیا۔ پھر تیس مار خاں بلوائے گئے اور انہوں نے آتے ہی کہا۔ "جہاں پناہ فوج نے اس بناء پر ڑنے سے انکار کر دیا ہے کہ حملہ آوروں کے ساتھ قوال نہیں آئے۔... جہاں پناہ نے فرمایا فکر س بات کی ہے تم تنہا ہی حملہ آوروں سے نپٹ لو گے۔ ایک حملے میں تیس مارتے ہو۔ اچانک تیس مار خاں کو وہ مکھیاں یاد آگئیں جو گھر پر تیس کیا تیس ہزار بھی بہ آسانی ماری جاسکتی تھیں۔ مگر ایک نہ چلی۔ وہ شاہی فیصلہ تھا۔ تیس مار خاں نے قوالی کرتے ہوئے کہا کہ میں آج رات کو ان کا

صفایا کردوں گا۔ مگر ٹھہریئے۔ میں ابھی حاضر ہو کر بتاتا ہوں۔ پوری اسکیم عرض کروں گا۔ انہیں گھر واپس جانے کی اجازت مل گئی۔ لیکن وزیر جو واقعی باتدبیر تھا اس نے چار اپنے آدمی تیس مارخاں کے ساتھ کر دیئے۔

وہ گھر آئے بیوی کو وہ دن یاد دلایا جب اس نے انہیں گرما کر دربار بھجوایا تھا۔ بیوی کو وہ دن اب بھی یاد تھا۔ کیونکہ وہ اسی دن کی بدولت آج عیش کر رہی تھی۔ جب اس نے اعتراف کیا کہ اسے وہ دن اچھی طرح یاد ہے تو دھڑ سے بولے خدا کے لئے وہی شربت پھر پلادو جو اس دن پلایا تھا اور پھر اسی قسم کی باتیں کرو۔ بیوی نے وجہ پوچھی اس پر وہ قوالی کئے بغیر بیان کر چلے۔ مگر اب بیوی ان سے چھٹکارا پانے پر کسی طرح بھی تیار نہیں تھی۔ اس نے مشورہ دیا کہ کہیں بھاگ چلو انہوں نے فرمایا باہر چار آدمی موجود ہیں۔ یوں کام نہیں چلے گا تم پلاؤ شربت۔ میں ایک بار پھر بادشاہ سلامت کے دربار میں حاضری دوں۔ اس کے بعد شائد پھر ان آدمیوں سے چھٹکارا مل جائے جو میرے ساتھ یہاں تک آئے ہیں۔ بس اب پلاؤ.... شربت.... واپس آکر پوری اسکیم بتاؤں گا۔ چنانچہ اس نیک بخت نے انہیں پھر بھنگ پلادی اور چنگیز وہلاکو کے تذکرے چھیڑ کر ان کا خون گرمانے لگی۔ میاں صاحب جلد ہی موڈ میں آگئے اور ایسے موڈ میں آئے کہ چھپاک سے تلوار کھینچ لی.... بیوی سمجھی شائد فارغ البال ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے چیخ مار کر بھاگی اور ایک کوٹھری میں گھس گئی۔ آپ نے بھی ایک نعرہ جگر خراش مارا اور گھر سے نکل آئے۔ اب وہ چیختے چنگھاڑتے اور تلوار ہلاتے شاہی محل کی طرف جا رہے تھے۔ ہلڑ ہو گیا سارے شہر میں۔ لوگوں نے پہلے ہی ان کی تیس مارخانی کے وہ قصے سن رکھے تھے جو انہوں نے اکثر احباب کو سنائے تھے بہرحال یہ حضرت شاہی محل میں پہنچے۔ بادشاہ سلامت اور وزیر باتدبیر تخلئے میں تھے۔ انہیں بھی وہیں بلوالیا گیا۔ انہوں نے وہاں پہنچتے ہی ہڑبونگ مچادی۔ چیختے رہے.... اچھلتے رہے.... اور اس طرح پینترے بدل بدل کر تلوار ہلاتے رہے جیسے سچ مچ ایک ایک وار میں تیس تیس کا صفایا کر رہے ہوں۔ جہاں پناہ اور وزیر باتدبیر اس خیال سے کونے گھترے میں چھپنے لگے کہ ہاتھ ہی اگر خدانخواستہ بہک گیا تو کیا ہو گا۔ لیکن جب تیس مارخاں کے جوش و خروش میں کمی نہ ہوئی تو تنگ آکر جہاں پناہ اور وزیر باتدبیر نے صرف تالیوں ہی پر قوالی شروع کر دی۔ تیر نشانے پر بیٹھا۔ تدبیر کارگر ہوئی۔ شربت نے پھر دماغ الٹ دیا اور تیس مارخاں تلوار پھینک کر حال کے بھاؤ بتا

لگے۔ "ارے ہاں.... جان دے دیں گے.... اجی ہاں جان دے دیں گے.... اہے واجان دے دیں گے.... پیا جی جان دے دیں گے.... رجا جی جان دے دیں گے۔"

تیس مارخاں گاتے اور "ٹھک ٹھک" کرتے رہے۔ اسی دوران میں شربت کا اثر بھی آہستہ آہستہ زائل ہو تا رہا تھا۔ لہٰذا اچانک انہیں خیال آیا کہ انہوں نے یہ کیا شروع کر دیا۔ اُدھر جہاں پناہ اور وزیر باتدبیر بھی قوالی کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوئے آپ بھی اپنے حال میں بریک لگاتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولے سرکار مجھے غصہ آ گیا تھا۔ اس پر جہاں پناہ نے خوش ہو کر پوچھا اب تو اتر گیا نا.... تیس مارخاں کا جواب اثبات میں سن کر جہاں پناہ اور زیادہ خوش ہوئے اور وزیر باتدبیر کی جان میں جان آئی۔ اتنے میں تیس مارخاں نے کہنا شروع کیا۔ غصہ اس لئے آیا تھا جہاں پناہ کہ وزیر صاحب نے مجھے منہ چور سمجھ کر اسی وقت میرے پیچھے چار آدمی لگا دیئے تھے۔ جب میں پردادا مرحوم کی بیاض خاص میں تنہا کسی لشکر پر بھاری رہنے کی تدبیر دیکھنے جا رہا تھا۔ کیا بتاؤں وہ چاروں جہاں پناہ کے اقبال سے بچ گئے ورنہ کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیتا۔ جہاں پناہ نے یہ سن کر فرمایا چولہے میں جھونکو وزیر صاحب کو یہ بتاؤ تم نے تدبیر دیکھ لی یا نہیں۔ تیس مارخاں بولے دیکھ لی سرکار۔ کل صبح میں دشمن کی ساری فوج کا صفایا کردوں گا اور اگر اپنی مدد کے لئے آدھا سپاہی بھی مانگوں تو میرے سر پر قلم رکھ دیجئے گا۔ وزیر نے فوراً تصحیح کی کہ سر قلم کر دینا محاورہ ہے۔ تیس مارخاں تڑ سے بولے وزیر صاحب آپ کو بھی یہ لیاقت ہوئی کہ جہاں پناہ کے سامنے زبان کھولیں ارے وہ مالک ہیں چاہیں تو محاورہ کا بھی سر قلم کر سکتے ہیں۔ اس پر جہاں پناہ کو جلال آ گیا اور گرج کر بولے۔ ہاں اے وزیر ابن خنزیر ہم چاہیں تو محاوروں پر پورا ایک ناول لکھ کر پبلک کو بور کر سکتے ہیں۔ کوئی ہمارا کیا کر لے گا۔ تیس مارخاں نے سوچا کہ اب بات نہ بڑھے تو بہتر ہے۔ کیونکہ ابھی تو بہت کچھ کرنا ہے غرضیکہ وہ وعدہ کر کے گھر پلٹ آئے کہ صبح دشمنوں کا قلع قمع ہو جائے گا اور وہ آج رات پھر جنگل میں پردادا مرحوم کی تدبیر کا جال پھیلائیں گے۔ ادھر بیوی منتظر تھی کہ دیکھو اب کون سی تدبیر فرما کر گھر واپس آتے ہیں۔ اس نے تدبیر سنی اور خوش ہو گئی۔ تدبیر یہ تھی کہ جتنا بھی نقدی ہے یا زیورات کی شکل میں ہے سمیٹ کر راتوں رات کسی طرف نکل جائیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ جب رات کچھ بھیگ گئی تو میاں صاحب نے نقدی اور زیورات کا صندوقچہ سر پر رکھا اور بیوی کا ہاتھ پکڑے ہوئے گھر سے باہر

ہو لئے۔ اندھیری رات تھی اور شہر میں سناٹا تھا۔ انہوں نے سرحد پار کر جانے کے لئے جو راہ اختیار کیا تھا اس سے بھٹک کر اُدھر جا نکلے جہاں دشمن کی فوجیں پڑی ہوئی تھیں۔ اچانک تیس مارخاں کو غلطی کا احساس ہوا اور وہ صندوقچے سمیت تیس مارخانم پر ڈھیر ہو گئے۔ نقدی اور زیورات کی اتنی زبردست کھنکھناہٹ سن کر پہرے دار بوکھلا گئے وہ سمجھے شائد حریف نے شب خون مارا ہے۔ اندھیرا تو تھا ہی ان کی ہوشیار خبردار.... جانے نہ پائے۔ سن کر سوتے ہوئے سپاہی بیدار ہوئے اور جو کچھ بھی ہاتھ لگا لے کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ تلواریں چلنے لگیں۔ وہ چیخ دھاڑ مچی کہ خدا کی پناہ.... بیچارے تیس مارخاں اور تیس مارخانم ایک جھاڑی میں چھپے ہوئے بُری طرح کانپ رہے تھے۔ انہیں اس کا بھی ہوش نہیں تھا کہ جنگل ہی کی طرف بھاگ لیتے۔

صبح تک تلواریں چلتی رہیں اور وہ ایک دوسرے کو مارتے کاٹتے رہے۔ ادھر اس غل غپاڑے کی صدا شہر تک پہنچی اور چاروں طرف ہرکارے دوڑنے لگے۔ جہاں پناہ اور وزیر قوالی بھول گئے۔ ادھر صبح ہو رہی تھی اجالا پھیلتے ہی غنیم کی سپاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی تھی۔ انہوں نے شاید سوچا کہ اگر اب یہاں سے بھاگنے میں جلدی نہ کی تو ممکن ہے حریف ہی آ پڑے اور پھر بھاگتے راستہ بھی ملے تو نہ بھاگا جائے۔ لہٰذا وہ سب کچھ وہیں چھوڑ کر بھاگ لئے۔ تیس مارخاں کی جان میں جان آئی اور ساتھ ہی عقل بھی آئی۔ انہوں نے چپکے سے بیوی کو مخاطب کیا۔ اب تم تو چپ چاپ جنگل کی طرف کھسک جاؤ اور وہیں سے گھر چلی جانا۔ کیوں کہ اب میں تیس مارخانی شروع کرنے جا رہا ہوں۔

بیوی حسب ہدایت کھسک گئی اور تیس مارخاں جھاڑیوں سے نکل کر مرنے والوں کے خون میں لوٹ لگانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی سر سے پیر تک خون میں نہا گئے۔ اُدھر ہرکاروں نے جا کر جہاں پناہ کو خبر پہنچائی کہ غنیم کا لشکر ہزاروں کا کھیت چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ جہاں پناہ خوش ہو کر قوالی شروع کرنے ہی والے تھے کہ وزیر نے کہا چلئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جہاں پناہ کی سواری میدان کارزار کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہاں تیس مارخاں تلوار سونتے ہوئے ہوا سے لڑ رہے تھے اور ان کے قدموں میں ہزاروں لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لڑتے لڑتے انہیں حال آ گیا ہو۔ جہاں پناہ بے حد خوش ہوئے اور تیس مارخاں کو ہوش میں لا کر آئندہ سال ایک خلعت فاخرہ عطا کرنے کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ اسی وقت قانون کی بے حد عزت افزائی کی۔

یہ کہانی ختم ہو گئی۔ اب آپ غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ تیس مارخاں کسے کہتے ہیں اور آپ جانتے ہی ہیں کہ میں بھی اکثر ایسے ہی اتفاقات کے تحت ماسٹر آف سچویشن بن کر تیس مارخانیاں انجام دے چکا ہوں۔ لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے آج تک کوئی ایسی تیس مارخانم نہیں ملی جو مجھے بھنگ پلا کر کرنل سے بھڑا دیتی۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سوفیا چلی گئی تھی اور میں کرنل وغیرہ کے لئے فون پر نمبر ڈائیل کرتے کرتے تھک گیا تھا.... آہا ٹھہرئیے ایک بات اور یاد آئی.... آپ تیس مارخاں کی کہانی پر بور تو نہیں ہوئے۔ بھئی میں نے یہ داستان تیس مارخاں کی کہانی تک لکھ کر اپنے تذکرہ نویس صاحب کو دکھائی تھی۔ وہ بولے حمید صاحب آپ نے فن کا خون کیا ہے جہاں سے آپ نے تیس مارخاں کی کہانی شروع کی ہے اس سے پہلے آپ سس پنس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن تیس مارخاں کی کہانی اس کا اثر پڑھنے والوں کے ذہن سے یکسر غائب کر دے گی۔ میں نے کہا غائب کر دے.... میں تو پڑھنے والے کو اپنے ساتھ لے چلنا چاہتا ہوں۔ اس طرح کہ نہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھے اور نہ اسے اس کی فکر ہو کہ آئندہ کیا پیش آنے والا ہے۔ بس ہم دونوں ہنستے کھیلتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں کیونکہ بعض اوقات سس پنس ایسی الجھن میں مبتلا کرتا ہے کہ بقیہ کتاب پھاڑو.... چباؤ اور نگل جاؤ۔

ہاں تو میں نے اسی سس پنس کی دم پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا تھا کہ میرے سر پر چھپکلی سوار تھی۔ وہ چھپکلی جس نے مجھے اکثر تیس مارخاں بنا دیا ہے.... اس چھپکلی کا تقاضہ ہے کہ جواری بنو۔ جو کچھ کرنا ہے سوچے سمجھے بغیر کر ڈالو.... یا اس پار یا اس پار.... لیکن اس بار سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی چھپکلی بدستور سر پر سوار رہی۔ میں نے سوچا نہیں بیٹھے بیٹھے رات گذار دینا حماقت ہو گی۔ اب اٹھو بھی حمید صاحب آخر کرنل کیسے ان دیکھے حملوں سے بچ جاتے ہیں۔ تم بھی ذرا بجلی کی سی نظر رکھنا اور پھر چانگ جو اس طرح تمہارے ساتھ لگا رہتا ہے کیا اب غافل ہو گیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہیں کرنل بھی آس پاس موجود ہوں۔

میں اٹھا اور باہر آیا۔ اب میں کمپاؤنڈ کے اس ویران حصے کی طرف جا رہا تھا جہاں میں نے لنکن کھڑی کی تھی۔ یہاں نئی گاڑیاں اور بھی تھیں مگر ان پر کوئی موجود نہیں تھا۔ ادھر عموماً وہی لوگ اپنی گاڑیاں پارک کرتے تھے جو خود ہی انہیں ڈرائیو کر کے یہاں تک لاتے تھے۔

میں اپنی گاڑی کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس سے پشت لگائی اور متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت دراصل کرنل میرے ذہن میں تھے اور میں انہیں کی تلاش کر رہا تھا۔

پھر میں گاڑی میں بیٹھنے ہی والا تھا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی پانی بھرا ربر کا غبارہ میرے چہرے سے ٹکرا کر پھٹ گیا ہو۔ لیکن وہ تو آگ کی لپک تھی جو میرے چہرے پر پھیل گئی تھی ایک پل کے لئے کوندا سا لپکا تھا۔ میرا چہرہ جھلس گیا۔ مگر کیا وہ آگ سے جھلس جانے کی سوزش تھی.... ہرگز نہیں.... وہ.... وہ تو.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میری کھوپڑی کسی نے برف کے برادے کے ڈھیر میں ٹھونس دی ہو.... کتنی ٹھنڈک تھی.... کتنی تکلیف دہ ٹھنڈک... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے شانوں پر سر کی بجائے برف کی سل رکھی ہو۔ پھر یہ ٹھنڈک بڑی تیزی سے سارے جسم میں پھیل گئی۔

اس کے بعد مجھے ہوش نہیں کہ پھر کیا ہوا۔

پتہ نہیں کتنی دیر بعد ہوش آیا.... ہوش کیا آیا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے روئیں روئیں میں سوئیاں سی چبھ رہی ہوں اور اس چبھن کے علاوہ مجھے اور کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی دھند ہٹی اور مجھے کرنل کا چہرہ نظر آیا۔ وہ مجھ پر جھکے ہوئے تھے اور میں پتہ نہیں زمین پر تھا یا آسمان پر۔ ہو سکتا ہے جسم زمین پر رہا ہو اور کھوپڑی فضا میں معلق۔

کچھ ایسی ہی کیفیت سے میں دوچار تھا۔

"کیا تمہیں ہوش آ گیا۔" کرنل نے آہستہ سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" میں نے جواب میں کہا۔ جسے سن کر ان کی بھنوئیں سکڑ گئی تھیں اور انہوں نے غصیلے لہجے میں کہا تھا۔

"جب چانگ نے حالات سے آگاہ کر دیا تھا تو جلدی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بس غلطی ہو گئی۔"

پھر میں نے چانگ کی آواز سنی جو کرنل کے پیچھے کھڑا کہہ رہا تھا۔ "کیپٹن اگر آپ جلدی نہ کرتے تو ہم نے آج اس آدمی کو پکڑ ہی لیا تھا۔"

میں کچھ نہ بولا۔ بولتا بھی کیا۔ اگر اس سے یہ کہتا کہ تم نے پوری اسکیم نہیں بتائی تو وہ یہی سوچتا کہ کرنل فریدی کا اسسٹنٹ جس کی اتنی شہرت ہے اتنی معمولی سی بات بھی نہ سمجھ سکا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ غالباً چانگ کی یہی اسکیم رہی ہو گی کہ کسی طرح اس بوڑھے یورپین کو پکڑ لیا جائے.... پھر میں سوچتا ہی رہ گیا ویسے میں اس وقت اسی عمارت میں تھا جس میں چانگ نے ٹھہرایا تھا۔

چانگ کی کہانی

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ حالانکہ ابھی یہی دل چاہ رہا تھا کہ پڑے رہو۔ کرنل نے بھی نہیں کہا کہ میں لیٹا ہی رہوں۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھے اور چانگ مضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خود اسی سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔

دفعتاً اس نے کہا۔ "کرنل غلطی میں نے ہی کی تھی۔ مگر میں کیا کرتا۔ میں نے سوچا کہ کہیں وہ کیپٹن کو ختم ہی نہ کر دیں۔"

"نہیں غلطی حمید کی ہے۔" کرنل بولے۔ "انہیں کلب سے اٹھنے میں اتنی جلدی کرنی ہی نہ چاہئے تھی۔"

"ارے تو کیا کیا میں نے۔" میں نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "مجھ سے اتنی غلطی ضرور ہوئی ہے کہ زندہ بیٹھا ہوں۔ مگر یہ ایک بنیادی غلطی ہے جس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہو سکتی۔"

"تم لیٹ جاؤ.... اور تھوڑی دیر خاموش رہو۔" کرنل نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

میں لیٹ گیا.... اور کافی دیر تک خاموش رہنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ بولا ہی نہیں جاتا تھا۔ زبان کی حرکت سر پر ہتھوڑے کی سی ضرب لگاتی تھی۔

"مگر اب کیا خیال ہے۔" چانگ نے کہا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ بوڑھا یوروپین وہی تھا جس کی مجھے تلاش ہے۔"

میرا دل چاہا کہ اس کے بیان کی تائید کروں لیکن پھر اس خیال سے خاموش رہا کہ ممکن ہے کرنل اسے پسند نہ کریں۔ میں اب کرنل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ چانگ کے جواب میں کیا کہتے ہیں۔

انہوں نے ایک طویل سانس لی اور پھر میرے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولے۔ "ہاں مسٹر چانگ.... یہ بھی ممکن ہے کیونکہ وہ گارساں[1] کے ساتھیوں میں سے تھا اور گارساں ہی کی طرح غالباً اس کا بھی کوئی ریکارڈ نہ مل سکے اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی گارساں ہی کی طرح میک اپ کا ماہر تھا.... مگر....!"

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنے والے ہوں۔ لیکن اب ارادہ ترک کر دیا ہو.... میں اور چانگ سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھتے رہے۔

"اچھا مسٹر چانگ اب میں واپس جاؤں گا۔ کیپٹن کی خبر گیری کے لئے بے حد شکر گزار ہوں۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے جناب.... کرنل....!" چانگ نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔ "مجھے بے شرمندگی ہے کہ میری وجہ سے آپ لوگ تکلیف اٹھا رہے ہیں۔"

"نہیں مسٹر چانگ.... ایک ایسے بین الاقوامی مجرم نے ہماری سرزمین پر قدم رکھا ہے ہم اطمینان سے بیٹھ ہی نہیں سکتے۔"

کرنل چلے گئے اور میں ان کے اس رویئے کے متعلق سوچتا ہی رہا۔

آخر وہ مجھے ایسی حالت میں یہاں کیوں چھوڑ گئے۔ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

چانگ انہیں صدر دروازے تک چھوڑنے گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آ گیا لیکن مجھ سے بھی زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ میری مسہری قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پائپ میں کشیدنی افیون کی گولیاں خاموشی سے راکھ کرتا حالانکہ اس کا دھواں مجھے گراں گذر رہا تھا لیکن میں خاموش ہی رہا۔ میں جانتا تھا کہ افیون پئے وہ خاموش ہی رہے گا اور اگر گفتگو کرنے پر مجبور بھی کیا گیا تو شاید اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دے ویسے بھی اس کی حالت سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے بہت دیر سے افیون نہیں پی۔

آخر اس نے پائپ ایک طرف رکھ دیا اور چہرے پر رومال سے ہوا دینے لگا۔ اب وہ ادھ آنکھوں سے میری طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ جو افیون کے نشے کے دباؤ سے ایسی ہو گئی تھیں۔

میں پھر بیٹھ گیا۔

"آپ لیٹے ہی رہیئے تو بہتر ہے کیپٹن۔" چانگ نے کہا۔

---

1 گارساں کی داستان کے لئے جاسوسی دنیا کے خاص نمبر "خوفناک ہنگامہ" جلد نمبر 8 ملاحظہ فرمائیے

"تھک گیا ہوں۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"اب آپ اپنی حالت میں کچھ بہتری محسوس کر رہے ہوں گے۔"

"بہت زیادہ خراب حالت پہلے بھی نہیں تھی۔ مگر مسٹر چانگ کیا آپ لوگ میرے قریب ہی رہے تھے۔"

"ہاں.... مگر مجھے کرنل کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ جیسے ہی آپ گرے میں دوڑ پڑا۔ قریب ہی دو آدمی موجود تھے جو مجھے دیکھتے ہی فرار ہو گئے۔ پھر بعد میں کرنل بھی آئے۔ اُن سے معلوم ہوا کہ وہ بھی آپ کی نگرانی کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے جلد بازی سے کام لیا تھا ورنہ اس وقت کوئی کار آمد گواہ مل جاتا۔ شاید انہیں بھی بوڑھے کی سازش کا علم تھا اور وہ اسے اسی وقت گرفتار کرنا چاہتے تھے۔"

"لیکن آپ نے کہا تھا کہ وہ بوڑھا ان آدمیوں میں پہلی ہی بار نظر آیا ہے۔ تو کیا کئی آدمی پہلے ہی سے آپ کی نظروں میں رہے ہیں مسٹر چانگ۔"

"یقیناً.... لیکن وہ بوڑھا پہلی ہی بار نظر آیا تھا۔ ہاں کیپٹن اگر وہ ہال سے اٹھ کر ان لوگوں سے نہ ملتا جو پہلے ہی سے میری نظر میں رہے تھے تو شائد مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔"

میں نے اب بھی اسے اپنی اور سوفیا کی باتوں سے آگاہ نہیں کیا.... کچھ دیر بعد میں نے کہا۔

"کیا آپ نے میرے چہرے کے قریب آگ دیکھی تھی؟"

"اوہ کیپٹن یہی دیکھ کر تو میں گھبرا گیا تھا۔ میں سمجھا شائد وہ کوئی بے آواز آتشی حربہ ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کے چہرے پر جلنے اور جھلسنے کے آثار نہیں دیکھ رہا۔"

"وہ آگ نہیں تھی مسٹر چانگ۔"

"ہائیں....!" چانگ حیرت سے منہ اور آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے میری ذہنی حالت کے درست ہونے میں شبہ ہے۔

"ہاں مسٹر چانگ وہ برفیلے بادلوں میں کڑکنے والی بجلی تھی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"پہلے تو مجھے ایسا معلوم ہوا تھا کہ جیسے میرا چہرہ جھلس گیا ہو۔" میں نے کہا۔ "لیکن پھر میں

یہی محسوس کرنے لگا تھا جیسے میرا سر برف کے برادے میں دفن کر دیا گیا ہو اور پھر وہ ٹھنڈک سارے جسم میں پھیل گئی تھی۔"

چانگ کی آنکھیں اب بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر اس وقت اس کی حیرت رفع ہوئی جب میں نے اس سے اصل معاملے کی بات شروع کی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کس آدمی کی تلاش میں ہے

"کیا کرنل نے ابھی تک آپ سے تذکرہ نہیں کیا۔"

"نہیں....!"

"تب تو کوئی خاص وجہ ہوگی تذکرہ نہ کرنے کی۔"

"نہیں... کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ محض عادتاً وہ اپنے ماتحتوں کو کسی کیس کے دوران پوری طرح باخبر نہیں رکھتے۔"

"پھر میں ان سے پوچھ کر ہی آپ کو کچھ بتا سکوں گا۔ اس سے پہلے مجھے معاف رکھئے۔ آج تک کرنل کو نہ سمجھ سکا کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"آپ کب اور کتنے دن تک ان کے ساتھ رہے ہیں.... مسٹر چانگ۔"

"میں ان کے ساتھ کبھی نہیں رہا۔ ویسے اکثر وقتاً فوقتاً بعض بین الاقوامی نوعیت کے ک کے سلسلے میں ان سے ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔"

"مائی ڈیئر مسٹر چانگ.... میں سالہا سال سے ساتھ رہنے کے باوجود بھی انہیں آ نہیں سمجھ سکا۔ لہٰذا اس چکر میں نہ پڑیئے ورنہ میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔ میں آ چھٹی پر ہوں۔ مطلب یہ کہ کرنل بھی مجھے اس پر مجبور نہ کر سکیں گے اور میں نے یہ بھی ہے کہ اس لڑکی کے پیٹ میں کتنی آنتیں ہیں۔"

"سچ....!" وہ والہانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

"ہاں مسٹر چانگ اگر میں ایسا نہ ہوتا تو کرنل یہ کام میرے سپرد کیوں کرتے۔"

"ڈیئر کیپٹن....!" وہ اپنے ہاتھ پھیلاتا ہوا بولا۔ "آپ اس سے کچھ معلوم کر کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"بہت کچھ... لیکن میں اسی شرط پر بتا سکوں گا جب تم مجھے سارے حالات سے آگاہ

وہ کسی سوچ میں پڑ گیا.... میں جانتا تھا کہ وہ آسانی سے نہیں بتائے گا کیونکہ اگر آ

بتا ہی ہوتا تو پہلے ہی بتا چکا ہوتا۔ میں بہرحال اس کے لئے ایک کام انجام دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسی صورت میں اسے خود ہی سارے حالات سے آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔

"اس سے آپ نے کیا معلوم کیا ہے کیپٹن۔" چانگ نے کچھ بتانے کی بجائے خود ہی سوال کیا۔

"ناممکن مسٹر چانگ پہلے آپ۔" میں نے اٹھ کر اپنا سوٹ کیس کھولا اور تمباکو کا نیا ڈبہ نکال مسہری پر آبیٹھا۔ میرا پائپ تکیئے کے نیچے موجود تھا۔ کرنل جو کام بھی کرتے ہیں سلیقے سے رتے ہیں۔ یعنی انہیں اتنا خیال تھا کہ میرے کپڑے تبدیل کراتے وقت انہوں نے کوٹ کی یب سے پائپ بھی نکال کر تکیئے کے نیچے رکھ دیا تھا۔

"ہاں تو مسٹر چانگ۔" میں نے تمباکو کے ڈبے کا کور کاٹتے ہوئے کہا۔ "اب آپ براہِ کرم پنی کہانی شروع کر دیجئے اور اگر آپ اسے دہرانے میں تکلیف محسوس کر رہے ہوں تو میں یہی شورہ دوں گا کہ دو چار گولیاں اور استعمال کر ڈالئے۔ پھر خدا نے چاہا تو کسی قسم کی بھی ہچکچاہٹ ہیں محسوس کریں گے۔"

چانگ نے ایک معمولی سی "ہو ہو" کے بعد پائپ اٹھا لیا اور اس میں ایک گولی ڈال کر دیا سلائی کھاتے ہوئے ایک ایسا لمبا کش لگایا کہ دوسرے کش کی نوبت آنے سے پہلے ہی گولی راکھ ہو گئی۔ اکھ جھاڑ کر اس نے دوسری گولی سنبھال لی۔ اسی طرح پے در پے پانچ گولیاں راکھ کرنے کے بعد ل نے آگے پیچھے جھومتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن میں وہ چانگ ہوں جس نے بہتیرے معرکے جھیلے ہیں۔ ہزاروں بار موت کے جبڑوں سے صحیح سلامت بچ نکلا ہوں۔ تم مجھے چین کا کرنل فریدی سمجھ سکتے ہو..... میں.... یعنی وہ چانگ مہینوں سے پریشان ہے۔ کیا تم نے کبھی گارساں کا نام سنا ہے۔"

"شاید ایک آدھ گولی زیادہ ہو گئی ہے مسٹر چانگ.... ارے گارساں تو میرے قدموں میں پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا ایک دن۔"

"آہا....!" چانگ نے حیرت سے کہا۔ "تو اس مہم میں آپ بھی شریک تھے۔"

میں نے اس غیر متعلق اور غیر ضروری سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں تو بس اب یہی چاہتا تھا کہ بے چوں و چرا مجھے اس کیس کے متعلق بتا دے اور وہ شاید اب بتانے ہی لگا تھا۔ لیکن اس کی بت یہ تھی کہ میں بھی اسے اس گفتگو سے آگاہ کر دوں جو میرے اور صوفیا کے درمیان ہوئی

تھی۔ چانگ فار موسا کی سیکریٹ سروس کا چیف آفیسر تھا۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ اسے الو بنانا بھی اپنی جگہ ایک مکمل آرٹ ہو گا۔

اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”گارساں کی ٹولی اکثر چین کے خلاف بھی کام کیا کرتی تھی۔ مجھ سے کئی بار اس کی مڈ بھیڑ ہوئی لیکن نہ میں اس پر قابو پاسکا اور نہ وہ مجھ پر۔ وہ ایک پُر اسرار آدمی تھا اور اس نے اپنا ایک پُر اسرار ہمزاد بھی پیدا کیا تھا۔ وہ اسی کا ہم شکل تھا۔ مشہور ہے کہ عموماً اس کے ماتحت بھی دھوکہ کھا جایا کرتے تھے۔ وہ اس کے ہم شکل کو بھی گارساں ہی سمجھتے تھے اور یہ بھ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ کبھی انہوں نے دونوں کو اکٹھے دیکھا ہو۔ وہ تو ایک بار ایسا ہوا کہ دو جگہوں سے بیک وقت وہاں گارساں کی موجودگی کی اطلاع آئی۔ بس اسی سے اس کے ہم شکل راز ظاہر ہو گیا۔ ورنہ اس سے پہلے تو ہم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ گارساں کوئی بُری روح ہے جو پل بھر میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر سکتی ہے۔ مثلاً ابھی شنگھائی سے یہ اطلاع آئی ہے کہ پولیس گارساں کا تعاقب کر رہی ہے۔ لیکن پیکنگ کے سراغ رساں پیکنگ میں اس کی موجودگی پر مصر ہیں۔“

”میں بالکل نہیں سمجھا مسٹر چانگ“ میں نے سر ہلا کر کہا۔ ”ایک بار آپ کہتے ہیں کہ بیک وقت دو جگہوں پر اس کی موجودگی کی اطلاع اس کے ہم شکل کا راز ظاہر کر دیتی ہے اور دوسری بار آ یہ کہتے ہیں کہ بیک وقت دو جگہوں پر اس کی موجودگی اسے کوئی بُری روح ثابت کرتی تھی۔“

”اوہ آپ سمجھے نہیں.... میں فاصلے کی بات کر رہا تھا۔ دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ ا وقت گولیاں معمول سے زیادہ ہو گئی ہیں۔ آپ کا خیال درست تھا اسی لئے میں اپنا مطلب وا کرنے میں دشواری محسوس کر رہا ہوں۔ ہاں تو میں فاصلے کی بات کر رہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ ا آپ اسی وقت یہاں اور ہائی سرکل نائٹ کلب میں پائے جائیں تو میں یا تو اسے گپ سمجھوں آپ کو بھوت باور کر لوں گا۔ لیکن اگر آپ اسی عمارت کے دو مختلف کمروں میں بیک وقت پا جائیں تو میں اگر اسے گپ بھی سمجھوں گا تو کم از کم اس کی تصدیق کرنا میرے لئے ممکن ہی ہو آپ کو دونوں کمروں میں دیکھ لینے کے بعد ہی میں اس کا فیصلہ کر سکوں گا کہ آپ بھوت ہیں یا ہم شکل بھی رکھتے ہیں۔ وہ ایک ایسا ہی اتفاق تھا کہ دونوں ایک ہی عمارت میں اکٹھا ہو گئے تھے۔ پیکنگ کے ایک ہوٹل کا واقعہ ہے۔ شاید گارساں یا اس کے ہمشکل کو اس کا علم نہیں تھا کہ دو بھی وہاں موجود ہے۔ لہٰذا اس سے وہاں آنے کی غلطی سرزد ہو گئی.... بہر حال....!

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ پچھلی جنگ کے دوران میں گارساں کا وہ ہمشکل ایک ملک کی سیکرٹ وس والوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اسے قیدی بنالیا گیا۔ پھر گارساں کرنل کے ہاتھوں اپنے انجام پہنچا۔ لیکن اس کا ہم شکل شاید اس ملک کی قید سے بھی بھاگا تھا جس کی سیکرٹ سروس کے میوں نے اسے گرفتار کیا تھا۔“

”یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ نکل بھاگا۔“ میں نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں....!“ چانگ یک بیک جوش سے بھر گیا۔ ”ہرگز نہیں.... یہ بکواس ہے۔ یہ ں پروپیگنڈا ہے کہ وہ نکل بھاگا۔ اگر وہ ایک دوسرے ملک میں نہ دیکھ لیا جاتا تو وہ ملک کبھی اس کا ن نہ کرتا کہ وہ نکل بھاگا ہے۔ آخر اس وقت کیوں اعلان کیا گیا جب وہ دوسری جگہ دیکھ لیا گیا ۔اس سے صاف یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس ملک کے لئے کام کرنا منظور کر لیا ہے۔“

”مگر اس کا نام کیا ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”گارساں....!“ چانگ نے جواب دیا۔ ”لیکن اصل نام تے ری فو نگ ہے اور وہ حقیقتاً کوریا کا ندہ ہے۔ گارساں تو فرنچ انڈو چائینیز تھا۔“

”تے ری فو نگ۔“ میں نے آہستہ سے دہرایا.... میں یہ نام کرنل کی زبانی بارہا سن چکا تھا ن اس کے متعلق کسی حکومت کا کوئی اعلان میری نظروں سے نہیں گزرا تھا۔

”اچھا تو کیا وہ بوڑھا.... فو نگ ہی تھا۔“ میں نے پوچھا۔

”پتہ نہیں! وہ خود تھا یا اس کی پارٹی کا کوئی آدمی۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔“

”مگر آپ کو یہ کیسے یقین ہو گیا کہ وہ فو نگ ہی کی پارٹی ہو گی۔“

”دیکھئے کیپٹن دنیا میں معدودے چند آدمی ایسے نکلیں گے جنہوں نے گارساں یا فو نگ کو ان صلی شکل میں دیکھا ہو اور میں بھی انہی معدودے چند لوگوں میں سے ہوں۔ مجھے دراصل شبہ کہ یہ فو نگ ہی کی پارٹی ہے اور فار موسا کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کر رہی ہے۔“

”اُف فوہ.... مسٹر چانگ.... میرا خیال ہے کہ اب آپ پھر دو چار مزید گولیوں کی ورت محسوس کر رہے ہیں، ارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آخر آپ کو شبہ کس بناء پر ہوا ۔ہو سکتا ہے کہ وہ اناس بائی کی ڈانسنگ پارٹی ہو۔“

”شبہے کی وجہ وہ لڑکی ہے۔“

”کیا مطلب....!“ میں چونک پڑا۔

”کیا وہ ہر وقت کچھ خائف سی نہیں رہتی ہے۔“

"میرا خیال ہے کہ رہتی ہے۔"

"بس اس پر فونگ ہی کی دہشت طاری رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شریف اور بھولی بھالی لڑکی ہو اور وہ اسے کسی خاص مقصد کیلئے استعمال کر رہا ہو۔ فونگ کا طریق کار یہی ہے۔ وہ لڑکیوں کو ذہنی طور پر کچھ اس بُری طرح الجھا دیتا ہے کہ وہ اس کے چکر سے نکل ہی نہیں سکتیں۔"

"مائی ڈیئر.... مسٹر چانگ۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ اختلاج قلب کی مریضہ ہو۔ اس لئے اس کا چہرہ ہر وقت انجانے خوف کا اظہار کرتا ہو۔ آخر وہ فونگ کے چکر میں پھنسی ہوئی کوئی لڑکی کیسے ہو سکتی ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور سے خائف ہو۔ آہا..... یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی سے خائف ہے جس کے اچانک حملے سے بچنے کے لئے اس نے دو عدد باڈی گارڈز رکھ چھوڑے ہیں۔"

"اس نے رکھ چھوڑے ہیں۔" چانگ نے حیرت سے کہا اور پھر یک بیک اس کی "ہو ہو" پھوٹ نکلی۔ پھر بدقت تمام وہ اس میں بریک لگا سکا۔

"اگر وہ باڈی گارڈ اس نے رکھے ہیں" چانگ بولا۔ "تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ اس سے بے حد تکلف ہیں۔ ورنہ اس کے سامنے بیٹھ کر شراب کیسے پیتے۔ آپ اتنی عقل بھی نہیں رکھتے کیپٹن۔ فرض کیجئے اس پر کسی آدمی کا خوف مسلط ہے تو وہ اپنے باڈی گارڈز کو ہر وقت باہوش رکھنے کی کوشش کرتی نہ کہ اس طرح شراب پینے کی اجازت دیتی۔ اس کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ کسی اور کی طرف سے اس کے نگراں مقرر کیئے گئے ہیں اور ان کی نظروں میں لڑکی کا ذرہ برابر احترام نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی دوسروں پر یہی ظاہر کرتی ہو کہ وہ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ کیپٹن کاش تم گارساں اور اس کے کارناموں سے پوری طرح واقف ہوتے۔ یوں تو ساری دنیا میں اس کی بعض حرکتیں مشہور ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی نجی زندگی کے متعلق بہت کم لوگوں کو کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ گارساں جن ممالک کے لئے کام کرتا تھا ان میں اس کی حقیقت بڑی پُر وقار اور ذی عزت ہوتی تھی لیکن دوسرے ممالک میں وہ اکثر ڈاکوؤں اور چوروں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔ اس طرح وہ وہاں کے دوران قیام میں خاصی دولت اکٹھی کرتا تھا۔ خوبصورت لڑکیاں اس کے پاس ہوتیں اور وہ ان کے ذریعے دولت مند لوگوں کی جیبیں صاف کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ فونگ یعنی اس کے ہمزاد کو بھی اسی کے نقش قدم پر چلنا ہوا۔ میں یورپ کے کئی ملکوں میں اس لڑکی سوفیا کا تعاقب کرتا رہا ہوں۔ اس نے وہاں کافی دھوم مچائی ہے۔ ہر ملک میں اس کا نام مختلف رہا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ ہر جگہ خوفزدہ نظر آتی رہی ہے۔ میں اسے بہ

دیکھتا رہا ہوں کیپٹن۔ اگر وہ کبھی خوش بھی ہوتی ہے تو پھر تھوڑی دیر بعد اس طرح چونک کر نظر آنے لگتی ہے جیسے اس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں اسے فونگ کی پارٹی سمجھنے پر مصر ہوں اور چونکہ فونگ فارموسا کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اس لئے ٹھکانے لگا دینا میرا فرض ہے۔"

میں کچھ نہ بولا۔ چانگ کی کہانی اکتا دینے والی تھی اور چانگ مجھے خواہ مخواہ بور کر رہا تھا اس لئے بکواس کے باوجود بھی مجھے سچی بات نہیں بتائی تھی۔ اس کے دلائل کسی حد تک وزن ضرور رکھتے تھے۔ لیکن یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر سکی کہ وہ اپنے بیان کردہ وجوہ کی بناء پر اسے فونگ کی پارٹی سمجھنے پر مجبور تھا۔ ان سب دلائل کی روشنی میں بھی میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ فونگ ہی کیوں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور ہی کی پارٹی رہی ہو۔ مجھے یقین تھا کہ اسے فونگ کی پارٹی تسلیم کر لینے کی اصل وجہ چانگ چھپانا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی مصلحت رہی ہو۔ یوں کہ وہ ایک غیر ملک کا سراغ رساں تھا اور ہمارے ملک کے محکمہ اُمور خارجہ کی اجازت سے ملک میں داخل ہوا تھا۔

میں یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ چانگ نہ صرف خاموش ہو گیا تھا بلکہ شاید اب ضرورت سے زیادہ گولیاں اپنا اثر بھی دکھا رہی تھیں۔

چانگ اونگھ رہا تھا۔ میں نے سوچا چلو جان بچی۔ میں خواہ مخواہ جھوٹ بولنے سے بچ گیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ میں اسے لڑکی کی وہ داستان تو ہرگز نہ سناتا جو اس سے سنی تھی۔

میں تو اب اس ٹھنڈی آگ کے متعلق سوچ رہا تھا جس کی رگوں کو شل کر دینے والی کیفیت اب بھی کسی حد تک میرے اعصاب میں موجود تھی۔ وہ فونگ رہا ہو یا اور کوئی اب کرنل کے ہاتھوں سے اس کا بچنا محال ہی نظر آتا تھا۔

اچانک چانگ کو کھانسی آئی اور وہ چونک کر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے یہاں اپنی موجودگی پر متحیر ہو۔

اغواء

رات کس طرح گذری میں نہیں بیان کر سکوں گا۔ کیونکہ چانگ کے جاتے ہی چند گدھے خرید کر سویا تھا جنہیں رینکنا بھی نہیں آتا تھا۔ اس لئے اطمینان سے سوتا رہا۔ چانگ پچ افیون چڑھ گئی تھی اور وہ اس لڑکی کی کہانی سنے بغیر اٹھ کر چلا گیا تھا۔

صبح میں نے کسی قسم کی بھی کمزوری محسوس نہ کی۔ ذہن تروتازہ تھا، اور جسم میں اتنی تھی کہ میں کسی گدھے کو بھی لات مار کر مغموم نہیں ہو سکتا تھا۔

"ہے.... ہا....!" دل چاہا کہ بچوں کی طرح چیختا ہوا کسی پر ٹوٹ پڑوں۔ مگر اب وہاں کا وہ افیونی ملازم کہاں تھا جو ہر دو گھنٹے بعد یہ بھول جاتا تھا کہ کیپٹن حمید افیونی نہیں ہے۔

مجھے اس وقت وہ لڑکی یاد آ رہی تھی۔ فونگ بھی اُلو کا پٹھا معلوم ہو رہا تھا اور چانگ بھی کتنی حسین تھی کتنی بھولی تھی۔ اس کی آواز میں کتنی کشش تھی اور جب وہ یک بیک اپنی گھنی پلکیں اوپر اٹھاتی تھی تو کیا معلوم ہوتا تھا۔ ہائے کاش میں نے شاعری کی مشق جاری ر ہوتی.... کاش میں نے.... میرے خدا.... یہ زندگی کتنی عجیب ہے۔ اس میں کتنے موڑ ہیں ہر موڑ پر کیا کچھ نظر نہیں آتا۔ حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں۔ مگر کانوں سے بھی سننا نہیں چاہتا۔ میں سوچتا ہوں کاش یہ خوبصورت لڑکیاں گونگی ہوتیں۔ میں انہیں ہوں ان کے حسن سے مرعوب ہوتا ہوں کوئی یونان کی سائیکی معلوم ہوتی ہے اور کوئی مص قلوپطرہ.... لیکن جب یہ بولنا شروع کرتی ہیں تو خدا کی قسم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان میں بھرا ہوا ہو۔ کاش ان کی روحوں میں بھی ویسے ہی خطوط اور زاویئے ہوتے جیسے ان کے خدو میں پائے جاتے ہیں۔ کاش ان کے خیالات میں بھی وہی بانکپن اور البیلا پن ہوتا جو ان کی خرامی میں ملتا ہے۔ آنکھوں میں کتنا رس ہوتا ہے۔ کتنا نشیلا پن ہوتا ہے مگر زبانیں گھاس کاٹ رکھ دیتی ہیں۔ ان کے ساتھ کھانے کو بیٹھ جاؤ تو متواتر چپ چپ سنائی دے گی جیسے کسی کتے کو پر بٹھا لیا ہو۔ پانی پئیں گی تو "غٹ.... غٹ.... غٹ" جیسے شیر کسی بھینس کی گردن دبوچ اس کا خون پی رہا ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہاں سر پٹخ دوں۔ کون سا زہر کھا کر سو جاؤں کہ آئند سب کچھ دیکھنے اور سننے میں نہ آئے۔ ایک بار کرنل سے اس ٹریجڈی کا تذکرہ آیا تھا۔ مسکر بولے تھے "تمہیں کسی ایسی لڑکی کی تلاش ہے جسے فریم کرا کے ڈرائنگ روم کی کسی دیوار

بنا سکو۔"

میں نے عرض کیا تھا "ملے بھی تو کوئی ایسی.... سونے کے مندر میں بٹھا کر دن رات پوجا گا۔"

مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے اس کا کیا جواب دیا تھا کیونکہ جیسا بھی جواب انہوں نے دیا ہو گا وہ حافظے کے قابل ہی نہ رہا ہو گا۔

ہاں تو میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ چانگ سے ملاقات ہونے سے پہلے ہی نکل چلو تو بہتر ورنہ وہ پھر اس لڑکی کے معاملے میں بور کرنا شروع کر دے گا اور سچی بات تو اس کے فرشتے بھ سے نہیں معلوم کر سکتے کیونکہ وہ بھی چینی ہی ہوں گے۔

میں نے بڑی تیزی سے لباس تبدیل کیا اور پھر کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ چانگ سے بڑ ہو گئی۔

"خوب اُلو بنایا تم نے پچھلی رات۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"آج کل الو بنانے کا میٹریل اتنا گراں آ رہا ہے کہ بنانے کو دل ہی نہیں چاہتا مسٹر چانگ۔" نے بے پر کی اڑائی ہو گی۔

"ہرگز نہیں.... تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔" چانگ نے کہا اور مجھے اس کا لہجہ بے حد گذرا۔

"یہ بھی میری ہی مرضی پر منحصر ہے۔ بتاؤں یا نہ بتاؤں۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

چانگ کچھ دیر تک مجھے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا پھر یک بیک مسکرا کر بولا۔ "تم میرے ئے بھائی ہو۔"

"ہو.... ہو.... ہو۔" میں نے اسی کے سے انداز میں ہنسنے کی کوشش کی اور پھر یدہ ہو کر بولا۔ "خدا میرے گناہوں کو معاف کرے۔"

"باتوں میں نہ اڑاؤ" چانگ نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم اس کی اہمیت سے اقف ہو۔ تم نہیں جانتے کہ میں کتنا پریشان ہوں۔ آخر اس لڑکی نے تمہیں کیا بتایا تھا۔"

"مائی ڈیئر مسٹر چانگ....!" میں نے اس کا ہاتھ بہ آہستگی اپنے شانے سے ہٹاتے ہوئے ا۔ "میں صرف کرنل کو جوابدہ ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ اس کیس سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ ل نے مجھے آپ کے ساتھ بھیجا ضرور تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنی رپورٹ آپ دوں۔ آپ کو جو کچھ بھی معلوم کرنا ہے کرنل سے معلوم کر لیجئے گا۔"

میں آگے بڑھ گیا اور چانگ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔

"سنئے کیپٹن.... پلیز.... صرف ایک بات۔" میں نے اس کی غمگین آواز سنی اور آو کچھ ایسا ہی درد تھا جیسے کسی کنوارے نے ایک محبت کرنے والی بیوہ کو ٹھکرا دیا ہو اور وہ عالم یا اسے روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ چینی بھی عجیب ہوتے ہیں آپ نہیں کہہ سکتے وہ کر کس بات پر غمگین ہو جائیں گے۔ لہٰذا کسی چینی کو اپنے بکرے کے جوان ہو جانے کی خبر بھ محتاط ہو کر سنایئے انہیں ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو۔

بہر حال میں نے بھی بسور کر پوچھا۔ "کیا بات ہے۔"

"کیا آپ خفا ہو کر جا رہے ہیں۔"

"نہیں.... میں پھر واپس آؤں گا۔" میں نے کسی پردیس جانے والے شوہر کی طرح دیتے ہوئے کہا۔ مگر شائد چین کے شوہروں کا انداز الگ ہوتا ہو۔ ورنہ چانگ کی ہچکیاں جاتیں۔

وہ قریب آ گیا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "کیپٹن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو ایک پر مجبور کر رہا تھا۔ بلاشبہ آپ کرنل ہی کو جواب دہ ہو سکتے ہیں۔"

"شکریہ....!" میں نے کہا اور اتنی تیزی سے چل پڑا جیسے ملک الموت تعاقب میں اب بھی میک اپ ہی میں تھا۔ یہ پلاسٹک میک اپ تھا۔ بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے اگر پورے ہو تو.... آدمی دو گھنٹے سے زیادہ اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ یہاں تو خیر خدا کا شکر ہے کہ ناک اور گالوں کی ہڈیوں کے ابھار پر ہی کرنل نے پلاسٹک کی تہہ جمائی تھی جس سے میر میں اچھی خاصی تبدیلی ہو گئی تھی۔

میں نے باہر نکل کر سوچا اب کدھر جاؤں۔ سامنے والے مکان کی دیوار پر "چل چ نوجوان" نامی فلم کا پوسٹر چپکا ہوا نظر آیا اور میں بڑی سعادت مندی سے چلنے لگا۔ مگر سوا کہ یہ چال کہیں تو ختم ہو گی ہی۔ پھر کیا وہیں دفن ہو جانا پڑے گا۔ یہ اسلئے سوچ رہا تھا کہ پاس کام کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ کرنل نے پچھلی رات یہ نہیں بتایا تھا کہ اب کیا کرنا ہو گا لنکن میرے پاس ہی تھی۔ لیکن میں نے پیدل ہی اسٹارٹ لے لیا۔ قصداً نہیں بلکہ بے خیالی میں کچھ دور چلنے کے بعد غلطی کا احساس ہوا۔ مگر پھر میں واپس نہیں لوٹا۔ میں نے پیدل ہی سہی۔ ایسے حالات میں یہی مناسب ہوتا ہے کہ پیدل ہی چلے ورنہ پیٹرول اتنی سے پھکتا ہے کہ بعد میں خود بھی افسوس کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی منزل

ہو گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب کیا کرنا ہے۔ مگر مجھے پہلے ہی کیا کرنا تھا۔

اس بار پھر کرنل نے مجھے چارے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ پچھلی رات مچھلی پھنستے پھنستے رہ گئی۔ چارے پر اس نے منہ مارا ہی تھا مگر چانگ جلدی کر گیا اور اب تو مچھلی بھڑک ہی گئی لہٰذا اب پھنسے یا نہ پھنسے.... مگر وہ مچھلی کب تھی.... وہ تو مچھلا تھا۔ جس کی فکر چانگ کو ممکن ہے کرنل بھی مچھلا ہی کے چکر میں رہے ہوں۔ مگر وہ مچھلی.... بام کی طرح .... اور جھینگے کی طرح شوخ اور غمزے والی.... اور کیکڑے کی طرح کجروی کی عادی.... رو ہو کی طرح.... لاحول ولا قوۃ کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں نے اس وقت مچھلی بازار نے کا تہیہ کر لیا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوفیا کی خوبیوں کے لئے تشبیہات کا رہ کہاں سے لاؤں۔

یعنی مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی کہ وہ کن حالات کی شکار ہے۔ میں تو اس کے لئے تشبیہات ش کر رہا تھا۔ مجھے اس سے کیا غرض کہ وہ مر رہی تھی میں تو یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ جان کنی کے عالم کتنی حسین معلوم ہوتی ہے۔ چلئے وہ مر بھی جاتی تو میں اس قسم کا کوئی شعر کہے بغیر نہ رہتا۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

کچھ بھی ہو سوفیا ایسی ہی لڑکی تھی جس کے بارے میں بہت کچھ سوچا جا سکتا تھا۔ اس لئے اگر نے جان ہی دینے کی ٹھان لی تھی تو کیا بُرا کیا تھا۔ مگر ٹھہریئے میں اتنا چغد بھی نہیں ہوں کہ لڑکی کے لئے جان دے دوں۔ پھر ایسی صورت میں جب کہ پچھلی رات مجھ پر حملہ ہو چکا تھا۔ رے قدم آر لکچنو کی طرف کیوں اٹھ رہے تھے۔ اوہو کیا آپ بھول گئے کہ میں اس کیس میں رے کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ کیا کرنل جو مجھے پچھلی رات اتنی لاپروائی سے چانگ کے گھر ں چھوڑ کر چلے گئے تھے اس وقت قیلولہ کر رہے ہوں گے۔ نوپ! اگر وہ حقیقتاً خود سو بھی رہے وں گے تو انہوں نے میرے گرد کم از کم اپنی بلیک فورس کا جال ضرور پھیلا دیا ہو گا۔ یہ بلیک رس بھی آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکی اگر اس کا تعلق محکمے سے ہوتا تو یہ بلیک فورس کیوں لاتی۔ میرا خیال ہے کہ میرے علاوہ اور کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ ایک یہی نہیں کرنل کے زاروں راز مجھ سے پوشیدہ ہیں۔ بعض اوقات تو میں سنجیدگی سے سوچنے لگتا ہوں کہ یہ حضرت موماً جس شکل میں نظر آتے ہیں یہ ان کی اصل شکل ہے بھی یا نہیں۔

آر لکچو پہنچ کر میں سیدھا روم نمبر تھرٹین کی طرف چلا گیا۔ دروازے پر آہستہ سے
دی۔ کسی کے چلنے کی آواز آئی اور دروازہ کھلا۔

سوفیا شب خوابی کے لباس میں سامنے کھڑی تھی۔ لیکن پھر وہ بوکھلا کر بستر کی طرف
اور جلدی سے اپنے اوپر سلیپنگ گاؤن ڈال لیا۔ وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔

"جاؤ پرنس خدا کے لئے جاؤ.... پتہ نہیں وہ کیا کر بیٹھے۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں

"میرے معاملے میں وہ خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔"

"میں کہتی ہوں جاؤ.... خدا کے لئے۔" وہ مجھے دھکیلتی ہوئی بولی۔

"نہیں میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔"

"میں مرنا نہیں چاہتی.... جاؤ چلے جاؤ۔"

میں اسے ایک طرف ہٹا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت دونوں انڈو
باڈی گارڈز بھی اندر گھس آئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ ان کے ارادے نیک نہیں معلوم
تھے۔ شائد انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ میرا گلا گھونٹ کر مار ڈالیں کیونکہ وہ خالی ہاتھ اس طرح
طرف بڑھ رہے تھے جیسے میں ان کی نظروں میں ایک حقیر ترین کیڑا رہا ہوں۔ مجھے ان کے اس
پر بڑا غصہ آیا۔ میں نے غلط اندازہ نہیں لگایا تھا۔ وہ مجھ پر ایک ساتھ حملہ کرنے والے تھے
میں نے انہیں اس کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں میں نے ریوالور نکال لیا۔ "پیچھے ہٹو
وہ جہاں تھے وہیں رک گئے۔ میں نے کہا۔ "تم لوگ تین گھنٹے کے اندر شہر خالی کر دو
ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ یہاں پرنس داراب کے علاوہ کسی اور کی گنجائش نہیں
لڑکی مجھے اتنی پسند آئی ہے کہ یہ زندگی بھر میرے ساتھ رہ سکتی ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو

وہ دونوں خاموش کھڑے رہے پھر میں نے ایک کو مخاطب کر کے دوسرے کے لئے
"اس کے ہاتھ اور پیر باندھ دو۔" وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں میں نے پھر کہا۔ میں اس ریو
استعمال بھی کر سکتا ہوں کیونکہ یہ قطعی بے آواز ہے۔ تم دونوں نہایت اطمینان سے سو جاؤ
لڑکی تم یہاں سے چلنے کی تیاری کرو۔ اگر تم نے بھی میرا حکم نہ مانا تو میں تمہاری لاش بھی
چھوڑ جاؤں گا۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنی سلیپنگ گاؤن کی ڈوری اس آدمی کے
کر دے جسے میں دوسرے کو باندھنے کا حکم دے چکا تھا۔ سوفیا نے ڈوری اس کی طرف اچھا
اور وہ اپنے دوسرے ساتھی کے ہاتھ پشت پر باندھنے لگا۔ دوسرا آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا

نہ سمجھ سکا۔ لیکن میں نے سوفیا کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھے۔ اب میں بھی اتنا احمق
تھا کہ اس گفتگو کا مقصد نہ سمجھتا۔

"اگر تم نے اس کے ہاتھ ڈھیلے باندھے تو وہی پھندا تمہارے لئے پھانسی کا پھندا بن جائے
" میں نے آہستہ سے کہا۔

یک بیک سوفیا بہت مستعد نظر آنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی تک سوتی رہی ہو۔
نے جلدی جلدی اپنا سوٹ کیس کھول کر اس میں سے ریشم کی ڈور نکالی اور اسے میری طرف
ھادیا۔ لیکن کچھ بولی نہیں۔ جب ایک باڈی گارڈ دوسرے کو باندھ چکا تو میں نے اُس سے کہا کہ
بھی خاموشی سے اپنے ہاتھ پیر بندھوا لے مگر وہ کینچوا تو تھا نہیں۔ اس نے برجستہ کہا کہ اگر تم
رے ہاتھ پیر باندھ سکے تو بلاشبہ بندھوالوں گا۔ اس پر میں نے سوفیا سے کہا کہ وہ اس کی جامہ
اشی لے۔ سوفیا کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے لیکن اس نے دیر نہیں لگائی۔ باڈی گارڈ کی جیب
ے ایک بڑا سا چاقو برآمد ہوا۔ چاقو اپنے قبضے میں کر لینے کے بعد میں سوچنے لگا کہ اسے کس
رح باندھا جائے۔

سوفیا اس کام کے لئے بھی ناموزوں ہوتی کہ ریوالور ہی لئے کھڑی رہے۔ اتنے میں فون کی
نٹی بجی اور میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ ریوالور کا رخ باڈی گارڈ ہی کی طرف تھا۔ میں نے ریسیور اٹھایا
ر سوفیا کی طرف بڑھا دیا۔

سوفیا نے کال ریسیور کی۔

"آپ کے لئے ہے۔" اس نے کہا اور ریسیور مجھے دے دیا۔

دوسری طرف سے کرنل کی آواز آئی اور میں بوکھلا گیا۔ انہوں نے کہا۔ "تم وہاں کیا
کر رہے ہو۔"

"ایک کو باندھ چکا ہوں اب دوسرے کی فکر ہے۔"

"باڈی گارڈز۔"

"جی ہاں۔"

"پھر....!"

"لڑکی میرے ساتھ جائے گی۔"

"کہاں جائے گی۔"

"جہاں آپ کہیے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم وقت برباد کر رہے ہو۔"

"نہیں وقت اچھا کٹے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ شاعرانہ ذوق رکھتی ہے۔"

"خیر.... فی الحال تم اسے جھریالی کا علاقہ دکھالاؤ.... اس کے بعد اسی عمارت میں ا جانا جہاں چانگ رہتا ہے.... بس۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ لیکن میری حیرت کا کیا ٹھکانہ۔ آخر جھریالی کی طرف کیوں لے جاتا۔ وہ سنسان میدانوں اور جنگلوں کا علاقہ تھا۔ ریسیور ر مجھ سے ایک غلطی ہوئی جس کے لئے مجھے بھگتنا پڑا۔ بس اتنی غلطی ہوئی تھی کہ میری ا گارڈ سے ہٹ کر فون کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ اس نے مجھ پر چھلانگ لگائی اور ریوالو ہاتھ سے نکل گیا۔

لیکن میں فوراً ہی سنبھل گیا ورنہ شاید میں نیچے ہوتا۔

انڈو چائینیز لپٹ پڑا تھا۔ لیکن شائد شریفوں سے لڑنے کا سلیقہ اسے نہیں تھا۔ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بندر مجھ سے لپٹ پڑا ہو۔ سب سے پہلے اس نے میر بازو پر منہ مارا اور میں بلبلا اٹھا۔ پھر میرے چہرے پر ناخنوں سے نقش و نگار بنانے کی جس پر بُرا مان کر میں نے بھی ایک گھونسہ عرض کر دیا جسے اس نے اپنی ناک پر ریسیور کہا اور دوسری طرف الٹ گیا۔ جو کچھ بھی کہا تھا اپنی مادری زبان میں کہا تھا۔ لیکن میں یا کے علاوہ ایسے مواقع پر دنیا کی ساری زبانیں بھول جاتا ہوں۔ ورنہ خدشہ رہتا ہے کہ کہ دودھ یاد نہ آ جائے۔ جیسے ہی وہ فرش پر گرا میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اس پر کم از مرتبہ قدم رنجہ ہی فرماؤں۔ چنانچہ میں دو تین بار اس کے سینے پر اچھلا اور نیچے اتر آیا۔ مادری زبان میں اس قدم رنجہ فرمائی کہ شکریہ ادا کرتا رہا اور اس کا دوسرا ساتھی انگریزی کہہ رہا تھا اگر اردو میں کہتا تو میں اس کا سر قلم کر دیتا۔

بہرحال قدم رنجہ فرمانے سے بھی کچھ نہ ہوا.... شکریہ ادا کر کے وہ اٹھ ہی رہا نے اس کی کھوپڑی کو قدوم میمنت لزوم سے شرفیاب کرنا شروع کر دیا۔ اب اس میں کرنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ اس نے عالم سرور میں اپنی آنکھیں بند کر لیں مطمئن ہونے کے بعد میں اس کے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا۔ جس کے ہاتھ پیر بند تھے لیکن زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ لیکن میرے پاس قینچی نہیں تھی ورنہ.. اب وہ میری شان میں قصیدہ خوانی کے سلسلے میں مبالغے کی سرحدیں چھونے لگا تھا۔ ا

نے یہی مناسب سمجھا کہ اب اس کی زبان کو آرام کرنا چاہئے۔ میرا رومال ناکافی ہوا تو مجھے سوفیا سے ایک رومال اُدھار لینا پڑا۔ کیا اب یہ بھی بتاؤں کہ اس نے اس وقت میری سات پشتوں تک کا شکریہ ادا کر کے رکھ دیا تھا۔ جب میں اس کے منہ میں رومال ٹھونس رہا تھا۔

لڑکی اس دوران میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس سنبھالتی رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں بھی نکل جاتی تھیں۔

وہ میرے ساتھ جانے پر تیار ہو گئی تھی لیکن اس طرح خائف نظر آ رہی تھی جیسے باہر نکلتے ہی اُسے کوئی گولی مار دے گا۔ میں نہایت اطمینان سے نکلا چلا آیا۔ دونوں باڈی گارڈز کو اسی کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ باہر آ کر میں نے ٹیکسی کی اور ہم جھریالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ لڑکی پیچھے مڑ مڑ کر دیکھے جا رہی تھی شاید اسے تعاقب کا خدشہ تھا۔ خدشہ تو مجھے بھی تھا لیکن میں مطمئن بھی تھا کہ بقیہ معاملات کرنل خود ہی سمجھ بوجھ لیں گے۔ ظاہر ہے کہ انہیں اس کا بھی علم تھا کہ میں سوفیا کے کمرے میں داخل ہوا ہوں۔ نہ صرف علم تھا بلکہ یقین بھی رکھتے تھے کہ میں وہاں ہر قسم کے حالات پر قابو پالوں گا۔ مجھے حیرت بھی تھی کہ آخر وہ مجھ پر اتنا اعتماد کیوں کرنے لگے ہیں۔

"اب ہم کہاں جائیں گے۔" سوفیا نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"اب ہم تھوڑی سی تفریح کریں گے۔ کیونکہ ابھی تک ہم کوفت کا سامنا کرتے رہے ہیں۔"

"کیا میں یقین کر لوں کہ اب میرا مستقبل محفوظ رہے گا۔"

"مستقبل کبھی محفوظ نہیں رہتا ہے۔ پہلے وہ حال بنتا ہے اور پھر ماضی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ہم بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا مستقبل کی فکر فضول ہے۔"

"میں نے تم پر اعتماد کر لیا ہے۔"

"بُرا نہیں کیا۔" میرا مختصر سا جواب تھا۔

میں دراصل الجھن میں پڑ گیا تھا۔ آخر جھریالی کا ویران علاقہ کیوں اور پھر اس کے بعد چانگ کے مکان میں واپسی۔ وہ مکان تو بقول چانگ پہلے ہی سے ان لوگوں کی نظروں میں تھا۔

بہرحال جو کچھ بھی مجھ سے کہا گیا تھا بے چوں وچرا کرنا تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو۔" سوفیا نے کہا۔ وہ بہت زیادہ مضطرب معلوم ہو رہی تھی۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارے چچا کا کیا حال ہوگا۔ کیا اس نے اپنی زندگی کا بیمہ کرا لیا تھا۔"

"وہ جہنم میں جائے۔" سوفیا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "اس کے تصور سے بھی نفرت معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں۔"

"میں ان دونوں محافظوں کے علاوہ اور کسی سے واقف نہیں۔"

"اسے ہمیشہ ہی تنہا دیکھا ہے....؟"

"ہاں.... ہمیشہ.... حد یہ ہے کہ کبھی کسی سے گفتگو کرتے بھی نہیں دیکھا۔ اگر کبھی کوئی اجنبی اسے مخاطب بھی کرتا ہے تو وہ اتنی سرد مہری سے پیش آتا ہے کہ دوسری بار اس کی ہمت نہیں پڑتی۔"

"وہ خود کہاں مقیم ہے۔"

"مجھے اس کا بھی علم نہیں۔"

"پھر کیسے کام چلے گا۔" میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"اوہ.... تو تم اس کے خلاف کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"ہو سکا تو قتل کروں گا۔" میں نے لاپروائی سے کہا اور اسے لرزتے دیکھا۔

"نہیں....!" اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ "اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"پھر تم اس کے سلسلے میں کیا چاہتی ہو۔"

"بس اتنا ہی کہ آئندہ اس کا سامنا نہ ہو۔"

میں اس طرح خاموش ہو گیا جیسے سچ مچ سوچ رہا ہوں کہ اُسے مار ڈالا جائے یا زندہ رکھا جائے۔

ٹیکسی ڈرائیور سمجھا تھا شائد ہم لوگ سیاح ہیں اس لئے اکثر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر جھریالی کے علاقے کے متعلق کچھ کہنے لگتا تھا۔ ٹیکسی شہر سے نکل کر ایک ویران راستے پر لگ گئی تھی۔

"یہ تم کہاں لے جا رہے ہو۔" سوفیا نے کہا۔ اب پھر اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"اُدھر ایک بڑی خوبصورت جھیل ہے۔ میں آج پھر دیکھوں گا کہ وہ تمہاری آنکھوں سے زیادہ گہری تو نہیں ہے۔"

"میرے خدا۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بڑبڑائی۔ "کیا اب میں ریگستان سے نکل کر کسی دلدل میں پھنسوں گی۔"

میں کچھ نہ بولا۔ میرا خیال تھا کہ ایسے کسی موقع پر زبان کو تھکانا بیسود ہوتا ہے۔ میری دانست میں چونکہ وہ خود ہی غیر یقینی حالات کی شکار تھی اس لئے محض الفاظ سے اس کی تسکین ناممکن تھی۔

دفعتاً میں نے پیچھے کسی وزنی گاڑی کی آواز سنی۔ مڑ کر دیکھا۔ وہ ایک ٹرک تھا جس پر بانس

لدے ہوئے تھے۔ میں پھر مطمئن ہو گیا۔

ابھی تک تو مجھے تعاقب کے آثار نہیں نظر آئے تھے۔

ٹرک کی رفتار تیز تھی وہ ٹیکسی کے برابر سے آگے نکل گیا۔ لیکن اس کی رفتار اتنی تیز بھی نہیں تھی کہ ٹیکسی سے اس کا فاصلہ بہت زیادہ ہو جاتا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی آگے نکالنی چاہی لیکن میں نے اُسے روک دیا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ٹرک ہماری راہ میں حائل ہی رہنا چاہتا ہو۔ میں الجھن میں پڑ گیا۔ پیچھے سڑک اب سنسان پڑی تھی۔ مگر ٹرک کی رفتار میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ ہماری ٹیکسی بھی پہلے ہی کی سی رفتار سے جا رہی تھی۔

جھیل تک یہی کیفیت رہی۔ پھر جیسے ہی ہم جھیل کے قریب پہنچے ٹرک نے ایک لمبا چکر لیا اور پھر شہر ہی کی جانب مڑ گیا۔ کیا یہ کم حیرت انگیز تھا کہ وہ قریب کی فیکٹری میں بانس اتارے بغیر واپس ہو گیا تھا۔ خیموں کے لئے بانس بنانے کی ایک فیکٹری اسی علاقے میں تھی۔

واپسی

کرنل نے اتنا ہی کہا تھا کہ میں سوفیا کو جھریالی کے علاقے کی طرف لے جاؤں اور پھر وہاں سے ہماری واپسی چانگ کے مکان پر ہو۔ لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ جھریالی کے علاقے میں ہماری مدت قیام کیا ہو گی۔

ڈرائیور نے میرے اشارے پر ٹیکسی جھیل کے کنارے پر روک دی۔

سوفیا نے چاروں طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی اور اس وقت نہ جانے کیوں مجھے رائیڈر ہیگرڈ کا ناول "شی" یاد آ رہا تھا۔ جس میں ایک ایسی حسینہ کا تذکرہ ہے جو ہزاروں سال سے زندہ تھی اور جوالا مکھی کی آگ میں نہا کر جوان ہو جایا کرتی تھی اور ہمیشہ جوان ہی رہتی تھی۔

"یہ جادو کی جھیل ہے۔" میں نے سوفیا سے کہا۔ "تم نے پُر اسرار مشرق کے متعلق اپنے ہاں لاتعداد داستانیں سنی ہوں گی۔ میں دراصل اسی جھیل میں رہتا ہوں۔"

"نہیں....!" سوفیا یک بیک مجھے گھورنے لگی۔

"ہاں.... میں ہزار سال سے زندہ ہوں.... میری رعایا مجھے "ہی" کہتی ہے اور "ہوا" کہہ کر مخاطب کرتی ہے۔ میں ہزار سال سے اپنی رعایا پر حکمران ہوں۔ جب بوڑھا ہونے لگتا ہوں تو

اسی جھیل کا پانی اپنی دم پر لگا کر دوبارہ جوان ہو جاتا ہوں۔"

سوفیا کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔ "میں نے رائیڈر ہیگرڈ کا ناول شی پڑھا ہے۔ وہ ہیا.... کہلاتی تھی.... اور تم "ہی" ہو.... مگر "ہوا" کسے کہتے ہیں۔"

میں نے اسے "ہوا" کا مطلب سمجھانے کی کوشش کی اور وہ اور زیادہ ہنسنے لگی۔

"نوزائیدہ ہیگرڈ نے "ہوا" سے "ہیا" بنائی ہے۔ لوگ اس سے اسی طرح خائف رہتے تھے جیسے تمہارے بتائے ہوئے "ہوا" سے ہو سکتے ہیں۔ تم بہت دلچسپ اور ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو پرنس.... میرے خدا میں آج کتنے دنوں بعد دل کھول کر ہنسی ہوں۔"

پھر وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔ میں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح خوش نظر آنے لگی تھی۔

"میں پیرس سے کبھی باہر نہیں نکلی۔ اس کے بعد نکلی بھی تو ایسے حالات کا شکار رہی۔ یورپ کے مختلف شہروں ہی میں ماری ماری پھری ہوں، ایسے مناظر میری نظروں سے کم گزرے ہیں۔ اوہ پرنس اوہ پرنس.... میں کتنی خوش نصیب ہوں کاش ساری زندگی مطمئن رہوں۔ کاش موجودہ حالات کی بھی اصلیت ظاہر ہو جائے۔"

"سب کچھ ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔ "مگر تمہیں اپنی زبان کھولنی پڑے گی۔ اس کے بغیر کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ تم مجھے بتاؤ کہ اپنے اس چچا کے متعلق اور کیا جانتی ہو۔"

"میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی جتنا بتا چکی ہوں اور دونوں باڈی گارڈز کے علاوہ کسی ایسے تیسرے آدمی کے وجود سے بھی ناواقف ہوں جو میرے چچا سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن ٹھہرو.... میں تمہیں ایک اہم واقعہ بتاؤں گی۔ جو ایمسٹرڈم میں پیش آیا تھا۔ میں اپنی اس قید و کی زندگی سے اکتا گئی تھی۔ ایک شام میں اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ ایمسٹرڈم کی ایک تفریح گاہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے اپنی بے بسی پر بڑا رونا آیا۔ لیکن میں نے تہیہ کر لیا کہ اب ان لوگوں کی ایک نہ سنوں گی۔ میرا چچا بھی اسی تفریح گاہ میں موجود تھا حسب معمول مقررہ وقت پر وہ جانے کے لئے اٹھ گیا اور مجھے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔ باڈی گارڈز بھی اٹھے۔ لیکن میں نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں اب ان پابندیوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اگر زبردستی کی گئی تو میں شور مچانا شروع کر دوں گی اور تم سب مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ وہ دونوں گھبرا گئے اور ان میں ایک نے کہا اچھا ٹھہرو میں تمہارے چچا سے اجازت لے آؤں پھر تم بیٹھ سکو گی۔ ہمیں اعتراض نہ ہوگا۔ ایک وہیں موجود رہا اور دوسرا چلا گیا۔ مجھے سچ مچ بڑا شدید غصہ آ گیا تھا اور آ

لمحات کے بہتر یا بدتر ہونے کا دارومدار صرف میرے چچا کے جواب پر تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ حالات کا مقابلہ سختی سے کروں گی۔ تھوڑی دیر بعد باڈی گارڈ نے آکر اطلاع دی کہ میرا چچا بھی مجھے باہر باغ میں بلا رہا ہے۔ میں اٹھ گئی۔ میں اب براہِ راست اسی سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ باڈی گارڈز میرے ساتھ چلتے رہے اور میں باغ کے اس گوشے میں پہنچ گئی جہاں میرا چچا پہلے سے موجود تھا۔

اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیا چاہتی ہوں اور میں کسی جوالا مکھی کی طرح پھٹ پڑی۔ اس گوشے میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور میں فرانسیسی میں گفتگو کر رہی تھی۔ یہاں روشنی بھی نہیں تھی۔ بس تاروں کی چھاؤں میں ان تینوں کی دھندلی سی پرچھائیاں دیکھ سکتی تھی۔ وہ تین کیا اگر تین ہزار ہوتے تب بھی میری زبان نہیں رک سکتی تھی۔ جو کچھ میرا جی چاہتا کہتی رہی۔ اچانک کوئی لجلجی سی چیز میرے چہرے سے ٹکرائی پھر آنکھوں کے سامنے بجلی سی چمکی اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا چہرہ جھلس گیا ہو۔ لیکن کیا وہ آگ تھی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور آنکھوں سے کسی تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں کچھ نہ بولا۔ اس نے پھر کہا۔ "کاش تمہیں اس پر یقین آ جائے۔ کاش! اسے تم گپ نہ سمجھو کیونکہ تم ابھی ابھی رائیڈر ہیگرڈ کے ایک ناول کا حوالہ دے چکے ہو۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ تم نے اس کا تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔ ہو سکتا ہے تم سرے ہی سے میری اس داستان کو گپ سمجھتے ہو اور تمہارا خیال ہو کہ میں کوئی آوارہ لڑکی ہوں اور اسی طرح مالدار آدمیوں کو پھانسنا میرا پیشہ ہو۔ تم کچھ بھی سمجھو میرا کچھ بھی حشر ہو مگر اب میں ان حالات کے جال سے نکلنا چاہتی ہوں، خواہ مجھے اس جھیل کی تہہ میں کیوں نہ پناہ لینی پڑے۔"

"تم بیان جاری رکھو میں تمہاری کہانی کو غلط نہیں سمجھا کیونکہ میں اکثر خود بھی اس سے کہیں زیادہ پُر اسرار حالات سے دوچار ہو چکا ہوں اور انہیں حالات کے پیش نظر میں تم میں اتنی دلچسپی بھی لے رہا ہوں ورنہ پرنس داراب ولد مہاراجہ سرخاب بہت مشغول آدمی ہے۔"

"پہلے مجھے ایسا محسوس ہوا تھا" اس نے کہانی دوبارہ شروع کی اور پھر خاموش ہو کر اپنی پیشانی رگڑنے لگی۔ میں بھی خاموش ہی رہا۔ اسے ٹوکنا نہیں چاہتا تھا۔

"مجھے ایسا محسوس ہوا تھا.... اوہ مجھے وہ تکلیف اس وقت یاد آ گئی ہے پرنس مجھے پہلے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میرا چہرہ جھلس گیا ہو۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ محسوس کرنے لگی جیسے میرے شانوں پر سر کی بجائے برف کی چٹان رکھ دی گئی ہو۔ پھر میرا سارا جسم برف کے ڈھیر میں دب کر

رہ گیا ہو۔ میں بیہوش ہوگئی۔ پھر میں نہیں جانتی کہ کتنی دیر بعد مجھے ہوش آیا تھا۔ میں ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند تھی اور میرے سر پر وہی دونوں باڈی گارڈز مسلط تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بوڑھا مجھے مار ڈالے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ بھی اس سے خائف رہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ بے حد چالاک اور طاقتور ہے۔ پھر انہوں نے مجھے سمجھانا شروع کیا کہ میں مفت میں عیش کر رہی ہوں۔ مجھے ابھی تک کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ مجھے کسی ناجائز اور غیر قانونی کام پر مجبور نہیں کیا گیا۔ پھر آخر بدحواسی کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے بھی سوچا کہ اب بے چوں وچرا وہی کرنا چاہئے جو یہ لوگ کہیں۔ پھر جب کبھی گلو خلاصی کی صورت نظر آئے تو پھر ہاتھ پیر مارے جائیں گے۔ میں تنہا ان لوگوں سے نپٹنے کی قوت نہیں رکھتی تھی۔ ان دونوں نے مجھے دھمکی بھی دی تھی کہ اگر میں آسانی سے راہ پر نہ آئی تو وہ مجھے شریف اور نیک نہ رہنے دیں گے۔ پھر میں راہ پر آگئی۔ پھر اس خبیث اور پُراسرار آدمی کے اشاروں پر ناچنے لگی۔ مگر میں آج تک نہ سمجھ سکی کہ میرا مصرف کیا ہے۔ نہ مجھے آج تک کسی سے ملنے پر مجبور کیا گیا نہ کسی سے گفتگو کرنے کو کہا گیا۔ یہاں آنے کے لئے بھی وہ ایک بہانہ تھا ورنہ میں آپ کو پچھلی رات ہی بتا چکی ہوں کہ مرنے والا ایک قلاش آدمی تھا۔"

"تو اب تم اُن لوگوں میں واپس نہیں جانا چاہتیں۔"

"اس پر میں موت کو ترجیح دوں گی۔ اس کے علاوہ اور سب کچھ کر سکتی ہوں۔ میں اب عیش پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"اچھا تو آؤ واپس چلیں.... اب تم ان لوگوں میں واپس نہیں جاؤ گی۔"

"میں زندگی بھر احسان مند رہوں گی اگر ان سے چھٹکارا نصیب ہو جائے۔"

"چلو....!" میں ٹیکسی کی طرف مڑ گیا۔ خواہ وہ ایک شاندار فریب ہی کیوں نہ رہا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اس لڑکی کی بیچارگی سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ مجھے وہ لڑکی یاد آئی جو حقیقتاً ایک ملک کی شہزادی تھی مگر چند اجنبیوں کے ہاتھوں ایسے پُراسرار حالات کا شکار ہوئی تھی کہ اس کے پاگل ہونے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ [1] پہلے میں اسے بھی فراڈ ہی سمجھا تھا لیکن پھر مجھے اپنی بدگمانی پر بے حد افسوس ہوا تھا۔

ہم دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور وہ پھر شہر کی طرف چل پڑی۔ میں راستے بھر ہوشیار رہا لیکن چانگ کے مکان تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

---

[1] اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کے ناول "خون کا دریا" جلد نمبر 7 ملاحظہ فرمائیے۔

وہاں پہنچ کر مجھے پھر متحیر ہونا پڑا۔ میرے ایک ماتحت نے بتایا کہ کرنل نے فون پر ہدایت دی ہے جیسے ہی وہاں پہنچوں ساتھی سمیت مجھے گھر چلے آنے کو کہا جائے۔

ٹیکسی میں نے چھوڑ دی تھی۔ اب لنکن نکالنی پڑی لیکن روانگی سے پہلے میں نے کرنل کو فون کر کے اپنے ماتحت کے بیان کی تصدیق کر لی تھی۔ وہ گھر ہی پر موجود تھے اور اُن کی خواہش تھی کہ میں سوفیا سمیت وہیں پہنچوں۔

سوفیا خاموش ہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے خود کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہو۔

ہم کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

"تمہاری یہ گاڑی بڑی شاندار ہے۔" سوفیا نے کہا۔

"تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ میں شہزادہ ہوں۔ یہ گاڑی ایئر کنڈیشنڈ ہے۔"

میں اب بھی میک اپ ہی میں تھا اگر اپنی گاڑی میں نہ آیا ہوتا تو ملازم مجھ پر خونخوار قسم کے کتے چھوڑ دیتے۔ کیونکہ میں دراندر گھستا چلا گیا تھا۔ نصیرا نے ٹوکا تھا۔ مگر میں نے آواز بدلے بغیر اسے ڈانٹ دیا تھا۔ ورنہ بات ضرور بڑھ جاتی۔

کرنل لائبریری میں تنہا نہیں تھے ان کے ساتھ چانگ بھی تھا، اور میز پر بہت سے کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ ان کاغذات کے ساتھ چمڑے کا مخصوص طرز کا تھیلا دیکھ کر میں نے اندازہ لگالیا کہ دفتر کے ریکارڈ روم سے کسی پرانے کیس کے کاغذات نکالے گئے ہیں۔ سوفیا کو میرے ساتھ دیکھ کر چانگ کا منہ حیرت سے کھل گیا اور کرنل نے مجھے بتایا کہ چانگ کو میرے اس کارنامے کا علم نہیں تھا۔

اس نے دبی زبان سے اتنا ضرور کہا کہ میں نے شائد اچھا نہیں کیا۔ یہ لڑکی بھی فراڈ ہو سکتی ہے۔ اس پر سوفیا نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ چانگ چونکہ ہم سے انگریزی میں گفتگو کرتا تھا اس لئے سوفیا کو اس کے خیالات کا علم ہو گیا۔ ورنہ شاید میں یہی کوشش کرتا کہ اس کی دل شکنی نہ ہونے پائے۔

"اسے نیلم کے سپرد کر کے یہاں واپس آجاؤ۔" کرنل نے مجھ سے کہا۔

نیلم اس وقت کوٹھی ہی میں موجود تھی۔ اس نے کافی دیر تک میرا مضحکہ اڑایا۔ مجھے بابا کہتی رہی اور سوفیا کو "بابی" کہہ کر مخاطب کرتی رہی۔ پھر وہ اسے اپنے ساتھ اپنے رہائشی کمروں کی طرف لیتی چلی گئی۔

میں پھر لائبریری کی طرف واپس آیا۔ کرنل نے شائد کاغذات سمیٹ کر تھیلے میں بھر دیئے

تھے۔ تھیلا اب بھی میز ہی پر موجود تھا۔

میں نے کرنل کو لڑکی کی داستان سنائی اور چانگ کی "ہو ہو" اسٹارٹ ہو گئی۔ میرا دل چاہا کہ الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دوں مگر پھر تاؤ کھا کر رہ گیا۔ اگر مجھے اس کا خیال نہ ہوتا کہ وہ کرنل کا دوست ہے تو میں بلا تکلف ایک آدھ ہاتھ جھاڑ دیتا۔ اس کے ہنسنے کا انداز ایسا تھا جیسے میں اُلو بن گیا ہوں یا میں نے جو کچھ بھی کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔

کرنل نے میرے بیان پر تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ چانگ سے بولے "فی الحال تو یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ لڑکی سچی ہے یا جھوٹی۔ اس کی تصدیق ہم اسی وقت کر سکیں گے جب فونگ ہاتھ آ جائے۔

"مگر وہ سور کا بچہ ہاتھ ہی کیوں آنے لگا۔" چانگ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ویسے میرا دعویٰ ہے کہ فونگ بھی یہی چاہتا ہے کہ یہ لڑکی آپ کے مکان میں پہنچ جائے۔ ورنہ اسے دہاڑے کون نکال لا سکتا تھا۔"

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ میں میک اپ میں بھی پہچان لیا گیا ہوں گا۔" میں نے کہا۔

"اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اسے لکھ لیجئے کہ فونگ ہی کے ایماء پر لڑکی آپ کے ساتھ آئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ لڑکی حقائق سے لاعلم ہو۔"

میں خاموش ہو گیا۔ اب چانگ کے اس خیال میں کسی حد تک وزن نظر آنے لگا تھا۔ رات مجھے بیہوش کیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے میں پہچان لیا گیا ہوں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ تھی مجھے وہ ٹرک یاد آیا جس میں بانس بھرے ہوئے تھے۔ لیکن وہ خیمہ ساز فیکٹری میں خالی کئے بغیر شہر کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس میں فونگ ہی کے آدمی رہے ہوں اور یہ بھی ہے کہ چانگ کے گھر سے کوٹھی تک بھی میرا تعاقب کیا گیا ہو۔ شہر میں جہاں ٹریفک کی ریل پیل رہتی ہے تعاقب کا اندازہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور پھر میں نے تو خاص طور پر اس پر دھیان نہیں دیا تھا۔ چانگ کے گھر سے یہاں آتے وقت میں صرف سوفیا کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ ذہن میں رکھے بغیر کہ وہ کس طرح مجھ تک پہنچی تھی کیوں پہنچی تھی۔ چانگ بڑبڑاتا رہا۔ کرنل سوچتے رہے اور میں بور ہوتا رہا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ بہت زیادہ بور نہیں ہوا کیونکہ چانگ کی "ہو ہو" اس وقت نہیں چل رہی تھی۔

دفعتاً کرنل بولے۔ "اچھا چانگ اگر وہ بوڑھا یوروپین ہی فونگ ہے تو اسے میری ح... میں تصور کرو۔"

"نہیں....!" چانگ پر مسرت انداز میں چونک پڑا۔

"میں جانتا ہوں کہ اس کا قیام کہاں ہے۔ میں نے پچھلی رات ہی معلوم کر لیا تھا۔"

"ضروری نہیں ہے کہ وہ اب بھی وہیں ہو۔" چانگ نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت اب بھی اسی مکان میں موجود ہے۔ میں ایسے واقع پر غافل رہنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تب پھر آپ دیر کیوں کر رہے ہیں۔" چانگ بولا۔

"بس اب دیر نہیں کروں گا۔" کرنل مسکرائے۔ "مجھے کیپٹن حمید کے اسی کارنامے کا انتظار تھا۔"

ایک سرد سی لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ کرنل کی مسکراہٹ ایسی ہی تھی میں نہیں سمجھ سکا ان کے لہجے میں کیا تھا۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ میرے لئے جو کچھ انہوں نے کہا تھا وہ طنز تھا یا یقیناً میں ان کی نظروں میں کوئی کارنامہ انجام دیا تھا۔

چانگ جواب طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کرنل نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ اب اس میک اپ کی ضرورت نہیں رہی اسے ختم کر دو۔ مسٹر چانگ بھی خواہ میک اپ میں میرے ساتھ چلیں خواہ اپنی شکل میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ میں آج گارساں کے ساتھی تے ری فونگ کو پکڑ ہی لوں گا۔

"نہیں میں میک اپ ہی میں رہنا مناسب سمجھوں گا۔" چانگ نے کہا۔

"تمہاری مرضی۔" کرنل بولے اور کاغذات کا تھیلا میز کی دراز میں رکھتے ہوئے مجھ سے بولے۔ "جاؤ جلدی کرو۔ اب اس میک اپ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اسی وقت وہاں جائیں گے جہاں فونگ مقیم ہے۔"

میں لائبریری سے لیبارٹری کی طرف روانہ ہو گیا۔

کیچڑ کا رومان

چانگ نے اس پر بڑی حیرت ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ پولیس کی جمعیت نہیں تھی۔ صرف میں اور کرنل اس مہم کو سر کرنے کے لئے چل پڑے تھے۔ ہمارا تو یہی حال تھا لیکن دوسرے اس

پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ ویسے اس سلسلے میں کرنل کا کوئی اصول نہیں تھا۔ اکثر وہ تنہا ہی ایسی مہموں پر روانہ ہو جاتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا کہ یا تو ان کی بلیک فورس کے آدمی ان کے آس پاس موجود ہوتے تھے یا ان کے بعض ماتحت۔

بہر حال اس وقت کی روانگی عجیب لگ رہی تھی۔ بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے چند خوشباش قسم کے آدمی کہیں خالی ہاتھ بیٹھے گفتگو کر رہے ہوں اور گفتگو کے دوران ہرن کے شکار کا تذکرہ چھڑ گیا ہو اور انہیں میں سے ایک صاحب نے اٹھ کر کہا ہو۔ چلو ہرن مار لائیں۔ اس وقت دل چاہ رہا ہے کہ آپ کو ہرن کے شکار کا ایک لطیفہ سنا ڈالوں۔ مگر ٹالئے ورنہ آپ اور میرے تذکرہ نویس صاحب دونوں ہی کہیں گے کہ سسپنس کا خون کر دیا۔ ویسے ہم کسی نہ کسی کا خون کرنے تو جا ہی رہے تھے۔ ظاہر ہے مجرموں کی گرفتاری کے سلسلے میں اکثر گولیاں بھی چلتی رہیں اور وہ گولیاں لگنے ہی کے لئے چلتی ہیں ان کا مقصد سلام و دعا یا مزاج پرسی نہیں ہوتا۔

"کرنل کہیں آپ غلطی تو نہیں کر رہے۔" چانگ نے کہا۔ "اسے اچھی طرح سوچ لیجئے کہ گارساں اور فونگ کے درمیان اس کا فیصلہ نہیں ہو سکا تھا کہ کون کس سے زیادہ خطرناک ہے۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو۔"

"اس طرح تنہا جانا ٹھیک نہیں ہے۔"

"تنہا.... ارے ہم تین ہیں چانگ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے.... مگر....!"

"ہاں.... آں.... میں سمجھتا ہوں۔" کرنل کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "لیکن میں اس پر ابھی تک یقین نہیں کر سکا کہ وہ فونگ ہی ہوگا۔ کیوں چانگ کیا تمہارے پاس اسکی کوئی پہچان ہے۔"

"سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ میں اسے اس کی اصلی شکل میں دیکھ سکوں۔"

"میک اپ میں بھی اسے نہیں پہچان سکتے۔" کرنل نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... میں ایک انہونی بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔"

"اسی لئے میں نے ضروری نہیں سمجھا کہ اس سلسلے میں قبل از وقت شور مچایا جائے اور میں عموماً ضابطے کے اندر ہی رہ کر کسی قسم کی کاروائی کرتا ہوں۔ اگر وہ لڑکی میرے ہاتھ نہ آ گئی ہوتی تو میں اتنی جلدی نہ کرتا۔ فی الحال میں اس لڑکی کی شکایت پر بوڑھے سے پوچھ گچھ کیلئے جا رہا ہوں۔"

"صرف پوچھ گچھ....!" چانگ نے مایوسانہ انداز میں پوچھا۔

"پھر اور کیا.... ابھی اس سے زیادہ تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"مگر آپ نے تو کہا تھا کہ میں یہ قصہ اسی وقت ختم کر دوں گا۔"

"ہو سکتا ہے ختم ہی ہو جائے۔"

اس پر میں خود بھی جھنجھلا گیا۔ پتہ نہیں چانگ کا کیا حال ہوا تھا۔ بس کرنل ایسے ہی مواقع پر لگتے ہیں جب ان کی طرف سے کسی بات کا کوئی صاف جواب نہیں ملتا۔

"اس سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے میں ہی کافی تھا۔ آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں۔" میں ا۔

لیکن کرنل نے جواب نہیں دیا۔ کار شہر سے نکل آئی تھی۔

"کیا وہ شہر میں نہیں رہتا۔" میں نے پوچھا۔

جواب نفی میں ملا۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ جانا کہاں ہے۔ ویسے سڑک تو وہی تھی جو جھریالی کی جاتی ہے۔ چانگ کبھی کبھی استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگتا تھا۔ ہم دونوں نشست پر تھے اور کرنل ڈرائیو کر رہے تھے۔

میرا دل چاہا کہ قوالی شروع کر دوں مگر چونکہ کرنل کے ساتھ تھا اس لئے تیس مار خانی کے نہیں نصیب ہو سکتے تھے۔ تیس مار خانی مجھ سے عموماً اس وقت سرزد ہوتی ہے جب میں تنہا وں۔ اگر کوئی ٹوکنے والا سر پر موجود ہو تو عقل اپنی حدود سے باہر نہیں ہونے پاتی۔

کار ایک کچے راستے پر موڑ دی گئی۔ پتہ نہیں منزل کہاں تھی۔ میری دانست میں تو ادھر ی عمارت ہو ہی نہیں سکتی تھی جہاں کوئی غیر ملکی شبہات سے بالاتر ہو کر قیام کر سکتا مگر پھر آیا کہ جھریالی کے قرب وجوار میں چینی کے برتن بنانے کا بھی ایک کارخانہ ہے اور اس کے اس تھوڑی سی آبادی بھی پائی جاتی ہے۔ وہ کارخانہ ایک غیر ملکی فرم کے تحت چل رہا تھا اس ل کی نواحی بستی میں غیر ملکیوں کا قیام شبہے کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ کار اسی بستی کی ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے روکی گئی۔ عمارت رت تھی اور پائیں باغ مختصر سا مگر سلیقے کا تھا۔ کرنل کار سے اتر کر سیدھے عمارت کی بڑھتے چلے گئے میں اور چانگ بھی بڑھے۔ ویسے آپ یقین کیجئے کہ میں بڑی بے دلی سے ا تھا۔ میں چونکہ اپنے کیس کے ڈرامائی اختتام کا عادی تھا اس لئے مجھے کوفت سی ہو رہی تھی ل سوچ رہا تھا کہ اگر وہی بوڑھا فونگ ثابت ہوا تو بات کیا بنے گی کرنل اسے اسی طرح گرفتار ا گے جیسے مجرم عام طور پر گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔ کرنل کے ساتھ کام کرنے کا لطف ل اسی میں تھا کہ کیس کے اختتام پر کسی چٹپٹے سے ناول کا مزہ آ جائے۔ وہ بڑے داؤ پیچ کے

ساتھ مجرموں پر ہاتھ ڈالتے تھے۔ اس انداز میں کہ مجرم بھی ہکا بکا رہ جاتے تھے۔

میرا دعویٰ ہے کہ ایسے مواقع پر اگر مجرموں کی ذہنی رو بہک جائے تو وہ خود بھی اسی ان میں تالیاں بجانے لگیں جیسے کسی فلم میں چونی والے ہیرو کی اس وقت کی اچانک آمد پر تالیا بجانے لگتے ہیں جب ویلین ہیروئن پر دست درازیاں کر رہا ہو۔ مگر میں سوچ رہا تھا کہ مجھے ش تالیاں بجانے کا موقع نہ مل سکے کیونکہ میں چانگ سے متفق تھا۔ میرا بھی خیال تھا کہ وہ بو بوڑھا فونگ ہی ہوگا۔

کرنل برآمدے میں پہنچ کر کال بل کا بٹن دبا رہے تھے ہم بھی پہنچ گئے۔ لیکن دو منٹ جانے کے باوجود بھی دروازہ نہ کھلا۔

کرنل ہماری طرف مڑے۔ ان کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

چانگ نے آہستہ سے کہا۔ "کرنل.... فونگ سے مقابلہ ہے۔ اگر وہ فونگ کا کوئی سا ہوگا تب بھی آسانی سے آپ اس پر ہاتھ نہ ڈال سکیں گے۔"

کرنل نے اس کے اس خیال پر اپنی رائے نہیں ظاہر کی۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتے ر بولے اندر کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہے لیکن وہ یا تو بہرہ ہے یا سو رہا ہے یا مر گیا ہے کیونکہ د اندر ہی سے بند ہے۔

"ہو سکتا ہے عقبی دروازے میں قفل پڑا ہو۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"چلو اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ مگر نہیں.... ہم یہیں تمہارا انتظار کریں گے۔"

میں برآمدے سے نیچے اتر آیا اور عمارت کی پشت کی طرف چل پڑا۔ عمارت گو چھو لیکن چہار دیواری کا پھیلاؤ پشت پر بہت زیادہ تھا اور یہاں مختلف قسم کی ترکاریوں کے چھوٹے کھیت تھے۔ انہیں کھیتوں کے درمیان مجھے ایک آدمی نظر آیا لیکن وہ آدمی ایسا جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر میری گرفت مضبوط ہو گئی۔

غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ سوفیا کے چچا کو پہلی ہی نظر میں پہچان لینا میرے لئے کام نہیں تھا۔ میں نے عمارت کی طرف دیکھا جس کا عقبی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ بوڑھا غالباً سے کھیتوں کی طرف آیا تھا۔ میں اس کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"اوہ میں گوبھی اور شلجم کے بیج فروخت کرتا ہوں مطلب یہ کہ ایک ایسی فرم ہوں جو گوبھی اور شلجم اور چقندر وغیرہ کے بیج فروخت کرتی ہے۔"

"کرتی ہو گی۔" اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"میرا شو کیس برآمدے میں رکھا ہوا ہے ذرا اُدھر چلنے کی تکلیف گوارا فرمایئے۔"

"او تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس نے بندروں کی طرح دانت نکالے۔ "ورنہ میں ابھی اپنا نخوار بلڈ ہاؤنڈ تم پر چھوڑ دوں گا۔"

پھر وہ بیٹھ گیا اور ایک کیاری کی مینڈ کاٹ کر اس کا زائد پانی دوسری کیاری میں منتقل کرنے گا۔

میں نے کہا۔ "اگر تم سیدھی طرح نہیں چلو گے تو میں تمہیں زبردستی لے چلوں گا۔"

"اچھا....!" وہ سر اٹھا کر مجھے تیکھی نظروں سے دیکھنے لگا اس کے دونوں ہاتھ بدستور پانی ں تھے۔ دفعتاً میں بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ غیر متوقع طور پر بہت سا کیچڑ میرے چہرے کی رف اچھال دیا گیا تھا۔ مگر اب پیچھے ہٹنے سے کیا ہوتا تھا۔ کیچڑ تو پڑ ہی چکا تھا چہرے پر اور میری نکھیں بند ہو گئی تھیں۔ میں نے بیساختہ اس کے والدین کا شکریہ ادا کرنا شروع کر دیا اور پھر مجھے س زور کا غصہ آیا کہ آنکھیں کھولے بغیر ہی اس پر چھلانگ لگا دی اور "چھپاک" کی آواز کے ساتھ ہی میرا غصہ حیرت انگیز طور پر خوش مزاجی میں تبدیل ہو گیا کیونکہ میں پانی سے بھری ہوئی کی کیاری میں گرا تھا۔ پھر آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی دلدل میں گر کر جلدی سے اٹھ بیٹھنا کتنا مشکل کام ہے۔ دانتوں پر بھی دلدل کا کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہی ہے۔ ورنہ میں کہتا کہ دانتوں پسینہ آجاتا ہے.... خیر ہاں.... آپ ہنس رہے ہوں گے۔ خدا کرے ہمیشہ اسی طرح ہنستے رہیں کیونکہ میرا غصہ بھی بالکل ہی کافور ہو گیا تھا۔

میں نے بدقت تمام آنکھیں کھولیں ان میں مرچیں سی بھر گئی تھیں۔ عمارت کا عقبی دروازہ بند نظر آیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز تو میں نے کیاری میں گرنے کے بعد ہی سنی تھی۔

تو گویا وہ بوڑھا اس وقت کسی پاگل اور جھکی آدمی کا رول ادا کر رہا تھا ورنہ اس طرح بھاگ کر دروازہ کیوں بند کر لیتا۔

میں وہیں کھڑا اپنے چہرے اور بالوں سے کیچڑ جھٹکتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کرنل اور چانگ کے سامنے کیسے جاؤں۔ یقین مانیئے اس خیال پر سچ مچ مجھ پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی اور میں نے دوڑ کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی اندر سے بوڑھے کے قہقہے کی آوازیں آنے لگیں۔ ہ بچوں کی طرح ہنس رہا تھا۔

"بھاگ جاؤ.... بھاگ جاؤ۔" اس نے کہا۔ "اب کبھی اپنی شکل نہ دکھانا۔ میں انشورنش

ایجنٹوں سے اسی طرح پیش آتا ہوں۔"

پھر وہ خاموش ہو کر بڑبڑایا۔ "اب اُدھر کون سور کا بچہ ہے۔"

میں نے گھنٹی بجنے کی بھی آواز سنی تھی۔ ممکن ہے کرنل نے اندر سے قہقہے کی آواز
پھر گھنٹی کا بٹن دبادیا ہو۔ پھر میں نے قدموں کی آواز سنی۔ شائد وہ صدر دروازے کی طرف
تھا۔ میں نے دروازے کی جھری سے جھانکا۔ میرا خیال غلط نہیں تھا وہ اسی جانب جارہا تھا۔
اسے ایک دروازہ میں داخل ہوتے دیکھا پھر وہ نظر نہیں آیا۔

میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ چانگ مجھے اس حال میں دیکھ کر اپنی "ہو
اسٹارٹ کردیتا اور میرا یہی دل چاہتا کہ یا تو اُسے "ہوہو" کے قابل ہی نہ رہنے دوں یا اپنا
گھونٹ لوں۔ ویسے یہ دونوں ہی صورتیں ناممکن تھیں۔

اگر بوڑھے نے حقیقتاً مجھے کوئی انشورنش ایجنٹ ہی سمجھا تھا تو یقیناً وہ میری اصلیت
ناواقف تھا۔ جب وہ میری اصلیت سے ہی ناواقف تھا تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ
رات میک اپ میں ہونے کے باوجود بھی میں کیپٹن حمید ہی کی حیثیت سے نشانہ بنایا گیا تھا۔

مگر اس وقت یہ سب کچھ سوچنے کا موقع نہیں تھا۔ اندر سے پھر کسی قسم کی آواز نہیں
لیکن آنکھ میری بدستور جھری سے لگی رہی۔ شاید اسی حالت میں پانچ منٹ گذر گئے۔

اچانک میں نے کرنل کو دیکھا جو اندرونی برآمدے میں کھڑے چاروں طرف دیکھ
تھے۔

لیکن میں انہیں آواز دینے سے پہلے ہی اچھل پڑا۔ کسی نے میری پشت پر ہاتھ مارا تھا۔
دوسرے ہی لمحے میں چانگ پر نظر پڑی جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے گھور رہا تھا۔

"اوہ کیپٹن.... "یک بیک اس کی "ہوہو" چل پڑی۔

"یہی حشر تمہارا بھی ہوسکتا ہے مسٹر چانگ۔" میں دانت پیس کر بولا۔

"کیا ہوا کیا.... اسی سے جھگڑا ہوا تھا۔ اسے تو کرنل نے اس طرح پکڑ لیا جیسے کسی چ
پکڑتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ مکان کی تلاشی لے رہے ہیں۔"

اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف چلتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس سے بھی بُر
دیکھے ہیں کیپٹن۔ اس طرح میری شکل بگڑی ہے کہ میں آئینہ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔"

ہم صدر دروازے سے عمارت میں داخل ہوئے۔ بوڑھا اندرونی برآمدے کی ایک
کرسی پر پڑا تھا اور اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیوں کا جوڑا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں تشو

آثار نہیں تھے۔ اس کی بجائے ان سے تمسخر جھانک رہا تھا۔

کرنل سامنے ہی والے کمرے میں کاغذات کا ایک ڈھیر الٹ پلٹ رہے تھے۔

دفعتاً کرنل ہنسنے لگا۔ ہنسی بالکل مجنونوں کی سی تھی۔ پھر یک بیک اسے غصہ بھی آ گیا اور وہ
دونوں ہاتھوں سے مکار دکھاتا ہوا بولا۔ "تم لوگ ڈاکو ہو۔ اس طرح مجھے بے بس کر کے لوٹنا
چاہتے ہو۔ لیکن یہاں تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ میں کبھی کیش نہیں رکھتا۔ ایک پائی بھی نہیں۔"

"میں تمہیں تمہاری گرفتاری اور مکان کی تلاشی کا وارنٹ دکھا چکا ہوں۔" کرنل نے سر
اٹھائے بغیر کہا اور بدستور کاغذات کو الٹتے پلٹتے رہے۔

"یہ میک اپ میں ہے کیپٹن" چانگ آہستہ سے بولا۔ "اور خود کو پاگل ظاہر کرنے کی کوشش
کررہا ہے۔ اس کے چہرے سے میک اپ کی نقاب ہٹ جائے تو صاف گارساں کی شکل نکل آئے گی۔"

"گارساں کی۔"

"ہاں فونگ اور گارساں ہمشکل تھے۔"

"مگر اتنے خطرناک آدمی نے اتنی آسانی سے کیسے ہتھکڑیاں پہن لیں۔"

"مجھے خود بھی حیرت ہے کیپٹن۔" چانگ بولا۔ "ورنہ فونگ تو اپنے سائے سے بھی بھڑکنے
والا آدمی ہے۔"

ہم دونوں آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ بوڑھے نے صرف ایک ہی بار اچٹتی سی نظر ہم پر
ڈالی تھی اور پھر اپنا سر سینے پر جھکا لیا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ کہیں وہ سچ مچ کوئی مخبوط الحواس ہی نہ
ہو۔ لیکن میں نے چانگ پر اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔

کرنل ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتے رہے۔ انہوں نے میرا حلیہ دیکھا تھا۔
لیکن نہ انہوں نے مجھے ٹوکا تھا اور نہ اس پر حیرت ہی ظاہر کی تھی۔

چانگ نے کچھ دیر بعد کہا۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے کرنل کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔"

"اوہ یہ فونگ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اگر فونگ ہوتا تو مر جاتا مگر اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہ
پڑنے دیتا۔ لیکن یہ اس کے گروہ کا کوئی اہم آدمی ضرور ہے ویسے میرا دعویٰ ہے کہ یہ میک اپ
میں ہے.... اس کے بال.... اس کی ڈاڑھی سب نقلی ہیں۔ میں تو کہوں گا کہ کوئی اقدام کرنے
سے پہلے اسے بھی کیوں نہ آزما لیا جائے۔ کہیں.... ایسا نہ ہو کہ....!"

"ٹھہرو....!" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا.... دوسرے ہی لمحے میں میرا ہاتھ بوڑھے
کے سر پر پڑا۔ الجھے ہوئے بے ترتیب بال نقلی ہی ثابت ہوئے۔ اس کا سر انڈے کے چھلکے کی

طرح صاف تھا۔ پھر ڈاڑھی کی باری آئی اور وہ بھی نقلی ہی نکلی۔ بھلا میں مونچھیں اکھاڑنے میں کیوں دیر لگاتا۔ بوڑھا خاموشی سے بیٹھا رہا۔ جب میں اپنے کام سے فراغت حاصل کر چکا تو بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "اب تم پوچھو گے کہ میں میک اپ میں کیوں رہتا تھا.... اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے اپنا گنجا سر اچھا نہیں لگتا اور میں چاہتا ہوں کہ میرے چہرے پر خوبصورت قسم کی ڈاڑھی بھی ہو لیکن میری اصلی ڈاڑھی کسی کام کی نہیں تھی۔ دو چار بال یہاں اور دو چار بال وہاں۔"

مزا آگیا

ہماری کار شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔ بوڑھا میرے اور چانگ کے درمیان پھنسا ہوا اور کرنل ڈرائیو کر رہے تھے۔

مجھے بوڑھے پر حیرت تھی اس نے ہمارے ساتھ آنے میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ ظاہر نہیں کی تھی۔ لیکن اس کی بڑبڑاہٹ برابر جاری ہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہم لوگ ضرور کوئی ٹھگ ہیں اور اس فکر میں ہیں کہ اس سے کوئی بڑی رقم اینٹھی جائے۔

"بس اب خاموش رہو۔" میں نے اس کی بڑبڑاہٹ سے اکتا کر کہا۔ "سوفیا تمہیں عدالت میں شناخت کرے گی۔"

"کون سوفیا۔"

"تمہاری بھتیجی جسے تم یورپ کی سیر کرا رہے تھے۔" میں نے کہا اور بوڑھا ہذیانی شکل میں ہنسنے لگا۔

"اگر میری کوئی بھتیجی مجھے شناخت کر لے تو مجھے پھانسی پر لٹکا دینا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" بوڑھے نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تم سے زبردست غلطی ہوئی ہے حمید۔" کرنل نے کہا۔ "اسے میک اپ ہی میں رہنے دیا ہوتا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اب لڑکی کے فرشتے بھی اسے شناخت نہ کر سکیں گے۔"

چانگ کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکلی اور بوڑھا ہنسنے لگا۔

"اوہو.... میک اپ تو دوبارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں.... تم میں سے کوئی بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتا۔" بوڑھا غرایا۔ "اگر ایسا

ہی تو میرے کارخانے کے لوگ مجھے اس صورت میں شناخت نہ کر سکیں گے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ میرے کارخانے والوں سے شہادت نہ طلب کی جائے۔"

"چانگ تم نے بھی حمید کو نہ روکا۔" کرنل کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"میں کیا کرتا کرنل۔ یہ بہت جلد باز آدمی ہیں۔" چانگ نے جواب دیا۔

مجھے چانگ کے ریمارک پر اتنا غصہ آیا کہ میں نے اسی کے سے انداز میں "ہو ہو" شروع کر دی۔

ہم گھر واپس آئے۔ نیلم نے اطلاع دی کہ لڑکی اس وقت اس طرح بے خبر سو رہی ہے جیسے اس نے ہزاروں راتیں جاگ کر گزاری ہوں۔

ہم پھر لائبریری میں آ بیٹھے۔ بوڑھا ہمارے ساتھ تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں اب بھی ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ لائبریری میں آنے سے پہلے کرنل نے اپنی خواب گاہ میں جا کر کسی کو فون کیا تھا۔

"اب بولو۔" کرنل نے بوڑھے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "فونگ کہاں ہے۔"

"فونگ.... بوڑھے نے اتنی حیرت ظاہر کی جیسے کرنل نے اس سے اظہار عشق کر دیا ہو۔"

"تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ تم تے ری فونگ کے ساتھیوں میں سے نہیں ہو۔"

"میں کسی تے ری فونگ کو نہیں جانتا۔" بوڑھے نے اس انداز میں کہا جیسے اپنے نجیب الطرفین ہونے کا یقین دلا رہا ہو۔

"تم ابھی اعتراف کر لو گے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں ایسی اذیتیں بھی دینا جانتا ہوں جو آدمی کو سب کچھ اگل دینے پر مجبور کر دیتی ہیں۔"

"تم غیر قانونی طور پر مجھے محبوس نہیں رکھ سکتے۔" بوڑھا غرایا۔

اتنے میں لائبریری والے فون کی گھنٹی بجی۔ کرنل نے اٹھ کر کال ریسیو کی۔ لیکن میں نے ان کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار دیکھے۔ چانگ بھی بہت غور سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "حمید میرے ساتھ آؤ۔"

میں بوکھلا گیا۔ میں نے کرنل کے چہرے پر اتنی سراسیمگی کے آثار کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ دروازے میں رک کر مڑے اور چانگ سے بولے۔ "میری واپسی میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوں گے۔ اس کا خیال رکھنا کہ یہ نکل کر جانے نہ پائے۔ ورنہ میں پھر تمہارے لئے کچھ نہ

کر سکوں گا۔"

"اس کے فرشتے بھی یہاں سے نہ جاسکیں گے۔" چانگ نے کہا۔ "مگر بات کیا ہے۔"

"اوہ ایک نہایت اہم معاملہ۔ لیکن یہ نجی ہے۔" کرنل نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ میرے پیر من من بھر کے ہو رہے تھے۔ کیونکہ میں ابھی تک کیچڑ ہی میں لپٹا ہوا تھا۔ نوکر دیکھ کر ہنسے تھے۔ نیلم نے مضحکہ اڑایا تھا۔ لیکن مجھے غسل خانے کی بجائے لائبریری ہی کی طرف جانا پڑا تھا۔ کرنل کا حکم.... اور نہ جانے اب کرنل ہی کا حکم مجھے کس پر رونق بازار میں تماشا بنا جا رہا تھا۔

"او سرکار۔" میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "یوں نہیں.... میرے گلے میں رسی ڈالئے اپنے ہاتھ میں ڈگڈگی لیجئے تب مزا آئے گا۔"

انہوں نے پلٹ کر میرا ہاتھ پکڑا اور کھینچنے لگے۔

"چل تو رہا ہوں۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

وہ مجھے اسی طرح گھسیٹتے ہوئے عمارت کے ایک دور افتادہ کمرے میں لائے۔ یہاں کرنل زمانے میں مختلف قسم کے ساز بجانے کی مشق کیا کرتے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے مجھے ایک کرسی پر دھکیلتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ کہ تم بھوت کیسے گئے تھے۔"

"پہلے آپ بتائیے کہ جانا کہاں تھا۔"

"کہیں نہیں.... میں تو تمہیں یہاں اس لئے لایا ہوں کہ میں ستار بجاؤں گا اور تم کلیان الاپو گے۔"

"الاپنے کو تو میں شیام دلاری اور رام پیاری بھی الاپ سکتا ہوں مگر اب اُلو بننے کی سکت میں نہیں رہ گئی۔ آخر آپ نے فون پر کس سے گفتگو کی تھی۔"

"ارے وہ.... وہ تو ایک جنرل مرچنٹ کی کال تھی جس نے مجھے بتایا تھا کہ سیون او کلا کے بلیڈ بھی بازار سے غائب ہوگئے اب میں سوچ رہا ہوں کہ کون سے بلیڈ استعمال کروں۔"

"بہتر ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اٹھائیے ستار! میں اسٹارٹ لیتا ہوں۔"

کرنل نے سچ مچ ستار اٹھالیا اور میں عظیم پریم راگی کی سی دردناک آواز میں الاپنے لگا۔

"کیسے نہ آئی بے جیا لگن ہوبے کریے"

قوالوں میں عظیم پریم راگی کے علاوہ مجھے آج تک کوئی پسند نہیں آیا۔ یہ میں نہایت سنجیدگی

سے کہہ رہا ہوں۔ وہ ایک سچا آرٹسٹ ہے۔ اور مستقبل میں صرف "عظیم آرٹ" ہی زندہ رہے گا۔ مگر معاف کیجئے گا میں اب قوالوں اور قوالیوں کا تذکرہ نہیں چھیڑوں گا۔ ورنہ پھر سسپنس کا خون ہوجائے گا۔ آپ خود ہی سوچئے اس سے بڑا سسپنس اور کیا ہوگا کہ کرنل ایک مجرم کو لائبریری میں چھوڑ کر اتنی بدحواسی سے بھاگے تھے جیسے فون پر کسی عزیز کی موت کی اطلاع ملی ہو.... لیکن.... اب وہ یہاں بیٹھے ستار بجا رہے تھے اور میں قوالی الاپ رہا تھا۔

آخر پھر مجھ پر جھلاہٹ کا دورہ پڑا اور میں خاموش ہوگیا۔ ستار کے تاروں پر کرنل کی انگلیاں دوڑتی رہیں۔ اب انہوں نے ایک گت شروع کردی تھی۔ میرے خدا یہ کرنل آخر کس قسم کا آدمی تھا.... کتنا شاندار.... کتنا عجیب.... کتنا لاپرواہ.... اور کتنا پراسرار....

میرا غصہ ذرا ہی سی دیر میں غائب ہوگیا اور میں ستار کی لے پر اس طرح ڈوبتا چلا گیا کہ سارا سسپنس ذہن کے کسی تاریک گوشے میں جاسویا۔

پھر اچانک گھنٹی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ادھر کرنل نے بھی ستار رکھ کر ایک طویل انگڑائی لی۔ سامنے والی دیوار پر لگی ہوئی گھنٹی پھر گنگنائی۔

"چوہا پھنس گیا حمید صاحب۔" کرنل اٹھ گئے۔ "آؤ.... اب چوہا ہمیں بھرویں سنائے گا۔"

"اور میں کتے کے پلے کی طرح ٹیاؤں ٹیاؤں کردوں گا۔" مجھے پھر غصہ آگیا۔

ہم دونوں تیزی سے لائبریری کی طرف جا رہے تھے۔ چانگ ہمیں دیکھ کر عجیب انداز میں ہنسا جو "ہوہو" سے بہت مختلف تھا۔ وہ میز کے قریب کھڑا نظر آرہا تھا۔

"او بھائی کرنل۔" اس نے کہا۔ "یہ تمہارا گھر ہے یا عجائب خانہ.... میں یہاں میز پر ہاتھ رکھ کر اٹھا تھا کہ میرا ہاتھ ہی پھنس گیا۔"

اب میں نے غور سے دیکھا تو چانگ کے داہنے ہاتھ میں ہتھکڑی نظر آئی۔

"اوہ.... اچھا....!" کرنل مسکرائے۔ "بھئی چانگ اس میز کی دراز میں گارساں کے کاغذات تھے۔ لہٰذا اس میں سے ہتھکڑیاں بھی نکل سکتی ہیں۔ خود ہی دیکھو تم نے تار کے ٹکڑے کی مدد سے اس کا قفل کھولنے کی کوشش کی تھی حالانکہ یہ قفل اس کا عادی نہیں ہے۔ اگر اس کے ساتھ ذرا بھی بدتمیزی ہو تو یہ اسی طرح یا تو ہتھکڑی اگل دیتا ہے یا خنجر۔ شکر ہے کہ تم خنجر سے محفوظ رہے ورنہ وہ تمہارے سینے میں پیوست ہوجاتا اور میں تم سے یہ نہ پوچھ سکتا کہ پیارے مسٹر تے ری فو تنگ تمہارے لئے کافی منگواؤں یا چائے۔"

"تے ری فو تنگ....!" میں بیساختہ اچھل پڑا۔

بوڑھا بھی چانگ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"کھٹاک۔"

میں چیخ پڑا۔ کرنل زمین پر بیٹھ گئے اور چاقو سامنے والے بند دروازے میں پیوست ہو گیا۔ چانگ کا بایاں ہاتھ آزاد تھا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر بڑی پھرتی سے کرنل کا نشانہ بنالیا تھا۔ کرنل نے قہقہہ لگایا۔ اور بڑے اچھے موڈ میں بولے۔ "اسی جیب میں ریوالور بھی موجود ہے چانگ اب اسے آزماؤ۔"

چانگ نے ذرہ برابر بھی سستی نہیں دکھلائی۔ ریوالور بھی نکل آیا۔ مگر چٹ چٹ کر کے رہ گیا اور پھر چانگ نے جھلاہٹ میں وہ بھی کرنل پر کھینچ مارا۔ ظاہر ہے کہ اس کا بھی وہی انجام ہوا تھا جو چاقو کا ہوا تھا۔

"اب دیکھو نا مسٹر تے ری فو نگ" کرنل چینیوں ہی کے سے انداز میں بولے۔ تم بھی گارساں ہی کی طرح مشہور تھے۔ مگر تمہیں اس کا ہوش نہیں کہ میں نے کب تمہاری جیب سے ریوالور نکالا اور اسے خالی کر کے دوبارہ رکھ بھی دیا۔ مجھ تک آنے سے پہلے تمہیں گارساں کے انجام پر بھی نظر ڈالنی چاہئے تھی۔ کیا وہ تمہارا استاد نہیں تھا۔ لیکن جب اس کے پر نکلے تھے تو اس نے میرے ہی ملک کا رخ کیا تھا۔ خیر گارساں تو یقیناً بہت چالاک تھا مگر تم.... تم سے بڑا ڈفر آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔ اس پر تم نے کیسے یقین کر لیا تھا کہ میں نے تمہیں کاؤپی چانگ ہی سمجھ لیا ہے۔ کاؤپی چانگ جو میری تحقیقات کے مطابق اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ تم سے کہیں زیادہ چالاک تھا۔ وہ میک اپ میں کبھی اس طرح نہ ہنستا جس طرح تم ہنستے ہو۔ تم نے چانگ کی ہنسی کی نقل اتارنے کی کوشش ضرور کی ہے مگر اس نکتے کو ہمیشہ بھول جاتے ہو کہ میک اپ میں ہنسنے کے اس مخصوص انداز سے اجتناب کرنا چاہئے۔ پھر دوسری بات تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ چانگ کے بارے میں میرا بھی وہی نظریہ ہے جس کا عام طور پر فارموسا کی حکومت پروپیگنڈا کرتی ہے۔ کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے کہ اس پروپیگنڈے کا مقصد سمجھ سکو۔ کاؤپی چانگ چین کا بہترین دماغ تھا۔ اس سے سرخ چین کی حکومت کو خدشہ ہو سکتا ہے لہٰذا فارموسا کی حکومت سرخ چین کو اس خلش میں مبتلا رکھنا چاہتی ہے کہ چانگ زندہ ہے اور وہ ایک نہ ایک دن اس کا تختہ ضرور الٹ دے گا۔ بس اتنی سی کہانی ہے اس پروپیگنڈے کی جو فارموسا سے سرکاری طور پر کیا جا رہا ہے۔ آئے دن وہاں کا ریڈیو اسٹیشن چیختا رہتا ہے کہ چانگ زندہ ہے اور عنقریب وہ قوم پرستوں کا ہیرو

بن جائے گا۔ بس اسی لئے تم اپنی نقلی پیٹ کی کہانی لے کر میرے پاس دوڑے آئے۔ آنتیں نکال کر دکھائیں تاکہ میں یقین کر لوں کہ تم کس طرح اپنے دشمنوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے تھے اور حقیقتاً زندہ ہو.... اور تمہاری اس اچھل کود کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح گارساں کے کاغذات تمہارے ہاتھ لگ جائیں۔ ریکارڈ روم میں گھسنے کی ہمت تم میں نہیں تھی لہٰذا تم نے اپنی ذہانت پر اعتماد کر کے مجھے اُلو بنانے کی اسکیم بنا ڈالی۔ اپنے ماتحتوں کے ذریعے ایک ڈراما اسٹیج کرایا اور مجھے یقین دلاتے رہے کہ وہ تے ری فو نگ کے آدمی ہیں۔ تے ری فو نگ کو بے حد پراسرار آدمی بنا کر پیش کیا اور پھر یہ تجویز میرے سامنے رکھی کہ وہ کاغذات نکالے جائیں جو گارساں کی گرفتاری کے بعد اس کے پاس سے برآمد ہوئے تھے۔ تم نے خیال ظاہر کیا تھا ممکن ہے انہیں کاغذات سے کوئی ایسی بات معلوم ہو سکے جس سے تے ری فو نگ کے متعلق کچھ معلوم ہو جائے۔ میں جو تمہیں ایک چوہے کی طرح پکڑنے کا تہیہ کر چکا تھا اس پر آمادہ ہو گیا اور پھر مجھے یہاں لائبریری میں یہ میز رکھوانی پڑی۔ ورنہ تمہارے ہی قول کے مطابق یہ میرے عجائب خانے ہی میں پڑی رہتی ہے۔"

"بس ختم کرو یہ مذاق" چانگ نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر مسکرانے کی کوشش کی۔

"مگر تمہارے مذاق نے تو مجھے ہی ختم کر دیا ہوتا۔ یہ چاقو.... وہ ریوالور.... یہ ریوالور تو دراصل اس بوڑھے کے لئے تھا اگر تمہیں موقع مل جاتا تو میرا اعتماد حاصل کرنے کے لئے تم اسے ختم ہی کر دیتے۔ مجھے یقین ہے کہ اس بوڑھے یا تمہارے دوسرے ساتھیوں نے آج تک تمہاری شکل نہ دیکھی ہو گی۔ تم نے سوچا تھا کہ اگر یہ سب گرفتار ہو گئے تب بھی تمہارا کچھ نہ بگڑے گا۔ یہ تمہاری نشاندہی نہیں کر سکیں گے۔ مگر اس لڑکی کی کہانی مجھے ضرور سناؤ۔ تم نے حقیقتاً ان کاغذات کے لئے بہت بکھیڑا کیا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کی کہانی یقیناً میرا ذہن الجھا سکتی تھی اور میں تمہارے شبہے کی بناء پر گارساں کے کاغذات ریکارڈ روم سے نکال سکتا تھا۔ مگر تمہاری ہنسی.... سچ پوچھو تو.... تم ہنسی کی وجہ سے مارے گئے۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ تم مجھے فریب دینے میں کامیاب ہی ہو جاتے۔ کیونکہ تمہارا میک اپ بڑا شاندار تھا اور اس معاملے میں تم یقیناً گارساں سے ٹکر لیتے ہو.... آہاں ان کاغذات کو تو میں بھول ہی گیا۔ حمید! ذرا ان کی پشت کھولو۔ بس کوٹ اور قمیض اوپر اٹھا دو۔"

"خبردار.... اگر کوئی میرے قریب آیا۔" فونگ دھاڑا اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

اس نے پھر گرج کر کہا۔ "ابھی میرا ایک ہاتھ اور دونوں پیر آزاد ہیں اور میں تے ری فونگ ہوں.... فونگ دی گریٹ۔" پھر اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ یقیناً یہ "منم" قسم کا کوئی نعرہ ہی تھا۔

"میں تمہارے قریب آؤں گا۔" کرنل مسکرائے۔ "اور اسی بات پر تمہیں آزاد بھی کر دوں گا تاکہ تمہیں اپنے کمالات دکھانے کا موقع مل سکے۔"

کرنل آگے بڑھے اور فونگ نے میز پر بایاں ہاتھ ٹیک دولتی چلائی۔ لیکن میں نہیں دیکھ سکا کہ کرنل نے کیا کیا۔ ویسے یہ تو دیکھ ہی رہا تھا کہ دوسرے ہی لمحے میں میز دوسری طرف گر گئی اور خود فونگ اسی پر ڈھیر ہو گیا۔ کرنل نے اسے دبوچ کر میز کی دراز کا ہینڈل گھمایا اور اس کا داہنا ہاتھ ہتھکڑی کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔

"اب آؤ" کرنل اسے چھوڑ کر ہٹتے ہوئے بولے۔ مگر فونگ اٹھ نہ سکا۔ گرتے وقت پتہ نہیں کہاں چوٹ آئی تھی جس نے اسے نڈھال کر دیا تھا اور وہ شائد اسی کی بناء پر آنکھیں کھولنے میں بھی دشواری محسوس کر رہا تھا اور اس کا سارا جسم کسی چوٹ کھائے ہوئے مینڈک کی طرح کانپنے لگا تھا۔

کرنل نے اس کی پشت سے لباس ہٹایا اور آہستہ سے بولے۔ "یہ بلاشبہ فونگ ہے۔ یہ نشان دیکھو۔"

فونگ بیہوش ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی پشت پر سرخ رنگ کا ایک نشان دیکھا جو چھپکلی سے مشابہ تھا اور یہ نشان پیدائشی معلوم ہوتا تھا۔

"ان کاغذات کو یہ اسی لئے حاصل کرنا چاہتا تھا کہ ان میں اس چھپکلی کے نشان کا تذکرہ ملتا ہے۔ گارساں کے ساتھیوں میں اس کے کچھ ایسے معتمد بھی تھے جنہوں نے گارساں اور فونگ دونوں ہی کو دیکھا تھا۔ لیکن دونوں کی شکلیں یکساں ہونے کی بناء پر انہیں بھی دھوکہ ہو جاتا تھا۔ اس لئے یہ چھپکلی ان دونوں کے درمیان امتیازی نشان قرار پائی تھی۔ مگر یہ کاغذات اس بات کی وضاحت نہیں کرتے کہ چھپکلی کا نشان رکھنے والا فونگ کہلاتا ہے۔ بس اس کا تذکرہ چھپکلی والا لکھ کر کیا گیا ہے۔ یا پھر بعض جگہ یہ لکھا گیا ہے کہ وہ جس کی پشت پر چھپکلی کا نشان ہے۔ تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ گارساں کا کیس ختم ہونے کے بعد اخبارات میں ان کاغذات کے خوب خوب تذکرے

ئے تھے اور لکھا گیا تھا کہ گارساں کے جتنے بھی ساتھی گرفتار ہوئے ہیں ان میں کوئی ایسا آدمی ں مل سکا جس کی پشت پر چھپکلی کا نشان ہوتا۔ بہرحال اس کے سر پر چھپکلی ہی سوار تھی کہ یہ اس لئے یہاں دوڑا آیا۔"

"تو یہ دوہرا میک اپ کرتا تھا۔" میں نے پوچھا۔

ہاں قطعی دوہرا.... اصلی چہرے پر چانگ کا پلاسٹک میک اپ ہے اور اس میک اپ پر یہ ارے معمولی قسم کے میک اپ کرتا رہتا تھا۔

چلئے کہانی بھی ختم ہو گئی۔ جناب اب بقیہ نتائج آپ خود اخذ کر لیجئے۔ ذرا سوچئے تو کہ فونگ ے کس طرح گھستا رہا تھا اور خود کس طرح گھسا گیا تھا۔ گویا کرنل نے اس دن تہیہ کر لیا تھا کہ نگ کو پکڑ ہی لیں گے ورنہ اس مہم پر روانگی سے پہلے اسی کے سامنے وہ کاغذات اس میز کی دراز ں کیوں رکھتے جس میں آٹومیٹک ہتھکڑی موجود تھی۔ گویا انہیں پہلے ہی سے علم تھا کہ اس دوجہد کا نقشہ کیا ہوگا۔ یعنی انہیں معلوم تھا کہ وہ بوڑھے کو پکڑ کر لے ہی آئیں گے اور پھر نگ کو موقع دیں گے کہ وہ کاغذات چرانے کی کوشش کرے۔

آٹومیٹک ہتھکڑی کا سلسلہ اس گھنٹی سے ملایا گیا تھا جو اس کمرے میں لگی ہوئی تھی جہاں ہم دنوں نے گایا بجایا تھا۔

کیا اب یہ بھی بتانے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ بانسوں کے لدے ہوئے اس ٹرک پر کرنل ہی کے آدمی تھے۔ جس نے جھریالی تک میرا اور سوفیا کا تعاقب کیا تھا۔ وہ لوگ یہ دیکھنے کے لئے پیچھے گئے تھے کہ ہمارا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔ یہاں بھی فونگ سے غلطی ہوئی تھی۔ فونگ کو ہمارا تعاقب ضرور کرانا چاہئے تھا.... کرنل اسی سے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ سوفیا کا اغواء میں فونگ کی مرضی کے مطابق ہوا تھا.... اور وہ خاص طور سے ہمارے سر منڈھی گئی تھی۔

اب میں آپ کو ہرگز نہیں بتاؤں گا کہ فونگ کا کیا حشر ہوا.... اور وہ کس ملک کے لئے کام کر رہا تھا۔ کیوں کہ یہ ملک کے راز ہیں۔

رہا سوفیا کا معاملہ تو اسے اس کے وطن بھجوا دیا گیا اور اسے اصل معاملے کا علم ہی نہ ہو سکا۔

بوڑھے نے اقبال جرم کر لیا تھا۔ سوفیا کو اسی نے ورغلایا تھا ورنہ وہ حقیقتاً معصوم تھی۔

فونگ کے ساتھی تعداد میں دس گیارہ تھے۔ لیکن انہیں فونگ کی شخصیت کا علم نہیں تھا۔

ان لوگوں کو ان کے ملک کی حکومت کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ وہ فو تگ نامی ایک شخص کے احکامات کی تعمیل کریں جو ان کے سامنے نہیں آئے گا۔ بلکہ پس پردہ ان پر کنٹرول کرے گا۔

"اچھا جناب اب اجازت دیجئے۔ لیکن خدارا میری یہ کہانی زیادہ پسند نہ کیجئے گا ورنہ مجھے بھی شاعروں ہی کی طرح "واہ واہ" کی چاٹ پڑ جائے گی اور میں اپنے دھندے سے بھی جاؤں گا۔"

"اس کہانی سے دو نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں اول تو یہ کہ آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے مت چلو۔ ورنہ کوئی فو تگ تمہیں الو بنا کر رکھ دے گا.... دوسری نصیحت یہ کہ خوبصورت لڑکیوں کے چکر میں ضرور پڑو کیونکہ دھکے کھائے بغیر آدمی دنیا کے سرد و گرم سے آشنا نہیں ہو سکتا۔"

تمام شد